صرف احباب جماعتِ احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

اور

تحریرات بزرگانِ جماعت

پہلی جلد

انتخاب از رسالہ پیغامِ صلح 10 جولائی 1913ء تا 30 جون 1914ء

احمدیہ انجمن لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ

نے ادا کیئے ہیں

قرآنِ کریم کے عشق اور انسانی ہمدردی سے مخمور، جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور، جماعتِ احمدیہ لاہور کے احباب میں اپنے روح پرور دُروسِ قرآن کے حوالے سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ یہ دُروس وہ عمر بھر اپنی رہائش گاہ یا جماعت کے مراکز میں دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان کی اہلیہ محترمہ سلیمہ فاروقی مرحومہ مغفورہ کا جذبہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان دونوں نے اپنے پیچھے ایک ایسا ورثہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا جس سے جماعت کو اسلام کا پیغام دنیا کے دور دراز کونوں تک پہنچانے کے کام میں مسلسل امداد ملتی رہے۔ اس مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فاروقی صاحب نے اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد وقف کر کے فاروقی سلیمہ ٹرسٹ کی بنیاد رکھی اور اسے احمدیہ انجمن لاہور کی نگرانی میں دیا تا کہ اس کے فلاحی اور دینی کاموں، خاص طور پر قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتب کی طباعت، کے لیے مسلسل سرمایہ فراہم ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اس نیک کام کا اجر دے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

(غیر کاروباری مقاصد اور مفت تقسیم کے لیئے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس وقمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

— محمد اعظم علوی

حرفِ اوّل

حضرت بانیٔ تحریک کے وصال الی اللہ (26 مئی 1908ء) کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؒ (1841ء/42ء۔13 مارچ 1914ء) بالاتفاق رائے جانشین بنے۔ان کی سربراہی کے آخری دور میں ایک طبقہ نے مستقبل میں جماعتی امارت وقیادت اوراس کے نظم ونسق کے بارے مخصوص فکر ونظر کے تحت سوچنا اوراس اجارہ دارانہ سوچ پر ''ہوم ورک'' کرنا شروع کردیا۔جس نے حضرت مولٰینا کی وفات حسرت آیات کے فوراً بعد بلکہ ان کے آخری سانسوں پر جماعت میں بحرانی کیفیت پیدا کردی۔ مذہبی انتخاب کے نام پر سیاسی سلیکشن بلکہ من پسند نومینیشن کے جوروایتی غیراخلاقی اظہار ہوئے،ان کا نقشہ اس تدوین کے کسی نہ کسی گوشہ میں نظر آتا رہے گا۔ بہرحال ایسے غیرصالح اقدامات کے نتیجہ میں جماعت دو فرقوں میں بٹ گئی۔تحریکی تاریخ کا آئندہ اچھا خاصا وقت امارت وقیادت اورنظم ونسق وغیرہ کے جماعتی مسائل سمیت مذہبی معتقدات کی وضاحتوں،صراحتوں اورتشریحوں میں صرف ہوا۔(بلکہ یہ متنازع عنوانات ہردوفریقوں کی مستقل شناخت بن گئے)چنانچہ ان حوالوں پرحضرت مولٰینا محمد علیؒ سمیت دیگر اہل علم وقلم اصحاب نے بھی ''پیغام صلح'' میں بہت کچھ لکھا۔جس کی اپنی ایک علمی،فکری،تحقیقی اورتاریخی حیثیت ہے۔ابتدائی جلدوں میں تو حضرت مولٰینا کے بیشتر رشحاتِ قلم اداریہ (لیڈنگ آرٹیکل) کے طور پر بھی شائع ہوتے رہے۔ایسی ''غیرمتعلق'' اضافی تحریرکوتدوینی تقاضوں سے ہٹ کر ''افکارِ محمد علیؒ'' کا حصہ بنانا ایک ناگزیرامر ہے۔اُمید ہے قارئین حضرات اس بےضابطگی سے درگزرفرمائیں گے۔

چودھویں صدی ہجری میں برصغیر پاک وہند کی جس شخصیت نے اسلام کی خدمت،نشرواشاعت اوراس کے تغلب وترفع کے لئے دردمندی اوردلسوزی سے شبانہ روز کام کیا،وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (1835ء-1908ء) ہیں۔انہوں نے جاری صدی کے محدّث،مجدّد اورمہدی ومسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اوراسلام کی نشاۃ ثانیہ کا پیغام جانفزا لے کراٹھے۔

آپ کے ذکروفکر اوردعوت وترغیب کا محورتجدید دین،اصلاح مروجہ عقائد،جاری رسم ورواج کی تطہیر،اسلام کی صداقت وحقانیت کا اثبات،اکناف عالم میں اس کا فروغ،مذاہب باطلہ بالخصوص جدید پولوسی عیسائیت کے غلط عقائد (ازقسم ولادت وحیات مسیحؑ،تثلیث وتصلیب،رفعت سماوی،حیات بعد

الموت، کفارہ، بعثت ثانی اور ظہور قیامت وغیرھم جو اسرائیلی روایات کی کسی طرح دراندازی کے باعث امت مسلمہ کے بھی مذہبی عقائد کا حصہ بن گئے۔اس اضافہ سے کہ حضرت مسیحؑ اپنی آمد ثانی کے بعد امت مسلمہ کی امامت وقیادت فرمائیں گے، کسر صلیب کریں گے، دنیا بھر میں اسلام ہی اسلام ہوگا تو پھر دنیا کی صف لپیٹ لی جائے گی۔یعنی قیامت برپا ہوگی) کی تردید کے لئے علمی وقلمی جہاد اور یورپ وامریکہ میں دین حق کی تبلیغ واشاعت وغیرھم۔اس مشن ومقصد کی بجا آوری کا دوسرا نام تحریک احمدیہ ہے۔

حضرت صاحب نے جب اپنی دعوت وتحریک کا آغاز کیا، اس وقت برصغیر پاک وہند کی مذہبی حالت کیسی تھی؟ مذہبی تاریخ میں اس کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ بالخصوص احمدیہ لٹریچر میں اس موضوع پر بہت کچھ ملتا ہے۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے اور مٹانے کے لئے اسے امتدادِ زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں، اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا، جو اس کی ذات سے وابستہ تھی، خاتمہ ہو گیا۔ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جنرل کا فرض پورا کرتے رہے، ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے، تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست و پائمال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے۔

مرزا صاحب کا لٹریچر، جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا، قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔اس لٹریچر کی قدر وعظمت آج، جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے، ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔

غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گراں بارِ احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی

جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہوکر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کی عنوان نظر آئے، قائم رہے گا۔

بات ہو رہی تھی حضرت بانی تحریک کی دعوت و تحریک اور ان کی لسانی قلمی خدمات دینیہ اسلامیہ کی ۔اس آسمانی الہامی داعیٔ اسلام اور حامیٔ امۃ مومن مجاہد کے آوازہ حق نے سعید و سلیم روحوں کو اپنی طرف کھینچا۔ وقت کے جید علماء و چنیدہ فضلاء آپ کے گرد جمع ہو گئے ۔آگے چل کر انہی اہل دل اصحاب کا جھرمٹ تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ ان میں کی ایک نادر شخصیت حضرت مولٰینا محمد علی لاہوری (1874ء-1951ء) بھی ہیں ۔حضرت امام وقت کے طفیل اللہ تعالیٰ نے مولٰیناؒ کو علم و فہم اور فکر و نظر کی لافانی برکتیں عطا کیں اور حضرت سلطان القلم کی معرفت حاصل شدہ قلم کے وہ سچے امین ثابت ہوئے۔

حضرت مرزا صاحب اپنے ایک رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

’’............ میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب آ رہے ہیں............ مولوی صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی............ نالی کے آگے ایک قلم لگا ہوا ہے............ میں نے کہا میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہو گا۔ میں نے کہا میں مولوی صاحب کو دے دوں گا۔‘‘ اس کے ساتھ ہی خود حضرت صاحب تعبیر فرماتے ہیں کہ: ’’............ قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کر دے کہ مخالفین کے ردّ میں اعلیٰ مضامین لکھیں۔‘‘ (تذکرہ۔ایڈیشن پنجم،2004،ص576)

حضرت صاحب نے اپنا ایک اور رؤیا براہین احمدیہ میں ص 503 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3 پر یوں بیان فرمایا ہے:

’’پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی جس کی نسبت یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیرِ قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تجھ کو دیتا ہے‘‘۔

معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام وقت کے علمی و دینی ورثہ کے تحفظ اور اس کے استقرار کی

خاطر قلمی جہاد کے لئے حضرت مولیناؒ کا انتخاب کیا تھا۔ وہ اس باعث ''مجدّد احمدیت''، ''مجاہد کبیر'' ٹھہرے اور اپنی شاندار تالیفات وتصانیف کی وجہ سے انہوں نے علمی، فکری اور مذہبی دنیا میں شہرت دوام حاصل کی۔

حضرت مولیناؒ کی قلمی زندگی کے تین دور ہیں۔ پہلا جماعت میں شمولیت سے قبل مختصر سا دور، جس میں آپ حضرت مرزا صاحب کے بارے مختلف اخبار ورسائل میں لکھتے رہے۔ دوسرا قادیان کا دور (1899ء-1914ء) جو حضرت صاحب اور آپ کے جانشین حضرت حکیم مولینا نور الدین کے عرصہ حیات سے تعلق رکھتا ہے۔ جبکہ تیسرا لاہوری (1914ء-1951ء) دور۔ جبکہ مولینا متحدہ جماعت کے اندرونی اختلافات، معلوم شخصی تنازعات اور حساس دینی مناقشات از قسم اجراء نبوت، خلافت اور تکفیر المسلمین وغیرہ سے بیزاری کی وجہ سے قادیان سے نقل مکانی کر کے لاہور آ گئے اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (3 مئی 1914ء) بنام دیگر احمدیہ انجمن لاہور (1974ء) کے بہ اتفاق صدر وامیر بنے۔ جہاں تک دوسرے دور کا تعلق ہے، اس میں آپ اسلام اور احمدیت پر لکھتے رہے۔ بالخصوص بانی تحریک کی منشا کے مطابق ان کی قلمی خدمت گاری میں لگے رہے۔ خود حضرت مرزا صاحب اپنے اشتہار ''اشتہار الانصار'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''وہ تمام کتابیں جو انگریزی میں ترجمہ ہو کر ہماری طرف سے نکلتی ہیں۔ ان کا ترجمہ مولوی محمد علی صاحب ہی کرتے ہیں۔''

حضرت صاحب کے شائع کردہ اشتہار مورخہ 15 جنوری 1901 کے مطابق:

> ''یہ امر ہمیشہ میرے لئے موجب غم اور پریشانی کا تھا کہ وہ تمام سچائیاں اور پاک معارف اور دین اسلام کی حمایت میں پختہ دلائل اور انسانی روح کو ہمیشہ اطمینان دینے والی باتیں جو مجھ پر ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں، ان سے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں اور یورپ کے حق کے طالبوں کو اب تک کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ .... ایک تدبیر پیدا ہوئی اور وہ یہ ہے کہ............ ایک رسالہ میگزین بزبان انگریزی مقاصد مذکورہ بالا کے اظہار کے لئے نکالا جائے۔'' (تبلیغِ رسالت جلد 10 ص 2,1)

چنانچہ ان کے ارشاد پر رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو، انگریزی) جاری ہوا۔ حضرت مولیناؒ اس کے ایڈیٹر تجویز ہوئے۔ آپ حضرت صاحب کے رشحات قلم انگریزی میں ترجمہ کر کے اس میں شائع کرتے اور خود بھی لکھتے۔ اس میگزین کی اندرون و بیرون ملک خوب پذیرائی ہوئی۔

اپنے تیسرے قلمی دور میں، جو لاہور سے تعلق رکھتا ہے، جماعتی پرنٹ میڈیا: پیغام صلح، دی لائٹ، اسلامک ریویو، اشاعت اسلام، ریوائیول آف اسلام، ینگ اسلام اور بیرونی مشنوں، جماعتوں کی طرف سے جاری اخبار ورسائل میں آپ کا نام وکام آتا رہا۔ پیغام صلح تو خاص طور پر آپ کی علمی فکری کاوشوں کا امین اور جماعت احمدیہ کے دونوں فریقوں ''قادیانی اور لاہوری'' کے باہمی تنازعات، اعتقادی اختلافات اورتحریکی تاریخ کی اہم دستاویز ہے۔ اور یہ دور آپ کی مشہور زمانہ تالیفات وتصانیف کی تدوین اوران کی طباعت واشاعت کا زرّیں دور بھی ہے۔

سلطان القلم کی تالیفات، تصانیف اوران کی ڈائری کی ورق گردانی، ان کے کشوف ورؤیا کو دیکھنے، پڑھنے نیز اس وقت کے جماعتی اخبار وجرائد: الحکم، البدر اور ریویو آف ریلیجنز (اردو، انگریزی) اور لاہوری دور کے مذکورہ پرنٹ میڈیا سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ بانئ تحریک کے ہاں اپنے اس مرید رشید کی قدر ومنزلت کیا تھی، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب اپنی دعوت وتحریک کی تبلیغ کے لئے جو جو خواہشیں آرزوئیں رکھتے اور اپنے علم وفکر کی تشہیر کے لئے جو جو خواب دیکھتے تھے، قریب قریب ان سب کو ہی حضرت مولیناؒ نے اپنے خداداد قلم میں ڈھالا اوران کے علم کلام کو اکناف عالم میں روشناس کروایا۔ جس کی سلیم وفہیم حلقہ میں خوب پذیرائی ہوئی اور ہورہی ہے۔

حضرت مولیناؒ نے دین ومذہب کے کثیر الجہت موضوعات پر ہردوزبانوں (اردو انگریزی) میں قلم کاری کی۔ اسلام، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ، تحریک احمدیہ اور اس کے موضوعات، جماعتی تفریق کی حقیقی سرگذشت، ملکی، غیر ملکی، سماجی، مذہبی اور سیاسی احوال پر نظر وغیرہ پر قریباً 88 / 87 کتب ورسائل آپ کی علمی بصیرت، قلمی صلاحیت، فکری نجابت اور روحانی صلابت کی آئینہ دار ہیں، جو مذاہب عالم کی تاریخ میں بیش قرار معتبر اضافہ ہے۔ اس قلمی وعلمی جہاد نے بجا طور پر آپ کو ایک عظیم مفسر ومحقق اور فاضل الٰہیات کی حیثیت سے عالمی شہرت بخشی۔ ان کی کتب میں دنیا بھر کی متجسس روحیں اپنی علمی فکری تشنگی اور روحانی تہذیب وتطہیر کا سامان پاتی ہیں۔ (اس ایمان آفریں اور روح پرور تفصیل کے لئے دیکھئے مولینا کی سوانح حیات ''مجاہد کبیر'' از حضرت ممتاز احمد فاروقی مرحوم)

اس امر کی ضرورت ایک زمانہ سے کی جارہی تھی کہ حضرت امام زمان کے اصحاب کبار کی، جو جماعت احمدیہ لاہور سے تعلق رکھتے ہیں اوران کی خدمات دینیہ کو، جو اخبار وجرائد (جن کے صفحات وقت کی عمل فرسودگی کا شکار ہیں) میں رقم ہیں، کتابی شکل دی جائے۔ انجمن نے اب اس طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ پہلے مرحلہ میں پیغام صلح پر کام ہورہا ہے۔ مولیناؒ کے مختلف مقامات بالخصوص احمدیہ بلڈنگس لاہور میں

دیئے گئے خطبات جمعہ پر کام مکمل ہو چکا ہے، جو ''خطبات محمد علیؒ'' کے نام سے 28 جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان دنوں مولیناؒ کی قلمی خدمات بنام ''افکارِ محمد علیؒ'' کی جمع تدوین کا کام جاری ہے۔ اس 39 سالہ (1913ء-1951ء) قلمی ذخیرہ میں نثری اصنافِ سخن کی قریباً بیشتر اقسام شامل ہیں۔ مثلاً مضامین، تقاریر، خطابات، پیغامات، اعلانات، مکتوبات، تحریکات، استفسارات، جوابات، ہدایات، تجاویز، تنقیحات، فتاویٰ، قرارداد، جماعتی نظم ونسق، تبصرے، جائزے اور محاسبے ومحاکمے وغیرھم۔ ضمناً دوسرے قلم کاروں کی اضافی تحریرات بھی شامل ہیں جو، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، حضرت مولینا کی متعلقہ تحریر کے تناظر میں اس کی وضاحتوں، صراحتوں کے لئے ناگزیر ہیں۔

39 سالوں کا یہ بھاری بھرکم مسودہ نہ جانے کتنی جلدوں پر ممتد ہو۔ عام کتاب کے مناسب حجم میں اس کی تقسیم کاری پیش نظر ہے۔ زیرِنظر جلد اول میں پیغام صلح کی یک سالہ فائل (جولائی 1913ء تا جون 1914ء) کا انتخاب شامل ہے۔ عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔ حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔ عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات نیز فارسی عربی اشعار کا ترجمہ وحوالے بغرض تدوین اضافی ہیں۔ پیغام صلح کی سالانہ جلد بندی ابتدائی سالوں میں جولائی تا جون ہوئی جبکہ مابعد سالوں کی جنوری تا دسمبر ہوتی رہی ہے۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے صبر آزما مراحل میں جو عزیز دوست فرہادی لگن اور خلوص وایثار سے تعاون کررہے ہیں، ان میں محترم قاضی عبدالاحد فاضل دیوبند کی علمی مشاورت بھی شامل حال رہی ہے۔ راقم ان سب کا سراپا ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجروثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تدوینی عمل میں کسی ممکن فروگذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار

محمد ارشد علوی

انچارج شعبہ تالیف وتصنیف

اپریل 2013

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے اوراسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کرکے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کررہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کردیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کردیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؓ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع واشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تا دمِ آخر یہ دونوں فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمۃ القرآن جس کی ابتدا 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوا اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ وتفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیرالبشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی) 1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجن آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر

مبسوط تالیف ہے)1935ء میں شائع ہوئی۔ اوراسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسّی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دولفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے، یعنی ''عشقِ قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی، تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو **اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً** (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ **اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلَہٗ وَ ارۡفَعۡ دَرَجَاتِہٖ**۔

خاکسار

عامر عزیز الازھری بن عبدالعزیز

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

فہرست

21 اگست 1913ء

اداریہ

مساجد کا اِنہدام ۔1

(مرقومہ مولٰنا محمد علی صاحب ایم ۔اے،ایل ۔ایل ۔بی، ایڈیٹر: ریویو آف ریلیجنز ۔قادیان)

(معزز ناظرین! آج لیڈنگ آرٹیکل کی جگہ ایک ایسا مضمون آپ کی نذر کیا جاتا ہے جس کی مبحث سے زیادہ اہم اور قابل توجہ اس وقت مسلمانانِ ہند کی نظر میں کوئی بھی مسئلہ نہ ہوگا۔اور صاحب مضمون مشہور ومعروف بزرگ قوم مکرم ومعظم جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے، ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز قادیان ہیں۔جن کے زورقلم کی دھاک ابحاث مذہبی میں ماشاء اللہ یورپ وامریکہ تک بیٹھی ہوئی ہے۔مولانا ممدوح ہماوشما کی تعریفوں سے مستغنی ہیں۔لیکن مضمون کی نسبت ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایسا لاجواب ہے جو مسئلہ زیر بحث میں اب تک کسی قلم سے نہیں نکلا۔یوں تو شروع سے اخیر تک اس کی نہایت معقول ومدلل زوردار اور ساتھ ہی متین ومعتدل ہونے میں کلام نہیں۔لیکن ابتدائی حصہ خاص طور پر قابل غور ہے جس میں قرآن کریم سے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کو جب دشمنوں کے نرغہ اور مظالم سے تنگ آکر دفاعی طور پر بھی تلوار اُٹھانا پڑی تب بھی اس نے مسیحی کلیساؤں اور مجوسی ہیکلوں اور تمام عبادت گاہوں کو ذکر الٰہی کی جگہ ہونے کے اعتبار سے مقدس، قابل ادب واحترام ٹھہرایا اور ان کی حفاظت کا تاکیدی اعلان پہلے ہی کر دیا۔حالانکہ اسلامی مساجد کے بالمقابل ان میں خدا کی یاد جتنی اور جیسی کچھ ہوتی تھی اور اب تک ہوتی ہے، مسلمانوں کی نمازوں اور تسبیح وتحلیل کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ایڈیٹر)

ہر ایک مذہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت ہر ایک نظام حکومت یا گورنمنٹ کا پہلا فرض ہے۔اور اس بارہ میں اسلام سے بڑھ کر کسی مذہب کی مقدس کتاب میں واضح تعلیم نظر نہیں آتی۔تعجب یہ ہے کہ مخالفین اسلام نے اسلام کو جس اعتراض کا نشانہ بنایا ہے۔یعنی یہ کہ وہ دوسرے مذاہب کے وجود کو بزورِ شمشیر دنیا سے نابود کرنا چاہتا تھا اسی کے برخلاف قرآن شریف میں نہایت کھلی کھلی تعلیم موجود ہے۔کیونکہ جہاں سب سے پہلے مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، وہیں اس بات کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ ان جنگوں کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ تا جملہ مذاہب کی عبادت گاہیں ظالموں کی دست برد سے محفوظ رہیں اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ

بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ. الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ. (40-39:22) جن لوگوں کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے، اب ان کو بھی اجازت دی جاتی ہے اور اللہ انہیں مدد دینے پر پورا قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور جن کا قصور سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے کے روکنے کا ذریعہ نہ بناتا تو عیسائیوں کے صومعے اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسجدیں، جن میں اللہ کا نام بہت یاد کیا جاتا ہے، ضرور تباہ کر دیئے جاتے۔

عرب میں صرف تین ہی گروہ تھے جن کے عبادت خانے تھے۔ یعنی عیسائی، یہودی اور مسلمان۔ اور گو مشرکین عرب اس وقت صرف اسلام کی بیخ کنی کے درپے تھے، مگر مسلمانوں کو جب ان لوگوں کے مظالم کو روکنے کی اجازت دی جاتی ہے تو کیسی عجیب بات ہے کہ صرف مساجد ہی کی حفاظت اصل غرض نہیں بتائی جاتی بلکہ باوجود اس کے کہ مساجد کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ ان میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے جو درحقیقت ایک پیشگوئی تھی کہ جس قدر اللہ کا نام مسلمانوں کی مسجدوں میں لیا جائے گا، اس قدر کسی اور مذہب کی عبادت گاہ میں نہ لیا جائے گا۔ مگر باوجود اسلام کی اس فضیلت کے اور باوجود اس بات کے کہ اس وقت مسلمانوں کے سپرد ان معابد کی حفاظت کا کام کیا گیا ہے، مقدم ذکر عیسائیوں کے صومعوں اور گرجوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں کا ہے۔ یہ اُس مذہب کی تعلیم ہے جسے یہ الزام دیا جاتا ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کو بزورِ شمشیر دنیا سے نابود کرنا چاہتا ہے (یا چاہتا تھا۔ کیونکہ اب تو الزام دینے والے خود اس مذہب کو بزورِ شمشیر دنیا سے نابود کرنا چاہتے ہیں۔)

کانپور کی مسجد کے ایک حصہ کے انہدام سے جو جو مصائب مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ہیں وہ بجائے خود ایک علیحدہ مضمون میں تفصیل کے محتاج ہیں۔ مگر ایک امر، جسے غالباً ہر مسلمان نے نوٹ کیا ہوگا، ایسا حیرت انگیز ظاہر ہوا ہے کہ جس کا آج تک مسلمانوں کو وہم بھی نہ تھا۔ اور وہ یہ امر ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کے ذمہ دار عہدیدار، باوجود اس مذہبی آزادی کے جو گورنمنٹ کی طرف سے رعایا کے ہر فرقہ کو حاصل ہے، مساجد کے گرانے میں ادنیٰ تأمل سے بھی کام نہیں لیتے۔ معمولی عمارتوں کے بنانے کے لئے، معمولی راستوں کے نکالنے کے لئے یا اور نہایت معمولی ضروریات کے لئے مساجد کا انہدام نہایت معمولی طریق پر تجویز کر دیا جاتا ہے۔ گویا کہ وہ بلحاظ عبادت گاہ ہونے کے کسی ایسی خاص رعایت کا استحقاق نہیں رکھتیں جو دوسری عبادت گاہوں کو حاصل ہے۔

کانپور کا قصہ شروع ہوئے ابھی بمشکل دو ہی ماہ گزرے ہیں کہ اسی عرصہ کے اندر ذیل کی مساجد گرانے

کی تجاویز ہوئیں اور بعض جگہ مساجد گرا بھی دی گئیں ۔یعنی دہلی میں ایک مسجد، لاہور میں دو مسجدیں، کراچی میں ایک مسجد، یہ چار مسجدیں ہیں جن میں سے دو تو تجویز ہو کر گرا بھی دی گئیں، گو شور ہونے پر پھر بنوا دی گئیں ۔اور دو کے متعلق مسلمانوں کے عذرات پر ڈپٹی کمشنر صاحب لاہور نے بیدار مغزی سے کام لے کر اُن کے گرانے کا حکم منسوخ کر دیا۔ان چار مسجدوں کے علاوہ ایک مسجد غالباً آگرہ سٹیشن میں بھی گرانے کا اخبارات میں ذکر آیا تھا۔مگر بعد میں پھر اس کا کوئی چرچا نہیں ہوا۔اس لئے صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں بھی کوئی مسجد شہید ہوئی یا نہیں ۔لیکن اس کو چھوڑ کر بھی علاوہ کانپور کی مسجد کے انہدام کے دو ماہ کے عرصہ میں چار اور مساجد گرائی گئیں یا گرانے کی تجویز ہوئی ۔

جہاں کانپور کی مسجد کے انہدام کا واقعہ مسلمانوں کے لئے بہت سے مصائب ساتھ لایا، یہ اس کی ایک برکت بھی سمجھنی چاہئے کہ اس کی بدولت مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ وہ اپنی مساجد کی حفاظت کے لئے کوشش کریں ۔اور گورنمنٹ کو، جس کے ذمہ دار عہدیداران کا یہ فرض تھا کہ وہ خود اس امر کو محسوس کرتے کہ کسی قوم کی عبادت گاہوں کو گرانا اس کی مذہبی آزادی کی جڑ کو کاٹنا ہے، یہ توجہ دلا دیں کہ مساجد پر جو یہ ظلم ایک ایسی مہذب، اور بیدار اور غیر جانبدار گورنمنٹ کے نیچے ہو رہا ہے، اسے آئندہ کے لئے روکا جائے ۔یہ تو خیال میں نہیں آ سکتا کہ یہ مساجد کا انہدام کوئی نیا واقعہ ہے جو ابھی شروع ہوا ہے، بلکہ باوجود اس قدر شور کے جو کانپور کی مسجد کے متعلق ہوا انہی ایام میں اس قدر مساجد کا گرایا جانا یا گرائے جانے کی تجویز ہونا صاف بتاتا ہے کہ گورنمنٹ کے محکمہ پبلک سروس کے افسران کو مُطلقاً اس بات کا خیال بھی نہیں ہے کہ مسجد کا گرایا جانا کوئی بُرا امر ہے ۔بلکہ وہ اپنی ادنیٰ ضرورت کے لئے مسجدوں کے گرا دینے کی مطلقاً پروا نہیں کرتے ۔معلوم نہیں اس سے پہلے کتنی مسجدیں گرائی گئی ہوں گی اور مسلمانوں کے خواب غفلت میں پڑے رہنے اور حکام گورنمنٹ کی لاپرواہی سے ان کا کسی کو علم بھی نہ ہوا ہو گا ۔پس اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ کانپور کے واقعہ نے مسلمانوں کو اور اُمور کے لئے نہیں تو کم از کم اپنی مساجد کی حفاظت کے لئے بیدار کر دیا ہے اور ادھر مسٹر ٹائلر کی غلطی نے دوسرے ذمہ دار حکام کو متنبہ کر دیا ہے کہ وہ اس قسم کی غلطی نہ کریں ۔

پس ان مصائب کو نرے مصائب ہی نہیں سمجھنا چاہئے ، بلکہ ان کے پیچھے ایک برکت بھی ہے ۔اور جن اخبار نویسوں نے گورنمنٹ کو اور پبلک کو اس واقعہ کی طرف توجہ دلا کر آئندہ انہدام مساجد کے انسداد کے لئے ایک راہ پیدا کر دی ہے، ان کا درحقیقت گورنمنٹ پر، قوم پر اور ملک پر بڑا بھاری احسان ہے ۔جن کے لئے کم از کم جملہ مسلمانوں کو ان کا مشکور ہونا چاہئے جَزَاھُمُ اللّٰہُ عَنِّی وَعَنْ سَآئِرِ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرُ الْجَزَ آءِ ۔ہاں اگر کسی مسلمان اخبار نویس یا واعظ یا لیکچرار نے خلاف قانون کوئی کارروائی کرنے کا مشورہ دیا ہے تو ایسے شخص سے کم از کم ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے ۔

جہاں تک کانپور کی مسجد کا سوال ہے، میں نہیں سمجھتا کہ سر جیمس میسٹن ایک ایسے امر کے لئے، جو گورنمنٹ کی کوئی اشد ضرورت بھی نہیں کہلا سکتی، اپنی غلط رائے پر، جو مقامی حکام کی غلطی سے پیدا ہوئی ہے، اڑے رہیں۔ سڑک کا ایسا سیدھا ہونا کہ اس میں کہیں پانچ سات فٹ کا خم نہ آجائے، ایسی ضروریات میں سے قطعاً نہیں، جن کے پورا ہوئے بغیر گورنمنٹ کا کوئی کام رُکا ہوا ہے۔ کانپور اور بڑے شہروں میں کتنی بڑی بڑی سڑکیں ہیں، جن میں مسٹر ٹائلر کی مجوزہ مچھلی بازار روڈ کی سیدھ نہیں پائی جاتی۔ بلکہ اگر اتنی جگہ خم دے کر گورنمنٹ مسجد کے اس حصہ کو از سر نو تعمیر کرا دے تو یہ گورنمنٹ کی مذہبی غیر جانبداری اور انصاف گستری کی ایک بین شہادت آنے والی نسلوں کے لئے موجود رہے گی۔ ایک طرف صرف ایک عام گزرگاہ کی سیدھ کا خیال اور دوسری طرف ایک مقدس عبادت گاہ کا گرایا جانا، جس میں پانچ وقت اللہ کا نام بلند ہوتا ہے، ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور سڑک کی سیدھ کو دوسرے سوال کے مقابلہ میں قطعاً کوئی وقعت حاصل نہیں، جو ایک صوبہ کا لفٹنٹ گورنر بھی اس بات پر اڑا رہے۔ اور راہ گزر کی سیدھ کے مقابل، جو خود پبلک کے کام آتی ہے، سات کروڑ اہل اسلام کے مذہبی خیالات کو وہ صدمہ پہنچا دے، جس کا نشان مدتوں تک مٹنے میں نہیں آئے گا۔

مجھے آج تک وہ منطق سمجھ میں نہیں آئی جس کی رو سے حصہ منہدمہ کو مسجد سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ 9 فٹ چوڑا چبوترہ اور برآمدہ وضوخانہ کا کام دینے کے لئے بہت بڑی بڑی مساجد میں بھی نہیں۔ ہز آنر کو شاید معلوم نہ ہو کہ مسلمان بیٹھ کر وضو کرتے ہیں اور اس کے لئے دو فٹ چوڑی جگہ سے زیادہ جگہ بکار نہیں۔ پھر اگر لیٹ کر وضو کرنے کا بھی رواج کانپور میں خاص ہو اور مسٹر ٹائلر نے لفٹنٹ گورنر کو یہ یقین دلایا ہو تو بھی چھ فٹ چوڑی جگہ کافی تھی۔ ہمیں حیرت ہے کہ نو فٹ چوڑا برآمدہ کس طرح پر سارے کا سارا وضوخانہ کا کام دے سکتا تھا۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نالی اس برآمدہ کے انتہائی شرقی حصہ میں بتائی جاتی ہے۔

پس اس صورت میں تو صاف طور پر بقیہ جگہ مسجد کے اندر شامل ہونی چاہئے۔ جوتیوں سمیت اس برآمدہ میں جانے سے مسلمان انکار کرتے ہیں اور ہر ایک مسلمان کا جسے کسی مسجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا ہو، یہ تجربہ ہوگا کہ جوتیاں وضو کی نالی سے مشرق کی طرف اتاری جاتی ہیں۔ اور ایسی مسجد آج تک کوئی نہیں دیکھی گئی جس میں وضو کی نالی کے دوسرے پار بھی لوگ جوتیاں پہن کر جاتے ہوں۔ ہاں! جوتی اُتار کر ایک خاص صورت میں بیشک مسجد کے اندر کہیں بھی رکھی جا سکتی ہے اور یہ دستور سب مساجد میں ہے۔ ایسی صورت میں جوتیوں کا ڈھیر جہاں ہو وہ جگہ مسجد سے خارج نہیں ہو جاتی۔ تعجب ہے کہ مسٹر ٹائلر اب تک اس غلطی سے نکلنا پسند نہیں کرتے اور مرغی کی ایک ہی ٹانگ کا راگ سات کروڑ نہیں تیس کروڑ مسلمانوں کے تجربہ کے خلاف الاپا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں میں یہ بھی کہوں گا کہ وضو کی نالی سے جو حصہ مشرق کی طرف ہو، وہ بھی محض اس بنا پر مسجد سے خارج نہیں ہو جاتا کہ وہ وضو کی نالی سے ادھر ہے یا وہاں لوگ جوتیاں پہنے چلے جاتے ہیں۔ یہ امر خاص حالات پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر سر جیمس میسٹن کو اس بات کا یقین نہ ہو تو کم از کم ایک نظیر تو میں نہایت ہی کھلی انہیں بتا

سکتا ہوں، جس کے متعلق وہ اپنی خفیہ پولیس کی فوج میں سے ایک آدمی کو بھیج کر اطمینان کر سکتے ہیں۔ قادیان کی عظیم الشان جامع مسجد جس میں ڈیڑھ دو ہزار آدمی نماز پڑھ سکتا ہے، اس کے وضو کی نالی اس کے صحن کے عین وسط میں موجود ہے۔ اور نالی کے شرقی حصہ صحن میں جس کی چوڑائی تیس فٹ سے کم نہیں نمازی برابر جوتیاں پہنے جاتے ہیں۔ صرف اُس وقت، جبکہ مجمع عظیم الشان ہوتا ہے سارے صحن میں صفیں بچھا دی جاتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی ڈپٹی کمشنر اس خیال پر کہ اس حصہ میں لوگ جوتیاں لے جاتے ہیں یا وضو کی نالی اس حصہ کے مغرب کی طرف ہے اسے مسجد سے خارج سمجھے، تو وہ سخت غلطی کا ارتکاب کرے گا۔ یہ ہر جگہ کے خاص حالات ہوتے ہیں۔ مسٹر ٹائلر کا اور اگر اُن سے غلطی ہوئی تھی تو لیفٹنٹ گورنر صاحب صوبہ جات متحدہ کا بحیثیت ان کا اعلیٰ افسر ہونے کے میموریل کے فیصلہ سے پہلے فرض تھا کہ علمائے کانپور سے یہ فتویٰ حاصل کرتے کہ یہ حصہ مسجد میں شامل نہیں۔ لیکن جب علماء ہی شور ڈال رہے ہوں کہ یہ حصہ عبادت گاہ میں شامل ہے تو کلکٹر صاحب کا اور کلکٹر پر ایمان لا کر لفٹنٹ گورنر صاحب کا یہ کہہ دینا کہ وہاں جوتیاں سمیت لوگ چلے گئے تھے اس لئے اسے بزورِ شمشیر گرا دینا جائز ہے، گورنمنٹ انگریزی کی مذہبی پالیسی کو ہمیشہ کے لئے بدنام کرنے کے لئے کافی ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ کانپور کی مسجد کے متعلق تو صاف طور پر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ لفٹنٹ گورنر صاحب اس غلطی کی اصلاح کر دیں گے اور ممکن ہے اس مضمون کے چھپنے تک کوئی ریزولیوشن شائع ہو بھی جائے۔ لیکن سوال تو مساجد کی عامہ حفاظت کا ہے اور اس کے لئے جس قدر شور ہوا وہ بھی کافی نہیں، بلکہ اس کے لئے اہل اسلام کو کوئی عمدہ تجویز اختیار کرنی چاہئے جس سے آئندہ کے لئے یہ سلسلہ انہدام مساجد بالکل رُک جاوے۔ اور اس کی صورت صرف یہی ہوسکتی ہے کہ سب مسلمانوں کی طرف سے ایک میموریل گورنمنٹ ہند کی خدمت میں بھیجا جاوے کہ وہ تمام ذمہ دار حکام کے نام یہ سرکلر جاری کرے کہ آئندہ کسی مسجد کے گرائے جانے کی تجویز نہ کی جاوے اور جو افسر اس سرکلر کی تعمیل نہ کرے اس سے باز پرس کی جاوے۔

یہ صورت معاملات کہ افسر خاموشی سے ایک مسجد کے انہدام کی تجویز کر دیا کریں اور پھر مسلمانوں کے شور ڈالنے پر یا کسی فساد کے بعد اور نقصانِ مال و اتلافِ جان کے بعد اس کی اصلاح ہو جایا کرے، ایک نہایت ہی ناقابل اطمینان صورت معاملات کی ہے۔

میرے خیال میں اگر کوئی مسلمان ممبر وائسرائے کی کونسل کا، یہ سوال اُٹھا دے کہ حکومت انگریزی کے ہندوستان میں آنے کی تاریخ سے پبلک عمارتوں یا سڑکوں کی خاطر کتنے گرجا گھر گرائے گئے ہیں اور پھر دو تین ماہ میں کس قدر مساجد گرائی گئیں یا گرانے کی تجاویز ہوئیں، تو اس سے پتہ لگ جاوے گا کہ مساجد کی کس قدر بے حرمتی ہو رہی ہے۔ گو مسلمانوں کی اپنی غفلت اس کی بہت حد تک ذمہ دار ہے، مگر گورنمنٹ کو بھی تو اپنا فرض پہچاننا چاہئے اور یہ غور کرنا چاہئے کہ کیوں مساجد اور گرجا گھروں کی ایک حیثیت قرار نہیں دی جاتی۔ حالانکہ گرجا گھر کا دروازہ تو صرف آٹھویں دن باجہ اور سرمن کے لئے کھلتا ہے اور مساجد میں شاید کوئی ہی وقت خالی گزرتا ہو جب

اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ جبین نیاز زمین پر رکھے ہوئے اس کی یاد میں مصروف نہ ہو۔ اور کم از کم پانچ وقت تو اذان کے پاک کلمات ضرور ہی دہرائے جاتے ہیں اور پھر ایک گروہ کا گروہ اکٹھا ہو کر اللہ کے آگے جھکتا اور پیشانیوں کو زمین پر رگڑتا ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اگر تقدس کے خیال سے اللہ تعالیٰ کا نام ان مقامات میں لئے جانے کے خیال سے ان مقامات کی حفاظت ضروری ہے اور حقیقی بات یہی ہے تو ایک عظیم الشان گرجا بھی ایک چھوٹی سی مسجد کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ پھر یہ کیا ظلم ہے کہ کسی گرجا گھر کو گرا کر وہاں سڑک بنانے کی تجویز تو ہم نے آج تک نہیں سنی۔ لیکن مساجد کو اتنی وقعت بھی نہیں دی جاتی، جتنی نوشیروان نے ایک بڑھیا کے گھر کو دی تھی۔ مانا! ہم مسلمان بہت کمزور ہیں، ضعیف ہیں، ہماری آواز گورنمنٹ کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ مگر ہمیں اُس بڑھیا کے برابر ہی وقعت دی جاوے اور وہ گورنمنٹ، جو عدل وانصاف میں نوشیروان کو بھی کچھ حقیقت نہیں سمجھتی، اپنی ذمہ داری کا خیال کرے۔

میں خود اس بات کا قائل ہوں اور ہمیشہ اسی پر عمل پیرا رہا ہوں کہ اپنی شکایات کو مؤدبانہ طور پر گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کرنا چاہئے۔ مگر آخر گورنمنٹ کو بھی تو اپنا فرض شناخت کرنا چاہئے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ گورنمنٹ کے حکام اندھا دھند جو چاہیں کئے جاویں اور مسلمان خاموش بیٹھے رہیں۔ آخر اعلیٰ حکام سے دادرسی کا جو طریق اس گورنمنٹ نے خود جاری کر رکھا ہے اور جس کے بغیر اس کے دروازہ سے چارہ جوئی نہیں ہوسکتی، اس پر اگر مسلمانوں نے قدم مارا، تو کون سا گناہ کیا کہ اخباروں کی ضمانتیں لے کر اب اس طرح منہ بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ابھی وقت ہے کہ گورنمنٹ ادھر توجہ کرے۔ ہم خود بھی اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں اور گورنمنٹ کو بھی کم از کم اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ان کی سات ساڑھے سات کروڑ رعایا کے کسی حصہ میں ابھی تک اگر کوئی خلاف قانون جوش بھی ہے تو وہ کھلم کھلا ہے، جس کا انسداد نہایت آسان ہے اور بم سازی یا انارکی کے مخفی امراض سے اس قدر بڑا حصہ اس کی رعایا کا اپنی مذہبی تعلیم کے سبب بالکل پاک ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ مسلم لیگ یا کوئی دوسری انجمن انہدام مساجد کے انسداد کے لئے باضابطہ کارروائی کرے گی یا کم سے کم کوئی مسلمان ممبر وائسرائے کی کونسل کا ہی اس سوال کو اُٹھا کر اس کے انسداد کی کوشش کرے گا۔

(جاری دراشاعت 31 اگست 1913ء)

24 اگست 1913ء

حضرت مولانا نورالدینؓ کا فتویٰ در بارہ مسجد کانپور

لاہور میں جس وقت کانپور کی مسجد کے متعلق افسوس ناک خونریزی کا علم ہوا تو اس خیال سے کہ جماعت احمدیہ کے افراد چونکہ بفضلہٖ تعالیٰ تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں، ان میں سے کسی سے اس معاملہ میں تازہ واقعات سے متاثر ہوکر کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو کہ قرآن مجید کی تعلیم اور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ کے خلاف ہو یا جس سے نقص امن واقع ہو، احباب لاہور کے مشورہ سے اس وقت جناب خلیفہ رجب الدین صاحب کو حضرت قبلہ گاہی خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بھیجا گیا تاکہ حضرت صاحب کی تحریری رائے اس معاملہ میں حاصل کریں، جس کو بطور دستور العمل کے جماعت احمدیہ کے عمل درآمد کے لئے اخبار میں شائع کیا جاوے۔ اس وقت تک جو واقعات معلوم ہوئے تھے اُن کے متعلق مجملاً چٹھی میں ذکر کیا گیا تھا، جو کہ احباب کے مشورہ سے خاکسار نے لکھی۔ ماسوائے اس کے اخبار ٹربیون، جس میں قدرے تفصیلی حالات اس واقعہ جانکاہ کے متعلق درج تھے، خدمت میں بھیجا گیا۔ خلیفہ رجب الدین صاحب حضرت صاحب کی خدمت میں قریب ایک دن رہے اور آں مخدوم کا تحریری مشورہ لے کر آئے جو کہ اُن کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، اخبار پیغام صلح مورخہ 10 اگست 1913ء میں شائع ہوا۔

اس تحریر کے درست شیوع کے متعلق بعض احباب کو شکایت ہے۔ اس لئے میں دوبارہ جماعت احمدیہ کی آگاہی کے لئے اس تحریر کی نقل بہ تمام و کمال ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جمیع مسلمین کے لئے نور اور ہدایت کا موجب بنائے اور گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کے لئے بھی برکت کا موجب ہو۔ اور حاکم و محکوم دونوں اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور ملک میں قیام امن میں مدد دیں۔ اور مسلمان، جو پہلے ہی سے شدائد و مصائب میں مبتلا ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ رجوع برحمت ہو اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرے اور ان کو تقویٰ اور صلاحیت اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی اتباع کی توفیق دے۔ آمین! اور ان سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جس سے اسلام و پیغمبر اسلام ﷺ کی بدنامی ہو۔ آمین!

کانپور کی مسجد کے متعلق اس وقت ہم کو اس امر کے لئے رائے زنی کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس میں زیادتی کس کی طرف سے ہے۔ ظالم کون ہے اور مظلوم کون؟ مگر میں عام مساجد کی حرمت کے لئے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے گورنمنٹ کے خلاف جو جہاد کی ممانعت کی ہے اُس میں بڑی وجہ یہی بیان کی ہے کہ اس گورنمنٹ کے ماتحت ہم کو پوری مذہبی آزادی ہے۔ اس لئے ہم کو ہر طرح سے توقع رکھنی چاہئے کہ آئندہ ہماری مذہبی آزادی میں کسی قسم کا خلل نہیں آئے گا اور گورنمنٹ کی طرف سے اس امر کے متعلق کھلے طور پر اعلان ہوگا کہ آئندہ کوئی سرکاری افسر کسی مسجد یا معبد کو نہ گرائے گا، چاہے وہ کسی قوم کی عبادت گاہ ہو۔ کیونکہ اس سے مذہب میں مداخلت اور ملک میں بے چینی پھیلنے کا احتمال ہے۔ حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے، ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز قادیان نے ''انہدام مساجد'' کے مضمون میں (جو اخبار پیغام صلح مورخہ 21 اگست میں چھپا ہے) یہ ظاہر کیا ہے کہ کہاں تک قرآن مجید نے دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کی حرمت کا حکم دیا ہے۔ یہاں تک کہ جنگ میں بھی مسلمانوں کا فرض اولین دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کو مقرر کیا ہے۔ اس لئے ہم کمال ادب سے اپنی گورنمنٹ سے اپنی مسجدوں کے متعلق اُسی ادب واحترام کے خواہش مند ہیں کہ جس ادب و احترام کا ہم کو قرآن مجید نے عیسائی گرجاؤں و نیز دیگر معابد کے متعلق حکم دیا ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آمین!

مذکورہ بالا تمہیدی سطور صرف غلط فہمی کو دور کرنے اور اصلاح کی نیت سے لکھی گئی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبولیت کا شرف بخشے۔ آمین!

خاکسار: مرزا یعقوب بیگ، ایل۔ایم۔ایس

احمدیہ بلڈنگس، لاہور۔ 20 اگست 1913ء

حضرت خلیفۃ المسیح کے خط کی نقل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میرا مذہب یہ ہے، جس سلطنت کے ماتحت ہم رہیں اس کے خلاف نہ کریں۔اُسی کے حضور آرام کی درخواستیں کرتے رہیں۔اگر وہ مان لے تو سبحان اللہ۔اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم ہے۔اگر نہ مانے تو اُس کے ملک سے نکل جائیں۔قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے کہ نبی موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا،قوم کو صبر کا حکم دیا **وَاصْبِرُوْا** (128:7۔مرتب) **اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ** (49:11۔مرتب) آخر درخواست کی ہے **فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ** (47:20۔مرتب) بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ کر دو اور اُن کو آپ دُکھ نہ دیں۔حضرت نبی کریم خاتم النبیّن ﷺ نے تیرہ برس مکہ معظّمہ میں تکالیف کو برداشت کیا۔سمیہ کو سختی سے قتل کیا گیا، زنیرہ کو مار ڈالا، یاسر کو نہایت بے رحمی سے قتل کیا گیا۔آخر آپؐ نے پہلے صحابہؓ کو ہجرت کا حکم دیا، پھر آخر آپؐ خود مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور مکہ سے ہجرت کر گئے۔ یہ ہے میرا مذہب اور اس پر عملدرآمد ہے۔رہا پیسہ اخبار یا اہلحدیث یا ان کے برادرانِ خورد و بزرگ، سو یہ لوگ ابتدا سے اس وقت تک ہمارے دشمن رہے۔ ہمارا کیا بگاڑا، جو اَب بگاڑیں گے۔ بے ریب کانپور کے حکام بااختیار کی غلطی ہے کہ مندر کو بچایا اور مسجد کو گرایا اور آخر گولی چلانے کا حکم دیا۔عمدہ تدابیر و عاقبت اندیشی سے کام نہ لیا۔مگر ایسے حکام کے متعلق قرآن مجید کا حکم صاف ہے: **وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا** (129:6۔مرتب) مسلمان خود مسلمان ہوں تو اُن پر ایسے حکام کیوں ہوں۔ یہ ہے میرا ایمان۔ غالبًا آپ سمجھ گئے ہیں۔اس کے خلاف کروگے تو ہم آپ سے بیزار ہیں۔

دستخط

نورالدین (خلیفۃ المسیح)

31اگست1913ء

مساجد کا انہدام ۔2

(بسلسلہ اشاعت 21اگست 1913ء)

(مرقومہ مولینا محمد علی صاحب ایم۔اے،ایل۔ایل۔بی ،ایڈیٹر:ریویو آف ریلیجنز۔قادیان)

چند روز ہوئے جب میں نے انہدام مساجد کے متعلق گورنمنٹ کی پالیسی پر بعض خیالات کا اظہار کیا تھا۔تو مجھے یہ قطعاً خیال نہ تھا کہ اس مضمون پر دوبارہ بھی قلم اُٹھانے کی ضرورت پڑے گی۔ بلکہ میرا خیال یہ تھا کہ کوئی مدبر حاکم ذرا بھی غور سے کام لے گا تو وہ حصہ منہدمہ مسجد کانپور کا از سر نو بنوا دینا اور سڑک کو پانچ چھ فٹ کا خم دے کر نکال دینا اپنا پہلا فرض سمجھے گا اور آئندہ کے لئے خود اس کا سدِ باب ہو جائے گا۔مگر افسوس کہ سر جیمس میسٹن نے اپنے عمّال کی غلطی کی اصلاح کرنے سے انکار کر کے،اس سوال کو کم از کم ایک مدت کے لئے یعنی جب تک کہ کوئی بالاتر حاکم اس کی اصلاح کرے، ملک کے شور و پکار میں اور اضافہ کر دیا۔

قبل اس کے کہ میں سر جیمس میسٹن کے جواب کے متعلق اظہار خیالات کروں۔ حکام سے تعلقات کے متعلق بھی چند کلمات بطور تمہید بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔قرآن کریم نے صاف طور پر **اُولِی الْاَمْرِ** (59:4) کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم پر ایک حبشی غلام بھی امیر کیا جاوے تو تم اُس کی طاعت کرو۔اور اسلام نے بغاوت سے روکا ہے۔ان مذہبی احکامات کی بنا پر مسلمان جہاں کہیں دنیا میں پائے جائیں گے عموماً اپنے حکام کے وفادار پائے جائیں گے۔حتّٰی کہ مشرق قریب یعنی بلقان میں جو مسلمان بلغاریوں، سرویوں وغیرہ کے ماتحت تھے ان کی طرف سے،اور ایسا ہی روس کے مسلمانوں کی طرف سے بھی،آج تک باوجود اس کے کہ وہ وہاں طرح طرح کے مظالم کا شکار ہوتے ہیں،کبھی بغاوت کا جھنڈا کھڑا نہیں کیا گیا۔مگر پاس ہی مقدونیہ کے عیسائی باشندے آئے دن حکومت ٹرکی کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے رہتے تھے اور آخر ٹرکی کے دشمنوں کو ٹرکی پر چڑھا لانے میں وہ کامیاب ہو گئے۔ ہندوستان میں خدا کا شکر ہے کہ حبشی غلام کی بجائے گورے آزاد لوگوں کی بلکہ دوسروں کی حریت کے مؤیدین کی حکومت ہے۔ پھر بہت سی آسائشیں اور آزادیاں اس

گورنمنٹ سے ہمارے ملک کو ملی ہیں۔ ہم اس بات کو بھول نہیں سکتے کہ اس سے پہلے ایک وقت ہم ہندوستان اور بالخصوص پنجاب کے مسلمانوں پر وہ بھی گزرا ہے کہ ان کو مسجدوں میں اذان تک دینے کی اجازت نہ تھی۔ راستے ایسے پُرخطر تھے کہ دن دہاڑے بھی کسی کی عزت و مال محفوظ نہ تھے۔ پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس گورنمنٹ کے اس قدر احسانات اور آسائشوں کے ساتھ کس طرح کسی دل میں بغاوت کا خیال گزر سکتا ہے۔ اور خصوصاً ایسے دلوں میں جو اپنی مذہبی تعلیم کے زیر اثر حاکم وقت کی اطاعت کو اپنا فرض سمجھتے ہوں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آیا گورنمنٹ کے لاکھوں عمّال میں سے کچھ ایسے بھی ہیں یا نہیں کہ جن سے رعایا پر یا اُن کے کسی حصہ پر ظلم ہو سکتا ہو۔ یا وہ سب کے سب فرشتے ہی ہیں کہ ایک لفٹنٹ گورنر بلکہ ایک سیکرٹری آف سٹیٹ سے لے کر ایک ادنیٰ چپڑاسی تک جو کچھ کسی کے منہ سے نکل جائے، رعایا کا ہر ایک فرد و بشر اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، اور چوں تک نہ کرے! کیا اطاعت کا یہ مفہوم ہے؟ کیا قرون اولیٰ کے ان پاک اور مقدس نفوس میں ہمیں یہی حالت نظر آتی ہے کہ خلیفہ کے عمّال کے برخلاف کبھی کوئی زبان نہ کھول سکتا تھا۔ یا خود اسی گورنمنٹ کی رعایا کے دوسرے حصوں کا عملی نمونہ فی الحقیقت ایسا ہی ہے؟ ہمارے لئے تو اسوۂ حسنہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا پاک نمونہ ہے۔ لیکن وہاں تو ہم دیکھتے ہیں کہ متعدد موقعوں پر رعایا کی شکایت پر بڑے بڑے صوبوں کے گورنر معزول کر دیئے گئے۔ بعض موقعوں پر وفود نے آ کر اپنی شکایات کو پیش کیا۔ تو پھر ہم کیونکر سمجھ لیں کہ ایک گورنر نہیں بلکہ لفٹنٹ گورنر کے منہ سے ایک بات نکل گئی ہے تو اب ہم اس کے سامنے زبان نہ کھولیں اور اپنی شکایات کو کسی بالاتر حاکم کے سامنے یا وہ بھی نہ سُنے تو اس سے بھی بالاتر حاکم کے سامنے پیش کریں۔ اور اس طریق پر پیش کریں جس سے ان حکام کو یہ معلوم ہو سکے کہ اس معاملہ میں ہماری ساری قوم کی متفقہ آواز اس کے سامنے پیش ہوئی ہے۔ اور یہ بدوں اس کے ممکن نہیں کہ اخبارات میں ان امُور پر خوب بحث ہو، تمام بڑے بڑے شہروں میں جلسے ہوں، لفٹنٹ گورنر صاحب کے جواب پر معقولیت کے ساتھ جرح کی جاوے اور اس کے کمزور پہلوؤں کو عیاں کر کے پبلک کے سامنے رکھا جاوے اور یہ دکھایا جاوے کہ جو کچھ لفٹنٹ گورنر صاحب یا ان کے ماتحت حکام نے کیا، یہ انصاف نہیں بلکہ سراسر ظلم ہے۔ اور اگر رعایا کی وفاداری کے خیالات کو کسی قسم کا صدمہ پہنچانا حاکم بالا کا منشاء نہیں تو اس ظلم کو روکنا اُن کا فرض ہے۔ ہمارے ہاں تو فارسی میں رعایا اور بادشاہ کے تعلقات سے متعلق پرانی ضرب المثل یہی چلی آتی ہے کہ ''رعیّت چو بیخ است و سلطان درخت'' پس جب گورنمنٹ کے عمّال ان جڑوں کو کاٹنا شروع کر دیں تو یہ عین وفاداری ہے کہ گورنمنٹ کو ان حالات سے مطلع کیا جاوے۔

اب میں سر جیمس میسٹن کے اس جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو انہوں نے راجہ صاحب محمود آباد اور دیگر معززین کے وفد کو بمقام لکھنؤ دیا۔ اور جس کے آخر پر انہوں نے حصہ منہدمہ مسجد کانپور کے از سر نو بنوانے سے قطعی انکار کر دیا۔ ہز آنر کے جواب کا خلاصہ دو باتوں میں آ جاتا ہے۔

اول یہ کہ لکھنؤ میں بھی ایک مسجد کی عمارت میں اسی قسم کی خفیف سی تبدیلی کی گئی تھی۔ مگر وہاں کے مسلمانوں نے بلا حیل و حجت اسے منظور کرلیا۔ بلکہ ہزآنر کو اسی قسم کی بہت سی نظائر یاد تھیں۔

دوم یہ کہ صورت معاملہ 3 اگست کے واقعہ کے بعد بالکل بدل گئی ہے۔ اور اب انہیں اس معاملہ میں وسیع انتظامی امور کا لحاظ کرنا ہے، جو قانون اور ضابطہ کے قیام کے لئے ضروری ہیں اور جن کی فروگذاشت کو بد نظمی اور اندھیر کہیں گے۔

ان کے علاوہ دو اور باتیں بھی ضمناً ہزآنر کے جواب میں آئی ہیں۔ یعنی اول تو یہ کہ ہزآنر حصہ منہدمہ کا نام کبھی غسل خانہ، کبھی وضو خانہ اور کبھی نہانے دھونے کی جگہ رکھتے ہیں، اس کو مسجد میں شامل نہیں سمجھتے۔ اور دوم یہ کہ جو احتجاج انہیں اواخر مارچ اور اوائل اپریل میں آنے لگے وہ پہلے کیوں نہیں آئے؟ جس سے وہ یہ قیاس کرنے پر مجبور ہیں کہ اگر مندر کا بچانا ان کا سبب نہ تھا تو ضرور کوئی اور ایسا سبب ہوگا جو گو ہزآنر کو ابھی تک معلوم نہیں۔ مگر اس کی بنا پر وہ احتجاج قابل وقعت نہیں رہتے!

اب اسی ترتیب سے ہم ان امور پر غور کرتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ عذر ہے کہ ایسی خفیف تبدیلی لکھنؤ میں بھی ہوئی ہے اور وہاں اعتراض نہیں ہوا۔ اس امر کو چھوڑ کر کہ لکھنؤ میں کیا تبدیلی ہوئی تھی اور آیا اُس پر اعتراض ہوا تھا یا نہیں، یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فی الواقع اس سے پہلے کسی مسجد کا کوئی حصہ بلا اعتراض گرا دیا گیا ہو تو آیا آئندہ کے لئے اسی قسم کی تبدیلی کے لئے یہ ایک قانونی نظیر ہزآنر کے ہاتھ میں آگئی ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ آئندہ کے لئے ہزآنر کے زیر اثر اُن کی کسی مسجد کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں ہے۔

ہزآنر لکھنؤ کی خفیف تبدیلی کو کیوں پیش کرتے ہیں۔ اگر اس سے پہلے گورنمنٹ ریلوے لائنیں نکالنے میں یا دیگر اغراض کے لئے بلا اعتراض بیسیوں مسجدیں گرا چکی ہو تو کیا آئندہ کے لئے یہ نظیر نہیں کہ جہاں کوئی ضرورت پیش آوے ہر ایک مسجد کو گرا دیا جاوے۔ پھر کیوں اس بنا پر مچھلی بازار کی دونوں مسجدوں کو صاف نہیں کیا جاتا اور ایسے بودے عذر کئے جاتے ہیں جن میں حقیقت کچھ بھی نہیں کہ وہ دالان ایک غسل خانہ تھا اور کبھی کہا جاتا ہے کہ وہ نہانے دھونے کی جگہ تھی۔ ہزآنر کی منطق نے تو مسجدوں کے برباد کرنے کے لئے اچھا خاصہ راستہ کھول دیا ہے۔ اور اگر ہزآنر کو علم نہ ہو کہ کہاں کہاں اس سے پہلے مسجدیں گرائی جا چکی ہیں، جن پر آج تک کوئی اعتراض نہیں ہوا، تو چند نظیریں تو میں بھی بتا سکتا ہوں۔

یہ عجیب جواب ہے کہ ایک غلطی کو دوسری غلطی کے لئے وجہ بنایا جاتا ہے۔ کیا ہزآنر کی گورنمنٹ کی بنیاد جن قوانین پر ہے، اُن میں یہ مسئلہ مسلّمہ ہے کہ اگر ایک شخص ایک دفعہ قانون توڑ دے اور گورنمنٹ اس پر اعتراض نہ کرے تو دوسری مرتبہ وہ بلا خوف اس قانون کو توڑ سکتا ہے۔ میرے علم میں تو اس کے خلاف صراحت موجود ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص کا گورنمنٹ کسی SEDITIOUS یعنی باغیانہ اور غیر وفادارانہ تقریر یا تحریر پر مؤاخذہ نہیں

کرتی۔تو کیا صرف اس بنا پر اسے بری کر دیا جاوے گا کہ میں نے فلاں موقع پر پہلے بھی بعینہٖ یہی تقریر کی تھی یا تحریر لکھی تھی اور گورنمنٹ نے مجھے اُس وقت کچھ نہیں کہا۔ یا اُس کا جرم اور زیادہ سخت ہو جاوے گا۔ اور عام انسانی تجربہ میں بھی آج تک کسی عقلمند نے ایک غلطی کو دوسری غلطی کی وجہ تسلیم نہیں کیا۔

ہز آنر کو دیکھنا تو یہ چاہئے تھا کہ جو کام ہم نے کیا ہے وہ غلط نہیں، نہ یہ کہ ہم پہلے بھی ایسا کرتے رہے ہیں۔ اور اگر درحقیقت گورنمنٹ کا آج تک بلااعتراض مسجدیں گراتے رہنا ایک نظیر کا کام دے سکتا ہے تو پھر صاف طور پر کیوں نہیں کہا جاتا کہ ہم مسجدوں کو سنگینوں کے پہرے میں، جہاں اور جب جی چاہے گا، گرادیا کریں گے۔ کیونکہ فلاں وقت سے پہلے مسلمانوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اب ان کے لئے توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

بات یہ ہے کہ مسلمان ایک مدت تک خوابِ غفلت میں پڑے سوئے ہوئے تھے، اُن کو اپنے حقوق کا علم نہ تھا۔ یا علم تھا تو اُن کے سربرآوردہ لوگوں میں یہ جرأت نہ تھی کہ وہ اپنے حقوق کو کھلے طور پر حکام کے سامنے پیش کرتے۔تو کیا اب وہ ہمیشہ کے لئے ان تمام حقوق سے محروم کر دیئے جاویں گے۔ اگر گورنمنٹ کی یہی پالیسی مسلمانوں کے متعلق ہوتی، تو اس کا اعلان کھلے لفظوں میں ہونا چاہئے تھے۔ چونکہ ایسا نہیں تو گورنمنٹ آف انڈیا کو چاہئے کہ جن بودے عذرات پر مسجد کانپور کے حصہ منہدمہ کو دوبارہ بنوانے سے انکار کیا گیا ہے، اُن سے جو غلط فہمی آئندہ مساجد کے متعلق گورنمنٹ کے عامہ رویہ کی نسبت پیدا ہوتی ہے، اسے دور کرے۔ اور اس بات کا کھلم کھلا اعلان کرے کہ کسی مسجد کا یا کسی مسجد کے کسی حصہ کا گذشتہ عرصہ میں گرایا جانا آئندہ کے لئے دلیل نہیں ہے۔ ورنہ مسلمانوں کے شکستہ دلوں کو، جو مسجد کانپور کے انہدام اور پھر اس کے متعلق جو واقعات پیدا ہوئے ہیں، اُن سے سخت صدمہ زدہ ہو رہے تھے اور اپنے مقدس مقامات کی اس قدر بے حرمتی اور گورنمنٹ صوبجات متحدہ کے سلوک سے وہ پہلے ہی سخت پریشان تھے، سر جیمس میسٹن کی یہ نئی منطق اور بھی شکستہ کر دے گی۔ سر جیمس میسٹن کا جواب، اگر غور کیا جاوے تو صرف کانپور کی مسجد کے حصہ منہدمہ کے دوبارہ تعمیر سے انکار نہیں بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے بھی اُن کا صاف منشا ہے کہ مسلمانوں کی مساجد کے متعلق ہز آنر کی یہی پالیسی رہے گی جو سابق میں رہی ہے اور اب ان کے اعتراضات کی قطعاً کوئی پروا نہیں کی جاوے گی۔

دوسرا امر، جو ہز آنر نے دوبارہ تعمیر حصہ منہدمہ کے خلاف پیش کیا ہے، وہ 3 اگست کا واقعہ ہے۔ یہ منطق بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ 3 اگست کو جو واقعہ ہوا اس میں مسلمانوں نے گورنمنٹ کے نظام کو کیا ضعف پہنچا دیا۔ جواب گورنمنٹ اس نظام کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے انصاف کو ہاتھ سے دے رہی ہے۔ کیا درحقیقت گورنمنٹ کے رُعب میں 3 اگست کے واقعہ سے کوئی فرق آ گیا ہے؟ فرض کرو کہ کسی پولیس مین کا انگوٹھا زخمی ہو گیا تو کیا ایسے ایک ایک زخم کے عوض پانچ پانچ چھ چھ مسلمان سپرد خاک نہیں ہو گئے اور بہت سے ہسپتال میں پڑے

نہیں چلا رہے ہیں؟ گورنمنٹ کے رعب میں فرق کیا آنا تھا۔ہم تو دیکھتے ہیں کہ گورنمنٹ کے عمال اپنی اس طاقت پر کہ وہ منٹوں میں کارتوسوں سے غریب رعایا کو اُڑا سکتے ہیں فخر کررہے ہیں، کیا کارتوسوں کے چھکڑوں کے پُرامن جلسوں میں لے جانے اور لیڈروں کو اُڑا دینے کی دھمکی دینے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کا رعب اب کم ہوگیا ہے؟ بلکہ اس واقعہ نے تو گورنمنٹ کے کارتوسوں کو میدان میں نکال کران بیچارے لوگوں کو، جنہیں بندوقوں اور کارتوسوں کی شکل تک دیکھنی نصیب نہیں ہوئی، اور بھی مرعوب کر دیا ہے۔ اگر کارتوسوں کے چلانے سے ہی سلطنت کی شوکت وسطوت قائم ہوتی ہے تو اب تو خوب رعب بیٹھ چکا ہے۔

ہمیں تو معلوم نہیں کہ اس سے پہلے بھی گورنمنٹ کے عمال کارتوسوں کے چھکڑوں کو پُرامن جلسوں میں بھیجنے کی دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ بلکہ برخلاف ازیں 1907ء کے بلوے ہماری آنکھوں کے سامنے ہوئے۔ راولپنڈی میں کس قدر کوٹھیاں صاحب لوگوں کی لوٹی گئیں اور فساد اس حد تک پہنچا کہ کانپور میں تو کیا خللِ امن کے لحاظ سے اور کیا نقصان مال کے لحاظ سے، راولپنڈی کے نقصان کا عشرعشیر بھی نہ ہوا تھا۔مگر وہاں تو خالی فائر بھی نہ سنے گئے۔ نہ ہی 1907ء کے اُن جلسوں میں، جن میں سڈیشیئس (SEDITIOUS) تقریریں ہوئی تھیں اور جن کی بنا پر بعض لیڈروں کو جلاوطن کیا گیا تھا، کبھی کارتوسوں کے چھکڑے یا مسلح پولیس پہنچی؟

یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ کیوں سارا زور غریب مسلمانوں پر ہی دکھایا جاتا ہے۔افسوس کہ جن واقعات کو مسلمان دیگر ممالک میں دیکھ کر حیران تھے کہ ہر ظلم وستم کا تختہ مشق یہ غریب قوم ہی کیوں بنتی ہے۔ آج ان کا نقشہ سر جیمس میسٹن ایک پرامن گورنمنٹ کے زیرسایہ بھی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہزآنر نے تو آگرہ میں فرمایا تھا کہ مسٹر ٹائلر نے بھی چھ سو کارتوس چلانے اور نیزہ وشمشیر سے حملہ کرنے کے بعد کوئی کینہ دل میں نہیں رکھا۔مگر ہزآنر کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اپنا دل ابھی اس غبار سے صاف نہیں۔ مسجد کے منہدمہ حصہ کے دوبارہ بنانے سے اب سڑک کی سیدھ کا سوال تو ہزآنر کو تکلیف نہیں دیتا۔مگر یہ ڈر ہے کہ خدا جانے اس حکم کے دیتے ہی کیا اندھیر مچ جائے اور گورنمنٹ کو بزدل سمجھ کر مسلمان کہاں کہاں حملہ کردیں۔ یہ اگر پریشان خیالی نہیں تو اور کیا ہے؟ میں ہزآنر کو یقین دلاتا ہوں کہ اُن کے ایسے حکم سے انتظام کو نقصان پہنچنے کی بجائے سلطنت کی بنیاد مستحکم ہوجائے گی۔ کروڑوں دلوں کی شکر گزاری مسلح پولیس سے بہت بڑھ کر سلطنت کی شوکت وسطوت کو رونق وتقویت دینے والی چیز ہے۔تعجب یہ ہے کہ ایک صوبہ کے مدبر حاکم کے منہ سے یہ لفظ نکلتے ہیں۔اور پھر جن لوگوں نے ابھی چھ سال ہوئے ہر ایک قسم کی سڈیشیئس (SEDITIOUS) بغاوت کی بیخ کنی کرنے میں گورنمنٹ کو تہ دل سے مدد دی، اب اُنہی کو اپنی ایک مسجد کے لئے کوشش کرنے پر اور حد اعتدال کے اندر کوشش کرنے پر شورش پسندی کا الزام دیا جاتا ہے۔

بقیہ دو باتیں زیادہ تفصیل کی محتاج نہیں ہیں۔ ہزآنر اخبار نویسوں کو یہ الزام دیتے ہیں کہ وہ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔مگر کیا ایک صوبہ کے حاکم کے لئے یہ موزوں ہے کہ وہ دالان کو بار بار غسل خانہ کہے، صرف اس لئے

کہ اپنی بات کی پچ رہ جاوے۔ وہ تھا تو بہرحال دالان یا برآمدہ، غسل خانہ تو کسی صورت میں نہ تھا۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب آئندہ گورنمنٹ مساجد کے کون کون سے حصوں کو غیر مقدس سمجھ کر گرادیا کرے گی اور کون کون سے حصے ایسی دستبرد سے محفوظ رہ سکیں گے؟ مثلاً بعض مساجد کے ساتھ مینارے ہوتے ہیں۔ سر جیمس میسٹن کی تاویل کے مطابق چونکہ وہاں سجدہ نہیں کیا جاتا اُن کا گرادینا بھی جائز ہوا! لاہور کی دو عظیم الشان مساجد یعنی شاہی مسجد اور وزیر خاں کی مسجد میں بڑی بڑی ڈیوڑھیاں ہیں، ایسا ہی مساجد کے زینے ہیں۔ یہ تمام حصے مساجد کے چونکہ سجدہ گاہ نہیں، اس لئے اس تاویل کی رو سے ادنیٰ ضرورت کے پیش آنے پر یہ گرادیئے جاسکتے ہیں؟

ہز آنر ایک لمحہ کے لئے انصاف کو ہاتھ میں لے کر خدا کے لئے ہمیں یہ بھی تو بتائیں کہ گرجا گھروں کے کون کون سے حصے متبرک اور کون کون سے غیر متبرک ہوتے ہیں۔ کیا ان کے احاطے، ان کے مینارے، یہ مقامات متبرک ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو کیوں؟ گرجا کے تو اندر بھی کبھی سجدہ نہیں ہوتا۔ پس سر جیمس میسٹن کی تاویل کی رو سے تو وہ سارے کا سارا ہی مقدس کہلانے کا استحقاق نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ اس کے ایسے مقامات متبرک کہلا سکیں جہاں عبادت کے لئے کوئی حصہ بھی استعمال نہیں ہوتا۔ اور مسلمانوں کے نزدیک تو وضو بھی اُن کی عبادت کا ایک حصہ ہے۔ ہم تو یہی سمجھ لیں گے کہ گورنمنٹ کو دراصل کسی مذہب کے مذہبی مقامات کی بھی پروا نہیں۔ جہاں اس کی مادی اغراض مذہبی اغراض کی منافی ہوں۔ تاوقتیکہ ہمیں یہ نہ دکھادیا جاوے کہ بیسیوں مساجد کے بالمقابل ہندوستان کے اندر ایک آدھ گرجا گھر کی کسی چاردیواری کی دیوار ہی کسی تمدنی غرض کے لئے لی گئی ہے۔ یا ہم کو یہی بتلایا جائے کہ گرجا گھروں میں فلاں خصوصیت ہے، جس کے سبب وہ تمدنی اغراض کے بالمقابل آہی نہیں سکتے!

پھر میں کہتا ہوں کہ اگر ہندوؤں کی دیکھا دیکھی بھی مسلمانوں نے صدائے احتجاج بلند کی، تو کون سا گناہ کیا۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ ایک مندر بچا لیا گیا ہے اور وہاں سڑک کی سیدھ قربان کردی گئی ہے۔ تو گورنمنٹ کی غیر جانبداری کی پالیسی نے اُنہیں بھی حوصلہ دلایا کہ وہ بھی صدائے احتجاج بلند کریں۔ مجھے اب تک یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس میں حسد کا کیا دخل ہے۔ حسد تو جب ہوتا کہ مسلمان کہتے ''مندر کو بھی گراؤ''۔ مگر وہ تو کسی کے مقدس مقام کے بھی دشمن نہیں۔ اگر ایک مندر بچا لیا گیا تو اُنہیں خوشی ہے۔ لیکن جن لوگوں کی بیسیوں مسجدیں گر چکی ہیں اُنہیں اگر مندر کے بچائے جانے سے پہلے یہ جرأت نہ ہوئی ہو کہ وہ مسجد کے لئے التجا کریں تو اس میں کون سا امر ایسا پیدا ہو گیا کہ اب ان کی صدائے احتجاج کے بالمقابل حکام نے کانوں میں روئی دے لی۔

باقی رہا یہ امر کہ وہ کون سے اسباب تھے جنہوں نے اواخر مارچ میں مسلمانوں کے درمیان ہی یہ شور پیدا کر دیا۔ سو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ سبب مسلمان قوم کی ایک حد تک بیداری سے۔ اب ان کو اپنا بُرا بھلا نظر آنے لگا ہے۔ ان کے جاگنے سے پہلے گورنمنٹ خود ہی دوسری قوموں کو وہ راہ بھی بتا چکی ہے، جس پر چل کر وہ گورنمنٹ سے اپنے حقوق لے سکتی ہیں۔ مگر مسلمان اُن ساری راہوں پر چلنا اپنے مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ہاں! اپنی متفقہ آواز کو گورنمنٹ تک پہنچانے کی جو ایک راہ تھی، وہی انہوں نے اختیار کی۔

7 ستمبر 1913ء

سیاسی اور مذہبی حقوق کے مطالبات میں فرق

موجودہ واقعات پر ایک نظر

(مرقومہ مولٰینا محمد علی صاحب ایم۔اے، ایڈیٹر: ریویو آف ریلیجنز)

قرآن کریم کی تعلیم سے اور اس تعلیم کا جو عملدرآمد قرآن کریم کے سب سے پہلے پیروؤں رضی اللہ عنہم نے کر کے دکھایا، اس سے یہ بات ہمیں بدیہی طور پر نظر آتی ہے کہ حاکم ومحکوم یا گورنمنٹ اور رعایا کے تعلقات باہمی میں جس طرح حاکم یا گورنمنٹ کے حقوق محکوم یا رعایا کے ذمہ ہیں، اسی طرح کچھ حقوق رعایا کے بھی حاکم کے ذمہ ہیں۔ اسی اُصول پر دنیا کی ہر ایک مہذب گورنمنٹ کی بنیاد رہی ہے اور اسی اصول پر خدا کے فضل سے آج گورنمنٹ انگریزی عمل پیرا ہے۔ جس نے نہ صرف اپنے ہم قوموں کو ہی ایسے حقوق دیئے ہیں، بلکہ جہاں کہیں دوسری قوموں پر اس کی حکمرانی ہے، وہاں ایک حد تک ایسے حقوق محکوم قوم کو بھی دیئے ہیں اور علاوہ ازیں ہر قسم کے حقوق کے مطالبات کے لئے اجازت بھی دی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے اس ملک ہندوستان میں رعایا کا سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ بھی، بشرطیکہ وہ رعایا رہ کر کیا جاوے، گورنمنٹ کی بغاوت کی تعریف کے اندر نہیں آتا۔ بلکہ خود گورنمنٹ کے نزدیک ایک جائز مطالبہ ہے۔ گو گورنمنٹ موجودہ حالات میں اس کے پورا کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ پس رعایا کی حیثیت میں گورنمنٹ سے کوئی جائز مطالبہ کرنا کہ فلاں حقوق ہمیں عطا کئے جاویں، کسی شخص کو گورنمنٹ کی اطاعت سے باہر نہیں کرتا۔ بلکہ ایک وقت ایک اعلیٰ سے اعلیٰ حاکم کا ایسے حقوق کے دینے سے انکار کرنا بھی اصول جہانبانی کی رو سے دوبارہ انہی حقوق کے مطالبہ کو بغاوت کے مفہوم میں داخل نہیں کرتا۔ مثلاً آج اگر لازمی تعلیم کے مسئلہ کو گورنمنٹ منظور کرتی ہے۔ تو گورنمنٹ یہ ضروری قرار نہیں دیتی کہ آئندہ بھی اس کا مطالبہ کبھی نہ کیا جاوے، نہ وہ اپنے اس فیصلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کو بغاوت قرار دیتی ہے۔ پس جب ایسے حقوق کے مطالبہ کو، جن کو نہ صرف گورنمنٹ نے ہمارے لئے تسلیم ہی نہیں کیا، بلکہ سردست اس کے دینے سے انکار بھی کر دیا ہے، گورنمنٹ کی اطاعت کے مفہوم سے باہر نہیں کر سکتے۔ تو ان حقوق کا مطالبہ جو گورنمنٹ خود کھلے الفاظ میں عطا کر چکی ہو اور جو کسی وقت کسی حاکم کی غلطی سے ضائع ہو رہے ہوں، کسی طرح پر گورنمنٹ کی بغاوت کے مفہوم کے اندر نہیں آ سکتا۔ بشرطیکہ وہ مطالبہ ان حدود کے اندر رہو، جو گورنمنٹ نے خود مقرر کر دی ہیں۔

ایک دوست نے میرے مضمون ''انہدام مساجد'' پر جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے کچھ اعتراض کئے ہیں۔ جن سے مجھے یہ خیال گزرا کہ میرے اس دوست کو یہ غلطی لگی ہے کہ حقوق کا مطالبہ بھی گویا گورنمنٹ کی اطاعت سے انحراف ہے۔ اس خیال کی غلطی مندرجہ بالا چند سطروں سے کافی طور پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور مزید

برآں حضرت خلیفۃ المسیح کے فتویٰ سے بھی یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قانون کی حدود کے اندر گورنمنٹ کے حضور آرام کی درخواستیں کرتے رہنا گورنمنٹ کی اطاعت کے مفہوم سے خارج نہیں ہے۔ آرام کی درخواستیں یہی ہیں کہ کسی حاکم کی غلطی سے کوئی دُکھ کسی ایک فرد یا کسی قوم کو پہنچا ہے تو وہ فرد یا قوم اُس کی مناسب چارہ جوئی کرے۔ جب ایسے دُکھ ایک فرد کی ذات تک محدود ہوں۔ تو اس کی چارہ جوئی صرف کسی اعلیٰ حاکم کو اس کے درخواست بھیجنے پر بھی ہوسکتی ہے۔ گو بعض وقت اس کے اخبارات میں تذکرہ کرنے سے بھی اعلیٰ حکام کو اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی جاسکتی ہے۔ لیکن جبل (پہاڑ) ایسا دُکھ کسی قوم کو پہنچے۔ تو جب تک ساری قوم کی متفقہ آواز گورنمنٹ کے سامنے نہ آئے، گورنمنٹ کی اس چارہ جوئی کی طرف کافی توجہ نہیں ہوسکتی۔ اور قوم کی آواز اس زمانہ میں بغیر اخبارات کے ظاہر نہیں ہوسکتی۔

اخبارات کے ذریعہ سے گورنمنٹ کو اس دُکھ کی طرف توجہ دلانا مفہوم اطاعت سے خارج نہیں ہے۔ بلکہ میرے خیال میں ایسے موقع پر گورنمنٹ کو اس تکلیف کی طرف توجہ دلانا صرف قومی حق کی ادائیگی ہی نہیں، بلکہ گورنمنٹ کو بھی دراصل اس سے مدد پہنچتی ہے۔ بیشک ایک سطحی نظر سے یہ خیال گزرے گا کہ کسی اعلیٰ حاکم کے فیصلہ پر جرح کرنے سے گورنمنٹ کو ضعف پہنچتا ہے۔ مگر گورنمنٹ کے استحکام کی بنیاد قانون پر ہے، نہ کسی حاکم کی ذات پر۔ اور حق تلفی کی اصلاح گو ایک وقت ایک حاکم کے منشا کے خلاف تو ہوسکتی ہے۔ مگر قانون کی، جو گورنمنٹ کے استحکام کی اصل بنیاد ہے، منشا کے خلاف ہرگز نہیں۔ بلکہ اس منشا کی مؤید ہے۔

حق تلفیوں کی اصلاح سے، خصوصاً جہاں حق تلفیاں ایک بڑی قوم کی ہوں، رعایا کے دلوں میں گورنمنٹ کی محبت بڑھتی ہے نہ کہ بغض۔ اور رعایا کے دلوں میں گورنمنٹ کی محبت بڑھنا ہی اس کے استحکام کی اصل بنیاد ہے۔ اگر رعایا کو خدانخواستہ گورنمنٹ پر یہ اطمینان ہی نہ رہے کہ وہ ہر ایک حق تلفی کی اصلاح کے لئے تیار ہے۔ اور اصلاح بدوں اس کے ہو نہیں سکتی کہ حاکم کی شخصی غلطی کو کھول کر دکھایا جاوے، تو اس صورت میں بے شک رعایا ہر ایک حاکم کے حکم کے سامنے خاموشی اختیار کرسکتی ہے۔ مگر ایسی خاموشی اطاعت کہلا کر گورنمنٹ کے استحکام کی مؤید نہیں بلکہ اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے والی ہوگی۔

میرے مضمون ''انہدامِ مساجد'' میں، جیسا کہ اس عنوان سے ظاہر ہے، گورنمنٹ کو اہل اسلام کی ایک عظیم الشان حق تلفی کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایک احمدی کا یہ فرض ہے کہ وہ انہدام مساجد کے خلاف اپنی آواز گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچائے۔ گورنمنٹ کی یہ ہرگز منشاء نہیں کہ باقی مذاہب کے معبد تو محفوظ رہیں، لیکن اہل اسلام کی مساجد، جہاں کہیں کسی سڑک یا کسی مجوزہ عمارت کے سامنے آجاویں، گرادی جائیں۔

میں بہ آواز بلند کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا کہ خدائے واحد کی پرستش کا مقام ہونے کے لحاظ سے دنیا کی کسی قوم کے کسی معبد کو وہ تقدس حاصل نہیں، جو ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسجد کو ہے۔ بیشک مذہبی رنگ میں یہ بات ایک غیر مسلم کو بُری لگے گی اور اس لئے ایک عیسائی حاکم بھی اس سے خوش نہیں ہوسکتا۔ مگر میں جس طرح بہ آواز بلند یہ کہتا ہوں، اسی طرح یہ بھی کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی انسان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے برابر نہیں۔ نہ دنیا کی کوئی کتاب قرآن کریم کے برابر ہے۔ جب میرا یہ کہنا بغاوت نہیں اور حکام کی اطاعت سے انحراف نہیں، تو مسجد کے متعلق بھی جو کچھ میں نے کہا ہے، کیونکر بغاوت اور انحراف ہوسکتا ہے؟ پھر ہم گورنمنٹ عالیہ کے قانون عدل و انصاف سے فائدہ نہ اُٹھا کر کیوں کفران نعمت کے مرتکب ہوں؟ اور کیوں نہ اسی کے عطا کردہ حقوق کا مطالبہ کریں اور کیوں انہدام مساجد کے خلاف اپنی آواز بلند نہ کریں؟

سڑکوں کی تعمیر کے لئے مساجد کا گرانا ان کی سخت بے حرمتی ہے اور کوئی مسلمان اسے گوارا نہیں کرسکتا۔ لیکن گزشتہ چند ماہ میں جو واقعات ظاہر ہوئے ہیں کیا اُن سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ گورنمنٹ کے حکام اس معاملہ میں لاپرواہی سے کام لیتے رہے ہیں۔ اور کیا یہ ضروری نہیں کہ ہم اپنی فریاد کو حضور وائسرائے اور گورنمنٹ آف انڈیا تک، اور اگر وہاں بھی شنوائی نہ ہو، تو ولایت تک اور خود ملکہ معظّمہ کے کانوں تک پہنچا دیں؟ کیا یہ ضروری نہیں کہ آئندہ کے لئے گورنمنٹ کوئی ایسا انتظام کرے جس سے انہدامِ مساجد کا سلسلہ قطعی طور پر رُک جاوے؟ اور اگر گورنمنٹ کے تمام عمال کو یہ اطلاع ہوجاوے کہ آئندہ ان کی ان تجاویز میں، جو نئی سڑکوں اور عمارتوں یا اور کاموں کے لئے ہوں، کسی مسجد کا گرایا جانا سرے سے تجویز ہی نہیں ہونا چاہئے۔

چار یا پانچ مسجدوں کے گرائے جانے کی تجویز، جو کانپور کے واقعہ کی وجہ سے رُک بھی گئی، یہ تو صرف گزشتہ چند ماہ کی بات ہے۔ ابھی کلکتہ میں ایک اور مسجد گرائی جانے والی تھی کہ مقامی افسروں نے عقلمندی سے کام لے کر سردست اس تجویز کو ملتوی کردیا اور مسلمانوں کو چارہ جوئی کا موقع دیا۔ کانپور کی مسجد کے ایک حصہ کو گرانے کی طرح اندھا دُھند کارروائی نہیں کی۔ لیکن ان تازہ واقعات کو چھوڑ کر، جو صرف کانپور کے واقعہ پُرشور کی وجہ سے روشنی میں آگئے، بیسیوں مثالیں ایسی ملیں گی جہاں سڑکوں کے نکالتے وقت مساجد گرائی گئیں اور ان پر ایک آواز بھی نہیں اُٹھی۔ سوال تو یہ ہے کہ مسلمان کب تک مساجد کی اس بے حرمتی پر خاموش رہیں؟ اور اس خاموشی کا نتیجہ تو یہی ہے کہ ایک صوبہ کے لفٹنٹ گورنر جیسا بیدار مغز حاکم ایک مسجد کے ایک حصہ کو گرانے کی نظیر ایک دوسری مسجد کے ویسے ہی حصہ کو گرانے کے لئے بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ پس جس طرح ایک مسجد کا کوئی حصہ دوسری مسجد کے کسی ویسے ہی حصہ کے گرانے کے لئے دلیل کا کام دے سکتا ہے، اسی طرح ایک مسجد کا بالکل ہی گرایا جانا بھی

دوسری مسجد کے گرائے جانے کے لئے دلیل ٹھہر سکتا ہے۔ اور غالباً سر جیمس میسٹن کے ان الفاظ میں کہ "کچھ اور بھی نظیریں ہیں۔" اسی بات کی طرف اشارہ تھا۔

علاوہ ازیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مسلمانوں کا موجودہ شور ایک مذہبی حق کے تحفظ کے لئے ہے نہ کسی پولیٹیکل حق کے مطالبہ کے متعلق۔ مذہبی اور پولیٹیکل حقوق میں اور ان کے مطالبات میں مجھے تو ایک بڑا بھاری فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور خود گورنمنٹ انگلشیہ کا نظام بتا رہا ہے کہ اس نے بھی ان دونوں قسم کے حقوق میں فرق سمجھا ہے۔ کیونکہ جہاں اس نے از راہِ رعایا نوازی و عدل گستری مذہبی حقوق ہمیں اپنی قوم کے مذہبی حقوق کے برابر دیئے ہیں، پولیٹیکل حقوق میں یہ مساوات ابھی تک نہیں دی اور شاید ایک عرصہ دراز تک نہ دے سکے۔ ملکہ معظّمہ قیصرہ وکٹوریہ کی نظر دور بین نے 1857ء کے غدر (جنگ آزادی) کے ساتھ ہی دیکھ لیا تھا کہ مذہبی حقوق میں ہندوستانی رعایا کو یورپین رعایا کی طرح حقوق کا دینا نہایت ضروری ہے۔

سؤر اور گائے کی چربی کے ایک محض قصہ نے کس قدر فساد عظیم ملک میں برپا کر دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اس ملک کی بہتری گورنمنٹ انگلشیہ کے استحکام سے منظور نہ ہوتی، تو ملک میں ہمیشہ کے لئے بدامنی اور ابتری پھیل گئی ہوتی۔ سیاسی نظروں کے لئے اس واقعہ نے ایک ایسا سبق چھوڑا ہے جس کی طرف سے کوئی بیدار مغز حاکم کبھی غافل نہیں ہوسکتا۔ اور اسی لئے گورنمنٹ کے اعلیٰ اور دانش مند حکام نے ہمیشہ سے مشرقی لوگوں کے مذہبی احساسات کا خیال سب سے بڑھ کر رکھا ہے۔ ابھی تازہ واقعہ ہے کہ جب گورنمنٹ بمبئی نے حاجیوں کے جہازوں سے متعلق ایک کمپنی کو ٹھیکہ دینا چاہا تو گورنمنٹ آف انڈیا نے اس کے خلاف مسلمانوں میں کہیں کہیں صدائے احتجاج بلند ہونے پر نہایت دور اندیشی سے ایسے انتظام کو فی الفور منظور نہیں کیا بلکہ جملہ مسلمانوں کی رائے کا پہلے معلوم کرنا مقدم سمجھا۔

پس جب معمولی معاملات میں گورنمنٹ کے اعلیٰ ذمہ دار حکام مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا اس قدر خیال رکھتے ہیں تو مساجد کی بے حرمتی کا معاملہ، جس کو کوئی غیور مسلمان برداشت نہیں کر سکتا، میں نہیں سمجھتا کہ اس کی طرف سے حکام کس طرح لاپرواہی کر سکتے ہیں! لیکن مسلمان لیڈروں کا اور مسلمان اخبار نویسوں کا اور مسلمانوں کی انجمنوں کا یہ فرض ہے کہ عام مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی کر کے اس سخت مذہبی صدمہ، جو عام مسلمانوں کے دلوں کو مساجد کے گرائے جانے سے پہنچ رہا ہے، گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچائیں۔ اسی میں گورنمنٹ کی حقیقی خیر خواہی ہے۔ قرآن کریم کی کھلی بے حرمتی اور مساجد کی کھلی بے حرمتی جیسے امور میں، جن کا اثر خواندہ طبقہ تک محدود نہیں، بلکہ اس طبقہ سے بڑھ کر ایسے امور کا اثر عوام الناس پر بھی پڑتا ہے۔ اور میرے اپنے خیال میں اخبارات میں جس قدر تحریریں اس مضمون کے متعلق اب تک نکلی ہیں، ان میں سے بعض میں اگر جوش کسی قدر زیادہ بھی ہے تو وہ عوام الناس کے دلی جذبات کا قریباً صحیح اظہار ہے۔ میں نے اس بارہ میں جاہل سے جاہل مسلمانوں سے گفتگو کر کے دیکھی ہے اور ان کے دلوں پر ان واقعات کا ایسا گہرا اثر پایا ہے کہ خواندہ طبقہ کے

بھی ایک حصہ میں وہ اثر نظر نہیں آتا۔

قرآن کریم کی بے حرمتی کا تازہ واقعہ ریاست پونچھ کا ہے۔ جہاں عوام الناس پر یہ اثر پڑا کہ انہوں نے ریاست کو چھوڑ دیا ہے۔ اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ جس امر کو عوام الناس مساجد کی بے حرمتی خیال کرتے ہیں، اس سے کس قدر صدمہ اُن کے مذہبی جذبات کو پہنچا ہوگا۔ میں باادب جملہ مسلمان لیڈروں، مسلمان اخبار نویسوں اور مسلمان انجمنوں کے کارکن ممبروں سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس وقت اپنے خیالات کو پیش کرنے کی بجائے ساڑھے سات کروڑ مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی کر کے اصل واقعات کو گورنمنٹ تک پہنچائیں اور انہدام مساجد کے متعلق پورے زور سے چارہ جوئی کریں۔

میں اس بات کے کہنے سے بھی رُک نہیں سکتا کہ اکثر اوقات وہ تحریریں، جنہیں اشتعال انگیز خیال کرلیا جاتا ہے، دراصل اشتعال کو دبانے والی ہوتی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ پادری صاحبان میں سے ایک گروہ نے اور اُن کے تتبّع میں آریہ سماج کے بھی جوشیلے ممبروں نے اسلام پر اور اسلام کے مقدس نبی ﷺ پر اور اسلام کی پاک کتاب پر اس قدر گندے اور گالیوں کے بھرے ہوئے اعتراض شروع کئے تھے کہ اگر اُس وقت عوام الناس کے دلی جذبات پر کسی ریاستی دباؤ کے استعمال کرنے کی کوشش کی جاتی اور ان کے طیش وغصہ کے عام اظہار کا موقع نہ دیا جاتا، جو آگ پر پانی کا کام دیتا ہے، تو یقیناً وہ دبے ہوئے جذبات کوئی اور خطرناک صورت اختیار کر کے ملک میں سخت بدامنی پھیلانے کا موجب ہوتے۔ مگر بہت لوگوں نے حتی کہ مسلمانوں میں سے بھی ناعاقبت اندیشوں نے یہ کہا کہ یہ تحریریں اشتعال انگیز ہیں۔ اور یہ نہ سوچا کہ ان سے عوام الناس کے دلی جذبات کی بھڑاس نکل کر بجائے اشتعال انگیز ہونے کے یہ اشتعال کو روکنے کا کام دیں گی اور حقیقت میں ایسا ہی ہوا، اور واقعات نے ایسا ہی ثابت کر دیا۔ یعنی ان تحریروں نے، جن میں ایک خاص غرض کے لئے مصلحت وقت کے لحاظ سے ایک حد تک سختی سے کام لیا گیا تھا، مسلمانوں کے دلی جذبات کو، جن کے مخالفین اسلام کی ناپاک تحریروں سے بھڑک اُٹھنے کا اندیشہ تھا، وہیں دبا دیا۔

جہاں تک میں نے سوچا ہے یہ غلطی ہے کہ پولیٹیکل حقوق کے مطالبات پر جو شورش ہوتی ہے، اُس پر مذہبی حقوق کے مطالبات کے شور کو قیاس کرلیا جاوے۔ پولیٹیکل حقوق کے جذبات پہلے لیڈروں کے گروہ میں پیدا ہوتے ہیں اور اُن کی کوشش سے کم سمجھدار حصہ پبلک پر اُن کا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے اگر ان حقوق کے مطالبات میں غیر معمولی جوش سے کام لیا جاوے، تو اس کا اثر کم سمجھ لوگوں پر بہت بُرا پڑتا ہے۔ بلکہ بعض وقت مہلک ہوتا ہے۔ برعکس اس کے مذہبی حقوق کے جذبات اور بالخصوص ایسے موٹے معاملات میں جیسے مساجد کا یا معبدوں کا گرایا جانا، یا مقدس کتابوں کی بے حرمتی، ان جذبات کا اثر عوام الناس کے دلوں پر پہلے سے اور زیادہ ہوتا ہے۔ اور اخبارات کی تحریریں صرف ان جذبات کی ترجمانی کر کے اصل معاملہ کو روشنی میں لاتی ہیں اور اس طرح بجائے نقصان دہ ہونے کے مفید ہوتی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ہندوستان کی گذشتہ پانچ سال کی تاریخ میں

ان دونوں قسم کے حقوق کے جذبات سے جو نتائج ظہور پذیر ہوئے ہیں، وہ اس دعویٰ کے صاف مؤید ہیں۔

چند سالوں سے پولیٹیکل حقوق کی ایک خاص جدوجہد نے اور گورنمنٹ کے خلاف سخت تحریروں نے ایک حصہ پبلک پر، جو معمولی تعلیم یافتہ حصہ ہے، یہ خطرناک اور مہلک اثر پیدا کیا کہ خفیہ کمیٹیاں بنتے بنتے آخر بم سازی پر نوبت پہنچی۔ اور اس مہلک بیماری نے ہندوستان میں ایسا خطرناک اثر پیدا کیا کہ آخر خود حضور وائسرائے تک کی جان پر حملہ ہوا۔ اور ایک ایسا بیج ملک میں بویا گیا جس کا دور کرنا اب آسان نہیں۔ برخلاف اس کے موجودہ واقعہ کانپور کو ہی لے لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عوام الناس کے کام جس طرح بلا سوچے سمجھے ہوتے ہیں، اسی طرح انہوں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

سر جیمس میسٹن کا یہ کہنا کہ اخباری تحریروں سے یہ جذبات پیدا ہوئے، استدلال کی ایک غلط راہ ہے۔ اگر یہ جذبات پہلے سے موجود نہ ہوتے تو یقیناً یکم جولائی کو سنگینوں کے پہرہ میں مسجد کا دالان نہ گرایا جاتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ جذبات پہلے ہی عوام الناس کے دلوں میں پیدا ہو چکے تھے اور اخبارات نے ان کی ترجمانی کر کے گورنمنٹ کے سامنے اصل حالات کو پیش کر دیا۔ اگر تعلیم یافتہ گروہ کے زیر اثر یہ جذبات ظہور پذیر ہوتے تو ان کا کوئی اور رنگ ہوتا۔ اور وہ یقیناً گورنمنٹ کے لئے موجودہ واقعہ کی نسبت بہت زیادہ مشکلات کا موجب ہوتا۔ باقی رہا یہ امر کہ اخبارات کے ذریعہ سے ہی اس امر کی اطلاع ملک کے دور دراز حصوں میں ہوئی، یہ صحیح ہے۔ لیکن اگر اخبارات کا یہ کام نہ ہو تو پھر وہ کس مرض کی دوا ہیں؟ سر جیمس میسٹن کو اخبارات پر الزام دیتے وقت اس بات کو بھولنا نہیں چاہئے کہ مساجد کے گرانے اور اُن کی بے حرمتی سے جو اثر ہوتا ہے، وہ پہلے عوام الناس کے دلوں پر پیدا ہوتا ہے۔ اس جوش کے پیدا ہونے کے لئے انہیں کسی بیرونی تحریک کی ضرورت نہیں۔ ہاں! ہر قوم پر ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ وہ خوابِ غفلت میں پڑی سوئی ہوتی ہے اور عالم و جاہل دونوں اپنے حقوق کے تحفظ سے غافل ہوتے ہیں۔ لیکن پھر ایک ایسا وقت بھی آ جاتا ہے کہ وہ قوم بیدار ہو جاتی ہے اور وہی غافل لوگ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر اس تحفظِ حقوق کی تحریک کو گورنمنٹ کی بدخواہی یا وفاداری کے خلاف نہیں کہہ سکتے۔

9 ستمبر 1913ء

مراسلات

مضامین مسجد کانپور کے بارے وضاحت

(مرقومہ مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے، ایڈیٹر: ریویو آف ریلیجنز)

مکرمی ایڈیٹر صاحب پیغام صلح۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں نے آپ کے اخبار میں تین مضمون بابت مسجد کانپور لکھے ہیں۔ان کے متعلق میں مزید وضاحت کے لئے یہ عرض کردینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ میں نے ہرگز اس مضمون پر قلم اُٹھانا پسند نہیں کیا جب تک کہ حضرت خلیفۃ المسیح کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا فتویٰ نہیں پڑھ لیا کہ حکام نے غلطی کی کہ ''مندر کو بچایا اور مسجد کو گرایا۔''

اس فتویٰ کی تحریر اور اشاعت سے پہلے میرے بعض دوستوں نے مجھے یہ کہا بھی تھا کہ تم اُس کے متعلق کچھ لکھو مگر میں نے انکار کردیا۔لیکن جب حضرت صاحب کا تحریری فتویٰ شائع ہوگیا کہ آپ نے بھی اس کا نام مسجد کا گرانا ہی رکھا ہے۔تو میں نے اپنے خیالات کا اظہار کردیا اور اپنے آپ کو اس حکم کے ماتحت رکھ کر کیا۔

باقی رہا یہ امر کہ قادیان میں دو مسجدوں کے غسل خانے کسی اور مصرف میں لائے گئے، مجھے جو کچھ ان کے متعلق علم ہے، میں ان کو ظاہر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔مسجد مبارک کے ساتھ، جب وہ مسجد ابتدا میں بنائی گئی تھی، کوئی غسل خانہ یا وضو خانہ نہیں بنایا گیا۔یہ مسجد اُس وقت تین نہایت چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں پر مشتمل تھی۔جن میں سے ایک میں امام کھڑا ہوتا تھا اور دو میں نمازی۔مسجد صرف اُسی قدر تھی۔ہاں! اس مسجد کے مشرق کی طرف ایک اور کوٹھڑی تھی جس میں حضرت مسیح موعود آرام فرمایا کرتے تھے۔وہ غسل خانہ دراصل نہ تھا بلکہ اسی جگہ میں وہ سرخی کے چھینٹوں کا مشہور واقعہ بھی ہوا تھا۔جس کی تفصیل یہ ہے کہ میاں عبداللہ سنوری حضرت صاحب کے پاؤں دبا رہے تھے اور آپ استراحت فرما رہے تھے کہ کچھ سرخی کے چھینٹے آپ کے کُرتے پر گرے۔اتنے میں آپ بیدار ہوئے اور آپ نے میاں عبداللہ کو اپنا اُسی وقت کا رؤیا سنایا۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے اُس وقت یہ دیکھا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ ایک کرسی پر جلوہ افروز ہے اور آپ کچھ کاغذات دستخط کے لئے پیش کررہے ہیں۔اللہ تعالیٰ

نے ایک قلم سرخی میں ڈبو کر دستخط کرنے کے لئے اسے جھٹکا ہے۔ وہی عالم کشف کی سرخی کے چھینٹے ظاہری عالم میں نمودار ہو کر کُرتے پر گرے۔ اور وہ کرتہ اب تک میاں عبداللہ کے پاس موجود ہے۔

میری غرض یہ ہے کہ یہ جگہ مسجد کا جزو نہ تھی۔ البتہ جب زیادہ آدمی حضرت صاحب کے پاس آنے لگے اور مہمان خانہ بھی کوئی علیحدہ بنا ہوا نہ تھا تو حضرت صاحب نے نمازیوں کے آرام کے لئے یہ اجازت دے دی کہ وہاں پانی رہا کرے اور وہیں لوگ غسل یا وضو کر لیا کریں۔ پھر ایک وقت جب اس کو بطور غسل خانہ استعمال کرنے کی وجہ سے مسجد کے پاس بد بو آنے لگی تو غسل خانہ موقوف کر کے وہاں میرے لئے دفتر بنوایا گیا اور حضرت صاحب کی زندگی تک میں اُسی دفتر میں کام کرتا رہا۔ پس یہ حصہ مسجد میں کبھی شامل نہ تھا۔ ایسا ہی جامع مسجد کے غسل خانوں کے متعلق جو مجھے علم ہے، وہ یہ ہے کہ مسجد کی آخری مشرقی دیوار کے ساتھ ساتھ گلی ہے۔ اس گلی کے دوسری طرف کی دیوار اور مسجد کی دیوار پر ایک ڈاٹ لگا کر چھتی ہوئی گلی کے اوپر غسل خانے بنوائے گئے تھے۔ (واضح رہے کہ مسجد کی سطح گلی سے اونچی ہے) بعد ازاں بہ سبب بنیادوں کے مضبوط نہ ہونے کے یہ ڈاٹ پھٹ گئی تو غسل خانے وہاں سے ہٹا کر ڈاٹ اُٹھا دی گئی۔ گلی پہلے بھی نیچے سے چلتی تھی، اس کے اوپر غسل خانے تھے اور اب بھی وہیں نیچے سے چلتی ہے جہاں غسل خانے تھے۔ وہ جگہ گلی کی سطح سے قریباً آٹھ نو فٹ اوپر ہے۔ وہ گزرگاہ نہیں بن سکتی اور نہ بنی ہے۔

یہ بھی قابل غور امر ہے کہ مسجد کی چار دیواری کے باہر کسی غسل خانہ وغیرہ کا بنوایا جانا دوسرا امر ہے۔ اور جو جگہ مسجد کے لئے مخصوص ہے اُس کے اندر وضو خانہ کا ہونا وغیرہ دوسرا امر ہے جو اسے مسجد سے خارج نہیں کر دیتا۔ اور سب سے بڑی بات جو کانپور کے واقعہ کو قابل توجہ ٹھہراتی ہے وہ یہ ہے کہ جو جگہ گرائی گئی ہے وہ غسل خانہ نہ تھا۔ اور اس لئے صرف غسل خانوں کی نظائر وہاں کام نہیں دے سکتیں۔

میری غرض ''انہدام مساجد'' کے مضمون میں یہ تھی کہ یہ امر کہ گورنمنٹ سڑکوں کے درست کرنے یا عمارات کے بنوانے میں، خلاف منشائے اہلِ اسلام بلکہ ان کی اعلانیہ عرض داشتوں کے خلاف جو حکام کے پاس جاویں، مسجدوں کو یا ان کے کسی حصہ کو گرائے، اُس مذہبی آزادی کے خلاف ہے جو خود ملکہ معظّمہ قیصرہ ہند دے چکی ہیں اور جس کو اس گورنمنٹ کے تمام افسران ذمہ دار تسلیم کرتے ہیں۔ میرے خیال میں سر جیمس میسٹن کا یہ جواب بھی درست نہیں کہ 3 اگست کے واقعہ سے پہلے اُن کے پاس کوئی میموریل جاتا تو وہ کچھ اور فیصلہ کرتے۔ 3 اگست سے پہلے ہز آنر کے پاس میموریل بھی جا چکا تھا۔ اور علاوہ ازیں اخباروں میں اس معاملہ کا ذکر آنے سے پہلے مسٹر محمد علی (جوہر۔ مرتب) ایڈیٹر کامریڈ نے لفٹنٹ گورنر صاحب کو پرائیویٹ چٹھیوں کے ذریعہ بھی توجہ دلائی تھی۔ مگر سب باتوں کا ایک ہی جواب ہز آنر نے دیا کہ وہاں کلکٹر صاحب اور اُس کے ساتھ کچھ لوگ جوتیوں سمیت چلے گئے تھے، یہ وجہ مسجد کے زبردستی اور خلاف منشائے اہل اسلام گرانے کے لئے کافی نہ تھی۔

اس مضمون پر میں اب زیادہ لکھنا پسند نہ کرتا تھا، میں نے صرف اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہا ہے کہ میں نے امام کی اطاعت سے نکل کر مضمون لکھا ہے۔ میں نے جو کچھ حضرت خلیفۃ المسیح کے فتویٰ کا مطلب سمجھا ہے، اس کے ماتحت رہ کر مضمون لکھا ہے۔ اور زیادہ تر توجہ آئندہ انہدام مساجد کے تجاویز کو روکنے کے لئے دلائی ہے۔ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ یہ ایک معمولی امر ہے کہ بعض واقعات سے ایک شخص ایک نتیجہ پر پہنچے دوسرا کسی اور نتیجہ پر پہنچے۔ اس کو سلسلہ میں اختلاف کا نام دینا، خواہ اس کے مرتکب احمدی ہوں یا غیر احمدی، بڑی جلد بازی ہے۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

25 ستمبر 1913ء

مساجد کی ویرانی کے اصل اسباب

ہنرِ مے جملہ بگفتی عیبِ او نیز بگو

(مرقومہ جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے، ایڈیٹر: ریویو آف ریلیجنز)

تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ جو نتائج ہم آج بھگت رہے ہیں۔ وہ سب کے سب ہمارے آج ہی کے افعال کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ بہت سے ان میں سے، جو قومی فلاح اور ترقی یا قومی تنزل سے تعلق رکھتے ہیں، وہ آج سے برسوں بلکہ صدیوں پیشتر کے افعال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ تاہم اگر ہم ان بعض نتائج کی اصلاح کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور رحم سے وہ سامان انسانوں کے لئے اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے پیدا کر رکھے ہیں، جن سے فائدہ اُٹھا کر ہم بہت جلد ان بد نتائج سے مخلصی حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر کوشش شرط ہے۔ اور کوشش بھی ایک دو کی نہیں بلکہ کل قوم کی۔

مسلمانوں کی ترقی کا اصلی راز مساجد کی ترقی میں ہے۔ مگر مساجد کی ترقی سے یہ مراد نہیں کہ جگہ جگہ بیشمار مساجد نہایت خوبصورت اور منقش بنی ہوئی موجود ہوں۔ بلکہ مساجد کی ترقی سے مراد مساجد میں سجدہ کرنے والوں کی ترقی اور اس کے ساتھ ہی اُن کے اندرونی خیالات کا اس ظاہری ہیئت کے مطابق ہونا ہے۔ کیونکہ انسان کے جس فعل میں اخلاص نہ ہو وہ خواہ بظاہر کتنا ہی نیک ہو کبھی نیک نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایک فعل جب وہ اخلاص سے کیا جاوے تو رحمت اور برکت کا موجب ہوتا ہے۔ اور جب وہی فعل منافقت سے کیا جائے اور اس میں اخلاص کی بُو تک نہ ہو تو انسان کے لئے لعنت کا موجب ہو جاتا ہے۔ کسی فرضی لعنت کا نہیں جو ایک گالی سمجھ لی جاوے بلکہ اُس حقیقی لعنت کا جو انسان کو ہر قسم کی خیر و برکت سے محروم کر دیتی ہے۔

جب تک مساجد آباد تھیں اور وہ اپنے حقیقی معنوں کی رو سے مسلمانوں کی سجدہ گاہ تھیں۔ اس وقت تک مسلمان ہر قسم کے نیک اور اچھے کاموں میں دنیا کے رہنما تھے۔ مساجد کی آبادی سے شراب خانے، قمار خانے، زنا خانے ویران تھے مگر مساجد کی ویرانی سے یہ مقامات خوب آباد ہوئے۔ اور یہاں تک آباد ہوئے کہ مسلمانوں کی تباہی کا موجب بن گئے۔ جیسا کہ سنت اللہ ہے۔

جب سچائی اور حق کا دور دنیا میں آتا ہے تو اس کو سب سے پہلے قبول کرنے والے غرباء اور متوسط درجہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن جب باطل پرستی کا دور شروع ہونے کو آتا ہے تو اُس کے سب سے پہلے حامی اُمرا ہوتے ہیں۔ مساجد کی ویرانی بھی سب سے پہلے امراء اور مسلمان امراء کے ہاتھ سے شروع ہوئی۔ جنہوں نے اول نماز با جماعت کے لئے مساجد میں آنا ترک کیا اور آہستہ آہستہ اس فریضہ الٰہی کو، جس کی ادائیگی کے لئے مساجد بنائی گئی تھیں، بالکل ہی ترک کر دیا اور اپنی تعیّشات میں اس قدر منہمک ہوئے کہ تباہی کو سر پر آتے ہوئے بھی نہ دیکھ سکے۔ اُدھر اُن کے تتبع میں دوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ مساجد کو چھوڑنے لگے۔ یہاں تک کہ اس زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہزار ہا مساجد بالکل ویران پڑی ہوئی ہیں۔ جب مسلمان کہلانے والوں اور اپنوں نے ہی مساجد کو ویران چھوڑ دیا تو پھر وہ وقت بھی ان پر آنا ضروری تھا جب دوسرے ان کی ویرانی شروع کر دیتے۔

اسی ملک میں مساجد پر ایک وقت مصیبت کا وہ گزرا ہے کہ اُن کی تباہی میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔ پھر خدا نے اپنے فضل سے اس مصیبت کو دور کیا۔ مگر کیا مسلمانوں نے اس سے کچھ سبق لیا اور مساجد کو حقیقی معنوں میں آباد کرنے کی طرف توجہ کی؟ ترقیات اس قوم کے لئے ہیں جو مصائب سے سبق لے کر راہ راست پر آتی ہیں۔ اُن کے لئے وہ مصائب رحمت اور برکت کا موجب ہوتے ہیں۔ مگر جو قوم مصائب کے آنے پر بھی قدم اور پیچھے کی طرف ہی ڈالتی جاوے اُس کے لئے مصائب اُس کی بربادی اور تباہی کا موجب ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تو یہ تھا کہ اُس نے اس مصیبت کو، جس کے حقیقی اسباب مسلمانوں کے اپنے اعمال تھے، بغیر ہماری کوشش کے ہم سے دور کیا۔ مگر ہماری یہ حالت تھی اور ہے کہ ہم نے پھر بھی اپنی مساجد کو آباد کرنے کی طرف توجہ نہ کی۔ اس لئے کیا ضروری نہ تھا کہ ہم پر پھر وہ مصیبت نازل کی جاتی اور اسی گورنمنٹ کے بعض افسروں کے ہاتھ سے، جس نے ایک سخت مصیبت کے ساتھ مذہبی آزادی کا دروازہ ہمارے لئے کھولا تھا اور ہمارے مذہبی حقوق کا پورا احترام کر کے ہم کو اپنی اصلاح کا موقع دیا تھا، ہماری ہی غفلت کی وجہ سے بعض مساجد کو منہدم کرا کے ایک اور تازیانہ ہماری بیداری کے لئے ہمیں لگایا ہے۔ کاش کہ اب بھی ہم اس سے سبق حاصل کریں!

مگر کیا اس وقت بھی ہماری عملی زندگیوں میں مساجد کی حقیقی آبادی کا کوئی خیال پایا جاتا ہے؟ وہ جوش جو اس وقت احترام مساجد کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے، اسے حقیقی اور سچا جوش اُسی وقت کہا جا سکے گا کہ مساجد کے احترام کے ساتھ اس اصلی غرض کا احترام بھی ہمارے دلوں میں پیدا ہو جاوے۔ جس کے لئے مساجد قائم کی گئی ہیں۔ کیا مساجد کا احترام ہم اس لئے کرتے ہیں کہ وہ عمدہ اور خوبصورت عمارتیں ہیں؟ کیا اُن کا قائم رکھنا ہم اس لئے ضروری خیال کرتے ہیں کہ وہ آثار قدیمہ کی یادگاریں ہیں؟ اگر یہ خیالات درست ہیں تو پھر کوئی ضرورت نہیں کہ ہم بیرونی اور سطحی خیالات سے گزر کر اصلیت اور حقیقت کی طرف بھی متوجہ ہوں۔ لیکن اگر مساجد کا احترام اور اُن کو ویرانی سے بچانے کے لئے ہماری کوشش کرنا اس لئے ہے کہ مساجد کی ضرورت اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے ہے جو ایک مسلمان کے ذمہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فریضہ ہے اور جس میں درحقیقت اس کی کامیابی کے اصلی سامان مضمر ہیں، تو یہ وقت ہے کہ قوم کے لیڈر اور وہ لوگ جو قوم کے خیالات پر

اپنا اثر ڈال سکتے ہیں یعنی اخبار نویس، ادھر بھی توجہ کریں۔

اگر مساجد کے لئے اس قدر جوش دکھانے کے باوجود بھی ہم مساجد کی حقیقی اور اصلی غرض یعنی نماز باجماعت کے لئے کوئی جوش نہ دکھاویں اور اس راہ پر مسلمانوں کو چلانے کے لئے اپنا پورا زور خرچ نہ کریں تو ہم اللہ تعالیٰ کے ایک سخت الزام کے نیچے ہیں۔ ہم اینٹوں اور مٹی کے لئے تو اپنا خون بہانے کو اور ہر ایک مصیبت بھگتنے کو تیار ہیں، مگر جس غرض کے لئے یہ اینٹوں اور مٹی کے مکانات بنائے گئے ہیں اس کے پورا کرنے کی طرف کوئی قدم بھی نہ اُٹھاویں، تو کیا ہم پر یہ الزام عائد نہ ہوگا کہ ہم ایک ظاہر پرست قوم ہیں۔

ہم الفاظ اور عمارتوں کی تو عزت کرتے ہیں مگر اُس حقیقت سے غافل ہیں جس سے ان الفاظ اور عمارتوں کا اصلی منشا پورا ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مساجد کا احترام نہ کرو۔ لیکن اگر اس غرض کو پورا نہیں کرتے جس کے لئے مساجد قائم ہیں، تو پھر تمہارا یہ فعل مخلصانہ نہیں کہلا سکتا۔ بالخصوص اس مضمون میں میرے مخاطب وہ لیڈر ہیں جنہوں نے اس موقع پر ایثار سے کام لیا ہے۔ اگر وہ اس وقت اپنا عملی نمونہ دکھاویں تو آج قوم میں ایک نیا جوش اور نئی روح پیدا ہوسکتی ہے۔ اور ان کا اس وقت کا نمونہ ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں کے لئے رہنمائی کا باعث ہو کر انہیں ثواب عظیم کا باعث ٹھہرا دے گا۔

درحقیقت اگر مسلمان اپنی مساجد کو نماز اور باجماعت نماز کے ساتھ آباد کریں تو انہیں بہت سی دیگر ضروریات سے یہ بات مستغنی کردے گی۔ یہی مساجد ان میں حقیقی یکجہتی اور صحیح تبادلۂ خیالات پیدا کر کے اور ان کے بڑوں اور چھوٹوں میں ایک اتحاد پیدا کر کے اُن کو کلبوں سے مستغنی کردیں گی اور یہی مساجد علاوہ عبادت الٰہی کے اُن کی دنیاوی ضروریات کے انتظام میں بھی کام دیں گی۔ آنحضرت ﷺ جمعہ کے خطبوں میں ہر قسم کے پیش آمدہ اُمور کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے اور یہی طریق خلفائے راشدینؓ کا تھا۔ پس مساجد کی آبادی میں، ہاں! نماز باجماعت کے ذریعہ اُن کی حقیقی آبادی میں مسلمانوں کی ترقی کا اصلی راز مضمر ہے۔ اگر اب بھی مسلمان اس طرف توجہ نہیں کریں گے، تو انہیں جان لینا چاہئے کہ ان کی مصائب کا دور ابھی ختم نہیں ہوا۔

28 دسمبر 1913ء

روحانی امراض اور ضرورت مُصلح

(از فخر اسلام حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے، ایڈیٹر: ریویو آف ریلیجنز۔قادیان)

جب کبھی دنیا میں کوئی روحانی یا اخلاقی بیماری سخت زور پکڑ جاتی ہے اور اس کا علاج دنیوی تدابیر کی حد سے گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کے ذریعہ سے، جسے وہ اپنے پاک کلام سے مستفیض کرتا ہے، اس بیماری کا علاج فرماتا ہے۔اور ایسے شخص کی صداقت کا یہی ثبوت کافی ہوتا ہے کہ وہ اس کا علاج کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔اس اصل کی تشریح ہر نبی کی زندگی میں پائی جاتی ہے۔مگر ایک اخبار کے کالموں کی مختصر گنجائش یہ اجازت نہیں دیتی کہ اس کی زیادہ تشریح کی جائے۔اس کے لئے ایک مثال ہی کافی ہے۔ہمارے نبی کریم ﷺ کے ظہور سے پہلے توحید الٰہی کی تعلیم دنیا سے بالکل گم ہوچکی تھی اور دنیا کے تمام ملک اس پاک تعلیم سے، جو انسان کی تمام روحانی اور اخلاقی ترقیوں کی جڑ ہے، خالی ہوچکے تھے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کو دنیا میں دوبارہ قائم کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ذریعہ سے پہلے عرب میں اور پھر عرب کے ذریعہ سے کم و بیش ساری دنیا میں اس روشنی کو پھیلایا۔اسی مقدس انسان کی تحریک کا نتیجہ تھا کہ توحید اس دنیا میں دوبارہ آہستہ آہستہ پھیلنی شروع ہوئی اور انسان پرست اور بُت پرست اقوام کے اندر بھی آخر اس کا شور بلند ہوا۔جس طرح اس طبیب کے حاذق ہونے میں کسی شخص کو شک نہیں ہوسکتا۔جو ایک بیمار کی اصل بیماری کی تشخیص بھی درست کرلے اور پھر اس کا علاج کرنے میں بھی کامیاب ہوجائے۔اسی طرح اس مصلح کی صداقت کا انکار بھی کسی کو نہیں ہوسکتا۔جو انسانوں کی روحانی بیماری کا پتہ درست طور پر لگالے اور پھر اس بیماری کے علاج میں کامیاب بھی ہوجائے۔

مسلمانوں کی جو حالت اس زمانہ میں ہے اس کے اسباب کی تلاش میں بہت کچھ کوشش کی گئی اور کی جارہی ہے اور بہت لوگوں نے بعض خاص اسباب کو مسلمانوں کی ذلت اور ادبار کا اصل باعث قرار دے کر اپنے اپنے رنگ میں اصلاح کی کوشش کی ہے۔انہیں میں ایک شخص ایسا بھی ہے جس نے اس زمانہ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے کلام سے مشرف فرما کر اس زمانہ کا مصلح کر کے بھیجا ہے۔اس نے بھی مسلمانوں کی بیماری کی ایک تشخیص کی ہے اور اس کا ایک علاج تجویز کیا ہے۔جس پر غور کرنا ہر اس شخص کا فرض ہے، جس کو اللہ تعالیٰ

نے فہم وفراست سے کوئی حصہ دیا ہے۔اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر زمانہ میں بیماریاں متعدد بلکہ لاانتہا ہوتی ہیں۔ اوراس لئے ہرایک غور کرنے والا شخص کسی نہ کس واقعی بیماری کو دیکھ لیتا اوراس کی تدبیر میں لگ جاتا ہے۔مگر وہ لوگ جن کواللہ تعالیٰ منتخب کرکے اصلاح کے لئے مامور کرتا ہے۔وہ ان بیماریوں کی جڑ کو سمجھتے ہیں اوراسی کے علاج میں لگ جاتے ہیں۔عرب میں کس قدر بیماریاں تھیں،مگر نبی کریم ﷺ تیرہ سال تک برابرایک توحید کے وعظ میں لگے رہے۔کیونکہ اسی کا نہ ہونا سب بیماریوں کی جڑ تھی،اور جب اس میں کامیاب ہوگئے تو پھر دوسری بیماریوں کی طرف توجہ کی۔

ہمارے زمانہ کے اس مُصلح نے،جس کا دعویٰ یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے لئے مامور فرمایا ہے،جس مرض کومسلمانوں کی سب بیماریوں کی جڑ سمجھا ہے۔اس کا علاج اس اقرار میں کیا ہے،جو ہرایک بیعت کرنے والے سے لیا جاتا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔'' اب غور کرو کہ کیا درحقیقت مسلمانوں کی بیماریوں کی جڑ یہی ہے یانہیں کہ انہوں نے دین کو دنیا پر مقدم نہیں کیا۔مسلمانوں میں بیشک تعلیم کی کمی ہے لیکن کیا جس قدرعرب کی اُمی قوم اس زمانہ کی دوسری اقوام سےعلوم کے حاصل کرنے میں پیچھے رہی ہوئی تھی،اس سے زیادہ آج مسلمان دوسری قوموں سے تعلیم میں پیچھے ہیں؟ مسلمانوں میں بیشک افلاس ہے۔لیکن کیا عرب مال ودولت اورشان وشوکت کے لحاظ سے ایران اور روما کے مقابلہ میں اس قدر ہی وقعت رکھتے تھے،جتنی آج مسلمانوں کو دنیا کی دوسری اقوام کے مقابلہ میں حاصل ہے؟ تو معلوم ہوا کہ گو یہ بھی مسلمانوں کی موجودہ بیماریاں ہوں،مگر یہ بیماریوں کی جڑ نہیں۔اورمقدم عوارض کی طرف نہیں بلکہ جڑ کی طرف توجہ کرنا ہے۔

سوخوب غور کرلو کہ جس بات نے مسلمانوں کو دنیا میں کامیاب قوم بنایا تھا۔وہ ایک ہی گُر تھا،گواُس کی شاخیں بہت تھیں۔اور وہ گُر یہ تھا کہ انہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کرلیا تھا۔دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا یہ منشاء نہیں کہ وہ تارک الدنیا ہوگئے تھے یا دنیا کے کاروبار اور مشاغل کو چھوڑ کر دن رات مساجد میں بیٹھے تسبیح کرتے رہتے تھے۔بلکہ دین کو دنیا پر مقدم کرنا یہ تھا کہ دنیا کے سب کاروبار کرتے،دنیا کا مال ودولت کماتے،اپنے اور دوسروں کے حقوق کو ادا کرتے،لیکن یہ سب کچھ دین کی راہ میں قربان کرنے کے لئے کرتے تھے۔جب کبھی کوئی دینی ضرورت پیش آجاتی تھی تو اُس وقت اُن کا سارا مال ودولت،اُن کا اپنا نہ ہوتا تھا،بلکہ وہ خدا کا ہوتا تھا۔ان میں بڑے بڑے مفلس بھی تھے اور بڑے بڑے امیر بھی تھے۔جو مزدور تھے وہ دن بھر کمائی کرکے اگر ایک مٹھی دانوں کی بھی کماتے تو ضرورت کے وقت وہ عام قومی چندہ میں لا حاضر کرتے۔اورامیروں نے اگر ہزار ہا روپیہ بھی اپنی تجارتوں یا کاروبار کے ذریعہ سے کمایا ہوتا تو وہ بھی ایک مٹھی بھر دانوں کی طرح اُسی جگہ آجاتا۔دیکھو!باوجود یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور بالخصوص مہاجرینؓ کس قدر مشکلات میں تھے کہ گھر بار،املاک،دولت،مکان سب کچھ چھوڑ کر بیکسی

کی حالت میں دوسری جگہ جا کر پناہ لی۔ مگر پھر بھی وہ بے فکر ہو کر بیٹھنے والی قوم نہ تھی۔ خوب کماتے تھے، اور خدا کی راہ میں اس طرح بہاتے تھے کہ گویا وہ ان کا اپنا کمایا ہوا روپیہ ہی نہیں۔

غزوہ تبوک آنحضرت ﷺ کی مہموں میں سے آخری مہم تھی۔ اس مہم میں بعض امیر صحابہؓ، جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہزار ہا روپیہ سے امداد دینا ثابت ہے اور غریبوں سے جو کچھ بن پڑتا تھا انہوں نے لا حاضر کیا۔ اور مال سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے اپنی جانوں کو کسی کام کا نہ سمجھا ہوا تھا۔ سوائے اس کے کہ خدا کی راہ میں، اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے وہ کچھ کام دے سکیں۔ ان میں سب سے پیچھے رہا ہوا وہ شخص تھا جس نے کچھ مدد تو کی، لیکن عرب کا ملک، سخت گرمی کا موسم، جس کو قرآن کریم میں بھی نار جہنم سے تشبیہ دی گئی ہے، اپنے باغ میں سایہ میں آرام سے لیٹا ہوا رہ گیا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے کچھ آگے نکل گئے۔ تو معاً اس کے دل میں خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ تو اس گرمی میں دشمن کے حملہ کو روکنے کے لئے سفر کر رہے ہوں اور میں آرام کے ساتھ سایہ میں لیٹا ہوا ہوں۔ اس خیال کا آنا تھا کہ اکیلا اُٹھ بھاگا اور آخر ساتھ جا ملا۔ کاش! کہ ہم میں اس وقت چند ایسے لوگ ہی ہوتے جو صحابہؓ میں اُس سب سے پیچھے رہے ہوئے کے برابر ہوتے!

اپنی حالت پر غور کرو۔ ایک ہندوستان کو ہی لے لو۔ سات کروڑ مسلمان!! یونیورسٹی کے لئے اس قدر جوش تھا، کہتے ہیں دوسری قومیں بھی حیران تھیں۔ مگر سب سے بڑھ کر حیرت انگیز یہ بات ہے کہ دو یا تین سال کے عرصہ میں تیس لاکھ روپیہ جمع کر لیا۔ گویا ہماری ہمتوں کا یہ منشا تھا۔ حالانکہ بیسیوں ایسے اشخاص بھی موجود تھے اور مسلم یونیورسٹی کے محرکین میں تھے کہ اکیلا اکیلا آدمی ان میں سے تیس لاکھ سے زیادہ دے سکتا تھا۔

یہ تو ایک وہ کام تھا۔ جو گو قومی کام ہونے کے لحاظ سے ایک حد تک دینی کام کہلا سکے، لیکن دنیوی ترقی اور بہبودی کے خیالات اس سے بہت کچھ وابستہ تھے۔ وہاں ہم سات کروڑ مسلمانوں کی انتہائے ہمت یہ ہے کہ ہم نے تیس لاکھ روپیہ جمع کر لیا اور خوش ہو گئے اور خالص خدمتِ دین کے لئے تیس لاکھ چھوڑ کر مجھے تیس ہزار بھی کسی جگہ جمع ہوا نظر نہیں آتا۔ بلکہ خدمت دین واشاعت اسلام کے لئے شاید مسلمانوں کے دلوں میں کوئی جگہ رہی ہی نہیں۔ یہ خیال نہ کرو کہ یہ اتفاقی امور ہیں، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم اور تربیت سے ہی یہ حصہ نکل چکا ہے۔ حتیٰ کہ اب ہم اس بات کے سمجھنے سے بھی قاصر ہو رہے ہیں کہ درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کرنا ضروری ہے اور کہ یہ ہمارے مذہب کی تعلیم کے اصول میں کوئی بات ہے۔ ہم بیمار ہیں لیکن مسلول کی طرح اپنی بیماری کو صحت سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی کچھ قدم آگے بڑھ کر صحت کو بیماری سمجھتے ہیں۔

یہی دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی تعلیم ہے جس سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ مگر ہم کہاں تک اسے قابل عمل سمجھتے ہیں، اس کی ایک مثال میں دیتا ہوں۔ قرآن کریم میں ایک جگہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے: قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُ کُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لاَ یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ. (24:9) ’’کہہ دو اگر تم کو اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد اور اپنے بھائی بند اور اپنی بیبیاں (یا بیبیوں کو اپنے خاوند) اور اپنے کنبے اور وہ مال جو تم کماتے ہو۔ اور وہ (پُر رونق) تجارتیں جن کی سرد بازاری کا تم کو خطرہ ہے اور وہ مکانات جو تم کو پسندیدہ ہیں۔ اگر یہ تمام چیزیں تم کو اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اُس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنے امر کو لائے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔‘‘

اس لفظی ترجمہ سے اگر ہم میں سے کوئی شخص کچھ فائدہ اُٹھانے کے لئے تیار بھی ہو تو ذیل کا حاشیہ جو ہمارے ایک سب سے بڑے مقبول ترجمہ قرآن پر موجود ہے۔ جو اس وقت ہم مسلمانوں کی دینی تعلیم کے لئے سب سے بڑھ کر پسندیدہ ہے۔ ہماری قوم کو پست ہمتی میں اور بھی گہرائی کی طرف لے جانے کے لئے کافی ہے۔

> ’’اس آیت میں شروع شروع کے مسلمانوں کے حق میں بڑی سختی سے ایک حساب سے اُن کو بالکل علائق دنیا کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔‘‘

گویا ہمارے لئے تو اب قرآن شریف کی یہ آیت ہے ہی نہیں۔ یہ صرف شروع شروع کے مسلمانوں کے لئے تھی کہ ان غریبوں کے حق میں بھی بڑی سختی تھی۔ ایک طرف قرآن کریم کی تعلیم ہے اور دوسری طرف ہمارے خیالات یا ہمارے قومی خیالات کا نچوڑ ہے۔ وہ تو ہمیں یہ فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اُس کی راہ میں کوشش کرنے پر ان چیزوں کو مقدم کرتے ہو تو تم فاسق ہو۔ اور فاسقوں کو اللہ تعالیٰ کامیابی کی راہ نہیں دکھاتا بلکہ اُن کو ذلیل کرتا ہے اور دنیا کی تاریخ ہمیں اس کا مشاہدہ کرا رہی ہے۔ اور دوسری طرف ہماری بلند ہمتی کا یہ حال ہو کہ ہم نہ اسے ایک اعلیٰ اور مشکل تعلیم ہی خیال کر رہے ہوں، بلکہ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ ہمارے لئے نہیں۔ کوئی اور مسلمان تھے جن کے لئے یہ تعلیم تھی۔ ہمیں اس کی ضرورت ہی نہیں!

اس ایک واقعہ سے اپنی بیماری کو سمجھ لو اور اُس حکیم خدا کی حکمت پر بھی غور کرو، جس نے اس وقت ہماری اس بیماری کو سمجھ کر وہ طبیب بھیجا ہے جس نے آتے ہی یہ نسخہ تجویز کیا کہ تم دین کو دنیا پر مقدم کرو۔ یہی وہ نسخہ ہے جس سے تم بیماریوں سے نجات پا کر دنیا میں پھر ایک کامیاب قوم ہو سکتے ہو۔ ہاں! یہ بڑی سخت غلطی ہے۔ جو یہ خیال کیا جائے کہ اس آیت میں علائق دنیا کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ علائق دنیا تو سارے اس

میں بتائے گئے ہیں۔ مسلمانوں کو ہی مخاطب کر کے یہ کہا گیا ہے کہ تمہاری یہ چیزیں ہیں۔ تمہارے بڑے بڑے مال بھی ہیں جن کو تم کھاتے ہو۔ تمہاری تجارتیں بھی ایسی پُر رونق ہیں کہ اُن کی طرف سے بے توجہی کی تو اُن کے ٹھنڈا ہو جانے کا خطرہ ہے۔ تمہارے بڑے بڑے مکان بھی ہیں جو تم کو بہت اچھے لگتے ہیں۔ پھر یہ بھی نہیں کہا کہ تم ان چیزوں سے محبت نہ کرو اور اپنے لئے زمین پر کچھ نہ رکھو۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے، حضرت مسیح کی نہیں۔ بلکہ صرف یہ فرمایا کہ یہ سب کچھ تمہارا ہو اور بیشک تمہیں یہ چیزیں پسند بھی ہوں، ان سے محبت بھی ہو۔ مگر وہ محبت اس سے زیادہ نہ ہو جو اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اُس کے دین کی اشاعت کے لئے ہے۔

بس صرف ایک ہی حد بندی ہے اور وہی حد بندی تمہاری ساری کامیابیوں کی جڑ ہے۔ اگر اس حد بندی کو توڑو گے تو پھر فاسق کے نام سے پکارے جانے کے قابل ہو گے۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ سے پا کر اس زمانہ کے مصلح نے، ہاں! مسیح موعود نے جب ایک جماعت بنانی شروع کی تو صرف ایک ہی مضبوط اقرار اُن سے لیا۔ اور ہر ایک شخص سے، جب وہ اس جماعت میں داخل ہوا، الگ الگ لیا۔ اور وہ اقرار یہ ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ نہ کسی اور مصلح کو مسلمانوں کی بیماریوں کی جڑ کا پتہ لگا، نہ کسی کو یہ نسخہ سوجھا۔ اور سوجھتا بھی کیونکر! یہ اللہ تعالیٰ کا کام تھا کہ وہ بتاتا تو سمجھ میں آتا۔

سلسلہ احمدیہ تم سے کیا چاہتا ہے؟ کوئی نئی بات نہیں چاہتا۔ صرف وہی بات جس سے مسلمانوں نے دنیا میں کبھی کامیابی حاصل کی تھی۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ ایک بڑی مشکل بات ہے۔ ہاں! یہ سچ ہے کہ یہ ایک موت ہے جو انسان کو اپنے اوپر وارد کرنی پڑتی ہے۔ مگر اس موت کو قبول کئے بغیر اب قومی زندگی نہیں رہ سکتی۔ ایک شخص نے تم کو آگاہ کر دیا ہے اور پُکار کر کہہ دیا ہے کہ اس کے ساتھ مل کر ہی، اس کی تعلیم پر عمل کر کے ہی، اس کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر ہی تمہاری نجات ہے، اور وہ کوئی نئی راہ نہیں۔ بلکہ وہی راہ ہے جو قرآن کریم نے بتائی۔ جس پر صحابہؓ نے عمل کر کے دنیا میں کامیابی اور آخرت میں نجات حاصل کی۔ تمہارے سامنے یہ ایک راہ ہے۔ جس پر چلا کر تم کو صرف خادم دین بنانا مقصود ہے۔ اس پر غور کرو اور سوچو کہ کیا سوائے اس راہ پر چلنے کے تم اپنی بیماریوں سے نجات حاصل کر سکتے ہو؟

اسی سوال کا یہ ایک دوسرا پہلو ہے کہ خود اس قلیل عرصہ میں سلسلہ احمدیہ نے کیا خدمات کی ہیں اور عملی طور پر کیا کر کے دکھایا ہے۔ جس کے لئے اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس قدر میں کہہ سکتا ہوں کہ

جس قدر موجودہ جماعت احمدیہ میں خدمت دین اور اشاعت اسلام کا جوش ہے، اگر زیادہ نہیں، کم سے کم اس قدر جوش ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں ہو، تو آج مسلمان قوم کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ ہم بھی دیکھتے ہیں کہ کب تک ہمارے مسلمان بھائی اس اعلیٰ معیار کی طرف، جس کی طرف سلسلہ احمدیہ اُن کو لانا چاہتا ہے، قدم اُٹھانے سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ اگر خدا کی آواز کو اس طرح پر وہ نہیں سنیں گے تو پھر مصائب اور مشکلات کے چکروں میں پڑ کر آخر اسی راہ پر قدم اُٹھانا ہوگا۔

28دسمبر1913ء

ہم کیا کریں گے؟

کلامِ حامدؔ

ہم طالبانِ حق سے ذکرِ خدا کریں گے!	ذکرِ خدا سے اُن کے سینے صفا کریں گے
ہم بات وہ کہیں گے جو لاکھ میں کی ہو ایک	پھر جو بُرا کرے گا اس سے بھلا کریں گے
رہ رہ کے یہ جو جھگڑے اُٹھتے ہیں مذہبوں میں	ان کا خدا کی خاطر کچھ فیصلہ کریں گے
جھگڑا چُکانا آخر اپنا جو ہوگا مقصد	جو دل کے صاف ہوں گے وہ کیوں گلہ کریں گے
بندوں کا اِک خدا ہے جھگڑا ہی اس میں کیا ہے	اپنا وہی ہے اللہ جس کی ثناء کریں گے
مل مل کر سارے بیٹھیں حق بات سے نہ اینٹھیں	ملنا ہے جب خدا سے پھر اور کیا کریں گے
وہ ذات سب میں اعلیٰ ہر اِک صفت میں بالا	کیوں قدرتوں میں اس کی چوں و چرا کریں گے
خلقت ہے اُس خدا کی مانا ہے جس کو خالق	پھر کس کے در پہ جا کر حاجت روا کریں گے
یہ حق ہے اِک خدا کا توحید حق یہی ہے	مذہب کا حق یہی ہے جس کو ادا کریں گے
واحد خدا کو مانیں اس سے کریں محبت	جو عاشقانِ حق ہیں وہ جاں فدا کریں گے
اپنا خدا یکتا ہر رنگ میں ہے کامل	کامل کے سامنے کیا ناقص کھڑا کریں گے
صادق خدا کے بندے جو بن کے آئے ہادی	رہبر سوا اُن کے کیوں دوسرا کریں گے
تعلیم ان کی توحید خادم وہ اس کے ہر دم	سب اس پہ متفق ہیں اس کو بپا کریں گے
مرکز یہ مذہبوں کا یہ جان کل مذاہب	پھر اتفاق کس پر اس کے سوا کریں گے
صلح و سلامتی کا مذہب جو ہے تو یہ ہے	اسلام نام اس کا اس کو کھڑا کریں گے
ہر طرف سے اُٹھا کر غیروں سے دل ہٹا کر	اس ایک سے لگا کر دل کو رہا کریں گے
دل کی سلامتی کا اصلی مقام یہ ہے	تسلیم جس میں آخر حق کی رضا کریں گے

دینِ خدا یہی ہے جس میں رضاء حق ہے — پھر اختیار مذہب اب کونسا کریں گے

عاشق جو ہیں خدا کے وہ غور کرکے سوچیں — طلبِ خدا میں کس کا وہ آسرا کریں گے

جب صلح و آشتی کا اسلام میں ہے پیغام — وہ ترک صلح کرکے آخر جفا کریں گے

تعلیم پاک قرآن امن و سلامتی ہے — ہادی وہ ان کا ہوگا جو اتقاء کریں گے

تہذیب نفس انساں ہوتی ہے اس سے ہر دم — پائیں گے حق وہ اس کو جو رہنما کریں گے

اس کو کمال خود کا دعویٰ جو ہے بجا ہے — ہم امتحاں میں ہر دم اس کو کھڑا کریں گے

آغاز کل مذاہب یہ مان لو کہ حق ہے — آخر کوئی تو قائم حق خدا کریں گے

تفریق حق و باطل نیچر کا مسئلہ ہے — نیچر میں ہیں مذاہب ان کو صفا کریں گے

دنیا کی ہستیوں میں ہستی ہے آدمی کی — مذہب میں اس کو لا کر ہم کیمیا کریں گے

گر جستجوءِ حق ہے مذہب کے اتباع میں — آخر کوئی تو مذہب اب حق نما کریں گے

جب فکر اس کی پیدا ہو یادِ عاقبت میں — پھر قوم و ملک سے ہم کب تک حیا کریں گے

الفت جو حق سے ہوگی باطل سے ہوگی نفرت — پھر کون غیر ہوگا، کس کو جدا کریں گے

اپنا جو ہوگا لیں گے، غیروں کا ہوگا دیں گے — ہم پاک باز بن کے بیع و شراء کریں گے

اوپر کی بات اوپر نیچے کی بات نیچے — آداب داں جو ہوں گے وہ کیوں دغا کریں گے

حامد کی آرزو ہے یوں زندگی بسر ہو — وہ مانیں یا نہ مانیں ہم التجا کریں گے

18 جنوری 1914ء

مراسلات

نقل خط حضرت مولینا نورالدینؒ

(جو آپ نے 14 جنوری کو خواجہ کمال الدین صاحبؒ کو لکھا)

مکرم معظم خواجہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا خط پہنچا۔ جلسہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخیر وخوبی ختم ہوا۔ آمد احباب ودرآمد روپیہ ہمیشہ سے بڑھ کر ہوئے۔

مصری شہزادی اور روسی نواب زادہ کا اسلام مبارک ہو۔ اس کے متعلق میں آپ کو بہت مبارک باد دیتا ہوں۔ قرآن کریم میں لکھا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (7:14۔ مرتب) ووکنگ کے متعلق بہت شکریہ کریں اور بقدر امکان اسے نہ چھوڑیں اور اللہ سے دعا مانگتے رہیں۔ ووکنگ میں روپیہ مسلمانوں ہی کا خرچ ہوا ہے۔ افریقہ بیشک قابل رحم ہے، وہاں کے لئے کوئی یورپین چاہئے۔ اسلامک ریویو ان کو بھیجیں۔ مصری اور ایرانی اور ترکی نوجوان گو بظاہر ان کو اسلام سے تعلق نہ معلوم ہوتا ہو مگر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اثر ان میں ضرور ہوگا۔ جو مسلمان طالب علم وہاں ہیں، خواہ وہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں، آخر ہمارے ہی ہیں۔

میں آپ کے لئے دو باتیں بیشک ناپسند کرتا ہوں۔ اول آپ کا جلد ہندوستان واپس آنا۔ دوسرا عام لوگوں کے آگے چندے کے لئے سوال کرنا بھی مجھے آپ کے لئے بہت ناپسند ہے۔ اس میں آپ دوسرے لوگوں کی طرف خیال نہ کریں۔ خواہ وہ کتنے بڑے لوگ کیوں نہ ہوں۔ جو ان کا اسلام ہے وہ ہمارا اسلام نہیں ہے۔ ہم تو اللہ کا ہی دیا ہوا روپیہ بھی چاہتے ہیں، خواہ لنڈن میں ہو یا ہندوستان میں۔ خوشامدی بن کر جو روپیہ لیا جاوے وہ بابرکت نہیں ہوتا۔ بلکہ وہی مال بابرکت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دے اور خود دلوں میں ڈال دے۔ اِنْ اُعْطِيْتَ مِنْ غَيْرِ اسْتِشْرَافِ نَفْسٍ فَخُذْهُ يُبَارِكَ اللّٰهُ بِكَ۔

اشاعت کے متعلق حدیث شریف میں بھی اسی طرح آیا ہے کہ اول لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی طرف بلاؤ۔ نماز ہی مسلمانوں کا اصل نشان ہے۔ جو اسے دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتا ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ (143:2۔ مرتب) جب وہ نماز کو مان لیں تو پھر زکوٰۃ کا وقت آتا ہے۔

اور یہ تو مجھے یقین ہے کہ جو آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوں گے وہ مسیحؑ کی وفات کے بھی قائل ہوں گے۔ اور ایسا ہی وہ اس بات کے قائل ہوں گے کہ طبعی مردے دنیا میں واپس نہیں آیا کرتے۔ حضرت صاحب کا اصلی منشا تو عملی حالت کو سنوارنا تھا۔ اس لئے احباب کو عملی حالت کے سنوارنے کی طرف لائیں اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی طرف نگاہ رکھیں۔ اس بات کی مطلق پروانہ کریں کہ فلاں انجمن یا فلاں مجلس میں آپ کے لئے کیا ہوا یا کیا نہیں ہوا۔ کیا فری تھنکر احمدی ہیں؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔

والسلام۔

(نورالدین)

22 جنوری 1914ء

جناب مولوی شیر علی صاحب کی روانگی لندن

بخدمت ایڈیٹر صاحب اخبار پیغام صلح۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جناب خواجہ کمال الدین صاحب کی امداد کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح نے مولوی شیر علی صاحب بی۔اے اسسٹنٹ ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز کو لنڈن جانے کا حکم دیا ہے اور مولوی صاحب موصوف بالکل تیار ہیں۔ مولوی صاحب کے اخراجات اسلامک ریویو فنڈ پر ڈالنے جناب خواجہ صاحب نے منظور فرمائے ہیں۔ چونکہ بعض جگہ سے اس کے متعلق استفسار اور درخواستیں آتی رہتی ہیں اس لئے آپ یہ اعلان کردیں کہ خواجہ صاحب کو سردست اور کسی آدمی کی ضرورت نہیں ہے۔ والسلام۔

خاکسار

محمد علی

ایڈیٹر: ریویو آف ریلیجنز قادیان

☆☆☆

3فروری1914ء

اداریہ

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہم مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟

(از جناب مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے)

حضرت خلیفۃ المسیح کا ایک خط بنام جناب خواجہ کمال الدین صاحب اخبار پیغام صلح مورخہ 18 جنوری 1914ء میں چھپا تھا۔جس کے ایک فقرہ کو بعض حاسدین سلسلہ احمدیہ نے پبلک کے سامنے محض لوگوں کو بدظن کرنے کے لئے اُلٹے معنے کر کے پیش کیا ہے۔چنانچہ پیسہ اخبار لاہور کی کسی ایسی ہی تحریر کی بناپر بعض خطوط حضرت خلیفۃ المسیح کے نام آئے ہیں کہ اس فقرے سے کہ ''جو ان کا اسلام ہے وہ ہمارا اسلام نہیں'' آپ کا کیا مطلب ہے؟ اور کہ پیسہ اخبار کے اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کے اسلام کو اسلام نہیں سمجھتے۔ایسے خطوط کا جواب حضرت خلیفۃ المسیح نے جو دیا وہ یہی ہے کہ ہم مسلمانوں کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں۔مگر میں نے مناسب سمجھا کہ اس خیال کی، جو پیسہ اخبار نے لوگوں کو بدظن کرنے کے لئے پھیلانا چاہا ہے، عام طور پر تردید شائع ہو جائے تو بہتر ہے۔چنانچہ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے دکھا کر مضمون شائع کر دیا جائے۔چنانچہ یہ مضمون بعد ملاحظہ حضرت خلیفۃ المسیح شائع کیا جاتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح کی نصیحت خواجہ صاحب کو: جس فقرہ پر اعتراض کیا گیا ہے۔وہ سارا فقرہ یوں ہے:

> ''......میں آپ کے لئے دو باتیں بیشک ناپسند کرتا ہوں۔اول آپ کا جلد ہندوستان واپس آنا۔دوسرا عام لوگوں کے آگے چندے کے لئے سوال کرنا بھی مجھے آپ کے لئے بہت ناپسند ہے۔اس میں آپ دوسرے لوگوں کی طرف خیال نہ کریں۔خواہ وہ کتنے بڑے لوگ کیوں نہ ہوں۔جو ان کا اسلام ہے وہ ہمارا اسلام نہیں ہے۔ہم تو اللہ ہی کا دیا ہوا روپیہ ہی چاہتے ہیں،خواہ لنڈن میں ہو یا ہندوستان میں۔خوشامدی بن کر جو روپیہ لیا

جائے۔ وہ بابرکت نہیں ہوتا۔ بلکہ وہی مال بابرکت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دے اور خود دلوں میں ڈال دے اِنْ اُعْطِیْتَ مِنْ غَیْرِ اسْتِشْرَافِ نَّفْسٍ فَخُذْہُ یُبَارِکَ اللّٰہُ بِکَ۔''

اس ساری عبارت کو اول سے آخر تک پڑھ کر ایک ایسے شخص کے دل میں، جو تعصب سے خالی ہو کر ذرا غور سے کام لے، یہ خیال پیدا نہیں ہوسکتا کہ اس میں مسلمانوں کو اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ اس کے اوپر کا ایک ہی فقرہ اس قسم کے غلط خیالات کی تردید کے لئے کافی ہے۔ جہاں ایرانی، مصری، ترکی نوجوانوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح نے خواجہ صاحب کو یہ لکھا ہے کہ جو مسلمان طالب علم وہاں ہیں خواہ وہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں آخر ہمارے ہی ہیں۔ اب یہ طالب علم احمدی تو نہیں ہیں۔ پھر ان کو ہمارے کہنے سے کیا مطلب ہے؟ کیا ایسا فقرہ کسی ایسے شخص کے منہ سے نکل سکتا ہے، جو ان کو مسلمان نہ سمجھتا ہو یا ان کے اسلام کو اسلام قرار نہ دیتا ہو۔ اس فقرہ کا، جو اوپر نقل کیا گیا ہے، مطلب سمجھنے کے لئے اصل خط کے، جس کا یہ جواب ہے، مضمون کے متعلق صرف اس قدر کہہ دینا ضروری ہے کہ اس خط میں خواجہ صاحب نے بوجہ قلت فنڈ کے حضرت خلیفۃ المسیح سے یہ اجازت طلب کی تھی کہ وہ چند ماہ کے لئے ہندوستان میں آکر اور مختلف مقامات میں پھر کر چندہ کے لئے تحریک کریں۔ مگر ان دونوں باتوں کو آپ نے خواجہ صاحب کے لئے ناپسند کیا۔ ان کی جلد واپسی کو تو اس لئے پسند نہ فرمایا کہ جو کام وہاں شروع ہو چکا ہے اس کو نقصان پہنچے گا۔ اور جو نومسلم وہاں اسلام میں داخل ہوئے ہیں، اُن کی تعلیم کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اُن کو بھی قبولیت اسلام سے چنداں فائدہ نہ ہوگا۔

اور دوسرا امر یعنی خواجہ صاحب کا خود مختلف مقامات میں چندہ کے لئے آنا۔ اس کو بھی ناپسند فرمایا۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ آپ نے اس کام کو مشترکہ اسلامی کام نہیں سمجھا۔ کیونکہ آپ نے چندہ کی تحریک کو ناپسند نہیں کیا۔ بلکہ اس بات کو بھی ناپسند نہیں کیا کہ دوسرے لوگ پھر کر خواجہ صاحب کے لئے چندہ وصول کریں۔ یہ کام تو جو کوئی کرے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستحق اجر ٹھہرے گا۔ جس بات کو آپ نے ناپسند کیا، وہ صرف اس قدر تھی کہ پھر کر چندہ کرنا مجھے آپ کے لئے بہت ناپسند ہے۔

اور درحقیقت کیا یہ سچ بات نہیں کہ ایک ایسے شخص کے لئے، جو تبلیغ اسلام کے عظیم الشان کام میں لگا ہوا ہے، کس قدر غیر موزوں یہ بات ہے کہ وہ مختلف شہروں میں پھرتا ہوا لوگوں کے آگے اس تبلیغی کام کی مالی امداد کے

لئے دست سوال دراز کرتا پھرے۔ یہ امر نہ صرف اس کے لئے ہی ناپسندیدہ ہے بلکہ خود ان لوگوں کے لئے بھی باعث عار ہے، جن کا دعویٰ تو یہ ہو کہ ہم اسلام کے لئے دلوں میں جوش رکھتے ہیں اور حالت یہ ہو کہ سارے یورپ اور امریکہ میں، جہاں سے ہزاروں کی تعداد میں پادری مسلمانوں کو عیسائی کرنے نکلتے ہیں، ایک شخص کو بھی اس قدر مالی مدد نہ دے سکیں کہ وہ عیسائیوں کو اسلام کی طرف بلائے۔ میں کہتا ہوں کہ گو حضرت خلیفۃ المسیح نے اس امر کو خواجہ صاحب کے لئے ناپسند فرمایا۔ مگر درحقیقت تو آپ نے اسلام کا جوش رکھنے کے مدعیوں کو، جو اپنے دعویٰ کی تائید میں عمل کوئی نہیں دکھاتے، شرم دلائی ہے۔

اسی اظہار ناپسندیدگی میں حضرت خلیفۃ المسیح نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کی طرف جو طرح طرح کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ طرزوں سے چندے جمع کرتے ہیں، نہ دیکھیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہی فضل کی طرف نگاہ رکھیں اور نہ کسی انجمن یا سوسائٹی پر کچھ بھروسہ کریں، بلکہ اللہ پر ہی بھروسہ کریں۔ اور پھر فرمایا ہے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کا ہی دیا ہوا روپیہ چاہتے ہیں۔ تو یہ کیا تمام باتیں ایک اعلیٰ درجہ کی نیکی کی راہ سکھانے کے لئے ہیں یا کسی اور غرض کے لئے؟

اسلام تو پورے طور پر اپنے آپ کو سونپ دینے کا ہی نام ہے۔ پس ایک وہ شخص جو یہ تعلیم دے اور اس پر عامل ہو کہ کسی انسانی امداد پر بھروسہ نہ کرو، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مانگو۔ اور وہ شخص جو اپنے کاروبار میں اللہ کا نام تک بھی نہیں لیتا، ان دونوں کا اسلام ایک کہاں ہوا؟ مسلمان کہلانے کو تو دونوں کہلائیں گے۔ لیکن نہ وہ دونوں ایک جیسے مسلمان ہیں اور نہ ان دونوں کا اسلام ایک جیسا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کسی پر کفر کا فتویٰ بھی ہے یا کسی مسلم کو غیر مسلم کہا گیا ہے۔ بلکہ میں نے تو دیکھا ہے کہ خود احمدی جماعت میں چندہ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح ہمیشہ اسی اصول کو مدنظر رکھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسی لئے آپ خود تو تحریک کرتے بھی کم ہیں۔ لیکن جو تحریک کرنے والے ہوتے ہیں یا جو چندہ اکٹھا کرنے کے لئے جاتے ہیں، اُن کو بھی یہی ہدایت فرماتے ہیں کہ تحریک کرنا اور توجہ دلانا تمہارا کام ہے۔ پھر جو کوئی شرح صدر سے دے، لے لو۔

میں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگ ایسی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں اُن کو صرف حسد کھا گیا ہے۔ اور چونکہ ساری عمر اُن کی کلام الٰہی سے بُعد میں گزری ہے۔ اس لئے جب ایک اعلیٰ اور ارفع مقام کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو وہ اِسے سمجھ بھی نہیں سکتے اور اپنی پست خیالیوں پر ہی ایک ارفع تعلیم کا بھی قیاس کر لیتے ہیں۔ سو اصل مطلب تو اس فقرے کا یہی ہے۔ لیکن اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ احمدیوں کے اسلام کو دوسرے لوگوں کے

اسلام سے الگ کہا گیا ہے۔تو یہ اسی طرح ہے جس طرح ایک سُنی کہہ دے کہ ہمارا اسلام وہ نہیں جو شیعوں کا اسلام ہے۔ حالانکہ اصول تو ایک ہی ہیں۔ وہی خدا، وہی نبیؐ، وہی قرآن۔ لیکن جس طرح شیعہ بعض خلفائے نبی کریم ﷺ پر تبّرہ کرتے ہیں، اسی طرح بعض غیر احمدی حضرت مسیح موعود کو، جو آنحضرت ﷺ کے خلفاء میں سے ہیں، کافر کہنے والے ہیں۔

خواجہ صاحب کون ہیں؟: باقی رہا یہ امر کہ خواجہ صاحب کون ہیں؟ سو چندہ لینے کے لئے ہم کسی کو دھوکہ میں ڈالنا نہیں چاہتے ہیں۔خواجہ صاحب احمدی مسلمان ہیں اور حضرت مسیح موعود کو من جانب اللہ اور وہی مسیح اور مہدی یقین کرتے ہیں، جس کے آنے کی پیش گوئیاں اسلام میں پائی جاتی ہیں۔اسی ایمان سے ہی اُن کو وہ یقین بھی حاصل ہوا، جو اُن کو کامیاب وکالت اور بال بچے سے الگ کرکے انگلستان میں لے گیا اور جس نے اُن کے سارے اندوختہ کو اُن کی نظر میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ایک کوڑی سے بھی کم وقعت دی۔یعنی یہ یقین کہ اب اللہ تعالیٰ اسلام کو بذریعہ دلائل ونشانات دنیا میں غالب کرکے دکھانے والا ہے۔پس اگر اور کسی فرقہ کے پیرو کے لئے یہ ممکن بھی ہو کہ وہ اشاعت اسلام کا نام اس وقت لے، جب پہلے ایک خاص فرقہ کے عقائد سے توبہ کرلے،تو خواجہ صاحب کے لئے احمدیت کو چھوڑ کر یہ ممکن بھی نہیں۔ہاں !اگر کسی شخص کے خیال میں یہ بات ہو کہ حضرت مسیح کی وفات کو مان لینے سے ایک مسلمان، مسلمان نہیں رہتا۔ یا کوئی نو مسلم اسلام میں داخل نہیں سمجھا جاسکتا جب تک کہ وہ اس بات پر ایمان نہ لائے کہ حضرت مسیح چوتھے آسمان پر زندہ ہیں یا وہ قبروں میں سے مردوں کو زندہ کردیا کرتے تھے۔تو وہ اپنے پیسوں کو ہرگز اس راہ میں نہ دے۔ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اب اسلام کو خالص روحانیت کے رنگ میں دنیا میں غالب کرکے دکھانا چاہتا ہے۔کیونکہ اس کے مخالفوں نے اس کی ظاہری طاقت اور ظاہری شوکت کو نابود کردینا چاہا ہے۔اور ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے کام کرنے والے آدمی بھی پیدا کردے گا،اور ذریعے اور سامان بھی پیدا کردے گا۔ ہاں ! جو شخص اس کام میں کسی طرح پر ہاتھ بٹاتا ہے یا حصہ لیتا ہے ہم اسے بھی مستحق اجر سمجھتے ہیں۔لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ مسلمانوں کو اب تک دوست اور دشمن میں فرق نظر نہیں آتا۔

جب رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی وہ لوگ تھے جو منہ سے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (8:2) کہتے تھے۔مگر دراصل دشمن اسلام تھے، جنہوں نے مسجدیں تک بھی بنائیں۔مگر اسلام کا ایسا عظیم الشان ظاہر نشان قائم کرکے بھی دراصل کفر اور تفریق کے حامی تھے(دیکھو مسجد ضرار کا قصہ) تو یہ زمانہ ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوسکتا۔ پس مسلمانوں کو دوست اور دشمن میں فرق کرنا سیکھنا چاہیئے۔کوئی فائدہ اُٹھائے یا نہ اُٹھائے۔ میں علی الاعلان مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ ایک نیک تحریک اس وقت شروع ہوئی ہے اور اگر ایک طرف بعض غیر مذاہب کے واعظین مسلمانوں میں تفرقہ ڈلوا کر اس تحریک کو مٹانا چاہتے ہیں، تو دوسری طرف بہت سے حاسد اور مسلمانوں

کے بداندیش اس کوشش میں ہیں کہ اس نیک تحریک کا خاتمہ کردیں۔

اللہ کی نصرت دروازوں پر کھڑی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت اور تائید کا ہاتھ اس میں کُھلا کُھلا دکھایا ہے۔ اگر تم اس کی مدد نہیں کروگے تو اللہ تعالیٰ تو ضرور کرے گا۔ مگر اس نے تو کردی ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نصرت کا اس قدر کھلا ہاتھ بھی اس کی تائید میں دیکھ کر خاموش رہوگے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جوابدہ ہوگے۔ کوئی تبلیغ کرنے والا اس بات پر قادر نہیں ہوتا کہ وہ کسی کو راہ حق پر لے بھی آئے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی نصرت سے ہوتا ہے۔ ایک سال کے عرصہ میں، پھر انگلستان جیسے ملک میں، جہاں بھولے سے بھی اللہ کا نام اپنے کاروبار میں نہیں لیا جاتا، اور عام روش زندگی کی اباحتانہ ہوچکی ہے، اسلام جیسے مذہب میں، جو ہر قسم کی اباحتی زندگی پر موت وارد کئے بغیر اختیار نہیں کیا جاسکتا، اس طرح پر عظیم الشان لوگوں کا اعلانیہ داخل ہوتے چلے جانا اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ایک کھلا ہاتھ ہے۔ اگر تم چاہو تو اس نیکی میں تعاون کر کے حصہ لو، نہ چاہو تو نہ لو۔ ہم واقعات کو چھپا نہیں سکتے اور نہ دھوکا دے کر کسی سے کچھ لینا چاہتے ہیں۔

ہم کون سے اسلام کی اشاعت کرتے ہیں: آخر میں مَیں ان الفاظ کی بھی نقل کردیتا ہوں جن الفاظ میں خواجہ صاحب ہر نومسلم سے اقرار لیتے ہیں ''اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ'' کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں قرآن شریف کو خدا کی آخری کتاب مانتا ہوں۔ میں مسیحؑ کی الوہیت پر ایمان نہیں رکھتا۔ میں اسے حضرت ابراہیم وموسیٰ، سلیمان اور داؤد علیہم السلام کی طرح خدا کا ایک نبی مانتا ہوں اور ان پیغمبروں میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنی زندگی مسلم طریق پر رکھوں گا اور ہر ایک قسم کی فواحش اور معصیت سے بچوں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے۔''

ان الفاظ کا اقرار کر کے ایک غیر مسلم مسلمان بنتا ہے یا کچھ اور؟ ہر ایک شخص خود سمجھ سکتا ہے۔ ہاں! اس سے اس قدر صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ جو کام خواجہ صاحب کررہے ہیں وہ مشترکہ اسلامی کام ہے یا نہیں۔

ڈائری حضرت مولیٰنا نورالدینؒ

(قادیان یکم فروری1914ء)

حضرت خلیفة المسیح کی طبیعت میں گذشتہ دوتین روز سے ضعف کی حالت بدستور رہی ہے۔قرآن کریم کا درس تو آپ کی ایسی غذا ہے کہ جسمانی غذا نہ ملے تو نہ ملے۔اور آج کل بہت ہی کم یہ غذا رہ گئی ہے۔مگر اس روحانی غذا کو آپ چھوڑ نہیں سکتے اور باوجود سخت ضعف کے بھی کھڑے ہو کر اور بآواز بلند درس دیتے ہیں۔ طبیب اور ڈاکٹر لکھتے ہیں کہ آپ کو آرام کرنا چاہیئے۔مگر آپ نے فرمایا کہ مجھے تو اس سے تقویت پہنچتی ہے۔

اس حالت میں بھی جو درد دوسروں کی بہتری کا آپ کے دل میں ہے، وہ ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ فرمایا میں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے توحید کا ایک سبق دیتا ہوں۔ پھر آپ نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ کس طرح جب میں نے کسی انسان پر بھروسہ کیا یا ظاہری مسلمانوں کو اپنے لئے کافی سمجھا تو وہاں سے ناامیدی ہوئی اور جب ظاہر طور پر لوگوں سے مایوسی ہوئی تو خدا کے فضل نے دستگیری فرمائی۔اور فرمایا کہ میرے اخلاق کو اللہ تعالیٰ نے ہی سنوارا۔

چند روز ہوئے جناب خواجہ (کمال الدین) صاحب کا ایک خط حضرت صاحب کی خدمت میں آیا تھا کہ ان کامیابیوں کے ساتھ، جو اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے حاصل ہو رہی ہیں، کئی قسم کی مشکلات اور ابتلاؤں کا بھی سامنا ہے۔ جواباً آپ نے تحریر فرمایا کہ عادت سے زیادہ دعائیں کریں، عادت سے زیادہ خیرات کریں اور عادت سے زیادہ نماز پڑھیں۔اللہ تعالیٰ ان ابتلاؤں کو دور فرما دے گا۔اسی خط میں خواجہ صاحب نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ جس طرح حضور نے افریقہ جانے والوں کو یا حج میں جانے والوں کو، اس وجہ سے کہ ان ممالک میں احمدیوں پر کفر کا فتویٰ نہیں، غیر احمدیوں کے پیچھے نماز ادا کرنے کی اجازت دی ہے۔آیا انگلستان میں بھی یہ اجازت حضور کی طرف سے ہے۔جس کے جواب میں حضرت خلیفة المسیح نے تحریر فرمایا کہ چونکہ انگلستان میں غیر احمدیوں کی طرف سے ہم پر کفر کا فتویٰ نہیں، اس لئے آپ اُن کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔جب وہاں کفر کے فتاویٰ ہوں گے تو پھر دیکھا جائے گا۔

خاکسار محمد علی۔ایڈیٹر: ریویو آف ریلیجنز۔قادیان

5فروری1914ء

مسیحیّت کی ترقی میں مسلمانوں کے لئے سبق

(از حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے، ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَ كَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَ هُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ. (105:12)

ترجمہ: ''اور آسمانوں اور زمین میں کتنے نشان ہیں جن پر لوگ گزرتے ہیں اور وہ ان سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔''

جب کسی قوم کی بدبختی کے دن آتے ہیں تو آسمان اور زمین کے بہت سے واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے گزرتے ہیں اور وہ غفلت میں اس طرح پڑی سوئی رہتی ہے کہ گویا اُسے خبر ہی نہیں۔ حالانکہ ترقی کرنے والی قومیں ایک تنکے کے ہلنے سے بھی ایک ایسا سبق حاصل کرلیتی ہیں۔ جو اُن کی ترقی اور بہبودی میں کسی وقت ایک شہتیر ثابت ہوتا ہے۔ اگر کسی وقت عرب کے بت پرستوں کی وہ حالتِ غفلت تھی جس کا ذکر آیتِ مذکورہ صدر میں ہے۔ تو آج ہندوستان بلکہ کل دنیا کے مسلمانوں کی غفلت کی حالت اس سے بھی چند قدم آگے ہے۔

گذشتہ چند سالوں سے عیسائی مشنوں کے سامنے یہ سوال تھا کہ کالجوں اور سکولوں پر جو لاکھوں روپے مشنوں کے خرچ ہوتے ہیں، اُن سے معتد بہ فائدہ تبدیلیٔ مذہب میں نہیں ہوتا۔ گو اس بات پر بھی ایک عرصہ تک فائدہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ اس تعلیم کے ذریعہ سے ایک خاص قسم کی تبدیلیٔ خیالات پیدا ہو رہی ہے۔ اس بات کو چھوڑ کر کہ وہ تبدیلیٔ خیالات درحقیقت موجود ہے یا صرف پادری صاحبان کی جودتِ طبع نے اسے ایجاد کرلیا ہے۔ یہ کس قدر حیرت انگیز امر ہے کہ عین اس زمانے میں، جب تعلیم یافتہ لوگوں کی طرف سے مشنری مایوس ہو گئے ہیں، اعداد مردم شماری کو لے کر دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب میں دس سال کے عرصہ میں یعنی 1901ء سے لے کر 1911ء تک نو عیسائیوں کی تعداد تگنی ہو گئی ہے۔ یعنی اِس دس سال کے عرصہ میں ایک لاکھ تینتیس ہزار نئے عیسائی پنجاب میں ہوئے ہیں اور اسی عرصہ میں ٹرانکور میں دو لاکھ چھ ہزار اور مدراس میں ایک لاکھ ستر ہزار نئے

عیسائی ہوئے ہیں۔ ممالک متحدہ میں تو عیسائیوں کی تعداد دگنی ہوگئی ہے یعنی انہتر ہزار کا اضافہ ہوا۔ بہار اور اُڑیسہ میں بھی دیسی عیسائیوں کی تعداد ڈیوڑھی ہوگئی ہے۔ بنگال میں 30 فیصدی کا اضافہ ہوا۔ ممالک متوسط میں 1901ء میں انیس ہزار تھے اور دس سال کے عرصہ میں 63 ہزار ہو گئے ہیں۔ یعنی تگنے سے بھی زیادہ۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ بشپ کلکتہ نے حال ہی میں رنگون میں ایک تقریر کے دوران یہ بھی کہا ہے کہ بالخصوص پنجاب اور مدراس میں لاکھوں کی تعداد کا اضافہ ہوسکتا ہے، بشرطیکہ کام کرنے والے کافی تعداد میں مل سکیں۔ اور معلوم نہیں کہ ان تین سال کے عرصہ میں جو مردم شماری پر گزر چکے ہیں کس قدر اور اضافہ ہو چکا ہوگا۔

اس کامیابی کی کیا وجہ ہے؟ بات یہ ہے کہ جب عیسائی مشنریوں نے یہ دیکھا کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی اب عیسائی مذہب کو قبول نہیں کرتے تو انہوں نے پست ہمتی سے کام نہیں لیا۔ بلکہ یہ غور کرنا شروع کیا کہ اب کس طرح وہ اپنے کام میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہی لوگ جو ہندوستان میں نیچ ذاتیں کہلاتی ہیں اور پنجاب میں چوہڑے۔ یہ حصہ آبادی کا ایسا ہے کہ وہ بہت جلد تبدیلیٔ مذہب کے لئے تیار ہے۔ کیونکہ ہندوؤں نے تو انہیں اپنے میں سے نکال ہی رکھا ہے اور مسلمانوں کو اب توجہ ہی نہیں۔ انہی کو اگر عیسائی بنا کر تعلیم دی جائے تو وہی لوگ، گو سردست صرف عدد شماری میں اضافہ کا کام دیں گے، مگر ایک وقت آجائے گا کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے برابر جگہ لیں گے۔ چنانچہ رپورٹ مردم شماری میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ جو کچھ کامیابی مشنریوں کو ہوئی ہے وہ پنجاب میں چوہڑوں میں، مدراس میں شنان قوم میں اور ممالک متوسط میں مہاروں میں ہوئی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو چونکہ ظاہر میں بھی عیسائی مذہب میں آنے سے یہ فائدہ ہے کہ تعلیم پا کر وہ اپنی ذلیل حالت سے نکل جاتے ہیں اور نوکری کے حاصل کرنے میں اُن کو خاطر خواہ مدد مل جاتی ہے۔

یہی وہ راہ ہے جس پر چل کر کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔ بالمقابل اس کے وہ راہ ہے جو مسلمانوں نے اختیار کی ہوئی ہے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ کوئی بھولا بھٹکا اگر ہمارے پاس آ بھی جائے تو ہمارا یہی احسان اس پر بہت ہے کہ ہم اسے لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ پڑھا دیں۔ اور ہماری کوششوں کا تو یہ حال ہے کہ ہمارے ایک تعلیم یافتہ دوست، جو جاپان میں تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں، کہتے ہیں کہ جاپان میں اسلام پھیلانے کی کوشش کرنا بالکل عبث کوشش ہے۔ کیونکہ وہاں کے لوگ مذہب سے لاپروا اور ان کی اخلاقی حالتیں نہایت گری ہوئی ہیں۔ اسی طرح ایک بیرسٹر صاحب، جن کے ساتھ اتفاق سے ریل ہی میں میری ملاقات ہوئی تھی، فرمانے لگے کہ انگلستان میں تبلیغ اسلام کے لئے مسلمانوں کا جانا ایک بالکل فضول کوشش ہے۔ وہاں مذہب کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں۔

گویا ہمارے ان دوستوں کے نزدیک اسلام کے پھیلانے کے لئے اگر کوئی جگہ باقی رہ گئی ہے تو وہ زمین پر تو ہے نہیں۔ کیونکہ یہاں کے لوگ مذہب سے لاپروا ہو گئے ہیں یا ان کی اخلاقی حالتیں گری ہوئی ہیں۔ تو کیا آسمان پر جا کر فرشتوں میں تبلیغ اسلام کریں؟ سو وہاں جانے کے تو ہم نا قابل ہوئے۔ اتنا بھی غور نہیں کیا جاتا کہ اگر جاپانی تبدیل مذہب کے لئے تیار نہیں ہیں، تو اس قدر لوگ وہاں عیسائی کیوں ہو رہے ہیں؟ اور اگر انگلستان کے لوگ مذہب کی طرف سے لاپروا ہیں۔ تو یہ عیسائی مشن جو پانی کی طرح روپیہ بہا رہے ہیں، یہ کہاں سے آتا ہے؟

مگر ان باتوں پر کون غور کرے اور کون فکر کرے؟ یہ تو ہماری مشکلات ایک طرف ہیں کہ ہمیں اسلام پھیلانے کے لئے کوئی میدان نظر نہیں آتا۔ ہاں اگر گروہ کے گروہ لوگوں کے ہمارے پیچھے پیچھے منتیں کرتے پھریں کہ خدارا ہمیں اسلام میں داخل کر لو۔ کیونکہ ایسے نکمے لوگ ہمیں اور کہیں نظر نہیں آتے جن میں جا کر ہم شامل ہوں، تو پھر شاید ہم بھی توجہ کر سکیں۔ مگر یقیناً پھر بھی ہمیں مشکلات کا سامنا ہوگا کیونکہ پھر ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم میں سے کون لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھائے!

ہم سب اپنے خیال میں مسلمان، مگر اپنے دوسرے بھائیوں کی رائے میں کافر سے بھی بڑھ کر اکفر۔ اور وہ نومسلموں کی جماعت کس کافر اسلامی فرقہ میں داخل ہو! کیونکہ سب فتوؤں کو ایک جگہ کرنے سے خالص مسلمان تو کوئی بھی باقی نہیں رہتا۔ میرے جیسا احمدی اگر ادھر خیال کرے تو ابھی اس کے ساتھ دوسرے دست و گریبان ہونے کو تیار ہیں۔ کیونکہ ایسے بے ایمان کو، جو اس بات پر ایمان نہیں لاتا، جو آج توحید الٰہی سے بھی بڑھ کر اسلام کا اصل الاصول قرار پا گیا ہے کہ حضرت مسیح آسمان پر زندہ ہیں اور جب زمین پر زندہ تھے تو مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ ایسے بے ایمان کو کیا حق ہے کہ وہ کسی کو اسلام میں داخل کرے؟ اور قرین قیاس یہی ہے کہ ہم آخر ان لوگوں کو جواب دیں گے کہ ابھی ہم نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ تم کو کون اسلام کے اندر داخل کرے؟

اگر ہمارے بھائیوں کو یہ معلوم ہوتا کہ اسلام میں کس قدر طاقت ہے اور اس کے پاکیزہ اور سچے اصول کی طرف زمانہ کس قدر خود بخود کھچا چلا آ رہا ہے اور اشاعت اسلام سے مسلمان پھر کس طرح ایک کامیاب قوم بن سکتے ہیں۔ تو وہ دیوانہ وار اس ایک کام کے پیچھے ہی لگ جاتے۔ گو انجمنیں اور سوسائٹیاں باقاعدہ نظام ہونے کی وجہ سے زیادہ مفید کام کر سکتی ہیں۔ لیکن اگر کام کرنے والوں کے اندر روح موجود ہو، تو اس کے لئے کسی انجمن کی بھی ضرورت نہیں۔ پچھلی باتوں کو تو جانے دو۔

اس وقت بھی وہ غریب مسلمان، جن کے اندر اسلامی روح جوش مار رہی ہے، کس طرح پر مشنوں بلکہ بعض سلطنتوں کو اشاعت اسلام سے حیرت میں ڈال رہے ہیں۔ افریقہ کے عظیم الشان میدان میں جہاں مشنوں کے بالمقابل صرف کچھ غریب مسلمان تجارت کے ساتھ ساتھ اخروی تجارت بھی کر رہے ہیں۔ ایک نوعیسائی کے ساتھ دس نومسلم ہوتے ہیں۔ اور اسلام کی اس ترقی سے نہ صرف عیسائی مشنیں ہی متفکر ہیں بلکہ قیصر جرمن بھی اعلانیہ اس خطرہ کا اظہار کر چکا ہے کہ افریقہ مسلمان ہو رہا ہے۔ وہاں کوئی انجمن نہیں۔ صرف چند لوگ ہیں جو تجارت کر کے اپنا گزارہ بھی کرتے ہیں، اور وہ کام بھی کر رہے ہیں جو مسیحی مشنری لاکھوں روپے کے خرچ سے نہیں کر سکتے۔

تو کیا ہندوستان میں اگر مسیحی مشنوں کے بالمقابل کچھ مسلمان بھی کام کرنے والے ہوں تو وہ اُنہی نتائج کی اُمید نہیں کر سکتے جو اس وقت افریقہ میں دیکھے جاتے ہیں؟ ہندوستان میں ایک بڑا وسیع میدان تبلیغ اسلام کے لئے ہے۔ اور چار کروڑ آدمی صرف وہ ہیں جن کو اچھوت کہا جاتا ہے اور جن کو انسانیت کے مرتبہ پر لانے کے لئے اور ان کو دوسرے انسانوں کی طرح حقوق دینے کے لئے کسی ایسے مذہب کی ضرورت ہے، جو ذات کے امتیاز کو اُٹھا دینے والا ہو۔ پھر جب اسلام میں سوائے اس خوبی کے دوسری بھی اور ایسی خوبیاں موجود ہیں، جو باعث کشش ہوسکتی ہیں، تو کیا یہ سارا گناہ مسلمانوں کے سر پر نہ ہوگا کہ انہوں نے غفلت اور سستی سے کروڑہا ایسے انسانوں کو جو اسلام کے نیچے آ کر نہ صرف انسانیت کا تمدنی مرتبہ حاصل کر سکتے تھے، بلکہ سچے خدا کو پہچان کر انسانیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ شرف کو بھی حاصل کر سکتے تھے، اُس حالت سے نہ نکالا جس میں وہ تھے۔ اور اُن کے سامنے وہ قومیں ایک گمراہی سے نکل کر ایک دوسری غلطی میں مبتلا ہو رہی ہیں اور خدائے واحد کی پرستش سے ہمیشہ کے لئے دور جا رہی ہیں اور وہ کوئی کوشش نہیں کرتے۔ اگر اس میدان میں اس وقت مستعدی سے کام نہ لیا گیا تو چند ہی سالوں میں موجودہ صورت بالکل بدل کر کام کرنے کے لئے چنداں گنجائش باقی نہ رہے گی۔

برٹش قوم اور مسلمان: ڈاکٹر ڈبلیو۔ ای۔ گیل امریکہ کے مشہور سیاح نے ایشیائے کوچک اور مصر کی حال میں سیاحت کی ہے۔ اور وہ یہ دیکھ کر بہت متعجب ہوئے کہ مسلمانوں میں انگریزی زبان سیکھنے کی بہت بڑی خواہش پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس امر سے بھی اطمینان ظاہر کیا کہ مسلمانوں میں تعلیم نسواں کا میلان بھی پایا جاتا ہے۔ اُنہوں نے ان بیانات کے متعلق بھی تحقیقات کیں جو عرصہ سے انہوں نے سن رکھے تھے کہ حال کی جنگ میں انگلستان کے طرزِ عمل کی وجہ سے اسلامی مرکزوں میں انگریزی قوم کی نسبت غیر ہر دل عزیزی پھیل گئی

ہے۔لیکن ان بیانات کی تصدیق کہیں سے بھی نہ ہوسکی۔ بلکہ اس کے سراسر خلاف اُن کو اِس امر کا ثبوت ملا کہ دوسری اقوام کے بالمقابل مسلمان آج کل برٹش قوم کو زیادہ تر اچھا سمجھتے ہیں۔

ہرقوم کی قدر اُس کے طرزِ عمل سے ہوا کرتی ہے اور اُسی لحاظ سے اُس کی نسبت ہر دل عزیزی کی لہر پیدا ہوتی ہے۔ برٹش قوم کے افراد میں قسّام ِازل نے ایسے اوصاف ودیعت کئے ہیں کہ جن کی فطرتاً ہر ایک قدردان عزت کرسکتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے جس قدر ہر دل عزیزی اس قوم نے حاصل کی ہے، ویسی دوسری کسی قوم کو میسر نہیں۔

ایک زمانے میں یہی بات مسلم قوم کے لئے مایۂ ناز تھی۔جس کے باعث اُس نے ہر طرح کے فوائد خود بھی حاصل کئے تھے اور دوسری قوموں کو بھی اپنے طرزِ عمل سے فائدے پہنچائے تھے۔مگر افسوس کہ وہ بات ایک حد پر جا کر ختم ہوگئی، جس نے مسلمانوں کی ترقی کی رفتار کو بھی روک دیا اور بالآخر مسلمان اس حالت کو پہنچ گئے جو آج نظر آرہی ہے۔مگر یہ سب کچھ اسلام کے بتائے ہوئے گُروں سے چشم پوشی کرنے سے ہوا۔اگر مسلمان آج اُن تمام اُمور کو خضر طریقت عملی رنگ میں یقین کرلیں، جس کے لئے اسلام دنیا میں تشریف لایا ہے، تو مسلمان اپنے سلف کے رنگ سے آج رنگین ہوکر ہر دل عزیز ہو سکتے ہیں۔

۞۞۞

حضرت مولٰینا نورالدین صاحبؒ کی وصیت

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

خاکسار بقائمی حواس لکھتا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میرے بچے چھوٹے ہیں۔ ہمارے گھر میں مال نہیں۔ ان کا اللہ حافظ ہے۔ ان کی پرورش یتامیٰ ومساکین فنڈ سے نہیں، کچھ قرض حسنہ جمع کیا جائے۔ لائق لڑکے ادا کریں یا کتب جائداد وقف علی الاولاد ہو۔ میرا جانشین متقی ہو۔ ہردلعزیز، عالم باعمل، حضرت صاحب کے پرانے اور نئے احباب سے سلوک چشم پوشی درگزر کو کام میں لاوے۔ میں سب کا خیرخواہ تھا، وہ بھی خیرخواہ رہے۔ قرآن وحدیث کا درس جاری رہے۔ والسلام۔ نورالدین۔ 4 مارچ 1914ء''

جب آپ وصیت لکھ چکے تو جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے کو، جو پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، ارشاد فرمایا کہ اسے پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں۔ پھر دوبارہ اور سہ بارہ پڑھوائی اور پھر دریافت فرمایا کہ کیا کوئی بات رہ تو نہیں گئی۔

10 مارچ 1914ء

حضرت مرزا صاحبؒ کا دعویٰ نبوت

جب سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، شاید کسی اور بات پر اتنی ٹھوکر لوگوں کو نہیں لگی، جتنی اس بات پر کہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ لفظ نبی اور رسول حضرت مسیح موعود کے اُن الہامات میں بھی موجود ہیں جو براہین احمدیہ سے بہت زمانہ پہلے کے ہیں اور براہین احمدیہ میں شائع ہوئے۔ اور باوجود یہ کہ انہی ایام میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ان الہامات پر ریویو شائع کیا۔ لیکن اس امر پر کوئی اعتراض نہ کیا گیا۔ جس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ محض ان الفاظ کا الہامات میں آنا قابل اعتراض نہ تھا۔ اس لئے درحقیقت اب جو ان الفاظ کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے تو اس کی وجہ حضرت موصوف کا دعویٰ مسیحیت و مہدویت ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دعویٰ کے ساتھ ان الفاظ پر بحث شروع ہوگئی اور اس وقت سے لے کر آج تک بڑے بڑے سمجھدار لوگوں نے بھی اس بات پر ٹھوکر کھائی ہے۔ ہمارے ایک محترم دوست کو، جن کا میں نام لینا پسند نہیں کرتا، یہی غلطی لگی یا کم از کم ان کے ایک جواب سے، جو کسی استفسار پر انہوں نے دیا، یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ واقعی حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت و رسالت کا ان الفاظ کے حقیقی معنوں میں ہے۔

خود حضرت مسیح موعود کو اس مسئلہ کو بار بار اسی طرح صاف کرنا پڑا، جس طرح وفات مسیحؑ کے مسئلہ کو۔ چنانچہ ابتدائی تحریروں سے، جو مسیح موعود کے دعویٰ کے بعد آپ نے لکھیں، یہ پایا جاتا ہے کہ اس مسئلہ کے صاف کرنے کی آپ کو کس قدر ضرورت پیش آئی۔ مگر بایں اعتراضات کا سلسلہ بھی بند نہ ہوا اور اس لئے آپ کی تحریریں اس مسئلہ پر ایسے تواتر کے ساتھ پائی جاتی ہیں، جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ مثال کے طور پر میں ''انجام آتھم'' کی ایک تحریر کو نقل کرتا ہوں جو دعویٰ مسیحیت سے سات آٹھ سال بعد لکھی گئی۔ اس کتاب کے صفحہ 26 کے حاشیہ پر آپ نے پہلے ایک معترض کا قول نقل کیا ہے۔ جو ذیل کے الفاظ میں ہے:

> ''قَوْلُہٗ: مرزا صاحب کے موافقین اور مخالفین نے پرلے درجہ کی افراط اور تفریط کی ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہو کہ میں قرآن شریف کو مانتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں، روزے رکھتا ہوں اور لوگوں کو اسلام سکھاتا ہوں، اس کو کافر کہنا زیبا نہیں۔ مگر ایک عالم کے رتبہ سے بڑھا کر پیغمبری تک پہنچانا بھی نہیں۔''

اس کا جواب آپ نے ذیل کے الفاظ میں دیا ہے۔ جو میں کُل کا کُل نقل کرتا ہوں۔ گو کسی قدر طوالت ہو جائے گی۔ فرماتے ہیں:

"اَقُوْلُ: صاحب انصاف طلب کے بیان میں یعنی ان کے پہلے ہی قول شریف میں تناقض پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ بہت ہی حق پسند بن کر نہایت مہربانی سے فرماتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کہنا زیبا نہیں اور پھر دوسری طرف اسی منہ سے میری نسبت رائے ظاہر کرتے ہیں کہ گویا میری جماعت درحقیقت مجھے رسول اللہ جانتی ہے اور گویا میں نے درحقیقت نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر راقم صاحب کی پہلی رائے صحیح ہے کہ میں مسلمان ہوں اور قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہوں تو پھر دوسری یہ رائے غلط ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ میں خود نبوت کا مدعی ہوں۔ اور اگر دوسری رائے صحیح ہے تو پھر وہ پہلی رائے غلط ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور قرآن شریف کو مانتا ہوں۔ کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے۔ اور کیا ایسا وہ شخص، جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (40:33۔مرتب) کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے، وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔ مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکہ لگ جانے کا احتمال ہے۔ لیکن وہ مکالمات اور مخاطبات جو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے مجھ کو ملے ہیں، جن میں یہ لفظ نبوت اور رسالت کا بکثرت آیا ہے۔ ان کو میں بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا۔ لیکن بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا میری نسبت آیا ہے۔ (نوٹ: ایسے لفظ نہ اب سے بلکہ سولہ برس سے میرے الہامات میں درج ہیں۔ چنانچہ براہین احمدیہ میں ایسے کئی مخاطبات الٰہیہ میری نسبت پاؤ گے) وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے۔ اور اصل حقیقت جس کی میں علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا۔ وَمَنْ قَالَ بَعْدُ رَسُوْلِنَا وَسَيِّدِنَا اِنِّیْ نَبِیٌّ وَرَسُوْلٌ عَلٰى وَجْهِ الْحَقِيْقَةِ فَقَدِ افْتَرٰى وَتَرَكَ الْقُرْاٰنَ وَ اَحْكَامَ الشَّرِيْعَةِ الْغَرَّآءِ فَهُوَ كَافِرٌ وَّكَذَّابٌ. غرض ہمارا مذہب یہی ہے کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت ﷺ کے دامن فیوض سے اپنے تئیں الگ کر کے اور اس پاک سرچشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہِ راست نبی اللہ بننا چاہے تو وہ ملحد بے دین ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی نیا کلمہ بنائے گا، اور عبادات میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا اور احکام میں کچھ تغیر و تبدل کر دے گا۔ پس بلاشبہ وہ مسیلمہ کذاب کا بھائی ہے اور اس کے کافر ہونے میں کچھ شک نہیں۔ ایسے خبیث کی نسبت کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ قرآن شریف کو مانتا ہے۔

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے بعض اوقات خدا تعالیٰ کے الہامات میں ایسے الفاظ استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے بعض اولیاء کی نسبت استعمال ہو جاتے ہیں اور وہ حقیقت پر محمول نہیں ہوتے سارا جھگڑا یہ ہے کہ جس کو نادان متعصب اور طرف کھینچ کر لے گئے ہیں۔ آنے والے مسیح موعود کا نام جو صحیح مسلم وغیرہ میں زبان مقدس حضرت نبویؐ سے نبی اللہ نکلا ہے وہ انہی مجازی معنوں کے رو سے ہے جو صوفیہ کرام کی کتابوں میں مسلم اور ایک معمولی محاورہ مکالمات الٰہیہ کا ہے ورنہ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ کے بعد نبی کیسا؟ یہ خیال کہ شاید اس کے بعد حضرت مسیح موعود نے کوئی نیا دعویٰ کر دیا ہو، بالکل بے بنیاد ہے۔ دعویٰ حضرت صاحب کا جو کچھ تھا وہ اس سے زمانہ پہلے شائع ہو چکا تھا اور وہی دعویٰ آخر تک رہا۔ صرف اس دعویٰ کی توضیح ہی بعد میں مختلف تحریروں میں کی گئی۔ ایک ''غلطی کے ازالہ'' میں بھی کوئی نیا دعویٰ نہیں۔ صرف انہی اعتراضات کا جواب اور تشریح ہے وہاں ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ پہلے میری نبوت حقیقی رنگ میں نہیں تھی اور مجازی تھی اور اب حقیقی ہوگئی ہے۔ بلکہ وہاں بھی بروزی اور مجازی معنوں میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ حقیقی معنوں میں۔ چنانچہ صفحہ 6 پر فرماتے ہیں:

> ''اور اگر بروزی معنوں کی رو سے بھی کوئی شخص نبی اور رسول نہیں ہو سکتا تو پھر اس کے کیا معنی ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (1:5-6۔ مرتب) سو یاد رکھنا چاہیے کہ ان معنوں کی رو سے مجھے نبوت اور رسالت سے انکار نہیں ہے اسی لحاظ سے صحیح مسلم میں بھی مسیح موعود کا نام نبی رکھا گیا۔ اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔'' وغیرہ۔

غرض کہ اس اشتہار میں حضرت مسیح موعود نے کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اسی پرانے دعویٰ کی تشریح ہے۔ اور اس اشتہار کے مضمون کو کسی دوسری تحریر کے خلاف بتانا حضرت صاحب کی تحریروں میں اپنی طرف سے تناقض پیدا کرنا ہے۔ اگر ایک ہی امر کی تشریح بیس دفعہ کی جائے تو الفاظ تو بیس دفعہ ہی مختلف ہوں گے۔ ممکن ہے دلائل کا رنگ بھی بدلا ہوا ہو، مگر اصل مفہوم ایک ہی رہے گا۔ اُمید ہے یہ چند الفاظ احمدیوں اور غیر احمدیوں کے لئے حضرت مسیح موعود کے اصل دعویٰ پر پوری روشنی ڈالنے والے ہوں گے۔

خاکسار

محمد علی

ایڈیٹر: ریویو آف ریلیجنز

قادیان۔ ضلع گورداسپور

10 مارچ 1914ء

حضرت مولٰینا نورالدینؒ کی وصیّت پر کچھ خیالات

گذشتہ پرچہ میں جناب خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کی وصیت کے الفاظ بجنسہٖ ہدیہ ناظرین کئے جا چکے ہیں۔ ذیل میں اس کے ایک فقرہ پر چند ایک ضروری خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے، جو اُمید ہے کہ ناظرین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ کیا ہی پاک اور بے نفس وہ انسان ہے جو اپنی آخری خواہش کا اظہار ان پاک الفاظ میں کرتا ہے:

> ’’میرا جانشین متقی ہو، ہر دلعزیز ہو، عالم باعمل ہو، حضرت صاحب کے پرانے اور نئے احباب سے سلوک چشم پوشی درگزر کو کام میں لاوے۔‘‘

لفظ تو تھوڑے ہیں۔ مگر بتاتے ہیں کہ وہ ایک عظیم الشان انسان کے قلب کا عکس ہیں اور یہ کہ اس کی اپنی کوشش ساری زندگی میں اس منصب پر کیا رہی ہے۔ اس کے دل میں پیر بننے کی یا خلافت کی خواہش کبھی نہیں آئی۔ اس کے اس منصب پر آنے کی ابتدا میں بھی جماعت کے لئے ایک سبق ہے اور اس کی اس وصیت میں بھی ایک سبق ہے۔

حضرت مسیح موعود کی وفات 26 مئی 1908ء کو قریباً دس بجے صبح کے لاہور میں ہوئی اور اگلے دن آپ کی نعش مبارک قادیان میں پہنچی۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح نے کوئی خواہش اس عرصہ میں نہیں کی کہ ان کی بیعت کی جائے اور نہ ہی کسی کو اس معاملہ میں اضطراب ہوا۔ معزز احباب کے مشورے کے بعد جب قریباً ڈیڑھ ہزار آدمی کی بالاتفاق یہ خواہش پائی گئی کہ حضرت خلیفۃ المسیح سب جماعت سے بیعت لیں۔ تب آپ نے اس بوجھ کو اپنے سر پر لیا۔ یہ ہے صحیح معنوں میں خدا کا کسی کو خلیفہ بنانا کہ اپنی خواہش کوئی نہیں اور جماعت کا بلا استثنائے شخصی ایک امر پر اتفاق رائے ہے۔ آخر یہ اللہ تعالیٰ کا ہی فعل ہے۔ کیونکہ اور کون اس قدر قلوب پر حکمرانی کرسکتا ہے۔ اور حکمرانی بھی ایسی کہ خود ان کے اندر یہ خواہش پیدا کردے کہ وہ ایک شخص کی اطاعت کا جوا سر پر اُٹھانے کی خواہش کریں!

جس طرح حضرت خلیفۃ المسیح اس منصب کو لیتے وقت اپنی کوئی خواہش نہ رکھتے تھے اسی طرح اپنی

وصیت میں بھی انہوں نے جماعت کو بتا دیا ہے کہ وہ اپنی کسی خواہش کو دخل نہیں دیتے ۔ ہاں ! جماعت کی بہتری کے لئے اسے یہ ہدایت کرتے ہیں کہ وہ کس طرح اور کن صفات کا آدمی چنیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں بڑی بڑی برکت دے اور آپ کی خوبیوں سے ہمیں دیر تک متمتع ہونے کا موقع دے۔ آپ کی زندگی کے ہر پہلو میں ہمارے لئے سبق ہیں ۔ اس وصیت کرنے میں آپ نے شوریٰ کے بابرکت ہونے کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ جب کبھی ایسا موقع آئے تو جماعت کے سربرآوردہ لوگ آپ کی اس خواہش کا پورا خیال رکھیں گے اور شوریٰ کر کے اتفاق سے ایک امر کو طے کریں گے ۔ کیونکہ برکت اتفاق میں ہی ہے اور جلد بازی کا انجام اچھا نہیں ہوتا ۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً (8:3)

15 مارچ 1914ء

اداریہ

ہائے! نورالدینؒ چل بسا

آج قلم ان الفاظ کو لکھتے ہوئے تھرتھراتی ہے اور زبان میں قوت گویائی نہیں کہ وہ مرقومہ بالا فقرہ کی پوری کیفیت سے ناظرین کو مطلع کرنے کا ناگوار فرض انجام دے۔ آہ! وہ نورالدین جو حضرت مسیح موعود پر سب سے پہلے ایمان لایا اور اس طرح سے اس نے صدیقی خطاب پایا، وہ نورالدین جسے حضرت مسیح موعود نے خدا تعالیٰ کے نشانوں میں سے ایک نشان قرار دیا اور نبی ﷺ کے نور سے نور حاصل کرنے والا اور تمام نیکیوں اور پاکوں کا فخر اور سب مؤمنوں کا فخر ٹھہرایا۔ آہ! وہ نورالدین جو حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کے مطابق دین کے خادموں کا سردار بنا اور جس کے بقاء سے اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کی تائید کی۔ ہاں! وہی نورالدین جس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مسیح کے ذریعہ تعریفوں کے پل باندھے اور فرمایا ؎

چہ خوش بُودے اگر ہر یکِ ز امت نورِ دیں بُودے

ہمیں بُودے اگر ہر دل پُراز نورِ یقیں بُودے

پورے چھ برس تک مسیح کی خلافت کا فرض انجام دینے کے بعد آج ہم سے جدا ہو گیا اور ہمیں ہمیشہ کے لئے جدائی کا داغ دے گیا۔ دنیا میں اگر علم وفضل اور تقویٰ و پرہیزگاری بھی کسی انسان کے بقائے دوام کا باعث ہوتی تو آج ہمیں جدائی کا وہ صدمہ نہ دیکھنا پڑتا، جو اَب حضرت خلیفۃ المسیح کے پاک وجود کے اُٹھ جانے سے ہمیں برداشت کرنا پڑا۔ لیکن خدائے تعالیٰ کے پاک قوانین اور اس کی سنت مستمرہ کے یہ بالکل خلاف ہے کہ وہ کسی فرد و بشر کو ہمیشہ کے لئے اسی سرزمین پر زندہ رہنے دے اور اسے موت کا شربت پینا نہ پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ کوئی غریب ہو یا امیر، عالم ہو یا جاہل، متقی ہو یا بندۂ نفس، الغرض ہر ایک انسان بشریت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے برابر ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ایک فطرتی امر ہے کہ ہر ایک شخص کی ذات اور صفات دوسرے سے ممیّز ہونے کے باعث اسے دوسرے لوگوں کے لئے قابل تقلید ٹھہرادیتی ہیں یا اس کے لئے واجب الترک کا حکم صادر ہوتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ مختلف اشخاص کے وفات پانے پر مختلف قسم کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔

مولوی حکیم نورالدین صاحب صرف ایک خشک مولوی نہیں تھے بلکہ آپ اپنے اتقاء اور پرہیز گاری کے باعث آج کل کے مولویوں کے لئے ایک رہبر کامل کا حکم رکھتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ قرآنی رموز و نکات کے بہت بڑے ماہر اور صاحب حال بزرگ تھے۔ آپ کے منہ سے کوئی بات ایسی نہ نکلتی تھی جس میں نور کا ایک دریا نہ بہہ رہا ہو اور قرآن کے ساتھ آپ کی دلی محبت نہ ظاہر ہوتی ہو۔ آپ کا نصب العین رات دن خدمت قرآن ہی تھا۔ اور اسی ایک امر کے لئے آپ نے وہ عظیم الشان اور بیش بہا کتب خانہ بنایا۔ جس کی نظیر آج مشکل سے کسی اور جگہ دکھائی دے گی۔ الغرض قرآن شریف آپ کی غذا تھی اور اسی کے مہیا کرنے میں آپ کسی جسمانی تکلیف یا دُکھ درد کی کبھی پروا نہیں کرتے تھے۔ اور ڈاکٹروں کی تشخیص کے مطابق آپ کی یہ روز و شب کی محنت ہی تھی جس نے سل جیسی مہلک بیماری کے لئے آپ کے جسم کے تمام دروازے کھول دیئے۔ لیکن آپ کا وہ عشق پھر بھی کم نہ ہوا اور اس بیماری کی حالت میں بھی آپ انگریزی ترجمۃ القرآن کے نوٹ برابر سنتے رہے اور ان کی اصلاح فرماتے رہے۔ مگر افسوس! کہ آپ کو موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ اس ترجمہ کی اشاعت بھی آپ کے سامنے ہوتی۔ آپ کی یہ خدمات صرف روحانی دنیا تک ہی محدود نہ تھیں، بلکہ آپ علم طب میں بہت بڑے ماہر ہونے کی وجہ سے حکمائے زمانہ میں بھی خاص امتیاز رکھتے تھے۔ اور آپ کا شفا خانہ غریب و امیر سب کے لئے یکساں طور پر کھلا رہتا تھا۔ اس لئے آپ کی وفات کا افسوس صرف روحانی اور علمی دنیا کو ہی نہیں، بلکہ آج طبی دنیا کا بھی ایک بہت بڑا فاضل شخص ہم میں سے کم ہو گیا ہے۔

الغرض آپ کی وفات سے اس وقت جسمانی اور روحانی دنیا کے ہر طبقہ کو بہت رنج ہوگا۔ جس کی تلافی ہونا بہ حالات موجودہ نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اب یہ جاننے کے لئے کہ آپ کے بعد کون آپ کا جانشین ہوگا، احباب کو جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب کے ذیل کے ضروری اعلان کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

ایڈیٹر

15 مارچ 1914ء

ایک نہایت ضروری اعلان

(سب احمدی غور سے اول تا آخر تک پڑھیں اور دوسروں تک پہنچادیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ . نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ (88:11)

ترجمہ: جہاں تک میری طاقت میں ہے۔ میں سوائے اصلاح کے کچھ نہیں چاہتا۔

برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ و برکاتہٗ۔

میں نے یہ چند سطریں بہت دعا کے بعد لکھی ہیں اور دل سے سلسلہ کی بھلائی کے لئے لکھی ہیں۔ میں سلسلہ میں تفرقہ انداز نہیں ہوں، اپنے لئے کوئی بڑائی نہیں چاہتا۔ اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں ان دونوں باتوں میں حق پر ہوں۔ میں نے یہ ایسے وقت میں لکھی ہیں کہ اس وقت مجھے قطعاً یہ علم نہیں کہ کون شخص حضرت خلیفۃ المسیح کا جانشین منتخب ہوگا۔ میں حضرت مسیح موعود کے ادنیٰ سے ادنیٰ غلام سے بھی محبت کرتا ہوں۔ کیونکہ اس زمانہ میں، جب چاروں طرف دنیا کی ہوا چل رہی ہے، یہی ایک جماعت ہے جو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ چہ جائیکہ حضرت صاحب کے ان خاص احباب سے، جن کی آپ تکریم فرمایا کرتے تھے، یا اہل بیت اور اولاد سے مجھے کسی قسم کا نقار ہو۔

میں تو یہ نہیں جانتا کہ جب میں حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں کچھ ترک کر کے آیا تھا۔ ایک جذبہ عشق تھا جو مجھے یہاں کھینچ لایا۔ لیکن حق کی خاطر میں اپنے دنیوی مفاد کو، جو یہاں رہ کر مجھے حاصل ہو گیا ہو چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ اور اس کے متعلق اپنے دل کو پوری طرح تیار کر کے اور ہر ایک دُکھ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو کر ہی میں نے یہ لکھا ہے۔ میں آپ لوگوں پر بھی، جنہوں نے ساری دنیا کے تعلقات کو ترک کر کے اس سلسلہ کی شمولیت حاصل کی ہے، یہ اُمید رکھتا ہوں کہ اب بھی آپ حق کی خاطر اپنے خیالات کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔

مجھ سے جو بات یہ چند سطریں لکھوا رہی ہیں وہ یہ ہے کہ مبادا اس موقع پر ہمارا قدم کسی ایسی طرف جلدی

میں نہ اُٹھ جاوے جو اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں ہے۔ مجھے بارہا یہ سنایا گیا ہے، بلکہ دور دور تک باہر بعض واعظ اور بعض بزرگ بھی یہ جا کر سُنا آئے ہیں کہ ہماری جماعت کے دو گروہ ہونے لازمی ہیں اور یہ ہو کر رہیں گے۔ اور ان میں حد فاصل مسئلہ کفر و اسلام ٹھہرائی گئی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں اور آپ بھی سچے دل سے تڑپ کر اس دعا کو مانگنے کے بعد یہ سطریں پڑھیں: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (8:3) اے ہمارے رب تُو اس کے بعد کہ تو ہم کو ہدایت دے چکا ہے ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دیجیو اور اپنی جناب سے ہمیں رحمت عطا فرما۔ بیشک تو بہت عطا فرمانے والا ہے۔

برادران! ہمارا سلسلہ اگر ایک معمولی گدی نشینی کا سلسلہ ہوتا تو ہمیں کچھ فکر نہ تھی۔ لیکن ہمارے کندھوں پر ایک بوجھ ڈالا گیا ہے، ہمیں ایک امانت کا متحمل بنایا گیا ہے۔ اور وہ امانت ہے اشاعت اسلام کی خدمت۔ اپنے سب حالات میں، اپنی سب گفتگوؤں میں، اپنی بحثوں میں اس کو مقدم کرو۔ پھر کوئی وقت تھا کہ اہل اسلام میں ایک اخوت، ایک یگانگت اور ایک اتحاد تھا کہ وہ جدھر قدم اُٹھاتے تھے فتح وظفر اُن کے سامنے تھی اور اُسی کا کچھ بقایا اب بھی اتنا موجود ہے کہ دوسری قوموں کے نزدیک اسلام کی گئی گزری اخوت اب بھی ایک طاقت رکھتی ہے۔ حضرت مسیح موعود (کی جماعت۔ مرتب) میں ہو کر اس اخوت کے عہد کو ہم نے از سرِ نو تازہ کیا ہے۔ پس آپ کے اندر کسی قسم کے بھی اختلافات ہوں، ایک بات کو محکم پکڑو۔ اور یاد رکھو کہ اس سلسلہ کے، جو اشاعت اسلام کے لئے دنیا میں قائم کیا گیا ہے، تم خادم ہو۔ اس کام کو پورا کرنے کے لئے تم مزدور ہو۔ اس میں کسی قسم کا فرق نہ آوے۔ بلکہ اختلاف رکھتے ہوئے بھی اس کام کو سب اس طرح مل کر کرو کہ تم ایک ہی جماعت نظر آؤ۔

کیا صحابہؓ میں اختلافِ مسائل نہ تھے؟ ضرور تھے اور بڑے بڑے اختلافات تھے۔ مگر اسلام کی خدمت کے لئے وہ سب ایک تھے۔ دنیا میں کوئی قوم نہیں ہوسکتی کہ جس کے اندر اختلافات نہ ہوں۔ لیکن جب تک وہ قوم ان اختلافات کو اپنے اصل کام میں حارج نہیں ہونے دیتی، وہ کامیاب رہتی ہیں۔ اور جب وہ ان اختلافات کی خاطر اپنے اتحاد کو قربان کر دیتی ہے اور اصل کام چھوڑ کر مختلف طرفوں میں منہ پھیر لیتی ہے۔ پھر نکبت کے دن آجاتے ہیں پھر وہ لوگ، جنہوں نے سید ولدِ آدم وفخر موجودات کے انفاس قدسی کے نیچے اور قرآن کریم کی تازہ بتازہ وحی کے نیچے اور ان مصائب کا مقابلہ کر کے کہ جن کی نظیر دنیا پیش نہیں کرسکتی، پرورش پائی تھی، اختلافات سے بچ نہ سکے۔ تو آپ لوگ اس کے ایک غلام کے تربیت یافتہ ہو کر بہر حال اس مرتبہ تک پہنچنے کا دعویٰ تو نہیں کر سکتے۔

پس یہ بالکل سچ ہے کہ اختلافات سے ڈرنا بُزدلی ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا کہ جو کام حضرت مسیح موعود تمہارے سپرد کر گئے ہیں، ان میں ایک رہنا اور مل کر کام کرنا، ان میں کسی قسم کا ضعف یا سُستی واقع نہ ہونے دو۔ ایک دوسرے پر کفر اور واجب القتل ہونے کے فتوؤں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ میں لغو بات نہیں کہتا۔ یہاں بعض

لوگوں میں یہ بلا پیدا ہوگئی ہے کہ پہلے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ سب غیر احمدی کافر ہیں۔ پھر دوسرا قدم وہ یہ اُٹھاتے ہیں کہ جو احمدی ہو کر غیر احمدی کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔ اور اس میں بعض جاہل یہاں تک بڑھے ہیں کہ اُنہوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ایسا شخص واجب القتل ہے۔

پس میری اس عرض کو آپ اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ ہم پہلے مسلمان ہو کر بھائی بھائی بنے۔ خدا کا پاک کلام اس پر شاہد ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر اس عہد اخوت کو تازہ کیا۔ اب جب تم میں کوئی اختلاف پیدا ہو تو اس کو اس حد تک نہ پہنچنے دو کہ تم خدا کے کلام کو اور اپنے عہد کو بھول جاؤ۔ ورنہ یاد رکھو! کہ جو تمہارا جی چاہے دعویٰ کرو، دنیا میں تم کبھی کامیاب نہیں ہو گے اور خدا کوئی اور قوم کھڑی کر دے گا کہ جو اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔

اس کے بعد میں اصل مطلب کی طرف آتا ہوں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس شخص کو چالیس آدمی منتخب کرلیں، وہی خلیفہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی تائید میں وہ حضرت مسیح موعود کی وصیت (در رسالہ الوصیت۔ مرتب) کو پیش کرتے ہیں۔ جہاں یہ لکھا ہے کہ:

> ’’چاہیے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا۔‘‘ (صفحہ 7)

اور پھر اس کے نیچے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:

> ’’ایسے لوگوں کا انتخاب مؤمنوں کے اتفاق رائے پر ہوگا۔ پس جس شخص کی نسبت چالیس مؤمن اتفاق کریں گے کہ وہ اس بات کے لائق ہے کہ میرے نام پر لوگوں سے بیعت لے وہ بیعت لینے کا مجاز ہوگا۔‘‘

سو یہ بالکل صحیح ہے کہ چالیس مؤمنوں کے اتفاق رائے سے ایک شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ لوگوں سے بیعت لے۔ لیکن اس کے متعلق جو شہادت خود وصیت کی عبارتوں سے ملتی ہے اور وہ جو خود حضرت مسیح موعود نے شہادت دی، اُس پر بھی غور کرلینا ضروری ہے۔ سو سب سے پہلے میں حضرت مسیح موعود کی شہادت کو پیش کرتا ہوں۔ حضرت صاحب کو اپنی وفات کے قریب کا الہام ہونا، رسالہ الوصیت کا لکھا جانا اور اس کے مطابق مجلسِ معتمدین صدر انجمن احمدیہ کے ممبروں کا نامزد کیا جانا، یہ سب چند دنوں کا کام تھا۔ انہی الفاظ کو، جو اوپر نقل کئے گئے

ہیں، پڑھ کر اوپر حضرت مسیح موعود کے کمرے میں ہی چند خاص احباب میں، جو وہاں موجود تھے، اور یہ ایام جلسہ تھے، یہ بحث شروع ہوئی کہ آیا ان الفاظ سے ایک خلیفہ ہونا پایا جاتا ہے یا ایک ہی وقت میں بہت سے بیعت لینے والے ہو سکتے ہیں کہ جہاں چالیس کسی پر اتفاق کر لیں وہ لوگوں سے بیعت لے لیا کرے۔ اتنے میں حضرت مسیح موعود تشریف لے آئے تو ہم نے آپ کی خدمت میں یہی بات پیش کر دی، اور دریافت کیا کہ حضور کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا یہی مطلب ہے کہ جہاں چالیس مؤمن اتفاق کر لیں وہ ایک شخص کو مقرر کر دیں جو لوگوں سے سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے بیعت لیا کرے۔ (یہ اُسی تقریر کا مضمون ہے)

اس پر خواجہ کمال الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! اس طرح تو گاؤں گاؤں میں خلیفہ ہو جائے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس میں آپ کا کیا نقصان ہوگا۔ وہ تو جماعت کو ترقی دینے والے ہوں گے اور انتظامی معاملات ہم نے انجمن کے سپرد کر دیئے ہیں۔ یہ میں یقین واثق سے کہہ سکتا ہوں کہ خواجہ صاحب کے سوال کے اور حضرت مسیح موعود کے جواب کے قریباً قریباً یہی لفظ تھے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔ اس وقت میرے علاوہ دو اور شخصوں کی موجودگی تو مجھے یقیناً یاد ہے۔ یعنی ایک خواجہ کمال الدین صاحب اور دوسرے مولوی غلام حسن صاحب۔ لیکن یہ بھی خیال ہے کہ دو تین خاص احباب میں سے تھے جن کی تعین مَیں اب یادداشت سے نہیں کر سکتا۔ کم از کم مولوی غلام حسن صاحب رجسٹرار پشاور جو اپنے تقویٰ اور دیانت کے لحاظ سے دشمن و دوست کے نزدیک یکساں قابل اعتبار ہیں اور اس سلسلہ کے اول شیدائیوں میں سے ہیں۔ اور خواجہ کمال الدین صاحب جنہوں نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر کے اس کے دروازہ پر دُھونی رما دی ہے، میری خاطر جھوٹ نہیں بولیں گے۔ اور میں ان کو قسم دیتا ہوں کہ وہ اپنا حلفی بیان شائع کریں کہ آیا یہ اس طرح ہے یا نہیں؟ پھر اگر یہ شہادتیں بھی کسی شخص کے نزدیک قابل پذیرائی نہیں تو اس سے میری بحث نہیں۔ لیکن حق اور سچائی سے محبت کرنے والوں کے لئے یہ کافی شہادت ہے۔ جو حضرت مسیح موعود کے اپنے منہ کی ہے کہ ان بیعت لینے والوں سے آپ کی مراد صرف وہی لوگ تھے جن پر کسی جگہ چالیس مؤمن اتفاق کر لیں کہ وہ اُن لوگوں سے، جو سلسلہ میں داخل ہونا چاہیں، بیعت لے لیا کریں۔

پس اب بھی اگر قادیان میں ہو یا کسی اور جگہ، چالیس آدمی اس طرح پر کسی پر اگر اتفاق کر لیں تو وہ اس بات کا تو بیشک مجاز ہے کہ سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے لوگوں سے حضرت مسیح موعود کے نام پر بیعت لے۔ لیکن اس سے زیادہ جماعت میں اُس کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہو سکتا۔

پس سب سے پہلی بات جو میں چاہتا ہوں، آپ یاد رکھیں، یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس کوئی تحریک اس مضمون کی پہنچے کہ فلاں شخص کے ہاتھ پر چالیس احمدیوں نے بیعت کر لی ہے یا اُس پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ بیعت لے تو حضرت مسیح موعود کی وصیت کے ماتحت وہ بیشک اس بات کا تو مجاز ہے کہ اُن لوگوں سے، جو سلسلہ میں داخل نہیں، سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے مسیح موعود کے نام پر بیعت لے۔ مگر اس سے زیادہ کوئی مرتبہ اس کا سلسلہ

میں تسلیم نہیں ہوسکتا۔ حضرت مسیح موعود کی اس زبانی شہادت کے علاوہ اس عبارت کے اپنے الفاظ بھی قابل غور ہیں، جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں یہ فرمایا کہ (وہ) ''میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں''، جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ وہ بیعت صرف سلسلہ احمدیہ میں داخل کرنے کے لئے ہے نہ کسی اور غرض کے لئے۔ پھر جماعت کے بزرگوں کو جب بیعت کے لئے کہا تو یہ فرمایا کہ اس کی غرض یہ ہے کہ ''خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ...... اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے'' اس سے بھی صاف مفہوم سلسلہ میں داخل کرنے کا نکلتا ہے نہ کہ بیعتِ توبہ کا۔

دوسری بات، جس طرف میں اپنے احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کا کوئی حکم وصیت میں یا کسی دوسری جگہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں پایا جاتا جس کی رو سے اُن لوگوں کو، جو حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں، دوبارہ کسی شخص کی بیعت کی ضرورت ہو۔ اور حضرت مسیح موعود کے بعد بھی ضرورت صرف اُسی بیعت کی ہے جو مسیح موعود کے نام پر ہو۔ یعنی سلسلہ احمدیہ میں داخل کرنے کی۔ اس کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح کی بیعت سے جو سوال پیدا ہوتا ہے اس کا جواب میں علیحدہ دوں گا۔ لیکن وصیت کے الفاظ یہی ہیں اور ان میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اور سب سے بڑھ کر حضرت مسیح موعود کا اپنی زبان مبارک سے یہ فرمانا کہ بیعت لینے والوں کا کام صرف لوگوں کو سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے بیعت لینا ہے نہ کہ کچھ اور۔ اس بات کی بیّن اور واضح دلیل ہے کہ آپ کی تحریر میں تو ایک طرف رہا، آپ کے خیالات میں بھی یہ بات نہ تھی کہ جو لوگ آپ کے ہاتھ پر آپ کے سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں، ان کو پھر اور کی بیعت کی ضرورت بھی باقی ہے۔

بیعت کے معاملہ میں جو ایک دھوکا لگا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ نے بھی بیعت لی تھی۔ مگر وہ بیعت توبہ نہ تھی بلکہ ملکی انتظام کے لئے بیعت تھی۔ اور اس قسم کی بیعت ہرگز نہ تھی جیسی آنحضرت ﷺ لیتے تھے۔ اصل میں بیعت کے معنے تو اپنے آپ کو بیچ ڈالنے کے ہیں۔ اس لئے ایک شخص آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر کے یہ نہ کر سکتا تھا کہ کسی مسئلہ میں آپؐ سے اختلاف رکھے۔ آپؐ کا ہر فرمان آپؐ کی بیعت میں داخل ہونے والوں کے لئے واجب التعمیل تھا۔ لیکن آپ کے خلفاءؓ کی بیعت میں یہ امر ہرگز نہ پایا جاتا تھا۔ کیونکہ جیسا کہ ''الفضل'' مورخہ 25 فروری 1914ء میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ بعض مقام پر خلیفہ کا فیصلہ اور ہے کسی دوسرے صحابیؓ کا فیصلہ کچھ اور۔ تو گویا مسائل میں صحابہ رضی اللہ عنہم باوجود بیعت کے بھی مخالفت کر سکتے تھے۔ پھر تاریخ اس پر گواہ ہے کہ کئی صحابیؓ تھے جنہیں خلیفہ وقت سے بہت سے مسائل میں اختلاف تھا۔ اور باوجود حکومت کے ایسے صحابیوں کے لئے نہ کبھی قتل کا فتویٰ دیا گیا نہ کسی پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔

پھر میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ خلفاء کی بیعت فرداً فرداً تمام مسلمان کبھی نہ کرتے تھے، تاریخ اس پر گواہ

ہے۔ اور کیا کوئی شخص یہ وہم بھی کرسکتا ہے کہ ملک عرب اور شام اور مصر اور ایران کے سارے مسلمان باشندے کسی نئے خلیفہ کے تقرر کے وقت اس کی بیعت کے لئے فی الفور روانہ ہوجایا کرتے تھے۔ اور جب تک وہ حاضر ہوکر نئے خلیفہ کی بیعت نہ کرلیں اس وقت تک مسلمان نہیں سمجھے جاتے تھے۔ یا کم ازکم بذریعہ خطوط ہی بیعت کرلیا کرتے تھے۔ اور خلفاء کے زمانہ میں کوئی ایسا دفتر نہ تھا، جہاں اس بات کی پڑتال کی جاتی ہو کہ فلاں فلاں شخص نے بیعت کرلی ہے اور فلاں نے نہیں کی۔ یا نہیں تو یہی ہوتا ہو کہ ایک ایک صوبہ کے تمام دیہات اور شہروں کے باشندے اس صوبہ کے گورنر کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوتے ہوں۔ ہرگز نہیں۔ جو شخص ایسا دعویٰ کرتا ہے وہ نہ صرف ایک ایسی بات کہتا ہے جسے تاریخ ہی جھٹلاتی ہے بلکہ اُسے عقل بھی دھکے دیتی ہے۔

اور پھر کیا کوئی شخص ایک بھی نظیر پیش کرسکتا ہے کہ کسی عورت نے بھی کبھی خلیفہ کی بیعت کی ہو۔ حالانکہ اگر سب مسلمانوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ خلفاء کی بیعت کریں تو عورتوں کو بھی بیعت کرنی چاہئے تھی۔ مگر تاریخ کو تلاش کرکے دیکھ لو، صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہ انتظام ملکی کے قائم رکھنے کے لئے بڑے عمائد اور اعیان حکومت رؤسائے اقوام وغیرہ یا خاص دار الخلافہ کے ممتاز لوگ بیعت کرلیتے تھے۔ اور وہ ان معنوں میں ہرگز بیعت نہ تھی جن معنوں میں آنحضرت ﷺ بیعت لیتے تھے۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود کی بیعت اصل معنوں میں بیعت تھی۔ جس طرح آنحضرت ﷺ کی بیعت تھی۔ یعنی آپ کی بیعت کرکے آپ سے کوئی شخص مسائل میں اختلاف نہ کرسکتا تھا۔ لیکن آپ کے بعد کوئی ملکی انتظام باقی نہیں رہا۔ جس کے لئے اس قسم کی بیعت کی بھی ضرورت ہو۔ جیسے خلفائے راشدینؓ کی بیعت کی تھی۔ ہاں! کچھ مالی انتظام رہا۔ مگر اس کے لئے آپ نے خود اپنی زندگی میں اپنی قلم سے تحریر میں اور پھر اپنے ہاتھ سے عملی طور پر ایک پختہ انتظام کرایا۔ جو مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ کی صورت میں اب تک ہے۔

ہاں! ایک اور سلسلہ بیعت کا صوفیاء میں مروج ہے۔ جسے بیعتِ توبہ کہتے ہیں۔ اس بیعت میں داخل ہوکر بھی انسان اپنے مرشد کے احکام کا اسی طرح مطیع ہوجاتا ہے جو آنحضرت ﷺ یا حضرت مسیح موعود کی بیعت کا مفہوم ہے۔ مگر اس کو بیعتِ خلافت راشدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اسی کے ماتحت حضرت خلیفۃ المسیح کی بیعت ہم لوگوں نے، جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں، کی۔ اور اسی لئے حضرت خلیفۃ المسیح کے جملہ احکام کو خواہ وہ مسائل کے بارے میں ہوں یا کسی اور بارے میں، ان سب لوگوں کے لئے ماننا ضروری قرار دیا گیا جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اس بارے میں الفضل مورخہ 25 فروری 1914ء نے اپنے لیڈنگ ''جماعت کو ایک نصیحت'' میں یہ غلطی کھائی ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح سے مسائل میں اختلاف جائز رکھا ہے۔ حالانکہ اگر ایسا اختلاف جائز ہو

تو پھر آپ کی بیعت بالکل بے معنی ہے۔ اور یہ کہنا کہ اس کے معنے صرف اس قدر ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح کسی کو کہہ دیں کہ تو لاہور چلا جا یا فلاں سے بحث کر آ، تو وہ ایسا کرے، مگر مسائل میں جس طرح چاہے اختلاف رکھے، بیعت کے اس مفہوم کے ساتھ ہنسی کرنا ہے۔

یہ بیعت اللہ تعالیٰ کے ساتھ روحانی تعلق کو بڑھانے کے لئے، حضرت خلیفۃ المسیح جیسے پاک وجود کی دعاؤں سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اور آپ کے علم و فضل کے آگے سر نیچا کرنے کے لئے تھی۔ اور اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ مرید اپنے آپ کو مرشد کے سامنے ایک بے جان کی طرح ڈال دے اور اپنی جملہ خواہشات کو اس کے سپرد کر دے۔ نہ یہ کہ مرشد کہتا ہے کہ فلاں بات درست ہے، تو مرید کہتا ہے کہ مرشد نے سمجھا ہی نہیں۔ میں اس سے بہتر سمجھتا ہوں۔ یہ بیعت کر لینے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح کی گستاخی ہے اور بیعت کے مفہوم کے ساتھ ہنسی۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پاک وجود مولوی نورالدین کا، جو خلیفۃ المسیح کہلایا اور جو ایک ہی خلیفۃ المسیح اپنے اصلی معنوں میں کہلانے کا مستحق ہے، ہمیں حضرت مسیح موعود کی جگہ ہماری روحانی تعلیم کی تکمیل کے لئے دیا تھا۔ یہ وہ پاک اور بے نفس اور متوکل وجود ہے جس کی نظیر آج دنیا میں نہیں ملتی۔ اس روحانی عظمت اور اس علم و فضل کا کوئی اور وجود ہماری جماعت میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ہزاروں ایسے پیدا کر دے۔ مگر میں موجودہ واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔ اس کا تو صرف علم و فضل ہی ایسا ہے کہ اس کے سامنے سب کی گردنیں جھکی ہیں۔ خواہ ہم نے اس کی بیعت بھی نہ کی ہوتی۔ مگر الٰہی منشاء نے سلسلے کی مزید تقویت کے لئے سب کے دلوں میں حضرت مسیح موعود کی وفات پر یہ ڈال دیا کہ اس پاک اور بے نفس وجود سے، جو نورالدین کی شکل میں تم میں موجود ہے، وہی روحانی تعلق پیدا کرو۔ اس لئے اس کا انتخاب چالیس نے نہیں کیا، بلکہ کُل قوم کی گردنیں الٰہی ارادہ سے اس کے آگے جھک گئیں اور قریب ڈیڑھ ہزار آدمیوں نے ایک ہی وقت بیعت کی اور ایک بھی متنفس باہر نہ رہا۔ کیا مرد اور کیا عورتیں۔ پس یہ تو میرے نزدیک حضرت مسیح موعود کا زمانہ ہی گویا بڑھایا گیا ہے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کی یہ تعریف مَیں نہیں کرتا، خود حضرت مسیح موعود نے کی ہے اور اُس کو اس سلسلہ میں وہ امتیاز دیا ہے جو اور کسی کو نہ حاصل تھا اور نہ ہے۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ 584 میں فرماتے ہیں:

''وَلَا شَکَّ اَنَّہٗ یُنَوَّرُ مِنْ اَنْوَارِ مِشْکٰوۃِ النُّبُوَّۃِ. وَیَاْخُذُ نُوْرًا مِّنْ نُّوْرِ النَّبِیِّ (صَلَّی

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بِمُنَاسِبَةِ شَانِ الْفُتُوَّةِ وَهُوَ فَخْرُ الْبَرَرَةِ وَالْخَيَرَةِ وَفَخْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ...... فَوَجَدْتُهٗ وَحِيْدُ الدَّهْرِ فِيْ عُلُوْمِهٖ وَاَعْمَالِهٖ وَبِرِّهٖ وَصَدَقٰتِهٖ وَاِنَّهٗ لَوْذَعِيٌّ الْمَعْنٰى نُخْبَةُ الْبَرَرَةِ وَزُبْدَةُ الْخَيَرَةِ ...... فَهُوَ سَيِّدُ خَدَمِ الدِّيْنِ ...... وَاَيَّدَ بِبَقَاءِهٖ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَتَّبِعُنِيْ فِيْ كُلِّ اَمْرِيْ ...... كَمَا يَتَّبِعُ حَرَكَةُ النَّبْضِ حَرَكَةَ التَّنَفُّسِ فَكَتَبْتُ مَكْتُوْبِيْ هٰذَا بِفَضْلِهٖ وَاِيْمَاءِهٖ وَاِلْقَاءِهٖ۔‘‘

میں نے صرف چند الفاظ یہاں نقل کئے ہیں۔ ورنہ آٹھ صفحات حضرت خلیفۃ المسیح کی تعریف سے بھرے ہوئے ہیں۔ جو تمام اسی مضمون کے ہیں کہ وہ نبوت کے نور سے روشن ہے اور نبی کریم ﷺ کے نور سے نور حاصل کرتا ہے۔ وہ تمام نیکیوں اور پاکوں کا فخر اور سب مؤمنوں کا فخر ہے۔ اپنے علم اور عمل اور نیکی اور صدقات میں زمانہ میں یگانہ ہے۔ وہ دین کے خادموں کا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی بقاء سے اسلام اور مسلمانوں کی تائید کرے گا۔ (جس سے صاف خلافت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے) وہ ہر امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے۔ جس طرح نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے اور میری رضا میں وہ فانی ہے۔

اور آخر پر یہ لکھا ہے کہ ’’یہ میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے ایماء اور اُس کے القاء سے لکھا ہے۔‘‘

اور اسی مضمون کے شروع میں صفحہ 583 پر لکھا ہے: رَأَيْتُهٗ آيَةً مِّنْ اٰيَاتِ رَبِّيْ وَاَيْقَنْتُ اَنَّهٗ دُعَائِيْ الَّذِيْ كُنْتُ اَدُوْمُ عَلَيْهِ کہ میں نے اُسے اپنے رب کے نشانوں میں سے ایک نشان پایا اور یقین کرلیا کہ وہ میری دعا ہے جس پر میں مداومت کرتا تھا۔

☆ پس حضرت خلیفۃ المسیح مولوی نورالدین صاحب کی بیعت اس سلسلہ میں ایک خصوصیت رکھتی ہے۔ جس پر خود حضرت مسیح موعود کی تحریر شاہد ہے۔ ہاں! یہ میں مانتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود نے یہ بھی پیشگوئی کی ہے کہ ایک شخص آپ کی ذُریت میں سے اُٹھے گا جس سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوگا۔ اس کی بیعت پھر سب پر لازم ہوگی۔ لیکن اس کے متعلق کوئی تعین نہیں کی کہ وہ کون ہوگا۔ یا کتنویں نسل میں ہوگا۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کی ذُریت میں سے تھے۔ اور آپؐ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا بھی کی تھی۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (47:22) اللہ کا دن بھی ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ خود حضرت مسیح موعود کو اپنی آخری حیات تک اس کے متعلق کوئی علم نہیں دیا گیا۔ ورنہ جس طرح الوصیت میں اس کا ذکر کیا تھا اگر بعد اس کے کوئی تشخیص ہو جاتی تو ضرور آپ تحریر فرما دیتے۔

اب ہمارا یہ کہنا کہ فلاں شخص میں اس پیشگوئی کو پورا کرلیں، محض حماقت ہے۔ اُسے اللہ اپنے وقت پر

ظاہر کرے گا اور وہ خود وحی سے مخاطب ہوگا۔ تب وہ لوگوں کو اپنی بعثت کی اطلاع دے گا۔ چالیس آدمی اُسے انتخاب نہ کریں گے۔ پھر اس کا دعویٰ منہاج نبوت پر رکھا جاوے گا اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث کہ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ عَلٰی رَأسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا بتا رہی ہے کہ اب دوسرے مجدد کے آنے کے لئے کم از کم ایک سو سال کا وقفہ تو چاہئے۔ اور میں نے خود حضرت خلیفۃ المسیح کی زبان سے بارہا یہ سنا ہے کہ دیکھو تم میں ایک مجدد آیا اُس کی قدر کرو، کیونکہ اب سو سال کے بعد ہی پھر کوئی آئے گا۔ پھر حضرت مسیح موعود کی ذُریت میں اس وقت تک کسی کی عمر چالیس سال تک بھی نہیں پہنچی۔ جو کمالِ انسانی کا زمانہ ہے جس پر کسی شخص کو اصلاح کے لئے مامور کیا جاتا ہے۔ پس اس بات کو چھیڑنا، جب نہ مدعی نہ مدعی کے وجود کا امکان، بالکل عبث ہے۔

☆ پس دوسری بات جو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو لوگ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں ان کو بار بار از سرِ نو کسی شخص کی بیعت کی ضرورت نہیں۔

☆ تیسری بات جو میں ضروری طور پر آپ کو پہنچانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ کو حضرت مسیح موعود نے اپنے ہاتھوں سے قائم کیا، اپنی وصیت میں اسے جانشین قرار دیا، اس کے لئے دعائیں کیں۔ اور پھر سب سے بڑھ کر کہ اس کے قائم کرنے کے پونے دو سال بعد اور اپنی وفات سے صرف آٹھ نو ماہ پیشتر یہ تحریر اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی کہ اس انجمن کے فیصلے آپ کے بعد بالکل قطعی ہوں گے اور سلسلہ کے لئے قابل عملدرآمد ہوں گے۔ اور آپ کی زندگی میں صرف بعض دینی امور کو مستثنیٰ کیا کہ شاید وہ کوئی ایسا امر ہو جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملے۔ ورنہ باقی امور کو انجمن کے سپرد کیا۔

اس انجمن کو توڑنے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح کے ابتدائی ایام خلافت میں بڑی بڑی کوششیں کی گئیں۔ اور آخری کوشش بڑے زور شور سے یہ کی گئی کہ قواعد میں اس امر کو درج کیا جائے کہ جو کوئی خلیفہ ہوا کرے، اس کے تمام فیصلے انجمن کے لئے قابل تعمیل ہوں اور وہ انجمن کے ممبروں میں سے جس کو چاہے نکال دیا کرے اور جسے چاہے داخل کر لیا کرے۔ جو دراصل انجمن کو توڑنے کے ہم معنی ہیں۔ میں قوم کو اس خطرناک عنصر کے ارادوں اور منصوبوں سے صفائی سے اطلاع دیتا ہوں۔

۞۞۞

17 مارچ 1914ء

مراسلات

خلافت کے متعلق انصاراللہ کی ایک خطرناک سازش کا انکشاف

ذیل میں ایک کارڈ نقل کیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ انصاراللہ کا گروہ کس شوق سے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کا انتظار کر رہا تھا اور کس طرح پہلے سے ہی اُنہوں نے پریذیڈنٹ انصاراللہ کو خلیفہ مقرر کرنے کی سازش کی ہوئی تھی۔ اور وہ یہ ہے:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

برادر مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

چونکہ آج کے دن اور اس سے پہلے رات کو حضرت خلیفۃ المسیح کی حالت نہایت نازک رہی ہے اور ضعف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جس سے بجائے دنوں کے اب عمر کا اندازہ گھنٹوں میں کیا جاتا ہے۔ احباب مضافات سے جوق در جوق آرہے ہیں۔ آئندہ کا بھی خوف ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت ضعیفہ کو فتن سے بچائے۔ اس لئے خاکسار عرض کرتا ہے کہ آپ بدوں خط ہذا مع اپنے احباب کے فی الفور حضرت خلیفۃ المسیح کی زیارت کے لئے اور مجمع احباب میں شریک ہونے کے لئے تشریف لائیں۔ یہ عریضہ اس لئے لکھا گیا ہے کہ آپ بعد میں ہم پر افسوس نہ کریں کہ ہمیں اطلاع نہ کی۔ میں اطلاع سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ والسلام۔

خاکسار۔ روشن علی

سیکرٹری انصاراللہ

☆ اس میں عمر کا اندازہ بجائے دنوں کے گھنٹوں میں کیا جاتا ہے اور آئندہ کا بھی خوف ہے۔ قابل غور ہے!

روئیداد بعداز وفات حضرت مولٰینا نورالدینؒ

حضرت خلیفۃ المسیح برحق حضرت مولوی حاجی حکیم نورالدین صاحب مرحوم ومغفور نے، جیسا کہ گذشتہ اشاعت میں عرض کیا گیا تھا، نماز جمعہ کے وقت بحالت نماز اللہ تعالیٰ سے وصل کیا۔ اس پر جناب مولوی صدر الدین صاحب قائم مقام سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ نے جماعت کی مختلف انجمنوں کو اطلاعی تار دیئے۔

(جن کا متن ہے ''حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات۔1۔ ترجمہ تار۔ صدرالدین صاحب 13 مارچ۔ حضرت صاحب آج دو بج کر 25 منٹ پر فوت ہوگئے۔ 2۔ از سید احمد حسین صاحب تحصیلدار بٹالہ۔ خلیفۃ المسیح آج دو بجے فوت ہوگئے۔ پیغام صلح 15 مارچ''۔ مرتب)

اس پر خاکسار اور لاہور کے اور بہت سے احباب 14 مارچ کی صبح کو قادیان پہنچ گئے۔ یہاں پر جس خطرہ سے حضرت مولوی محمد علی صاحب نے نہایت عاقبت اندیشی سے پہلے سے ہی قوم کو مطلع کر دیا ہوا تھا اسے حرف بحرف سچا پایا۔

ہر طرف احمدیہ سکول کے طلباء، بعض پر جوش انصار اللہ اور شیخ یعقوب علی صاحب اور مفتی فضل الرحمٰن صاحب وغیرہ وغیرہ ادھر ادھر بھاگے پھر رہے تھے۔ کوشش یہ ہو رہی تھی کہ جہلاء کو بھڑکایا جاوے اور میاں صاحب کے خلیفہ مقرر کرنے کے لئے اُکسایا جاوے۔

ایک طرف وہ انصار اللہ جو منقولہ بالا خاص کارڈ کے وصول ہونے پر مع اپنے بیوی بچوں کے بیعت کرنے کے لئے تیار ہو کر آئے ہوئے تھے۔ اُن کو ایک ایک کر کے نواب صاحب کے مکان کے اندر ایک بند کمرے میں، جہاں جناب صاحبزادہ صاحب اور نواب صاحب بیٹھے ہوئے تھے، بلایا گیا اور کچھ خفیہ مشورہ کیا گیا، جس کا کہ ہمیں کچھ علم نہیں۔

مستری موسیٰ صاحب کو قادیان کی راہ میں نہر کے پل پر کھڑا کیا گیا تھا۔ جہاں وہ نو وارد احباب سے یہ کہہ کر دستخط حاصل کرتے تھے کہ آیا تم جماعت کے لئے خلیفہ مقرر کرنا پسند کرتے ہو یا کہ نہیں۔ لیکن جس کاغذ پر دستخط کروائے جاتے تھے اس کے اوپر لکھا ہوا تھا کہ ''خلیفہ مقرر ہو۔ خلیفہ چاہے انجمن کو توڑے یا رکھے۔ جس ممبر کو

چاہے نکالے'' وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح سے قادیان میں لڑکوں نے پھر کر لوگوں سے، جو وہاں جنازہ پڑھنے کے لئے آئے ہوئے تھے اور عموماً زیادہ تر ارد گرد کے گاؤں کے رہنے والے تھے، دستخط حاصل کئے۔ اسی طرح دوپہر ہوگئی۔ لیکن اُن اہل الرائے احباب کو، جو کہ باہر سے آئے تھے، کسی نے نہیں پوچھا۔ مسجد نور میں میاں صاحب نے تقریر کی اور اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے فرمایا کہ جو کچھ کرو مشورہ سے کرو۔ جلدی میں کام خراب نہ کرو۔ دوپہر کے وقت ہم نے خلیفہ رجب دین صاحب اور حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بھیجا، تا سمجھاویں کہ جو کچھ ہو جماعت کے مشورہ سے کیا جاوے۔ جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں کوئی ملکی انتظام خراب نہیں ہو رہا۔ اس لئے تجہیز و تکفین ہو۔ بعد میں اہل الرائے احباب کو بلا کر دس پندرہ دن کے اندر مشورہ کیا جاوے۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح کے وقت میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ لیکن آج ہمارے درمیان ایک بڑا بھاری اختلاف ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو کہ سب مسلمانوں کو، جو حضرت مرزا صاحب کو نہیں مانتے، کافر سمجھتے ہیں۔ دوسرا گروہ ہمارا ہے جو کہ ہر ایک کلمہ گو کو مسلمان سمجھتا ہے، سوائے ان کے جو ہم پر تکفیر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ پس ایک گروہ کے احباب دوسرے کی بیعت نہیں کر سکتے جب تک کہ آہستگی سے کوئی فیصلہ نہ کیا جاوے۔ کیونکہ مسئلہ تکفیر میں سلسلہ کی خطرناک تباہی ہے۔ لیکن اس پر انہوں نے کہا کہ ہم انتظار نہیں کر سکتے، جو کچھ ہونا ہے آج ہونا چاہئے۔ اور اس سے پہلے کہ جنازہ دفن ہو خلیفہ مقرر کرنا چاہئے۔

اس کے بعد حضرت مولوی محمد علی صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، مولوی صدرالدین صاحب اور خاکسار، نواب صاحب کے مکان پر گئے، جہاں حضرت مولوی محمد احسن صاحب اس وقت تشریف لائے تھے۔ اور عرض کی کہ معاملہ بڑا اہم اور نازک ہے، اس میں قوم کی تباہی ہے، اس لئے جنازہ مولوی محمد احسن صاحب پڑھاویں اور مسئلہ خلافت کو آہستگی سے فیصلہ کیا جاوے۔ لیکن اُنہوں نے نہ مانا اور میاں صاحب نے کہا کہ ہم نے تو تمہیں بلایا نہیں تم خود آئے ہو۔ ہم اس معاملہ میں اور زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔

آخر ہم واپس چلے آئے۔ مسجد نور میں نماز عصر ہوئی اور بعد میں نواب صاحب نے کھڑے ہو کر حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت پڑھی (گذشتہ صفحات میں درج ہے۔ مرتب) اور کہا کہ آپ کا جانشین کوئی پسند کرنا چاہیے۔

یہ آپ لوگوں کے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہیں منتخب کریں۔اس پر جیسا کہ پہلے سے انتظام کیا ہوا تھا۔مختلف اطراف سے آوازیں آئیں کہ ’’میاں صاحب‘‘۔اس کے بعد مولوی محمد احسن صاحب نے بھی میاں صاحب کو تجویز کیا۔لیکن جب مولوی محمد علی صاحب کچھ کہنے کے لئے کھڑے ہوئے تو شیخ یعقوب علی اور حافظ روشن علی اور دوسرے لوگوں نے شور ڈال دیا کہ بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ،اور کچھ کہنے نہ دیا۔اورسید عابد علی شاہ،کو جو اپنا کوئی الہام سنانا چاہتے تھے،کھڑا نہ ہونے دیا۔ چنانچہ میاں صاحب نے خود بھی کہا کہ مولوی محمد احسن صاحب کے بعد کسی کو تقریر نہ کرنے دو۔اوراس طرح حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت کے خلاف،جس میں ارشاد تھا کہ ’’میرا جانشین پرانے احباب سے درگزر،چشم پوشی اور نیک سلوک کرے‘‘،عمل شروع کیا اور خلافت کی خوشی میں اس کی کچھ پروا نہ کی۔

اس کے بعد حالانکہ حضرت خلیفۃ المسیح کی نعش پڑی تھی ’’مبارک! مبارک! میاں صاحب کو تخت خلافت مبارک،ایوان خلافت مبارک‘‘ کے نعرے بلند ہوئے اور بازاری گروہ کی طرح شور شروع ہوگیا۔ازاں بعد حضرت خلیفۃ المسیح کا جنازہ تقریباً اڑھائی ہزار احباب نے پڑھا اور آپ کو مقبرہ بہشتی میں دفن کیا گیا۔اس کے بعد پھر خلافت کے ایجنٹ کچھ اڈہ پر کھڑے ہوگئے اور کچھ شہر میں پھرنے لگے اور ہر ایک شخص کو مجبور کرکے دستخط کرانے لگے۔سینکڑوں احباب اس تماشہ کو دیکھ کر نہایت حسرت سے واپس چلے گئے۔

☆احباب کو اطلاع رہے کہ کوئی خلیفہ ابھی تک ہماری جماعت نے متفقہ طور پر منتخب نہیں کیا۔اس معاملہ کو اہل الرائے احباب کے مشورہ سے طے کیا جائے گا۔

سید محمد حسین اسسٹنٹ سرجن از قادیان

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

جناب ایڈیٹر صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

کل بروز شنبہ (ہفتہ) مورخہ 14 مارچ میرے سامنے بوقت عصر خلافت کے معاملے پر جو واقعہ ہوا وہ یہ ہے کہ قبلہ حضرت مولوی محمد احسن صاحب نے ایک تقریر فرمائی کہ میاں صاحب اس منصب کے لئے تجویز کئے

جاویں۔ ان کی تقریر سے پہلے نواب محمد علی خان صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح مولوی نورالدین صاحب مرحوم کی وصیت پڑھی۔ مولوی محمد احسن کے بعد حضرت مولوی محمد علی صاحب نے کچھ کہنا چاہا مگر اُن کو بہت بے حرمتی سے روکا گیا۔ اور اس وقت بغیر کسی شوریٰ جائز کے بیعت ہونی شروع ہوگئی۔ والسلام

خاکسار عبدالحق
ایس۔اے۔وی کلاس، ٹریننگ کالج لاہور

☆☆☆

جماعت احمدیہ لاہور کا ایک جلسہ

آج مورخہ 16 مارچ 1914ء کو جماعت احمدیہ لاہور کا ایک ضروری جلسہ مسجد احمدیہ واقع احمدیہ بلڈنگس، لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے قادیان کی روداد مختصر طور پر سنائی۔ اور جماعت سے عرض کیا کہ وہ اس معاملہ کے متعلق خوب سوچ بچار سے کام لے اور جماعت کے سربرآوردہ اہل الرائے اصحاب جمع ہوکر مشورہ کریں۔ اور حضرت مسیح موعود کے اس حکم کو مدنظر رکھ کر کہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہوگی اور اس کے فیصلے قطعی ہوں گے۔ (فیصلہ کریں۔ مرتب) ڈاکٹر صاحب کی اس مؤثر تقریر کے بعد چند ایک اور بزرگوں نے اپنی رائیں دیں اور بالآخر اس معاملہ کو کسی آئندہ وقت پر ملتوی کیا گیا۔ کیونکہ بوجہ قلت وقت کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوسکتا تھا۔

مسئلہ کفر و اسلام

حسب ارشاد حضرت مولٰینا نور الدینؒ

(از حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے)

الفاظ کے معانی میں وسعت کے اصول کو مدنظر نہ رکھنے سے بہت سے مسائل میں لوگوں کو ٹھوکر لگی ہے۔اور منجملہ دیگر اُمور کے اسلام اور کفر کا مسئلہ ایسا ہے جس کو بہت لوگوں نے نہیں سمجھا اور ہمارے احباب میں سے بھی بعض نے اس میں غلطی کھائی ہے۔کسی مسئلہ کو صاف کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اُس کے تمام پہلوؤں پر غور کیا جائے اور جن اُمور میں ظاہر نظر سے اختلاف نظر آتا ہو ان کو تطبیق دی جائے۔ہمارے پہلے علماء نے بھی یہ غلطی کھائی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں ایک مضمون کی آیت سطحی نظر میں کسی دوسرے موقع کے خلاف نظر آئی تو بجائے اس پر تدبر کرنے اور تطبیق دینے کے جھٹ ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دے دیا۔

اس مسئلہ میں کہ اسلام اور کفر کی حدود کیا ہیں؟ جہاں ایسی آیات ہیں۔جیسے فرماتا ہے: **قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ** (91:6) یعنی اللہ منوا کر اُن کو چھوڑ دو۔پھر فرماتا ہے کہ **لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَّبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ** (40:22) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کو بھی قائم رکھنے کا حکم دیتا ہے۔پھر ایک آیت ہے: **وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ** (106:12) یعنی اُن کو مؤمن بھی کہتا ہے اور مشرک بھی۔پھر احادیث میں بعض حدیثیں تو ایسی ہیں جیسے: **مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّةَ** یعنی جو **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کہہ دے وہ بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔اور ایک اور حدیث اسی کے ہم معنے یہ بھی ہے کہ **مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ** اور امام ابوحنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص ایک دفعہ دل سے **اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کہہ دے تو وہ مؤمن ہو جاتا ہے۔چاہے پھر اس سے شرک کفر یا ظلم سرزد ہو۔

اس کے بالمقابل قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ. سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَمَاْوٰهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ** (151-150:3) جس سے معلوم ہوا کہ کسی رسول کا انکار کافر بنا دیتا ہے اور احادیث میں بعض احادیث ایسی ہیں کہ نماز کا متعمد تارک کافر ہو جاتا ہے۔یا یہ کہ چوری یا زنا کرنے والا مؤمن

نہیں رہتا۔ یا روزہ زکوٰۃ وغیرہ کے چھوڑنے پر سخت وعید ہیں۔ یوں بھی آتا ہے کہ جو مؤمن پر بدظنی کرے دَخَلَ النَّارَ وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود پر بھی لوگوں نے اعتراض کئے ہیں کہ کسی جگہ اپنے منکرین کو کافر کہا ہے اور کسی جگہ مسلمان۔

ان دو قسم کے امور میں جو ایک ظاہر تخالف نظر آتا ہے۔ وہ درحقیقت الفاظ کے معنی میں وسعت کے اصول کو مدنظر نہ رکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی اصول کو چھوڑ کر معترضین اسلام نے بھی بہت سے حملے کئے ہیں۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ نعوذ باللہ گنہگار ہوتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح ذَنْبٌ کا لفظ ان لوگوں پر آیا ہے جن کو ان کے ذُنُوب کی وجہ سے جہنمی کیا گیا ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام پر بھی آیا ہے۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ لفظ ذَنْبٌ کے معنوں میں وسعت ہے۔ وہ ان انسانی کمزوریوں پر بھی بولا جاتا ہے جن پر گناہ کا لفظ نہیں بولا جا سکتا۔ بلکہ وہ انسان کی فطرتی کمزوری ہے۔ اور بڑے سے بڑے گناہ پر بولا جاتا ہے۔

پس اگر تدبر سے کام لیا جائے اور آیات میں تطبیق دی جائے تو معلوم ہوگا کہ لفظ ذَنْبٌ کا استعمال ان معنوں میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق نہیں ہوا، جن میں دوسرے لوگوں کے متعلق ہوا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی صفت میں دوسری جگہ یوں بھی فرمایا کہ وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔

بعینہٖ یہی صورت مسئلہ اسلام و کفر کا ہے۔ اسلام مان لینے کا نام ہے اور کفر انکار کا نام ہے۔ اسلام کی بڑی اور آخری حد بندی توحید الٰہی ہے۔ پس جو شخص توحید الٰہی کا قائل ہوتا ہے وہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ مگر سب لوگ جو اسلام میں داخل ہوتے ہیں وہ یکساں نہیں ہوتے۔ امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں اس مسئلہ کو بہت صاف کیا ہے: اَلْاِیْمَانُ یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ اور کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ کے الفاظ معنی کے اسی وسعت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بلکہ اسی باب میں وہ حدیث بھی درج کی ہے جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ: اُرِیْتُ النَّارَ فَاِذَا اَکْثَرُ اَھْلِھَا النِّسَآءُ یَکْفُرْنَ یعنی دوزخ میں زیادہ عورتیں دیکھیں کیونکہ وہ کفر کرتی ہیں۔ تو صحابہؓ نے عرض کیا أَیَکْفُرْنَ بِاللّٰہِ کیا وہ اللہ کا کفر کرتی ہیں؟ فرمایا: یَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ وہ خاوند کا کفر کرتی ہیں۔ جس سے لفظ کفر کی وسعت کے معنی صاف معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے اسی باب میں وہ حدیث بھی درج کی ہے جس میں اصل جنت اور اصل نار کا ذکر کر کے فرمایا: اَخْرِجُوْا مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنَ الْاِیْمَانِ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اُسے بھی آگ سے نکال دو۔ جس میں یہ سمجھایا کہ یہ بھی ایمان کا ایک مرتبہ ہے۔ حالانکہ دوسری طرف ایمان کا وہ مرتبہ ہے کہ انسان کا دل اس سے بالکل لبریز ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا کہ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ (22:58) اور اسی ایمان سے انسان اسی دنیا میں جنت میں داخل ہوتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر مسلم میں وہ حدیث ہے جس میں یہ لکھا ہے: فَشَفَعَتِ الْمَلَائِکَۃُ وَشَفَعَ النَّبِیُّوْنَ وَلَمْ یَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ فَیَقْبِضُ قَبْضَۃً فَیَخْرُجُ قَوْمًا لَمْ یَعْمَلُوْا خَیْرًا قَطُّ یعنی ان لوگوں کو

دوزخ سے نکالنے کے بعد جنہوں نے رائی کے دانے کے برابر بھی نیکی کی ہوگی اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ سب شفاعت کر چکے اور اب سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا باقی ہے۔ سو وہ ایک مٹھی بھر کر ان لوگوں کو نکال دے گا جنہوں نے کبھی بھی کوئی نیکی نہیں کی۔ اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ جہنم پر ایک وقت آئے گا کہ اس میں کوئی بھی نہ ہوگا۔

ان احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور کفر کے مراتب ہیں۔ بلکہ خود قرآن کریم نے اس مضمون کو ایک ہی آیت میں بالکل صاف کر دیا ہے۔ جہاں فرمایا **وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ** (106:12) جس میں یہ سمجھایا ہے کہ اکثر لوگوں کا تو یہی حال ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود دل کے کسی نہ کسی کونا میں شرک باقی رہتا ہے۔ پس باوجود مشرک ہونے کے بھی مؤمن کا لفظ ان پر بولا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جب ایک شخص اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آتا ہے تو وہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے یعنی جیسے ایک بچہ کسی مدرسہ میں داخل ہو جائے۔ لیکن تکمیل تعلیم کے لئے اسے ضروری ہے کہ وہ استادوں کی ہدایات پر چلے اور ان پر عمل کرے۔ اسی طرح جو شخص توحید الٰہی پر ایمان لاتا ہے وہ بھی تکمیل کے درجہ کو نہیں پہنچ جاتا بلکہ یہ ابتدا ہے۔ بیشک وہ اسلام کے دائرہ کے اندر داخل ہو گیا۔ مگر تکمیل ایمان کے لئے قرآن کریم کی ہدایات کی پیروی کی ضرورت ہے۔ ان ہدایات کے جس حصہ کو کوئی شخص اپنے عمل میں لاتا ہے، اسی حصہ میں تکمیل حاصل کرتا ہے اور جس حصہ کو ترک کرتا ہے اس حصہ میں نقصان اُٹھاتا ہے اور وہ حصہ نشوونما نہیں پاتا۔

درحقیقت کفر کے معنے بھی دبانے کے ہیں۔ پس یہ حصہ دبا رہنے کی وجہ سے انسان اس کا کافر رہتا ہے۔ لیکن وہ کل کا کافر نہیں ہو جاتا۔ بلکہ جس حصہ کو مانتا ہے اس میں مسلم ہے اور جس حصہ کو چھوڑتا یا اس کا انکار کرتا ہے اس میں وہ کافر ہے۔ اور یہی اصول ادنیٰ سے اعلیٰ ہدایات یا ضروریات ایمان پر حاوی ہے۔ جو شخص **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ** کا انکار کر دے وہ تو اس دائرہ اسلام سے ہی فارغ ہو گیا۔ لیکن جو شخص **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ** کا اقرار کر کے کسی اور حصہ کو چھوڑتا ہے وہ دائرہ کے اندر تو ہے مگر اس خاص حصہ کا کافر ہے۔

ابن اثیر نے **اَلنِّهَايَةُ** میں جو حدیث کی سب سے معتبر لغت ہے کفر کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے اس مسئلہ کو خوب صاف کر دیا ہے۔ سب سے پہلے یہ حدیث نقل کی ہے: **اَ لَا لَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِىْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ**۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ میرے پیچھے تم کافر نہ ہو جانا کہ بعض بعض کی گردن مارنے لگو۔ اور پھر اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے: **قِيْلَ لَا تَعْتَقِدُوْا تَكْفِيْرَ النَّاسِ كَمَا يَفْعَلُهُ الْخَوَارِجُ** یعنی لوگوں کی تکفیر کا اعتقاد نہ رکھو۔ جیسے خارجیوں کا مذہب ہے۔ پھر لکھتے ہیں: **وَالْكُفْرُ صِنْفَانِ اَحَدُهُمَا الْكُفْرُ بِاَصْلِ الْاِيْمَانِ وَهُوَ ضِدُّهُ وَالْاٰخَرُ الْكُفْرُ بِفَرْعٍ مِّنْ فُرُوْعِ الْاِسْلَامِ فَلَا يَخْرُجُ بِهٖ عَنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ** یعنی

کفر دو قسم کا ہے۔ایک اصل ایمان کا انکار اور وہ ایمان کی ضد ہے اور دوسرے اسلام کی فروع میں سے کسی فروع کا کفر یا انکار۔جس سے آدمی اصل ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ پھر ابن عباسؓ کی یہ حدیث لائے ہیں:قِیْلَ لَهٗ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکَافِرُوْنَ قَالَ هُمْ کفرة وَلَیْسُوْا کَمَنْ کَفَرَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی جب ان سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جو اس کے مطابق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا،سو یہی کافر ہیں۔تو فرمایا وہ کافر ہیں لیکن اس کی طرح کا فر نہیں جو اللہ اور یوم آخر کا انکار کرتا ہے۔ پھر ایک اور حدیث لائے ہیں:اِنَّ الْاَوْسَ وَالْخِزْرَجَ ذَکَرُوْا مَا کَانَ مِنْهُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَثَارَ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ بِالسُّیُوْفِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَکَیْفَ تَکْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیَاتُ اللّٰهِ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُهٗ یعنی اوس اور خزرج (دو انصاری قبیلوں) نے کچھ جاہلیت کی باتوں کا آپس میں ذکر کیا۔ پھر ایک دوسرے پر تلواریں لے کر حملہ آور ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تم کس طرح کفر کرتے ہو۔حالانکہ تم پر اللہ کے حکم پڑھے جاتے ہیں اور تمہارے درمیان ایک رسولؐ ہے۔اور اس کے بعد لکھتے ہیں اور یہ اللہ کے ساتھ کفر نہیں تھا۔ایسا ہی حدیث اَنْوَاءِ نقل کی ہے: اِنَّ اللّٰهَ یَنْزِلُ الْغَیْثَ فَیُصبِحُ قَوْمٌ کَافِرِیْنَ یَقُوْلُوْنَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ کَذَا یعنی اللہ تعالیٰ بارش اتارتا ہے، پھر ایک قوم اس کی وجہ سے کافر ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر مینہ برسایا گیا۔اور اس کا مطلب یوں بیان کیا ہے: اَیْ کَافِرِیْنَ حَیْثُ یَنْسِبُوْنَ الْمَطَرَ اِلَی النَّوْءِ دُوْنَ اللّٰهِ یعنی وہ اس حصہ کے کافر ہوتے ہیں، نہ کسی دوسرے حصہ کے۔ کیونکہ وہ اللہ کو چھوڑ کر بارش کو ستارے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ایسا ہی اور بھی بہت سی احادیث اس مسئلہ کے متعلق الکفایہ میں نقل کی گئی ہیں۔مثلاً یہ حدیث کہ مَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِیْهِ فَقَدْ کَفَرَ یہاں بھی کفر کے معنے خارج از اسلام ہونے کے نہیں۔اور حدیث اسرۃ میں جو لفظ آتے ہیں وَکَفَرَ مَنْ فَرَّمِنَ الْحَرْبِ حالانکہ ان میں ایک قسم کے وہ لوگ تھے جن کے متعلق لکھا ہے: وَالنِّصْفُ الثَّانِیْ مِنْ اَهْلِ الرِّدَدَةِ لَمْ یَرْتَدُّوْا مِنَ الْاِیْمَانِ وَلٰکِنْ اَنْکَرُوْا فَرْضَ الزَّکٰوةِ یعنی دوسرا گروہ مرتدین کا وہ تھا جو ایمان سے مرتد نہیں ہوئے بلکہ فرض زکوۃ کا انکار کیا تھا۔اور ایسا ہی حدیث:لَا تُکَفِّرْ اَهْلَ قِبْلَتِکَ یعنی اہل قبلہ کو کافر مت سمجھو۔اور بھی بہت سی احادیث ہیں مگر صرف انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اگر اس امر کو مدنظر رکھا جائے تو حضرت مسیح موعود کی تحریروں میں بھی کوئی اختلاف نظر نہیں آتا اور نہ آپ کی کسی تحریر کو کسی دوسری تحریر سے منسوخ قرار دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو شخص حضرت مسیح موعود کا انکار کرتا ہے یا ان پیشگوئیوں کو نہیں مانتا جو آنحضرت ﷺ نے آپ کے متعلق کیں اور آپ کے آنے سے وہ پوری ہوئیں، وہ اس حصہ کا کافر ہے۔مگر چونکہ وہ توحید الٰہی پر ایمان لاتا ہے،اس لئے دائرہ اسلام سے خارج نہیں۔ پھر اگر وہ نماز پڑھتا ہے اور روزہ رکھتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے اور حج کرتا ہے تو وہ ان سب کا کافر نہیں۔یا ایک شخص مسیح موعود کو مانتا ہے تو وہ اس حصہ کا تو کافر نہیں۔لیکن اگر وہ باوجود ماننے کے نماز نہیں پڑھتا یا روزہ نہیں رکھتا تو وہ اس حصہ کا کافر

ہے۔ مسیح موعود کے نہ ماننے سے ایک شخص قابل مؤاخذہ ہے۔ مگر وہ دائرہ اسلام سے اس وقت تک خارج نہیں ہوتا جب تک کہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کا انکار نہ کرے۔ چنانچہ خود حضرت مرزا صاحب اپنی کتاب ''تریاق القلوب'' کے صفحہ 130 پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا۔ ہاں ضال اور جادۂ صواب سے منحرف ضرور ہوگا اور میں اس کا نام بے ایمان نہیں رکھتا۔ ہاں! میں ایسے سب لوگوں کو ضال اور جادۂ صدق وصواب سے دور سمجھتا ہوں جو ان سچائیوں سے انکار کرتے ہیں، جو خدا تعالیٰ نے میرے پر کھولی ہیں...... لیکن میں کسی کلمہ گو کا نام کافر نہیں رکھتا، جب تک وہ میری تکفیر اور تکذیب کر کے اپنے تئیں خود کافر نہ بنالیوے۔''

اس عبارت کی حقیقت کو اور بھی واضح کرنے کے لئے ان واقعات پر غور کرنا چاہئے، جن کی بنا پر یہ عبارت لکھی گئی۔ وہ واقعات یہ ہیں کہ 24 فروری 1899ء کو مسٹر ڈوئی ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی عدالت میں ایک اقرار نامہ منجانب مولوی محمد حسین بٹالوی اس مضمون کا دیا گیا کہ میں آئندہ مرزا صاحب کو کافر اور دجال نہیں کہوں گا اور ایک اقرار نامہ اسی مضمون کا حضرت مرزا صاحب کی طرف سے دیا گیا کہ میں آئندہ مولوی محمد حسین کو دجال اور کافر نہیں کہوں گا۔ اس پر کتاب ''تریاق القلوب'' میں حضرت صاحب نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو ملزم ٹھہرا کر لکھا ہے کہ:

> ''اس اقرار کے بعد وہ استفتاء اس کا کہاں گیا جس کو اس نے بنارس تک قدم فرسائی کر کے تیار کیا تھا؟ اگر وہ اس فتویٰ دینے میں راستی پر ہوتا تو اس کو حاکم کے روبرو ہی یہ جواب دینا چاہئے تھا کہ میرے نزدیک بیشک یہ کافر ہے۔ اس لئے میں اس کو کافر کہتا ہوں ...... ہاں یہ سچ ہے کہ اس نوٹس پر میں نے بھی دستخط کئے ہیں۔ مگر اس دستخط سے خدا اور منصفوں کے نزدیک میرے پر کچھ الزام نہیں آتا۔''

اور پھر اس کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی ہے جو اوپر درج ہیں۔ یعنی یہ کہ جب مولوی محمد حسین نے ان کو کافر کہنا چھوڑ دیا اور ''حکام کے سامنے اقرار کر دیا کہ میں آئندہ ان کو کافر نہیں کہوں گا'' تو وہ وجہ بھی جاتی رہی۔ جس وجہ پر مرزا صاحب اسے کافر کہتے تھے۔ اور اس لئے حضرت صاحب کی طرف سے ایسا اقرار سراسر ان کے مذہب کے مطابق تھا۔

تریاق القلوب کی ان عبارتوں سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب کا ابتدا سے یہی مذہب تھا

اور مولوی محمد حسین جیسے شدید مخالف کو بھی انہوں نے اس وقت سے کافر کہنا ترک کر دیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ آئندہ اسے کبھی کافر نہ کہیں گے۔ جب اس نے اپنا کفر کا فتویٰ واپس لے لیا اور یہ اقرار کر لیا کہ آئندہ مرزا صاحب کو کبھی کافر نہ کہوں گا۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس عقیدہ کو، جو ابتدائے دعویٰ مسیح موعود سے لے کر برابر سولہ سال تک حضرت صاحب کا کھلا عقیدہ تھا اور جس کا آپ اپنی تقریروں اور تحریروں میں بار بار اعادہ کرتے رہے، آپ نے کبھی بدل دیا یا منسوخ کر دیا؟ اگر واقعی آپ کو کبھی اس کے تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آتی تو آپ کھلے الفاظ میں ضرور یہ لکھ دیتے کہ سابقہ عقیدہ میرا ایسا تھا، مگر اب آئندہ کے لئے میں اسے تبدیل کرتا ہوں۔ یا پہلی عبارتوں کو، جو اس کے متعلق لکھی گئی ہیں، منسوخ کرتا ہوں۔ مگر آپ کی کسی کتاب کے ایک حرف تک میں بھی اس قسم کا اشارہ نہیں پایا جاتا کہ آپ نے کبھی اس عقیدہ کو تبدیل کیا یا منسوخ کر دیا۔ ہاں بعض لوگوں نے کتاب ''حقیقۃ الوحی'' صفحہ 163 کے بعض الفاظ سے یہ خود خیال کر لیا ہے کہ پہلا عقیدہ منسوخ ہو گیا۔ وہ الفاظ یہ ہیں جو ایک سوال کے جواب میں لکھے گئے ہیں کہ:

''یہ عجیب بات ہے کہ آپ کافر کہنے والے کو اور نہ ماننے والے کو دو قسم کے انسان ٹھہراتے ہیں۔''

مگر اس کی وجہ بھی آپ نے وہی بیان کی جو پہلے تریاق القلوب میں بیان کی ہے۔ چنانچہ صفحہ 164 پر فرماتے ہیں:

> ''وہ خود اس بات کا اقرار رکھتے ہیں کہ اگر میں مفتری نہیں اور مؤمن ہوں تو اس صورت میں وہ میری تکذیب اور تکفیر کے بعد کافر ہوئے اور مجھے کافر ٹھہرا کر اپنے کفر پر مہر لگا دی۔ یہ ایک شریعت کا مسئلہ ہے کہ مؤمن کو کافر کہنے والا آخر کافر ہو جاتا ہے۔''

پھر اسی مضمون کے آخر 165 پر یہ فرمایا کہ:

> ''حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ **مَا زَنٰی زَانٍ وَهُوَ مُؤمِنٌ وَمَا سَرَقَ سَارِقٌ وَهُوَ مُؤْمِنٌ** یعنی کوئی زانی زنا کی حالت میں اور کوئی چور چوری کی حالت میں مؤمن نہیں ہوتا۔''

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح چور اور زانی اس حصہ کا کافر ہوتا ہے جس حصہ کے وہ خلاف کرتا ہے، اسی طرح مسیح موعود کا منکر بھی اس حصہ کا کافر ہے جس کا وہ انکار کرتا ہے۔ اور پھر خود اسی کتاب میں صفحہ 179 پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

> ''اور کافر منکر کو ہی کہتے ہیں۔ کیونکہ کافر کا لفظ مؤمن کے مقابل پر ہے۔''

اور پھر اپنے انکار کو آنحضرت ﷺ کے انکار سے الگ کر کے بھی دکھایا ہے۔ جہاں یہ تحریر فرمایا ہے:

''کفر دو قسم پر ہے اول ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا۔''

کفر کی یہ دو قسمیں کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام کا انکار کرنا اور آنحضرت ﷺ کو نہ ماننا، آپ نے اس قسم کا کفر نہیں سمجھا، جیسے دوسرے قسم کے کفر اسلام کو مان کر اور آنحضرت ﷺ کو صادق تسلیم کر کے بھی انسان سے سرزد ہو سکتے ہیں۔ اس دوسری قسم کے شروع میں لفظ مثلاً صاف بتلاتا ہے کہ مسیح موعود کا کفر اس دوسرے قسم کے کفروں سے ایک کفر ہے۔ اور یہی وہ کفر ہیں جو اسلام کے دائرہ کے اندر رہ کر بھی انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ جس کی مثال زانی اور سارق میں خود حضرت صاحب نے دی ہے۔ خواہ کچھ بھی کہا جائے، اس تقسیم سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب کا مذہب یہی تھا کہ مسیح موعود کا کفر انسان کو محمد رسول اللہ ﷺ کا کافر نہیں بناتا۔ سوائے اس کے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے ان احکام کو ماننے سے انکار کیا۔ جن کی رو سے مسیح موعود کو ماننا ضروری ہے۔ جس طرح ایک والدین کا نافرمان، ایک نماز یا روزے کا تارک، ایک زکوٰۃ کا نہ دینے والا، ایک جھوٹ بولنے والا وغیرہ قرآن کریم کے ایک حکم کا انکار کرتا ہے۔ اور اس طرح پر وہ انکار گویا رسول اللہ ﷺ کا بھی انکار ہو جاتا ہے۔ پھر اسی کتاب میں صفحہ 178 پر حضرت صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ڈاکٹر عبدالحکیم خاں اپنے رسالہ المسیح الدجال وغیرہ میں میرے پر یہ الزام لگاتا ہے کہ گویا میں نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص میرے پر ایمان نہیں لائے گا گو وہ میرے نام سے بھی بے خبر ہوگا اور گو وہ ایسے ملک میں ہوگا جہاں تک میری دعوت نہیں پہنچی، تب بھی وہ کافر ہو جائے گا اور دوزخ میں پڑے گا۔ یہ ڈاکٹر مذکور کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے کسی کتاب یا کسی اشتہار میں ایسا نہیں لکھا۔''

اور پھر اسی کتاب کے صفحہ 165 کے حاشیہ پر صاف لکھا ہے:

''پس میں اب بھی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتا۔''

یہ تو کتاب حقیقۃ الوحی کی ہی سب عبارتیں ہیں جو آپ کے عقیدہ کو اب بھی ویسا ہی ظاہر کر رہی ہیں، جیسا تریاق القلوب میں لکھا ہے۔ اور اگر کوئی الفاظ اس میں ایسے بھی ہوں جنہیں متشابہ کہا جا سکے تو ان کو محکمات کی طرف لے جانا چاہئے۔ اور تریاق القلوب کی عبارت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ پھر خود حقیقۃ الوحی

کے دوسرے مقامات تریاق القلوب کے خیال ہی کی تائید کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت صاحب اپنی وفات تک اسی عقیدہ پر قائم رہے۔ چنانچہ 24 مئی 1908ء کے اخبار البدر میں آپ کی تقریر چھپی ہے، جس میں پُر زور الفاظ میں اسی عقیدہ کو دُہرایا ہے۔ یہاں آپ پر یہ سوال کیا گیا تھا۔

> ''اگر تمام غیر احمدیوں کو کافر کہا جائے تو پھر اسلام میں تو کچھ بھی نہیں رہتا۔'' جس کے جواب میں آپ نے فرمایا ''ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے۔ جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جائے۔'' اور پھر اسی تقریر میں فرمایا کہ ''جو ہمیں کافر نہیں کہتا ہم اسے ہرگز کافر نہیں کہتے۔''

اب کتاب حقیقۃ الوحی سے پہلے کی تمام تحریریں اور اس کے بعد کی تمام تحریریں خود کتاب حقیقۃ الوحی کے مقامات متنازعہ کو چھوڑ کر دوسرے تمام حوالہ جات یہ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت صاحب کا عقیدہ ہمیشہ وہی رہا ہے جس کا صاف اعلان تریاق القلوب اور پھر البدر 24 مئی 1908ء میں ہے۔ اب اگر حقیقۃ الوحی میں کوئی فقرات ایسے بھی ہوں جن کے ذو معنے ہو سکتے ہوں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم وہی معنے اختیار کریں جس کی تائید آپ کی دیگر تحریرات اور کتاب حقیقۃ الوحی کے دیگر مقامات سے اس کثرت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور اس کے سوا کوئی دوسرے معنے کرنا، جن سے مختلف عبارات میں اختلاف پیدا ہو یا کسی حصہ کو کسی دوسرے حصہ سے منسوخ قرار دینا، بڑی غلطی ہے۔

قبل اس کے کہ میں اس مضمون کو ختم کروں، اس مضمون کے متعلقہ واقعات کا اظہار ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ خواجہ (کمال الدین) صاحب کا ایک خط آیا تھا جس میں اُنہوں نے یہ دریافت کیا تھا کہ گو لندن میں نماز جمعہ کی امامت میرے سپرد ہے۔ اور بھی نمازوں میں جہاں میں موجود ہوں مجھے ہی آگے کیا جاتا ہے۔ لیکن تاہم میں اس معاملہ میں حضور کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ اگر اس جگہ، یعنی ولایت میں جہاں احمدیوں پر دوسرے مسلمانوں کی طرف سے کفر کا کوئی فتویٰ نہیں ہے، ضرورت پیش آجاوے تو کیا ان کے پیچھے نماز ادا کر لیا کروں۔ جیسا کہ عرب اور افریقہ وغیرہ بعض دیگر مقامات میں آپ نے اجازت دی ہے۔ اس خط کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح (مولٰینا نور الدین) نے یہ لکھوایا کہ جب وہاں کفر کا فتویٰ نہیں تو آپ دوسروں کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اور یہ جواب اخبار پیغام صلح میں چھپ گیا۔ جس پر بعض یہاں کے احباب نے اس فتویٰ کو غلط بتایا۔ حالانکہ اسی قسم کی اجازت حضرت خلیفۃ المسیح ہمیشہ حج پر جانے والوں کو دیتے رہے۔ جس کی شہادت ہماری جماعت کے حاجی دے سکتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح کے فتویٰ کے خلاف جو احباب تھے، ان میں سے دو میرے پاس بھی آئے کہ حضرت صاحب کا فتویٰ حضرت مسیح موعود کی فلاں فلاں تحریر کے خلاف ہے۔ میں نے انہیں کہا کہ فتویٰ دینے والا تو میں نہیں ہوں۔ مجھ سے بحث کرنے کا کیا فائدہ۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں عرض کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا ہے اور یہ تحریریں دکھا دی گئی ہیں۔

ان ایام میں حضرت صاحب کی کمزوری بڑھ جانے کی وجہ سے وہ گھر کے اندر ہی قرآن شریف کے نوٹ سُنا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے جلد ہی بعد حضرت صاحب نے مجھے ارشاد فرمایا کہ مسئلہ کفر و اسلام میں تطبیق دو۔ اور کچھ احادیث اور کچھ آیات قرآنی ارشاد فرمائیں جو اس مضمون کے شروع میں ہیں۔

میں چونکہ قرآن کریم کے کام میں زیادہ مصروف تھا اور دوسرے کسی قدر اپنی طرف سے اس مسئلہ کے چھیڑنے کو پسند نہ کرتا تھا۔ اس لئے میں نے تحریری مضمون تو چندروز تک کوئی نہ لکھا۔ البتہ یہ میں دیکھتا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح درس قرآن کریم میں یعنی میرے نوٹوں کے وقت کسی نہ کسی رنگ میں اس مضمون پر بھی روشنی ڈال دیتے ہیں اور اس مسئلہ کا ایک نہایت وسیع پہلو آپ کے ذہن میں تھا۔ جس سے تمام مسلمان بھی بے خبر ہیں۔ گو حضرت مسیح موعود کی تحریریں اس کی مؤید ہیں۔ جہاں آپ نے اس خیال کی کہ کوئی ایسے بھی لوگ ہوں گے جو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے، تردید کی ہے۔

خیر یہ مسئلہ بجائے خود ایک الگ بحث کو چاہتا ہے، اس لئے میں اسے اس جگہ نہیں چھیڑتا۔ گو مضمون تو میں نے چندروز نہ لکھا۔ لیکن آیات و احادیث محولہ پر غور کر کے اور بخاری کتاب الایمان کو پڑھ کر اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح کے روزانہ ارشادات سے واقف ہو کر یہ میں نے خوب سمجھ لیا کہ حضرت صاحب کس طرح پر تطبیق دیتے ہیں۔ اور بالآخر آپ کے، ایک دن ایک بڑے مجمع میں جب قرآن کریم کے ترجمہ کے چندہ کا اعلان آپ کے حسب الارشاد لکھ کر سنایا گیا، یہ فرمانے پر کہ مسلمان کافر کے مسئلہ کو تطبیق دینا تمہارے ذمہ ہے، میں نے آخر اس مسئلہ کو لکھا۔ اور اسی اثنا میں ایک دن آپ نے میاں صاحب (مرزا محمود احمد) کو مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے میاں نے بھی اس مسئلہ کو نہیں سمجھا۔ مضمون کو لکھنے کے بعد میں نے اسے حضرت خلیفۃ المسیح کو سنا بھی دیا۔

چونکہ آپ ان دنوں میں بیمار تھے۔ آپ کے صاحبزادہ میاں عبدالحیؒ نے یہ خیال کر کے کہ شاید آپ پوری توجہ سے مضمون نہ سن سکتے ہوں عرض کیا کہ حضور سنتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں خوب سنتا ہوں اور مجھے مخالفت ہوتو میں کہہ نہ دوں۔ آخر مضمون پر آپ نے صحیح مسلم کی وہ حدیث، جس میں فَيُخْرِجُ مِنْهُ قَوْمٌ لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا کے الفاظ آتے ہیں، درج کرنے کو فرمایا۔ چنانچہ وہ بھی درج کر دیئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ ابن اثیرؒ کی لغت حدیث اَلنِّهَايَةُ سے چند حوالہ جات درج کر دیئے گئے ہیں۔ اس مضمون کے متعلق گو بہت سے احباب بار بار یہ تقاضا کرتے تھے کہ اسے جلد چھپواؤ۔ لیکن میں بلاضرورت اس کا چھپوانا پسند نہ کرتا تھا۔ لیکن اب جبکہ یہ بحث اخبار میں چھڑ گئی ہے، اور مسئلہ تکفیر پر ہمارے بعض دوست زور دے رہے ہیں، میں اور توقف گناہ سمجھتا ہوں۔ اور میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ حکماً لکھتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود کی تحریروں میں سے کل حوالہ جات یکجا کر کے علیحدہ دیئے جاویں گے۔

17 مارچ 1914ء

مولٰینا محمد علی صاحب کا ایک اور ضروری اعلان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِ الۡکَرِیۡمُ

اَشۡھَدُ اَنۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ

جو کچھ واقعات قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے بعد پیش آئے ہیں۔ ان کی تفصیل کو میں ضرورت کے لئے کسی دوسرے موقعہ پر چھوڑتا ہوں۔ سردست میں ان احباب کو، جو ابتلاء کے وقت میں صراط مستقیم پر رہنے کے لئے اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں، یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دین وایمان کا معاملہ ایسا نہیں کہ اس میں جلد بازی سے کام لیا جائے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے وہ سلسلہ احمدیہ میں شامل ہوئے اور ہر قسم کے دُکھ اور تکلیفیں اس سلسلہ کی خاطر اُٹھائیں۔ مگر کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے اسے حق سمجھا۔ اب بھی وہ حق کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے ہر قسم کے مصائب کے مقابلہ کے لئے تیار رہیں۔

ہاں! میں کہوں گا کہ ہمارا سلسلہ مسلمانوں کی تکفیر پر جمع نہیں ہوسکتا۔ حضرت مسیح موعود نے بار بار اپنی تحریروں میں اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کو کافر کہنا تقویٰ کی راہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہماری قوم پر رحم کرے۔ میں صاحبزادہ محمود احمد صاحب کی عزت کرتا ہوں۔ وہ بیشک ہمارے آقا کا فرزند ہے، اس میں بہت سی خوبیاں ہیں، میں ان کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن ایک بڑی خطرناک غلطی جو وہ کررہے ہیں، میں محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے اس سے اپنا اختلاف شائع کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ایک وقت تھا جب ہمارے سلسلہ پر دوسرے مسلمانوں کی طرف سے بڑی بڑی زیادتیاں ہوئیں، کفر کے فتوے لگے، السلام علیکم ترک کی گئی اور اور دُکھ پہنچائے گئے۔ مگر دیکھو! اس وقت بھی حضرت مسیح موعود نے کس قدر رحم اور نرمی سے کام لیا کہ باوجود ان تمام فتوؤں کے بھی مدت تک یہ بھی نہیں کہا کہ تم مجھے کافر کہنے کی وجہ سے کافر ہوگئے ہو۔ بلکہ جب مدت تک مخالف مولویوں کا اصرار اس پر دیکھا اور احمدیوں کے مصائب بڑھ گئے اور مسجدوں میں ان کو دُکھ دیا گیا۔ تب حضرت مسیح موعود نے ان کے اس اصرار پر آخر یہ کہا کہ اس حدیث کے مطابق

کہ جو مسلمان کو کافر کہتا ہے اب میں مجبور ہوں کہ ان لوگوں سے وہی معاملہ کروں جس کے یہ حق دار ہیں۔

اس کے بعد برابر تیرہ سال تک حضرت مسیح موعود سے جب کبھی یہ سوال پوچھا گیا کہ کیا آپ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، تو آپ نے یہی جواب دیا کہ میں کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتا۔ لیکن جن لوگوں نے مجھے کافر کہا ہے یا جو ان کے ساتھ ان کے پیرو ہونے کی وجہ سے شامل ہیں۔ وہ خود اس حدیث کے ماتحت آ جاتے ہیں کہ جو مسلمان کو کافر کہتا ہے وہ کفر خود اسی پر لوٹ کر پڑتا ہے۔ یہی جواب ساری عمر حضرت مسیح موعود دیتے رہے۔ حتیٰ کہ حقیقۃ الوحی میں بھی آخر لفظ یہی ہیں کہ اب بھی میں اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتا۔ اور پھر اپنی وفات سے چند روز پیشتر پھر یہی بات کہی کہ میں کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتا۔

یہی مذہب حضرت خلیفۃ المسیح کا تھا۔ جیسا کہ آپ نے متواتر کئی سال تک اپنی خلافت میں ظاہر فرمایا۔ اور آخری ایام میں بھی صاف طور پر فرمایا کہ اسلام کی حد بندی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور میاں صاحب کو صاف کہہ دیا کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں سمجھتے۔ جس کی تطبیق کے لئے مجھے مامور فرمایا۔ مگر ہمارے میاں صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ تمام کلمہ گو، اہل قبلہ، قرآن کے ماننے والے، محمد رسول اللہ ﷺ کو خدا کا سچا رسول یقین کرنے والے، اسی دن کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے، جس دن حضرت مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو کیا حضرت مسیح موعود لوگوں سے ڈرتے تھے، جو انہوں نے خود کبھی یہ نہ کہا؟

بہر حال ایمان وہ چیز ہے جس کو انسان بیچ نہیں سکتا۔ اور جن عقائد حقہ پر حضرت مسیح موعود نے اور حضرت خلیفۃ المسیح نے ہمیں قائم کیا ہے، ہم انہیں کسی طرح پر چھوڑ نہیں سکتے اور نہ کسی ایسے شخص کی بیعت کر سکتے ہیں جو مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہو۔ ایمان کی خاطر ہم سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔ ہاں! یہ بھی ضروری ہے کہ سلسلہ کے کام میں اکٹھا رہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک دوسرے کو کافر کہنا یا فاسق کہنا ہمارے نزدیک تقویٰ سے بہت بعید بات ہے۔ ہم سب میں اول اسلام کی وہ عظیم الشان اخوت، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام میں شہادت دی۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ، پھر اس کے بعد دوسری اخوت سلسلہ احمدیہ میں شامل ہونے کی، جس کا بنیادی پتھر حضرت مسیح موعود پر ایمان لانا ہے، ان دو اخوتوں کے ہوتے ہوئے ہم مل کر کام کر سکتے ہیں اور مل کر کام کرنا چاہیئے۔

بہرحال یہ سوال اب قوم کے سامنے ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود کی وصیت پر عمل کریں گے اور جہاں تک ہماری طاقت ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ مل کر کام کریں گے۔ لیکن اس ایمان پر، جس پر پہلے حضرت مسیح موعود نے، اور پھر عین انہی کے نقش قدم پر چل کر حضرت خلیفۃ المسیح نے، جیسا کہ حضرت مسیح موعود کی اپنی شہادت ''آئینہ کمالات اسلام'' صفحہ 586 پر موجود ہے کہ:

''یَتَّبِعُنِیْ فِیْ کُلِّ اَمْرِیْ کَمَا یَتَّبِعُ حَرَکَۃُ النَّبْضِ حَرْکَۃَ التَّنَفُّسِ.''

(وہ میری اس طرح پیروی کرتا ہے جس طرح حرکت تنفس کے پیچھے حرکت نبض چلتی ہے) ہمیں قائم کیا ہے۔ اس کو ہم کسی صورت میں چھوڑ نہیں سکتے اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی پر ہمارا خاتمہ کرے۔ والسلام۔

خاکسار۔ محمد علی۔ از قادیان

17 مارچ 1914ء

ادارتی نوٹ

شوریٰ سے کام کروتا فلاح پاؤ

وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ (38:42)

(اور اُن کے کام آپس میں مشورے سے ہوتے ہیں)

یہ آیہ کریمہ مسلمانوں کی شان میں ہے۔قرآن کریم کی آیات بیّنات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام وفرمان میں سے ہے۔پیغمبر خداﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کا اس کے حق ہونے پر ایمان تھا اور وہ سب اس پر عامل ہو کر دین و دنیا میں کامیاب ہوئے۔ جتنے پاک اور برگزیدہ انسان اسلام میں پیدا ہوئے، سب نے اس کو خضر راہ بنایا۔حضرت مسیح موعود نے اس کو اسلامی زندگی کا ایک ضروری جزو بتایا۔جیسا کہ گذشتہ اشاعت میں ہم عرض کر چکے ہیں۔ چنانچہ حضور خود بھی ہر ایک کام میں اس حکم کی فرمانبرداری کرتے رہے۔ باوجود مامور من اللہ ہونے اور اللہ تعالیٰ سے وحی پانے کے آپ اپنے ہر ایک کام شروع کرنے سے پہلے دعا اور شوریٰ سے مدد لیتے تھے۔آپ نے اپنی وصیت میں اپنی جماعت کو ارشاد فرمایا کہ میرے بعد مل کر کام کرو۔ چنانچہ آپ نے ایک انجمن اپنی زندگی میں بنائی۔جس کے ممبروں کو لائف ممبر مقرر کر لیا۔اور اُس کے لئے بڑی بڑی دعائیں کیں اور اُن ممبروں کے نیک اور امین ہونے کے لئے اللہ کے حضور بڑی بڑی التجائیں عرض کیں اور اس کو اپنے سامنے شروع کروایا۔اور اپنی موجودگی میں سلسلہ کا سارا کاروبار اُس کے سپرد کر دیا اور اپنی ساری آمدنی اور جائیداد کو اس کے حوالہ کر دیا گیا اور ایسا تحریری ارشاد کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس انجمن کے فیصلے جماعت احمدیہ کے لئے قطعی ہوں گے، سوائے کسی خاص مذہبی مسئلہ کے۔جس کے متعلق الہام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ کھولے۔لیکن میری زندگی کے بعد جب تک کوئی خدا تعالیٰ سے مامور ہو کر نہ آوے اس انجمن کے فیصلے جماعت کے لئے ماننے ضروری ہیں۔

آپ کی زندگی میں یہ صدر انجمن احمدیہ تقریباً تین سال کے عرصہ تک کام کرتی رہی۔آپ نے کبھی دخل نہیں دیا۔پھر آپ کے وصال کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر سب انجمن کے ممبروں کو اور ساری کی ساری

جماعت کو اللہ تعالیٰ نے یک دم بیعت کے لئے جھکا دیا اور آپ اس طرح حضرت مسیح موعود کے خلیفہ برحق مقرر کئے گئے۔آپ کے زمانہ میں بھی آج تک انجمن اسی طرح کام کرتی رہی جیسے حضرت مسیح کے زمانہ میں۔آپ نے کبھی اس کے فیصلوں میں دخل نہیں دیا اور ہمیشہ سے اہم معاملات میں شوریٰ سے کام کرنے کی نصیحت فرمائی۔ غرض جتنے ہمارے مطاع ہیں کیا قرآن ، کیا رسول پاک ﷺ، کیا حضرت مسیح موعود، کیا حضرت خلیفۃ المسیح سب ہمیں شوریٰ کا حکم دیتے ہیں۔پھر ہماری اپنی رائے اور اپنے خیالات اس کے مقابل میں کیا حق رکھتے ہیں کہ شوریٰ پر شخصی رائے کو وقعت دیں؟

پیغمبر خدا ﷺ نے بھی یہ ارشاد الٰہی: اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (110:18) کہہ کر باوجود افضل البشر ہونے کے بتا دیا کہ وحی کو علیحدہ اگر کر دیا جاوے تو نبی بھی بشریت کے تقاضوں سے بچ نہیں سکتے۔چہ جائیکہ ہم اُمتی، جو ابھی روحانیت کے گہواروں میں ہی پرورش پا رہے ہوں، ان جذبات نفسانی سے پاک ہو کر کامل رائے کے مالک بن سکیں۔پس اے مسلمانو! اس شوریٰ کے الٰہی ارشاد کو ہر وقت دل کی آنکھوں کے سامنے رکھو اور اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔دیکھو! جب تک قرآن پر چلنے والے مسلمان رہے اور انہوں نے امور سلطنت میں اور ہر ایک دینی و دنیوی کام میں شوریٰ سے فائدہ اُٹھایا، وہ کامیاب رہے۔اُن کے ہر ایک کام میں اللہ نے برکت نازل کی۔لیکن جونہی وہ نفس کے غلام ہو گئے اور اپنی ذاتی رائے کے تکبر اور نخوت کا کیڑا اُن کے دماغ کو کھجلانے لگا، اور بجائے جمہوری حکومتوں کے شخصی حکومتوں نے اُن کی جگہ لی، وہ ذلیل ہوتے گئے۔یہاں تک کہ وہ غیر مسلم سلطنتیں، جنہوں نے اس قرآنی ارشاد اور خداوندی حکم کی قدر کی، وہ اُن کو آہستہ آہستہ نگل گئیں۔اور آج مسلمان ہیں کہ ہر طرف تباہ و خوار ہو رہے ہیں، کوئی زمین اُن کو قبول نہیں کرتی۔کہتے ہیں کہ اسلام کی سلطنتوں کے زوال کے فلاں اسباب ہیں اور فلاں وجوہ ہیں۔میں کہتا ہوں کہ اصل سبب ان کا اسلام کو چھوڑنا اور قرآن کے احکام کی ناقدردانی کرنا ہے۔جونہی کہ ؎

اگر شاہ روز را گوید شب است ایں   بباید گفت اینک ماہ و پرویں!

کہنے والے خوشامدی ٹٹو، اور ان خوشامدوں کو پسند کرنے والے شہنشاہ مسلمانوں میں پیدا ہونے شروع ہوئے۔ اور خدائی کلام کے لئے ان مغرور دلوں میں جگہ نہ رہی، تو نفس دنی کے پیچھے لگ کر رسوا ہو گئے۔انہی بادشاہوں کی

اولاد آج دہلی میں بھٹیاریوں کے بھاٹ جھونک کر شکم پروری کر رہی ہے۔ جائے عبرت ہے۔ اب بھی اگر مسلمان نہ سمجھیں اور خدا کے ارشاد اور پیغمبر خدا ﷺ کے حکم اور حضرت مسیح موعود اور آپ کے خلیفے کی نصائح کو نہ مانیں، تو پھر اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ہمارے حال پر رحم کرے۔ ورنہ کوئی صورت فلاح کی باقی نہیں رہ جاتی۔

۞۞۞

19 مارچ 1914ء

مکتوب مولٰینا محمد علیؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِ الۡکَرِیۡمۡ

برادران! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ۔

سلسلہ میں جو واقعات حضرت مولانا نورالدینؒ کی وفات کے بعد پیش آرہے ہیں، ان کے متعلق کچھ عرض کرنا میں بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرت صاحب کی وفات کے بعد میں صاحبزادہ (مرزا محمود احمد) صاحب سے ملا تھا اور ان کی خدمت میں یہ عرض کی تھی کہ اس وقت جماعت میں دو گروہ موجود ہیں۔ایک وہ جو غیر احمدی مسلمانوں کو بلا تفریق کافر قرار دیتے ہیں۔دوسرے وہ جو ان لوگوں کو چھوڑ کر، جو حضرت مسیح موعود پر کفر کے فتوے دیتے ہیں، باقی اہل اسلام کو مسلمان کہتے ہیں۔اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح کا جانشین منتخب کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جماعت کے سر برآوردہ لوگوں کو تاریخ مقرر کر کے بلایا جائے اور ان مشکلات کے حل کرنے کے لئے کوئی احسن تجویز سوچی جاوے۔تاکہ دونوں فریق اکٹھے رہ سکیں اور جماعت میں تفرقہ نہ ہو۔

میں نے یہ بھی عرض کی کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی بیعت کے وقت اور اس وقت میں بڑا بھاری فرق یہ ہے کہ اُس وقت کل جماعت کا ہر ایک امر پر اتفاق تھا اور اب اختلاف ہے۔چونکہ ہمارے سلسلہ کی بنیاد اصلی اس اعتقاد پر ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود اور مہدی معہود مانا جائے۔اور جس طرح **لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ** پڑھ کر انسان اسلام کے اندر داخل ہو جاتا ہے، اسی طرح حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود مان کر احمدیت کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔اب جو باقی اختلافات ہیں وہ ضروری ہیں کہ آپس میں طے ہو جاویں

اورمل کر کام کریں۔ جس کی ہدایت حضرت مسیح موعود کی وصیت میں ہے۔ یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ہر دو فریق باہم مشورہ کر کے اوران مشکلات کو جو، پیش آرہی ہیں، حل کر کے اپنے لئے کوئی امر منتخب کرلیں۔

صاحبزادہ صاحب نے یہ فرمایا کہ بیرونی احباب کا انتظار، سوائے ان کے جو دو تین دن کے اندر آسکیں، نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ ضروری امر ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی نعش اس وقت تک دفن نہ ہو، جب تک کہ ان کے جانشین کا انتخاب نہ ہو جائے۔ اس کے متعلق گفتگو تو بہت طویل ہوئی جس میں اور امور کا بھی ذکر تھا۔ جیسے حضرت مسیح موعود کی نبوت کے متعلق کہ ایک فریق کے اعتقاد میں آپ کی نبوت جزوی اور بروزی ہے۔ اور اپنے لغوی معنوں میں اس کا استعمال حضرت صاحب کے الہامات میں اور تحریروں میں باعث کثرت پیشگوئیوں کے ہوا ہے، نہ کہ حقیقی اور اصطلاحی معنوں میں۔ اور دوسرے فریق کے اعتقاد میں ایسا استعمال حقیقی معنوں میں ہے۔ مگر ان تفصیلات کی ابھی ضرورت نہیں ہے۔ آخر اس کے متعلق یہ طے ہوا کہ مزید گفتگو بعد مشورہ صبح ہو۔ مگر پھر اس کے لئے کوئی وقت نہ دیا گیا نہ میرے رقعہ کا کوئی جواب دیا گیا۔

میرے اعلان میں، جس میں مَیں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا، جس میں اس امر پر زور دیا گیا تھا کہ کوئی کارروائی جو ہو بعد مشورہ احباب ہونی چاہئے، لیکن کسی بات کی شنوائی نہ ہوئی۔ بلکہ ان بزرگوں نے، جب ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ہم نے خود مشورہ پیش کیا، تو یہ فتویٰ دیا کہ مَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ جس کا مطلب یہ سمجھا گیا کہ جو کوئی شخص اس وقت تجویز کیا جاوے، جو اس کی بیعت نہیں کرے گا، وہ فاسق ہے فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

مشورہ کے متعلق عدم ضرورت ظاہر کی گئی اور آخر جب مسجد میں حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت پڑھی جانے کے بعد میں نے جماعت کو اپنے خیالات سے اطلاع دینی چاہی تو مجھے جواب دیا گیا کہ ہم نہیں سنیں گے۔ اور پہلے جو دو تین دن کا وعدہ کیا گیا تھا اس کو بھی مدنظر نہ رکھا گیا۔ بلکہ اسی دن، جبکہ وہ لوگ بھی، جن کو حضرت صاحب کی وفات کی تاریں دی گئی تھیں، معاً چل کر بھی نہ پہنچ سکتے تھے، وہ کارروائی کی گئی جس کو میں اور نہیں تو قابل افسوس ضرور لکھوں گا۔

مگر میں اس کی تفصیلات کو پیش کر کے بہت سے اپنے دوستوں کو دُکھ پہنچانا نہیں چاہتا۔ نہ ان کو تمام پبلک میں لاکر دوسروں کو ہنسی کا موقع دینا پسند کرتا ہوں۔ لیکن ایک بات ہے جس کے کہنے سے میں رُک نہیں سکتا۔ اگر ہماری جماعت نری دھڑا بندی ہے تو بیشک میں غلطی پر ہوں۔ لیکن اگر حق اور صداقت کوئی چیز ہے اور کسی قسم کی

زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت کرنا، خواہ وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو، قرآن کریم کے رو سے گناہ ہے، تو میں نے اس حق کو ظاہر کرنے میں پہلے بھی اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔ خواہ مجھ پر کوئی فتویٰ جاری کیا جاوے۔ میں اپنے لئے اگر کسی بات کا مدعی ہوں یا خواہش مند ہوں تو مجھ سے بڑھ کر لعنتی کوئی نہیں کہ حق کی آڑ میں فساد پھیلاتا ہوں۔ لیکن میرے دل میں ایک درد ہے اور وہی مجھے مجبور کرتا ہے کہ سب مصیبتوں کو قبول کر کے بھی اس کا اظہار کروں۔

اہل قبلہ کی تکفیر وہ امر ہے جس کے لئے حضرت مسیح موعود نے اپنے مخالف مولویوں کو سخت ملزم کیا ہے۔ آہ! آج وہ بات جس کے لئے دوسروں کو ملزم قرار دیا گیا تھا اس کا ارتکاب ہم خود کر رہے ہیں۔ میرا تو دل کانپ جاتا ہے کہ **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کہنے والے کو کافر اور خارج از اسلام قرار دیا جائے۔ ہاں! جوان کی غلطی ہے وہ غلطی ہے، اور اس غلطی کے لئے وہ قابل مواخذہ ہیں۔ پھر اسی ایک دوسرے کی تکفیر کو روکنے کے لئے ہی شارع علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے وہ کفر لوٹ کر اسی پر پڑتا ہے۔ پھر جس بات کو اس قدر وقعت خود نبی کریم ﷺ نے دی اس کو میں کم از کم حقیر نہیں سمجھ سکتا۔

حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح کا بھی مذہب ساری عمر میں نے یہی سمجھا ہے، یہی ان کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ سوائے اس شخص کے جو مسلمان کو کافر کہہ کر اس حدیث کے ماتحت خود کفر کو اپنے اوپر لیتا ہے۔ محض حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کی وجہ سے کوئی مسلمان کافر نہیں۔

غرضیکہ میرے لئے تو یہ ایک بڑے ڈر کا مقام ہے اور ایک متقی انسان کو ایسا لفظ منہ سے نکالتے ہوئے ڈرنا چاہئے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اگر درحقیقت سب کلمہ گو، جب تک وہ مسیح موعود پر ایمان نہ لاویں، کافر ہیں تو پھر ہماری اشاعت اسلام کی کوشش بے سود ہے۔ کسی ہندو یا عیسائی کو کلمہ پڑھا لینا ایک عبث بات ہے۔ میں بھی احمدیت کے لئے غیور ہوں۔ تاہم حفظ مراتب اور مدارج کو بھول جانا غلطی ہے۔ لیکن جب ہمارے سلسلہ میں ایک یہ صورت پیدا ہو چکی ہے کہ ایک حصہ سب کلمہ گو کو کافر سمجھتا ہے جب تک وہ سلسلہ احمدیہ میں شامل نہ ہوں اور دوسرا حصہ نہیں سمجھتا، تو بہر حال امیر یا خلیفہ کا انتخاب ایک ایسا مشکل سوال ہو جاتا ہے کہ جس کے لئے بہت سا غور بکار تھا۔

ایسی مشکل کو حل کرنے کے لئے قوم کو بہت سے تدبر، بہت مشوروں اور بہت سی دعاؤں کی ضرورت

تھی۔ اور میں کہتا ہوں اب بھی ہے۔ ایسے اہم امور کا منٹوں میں فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ پھر مرید اور مرشد کا تعلق ایک بہت ہی نازک تعلق ہے۔ بیعت کے معنے اپنے آپ کو بیچ دینے کے ہیں۔ جہاں اعتقادات کا اس قدر اختلاف ہو، وہاں بیعت ان معنوں میں نہیں ہوسکتی۔ علاوہ ازیں خلفائے راشدینؓ کی بیعت میں مرشد اور مرید کا تعلق نہ تھا۔ بلکہ حاکم اور محکوم کا تعلق تھا۔ شرح صدر کے سوائے بیعت کرنا میں منافقت سمجھتا ہوں۔ اور اُس شخص کے ہاتھ پر، جو مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہو، بیعت کرنے کے لئے میرا شرح صدر نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے جو کچھ بھی نتائج مجھے بھگتنے پڑیں، ان کے لئے تیار ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور توفیق چاہتا ہوں کہ وہ مجھے حق پر استقامت دے اور مصائب میں صبر عطا فرمائے۔ ہاں! آخر پر میری یہ عرض ہے کہ اس حالت میں بھی کام کرنے میں ویسا ہی مل کر رہنا چاہئے، جیسا پہلے رہے ہیں۔ اور کسی حالت میں ہمارے ان کاموں میں کوئی فرق نہ آنا چاہئے جو حضرت مسیح موعود نے ہمارے سپرد کئے ہیں یا حضرت خلیفۃ المسیح کے وقت میں شروع ہوئے ہیں۔ انہی کاموں میں مَیں اپنے مکرم دوست خواجہ کمال الدین صاحب کے کاموں کو شامل سمجھتا ہوں۔ جس کے متعلق مجھے ایک عبارت حضرت مسیح موعود کی بھی ملی ہے۔ جو احباب کی اطلاع کے لئے نیچے درج کرتا ہوں۔

> ''اور جو شخص وعظ کے لئے انگریزی ملکوں کی طرف خالصتاً لِلّٰہِ جائے گا پس وہ برگزیدوں میں سے ہوگا۔ اور اگر اس کو موت آجائے گی تو وہ شہیدوں میں سے ہوگا۔''
> (نور الحق حصہ دوم صفحہ 55)

یہ گویا ایک پیشگوئی ہی تھی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے خواجہ صاحب کے وجود میں پورا کیا۔ باقی رہا ان کے خالصتاً لِلّٰہِ جانے کا سوال۔ سو اس کا فیصلہ حضرت خلیفۃ المسیح بار ہا اپنی تقریروں میں کر چکے ہیں۔ سو اس کام کو جماعت کے کاموں میں شامل سمجھتا ہوں اور جو کوئی اس کو ضعف پہنچانے کی کوشش کرے گا وہ بھی ایک تفرقہ کی بنیاد ڈالے گا اور اللہ کے نزدیک جوابدہ ہوگا۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

22 مارچ 1914ء

ایک نہایت ضروری اعلان

ہم حسب ذیل اعلان کنندگان نے جناب مرزا محمود احمد صاحب و مولوی محمد احسن صاحب و نواب محمد علی خان صاحب و ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب و میر ناصر نواب صاحب و میاں بشیر احمد صاحب و میاں معراج الدین عمر صاحب کے سامنے بتاریخ 14 مارچ نماز عصر سے پہلے حاضر ہو کر عرض کی تھی کہ خلافت کے متعلق باہمی شوریٰ سے فیصلہ کیا جاوے اور قوم کے اہل الرائے اصحاب جمع ہو کر باہمی شوریٰ سے مصالحت کی راہ نکالیں جس سے قوم کا شیرازہ بندھا رہے اور حضرت خلیفۃ المسیح مرحوم و مغفور کا جنازہ جناب مولوی محمد احسن صاحب پڑھا دیں۔ مگر ان حضرات نے ہماری عرض داشت کو نہ مانا اور جماعت میں باوجود اختلاف کے جنازہ سے قبل بعض اصحاب نے صاحبزادہ محمود احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور ہم کو جماعت کے سامنے موجودہ مشکلات پیش کرنے یا اپنی رائے کو ظاہر کرنے کا موقع نہ دیا گیا۔ اس لئے ہماری یہ خواہش ہے کہ ایک دن مقرر کر کے جماعت احمدیہ کے اہل الرائے اصحاب جمع ہو کر باہمی شوریٰ سے موجودہ مشکلات کے لئے کوئی حل کی راہ نکالیں، تاکہ جماعت کا شیرازہ درہم برہم نہ ہو جائے۔ جو اصحاب اس امر میں ہم سے متفق ہوں کہ جماعت کا شوریٰ امور مختلفہ کے متعلق کیا جاوے، وہ مہربانی فرما کر بہت جلد اپنے اور دیگر احباب کے دستخط کرا کر دفتر اخبار پیغام صلح لاہور میں بھیج دیں۔ تاکہ شوریٰ کے لئے کوئی دن مقرر کر کے اس بات کا قطعی فیصلہ کیا جاوے۔

نوٹ: اس امر کو ہم واضح طور پر بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہم اس امر کے خلاف نہیں کہ جماعت میں کوئی امیر مقرر ہو۔ مگر وہ شوریٰ سے ہونا چاہئے تھا۔

1۔ سب سے بڑی وجہ اختلاف کی یہ ہے کہ جناب صاحبزادہ صاحب تمام غیر احمدی کلمہ گوؤں کو، بلالحاظ اس کے کہ وہ احمدیوں کو کافر کہتے ہیں یا نہیں، کافر سمجھتے ہیں۔ اور ہم ایسے اعتقاد کو حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح کے مذہب کے خلاف جانتے ہیں۔

2۔ صدر انجمن احمدیہ کے متعلق وہ مطلق اختیار اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ جس سے ہم کو اختلاف ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے انجمن کو خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین قرار دے کر اس کے فیصلوں کو اس وقت

تک نا قابل تنسیخ قرار دیا ہے جب تک کوئی ماموراس کے خلاف اللہ تعالیٰ سے الہام نہ پائے۔

3۔ان کا ایمان ہے کہ خلیفہ مان کر بھی انسان اپنا اعتقاد خلیفہ کے خلاف رکھ سکتا ہے۔لیکن اس کو اظہار کی اجازت نہیں، یعنی مداہنہ کرسکتا ہے۔ جو ہمارے اعتقاد کے خلاف ہے۔

4۔ صاحبزادہ صاحب کا اعتقاد ہے کہ کوئی احمدی، جو خلیفہ کی بیعت نہ کرے، فاسق ہے۔ یہ بھی ہمارے اعتقاد کے خلاف ہے۔

13 مارچ کو قریب ڈیڑھ گھنٹے تک جناب مولوی محمد علی صاحب نے جناب صاحبزادہ محمود احمد صاحب کے ساتھ اس کے متعلق گفتگو کی کہ فیصلہ کے متعلق شوریٰ کا انتظام کیا جائے۔مگر انہوں نے نہ مانا۔کل 14 مارچ کو علی الصبح بھی ان کی خدمت میں یہ تحریر بھیجی گئی کہ شوریٰ کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔

اعلان کنندگان: محمد علی (ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز قادیان وممبر صدر انجمن احمدیہ) شیخ رحمت اللہ (پروپرائیٹر انگلش وئیر ہاؤس لاہور وممبر صدر انجمن احمدیہ) ڈاکٹر میرزا یعقوب بیگ (اسسٹنٹ سرجن وممبر صدر انجمن احمدیہ) سید محمد حسین شاہ (اسسٹنٹ کیمیکل اگزامینر وممبر) صدرالدین بی۔اے بی۔ٹی (ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان وممبر صدر انجمن احمدیہ)

اسمائے مؤیدین: ہم اس امر سے اتفاق کرتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے سر برآوردہ واہل الرائے اصحاب کو موجودہ مشکلات کے حل کے لئے کسی تاریخ شوریٰ کے لئے جمع کیا جائے۔

ملک شیر محمد خان (بی۔اے پرسنل اسسٹنٹ مشیر مال ریاست جموں وکشمیر، وائس پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ جموں) حافظ فضل احمد (راولپنڈی، حسن آباد)، شیخ عطاء اللہ گارڈ ریلوے ملکوال، اکبر شاہ خاں، علی احمد حقانی (اورینٹل ٹیچر لوئر مال سکول راولپنڈی، سیکرٹری انجمن احمدیہ) بشارت احمد (اسسٹنٹ سرجن، پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ راولپنڈی)، سید امیر علی شاہ (سب انسپکٹر سیالکوٹ) خواجہ عزیز الدین، خواجہ بشیر احمد، خواجہ نذیر احمد، خواجہ جمال الدین (بی۔اے انسپکٹر مدارس جموں وکشمیرو پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ جموں) علم الدین (پلیڈر۔ بی۔اے، ایل۔ایل۔بی) محمد منظور الٰہی (ٹیلیگراف انسپکٹر محکمہ ریلوے لاہور) محمد یعقوب (ایم۔اے بی۔ٹی کلاس ٹریننگ کالج لاہور) شیخ نور احمد (بی۔اے، ایل۔ایل۔بی وکیل ایبٹ آباد) عبدالحق (ایس۔اے۔وی کلاس ٹریننگ کالج لاہور) شیخ عبدالرزاق بیرسٹرایٹ لاء (گوجرانوالہ) ملک غلام محمد ٹھیکیدار (محلّہ ککے زئیاں لاہور) احمد الدین صوفی (ڈوری باف موتی بازار لاہور) مصطفیٰ خان (بی۔اے ایڈیٹر ادب پٹیالہ) شیخ غلام قادر (ریلوے ٹیلی گراف لاہور) محمد نواب خان ثاقب مرزا خانی ملیر کوٹلہ، منصور علی خاں، خیر الدین خاں مرزا خانی (ملیر کوٹلہ) اکرام بیگ (آفس قانونگوئے رخصی جلالپور جٹاں ضلع گجرات) رحمت بیگ (تاجر پشمینہ جلالپور جٹاں) دوست محمد

(ایڈیٹر اخبار پیغام صلح لاہور) احمد الدین (گورنمنٹ پینشنر لاہور) نبی بخش لاہور (شملوی) مولا بخش قریشی ولد میاں چٹھہ، فضل الدین دری باف، تاج الدین معمار، غلام محمد، خلیفہ عبدالغنی، عبدالحق، خلیفہ رجب الدین (مینیجر پیغام صلح) عبدالحکیم قریشی (رسولنگری) ہدایت اللہ (کوچہ چابک سواراں) کرم الٰہی، قدرت اللہ، غلام رسول، عطاء اللہ (کوچہ چابک سواراں لاہور) قاضی ثناء اللہ (سپرنٹنڈنٹ سرجیکل برانچ گورنمنٹ میڈیکل سٹورز لاہور چھاؤنی)، محمد حسین (کلرک میڈیکل سٹورز لاہور چھاؤنی) قاضی الطاف علی (ڈپو اسسٹنٹ میڈیکل سٹورز چھاؤنی لاہور) حافظ محمد حسین خاں (رائل ٹیوٹر لاہور) خدا بخش (مالک احمدیہ پرنٹنگ ورکس لاہور) شیخ عبدالحق، بابو شمس الدین (حویلی میاں خاں) حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ لاہور۔

نوٹ: جناب صاحبزادہ صاحب کے لئے یہ ضروری تھا کہ بیعت لینے سے پہلے مبائعین کو اپنے عقائد سنا دیتے جیسا کہ حضرت مولٰنا مولوی نورالدین صاحب مرحوم نے بیعت لینے سے پہلے کیا تھا۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برخلاف بیعت کے بعد اپنے عقائد سنائے، جو خلاف قاعدہ ہے۔ خلیفہ رجب الدین از لاہور۔
تائید مزید۔

جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ جہلم، وزیرآباد اور سیالکوٹ کی جماعت ہائے احمدیہ بھی اس امر سے پورے طور پر متفق ہیں کہ باہمی مشورے سے فیصلہ کیا جائے۔

اطلاع: 22 مارچ کو مجلس شوریٰ کا انعقاد مسجد احمدیہ لاہور میں ہوگا۔

22 مارچ 1914ء

قابل توجہ جماعت احمدیہ

ہم نے افسوس سے اس خبر کو سنا ہے کہ بعض واقعات اس قسم کے پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جن کا نتیجہ سلسلہ کے لئے نقصان دہ ہوگا۔

اول: مولوی شیر علی صاحب کا ولایت جانا۔ جس کا حکم حضرت خلیفۃ المسیح اپنی زندگی میں دے چکے تھے۔ اور جس کے مطابق مولوی شیر علی صاحب خود دو سال کی رخصت لے کر ہر طرح سے تیاری کر چکے تھے۔ بلکہ لاہور جہاز کے ٹکٹ کو خریدنے کے لئے جانے کے واسطے تیار تھے۔ اس حکم کو اب منسوخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر حضرت خلیفۃ المسیح کے احکام کی یہی قدر ہے تو افسوس ہے کہ اس کے بدنتائج دور تک پہنچیں گے۔ جن لوگوں نے اس کی تحریک کی ہے اور جن کے مشورہ سے ہوئی ہے ان کو اس سے زیادہ عاقبت اندیشی سے کام لینا چاہئے۔ قادیان میں جو افواہ عام طور پر مشہور ہے کہ یہ کارروائی اس غرض کے لئے ہوئی ہے، اس کے متعلق ہم سردست کچھ نہیں لکھتے۔ لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ یہ کارروائی ایسی ہوگی جس سے قوم کو بہت نقصان پہنچے گا۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

دوم: یہ بھی سنا گیا ہے کہ مجلس معتمدین میں دو ممبر ایسے بڑھائے جانے کی تجویز ہے۔ جن کے متعلق ظاہر طور پر تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ الوصیت کی منشا کے مطابق بڑھائے جاتے ہیں۔ جس میں یہ لکھا ہے کہ انجمن کے ممبروں میں دو آدمی ایسے ہونے چاہیں جو قرآن کریم اور حدیث سے بخوبی واقف ہوں اور سلسلہ احمدیہ کی کتب کو یاد رکھتے ہوں۔ لیکن یہ بات اس لئے درست معلوم نہیں ہوتی کہ اب تک بھی تو آخر ایسے دو ممبر شامل تھے ہی۔ کیا حضرت خلیفۃ المسیح کے پانچ سال کے زمانہ میں مجلس معتمدین ایسے ممبران سے خالی رہی ہے۔ اور کیا حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے ساتھ یہ ضرورت پیش آئی۔ دو دن بھی آپ کی وفات کے بعد نہیں گزرے کہ وہ کارروائی شروع کی گئی جس کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح کے زمانے میں بھی کوشش اور طرح پر کی جاتی تھی۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ افسوس ہے کہ یہ باتیں جماعت کے اتفاق کو سخت نقصان پہنچانے والی ہوں گی۔ کیا حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب، خود صاحبزادہ صاحب، مولوی غلام حسن صاحب، میر حامد شاہ صاحب

اور بعض دیگر ممبران قرآن وحدیث سے اور سلسلہ احمدیہ کی کتابوں سے واقف نہیں؟ عاقبت اندیشی سے کام لینے کی بجائے ایسی جلدی یہ کارروائی شروع کی گئی ہے، جس سے بہت سے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ نئی اینٹیں اس لئے داخل کی جارہی ہیں تاکہ بعض پرانی اینٹوں کے نکالنے کے لئے وہ راہ پیدا کی جائے جس کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح کے وقت میں بے سود کوشش ہو چکی ہے۔ ورنہ کیا حضرت مسیح موعود نے خود دو عالم قرآن وحدیث ممبران مجلس میں نہ رکھے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح کو یہ بات بھولی رہی تھی۔ جو آج ان کی وفات کے ساتھ ہی یاد آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے اور سلسلہ کو ان کوششوں سے، جن کے خطرناک نتائج ہیں، محفوظ رکھے۔

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام،

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

22 مارچ 1914ء

ایک جائزہ

مولوی نورالدینؒ کی وفات اور خلافت کا جھگڑا

ہم نے نہایت رنج و اندوہ کے ساتھ مولوی حکیم نورالدین صاحب کی وفات کی خبر سنی۔ مرحوم فرقہ احمدیہ کے ممتاز ترین رکن اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے جانشین تھے۔ آپ کے علم وفضل کا ہر شخص معترف تھا اور ان کے حلم اور بردباری کا عام شہرہ تھا۔ ان کی روحانی عظمت وتقدس کے خود مرزا صاحب بھی قائل تھے۔ اور بقول مولوی محمد علی ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز ''یہ وہ پاک اور بےنفس اور متوکل وجود تھا جس کی نظیر آج دنیا میں نہیں ملتی۔ اس روحانی عظمت، اس علم وفضل کا کوئی اور وجود ہماری جماعت میں نہیں ہے۔''

مولوی صاحب کی حین حیات ہی میں احمدی جماعت دو فرقوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ ایک وہ جو عام مسلمانوں کو کافر سمجھتا تھا اور ایک وہ جو سب مسلمانوں کو مسلمان جانتا تھا۔ مرحوم موخر الذکر جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اس بنا پر اُن میں اور مرزا غلام احمد صاحب کے فرزند صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد میں اختلاف تھا۔ جو بارہا کہہ چکے ہیں کہ ''میں غیر احمدیوں کو کافر کہنے سے نہیں ٹلوں گا'' (اخبار) ''الحکم''، جس کا احیاء مولوی نورالدین صاحب کی وفات سے چند روز پہلے اُن کے ایام علالت ہوا ہے، لکھتا ہے کہ صاحبزادہ صاحب (مرزا محمود احمد) ''خدا کے فضل اور وعدوں کے ماتحت احمدی سلسلہ کے امام اور خلیفہ تسلیم کر لئے گئے ہیں'' لیکن وہ فریق، جو مولوی نورالدین صاحب کے خیالات کا حامل اور عام مسلمانوں کو کافر نہیں سمجھتا، اس کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کے ادراک اور ضمیر سے اپیل کرتا ہے اور مولوی محمد علی صاحب کی زبان میں علی الاعلان کہہ رہا ہے کہ ''مسلمانوں کی تکفیر کرنے والے تقویٰ سے الگ راہ پر گامزن ہیں اور ہردلعزیزی کی صفت بھی انہیں حاصل نہیں ہوسکتی۔'' اس طرح مولوی نورالدین صاحب کی افسوسناک وفات پر خلافت کا جھگڑا ایک مہلک صورت میں رونما ہوا ہے۔ اور ہر ایک مسلمان کی یہ خواہش ہوگی کہ خدائے قدیر مسلمانوں کی درماندہ قوم کو ان کفر کا فتویٰ دینے والوں اور تفرقہ پیدا کرنے والوں سے محفوظ رکھے کہ اس وقت ہمیں سب سے زیادہ اتفاق و یک جہتی کی ضرورت ہے۔ (اخبار) وکیل۔

22 مارچ 1914ء

اداریہ

مجوّزہ خلافت کے قیام کی کوششیں

حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات پر اکثر لوگ، جو دور دراز سے آرہے تھے، قادیان کے افسوسناک حالات کو سُن کر جن کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، وہاں جانے سے رُک گئے۔ جس پر قادیان سے ان بیرونی احباب کو غلطی میں ڈالنے کے لئے اعلان اور اشتہار دربارہ خلافت نکلنے شروع ہوئے۔ ایک اعلان تو اُن احباب کی طرف سے نکلا جو حضرت مسیح موعود کے خاندان سے تھے یا کوئی اور تعلق یا رشتہ اُن سے رکھتے تھے۔ اس میں بہت سے بیعت کرنے والوں کے دستخط دیئے گئے۔ اس اشتہار میں یہ التزام خاص طور پر کیا گیا کہ اختلاف جو ہو چکا تھا، اُس کا کسی قسم کا اظہار نہ کیا جائے اور پڑھنے والوں کو بھی معلوم ہو کہ یہ جو کچھ ہوا، نہایت آرام اور صفائی سے اور بغیر کسی قسم کی حیل و حجت کے ہوا۔ اور میاں صاحب کو خلیفہ بھی اُسی طرح مانا گیا، جس طرح حضرت خلیفۃ المسیح برحق کو، اور یہ بالکل غلط تھا۔ کیونکہ سینکڑوں تعلیم یافتہ اور سمجھدار احباب وہاں سے بعض چالاکیوں کو دیکھ کر نفرت دل میں لے کر واپس چلے آئے۔ اشتہار میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ دو ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔ حالانکہ اُس وقت دو ہزار آدمی موجود بھی نہ تھے۔ یہ تحریری ثبوت ہے اُس منصوبہ کا، جو کہ خلافت کے حصول کے لئے بنایا گیا۔ اور تو اور صدر انجمن احمدیہ کے اجلاس میں بھی جس معاملہ کو پیش نہ ہونے دیا ہو۔ اگرچہ ایسے اہم معاملہ میں ضروری تھا کہ ساری احمدی جماعت کی رائے لی جائے۔ اُس کے متعلق اس دلیری سے ایک اعلان شائع کر دینا، اور اُس میں باقی بیرونی احمدی احباب کو بیعت کے لئے جلدی کرنے کے لئے اُکسانا بتاتا ہے کہ اس کے پردہ میں کسی خوف اور سازش کو چھپایا جارہا تھا۔

ایک اعلان اخبار الحکم میں شائع ہوا جس میں اُس خلافت کے متعلق، جس کی بنا ایسی دنیاداری کی ترکیبوں پر رکھی گئی ہے، الوصیت میں ذریت میں سے جو آنے والے کی پیش گوئی ہے، اس پیشگوئی پر بحث کی ہوئی تھی۔ ثابت کیا ہوا تھا کہ وہ صاحبزادہ صاحب پر پوری ہوئی۔ جو مدعی ہیں وہ تو دعویٰ نہیں کرتے ہیں کہ میں وہ

ہوں۔لیکن ہمارے دوست ہیں کہ اس پر صفحوں کے صفحے لکھ کر دنیا میں سلسلہ احمدیہ کو ایک ٹھٹھا اور مسخری کی جگہ بنا رہے ہیں اور خدا کا خوف بھی نہیں کرتے۔

یہ سب اشتہار باہر بھیج دیئے گئے۔کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی جانشینی کے وقت اس قسم کے اشتہار نکالے گئے تھے۔اس کے بعد تاروں کی باری آئی اور دنیا کی آنکھ میں خاک جھونکنے کے لئے مولوی شیر علی صاحب انصاراللہ نے مختلف جگہوں میں تاریں دے دیں کہ جناب صاحبزادہ محمود احمد صاحب سب احباب کی اتفاق رائے سے خلیفہ مقرر کئے گئے۔یہ تاریں نہ صرف اخبار نویسوں کو ہی بلکہ سب جماعتوں کے سیکرٹریوں کو دی گئیں۔ایک مفصل تار جناب نواب محمد علی خاں صاحب اور جناب مولوی محمد احسن صاحب اور مولوی شیر علی صاحب کی طرف سے چیف سیکرٹری گورنمنٹ پنجاب اور چیدہ اخباروں کو دی گئیں۔تا کہ پیشتر اس کے کہ لوگوں کو اختلاف کا علم ہو اور حق ظاہر ہو جائے وہ بیعت کے لئے لکھ بھیجیں۔جب ایک دفعہ کوئی بیعت کر لے گا پھر وہ پنجہ سے نکل نہیں سکتا۔جناب خواجہ صاحب کو بھی ایک تار اسی مضمون کا دے دیا گیا۔

غور طلب امر اس میں یہ ہے یہ سب تاریں اتوار کو 4 بجے شام کے لاہور میں آ کر دی گئیں۔ایک رات کا بھی انتظار نہ کیا گیا۔حالانکہ اتوار کو تین گنا خرچ تار پر زیادہ پڑتا ہے۔غریب قوم کا آیا ہوا روپیہ اس طرح بے دردی سے خرچ کیا گیا۔اتوار کے دن تاروں کا دیا جانا اُس سب سازش کو طشت از بام کر دیتا ہے جو کہ انصاراللہ کی جماعت بنانے سے شروع ہو کر انصاراللہ کے نام 11 مارچ کے کارڈ اور مذکورہ بالا اشتہاروں کے ذریعہ تکمیل کو پہنچائی گئی۔اللہ اللہ! ہم تو حیران ہیں۔وہ دیکھا جس کی اُمید نہ تھی۔

جب ہم نے سنا کہ تاریں بھی باہر دی جا چکی ہیں تو پھر ہم نے مناسب نہ سمجھا کہ جماعت کو اصل واقعات سے بے خبر رکھا جائے۔اس لئے مشورہ ہوا کہ ہم بھی لوگوں کو اصل حالات سے اطلاع کر دیں۔لاہور آ کر معلوم ہوا کہ چیف سیکرٹری صاحب کو بھی تار دی جا چکی ہے۔اس پر وزیرآباد، سیالکوٹ اور جہلم میں خود جا کر لوگوں سے اصل حالات کا اظہار کر دیا گیا۔

سوال جو یہاں اُٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیوں کیا گیا؟ اتنی جلدی کیا تھی؟ چیف سیکرٹری کو

روحانی سلسلہ کے لیڈر کے متعلق تار دینے کی کیا غرض تھی۔ کیا کوئی دنیاوی ریاست تھی جس کا تعلق گورنمنٹ عالیہ سے تھا۔ یہ تو روحانی سلسلہ تھا۔ اس کے لئے نائب مقرر کرنا خدا کا کام ہے اور یہ فرض کچھ آسان تو نہیں ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح کو تو جب بیعت کے لئے کہا گیا تھا۔ تو اُنہوں نے تو مجبور ہو کر بڑی دعاؤں کے بعد اسے قبول کیا تھا۔ اُن کو تو کسی نے مبارک نہ دی تھی اور نہ ہی کہیں تاریں دی گئی تھیں۔ اصل مبارک کا دن تو آج اُن کے لئے تھا۔ جنہوں نے اپنے فرض کو بڑی جانفشانی کے بعد انجام دیا۔ یہ سب واقعات ہیں جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اُمید ہے کہ ہمارے بھائی اِن کو پڑھ کر سمجھ جائیں گے کہ کہاں تک اُن سارے حالات سے تقویٰ کی خوشبو آ رہی ہے۔

احمدی کی تعریف: احمدی وہ ہے جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو وہ مسیح موعود مہدی مسعود یقین کرتا ہے، جس کی پیشن گوئی رسول مقبول ﷺ کی احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ اور آپ کی ہر ایک تعلیم اور سنت پر قدم مارنا ہے۔ یہ تعریف لکھنے کی ہمیں اس لئے ضرورت پیش آئی کہ بعض خود غرض احباب قوم کو سوائے مسیح موعود کی بتائی ہوئی باتوں کے اور راہوں پر لے جانا چاہتے ہیں۔

خلیفہ وقت: ہم نے اپنی عمر میں تین قسم کے خلیفہ دیکھے۔

1۔ ایک خلیفہ تو حضرت مسیح موعود و مہدی تھے۔ جو اللہ سے اذن پا کر کھڑے ہوئے۔ اور نصرت و تائید روح القدس سے ایک فرمانبردار پاک جماعت بنا کر اور اشاعت اسلام کے کام کی بنیاد ڈال کر مالک حقیقی سے جا ملے اور خلیفۃ اللہ کہلائے۔ آپ نے اللہ سے علم پا کر دین اسلام کو سیکھا اور زندگی کے ہر لمحہ میں الٰہی فرشتوں کی حفاظت آپ کے شامل حال رہی۔ پس ایسے پاک اور ہادی مسیح کی فرمانبرداری، جس کا معلم خدا تعالیٰ ہو، خدا کی فرمانبرداری ہے اور وہ کبھی انسان کو غلطی میں نہیں ڈال سکتی۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ اُس کا غلام بن جائے۔

2۔ پھر ایک سردار قوم وہ خلیفہ دیکھا۔ جس کا نام حضرت خلیفۃ المسیح مولانا مولوی نور الدین مرحوم و مغفور تھا۔ اُس نے اپنی ساری زندگی دین کی خدمت میں وقف کر دی۔ وہ دینی علوم میں یکتائے زمان تھا۔ نہ صرف احمدی جماعت میں ہی بلکہ ساری دنیا میں اُس کے تقویٰ اور خدا ترسی کی وجہ سے اُس کی رائے اُمور دینی و

دنیوی میں ایک خاص وقعت رکھتی تھی ۔ اُس کا تعلق خاص خدا سے ایسا تھا کہ حضرت مسیح موعود نے بھی تسلیم کیا کہ اُس کو نور نبوت سے حصہ ملا ہوا ہے۔اس پاک انسان کو بلا کسی تفریق کے ساری کی ساری جماعت احمدیہ نے اُس کے تقویٰ اور علم اور وسیع القلبی سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے نہ صرف اشاعت اسلام کے کاموں میں اپنا امیر ہی بلکہ پیر بھی مان لیا اور وہ حقیقی طور پر خلیفۃ المسیح بھی ٹھہرا۔

3۔ ماسوائے اس کے ہم دنیا میں سینکڑوں گدیاں اور پیر دیکھتے ہیں۔ جہاں آئے دن صرف اس لئے کہ ایک شخص کسی پیر کا لڑکا ہے،لوگ اسے پیر مان لیتے اور اپنے ایمان کو اس کے ہاتھ پر بیچ دیتے ہیں۔نہ پھر مرید کی کوئی رائے رہتی ہے نہ اُس کے دل میں کوئی علمی ترقی کرنے کی اُمنگ باقی رہتی ہے۔ جو وقت پیش آئی پیر کے پاس چلے آئے، جو غلط یا درست اُس نے بتایا وہ مان لیا۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی ذہنی اور عقلی ترقی کے قویٰ کمزور ہوجاتے ہیں اور پھر وہ ایک بیجان مضغہ ہوجاتا ہے۔ جسے کوئی جدھر چاہے دھکیل دے۔ پیر صاحبان ہیں کہ مٹھی گرم ہوئی، کھانے کو بےفکری سے مل گیا، دو چار حاشیہ نشین تعریف کرنے کو موجود ہیں۔اب کام کرنے کی کسی کو کیا ضرورت پڑی۔ ہزار ہا ایسے خلیفہ اسلام میں موجود ہیں۔اُن کو نہ تقویٰ میں نہ علم میں نہ وسعت تجربہ میں دوسروں پر کوئی فوقیت ہوتی ہے۔ مریدین کو اُن کی ہر ادا اچھی کر دکھانا ہے۔ منہ سے لفظ نکلا اور حاشیہ نشینوں نے مرحبا، جزاک اللہ، واہ واہ کے نعرہ بلند کئے۔سامعین کو بھی مجبوراً ساتھ شامل ہونا پڑتا ہے۔ایسی گدیوں نے اسلام کو تباہ کردیا۔لکھوکھ ہا ہونہار دماغوں کا ستیاناس کردیا۔کروڑ ہا روپے نفس پرستی میں لگوادیئے۔نتیجہ یہ ہوا کہ اشاعت اسلام کا کام جو اصل تھا، اُس کی طرف کسی کو بھی توجہ نہیں۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (31:2) کی طرح یہ ابن آدم اللہ سے کوئی علم نہیں پاتے اور بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (247:2) اور جسم بھی مضبوط اور توانا نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریدوں کو غلط راہوں پر چلا کر نہ دین کے اور نہ دنیا کا چھوڑتے ہیں۔

خلیفہ بلا شرط: ہمارے سر پر سے جب علامۂ دوراں ہمارے پیارے حضرت حاجی مولوی نورالدین صاحب جیسا شریعت کا چاند غروب ہوگیا،تو خلافت کے متعلق سالہائے دراز سے جو منصوبے گانٹھے جارہے تھے اور جو وصال حضرت سے ایک ماہ پہلے ایک خاص زور شور سے جاری کئے گئے تھے، وہ عجیب رنگ لائے۔اُنہوں نے اپنی شکل ایک مایوسی اور حسرت بھرے رنگ میں دکھائی۔ ہر طرف احمدیہ سکول کے طلباء لوگوں سے کاغذوں پر دستخط کراتے

پھر رہے تھے۔ جن پر لکھا ہوا تھا کہ خلیفہ بلا شرط ہونا چاہیئے، اُس کو انجمن کا مطاع ہونا چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

خادمانِ دین، جنہوں نے عمریں گنوا کر حضرت مسیح موعود اور آپ کے پیارے خلیفہ کی گود میں پرورش پائی تھی، اُن کو تو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا۔ عام جو اردگرد کے لوگ جمع ہو رہے تھے، اُن کو اُکسا اُکسا کر دستخط لئے جارہے تھے اور ایسے بُرے ذرائع استعمال کئے جاتے تھے کہ اس گری ہوئی حالت میں بھی عام میونسپل الیکشن میں اس طرح کوئی نہیں کرتا۔

حضرت مسیح موعود نے تو خود اپنے ہاتھ سے لکھ دیا کہ میری جانشین انجمن ہے اور اپنی زندگی میں ہی اُس کے لئے لائف ممبر مقرر کر کے اُس کو مستحکم کر دیا۔ اور پھر لکھ دیا کہ میری زندگی میں جب مجھے کسی امر میں الہام ہو، تو انجمن کے فیصلہ اُس کے ماتحت ٹوٹ سکتے ہیں۔ ورنہ اس وقت بھی اور آئندہ بھی وہ قطعی ہوں گے اور اُن کا ماننا میری جماعت کا عین فرض ہوگا۔ غرض حضرت مسیح موعود نے تو اپنی ساری کمائی ہوئی جائیداد کو انجمن کے سپرد کر دیا اور اُس کو آئندہ کے لئے قطعی اختیار بھی دے دیئے اور اس طرح اپنی بے تعصبی کا دنیا کو ثبوت دیا۔ لیکن یہاں ہیں کہ بغیر اس ارشاد کے پروا کے لوگوں سے ایک ایسا خلیفہ بنانے کے لئے دستخط لئے جارہے ہیں جو کسی شرط کا پابند نہ ہو اور جو کہ انجمن پر قطعی حکومت رکھتا ہو۔ شخصی حکومت کی خواہش نے حضرت مسیح موعود کے ارشاد کو بھی بھلا دیا ہے۔ الامان!

پھر حضرت خلیفۃ المسیح، جن کی نعش مبارک اندر پڑی ہوئی تھی وہ تو خاص خلیفہ کی اوصاف اور شرائط مقرر کریں اور وصیت کریں کہ اُن کا جانشین جو ہو وہ متقی ہو، فاضل ہو، عالم باعمل ہو، درگزر، چشم پوشی سے کام لینے والا ہو۔ حضرت کے پرانے اور نئے احباب سے نیک سلوک کرنے والا ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہاں خودمختاری کا عشق اُس کی بھی پروا نہیں کرنے دیتا اور لکھایا جارہا ہے کہ خلیفہ بلاشرط ہو۔

کیا یہ راہ تقویٰ کی راہ کہلائی جاسکتی ہے۔ حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت میں ہی اگر غور ہوتا اور قرآن کے خدائی ارشاد کی طرف ہی دھیان کیا جاتا تو ایسا ہرگز واقعہ نہ ہوتا۔ لیکن نفس جب غالب ہو پھر قرآن کو کون پوچھتا ہے؟ حضرت کی وصیت پر عملدرآمد ہو خواہ نہ ہو اور حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت کے مطابق جانشین پرکھا جاوے یا نہ، لیکن خلافت ملے اور وہ بھی جلدی! کیونکہ اہلِ غرض جدائی سے بے قرار تھے۔

یہ تو خلافت سے پہلے ہوا۔ بعد میں خلافت بلاشرط ملنے پر جو مبارک کے نعروں نے غمزدہ لواحقین حضرت خلیفۃ المسیح اور حضرت کے پرانے اور نئے احباب کو صدمہ پہنچایا ہے اور جو نیک سلوک اُن خادمانِ دین سے ہوا، وہ تو نہایت ہی قابل شرم تھا۔ یہ تہذیب اور روشنی کا زمانہ اور پھر حضرت مسیح موعود جیسے اعلیٰ اور قابل انسان کی تیار کی ہوئی جماعت، جس نے ساری دنیا سے جنگ روحانی کرنا ہے، اُس کو کہا جاتا ہے کہ ایک نوجوان متقی کو پیر مان لو۔ کیونکہ وہ مسیح موعود کی ذریت ہونے کی وجہ سے ہم پر فوقیت رکھتا ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ صاحبزادگان جسمانی طور پر خصوصاً حضرت مسیح موعود کی اولاد اور ذریت ہیں۔ لیکن مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (40:33) بتاتا ہے کہ روحانی رنگ میں حضرت مسیح موعود کا ہر فرد آپ کی ذریت ہی ہے۔ یہ رسالت کوئی جدی ورثہ نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر مسیح موعود سیدوں کے خاندان میں سے ہونا چاہئے تھا اور پھر اُس کے خلیفہ بھی زیادہ سید ہی ہونے چاہئیں تھے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ ذریت کے چکر نے آگے بنی اسرائیل کو خائب وخاسر رکھا اور پھر شیعوں کو اسلام سے گرادیا۔ اب اس پاک سلسلہ میں ضروری تھا کہ لوگ اُن واقعات سے عبرت حاصل کرتے۔

حقوق کا خیال ہمیشہ انسان کے دل کو غلطی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ صاحبزادہ صاحب ہمارے نہایت محترم ومکرم ہیں اور ہمارے دل میں اُن کی عزت ہے۔ لیکن اپنے معاملہ میں اُن کی شخصی رائے کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (33:23) کے ماتحت وہ بھی ہمارے جیسے کمزور اور خطاؤں اور نسیانوں سے پُر انسان ہیں۔ ہاں! الہام پاکر مامور ہوتے تو اور بات تھی۔ جب اللہ نے اُن کی طرف ساری جماعت کے دلوں کو رجوع نہ کیا، اُن کا حق نہیں تھا کہ وہ اپنے آپ کو خلافت کے منصب پر بٹھاتے۔ اس اہم فرض کو ہاتھ میں لینے سے پہلے لازم تھا کہ وہ جماعت کے مختلف اور متفرق احباب کو اپنی قوت قدسی سے اپنے میں جذب کر لیتے۔ جبکہ انصار اللہ کی خوشامدانہ تعریفوں پر بھروسہ کر کے ایوان خلافت پر قدم مارنے میں آپ نے سخت غلطی کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس غلطی سے نکالے۔ آمین!

22 مارچ 1914ء

مراسلات

انصار اللہ کی ایک گہری سازش کا انکشاف

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

سب نے مرنا ہے اور اسی راہ سے گزرنا ہے۔ مگر بعض صورتیں ایسی ہوا کرتی ہیں کہ وہ دنیا کے لئے ایک سخت مصیبت اور قوم کے لئے نا قابل تلافی نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔ ہمچو قسم موتوں میں سے حضرت خلیفۃ المسیح مولانا مولوی نورالدین صاحب کی موت تھی۔ اگر چہ ایسے فانی فی اللہ لوگ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　　　ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

کا مصداق ہوتے ہیں۔ مگر قوم سے ان کی جدائی ایک ایسا واقعہ ہائلہ ہوتا ہے کہ اگر خدا کا فضل شامل حال نہ ہو تو یہ بوجھ کمر توڑ دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ حضرت کا وصال 13 مارچ کو جمعہ کے دن 2 بج کر 22 منٹ پر نماز جمعہ کے وقت، جب کہ وہ خود باوجود سخت ضعف کی حالت نماز میں تھے، ہوا اور تدفین دوسرے دن نماز عصر کے بعد ہوئی۔ اس بیچ میں جو کچھ واقعات پیش آئے ان سے اس بات کا اندازہ لگ گیا کہ کس قدر قیمتی وجود ہم میں سے اُٹھ گیا۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ایک طرف تو یہ دعویٰ ہو کہ خلیفہ خدا بنایا کرتا ہے اور دوسری طرف ان باتوں سے کام لیا گیا جو دنیوی حکومتوں کے حصول میں بازی لے جانے کے لئے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ حضرت کی حالت جب 11 مارچ کو زیادہ نازک ہوگئی۔ تو انصار اللہ کے سیکرٹری کی طرف سے ایک کارڈ تمام انصار اللہ کے نام جاری کیا گیا۔ جس میں ان کو جتلایا گیا کہ حضرت کی حالت اب دنوں سے گزر کر گھنٹوں تک آرہی ہے اور بمع احباب کے فوراً آجانا چاہئے تا کہ جہاں حضرت کی زیارت کا موقع مل جائے، وہاں آئندہ کے خوف کا بھی انتظام کیا جائے اور بعد میں افسوس نہ رہ جائے۔ یہ اس کا لب لباب ہے۔ اور وفات سے قبل ہی بعض انصار اللہ کے خاص ممبروں کو تار بھی دی گئی۔

چنانچہ وفات کے وقت یا اس کے بعد فوراً ہی انصاراللہ کی جماعت قادیان میں موجود تھی۔ وفات کے بعد زور اس امر پر دیا گیا کہ خلافت کا فیصلہ فوراً ہو جائے اور تدفین بعد از فیصلۂ خلافت ہو۔ کیونکہ مجمع انصاراللہ کا تیار اور موجود تھا۔ جب اس امر پر یہ کہا گیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت کے مطابق کسی شخص کو جانشین انتخاب کرنے کے لئے تمام جماعت احمدیہ کے آجانے کا انتظام کیا جائے تا جماعت کے سربرآوردہ لوگ جمع ہو کر مشورہ سے اس امر کا فیصلہ کریں کہ کون حقیقی معنوں میں جانشین حضرت کا ہو سکتا ہے اور کن شرائط کے ساتھ ہو سکتا ہے تو انکار کر دیا گیا۔ خود صاحبزادہ صاحب نے ہی شوریٰ کے لئے مہلت دینے کا انکار کر دیا۔ ان سے یہ بھی التماس کی گئی کہ جماعت میں بعض باتوں پر اختلاف ہے مثلاً مسئلہ تکفیر وغیرہ۔ اس لئے حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب کی مثال پیش کرنی درست نہیں کہ ان کے ہاتھ پر فوراً کیوں لوگوں نے بیعت کر لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت جماعت میں کسی مسئلہ پر اختلاف نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ خود حضرت مولوی صاحب کے علم و فضل تقویٰ و طہارت میں کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہ تھی۔ ان پر سب کا اتفاق رائے تھا اور خود انہوں نے اس بوجھ سے بہت انکار کیا، مگر زبردستی ان کے سر پر ڈالا گیا۔ اور انہوں نے جب تک اپنا پورا اطمینان نہ کر لیا کہ تمام جماعت متفق الرائے ہو کر آپ کو خلیفہ بنا رہی ہے بیعت لی۔

مگر اس موقع پر چونکہ اختلاف رائے ہے اور مولوی نورالدین جیسا دوسرا آدمی کوئی نہیں جس پر تمام جماعت متفق اور سر اطاعت خم کر دے۔ اس لئے اس موقع پر تدفین کے بعد تمام جماعت کے سرکردہ اور اہل الرائے لوگوں کو جمع اور شوریٰ قائم کر کے اس امر کا فیصلہ کیا جائے۔ اور یہ بھی عرض کیا گیا کہ جو جانشین ہو وہ حضرت خلیفۃ المسیح مولوی نورالدین صاحب کے فتاویٰ کو توڑ نہ سکے گا۔

اس پر میاں صاحب نے مہلت شوریٰ کے لئے نہ دی۔ بلکہ اس امر پر زور دیا کہ قبل از تدفین فیصلہ ہو جائے۔ اور جو موجود ہیں انہیں سے رائے لی جائے اور یہ امر بھی نہیں مانا جا سکتا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کا فتویٰ بحال رہے۔ بلکہ نئے خلیفہ کا اختیار ہے کہ وہ جس فتویٰ کو چاہے توڑ دے اور نیز یہ کہ خلیفہ سے کوئی شخص کسی امر میں جزی اختلاف بھی نہ رکھ سکے گا۔ اگر کسی امر میں اختلاف رکھتا ہے تو دل میں رکھے، ظاہر نہ کرے (جو کہ دوسرے لفظوں میں تقیہ اور نفاق کا مترادف ہے) خیر دوسرے دن صبح ہی چھوٹے، بڑے، بوڑھے، لڑکے ہاتھوں میں کاغذ

پر ایک تحریر لئے ہوئے چاروں طرف پھرنے لگے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ کیا تمہیں خلیفہ بلا شرط منظور ہے یا نہیں۔ اور ہر ایک زمیندار جٹ انصار اللہ اور نو وارد لوگوں سے بالا بالا ہی دستخط کروانے لگے۔ کچھ قادیان کے رستے میں جا کر کھڑے ہوئے۔ ہر ایک شخص کے سامنے جو وفات کی مصیبت کو سن کر پریشان حال دوڑا چلا آ رہا تھا، وہ کاغذ پیش کئے گئے۔ پس وہ تو لوگوں نے بغیر اصلی واقعہ کا علم ہونے کے سادگی سے دستخط کر دیئے۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب اور دوسرے بزرگوں نے کئی دفعہ کوشش کی کہ شوریٰ کے لئے موقع دیا جائے اور جماعت کو آ لینے دینا چاہئے۔ مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا اور کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ چنانچہ نماز عصر کے بعد نواب صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت پڑھی اور وصیت پڑھنے کے بعد مولوی محمد احسن صاحب نے میاں صاحب کو خلیفہ پیش کیا اور اُن کی خلافت پر دلائل کے لئے اپنے کسی رسالہ کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا، جو کچھ عرصہ کے بعد معرض وجود میں آئے گا۔ پھر کیا تھا۔ انصار اللہ پارٹی نے آواز بازگشت کا کام دیا۔ مولوی محمد علی صاحب نے چاہا کہ تقریر کریں اور لوگوں کے سامنے اصلی واقعہ پیش کریں اور دعاؤں اور استخاروں اور مشورہ کے لئے مہلت کی استدعا کریں اور قوم کو توجہ دلائیں۔ جس پر شیخ یعقوب علی اور حافظ روشن علی سیکرٹری انصار اللہ پارٹی چلا اُٹھے کہ ہم ہرگز کوئی تقریر سننا نہیں چاہتے۔ اور اس کے ساتھ ہی انصار اللہ پارٹی نے شور مچا دیا کہ ہم نہیں سننا چاہتے اور بڑا شور اور ہنگامہ مچایا۔ اور چاروں طرف سے میاں صاحب کو گھیر کر جھٹ پٹ بیعت شروع کر دی۔ تا کہ کسی قسم کا مخالف اثر لوگوں کے طبائع پر نہ پڑ جائے اور عہد عمر مبارک کے نعرے مارے گئے۔ اور چاروں طرف سے اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ خویش و بیگانہ کی کوئی تمیز نہ باقی رہی۔ اور اس خودی فتح پر بہت مبارک بادیں ہوئیں۔ جو نظارہ دیکھا گیا وہ میونسپل کمیٹی کے انتخاب ممبری کے نظارے سے بھی عجیب تھا۔

میاں صاحب نے بھی بلا کسی پس و پیش کے خلیفہ بننا پسند فرمایا۔ مگر اس نظارے نے سمجھدار لوگوں کے دل پر بہت بُرا اثر ڈالا۔ چنانچہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح کی آنکھیں دیکھی ہوئیں تھیں، انہوں نے اس قسم کی بیعت سے احتراز کیا اور حاضر الوقت جماعت میں سے نصف کے قریب لوگوں نے بیعت نہ کی اور افسوس کرتے ہوئے مسجد سے چلے آئے۔

غرضیکہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات حسرت آیات کے ساتھ اس واقعہ نے رنج کو دوبالا کر دیا۔ خلافت

کو ایک بچوں کا کھیل سمجھا گیا۔ مذہب اور اعتقاد کے معاملہ کو ایسا سہل سمجھا گیا کہ بغیر کسی مشورہ کے جس طرف چند لوگوں نے ایڑ لگا دی اسی طرف چل پڑے۔ اور تمام قوم اپنے ایمان اور عقائد کو بلا کسی مشورہ اور دعاؤں کے، چند آدمیوں کی پہلے سے تجویز کردہ منصوبہ پر ہمیشہ کے لئے قربان کر دے۔ جو لوگ ان کے پیچھے چلیں، چلیں گے مگر جنہوں نے حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح کی بے نفس زندگیاں دیکھی ہیں اور ان کے نمونہ کو دیکھا ہے، وہ اس طرح بھیڑ چال کو ہرگز قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

خاکسار

بشارت احمد عفی عنہ

اسسٹنٹ سرجن، راولپنڈی

حضرت مولانا نورالدینؒ صاحب کے ایک تاریخی خط کا عکس

(جناب خلیفہ قادیان کے متعلق حضرت مولاناؒ کی رائے)

نوٹ: یہ مضمون پیغامِ صلح کے 26 نومبر 1937ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ واقعات کی مناسبت سے اسے یہاں رکھا گیا ہے۔

ذیل میں حضرت مولانا نورالدین صاحب کے ایک طویل خط کے ضروری حصہ کا عکس پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں اُنہوں نے میاں محمود احمد صاحب موجودہ خلیفہ قادیان کے متعلق اپنی وفات سے دس ماہ پیشتر اپنی رائے کا اظہار فرمایا تھا۔ یہ گویا آپ کی آخری رائے میاں صاحب کے متعلق تھی...... اُمید ہے قادیانی دوست اس قیمتی وصائب رائے پر غور فرمائیں گے اور اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے۔ قادیانی حضرات 1909ء کے بعض واقعات، بالخصوص حضرت مولانا کا جماعت لاہور کے بعض اکابر سے دوبارہ بیعت لینے کا ذکر غلط رنگ میں کر کے عوام کو مبالغہ دینے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ لیکن اس خط سے صاف عیاں ہے کہ ان واقعات کی نوعیت حضرت مولانا پر بالآخر واضح ہوگئی تھی اور وہ جماعت لاہور کے اکابر سے بالکل مطمئن اور خوش تھے۔ برخلاف اس کے انہیں میاں محمود احمد صاحب اور ان کے رفقاء سے اپنی زندگی کے آخری حصہ میں سخت شکایت اور بیزاری تھی۔ جس کا اندازہ ان کی اس رائے سے ہوسکتا ہے:

> رسول کریم ﷺ فداہ ابی وامی کو کیسے کیسے آدمی ملے مرزا علیہ السلام کو کس قدر آدمی ملے یہ سب فضل، فضل، فضل ہے۔ مجھے ابتداءً آپ لوگوں نے دبایا۔ مدت تک اس مصیبت میں رہا۔ جب کبھی نکلنا چاہا رنگ برنگ مالی بدظنی ہوتی رہی آخر بحمد اللہ نجات ملی۔ الحمد للہ رب العالمین۔ پھر باہم تنازع شروع ہوئے۔ نواب میر ناصر، محمود، نالائق بے وجہ جوشیلے ہیں۔ یہ بلا اب تک لگی ہے۔ یا اللہ نجات دے۔ آمین۔ پھر میں خود بیمار ہوں۔ برسوں بیمار رہا ہوں۔ ذیابیطس کا رخ ہے۔ والسلام
>
> نورالدین
>
> 13 مئی 1913ء

24 مارچ 1914ء

اداریہ

ایک نہایت ضروری مکالمہ

(1)

جو جناب میاں محمود احمد صاحب وحضرت سید محمد احسن صاحب امروہی کا جناب محمد عجب خان صاحب رئیس زادہ وتحصیلدار صوبہ سرحد کے مابین ہوا۔ محمد عجب خان صاحب تحصیلدار حضرت مرحوم ومغفور مولانا مولوی حکیم نورالدین صاحب مرحوم ومغفور کی رحلت کی خبر سن کر بتاریخ 17 مارچ 1914ء کو قادیان تشریف لے گئے اور اُن کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ متنازعہ فیہ امور میں صاحبزادہ صاحب اور مولٰینا محمد علی صاحب وغیرہ احباب کے درمیان مصالحت کی صورت پیدا کریں۔ اس لئے سب سے پہلے وہ حضرت مولوی احسن صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے موجودہ مشکلات کا ذکر کیا۔ مولوی محمد احسن صاحب نے فرمایا کہ آپ اب تشریف لے آئے ہیں۔ اگر آپ مولوی محمد علی صاحب سے مل کر امور متنازعہ فی کا فیصلہ کرادیں، تو نہایت مفید ہوگا۔ ان کے ارشاد پر خان صاحب حضرت مولوی محمد علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کی طرف سے چار سوال پیش کئے۔ جن کا حل کرنا خلافت کے تقرر سے پہلے نہایت ضروری تھا اور ان امور کے متعلق اس وقت تک کوئی فیصلہ کن گفتگو نہ ہوئی تھی۔

مولوی محمد علی صاحب بھی خان عجب خان صاحب کے ذریعہ سے باہمی فیصلہ پر رضامند ہوگئے تھے۔ اس لئے پہلے مولوی محمد احسن صاحب خود صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ مگر فیصلہ کن جوابات کے نہ ملنے کی وجہ سے انہوں نے خان صاحب کو فرمایا کہ وہ خود صاحبزادہ سے گفتگو کریں۔ چنانچہ صاحبزادہ صاحب کو تکلیف دی گئی اور ان کے تشریف لانے پر آپس میں گفتگو ہوئی۔ محمد عجب خان صاحب نے کہا کہ میں ان کے مضمون کا مفہوم بیان کرتا ہوں۔

محمد عجب خان صاحب کے لاہور تشریف لانے پر چند احباب کی مجلس میں آپ نے اپنی گفتگو کا تمام واقعہ سنایا جو کہ امور نہایت اہم ہیں۔ اور ان میں بالخصوص مسئلہ تکفیر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور خلافت اور انجمن کے تعلقات، جو صاحبزادہ صاحب چاہتے ہیں کہ حاکم ومحکوم کے ہوں، اس کے متعلق بھی پوری تشریح ہے۔ اس لئے

ہم نے ضروری سمجھا کہ تمام مکالمہ کو اخبار میں درج کر کے ناظرین کو اصل حالات سے آگاہ کریں۔ ہماری درخواست پر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے خاں صاحب محمد عجب خان کے بیان کو ساتھ ساتھ قلمبند کرلیا۔ اور یہ مضمون محمد عجب خان صاحب کو دکھا کر ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

ممکن ہے کہ قادیان میں جو باہمی گفتگو ہوئی ہے اس کو خان صاحب کے الفاظ نے پورے طور پر ادا نہ کیا ہو۔ مگر اس گفتگو کا مفہوم یہی ہے جو کہ خانصاحب نے ہمارے روبرو بیان کیا اور جس پر کہ انہوں نے پھر نظر ثانی فرمائی۔

گفتگو مابین مولوی سید محمد احسن صاحب و خان عجب خان صاحب:

خان صاحب: خلافت کے انتخاب میں شوریٰ سے کام نہ کرنے کی وجہ سے جماعت میں بہت تفرقہ بڑھ گیا ہے۔ اس کے لئے کوئی مصالحت کی صورت پیدا کرنی چاہیئے۔

مولوی صاحب: بات تو کچھ بھی نہیں۔

خان صاحب: میں پشاور کے صوبہ کی آخری حد سے روانہ ہوا ہوں اور ایک ہی لکیر پر آ رہا ہوں۔ بہت سے مخالف اور تھوڑے موافق دیکھے ہیں۔ آپ کیسے کہتے ہیں کہ کچھ بات نہیں۔

مولوی صاحب: کیا آپ راستے میں لاہور ٹھہرے تھے۔

خان صاحب: نہیں! جب خدا ایک، رسول ایک، امام ایک، اختلاف کیسے ہوسکتا ہے۔

مولوی صاحب: اتفاق ہو جاوے تو بہت بہتر ہے۔

خان صاحب: آپ لوگوں نے حضرت صاحب کے وقت میں بہت معرکے اُٹھائے ہیں۔ آپ خود کیوں اس بات کو صاف نہیں کرتے۔

مولوی صاحب: ذُرِّيَّةٌ طَيِّبَةٌ لکھا ہے۔ یہاں لوگ نہیں مانتے۔

خان صاحب: یہ تو یک طرفہ رائے ہے۔ جماعت کے لوگوں کو جمع کر کے کہتے کہ فیصلہ کرو۔ ایسا کیوں نہ کیا گیا؟

مولوی صاحب: جمع کرنا سنت نہ تھا۔

خان صاحب: پھر کون سی سنت کے مطابق خلیفہ بنایا ہے۔خدا یا رسول یا خلفائے راشدین یا مسیح موعود کی سنت پر؟

مولوی صاحب: خلیفہ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

خان صاحب: آپ جنازہ پڑھاتے۔آپ کو خلیفہ بناتے تو اتنی بات نہ ہوتی۔

مولوی صاحب: بعض لوگوں نے کہا تھا کہ مجھے خلیفہ بنایا جاوے۔مگر میں اپنے میں اتنی طاقت نہیں دیکھتا۔سنت ہے کہ جنازہ خلیفہ پڑھاوے۔

خان صاحب: نبی کریمؐ کا جنازہ خلیفہ نے نہ پڑھایا تھا۔اور پھر فکر کر کے یہ بھی فرمائیں کہ حضرت عمرؓ کا جنازہ کس نے پڑھایا تھا۔حضرت نبی کریمؐ کا جنازہ ابوبکرؓ نے نہ پڑھایا تھا۔وہ شوریٰ میں مصروف تھے۔حضرت عمرؓ کی وفات پر طلحہؓ اور زبیرؓ کے آنے پر شوریٰ ہوا۔ان کو پہلے دفن کیا گیا تھا۔

مولوی صاحب: مولوی محمد علی صاحب نے ٹریکٹ جاری کر کے کام بگاڑا۔آگ لگا دی۔

خان صاحب: مولوی محمد علی صاحب نے صرف شوریٰ کی نصیحت کی۔مجھ میں تو آگ نہیں لگائی۔بہت اچھی صلاح تھی۔آگ کس کو لگا دی۔ہمارے اوپر تو صرف ٹریکٹ کا اثر نہیں ہوا بلکہ جو شوریٰ کے بغیر کارروائی ہوئی اس کا اثر ہوا۔

مولوی صاحب: پریس ایکٹ بھی تو گورنمنٹ نے جاری کیا ہے۔

خان صاحب: اس میں کوئی بات خلاف گورنمنٹ نہ تھی۔میں خدا کو حاضر کر کے کہتا ہوں کہ ہم اتنے بڑے معاملہ کا فیصلہ کرتے ٹریکٹ کا اثر ہم پر نہ ہوتا۔اس میں کوئی گالی نہیں۔

مولوی صاحب: رسالہ میں غلطی بھی ہے۔

خان صاحب: غلطی کا کیا ذکر ہے۔مطلب فوت ہوتا ہے۔اب فیصلہ کرو کیا ہونا چاہئے۔کیا محمود احمد کی بیعت نہ کرنے سے محمد علی کافر ہوتا ہے۔

مولوی صاحب: میں ان کو بہت بزرگ سمجھتا ہوں ان کو لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (33:9) کا مصداق سمجھتا ہوں۔میں ان کے پاس گیا تو کہا کہ روٹی لاؤ، یہ سنت ابراہیمی ہے، میں کھانا کھاتا ہوں،حضرت ابراہیمؑ کے پاس

فرشتے گئے، انہوں نے کھانے سے انکار کیا، تو انہوں نے فرشتوں سے کہا کہ آپ ناراض ہیں جو کھانا نہیں کھاتے۔ مولوی محمد علی قرآن کا دریا ہے۔

خان صاحب: ضرور اتحاد کی صورت ہونی چاہئے۔ آپ ایسے مسلمہ بزرگ ہیں، اگر جماعت میں کسی کو گالی بھی دیں تو کوئی بُرا نہیں کہے گا۔ آپ محمد علی اور صاحبزادہ دونوں کو سمجھا سکتے ہیں۔

مولوی صاحب: شکر ہے تم آ گئے تم ہی فیصلہ کر دو۔

نوٹ۔ جب اتنی تقریر ہو چکی تھی۔ تو میر ناصر نواب صاحب و شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم و میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق اور مولوی قطب الدین صاحب بھی آ گئے۔ ایڈیٹر الحکم نے مجھ سے مولوی صاحب کی جگہ کچھ بحث کرنی چاہی۔ خان صاحب نے کہا کہ آپ چپ رہیں۔ آپ ہی لوگ اس کی بنیاد ہیں۔ آپ لوگوں کے اخبار ایسے خطرناک ہیں کہ دشمن کے سامنے ہم اس کو نہیں کھول سکتے۔ اگر کھولیں تو ان کے ہاتھ سے لینے پڑتے ہیں۔ اتنا کہہ کر پھر مولوی صاحب سے مخاطب ہوئے۔

خان صاحب: ہم جیسے بھی ہیں۔ کفر کے معاملے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود تو صاف طور پر کلمہ گو کو مسلمان بتاتے ہیں۔ خان صاحب نے سرائے صالح کے خاناں کی عقیدت کا ذکر کر کے (جو باوجود غیر احمدی ہونے کے حضرت مسیح موعود کی صداقت پر ایمان رکھتا تھا) کہا کہ آپ اس کی نسبت کیا کہتے ہیں۔

مولوی صاحب: وہ مسلمان ہیں (پھر مولوی صاحب نے ایڈیٹر الحکم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اتنے میں میر ناصر نواب صاحب نے فرمایا کہ ہندو کے گھر میں اگر کوئی شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو اس کو لوگ جلائیں گے۔ خان صاحب نے جواب میں کہا کہ جلانے کا کیا سوال ہے۔ آپ بتائیں وہ کافر ہو گا یا نہیں)

مولوی صاحب: آپ مولوی محمد علی صاحب کو ملیں۔ ان سے گفتگو کریں اور وجہ مخالفت بیان کریں۔ تب بات کا فیصلہ ہو۔

خان صاحب: مولوی محمد علی صاحب کو یہ شکایت ضرور ہوگی کہ شوریٰ سے کام کیوں نہیں لیا گیا۔ جب میں اپنے علاقہ سے روانہ ہوا۔ سب احمدی و غیر احمدیوں نے یہی کہا کہ جلدی کی بات نہیں ہے۔ خلیفہ کے انتخاب کے لئے سب انتظار کریں گے۔

مولوی صاحب: مولوی محمد علی سے یہ پوچھو کہ خلیفہ تو مقرر ہو ہی چکا ہے۔ اب اس کے نیچے جو باتیں ہیں ان کو حل

کرو۔ میں تو اسی وقت فتویٰ دینے لگا تھا کہ میاں صاحب ذُرِّيَّةٌ طَيِّبَةٌ بھی ہیں۔ میں مضمون لکھ کر لے گیا تھا، نواب صاحب نے مجھے منع کیا۔ باقی باتوں کا اب کیا کہتے ہیں۔ ڈیڑھ دو ہزار آدمی نے بیعت کر لی ہے۔

نوٹ۔ خان صاحب نے بیان فرمایا کہ میں مولوی محمد علی صاحب کے پاس گیا۔ اور ان کے ساتھ اس معاملہ میں آزادی کے ساتھ گفتگو کی۔ مولوی صدرالدین صاحب بھی موجود تھے۔ انہوں نے کفر کے مسئلہ، انجمن کا تعلق اور خلیفہ حاکم ہوگا یا کیا اسی قسم کے مختلف امور اور الوصیت کے متعلق گفتگو کی۔ میں پھر شام کے بعد مولوی محمد احسن صاحب کے پاس حاضر ہوا۔ تو آپ سمجھ گئے کہ اختلاف درست ہے۔

مولوی صاحب: جو سوالات ہیں آپ لکھ دیں۔

خان صاحب: مفصلہ ذیل چار سوال ہیں۔

☆ اول: کیا کُل غیر احمدی کافر ہیں یا اس میں کوئی استثنا ہے؟

☆ دوم: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مرزا صاحب کی نبوت میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ اگر فرق ہے تو کیا ہے؟

☆ سوم: کیا انجمن پر پورا تسلط بلا شرط خلیفہ کا ہونا چاہئے یا اس پر کوئی شرائط ہیں۔ اگر ہیں تو وہ کیا ہیں؟

☆ چہارم: آیا موجودہ صورت میں الوصیت پر عملدرآمد کیا جاوے تو مرزا محمود احمد صاحب کو کیا اعتراض ہے؟

مولوی صاحب: یہ بھی لکھ دو کہ خلیفہ اول نے جو وصیت کی ہے اس کے مطابق ہونا چاہئے۔

خان صاحب: ان کا یہ سوال نہیں۔

مولوی صاحب: خلیفہ نے جو وصیت کی ہے۔ اس کو بدلنا بھی جرم ہے۔

خان صاحب: اپنی جائیداد میں ہر ایک کو حق ہے۔ خلیفہ منتخب کرنا ہمارا کام ہے۔ شوریٰ سے منتخب ہونا چاہئے تھا۔ بدوں شوریٰ کسی کو منتخب کرنے کا کیا حق تھا۔

مولوی صاحب: حق تو بے شک ہے۔

خان صاحب: اصل حق مامور کا ہے۔

مولوی صاحب: یہ سوال بھی رکھو۔

خان صاحب: کیا آپ کا یہ منشا ہے اور اس سوال کے لکھنے سے مطلب یہ ہے کہ باقی باتیں نکمی ہو جاویں۔

مولوی صاحب: یہ درست ہے۔

خان صاحب: پھر میں مطلب سمجھ گیا۔

مولوی صاحب: ہاں۔

نوٹ۔ سوالات مذکورہ بالا لے کر حضرت مولوی محمد احسن صاحب خود صاحبزادہ صاحب کے پاس تشریف لے گئے واپسی پر آپ نے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ لمبی بحث کا مضمون ہے۔ اس طرح سے حل نہیں ہوسکتا۔ ان کو ہمارا اعتقاد خوب معلوم ہے۔ آپ کوئی اپنا سوال بیان کریں تو اس کا جواب دیا جائے گا۔ خان صاحب نے عرض کی کہ میں نے مولوی محمد علی صاحب سے پوچھا تھا کہ آپ کیوں بیعت نہیں کرتے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب اور ہم میں اعتقادی اختلاف ہے۔ پیر کے خلاف کس طرح سے کوئی اعتقاد رکھ سکتے ہیں۔ خان صاحب نے کہا کہ صدمہ یہ ہے کہ جماعت کے ٹکڑے ہو گئے۔ آپ ہی ان سوالوں کا جواب دیں، تا کہ ہم لوگوں کو کہنے کے قابل ہوں کہ کون سچا ہے۔ میں بلا تصفیہ ہرگز نہ جاؤں گا۔ یہاں چند بزرگ موجود ہیں۔ اگر ضرورت ہوئی تو دوسروں کو بھی بلا لیا جائے گا، فیصلہ ہو جائے گا۔ مولوی محمد احسن صاحب نے فرمایا کہ آپ مرزا محمود احمد کے ساتھ خود بحث کیوں نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ میں نے اس لئے جناب کو تکلیف دی تھی کہ اگر تسلی نہ ہو تو جواب دینا ضروری ہے۔ صاحبزادہ صاحب کی عزت ہمارے دل میں ہے۔ وہ یہ خیال نہ کریں کہ بالمقابل تُو تُو مَیں مَیں کرتا ہے۔

خان صاحب: طریقہ انتخاب درست نہیں ہوا۔ میری طرف سے بھی سوال درج کر لیں کہ اگر دو دن کا وقفہ کر لیتے اور احمدیوں کو بلا کر مشورہ کر لیتے تو کیا حرج تھا۔ کیا خلفاء کا شوریٰ نہیں ہوا۔ اور اگر یہ سوال کروں تو خلیفہ کی ذات پر آتا ہے کہ خلیفہ کے انتخاب میں آپ نے کیا شرائط مدنظر رکھیں۔

مولوی صاحب: لوگ بے صبر ہو رہے تھے۔ ذُرِّيَّةٌ طَيِّبَةٌ کو دیکھتے تھے۔

خان صاحب: محکمات کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ معلوم نہیں کہ ذُرِّيَّةٌ طَيِّبَةٌ کیا ہیں۔ اگر شوریٰ کے لئے جمع کرتے، سب جمع ہو جاتے۔ آپ یہ بھی فرمائیں کہ کیا کوئی آیت و حدیث ہے کہ جب خلیفہ ہو تو جنازہ ہو۔ حضرت عمرؓ کے دفن کے بعد انتخاب ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کا جنازہ حضرت ابوبکرؓ نے نہیں پڑھایا بلکہ کسی اور نے۔ عارضی امام کیوں نہ بنایا۔

مولوی صاحب: عارضی امام بنانا ضروری نہ تھا۔

خان صاحب: پھر بے اتفاقی پیدا ہوگئی۔

مولوی صاحب: عوام زور دیتے تھے۔

خان صاحب: عوام کو کہتے کہ نکل جاؤ، تمہارا کیا دخل ہے۔آپ شوریٰ کر لیتے، یہ ضروری تھا۔ لاکھوں ہزاروں میں ایک آدمی سمجھ دار ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ مسیح موعود اور مہدی کا مفہوم نہیں سمجھتے۔ اکثر ہماری جماعت کے لوگوں کی اخوت اور نیک نمونے کو دیکھ کر لوگ جماعت میں شامل ہوئے ہیں تو ہمارا بدنمونہ دیکھ کر وہ متنفر ہوں گے۔

مولوی صاحب: آپ تھوڑی دیر ٹھہریں، تو میں مرزا محمود احمد صاحب کو بلاتا ہوں۔ جو سوالات آپ نے کئے ہیں۔ یہ نہ پوچھیں۔مگر جو شک آپ کے دل میں ہو، اس کے متعلق سوال کر لیں۔

خان صاحب: میں میاں صاحب کو بُرا نہیں کہتا۔ میں ان کو اس بات کے لئے مستحق سمجھتا ہوں کہ وہ بیعت لیں۔ کیونکہ چالیس آدمیوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ میں اس کو ایسا جائز سمجھتا ہوں جیسا اوروں کو۔

مولوی صاحب: کیا ضروری نہیں ہے کہ اسلام کے لئے خلیفہ ہو۔

خان صاحب: اعتراض حضرت مسیح موعود پر کرو۔ ہم پر کیوں کرتے ہو۔ الوصیت میں جو کچھ لکھا ہے، اگر یہ نئی تجویز ہے، تو انہوں نے کی ہے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں ایک خلیفہ کو جائز کرتا۔ مگر ہم کو اس کی وصیت پر چلنا ہے۔ (باقی دیکھئے دراشاعت پیغام صلح مورخہ 26 مارچ 1914ء)

24 مارچ 1914ء

اداریہ

اَللّٰہُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ (220:2)

درکوئے نیک نامی مارا گذر ندادند　　گر تو نمے پسندی تغییر کن قضارا

جومختلف آوازیں آج میں سن رہا ہوں، جو نظارے آج میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ جو کیفیات قلبی میں آج محسوس کرر ہا ہوں، وہ ایک عاجز انسان کو گھبرا دینے کے لئے کافی ہیں۔ مگر میرا جواب، اپنے ان بھائیوں کے لئے جو کبھی میری آواز کو سنتے تھے۔ مگر اب اس کو اپنے اپنے مراتب کے مطابق ایک فاسق، منافق، مفسد، کافر کی آواز سمجھتے ہیں، ایک ہی ہے۔ فَسَتَذۡکُرُوۡنَ مَآ اَقُوۡلُ لَکُمۡ وَاُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ (44:40) جو میں کہتا ہوں اس کو تم ایک دن یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے بندوں کو دیکھتا ہے۔ حاشا وکلا کہ قرآن کریم کی اس آیت کو نقل کر کے میرا یہ منشا ہو کہ میں اپنے بھائیوں کو ویسا سمجھتا ہوں جیسے وہ لوگ تھے جو اس کے مخاطب ہیں۔ بلکہ میرا منشا صرف اس قدر ہے کہ تم آج میری آواز کو نہیں سُن سکتے۔ آج ایک تیز رو کے آگے میرا وجود ایک تنکے کی طرح تمہیں نظر آتا ہوگا، جس کو وہ دو منٹوں میں کہیں کا کہیں پہنچا دے گی۔ لیکن الہام اور وحی سے نہیں۔ بلکہ اس پختہ یقین سے جس سے صداقت کا احساس انسان کے دل کے اندر ہو جاتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ آخر تم ایک دن ان باتوں پر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ میں نے تمہیں ایک حق کی طرف بلایا تھا۔ لیکن وہی دل جو ایک وقت باوجود سخت مخالفتوں کے یہاں کھینچ لایا، وہی اب بھی مجھے بے اختیار ایک طرف لے جا رہا ہے۔

نیک نامی نہ تو اُس پہلی قوم سے ملی اور نہ ہی اس دوسری سے ایسی اُمید رکھتا ہوں۔ میں کیا کہتا ہوں۔ یہ پھر ایک مرتبہ اس لئے بتا دینا ضروری ہے تا کہ بعض ان غلط باتوں کا، جو میری طرف منسوب کی جاتی ہیں، ازالہ ہو جائے۔ یہ میری کوشش ہے، ازالہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

1۔ سب سے پہلے میں مسلمان ہوں۔ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ اس کے بعد میں احمدی ہوں۔ یعنی یہ مانتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیلی وفات پا چکے ہیں۔ اور جس مسیح کے آنے کا وعدہ نبی کریم ﷺ کی پیشگوئیوں میں ہے وہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی تھے۔

2۔ حضرت مسیح موعود کو ماننا میں تکمیل ایمان کے لئے ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس سے ایمان کے ثمرات کو حاصل کرنے کی راہ کھلتی ہے۔

3۔ ایمان اور کفر کے میں لاانتہا مدارج مانتا ہوں۔ حتیٰ کہ یہ بھی جانتا ہوں کہ بعد الموت زندگی میں بھی ایمان ترقی کرتا ہی چلا جاوے گا اور یہ لاانتہا ترقی ہوگی۔ اس لئے تکمیل کا مرتبہ میں ایسا نہیں مانتا کہ جو ایک ہی بات کے مان لینے سے یا ایک ہی کام کے کر لینے سے میسر آ جائے۔ بلکہ اس کے لئے لاانتہا کوششوں کی ضرورت ہے۔

4۔ جو شخص ایک مسلمان کو کافر یعنی دائرہ اسلام سے خارج کہتا ہے، بعض وقت جہالت سے ایسا کہتا ہے۔ اس صورت میں مَیں صرف اسے ایک بڑی غلطی کا مرتکب سمجھتا ہوں۔

5۔ کفر دو قسم کا ہے۔ ایک اصل اسلام کا کفر اور دوسرا اسلام کے فروع میں سے کسی فرع کا کفر۔ قرآن کریم اور احادیث نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص دائرہ اسلام کے اندر رہ کر اس کے فروع میں سے کسی فرع کا کافر ہو سکتا ہے۔ اور مسیح موعود کا کفر بھی ایک فرع کا کفر ہے۔ جو بمعنی انکار اس حصہ کے ہے، مطلق اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ اسی طرح نماز کے تارک کو کافر کہا گیا ہے اور مراد صرف ایک فرع کا کافر ہے، نہ کہ اصل اسلام کا۔

6۔ مطلق معنوں میں حضرت مرزا صاحب کے مخالفین میں سے صرف ان لوگوں پر کافر کا لفظ بولا جا سکتا ہے، جنہوں نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا اور پھر اس پر مدت تک ضد اور اصرار کیا۔

7۔ جس شخص کو تبلیغ پہنچ جائے وہ اگر صرف انکار کرتا ہے تو دائرہ اسلام سے خارج نہیں اور نہ اس پر مطلق کافر کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔ بلکہ اسے مسیح موعود کا کافر یا منکر کہا جا سکتا ہے۔

8۔ اس طرح پر احمدی اور غیر احمدی میں مَیں کامل اور ناقص کا فرق سمجھتا ہوں، نہ اسلام اور کفر کا۔

9۔ غیر احمدیوں کے پیچھے میں ایسی جگہ، جہاں احمدیوں پر کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے، نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتا۔ البتہ جہاں کفر کا فتویٰ نہیں دیا گیا، وہاں حضرت خلیفۃ المسیح کے فتویٰ کے ماتحت نماز پڑھ لینا جائز سمجھتا ہوں۔ اور جو شخص اس فتویٰ کو غلط سمجھتا ہے یا حضرت مسیح موعود کے فتویٰ کے خلاف قرار دیتا ہے، اسے میں غلطی پر سمجھتا ہوں۔ ایسا ہی اُس شخص کو غلطی پر سمجھتا ہوں جو اس فتویٰ کے مطابق نماز ادا کر کے پھر اسے گھر جا کر اس خیال سے دُہراتا ہے کہ اس کی نماز نہیں ہوئی۔ یہی وہ بات تھی جو میں نے میاں صاحب سے کہی تھی۔ جس کو بگاڑ کر بعض لوگوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ میں غیر احمدیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کو گناہ سمجھتا ہوں۔

10۔ سلسلہ احمدیہ میں شمولیت کے لئے میں صرف حضرت مسیح موعود پر ایمان لانا ضروری سمجھتا ہوں۔ پس جو لوگ خود حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، ان کے لئے میں یہ ضروری نہیں سمجھتا کہ وہ دوبارہ یا سہ بارہ پھر ضرور بیعت کریں۔ وہ احمدی ہیں، مسلمان ہیں۔ میں ان پر فاسق کا لفظ بولنا بہت بھاری جرأت سمجھتا ہوں۔ لیکن اگر کسی کو شرح صدر میسر آجائے اور وہ کسی کی بیعت کرے تو اس کا اختیار ہے۔

11۔ سلسلہ کے نظم و نسق کے لئے یا اس کی وحدت کے قائم رکھنے کے لئے امیر بھی ہو سکتا ہے۔ مگر یہ امر شوریٰ کے ماتحت طے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ صدر انجمن احمدیہ بھی سلسلہ کے نظم و نسق کے لئے مقرر ہے اور ایسے امیر کو مرشد قرار دینا ضروری نہیں ہے۔ مرید اور مرشد کے تعلقات ایسے نازک ہیں کہ مرید کے لئے یہ جائز نہیں کہ مرشد کا عقیدہ کچھ ہو اور وہ کچھ اور عقیدہ رکھے۔ بلکہ مرید کو اپنے تمام خیالات اور تمام عقائد کو مرشد کے تابع کرنا ضروری ہے۔ جس طرح حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح کے تابع ہم نے اپنے آپ کو کیا۔

اب اس کے بعد مجھ پر یہ سوال ہے کہ اول تم نے اس وقت مسئلہ اسلام و کفر کو کیوں چھیڑا۔ اس کی وجوہات مَیں اس مضمون کے اخیر میں دے چکا ہوں جو حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد کے مطابق لکھا گیا۔ میرے دوست خدا کے لئے غور کریں کہ خود حضرت خلیفۃ المسیح نے کیوں اس مضمون کو اس قدر وقعت دی کہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں پھر حالت بیماری میں ایک مرتبہ نہیں چار مرتبہ مجھے اس کے لکھنے کے لئے تاکید فرمائی۔ اور آخری

دفعہ یہ فرمایا کہ اس مضمون کا لکھنا تمہارے ذمہ ہے۔ خود وہ آیات اور احادیث بیان فرمائیں اور خود ہی ان کے وہ معنے کئے جو میرے مضمون کے ابتدا میں ہیں۔ مجھ پر بار بار یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (91:6) کے معنے ''اللہ منوا کر ان کو چھوڑ دو۔'' تم نے غلط کئے ہیں۔ مگر یہ معنے میرے نہیں، بعینہٖ حضرت خلیفۃ المسیح کے الفاظ ہیں۔ چاہو انہیں غلط کہہ لو چاہو درست کہہ لو۔ مگر ان معنوں پر مضمون کا انحصار نہیں ہے۔ اور پیغام صلح میں حضرت خلیفۃ المسیح کی ڈائری میں دیکھ لو کہ یہی معنے حضرت صاحب نے کئے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح نے کیوں اس قدر ضروری اس مضمون کو سمجھا؟ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر کیا اس میں کچھ شک ہے کہ یہ مسئلہ کہ کل اہل قبلہ کافر ہیں، ایک خطرناک مسئلہ ہے۔ جو نہ صرف اسلام پر ہی ایک سخت حملہ ہے بلکہ خود سلسلہ احمدیہ کے لئے خطرناک مصیبت کا سامنا ہے۔ اور درحقیقت اس مسئلہ کو پیش کر کے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا ہے۔

پیارو! مجھے جو چاہو کہہ لو۔ اس کی وجہ سے مجھے فاسق قرار دے لو یا مفسد بنا لو۔ آپ میں سے ہر ایک کو اپنی فکر ہے۔ ہاں! اپنی فکر ضرور کرو۔ مگر اس سلسلہ کی فکر بھی کرو جس کے لئے تمہیں خادم بنایا گیا ہے اور اس دین کی فکر کرو جس کی اشاعت کے لئے تمہیں ایک جماعت بنایا گیا ہے۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ میں صاحبزادہ صاحب کی عزت کرتا ہوں۔ وہ میرے آقا کے صاحبزادے ہیں۔ اگر میں اُن کی عزت و احترام کو ملحوظ نہ رکھوں تو بڑی نمک حرامی ہوگی۔ مگر وہ ذمہ داری، جو اللہ تعالیٰ نے میرے سر پر ڈالی ہے، وہ ایک وقت ایک اپنے محبوب سے بھی اختلاف کرنے کے لئے مجبور کرتی ہے۔ اور میں زیادہ اس وقت زور اس بات پر اس لئے دیتا ہوں کہ ایک ایسے مسئلہ پر جو حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اور پھر اس مسئلہ کی اشاعت نہ صرف اسلام پر ہی ایک خطرناک حملہ ہے، بلکہ خود سلسلہ کے لئے بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ہے اور اس کی ترقی کے لئے ایک سخت رکاوٹ ہے۔ ایسے مسئلہ پر سلسلہ کا اجتماع مَیں سلسلہ کے لئے ایک سم قاتل سمجھتا ہوں۔ اگر میری بات پر آج غور نہ کرو گے تو زمانہ خود تھوڑی مدت میں کر دے گا۔ یہ کہنا کہ ہم اس عقیدہ کو دل میں مخفی رکھ سکتے ہیں، ایک غلط خیال ہے۔ اس کا صرف یہی نقصان نہیں کہ یہ امر حقیقت بیعت کے منافی ہے کہ مرید ہو کر انسان اپنے مرشد کو ایک سخت غلطی پر سمجھے۔ کیونکہ اہل قبلہ کے کفر کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو خود حضرت مسیح موعود نے بڑی وقعت

دی ہے اور بار بار یہ تحریر فرمایا ہے کہ ان لوگوں کی تکفیر کرنا، جو کلمہ گو اور اہل قبلہ اور اللہ اور رسول ؐ کو ماننے والے ہوں، کوئی سہل اور معمولی بات نہیں۔ بلکہ بہت ہی بُرا ہے۔

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان دل میں ایک عقیدہ مخفی رکھے اور اس کا اعلانیہ اظہار نہ کر سکے۔ یہ تو اب غیر اسلامی سلطنتیں بھی نہیں کرتیں کہ مختلف عقائد کے لوگوں کو اپنے عقائد کے اظہار سے روکیں۔ پھر کیا ایک اسلامی خلیفہ ایسا قائم کیا جائے گا جو لوگوں کو یہ کہے کہ فلاں عقائد کو دل میں رکھو اور ان کو ظاہر نہ کرو۔

پھر اس سے بڑھ کر یہ غور کرو کہ بہر حال جب اس عقیدہ کا اظہار نہیں کیا جا سکتا کہ سب غیر احمدی کلمہ گو کافر نہیں، تو کیا تھوڑے دنوں میں سلسلہ احمدیہ کے اندر اس کا کچھ نشان باقی رہ جاوے گا۔ بلکہ مسلمہ عقیدہ سلسلہ کا یہی ہو جاوے گا کہ کل غیر احمدی کافر ہیں۔ تو کیا تمہاری طبیعتیں یہ برداشت کرتی ہیں کہ اس وقت اپنے نفسوں کو دین کی اس ضرورت پر مقدم کر لو اور سلسلہ کو ایک ایسی راہ پر ڈال دو جس کا نتیجہ اس کے لئے جلدی ہی مہلک ثابت ہو۔ غور کرو اور دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ ایک لمحہ کے لئے بھی اس راہ پر نہ ڈالے جو خود اسلام اور اسلام کے اس خادم سلسلہ کے لئے ایسی ضرر رساں ہے کہ جس کے لئے بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے گا۔

میری نسبت بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اُس دن مسجد میں جو تمہاری ذلت ہوئی وہ اس بات کی شہادت نہیں کہ تم نے خدا کی منشا کے خلاف آواز اُٹھائی ہے؟ میرے دوستو! اگر یہ بات اس منہ سے نکلے جس نے حضرت مسیح موعود کے ساتھ ہو کر اُن کا زمانہ نہ دیکھا ہو اور پرانی باتیں بھول چکا ہو۔ تو افسوس نہیں۔ مگر تمہارے منہ سے اس آواز کا نکلنا قابل افسوس امر ہے۔ اگر تمہیں میری اس ذلت سے خوشی ہوگئی ہے تو تم کو مبارک ہو۔ مگر میں نے اپنے آقا کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ پتھروں اور اینٹوں کی بارش اس پر اور اس کے ساتھیوں پر ہو رہی تھی اور وہ بھاگے جا رہے تھے۔ میں اس کو ذلت کیوں کہوں۔ میں تو اسے تمہارے حسن سلوک کا پہلا نمونہ سمجھتا ہوں۔ اس سے بڑھ کر کرو گے تو اسے بھی برداشت کروں گا۔ مگر کلمہ حق کہنے سے نہ رکوں گا اور نہ اس بات کو گوارا کروں گا کہ سلسلہ کی بنیاد ایک کھوکھلے کنارے پر رکھی جاوے۔ اگر میرے لئے اس راہ میں کوئی اور ذلت اور مصیبت اُٹھانا مقدر ہے تو اسے بھی اُٹھاؤں گا۔ ہاں! اس کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر یہ کہا

جاتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے سامنے تمہیں ان خیالات کے اظہار کی جرأت کیوں نہ ہوئی۔ سو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان کے سامنے بھی ان خیالات کا پورا اظہار ہماری طرف سے ہو چکا تھا۔ ہاں! ہم ان کی بیعت میں تھے اور جو کچھ کیا ان کے حکم کے فرمانبرداری کے لئے کیا۔ ان کے متعلق اور اپنی ذات کے متعلق میں پورے واقعات کا اظہار سردست ضروری نہیں سمجھتا۔ اگر ضرورت پیش آئی تو میں اس معاملہ میں بھی اپنی بریت پوری پوری ظاہر کروں گا۔ یہ بھی مجھے کہا گیا ہے کہ بہتوں کا ایک طرف ہو جانا بھی خدا کی طرف سے ہے۔ حضرت مسیح کے بعد کیا ہوا اور کیا بہتوں نے تھوڑوں پر غالب آ کر اصل مذہب کی کایا پلٹ دی یا نہیں؟ والسلام

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

24مارچ1914ء

اداریہ

روئیداد جلسہ شوریٰ

گزشتہ اتوار مورخہ 22 مارچ 1914ء کو لاہور میں جماعت احمدیہ کے مختلف سربرآوردہ اور اہل الرائے احباب کا ایک جلسہ موجودہ مشکلات سلسلہ پر غور کرنے کے لئے جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان پر منعقد ہوا۔ جس کی روئیداد حسبِ ذیل ہے:

اس جلسہ میں ذیل کے مقامات کے احباب شامل تھے۔ (ان سب حاضرین کی تفصیل اسم وار کسی دوسری جگہ درج کی جاتی ہے) پشاور، راولپنڈی، ضلع ہزارہ، جہلم، وزیر آباد، سیالکوٹ شہر و چھاؤنی، جموں، گوجرانوالہ، لائل پور، امرتسر، لدھیانہ، قادیان، لاہور شہر و چھاؤنی، مظفرگڑھ، ہوشیار پور۔ اس کے علاوہ متعدد مقامات سے مثلاً علی گڑھ، پٹیالہ، میانوالی، کراچی، شملہ، ایبٹ آباد وغیرہ سے تاریں اور خطوط بھی آئے۔ جن میں اغراض جلسہ سے ہمدردی ظاہر کی گئی تھی۔ ایسی سب تاروں کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

☆ از شیخ نور احمد صاحب ایبٹ آباد: ''یہاں ایک جلسہ میں متفقہ طور پر ان تجاویز کے ساتھ اتفاق ظاہر کیا گیا۔ جو الوصیت کے ماتحت عمل میں لائی جائیں۔''

☆ از جناب شیخ تیمور صاحب ایم۔اے پروفیسر علی گڑھ کالج: ''افسوس ہے سفر کے ناقابل ہوں۔ میرا یہ تار جلسہ میں سنا دیا جائے۔ اتحاد کے لئے کوشش کریں۔ اگر صاحبزادہ صاحب انجمن پر حکمرانی نہ کریں تو انہیں علیحدہ نہ کیا جائے۔ آئندہ مذہبی معاملات میں خلفاء کے فیصلوں کی پابندی لازمی نہیں۔ بیعت غیر ضروری ہے۔''

اس کے جواب میں شیخ صاحب کو یہ اطلاع دی گئی تھی کہ صاحبزادہ صاحب انجمن پر حکمرانی کرنا نہیں چھوڑنا چاہتے۔ جس کے جواب میں انہوں نے بذریعہ تار اطلاع دی کہ

☆ ''صاحبزادہ صاحب اور نواب صاحب کو بذریعہ تار اتفاق کے لئے کہا گیا ہے۔ انہیں پھر مل کر دلائل سے دباؤ سے اور پیچھے لگ کر منوانا چاہئے۔''

☆ از جناب مصطفیٰ خان صاحب پٹیالہ: ''افسوس ہے کہ رخصت نہیں مل سکتی۔ آپ کے جلسہ کے ساتھ مجھے پوری ہمدردی ہے۔ نتیجہ سے بذریعہ تار اطلاع دیں۔''

کُل مجمع قریباً ایک سو سے زائد اہل الرائے احباب کا تھا۔ جن میں اکثر ان مقامات کی انجمن ہائے احمدیہ کے سیکرٹری یا پریذیڈنٹ صاحبان شامل تھے۔ جلسہ کے ابتدائی حصہ میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے مفصل طور پر اُن واقعات کو بیان کیا جو حضرت خلیفۃ المسیح مولوی نورالدین صاحب کی وفات کے بعد یا آخری ایام بیماری میں پیش آئے اور یہ بتایا کہ کس طرح حضرت صاحب کی بیماری کے آخری دنوں میں انجمن انصاراللہ نے ایک باقاعدہ کوشش ایک خاص گروہ کے آدمیوں کو قادیان میں جمع کرنے کے لئے کی، تاکہ انتخاب امیر میں کسی دوسرے کی رائے نہ سُنی جاوے۔ اور پھر کس طرح حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے بعد شوریٰ کی تجویز کو رد کیا گیا اور ان احباب کا بھی انتظار نہ کیا گیا جن کو حضرت صاحب کی وفات کی تاریں دی گئی تھیں، اور کس طرح ان معزز ممبران صدر انجمن احمدیہ و دیگر احباب سے جن کی رائے ایک خاص مطلب کی مؤید نہ تھی، سخت بدسلوکی کی گئی اور ان کی رائے کو یہ کہہ کر وزن دینے سے انکار کیا گیا کہ پانچ سات آدمی ہیں الگ ہو جائیں گے تو کیا پرواہ ہے۔ اور کس طرح شروع میں ہی ان لوگوں کو جو اس بات کی ضرورت نہ سمجھتے تھے کہ بار بار سب احمدی جب کوئی امیر مقرر ہو، اس کے ہاتھ پر بیعت توبہ کیا کریں، فاسق قرار دے کر تفرقہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے بعد منشی ظہیر الدین صاحب نے تقریر کی کہ میں اپنے تمام اختلافات کو چھوڑنے اور اپنے تمام ٹریکٹوں کو، جو چھپوائے ہیں، جلانے کے لئے تیار ہوں۔ بشرطیکہ اس وقت حضرت مسیح موعود کی وصیت پر عمل ہو۔ جس کی رو سے ایسے بیعت لینے والے بزرگ مقرر ہوسکیں جو غیر احمدیوں کو سلسلہ احمدیہ میں داخل کرنے کے لئے احمد کے نام پر بیعت لیا کریں اور احمدیوں کو بار بار کسی شخص کی بیعت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ اس کے بعد احباب کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ اس لئے جلسہ دوسرے مکان میں منتقل کیا گیا۔ جہاں اول ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے باہر کے آئے ہوئے خطوط اور تاریں سنائیں اور اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے اغراض جلسہ پر مفصل گفتگو کی۔ جو اس مختصر روئیداد میں صرف خلاصہ کے طور پر درج کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے مولوی حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نے یہ اعتراض پیش کیا کہ حافظ روشن علی صاحب، مولوی محمد علی صاحب پر دو اعتراض کرتے ہیں۔

☆ اول یہ کہ وہ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں اور دوسرے یہ کہ قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ

ذَرْهُمْ (91:6) کا ترجمہ ''اللہ منوا کر اُن کو چھوڑ دو'' غلط کیا ہے۔ پس ایسا شخص کیونکر قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔

اس کے جواب میں مولوی محمد علی صاحب نے بیان کیا کہ میں غیر احمدی مسلمانوں کے پیچھے نماز کو صرف ان ممالک میں جائز سمجھتا ہوں اور حضرت خلیفۃ المسیح کے کھلے فتاوی اور احمدی جماعت کے گذشتہ چار پانچ سال کے عملدرآمد کے مطابق جائز سمجھتا ہوں، جہاں غیر احمدیوں کی طرف سے احمدیوں پر کفر کا فتویٰ نہیں۔ یہ بھی کہا کہ جناب صاحبزادہ صاحب کی ایک بات پر بیشک مجھے اعتراض تھا اور ہے۔ اور وہ واقعہ اُنہوں نے خود میرے سامنے یوں بیان کیا کہ جب وہ حج کو تشریف لے گئے تو نماز کا وقت باہر ہی آجانے پر جناب میر ناصر نواب صاحب نے کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے حکم دیا تھا کہ ہم عرب میں غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں۔ چنانچہ اس فتویٰ کے مطابق نماز باجماعت ایک غیر احمدی امام کے پیچھے ادا کر لی گئی۔ بعد اس کے جب ڈیرہ میں واپس آئے تو میاں صاحب نے جناب میر صاحب کو کہا کہ کیا حضرت خلیفۃ المسیح نے حکم دیا تھا کہ نماز غیر احمدیوں کے پیچھے پڑھنا؟ تو اُنہوں نے فرمایا کہ چلتے وقت اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ پڑھ لیا کرنا۔ جس سے مطلب اجازت تھا۔ اس پر جناب صاحبزادہ صاحب نے اسی نماز کو جو پہلے باہر جماعت سے ادا کر آئے تھے، دُہرایا۔ اس پر میں نے بیشک اعتراض کیا تھا۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح کے فتویٰ کی اس طرح مخالفت کرنا، خواہ وہ اجازت کے رنگ میں ہی تھا، میرے نزدیک جائز نہ تھا۔ اس سے بڑھ کر نہ میرا عقیدہ کبھی ہوا اور نہ میں نے کبھی کسی کو کہا اور نہ ہی میرے عمل میں کوئی شخص ایسا دکھا سکتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (91:6) کے معنی ''اللہ کو منوا کر اُن کو چھوڑ دو'' کے متعلق مولوی صاحب نے بیان کیا کہ یہ معنے میں نے نہیں کئے۔ بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح کے منہ کے لفظ ہیں۔ اگر میرا ترجمہ دیکھنا ہو تو اب کوئی شخص انگریزی ترجمہ قادیان میں موجود ہے، جا کر دیکھ لے۔ میں نے یہ معنے نہیں کئے نہ ہی وہ آیات اور احادیث اور اقوال، جو مسئلہ کفر و مسلم کی تمہید میں درج ہیں، میری طرف سے ہیں۔ بلکہ وہ کل حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے ہیں۔ ہاں! میں ان معنوں کو غلط بھی نہیں کہتا کیونکہ وہ شخص جس نے ساری عمر قرآن کریم کے مطالعہ میں گزاری ہے وہ اس قدر ناواقف نہیں کہ اس کو آیت کا مقدم مؤخر معلوم نہ ہو۔ بلکہ یہ وسعت معلومات کا نتیجہ ہے اور اسی قسم کے معانی بعض جگہ خود حضرت مسیح موعود نے کئے ہیں۔

پس ایسے اشخاص کے کئے ہوئے معانی پر اعتراض کرتے وقت ہمارے دوستوں کو اس قدر جرأت سے کام نہیں لینا چاہئے۔ اگر کوئی شخص اعتراض کرتا ہے تو وہ یادرکھے کہ یہ مجھ پر نہیں بلکہ خود حضرت خلیفۃ المسیح پر ہے۔

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے مسئلہ خلافت پر بحث کی (چونکہ اصل تقریر لمبی تھی۔ اس لئے یہ حصہ اختصاراً روئیداد میں شامل کرنے کے لئے میں نے خود دوبارہ اپنی قلم سے لکھا ہے مگر اجمال کی وجہ سے اور نئے سرے سے لکھے جانے کی وجہ سے اس میں اصل تقریر کی ترتیب اور الفاظ محفوظ نہیں۔ اصل تقریر کا خلاصہ جو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے پاس لکھا ہوا موجود ہے بہت طویل ہے۔ کیونکہ تقریر لمبی تھی۔ محمد علی) اور کہا کہ مسئلہ خلافت پر سب سے پہلے قرآن کریم کو ہم لیں گے اور اس کے بعد حضرت مسیح موعود کی وصیت کو۔ قرآن کریم میں جو آیت مسئلہ خلافت پر پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَايُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (55:24)

اس آیت کے معنوں میں بہت بے احتیاطی سے کام لیا جاتا ہے اور اتنا بھی نہیں دیکھا جاتا کہ جو معنے کئے جاتے ہیں اُن کو خود تاریخ تو نہیں جھٹلاتی۔ لفظی معنے اس آیت کے یوں ہیں:

> ''اللہ تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لاتے اور نیک کام کرتے ہیں، یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ ضرور ضرور زمین میں ان کو حاکم بنائے گا جس طرح ان سے پہلوں کو حاکم بنایا۔ اور وہ ضرور ضرور ان کے اس دین کو مضبوط کرے گا جو اُس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور وہ ضرور ضرور ان کے خوف کے بعد ان کو امن سے بدل دے گا۔ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور جو اس کے بعد کفر کرتا ہے، سو یہی لوگ بدکار ہیں۔''

اب ایک مطلب اس آیت کا یہ لیا جاتا ہے کہ اسلام میں ایک سلسلہ خلفاء کا ہوگا۔ اور جو ان خلفاء کی بیعت نہ کرے گا وہ فاسق ہوگا۔ مَیں معنوں کو پہلے الفاظ پر پیش نہیں کرتا۔ بلکہ تاریخ پر پیش کرتا ہوں۔ اس قدر پختہ

تو وعدہ ہو کہ اس کے ساتھ ایک لام تاکید کا اور ایک نون ثقیلہ تاکید کے لئے لگایا جائے۔لیکن اگر اس کے یہی معنے ہوں کہ مسلمانوں کے اندر نبی کریم ﷺ کے بعد خلیفے ہوں گے اور ان کے بیعت نہ کرنے والے فاسق ہوں گے۔تو اب تم ہی بتاؤ کہ وہ خلیفے کب ہوئے اور کون کون سے مسلمان وہ ہیں جو ان کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے فاسق یعنی بدکار ٹھہرتے ہیں۔وعدہ تو بظاہر ایسا ہے جس کا دامن قیامت تک ممتد نظر آتا ہے۔پس یہ کیونکر مان لیا جائے کہ تین یا چار خلافتوں کے بعد یہ وعدہ قابل ایفا نہ رہا۔

اتنا بڑا اور اسی زور سے وعدہ کیا جائے اور آخر بیس بائیس سال سے زیادہ اس کا ایفا نہ ہو سکے۔کیا خدائی طاقت اور علم اس قدر کمزور تھے کہ ایک اتنا بڑا اعظیم الشان وعدہ کر کے پھر تیس سال بعد بھی اس کا ایفا نہ ہو سکا۔اور دوسری طرف جب حضرت مسیح موعود کو اس وعدہ کے نیچے لایا جاتا ہے،تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ وعدہ تیس سال میں ختم نہیں ہو گیا۔

اس کے علاوہ کچھ اور لفظ بھی اس آیت میں ہیں۔جو اس وعدہ کی نوعیت کو بتلاتے ہیں۔اور وہ لفظ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ہیں جن سے یہ یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وعدہ کس قسم کا ہے۔اور اس میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی۔

جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے کھول کر بیان فرمایا ہے اسلامی اور موسوی سلسلہ میں ایک مماثلت ہے۔اب دیکھ لو کہ موسوی سلسلہ میں جو خلافت رہی وہ دو رنگ کی تھی۔یعنی چودہ پندرہ سو سال تک حکومت کے رنگ میں رہی اور اس حکومت کے آخری ایام میں جب ظاہری سلطنت کمزور ہو گئی،تو مسیحؑ کے وجود میں ایک روحانی خلیفہ بھیجا گیا اور بس۔

اسی کے مطابق اسلام میں تیرہ سو سال تک ظاہری حکومت رہی اور اس کے آخری ایام میں جب وہ ظاہری سلطنت کمزور ہو گئی،تو مسیح موعود کے وجود میں ایک روحانی خلیفہ مبعوث فرمایا گیا۔

پس اس ابتدائی ظاہری سلطنت میں جس طرح پہلے تین یا چار خلفاء شامل ہیں۔جن کی خلافت، خلافت راشدہ کہلاتی ہے۔اسی طرح اس کے بعد کے حاکم بھی شامل ہیں۔اس سے تعلق نہیں کہ وہ اچھے ہوں یا

بُرے ،مگر ہوئے اسی وعدہ کے نیچے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ بعض وعدوں میں تیس سال تک خلافت کا ذکر ہے۔تو بعض میں بارہ خلیفوں کا بھی ذکر ہے اور اس طرح بنی اُمیہ کے بادشاہ اسی وعدہ کے نیچے آتے ہیں۔ پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جس قسم کی بیعت حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ نے لی ،اسی قسم کی بیعت حضرت معاویہ نے اور یزید اور اس کے بعد کے بادشاہوں نے لی۔ پھر ان لوگوں پر کیا حکم دو گے؟ جنہوں نے اس میں سے کسی کی بیعت نہیں کی۔حضرت علی اور معاویہ میں جنگ ہوتے ہوئے ہزاروں صحابیؓ شہید ہوئے۔امام حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا۔تاریخ سے ثابت نہیں کہ عورتوں نے بھی حضرت ابوبکرؓ یا عمرؓ یا عثمانؓ یا علیؓ میں سے کسی کی یا اس کے بعد کسی بادشاہ کی بیعت کی ہو۔اسی میں ساری صحابیاتؓ اور امہات المؤمنینؓ آ گئیں۔نہ ہی تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جب کبھی کوئی نیا خلیفہ ہوتا تھا۔تو چونکہ اُس زمانہ میں تحریر اور ڈاک کا تو رواج ہی نہ تھا کہ خطوط کے ذریعہ سے بیعت کر لیتے ہوں، تمام مسلمان مما لک کے لوگ دور دراز علاقوں سے جوق در جوق بیعت کے لئے دارالخلافہ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ پھر اگر مَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَأُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کے یہی معنی ہیں کہ جو بیعت نہ کرے وہ فاسق ہے۔تو بتاؤ کس کس کو فاسق کا خطاب دو گے۔اگر لفظوں کی پروا نہیں تو کم از کم واقعات کی تو پروا کرنی چاہئے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ خلافت کا سلسلہ اسلام کے ساتھ ان معنوں میں لازم وملزوم نہیں کہ جو مسلمان ایک ہی خلیفہ کی بیعت میں نہ ہوں ، جسے آج وحدت کا غلط مفہوم قرار دے لیا گیا ہے، وہ فاسق ہوتے ہیں۔ایسا عقیدہ رکھ کر تمام اولیاء اللہ کو بھی تم اسی مد میں داخل کرتے ہو،جس میں آج ہمارے جیسے چند ضعف اور عاجز گنہگاروں کو داخل کرنا چاہتے ہو۔جس طرح پر اسلام دنیا کے چاروں کونوں میں پھیلا اور یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ سب کے سب ایک ہی شخص کی بیعت میں رہ سکتے ،اسی طرح احمدیت بھی انشاءاللہ دنیا کے چاروں کونوں میں پھیلے گی۔اور ایک ایسی بیعت میں،جس کا مفہوم یہ ہے کہ بیعت کرنے والے اپنے تمام ارادوں اور تمام خیالات کو مرشد کے ارادوں اور خیالات کے سامنے قربان کر دیں،سارے احمدی نہ رہیں گے اور نہ رہ سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے قول کے وہ معنے نہ کرو جو اس کے فعل کے مخالف ہوں۔

وصیت کا اصل مفہوم تو یہ ہے کہ تم اپنے اصولی اتحاد کے سامنے جزوی اختلافات ختم کر دو۔یعنی جب تم

سب ایک سلسلہ میں مسیح موعود پر ایمان لا کر جمع ہو تو اب اس کے بعد جو اختلافات تمہارے اندر ہوں، وہ تمہارے اتحاد کے لئے مانع نہ ہوں۔ اتحاد بھی ہو اور اختلاف بھی۔ مگر اختلاف اتحاد کے ماتحت رہے۔ لیکن جب تم اتحاد کو اختلاف کے ماتحت لانے کی کوشش کرو گے تو نتیجہ تفرقہ ہو گا۔

میں اپنے مطلب کو اچھی طرح واضح کر دیتا ہوں۔ مسلمان ہو کر جب تم احمدی سلسلہ میں داخل ہوئے تو حضرت مسیح موعود کے دعاوی پر ایمان لا کر ہوئے۔ پھر اس کے بعد تمہارے اندر کچھ اختلافات پیدا ہوئے۔ اب جب تم ان اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کو کافر یا فاسق کہنے لگے، تو تم نے اتحاد کو اختلافات پر قربان کر دیا اور بڑی چیز کو چھوٹی کے لئے گنوا دیا۔ مسلمانوں پر پہلے بھی اسی وقت تباہی آئی جب انہوں نے اپنے اختلافات کے سامنے اتحاد کو قربان کر دیا، ایک دوسرے کی تکفیر اور تفسیق شروع کی۔ پس تم بھی پہلوں سے سبق حاصل کرو اور اپنے اختلاف کو اتحاد پر قربان کرو۔ سب بھائی بن کر رہو اور مل کر کام کرو۔ پس یہ کہ جو کسی خلیفہ کی بیعت نہ کرے گا، وہ فاسق ہے، واقعات کے خلاف ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو الفاظ کے بھی خلاف ہے۔

جناب صاحبزادہ صاحب نے جو معنی اس کے اپنے نئے رسالہ میں کئے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

''اور جو شخص اس حکم کے ہوتے ہوئے بھی ان کا انکار کرے گا۔''

اب اول تو قرآن کریم کے الفاظ میں ایسا لفظ کوئی نہیں جس کا مفہوم ''ان کا'' سے، جس سے مراد خلفاء لئے گئے ہیں، ادا کرے۔ کیونکہ قرآن میں کُفُرُھُمْ نہیں صرف کُفُرٌ ہے۔ دوسرے یہاں حکم کوئی نہیں بلکہ وعدہ ہے۔ تو بَعْدَ ذَالِکَ کے معنی وعدہ کے ہوتے ہوئے تو کر سکتے ہیں لیکن حکم کے ہوتے ہوئے نہیں کر سکتے۔

پس آیت کے معنے وہ کرنے چاہئیں جن کو نہ تو واقعات جھٹلائیں اور نہ ہی الفاظ کے خلاف ہوں۔ اور درحقیقت معنی اس کے صاف ہیں۔ یہ وعدہ اس وقت دیا گیا جب مسلمانوں کی طاقت کمزور تھی۔ دن رات جنگ کے خطرات تھے، شرک کا غلبہ تھا۔ اور انہی تینوں باتوں کا صریح اس آیت میں ذکر فرمایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ دین کو مضبوط کرے گا، خوف کی بجائے امن ہو جائے گا، شرک کی بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوگی۔ اور یہ تینوں وعدے قیامت تک چلتے ہیں اور چلیں گے۔ اور ان تینوں کا یکجائے مفہوم فقط لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ بیان فرمایا۔ یعنی اب ہم تم

کو اس ملک میں حکومت عطا فرمائیں گے۔ اوران سب باتوں کو بیان کر کے فرمایا جو اس قدر صریح بینات اور نشانات کے بعد کہ ایک ایسی کمزوری کی حالت میں اور شرک کے غلبہ کی حالت میں یہ وعدے دیئے جاتے ہیں۔ پھر یہ وعدے پورے کر کے بھی دکھائے جائیں گے۔لیکن جو اس کے بعد بھی انکار یا ناشکرگزاری کرے گا۔تو ایسے لوگ واقعی بڑے ہی سنگدل اور بدکار رہوں گے کہ اتنے کھلے نشان دیکھ کر بھی نہ مانیں۔ یا اللہ تعالیٰ کی اس قدر نعمتوں کو پاکر پھر ناشکرگزاری کریں۔

اب یہ مفہوم ایسا ہے کہ اس کے نیچے خلافت اور سلطنت بھی آجاتی ہے اور واقعات حقہ کا بھی انکار کرنے کی ضرورت نہیں۔اور نہ ہی مسلمانوں کو لازم طور پر فاسق بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

ایک اعتراض عین تقریر کے وقت یہ بھی کیا گیا کہ وعدہ صرف ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں سے تھا۔اس لئے چار خلافتوں تک محدود رہا۔جس کا مفہوم دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ گویا ایمان اورعمل راسخ کرنے والے مسلمانوں میں پھر کوئی پیدا ہی نہ ہوئے۔اگر یہ سچ ہے کہ اس لئے میں نے ایمان لانے والوں اورعمل صالح کرنے والوں کو خلیفہ بنانے کے کئے ہیں تو کیا چار صحابہ کے سوا اور کوئی مسلمان ایمان لانے والا اورعمل صالح کرنے والا نہ تھا۔حالانکہ قرآن کریم میں تو سب صحابہؓ پرشہادت موجود ہے۔ پھرعشرہ مبشرہ کا ذکر احادیث میں ہے، وہ بھی سب خلیفہ نہ ہوئے۔ پھر ہزاروں اولیاء اللہ اس اُمت میں گزرے۔ وہ بھی خلیفہ نہ بنے۔ پھر جناب صاحبزادہ صاحب نے اپنے نئے رسالہ میں صفحہ 5 پر یہ لفظ لکھے ہیں:

''کیونکہ خلفاء کی نسبت فرماتا ہے یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا (55:24۔مرتب) خلفاء میری ہی عبادت کیا کریں گے۔اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیں گے۔''

عجب بات ہے کہ عام اور سیدھے الفاظ کو خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر صرف چند خلفاء پر لگایا جاتا ہے۔اور پھر لکھا ہے:

''خدائے تعالیٰ جانتا تھا کہ ایک زمانہ میں خلافت پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ اس سے شرک کا اندیشہ ہے اور غیر مامور کی اطاعت جائز نہیں۔ پس خدائے تعالیٰ نے آیت

استخلاف میں ہی اس کا جواب دے دیا کہ خلافت شرک پھیلانے والی نہیں بلکہ اسے مٹانے والی ہوگی۔''

کیا یزید کو بھی یہ حق پہنچتا تھا یا نہیں کہ امام حسینؓ کو یہی جواب دیتا؟ میری مراد یہ کہنے سے صرف اس قدر ہے کہ یہ معنے خواہ مخواہ بنائے جاتے ہیں اور واقعات حقہ ان کے مؤید نہیں۔ پھر اگر اسلام کی پہلی خلافت بیس یا تیس سال سے زیادہ نہ رہی۔ تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود کے بعد خلافت کا سلسلہ اتنی مدت تک رہے گا۔ کیا یہ بھی کسی حدیث میں آ گیا ہے؟ جس طرح تیس سال کی خلافت کا ذکر حدیث میں ہے۔ یا حضرت مسیح موعود نے خود فرمادیا ہے کہ میرے بعد اتنی مدت خلافت کا سلسلہ جاری رہے گا؟ اور جب خود حضرت مسیح موعود کی خلافت رسول اللہ ﷺ کی خلافت ہے اور حضرت صاحب نے خود اپنے آپ کو ''آخری خلیفہ'' حقیقۃ الوحی کے صفحہ 68 پر لکھ دیا ہے۔ تو اب اس کے بعد اس کے خلفاء آیتِ استخلاف کے نیچے کیونکر آ سکتے ہیں۔ اس کے لئے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود کے بعد کس طرح کی خلافت ہونی تھی۔ کیونکہ قرآن کریم نے ایک عجیب معیار جو بتا دیا ہے، وہ **كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** میں ہے۔ اگر موسوی سلسلہ میں حضرت مسیحؑ کے بعد کوئی سلسلہ خلافت روحانی کا دکھا سکتے تو یہ مماثلت بھی کوئی فائدہ دے سکتی ہے۔ ورنہ اس کا پیش کرنا بے معنی ہے۔ حضرت مسیحؑ کے بعد کوئی سلسلہ خلافت کا نہ تھا۔ پس واقعات کا انکار کر کے بات بنانا درست نہیں ہے۔

اب اس کے بعد حضرت مسیح موعود کی تحریر کو لو۔ اس کے لئے آپ کی سب کتابوں کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ پیام اجل آنے پر آپ نے خود الوصیت لکھ کر اس مسئلے کو حل کر دیا ہے۔ اس لئے الوصیت کے صریح الفاظ کی موجودگی میں بھی اور کوئی ضرورت نہیں۔ وہاں فرماتے ہیں:

''اور چاہئے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں، میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں۔'' (صفحہ 7)

اور اس کی تشریح حاشیہ میں ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''ایسے لوگوں کا انتخاب مؤمنوں کے اتفاق رائے پر ہوگا۔ پس جس شخص کی نسبت چالیس مؤمن اتفاق کریں گے کہ وہ اس بات کے لائق ہے کہ میرے نام پر لوگوں سے بیعت

لے، وہ بیعت لینے کا مجاز ہوگا۔''

اب اس جگہ کئی لفظ ہیں جو آپ کے مطلب کو وضاحت سے بتا رہے ہیں۔ اول تو یہاں ایک کا لفظ نہیں رکھا۔ بلکہ جماعت کے بزرگ استعمال کر کے بتا دیا ہے کہ بہت سے ایسے شخص ایک ہی وقت میں بیعت لے سکتے ہیں۔ پھر اگر ایک قائم کرنا مراد ہوتا تو چالیس مؤمنوں کا اتفاق رائے کیوں لکھتے؟ وہ تو جانتے تھے کہ میری جماعت لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ اگر ایک پر اتفاق کرنا آپ کا مطلب ہوتا، تو یا تو ان چالیس آدمیوں کا نام لے دیتے کہ فلاں فلاں چالیس آدمی جس پر اتفاق کریں، وہ بیعت کر لیا کرے۔ جس طرح حضرت عمرؓ نے چھ آدمی مقرر کر دیئے تھے کہ وہ ایک پر اتفاق رائے کریں۔ تا کہ ایک آدمی ہو سکتا، ورنہ ان الفاظ کی رُو سے تو جہاں چالیس آدمی کسی پر اتفاق کر لیں، وہی بیعت لے سکتا ہے۔ پھر یہ نہیں کہا کہ چالیس جس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تا کہ احمدیوں کے دوبارہ بیعت کرنے کی کوئی کمزور وجہ ہی ہمارے ہاتھ آ جاتی۔ بلکہ یہ لکھا کہ چالیس جس پر اتفاق کر لیں۔ پھر فرمایا ہے کہ وہ بیعت لینے کا مجاز ہے یعنی اُسے اجازت ہے کہ وہ بیعت لے۔ یہ نہیں کہا کہ جو اس کی بیعت نہ کرے گا وہ سلسلہ سے خارج ہے یا فاسق ہے۔ نہ یہ کہا کہ اُس کی بیعت ضروری ہوگی۔ پھر بیعت اپنے نام پر ضروری قرار دی ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ غیر احمدیوں کو سلسلہ احمدیہ میں داخل کرے۔

اس قدر شہادتوں کے بعد حضرت مسیح موعود کی زبانی شہادت ہے۔ جس کو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ اور میں کسی صورت میں اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ آپ نے خود یہی مطلب اپنے ان الفاظ کا بیان فرمایا۔

اب اس قدر شہادتوں کے ہوتے ہوئے صرف ایک بات کو پلے باندھ لینا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب (اَللّٰھُمَّ اَکْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاَدْخِلْهُ فِیْ رَحْمَتِکَ) کی بیعت تم نے کیوں کی؟ اور جب ایک دفعہ کر لی تو ہمیشہ کے لئے ضروری ہو گیا، طریق حق نہیں۔ ایک امر میسر آ گیا اور نقل کے طور پر اسے ادا کیا تو اس سے وہ فرض نہیں بن سکتا۔ اگر یہی دلیل استعمال کی جائے۔ تو پھر سب سے پہلے تو اسلام میں اس قسم کی خلافت کا استقلال دکھانا چاہئے۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم کے وقت میں سب جماعت کا ایک ہی امر پر اتفاق تھا، اب اختلاف موجود ہے۔ ساری قوم کفر و اسلام کے مسئلہ میں متفق نہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو غیر احمدیوں کو، سوائے ان کے جنہوں نے خود مسلمانوں کو کافر کہا کافر کہنے سے انکار کرتے ہیں اور ان کو مسلمان کہتے ہیں۔ دوسرا وہ گروہ

ہے جو سب غیر احمدیوں کو کافر قرار دیتا ہے۔ مگر پہلا گروہ اس عقیدہ کو خود اسلام اور سلسلہ احمدیہ کی اشاعت کے لئے مہلک سمجھتا ہے۔ وہ کس طرح اس پر زور دینے اور اس کی اشاعت کرنے میں سُست ہو سکتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سلسلہ کی راہ سے اس پتھر کو دور کرے۔ اس کے خیال میں خود حضرت مسیح موعود ایک دوسرے کی تکفیر کو ایک خطرناک بات سمجھتے تھے۔ اس لئے ہم نے اس مسئلہ پر اس سنگ راہ کو دور کرنے کے لئے پورا زور لگانا ہے۔ ہمارے نزدیک حضرت مسیح موعود کی وہ تمام تحریریں، جو محکمات کا حکم رکھتی ہیں، اہل اسلام کی تکفیر سے تشدد کے ساتھ ہمیں روکتی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ''حقیقۃ الوحی'' سب سے آخری تحریر اور پہلی تحریروں کی ناسخ ہے۔ اب خود حقیقۃ الوحی کو دیکھ لو۔ صفحہ 120 پر لکھتے ہیں:

''پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمان اور کلمہ گو کو کافر ٹھہرایا۔ حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی۔ خود ہی ان کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں......کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے اُن لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا۔ اگر کوئی ایسا کاغذ یا اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتویٰ کفر سے پہلے شائع ہوا ہو، جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہو، تو وہ پیش کریں۔ ورنہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگاویں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔''

اب ایسی صاف تحریر کے بعد اگر کوئی مشابہ الفاظ ہوں تو یقیناً ان کو ان کے ماتحت کرنا پڑے گا۔ ایسا ہی جماعت میں ایک اختلاف اس پر موجود ہے کہ حضرت مسیح موعود کی نبوت کس قسم کی تھی۔ ایک گروہ اسے نبوت مستقل قرار دیتا ہے اور دوسرا گروہ جزوی اور ظلّی۔ اور یہ دوسرا گروہ یہ خیال کرتا ہے کہ غلو کا نتیجہ مہلک ہوگا اور سلسلہ کی بنیاد غلط اصول پر پڑ جائے گی۔ پس فریق اول کے خیالات کی تردید اس کے نزدیک از بس ضروری ہے۔ یہاں بھی اور کتابوں کو چھوڑو، خود حقیقۃ الوحی کے صفحہ 97 پر حاشیہ میں آپ نے تحریر فرمایا ہے:

''یہی معنی اس حدیث کے ہیں کہ عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ یعنی میری اُمت

کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے۔ اور بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے مگر اُن کی نبوت موسیٰ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ وہ نبوتیں براہ راست خدا کی ایک موہبت تھیں۔ حضرت موسیٰؑ کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ کچھ دخل نہ تھا۔ اسی وجہ سے میری طرح ان کا یہ نام نہ ہوا کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی۔ بلکہ وہ انبیاء مستقل نبی کہلائے اور براہ راست اُن کو منصب نبوت ملا۔''

اور اسی کتاب کے عزلی حصہ میں، جو بصورت استفتاء اخیر پر درج ہے، صفحہ 64 پر فرماتے ہیں:

''وَمَا عَنَی اللّٰہُ مِنْ نَّبُوَّتِیْ اِلَّا کَثْرَۃُ الْمُکَالَمَۃِ وَالْمُخَاطَبَۃ وَلَعْنَۃُ اللّٰہِ مَنْ اَرَادَ فَوْقَ ذَالِکَ اَوْ حَسِبَ نَفْسَہٗ شَیْئًا اَوْ اَخْرَجَ عُنُقَہٗ مِن رِبْقَۃِ النَّبَوِیَّۃِ.''

یعنی اور میری نبوت سے اللہ تعالیٰ کی مراد سوائے کثرت مکالمہ اور مخاطبہ کے اور کچھ نہیں۔ اور اللہ کی لعنت ہو اس پر جو اس سے بڑھ کر ارادہ کرے یا اپنی جان کو کچھ سمجھے یا اپنی گردن آنحضرت ﷺ کی نبوت کی اطاعت سے باہر نکالے۔

پس یہ وہ مشکلات ہیں جو اجازت نہیں دیتیں کہ ان دو گروہوں میں سے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ایسی بیعت کر سکے، جس میں مرشد اور مرید کا تعلق ہو۔ جب ایک طرف خود یہ مشکلات پیدا ہو گئیں اور دوسری طرف نہ الوصیت میں حضرت مسیح موعود نے اس کو ضروری قرار دیا ہے کہ احمدی پھر پھر کر کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرتے رہیں اور نہ ہی قرآن کریم میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ مسلمان اُسی وقت تک مسلمان ہیں کہ وہ کل کے کل ایک ہی شخص کی بیعت میں داخل ہوتے رہا کریں۔ تو اب کسی شخص کا ایسے سلسلہ خلافت پر زور دینا، جو نہ قرآن کریم واحادیث یا حضرت مسیح موعود کی تحریروں کی رو سے اور نہ ہی واقعات پیش آمدہ کی رو سے قائم رہ سکتا ہے، قوم کو ایک غلط راہ پر ڈالنا ہے۔ بلکہ ایک ایسی گدی کی بنیاد ڈالنا ہے جو آخر کار خطرناک اور قوم کی ترقی کے لئے سد راہ ثابت ہوگی۔

ان سب باتوں کا جواب بار بار یہ دینا کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنی بیعت کے لئے لوگوں کو کہا ہے یا ہم سب نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی یا ان کو خلیفۃ المسیح تسلیم کر لیا تھا، تقویٰ کے طریق سے بعید ہے۔ جب

دوسری طرف انہی اصرار کرنے والے شخصوں کا یہ بھی مذہب ہو۔ جیسا کہ الفضل میں صاف اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ خلیفہ کا فیصلہ ضروری نہیں کہ ہر حال میں صحیح ہو۔ بلکہ ہر حال میں قرآن اور حدیث کی طرف ہمیں رجوع کرنا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود نے جو امور بیان کئے ہیں اُن کے لئے ان کی کتابیں بغور دیکھی جاویں، اگر مسئلہ کفر و اسلام میں یا کسی جگہ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھ لینے کے فتویٰ میں حضرت خلیفۃ المسیح کے فتویٰ کو نہ ماننے کے لئے یہ جرم درست تھے، تو آج یہی جواب ہمارا سمجھ لیا جائے۔ اس بات پر کیوں زور دیا جاتا ہے جب الوصیت میں صاف تشریح موجود ہے۔

پس ان مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں صرف ایک ہی راہ نظر آتی ہے۔ اور چونکہ ہماری غرض یہی ہے کہ جہاں تک ہماری طاقت ہے سلسلہ کا کام مل کر ہو، ہم ہر طرح کی قربانی کرنے کو بھی تیار ہیں۔ سلسلہ کا جو نظم حضرت مسیح موعود نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا، وہ یہ تھا کہ سلسلہ کا سارا مالی انتظام ایک انجمن کے سپرد رہے اور اس انجمن کو اپنا جانشین قرار دیا اور اس کے فیصلوں کو واجب التعمیل قرار دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد اسی انجمن کے سب فیصلے قطعی ہوں گے۔ پس اس انتظام کو قائم رکھ کر ہم ہر ایک قربانی کے لئے بھی تیار ہیں اور اس کی صورت یہی ہے کہ ہم ایک شخص کو امیر مقرر کر لیں۔ مگر اس امیر کی بیعت احمدیوں کے لئے ضروری نہیں۔ ہاں! سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے وہ غیر احمدیوں سے بیعت لے گا۔ اس کے بعد مفصلہ ذیل ریزولیوشن بالاتفاق پاس کئے گئے۔

1۔ چونکہ حضرت مسیح موعود کی وصیت کی رُو سے چالیس مؤمنوں کے اتفاق رائے سے بیعت لینے والے بزرگوں کا انتخاب ہو سکتا ہے۔ اور ہماری رائے میں یہ ضروری ہے کہ بڑی بڑی جماعتوں میں ایسے بزرگ بیعت لینے کے لئے منتخب کئے جائیں۔ تاکہ سلسلہ ترقی کرے اور آسانی سے لوگ اس میں داخل ہو سکیں۔ ایسے بزرگ احمد کے نام پر یعنی غیر احمدیوں کو احمدی سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے لوگوں سے بیعت لیں گے۔

2۔ صاحبزادہ صاحب کے انتخاب کو اس حد تک ہم جائز سمجھتے ہیں کہ وہ غیر احمدیوں سے احمد کے نام پر بیعت لیں۔ یعنی اپنے سلسلہ احمدیہ میں اُن کو داخل کریں۔ لیکن احمدیوں سے دوبارہ بیعت لینے کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے۔ اس حیثیت میں ہم انہیں امیر تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اس کے لئے بیعت کی ضرورت نہ ہوگی اور نہ ہی امیر اس بات کا مجاز ہوگا کہ جو حقوق و اختیارات صدر انجمن احمدیہ کو حضرت مسیح موعود نے دیئے ہیں اور

اس کو اپنا جانشین قرار دیا ہے، اس میں کسی قسم کی دست اندازی کرے۔

3۔ ایک وفد مفصلہ ذیل احباب کا صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں خاصر ہوکر مذکورہ بالا ریزولیوشنوں کو پیش کرے۔ اور ان ریزولیوشنوں سے اتفاق کرنے کی درخواست کریں۔ تا کہ مل کر سلسلہ کی خدمت جاری رہ سکے۔ ممبران ڈیپوٹیشن کو اپنی تعداد کو بڑھانے کا بھی اختیار دیا گیا ہے۔ ممبران ڈیپوٹیشن کے نام حسب ذیل ہیں:

جناب میر حامد شاہ صاحب، جناب مولوی غلام حسن صاحب سب رجسٹرار پشاور، جناب مولوی صدر الدین صاحب بی۔اے بی ٹی، جناب شیخ مولا بخش صاحب سیالکوٹ، جناب شیخ مولا بخش صاحب لائلپور، جناب شیخ محمد امین صاحب تاجر چرم لاہور، شیخ نیاز احمد صاحب وزیر آباد، شیخ محمد جان صاحب وزیر آباد، مولوی عالم الدین صاحب بی۔اے وکیل شیخوپورہ، جناب شیخ فیض الرحمٰن صاحب امرتسر، جناب شیخ تیمور صاحب ایم۔اے، علی گڑھ، جناب ملک شیر محمد صاحب بی۔اے جموں، جناب شیخ رکن الدین صاحب گوجرانوالہ۔

4۔ بموجب الوصیت حضرت مسیح موعود جناب مولوی غلام حسن خان صاحب کو جو کہ ہمارے سلسلہ کے پاک نفس رکن ہیں، احمد کے نام پر سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے غیر احمدیوں سے بیعت لینے کے لئے منتخب کیا گیا۔

5۔ سید حامد شاہ صاحب کو جو سلسلہ کے ایک ملہم پارسا اور متقی بزرگ ہیں۔ وہ بھی نئے لوگوں کو سلسلہ میں شامل کرنے کے لئے احمد کے نام پر بیعت لینے کے لئے اتفاق رائے سے مجاز قرار دیئے گئے۔

6۔ ایسا ہی خواجہ (کمال الدین) صاحب بھی بیعت لینے کے منصب پر مقرر کئے گئے۔

7۔ چونکہ بعض احباب نے بیان فرمایا ہے کہ صاحبزادہ صاحب نے احباب سلسلہ کو ارشاد کیا ہے کہ ترسیل زر اُن کے نام ہونی چاہئے۔ اور اس بات کی میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق نے تصدیق کی اور کہا کہ میاں صاحب نے فرمایا تھا کہ وہ خود روپیہ انجمن میں داخل کر کے رسید لیا کریں گے۔ اس لئے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ جب تک نتیجہ ڈیپوٹیشن سے اطلاع نہ ہو لے، اراکین انجمن ہائے احمدیہ کوئی روپیہ ارسال نہ کریں اور اپنے

قبضہ میں رکھیں۔ چونکہ اس مجلس کی رائے میں صاحبزادہ صاحب کی یہ فرمائش الوصیت کے خلاف ہے۔ لہٰذا ترسیل زر اُن کے نام نہ ہونی چاہئے۔

8۔ یہ بھی اتفاق رائے سے پاس ہوا کہ مذکورہ بالا ڈیپوٹیشن اپنی اغراض میں ناکامیاب ہونے کی صورت میں یہ ڈیپوٹیشن جناب مرزا یعقوب بیگ صاحب ایل۔ایم۔ایس، مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے، شیخ رحمت اللہ صاحب، سید محمد حسین شاہ صاحب ایل۔ایم۔ایس سے مل کر جو فیصلہ سلسلہ کے انتظام کے متعلق کرے وہ قوم کے لئے واجب العمل سمجھا جائے گا۔

خدا کے لئے غور کرو: 1۔ ہمیں تفرقہ انداز کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ہم اپنے ان بھائیوں کی نسبت بھی، جنہوں نے صاحبزادہ صاحب کی بیعت کر لی ہے، کوئی کلمہ منہ سے نہیں نکالتے نہ کوئی فتویٰ لگاتے ہیں۔ بلکہ مل کر کام کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ اور صرف اس قدر چاہتے ہیں کہ ایک تو حضرت صاحب کا قائم کردہ انتظام جو انجمن کے متعلق ہے وہ نہ توڑا جاوے اور جملہ معاملات انتظامیہ انجمن کے سپرد رہیں۔ اس کے فیصلوں کا اسی طرح پاس کیا جاوے، جس طرح خود حضرت مسیح موعود نے اسے اپنا جانشین قرار دے کر اس کے فیصلوں کو اپنے بعد قطعی قرار دیا ہے۔ اور دوسرا یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں جن معاملات میں قوم کی اصلاح کی ضرورت معلوم ہوتی ہے، جیسے کفر و اسلام کا مسئلہ جس میں اپنی قوم کے ایک حصہ کو ہم غلطی پر دیکھتے ہیں، پوری آزادی ہونی چاہئے کہ ہم اپنے خیالات اور عقائد کو کھول کر پیش کر سکیں۔ اور دوسری طرف یہ حالت ہے کہ ہم پر فاسق کا فتویٰ لگایا جاتا ہے یعنی ان مسلمانوں کو، جو حضرت مسیح موعود پر بھی ایمان لائے۔ اور اس طرح پر تکمیل ایمان بھی کی اور حتی الوسع نیک کاموں میں اور دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ احمدیت سے خارج ہونے کا فتویٰ دیا جاتا اور ان سے قطع تعلق کیا جارہا ہے۔ اور پھر ہماری ذاتیات پر حملے شروع ہو گئے ہیں۔ بہرحال ہم خدا کے لئے سب کچھ برداشت کرتے ہیں۔ لیکن یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ سخت غلطی کی راہ ہے۔ خدا کے لئے غور کرو!

2۔ ایک طرف صاحبزادہ صاحب کا انتخاب ایسے طریق سے ہوتا ہے جس پر قوم کے ایک حصہ کو شکایت ہے۔ دوسری طرف اعلانیہ کہا جاتا ہے کہ یہ (میاں صاحب) موعود ہیں اور پسر موعود کے متعلق جو الہامات ہیں وہ ان پر چسپاں کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ الوصیت میں صاف لکھا ہے کہ وہ خدا سے الہام پا کر کھڑا ہوگا۔ یہ

تقویٰ کا طریق نہیں اور خوامخواہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا ہے۔ اگر وہ موعود ہوتے تو خدا سے الہام پا کر کھڑا ہونے اور مامور ہونے کی جو شرائط ہیں وہ ان میں پائی جاتیں۔

3۔ حضرت مسیح موعود نے ایک ایسا عظیم الشان دعویٰ دنیا کے سامنے پیش کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری زمانہ کے مسیح ہیں اور اس سے مدت پہلے اپنی پیشگوئیوں کا پورا ہونا بھی دکھا چکے تھے اور براہین احمدیہ میں کافی ثبوت دے چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ بایں اپنے مخالفین کی نسبت، ان کی نسبت جو آپ کی بیخ کنی چاہتے تھے، مدت تک تباہی اور ہلاکت کی پیشگوئیاں نہیں کیں۔ اور جب مخالفت حد درجہ کی ہوگئی اور آپ کے سلسلہ کو نابود کرنے کے لئے پورا زور لگایا گیا تو اس وقت اپنے کسی مخالف کی نسبت ایسی پیشگوئی کی۔ مگر صاحبزادہ صاحب نے پہلے ہی دن ان لوگوں کی نسبت، جن کو حضرت مسیح موعود نے اپنے مخلص دوستوں میں سمجھا اور جن کے ہاتھ میں، اپنی زندگی میں بھی اور اپنے بعد بھی، اپنے کاروبار کو دیا اور جنہوں نے اپنی عمریں اس سلسلہ کی خدمت کے لئے اور اشاعت اسلام کے لئے وقف کر دیں، بغیر اس کے کہ انہوں نے صاحبزادہ صاحب کی کوئی مخالفت کی ہو، اور وہ آپ کی محبت اور احترام کا پورا اقرار کرتے ہوں، ہاں! صرف آپ کی بیعت کو غیر ضروری قرار دیتے ہوں، ہلاکت اور تباہی کی پیشگوئی شائع کی ہے اور ان کو فاسق قرار دیا اور شیطان سے مشابہت دی ہے۔ خدا کے لئے غور کرو!

☆☆☆

اسمائے حاضرین مجلس شوریٰ

مولوی محمد علی صاحب، ایم۔اے ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز قادیان وممبر صدر انجمن احمدیہ، میر حامد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ دفتر ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ وممبر صدر انجمن احمدیہ، مولوی صدر الدین صاحب بی۔اے، بی ٹی، سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ، ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب اسسٹنٹ سرجن وممبر صدر انجمن احمدیہ، ملک شیر محمد خان

صاحب بی۔اے پرسنل اسسٹنٹ مشیر مال، وائس پریزیڈنٹ انجمن احمدیہ ریاست کشمیر و جموں، بابو عالم الدین صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی وکیل شیخوپورہ، سید امیر علی شاہ صاحب، سب انسپکٹر پنشنز سیالکوٹ، منشی نواب خان صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری انجمن احمدیہ جموں، پیر محمد شاہ صاحب محاسب انجمن احمدیہ جموں، محمد منظور الٰہی صاحب ٹیلیگراف انسپکٹر محکمہ ریلوے لاہور، مولوی محمد موسیٰ خان صاحب جموں، ڈاکٹر حسن علی صاحب گوجرانوالہ، بابو فیض الرحمٰن صاحب ہیڈ کلرک خزانہ امرتسر، حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ، میاں ہدایت اللہ صاحب کوچہ چابکسواراں لاہور، بابو غلام رسول صاحب کوچہ چابکسواراں لاہور، بابو شمس الدین صاحب حویلی میاں خاں لاہور، رکن الدین صاحب گوجرانوالہ، ناصر الدین بزاز موچی دروازہ لاہور، میاں بخش صاحب پنشنر پولیس سیالکوٹ، محمد اکرام الدین صاحب میڈیکل کالج لاہور، سید نذیر حسین صاحب لاہور، بابو رشید احمد صاحب، خواجہ عزیز الدین صاحب لاہور، خواجہ عبدالعزیز صاحب کلرک ڈیڈ لیٹر آفس لاہور، خلیفہ عبدالغنی صاحب، خلیفہ عبدالحق صاحب، منشی نبی بخش صاحب سررشتہ احمدیہ بلڈنگس لاہور، احمد الدین صاحب لاہور، سید ممتاز حسین، محمد امین صاحب طالب علم فسٹ ائیر کلاس گورنمنٹ کالج لاہور، عبدالرحیم صاحب گورنمنٹ کالج لاہور، قادر بخش صاحب لاہور، محمد عیسیٰ صاحب دفتر نہر و سیکرٹری انجمن احمدیہ جہلم، بابو عبدالعلی صاحب لاء کالج لاہور، محمد جان صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ وزیر آباد، شیخ نیاز احمد پریزیڈنٹ انجمن احمدیہ وزیر آباد، عبدالرحمٰن صاحب وزیر آباد، خلیفہ نور الدین صاحب جموں، ملک اصغر علی صاحب کلرک ڈیڈ آفس لاہور، شیخ غلام قادر صاحب ریلوے ٹیلیگراف لاہور، علی گوہر صاحب سیالکوٹ، عبدالحق صاحب سیکنڈ ائیر کلاس لاہور، شیخ عبدالحمید صاحب انگلش وئیر ہاؤس لاہور، خواجہ جلال الدین صاحب، مولوی غلام حسن صاحب سب رجسٹرار پشاور وممبر صدر انجمن احمدیہ، شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویئر ہاؤس لاہور، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن وممبر صدر انجمن احمدیہ، شیخ عبدالرزاق صاحب بیرسٹر ایٹ لاء گوجرانوالہ، خان محمد عجب خان صاحبزادہ تحصیلدار صوبہ سرحد، ڈاکٹر محمد شریف صاحب اسسٹنٹ سرجن مظفر گڑھ، سید مسعود شاہ صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ جموں، خواجہ جمال الدین صاحب بی۔اے پریزیڈنٹ انجمن احمدیہ جموں، شیخ عبدالرحمٰن صاحب سب جج سیالکوٹ، مفتی فضل احمد صاحب جموں، میاں محبوب عالم صاحب ایجنٹ وکیل گوجرانوالہ، صوفی احمد الدین صاحب ڈوری باف، میاں قدرت اللہ صاحب کوچہ چابکسواراں لاہور، میاں عطاء اللہ صاحب کوچہ چابکسواراں لاہور، میاں کرم الٰہی صاحب ڈرافٹس مین، بابو

نبی بخش صاحب دوائی خانہ لاہور چھاؤنی ، امیر بخش صاحب پہلوان، جلال الدین صاحب موچی دروازہ لاہور، ڈاکٹر سلطان محمد صاحب میڈیکل پریکٹشنر ہوشیار پور، منشی محمد عبداللہ صاحب، علی احمد صاحب نارمل سکول راولپنڈی، مرزا احمد سعید صاحب طالبعلم دیال سنگھ کالج لاہور، مستری دین محمد صاحب، فضل الدین عطاء گوجرانوالہ، سید فہد شاہ صاحب لاہور، تاج الدین صاحب ٹھیکیدار لاہور، غلام محمد صاحب جلد ساز لاہور، عبدالرحمٰن صاحب لاہور، میاں عنایت حسین صاحب لاہور، میاں رحیم بخش صاحب اسلامیہ کالج لاہور، سید ممتاز علی شاہ صاحب چک 126 جڑانوالہ، شیخ کریم اللہ صاحب گجراتی محلّہ بھاٹی گیٹ لاہور، حافظ غلام رسول صاحب وزیر آباد، حضرت مسیح موعود کی سب وصیت کے کاربند ہونے پر مجھے اتفاق ہے۔

غلام محی الدین صاحب تحصیل چکوال موضع بھوڑ، ملک محمد حسین صاحب کلرک جنرل پوسٹ آفس لاہور، محمد عبدالحمید صاحب بی۔اے، ایل۔ایل۔بی کلاس لاء کالج لاہور، چودھری عبداللطیف صاحب فسٹ ائیر کلاس مشن کالج لاہور، خواجہ نذیر احمد صاحب لاہور، خواجہ بشیر احمد صاحب لاہور، خلیفہ عبدالحمید صاحب لاہور، منشی محمد عبداللہ صاحب، منظور الٰہی صاحب، محمد مبارک علی صاحب، عبدالحنان صاحب دفتری پشاور، میاں خیر الدین صاحب لاہور، تاج الدین صاحب ٹھیکیدار لاہور شاہ عالمی دروازہ، مظفر الدین صاحب مالک اسلامیہ سٹیم پریس لاہور، ماسٹر غلام محمد صاحب ہیڈ ماسٹر سکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ، محمد ظہیر الدین صاحب اردپ ضلع گوجرانوالہ، سلطان محمد صاحب ہوشیار پور، الطاف علی صاحب، خلیفہ رجب الدین صاحب مینیجر پیغام صلح لاہور، میراں بخش صاحب، ڈاکٹر نبی بخش صاحب، قاضی ثناء اللہ صاحب لاہور چھاؤنی ، ماسٹر محمد شفیع صاحب انگلش ٹیچر مزنگ لاہور، میاں مولا بخش صاحب قریشی لاہور، مفتی فضل احمد صاحب جموں، منشی نواب خان صاحب جموں، مولوی عبدالحق صاحب محرر لاہور، عبدالحمید صاحب میڈیکل سٹوڈنٹ لاہور، عطاء محمد صاحب میر منشی چھاؤنی لاہور، بابو محمد حسین کلرک لاہور چھاؤنی ، محمد شریف بیگ صاحب، عبدالحکیم صاحب رسولنگری۔

24 مارچ 1914ء

جماعت احمدیہ پشاور کا ایک ضروری اعلان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِ الۡکَرِیۡمِ

مکرمی ایڈیٹر صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جناب مولانا نورالدین صاحب وفات پاگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کو اپنے قرب میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ واقعات موجودہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جماعت احمدیہ پشاور کی طرف سے حسب ذیل اعلان درج اخبار فرما کر مشکور فرماویں، تاکہ دیگر برادران احمدیہ کو ہماری رائے سے آگاہی حاصل رہے۔

اعلان

اخوان۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

حضرت مولانا صاحب کے وصال کے بعد بدقسمتی سے احباب میں خلافت اور انتخاب جانشینی، مسئلہ تکفیر غیراحمدیان پر تنازعہ ہونے لگا ہے۔

پس ایسی حالت میں ہمارے نزدیک سلامت روی کی راہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت اقدس جناب میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کی الوصیت کی پیروی کی جائے۔ تکفیر کے مسئلہ پر جو کچھ گزشتہ پیغام صلح میں جناب مولوی محمد علی صاحب نے لکھا ہے۔ اس سے بُکلّی ہماری جماعت کا اتفاق ہے اور یہی مفہوم اور مطلب قرآن مجید، احادیث نبویؐ، جناب مسیح موعود اور حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم ومغفور کے ارشادات کا ہے۔ الوصیت حضرت صاحب کی پیروی نظرانداز نہ کی جائے۔ جو بمراد آگاہی برادران درج ذیل ہے۔

1۔ انجمن (یعنی صدر انجمن احمدیہ قادیان) خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔

2۔انجمن کا فیصلہ تمام امور میں قطعی ہوگا۔

3۔انجمن میں کم از کم دو ممبر ایسے ہونے چاہئیں جو علم قرآن و حدیث سے بخوبی واقف ہوں اور تحصیل علم عربی رکھتے ہوں۔

4۔انجمن کے تمام ممبر ایسے ہوں گے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوں اور پارساطبع اور امانتدار ہوں۔ اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہوگا کہ وہ پارساطبع نہیں ہے یا یہ کہ وہ ایک چالباز اور دنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے تو انجمن کا فرض ہوگا کہ بلاتوقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کر دے اور اس کی جگہ کوئی اور مقرر کرے۔

5۔انجمن جس کے ہاتھوں میں ایسا روپیہ ہوگا، اس کو اختیار نہیں ہوگا کہ بجز اغراض سلسلۂ احمدیہ کے کسی جگہ وہ روپیہ خرچ کرے۔ اور ان اغراض میں سے سب سے مقدم اشاعت اسلام ہوگی۔

6۔اور چاہئے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہوں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں......اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کریں۔

7۔ایسے لوگوں کا انتخاب مومنوں کی اتفاق رائے پر ہوگا۔ پس جس شخص کی نسبت چالیس مومن اتفاق کریں گے کہ وہ اس بات کے لائق ہے کہ وہ میرے نام پر لوگوں سے بیعت لے، وہ بیعت لینے کا مجاز ہوگا۔ اور چاہئے کہ وہ اپنے تئیں دوسروں کے لئے نمونہ بناوے۔ خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تیری جماعت کے لئے تیری ہی ذریت سے ایک شخص کو قائم کروں گا اور اس کو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کروں گا اور اُس کے ذریعے سے حق ترقی کرے گا اور بہت سے لوگ سچائی کو قبول کریں گے۔ سو اُن دنوں کے منتظر رہو۔

مذکورہ بالا امور الوصیت حضرت صاحب پر غور اور تدبر کرو کہ حضرت مسیح ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ مکرر اعادہ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ الفاظ الوصیت کے بالکل صاف اور مبین ہیں۔ ہم کو سخت تعجب ہے کہ جناب میاں محمود صاحب جس کو سب لوگ بوجہ مسیح موعود کے فرزند ہونے کے عزت و احترام سے دیکھتے ہیں اپنے والد بزرگوار کی الوصیت کو جس کو وہ بھی علی وجہ البصیرت ملہم مامور من اللہ تسلیم کر چکا ہے، پس پشت ڈالتا ہے۔ کیا جناب مرزا

صاحب مرحوم کی وصیت سے خلافت یا گدی نشینی کی بوتک بھی آتی ہے کلا وحاشا۔ کیا حضرت اقدس نہیں دیکھ چکے تھے کہ ان گدیوں سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا کچھ مصائب پیش آ چکے ہیں۔ عیاں راحاجت بیاں نیست۔

ہاں ہمارا ایمان ہے جو کچھ حضرت اقدس نے فرمایا وہ درست ہو کر رہے گا۔ ابھی تو یہ زمانہ خود مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ جو حضرت ممدوح ایسے اشخاص تیار کر گیا ہے جو اُن کے لئے کالجوارح کے حکم میں ہیں۔ ان کی خدمت دینی مسیح موعود کی خدمت تصور ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا مُلہم کھڑا کرے، بیشک صرف قادیان میں جناب میاں صاحب ان غیر احمدی اشخاص سے جو سلسلۂ احمدیہ میں داخل نہ ہوں، حضرت مسیح موعود کے نام پر بیعت لے سکتے ہیں اور اس میں ہم ہرگز اختلاف نہیں رکھتے۔ مسئلہ تکفیر سے وہ رجوع کریں اور اس کی حقیقت کو سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ اس مومن سے راضی ہے اور اس کو بلندی اور سرفرازی دیتا ہے جو حق کے پیچھے اپنی بات کی لج کو ترک کرتا ہے اور صداقت کے قبول کرنے کے مقابلہ میں اپنے نفس کی تحقیر کی پروا نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اُسی کا بول بالا ہوتا ہے۔ نہ تو یہ خلافت اس قسم کی خلافت ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء تھے اور نہ بمعنی پادشاہی۔ بے شک روحانی خلیفۃ اللہ مسیح موعود تھا۔ جو الہام الٰہی سے مشرف تھا اور آئندہ بھی جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا ایسا ہی ملہم مامور من اللہ خلیفہ ہوگا۔ ہاں ایک اور قسم کی خلافت جو مشائخ صوفیہ میں رائج ہے وہ شخص صاحب حال ہوتا ہے۔ خلوت در انجمن استغراق میں محو۔ جیسا کہ حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب مرحوم تھے۔ میاں صاحب کوشش فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اس چشمہ سے سیراب فرماوے والسلام۔

خاکسار

نذر علی

سیکرٹری انجمن احمدیہ، پشاور

19 مارچ 1914ء

24 مارچ 1914ء

خطاب بہ قوم!

(از حضرت خواجہ کمال الدینؒ)

کس طرح حالِ دل سُناؤں تجھے گومگو کا معاملہ ہو
سرّ دلبر حکائتے دارد میکنم در حدیث غیر
دل نو مسلم اِک شگوفۂ نو پھل کدھر، پھول کس کے، شاخ کہاں
تو طریقت کے ہیر پھیر میں ہے یہاں شریعت ابھی برائے نشاں
میرے ذمے ہے قرضۂ توحید اور باتیں، ابھی ہیں وہم و گماں
سوءِ ظن یا حسد، پناہ بخدا بچ! کہ یہ ہیں بلائے بے درماں
ایں نصیحت بگوش از من دار
بر زمیں قصۂ زمیں بگذار
ایک تلقین کلمۂ توحید یہ ہے فرمان مجھ کو مرشد کا
تجھ کو ہے وہم فرقۂ و تفریق مجھ کو غم ہے تو دینِ احمدؐ کا
تیرے زیرِ نظر، وظائف و ورد مجھ کو سودا۔ تو ذکر اَشْھَدُ* کا
توبہ! تیر و تفنگ آپس میں میں ہدف یہاں ہوں غیر کی زد کا

چھوڑ دے مجھ کو میرے حال پہ قوم! واسطہ تجھ کو ہے محمدؐ کا
تیرے چندے۔ تجھے مبارک ہوں آسرا مجھ کو ربِ سرمد کا

خواجہ ما مشو بفکر کمال
فکر خواجہ بخواجہن متعال

*: کلمہ شہادت، ن: بہ ایزد، : ایک بزرگ نے میری معاش کے لئے تین چار صد روپے ماہوار تجویز کیا ہے۔ میں ان کی عنایت کا ممنون ہوں۔ میں تو روزی اپنے مولا کریم سے پاتا ہوں اور بس۔ وہ اس تکلیف میں کیوں پڑتے ہیں؟

منہُ ۔

کمال الدین

24 مارچ 1914ء

مراسلات

شملہ سے ایک چٹھی

حضرت مولانا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا اعلانِ ضروری اور مسئلہ کفر و اسلام خوب غور سے پڑھا۔ جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا وہ بالکل درست ہے۔ یہ میری ہی رائے نہیں ہے، بلکہ شملہ کے احمدی احباب کی رائے ہے۔ سوائے دو تین احمدی بھائیوں کے، جن میں سے ایک تو انصار اللہ میں سے ہی ہیں اور دوسرے بھی شاید انصار اللہ میں سے ہی ہوں۔ تیسرا شخص جو آپ کی رائے سے علیحدہ ہو، شاید کوئی نکل آوے۔ ورنہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ تاہم احتیاطاً دو تین کا ذکر کیا ہے۔ پیغام صلح میں انصار اللہ کی سازش کا حال پڑھ کر تو دل کو بہت ہی صدمہ ہوا۔

ہم میں سے اکثر کا یہ خیال تھا کہ مولوی شیر علی کی تار، جس میں میاں صاحب کی خلافت کو جنرل کنسینٹ سے مان لئے جانے کی اطلاع تھی، اس میں کچھ بھید ہے۔ یہ رائے عامہ ایک ہی قسم کے لوگوں کی ہوگی۔ ممکن نہیں کہ عمائد سلسلۂ عالیہ احمدیہ کو اظہار رائے کا موقع دیا گیا ہو۔ اور جب پیغام صلح میں یہ دیکھا کہ انصار اللہ کے گروہ نے آپ کو بھی بولنے کا موقع نہیں دیا اور سید عابد علی شاہ، جو اپنا کوئی الہام سنانا چاہتے تھے، انہیں بھی بولنے نہیں دیا گیا، تو اور بھی رنج ہوا۔ نہ صرف مجھے بلکہ جس احمدی دوست نے سنا یہی کہا کہ یہ جو کچھ کیا گیا، تقویٰ کے خلاف ہوا۔ بلکہ جن لوگوں نے صرف بطور پریذیڈنٹ بھی میاں صاحب کے خلیفہ بننے کو تسلیم کیا تھا، انہوں نے بھی سیکرٹری صاحب سے کہہ دیا کہ ہمارا نام سلسلہ مبائعین میاں صاحب سے کاٹ دیا جاوے۔ میرا خیال ہے کہ جو کارروائی قادیان میں ہوئی ہے اسی کی پیروی اور جگہوں پر انصار اللہ نے کی ہے۔ کیونکہ شملہ میں بھی ہمارے سیکرٹری صاحب نے یہی مناسب سمجھا کہ جلدی سے بیعت کے لئے لوگوں سے دستخط کرا لئے جاویں۔ اگرچہ انہیں کہا گیا کہ پہلے کل معاملات طے ہو لینے دو۔ صدر انجمن کا فیصلہ کیا ہوتا ہے۔ دیکھ لینے دو۔ مگر کہا گیا کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ جب یہ کہا گیا کہ ہم سب میاں صاحب کے مسئلہ کفر کے قائل نہیں ہیں، نہ ہم صدر انجمن احمدیہ کو کسی

طرح توڑا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اور ہمیں یہ مطلقاً پسند نہیں کہ صدر انجمن اس طرح خلیفہ کے سپرد ہو کہ وہ جو چاہے کرے، تو کہا گیا کہ یہ سوال قبل از وقت ہیں۔ اس وقت تو رائے عامہ سے اتفاق کرنا چاہئے جس پر کہا گیا کہ ہم صرف اس حد تک اتفاق کر سکتے ہیں کہ میاں صاحب کی امامت منظور مگر صدر انجمن پر انہیں کوئی اعتبار نہیں اور مسئلہ کفر میں ہم سب میاں سے علیحدہ۔ یہاں تک کہ اگر وہ یہ کہیں کہ غیر احمدی تمام کافر ہیں تم بھی کہو تو ہم نہیں مانیں گے۔ اور اگر وہ کہیں کہ تمہیں بیعت سے خارج کرتے ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ بہت اچھا۔

اسی تفہیم (understanding) پر ہم لوگوں نے اس فہرست پر جو مبائعین خلیفہ ثانی تھی دستخط کر دیئے اور چاہا کہ اسی فہرست میں ہمیں یہ کہنے دیا جاوے کہ ہماری بیعت میں مندرجہ بالا اُمور بطور شرط ہیں، تو ہمیں روکا گیا نہیں۔ ہم نے روئیداد بعد از وفات کا پڑھ کر تو اپنے ناموں کے بھیجے جانے سے ہی انکار کر دیا۔

ہم جانتے ہیں کہ صدر انجمن مسیح موعود کی جانشین ہے۔ جسے یہ شرف مسیح موعود نے بخشا خلیفہ اول نے برقرار رکھا۔ اب جسے ہم لوگ خود ہی خلیفہ بنائیں، اسے کوئی حق نہیں کہ وہ مسیح موعود کے مقرر کردہ جانشین کو جو چاہے کرے۔ اس میں یقیناً خطرہ ہے۔ ہاں! کوئی مامور من اللہ خلیفہ ہو تو اس کی شان علیحدہ ہے۔ جو خلیفہ مقرر کیا جاوے، اسے ہم اپنا سردار تسلیم کریں گے، اس کی باتوں کی قدر کریں گے، اس کی مخالفت نہ کریں گے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر وہ کھڈ میں گرانا چاہے تو ہم اس سے بھی پہلے ہی اس میں گر جائیں۔

یہ سبق ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں خوب ملتا ہے۔ جہاں صحابہؓ خلفاء کو صاف کہہ دیتے ہیں کہ اگر آپ نے قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف کہا تو ہم ہرگز یہ نہ مانیں گے۔ بلکہ اس کا علاج تلوار تک بتائی گئی۔ اور بڑے بڑے آئمہؒ کا یہ قول ہے کہ ہمارے قول کو خدا اور رسولؐ کے قول کے سامنے چھوڑ دو۔ تو اب سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف حضرت غلام احمد کی خلافت میں کیا خصوصیت ہے کہ بدیہی طور پر غلط مسئلہ تکفیر کو ہم مان لیں۔ جو تقویٰ سے بعید بات ہے۔ تمام عمر حضرت صاحب تو اپنے مومن اہل قبلہ ہونے کے باعث کافر کہنے والوں کو یہی کہتے ہیں کہ۔

مومنوں پر کفر کا کرنا گماں   ہے یہی کیا ایمانداروں کا نشاں!

مگر اب خلافت کا مذہب اس کے برعکس ہو کہ وہ لوگ جو مرزا صاحب کو کافر نہیں کہتے اور اہل قبلہ ہیں،

جن کی نسبت خود حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ میں انہیں کافر نہیں کہتا، بلکہ اگر وہ اس بات کا اعلان عام کر دیں کہ حضرت مرزا صاحب مومن ہیں، کافر کہنے والے خود کافر ہیں، تو ہم ان کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بلکہ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھ پر قطعی حرام ہوگا کہ میں ایسے اعلان کرنے والوں کے ایمان میں کوئی شک کروں۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اب ہم یہ ماننے لگ جائیں کہ نعوذ باللہ یہ لوگ، جن کے ایمان میں حضرت صاحب کو کوئی شک نہیں یقیناً کافر ہیں۔ جس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم خود مومنوں پر کفر کا گمان کرنے والے ہوں گے اور پھر خود ہی اس فتویٰ نبویؐ کے ماتحت آجاویں گے کہ جو مومن کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ خدا کی پناہ! یہ ہم سے نہیں ہوسکتا اور تمام احمدی جماعت کا فرض ہے کہ اس وقت اس غلطی کو صاف کرنے کے لئے میاں صاحب کو مجبور کریں۔ اور اگر وہ نہ مانیں تو اس مسئلہ میں ان سے بکلی علیحدہ رہیں۔

میرا یہ منشا نہیں کہ میاں صاحب دانستہ اس غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں، بلکہ سچ یہ ہے کہ یہ ان کا خیال ایسا ہے کہ جس میں وہ خود بھی معذور ہی ہیں۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت یہی سمجھے ہوئے ہیں ...... بلکہ میں نے خود میاں صاحب کو بذریعہ خط اطلاع دے دی تھی کہ میں آپ کو خلیفہ تسلیم کرتا ہوں۔ مگر یہ میں نہیں مان سکتا کہ تمام غیر احمدی مسلمان کافر ہیں۔ خواہ وہ حضرت صاحب کو کافر کہیں یا نہ کہیں۔ کیونکہ یہ نہ صرف حضرت مرزا صاحب کے خلاف ہے۔ بلکہ عقل کے خلاف ہے اور واقعات اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح کے جنازہ پر مولوی غلام محمد صاحب وکیل ندوۃ العلماء نے ایک مختصر سی تقریر کی۔ جس میں صاف طور پر احمدی اور غیر احمدی مسلمانوں کے سامنے کہا کہ مولانا علم کا دریا تھے اور نہایت پاکیزہ انسان تھے اور تقویٰ میں کامل تھے، عاشق قرآن وحدیث تھے، اسلام کے سچے خیر خواہ تھے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے عاشق تھے اور اس کی موت ایک جہان کی موت ہے۔ اور اب ان کی نظیر نہ احمدیوں میں ملتی ہے نہ غیر احمدیوں میں ہی مل سکتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مولوی غلام محمد صاحب وہ باہمت انسان ہیں۔ جنہوں نے جامع مسجد شملہ میں احمدیوں کو مسلمان ثابت کرنے کے لئے ایک دشمن سلسلہ عالیہ کو للکارا کہ آؤ ثابت کرو تو کہ احمدی کافر ہیں۔ پھر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ ان کے سامنے نکلتا اب ایسے کھلے کھلے اقرار کرنے والے مسلمانوں کو کافر کس طرح کہا جاوے۔ میں نے میاں صاحب کی خدمت میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ صدر انجمن احمدیہ کو کسی طرح تغیر وتبدل کا اختیار خلافت کو نہیں ملنا چاہئے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ یہ سلسلہ تباہ ہو جاوے۔ ہاں صدر انجمن آپ کو امام تسلیم کرلے گی۔

غرض ان دو مشوروں کو بیعت کے خط کے ساتھ پیش کرنے سے میری غرض یہی تھی کہ میاں صاحب کو قوم کا حال معلوم ہو جاوے اور وہ اصلاح کر لیں اور اس طرح جماعت کو تفرقہ سے بچالیں ۔ مجھے اُمید ہے کہ میاں صاحب اس موقع پر **شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ** (159:3) کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے میری عاجزانہ مگر صادقانہ بات کو سنیں گے اور تمام جماعت کو **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا** (103:3) پر عمل کرنے کا موقع دیں گے۔ ورنہ ڈر ہے کہ احمدیوں کی بندھی ہوئی ہوا کچھ عرصہ کے لئے بگڑ جاوے اور خدا کسی دوسری قوم کو اس اہم کام کے لئے پیدا کر دے۔ کیونکہ یہ سلسلہ خدا کا قائم کیا ہوا ہے۔ جو بہر حالت کامیاب رہے گا۔ اے احمدی قوم!

من از ہمہ ہمدردیت گفتم سخن تو ہم فکر کن بارے   خرد از برایں روز است اے دانا و ہشیارے

جو کچھ میں نے لکھا ہے۔ محض اپنے بھائیوں کی بھلائی اور اصلاح کے لئے لکھا ہے۔ ورنہ میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میرے دل میں کسی احمدی کے ساتھ کوئی غبار نہیں ہے۔ میں سب کا چاکر کمتر ہوں اور اہلبیت کو جان و دل سے محبوب رکھتا ہوں اور میاں صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں سے ہوں۔ بلکہ ان کی خلافت کا اعلان سنتے ہی خط لکھ دیا تھا۔ اور اگر اب بھی کوئی میری بات کو منافقت یا مدافعت کہے تو اس کی مرضی۔ میں اس موقع پر خاموش رہ کر کسی کو غلطی میں مبتلا دیکھنا نہیں چاہتا۔ **وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ شَهِيْدٌ** ۔

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو، نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے، دل و جاں اس پر قربان ہے

الراقم

عمر الدین احمدی

کلرک، دفتر ٹی جی آئی ایم ایس، شملہ

واعظ جماعت احمدیہ، شملہ

26 مارچ 1914ء

ایک نہایت ضروری مکالمہ
(2)

بسلسلہ اشاعت 24 مارچ 1914ء

مولوی صاحب: آپ کے خلیفہ نے جو کرنا ہے۔ ہم نے اس پر عملدرآمد کیا۔

خان صاحب: وہاں یہ نہیں لکھا ہے کہ اگر ایک پر جمع ہو سکیں۔ تو

مولوی صاحب: خلیفہ کر کے آپ کے لئے سنت چھوڑی ہے۔

خان صاحب: ایک طرف حضرت مسیح موعود کا حکم ہے۔ دوسری طرف خلیفہ کا۔ ہم کس پر عمل کریں۔

مولوی صاحب: خلیفہ اچھا سمجھتا ہے۔

خان صاحب: لوگ کہتے ہیں قرآن کو حدیث اچھا سمجھتی ہے۔ حدیث کو مجتہد، مجتہد کو مجتہد کے شاگرد، حتیٰ کہ ہم تک سلسلہ پہنچ گیا۔ اس لئے امور مختلفہ فیہ میں ہمیشہ محکمات کو متشبہات پر مقدم سمجھنا چاہئے اور جڑ کو مضبوط پکڑنا چاہئے۔ اس لئے ہم نے حضرت مسیح کو مانا ہے۔ ہم نے مرزا صاحب کو مامور مانا ہے۔ ان کی سب باتوں کو ماننا ضروری ہے۔ الوصیت میں یہ سب باتیں مدنظر رکھی ہیں۔ آج ہم کو سب سچ معلوم ہوتی ہیں۔ حضرت صاحب نے اپنی وفات سے اڑھائی سال پہلے الوصیت لکھی اور اس پر عملدرآمد کیا۔ اس کے آگے سب احمدیوں کی گردنیں جھک گئیں۔ اگر کوئی مسیح موعود کی بات نہ مانے تو اس کو دھکیل کر مار کر باہر کرو۔ آپ وجوہات پیش کر رہے ہیں۔ مگر ہمارے ہاتھ میں الوصیت ہے۔ یہاں تک بات ہوئی تھی کہ مولوی محمد احسن صاحب کے بلانے پر صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب تشریف لے آئے۔

گفتگو مابین جناب صاحبزادہ صاحب و خان محمد عجب خان صاحب تحصیلدار

خان صاحب: میں آپ کو تکلیف دینا نہ چاہتا تھا۔ مگر واقعات ہی ایسے پیدا ہو گئے ہم آپ کو معتمد آدمی مانتے

ہیں۔ چالیس آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ آپ علم وفضل والے بھی ہیں۔ مگر تین چار باتوں کو اگر مل کر حل کریں تو بہتر ہے (سوال جو مولوی محمد احسن صاحب کو لکھ کر دیئے گئے تھے)

میاں صاحب: کیا یہ آپ کے شکوک ہیں یا کسی اور کے۔

خان صاحب: یہ تصفیہ طلب امور ہیں۔

میاں صاحب: آپ کو اس سے کیا فائدہ؟ جب آپ نے بیعت ہی نہیں کی۔

خان صاحب: آپ کے ساتھ بہت تعلق ہے۔ آپ مسیح موعود کے فرزند ہیں۔ چالیس آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔

میاں صاحب: جب آپ نے بیعت نہیں کی تو ہمارے ساتھ کیا محبت ہے۔

خان صاحب: آپ اپنی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ محبت نہیں۔ ہمارے دل میں تو ہے۔ اگر باہر کے لوگ آپ کو بُرا کہیں تو ہمارا فرض ہوگا کہ اُن کو جواب دیں اور آپ پر اعتراض ہم پر اعتراض ہے۔

میاں صاحب: آپ اپنی بات کہیں۔

خان صاحب: میں اس اعتقاد میں شامل ہوں کہ جس میں یہ ہے کہ باقی مسلمان کافر نہیں۔ میری تحقیق میں آپ کی رائے میں کافر ہیں۔ میں نے اپنی تسلی کے لئے اس امر کی بھی تشریح کی ہے کہ حضرت مسیح موعود نے منکر خاموش اور متردد کو بھی کافر کہا ہے۔ تشریح میرے خیال میں یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود جواب لکھا کرتے تھے۔ مضمون نگاری نہیں کرتے تھے۔ جن کے متعلق مضمون لکھا کرتے تھے وہ مخاطب ہوتے تھے۔ ہمارے مخالف تین قسم کے ہیں۔ **اوّل:** دلیر۔ جو اعلانیہ طور پر ہم کو کافر کہتے ہیں اور میرزا صاحب کو بھی کافر کہتے ہیں۔ **دوم:** بعض اوقات ایک شخص چپ رہتا ہے۔ مگر سخت منکر ہوتا ہے۔ **سوم:** متردد وہ ہے کہ جب ہمارے ساتھ ملتا ہے تو ہم کو کہتا ہے کہ تمہارا عقیدہ درست ہے مگر جب کافر کہنے والوں کے ساتھ ملتا ہے تو کہتا ہے کہ تم راستی پر ہو۔ یہ تینوں حالتیں منکرین کی ہیں۔ اس سے حضرت صاحب کا یہ مضمون بھی درست ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے۔ اور کافر خود کسی کلمہ گو کو کافر کہنے سے ہوسکتا ہے۔ اس پر صاحبزادہ صاحب خاموش ہو گئے۔

خان صاحب نے پھر کہا کہ یہ کوئی فرضی قصہ نہیں ہے۔ ہمارے علاقہ میں ایک خان ہے(سرائے صالحہ کا)اس کے بہت بھائی ہیں۔اُس نے مجھ کو کہا کہ آپ ہمارے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔میں نے کہاتم مرزاصاحب کوجھوٹا کہتے ہو۔اُس نے کہا کہ ہم جھوٹا کہنے والے کولعنتی کہتے ہیں میں نے کہا جومیرزاصاحب کوکافر کہتے ہیں وہ تمہارے لیڈر ہیں۔اُس نے کہا کہ ہم ایسے شخص کومسجد میں نماز نہ پڑھنے دیں گے۔ جومرزاصاحب کوکافر کہے۔ میں نے کہاتم بیعت کیوں نہیں کرتے۔اُس نے کہا کہ ہم نبی اور رسول کے لفظ کونہیں سمجھے۔ میں نے کہا کیا اتنا بڑا آدمی جھوٹ بول سکتا ہے۔اُس نے جواب میں کہا کہ میں اُس کوجھوٹا ہرگز نہیں سمجھتا۔ اور یہ میں جانتا ہوں کہ اولیاء اللہ ہرایک وقت میں آتے ہیں۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ تو نہیں ہوجاتے۔مگر بعض اوقات ایسے الفاظ اُن کے منہ سے نکلتے ہیں۔ یہ قصہ بیان کرکے میں نے صاحبزادہ صاحب سے پوچھا کہ ان آدمیوں کے متعلق آپ کیارائے دیں گے۔اُن کے اخلاق بھی اچھے ہیں۔اعمال بھی اچھے ہیں۔

میاں صاحب: میں اس کا کوئی جواب نہیں دینا چاہتا۔

خان صاحب: مطلب تو ہم سمجھ گئے ہیں۔آپ ظاہر کیوں نہیں کرتے۔

میاں صاحب: آپ کیوں تکرار کرتے ہیں۔میں کچھ نہیں کہوں گا۔

خان صاحب: دیکھومیں ایک بات عرض کرتا ہوں۔ ہمارے دل میں درد ہے کہ سلسلے کونقصان کیوں پہنچتا ہے۔

میاں صاحب: آپ کے دل میں کیا درد ہے۔خلیفہ جو ہوتے ہیں اُن کے دل میں درد ہوتا ہے۔خدا خلیفہ بناتا ہے آپ لوگوں کواتنا درد نہیں ہوسکتا۔

خان صاحب: آپ کوزیادہ درد ہوگا۔ہم اپنا درد دِکھلانہیں سکتے۔مگر ہم کوبھی درد ضرور ہے۔ہم کوزیادہ دردان اذیتوں سے ہے جوآپ نہیں سہتے۔

میاں صاحب: ہم لوگوں کوخاص قسم کا درد ہوتا ہے۔

خان صاحب: اچھا صلاحیت کے طور پرایک بات عرض کرتا ہوں۔اگرآپ کو پسند ہو۔ نبی کریمؐ نے ارادہ کیا کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں خانہ کعبہ تھا۔اُس کواز سرنو اُسی نہج پر تعمیر کردیں۔مگر یہ ڈر ہوا کہ قوم کو

بدظنی نہ پیدا ہو اس لئے ارادہ ترک کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کا خیال تھا کہ حمل میں بچوں کو دودھ پلانا بند کر دیں۔ مگر فرمایا چونکہ عجمی عورتوں میں حرج معلوم نہیں ہوتا اس لئے مضائقہ نہیں۔ عام لوگوں کی بربادی کا خیال کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر آپ اس فتویٰ کو بند رکھیں تو کیا حرج ہے۔ جماعت کے احباب کو اس فتویٰ میں آپ سے اختلاف ہے۔ آپ ان باتوں کو کم کر دیں۔

میاں صاحب: اختلاف رکھ کر بیعت کر سکتے ہیں۔ نمونہ یہ ہے کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح کا مرید تھا۔ مگر میں اس مسئلہ میں اختلاف رکھتا تھا۔

خان صاحب: یہ عجیب بات ہے کہ خلیفہ اگر کافر کہے تو میں کہوں کہ خلیفہ غلطی پر ہے۔ اس معاملہ میں مَیں سچا ہوں۔ اگر ایک معاملہ میں اختلاف ہے تو سب میں ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی بیعت مداہنہ ہے۔

میاں صاحب: جب مانے ہوئے خلیفہ کے ساتھ اختلاف تھا تو اب کیا حرج ہے۔

خان صاحب: آپ کا اور اُن کا معاملہ اُدھر رہا۔ اب ہمارا اور آپ کا معاملہ ہے۔

میاں صاحب: نہیں یہ ایسی باتیں ہیں جن میں اختلاف صحابہؓ کا بھی تھا۔

خان صاحب: اگر ہم سلسلہ کی تبلیغ کریں گے تو لوگ کہیں گے کہ تمہارا خلیفہ کافر کہتا ہے۔ تم مسلمان کہتے ہو۔ سلسلہ کس طرح ترقی کرے گا۔ جب خلیفہ کے اور ہمارے درمیان نفاق ہو تو کیا ترقی ہو سکتی ہے۔

میاں صاحب: سلسلہ بند نہیں ہوتا۔ میں سارے پنجاب میں پھرا ہوں۔ آپ سے زیادہ تبلیغ بھی کی ہے۔

خان صاحب: میں نے بھی بہت تبلیغ کی ہے۔ حضرت مسیح موعود کے وقت مباحثات بھی بہت کئے ہیں۔

میاں صاحب: میں نے تو ہر مجلس میں کفر کا اعلان کیا ہے۔ پھر بھی لوگ بیعت ہوتے ہیں۔

خان صاحب: مجھے علم ہے کہ آپ کے رسالہ (یعنی فتویٰ تکفیر) پر بیعت شدہ نے انکار کر دیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ میرا بھائی بھی اگر احمدی نہیں تو وہ بھی کافر۔ پھر دفنائے گا نہیں۔ بیوی بھی کافر نکاح ٹوٹ گیا۔

میاں صاحب: میں آپ کے گھر میں ثبوت دیتا ہوں۔ خان عبدالغفور خاں کے لڑکے نے میرا خطبہ پڑھ کر بیعت

کی ہے۔

خان صاحب: اُس نے بیعت آپ کے خطبہ سے نہیں کی۔اس کے لئے عرصہ سے تحریک جاری تھی۔کئی لوگوں نے اُس کو سلسلہ کے متعلق تعلیم دی۔محرکین نے مبارک باد کا خط مجھے لکھا۔جو اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے۔

میاں صاحب: میرا تجربہ ہے۔اس سے بہت لوگ مرید ہوتے ہیں۔

خان صاحب: میں آپ کی بات رد نہیں کرتا۔مگر میرے تجربہ کی بات ہے کہ نہیں ہوتے۔میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ ایک اصولی بات ہے۔کیا آپ کفر کے فتویٰ پر نظر ثانی نہیں کریں گے۔

میاں صاحب: لوگوں نے میرے فتویٰ کفر کی تشریح نہیں سمجھی۔میں کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا۔چاہے کافروں کا ہو۔فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ (7:99) پر ایمان ہے۔خدا کو ماننے والا خدا کو نہ ماننے والے سے پہلے دوزخ سے نکلے گا۔پھر جو مسلمان رسول اللہ ﷺ کو مانتا ہے۔وہ اس شخص سے پہلے نکلے گا جو نہیں مانتا۔ایسے ہی مرزا صاحب کو نہ ماننے والے سے ماننے والا پہلے نکلے گا۔

خان صاحب: کفر ہم اس کو سمجھتے ہیں جس سے ظاہری تعلقات دور ہو جاتے ہیں۔مثلاً زن و شوئی کے تعلقات۔جو آپ نے فرمایا وہ تو اخروی تعلقات ہیں۔جہاں آپ کافر کا لفظ لکھیں،وہاں بہتر ہوگا کہ لمبا تشریحی نوٹ لکھ دیا کریں۔

میاں صاحب: (مذاق سے) آپ کوئی لفظ ڈھونڈیں۔

خان صاحب: استعمال آپ کرتے ہیں تو لفظ میں لکھوں۔دنیا میں تو تعلقات قطع ہو گئے۔پھر دوزخ میں بھیج دیا جاوے گا۔

میاں صاحب: غلط فہمی ہے۔

خان صاحب: بہتر تو یہ ہوگا کہ آپ مجلس میں تشریح فرما کر اس فتویٰ سے رجوع فرمائیں۔

میاں صاحب: میں اپنے اعتقاد سے انکار کیسے کروں۔

خان صاحب: اب میں دوسری بات کی طرف رجوع کرتا ہوں۔صدر انجمن کے ساتھ خلیفہ کے تعلقات میں کیا یہ کہنا ضروری ہے کہ خلیفہ کا حکم بلا شرط کے مانا جاوے۔

میاں صاحب: یہی انجمن حضرت مسیح موعود کے ماتحت رہی۔کوئی شرط نہ تھی۔اب خلیفہ المسیح کے وقت بھی پہلے انکار کیا۔پھر مان لیا۔اب کیا انکار ہے۔

خان صاحب: اگر ایک خلیفہ کے دل میں خیال ہو کہ روپیہ کو مفت اُڑا دے یا دوستوں کو کھلا وے۔کسی ممبر کو موقوف کرے۔کسی کو داخل کرے،تو پھر نہ روپیہ قوم کا ہوا، نہ انجمن قوم کی۔اس کے لئے کیا روک ہوگی۔

میاں صاحب: جو خلیفہ خدا کے حکم سے مقرر ہو اُس سے ایسا نہیں ہوسکتا۔

خان صاحب: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کس بات کا اعتراض تھا۔یہی کہ اپنے رشتہ داروں کو روپیہ خزانہ سے دیتا ہے۔اس سے فساد ہوا۔

میاں صاحب: سچا تھا۔یا جھوٹا!

خان صاحب: حضرت عثمانؓ اسی بات پر شہید ہوئے۔نتیجہ فساد ہوا۔چاہے سچا ہو یا نہ ہو۔وہ خلیفہ کو سزا دیتے تھے۔لوگ مسلمان پہلے ہی تھے۔اُن کی حکومت فیصلہ کرتی تھی موجودہ خلیفہ کیا کرے گا۔یہ بھی سوال ہے کہ خلیفہ مرشد ہوگا یا امیر۔آپ خلیفہ کس بات کے ہیں۔تعلیم حضرت صاحب نے دی۔اُس پر عمل ہے۔مقدمات انگریز کرتے ہیں۔خلیفہ کیا کرے گا۔

میاں صاحب: خلیفہ حکم کرے گا۔

خان صاحب: کون سا حکم دے گا۔

میاں صاحب: مثلاً اشاعت اسلام کے لئے روپیہ کی ضرورت ہو۔

خان صاحب: اگر خدا کے حکم سے زکوٰۃ دے دی ہو تو پھر جو باقی ہو اس پر خلیفہ کا حق نہیں۔

میاں صاحب: اگر تعمیل نہ ہوگی تو وہ گنہگار ہوں گے۔

خان صاحب: نبی کریمؐ نہ لانے والے پر اعتراض نہیں کیا کرتے تھے۔ پھر خدا کا حق نکال کر باقی پر کسی کا کیا حکم ہے۔

میاں صاحب: نہیں نہیں گناہ ہو جاتا ہے۔

خان صاحب: کوئی گناہ نہیں۔ آپ کوئی ثبوت دیں۔ جب میں نے خدا کا حق دے دیا تو پھر گناہ کیسا۔

میاں صاحب: خلیفہ کا حکم نہ ماننے والا تعزیر کے نیچے آ جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (55:24)

خان صاحب: ہم اس آیت کے یہ معنے نہیں کرتے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جب عمل ضائع ہو۔ خلافت کا انتظام ہو، دنیا میں امن قائم ہو اور پھر اس کے بعد کوئی حکم نہ مانے تو فاسق ہو جاتا ہے۔ کفر کے اس جگہ معنے ناشکری کے ہیں۔ ورنہ اگر یہ معنے نہ لئے جائیں تو بَعْدَ ذٰلِكَ کے کیا معنے ہیں۔ آپ غور فرماویں کہ موجودہ خلافت میں یہ شرائط کہاں پیدا ہوتی ہیں۔ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یعنی خوف کے بعد امن پیدا ہوا ہو۔ یہاں پر کس طرح یہ شرائط پوری ہوتی ہیں آپ یہ فرماویں کہ اگر چالیس آدمی کی بیعت کرنے سے کوئی شخص خلیفہ بن سکتا ہے تو پھر اگر تین چار جگہ سے تاریں آ جاویں کہ مختلف افراد پر چالیس آدمیوں نے اتفاق کر لیا ہے کیا وہ سب خلیفہ ہو جاویں گے۔ اول تو ہم اس خلافت کو اس آیت کا مصداق نہیں سمجھتے۔ اگر ہو بھی تو شرائط مندرجہ آیت مذکورہ بالا کے پورا ہونے کے بعد فاسق کہلائے جا سکتے ہیں۔ وگرنہ نہیں۔

میاں صاحب: مدینہ میں جو لوگ خلافت قائم کرتے تھے باہر سے آدمی نہیں منگواتے تھے۔ حضرت صاحب نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

خان صاحب: آپ بتائیں کہاں لکھا ہے۔ (نوٹ میاں صاحب نے تلاش کیا نہ ملا)

خان صاحب: اس بات کو چھوڑ دو۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت مسیح موعود کی وصیت پر عمل ہوگا یا نہیں۔ یا اس

کے لئے کوئی اور وجوہات ہیں۔ پہلی خلافت تو ختم ہو چکی۔ تو کیا اب اس وقت الوصیت پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ جس شخص کے ہاتھ پر چالیس آدمی اتفاق کرلیں وہ بیعت لے گا۔

میاں صاحب: حضرت عمرؓ نے سات آدمی مقرر کئے تھے۔ حضرت صاحب نے چالیس آدمی مقرر کئے ہیں۔ (میاں صاحب کو غالباً یاد نہیں کہ حضرت عمرؓ نے سات آدمیوں کی تخصیص کر دی تھی۔ مگر الوصیت میں چالیس آدمی کی کوئی تخصیص نہیں۔ ایڈیٹر)

خان صاحب: یہ بات بھی بغیر تشریح کے نہیں رہی۔ مولوی محمد علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی غلام حسن صاحب نے حضرت مسیح موعود سے، جب کہ الوصیت لکھی گئی، اس کے معنے پوچھے تھے۔ تو آپ نے یہی فرمایا تھا کہ ایک وقت میں کئی شخص بیعت لے سکتے ہیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک کے لئے ضروری ہوگا کہ چالیس آدمی اس پر اتفاق کریں۔ اس پر خواجہ صاحب نے کہا تھا کہ گاؤں گاؤں میں خلیفہ ہو جاویں گے۔ مگر حضرت صاحب نے فرمایا تھا کہ کیا حرج ہے۔ وہ جماعت کو بڑھانے والے ہوں گے۔ ماسوا اس کے اگر آپ 100 پڑھے لکھے آدمی کو بلائیں اور ان پر کسی قسم کے خیالات کا اثر نہ ڈالا جاوے۔ تو اگر جب الوصیت کی اس عبارت کے سب یہی معنے کریں تو پھر دوسری طرف آپ اس کے معانی کو کیوں لے جاتے ہیں؟

میاں صاحب: اگر الفاظ ذو معنی ہوں گے تو ہم معانی کو اُدھر لے جاویں گے، جہاں شریعت لے جاتی ہے۔

خان صاحب: اگر مامور نے خود تشریح نہ کی ہوتی تو ایسا ہو سکتا تھا۔ خواجہ (کمال الدین) صاحب نے جب حضرت صاحب پر یہ سوال کیا تو اس کے ذہن میں بھی یہی بات تھی کہ اگر ایک خلیفہ نہ ہوگا تو ترقی رُک جاوے گی۔ ہمارے سلسلہ کے تین نہایت معزز آدمیوں نے شہادت دی ہے۔ اس لئے اس کا ماننا ہم پر لازمی ہے۔

میاں صاحب: ہم اس کو نہیں مانتے۔

خان صاحب: اگر ان کی بات نہ مانی جاوے تو پھر سلسلہ میں اور کوئی آدمی نہیں جس کی بات مانی جا سکتی ہے۔

میاں صاحب: وہ کہتے ہیں کہ نواب محمد علی خاں صاحب بھی ساتھ تھے۔ مگر ان کا بیان ہے کہ انہوں نے نہیں سنا۔

خان صاحب: وہ تین ہیں اور یہ ایک۔ اس لئے ہم ایک کی بات رد کریں گے۔

میاں صاحب: حضرت صاحب کی عبارت اگر ذو معنی ہو تو حدیث کی طرف لے جائیں گے۔شریعت کا یہ حکم ہے اگر دو خلیفہ ہوں تو ان میں سے ایک کو ماردو۔

خان صاحب: تو پھر مار ہی نہیں سکتے۔آپ کے پاس کوئی فوج بھی نہیں اور نہ کوئی سپاہی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ تو وہی ہوتا ہے جس کو مارنے کا بھی اختیار ہو۔

میاں صاحب: نہیں۔

خان صاحب: تو کیا حضرت صاحب کا قول مردود ہے۔

میاں صاحب: حضرت صاحب شریعت کو مٹانے کے لئے نہیں آئے تھے۔اگر حضرت صاحب کی بات شریعت کے خلاف ہوگی تو ہم اس کو نہیں مانیں گے۔

خان صاحب: جس آدمی کو ہم مامور من اللہ سمجھتے ہوں اور ہم نے اس کا حکم بھی مان لیا ہو۔ پھر اختلافی مسائل ہوں، اس کا فیصلہ ناطق ہے۔ہم اس کے مقابل پر دوسرے کی بات نہیں مان سکتے۔

میاں صاحب: حضرت صاحب شریعت کو منسوخ کرنے آئے تھے؟

خان صاحب: شریعت منسوخ کرنے تو نہ آئے تھے۔مگر تشریح کرنا اُن کا منصب تھا۔اگر ہم الوصیت کے مطابق عمل کریں۔تو اس پر آپ کو کیا اعتراض ہے۔

میاں صاحب: ہمارے مخالف جلدی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

خان صاحب: اس کا نقصان تو پہلے آپ کو ہوا کہ جماعت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔آپ مہربانی کر کے یہ فرماویں کہ اگر مجلس کے ممبر کام کے لائق نہ ہوں تو خلیفہ اُن کو نکال دے اور اگر خلیفہ کام کے لائق نہ ہو تو اس کے لئے کیا کریں۔

مولوی محمد احسن صاحب نے فرمایا فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (59:4) دو عالم بلا کر قرآن کے فیصلہ پر خلیفہ کو موقوف کر دو۔

میاں صاحب: خلیفہ بُرا کر ہی نہیں سکتا۔کیونکہ خدا کا مقرر کردہ ہے۔

خان صاحب: ہر خلیفہ خدا کا مقرر کردہ نہیں ہوتا۔ ہم اگر کسی آدمی کو پکڑ لیں اور کہہ دیں کہ خدا نے اسے مقرر کیا ہے تو کیا درست ہوگا۔

میاں صاحب: دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

خان صاحب: ہمارے دل میں اگر اس طرح سے ڈال دے۔

میاں صاحب: ممبران صدر انجمن نے خلیفہ کو موقوف کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر پھر معافی مانگ لی اور دوبارہ بیعت کے لئے مجبور ہوگئے۔

خان صاحب: اس بات کا ثبوت ہے کہ باوجودیکہ خلیفہ معتمد تھا۔ جب وصیت کے خلاف دیکھا اُس کی مخالفت کی گئی۔

میاں صاحب: اگر خلیفہ خلاف کرتا تھا تو اس کو علیحدہ کیوں نہیں کیا گیا؟ انہوں نے ایک پر اتفاق کیوں کیا۔

خان صاحب: اگر ان لوگوں نے غلطی سے وصیت کو چھوڑا تو ہم کیوں چھوڑ دیں۔ وصیت ہی یہ بھی نہیں ہے کہ اگر ایک پر اتفاق ہو تو نہ کرو۔ ماسوا اس کے نبی کریمؐ کے صحابہؓ میں بھی دو خلیفہ ہوگئے تھے۔ یعنی علیؓ و معاویہؓ۔

میاں صاحب: معاویہ خلیفہ نہ تھا۔ یہ لوگ میرے خلاف ہوئے ہیں۔ جھوٹا خلیفہ کامیاب نہ ہوگا۔

مولوی قطب الدین: معاویہؓ۔ تو حضرت علیؓ کے مقابلہ پر کامیاب ہوگیا تھا۔

خان صاحب: اہل سنت والجماعت تو دونوں کو متقی کہتے ہیں۔

میاں صاحب: لڑائی میں کامیاب ہوا۔

خان صاحب: حضرت محمد ﷺ تو شکست کھا کر آخر کامیاب ہوگئے تھے۔ مگر حضرت علیؓ کا تو آخر کچھ بھی نہ بنا۔

مولوی قطب الدین: امام حسنؓ نے بھی معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر جھوٹا کیسے تھا۔

میاں صاحب: تم حدیث لاؤ۔ خلفاء ہمیشہ پاک رہے ہیں۔

مولوی قطب الدین: حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریش میں سے بارہ خلیفہ ہوں گے۔ اور یہ تعداد تب ہی پوری ہوسکتی ہے کہ یزید کو بھی اُن میں شامل کر لیں۔

خان صاحب: اگر خلیفہ گناہ سے مبرا ہوتا ہے تو پھر۔

میاں صاحب: خلیفہ کے اختیار کو محدود کرو گے تو اگر ممبر بدمعاش ہو جاویں تو کون نکالے گا۔

خان صاحب: حضرت صاحب نے خود قواعد بنا دیئے ہیں۔ جو الوصیت میں موجود ہیں۔

26مارچ1914ء

اداریہ

بے وقت کی راگنی ٹھیک نہیں

ہمارا کام بے فائدہ کی بحث ومباحثہ میں پڑنا ہرگز نہیں ہے اور نہ ہم بے فائدہ کی تُو تُو مَیں مَیں کو پسند کرتے ہیں۔ ''پیغام صلح'' پیغام حق کو پہنچانے کے لئے جاری کیا گیا ہے۔ جس کا منشا ہے کہ وہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے وہ مسلک اختیار کرے جو''اَلصُّلْحُ خَیْرٌ'' کے ارشاد کے منشا ہے۔ ہاں یہ امر ضروری ہے کہ اگر کوئی ایسے امور ہماری طرف منسوب کرے جو واقعات کے سراسر خلاف ہوں، تو ہمارا کام ہے کہ اُس کی نسبت کچھ عرض کردیں۔ حضرت خواجہ صاحب کے متعلق المشیر نے یہ الفاظ شائع کئے تھے کہ ''خواجہ صاحب ترجمہ قرآن پڑھانے میں زیادہ مہارت بھی نہیں رکھتے۔'' جس کا جواب دینا از روئے انصاف ہم پر واجب تھا۔ چنانچہ ہم نے اس کے متعلق اصل حقیقت کا اظہار کیا تھا۔ مگر افسوس کہ المشیر نے اصل حقیقت پر نظر کرنے کی بجائے ایسی بحث چھیڑنے کا ارداہ کیا ہے کہ جو بالکل نامناسب ہے۔ بات تو صرف اتنی تھی کہ المشیر نے عدم واقفیت کی وجہ سے یہ رائے قائم کرلی تھی کہ حضرت خواجہ صاحب کو ترجمہ قرآن پڑھانے میں مہارت نہیں ہے۔ اور ہم نے اُس کا واقعات سے ثبوت دے کر اُن کی اس غلطی کا ازالہ کیا تھا۔ چنانچہ ہمارے الفاظ یہ تھے کہ ''انہوں نے (خواجہ صاحب نے) قرآن کریم کے سمجھنے اور پڑھانے میں کافی مہارت پیدا کی ہے...... اُن کے رسالہ مسلم انڈیا، خطبات جمعہ اور دوسری تبلیغی کوششوں سے (جو قرآن کے ترجمہ سے لبریز ہوتی ہیں) خوب پتہ لگ سکتا ہے کہ اُن کو اس بات میں کتنی مہارت ہے۔'' مگر المشیر نے اس پہلو کی طرف تو مطلق توجہ نہیں فرمائی۔ صرف اُس پہلو پر خامہ فرسائی کرنے کے لئے دوڑ پڑے کہ جس کے متعلق کچھ لکھنے کی فی الحال ضرورت نہیں۔ ہمارے یہ الفاظ ہمعصر المشیر کو نہایت ناگوار معلوم ہوئے ہیں کہ ''علاوہ ازیں قرآن کے علوم سے واقف ہونا کسی علمیت اور صرف ونحو پر منحصر نہیں۔ قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے تقویٰ و پرہیزگاری کی ضرورت ہے اور لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (79:56) اس پر شاہد عادل ہے۔''

المشیر کے نقطۂ خیال میں جب تک انسان صرف ونحو میں کامل مہارت نہ رکھتا ہو اور تفسیروں اور ترجموں کا اچھی طرح گھوٹا نہ پھیر چکا ہو وہ قرآن کریم کو سمجھ ہی نہیں سکتا ہے، خواہ وہ متقی و پرہیزگار کیوں نہ ہو۔

حالانکہ یہ امر بہ بداہت باطل ہے۔جس پر آیت **لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ** (79:56) **اچھی خاصی گواہ ہے**۔ہم نے اس امر سے انکار نہیں کیا کہ خواجہ صاحب ترجمہ اور تفسیر وغیرہ درساً درساً پڑھ چکے ہیں۔صرف ونحو سے بھی ایک حد تک واقفیت رکھتے ہیں۔مگر المشیر نے اس طرف توجہ ہی کیوں کرنی تھی، اُن کی غرض اور منشا تو کچھ اور ہی تھی، اس لئے جو دل میں آیا لکھتے چلے گئے۔ یہ اُن کا اختیار ہے۔اُن کے ہاتھ میں قلم ہے، جو وہ چاہیں لکھتے جائیں، کوئی اُن کو روک نہیں سکتا۔مگر یہ بالکل سچ ہے کہ قرآن کریم کے رموز اور نکات سے واقفیت کے لئے پرہیز گاری اور اتقاء کی از حد ضرورت ہے۔ہمعصر المشیر کو شاید یہ یاد نہ رہا ہو کہ آنحضرت ﷺ باوجود ساری عمر کسی مولوی ملاں کے حلقہ درس میں نہ بیٹھے۔لغات قرآن صرف ونحو اور علم ادب میں عمر شریف کا خاص حصہ وقف نہ کرنے کے جب بڑے بڑے عالموں ادیبوں سے بہتر سے بہتر کام کر کے۔

اُمی و در علم و حکمت بے نظیر

کا روشن ثبوت دے چکے ہیں۔تو آپ کا کوئی ادنیٰ خادم خدا تعالیٰ کے فضل اور آپ کے طفیل یہ کام کر لے، تو کونسی جائے تعجب ہے۔ممکن ہے کہ آپ اس امر کے قابل نہ ہوں۔مگر ہمارا تو ایمان ہے اور محض مسیح موعود پر ایمان لانے سے پتہ لگا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کی کامل پیروی کرنے والا باوجود اُمی ہونے کے بڑے بڑے مغرور عالموں کی گردن ناپنے کے قابل ہو جاتا ہے۔پیغمبر ﷺ کا یہ معجزہ بھی آپ کی کتاب اور تعلیم کی طرح زندہ ہے کہ جو آپ کی کامل پیروی کرے گا، اُس پر وہ فیوض نازل ہوں گے جس کا جناب اقدس نبی کریم ﷺ کو خدا تعالیٰ نے وعدہ دیا تھا یا آپ پر جن کی بارش ہوتی تھی۔

دراصل بات کو لمبا کرنا ٹھیک کام نہیں ہے۔خواہ مخواہ کا مباحثہ کرنا فضول ہے اور بے فائدہ کی چھیڑ خانی ناموزوں۔آپ نے عدم واقفیت سے جس امر کا ذکر کیا ہے، اُس کی اصل حقیقت ہم نے ظاہر کرنے کے لئے لکھا تھا جو کچھ لکھا تھا۔نہ کہ آپ سے بے فائدہ کا مباحثہ کرنے کے لئے۔جس کے لئے ہم بالکل تیار نہیں اور نہ ہونا پسند کرتے ہیں۔کیونکہ یہ طریق خواہ مخواہ کی سر دردی ہے۔اُمید ہے کہ آئندہ ہمعصر موصوف ایسی راہ کی طرف قدم اُٹھانے سے پرہیز کریں گے۔اور جس امر سے وہ ناواقف ہوں، براہ راست اُس کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

☆☆☆

مرزا محمود احمد صاحب کی خدمت میں ایک مؤدبانہ التماس

ایک اشتہار پیغام حق جناب مولوی محمد احسن صاحب امروہی کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔اس میں یہ شہادت دی گئی ہے کہ:

''جب میں قادیان کے قریب پہنچا۔توکسی شخص نے مجھ کومندرجہ ذیل کاغذ دکھایا۔نقل کاغذ:

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِ الْكَرِيْمِ۔

ہم سب اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اقرار کرتے ہیں کہ ہم سب کے نزدیک حضرت خلیفۃ المسیح کا جانشین ایک شخص ہونا ضروری ہے اور اُس کی بیعت کرنی ہر ایک احمدی پر واجب ہے۔اور ہمارے نزدیک اس خلیفہ سے کسی قسم کی شرائط طے کرنا، جو حضرت خلیفۃ المسیح اول کی خلافت کے وقت طے نہیں کی گئیں، بالکل جائز نہیں۔ بلکہ اُس کی بیعت اُسی طرح ہوگی جس طرح صحابہؓ نے کی یا جس طرح خلیفۃ المسیح اول کی بیعت کی گئی۔ جو کوئی بھی خلیفہ مقرر ہو۔ وہ کل جماعت اور صدر انجمن کا مطاع ہوگا اور سب جماعت کو اُس کے احکام کی اطاعت کرنی ضروری ہوگی۔والسلام''

یہ وہ کاغذ تھا جس پر لوگوں سے جو قادیان میں باہر سے آرہے تھے، نہر کے پل کے قریب دستخط لئے جاتے تھے۔اور نیز یہ وہی مضمون تھا جس کے نیچے قادیان میں اردگرد کے مضافات کے لوگوں سے دستخط کرائے جارہے تھے۔جس میں سے اکثر کو یہ علم بھی نہیں ہوگا کہ اس کی کیا غرض ہے۔اس کے متعلق عرض ہے کہ:

حضرت مسیح موعود کھلے کھلے الفاظ میں اپنی قلم مبارک سے تحریر فرما گئے ہیں۔جس کا مفہوم یہ ہے کہ میرے بعد صدر انجمن کے فیصلے قطعی ہوں گے اور میری زندگی میں جن امور کی نسبت مجھے الہام ہو، وہ فیصلے مسترد ہوسکتے ہیں۔باقی نہیں۔

تو اب سوال جو اُٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ آیا مضمون جو لکھا گیا اور اس پر دستخط کردیئے گئے ......اس میں یہ الفاظ کہ خلیفہ بلاشرط ہوگا اور صدر انجمن کا مطاع ہوگا...... خلاف حکم حضرت مسیح موعود تو نہیں۔میرے خیال میں

ایک عام فہم انسان بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت مسیح موعود نے تو باوجودیکہ آپ وحی خفی سے تائید پاتے تھے اور ہم سب آپ کے غلام اور حضور کو اپنا مطاع یقین کرتے تھے۔سوائے اُس حالت کے کہ کھلا کھلا الہام کسی امر کے متعلق ہو۔انجمن کا اپنے آپ کو مطاع نہیں بتایا۔ چہ جائیکہ کوئی اور ایسا ہونے کا دعویدار ہو سکے۔

ہماری رائے ناقص میں اس قسم کی عبارت کے ماتحت دستخط کروانے والوں نے اور اُن دستخطوں سے فائدہ اُٹھا کر ان صفات والا خلیفہ بنانے والوں نے نہ صرف ایک روحانی سلسلہ میں دنیاوی رنگ کو داخل کیا ہے بلکہ حضرت مسیح موعود کے مذکورہ بالا حکم کی نافرمانی اور توہین کی ہے۔حضرت مسیح موعود انجمن کو ساری قوم کا مطاع مقرر کر کے امیر کے لئے ہمیشہ کے لئے خاص پابندیاں لگا جائیں اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح اپنی وصیت میں جانشین کے اوصاف بتا کر اُس کے متعلق خاص شرائط مقرر کر جائیں کہ وہ کیسا ہو۔اور اس پر بھی یہ لکھا جانا کہ وہ بلا شرط ہو۔ اگر ان دونوں وصایا کی توہین نہیں تو اور کیا ہے؟

کاش! اگر ان وصایا کا خیال کیا جاتا اور خاص شرائط کے ماتحت جو شوریٰ سے طے پاسکتی تھیں۔ایک قوم کا امیر مقرر کیا جاتا تو قوم کو یہ روزِ بد اور نااتفاقی کا نظارہ نہ دیکھنا پڑتا۔اب بھی وقت ہے کہ جناب صاحبزادہ صاحب اِن امور میں غور کریں اور اللہ کے لئے اپنی خواہشات کو قربان کر دیں۔خدا ہمیں توفیق عطا کرے۔ آمین۔

☆☆☆

صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں دوسری التماس

حضرت مسیح موعود نے رسالہ الوصیت میں فرمایا ہے: ”بالفعل یہ چندہ اخویم مکرم مولوی نورالدین صاحب کے پاس آنا چاہئے۔لیکن اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو یہ سلسلہ ہم سب کی موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اس صورت میں ایک انجمن چاہیے کہ ایسی آمدنی کا روپیہ جو وقتاً فوقتاً جمع ہوتا رہے گا اعلائے کلمہ اسلام اور اشاعت توحید میں جس طرح مناسب سمجھیں خرچ کریں“ پھر فرمایا: ”یہ مالی آمدنی ایک بادیانت اور اہل علم انجمن کے سپرد رہے گی اور وہ باہمی مشورہ سے ترقی اسلام اور اشاعت علم قرآن اور کتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظوں کے لئے

حسب ہدایت مذکورہ بالا خرچ کریں گے۔'' مزید فرمایا: ''انجمن جس کے ہاتھ میں ایسا روپیہ ہوگا اُس کو اختیار نہیں ہوگا کہ بجز اغراض سلسلہ احمدیہ کے کسی اور جگہ وہ روپیہ خرچ کرے اور ان اغراض میں سے سب سے مقدم اشاعت اسلام ہوگی۔''

حضرت مسیح موعود کے ان ارشادات کے ماتحت ضروری ہے جو روپیہ آئے وہ انجمن میں آئے۔ لیکن اس حکم کے خلاف آپ نے اپنے مریدوں کو کہا ہے اور سُنا ہے کہ خلیفہ رشید الدین صاحب نے قادیان کی مسجد میں اعلان بھی کیا ہے کہ روپیہ آپ کے پاس آنا چاہیئے۔ اور پھر گوجرانوالہ کے ایک بھائی نے بھی بتایا ہے اور نیز میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق نے 22 مارچ کے جلسہ میں سب احباب کے سامنے دو تین دفعہ ظاہر کیا کہ روپیہ اپنی جماعت سے بجائے انجمن کے اپنے پاس منگوانے کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ روپیہ میرے پاس بھیجو۔ میں خود انجمن کو دے دوں گا۔ اور یہ بھی سنا گیا ہے خدا جانے کہاں تک درست ہے کہ یہ اس لئے حکم دیا گیا ہے تا انجمن پر بوجھ ڈال کر اُن کو بیعت کرنے پر مجبور کیا جائے۔

اگر یہ سچ ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ یہ سچ ہے کیونکہ میر قاسم علی صاحب نے بھرے جلسہ میں اس کے پہلے حصہ کے سچا ہونے کا اقرار کیا تو پھر ہمیں یہ بتایا جاوے کہ کیا اس میں حضرت مسیح موعود کی وصیت کو نہیں توڑا گیا اور کیا یہ امر صدر انجمن احمدیہ کے توڑنے اور اُس کو بیکار بنانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ جس کے قیام کے لئے حضرت مسیح موعود نے دعائیں بھی کی ہیں۔ کیا خلفائے حقہ کا یہی کام ہوتا ہے کہ بانیٔ سلسلہ کے احکام کو اس طرح لاپرواہی سے پھینک دیا جائے۔ ہمیں اُمید ہے کہ جناب صاحبزادہ صاحب ان امور میں غور فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

☆☆☆

موجودہ مشکلات کے تصفیہ کے لئے ایک احسن تجویز

جیسا کہ پیغام صلح مورخہ 24 مارچ میں شائع کیا جا چکا ہے احمدی احباب کی مجلس شوریٰ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ الوصیت کے مطابق خان صاحب غلام حسن خان صاحب، سید حامد شاہ صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب اور میرزا صاحبزادہ محمود احمد صاحب کو احمد کے نام پر سلسلہ عالیہ احمدیہ میں نئے احباب کو داخل کرنے کے

لئے بیعت لینے کے لئے منتخب کیا جا چکا ہے۔ صاحبزادہ صاحب اگر شرائط مندرجہ الوصیت کے ماتحت احمد کے نام پر بیعت لیں اور احمدی احباب سے بیعت لینا ضروری قرار نہ دیں اور انجمن کے فیصلہ کو قطعی سمجھیں تو وہ بسبب انجمن کا پریذیڈنٹ ہونے کے انتظامی امور میں امیر قوم مانے جا سکتے ہیں۔ تجویز ہوا تھا کہ ایک وفد آپ کی خدمت میں آپ کو یہ سمجھانے کے لئے جائے کہ ان شرائط کو اگر وہ قبول کریں تو قوم کا شیرازہ بنا رہ سکتا ہے۔ اور ہم باوجود اختلاف خیالات مل کر کام کر سکتے ہیں۔ موجودہ حالات کے ماتحت اس سے زیادہ اچھی صورت الوصیت کے احکام ''میرے بعد مل کر کام کرو'' کی تعمیل کے لئے نہیں ہو سکتی تھی۔ ایسا کرنے میں قوم کے اہل الرائے بزرگوں نے نہایت تدبر اور دانش مندی سے کام لیا ہے۔ اس سے صاحبزادہ صاحب کی بات بھی پوری ہو جاتی ہے اور سلسلہ میں اتفاق اور یگانگت بھی پھر قائم ہو سکتی ہے۔ اور الوصیت کے مطابق عملدرآمد بھی کیا جا سکتا ہے۔

لاہور سے ایک خاص آدمی کو اس بات کی اطلاع دینے کے لئے جناب صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں قادیان بھیجا گیا ہے تاکہ وہ اجازت دیں کہ وفد مذکورہ بالا ان کی خدمت میں بروز ہفتہ حاضر ہو سکے۔ خدا کرے کہ صاحبزادہ صاحب اس تجویز کو منظور کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔ اور بنی بنائی قوم کو صرف ایک ذرا سی بات کے عوض میں ایک ایسے ابتلا میں نہ ڈال دیں جو اس کی ترقی کو کوئی سال پیچھے پھینک دے۔ رسول خدا ﷺ نے باوجود مامور ہونے کے صلح حدیبیہ میں رسول اللہ کا لفظ اپنے نام کے آگے سے کاٹ دیا تھا۔ پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ میاں صاحب اپنی بات کو، جبکہ وہ اللہ کی طرف سے مامور ہی نہیں ہیں، قوم کے اتحاد کی خاطر قربان کر کے حقیقی رنگ میں اپنی اولوالعزمی کا ثبوت دیں۔

☆☆☆

31مارچ1914ء

اتمام حجت۔ خودساختہ خلافت کے حامیان پر

مورخہ 28 مارچ کے الفضل میں حضرت خلیفۃ المسیح کی ایک تقریر اخبار البدر مورخہ 4 و 11 جولائی 1912ء سے نقل کی گئی ہے۔ جس میں منکرینِ خلافت پر اتمام حجت کے عنوان سے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے فتاویٰ کی رُو سے خلافت کا منکر کن سزاؤں کا مستوجب ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر اپنے معزز ہمعصر پر بہت ہی افسوس آیا کہ اس نے اس تقریر کو اول سے آخر تک بہ تمام و کمال شائع کرنے کی بجائے **لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ** (43:4) کی ضرب المثل پر کاربند ہونا زیادہ پسند کیا اور بمصداق میٹھا میٹھا ہڑپ اور کڑوا کڑوا تھو۔ اس تقریر کے وہ جملے تو شائع کر دیئے، جن کو اس نے اپنے خودساختہ خلیفہ کی تائید خیال کیا، اور اس کی بہت سی ایسی عبارتیں باوجود دعائے دینداری ترک کر دیں، جو اس کے اپنے خیالات کی تائید میں نہیں، بلکہ اس کے فریق مخالف کی بریت کرتی ہیں۔

معلوم نہیں ہمارے ہمعصر نے ایسا کرنا حضرت مسیح موعود یا حضرت خلیفۃ المسیح کے کون سے فتویٰ کی رُو سے جائز خیال کیا۔ لیکن اب چونکہ اس نے اپنی دیانت و امانت اسی میں سمجھی ہے کہ اپنے مطلب کی باتیں درج کر کے باقی کو نظرانداز کر دیا اور اس طرح دیدہ دانستہ لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کی کوشش کی۔ اس لئے ہم ذیل میں اسی تقریر میں سے ان بقیہ عبارتوں کو نقل کرنا ضروری خیال کرتے ہیں، جو الفضل نے نظرانداز کر دی ہیں۔ تا کہ ناظرین کو حضرت خلیفۃ المسیح کے تمام فتویٰ سے کما حقہ واقفیت حاصل ہو جائے اور اس سے خودساختہ خلافت کے حامیان پر پوری اتمام حجت ہو۔

حضرت مولٰینا نورالدینؒ کی ایک تقریر

در احمدیہ بلڈنگس۔لاہور

(اخبار الفضل میں شائع شدہ عبارتوں کے علاوہ منقول از اخبار بدر مورخہ 4،11 جولائی 1912ء)

کیا کوئی خلافت کے کام میں روک ہے؟: تیسری بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور وہ میرے دوست کہلاتے ہیں اور میرے دوست ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ خلافت کے کام میں روک لاہور کے لوگ ڈالتے ہیں۔ میں نے قرآن کریم اور حدیث کو اُستاد سے پڑھا ہے اور میں دل سے انہیں مانتا ہوں۔ میرے دل میں قرآن و حدیث صحیح کی محبت بھری ہوئی ہے۔ سیرۃ کی کتابیں ہزاروں روپیہ خرچ کر کے لیتا ہوں۔ ان کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے اور یہی میرا ایمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔

لاہور میرا گھر نہیں۔ میرا گھر بھیرہ میں تھا یا اب قادیان میں ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ لاہور کا کوئی آدمی نہ میرے امر خلافت میں روک بنا ہے نہ بن سکتا ہے۔ پس تم ان پر بدظنی نہ کرو۔

قرآن مجید میں فرمایا ہے: **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ** (12:49) اللہ تعالیٰ نے یہی تعلیم دی ہے۔ بدظنی سے ہٹ جاوٴ، یہ بدکار کر دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ** کہ بدظن بڑا جھوٹا ہوتا ہے۔ پس تم بدظنی نہ کرو۔ اب بھی میرے ہاتھ میں ایک رُقعہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ لاہور کی جماعت خلافت میں روک ہے۔ میں ایسا اعتراض کرنے والوں کو کہتا ہوں کہ یہ بدظنی ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔ تم پہلے ان جیسے اپنے آپ کو مخلص بناوٴ۔ لاہور کے لوگ مخلص ہیں۔ حضرت صاحب سے انہیں محبت ہے۔ غلطی انسان کا کام ہے۔ اس سے ہو جاتی ہے۔ ان سے بھی غلطی ہوتی ہے۔ یہ جدی بات ہے۔ مگر ان لوگوں نے جو کام کئے ہیں تم بھی کر کے دکھاوٴ۔

میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ جو لاہوریوں پر بدظن ہے کہ وہ خلافت میں روک ہیں۔ اسے یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بدظنی کرنے والے کو یہ سرو پا ملتا ہے **اِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ** اور اللہ جلشانہٗ نے

فرمایا: اجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ (12:49) وہاں سے اِثۡمٌ کا خطاب ملتا ہے۔ بدظنی سے پھر غیبت نصیب ہوتی ہے اور اس کے متعلق فرمایا لَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا (12:49) پس مخلصوں پر بدظنی کرتے ہو اور میرا دل دُکھاتے ہو۔ خدا سے ڈرو۔ تمہارے لئے میں دعائیں کرتا ہوں، ان سے محروم نہ بنو۔ اگر مان لیا ہے تو شکر کرو اور نہیں تو صبر کی دوا موجود ہے...... اگر کہو کہ لاہور کے لوگ خلافت میں روک ہیں، تو میرے مخلص دوستوں پر بدظنی ہوتی ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ جو شخص کسی پر بدظنی کرتا ہے، وہ نہیں مرتا جب تک اس میں مبتلا نہ ہو۔ میں سنتا ہوں تم آپس میں اختلاف کرتے ہو۔ اختلاف انسان کی فطرت میں ہے۔ یہ ہٹ نہیں سکتا۔ مگر اس کو شغل نہ بناؤ۔ جس امر پر اللہ تعالیٰ نے تم کو جمع کیا ہے۔ اس وحدۃ کے مرکز کو نہ چھوڑو۔

کبھی کبھی مجھے ان حالتوں کو دیکھ کر بددعا کا جوش ہوتا ہے۔ مگر پھر رحم سے کام لیتا ہوں۔ توبہ کر لو۔ ہماری زندگی میں چھوڑ دو۔ اب بھی تمہارے رسائل میں غلطیاں ہوتی ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ ان میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ مگر خدا نے چاہا ہے کہ خاموش رہوں۔ تم کیا ہستی رکھتے ہو کہ جو نہ میرے دربار سے اجازت ہوتی ہے، نہ خدا کی طرف سے تمہیں امر ہوتا ہے اور تم جرأت کرتے ہو۔ دیکھو یاد رکھو! تمہاری کوئی جماعت نہ بنے گی۔ تم لکھ رکھو کہ کوئی ایسی جماعت نہ بنا سکو گے۔ پس میری بات کو یاد رکھو اور بدظنی چھوڑ دو۔ تفرقہ نہ کرو۔ حضرت صاحب نے جو فیصلہ جس امر میں کر دیا ہے، اس کے خلاف نہ کہو، نہ کرو۔ ورنہ احمدی نہ رہو گے۔ یہ خیال چھوڑ دو کہ لاہور کے لوگ خلافت کے امر میں روک ہیں۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو پھر خدا مسیلمہ کا سا معاملہ کرے گا۔

31 مارچ 1914ء

پیر و مرید کا اختلافِ اعتقاد اور حضرت مولٰینا نور الدینؒ

صاحبزادہ صاحب کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ کلمہ گو جو احمدی نہیں ہیں بلاتفریق کافر ہیں۔ باوجود اس اعتقاد کے آپ اُن سادہ لوح احمدیوں کو بھی، جو حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح کی طرح ایمان رکھتے ہیں کہ سب کلمہ گو سوائے اُن کے، جو کسی مسلمان پر فتویٰ کفر دے کر خود اس کی زد میں آجاتے ہیں، مسلمان ہیں اور اسلام کی حد بندی کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جانتے ہیں، اپنی بیعت میں داخل کر رہے ہیں اور یہ تسلی دے رہے ہیں کہ وہ یہ ایمان رکھ کر بھی آپ کے مرید رہ سکتے ہیں۔ بالفاظ دیگر آپ یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ ایک مرید اپنے پیر کے خلاف اعتقاد رکھ سکتا ہے۔ ہماری ناقص عقل تو اس معمہ کو حل نہیں کر سکتی کہ پیر تو کہے کہ فلاں شخص یا گروہ کافر ہے اور مرید کہے کہ نہیں مسلمان ہیں۔ اور پیر ہمارا ایسا کہنے میں غلطی پر ہے یا گناہ کر رہا ہے۔

سوائے اس کے کہ مریدین کی تعداد بڑھانے کا شوق صاحبزادہ صاحب سے ایسے خلاف عقل و سمجھ احکام جاری کرا رہا ہو، اور کوئی وجہ ہمیں اس اجتماع ضدّین کی نظر نہیں آتی۔ اخبار البدر قادیان 11 جولائی 1912ء میں ایک مرید کو جماعت سے علیحدہ کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح فرماتے ہیں:

> ''اب وہ مجھ سے عقائد میں اختلاف رکھتے ہیں اور اپنے عقائد پر مضبوطی سے قائم ہیں۔
> اس لئے میرا اُن سے کیا تعلق؟ اور میری جماعت کا اُن سے کیا علاقہ۔''

مذکورہ بالا ارشاد صاف ظاہر کرتا ہے کہ مرید مرید نہیں رہ سکتا جب تک اُس کا اعتقاد پیر کا سا نہ ہو۔ پس ہمارے وہ بھائی جو اپنے ایمان کو لوگوں کے کہنے پر یا کسی انسانی محبت کی وجہ سے بیچ رہے ہیں، وہ خبردار ہوں۔ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (2:41) کی وعید سے بچیں۔

☆☆☆

کفر اور فسق کہنے والے پر لوٹ جاتا ہے

21 فروری 1907ء کے اخبار بدر میں حضرت اقدس مسیح موعود کا ایک خط شیخ محمد چٹو صاحب لاہوری کے نام درج ہے۔اس میں سے ذیل کے فقرات پر خاص طور پر جماعت کو توجہ کرنی چاہیئے:

''ہر ایک اہل علم کو معلوم ہے کہ شریعت اسلام کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کافر یا فاسق کہے اور وہ اس لفظ کا مستحق نہ ہو تو کفر اور فسق اسی شخص کی طرف لوٹ آتا ہے۔اور گورنمنٹ انگریزی کے رو سے بھی کسی کو فاسق یا بدکار کہنا ایسے صاف طور پر جرم ازالۂ حیثیت عرفی میں داخل ہے کہ ایسا شریر انسان ایک ہی پیشی میں جیل خانہ دیکھ لیتا ہے۔''

کیا حضرت مسیح موعود کے اس صاف اور کھلے کھلے فتویٰ کے موجود ہوتے ہوئے بھی ہمارے دوست خدا سے ڈر کر ایسی باتوں سے پرہیز نہ کریں گے۔جن سے ان کے اپنے دین و ایمان کے ضائع اور جسمانی طور پر بھی سخت تکلیف میں مبتلا ہونے کا احتمال ہے۔

31 مارچ 1914ء

اداریہ

جماعت احمدیہ کا ایک نہایت ضروری اجلاس

22 مارچ 1914ء کو جو جلسہ شوریٰ لاہور میں منعقد ہوا تھا اور جس کی کارروائی احباب پیغام صلح مورخہ 24 مارچ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس میں 15 سرکردہ اصحاب جماعت کا جناب مرزا محمود احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ریزولیوشن نمبر 1، نمبر 2 کے متعلق گفتگو کر کے ان کے اتفاق سے مصالحت کی صورت پیدا کرنا تجویز ہوا تھا۔ ان ریزولیوشنوں کا ماحصل یہ تھا کہ حسب وصیت حضرت مسیح موعود کہ صدر انجمن احمدیہ کے فیصلے قطعی سمجھے جاویں اور کسی ایک شخص کو ان کو مسترد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جس بزرگ کو احمدی قوم کا امیر تسلیم کیا جائے۔ اس کے ہاتھ پر، جو لوگ سلسلہ احمدیہ میں پہلے ہی سے داخل ہیں، ان کی بیعت لازمی نہ سمجھی جاوے۔ تیسرے یہ کہ چونکہ صاحبزادہ صاحب کے ہاتھ پر چالیس آدمیوں نے بیعت کر لی ہے۔ اس لئے ان کو سلسلہ احمدیہ میں داخل کرنے کے لئے بیعت لینے کی اجازت ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر صاحبزادہ صاحب انجمن کے فیصلوں کو قطعی قرار دیں اور پرانے احمدیوں کی بیعت لازمی تصور نہ کریں تو ان کو صدر انجمن احمدیہ کا پریذیڈنٹ اور کل جماعت احمدیہ کا امیر تسلیم کر لیا جائے۔ چنانچہ ہر دو ریزولیوشنوں کی نقل 22 تاریخ ماہ حال کو مولوی صدرالدین صاحب بی۔اے، بی ٹی سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں بھیجی گئی۔ اور 15 ممبر ڈیپوٹیشن کے اسماء گرامی سے اس خط میں ان کو اطلاع دی گئی اور عرض کیا گیا کہ اگر آپ اس غرض کے لئے وفد (ڈیپوٹیشن کی حاضری اپنی خدمت میں منظور فرماویں تو آئندہ شنبہ کے روز یعنی 28 مارچ کو خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اس کے جواب میں صاحبزادہ صاحب نے ایک خط ڈاک میں مولوی صدرالدین صاحب کے نام روانہ فرمایا اور دوسرا خط دستی شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی معرفت 27 مارچ کی شام کو ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے نام بھیجا۔ دونوں خطوط کا مضمون قریباً ایک ہے۔ اس لئے سب سے آخری خط کی نقل ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔

☆☆☆

صاحبزادہ صاحب کا خط

مکرمی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔

السلام علیکم۔

وفد کا پیغام مجھے پہنچ گیا تھا اور اس کا جواب ماسٹر صدرالدین کے نام میں نے آپ کی معرفت بھیج دیا تھا۔ اُمید ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ مزید احتیاط کے لئے خاص آدمی کے ہاتھ دوبارہ جواب بھیجتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر وفد نے وہی بات پیش کرنی ہے، جو تحریر میں آچکی ہے تو وفد کے تکلیف اُٹھانے کی کیا حاجت ہے۔ اور اگر کچھ مزید گفتگو بعض ضروری اُمور پر کرنی ہو، جن سے ان کے خیال میں موجودہ تفرقہ دور ہوسکتا ہو، تو صرف مندرجہ ذیل پانچ آدمیوں سے میں مل سکتا ہوں۔ سید حامد شاہ صاحب، شیخ نیاز احمد صاحب، ماسٹر عالم الدین صاحب پلیڈر، ماسٹر رکن الدین صاحب، شیخ مولا بخش صاحب لائکپوری۔ ان کے علاوہ میں کسی اور آدمی سے نہیں مل سکتا۔ کیونکہ مجھے فتنہ کا خوف ہے۔

والسلام۔ خاکسار مرزا محمود احمد

اس خط کے پہنچنے پر جو اصحاب وفد کہ لاہور میں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اس صورت میں کہ صاحبزادہ صاحب ہماری کسی پیش کردہ شرط کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں اور وفد مجوزہ کے حاضر ہونے کو بھی پسند نہیں کرتے۔ اور ان میں سے صرف خاص پانچ آدمیوں سے ملاقات کرسکتے ہیں اور وہ بھی بعض دیگر اُمور پر، جو ہم نے پیش نہیں کئے۔ اس صورت میں بعض اشخاص کا قادیان حاضر ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ اتفاق رائے سے یہی قرار پایا کہ جب ضروری اُمور مصالحت کو وہ تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں، اس لئے اس کے متعلق ان کو تکلیف نہیں دینی چاہئے۔ پھر یہ فیصلہ ہوا کہ 28 مارچ کی صبح کو ممبران وفد کے علاوہ بعض دیگر حضرات کے باہمی مشورہ سے قطعی طور پر فیصلہ کیا جائے کہ آئندہ کیا کرنا ہے۔

کارروائی جلسہ: 28 مارچ بروز شنبہ مفصلہ ذیل اصحاب کی شمولیت میں جلسہ شوریٰ ہوا۔ شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش وئیر ہاؤس، سید حامد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ وسیکرٹری انجمن احمدیہ ضلع سیالکوٹ، شیخ فیض الرحمٰن

صاحب اہلمد امرتسر، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ، چشتی عبدالرحمٰن صاحب، ماسٹر غلام محمد صاحب بی۔اے سیالکوٹی، خلیفہ رجب الدین صاحب، سید امیر علی شاہ صاحب پنشنر سب انسپکٹر پولیس سیالکوٹ، عبدالحنان خان صاحب پشاوری، صوفی احمد الدین صاحب، مرزا عبدالغنی صاحب کلرک ریلوے ڈیپارٹمنٹ لاہور۔ مولوی عالم الدین صاحب بی۔اے وکیل شیخوپورہ، چودھری محمد سرفراز خاں صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ بدوملہی، شیخ محمد جان صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ وزیرآباد، شیخ نیاز احمد صاحب وائس پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ وزیرآباد، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن وغیرہ۔

علی الصبح ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے جناب سید حامد شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی تھی کہ آپ بزرگ ہیں، آپ ہم کو خدا کے لئے مشورہ دیں کہ اس صورت میں کہ جناب صاحبزادہ صاحب نے ہماری شرائط منظور کرنے سے انکار کر دیا ہے، اب ہم کیا کریں۔ اگر ہمارے مطالبات واجبی اور ضروری ہیں اور اگر ہم حق پر ہیں تو کیا ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس پر قائم رہیں۔ اور اگر ہم راستی پر نہیں ہیں تو آپ ہم کو ہماری غلطی سمجھا دیں۔ اور اگر ہم سب کے لئے صاحبزادہ صاحب کی بیعت موجودہ حالات میں ضروری ہے تو آپ فرما دیں تا کہ ہم سب چل کر ان کی بیعت کر لیں۔ انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ ہم کسی فتنہ کا موجب نہیں بننا چاہتے۔ اس کے جواب میں جناب فخر قوم حضرت سید میر حامد شاہ صاحب نے سب حاضرین کے سامنے ایک نہایت پُر مغز تقریر نہایت پر درد الفاظ میں فرمائی۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ میں نے اس معاملے میں بہت غور کیا ہے اور بہت دعا کی ہے۔ اور میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ آپ کے مطالبات واجبی اور حق ہیں اور مصالحت کی یہی صورت ہو سکتی تھی جو کہ مجلس شوریٰ نے ایک وفد کے ذریعہ سے صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کرنے کی تجویز کی تھی۔ مگر چونکہ انہوں نے اس عرض داشت کو منظور نہیں فرمایا اس لئے اگر آپ اپنی رائے پر قائم ہیں تو آپ کا حق ہے۔ مجھے اہل بیت حضرت مسیح موعود سے غایت درجہ کی محبت ہے۔ اور چاہو اس کو میری کمزوری پر محمول کرو۔ میں نے اس محبت کی وجہ سے یہ خیال کیا تھا کہ ان کی بیعت کر لوں۔ مگر چونکہ انہوں نے طریق مصالحت در پیش کردہ کو منظور کرنے سے انکار کیا ہے اس لئے اب میں بیعت نہیں کروں گا اور متأمل رہوں گا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کوئی مصالحت کی راہ نہ نکال دے اور میں دعا میں لگا رہوں گا۔ اور جہاں تک کہ مجھ سے ہو سکتا ہے صاحبزادہ صاحب کی خدمت کروں گا اور آپ حضرات کی بھی خدمت کروں گا۔ کیونکہ جس

طرح سے اہل بیت مسیح موعود کی عزت و احترام میرے دل میں ہے۔ ایسے ہی حضرت مولوی محمد علی صاحب اور آپ دیگر اصحاب کی محبت اور قدر و منزلت میرے دل میں ہے۔ اور مجھے خوب معلوم ہے کہ حضرت مسیح موعود آپ لوگوں کی کس قدر عزت و احترام کرتے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح بھی آپ کو کس قدر معزز و مکرم سمجھتے تھے۔ آپ اصحاب کی قربانیاں اور اس سلسلہ حقہ کے لئے خدمات کسی صورت میں نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ اب بحالت مجبوری آپ صاحبان کوئی راہ نکالیں جس سے آپ کی خدمات اسلام بھی جاری رہیں اور صاحبزادہ صاحب کی بھی۔ اور صدر انجمن احمدیہ کا بھی قیام رہے۔

سید میر حامد شاہ صاحب کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے نہایت پُر درد الفاظ میں حاضرین کو مخاطب کر کے اور اپنے قول پر خدا تعالیٰ کو گواہ ٹھہرا کر فرمایا کہ جہاں تک مجھے اللہ نے سمجھ دی ہے، میں نے تنہائی میں بھی اس معاملہ پر غور کیا۔ دوسروں سے بھی گفتگو کی ہے اور میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ خدا کے فضل سے حق وہی ہے جس پر ہم قائم ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ جس گروہ نے پاک لوگوں کی پہلے تفسیق کی ہے۔ انہوں نے کیا نتیجہ بھگتا ہے۔ جس گروہ نے پہلے صحابہ کو اہل بیت کی محبت کے لئے فسق کا فتویٰ دیا۔ انہوں نے دنیا میں کیا کر دکھایا اور دوسرے گروہ نے کیا کیا۔ اس میں شک نہیں کہ اہل بیت کی محبت طبعی ہے۔ مگر دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے خلفاء راشدین، جن میں ہمارے مطاع و امام حضرت حجۃ اللہ المسیح موعود بھی شامل ہیں، ان سب کی محبت بھی لازمی ہے۔ مگر ہم نے تمام محبتوں کو ایک جگہ رکھنا ہے۔ ہر محبت کا ایک مقام ہے۔ اور اس جگہ آ کر اس کو چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ ہم سے مسیح موعود کے خاندان کے متعلق کوئی ایسی بات نہ نکلے گی جو خلاف حق ہو۔ یا اس میں کوئی سوئے ادبی ہو۔

ہمارے سامنے اس وقت یہ سوال ہے کہ کیا ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس وقت وصیت کو مقدم کریں یا اس کو پیچھے ڈال دینا چاہئے۔ افسوس ہے کہ کوئی وصیت کی طرف نہیں آتا۔ ہمارا عمل پیش کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم نے غلطی کی ہے۔ مگر کیا اس پر ہم لوگوں کو قائم کر سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود مامور تھے۔ اگر انہوں نے غلطی کی ہے تو اس پر ہم کو رہنے دو۔ میں یقیناً عرض کرتا ہوں کہ ان کا یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ کوئی

ایک خلیفہ ہو یا انجمن کا مطاع ہو بلکہ ان کا یہ خیال تھا کہ بیعت لینے والے بہت لوگ ہوں۔

دونوں کا تحریری ثبوت ہمارے پاس موجود ہے۔آپ نے 27 اکتوبر 1907ء کو یعنی انجمن کے قیام سے پونے دو سال بعد جب ایک معاملہ میں انجمن کے اختیارات پر جھگڑا ہوا، اس کے اختیارات کے متعلق خود واضح طور پر فیصلہ دے دیا کہ انجمن کے فیصلے قطعی ہیں اور یہ کہ ان کی وفات کے بعد ہر معاملہ میں انجمن کا اجتہاد قطعی ہوگا۔

اگر ان کے ذہن میں یہ ہوتا کہ ایک خلیفہ کا ہونا آپ کے بعد لازمی ہوگا اور یہ کہ وہ انجمن کا مطاع ہوگا۔تو وہ خود تحریر فرما دیتے جو کہ انہوں نے ہرگز نہیں کیا۔ پس اس تحریر کے بعد ہم کیا کریں ان لفظوں کو کہاں پھینک دیں۔اس موقعہ پر مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود کی دستخطی تحریر حاضرین کے سامنے پیش کی (جو کہ ان میں سے ہر ایک نے پڑھ کر تسلیم کی)۔اس تحریر میں ہر ایک لفظ حضرت صاحب کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔کسی دوسرے نے لکھ کر آپ کے دستخط نہیں کرائے۔ہم کو کہا جاتا ہے کہ وصیت خواجہ صاحب نے لکھ کر حضرت مسیح موعود کے دستخط کرائے تھے۔مگر یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ ہمارے پاس اس امر کا بھی تحریری ثبوت موجود ہے کہ الوصیت خود حضرت مسیح موعود نے اپنے ہاتھ سے لکھی۔ یہ تحریر جو میں پیش کرتا ہوں، حضرت مولوی نورالدین صاحب اور دیگر اراکین انجمن (شیخ رحمت اللہ صاحب، مرزا یعقوب بیگ صاحب و دیگر اصحاب کے سامنے لکھی گئی تھی) جب حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد انجمن کے اختیارات کے متعلق جھگڑا ہوا اور یہ تحریر پھر حضرت خلیفۃ المسیح کے سامنے پیش کی گئی۔تو آپ نے فرمایا کہ یہ تحریر آپ سنبھال کر رکھیں آپ کے کسی وقت کام آئے گی۔

اب وقت ہے کہ یہ اصلی تحریر احمدی جماعت کے آگے پیش کر کے ان کو حضرت مسیح موعود کے حکم پر کاربند رہنے کے لئے عرض کی جائے۔ میں عنقریب اس تحریر کا عکس (فوٹو) قوم کی اطلاع کے لئے شائع کروں گا۔اگر حضرت مسیح موعود کا یہی منشا ہے جس پر ہم قائم ہیں تو ہم اگر کامیاب نہ بھی ہوں تب بھی ہمارے لئے کوئی مایوسی کی بات نہیں۔کیا ہم نے مرنا ہی نہیں۔اس فوٹو کو قوم کی خدمت میں پیش کریں گے۔اس کے بعد اہل دانش اصحاب ہم کو اطلاع دیں کہ ہم اس کے خلاف کیا کر سکتے ہیں۔ہم کسی قسم کا فتنہ نہیں ہونا چاہتے۔مگر آپ بتائیں کہ ہم کیا کریں یہ بات آپ یاد رکھیں کہ اگر میں مر بھی جاؤں تو سچ یہی ہے جس پر کہ میں قائم ہوں۔اور اگر ہم سب مر جائیں تب بھی حق حق ہی رہے گا۔اور یہ مجھے یقین ہے کہ قوم کسی وقت اس پر توجہ کرے گی اور وقت آئے گا کہ

کبھی حق غالب آئے گا۔ ہم دوسروں کے دلوں کے مالک نہیں ہیں مگر جو جواب کہ ہم کو صاحبزادہ صاحب کی طرف سے ملا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہے کہ وہ ایک انچ نہیں۔ بلکہ ایک انچ کا سوواں حصہ بھی اپنی جگہ چھوڑنے کو تیار نہیں۔

جو آئندہ کرنا ہے اس کا اسی وقت فیصلہ کرلیں۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے ایک خط پیش کیا اور بعض اور واقعات بیان فرمائے۔ جن کے اعادہ کی ہم اس وقت ضرورت نہیں سمجھتے۔ جس سے انہوں نے یہ ثابت کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی زندگی میں ہی پانچ چھ سال لگاتار یہ کوشش بعض اصحاب کی طرف سے رہی کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی زندگی میں ہی ہم پر الزام لگا کر ہم کو جماعت سے خارج کر دیا جائے۔ ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ہماری بریت حضرت خلیفۃ المسیح پر واضح طور پر ثابت کردی اور ان کو ہماری بےقصوری کا پورا یقین ہوگیا۔ اب بھی ہم اپنے معاملہ کو خدا پر چھوڑتے ہیں۔ جو دلوں کے حالات سے خوب واقف ہے۔ ہم کوئی فتنہ یا تفرقہ جماعت میں کھڑا کرنا نہیں چاہتے۔ مگر ہم مجبور ہیں کہ ہم حضرت مسیح موعود کی وصیت کے خلاف عمل نہیں کرسکتے۔ اور اب جبکہ ایک فرد واحد پر سب قوم جمع نہیں ہوسکتی۔ یہ لازمی ہوگیا ہے کہ ہم وصیت پر پورے طور سے کاربند ہوں۔

اس کے بعد سید محمد حسین شاہ صاحب نے مختصر سی تقریر کے بعد فرمایا کہ موجودہ حالات میں مولوی محمد علی صاحب کا قادیان میں رہ کر کام کرنا ناممکن ہے۔ اس وقت امن کی راہ یہی ہے کہ ہم جھگڑے کو طول نہ دیں۔ صاحبزادہ صاحب قادیان میں سلسلہ کی خدمات کا کام سرانجام دیں اور حضرت مولوی محمد علی صاحب اور ہم لاہور میں اشاعت اسلام کی خدمت کو اپنے ذمہ لیں۔ مگر صدر انجمن احمدیہ میں ہم سب مل کر کام کریں۔

اس کے بعد مفصلہ ذیل ریزولیوشن اتفاق رائے سے منظور ہوئے:

1۔ چونکہ صاحبزادہ صاحب نے وفد کے ساتھ ان فیصلوں کے متعلق جو جلسہ شوریٰ میں 22 مارچ 1914ء کو طے ہوئے تھے، ملاقات اور گفتگو کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اور ان امور کو چھوڑ کر ہماری رائے میں کوئی ایسا امر نہیں جس پر گفتگو کی ضرورت ہو۔ لہٰذا وفد کی جانے کی ضرورت نہیں۔

2۔ ریزولیوشن جو پچھلے جلسہ میں پاس ہوئے تھے اُن کو بحال رکھا جاوے۔

3۔ چونکہ حسب وصیت حضرت مسیح موعود مرحوم ومغفور، اشاعت اسلام اس سلسلہ کی اصل غرض ہے۔ اوراس خدمت کا حتی الوسع بجالانا ضروری ہے۔اور بوجہ اس اختلاف کے جو مابین پیدا ہوگیا ہے، قادیان میں بیٹھ کران خدمات کا انجام دینا موجب فتنہ ہے۔ اس لئے بامر مجبوری مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک انجمن بنام اشاعت اسلام قائم کی جاوے۔جس کا صدر مقام لاہور ہو۔

4۔اس انجمن کے کم ازکم چالیس معتمدین ہونے ضروری ہیں۔جن کے نام تجویز کئے گئے ہیں۔ جوکہ معتمدین کی منظوری کے بعد انشاءاللہ شائع کئے جائیں گے۔مفصلہ ذیل اصحاب عہدہ داران انجمن اتفاق رائے سے منظور ہوئے۔ صدر انجمن یا پریذیڈنٹ : جناب حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز۔ وائس پریذیڈنٹ: حضرت مولوی غلام حسن خان صاحب سب رجسٹرار پشاور، 1۔ شیخ نیاز احمد صاحب سوداگر چرم وزیرآباد، 2۔خان عجب خان صاحب پولیٹیکل تحصیلدار علاقہ سرحد۔سیکرٹری: ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ایل۔ایم۔ایس۔فنانشل سیکرٹری: شیخ رحمت اللہ صاحب۔اسسٹنٹ سیکرٹری: حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ۔

5۔قواعد تجویز کرنے کے لئے مفصلہ ذیل اصحاب کی سب کمیٹی بنائی جاوے۔کورم سات آدمیوں کا ہو۔مولوی محمد علی صاحب، مولوی عالم الدین صاحب وکیل، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب، چشتی عبدالرحمٰن صاحب، خلیفہ رجب الدین صاحب، شیخ فیض الرحمٰن صاحب۔

6۔لاہور میں جماعت کا ایک بزرگ بیعت لینے کے لئے منتخب کیا جاوے۔

7۔اس انجمن کے ذریعہ سے اشاعت اسلام بذریعہ تصنیف رسائل، اخبار ومبلغین ہوگی۔

8۔چندہ کے لئے ایک اپیل شائع کی جاوے۔

9۔اخباروں میں ریزولیوشنوں کی نقل بھیجی جاوے۔ اور عام آگاہی کے لئے ایک اعلان شائع کیا جاوے۔

31مارچ1914ء

مراسلات

انصاراللہ کی کھچڑی مدت سے پک رہی تھی

کل اتفاقاً مسجد احمدیہ جموں میں مولوی غلام احمد صاحب احمدی نے اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ تین چار سال کا عرصہ ہوا ہے جب میر ناصرنواب صاحب کشمیر گئے تھے۔تو آپ نے فرمایا کہ مولوی نورالدین صاحب گھوڑے سے گر گئے ہیں۔خدا اُن کو سلامت رکھے۔ابھی اُن کی بہت ضرورت ہے۔ابھی کچھ مدت وہ زندہ رہیں۔کیونکہ میاں (مرزا محمود احمد) صاحب ابھی چھوٹے ہیں۔اُنہوں نے ابھی قرآن کو اچھی طرح سمجھنا ہے۔اس وقت خلقت خواجہ کمال الدین کی طرف جھک رہی ہے۔وہ خلقت کے دل میں اپنا اثر ڈال رہا ہے اور خلقت تمام رجوع کرگئی ہے۔ہمارے میاں صاحب خورد سال ہیں۔خدا کرے مولوی صاحب کی عمر زیادہ ہو۔ہم نے میاں صاحب کو خلیفہ بنانا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

افسوس کہ میر صاحب نئی باتوں کو نہیں مانتے،تو پرانی باتوں کو کب مانیں گے۔مگر ہم اس کی گواہی دے سکتے ہیں۔یہ تو یہاں کے اور سری نگر کے موجودہ اصحاب کو خوب معلوم ہے۔والسلام۔

خاکسار

سید محمود شاہ

سیکرٹری انجمن احمدیہ، جموں

☆☆☆

جناب محمد اکبر شاہ خان نجیب آبادی کی ایک نہایت ضروری شہادت

جس روز حضرت خلیفۃ المسیح نے بعد عصر وصیت لکھ کر مولانا محمد علی صاحب سے تین مرتبہ سنوائی۔ اُس کے بعد اُسی روز قبل از مغرب جبکہ میں شیخ یعقوب علی صاحب کے مکان کے نیچے سے دارالعلوم کو آ رہا تھا۔ سامنے سے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مدرس مدرسہ احمدیہ آتے ہوئے ملے اور انہوں نے کہا کہ تجھ سے ایک خاص بات ہم کو کہنی ہے۔ میں کھڑا ہو گیا۔ اُنہوں نے کہا کہ حضرت صاحب نے وصیت تو لکھ ہی دی ہے۔ آپ نے سنا ہوگا۔ میں نے کہا ۔ہاں! میں اُس جلسہ میں موجود تھا۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اب خلافت کا معاملہ درپیش ہوگا۔ (یا اسی کے قریب المفہوم کوئی فقرہ تھا) میں نے کہا کہ ہاں۔ کہا کہ حضرت مسیح موعود نے جیسے لکھا ہے کہ چالیس آدمی جس کے لئے متفق ہوں اُس کے ہاتھ پر بیعت ہو۔ لہٰذا حافظ صاحب نے (مراد حافظ روشن علی صاحب سے ہے) بعض دوستوں کے نام مجھے بتائے ہیں۔ اُن میں ایک آپ کا نام بھی لیا تھا کہ اُن سے بھی ذکر کرنا۔ یہ سوچا گیا ہے کہ جب ایسا واقعہ ہو فوراً ہی چالیس آدمی یک لخت بول اُٹھیں (یا اسی کے قریب المفہوم کوئی فقرہ تھا) تا کہ کسی کو چون و چرا کا موقع ہی نہ مل سکے اور کوئی جھگڑا اُٹھا ہی نہ سکے۔ پس آپ بتائیں کہ میں اُن سے کیا کہہ دوں۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ میاں صاحب کی میرے دل میں بہت ہی عزت اور عظمت ہے۔ لیکن میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ ایک خلیفہ جو ہم میں ابھی زندہ ہے۔ اُن کے موجود ہوتے ہوئے ہم کسی کے لئے کوئی تجویز کریں۔ اور اسی لئے میں نہ اپنا نام لکھ کر دے سکتا ہوں نہ اور کچھ۔ مولوی صاحب نے کہا کہ نہیں ہم لکھواتے کچھ نہیں۔ لیکن صرف اپنا خیال آپ بتا دیں۔ میں نے کہا کہ بس مجھ کو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اور اب نماز مغرب کا وقت ہو گیا ہے مجھ کو مسجد نور میں نماز پڑھنی ہے، میں جاتا ہوں۔ چنانچہ میں وہاں سے چل دیا اور دوڑتا ہوا مسجد میں پہنچ گیا۔ میں نے کوشش کی ہے کہ صحیح صحیح واقعہ بیان ہو جائے۔ اور جبکہ مجھ سے چاہا گیا کہ میں یہ شہادت لکھ دوں تو میں نے بلا تامل لکھ دی ہے اور اس سے پہلے زبانی بھی کہا تھا۔ اور میں اُمید کرتا ہوں کہ جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرے اس بیان کی تصدیق کریں گے۔ خدا کرے میری یہ تحریر کسی فتنہ کا موجب نہ ہو۔ آمین۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ. اَسْتَغْفِرُ مِنَ اللّٰہِ الْمَنَانِ ۔

محمد اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

21 مارچ 1914ء

تقریر میر حامد شاہ صاحب

(برموقعہ مجلس شوریٰ منعقدہ 22مارچ1914ء)

اَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡکَ لَهٗ وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ۔

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَةً اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ. اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ. صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ .

جناب مولوی محمد علی صاحب نے جو کچھ اس وقت بیان کیا ہے، یہ ان کا آج کا خیال نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک عرصہ کے امورات پر مبنی ہے، جو حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد شروع ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح کے وقت میں دو متفقہ خیالات موجود تھے۔ مگر یہ امور جو آج اختلاف کا باعث ہوئے ہیں، اس وقت رونما نہیں ہوئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابھی کوئی حالت منتظرہ باقی تھی۔ جس کے سبب سے وہ صورت پیدا نہیں ہوئی۔ جو اَب ہوئی ہے۔ صدر انجمن کی کارروائی کے متعلق کوئی بات اب پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے کاروبار اور ریزولیوشن حضرت مسیح موعود کی زندگی میں جاری تھے۔ اس کے معتمدین کی بہت ممتاز حالت تھی۔ میں انہی لوگوں میں سے ایک ہوں۔ مجھے کوئی لیاقت نہ تھی۔ جب مجلس معتمدین کے نام تجویز ہو رہے تھے تو میں حضرت مسیح موعود کی پائینتی پر بیٹھا تھا۔ کسی نے میرا نام بھی پیش کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ ان کا نام ضرور لکھو۔ میں نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس قابل نہیں مگر آپ نے اصرار کیا اور مجھے بھی بحیثیت ممبر نامزد کیا۔

اب دیکھنا چاہئے کہ اتنی بڑی جماعت میں ان آدمیوں کی کیا خصوصیت تھی۔ اگر خصوصیت کوئی نہ تھی تو سب جماعت کے لوگ سلسلہ میں شامل تھے۔ اُنہیں خاص طور پر کیا فوقیت حاصل تھی۔ پھر جب حضرت مسیح موعود نے انہیں یہ منصب عطا کیا تو خواہ صاحبزادہ صاحب ہوں یا جماعت میں سے کوئی اور شخص ہو، معتمدین کو اس منصب اور عزت سے نیچے گرانا اب بھی ویسا ہی نادرست ہے، جیسا کہ حضرت مسیح موعود کے وقت میں تھا۔

کیا صاحبزادہ صاحب سے ہم یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کے منتخب کردوں کو اس طرح سے ذلیل کردیں گے۔ غلطیاں سب سے ممکن ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے اپنی جان، اپنا مال آنحضرت ﷺ کے قدموں میں نثار کردیا، کیا وہ اس قابل ہیں کہ ہر ایک کے بوٹ کی ٹھوکر کا محل بن جاویں۔ اگر یہ لوگ ذلیل ہو جاویں گے تو پھر ہماری کیا عزت رہ جائے گی۔ پس تم اس لحاظ سے کہ مسیح موعود نے ان کی عزت قائم کی، ان کی عزت و وقار کو قائم رکھو، نہ ان کی شخصیت کے لحاظ سے۔

یہ تو صدر انجمن کے متعلق تھا جو میں نے عرض کردیا۔ اب اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے یہ خیال کرلینا کہ اگر میاں صاحب نہ مانیں تو ہم اشاعت اسلام کے کام کو سلسلہ سے الگ کر کے چلاویں۔ اس خیال سے دل ڈوب جاتا ہے۔ مگر میں اس بات کو مانتا ہوں کہ اختلاف نیکی میں بھی ہوتا ہے بدی میں بھی ہوتا ہے۔ مگر بدی میں ہر طرح سے بدانجام ہوتا ہے اور نیکی میں اختلاف سے ہر طرح سے نیک ہی انجام ہوتا ہے۔ اسلام میں اختلاف سے اس کی فتح ہوئی نہ کہ زوال۔ اس لئے اگر ہم بھی علیحدہ علیحدہ رستوں پر قدم ماریں تو اس میں مسیح موعود کی ہی عزت قائم ہوتی ہے۔ ایک شخص ایک طرز پر کام کررہا ہے تو دوسرا دوسری طرز پر۔ دونوں کے مقاصد ایک ہی ہیں جو نیکی پر مبنی ہیں۔ پس ہمارا کام ان دونوں کو مدد دینا ہے۔ اور اس میں ہمیں کوئی انکار نہ ہوگا۔ ہم سب کی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ میں اس بات کا قائل ہوں کہ اس اختلاف سے سلسلہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ جب پہلے عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے شہید ہونے سے اسلام کو کوئی زوال نہ پہنچا، تو اب بھی ہمارے اختلاف سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ نیکی میں اختلاف رحمت ہوتا ہے اور بدی میں ہمیشہ تباہ کن ثابت ہوا ہے۔

ہمارا ایک دوست ہم سے کالے کوسوں دور لنڈن میں بیٹھا ہے۔ اور وہاں مسیح موعود کے نام کو روشن کررہا ہے۔ مگر صاحبزادہ صاحب کا اس کے ساتھ اتفاق نہیں۔ وہ اس کام کو ایک اور طرح پر کرنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ترقی سلسلہ اسی میں ہے۔ وہ بیشک اپنا کام کریں ایسے ہی خواجہ صاحب اپنے طرز پر نیک نیتی سے اپنا کام کرتے چلے جائیں اور اس طرح سے نیکی کی سمتیں اگر مختلف ہوں تو حرج نہیں۔ مگر تاہم یہ امور ایک طرفہ پاس نہ کرو۔ حجت کو پورے طور پر رفع کرو اور منتیں بھی کرو۔ پھر اگر وہ نہ مانیں تو خدا کی منشا اسی میں سمجھو۔ اور جماعت کے اتفاق کی پوری کوشش کرو۔

2اپریل1914ء

اداریہ

حضرت مولیٰنا نورالدینؓ کی خلافت میں کون روک تھا؟

حضرت خلیفۃ المسیح خلیفہ برحق تھے۔ وہ لوگ جو گوشت و پوست کے پرستار ہیں اور جن کے دماغوں میں پیر پرستی کا خیال سمایا ہوا ہے۔ اُن کی نظر ظاہری اولاد تک ہی محدود رہتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ رافضیوں کی طرح خدا کے برگزیدوں کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اور سوائے ملامت اور لعنت کے ووٹ پاس کرنے اور فاسق و فاجر کے فتوے شائع کرنے کے اُن کے دل اور زبان سے کوئی اچھی بات نہیں نکلتی۔ لیکن وہ جو خدا کے برگزیدہ ہوتے ہیں اور جن کی نظر اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (13:49) کے پاک قرآنی ارشاد میں ہوتی ہے اور مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۔(40:33) کی خداوندی سنت سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ اُمت مرحومہ کے پاک اور مطہر نفوس کے لئے اپنی جان و مال تک قربان کر دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ اس تقویٰ و پرہیزگاری کی بنا پر ساری کی ساری قوم کا دل اللہ تعالیٰ نے آپ کی فرمانبرداری میں جھکا دیا۔ اور نہ صرف ممبران صدر انجمن نے آپ کی بیعت کر لی بلکہ خود خاندان مسیح موعود نے بھی اپنا سر جھکا دیا۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی نصرت میں وہ ہاتھ دکھایا جس کا وعدہ تھا۔ اور آپ حضرت مسیح کے خلیفہ برحق مقرر ہوئے۔

اس پر بعض خود غرض احباب نے جب خلافت کو روحانی وارث کے گھر جاتے دیکھا تو بہت تکلیف محسوس کی اور اس لعل بے بدل کو پھر حاصل کرنے کے لئے سر توڑ کوشش شروع ہو گئی۔ ایک ایڈیٹر تو اس دُھن میں یہاں تک اپنے آپ سے باہر ہو گیا کہ آخر اُس سے نہ رہا گیا۔ تو اُس نے اشتہار لکھ کر ایک جلسہ میں شائع کر دیا اور بڑے زور سے دعویٰ کیا کہ ''میں اہل بیت کی محبت میں رافضی ہوں''۔ ایک صاحب نے جب یہ دیکھا کہ اگر اس طرح تقویٰ اور دیانت اور خدمت دین کا ہی لوگ لحاظ کر کے خلیفہ بنانے لگے تو پھر اصل اولاد تو محروم رہ جائے گی اور خادمانِ دین ہی اس منصب کو چھین لے جاویں گے۔ واجب ہے کہ ابھی سے کوشش کی جاوے۔ چنانچہ وہ باوجود پیری کے ملک بہ ملک اور قریہ بہ قریہ چندہ جمع کرتے اور لوگوں میں خادمانِ دین کے متعلق بدظنیاں

پھیلاتے پھرے۔ جس کا حال ساری قوم پر خوب روشن ہے۔ تا کہ قوم اہل بیت میں سے کسی کو خلیفہ بنانے کے لئے تیار ہو رہے۔

الغرض بہت سے حیلے اور چالیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کی گئیں۔ اُن میں سے بڑی بھاری ایک یہ تھی کہ کسی طرح خلیفہ وقت اور جماعت کے جو کارکن احباب ہیں ان میں جنگ کرادی جائے۔ تا کہ خلیفہ برحق کے زمانہ میں ہی یہ سب نکال دیئے جائیں یا نکل جاویں۔ اور یہ الزام اور گناہ اس خلیفہ کے سر رہے اور راستہ ہمارے لئے صاف ہو جائے۔ اسی امر کے حصول کے لئے انجمن انصاراللہ قائم ہوئی۔ اسی کے لئے کفر واسلام کا جھگڑا کھڑا کر کے احمدیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یعنی وہ جو پہلے احمدی جماعت تھی اس کا ایک حصہ انصار اور دوسرا غیر انصار کہلانے لگا۔ اس منصوبہ کا نشانہ خاص طور پر لاہوری احباب ہوئے۔ اسی اثنا میں یہ سوال بھی چھیڑا گیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے زمانہ میں سلسلہ میں ترقی نہیں ہو رہی، نہ ہی آپ نے کوئی کتابیں لکھیں، نہ ہی آپ کوئی اشتہار دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور وجہ یہ بتائی گئی کہ اصل حق دار خلافت جو تھے اُن سے یہ حق چھینا گیا ہے اس لئے اس میں سے برکت جاتی رہی۔ یہ چرچا اُس وقت عام تھا جب حضرت خلیفۃ المسیح 1912ء میں لاہور تشریف لائے۔

اُس وقت کسی شخص نے حضرت کو یہ رقعہ دیا کہ جناب کو خلافت کا غاصب سمجھا جاتا ہے۔ اس رقعہ کو دیکھ کر حضور نے بڑے جوش اور جلال کے ساتھ وہ تقریر کی۔ جس کا کچھ حصہ آج کل الفضل اور الحکم میں بدیں غرض بار بار شائع کیا جا رہا ہے کہ اس سے یہ ثابت کیا جائے کہ لاہور کے بعض بزرگان اس وقت حضور کی خلافت میں بھی روک ہو رہے تھے۔ حالانکہ یہ بات صریحاً غلط ہے۔ اور حضور نے اپنی اسی تقریر کے ایک حصہ میں صاف طور پر لاہور کے مخلصین کی بھی بریت فرمائی ہوئی ہے۔

قرابت کا سوال: ہمعصر الفضل میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جو جلسہ شوریٰ لاہور میں ہوا اس میں جناب خواجہ کمال الدین صاحب کے کچھ قرابت دار بھی شامل تھے۔ کیا خواجہ کمال الدین کی قرابت بھی ایسا گناہ ہے کہ کسی شخص کو مشورہ دینے کے قابل نہیں چھوڑتا۔ پھر ہم دریافت کرتے ہیں اور وہ بھی اس لئے کہ لوگوں نے اس بات پر اعتراض کیا ہے کہ جن چھ ممبران مجلس معتمدین کے نام صاحبزادہ صاحب کے بیعت کنندگان میں دیئے گئے ہیں ان میں سے چار صاحبزادہ صاحب کے قریب ترین رشتہ دار ہیں۔ یعنی آپ کے برادر خورد مرزا بشیر احمد صاحب،

آپ کے ماموں ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب، آپ کے خسر ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب، آپ کے بہنوئی خان صاحب محمد علی خان صاحب۔ اگر خواجہ صاحب کے قریبیوں کا کسی مشورہ میں شامل ہونا اس مشورہ کو بے وقعت قرار دیتا ہے تو پھر بیعت کنندگان میں ایسے چھ ممبران مجلس معتمدین کے نام پیش کرنا، جن میں سے چار ایسے قریبی رشتہ دار ہوں، کیا وقعت رکھتا ہے۔ ایسے اعتراضات سے فائدہ کوئی نہیں۔ جن معاملات میں اختلاف ہے ان پر اصولی بحث ہونی چاہئے۔ ہم صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ ایسی تحریرات کو روکیں۔ جن کا آخری نتیجہ، سوائے اس کے کہ جماعت پر ہنسی ہو، کچھ نہیں۔

جو کچھ کرنا ہے سوچ کر کرو: چونکہ اس وقت اطراف ملک میں واعظین کا ایک گروہ پھر رہا ہے۔ جن کی غرض غیر احمدیوں کو احمدی بنانے کی نہیں بلکہ احمدیوں کو غیر احمدی بنانا اُن کی کوششوں کا آخری نتیجہ ہے۔ اس لئے ہم سب احباب یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ سوچ کر کوئی قدم اُٹھائیں۔ بیشک بعض جگہ اس قدر دباؤ ڈالا جاتا ہے جو **لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ** (256:2) کے بھی خلاف ہے۔ مگر یہ سوچ لینا ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ جو ظاہر میں ایک خوشنما امر دکھایا جاتا ہے اس کا نتیجہ خطرناک تو نہیں ہے۔ اگر صاحبزادہ صاحب کی بیعت صرف اسی حد تک محدود رکھی جاتی کہ جسے شرح صدر ہو، کر لے، تو اور بات تھی۔ مگر جس بیعت کا نتیجہ یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے ایک بڑے حصہ کو، جو حضرت مسیح موعود کی دعاؤں اور محنتوں کا نتیجہ ہے، فاسق و منافق اور یہودی قرار دیا جائے اور اُن کو خدا کی درگاہ سے دور یا لعنتی قرار دیا جائے، اور ابلیس سے مشابہت دی جائے، تو یہ ایک ایسا خطرناک قدم ہو جاتا ہے جس کے اُٹھانے کے لئے بہت فکر کے بعد جرأت کرنی چاہئے۔ ہم اپنے احباب کو صرف اس قدر مشورہ دیتے ہیں کہ علاوہ مسئلہ کفر و اسلام کے یہ دوسرا خطرناک نتیجہ بیعت کا ہے۔ جو جماعت کے اندر ایک ایسے تفرقہ کی بنیاد ڈالتا ہے جو ہمیشہ کے لئے جماعت کو دو ٹکڑے کر دے گا۔ اور پھر مومنوں کا نام فاسق و فاجر اور لعین رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

یہ بھی سوچ لو کہ جس جماعت نے پہلے مومنوں کا نام فاسق اور منافق رکھا، وہ کون تھے۔ یہ جلد بازی کا کام نہیں!

ایک غلط فہمی کا ازالہ

میری مراسلت جو دربارہ واقعات انتخاب خلافت موجودہ اخبار پیغام صلح میں چھپی تھی، اُس کے کسی فقرہ سے بعض دوستوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ میرا مطلب یہ تھا کہ نصف سے زیادہ لوگوں نے اُس وقت بیعت نہ کی اور وہ واپس چلے آئے۔ پس میں اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے یہ گزارش کرتا ہوں کہ شاید میں اُس فقرہ میں اپنا مطلب پوری طرح ادا کرنے سے قاصر رہا۔ میرا مطلب یہ نہ تھا کہ جماعت میں سے زیادہ لوگوں نے بیعت نہ کی۔ بلکہ مطلب یہ تھا کہ سمجھدار لوگوں میں سے زیادہ حصہ نے بیعت نہ کی۔ کیونکہ اُس وقت بیعت کنندگان میں سے اکثر حصہ انصار اللہ کا تھا جو کہ ''آئندہ کے خوف'' کے لئے کارڈوں کے ذریعہ بلائے گئے تھے۔ اور کسی امر کو دل میں ٹھانے ہوئے بغیر کسی آگا پیچھا سوچنے کے تُلے بیٹھے تھے اور بہت سا حصہ چاروں طرف کے دیہات کے جٹ زمینداروں کا تھا۔ جو کہ خلافت کے متعلق مشکلات کا نہ کوئی علم رکھتے تھے اور نہ اس معاملہ میں رائے زنی کرنے کے اہل تھے۔ بلکہ بالکل سادگی سے کسی خلیفہ کے لئے چشم براہ تھے اور متمنی تھے کہ جلد کوئی خلیفہ ہو اور وہ اُس کی دست بوسی کریں۔ چنانچہ ایک جٹ مسجد نور کے پچھواڑے دھاڑیں مار مار کر روتا ہوا پایا گیا۔ اسی لئے کہ پہلا خلیفہ مر گیا اور جلدی سے کوئی دوسرا خلیفہ کیوں نہیں بنتا۔ ایسے لوگ بھیڑ چال کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد بھی تھوڑی نہیں۔ جن سے بعد میں پیچھے پڑ پڑ کر دستخط لئے اور انگوٹھے لگوائے گئے۔

خاکسار

بشارت احمد عفی عنہ

اسسٹنٹ سرجن

میاں محمود احمد صاحب سے ایک التماس

برادرم میاں محمود احمد صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

آپ کا موسومہ ٹریکٹ ''کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے'' میں نے اول سے آخر تک پڑھا اور مولوی نور الدین صاحب مرحوم ومغفور کی اُن تقریروں کو بھی دیکھا جو الفضل کے غیر معمولی پرچے میں شائع کی گئی ہیں۔ جس سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ آپ مولوی صاحب کے الفاظ کی نقل کر رہے ہیں۔ گو آپ اس کو کار ثواب سمجھتے ہوں۔ مگر حق یہ ہے کہ مولوی نور الدین صاحب مغفور جیسی قابلیت پیدا کرنے اور ہر دل عزیزی حاصل کرنے کی سب سے پہلے ضرورت ہے۔ مولوی نور الدین نے خلافت قائم کرنے کے لئے نہ تو کوئی ایسی پارٹی قائم کی تھی جیسے کہ انصار اللہ کی پارٹی اپنے افعال سے ثابت ہوئی ہے اور نہ اس قدر جدوجہد کی تھی۔ بلکہ قوم نے ہی آپ کی طرف صدق دل سے رجوع کیا تھا۔ پھر مولوی صاحب کی خلافت کے سراسر خلاف جب معاملات نظر آتے ہیں تو مولوی صاحب جیسے دعاوی آپ کو کرنا واجب بھی نہیں۔ کیونکہ مولوی صاحب علم میں، فضل میں، ہنر، عقل و تجربہ میں، کمال وکسب ایثار وعمل میں فرد وحید تھے۔ اور آپ نے اپنی خلافت قائم کرنے کے لئے یا یہ سمجھو کہ آپ کے دلدادہ حضرات نے جس صورت آپ کی خلافت کی بنیاد قائم کی ہے، وہ بجائے خود قابل افسوس کارروائی ہے۔ جس کا حال احمدی حضرات پر خوب روشن ہو چکا ہے۔ باوجود اس کے آپ کا اپنی خلافت کو خدا کی طرف سے بیان کرنا سراسر نامناسب ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کے جس قدر خلیفہ اس سے پہلے ہوئے، وہ اس قسم کی کارروائیوں سے مقرر کئے گئے ہیں۔ جس طرح آپ کو مقرر کیا گیا ہے؟ حالانکہ یہ صورت نہیں ہے۔ اس لئے آپ کو ایسی بات سے احتراز کرنا چاہیئے۔ جو آپ کی شان کے سراسر خلاف ہے۔ آپ اپنے ٹریکٹ میں اس جماعت کے متعلق، جس کو آپ کے والد بزرگوار نے خدا کے ارشاد کے بموجب تیس سال میں تیار کیا، ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی پیش گوئی فرماتے ہیں اور آپ کے والد بزرگوار حضرت مسیح موعود ''الوصیت'' کے آخر میں یہ ارشاد کرتے ہیں کہ ''بہتیرے ایسے ہیں کہ وہ دنیا سے محبت کر کے میرے حکم کو ٹال دیں گے۔ مگر بہت جلد دنیا سے جدا کئے جائیں گے۔ تب آخری وقت میں یہ کہیں گے کہ **هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ . وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی** (ملاحظہ فرمایئے الوصیت صفحہ 27)

اب فرمائیے کہ آپ کی پیشگوئی قابل وثوق تسلیم کریں یا اُس کی پیش گوئی کو جو خدا کا مسیح موعود کہلایا؟
''الوصیت'' کے ایک مقام پر حضرت صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ''مناسب ہے کہ ہر ایک صاحب ہماری جماعت میں سے جن کو یہ تحریر ملے وہ اپنے دوستوں میں اس کو مشتہر کریں اور جہاں تک ممکن ہو اُس کی اشاعت کریں اور اپنی آئندہ نسل کے لئے اس کو محفوظ رکھیں اور مخالفوں کو بھی مہذب طریق پر اس سے اطلاع دیں''
(ملاحظہ فرمایئے الوصیت صفحہ 20)

مگر جناب کی نسبت یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ آپ اپنے والد صاحب قبلہ کی ''الوصیت'' کی پروانہیں کرتے۔ نہ اُن کے حکموں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا آپ کو از روئے انصاف جائز ہے؟ حضرت صاحب کا الوصیت کی نسبت مذکورہ بالا ہدایت دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک خاص قانون ہے، جس پر آئندہ جماعت کی بہبودی و بہتری کا انحصار ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ اپنی خلافت کا ثبوت الوصیت سے نہیں دیتے۔ مہربانی کر کے الوصیت سے دینی خلافت کا ثبوت پیش کریں۔ نیز اس امر کا کہ کس طرح آپ کو یہ معلوم ہوا کہ آپ کو خدا نے خلیفہ مقرر کیا ہے۔ ہم اُن الہامات اور کلام الٰہی کو سننے کے خواہش مند ہیں کہ جن کے ذریعہ آپ کو علم ہوا ہے کہ خدا نے آپ کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ الہامات کو حقیقۃ الوحی کے ذریعہ پرکھا جائے گا۔ اُمید ہے کہ اُن تمام اُمور پر غور کر کے کافی جواب بذریعہ اخبار عنایت فرمائیں گے۔

ایک عرض یہ ہے کہ جس حالت میں آپ مولوی نورالدین صاحب کے الفاظ کی نقل پیش کرتے ہیں وہ مولوی صاحب کے طرز عمل کے سراسر خلاف ہیں۔ اس بات کے اظہار کی کیا ضرورت تھی کہ کل روپیہ انجمن کو نہ روانہ کیا جائے بلکہ آپ کے پاس ارسال کیا جائے۔ حالانکہ مولوی صاحب نے کبھی ایسا اعلان نہیں کیا۔ اس بات کے ظاہر کرنے سے آپ کی اصلی غرض کیا ہے۔ اس پر بھی روشنی ڈالیں، تو عین عنایت ہوگی۔ والسلام

راقم ایک احمدی

2 اپریل1914ء

مراسلات

کھلی چٹھی بنام حضرت مولٰینا محمد علی اور اس کا جواب

مکرمی !السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔

پیغام صلح (جنگ) کی مجلس شوریٰ کا ریزولیوشن نمبر 3 جس میں سید حامد شاہ صاحب ،خواجہ صاحب ،مولوی غلام حسن صاحب کو غیر احمدیوں سے بیعت لینے کے واسطے خلیفہ نامزد کیا گیا ہے۔ کیا اس کے مطابق ہم احمدیاں انجمن سانگلا و مفصلات لائل پور ایک مجلس شوریٰ قائم کر کے خلیفہ نامزد کر لیں۔ کیونکہ یہاں کے لوگوں کو سیالکوٹ ، پشاور اور لندن جانا بہت مشکل ہے۔اور کیا جائز ہے کہ اس طرح ہر علاقہ میں ایک ایک خلیفہ بنایا جائے۔

جواب: حضرت مسیح موعود الوصیت صفحہ 6 پر فرماتے ہیں ۔:

> ’’اور چاہئے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں۔ (اسی صفحہ کے حاشیہ پر تحریر ہے کہ) ’’ایسے لوگوں کا انتخاب مؤمنوں کے اتفاق رائے پر ہوگا۔پس جس شخص کی نسبت چالیس مؤمن اتفاق کریں گے کہ وہ اس بات کے لائق ہے کہ میرے نام پر لوگوں سے بیعت لے وہ بیعت لینے کا مجاز ہوگا۔اور چاہئے کہ وہ اپنے تئیں دوسروں کے لئے نمونہ بناوے۔‘‘

اس کے مطابق جتنے چاہیں آپ بیعت لینے والے بنالیں۔آخر احمدی ہی بنائیں گے۔گناہ کیا ہوگا۔ احمد کے نام پر ہی بیعت لیں گے۔اس میں آپ کو تکلیف اور حرج ہی کیا ہے۔ یہ ہمارا حکم نہیں۔حضرت مسیح موعود کا حکم ہے۔

سوال دوم: امیر جو آپ تجویز کرنا چاہتے ہیں اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ نہ وہ بیعت لے۔ نہ انجمن پر حکومت کرے۔اس کا منصب اور عہدہ کیا ہوگا۔کیا انجمن سے چند روپیہ تنخواہ لے کر مسجد کا امام ہوگا اور بس یا کچھ اور۔

ایسے امیر سے جماعت کو کیا فائدہ ہوگا؟

جواب: امیر کی حیثیت وہی ہوگی جو اسلام میں امیر کی، جو کسی کام میں مقرر کیا جاتا ہے، ہوا کرتی ہے۔ پیر نہ ہوگا۔ جیسا یہاں کے گدی نشین ہیں ویسا نہ ہوگا۔ احمد کے نام پر بیعت لے گا۔ کیونکہ چالیس سے زیادہ مؤمن اُس کو منتخب کرتے ہیں۔ انجمن پر حکومت کے لئے دیکھو تحریر حضرت مسیح موعود۔ جو یہ ہے اس کے خلاف کرنے والا خدا سے ڈرے۔ انجمن سے تنخواہ تو لوگ آگے بھی لے لے کر کھا رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ امیر اگر قابل ہوگا، متقی ہوگا اس سے جماعت کو فائدہ ہوگا۔ اگر خود غرض ہوگا، نا تجربہ کار ہوگا، دنیا کا پیارا ہوگا، خادمانِ دین کا دشمن ہوگا۔ تو اس سے جماعت کو نقصان ہوگا اور وہ تباہ ہو جائے گی۔ اور وہ قوم کا روپیہ کھائے گا اور عزت برباد کرے گا۔ پھر اسلام کی خدمت کے لئے اور کوئی قوم کھڑی ہو جائے گی۔

2اپریل1914ء

چند کُھلی کُھلی باتیں

(از جناب مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (8:3)

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دے اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت کی اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔''

حق اپنے ساتھ ایک کُھلا ثبوت رکھتا ہے۔ ہر ایک سچی بات کی شناخت کے لئے کچھ کھلی کھلی علامتیں ہوتی ہیں۔ یوں تو دنیا میں کون شخص ہے جو اپنی رائے کے لئے کچھ دلائل نہیں رکھتا۔ بالخصوص مذہبی عقائد کے معاملہ میں بڑے بڑے عقلمند متضاد خیالات رکھتے ہوئے پائے جائیں گے۔ اور ہر ایک اپنی طرف کچھ نہ کچھ دلائل پیش کرتا ہی چلا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی اس ساری کھلی کھلی توحید کی تعلیم میں، جس کا مجموعہ تورات کہلاتا ہے، تثلیث کے قائل کس قدر اشارات تثلیث کی تائید میں پاتے ہیں کہ ایک انبار ان کتابوں کا بن جاتا ہے۔ تینتیس کروڑ دیوتاؤں کے قائل بھی اپنے عقیدہ کی تائید میں دلائل پیش کرتے رہتے ہیں۔ اگر ایک طرف ایک گروہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا قائل ہے تو بالمقابل طعن کرنے والوں نے ہزاروں نہیں لاکھوں سفید صفحات سیاہ کر دیئے ہیں۔ وہی صحابہؓ نبی کریم ﷺ جن کی شان میں خود قرآن کریم رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ فرماتا ہے، آخر مسلمانوں کے ایک گروہ کی نظر میں نہ صرف منافق اور فاسق قرار پا گئے بلکہ ان پر لعنت کرنا موجب ثواب ٹھہرا۔

تو پھر سوال ہوگا کہ کیا حق اور باطل ایسے ملے ہوئے ہیں کہ ان کو علیحدہ کرنا اور ایک کو دوسرے سے ممیّز کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے؟ نہیں۔ بلکہ میں تو دیکھتا ہوں کہ حق کی شناخت کے لئے ایسی کھلی راہیں اور موٹی باتیں انسان کو مل جاتی ہیں کہ اُن کی تائید کے لئے پیچیدہ راہوں اور اشارات کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ہاں!

جب انسان کو ایک کھلی راہ مل جائے اور ایک بین ثبوت ہاتھ میں آجائے تو اس کو مضبوط پکڑ لینا اور کمزور باتوں کے بالمقابل اسے رد نہ کر دینا یہ اس کا اپنا کام ہے۔ اسے صرف اس قدر اطمینان کر لینا چاہیے کہ واقعی ایک روشن دلیل اور مضبوط بات کو اُس نے پکڑا ہے۔

اسی اصل الاصول کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (256:2) بڑا رشد ایمان باللہ اور توحید الٰہی ہے اور بڑی گمراہی اس ذات پاک کا انکار اور شرک ہے۔ مگر اس سے اُتر کر ہزاروں نہیں لاکھوں کروڑوں باتیں اپنی اپنی مگر رُشْدٌ اور غَيٌّ کے مختلف مراتب رکھتی ہیں۔ لیکن ہر ایک سچائی اپنے ساتھ کچھ ایسے دلائل رکھتی ہے کہ جن پر لفظ تَبَيَّنَ صادق آتا ہے۔ اس وقت میرا منشا ان امور کا، جو سلسلہ احمدیہ کے اندر بعض اختلافی مسائل پیدا ہو گئے ہیں، اسی اصل پر پرکھنا ہے۔

صداقت کو قبول کرنے والے پہلے تھوڑے ہوتے ہیں: پندرہ روز ہوئے کہ میں نے جماعت احمدیہ کو بعض امور کی طرف توجہ دلائی تھی جن کو میں حق سمجھتا تھا اور ان کی تائید میں بعض کھلی اور موٹی باتیں پیش کی تھیں جن پر غور کر کے میرے خیال میں بہت سے لوگ آسانی سے سچائی اور غلطی میں تمیز کر سکتے تھے۔ لیکن جس طرح یہ سچ ہے کہ صداقت اپنے ساتھ ایک کھلا نشان رکھتی ہے، اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ بڑی سے بڑی اور واضح سے واضح صداقت، جب پہلی مرتبہ پیش کی جاتی ہے تو وہ فی الفور کبھی قبول نہیں کی جاتی۔ بلکہ بڑے زور کے ساتھ رد کر دی جاتی ہے۔ اگر میرے بھائیوں میں سے۔ ہاں! میرے احباب میں سے، جن کی میں اب بھی اسی طرح عزت کرتا ہوں، جس طرح پہلے کرتا تھا، باوجودیکہ میں اُنہیں ایک امر میں غلطی پر سمجھتا ہوں، اگر کسی نے اس کو ایک گند کہا جس سے اُن کا علاقہ پاک رہا، یا کسی نے اُسے فتنہ اور شرارت قرار دیا یا کسی کو اس میں منافقت کی بُو آئی، یا کسی نے اُس سے اظہار نفرت کیا، اور ان تمام باتوں کو ہمارے معزز اخبار الفضل نے نقل کر کے شائع کرنا ضروری سمجھا۔ یا اگر میرے مکرم اور پیارے میرے آقا کے فرزند نے مجھے فاسق اور منافق قرار دیا اور ابلیس کے ساتھ ملایا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی مجھے توقع نہیں رکھنی چاہئے تھی۔

ہر ایک صداقت اور حق امر کو قبول کرنے والے پہلے تھوڑے ہوتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ ہی طبائع اُس کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ پس یہ نہ میرے لئے گھبرانے کا مقام ہے، نہ میرے ان احباب کے لئے، جنہوں

نے میری آواز کے ساتھ اتفاق کیا، بلکہ میں تو اسے بھی اپنی اُمید سے بڑھ کر پاتا ہوں۔ اور حضرت صاحب کے منظوم کلام درازالہ اوہام کے اس شعر کو اپنے لئے ہی سمجھتا ہوں ؎

شکر لِلّٰہ مل گیا ہم کو وہ لعل بے بدل کیا ہوا گر قوم کا دل سنگ خارا ہو گیا

ہاں! وہ لعل بے بدل صداقت ہے۔ اور دیکھو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس صداقت کو، جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے قائم کیا ہے، میں ایک ایسا لعل بے بدل سمجھتا ہوں کہ جس کے مقابلہ میں ہر ایک بات کو خوشی کے ساتھ سننے کے لئے تیار رہوں۔ ہر ایک دُکھ اور مصیبت اُٹھانے کو تیار ہوں۔ تم اگر میرے لئے بددعا کرنے کی ضرورت سمجھتے ہو تو میرا تصرف دلوں پر نہیں۔ ہاں! وہ میرے مولیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ میرا پیارا محمود اگر میری تباہی کی پیشگوئی کرتا ہے تو خوب یاد رکھو کہ میں اگر اس صداقت کی طرف بُلاتے بُلاتے ہلاک بھی ہو جاؤں، تو بھی میں اس پر اسی مضبوطی کے ساتھ قائم ہوں۔ و باللہ التوفیق۔

میرے پیارو! مجھ پر بدظنی سے کام نہ لو۔ میں نے بہت تنہائی کی گھڑیوں میں اپنے دل کو ٹٹولا ہے۔ میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ ایک ایک دو کر کے اور مجمع میں بھی اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ میں نے ان آراء پر، جو متانت سے بیجا جوش کی حالت میں اس پر دی گئی ہیں، ٹھنڈے دل سے مطالعہ کیا ہے۔ ہاں! سب سے بڑھ کر میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور بھی جہاں تک میری طاقت تھی عرض کیا ہے۔ اور اپنے دل کو ہر ایک قسم کے خیالات سے الگ کر کے عرض کیا ہے کہ **رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ** (8:3) پھر میں اپنے نفس کو پاک نہیں سمجھتا۔ بہت کمزور اور عاجز ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور تائید سے میں اپنے آپ کو آج اس سے بھی زیادہ مستحکم چٹان پر قائم پاتا ہوں، جس پر پہلے دن اس صداقت کو پیش کرتے وقت میں نے اپنے آپ کو پایا تھا۔ اور میرے سب دوست وہ بھی، جو مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں، اور وہ بھی جو اَب مجھے راندہ درگاہ سمجھ کر اپنا دشمن سمجھتے ہیں، اچھی طرح یاد رکھیں کہ اگر میں ہلاک بھی ہو جاؤں تو بھی یہ صداقت صداقت ہی ہے۔ اور میرا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آخر کبھی دلوں کو اس کی طرف کھول دے گا۔ **وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ. اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ** (44:40)

ایک دوسرے کو فاسق اور منافق قرار دینے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے کی راہ کھلی غلطی کی راہ

ہے: صداقت کی اس کھلی اور بین دلیل کو پیش کرنے سے پہلے میں ایک امر کی طرف آپ سب کو آپ کے بھلے کے لئے توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جس راہ کو تم نے اختیار کیا ہے۔ اس کی غلطی کے کھلے اظہار کے لئے کسی لمبے عرصہ کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ دس دن کے اندر اندر ہی اس کی غلطی کھل گئی ہے۔ اگر آپ لوگ اکیلے اکیلے ہو کر اور اپنے خاص احباب سے مل کر خدا کے لئے ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں اِنَّمَآ اَعِظُکُمۡ بِوَاحِدَۃٍ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلّٰہِ مَثۡنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوۡا (46:34) تو میں اُمید کرتا ہوں کہ اب بھی حق آپ پر واضح ہو جاوے اور جماعت تفرقہ سے بچ جائے۔

عقلمند انسان وہ ہے جو گزشتہ قوموں کی تاریخ سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم بار بار مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ (8:43) کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ دور کی تاریخ اور اجنبی قوموں کی طرف میں آپ کو لے جانا نہیں چاہتا۔ اپنے گھر کی طرف دیکھ لو۔ مسلمانوں میں سے ایک قوم نے ان لوگوں کو، جو خدا کے پاک نبی محمد رسول اللہ ﷺ نے شبانہ روز کوششوں اور گریہ وزاری کے ساتھ تیار کئے تھے اور جنہوں نے خدا کے برگزیدہ قوم ہونے کا عملی ثبوت بھی اپنے مالوں اور جانوں کو قربان کر کے دے دیا، اُسی پاک اور برگزیدہ گروہ کو جب ایک قوم نے بُرا کہنا شروع کیا تو آہستہ آہستہ تمام حفظ مراتب کو ترک کر کے آخر کار ان پر لعنت کرنا موجب ثواب قرار دیا۔ مثالوں میں سارے حالات یکساں نہیں ہوتے۔ مگر غور کرو کہ تمہیں بھی کچھ ایسے ہی حالات پیش آتے ہیں۔ تمہارے سامنے بھی ایک قوم خدا کے ایک برگزیدہ نے تیار کی۔ جن کے ایک حصہ کو آج تم کھلے لفظوں میں فاسق اور منافق کے نام سے تو اپنی تحریروں میں یاد کرتے ہو اور تمہاری مجلسوں میں ان کی عیب چینی اور ان پر طعن و تشنیع ہوتی ہے۔ تم میں سے کسی کو اس قدر بُغض و عناد دل میں پیدا کر لینے کے بعد کوئی خواب آجاتا ہے تو بجائے اس کے کہ تم اپنے دل کو صاف کرو تم مکروہ لفظوں میں اس کا اعلان کرتے ہو۔

یاد رکھو ہر ایک بدی ایک بیج کی طرح پیدا ہوتی ہے۔ پھر روز بروز وہ قوت پکڑتی جاتی ہے۔ لیکن اگر ایک قوم تم سے پہلے سالوں بلکہ صدیوں میں اس افراط کی حد کو پہنچی تھی کہ نیکوں پر لعنت کرے تو تم نے گھنٹوں اور دنوں میں منزل کو طے کر لیا۔ کاش! اس تیزی سے نیکی کی طرف تمہارا قدم اُٹھتا۔ پندرہ دن کے اندر اندر حضرت مسیح موعود کی تربیت یافتہ جماعت کے ایک گروہ کو تم نے کھلے لفظوں میں منافق کہہ دیا۔ خدا کے لئے کہو کہ کیا تم نے

ان کے دل چیر کر دیکھ لیے ہیں کہ فی الحقیقت وہاں بجائے اخلاص کے نفاق ہے۔ آہ! بیس یا پچیس سال کے اخلاص کو نفاق بتاتے ہوئے تم نے بیس یا پچیس دن بھی انتظار نہ کیا۔ بلکہ میں کہوں گا کہ دراصل تو بیس پچیس گھنٹے بھی انتظار نہ کیا تھا۔ ہاں! اس کے اعلان میں تمہاری قیمتی عمروں میں سے سات یا دس دن خرچ ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ (156:2) کونسا تم میں اتنا عظیم الشان اختلاف تھا جس کے لئے تم نے اپنے بھائیوں کو فاسق اور منافق قرار دینے میں اس قدر جلدی کی۔ ایک خدا ایک رسولؐ، ایک کتاب، ایک مامور کو مانتے ہوئے ایک سا عمل کرتے ہوئے کیا تمہارا کام ایک دوسرے کو فاسق اور منافق قرار دینے کے بغیر نہ چلتا تھا۔ خدا کے لئے اب بھی غور کرو کہ پہلے کس قوم نے اس راہ پر قدم مارا اور کیا نیک نتیجہ اس کا حاصل کیا۔ جو آج تم نے بھی وہی راہ اختیار کی۔ دیکھو یہ ایک صریح غلطی کی راہ ہے۔ یہ ایک واضح دلیل ہے کہ تمہارا قدم خود اس راہ پر ہے۔ اب بھی سنبھل جاؤ۔ ورنہ جو بیج آج بو رہے ہو۔ اس سے پھر قوم کو صاف کرنا بہت ہی مشکل ہو جائے گا۔ اور جس طرح آج تم نے اپنے بھائیوں پر یہ فتویٰ لگا دیا ہے، تمہارے بعد اور لوگ آئیں گے جو تم میں سے کسی حصہ پر یہی فتویٰ لگائیں گے۔ دیکھو! اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے کوئی نمونہ چھوڑتے ہو تو نیک نمونہ چھوڑو۔ جو گروہ اس وقت تمہاری رائے سے متفق نہیں، مانا کہ ان میں کمزوریاں اور نقص ہیں، مگر کمزوریوں اور نقائص سے کون سی قوم خالی ہے۔ اور جب کمزوریاں اور نقص تلاش کرنا ہی تم اپنا شیوہ بنا لوگے تو یہ تو میں مانتا ہوں کہ کچھ نہ کچھ تمہارے ہاتھ ایسی باتیں آجائیں گی، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ تمہارے سلسلہ کی ترقی میں یہ ایک عظیم الشان روک ہو جائے گی۔ جس کے دور کرنے کی پھر شاید تم میں ہمت بھی نہ رہے۔ رَبِّ اغۡفِرۡ لِقَوۡمِیۡ اِنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ میرے پیارے ہادیؐ کا قول ہے، میں بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگتا ہوں کہ وہ اس راہ پر پڑنے سے ہماری قوم کو محفوظ رکھے جس پر چل کر پہلی قوموں نے نیک ثمرات حاصل نہیں کئے۔

اختلاف کیا ہے: اب میں اصل مطلب کی طرف آتا ہوں۔ میں نے کہا کہ ہر ایک سچائی کے لئے ایک واضح اور بین دلیل ہوتی ہے۔ اب اس وقت ہمارے اندر جو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ ایک فریق کہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے بعد تا قیامت خلفاء کا ایک سلسلہ ہوگا۔ جن میں سے ہر ایک خلیفہ نہ صرف ساری قوم کا مطاع ہوگا۔ بلکہ اس کے ہاتھ پر تمام احمدیوں کو، خواہ وہ دنیا کے کسی کونہ میں ہوں، بیعت کرنی ضروری ہوگی۔ اور جو بیعت نہیں کریں

گے وہ فاسق ہوں گے۔ اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہ صرف خلفاء کا سلسلہ لازمی نہیں، بلکہ یہ چل نہیں سکتا۔ اور کہ حضرت مسیح موعود کی اپنی تحریریں اس بات پر شاہد ہیں کہ انہوں نے اپنے بعد کسی فرد واحد کی اطاعت کو ضروری قرار نہیں دیا۔ بلکہ اصلی جانشین اور ساری قوم کا اصلی مطاع ایک انجمن کو قرار دیا ہے، اور اسی کے سپرد سارا انتظام کیا ہے۔ اور نہ صرف سب احمدیوں کے لئے بار بار کسی شخص کی بیعت کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ اکیلے اکیلے شخص کو مطاع مان لینے سے حضرت مسیح موعود کی ''الوصیت'' اور آپ کی کھلی کھلی تحریروں اور آپ کے عمل کی کلیۃً تردید لازم آتی ہے۔ اور بیعت کے ضروری قرار دینے سے بعض ایسے مفاسد پیدا ہوتے ہیں، جو سلسلہ کی بنیاد کو کھوکھلا کرنے والے ہیں۔

اس اختلاف میں ایک فیصلہ کن تحریر: اس اختلاف میں وجوہات اور دلائل جو فریقین پیش کرتے ہیں اور کریں گے وہ تو کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ پھر دلائل پر کیا انحصار ہے۔ اشارات اور اس سے ایک قدم آگے گزر کر خوابوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن کیا درحقیقت حضرت مسیح موعود کی وصیت کے ہوتے ہوئے ہم ایسی تاریکی میں چھوڑے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کی تردید کرتے چلے جائیں۔ یا اشارات اور لطائف اور مختلف قسم کے لوگوں کی خوابوں سے اپنے مطالب کی تائید شروع کر دیں۔ اور کوئی فیصلہ کن اور واضح دلیل کسی فریق کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

دوستو! آؤ میں تمہیں ایک صاف اور سیدھی راہ بتاؤں۔ اس بات کو تم سب مانتے ہو کہ جن امور میں حضرت مسیح موعود کا صریح فیصلہ مل جائے، وہاں ہم آپ کے بعد کسی اور کی بات نہیں مانیں گے۔ ہاں! فیصلہ ایسا ہونا چاہیئے جو قطعی اور یقینی ہو۔ جس کے الفاظ میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ دیکھو! حضرت خلیفۃ المسیح نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ''سنو تمہاری نزاعیں تین قسم کی ہیں۔ اول ان امور اور مسائل کے متعلق ہیں جن کا فیصلہ حضرت صاحب نے کر دیا ہے۔ جو حضرت صاحب کے فیصلہ کے خلاف کرتا ہے وہ احمدی نہیں۔''

پس اب سوچ لو کہ آیا اپنی جانشینی کے سوال کا حضرت مسیح موعود نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے یا نہیں؟ دیکھو! اپنی وصیت میں کس صفائی سے فرمایا کہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔ مگر اس کے بھی تم نے کئی معنے

کئے۔ حالانکہ جب کوئی شخص اپنی وصیت میں نام لے کر کسی کو جانشین قرار دیتا ہے۔ تو سوائے اس کے کہ وہ خود ہی اس وصیت کو بدل دے اور کھلے الفاظ میں اُس کی تردید کردے۔ کوئی الفاظ یا اشارہ یا کنایہ اس کے اپنے طرزِ عمل کے سوائے کسی دوسرے کا طرزِ عمل کسی جج کے نزدیک ایسے مقرر کردہ شخص کے جانشین ہونے میں مانع نہیں ہوسکتا۔ لیکن کیا حضرت مسیح موعود نے اپنی وصیت کے ان کھلے کھلے اور صاف الفاظ کی کبھی تردید کی؟ یا کبھی کہا کہ جانشین سے میری مراد وہ نہیں جو اس لفظ کے سیدھے اور صاف معنے ہیں۔ بلکہ کچھ اور مراد ہے۔ ہاں! صرف ایک امر میں خود ہی وضاحت فرما دی کہ میرے بعد غیر احمدی لوگوں کو سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے بیعت لینے والا کون ہو؟ اگر ایک منٹ کے لئے اپنے خیالات کو چھوڑ کر حضرت مسیح موعود کی وصیت پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس خدا کے برگزیدہ نے اس کو کسی پہلو میں ناقص نہیں چھوڑا۔

یہ اعتراض ہوسکتا تھا کہ انجمن کو اپنا جانشین تو بنایا۔ لیکن انجمن تو بیعت نہیں لے سکتی۔ کیونکہ بیعت تو ایک شخص کے ہاتھ پر ہی ہوسکتی ہے۔ پس اگر بیعت کے متعلق آپ کوئی انتظام نہ فرماتے تو ایک وجہ ہوسکتی تھی کہ کہا جاتا کہ گو انجمن کو جانشین کہا ہے، مگر چونکہ بیعت کا کوئی انتظام نہیں کیا، اس لئے وصیت ناقص ہے۔ مگر غور کرو کہ وصیت میں اس کا بھی کیسا کھلا کھلا اور صاف انتظام کر دیا اور اسی وصیت میں فرمایا:

> ’’اور چاہئے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں...... اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کریں۔‘‘ (الوصیت ص 7-8)

ان الفاظ میں اس قدر ابہام باقی رہ جاتا تھا کہ ایسے بزرگوں سے مراد صرف ایک ہی ہو یا یہ کہ خود جو شخص اپنے آپ کو پاک نفس والا قرار دے، حالانکہ وہ فی الحقیقت اس کا اہل نہ ہو، بیعت لینی شروع کردے، اس ابہام کو حاشیہ میں یہ نوٹ درج کر کے دور کر دیا:

> ’’ایسے لوگوں کا انتخاب مؤمنوں کی اتفاق رائے پر ہوگا پس جس شخص کی نسبت چالیس مؤمن اتفاق کریں گے کہ وہ اس بات کے لائق ہے کہ وہ میرے نام پر لوگوں سے بیعت لے وہ بیعت لینے کا مجاز ہوگا۔‘‘ (الوصیت ص 7)

اس سے دونوں باتیں صاف ہو گئیں۔ یعنی ایک تو یہ کہ کسی شخص کے اس لائق قرار پانے کے لئے کہ وہ حضرت مسیح موعود کے نام پر بیعت لے، یہ ضروری ہوا کہ چالیس مؤمن اس پر اتفاق کریں۔ اور دوسرے یہ کہ جس پر چالیس مؤمن اتفاق کریں وہی احمد کے نام پر بیعت لے سکتا ہے۔ اس طرح دونوں ابہام، جو اوپر کی عبارت سے پیدا ہوتے تھے، دور کر دیئے۔ تو اس طرح آپ نے کُل انتظام اپنے بعد کا مکمل کر دیا۔ اپنا جانشین انجمن کو ٹھہرایا۔ بیعت لینے یعنی سلسلہ احمدیہ میں لوگوں کو داخل کرنے کا انتظام مکمل علیحدہ کر دیا۔ بیعت لینے والوں کے متعلق کسی قسم کا کام انتظام یا مال کا نہیں کیا۔ بلکہ ان کا کام صرف بیعت لینے تک محدود کیا اور باقی کُل کا انجمن کے سپرد کیا۔ اور پھر فرمایا کہ ایسا شخص ''بیعت لینے کا مجاز ہوگا'' یعنی اسے اجازت ہے کہ بیعت لے لیا کرے۔ دوسرے لوگوں کو مجبور نہیں کیا کہ وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ یہ نہیں کہا کہ اس کی بیعت لازمی ہوگی۔ بلکہ اسے اجازت ہے کہ وہ بیعت لے۔ اور وہ بھی مسیح موعود کے نام پر۔ یعنی لوگوں کو سلسلۂ احمدیہ میں داخل کرنے کے لئے۔

اب ان دونوں مقاموں میں ایک جگہ تو اپنی جانشینی کا سوال حل کر دیا۔ اور دوسری جگہ بیعت لینے یعنی لوگوں کو سلسلہ احمدیہ میں داخل کرنے کا سوال ایسی صفائی سے حل کیا کہ اس میں کوئی ابہام باقی نہیں چھوڑا۔ اس قدر وضاحت اور صفائی کے ہوتے ہوئے اگر مسیح موعود کا اپنا طرزِ عمل اس کے خلاف ہوتو پھر تو کچھ شک بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ لیکن جب حضرت صاحب کا اپنا طرزِ عمل بھی اس کے اڑھائی سال تک اپنی زندگی میں ایسا رہا جو نہ صرف اس کے خلاف نہیں بلکہ کھلے طور پر انجمن کے جانشین ہونے کا مؤید ہے۔ خود انجمن بنائی، خود اس کے ممبر نامزد کئے، خود سب کاروبار اُن کے سپرد کیا۔ سوائے ایک لنگر خانہ کے، جس کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔ مگر وہ کھلی اور واضح شہادت، جو ان تمام امور سے بڑھ کر ہے جس کے سامنے تمام تاریکیوں کے پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ جس کو ایک موٹی سے موٹی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے، وہ حضرت مسیح موعود کی اپنی دستخطی تحریر ہے۔ جو اکتوبر 1907ء میں یعنی اپنی وفات سے صرف سات آٹھ ماہ پیشتر انجمن کے قیام کے پونے دو سال بعد آپ نے لکھ کر دی۔ اس تحریر کے، جو ساری حضرت مسیح موعود کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، ایک ایک لفظ پر غور کرو اور جنبہ داری کو چھوڑ کر خدا کے لئے شہادت دو کہ آیا یہ فیصلہ حضرت مسیح موعود کا قطعی ہے یا نہیں۔ وہ تحریر حسب ذیل ہے: (اس تحریر کا فوٹو دفتر پیغام صلح لاہور سے 4 آنہ پر مل سکتا ہے)

''میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہئے اور کثرت رائے اُس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہئے۔ اور وہی قطعی ہونا چاہئے۔ لیکن اس قدر میں زیادہ لکھنا پسند کرتا ہوں کہ بعض دینی اُمور میں، جو ہماری خاص اغراض سے تعلق رکھتے ہیں، مجھ کو محض اطلاع دی جائے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلاف منشا میرے ہرگز نہیں کرے گی۔ لیکن صرف احتیاطاً لکھا جاتا ہے کہ شاید وہ ایسا امر ہو کہ خدا تعالیٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو۔ اور یہ صورت صرف میری زندگی تک ہے۔ اور بعد میں ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔'' والسلام۔

مرزا غلام احمد عفی عنہ 27 اکتوبر 1907ء

میرے دوستو! اس تحریر کو بار بار پڑھو اور غور کرو۔ دیکھو یہ اس شخص کے قلم کے لفظ ہیں جس کو تم خدا کا ماموراور اس اُمت کا آخری خلیفہ مانتے ہو۔ اپنے آپ کو محض طرف داری کے خیال سے ہلاکت کی راہ میں مت ڈالو۔ کیا اس فیصلہ میں کوئی گنجائش باقی ہے۔ کوئی ابہام چھوڑا گیا ہے۔ اگر نہیں تو پھر اس کو تمام دوسرے خیالات پر مقدم کرو۔ اور تمام دوسری تحریروں اور تقریروں کو اور کسی دوسرے کے طرزِ عمل کو اس کے نیچے لاؤ۔ جب تمہیں مسیح موعود کی ایسی کھلی کھلی تحریر ملتی ہے تو کیا سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (56:33) کا یہ طریق ہے کہ تم اس سے بھاگنے کے لئے مختلف راہیں نکال رہے ہو۔ اگر اس تحریر کے الفاظ میں کوئی ابہام ہو، اگر کسی لفظ کے دو معنے ہو سکتے ہوں، تو بیشک تم یہ کہو کہ ہم وہ معنے لیں گے جو فلاں شخص یا اشخاص کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر تمہارے لئے یہ گنجائش ہی باقی نہیں رکھی گئی اور ایسے صاف اور صریح الفاظ ہیں کہ اُن کے اور کوئی معنے ہو ہی نہیں سکتے۔ تو پھر یاد رکھو کہ تم حق کو عمداً چھوڑنے کے الزام کے نیچے ہو۔

اس تحریر سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ الوصیت کی رُو سے انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین قرار پائی۔ اس تحریر کی رُو سے حضرت مسیح موعود کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں کہ انجمن کے کسی فیصلہ میں دست اندازی کر سکے۔ صرف ایک ہی استثنا حضرت مسیح موعود نے کیا کہ بعض دینی امور میں محض آپ کو اطلاع دی جائے کہ شاید وہ ایسا امر ہو کہ خدا تعالیٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو۔ اور اس استثنا کے متعلق فرمایا کہ ''یہ صورت صرف میری زندگی

تک ہے۔'' حالانکہ یہی الفاظ کافی تھے۔اور کوئی ابہام باقی نہ رہتا۔مگر پھر فرماتے ہیں ''اور بعد میں ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔'' اب بتاؤ اس صراحت سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ کیا اس تحریر سے یہ صاف نہیں پایا جاتا کہ اپنے بعد انہوں نے کسی شخص کو اس انجمن کا مطاع ہر گز ہر گز قرار نہیں دیا اور کسی شخص کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اس انجمن کے فیصلوں میں دست اندازی کر سکے۔کیا حضرت صاحب کی اس کھلی تحریر کے خلاف کرتے ہوئے تمہارا دل نہیں ڈرتا۔دیکھو میں تم کو دوبارہ کہتا ہوں کہ اگر اس تحریر کے دو معنے ہوسکتے ہیں۔تو بیشک تم جو چاہو معنے کرلو، لیکن اگر اس کے صاف صاف الفاظ کسی ایسے خلیفہ کی ضرورت نہیں چھوڑتے جس کو انجمن کے فیصلوں میں دست اندازی کرنے کا حق حاصل ہو، تو تم سلسلہ کی بنیاد اس مستحکم چٹان پر رکھو جس پر حضرت مسیح موعود نے رکھی ہے۔اور اس راہ پر نہ چلو جو انجام کار اس سلسلے کی تباہی کا موجب ہو۔

آہ! میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔جب میں دیکھتا ہوں کہ کس طرح حضرت مسیح موعود کے کھلے کھلے حکم کی بے قدری کی جاتی ہے۔اور اس پاک انسان کے حکم پر اپنے خیالات کو ترجیح دی جاتی ہے۔تَاللّٰہِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ (56:16) وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (93:16) اگر تم اپنی کثرت پر ناز کر کے حضرت مسیح موعود کے حکم کو پس پشت پھینکتے ہو تو پھینک دو۔میں اس حق کو ساری جماعت کے سامنے لانے کے لئے ہر ایک ذلت اُٹھانے اور ہر ایک ناکامی کا منہ دیکھنے کے لئے تیار ہوں۔اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آخر جماعت اپنا رُخ پلٹے گی اور ایک کھلی صداقت کو اس طرح پس پشت نہیں ڈالے گی، جس طرح آج پھینک رہی ہے۔میں جگر گوشۂ رسول پر تیر پھینکنے والا نہیں ہوں۔نہ صداقت کا اظہار تیر پھینکنا ہے۔عملی طور پر وہ لوگ تیر پھینکنے والے ہیں۔جو اس وقت بظاہر خیر خواہ نظر آتے ہیں۔میری نظر انجام اور عاقبت پر ہے۔میں خود تمہارے تیروں سے چھلنی ہو رہا ہوں۔دوسروں پر کیا پھینکوں گا؟

ان خیالات کا اعلان اور اشاعت: بار بار یہ کہا جاتا ہے کہ تمہیں پہلے ان خیالات کی اشاعت کی جرأت نہیں ہوئی۔اس لئے تم منافق ہو۔میرے دوستو! مجھ پر منافق ہونے کی بدظنی اس قدر جلدی نہ کرو۔اگر میں منافقت کو پسند کرتا تو میں کیوں اس قدر ذلت اور دُکھ اُٹھاتا۔اور صاحبزادہ صاحب کی بیعت نہ کر لیتا۔میں نے اپنے خیالات کو کبھی نہیں چھپایا۔ہاں! جہاں ایک حکم مجھے دیا گیا ہو جس کا ماننا میرے ذمہ فرض تھا تو اس کی بھی میں نے

تعمیل کی۔سب سے پہلے اگر یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ الوصیت کا اثر میرے دل پر کیا تھا، تو مئی 1906ء کا رسالہ ریویو آف ریلیجنز دیکھو جہاں میں نے اپنے ان خیالات کا اظہار الوصیت کے شائع ہونے سے صرف پانچ ماہ بعد کیا۔مگر اس وقت تم میں سے کسی نے مجھے ملزم نہ کیا۔سلسلہ احمدیہ کے مختصر حالات کے مضمون کے آخر میں یہ لفظ ہیں:

''آئندہ کے متعلق بانی سلسلہ اس سلسلے کے لئے بڑی بڑی کامیابی کی پیشگوئی کرتے ہیں۔ براہین احمدیہ میں دو وعدے سلسلہ کی کامیابی کے متعلق ہیں۔ایک وہ وعدہ جو خود بانی کی زندگی میں پورا ہونے والا تھا۔سو وہ پورا ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے...... دوسرا وعدہ کامیابی کا جو اس سلسلہ کو دیا گیا ہے وہ اس کے بانی کی وفات کے بعد پورا ہونے والا ہے...... یہ بھی ایک پیشگوئی ہے کہ آپ کے ایک لڑکے کے ذریعے سے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے سلسلہ کی رہنمائی کے لئے مامور ہوگا۔ یہ سلسلہ بڑا اقتدار اور قوت حاصل کرے گا۔جب تک ایسا شخص ظاہر ہو اس وقت تک آپ کی یہ وصیت ہے کہ جس شخص کے راستباز ہونے پر چالیس مؤمن شہادت دیں وہ لوگوں سے بیعت لیتے رہیں۔لیکن انتظام سلسلہ ایک انجمن کے سپرد کیا گیا ہے جس کا نام صدر انجمن احمدیہ ہے اور جو قائم ہو چکی ہے۔''

پس میرا مذہب تو شروع سے یہی ہے کہ انتظام سلسلہ میں کسی اور شخص کو دخل نہیں۔ اور بیعت لینے والے بھی ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے غیر احمدیوں سے بیعت لینی ہے۔اگر زیادہ ہوں گے تو سلسلہ ہی بڑھے گا۔اور یہی مذہب میں نے حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے اور ان کے کلام سے اخذ کیا۔جس سے کوئی چیز مجھے پھیر نہیں سکتی۔ یہ تحریر حضرت مسیح موعود کی، جو اوپر درج کی گئی ہے، نہ صرف انجمن کی کارروائی میں آچکی ہیں۔ بلکہ عام طور پر اس کا اعلان میں نے اس وقت کر دیا تھا۔جب حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد سب سے پہلا جلسہ سالانہ دسمبر 1908ء میں ہوا۔ چنانچہ اس وقت یہ تحریر نہ صرف بھرے جلسہ کے سامنے سنائی گئی بلکہ اس رپورٹ میں یہ اب تک چھپی ہوئی موجود ہے۔تو کیا میں اپنے مذہب کا اخفاء کر رہا تھا۔ پھر جلسہ ہو چکنے کے بعد جب اسی بنا پر سات سوال تجویز ہوئے جن کا جواب مجھ سے طلب کیا گیا تو اس وقت بھی کھول کر میں نے حضرت خلیفۃ المسیح کے سامنے ان خیالات کا اظہار کر دیا۔

پہلے میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں یہی عرض کیا تھا کہ ان سوالات کا وقت نہیں ہے۔ مگر جب انہوں نے دوبارہ ارشاد فرمایا تو میں نے مفصل اپنے خیالات کو لکھ دیا۔ بلکہ مکرمی خواجہ کمال الدین صاحب نے، جن کی طرف بھی یہی سوالات بھیجے گئے تھے، لاہور میں ایک جلسہ کر کے اور بہت سے دستخط کرا کر، جس کے شاہد اب بھی موجود ہیں، اپنے جوابات حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بھیج دیئے تھے۔ اور پُھرتی سے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے پڑھ کر فرمایا کہ ''اسے محفوظ رکھو یہ کبھی تمہارے کام آئے گی۔'' ان جوابات میں سے جو خواجہ صاحب نے دیئے ہیں، ایک حصہ نقل کرتا ہوں:

''میں نے شروع میں عرض کیا کہ حضرت اقدس نے کاروبار اشاعت وغیرہ انجمن کے سپرد کیا ہے اور اپنے نام پر بیعت لینا انجمن کے سپرد نہیں کیا۔ بلکہ کسی ایسے پاک نفس بزرگوں کے ذمہ ڈالا ہے، جن پر کم از کم چالیس مؤمن اتفاق کر لیں۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جس شخص پر چالیس سے زیادہ اتفاق کریں وہ بیعت کا بوجہ احسن مستحق ہے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ ہر دیہہ اور ہر قریہ میں الگ الگ بیعت ہو، ہم نے یہ پسند کیا کہ جب خوش قسمتی سے ہم میں ایک موجود ہے جس پر چالیس نہیں چار لاکھ بھی بیعت کرنے پر متفق ہو سکتے ہیں، تو کیوں نہ ہم اُسے خلیفہ قبول کریں۔ خلیفہ کے معنے یہی سمجھے ہیں اور اسی قدر اس کا کام ہے جو الوصیت اُسے سپرد کرتی ہے۔ البتہ اگر کوئی خلیفہ وقت اپنے زُہد وتقویٰ، اپنی بےنفسی، اپنے متبحر علم وغیرہ وغیرہ کے باعث اخلاقی حکومت اس قسم کی کر سکے کہ اُس اکیلے کی رائے انجمن کی راؤں پر فوق لے جائے، جیسا کہ موجودہ خلیفہ میں ہے، تو یہ رُتبہ اُسے اپنی ذاتی صفات کے لحاظ سے ہوگا۔ نہ بسبب خلیفہ ہونے کے۔

حضرت صاحب نے اپنی زندگی میں بھی اپنے تین خلیفہ مقرر کئے۔ ایک سید عبداللطیف شہیدؓ، ایک مولوی حسن علی بھاگل پوریؒ اور تیسرے ایک اور بزرگ جو خوشاب کے رہنے والے ہیں۔ ان تینوں کو اپنے اپنے نام پر بیعت لینے کی اجازت دی تھی۔ کیا وہ خلیفۃ المسیح نہ تھے۔ وہ حضرت کی زندگی میں ہی خلیفۃ المسیح تھے لیکن ان کو انجمن کے

معاملات میں کوئی دخل نہ تھا۔ گویا آپ کی زندگی میں خلیفۃ المسیح بھی تھے اور انجمن بھی تھی۔ لیکن آپ کی زندگی میں ایسے خلیفوں پر انجمن کو فوق تھا۔

میں نے شروع میں عرض کیا ہے کہ ہم کو خلیفۃ المسیح کے متعلق غور کرتے یہ نہیں دیکھنا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ایک خلیفہ رسول تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک خلیفہ تھے۔ ہمارا مسیح ہمارے لئے ایک الوصیت چھوڑ گیا ہے۔ اور اپنی زندگی میں ہم کو اُس الوصیت پر چلا گیا ہے۔ اس لئے جب تک خدا کا مامور ہم میں پیدا نہ ہو۔ تب تک بروئے الفاظ وصیت خلیفہ کا کام بیعت لینا ہے اور باقی کل امور سلسلہ انجمن کے متعلق ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ موجودہ خلیفۃ المسیح کے بعد کسی ایک شخص پر جماعت متفق نہ ہو سکے۔ اور بالفرض اگر الگ الگ شہروں میں ایسے شخص بیعت لینے لگ جاویں، جن کو چالیس مؤمن منتخب کریں اور ایسا کرنا الوصیت کے الفاظ کے ماتحت ہوگا۔ تو پھر میں ایسے سوال کے مجوزین سے دریافت کرتا ہوں کہ ان بیشمار خلیفوں میں انجمن کے وجود کو کس خلیفہ کی رائے پر چلانا ہوگا۔ حضرت صاحب نے کہاں حکم دیا اور کہاں وصیت میں لکھا ہے کہ ضرور ایک ہی خلیفہ ہوگا۔ جس کے ہاتھ پر کل احمدی بیعت کریں گے۔ وصیت تو بیسیوں اور سینکڑوں خلیفہ بناتی ہے اور حضرت اقدس نے تین خلیفے اپنی زندگی میں مقرر کئے۔ تو پھر یہ کس قدر مشکل کا سامنا ہے۔"

ان تحریروں پر جو کچھ حضرت خلیفۃ المسیح نے ارشاد فرمایا۔ اس کا آخری نتیجہ صرف اسی قدر تھا کہ یہ سوالات قبل از وقت ہیں اور میری زندگی میں ان کو نہ چھیڑا جائے۔ خواجہ صاحب کی اس تحریر سے یہ امر صاف ہو جاتا ہے کہ ہمارے کیا خیالات تھے اور ہم نے کبھی منافقت سے کام نہیں لیا۔ ہاں! حضرت صاحب کے حکم کے ماتحت جن کے ہاتھ پر ہم بیعت کر چکے تھے۔ ہم نے ان خیالات کی عام اشاعت پھر نہیں کی۔ اور ہمیں یہی حکم تھا کہ:

"میں آئندہ کے متعلق تم سے کوئی عہد نہیں لیتا۔ میری زندگی میں ان سوالات کو نہ چھیڑو۔"

بیشک ان لوگوں نے ،جن کو ہمارے ساتھ کسی بنا پر ذاتی عناد تھا، بار بار ان سوالات کو اُٹھایا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ ہم ان کے فرمانبردار نہیں ہیں۔ مگر آخر ہر موقع پر ایسا جھوٹ بنانے والوں کو ناکامی ہوئی۔ یہ واقعات بجائے خود ایک علیحدہ بحث چاہتے ہیں اور سردست میں ان کو چھیڑنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن حضرت خلیفۃ المسیح کی لاہور والی تقریر صاف بتاتی ہے کہ کس طرح ان پر زور دیا جاتا تھا کہ لاہور کے لوگ آپ کی خلافت میں روک ہیں۔ اور آخر کس زور سے انہوں نے ان لوگوں کو ڈانٹا۔

> ''اگر کہو کہ لاہور کے لوگ خلافت میں روک ہیں تو میرے مخلص دوستوں پر بدظنی ہوتی ہے۔ اسے چھوڑ دو۔'' پھر فرمایا:

> ''پس میری بات کو یاد رکھو اور بدظنی چھوڑ دو۔ تفرقہ نہ کرو۔ حضرت صاحب نے جو فیصلہ جس امر میں کر دیا ہے اس کے خلاف نہ کہو نہ کرو۔ ورنہ احمدی نہ ہوگے۔ یہ خیال چھوڑ دو کہ لاہور کے لوگ خلافت کے امر میں روک ہیں۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو پھر خدا مسیلمہ کا سا معاملہ کرے گا۔''

یہ الفاظ قابل غور ہیں اور میں اُن کی مزید تشریح کو کسی اور موقع کے لئے چھوڑتا ہوں۔ مگر غور سے دیکھ لو حضرت خلیفۃ المسیح نے بھی خلافت کے معاملہ کے ذکر میں بالخصوص یہ ذکر کیا ہے کہ ''حضرت صاحب نے جو فیصلہ جس امر میں کر دیا ہے۔ اس کے خلاف نہ کہو نہ کرو۔'' پس میں بھی اب حضرت خلیفۃ المسیح کے اسی ارشاد کے مطابق تمہیں حضرت مسیح موعود کے فیصلہ کی طرف بلاتا ہوں۔

کیا اب اس سوال کے اُٹھانے کا وقت آ گیا تھا؟: اس سوال کے اُٹھانے کا وقت یقیناً آ چکا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے وقت جماعت میں ایک اختلاف موجود تھا۔ اور اس کا علم نہ صرف احمدی احباب کو تھا بلکہ غیر احمدیوں تک بھی یہ باتیں پہنچ چکی تھیں۔ اور وہ اختلاف ایک عقیدہ کے معاملہ میں تھا۔ یعنی جماعت کا ایک گروہ وہ تھا جو کل اہل قبلہ کو کافر سمجھتا تھا۔ اور دوسرا گروہ وہ تھا جو سوائے ان کے جنہوں نے خود مسلمانوں کے کسی گروہ کو کافر کہہ کر بروئے مضمون حدیث اپنے اوپر کفر کا فتویٰ لے لیا ہو، کسی مسلمان کو کافر کہنا برا سمجھتا تھا۔ یہ ایک عظیم الشان اختلاف اس قسم کا تھا کہ جس سے جماعت کے مؤخر الذکر حصہ کی رائے میں اشاعت اسلام کے اس کام کو،

جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے ولایت میں شروع کیا تھا۔ یا جو آئندہ اس سلسلہ میں ہوسکتا تھا، سخت نقصان پہنچانے کے علاوہ سلسلہ کی ترقی میں روک اور سخت مشکلات کا موجب تھا۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے بعد ہی میں نے اس مشکل کی طرف صاحبزادہ صاحب مکرم کو توجہ دلائی اور عرض کیا کہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے قبل اس کے کہ کوئی کارروائی کی جائے۔ جماعت کے اہل الرائے احباب سے مشورہ کر کے کوئی راہ نکالی جاوے۔ تاکہ باوجود اختلاف اعتقاد کے اتفاق اور یگانگت سے سلسلہ کا کام چلتا رہے۔ لیکن آپ نے نہ مانا اور باوجود طرح طرح کی کوششوں کے وہ راہ اختیار کی جس نے سلسلہ کو ایک سخت ابتلا میں ڈال کر اور جس کے ذمہ دار صاحبزادہ صاحب ہیں وقت آچکا تھا۔ پس ضروری تھا کہ ہم اپنا فرض ادا کرتے جو ہم نے بفضلِ خدا ادا کردیا۔

خلیفۃ المسیح حضرت مولوی نورالدین صاحب: مجھے تعجب آتا ہے۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ میرے احباب حضرت مسیح موعود کی کھلی کھلی تحریروں اور آپ کے طرزِ عمل کو پسِ پشت ڈالتے اور اپنی جماعت کے ایک حصہ کو فاسق اور یہودی قرار دیتے ہیں۔ محض اس لئے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی بیعت کیوں کی گئی؟ غور کرو کہ کوئی ایسا مسئلہ بھی دنیا میں ہے۔ جس کے خلاف کچھ نہ کچھ ہاتھ ڈالنے کی جگہ کسی کو نہ ملے۔ لیکن ایک ہی اصول پر اختلافات حل ہوسکتے ہیں۔ اور وہ اصول یہ ہے کہ متشابہات کو محکمات سے حل کیا جائے۔ اور مقدم کو مقدم اور موخر کو موخر کیا جائے۔ جہاں تک سلسلہ احمدیہ میں جانشینی اور خلافت کا سوال ہے، اس کے حل کے لئے پہلے ہمیں حضرت مسیح موعود کی تحریروں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اور اگر ان میں ہمارے ہاتھ کوئی محکم اور واضح بات آجائے تو تمام دوسرے امور کو اس کے ماتحت کرنا پڑے گا۔ اسی کے ساتھ تطبیق دینی پڑے گی۔ اور اگر بالفرض محال کسی امر کی تطبیق ان کھلی تحریروں کے ساتھ نہیں ہوسکتی تو اسے ترک کرنا پڑے گا۔

اب حضرت مسیح موعود کا ایک طرف الوصیت میں انجمن کو اپنا جانشین قرار دینا۔ دوسری طرف صاف الفاظ میں یہ لکھ دینا کہ ''میرے بعد ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔'' ایک ایسی موٹی اور کھلی دلیل ہے جسے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ اور جس کے اندر کسی موشگاف طبیعت کے لئے بھی یہ گنجائش نہیں ہے کہ وہ کوئی اور توضیح کرسکے۔ اور جو خلافت کے سوال پر ایک فیصلہ کن دلیل ہے۔ کیونکہ جب انجمن کا

اجتہاد کافی ہے۔تو پھر کسی خلیفہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔اور نہ کوئی خلیفہ انجمن کے فیصلوں میں دست اندازی کر سکتا ہے۔ پس اب جو کچھ کارروائی ہوئی یا تو اسے اسی فیصلہ کے ماتحت لانا پڑے گا۔ ورنہ اسے غلط قرار دینا پڑے گا۔ کیونکہ مسیح موعود کا فیصلہ کسی صورت میں غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پس اس کے متعلق میں ان مختلف خیالات کو پیش کرتا ہوں۔ جو آپ کی بیعت کے متعلق ہیں۔

1۔میرا اپنا خیال ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ یہ محض ایک اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ جو سلسلہ کو ایک نازک وقت میں ہاتھ آ گیا کہ ایک ایسا انسان مل گیا جس کے آگے سب کی گردنیں جھک گئیں۔اور آپ کے زمانہ کے چھ سال ڈال کر حضرت مسیح موعود کی زندگی کے اسی سال پورے ہو جاتے ہیں۔یہی وجہ تھی کہ اس کا نام پہلے سے ہی حضرت مسیح موعود نے سید خدم الدین رکھا اور ان کو اپنا کامل متبع بتایا۔ایسا متبع کہ گویا اصل میں اور اس میں کوئی فرق ہی نہیں اور یہ فرمایا کہ وہ نور نبوت سے نور حاصل کرتا ہے۔ہاں! وہ خلیفۃ المسیح اس لئے کہلایا کہ مسیح کے بعد آیا۔

2۔کئی احباب نے مجھ سے ذکر کیا ہے کہ ہم حضرت مولوی نورالدین صاحب کو مہدی سمجھتے ہیں۔ان میں سے بعض نے اپنے اس خیال کا اظہار حضرت خلیفۃ المسیح کے سامنے بھی کیا۔اور آپ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ چنانچہ اسی خیال کے مؤید مرزا خدا بخش صاحب مصنف عسل مصفّٰی اور منشی اکبر شاہ خاں صاحب ہیں۔جنہوں نے مرقاۃ الیقین فی حیات نورالدین لکھی ہے۔اور اس بات کی دلیل وہ یہ رکھتے ہیں کہ مہدی قریش میں سے ہونا چاہئے اور حضرت مولوی صاحب قریشی تھے۔ پھر لکھا ہے کہ مہدی امامت کرے گا۔اور حضرت مولوی صاحب ہی اصل امام حضرت مسیح موعود کی زندگی میں تھے۔گو جب تک حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم زندہ رہے۔ حضرت مولوی صاحب موصوف نے خود یہ منصب ان کے سپرد کر رکھا تھا۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ مہدی مسیح کے جنازہ کی نماز پڑھے گا اور ایسا ہی ہوا۔ پھر یہ لکھا ہے کہ مہدی کا زمانہ چھ سال ہوگا اور چھ سال تک ہی آپ کا زمانہ رہا۔ اور ان سب باتوں کے علاوہ خود ''خلافت احمدیہ'' میں حضرت مولوی صاحب مرحوم کو صفحہ 39 پر مہدی تسلیم کیا گیا ہے۔اور حدیث سے اس بات کا ثبوت دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے وعدہ کیا تھا کہ تیری اولاد میں سے ایک مہدی ہوگا جو کہ ذو شجنہ ہوگا۔یعنی جس کے منہ اور سر کے کسی حصہ میں ایسا زخم لگا ہوگا جو ہڈی تک پہنچا ہوگا۔

3۔ بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ بطور نقل ان کا کر لینا انہیں ہمیشہ کے لئے فرض نہیں بنا دیتا۔ اور جب تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ خلافت کا سلسلہ صرف چند روزہ ہوتا ہے۔ تو کس طرح یہ امر قابل تسلیم ہے کہ اگر ایک شخص کی بیعت کر لی تو اب آئندہ بھی کرتے جاؤ۔ خود واقعات نے بتا دیا کہ آئندہ جماعت میں دو گروہ ہو جانے کی وجہ سے کسی ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہو سکتی۔ اور جماعت کے اتفاق کی وہی صورت ہو سکتی ہے، جس کا نہایت صاف نقشہ حضرت مسیح موعود نے اپنی وصیت میں اور پھر اپنی اس تحریر میں کھینچا ہے۔ جس میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کے بعد کسی شخص کو انجمن کے فیصلوں میں دست اندازی کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

4۔ یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ باوجودیکہ حضرت خلیفۃ المسیح کے وقت میں بار بار یہ کوشش کی گئی کہ بعض ممبران انجمن کو خارج کروایا جائے۔ یا انجمن کے قواعد میں ایسی تبدیلی کر دی جاوے کہ جس سے انجمن کا وجود کالعدم ہو جائے۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح نے اس بات کو پسند نہیں کیا۔ یہ کوشش آپ کے سارے زمانہ خلافت میں جاری رہی کہ قواعد انجمن میں اس بات کو داخل کیا جاوے کہ خلیفۃ المسیح انجمن کے فیصلوں کو توڑ سکے گا۔ یا جن ممبروں کو چاہے نکال لے اور جو نئے ممبر چاہے داخل کر دے۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح نے ایسی خطرناک تبدیلی کو ہمیشہ رد کیا۔ اور اس طرح پر عملی رنگ میں یہ ثبوت دیا کہ وہ حضرت صاحب کی اس تحریر کی، جو انجمن کے متعلق ہے، پوری عزت کرتے ہیں۔ اس کے متعلق میرے پاس تحریری ثبوت بھی موجود ہے۔ مگر سر دست میں اس کی اشاعت کو پسند نہیں کرتا۔ اور صرف بحالت مجبوری شائع کروں گا۔

5۔ ان تمام امور سے کسی شخص کی تسلی نہیں ہوتی۔ تو میں اعلانیہ کہوں گا کہ ایسی صورت میں جب ایک طرف حضرت مسیح موعود کا کھلا کھلا فیصلہ موجود ہے ہم اس امر کے بالمقابل کسی اور امر کی پرواہ نہیں کر سکتے۔ اگر دو باتوں میں سے ایک کے ترک کرنے کی ہی ضرورت ہے تو بہر حال مسیح موعود کا فیصلہ ترک نہیں کیا جاوے گا۔ اور سلسلہ کا چھ سال کا عمل اس پر قربان کرنا پڑے گا۔ بالخصوص اس صورت میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کے فیصلہ کو ترک کرنے سے سلسلہ کی ترقی رک کر ایک گدی قائم ہو جاتی ہے جس کے نتائج مہلک ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور سلسلہ اہل قبلہ کے کفر پر جمع ہوتا اور خادم اسلام ہونے کی حیثیت سے دور نکل جاتا ہے۔ بلکہ خود اپنے ہی خادموں کو فاسق بنانے والا ٹھہرتا ہے۔

جلسہ شوریٰ نے ان مشکلات کا حل کس طرح کیا: ان مشکلات پر غور کرنے کے لئے لاہور میں جلسہ شوریٰ ان احباب کا کیا گیا۔ جو اس موقع پر رائے دے سکتے تھے۔ ان لوگوں کو، جو بیعت کر چکے تھے، اس میں بلانا بے سود تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو خود جماعت احمدیہ کا ایک حصہ ہی فاسق اور منافق ٹھہر چکا تھا۔ اس جلسہ میں متعدد جماعتوں کے سیکرٹری اور پریذیڈنٹ تھے اور جہاں تک میں دیکھتا ہوں ایک ایسی راہ فیصلہ کی نکالی گئی تھی، جس میں الوصیت کا منشا بھی پورا ہوتا تھا۔ جماعت تفرقہ سے بھی بچتی تھی اور کسی حصہ جماعت کو فاسق اور منافق قرار دینے کی ضرورت بھی نہ رہتی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت کا منشا بھی پورا ہوتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو کام حضرت مسیح موعود نے ہمارے سپرد کیا وہ مل کر ہوتا رہتا۔ چنانچہ اس جلسہ کی ہر دو تجاویز ان اعتراض کو پورا کرنے والی تھیں اور بالخصوص دوسری تجویز ایک نہایت ہی مبارک تجویز تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ صاحبزادہ صاحب کو بحیثیت میر مجلس صدر انجمن احمدیہ بدیں شرط امیر تسلیم کیا جاوے کہ پرانے احمدیوں کے لئے بیعت ضروری نہ ہوگی۔ اور امیر کے اختیارات میں یہ نہ ہوگا کہ وہ حضرت مسیح موعود کی اس تحریر کے خلاف کرے، جس کی رو سے جملہ امور متعلقہ سلسلہ احمدیہ انجمن کے سپرد کئے گئے ہیں۔ جس کے فیصلوں میں مسیح موعود کے بعد کسی شخص کو دست اندازی کرنے کا حق حاصل نہیں۔ اس تجویز کو صرف اس خیال پر ردّ کر دینا کہ جانشین بلاشرط ہونا چاہیئے۔ ایک ایسی غلطی ہے جس نے سلسلہ میں ایک تفرقہ کی بنیاد ڈال دی ہے۔ حالانکہ بلاشرط کا لفظ ایک خطرناک لفظ ہے۔ جس طرح کسی خلیفہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قرآن کریم یا حدیث کے خلاف کرے۔ اسی طرح اسے یہ بھی حق حاصل نہیں کہ وہ مسیح موعود کی کسی تحریر کے خلاف کرے۔ پس ایسی شرائط کو ماننے سے انکار کرنا صریح خلاف ورزی حضرت مسیح موعود کے احکام کی ہے۔

تجویز کی نامنظوری اور اُس کے نتائج: اس تجویز کو صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک وفد پندرہ معزز احباب کا تجویز ہوا تاکہ قادیان میں حاضر ہو کر وہ اس کے متعلق مفصل گفتگو صاحبزادہ صاحب سے کرے۔ لیکن جب صاحبزادہ صاحب سے دریافت کیا گیا کہ آیا وہ اس وفد کی حاضری کی اجازت دیتے ہیں۔ تو انہوں نے دو تین دن بعد یہ جواب بھیجا کہ اگر انہی تجاویز کو وفد نے پیش کرنا ہے۔ تو اس کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر کوئی اور معقول بات پیش کرنی ہو تو اس صورت میں پندرہ آدمیوں میں سے صرف پانچ

آدمیوں کو حاضر ہونے کی اجازت دی۔ اور بقیہ کے متعلق لکھا کہ ان کے آنے میں فتنہ ہے۔

اس پر اہل الرائے احباب نے پھر جمع ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ سوائے اس تجویز کے جو پیش کی گئی تھی اور کوئی صورت موجودہ مشکلات کے حل کے لئے نظر نہیں آتی اور اسے صاحبزادہ صاحب رد کرتے ہیں اور دو تہائی ممبران وفد کو باعث فتنہ قرار دے کر ان کو حاضر ہونے کی اجازت بھی نہیں دیتے حالانکہ اُنہوں نے مؤدبانہ انہی اُمور کو پیش کرنا تھا۔ جو اس وقت سلسلہ کے لئے تشویش کا باعث ہو رہے ہیں۔ اور چونکہ معاملہ بیعت کو شرح صدر پر چھوڑ کر غیر بیعت شدہ پر جو فتویٰ فاسق اور منافق کا لگایا گیا ہے۔ اس کو واپس نہ لینے کی صورت میں موجودہ تفرقہ دور نہیں ہوسکتا۔ اس لئے وفد کے قادیان جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ کام اب بھی اسی طرح مل کر کرتے رہنا مناسب ہے۔ جس طرح پہلے ہوتا رہا ہے۔ لیکن اس بات کا سب کو افسوس ہوا کہ اس آسان راہ پر جو تفرقہ کے دور کرنے کے لئے پیش کی گئی تھی صاحبزادہ صاحب نے غور اور گفتگو کرنا بھی ناپسند کیا۔ اور دوسری طرف نہ صرف فاسق اور منافق اور ابلیس کے الفاظ ان لوگوں کے متعلق، جنہوں نے بیعت نہیں کی، صاحبزادہ صاحب کی اپنی تحریر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بلکہ ان الفاظ کی وجہ سے بعض جوشیلے نوجوان ترک سلام اور تفرقہ نماز کو بھی ضروری سمجھنے لگ گئے ہیں اور غیر بیعت شدہ احباب سلسلہ کے لئے یہودی تک کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ امور موجودہ تفرقہ کو نہ صرف ایک مستقل صورت ہی دینے والے معلوم ہوتے ہیں، بلکہ اندیشہ ہے کہ اس کو اور بھی زیادہ کر دیں۔ تاہم اپنی طرف سے ہر ایک ممکن کوشش اس تفرقہ کو کم کرنے کی ضروری ہے۔ اور اسی لئے آئندہ ہر اک قسم کی ناگوار تحریر سے، جس میں کسی پر کسی قسم کا ذاتی حملہ ہو یا سخت الفاظ ہوں، بچنا فریقین کے لئے نہایت ضروری ہے۔

میں جہاں صاحبزادہ صاحب سے یہ التماس کرتا ہوں کہ وہ کم از کم اس پہلو میں ہماری مدد تفرقہ کو دور کرنے کے لئے ضرور فرماویں اور اس قسم کے سخت الفاظ کو ترک کر دیں۔ دوسری طرف اپنے دوسرے احباب کی خدمت میں بھی یہ التماس کرتا ہوں کہ آئندہ اپنی تحریروں کو اصولی مباحث پر محدود رکھیں اور ان میں بھی بہت احتیاط کے ساتھ الفاظ کا استعمال کریں۔ تا کہ کسی قسم کی ذاتی رنجش پیدا نہ ہو۔ ہمارے تعلقات اخوت اس قدر مضبوط ہونے چاہئیں کہ فروعی مسائل میں بھی کسی قسم کا اختلاف، جو کہ سلسلہ کی ترقی کے ساتھ ایک لازمی امر ہے، ہمیں ذاتی حملوں یا عیب چینی کی طرف نہ لے جائے۔ اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اعتدال کی روش اگر ایک طرف

سے بھی مضبوطی کے ساتھ اختیار کی جاوے تو دوسری طرف کو خود ہی کچھ نہ کچھ نرمی اور اعتدال کی طرف لانے میں ممد ہوگی۔

پس آج سے بعد جو صاحب ہمارے احباب میں سے کوئی مضمون بیعت کی ضرورت یا عدم ضرورت پر لکھیں۔ یا کفر و اسلام کے مسئلہ کے متعلق لکھیں وہ اس بات کو نہ بھولیں۔ اور کسی دوسرے کی سخت تحریر ان کو ایسا جوش نہ لاوے کہ وہ بھی جائز حد بندی کو بھول جاویں۔ میں ڈرتا ہوں کہ ہماری بہت سی قوت اور طاقت، جو غیروں کے مقابل خرچ ہونی چاہیئے، آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہوئے صرف ہو کر قوم کی ترقی میں کوئی جمود کی حالت پیدا نہ ہو جائے۔ کیونکہ آپس کے حملے کبھی کسی قوم کو دوسرے کے مقابلہ کے قابل نہیں چھوڑتے۔ جس کے لئے درحقیقت قوم کی مجموعی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے سارے جوشوں کے اندر ہمیں اپنے اصل مقصد کو نہیں بھولنا چاہیئے جو اشاعت اسلام ہے۔

اشاعت اسلام کے متعلق ایک تجویز: اسی ضرورت کو مدنظر رکھ کر اور اس خیال سے تا قوم کی طاقت کو اپنے اصل مقصد کی طرف لگایا جائے۔ اور اس کی توجہ ان امور سے، جو باہم تفرقہ کا باعث بن رہے ہیں، حتی الوسع ہٹائی جاوے اور نیز اُس خیال سے کہ اہل قبلہ کے کفر کا مسئلہ اب ایک نئی صورت اختیار کر کے اشاعت اسلام اور سلسلہ کی ترقی میں خطرہ ہے کہ روک کا باعث نہ بن جاوے اور جو کام اشاعت اسلام کا اس وقت یورپ میں شروع کیا گیا ہے۔ اور جس طرح پر اسے آئندہ ترقی دینے کی فکر ہے، اس میں حرج واقعہ نہ ہو۔ یہ مناسب سمجھا گیا کہ علاوہ اس کام کے جو صدر انجمن احمدیہ کے ماتحت مل کر افراد سلسلہ کر رہے ہیں۔ ایک انجمن لاہور میں اشاعت اسلام کی غرض سے بنائی جاوے۔ جس کا مقصد سلسلہ کی اصل غرض کو جو دنیا میں اشاعت اسلام ہے قوت دینا ہو اور اس کام کو ایک مستحکم بنیاد پر رکھ کر نئے جوش کے ساتھ اس میں وہ سب احباب شریک ہوں۔ جو عام اہل اسلام، اہل قبلہ کلمہ گوؤں کو کافر نہیں کہتے۔ ہاں! اس حدیث کے ماتحت جس کی رُو سے مسلمان کو کافر کہنے والا کافر ہے۔ ان لوگوں کو جو اہل قبلہ کے کفر پر اصرار کرتے ہیں ایک خطرناک غلطی کا مرتکب سمجھتے ہیں۔ اور اپنے ان احمدی احباب کے حق میں جنہیں وجود سلسلہ احمدیہ میں شامل ہونے کے بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہے، برائی کے ساتھ زبان نہیں کھولتے۔ چنانچہ اس بنا پر تَوَکُّلاً عَلَی اللّٰہِ ایک انجمن کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ کیونکہ جس صورت

میں اصل غرض ہمارے سلسلہ کی، جو بار بار حضرت مسیح موعود فرما چکے، اشاعت اسلام ہی ہے۔ تا آپ کی آمد لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (33:9) کے مصداق ثابت ہو۔ اس لئے ہم جس قدر بھی زور اشاعت اسلام کے مقصد پر لگا سکیں، جس قدر بھی اپنے مالوں اور جانوں کو اس کام کے لئے وقف کر سکیں، تھوڑا ہے۔

میرے دوستو! اسلام سخت مصائب کے نیچے ہے۔ اس کی اشاعت کرنا اور لوگوں کو مسلمان بنانا پھر اسلام کے کمال کی طرف لوگوں کو لے جانا اور ان لوگوں کو جو مسلمان ہیں ہر قسم کی غلطیوں سے نکالنا۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان کام ہے کہ ابھی تک تم نے جو کچھ اس بارے میں کیا وہ درحقیقت اس راہ میں ایک پہلا قدم ہے۔ اگر دنیا میں ایک کامیاب قوم بننا چاہتے ہو، اگر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد میں پکے ہو تو آؤ اور پورا زور اس رسی کے کھینچنے میں لگاؤ۔ ایک سو کم ہمت آدمیوں سے، جو اپنا پورا زور نہ لگا رہے ہوں بلکہ کچھ توجہ کسی طرف ہو اور کچھ کسی طرف دس باہمت آدمی جو اپنی پوری توجہ اور پورے زور کے ساتھ اس کام میں لگ جائیں، بہت بہتر ہیں۔

اس ابتلا کے اندر جو سلسلہ پر آرہا ہے تم اسلام کے لئے ایک سچا جوش دکھاؤ۔ ہاں! اپنا پورا زور لگا دو۔ تو میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس قربانی کی وجہ سے تمہارے ابتلاؤں کو بھی دور کر دے گا۔ تم اللہ کی رضا کے لئے ہمہ تن اس کی راہ میں کوشش کرو، تاکہ اللہ تمہیں ان راہوں پر چلائے، جن پر چل کر انسان کامیابی کا منہ دیکھ سکتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ تم دنیا میں تھوڑے ہو۔ ہمت بکار ہے، تعداد بکار نہیں۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ (249:2) ہاں! اللہ کا اِذن تب ہی ہوتا ہے کہ تم اپنی طرف سے کوئی کمی نہ رکھو۔ پھر یقین کر لو کہ اگر تم نے پوری طاقت سے اللہ کی راہ میں قدم اُٹھایا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی پورے زور سے تمہاری تائید کرے گا اور تمہاری کوششوں پر ایسے ثمرات مرتب کرے گا کہ وہ تمہاری تمام تکان کو راحت میں مبدل کر دیں گے۔ اور تمہارے سارے رنجوں اور کلفتوں کو دور کر دے گا۔

ہاں! اس قدر میں نے اور بھی کہنا ہے کہ ظاہری کوشش بھی کرو اور باطنی بھی۔ یعنی دعاؤں میں بھی مصروف ہو جاؤ۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ جب تم ان دونوں پہلوؤں میں اپنا پورا زور لگا دو گے تو تمہارے ابتلا بھی باقی نہ رہیں گے: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (128-127:2) آخر میں میری

پھر یہ نصیحت ہے کہ جب دنیا سے ہمدردی کرو، بالخصوص مسلمانوں سے، کسی مسلمان کے حق میں دل آزاری کا کلمہ نہ بولو، اور جب تم تمام مسلمانوں کے ساتھ یہ نیک برتاؤ کرو گے تو میں خیال نہیں کرتا کہ تمہاری زبان تمہارے ان بھائیوں کے حق میں کبھی حد اعتدال سے تجاوز کرے گی۔ جو مسیح موعود میں ہو کر تمہارے ساتھ دوہرا رشتہ اخوت رکھتے ہیں۔ وہ اگر تمہیں بُرا کہیں تو پھر بھی خاموش رہو۔ بدلہ لینے کی کوشش نہ کرو۔ میرے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح کی نصیحت یاد رکھو۔ گالی کے عوض گالی مت دو۔ اخلاق سے ہی تم دنیا کو جیت سکتے ہو نہ درندگی سے۔ انسان جب ہر بات کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس کی اخلاقی ترقی رُک جاتی ہے۔ اپنے اوپر ایک مصیبت قبول کرو تا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمہاری دوسری مصیبتوں کو دور کرے۔ واٰخرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ والسلام

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

2اپریل1914ء

مراسلات

ایک ضروری عریضہ کا جواب

مکرم بندہ جناب ایڈیٹر صاحب پیغام صلح، لاہور۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

کل کی اشاعت میں لاہور چھاؤنی کے بعض احمدیوں کی طرف سے جس عریضہ کا مضمون بنام جناب مولوی محمد علی صاحب قبلہ آپ نے نقل فرمایا ہے۔ اُس کے ساتھ ہی اگر آپ وہ جواب بھی شائع فرماویں کہ جو مولانا موصوف کی طرف سے موصول ہوا ہے۔ تو مناسب وموزوں ہوگا۔ کیونکہ اُس سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ مولانا ممدوح اپنی والاصفات سے نہ کسی فخر اور بڑائی کے ہرگز خواہاں ہیں، بلکہ وہ حضرت مسیح موعود کی پاک تعلیم کے دلدادہ اور مقدس اسلام کی اشاعت وحمایت کے خواہاں ہیں۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا جو عہد حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر وہ کر چکے ہیں اس پر قائم رہنا وہ اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں۔ جو ہر ایک مؤمن مسلم اور پکے وسچے احمدی کا فرض ہے۔

مقدس اسلام کو دراصل ایسے ہی پاکیزہ خیالات انسانوں کی ضرورت ہے۔ جو اپنی ذات کے لئے کسی فخر ومباہات کی ضرورت نہ سمجھتے ہوں اور اسلام کی آن پہ قربان اور اشاعت کے دلدادہ ہوں۔ صحابہ کرامؓ میں وہ بزرگ جن کے رگ وپے میں اسلام کی محبت سرایت کرگئی تھی اسی قسم کے کثرت سے پائے جاتے تھے اور مسیح موعود اس قسم کے مسلمان بنانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ احمدی قوم نے اگر مرزا صاحب کو مسیح موعود اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے لئے مانا ہے۔ تو جو کچھ سیدنا مولوی محمد علی صاحب قبلہ نے تحریر فرمایا ہے اور جس کی الوصیت تصدیق کرتی ہے اُس پر عمل کرنا چاہئے اور الوصیت کو زیر نظر رکھنا لازم ہے۔ اور اگر دنیا کو دین پر مقدم کرنے کے لئے

حضرت صاحب کوتسلیم کیا ہے، تو پھر جو دل میں آئے وہی کرنا چاہیئے۔

بہرکیف مولانا ممدوح کا جواب حسب ذیل ہے۔

مکرمی اخویم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

یہاں جو کارروائی ہوئی ہے اس کی اطلاع پیغام صلح سے آپ کو ہوچکی ہوگی میں اپنے لئے تو کسی بات کا خواہاں نہیں۔لیکن اسلام کی بہتری کے لئے میری اب بھی وہی رائے ہے جو پہلے تھی۔سردست ابھی انتظار کرنا بہتر ہوگا۔

والسلام۔

خاکسار

محمد علی

2اپریل1914ء

مراسلات

ایک حل طلب معمہ

سمجھدار احمدیوں کے لئے

ذیل میں بندہ دو تحریریں بجنسہٖ، جیسا کہ وہ شائع ہو چکی ہیں، درج کر کے اس کی تشریح اور حل سمجھدار لوگوں کی عقل پر چھوڑتا ہے۔ اُمید ہے کہ ہمارے دوست ان پر غور کر کے کم از کم ان کا تطابق کر کے دکھائیں گے۔ وھو ہذا۔

’’میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے۔ تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہئے اور وہی قطعی ہونا چاہئے۔ لیکن اس قدر میں زیادہ لکھنا پسند کرتا ہوں کہ محض دینی امور میں جو ہمارے خاص اغراض سے تعلق رکھتی ہیں۔ مجھ کو محض اطلاع دی جائے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلاف منشا میرے ہرگز نہیں کرے گی۔ لیکن صرف احتیاطاً لکھا جاتا ہے کہ شاید وہ ایسا امر ہو کہ خدا تعالیٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو اور یہ صورت میری صرف زندگی تک ہے اور بعد میں ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔‘‘

والسلام مرزا غلام احمد عفی عنہ 27 اکتوبر 1907ء

احباب اس کی تشریح عقل خداداد سے کریں اور موٹے الفاظ یعنی ’’بعد میں ہر ایک امر میں‘‘ کی تشریح خصوصیت سے کریں اور پھر اس کا مقابلہ ہمارے مخالف خیال بھائیوں کے طرز عمل اور اس کا تطابق مندرجہ ذیل شائع شدہ تحریر سے کریں:

’’ہم سب اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اقرار کرتے ہیں کہ ہم سب کے نزدیک حضرت خلیفۃ المسیح

کا جانشین ایک شخص ہونا ضروری ہے۔ اور اُس کی بیعت کرنی ہر ایک احمدی پر واجب ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس خلیفہ سے کسی قسم کی شرائط طے کرنا جو حضرت خلیفۃ المسیح اول کی خلافت کے وقت طے نہیں کی گئیں، بالکل جائز نہیں۔ بلکہ اس کی بیعت اُسی طرح ہوگی جس طرح صحابہؓ نے کی۔ یا جس طرح خلیفۃ المسیح خلیفہ اول کی بیعت کی گئی۔ جو کوئی بھی خلیفہ مقرر ہو وہ کل جماعت اور صدر انجمن کا مطاع ہوگا۔ اور سب جماعت کو اس کے احکام کی اطاعت کرنی ضروری ہوگی۔ والسلام''

جواب دینے کی تکلیف کرنے والے بزرگ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ بانی سلسلہ نے اپنی آخری تحریر میں دینی امور میں بھی انجمن کا صرف آپ کو اطلاع دینا کافی سمجھا ہے۔ اور اپنی پاک نفسی سے اور بے غرضانہ خدمت اسلام کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کو بھی گوارا نہیں کیا کہ انجمن دینی امور میں آپ کی رائے لے لیا کرے۔ حالانکہ آپ کا ایسا لکھنا ہر طرح مناسب ہوتا۔ ایک ماموراگر یہ بات لکھتا ہے کہ:

''سب جماعت کو اس کے احکام کی اطاعت کرنی ضروری ہوگی۔''

تو نہایت درست بات ہوتی۔ مگر ایسے قسم کھانے والوں کے دلوں میں بانی سلسلہ کی کیا وقعت ہوسکتی ہے۔ جنہوں نے ایسی فضول اور لغو تحریر لکھی۔ اور پھر لوگوں سے اس پر دستخط کرائے۔ دستخط کرنے والے ہی ان تحریروں کا تطابق کر کے دکھائیں۔

امن است در مکانِ محبت سرائے ما

2اپریل1914ء

قرآن کریم کا فیصلہ

قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر ایک اختلافی امر میں فیصلہ دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: لِیَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ فِیۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ وَمَا اخۡتَلَفَ فِیۡہِ اِلَّا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡہُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاجَآءَتۡھُمُ الۡبَیِّنٰتُ بَغۡیًا بَیۡنَھُمۡ فَھَدَی اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ (213:2) یعنی لوگوں میں اختلافی امور میں فیصلہ دیتا ہے۔ پس ہمیں قرآن کریم دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اطاعت کے لئے تین سرخیاں قائم کی ہیں۔ اللہ، رسولؐ، اولوالامر۔ چنانچہ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ (59:4) یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو۔ رسولؐ کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے اولوالامر ہو اس کی اطاعت کرو۔ اب اولوالامر کے متعلق قانون بتلاتا ہے۔ مومنوں کی تعریف میں فرماتا ہے کہ: وَالَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّھِمۡ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَمۡرُھُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَھُمۡ وَمِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ (38:42) اور جو لوگ اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں۔ اور اپنے امور کا باہم شوریٰ سے فیصلہ کرتے ہیں۔ اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اس میں وَاَمۡرُھُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَھُمۡ قابل غور ہے۔ اُولِی الۡاَمۡرِ اور اَمۡرُھُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَھُمۡ میں اَمۡرٌ کا لفظ مشترک ہونے اور دونوں کو ملا کر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اولوالامر کے فیصلہ جات شوریٰ پر منحصر ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں؟ جبکہ خود رسول کریم ﷺ جو صاحب وحی خفی وجلی دونوں تھے اور تمام رسولوں کے سردار تھے۔ اُن کو حکم ہوتا ہے: شَاوِرۡھُمۡ فِی الۡاَمۡرِ (159:3) یعنی کاموں میں ان لوگوں سے مشورہ کر لیا کرو۔

اسی لئے خلفاء راشدینؓ برابر مشورہ سے کام سرانجام دیا کرتے تھے۔ اور اسی لئے حضرت مسیح موعود نے عین قرآن کے حکم کے مطابق انجمن قائم کی اور اس کا فیصلہ قطعی قرار دیا۔ پھر قرآن کریم فرماتا ہے کہ: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا (59:4) یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو، رسولؐ کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے اُولوالامر ہو اس کی اطاعت کرو۔ پھر اگر کسی چیز میں تمہارا تنازعہ ہو جائے تو پھر اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو۔ اگر اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ بہتر اور انجام کے اعتبار سے نہایت عمدہ بات ہے۔ اس میں یہ بتلایا کہ اگر جھگڑا ہو جائے یا اختلاف ہو جائے خواہ آپس میں یا امیر کے ساتھ بھی تو اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو۔ یہ نہیں فرمایا کہ جب جھگڑا ہو جائے تو امیر جو فیصلہ کر دیا کرے وہ قطعی ہوگا۔ نہیں بلکہ اللہ اور رسولؐ کے فیصلہ کی طرف رجوع کرنے کے لئے فرمایا۔

یہاں اُولِی الۡاَمۡرِ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ اور فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ (59:4) پر یکجائی طور پر نظر ڈالو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ امیر کو شوریٰ کے ساتھ لازم وملزوم کی طرح تعلق ہے۔ اور باہمی اختلاف کا فیصلہ خدا اور رسولؐ کے فیصلہ پر رکھا، نہ کہ امیر کے۔ اور اس کو فرمایا کہ انجام کے اعتبار سے یہی راہ احسن ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضرت مسیح موعود نے انجمن کے لئے یہ ضروری رکھا کہ اس میں کم سے کم دو عالم قرآن وسنت سے بخوبی واقف ضرور شامل ہوں۔ تا جب خدا اور رسولؐ کی طرف رجوع کی ضرورت ہو۔ تو وہ اپنے علم قرآن وحدیث سے مدد دیں۔ پس امیر کی جو پوزیشن قرآن کریم نے قائم کی ہے۔ وہ تو یہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ تین شق قرآن نے قائم کی ہیں۔ اللہ، رسولؐ، اور اولوالامر۔ خلیفہ کہہ لو یا امیر کہہ لو۔ مگر وہ اولوالامر سے آگے بڑھتا نہیں۔ ان تینوں کے سوا چوتھی سرخی قرآن نے نہیں قائم کی۔ جو رسولؐ نہیں وہ پھر اولوالامر ہے۔ خواہ اُسے خلیفہ کہو خواہ امیر۔ اور اگر اولوالامر ہے تو اس کے لئے شوریٰ لازمی ہے۔ اور امیر اور شوریٰ کے اختلاف کے فیصلہ کے لئے اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور یہی طریق صحابہؓ کا تھا۔ امیر اختلاف کی حالت میں شوریٰ کے فیصلہ کو خود توڑ نہیں سکتا۔ جیسا کہ قرآن کی ان آیات سے ظاہر ہے۔

کوئی یہاں آدمؑ کو خلیفۃ اللہ کہنے یا داؤدؑ پر خلیفہ کا لفظ آجانے سے غلطی نہ کھائے۔ یاد رہے کہ وہ رسول تھے، مامور من اللہ تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود نے خلیفۃ اللہ اور آدم کا الہامی طور پر اپنے آپ کو مصداق ٹھہرایا۔ پس کوئی شخص جو مسیح موعود کی طرح مامور من اللہ نہ ہو، وہ ان معنوں میں اپنے آپ کو خلیفہ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ وہ اولوالامر کی شکل میں مانا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ وہ تمام قوانین بھی ماننے پڑیں گے جو قرآن نے اُس کے لئے قائم کئے ہیں

راقم

بشارت احمد عفی عنہ

2اپریل1914ء

چند غور طلب باتیں

(1)

(از جناب حکیم محمد حسین صاحب المعروف مرہم عیسیٰ)

کہا جاتا ہے کہ مسئلہ کفر اور بعض دوسرے معتقدات اشاعت اسلام اور اپنے سلسلہ کی ترقی کے لئے سم قاتل نہیں ہے اور نہ یہ کسی مصیبت کا پیش خیمہ ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اسلام اور سلسلے کی ترقی کے لئے یہ فتوے ضرور سم قاتل ہیں۔ کیونکہ جب ہم تھوڑے تھے تو اس وقت اس مسئلہ کفر کے سبب سے ہم بہت نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اس کے برخلاف حضرت مسیح موعود کی ایسی تحریروں کے پڑھنے سے یہ جماعت بڑھی تھی۔ جس میں مولویوں کے مسلمانوں کا کافر بنانے کے فتوؤں کی تردید اور توضیح تھی۔ اور اب پھر وہی فتوے اس دائرہ کو ایسا تنگ کر رہے ہیں کہ کئی لاکھ احمدیوں میں سے صرف چند ہزار ہی اصلی احمدی سمجھے گئے ہیں۔ اور پھر ان چند ہزار میں سے چند صد ہی ایسے ہوں گے۔ جو مسئلہ کفر و اسلام میں بانی مسئلہ کفر کے ہم خیال ہوں گے۔ میں اس وقت صرف حضرت مسیح موعود کی کتاب ''انوار الاسلام'' کے صفحہ 33 سے آپ صاحبان کی توجہ کے لئے ایک حوالہ پیش کرتا ہوں۔ جو کفر کے فتویٰ دینے والے مولویوں پر اتمام حجت کی غرض سے حضرت مغفور نے لکھا ہے۔ وھوھذا:

''کیا تمہیں ذرا خوف نہیں کہ مسلمانوں کو کافر بناتے اور کلمہ گوؤں کا بے ایمان نام رکھتے ہو۔ بتلاؤ کہ عملی حالت میں ہم اور تم میں کیا فرق ہے۔ کیا ہم کوئی شرک کا کام کرتے ہیں؟ کیا نمازوں کو چھوڑ دیا یا روزہ اور دیگر ارکان اسلام سے منکر ہو گئے ہیں یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیا ہے اور کچھ تو بتلاؤ کہ عملی حالت اور اسلام کے ضروری عقائد میں ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے۔ ہاں اگر مسیحؑ کی وفات کے عقیدہ کی وجہ سے ہمیں کافر کہا جاتا ہے، تو امام مالکؒ کو بھی کافر بناؤ کہ ان کا عقیدہ بھی یہی تھا جس سے رجوع ثابت نہیں۔ اور امام بخاریؒ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہوتا تو کیوں وہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (117:5)

کی شرح کے وقت تائید حدیث کے لئے ابن عباسؓ کا یہ قول لاتا مُتَوَفِّیْکَ مُمِیْتُکَ۔ پس اس حساب سے امام بخاری بھی کافر ہوئے اور یہی عقیدہ ابن قیم نے مدارج السالکین میں ظاہر کیا ہے۔ پس بقول تمہارے ابن قیم بھی کافر ہے اور معتزلہ کا یہی عقیدہ ہے۔ پس وہ تمام لوگ کافر ٹھہرے۔ اور اگر یہ اعتراض ہے کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کلمہ کفر ہے۔ تو بجز اس کے کیا کہیں لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ الْمُفْتَرِيْنَ اور اگر یہ اعتراض ہے کہ کسی نبی کی توہین کی ہے اور وہ کلمۂ کفر ہے۔ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ لَعنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔''

اب بتلاؤ کہ کیا حضرت صاحب کا اس وقت دعویٰ مسیح موعود ہونے کا نہ تھا۔ اور اگر تھا تو ان تحریروں کو کہاں لے جاؤ گے۔ عجب بات ہے کہ خدا تو فرماتا ہے: لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا یعنی جو السلام علیکم کہے اس کو کافر مت سمجھو۔ اور حضرت مسیح موعود بھی اپنی کتاب ''انوار الاسلام'' صفحہ 34 (94:4) میں اس آیت کا یہی ترجمہ کر کے اپنے آپ کو اس حکم کا پابند ثابت کرتے ہیں۔ مگر صاحبزادہ صاحب تمام جہان کے مسلمانوں کو جو احمدی نہیں دائرہ اسلام سے خارج اور کافر فرماتے ہیں۔

اب چاہو تو خدا تعالیٰ کا حکم مانو اور اس آیت کے ماتحت حضرت مسیح موعود کے لکھنے کے مطابق السلام علیکم کہنے والوں کو مسلمان سمجھو۔ اور چاہے صاحبزادہ صاحب کے ارشاد کے مطابق السلام علیکم کہنے والوں کو کافر سمجھ کر اس آیت کو منسوخ قرار دو۔

حضرت نبی کریم ﷺ تو فرماتے ہیں: لَا تُكَفِّرُوْا اَهْلَ قِبْلَتِكُمْ یعنی اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرو۔ اور حضرت مسیح موعود بھی اپنی کتاب حقیقۃ الوحی، جس سے آج کل کفر و اسلام کے فتوے دکھائے جاتے ہیں، کے صفحہ 165 میں فرماتے ہیں کہ ''میں اب بھی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتا'' اور صاحبزادہ صاحب سوائے احمدیوں کے سب اہل قبلہ کو کافر قرار دیتے اور دائرہ اسلام سے خارج بتلاتے ہیں۔ اب چاہو تو حضرت نبی کریم ﷺ کا حکم مانو یا اس کے سچے غلام مسیح موعود کا کہا مانو۔ اور چاہو تو صاحبزادہ صاحب کے فتویٰ کفر پر ایمان لاؤ!

حضرت مسیح موعود تو اپنی کتاب ''تریاق القلوب'' کے صفحہ 130 اور اس کے حاشیہ میں صاف اور واضح

طور پر لکھتے ہیں کہ میرے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا۔ اور حاشیہ میں اس کی اور بھی توضیح فرماتے ہیں کہ ''یہ نکتہ یادرکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا صرف اُن نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدید لاتے ہیں۔'' مگر صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو حضرت مرزا صاحب کو نہیں مانتا اور کافر بھی نہیں کہتا وہ بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اب چاہو تو حضرت مسیح موعود کی مانو، چاہے صاحبزادہ صاحب کی۔ (جاری بر اشاعت 5 اپریل 1914ء)

5اپریل1914ء

مراسلات

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا قیام

برادران ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

سلسلہ عالیہ احمدیہ ایک خدائی سلسلہ ہے۔جس کی بنیاد اُس عظیم الشان بابرکت انسان کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ڈالی،جس کے لئے پیغمبر خداﷺ اور اُن سب انبیاءؑ نے جو پہلے آپ سے گزرے،اور اُن سب مجددین اور اولیاء نے ، جو گزشتہ تیرہ صدیوں میں آپ کے بعد ہوئے ،مختلف رنگوں میں پیش گوئیاں کی ہوئی تھیں۔اور جس کو اپنا سلام پہنچانے کے لئے صادق المرسلینؐ نے وصیت فرمائی ہوئی تھی۔ یہ وہ سلسلہ عالیہ ہے جس کے لئے بڑی بڑی فتوحات روحانی اور جسمانی اور انعامات الٰہیہ کے وعدہ ہیں۔ یہی وہ سلسلہ ہے جس کے ذریعہ اسلام اپنی کھوئی ہوئی شوکت کو حاصل کرے گا اور دنیا میں پھیلے گا، پھولے گا اور پھلے گا۔پس اگر کبھی بادخزاں کے جھونکے اس لہلہاتے ہوئے سبز کھیت کو عارضی طور پر مرجھادیں۔یا کوئی اور سماوی آفت ناگہاں اس روحانی باغ پر حملہ آور ہوجائے تو اس سے یہ خیال کرلینا کہ اب تباہ ہوجاوے گا،سخت ناعاقبت اندیشی ہے۔ یہ بادخزاں اور یہ گرم آتشیں ہوائیں اور یہ سخت آندھیاں کسی عظیم الشان بارش کا پیش خیمہ ہیں۔ جو اس نورانی باغ کو چندروز میں خوشنما پھولوں اور لذیذ روحانی پھلوں کا مالک بنادے گی۔

لوگ ہنستے ہیں اور طرح طرح کی پھبتیاں اُڑاتے ہیں۔اور ہمارے کمزوردل بھائی گھبراتے ہیں۔اگر اُن کو یقین ہوتا کہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ (24:14) اس سلسلہ روحانی کی شان ہے تو کبھی وہ ایسے پژمردہ نہ ہوتے۔

پس برادران! گھبراؤ نہیں۔ مطلع صاف ہوا چاہتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فضل دستگیری فرمارہا ہے۔خودغرض لوگوں کی ریشہ دوانیاں ختم ہونے کو ہیں۔خادمان سلسلہ کے دماغوں سے پریشانیاں دور ہوچکی ہیں۔ فتح ونصرت دروازہ پر کھڑی ہے۔ہاں! آپ اپنے اعمال میں پاک تبدیلیاں کریں۔ دعاؤں میں لگ جاویں۔کمر باندھ کر

اپنی زندگی کو قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (162:6) کا پورا مصداق بنالیں اور اشاعت اسلام کے کام کو اپنا نصب العین رکھیں۔ کیونکہ صرف خیال ہی خیال کبھی انسان کی نجات کا موجب نہیں ہو سکتے۔ لیکن جلدی سے جو کام کیا جاوے ہمیشہ ہی اس میں خرابیاں ہوتی ہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ ''تعجیل کار...... بود''۔ قرآن بھی فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (153:2) پھر ارشاد کرتا ہے: وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (11:17) انسان بہت ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔

غرض جلد بازی، اور پھر معاملہ دینی میں، سم قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب باوجود بار بار عرض کرنے کے صبر و استقلال سے کام نہ لیا گیا تو سلسلہ ابتلا میں پڑ گیا اور ہم ''نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ'' کے مصداق ہوئے۔ سب وعظ، جو اتفاق اور یگانگت پر آئے دن ہوا کرتے تھے، تھوڑی سی بات کے لئے پس پشت پھینک کر تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ (46:8) کے وعید کے ماتحت جان بوجھ کر سلسلہ عالیہ کو انتشار میں ڈال دیا گو یہ کسی بھائی سے پوشیدہ نہیں کہ اس عجلت بازی سے حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب نے نہایت دانشمندی سے بار بار روکنے کی کوشش کی۔ لیکن جن لوگوں کے دل سالہائے دراز سے ایک سُو لگ چکے تھے۔ وہ بھلا کس طرح کسی کی سُن سکتے تھے۔ آخر دنیا کو تماشہ دکھائے بغیر نہ رہ سکے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس غلطی پر بھی دوستوں نے بعد از مشورہ پسند کیا کہ اگر حضرت اقدس کی وصیت پر پورا عمل ہو جاوے۔ تو وہ ہر ایک قسم کی ذلت کو برداشت کر کے سلسلہ کی بہبودی میں کوشاں ہوں۔ چنانچہ تجویز یہ ہوئی کہ صاحبزادہ صاحب کو، اگر مسئلہ کفر پر زور نہ دیں، تو امیر مان لیا جاوے۔ لیکن سلسلہ کی مطاع انجمن ہی ہو۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود کا فیصلہ ہے۔ ہاں! جن کا انشراح صدر ہو وہ بیعت بھی کر لیں۔ لیکن ہر ایک احمدی پر بیعت لازمی نہ ہو۔ ان شرائط کو صاحبزادہ صاحب نے غیر معقول قرار دیا۔ اور جو پرانے حضرت اقدس کے خادم تھے اُن کو ملنے سے بھی انکار کیا۔ بلکہ اُن کی ملاقات کو باعث فتنہ کہا۔ اس پر احباب نے بعد غور و فکر کے جو راہ ان جھگڑوں سے سلسلہ کو بچانے کی نکالی وہ یہ ہے کہ میاں صاحب چونکہ مسئلہ تکفیر سے جدا نہیں ہو سکتے۔ اور سب مسلمانوں کو بلاتمیز کافر کہنے سے رُک نہیں سکتے اور نیز ''خلیفہ بلاشرط'' اور ''انجمن کا مطاع'' خلاف حکم حضرت مسیح موعود بننا چاہتے ہیں۔ اور

اس اپنے عقیدہ سے بھی ایک انچ پیچھے ہٹنا نہیں چاہتے اور بیعت نہ کرنے والوں کو فاسق کا فتویٰ دیتے ہیں۔اس لئے بہتر ہے کہ اب اُن سے زیادہ جھگڑا نہ کیا جاوے اور اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاوے۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان پر اصل حقیقت نہ کھول دے اور انجمن کا اُن کو مطاع تسلیم نہ کیا جاوے۔ اور وہ لوگ جو اہل قبلہ کو مسلمان سمجھتے ہیں،سوائے ایسے لوگوں کے جو ہمیں کافر کہیں، وہ اُن کے ہاتھ پر جمع نہ ہوں۔ کیونکہ یہ راہ خلاف تعلیم حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود ہے۔اور نیز ایسے شخص کے ہاتھ پر اس سلسلہ کے لوگوں کا جمع ہونا، جو خلاف عقیدہ حضرت مسیح موعود عقائد رکھتا ہو، سلسلہ کے لئے برکت کا موجب نہیں ہوسکتا۔ اور اس میں سلسلہ کی تباہی ہے۔لیکن چونکہ باوجود ان اختلافات کے کام مل کر کرنا ہے اس لئے صدر انجمن احمد یہ برابر قائم رہے اور اس میں ہم سب مل کر کام کریں۔ ہاں ! ایک انجمن اشاعت اسلام کی اُسی طرح ،جس طرح بلا دغربیہ اشاعت اسلام ٹرسٹ ہے، قائم کی جاوے اور وہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے۔ اُس کا نظم ونسق صرف احمدی احباب کے ہاتھ میں ہو۔ وہ ایک گونہ صدر انجمن احمد یہ کے کام اشاعت اسلام کی مددگار رہو۔

اب انشاءاللہ ہم اپنا کام شروع کریں گے۔ میاں صاحب بھی کام کریں۔ہم بھی کام کریں گے۔صدر انجمن احمد یہ میں ہم سب ایک ہوکر اور مل کر رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا کرنے کی توفیق عطا کرے۔

خاکسار

مرزا یعقوب بیگ

آنریری سیکرٹری احمد یہ انجمن اشاعت اسلام

احمد یہ بلڈنگس ،لاہور

5اپریل1914ء

ایک ضروری اعلان

ہم مفصلہ ذیل احمدی اس امر پر اتفاق کرتے ہیں کہ حضرت مولوی محمد علی صاحب پاک نفس بزرگ ہیں اور اس قابل ہیں کہ بموجب الوصیت حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی مسعود جماعت احمدیہ میں داخل کرنے کے لئے احمد کے نام پر لوگوں سے بیعت لینے کے مجاز قرار دیئے جائیں۔ اس لئے ہم سب آپ کو اس امر کے لئے منتخب کرتے ہیں:

1۔ ڈاکٹر سید یعقوب بیگ ایل ایم ایس۔ 2۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ ایل ایم ایس۔ 3۔ شیخ رحمت اللہ مالک انگلش ویئر ہاؤس لاہور۔ 4۔ محمد سرفراز خاں جماعت احمدیہ بدوملہی۔ 5۔ شیخ نیاز احمد وزیر آباد۔ 6۔ علی بخش کلرک محکمہ نہر سیکرٹری انجمن احمدیہ گوجرانوالہ۔ 7۔ محمد حیات سیکرٹری انجمن احمدیہ وزیر آباد۔ 8۔ فیض الرحمٰن امرتسر۔ 9۔ محمد حسین مرہم عیسیٰ۔ 10۔ عبدالرحمٰن عفی عنہ۔ 11۔ سید امیر علی شاہ سب انسپکٹر پنشنر سیالکوٹ۔ 12۔ عبدالحنان دفتری پشاور۔ 13۔ محمد اشرف بیگ۔ 14۔ عالم الدین وکیل بقلم خود۔ 15۔ غلام محمد بقلم خود۔ 16۔ احمد الدین بقلم خود۔ 17۔ عبدالحمید میڈیکل سٹوڈنٹ۔ 18۔ خلیفہ رجب الدین بقلم خود۔ 19۔ محمد حسین کلرک میڈیکل سٹور لاہور چھاؤنی۔ 20۔ الطاف علی بقلم خود۔ 21۔ نبی بخش۔ 22۔ قاضی ثناء اللہ سپرنٹنڈنٹ میڈیکل سٹور لاہور چھاؤنی۔ 23۔ غلام مرتضیٰ خاں۔ 24۔ شیخ فضل الدین دری باف۔ 25۔ شمس الدین کلرک چیفکورٹ پنجاب۔ 26۔ غلام محمد بقلم خود۔ 27۔ خاکسار محبوب عالم ایجنٹ وکیل گوجرانوالہ۔ 28۔ محمد اسمٰعیل نائب تحصیلدار امرتسر۔ 29۔ خاکسار شیخ غلام قادر۔ 30۔ منظور احمد لائل پور۔ 31۔ دوست محمد ایڈیٹر پیغام صلح۔ 32۔ داد خاں از لاہور۔ 33۔ محمد ظہیر الدین مصنف نبی اللہ کا ظہور۔ 34۔ قدرت اللہ بقلم خود۔ 35۔ حیدر شاہ بقلم خود۔ 36۔ کمترین مرزا جمال الدین خوشنویس۔ 37۔ ملک چراغ الدین بقلم خود۔ 38۔ ملک جلال الدین کلاتھ مرچنٹ وزیر آباد۔ 39۔ مستری تاج الدین۔ 40۔ مولوی محمد حسین حکیم حاذق صادق قریشی۔ 41۔ شیخ مولا بخش صاحب وزیر آباد۔ 42۔ عبدالرحمٰن سوداگر وزیر آباد۔ 43۔ حافظ غلام رسول پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ وزیر آباد۔ 44۔ منشی شیر محمد مختار کارخانہ غلام قادر نیاز احمد صاحب۔ 45۔ سیٹھ کریم بخش صاحب۔ 46۔ میاں محمد یوسف سوداگر۔ 47۔ بابو عطا الٰہی اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر۔ 48۔ سید فضل احمد شاہ ٹکٹ کلکٹر ریلوے سٹیشن وزیر آباد۔ 49۔ سیٹھ عبدالکریم مالک کارخانہ سوڈا واٹر مشین۔ 50۔ شیخ نبی بخش سوداگر چرم وزیر آباد۔ 51۔ شیخ غلام علی وزیر آباد۔

5اپریل1914ء اداریہ

علامہ نورالدینؒ اورصدرانجمن احمدیہ قادیان

حضرت نورالدین مرحوم کے وجوداقدس میں جوخوبیاں تھیں، اُن سے زمانہ واقف ہے۔آپ کے علمی نمونے مسلم قوم کے لئےعموماًاوراحمدی قوم کے لئےخصوصاًاس قابل ہیں کہ اُن سے معنوی طور پرفوائداخذ کرنے کے لئے جدوجہد کی جائے۔ تاکہ ہم میں بھی وہی بات پیدا ہوسکے۔جس کے باعث نورالدین مرحوم کی خاص شخصیت آج قابل عزت وحرمت تسلیم کی جانے کے لائق شمار کی جاتی ہے۔یوں تو آپ کی ذات میں زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ایک خاص عملی نمونہ پایا جاتا ہے۔مگرحضرت مسیح موعود کی ''الوصیت'' کے متعلق آپ کا طرزعمل خصوصاً زیرنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضرت مولٰینا محمد علی صاحب نے حضرت علامہ نورالدین مغفور کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ اُن کا زمانہ دراصل سیدنا مسیح موعود خلد آشیانی کا زمانہ تھا۔کیونکہ مولوی صاحب مرحوم نے اپنے عملی نمونوں سے یہی ثابت کیا ہے کہ آپ کا عہد سعادت یقیناً مسیح موعود کے زمانہ کا مصداق ہے۔

حضرت صاحب نے احمدی جماعت کے لئے جوایک قانون الوصیت کے نام سے وضع فرمایا تھااوراپنی جانشین ایک انجمن بنائی تھی۔ باوجود مسیح موعود کے رنگ میں رنگین ہونے اورخاص شخصیت رکھنے کے حضرت مولوی صاحب مرحوم نے اُس پرعملدرآمد کرنا امرِ ضروری یقین فرمایا۔ اورکبھی بھی صدرانجمن احمدیہ کے فیصلوں کے خلاف نہ تو آواز اُٹھائی اورنہ اُس کے کام میں مزاحم ہی ہوئے۔ بلکہ جہاں تک آپ کے بس میں تھا، مالی اورلسانی طورپراُس کی مدد کرکے اُس کی جڑکومضبوط کرنے کی ہی فکر میں رہے۔

حضرت مسیح موعود کے بعد نذرانہ کے طور پرجس قدرروپیہ حضرت مولوی صاحب کے ہاتھ میں حضرت صاحب کے رنگ میں رنگین ہونے کے باعث آتا رہا، وہ آپ صدرانجمن احمدیہ کے حوالے کرتے رہے۔اُس میں سے ایک پیسہ یا کوڑی تک بھی آپ نے لینا گوارانہیں کیا۔جس سے اس بات پرخاصی روشنی پڑتی ہے کہ حضرت مولوی صاحب مرحوم نے عملی طور پرصدرانجمن احمدیہ کوحضرت مسیح موعود کا جانشین یقین فرمایا تھا۔اس لئے آپ نے ایسے کل روپیہ کو، جوحضرت صاحب کا حق تھا، اپنے صرف میں لانا پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ کی جانشین

صدرانجمن احمدیہ کو جو آپ کی جائز وارث بھی ہے، حوالے کردینا ضروری سمجھا۔ اس میں کلام نہیں کہ اگر اس روپیہ، جو بطور نذرانہ کے حضرت مولوی صاحب کے ہاتھ میں آپ کو مسیح موعود کے رنگ میں رنگین سمجھ کر دیا جاتا تھا، آپ اپنے صرف میں لے آتے، تو انجمن کو اُس پر اعتراض نہ ہوتا۔ مگر اس طرح عملی طور پر نقص رہ جاتا اور الوصیت کی کامل پیروی نہ ہوتی۔ جس کی مولوی صاحب جیسے محتاط انسان سے اُمید محال تھی۔ اور اسی لئے مولوی صاحب مغفور نے نہ تو اُن آوازوں کو سنا جو انجمن کے خلاف اُٹھائی جاتی تھیں یا اُس کے قواعد کی ترمیم و تنسیخ کیلئے پیش کی جاتی تھیں اور نہ انجمن کے کسی کام یا فیصلہ میں مخل ہوئے۔ بلکہ انجمن کے سپرد جو کام تھا اُس کو ہر طرح بہ نظر استحسان دیکھا اور اُس کی تائید کر کے حضرت مسیح موعود کی روح پاک کو خوش کیا۔

جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تامل کے طور پر جو فعل مولوی صاحب سے سرزد ہوا، وہ الوصیت کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔ اس لئے یہ خیال کرنا کہ مولوی صاحب کی جن لوگوں نے بیعت کی، انہوں نے ''الوصیت'' کے خلاف قدم مارا، سراسر غلطی ہے۔ کیونکہ جس حالت میں مولوی نورالدین صاحب مرحوم نے انجمن کے خلاف نہ تو کوئی کارروائی کی اور نہ اُس کے قواعد میں ترمیم و تنسیخ کو روا رکھا اور نہ نذرانہ کے روپیہ کو اپنے صرف میں لائے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود کا حق یقین کر کے آپ کی جانشین اور جائز وارث ''صدرانجمن احمدیہ'' کے حوالے کرنا اپنا فرض منصبی سمجھا۔ تو بجائے خود اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب نے فعلی طور پر انجمن کو حضور مسیح موعود کا جانشین ثابت کر دیا۔ اگر حضرت مولوی صاحب اپنے آپ کو ویسا ہی مسیح موعود کا جانشین سمجھتے جیسے کہ خلافت کے خواہشمند متمنی ہیں۔ تو نذرانہ کا روپیہ انجمن کے ہرگز حوالے نہ کرتے۔ لیکن مولوی صاحب نے عملی طور پر یہ ثبوت دیا کہ جو کچھ ہے وہ صدرانجمن احمدیہ ہی ہے۔ اور اپنا کام صرف قوم کے شیرازہ کو مضبوط رکھنے تک محدود رکھ کر اُسی کے لئے شب و روز سعی تبلیغ فرماتے رہے۔

پس میرے پیارے بھائیو! اور احمدی بزرگو! ہم سب کا یہ فرض ہے کہ الوصیت کے ذریعہ جو قانون ہمارے عمل درآمد کے لئے حضرت مسیح موعود پیش کر گئے ہیں، اُس سے انحراف نہ کریں۔ ایسے ہی مولوی صاحب مرحوم نے عملی طور پر جو سبق دیا ہے اُس پر کاربند رہنے کی دن رات کوشش کر کے انجمن کو تقویت دیں۔ تا کہ حضرت مسیح موعود کے ذریعہ سے جس صداقت کو پھیلانے کا خدا نے ارادہ فرمایا ہے وہ بطرز احسن پھیل سکے۔ گدی کے

سلسلہ کو قائم کرنا حضرت مسیح موعود کا کام نہ تھا۔ جس کا آپ نے ''الوصیت'' کے ذریعہ خاصہ قلع قمع کیا ہے اور مولوی صاحب مرحوم نے اپنے عملی نمونہ سے گدی کے سلسلہ کی جڑ بنیاد ہی اُکھیڑ دی ہے۔ بھائیو! ایک بات کی حقیقت سمجھ کر خواہ مخواہ ایسی راہ کی طرف ہرگز مت قدم اُٹھاؤ جس کا انجام خطرناک ہو۔ حضرت مسیح موعود نے ہمارے ذمہ اشاعت وحمایت اسلام کا کام سپرد کیا ہے نہ کہ ایسا طرز عمل اختیار کرنا کہ جس سے اُن کے احکام کی خلاف ورزی لازم آئے۔

انجمن بنانا اور اُس کے لئے ایک قانون وضع کرنا اور اُس کا کام اشاعت اسلام اور حمایت دین متین قرار دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ حضرت صاحب کو اشاعت اسلام سے کس قدر محبت تھی۔ حضرت صاحب کی ساری کتابیں پڑھو۔ اُس میں یہی امر نظر آئے گا کہ حضور کی دلی خواہش اسلام کی ترقی کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب قبلہ بھی ساری عمر اس کے متمنی رہے۔ اب ہم احمدیوں کو اس حکم سے انحراف نہ کرنا چاہئے۔ ہم میں وہی انسان قابل تعظیم وتکریم ہونا چاہئے کہ جو حضرت صاحب کی ''الوصیت'' کے ماتحت چلے اور حضرت مولوی صاحب مرحوم کے طرز عمل کو خیر مقدم کہنے کا عملی طور پر ثبوت دے جو الوصیت کے خلاف قدم اُٹھائے وہ خواہ کوئی ہو اُس کی آواز کو نہ سننا چاہئے۔

بھائیو! تم نے اگر سچ مچ مسیح موعود کو خدا کے لئے مانا ہے اور مقدس اسلام کا اس زمانہ میں تازہ اور زندہ ثبوت اُس کی ذات اقدس کو تسلیم کیا ہے جس کے لئے ہزاروں نشان بھی دیکھے ہیں، تو خبردار رہو اور کسی کی بے جا محبت تم کو اپنی جگہ سے نہ ہٹائے۔ سب سے بڑھ کر محبت کرنے کی تعلیم حضرت صاحب نے خدا سے اور اُس کے رسولؐ کے احکام سے دی ہے۔ اُس کے بعد اپنے بتائے ہوئے گُروں پر عامل ہونے کا سبق پڑھایا ہے۔ اگر اس وقت میں جبکہ تم میں نہ مسیح موعود ہے اور نہ اُس کے رنگ میں رنگین نورالدین جیسا بزرگ، ''الوصیت'' سے چشم پوشی کر کے کسی خاص فرد سے ایسی محبت کرو گے، جس سے ایسی محبت کرنے کا نہ خدا کا حکم نہ رسولؐ کا نہ مسیح موعود کا اور نہ حضرت مولوی صاحب جیسے بزرگ کا، تو واقعی امر یہ ہے کہ تم اُس مرکز سے دور ہو جاؤ گے کہ جس پر تم کو مسیح موعود نے کھڑا کیا ہے اور جس کی تائید مولوی صاحب نے کی ہے۔ غور کرو حضرت مسیح موعود نے الوصیت میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ:

''مناسب ہے کہ ہر ایک صاحب ہماری جماعت میں سے جن کو یہ تحریر ملے وہ اپنے دوستوں میں اس کو مشتہر کریں اور جہاں تک ممکن ہو اُس کی اشاعت کریں اور اپنی آئندہ نسل کے لئے اس کو محفوظ رکھیں اور مخالفوں کو بھی مہذب طریق پر اس سے اطلاع دیں اور ہر ایک بدگو کی بدگوئی پر صبر کریں اور دعامیں لگے رہیں۔'' (صفحہ 20، الوصیت)

جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت صاحب کو کشفی رنگ میں ایسے لوگ دکھائے گئے ہیں جو اس کی مخالفت کریں گے یا اس کے حکموں کو ٹالنے کی کوشش کریں گے۔ اسی لئے تو اُنہوں نے اس کو محفوظ رکھنے اور عام طور پر مشتہر کرنے اور بدگو کی بدگوئی پر صبر کرنے کی خاص طور پر ہدایت فرمائی۔ اور بالآخر ان حضرات کا جو الوصیت کے سراسر خلاف قدم اُٹھائیں گے صاف طور پر اظہار بھی کر دیا۔ جیسے کہ ''الوصیت'' کے اخیر میں یوں فرماتے ہیں کہ:

''بہتیرے ایسے ہیں کہ وہ دنیا سے محبت کر کے میرے حکم کو ٹال دیں گے۔ مگر بہت جلد دنیا سے جدا کئے جائیں گے۔ تب آخری وقت میں یہ کہیں گے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔'' (الوصیت صفحہ 27)

بھائیو! کس قدر خوف کا مقام ہے کہ حضرت صاحب اُن لوگوں کے لئے جو آپ کے اس حکم الوصیت کو ٹال دیں گے کیسی ہولناک پیش گوئی فرماتے ہیں۔ پس فرمانبردار کہلا کر نافرمانی کی راہ سے بچو اور ''الوصیت'' کو اس مصیبت کے وقت میں خضر راہ یقین کرنے کی طرف توجہ کرو۔ تا کہ کل اختلاف دور ہو سکیں اور جس مقام پر مسیح موعود نے کھڑا کیا ہے اور علامہ نورالدین جیسے نیک انسان نے جس کی عملی طور پر تائید و تاکید فرمائی ہے اُس سے تم جدا نہ ہو سکو۔

5 اپریل 1914ء

چند غور طلب باتیں

(2)

بسلسلہ اشاعت 2 اپریل 1914ء

(از حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ لاہور)

حضرت مسیح موعود اپنے ایک اشتہار میں جس کا عنوان ہے ''ایک عظیم الشان پیشگوئی کا پورا ہونا'' لکھتے ہیں کہ ''میں کسی کلمہ گو کا نام کافر نہیں رکھتا جب تک وہ میری تکفیر اور تکذیب کر کے اپنے تئیں خود کافر نہ بنالیوے'' اور اس کے آگے لکھتے ہیں ''میرا یہی مذہب ہے کہ میں کسی مسلمان کو کافر نہیں جانتا۔ دیکھو مجموعہ اشتہارات صفحہ 558۔

مگر صاحبزادہ صاحب کا یہ مذہب ہے کہ جو حضرت مرزا صاحب کی تکفیر اور تکذیب کر کے خود اپنے تئیں کافر بھی نہیں بناتا گو وہ کلمہ گو اور مسلمان ہے، وہ بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اب چاہو تو حضرت مسیح موعود کی بات مانو اور چاہو تو صاحبزادہ صاحب کا مذہب تسلیم کرو۔

حضرت مسیح موعود تو اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ 33 میں لکھتے ہیں کہ:

''جو اللہ اور رسول اور اللہ جل شانہٗ کے ملائک اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں اور بعث بعد الموت پر اُسی طرح ایمان لاتا ہو جیسا کہ اللہ جل شانہٗ اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں ظاہر فرمایا ہے۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اُن تمام احکام صوم و صلوۃ کا پابند بھی ہو جو اللہ اور رسول ﷺ نے بیان فرمائے ہیں تو ایسے مسلمان کو کافر قرار دینا اور اُس کا نام اکفر اور دجال رکھنا کیا یہ اُن لوگوں کا کام ہے جن کا شعار تقویٰ اور خدا ترسی، نیک سیرت اور

نیک ظنی عادت ہے۔''

مگر صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں اُس شخص کو بھی، جو حضرت مسیح موعود کو سچا جانتا ہے۔ مگر مزید اطمینان کے لئے ابھی بیعت میں توقف کرتا ہے، کافر ٹھہراتا ہوں اور خواہ کوئی باوجود اقرار کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور باوجود توحید اور ماننے عقائد ضرور یہ اسلام اور پابندی صلوۃ اور اہل قبلہ ہونے کے حضرت مرزا صاحب کو دل میں سچا قرار دیتا ہے۔ اور زبانی بھی آپ کا انکار تک نہیں کرتا۔ لیکن بیعت میں اُسے کچھ توقف ہے، وہ بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

اب مرضی ہے تو حضرت مسیح موعود کی بات مانو اور مرضی ہے تو حضرت صاحبزادہ صاحب کی یہ بات مان لو۔

مگر یہ بات یاد رکھو کہ فرعون کی آل میں سے ایک شخص کی، جس نے اپنے ایمان کو چھپایا تھا اور حضرت موسیٰؑ کو دل میں سچا قرار دیا تھا، قرآن تعریف کرتا اور اُس کو مومن قرار دیتا ہے۔ مگر یہاں صاحبزادہ صاحب نے کتمانِ ایمان کرنے والے کو بھی کافر قرار دیا ہے۔ دیکھو تشحیذ الاذھان 1911ء نمبر 4 صفحہ 141 سطر 12۔

پس سوچنے کا مقام ہے کہ صاحبزادہ صاحب کا عقیدہ اس معاملہ میں یعنی مسئلہ کفر میں کس قدر تشدد رکھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے اپنی وفات سے چند ہی دن پہلے مسٹر فضل حسین صاحب بیرسٹر کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے۔ جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جاوے۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ جو ہمیں کافر نہیں کہتا ہم اُسے ہرگز کافر نہیں کہتے۔ لیکن جو ہمیں کافر کہتا ہے، اُسے کافر نہ سمجھیں تو اس میں حدیث اور متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ دیکھو بدر نمبر 19-20 جلد 7، 1908ء مورخہ 24 مئی صفحہ 6 سطر 10 کالم اول۔ مگر صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی مکفر ہو یا خاموش، ہم سب کو کافر کہتے ہیں اور وہ سب دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور جو شخص احمدیوں کے سوا مسلمان کو کافر نہیں کہتا وہ ایسا شخص ہے کہ جس کے دل میں ایمان نہیں اور وہ نور یقین سے کورا ہے۔ اور اس کو خدا نے معرفت کی آنکھیں ہی نہیں دیں۔

7اپریل1914ء

اظہارِافسوس بروفات حسرتِ آیات مولٰینا نورالدینؒ

مولوی صاحب خلیفہ نور دین تھے آفتاب جن کے نورِ عاطفت سے لاکھ ہا تھے فیضیاب
آپ تھے باعمل عالمِ اور فاضلِ بے بدل کردیا جن کی خلافت نے جہاں کو لاجواب
قادیاں میں آپ دیتے تھے درس قرآن کا بن رہی تھی آپ کی گویا زباں اُم الکتاب
آپ تھے گویا سخاوت میں بھی اک حاتم زمن پر طبابت سے بھی کھاتا تھا ارسطو پیچ و تاب
قوم پر تھے آپ کے احسان جو اَے کانِ کرم کیا حقیقت ہے مری میں کرسکوں اُن کا حساب
اِنا لِلّٰہِ اس جہاں سے آپ رخصت ہوگئے دے گئے ہم سب کے دل پر داغِ فرقت آنجناب
اے قدر کیسا چلایا تو نے یہ تیرِ قضا ہو رہے ہیں طائرِ دل قفس سینہ میں کباب
رنج وغم جو کچھ کہ ہے فرحت سے بدلا جائے گا آپ کوثر پر پلادیویں گے جب اطہر شراب

7اپریل1914ء

انگریزی میں قرآن مجید کا ترجمہ

ذیل میں ایک ضروری مضمون 27 اگست 1907ء کے الحکم سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس کے مطالعہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ کتنی مدت سے انگریزی ترجمہ قرآن کریم کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ اور اس مقدس کام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کیا کیا تجاویز ایک مدت سے سوچی جارہی ہیں۔ لیکن مثل مشہور ہے: لِکُلِّ اَمْرٍ مَرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِھَا ہر ایک کام اپنے وقت پر ہی ہوا کرتا ہے۔ یہ ضرورت گو مدت سے محسوس ہورہی تھی۔ لیکن جن ممالک میں اس کی ضرورت تھی پہلے خود وہاں کے لوگوں میں بھی اس ضرورت کا احساس پیدا کرنا نہایت ضروری تھا۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ ایسی مقدس چیز کو لے کر نہایت بے پرواہی سے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ یورپین لوگ اپنے دنیوی کاموں میں اتنے منہمک ہیں کہ انہیں اپنے دنیوی کاموں سے بالکل ہی فرصت نہیں۔ بلکہ خود پادری اس بات سے بہت نالاں ہیں کہ گرجے عبادت گزاروں سے خالی رہتے ہیں۔ ان حالات میں نہایت ضروری امر تھا کہ ان لوگوں میں پہلے یہ روح پیدا کی جاتی کہ وہ خود بخود اس کے لئے ہاتھ پھیلائیں۔ اور یہ کام بِحَمْدِ لِلّٰہِ جناب خواجہ کمال الدین صاحب کی مساعی جمیلہ سے انجام پایا۔

دوسری طرف جیسا کہ معزز ہمعصر الحکم کے مندرجہ ذیل مضمون سے واضح ہوگا اس کام کا جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب کے ذریعہ سے ہی انجام پانا مقدر تھا۔ اور وہ بفضل خدا اس کے اہل بھی ہیں۔ اگرچہ اس عرصہ میں بہت سے دوسرے مسلمانوں نے بھی اس کام کا ذمہ لے کر اس کو شروع بھی کردیا تھا۔ لیکن جو کام لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (33:9) کے مظہر کے ہاتھ سے انجام پانا مقدر تھا کوئی اور شخص اس کا کب اہل ہوسکتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے معزز معاصر کی وہ اُمید آخر بر آئی جو اس نے آج سے تقریباً آٹھ سال پیشتر حضرت مولانا محمد علی صاحب کے وجود باجود سے وابستہ کی تھی۔ اور حضرت مولانا آخر اس عظیم الشان کام کی انجام دہی سے قریباً سبکدوش ہوگئے۔

اب یہ قوم کا کام ہے کہ وہ اس طرف توجہ کرے اور نقد امداد سے اپنے فرض کو انجام دے کر بہت جلد

اس کام کو تکمیل تک پہنچانے یعنی خود مولانا صاحب کو یورپ بھیج کر وہاں اس کے چھپوانے کا انتظام کرے۔ بہر حال وہ مضمون حسبِ ذیل ہے۔ایڈیٹر

''ممالک غیر خصوصاً یورپ میں اشاعت اسلام کے لئے قرآن مجید کے لئے انگریزی ترجمہ کا سوال ایسا سوال نہیں جو آج پہلے ہی روز پیش ہوا ہو۔ ہاں! اس میں کلام نہیں کہ یہ سوال قوم کے ادعائی ریفارمروں نے حمایت اسلام کی مجلسوں میں لوگوں کو خوش کرنے کے لئے بارہا اُٹھایا اور شاید نہیں یقیناً لوگوں سے اس مقصد کے لئے چندہ بھی لیا گیا۔ مگر اصل سوال جہاں تھا وہیں رہا اور اس کا حل عمل میں نہ آسکا۔ اس سے یا تو یہ نتیجہ نکال لو کہ قوم میں وہ دردمند دل نہیں جو اسلام کی موجودہ حالت کا احساس کرسکے۔ اور یا یہ کہ اس کو ضرورت حقہ سمجھا ہی نہیں گیا۔''

دونوں صورتوں میں مآل واحد ہے۔ اب امریکہ سے آواز آئی ہے۔ یہ آواز مسٹر برکت اللہ بھوپالی کی ہے۔ جو آج کل نیویارک میں ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اگر مسلمانان ہند ایک ہزار پونڈ مسٹر ممدوح کو بھیج دیں۔ تو وہ مسٹر الگزینڈر رورسل ویب کے ساتھ مل کر قرآن مجید کا ترجمہ کرکے چھاپ دیں۔ اور اس کو وہ یورپ اور امریکہ میں شائع کریں گے۔ بہت خوب تجویز کے معقول یا غیر معقول ہونے کی بحث کو چھوڑ کر ضرورت کا سوال پیش آتا ہے۔ اور جسے بالاتفاق تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ فی الحقیقت یورپ اور امریکہ میں اشاعت اسلام کے لئے یا کم ازکم ان لوگوں کے خیالات متعلق اسلام میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ قرآن مجید کی سچی تعلیم سے واقفیت پیدا کریں۔ اس وقت تک جس قدر علم اہل یورپ اور امریکہ کو اسلام کے متعلق ہوا ہے، اس کا مخزن اور منبع عیسائیوں کی تصانیف ہیں۔ گو اب کچھ سالوں سے اس علم میں سچے اسلامی علوم کے اعلام کا بھی اضافہ ہوا ہے۔ جس کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔

میں اس امر کے اعتراف سے چارہ نہیں پاتا کہ انگریزی میں قرآن مجید کے ترجمہ کی تو اشد ضرورت ہے۔ لیکن اس کے لئے ایک ایسے فاضل کی ضرورت ہے جو ایک طرف عربی زبان کی وسعت پر اگر پورا قابض نہ ہو۔ تو ایسا تو ہو جسے عربی زبان کا ماہر کہہ سکیں۔ اور ایسا ہی انگریزی زبان پر قادر الکلام اور اس کی تحریر پر پوری

حکومت رکھتا ہو۔ اوراس کے ساتھ ہی وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل تعلق اور محبت کا پیوند رکھتا ہو۔ اور پھر اس کے دل میں اسلام کی اشاعت کا ایک جوش اوراس کی موجودہ حالت کے لئے دردسٹیم کی طرح بھرا ہوا ہو۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں ۔ ذکی النفس اور مطہر القلب انسان اس راہ میں پوئیا قدم جا سکتا ہے۔ ورنہ یہی نہیں کہ وہ خود گرے گا بلکہ اوروں کو بھی گرائے گا۔ اس کے ساتھ ہی وہ زمانہ کے حالات سے پورا واقف ہو اوراس کو ان اعتراضات پر پوری نظر ہو جو اس زمانہ کے ملحد، دہریہ، فلاسفر، آریہ، عیسائی، سائنس دان اور دوسرے لوگ اسلام پر کرتے ہیں۔ تاکہ جن مقامات قرآن مجید پر ان لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے، وہاں وہ دوسروں کے لئے شمع ہدایت پیش کر سکے۔ قرآن مجید اور اسلام کی عملی سچائیوں کے اظہار اوراس کی عملی تاثیرات اور معجزات کو جس طرح پر خدا تعالیٰ کا مامور سمجھ سکتا ہے، ۔ دوسرا انہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ اس کا قلب مطہر ہوتا اور وہ براہ راست خدا سے اس کے کلام کو پڑھتا اور سمجھتا ہے۔ پس اس کی تعلیم سے اگر کوئی تیار شدہ شاگرد اس کام کو کرے تو وہ اس کا اہل ہو سکتا ہے۔

میں اگراس موقع پر ایک بزرگ کا نام لوں گا تو شائد اس کو یار فروشی کہا جاوے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے۔ اگر آج زمانہ اس سے آشنا نہیں تو ایک وقت آئے گا کہ اسے پتہ لگ جائے گا یہ بزرگ قابل قدر نوجوان مولوی محمد علی ایم۔اے ہے۔ جس نے اسلام کی حمایت اوراس کی صداقتوں کے اظہار کے لئے ریویو آف ریلیجنز کے ذریعہ یورپ اور ایشیاء میں اپنے قلم کا وہ سکہ بٹھایا ہے کہ خود رسل ویب جیسے شخصوں نے اور کونٹ ٹالسٹائی جیسے فلاسفروں نے تسلیم کرلیا ہے کہ اسلام کا فلسفہ جس طرح پر اس رسالہ میں ظاہر کیا گیا ہے وہ دل کو اطمینان دینے والا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں رسالہ مذکور کے مضامین نہایت دلچسپی سے پڑھے گئے ہیں اور انہیں خاص قدر سے دیکھا گیا ہے۔ پھر یہ مضامین معمولی نہیں بلکہ ایسے اہم امورات پر ہیں جن پر قلم اُٹھانا ہر شخص کا کام نہیں۔ مثلاً دوزخ، بہشت، تعدد ازواج، غلامی، جہاد، حفاظت قرآن کریم، احادیث وغیرھم۔

جو شخص چاہے ان رسائل میں دیکھ سکتا ہے کہ فلسفۂ اسلام کو کس شان سے بیان کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جن لوگوں کے نام ترجمہ قرآن کریم کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ اس کام کے نہ اہل ہیں اور نہ وہ کر سکیں گے اور اگر بفرض محال انہوں نے کچھ کیا تو وہ اسلام کو اس سے زیادہ بدنام کریں گے جو عیسائیوں نے کیا ہے اور یہ اسلام کے لئے اس سے زیادہ مضر ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک مسلمان کی قلم کا نتیجہ ہوگا۔

اس لئے مسلمانوں کو اس کام میں پیش دستی کرنے سے پہلے اس کے اہل کو سوچ لینا چاہئے۔ جناب مولوی محمد علی صاحب کا نام میں نے اس لئے پیش نہیں کیا کہ مسلمانانِ ہند انہیں اس مقصد کے لئے منتخب کریں یا ان کو چندہ بھیجیں۔ ان کو نہ اس کی ضرورت، نہ وہ ایسی خواہش کا پابند۔ وہ خدا تعالیٰ کے مامور کے ماتحت نہایت اخلاص اور جوش سے سالہا سال سے اسلام کی خدمت کر رہا ہے۔ جس کا محرک نہ کوئی لالچ ہے اور نہ کوئی تکلیف۔ خدا تعالیٰ نے اسے توفیق دی تو وہ چپ چپاتے یہ کام کر کے دکھا دے گا اور دنیا کو پتہ لگے گا کہ خدمت اسلام اور حمیت ملت کا جوش کس طرح ظاہر ہوا کرتا ہے۔

9اپریل1914ء

اداریہ

صدر انجمن احمدیہ اور کثرت رائے

گذشتہ سے پیوستہ اشاعت میں حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب ایم اے کا ایک ضروری مضمون بعنوان ’’چند کھلی کھلی باتیں‘‘ بطور ضمیمہ شائع ہوا تھا۔اس میں حضرت اقدس مسیح موعود کی ایک ضروری تحریر نقل کی گئی تھی۔جس میں حضور نے اپنے بعد انجمن کے اجتہاد کو کافی قرار دیا ہے اور اس کے شروع میں یہ فقرہ لکھا ہے کہ ’’میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہئے۔اور وہی قطعی ہونا چاہئے‘‘

حضرت اقدس کی اس تحریر کو نقل کرنے سے مقصد صرف یہ تھا کہ حضور نے انجمن پر کسی کی حکومت کو پسند نہیں کیا اور اس کے اپنے اجتہاد کو کافی قرار دیا ہے۔

لیکن ہمارے چند معترض بھائی اس بات پر بھی ہم سے چیں بہ چیں ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ معاملہ متنازعہ فیہ میں بھی انجمن کے ممبروں کی کثرت رائے تمہارے مخالف ہے۔اب تم کیوں انجمن کے اس اجتہاد کو کافی قرار نہیں دیتے۔سبحان اللہ! سخن فہمی عالم بالا معلوم شد۔اول تو یہ معاملہ انجمن کے کسی باقاعدہ اجلاس میں کبھی پیش نہ ہوا۔نہ کبھی ایسے اجلاس کا نوٹس جاری ہوا۔نہ یہ تمام کاروائی انجمن کے رجسٹروں میں کبھی درج ہوئی۔اور یونہی گھر بیٹھے سمجھ لیا کہ چونکہ ممبروں کی کثرت رائے صاحبزادہ محمود احمد صاحب کی طرف ہے، اس لئے انہی کے حق میں فیصلہ ہونا چاہئے۔خدا جانے ہمارے بھائیوں کو یہ معروف بات کیوں یاد نہیں رہی کہ کسی انجمن یا کمیٹی کی طرف سے وہی فیصلہ صحیح تسلیم کیا جاتا ہے جو باقاعدہ طور پر اس کے اجلاس میں پیش ہو کر بعد غور وخوض فیصل ہو۔

علاوہ ازیں یہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ اگر کوئی شخص اپنے مکان کی بنیادی اینٹوں کو اکھاڑنا شروع کر دے، تو وہ مکان اسی طرح سے کھڑا رہے۔صاف ظاہر ہے کہ ایسا مکان آج نہیں تو کل ضرور گر جائے گا۔اسی طرح سے حضرت مسیح موعود نے تحریر محولہ بالا میں انجمن کے اپنے اجتہاد کو کافی قرار دیا ہے۔اور اپنی زندگی میں بھی

اس کے فیصلوں کو قطعی سمجھا اور بعض دینی امور میں حضور نے انجمن کے فیصلوں سے جو اطلاع حاصل کرنی چاہی اس کو بھی اپنی زندگی تک ہی محدود رکھا۔ اور بعد میں ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی قرار دیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور نے کسی واحد شخص کی حکومت انجمن پر کبھی پسند نہیں کی۔ اور یہ امر انجمن کا گویا ایک بنیادی اصول ہے۔ اب بالفرض انجمن کے تمام ممبر بالاتفاق کسی شخص واحد کی حکومت اپنے اوپر تسلیم بھی کر لیں، تو کیا یہ ان کا اپنے ہاتھ سے انجمن کی بنیاد کو اکھاڑ کر اس کی عمارت کو منہدم کرنا اور حضرت مسیح موعود کے منشا کے خلاف نہ ہوگا؟

کہا جائے گا کہ اسی تحریر میں حضرت اقدس نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ ''میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلاف منشا میرے ہرگز نہیں کرے گی'' اس لئے انجمن کا ایسا اجتہاد بھی حضور کے منشا کے مطابق ہوگا۔ مگر کیا ہمارے معترض صاحبان ہمیں یہ بتلا سکتے ہیں کہ انجمن پر کسی واحد شخص کی حکومت حضور کے منشا کے مطابق ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں۔ بلکہ تحریر محولہ بالا میں حضور کے منشا کا اظہار کیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ حضور کے بعد ''ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا'' اور یہی ایک امر ہے جس کی طرف حضور نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ:

''میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلاف میرے منشا کے ہرگز نہیں کرے گی۔''

اب ایسے صاف اور کھلے الفاظ کے ہوتے ہوئے یہ کس طرح سے مانا جا سکتا ہے کہ انجمن کے بعض ممبروں کا اس بات پر مصر ہونا کہ کوئی خاص شخص انجمن پر حکمرانی کرے۔ ایک جائز اور حق فیصلہ ہے اور یہ حضرت مسیح موعود کے منشا کے مطابق ہے۔ ہم تو حیران ہیں کہ جب حضور نے اس کے فیصلوں پر سوائے ان خاص امور کے، جن میں خدائے تعالیٰ کا کوئی خاص ارادہ ہو، کبھی دست اندازی کرنے کی خواہش تک نہیں کی۔ حالانکہ ان کا حق تھا اور اس بات کو بھی اپنی زندگی تک ہی محدود رکھا۔ تو اب ان کے بعد اس سے بڑھ کر اور کون ہے؟ جو معاملات انجمن میں خواہ مخواہ دست اندازی کیا کرے۔ اور وہ اکیلا انجمن کا مطاع کہلائے۔ اور اس کی رائے کے مقابلہ میں انجمن کے باقی ممبروں کی رائے ہیچ ہو۔

☆☆☆

الفضل کی بہتان تراشی

یکم اپریل کے الفضل نے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب پر ایک نہایت سخت الزام لگا کر بہت جرأت سے کام لیا ہے اور کہا ہے کہ خواجہ صاحب نے مولوی صدرالدین صاحب کو بذریعہ تار بلوایا تھا۔ اور مولوی صدر الدین کو حضرت خلیفۃ المسیح نے جانے کا حکم بھی دے دیا تھا۔ لیکن بعد میں مرزا صاحب موصوف نے اس تار کا فرضی مضمون بنا کر حضرت خلیفۃ المسیح کو یہ سنایا کہ انہوں نے مولوی شیر علی کو بلوایا ہے۔ جس پر حضور نے پہلے حکم کو منسوخ کر کے مولوی شیر علی صاحب کو جانے کا حکم دیا۔

الفضل کے اس افتراء پر سوائے اس کے کہ ہم بے اختیار اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ دیں، اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ہم الفضل کی طرح اسے مباہلوں کے لئے چیلنج دینے کے واسطے تیار نہیں۔ وہ خدائے علیم وخبیر خود ہی جانتا ہے کہ کون جھوٹا ہے اور کون سچا۔ اس نے جھوٹوں کے لئے خود ہی لَعْنَۃُ اللّٰہُ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ کی سزا مقرر کر رکھی ہے۔ اس لئے وہ خود لعنت سے یا رحمت سے جس طرح چاہے گا اس امر کا فیصلہ کرے گا۔

لیکن ہم نہیں چاہتے کہ واقعات کو چھپا کر خوامخواہ دنیا کو اندھیرے میں رکھا جائے۔ اور اس لئے آئندہ اشاعت میں ہم مرزا یعقوب بیگ صاحب کا اپنا مضمون اس بارہ میں شائع کریں گے۔ جو واقعات پر پوری روشنی ڈال دے گا۔ لیکن منصف مزاج ناظرین سے اس جگہ اتنا سوال کرنا ہم نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر الفضل کی بیان کردہ بات سچ ہے اور مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ایسی ہی غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ کیا اس وقت الفضل اور اس کے ساتھیوں کا یہ فرض نہ تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح پر اس بات کو پوری طرح سے کھول دیتے۔ خصوصاً جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح بار بار مولوی شیر علی صاحب کو فی الفور روانہ ہونے کا حکم دے رہے تھے۔ تو کیوں نہ الفضل وغیرہ نے اسی وقت حضور کے سامنے جو مرزا یعقوب بیگ کے دھوکے میں آ کر مولوی شیر علی صاحب کو گویا کسی بہت پُر خطر جگہ میں بھیج رہے تھے واقعات کو من وعن بیان کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھایا۔

☆☆☆

جناب صاحبزادہ کا چیلنج خان عجب خان صاحب کو

پیغام صلح کی کسی گزشتہ اشاعت میں خان محمد عجب خان صاحب کا ایک دلچسپ مکالمہ شائع ہوا تھا۔ جو قادیان میں ان کے اور صاحبزادہ صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب کے درمیان ہوا تھا۔ ہم نے اس مکالمہ کے اوپر صاف طور پر یہ الفاظ لکھ دیئے تھے کہ ممکن ہے کہ خان صاحب کو تمام الفاظ پورے طور پر یاد نہ رہے ہوں۔ اور اس لئے ان کا تغیر وتبدل ہو گیا ہو۔ لیکن مفہوم میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارا عذر جناب صاحبزادہ صاحب نے کافی خیال نہیں کیا اور ان کے نزدیک خان صاحب نے دانستہ یا نادانستہ بہت غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ یا پیغام صلح کے ایڈیٹوریل سٹاف نے اس میں بہت کچھ دست اندازی کی ہے۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ فقرے ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں، وہ غلط ہیں۔ اور اس لئے انہوں نے 4 اپریل کے الفضل میں خان صاحب کو بڑی تحدی سے مباہلہ کے لئے پکارا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ایک اس قسم کی قسم مؤکد بہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ کھائیں کہ جو باتیں اس مکالمہ میں بیان کی گئی ہیں، وہ صحیح ہیں۔ پیشتر اس کے کہ جناب خان صاحب جناب صاحبزادہ صاحب کی اس تحریر کا کچھ جواب دیں، ہم صاحبزادہ صاحب سے باادب ملتمس ہیں کہ اگر ان کے نزدیک مذکورہ بالا مکالمہ غلط اور فرضی ہے، تو وہ خود ہی اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر اصلی مکالمہ اور اپنے صحیح جوابات کو شائع کر دیں تاکہ حق ظاہر ہو جائے اور پبلک کو زیادہ انتظار کی ضرورت نہ رہے۔ لیکن ہم انہیں بتلائے دیتے ہیں کہ یہ تمام باتیں اور ان کا آج کل کا طرز عمل حضرت مسیح موعود کی تحریروں اور ان کے طرز عمل کے سراسر خلاف ہے۔

ہمیں جہاں تک معلوم ہے۔ حضور نے مباہلوں میں کبھی اتنی تیزی اور جرأت نہیں دکھلائی۔ جیسی کہ آج کل صاحبزادہ صاحب اور ان کے مریدین کی طرف سے دکھائی جارہی ہے۔ کیا صاحبزادہ صاحب کو یاد نہیں رہا کہ مولوی عبدالحق غزنوی نے جب حضرت مسیح موعود کو مباہلہ کے لئے چیلنج دیا تھا۔ تو انہوں نے اسے جواباً لکھا تھا کہ دو مسلمانوں کے درمیان مباہلہ ناجائز ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ حضور کے اس صاف اور کھلے کھلے فتویٰ کے موجود ہوتے ہوئے صاحبزادہ صاحب اور الفضل کی طرف سے اپنے ہی بھائیوں کے حق میں کیوں اتنی جرأت اور تیزی دکھائی جارہی ہے۔

ہمیں تو یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حضور نے تو اپنے مذکورہ بالا مخالف خیال مولوی کو بھی مسلمان کے نام سے ہی یاد کر کے اس سے مباہلہ ناجائز قرار دیا۔ لیکن افسوس ہے کہ صاحبزادہ صاحب حضرت مسیح موعود کے مخلص خادموں اور اپنے بھائیوں کے لئے ہی ذرا سے اختلاف رائے سے نہایت سخت سے سخت سزائیں تجویز کر رہے ہیں۔ ہم ان سے بادب ملتمس ہیں کہ لِلّٰہ ان باتوں کو چھوڑ کر معقولیت کا پہلو اختیار کریں اور حتی الوسع نرمی سے دلائل سے اور بہت معقولیت سے اپنے بھائیوں کو سمجھائیں۔ اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ مسیح موعود تو لوگوں کو مسلمان بنانے اور اسلام میں داخل کرنے کے لئے آیا تھا۔ اور اس نے ہم سب مختلف الخیال اور ایک دوسرے کے جانی دشمن لوگوں کو ایک سلک میں منسلک کر کے اور ہم سے بیعت اخوت لے کہ آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مخالف خیال بھائیوں نے اب برادرانہ تعلقات کو بھلا کر اور **فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ** (103:3) سے کنارہ کش ہو کر آپس میں ہی بہت برا اور سخت برتاؤ اختیار کر رکھا ہے۔ اور ایک دوسرے کے لئے طرح طرح کی سزائیں اور فتوے تجویز کر کے بجائے نئے لوگوں کو احمدی کرنے کے اس پہلی بنی بنائی جماعت کو ہی ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں۔ خدا ہی ہے کہ ان لوگوں کو اس بات کی سمجھ دے کر دوبارہ اصلی راہ پر قائم کر دے۔ آمین

9 اپریل 1914ء

ضمیمہ پیغام صلح

مولوی شیر علی صاحب کے نام

مخدوم مکرم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں نے آپ کا پیام الفضل نمبر 42 مجریہ یکم اپریل 1914ء میں بغور وفکر پڑھ لیا ہے۔اللہ اللہ! آپ جیسا فاضل اور یہ تقلید! مجھ کو آپ سے محبت ہے اس لئے لکھتا ہوں۔تمام تقریر میں جناب نے مسیح موعود کی الوصیت کا ذکر تک نہیں کیا۔کیا آپ نے محض اِبْتِغَاءَ لِوَجْهِ اللّٰهِ مسیح موعود کو تسلیم نہیں کیا تھا۔پھر اگر ایک طرف مسیح موعود کی وصیت ہو اور دوسری طرف مولوی نورالدین صاحب کی ،تو آپ کس پر عمل کریں گے؟ کیا مسیح موعود مامور من اللہ نہ تھے۔پھر خدا کے مامور کی وصیت کو پس پشت ڈالنا اور ایک غیر مامور کی باتوں پر زور دینا قرین عقل وانصاف ہے؟ آپ لکھتے ہیں:

> ’’مولانا مولوی نورالدین صاحب مرحوم نے اپنی وصیت میں صدر انجمن اور خلیفہ کے تعلقات کا بھی فیصلہ کر دیا ہے۔یہ فیصلہ اول تو جانشین کے لفظ سے ہی ہو جاتا ہے۔کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کی جگہ جانشین مطلق ہوتا ہے اوران اختیارات کے ساتھ اس کی جگہ پر بیٹھتا ہے جن اختیارات کے ساتھ پہلا شخص اپنی جگہ پر بیٹھا تھا۔‘‘

اب آپ انصاف سے اپنے الفاظ اور مسلمات کو حضرت مسیح موعود کے اس فقرہ سے ملا کر غور فرماویں۔ ’’انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔‘‘ کیا حضرت مسیح موعود خدا کا مقرر کردہ خلیفہ نہ تھا۔تھا اور ضرور تھا اور آپ بھی مانتے ہیں۔پس انجمن ہر دینی اور دنیوی امور میں سب طرح پر حضرت مسیح موعود کی جانشین ہوئی یا نہ ہوئی؟ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ ایک متقی انسان ہیں۔آپ ہرگز حضرت مسیح موعود کی وصیت کو مؤخر نہ کریں گے۔بلکہ مقدم رکھیں گے۔پھر آپ فرماتے ہیں:

''تمہارا خلیفہ اول تمہاری نسبت قرآن شریف کو زیادہ سمجھتا تھا اور ان باتوں کا زیادہ علم رکھتا تھا۔ پس تم اگر سلامتی کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہو تو آؤ اس کی پیروی کرو اور اس کی فراست سے فائدہ اُٹھاؤ۔ وہ الوصیت کو بھی تمہاری نسبت زیادہ سمجھتا تھا۔ پس اس نے خلیفہ کا ہونا ضروری سمجھا۔''

میرے محترم دوست! ذرا انصاف سے تدبر کر۔ ابھی کل کی بات ہے۔ ہمارے حنفی اور شافعی اصحاب یہی جواب آپ کو دیتے تھے کہ قرآن وحدیث کو امام ابوحنیفہ صاحب اور دیگر مفسرین آپ سے اچھا جانتے تھے۔ مگر آپ نے اس جواب کو بالکل صحیح نہ سمجھا اور قرآن اور حدیث کے بالمقابل ان کے قول اور اجتہاد کی پروانہ کی۔ پھر خدا کے مرسل اور مامور کے کلام صریح کے بالمقابل یہ عامیانہ بات منہ سے اب آپ نکالتے ہیں۔ ہم مامور من اللہ کا کلام پیش کرتے ہیں، تو آپ مقلدین کی طرح غیر مامور کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیا آپ جیسا فاضل اس استدلال کا بودا پن نہیں سمجھ سکتا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس دلیل کے بودا ہونے کو آپ اچھی طرح محسوس کرتے ہیں۔ مگر استقلال میں سخت کمزوری آپ بتلاتے ہیں اور رقت قلب کی وجہ سے آپ بزدلی کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔

اس وقت خشیت اللہ اس میں ہے کہ کلمہ حق کے اظہار میں بالکل کمزوری نہ بتلاویں۔ خدا کا ڈر اور خوف اختیار کرنا چاہئے۔ یہی تو امتحان کا وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہمارے زبانی دعووں کا پول ہم پر ظاہر کردے۔ کیا اتنی جلدی مسیح موعود کا تعلیمی اثر آپ سے زائل ہو گیا۔ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود کی وصیت کو پس پشت ڈالوں۔ جبکہ وہ وقت آ گیا جو ابتلاء کا وقت مقدر تھا۔ اب معلوم ہوگا کہ ہم نے مسیح موعود کو صدق اور یقین سے مانا ہے یا نہ۔ آزمائش اور ابتلا کے وقت اس دعوی کو اگر کوئی عملی رنگ میں بچا کر دکھاوے تب وہ مسیح موعود کا ماننے والا یقین کیا جاوے گا۔

پھر آپ لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا مرحوم نے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ:

''حضرت خواجہ سلیمانؒ کو میں نے دیکھا ہے ان کو قرآن شریف سے بڑا تعلق تھا۔ 21 برس کی عمر میں خلیفہ ہوئے۔ 78 برس تک اُنہوں نے خلافت کی......''

استغفر اللہ استغفر اللہ! عجیب عجیب میرے معزز بھائی! کیا خواجہ سلیمانؒ کی خلافت قرآن میں موعود اور مذکور ہے۔ پھر اس سے آپ کے خلیفہ کی خلافت کو کیا تعلق۔ آپ کا خلیفہ تو کہتا ہے کہ میں آیت استخلاف مندرجہ سورہ النور کے ماتحت خلیفہ ہوں اور خواجہ سلیمانؒ کی خلافت آیت استخلاف مندرجہ سورہ النور کے ماتحت نہیں۔ پھر اس بات کو وجہ ثبوت اور دلیل کے طور پر پیش کرنے سے کیا حاصل کیا؟ میاں محمود صاحب خواجہ سلیمان کی طرح گدی نشین خلیفہ ہے۔ اسی کو تو ہم رو رہے ہیں کہ آپ گدی نہ بناویں۔ خدا کے واسطے، رسول اللہ کے واسطے، قرآن کے واسطے گدی نہ بناویں۔ ورنہ آپ پشیمان ہوں گے اور سخت پشیمان ہوں گے۔ اس وقت کو آپ رو رو کر ہاتھ پر ہاتھ ماریں گے۔ مگر وقت ہاتھ نہ آوے گا۔ کیا پہلی گدیاں آپ کے لئے موجب عبرت نہیں! کیوں آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے یہ غیر معقول نمونہ آپ چھوڑتے ہیں۔ کیا اے مسیح موعود کے حواریو! مسیح ناصری کے حواریوں کا نمونہ آپ بتلا رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود ہمارے میں زندہ موجود ہے۔ اس کی وصیت کا ترک کرنا بعینہٖ اس کو ترک کرنا ہے۔

مولانا نورالدین صاحب کی پیروی تو آپ کا خلیفہ بھی نہیں کرتا۔ وہ کیوں غیر احمدیوں کو کافر کہتا ہے۔ جو مولوی صاحب مرحوم کے عقیدے کے برخلاف ہے۔ اگر مَیں آپ کے الفاظ کو لوٹا کر آپ ہی پر حجت لاؤں کہ اے مولانا مولوی شیر علی صاحب و اے مکرمنا میاں محمود! اگر آپ سلامتی کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں تو آؤ مسئلہ تکفیر میں اسی کی پیروی کرو اور اس کی نور فراست سے فائدہ اُٹھاؤ۔ جو آپ کو صاف طور پر کہا گیا ہے کہ اس مسئلہ تکفیر کو آپ نے نہیں سمجھا، تو کیا آپ مان لیں گے؟ ایک بات میں تو آپ اس کے نور فراست سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور نہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ صرف مطلب کی بات میں ایسا کہنا آپ روا رکھتے ہیں۔

اے میرے عزیز بھائی! کیا تم باوجود حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ یا امام ابوحنیفہؒ یا امام شافعیؒ یا امام بخاریؒ و مسلمؒ وغیرہ اکابرین دین کو معزز مکرم اور کیا کچھ ماننے کے، غلطی اور خطاء سے بہمہ وجوہ ان کا محفوظ نہ ہونا نہیں مانتے ہو۔ اور کہ ان میں غلطی کا تسلیم کرنا ان کے تقدس اور علو مرتبت کے بالکل منافی نہیں ہے، نہیں یقین رکھتے ہو۔ پھر کیا وجہ کہ آپ مولوی نورالدین صاحب مرحوم کو رسول کا مرتبہ دیتے ہیں۔ کیا ممکن نہیں کہ یہ غلطی ان کو بلکہ تمام قوم کو لگ گئی ہو، مگر اس وقت اس کا احساس بین طور پر اس لئے نہ تھا کہ قوم میں اختلاف نہ بتایا۔ اختلاف

اندر ہی اندر کمزور اور ضعیف حالت میں تھا۔ جس نے قوم کے شیرازہ کو پراگندہ نہیں کر دیا تھا۔ اب وہ حالت نہیں رہی بلکہ غلطی ظاہر ہوگئی ہے۔ دیگر مسائل میں یہی اختلاف نمودار ہوگیا ہے۔ اب غلطی کو دلیل ٹھہرانا اور یہ الزام دینا کہ چھ سال تک تم اس غلطی میں کیوں مبتلا رہے، سخت بودی اور لایعنی دلیل ہے۔ ہم نے ہزار سال کے مسلمان کو خیرآباد کہا۔ اور قبول صداقت کے آگے اس کو بے حقیقت سمجھا۔ پھر چھ سال کیا شئے ہیں۔ **قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ** تم الوصیت کے الفاظ کے کچھ اور صحیح معنے کر کے بتلاؤ۔ کیا وہ عبرانی یا سریانی و سنسکرت زبان کی عبارت ہے۔ جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔

اگر الوصیت کے الفاظ کو نورالدینؓ سمجھتا تھا کہ ہم نہیں سمجھتے۔ تو پھر کیوں نہ تسلیم کیا جاوے کہ قرآن اور احادیث کو پہلے علماء اور مفسر اچھا سمجھتے تھے۔ تم نے اور تمہارے امام نے جیسا کہ غیر احمدی لوگ کہتے بھی ہیں ان کو نہیں سمجھا۔ برادر من! ہم اپنی رائے نہیں پیش کرتے۔ اور نہ اپنی رائے یا استدلال آپ سے منوانا چاہتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ الوصیت تمہارا امام موعود چھوڑ گیا ہے۔ اور تمہارے لئے چھوڑ گیا ہے اور وصیت پسماندگان ہی کی رہبری کے لئے کی جاتی ہے۔ اس پر عمل کرو اور اس کو پڑھو۔ اور اگر ہم نہیں سمجھتے تو ہم کو سمجھاؤ۔ اور خدا کے لئے کورانہ تقلید سے بچو۔

اگر ہم کہہ دیں کہ جناب مولانا نورالدین صاحب نے الوصیت پر عمل نہیں کیا۔ یا قوم سے چوک اور غلطی ہوگئی ہے تو اس سے ان کے تقدس میں فرق نہیں آ سکتا۔ انسانوں سے ایسی غلطیاں ہوتی چلی آئی ہیں۔ اس غلطی کا ارتکاب قوم نے یا جناب مولانا صاحب نے جان بوجھ کر عمداً نہیں کیا۔ خواہ کسی طرح سے ہی ہو، خواہ اس کی کسی وجدانی دلیل کے ماتحت تاویل بھی صحیح نکل سکتی ہو، مگر اب معاملہ اظہر من الشّمس ہو چکا ہے۔ اب منافقت اور مداہنت سے اس پر پردہ نہیں پڑ سکتا ہے۔ اور جان بوجھ کر اپنے آپ کو کوئی اندھا کہنا نہیں چاہتا۔ پہلے غلطی تھی اور اب بعد سمجھ جانے کے گناہ۔ **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** اب اگر بعد سمجھ جانے کے بھی ہم اس غلطی پر اصرار کریں اور اس کو دلیل گردانیں تو یہ ہماری بدبختی کی نشانی ہے۔

کیا اس وقت ہم بڑے بڑے اکابر امام غزالیؒ، امام فخرالدین رازیؒ، امام شافعیؒ وغیرھم کے بعض اقوال کی نسبت نہیں کہہ دیتے کہ اُنہوں نے غلطی کی یا امام صاحب نے اس کو نہیں سمجھا۔ یا ان کا فلاں قول قرآن کی

فلاں نص کے یا حدیث نبویؐ کے صریح مخالف ہے۔

پس اس کو تو آپ خوب جانتے ہیں کہ باوجود ایسے کہنے کے بھی ہم ان آئمہ کی علوم مرتبت اور ان کے علوم اور تقدس کے قائل ہیں۔ اور اس کہنے سے ان کی کسر شان ہرگز تصور نہیں ہوسکتی۔ اور نہ ہماری نیت میں ایسے کہنے سے ان کی کسر شان مطلوب ہوتی ہے۔ پس اسی طرح اگر غلطی ہوئی تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اب بعد غلطی کے معلوم ہوتو کس طرح چشم پوشی کر کے اس پر قائم ہو جاویں۔

ہزار ہا لوگوں نے الوصیت کو کبھی پڑھا بھی نہ ہوگا۔ میں خود آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ الوصیت میرے پاس موجود تھی مگر میں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کیونکہ معاملہ متنازعہ فیہ کوئی نہیں تھا اور نہ کوئی جھگڑا درپیش تھا کہ اس کو دیکھا جاتا۔ اب تنازعہ اور جھگڑا شروع ہو گیا ہے۔ اور ایک شخص الوصیت کو دیکھتا اور پڑھتا ہے اور اس کو اپنی سابقہ غلطی کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے۔ پس سعادت اس میں ہے کہ ہٹ اور ضد کو چھوڑا جاوے اور وہی پرانا حنفیوں اور شافعیوں جیسا جواب نہ بنایا جاوے۔ یہ سزا اور تحقیر جو قوم کو نصیب ہوئی یہ اسی وجہ سے ہے کہ قوم نے اپنے امام کی وصیت کو لاپرواہی سے پس پشت ڈالا۔ اب جو ہونا تھا سو ہوا۔ اس پر طرہ یہ کہ اب غلطی پر اصرار ہے زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ (48:8)۔ وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ (97:23) ہمارے امام موعود خود محمد رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے۔ خلیفہ کی خلافت کا اپنا سلسلہ استخلاف کوئی نہیں ہوتا۔ حضرت عیسیٰ کے بعد کوئی خلیفہ ان کا نہیں تھا۔ کیونکہ وہ سلسلہ موسوی کے خاتم خلفاء تھے۔ اسی طرح اس مثیل عیسیٰ کے لئے کوئی سلسلہ استخلاف نہیں بلکہ اس کے حواری کام کریں گے۔ اس کے حواری گیارہ یا بارہ تھے اور اس کے چودہ جن کو اپنی زندگی میں یہ خاتم الخلفاء مثیل عیسیٰ مقرر فرما گیا ہے۔ حضرت مسیح کی الوصیت کے الفاظ لوقا متی وغیرہ انجیلوں کے لفظ لفظ اور فقرہ فقرہ سے ملتے جلتے ہیں۔ کاش کوئی سعید روح اس پر غور کرے۔ حضرت من! جس خلافت کا حصہ جوانوں پر ہو، اس کی حقیقت معلوم! اس کے لئے یہ فقرہ موزوں ہے ''نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم۔''

اس کا نام خلافت اور خلیفہ رکھنا بھی حقیقت کے خلاف ہے۔ یہ ایک قسم کی امیری موزوں ہے جو قوم اپنے میں سے کسی کے سپرد کر دے۔ تمام دلائل میں نے وقتاً فوقتاً الفضل اور دیگر رسالوں میں پڑھے ہیں۔ ایک بھی معقول اور قابل التفات نہیں، سب طفل تسلی کے طور پر ہیں۔ طول اور بحث لاحاصل ہے۔ کبھی وَاِذْ قَالَ

رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً (30:2) اور کبھی کیا اور کبھی کیا، آیتیں پڑھ کر اس سے اپنے کو خلیفہ ثابت کیا جاتا ہے۔ بخدا مجھ کو اس پر تعجب آتا ہے۔ قرآن اور حدیث کو بچوں کا کھیل بنایا جاتا ہے۔ مسیح موعود کے بعد خلافت بایں معنی، جیسے حضرت مسیح موعود محمد رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے۔ آیت استخلاف کے ماتحت (کیونکہ امام موعود نے اپنی خلافت پر اس آیت سے استدلال فرمایا ہے) ہرگز ہے ہی نہیں بغیر کسی ملہم مامور من اللہ مجدد کے ضرورت حقہ پر۔

ابھی تو امام گویا زندہ ہیں اور تعلیم دینے کا زمانہ انہی کا شمار ہوتا ہے۔ اس کے شاگرد چار پانچ دس، ایک نہیں، ہرگز نہیں، وہ خدمت اسلام کے لئے ایک جماعت تیار کر گئے ہیں اور وہ مطہر جماعت ہے۔ یہ رافضیوں کا خیال ہے کہ وہ دو تین چار میں منحصر ہے۔ اگر ایسا ہو تو العیاذ باللہ کہنا پڑے گا کہ وہ امام اپنی مسند اور ڈیوٹی میں ناکام دنیا سے گزر گیا۔ اس جماعت کی خدمت تمام اس امام کی خدمت متصور ہے۔ تاوقتیکہ کوئی ملہم مامور من اللہ کھڑا ہو۔ ضرورت حقہ پر خواہ وہ انہی کی ذریت میں سے ہو۔ حضرت ابراہیم کی دعا اور وعدہ الٰہی تو دو ہزار سال بعد جا کر ظہور پذیر ہوا۔ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ الوصیت پر عمل کریں۔ اور خدا کے فضلوں پر بھروسہ رکھیں۔

اگر میاں صاحب میں ایسا جذب اور کمال پیدا ہو گیا تو بخدا اس بات کی ہرگز ضرورت نہ ہوگی کہ ان کے نمائندے اطراف ملک میں جبراً بیعت لینے کے واسطے بھیجے جاویں۔ خود اللہ تعالیٰ کی مشیت مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ (27:22) لوگوں کو ان کی خدمت میں لاویں گی۔ ایسی بیعت صوفیائی شرح صدر چاہتی ہے۔ جیسے مولانا نورالدینؒ صاحب کی۔ خواجہ سلیمانؒ کے نمائندے اطراف ملک میں جبراً بیعت یا مواعظت کے لئے نہیں پھرتے تھے۔ اگر میاں صاحب مسئلہ تکفیر اہل قبلہ سے رجوع کریں، الوصیت پر عمل کریں۔ جو ان کے والد بزرگوار مسیح موعود کی چھوڑی ہوئی ضروری قابل عمل ہدایت لازمی ہے، تو بیشک وہ ہمارے سردار ہیں۔ ہم ان کو اپنا امیر تجویز کرتے ہیں۔ ہم نے مسیح موعود کی بیعت کی اور ان کو اپنا امام زمان راستباز انسان مسیح وقت تسلیم کیا۔ اور بعد تحقیق اور پوری تسلی سے اس کو اپنا امام مانا، نہ خواجہ کمال الدینؒ صاحب اور نہ مولوی محمد علی صاحب کی تقلید سے اول ہم نے ایسا کیا اور نہ اب ہم کسی کی پروا رکھتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے بھائی ہیں اور بڑے قابل قدر بھائی ہیں۔ ہمارے دل میں آرزو اور ہوس ہے کہ کاش ہم بھی ایسی خدمت دین کے قابل ہوتے۔

جناب میاں صاحب کی ہمارے دل میں محبت ہے اور تمام اولاد مسیح موعود کی ۔ بھلا تیرہ سو سال کی امام حسین کی محبت بوجہ نواسہ رسولؐ ہونے کے تو اب تک ہم اپنے دل میں رکھتے ہیں ۔ جن کو ہم نے دیکھا بھی نہیں ۔ پھر جس امام وقت کی بیعت ہم نے کی عزیز خویش اقارب تعلقات سب کچھ چھوڑا ۔ اس کی اولاد سے ، جو زندہ ہمارے سامنے موجود ہے ، ہم کس طرح محبت نہیں رکھتے ۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری محبت اعتدال کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہے ۔ والسلام

خاکسار

نذر علی پشاوری

12 اپریل 1914ء اداریہ

چندوں کے متعلق صاحبزادہ صاحب کا اعلان

چندوں کے متعلق صاحبزادہ صاحب کا اعلان جماعت کے لئے بڑے خطرات کا سامنا ہے اس میں بیعت کردہ جماعت کو تین باتوں کی تعمیل کے لئے ہدایت کی گئی ہے۔

اوّل: یہ کہ کوئی چندہ براہ راست دفتر محاسب صدرانجمن احمدیہ میں نہ بھیجا جائے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح کے وقت میں دستور رہا ہے۔ بلکہ اگر کوئی سیکرٹری یا محاسب کسی جماعت کا محاسب کے نام چندہ بھیجنا چاہے تو اس جماعت کے بیعت کنندگان اپنے لئے الگ سیکرٹری یا محاسب تجویز کرلیں اور سارا چندہ صاحبزادہ صاحب کے نام آیا کرے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دفتر محاسب کیوں اب چندے وصول کرنے کے قابل نہیں رہا۔ ایک طرف تو صاحبزادہ صاحب خود فرماتے ہیں کہ ''صدرانجمن احمدیہ نے مجلس کی حیثیت سے میری کسی قسم کی مخالفت اب تک نہیں کی'' مگر بایں ہمہ انہوں نے خود صدرانجمن احمدیہ کے دفتر کو ناقابل اعتبار ٹھہرا کر چندوں کی وصولی اپنے نام پر شروع کردی ہے۔ حالانکہ قواعد انجمن کی رو سے ہر ایک قسم کے چندے محاسب صدرانجمن احمدیہ کے نام آنے چاہئیں۔ کیا محاسب نے چندہ کی وصولی میں دیانتداری سے کام نہیں کیا؟ اگر یہ بات بھی ہے۔ تو بھی اس معاملہ کو انجمن کے نوٹس میں لانا چاہئے تھا۔ صاحبزادہ صاحب کا قواعد انجمن کو اس لاپرواہی کے ساتھ توڑ دینا اور یہ اعلان کردینا کہ روپیہ بجائے محاسب کے ان کے نام آوے، صاف بتارہا ہے کہ ان کے ارادے انجمن کے متعلق کس قسم کے ہیں۔ اور یہی درحقیقت غرض تھی کہ انجمن کے مطاع ہونے پر زور دیا جاتا تھا۔ اگر انجمن کے قواعد اس طرح پر توڑے جاسکتے ہیں تو پھر اس انجمن کی حیثیت اور حقیقت کچھ بھی نہیں۔ اور اس کو مجلس شوریٰ قرار دینا بھی ایک بے معنی بات ہے۔ کیا اور نہیں تو کم از کم صاحبزادہ صاحب نے اس مجلس شوریٰ سے مشورہ بھی کرلیا تھا کہ میں اس قسم کا اعلان کروں یا نہ۔ جس سے قواعد انجمن بالائے طاق رکھ دیئے جائیں اور ایک نیا سلسلہ شروع کردیا جائے۔ جس سے ایک گدی کی بنیاد پورے طور پر مستحکم ہوجائے۔

کہا جاتا تھا کہ یہ خیال تمہارا کہ صاحبزادہ صاحب انجمن کے معاملات میں دخل دیں گے، قبل از وقت ہے۔ مگر یہاں تو ''کے آمدی و کے پیر شدی'' کا معاملہ ہوا۔ انجمن کے قواعد کی ذرہ بھر بھی پروانہ کی گئی فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اَلَيْهِ رَاجِعُوْنَ دوستو! ابھی سنبھل جاؤ۔ وقت ہے ورنہ تم خدا کے نزدیک ملزم ہو گے کہ دانستہ تم نے اس کے مامور کے احکام سے لاپرواہی کر کے سلسلہ کی بنیاد کو کھوکھلا کر دیا۔

دوم: دوسری تجویز یہ ہے کہ ''آئندہ انجمن کے چندوں کے علاوہ کوئی چندہ آپ اس وقت تک نہ دیں۔ جب تک کہ میری طرف سے اجازت شائع نہ ہو۔ کیونکہ اس سے اب تک جماعت کو بہت کچھ نقصان ہو چکا ہے۔ اور آئندہ خطرہ ہے۔ خواہ کیسے ہی مفید کام کے لئے چندے کے تحریک ہو۔''

اس حکم سے آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح کے اس حکم کو منسوخ کرنا چاہا ہے جو انہوں نے ولایت میں اشاعت اسلام کے چندے کے متعلق جماعت کو دیا تھا۔ ورنہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک ایسی جماعت میں، جو دور دور ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے، جب کوئی چندہ کی تحریک ہو، مثلاً کسی بیمار کے لئے چندہ کی ضرورت ہے یا کسی مفلس اور مسکین کے لئے کسی جماعت کو چندہ کی ضرورت ہے یا کسی اور وقتی ضرورت کے لئے، تو کیا یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قبل اس کے کہ کوئی احمدی چندہ دے، وہ پہلے صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں لکھے، پھر وہ ایک اعلان شائع کریں۔ تب چندہ جمع ہو۔ یا کیا اس حکم سے مراد ان چندوں کو روکنا ہے، جو دعوت الی الخیر فنڈ کے لئے ہو رہے ہیں۔ یا ان چندوں کو جو میر ناصر نواب صاحب جگہ جگہ دورہ کر کے ضعفاء کے لئے اکٹھے کر رہے ہیں۔ یا بدر کی امداد کے چندوں کو روکنا ہے۔ جو مفتی صاحب پھر کر کر رہے ہیں یا الحکم کے چندے کو روکنا ہے، جو اس نئے عہد کی یادگار ہے۔ بیعت کرنے والے اگر اس حکم کو عام سمجھتے ہیں، تو ان پر حرام ہے کہ وہ کسی قسم کا بھی چندہ دیں۔ لیکن ہم خوب سمجھتے ہیں کہ اس اعلان کی غرض سوائے اس کے کچھ نہیں کہ خواجہ صاحب کے لئے کوئی چندہ نہ دیا جائے۔ ورنہ ان کا فرض ہے کہ اس بات کو صاف کریں۔ مگر یہ بھی یاد رکھیں کہ خدا کے کام بندوں سے نہیں رکا کرتے۔ اشاعت کا کام، جو خواجہ صاحب کر رہے ہیں، وہ خدا کا کام ہے اور جس شخص کا جی چاہے سارا زور لگائے کہ یہ کام سرسبز نہ ہو۔ انشاءاللہ تعالیٰ وہ کامیاب نہ ہوگا۔

سوم: تیسری تجویز اس اعلان میں اس انجمن اشاعت اسلام کے متعلق ہے۔ جو لاہور میں خواجہ صاحب کے کام کی تقویت کے لئے بنائی گئی تھی اور انہی باتوں کو مدنظر رکھ کر بنائی گئی تھی جو اَب پیش آ رہی ہیں۔ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس اشاعت اسلام کے کام میں نہ کوئی ممبر بنے نہ چندہ دے کیونکہ یہ تفرقہ ڈالتی ہے۔ کیا انجمن انصار اللہ صدر انجمن احمدیہ کے ہوتے ہوئے نہ بنی تھی۔ کیا اس سے سلسلہ احمدیہ کمزور نہ ہوتا تھا؟ اور آج اشاعت اسلام کے کام کو خصوصیت کے ساتھ کسی گروہ کے ہاتھ میں لینے سے سلسلہ کمزور ہوتا ہے۔ کیا حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح کی اجازت سے انجمن حمایت اسلام میں احمدی داخل ہوتے اور چندہ دیتے نہیں رہے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب جتنا چاہیں اس کام کی مخالفت میں زور لگائیں ان کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کام خدا کا تھا یا نہیں۔ ہاں اگر آپ کے بیعت کردہ احمدی چندہ دینے سے انکار کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کے خزانے انہی لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔

خدا چوں بہ حکمت بہ بندد درے کشاید بہ فضل و کرم دیگرے

☆☆☆

حضرت مولٰینا نورالدینؓ کی وفات کے بعد صدر انجمن احمدیہ کا پہلا اجلاس

آج مورخہ 10 اپریل کو صدر انجمن احمدیہ کا اجلاس تھا۔ جس میں مفصلہ ذیل ممبران حاضر تھے۔ جناب صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب، میاں بشیر احمد صاحب، نواب محمد علی خاں صاحب، ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب، ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب، حضرت مولوی محمد احسن صاحب، مولوی شیر علی صاحب، مجدالدین حضرت مولوی محمد علی صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب، سید محمد حسین شاہ صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، مولوی صدر الدین صاحب، علاوہ ازیں جناب میر حامد شاہ صاحب اور مولوی غلام حسن صاحب کی تحریری آراپیش ہوئیں۔ یہ پہلا جلسہ تھا جو کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے بعد ہوا۔

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ صدر انجمن احمدیہ نے خلافت موجودہ کے لئے فیصلہ کیا ہے اور کثرت رائے انجمن سے یہ بات عمل میں آئی ہے، غلطی پر ہیں۔ اس اجلاس میں بھی یہ معاملہ پیش نہیں ہوا۔ اجلاس میں ایک خصوصیت تھی اور وہ یہ کہ صاحبزادہ صاحب اور جناب نواب محمد علی خان صاحب جو کہ گذشتہ سالوں میں باوجود حضرت خلیفۃ المسیح کے کہنے کے تشریف نہ لایا کرتے تھے۔ اور جنہوں نے انجمن سے استعفٰی دے رکھا تھا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات سے دو دن قبل اپنے استعفٰی کو واپس لے لیا تھا۔ بہت مدت کے بعد آج اجلاس میں تشریف فرما ہوئے۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ بات جو باوجود بار بار عرض کرنے کے ہمیں نصیب نہ ہوتی تھی۔ وہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات نے فوراً ہی بعض وجوہات سے پوری کر دی۔ نیز ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب جن کی تحریری رائے بھی کبھی بھولے بھٹکے سے ہی آیا کرتی تھی، وہ بذات خود وہاں تشریف فرما تھے۔ غرض اجلاس میں پانچ غیر مرید اور باقی سات مرید اور اہل بیت کے قریبی رشتہ دار حاضر تھے۔

اس لئے جو کچھ چاہا، کیا گیا۔ یہاں تک کہ جب وہ امور جو ایجنڈا میں موجود نہ تھے، تحکمانہ طور پر پاس ہونے لگے، تو بعض ممبران نے اعتراض کیا اور کہا کہ ہماری رائے اس کے خلاف ہے۔ لکھ لیا جاوے۔ لیکن لکھنے سے بھی انکار کیا گیا۔ ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ مسیح موعود کی جانشین صدر انجمن احمدیہ کا عنقریب کیا حشر ہونے والا ہے؟ غور کرنے کی بات ہے کہ جو شخص انجمن کے اجلاس میں ایک مدت سے حاضر نہ ہوتا تھا اور نہ ہی اپنی رائے ہی دینا پسند کرے۔ وہ ایک خاص موقع پر بعض خاص امور کے لئے آجائے اور تحکمانہ طور پر اپنی ہی رائے منوانا چاہے اس کی نیت کہاں تک بخیر ہے؟

☆☆☆

حضرت مولٰینا نورالدین کے حکم کی تذلیل

حضرت خلیفۃ المسیح نے مولوی شیر علی صاحب کو ولایت جانے کا حکم دیا تھا۔اور آخری ایام میں آپ کو بار بار حضرت خواجہ صاحب کی امداد کے لئے ولایت جانے کی تاکید فرمائی تھی۔لیکن افسوس اور نہایت افسوس کا مقام ہے کہ آپ کا حکم بھی آپ کے ساتھ ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔اور پہلے جناب خلیفہ رشید الدین صاحب اور نواب محمد علی خان صاحب نے حضرت کی وفات کے دوسرے روز ہی یہ تجویز پیش کی کہ مولوی شیر علی صاحب نہ جائیں اور مولوی صدرالدین صاحب کو بھیج دیا جائے۔لیکن بعد میں 31 مارچ کو مولوی شیر علی صاحب نے بھی اپنی رخصت منسوخ کروانے کی درخواست دے دی اور نہایت رنج اور قلق کے ساتھ، باوجود سات آدمیوں کے اختلاف رائے کے، انجمن کے ممبران نے جن میں زیادہ تر حصہ صاحبزادہ صاحب کے رشتہ داروں کا تھا اور جو پریذیڈنٹ کے دو ووٹ ملا کر آٹھ بیٹھتے تھے،اس قضیہ نامرضیہ کا فیصلہ کر دیا۔اور مولوی شیر علی صاحب اس کار خیر کے ثواب سے محروم ہو گئے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح برحق کے ارشاد کی اس طرح سے نافرمانی اور تذلیل کی گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۔

ذیل کے ممبران نے جب حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کی اس طرح تذلیل ہوتی دیکھی۔تو ان سے برداشت نہ ہو سکا۔اور اس خیال سے کہ اس پاک وجود کی نافرمانی کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہو، وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔1۔ مجدالدین حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب۔2۔ جناب شیخ رحمت اللہ صاحب۔3۔ جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔4۔جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔

☆☆☆

جناب مولانا مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی نے حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد کے ماتحت سرکاری ملازمت سے دست بردار ہو کر، جہاں ان کو بہت سی ترقیات کی امید تھی،اور ان کے افسران کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے،تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری کا چارج لیا تھا۔لیکن افسوس ہے کہ آج کل انہیں وہاں سے ہٹانے کی کوشش ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو سمجھ دے۔

☆☆☆

سلسلہ احمدیہ کے اندرونی دشمن: سلسلہ عالیہ احمدیہ کے موجودہ اختلافات کے ناگوار اور افسوسناک سلسلہ میں ہمارے بیرونی دشمن تو جتنی خوشیاں منائیں تھوڑی ہیں۔مگر نہایت افسوس ہے کہ اس نازک وقت میں جماعت کے اندر ہی سے بعض ایسے وجود بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جو بجائے معقولیت اور دلائل سے کسی ایک فریق کو سمجھا کر اس جلتی ہوئی آگ کو فرو کرنے کے، اس پر اور بھی تیل چھڑک رہے ہیں۔اور اس طرح جماعت کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کرنے کے سامان پیدا کر رہے ہیں۔

اخبار الحق دہلی نے اپنی 27 مارچ اور 3 اپریل کی اشاعت میں اس کام میں نمایاں حصہ لیا ہے۔اور جماعت کے مخلص خادموں اور بزرگواروں کو بہت فحش الفاظ سے مخاطب کر کے انہیں بہت کچھ بُرا بھلا کہا ہے۔اور پھر موجودہ اختلافات تک ہی اپنی گالیوں کو محدود نہ رکھا۔ جناب خواجہ کمال الدین صاحب کے طریق تبلیغ پر بھی بہت کچھ نکتہ چینی کی ہے اور اسے زبوں بیان کر کے نفاق سے تعبیر کیا ہے۔ہم حیران ہیں کہ الحق کیوں خواہ مخواہ الباطل پر عمل پیرا ہو کر سلسلہ کی تباہی کا باعث بن رہا ہے۔آخر اس نے خود آج تک کونسی احمدیت کی تبلیغ کر کے کتنوں کو اپنے اثر سے احمدی بنایا۔کیا آج سے اڑہائی تین سال پیشتر وہ اپنے مایہ ناز طریق تبلیغ پر کاربند ہو کر تمام جماعت کے لئے ابتلا کا موجب ثابت نہیں ہو چکا؟ کیا اسے اپنی اسی طریق تبلیغ کا وہ مزا یاد نہیں رہا جو اسے لدھیانہ میں مولوی ثناء اللہ کے مقابل چکھنا پڑا تھا۔

خدا جانے ہمارے احمدی بھائیوں کو کب سمجھ آئے گی۔ باوجود یہ کہ آئے دن اپنے طریق تبلیغ میں اپنے مخالفین کو یہودیوں کے خطاب دے کر بہت نقصان اٹھا چکے ہیں۔اور حضرت خلیفۃ المسیح اس بات کو بہت ناپسند فرمایا کرتے تھے۔لیکن یہ پھر بھی اپنی ہی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور خواہ مخواہ اپنے ہی بھائیوں کو کوستے اور ان سے جوت پیزار ہو رہے ہیں۔

ہمیں نہایت افسوس ہے کہ ہمارے معزز ہمعصر نے خواجہ صاحب کے طریق تبلیغ کو پردہ داری کے نام سے موسوم کر کے ان پر بڑی دلیری سے منافقت کا فتویٰ لگا دیا ہے۔سمجھ نہیں آتی کہ خواجہ صاحب نے کب اور کس موقع پر اپنی احمدیت کو چھپانے کی کوشش کی۔ وہ تو علی الاعلان اپنی احمدیت کا اظہار کر رہے ہیں۔اور ولایت میں ہی کئی ایک واقعات ایسے پیش آ چکے ہیں کہ انہوں نے بعض لوگوں سے حضرت خلیفۃ المسیح کی بیعت کروائی اور خود

لارڈ ہیڈ لے نے کئی ایک خطوط حضرت خلیفۃ المسیح کو لکھے۔ ہاں! یہ ایک بہت ہی غلط اصول ہے کہ خوامخواہ مسلمانوں کو کافر بنایا جائے۔ حالانکہ یہ حضرت مسیح موعود کے احکام کے سراسر خلاف ہے اور نیز یہ بھی صحیح نہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی جگہ مرزا صاحب کا کلمہ نومسلموں سے پڑھایا جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح تو خواجہ صاحب کو لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کا وعظ کرنے کو کہیں اور ان کی کامیابی کو اپنی دعاؤں کا نتیجہ قرار دیں۔ لیکن میر قاسم علی صاحب کے نزدیک یہ بات زبوں ہے اور وہ ان کے اس کام کو خودی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اور عنقریب اس خلاف واقع پردہ داری کی قلعی کھلنے کی پیشگوئی کرتے ہیں۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اَلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

☆☆☆

مجدالدین حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی بینظیر قربانیوں کا صلہ: حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کے بینظیر ایثار اور قربانی سے کون واقف نہیں۔ آپ نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نہایت ابتدائی ایام میں اپنی تمام دنیوی ترقیات پر لات مار کر محض خدائے تعالیٰ کی خاطر مسیح موعود کا ساتھ دیا۔ اور آج تک بہت گمنامی کی زندگی بسر کی۔ کون نہیں جانتا کہ اگر مولٰینا صرف دنیوی جاہ وعزت پر اپنی نظر رکھتے، تو وہ آج ایک عہدہ جلیل پر فائز المرام ہوتے۔ لیکن آپ نے ایسا کرنا پسند نہ کیا اور عملی طور پر دین کو دنیا پر مقدم کر دکھایا۔ یہاں تک کہ آپ کی ان عظیم الشان قربانیوں کو اللہ تعالیٰ نے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور آپ کا الہامی نام مجدالدین رکھا۔ پھر یہیں تک بس نہیں بلکہ مسیح موعود نے آپ کی زندگی کو اپنی صداقت کا نشان ٹھہرایا۔ لیکن افسوس اور صد افسوس کہ آج ایک ذرا سے اختلاف کے باعث آپ کی ان تمام قربانیوں کو نظرانداز کر دیا گیا۔ اور محض اس بات پر کہ انہوں نے قوم کو خود تراشیدہ خیالات سے بچنے اور حضرت مسیح موعود کے ارشادات پر عمل کرنے کی ترغیب دلائی۔ انہیں فاسق ومنافق اور بے حیا تک کے خطابات دیئے گئے اور یہاں تک تنگ کیا گیا کہ آخر ان کو اپنے امام کی پیاری جگہ قادیان کو خیرباد کہہ کر لاہور آجانا پڑا۔

لاہور کی خوش قسمتی: اگرچہ ایک طرف مولوی صاحب کی ان قربانیوں کو دیکھ کر اور دوسری طرف اس سلوک کو مدنظر رکھ کر، جو ان کے ساتھ ہوا ہے، ہمارے رنج وقلق کی کوئی انتہا نہیں رہی، لیکن اس بات کو لاہور کی خوش قسمتی کہو

یا حضرت مسیح موعود کے اس الہام کی صداقت کا اظہار جس میں لاہور کو مدینہ ٹھہرایا گیا ہے کہ حضرت مولانا صاحب موصوف نے آئندہ لاہور میں رہنا پسند فرمایا اور یہاں آپ عنقریب باقاعدہ قرآن کریم کا درس شروع کرنے والے ہیں۔ اور آپ کے زیرِ اہتمام انجمن اشاعت اسلام کا کام باقاعدہ جاری ہوگا۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**۔

۞۞۞

12اپریل1914ء

ضمیمہ پیغام صلح

الفضل مورخہ 4اپریل1914ء پر ایک سرسری نظر

جب انسان ایک جھوٹی بات کو صداقت سمجھ لیتا ہے تو سچی بات کو بھی جھوٹ ہی یقین کرنے لگتا ہے۔ خان محمد عجب خان صاحب تحصیلدار کا ایک مکالمہ جو پیغام صلح میں چھپا اس پر الفضل نے دو غلط نتیجے اپنے خیال میں نکال لئے۔ نہ تو خان صاحب نے دانستہ پیغام صلح کو غلط واقعات بہم پہنچائے اور نہ پیغام صلح کے سٹاف نے اپنی طرف سے ان کے بیان میں کمی وزیادتی کی۔ ممکن ہے پیغام صلح کے یہ لفظ صاحبزادہ صاحب کی نظر سے نہ گزرے ہوں کہ ''یہ مضمون محمد عجب خان صاحب کو دکھا کر ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔''

الفضل لکھتا ہے کہ ''اول تو کئی گھنٹے کی مسلسل گفتگو کا اس طرح شائع کر دینا کہ فریق ثانی کو بالکل دکھائی نہ جاوے۔ حد درجہ کی جرأت ہے۔''

بجواب اس کے اول تو یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہم ایک معزز انسان کے مکالمہ کو غلط سمجھ لیتے اور آپ سے اس کی تصحیح کرانے بیٹھتے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ مکالمہ صحیح نہیں تھا جیسا کہ آپ لکھتے ہیں کہ گرتی ہوئی قوم کو ایک اور بھی دھکا دے کر گرایا گیا تھا۔ تو کیوں آپ نے اپنی گرتی ہوئی قوم کو بچانے کے لئے صحیح مکالمہ شائع نہ کر دیا۔ اور خواہ مخواہ ایک معزز اور وجیہہ انسان پر مکالمہ کا دانستہ یا نادانستہ تغیر وتبدل کرنے کا الزام لگایا اور یک طرفہ مباہلہ کا چیلنج دے دیا۔ اگر آپ سچے تھے تو آپ نے ہی کیوں اپنے نفس پر ایسی مؤکد قسم کھا کر فیصلہ نہ کر دیا۔ اگر صاحبزادہ صاحب ایسی قسم کھا کر اس مکالمہ کو، جو خان صاحب کے ساتھ ہوا، اپنے ہاتھ سے لکھ کر شائع کر دیتے۔ تو اس وقت آپ کا یہ لکھنا صحیح سمجھا جاتا'' کہ اس مکالمہ میں بہت سی باتیں ایسے رنگ میں بیان ہوئی ہیں کہ ان کا مطلب بالکل خبط ہو گیا ہے۔ اور بہت جگہ پر انہوں نے اپنی طرف سے زائد باتیں شامل کر دی ہیں۔ میری گفتگو کو بہت جگہ پر چھوڑ دیا گیا ہے اور لچر سے فقرات میری طرف منسوب کئے گئے ہیں اور مَیں ان کے شائع کردہ بیان سے قطعی طور پر انکار کرتا ہوں۔'' مگر افسوس ہے آپ نے اپنی تمام جماعت کو تاریکی میں ہی

رکھا اور اصل مکالمہ سے آگہی نہ بخشی اور کوتاہ ہتھیاروں پر اتر آئے۔

بہر حال خان محمد عجب خان صاحب کے نام جو صاحبزادہ صاحب نے اپنے اس اعلان کی ایک کاپی رجسٹری کرا کر بھیجی ہے۔ اس کا امید ہے کہ خود خان صاحب کی طرف سے بھی جواب شافی انشاء اللہ ہو جائے گا۔ اس وقت ہم تمام جماعت کو اس بات کی اطلاع دیتے ہیں کہ احمدی ہونے کا دعویٰ کر کے احمدیوں کو باہمی گفتگو میں جزئی اختلافات کی بنا پر باہم مباہلہ کرانے سے خدا کا خوف کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہر ایک احمدی ایک دوسرے کے مکالمہ کے بیان کرنے میں اسی قسم کے اختلافات سے بھرا ہوا ہے۔ فونوگراف مشین کی طرح تو کوئی بھی نہیں جو ایک ایک حرف کسی کی زبان کا ضبط کر سکے۔ اگر اسی طرح باہمی گفتگو کے جزئی اختلافات پر مباہلہ اور ملاعنہ ہونے لگا تو اللہ ہی حافظ ہے۔

☆☆☆

پیر محمد منظور صاحب کا اشتہار

حضرت مسیح موعود کے سبز اشتہار کے حوالہ سے پیر صاحب نے جو صاحبزادہ صاحب کے متعلق 14 مارچ 1914ء کو ایک پیشگوئی کا پورا ہونا بتلایا ہے۔ یہ پیر صاحب کا اپنا اجتہاد ہے۔ ورنہ اس اشتہار کی عبارت اور لفظوں سے تو یہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ پیر صاحب کا زیادہ زور تو ان الفاظ پر ہے جو حضرت صاحب نے لکھے ہیں۔ ’’دوسرا طریق انزال رحمت کا ارسال مرسلین ونبیین وآئمہ واولیا وخلفاء ہے تا ان کی اقتدا و ہدایت سے لوگ راہِ راست پر آجائیں اور ان کے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات پا جائیں سو خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعے سے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں۔‘‘

حیرانگی ہے کہ جب اولاد کے ذریعہ ہی انزال رحمت مرسلین نبیین آئمہ اولیاء خلفاء کے ارسال کی صورت میں ہونی خدا تعالیٰ کی طرف سے قرار پا چکی تھی تو حضرتنا ومرشدنا نورالدین مرحوم مغفور کو کس بنا پر خلیفہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس وقت بھی تو سب اولاد حضرت صاحب کی بفضلہٖ تعالیٰ موجود تھی۔ جب اس وقت خدا نے نہ چاہا کہ اولاد میں سے کوئی خلیفہ ہو۔ حالانکہ خدا نے اپنی مرضی کا اظہار حضرت صاحب پر کر دیا تھا کہ وہ خلفاء وآئمہ و

اولیاء کا ارسال تیری اولاد میں سے کرے گا۔تو یہ تو خدا نے خود اپنے فعل سے دکھا دیا کہ خلفاء آئمہ و اولیاء جو آپ کی اولاد میں سے ہوں گے، وہ وہی ہوں گے جو قرب الٰہی اور وحی سے مخصوص ہوں گے۔ دوسرے نہیں ہوں گے۔اور جب تک حضرت مسیح موعود کی اولاد میں سے کوئی ایک ایسا شخص کھڑا نہیں ہوگا جو قرب الٰہی اور وحی سے مخصوص ہو،اس وقت تک ہم حضرت مسیح موعود کی اولاد میں سے کسی کا خلیفہ یا امام یا ولی ہونا تسلیم نہیں کر سکتے۔

ہم کب کہتے ہیں کہ غلام حسین کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ خدا کی طرف سے حضرت مسیح موعود کو پیشگوئی کے مطابق حسین لڑکے کا عطا کیا جانا ایک اور بات ہے اور اس لڑکے کا مصلح موعود ہونا اور بات ہے۔کیا حضرت مسیح موعود کے یہ الفاظ جو الفضل نے نوٹ کئے ہیں،''سو چونکہ خدا کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالے گا اور اس میں سے وہ شخص پیدا کرے گا جو آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہوں گا''۔ ہماری اس بات کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں جو ہم نے اوپر لکھی ہے۔اگر کوئی صاحب آسمانی روح کے لفظ کی مراد نہ سمجھیں تو الوصیت کا حاشیہ صفحہ 6 پڑھ لیں، جہاں لکھا ہے کہ ''میں تیری جماعت کے لئے تیری ذریت سے ایک شخص کو قائم کروں گا اور اس کو اپنے قرب اور روحی سے مخصوص کروں گا......سو ان دنوں کے منتظر رہو' اور اسی صفحہ کی آخری سطر میں یہ لکھا ہے'' اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔''

☆☆☆

انجمن اور خلیفہ کی بحث اور حضرت خلیفۃ المسیح کا فیصلہ

امیر الملت حضرت مجدد الدین مولانا مولوی محمد علی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے نہایت صحیح اور درست لکھا ہے کہ ''حضرت خلیفۃ المسیح کے جملہ احکام کو،خواہ وہ مسائل کے بارے میں ہوں یا کسی اور بارے میں،سب لوگوں کے لئے ماننا ضروری قرار دیا گیا۔جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔''

مگر الفضل اور اس کا سٹاف تو اس بات کا قائل معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح نے ممالک غیر میں جہاں کفر کا فتویٰ نہیں دوسرے مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔تو گو صاحبزادہ صاحب نے اپنے

ساتھیوں کے دکھاوے کے لئے کہ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کی تعمیل کر لی ہے، مکہ معظّمہ میں جا کر نعوذ باللہ ان کافروں کے پیچھے نماز پڑھ لی۔ مگر پھر اپنی منزل پر آ کر حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کو اپنے عقیدہ کے خلاف سمجھ کر نماز کی تجدید کر لی۔

بہر حال حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کو ایک مکروہ غلطی سمجھ کر پھینک دیا گیا۔ اب حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب کے ٹریکٹ سے اس نوٹ کو اس لئے لکھا ہے کہ تا حجت ملتزمہ کے طور پر حضرت خلیفۃ المسیح کے اقوال پیش کر کے اپنی خلافت بے ثبوت کا ثبوت دیا جائے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح کے ہر حکم اور ہر بات کو تو صحیح تسلیم نہیں فرماتے۔ پھر کس لئے ان اقوال کو ہمارے روبرو پیش کرتے ہیں ''ہر چہ برخود نہ پسندی بہ دیگراں مپسند۔'' پہلے آپ حضرت خلیفۃ المسیح کی ہر بات کو صحیح اور راست تسلیم کریں۔ پھر متفق ہونے کی صورت میں ہم پر حجت قائم کریں اور اس لئے کہ ہم سب حضرت خلیفۃ المسیح کے جملہ احکام اور مسائل ماننا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس صورت میں بھی آپ کے ان ثبوتوں پر نظر کرنا چاہتے ہیں۔ آپ بھی ہمارے ساتھ اُن پر غور و فکر کریں۔ اول 1909ء کی بات کا ذکر کر کے قادیان میں آپ 40 منتخب آدمیوں کے بلائے جانے کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر کہیں الحکم کے ایڈیٹر کا ڈیفنس کرتے ہیں۔ کہیں لاہور میں اس وقت مخفی جلسہ ہونا بتلاتے ہیں۔ مگر آپ کو معلوم نہیں لاہور میں کبھی کسی وقت بھی کوئی مخفی جلسہ نہیں ہوا۔ آئندہ کا علم تو اللہ کو ہے۔ البتہ مخفی جلسے شیخ یعقوب علی اور دوسرے ہمراز لوگ مل کر صاحبزادہ صاحب کے ساتھ ہمیشہ کرتے رہے ہیں اور اب تک کرتے ہیں۔

پھر اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جو 31 جنوری 1909ء میں مسجد مبارک کی چھت پر حضرت خلیفۃ المسیح نے ایک تقریر کے بعد شیخ یعقوب علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب اور مولانا مولوی محمد علی صاحب اور میر اسحاق صاحب ماموں صاحبزادہ صاحب سے مکرر بیعت لی۔ مگر افسوس ہے کہ الفضل نے اس واقعہ پر کچھ روشنی نہیں ڈالی۔ بلکہ شیخ یعقوب علی صاحب کی یہ بات لکھ کر کہ ''خلیفہ انجمن کا اور تمام قوم کا مطاع ہے۔'' اور بھی اپنے فریق مقابل کی بات کو پختہ کر دیا کہ اگر شیخ یعقوب علی اور میر محمد اسحاق کی مکرر بیعت لی تو اس لئے لی کہ وہ خلیفہ کو انجمن کا مطاع کہتے تھے۔

شاید یعقوب علی صاحب نے صاحبزادہ سے کہا ہو گا کہ میری بڑی عزت ہوئی کہ مجھ سے دوبارہ بیعت

لی گئی۔ اور خواجہ صاحب اور مولانا صاحب نے یعقوب علی سے فرمایا ہوگا کہ ہماری بے عزتی ہوئی۔ پھر خواجہ صاحب اور مولانا صاحب پر یہ احسان جتلایا جاتا ہے کہ اس تقریر کو ہم نے شائع نہیں کیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم شائع کرتے تو (معاذ باللہ) خواجہ صاحب اور مولانا صاحب کو منہ دکھانے کی جگہ نہ رہتی۔ پھر الفضل ان نصائح کا اشاروں میں ذکر کرتا ہے جو ڈاکٹر صاحبان کو حضرت خلیفۃ المسیح نے 6 مئی 1913ء کو فرمائی تھیں۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ان نصائح میں کوئی اس قسم کی بات ہے۔ جو صاحبزادہ صاحب کو خلیفہ ثابت کرتی ہے۔ مگر نہیں۔ میں غلطی کرتا ہوں اگر اس قسم کا کوئی لفظ بھی ہوتا۔ تو اس لفظ کا ایک ایک حرف بڑی جلی قلم سے لکھتے اور واویلا مچاتے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ کیا باپ کسی اپنے بیٹے کو نصیحت کے وقت کوئی تنبیہ کرے تو اس تنبیہ سے نتیجہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس سے باپ کا بیٹے سے اور بیٹے سے باپ کا تعلق نہیں رہا۔ یا کیا ہوا آخر صاحبزادہ صاحب کو بھی تو اس قسم کی کئی تنبیہات ہوئیں۔ جن کو ہم بھی انشاءاللہ بوقت ضرورت شائع کردیں گے۔

☆☆☆

آئندہ خلیفہ کے متعلق بحث ہے

اس عنوان سے الفضل نے جو بحث کی ہے وہ راستی سے بہت دور معلوم ہوتی ہے۔ کیا اس فقرہ سے جو بڑی جلی قلم سے لکھا گیا ہے کہ آئندہ پیدا ہونے والا شاید لاکھ گنا بہتر ہوگا، حضرت خلیفۃ المسیح کا یہ منشا ظاہر کرنا چاہا ہے کہ صاحبزادہ محمود احمد صاحب نورالدین سے لاکھ گنا بہتر ہیں۔ ابھی احمدی دنیا ایسی اندھی نہیں ہوئی کہ وہ اس فقرہ سے صاحبزادہ محمود احمد صاحب کو نورالدین مرحوم و مغفور سے لاکھ گنا بہتر سمجھ لے۔ شاید پیر پرستی اور گدی قائم ہونے کی وجہ سے بعض لوگ تاریکی کے گڑھے میں گر کر یہ کہنے بھی لگیں۔ مگر دنیا پر روزِ روشن کی طرح ثابت رہے گا کہ نورالدین، نورالدین ہی تھا۔ اور محمود اس کا عشر عشیر بھی نہیں!

انجمن کے حقوق خلیفہ کے مقابل: یہ تو پہلے ہی سے گڑھا پکایا ہوا تھا۔ پھر ایک لڑکے میر اسحاق ماموں

صاحبزادہ صاحب وشیخ یعقوب کی معرفت تحریری یہ سوال آپ ہی اٹھادیا کہ انجمن خلیفہ کی مطاع ہے یا خلیفہ انجمن کا مطاع ہے۔ یہ سوال کہاں سے پیدا ہوا؟ اسی چار دیواری سے۔اوران لوگوں کی طرف سے جوانجمن اوراس کے ممبروں کوخاندان اہل بیت مسیح موعود کا دشمن خیال کرتے تھے۔ پھر کیا تھا جس طرح سے حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور بار بار یہ سوال اٹھایا گیا کہ اس انجمن کا ضرور بندوبست کریں۔ کیوں کہ اس انجمن کے ممبر ایسے ہیں اور ویسے ہیں اورحضورکواپنے ماتحت رکھنا چاہتے ہیں۔تو آپ نے اس پر جوکچھ فرمایاوہ کیسا صحیح فرمایا کہ ''میں تمہارے قابو میں کب آ سکتا تھا۔''

عبرت۔عبرت۔اِتَّقُوا اللّٰہَ۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ: افسوس صد افسوس وہ خیرخواہ قوم نورالدین آج دنیامیں نہیں ہے۔ جوایسی چالاکیوں اورزبان درازیوں سے کام لیاجارہاہے۔اورجن کووہ اپنی عزت اورعظمت کے مقام پر بٹھایا کرتا تھا،آج ان کی بےعزتی ہرکہ ومہ کررہاہے۔اور بازیچہ اطفال کی طرح خلافت کا کاروبار ہورہاہے۔ وہ نورالدین ہی تھا جس کو خدا نے شوکت دی تھی۔اتنی عظمت دی تھی کہ دنیا اس کی عظمت اورسکہ مانتی تھی۔اس کےعلم کے سامنے تمام دنیا کےعلم گردمعلوم ہوتے تھے۔اس کےتقویٰ کے سامنے تمام دنیا کا تقویٰ ہیچ معلوم ہوتا تھا۔اس کےعلم کے سامنے دنیا کا علم قربان کرنے کے لائق تھا۔ وہ ایسا رحم دل اوررحیم انسان تھا کہ اس کے برابردوسرا ہم نے کوئی نہیں دیکھا۔ وہ ہمیشہ صلح کراتا اور پاک دل سے سب کے لئے شفقت کے کلمات کہتا تھا۔ وہی تھا کہ باوجود تنبیہ کرنے کے پھر پیار کرتا تھا۔اس نے کبھی کسی کے لئے ہلاکت کی دعانہیں کی۔اگرکسی سے ناراض ہوتا تھا۔تواس کے لئے دعائیں بھی کرتا تھا۔اوردل سے چاہتا تھا کہ جس سے میں خفا ہو جاؤں وہ مجھ سے خفا نہ ہواور مجھ سے آملے۔نورالدین جیسا امام اورمقتدا کہاں سے لائیں اورکس کے ہاتھ پر بیعت کریں؟ اس کے ہاتھ پر جواپنے بھائیوں کےٹکڑےٹکڑے ہوجانے کی پیش گوئی کرتا ہے۔ **اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ ۔**

اے احمدی قوم!اگرآج بھی تواسی تقلید کےگڑھے میں گری جس طرح کہ تیرے سامنے دوسری گدی پرست قومیں گری ہیں تو تیرا حشر اچھا نہ ہوگا۔اٹھ اورامام ہونے کی صفت کے لائق انسان کودیکھ اوروقار اورحلم اور علم اورفراست اورایمان سے مزین انسان کا ساتھ رکھ۔آمین۔ تجھے بتاؤں کہ وہ پاک اور برگزیدہ انسان محمد علی

ہے۔جس کا نام خدا تعالیٰ نے الہام مسیح موعود میں مجد الدین رکھا ہے۔تو اس کی آواز پر کان دھر۔ پھر تو کبھی بھی انشاء اللہ العزیز غلط راہ پر نہ جائے گی۔نور الدین سا حلم اور پیار اور اپنے بھائی کی عزت کرنا تو اس انسان میں ہی دیکھے گی۔اب بھی غلطی نہ کر۔اس بیعت سے تجھے کوئی نفع نہ ہوگا۔دیکھ! میں تجھے حضرت خلیفۃ المسیح کے الفاظ میں کہتا ہوں۔''کون ہے جو تمہیں سمجھائے'' حضرت مولانا مولوی محمد علی سا خادم دین اور اشاعت اسلام کی تڑپ رکھنے والا آدمی تجھے کبھی نہیں ملے گا۔اس کی قدر کر،اس کی آواز پر جمع ہو جا کہ اسی میں یقیناً تیرا بھلا ہوگا۔انشاء اللہ۔اور یقیناً یاد رکھ کہ اس کے سوا اور کوئی بھی راہ تیری فلاح کی نہیں۔

گدی قائم کرنے والوں کو صرف اپنی گدی کے ہی قیام کا فکر رہتا ہے اور اسی کے رات دن کے جھگڑے انہیں فرصت نہیں دے سکتے کہ اشاعت اسلام کے کام کی بھی فرصت نکالیں۔اس لئے میں تجھے للکار کر کہتا ہوں کہ ان جھگڑوں کو چھوڑ کر صرف اشاعت اسلام کی غرض کو مد نظر رکھ کر جو اصل منشا اس سلسلہ کا ہے سیدنا محمد علی صاحب کی آواز کو سن۔جو اسلام کی اشاعت میں سچی تڑپ اور آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح بھی اسی بے نظیر انسان کی دل سے قدر کیا کرتے تھے۔ مانا کہ صاحبزادہ تیرے مرشد اور مسیح کے لڑکے ہیں۔مگر ان کے اعتقاد تیرے پیر اور مسیح کے اعتقاد نہیں۔دیکھ! آنکھیں کھول اور صراط مستقیم کو چھوڑ کر غلط راہ پر نہ پڑ۔دیکھ! تیرے مسیح نے اپنی حین حیات اپنے نام کے ساتھ کبھی بھی نبی اللہ کا لفظ نہیں لکھا اور اپنے نام کے ساتھ مسیح موعود کا لفظ بار ہا لکھا۔اور نہ اپنے نبی اللہ ہونے پر لوگوں سے بیعت لی۔ ہمیشہ ہر کتاب میں نبوت کے مدعی ہونے کا انکار کیا اور اگر کہیں اقرار کیا تو سلسلہ صوفیاء کی اصطلاح کے مطابق ظلی اور بروزی طور پر نبی ہونے کا اقرار کیا۔اور جزوی نبوت تابع کلی نبوت امت محمدیہ میں قیامت تک جاری رہنی تسلیم کی۔اور اسی ذیل میں اپنے آپ کو بھی جزوی نبی تابع کلی نبی بتلایا۔اور یہ کس قدر کرب ومصیبت کا وقت ہے کہ صاحبزادہ صاحب حضرت مرزا صاحب کی تعلیم کے برخلاف حضرت خاتم الانبیاء کی نبوت اور حضرت مرزا صاحب کی نبوت کو برابر برابر سمجھتے ہیں۔اور حضرت نبی کریمؐ کی نبوت اور مرزا صاحب کی نبوت میں کوئی فرق نہیں کرتے اور آیت وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ کا مصداق حضرت مرزا صاحب کی تعلیم کے برخلاف صرف حضرت مرزا صاحب کو ہی سمجھتے ہیں۔اور حضرت نبی کریمؐ کو نہیں سمجھتے۔اور برملا کہتے ہیں کہ یہ آیت محمد رسول

اللہ ﷺ کے حق میں نہیں آئی، بلکہ مرزا صاحب کے ہی حق میں آئی ہے۔ اور زور سے کہا جاتا ہے کہ جو حضرت مرزا صاحب کو نبی کریمؐ جیسا نبی نہیں سمجھتا۔ یا نبی کریمؐ سے کسی اور بات میں کچھ فرق کرتا ہے، اس نے مرزا صاحب کو مسیح موعود ہی نہیں مانا۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی نسبت حضرت نبی کریم ﷺ سے ہمیشہ آقا اور غلام کی دی ہے یا بیخ اور شاخ کی دی ہے۔ مگر کبھی نہیں بتلایا کہ مجھے نبی کریم جیسا نبی سمجھ لو۔ اس کے علاوہ صاحبزادہ صاحب کو مسئلہ تکفیر مسلمانان میں بھی حضرت مرزا صاحب کی تعلیم کے خلاف حد درجہ کا تشدد ہے۔

یہی وہ باتیں ہیں جو اس وقت اصولی فرق بن کر سلسلہ میں ایک دیوار روئیں کی طرح روک ہو گئیں ہیں۔ اس لئے وہ لوگ جو اپنے دین اور ایمان کو محض خدا کی رضا کے لئے قائم اور اپنی جان سے بھی مقدم رکھنا چاہتے ہیں، وہ کبھی بھی صاحبزادہ صاحب کے ہاتھ پر اپنے دین وایمان کو نہیں بیچ سکتے۔ اور جنہوں نے اس اصولی فرق کو ایک معمولی بات سمجھ کر اپنا دین وایمان صاحبزادہ کے حوالہ کر دیا ہے، وہ نہایت خطرہ کی حالت میں ہیں۔ دل میں تو وہ صاحبزادہ صاحب کے خلاف ایمان رکھتے ہیں۔ پھر صاحبزادہ صاحب کو امام مان کر اب تقیہ کرنے لگیں گے۔ اس لئے پھر عرض ہے کہ بچو بچو بچو اور اپنے دین کو ایمان کو دوسرے ہاتھ پر بیع نہ کرو۔ باز آؤ۔

سوچو تو سہی کہ یہ کس قدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیاء کے بعد ایک مستقل نبی کا آنا مان لیا جائے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ مسلم میں مسیح موعود کے لئے نبی اللہ کا لفظ آیا ہے۔ اول تو اس حدیث کو ہی حضرت مسیح موعود نے ضعیف اور منفرد اور دوسری تمام صحیح حدیثوں کے مخالف بتلایا ہے۔ دیکھو ازالہ اوہام میں دمشقی حدیث کا بیان۔ پھر یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ نبی کریمؐ کی زبانی جو شخص پہلے ہی نبی قرار پا چکا ہے۔ اس کو امتی قرار دینا اور پھر یہ تصور کر لینا کہ جو اس کو مرتبہ نبوت حاصل ہے، وہ بوجہ امتی ہونے کے ہے، نہ شان نبوت اس کی ذات میں مضمر ہونے کے۔ یہ کس قدر دروغ مفروغ ہے۔

پھر مسئلہ کفر کو دیکھ لو کہ یہ کس قدر خلاف قرآن وحدیث وخلاف مذہب حضرت مسیح موعود کے ہے۔ اور صاحبزادہ صاحب کی وجہ سے اس مسئلہ کو مان کر قرآن مجید کی بعض آیات کو منسوخ ماننا پڑے گا۔ مثلاً قرآن مجید میں جن کو خدا نے سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ کا خطاب دیا ہے ان کا نام کافر رکھنا پڑے گا۔ اور لَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی

اِلَیۡکُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِناً (94:4) کے حکم کے خلاف ہم کو تمام جہاں کے مسلمانوں کو جو احمدی نہیں بلا تفریق کافر کہنا پڑے گا۔

اب آپ لوگ سوچ لیں کہ صاحبزادہ صاحب کی بیعت کر کے آپ لوگ قرآن اور حدیث کو غیر منسوخ مان سکتے ہیں یا حضرت مجدد الدین امیر الملت مولانا مولوی محمد علی صاحب کی آواز پر کان دھر کر اور عمل کر کے قرآن اور حدیث کی خدمت کر سکتے ہیں۔

اب اگر آپ کو اپنے دین و ایمان کی کچھ عزت ہے۔ اگر آپ کو اسلام اور قرآن اور نبی کریمؐ کی کچھ عزت ہے۔ تو اب بھی سنبھل جاؤ اور ہرگز ہرگز ایسے اعتقاد نہ مانو جو صاحبزادہ صاحب آپ کو منوانا چاہتے ہیں اور بیعت کی آڑ میں آپ کو اپنے ایمان کے اظہار میں نامرد اور بزدل کرنا چاہتے ہیں۔ اور آپ کی قوت ایمانی کو تلف کرنا چاہتے ہیں۔ اور اشاعت اسلام کے کام کو چھوڑا کر اپنے نئے معتقدات کا مرید بنانا چاہتے ہیں۔

☆☆☆

قطع تعلق کرنے والے اَکٰبِرَ مُجۡرِمِیۡھَا

قرآن شریف میں تو اَکٰبِرُ مُجۡرِمِیۡھَا کی آیت: (وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنَا فِیۡ کُلِّ قَرۡیَۃٍ اَکٰبِرَ مُجۡرِمِیۡھَا لِیَمۡکُرُوۡا فِیۡھَا وَمَا یَمۡکُرُوۡنَ اِلَّا بِاَنۡفُسِھِمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ (123:6) یعنی اور اسی طرح ہم نے ہر ایک بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو بنایا تا کہ وہ اس میں منصوبے کریں اور وہ منصوبے نہیں کرتے مگر اپنی ہی جانوں کے لئے اور وہ محسوس نہیں کرتے۔ مرتب) انبیاء علیہم السلام کے مدمقابل آنے والے بڑے بڑے متکبر لوگوں اور خدا سے قطع تعلق کرنے والے اکابروں کے لئے آتی ہے۔ مگر یہاں الفضل میں ان عالیجاہ بزرگوں کے حق میں اس آیت کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ جو خدا کے نزدیک پسندیدہ اس کے مسیح اور اس کے مہدی کے نزدیک بھی نہایت

پسندیدہ اور جو دن رات اشاعت اسلام کے لئے اپنی جان تک دینے اور سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں ان پر اَکٰبِرَ مُجْرِمِیْھَا کا فتویٰ کس کے مقابل دیا جاتا ہے۔ جو نہ نبی، نہ رسول، نہ ولی، نہ امام، نہ قرب وحی سے مخصوص ہے۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجا ست تا بہ کجا

اللہ اکبر! کہاں اعلیٰ حضرت نورالدین مہدی زمان کا یہ ارشاد حضرت اقدس مرزا صاحب کے حق میں کہ بڑے لوگوں نے ہی آپ کی مخالفت کی ہے اور کہاں اس کو سند پکڑ کر میاں صاحب کے مدمقابل اکابر صحابہ مسیح موعود پر اس قول کو چسپاں کیا جانا، اللہ رے تعصب اور بغض! حضرت اقدس تو مسیح موعود مہدی، مجدد، مامور، محدث اور امام زمان تھے۔ مگر جبکہ صاحبزادہ صاحب ان عہدوں میں سے کسی پر بھی مامور نہیں۔ تو پھر اَکٰبِرُ مُجْرِمِیْھَا کی آیت ان کے ہاتھ پر دین و ایمان بیع نہ کرنے والوں پر کیوں کر چسپاں ہو سکتی ہے!

اگر در خانہ کسے ہست حرفے بس است

ایثار کے کیا معنی: اس سرخی کو بھی پڑھ کر حیرت ہوئی۔ مولوی صدرالدین صاحب کی بینظیر قربانی پر بھی خاک ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جبکہ یہاں تک ان کی نسبت لکھ دیا گیا کہ ماسٹر صدرالدین صاحب کی معمولی قربانی کا ثبوت بھی مشکل ہے۔ اس دلآزاری پر بھی کہاں تک افسوس کریں۔ جو لوگ اندھیرے میں بیٹھ جاتے ہیں ان کو بڑی روشنی بھی دکھائی نہیں دیتی۔

منکرین خلافت پر اتمام حجت: اس عنوان سے الفضل ایک آرٹیکل لکھتے ہوئے انسانیت سے گری ہوئی باتوں پر اتر آیا ہے۔ اور کہتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے لاہور کے لوگوں کا نام نہیں لیا۔ اور ان کو، جنہوں نے میاں صاحب کو ایک مامور من اللہ اور امام زمان اور مسیح اور مہدی کی دوسرے پیروں کی طرح گدی قائم کرنے سے منع کیا، خوب کوسا ہے۔ اور کہا ہے کہ ''وہ اس وقت بھی جھوٹے تھے اور اب بھی جھوٹے ہیں۔'' اور پھر ان کو شریر بتلایا ہے۔

آپ کو خلافت کے برقرار رکھنے کا خیال ہے کہ جو کچھ چاہیں کسی کو کہہ لیں۔ لاہور کے معزز اراکین ایسی

ضعیف باتوں کی ہرگز پرواتک نہیں کرتے۔ آپ تو لاہوریوں کو اپنی خلافت میں روک ڈالنے کے متعلق کوس رہے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ خود اس خلافت میں روک ڈالنے کے سامان آپ کر رہا ہے اور دلوں ہی دلوں میں آپ کے عقائد سے نفرت ڈال رہا ہے۔ ہر روز ڈاک میں دو تین خط ایسے آجاتے ہیں جو آپ کی بیعت سے بیزاری کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے اسی تقریر میں، جو لاہور مسجد احمدیہ میں فرمائی، بڑے زور سے بار بار یہ کیوں فرمایا کہ میرا دل اس مسجد کو دیکھ کر باغ باغ ہوگیا۔ اور میرے دل سے اس کے بنانیوالوں کے لئے دعا نکلی اور بڑی دعا نکلی۔ کیا خلیفۃ المسیح کی دعا کا یہی نتیجہ آپ کے نزدیک ہونا چاہئے کہ یہ سب اکابر معاذ اللہ مجرم اور فاسق اور کافر ہو جائیں!

آپ جو حضرت خلیفۃ المسیح کی اس بات کو ہمیشہ سند پکڑتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ''میں خدا کا بنایا ہوا خلیفہ ہوں'' ان کا فخر تو بجا تھا۔ مگر کیا آپ بھی یہ لفظ کہہ سکتے ہیں۔ پھر فرمایا ''میری بیعت سب احمدیوں پر واجب ہے'' یہ بھی صحیح ہے۔ مگر کیا آپ بھی اس مرتبہ پر ہیں اور آپ بھی یہ لفظ کہہ سکتے ہیں۔ پھر فرمایا ''میری بیعت نہ کرنے والا فاسق بلکہ ابلیس ہے۔'' مگر کیا وہ شخص جو چند آدمیوں کو اپنا مرید بنالے وہ بھی ایسا کہہ سکتا ہے۔ پھر خود فرمایا'' میرے بعد کا خلیفہ بھی خدا بنائے گا'' ہم کب کہتے ہیں کہ خدا نہیں بنائے گا۔ مگر جن کو خدا خلیفہ بناتا ہے، ان کو علم لدنی سے حصہ وافر دیتا ہے۔ ان کو اپنے قرب سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کو تمام کے لئے خیر محض بناتا ہے۔

نصرت بالرعب ان کا نشان ہوتا ہے۔ ان کی روحانی تربیت کا خدا تعالیٰ متولی ہو کر ان کی فطرت میں ایک ایسی امامت کی روشنی رکھ دیتا ہے کہ وہ سب کو مغلوب کر لیتا ہے۔ اور وہ ہر ایک دقیق در دقیق اعتراض کا خدا تعالیٰ سے قوت پا کر ایسی عمدگی سے جواب دے سکتا ہے کہ آخر ماننا پڑتا ہے کہ ان کی فطرت دنیا کی اصلاح کا پورا سامان اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس لئے اس کے ماننے والوں کو کسی دشمن کے سامنے شرمندہ ہونا نہیں پڑتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہت سی علامتیں ہوتی ہیں۔ جو خلیفہ وقت میں ہوتی ہیں۔ مگر کیا آپ کے متعلق بھی خدا کی طرف سے اس کی کوئی گواہی ہے۔

کیا پیر اور مرید میں اختلاف عقائد ہو سکتا ہے؟: اس پر جو کچھ الفضل نے لکھا ہے وہ تو نہایت ہی

مضحکہ خیز بات ہے۔ پیغام صلح نے تو حضرت خلیفۃ المسیح کے ایک حوالہ کی بنا پر لکھا تھا کہ پیر اور مرید میں اختلاف عقائد نہیں ہوسکتا۔ مگر الفضل اپنے دل کی بجھارت پر ایک تودہ طومار لے کر نکل آیا ہے۔ اور نہیں دیکھتا کہ یہ عقیدہ کی بات ہے کہ ''خلافت کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح کا یہی اعتقاد تھا کہ انجمن ہی مسیح موعود کی جانشین ہے'' اور نہ خلیفۃ المسیح کے ایسے کسی خیال پر ہم قسم کھانے کے لئے عندالشرع مکلّف ہو سکتے ہیں۔ ہاں! عقیدے کے متعلق ہم قسم کھا سکتے ہیں کہ جو ہمارا عقیدہ تھا وہی ان کا عقیدہ تھا۔ ہمارا ان کا عقیدے میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ اس لئے تو آپ نے اس آدمی کو، جو آپ سے عقیدہ میں اختلاف رکھتا تھا، اپنی جماعت میں سے نکال کر باہر کر دیا اور صاف لکھ دیا کہ پیر اور مرید میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ کہاں یہ بات، اور کہاں مسئلہ خلافت کے متعلق یہ خیال کہ الوصیت پر عملدر آمد ہونا چاہیئے جو عقیدہ میں داخل ہی نہیں ہوسکتا۔ کہاں یہ بات اور کہاں عقیدے میں اختلاف کہ پیر اور مرید میں اصولی فرق ہی موجود ہے اور پیر کا کچھ عقیدہ ہے اور مرید کا کچھ ہے۔ یہ تو ان پیروں کا طریقہ ہے، جن کو اپنے مرید بڑھانے کا شوق ہے اور ان کو عقیدہ اور مذہب سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا!

خواب کی بنا پر پیرو بننے کا خیال بھی عجیب ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ چند لوگوں کو تو خلافت کی تائید میں خوابیں آرہی ہیں اور چند لوگوں کو خلافت کے خلاف آرہی ہیں۔ پھر ہم کس طرح سے سمجھیں کہ وہ خوابیں تو صحیح ہیں اور یہ غلط! اگر خوابوں سے ہی کسی کی سچائی اور کذب کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔ تو اس کا کوئی خاص سہل معیار از روئے قرآن وحدیث قائم کرنا چاہیئے۔

جھوٹ بولنے سے کیا حاصل۔ مولوی صدرالدین صاحب تو مسجد کے ایک کنارے پر کھڑے تھے، انہوں نے کس طرح سے جا کر عابد علی شاہ کو روک دیا۔

کیا موجودہ گدی نشینی کی وجہ سے تفرقہ ہوا: الفضل خود لکھتا ہے کہ یہی اعتراض حضرت مسیح موعود پر ہوا کہ آپ نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈال دیا اور ان میں دو جماعتیں بنا دیں۔ تو گویا خود تسلیم کیا کہ صاحبزادہ صاحب نے خوف تفرقہ ڈال دیا اور احمدیوں میں دو جماعتیں بنا دیں۔ مگر مسیح موعود تو مامور تھے۔ انہوں نے خدا کے حکم کے ماتحت ایسا کیا۔ اور صاحبزادہ نے تو اپنے علم وخیال کی بنا پر ایسا کیا کہ عقائد میں بھی اصولی فرق قائم کر لیا!

احمدی جماعت کا پہلا اجماع اگر خلافت پر ہوا تو اس وقت تو عقائد میں کوئی اصولی فرق نہ تھا۔ جو نہ خدا

کے حکم سے اور نہ کسی اسلامی تعلیم کے ماتحت۔ سب ایک ہی مدرسہ سے پڑھ کر نکلے تھے۔ سب متحد الخیال تھے۔ اگر صاحبزادہ صاحب بھی عقائد میں کوئی اصولی فرق نہ رکھتے تو شاید دوسرا اجماع بھی ویسا ہو سکتا۔

موجودہ گدی نشین کی گدی نشینی اس عبارت سے نہیں نکالی جاتی جس میں مسیح موعود نے لکھا ہے کہ میری ذریت سے ایک شخص روح القدس پا کر کھڑا ہو گا۔ بلکہ گدی نشین صاحب نے حضرت صاحب کی کتابوں کی عبارتیں ہی الٹ پلٹ دی ہیں۔ ان میں ایک نیا حوالہ ناظرین پڑھ کر حیران ہوں گے۔ الوصیت میں یہ کہاں ہے۔ ''جس طرح آنحضرت ﷺ کے بعد آیت استخلاف کے ماتحت ابوبکر (رضی اللہ عنہ۔ مرتب) قدرت ثانیہ کا مظہر ہوا۔ اسی طرح میرے بعد بھی ہو گا اور چند وجود قدرت ثانیہ کے مظہر ہوں گے۔'' یہ عبارت حضرت صاحب کی کتاب الوصیت میں کہیں نہیں۔ آپ اسی بات سے معلوم کر سکتے ہیں کہ صاحبزادہ صاحب سے لوگ کسی ضد اور ہٹ کی بنا پر مخالفت نہیں کرتے بلکہ غلط عقائد اور غلط استدلال پر ہی ان سے مخالفت ہے۔

الفضل میں کتاب ''حمامۃ البشریٰ'' کے حوالے سے بار بار لکھا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے صاف لکھا ہے کہ میرے بعد سلسلہ خلفاء ہو گا۔ ناظرین اس پر بھی غور فرماویں۔ حمامۃ البشریٰ میں تو **يُسَافِرُ الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ اَوْ خَلِيْفَتُهٗ مِنْ خُلَفَائِهٖ اِلٰى اَرْضِ دَمِشْقَ** لکھا ہے۔ یعنی مسیح یا اس کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ شام کو جائے گا۔ یہاں یہ سمجھنے کی بات ہے کہ مسیح کے خلیفوں میں سے کوئی خلیفہ اس پیشگوئی کو پورا کرنے والا ہو گا اور وہ مسیح کا قائم مقام ہو کر دمشق میں پہنچے گا اور اس پیشگوئی کو پورا کرے گا۔ جس طرح اس زمانہ میں حسن بیان واعظ اسلام حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت مسیح موعود کا خلیفہ بن کر اور حضرت مسیح موعود کے وجود میں ہو کر اس کشف اور پیشگوئی کو پورا کیا۔ جس کی حضرت مسیح موعود نے 1891ء میں پیشگوئی کی تھی۔ دیکھو ازالہ اوہام کا صفحہ 214 طبع بار سوم۔

ہم نے کسی پر کفر وفسق کا فتویٰ نہیں لگایا: یہ بھی عجیب جواب ہے کہ ہم تو تمہیں کافر اور فاسق نہیں کہتے۔ خلیفۃ المسیح کا فتویٰ نقل کر دیا گیا ہے۔ تو گویا یہ فتویٰ خلافت در خلافت انکار کرنے والوں پر خلیفۃ المسیح نے لگایا ہے۔ میاں محمود نے نہیں لگایا ہے۔ کیوں نہ ہو، اس کے بغیر چھٹکارا نہیں تھا۔ اپنا گناہ دوسرے کے سر پر ڈال دیا۔

کرزن گزٹ کی غلط فہمی: الفضل لکھتا ہے کہ کرزن گزٹ نے لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب نبی ہیں۔ پس اس کی گدی اس کے لڑکے کو ملنی چاہئے۔ یہ اس کی غلطی ہے کہ حضرت مرزا صاحب نبی تھے اور ان کی جانشینی کا مسئلہ اسی طرح حل ہونا چاہئے۔ جس طرح دوسرے انبیاء کی جانشینی کا مسئلہ ہوتا رہا۔

ہم اس پر کچھ مفصل لکھنا چاہتے تھے مگر چونکہ مضمون بہت لمبا ہوا جاتا ہے۔ اس لئے مختصر سا نوٹ اس پر لکھ دیتے ہیں۔ تعجب ہے کہ الفضل نے اپنے پہلے پرچہ میں تو حضرت مرزا صاحب کو ظلی نبی تسلیم کیا تھا۔ اب پھر حضرت صاحب کو دوسرے انبیاء کی طرح نبی لکھ دیا۔ کیا انبیاء سارے کے سارے ایسے ہی نبی تھے۔ جیسے کہ حضرت مرزا صاحب تھے۔ یا سب کے سب ہی ظلی نبی تھے!

ظلی اور بروزی تو صوفیاء کے سلسلہ کی اصطلاح ہے، نہ انبیاء کے سلسلہ کی۔ کون نبی دنیا میں آیا۔ جس نے اپنے آپ کو ظلی اور بروزی نبی کہا۔ یا اپنی نبوت کی ایسی تشریحیں اور توضیحیں لکھیں اور شقیں لگا لگا کر اپنی نبوتیں بتلائیں۔ کیا کسی نبی نے بھی یہ شقیں لگائی ہیں؟ اور نبوت کی ایسی اقسام جیسی کہ مستقل نبی، غیر مستقل نبی، جزوی نبی، طفیلی نبی، شرعی نبی، غیر شرعی نبی، نبوت ناقصہ اور نبوت کاملہ وغیرہ وغیرہ الفاظ سے کیں۔ اور کسی نبی کی نبوت میں کوئی تفریق نہیں بتلائی۔ ظلی اور بروزی وغیرہ تو صرف صوفیا کی اصطلاحیں ہیں۔ تشریعی نبوت میں بھی کچھ امتیاز انہی بزرگوں نے کیا ہے۔ قرآن اور حدیث اور صحف انبیاء میں ایسے لفظ کہیں نہیں۔

ہمارا تو یہ یقین ہے کہ حضرت مرزا صاحب جو کچھ بھی تھے وہ تمام کمالات قرب مدارج الٰہی کے حضرت نبی کریم محمد ﷺ کی سچی اتباع میں یقین فرماتے تھے۔ اور ایک بار بھی اس کے خلاف کرنے کو کفر اور بدقسمتی سمجھتے تھے ؎

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم

حضرت اقدس اہل سنت والجماعت خاص کر حنفی المذہب تھے اور اسی طائفہ مقربین علی الحق میں سے تھے۔ ہم حضرت اقدس مرزا صاحب کو، جیسا کہ آپ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے، صرف نبی نہیں کہہ سکتے۔ دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ 150 کا حاشیہ۔

’’اس لئے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی اور

میری نبوت آنحضرت ﷺ کی ظل ہے نہ کہ اصلی نبوت ۔''

پھر دیکھو حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ ظلی نبوت قیامت تک باقی ہے ۔ دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ 28، لکھتے ہیں:

''مگر ظلی نبوت، جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدیؐ سے وحی پانا، وہ قیامت تک باقی رہے گی ۔''

پھر دیکھو حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ میں اس طور کا نبی ہرگز نہیں ہوں ۔ جس طور کے نبی پہلے آ چکے تھے ۔ دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ 28 ۔

پھر حقیقۃ الوحی صفحہ 150 کے حاشیہ میں فرمایا ہے ۔ ''یاد رہے کہ بہت سے لوگ میرے دعویٰ میں نبی کا نام سن کر دھوکا کھاتے ہیں ۔ اور خیال کرتے ہیں کہ گویا میں نے اس نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو پہلے زمانوں میں براہ راست نبیوں کو ملی ہے ۔ لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں ۔ میرا ایسا دعویٰ نہیں ہے ۔''

اب ان سارے حوالوں کی بنا پر ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ الفضل کا یہ لکھنا نہایت ہی راستی سے دور ہے کہ حضرت مرزا صاحب نبی تھے ۔'' حضرت مرزا صاحب نے ستر مرتبہ نہیں سینکڑوں مرتبہ اپنی تقریروں، وعظوں ، کتابوں، تحریروں اور اشتہاروں میں لکھا ہے کہ میں نبی نہیں اور نہ مجھے نبوت کا دعویٰ ہے ۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ میں بعد آنحضرت ﷺ کے کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں ۔ ہاں اگر کہیں اپنے متعلق نبی کا لفظ لکھا بھی تو اس کے ساتھ ظلی اور بروزی اور جزوی اور امتی کا لفظ لکھ دیا ۔ اور خوب واضح تشریح کر کے کھول کھول کر ہر جگہ اس کو لکھا ہے ۔

اب یہ کیسی جرأت ہے کہ ایک خلاف واقع بات کو آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ ''حضرت مرزا صاحب نبی تھے'' حالانکہ حضرت صاحب کی ساری تحریریں اس کے صریح خلاف ہیں ۔

اب ہم آپ کی پیش کردہ آیت وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ (16:27) سلیمان داؤد کو لیتے ہیں اور حضرت زکریاؑ کی دعا يَّرِثُنِىۡ وَيَرِثُ مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ (6:19) کے متعلق عرض کرتے ہیں ۔ الفضل کا یہ لکھنا بالکل صحیح نہیں کہ نبی کا

بیٹا اپنے باپ کا جانشین نہ ہو۔ جانشین ہونا اور بات ہے اور نبوت کا پانا اور بات ہے۔ ورنہ نبی کا وہی نبی کا بیٹا لیتا ہے جو نبی ہوتا ہے۔ آیت وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (16:27) خود بتلا رہی ہے کہ سلیمان بھی نبی تھا اور اس لئے کہ باپ نبی تھا۔ بیٹا اس کا نبی ہونے کی حیثیت سے وارث ہوا۔ اور کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ سلیمان کے بیٹے کو بھی قرآن نے سلیمان کا وارث ٹھہرایا ہے۔ بلکہ سلیمان کے بیٹے کے متعلق تو آیت وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا (24:38) قرآن میں آئی ہے۔ اسی طرح زکریاؑ کی بھی دعا تھی کہ الٰہی ایسا بیٹا مجھے بخش جو نبی ہو اور نبوت میں میرا وارث ہو، نہ کہ میری کسی میراث کا وارث ہو۔ گدی کے لفظ سے چڑنے کی کوئی بات نہیں۔ صرف لفظ نبی کی آڑ میں گدی نشینی کا لفظ نہیں ہٹ سکتا۔

12اپریل1914ء

مراسلات

صاحبزادہ کے اعلان دربارہ مکالمہ کا جواب

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (8:45-46)

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تمہارا کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

الفضل نمبر 43 الف مجریہ 4 اپریل 1914ء میں نے پڑھا۔ اس کے ورق اولیٰ پر ایک اعلان میں میاں صاحب کی طرف سے اس مکالمہ کے متعلق درج ہے جو پیغام صلح شمارہ 108 اور 109 میں درج ہو چکا ہے۔ میاں صاحب کا اعلان غیر معقول اور مجروح ہے۔ اس وجہ سے کہ میاں صاحب نے اصلی مکالمہ، جو ان کے اور محمد عجب خان کے درمیان ہوا ہے، درج نہیں فرمایا۔ ان کو لازم تھا کہ وہ اصل مکالمہ یا اس کا واقعی اور صحیح مفہوم درج فرما دیتے تا کہ اصلی اور فرضی میں امتیاز معلوم ہو جاتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اور اگر ایسا کرتے تو ان پر بھی یہی اعتراض وارد ہوتا جو میاں صاحب اس مکالمہ پر کرتے ہیں۔

پس میاں صاحب سے بھی ہم وہی مطالبہ کرتے ہیں جو وہ محمد عجب خان سے کرتے ہیں۔ وہ اصلی مکالمہ یا اس کا صحیح مفہوم درج فرما کر اس کے آخر میں اسی قسم کا حلف، جیسا وہ محمد عجب خان سے چاہتے ہیں، درج کر دیویں۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے یا نہیں کریں گے۔

پس ان کا اعلان مخدوش ہے۔ کیونکہ وہ دوسرے سے ایسا مطالبہ کرتے ہیں جو خود نہیں کر سکتے۔ اور

بیشک وہ اس مکالمہ پر تب اعتراض کرنے کا حق رکھتے ہیں جب صحیح مکالمہ محفوظ وہ پیش کر دیں۔ اوراس کے واقعی اورصحیح ہونے کی دلیل بھی ساتھ دیں۔ ورنہ جواعتراض اس پر ہے اس پر بھی ہوگا۔

دوسری سبیل یہ ہے کہ کم ازکم محمد عجب خان کے اعتراض اورسوال تو اب بھی قائم ہیں۔ میاں صاحب اب ان کا جواب لکھ دیں۔ میں الفضل اور پیغام صلح دونوں دیکھتا رہا ہوں۔ مجھ کو اس بات سے تعجب بھی رہا کہ جب ایک شخص دوسرے کی نسبت یہ کہتا ہے کہ اس نے فلاں عبارت اصلی یا پوری پوری درج نہیں کی وہ خود بھی اسی الزام کے نیچے آکر عبارات وحوالہ جات کی، کتر بیونت اپنی طرف سے کرتا رہتا ہے۔ گویا بقول شاعر اس مصرعہ کا مصداق بنتا ہے ۔

چہ دلاوراست دزدے کہ بکف چراغ دارد

''نمونہ از مشتے خروارے'' میں نمونہ کے طور پر اس جگہ ایک عبارت الفضل سے نقل کرتا ہوں۔ یہ وہ عبارت ہے جو الفضل نے الوصیت سے امام موعود کی طرف منسوب کر کے نقل کی ہے۔ اوراس عبارت کو الفضل نے موٹے حرفوں میں لکھا ہے:

> ''پس خلافت اس حوالہ سے نہیں نکالی جاتی بلکہ خلافت کا ذکر وہاں ہے جہاں حضرت مسیح موعود نے الوصیت میں فرمایا ہے کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے بعد آیت استخلاف کے ماتحت (حضرت) ابوبکرؓ قدرت ثانیہ کا مظہر ہوا اسی طرح میرے بعد بھی ہوگا اور چند وجود قدرت ثانیہ کے مظہر ہوں گے۔ پس حضرت نے صاف فرما دیا ہے کہ قدرت ثانیہ سے مراد خلافت ہے'' (الفضل صفحہ 6 کالم 3)

جس عبارت پر میں نے خط کھینچ دیا ہے وہ عبارت الفضل کے ایڈیٹر نے موٹے حرفوں میں لکھ کر پبلک اورقوم پر ظاہر کیا ہے کہ یہ حضرت مسیح موعود کی عبارت ہے۔ حالانکہ الوصیت میں بلفظہٖ یہ عبارت موجود نہیں۔ اگر الفضل کا ایڈیٹر یا کوئی مضمون نویس جس نے یہ مضمون لکھا ہے دیانت دار ہوتا تو کبھی ایسا نہ کرتا۔ اس کو لازم تھا کہ اصل عبارت حضرت مسیح موعود کی بعینہٖ الوصیت سے نقل کر دیتا۔ بعد اس کے اپنی رائے کا اظہار کر دیتا کہ اس عبارت

حضرت مسیح موعود کا یہ مفہوم اور مطلب ہے۔ تب تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا تھا۔ مگر اس کا اس عبارت کو موٹے لفظوں میں لکھ کر یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعود نے الوصیت میں یہ فرمایا ہے اور حضرت نے صاف فرما دیا ہے کہ قدرت ثانیہ سے مراد خلافت ہے۔ بڑا قبیح دھوکہ ہے۔ اس میں چار الزام ایڈیٹر الفضل پر قائم ہوتے ہیں۔

1۔ اس نے جھوٹ کہا۔

2۔ اس نے حضرت مسیح موعود پر اتہام لگایا کہ ایک ایسی عبارت جو اُن کی نہ تھی ان کی طرف منسوب کی۔

3۔ اس نے قوم اور پبلک کو دھوکہ دیا۔ کیونکہ جس نے الوصیت کو نہیں دیکھا اور نہ اس کے پاس ہے، اس کو یہ باور کرایا کہ یہ حضرت مسیح موعود کی اپنی عبارت لفظاً لفظاً ہے۔

4۔ اس نے اپنی عبارت یا اپنے خیال اور رائے کو، جو بخیال خود اسے عبارت الوصیت سے سمجھا ہوا تھا، اپنے مرشد مسیح موعود کی تحریر ظاہر کیا۔

کیا ایسے لوگوں کی تحریرات ایک محقق اہل دین کے سامنے کسی وقعت کے قابل ہوسکتی ہیں۔ ''نمونہ از مشتے خروارے'' بھی وہاں کے رہنے والوں نے صحبت صادقین سے فائدہ اٹھایا ہے اور انہی چال بازیوں سے وہ دنیا کو فتح کرنا چاہتے ہیں؟

ان لوگوں کے پاس نہ تو خدا کا اور نہ رسول کریم ﷺ کا اور نہ مسیح موعود حکم عدل کا کلام ثبوتِ خلافت میں ہے۔ صرف تین امر کی دستاویز ہیں۔ چھ سال کا طرز عمل، حضرت مولوی نورالدین صاحب کی وصیت، چند خوابیں اور خیال۔ والسلام۔

خاکسار

نذر علی

پشاور

14اپریل1914ء

مولوی شیرعلی صاحب کا ولایت جانا

(از جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ایل۔ایم۔ایس)

اخبار الفضل قادیان نے اپنی یکم اپریل کی اشاعت میں تحریر کیا تھا کہ خواجہ کمال الدین صاحب کا تار مولوی صدرالدین صاحب کے لئے آیا تھا۔مگر میں نے حضرت خلیفۃ المسیح کو تار سنانے میں ان کا نام حذف کردیا۔اس لئے مولوی شیرعلی کو ولایت جانے کا حکم ہوگیا۔اس کے متعلق میں اصل واقعات قوم کے آگے پیش کرکے اس غلطی کی تردید کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

(نوٹ)اکثر احباب قادیان کو معلوم ہے کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح کے ملفوظات ان کے ایام علالت میں اسی وقت قلمبند کرلیتا تھا۔اور پھر ان کو صاف کرکے علیحدہ نوٹ بک پر لکھتا تھا۔ان میں سے بعض اخبار پیغام صلح میں بھی چھپتے تھے۔اس لئے میں اصل الفاظ حضرت خلیفۃ المسیح جو اس وقت میں نے لکھے تاریخ وار ہدیہ ناظرین کروں گا۔اور ان کے علاوہ جو کچھ کہ حافظہ سے لکھوں گا، وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ سچ ہی عرض کروں گا۔ **وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ شَہِیْدٌ** ۔

1۔ 17 فروری 1914ء بوقت صبح مولوی محمد علی صاحب نے حضرت صاحب کی خدمت میں خواجہ صاحب کا خط پیش کیا۔جس میں مندرج تھا کہ میں جناب کو اپنے رسالہ کے لئے ایک اسسٹنٹ ایڈیٹر کے ارسال کرنے کے لئے بارہا لکھتا رہا ہوں۔کبھی میں نے مولوی شیرعلی صاحب کے لئے لکھا اور کبھی مولوی صدرالدین صاحب کے لئے۔مگر اب میں قطعی طور پر پورے غور وفکر کے بعد آپ کو لکھتا ہوں کہ جناب مولوی شیرعلی صاحب ہی کو روانہ فرمادیں۔چونکہ وہ عرصہ سے اسسٹنٹ ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز کا کام کرتے ہیں۔وہی میرے لئے سب سے زیادہ موزوں ہوں گے۔اس لئے آپ ان کو روانگی کا حکم دیں۔اس پر حضرت صاحب نے مفصلہ ذیل الفاظ فرمائے۔

''وہ دونوں (یعنی مولوی شیرعلی و مولوی صدرالدین) یہاں ہیں۔ان کو میں حکم کرسکتا ہوں۔مگر ان کی

بیویوں پر میں حکم نہیں کرسکتا۔'' فرمایا شیر علی وصدرالدین کی بیویوں کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بہت اعلیٰ درجہ کی اولاد دے۔ پھر فرمایا اس کے آگے میں کیا کرسکتا ہوں۔'' ایک کو اولاد کی ضرورت بھی ہے۔'' (یعنی مولوی صدرالدین صاحب کی اہلیہ کو) فرمایا دونوں سے دریافت کرلو گے۔تو مشورہ کر کے جواب دیں۔

2۔حضرت صاحب سے رخصت ہو کر خاکسار و مولوی محمد علی صاحب پہلے مولوی شیر علی صاحب کے پاس گئے۔ان کو دفتر ریویو آف ریلیجنز میں سب واقعات عرض کر دیئے اور یہ بھی کہا کہ حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ میں حکم نہیں کرتا۔ کیونکہ تمہاری بیویوں پر میرا حکم نہیں۔ میری یہ خواہش ہے کہ مشورہ کر کے کل تک جواب دو۔اس کے بعد مولوی صدرالدین صاحب کو کہا۔

3۔17 فروری کی رات کو یعنی اسی شب کو، جب مولوی صدرالدین صاحب میرے ساتھ حسب معمول حضرت صاحب کو کھانا کھلانے کے لئے گئے، آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا'' آپ سے صرف چھ ماہ کی زندگی مانگتا ہوں۔'' فرمایا'' شملہ کی بھی تو لوگ سیر کرتے ہیں۔'' (مطلب یہ تھا کہ مولوی صاحب موصوف خواجہ کمال الدین کی مدد کے لئے انگلستان جانے کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کریں) اس کے جواب میں مولوی صدرالدین صاحب نے عرض کی۔'' ساری زندگی حاضر ہے۔'' اس پر حضرت صاحب بہت خوش ہوئے۔ اور آپ نے فرمایا'' کل تک مولوی شیر علی اور مولوی صدرالدین دونوں جواب دیں۔ میں کل اس کے متعلق فیصلہ دوں گا۔''

4۔18 فروری کو مولوی شیر علی صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کے پاس جا کر بعض مشکلات قرضہ مکان نو تعمیر شدہ کے متعلق بیان کیں۔جس پر مولوی محمد علی صاحب نے اس کے متعلق ان کی تشفی فرمائی کہ اس کا خاطر خواہ انتظام ہو جائے گا۔اس کے بعد مولوی صاحب ممدوح شیر علی صاحب کو ساتھ لے کر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اور عرض کی کہ مولوی شیر علی صاحب تیار ہیں۔اس پر حضرت صاحب خوش ہوئے۔اور مولوی شیر علی صاحب کو فرمایا'' اللہ تعالیٰ جزا دے۔''

5۔مولوی شیر علی صاحب ولایت جانے کے لئے تیار تھے۔اس لئے پیغام صلح و دیگر اخبارات میں اس امر کا اعلان کیا گیا تھا اور خواجہ صاحب کو بھی ولایت اطلاع دی گئی۔

6۔حضرت صاحب کے فیصلہ کے دو تین روز کے بعد خواجہ صاحب کا ولایت سے تار آیا۔جس کا مضمون یہ تھا کہ مولوی صدرالدین کو فوراً بھیج دو۔ مفتی محمد صادق صاحب نے مجھے تار دیا کہ حضرت صاحب کو (یہ تار) دو۔

میں نے اس خیال سے کہ خواجہ صاحب مددگار کے معاملہ میں ہمیشہ اپنی رائے بدلتے رہے ہیں۔اور آخری خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ میں اب قطعی طور پر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مولوی شیر علی صاحب ہی میرے لئے سب سے زیادہ موزوں ہیں۔اوراب انہوں نے پھر مولوی صدرالدین صاحب کا نام لکھ دیا ہے۔ فیصلہ بھی ہو چکا تھا۔ان کو اطلاع بھی دی جا چکی تھی۔ میں نے اس خیال سے، کہ حضرت صاحب کو خواجہ صاحب کے اس معاملہ میں عدم استقلال رائے کا افسوس ہوگا،صرف اتنا عرض کر دیا کہ خواجہ صاحب کا مددگار کے متعلق تار آیا ہے۔ اس پر اسی وقت مفتی محمد صادق صاحب نے میرے ہاتھ سے تار لے کر ان کو اس کا ترجمہ کر کے سنا دیا کہ خواجہ صاحب نے لکھا ہے کہ مولوی صدرالدین صاحب کو فوراً روانہ کردو۔ یہ سن کر حضرت صاحب خاموش ہورہے۔ اور کچھ نہ فرمایا۔

7۔اس واقعہ کے بعد جتنی دفعہ مولوی شیر علی صاحب حضرت نورالدین کے پاس آئے انہوں نے ان سے ولایت کی روانگی کے متعلق فرمایا اور ہمیشہ آمادگی ظاہر کرتے رہے۔ وفات سے دو تین روز پیشتر مولوی شیر علی صاحب ،مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اس دن حضرت صاحب کے گلے میں کچھ تکلیف تھی۔ بول نہ سکتے تھے۔آپ نے مولوی شیر علی صاحب کا ہاتھ زور سے پکڑ لیا۔اوراشارہ سے پوچھا کہ اب کیا صلاح ہے۔مولوی محمد علی صاحب نے عرض کی کہ آپ لاہور سفر کے لئے کپڑے بنوانے کے لئے جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ اسی لئے حاضر ہوئے ہیں۔اس پر حضرت صاحب نے ہاتھ کے اشارہ سے اطمینان ظاہر فرمایا اور پھر ہاتھ چھوڑا۔

واقعات یہی ہیں جو عرض کر دیئے گئے ۔اس کے علاوہ مولوی شیر علی صاحب نے صدرانجمن احمدیہ میں رخصت کے لئے جو درخواست دی، اس میں یہ الفاظ لکھے کہ چونکہ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح نے خواجہ صاحب کی امداد کے لئے ولایت جانے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔اس لئے مجھے دو سال کی رخصت دی جاوے۔ پھر اپنی جگہ سیکرٹری صدرانجمن کا انتظام کرنے کے لئے جو درخواست دی اس میں بھی یہی لفظ لکھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے مجھے ولایت جانے کا حکم دیا ہے۔

اب حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کی خلاف ورزی کے لئے اگر کوئی نامعقول بہانہ تلاش کیا جاوے تو یہ امر فتوے کے بالکل خلاف ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جوں جوں حضرت صاحب کی علالت بڑھتی گئی مولوی صاحب کی

نیت ولایت جانے کے متعلق سست ہوتی گئی۔ اور حضرت صاحب کے دفن کے اگلے روز ہی نواب محمد علی خاں صاحب، مولوی محمد احسن صاحب امروہی اور خلیفہ رشید الدین صاحب کی دستخطی درخواست صدر انجمن میں پہنچی کہ مولوی شیر علی صاحب کو ولایت نہ روانہ کیا جاوے۔ اگر کسی کا ولایت جانا ضروری ہو تو مولوی صدر الدین صاحب کو بھیجا جاوے۔ وغیرہ وغیرہ۔

31 مارچ کو خود مولوی شیر علی صاحب نے اپنی رخصت کی منسوخی کے لئے درخواست دی۔ اور اس میں خواجہ صاحب سے معتقدات میں فرق کو ان کے ساتھ کام نہ کر سکنے کی وجہ بیان فرمائی۔ پھر صدر انجمن کے جلسہ میں صاحبزادہ صاحب اور ان کے چھ حاضر الوقت مریدوں نے حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کو منسوخ کرنے کے لئے بہت زور کے ساتھ فیصلہ کیا۔ اور نہایت تحکم سے سید حامد شاہ صاحب کی رائے کو، جو حکم کی منسوخی کے خلاف تھی، محسوب نہ کیا۔

منکر خلافت کون ہے: اب افسوس تو اس بات کا ہے کہ الزام ہمارے اوپر لگایا جاتا ہے کہ لاہوری احباب و مولوی محمد علی صاحب منکر خلافت ہیں اور خلیفہ کو مطاع نہیں مانتے۔ مگر افسوس ہے کہ جس نے خود حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کے خلاف کیا ہے، وہ اپنے احکام کی تعمیل کی کیا اُمید رکھ سکتے ہیں۔ اور حالانکہ کل قوم نے ان کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔

صاحبزادہ صاحب ہمیشہ سلف صالحین کا نمونہ پیش کیا کرتے ہیں۔ وہاں تو حضرت نبی کریم ﷺ کے وصال پر باوجود سخت فتنہ کے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اُسامہؓ کے ماتحت 20 ہزار کا لشکر روانہ کر دیا تھا۔ اور نبی کریم ﷺ کے حکم کے خلاف پسند نہ کیا تھا۔ حالانکہ مکہ اور مدینہ میں کثرت سے لوگ مرتد ہو چکے تھے۔ مگر میاں صاحب نے ایک متنفس کو بھی حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کے ماتحت اپنے بعض مصالح سے ولایت بھیجنے سے روک دیا اور وجہ اختلاف عقائد بتلائی۔ حالانکہ قرآن مجید تو ہم کو اہل کتاب سے بھی متفق علیہ امور میں مل کر کام کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ چہ جائیکہ ایک احمدی دوسرے احمدی کے ساتھ مل کر کام نہ کر سکے۔ ''بہ بین تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا'' انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اگر صاحبزادہ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کی تعمیل کو ضروری نہیں سمجھا تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس کی تعمیل کریں گے۔

14 اپریل 1914ء

ضمیمہ پیغام صلح

حضرت مسیح موعود کیا فرماتے ہیں؟

آج قریباً ایک ماہ گزرتا ہے کہ متعدد تحریریں مسئلہ خلافت پر نکل چکی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے احباب اصل مسئلہ تنقیح طلب کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ بڑے بڑے نکات اور لطائف بیان کئے جاتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود کی الوصیت اور ان کے اپنے ہاتھ کی تحریر سے، جس کا فوٹو بھی شائع ہو چکا ہے، ہمارے احباب نے اس طرح منہ پھیرا ہوا ہے کہ گویا یہ بات قابل توجہ ہی نہیں۔ ہمارے مکرم دوست مولوی شیر علی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت کے الفاظ اور آپ کے بعض دیگر کلمات پر چار صفحوں میں بحث کی ہے اور عجیب استدلال کئے ہیں۔ مثلاً یہ کیا عجیب استدلال ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے چونکہ اپنی وصیت میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں کہ کوئی ان کا جانشین ہو وہ حضرت صاحب کے پرانے اور نئے دوستوں سے نیک سلوک کرے اور چشم پوشی نرمی اور درگزر سے کام لے۔

مولانا شیر علی صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانشین کوئی بااختیار خلیفہ ہو۔ کیونکہ چشم پوشی نرمی اور درگزر اختیار اور طاقت کا نتیجہ ہیں۔ حالانکہ مولانا خود بھی جانتے ہیں کہ چشم پوشی، نرمی اور درگزر اور اپنے بھائیوں سے نیک سلوک کرنا یہ ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ اور ہر ایک شخص اپنے مرتبہ کے موافق اس کو انجام دے سکتا ہے۔ کیا خود آپ کے لئے یہی حکم نہیں ہے کہ آپ حضرت صاحب کے پرانے اور نئے دوستوں سے نیک سلوک کریں؟ یا آئندہ کے لئے نیک سلوک چشم پوشی اور درگزر کی صفات صرف خلیفہ کے وجود میں ہی پائی جایا کریں گی۔ اور اگر آپ کی رائے یہی ہے کہ جب تک ایک شخص کو پہلے یہ اختیار نہ دیا جاوے کہ وہ جس کو چاہے مار سکے اور جس کا چاہے مال لے سکے اور جو بدسلوکی کسی سے چاہے کر سکے تو اس وقت تک وہ نیک سلوک بھی نہیں کر سکتا اور نہ نرمی اور درگزر کی صفات دکھا سکتا ہے۔ تو یہ امور تو صرف ملکی طاقت، امور سلطنت سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور آج بااختیار خلیفہ بھی اس قسم کی نرمی اور درگزر دکھانے سے معذور ہے۔ ہاں! جس قسم

کا بااختیار خلیفہ آپ قائم کرنا چاہتے ہیں۔اس کا منشا مجھے تو صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلیفہ جس کو چاہے جماعت سے خارج کر سکے یا جس کے لئے چاہے بددعا کرے یا جس کی چاہے ہلاکت کی پیشگوئی کرے یا جس کو چاہے مال دے سکے۔سوان میں سے آخری شق تو ایسی ہے کہ اسی میں ہم کو اختلاف ہے۔اور وہ چشم پوشی اور نرمی اور درگزر کے نیچے بھی نہیں آتی۔کیونکہ مال دینے کو کوئی تعلق چشم پوشی اور درگزر سے نہیں۔باقی تین کے متعلق مولانا صاحب کے بعض بزرگ ممبروں کی طرف مولانا کے نزدیک اشارہ پایا جاتا ہے۔مگر کیا درحقیقت ان ''بزرگ اراکین'' کے ساتھ یہی نیک سلوک اور نرمی اور درگزر تھی کہ ان کو پانچ دن کے اندر فاسق اور خدا سے دور کئے گئے اور ابلیس کے قائم مقام قرار دیا جائے۔

ایسا ہی اس اعلان میں، جو چھ ممبران صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے بطور ضمیمہ اخبار الحکم مورخہ 8 اپریل 1914ء شائع ہوا ہے، بجائے اس کے کہ الفاظ وصیت پر کچھ روشنی ڈالی جاتی یا حضرت مسیح موعود کی کوئی تحریر پیش کی جاتی۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اپنے بعد کوئی خلفاء کا سلسلہ ضروری قرار دیتے ہیں۔جن کی بیعت ہر ایک احمدی پر فرض ہو، وہی لعنت کرنے یا کسی کو منافق بنانے کا شوق نظر آتا ہے۔چنانچہ اس اعلان میں یہ بزرگ ممبران صدر انجمن تحریر فرماتے ہیں کہ پانچ ممبر تو اس بات پر مصر تھے کہ خلیفہ کوئی نہ ہو۔اگر ہو تو اس کی بیعت سب پر واجب نہ ہو اور وہ انجمن پر حاکم نہ ہو۔

اس خیال سے احباب اندازہ لگا سکتے ہیں کہ:

> ''ان ممبران کا ایمان حضرت خلیفۃ المسیح کے زمانہ میں کیا تھا۔اور یہ آپ کے ساتھ جس قدر اخلاص ظاہر کرتے تھے، اس میں کہاں تک سچائی تھی۔''

ان الفاظ میں ان پانچ ممبران انجمن کو صاف الفاظ پر بے ایمان اور منافق قرار دیا گیا ہے۔کیا ان الفاظ کا منہ سے نکالنا ان بزرگوں کے شایان شان تھا۔کیا یہ نہ ہو سکتا تھا کہ اس قسم کی باتوں کو وہ کسی اور طبقہ کے لوگوں کے لئے چھوڑ کر خود کوئی اصولی بات پیش کرتے؟ ان چند بزرگان میں سے جنہوں نے اس قول عظیم کو اپنے ذمہ لیا ہے۔چار بزرگ تو اہل بیت حضرت مسیح موعود میں سے ہیں۔اور نہیں تو کم از کم ہمارے حضرت مسیح موعود کے خادم ہونے کے لحاظ سے ہی انہیں مناسب تھا کہ ایسی باتوں سے بچتے اور سلسلہ میں ایک دوسرے کو منافق کہنے

اور لعنت کرنے کی بنیاد نہ ڈالتے۔مگر اب ہم شکایت کریں تو کس کی۔اور وہ بزرگ وہ ہیں جو فرشتہ کہلاتے ہیں۔ شاید ان کو دلوں کے حالات کا علم ہوگا۔لیکن یہ ان سب بزرگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگر آج وہ ان لوگوں کو، جنہوں نے سلسلہ کی خدمت میں کسی طرح پہلو تہی نہیں کی، منافق اور بے ایمان بنانے کے لئے تیار ہیں، تو جو آج بڑی بڑی خدمات کررہے ہیں، انہیں بھی کل اوروں کے منہ سے یہی باتیں سننے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ یہ دروازہ بند رہتا تو بہتر تھا۔مگر اس کو کھول کر بند کرنا پھر مشکل ہوگا بلکہ ناممکن ہوگا۔اور اگر آج کسی خیالی کامیابی کے نشہ میں یہ بات بعض لوگ سننے کے لئے تیار نہیں، تو وہ وقت بھی ضرور آئے گا کہ اس پر پچھتانا پڑے گا۔

بار بار یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں کیا پروا ہے۔ جماعت کے بڑے حصہ نے بیعت کرلی ہے۔ایسا کہنے والے بزرگ یہ نہیں سوچتے کہ اگر بڑا حصہ کر بھی لے تو بھی یہ کوئی بڑی دلیل نہیں کہ انہوں نے صحیح راہ پر قدم مارا ہے۔مگر سردست تو ہمیں یہ بھی نہیں بتایا جاتا کہ کس قدر تعداد بیعت کنندگان کی ہے۔تاکہ ہم اندازہ کرسکیں کہ واقعی بڑے حصہ جماعت نے بیعت کی ہے یا نہیں۔حضرت مسیح موعود کے وقت میں جماعت کی تعداد چار لاکھ سے اوپر بتائی جاتی تھی۔ بلکہ پانچ لاکھ تک بھی لوگ کہتے تھے۔اب یہ کہنا کہ بڑے حصہ جماعت نے بیعت کرلی ہے۔ اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اور نہیں تو کم از کم تین لاکھ نے ہی بیعت کرلی ہے۔تاکہ نصف سے تو زیادہ تعداد جماعت میں سے بیعت کنندگان کی ہوجاوے۔

اس وقت جس قدر کوشش بیعت لینے کی کی گئی ہے وہ انتہا درجہ کی کوشش ہے۔ بیعت لینے کے لئے دور دراز مقامات میں خود پہنچے ہیں۔حتیٰ کہ مدراس تک بھی پہنچے ہیں۔ ہندوستان میں بھی میرے مکرم بھائی مفتی محمد صادق صاحب دورہ کررہے ہیں۔اور پنجاب میں تو بعض مقامات پر چار چار دفعہ وفد گئے ہیں۔اور شاید کوئی کونہ ایسا ہندوستان میں نہ رہا ہو، جہاں پورے طور پر کوشش نہ کی گئی ہو۔تعداد بیعت کنندگان کسی اخبار میں شائع بھی ہوئی تھی؟ اس لئے اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے کہ جماعت کا بڑا حصہ بیعت کرچکا ہے۔اب تک کل تعداد بیعت کنندگان کا اعلان ہوجانا چاہئے۔ کیونکہ اس سے یہ فیصلہ ہوسکے گا کہ کل جماعت احمدیہ میں سے کس قدر حصہ مؤمنین کا ہے اور کتنے فاسق ہیں اور کتنے ہیں جو اس نئے مرکز وحدت پر جمع ہوگئے ہیں۔اگر پچاس ہزار کی تعداد بھی پوری کردی جائے تو ہم سمجھ لیں گے کہ دسواں حصہ جماعت ہی بڑا کہلایا جاسکتا ہے۔مگر جب تک کم سے کم تین

لاکھ کی تعداد پوری نہ ہو، جماعت کے بڑے حصہ کا دعویٰ محض دل کو خوش کرنے والا خیال ہی ہوگا۔ جس کی واقعات ایک ذرہ تائید نہیں کرتے۔ میرے مکرم احباب اپنے اعلان کے سر پر یہ شعر لکھتے ہیں ؎

کچھ تو خوف خدا کرو لوگو　　　　کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

میں تو اس قسم کے الفاظ کے استعمال سے حتیٰ الوسع بچتا ہوں۔ مگر میں اپنے مکرم احباب کی خدمت میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ وہ بھی خدا کے لئے غور کریں کہ وہ حضرت مسیح موعود کی الوصیت اور آپ کی دوسری تحریروں کو کیوں پس پشت ڈال رہے ہیں۔ اگر اور تحریروں میں انہیں نکات اور لطائف ملتے ہیں تو یہاں صراحت موجود رہے۔ ساری الوصیت کو پڑھو۔ کیا اس میں یہ ذکر ہے کہ میرے بعد ضرور ہے کہ ایک خلیفہ ہو جو سب احمدیوں سے بار بار بیعت لیا کرے؟

بلکہ ساری الوصیت کے پڑھنے اور حضرت صاحب کی دوسری تحریرات کو، جو انجمن کے متعلق ہیں، پڑھنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے ذہن میں ہرگز کوئی ایسا خلفاء کا سلسلہ نہ تھا جو انجمن کے مطاع ہوا کریں۔ اگر آپ کے ذہن میں یہ بات ہوتی تو ضرور کہیں نہ کہیں ایسا لفظ آپ کی قلم سے نکل جاتا جو اس خیال کا مؤید ہوتا۔ مگر باوجود یہ کہ اپنے بعد کے انتظام کے متعلق صراحتاً کئی جگہ حضرت مسیح موعود نے لکھا۔ ہر جگہ انجمن کے متعلق ہی لکھا اور خلیفہ کے لفظ کا اشارہ تک بھی نہیں کیا۔

اوّل: سب سے پہلے خود الوصیت کو دیکھو۔ ضمیمہ میں فقرہ (18) کے الفاظ یہ ہیں۔

’’اگر کوئی کچھ بھی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ نہ رکھتا ہو اور بایں ہمہ ثابت ہو کہ وہ ایک صالح درویش ہے اور متقی اور خالص مؤمن ہے اور کوئی حصہ نفاق یا دنیا پرستی یا قصور اطاعت کا اس کے اندر نہ ہو تو وہ بھی میری اجازت سے یا میرے بعد انجمن کی اتفاق رائے سے اس مقبرہ میں دفن ہو سکتا ہے۔‘‘

اگر مسیح موعود کے ذہن میں اپنے بعد کوئی خلفاء کا سلسلہ تھا تو اپنے بعد ’’انجمن کی اتفاق رائے‘‘ کا لفظ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ میرے بعد میرے خلیفہ کی اجازت سے ایسا ہو سکے گا۔

دوم: پھر اس تحریر میں جو اختیارات انجمن کے متعلق ہیں اور جس میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ بعض دینی امور میں مجھے صرف اطلاع دی جائے آخر پر لکھا ہے:

''اور یہ صورت صرف میری زندگی تک ہے اور بعد میں ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔''

یہاں بھی اول اپنی زندگی کا ذکر کر کے پھر اپنے بعد کا ذکر کیا تو کسی خلیفہ کا نام نہیں لیا۔ دنیا میں کسی دانشمند کے سامنے ان الفاظ کو رکھو کیا ان سے سوائے اس کے کوئی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے ذہن میں کوئی خلفاء کا سلسلہ نہ تھا جو انجمن پر حکمران ہو۔ اگر خلفاء کا کوئی ایسا سلسلہ آپ کے ذہن میں ہوتا تو آپ یوں فرماتے کہ بعد میں میرے جانشین کو ایسی اطلاع دے دی جایا کرے۔

سوم: اس کے بعد قواعد صدر انجمن احمدیہ کو دیکھو جو سب سے پہلے خود حضرت مسیح موعود کے دستخط سے شائع ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اخبار الحکم سے صاف ظاہر ہے۔ ان قواعد میں جہاں اراکین مجلس معتمدین کے تقرر وغیرہ کا ذکر ہے۔ قاعدہ (8) اور (9) کے یہ الفاظ ہیں۔

''8۔ اراکین مجلس کا تقرر حسب ضرورت جدید انتخاب یا ان کا اخراج یا تعداد اراکین میں کمی بیشی کل عالی جناب حضرت مرزا غلام احمد صاحب سلمہ مسیح موعود بانی سلسلہ اپنی زندگی میں خود کریں گے۔''

''9۔ عالی جناب حضرت مسیح موعود کے بعد یا ان کی زندگی میں ان کی اجازت سے کمی بیشی تعداد ممبران تقرر ممبران یا اخراج یا انتخاب جدید حسب ذیل ہوگا۔''

اس کے بعد جو قواعد اس کے متعلق مقرر کئے ہیں ان میں کسی خلیفہ کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اشارہ تک نہیں اور وہ قواعد ہرگز اجازت نہیں دیتے کہ کوئی خلیفہ مطاع انجمن ہو۔ اب کم سے کم یہ تین مواقع ہیں جن میں صراحت سے حضرت مسیح موعود نے اپنے بعد کے انتظام کا ذکر کیا۔ خدا کے لئے بتاؤ کہ ان کے ذہن میں کوئی سلسلہ خلفاء تھا۔ تو ان موقعوں پر کیوں نہ صرف ان خلفاء کی طرف اشارہ تک بھی نہ کیا، بلکہ ایسا انتظام تینوں موقعوں پر قرار دیا

جو کسی خلیفہ کا، جو مطاع انجمن قرار دیا جا سکے، مانع رہے۔

اس قدر صراحت کے ہوتے ہوئے ہمارے مکرم احباب کا اس طرف توجہ نہ کرنا خالی از علت نہیں۔ کیا حضرت مسیح موعود کی تحریر کسی شخص نے منسوخ کر دی ہے؟ کیا اس صفائی کے ساتھ اس کے کوئی اور معنے ہو سکتے ہیں۔ بار بار یہ کہتے جانا کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب مغفور و مرحوم کے ہاتھ پر کیوں بیعت کی تھی اور بانی سلسلہ کی تحریروں کو پس پشت پھینکنا، کیا یہ جائز ہے۔ اس بیعت کی تشریح میں تو بارہا کر چکا۔ مگر میرے مکرم دوست بھی خدا کے لئے حضرت مسیح موعود کے الفاظ کی کوئی تشریح کر دکھائیں جس سے خلفاء کے سلسلہ کا لزوم ثابت ہو۔ ورنہ اصل بحث کو ٹال کر بار بار نئے سوال پیدا کرنا یہ انصاف کا طریق نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود کی تحریروں کو، اگر ان میں صراحت موجود ہے، سب پر مقدم کرنا پڑے گا اور دوسری تمام باتوں کو ان تحریروں کے ماتحت کرنا پڑے۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

16 اپریل 1914ء

اداریہ

مرزا محمود احمد صاحب کے نام ایک کھلی چٹھی

(ایک دردِ دل رکھنے والے احمدی کے قلم سے)

میں نے اکثر مضامین میں دیکھا ہے کہ صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب اپنے خلافت کے منکروں پر آیت استخلاف کی وعید **مَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ** (55:24) لگا کر لوگوں کو ڈراتے رہتے ہیں۔ چونکہ خلافت پر از روئے الوصیت کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں اب اس کی مزید تشریح کی حاجت نہیں ہے۔ اگر کوئی مزید اطمینان چاہے تو الوصیت اُن کے واسطے موجود ہے۔ مگر باوجود دعویٰ خلافت وعلمیت کے مجھے تعجب آتا ہے کہ صاحبزادہ صاحب اس وعید کو اپنے خلافت کے منکروں پر لگاتے ہیں۔ اور ذرا واقعات زمانہ اور قرآن کریم پر تدبر نہیں کرتے کہ وہ خود کس ابتلا میں اپنے آپ کو ڈال رہے ہیں۔ اگر اوروں پر نہیں تو لِلّٰہ اپنی جان اور اپنے ہم خیال بھائیوں کے حال پر رحم کریں۔ کیونکہ بعض کم عقل اشخاص اس کو بہت عام مشتہر کر کے دیگر لوگوں کے تمسخر اور خدا کے عذاب کے مستحق اور سزاوار بنتے جاتے ہیں۔

میں فاسق کے لفظ کی وہ تشریح کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کی ہے **وَھُوَ ھٰذا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَۃً فَمَا فَوۡقَھَا فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّھِمۡ ج وَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَیَقُوۡلُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا م یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا وَّیَھۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا وَمَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ. الَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَھۡدَ اللّٰہِ مِنۡ بَعۡدِ مِیۡثَاقِہٖ وَیَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَیُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ** (2:26-27)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ مؤمن کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں بیان فرماتا ہے: **اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا وَجٰھَدُوۡا بِاَمۡوَالِھِمۡ وَاَنۡفُسِھِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوۡنَ** (15:49)

اسی سورۃ الحجرات کی آیت 11 اور 13 میں فیصلہ کن ذکر ہے۔ سمجھنے کے لئے اس کو مفصل دیکھنا چاہئے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِیۡمَانِ وَمَنۡ لَّمۡ یَتُبۡ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ (11:49) اس سے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰۤاَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّ اُنۡثٰی وَ جَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ (13:49)

پس میں دل کے درد سے صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خلافت کی خواہش میں حد اعتدال سے نہیں بڑھ جانا چاہئے۔ کیا جن لوگوں نے ایمان کی شرائط کو لفظ بہ لفظ اپنے اوپر پورا کیا ہے اور خود مسیح موعود اور زمانہ اُس کی شہادت دے رہا ہے کہ ان میں سے اکثر اصحاب نے اس طرح اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ (15:49) کیا ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی اُمیدوں کو چھوڑا، بال بچے کو چھوڑا، ناز ونعمت کو چھوڑا اور کسی شخص نے خدا کے مامور کے دروازہ پر دھونی لگادی اور کسی نے کالے سمندر پار اپنے آپ کو گنوادیا، وہ فاسق ہوئے۔ اور جو لوگ اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے ہوئے خیرات وصدقات کی آمدنی سے اپنا گزارہ کرتے ہیں اور دین اُن کا ذریعہ آمدنی وخوراک وعزت وآبروئی کا بنا ہوا ہے، وہ مؤمنین ومتقین ہیں۔ سبحان اللہ! یہ کیسی دلیری ہے! اور خدا کے خوف سے لاپرواہی ہے!!

آیات مذکورہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو مؤمن کو فاسق کہتا ہے وہ ظالم ہے۔ اور ظالم کی سزا کا ذکر قرآن شریف میں اکثر آتا ہے۔ پس جلد بازی میں اور اپنی خواہشوں کی پیروی میں ہلاکت کے گڑھے میں نہیں پڑنا چاہئے۔ مجھے ڈر ہے کہ فاسق کی تشریح فاسق کہنے والوں پر نہ پڑے۔ کیونکہ ایک فریق اپنے آپ کو ان کے ساتھ جوڑ کر صاحبزادہ صاحب کو باوجود اختلاف خلیفہ بیعت (از غیر احمدی) مقرر کرتا ہے۔ مگر دوسرا فریق اس کو فاسق کہہ کر قطع تعلق کرتا ہے۔ ایک فریق مسیح موعود کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کرتا ہے کہ ہم اس کی تابعداری کریں گے اور اس میں الوصیت کو مضبوط پکڑتا ہے۔ اور دوسرا فریق اس الوصیت کو پس پشت ڈالتا ہے۔ ایک فریق اخوت کا دعویٰ کر کے صاحبزادہ صاحب کو اپنا امیر مقرر کرنا چاہتا ہے۔ اور اس طرح دفع شر کے واسطے ایک وفد ان کے خدمت میں بندگانِ قوم کا پہنچنا چاہتا ہے۔ مگر دوسرا فریق اس کو رد کرتا اور ان کے برخلاف قسم قسم

کے ناواجب فتوے دے کر فساد بڑھاتا ہے۔غرضیکہ انصاراللہ کی جماعت اور موجودہ حامیان خلافت ہی بنائے فساد ہیں۔علاوہ ازیں مؤمنوں کو الاسم الفسوق سے یاد کرنا ظالموں کا کام ہے۔

پس یہ بڑے خطرناک الفاظ ہیں اور بڑا خطرناک کام ہے جن میں صاحبزادہ صاحب اور ان کے پیروؤں نے قدم مارا ہے۔یا رب العالمین! ان کو اس سے بچا اور اپنی رضامندی میں ان کو جگہ دے۔چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے سب کی فضیلت کو صرف ذریعہ شناخت قرار دیا ہے۔اس میں اُس کی تسلی فضیلت کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا۔البتہ اس قدر کہہ سکتا ہوں اور خود صاحبزادہ صاحب سمجھ سکتے ہیں کہ از روئے خدمات دینی وایثار مال و جان وتقویٰ و پرہیزگاری بہت آدمی صاحبزادہ صاحب سے بڑھے ہوئے موجود ہیں۔جنہوں نے صاحبزادہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے۔لیکن مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔پس کیا وہ سب فاسق ہو گئے؟

اس قدر جلدی تو حضرت مامور من اللہ نے بھی نہیں کی تھی۔جو وحی والہام پا کر کھڑے ہوئے تھے۔پس میں اُمید کرتا ہوں کہ صاحبزادہ صاحب ان سے رجوع فرمائیں گے۔اور اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ کو فَرَّقُوْا کا مصداق نہ بنائیں گے۔

الہامات ذیل کو جو مسیح موعود کو ہوئے تھے صاحبزادہ کا فریق اُن کے حق میں نازل شدہ بیان کرتا ہے:
ذریّة طیّبة، اُولُوالْعَزْمِ ، فَضْلُ عُمَرَ۔ ذریّة طیّبة کے واسطے تو خاص شرط ہے کہ وہ وحی والہام پا کر کھڑا ہوگا اور صاحبزادہ صاحب نے تا حال ایسا نہیں کیا ہے۔اس لئے اس کا مصداق تا حال وہ نہیں ہیں۔

اولوالعزم ہونے میں کس کو انکار ہے۔مگر اولوالعزم کے معنے خلیفہ کے تا حال کسی نے نہیں کئے ہیں۔اور نہ ہم ایسے معنے کرنے کے لئے تیار ہیں۔البتہ صاحبزادہ صاحب میں اولوالعزم کی صفات موجود ہیں۔جس بات کا ایک دفعہ عزم کر لیویں پھر اُس کو بدلاتے نہیں۔اس کو کل جماعت جانتی ہے۔محمود اول کی وفات پر مخالفوں نے طعن وتشنیع کیا۔حضرت صاحب کو الہام ہوا کہ دوسرے محمود کے پیدا ہونے کا فضل تم پر ہوگا اور وہ صاحب عمر ہوگا۔پس وہی پورا ہوا۔ورنہ صاحبزادہ صاحب اور حضرت عمر خلیفہ ثانیؓ میں کسی بات کی بھی مماثلت نہیں ہے۔زیادہ تشریح سے توہین پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کو ترک کرتا ہوں۔مگر اسلام کی تواریخ کے پڑھنے والے اس کو بخوبی جانتے ہیں۔

صاحبزادہ صاحب کے طرف دار خوشی اور جوش کی لہر میں کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کا الہام ہے کہ چھوٹے بڑے کئے جائیں گے اور بڑے چھوٹے کئے جائیں گے۔ اگر واقعی یہ الہام حضرت صاحب کا ہے۔ تو ہمارا ایمان ہے کہ اس کا وقوع ہو گیا۔ کیونکہ مولانا محمد احسن صاحب امروہی وہ بزرگ ہیں، جن کو حضرت صاحب نے فرشتہ سے تشبیہ دی ہے اور انہوں نے سلسلہ کی بڑی بڑی خدمات کی ہیں۔ اور ان کی عزت و بزرگی میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس خان صاحب نواب محمد علی خاں اول المھاجرین ہیں۔ علاوہ از خدمات دینی حضرت صاحب کے دوہرے رشتہ دار اور خاندان میں اعلیٰ درجہ کے اشراف اور دنیا میں کافی وجاہت رکھتے ہیں۔ اور عمر بھی بَلَغَ اَشُدَّہٗ (14:28) تک پہنچی ہوئی ہے۔ اسی طرح میر ناصر نواب صاحب و محمد اسمٰعیل صاحب اور اصحاب مہاجرین و انصار کو لے لیویں۔ جن کی نسبت خود حضرت صاحب نے بہت سے تعریفی الفاظ استعمال کر دیئے ہیں۔ سب کے سب نے صاحبزادہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنے آپ کو اُس کی غلامی میں دے دیا۔ اور اس کے واسطے اُن کے پاس کوئی وجوہ نہیں ہیں۔ اب وہ پچیس سال کے نوعمر جوان کے غلام ہیں۔ اُن کی رائے وغیرہ کچھ بھی باقی نہیں۔ کیونکہ وہ موجودہ خلیفہ صاحبزادہ صاحب کے ساتھ کامل اطاعت کی بیعت کر چکے ہیں۔ پس وہ ایک گونہ ایک بچے کے دائمی غلام بن گئے۔

دوسری طرف دوسرے فریق کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بچا لیا۔ مسیح موعود کی وصیتوں پر آپ نے انجمن کی بنیاد رکھی اور آزادی سے خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کا جانشین بن کر اشاعت کا کام شروع کر دیا ہے۔ اور باہمی اخوت کا عہد اس طرح کیا ہے جس کی مثال دنیاوی رشتوں میں نہیں ہوگی۔ اور حضرت مسیح موعود کی بیعت میں ہیں۔ پس اب بتلایا جاوے کہ چھوٹا کون ہوا۔ اور بڑا کون؟

21اپریل1914ء

ضمیمہ پیغام صلح

صدر انجمن احمدیہ قادیان

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ (156:2)

تَحۡسَبُوۡنَہٗ ہَیِّنًا وَّ ہُوَ عِنۡدَ اللّٰہِ عَظِیۡمٌ (15:24)

ترجمہ: تم اسے آسان سمجھتے ہو اور اللہ کے نزدیک یہ بہت بھاری ہے

برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں جانتا ہوں میری آواز کی اس وقت پروا نہیں کی جائے گی۔ مگر میں اپنا پیغام مختصر لفظوں میں پہنچا کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو حضرت مسیح موعود نے اپنے ہاتھوں سے 1906ء میں قائم کیا تھا اور اس کے اغراض اس کے سب سے پہلے قاعدہ میں بدیں الفاظ موجود ہیں۔

☆ انجمن ہذا کے اغراض حسب ذیل ہوں گے۔ اشاعت اسلام، تعلیم دینی ودنیوی، انتظام قبرستان، تقسیم زکوٰۃ، امور متفرقہ متعلقہ سلسلہ عالیہ احمدیہ۔

12 اپریل 1914ء کو صاحبزادہ صاحب کے حکم سے سلسلہ احمدیہ کے چند افراد کے ایک خاص جلسہ میں، جس میں صرف صاحبزادہ صاحب کے بیعت کردہ چند ممبر بلائے گئے، اس حضرت مسیح موعود کے اپنے الفاظ میں خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین انجمن پر وہ تبر چلایا گیا جس سے اس کی جڑیں کاٹ دی جانی تجویز ہوئی ہیں۔ یعنی یہ تجویز کی گئی کہ انجمن ہذا کے اصولی قواعد کے قاعدہ 18 میں جو حسب ذیل ہے۔

''18۔ ہر ایک معاملہ میں مجلس معتمدین اور اس کی ماتحت مجلس یا مجالس اگر کوئی ہوں اور صدر انجمن احمدیہ اور اس کی کُل شاخہائے کے لئے حضرت مسیح موعود کا حکم قطعی اور ناطق ہوگا۔ الفاظ ''حضرت مسیح موعود کی

بجائے حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی'' درج کئے جاویں۔ اور یہ تجویز بذریعہ پانچ ممبران مجلس معتمدین اب 26 اپریل 1914ء کے اجلاس معتمدین میں پیش کی گئی ہے۔ جہاں صاحبزادہ صاحب اپنے بیعت کردہ ممبران کی کثرت رائے سے اسے پاس کرالیں گے۔ اور اس طرح انجمن احمدیہ قادیان کا عملی رنگ میں خاتمہ ہوجائے گا۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اس طرح پر سلسلہ کو توڑ کر گدی قائم کر لی جائے گی۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک گول مول تحریر پر، جس کا مطلب ناخواندہ تو ایک طرف رہے خواندہ لوگوں کو بھی معلوم نہیں ہوسکتا، جا بجا دستخط کرائے جا رہے ہیں۔ اور وہ تحریر یہ ہے کہ:

> ''قواعد انجمن کی دفعہ 18 میں الفاظ حضرت مسیح موعود کی بجائے حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی درج کئے جاویں۔''

حالانکہ نہ لوگوں کو یہ علم ہے کہ قاعدہ (18) قواعد انجمن کا کیا ہے اور نہ یہ پتہ ہے کہ ان الفاظ کی تبدیلی کا کس قدر دور پہنچنے والا اثر انجمن پر پڑتا ہے۔ اور اس میں کہاں تک صریح خلاف ورزی حضرت مسیح موعود کے احکام کی ہے۔ سو میں ان امور کے متعلق احباب کو اطلاع دیتا ہوں اور انہیں دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد یاد دلا کر یہ کہتا ہوں کہ وہ خدا کے لئے دھڑا بندی کو چھوڑ دیں اور سلسلہ کی تباہی کا سامان اپنے ہاتھوں سے نہ کریں۔

اول: حضرت مسیح موعود کے کھلے احکام کو لیں اسی انجمن کے متعلق حضرت صاحب نے 27 اکتوبر 1907ء کو یہ تحریر فرمایا جس کا عکس بھی شائع ہو چکا ہے۔ کہ:

> ''میرے بعد ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔''

اب اس نئی تجویز کی رُو سے انجمن کا اجتہاد کافی نہ رہا۔ بلکہ صاحبزادہ صاحب جو کچھ چاہیں انجمن کو حکم دیں اور انجمن اس کی پابند ہوگی۔ اس سلسلہ کے لئے تباہ کن تجویز کو عجیب عجیب رنگوں میں خوشنما بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ اور پھر کہا جاتا ہے کہ یہ وہ انجمن ہی نہیں جس کے لئے حضرت صاحب نے یہ تحریر دی تھی۔ حالانکہ جب سے الوصیت لکھی گئی، صدر انجمن کے نام سے ایک ہی انجمن قائم ہوئی اور رہی۔ ہاں! اس کے ماتحت مختلف کمیٹیاں اور مجالس وقتاً فوقتاً بنتی رہیں۔ اور پھر اس سے بڑھ کر اور کیا شہادت بکار ہے کہ رسالہ ''خلافت احمدیہ'' میں، جو ابھی

چند ماہ ہوئے صاحبزادہ صاحب نے اپنی قلم سے لکھا تھا۔ گو وہ چند انصار اللہ کے نام پر، جن میں سے بہت سے اس کے مضمون سے قطعاً بے خبر تھے، شائع ہوا، صفحہ 24 پر صاف طور پر اس تحریر کو اسی انجمن کے متعلق تسلیم کیا ہے۔ اور صاحبزادہ صاحب کے اپنے خیال کی رُو سے یہ انجمن زیادہ سے زیادہ صرف ایسے شخص کا حکم مان سکتی ہے، جس کو تمام افراد سلسلہ احمدیہ اپنا مطاع اور خلیفہ مان لیں۔ چنانچہ اسی صفحہ کے حاشیہ پر یہ مرقوم ہے:

> ''پس انجمن کو بہرحال سلسلہ احمدیہ کی ہدایات کے ماتحت کام کرنا پڑے گا۔ اور جس شخص کو تمام افراد سلسلہ احمدیہ کے اپنا مطاع اور خلیفہ مان لیں گے اُس کا حکم گویا سلسلہ احمدیہ کا حکم ہوگا۔''

گو مجھے تو اس سے بھی اتفاق نہیں اور نہ ہی اصولاً حضرت صاحب کی اس کھلی کھلی تحریر کی موجودگی میں کہ ''میرے بعد ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔'' انجمن کے لئے بحیثیت انجمن کسی فرد واحد کا حکم سوائے حضرت مسیح موعود کے احکام کے قابل تسلیم ہوسکتا ہے۔ لیکن صاحبزادہ صاحب کی اپنی تحریر کے رُو سے بھی ایسے خلیفہ کا حکم انجمن کے لئے قابل تسلیم نہیں ہوسکتا، جس کو تمام افراد سلسلہ احمدیہ نے اپنا مطاع اور خلیفہ تسلیم نہ کیا ہو۔ پس جب تک سلسلہ احمدیہ کے پانچ لاکھ افراد میں سے ایک کی آواز بھی صاحبزادہ صاحب کی خلافت کے خلاف اُٹھ رہی ہے، وہ اپنے آپ کو انجمن کا مطاع تسلیم کرانے میں نہ صرف حضرت مسیح موعود کی تحریروں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، بلکہ اپنے اقرار سے بھی پھر رہے ہیں۔

دوم: سارے قواعد انجمن کو پڑھ لو۔ حضرت مسیح موعود کے بعد جو کارروائی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے وہ انجمن کو دیا گیا ہے۔ اور قواعد میں کسی خلیفہ کا ذکر چھوڑ اشارہ تک بھی نہیں۔ بلکہ ممبروں کے تقرر اور اخراج کے معاملہ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ مسیح موعود کے بعد صرف انجمن اپنے قواعد کے مطابق کارروائی کرے گی۔ اب آٹھ سال بعد ان الفاظ کا قواعد میں ڈالے جانا ان قواعد کی، جو حضرت مسیح موعود کے اپنے دستخط سے شائع ہوئے ہیں، صریح خلاف ورزی ہے۔

سوم: اگر اس تجویز میں ایک ذرہ بھر بھی سچائی ہوتی تو یہ ترمیم حضرت مسیح موعود کی وفات کے ساتھ ہی ہونی چاہئے تھی۔ کیونکہ اگر ایسی تبدیلی کا کوئی حق دار ہوسکتا تھا تو وہ بے نفس انسان ہوسکتا تھا، جس کے آگے کل قوم

نے متفق ہو کر اپنی گردنیں جھکا دی تھیں۔ نہ وہ شخص جو پانچ لاکھ آمیوں میں سے دسواں حصہ بھی ایسا نہیں دکھا سکتا، جس نے انہیں خلیفہ اور مطاع تسلیم کیا ہو۔ کیا یہ امر قابل غور نہیں کہ مسیح موعود کی بجائے خلیفہ ثانی کا نام آتا ہے اور خلیفہ اول کا نام مفقود ہے۔ اس سے اس تجویز کا اصل منشا معلوم ہو سکتا ہے۔

چہارم: حضرت خلیفۃ المسیح کے وقت میں بار بار یہ تحریک ہوئی کہ قواعد میں ایسی تبدیلی کی جائے۔ مگر اُس متقی انسان نے یہ گوارا نہ کیا کہ حضرت مسیح موعود کی کھلی تحریر کے خلاف عمل کرے اور ہمیشہ ایسی تحریکوں کو روکا۔ میرے سب سے پہلے اعلان میں ذیل کے لفظ پڑھ لو اور دیکھ لو کہ میں نے وقت پر اس خطرہ سے متنبہ کیا تھا:

''اس انجمن کو توڑنے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح کے ابتدائے ایام خلافت میں بڑی بڑی کوششیں کی گئیں۔ اور آخری کوشش بڑے زور شور سے یہ کی گئی کہ قواعد میں اس امر کو درج کیا جاوے کہ جو کوئی خلیفہ ہوا کرے۔ اس کے تمام فیصلے انجمن کے لئے قابل تعمیل ہوں۔ اور وہ انجمن کے ممبروں میں سے جسے چاہے نکال دیا کرے اور جسے چاہے داخل کر دیا کرے۔ جو دراصل انجمن کو توڑنے کے ہم معنی ہے۔ میں قوم کو اس خطرناک عنصر کے ارادوں اور منصوبوں سے صفائی سے اطلاع دیتا ہوں کہ اگر اس بات کو اب پھر اُٹھایا جائے تو ساری قوم کا فرض ہے کہ اس کا زور سے مقابلہ کرے۔ یہ سلسلہ پر وہ حملہ ہوگا جو اس کو بنیادوں تک صدمہ پہنچائے گا اور حضرت مسیح موعود کے ہاتھ سے لگائے ہوئے پودے کو جڑ سے اُکھیڑ دے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح کے وقت میں اس کے متعلق بعض لوگوں نے یہ کوشش کی مگر حضرت خلیفۃ المسیح اپنی فراست سے اصل غرض کو پہچان گئے اور انہوں نے اس بات کو ہرگز تسلیم نہ کیا۔''

اب دیکھئے کس قدر جلد میرے اس خیال کو قوم کے چند افراد نے ناعاقبت اندیشی سے اور دوسروں نے لاعلمی میں یا لاپروائی سے اُن کے ساتھ شامل ہو کر پورا کر دیا۔

پنجم: اگر یہ تجویز پاس ہو گئی تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ نہ صرف یہ کہ حضرت مسیح موعود کی کھلی تحریر کی کہ ''میرے بعد ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔'' خلاف ورزی ہوگی، حضرت خلیفۃ المسیح کی چھ

سال کی کوششوں پر جو ہمیشہ آپ نے اس تجویز کو روکنے کے لئے کیں پانی پھیرا جائے گا، بلکہ انجمن کالعدم ہو جائے گی اور حضرت صاحب کا یہ فیصلہ منسوخ ہو جائے گا کہ:

''میری تو یہی رائے ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہئے اور وہی قطعی ہونا چاہئے۔''

اب آئندہ اس ترمیم کے بعد نہ صرف کثرت رائے بلکہ انجمن کی اتفاق رائے کے فیصلے بھی ایک ایسا خلیفہ، جسے ساری قوم نے خلیفہ بھی تسلیم نہیں کیا، توڑ سکے گا۔ پس اگر انجمن اس وقت کثرت رائے سے یا میر مجلس کی زائد رائے سے اس تجویز کو قواعد میں داخل کر دے، تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ انجمن نے عملی طور پر اپنے آپ کو توڑ دیا۔ انجمن کا ایسا فیصلہ چونکہ اس کی اپنی جڑ کو کاٹنے والا ہے، اس لئے کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔ قوم کا فرض ہے کہ عملی رنگ میں اس فیصلہ کو تسلیم نہ کرے۔ اور جن لوگوں نے غلطی سے کسی ایسے کاغذ پر دستخط کر دیئے ہیں، وہ اب بھی سنبھل جائیں۔ انجمن کا ایسا فیصلہ قطعی ناجائز ہے جو حضرت مسیح موعود کے صاف اور کھلے فیصلہ کے خلاف ہو۔ حضرت صاحب تو یہ کہیں کہ انجمن کے کثرت رائے کے فیصلے قطعی ہوں گے اور انجمن یہ کہے کہ میرے فیصلے قطعی نہ ہوں گے بلکہ کسی اور شخص کے فیصلے قطعی ہوں گے، یہ نہیں ہوسکتا۔

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

20 اپریل 1914ء

28اپریل1914ء

ایک خطبہ جمعہ

(جو گذشتہ جمعۃ المبارک مورخہ 24 اپریل 1914ء کو جناب حضرت مولٰنا مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے مسجد احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس، لاہور میں پڑھا۔ایڈیٹر کے اپنے الفاظ میں)

تشہد،تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیٰنا نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

قُلْ اِنَّ صَلَا تِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ. (6:162-163)

ترجمہ: ''کہہ، میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں اور یہی مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔''

اور پھر آپ نے فرمایا کہ انسان کے پیش نظر جتنا اعلیٰ مقصد ہو۔اتنا ہی وہ اس کے حاصل کرنے کی جدوجہد کرتا اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوجاتا ہے۔لیکن اس کے برعکس اگر کوئی اعلیٰ غرض مدنظر نہ ہو تو انسان گر جاتا ہے اور کچھ بھی حاصل نہیں کرسکتا۔دیکھو! حضرت خلیفۃ المسیح فرمایا کرتے تھے کہ جب وہ اول مرتبہ حکمت پڑھنے کے لئے لکھنؤ پہنچے تو ان کے استاد نے ان سے پوچھا کہ کہاں تک پڑھو گے۔انہوں نے جواباً فرمایا کہ میں تو چاہتا ہوں کہ افلاطون بن جاؤں۔افلاطون کو آج بہت بڑا حکیم سمجھا جاتا ہے۔اس لئے ان کے استاد نے خوش ہوکر کہا کہ خیر! کچھ تو پڑھ لوگے۔اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ انسان کے پیش نظر جتنا عظیم الشان مقصد ہوا اتنا ہی وہ ترقی کرتا اور کامیاب ہوتا ہے۔

اسی اصول پر ہمارے نبی کریم ﷺ کو بھی حکم ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو اپنا نصب العین بنالیں کہ ان کی نماز اور قربانیاں جینا اور مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے۔یہ ایک ایسا اعلیٰ خیال ہے کہ اگر کوئی شخص اس پر کاربند ہونے کی کوشش کرے تو بہت ترقی کرسکتا ہے۔انسان ہر روز محنت کرتا اور بہت مشقت کے بعد روپیہ پیدا کرتا ہے۔لیکن اسے وہ اپنے پر ہی خرچ نہیں کرلیتا۔بلکہ اس کو اپنے بیوی بچوں کی تربیت اور پرورش میں بھی خرچ کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کا مادہ انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے۔پس اگر وہ اس قربانی کے

وقت اپنی نظر وسیع کرلے اور بجائے اس کے کہ وہ اپنا روپیہ دوسروں پر اس لئے خرچ کرے کہ وہ اس کے خویش و اقربا ہیں۔ اگر یہ نیت کرلے کہ میں یہ کام خالص اللہ کے واسطے کرتا ہوں تو یہ اس کے لئے ثواب کا موجب بھی ہو اور اسے اور زیادہ قربانیوں کی بھی توفیق ملے۔

اسی اصل پر کاربند ہو کر جب تک مسلمان اس اعلیٰ خیال کو دماغ میں رکھ کر کام کرتے رہے، اس وقت تک وہ کامیاب رہے اور پستی سے نکل کر دنیا میں کامیاب قوم بن گئے۔ لیکن جب انہوں نے اس مقصد کو نظر انداز کر دیا تو وہ گر گئے۔ پس اگر تم بھی کامیاب ہونا چاہتے ہو تو کسی اعلیٰ غرض اور اعلیٰ مقصد کو پیش نظر رکھو اور پھر کام کرو۔

دیکھو! اسی غرض کے لئے حضرت مسیح موعود مبعوث ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے اپنے صحیح نصب العین کو چھوڑ دیا تھا اور رذیل باتوں کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے آکر یہ عہد لینا شروع کیا کہ ''دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔'' پس اگر ہم اسی اصل پر کاربند ہو جائیں تو ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ ورنہ نہیں۔ دیکھو! یہ تم سے کوئی بہت بڑا عہد نہیں لیا گیا۔ اس جملہ کا مقابلہ ذرا متذکرہ بالا آیت کریمہ سے کرو اور پھر دیکھو کہ رسول کریم ﷺ کے پیش نظر کتنا عظیم الشان مقصد تھا اور تم سے کتنا کمزور عہد لیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تم میں اس سے بڑھ کر قدم اٹھانے اور نیکی کی سکت نہیں رہی۔ پس اس چھوٹی سی غرض کو پیش نظر رکھنے کا عہد کرنے کے بعد اگر ہم اس پر بھی قائم نہ رہیں تو ہم یقیناً گر جائیں گے اور کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے۔ لیکن اگر اس پر مضبوطی سے قدم مار کر اس میں پورا اترنے کی کوشش کریں گے تو اگر پورے طور پر نہیں تو کسی حد تک تو ضرور کامیاب ہوں گے۔

دیکھو! میری منشا اس وقت کسی خاص شخص یا فریق پر نکتہ چینی کرنا نہیں۔ میں نے یہ ایک اخلاقی وعظ کیا ہے آئندہ بھی اخلاقی وعظ ہی کیا کروں گا۔ اور اس میں میرا اپنا نفس بھی مخاطب ہے اور رہا کرے گا۔ کیونکہ میں بھی آخر کمزور انسان ہوں۔ اور دنیا میں مشکل سے ہی کوئی واعظ ایسا ہوگا، جس میں کوئی نہ کوئی کمزوری نہ ہو۔ اس لئے اگر واعظ وعظ کرتے وقت اس بات کو مد نظر رکھا کرے کہ میں وہ بات بیان نہ کروں جو مجھ اپنے میں نہیں ہے تو میرے خیال میں دنیا میں وعظ کا سلسلہ ہی بند ہو جائے۔ کیونکہ آخر وہ کون انسان ہے جس میں کوئی نہ کوئی کمزوری یا لغزش نہیں۔ پس واعظ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنے وعظ میں اپنے نفس کو بھی مخاطب رکھے۔

5 مئی 1914ء

مراسلات

حضرت خواجہ کمال الدین کا ایک تازہ خط

(جو گذشتہ 3 مئی 1914ء کو موصول ہوا)

برادران ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

یہ ہفتہ بھی مبارک ہی تھا۔ووکنگ کی مسجد کیا ہے۔جذبِ قلوب کے لئے ایک مقناطیس ہے۔اس اتوار تو اس قدر مخلوق تھی کہ نہ ہمارے پاس کرسیاں باقی رہیں اور نہ مسجد میں جگہ تھی ۔خالد شیلڈرک کی تقریر تھی ۔نہایت موزوں اور برجستہ اس نے تقریر کی ۔لیکن نہ معلوم یہاں کے سامعین کو میرے ساتھ کیا دلچسپی ہے۔وہ اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ میں کب اٹھوں۔ان کے چہروں پر ایک خاص قسم کی مسرت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ خالد شیلڈرک نے کوئی بیس منٹ میرے لئے چھوڑ دیئے اور میں نے ان کے لیکچر کی وضاحت کردی۔یہ یاد رہے کہ کل بارہواں لیکچر تھا۔یعنی تین ماہ گزر گئے اور سامعین کی ایک تہائی گویا مستقل آنے والی تھی۔ پھر بہت سی نوعمر خواتین برابر التزام سے آتی ہیں۔ حیران ہوں ان کے والدین بھی ان کی روک کا موجب نہیں ہوتے۔ جب یہ ہماری باتیں سنتی ہیں تو چہرہ ہشاس بشاش، چہروں پر کامل اور گہری توجہ۔بعض وقت حیرت ،بعض وقت خوشی اور مسرت۔ اور پھر مزہ یہ کہ آخری دم تک مکان سے کوئی اٹھتا نہیں۔

یہاں لیکچر نصف پون گھنٹہ ایک بھاری لیکچر سمجھا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ مذہب کو ان لوگوں نے خالی از دلچسپی سمجھا ہوا ہے اور یہاں تو خدا کے فضل سے مذہبی لیکچر دلچسپیوں سے ہوتا ہے۔حضرت جنید کی طرح میری بھی جناب باری سے یہی التجا ہے کہ مولا کریم میں ان کو تیرے دروازے پر لے آیا ہوں اور ان کے دلوں میں اسلام کی دلچسپی پیدا کردی۔اس کے آگے کا فعل جو ہے وہ میرا نہیں وہ تیرا ہے۔

اب اس فکر میں ہوں کہ کوئی چائے پانی کا انتظام کیا جائے۔لارڈ صاحب موصوف معہ کنبہ عموماً ہر اتوار کو آتے ہیں اور اور بھی مسلمان ہوتے ہیں۔ یہاں دستر خوان پر عموماً صلائے عام ہوتی ہے اور یہ ازبس مفید ہے۔ لارڈ صاحب ہمارے بفضلہٖ صحت سے ہیں۔ایک ہفتہ کے بعد کتاب پریس میں اب چلی جائے گی۔ دراصل بہ سبب ناسازیٔ طبع اور کاروبار انہوں نے پورے دو تین ماہ کتاب کو ہاتھ ہی نہیں لگایا۔قاری سرفراز حسین صاحب

آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کا آنا اس مشن کے لئے مبارک کرے۔ نہ معلوم وہ از خود آتے ہیں یا ان کی تکفیل کسی فنڈ کے ماتحت ہے۔ بہر حال خدا تعالیٰ ان کو اپنی رضا جوئی کے ماتحت رکھے۔ مواہب الرحمٰن صلاح الدین کونٹ ڈی پو ایسٹر جہاں جاتا ہے اسلامی مشنری کا کام کرتا ہے۔ آج ہی بشارت نامہ ان کا آیا کہ ایک میرزادہ کو اس نے مسلمان کیا ہے۔

ہاں آپ جلدی فکر کریں۔ ماسٹر شیر علی یا ماسٹر صدر الدین صاحبان میں سے کوئی بھی ہو انہیں جلد اس طرف بھیج دیں۔ کام بڑھ گیا ہے اور ضرور ہے کہ کوئی ایڈیٹوریل سٹاف میں ہو۔ ایڈیٹوریل کام نہایت محنت اور جانفشانی کا کام ہے۔ اور نئے مشنری کی امنگیں جس طرف میلان کرتی ہیں، اس کے یہ مناسب حال نہیں ہوتا۔ اس لئے جس قدر بھی کوئی مشنری اس طرف بھیجیں ان سے ایڈیٹوریل کام لینا کوئی قابل یقین امر نہیں۔

خدا تعالیٰ کی مصلحت چوہدری صاحب کی آنکھیں بدستور خراب ہیں۔ تین مہینہ ہوئے۔ جو دو یا تین دن دو گھنٹے کام کیا۔ پھر وہی حالت۔ اب گذشتہ تین دن بہت تکلیف سے گزرے۔ اب بتلاؤ شکایت کس پر۔ جب آنکھ تندرست ہو تو کوئی کام کرے۔ وہ خود بھی گھبرا جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے کوئی عجب ہی ابتلا ان کے لئے ہے۔

پادری وائٹ بریجٹ نے یہاں کے لوکل اخباروں میں کچھ لکھا تھا۔ اس کا مختصر سا جواب میں نے چوہدری صاحب سے لکھوا دیا ہے اور معقول جواب ہے۔ اس کی کٹنگ بھیج دوں گا۔ امید نہیں کہ پادری موصوف سر اٹھائے۔ ڈاکٹر زویمر والا مضمون یہاں کے پادری حلقے میں بہت مفید ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنا رحم اور فضل کرے۔ بظاہر جو مخالفت ووکنگ میں شروع ہوئی تھی وہ دبی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بالمقابل کوشش کرنے والے کس قدر مایوس ہو گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ دعا عجب حربہ ہے جو خدائے اسلام نے ہمیں دیا ہے۔ اور اس غریب الوطنی اور بیچارگی میں دعا ہی ایک چیز ہے، جو اطمینان قلب دے دیتی ہے اور اپنے ثمرات سے متمتع کر دیتی ہے۔ اس ہفتہ برادر ظفر علی خان صاحب بھی تھے اور انہوں نے خاتمہ پر کچھ تقریر بھی کی تھی اور شروع میں دعا بھی انہوں نے کی تھی۔ والسلام

کمال الدین

13 اپریل 1914ء

5 مئی 1914ء

ایک ضروری اعلان

مجلس معتمدین نے اپنے ریزولیوشن 198 مورخہ 26 اپریل 1914ء میں بصدارت صاحبزادہ محمود احمد صاحب کثرت رائے سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ:

☆ ''مندرجہ ذیل قاعدہ نمبر 18 میں (یعنی ہر ایک معاملہ میں مجلس معتمدین اور اس کی ماتحت مجلس یا مجالس اگر کوئی ہوں اور صدر انجمن احمدیہ اور اس کی کل شاخہائے کے لئے حضرت مسیح موعود کا حکم قطعی اور ناطق ہوگا) بجائے الفاظ ''حضرت مسیح موعود الفاظ'' حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ثانی درج قواعد ہوں اور موجودہ قاعدہ نمبر 18 حسب ذیل ہو:

☆ ''ہر ایک معاملہ میں مجلس معتمدین اور اس کی ماتحت مجلس یا مجالس اگر کوئی ہوں اور صدر انجمن اور اس کی کل شاخہائے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی کا حکم قطعی اور ناطق ہوگا۔''

ہمارے اعتقاد اور یقین میں یہ فیصلہ حضرت مسیح موعود کے کھلے کھلے فیصلے کے خلاف ہے۔ اور اس لئے خود قواعد انجمن کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ قواعد انجمن کے اسی قاعدے نمبر 18 کی رو سے جس کی ترمیم اب کی جاتی ہے، حضرت مسیح موعود کے جملہ احکام اور فیصلہ جات قطعی اور ناطق ہیں اور انجمن کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ آپ کے کسی حکم یا فیصلہ کے خلاف کوئی فیصلہ کرے۔ پس حضرت مسیح موعود کے حکم اور اپنے قواعد کی خلاف ورزی میں انجمن کوئی فیصلہ کرنے کی مجاز نہ تھی۔ اور ہم نے ایجنڈا پر انجمن کو اس سے متنبہ کر دیا تھا کہ اس قسم کی ترمیم کے معنی یہ ہیں کہ عملاً گویا انجمن کو توڑ دیا جائے گا۔ مگر اس کی قطعاً کوئی پروانہ کی گئی۔

چونکہ مجلس معتمدین کے وہ ممبران جو بیعت کر چکے ہیں ان کی رائے درحقیقت صاحبزادہ صاحب کی رائے ہے اور وہ اس وقت ہماری بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں، اس لئے ہم نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ قوم کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دیں۔ اور ہم سخت افسوس سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ صاحبزادہ صاحب اور ان کے مبائعین نے قواعد میں سے حضرت مسیح موعود کا نام کاٹ کر نہ صرف ایک غیر مامور کو وہ مرتبہ دیا ہے، جو صرف ایک مامور کا حق تھا، بلکہ خود حضرت مسیح موعود کے نام کی ہتک کی ہے اور ان کے احکام اور فیصلہ جات کو آئندہ کے لئے مجلس معتمدین کے واسطے ناقابل عمل قرار دیا ہے۔ اور اس طرح پر ایک رنگ میں سلسلہ احمدیہ میں سے اس کے مقدس بانی کا نام کاٹ دیا ہے اور اس کی بجائے اپنا نام رکھ دیا ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ اس انجمن کی بنیادوں کو گرا دینے کے باوجود اور عملی طور پر اس کو توڑ دینے کے بعد وہ کام بھی جو حضرت مسیح موعود نے اس کے سپرد کیا تھا۔ اس کے سپرد نہیں رہنے دیا۔ بلکہ دو نہایت ضروری فنڈ یعنی زکوٰۃ اور اشاعت اسلام، جن کا انتظام حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح کے وقت میں برابر صدر انجمن کے ہاتھ میں رہا تھا، اب ان ہر دو فنڈوں کا روپیہ انجمن کے خزانہ سے نکال دیا گیا ہے اور اس کو کلیۃً اپنے تصرف میں لے آئے ہیں۔ یہ تمام باتیں صاف طور پر مسیح موعود کی قائم کردہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین کو نابود کرنے کی کوششیں ہیں۔ ورنہ جس صورت میں زیادہ حصہ مجلس کے معتمدین کا صاحبزادہ صاحب کی بیعت شدہ تھا، تو کیا وجہ ہے کہ صاحبزادہ صاحب کو اس پر اعتبار نہیں رہا۔ سیکرٹری ان کا مرید، محاسب ان کا مرید، ناظر ان کا مرید، خود وہ اس کے میر مجلس۔ 15 ممبروں میں سے 9 ان کے مرید۔ وہ جس طرح چاہتے اس انجمن سے کام لے سکتے تھے۔

پس ان کا اصل منشا اس تمام کارروائی سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انجمن کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ دیا جائے اور سارے قومی روپے اور ساری قومی جائیداد پر، جو لاکھوں روپے کے خرچ سے تیار ہوئی ہے، کلیۃً ان کا تصرف ہو جائے۔ تا وہ اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔

یہ ایک ایسی صورت ہے کہ اگر قانونی چارہ جوئی کی جائے۔ تو ان کی یہ ساری کارروائی ناجائز ٹھہر کر انجمن اپنی اصلی حالت پر قائم ہو سکتی ہے۔ مگر چونکہ ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ قوم کی طاقت اور قوم کا روپیہ

مقدمات میں برباد ہو، اس لئے ہم اپنی ان کاروائیوں سے بریت کے لئے یہ اعلان شائع کرتے ہیں اور قوم کو متنبہ کرتے ہیں کہ اب بھی وقت ہے وہ سنبھل جائیں۔اور خواہ کسی نے بیعت کی ہو یا نہ کی ہو۔صاحبزادہ صاحب کو مجبور کریں کہ انجمن کو اپنی اصلی حالت پر قائم رہنے دیں اور مالی معاملات میں کسی قسم کا دخل نہ دیں۔اور نہ اس انتظام کو توڑیں جو حضرت مسیح موعود نے اپنے ہاتھ سے کیا تھا۔اور جس پر حضرت خلیفۃ المسیح چھ سال کاربند رہے۔ اور انہوں نے ایسی کوششوں کو کہ مسیح موعود کی بجائے خلیفۃ المسیح کا نام آجائے، سختی کے ساتھ روکا اور قواعد میں اس قسم کی ترمیم نہ ہونے دی۔ کیونکہ ایسی ترمیم حضرت مسیح موعود کے کھلے کھلے احکام کی خلاف ورزی تھی۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ مسیح موعود کی جگہ آج خلیفہ ثانی کا نام تجویز کیا جاتا ہے۔خلیفہ اول کہاں گیا اور کیوں وہ بات جو خلیفہ اول کے لئے جائز نہ تھی، حالانکہ ساری قوم ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکی تھی، آج ایک ایسے خلیفہ کے لئے جائز ہو گئی، جس کو ابھی بمشکل قوم کے بیسویں حصہ نے خلیفہ تسلیم کیا ہے۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ سے اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں اور خدا کے نزدیک بری الذمہ ہیں۔ کیونکہ کسی قانونی صورت کو اختیار کرنے میں بجائے فائدہ کے نقصان زیادہ نظر آتا ہے۔والسلام۔

اعلان کنندگان

غلام حسن

رحمت اللہ

صدرالدین

سید محمد حسین اسسٹنٹ سرجن

محمد علی

مرزا یعقوب بیگ اسسٹنٹ سرجن

5 مئی 1914ء

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا پہلا اجلاس

اس انجمن کے معتمدین کا پہلا اجلاس کل بتاریخ 3 مئی 1914ء 9 بجے صبح احمدیہ بلڈنگس لاہور میں منعقد ہوا۔

1۔سب سے پہلے جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے تقریر فرمائی اور اس انجمن کو قائم کرنے کی ضرورت کو بیان کیا اور یہ ظاہر کیا کہ پہلے تو اس انجمن کی صرف یہ غرض تھی کہ اشاعت اسلام کے کام کو ایسے احمدی اصحاب لاہور کو مرکز بنا کر کریں۔جن کے لئے موجودہ حالات میں قادیان میں کام کرنا ناممکن ہوگیا ہے۔مگر اب صاحبزادہ صاحب اور ان کے مبائعین کی تازہ کارروائیوں سے چونکہ صدر انجمن احمدیہ کو توڑ دیا گیا ہے۔اور اب حقیقی معنوں میں کوئی انجمن آپ کی جانشین نہیں۔جیسے کہ جناب نے الوصیت میں تحریر فرمایا تھا اور نہ ہی صدر انجمن کے فیصلے اب قطعی رہے ہیں۔جیسے کہ حضرت مسیح موعود نے 27 اکتوبر 1907ء کی تحریر میں صاف طور پر لکھا تھا۔اور قواعد صدر انجمن میں سے حضرت مسیح موعود کا نام کاٹ کر اب صاحبزادہ مرزا محمود احمد کا نام لکھ دیا گیا ہے۔اس لئے اب ان کو کل اختیارات انجمن پر ہیں۔اور انجمن کی وہ حیثیت نہیں رہی جو حضرت مسیح موعود نے قائم کی تھی اور صاحبزادہ صاحب اپنی شخصی رائے سے جو چاہیں کر سکتے ہیں۔جس ممبر کو چاہیں انجمن میں داخل کر سکتے ہیں، جس کو چاہیں نکال سکتے ہیں اور انجمن کے جس قاعدہ یا فیصلہ کو چاہیں توڑ سکتے ہیں۔ماسوائے اس کے انجمن کے اس مردہ جسم میں سے اس کی حقیقی روح یعنی اشاعت اسلام کا کام بھی علیحدہ کر لیا گیا ہے۔اور صاحبزادصاحب نے حکم دیا ہے کہ اشاعت اسلام کا روپیہ اور زکوٰۃ کا روپیہ ان کے نام آئے۔اور وہ ان کے منشا اور حکم کے مطابق خرچ ہو۔اس لئے ان اصولوں کو زندہ رکھنے کے لئے جو حضرت مسیح موعود نے صدر انجمن احمدیہ قائم کی تھی یہ ضروری ہوا کہ یہ انجمن قائم کی جائے اور اس کے ذریعہ سے اشاعت اسلام ہو۔

2۔اس کے بعد مولوی صدر الدین صاحب نے تقریر کی اور انہوں نے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب نے ہمارے خلاف بہت سخت فتاوی شائع کئے ہیں۔اور زندگی میں موجودہ حالات میں ہمارے

لئے قادیان میں رہنا ناممکن ہے۔ اور وفات کے بعد بھی مقبرہ بہشتی میں جگہ ملنے کی ان کی طرف سے امید منقطع ہے۔ کیونکہ وہ ہم کو متقی نہیں سمجھتے۔ حضرت مسیح موعود نے الوصیت میں مقبرہ کی زمین کی توسیع کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور ہم خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کے (جو حضرت مسیح موعود کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں) خاص طور پر مشکور ہیں کہ انہوں نے ہم کو اپنے حصہ میں سے مقبرہ بہشتی کے متصل زمین اس غرض کے لئے عنایت کر دی ہے کہ ہم مرنے کے بعد تو قادیان میں مقبرہ بہشتی میں جگہ پا سکیں۔ یہ زمین بھی دراصل مسیح موعود کی ہی ہے۔ مگر مرزا سلطان احمد صاحب کے حصہ کی ہے اور موجودہ ٹکڑے کے مغرب کی طرف ہے۔

3۔اس کے بعد ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب سیکرٹری نے قواعد انجمن پیش کئے جو اتفاق رائے سے منظور ہوئے۔

4۔جنرل کونسل معتمدین کے انسٹھ ٹرسٹی (معتمدین) تجویز ہوئے۔

5۔چودہ لائف ٹرسٹی (معتمدین) اور باقی معیادی ٹرسٹی تین سال کے لئے مقرر ہوئے۔

6۔گیارہ اراکین انتظامی کمیٹی کے تجویز ہوئے۔

7۔عہدہ داران انجمن اپنے اپنے عہدوں پر مقرر کئے گئے۔

8۔ذیل کے مقامات پر انجمن کی شاخیں کھلنی منظور کی گئیں۔

(1) سیالکوٹ (2) گوجرانوالہ (3) جموں (4) وزیر آباد (5) راولپنڈی (6) جہلم (7) پشاور (8) ایبٹ آباد (9) بدوملہی (10) لاہور (11) امرتسر (12) پسرور (13) لاہور چھاؤنی۔

9۔جلسہ کے خاتمہ پر مفصلہ ذیل ریزولیوشن اتفاق رائے سے پاس ہوئے۔

(1) یہ جلسہ صاحبزادہ صاحب کی اس کارروائی پر اظہار ناراضگی کرتا ہے کہ انہوں نے انجمن کے رجسٹری شدہ قواعد کے قاعدہ نمبر 18 میں سے حضرت مسیح موعود کا نام

کٹوا کر اپنا نام درج کرایا ہے۔ اور ہر امر میں اپنا فیصلہ قطعی اور ناطق قرار دیا ہے۔

(2) یہ جلسہ سمجھتا ہے کہ صاحبزادہ صاحب نے اس کاروائی میں حضرت مسیح موعود کے حکم کے برخلاف کیا ہے کہ اپنے تئیں ایک مامور کا مقام دیا ہے۔ اور حضرت صاحب کے اس فرمودہ کو کہ میرے بعد انجمن کے اجتہادات کافی ہوں گے، توڑ دیا ہے۔ انہوں نے انجمن کے اجتہادات کو توڑ کر گویا انجمن کو توڑ دیا ہے۔

(3) یہ جلسہ اس بات پر سخت اظہار افسوس کرتا ہے کہ صاحبزادہ صاحب نے زکوٰۃ اور اشاعت اسلام کا روپیہ کلیۃً اپنے تصرف میں کرلیا ہے اور اس کا کوئی تعلق صدر انجمن سے نہیں رہنے دیا۔ اور اس طرح پر وہ کام جو حضرت مسیح موعود نے اس کے سپرد کیا تھا وہ کام بھی انجمن سے لے لیا ہے۔ اور اب وہ برائے نام انجمن رہ گئی ہے۔

(4) اس کے بعد دعائے خیر ہوئی اور جلسہ برخاست ہوا۔ عہدہ داران انجمن کے نام عنقریب شائع کئے جائیں گے۔

سیکرٹری

مرزا یعقوب بیگ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

19 مئی 1914ء

وداعی یہ جلسہ ترا صدرِ دیں ہے

(از ڈاکٹر شیخ محمد حسین امرتسر)

(گزشتہ 10 مئی 1914ء کو مسلمانان لاہور کے ایک عظیم الشان جلسہ میں پڑھی گئی۔ مدیر)

نیستاں ہے تبلیغِ دیں کا نمایاں چلا اس میں اب صدرِ دیں شیرِ یزداں
شغال اب ہیں اعدائے دیں اے عزیزاں نہ کیوں ہراساں نہ کیوں ہوں گریزاں
نہیں شیر سا زورِ بازو کسی میں! نہیں ہے یہ طاقت یہ نیرو کسی میں!
جو ایثار ہے احمدی سلسلے کا کسی نے وہ اب تک سُنا اور نہ دیکھا
اسد ہیں یہ ہرگز نہیں کلبِ دنیا ارادے ہیں ان کے بلند اور بالا
نہیں فکرِ عقبیٰ سے دل ان کے غافل مسیحا کے اس قول پر ہیں یہ عامل
نہ دنیا کی لذات پر پھول جاؤ نہ تن پروری کی محبت دکھاؤ
نہ یوں نفسِ سرکش کو فربہ بناؤ نہ موٹے ہو اتنے کہ مشکل سماؤ
وہ دروازہ جس سے گزرنا پڑے گا وہاں موٹے تازے کو مرنا پڑے گا
وداعی یہ جلسہ تیرا صدرِ دیں ہے تو بیشک شہنشاہِ ملک یقیں ہے
تیرا کام تبلیغِ دینِ متین ہے سوا اس کے کچھ فکر تجھ کو نہیں ہے
کیا خواجہ نے ہیڈلے کو مسلماں تو خود جارج کو لائے گا سوئے ایماں

چلا ہے تو اب کاٹ کر وہ سمندر نہیں کوئی منزل ہے جس سے فزوں تر
تو بیشک ہے اُس منزلِ پُر خطر پر نہیں جس کی تمثیل اللہ اکبر
چلو اور باطل کو چل کر مٹا دو خدا اور بندوں کا پردہ اُٹھا دو
دِکھا دو انہیں راہِ دینِ پیمبرؐ کہ وہ خاتم انبیاءؑ ہے سراسر
جو ہے باکرم مہرباں مومنوں پر کرو اُس کے پیغام کو تازہ جاکر
وہ دین جاکے پھیلاؤ سارے جہاں میں ہوا ہے جو مقبول کون و مکاں میں
خطاب آپ کا بس هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہے خدا آپ کا ہادی و رہنموں ہے
علَم کفر کا دیکھئے سرنگوں ہے سرِ فتح خم ہے، چرا ہے نہ چوں ہے
بشارت لئے جاؤ فتح و ظفر کی کہ ساتھ آپ کے ہے دعا ڈاکٹر کی

31 مئی 1914ء

اداریہ

حفاظت قرآن پر نیا حملہ

لو آپ اپنے دام میں صیّاد آ گیا!

(از حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے میر مجلس احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور وامیر سلسلہ احمدیہ)

جس دن ریوٹر (REUTER) کی تار ہندوستان میں پہنچی ہے کہ کوئی قدیم نسخہ قرآن کریم کا دستیاب ہوا ہے۔ جس میں مروجہ قرآن سے اہم اختلافات ہیں، وہ عیسائی دنیا میں کس قدر خوشی کا دن ہوگا۔ اس کا پتہ اس سے لگتا ہے کہ ریوٹر کو یہ دلخراش کن خبر بذریعہ تار اطراف واکناف عالم میں پھیلانے کی ضرورت پیش آئی۔ قرآن کریم کی حفاظت کے بارے میں، جس پر مسلمانوں کو تیرہ سو سال سے فخر چلا آتا ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ قرآن شریف میں موجود ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (9:15) جس کے خلاف آج تک کی مخالف کوششیں صرف اس حد تک کامیاب ہوسکیں کہ میور جیسے مخالف اسلام کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ دنیا میں کوئی کتاب نہیں جو تیرہ سو سال تک ایسی محفوظ چلی آئی ہو جیسے قرآن شریف، اس عظیم الشان اور مضبوط قلعہ پر قدیم تحقیقات کے رنگ میں ایک نیا حملہ کیا گیا۔ اور قبل اس کے کہ اصل واقعات دنیا کے سامنے پیش کئے جاتے، اس نتیجہ کا اعلان دنیا میں کر دیا گیا۔ جس پر اسلام کو بدنام کرنے والے بجائے خود پہنچے تھے۔ لیکن جس طرح ایشیائی شاعر اپنے معشوق کی تعریف میں حد سے گذر کر آخر اس تعریف کو مذمت بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح اسلام پر نئے حملوں کے شوقین اپنے شوق میں اس قدر حد سے گزر جاتے ہیں کہ ان کا حملہ خود ہی ان کے اعتراض کی لغویت کا شاہد بن جاتا ہے۔ اور جس طرح ایشیائی معشوق کی فرضی تصویر میں وہی رقیب بن کر وہی زلف، جس کو مرغان دل کے پھنسانے کے لئے لمبا کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی، آخر اس قدر لمبی ہوگئی کہ معشوق کا پاؤں اس میں الجھ کر وہ خود ہی گر پڑتا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی حفاظت پر یہ نیا حملہ آور خود ہی اپنے حملہ کی زد میں آ گیا۔

جناب خواجہ (کمال الدین) صاحب کے تازہ خط سے، جس میں انہوں نے ٹائمز کے اس حملہ کے جواب میں اپنے مضمون کا ترجمہ بھی بھیجا ہے، یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے کسی قدیم نسخہ اور مصحف عثمانی میں اہم ترین اختلاف، جس پر معترض کی نظر پڑی ہے، یہ ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں بجائے الفاظ بَارَكْنَا حَوْلَهُ کے بٰرَكْنَا حَوْلَهُ (1:17) ہیں۔ اوران دونوں لفظوں کے معنوں میں اختلاف سے وہ نتیجہ نکالا گیا، جس کو عیسائی دنیا میں بذریعہ تار پھیلانے کی ضرورت پیش آئی۔

لیکن اب اصل مضمون کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ معترض صاحب کو خود غلطی لگی ہے۔ بلکہ اس قدیم نسخہ کی شہادت نے قرآن کریم کی حفاظت کے مسئلہ پر اور بھی روشنی ڈال کر اسے مضبوط کر دیا اور معترض نے محض خوش فہمی سے یا ناواقفیت سے ایک اختلاف بنالیا ہے۔ جہاں اختلاف نہیں بلکہ تائید ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ شاید معترض کو یہ معلوم نہیں کہ قرآن کریم کے نہ صرف الفاظ، جس طرح وہ پڑھنے میں آتے ہیں، محفوظ ہیں بلکہ وہ قدیم رسم الخط بھی، جس طرح پر قرآن کریم پہلے لکھا گیا، آج تک اسی طرح محفوظ ہے۔ حروف کی شکلوں میں، اس میں شک نہیں کہ تغیر آ گیا ہے، مگر ان کے جوڑ میں تغیر نہیں آیا۔ قرآن کریم کے تمام مروج نسخوں کو نکال کر دیکھ لو۔ الفاظ کا رسم الخط ایک ہی ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں سورہ البقرہ میں لفظ اِبْرَاهِیم اس طرح پر لکھا ہے اِبْرٰهٖمُ (127:2) اور سورہ ھود میں یہی لفظ اس طرح لکھا ہے اِبْرٰهِيْمَ (69:11) یعنی ایک جگہ ھا (ھ) کو میم (م) کے ساتھ ملایا ہے اور دوسری جگہ ھا (ھ) اور میم کے درمیان یا (ی) ہے۔

اب جو قرآن شریف چاہو اُٹھا کر دیکھ لو اس میں تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ اس قسم کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں کہ سینکڑوں کی تعداد میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح پر ایک لفظ عام عربی زبان میں ایک ہی طرح پر لکھا جاتا ہے۔ مگر قرآن کریم میں ضرور نہیں کہ وہ اسی طرح پر لکھا جائے۔ ہم لفظ مالک کو عربی زبان میں میم کو الف کے ساتھ ملا کر لکھتے ہیں۔ مگر قرآن شریف میں یہ لفظ یعنی میم لام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے۔ اور الف میم کے اوپر ہے۔ دیکھو سورہ الفاتحہ مٰلِكِ (3:1) تو یہ رسم الخط وہ ہے جو ابتدا سے مروج چلی آئی ہے۔ اسی طرح پر اس لفظ کی صورت ہے جو یہاں زیر بحث ہے۔

عام عربی زبان میں بَارَكْنَا لفظ اسی طرح لکھا جاتا ہے جس طرح میں نے یہاں لکھا ہے۔ یعنی با

(ب) کے ساتھ الف کو ملا کر۔ لیکن قرآن کریم میں یہ لفظ سورہ بنی اسرائیل میں اس طرح نہیں لکھا جاتا۔ بلکہ بٰرَکْنَا لکھا جاتا ہے۔ یعنی با (ب) کے ساتھ (ر) ملائی جاتی ہے۔ اور ب کے اوپر الف ڈالا جاتا ہے۔ سو قرآن کریم کے کسی نسخہ کو نکال کر دیکھ لو بَارَکْنَا نہیں لکھا ہوگا۔ بلکہ بٰرَکْنَا لکھا ہوگا۔

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ معترض کو کیا غلطی لگی ہے۔ سو یہ بات ہے کہ ابتدا سے قرآن کریم کی حفاظت دو طرح پر ہوتی چلی آئی ہے۔ ایک بذریعہ تحریر اور ایک بذریعہ قرأت۔ ابتدا میں قرآن کریم میں سارے زیر زبر نہ دیئے جاتے تھے۔ نہ اس وقت کی طرز تحریر تھی اور نہ ہی اہل زبان کو اس کی ضرورت تھی۔ نہ صرف اس لئے کہ وہ ہر موقع پر بغیر زیر زبر کے اس لفظ کو درست پڑھ سکتے تھے، بلکہ قرآن کریم کی صورت میں یہ خصوصیت ساتھ تھی کہ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ حافظہ میں محفوظ تھا۔ ایک دو آدمیوں کے نہیں، بلکہ سینکڑوں آدمیوں کے حافظہ میں موجود تھا۔ اور پھر اس کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت ہوتی تھی کہ نمازوں میں ہی کثیر حصہ قرآن کا دن رات میں پڑھ لیا جاتا تھا۔ اور چونکہ بہت سی نمازوں میں قرأت بالجہر تھی اس لئے کوئی امام ایک زیر زبر کی غلطی نہ کرسکتا تھا۔ اور اگر اس سے اتفاق سے کوئی غلطی ہو جاتی تو اس کے مقتدی اس کی اصلاح فی الفور کر دیتے تھے۔ پس اس وقت سب زیروں، زبروں کا نہ ہونا کسی طرح پر قرآن کریم کی حفاظت میں روک نہ تھا۔

اب اُس وقت کے رسم الخط میں لفظ بَارَکْنَا جس کے معنی ہم نے برکت دی بٰرَکْنَا لکھا جاتا تھا۔ اور ب کے اوپر الف جو موجودہ رسم الخط میں ہے وہ اس وقت ڈالا گیا جب زیر زبر لگائے گئے۔ لیکن اس رسم الخط سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اس وقت یہ لفظ بٰرَکَنا پڑھا جاتا تھا نہ بٰرَکْنَا، محض جہالت ہے۔ قرآن کریم نہ صرف تحریر میں محفوظ تھا بلکہ حافظہ میں بھی۔ اور اس دوہری حفاظت کے سامان نے ہی اسے اس کمال حفاظت کے ساتھ پہنچایا جس پر حملہ کرنے والا آج محض اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے۔

سو اس قدیم نسخہ سے اگر ثابت ہوا تو صرف یہ کہ قرآن کریم کا رسم الخط اس پرانے نسخہ میں وہی ہے جو مروجہ قرآن کریم میں۔ یعنی لفظ بَارَکْنَا اس وقت بھی بٰرَکْنَا ہی لکھا جاتا تھا۔ جیسا آج لکھا جاتا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ اس قدیم نسخہ اور مصحف عثمانی میں کوئی اختلاف ثابت ہوتا، ایک دوسرے کا مؤید ثابت ہوا۔ اور یہ بات قطعی طور پر ثابت کی گئی کہ نہ صرف قرآن شریف کے الفاظ ہی محفوظ ہیں بلکہ اس کی رسم الخط بھی اسی طرح

محفوظ چلی آتی ہے۔ نہ صرف اس کے لفظ آج ہم اسی طرح پڑھتے ہیں، جس طرح وہ نبی کریم ﷺ کے منہ سے نکلے تھے، بلکہ ان لفظوں کو لکھتے بھی اسی طرح پر ہیں، جس طرح نبی کریم ﷺ نے ان کو کاتبان وحی سے لکھوایا تھا۔ سو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ اعتراض قرآن کریم کی حفاظت کا ایک اور بین ثبوت ہو گیا کہ ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است

زیر آں گنجِ کرم بنہادہ است

یہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں میں سے ہے کہ جہاں معترض اعتراض ٹھہرا کر انگلی رکھتا ہے، وہیں سے اس اعتراض کی تردید نکل آتی ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (40:54) خوبیاں اور حسن تو اس پاک کتاب میں بہت ہیں۔ مگر افسوس کہ لوگوں نے ان کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

31 مئی 1914ء

نظمِ ثاقب

(برروانگی مولانا صدرالدین صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی، بعزم انگلستان برائے تبلیغ)

از نتیجہ طبع محمد نواب خان ثاقبؔ، میرزا خانی، مالیرکوٹلہ

وہ صدرِ دین احمد لندن کو جارہے ہیں — کب سے جناب خواجہ جن کو بُلا رہے ہیں
بُرجِ کمال کے وہ تابندہ ہیں ستارے — جو آفتاب بن کر مغرب کو جارہے ہیں
از بہرِ خیر مقدم نو مسلمانِ یورپ — بر راہ انتظاری آنکھیں بچھا رہے ہیں
احمد جو کہہ رہے تھے رؤیا میں وعظ حق کا — بیداریاں تو دیکھو سب کو سُنا رہے ہیں
داؤد کے ہمارے وہ نغمہ ہائے شیریں — مُرغانِ خوش نوا اب یورپ میں گا رہے ہیں
مغرب کی سرزمیں میں پورا ہوا وہ مژدہ — کرّوبیاں فلک پر خوشیاں منارہے ہیں
اسلامیاں! خدارا شکرِ خدا کرو کچھ — نامسلموں کو مسلم، مسلم بنارہے ہیں
ہندوستاں نے جوہر اُن کے جو کچھ نہ جانے — یاں جوہری ہمارے موتی لٹا رہے ہیں
ہے نورِ دیں کا پرتو جس سے ہوئی یہ روشن — مغرب کی ظلمتوں میں وہ جگمگارہے ہیں
مغرب میں کررہے ہیں احمدؐ کا نام روشن — احمدؐ کی آستاں پر سر کو جھکا رہے ہیں
کلمہ پڑھا رہے ہیں احمدؐ کے نام کا یہ — سوئے خدائے واحد سب کو بلا رہے ہیں
نیکی یہ کررہے ہیں، رحمت خدا کی اُن پر — اللہ کے لئے سب زحمت اُٹھا رہے ہیں
تثلیث کی بُرائی سمجھا رہے ہیں سب کو — توحیدِ حق کی خوبی دل میں بٹھا رہے ہیں
طے کرکے آگئے ہیں ساتوں سمندروں کو — جو تشنگانِ حق کو پانی پلا رہے ہیں
یورپ کے گلستاں میں آخر بہار آئی — کلیاں چٹک رہی ہیں، گل کھلکھلا رہے ہیں
ثاقب محمدی ہے اور احمدی مسلماں — کیوں تیری انجمن سے اس کو اُٹھا رہے ہیں

(جاری براشاعت 2 جون 1914ء)

2 جون 1914ء

اداریہ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اغراض ومقاصد

ایک زمانہ تھا جب اسلام کے پیروؤں اور حامیوں نے اپنی جانفشانیوں اور قربانیوں سے اسلام کا پیغام ہر ملک میں پہنچایا۔ اور اپنی ان تھک کوششوں سے قوموں اور ملکوں کے ملکوں کو اسلام کے جھنڈے تلے لاکر سچے خدا تک پہنچایا۔ یا اب یہ دن اسلام کو دیکھنے پڑے ہیں کہ چاروں طرف سے اس مقدس مذہب پر حملے ہو رہے ہیں اور اپنے پیغام کو دوسروں تک پہنچانا تو ایک طرف رہا، مسلمان ایسے سوئے پڑے ہیں کہ دوسروں کے حملوں سے اسلام کو بچانے کی فکر بھی ان کو نہیں۔ یورپ اور امریکہ کے مسیحی مشنری مسلمانوں کو دین اسلام سے مرتد کرنے اور اُن کو مسیحی مذہب میں داخل کرنے کے لئے طرح طرح کی تدبیروں سے کام لے رہے ہیں۔ کثیر التعداد اشاعت کے اخبارات اور رسالے ایسے شائع ہوتے ہیں۔ جن کی غرض سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اسلام کے اصول حقہ کی تردید کی جائے اور اس کی خوبیوں کو بُرائیوں کے رنگ میں دکھایا جائے۔

بڑے بڑے مسیحی مشن اسلامی ممالک کے شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں قائم کئے جا رہے ہیں۔ ایک کالج صرف اس غرض کے لئے قائم کیا گیا ہے کہ اس میں ایسے مشنری تیار کئے جائیں جو مسلمانوں کے اندر تبلیغ کر سکیں اور اُن کو ایسی طرز مناظرہ سکھائی جائے جو مسلمان علماء کے خلاف وہ کامیابی سے استعمال میں لاسکیں۔ اہل اسلام کے ساتھ مناظرہ کے فن میں خاص خاص کتابیں تالیف کی جاتی ہیں۔ پھر مسلمانوں کی اپنی مقدس مذہبی کتب کے تراجم حتیٰ کہ قرآن کریم تک کے ترجمے عیسائیوں کے ہاتھ کے کئے ہوئے ہیں۔ جن کے دیباچوں اور نوٹوں میں اسلام کی ایک بھیانک تصویر پیش کی جاتی ہے اور اس طرح پر مسیحی مشنری کوششوں نے مسلمانوں کو اسلام سے الگ کرنے اور مسیحی مذہب میں داخل کرنے کے لئے کوئی تجویز جس

کی طرف انسانی عقل رہنمائی کر سکتی ہے باقی نہیں چھوڑی۔ اور اس کے علاوہ فلسفہ اور سائنس کے رنگ میں اور قدیم تحقیقات کے رنگ میں اسلام پر جو حملے ہو رہے ہیں، وہ علیحدہ ہیں۔

حتیٰ کہ اس زمانہ میں ان ہی تحقیقات کے رنگ میں قرآن کریم کی حفاظت پر بھی ایک ایسا حملہ کیا گیا ہے۔ جو تیرہ سو سال میں نہیں ہوا۔ لیکن ان خطرناک حملوں کے بالمقابل مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتے اور ان کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ ان تجاویز کے دفعیہ کے لئے اگر فوراً اعلیٰ پیمانہ پر کوشش نہ کی گئی تو اسلام کو خطرناک مصائب کا سامنا ہوگا۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت کا جاتے رہنا اور اسلامی سلطنتوں کا مٹ جانا، اسلام پر ایسا خطرناک حملہ نہیں جیسا یہ مسیحی مشنری حملہ ہے۔ جو دلوں پر سے اسلام کی حکومت کو مٹانے کے درپے ہے۔ کتنا ہی مضبوط قلعہ ہو اگر باہر سے اس پر متواتر اور نئے سے نئے رنگ میں حملے ہوتے رہیں اور اندر والے خواب غفلت میں پڑے سوتے رہیں وہ قلعہ دشمنوں کے حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

کس قدر افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ وہ مسلمان جن کو یہ حکم تھا کہ ان میں ایک گروہ ایسا ہو جو دین اسلام کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے والا ہو۔ آج وہ ایسے سوئے ہوئے ہیں کہ اپنے مذہب کو دوسروں تک پہنچانا تو ایک طرف رہا، ان میں کوئی ایسا بھی گروہ نہیں جو اپنے مذہب کو دوسروں کے حملوں سے بچائے۔ کاش! اُن کی نظر ان تیاریوں پر ہوتی جو مسیحی مشنری دنیا میں اسلام کی دلوں پر سے حکومت کو مٹانے کے لئے علی الاعلان ہو رہی ہیں۔

ان اغراض اور مقاصد کو پورا کرنے کے لئے جن کی طرف سے مسلمان عام طور پر غافل ہیں۔ اور معدودے چند انفرادی کوششوں کو الگ کر کے کوئی کوشش اعلیٰ پیمانہ پر اس زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے نہیں کی گئی۔ لاہور میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام سے ایک انجمن قائم کی گئی ہے۔ جس کا نظم ونسق ٹرسٹیوں کی ایک ایسی کونسل کے سپرد ہے۔ جن کی تعداد ستر تک ہے۔ اور وہ، وہ لوگ ہیں جو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ خدا کے فضل سے اس انجمن کو اپنے اغراض کی تکمیل کیلئے

ایسے آدمی مل گئے ہیں جو نہ صرف اپنی زندگیاں خدمت اسلام کے لئے وقف کر چکے ہیں۔ بلکہ اس کام کے اہل بھی ہیں اور ایک طرف اگر اسلام کے پاک فلسفہ کو سمجھتے اور اس کی مقدس کتب سے پورے واقف ہیں۔تو دوسری طرف ان حملوں کی نوعیت سے واقف ہیں جو آج اسلام پر ہورہے ہیں اور ان کے دفعیہ کے لئے پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ اس انجمن کے ارکان میں سے ایک رکن جناب خواجہ کمال الدین صاحب مشہور مسلم مشنری ہیں۔جن کی دو سال کی کوششوں سے انگلستان میں ایک اسلامی مشنری سنٹر قائم ہو چکا ہے اور اس کے مفید نتائج پبلک کی آنکھوں کے سامنے آچکے ہیں۔اور ایسا ہی انہی خادمان اسلام میں مولوی صدرالدین بی اے بی ٹی ہیں۔ جو سردست خواجہ صاحب موصوف کی امداد کے لئے ولایت تشریف لے گئے ہیں۔ یہ انجمن لاہور میں اپنا کام شروع کر چکی ہے اور باقاعدہ رجسٹرڈ انجمن ہے۔جس کا حساب کتاب ہر وقت دیکھا جاسکتا ہے۔اور سردست ذیل کے کام اس کے پیش نظر ہیں۔

1۔ ہندوستان میں اور باہر مختلف مقامات پر اسلام کی تبلیغ کے لئے مرکز قائم کرنا۔اور ہر ایسے مرکز پر مبلغین کی ایک جماعت کا رکھنا جو دورہ کر کے وعظوں،تقریروں، ٹریکٹوں، کتابوں کے ذریعہ سے تبلیغ اسلام کی خدمت کو سرانجام دیتے رہیں۔

2۔ایسے اخباروں، رسالوں ،ٹریکٹوں ، کتابوں کی مفت اور قیمت پر اشاعت کرنا جن سے نہ صرف ان تمام حملوں کا جواب ہوتا رہے جو وقتاً فوقتاً مخالفین اسلام کی طرف سے اسلام پر ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ جن سے اسلام کے اصول حقہ دنیا کے سامنے پیش ہوتے رہیں۔اور دوسرے مذاہب میں جو غلطیاں پائی جاتی ہیں،اُن سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

3۔ایک ایسی جماعت کا تیار کرنا۔ جو تبلیغ اسلام کر سکے اور اسلام کے اصول حقہ دیگر مذاہب اور ان کی کمزوریوں، ان کے اسلام پر حملوں اور ان کے دفعیہ کی طرز سے پورے طور پر واقف ہو۔ یہ کام تدریجاً ترقی کر کے اپنی آخری صورت میں ایک

ایسے کالج کے قیام کو چاہتا ہے جس میں قابل پروفیسر موجودہ زمانہ کی ضروریات سے واقف ہر مذہب پر لیکچر دینے والے ہوں۔ اور جس سے مختلف قوموں کے اندر تبلیغ کرنے والے مبلغین پیدا ہوسکیں۔ مگر سردست اس کی بنیاد ڈالنے کے لئے ایک تبلیغی جماعت چھوٹے سے پیمانہ پر کھولی جائے گی۔ جس میں اُن لوگوں کو تبلیغ کے لئے تیار کیا جائیگا جو اپنی زندگی خدمت اسلام کے لئے وقف کرنے کے لئے تیار ہوں اور اسی بنیاد پر آہستہ آہستہ جیسے جیسے اس کام کے لئے فنڈ مہیا ہوتے جائیں، ایک تبلیغی کالج کے قیام کا انتظام کیا جائے گا۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ (88:11)

4۔ قرآن کریم اور دیگر مقدس اسلامی کتب کے صحیح ترجمے ایسے نوٹوں اور دیباچوں کے ساتھ دینا۔ جن سے اسلام پر حملوں کا دفعیہ ہو اور اسلام کی خوبیاں دکھائی جائیں۔ اس قسم کا ایک انگریزی ترجمہ قرآن کریم کا قریباً مکمل ہو چکا ہے۔ جس کا صرف دیباچہ باقی ہے اور اس کے اخراجات طبع کے لئے پچاس ہزار روپے بکار ہیں۔ کیونکہ علاوہ ترجمہ کے اس میں مفصل نوٹ اور دیباچہ ہوگا۔ اور قرآن کریم کا متن بھی ساتھ ہوگا اور یہ ترجمہ ولایت میں طبع ہوگا۔ اور یورپ میں بکثرت مفت شائع ہوگا اور اس قسم کا سلسلہ تصانیف، جس میں ایک اعلیٰ درجہ کا اسلامی مذہبی لٹریچر تیار ہوتا رہے، جس کو مسلمان اپنی طرف سے پیش کرسکیں، آئندہ یہ انجمن تیار کرتی رہے گی۔

5۔ لاہور میں ایک اسلامی کتب خانہ اور ریڈنگ روم قائم کرنا۔ جس میں ہر قسم کے اخبارات، رسالے اور کتابیں اسلامی پبلک کی آگاہی کے لئے مہیا کی جائیں گی۔ جن سے ہر قسم کی مذہبی اور اسلامی واقفیت پیدا کی جاسکے۔

6۔ وقتاً فوقتاً مختلف شہروں میں ایسے لیکچراروں واعظین وغیرہ کا بھیجنا جو تبلیغ اسلام

کریں۔ اور انجمن کے مقاصد اور اغراض کی تکمیل کے لئے اہل اسلام کو توجہ دلائیں۔ اُمید ہے کہ جملہ اہل اسلام، جو اشاعت اور حفاظت اسلام کے مقدس کام سے دلچسپی رکھتے ہیں، اس کار خیر میں معاون ہو کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ والسلام۔

خاکسار

محمد علی

میر مجلس احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

2 جون 1914ء

نظمِ ثاقب

بسلسلہ 31 مئی 1914ء

وہ صدرِ دینِ احمدؐ لندن کو جارہے ہیں   کب سے جناب خواجہ جن کو بلا رہے ہیں
بُرجِ کمال کے وہ تابندہ ہیں ستارے   جو آفتاب بن کر مغرب کو جارہے ہیں
فیاضیاں تو دیکھو اس قحط زر میں لوگو   حکمت و معرفت کے دریا بہا رہے ہیں
پیغامِ حق سنانا اس جا نہ تھا کچھ آساں   کن دِقتوں سے یاں پر نامِ خدا سنا رہے ہیں
سنتا نہ تھا یہاں پر یا کوئی بات اُن کی   حیرت میں خامُشی میں یہ مبتلا رہے ہیں
ووکنگ میں آئے ہیں یا کتنے آنے والے   تعلیمِ حق کے جن کو یہ گُر بتا رہے ہیں
کہتے ہیں جذب اس کو اب غیر احمدی بھی   خواجہ کے دوست بن کر لندن میں آرہے ہیں
دی ہے جسے خدا نے آسودگی کی نعمت   امدادِ زر سے اُن کی ہمت بڑھارہے ہیں
یہ کامیابیاں ہیں کچھ جانتے ہو ہمدم   اغیار دل ہی دل میں کیوں تلملارہے ہیں
کہنے کو کچھ اُٹھے تھے ووکنگ کے پادری بھی   کہتے نہیں بتاؤ کیوں ہچکچا رہے ہیں!
ہندوستاں سے لائے اک کہنہ پادری کو   پیری نہ چل سکی کچھ عزت گنوا رہے ہیں
سمجھے تھے کھیل گویا اسلام کو مٹانا   ووکنگ میں آئے دن کیوں یہ مات کھارہے ہیں
کشمیر میں نہاں ہے جسمِ لطیفِ عیسیٰ   کیوں آسماں پہ ان کو اتنا چڑھا رہے ہیں

بیگانوں کو بنانا اپنا ہے کام ان کا بیگانہ بن کے اپنے ان کو ستا رہے ہیں
بیگانے کررہے ہیں دلداریوں سے اُلفت نِشتر لگا کے اپنے دل کو دُکھا رہے ہیں
بیگانوں کی محبت آنکھوں سے ہے برستی اپنے جو ہیں غضب ہے آنکھیں دکھا رہے ہیں
اے میرے پیارے مولا اے میرے پیارے آقا کردے تو ہم کو یک جا تجھ کو سُنا رہے ہیں
کل تک تو ایک تھے ہم اب کیوں الگ الگ ہیں اغیار اس خوشی میں بغلیں بجا رہے ہیں
محمود اور محمد یک رنگ و ہم زباں ہوں دل میں یہ درد وغم ہیں جو دل کو کھا رہے ہیں
نکلی ہے دردِ دل سے سُن لے دعا ہماری کس دردِ دل سے مولا ہم بلبلا رہے ہیں
ثاقبؔ محمدی ہے اور احمدی مسلماں کیوں تیری انجمن سے اس کو اُٹھا رہے ہیں

21 جون 1914ء

مراسلات

نئے فتاویٰ کا اثر وصایا پر

اگر صاحبزادہ صاحب دل سے ان لوگوں کو جنہوں نے ان کی بیعت نہیں کی بلکہ بیعت کرنے سے انکار کیا ہے فاسق سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ وہ بارہا لکھ چکے ہیں۔ اور اب بھی ''مکتوب محمود'' میں جو اخبار الفضل جون 1914ء میں چھپا ہے، اس فتوے کا اعادہ کیا ہے اور اپنے آپ کو آدم قرار دے کر ان لوگوں کو جنہوں نے ان کے زعم میں ان کا مقابلہ کیا ہے، ابلیس یقین کرتے ہیں۔ اور پھر جیسا کہ ان کے خطبوں سے ظاہر ہے وہ ان لوگوں کو جھوٹا اور شریر اور منافق سمجھتے ہیں۔ تو کیوں الوصیت کی کسی ہدایت کے ماتحت ان کی وصایا پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ اور کیوں ایسے لوگوں کے وصایا کو رد کر کے واپس نہیں کیا جاتا؟ کیا مقبرہ بہشتی محض روپوں کے عوض بکنا شروع ہو گیا ہے کہ اگر ایک فاسق، منافق اور شریر بھی اپنے مال کے دسویں حصہ کی وصیت کر دے تو کیا اسے بخوشی قبول کر لیا جائے گا؟ اور کیا الوصیت کے ماتحت مقبرہ بہشتی میں دفن ہونے کی تیسری شرط کہ اس قبرستان میں دفن ہونے والا متقی ہو منسوخ ہو چکی ہے کہ اب تک فاسقوں کی وصیتوں پر اور ان کے اموال پر قبضہ کیا ہوا ہے اور ایسی وصایا کو واپس نہیں کیا جاتا؟

آخر ایمان کے معاملات میں ایک اصول کی پابندی ہونی چاہئے۔ اور محض روپیہ بہشتی ہونے کا معیار قرار نہیں دینا چاہئے۔ جس طرح کہ آج سینکڑوں اور ہزاروں درگاہوں پر ہو رہا ہے کہ کچھ روپیہ دے کر لوگ جنت خرید لیتے ہیں۔ کیا اب قادیان کا مقبرہ بھی ایسا ہی ایک مقبرہ رہ جائے گا کہ خواہ کوئی شخص فاسق ہو یا مومن اس سے کچھ غرض نہیں۔ صرف کچھ مال کا چڑھاوا اسے جنتی بنا کر مقبرہ بہشتی میں دفن ہونے کا استحقاق دے سکتا ہے۔

صاحبزادہ صاحب خدا کے لئے اس پر غور کریں کہ کیا یہ ان کے فتوے اور عمل میں سخت تناقض نہیں۔ مگر بجائے اس کے کہ صاحبزادہ صاحب خود نئی انجمن کے مطاع ہونے کی حیثیت میں فی الفور یہ احکام جاری کرتے۔ الٹا ان لوگوں پر، جو اپنی وصایا کو اس وجہ سے منسوخ کر رہے ہیں، الزام دیا جاتا ہے کہ وہ وصیتوں کو کیوں منسوخ

کر رہے ہیں اور ان کے لئے اور چارہ کیا رہ گیا ہے۔ ایک طرف انہیں فاسق قرار دیا جاتا ہے بلکہ بعض جگہ کافر تک کہہ دیا ہے۔ دوسری طرف الوصیت کی اس شرط کو بھی توڑ دیا گیا کہ تم اشاعت دین کے لئے ایک انجمن کے حوالہ اپنا مال کرو گے۔ نہ ہی انجمن اپنے اختیار سے اموال خرچ کرنے کی مجاز رہی نہ اشاعت اسلام کا کام اس کے پاس باقی رہا۔ پس جہاں ایک طرف وصیت کرنے والا، صاحبزادہ صاحب کے خیال کے موجب جب تک ان کی بیعت نہ کرے، متقی نہیں کہلا سکتا۔ اور بوجہ فاسق ہونے کے مقبرہ میں دفن نہیں ہوسکتا۔ اور دوسری طرف اس کا مال بھی اس غرض کے لئے اور اس طرح خرچ نہیں ہوسکتا، تو اب اس کے لئے سوائے اس کے کیا چارہ ہے کہ وہ اپنی وصیت کو منسوخ کرے اور اپنے مال کو ضائع نہ کرے۔ ہاں! ہم یقین رکھتے ہیں کہ ایسے احباب، جو وصایا کو منسوخ کریں گے، وہ الوصیت کے ماتحت دسویں حصہ مال کی وصیت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے حق میں کر کے اس ثواب کو نہ کھوئیں گے۔ جو انہوں نے وصیت کر کے حاصل کیا ہے۔ اصل غرض تو صرف جائیداد کو خدا کی راہ میں دینا اور اسے دین کی اشاعت میں لگانا ہے۔ سو جب ایک طرف سے ایسے واقعات پیدا ہوگئے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ مجبوری سے وصایا کو منسوخ کرتے ہیں۔ تو یہ ضروری ہے کہ وہی وصایا یا کم از کم الوصیت کی شرائط کے ماتحت دسویں حصہ کی وصیت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے حق میں کریں اور اس طرح اپنے ایمان پر صداقت کی مہر لگادیں کہ ان کی غرض منسوخی وصیت میں کوئی نفسانی غرض نہیں، وہ اب بھی اپنی جائیداد کو خدا کی راہ میں دینے کو تیار ہیں۔ مگر لینے والوں کے قصور کی وجہ سے اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کرتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ وصیت کے منسوخ کرنے والے اور اسے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے حق میں کرنے والے تفرقہ کی بنیاد نہیں ڈالتے۔ فاسق کے فتور اور قواعد کی تبدیلی نے ڈالی ہے۔ اور اب وہ مجبور ہیں کہ ان لوگوں کے ہاتھ میں اپنے اموال کو نہ دیں۔ جو ان کو فاسق قرار دے کر جہنم کا وارث قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کا صاف حکم فاسقوں کے لئے یہی ہے کہ اَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰهُمُ النَّارُ (20:32)

ہم اُمید کرتے ہیں کہ جس صورت میں ہماری ساری التجائیں صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں کہ وہ فاسق کا فتویٰ دے کر جماعت کے دو ٹکڑے نہ کریں اور اموال کو ایک ہی جگہ سابق قواعد کے مطابق صرف انجمن کے تصرف میں رہنے دیں، رائیگاں گئی ہیں۔ تو اب یا وہ اپنی بات پر قائم رہ کر وصایا کو واپس کر دیں گے۔ یا اب بھی فاسق کے فتویٰ کو واپس لے لیں گے۔ مگر یہ دوسری شق ناممکن ہو چکی ہے۔ کیونکہ اگر خدانخواستہ صاحبزادہ

صاحب کو کوئی الہام ہو گیا کہ وہ خلیفہ ہیں۔ جس طرح ان کے بہت سے مریدین کو پہلے اپنی خواہش نفس کے مطابق ہو چکا ہے۔ تو یہ فاسق فاسق ہی نہ رہیں گے بلکہ کافر بن جائیں گے۔ جیسا کہ مکتوب محمود میں صاف طور پر لکھا گیا ہے۔ ہمیں ان واقعات کا جس قدر رنج ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ مگر سب غموں پر دین احمدؑ کی اشاعت کا غم مقدم ہے۔ اشاعت اسلام ہی اصل غرض حضرت مسیح موعود کی تشریف آوری کی تھی اور اسی کے لئے ہمیں اپنی زندگیاں اور جائیدادیں وقف کرنی چاہئیں۔ اگر ایک راہ ہم پر بند کر دی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایک دوسری راہ کھول دی ہے۔

خدا چوں بہ حکمت بہ بندد درے کشاید بہ فضل و کرم دیگرے

اسی حکمت کے ماتحت اس نے ہمیں مقبرہ کا ایک حصہ بھی عطا کر دیا جب تک ہماری اغراض خالصۃً للہ، اشاعت اسلام کے لئے ہیں اور محض روپے کچھ اکٹھا کرنے کا خیال نہیں۔ اس وقت تک ان تمام برکات اور دعاؤں کے بھی ہم وارث ہیں جو حضرت مسیح موعود نے اشاعت اسلام کے لئے اپنی جائیدادیں وقف کرنے کے لئے کی تھیں۔ ہمارے نزدیک یہ خیال قطعاً درست نہیں کہ کوئی شخص محض روپیہ دے کر بہشتی بن جاتا ہے۔ ہاں فی سبیل اللہ اپنے اموال خرچ کرنے والے ضرور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق اپنا اجر پاتے ہیں۔ مگر جو لوگ کسی کو فاسق قرار دیتے ہوں اور روپیہ کے بدلے اسے بہشت دینے کے لئے تیار ہوں۔ ان کا قدم درست راہ پر نہیں۔

21 جون 1914ء

اداریہ

لائل پور (فیصل آباد) میں تقریر حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

(چند روز ہوئے لائل پور سے جناب شیخ محمد اسمعیل صاحب، شیخ مولا بخش صاحب، شیخ محمد حسین صاحب اور دیگر احباب سلسلہ نے جناب حضرت امیر قوم مولانا مولوی محمد علی صاحب کی خدمت میں یہ التجا کی کہ وہ لائل پور میں تشریف لا کر اپنے مواعظ حسنہ سے باشندگان لائل پور کو مستفید فرمائیں۔ چنانچہ گزشتہ اتوار کو وہاں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا۔ اور حضرت موصوف بمع جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور حکیم الہ یار صاحب جوگی قومی شاعر کے وہاں تشریف لے گئے اور تین بجے شام کے وقت لائل پور پہنچے۔ جناب میاں نور الدین صاحب نقشہ نویس، جناب شیخ مولا بخش صاحب پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ لائلپور اور نیز شیخ محمد اسمعیل صاحب وغیرہم سٹیشن پر موجود تھے۔

جلسہ کا انتظام جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب کے کارخانہ فلور ملز میں پہلے سے بہت وسیع پیمانہ پر کیا ہوا تھا۔ اور ہندو مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ برف شربت اور لیمونیڈ وغیرہ کا انتظام تھا۔ جلسہ ساڑھے چھ بجے شام کو ہوا۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد جناب حکیم الہ یار صاحب جوگی نے نظم ''جواب شکوہ'' پڑھ کر سنائی۔ جس کے بعد جناب حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب نے مسلمانوں کی ترقی پر بہت زبردست تقریر کی۔ جلسہ میں تعلیم یافتہ ہندو، مسلمان اور عیسائیوں کا ایک خاصہ مجمع تھا۔ تقریر پہلے تو نماز مغرب تک ہوتی رہی اور پھر شام کے بعد رات کے بارہ بجے تک دوسرے اجلاس میں حاضرین کی تعداد باوجود گرمی کی شدت کے زیادہ ہوگئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ اس تقریر کا پہلا حصہ درج ذیل ہے۔ اور باقی آئندہ اشاعت میں شائع ہوگا۔ مدیر)

تقریر امیر ایدہ اللہ

تشہد،تعوذ اورسورۃ الفاتحہ کی تلاوت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:

آج کل سب سے بڑا سوال جو ہمارے پیش نظر ہے وہ مسلمانوں کی ترقی کا سوال ہے۔مسلمانوں کے تنزل کا حال بیان کرنے کی ضرورت نہیں ۔ہاں!اس سوال کا جواب دینا نہایت ضروری ہے کہ مسلمان کس طرح سے ترقی کر سکتے ہیں؟

ایک تعلیم کا حامی جیسا کہ میں خودبھی ہوں یہ کہے گا کہ ہم تعلیم کے ذریعہ سے ہی ترقی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انسان کو دوسری مخلوق پر یہ فخر حاصل ہے کہ دوسری مخلوق اس کے کام میں لگی ہوئی ہے۔لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی طاقت دی ہے کہ یہ سب چیزوں پرحکومت کرسکتا ہے۔آگ، ہوا، پانی ،بجلی سب پراس کوحکومت دی ہے۔ یہ تو کوئی بڑی چیز نہیں انسان تو ان سب چیزوں کوبھی ،جنہیں دیوتا سمجھا جاتا ہے،اپنے قبضہ میں کرسکتا ہے۔مگروہ یہ دیکھ کرکہ یہ چیزیں مجھے فائدہ پہنچاسکتی ہیں۔ان کو خدا ہی بنا بیٹھا۔لیکن آج یہ ان سب پرحکومت کررہا ہےاور یہ سب کچھ صرف تعلیم ہی کے طفیل ہے۔

پھر بعض کہتے ہیں کہ پولیٹیکل معاملات میں دخل دینے سے ہی ہم کامیاب ہوسکتے ہیں۔اور یہ خواہش انسان میں اسی حکومت کی وجہ سے داخل ہوئی ہے۔ جودوسری چیزوں پراسے فطرتاً حاصل ہے۔انسان فطرتاً چاہتا ہے کہ دوسروں پرحکومت کرےاوراس لئے اس میں دخل دینا بھی اس کے لئے فائدہ مند ہے۔

میرے خیال میں اسلام کی قوت، اسلام کی برکات اوراسلام کی خوبیوں کو ہی مدنظر رکھ کرانسان اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج کوپہنچ سکتا ہے۔ دنیا ایک ایسی جگہ ہے کہ تمام قومیں اور طاقتیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں لگی ہوئی ہیں۔لیکن ان میں سے وہی کامیاب ہوسکتی ہیں جوزیادہ طاقت ورہوتی ہیں۔سمندر میں بڑی مچھلیاں چھوٹی کو کھاجاتی ہیں اوراسی طرح اعلیٰ ہمیشہ ادنیٰ کوکھالیتا ہے۔پس وہ مخلوق جوتنزل کی طرف قدم مارتی ہے وہ اپنی فنا کی طرف جاری ہے۔مسلمانوں کو یادرکھنا چاہئے کہ اُن کے اندرایک طاقت ہےجس کے ذریعہ وہ دنیاپر غالب آسکتے ہیں۔ہمیں چاہئے کہ ہم اسلام کی سربلندی اورغلبہ پر یقین رکھیں۔ کیونکہ اسی یقین کے ذریعہ مسلمان بڑی سے

بڑی طاقت اور کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔اس کو یقین ہونا چاہئے کہ میں دوسروں پر غالب آسکتا ہوں۔شیر پر وہی شخص غالب آسکتا ہے کہ جس کو یقین ہو کہ وہ ہتھیاروں کے ذریعہ سے مغلوب کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ وہ کتنا طاقت ور حیوان ہے لیکن اگر ہمیں یقین نہ ہو تو پھر ہم اسے مغلوب نہیں کرسکتے۔آج مسلمانوں میں اس امر کا نہ صرف یقین ہی نہیں بلکہ الٹی بہت سی بدگمانی بھی ہے کہ اسلام میں وہ قوت، برکت اور خوبی ہی نہیں کہ جس کے ذریعہ سے ہم ترقی کے معراج پر پہنچ سکیں۔

اس وقت مسلمانوں میں دو گروہ ہیں: 1۔علماء: جو دینی علم رکھتے ہیں 2۔تعلیم یافتہ: جو علومِ مروجہ سے بہرہ ور ہیں۔ان دونوں گروہوں میں یہ یقین نہیں کہ اسلام میں کوئی طاقت ہے۔اگر کوئی کسی بڑے سے بڑے عالم کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے جاتا ہے۔تو وہ جواب دیتے ہیں کہ مذہب میں عقل کو کوئی دخل ہی نہیں۔ حالانکہ قرآن میں اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ بار بار آیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو خود اس مسئلہ کے متعلق یقین نہیں ہوتا۔اگر علماء کو اس بات کا یقین ہو کہ اسلام کے مسائل سب حسن ہی حسن رکھتے ہیں، تو وہ کبھی ایسا جواب نہ دیتے۔

دوسری طرف تعلیم یافتہ گروہ کا بھی یہی حال ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جس علم کے متعلق انسان کوشش کرتا ہے وہ اسی علم کی واقفیت حاصل کرسکتا ہے۔قانون دان، انجینئر ان سب کی واقفیت اپنے اپنے علوم کے احاطہ کے اندر ہی ہوتی ہے۔اور یہ نہیں ہوسکتا کہ انجینئر قانون دان کا اور قانون دان انجینئر کا علم بھی سیکھ لے۔ اسی طرح جو لوگ قرآن پاک کا مطالعہ نہیں کرتے وہ اس علم کو حاصل نہیں کرسکتے اور یہی وجہ ہے کہ انہیں قرآن پاک میں حسن اور برکات کے ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔

ایک بیرسٹر نے مجھے ایک دفعہ خواجہ (کمال الدین) صاحب کی نسبت کہا کہ ان کا ولایت جانا عبث ہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہ جانتا ہی نہ تھا کہ اسلام کے اندر کتنی خوبیاں ہیں۔آج دیکھو بجلی کس قدر کام کررہی ہے۔لیکن کبھی یہی بجلی تھی کہ اس سے ڈر کر لوگ اندر چھپ جایا کرتے تھے۔اسی طرح آج تعلیم یافتہ گروہ کا حال ہے۔ وہ اسلام کی خوبیوں سے واقف ہی نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ اس کے اندر کتنی طاقتیں، خوبیاں اور کمالات ہیں۔پھر وہ اس سے کس طرح مستفید ہوسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ میں نے کہا کہ مسلمانوں کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلام کی برکات اور اس کی خوبیوں سے واقف ہوں۔

اسلام کے اصول: اسلام میں دو موٹے اصول ہیں۔ اللہ کے سوائے کوئی خدا نہیں۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ اب دیکھو کہ ان دو اصولوں کا صحابہؓ نے کس طرح اعلان کیا۔ یہ اذان کیا ہے؟ اسلام کے اصول کا اعلان ہے۔ کوئی مسجد ایسی نہیں جہاں پانچ وقت ان دو اصولوں کا اعلان نہ ہوتا ہو۔ باوجود مسلمانوں کی سستی اور غفلت کے بھی آج یہ اعلان جاری ہے۔ اگرچہ نہایت سخت افسوس ہے کہ بعض مسلمانوں نے خود مسجدیں بیچ ڈالی ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ جب سکھوں کے راج میں مسلمانوں کو اذان دینے سے روکا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس میں کوئی زہر تھا۔ بلکہ ہر ایک مذہب میں ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے اصولوں کو پھیلتا نہیں دیکھ سکتے۔ یہ ان کی تنگدلی تھی۔ لیکن آج ہمارے لئے بعض اوقات اپنے آپ کو مسلمان کہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

بہت سے لوگ اسلام کو چھپا کر رکھنا مناسب سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک طرف اپنی اس حالت کو رکھو اور دوسری طرف پیغمبر اسلام ﷺ کی حالت پر نظر کرو۔ جس وقت مسلمانوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔ اُس وقت رسول کریم ﷺ اسلامی اصولوں کو اس بلند آہنگی سے اعلان کرتے تھے کہ ان کی خواہش تھی کہ کوئی انسان ایسا نہ رہ جائے کہ جو اس سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ یہ اس یقین کا نتیجہ ہے جو آپؐ کے دل میں اسلام کی نسبت تھا۔ پھر دیکھو! سوائے اسلام کے کسی اور مذہب نے اس کثرت سے اعلان نہیں کیا۔ اگرچہ عیسائی مذہب کے مبلغ دور دور تک پہنچ گئے ہیں لیکن وہ بھی اس زور سے نہیں کر سکتے۔ جس طرح سے اسلام نے کیا ہے۔ اذان صرف نماز کے لئے بلانے کا ہی طریق نہیں بلکہ اس کے ذریعہ سے اسلام کے اصولوں کی صداقت کا اعلان ہوتا ہے۔

آج مسلمان اپنے مذہب کو چھپانے کے لئے طرح طرح کی کوشش کرتے ہیں۔ آج کتنے تعلیم یافتہ مسلمان ایسی جرأت اور طاقت رکھتے ہیں کہ وہ نماز کا وقت آتے ہی یوں بلند آہنگی سے اسلامی اصولوں کا اعلان کر دیا کریں۔ میں اس امر میں پورا یقین رکھتا ہوں کہ جب تک مسلمان اپنے اصولوں کو سچا سمجھ کر لوگوں کو ان کا معتقد بنانے کی کوشش نہ کریں، کامیاب نہیں ہو سکتے۔

انسان کبھی سکون کی حالت میں نہیں رہ سکتا۔ یا تو ترقی کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور یا تنزل اختیار کرتا ہے۔ پس جب تک تم اسلام کی اشاعت میں کوشش نہ کرو گے۔ اسلام مخالفوں کے حملوں کی زد میں رہے گا۔

مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ کیا تم اس خیال میں ہو کہ تمہاری زندگی خوب آرام سے گزرتی ہے اور نہیں دیکھتے کہ ہزاروں مسلمان اسلام کو چھوڑ کر غیر مذاہب میں داخل ہو رہے ہیں۔ پس میں سب سے پہلے آپ کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اسلام کی خوبیوں اور برکات میں یقین پیدا کرو۔ تا کہ تم میں طاقت پیدا ہو اور تم اسلام کے ذریعہ سے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو تسخیر کر لو۔

میں یہاں چند موٹی موٹی باتیں بیان کر دیتا ہوں۔ جس سے معلوم ہو کہ اسلام کے اندر کیا کیا خوبیاں ہیں۔ ہر ایک مذہب میں تین امور دیکھنے کے قابل ہیں۔

1۔ کس قسم کا خدا پیش کرتا ہے۔

2۔ کس قسم کا رسول پیش کرتا ہے۔ جس کے نمونہ پر چل کر انسان کامل بن سکتا ہو۔

3۔ کس قسم کی کتاب پیش کرتا ہے۔

سب سے پہلے اس بات کو سمجھنے کے لئے کہ اسلام نے کس قسم کا خدا پیش کیا ہے۔ آیا وہ خدا ایسا ہے جس پر کسی مذہب کو اعتراض ہو یا اس کے اندر کوئی نقص ہے یا وہ کسی خوبی سے عاری ہے۔ یاد رکھنا چاہئے اسلام کا پہلا اصول توحید ہے اور اس بات کو سب مانتے ہیں کہ جو توحید اسلام نے سکھائی ہے وہ اور کسی مذہب میں نہیں۔ اگر اسلام توحید کو دنیا میں نہ پھیلاتا تو اس زمانہ میں جب توحید مر چکی تھی یہ بھی زندہ نہ ہوتا۔ آج بت پرست بھی ایک خدا کے قائل ہیں۔ کیونکہ وہ بتوں کو ایک ہی خدا کا مظہر یقین کرتے ہیں۔ عیسائی بھی حضرت عیسیٰ کو ایک خدا کا بیٹا مان کر توحید ہی پیش کرتے ہیں۔ آریہ صاحبان بھی بتوں کو چھوڑ کر توحید پر قائم ہوئے ہیں۔ اگرچہ خدا کے اوصاف کو ناقص ٹھہرایا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا اسلام نے توحید ان میں سے لے کر پیش کی ہے؟ آریہ صاحبان کی توحید اسلام کے بہت قریب ہے۔ کیونکہ انہوں نے خدا کا کوئی شریک قرار نہیں دیا۔ نہ بیٹا بنایا لیکن انہوں نے جو دو نقص اللہ تعالیٰ کی ذات میں رکھے ہیں وہ یہ ہیں کہ مادہ اور روح بھی خدا کی طرح ازلی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مالکیت صفت ازلی ہے اور چونکہ ہماری آنکھوں کے سامنے کبھی نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہم یہ نہیں مان سکتے کہ کبھی

کوئی چیز نیست سے ہست ہوسکتی ہے۔

درحقیقت سائنس کے ذریعہ ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ہم کبھی مادہ کو فنا نہیں کرسکتے۔ اور نہ ہی ہم بغیر مادہ کے کوئی چیز ہی بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نیستی سے ہستی نہیں ہوسکتی۔ یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ انسان بغیر مادہ کے نیست سے ہست نہیں کرسکتا۔ لیکن کیا خدا بھی ایسا نہیں کرسکتا۔ ہم نے خدا کو لامحدود طاقت والا پایا ہے۔ ہر ایک مذہب مانتا ہے کہ خدا دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے لیکن ہمارے سامنے انسان بھی دیکھ اور سن سکتا ہے۔ تاہم انسان کے دیکھنے اور سننے اور خدا کے سننے اور دیکھنے میں بہت بڑا فرق ہے۔ انسان دیکھنے میں دو چیزوں آنکھوں اور روشنی کا محتاج ہے۔ کیا خدا بھی ان دو چیزوں کا محتاج ہے؟ کیا کسی مذہب نے یہ بھی مانا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی روشنی اور آنکھ کا محتاج ہے۔ میرے خیال میں کوئی مذہب بھی یہ نہیں مانتا۔ بلکہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ خدا ان چیزوں کا محتاج نہیں۔ بلکہ وہ بغیر ان کی امداد کے زمین کی اندرونی اور ہر ایک ظاہر و باطن کی چیزیں دیکھ سکتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ وہ ان دونوں چیزوں کا محتاج نہیں۔ اسی طرح سے سننے میں بھی انسان کان اور ہوا کا محتاج ہے لیکن خدا تعالیٰ جس طرح دیکھنے کے لئے کسی چیز کا محتاج نہیں، اسی طرح سے سننے کے لئے بھی کسی چیز کا محتاج نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ ان صفات میں انسان کی طرح کسی چیز کا محتاج نہیں۔ اسی طرح سے سمجھ لینا چاہے کہ انسان مادہ اور ہاتھوں سے کسی چیز کو بنانے کا محتاج ہے۔ جس طرح دیکھنے اور سننے کے لئے وہ دو چیزوں کا محتاج تھا۔ لیکن اللہ کی ذات کے متعلق یہ عقیدہ صحیح نہیں کہ وہ خلق میں کسی چیز کا محتاج ہے۔ مگر آریہ صاحبان یہاں خدا کو مادہ کا محتاج مانتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ وہ خدا کو جیسا چاہئے نہیں مانتے۔ انسان کسی چیز کا علم مختلف ذرائع سے حاصل کرسکتا ہے۔ خواہ وہ اس کی اندرونی طاقتیں اور ذرائع ہوں یا بیرونی۔ لیکن خدا ذرائع کا محتاج نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ غیب کا علم بھی رکھتا ہے اور بغیر کسی چیز کی موجودگی کے بھی اسے پورے طور پر جانتا ہے۔ پس جس طرح خدا عدم کا علم حاصل کرسکتا ہے۔ اسی طرح صاف ظاہر ہے کہ وہ نیستی سے ہستی کا علم بھی حاصل کرسکتا ہے۔

یہ بہت ہی موٹی بات تھی۔ لیکن جس مذہب کی بنا صرف عقل پر رکھی جاوے اور وحی الٰہی کی امداد اس کے ساتھ نہ ہو وہ ضرور ناقص رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوامی دیانند نے خدا کو ناقص جان کر اسے روح و مادہ کا محتاج ٹھہرایا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ انسان کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ مگر چونکہ خدا غیر محدود ہے اور انسان

محدود۔ پس غیر محدود محدود میں داخل نہیں ہوسکتا۔ حضرت مسیحؑ کی نسبت عیسائی مانتے ہیں کہ وہ انجیر کے درخت کی طرف گئے تو اس سے پھل مانگا۔ لیکن پھل نہ ملا تو بددعا کی۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ ان کا علم محدود تھا اور یہ انسانی ذات کا خاصہ ہے۔ یہ بات صرف عیسائیت میں مخصوص نہیں۔ بلکہ ہندو بھی اس مسئلہ کو مانتے ہیں۔

اس بات کے تو ہم بھی قائل ہیں کہ جس طرح لوہا آگ میں ڈالا جائے۔ تو وہ آگ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض انسان خدا کے اندر ایسے جذب ہوتے ہیں کہ ان میں بعض صفات الٰہی داخل ہو جاتی ہیں۔ لیکن جس طرح لوہا آگ میں پڑنے سے درحقیقت آگ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح سے انسان خدا نہیں ہوسکتا۔

پس اسلام نے جو توحید پیش کی ہے وہ ایسی ہے کہ ہم اسے لے کر کہیں شرمندہ نہیں ہو سکتے۔ اسلام نے توحید کو تو لے لیا اور باقی جو کمزوریاں تھیں وہ چھوڑ دی ہیں۔ جیسا کہ ہندو خدا کو ایک مانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی حد بندی بھی کر دی ہے کہ وہ بتوں کے ساتھ ہے۔ یا جیسا کہ عیسائیوں نے خدا کا بیٹا اور روح القدس بھی تجویز کر لیا۔

دراصل اگر صرف اسلام کی توحید کو ہی دنیا میں پھیلایا جائے تو اسی سے اسلام دنیا میں غالب ہوسکتا ہے۔ دیکھو! حال میں ایک کانفرنس مذاہب کی قائم ہوئی ہے۔ اس کے ممبر اللہ تعالیٰ کی خالص توحید کو ہی مانتے ہیں۔ چنانچہ پیرس میں جب ان کا جلسہ ہوا تو جناب خواجہ صاحب نے توحید کے متعلق جب وہاں لیکچر دیا تو انہوں نے حیرانی سے پوچھا کہ کیا اسلام یہ توحید سکھاتا ہے؟ پھر کہا کہ توحید تو یہی ہونی چاہئے۔ لیکن اسلام کی یہ توحید نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہی نہیں کہ اسلام خالص توحید سکھاتا ہے۔ ان کے نزدیک مسلمان محمد ﷺ کا ایک سونے کا بت بنا کر اس کی پرستش کرتے ہیں۔

الغرض یہ توحید اکبر جس کا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے اگر ہم نہ چھپاتے اور دنیا میں لے کر نکل جاتے تو ساری دنیا کو فتح کر سکتے تھے۔ پیغمبر خدا ﷺ نے تیرہ سال صرف توحید کی ہی تعلیم میں لگا دیئے۔ اگر تم فی الحال اس نمونہ کا ہی فائدہ اُٹھاؤ۔ اگر تم اس توحید کو ہی لے کر دنیا میں نکل جاؤ اور اس پاک اصول کو دنیا کے سب کونوں میں پہنچا دو۔ تو تم نے اس غرض کو ادا کر دیا جو اسلام نے تمہارے ذمہ عائد کیا ہے۔ دوسری بات جو میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم ہے۔ یہ ایک مذہبی کتاب ہے۔ جیسے کہ اور مذاہب کی کتابیں ہوتی ہیں۔

اسلام کی بڑی خوبی، جس کی وجہ سے ہم کسی کے آگے شرمندہ نہیں ہو سکتے، وہ یہ ہے کہ اسلام میں بخل نہیں وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (7:13) سے صاف پتہ لگتا ہے کہ اسلام کو کسی قوم سے بخل نہیں۔ پہلے اصول جو کہ اسلام نے پیش کئے وہ یہ ہیں کہ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (162:4) اس میں یہی تعلیم دی کہ قرآن کو بھی اور پہلی کتابوں کو بھی مانیں۔ اسلام کو یہ فخر حاصل ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو سچا کہتا ہے تو دوسرے مذاہب کو بھی خوبیوں سے خالی قرار نہیں دیتا۔ لیکن دوسری طرف غیر مذاہب کو دیکھو وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (113:2) یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی (سچائی) پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں یہودی (سچائی) پر نہیں۔ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔ ان کو اس بات کا کوئی علم ہی نہیں۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ (113:2) اسی طرح انہی کے قول کے مانند وہ لوگ کہتے ہیں جو کچھ نہیں جانتے۔

اسلام اصل میں کمال کا نام ہے۔ یہ نہیں کہ چند باتوں کی پیروی کر لی اور باقی کو چھوڑ دیا۔ اسلام اس کا نام ہے کہ تم ان نیک باتوں کی بھی پیروی کرو جو پہلی کتابوں میں تھیں۔ تا انسان تمام کمالات کو حاصل کر سکے۔ کسی کی خوبی سے خواہ مخواہ انکار نہ کرو۔ کیونکہ جو کسی کی خوبی سے انکار کرتا ہے وہ خوبی سے محروم رہ جاتا ہے۔ مسلمان ایک کامل شخص کا نام ہے جو تمام خوبیوں کو اپنے اندر رکھتا ہو۔

الغرض قرآن تمام خوبیوں کی جامع کتاب ہے۔ میں اس کی خوبیاں دیکھنے کے لئے ایک موٹی بات بتاتا ہوں۔ دیکھو ہر ایک مذہب کی کتاب راہ راست دکھانے کی دعویدار ہے۔ پس اگر کوئی کتاب ایسی ثابت ہو، جس نے پورے طور پر راہ راست دکھا بھی دی، تو اس کا کمال دوسری کتابوں پر ثابت ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ باقی کتابیں کن حالات میں نازل ہوئیں اور قرآن کن حالات میں۔ باقیوں نے کیا کام کیا اور قرآن نے کیا۔

وید کے متعلق ہمیں یہ علم ہی نہیں کہ وہ کب نازل ہوئے۔ کیا بدیاں اس وقت تھیں۔ انہوں نے کیا تبدیلی اپنے پیروؤں میں پیدا کی۔ لیکن یہ ظاہر امر ہے کہ ویدوں میں توحید کے ساتھ مادی عناصر کی پرستش پر بھی زور دیا گیا ہے اور تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ باوجود ویدوں کی موجودگی کے، ہندوستان میں بت پرستی ہی جاری

رہی اور کسی تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی ویدوں کے ذریعہ کسی قوم نے ہدایت پائی ہواور یا بدکاریوں سے پاک رہی ہو۔

اسی طرح سے زرتشت اور کنفیوشش کی کتابوں کی نسبت بھی ہمیں کوئی پتہ نہیں ملتا کہ وہ کس زمانہ میں آئیں۔اس وقت زمانہ میں کون سی بدیاں تھیں اوران کو دور کیا گیا یانہیں۔

پھر بائبل نے جوتبدیلی اپنے پیروؤں میں پیدا کی ،اس کا نقشہ اسی کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔جس وقت حضرت موسیٰ پرتوریت اُتری۔اس سے پہلے بنی اسرائیل توحید پر قائم نہ تھے۔تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ توراۃ توحید پھیلانے میں کامیاب نہ ہوئی۔پھرانجیل میں توحید کی تعلیم پائی جاتی ہے۔اس وقت یہود کی یہ حالت تھی کہ وہ توحید کے قائل تھے۔لیکن ان میں بعض بداخلاقیاں تھیں۔قصاص کے مسئلہ میں ظلم و بے دردی غالب تھی۔کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے بھی توراۃ کوسبقاً سبقاً پڑھا۔ہمیں تاریخ سے صرف اس قدر پتہ لگتا ہے کہ اگرچہ انجیل نے توحید کی تعلیم دی لیکن پھر بھی بہت سا حصہ تثلیث کا قائل ہوگیا اورآخر میں رومن کیتھولک رہ گئے۔جن کے گھروں اور بغلوں میں بت ہیں۔اصل عیسائی رومن کیتھولک ہیں باقی پروٹسٹنٹ بعد کی کوشش کا نتیجہ ہیں۔یہ ان تین چار کتابوں کا حال ہے جوقرآن کریم سے پہلے تھیں۔ان کوتوحید پھیلانے میں کامیابی نہیں ہوئی۔یا اگر ہوئی تو بہت تھوڑی اورزیادہ تر انہوں نے بت پرستی کی مدد کی۔(جاری دراشاعت 23 جون 1914ء)

23 جون 1914ء

تقریر حضرت امیر ایدہ اللہ

(2)

بسلسلہ اشاعت 21 جون 1914ء

اسلام کی خوبیاں اور برکات مسلمان کس طرح ترقی کر سکتے ہیں؟

پہلے حصہ تقریر میں مَیں نے دنیا کی مختلف مذہبی کتب کا ذکر کیا تھا۔ اس وقت میں ان سب پر قرآن کی فوقیت ثابت کروں گا۔ کسی مقدس کتاب کے تقدس اور اس کی خوبیوں کا اندازہ کرنے کے لئے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ سے دنیا کی کس قدر اصلاح ہوئی اور اس نے دنیا سے کس قدر گمراہی کو دور کیا۔

ویدوں کے متعلق آج بڑے زور سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ان کے ذریعہ سے دنیا کی بہت کچھ اصلاح ہوئی اور یہ لوگوں کی ہدایت کا موجب ہوئے۔ ہمیں اس بات کے ماننے سے انکار نہیں۔ لیکن تاریخ سے اس بات کا پتہ نہیں لگتا اور ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے قوم میں کوئی تبدیلی پیدا کی۔

یہی حال بائبل کا ہے۔ بیشک یہ کتاب کسی زمانہ میں لوگوں کے لئے فائدہ مند ثابت ہوئی ہوگی۔ لیکن اس کا کیا علاج کریں کہ اس بارہ میں کوئی تاریخی شہادت ہمارے پاس موجود نہیں۔ مگر دوسری طرف اسلام پر نظر کرو۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی تمام باتیں تاریخ کی روشنی میں ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ عرب کی حالت، نبی کریم ﷺ کی زندگی کے حالات، قرآن کریم کے ذریعہ سے تبدیلی، ان تمام اُمور پر تاریخ نے پوری روشنی ڈالی ہے۔ اور یہ فوقیت صرف اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اس کے تمام حالات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اس سے ہم اس بات کو جانچ سکتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ اس کے دعوے کہاں تک سچے ہیں؟ اور اس میں کون سی خوبیاں پائی جاتی ہیں؟

عرب کا ملک بہت مدت سے بُت پرستی سے گھرا ہوا تھا اور وہاں اس کا اس قدر زور تھا کہ جو انبیاء بنی

اسرائیل کی طرف آتے رہے وہ انہیں توحید کی تعلیم دیتے ہوئے یوں نصیحت فرماتے تھے کہ تم توحید پر ایسی استقامت دکھاؤ، جیسے عرب بت پرستی پر قائم ہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے صدہا سال تک کوشش کی کہ ان سے بُت پرستی دور کریں اور ان کی حالت کو سنواریں۔ اور اس بات کو سر ولیم میور نے بھی باوجود اسلام کے ساتھ سخت مخالفت رکھنے کے، تسلیم کیا ہے کہ پہلے یہودیوں نے اور پھر عیسائیوں نے عرب سے بُت پرستی دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔ اور اس نے لکھا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے ہی عرب میں توحید پھیلانے کی کوشش ہو رہی تھی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے پہلے سب مایوس ہو چکے تھے۔ عرب محض ان گھڑے پتھروں کے پجاری تھے۔ اور جب باہر جاتے تھے، عام پتھروں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ وہاں اتنی روحانی امراض کا دور دورہ تھا کہ جن کی نظیر کسی دوسری قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ معمولی سی بات پر خونریز لڑائیاں ہو جاتیں اور ان کا سلسلہ صدہا سال تک ختم نہ ہوتا تھا۔ شراب خوری کا وہاں بہت رواج تھا۔ لیکن ان تمام حالات میں باوجودیکہ اس سے پیشتر دو بڑی بڑی قومیں ان کی اصلاح اور وہاں توحید کی اشاعت سے مایوس ہو چکی تھیں۔ اور صرف معدودے چند برائے نام موحد باقی رہ گئے تھے۔ قرآن کریم نے بُت پرستی کو اس طرح سے جڑ سے اُکھاڑ پھینکا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد وہاں بُت پرستی دوبارہ قدم نہ جما سکی۔

اللہ اللہ! یہ کتنا بڑا معجزہ ہے کہ ایک طرف حالات ایسے یاس افزا کہ دو بڑی بڑی قومیں مایوس ہو جاتی ہیں۔ اور دوسری طرف قرآن کا وہ اعجاز دکھائی دیتا ہے کہ چند ہی سالوں میں بت پرستی کا نام ونشان نہیں رہتا۔ اور توحید یہاں تک قدم جماتی ہے کہ خود ہی بُت پرست عرب توحید کے سبق کے اُستاد بن جاتے ہیں۔ تو ہم پرستی ان میں اس حد تک تھی کہ باہر سفر کو جاتے وقت پہلے بتوں کے آگے سجدہ کر لیتے تھے۔ لیکن جب قرآن نے انہیں توحید کا وعظ کیا تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کا نام لے کر فرداً فرداً باہر نکل گئے۔ اور ایک نے افغانستان جیسے خطرناک ملک میں توحید کو پھیلایا۔ تو دوسروں نے چین، الجزائر، صحرائے افریقہ اور یورپ وغیرہ میں اسلام کا غیر متزلزل جھنڈا گاڑ دیا۔ یہ عظیم الشان تبدیلی ایک بین دلیل ہے اس امر کی کہ قرآن نے جو اصلاح کی، وہ تاریخ میں بالکل لاثانی ہے۔ قرآن نے نہ صرف بت پرستی کا ہی قلع قمع کیا بلکہ شراب نوشی کو بھی اس طرح سے دور کیا کہ وہ جو پانچ وقت شراب کے عادی تھے انہی اوقات میں معبود حقیقی کی عبادت کے نشہ میں مخمور نظر آنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ اور ہر وقت کشت وخون میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن مسلمان ہو کر وہ تمام دشمنیوں کو بالائے طاق

رکھ کر بھائی بھائی ہو جاتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا. (103:3)

آنحضرت ﷺ جب مبعوث ہوئے تو عرب میں نہ کوئی تعلیم تھی نہ آپس میں میل جول اور نہ زیادہ تعلقات تھے۔ ہاں! جنگ بہت زوروں پر تھی۔ لیکن قرآن کی قوت قدسی کو دیکھو کہ اس نے یک لخت سارے عرب کو پلٹا دے دیا اور اُس کی معجزانہ تاثیر اور رسول کریم ﷺ کے مقناطیسی جذبہ سے وہاں کا زمین و آسمان ہی بالکل بدل گیا۔

آج دنیا سے شراب خوری کی بیماری کو دور کرنے کے لئے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اور ٹمپرنس سوسائٹی کو آج اپنی اغراض کی تکمیل میں کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر بھی انہیں کوئی کامیابی دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن دوسری طرف قرآن کے اعجاز کو دیکھو کہ اُدھر شراب خوری کی ممانعت ہوتی ہے اور اُدھر مدینہ کی گلیوں میں شراب کے نالے بہہ نکلتے ہیں۔ یہ سب کچھ کس بات کا نتیجہ ہے۔ یہ اس دعویٰ کا ثبوت ہے جو قرآن مجید کے شروع میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (2:2) یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب متقیوں کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ دعویٰ کرنا آسان ہے لیکن اس کا ثبوت دینا مشکل۔ دنیا کی اور مذہبی کتابوں نے بھی ہدایت دینے کے دعوے کئے۔ لیکن ان کے دعووٴں کی سچائی کی آج کوئی تاریخ شاہد نہیں۔ مگر قرآن کے مذکورہ بالا دعویٰ کے ثبوت میں تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے بطور گواہ کھڑا کر دیا ہے۔ یہ ہے وہ کمال جو قرآن کریم کے سوائے اور کسی کتاب میں پایا نہیں جاتا۔ اگرچہ اور کتابیں بھی اصلاح کے لئے آئیں لیکن وہ قرآن کریم کی طرح کامل اصلاح لے کر نہیں آئیں۔

دوسرا کمال قرآن کا یہ ہے کہ وہ تمام صداقتیں اور مضبوط تحریرات جو پہلی کتابوں میں موجود تھیں، اس میں جمع کر دی گئیں ہیں۔ فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ (3:98) اس کا دعویٰ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ دنیا کی کوئی صداقت پیش کرو۔ اسے ہم قرآن سے نکال کر دکھا سکتے ہیں۔

الغرض قرآن نے اپنے تمام دعاوی کے دلائل دیئے ہیں اور اس کی عبارت نہایت معجزانہ ہے۔ جس کا دنیا کی کوئی کتاب لاگا نہیں کھا سکتی۔ ایک طرف عرب کے ریگستانوں کو دیکھو۔ اس میں تعلیم کا کوئی چرچا نہیں۔ پھر

اس کا دنیا کے دوسرے حصص سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ ہاں! ان کی تمام فصاحت و بلاغت گھوڑوں کی تعریف پر ختم ہے۔ ایسے ملک میں ایسی کتاب کا نازل ہونا، جس کا دنیا کا کوئی فرد مقابلہ نہیں کر سکتا، اس کی صداقت پر شاہد عادل ہے۔ سارا قرآن تو خیر، اس کی ابتدائی چند آیات کا ہی دوسری کتابوں سے مقابلہ کر کے دیکھو تو اس کی سچائی ظاہر ہو جائے گی۔ دیکھو! فرماتا ہے: اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ. وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ وَبِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ (2:3-4)

اللہ اللہ! ایک طرف قرآن کریم کی ابتدا میں ان عظیم الشان دعاوی کو ملاحظہ کرو اور دوسری طرف صحابہؓ کی زندگیوں کو دیکھو۔ کیا اُنہوں نے ان باتوں پر عامل ہو کر اس دعویٰ کو سچا نہیں کر دکھایا۔ قرآن نے اُن کی اصلاح کر کے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں انہیں ہدایت، فلاح اور کامیابی عطا کی۔ لیکن دوسری طرف توریت کو دیکھو۔ وہاں ایسی تعلیم نہیں پاؤ گے۔ بلکہ اس کے برخلاف وہاں لکھا ہوگا کہ پہلے یہ تھا اور زمین یوں پیدا ہوئی اور خدا وہاں رہتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ ایسا ہی انجیل میں لکھا ہے کہ یسوع مسیح فلاں کا بیٹا ہے اور اس کا نسب نامہ یہ ہے۔ پھر رگ وید کا بھی یہی حال ہے۔ کیونکہ وہاں بھی کسی اعلیٰ تعلیم کی بجائے اگنی کو دیوتا قرار دے کر اس سے التجائیں کی گئیں ہیں۔ الغرض خواہ کسی کتاب کو لے لو۔ قرآن کریم کی مثال کہیں نہیں پاؤ گے۔ اس کا ایک ایک ورق حقائق و معارف کے خزانوں سے لبریز ہے۔

اگر ایسی کتاب کو محمد رسول اللہ ﷺ کی تصنیف قرار دیا جائے، تو وہ لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ نہ عرب میں کوئی تعلیم گاہ تھی۔ پھر اس ریگستان کے رہنے والے کو، جس کے سامنے شاعروں کے مبالغہ آمیز اشعار کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا، ایسی کتاب کا مصنف کس طرح سے قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ کتاب محمد رسول اللہ ﷺ کے دماغ کا نتیجہ ہوتی، تو اس میں وہی نمونہ پایا جانا چاہئے تھا، جو اس وقت ملک میں موجود تھا۔ لیکن اس کا بتوں کی مذمت اور توحید کا وعظ کرنا، پھر اس کا ایسی حالت میں زمانہ کی کایا پلٹ دینا، جبکہ اس کا کوئی تعلق غیر ممالک سے نہیں تھا، صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے اپنے دماغ کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ اس حقیقی اور واحد خدا کا کلام ہے جو تمام برکات اور خوبیوں کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے۔

آج ہندوؤں میں برہمو اور آریہ گروہ پیدا ہوئے ہیں۔ جنہوں نے زمانہ کے حالات و خیالات اور تعلیم

سے متاثر ہو کر اپنے مذہب کو ان کے مطابق کر لیا۔ اور چونکہ موجودہ تعلیم کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بُت پرستی سے نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے سوامی دیانند نے ویدوں کو ایک نئے رنگ میں پیش کر کے انہیں توحید کا حامی بتایا اور بُت پرستی کی مخالفت کی۔ لیکن قرآن کریم میں ایسا نہیں۔ یہ ہر زمانہ اور ہر ایک شخص کے لئے یکساں ہادی اور رہنما ہے اور اس میں کسی ترمیم و تنسیخ کی کبھی ضرورت نہیں۔

نبی کریم ﷺ دنیا میں کامل ہدایت اور عمدہ نمونہ لے کر آئے۔ دنیا میں نمونہ ایک ایسی چیز ہے کہ اسی سے انسان دوسروں کو فتح کر لیتا ہے۔ جو نبی دنیا کی ہدایت کے لئے کوئی کتاب لائے جب تک وہ خود اس کتاب پر چل کر نہ دکھائے، اس کے اس ہدایت نامے کا کوئی بہترین اثر نہیں ہو سکتا۔ رسول کریم ﷺ نے قرآن کریم پر پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔ تو آپ کے پیروؤں نے بھی آپ کے نقش قدم پر چل کر بڑے بڑے درجات حاصل کئے۔ اور جب تک یہ عملی نمونہ دنیا میں قائم رہا، اسلام دوسروں پر غالب رہا۔ لیکن آج جب مسلمانوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اور دنیا میں نمونہ بن کر مسلمانوں نے نہیں دکھایا، تو قرآن کا کوئی اتنا بڑا اثر بھی نہیں رہا۔

الغرض انسان کی فطرت ہے کہ وہ نری نصائح کو نہیں سنتا جب تک اس کا عملی نمونہ نہ دیکھ لے۔ کیونکہ نمونہ ہمیشہ بہت موثر ہوا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ایک کامل نمونہ نظر آتا ہے۔ جو کہ ایک ہادی، رہنما اور نبی کو دکھانا چاہئے۔ پہلے انبیاءؑ نے بھی نمونے دکھائے۔ لیکن چونکہ وہ خاص خاص اقوام کے لئے مبعوث ہوتے تھے، اسی لئے اُنہوں نے اسی کے مناسب حال تعلیم دی، اور اسی پر چل کر دکھایا اور انہی برائیوں کی اصلاح کی، جو ان اقوام میں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً انجیل میں عفو حلم اور درگزر کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ لوگوں کی طبائع پہلے بہت سخت تھیں۔ اس لئے حضرت مسیح علیہ السلام نے عفو اور درگزر کا ہی نمونہ دکھایا۔ لیکن یہ ایک ایسا فعل ہے جو کسی انسان کو کامل نہیں بنا سکتا۔

یہ تو دراصل کمالیت کا ایک حصہ ہے۔ کیونکہ موقع بے موقع ہر وقت عفو درست نہیں ہوتا۔ حضرت مسیحؑ اس وقت دنیا میں تشریف لائے۔ جب صرف اسی وصف اور اسی نمونہ کی ان کی قوم کو ضرورت تھی۔ انہوں نے کمال تو دکھایا، لیکن وہ ایک محدود کمال تھا۔ عفو اور درگزر تو اس حالت میں صحیح ہوتا ہے۔ جب عفو کرنے والے میں انتقام کی بھی طاقت ہو۔ لیکن جب ایک انسان بدلہ کی طاقت بھی نہیں رکھتا۔ تو کس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے کسی

کے مقابلہ میں عفو اور درگزر سے کام لیا۔ ہر حال میں صرف انتقام نہ لینا عفو اور درگزر کے ہم معنی نہیں۔ بلکہ اس صفت کا اظہار کامل طور پر اسی وقت ہوتا ہے جب ایک شخص بدلہ کی طاقت رکھتا ہو اور باوجود اس کے درگزر سے کام لے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں ہمیں یہ نمونہ نظر نہیں آتا۔ کیونکہ وہ ایسی حالت میں تھے کہ اگر وہ بدلہ لینا چاہتے بھی تو نہ لے سکتے تھے۔ کیونکہ حاکم نہیں بلکہ محکوم تھے۔

برخلاف اس کے نبی کریم ﷺ تیرہ سال تک دُکھ اُٹھاتے ہیں اور اُن کے کچھ ساتھی سخت تکلیفوں سے تنگ آکر اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر حبشہ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر کچھ ایسے ہیں کہ گرم ریت اور پتھر پر اُنہیں اُلٹا دیا جاتا ہے کہ اسلام سے منکر ہوں اور وہ نہیں ہوتے۔ پھر ایک مسلمان عورت کی ٹانگوں کو دو اونٹوں کے ساتھ باندھ کر انہیں مخالف سمتوں میں دوڑایا جاتا ہے۔ اور اس طرح اس بیچاری کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ کو اپنے تمام قبیلہ سمیت تین سال تک شعب ابی طالب میں بند رہ کر سامان خور و نوش کی عدم موجودگی اور دیگر چیزوں کے مہیا نہ ہونے کے باعث سخت مصائب اور دُکھوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہ تو اُن کی مکی زندگی کا مختصر حال ہے۔ مگر مدینہ میں جا کر اور بھی زیادہ تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ انہیں وہاں آرام ملا۔ وہ غلطی پر ہے۔ کیونکہ مکہ میں تو صرف قریش ہی دشمن تھے۔ لیکن مدینہ میں ان پر یہود و عیسائی وغیرہ کا بھی اضافہ ہو گیا۔ لیکن ان سب مصائب سے گزر کر ایک وقت آتا ہے کہ وہی شخص جو 21 سال تک اس طرح سے تکالیف برداشت کرتا رہا ہے اور اس کے بہت دوست قتل کئے جا چکے ہیں، وہ اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کر لیتا ہے۔ اور اب اس کے لئے وقت ہے کہ وہ ان تمام ظلموں کا بدلہ لے، جو اس پر پے در پے ہوتے رہے۔ اس کا حق ہے کہ وہ ظالموں کو جس طرح سے چاہے سزا دے، اور اسے ایسا کرنے کی طاقت حاصل ہے۔ دشمن بھی اسی اُمید میں ہے کہ انہیں نہایت سخت سزا ملے گی۔ لیکن نہیں۔ وہ اس وقت عفو اور درگزر کو کام فرما کر اپنا کمال دکھاتا ہے اور اپنے دہن مبارک سے یوں رحمت کے موتی برساتا ہے کہ: لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ (92:12) آج تم سے کوئی بدلہ نہیں لیا جاتا اور تم سب کو رہا کیا جاتا ہے۔ یہ ہے وہ عفو اور درگزر کا نمونہ! جو حقیقی طور پر عفو اور درگزر کا نمونہ کہا جا سکتا ہے!!

یہ نمونہ ہمیں اور کسی نبی کی زندگی میں نہیں ملتا۔ اول تو تاریخ دوسرے نبیوں کے حالات پر کوئی روشنی

نہیں ڈالتی ۔لیکن اگر کسی نے کوئی نمونہ دکھایا بھی ہے تو ایسا نہیں ۔اگر کوئی شخص عفو و درگزر کا نمونہ ہمیں مسیحؑ سے حاصل کرنے کو کہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسیحؑ سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہمیں سبق ملتا ہے۔ ایسا ہی حضرت کرشن جی مہاراج بہت عظیم الشان انسان تھے۔لیکن آج اُن کا جو نمونہ دکھایا جاتا ہے، وہ بہت بُرا ہے۔ اگرچہ اُنہوں نے خود ایسا نمونہ نہیں دکھایا۔

غرض محمد رسول اللہ ﷺ کا نمونہ ہمارے سامنے ہے۔لیکن وید کے رشیوں کے متعلق، جن کا ہمیں کوئی علم نہیں، ہم کیا رائے قائم کر سکتے ہیں۔اوران سے کیا سبق اور کیا نمونہ حاصل کر سکتے ہیں۔ہمیں تو ایسا نبی چاہئے کہ ایک طرف ہدایت نامہ ہو اور دوسری طرف اس کا اپنا پاک نمونہ ہو۔جس پر ہم چل سکیں۔ اور یہ بات سوائے محمد ﷺ کے اور کہیں پائی نہیں جاتی۔

دیانند سرسوتی نے توحید کی جو تعلیم دی اگرچہ وہ برائے نام توحید کی تعلیم ہے،لیکن حقیقت میں اس نے توحید کو ایسا ناقص کر دیا ہے کہ اسے حقیقی توحید نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ مادہ اور روح اللہ تعالیٰ کی صفت ازلی میں شریک ٹھہرائی گئی ہیں۔اگرچہ انسان میں خدا کی صفات ہیں۔لیکن کامل طور پر خدا کی صفات میں کسی کو شریک کر دینا یہ بھی ایک شرک ہے۔ پھر ایک اور مزے کی بات یہ ہے کہ آج تیرہ سو برس ہو گئے باوجود عرب کے غیر تعلیم یافتہ ہونے کے، نبی کریم ﷺ کے حالات کس قدر صفائی سے محفوظ ہیں۔مگر دیانند سرسوتی حال میں گزرا ہے اور پھر بھی اس کے حالات زندگی بالکل محفوظ نہیں۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ تاریخ میں مندرج ہے اور اس پر ذرا سا بھی شک نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بابا نانک علیہ الرحمۃ بہت بزرگ انسان گزرے ہیں۔لیکن ان کے حالات بھی ایسے پوشیدہ ہیں کہ مسلمان انہیں مسلمان قرار دیتے ہیں، اور ہندو انہیں ہندو کہتے ہیں۔بعض کا خیال ہے کہ انہوں نے کوئی نیا مذہب نکالا تھا۔لیکن ان کے چولا سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت مسلمان تھے۔

میرا مقصد اس سے صرف یہ بتانا ہے کہ ایک بزرگ، جن کو تین سو سال گزرے ہیں، ان کے حالات بھی صفائی سے معلوم نہیں۔مگر نبی کریم ﷺ کے تمام حالات پورے طور پر معلوم ہیں۔اور ایسا ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ جب ایک شخص کامل نمونہ بن کر آتا ہے تو ضرورت ہے کہ اس کے حالات روشن ہوں۔اور یہ بات سوائے

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اور کسی کی زندگی میں نہیں پائی جاتی۔

پھر آپ کی ساری زندگی میں کمال نظر آتا ہے۔ آپ نے شادی کی، اولاد ہوئی۔ جس سے ہم نے سبق سیکھا کہ بیوی بچوں سے کیا سلوک کرنا چاہئے۔ لیکن سوامی دیانند نے کہاں شادی کی؟ کہاں اس کے اولاد ہوئی؟ اور اس نے اپنے پیرووں کو کیا نمونہ دکھایا؟ رسول کریم ﷺ نے نہ صرف دنیاوی رنگ میں بلکہ قومی اور مذہبی رنگ میں بھی سپہ سالاری کر کے دکھائی۔ پھر سپاہی بن کر دکھایا۔ بعض وقت ایسا ہوتا تھا کہ کسی دشمن کی خبر آتی تو آپ ﷺ سب سے پہلے ننگے گھوڑے پر سوار ہو کر جاتے اور دشمن کی خبر لے کر آتے۔ پھر تین مختلف قوموں پر حکومت کر کے دکھاتے ہیں کہ کس طرح سے ان سے برتاؤ کرنا چاہئے۔ ایک بادشاہ، ایک رسول، ایک سپاہی، ایک باپ، ایک بیٹا غرض کوئی پہلو لو، جس میں آپؐ کا نمونہ دکھائی نہ دیتا ہو۔ تم ہرگز کوئی ایسا پہلو نہ پاؤ گے۔

اب جب کہ ہمیں آنحضرت ﷺ کے وجود میں کامل نمونہ ملتا ہے، تو وہی ہمارے لئے کافی ہے اور ہمیں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (21:33) کے مطابق آپ کا پورا جانثار بننا اور آپ کے نمونہ پر چلنا چاہئے۔ دیکھو! اس پہلو میں بھی رسول اللہ ﷺ کا کمال ہے۔ کامل جان نثار پیدا کرنا ایسا مشکل ہے کہ اس کا نمونہ بھی آپؐ کی ذات کے سوائے اور کہیں پایا نہیں جاتا۔

ایک دفعہ ایک فلسفی کو کسی نے کہا کہ آپ بھی نبوت کا دعویٰ کریں۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس فلسفی نے اس کو ایک سرد تالاب میں غوطہ لگانے کو کہا۔ جس پر اس نے کہا کہ کیا آپ پاگل ہو گئے۔ اس نے کہا کہ کیا اسی شیخی پر کہتا تھا کہ نبوت کا دعویٰ کرو! لیکن دوسری طرف دیکھو۔ انسان کی زندگی کے تین ہی پہلو ہوتے ہیں۔ بچہ، جوان، بوڑھا۔ صحابہؓ ان تینوں حالتوں میں ایسے جان نثار ہیں کہ اپنی ماں تک کو بھی نبی کریم ﷺ کے لئے فدا کر دینا کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

اور

وتحریرات بزرگانِ جماعت

دوسری جلد

انتخاب از رسالہ پیغام صلح جولائی 1914ء تا دسمبر 1915ء

احمدیہ انجمن لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ

نے ادا کیئے ہیں

قرآنِ کریم کے عشق اور انسانی ہمدردی سے مخمور، جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور، جماعتِ احمدیہ لاہور کے احباب میں اپنے روح پرور دُروسِ قرآن کے حوالے سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ یہ دُروس وہ عمر بھر اپنی رہائش گاہ یا جماعت کے مراکز میں دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان کی اہلیہ محترمہ سلیمہ فاروقی مرحومہ مغفورہ کا جذبہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان دونوں نے اپنے پیچھے ایک ایسا ورثہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا جس سے جماعت کو اسلام کا پیغام دنیا کے دور دراز کونوں تک پہنچانے کے کام میں مسلسل امداد ملتی رہے۔ اس مقصد کو مدِنظر رکھتے ہوئے فاروقی صاحب نے اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد وقف کر کے فاروقی سلیمہ ٹرسٹ کی بنیاد رکھی اور اسے احمدیہ انجمن لاہور کی نگرانی میں دیا تاکہ اس کے فلاحی اور دینی کاموں، خاص طور پر قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتب کی طباعت، کے لیے مسلسل سرمایہ فراہم ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اس نیک کام کا اجر دے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

(غیر کاروباری مقاصد اور مفت تقسیم کے لیئے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

— محمد اعظم علوی

حرف اول

بحمد للّٰہِ وبفضلہ تعالیٰ 'افکارِ محمد علیؒ' کی دوسری جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔جس میں اخبار پیغام صلح کی دوسری جلد (جولائی 1914ء تا دسمبر 1915ء) سے انتخاب شامل ہے۔عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن از حضرت مولیٰنا محمد علیؒ سے لیا گیا ہے۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے صبر آزما مراحل میں جو عزیز دوست فرہادی لگن اور خلوص وایثار سے تعاون کررہے ہیں، راقم ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجروثواب سے وافر حصہ دے۔قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فروگذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

محمد ارشد علوی

انچارج

شعبہ تالیف وتصنیف

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ بعدازاں گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمۃ القرآن جس کی ابتدا 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوا اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ و تفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیرالبشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی)

1923ء میں، ’’تاریخ خلافت راشدہؓ‘‘ 1924ء میں، ’’فضل الباری‘‘ ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ’’حمائل شریف‘‘ اردو 1930ء میں ’’ریلیجن آف اسلام‘‘ انگریزی (جو حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اوراسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰنا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسّی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دولفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے، یعنی ’’عشقِ قرآن‘‘۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجمِ قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی، تاکہ اس کی آمدنی سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعتِ اسلام کے فروغ اور علومِ قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلَہٗ وَ ارۡفَعۡ دَرَجَاتِہٖ۔

خاکسار **عامر عزیز الازھری بن عبدالعزیز**

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

فہرست

5 جولائی 1914ء

اداریہ

پیغام صلح کی روش کیا ہونی چاہیے

وَالصُّلۡحُ خَیۡرٌ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَالصُّلۡحُ خَیۡرٌ وَّاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا (128:4)

ترجمہ: ''اور صلح اچھی چیز ہے۔ اور طبیعتوں میں بخل ہوتا ہی ہے۔ اور اگر تم احسان کرو اور تقویٰ کرو تو اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔''

(از حضرت امیر مولانا محمد علی ایم اے)

منجملہ قرآن کریم کی ان فضیلتوں کے، جو اسے دوسری کتابوں پر حاصل ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ فطرتِ انسانی کے جذبات کا جیسا سچا نقشہ اس پاک کتاب نے کھینچا ہے اور کسی کتاب کو یہ میسر نہیں آیا۔ اور چونکہ یہ پاک کتاب اس خالقِ فطرت کا کلام ہے جو فطرت انسانی کی کمزوریوں اور اس کی ضرورتوں سے آگاہ ہے۔ اس لئے جہاں کوئی اخلاقی تعلیم اس نے پیش کی ہے، ساتھ ہی وہ راہ بھی بتادی ہے، جس پر چل کر اس فطری کمزوری پر، جو اس اخلاقی تعلیم کے حاصل کرنے میں روک ہونے والی ہے، انسان غالب آسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی سب سے گری ہوئی قوم کو اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق سکھانے میں جو کامیابی اس کتاب کو حاصل ہوئی ہے، وہ دوسری کسی مقدس کتاب کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔

اسی پاک اصول کی ایک مثال وہ آیت شریفہ ہے جو اس مضمون کے عنوان میں درج ہے۔ جس میں ایک طرف اگر صلح کو خیر کہہ کر حصولِ صلح کے واسطے کوشش کرنے کے لئے انسانوں کو تاکید فرمائی ہے، تو ساتھ ہی یہ

بھی ظاہر فرما دیا کہ وہ کون سا امر ہے جو عموماً صلح کے حاصل کرنے میں مانع ہوتا ہے۔ فرمایا وہ شحّ یا بخل ہے جو عموماً سب لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ اس کے ساتھ لگا کر یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ ایک عام انسانی فطری کمزوری ہے۔

شحّ یا بخل یہ ہے کہ ایک انسان یا تو اپنے بھائی کے بعض حقوق کے دبانے کا خواہش مند ہے۔ اور یا یہ کہ اپنے بعض حقوق کو دوسرے کی خاطر قربان کرنا پسند نہیں کرتا۔ مثلاً وہ چاہتا ہے کہ دوسرے کے مال کو لے لے، یا کم از کم یہ کہ وہ اپنا مال کسی نیک غرض کے لئے بھی دوسرے کو دینے میں مضائقہ کرے۔ اگر کسی نے اسے برا کہا ہے تو انسان کی فطرت کا یہ ایک گونا طبعی تقاضا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کو برا کہہ دے۔ وہ اگر کسی وقت کسی کا حق دبانے کی آرزو اپنے دل میں پاتا ہے، تو دوسرے وقت اپنی کسی حق تلفی کا خیال کر کے اس بات پر رضا مند نہیں ہوتا کہ وہ اپنا ادنیٰ حق بھی دوسرے کی خاطر چھوڑ دے۔ غرض اپنے لئے تو ہر ایک انسان یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حق دوسرا نہ دبائے۔ لیکن دوسرے کا بڑا حق دبا لینا بھی اپنے لئے جائز سمجھتا ہے۔

قرآن کریم اگر ایک طرف شحّ یا بخل کی عامہ کمزوری کا ذکر کر کے یہ توجہ دلاتا ہے کہ صلح کے لئے نہ صرف دوسروں کے حقوق کی ہی پوری نگہداشت کرنی چاہئیے، بلکہ اپنے بعض حقوق کو بھی چھوڑنے کے لئے بعض وقت انسان کو تیار رہنا چاہئیے، تو دوسری طرف صاف الفاظ میں اس کمزوری کا علاج بھی بتاتا ہے۔ اور وہ کیا ہے؟ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا (128:4) یعنی بخل کی کمزوری پر، جو حصول صلح میں مانع ہو جاتی ہے، غالب آنے کے لئے ایک ضرورت اِحْسَان کی ہے اور دوسری تقویٰ کی۔

اِحْسَانٌ کیا ہے؟ یہ کہ انسان اپنے مال کو یا اپنے بعض حقوق کو اپنے دوسرے بھائی کی خاطر قربان کر دے اور تقویٰ کیا ہے؟ یہ کہ انسان دوسرے کے مال یا حقوق کو ناجائز طور پر اپنے تصرف میں لانے سے بچے۔ پس دوسرے کے حقوق کا اسے دینا اور اپنے بعض حقوق کو دوسرے کی خاطر چھوڑ دینا بھی وہ دو باتیں ہیں، جن کے ذریعہ سے انسان بخل کی کمزوری پر غالب آ سکتا ہے۔ اور انہی دو باتوں سے دنیا میں صلح قائم رہ سکتی ہے۔

ہر قسم کے تعلقات انسانی پر غور کر کے دیکھ لو۔ بغیر اس کے صلح کا قائم رہنا محال ہے۔ سب سے بڑھ کر

تعلقات محبت میاں بی بی کے ہوتے ہیں۔لیکن اگر وہاں بھی اس اصول کو ترک کر دیا جائے۔اور میاں ہر وقت یہ چاہے کہ میری مرضی پوری ہو اور بی بی یہ چاہے کہ میری مرضی پوری ہو،تو تعلق محبت ایک آن میں کٹ جائے گا۔ چنانچہ اسی انتہائی مثال کی طرف توجہ دلانے کے لئے قرآن کریم نے اس پاک اصول کو، کہ صلح بڑی اچھی چیز ہے اور کہ صلح کے حصول کے لئے نہ صرف انسان کو دوسرے کے حقوق کے دبانے سے بچنا چاہئیے ، بلکہ اپنے بعض حقوق کو بھی قربان کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئیے ،میاں بی بی کے تعلقات کے ذکر میں بیان فرمایا ہے۔اصول تو عام ہے۔مگر میاں بی بی کے تعلقات میں اس کا ذکر کرنے سے منشاء الٰہی یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان اپنے ان روزمرہ تعلقات میں، جو گھر کے اندر بادشاہ سے لے کر فقیر تک کو یکساں پیش آتے ہیں،غور کر کے دیکھے، کہ حصولِ صلح کے لئے اسے کس کس قسم کی قربانیوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔اور یہ کہ اگر وہ ان قربانیوں کے کرنے کے لئے تیار نہ ہو،تو وہ تعلقات بھی ،جن کے بغیر انسان کو اس دنیا میں چارہ نہیں، قائم نہیں رہ سکتے۔

اس عام اصول کی طرف توجہ دلا کر اب میں اپنے احباب کو اس طرف متوجہ کرنے کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ موجودہ واقعات میں کس قدر سخت ضرورت ہمیں اس بات کی ہے کہ ہم اَلصُّلۡحُ خَیۡرٌ کے اصول کو واقعی طور پر عملدرآمد میں لائیں۔ میں نے شروع سے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ پیغام صلح میں کسی قسم کا ذاتی حملہ اپنے ہی دوستوں اور بھائیوں پر کیا جائے۔ مانا کہ ہمیں وہ دوست اور بھائی نہیں سمجھتے۔لیکن اگر وہ ایک غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں، تو اس کی اصلاح یوں نہیں ہوگی کہ ہم بھی ویسی ہی غلطی کا ارتکاب کریں۔ ہاں! اختلافی مسائل پر معتدل الفاظ میں بحث کرنے کو میں نے برا نہیں سمجھا۔اور نہ اب برا سمجھتا ہوں۔گو اس وقت میرا یہ خیال ہے کہ بہت سے مسائل پر کافی بحث ہو چکی ہے۔اور اگر کبھی ضرورت پیش آ بھی جائے تو اس بحث کو اخبار میں زیادہ جگہ دینی نہیں چاہئیے ۔کیونکہ اختلافات پر ہی زور دیتے چلے جانا کبھی نیک نتیجہ پیدا نہیں کرسکتا۔

میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ بحث کے جوش میں بعض وقت ناملائم الفاظ بھی قلم سے نکل جاتے ہیں۔لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ پیغامِ صلح کے اس قسم کے ناملائم الفاظ کو 'الحق' اور 'الحکم' کی دریدہ دہنی اور 'الفضل' کی تیز کلامی اور عیب شماری سے کوئی نسبت ہے، تو میں اس کو تسلیم نہیں کرتا۔سو اگر یہ درست ہے کہ غلطی غلطی ہی ہے۔گو وہ کسی کے حملے کے جواب میں ہو یا ابتداء تو یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ تیز حملوں کے جواب میں، اور جہاں ہر

طرف سے طعن و تشنیع کی بارش ایک خاص فریق پر ہو رہی ہو، بعض وقت درشت الفاظ کا استعمال فطرتِ انسانی کے تقاضا کے مطابق ہے۔ مجھے کئی مرتبہ یہ کہا گیا کہ ان لوگوں نے، جو صاحبزادہ صاحب کی بیعت کر چکے ہیں، 'پیغام صلح' کو 'پیغام جنگ' کہنا اور ان احمدی احباب کو جو حضرت مسیح موعود کی بیعت کے بعد کسی غیر مامور کی بیعت کو ضروری نہیں سمجھتے، 'پیامی' یا 'پیام پارٹی' کہنا اپنا معمولی رویہ بنا رکھا ہے، وہ اس رویے سے سمجھانے سے باز نہیں آتے۔ جب تک کہ بالمقابل ایسی ہی اصطلاح سے ان کو اس غلطی پر متنبہ نہ کیا جائے گا۔ اور الفضل کو 'الفصل' اور صاحبزادہ صاحب کے بیعت شدگان کو 'فصلیئے' یا 'فصل پارٹی' نہ کہا جائے گا۔ مگر میں نے اس بات کو ناپسند کیا اور روکا ہے۔ کیونکہ یہ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (11:49) کہ نہ ایک دوسرے کے نام دھرو، کے قرآنی حکم کے خلاف ہے۔ اور کسی کی غلطی دوسرے کے لئے بریت کا موجب نہیں ہوسکتی۔ آخر وہ لوگ بھی، جو قادیان کو 'کادیان' لکھتے تھے، تھک گئے اور احمدی کو 'مرزائی' یا 'قادیانی' کہنے والوں کو بھی آخر ہوش آ گئی۔

کسی کو برے یا حقارتی نام سے یاد کرنے سے سوائے اس کے کچھ فائدہ نہیں کہ کہنے والے اور سننے والے یا پڑھنے والے تھوڑی دیر کے لئے حظ نفس اٹھا لیتے ہیں۔ مگر یہ محض ایک نفسانی خواہش کا پورا ہونا ہوتا ہے۔ جو حقیقی راحت سے کوسوں دور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو سمجھ دے۔

ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی حقیقی نبی کا آنا ختم نبوت کے منافی سمجھتے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود کی بیعت میں داخل ہونے کے بعد کسی دوسرے کی بیعت کو ضروری نہیں سمجھتے۔ ہاں! پھر کوئی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو تو وہ علیحدہ بات ہے۔ سو ہم مسلمان ہیں۔ محمدی ہیں۔ احمدی ہیں۔ ہمیں کسی نئے نام کی ضرورت نہیں۔ ہاں! وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود کی بیعت کی طرح ان کے بعد کسی اور کی بیعت کو ضروری سمجھتے ہیں، وہ اگر چاہیں تو اپنے لئے ایسے دوسرے شخص کے نام پر نام تجویز کر لیں۔ ورنہ ہم تو انہیں بھی احمدی ہی سمجھتے اور سنتے ہیں۔ عوام الناس پر تو ہمیں افسوس نہیں کہ وہ لَاتَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (11:49) کے خلاف کیوں عمل کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ان لوگوں پر ہے جو عالم و فاضل کہلاتے ہیں۔ جن کا فرض تھا کہ وہ دوسروں کو ایک منکر امر سے روکتے۔ مگر جب خود وہ لوگ، جنہیں نَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ کرنی چاہیئے، اسی منکر میں حصہ لیں، تو سوائے اس کے کہ قوم کی حالت پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا جائے اور کیا ہوسکتا ہے!

میری غرض اس مضمون میں گذشتہ پر افسوس کرنے کی نہیں۔ ہاں! میں یہ چاہتا ہوں کہ آئندہ اخبار پیغامِ صلح کی روش وہ ہو جو اسے اسم بامسمّٰی ثابت کرے۔ اس روش کے کامل طور پر اختیار کرنے میں مشکلات ضرور ہیں۔ تقاضائے غیرت بعض وقت ناجائز جوش کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن ان مشکلات کا مقابلہ ضروری ہے۔ مجھے بہت سے احباب نے مختلف مقامات پر یہ کہا ہے کہ الحکم، الحق اور الفضل میں (اور اب تو ریویو آف ریلیجنز نے بھی انہی کا تتبع کم وبیش اختیار کرنا شروع کر دیا ہے) جو باتیں نکلتی ہیں، ان سب کا جواب پیغام صلح میں ہونا چاہیئے۔ اور یہ کہ بالمقابل خاموشی اختیار کرنے سے لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے۔

مگر میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ روش اختیار کی گئی۔ تو پیغامِ صلح اخبار اگر اس سے دوگنا یا تگنا بھی کر دیا جائے، تو بھی اس کی ساری طاقت انہی لغویات میں ضائع ہو جائے گی۔ اور اپنے اصلی کام کو، جو اشاعتِ اسلام اور خدمت سلسلہ ہے، یہ بالکل چھوڑ بیٹھے گا۔ ذاتی حملے اگر ہیں تو زیادہ تر مجھ پر یا خواجہ کمال الدین صاحب یا کسی قدر بعض اور احباب پر ہیں۔ سو میں اپنی طرف سے اور خواجہ صاحب کی طرف سے اور ان دوسرے تمام احباب کی طرف سے اپنے دوستوں کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ آپ لوگ ان باتوں کی فکر نہ کریں۔ آپ جو وقت اور روپیہ ان حملوں کے دفاع میں صرف کریں گے، اس کا بہت بہتر مصرف اشاعتِ اسلام ہے۔ اگر ہم لوگ چور اور ڈاکو ہیں یا شریر اور فتنہ پرداز ہیں تو اس کا اس سے بڑھ کر کوئی ثبوت نہ ہوگا کہ اشاعتِ اسلام کی توفیق ہم سے چھن جائے۔ جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ تو اگر شروع رکھا جائے تو کبھی بند ہونے میں نہیں آئے گا۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری طاقتیں اشاعت اسلام کے پاک مقصد سے ہٹ کر نکمے اور نکما کر دینے والے کاموں میں لگ جائیں گی۔ پس ہمارے اپنے احباب سے بھی یہی التجا ہے کہ وہ ہمیں اگر کوئی مدد دے سکتے ہیں تو اس اصل مقصد کے حصول میں مدد دیں۔ اگر ہم ہر ایک بات کا جواب دینا اپنا شیوہ بنالیں تو اَلصُّلْحُ خَیْرٌ کے مقصد کو ہم کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں۔ برا کہا جائے تو اسے سن کر خاموش ہو رہیں۔ شائد اسی طرح اللہ تعالیٰ اس موجودہ تفرقہ کو دور کرنے کا کوئی سامان پیدا کر دے۔ اور صاحبزادہ صاحب کو یہ سمجھ دے دے کہ حضرت مسیح موعود کے مخلص احباب کو فاسق اور مرتد اور منافق قرار دینے اور اس طرح ان کی طعن وتشنیع کی راہ کھولنے میں اور صدر انجمن احمدیہ کو ایک جسدِ بلا روح بنا دینے میں انہوں نے

غلطی کی ہے۔ اور انہی دو غلطیوں کے تسلیم کرنے سے موجودہ تفرقہ دور ہوسکتا ہے۔

یہ دو کھلی غلطیاں ہیں۔ جن پر ہم ان کو توجہ دلاتے رہیں گے **لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا** (1:65) باقی رہا کفر و اسلام کا مسئلہ اور حضرت مسیح موعود کے حقیقی یا مجازی نبی ہونے کا سوال سو میری رائے میں **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ** پڑھ کر اسلام میں داخل ہو جانا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل شریعت اور کامل قوانین اخلاقی اور کامل ہدایات نازل ہو چکنے کے بعد بجائے نبیوں کے، جو سابقہ شرائع کے اتمام حجت کے لئے آتے رہتے تھے، مجددین کا آنا، جو صرف قرآن کریم کی گم شدہ صداقتوں کو از سرنو دلوں میں قائم کرتے رہے ہیں اور قائم کرتے رہیں گے۔

یہ ایسے امور ہیں کہ ان کے خلاف عقیدہ اگر ''ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند'' کا مصداق ثابت ہو گا۔ اگر آج کوئی اس سے رجوع کرے تو اس کی اپنی بہتری کا موجب ہے۔ ورنہ کل اس کے نقصانات کا تجربہ کر کے خود ہی اسے چھوڑنا پڑے گا۔ اس بات کی طرف توجہ دلانے کے لئے کہ درحقیقت خدمتِ اسلام ہی ہمارا اصل کام اور اسی میں ہماری اصل کامیابی ہے، میں حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کا ایک خط، جو قریباً ڈیڑھ سال پیشتر کا ہے، نقل کرتا ہوں۔ یہ خط دراصل پرائیویٹ خط نہ تھا۔ کیونکہ دستی پریس پر اس کی چند نقلیں کر کے فاضل امروہی نے میرے سوائے بعض اور احباب کو بھی بھیج دی تھیں۔ اور ایک نقل ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کو بھی بھیجی تھی۔ جو امید ہے ڈاکٹر صاحب موصوف نے محفوظ رکھی ہوگی۔ اور ایسا ہی ایک نقل جناب خواجہ صاحب کو بھی بھیجی تھی۔ جس میں اپنے عقیدہ اور خواجہ صاحب کا ذکر کرتے ہوئے ذیل کی عبارت تحریر فرمائی۔

> ''**اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ** کہ مشارق و مغارب میں آپ لوگوں کی وساطت سے تبلیغ اسلام ہو رہی ہے اور کشوف والہامات حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کے آپ صاحبوں کی وساطت سے مثل آفتاب کے ظاہر اور باہر ہوئے چلے جاتے ہیں اور الہام **مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ** (107:21- مرتب) اس وقت پورا ہو رہا ہے۔ **جَزَاکُمُ اللّٰہُ فِی الدَّارَیۡنِ خَیۡرًا**''۔

اصل خط سید صاحب کا میرے ایک خط کے جواب میں تھا۔ جس میں مَیں نے ان کو ان باتوں کی طرف توجہ دلائی تھی، جو اس وقت خفیہ طور پر ہماری نسبت کہی جاتی تھیں۔ اور وہی آج کھول کر کہی جاتی ہیں۔ چونکہ اس وقت سید صاحب موجودہ واقعات سے متاثر نہ تھے اور اس لئے ان باتوں کا، جو اس وقت ہمیں کہی جاتی تھیں، یہ جواب نہایت قابل غور ہے۔ جس سے ہماری صداقت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ یہ خط امروہہ سے 6 فروری 1913ء کو لکھا گیا۔ یعنی حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات سے صرف تیرہ ماہ پیشتر اور اس لئے جس قدر منافقت کا الزام ہم پر حضرت مولوی نورالدین صاحب کی بیعت کے متعلق اور انجمن اور خلافت کے جھگڑوں کے متعلق دیا جاتا ہے، اس کا جواب بھی اسی کے اندر آتا ہے۔

جو لوگ غیر طرف داری کے اصول پر عمل پیرا ہونا چاہیں، ان کے لئے تو حضرت فاضل امروہی کے اس جواب کے اندر سب باتوں کا جواب آ جاتا ہے۔ ہاں! جو لعنت کرنا موجب ثواب سمجھتے ہیں، ان کی تسلی تو اسی دن ہوگی، جب دلوں کے حالات منکشف ہو کر ایک تمثیلی صورت اختیار کریں گے۔ اور قَالُوْا مَالَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا کُنَّا نَعُدُّ ھُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ (62:38) کا مسئلہ حل ہوگا۔ اب میں فاضل امروہی کا اصل خط نقل کرتا ہوں۔ صرف بخوف طوالت باغ فدک کے قصہ کو حذف کر دیا ہے۔ جسے سب جانتے ہیں۔

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

محبّ مکرم جناب مولوی محمد علی صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صحیفہ گرامی نے نزول فرما کر مثل قند مکرر کے شیریں کام فرمایا کیونکہ لفافہ میں ایک محبت نامہ محبی جناب خواجہ صاحب کا بھی ملفوف تھا۔ جس کا جواب بھی میں اسی خط میں تحریر کرتا ہوں۔ امید ہے کہ بخدمت جناب خواجہ صاحب آپ ارسال فرما دیں گے۔ جناب من خاکسار نے چاہا تھا کہ یہ اختلاف جو فی مابین ہے، مصداق اِخْتِلَافُ الْعُلَمَآءِ رَحْمَةٌ کا رہے اور حرف را پر نقطہ نہ آئے۔ (یعنی رَحْمَةً کے بجائے زَحْمَةً نہ بنے۔ مرتب) لیکن میں اس کوشش میں مثل زمانہ سابق کے ناکام رہا لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا (1:65)

میں نے زحمت کا نقطہ (نقل مطابق اصل) جو اس وقت تک اس پر لگا ہوا ہے، حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بھی رفع کرانا چاہا تھا۔ ان کے کلام ہدایت التیام سے بھی، باوجودیکہ وہ اَلصُّلْحُ خَیْرٌ کے مصداق ہیں، کچھ نا امیدی سی ہی مفہوم ہوئی۔ بعد نظر اور غور و فکر کے معلوم ہوا کہ یہ اختلاف بھی کسی وقت تک ضروری ہے۔ کیونکہ سلسلہ احمدی بروز ہے سلسلہ محمدیہ کا۔ اور جب سلسلہ محمدیہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو بَیْنَھُمَا وہاں بھی یہ باتیں پائی ہیں۔ جناب کی تسکین کے لئے یہاں پر میں دو کالم لکھتا ہوں۔ جس سے جناب کو ایسی باتوں کا، جو آپ کے سننے میں آ رہی ہیں، بالکل خیال نہ رہے گا اور نہ رہنا چاہیئے۔

رشتہ داران بانی اسلام	کارندہ ہائے اسلام
حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ۔ ان کے فضائل بھی امت پر پوشیدہ نہیں۔ اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں وہ فضائل مذکور ہیں۔ کوئی انکار نہیں کر سکتا۔	مثلاً حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ ان کی فضیلت اور اسلامی کاموں میں سعی اور کوشش ایسی ہی ہے کہ عیسائیوں تک بھی مقر ہیں گو فرقہ رافضی اس فضیلت کو تسلیم نہ کریں۔ کیونکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور کتب سیّر ان کے کارہائے نمایاں سے پُر ہیں اور مورخین نے ان کی مساعی جمیلہ کا اقرار کیا ہے۔

میرا اعتقاد تو جناب کی نسبت وہی ہے جو حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اَنْتَ لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِّلْحَقِّ ''اور اللہ جانتا ہے کہ تو یقیناً صادق، نیک، سیدھی راہ چلنے والے کا پیرو ہے'' (مجھے منافق کہنے والے غور کریں) آئندہ اگر کسی کا خیال اس کے سوا ہے تو آپ خوب جانتے ہیں کہ کارندوں کی نسبت لوگ طرح طرح کے خیالات کیا ہی کرتے ہیں۔ عباسؓ اور علیؓ کے مرتبہ کو دیکھئے اور پھر حضرت عمرؓ کے قول پر نظر فرمایئے فَرَأَیْتُمَاہُ یا فَرَأَیْتُمَانِیْ کَاذِبًا اٰثِماً غَادِرًا خَائِناً. مجھ کو امید ہے کہ جناب کی وسعت علم ہرگز ہرگز ایسی تنگی حوصلہ کو قبول نہ فرمائے گی۔ اور اگر بطور حدیث نفس کے کوئی خیال بہ سبب خواص بشری کے حادث ہو تو پھر ان دو کالموں میں جو دو فریق لکھے ہوئے ہیں، یعنی ایک کارندہ ہائے اسلام اور دوسرے رشتہ داران بانی اسلام، ان کو

پیش نظر رکھیں۔تا کہ سلسلہ احمدیہ کا بروز ہونا واسطے سلسلہ محمدیہ کے جناب پر بخوبی واضح ہوتا رہے۔اور دل صاف منزل پر کوئی کدر نہ آنے پائے۔

اب فاضل امروہی کے اس خط سے نہ صرف ان اختلافات کا مسئلہ ہی حل ہو جاتا ہے، جو پہلے موجود تھے اور اب قوت پکڑ گئے، بلکہ ان احباب کے لئے، جو اس خاکسار کے ہم خیال ہیں، یہ بھی نصیحت موجود ہے کہ ہماری مثال۔

در کوئے نیک نامی بارا گُزر ندا دند　　　گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

والی ہے۔اگر بموجب ارشاد حضرت فاضل امروہی اہل بیت کے لئے یہی ضروری ہے کہ اگر وہاں خادمانِ دین کو کاذب اور خائن قرار دیا تھا،تو یہاں انہیں فاسق اور منافق قرار دیں،تو سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے، ہاں! جو واقعات باغ فدک نے پیدا کئے تھے یہاں خلافت یا گدی کے جھگڑے نے پیدا کر دیئے۔اور جو الزامات وہاں باغ فدک کو قوم کی ملکیت قرار دینے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پر لگے تھے، وہی الزامات روپے کو انجمن کا مال قرار دینے پر یہاں مسیح موعود کے خدام پر لگے۔حضرت فاضل امروہی نے خوب اس مسئلہ کو حل کیا تھا۔ کاش! وہ اب بھی غور فرمائیں اور اپنے موجودہ فتوؤں پر،جن کی رو سے مجھے فاسق،منافق اور مرتد قرار دیتے ہیں، اپنے ہی ان الفاظ کے معنی میں غور کریں،جن میں وہ قسم کھا کر مجھے صادق، بار، راشد، تابع للحق قرار دے رہے ہیں۔حالانکہ یہی اختلافات اس وقت بھی تھے (بلکہ یہ الفاظ لکھے گئے تھے) جو آج موجود ہیں۔

12 جولائی 1914ء

اداریہ

حضرت مولانا نورالدینؒ کا ایک ضروری خط

(ذیل کا خط حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے جناب نواب صاحب رام پور کی خدمت میں 1908ء میں، جبکہ نواب صاحب کی دعوت پر وہاں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان مناظرہ ہونے والا تھا، اپنے چند خدام کے ہاتھ بھیجا تھا۔ اس خط سے اس بات کا صاف طور پر پتہ لگ سکتا ہے کہ حضور کا مذہب حضرت مسیح موعود اور آپ کے منکرین کی نسبت کیا تھا۔ ایڈیٹر)

امابعد بگرامی خدمت المکرّم المعظم حضرت نواب صاحب بالقابہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اس خاکسار کا تعلق دارالریاست رام پور سے یہ ہے کہ تین سال وہاں آخر عہد حضرت نواب یوسف علی خاں المرحوم آنجہانی اور ابتدائے عہد ان کے جانشین حضرت نواب کلب علی خاں صاحب المرحوم میں حکیم علی حسین لکھنوی، سید حسن شاہ، مفتی سعد اللہ، مولوی عزیز اللہ ولائتی، مولوی عبدالعلی غَفَرَ لَھُمُ اللّٰہُ کے پاس پڑھتا رہا۔ پھر اخی وحِبّی فی اللہ میاں ذوالفقار علی خاں کے باعث آپ کی خط وکتابت مرزا جی رحمۃ اللّٰہ واکرم نزلہ سے ہوئی۔ اور اب مکرم سید محمد احسن صاحب معہ چند احباب حضور میں حاضر ہوتے ہیں وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ(18:12) وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ (44:40) وَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ اِنَّہٗ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (45:6)اس وفد کے منہ سے اور ان کے کاموں سے اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہو کہ کوئی ایسا امر ظاہر نہ ہو جو ان کے لئے یا اور کسی کے واسطے موجب ابتلا ہو۔ فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ خاکسار اس مختصر عریضہ میں (بہ امتثال وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(104:3) اور ضرور تم سے ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائے۔ پسندیدہ بات کہے اور ناپسندی سے روکے اور وہی مظفر ہوں گے) نہایت ہی اختصار سے گزارش پرداز

ہے۔وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُسْتَعَانُ اس وقت اسلام و مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے۔وَھِیَ ھٰذِہٖ:

کچھ مدت گزری ہے کہ میں اپنے وطن بھیرہ ضلع شاہ پور میں تھا۔ضلع کے مقامات دیکھتے دیکھتے جیل خانہ کی طرف گزر رہوا۔ داروغہ سے بعض امور دریافت کرتے قیدیوں کی تعداد پوچھی۔معلوم ہوا تین سو پینتیس قیدی جیل میں ہیں۔جن میں تین سو بائیس مسلمان اور تیرہ ہندو تھے۔خیال کیا کہ یہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔شائد یہی باعث ہو کہ قیدی زیادہ ہیں۔ پھر بھیرہ کے سکول کو دیکھا۔تو وہاں 17 ہزار کی آبادی ہے۔جن میں چار ہزار مسلمان اور سات ہزار ہندو ہیں۔لیکن سکول سرکاری میں چودہ سولڑ کا تعلیم پاتا تھا۔جن میں صرف چودہ مسلمان باقی ہندو تھے۔اس لئے میونسپلٹی میں بعض وقت صرف ہندو ممبر ہوتے ہیں۔ ریاست کشمیر میں تو میرا تعلق پندرہ برس سے زیادہ رہا۔ وہاں کے منجملہ عجائبات میں سے ایک عجوبہ عرض کرتا ہوں۔صرف حصہ کشمیر میں سو آدمی مجذوم تھے۔جن میں چھیانوے آدمی مجذوم صرف مسلمان اور چار ہندو تھے۔ایک زمانہ پنجاب پر گزرا ہے کہ دس برس میں کوئی مسلمان منصفی میں پاس نہیں ہوا۔اس کا باعث یہ تھا کہ ممتحن ایک ہندو تھا۔ایک حصہ علم عوام کا بلکہ بڑا حصہ علماء کے قبضہ میں ہے۔علم ہے خشیة اللّٰہ کے لئے۔جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (28:35) عالم ہی اللہ کے بندوں میں سے الٰہی خشیة رکھتے ہیں۔مگر ان کے تعلیمی کورس میں خشیۃ اللہ کی تعلیم کا نام ونشان ہی نہیں۔ دنیا پرستی، ہٹ، ضد، اعمال میں عجز وکسل پھر بایں کبر ونخوت ہے۔ان کا سارا زور صرف ارسطو کے چند خیالات پر رہ گیا ہے۔جس کو فارابی اور ابن سینا بیان کر گئے۔ یا برائے نام تفسیر ہے۔جس میں بیضاوی وکشاف صرف علم ادب کے لئے پڑھی جاتی ہے۔اور حدیث جس میں نہ سلسلہ روائت بر روایت کی تحقیق نہ درایت کا دخل۔ ہاں! اکفار جس کو تکفیر کہتے ہیں۔اس پر ان کا سارا زور ختم ہو رہا ہے۔شیعہ نے اپنا ہی لقب مومن بنا کر گویا منہ سے سب کو اسلام سے نہیں تو ایمان سے خارج کر دیا ہے۔خوارج نے وہ غضب ڈھایا ہے کہ اہل بیت سے تبرے کو فرض وواجب ٹھہرایا۔ آہ! کسی نے اس آیت کریمہ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا (108:6) کا ذرا لحاظ نہ کیا کہ آخر کا درخ انداز کی پاداش کیا ہوگی۔ صوفیاء کرام نے جو اخلاق کی مجسم چیز چاہئے تھی ان تمام علماء کو علماء رسوم اور علماء دنیا طلب کیا، تو ان علماء نے ان کو ملحد وزندیق کا لقب دے کر اسلام وایمان سے ان کو خارج ہی کر دیا۔ پھر ایک ایک جماعت کو لیں۔تو اخیاری

شیعہ اور اصولی معتزلہ اور شیخیہ کے باہمی فتاوے حیرت میں ڈالتے ہیں۔ مقلد و غیر مقلد، وہابی اور مکی و مدنی بدعت اور سنت کی بحثیں دیکھیں تو آیت کریمہ فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِہٖ فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَہُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَ الۡبَغۡضَآءَ (14:5) جب انہوں نے چھوڑ دیا جس کا ان کو وعظ کیا گیا تو ان میں عداوت و بغض کو لگا دیا، یاد آجاتی ہے۔

جن دنوں خاکسار لاہور میں تھا۔ ایک کتاب مجھے ملی۔ جس کا نام آپ سنیں تو تعجب کا موجب ہوگا۔ تنبیہ القلید. وارشاد البلید والقول السدید ماضی معلوم کے مجہول پر اس میں بحث ہے۔ ان مباحث وتفرقہ کا نتیجہ کیا نکلا۔ قومی وحدت کی روح نکل گئی۔ اور تمام شیرازہ وحدت قومی کا ٹوٹ گیا۔ ایک بالشت زمین پر لڑتے مرتے ہیں۔ اور میرے جیسے آدمی کے دیکھتے دیکھتے اودھ، دہلی، جھجھر، بخارا، خیوا، سمرقند، کاشغر، زنجبار، مراکش، مصر وغیرہ ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ آج کل جو سلطان عبدالحمید کے ساتھ جو تیس سالہ حکومت کے بعد ہوا سو ہوا اور ہو رہا ہے۔ اور ایران کی جو گت بن رہی ہے وہ عربی، فارسی، انگریزی، اردو اخبارات سے اور واقعات سے ظاہر ہے۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ نے اس قوم اہل اسلام پر ظلم کیا ہے اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہ ثَبّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا تیرے رب کی باتیں صدق وعدل سے پوری ہوئیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَایَظۡلِمُ النَّاسَ شَیۡئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ (44:10) صدہا سال تک ان کی مساجد بنوامیہ، بنوعباس، اتراک تک علیحدہ نہ ہوئیں مگر تیرہ صدی نے وہ بھی الگ کر دیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

جو وحدت کی روح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان میں ڈالی گئی تھی۔ گو آج تک اڑا نہیں سکے۔ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (45:6) مثلاً مکہ معظّمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اور اس میں یک جہتی کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ پر ایمان۔ ایمان باللہ تعالیٰ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بخاتم النبیین، ایمان بالمعاد والجنۃ والنّار۔ اور نماز میں فرض سترہ رکعت ہیں۔ زکوٰۃ، روزہ اور حج فرض ہے۔ فضائل اور رذائل کے بیان میں بھی بہت بڑا تفرقہ نہیں۔ پھر بھی ایک دوسرے کو مسجد میں دیکھ نہیں سکتے۔

اس تفرقہ کا باعث کچھ ان کی تاریخیں اور سیَر کی کتابیں بھی ہیں۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ گھروں میں خدمت گاریں آپس میں لڑ پڑتی ہیں اور بچے باہم کدورت کرتے ہیں اور بعض وقت سمجھ میں نہیں آتا کہ سچا کون ہے۔ توحید یا پریس کے جھگڑے اور پھر بڑے آدمیوں میں ان کا پتہ ان گھر کی چاردیواری میں بیٹھے ہوئے ملاں

لوگوں کو کیونکر لگ گیا۔ اور آج اس سے یہ لوگ کس فائدہ کی امید رکھ سکتے ہیں۔ ان کو تو روپیہ اور کچھ عزت مل گئی۔ مگر قوم کو ملا تو کیا ملا!

کیا ہی سچ اور لطیف ارشاد ہے مولیٰ مرتضیٰ علیہ السلام کا۔ اَلْعِلْمُ نُقْطَةٌ كَثَّرَهَا الْجَهْلُ مذہبی تاریخیں بھی عجیب وغریب ہیں۔ ایک طرف ہم تعلیم۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ (113:2) کو دیکھتے ہیں اور تدبر کرتے ہیں کہ قرآن کریم کے سننے والے یہود ونصاریٰ تو ہیں نہیں۔ اور اس میں فرمایا ہے کہ لَا يَعْلَمُوْنَ لوگ ایسا کہتے ہیں۔ گویا ہم کو ارشاد فرمایا ہے۔

دوسری طرف نجدہ وازارقہ خوارج کی تاریخ اور شیعہ کی تاریخیں صحابہ کے حق میں پڑھتے ہیں تو بے اختیار بول اٹھتے ہیں۔ ان تواریخ نے قوم کو کیا فائدہ پہنچایا۔ آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رؤف ورحیم آخری شریعت لے کر آخری جامع کمالات انسانیہ ہو کر تشریف لائے۔ اگر ان کی تعلیم سے ان کی صحبت والے لوگوں بلکہ ان کی بیبیوں تک کسی نے فائدہ کچھ بھی نہ اٹھایا اور ان کو ابوجہل سے بدتر بننا پڑا، تو یہ ہمارے واعظ اور ان کے وعظ انہیں کیا نفع پہنچا سکتے ہیں۔

عجب عجب آخر ایسے وقت میں ایک مجدد آیا اور اس نے ان مختلف المذاہب کے اجزاء کو جمع کرنا شروع کیا اور ہزاروں ہزار بِحَمْدِ اللّٰهِ اس کے زیر سایہ ترقی کرنے لگے۔ تو ہمارے مولوی صاحبان اور سجادہ نشین انہی ہتھیاروں سے آپ پر حملہ آور ہوئے جو ان کے استعمال میں معمولی طور پر ہیں۔ اور كَابِرٌ عَنْ كَابِرٍ استعمال کر رہے ہیں۔ گو ہر کہ آید برآں مزید کرد۔ حضرت مرزا جی نے دعویٰ مکالمات الٰہیہ کا کیا۔ اور چونکہ وہ دعویٰ جدید نہ تھا۔ بلکہ ہزاروں ہزار انبیاء ورسل اور ان کے متبع ایسا دعویٰ کر چکے تھے۔ اور قرآن کریم میں صاف موجود تھا۔ اور ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ . صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. (6-5:1) اس کی رو سے ہم غور کرتے ہیں تو تمام انعامات الٰہیہ اللہ سے عہدہ نہیں پاتے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ایک بچھڑے کی پرستش کو اختیار کیا۔ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا (20 :89) کیا نہیں دیکھتے کہ بچھڑا تو انہیں ان کی بات کا جواب بھی نہیں دیتا۔ یہ کیسا معبود ہے کہ تم میں سے کسی کے ساتھ

نہیں بولتا۔ پھر اس دعویٰ کا معیار بتایا کہ اگر میں مفتری ہوں تو مجھے اتنی وسیع مہلت کیونکر مل گئی۔ مفتری کو اللہ تعالیٰ ایسی تو مہلت نہیں دیتا۔ وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ. لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡیَمِیۡنِ. ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِیۡنَ. (45-44:69) اگر مجھ پر کچھ بھی افترا کرتا تو ہم اپنی طاقت سے پکڑتے ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِیۡنَ. (46:69) اور رگ دل کو کاٹ دیتے۔ پھر ہزاروں ہزار بشارتوں اور پیش گوئیوں سے ان کے اس دعویٰ کو اللہ تعالیٰ نے موید فرمایا وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (45:6)

وفات مسیح اسرائیلی کا اعتقاد اس کو پہلے الہامات الٰہیہ سے ہوا۔ پھر قرآن کریم کے دلائل نے کَالشَّمۡسِ فِیۡ رَابِعَةِ النَّهَارِ ثابت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَجَاعِلُ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡکَ فَوۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡآ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ (55:3) پہلے تَوَفّی ہے پھر رَفَعَ اور تَطۡهِیۡر اور اِتِّبَاع کا۔ قیامت تک ان کے منکروں پر فوق رہنا مذکور۔ اس پر غور کرنے والا مومن چون و چرا نہیں کرسکتا مگر اَقُوۡلُ جن کا سبق ہو وہ کب باز آئیں خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ. (59:3) بھی ایسی ہی نص ہے کہ مسیحؑ جب مخلوق ہو چکی تو پھر مرے اور جی اٹھے۔ قرآنی کُنۡ فَیَکُوۡنُ کا استعمال دیکھا جائے تو ایسا صریح امر نکلتا ہے کہ ایمان تازہ ہوتا ہے۔

پھر ہم نے ان بزرگان دین سے عرض کیا ہے کہ مسلمانوں سے یاجوج ماجوج دس گنا زیادہ ہے۔ اور آپ تو خود بذات مقدس مشرق و مغرب کو دیکھ آئے ہیں۔ مگر بہت لوگ چکر لگا چکے ہیں۔ نیز اب تو جنوب و شمال کی تحقیق بھی قریب الاختتام ہے۔ خضر، اصحاب کہف اور یاجوج و ماجوج تم دکھا دو جو یہاں زندہ ہیں۔ ہم انہیں زندہ مان لیں گے۔ اور اگر تمہارا خیال زمینی معاملہ میں غلط ہے تو آسمان کا خیال اور بھی غلط ہے ؎

تو کار زمین کے نکو ساختی — کہ با آسمان نیز پرداختی

پھر دعویٰ مسیحیت کیا۔ اس کا اصل یہی مکالمہ الٰہیہ تھا۔ پھر شرعاً قرآن کریم کو موید بنایا اور ؎

چوں مرا نورے، پئے قومِ مسیحی دادہ اند — مصلحت را ابن مریم، نام من بنہادہ اند

کہہ کر ان لوگوں کو نام کا سُرّ بتایا اور قرآنی آیت کریمہ وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ (100:23)

سے بتایا کہ وہ متوفی لوگ جن کی روح حین الموت قبض ہوئی وہ دنیا میں واپس نہیں آتے۔ جیسے فرمایا اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا (42:39) اور فرمایا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ (42:39) کسی میت کی واپسی کو یہ لوگ ثابت نہ کر سکے تو ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک مومن کی تشبیہ امراۃ فرعون سے دی ہے۔ اور دوسری قسم مومن کو مریم فرمایا ہے۔ دیکھو وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا (12:66) کر کے مومن کو مریم کہا ہے۔ پھر جب اس میں نفخ روح ہوا تو وہ ابن مریم کہلایا۔

اپنے مکالمات الٰہیہ میں جب اپنے آپ کو مہدی کے لفظ کا مخاطب پایا تو اس کا اظہار بھی اس وقت کیا۔ جب نص آئمہ اطہار علیہم السلام میں پالیا کہ اِنَّ لِمَھْدِیْنَا اٰیَتَیْنِ الخ۔ دارقطنی نے امام محمد باقر بن علی بن الحسین سے روایت کیا ہے اِنَّ لِمَھْدِیْنَا اٰیَتَیْنِ لَمْ تَکُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ تَنْکَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَیْلَۃٍ مِّنْ رَّمَضَانَ وَتَنْکَسِفُ الشَّمْسُ فِی النِّصْفِ مِنْہُ وَلَمْ تَکُوْنَا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

جب یہ واقعہ 1894ء مطابق 1311ھ میں ہوا تو ہمارے معقول ومنقول بڑے مولوی صاحب نے فرمایا کہ یکم رمضان اور پندرہ رمضان کو وقوع کا ہونا مثبت ہے۔ اور خیال نہ فرمایا کہ اول اللیل کو قمر نہیں کہتے ہیں اور نیز اس دن طریق کسوف وخسوف سے کسوف وخسوف ممکن نہیں۔ اور پھر اس دن کے کسوف کو کون دیکھے گا۔ تو ساکت ہوئے، مگر نہ مانا۔

عیسائیوں کے لئے وہ وہ اصول قائم کئے کہ اب پنجاب میں کوئی عیسائی ایک احمدی کے سامنے مباحثہ کو جائز نہیں جانتا۔ ایک معرکتہ الآراء مباحثہ میں فرمایا (جو عیسائیوں سے ہوا) کہ کامل کتاب وہ ہوسکتی ہے جو دعوے اور اس کے دلائل دے۔ اگر کتاب انکار کسی بات کا کرے تو انکار کو بیان کرے اور اس انکار کے دلائل بھی بیان کرے۔ اس شرط سے تم لوگ اپنا کوئی دعویٰ انجیل وبائبل سے پیش کرو۔ اور جو اسلام پر اعتراض کرو وہ دعویٰ اعتراض اور اس کے دلائل میں اپنی مقدس کتاب سے دکھاؤ۔ اور آپ نے خود ہر ایک دعوٰی ودلیل کو قرآن سے پیش کیا۔ اسی طرح آریہ سکھ قوم کو حجج ملزمہ سے ساکت فرمایا۔ افراد قوم کو ایمان واعمال صالحہ کے لئے جمع کیا، نہ صرف دنیا کمانے کو۔ دنیا کمانے کی ترغیب دیتے ہوئے عہد لیتے تھے کہ مرید کہے میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔

اشاعتِ اسلام کی فکر میں شب و روز گھبراتے اور تجویز فرماتے کہ دس ہزار میگزین انگریزی میں شائع ہو اور جو مرید کم سے کم دسواں حصہ جائداد کو اس کام کے لئے وقف کرے وہ ہمارے مقبرہ میں دفن ہوں۔ اور اس آمدنی کو صرف اشاعتِ اسلام کے لئے وقف کر دیا۔ اور ہزاروں ہزار رجسٹریاں اپنے ہاتھ سے یورپ و امریکہ روانہ کیں۔ سر سید احمد خاں کے معاملہ میں دعا اور ملائکہ پر وہ ہر روز قلم اٹھایا کہ وہ خاموش رہ گئے۔ یہ تمام امور آپ کے رسائل میں موجود ہیں اور مفصّل ہیں۔ مسلمانوں میں اخلاق فاضلہ کا موجود کرنا اور رذائیل سے بچنے کی تدابیر کروانا، فرمایا اور کھول کر بتایا کہ ایمان بے عمل ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ کامل یقین قدوس وسبحان اللہ پر رکھ کر جزا و سزا سے ڈرنے والا کیونکر اعمال صالحہ سے بالکل غافل ہے۔ اور دنیوی کاروبار میں چوکس و ہوشیار ہے۔ دولت مند متمول شہوت و حرص و غضب پر جس قدر اموال خرچ کرتے ہیں۔ صرف رضاء مولیٰ کے طالب ہو کر ان اموال کو کیوں خرچ نہیں کرتے۔ خزائن امراء میں جو روپیہ جمع ہوتا ہے اس میں زکوٰۃ، اموال تجارت، زکوٰۃ اراضی، خراج غرض ہر قسم کے اموال ہوتے ہیں۔ مگر ان کا صرف مطابق قرآن کریم کیوں نہیں کیا جاتا۔ اس ملک پنجاب میں سادات نے خصوصیت سے گورنمنٹ میں درخواست دی ہے کہ ان کے یہاں لڑکیوں کو کوئی حصہ والدین کے مال سے نہ دیا جائے۔ بیوہ کا نکاح ممنوع یقین کرتے ہیں۔

امراء نے اباحت کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ کہ وہ کسی حکم الٰہی کے پابند نہیں۔ اور ان کو کہنے کا کوئی مجاز نہیں۔ میرے احباب حاضر ہوں گے۔ یہ لوگ دربار والوں کے اصول اور آداب شاہی سے غالبًا ناواقف ہیں۔ ان کو عربی طرز کے مسلمان سمجھ کر ان کے آداب میں کوئی قصور ہو تو درگزر فرمادیں۔ شریر نہیں حق کے طالب ہیں۔ اقوال موجہ کے ماننے سے ہمیں اور ان کو دریغ نہ ہوگا۔ حق کے پیاسے ہیں اور الٰہی رضامندی کا جوش رکھتے ہیں۔ قرآن وصحیح حدیث سے جو امر ثابت ہو جاوے، اس کے ماننے میں ہمیں تأمل نہیں۔ اور دونوں کے بیان کی کوئی چیز ہمیں نظر نہیں آتی۔ دعا گو ہوں اور دعاؤں کا ڈھب جانتا ہوں اور دعا کا معتقد ہوں۔

دستخط

نورالدین

21 جولائی 1914ء

مراسلات

انگریزی ترجمۃ القرآن

انگریزی ترجمۃ القرآن کے کام میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے لئے جو تجاویز قادیان میں آج کل ہو رہی ہیں، وہ سراسر ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہیں۔ اور ہم اپنے تیز طبع بھائیوں کو قبل از وقت اس کے خطرناک نتائج سے (اگر ان میں غور کا مادہ باقی رہ گیا ہے) آگاہ کر دیتے ہیں کہ اگر عدالت تک اس کی نوبت پہنچی تو اس کے ذمہ دار صاحبزادہ صاحب اور ان کے ناعاقبت اندیش مشیر ہوں گے۔ جماعت کے ایک کثیر حصہ نے، جن میں چند ممبران مجلس معتمدین ہیں، اپنے ان حقوق کے لئے جن کا مطالبہ وہ موجودہ انجمن کے خلاف قانونی کارروائیوں کی وجہ سے بذریعہ عدالت کر سکتے تھے، آج تک محض اس لئے عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا کہ اس سے سلسلہ کو سخت صدمہ پہنچنے کا خطرہ ہے۔ قبل ازیں سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے بھی مولوی شیر علی صاحب کے اعلان پر ان کو متنبہ کیا جا چکا ہے کہ اگر نوبت عدالت تک پہنچی تو ایک مقدمہ پر بس نہ ہو گی بلکہ مختلف مقامات میں یہ مقدمات شروع ہو کر سلسلہ کی تباہی کا موجب ہوں گے۔

بار بار روپے کے خرچ کا سوال کیا جاتا ہے۔ جو ترجمہ انگریزی پر صرف ہوا ہے۔ لیکن اگر مولوی شیر علی صاحب کو اس روپیہ کا فکر ہے تو کیا کبھی انہوں نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ وہ روپیہ جس سے صاحبزادہ صاحب کے سارے کاروبار چھ سال سے چلتے ہیں کہاں سے آتا رہا ہے۔ اور وہ جو ان پر قرض لے گئے تھے، وہ کہاں ادا کیا گیا ہے۔ اور وہ جو مولوی محمد احسن صاحب گھر بیٹھے پانچ سال سے لے رہے وہ کس کام کے عوض میں ہے۔ کیا وہ جماعت کا یا اسی انجمن کا روپیہ نہیں۔ پھر کیوں اخباریں اور رسالے اور کتابیں جو سلسلہ احمدیہ کے روپیہ سے نکالے جاتے ہیں، اور جن پر تقریباً بیس ہزار روپیہ قوم کا آج تک خرچ ہو چکا ہے، ان کو مولوی شیر علی صاحب اپنی برائے نام انجمن کی ملکیت بنا لینے کی فکر نہیں کرتے۔ وہاں تو مہمان خانہ بن کر اور انجمن کے خاص چندوں کی لاگت سے تیار ہو کر بجائے قوم کا مال رہنے کے ذاتی ملکیت بن جاتے ہیں۔ اور مولوی شیر علی صاحب کے منہ سے

ایک حرف نہیں نکلتا۔

پھر قوم سے غریب خانوں کے لئے بغیر حساب کے روپیہ جمع کیا جاتا ہے۔ اور اسے امیر صاحب اپنی ذاتی ملکیت بنا لیتے ہیں۔ اور غربا سے ماہواری کرایہ وصول کرتے ہیں۔ اور مولوی شیر علی صاحب دیکھتے ہیں اور منہ سے ایک حرف نہیں نکلتا۔

پھر اس اشاعتِ اسلام کے کام میں جو روپیہ خرچ ہوا ہے اور جو کہ اصل غرض روپیہ جمع کرنے اور انجمن قائم کرنے کی ہے۔ اس کے لئے کیوں اتنی شورا شوری ہے۔ علاوہ بریں ترجمہ ابھی ترجمہ کہلانے کا مستحق کہاں ہے؟ مسوّدات ایک نامکمل حالت میں ہیں۔ ایسے مسوّدات اور نوٹوں کو لے کر کیا کیا جائے گا۔ سوائے اس کے کہ ہمیشہ کے لئے ان کو برباد کیا جائے۔ اگر اسلام کی یہی خدمت ہے جو اس سلسلہ کے لئے، جسے خدمت اسلام کا فخر تھا، اب کرنی باقی رہ گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

کیا انگریزی ترجمہ قرآن میں انجمن کی غرض سوائے اشاعت اسلام کے کچھ اور بھی تھی اور اب جس کارروائی کی تجویز ہو رہی ہے کیا وہ اشاعت اسلام کے مقصد کی موید ہے یا اس مقصد کو تباہ کرنے والی ہے۔ سوائے مؤلف کے کوئی اس قسم کے کام کی تکمیل کر سکتا ہے۔ جو کہ نہ صرف ابھی ختم ہی نہیں ہوا بلکہ اس کے ہزارہا صفحات کے مسوّدات اسی کی ایک مدت کی شبانہ روز محنت کو چاہتے ہیں۔ تا وہ ان کو مطبع میں بھیجنے کے قابل بنائے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انٹروڈکشن، جس کے متعلق یہ تجویز تھی کہ ولایت میں جا کر لکھا جائے گا، وہ کہاں ہے؟

ہم تو ایک ہی بات کی نصیحت اپنے بھائیوں کو کرتے ہیں کہ وہ پہلے بھی بہت سی زیادتیاں کر چکے ہیں۔ جن کا نتیجہ انہوں نے خود بھی دیکھ لیا ہے۔ اب کوئی کارروائی کرتے وقت یہ دیکھ لیں اور غور کر لیں کہ سلسلہ پر اس کا کیا اثر پڑے گا اور اشاعت اسلام کا کام اس سے کہاں تک پورا ہوگا؟ اور اگر آنکھیں بند کر کے کام کرنا ہے تو ان کا اختیار ہے۔ ہم نے قوم کو قبل از وقت متنبہ کر دیا ہے۔

سید محمد حسین شاہ

26 جولائی 1914ء

اشاعت اسلام - ابتدائیہ

(حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایم اے ایل ایل بی نے ایک سلسلہ مضامین ''اشاعت اسلام'' پیغام صلح کے لئے تحریر فرمایا ہے۔ امید ہے یہ قارئین کے لئے دلچسپی کا موجب ہوگا۔ مدیر)

اس عنوان کے ماتحت میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ اشاعت اسلام کی ضرورت پر اور اس بات پر کہ کہاں تک اس میں کامیابی کی امید ہے اور کس طریق پر اشاعت اسلام کی جاسکتی ہے اور ایسا ہی اس کے متعلق ان عملی تجاویز پر، جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے اس غرض کے لئے اپنے سامنے رکھی ہیں، بحث کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ (88:11)

لیکن چونکہ یہ مضمون کسی قدر وسیع ہے اور اخبار کے ایک پرچہ میں سارے کا سارا نہیں آسکتا، اس لئے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف نمبروں میں نکلے گا اور ممکن ہے کہ مسلسل نمبروں میں یہ شائع ہوتا رہے۔ اور اس طرح ناظرین اخبار بھی ایک مسلسل مضمون کے رنگ میں اسے پڑھ سکیں۔ میری غرض اس مضمون کے لکھنے میں یہ ہے کہ بعض ضروری مباحث کو طے کر کے عملی طور پر اس کام کو شروع کر دیا جائے۔ اور پھر اعتراضات کی زیادہ پروانہ کی جائے۔ بلکہ نتائج پر سب باتوں کو چھوڑا جائے۔ کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ اس کام کو ہاتھ میں لینے پر مخالفت نہ ہو۔ بلکہ سنت اللہ کچھ اسی طرح واقع ہوئی ہے کہ زیادہ مفید اور زیادہ نیک کاموں میں مخالفت بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔

اشاعت اسلام کے مقصد کو جو شخص ہاتھ میں لیتا ہے، اسے پہلے یہ سوچ لینا چاہئیے کہ اس نے صرف دوسری قوموں کی مخالفت کا مقابلہ ہی نہیں کرنا بلکہ اندرونی مخالفت بعض وقت بیرونی مخالفت سے بھی زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور ہماری انجمن جس حالت میں کام کو اپنے ہاتھ میں لیتی ہے، اس کو تو سب سے پہلے اندرونی مخالفت کے مقابلہ میں ہی کام کرنا پڑا ہے۔ بلکہ اس کے کام میں سب سے پہلے مخالفت ڈالنے والے وہی لوگ ہیں، جن پر سب سے زیادہ اعانت اور ہمدردی کی توقع تھی۔ اور سب سے پہلا اعلان اس انجمن

کی مخالفت میں ایک ایسے بزرگ کی طرف سے نکلتا ہے۔ جو سلسلہ احمدیہ میں ایک خاص وجاہت اور مرتبہ رکھتے ہیں۔ اور وہ اعلان یہ ہے کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور میں نہ کوئی شخص چندہ دے، نہ ہی اس کا ممبر بنے، نہ ہی اور کسی قسم کی مالی اعانت دے۔

اس اعلان کی وجہ یہ تو ہے ہی نہیں کہ ان بزرگوں کو ہماری دیانت و امانت پر کوئی شبہ ہے۔ کیونکہ وہی لوگ، جنہوں نے آج اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے، سالہا سال تک اسی سلسلہ احمدیہ میں کام کرتے رہے ہیں۔ اور سلسلہ کی متفقّہ آواز اس بات پر شاہد ہے کہ اس خدمت کی ادائیگی میں انہوں نے کوئی خباثت نہیں کی۔ بلکہ اپنا پورا زور اور طاقت اشاعت اسلام کے لئے لگایا ہے۔ بلکہ اصل وجہ اس اعلان کی صرف اس قدر ہے کہ ان لوگوں نے اس بزرگ کو جو یہ اعلان کرتا ہے، اپنا پیرو مرشد کیوں تسلیم نہیں کیا۔ اور اسی وجہ پر اس انجمن کو مسجد ضرار سے تشبیہ دی گئی ہے۔ گویا یہ در پردہ دشمنانِ دین کی ایک کوشش اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے ہے۔ اور محض ظاہرداری کے لئے حمایت اسلام یا اشاعت اسلام کا علان کیا جاتا ہے۔

تو یہ وہ سب سے پہلی رکاوٹ ہے جو اندرونی طور پر اس کام میں پیش آئی ہے۔ اور جو ان لوگوں کی طرف سے ہے، جن کے ساتھ سب سے بڑھ کر ہمارا اتحاد و اتفاق ہے۔ پس جب ایسے عزیز بھائی ہمارے کام پر بجائے اس کے کہ ہمدردی کرتے، ہمارے کام کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں، تو کسی دوسری قسم کی اندرونی مخالفت اور پھر شدید ترین بیرونی مخالفت کا اندازہ پہلے ہی کر لینا چاہئیے۔ ان تمام امور کو جن میں صرف ہماری نیت پر حملہ کیا جاتا ہے یا کیا جائے گا، ہم محض اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں۔ کیونکہ نیتوں سے آگاہ سوائے اس کے کوئی نہیں۔ اور اس کے عاجز بندے، جو اپنے بھائیوں کی نیت پر حملہ کرنا ہی اپنا پہلا اصول قرار دے لیتے ہیں، ایک ایسی جرات کا ارتکاب کرتے ہیں جو خدا کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ اگر ہمارے گزشتہ کاموں سے، جو کم از کم پندرہ بیس سال سے ہم کرتے رہے ہیں، یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ اصل میں ہم لوگ اسلام کے خیر خواہ نہیں بلکہ اسلام کے دشمن ہیں۔ جو یہ چاہتے ہیں کہ اسلام دنیا سے نیست و نابود ہو جائے۔ تو پھر ہمارے ان عزیز بھائیوں کو حق پہنچتا ہے کہ جو چاہیں ہمیں کہیں۔ کیونکہ اس طرح تو گویا انہوں نے پندرہ بیس سال تک ہمارے کاموں کا تجربہ کر کے اور ہمارے اندرونی ارادوں پر آگاہ ہو کر ایک نتیجہ نکالا ہے۔ جس میں وہ معذور ہیں۔ اور اگر ہمارے پندرہ بیس سال گزشتہ

کے کام اس بات پر شاہد ہیں کہ ہم خدمت اسلام کی سچی تڑپ اپنے دلوں کے اندر رکھتے ہیں ۔ اور اگر اجتہاد میں ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ علیحدہ بات ہے ۔ لیکن ہماری نیت بہرحال اسلام کی خدمت ہی رہی ہے ۔ تو پھر ان سب لوگوں کا، جو ایسا علم اور یقین رکھتے ہیں، یہ فرض ہے کہ وہ کسی بزرگ کی غلطی کو غلطی سمجھ کر ہمارے کام میں معاون ہوں ۔ یہ محض پرانے تعلقات کے لحاظ سے ایک بات کہہ دی ہے ۔ ورنہ کسی شخص یا گروہ کو مخاطب کرنے کی ضرورت نہ تھی ۔

بہرحال یہ موقعہ کسی کی شکایت کا نہیں بلکہ صرف ان مشکلات اور مخالفتوں اور رکاوٹوں کے اظہار کی غرض سے یہ لکھا گیا ہے جو اشاعت اسلام کی اس کوشش میں پیدا ہو چکی ہیں یا آئندہ پیدا ہونے والی ہیں ۔ اور اصل غرض اس تمہیدی نوٹ سے میری صرف اس قدر ہے کہ ہمیں یہ چاہیئے کہ اپنے آپ کو اس مزدور کی طرح سمجھ لیں جس کے سپرد ایک کام کیا گیا ہے کہ تم نے جلد اس کو پورا کرنا ہے ۔ پھر اگر کوئی شخص اس پر اینٹ یا پتھر پھینکتا ہے یا خواہ مخواہ اس سے الجھتا ہے ۔ تو اس کا معاملہ سپرد خدا کر کے اس مزدور کو یہ جان لینا چاہیئے کہ اس کی ساری توجہ اور محنت صرف اس کام پر لگنی چاہیئے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے ۔ ہاں ! اس کام کے اندر جو رکاوٹیں ڈالی جائیں، ان کو دور کرنا بھی اس کا فرض ہے ۔ مگر بہرحال ہمیشہ اسے یہ بات مدنظر رکھنی چاہیئے کہ کسی قسم کی الجھن اس کام کی بجا آوری میں جو اس کے سپرد کیا گیا ہے، حارج نہ ہو ۔ بلکہ وہ ہمہ تن صرف اس کام کی سرانجام دہی میں مصروف رہے ۔ اور اگر اسی کام کے کرنے میں اسے زخمی بھی کیا جائے تو وہ بدلہ لینے کا خیال نہ کرے ۔ بلکہ جو اپنی قوت اور طاقت بدلہ لینے میں صرف کرے گا، اسے بھی اس کام پر ہی لگائے ۔

اشاعت اسلام کا مقصد ایک عظیم الشان مقصد ہے ۔ جو شخص اس مقصد کو اپنے سامنے رکھنے کا اعلان کرتا ہے ۔ وہ گویا درحقیقت تمام چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظرانداز کرنے کے لئے اپنی تیاری ظاہر کرتا ہے ۔ کیونکہ کوئی عظیم الشان کیا معمولی مقصد بھی حاصل نہیں ہوسکتا ۔ اگر چھوٹی چھوٹی باتیں اس راہ میں حارج ہوں ۔ پھر اتنا بڑا کام کہ اسلام کے پاک پیغام کو دنیا کی ہر ایک بستی میں پہنچایا جائے ۔ تو یہ وہ عظیم الشان کام درپیش ہے اور ہمارے موجودہ وسائل اس کام کے لئے جو کچھ ہیں وہ بھی ہم خوب جانتے ہیں ۔

مختصراً یوں کہنا چاہیئے کہ ایک خدا کا نام ہے ۔ پس اس بے سروسامانی کی حالت میں اپنی رہی سہی طاقت

کو آپس کے جھگڑوں میں لگا دینا عقلمندی کا کام نہیں۔ اس لئے جہاں ہم اس بات پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں گے کہ اَلْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ بہت سی نکتہ چینیوں پر، جن کی غرض کام کی اصلاح نہیں، بلکہ چلتے کام میں روڑے اٹکانا ہوگی، ہم پروا نہیں کریں گے وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ (88:11) نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ . (40:8) اگر اس مولیٰ کی نصرت ساتھ ہو تو کسی کی مخالفت کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گی۔ اور جو کام اس کی رضا کا نہیں اس میں سب دنیا بھی موافق ہو تو اس کا کرنا موجبِ نقصان ہے۔

ایک اور بات، جس کی طرف میں ناظرین اخبار کو عقیداً توجہ دلانے کی ضرورت سمجھتا ہوں، یہ ہے کہ قرآن کریم ایک کامل اور جامع کتاب ہے۔ اور ہماری ساری دینی ضرورتوں کا سامان خود ہی مہیا فرماتی ہے۔ سو اشاعتِ اسلام کے وسیع مضمون پر یہ پاک کتاب خاموش نہیں، بلکہ جتنے پہلو اس مضمون کے ہیں ان سب پر کافی روشنی خود اس پاک کتاب نے ڈالی ہے۔ اور ہمیں قیاس اور اٹکل کا محتاج کسی بات میں نہیں چھوڑا۔ اور یہ وہ فضیلت ہے جو اس پاک کتاب کو دوسری سب مقدس کتب پر حاصل ہے کہ ہر ایک دعویٰ بھی یہ خود کرتی ہے اور پھر اس کی دلیل بھی خود دیتی ہے۔ کوئی نادر اور اچنبھا بات مذہب کے متعلق ایسی نہیں جسے قرآن مجید نے بیان نہ فرما دیا ہو۔ وَلَا یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا (33:25) کون سی نادر بات لوگ پیش کریں گے جس کے متعلق ہم نے پہلے ہی حق و حکمت سے بھرا ہوا فیصلہ اور نہایت خوبصورت توجیہ تم کو نہیں بتا دی۔

جو لوگ اپنی ہدایت کے لئے ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور کبھی کسی قوم کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ اس سے کچھ سبق حاصل کریں اور کبھی کسی کے نمونہ کو دیکھتے ہیں کہ ہم بھی اسی راہ پر قدم ماریں تا کہ کامیابی کا منہ دیکھ سکیں۔ یا اپنے قیاس سے کوئی یک طرف دوڑتا ہے تو دوسرا اس کے بالمقابل ایک اور راہ اختیار کرتا ہے وہ غلطی کرتے ہیں۔ ایک مسلمان خدا کے فضل سے کسی دوسرے کا محتاج نہیں بلکہ دوسرے اس کے محتاج ہیں۔

وہ اصول جو تبلیغ دین کے لئے ضروری ہیں۔ وہ خود ان قوموں نے، جنہوں نے اپنے دین کے اصول کو دوسروں تک پہنچانا چاہا ہے، قرآن کریم سے لئے ہیں۔ اسے یہ ضرورت نہیں کہ قرآن کریم کی کھلی کھلی ہدایت کی موجودگی میں اپنے قیاس اور اٹکل سے کام لے کر ٹھوکریں کھاتا پھرے۔ اس کے لئے، وہ پاک اور مضبوط ہدایتیں جو ہمارے اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق آج سے تیرہ سو سال پیشتر دے دی گئی تھیں، کافی ہیں۔ اگر وہ مضبوطی

سے ان کو پکڑیں تو نہ اسے کسی دوسری قوم کا محتاج ہونا پڑے گا اور نہ ہی اپنی اٹکلوں پر بھروسہ کرنے کی ضرورت ہو گی۔لیکن اگر افسوس ہے تو یہی کہ وہ شکایت جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے رب العلمین کے حضور اپنے مخالفین کے متعلق کی تھی۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (30:25)

اس کا مصداق آج مسلمان اپنے آپ کو ثابت کر رہے ہیں اور اس پاک کتاب کو چھوڑ کر، جس میں ان کے لئے کامل صداقتیں ہر رنگ کی موجود تھیں، وہ ڈانواں ڈول ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔

کس قدر شرم اور غیرت کا مقام ہے کہ وہ قوم جس کے محتاج دوسرے تھے آج اپنے ہاتھوں اس نے اپنی یہ حالت کر لی ہے کہ وہ ہر بات میں اپنے آپ کو دوسروں کا محتاج سمجھتی ہے۔کس قدر بدقسمت ہیں وہ لوگ، جن کے گھر میں خزانہ موجود ہو اور وہ اس کو چھوڑ کر کوڑیوں اور پیسوں کے لئے، دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرتے پھیریں۔مسلمانو! خدا کے لئے غور کرو کہ تم کو کس اعلیٰ مقام پر کھڑا کیا گیا تھا اور تم کس گڑھے میں اب ہو۔قرآن کریم ایک کامل خزانہ سب علوم کا ہے۔جس قسم کی ہدایت کی ضرورت ہو اس کے اندر تلاش کرو۔تمہیں یقیناً مل جائے گی۔اس پاک کتاب کے دروازہ کو کھٹکھٹاؤ۔تاکہ وہ تم پر کھل جائے اور تم کو دوسروں سے مستغنیٰ کر دے۔اور جب کسی معاملہ میں قرآن کریم کی ہدایت تم کو مل جائے تو اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔تم یقیناً ایک کامیاب قوم بن جاؤ گے۔تم کیوں اس قدر مختلف راہوں پر چل کو کوئی ادھر اور کوئی اُدھر بھٹک رہے ہو۔اسی لئے تم نے اس کامل ہدایت کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔جو تمہارے لئے موجود ہے اور جس کے حاصل کرنے کے لئے تمہیں صرف تھوڑی سی کوشش کی ضرورت ہے۔اور تم میں سے ہر ایک نے اپنی خواہشوں اور اپنی رائے کو اپنا امام بلکہ اپنا معبود بنایا ہوا ہے، جس کے تابع تم کل دنیا کو کرنا چاہتے ہو۔

پس اشاعتِ اسلام کے سوال کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے میں قرآن کریم کی پاک ہدایات کو مدنظر رکھوں گا اور یہ دکھاؤں گا کہ کس طرح سے ہمارے اس موجودہ زمانہ کی ضروریات کے مطابق ہمیں اس پاک کتاب نے وہ راہیں بتائی ہیں، جن پر چل کر ہم اصل مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔(جاری)

28 جولائی 1914ء

اشاعت اسلام

اشاعت اسلام کو دوسرے کاموں پر مقدم کرنے کی ضرورت

(از جناب حضرت امیر مولٰینا محمد علی۔ ایم اے ایل ایل بی)

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے خواجہ کمال الدین صاحب کو کہ ان کی للّٰہی اور مخلصانہ کوششوں نے اشاعت اسلام کے سوال کے اندر ایک حد تک دل چسپی کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ لوگ، جو تعلیم اور ترقی کے معراج کو حاصل کر چکے ہیں، اشاعت اسلام کی کوشش کو محض لغو سمجھتے تھے۔ چہ جائیکہ ان پر اپنی توجہ یا ہمت یا وقت صرف کرنے کے لئے تیار ہوتے۔ اب اس قدر دلچسپی اس مضمون کے اندر پیدا ہوگئی ہے کہ کم از کم ایک گروہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کا اشاعتِ اسلام کی ضرورت کو محسوس کرنے لگا ہے۔ مگر محض اس ضرورت کو محسوس کر لینا بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ اسے دوسری ضرورتوں پر مقدم نہ سمجھا جائے۔ بلکہ مقدم کر کے دکھایا نہ جائے۔

بہت سی باتیں جن کو آج مسلمانوں کی مقدم ترین ضروریات میں سے خیال کیا جاتا ہے، اگر قوم کی بعض بیماریوں کا علاج ہیں تو یاد رکھو کہ اشاعت اسلام کی ضرورت کے سوال میں قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ پہلے قوم کی بقاء کا فکر کرو، پھر اس کی بیماریوں کی طرف بھی توجہ کرو۔ بیشک یہ درست ہے کہ مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر قوم کی ضروریات مختلف قسم کی ہیں۔ لیکن وہ ضرورت جس پر قوم کی زندگی کا مدار ہے، اس کا سب سے مقدم کرنا قوم کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اور یہ ضرورت اشاعت اسلام ہے۔

آج یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ دنیا میں کوئی چیز کامل سکون کی حالت میں نہ ہے اور نہ رہ سکتی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے ذرات سے لے کر بڑے سے بڑے ستاروں تک ہر چیز ہر آن ایک تغیر کی حالت میں ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات اس تغیر میں یکساں شامل ہیں۔ پھر یہ تغیر بھی ایک بے معنی تغیر نہیں بلکہ یہ آنی تغیر یا تو

کسی چیز کے نشوونما کا باعث ہو رہا ہے اور یا اس کے انحطاط کا۔ ایک چیز کو اگر یہ ترقی کے اعلیٰ معراج کی طرف لے جا رہا ہے، تو دوسرے کو تنزل کے اتھاہ گڑھے کی طرف۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (191:3) غرضیکہ کوئی چیز حالت سکون میں نہیں۔ پھر انسان، جو خلاصہ موجودات کہلاتا ہے، وہ کیونکر اس تغیر سے بچ سکتا ہے۔ اور انسانوں کا وہ مجموعہ جس کو قوم کہا جاتا ہے۔ وہ کس طرح اس قانون الٰہی سے مستثنیٰ ہوسکتا ہے۔ جو قوم اپنا قدم آگے نہیں بڑھاتی اس کا قدم ضرور پیچھے ہٹ رہا ہے۔ خواہ وہ اسے محسوس کرے یا نہ کرے۔

خدا کا قانون اٹل ہے۔ اگر تغیرات عالم پر ذرا اور گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان تغیرات کے اندر ہر ایک چیز ہر آن کسی دوسری پر غالب آنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ ہر فرد خود اس نوع کے دوسرے افراد پر غالب آنا بلکہ ان کو کھا جانا چاہتا ہے۔ ہر نوع دوسری نوع کو معدوم کرنے اور خود آگے بڑھنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ سائنس نے آج اس مسئلہ کو دریافت کیا کہ کسی چیز کو اپنی ہستی کے برقرار رکھنے کے لئے ہر آن جنگ وجدال کی ضرورت ہے۔ ہر آن اسے کسی نہ کسی دوسری طاقت سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ نہ صرف دریاؤں اور سمندروں کی بڑی مچھلیاں ہی چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں، بلکہ دنیا کی سب طاقت ور چیزیں کمزور چیزوں کو کھائے جا رہی ہیں۔ اور اس Struggle for Existence یعنی اپنی ہستی کو برقرار رکھنے کے جہاد میں وہی چیز غالب آتی ہے اور باقی رہ جاتی ہے جو اس جہاد میں Fittest یعنی عمدہ سے عمدہ سامانوں کے ساتھ مہیا ہو۔ یہی وہ جہاد کا مسئلہ تھا جسے دریافت کرنے کا آج سائنس کو فخر حاصل ہے۔

مگر جو اسلام اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (39:53) اور جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (52:25) میں تیرہ سو سال پیشتر سکھا چکا تھا۔ مگر کوتاہ نظروں نے اس حقیقی جہاد کو، جس کے بغیر نہ کسی انسان کی اور نہ ہی کسی قوم کی زندگی قائم رہ سکتی ہے، بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنا لیا۔ اور اصل جہاد کو، جس پر ان کی زندگی کا دارومدار تھا، چھوڑ کر ایک غلط راہ پر پڑ گئے۔ مسلمانوں کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر وہ اپنی قومی ہستی کو دنیا میں باقی رکھنا چاہتے ہیں تو ان کو موجودہ روش کو بدلنا پڑے گا۔

درحقیقت حفاظتِ اسلام کا سوال اشاعت اسلام سے وابستہ ہے۔غور کر کے دیکھ لو کہ جب تک مسلمانوں نے اشاعتِ اسلام کے سوال کو اپنا اصل مقصد اور اپنی سب سے مقدم ضرورت سمجھا، اسلام ایک ایسا محفوظ قلعہ بنا رہا، جس پر حملہ کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔لیکن جب وہ اشاعت اسلام کی طرف سے غافل ہوئے، تو حفاظتِ اسلام کے مقصد کا گم ہو جانا محض ایک نتیجہ تھا۔ جو فی الفور نہیں تو تھوڑی دیر بعد ظہور میں آ گیا۔ مگر یہ دونوں باتیں لازم وملزوم ہیں۔جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا۔کامل سکون کی حالت ناممکن ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم آگے قدم بڑھانا چھوڑ دو۔اور پھر یہ سمجھ لو کہ ہم اپنی اصل جگہ پر قائم ہیں۔ بلکہ یہ یقینی بات ہے کہ جب آگے قدم بڑھانا چھوڑ دیا جائے گا، تو لازماً وہ قدم پیچھے کو اٹھے گا۔پس اشاعتِ اسلام پر مسلمانوں کی زندگی کا دارومدار ہے۔

قرآن کریم نے جہاں باطن کی طرف توجہ دلانی چاہی ہے اکثر حالتوں میں کسی ظاہر امر کو پیش کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔اگر مسلمان اس قدر قیاس سے بھی کام لیتے تو انہیں سمجھ آ جاتا کہ ان کا قدم کدھر جا رہا ہے۔اور اشاعتِ اسلام کو چھوڑ کر وہ خود ہستیِ اسلام کو معرضِ خطر میں ڈال رہے ہیں یا نہیں۔ایک وقت تھا کہ ملکی فتوحات میں مسلمانوں کا قدم آگے بڑھ رہا تھا۔اس حالت میں آپس میں ان کے جنگ وجدال بھی ہو جاتے تھے۔ایک خاندان کی جگہ دوسرا خاندان بھی لے لیتا تھا۔مگر مسلمانوں کے ممالک ان کے قبضہ سے نکل کر دوسرے لوگوں کے قبضہ میں نہ جاتے تھے۔پھر اس کے بعد ایک ایسا وقت آیا کہ مسلمانوں نے اپنی سلطنتوں کو بہت طاقت ور سمجھ کر قدم آگے بڑھانا چھوڑ دیا۔

اس کا نتیجہ آہستہ آہستہ یہ ہوا کہ جو کچھ وہ حاصل کر چکے تھے وہ بھی ان کے ہاتھ سے نکلنا شروع ہوا۔ ایک ایک کر کے پہلے سلطنتیں کمزور ہونی شروع ہوئیں۔اور حصوں بخروں میں تقسیم ہونے لگیں۔جس سے اور بھی ان کی کمزوری بڑھتی چلی گئی۔اور پھر اس کمزوری نے یہاں تک ترقی کی کہ ایک ایک کر کے ان سلطنتوں کا وجود مٹنا شروع ہوا۔حتٰی کہ اس ہمارے زمانہ میں آ کر ان طاقت ور سلطنتوں کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہا۔اور جو برائے نام دو تین سلطنتیں رہ گئی ہیں، انہوں نے ابھی تک دوسروں کے اس برے انجام سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔

یہ تو ملکی فتوحات کا حال ہوا کہ جب مسلمانوں نے قدم آگے بڑھانا ترک کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اٹل اور لاتبدیل قانون کے مطابق کہ جو آگے بڑھنے کے لے جدوجہد نہیں کرتا، وہ اپنی حالت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ بلکہ نیچے کو لڑھکتا چلا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی سلطنتوں کا نام دنیا سے قریباً قریباً معدوم ہی کر دیا۔ لیکن اگر مسلمان اس سے اتنا بھی سبق حاصل کر لیں کہ وہ اپنی دینی فتوحات میں پہلے کی طرح مردانہ وار قدم آگے بڑھائیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ انہوں نے کچھ کھویا نہیں بلکہ کچھ پا ہی لیا ہے۔ کیونکہ قوم یا مذہب کی ہستی پولیٹیکل اقتدار سے وابستہ نہیں۔

گو بعض ناعاقبت اندیش عیسائی واعظین نے اس خیال کو ترقی دینے کی کوشش کی ہے۔ اور نہ صرف ان میں سے وہ لوگ، جو جاہل ہیں عیسائیوں کے مسلمانوں یا دیگر اقوام پر حکمران ہونے سے عیسائی مذہب کی صداقت کا نتیجہ نکالتے ہیں، بلکہ وہ لوگ بھی، جنہیں علم و فضل کا دعویٰ ہے، اس بیہودہ فخر میں حصہ لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس عیسائی رسالہ میں، جس کا نام، برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق، ''مسلم ورلڈ'' ہے، کئی دفعہ مسلمان قوموں کے محکوم ہونے کو مذہب اسلام کی کمزوری کا ثبوت قرار دیا ہے۔ اور ان باطل پرستوں نے اس قدر بھی نہیں سمجھا کہ اگر کسی مذہب کے پیروؤں کا کسی دوسرے مذہب کے پیروؤں کی محکومیت اول الذکر مذہب کے بطلان کی دلیل ہے تو کیا جب تک مسلمانوں کی سلطنت دنیا کے مرکز پر تھی اور عیسائی بہت جگہ ان کے محکوم تھے، اس وقت عیسائیت کے محض اس واقعہ سے جھوٹا ہونے کا نتیجہ نکالنا صحیح تھا؟ یا کیا جب تین سو سال تک عیسائی رومیوں کے محکوم رہے اور انہی محکوموں میں خود حضرت مسیحؑ اور ان کے حواری اور پہلے زمانہ کے نیک عیسائی تھے، تو کیا یہ مسیحی مذہب کے جھوٹا ہونے کی دلیل تھی؟ غرض سچی بات یہی ہے کہ کسی مذہب کی صداقت یا غلبہ اس کے پولیٹیکل اقتدار سے وابستہ نہیں ہے۔ اور مذہب یا قوم کی زندگی بغیر حکومت کے قائم رہ سکتی ہے۔

لیکن میں اس لئے بھی یہ کہتا ہوں کہ اگر مسلمان اشاعت اسلام پر کمربستہ ہو جائیں۔ اور اس کو دوسری ضروریات پر مقدم کر لیں۔ تو انہوں نے کچھ کھویا نہیں بلکہ اشاعت اسلام کے ذریعہ سے وہ اپنے حاکموں کو بھی مسلمان بنا سکتے ہیں۔ اور اس طرح پر درحقیقت اسلام کا پولیٹیکل اقتدار بھی قائم ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ عیسائی مذہب کا پولیٹیکل اقتدار ایک رومی بادشاہ کے عیسائی ہو جانے سے قائم ہو گیا تھا۔

پس اگر غور کیا جائے تو قوم کی زندگی کی بقاء جس کے ساتھ ترقی کی کل امیدیں وابستہ ہیں، صرف اشاعت اسلام کے سوال کو دیگر تمام ضروریات پر مقدم کر لینے سے ہے۔ اور اگر اس مقصد کی طرف سے، جس پر ان کی زندگی کا دارومدار ہے، مسلمان اسی طرح پر غافل رہے۔ تو وہ یاد رکھیں کہ ان کی قومیت اور ان کے مذہب کا وہی حشر ہوگا جو ان کی سلطنتوں کا ہوا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ان کا نام بھی مٹ جائے گا۔

گو میرا یہ ایمان ہے کہ ایسی مصیبت کا دن اسلام پر کبھی نہیں آئے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اشاعت اسلام کے کام کے لئے ایک ایسی قوم کو کھڑا کر دے گا جو اسلام کو اس کے دشمنوں کے حملوں سے بھی بچانے والی ہوگی۔ تاہم واقعات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لوگ ظاہر بین ہیں، جو صرف اسلام کی سلطنتوں کے زوال کو رو رہے ہیں۔ سلطنتوں کا تو حشر جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب اس سے بھی بہت بڑھ کر ایک مرحلہ درپیش ہے۔ خود مذہب اسلام کے خلاف اور اس کے پاک اصول کو دنیا سے مٹانے کے لئے اس قدر جدوجہد ہو رہی ہے۔ اور مسلمان جن کو اپنے مذہب کی اشاعت کی کچھ بھی فکر نہیں، اس قدر اس کی طرف سے غافل ہیں کہ تھوڑے دنوں میں اس جدوجہد کے بدیہی نتائج کو دیکھ کر وہ حیران ہوں گے۔

عیسائی واعظ مسلمان ملکوں کے کونے کونے میں پھر نکلے ہیں۔ اور ہندوستان میں تو ان کے علاوہ مسلمانوں پر دوسرے مذاہب کی طرف سے بھی خطرناک حملے ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کی تمام زبانوں میں انجیل کا ترجمہ ہو کر مفت تقسیم ہو رہی ہے۔ اور کئی کئی لاکھ انجیل مسلمانوں کے ہاتھوں پر پہنچائی جا چکی ہے۔ اس کے بالمقابل مسلمان نہ صرف قرآن کو دوسری قوموں تک پہنچانے میں قاصر ہیں بلکہ اپنے گھر کے اندر بھی انہوں نے عوام تک قرآن شریف کو نہیں پہنچایا۔

عربی میں بغرض ثواب قرآن شریف کا بغیر سمجھے پڑھ لینا اور بات ہے۔ لیکن اس کے اصول سے آگاہ ہونا یہ دوسرا امر ہے۔ جو بغیر اس کے ہو نہیں سکتا کہ قرآن کریم کا ترجمہ مختلف زبانوں میں ہو۔ مجھے یہ فکر نہیں اور نہ کسی مسلمان کو ہونا چاہئیے کہ مذاہب کی اس کش مکش اور اس جدوجہد میں اسلام کو اگر پیش کیا جائے تو وہ غالب نہیں ہوگا۔ لیکن فکر یہ ہے کہ موجودہ غفلت کی حالت میں، جس طرح نہ صرف دوسرے لوگوں تک قرآن نہیں پہنچایا جاتا

بلکہ خود مسلمان بھی اس کی حقیقت سے غافل ہیں، کب تک مسلمان مسلمان رہ سکتے ہیں؟

میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مذاہب کی اس جدوجہد میں مسلمانوں کو پوری طاقت سے یہ کوشش کرنی چاہئیے کہ اسلام کی اصل حقیقت سے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کو آگاہ کیا جائے۔ مسلمانوں کے دلوں میں وہ طاقت پیدا ہونی چاہئیے۔ کہ وہ دوسروں کو اسلام کے دائرہ کے اندر داخل کر لینے کا یقین رکھتے ہوں۔ اور اس یقین کے ساتھ اس جدوجہد میں شریک ہوں۔ تاکہ وہ دنیا میں ایک کامیاب اور غالب قوم بن سکیں۔ اور اگر وہ اس معاملہ میں ایسے ہی سست اور غافل رہے۔ جیسے اب ہیں، تو پھر ان کو یہ بھی جان لینا چاہئیے کہ خود مذہب اسلام کے متعلق، وہ تمام نتائج دور از قیاس نہیں، جو اسلامی سلطنتیں بھگت چکی ہیں۔ اگر اپنا قدم آگے بڑھاؤ گے تو اپنی زندگی بھی قائم رکھ سکو گے۔ ورنہ نہیں۔

غرض خواہ نیچر میں جدوجہد کے قانون کو دیکھ لو۔ اور خواہ ان واقعات کو دیکھ لو جو اب تک مسلمانوں کو پیش آ چکے ہیں۔ اور خواہ ان حملوں کی طرف ایک نظر دوڑاؤ۔ جو اس وقت اسلام پر ہو رہے ہیں اور خواہ مذاہب اور قوموں کے اس دنگل کا ملاحظہ کرو، جس میں سب قومیں پورے زور سے مصروف ہیں۔ یہ ضروری معلوم ہوگا کہ سب سے پہلے اس جدوجہد میں آگے بڑھنے کی کوشش کر کے ہی تم اپنی زندگی کو قائم رکھ سکتے ہو۔ اور زندگی کے قیام سے بڑھ کر اور کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک تم اس قوت اور طاقت کو ساتھ لے کر نہ نکلو، جس کے ساتھ دوسروں کو مغلوب کر لینے کا یقین ہو، اس وقت تک تمہارے اندر کبھی دوسروں سے مقابلہ کی پوری طاقت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور تمہاری تمام دوسری کوششیں اس وقت تک رائگاں ہیں۔ اسلام کی زندگی کے فکر کو تمام دوسرے افکار پر مقدم کرو۔ ورنہ جو نتیجہ ہوگا وہ قرآن کریم کی اس آیت میں صاف مذکور ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآءُ كُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ. (24:9) (جاری)

30 جولائی 1914ء

اشاعت اسلام-2

کامیابی کی اُمید

(حضرت مولینا محمد علی ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

ہر کام میں جسے شروع کیا جائے سب سے پہلا سوال یہ ضرور پیدا ہوگا کہ اس میں کامیابی کی امید کہاں تک ہے۔اور جو محنت اور وقت اور روپیہ اس پر صرف ہوگا۔اس سے آخر کوئی مفید نتیجہ پیدا بھی ہوگا یا نہیں۔وہ جوش جو خدا کی راہ کے نام پر کسی زمانہ میں پیدا ہوسکتا تھا۔اس کی امید اس تہذیب کے زمانہ میں بہت کم رکھنی چاہئیے۔جہاں ہر کام کے عوض روپیہ اور ہر روپے کے عوض کام کی کچھ مقدار چاہئیے۔

اشاعتِ اسلام میں کامیابی کے سوال کے متعلق ایک زمانہ یاس کا گزرا ہے۔اور یہ خیال تو غالبًا اب تک اکثر دلوں میں جاگزیں ہے کہ اسلام یا مطلقاً کوئی مذہب ناخواندہ اور جاہل لوگوں میں ہی کچھ اثر پیدا کرسکتا ہے۔اور تعلیم یافتہ لوگوں میں ان کے آبائی مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کے پھیلانے کی کوشش کرنا ایک عبث کوشش ہے۔بلکہ آبائی مذہب کو بھی اب لوگ خیر باد کہنے کو تیار ہیں۔اور تعجب یہ ہے کہ عملی رنگ میں اس خیال سے صرف ایک مسلمان ہی متاثر نظر آتے ہیں۔ورنہ دوسری قومیں رات دن برابر ایک جدوجہد میں لگی ہوئی ہیں۔کہ کُل دنیا کو اپنا ہم خیال بنالیں۔حتٰی کہ جن کی دنیا اپنے ہی ملک کے کنارے کے پہاڑوں اور سمندروں تک محدود تھی اور جنہوں نے کبھی کسی دوسرے شخص کو اپنے مذہب میں داخل نہ کیا تھا۔وہ بھی اسی جدوجہد میں شامل ہیں۔

لیکن ایک مسلمان ہیں کہ اپنے حوصلوں کو پست کئے بیٹھے ہیں۔اور یہ یقین کر چکے ہیں کہ اب اسلام کی اشاعت میں کسی کامیابی کی امید نہیں ہے۔اور اس کی وجہ وہ دکھ اور مصائب اور ناکامیاں ہیں، جن کا تلخ تجربہ مسلمانوں کو گزشتہ چند صدیوں کے اندر کرنا پڑا ہے۔جن کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہر طرف سے مسلمانوں کا قدم پیچھے ہی

ہٹتا چلا گیا ہے۔حتیٰ کہ متواتر ناکامیوں سے اب ان کو اس قدر اپنی کمزوری کا یقین ہو گیا ہے کہ وہ جرأت اور حوصلے اور اپنی طاقت کا احساس، جو کامیابی کے حاصل کرنے کی پہلی ضرورت ہے، وہ ان کے دلوں میں پیدا ہی نہیں ہوتا۔

اب سوال یہ ہے کہ ناکامیوں اور مصائب کے اندر قرآن کریم خود بھی کوئی جھلک امید کی دکھاتا ہے یا نہیں؟! جب اپنے تمام دینی امور کے متعلق ہم اسے ایک کامل ہدایت نامہ سمجھتے ہیں۔ تو اگر اس صورت میں قرآن کریم خاموش ہو۔تو پھر یاس اور ناامیدی کی کالی گھٹاؤں کو، جو ہماری ناکامیوں اور مصائب نے پیدا کر دی ہیں، دور کرنے والی کوئی روشنی نہیں۔ کیونکہ ہماری روشنی کا سرچشمہ اور ہمارے لئے سراج منیرؐ ایک ہی ہے۔ اس کی خاموشی ہمارے امیدوں کا وہ انقطاع کامل ہے کہ جس کے بعد امید کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا۔ مگر نہیں، یہ ناامیدی اسلام پر کبھی نہیں آئے گی اور نہ سچے مسلمانوں کے دلوں تک یہ یاس راہ پاسکتی ہے اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ (87:12) مسلمان اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہو سکتے۔ یاس تو منکر لوگوں کا حصہ ہے۔اسلام کی اس کے اعداء سے حفاظت کے متعلق اور اس کے ساتھ ہی اسلام کے جملہ ادیان پر غلبہ کے متعلق قرآن کریم نے نہایت صریح اور کھلے الفاظ میں ایک پیشگوئی کی ہے۔ اور ایک جگہ نہیں بلکہ دو جگہ قرآن شریف میں یہ پیشگوئی مذکور ہے۔ ایک سورہ الصّف میں جہاں فرماتا ہے يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ. هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (61:8-9) یعنی مخالف تو چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اور اللہ ضرور اپنے نور کو کامل کر کے رہے گا۔ گو کافروں کو تو یہ برا ہی لگے گا۔ اللہ وہ ہے کہ اس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ تا کہ اسے کُل کے کُل دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو تو یہ برا ہی لگے گا۔

اور دوسری جگہ سورہ التوبہ میں فرماتا ہے يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ. هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ. (9:32-33) یعنی مخالف ارادہ کریں گے کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی

پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ کو سوائے اس کے کوئی بات منظور ہی نہیں کہ وہ اپنے نور کو کامل کرے۔ گو کافروں کو تو یہ بُرا ہی لگے گا۔ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے کُل کے کُل دینوں پر غالب کرے۔ گو مشرکوں کو تو یہ بُرا ہی لگے گا۔

ان دونوں مقامات میں غور کرنے سے یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حفاظت اسلام کے مضمون کو اسلام کے غالب کرنے کے ساتھ کس طرح ملا دیا ہے! اور دونوں جگہ قریباً انہی الفاظ کو دہرایا ہے کہ کچھ لوگ ہیں جو اس بات کے درپے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو روشنی دین اسلام کے ذریعہ سے دنیا میں پھیلانی چاہی ہے۔ وہ اس روشنی کو ہی بجھا دیں۔ اور بجھا بھی کس طرح دیں۔ کوئی ان کے ساتھ ایسی زبردست طاقت نہیں۔ جس کے ساتھ اللہ کے نور کو وہ بجھا سکیں۔ بلکہ انہوں نے اللہ کے نور کو ایک مٹی کے چراغ کی طرح سمجھ لیا ہے۔ جو ایک پھونک مارنے سے بجھ سکتا ہے۔ پس وہ پھونکیں مار رہے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کے ارادے اللہ تعالیٰ کے ارادے کے بالمقابل کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور وہ ارادہ کر چکا ہے کہ اپنے اس نور کو دنیا میں کامل کر کے دکھائے۔

اور پھر اس کے بعد دوسری آیت میں اور تشریح فرماتا ہے کہ وہ نور کیا چیز ہے۔ وہ وہ کامل ہدایت نامہ اور دین حق ہے۔ جو اللہ نے اپنے رسولؐ کو دے کر اس لئے بھیجا ہے تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کر کے دکھائے۔ یعنی یہ لوگ تو اس فکر میں ہیں کہ اس کا نام ونشان دنیا سے مٹا دیں۔ مگر ان کے یہ ارادے اس ارادہ الٰہی کے مخالف پڑے ہوئے ہیں۔ جو نہ صرف اس نور کو کامل ہی کرے گا۔ بلکہ اس کو باقی دینوں پر غالب بھی کرے گا۔ اس کی تو غرض ہی اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجنے میں یہ ہے کہ وہ اسے کُل دینوں پر غالب کر کے دکھائے۔ ورنہ گویا اس کا بھیجنا ہی عبث تھا۔

ہم میں سے بہت ہیں کہ جو منہ سے قرآن کو خدا کا کلام کہتے ہیں۔ لیکن اس کے احکام پر عمل کرنے کے وقت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا درحقیقت ان کے دل بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اور اس کے وعدو عہد پر غالباً انہیں اس قدر بھروسہ بھی نہیں ہوتا، جس قدر کسی خود غرض جرمن یا فرانسیسی یا انگریز کے قول پر۔ جو محض ان کی ہمتوں کو پست کرنے کے لئے یہ لکھ دیتا ہے کہ اب اسلام کے دنیا میں پھیلنے کی کوئی امید نہیں۔ ورنہ اگر

درحقیقت خدائی وعدوں پر کامل ایمان ہو اور دل میں یہ یقین ایک فولادی میخ کی طرح گڑا ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ضرور سچ ہو کر رہیں گے۔ تو آج مسلمان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جائیں۔ اور سب کچھ اس راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

گو اس بات کا منہ سے اعتراف کرنا مشکل ہو۔ لیکن سچ یہی ہے کہ ایمانی کمزوری ہے جو ان کو روکے ہوئے ہے۔ ہاں! صرف ایمانی کمزوری ہی نہیں بلکہ دل میں یقین کا نام ونشان تک نہیں اور وہی نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (8:2) منہ سے تو بہت لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخر کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ لیکن ایمان کوئی نہیں لاتا۔

ایک شخص محض اس خیال سے کہ اس کا لڑکا دنیا میں کسی معزز عہدہ پر ممتاز ہو۔ اس کی تعلیم پر اور اس کو ولایت تک بھیجنے پر ہزار ہا روپے خرچ کر دیتا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ وہ اس تعلیم کے حاصل کرنے کی قابلیت بھی رکھتا ہے۔ وہ آخر کامیاب بھی ہوگا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس وقت تک زندہ بھی رہے گا۔ اور اصل مقصد کو چھوڑ کر اور ناپسندیدہ امور کا مرتکب تو نہیں ہوگا۔ بلکہ بعض وقت اس کی غباوت کو دیکھ کر اور یہ یقین کر کے بھی کہ اس میں وہ قابلیت نہیں، پھر بھی ایک موہوم امید پر لگا چلا جاتا ہے کہ شائد کچھ ہی بن جائے۔ لیکن کیا اللہ کے دین کی کامیابی کے لئے اسی دل میں اسی جوش کا عشرِ عشیر بھی ہے؟ اور پوچھو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قربان ہونے کو تیار ہیں۔ لیکن جب وہی محمد رسول اللہ یہ فرماتا ہے لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ کہ تمہارا دعویٰ ایمان جھوٹا ہے۔ جب تک اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ ہو تو یہ اس کا کلام کسی توجہ کے قابل نہیں۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے ساتھ ہنسی نہیں۔ اور منہ سے نہیں تو عملی طور پر تم یہ نہیں کہہ رہے ہو کہ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُ وْنَ (14:2) مگر یاد رکھو کہ جس طرح تم نے اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کے کلام سے استہزاء کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی عملی رنگ میں اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (15:2) کا نقشہ تمہیں دکھایا ہے۔ اور تمہاری ہنسی کا مزہ خوب تمہیں چکھایا ہے۔

یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ہنسی کی ہے تو اب اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہونے سے رہ جائیں گے۔

اور کیا ہوا اگر ہم دنیا میں ذلیل وخوار اور مغضوب ہو رہے ہیں۔ ہم نے بھی خدا کے وعدہ کو پورا ہونے نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ اگر تم اس کے ارادوں کے پورا ہونے میں معاون ہونے سے انکار پر اسی طرح قائم رہو گے تو وہ اور اسباب پیدا کر دے گا۔ هَآ نْتُمْ هَؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (38:47) تم پھر جاؤ گے تو تمہاری جگہ اور قوم پیدا کر دے گا۔ پھر وہ تمہاری طرح بزدل، پست حوصلہ اور کم ہمت نہ ہوں گے۔

اگر یہ کہو کہ ایسے یاس افزاء حالات میں، جب۔ ''ہر بلائے کز آسماں آید، خانہ انوری کجا باشد'' کی طرح مسلمان ہی سب طرف سے مصائب کا شکار ہو رہے ہیں، ہم کیا کر سکتے ہیں اور کس وجہ پر اسلام کے دنیا میں غالب ہونے کی امید رکھ سکتے ہیں۔ تو یاد رکھو کہ اس سے زیادہ یاس افزا حالات کے اندر اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا ایفاء پہلے کر چکا ہے۔ تم اس وقت تیس کروڑ ہو۔ ایک وقت اسلام پر وہ بھی تھا۔ جب صرف تین سو ہر طرف سے دشمنوں کے اندر گھر ہوئے تھے۔ تم ایک غریب اور مفلس قوم کہلاتے ہو۔ لیکن ان سب کی جائداد ملا کر اس قدر نہ تھی، جس قدر تمہارے ایک تاجر یا ایک نواب کی ہے۔ تمہارے مخالف قلم اور زبان سے کام لے کر اسلام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے مخالف طاقت اور تلوار سے اسلام اور مسلمانوں کا نام ہی دنیا سے مٹانا چاہتے تھے۔

اب غور کرو کہ کیا تمہارے حالات زیادہ یاس افزاء ہیں یا ان کے حالات زیادہ یاس افزاء تھے۔ تمہارے ہاتھ میں تو پھر بھی بہت سے ظاہری سامان موجود ہیں کہ جن سے کام لے کر آسانی سے تم اسلام کو دنیا میں پھیلا سکتے ہو۔ وہ ایک بالکل بے سر و سامان قوم تھی۔ اور جو کوئی تھوڑا بہت سامان تھا اس کو بھی دشمنوں کے حوالے کر کے محض اپنی جانیں بچا کر لائے تھے۔ مگر باوجود بے سر و سامانی، باوجود بیچارگی اور دشمنوں کے خطرناک غلبہ اور ان خطرناک ہتھیاروں کے جن کو وہ استعمال کرنا چاہتے تھے بلکہ کر رہے تھے، اس قوم نے ایک لمحہ کے لئے بھی ہمت نہیں ہاری۔ اور ان کا یقین اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر مشکلات کے وقت اور بھی بڑھتا تھا۔

یہاں تک کہ جب دس ہزار کی ایک جرار فوج ایک مٹھی بھر مسلمانوں پر چڑھ آئی اور مدینہ کا محاصرہ کر

لیا۔اور اندر سے یہودیوں کی ایک بڑی قوم ان کے ساتھ مل گئی تو بجائے اس کے کہ اس وقت مسلمان گھبرا جاتے ۔ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُه، وَصدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه، وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْماً. (22:33) یعنی جب مومنوں نے وہ ٹڈی دل لشکر اکٹھے ہوئے ہوئے دیکھے اور دیکھا کہ سب قومیں اب ہمارے ہلاک کرنے کے لئے ایک ہوگئی ہیں تو بول اٹھے ۔ یہ تو وہی بات ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کا رسولؐ پہلے ہی دے چکے ہیں۔اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ ہی فرمایا تھا۔اور ان تمام یاس افزاء حالات اور خطرناک حملوں نے ان کے ایمان اور فرمانبرداری کو اور بھی بڑھا دیا۔

یہ کون سا وعدہ تھا؟ جو انہیں اس موقع پر یاد آ گیا۔ یہ وعدہ کئی سال پہلے مکہ میں دیا جا چکا تھا۔ جب ابھی جنگ کا نام ونشان بھی نہ تھا۔اور وہ وعدہ کیا تھا اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ. جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ. (11-10:38) یعنی کیا ان کفار عرب کا یہ خیال ہے کہ وہ اس زمین وآسمان کے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مالک ہیں کہ زمین پر تو ویسے ہی اپنی طاقت سمجھتے ہیں ۔ اور ان کے کاہن ان کو یہ بھی سناتے ہیں کہ آسمانی طاقت بھی انہی کے ہاتھ میں ہے۔تو بہت اچھا۔جس قدر اسباب اور وسائل میں یہ ترقی کر سکتے ہیں کریں اور سب اسباب کو، جو ان کے موید ہیں، جمع کریں ۔ پھر ان کو جمع کر لیں گے تو ایک بڑا عظیم الشان لشکر بن جائے گا۔ جو سب قوموں نے مل کر تیار کیا ہے۔مگر یہ عظیم الشان لشکر تو شکست خوردہ ہے۔اور بھاگا جاتا نظر آتا ہے۔اب دیکھو کہ یہی ایمان اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یہی پختہ یقین تھا جس سے ان کے دل ایسے لبریز تھے کہ ان میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔جس نے آخر اس دس ہزار کے جرار لشکر کو باہر سے بھگا دیا۔اور اندرونی دشمنوں کو ویسے کمزور کر دیا۔

میرے دوستو! جس بات کا انسان ایک دفعہ تجربہ کرے۔جس کے وعدے کو ایک وقت مشکل سے مشکل حالات کے اندر، بلکہ دنیا کی نظر میں ایسے حالات کے اندر، کہ اس وعدہ کا پورا ہونا قطعاً ناممکن معلوم ہوتا تھا، پورا ہوتا دیکھ لے، اس پر شک کرنا دانش مندی نہیں ہے۔غور کرو کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ہی دین اسلام کے حفاظت کا وعدہ دیا۔اور دوبارہ ہی اس کے آخر سب دینوں پر غالب آنے کی پیشگوئی کی۔اس میں یہی سِرّ معلوم ہوتا ہے کہ دومرتبہ اسلام کو یہ مصیبت پیش آنے والی تھی کہ دشمن اس کو کھا جانے کو تیار رہوں۔اور دونوں بار اللہ تعالیٰ

اپنے وعدے کو پورا کر کے دکھائے۔

پہلی مرتبہ تو یہ وعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور عربوں کے بالمقابل پورا کر کے دکھایا۔ دوسری مرتبہ اسے وہ اس زمانہ میں پورا کر کے دکھانا چاہتا ہے۔جس کو صلیبی غلبہ کا زمانہ کہا گیا ہے۔اگر کوئی مقابلہ نہ ہونا ہوتا، کوئی مخالفت نہ ہونی ہوتی، تو اللہ تعالیٰ کو ایسا عظیم وعدہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔ وعدہ تو خود بتاتا ہے کہ مخالفت اور مقابلہ بھی غایت درجہ کے ہوں گے۔ بلکہ ایک نقطہ خیال سے اس مخالفت کو ایسا زبردست قرار دیا جائے گا کہ خدا کے دین کو محض ایک مٹی کا چراغ سمجھ لیا جائے گا، جسے ایک ہی پھونک بجھا سکتی ہے۔ چہ جائیکہ سب طرف سے اس پر پھونکیں ماری جارہی ہوں۔

لیکن اسی تشبیہ میں جہاں ایک طرف مخالفوں کے نقطہ خیال سے مخالفت کو اس قدر زبردست دکھایا ہے۔ یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ یہ وہم بھی نہ کرنا کہ اللہ کے نور کو بجھانے کے لئے کوئی زبردست طاقت ان کے ہاتھ میں ہو گی۔ بلکہ جسے وہ زبردست طاقت سمجھ رہے ہوں گے۔ وہ منہ کی ایک پھونک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اور درحقیقت اگر غور کرو تو اسلام کے محکم اصول کے بالمقابل جو حملے اسلام پر مخالفین اسلام کرتے ہیں، ان کی وقعت ایک پھونک سے زیادہ نہیں۔ ہاں! اگر انسان کے ہاتھ کا روشن کیا ہوا کوئی چراغ ہوتا۔تو ان پھونکوں سے بیشک بجھ جاتا۔مگر وہ عظیم الشان روشنی، جسے اللہ اپنا نور فرماتا ہے، وہ ان پھونکوں سے نہیں بجھ سکتی۔ ہاں! اگر کوئی شخص سورج کی روشنی کو پھونک مار کر بجھا سکتا ہے۔تو پھر شائد اسلام بھی ان اعتراضوں اور غلط بیانیوں سے مٹ جائے۔

غور کرو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کو دنیا میں قائم کیا۔تو آپ کو کس قدر مشکلات تھیں۔ ایک اکیلا آدمی جس کا کوئی ہمدرد اور بہی خواہ نہیں۔ بلکہ سب دشمن، اور دشمن بھی جان کے۔ جدھر جاتے ہیں ادھر مخالفت ہی ہوتی ہے۔ایک بی بی اور ایک رفیق کے سوائے اور کوئی نہیں۔ جو آپ کی بات کو غور سے سنتا بھی ہو۔ پھر جوں جوں اسلام دلوں میں گھر کرنے لگتا ہے، توں توں مخالفت کی آگ اور بھی زیادہ مشتعل ہوگئی ہے۔عرب کے ریگستان میں دوپہر کی دھوپ میں اذیت دے کر لوگوں کو اسلام کے انکار پر مجبور کیا جاتا ہے، جانوں سے مارا

جاتا ہے۔آخر جب مسلمان الگ ہوکر دوسرے شہر میں پناہ جاڈھونڈتے ہیں۔تو فوجیں ان پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ اوراس طرح پران کوکچل دینا اورپیس ڈالنا چاہتی ہیں کہ گویا اسلام کا نام ونشان دنیا میں نہ رہ جائے۔

مگران سب حالات کے اندراللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے۔کہ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ.(33:9) وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ (8:61) پھرکس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصرسی زندگی میں اللہ تعالیٰ ان ہر دو وعدوں کو اس سارے ملک کے اندرروشن کر کے دکھاتا ہے۔جوان کے جھٹلانے پر کمر بستہ تھا۔کس طرح آپ کے سامنے ہی نہ صرف اللہ تعالیٰ اس نورکو کامل کر دیتا ہے۔ جسے بجھانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ بلکہ عرب کے جزیرہ نما میں کُل دینوں پر دین اسلام کو غالب کر کے اپنے وعدہ کا ایفاء کرتا ہے۔

اگر یہ وعدہ ایک ہی مرتبہ ہوتا تو بھی ہم موجودہ حالات میں اس کو دہرایا ہوا سمجھتے۔کیونکہ وعدہ تو عام الفاظ میں ہے کہ جب جب مخالف اس نورکو بجھانے کی کوشش کریں گے۔تب تب ہی اللہ تعالیٰ اس کو دوسرے مذاہب پر غالب کرنے کا سامان کر دے گا۔مگر ہمارے کمزوردلوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو اس وقت دھرایا ہے۔جب ایک دفعہ اسلام غالب ہو چکا تھا۔یعنی سورہ التوبہ میں جواس وقت نازل ہوئی جبکہ اسلام کا کامل غلبہ ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ مشرکین کوآئندہ حج بیت اللہ سے روک دیا گیا تھا۔ایسے غلبہ کے وقت میں دوبارہ یہ وعدہ کرنا، کہ لوگ اس نورکو بجھانے کے درپے ہوں گے،مگر اللہ تعالیٰ اسے غالب کرے گا، صاف بتاتا ہے کہ دوبارہ اسی قسم کی مصائب پیش آئیں گی۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا (122:4)

پس جب وہ صادق الوعداور کامل وفا والا خدا ایک دفعہ اپنے وعدہ کو پورا کر کے دکھا چکا ہے۔تو کیا دنیا میں کوئی ایسی طاقت ہے۔جو دوبارہ اس کواس کے پورا کرنے سے عاجز کر دے۔ ہرگزنہیں۔وہ اسے پورا کرے گا۔اورضرور کرے گا۔ہاں!تمہاری کم ہمتی نے اسے ایک وقت کے لئے تاخیر میں ڈال دیا ہے۔اگرتم اب بھی نہ سنبھلوگے تو پھر وہ کسی اورقوم کواس کام کے لئے کھڑا کر دے گا۔

اس وقت کے حالات یقیناً بہت زیادہ امید دلانے والے ہیں۔ بہ نسبت اس وقت کے، جب اسلام ابھی دنیا میں ایک بچہ کی طرح تھا،اس وقت کے ایک کی بجائے اب تم کم ازکم ایک لاکھ ہو۔اس وقت کا مقابلہ ایسا

خطرناک نہیں۔ مذہب کے لئے سوائے شاذ مثالوں کے کوئی مسلمانوں کو جان سے نہیں مارتا۔شاذ مثالوں سے میری مراد ایسی مثالیں ہیں جیسے جنگ بلقان میں پیش آئیں۔ جہاں بعض وحشی یورپین اقوام کے ہاتھ سے بچے عورتیں بوڑھے تہ تیغ ہوئے۔محض اس لئے کہ وہ مسلمان تھے۔مگر ایسی شاذ مثالوں کو چھوڑ کر عامہ حالت امن کی ہے۔ مذہبی آزادی ہے۔اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مذہبی آزادی قائم کرنی پڑی تھی۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پہلے ہی اسے مہیا کر دیا ہے۔اور کم سے کم تم کو، جو اس وقت میرے مخاطب ہو، ایک عادل اور انصاف پسند مذہبی معاملات میں دخل نہ دینے والی قوم کے ماتحت رکھا ہے۔

یہ اس کا ایک احسان ہے۔جس کا شکریہ یہ ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔اور خدا کے دین کی خدمت میں لگ جاؤ۔اب تمہاری تعداد اس قدر ہے کہ اگر تم میں سے سو میں سے ایک کے دل میں بھی سچا اسلامی جوش پیدا ہو جائے تو ایک ایک گاؤں میں تم پہنچ سکتے ہو۔ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا (51:25) کی مشیئت کو پورا کر کے دکھا سکتے ہو۔اور اگر تم کو یہ خیال ہو کہ مسلمانوں کی ملکی طاقت ہی نہیں رہی۔اب وہ دنیا میں کیا کامیابی حاصل کر سکتے ہیں تو یاد رکھو کہ مسلمان کسی قوم کا نام نہیں۔کسی الگ ملک کے رہنے والے مسلمان نہیں کہلاتے۔ لارڈ ہیڈلے آج مسلمان ہو کر اسی طرح ہمارا بھائی ہے، جیسے ایک سید، جو تیرہ سو سال سے نسلاً بعد نسلٍ مسلمان چلا آتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے کمزور سے مسلمانوں کو اٹھا کر دنیا کا بادشاہ بنایا تھا۔ کیا اب وہ دنیا کے بادشاہوں کو مسلمان نہیں بنا سکتا؟ یاد رکھو کہ کبھی وہ غلبہ کسی راہ سے دیتا ہے۔اور کبھی کسی سے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے سلسلہ کو جب دنیا میں غالب کرنا چاہا۔تو ایک بادشاہ کو اس کا چاکر بنا دیا۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کامیابی دی۔تو اس کے چاکروں کو بادشاہ بنا دیا۔کیا اب وہ بادشاہوں کو اس کے چاکر نہیں بنا سکتا؟ اے پست ہمت انسان تو کیوں کہتا ہے۔ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (78:36) اب گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (79:36) وہی زندہ کر دے گا جس نے پہلی مرتبہ انہیں پیدا کیا تھا۔وہ ہر قسم کی خلق سے پورا واقف ہے۔کبھی ایک کام کو ایک طرح کرتا ہے اور کبھی دوسری طرح کر دیتا ہے۔اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ

یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ بَلٰی وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ (81:36) جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب کے پرانے زمین وآسمان کو بدل کر ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان بنا دیا تھا، وہ اِس وقت کے زمین وآسمان کو بھی بدل کر ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان بنا سکتا ہے۔ ہاں بڑا طاقت ور بنانے والا خوب جاننے والا ہے۔ (جاری)

❁❁❁

4 اگست 1914ء

اشاعت اسلام۔3

جہاد فی سبیل اللہ

(از حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

اس سے پہلے شمارہ میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ اپنے دین اسلام کو سب دینوں پر غالب کر کے رہے گا۔اور سب لوگوں کے حملوں سے اسے محفوظ رکھے گا۔تو اب غالباً بعض دلوں میں یہ خیال پیدا ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کا اپنا وعدہ حفاظت کا ہے اور اس کا پختہ وعدہ ہے کہ وہ دین اسلام کو غالب کرے گا۔ تو پھر کسی کے چیخنے چلانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کے پختہ وعدوں پر ہمارا ایمان ہے۔اور ہم جانتے ہیں کہ یہ وعدے کسی طرح ٹل نہیں سکتے۔تو پھر ہم کیوں نہ خاموشی سے انتظار کریں کہ کب اللہ تعالیٰ ان اپنے وعدوں کو پورا کرتا ہے؟

یہ سوال پیدا تو ضرور ہوتا ہے مگر ایسے سوال ہمیشہ انہی لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔جن کی ہمتیں کمزور اور جن کے حوصلے پست ہو چکے ہوں۔ چونکہ ان میں خود کچھ کام کرنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ یا طاقت ہوتی ہے تو ہمت نہیں ہوتی، اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ وہ کام، جو عظیم الشان ہمت اور سخت جدوجہد کو چاہتا ہے، خود بخود ہی ہو جائے۔

اگر یہ سچ ہے کہ ان کا ایمان الٰہی وعدوں پر ایسا ہی ہے۔تو پھر مَامِنْ دَآبَّۃٍ فِیْ الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (6:11) پر ایمان لا کر کیوں وہ فکر معاش سے سبکدوش نہیں ہو جاتے۔ بلکہ اسی فکر میں اس قدر غلطان وپیچان رہتے ہیں کہ درحقیقت اسی کی وجہ سے وہ دوسرے اہم افکار کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتے۔

قرآن کریم جو بات کرتا ہے وہ اس قدر پختہ کرتا ہے کہ درحقیقت اس میں کسی شک یا شبہ کی یا کسی

اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتا اور جس مضمون کو لیتا ہے اس کے سارے پہلوؤں پر مکمل بحث کر کے چھوڑ تا ہے۔ جہاں یہ دو وعدے فرمائے ہیں۔ وہاں ساتھ ہی یہ بیان فرما دیا ہے کہ ان وعدوں کے پورا ہونے کی کونسی راہ ہے۔

درحقیقت تو ایک ہی پختہ اصل اس مقدس کتاب کا اس قابل ہے کہ آب زر سے لکھ لیا جائے۔ اور اسی ایک اصل سے بہت سی باتیں حل ہوسکتی ہیں۔ وہ کیا ہے کہ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (39:53) انسان اگر کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو اسی حد تک وہ اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے، جس حد تک اس کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان کی اپنی تبدیلی بھی کسی غیر معلوم راہ سے یکا یک نہیں ہو جاتی۔ بلکہ وہاں بھی فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (69:29) یعنی جو لوگ ہماری راہ کو تلاش کرنے میں پورا زور لگا دیتے ہیں۔ ہم بھی انہی کو اپنی راہوں میں کامل ہدایت عطا فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک فعل اس بات پر شاہد ہے کہ انسان کی کوشش ہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل کو بھی کھینچتی ہے. نصرت الٰہی کے جو وعدے آپ کو دیئے گئے تھے وہ اس قدر عظیم الشان تھے کہ اگر کسی وعدے کے پورا ہونے کی کوئی کوشش کرنا عبث ہے۔ تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل خاموش بیٹھ رہنا چاہئیے تھا۔ ایک طرف قرآن کریم میں بعض لوگوں کی اس حد تک شقاوت قلبی کا ذکر ہوتا ہے کہ سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَ اَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَایُؤْمِنُوْنَ (6:2) دوسری طرف نبی کریم ﷺ ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں، ایک حاجیوں کے کیمپ سے دوسرے کیمپ میں، ایک قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم میں، ایک شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں، پڑے پھرتے ہیں کہ شاید اگر ان پہلوں میں سے کوئی ایمان نہیں لاتا تو دوسروں میں ہی مل جائے۔

بدر کے واقعہ کو ہی دیکھ لو۔ قرآن کریم ان وعدوں سے بھرا پڑا ہے کہ جب پہلی مڈھ بھیڑ تم میں اور تمہارے دشمن میں ہوگی۔ تو دشمن کو ذلیل اور خوار کیا جائے گا۔ اور تمہیں کامیابی دی جائے گی۔ مگر باوجود ان وعدوں کے آپؐ بدر کے دن رو رو کر دعائیں کر رہے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکَ ھٰذِہِ الْعَصَابَۃُ مِنْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ اَلْیَوْمَ فَلَا تُعْبَدُ فِیْ الْاَرْضِ اَبَدًا۔ اگر آج یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر زمین میں تیرا پرستار کون رہ

جائے گا۔ اور پھر بے سروسامانی کی حالت میں یہ نہیں کہہ دیتے کہ ہم تو کمزور ہیں۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ بلکہ جہاں تک ہوسکتا ہے۔ پورا تہیہ جنگ کے لئے کرتے ہیں۔ پھر دیکھو۔ آپ سے وعدہ ہوتا ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوۡنَ (9:15) لیکن پھر قرآن کریم کی طرف سے مطمئن ہوکر یہ نہیں کہتے کہ اب ہمیں احتیاط اور وسائل کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ جب کوئی آیت نازل ہوتی ہے۔ تو سب سے پہلے کسی کاتب الوحی کو بلا کر ہدایت فرماتے ہیں کہ یہ آیت فلاں سورۃ میں لکھ لو۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ بہت سے صحابیوںؓ کو حفظ کرا دیتے ہیں۔

غرضیکہ وعدوں کی صداقت پر ایمان لانے کا اصل معیار آپؐ کی زندگی میں یہی نظر آتا ہے کہ اس کے لئے انسان اپنا پورا زور لگا دے۔ پس ہماری غفلت درحقیقت اس وجہ سے نہیں کہ ہم کو اللہ کے وعدوں پر ایمان ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ہمیں ان پر ایمان نہیں۔ ایمان بھی ہو اور پھر انسان غافل ہو جائے اور پورا نہ زور لگائے۔ یہ دو متضاد امر ہیں۔

مگر اس وعدہ الٰہی کے متعلق تو خود اللہ تعالیٰ نے ایک شرط لگا دی ہے۔ اور وہ کیا ہے؟ اس کا ذکر سورہ الصّف کی ان دو آیتوں کے بعد، جو پچھلے شمارہ میں نقل کر چکا ہوں، قرآن کریم نے بڑی صراحت سے فرمایا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا هَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ. تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُجَاهِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ. یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَیُدۡخِلۡکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ. وَاُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَهَا نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ. (61:10-13) یعنی اے لوگو جنہوں نے اس بات کو مان لیا ہے۔ جو کہی گئی ہے کیا میں تم کو بجائے تمہاری ان نکمی تجارتوں کے, جن کی وجہ سے تم دکھوں میں مبتلا ہو رہے ہو، ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو سارے دردناک دکھوں سے چھڑا دے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں پورا زور لگاؤ۔ اگر تم جانو تو یہ تمہاری بھلائی کی بات ہے۔ وہ تمہاری کمزوریوں کی مغفرت کرے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں۔ اور ہمیشگی کے باغوں میں ستھرے مکانوں میں رکھے گا۔ بے شک یہ بڑی بھاری کامیابی ہے اور کچھ اور بھی ہے جس کو تم چاہتے ہو۔ اللہ کی مدد اور فتح جو نزدیک ہے۔ اور ماننے والوں کو خوشخبری

پہنچادو۔

یہ کامیابی، یہ فتح ونصرت کے وعدے، یہ ہمیشگی کے باغ، یہ کیا چیزیں ہیں؟ **لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** (33:9) کے چند نظارے۔مگر یہ کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں۔اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کا تو تمہارا دعویٰ ہے ہی۔مگر یہ تمہارا دعویٰ اسی حالت میں درست ہے کہ اپنے مالوں اور جانوں کو اللہ کی راہ میں پورے زور سے لگادو۔تو پس کامیابی کی راہ ایک ہی ہے۔اور وہ یہ ہے کہ پورے زور سے اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو۔یہ جدوجہد درحقیقت اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے۔جیسا کہ کسی گذشتہ شمارہ میں دکھا چکا ہوں۔اس کا اختیار کرنا تمام کامیابیوں کی جڑ،اس کا چھوڑنا تمام ناکامیوں کی اصل وجہ ہے۔جہاد یا جدوجہد کے بغیر کسی کی زندگی کو بقاء نہیں۔اور جس قدر کوئی فرد یا کوئی قوم یا کوئی نوع اپنی جدوجہد کو کم کرتی جائے گی،اسی قدر وہ اپنے دنیا سے مٹنے کا سامان پیدا کرتی جائے گی۔پس جہاد ہی وہ اصل راہ ہے جس سے کوئی مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔اور جہاد ہی وہ تدبیر ہے جو قرآن کریم نے مسلمانوں کو اپنی زندگی کے بقاء کے لئے نہیں بلکہ اسلام کی زندگی کی بقاء کے لئے بتائی۔مگر دو باتیں یادرکھنی چاہئیں۔اول یہ کہ جہاد اور جنگ مترادف لفظ نہیں ہیں۔اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو جس جہاد کی تعلیم دی گئی ہے۔وہ جہاد اپنی ہستی کے بقاء کے لئے نہیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔اس میں اور معمولی جہاد میں بڑا فرق ہے۔

وہ جہاد،جس کی تعلیم مسلمانوں کو دی گئی اور جس کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا،کیا تھا۔کسی کا سر کاٹنے کا نام جہاد نہیں۔کسی کا مال چھین لینے کا نام جہاد نہیں۔کسی قوم کو محکوم بنا لینے کا نام بھی جہاد نہیں۔ہاں!اس قرآنی جہاد میں اور اس عام جہاد میں،جو کسی مخلوق کو اپنی ہستی کے برقرار رکھنے کے لئے کرنا پڑتا ہے،ایک فرق ہے۔اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیم دی گئی تھی۔ان کی کوشش کا مقصد اپنی زندگی کا بقاء نہ تھا۔بلکہ اللہ تعالیٰ کے نام کو دنیا میں پھیلانا تھا۔وہ معمولی مقصد جس کی پیروی قانون قدرت کے ماتحت ہر ایک قسم کی مخلوق کررہی ہے۔وہ ان کی کوششوں کا منتہی نہ تھا۔بلکہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا اعلیٰ مقصد قرار دیا جس سے بڑھ کر اور جس سے بلندتر کوئی مقصد انسانی کوشش اپنے لئے قرار نہیں دے سکتی۔وہ ایک ایسی قوم تھی جو دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے پیدا کی گئی تھی۔اسی لئے ان کے جہاد کا نام جہاد فی سبیل اللہ رکھا

گیا۔ ہاں! صرف ان کے جہاد کی غرض اور مقصد کچھ اور قرار دیا گیا تھا۔ ورنہ یہ جہاد بھی اسی کوشش کا نام تھا اور ہے۔ جو دوسروں کو اپنے بقا کے لئے کرنی پڑتی ہے۔

اس جہاد کی مختلف صورتیں اور پہلو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مختلف حالات کے ماتحت اختیار کرنے پڑے، جو آپ کو پیش آئے۔

جہاد کبیر یعنی بڑے جہاد کا حکم۔ جو سورہ الفرقان کی اس آیت میں موجود ہے۔ **وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا** (52:25) آپؐ کو اس وقت مکہ معظّمہ میں دیا گیا جب کوئی جنگ درپیش نہ تھی۔ پس اس سے مراد یہ نہ تھی کہ تم جنگ کرو اور بِهٖ میں جو ضمیر قرآن کریم کی طرف ہے کہ اس پاک کلام کے ذریعہ سے تم جہاد کبیر کرو۔ وہ ضمیر اور بھی اس بات کو واضح کرتی ہے۔ کہ جہاد، جیسا کہ اس لفظ کے معنوں سے ظاہر ہے، صرف حد درجہ کی کوشش کا نام ہے۔ کیا مکہ میں تیرہ سال تک اور پھر ہجرت کے بعد مدینہ میں ڈیڑھ سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ جہاد نہیں کرتے رہے؟ بلکہ اسی کا نام جہاد کبیر رکھا ہے۔ آپؐ کی عمر کی دو تہائی اسی جہاد میں گزری۔ آپ کو یہ موقع دیا گیا کہ مختلف حالات کے نیچے جس جس طرح پر جہاد ہو سکتا ہے، اس سب کا نمونہ اپنی امت کو دکھا سکیں۔ چنانچہ جہاد کے انہی مختلف پہلوؤں میں سے ایک اور صرف ایک پہلو وہ تھا۔ جس کا نام جنگ ہے۔

ایک وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ پر بے شک ایسا بھی آ گیا تھا کہ آپؐ کو اس وقت، جبکہ مشرکین عرب نے اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے تلوار اٹھائی، بالمقابل تلوار اٹھانی پڑی۔ مگر وہ بھی کوشش محض اللہ کی راہ میں تھی۔ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ اس وقت اگر وہ چند مسلمان مار ڈالے جاتے تو اسلام کا نام دنیا میں باقی نہ رہ جاتا۔ اور اس لئے ان مسلمانوں کا اپنی جانوں کی حفاظت کرنا اپنے بقاء کے لئے جہاد کہلا سکتا تھا۔ مگر اس کا مدار وحدانیت پر ہے۔ مسلمانوں کی غرض اس وقت بھی صرف اپنی جانوں کو بچانا نہ تھا۔ بلکہ اصل غرض یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا نام نہ مٹ جائے۔

چنانچہ جہاں ایک طرف قرآن کریم میں جب سب سے پہلے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔ تو اس کا مقصد یہ قرار دیا جاتا ہے۔ کہ وہ عبادت گاہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے، محفوظ رکھی

جائیں۔ جیسا کہ ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ (40:22) دوسری طرف ہر جنگ کے موقع پر ہمیں اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ مسلمانوں کی اصلی غرض ان جنگوں میں یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا نام، جو اَب اس گروہ کے ذریعے دنیا میں قائم کیا جانے والا تھا، مٹ نہ جائے۔ چنانچہ بدر کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رو کر یہ دعا کرنا اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکَ ھٰذِہٖ الْعَصَابَۃُ مِنْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ اَلْیَوْمَ فَلَا تُعْبَدُ فِیْ الْاَرْضِ اَبَدًا۔ اے اللہ! اگر آج اس جنگ میں (جب دشمن نہ صرف تعداد میں تگنا تھا بلکہ ہتھیاروں وغیرہ سے مسلح ہونے اور جنگ آزمودہ جوانوں کے ساتھ ہونے سے اس کی طاقت مسلمانوں کی طاقت سے کئی گنا تھی) تو نے اس گروہ کو ہلاک کر دیا تو پھر تیری عبادت دنیا میں کبھی نہیں کی جائے گی۔ اب اس دعا سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا یہ جہاد بھی محض اسی غرض سے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت دنیا میں قائم رہے۔

اسی طرح جنگ احد کا ایک واقعہ بتاتا ہے کہ مسلمانوں کے جہاد نے جب جنگ کی صورت بھی اختیار کی۔ تو اس وقت بھی اپنی جانوں کی حفاظت یا اپنی قوم کی حفاظت یا قوم (بلکہ دنیا) کے اسی سردار کی حفاظت، جس سے بڑھ کر دنیا کی کوئی چیز ان کی محبوب نہ تھی، ان کی غرض نہ تھی۔ بلکہ اصل غرض یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا نام دنیا میں ازسرنو زندہ ہو۔ احد کے موقعہ پر جب تیراندازوں کے اپنی جگہ چھوڑ دینے کی وجہ سے شکست یافتہ دشمن کو یہ جرات ہوئی کہ وہ تعاقب کرنے والے تتر بتر ہوئے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کرے، تو اسی پریشانی کی حالت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخم کھا کر گر گئے۔ تو یہ مشہور ہو گیا کہ آپ شہید ہو گئے۔ اس خبر نے بعض پریشان دلوں پر اور بھی زیادہ اثر کیا۔ اتنے میں ایک صحابیؓ نے بلند آواز سے کہا اَلَا اِنْ کَانَ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ فَرَبُّ مُحَمَّدٍ مَاقُتِلَ۔ فَقَاتِلُوْا عَلٰی مَاقَاتَلَ عَلَیْہِ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے ہیں۔ تو ربِّ محمد قتل نہیں ہوا۔ سو جس بات پر وہ جنگ کرتے تھے اسی پر تم بھی جنگ کرو۔ اور یہ کہہ کر دشمن پر ایک شدید حملہ کیا۔

اب اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے دلوں میں کس قدر یقین سے یہ بات گڑی ہوئی تھی کہ ان کا جنگ کرنا محض اس وجہ سے تھا تا کہ کفار اپنے اس ارادہ میں، کہ وہ خدائے واحد کے نام کو مٹانا چاہتے تھے،

ناکام ہوں (اور ایسا ہی ہوا) اور حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دلوں میں اس قدر تھی کہ ایک عورت نے جب یہ خبر سنی کہ اس کا باپ اور اس کا بیٹا اور اس کا خاوند جنگ میں شہید ہو گئے، تو یہ دریافت کر کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، ان مصائب کو ہیچ سمجھا۔ اور کہا کُلُّ مُصِیْبَةٍ بَعْدُهٗ جُلَلٌ لیکن باوجود اس قدر محبت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل ہو جانے کی خبر ان کے منہ سے یہ لفظ نکلواتی ہے کہ رب محمد تو اب بھی زندہ ہے اور ہم تو اسی کی خاطر لڑ رہے تھے۔

غرض مسلمانوں کو بھی ایک جہاد کی تعلیم دی گئی تھی۔ مگر نہ اپنے نفس کی حفاظت کے لئے، نہ اپنی قوم کی حفاظت کے لئے، بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے نام کو دنیا میں زندہ اور روشن کرنے کے لئے۔ ہاں! جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کام کے احیاء کے لئے اپنی طاقتوں اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فضل سے اس قوم کا نام ایسا روشن کیا کہ آج تک تاریخ کے صفحات اس بات سے عاجز ہیں کہ کسی دوسری قوم کی ایسی مثال پیش کر سکیں۔ جو نہ صرف اپنے نہایت طاقتور دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رہی، بلکہ دنیا میں وہ ایک ایسی قوم تھی کہ ملکوں کے ملکوں اور قوموں کی قوموں نے اس کے سامنے سر جھکا دیا۔

پھر یہ جذبہ اشاعت اسلام ہی تھا۔ جس کو قرآن کریم نے جہاد فی سبیل اللہ فرمایا ہے۔ جس نے ان میں سے بعض لوگوں کو ایسی ہمت دی کہ وہ سخت ترین مصائب کو اٹھا کر دنیا کے دور دور کے کونوں میں پہنچے۔ اور جہاں پہنچے اسلام کا جھنڈا ایسا لگایا کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکی۔ یہ ہے اسلام کی تعلیم کے کمال کا ایک نمونہ کہ یہ کبھی اجازت نہیں دیتا کہ کسی چھوٹی غرض، کسی پست مقصد کو سامنے رکھ کر انسان کام کرے۔ کام تو وہی ہوتا ہے جو سب کو کرنا پڑتا ہے۔ مگر ہر کام میں اسلام نے ایک ایسا مقصد مسلمانوں کی نظر کے سامنے رکھ دیا ہے کہ اگر اس مقصد کو پیش نظر رکھا جائے۔ تو انسان کبھی ہمت نہیں ہارتا۔ بلکہ اس کا قدم بڑی سے بڑی ظاہر ناکامی اور پریشانی کے وقت بھی آگے ہی اٹھتا ہے (جاری)

❁❁❁

6 اگست 1914ء

اشاعت اسلام۔4

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کا مشن

(از حضرت امیر مولینا محمد علی۔ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

اصل سلسلہ مضمون کو چلانے سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ مختصر طور پر کچھ ذکر اس مبارک اور نہایت ہی کامیاب تحریک کا کروں جو مکرمی مخدومی جناب خواجہ کمال الدین صاحب کی اس غیرت اسلامی، اخلاص اور جہاد فی سبیل اللہ کا نتیجہ ہے۔جس کی نظیر ہمیں قرون اولیٰ اسلامی کے بابرکت زمانہ میں ملتی ہے۔میرا یہ مطلب نہیں کہ اشاعت اسلام کے لئے اس زمانہ میں اور کوئی کوششیں نہیں کی گئیں۔مگر ہر چیز ایک مرتبہ رکھتی ہے۔ اشاعت اسلام کی کوششیں جو ہمارے علم میں آئی ہیں۔ان میں بالخصوص ان غیور مجاہدین فی سبیل اللہ کی کوششیں ہیں، جو اپنا تھوڑا سا مال تجارت لے کر اندرون افریقہ میں چلے جاتے ہیں۔اور جن کی ان مخلصانہ کوششوں پر اللہ تعالیٰ نے ایسے عظیم الشان نتائج مرتب کئے۔اور اس قدر ان کو کامیابی عطا فرمائی کہ یورپ کے پادریوں کو جابجا یہ فکر پڑ گئی کہ افریقہ کا میدان ان کے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ جہاں ان کے باقاعدہ مشن سالہا سال سے کام کرتے ہوئے ایک آدمی کو مسیحؑ کے گلہ میں داخل کرتے ہیں۔ وہاں ایک سیدھے سادے مسلمان کی کوشش سے، جو اپنے مختصر اسباب تجارت کو لئے پھر رہا ہے، دس آدمی کلمہ توحید پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں۔

اسلام کی اس غیر معمولی ترقی نے ایک وقت پادریوں کے حلقہ میں بڑا اضطراب پیدا کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کو اسلام کی اس ترقی کے انسداد کے لئے غیر معمولی کوششیں کرنی پڑیں۔ کیونکہ ایک دفعہ جب کوئی قوم اسلام کے جھنڈے تلے آ گئی۔تو پھر تین ایک اور ایک تین کے عقدہ لاینحل کو ماننا ان کے لئے غیر ممکن ہو جاتا ہے۔

لیکن عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی اس عظیم الشان کامیابی نے جہاں ایک ہل چل ڈال دی، وہاں ساتھ ہی پادری صاحبان کے ایجاد پسند دماغ نے یہ وجہ بھی اس کی بنالی کہ افریقہ چونکہ وحشیوں کا ملک ہے۔اور

عیسائیت کی نسبت مذہب اسلام وحشی اور غیر متمدن یا غیر مہذب لوگوں کے لئے زیادہ موزون ہے۔ اس لئے اسلام افریقہ میں عیسائیت کی نسبت زیادہ ترقی کر رہا ہے۔ مگر یہ ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ وجہ بھوکی لومڑی کے کچے انگوروں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ہے۔ کیونکہ جس قدر طریقے پادری صاحبان نے جہلاء کو عیسائی مذہب میں داخل کرنے کے لئے نکالے ہیں۔ وہ درحقیقت انہی کے اختراع پسند دماغوں سے ہو سکتے تھے۔ اور ایک بچارے مسلمان کو تو شائد ابھی سالوں تک ان کی سمجھ بھی نہیں آئے گی۔ اگر اس وجہ پر، جو پیش کی گئی تھی، ان کو دلی یقین ہوتا۔ تو ان کو چاہیے تھا کہ عیسائیت کے سارے مشنوں کو جہلاء اور غیر مہذب لوگوں سے واپس بلا کر پہلے وہاں خالص تعلیم اور تہذیب پھیلانے کی کوشش کرتے۔ اور پھر جب وہ لوگ مہذب ہو جاتے۔ تو ان کو عیسائیت کی تعلیم دیتے۔

مگر ہم تو اس کے برعکس ہندوستان میں یہ دیکھتے ہیں کہ کئی سالوں سے پادری صاحبان چلا رہے ہیں کہ وہ کالج اور سکول، جو بظاہر اعلیٰ تعلیم کو مروج کرنے کے لئے، مگر درحقیقت لوگوں کو عیسائی مذہب کی تبلیغ کرنے کے لئے بنائے گئے تھے، بالکل نکمے ثابت ہوئے ہیں۔ اور اب ان سے تبدیل مذہب کے معاملہ میں کسی مفید نتیجہ کی توقع رکھنا عبث ہے۔ وہ جس قدر لوگوں کو تعلیم دے کو مہذب بنا رہے ہیں، درحقیقت اسی قدر ان کو عیسائیت سے دور پھینک رہے ہیں۔ اس لئے اس طرف سے مایوس ہو کر نہایت عاقبت اندیشی سے اب انہوں نے اپنا رخ ان وحشی اور جاہل قوموں کی طرف کیا ہے جس کے لئے اسلام کو زیادہ موزون بتاتے ہیں۔ اور ان کی رپورٹوں میں اگر کوئی نو مرید نظر آتے ہیں تو وہ صرف ان لوگوں میں سے ہیں جو ہندوؤں میں نیچ ذاتیں کہلاتی ہیں۔ جو آج تک تعلیم سے اسی طرح دور پڑی ہوئی ہیں۔ جس طرح افریقہ کے وحشی۔ بلکہ ان سے بھی بدتر۔ اس لئے کہ افریقہ کے وحشی تو اپنے مذہب میں رہ کر بھی تعلیم پا کر انسانیت کا مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر ہندوستان کی یہ قومیں تعلیم پا کر بھی نیچ کی نیچ اور انسانیت کے مرتبہ سے نیچے گری ہوئی رہیں گی۔

یہ وہ قومیں ہیں جن کے وجود سے مشنری رپورٹوں میں کچھ رونق نظر آتی ہے۔ مگر پادری صاحبان کے ہاتھ میں دوترازو ہیں۔ اَلَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ. وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْوَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ. (3-2:83) بلکہ لیتے تو پورے سے بھی بڑھ کر ہیں دیتے وقت کچھ بھی دینا نہیں چاہتے۔ اسلام افریقہ

میں کامیاب ہوتو اس لئے کہ وہاں کے لوگوں کے لئے اسلام زیادہ موزوں ہے اور عیسائیت وہاں ناکام ہو۔ تو اس لئے کہ یہ اعلیٰ درجہ کا مذہب صرف مہذب لوگوں کے لئے ہے۔ افریقہ کے وحشی اس کی کیا قدر جانیں! مگر ہندوستان میں عیسائیت تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ میں ناکامیاب ہو۔ اور نیچ قوموں کے جاہلوں میں سے گروہ در گروہ بغیر اسباب کو سمجھنے کے داخل ہوتے چلے جائیں کہ عیسائی مذہب کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کے ذریعہ وہ ''صاحب'' بن سکتے اور ان لوگوں پر بھی فوقیت لے جا سکتے ہیں، جو ان کو وحشیوں سے بھی بدتر اور ایسا ناپاک سمجھتے ہیں کہ وہ ان کے مدرسوں تک میں تعلیم نہیں پا سکتے۔

غرض جب عیسائیت ان نیچ قوموں میں جو افریقہ کے وحشیوں سے بھی گری ہوئی ہے کامیاب ہو۔ اور تعلیم یافتہ لوگ اسے ردکر دیں۔ تو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کی وجہ یہ نہیں کہ عیسائیت تعلیم یافتہ کے لئے موزون نہیں اور جاہلوں کے لئے زیادہ موزون ہے۔ بلکہ اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ تعلیم یافتہ اور مہذب لوگ تو خدا سے سرکش اور باغی ہو چکے ہیں۔ اور ان نیچ وحشیوں کے اندر گناہ کا احساس موجود ہے۔

مسلمانوں نے اپنے ملانوں کو تو خواہ مخواہ بدنام کر رکھا ہے کہ جیسی ضرورت ہو ویسا مسئلہ نکال دیتے ہیں۔ ''مہذب'' پادری صاحبان حسب ضرورت وجہ بنا لیتے ہیں۔ ان سے کہیں زیادہ مشّاق ہیں۔

کوئی اس کو مانے یا نہ مانے میں تو یہ یقین رکھتا ہوں کہ اسلام کے لئے اللہ تعالیٰ کو اس قدر غیرت ہے کہ جہاں اسلام پر کوئی اعتراض ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ خود اس معترض کو ایسے اعتراض کا مورد بنا دیتا ہے۔ عیسائی صاحبان کو کس قدر اس بات پر وثوق تھا کہ وہ تعلیم دے کر لوگوں کو عیسائی بنا لیں گے۔ لیکن جہاں انہوں نے اسلام کی اس رنگ میں تحقیر کرنی چاہی کہ اسلام صرف جاہلوں کے لئے ہے اور تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے موزون نہیں، سب سے پہلا جواب جو ان معترضوں کو ملا وہ یہ تھا کہ تعلیم یافتہ لوگوں میں ان کی ترقی قطعاً مسدود ہو گئی اور وہی جاہل ان کی رپورٹوں کے مایہ ناز رہ گئے، جن کے لئے عیسائیت نہیں بلکہ اسلام زیادہ موزون تھا۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو جو مذہب تعلیم یافتہ اور جہلا دونوں کا دروازہ کھٹکھٹا کر یہ دیکھ چکا ہے۔ کہ تعلیم یافتہ لوگوں میں قطعاً ناکام اور جہلاء اور وحشیوں میں کامیاب ہے۔ اس کے متعلق تو یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہے کہ وہ تعلیم یافتہ کے لئے موزون نہیں صرف جاہلوں کے لئے موزون ہے۔ لیکن جس مذہب نے ابھی یہ کوشش ہی نہیں کی اور

بالخصوص تعلیم یافتہ یا مہذب لوگوں میں قطعاً یہ کوشش نہیں کی کہ وہ ان کو اپنے اندر داخل کرے۔ اس کے متعلق محض اس وجہ سے کہ جس جگہ وہ کچھ کوشش کر رہا ہے اور کامیاب ہو رہا ہے، وہ لوگ تعلیم یافتہ ہیں یا جاہل ہیں۔ یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ صرف جاہلوں کے لئے موزون ہے اور تعلیم یافتہ کے لئے یا مہذب لوگوں کے لئے موزون نہیں کسی عقلمند کے نزدیک درست نہیں ہوسکتا۔

پس ہندوستان میں عیسائی مذہب کے تعلیم یافتہ لوگوں میں ناکامی اور نیچ ذات کے جاہلوں میں کامیابی سے تو بے شک یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ عیسائی مذہب جاہلوں کے لئے موزون اور تعلیم یافتہ کے لئے ناموزون ہے۔ لیکن افریقہ میں اسلام کی ترقی کرنے سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اسلام صرف جاہلوں کے لئے موزون ہے۔ جب تک کہ کسی تعلیم یافتہ قوم کے سامنے لگاتار اور پوری کوشش کے ساتھ اسلام کو پیش کر کے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ واقعی اسلام کو لوگ قبول نہیں کرتے۔

یہ بیشک میں مانتا ہوں کہ کسی مذہب کے اندر آبائی تقلید کے جرم سے مہذب اور تعلیم یافتہ لوگوں کا موجود ہونا اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ وہ ان لوگوں کے لئے موزون بھی ہے۔ کیونکہ لوگ اکثر مذہب کے معاملہ میں آبائی تقلید کے رنگ کو باوجود دنیوی اور تمدنی ترقی کے چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ البتہ جو مذہب دوسرے لوگوں میں سے ہر قسم کے لوگوں پر اپنا اثر ڈال سکتا ہے۔ اور ان کو اپنے اندر شامل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اور کسی خاص قسم کے لوگوں تک اس کی ترقی محدود نہیں۔ وہی مذہب اس دعویٰ کا حق دار ہے کہ وہ تعلیم یافتہ اور جہلاء، فلاسفروں اور زمینداروں کے لئے یکساں موزون ہے۔

خواجہ کمال الدین صاحب کی مساعی جمیلہ نے اسلام کے عالم گیر مذہب ہونے کا جو بدیہی ثبوت ہمارے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ یہی وہ وجہ ہے جس کے لئے میں خصوصیت سے اس مضمون میں ان کی اس مقدس تحریک کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جس طرح انہوں نے تنہا محض توکلاً علی اللہ کام کو شروع کر دیا۔ جو جو رکاوٹیں اس کام کے راستے میں خود مسلمانوں نے ڈالیں۔ جن مشکلات کا ان کو وہاں مقابلہ تھا کہ صدیوں کے غلط خیال دلوں میں بیٹھے ہوئے۔ بلکہ خون کے اندر رچے ہوئے تھے۔

ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے اگر دس سال تک ایک بھی آدمی مسلمان نہ ہوتا۔ اور محض یورپ بالخصوص انگلستان کے ان خیالات میں ہی ایک تغیر آجاتا۔ جو اسلام کے متعلق پہلے وہاں موجود ہیں۔ تو ہم اسے بھی ایک عظیم الشان کامیابی ان کے مشن کی سمجھتے۔ مثلاً جاپان کو لے لو۔ حالانکہ وہاں کے لوگ ایشیائی ہیں۔ اسلام کے متعلق غلط خیالات بھی ان کے دلوں میں کوئی نہیں ہیں۔ بلکہ صاف اور سادہ دل ہیں۔ جن پر جو نقش ڈالا جائے گا وہ اسے جلد قبول کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے حالانکہ پروفیسر برکت اللہ صاحب 1909ء سے وہاں تبلیغ اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ جسے آج قریباً پانچ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن سوائے دو ایک ناموں کے کسی کے تبدیل مذہب یا اسلام اختیار کرنے کا پتہ نہیں ملتا۔ میں اس کو بھی ناکامی نہیں کہتا۔ کیونکہ ابھی وہاں پورا زور نہیں لگایا گیا۔ اور دوسرے کسی قوم میں بالخصوص ان قوموں میں جو اپنے دنیا کے اشغال میں اس قدر منہمک ہو رہی ہیں کہ "دوسری زندگی" ان کے لئے ایک بے معنی لفظ ہو گیا ہے۔ اور خدا کا نام تو وہ بھول کر بھی اپنی پبلک تحریروں اور تقریروں میں نہیں لیتے۔ ایک نئے مذہب کے متعلق توجہ دلانا سالوں کی لگاتار اور سخت محنت کو چاہتا ہے۔

سو پانچ سال کوئی بڑا عرصہ نہیں اور نہ ہی اب تک اس قسم کے مضامین وہاں کافی طور پر شائع ہوئے ہیں۔ جن سے مذہب اسلام کی اصل حقیقت پر پوری روشنی پڑے۔ لیکن اس سے بہت بڑھ کر مشکلات کے نیچے اسلام سے بہت زیادہ دور پڑی ہوئی قوم ہیں۔ نہ صرف دور پڑی ہوئی بلکہ اس قوم میں جو اسلام اور ذلت کو مترادف الفاظ سمجھتی ہے۔ اس قوم میں جس کے لاکھوں کروڑوں نفوس اس یقین سے کہ اسلام ایک تاریکی اور جہالت کا مذہب ہے۔ جس سے مسلمانوں کو باہر نکالنا ان کا فرض ہے۔ لاکھوں کروڑوں روپے ان مشنوں پر صرف کرتے ہیں۔ جو جال کی طرح سارے اسلامی ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس قوم میں، جسے یہ دعویٰ ہے کہ وہ تعلیم اور تہذیب کے سب سے اعلیٰ مرحلہ کو طے کر چکی ہے، اس قوم کے اندر صرف ڈیڑھ سال کی محنت کا ثمر اللہ تعالیٰ نے اس قدر دیا ہے کہ چالیس سے زیادہ نفوس اس وقت تک دائرہ اسلام کے اندر داخل ہو چکے ہیں۔ اور 2 جولائی کا دن کیا ہی مبارک دن تھا۔ جس دن اس نئی نو مسلم آبادی انگلستان میں دو نو مسلموں کی شادی نے اس پاک تحریک کی جڑ کو اور بھی مضبوط کر دیا۔

اس شادی میں اور اس کے متعلق اس قسم کے جو دوسرے تعلقات پیدا ہوں گے۔ ان میں درحقیقت اسلام کی انگلستان میں ایک مستحکم بنیاد رکھی گئی ہے۔ اور گو اس بنیاد پر آئندہ لوگ بڑی بڑی عمارتیں بنائیں گے۔ مگر اس پہلی بنیاد رکھنے والے کا نام ہمیشہ دنیا میں نیکی کے ساتھ لیا جائے گا۔ خواجہ صاحب کا حصہ تو اس تحریک میں صرف اسی قدر ہے کہ وہ اشاعت اسلام کے لئے ایک درد بھرا دل لے کر گئے تھے۔ اور انہوں نے خدا کے فضل سے عزم و ہمت کا وہ نمونہ دکھایا۔ جس کے آگے سب مشکلات کے پہاڑ اڑ گئے۔ اور دراصل تو یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت اور تائید محض اسلام کے لئے اس کی نصرت کے وعدوں کا ظہور ہے۔ ورنہ ایک انسان کی کیا طاقت ہے کہ ایک اس قدر دور پڑی ہوئی بلکہ مخالفانہ خیالات سے بھری ہوئی قوم میں چند دنوں کے اندر اس قدر تغیر پیدا کر دے۔ سو اللہ تعالیٰ نے خواجہ صاحب کے ذریعہ سے اپنے اس پاک وعدہ کا کہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ (33:9) ایک چھوٹا سا کرشمہ دکھایا ہے۔ غور کرنے والے غور کریں۔

ہاں! اگر اس کامیاب اور مبارک تحریک میں صرف درمیانہ یا نیچے کے درجہ کے لوگ ہی شامل ہوتے۔ تو پھر بھی ہمارے پادری صاحبان کے لئے ایک موقعہ تھا کہ وہ کہتے کہ اسلام کسی مہذب سوسائٹی کے اعلیٰ ممبروں کے لئے موزوں مذہب نہیں۔ مگر وہ خدا جو ان ناحق کے اعتراض کرنے والوں کو پورا پورا جواب ان کے ظالمانہ اعتراضوں کا دینا چاہتا تھا۔ اس نے ایک ایسا جواب دیا ہے جس کے آگے اب پادریوں کے منہ بند ہو گئے۔ کیونکہ پہلے ہی اسلام کے قبول کرنے والے یورپین سوسائٹی کے اعلیٰ ترین طبقہ میں سے کئی لوگ ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے. اس لئے اب پادری صاحبان کو اپنے پہلے ہتھیاروں کو چھوڑ کر یہ نئی راہ اختیار کرنی پڑی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ درحقیقت خواجہ صاحب جو اسلام پیش کرتے ہیں, وہ ہندوستان کے لوگوں کا اسلام نہیں۔ حالانکہ ان کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ اسلام وہ نہیں جو لوگوں کے عمل میں ہو۔ بلکہ اسلام وہ ہے جس کے مطابق لوگوں کا عمل ہونا چاہئے۔ اگر ہندوستان میں ایسا نہیں تو کیا ہندوستان کے مسلمان کوئی سچے اسلام کا معیار ہیں؟ کیا وہ غلطی نہیں کر سکتے؟ اسلام کو صرف ایک ہی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے۔ اور وہ کسوٹی وہ کامل اور محفوظ کتاب ہے۔ جس کے الفاظ اور جس کی زبان زمانہ کی دستبرد سے بالکل محفوظ ہے۔ یعنی قرآن شریف۔ اگر پادری صاحبان واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ خواجہ صاحب اصل اسلام کو پیش نہیں کرتے۔ تو ان کا فرض ہے کہ قرآن کریم سے اس

اسلام کا مقابلہ کر کے دکھائیں کہ فلاں امر میں قرآن کریم کے خلاف کوئی تعلیم پیش کی گئی ہے۔ اور اگر پادری صاحبان اس سے عاجز ہیں۔ تو ان کی اعانت کے لئے لاہور کے وہ فاضل مولوی صاحبان ہی ہاتھ بڑھائیں۔ جن کے دلوں میں اسلامی غیرت نے یہ جوش مارا تھا کہ وہ ہفتہ وار جلسہ کر کے خواجہ صاحب کی غلطیاں نکالا کریں گے۔

واقعی پادری صاحبان کے نزدیک تو انہی لوگوں کا اسلام حقیقی اسلام ہوسکتا ہے۔ جو سالہا سال سے عیسائی مذہب کو آریہ سماج کو اور دوسرے مذاہب کو اسلام پر حملے کرتے ہوئے دیکھیں۔ مسلمانوں کو اسلام سے نکلتا دیکھیں۔ اور اسلامی غیرت ان کے اندر اس قدر جوش نہ مارے کہ وہ ہفتہ وار اجلاس کے ذریعہ سے ان ناپاک اعتراضوں کی تردید کریں جو اسلام پر ہو رہے ہیں۔ مگر جب ہی ایک مسلمان کسی باہر کے ملک میں جا کر اسلام کا جھنڈا اگاڑے تو اسلامی غیرت ان کے دلوں کے اندر جوش مار کر ان کو اپنے آپے سے باہر کر دے اور وہ شہر کے مختلف حصوں میں ہفتہ وار جلسے کر کے اس مسلمان کی غلطیوں کا اظہار کریں۔ اور اس کے مقدس کام میں ہر ایک ممکن رکاوٹ ڈال کر اشاعت اسلام کے فرض سے سبکدوش ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (11:13) اس قوم کے دن کیونکر بدلیں۔ جس کے علماء کی یہ حالت ہو۔ مگر پادری صاحبان اور ان کے معاونین یہ یاد رکھیں کہ اسلام ہمیشہ وہی ہے اور وہی رہے گا جو قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ نہ زید یا بکر کی رائے پر۔ غرض اس تحریک اور اس کی تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام وہ کامل اور عالمگیر مذہب ہے جو اگر ایک طرف افریقہ کے وحشیوں کے قلوب پر اثر کر کے ان کو تمدن اور تہذیب کی طرف لا سکتا ہے۔ تو دوسری طرف انگلستان کے مہذب اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے سامنے ان کی روح کی سچی خواہش کے مطابق وہ پاک تعلیم پیش کرتا اور اس پر ان کو چلاتا ہے۔ جس سے مہذب سوسائٹی کی بدیوں کی جڑ کٹتی ہے۔ یہی معنی ہیں قرآن کریم کے اس دعویٰ کے کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ (28:34) یعنی ہم نے تم کو ہر ایک زمانہ، ہر ایک ملک کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (107:21) تمہارا وجود ساری قوموں کے لئے رحمت ہے۔ رحمت تو ہے مگر عملی رنگ میں اس کا ثابت کر کے دکھانا یہ ہمارے ذمہ ہے۔ (جاری)

9 اگست 1914ء

اشاعت اسلام۔5

اسلام کا غلبہ بذریعہ تبلیغ دین ہوگا

(از حضرت امیر مولینا محمد علی۔ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

جیسا کہ میں کسی پہلے شمارہ میں دکھا چکا ہوں۔اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ایک ایسا مذہب ہے جو بالآخر دنیا کے سب مذاہب پر غالب کیا جائے گا۔مسلمانوں کا عام طور پر یہ خیال رہا ہے کہ یہ غلبہ مہدی کے زمانہ میں جنگ کے ذریعہ سے ہوگا۔اور میرے خیال میں جب سے اس خیال نے مسلمانوں کے دل میں جگہ پکڑی ہے۔اسی وقت سے انہوں نے اشاعت دین کی اصلی یعنی تبلیغی کوششوں کو بھی کم کر دیا ہے۔اب یہ خیال کچھ واقعات زمانہ سے اور کچھ تحقیق سے ایک حد تک دلوں سے نکل گیا ہے۔

تعجب ہے کہ جن لوگوں نے ایسا عقیدہ تجویز کیا انہوں نے کبھی اس بات پر بھی غور نہیں کیا۔کہ جہاں اسلام کو دوسرے دینوں پر غالب کرنے کا وعدہ ہے۔وہاں تو خود اس کے غلبہ کی وجہ اس کے کامل ہدایت اور دین حق ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ **هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ** (33:9) یعنی اس نے اپنے رسول کو کامل ہدایت نامہ دے کر اور دین حق دے کر بھیجا ہے۔جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ دینِ حق کل دینوں پر غالب آئے۔کیونکہ وہ حق سے دور جا پڑے ہیں۔ہاں! اگر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بڑے بڑے سامان جنگ اور بڑی ملکی طاقت اور عظیم الشان انسانی فوجوں کے ساتھ بھیجا ہے۔تاکہ وہ ہمارے دین کو سب دینوں پر غالب کر کے دکھائے۔تو بے شک اسلام کے جنگوں کے ذریعہ غالب آنے کے عقیدہ کی کوئی بنیاد ہوتی۔مگر یہ عقیدہ سراسر خلاف قرآن کریم اس طرح پر بنایا گیا کہ اگر ذرا بھی تدبر اور غور سے کام لیا جاتا، تو مہدی کی احادیث کو مجروح قرار دیئے بغیر بھی صرف قرآن کریم پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوسکتا تھا کہ اسلام کا غلبہ دوسرے ادیان پر جنگ کے ذریعہ سے نہیں ہوگا۔بلکہ اس لئے کہ

وہ ایسا ایک دین ثابت ہوگا جس کو سعید طبائع خود بخود ماننے پر مجبور ہو جائیں گی۔

چنانچہ آیت مذکورہ بالا کے علاوہ جہاں دین اسلام کے غالب آنے کی وجہ یہی بتائی ہے کہ کامل ہدایت نامہ اور دین حق ہے۔ اور آخر انسانی فطرتیں، جو ہدایت کی پیاسی ہیں، ضرور اس کے آگے گردنیں جھکا دیں گی اور بہت سے موقعوں پر قرآن کریم نے دین اسلام کے اس کمال کا ذکر فرمایا ہے کہ اس سے بہتر دنیا میں کوئی مذہب نہیں ہے۔

گو یہ ذکر قرآن کریم میں متعدد مرتبہ فرمایا ہے۔ کہ سب دینوں سے بہتر دین اسلام ہے۔ جیسا کہ مثلاً سورہ النساء میں، جہاں پہلے فرماتا ہے لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وُلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتَابِ (123:4) یعنی نجات یا فلاح عاقبت کسی قوم کی آرزوؤں پر موقوف نہیں۔ یوں تو ہر ایک قوم کی یہی آرزو ہے کہ وہی نجات کی حقدار ہو۔ مگر حق یہی ہے کہ جس دین نے بہتر سے بہتر اصول کو لے لیا ہے۔ اسی کے ذریعہ سے نجات مل سکتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی فرماتا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (125:4) یعنی یہ دو کامل خوبیاں جو سب خوبیوں کے لئے بطور جڑ کے ہیں، ہم نے دین اسلام میں جمع کر دی ہیں۔ ایک اسلام یعنی اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری اور دوسرے احسان یعنی اس کی مخلوق کے ساتھ کامل ہمدردی۔ تو اب اس سے بہتر دین تم اور کون سا پیش کر سکتے ہو؟ اور اسی دین احسن کی طرف ہی اشارہ کر کے فرمایا اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (125:16) یعنی لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت کی باتوں اور نیک نصائح کے ساتھ بلاتے رہو۔ اور ان کے ساتھ مجادلہ کرو تو اس چیز کو ہاتھ میں لے کر کرو جو احسن یعنی سب سے بہتر ہے۔ لیکن ان اور ایسا ہی دوسرے متعدد مقامات کی تفصیلات کو چھوڑ کر، جن سے یہ معلوم ہو کہ کس کس بارے میں اس دین کو دوسرے ادیان پر فضیلت حاصل ہے۔ میں صرف ایک مثال سورہ البقرہ سے پیش کرتا ہوں جہاں قرآن کریم نے دین اسلام کے احسن دین ہونے کی ایک وجہ کو پیش کیا ہے۔

پہلے سپارہ کے آخر میں اول یہود اور نصاریٰ کے اس قول کو نقل کیا ہے وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ

نَصَارٰی تَهۡتَدُوۡا (135:2) یعنی یہودتو یہ کہتے ہیں کہ یہودی بنو۔تو تب تم کو ہدایت ملے گی اورعیسائی یہ کہتے ہیں کہ عیسائی بنو۔تب تم کو ہدایت ملے گی۔اس کا کیا پاک اورخوبصورت جواب قرآن کریم نے دیا ہے۔اہل اسلام کوفرماتا ہےتم اس کے بالمقابل یہ جواب دو۔ قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَآ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَمَآاُوۡتِىَ النَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ لَانُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ. (136:2) یعنی تم ان کوکہوکہ تم اگر یہودی ہوتو حضرت موسیٰ پر ایمان لاتے ہو۔اورعیسائی ہوتو ساتھ حضرت عیسیٰ کوبھی مانتے ہو۔لیکن ہم تو وہ قوم ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں۔اور وحی الٰہی کے معاملہ میں اس وحی کو مانتے ہیں۔جو ہم پر نازل کی گئی اوراس کوبھی مانتے ہیں۔جوابراہیم اوراسمٰعیل اوراسحاق اوریعقوب اوراس کی اولاد پر نازل کی گئی۔پھر یہی نہیں کہ ہم ان مشترک نبیوں کو مان کرتمہارے ان خاص نبیوں کا انکارکرتے ہوں۔جوتمہارے مذاہب کے بانی ہیں۔بلکہ یہودی مذہب کے بانی حضرت موسیٰ اور عیسائی مذہب کے بانی حضرت عیسیٰؑ کو جو کچھ دیا گیا،اسے بھی حق مانتے ہیں۔نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھا کرہم تو اس بات کوبھی مانتے ہیں۔کہ جو کچھ نبیوں کو، جہاں کہیں وہ ہوئے ہوں،دیا گیا وہ سب حق ہے۔خواہ وہ نبی بنی اسرائیل کے ہوں یااورکسی قوم کے۔محض کسی دوسری قوم میں سے ہونے کی وجہ سے ہم کسی نبی کا انکارنہیں کرتے۔ اوراس طرح سلسلہ انبیاء میں، جو دنیا میں ہوا، ہم کسی قسم کا تفرقہ نہیں کرتے کہ بعض قوموں کے نبیوں کو یا بعض نبیوں کو مان لیں اوردوسروں کا انکارکردیں۔اوراس طرح پرہم تو اللہ تعالیٰ کے کامل فرمانبردار ہیں(یہ ان آیات کاتفسیری ترجمہ ہے)۔

اب اس آیت میں کیسا پاک خوبصورت مذہب اسلام کا پیش کیا ہے کہ ہرایک قوم جواپنے مذہب کوسچا سمجھتی ہے۔وہ تو صرف اسی حدتک تسلیم کرتی ہے کہ اس کے خاص نبی پرایمان لایا جائے۔یہود یہ کہتے ہیں کہ یہود ہوجاؤ۔تو سیدھی راہ پاؤ گے۔مگرایک مسلمان تو یہود کے انبیاءکوبھی مانتا ہےپس اگران انبیاءکو ماننے سے راہ حق مل جاتی ہے۔تو پھرایک مسلمان نے تو اپنے آپ کواس کا حقدار بھی بنالیا۔عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح پر ایمان لاؤ توراہ ہدایت ملے گی۔لیکن ایک مسلمان تو مسیحؑ پربھی ایمان لاتا ہے۔اوریہ تو دوقومیں ہیں۔نبی تو دنیا میں بکثرت ہوئے اور ہرقوم کے اندرہوئے۔جیسا کہ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ

(24:35) یعنی ہر قوم میں ضرور کوئی نہ کوئی ڈرانے والا آیا ہے۔

پس ایک مسلمان اپنے ایمان کو یہود اور نصاریٰ کے نبیوں تک ہی محدود نہیں کرتا۔ بلکہ انبیاء کے معاملہ میں اس کا ایمان ایسا ہی وسیع ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت وسیع ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی نبی ہوا ہو۔ وہ سب کو مانتا ہے۔ پس اب اسے یہ تو خطرہ ہے نہیں کہ اس نے کسی کا انکار بھی کر دیا۔ اس کی راہ سب راہوں سے زیادہ محتاط ہے۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰ کو مانا۔ مگر جب حضرت عیسٰی آئے تو ان کا انکار کر دیا۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو مانا۔ مگر جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو منور کیا۔ تو انہوں نے اس نور کا، جس کے اندر تمام روشنیاں اور ہدائتیں جمع تھیں، انکار کر دیا۔ اور اس طرح پر ان دونوں قوموں نے اپنے آپ کو بہت سی حق کی باتوں سے محروم کر دیا۔ لیکن مسلمانوں نے نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو، جو ان سب کا جامع اور سب نوروں سے کامل تر ہے، تسلیم کیا۔ مگر ان پہلوں میں سے بھی کسی کا انکار نہیں کیا۔ اور اس طرح یہ دین سب دینوں سے بہتر ٹھہرا۔

اب اس سے بہتر کون سا دین ہوسکتا ہے۔ کل دنیا کے دانش مند اکٹھے ہو کر اپنے لئے کوئی مذہب تجویز کرنا چاہیں۔ تو یقیناً آج سب سے پہلے ان کو اسلام کے اس پاک اصل کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسی قوم کے نبی کا انکار یا ان کی تحقیر نہیں کرنی چاہیئے۔ اس سے بہتر اصول تجویز کرنا ناممکن ہے۔ چنانچہ آیت مذکورہ بالا کے بعد قرآن کریم یہ فرما کر کہ یہ وہ ایمان ہے۔ جس کے ذریعہ سے انسان حقیقت میں سیدھی راہ پاسکتا ہے **فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.** (2:137) کہ یہ وہی بپتسمہ ہے کہ جو مسلمانوں کو دیا جاتا ہے کہ وہ دنیا کے کل انبیاء پر ایمان لائیں اور اللہ کے بپتسمہ سے بہتر بپتسمہ کون تجویز کرسکتا ہے اسلام کے لئے اس کمال کا دعویٰ کیا ہے جس کے آگے سب لوگوں کی گردنیں جھک جائیں اس کا نام بپتسمہ رکھنے میں بھی قرآن کریم نے اس تنگدلی کے بپتسمہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جو عیسائی مذہب نے تجویز کیا ہے۔ جس کو لیتے ہی ایک شخص کو ماننا پڑتا ہے کہ دنیا کی ساری قوموں کے نبی جھوٹے تھے۔ ہاں! ایک قوم بنی اسرائیل کے چند نبی خدا کی طرف سے تھے۔ سو وہ بھی گنہگار ہی آئے اور گنہگار ہی گزر گئے۔ یہ بھی ایک بپتسمہ ہے۔ جو چند لوگوں نے تجویز کیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ حضرت مسیحؑ کا تجویز کردہ بپتسمہ

نہیں۔ کیونکہ خدا کے نبی ایسے تنگ دل کبھی نہیں ہوتے۔ ہاں! یہ علیحدہ بات ہے کہ بعض وقت ان کی تعلیم خاص قوم یا خاص زمانہ کے ماتحت ہوتی ہے۔ اب ادھر عیسائیوں کا یہ بپتسمہ اور اس کے بالمقابل اسلام کا الٰہی بپتسمہ کیا ہے وہ اب اس سے احسن اصول کوئی اور تجویز کر کے دکھائے۔ بلکہ اگر کل دنیا کوشش بھی کرے اور کوئی اصول تجویز کرنا چاہے تو سب سے احسن یہی پاک اصول ثابت ہوگا اور درحقیقت دنیا کے دانش منداس کے احسن ہونے کو تسلیم کرتے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی پیرس کی کانفرنس مذاہب میں ہوا۔ تو میری غرض اس سے یہ ہے کہ قرآن کریم نے اگر دین اسلام کو منوانا چاہا ہے تو محض اس لئے کہ یہ سب دینوں سے احسن اور سب دینوں میں دین حق ہے۔ اور کہ اس کے اندر انسان کے لئے کامل ہدایتوں کا مجموعہ ہے۔ پس جب یہی فوقیت ہے جو دین اسلام کو حاصل ہے۔ تو اس کا غلبہ بھی دنیا میں اس فوقیت کے ثابت کرنے سے ہی ہو سکے گا اور اس کی صورت صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ دنیا کو دکھایا جائے کہ کس طرح اسلام دوسرے دینوں سے احسن ہے۔ دوسرے مذاہب پر اس کو کیا فوقیت حاصل ہے۔

انسان کی وہ کون سی ضروریات ہیں۔ جن کی طرف دوسرے مذاہب نے توجہ نہیں کی۔ وہ کون سی امراض ہیں جن کا علاج دوسرے مذاہب میں نہیں پایا جاتا۔ وہ کون سے حقائق ہیں۔ جن کو بیان کرنے سے دوسرے مذاہب قاصر ہیں۔ وہ کون سی نیکیاں ہیں جن کو کامل طور پر حاصل کرنے کا قرآن کریم ہی صرف ایک ذریعہ ہے۔ دوسری قوموں کو چھوڑو۔ مسلمان خود قرآن کریم کی طرف سے اس قدر غافل ہیں کہ انہوں نے ان باتوں کو بھلا دیا۔ اب وہ دوسروں کے سامنے ان کو کیا پیش کریں۔ وہ جن کا یہ فرض تھا کہ وہ دوسری قوموں کی کتابوں کو پڑھ کر ان پر غور کرتے۔ اور پھر ان کتابوں کا مقابلہ قرآن کریم سے کر کے اس کی فضیلت ثابت کرتے۔ وہ اپنی کتاب ہی کی طرف سے ایسے غافل ہیں کہ بڑے بڑے قیمتی نسخے بڑے بڑے قیمتی غلافوں میں بالائے طاق رکھ چھوڑنے کو کافی سمجھتے ہیں۔ یا جو ان سے بھی گرے ہوئے ہیں۔ ان کے لئے عدالتوں میں جھوٹی قسموں کے کھانے کا کچھ کام قرآن دے جاتا ہے۔ بہر حال تبلیغ یعنی دین کی سچائیوں کو دوسروں تک پہنچانا یہی ایک ذریعہ ہے۔ جس سے اسلام دوسرے مذاہب پر غالب آ سکتا ہے۔ اور دوسرے سب باطل خیالوں کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ یہی طریق تبلیغ ہی تھا۔ جس کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تھا۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں دین کی اشاعت بذریعہ تبلیغ ہوتی تھی۔مگر مدینہ میں جنگوں کے ذریعہ سے تبلیغ ہوئی اور عیسائیوں کا تو مسلمانوں پر یہ ایسا اعتراض ہے کہ باوجود صدہا بار کے جوابوں کے وہ اسے چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر اسلام کو بدنام نہ کیا جائے تو پھر اس کے محاسن دلوں کو اپنی طرف کھینچیں گے۔ یہ خیال سراسر غلط اور یہ اعتراض سراسر بودا ہے۔اسلام کی جنگوں کی غرض سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی۔اور اس کا منشاء صرف اس قدر تھا کہ مذہب کی خاطر کسی کو دکھ نہ دیا جائے۔ باقی دین کی اشاعت پہلے یعنی مکہ میں بھی بذریعہ تبلیغ ہوتی تھی اور بعد میں مدینہ میں آکر عین جنگوں کے درمیان بذریعہ تبلیغ ہی ہوتی رہی۔ یہ ایک وسیع مضمون ہے۔جس کی گنجائش اخبار کے کالموں میں نہیں۔لیکن میں صرف دو مثالیں اس کی دیتا ہوں۔ ایک تاریخی واقعہ اور ایک قرآن کریم کا حکم۔

تاریخی واقعہ جو اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ دین اسلام کی اشاعت بذریعہ تبلیغ ہوتی تھی۔صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔اول تو اگر جنگ دین کے پھیلانے کے لئے ہوتی۔تو صلح کے معنی یہ ہوئے کہ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم تبلیغ دین کو چھوڑ دیں گے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ اور اگر قرآن کریم میں کوئی حکم ایسا ہوتا کہ جب تک یہ سب مسلمان نہ ہو جائیں۔اس وقت تک ان سے جنگ کئے جاؤ۔جیسا کہ وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ (193:2) کے غلط معنی کر کے استدلال کیا جاتا ہے۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا نعوذ باللہ صلح کرنے میں قرآن کریم کے صریح حکم کے خلاف کیا۔کیونکہ وَقٰتِلُوْ هُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (193:2) والی آیت صلح حدیبیہ کے واقعہ سے پہلے کی نازل شدہ ہے۔پھر اس صلح میں خود یہ شرط ہے کہ جو مکہ میں مسلمان ہوتے رہیں وہ بھاگ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں مل سکیں گے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ کا سلسلہ برابر جاری تھا۔اور دراصل اس صلح کی غرض ہی یہی تھی کہ ملک میں امن قائم ہو کر لوگ اصول اسلام پر غور کر سکیں۔اور یہی وجہ تھی کہ حالانکہ صلح حدیبیہ کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ چودہ سو آدمی تھے۔مگر دو سال بعد ہی جب مکہ معظّمہ پر آپ نے چڑہائی کی تو دس ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے۔اس قدر جلدی اتنی تعداد بذریعہ تبلیغ دین ہی ہوئی۔ کیونکہ جنگ تو اس اثناء میں کوئی ہوئی نہیں۔پھر اسی صلح حدیبیہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایران اور سلطنت روم کے شاہان اور ایسا ہی بعض دوسرے بادشاہوں کو تبلیغی خطوط بھی لکھے

جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی اور اپنے خاص قاصدوں کے ذریعہ سے یہ پیغام ان تک پہنچایا کہ دین اسلام ہی ایک سچا دین ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی نہ صرف عرب کے اندر ہی آپ کے مبلغین کام کر رہے تھے۔ بلکہ دوسرے ممالک میں بھی بھیجے گئے تھے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے بھی ایک نصیحت ہے۔ جو اشاعت اسلام کے کام کو بیرونی ممالک جیسے یورپ امریکہ وغیرہ میں شروع کرنے کے سوال پر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ابھی ہندوستان میں تو کروڑوں لوگ موجود ہیں جو مسلمان ہو سکتے ہیں، باہر ہم کیوں جائیں، صلح حدیبیہ کے وقت عرب کے اندر ہزاروں نہیں لاکھوں بت پرست اور غیر مسلم موجود تھے۔ مگر باوجود اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، حالانکہ حالات بھی مخالف تھے، بیرونی ممالک میں اسلام کی بنیاد ڈالی۔

دوسرا ثبوت قرآن کریم سے اس امر کا کہ عین جنگوں کے درمیان اشاعت اسلام کا کام صرف بذریعہ تبلیغ ہی ہوتا تھا۔ سورہ المائدہ کی جو آخری زمانے کی سورتوں میں سے ایک سورۃ ہے۔ یہ آیت ہے **یٰۤاَیُّھَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ.** (67:5) اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے دوسرے لوگوں تک پہنچا دو۔ اور اگر ایسا نہ کرو گے تو گویا تم نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا ہی نہیں۔ اور اللہ تم کو لوگوں کی شرارتوں سے بچائے گا۔ اب دیکھو اس سورۃ میں جو آپ کے آخری زمانہ کی ہے وہی حکم موجود ہے جو پہلے تھا۔ یعنی یہاں بھی آپ کا اصل مقصد تبلیغ ہی قرار دیا ہے۔ درحقیقت اس قسم کی آیات سے قرآن کریم کی مکی اور مدنی سورتیں دونوں یکساں بھری پڑی ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت دین بذریعہ تبلیغ ہوتی تھی۔ پس اب بھی دینی سلسلہ کا غلبہ اگر دوسرے ادیان پر ہوسکتا ہے۔ تو وہ بذریعہ تبلیغ ہی ہوسکتا ہے۔ اور سب خیالات کو چھوڑ کر یہی راہ مسلمانوں کو اختیار کرنی چاہیئے۔ ہاں! اس زمانہ کی تبلیغ کی کیا کیا ضروریات ہیں اور کس طرح پر تبلیغ ہو سکتی ہے؟ یہ ایک علیحدہ مضمون ہے۔ (جاری)

11اگست1914ء

اشاعت اسلام۔6

انتظام اشاعت

(از حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو شروع سے ہی سب لوگوں کو اپنی طرف بلاتا رہا ہے اور کسی قوم یا کسی زمانہ یا کسی ملک کے لوگ اس کے پیغام حق سے مستثنٰی نہیں رہے۔عرب اور عجم کو اس نے یکساں مدعو کیا۔اور اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اس مقدس پیغامبر کو جس نے اسے دنیا میں قائم کرنا تھا، یہ حکم ہوتا ہے **قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا** (158:7) یعنی تمام دنیا کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہہ دو کہ میں کسی خاص قوم کا رسول نہیں۔ بلکہ اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور پھر ارشاد الٰہی اور بھی اس کی توضیح کرتا ہوا فرماتا ہے **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ** (28:34) بلکہ تمام لوگوں کے ہاں کُل کے کُل لوگوں کے لئے بھیجا ہے اور اسی کے ہم معنی یہ آیت بھی ہے **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ** (107:21) اور ہم نے تم کو تمام جہانوں اور تمام قوموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔اسی رحمت کی خبر سب دنیا کو کرنا شاعت اسلام ہے۔

ابتدا میں اس مقدس پیغام کے پہنچانے والے صرف ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔آپ کی تو گویا غذا ہی دعوت اسلام تھی کچھ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا۔گو وہ بھی اس مقدس کام میں شریک تھے۔ بالخصوص حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ جنہوں نے اسلام کی اشاعت میں اپنا سارا مال اور اپنی ساری طاقت خرچ کر دی۔مگر اصل بوجھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی تھا۔آپ کی زندگی مبلغین کے لئے ایسا ایک نمونہ ہے کہ جس سے بہتر نمونہ دنیا میں کوئی نہیں ملتا۔ ہر ایک قسم کے دکھ اور مصیبت اٹھا کر آپ نے اس پاک پیغام کو ایک ایک مکہ کے رہنے والے تک پہنچانا چاہا۔کبھی سب کو اکٹھا کر کے یہ پیغام پہنچایا۔تو کبھی ہر ایک کے گھر پہنچ کر اس کا اعادہ کیا۔تاکہ اگر مجمع میں کوئی حجاب مانع ہوا ہو تو علیحدگی میں ہی کوئی سن لے **ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُھُمْ جِھَارًا ثُمَّ اِنِّیْٓ**

اَعْلَنْتُ لَھُمْ وَاَسْرَرْتُ لَھُمْ اِسْرَارًا (71:8-9) صرف حضرت نوحؑ کے لئے نہیں بلکہ اصل مطلب تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا ذکر کرنا ہی ہے۔ حج کے موقعہ پر جب عرب کی کُل قومیں مکہ معظّمہ میں جمع ہوتی تھیں۔ آپ بالخصوص ایک ایک قوم کے پاس پہنچتے اور آخر مدینہ کی کچھ سعید طبائع تک یہ پیغام پہنچا۔ جہاں آپ نے ایک خاص مبلغ اپنے صحابہ میں سے بھیج دیا۔ اور ایک سال کے اندر اندر اس قدر تبلیغ اسلام کی ہوئی کہ مدینہ میں مشرکوں کا کوئی گھر نہ رہا۔ جس میں کچھ نہ کچھ اسلام کا چرچا نہ ہوگیا ہو۔ اور اسی جگہ پھر آہستہ آہستہ وہ سامان پیدا ہوگئے جن کے ذریعہ اسلام کا پاک پیغام نہ صرف عرب کے کناروں تک پہنچ گیا۔ بلکہ بیرونی ممالک میں بھی پہنچا دیا گیا۔

یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی کوششیں تھیں۔ اور ان کوششوں کی ایک مجمل سی تصویر قرآن کریم کے ان الفاظ سے آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (3:26) کیا تم اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کردو گے کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔ درحقیقت یہی سچا کفارہ ہے کہ ایک قوم کا پیشترو اس قوم کی بہتری کے لئے اپنے آپ پر ہر ایک قسم کے دکھ اور مصیبتیں اٹھاتا ہے۔ اور ہر ممکن راہ سے کوشش کرتا ہے کہ ان کے اعمال اور عقائد درست ہو جائیں۔ وہ ذلت اور دکھ سے نکل کر عزت اور آرام کو حاصل کریں۔ یہ کوئی کفارہ نہیں کہ ایک شخص خواہ مخواہ خودکشی یا اس کے قریب قریب کسی فعل کا مرتکب ہو جائے اور اس پر ایمان لانے والے فرضی طور پر چھوٹ جائیں۔ تب تو وہ بیمار کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ جو اس بیمار کی بہتری کے لئے اور اسے مناسب طریقوں سے دوائی وغیرہ پہنچانے کے لئے اپنی جان ہر ایک دکھ برداشت کرے۔ مگر اس کے علاج میں کوتاہی نہ کرے۔ نہ وہ جو یہ دیکھ کر کہ بیمار دوائی پینے سے انکار کرتا ہے۔ اپنا ہی سر پھوڑے۔ تو غرض ابتدائے اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانباز صحابہؓ سب کے سب ہی دین اسلام کے مبلغ تھے۔ لیکن جوں جوں اسلام نے ترقی کی یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ کُل کے کُل ایک ہی کام میں لگ جائیں۔ اور قرآن کریم جیسی کامل کتاب کا اس ضروری مسئلہ پر روشنی ڈالنا سب سے پہلا فرض تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کامل یقین کے ساتھ، کہ اسلام دنیا میں ایک عظیم الشان طاقت ہوگی، اس مذہب کو لوگوں تک پہنچایا۔ اور جس پر ایک سلطنت کی حفاظت کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ایک خاص حصہ قوم کا اس سلطنت کی حفاظت میں اور اس کے بڑھانے میں اپنی جانوں تک قربان کرنے کو تیار ہو۔ اسی طرح پر یہ ضروری تھا کہ آئندہ زمانہ میں اسلام کی حفاظت اور

اشاعت کے لئے کوئی انتظام کیا جاتا۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کو جہاں ایک کامیاب قوم اور زندہ قوم رہنے کے اصول بتائے ہیں۔ وہاں ان تینوں اصولوں کا ایک جگہ ذکر فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ . وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (3:102-104) ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ (یا اس کے عذاب سے بچو جیسا کہ بچنے کا حق ہے) اور تم پر موت آئے تو ایسی حالت میں آئے کہ تم کامل فرمانبردار ہو۔ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو۔ اور تفرقہ نہ کریو۔ اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے الفت ڈال دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم اس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے (جس نے تم کو جلا کر راکھ کر دیا ہوتا۔ اور قوموں میں سے تمہارا نام ونشان مٹا دیا ہوتا) پھر اللہ نے ہی اس سے تم کو بچایا۔ اس طرح اللہ اپنے احکام تم کو کھول کر سناتا ہے۔ تاکہ تم سیدھے راہ پر چلو۔ اور تم میں ایک ایسا گروہ موجود رہا کرے جس کا کام یہ ہو کہ وہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتا رہا کرے اور انہیں اچھے کام کرنے کے لئے کہتا رہے اور بُرے کاموں سے روکتا رہے۔ اور یہی تو وہ ہیں جو کامیاب ہوں گے۔‘‘

ان تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان قوم کو کامیابی کے تین اصول بتائے ہیں۔ اور ایک ایک آیت میں ایک ایک اصول کا ذکر فرمایا ہے۔ سب سے پہلی آیت میں تو کامیابی کے لئے یہ اصول ضروری قرار دیا ہے کہ تم ہمیشہ ہر ایک قسم کی برائی کے کام سے بچتے رہنا۔ اور ان امور سے، جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کو لانے والے ہیں، ایسی احتیاط کرنا جیسا کہ حق احتیاط ہے۔ اور یہ کامل تقویٰ کی راہ تمہیں اسی صورت میں مل سکتی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری اختیار کرو۔ اور اس کی فرمانبرداری کے مقابلہ میں اور کسی چیز کی پروا نہ کرو۔ کسی کا خوف اور کسی

کی محبت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں تمہارے لئے روک نہ ہو۔ یہ پہلا گُر کامیابی کا ہے۔

پھر فرمایا کہ دوسرا گُر کامیابی کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس رسّے کو، جو اس نے تمہیں دیا ہے، سب اسے اکٹھے ہو کر مضبوط پکڑے رکھنا۔ یہاں اس جدوجہد کو، جو ایک قوم کو اپنی زندگی کے لئے کرنی پڑتی ہے، سرکشی سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح رسہ کشی میں دو فریق ہوتے ہیں۔ ایک ایک طرف پورا زور لگاتا ہے۔ دوسرا دوسری طرف پورا زور لگاتا ہے۔ لیکن اگر ایک ہی فریق میں اختلاف ہو جائے کہ اپنے ہی آدمی مخالف طرف کو رسہ کھینچنا شروع کر دیں۔ یا زور نہ لگائیں تو نتیجہ کیا ہو گا کہ رسّہ اس فریق کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ پس یہ جو احکام الٰہی تم کو دنیا میں پہنچانے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ تم ایک گروہ ہو جو کہ ان کے پہنچانے کے لئے زور لگانے والے ہو۔ اور تمہارے بالمقابل ایک اور گروہ ہے جو تمہاری مخالفت میں پورا زور لگائے گا۔ پس اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو تو اس معاملہ میں تم سب مل کر اور ایک ہو کر رہنا۔ ورنہ اگر تمہارے اپنے اندر ہی اس رسّہ کے کھینچنے میں اختلاف شروع ہو گیا کہ ایک کسی طرف کو کھینچ رہا ہے، دوسرا کسی طرف کو۔ تو پھر یاد رکھو کہ تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہی تمہارا نتیجہ ہو گا جو اس صورت میں عرب کا ہوتا۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے کہ آپس کے اختلافوں اور خانہ جنگیوں سے قریب تھا کہ وہ اس طرح تباہ ہو جاتے۔ جیسے آگ سے جل کر کوئی چیز تباہ ہو جاتی ہے کہ اس کا کچھ باقی نہیں رہتا۔ مگر ان دو اصولوں کے ساتھ وہ تیسرا اصول جو کامیابی کا اصل مدار ہے اور جس کے ساتھ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا وعدہ وابستہ کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایک گروہ ہمیشہ ایسا موجود رہے۔ جن کا کام ہی یہ ہو کہ وہ لوگوں کو اس کامل بھلائی کی طرف بلائیں۔ جس کا نام اسلام ہے۔ یا جو تعلیم قرآن کریم میں تم کو دی گئی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ ھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ. (105:3) کہ اہل کتاب کے منکر اور مشرک لوگ کب پسند کرتے ہیں کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی چیز نازل کی جائے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر لیتا ہے۔ یہاں خیر اور رحمت دونوں سے درحقیقت وحی الٰہی ہی مراد ہے۔

تو پس قرآن کریم یہ فرماتا ہے کہ تیسرا اصول تمہاری کامیابی کا یہ ہے کہ تم میں ایک گروہ ہمیشہ موجود رہنا چاہئے۔ جو اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت کرتے رہیں اور قرآن کریم ان کے سامنے پیش کرتے رہیں۔ اور پھر

اپنے لوگوں کو بھی وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں۔یعنی ہر ایک اچھے کام کی ان کو تاکید کرتے رہیں اور ہر ایک برائی کے کام سے روکتے رہیں۔اور آخر پر فرمایا کہ یہی تو کامیاب ہونے والے ہیں۔کامیابی کا خاص وعدہ اس گروہ کو عطا فرمانے سے ان کی عظمت کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ درحقیقت انہی سے قوم کی زندگی وابستہ ہے اور انہی پر ہر ایک کامیابی کا مدار ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبلیغ کا کام کرنے والے ہیں۔اور اس طرح پر نائب الرسول کہلانے کے مستحق ہیں۔اور یہ بات بالکل سچی ہے۔اس طرح ایک ملک کی حفاظت اور طاقت اور کامیابی کا معیار اس کے مبلغین کے گروہ پر رکھا ہے۔

یہ بھی یادرکھنے کے قابل بات ہے کہ یہاں دعوت الی الاسلام اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام کو اکٹھا بیان کیا ہے۔اور درحقیقت اس سارے کام کی نوعیت ایک ہی ہے۔اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب سے مسلمانوں نے دعوت الی الاسلام کے کام کو چھوڑ دیا ہے۔اسی وقت سے آہستہ آہستہ قوم کے اندر بھی امر بالعروف اور نہی عن المنکر کا کام کمزور ہوتا گیا۔یہاں تک کہ اب قریباً قریباً دونوں کام مفقود ہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ ان دونوں کاموں کا اہل تو درحقیقت ایک ہی گروہ ہے۔اگر وہ موجود رہتا تو دونوں کام ہوتے رہتے۔جب وہ مفقود ہوا تو اس کے ساتھ دونوں کام بھی گئے۔

یہ آیات جو میں نے اوپر بیان کیں سورۃ آل عمران کی ہیں۔اور یہ سورۃ مدینہ منورہ میں عین جنگوں کے اندر نازل ہوئی۔چنانچہ اسی سورۃ میں آگے چل کر جنگ احد کے واقعات کا ذکر بھی ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین جنگوں کے اندر بھی جب ایک دنیوی لیڈر کو سوائے اپنی جنگوں کے اہتمام کے اور کوئی فکر نہ ہوسکتا تھا، کس طرح اللہ تعالیٰ اشاعت وحفاظت اسلام کے لئے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ہدایتیں دیتا رہا۔تا کہ انہیں معلوم رہے کہ اصل کام یہ ہے اور لڑائیاں صرف ایک عارضی امر ہے۔اس سے بھی بڑھ کر اس قسم کا حکم سورہ التوبہ میں پایا جاتا ہے۔جب ملکی رنگ میں اسلام پورا غالب ہو چکا تھا۔اور اس کی سلطنت عرب میں مضبوط ہو چکی تھی۔اس وقت بھی ملکی حفاظت کا فکر نہیں۔بلکہ دین کی اشاعت اور حفاظت کا فکر ہے۔فرمایا وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (122:9) یعنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کُل کے کُل مومن گدائی سے نکل پڑیں۔تو پھر مناسب

صورت یہی ہے کہ ہر ایک فرقہ میں سے ایک گروہ نکل پڑے۔تا کہ وہ دین کے معاملہ میں خوب سمجھ حاصل کریں۔ (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہؓ سے دین کو سیکھیں اور اس میں تفقہ کریں) اور پھر جب لوٹ کر جائیں تو اپنی قوم کو ڈرائیں تا کہ وہ بچ جائیں۔اب اس آیت میں بھی اسی انتظام کی طرف توجہ دلائی ہے۔جس کی طرف سورہ آل عمران کی آیات میں دلائی ہے۔یہاں فرماتا ہے کہ اب جب مسلمان زیادہ ہو گئے ہیں اور طرح طرح کے مشاغل بھی ان کے ہیں۔تو یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب ہی اشاعتِ دین کے لئے گھروں سے نکل پڑیں۔گویا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ابتدا میں جب مسلمان تھوڑے تھے تو اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔لیکن اب جب سب کام مسلمانوں نے ہی سرانجام دینے ہیں۔تو اب حفاظت و اشاعت مذہب کے لئے بھی ایک گروہ ہونا چاہئیے۔اور وہ اس طرح پر ہو کہ ہر ایک قوم اور گروہ میں سے کچھ آدمی اس کام کے لئے خاص ہو جائیں۔اور سب سے پہلے وہ یہ کام کریں کہ تفقہ فی الدین کریں۔یعنی خود دین کو سیکھیں۔اور اس پر اچھی طرح غور کریں۔پھر جب وہ اس قابل ہو جائیں تو واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرائیں۔اپنی قوم سے یہ ضروری طور پر مراد نہیں کہ وہ مسلمان ہی ہوں۔بلکہ اپنی قوم کے لفظ میں کافر بھی آجاتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذَا قُوْمُکَ مِنْهُ یَصِدُّوْنَ (57:43) اور اسی طرح ان لوگوں کو جن کی طرف نبی بھیجے گئے۔ان نبیوں کی قوم ہی کہا گیا ہے۔پس ان کو ڈرانے سے مراد انہیں اسلام کی طرف بلانا ہے۔اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو بدیوں کے نتائج سے ڈرانا بھی شامل ہو۔بہر حال یہاں بھی یہی ضروری قرار دیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسا انتظام اپنے اندر رکھنا چاہئیے کہ ایک گروہ ان میں سے ایک خاص غرض کے لئے مخصوص ہو کہ وہ دین میں سمجھ پیدا کر کے اس دین کی طرف دوسرے لوگوں کو بلائیں۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ قوم جس کو صاف طور پر بتایا گیا تھا کہ ان کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے اندر ایک گروہ دعوت الی الاسلام کے لئے موجود رہے۔جنہیں صاف الفاظ میں یہ انتظام سمجھا دیا گیا تھا کہ اس گروہ کے لئے ایسا انتظام ہونا چاہئیے کہ وہ پہلے خود دین میں سمجھ پیدا کر لیا کریں تا کہ دوسرے لوگوں کو سمجھا سکیں۔وہ آج ان تمام صفات سے ایسی عاری ہے کہ گویا یہ تعلیم ہی ان کی کتاب میں موجود نہیں۔یا اگر ہے تو وہ کسی اور قوم کے عمل کے لئے ہے۔اور درحقیقت دوسری قوموں نے اس تعلیم سے فائدہ اٹھایا۔انہوں

نے تبلیغی کالج قائم کئے۔ جہاں وہ ان مبلغین کو تیار کرتے ہیں، جنہوں نے باہر جا کر تبلیغ کا کام کرنا ہوتا ہے۔ مگر وہ قوم جس کی کتاب میں یہ تعلیم موجود ہے۔ ان کے اندر نہ مبلغین کا وجود نہ مبلغین کو پیدا کرنے کا انتظام موجود۔ یاد رکھو کہ دین میں تفقہ سے یہ مراد نہیں کہ ان کو کچھ منطق اور کچھ فلسفہ اور کچھ مقامات اور کچھ دیوان پڑھا دیئے جائیں۔ بلکہ دین کا تفقہ آج اپنے اندر اور رنگ رکھتا ہے۔ جس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسری جگہ کروں گا۔ (جاری بہ تاریخ 18 اگست 1914ء)

16 اگست 1914ء

''کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کُشتیاں''

(از حضرت امیر مجدالدین مولینا محمد علی صاحب۔ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

پیشگوئی سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہیں۔اور درحقیقت پیشگوئی ایک ایسا معجزہ ہے۔جو اگر ایک طرف باری تعالیٰ کی ہستی پر سب دلائل سے مضبوط تر دلیل ہے۔تو دوسری طرف ان تمام اعتراضات سے بھی پاک ہے۔جو دوسری قسم کے معجزات پر کئے جاتے ہیں۔اور یہ معجزہ جس قوت اور شان کے ساتھ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔اس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں اور ان لوگوں کے لئے، جو معجزات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں ایک یہی شہادت آپ کے معجزات کی کافی ہے۔پیشگوئی اللہ تعالیٰ کی ہستی پر تو اس لئے سب شہادتوں سے بڑی شہادت ہے کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی دو صفات کا کامل ظہور ہوتا ہے۔ایک اللہ تعالیٰ کا علم کامل اور دوسرے اس کی قدرت کاملہ۔

اللہ تعالیٰ کا علم کامل، جو انسان کے علم سے وراء الورا ہے، اس طرح پیشگوئی کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے کہ آئندہ کا علم جس کے متعلق انسان محض عاجز ہے، پیشگوئی کے ذریعہ سے ایک ایسے وقت میں ظاہر کیا جاتا ہے جب قرائن بالکل اس کے خلاف نتیجہ پر لے جانے والے ہوتے ہیں۔اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ اٹکل بازی یا قرائن سے آئندہ کا کوئی نتیجہ نکالنے اور اس پیش گوئی میں جو منجانب اللہ ہو فرق ہی یہی ہے کہ پیش گوئی جس امر کا اظہار کرتی ہے۔وہ ان قرائن کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔جو پیش گوئی کرنے کے وقت دانا سے دانا آدمی اور فہیم سے فہیم انسان کے لئے موجود ہوں۔اور اسی لئے پیشگوئی پوری ہو کر اللہ تعالیٰ کے کامل علم پر ایک بین شہادت ٹھہرتی ہے۔اور یا وہ ایک ایسے امر کا علم دیتی ہے۔جس کے لئے قرائن کوئی بھی موجود نہ ہوں اور وہ امر محض غیب ہو۔

جب تک پیشگوئی میں ان دونوں صورتوں میں سے ایک صورت نہ پائی جاتی ہو۔اس وقت تک وہ اللہ

تعالیٰ کی ہستی پر ایک زبردست شہادت نہیں ہوسکتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ظہور پیشگوئی میں اس طرح پر ہوتا ہے کہ بعض اوقات پیشگوئی ایک ایسے امر کے متعلق ہوتی ہے جس کا واقع ہونا انسانی طاقت سے بالاتر ہوتا ہے۔ ہاں! ان دونوں امور کے اظہار کے لئے ایک اور ضرورت یہ ہوتی ہے کہ ایسی پیشگوئی قبل از وقت شائع ہو جائے۔ تاکہ عام لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ کوئی پیشگوئی کی گئی ہے۔ ورنہ پیشگوئی کے لئے یہ کافی نہیں کہ کوئی شخص کہہ دے کہ آج جو یہ واقعہ ہوا ہے۔ تو فلاں وقت میں نے بھی ایک خواب دیکھا تھا کہ ایسا ہوگا اور وہ خواب میں نے اپنے فلاں دوست کو سنایا بھی تھا۔ وہ عظیم الشان پیشگوئیاں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت اس کے خاص برگزیدوں کے ذریعہ دنیا میں دیا جاتا ہے۔ ضروری ہے کہ صفت سے بھی متصف ہوں۔ اس کی دلیل صرف یہی ہمارے ہاتھ میں نہیں کہ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ پرشوکت پیشگوئیاں اپنے اندر لئے ہوئے معاً تحریر میں لاکر شائع کر دیا جاتا تھا۔ بلکہ قرآن کریم کا کفار کو یہ خطاب کرنا اَمْ عِنْدَ هُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ (41:52) کہ اگر ان کے پاس کوئی غیب کا علم ہے۔ جیسا کہ ان کے منجم اور کاہن ملاء اعلیٰ سے سن لینے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو اسے وہ لکھ کر شائع کیوں نہیں کرتے۔ صاف بتاتا ہے کہ قرآن کریم نے لکھ کر شائع کرنے کو پیشگوئی کے ثبوت کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس قسم کی پیشگوئیوں کا ایک ایسا پرشوکت نقشہ پیش کرتی ہے کہ جس پر اجمالاً کچھ لکھنے کے لئے بھی ہزارہا صفحات چاہئیں۔ آپ کی ابتدائی زندگی مکہ میں ایک ایسی بیکسی کی زندگی ہے کہ ابتدا میں تو کفار کو آپ کے مقابلہ کا بھی خیال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی شاعر کہہ کر کبھی مجنوں نام رکھ کر کبھی خواب بین یعنی کاہن سمجھ کر، یونہی ہنس کر ٹال دیتے ہیں۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ مقابلہ کے لئے بھی کچھ نہ کچھ طاقت اپنے مخالف میں چاہتا ہے۔ اور وہ کبھی ایسے شخص کا مقابلہ پسند نہیں کرتا جس میں یہ طاقت ہی نہ ہو کہ وہ اپنے حریف کو کچھ دکھ پہنچا سکے۔ کون شخص ہے جو ایک چیونٹی کو مسلنے کے لئے اپنا حریف بنائے گا۔

سو ابتدا میں قریشِ مکہ وہ زبردست اور جنگجو قوم جس کے بچوں کی پرورش ہی تلواروں کے سایہ میں ہوتی تھی۔ وہ ایک واعظ کی کیا حقیقت سمجھتے تھے۔ اس لئے شروع شروع میں یوں ہی کہہ کر ٹال دیا کرتے تھے۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَ بَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْن (29:52) یعنی اس کی حقیقت اور حیثیت ہی کیا ہے۔ یونہی

شاعروں کی طرح کچھ باتیں جوڑ جاڑ لیتا ہے اور ہم اس کو اپنا مدمقابل کیا سمجھیں! ہم خوب جانتے ہیں کہ یوں ہی زمانہ کی گردش سے ہلاک ہو جائے گا۔ اس کا جو جواب کلام پاک نے دیا ہے۔ وہ بھی اپنے اندر ایک عجیب شوکت اور ہیبت کو لئے ہوئے مگر نہایت ہی مختصر اور سادہ الفاظ میں ایسا دل کش جواب ہے کہ اس کی طرف اشارہ کئے بغیر گزر جانا سوءِ ادب معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کریم کا یہ کمال ہے کہ بعض اوقات الفاظ ایسے اختیار کر لیتا ہے جن سے یہ خیال گزرتا ہے کہ الزامی جواب کے طور پر اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ یا اگر کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کہا ہے تو وہی جواب الٹا کر ان پر لگا دیتا ہے۔ حالانکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے اختیار کرنے میں ایک ایسی پر حکمت اور زبردست دلیل پیش کرتا ہے جو انسانی عقل کو متحیر کر دینے والی ہوتی ہے۔

مثلاً اسی موقعہ کو دیکھو کہ جب کفار عرب نے شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ (30:52) کہہ کر گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ ایک ایسا ذلیل انسان قرار دیا کہ آں جناب کو اپنا مدمقابل بنانا بھی پسند نہیں کیا۔ تو کیا ہی لطیف الفاظ میں فرماتا ہے قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ (30:52) اے پیغمبر تو ان کو کہہ دے کہ اگر مجھ کو تم ایسا حقیر خیال کرتے ہو۔ تو میں بھی تمہاری طاقت اور قوت کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔ جس گردش زمانہ کا تم میرے لئے انتظار کرتے ہو۔ میں اس کا انتظار تمہارے لئے کرتا ہوں۔ تمہارے تمام دنیوی طاقت کے سامانوں اور تمہارے تمام جتھوں کی میرے دل میں اس سے بھی کم وقعت ہے۔ جیسا تم مجھے کمزور اور ناقابل التفات خیال کرتے ہو۔ چلو اگر انتظار کرتے ہو تو یونہی سہی۔ تھوڑے دنوں میں پتہ لگ جائے گا کہ زمانہ کے چکر میں ہی آ کر تباہ تم ہوتے ہو یا میں ہوتا ہوں۔ مگر نعمت الٰہی کا کافر اپنی بات پر قائم کب رہ سکتا ہے۔ ابھی تو کہہ رہے تھے کہ یہ چیز ہی کیا ہے۔ یونہی ہلاک ہو جائے گا۔ ابھی لگے مخفی اور کھلی تیاریاں آپ کی ہلاکت کے لئے کرنے اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا (41:52) یعنی اب تمہاری ہلاکت کے لئے تدبیریں کر رہے ہیں فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ (41:52) یہ کافر خود ہی ان تدبیروں سے ہلاک ہوں گے۔ چنانچہ جو جو تدبیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کے لئے، کی خود اسی کا شکار ہوئے، اور سب سے آخری اور زبردست تدبیر جنگ خود ان کی آخری تباہی اور ہلاکت کا مکمل سامان بن گئی۔

میری غرض اس مثال کے بیان کرنے سے صرف یہ ہے کہ کس طرح قرآن کریم کا ایک ایک لفظ اس قسم

کے عظیم الشان پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے۔جس کا ذکر میں نے ابھی کیا۔علم ایسا کامل علم جس کا ظہور ہوتا ہے کہ انسان کا قیاس تو کیا وہم وگمان بھی ادھر نہیں جا سکتا کہ وہ بیکس انسان جس کو مقابلہ کے لئے بھی قابل التفات نہیں سمجھا جاتا۔کبھی وہ ساری کی ساری جنگجو قوم اس کے سامنے اس طرح پر گردنیں جھکا دیں گی۔جس طرح ایک ذلیل سے ذلیل غلام ایک شہنشاہ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے۔ خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ (43:68) آنکھیں شرم کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی۔ذلت کی مار کے نیچے ایسے ہوں گے کہ گویا عزت کبھی دیکھی ہی نہ تھی۔پھر اگر ایک طرف کامل علم کا ظہور ہوتا ہے۔تو کیا دوسری طرف کوئی دنیوی طاقت ایسی ہے جو اس فوق الفوق طاقت کے مقابلہ میں کچھ حیثیت رکھتی ہو۔جو ایک طرف ایک اکیلے انسان کو جو دنیوی سامانوں سے کچھ بھی بہرہ نہ رکھتا ہو۔ایک عظیم الشان شہنشاہ بنا دے۔اور دوسری طرف ایک ساری کی ساری جنگجو طاقتور قوم کو جس نے کبھی ایک شخص کے آگے سر نہیں جھکایا اور جو ایک ملک میں صدیوں سے حاکم اور متمکن چلی آتی ہے۔ایک کمزور اکیلے انسان کے آگے جھکا دے۔

ہاں! یہ صرف اطاعت اور فرمانروائی کا تغیر ہی نہیں۔بلکہ اس قوم کے صدیوں کے اعتقادات صدیوں کی عادات صدیوں کی رسومات،صدیوں کے کُل کے کُل خیالات کی ایک ایسی بے نظیر تبدیلی ہے۔جس کی نظیر نہ دنیا کی کسی قوم میں آج تک ہمیں ملتی ہے۔اور نہ آئندہ ملنے کی توقع ہے۔جس کا صحیح نقشہ سوائے ان الفاظ کے اور کوئی لفظ کھینچ ہی نہیں سکتا۔جن میں قرآن کریم نے پہلی ہی پیشگوئی کے رنگ میں کھینچ دیا تھا۔ یَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ وَالسَّمٰوَاتُ وَبَرَزُوۡا لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ (48:14) یہ نہیں کہ ہم ایک عاجز محکوم کو حاکم اور زبردست حاکموں کو محکوم بنا کر بس کریں گے۔بلکہ تمہاری ایسی کایا پلٹ کر رکھ دیں گے کہ نہ وہ ملک عرب کی زمین،زمین ہی رہے گی اور نہ وہ آسمان آسمان ہی رہے گا۔بلکہ پاؤں سے لے کر سر تک نقشہ بدل دیا جائے گا۔اور وہ جو ہزار ہا سال سے اپنی بت پرستی پر فخر کرتے چلے آئے ہیں اور وہ جن پر نہ یہود کے نبیوںؑ کی تعلیم کا کچھ اثر ہوا اور نہ نصاریٰ کی کوششوں نے کچھ کام کیا۔وہ ایک خدائے واحد کے فرمانبردار اور اس فرمانبرداری کے ذریعہ اسی خدائے واحد کے پہلوان بن کر دنیا میں نکل پڑیں گے اور دکھا دیں گے کہ خدائی طاقت ایسی تبدیلی پیدا کر سکتی ہے۔

غرض یہ تو گزشتہ زمانہ کا ایک نقشہ ہے۔جس پر مرورِ زمانہ کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ نہ وہ دوسرے معجزات کی طرح گواہوں کے مر جانے سے قصہ اور کہانی بن سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی شہادت اسی کا قبل از وقت لکھا ہوا ہونا موجود ہے۔مگر اس سے بھی زبردست ایک خصوصیت پیشگوئی کی یہ ہے کہ پیشگوئیاں سینکڑوں سال بعد ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی پیشگوئیاں آئندہ کے متعلق ایسی پوری ہوتی رہیں کہ اس زمانہ میں لوگوں نے اس بات کو محسوس کیا۔ان پیشگوئیاں کا اور ان کے پورا ہونے کا ذکر کیا۔اور قرآن کریم کو تو میں اس قدر آئندہ پیشگوئیوں سے بھرا ہوا پاتا ہوں کہ اسلام کی ساری تاریخ مجھے اس کے اوراق کے اندر لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ برگزیدہ، سیّدہ، مطہرہ، واقعی صدیقہ (حضرت عائشہؓ) تھی۔ جو ایک طرف قرآن کریم پر تدبر کر کے اور دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو کامل طور پر دیکھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچیں کہ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ ۔ لیکن آج اگر مسلمان قرآن کریم پر غور کریں۔تو ایک موٹی نظر سے بھی وہ اسلام کی تاریخ کو قرآن کریم کے اندر موجود پائیں گے۔جس طرح ان کے لئے گرنا مقدر تھا۔وہ بھی پیش از وقت ان کو بتا دیا گیا تھا۔اور جس طرح پر اب ان کے لئے اٹھنا مقدر ہے۔ وہ بھی اس پُر حکمت کلام میں موجود ہے۔ یہ تو ایک علیحدہ اور لمبا مضمون ہے۔ میری منشاء صرف اس قدر ہے کہ اصل میں پیشگوئی کی عظمت بھی اسی قدر زیادہ ہوتی ہے۔جس قدر زمانہ طویل ہوکر اور بھی اس کے پورا ہونے کی مشکلات کو بڑھا دے۔

یورپ پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ امن پسندی اور صلح جوئی کے خیالات اس کے تمام خیالات پر غالب آ گئے تھے۔اسی زمانہ میں انگلستان اور روس جیسی دو سلطنتیں، جو مدت ہائے دراز سے ایک دوسرے کی دشمن چلی آتی تھیں، ایک ہوگئیں۔اسی زمانہ میں صلح کی کانفرسوں کی عظمت دلوں میں بڑھنے لگی اور ملک کے اخباروں اور رسالوں میں صدائے صلح ایسی ہم آہنگی سے بلند ہوئی۔جس کی نظیر پہلے زمانہ میں نہیں ملتی۔اور یورپ کے پولیٹیکل خیالات سوائے تھوڑی تھوڑی ملک گیری کی آرزو کے جو وہاں بھی مطمع نظر ایک دوسرے کے مقبوضات میں تھے۔ بلکہ ترکوں اور مسلمانوں کی یورپ میں غیر موزوں نیت کا سوال بار بار مدبرین کو دق کرتا تھا۔ایک ایسے پرامن سمندر کی طرح تھے۔جس میں گویا تموج کا نام ونشان باقی نہ رہا تھا۔

بالخصوص ہمارے شہنشاہ موجودہ کے پیشرو شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم نے اپنی تھوڑی سی ایام حکومت کے اندر

اس قدر کوشش یورپ میں صلح اور امن قائم رکھنے کے لئے کی کہ Peace Maker کا شاندار لقب آپ کے لئے گویا مخصوص ہو گیا۔ عین انہی ایام میں جب صلح اور امن کی آواز یورپ کے اندر گونج رہی تھی۔ ایشیا کے ایک برگزیدہ کے قلب پر اللہ تعالیٰ نے وہ الفاظ اتارے۔ جو اس مضمون کے عنوان میں درج ہیں۔ ''کِشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کُشتیاں''۔ یہ کیسی عجیب آزادی ہے! لوگ تو کہتے ہیں کہ زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔ مگر جب سب طرف سب لوگوں میں صلح کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے۔ تو یہ اجنبی آواز کہاں سے آئی! اور کہاں تک قابل اعتبار ہے۔ یورپ تو وہ جگہ ہے کہ جو آواز وہاں سے اٹھے وہی قابل اعتماد ہے۔ نہ صرف اس کی حکومت قہری نے لوگوں کی گردنوں کو جھکایا ہوا ہے۔ بلکہ اسی کے خیالات بھی دلوں پر مستولی ہو رہے ہیں۔ پھر جب یورپ میں صدائے صلح ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونج رہی ہے۔ اور نہ صرف وہ نری آواز ہی آواز ہے۔ بلکہ عملی رنگ میں بھی ایسی مضبوطی پکڑتی جاتی ہے کہ اب اس صدائے صلح کی اصلیت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ گیا۔ تو یہ کون ہے۔ جو اپنی دھیمی آواز سے صلح اور امن کے نقار خانے کی آوازوں میں مخل ہونا چاہتا ہے۔

یہ وہ خدا کی آواز ہے۔ جو کبھی کبھی وہ اپنے برگزیدوں کے ذریعے سے دنیا میں پہنچا کر دنیا کو اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ ہاں! اس دنیا کو اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ جو درحقیقت اس کے وجود سے منکر ہو چکی ہوتی ہے۔ اور مادی اسباب اور مادی ذرائع کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھی ہے۔ یہ آواز کچھ اوپری ضرور ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر اوپری نہ ہو۔ تو دنیا کی آوازوں سے متمیز کس طرح ہو۔ یہ وقت پر سنی نہیں جاتی۔ کیونکہ بظاہر لاکھوں کروڑوں انسانوں کی متفق آوازوں کے خلاف یہ کسی وقعت کے قابل نہیں سمجھی جاتی۔ مگر جب اس کا ظہور ہوتا ہے۔ تو اس وقت دنیا کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ هٰذَا مَاوَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (52:36) ہاں! گو یہ آواز پہلے سنی نہ جائے۔ مگر جس کے دل پر یہ پہلے نزول کرتی ہے۔ وہ اس کے صدق کے یقین سے ایسا بھرا ہوا ہوتا ہے کہ معاً اس کو لکھ دیتا ہے اور لکھ کر دنیا میں شائع کر دیتا ہے۔ انسان اپنے کانوں کو بند کر لیں۔ مگر خدا کے سامان اس آواز کی حفاظت کے لئے آموجود ہوتے ہیں۔

آج سے سات آٹھ سال پیشتر اس وقت کے یورپ کے حالات پر نظر کرو۔ (حضرت مرزا صاحب 1906ء میں پیشگوئی فرماتے ہیں کہ ''کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کُشتیاں''۔ آپ کی یہ پیشگوئی البدر جلد 2 شمارہ 20

مورخہ 17 مئی 1906ء صفحہ 2 اور الحکم جلد 10 شمارہ 17 مورخہ 17 مئی 1906ء صفحہ 1 پر درج ہے۔مرتب) جب ایک شخص کو کشتیاں چلتی دکھائی دیتی ہیں۔مگر نہ اس لئے کہ وہ تجارت کے سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائیں۔اور نہ اس لئے کہ ایک انسان صلح اور امن کا پیغام لے کر دوسروں تک پہنچے۔بلکہ اس لئے کہ ’’تا کُشتیاں ہوں‘‘۔وہ بڑے بڑے آہن پوش جو ڈریڈ ناٹ کے خوفناک نام سے موسوم ہیں اور جو اپنے اندر آتشبازی کا ایسا سامان رکھتے ہیں کہ منٹوں میں صدیوں کے آباد شہروں کو خاکستر کا ایک تودہ بنادیں۔

ہاں! وہ اس طاقتور ذوالجلال کے سامنے ان پرانی کشتیوں سے بڑھ کر کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ جو انسانوں نے ابتدا میں چھوٹے چھوٹے ندی نالوں کو عبور کرنے کے لئے بنائی تھیں۔اور لاکھوں انسان جو ایک دوسرے کی تباہی اور ہلاکت میں آگ برسا رہے ہوں۔اس طاقتور خدا کے سامنے دو کُشتی کرنے والے پہلوانوں کی طرح ہیں۔کیونکہ جنگ کیا ہے؟ درحقیقت قوم کی قوم سے کشتی ہے۔پھر وہ جس کے نزدیک **مَا خَلۡقُكُمۡ وَلَا بَعۡثُكُمۡ اِلَّا كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ** (28:31) ہے، اس کے سامنے قوموں کی کشتیاں قوموں کا اٹھنا، قوموں کا مرنا اور مٹ جانا ویسے ہی ہیں جیسے افراد کا۔کیونکہ اس کی سلطنت بڑی وسیع ہے۔بس اس سے قیاس کرلو کہ ایک قلم اور ایک دوات سے تم کس قدر کام کر لیتے ہو۔**وَلَوۡ اَنَّ مَا فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَةٍ اَقۡلَامٌ وَّالۡبَحۡرُ يَمُدُّهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ سَبۡعَةُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ.** (27:31) لیکن اگر وہ زمین پر خشکی کے عظیم الشان جنگلات، جن کا اندازہ بھی انسان نہیں کرسکتا۔ان کے کروڑ در کروڑ تنا ور درختوں کو کاٹ کاٹ کر قلمیں بنایا جائے۔اور وہ سمندر جو تمہاری تمام زمین کو محیط کئے ہوئے ہے۔اور جس کے اندر یہ خشکی کے براعظم اور بڑے بڑے ملک دریا کے بریتیوں کی طرح ہیں۔وہ سب بلکہ اس جیسے سات اور سمندر سیاہی بن جائیں تو خدا کی سلطنت تو اس قدر وسیع ہے کہ یہ قلمیں اور یہ سیاہی ختم ہو جائے۔مگر اس کی وسعت کا اندازہ نہ ہو سکے گا۔ایسے غالب اور حکیم خدا کے سامنے افراد کیا اور قومیں کیا وقعت رکھتی ہیں۔اسی لئے تو اس کے ساتھ ہی فرمایا **مَا خَلۡقُكُمۡ وَلَا بَعۡثُكُمۡ اِلَّا كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ** (28:31) ایسے **ذُوالۡكِبَرِ** یا **ذُوالۡجبروُتِ** کے سامنے تم دنیا کی تمام انسان کیا ہو؟ ایک اکیلے نفس کی طرح ہو۔ہاں! خدا کی لا انتہاء مخلوق میں ایک جی تم بھی ہو۔سو یہ تمہاری جنگیں، جن میں ایک قوم دوسری قوم کو مار دینا چاہتی ہے، دو پہلوانوں کی کشتی کی طرح ہیں۔جن میں سے ایک دوسرے کو پچھاڑ کر کچھ

وقت کے لئے عزت حاصل کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔

اس وقت جو جنگ یورپ میں چھڑی ہے۔ وہ ایک کُشتی نہیں بلکہ کئی کُشتیوں کا نمونہ ہے۔ کیونکہ اس میں ایک قوم نہیں۔ بلکہ یورپ کی کل قومیں ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ حتیٰ کہ ہماری امن پسند برٹش گورنمنٹ کو بھی اس جنگ میں شامل ہونا پڑا۔ کیونکہ یہ بالکل سچی بات ہے کہ اگر وہ پہلے سے مقابلہ کے لئے میدان میں نہ نکل پڑتے تو ایک دشمن، جو پہلے کسی کمزور قوم پر فتح حاصل کر چکا ہو، معلوم نہیں فتح کے نشہ میں کیا کچھ نہ کر بیٹھے! اس کی سرکوبی کا اصل موقع وہ ہے جب وہ پہلے سر اٹھائے۔ تو گویا اب یہ کُشتی یورپ تک محدود نہیں رہی۔ بلکہ برطانیہ کی شمولیت نے، جس کے مقبوضات ہر براعظم میں موجود ہیں، درحقیقت اس جنگ کو ایک عالمگیر جنگ بنا دیا ہے۔ اور اس جنگ کے لئے نہ صرف انگلستان کی، جو دنیا کی سب سے بڑی بحری طاقت ہے، کشتیاں چلیں گی بلکہ جرمن کی کشتیاں بھی حرکت میں آ گئی ہیں۔ جو 30 سال سے برابر اپنی بحری طاقت کو بڑھانے میں مصروف رہا ہے۔ اور ان سے اتر کر فرانس اور آسٹریا میں ان کی کشتیاں بھی اس جنگ کے لئے چل پڑی ہیں۔ غرضیکہ جیسا کہ ’’کشتیاں چلتی ہیں‘‘ کے الفاظ کی عمومیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ تمام دنیا کے طاقتور قوموں کی کشتیاں اس عظیم الشان جنگ کے لئے چل پڑی ہیں۔ گو یہ ہمیشہ ایک متنازعہ امر رہے گا کہ اس جنگ کی ابتدا کا الزام روس پر ہے یا جرمنی پر۔ مگر کسی پر بھی الزام ہو۔ خدائے ذوالجلال کی مصلحت بھی یہی چاہتی تھی کہ وہ عام جنگ ایک دفعہ دنیا میں ہو کر رہے۔ جس میں سب قوموں کی کشتیاں نکل پڑیں۔ اور سب ہی ایک دوسرے کی کُشتی میں لگ جائیں۔ اور خدا کا وہ کلام پورا ہو کر جو صلح اور امن کی صداؤں کے اندر اس عام جنگ کی خبر لایا تھا۔ اس کے کامل علم اور اس کی کامل قدرت کا ثبوت دنیا کی آنکھوں کے سامنے پیش کرے۔ اور اس مادی زمانہ میں اپنے وجود کو اس رنگ میں ظاہر کرے جو سب سے زیادہ مادہ پرست انسان کے دل پر مؤثر ہو۔

میں نے دیکھا ہے کہ لوگ حضرت مسیح موعود کی بہت سی پیشگوئیوں پر گھبرا جاتے ہیں کہ فلاں پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ فلاں پوری نہیں ہوئی۔ اور بعض وقت تو پیشگوئیوں کو پورا کرنے کے لئے انہیں ادھر اُدھر لگانے کی آرزو کرتے ہیں۔ لیکن حق یہی ہے کہ پیشگوئی جب پوری ہوتی ہے تو خود اس کے واقعات کے اندر ایک ایسی عظمت اور شوکت ہوتی ہے کہ دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ بنگالیوں کی دلجوئی والی پیشگوئی پر غور کرو۔ ترکوں

کے مغلوب ہونے کے بعد غالب ہونے والی پیشگوئی پر غور کرو۔ اور اب اس موجودہ جنگ کے متعلق پیشگوئی پر غور کرو۔ ان تمام کے واقعات خود ہی پیشگوئی کی صداقت کے لئے چلّا اٹھتے ہیں۔ اور کسی انسان کی شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

میں کہتا ہوں یقیناً خدا تعالیٰ نے اپنی ہستی کا ثبوت اس وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے ذریعہ دنیا میں از سرنو تازہ کیا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو اسے دیکھے مگر دیکھ کر کچھ فائدہ حاصل کرے۔ یاد رکھو کہ مسیح موعود تمہارے گناہوں کے کفارہ کے لئے نہیں آیا کہ تم اپنے اندر تبدیلی بھی پیدا نہ کرو اور اس کی جماعت میں داخل ہو کر دوسروں پر فخر کرنے لگو۔ پہلے مسیحؑ کے کفارہ نے دنیا میں کس قدر غلطی پھیلائی جواب دوسرے مسیح کو تم کفارہ بنانے کی راہیں نکالنا شروع کر دو۔ وہ صرف اس لئے آیا کہ تا تمہارا ایمان اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل اور زندہ ایمان ہو۔ اور تم وہ کام خدمت دین کے کرو جن سے یہ دنیا پر ظاہر ہو جائے کہ واقعی اس قوم نے ایک خدا نما کو پا لیا ہے۔ جو عہد اس نے تم سے لیا وہ خود اس بات پر شاہد ہے کہ اس کا مقصد کیا تھا؟ اس کا مقصد یہ تھا کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے والی ایک قوم بنائے جو اسلام کی خادم بنے۔ دنیا میں وہ دکھ اور مصائب اٹھائے جو حق کے پھیلانے والے کو اٹھانے پڑتے ہیں۔ یہ پیشگوئیاں اس غرض کے لئے نہیں کہ تم تھوڑی دیر کے لئے خوش ہو لو کہ جسے ہم نے مرشد بنایا تھا، اس کی ایک اور پیشگوئی پوری ہوگئی۔ بلکہ یہ اس لئے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے کامل علم اور اس کی کامل طاقت پر ایمان لا کر دنیا کی محبت کی آگ کو ٹھنڈا کرو اور خدا کی محبت کی آگ کو تیز کرو۔ کیونکہ یہی آگ ہے جس کے جلنے سے روشنی ملتی ہے اور دل پاک ہوتا ہے۔ خدارا! اپنی جانوں پر رحم کرو اور جو وعدہ کیا ہے اس کے ایفاء کی طرف توجہ کرو۔ خدمت اسلام کو اپنی زندگیوں کا اصل مقصد قرار دے لو۔ ورنہ کسی پیشگوئی کے پورا ہونے پر خوش ہونا یا کسی جماعت میں داخل ہو کر خوش ہو جانا۔ اس خوشی سے بڑھ کر تمہارے لئے کیا سامان مہیا کر سکتا ہے، جو ایک تماش بین، تماشہ کو دیکھ کر حاصل کر سکتا ہے!

خاکسار

محمد علی

16 اگست 1914ء

حضرت مولٰینا نورالدین اعظم کی توہین

سوالات بخدمت مرزا محمود احمد صاحب

نورالدین۔ وہ نورالدین جس کے حق میں حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ اس کو میرے ساتھ وہ مطابقت ہے جو نبض کو سانس سے ہوتی ہے۔اس کے مذہب کو حضرت صاحب کے مذہب کے ساتھ جناب کہاں تک مطابق اور موافق سمجھتے ہیں۔اور کن کن امور میں ان کے مخالف سمجھتے ہیں۔

جناب کو حضرت نورالدینؓ کے مذہب کے ساتھ کہاں تک اتفاق ہے اور کن کن امور میں اختلاف ہے۔

نوٹ

اس مقابلہ میں مسئلہ نبوت وکفر ومسئلہ اقتداءِ نماز غیر احمدیاں کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے۔ اور قطع نظر اس امر کے، کہ وہ اختلاف (اگر کچھ ہوں) جائز یا ناجائز ہیں، امور اختلافیہ پر پوری روشنی ڈالی جاوے۔ ایک محقق جام پوری۔

جواب از محمود احمد صاحب

''سب سوالات نہایت بے معنی ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف حضرت ابوبکرؓ کی نسبت اس طرح فرماتے تھے کہ فلاں بات میں جانتا ہوں اور حضرت ابوبکرؓ وہاں موجود بھی نہ ہوتے تھے۔دوسری طرف مسائل میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا اس میں اختلاف ہوتا ہے۔اور ہم کبھی کسی کی اور کبھی کسی کی بات مانتے ہیں۔جس شخص نے یہ سوال کیا ہے۔کیا وہ خلافت کے متعلق حضرت سے اتفاق رکھتا ہے۔کفر کے متعلق جو کچھ میں نے شائع کیا وہ آپ کو دکھا کر شائع کیا۔آپ کی اصلاح اب تک میرے پاس موجود ہے۔نماز

کے متعلق جو آپ نے حکم دیا، وہ حضرت صاحب کے فتوٰی کے علم کے بغیر دیا ہے۔ مسیح موعود کا صاف فتوٰی موجود ہے۔ چونکہ آپ فوراً ہی سخت بیمار ہو گئے۔ آپ کو وہ فتوٰی دکھایا نہ جا سکا۔ حضرت مسیح موعود کے صریح فتوٰی کے بعد کسی اور فتوٰی کی ضرورت نہیں۔ یہ ایسے سوال ہیں جیسے بدعتی اہل حدیث پر کیا کرتے ہیں کہ امام صاحب، عالم و نیک تھے کہ نہیں۔ اگر نیک تھے تو......اور عالم تھے تو وہ اچھا...... سکتے ہیں۔ اس لئے معترض کو کہہ دیں کہ وہ صحابہ کے حالات سے بالکل ناواقف معلوم ہوتا ہے۔

دستخط

مرزا محمود احمد

(خالی جگہ پڑھی نہیں جاتی۔ مرتب)

18 اگست 1914ء

اشاعت اسلام۔7

دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی ضرورت

(از حضرت امیر مولینا محمد علی۔ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

اشاعت اسلام کے لئے ضرورت ہے مبلغین کی۔اور مبلغین کا گروہ دراصل قائم مقام ہے ایک ملک کے لئے محافظ فوج کے۔پس ایک مبلغ کی ضروریات کا قیاس ہم ایک سپاہی کی ضروریات پر کر سکتے ہیں۔کوئی سپاہی اپنے ملک کے لئے مفید کام نہیں کرسکتا۔جب تک سب سے پہلے اس میں یہ روح موجود نہ ہو کہ اپنے ملک کے فائدے کے لئے وہ اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرات میں ڈالنے کے لئے تیار ہو اور ہر قسم کا دکھ اور مصیبت اٹھانے کے لئے یہاں تک کہ اپنی جان تک دے دینے کے لئے حاضر ہو۔اور دوسری ضرورت اس کی یہ ہے کہ وہ ضروری ہتھیاروں سے مسلح ہو۔اور ہر قسم کا سامان،جس کے ذریعہ سے وہ دشمن پر غالب آ سکتا ہے،اس کے پاس موجود ہو ہتھیار۔اور سامان کو میں نے دوسرے درجہ پر رکھا ہے۔اس لئے کہ اگر ایک شخص کے پاس ہتھیار اور سامان موجود ہیں۔اور ان کے استعمال کو بھی جانتا ہے۔لیکن اس کے اندر وہ قربانی کی روح موجود نہیں کہ دوسروں کی بھلائی کے لئے اپنی جان پر سخت سے سخت دکھ اٹھانا وہ اپنا فرض سمجھتا ہو۔تو وہ ہتھیار اور سامان اس کو خاک فائدہ نہیں دیں گے۔بلکہ بزدل سپاہی جنگ کے خطرات کے وقت اپنے آپ کو بیمار بنا کر پیچھے بیٹھ جاتا ہے۔اور اس کے ہتھیار اور سامان بھی ایسی حالت میں نہ صرف اس کے اپنے لئے مفید نہیں ہوتے بلکہ بعض وقت اسی کے خلاف استعمال ہوتے ہیں۔لیکن اگر اس کے برخلاف ایک سپاہی کے دل میں وہ قوت موجود ہے جو ہر قسم کے خطرات اور مصائب کو اس کے سامنے ہیچ کر دیتی ہے۔بلکہ اس کی روح کی غذا میں مشکلات کا مقابلہ ہوتا ہے۔تو بالفرض اگر وہ ہتھیاروں سے مسلح نہ بھی ہو۔تو بھی بہت کچھ کر کے دکھا سکتا ہے۔اور اس کے لئے اینٹ اور پتھر ہی ہتھیار بن جاتے ہیں۔بعینہٖ اسی طرح مبلغ کے لئے پہلی ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کی خاطر ہر قسم کے

آسائش اور آرام چھوڑنے اور ہر قسم کا دکھ اور مصیبت اٹھانے کے لئے تیار رہو۔

اگر اسلام کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے۔ تو صاف نظر آتا ہے کہ یہی روح صحابہ کرامؓ میں تھی۔ جس نے اسلام کے لئے وہ وہ قربانیاں کرائیں کہ دنیا کی تواریخ اس قسم کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ مکہ میں تیرہ سال تک جو دکھ اور مصائب مسلمان اٹھاتے رہے۔ ان کا ذکر اگر کروں تو علیحدہ مضمون بن جاتا ہے۔ انہی دکھوں اور مصیبتوں نے انہیں مجبور کیا کہ پہلے حبش کے ملک میں جاکر پناہ گزین ہوں اور آخر جب مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سامان پیدا کر دیئے۔ تو کُل کے کُل ہجرت کر کے مدینہ میں چلے گئے۔ اور اپنے گھر بار، املاک اور عزیز رشتہ دار سب چھوڑ دیئے۔ مدینہ میں آ کر شائد بعض کو یہ خیال گزرا ہو کہ اب امن کی جگہ میں آ گئے ہیں۔ جہاں اب دکھوں اور تکلیفوں کا سامنا نہیں رہا۔ تو معاً وحی آتی ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. (155:2) ہم تم کو ضرور کسی قدر خوف اور بھوک اور کچھ مالوں کے نقصان اور کچھ جانوں کے نقصان اور کچھ پھلوں کے نقصان کے ساتھ آزمائیں گے۔

گویا مکہ کے دکھ اور تکلیفیں اور ان دکھوں اور تکلیفوں کے مقابلہ میں جو اب آنے والے تھے ہیچ تھے۔ اس لئے ان کا ذکر اس شدومد سے کیا۔ اور درحقیقت اگر مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ تو مکہ میں اگر ایک دشمن تھا۔ تو مدینہ میں یہود، منافقین اور عیسائی تین اندرونی دشمنوں کے علاوہ بیرونی دشمن نہایت خطرناک ہو گیا تھا۔ جو اگر پہلے کسی ایک آدھ مسلمان کو تکلیف دیتا تھا۔ تو اب کُل کی کُل جماعت کی بیخ کنی کے درپے تھا۔

یہ سب تکالیف کیوں تھیں؟ اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کے وہ اندرونی جوہر ان کی قربانیوں اور ایثار کی روح نشوونما پا کر کامل ظہور کریں۔ جیسا کہ لَنَبْلُوَنَّكُمْ کے لفظ سے ظاہر ہے۔ اور وہ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (143:2) کے مصداق بن کر دنیا میں ہدایت پر روشنی پھیلائیں۔ اسی طرح دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (214:2) اور (214:2) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم کامیابی کی جنت میں یونہی پہنچ جاؤ گے۔ اور ابھی ان لوگوں کی سی حالت تو

تمہیں پیش نہیں آئی۔ جو تم سے پہلے گزر چکے۔ ان کو سختیاں اور دکھ پہنچے اور وہ خوب ہلائے گئے۔ یہاں تک کہ رسولؐ اور اس کے ساتھ جو ایمان لائے تھے، بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو! اللہ کی مدد نزدیک ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے پہنچانے والے سپاہی یا مبلغ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ دکھوں اور مصائب کے اٹھانے کے لئے تیار رہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اپنے آرام اور آسائش کی پرواہ نہ کرے بلکہ سخت سے سخت دکھ اٹھانے کو ہی اپنی حقیقی راحت اور کامیابی سمجھے۔ کیونکہ راحت یعنی جنت اور کامیابی یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے وابستہ کر دیا ہے۔ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا (214:2) کے ساتھ جب بڑی بڑی سختیاں اور بڑے بڑے دکھ پہنچیں اور انسان ایک سخت زلزلہ میں لایا جائے، تو وہی وقت وہ ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ کی آواز آتی ہے۔ اور وہ حقیقت میں مسلم کی جنت ہوتی ہے۔

سورہ التوبہ میں اس مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے۔ قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآءُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ ۨاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ. (24:9) کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارے کنبے اور وہ مال جو تم کماتے ہو۔ اور وہ تجارت جس کی سرد بازاری کا تم کو ڈر ہے۔ اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو۔ اللہ اور اس کے رسول اور اس کے رستے میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ پیارے ہیں (یعنی ان چیزوں کی وجہ سے تم اللہ کی راہ میں جہاد کو چھوڑ دو گے) تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنے امر کو لائے اور اللہ فاسقین کی قوم کو (کامیابی کی) راہ نہیں دکھائے گا۔

اس آیت پر نوٹ دیتے ہوئے حافظ نذیر احمد مترجم قرآن لکھتے ہیں کہ ”اس آیت میں شروع شروع کے مسلمانوں کے حق میں بڑی سختی ہے۔ ایک حساب سے ان کو بالکل علائق دنیا کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ کیا جاتا تو مسلمانوں کی جماعت بھی قائم نہ ہوتی۔ اور آخر یہی ہوا کہ مسلمان حکم خدا پر ثابت قدم رہے اور کفار گروہاً گروہ مسلمان ہوتے گئے۔ اور مسلمانوں کو بہت عرصہ تک ترک علائق کی مصیبت نہ اٹھانی پڑی۔“

اس نوٹ میں دو غلطیاں ہیں۔ اول یہ کہ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کا مفہوم کلی ترک علائق دنیا ہے اور دوسرے یہ کہ یہ شروع شروع کے مسلمانوں کے لئے تھی۔ جب بہت سے مسلمان ہو گئے تو پھر اس کی ضرورت نہ رہی۔ ترک علائق کی تعلیم تو اسلام نے کبھی دی ہی نہیں۔ اور اس آیت کے الفاظ تو خود ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس یہ سب چیزیں موجود ہوں، ان کے اہل وعیال بھی ہوں، بھائی بند بھی ہوں کنبے بھی ہوں، پھر وہ اموال کے مالک بھی ہوں، جنہیں وہ کمائیں اور سست اور بیکار بیٹھے رہنے والے نہ ہوں۔ پھر ان کی تجارت بھی ہو اور تجارت بھی ایسی گرم کہ ذرا اس سے توجہ ہٹائی جائے۔ تو اس کے ٹھنڈا پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔ پھر ان کے مکانات بھی ہوں۔ جھونپڑیاں نہیں بلکہ ایسے بڑے بڑے مکانات جنہیں دیکھ کر ان کا جی خوش ہو۔ ان سب چیزوں کے ہونے پر اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی کا اظہار نہیں فرماتا۔ اور نہ کبھی یہ کہتا ہے کہ یہ چیزیں ان کے پاس نہیں ہونی چاہئیں۔ بلکہ جس بات پر اظہار ناراضگی فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے خدا کی راہ میں جہاد ترک کر دیا جائے۔ وہ سخت کوششیں چھوڑ دی جائیں۔ جو خدا کے دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے کرنی ضروری ہیں۔

یہ علائق تو انسانوں کے لئے ہمیشہ رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔ اور اسلام میں یہ بات نہیں ہے کہ ان علائق کے ترک کرنے کا حکم دیا جائے۔ نہ اسلام کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی مسلمانوں نے بحیثیت ایک جماعت کے ان علائق کو ترک کر دیا ہو۔ بلکہ جس وقت سخت سے سخت دین کی حفاظت کا فکر مسلمانوں کو تھا اور جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی جانیں اور اسلام کا وجود خطرہ میں تھا۔ اس وقت مسلمان اموال بھی کماتے تھے اور تجارتیں بھی کرتے تھے، مکان بھی بناتے تھے۔

ہاں! اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ ان علائق کی کشش اس کشش پر غالب نہ ہو۔ جو خدا کی راہ میں ایک سچے مسلمان کے دل میں ہونی چاہئیے۔ ان کی محبت خدا کے دین کی محبت سے زبردست نہ ہو بلکہ اس محبت کے ماتحت ہو کر رہے۔ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس کوشش کی ضرورت ہے۔ جس کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اسے ترک نہ کر دیا جائے۔ اور یہ حکم ایک دن کے لئے یا شروع شروع کے مسلمانوں کے لئے نہ تھا۔ بلکہ کُل مسلمانوں کے لئے ہمیشہ کے لئے ہے۔ اور جب سے مسلمانوں نے اس حکم کی تعمیل چھوڑ دی اور ان کی دنیوی

کوشش ان کی دینی کوشش پر غالب آ گئی اور دنیا کی محبت نے خدا کی محبت کی آگ کو بالکل سرد کر دیا۔اس وقت سے ہی الٰہی وعدے کے مطابق وہ امر اللہ آ گیا، جو ان کی ذلتوں اور نامرادیوں کا مآل تھا۔اور اس لئے کہ خدا کے اس حکم کو توڑنے کی وجہ سے۔ہاں! عہد کر کے پھر توڑنے کی وجہ سے مسلمانوں نے فاسقین کا نام اپنے اوپر لے لیا۔ اسی لئے وہ کامیابیوں کی راہوں سے بھی محروم کئے گئے۔

ان کو اموال دیئے گئے اور بڑی کثرت سے دیئے گئے۔ان کی تجارتیں ممالک میں پھیل گئیں اور خوب پُر رونق ہو گئیں۔ان کے عظیم الشان شہر قائم ہو گئے۔مگر بجائے اس کے کہ وہ ان ذرائع سے فائدہ اٹھاتے اور خدا کے دین کو پھیلانے کے لئے انہیں کام میں لاتے۔انہوں نے اصل غرض اور مقصد ہی اسی کو سمجھ لیا۔اور نہ صرف جہاد فی سبیل اللہ پر ان کو ترجیح ہی دی۔ بلکہ اس کوشش کو قطعاً ترک ہی کر دیا۔اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی غرض اپنی آسائش کو سمجھ لیا۔پس جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے وہی سلوک کیا جو وہ نافرمانوں اور فاسقوں سے کرتا ہے۔

عام حالت مسلمانوں کی تو اس وقت وہ ہے۔جس کا نقشہ آیت کے آخری الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔تو اب جو لوگ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے پھر اٹھیں وہ کبھی خدا کی راہ میں کام کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ وہ مضبوط عہد اس بات کا نہ کر لیں کہ وہ اپنی تمام دنیوی راحتوں اور آسائشوں پر اللہ کی راہ میں دکھ اٹھانے کو مقدم کر لیں گے۔اور اپنی ہر ایک منفعت کو اسلام کا پاک پیغام پہنچانے کی غرض سے قربان کر دیں گے۔مبلّغ کے لئے ایک بڑی بھاری ضرورت اس کا عملی نمونہ ہے۔ کیونکہ لاکھوں دلائل وہ کام نہیں کرتے جو نیک نمونہ کرتا ہے۔ دلائل تو آج بھی ہمارے ہاتھ میں وہی ہیں۔ جو صحابہ کرامؓ کے ہاتھ میں تھے۔مگر ان کو کیوں کامیابی پر کامیابی تھی۔ اور جس ملک میں جا کر کسی اکیلے صحابی نے بھی جھنڈا اگاڑ دیا۔ وہاں ہزاروں کو دائرہ اسلام کے اندر شامل کر لیا۔ اس کی وجہ ان کا نیک نمونہ ہی تھا۔مگر سچ بات یہی ہے کہ عملی نمونہ بھی انسان کا اسی وقت پاک ہوتا ہے۔ جب وہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کر لیتا ہے۔ کیونکہ نیکی پر قائم ہونے کے لئے پہلی ضرورت یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کی راحت اور آرام اور اس کی خواہشات کو قربان کرنے کے قابل ہو اور خدا کے حکم کے مقابلہ میں ان چیزوں پر لات مار سکے۔اسلام کی جتنی عبادات ہیں ان کی غرض کیا ہے۔یہی کہ انسان کو یہ سکھایا جائے۔نہ صرف لفظوں

میں بلکہ عملی رنگ میں کہ کس طرح اپنے نفس کا مقابلہ کرنا چاہئیے۔ انسان کی بڑی خواہشات جو اس کو گناہ میں مبتلا کرتی ہیں۔ کیا ہیں۔ کچھ اپنے نفس کے آرام کی خواہش۔ کچھ کھانے پینے کی خواہش، کچھ شہوانی خواہش، کچھ مال کی خواہش اور محبت۔ اب دیکھو نفس کے آرام کی خواہش کو قربان کرنا کس طرح نماز میں سکھایا۔ صبح کے وقت نیند کس قدر مزا دیتی ہے۔ اور کس قدر آرام اور راحت اس سے نفس کو پہنچتی ہے۔ اس کے قربان کرنے کے لئے صبح کی نماز رکھ دی۔ دوپہر کے بعد انسان اپنے کاروبار سے تھک تھکا کر کچھ آرام کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اس کا علاج ظہر کی نماز میں رکھ دیا۔ عصر کے وقت کچھ دوستوں یاروں کی ملاقات کچھ ان سے بات چیت کر کے حظ اٹھانے کا ہوتا ہے۔ حکم دیا کہ اس کو بھی ہمارے ذکر کے لئے قربان کرنا سیکھو۔ مغرب کے وقت سیر کس قدر طبیعت کو فرحت بخشتی ہے۔ مگر اس فرحت کی قربانی مغرب کی نماز چاہتی ہے۔ عشاء کے وقت کھانا کھا کر انسان کی طبیعت کچھ ویسے بوجھل ہو جاتی ہے۔ کچھ دن کی تھکان۔ اکثر طبائع یہ چاہتی ہیں کہ اب معاً آرام کریں۔ یا جو آرام کرنا نہیں چاہتے ان کے نفسانی حظوظ کے لئے اس وقت تماشے اور میل ملاقات کے جلسے ہوتے ہیں۔ مگر یہاں آ کر بھی عشاء کی نماز نے ان حظوظ اور اس آرام کو قربان کرا دیا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ اسلام یہ چاہتا ہی نہیں کہ تم اپنے نفسوں کو کچھ آرام دو یا دوستوں سے میل ملاقات کرو یا کچھ فرحت حاصل کرو۔ بیشک کرو۔ لیکن ہر ایسے وقت کے اندر تمہیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدا کی راہ میں کوشش کرنے کو مت بھولو۔ اور اپنے نفسوں کو ایسی عادت ڈالو کہ ہر حالت میں، آرام میں، راحت میں، فرحت میں، نیند کے وقت میں، میل ملاقات کے وقت میں خدا کے لئے کچھ قربانی کرو۔ ایسا ہی کھانے پینے کی خواہش اور شہوانی خواہشات کی قربانی کے لئے سال میں ایک مہینہ روزوں کا رکھ دیا۔ جب اچھے سے اچھا حلال اور طیب کھانا اچھے سے اچھے شربت اور پینے کی چیزیں۔ عمدہ سے عمدہ حلال طیب سامان قوائے شہوانی کی خواہشات کو پورا کرنے کے محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی خاطر قربان کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر جب انسان کا نفس حلال اور طیب کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے قربان کرنا عملی طور پر سیکھ لے گا۔ تو حرام اور ناپاک کو چھوڑنا اس کے لئے کس قدر آسان ہو جائے گا۔ ایسا ہی مال کی محبت کا علاج زکوٰۃ رکھ دیا۔ تا ہر جمع شدہ مال میں سے چالیسویں حصہ کا نکل جانا مالی قربانی کا سبق تم کو سکھائے۔ اور اگر خدا کے حکم کی خاطر اپنا حلال کمایا ہوا مال تم دے سکتے ہو۔ تو تمہارا نفس کس قدر آسانی سے حرام

مال کے لینے سے رک سکتا ہے۔ غرضیکہ اسلام کی جتنی عبادات عملی رنگ میں قربانی کرنے کا سبق سکھلاتی ہیں وہ درحقیقت انسان کو اس راہ پر چلانے کے لئے ہیں کہ وہ اپنے نفس کے آرام اور آسائش اور حظوظ کو خدا کے حکم کے سامنے قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور یہی دنیا کو خدا پر مقدم کرنا ہے۔

پس جس پہلو سے غور کیا جائے کیا اسلام کی خدمت کے لئے، کیا اس کی اشاعت میں کامیابی کے لئے، کیا عملی رنگ میں اپنے آپ کو ایک نمونہ کے طور پر پیش کرنے کے لئے، ان سب باتوں کے لئے جو مبلّغ کی سب سے پہلی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت ہے کہ انسان دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا پختہ عہد کر لے۔ اور اس عہد پر عمل کر کے دکھائے۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنا گویا مبلّغ اسلام کا وہ پہلا جوہر ہے جس کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں۔ خواہ کیسے ہی اچھے ہتھیاروں سے مسلح ہو۔ اس کے بغیر وہ ایسا ہے جیسا وہ بزدل سپاہی جس کے اوسان دشمن کی شکل دیکھ کر خطا ہو جاتے ہیں۔ اور اس جوہر کو رکھتے ہوئے وہ ایسا ہے کہ اگر ایک وقت ہتھیار نہ بھی ہو تو بھی وہ مقابلہ سے عاجز نہیں آتا۔ پس جو شخص اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے نکلتا ہے۔ اسے یاد رکھنا چاہئیے کہ جب تک وہ پہلے اپنے نفس پر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی موت قبول نہیں کرتا، اس کا نکلنا مفید نہیں۔ بلکہ دوسروں کے لئے ٹھوکر کا موجب ہو سکتا ہے۔ اور آئندہ کے لئے اس مبارک کام میں ایک خطرناک رکاوٹ ثابت ہو سکتا ہے۔ (جاری)

❁❁❁

20/18 اگست 1914ء

اشاعت اسلام۔8

مقابلہ مذاہب

(از حضرت امیر مولینا محمد علی۔ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

ایک کامیاب سپاہی کی دوسری ضرورت، جیسا کہ میں پچھلے شمارہ میں دکھا چکا ہوں، یہ ہے کہ وہ ضروری ہتھیاروں سے مسلح ہو۔ضروری سامان اس کو پہنچتا رہے اور وہ فن ہتھیاروں اور سامان کے استعمال سے بخوبی واقف ہو۔بغیر اس کے محض شجاعت کام نہیں دے سکتی اور اس کا اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالنا بھی بعض وقت بجائے کوئی فائدہ پہچانے کے موجب ہلاکت ثابت ہوگا۔اسی طرح ایک مبلّغ کو اس بات کا پورا علم ہونا چاہئیے کہ وہ کن کن راہوں سے اپنے مذہب کو بچا سکتا ہے۔دشمن کہاں حملہ کرے گا اور وہاں بچاؤ کی کیا صورت ہوگی۔بلکہ اسے یہ بھی علم ہونا چاہئیے کہ دشمن کی کمزوری کیا ہے اور کس طرح پر اس پر حملہ کرنا مفید ہوگا۔آج درحقیقت مذاہب کا ایک دنگل لگا ہوا ہے۔اور اس دنگل میں وہی پہلوان نکل سکتا ہے جو نہ صرف اپنے مذہب سے ہی پوری واقفیت رکھتا ہو۔بلکہ دوسرے مذاہب ان کی کتب ان کی قومی تاریخوں وغیرہ امور پر اس کی پوری نظر ہو۔وہ جانتا ہو کہ اسلام پر آج کیا کیا حملے فلسفہ اور سائنس کے رنگ میں، کیا کیا حملے تاریخ کے رنگ میں، کیا کیا حملے دوسرے مذاہب کے نقطہ خیال سے ہو رہے ہیں۔اور ان کا جواب کیا ہے۔اور خود دوسرے مذاہب میں کون سی خوبیاں ہیں۔جن کو اسلام نے رد نہیں کیا۔اور کون سی غلطیاں ہیں جو اس کے اصول حقہ میں مل گئی ہیں۔کون سی ہدایات وقتی ضروریات کے لحاظ سے کسی قوم کو دی گئی تھیں۔اور کون کون سے نقص اس میں رہ گئے ہیں۔

اس سے پہلے میں بتا چکا ہوں کہ اسلام اپنے آپ کو زبردستی نہیں منواتا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ(256:2) بلکہ اس لئے منواتا ہے کہ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ(256:2) ہدایت کی باتوں اور گمراہی کی باتوں میں کھلا فرق ہو چکا ہے۔اور اس لئے فرماتا ہے کہ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ(125:4) یعنی

جس شخص نے اسلام کو دین بنایا اس سے بہتر دین کس شخص کا ہوسکتا ہے اور اس لئے منواتا ہے کہ یہ دین صِبْغَةَ اللّٰهِ (138:2) یعنی الٰہی رنگ اور الٰہی بپتسمہ ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (138:2) اور اللہ سے بہتر رنگ دینے والا اور بپتسمہ دینے والا کون ہے۔

غرض اسلام اپنے آپ کو ایک ایسے مذہب کے رنگ میں پیش کرتا ہے، جس کے اندر دوسرے ادیان کی تمام خوبیاں تو جمع ہیں رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (98:2-3) اللہ کی طرف سے ایک رسول ہے جو پاک صحیفوں کو پڑھتا ہے۔ جن میں کُل مضبوط باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ اور پھر فرماتا ہے وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا (33:25) کوئی عمدہ اور نادر بات ایسی نہیں لا سکتے۔ مگر ہم پہلے ہی حق بات اس معاملہ میں تجھے پہنچا چکے ہیں۔ اور بہتر سے بہتر اس کی توضیح بھی کر چکے ہیں۔ پھر اس نے کسی غلط بات کو اپنے اندر نہیں لیا۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (28:39) یعنی عربی قرآن جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (1:18) اپنے بندے پر کتاب اتاری مگر اس میں کجی کوئی نہیں رکھی۔

تو پس دین اسلام کے احسن ہونے کی بنا اس بات پر ہے کہ قرآن کریم میں بھی پاک اور مضبوط ہدایت کی باتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ خواہ وہ پہلے مذاہب میں پائی جاتی ہوں یا نہ پائی جاتی ہوں۔ اور جس قدر غلطیاں مذاہب میں داخل کر دی گئی تھیں یا آئندہ جو غلطیاں لوگ کھائیں گے، ان سب سے یہ پاک ہے۔ اب یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ اس کا ثبوت دینے کے لئے ضرورت ہے مذاہب کا مقابلہ کر کے دکھانے کی اور اسی کی طرف قرآن کریم اپنی اوپر کی آیات میں توجہ دلاتا ہے۔ یہی وہ مقابلہ مذاہب ہے جو یورپ کو آج ہاتھ آیا۔ مگر جس کی بنیادیں قرآن کریم تیرہ سو سال ہوئے رکھ چکا۔ اسی مقابلہ مذاہب نے خود عیسائیوں کے اندر وہ لوگ پیدا کر دیئے جنہیں اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرنا پڑا۔ اور اسی مقابلہ مذاہب کے ذریعہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ وقت آتا ہے جب اسلام کی فضیلت کو جملہ دوسرے مذاہب پر عام طور پر تسلیم کر لیا جائے گا۔ قرآن کریم اپنی اصلیت میں آج تک یورپ کے سامنے پیش نہیں ہوا۔ اور جب اپنی اصلیت میں پیش ہوگا۔ جس کا وقت، ہم امید کرتے ہیں اب بہت قریب آ چکا ہے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ اس پردہ تاریکی کو آہستہ آہستہ بالکل دور کر دے گا جو اس وقت مذہب اسلام کے

سامنے لٹکایا گیا ہے۔ درحقیقت صرف مقابلہ مذاہب کا ہتھیار ہی ایسا ہتھیار ہے۔ جس سے اسلام کا کامل غلبہ کُل ادیان پر ہوسکتا ہے۔ اور مسلمان جواب تک اپنے مذہب سے بھی بے خبر ہیں۔ دوسروں کے مذاہب سے واقفیت پیدا کرنا تو ایک طرف رہا، اشاعت اسلام کے کام میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ جب تک کہ مقابلہ مذاہب کے اصول پر اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کر کے نہ دکھائیں گے کہ کیا کیا خوبیاں اور کمالات ان کے مذہب کے اندر بھرے ہوئے ہیں۔ جس سے دوسرے بالکل خالی ہیں۔

تا نباشد بالمقابل روئے مکروہ و سیاہ کس چہ میداند جمال شاہد گلفام را

پس مبلّغ کا اصل ہتھیار مقابلہ مذاہب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف اسے اپنے مذہب سے پوری واقفیت چاہئے۔ بلکہ ان قوموں کے مذاہب اور مذہبی تاریخوں سے بھی پوری واقفیت چاہئے۔ جن کے اندر اس نے کام کرنا ہے تاکہ اپنی مضبوطی اور دوسرے کی کمزوری کا علم حاصل کر کے وہ ایک ایسے مضبوط قلعہ میں جم جائے جس سے وہ دوسروں کے گولے سے محفوظ رہ کر دوسروں پر گولے چلا سکے۔ مذہب کے گولے کیا ہیں؟ اس کے دلائل۔ سو وہ گولے تو قرآن شریف نے مہیا کر دیئے ہیں۔ مگر انہیں کہاں پھینکنا چاہئے۔ اس کا علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور یہ دوسرے مذاہب کی کتب کے مطالعہ سے مل سکتا ہے۔

یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ ایک نہایت ہی مشکل کام ہے اور مسلمانوں کی موجودہ بے خبری کی وجہ سے سخت اور شدید محنت کام کرنے والوں سے چاہتا ہے۔ جو ایسے مبلغین تیار کرسکیں اور چونکہ اسلام کا مقابلہ ایک مذہب سے نہیں سب مذاہب سے ہے۔ اور سب ہی پر اس کی فوقیت دکھانا اصل غرض ہے۔ اور سب قوموں کے اندر مبلغین کا بھیجنا ضروری ہے۔ تو دنیا کے اس قدر مذاہب کی واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہی ایک زندگی چاہئے۔ وہ مبلغین کب تیار ہوں اور کب کام کریں۔ سو اس کا علاج یہ ہے کہ ہر ایک مبلغ کو سردست ایک ہی مذہب کے لئے تیار کیا جائے۔ اور اس طرح پر اسے موقعہ بھی بہت زیادہ ہوگا کہ وہ اپنے مذہب کے ساتھ اس دوسرے مذہب سے بھی پوری واقفیت پیدا کر سکے۔ ایسے مبلّغ کے لئے صرف یہی ضروری نہ ہوگا کہ وہ اس دوسرے مذہب کی کتاب کا کوئی ترجمہ پڑھ لے بلکہ اس کی اصل زبان سے بھی واقفیت حاصل کرنی ہوگی۔ اور اس

لئے ایک ایک مذہب کا مطالعہ بھی درحقیقت خاصہ وقت چاہتا ہے۔ بالخصوص اس صورت میں جبکہ ساتھ اپنے مذہب کی بھی پوری واقفیت کی ضرورت ہے۔ بیشک یہ مشکل کام ہے۔مگر ہمت کے سامنے مشکلات کے پہاڑ آخر اڑ ہی جاتے ہیں۔اور یہ بھی ضروری نہیں کہ فی الفور ایسا تبلیغی مدرسہ قائم کیا جائے جس میں اس قسم کی تعلیم اپنی آخری اور مکمل صورت میں دی جائے اور ایسا ہو بھی کہاں سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے مدرسے کا قیام لاکھوں روپے کے اخراجات کو چاہتا ہے۔ اور سردست اس قدر اخراجات کا انتظام ہونا بھی مشکل ہے۔ پھر عمارت مدرسہ کی اور بورڈنگ ہاؤس کی۔غرضیکہ ایک اعلیٰ پیمانہ پر تبلیغی کالج کے قائم کرنے کا خرچ کسی طرح معمولی کالجوں کے اخراجات سے کم نہیں ہوسکتا۔لیکن عمدہ تبلیغی کالج ہوگا بھی وہی، جو ایک نہایت چھوٹے پیمانے پر پہلے شروع کیا جائے اور قدرتی طور پر آہستہ آہستہ ترقی کرے۔ یہ سردست میں نے عام الفاظ میں ایک نقشہ کھینچا ہے کہ کس رنگ کی تعلیم کی ضرورت مبلغین کے لئے ہے۔(جاری بہ تاریخ 23 اگست 1914ء)

23 اگست 1914ء

وائسرائے کی اپیل

برادران!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اس وقت ہماری حکومت اور شہنشاہ کو جو جنگ پیش آئی ہے۔ اخلاقاً اور شرعاً ہمارا فرض ہے کہ ہم جہاں تک ہوسکے اس میں حکومت کی امداد کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہمارے لئے یہ ہے کہ **هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ** (60:55) پس اس گورنمنٹ کے کثیر احسانات کے بدلے ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ ایک ضرورت کے وقت میں اس کی امداد کریں۔ ایسے وقت میں وفاداری کے خیالات کا اظہار بھی بیشک ایک حد تک گورنمنٹ کو ملک کے لئے اندرونی خیالات کی طرف سے مطمئن کر کے اسے اس قابل بناتا ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں اپنی پوری توجہ اور ہمت صرف کرے۔ لیکن عملی رنگ میں امداد بھی ضروری بلکہ ان خیالات کی سچائی کا ثبوت ہے۔

ملک کی حفاظت نہ صرف گورنمنٹ کا بلکہ خود اس ملک کی رعایا کا درحقیقت سب سے بڑا فرض ہے۔ اور شاذو نادر ہی ایسے مواقع ہوتے ہیں جب انسان کو اپنے اس فرض کے ادا کرنے کا موقعہ بھی ملے۔ جیسا کہ اعلان کیا گیا ہے۔ ہماری گورنمنٹ ہند نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا ہے کہ کچھ فوج امداداً یہاں سے روانہ کی جائے۔ یہ تو وہ کام ہے جو گورنمنٹ کے متعلق ہے۔ اور رعایا کا عام حصہ چونکہ ہتھیاروں کے استعمال سے ناواقف ہے۔ اس لئے ذاتی خدمات سے مدد دینے کا موقع بھی بہت کم لوگوں کو حاصل ہے۔ لیکن مجروحین وغیرہ کے متعلق جو اس وقت کثیر اخراجات درپیش ہیں۔ اس میں سے ہر ایک شخص کم وبیش حصہ لے سکتا ہے۔ اور اس کی تحریک ہماری گورنمنٹ ہند کے ہیڈ خود وائسرائے بہادر نے کی ہے۔ مگر چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ بطور خود جو اس موقعہ پر

امداد کی جائے۔ وہ بہت زیادہ مفید ہوگی۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ ہماری جماعت بطور خود ایک رقم جمع کر کے پیش کرے۔

اس کی نظیر ہمارے امام ہمام کی زندگی میں بھی پائی جاتی ہے۔ جب جنوبی افریقہ کی جنگ میں جو بوئر دار کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے پانچ سو روپیہ چندہ کر کے اپنے سلسلہ کی طرف سے اکٹھی رقم گورنمنٹ کو پیش کی تھی۔ ایسا ہی حضرت خلیفۃ المسیح مولٰینا نور الدینؓ کے وقت میں ایک ہزار روپیہ اکٹھا ایڈورڈ میموریل فنڈ میں دیا گیا۔ سو میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے احباب فی الفور اس کام میں حسب استطاعت حصہ لے کر اس فرض سے سبکدوش ہوں۔ جہاں جماعتیں ہیں وہاں انجمنوں کے سیکرٹری اس تحریک کو پیش کر کے اور چندہ وصول کر کے لاہور بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام بھیج دیں۔ اور جہاں انجمنیں نہیں وہ احباب اپنا چندہ خود براہ راست بنام محاسب صاحب موصوف بھیج دیں۔ چونکہ وائسرائے کی طرف سے تحریک ہو چکی ہے۔ اس لئے مجھے اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس قدر میں اور زیادہ کہنا چاہتا ہوں کہ چونکہ یہ تحریک عام ہے اور ہر شہر میں اس کے لئے خاص جلسے اور خاص کمیٹیاں ہوں گی۔ پس ہمارے احباب بیشک ان جلسوں میں بھی شریک ہوں۔ اور چندہ کے متعلق ایسے جلسوں کے منتظمین کو اطلاع دے دیں کہ ہماری جماعت کا چندہ یکمشت جمع ہو کر اکٹھا جماعت کی طرف سے پیش ہوگا۔ اور چاہیں تو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی رسید، باقاعدہ جو ہر ایک رقم کے لئے دی جائے گی، وہ وہاں دکھا دیں۔ مگر ہر حال میں چندہ کا ایک جگہ جمع ہو کر جماعت کی طرف سے پیش ہونا ہی مناسب ہے۔ ہاں! اگر اس اطلاع کے پہنچنے سے پہلے کوئی احباب ادا کر چکے ہوں۔ تو وہ وہاں کی کمیٹی کی رسید محاسب صاحب کو بھیج دیں۔ اور اگر صرف وعدہ کیا ہو تو اس کی ادائیگی کا ایفاء اسی طرح کرنا مناسب ہوگا کہ رقم محاسب احمدیہ انجمن کو بھیج کر اس کی رسید دکھا دی جائے۔ ہر ایسے منی آرڈر کے کوپن پر یہ تفصیل ضروری ہوگی کہ یہ رقم اعانت مجروحین وغیرہ جنگ کے لئے ہے تا کہ دوسری مدات سے اس کا روپیہ علیحدہ رہے۔

جہاں جہاں ایسا چندہ جمع ہو۔ اس کی ایک فہرست بھی مع رقم چندہ ساتھ بھیج دی جائے۔ تا کہ عام اطلاع کے لئے اخبار میں اس کا اعلان ہو جائے۔ اس کے متعلق مزید خط و کتابت احباب سیکرٹری احمدیہ انجمن

اشاعت اسلام لاہور سے کریں۔ اور روپیہ بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس، لاہور، بھیجا جائے۔

والسلام

المشتہر: خاکسار

محمد علی ایم اے ایل ایل بی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

از ایبٹ آباد، 20 اگست 1914ء

23 اگست 1914ء

اشاعت اسلام۔9

باقاعدہ انتظام کی ضرورت

(از حضرت امیر مولیٰنا محمد علی ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

جو خاکہ میں نے پچھلے شمارہ میں ایک تبلیغی مدرسے کے قائم کرنے کا کھینچا ہے اور جو ضروریات اس کی بتائی ہیں، وہ بجائے خود اس بات کی متقاضی ہیں کہ اس کا انتظام ایک اعلیٰ پیمانہ پر ہو۔ گو ہمیں مبلغین کے طور پر تیار کرنے کے لئے وہی لوگ بکار ہیں جو پہلے ہی اس بات کو ٹھان لیں کہ اس راہ میں انہیں ایک بڑی بھاری قربانی کرنی پڑے گی۔ لیکن تاہم چونکہ اعلیٰ قابلیت کے آدمی بکار ہوں گے اور ان کی تعلیم بھی اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی ہوگی۔ اس لئے اول تو ان کے لئے ان کی حیثیت کے مطابق گزارہ بھی دینا ضروری ہوگا۔ حیثیت کے مطابق گزارہ دینے سے یہ منشاء نہیں کہ ان کے لئے لازماً بڑے بڑے وظائف مقرر کئے جائیں گے۔ تاہم اس قدر اخراجات کا ان کو دینا ضروری ہوگا۔ جس میں سادہ مقوی خوراک جس سے محنت کا اثر دماغ پر برا نہ پڑے اور سادہ مگر ستھرا لباس اور رہائش کا انتظام۔ یہ سب اخراجات ادا کرنے ضروری ہوں گے۔ پھر خود تعلیم گاہ کا مکان۔ پھر جو لوگ اس میں تعلیم دیں گے ان میں اگر ایسے آدمی میسر آجائیں جو محض لِلّٰہِ کام کر سکیں۔ اور وہ ایسے آدمی ہو سکتے ہیں جن کے گزارہ کی کوئی اور صورت ہو تو یہ تو عین مراد ہے۔ لیکن ایسے آدمی بھی رکھنے کی ضرورت ہوگی۔ جن کے گزارہ کی صورت بھی اسی فنڈ پر ہوگی۔ علاوہ اس کے ابھی سے یا جب یہ لوگ تیار ہو جائیں، تبلیغی مرکز قائم کر کے وہاں مبلغین کا رکھنا یہ خود ایک بڑے خرچ کو چاہتا ہے۔ اور اس کے سوائے کتابوں، رسالوں، ٹریکٹوں وغیرہ کی مفت اشاعت نہ صرف مرکزی مقام سے بلکہ تبلیغ کے مرکز سے ضروری ہوگی۔ پھر مرکزی مقام میں ایک کتب خانہ ایسا قائم کیا جانا ضروری ہے جس میں عقائد کے متعلق کل کتابیں جمع کی جائیں۔ اور ایسا ہی عربی زبان کی اور بعض دوسری زبانوں کی کتابیں اور لغت وغیرہ جمع کرنی ہوں گی۔ تاکہ اس کی مدد سے کے طلبا اور اساتذہ ان کتب سے فائدہ اٹھا

سکیں۔ پھر ایسے کتب خانہ کے ساتھ ایک ریڈنگ روم بھی چاہئے جس میں مذہبی اخبارات جمع کئے جائیں۔ الغرض اس کام کے اس قدر مختلف شعبے اور اتنی وسیع ضروریات ہیں۔ اور اس کے متعلق اس قدر انتظامی کاروبار ہے کہ اکیلا شخص اتنی بڑی ذمہ داری کو نہیں اٹھا سکتا۔ بلکہ اس قدر انتظام کے لئے ضروری ہے کہ ایک انجمن ہو۔ جس میں مختلف کام مختلف عہدیداروں کے سپرد ہیں۔ اور ملازمین کے کام کی پوری نگرانی بھی ہو سکے۔ اور پھر ان سارے اخراجات کے لئے فراہمی روپیہ کا بھی انتظام ہو۔ اور ان سب اخراجات کا حساب کتاب بھی باقاعدہ رہے۔ جو وقتاً فوقتاً یا سالانہ رپورٹوں کی صورت میں شائع ہوتا رہے۔ یہ سب کاروبار چاہتا ہے کہ بہت سے اشخاص مل کر اس کام کو پورا کرنے والے ہوں اور یہ صورت انجمن کے رنگ میں ہی ممکن ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انفرادی کوششیں بھی بعض وقت بڑا کام دیتی ہیں۔ مگر اس قدر عظیم الشان اور پیچیدہ کام کئی آدمیوں کے دل اور دماغ کی محنت کو چاہتا ہے۔ اور اکیلے آدمی کا یہ کام نہیں ہے۔ ہاں! یہ بھی سچ ہے کہ آخر افراد کی قربانیوں سے ہی کام چلے گا۔ انجمن خود یہ چاہتی ہے کہ اس کے سب ممبر فرداً فرداً خدا کے لئے کچھ قربانی کرنے والے ہوں۔ کیونکہ جب تک پہلے انجمن کے ممبر اور ذمہ دار اشخاص قربانی کرنے والے نہ ہوں گے وہ دوسروں کو کس طرح کھینچ سکتے ہیں۔ پھر مبلغین کی تیاری کے لئے خود افراد کی ہی قربانیاں بکار ہیں۔ سو کام کا انحصار تو آخر افراد کی قربانیوں پر ہی ہے۔ مگر کام کی آخری صورت ایک انجمن کو چاہتی ہے۔ جس میں باقاعدہ سب کاموں کا انتظام رہے۔ اور جو لوگ اس کے اخراجات میں اعانت کرنے والے ہوں یا دوسرے لوگوں کے لئے یہ موقع ہو کہ وہ اپنا پورا اطمینان کر سکیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اشاعت اسلام کی کوشش صرف اسی حد تک ہونی چاہئے جو اپنے رنگ میں کوئی شخص تبلیغ بھی کرے اور اپنے معاش کی بھی فکر کرے۔ میں اس قدر تو تسلیم کرتا ہوں کہ ایک حد تک اس قسم کی کوششیں بھی مفید ہو سکتی ہیں۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ تنخواہ دار مبلغین کی حیثیت بعض مذاہب میں ایسی گر گئی ہے کہ یہ کام اب بطور پیشہ اختیار کیا جاتا ہے۔ مگر یہ عام قاعدہ مجھے درست معلوم نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی مجھے یہ اعتراض صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جو کام تنخواہ کے عوض کیا جائے اس کے اندر اخلاص نہیں رہتا۔ میں حیران ہوں کہ دنیا کے باقی کام کس طرح تنخواہیں لے کر لوگ کرتے ہیں۔ پھر بھی ان کے اندر جوش اور ایثار بھی ہوتا ہے۔ تو کیا دین ایک ایسی چیز ہے کہ جو شخص کچھ گزران لے کر اس کے لئے کام کرے اس کا اخلاص نابود ہو جاتا ہے۔ بات

صرف یہ ہے کہ جو کام اخلاص سے شروع کیا جائے اس میں تو اخلاص ہوگا اور جو محض تنخواہ کے لئے شروع کیا جائے اس میں اخلاص نہیں ہوگا۔ اشاعت اسلام کے لئے پہلی شرط ہی یہی ہے کہ اس کام کو ہاتھ ڈالنے والا پہلے یہ سمجھ لے کہ اسے خدا کی راہ میں آرام اور آسائش چھوڑنا اور دکھ اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی اور دنیوی فوائد پر دین کو مقدم کرنا پڑے گا۔ اس کے دل کا ارادہ یہ ہونا چاہئیے کہ خواہ عسر ہو خواہ یسر وہ اس کام سے مونہہ نہ موڑے گا۔ نیت یہ ہونی چاہئیے کہ یہ کام محض اللہ تعالیٰ کے لئے کروں گا۔ پھر اگر اس جوش، اس ارادے اور اس نیت کے ہوتے ہوئے جس صورت میں اس کے گزارہ کی اور کوئی صورت نہ ہو تو اشاعت اسلام کے فنڈ سے اسے گزارہ دے دیا جائے۔ تو اس سے اس کا جوش، اس کا ارادہ، اس کی نیت باطل نہیں ہو جاتی۔ حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ ہوئے تو شروع میں ان کا یہی خیال تھا کہ ساتھ کچھ اپنے گزارہ کے لئے تجارت کا شغل بھی رکھیں۔ لیکن جب اس سے کاروبار میں نقص آنے لگا تو آپ نے اس مشورہ کو قبول کر لیا کہ بیت المال سے کچھ بطور گزارہ لے لیا کریں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ بھی بیت المال سے گزارہ لیتے رہے۔ پس ایسے عظیم الشان انسانوں کی سنت کے ہوتے ہوئے یہ خیال کرنا کہ مبلغین کو گزارہ دینے سے ان کے اخلاص میں فرق آ جائے گا، صحیح نہیں۔ اگر اخلاص موجود ہے، اگر کام محض خدا کے لئے شروع کیا گیا ہے تو گزارہ مل جانے سے اس اخلاص میں رتی بھر فرق نہیں آ سکتا۔

یہ تو اعتراض تھا۔ اب ہم اس سوال کے دوسرے پہلو کو لیتے ہیں کہ آیا بغیر اس صورت کو اختیار کئے اشاعت اسلام کے لئے کوئی مستقل کوشش ہو سکتی ہے؟ ہر زمانہ کے حالات بھی الگ ہوتے ہیں اور اس کی ضروریات بھی الگ ہوتی ہیں۔ البتہ اسلام کا زمانہ وہ تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے تعلیم یافتہ ایک قوم ایسی پیدا ہو گئی تھی۔ جن کا جوش علمی اور عملی رنگ میں کئی پشتوں تک برابر چلا گیا۔ اور ایک طرف خود بخود علم حاصل کرنے کا شوق دوسری طرف اس کو حاصل کر کے دوسرے لوگوں تک پہنچانے کا شوق برابر تین صدیوں تک چلا جاتا نظر آتا ہے۔ وہ حالت اس زمانہ میں نہیں۔ اِلّا ماشاءاللہ مسلمانوں میں نہ وہ علم کا شوق باقی رہا ہے، نہ ہی عملی رنگ میں اسے دوسروں تک پہنچانے کا جوش ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور رنگ میں بھی زمانہ میں تغیر آ گیا ہے۔ سائنس اور فلسفہ کا زور بڑھ گیا ہے۔ مذاہب کی عام تحقیقات بھی بہت وقت چاہتی ہے۔ اس وقت جو مبلغ بکار ہیں ان میں سے ایک حصہ ایسا ہونا چاہئیے جو جدید فلسفہ اور سائنس سے بخوبی واقف اور مذاہب کی عام تحقیقات بھی ان

کی بہت وسیع ہونی چاہئیے۔ جس کے لئے ایک عمر تعلیم پر صرف کرنا بکار ہے۔ اور کم وبیش واقفیت تو ان امور سے سب مبلغین کو ہونی چاہئیے۔ پھر اگر قوم پر خوشحالی کا زمانہ ہو تو اس میں شائد ایسے لوگ بھی بہت سے نکل آئیں۔ جو معاش کی طرف سے فارغ البال ہوں اور خدمت اسلام کے لئے زندگیاں وقف کر دیں۔ مگر موجودہ حالات اکثر مسلمانوں کے کچھ اس شعر کا مصداق ہی نظر آتے ہیں۔

شب چو عقد نماز بر بندم — چہ خورد بامداد فرزندم

پس ایسی حالت میں سوائے اس کے چارہ نہیں کہ مبلغین کو ضروری تعلیم دے کر ان کو فکر معاش سے سبکدوش کیا جائے۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ انہیں کسی کام کے قابل بنا دیا جائے۔ تا وہ تبلیغ بھی کریں اور اپنے گزارے کی صورت بھی اپنی محنت سے پیدا کریں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان کا گزارہ اشاعت اسلام فنڈ سے دیا جائے۔ صورت اول میں یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو جب ایک طرف گزران کے لئے فکر ضروری ہے تو اشاعت اسلام کا کام بالکل پیچھے رہ کر سارا تجربہ اور ہمت گزران پر ہی صرف ہو جائے۔ کیونکہ اکثر ایسا ہی دیکھا گیا ہے کہ جب اس فکر میں انسان پڑتا ہے تو پھر اس کے لئے حد بندی کی نگاہ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَایَمْلَاءُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرابُ شیخ سعدیؒ بھی کہتے ہیں۔

گفت چشم تنگ دنیادار را — یا قناعت پر کند یا خاک گور

لیکن گزارن مقرر کر دینے کی صورت میں مجبوراً طبیعت ایک حد پر قناعت کر لیتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ کام اس وقت اس قدر پیچھے دبا ہوا ہے کہ جب تک جو تھوڑے آدمی اس کے لئے مل سکیں جن میں جوش اور للّٰہیّت بھی ہو اور کام کرنے کی قابلیت بھی ہو ان کا پورا وقت اس کام پر نہ لگایا جائے تو کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور ان سب امور پر غور کر کے یہی نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ مستقل صورت اشاعت اسلام کے لئے موجودہ حالات میں کوئی نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ مبلغین کے تیار کرنے اور تیار ہو جانے کے بعد ان کے گزارہ کے لئے پورا انتظام نہ کیا جائے۔

درحقیقت اگر غور کیا جائے تو کسی کام میں باقاعدگی اسے ایک انتظام کے ماتحت لائے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔ اگر مسلمان بادشاہ کم از کم اس پیمانہ پر بھی تبلیغی محکمہ اپنے ماتحت قائم کر کے اس کا انتظام رکھتے جس پیمانہ پر شاعری کا محکمہ قائم تھا اور اس پر خرچ ہوتا تھا۔ تو بھی آج اسلام کی یہ حالت نہ ہوتی۔ انہوں نے جب ایک ملک کو فتح کیا تو اشاعت اسلام کے کام کو محض انفرادی کوششوں پر چھوڑ دیا اور حکومت کی طرف سے اس ضروری کام بلکہ اہم ترین کام کا کوئی انتظام نہ کیا گیا۔ نہ ہی مسلمان قوم نے اس کی طرف کوئی توجہ کی۔ انفرادی کوششیں بعض صلحا اور اہل اللہ کی نہایت قابل قدر ہیں۔ مگر آج ان کا بقیہ ہمیں وہ چند گدیاں نظر آتی ہیں جن میں اشاعت اسلام کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔ خلاف سنت بلکہ معصیت کے کاموں پر ہزاروں نہیں لاکھوں روپے ان گدیوں پر خرچ ہوتے ہیں۔ مگر اسلام کی طرف سے اس قدر بے خبری ہے کہ اس کی تبلیغ اور اشاعت پر ایک پیسہ بھی خرچ کرنا گوارا نہیں ہوتا۔ صلحاء اور اہل اللہ کو لوگ روپیہ اس لئے دیتے تھے۔ تاکہ لوگ ان کے پاس آ کر رہیں اور ان کے فیض صحبت سے کچھ حصہ لے کر کوئی مفید کام کریں۔ مگر وہی روپیہ آخر ان اہل اللہ کی گدیوں میں دنیا داری اور دنیا پرستی کا ذریعہ بن گیا۔ فَخَلَفَ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ(59:19) ان کے پیچھے ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ دیکھ لو اور غور کر لو کہ ایک ایک گدی میں اس قدر روپیہ آتا ہے کہ ایک ایک اسلامی مشن وہاں قائم ہوسکتا ہے۔ مگر یہ روپیہ کس طرح تباہ ہو رہا ہے۔ اگر ان گدیوں کا روپیہ محض گدی نشینوں کے ہاتھ میں نہ ہوتا بلکہ اس کے مصرف کے لئے کوئی انتظام ہوتا تو آج مسلمانوں کے ہزاروں مفید کام اس روپے سے چل سکتے تھے۔ مگر اب یہی روپیہ ان کی تباہی اور ہلاکت میں ممد ہو رہا ہے۔ یہ ساری بلا انتظام اور باقاعدگی کے نہ ہونے سے ہوئی۔

اسلام تو ایسا مذہب ہے کہ اس نے نہایت ضروری عبادات کو بھی ایک قاعدہ کے نیچے منضبط کر دیا ہے۔ نمازوں کے اوقات کیوں مقرر کئے ہیں۔ ان میں رکعتوں کی تعداد کیوں مقرر کی ہے۔ اس لئے کہ اسلام اس عالم الغیب کی طرف سے ہے جو فطرت انسانی کا واقف ہے۔ وہ جانتا تھا کہ انسان پر فراموشی اور سستی اس قدر غالب ہے کہ جو کام محض انسانوں کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جائے اس میں سستی واقع ہوتے ہوتے آخر وہ کام بالکل رہ جاتا ہے۔ عیسائیوں کو دیکھ لو کہ ان کی عبادات میں کسی نظم اور باقاعدگی کے نہ ہونے نے کہاں تک نوبت پہنچائی ہے کہ

ہفتہ میں ایک دن عبادت کا مقرر کر کے آخر وہ یہی محض تفریح اور ملاقاتوں کے لئے رہ گیا۔ اسی طرح زکوٰۃ کے معاملہ میں کیسا پختہ انتظام اسلام نے کیا ہے۔ گو ہماری سستی اور غفلت یہاں تک بڑھی کہ ایسے پختہ انتظام کو بھی درہم برہم کئے بغیر ہم نہ رہے۔ زکوٰۃ کا ایک جگہ جمع ہونا اور ہر سال حساب کر کے لیا جانا یہ ایسے ضروری امور تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے محض اس لئے بعض لوگوں سے جنگ کی کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم زکوٰۃ کا روپیہ نہ دیں گے۔ مگر آج ہماری زکوٰۃ کا بھی یہ حال ہے کہ کسی شخص کا جی چاہا تو کچھ نکال کر اپنے ہی اختیار سے جسے چاہا دے چھوڑا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے چند مصرف مخصوص کر دیئے تھے۔ جن میں اس کا خرچ ہونا ضروری تھا۔ اور وہ اسی طرح ممکن ہے کہ زکوٰۃ سب ایک جگہ جمع ہو اور چند اہل الرائے کے مشورہ سے خرچ ہو۔ انہی میں ایک مصرف نو مسلموں پر خرچ کا بھی ہے۔ یا ان لوگوں پر جو مائل بہ اسلام ہوئے۔ مگر آج کوئی نومسلم ہوتا ہے تو مسلمانوں کے پاس کوئی انتظام نہیں کہ اس کی دینی تعلیم کا کوئی انتظام کریں۔ یا اسے اپنا معاش کمانے کے قابل بنا دیں۔ اس بیچارے کو بھیک مانگنے والوں کی طرح دورہ کرنا پڑتا ہے۔ کبھی کسی کا مہمان ہے۔ کبھی کسی کا۔ اور بہتوں کو تو ایک پروانہ مل جاتا ہے کہ جاؤ تم مسلمان ہو گے۔ اب مسلمانوں کا کام کرتے پھرو۔ اور وہ کیا ہے کہ دربدر بھیک مانگتے پھرو۔ اگر وہ نظم اور باقاعدگی، جو ادائیگی زکوٰۃ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھی، قائم رہتی، تو مسلمانوں کے سینکڑوں بڑے بڑے کام آج اسی کی بدولت نہایت خوش اسلوبی اور آسانی سے چلتے۔

پس جب اسلام ہر کام میں حتیٰ کہ عبادات میں ایک انتظام اور باقاعدگی چاہتا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ اشاعت اسلام کا کام ایک انتظام کے ماتحت نہ ہو۔ اور اسے محض انفرادی کوششوں پر چھوڑا جائے۔ (جاری)

27 اگست 1914ء

اشاعت اسلام۔10

اشاعت اسلام اور احمدیہ جماعت

(از حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

خواجہ کمال الدین صاحب کو جب ووکنگ میں اپنے کام میں ایک مددگار کی ضرورت پڑی۔ تو ان کی نظر سلسلہ احمدیہ کے چند احباب پر پڑی۔ اور انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ ان میں سے کوئی ایک ان کے کام میں مدد کے لئے آجائے۔ اس پر ان لوگوں کو، جو کسی شخص کی خوبیوں کو پاؤں تلے روندنے اور اس کے مصائب کی تلاش میں لگے رہنے کے فن میں ماہر ہیں، ایک بڑا عمدہ موقعہ ہاتھ آیا کہ خواجہ صاحب کو پبلک کی طرف سے بدظن کریں کہ یہ دوسرے لوگوں کو اپنے کام میں شامل کرنا نہیں چاہتے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر خواجہ صاحب کی نظر سلسلہ احمدیہ کے چند احباب پر پڑی۔ تو یہ کسی تعصب کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ واقعات ہی ایسے ہیں کہ آج جو شخص اشاعتِ اسلام کے کام کے واسطے مناسب آدمیوں کے لئے نظر دوڑاتا ہے۔ تو اس کی نظر بحیثیت ایک قوم اور جماعت کے احمدیہ جماعت پر ہی پڑتی ہے۔ اور یہ صرف میری رائے بحیثیت ایک احمدی کے نہیں جو 'کس نگوید کہ دوغ من ترش است' کی مصداق ہو۔ بلکہ جن غیر احمدی احباب نے بھی خالی الذہن ہو کر اس سوال پر غور کیا ہے، انہوں نے بھی یہی جواب دیا ہے۔ افراد کی قابلیت کا یہاں کوئی سوال نہیں۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ بحیثیت ایک قوم ہونے کے کون سی قوم زیادہ موزوں ہے۔ اس غرض کے لئے کہ اس میں سے اشاعتِ اسلام کے سپاہی اور تبلیغ دین کے لئے خادم بھرتی کئے جائیں۔ گو میں کہہ چکا ہوں کہ مسلمانوں کی عام حالت اشاعتِ اسلام کے سوال کے متعلق بہت ہی کمزور ہے۔ تاہم میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ قوم کا وجود بالکل ایسے لوگوں سے خالی نہیں۔ بڑی بڑی قابلیتوں کے بزرگ بھی موجود ہیں۔ خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ اور بعض اپنے حلقہ میں، جہاں تک ان کو موقع ملتا ہے، کسی نہ کسی نیک کام میں لگے ہوئے بھی ہیں۔ مگر ہماری ضرورت اس وقت ایک قوم کو چاہتی ہے۔ اور بحیثیت قوم احمدی جماعت کو ایک امتیاز اس میدان میں حاصل ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں دوسرے لوگوں کو زیادہ تر

توجہ قوم کی تعلیمی ترقی یا اس کی ملکی ترقی یا صنعت وحرفت یا تجارت میں ترقی وغیرہ کی طرف رہی ہے۔ احمدی قوم کا گول اس کا وہ اہم مقصد جو اس کے پیش نظر ہے، شروع سے دین رہا ہے۔ اور اسی قانون کے مطابق کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ وَمَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا (20:17) جس کام میں کوئی قوم پورا زور صرف کرتی ہے۔ اس کام میں اللہ تعالیٰ بھی اپنی امداد اس کے ساتھ کرتا ہے۔ خواہ وہ کام دنیا کا ہو یا دین کا۔ اسی قانون کے مطابق جو کام احمدی جماعت نے شروع سے اپنے لئے اختیار کیا اس کام میں خدا نے اپنی امداد بھی فرمائی۔ چنانچہ یہی قوم ہے جس نے سب سے پہلے انگریزی میں مذہبی رسالہ نکالا۔ جس میں احمدی اور غیر احمدی دونوں قسم کی پبلک کو اعتراف ہے کہ اعلیٰ پایہ کے محققانہ مضامین نکلتے رہے اور جس نے مغربی ممالک میں تھوڑی سی مفت اشاعت کے ساتھ اسلام کے سچے اصول کو پھیلانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ پھر یہی قوم ہے جس کے ایک فرد نے سب سے پہلے اسلام کا جھنڈا عیسائیت اور مادی تہذیب کے عین مرکز میں جا گاڑا۔ اور یہی قوم ہے جس کے پیش نظر بحیثیت ایک قوم کے اشاعت اور تبلیغ اسلام کے بڑے بڑے کام ہیں۔ ہاں! اس میں شک نہیں کہ یہ سب کام تدریجاً اور اپنی بساط کے مطابق ہی یہ قوم کر سکتی ہے۔

پس یہ تو واقعات سے بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ احمدی قوم نے خصوصیت کے ساتھ تبلیغ اسلام کے کام کو اپنے ذمہ لیا ہے اور اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قوم اس کسان کی کھیتی ہے جو اشاعت اسلام اور تبلیغ اسلام کا سچا جوش اپنے اندر رکھتا تھا۔ اور جو اسی سچے جوش کی تخم ریزی کرنے آیا تھا۔ چنانچہ جب اس نے ایک قوم کی بنیاد رکھی۔ تو اس کا بنیادی پتھر کہاں سے لیا۔ یہ بنیادی پتھر قرآن کریم کی اسی آیت سے لیا جو سورہ التوبہ کی چوبیسویں آیت ہے۔ جس میں یہ حکم ہے کہ تم اپنے خویش واقارب، اپنے اموال، اپنی ملازمتوں اپنی تجارتوں، اپنے مکانات ان سے سے زیادہ محبوب اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کو بناؤ اور اپنے ان تمام فوائد کو اسلام کے فائدہ کے سامنے قربان کرنے کے لئے تیار رہو۔ چنانچہ احمدیت کا بنیادی پتھر یہ رکھا گیا کہ ”میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔“

یہی ایک ہی عہد تھا جو فرداً فرداً ان سب لوگوں سے لیا جاتا تھا، جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوتے تھے۔ اس سے قیاس کر لو کہ اس بنیاد رکھنے والے کی اصل غرض کیا تھی۔ وہ ایک ایسی جماعت تیار کرنا چاہتا تھا جو دین کے

فوائد کو دنیوی فوائد پر ترجیح دے۔ جن کے دلوں میں خدا کی محبت دنیا اور اس کے مال کی محبت پر غالب ہو۔ جو دین کے لئے اپنی آسائش کو چھوڑے اور ہر قسم کے دکھ اٹھانے کے لئے تیار ہو۔ چنانچہ اس مختصر فقرہ کی کس قدر تشریح شرائط بیعت میں کی ہے۔ جہاں یہ لکھا ہے کہ بیعت کرنے والا سچے دل سے اس بات کا عہد کرے کہ وہ حالت عسر اور یسر اور راحت اور رنج میں خدا کی راہ میں ترقی کرے گا اور مصیبتوں اور دکھوں کے وقت قدم پیچھے نہیں ہٹائے گا بلکہ آگے بڑھائے گا۔ کیونکہ جیسا کہ میں کسی گزشتہ شمارہ میں دکھا چکا ہوں، اشاعت اسلام کے سپاہی کی سب سے پہلی ضرورت یہی ہے کہ وہ اپنے دل کے اندر ایک ایسا سچا جوش رکھتا ہو کہ اپنے سب فوائد کو اس ایک فرض کے سامنے قربان کرنے کے لئے تیار رہے۔ اور جب تک یہ روح کسی میں موجود نہ ہو، اس وقت تک کوئی قابلیت کام نہیں دے سکتی۔

پس اس حکیم خدا نے، جو جانتا تھا، کہ اشاعت اسلام کے لئے ایک جماعت تیار کرنے کے واسطے سب سے پہلے کس کام کی ضرورت ہے، اپنے اس برگزیدہ بندے کو جس کو اس نے اس جماعت کا پیشرو بنایا، اپنی وحی اور الہام سے یہ بتا دیا کہ مسلمانوں کی اصل کمزوری، جس کی وجہ سے اشاعت اسلام کا کام ان کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے، یہی ہے کہ انہوں نے دنیا کو دین پر مقدم کر لیا۔ بلکہ دنیا کی خاطر دین کو چھوڑ دیا ہے۔

اس لئے جو نئی جماعت اس غرض کے لئے تیار کی جائے، اس سے وہی عہد لینا ضروری ہے جو اشاعتِ اسلام کے کام کی اصل روح ہے۔ اس لئے اس نے اپنے ساتھ عہد اخوت قائم کرنے والوں یعنی اپنے مبائعین سے صرف ایک ہی عہد لیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ اور اسی پر جماعت کی آئندہ ساری ترقیوں کی بنیاد رکھی۔ آیا اس عہد کو، جو احمدی حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر کرتے ہیں، اس پر کوئی فوقیت حاصل ہے کہ ایک شخص خود اپنے دل سے ہی اس بات کا عہد کرے۔

میری سمجھ میں ان دونوں میں ایک بھاری فرق ہے جس کی دو وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ انسان کا اپنا عہد اپنے دل سے بسا اوقات بعد کی مشکلات میں کمزور ثابت ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے کے ساتھ جو عہد اسے خدا کی طرف سے مامور سمجھ کر کیا جائے۔ اس کی عزت اور عظمت دل میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور عموماً بڑی سے بڑی

مشکلات کے وقت بھی انسان وہ عہد کر کے اس پر پکا رہتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان ایک عہد کر لیتا ہے۔ لیکن اس پر کاربند ہونے کے لئے وہ ایک نمونہ کا بھی محتاج ہے۔ خصوصاً چونکہ یہ عہد ایک ایسا عہد ہے کہ اس کے لئے تزکیہ نفس کی بھی ضرورت ہے، اور تزکیہ نفس بغیر مزکی کے ہو نہیں سکتا۔ اس لئے بھی ایک راستباز جس کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر برگزیدہ فرما کر اپنے کلام سے مشرف کیا اور دنیا کی اصلاح کے لئے مامور کیا ہے۔ اس کا دامن پکڑنے سے انسان جو کچھ تزکیہ نفس حاصل کر سکتا ہے۔ وہ اپنی کوششوں سے نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود ایک مکمل شریعت کے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے یہ وعدہ دیا کہ اس میں ہر صدی کے سر پر ایک ایسے شخص کو مبعوث کرتا رہے گا جو اس کے لئے دین کی تجدید کرتا ہے اور از سرنو تزکیہ نفوس کرتا رہے۔

ایسے مبعوثین حقیقی معنوں میں نبی اور رسول نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ نبی اور رسول ان امتوں میں آتے تھے جن کی شرائع مکمل نہ تھیں۔ اور نئے زمانہ کی ضروریات اور نئے حالات کے مطابق سابق شریعت میں کچھ کمی بیشی ہوتی رہی تھی۔ اور نبی اور رسول براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق حاصل کر کے اور حالات کے مطابق سابقہ شرائع میں کمی بیشی کرتے رہتے تھے۔ مگر اس امت کو چونکہ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ کے ماتحت ایک مکمل شریعت دی جا چکی ہے۔ اس لئے نبوت اور رسالت کا اصل کام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ وہ کَآفَّةً لِّلنَّاسِ (28:34) آکر رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (107:21) ہو چکے۔ ہاں! وہ انعامات جو نبوت اور رسالت کے اصل کام کے علاوہ سابق انبیاءؑ پر نازل ہوتے تھے۔ یعنی مکالمہ، مخاطبہ الٰہیہ اور تزکیہ نفوس کرنے کی طاقت۔ ان انعامات کا دروازہ بند نہیں کیا گیا۔ اسی لئے تو دعا میں صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ (7:1) مسلمانوں کو سکھایا۔

یعنی گو نبوت اور رسالت کا اصل کام یعنی شریعت کا پہنچانا یا اس کے بعض احکام میں کمی بیشی کرنا خاتم النبیینؐ کے ساتھ ختم ہو چکا، لیکن ان انعامات سے جو نبیوں اور رسولوں پر ہوتے تھے، یہ امت محروم نہیں رکھی گئی۔ اس لئے ایسے لوگوں کو بروزی یا جزوی یا ظلی نبی تو کہہ سکتے ہیں۔ مگر حقیقی اور کامل اور مستقل نبی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ نبوت کے اصل کام پر، جو نئے احکام کو پہنچانا یا پرانے احکام کو منسوخ کرنا ہے، مامور نہیں۔ بلکہ اس کے ظل کے رنگ میں ایک کام کرنے آتے ہیں۔ اور ان فیوض اور انعامات سے حصہ پاتے ہیں جو نبیوں اور رسولوں پر نازل ہوتے تھے۔ غرض ایسے شخص کے ہاتھ پر عہد جہاں ایک طرف تزکیہ نفس کے لئے معاون ہوتا ہے، دوسری

طرف مشکلات میں انسان کے اندر مقابلہ کی طاقت پیدا کرتا ہے۔

دوسری ضرورت اشاعت اسلام کے سپاہی کی، جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا، یہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنے مذہب کی خوبیوں سے واقف ہو اور اس پر جو اعتراض اس زمانہ میں ہوتے ہیں۔ ان کا جواب دینے کی قابلیت رکھتا ہو۔ بلکہ دوسرے مذاہب میں بھی ایسی دسترس رکھتا ہو کہ ان کی کمزوریوں پر گرفت کر سکے اور ان کی غلطیوں کی اصلاح کر سکے اور اسلام کو جو فوقیت ان پر حاصل ہے اسے ظاہر کر سکے۔ سو میں دیکھتا ہوں کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے بانی کی توجہ شروع سے ہی تمام دوسرے مذاہب کی طرف رہی اور اس بارہ میں انہوں نے اپنی جماعت کو ایسا پختہ کیا کہ بعض مذاہب کے مشنری، جیسے مسیحی مذہب، ایک احمدی سے بحث کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ بلکہ اثنائے بحث میں اگر یہ پتہ لگ جائے کہ بحث کرنے والا احمدی ہے، تو بحث ترک کر دیتے ہیں۔

اور یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اپنی جماعت کو ہر مذہب کے متعلق جو کچھ اسے گر بتا دیئے ہیں کہ جن کو ہاتھ پر لے کر ایک اشاعت اسلام کا سپاہی خدا کے فضل سے ہر میدان میں کامیاب اتر سکتا ہے۔ عیسائی مذہب۔ آریہ مذہب، ہندو مذہب، سکھ مذہب، بدھ مذہب، یہودیوں کا مذہب ان سب کے عام اصول کے متعلق آپ نے اپنی جماعت کو ایک ایسی راہ پر چلایا۔ جو درحقیقت وہی مقابلہ مذاہب کی راہ ہے۔ جس کو میں نے مبلغ کی دوسری ضرورت بنایا ہے۔

ہاں! یہ سچ ہے کہ آپ نے محض ایک راہ بتائی ہے۔ ایک تخم ڈالا ہے۔ اس راہ کی تکمیل اور اس تخم کی پرورش کرنا اب جماعت کا اپنا کام ہے۔ جس میں وہ خدا کے فضل سے لگی ہوئی ہے۔ مگر ایک طرف دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد لینا۔ دوسری طرف جملہ مذاہب عالم سے مقابلہ کر کے اسلام کی فوقیت ثابت کرنا اور ایک جدید علم کلام اپنی جماعت کے ہاتھ میں دے دینا۔ جو مقابلہ مذاہب میں ان کی کامیابی کو یقینی کر دیتا ہے۔ یہ امور صاف ظاہر کرتے ہیں کہ آپ عین اللہ تعالیٰ کی منشاء سے وقت پر اٹھے۔ اور اس کی ہدایت کے مطابق آپ نے ایک ایسی جماعت کی بنیاد رکھی جو اسلام کی اشاعت کے کام کو اپنا اصلی فرض سمجھتی ہے۔

پس احمدی جماعت میں وہ دونوں ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں۔ جن کی ضرورت ایک مبلغ کے لئے

ہے۔مگران دونوں باتوں کے علاوہ ایک تیسری خصوصیت بھی اس جماعت میں مَیں دیکھتا ہوں جو اسے شاعتِ اسلام کے میدان کے لئے موزون سپاہی ٹھہراتی ہے۔اور وہ خصوصیت ٹریننگ اور تجربہ ہے۔کوئی کام ہو انسان محض اس کے اصول کو سیکھ کر یا اسے ہوتا دیکھ کر اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے احسن طریق پر خود بھی کر سکے۔ بلکہ کرنے کے لئے ہمیشہ وہ تجربہ اور سکھانے کا محتاج ہے۔ایک شخص کے ہاتھ میں ہتھیار دے دینے سے اور اسے یہ بتا دینے سے کہ یہ اس طرح پر استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ وہ معاً اس قابل نہیں ہو جاتا کہ ان کا صحیح استعمال بھی کر سکے۔ یہ تو ایک بڑی بات ہے۔نہایت چھوٹے چھوٹے کام جو انسان ہر روز اپنی آنکھوں سے ہوتے دیکھتا ہے اور ان کی غلطیاں بھی نکالی جاسکتی ہیں۔مگر خود اس قابل نہیں ہوتا کہ انہیں کر کے بھی دکھا دے۔ایک شخص روز اپنے گھر میں روٹی پکتے دیکھتا ہے۔لیکن اگر سالہا سال بھی وہ دیکھتا رہے اور خود اپنے ہاتھ سے اس کام کو نہ کرے۔تو پھر بھی وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ خود روٹی ٹھیک پکا سکے۔

پس جب چھوٹے چھوٹے کاموں میں انسان کی یہ حالت ہے تو بڑے کاموں میں اور بھی تجربہ اور سکھانے کی ضرورت زیادہ ہے۔سو احمدی جماعت کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ خدا کے فضل سے اس میدان میں اسے بیس سال سے برابر نہ صرف تعلیم دی گئی ہے بلکہ عملی رنگ میں ان کو پختہ بھی کیا گیا ہے۔علاوہ اس کے کہ وہ حریف کے مقابل میں بات کو ٹھیک طور پر پیش کر سکتے ہیں۔اس تجربہ میں وہ مشکلات کے ان میدانوں سے بھی گزر چکے ہیں جو بعض وقت ایک کام کرنے والے کو گھبرا دیتے ہیں۔اور بڑی بڑی مشکلات کے اندر بھی انہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو فراموش نہیں کیا۔ بلکہ پوری مضبوطی سے اس پر قدم مارا ہے اور اس طرح پر عملاً بتا دیا ہے کہ وہ اپنے اس عہد پر، کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا، پکے ہیں۔پس اس لحاظ سے وہ خدا کے فضل سے اس قابل ہیں کہ تھوڑی سی کوشش سے اس میدان میں نکل سکیں۔

علاوہ ان سب باتوں کے کہ جب ایک کام بالکل نیا کوئی شخص ہاتھ میں لے تو اس میں نہ صرف یہی خطرہ ہوتا ہے کہ ناواقفیت کی وجہ سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے۔جس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہو۔ بلکہ لوگوں کے دلوں میں بھی طرح طرح کے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔لیکن احمدی جماعت کی صورت میں نہ صرف یہ خطرہ ہی بہت کم امکان رکھتا ہے۔ بلکہ ایسے شبہات بھی اس کے متعلق نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ جماعت برابر 20 سال سے اس

کام میں لگی ہوئی ہے اور اس میدان میں اپنے صدق اور اخلاص کا ثبوت دے چکی ہے۔ ہاں! پہلے یہ کام ملا جلا قادیان میں ہوتا تھا۔ یعنی بہت سے دوسرے کاموں کے ساتھ تبلیغ اسلام کا کام بھی ہو رہا تھا۔ لیکن موجودہ اختلاف کو جہاں نقصان سے خالی نہیں کہا جا سکتا، ایک فائدہ بھی اس سے حاصل ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ جماعت کا ایک حصہ، جس میں تعلیم یافتہ لوگوں کی نسبت زیادہ ہے، خالص تبلیغ اسلام کے کام میں لگ گیا ہے۔

اور درحقیقت اختلاف کی بڑی وجوہات میں سے ایک وجہ یہی تھی کہ قادیان میں جو کام ایک انجمن کر رہی تھی، جس کی وہ پوری ذمہ دار تھی۔ کیونکہ اسی کے کُل اختیارات ہر قسم کے انتظام اور ہر قسم کے اخراجات کے متعلق تھے۔ اس انجمن پر ایک حصہ جماعت نے ایک خاص بزرگ کو ایسے اختیارات دے دیئے۔ جن سے انجمن کے اختیارات کالعدم ہو گئے اور ساتھ ہی اس کی ذمہ داری بڑھ گئی اور چونکہ وقت آ گیا تھا کہ اشاعت اسلام کا کام وسیع پیمانے پر شروع کیا جائے۔ اور موجودہ صورت میں تو قادیان میں ایسے کام کو پوری ذمہ داری لے کر شروع نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لئے لاہور میں ایک انجمن احمدیہ جماعت کے بنام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور قائم کی گئی ہے اور یہی انجمن جو رجسٹرڈ ہو چکی ہے۔ پوری ذمہ دار اس بات کی ہے کہ وہ حساب کتاب باقاعدہ رکھے اور رپورٹیں وغیرہ شائع کرتی رہے جس سے چندہ دہندہ پبلک کو پورا اطمینان ہو کہ ان کا روپیہ جائز مصارف پر لگایا جا رہا ہے۔ (جاری)

27-30 اگست 1914ء

اشاعت اسلام۔ 11

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی تجاویز اور اپیل

(از حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی)

اس نمبر کے ساتھ میں اشاعت اسلام کے سلسلہ مضامین کو ختم کرتا ہوں۔گزشتہ نمبر میں میں نے یہ دکھایا تھا کہ اشاعت اسلام کے کام کے لئے ہمیں دوسرے لوگوں کی قابلیت پر کوئی شبہ نہیں۔ بلکہ احمدی جماعت کو اس کام کے لئے یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ قوم شروع سے اسی اصول پر جس کی ضرورت تبلیغ دین کے لئے ہے اور اسی کام یعنی اشاعت اسلام کے لئے تیار کی گئی ہے۔اور گزشتہ بیس سال سے اسی کام میں لگی ہوئی ہے۔اور اس طرح نہ صرف اس کام کے لئے تجربہ ہی حاصل کر چکی ہے۔ بلکہ اپنی موزونیت بھی اس کام کے لئے بتا چکی ہے۔ اور یہ کوئی فخر نہیں بلکہ یہ ایک خدمت ہے جو اس جماعت نے اپنے ذمہ لی ہے۔اور اس خدمت کے ادا کرنے میں جو دکھ اور تکالیف پیش آئیں۔انہیں برداشت کرنا منظور کیا ہے۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ یہ راہ دکھوں اور تکالیف کی ہے۔

پس جو شخص اس راہ میں ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہے مبارک ہے۔لیکن کام کرنے والوں میں چونکہ حد درجہ کی یک جہتی بکار ہے۔ وَاعۡتَصِمُوۡا بَحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا (103:3) اور دوسرے بحیثیت ایک قوم ہونے کے احمدی جماعت نے ہی سب سے پہلے اشاعت اسلام کے میدان میں قدم رکھا ہے۔گو انفرادی کوششیں پہلے بھی ہوتی تھیں اور اب بھی ہوتی رہیں گی۔لیکن چونکہ اس کام کی عظمت ایک بڑی عظیم الشان کوشش کو چاہتی ہے اور یہ انتظام بہترین طریق پر ایک انجمن کے رنگ میں ہی ہوسکتا ہے۔اور پھر انجمن بھی ان لوگوں کی، جو اس راہ میں اپنی وفاداری کا ثبوت دے چکے ہیں۔اس لئے خالص اشاعت اسلام کی اغراض کے لئے لاہور میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔اشاعت اسلام کی ذیل میں اس انجمن کے سامنے مندرجہ ذیل کام ہیں۔

اول

انگلستان میں جو اسلامی مشن خواجہ کمال الدین صاحب کی سعی سے قائم ہوا ہے وہ گو خواجہ صاحب کی ایک انفرادی کوشش ہے۔اور اس انجمن سے پہلے وہ کام شروع ہو چکا ہے۔اس لئے گو انجمن اس کام میں جو احسن طریق پر ہو رہا ہے، کسی قسم کا دخل دینا پسند نہیں کرتی۔لیکن اس کی تقویت کے لئے ہر طرح کی کاروائی کرے گی۔ مثلاً حسب ضرورت اس میں آدمیوں کا مہیا ہونا۔ رسالہ اسلامک ریویو کی توسیع اشاعت کے لئے کوشش کرنا یا چندہ فراہم کرنا اور ہر قسم کا لٹریچر اس کی امداد اور مفت اشاعت کے لئے مہیا کرنا وغیرہ۔

دوم

اس کے علاوہ ہندوستان میں کئی مشن مختلف مقامات میں تبلیغ اسلام کے لئے قائم کرنے کی تجویز ہے۔ جو سکھ مذہب، آریہ مذہب اور عیسائی مذہب کے مقابل کام شروع کریں گے۔ان مشنوں کی بنیاد غالباً آئندہ ماہ اکتوبر میں یا جس قدر جلدی ممکن ہو رکھی جائے گی۔سردست کم سے کم تین مشن ہونے چاہئیں۔اور ہر ایک مشن میں کم از کم تین آدمی کام کرنے والے ہوں گے۔اور اس طرح کم وبیش 9 آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ان کے گزارہ اور ایسا ہی مشنوں کے دوسرے مصارف مثلاً سفر خرچ یا اشاعت ٹریکٹ و رسالہ وغیرہ کے کل مصارف انجمن کے ذمہ ہوں گے۔

سوم

ایک تبلیغی کالج کی بنیاد کے طور پر لاہور میں سردست ایک تبلیغی جماعت کھولی جائے گی۔جس میں انجمن اپنے موجودہ فنڈ کے لحاظ سے نو طالب علموں کو لے سکے گی۔اس تعداد میں سے تین تین آدمی آریہ سماج اور سکھ مذہب اور مسیحی مذہب کے متعلق علاوہ اسلام کے پوری واقفیت حاصل کرنے کے لئے تیار کئے جائیں گے۔ ہاں! اگر ان میں سے بعض ایک سے زیادہ شاخوں میں واقفیت حاصل کرنا چاہیں۔تو اس کا انتظام بھی انشاءاللہ تعالیٰ کیا جائے گا۔ آریہ سماج اور سکھ مذہب کے متعلق جن مبلغین کو تیار کرنا ہوگا، ان کے لئے گورمکھی اور بھاشا کی تعلیم بھی ضروری ہوگی۔تا کہ ان مذاہب کی اصل کتابوں تک وہ پہنچ سکیں اور ممکن ہے کہ سنسکرت کے سکھانے کا بھی انتظام

کیا جائے۔ مسیحی مذہب کے متعلق جو مبلغین تیار کئے جائیں گے وہ کم از کم انٹرنس پاس ہونے چاہئیں۔ بلکہ اس بات کو مدنظر رکھ کر کہ آئندہ انہی مبلغین میں سے باہر کے ممالک میں بھیجنے پڑیں گے۔ ایف اے یا بی۔ اے تک تعلیم یافتہ طالب علم بھی لئے جائیں گے۔ چونکہ اس زمانہ میں انگریزی سے واقفیت ہر مبلغ کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے عموماً سب طالب علم جو تبلیغ کے کام کے لئے تیار کئے جائیں گے کم از کم انٹرنس تک تعلیم یافتہ ضرور ہونے چاہئیں۔ ضروری مضامین کی تعلیم دینے کا پورا انتظام کرلیا گیا ہے۔ مگر سکیم ہنوز تیار نہیں۔ جو عنقریب تیار ہو جائے گی۔ باقاعدہ تعلیم غالباً 15 اکتوبر سے شروع ہو سکے گی۔ ان طالب علموں کی رہائش کا انتظام اور ان کے گزارہ کا معقول انتظام، جس میں سادگی مدنظر رہے گی، انجمن کے ذمہ ہوگا۔

چہارم

ٹریکٹوں اور رسالوں کا ایک سلسلہ جاری کیا جائے گا۔ جو مختلف مذاہب کے متعلق ہوگا۔ اور جس کی اشاعت حسب موقع مفت اور قیمت کے عوض کی جائے گی۔ اس کے لئے بھی ایک چھوٹا سا سٹاف رکھنے کی ضرورت ہوگی۔ اور طبع اور ٹکٹ کے اخراجات علاوہ ہوں گے۔ یہ سلسلہ ایک رنگ میں شروع ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ بعض اور کام بھی انجمن کے مدّنظر ہیں۔ جیسے ایک لائبریری کا کھولنا۔ جس میں ہر قسم کی مذہبی معلومات کا ذخیرہ بہم پہنچایا جائے۔ اور ایک مذہبی اخبارات کا ریڈنگ روم قائم کرنا۔ یہ دونوں کام تبلیغی جماعت کے لئے بطور لازم وملزوم ہیں۔ تا کہ ان کی معلومات کافی طور پر وسیع ہوں۔ ایسا ہی مذہبی لٹریچر کی اشاعت کے بعض نہایت اہم کام ہیں۔ جن کی تفصیل بعد میں کی جائے گی۔ جن تجاویز کا اوپر ذکر کیا گیا ان میں بھی بعد مشورہ تغیر تبدل ممکن ہے۔ اس لئے یہ قطعی اور آخری نہیں۔ لیکن بنیاد کام کی قریباً یہی ہوگی۔ جیسے کہ ان تجاویز میں ذکر ہے۔ ہاں! اگر اس پر کوئی صاحب کوئی رائے دینا چاہئیں۔ تو وہ بنام سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس، لاہور بھیج دیں۔ نیز جو لوگ اپنے آپ کو بطور مبلغین اور تبلیغی اسکول میں تعلیم پانے کے لئے پیش کرنا چاہیں۔ وہ بھی اپنی درخواستیں فی الفور بنام سیکرٹری صاحب بھیج دیں تا کہ کل درخواستیں جمع ہو کر ان امور کا تجاویز کی منظوری کے ساتھ ہی یکجائی فیصلہ ہو جائے اور کام جلدی شروع ہو سکے۔

یہ تو ہماری تجاویز ہیں۔اب ان تجاویز کو عمل میں لانے کے لئے سر دست ہمیں کم از کم 18 آدمیوں کی ضرورت ہے۔یعنی 9 آدمی ایسے جو سر دست تبلیغ کے کام پر لگائے جاسکیں۔اور 9 ایسے جن کو آئندہ تبلیغ کے کام کے لئے تیار کیا جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ مطلوبہ تعداد آدمیوں کی جلد بہم پہنچ جائے گی۔اشاعت اسلام کے لئے اب عام طور پر بھی مسلمانوں میں بیداری پیدا ہوتی جاتی ہے۔اور لوگ اس کام کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔مگر احمدی جماعت کو چاہئیے کہ وہ دنیا پر ثابت کر دے کہ اس میں حقیقی طور پر وہ لوگ شامل ہیں جو ہر وقت دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے لئے تیار اور اپنی جانیں اشاعت اسلام کے لئے وقف کرنے کو موجود ہیں۔تبلیغ کے کام کے لئے تیار کرنے کے واسطے کسی فرقہ کی تفریق کی رکاوٹ امید ہے پیش نہیں آئے گی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ یہ کل سلسلہ مضامین اور یہ تجاویز عام اشاعت کے متعلق ہیں۔سلسلہ احمدیہ کی خصوصیات کی تبلیغ کا کام بھی گو اشاعت اسلام کی ذیل میں ہی آتا ہے۔لیکن وہ اس کام سے علیحدہ ہوگا اور اس کا انتظام بھی جہاں تک ممکن ہوگا علیحدہ ہوگا۔اس کی غرض یہ ہے کہ جو لوگ عام اشاعت اسلام کے لئے روپیہ دیں ان کا روپیہ اسی غرض پر خرچ ہو۔ میں تو تبلیغ احمدیت کی اصل غرض بھی یہی سمجھتا ہوں کہ تا اشاعت اسلام کے لئے آدمی پیدا ہوں کیونکہ یہی خاص غرض اس سلسلہ کی ہے۔مگر چونکہ ابھی تک طبائع میں ایک تعصب موجود ہے۔اس لئے دونوں کاموں کو علیحدہ علیحدہ رکھا گیا ہے۔

اب صرف مصارف یعنی اس تمام کاروبار کے اخراجات کا سوال ہے۔کس قدر اخراجات ان اغراض کے لئے بکار ہیں یہ تو آئندہ تجربہ ہی بتائے گا۔لیکن تخمیناً دو ہزار روپے ماہوار تک سر دست اخراجات کے پہنچ جانے کی امید ہے۔اور ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ہم ایک بہی خواہ اسلام کو مخاطب کرتے ہیں۔اگر چالیس جوانمرد بھی ایسے پیدا ہو جائیں۔ جو پچاس پچاس روپے ماہوار اپنے احباب سے یا دوسرے لوگوں سے فراہم کر کے بھیج دیا کریں۔یا سال میں چھ سو روپیہ تو یہ خرچ آسانی سے پورا ہو سکتا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ایسے چالیس مردان خدا کا نکل آنا کچھ مشکل کام نہیں۔ ہاں! دل میں ایک درد ہو تو یہ سب کام آسانی سے ہو سکتا ہے۔مسلمانوں کا کس قدر روپیہ ہے جو اگر درست طور پر جمع ہو تو اس سے کتنے بڑے بڑے کام چل سکتے ہیں! مثلاً زکوٰۃ کا روپیہ۔

میں کہتا ہوں کہ اس وقت اسلام پر ایک ایسا مصیبت کا زمانہ ہے کہ اگر زکوٰۃ کا وہ روپیہ جو مسلمان

صاحب نصاب لوگوں کے ذمہ ہے۔اس کا آٹھواں حصہ بھی اشاعت اسلام کے لئے دے دیا کریں تو اسی روپیہ سے سارے اخراجات ادا ہو سکتے ہیں ۔اس کے علاوہ قربانی کی کھالوں کا روپیہ بھی اشاعتِ اسلام کے کام پر لگایا جا سکتا ہے۔ بلکہ اسلام کی حالت تو ایک ایسی اضطرار کی حالت ہے کہ اس کی اشاعت کے لئے سود کا روپیہ بھی میرے نزدیک جائز ہے۔ جو مسلمان اپنا روپیہ بنکوں میں رکھتے ہیں ۔اگر وہ صرف اس کا سود اشاعتِ اسلام کے لئے دے دیں۔تو اسی کے ذریعہ بڑا کام نکل سکتا ہے۔پس ہمارے دوست جہاں جہاں ہیں وہ کوشش کریں تو ان مدات میں یا عام چندہ کے رنگ میں کچھ مشکل نہیں کہ وہ انجمن کے ضروری اخراجات کے لئے روپیہ جمع کر سکیں۔ ہاں! تھوڑی سی ہمت بکار ہے۔ جو شخص اس کار خیر میں کمر ہمت باندھ لے گا اللہ تعالیٰ اس کا ضرور معاون ہوگا۔ ہاں! اس کام کے لئے مانگنے میں کچھ شرم نہیں کیونکہ یہ خدا کا کام ہے۔اللہ کی راہ میں لگانے کے لئے جو شخص دست سوال دراز کرتا ہے۔وہ سائل نہیں بلکہ مجاہد ہے۔سو میرے دوستو! اس موقعہ پر اپنی ہمت دکھاؤ اٹھو اور کام میں لگ جاؤ ۔

لطف کن مارا نظر براندک وبسیار نیست

اور بالآخر اے احمدی جماعت کے جوانمر دو! میں تمہیں مخاطب کرتا ہوں کہ تم اپنے عہد کو پورا کرو۔ **وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ.** (177:2) یہ دنیا کچھ چیز نہیں تم صحابہؓ والی قربانیوں کا صدق دکھاؤ۔تم میں سے بہت ہیں جو اگر اپنے عہد پر قائم ہوں تو ہمیں ان معاملات کے لئے کسی کے آگے بھی ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں۔ یاد رکھو کہ تمہارے مال و دولت کا وہی حصہ تمہارا اپنا ہے۔ جو تم اللہ کی راہ میں لگا دو۔اموال جمع کرنے اور جائدادیں پیدا کرنے کے لئے بہت لوگ ہیں۔تم اپنا مقصد ان سب سے آگے ٹھہرالو۔اور درحقیقت تمہارا مقصد علیحدہ ہی ٹھہرایا گیا ہے۔تم اس پر قائم رہ کر اپنا نیک نمونہ دکھاؤ۔

دیکھو تم مسیح موعود کی صحبت سے فیض یافتہ قوم ہو۔تم ایسا نمونہ دکھلاؤ کہ دوسرے تمہاری صحبت سے فیض یافتہ کہلائیں۔بغیر قربانیوں کے نہ دنیا میں کوئی قوم بنی اور نہ بنے گی۔ اگر تو تمہاری نظریں صرف اپنی ذاتی اغراض

اور آسائشوں تک ہی محدود ہیں۔ تو یاد رکھو کہ تم دنیا میں کبھی ایسی قوم نہیں بن سکتے جس کا نام پیچھے رہ جائے۔ خدا تو انہی کا نام زندہ رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں اور مر مٹتے ہیں۔ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتٌ بَلۡ اَحۡیَآءٌ (154:2) پس تم اس حقیقی زندگی کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ تم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ تم خدا کے لئے دنیا میں دکھ اور تکلیفیں اٹھانے کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ اگر تم اس قدر سمجھ لو تو یہی دکھ اور تکلیفیں تمہارے لئے راحت بن جائیں گی اور وہ جو تمہیں آگ معلوم ہوتی ہیں جنت بن جائے گی۔ تم ابراہیم بنو تا کہ آگ تم پر بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا (69:21) بن جائے۔ وہ کام کرو کہ پیچھے آنے والی قومیں تم پر رحمت بھیجیں۔ اور تمہارے نقش قدم پر چلنا فخر سمجھیں۔ اور وہ کام نہ کرو کہ تمہارے اپنی اغراض میں منہمک ہو جانے اور اپنی ہی نفس پرستی کی وجہ سے تم دین کا بیڑا غرق کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ۔ یاد رکھو کہ تم فاسقین کے زمرہ سے کبھی نہیں نکل سکتے جب تک کہ عملی طور پر دین کو دنیا پر مقدم کر کے نہ دکھاؤ۔ اٹھو اور مردانہ وار ہمت دکھاؤ۔ عورتوں کی طرح دنیا کی محبت میں غرق نہ ہو جاؤ۔

اور اے احمدی جماعت کی نیک خاتونو! تم نے بھی وہی عہد کیا ہے جو مردوں نے کیا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم یہ سمجھ رکھو کہ ہمارے مرد چونکہ نیک کاموں میں تھوڑی بہت شمولیت کر لیتے ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے؟ اسلام میں کفارہ کوئی نہیں۔ مرد اگر کچھ نیکی کرتا ہے تو اپنے لئے۔ تم کیوں اس موقعہ کو کھوتی ہو۔ تمہارے ہاتھوں میں گھروں کے اخراجات ہیں۔ اگر اس میں سے تھوڑا تھوڑا بھی خدا کی راہ میں دینے کے لئے بچانے لگو۔ تو بہت کچھ کر سکتی ہو۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ تم مردوں کو نمونہ دکھاؤ۔ اور ایسے ایثار اور قربانیاں کر کے دکھلاؤ کہ مرد بھی شرمندہ ہو جائیں۔ اگر مرد نہیں جاگتے تو اٹھو اور تم ہی ان کو اٹھاؤ۔ اسلام نے تو عورتوں کو کسی معاملہ میں مردوں سے پیچھے نہیں رکھا۔ تمہاری بہنوں کو یورپ میں کس قدر جدوجہد مردوں کے برابر حقوق حاصل کرنے میں کرنی پڑی ہے۔ اور پھر بھی انہیں وہ حقوق نہیں ملے جو اسلام نے تمہیں پہلے سے عطا کر رکھے ہیں۔ تم اپنی جگہ صاحبِ مال ہو۔ صاحب نصاب ہو۔ تم پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ تم اس زکوٰۃ کا روپیہ ہی اشاعت اسلام کے لئے بھیج کر مردوں کے لئے راہبر بنو۔ تمہارے ایسے زیورات بھی ہوتے ہیں۔ جن پر زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہے۔ سو تم خدا کے حقوق سے غافل مت ہو۔ ورنہ تم بھی مواخذہ کے نیچے ہو۔ اگر مردوں کی تعریف قرآن شریف نے

اَلْمُتَصَدِّقِیْنَ (35:33) کہہ کر کی ہے۔تو ساتھ ہی عورتوں کو بھی اَلْمُتَصَدِّقٰتُ (35:33) کہا ہے۔تم ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہ کرو کہ مردوں کی خیرات کرنے سے تمہاری خیرات سمجھ لی جائے گی۔ مردوں کے کسی نیک کام میں لگ جانے سے تم بھی اس میں شامل سمجھیں جاؤ گی۔ بلکہ اٹھو اور جس طرح اسلام نے تمہیں وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (228:2) کہہ کر مردوں سے حقوق دلائے ہیں۔تم اپنی علیحدہ ذمہ داری سمجھو۔تم قوم کے جسم کا نصف حصہ ہو۔جس جسم کا نصف حصہ مردہ ہو۔اس میں زندگی کہاں؟ تم اپنی زندگی کا ثبوت دو۔تم جو کام نیک کرو گی اس میں تم کو دہرا ثواب ہوگا۔ کیونکہ تمہارے بچے جو تمہیں سے تربیت اور اخلاق حاصل کرتے ہیں، وہ بھی ان نیکیوں کو تم سے سیکھیں گے۔اور اس طرح تم نہ صرف اپنے لئے نیکی کرنے والی ہو گی۔ بلکہ آئندہ نیکی کی بنیاد تمہارے ذریعہ سے رکھی جائے گی اور تمہارا صدقہ،صدقہ جاریہ کا مصداق ہوگا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خاکسار

محمد علی

17 ستمبر 1914ء

مراسلات

سلسلہ کے امور متنازعہ پر التماس

1۔ بزرگانِ پیغام صلح سوسائٹی کی خدمت میں

خاکسار نے اگلے روز جناب مرزا محمود احمد صاحب کے حضور میں گزارش کی کہ جناب کے فتویٰ تکفیر غیر احمدیوں سے قوم میں ایک وحشت پیدا ہو رہی ہے اور مجھے جناب کے مقامی علماء سے ایک بزرگ نے بھی یہ ظاہر کیا ہے کہ اس سے جناب کی مراد کافر بالمسیح یعنی منکر مسیح ہے۔ اگر ایسا ہے تو جناب براہ مہربانی اس کی تصریح فرما دیجئے کہ لوگ ابتلا سے بچیں۔ اس کے جواب میں آپ جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ ’’اس میں کوئی شک نہیں کہ میں حضرت مرزا صاحب کے منکروں کو کافر بالمسیح ہی سمجھتا ہوں۔‘‘

اور اگر کبھی آپ جناب نے غیر احمدیوں کے لئے لفظ ’’کافر‘‘ کا استعمال فرمایا ہے۔ تو اس کی بابت اسی جواب میں آپ جناب نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر کو **کَافِرٌ بِالْمُحَمَّدِ** کہنے کی بجائے اجمالاً صرف لفظ کافر کے نام سے لکھتے ہیں۔ ایسا ہی منکر مسیح موعود کو کافر بالمسیح کی بجائے اجمالاً کافر لکھا جا سکتا ہے۔ اور جب وہاں **کافر بِالْمُحَمَّدِ** کی تصریح کی ضرورت ہوگی۔ تو یہاں منکر المسیح کے لئے یہی ہم تصریح کر دیں گے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن شریف میں **اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ حَقًّا** (151:4) ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء کے منکر کافر ہوتے ہیں۔ اب جس طرح انبیاء کے مدارج میں فرق ہوتا ہے۔ ایسا ہی ان کے انکار اور کفر کے درجہ میں بھی فرق ہے۔ اور یہ مسلمہ طرفین ہے کہ حضرت مرزا صاحب بھی ایک درجہ کے رسول تھے۔ حضرات پیغام صلح سوسائٹی کی خدمت میں التماس ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے درجہ نبوت سے تو کسی احمدی کو انکار نہیں ہے۔ حضرت خواجہ (کمال الدین) صاحب نے تبلیغ نظام دکن کی تمام بنیاد **وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا** (15:17) پر رکھی ہے۔ اگر حضرت صاحب رسول

نہ تھے تو اس آیت کا اطلاق حضرت ممدوح کی آمد کے متعلق کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ یہ سند جہاں ہمارے احباب پیغام صلح کے لئے قابل نوٹ ہے، وہاں قادیان کے بزرگوں کے اس اعتراض کا جواب بھی ہے کہ احباب پیغام صلح حضرت مرزا صاحب کی رسالت کے منکر ہیں۔ انہی حالات میں پیغام صلح سوسائٹی سے اپیل کرتا ہوں کہ جناب صاجزادہ صاحب نے نبوت کے مسئلہ کو ضمیمہ الفضل مورخہ 2 اگست میں بخوبی کھول دیا ہے۔ جس سے آپ صاحبان کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔ (ضمیمہ الفضل کے مضمون میں چندزبردست مغالطے ہیں اور اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ ایڈیٹر) علیٰ ہذا مسئلہ تکفیر کو بھی جناب موصوف نے بخوبی صاف کر دیا ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب کے منکرین کو کافر بالمسیح قرار دینا ایک امر واقعہ ہے جس کو حضرت خواجہ صاحب نے بھی ایک اشتہار کے ذریعے تسلیم فرمایا تھا۔ میرے خیال میں آپ صاحبان اور حضرت صاجزادہ صاحب میں امر متنازعہ اب صرف مسئلہ خلافت ہی ہونا چاہئیے۔ مسئلہ تکفیر ونبوت، جو ایک جدا مسئلہ ہے اور اتفاقاً ایک ہی وقت میں مسئلہ خلافت کے ساتھ معرض سوال میں آکر عام لوگوں کی پریشانی کا موجب ہوا ہے، اب حل ہو چکا ہے۔ اور اب جانبین میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ لہٰذا آئندہ اس بارے میں طرفین کی خامہ فرمائی فضول ہوگی۔ اور حالانکہ آپ حضرات کو مسئلہ خلافت سے ایک اصولی اختلاف ہے تو مقتضائے معقولیت تو یہ ہے کہ آپ صاحبان کی تمام بحثیں، قطع نظر کسی مدعیٔ خلافت کے اعتقاد یا کیریکٹر کی نوعیت کے، اصول مسئلہ خلافت سے متجاوز نہ ہوں۔ حالانکہ آپ صاحبان مختلف خلفاء مجازان بیعت کے انتخاب کے سلسلہ میں جناب صاجزادہ صاحب کی خدمت والا کو بھی نامزد کر کے بالفاظ دیگر آپ جناب کے تقویٰ اور علم وفضل کو تسلیم فرما چکے ہیں۔ نکاح ثانی پر اعتراض پیدا کرنا یا کسی طرح جناب صاجزادہ صاحب کے علم وفضل یا کیریکٹر پر کوئی حرف لگانا گویا آپ صاحبان کا اپنے انتخاب کو خفیف کرنا ہے۔ آپ صاحبان کو اپنے انتخاب کی توقیر کرنی چاہئے۔

2۔ صاجزادہ صاحب کی خدمت میں

مباحث ہی میں کسی شخص کے ایمان اور اخلاق کا امتحان ہوا کرتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جماعت کے اکثر بزرگ اس امتحان میں فیل ہوئے ہیں۔ الفضل، الحق اور الحکم نے جہاں اصولی مباحث پر بڑی دلیری اور جرات سے بحث کر کے حقیقت پر روشنی ڈالنے کی نیک کوششیں کی ہیں، وہاں اس سے بڑھ کر انہوں نے لاہوری

حضرات کی نیتوں پر جو حملے کئے ہیں ان کا بھی کوئی شمار نہیں۔ افسوس ہے کہ جس جماعت میں بدگمانی ایک گناہ عظیم سمجھا جاتا تھا اس نے لوگوں کی نیتوں پر حملے کرنے میں وہ اندھیر مچایا ہے کہ نہایت تاریک خیال، تنگ دل اور جاہل عورتوں سے بھی کئی قدم آگے چلے گئے ہیں۔ پھر جو شخص جناب کا مرید ہوکر بھی ایسی نامعقول بحثوں میں پارٹ نہیں لیتا۔ اس کی نیتوں پر بھی سخت کمینہ حملے کئے جاتے ہیں۔ بیشک جناب کا یہ اصول قابل تسلیم ہے کہ پہلے اپنے گھر ہی کو فتنے سے بچانا چاہئے۔ مگر ذاتیات پر حملے کس فائدے پر مبنی ہیں۔ صاحب الحق نے اس کاروائی کو بھی ایک اصول کے ماتحت بتایا ہے۔ مگر ایسی باتوں سے جماعت کے عام آدمیوں کے مزاج ایسے خراب ہو گئے ہیں کہ ان کی صحبت بازاری صحبتوں کے برابر ہو رہی ہے۔

حضرت! مسئلہ خلافت میں لاہوری بزرگان کی نیک نیتی میں کوئی شبہ نہیں۔ اس اختلاف میں ان کے پاس بھی کم وبیش وجوہات اور دلائل ہیں۔ البتہ ان کے اختلاف کو ایک اجتہادی غلطی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سے زیادہ ان کی نیتوں کو ٹٹولنا خدائی کارخانے پر دست درازی کرنا ہے۔ اندریں حالات ایک ایسی جماعت کے لئے جو ایک مقصد عظیم مدنظر رکھتی ہو اور ایک عملی جماعت ہو، ضروری ہے کہ ایک ایسی راہ ہونی چاہیئے جس سے باوجود اختلاف کے بھی منتہائے مقصد کی جدوجہد میں کوئی فرق نہ آئے۔ اہل ہنود جن کا کوئی بھی اصل اصول نہیں ہے، ایکسٹریمسٹ ہیں یا ماڈریٹ۔ مگر مقصد ایک ہی ہے۔ اور صرف طرزِ عمل میں اختلاف ہے۔ اب ایک جماعت ہے جو حضرت صاحب کو مسیح موعود مانتی ہے اور اشاعت اسلام کا دعویٰ رکھتی ہے۔ اور صرف مسئلہ خلافت کے بارہ میں اختلاف رکھتی ہے۔ ضروری ہے کہ مقصدِ مشترکہ میں ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یا کم از کم ان کو اپنی طرز پر کام کے لئے بڑی خوشی سے موقع دیا جائے۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ہر ایک عامل کی کام کرنے کی جدا جدا طرز ہوتی ہے۔ میں جناب کی طرز کو حضرت نورالدین اعظم کی طرزِ کام سے مختلف سمجھتا ہوں۔ اور جناب بھی تسلیم فرما چکے ہیں کہ باجود ایسے اختلافات کے بھی ہم ایک نقطہ پر قائم رہ سکتے ہیں۔

تو پھر کیا وجہ ہے کہ حالانکہ ہمارے مقتدایان سابقین نے حضرت مولوی محمد علی صاحب کو ترجمہ قرآن شریف کا اہل سمجھ کر اس ڈیوٹی پر لگایا اور تمام ممبران انجمن نے ان کی زندگی میں اس کے خلاف کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اب چھ سال کے بعد جناب کے مریدان کے انگریزی ترجمہ کے متعلق شور بپا کر رہے ہیں۔ فرمایئے کہ اس

حالت میں چھ سال منافقت کس نے کی؟ حقِ اشاعت کا سوال، جو تجارتی رنگ رکھتا ہے۔ اس سے جدا ہے، اور خواجہ صاحب، جو حضرت نورالدین کا بھیجا ہوا ہے، اس کے کام پر اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔ خواجہ صاحب نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ مسیح موعودؑ کا نام یورپ کو نہ سناؤں گا۔ بلکہ انہوں نے تو فرمایا ہے کہ ابھی وقت موزوں نہیں ہے۔ اور یہ ایک ترتیبِ کام ہے۔ خواجہ صاحب کی یہ طرز حضرت نورالدین کے اس حکم کے ماتحت ہے کہ پہلے لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ سکھاؤ پھر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سکھاؤ اور پھر حضرت صاحب خلیفۃ المسیح خواجہ صاحب کے کام پر ہمیشہ اظہار پسندیدگی فرماتے رہے۔ خواجہ صاحب حضرت کے نام اور شان کی غیرت میں ایک سچے احمدی سے کم نہیں ہیں۔ کیا غُلِبَتِ الرُّوْمُ (2:30) کی پیشگوئی کے پورے ہونے پر اس نے یورپ کی متعدد زبانوں میں اس کی اشاعت نہیں کی؟ اور نظام دکن کو کس دلیری سے تبلیغ کی؟ پھر کیا خواجہ کی طرزِ تبلیغ آج کل اور حضرت نورالدین کے زمانہ میں یکساں نہ تھی۔ اگر خواجہ صاحب پر اب اعتبار نہیں تو ان کو کم از کم ملیشیا فوج کی طرح آگے آگے کام کرنے دیا جائے۔ اور جناب کے مبلّغ تیار شدہ کام پر ان کے پیچھے پیچھے کام کرتے جائیں۔ اور یہ طریق تقسیمِ کار کے اصول کے بموجب بہت سہل اور نتیجہ بخش ہوگا۔ مگر یہ طریق بالکل خطا ہوگا کہ خواجہ صاحب سے علیحدہ ہو کر تبلیغ کی بالکل جدا بنیاد ڈالی جائے۔ اندریں حالت تو ہم لوگ غیر احمدیوں سے بھی زیادہ متعصب اور تنگدل ثابت ہوں گے۔

افسوس تو یہ ہے کہ وہ جماعت، جس کا امام اپنی زندگی کے آخر ایام میں اس قوم سے بھی، جو کم از کم مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو ماننا تو ایک طرف، خود لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ کی بھی بخوبی قائل نہیں ہے صلح اور محبت سے ایک حد تک متحد رہنے کا ایک دستور العمل قائم کر کے اپنے متّبعین کو اعلیٰ درجہ کی وسعتِ قلبی کا سبق دے گیا ہے۔ (لیکچر پیغامِ صلح)، اب اس قدر تنگ خیال اور متعصب ہو جائے کہ اس میں ایک شخص مغرب کے کفرستان میں جا کر گمراہ مخلوق کو یہ سناتا ہے کہ خدا ایک ہے، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ (3:112) ہے تو اس کو اپنی جماعت کے لوگ جھٹلاتے ہیں کہ غلط کہہ رہا ہے۔ وہ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر لوگوں کو قرآن دکھاتا ہے کہ آؤ تمہاری سب پیاس اس سے بجھے گی۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ نہیں غلط کہہ رہا ہے۔

میری ناقص سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب کا اپنے مرشد (حضرت نورالدین) سے اختلاف ہو تو جائز

جناب کے مریدوں کو جناب سے اختلاف ہوتو جائز۔مگر وہ لوگ، جو خدا کا نام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور حضرت مسیح موعود کا نام منوانے میں جناب سے متفق ہیں۔اور صرف مسئلہ خلافت سے اختلاف رکھتے ہیں، ان کا سب کام غلط اور ناجائز ہو۔ پوشیدہ نہ رہے کہ میں نے اس مسئلہ کے متعلق جو صحیح طور پر متنازعہ جانبین ہے (یعنی مسئلہ خلافت) کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔اور صرف ان امور کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جو میرے خیال میں ایک بیہودہ تنازعہ کی شکل میں درپیش ہیں۔اسی ضمن میں میں اپنے بعض بزرگوں کو حضرت مسیح موعود کا وہ بیت بھی یاد دلاتا ہوں ۔

کلمہ گویاں را چرا کافر نہی نام،اے اخی!

☆

(مذکورہ مصرعہ حضرت مرزا صاحب کی ایک طویل فارسی نظم کا ہے۔جو آپ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں لکھی۔ یہ نظم آپ کی تالیف لطیف آئینہ کمالات اسلام میں رقم ہے۔اس مصرعہ کے سیاق وسباق کے چند اشعار معہ اردو ترجمہ درج ہیں۔مرتب)

☆

ایں کہ تکفیرِ مسلماناں کُنی، از بُخل و کیں
شَرمت آید، از خُدائے عادِل و ذِی اِختیار

ترجمہ: اے وہ شخص جو بخل اور دشمنی کی وجہ سے مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے تجھے منصف اور قادر خدا سے شرم آنی چاہئے۔

سہل باشد، از زبانِ خویش تکفیرِ کسے
مشکل اُفتدآں زماں، چُوں پُرسَد از وَے کِردِگار

ترجمہ: اپنی زبان سے کسی کو کافر کہہ دینا آسان ہے۔مگر اس وقت مشکل پڑے گی جب خدائے کردگار پرسش فرمائے گا۔

کلمہ گویاں را چرا کافر نہی نام، اَے اَخی!
گر تو داری خَوفِ حق، رَو، بیخ کُفرِ خُود برآر

ترجمہ: اے بھائی تو کلمہ گوؤں کا نام کافر کیوں رکھتا ہے اگر تو خوفِ خدا رکھتا ہے تو خود اپنے کفر کو جڑ سے نکال۔

پِیر گشتی، خُلقِ پیراں را نمے دانی، ہنُوز
ایزَدَت بخشد، چو پِیراں، صِدق و سوز و اِصطِبار

ترجمہ: تو بوڑھا ہوگیا مگر ابھی تک بوڑھوں والے اخلاق کو نہیں جانتا۔خدا تجھے بوڑھوں کی طرح سچائی،سوز اور صبر عنایت کرے۔

گر کُنی تکفیرِ قومِ خُود، چہ کارے کردۂ؟
رَو، اگر مَردی، جھودے را باسلام اندر آر

ترجمہ: اگر تو نے اپنی قوم ہی کی تکفیر کی۔تو کیا کام کیا؟ اگر تو جوانمرد ہے تو جا اور کسی یہودی کو اسلام میں داخل کر۔

چُوں نسیمِ صُبحِ محشر، پردہ بردارد زِکار
کِیست کافِر، کیست مومن، خُود بگَردد آشکار

ترجمہ: جب قیامت کی صبح کی ہوا حقیقت پر سے پردہ اٹھادے گی تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ کون کافر ہے اور کون مومن۔

گر خِرَد مندی، بِرَو، کُن فِکرِ نَفسِ خُود نخُست

لافِ اِیماں، خُود چِہ چیزے؟ نُورِ اِیماں را بِیار

ترجمہ: اگر تو عقلمند ہے تو جا اور پہلے اپنی جان کا فکر کر۔ ایمان کا دعویٰ کچھ چیز نہیں۔ نورِ ایمان کو لا۔

چند بر تکفیر نازی؟ چند اِستہزا کُنی؟

رَو بایمانِ خود و ، مارا بکفر ما گزار

ترجمہ: کب تک تو تکفیر پر ناز کرے گا اور کب تک تمسخر کرتا رہے گا۔ چلا جا اور اپنے آپ کو اپنے ایمان پر اور ہم کو ہمارے ایمان پر چھوڑ دے۔

نے زِ فِردَوسَم حِکَایَت کُن، نہ از آلامِ نار

کز غمِ دینِ مُحَمَّد، مے زِیَم، شوریدہ وار

ترجمہ: مجھ سے نہ تو جنت کا ذکر کر اور نہ دوزخ کی تکالیف کا۔ کیونکہ میں تو محمدؐ کے دین کے غم میں دیوانوں کی سی زندگی بسر کرتا ہوں۔

اندر آں وقتیکہ یاد آید مُہِّمِ دِیں مَرا

بَس فراموشم شَود ہر عَیش و رَنجِ ہر دو دار

ترجمہ: اس وقت جبکہ مجھے دین کی مہم یاد آتی ہے تو دونوں جہان کی خوشیاں اور غم مجھے بالکل بھول جاتے ہیں۔

☆

مگر ایک تازہ تصریح کی وجہ سے اب اس کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ لاہوری احباب اگر خارجی ہیں تو

قادیان کے بعض بزرگوں میں شیعوں کا سا غلو عیاں ہے۔ الفضل لکھتا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے علاوہ اَحْمَدُ نَبِیُّ اللّٰهِ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسلام اور احمدیت کو جدا جدا ظاہر کرتا ہے۔ حالانکہ احمدیت اسلام سے جدا نہیں ہے۔ بلکہ بقول حضرت صاحب احمدیت عین اسلام اور اسلام عین احمدیت ہے۔ ایسا ہی جب کہ حضرت مسیح موعود کا ماننا خدا اور رسولؐ کے حکم کے ماتحت ہے۔ تو لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر صحیح اور کامل ایمان جبھی ہوسکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کو بھی مانا جائے۔ اندریں صورت حضرت مسیح موعود کا ماننا کلمہ شریف سے کوئی جدا امر نہیں ہے۔ مگر الفضل عموماً یہی لکھتا ہے کہ کلمہ کے علاوہ اَحْمَدُ نَبِیُّ اللّٰهِ کا ماننا ضروری ہے۔ اور یہ بات کلمہ شریف پر ایک اضافہ معلوم ہوتی ہے۔ جو کسی صورت میں جائز نہیں۔

لہٰذا مؤدبانہ گذارش ہے کہ برائے مہربانی جناب اپنے ماتحت اصحاب کو تنبیہ فرمائیں کہ افراط وتفریط سے بچیں۔ مجھے نہایت درد پہنچتا ہے کہ جناب کے بعض مریدوں کی بے اعتدالیوں سے جناب والا کی ذمہ دار ذات مبارک پر بُرا حرف پیدا ہو رہا ہے۔ سلسلہ عالیہ کے مختلف مقاصد ہیں۔ اور سب سے مقدم غیر مسلمانوں میں اشاعت اسلام ہے۔ اور یہ بھی ضروری تھا کہ سلسلہ کے پرچے موجودہ نزاع میں حصہ لیتے اور حقیقت کا اظہار کرتے مگر کیا اس ایک مقصد کے پیچھے باقی سب مقاصد فوت کر دینے جائز ہیں؟

حق تو یہ تھا کہ ایسی حالت میں سلسلہ کے مختلف پرچے مقاصد کی تقسیم کر لیتے۔ اور ہر ایک پرچہ اپنے اپنے مورچہ پر قابو رکھتا۔ مگر جب سلسلہ کے تین پرچوں نے لاہور پر گولہ باری شروع کی اور باقی سب اطراف کو بھلا دیا اور اس حالت میں صرف ایک پرچے نے غیر مذاہب کی روک تھام کو مدنظر رکھا تو ان پرچوں نے اس پرچے پر بھی گولہ باری شروع کر دی۔ اور ایک بات کو، جو سلسلہ کی خوبی کی سند گردانئے کے لائق تھی، اپنی زبان اور عمل ہی سے اپنا عیب بنالیا۔ اور جناب کی جماعت کا یہ وہ نقص ہے جس کی آسودگی کی وجہ سے جناب کے دعویٰ نفسِ صداقت پر بھی نہایت برا اثر پڑ رہا ہے۔

اور طرفین کی خدمت میں عرض ہے کہ موجودہ اختلاف پر، جو ایک امر مقدر تھا، بہت کچھ بحث ہو چکی ہے۔ طرفین اپنا اپنا فرضِ تبلیغ کا ادا کر چکے اور ایک دوسرے پر حجت تمام کر چکے۔ اس سے زیادہ زور آزمائی تقدیر کا

مقابلہ ہے۔ دلوں پر تصرف کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اب خدا را انواع ضروریات کا اندازہ کریں۔ ضرورت اور سخت ضرورت میں تمیز کریں۔ اور اس مقصد اعلیٰ کو مقدم رکھیں جو ایک سچے احمدی کا منتہائے زندگی ہونا چاہیئے۔ حضرت مسیح موعود اور خلیفہ اول کی مبارک زندگیوں میں بھی یہ جماعت اندرونی اختلافات سے کم وبیش پاک نہ تھی۔ مگر تاہم ان حضرات نے اپنی کوششیں تقریباً تمام تر اغیار ہی میں اشاعت اسلام اور قوم میں استحکام تقویٰ پر صرف کیں۔ آپ صاحبان کو ان کے طریق عمل کی تقلید کرنی چاہیئے۔ اور باوجود اختلاف کے سلسلہ کی ان اصلی اور اعلیٰ اغراض میں، جو مشترکہ جانبین ہیں، متحد ہو کر کام کرنا چاہیئے۔

3۔ غیر احمدی غور سے سنیں!

جماعت کے موجودہ اختلاف کو دیکھ کر اکثر غیر احمدی لوگ از راہ شماتت خوشیاں منا رہے ہیں۔ اور لاہور کے بعض پرچے تو جماعت کے اندرونی مباحث کی عبارتیں اپنے پرچوں میں نقل کر کے گویا قوم پر یہ ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں کہ سلسلہ کا اب ضعف وزوال شروع ہو گیا ہے۔ اور بس اب جلدی یہ سلسلہ تباہ ہو جائے گا۔ اور نیز اس نزاع کو بنیادِ سلسلہ کی بطلان کی سند میں پیش کر رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ صرف وہ لوگ جو جاہل اور تاریخِ مذاہبِ حق سے ناواقف ہیں۔ اس دلیل سے دھوکا میں آجائیں گے۔ مگر ایسے معاندین کو یقین کرنا چاہیئے کہ یہ سلسلہ خدا کا قائم کردہ ہے۔ جس کا چارج صدی بہ صدی خدا کے مامور لیتے رہے ہیں۔ اور اسی طرح قیامت تک یہ سلسلہ پہنچے گا۔ اور فی زمانہ (یعنی چودہویں صدی میں اس کا چارج ایک ایسے اولوالعزم اور برگزیدہ امام نے لیا ہے۔ جس کا فیضان چودہویں کے چاند کی طرح اطرافِ عالم میں پہنچے گا۔ اور یہ بھی ضرور تھا کہ یہ سلسلہ بھی ان تنگ اور خار دار گھاٹیوں کو عبور کرے جس سے تمام مذاہبِ حقہ کو ہمیشہ گزرنا پڑتا ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا ایک امتحان ہوتا ہے۔ دنیا کو یہ دکھانے کے واسطے کہ دیکھو باوجود ایسے ابتلاؤں کے بھی یہ سلسلہ بحال اور اپنے کام پر لگا ہوا ہے۔ موجودہ اختلاف خیر القرون کے نزاعات سے بہت کم ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، باجود شاہی شان وشوکتوں کے مارے گئے، اور مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ تو اگر خیر القرون زمانہ کے ان عظیم نزاعات کو سلسلہ کے بانی اعظم

(حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم) کے بطلان کی دلیل گردانناجائز ہےتو ہمارے معاندین کی دلیل بھی جائز ہو سکے گی۔ وگرنہ ان کی یہ دلیل اور یہ خوشیاں بعینہٖ ان خوشیوں کے مشابہ ہیں، جو خیرالقرون کے یہودی مناتے تھے۔

دوستو! یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ سلسلہ کے دو حصے کیا خواہ دس حصے بھی ہو جائیں۔لیکن تمہارے مقابلے میں انشاءاللہ تعالیٰ ہم سب متحد اور واحد ہی ہیں۔حضرت عیسٰیؑ کو وفات شدہ ماننے اور حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود ماننے میں ہم سب ایک ہیں۔اور ہر حالت میں ہمارا مقصد اشاعت اسلام ہی ہے۔اور یہ وہ باتیں ہیں جو اس سلسلہ کے اصل اصول ہیں اور جب تک ان اصولوں پر اہالیان سلسلہ کا تمسک ہے۔کسی کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ وہ موجودہ اختلاف سلسلہ کو سلسلہ کی فرقہ بندی کی دلیل گردانے۔

آخر میں میں احمدی برادران سے ملتجی ہوں کہ حسب فرمودہ صاحبزادہ صاحب بہت بہت توبہ واستغفار کریں۔خدا تعالیٰ سے معاملہ صاف کریں۔صدقات وخیرات کریں۔درد دل سے دعاؤں میں مشغول ہوں۔اور تہجد بہت پڑھیں۔تاکہ اس امتحان میں پڑ کر بھی باالفاظ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (122:2) ہماری جماعت ساری دنیا پر بدستور فائق اور مظفر ومنصور رہے۔آمین۔دوستو! اس عاجز کے لئے بھی دعا فرمائیں۔

راقم

ایک دردمند احمدی

17-20 ستمبر 1914ء

اداریہ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ کے عقائد

پر سفیہانہ اعتراضات

حضرت مولٰینا محمد علیؒ نے ''میرے عقائد'' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر فرمایا۔ جس کے بارہ میں پیغام صلح (مجریہ مورخہ 27-30 اگست 1914ء، جلد 2، نمبر 25، صفحہ 3، کالم 1) میں ذیل کا ادارتی نوٹ شائع ہوا:

> ''جناب امیر قوم حضرت مولٰینا محمد علی صاحب نے اپنے عقائد پر مبسوط مضمون تحریر فرمایا ہے۔ جو کہ گزشتہ پرچہ میں بطور ضمیمہ شائع کیا گیا تھا۔ اس مضمون کے مطالعہ سے حضرت امیر قوم کے عقائد کی نسبت بہت سی غلط فہمیاں، جو مبائعین صاحبزادہ صاحب (مرزا محمود احمد) میں عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں، دور ہو سکتی ہیں..................''

اس نوٹ کے مطابق مضمون مذکور پیغام صلح کے شمارہ 23-24 کے ضمیمہ میں شائع ہوا۔ جو ریکارڈ میں سرِ دست دستیاب نہیں۔ اس اہم مضمون کی فراہمی پر شامل اشاعت کیا جائے گا۔ احمدیہ تاریخ میں ''میرے عقائد'' اور ''ہمارے عقائد'' ایک زندہ عنوان ہے۔ جس سے نہ صرف جماعت احمدیہ کے اندر بلکہ عالم اسلام میں مذہبی فکری بحران پیدا ہوا۔ اس تا حال تازہ موضوع پر حضرت مولٰینا عمر بھر بات کرتے رہے۔ بڑی شرح وبسط اور دلائل ودقائق کے ساتھ کہا اور لکھا۔ یہاں تک کہ اس باب میں مقابلہ، مناظرہ، مجادلہ اور مباہلہ کرنے کرانے کی بھی نوبت آئی۔ مگر قادیانی ذرائع اس پہلو سے کنی کتراتے رہے۔ آپ نے 1923ء میں بھی ''جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد'' کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا۔ اس میں بھی موضوع ''میرے عقائد'' کو تفصیلاً دوہرایا ہے۔ حضرت مولٰینا نے حضرت امامِ زمان کے حقیقی عقائد کے بیان اور ان کی وضاحتوں صراحتوں کے لئے جو تحقیقی کردار ادا کیا ہے، اس باعث آپ کو ''مجدد احمدیت'' قرار دیا جائے تو بیجا نہیں۔ بہرحال اس تاحال تازہ مضمون کی

اشاعت پر مختلف مذہبی حلقوں، بالخصوص جماعت قادیان میں روایتی ہل چل پیدا ہوئی۔ اور تنقید و تبصرہ اور سوال وجواب کا سلسلہ چل پڑا۔ حسبِ توقع جماعت قادیان کے ترجمان ''الفضل'' نے بھی بعنوان۔ ''مولوی محمد علی صاحب کے عقائد'' خامہ فرسائی کی۔ جواباً پیغام صلح نے 17-20 ستمبر 1914ء کو ضمیمہ جاری کیا۔ جس میں زیر نظر مضمون درج ہے۔ مرتب)

الفضل مورخہ 3 ستمبر 1914ء میں ایک مضمون ''مولوی محمد علی صاحب کے عقائد'' کے عنوان سے نکلا ہے۔ جس میں یہ بتلانے کی ناحق کوشش کی گئی ہے کہ یہ عقائد حضرتنا یعنی مرشدنا مسیح موعودؑ کے عقائد کے برخلاف ہیں۔ اور محض ابلہ فریبی اور ڈھکو سلے بازی سے اپنا الوسیدھا کرنا اور سادہ لوحوں کو دام تزویر میں پھانسنا چاہا ہے۔ مگر خدا جن کو ہدایت دے ان کو کون گمراہ کرسکتا ہے۔ الفضل نے عقائد کا مقابلہ کرنے سے پہلے یہ بات لکھ کر:

> ''ان کے ایک دوسرے ہم خیال ایم۔ اے تو قرآن مجید کی اطاعت سے بھی سبکدوش ہو گئے۔ یہ تو ابھی اس راہ کی پہلی منزل میں ہیں۔ یعنی خلافت کے منکر ہیں۔ اور پھر نبوتِ مسیح موعود کے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار یہ تیسری منزل ہے۔''

گویا پیر کی کرامت بیان کی ہے کہ جو اس فرضی خلافت کا منکر ہوا وہ دہریہ ہوگیا۔ اس سے پہلے بھی یہ پیر پرست الفضل 27 اگست 1914ء میں ''انکارِ خلافت کا انجام انکار خدا ہے'' کے عنوان سے ایک اسی قسم کا بےسرو پا مضمون لکھ چکا ہے۔ اس پیر پرست کو اتنی بھی شرم نہ آئی کہ خلافت راشدہ حقہ صادقہ کے منکر تو آج 13 سو برس ہو گئے، خدا اور رسولؐ کے منکر اور پھر دہریہ نہ ہوئے اور حضرت مسیح موعود خلیفہ برحق کے سخت معاند اور منکر آج تک دہریہ نہ ہوئے۔ مگر آج اس خلافتِ فاسدہ باطلہ غیر راشدہ کے منکر دھریہ ہو گئے۔ ''ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا'' ان ایم اے صاحب کے متعلق، جس کو یہ آج اپنے پیر کی کرامت ظاہر کرنے کے لئے دہریہ ظاہر کر رہا ہے، حافظ روشن علی کا بیان ہے کہ 1912ء کے سالانہ جلسہ میں جو ایم اے موصوف نے مضمون پڑھا تھا۔ اسے پڑھنے سے پہلے (حافظ روشن علی) کو سنایا تھا۔ جس پر میں نے ان کو کہا تھا کہ یہ مضمون اس جلسہ میں پڑھنے کے قابل نہیں۔ ہاں! اگر دھریوں کا جلسہ ہوتو وہاں اس کا سنانا مفید ہے۔ حافظ روشن علی زندہ موجود ہے۔ اس سے پوچھ

لو۔آج اسی ایم اے صاحب کو نابالغ بتایا جا رہا ہے۔ پڑھو آیت حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً (15:46) افسوس پیر پرستی انسان کو کیسا اندھا بنا دیتی ہے۔ ذیل میں ہم امیر المِلّت حضرت مولٰینا محمد علی صاحب مدظلہ العالی کے عقائد لکھ کر، اس کے بالمقابل حضرت اقدس کی تحریروں کا حوالہ دے کر، پھر جو سفیہانہ اعتراضات الفضل نے کئے ہیں، ان کے جوابات حضرت مسیح موعود کی ہی تحریروں سے دیتے ہیں اور انصاف ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔ وہ خود ملاحظہ فرمالیں کہ حضرت مولوی محمد علی صاحب کے عقائد حضرت مسیح موعود کے عقائد کے برخلاف ہیں یا عین مطابق۔

حضرت مولوی محمد علی صاحب کا عقیدہ نمبر 1: منقول از ''میرے عقائد'' صفحہ 1

> ''حضرت مسیح موعود شرعی اصطلاح میں نبی اور رسول نہ تھے۔ بلکہ ان الفاظ کے لغوی معنوں کی رو سے نبی اور رسول تھے۔ یعنی نبی اس لئے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے اور اللہ تعالیٰ آپ پر غیب کے اخبار ظاہر کرتا تھا۔ رسول اس لئے کہ آپ کو اللہ نے مامور کر کے اصلاح کے واسطے بھیجا تھا۔''

حضرت امام اعنی مسیح موعود کا ارشاد اس بارہ میں کہ آپ شرعی اصطلاح میں نبی اور رسول نہ تھے۔ بلکہ ان الفاظ کے لغوی معنوں کی رو سے نبی اور رسول تھے

پہلا حوالہ: منقول از اربعین نمبر 2 صفحہ 8 اور حاشیہ صفحہ 18

> ''یہ خدا کا رسول ہے۔ نبیوں کے حلّوں میں''

> ''یہ الفاظ بطور استعارہ ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں بھی مسیح موعود کے لئے نبی کا لفظ آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کو خدا بھیجتا ہے۔ وہ اس کا فرستادہ ہی ہوتا ہے۔ اور فرستادہ کو عربی میں رسول کہتے ہیں۔ اور جو غیب کی خبر خدا سے پا کر دے اس کو عربی میں نبی کہتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح کے معنی الگ ہیں۔ اس جگہ محض لغوی معنی مراد ہیں''

دوسرا حوالہ: منقول از انجام آتھم حاشیہ صفحہ 27

’’میں مسلمان ہوں اور قرآن شریف کو مانتا ہوں۔ کیا ایسا بد بخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے۔ اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (40:33 ۔مرتب) کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہئیے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔‘‘

کیا مطلب؟ غیر حقیقی طور پر اور لغوی معنوں کے لحاظ سے آپ کو نبی اور رسول کہنا تو مستلزم کفر نہیں۔ ہاں! حقیقی طور پر اور شرعی اصطلاح میں آپ کو نبی اور رسول کہنا کفر ضرور ہے۔

تیسرا حوالہ: از مکتوب مسیح موعود مندرجہ الحکم 17 اگست 1899ء

’’ایسے ہی بہت سے الہام ہیں۔ جن میں اس عاجز کی نسبت نبی یا رسول کا لفظ آیا ہے...... رسول کے لفظ سے صرف اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا اور نبی کے لفظ سے صرف اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم پا کر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانے والا .... جاننا چاہئیے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے۔ اور ہم محض دین کے خادم بن کر دنیا میں آئے ہیں اور دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ اسلام کی سچی محبت رکھنی چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بھلانا نہیں چاہئے۔ ہم خادم دین اسلام ہیں اور یہی ہمارے ظہور کی علت غائی ہے۔ اور نبی اور رسول کے لفظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں۔ رسالت لغت عرب میں بھیجے جانے کو کہتے ہیں۔ اور نبوت یہ ہے کہ خدا سے علم پا کر پوشیدہ حقائق

اور معارف کو بیان کرنا۔ سواسی حد تک مفہوم کو ذہن میں رکھ کر دل میں اس کے معنی موافق اعتقاد کرنا مذموم نہیں ہے۔ مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں۔ یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں۔ یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفاضہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہوشیار رہنا چاہیئے کہ اس جگہ بھی یہی معنی نہ سمجھ لیں۔ کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے۔ اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے۔ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے............ اور جو شخص ہماری طرف اس کے خلاف منسوب کرے ہم پر افتراء کرتا ہے............ سو مناسب ہے کہ کوئی شخص اس کے برخلاف کچھ بھی دل میں نہ رکھے ورنہ وہی خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا جوابدہ ہوگا۔''

اب دیکھئے کون اس ہدایت کے برخلاف کر رہے ہیں۔ اور کون آپ کی طرف وہ کچھ منسوب کر رہے ہیں جو آپ نے نہیں فرمایا۔ اور کون ہیں جو افترا کے طور پر آپ کو نبی اور رسول بنا رہے ہیں۔ وَ انْصَفُوْا۔

چوتھا حوالہ: منقول از اشتہار ایک غلطی کا ازالہ (طبع دوم صفحہ 4)

''اور یہ بھی یاد رہے کہ نبی کے معنی لغت کی رو سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے اطلاع پا کر غیب کی خبر دینے والا۔ پس جہاں یہ معنی صادق آئیں گے۔ نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا...... اب اگر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد ان معنوں کی رو سے نبی سے انکار کیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ امت مکالمات ومخاطبات الٰہیہ سے بے نصیب ہے۔''

ان چار حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود فرماتے یہی ہیں کہ میں شرعی اصطلاح میں نبی اور رسول نہیں بلکہ لغوی معنوں میں نبی اور رسول ہوں۔ مگر پیر پرست پارٹی اس کے خلاف اعتقاد رکھتی ہے۔ چاہو تو

پیر پرست پارٹی کو مسیح موعود مانو اور اس کے پیچھے چلو اور چاہو تو مسیح موعود کی تحریروں کو مان کر مسیح موعود کی پیروی کرو اور ہمارے ساتھ ہو جاؤ۔

اب ہم الفضل کے پیش کردہ حوالوں کو دیکھتے ہیں کہ کیا ان سے جو مطلب نکالنا چاہا ہے وہ مطلب ان الفاظ سے نکلتا بھی ہے یا نہیں۔ اور کیا ان سے حضرت مولوی محمد علی صاحب کے عقیدہ نمبر 1 کی مخالفت نکل سکتی ہے؟ تو وہ حوالے یہ ہیں:

پہلا حوالہ

''اور جب کہ وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے۔''

(الوصیت صفحہ 11)

دوسرا حوالہ

''جس چیز کا نام تم مکالمہ مخاطبہ رکھتے ہو میں اس کثرت کا نام بحکم خداوندی نبوت رکھتا ہوں''

کتاب کا حوالہ ندارد! ناظرین دیکھئے کیا مزے کا استدلال ہے۔ دعویٰ یہ کہ حضرت مولوی محمد علی صاحب کے عقائد حضرت مسیح موعود کے عقائد کے خلاف ہیں۔ اور دلیل یہ دی ہے کہ الوصیت میں یہ لکھا ہیا ور دوسری جگہ یہ لکھا ہے۔ مگر عقیدہ نمبر 1 کے برخلاف یہ کہیں سے نکال کر نہ دکھایا کہ دیکھو مسیح موعود فرماتے ہیں کہ میں شرعی اصطلاح میں بھی نبی اور رسول ہوں۔ دکھائیں کہاں سے! الوصیت کا جو حوالہ دیا ہے۔ وہ بھی ہمارے مدعا اور عقیدہ نمبر 1 کے خلاف نہیں۔ اگر اس حوالہ کی پہلی اور پچھلی عبارت پڑھی جائے تو صاف ہمارے دعویٰ کی اس سے تائید ہوئی ہے۔ ذرا اصل حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

''مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ نبوت کاملہ تامہ محمدیہ کی اس میں ہتک ہے۔ ہاں! امتی اور نبی دونوں لفظ اجتماعی حالت میں اس پر صادق آسکتے ہیں۔ الخ''

(الوصیت صفحہ 11)

اب انصاف کرو کہ اس تمام عبارت کا، جو اپنے مطالب کو خوب واضح کر رہی ہے، ایک حصہ چھاپ کر لوگوں کو دھوکا دینا کہاں کی ایمانداری ہے۔ اگر کوئی شخص بھی، خواہ مسیح موعود ہی کیوں نہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کر کے بھی صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ تو بتلاؤ وہ شرعی اصطلاح میں کیونکر نبی مانا جا سکتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جب قیامت تک صرف نبی کا لفظ کسی پر بولا ہی نہیں جا سکتا تو اس کو شرعی اصطلاح میں نبی اور رسول کیسے کہا جا سکتا ہے۔ خود امتی کا لفظ ہی نبی تام اور کامل ہونے کے منافی پڑا ہوا ہے۔ اگر منافی نہ ہوتا تو امتی نبی صرف نبی کیوں کہلا سکتا۔ اگر نبیوں کی طرح صرف مکالمہ ومخاطبہ ہونے یا کھلے طور پر اظہار علی الغیب ہونے سے کوئی نبی کہلا سکتا تو ام عیسیٰ مریم صدیقہ ضرور نبی کہلاتیں۔ مگر ان کو نبی نہیں کہا گیا۔ حالانکہ ان کا مکالمہ ومخاطبہ بھی اپنی کیفیت اور کمیت کے رو سے کمال درجہ تک پہنچا ہوا تھا اور کھلے طور پر ایسے امور غیبیہ پر مشتمل تھا۔ جن کا وقوع بھی بعد میں بعینہٖ اسی طرح ہو گیا۔ جس طرح کہ خدا کے کلام میں فرشتوں کے ذریعہ بتلایا گیا تھا۔ مگر چونکہ شرعی اصطلاح میں نبوت صرف اسی بات کا نام نہیں کہ جس کسی کا مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کے رو سے کمال درجہ تک پہنچا ہوا ہو اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو وہ نبی کہلایا کرے۔ حالانکہ غیر نبی اشخاص سب ہی جزوی طور پر اس قسم کے مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہوتے ہیں۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس امت کے بعض افراد کو مریم صدیقہ سے تشبیہ دی اور یہ نہ فرمایا کہ اس امت میں نبی ہوں گے۔ بلکہ فرمایا کہ مریم صفت مومن ہوں گے۔ اور جس طرح مریم ایک امتی فرد تھی۔ اور زکریا نبی کی تربیت اور اتباع اور فیضان کی برکت سے فرشتوں کے ذریعہ خدا سے مکالمہ اور مخاطبہ یقینی پاتی تھی اور اظہار علی الغیب اس پر ہوتا تھا۔ اس امت کے بعض افراد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع اور فیضان کی برکت سے مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ یقینیہ اور حصہ کثیر اظہار علی الغیب کا پاویں گے۔ مگر وہ نبی نہیں کہلائیں گے۔

ہم مانتے ہیں کہ حضرت اقدس نے جو فرمایا:

’’اور جبکہ وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے۔ اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے۔‘‘ (الوصیت صفحہ 12)

یہ صحیح ہے کہ دوسرے لفظوں میں نبیوں کے اتفاق سے اس کا نام نبوت ہے۔ مگر یہ نبوت کے لوازمات میں سے ایک بات ہے۔ نبوت تامہ کاملہ یہ نہیں۔ کیونکہ شرعی اصطلاح میں نبوت صرف اسی کو ہی نہیں کہتے کہ کوئی خدا سے ہمکلام ہو جائے یا اللہ تعالیٰ اس پر غیب کے اخبار ظاہر کر دے۔ شرعی اصطلاح ایک الگ اصطلاح ہے کہ جب تک ان تمام لوازمات کے ساتھ کوئی شخص اس سے متصف نہ ہو جائے۔ وہ نبی نہیں کہلا سکتا۔

اس کی مثال کو اس طرح سے سمجھ لو کہ شرعی اصطلاح میں صلوٰۃ اسی کو کہتے ہیں جس میں قیام، رکوع وسجود قومہ وغیرہ ارکان پورے کئے جائیں۔ لغوی معنوں کے لحاظ سے صلوٰۃ کے معنی دعا کے بھی ہیں۔ اور نبیوں کے اتفاق سے دعا کے ہیں۔ اور اس میں کیا کلام ہے کہ نماز بھی ایک دعا ہی ہے۔ لیکن اگر کوئی ان ارکان نماز کو ادا نہ کرے اور صرف دعا کر چھوڑے اور اگر وہی دعائیں بھی پڑھ لے جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ تو کیا کوئی مسلم مومن اس کو نماز کہہ سکے گا۔ ہرگز نہیں۔

اسی طرح نبی کے لغوی معنی خدا سے غیب کی خبر پانے کے ہیں اور باتفاق تمام نبیوں کے ہیں۔ مگر جب تک ان تمام لوازمات کے ساتھ، جو نبیوں کی ذات میں ہونے ضروری اور نبوت کے لئے لازمی ہیں، کوئی شخص ان سے متصف نہ ہو۔ ہم صرف اسی ایک بات سے کہ وہ خدا سے غیب کی خبر پانے والا ہے یا یقینی طور پر مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہونے والا ہے، نبی اور رسول نہیں کہہ سکتے۔ اسی لئے تو حضرت امام اعنی مسیح موعود نے اپنی اخیر عمر تک یہی التزام رکھا کہ اس لفظ نبی کو شرعی اصطلاح میں اپنے پر کبھی بھی استعمال نہ کیا۔ کبھی آپ نے اپنے آپ کو صوفیاء کی اصطلاح کے ماتحت ظلی اور بروزی نبی کہا۔ جو غیر نبی کے لئے ان کے ہاں صرف پیشگوئیاں کرنے

والے اور خدا سے یقینی مکالمہ ومخاطبہ پانے والے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اور کبھی لغوی معنوں میں اپنے آپ کو نبی اور رسول فرمایا۔ جیسا کہ ''ایک غلطی کا ازالہ'' صفحہ 9 پر فرمایا:

''میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں۔ یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی اور اس طور سے خاتم النبیین کی مہر محفوظ رہی۔''

اور کبھی اس لفظ نبی کو اپنے پر استعمال کرنے کے لئے اس کو مجاز اور استعارہ کہہ کر استعمال فرمایا۔ اور بار ہا لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل پیرو خواہ کتنی ہی کثرت سے خدا کا مکالمہ اور مخاطبہ پائے اور خواہ کتنی ہی کثرت سے اس پر امور غیبیہ کا اظہار ہو مگر وہ صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے کہ کوئی نبی نبوت تامہ کاملہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قطعاً ابداً نہیں آسکتا۔ اگر آجائے تو قرآن وحدیث باطل ٹھہرتی ہے۔ اسی لئے مسیح موعود نے فرمایا:

''مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔'' الوصیت صفحہ 10

''اس لئے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا'' حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ 150

باقی رہ گیا الفضل کے دوسرے حوالہ کا جواب۔ سو وہ بھی اگر آپ اس ساری عبارت کو پڑھ جائیں گے۔ تو آپ کو خود اس کا جواب مل جائے گا۔ اور وہ عبارت یہ ہے:

''اور یہ کہنا کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کس قدر جہالت، کس قدر حماقت اور کس قدر حق سے خروج ہے۔ اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت ومخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ ومخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ ومخاطبہ رکھتے ہیں، میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ وَلِكُلٍّ اَنْ يَّصْطَلِحَ (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ 68)

بات تو کس قدر صاف ہے کہ حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ میں نبی نہیں نہ مدعی نبوت ہوں۔ مراد میری نبوت سے تو صرف کثرت مکالمت اور مخاطبت الہیہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ وبس۔ مگر نبوت سے مکالمت ومخاطبت مراد لینا بموجب حکم الٰہی ہے۔ وَلِکُلٍّ اَنْ یَّصْطَلِحَ سو یہ ایک اصطلاح ہے۔ کیا مطلب؟ نبوت کے معنی مکالمت کے نہیں مگر میں اپنی نبوت کی مراد خدا کے حکم سے یہی لیتا ہوں۔ کیا معنی۔ میں نبی کے معنی اپنے الہام میں مکلم یعنی محدث کے لینے کے لئے حکم کیا گیا ہوں اور نبوت کے معنی اپنے الہام میں مکالمت یعنی محدثیت لیتا ہوں۔ (محدث کے معنی مکلم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائے ہیں۔ جیسا کہ حضرت اقدس نے اپنے ایک اشتہار میں لکھا ہے) دیکھو مجموعہ اشتہارات۔ صفحہ 98

مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ جس طرح نبی کے حقیقی معنی نبی کے نہیں، اسی طرح محدث کے حقیقی معنی نبی کے نہیں ہیں۔ ہاں! امتی نبی چونکہ محدث ہی ہوتا ہے۔ اس لئے نبوت بمعنی مکالمت لینا بموجب حکم الٰہی اسی کی تائید میں ہے۔ رسالہ سراج منیر میں حضرت اقدس کی یہ تحریر موجود ہے۔ پڑھو صفحہ 3۔

''بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے بیشک ہیں۔ لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ اور جیسے یہ محمول نہیں ایسے ہی وہ نبی کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے۔ وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے''۔

ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ جسے ہمارے غلطی خوردہ بھائی حقیقی نبی اور رسول کہتے ہیں۔ وہ شرعی اصطلاح میں نہ نبی تھے نہ رسول تھے۔ کیونکہ شرعی اصطلاح میں کوئی نبی امتی نہیں کہلاتا۔ اور کسی امتی کو نبی اور رسول نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت مولوی محمد علی صاحب کا عقیدہ نمبر 2: منقول از ''میرے عقائد'' صفحہ 2

''آپ ان معنوں میں نبی اور رسول تھے جن معنوں میں اس امت کے دوسرے مجدد بھی

نبی اور رسول کہلا سکتے ہیں''

حضرت اقدس بھی یہی فرماتے ہیں

پہلا حوالہ: منقول از ''نشان آسمانی'' جس کا دوسرا نام شَهَادَةُ الْمُلْهَمِيْنَ بھی ہے۔ صفحہ 28

''یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا ہو۔ اور قرآن کریم کا ایک شعشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں محدث آئیں گے۔ جو اللہ جل شانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اور نبوت تامہ کی بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور بہ لحاظ بعض وجوہ شان نبوت کے رنگ سے رنگین کئے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے میں ایک ہوں''۔

دیکھئے اس میں صاف حضرت امام نے فرمایا ہے کہ اس امت کے دوسرے محدثوں میں سے ایک میں ہوں۔

دوسرا حوالہ: منقول از الوصیت صفحہ 11

''خدا تعالٰی نے مکالمہ مخاطبہ کاملہ تامہ مطہرہ مقدسہ کا شرف ایسے بعض افراد کو عطا کیا جو فنا فی الرسول کی حالت تک اتم درجہ تک پہنچ گئے اور کوئی حجاب درمیان نہ رہا اور امتی ہونے کا مفہوم اور پیروی کے معنی اتم اور اکمل درجہ پر ان میں پائے گئے۔ ایسے طور پر کہ ان کا وجود اپنا وجود نہ رہا۔ بلکہ ان کی محویت کے آئینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود منعکس ہو گیا۔ اور دوسری طرف اتم اور اکمل طور پر مکالمہ مخاطبہ الہیہ نبیوں کی طرح ان کو نصیب ہوا۔ پس اس طرح پر بعض افراد نے باوجود امتی ہونے کے نبی ہونے کا خطاب پایا''۔

اس عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جس رنگ میں حضرت امام اپنے آپ کو امتی نبی فرماتے ہیں۔ اسی

رنگ میں اس امت کے بعض افراد بھی تھے۔

تیسرا حوالہ: منقول از ضرورت امام صفحہ 4

''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام الزماں کی ضرورت ہر ایک صدی کے لئے قائم کی ہے۔ اور صاف فرما دیا ہے کہ جو شخص اس حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف آئے گا کہ اس نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کیا وہ اندھا آئے گا۔ اور جاہلیت کی موت پر مرے گا۔''

پھر فرماتے ہیں:

''چھٹے کشوف اور الہامات کا سلسلہ ہے۔ جو امام الزماں کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ امام الزماں اکثر بذریعہ الہامات کے خدا تعالیٰ سے علوم اور حقائق اور معارف پاتا ہے۔ اور اس کے الہامات دوسروں پر قیاس نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ کیفیت اور کمیت میں اس اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں۔ جس سے بڑھ کر انسان کے لئے ممکن نہیں۔ اوران کے ذریعہ سے علوم کھلتے ہیں۔ اور قرآنی معارف معلوم ہوتے ہیں۔ اور دینی عقدے اور معضلات حل ہوتے ہیں۔ اور اعلیٰ درجہ کی پیشگوئیاں جو مخالف قوموں پر اثر ڈال سکیں ظاہر ہوتی ہیں۔ غرض جو لوگ امام الزماں ہوں ان کے کشوف اور الہام صرف ذاتیات تک محدود نہیں ہوتے۔ بلکہ نصرتِ دین اور تقویتِ ایمان کے لئے جو نہایت مفید اور مبارک ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ ان سے نہایت صفائی سے مکالمہ کرتا ہے۔ اوران کی دعا کا جواب دیتا ہے۔ اور بسا اوقات سوال اور جواب کا ایک سلسلہ منعقد ہو کر ایک ہی وقت میں سوال کے بعد جواب اور پھر سوال کے بعد جواب اور پھر سوال کے بعد جواب ایسے صفا اور لذیذ اور فصیح الہام کے پیرایہ میں شروع ہوتا ہے کہ صاحب الہام خیال کرتا ہے کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔'' (صفحہ 13)

اس سے آگے فرمایا ہے:

''امام الزماں کی الہامی پیشگوئیاں اظہار علی الغیب کا مرتبہ رکھتی ہیں۔یعنی غیب کو ہر ایک پہلو سے اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں۔جیسا کہ چابک سوار گھوڑے کو قبضہ میں کرتا ہے۔اور یہ قوت اور انکشاف اس لئے ان کے الہام کو دیا جاتا ہے۔تا کہ ان کے پاک الہام شیطانی الہامات سے مشتبہ نہ ہوں اور دوسروں پر حجت ہو سکیں۔'' (صفحہ 14)

پھر فرماتے ہیں:

''اللہ جل شانہ فرماتا ہے اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ (59:4۔مرتب) اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزماں ہے۔'' (صفحہ 24)

اور آخر میں فرماتے ہیں:

''اب بالآخر یہ سوال باقی رہا کہ اس زمانہ میں امام الزماں کون ہے۔جس کی پیروی تمام عام مسلمانوں اور زاہدوں اور خواب بینوں اور ملہموں کو کرنی خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے۔سو میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور عنائت سے امام الزماں میں ہوں'' (صفحہ 26)

اب فرمائیے کہ حضرت مسیح موعود انہی معنوں میں نبی اور رسول تھے۔جن معنوں میں اس امت کے دوسرے مجدد بھی نبی اور رسول تھے۔یا کسی اور معنوں میں۔معلوم نہیں ان حوالوں کی موجودگی میں کوئی کس طرح کہہ سکتا ہے کہ مسیح موعود تو شرعی معنوں میں نبی اور رسول تھے۔مگر اس امت کے دوسرے مجدد اور محدث مسیح موعود کی طرح کے نبی اور رسول نہ تھے۔

چوتھا حوالہ: منقول از چشمہ معرفت صفحہ 324

''تمام نبوتیں اس پر ختم ہیں۔اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے مگر ایک قسم کی نبوت ختم

نہیں۔یعنی وہ نبوت جو اس کی کامل پیروی سے ملتی ہے۔اور جو اس کے چراغ میں سے نور لیتی ہے۔کیونکہ وہ محمدی نبوت ہے۔یعنی اس کا ظل ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہے اور اسی کا مظہر ہے۔اور اسی سے فیض یاب ہے۔''

اس سے آگے فرماتے ہیں۔

''خدا اس شخص سے پیار کرتا ہے جو اس کی کتاب قرآن شریف کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے۔اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو درحقیقت خاتم الانبیاء سمجھتا ہے اور اس کے فیض کا اپنے تئیں محتاج جانتا ہے۔پس ایسا شخص خدا تعالیٰ کی جناب میں پیارا ہو جاتا ہے۔اور خدا کا پیار یہ ہے کہ اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔اور اس کو اپنے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف کرتا ہے۔اور اس کی حمایت میں اپنے نشان ظاہر کرتا ہے اور جب اس کی پیروی کمال کو پہنچتی ہے تو ایک ظلی نبوت اس کو عطا کرتا ہے۔جو نبوت محمدیہ کا ظل ہے یہ اس لئے تاکہ اسلام ایسے لوگوں کے وجود سے تازہ رہے اور تا اسلام ہمیشہ ہمیشہ مخالفوں پر غالب رہے۔''

پانچواں حوالہ: منقول از نصرۃ الحق اعنی براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 53

''بعد زمانہ نبوت وحی غیر تشریعی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور قیامت تک باقی ہے۔''

چھٹا حوالہ: منقول از حقیقۃ الوحی صفحہ 28

''مستقل نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے۔مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی۔تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو۔''

پھر اسی کتاب کے صفحہ 274 پر فرماتے ہیں:

''آخر اسی رسول کو تاج عزت پہنایا گیا اس کے غلاموں اور خادموں میں سے ایک میں ہوں۔ جس سے خدا مکالمہ اور مخاطبہ کرتا ہے۔ اور جس پر خدا کے غیبوں اور نشانوں کا دروازہ کھولا گیا ہے۔''

اگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا غلام اور خادم ہوا ہی نہیں جیسے کہ آپ تھے تو اس بات کے لکھنے کا فائدہ ہی کیا تھا کہ ان میں سے ایک میں ہوں۔ اب فرمایئے کہ جس جزئی نبوت کے خود حضرت امام مدعی ہیں اس نبوت کے مالک تو وہ اس امت کے مجدد اور محدثوں کو بھی قرار دیتے ہیں۔ تو خیال فرمایئے کہ حضرت مولوی صاحب کے اس عقیدہ کی ان عبارتوں سے موافقت پائی جاتی ہے یا نعوذ باللہ مخالفت۔

پھر اسی کتاب کے رسالہ استفتاء کے صفحہ 64 پر فرمایا ہے:

''وَالْنَبُوَّةُ قَدِ انْقَطَعَتْ بَعْد نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا بَقِيَ بَعْدُهٗ اِلَّا كَثْرَةُ الْمُكَالَمَةِ.''

اگر کثرت مکالمہ بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آج تک کسی کو نہیں ہوا تو پھر اس عبارت کے کیا معنی ہوئے؟ اب مجددوں کی نسبت رسول کا لفظ بھی ملاحظہ ہو۔ کتاب ایام الصلح کے حاشیہ صفحہ 171 میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:

''قرآن شریف میں ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (26:72-27۔مرتب) یعنی کامل طور پر غیب کا بیان کرنا صرف رسولوں کا کام ہے۔ دوسروں کو یہ مرتبہ عطا نہیں ہوتا۔ رسولوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔ خواہ وہ نبی ہوں یا رسول یا محدث اور مجدد ہوں۔''

اب بھی نہ مانو گے کہ امت محمدیہ میں رسول مجدد بھی کہلاتے ہیں۔

پس حضرت مولوی محمد علی صاحب کا یہ فرمانا نہایت صحیح اور عین قرآن کریم کی اس آیت کے مطابق ہوا

کہ حضرت مسیح موعود ان معنوں میں نبی اور رسول تھے۔ جن معنوں میں اس امت کے دوسرے مجدد بھی نبی اور رسول کہلا سکتے ہیں۔

اب الفضل کے حوالوں کا بیان بھی سن لیجئے۔ الفضل نے عقیدہ نمبر 2 کے مقابل تذکرۃ الشہادتین صفحہ 43 کی عبارت پیش کی ہے:

''جس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ہیں اور آپ کے خلفاء مثیل انبیاء بنی اسرائیل ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسیح موعود کا نام احادیث میں نبی کر کے پکارا گیا ہے۔ مگر دوسرے تمام خلفاء کو یہ نام نہیں دیا گیا۔ سو میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تھا۔ اس لئے اگر تمام خلفاء کو نبی کے نام سے پکارا جاتا تو امر ختم نبوت مشتبہ ہو جاتا اور اگر کسی ایک فرد کو بھی نبی کے نام سے نہ پکارا جاتا تو عدم مشابہت کا اعتراض باقی رہ جاتا۔ کیونکہ موسیٰؑ کے خلفاء نبی ہیں۔ اس لئے حکمت الٰہی نے یہ تقاضا کیا کہ پہلے بہت سے خلفاء کو برعایت ختم نبوت بھیجا جائے اور ان کا نام نبی نہ رکھا جائے۔ اور یہ مرتبہ ان کو نہ دیا جائے تا ختم نبوت پر یہ نشان ہو۔ پھر آخری خلیفہ یعنی مسیح موعود کو نبی کے نام سے پکارا جائے تا خلافت کے امر میں دونوں سلسلوں کی مشابہت ثابت ہو جائے۔''

مگر اس کے ساتھ کا یہ فقرہ، ''اور ہم کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں کہ مسیح موعود کی نبوت ظلی طور پر ہے۔'' جو نبی کے لفظ کی تشریح کرنے والا تھا، جان بوجھ کر ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ تاکسی طرح لوگوں کو دھوکا لگ جائے۔

پھر دوسرا حوالہ حقیقۃ الوحی صفحہ 391 سے یہ دیا ہے:

''......اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں......''

ان ہر دو حوالوں کی تردید الفضل کی اپنی تحریر سے

اب ملاحظہ فرمائیے۔ایک طرف تو ان ہر دو حوالوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ تمام امت میں مسیح موعود ہی ایک فرد مخصوص ہیں جنہوں نے نبی کا نام پایا ہے۔دوسرا کوئی بھی اس نام کا مستحق نہیں۔دوسری طرف اسی بحث میں ایک صفحہ کے بعد ہی حضرت مسیح موعود کی تحریر سے اپنے اس استدلال کے برخلاف خلافت ثابت کرنے کے لئے یہ حوالہ دیا ہے:

''جیسے خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ ان کے فیض سے نبی ہوں گے ایسے ہی خاتم الخلفاء کے معنی ہیں کہ ان کی اتباع سے خلیفے آئیں گے اور اسی جماعت سے آئیں گے۔''
(ملاحظہ ہو مولوی محمد علی صاحب کا عقیدہ نمبر 6 اور چوتھا حوالہ)

ایسے حوالوں کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ خدا جانے ان لوگوں کا اندرونہ مذہب کیا ہے۔اس پر اور بھی آپ کو تعجب ہوگا جب آپ خاتم النبیین کے معنوں میں غور کریں گے۔اگر خاتم النبیین کے یہ معنی کریں کہ آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے نبی ہوں گے تو حقیقۃ الوحی صفحہ 391 کی وہ مقرر کردہ تخصیص، کہ اس ساری امت میں صرف مسیح موعود ہی نبی کا نام پانے کے لئے ایک فرد مخصوص ہیں، اڑ جاتی ہے۔اور اگر خاتم الانبیاء کے وہ معنی لئے جائیں جو تذکرۃ الشہادتین میں لکھے ہوئے ہیں۔یعنی یہ کہ:

''جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے۔آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تھا۔اس لئے اگر تمام خلفاء کو نبی کے نام سے پکارا جاتا تو امر ختم نبوت مشتبہ ہو جاتا''(صفحہ 43)

تو یہ معنی بھی صحیح نہیں بیٹھتے۔کیونکہ اگر خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ تھا۔تو پھر کوئی میں مسیح موعود کیسے نبی ہو گئے۔اور اگر خاتم النبیین کے وہ معنی صحیح ہیں کہ آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے ہی نبی ہوں گے۔تو پھر مسیح موعود کا صرف نبی نام پانے کے لئے ہی مخصوص ہونا کہاں رہا۔شائد الفضل کو اس فیصلہ کے لئے بھی ایک اور نبی کی ضرورت ہو۔مگر ہمیں ضرورت نہیں۔ہم تو خاتم النبیین کے بعد کسی نبی کا قیامت تک حقیقی نبوت لے کر آنا قطعاً حرام جانتے ہیں۔اور قرآن کریم کی اس آیت پر پکا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو

فرمایا وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (40:33) اور لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کی حدیث کو صحیح مرفوع متصل یقین کرتے ہیں یہ تمام اولیاء اور آئمہ اور خلفاء ماتحت عدالتوں کا حکم رکھتے ہیں۔ ان کے فیصلہ میں اگر جھگڑا پڑ جائے تو عدالت عالیہ یعنی خاتم النبیینؐ حضرت مقدس نبویؐ کی عدالت کا فیصلہ ہی صحیح متصور ہوگا۔ پس اس جاہ وجلال والے آخری نبیؐ کا فیصلہ تو یہی ہے کہ لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ یعنی مکالمات ومخاطبات الٰہیہ اظہار علی الغیب کی نبوت کے سوا دوسری کوئی نبوت باقی نہیں۔

تیسری بات اور ملاحظہ فرمایئے۔ گدی پارٹی کے پیرومرشد صاحبزادہ محمود احمد صاحب کو خود اللہ تعالیٰ نے بغیر فرشتہ کے واسطے کے بتایا تھا کہ ہم میں نبی آیا اور آئندہ بھی نبی آئیں گے۔ ملاحظہ ہو الفضل 27 مئی 1914ء کے آخری صفحہ کی سرخی ''ہم میں نبی''۔ اب یہ الہام تو گدی پارٹی کے لئے ایک سند ہونا چاہیئے تھا۔ پھر وہ خدا کے قول کو چھوڑ کر قول بشر یعنی مسیح کا قول کیوں پیش کرتے ہیں۔ کیا ان کو اس الہام کے الہام الٰہی ہونے پر یقین نہیں۔ جب ''اس الہام'' نے ہی حقیقۃ الوحی صفحہ 391 وتذکرۃ الشہادتین صفحہ 43 کی ان عبارتوں کو منسوخ کر دیا اور الہام الٰہی نے ہی ان کی تردید کر دی تو پھر انہی منسوخ شدہ عبارتوں کو بار بار پیش کرنا یا دہرانا کوئی عقلمندی اور ایمانداری کی بات نہیں۔ یا تو حقیقۃ الوحی اور تذکرہ الشہادتین کی عبارتوں کو صحیح سمجھو یا صاحبزادہ صاحب کے الہام کو صحیح یقین کرو۔ دونوں باتیں صحیح کبھی نہیں ہوسکتیں۔

جب نبی سوائے مسیح موعود کے دوسرا کوئی امت میں سے ہو نہیں سکتا تھا تو پھر اس الہام کے کیا معنی ہوئے۔ کیونکہ اگر کوئی دوسرا شخص بھی امت میں سے نبی ہو جاتا تو پھر جیسا کہ حضرت صاحب نے لکھا ہے نبی کریم کی اس پیشگوئی میں رخنہ واقع ہوتا۔ کیونکہ نبی کا نام پانے کے لئے مسیح موعود ہی مخصوص تھے۔ دوسرا کوئی اس نام کا مستحق نہیں تھا۔ کیا مطلب؟ اگر امت محمدیہ میں کوئی دوسرا بھی کبھی نبی کہلانے کا مستحق ہو جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں رخنہ پڑ جاتا۔ تو دیکھو کہ اگر مسیح موعود کی یہ بات صحیح ہے تو قیامت تک سوائے مسیح موعود کے پھر دوسرا نبی نہیں ہوسکتا۔ اور اگر الہام صحیح ہے تو پھر مسیح موعود کا یہ ارشاد منسوخ سمجھنا چاہیئے۔ بہرحال یا تو نبی کریم کی کوئی یہ پیشگوئی ہی نہیں کہ مسیح موعود نبی اللہ ہوگا یا صاحبزادہ صاحب کا یہ الہام، الہام الٰہی نہیں۔ اگر الفضل کو اپنے پیرومرشد کے الہام پر سچا ایمان ہوتا تو وہ کبھی بھی حضرت مسیح موعود کی کتابوں سے یہ دو حوالے اپنی تائید میں پیش نہ

کرتا۔

اب ہم ان دونوں حوالوں کا اپنی طرز پر جواب دیتے ہیں۔حضرت اقدس کا یہ فرمانا:

''گرکسی ایک فرد کو بھی نبی کے نام سے نہ پکارا جاتا تو عدم مشابہت کا اعتراض باقی رہ جاتا۔کیونکہ موسیٰ کے خلفا نبی ہیں۔''(تذکرۃ الشہادتین صفحہ 43)

ظاہر کرتا ہے کہ ایک فرد کو نبی پکارنے سے مشابہت اس طرح پیدا ہو جاتی ہے کہ جس طرح کے نبی مسیح موعود ہیں۔ اسی طرح کے نبی باقی خلیفے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے ہیں۔یعنی جن معنوں میں مسیح موعود نبی ہیں، انہی معنوں میں پہلے خلیفے بھی نبی تھے۔انہی معنوں میں حضرت امام اسی کتاب کے صفحہ 28 پر فرماتے ہیں:

''اول اور آخر کی مشابہت سے یہ قیاس پیدا ہو جاتا ہے کہ درمیان میں بھی ضرور مشابہت ہوگی۔''

آگے فرق مسیح موعود میں اور ان خلفاء میں صرف یہ ہے کہ مسیح کے نام پر آنے والا موعود تھا۔مگر وہ موعود نہ تھے۔خلفاء کا نام الگ الگ نہیں بتایا گیا۔اس لئے ان کو علیحدہ علیحدہ نبی کے نام سے پکارا بھی نہیں گیا اور کَاَنۡبِیَآءِ بَنِیۡ اِسۡرَآئِیۡلَ کہہ کر بنی اسرائیل کے نبیوں کا مثیل اور مشابہ ان کو ٹھہرایا گیا۔لیکن وہ جو مسیح کے نام پر آنے والا تھا۔اس کو چونکہ الگ طور پر پیشگوئی میں بیان کیا گیا اس لئے اس کو نبی کے نام سے بھی پکارا گیا۔مگر اس کو بھی کَاَنۡبِیَآءِ بَنِیۡ اِسۡرَآئِیۡلَ کی مانند نبی اللہ عیسیٰ کا مثیل ٹھہرایا گیا۔جیسا کہ حضرت امام نے اسی کتاب تذکرۃ الشہادتین کے صفحہ 21 پر فرمایا۔

''ایک غلام غلمان محمدی سے یعنی یہ عاجز اس کا مثیل کر کے اس امت میں سے پیدا کیا''

یہی معنی کر کے تذکرۃ الشہادتین کے صفحہ 29 پر حضرت امام تحریر فرماتے ہیں:

''اسلام میں اگرچہ ہزارہا ولی اور اہل اللہ گزرے ہیں۔مگر ان میں کوئی موعود نہ تھا۔لیکن وہ جو مسیح کے نام پر آنے والا تھا وہ موعود تھا۔ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہلے کوئی

نبی موعود نہ تھا صرف مسیح موعود تھا۔''

تو مطلب یہ کہ جس طور پر نبی ظلی مسیح موعود تھے اسی طور پر نبی ظلی پہلے خلفاء بھی تھے۔ پھر اسی تذکرۃ الشہادتین کے صفحہ 38 پر ان الفاظ میں دوبارہ تشریح فرمائی ہے:

''یہ فیصلہ بھی قرآن شریف نے ہی سورۃ نور میں لفظ مِنکُمْ کے ساتھ ہی کر دیا ہے کہ اس کے تمام خلیفے اسی امت میں سے پیدا ہوں گے اور وہ خلفاء سلسلہ موسوی کے مثیل ہوں گے اور صرف ایک ان میں سے سلسلہ کے آخر میں موعود ہوگا۔ جو عیسٰی ابن مریم کے مشابہ ہوگا۔ باقی موعود نہیں ہوں گے۔ یعنی نام لے کر ان کے لئے کوئی پیشگوئی نہیں ہوگی۔''

اب دیکھو ان عبارتوں سے کیسی اس عبارت پر روشنی پڑتی ہے جو الفضل نے صفحہ 43 تذکرۃ الشہادتین سے پیش کی ہے۔ اور مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ پھر جب اسی کتاب میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کی نبوت بھی ظلی طور پر ہے اور ہر ایک کامل، جو اس امت کے لئے آتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے پرورش یافتہ ہے اور اس کی وحی محمدی وحی کی ظل ہے تو سوال باقی کیا رہ جاتا ہے۔ یعنی جتنے کامل امت محمدیہ میں ہوئے وہ مسیح موعود کی طرح ہی ظلی نبی تھے۔

دوسرے حوالہ کا جواب

دوسرے حوالہ کا جواب بھی یہی ہے کہ جس قدر آپ سے پہلے اولیا اور ابدال اور اقطاب اس امت میں گزر چکے ہیں وہ موعود نہ تھے۔ امت میں صرف ایک ہی شخص موعود تھا۔ یعنی نام لے کر ان کے لئے کوئی پیشگوئی نہیں کی گئی تھی ورنہ مسیح موعود میں اور امت کے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اور اہل اللہ اور اولیاء اور ائمہ اور خلفاء میں بحیثیت مامور من اللہ اور ملہم اور مکلم اور مجدّد اور محدّث ہونے کے کوئی فرق نہیں تھا۔ نہ وہ شرعی معنوں میں نبی اور رسول تھے۔ اور نہ حضرت مسیح موعود شرعی معنوں میں نبی اور رسول ہیں۔ نہ پہلے کوئی اور دین لائے تھے نہ مسیح موعود کوئی اور دین لائے۔ نہ پہلوں نے بجز خادم اسلام ہونے کے کوئی اور دعویٰ بالمقابل کیا اور نہ مسیح موعود نے کیا۔ پہلوں نے بھی اپنے نبی کریم کے ذریعہ ہی فیض و برکات پائے اور مسیح موعود نے بھی اسی طرح پائے۔

پہلے اولیاء کی نسبت بھی خدا تعالیٰ کے الہامات میں نبی اور رسول کا لفظ استعارہ اور مجاز کے طور پر آیا ہے۔ اور مسیح موعود کی نسبت بھی خدا تعالیٰ کے الہامات میں نبی اور رسول کا لفظ محض استعارہ اور مجاز کے طور پر ہی آیا ہے۔ پہلوں کو بھی قرآن کریم کے ذریعہ ہی فیض معارف ملے اور مسیح موعود کو بھی قرآن مجید کے ذریعہ ہی ملے۔ پہلوں کے پاس بھی بجز قرآن کریم کے کوئی اور کتاب دستور العمل کے لئے نہ تھی اور مسیح موعود کے پاس بھی بجز قرآن کریم کے کوئی اور کتاب دستور العمل کے لئے نہ تھی۔ پہلوں کا بھی بجز خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی اور نبی اور رسول نہ تھا۔ مسیح موعود کا بھی بجز خاتم الانبیاء کے کوئی اور نبی اور رسول نہ تھا۔ پہلے اولیاء نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نبوت کی وجہ سے ہی ظلی نبوت پائی اور مسیح موعود نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نبوت کی وجہ سے ہی ظلی نبوت پائی۔ پہلے بھی امت کے صلحا، ائمہ، اولیا اور خلفاء مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور اظہار علی الغیب اسی طرح پاتے رہے جس طرح کہ مسیح موعود پاتے رہے۔ جیسے پہلے جزوی نبوت تابع کلی نبوت کے ماتحت جزوی نبی تھے۔ ایسا ہی حضرت مسیح موعود ہوئے۔ اور آئندہ بھی اولیاء اور صلحاء اسی طرح ہی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور اظہار علی الغیب پائیں گے۔ باقی رہ گئے درجات سو **فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ** (76:12) اور **فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** (253:2) کے ماتحت بیشک علم اور درجات میں فوق اور فضیلت بعض کو بعض پر ہے۔ مگر اس کا علم اللہ کو ہے۔ مسیح موعود میں امت کے صلحاء اور ائمہ اور اولیاء اور خلفاء اور مجددین سے بڑھ کر کوئی نبوت نہ تھی۔ ہمارے بعض نادان بھائی حقیقۃ الوحی صفحہ 391 کا حوالہ بہت دیتے ہیں ان کے ہاتھ میں اس حوالہ سے بڑھ کر حضرت مسیح موعود کے لئے کوئی اور بات نہیں۔ بار بار یہی پیش کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے:

''پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں''

مگر نہیں سوچتے کہ حضرت اقدس نے یہاں زور اس بات پر کیوں دیا ہے۔ صرف اس لئے کہ امت میں صرف آپ ہی مسیح موعود ہیں۔ دوسرا نہیں۔ یعنی باقی موعود نہیں۔ کیا معنی۔ نام لے کر احادیث میں کسی کے لئے کوئی پیشگوئی نہیں کی گئی اور اس بات کا ثبوت آپ کی اس عبارت سے، جو آپ نے اس متنازعہ عبارت سے پہلے لکھی ہے،، بخوبی ملتا ہے۔

یہ حوالہ جس سے بباعث نادانی و کج فہمی یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعی ایک نبی اللہ آ گیا ہے ۔ قیاس مع الفارق ہے ۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ اپنے افتراء کے پیرو ہو کر محکمات اور بیّنات کی مخالفت کرتے ہیں ۔ اور خاتم النبیین کے بعد ایک اور نبی ماننے کے لئے مسیح موعود کی ان عبارتوں کی پناہ ڈھونڈ ھتے ہیں جو شاذ اور متشابہ کا حکم رکھتی ہیں ۔ ان کو یاد رہے کہ وہ ان حوالوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ قرآن کریم پر ایمان لانا اس بات کو مستلزم کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانا جائے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خود لفظ خاتم النبیین کے بتصریح ایسے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرما دیئے ہیں کہ جن میں قیامت تک کسی نبی کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں اور کسی کا اختیار نہیں کہ ان معنوں کو بدل ڈالے ۔ اور ہم اس بات کے مجاز نہیں ہیں کہ اپنی طرف سے کوئی ایسے معنی ایجاد کریں کہ جو قرآن کریم اور حدیث شریف کے بیان کردہ معنوں سے مغائر اور مخالف ہوں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیں **اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ** (متفق علیہ) تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہم کوئی اور معنی نہیں مان سکتے ۔ ہمیں معلوم نہیں کہ کسی صحیح مرفوع متصل حدیث میں کہاں اور کس جگہ لکھا ہے کہ امت میں مسیح ابن مریم کے نام پر آنے والا باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کے پھر بھی نبی ہو کر آ جائے گا ۔ اگر صرف مسلم کی اس حدیث پر جو صحیح نہیں اور ضعیف اور شاذ کا حکم رکھتی ہے ، جو نواس بن سمعان راوی سے بیان ہوئی ہے ۔ لفظ نبی سے دھوکا لگا ہے ۔ تو ہم کئی بار لکھ چکے ہیں کہ وہ حدیث حضرت اقدس کے نزدیک بھی مجروح اور مخدوش ہے ۔ دیکھئے ازالہ اوہام میں دمشقی حدیث کا بیان ۔

پھر اگر کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل ایسی ہوتی جس میں آنے والے مسیح کی نسبت نبی اللہ کا لفظ ہوتا تو حضرت اقدس کبھی اس لفظ نبی کی کوئی اور تاویل نہ فرماتے اور شرعی اصطلاح کے سوا کوئی اور معنی اس لفظ کے نہ لیتے ۔ کیا کسی صحیح حدیث کے لفظ نبی کے شرعی مقررہ اصطلاح کے سوا کوئی اور معنی ہو سکتے ہیں ؟ ہرگز نہیں ۔

بڑی غلطی یہ ہے کہ ان ہمارے غلطی خوردہ بھائیوں نے نبوت کی حقیقت صرف یہ سمجھ رکھی ہے کہ جس کسی کو خدا سے کثرت مکالمہ و مخاطبہ اور کثرت اظہار علی الغیب ہو جائے وہی نبی ہو جاتا ہے ۔ حالانکہ یہ غلط ہے اگر نبوت صرف اسی بات کا نام ہوتا تو حضرت اقدس اپنی تحریروں میں یہ کبھی نہ لکھتے :

''سُمِّیتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیقِ الۡمَجَازِ لَا عَلٰی وَجۡہِ الۡحَقِیۡقَۃِ (صفحہ 65 ضمیمہ حقیقۃ الوحی)

اور پھر کبھی یہ نہ فرماتے:

''میری نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظل ہے نہ کہ اصلی نبوت'' (دیکھو حاشیہ صفحہ 150 حقیقۃ الوحی)

آخر پر ہم یہ بیان کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر ہم فرض محال کے طور پر یہ مان بھی لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد احادیث میں صرف مسیح موعود کے لئے ہی نبی کا لفظ بولا گیا ہے۔ اور اس لفظ کے ان معنوں کو نظر انداز بھی کر دیں جو حضرت اقدس نے اپنی کتابوں میں تواتر کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ تب بھی یہ بات ہمارے غلطی خوردہ بھائیوں کو مفید نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی صحیح حدیث میں یہ آیا ہے کہ مسیح موعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہوں گے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مجموعہ احادیث میں جن میں ضعیف، قوی سب ہی قسم کی احادیث ہیں۔ مسیح موعود کی ایک یہ بھی علامت لکھی ہے کہ اس کے نام کے ساتھ نبی کا لفظ بھی ہے۔ اس علامت کو خاص نظر میں رکھ کر حقیقۃ الوحی کا محولہ بالا حوالہ حضرت اقدس کی قلم سے نکلا ہے۔ اس کے ساتھ ہی لفظ نبی کی مراد بھی بتائی گئی ہے کہ وہ صرف اسی قدر ہے کہ مسیح موعود خدا تعالیٰ سے بکثرت شرف مکالمہ مخاطبہ پائے گا۔ وبس۔

سو نبی ہونا صرف اسی ایک بات پر ہی منحصر نہیں ہے۔ نبی ہونے کے لئے دوسری شرائط بھی ہیں۔ یہاں صرف یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت اقدس کی کتابوں میں بہت جگہ تفصیل ہوتی ہے اور کسی جگہ اجمال بھی۔ پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ مجمل کے ایسے طور سے معنی کرے کہ دوسری تفصیلی عبارتوں سے مخالف نہ ہو جائیں۔ تفصیلی عبارتیں آپ کی کتابوں میں تواتر کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ اس لئے جو قلیل ہے بہر حال کثیر کے تابع کرنا پڑے گا۔ جب اس طرح آپ تمام مقامات کتاب حقیقۃ الوحی کے دیکھیں گے۔ تو آپ کو یہ مقام بھی خود بخود حل ہو جائے گا۔ اسی مقام پر ہی دیکھو کہ جہاں سے یہ عبارت شروع ہوتی ہے۔ وہ حقیقت الوحی صفحہ 390 کا

نصف ہے۔ وہاں صاف لکھا ہے۔

''پھر ایک اور نادانی یہ ہے کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کے لئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کا سراسر افتراء ہے۔''

یہ عبارت اس وسوسہ کو مٹا دیتی ہے کہ مسیح موعود نبی ہے۔

5 نومبر 1914ء

اسلام اور موجودہ جنگ یورپ

(از حضرت امیر مولینا مولوی محمد علی ایدہ اللہ تعالیٰ ایم اے، ایل۔ ایل۔ بی)

اسلام اپنے حقیقی معنوں کے لحاظ سے جنگ کی ٹھیک ضد واقع ہوا ہے۔ کیونکہ اسلام کے اصلی معنی صلح اور آشتی کے ہیں۔ مگر عیسائی پادریوں نے معلوم نہیں اس میں اپنی کیا بھلائی دیکھی ہے کہ وہ اسلام کو جنگ کے ہم معنی قرار دیتے ہیں۔ اور ہمیشہ اسلام پر یہ جھوٹا الزام دیتے ہیں کہ یہ مذہب بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ اور پھر اس کی ایسی بھیانک تصویر کھینچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تلوار پکڑائی ہے۔ جو وہ دوسرے کے سر پر لئے کھڑے ہیں کہ یا تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرو۔ ورنہ ابھی سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ ان ظالموں کو، جنہوں نے ایسا ناپاک حملہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا ہے۔ یہ بھی کبھی خیال نہیں آیا کہ اس رحمتہ للعالمین کی زندگی میں کوئی ایک ہی ایسا واقعہ دکھا دیتے۔ اسلام کی یہ خونخوار تصویر اصل میں تو صلیبی جنگوں کے خونخوار نظاروں کا دماغی اثر ہے۔ مگر اب یہ بات محققین کے ایک نہایت ہی قلیل گروہ کو چھوڑ کر، جن کا وجود یورپ میں اَلنَّادِرُ كَالْمَعْدُوْمِ کے حکم میں ہے، زن و مرد، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کے دماغ میں ایسی جاگزین ہے کہ کوئی دلائل اس کے بالمقابل اثر نہیں کرتے۔ اس جھوٹ کے پھیلانے والے سب سے بڑا گروہ پادری صاحبان ہیں۔ جو اپنے مذہب کی سب سے بڑی خوبی یہی دیکھتے ہیں کہ دوسرے مذاہب کو سراسر باطل اور ظلمت اور ان کے مقدس پیشرؤوں کو انسانیت کا بدترین نمونہ کہا جائے اور عوام الناس، جن کو نہ اصل ذرائع تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے دلوں میں کبھی یہ خیال آ سکتا ہے کہ ان کے مقدس پادری جھوٹ بول رہے ہیں، ان باتوں کو جو ان کے منہ سے نکلتی ہیں كَالْوَحْيِ مِّنَ السَّمَآءِ سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان پر کیا افسوس کیا جائے۔ ہاں! ان کو ایسی ناپاک تعلیم دینے والوں پر افسوس ہے۔

لیکن پادری صاحبان کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ اپنے دین کی اشاعت کے لئے جو طریق کامیابی کا معلوم

ہوا سے اختیار کریں۔ اور قومیت اور مذہب کی حمایت میں بعض وقت لوگ ناجائز کو بھی جائز قرار دے لیتے ہیں۔ لیکن یہ عذران لوگوں کے لئے نہیں ہوسکتا جن کا فرض منصبی کچھ اور ہے۔ انگریزی قوم اس وقت اس قدر مسلمانوں پر حکمران ہے کہ دوسری کسی سلطنت کے ماتحت اس قدر مسلمان نہیں ہیں۔ سو اول تو بحیثیت قوم ہی انگریزی قوم کا یہ فرض تھا کہ وہ خالی الذہن ہوکر مذہب اسلام سے واقفیت پیدا کرتی۔ ورنہ کم از کم وہ لوگ جو برسرِ حکومت ہوں۔ ان کا تو ایک گونہ فرض منصبی ہے کہ وہ اپنی رعایا کے مذاہب کی اصلیت سے آگاہ ہوں۔ اور نہیں تو کم از کم ان کے مذہبی جذبات کی قدر کریں۔ لیکن ماتحت حکام تو ایک طرف رہے۔ سلطنت کے ایسے عظیم الشان ارا کین جیسے مسٹر لائڈ جارج جو اس عظیم الشان سلطنت کے چانسلر ہیں۔ انہوں نے حال میں اپنی ایک تقریر میں جو اخبار سٹیٹس مین کلکتہ کے 20 اکتوبر کے پرچہ میں چھپی ہے۔ ایسے الفاظ منہ سے نکالے ہیں جو ایک پادری کے منہ سے نکلتے تو بھی قابل اعتراض تھے۔ چہ جائیکہ اس سلطنت کے، جو سب سے بڑی اسلامی سلطنت کہلاتی ہے، عظیم ترین رکن سلطنت کے منہ سے نکلتے۔ مسٹر لائڈ جارج کی یہ تقریر اصل میں قیصر جرمنی کی کسی تقریر پر تھی۔ جو کہا جاتا ہے کہ قیصر نے اپنے سپاہیوں کو جنگ پر رخصت کرتے وقت کی تھی۔ مسٹر لائڈ جارج نے اپنی تقریر میں پہلے قیصر کی اس تقریر کے ذیل کے فقرات نقل کئے ہیں۔

> ''یاد رکھو کہ جرمن قوم خدا کی برگزیدہ قوم ہے۔ مجھ پر جو جرمن قوم کا شہنشاہ ہوں۔ خدا کی طرف سے روح القدس نازل ہوئی ہے۔ میں اس کا ہتھیار رہوں۔ اس کی تلوار رہوں۔ اس کا خلیفہ ہوں، نافرمانوں کے لئے واویلا ہے۔ بزدلوں اور نہ ماننے والوں کے لئے ہلاکت ہے''

قیصر کی اس تقریر کو نقل کر کے مسٹر لائڈ جارج نے کہا:

> ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک اس کی کوئی نظیر نہیں۔ پاگل پن (سامعین ہنس پڑے) ہمیشہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات یہ خطرناک ہو جاتا ہے۔ اور جب تم اس کو ایک ملک کے حاکم میں ظاہر ہوا دیکھو اور یہ ایک بڑی سلطنت کی

پالیسی بن جائے۔تو یہ وقت ہے کہ اس کوسختی سے دور کیا جائے۔‘‘

مسٹرلائڈ جارج نے ان فقرات میں قیصر جرمنی پرحملہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر ایک خطرناک حملہ کیا ہے۔ہم اپنے حکّام کی عزت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔اوران کی اطاعت ہمارے اصول مذہب میں داخل ہے۔لیکن جب ایک حاکم اپنی رعایا کی ایک عظیم الشان قوم کے مذہب پرحملہ کرتا ہے۔تو اس وقت وہ حکومت کے فرض منصبی سے الگ ہوکرایک مشنری کا کام اپنے ذمہ لیتا ہے۔ہمیں اس سے بھی تعرض نہیں کہ حکومت کے اراکین میں سے کوئی شخص رعایا کے مقدس بزرگوں پرحملہ کرے۔لیکن جب وہ ایسا کام کرے گا۔تو پھرہم بھی مجبور ہیں کہ اس کوحاکمانہ حیثیت سے الگ سمجھ کراس کے ساتھ وہی سلوک کریں۔جوایسی حالت میں ایک مذہبی مشنری سے ہونا چاہئیے۔

ہرایک قوم کواپنے مذہبی پیشرو سے محبت کا دعویٰ ہوتا ہے۔مگرہم مسلمان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدراحسانات اپنے اوپر بلکہ کل دنیا پر دیکھتے ہیں کہ شاذونادرہی کوئی مسلمان ہوگا کہ آپ کا مبارک نام لےاورساتھ ہی اپنی محبت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اورآپ کی برکات کا ذکر’’صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ کےفقرہ سے ظاہر نہ کرے۔ساری دنیامیں ایک پیغمبراسلام کی ہی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا مبارک نام منہ پرآتے ہی بےاختیار صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہرمسلمان کے منہ سے نکلتی ہےاورکسی قوم نے اپنے نبی کی اس قدرعزت نہیں کی۔اور نہ اس کےاحسانات کا اس قدراعتراف کیا ہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت شرط ایمان ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے ماں باپ اوراپنے بیٹے اوردنیا کے تمام لوگوں سے بڑھ کرمحبوب نہ بنائے۔

پس ایک طرف تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محبت مجبور کرتی ہے کہ آپ کی ذات پاک پر جوناپاک حملہ ان الفاظ میں کیا گیا ہےاس کی تردید کی جائے اوردوسری طرف خود گورنمنٹ کی طرف سے پبلک کی بدظنی دور کرنے کے لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پبلک کو بتایا جائے کہ اگرمسٹرلائڈ جارج نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

پر یہ حملہ کیا ہے۔ تو اس کا تعلق گورنمنٹ سے کچھ نہیں بلکہ انہوں نے اپنے فرض منصبی سے الگ ہو کر ایسا فقرہ منہ سے نکالا ہے۔ اگر کسی معمولی انسان یا کسی پادری یا کسی ادنیٰ درجہ کے حاکم کے منہ سے ایسا کلمہ نکلا ہوتا۔ تو چنداں حرج نہ تھا۔ مگر گورنمنٹ انگریزی کے وزیرِ ثانی کے منہ سے ایسا کلمہ نکلنا مسلمان پبلک کے احساسات کو صدمہ پہنچاتا ہوا ایک بدظنی بھی دلوں میں پیدا کر سکتا ہے۔ جب تک کہ اس کا صاف الفاظ میں قلع قمع نہ کیا جائے اور یہ نہ بتایا جائے کہ گورنمنٹ کی مذہبی آزادی کی پالیسی کبھی یہ اجازت نہیں دیتی کہ اس کے اعلیٰ ترین حکام اپنی پبلک تقریروں میں اس قسم کے الفاظ استعمال کریں۔ ہم تو دور بیٹھے ہیں اور ہم کو یہ تقریر پہلے بذریعہ انگریزی اخبارات اور پھر اردو اخبارات کے ذریعہ سے پہنچی ہے۔ لیکن جو ہمارے مسلمان بھائی، جن میں انگریزی قوم کے افراد بھی شامل ہیں، اس تقریر کو سن رہے ہوں گے۔ ان کو چانسلر انگلستان کے ان الفاظ سے کس قدر دکھ پہنچا ہوگا!

کس قدر دکھ اور رنج کا مقام ہے کہ دس کروڑ مسلمانوں پر حکومت کرنے والی قوم کا وزیر (وہ مسلمان جو اس وقت سلطنت کی حمایت میں لڑ رہے ہیں) قیصر جرمنی کے ان دعوؤں کو جن کو وہ خود ہی اگلے فقرہ میں پاگل پن بتاتا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوؤں سے ملاتا ہے۔ مجھے تو ہمیشہ پادری صاحبان کے اس اعتراض پر بھی تعجب آیا ہے کہ وہ باوجود بار بار واقعات کے دکھانے کے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بزورِ شمشیر کسی کو مسلمان نہیں بنایا، یہی اعتراض کئے جاتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا۔ کیونکہ اس طرح پر وہ ناخواندہ مسلمانوں کے دلوں میں ایک ایسا خطرناک عقیدہ بٹھاتے ہیں۔ جن کے نیچے ان کی اپنی قوم کے لئے دشمنی چھپی ہوئی ہے۔ مگر اب پادری صاحبان پر کیا افسوس کریں۔ جب سلطنت کے اراکینِ اعظم بھی اسی قسم کے فقرے بلا سوچے منہ سے نکال دیتے ہیں۔ جو نہ صرف خلاف واقعہ ہیں بلکہ ان کا اثر مسلمانوں پر خود سلطنت کی اغراض کے منافی ہے۔ مسٹر لائڈ جارج کا اس فقرہ سے کیا مطلب تھا۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی نہیں کہا کہ میں خدا کا ہتھیار رہوں۔ یا خدا کی تلوار ہوں اور نہ ہی کبھی یہ کہا کہ عرب قوم خدا کی برگزیدہ قوم ہے۔ ہاں! متقیوں اور راست بازوں کو بے شک خدا کی برگزیدہ قوم کہا ہے۔ خواہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے۔ ہاں! خدا تعالیٰ کا خلیفہ تو ہر ایک نبی کہلایا بلکہ بعض ابن اللہ بھی

کہلائے۔ اور بعض کو لوگوں نے اپنی کم فہمی سے خدا تک بھی کہہ دیا۔ پھر اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا خصوصیت ہے۔ نہ ہی مسٹر لائڈ جارج تاریخ سے اس قدر ناواقف ہیں کہ ان کو یہ علم نہ ہو کہ ان تیرہ سو سال کے اندر بھی بعض لوگوں نے بڑے بڑے دعویٰ کئے ہیں۔

بالکل تازہ واقعات جو مسٹر لائڈ جارج کے علم سے باہر نہیں ہو سکتے۔ باب اور بہاء اللہ کے دعاوی ہیں۔ پھر اس سے بھی تازہ ڈوئی کا واقعہ ہے۔ جو اپنے آپ کو الیاس اور خدا کا خلیفہ کہتا تھا اور اپنے مخالفین کے لئے تباہی اور ہلاکت کی پیش گوئیاں شائع کرتا تھا۔ جس کو ابھی سات سال ہی اس دنیا سے رخصت ہوئے گزرے ہیں۔ اور اگر امریکہ تک بھی جانا پسند نہ کیا جائے تو مسٹر پگٹ نے انگلستان کے اندر ہی خدائی کا دعویٰ کیا۔ اگر قیصر جرمنی کو ایک کاذب مدعی سمجھ کر مسٹر لائڈ جارج کسی سے مشابہت دینا چاہتے تھے تو کیوں ڈوئی یا پگٹ کے ساتھ نہ دے دی۔ حالانکہ ان لوگوں کے ماننے والے انگلستان میں تو اب دو چار تنفس بھی نہ ہوں گے۔ لیکن مسٹر لائڈ جارج کی نظر اگر قیصر جرمنی کے ساتھ تمثیل دینے کے لئے کسی پر پڑی۔ تو وہ اس عظیم الشان انسان پر پڑی۔ جس کے نام پر جان قربان کرنے والے دس کروڑ انسان تو سلطنت برطانیہ کے ماتحت ہی ہیں۔ اور دنیا کی آبادی میں بھی چوتھائی سے کم نہیں۔

مسٹر لائڈ جارج کی ساری تقریر کو پڑھ کر یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیصر جرمنی کو ایک ایسے شخص کے رنگ میں ظاہر کر رہے ہیں۔ جو اپنے منجانب اللہ ہونے کے جھوٹے دعوؤں کو تلوار کے ذریعہ دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے۔ اور یہ بعینہٖ وہی اعتراض ہے جو پادری ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیصر کو مشابہت دینا صاف بتاتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی (نعوذ باللہ) قیصر کی طرح ہی سمجھتے ہیں۔ جس صورت میں وہ قیصر کو جھوٹا اور پاگل سمجھتے ہیں۔ تو کیا مناسب نہ تھا کہ وہ اَصْدَقُ النَّاسِ کے ساتھ اس کو مشابہت نہ دیتے۔ بلکہ کسی جھوٹے مدعی کے ساتھ دیتے۔ جس نے دنیا میں کامیابی کا منہ نہ دیکھا ہو۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ انسان ہیں کہ ان کی کامیابی کے برابر دنیا میں ایک شخص کی کامیابی بھی نہیں پہنچتی۔ اور تاریخ عالم اس بات سے عاجز ہے کہ جو کامیابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی اس کی ایک بھی

اور نظیر پیش کر سکے۔

پس ایسے کامیاب انسان کے ساتھ اس شخص کو تشبیہ دینا، جس کی ناکامی کی ساری دنیا خواستگار ہو اور خود مسٹر لائڈ جارج بھی اس کی ناکامی کو ہی ظاہر کرنا چاہتے ہوں، محض مذہبی تعصب کے لئے واقعات کو بھی چھوڑنا ہے۔ اور مدبر دانش مند اعیان مملکت سے ایسے فعل کا ظہور سخت حیرت انگیز امر ہے۔ اور سب سے ''بڑی فلاحی سلطنت'' کے ایک بڑے رکن کے دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام کا ایسا بغض یا کم از کم ان کی ایسی تحقیر مسلمانوں کے دلوں کو سخت صدمہ پہنچانے والی بات ہے۔

پھر دوسرے واقعات کو لو۔ قیصر جرمنی ایک بڑی سلطنت کا مالک جو 40 سال سے شب و روز اپنی سلطنت کے سارے ذرائع کے ساتھ جنگ کی تیاری کرتا رہا ہے۔ اس کے برخلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یتیم بچہ جو بے کسی کی حالت میں پرورش پاتا ہے۔ اور جب وہ مخلوق کو خالق کا پیغام پہنچاتا ہے۔ جو آج ساری دنیا میں گونج رہا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو اس کا ساتھ دینے والا ایک بھی نہیں۔ اور جو کوئی اس کے ساتھ ہوتا ہے وہ ایک زبردست قوم کے ہاتھوں سے طرح طرح کے دکھ اٹھاتا ہے۔ انہی مصیبتوں اور دکھوں کے اندر، اس بے کسی اور کس مپرسی کی حالت میں خدا کی طرف سے اسے یہ آواز آتی ہے کہ آخر تو کامیاب ہوگا۔ اور یہ طاقت ور قومیں، جو تجھے نیست و نابود کرنا چاہتی ہیں، خود ہلاک ہو جائیں گی۔ اس کا پیغام صلح اور رحمت کا پیغام ہے۔ مگر جب طاقت ور قوم اسے کمزور جان کر نیست و نابود کرنا چاہتی ہے اور پیغام حق کو ہمیشہ کے لئے مٹا دینا چاہتی ہے۔ تو وہ طاقت ور ہستی جس کے ایک اشارہ سے زبردست سے زبردست سلطنتیں پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ اس کے زبردست دشمنوں کو یہ خبر دیتی ہے کہ ان کے حق کو مٹانے کی کوشش ناکامیاب ہوگی۔ اور نہ صرف ان کی کوششیں ناکام ہوں گی۔ بلکہ وہ جو دوسروں کی ہلاکت کے درپے ہیں خود ہلاک کئے جائیں گے۔ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (8:61) کہاں وہ شخص جو 40 سال سے ایک عظیم الشان قوم بے شمار روپے اور ہر طرح کے سامان کے ساتھ جنگ کی تیاری کر رہی ہو اور کہاں وہ بیکس انسان جو گلیوں اور کوچوں میں اکیلا توحید کا پیغام لئے پھرتا ہے۔ اور ایک زبردست قوم اسے ہلاک کر دینا چاہتی ہے۔ میری سمجھ میں

نہیں آتا کہ مسٹر لائڈ جارج کو کہاں اور کیا مناسبت ان دونوں میں نظر آئی ؟ جو انہوں نے قیصر جرمنی کے ذکر کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر اپنی ہی گورنمنٹ کی رعایا کے دلوں کو دکھ پہنچایا۔ اس امر کے متعلق کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کن حالات کے اندر جنگ پیش آئی۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے حصہ مضمون میں کچھ لکھوں گا۔ (جاری ہے)

12 نومبر 1914ء

اسلام اور جنگ

(از حضرت امیر مولٰینا مولوی محمد علی ایدّہ اللہ تعالیٰ)

جس مذہب کا نام ہی لفظ صلح کا ہم معنی ہو اس پر اعتراض، کہ وہ تلوار سے ہی بڑھا اور تلوار سے ہی زندہ رہ سکتا ہے، بڑا ہی ظلم ہے۔ معترض اتنا ہی غور کریں کہ آخر کوئی شخص نام رکھتا ہے تو اس نام کے تجویز کرنے میں کوئی غرض اس کی ہوتی ہے۔ اگر درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تلوار کے ذریعہ سے ہی اپنا دین پھیلانے پر آمادہ تھے۔ تو اس کا نام اسلام انہوں نے کیوں رکھا؟ سارا عرب تو ان کا پہلے دن سے ہی دشمن ہو چکا تھا۔ کس کو دھوکہ دینے کے لئے انہوں نے اپنے مذہب کا نام اسلام یعنی صلح کا مذہب رکھا۔ اور پھر غور کرو کہ آپؐ نے کیسی عجیب بنیاد صلح کی اسلام کے ذریعہ سے رکھ دی کہ آپؐ نے کسی نبی کی نبوت سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ کل نبیوں پر ایمان لانا اسلام کا اصل الاصول قرار دیا۔ یہ وہ عظیم الشان کام مذہب میں صلح کی بنیاد رکھنے کا تھا۔ جو کسی مذہبی پیشرو نے نہ آپؐ سے پہلے کیا۔ اور نہ آج تک آپؐ کے بعد کیا بلکہ مہذّب ممالک کی مذہبی آزادی درحقیقت اسلام کے باغ کا ہی ایک ثمر ہے۔ مذہبی پیشروؤں کی یہاں تک عزت کی اس سے بڑھ کر یہ کہ کسی قوم کے جھوٹے معبودوں کو بھی برا کہنا جائز نہ رکھا **لَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ** (108:6) پہلی مذہبی کتابوں کی بھی یہاں تک عزت کی کہ **فِیۡهَا هُدًی وَّ نُوۡرٌ** (44:5) کا مقام ان کو دیا اس سے بڑھ کر صلح کی تعلیم ناممکن تھی اور ناممکن ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ اگر اسلام واقعی جنگ کی ضد ہے اور اپنے حقیقی معنوں کے لحاظ سے ایسی عظیم الشان صلح کی بنیاد سب مذاہب میں اسلام نے رکھی۔ تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگیں کیوں کیں؟ دنیا کی مہذب سے مہذب قوم آج یہ نہیں کہہ سکتی کہ صلح پسند اور امن جُو قوموں کو کبھی بھی ایسی مجبوری پیش نہیں آ سکتی کہ وہ کسی دوسری قوم سے جنگ کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں۔ مگر یاد رکھو کہ جو معمولی ضرورتیں امن پسند اور صلح جُو قوموں کو جنگ کے لئے پیش آ جایا کرتی ہیں، وہ سب مسلمانوں کو پیش آنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ

کی اجازت نہیں دی۔ اور نہ ان ضرورتوں کو مجبوری کی حد تک پہنچی ہوئی ضرورتیں قرار دیا۔ امن کی خواہشمند قوموں کی عزت پر جب کوئی حملہ ہوتا ہے۔ یا ان کی جائیدادوں اور ان کے مالوں پر کوئی حملہ ہوتا ہے۔ یا ان کی تجارتوں پر کوئی حملہ ہوتا ہے۔ یا ان کی آزادی پر کوئی حملہ ہوتا ہے۔ یا سب سے بڑھ کر ان کی جانوں پر کوئی حملہ ہوتا ہے۔ تو دنیا کی اصطلاح میں بھی وہ باوجود امن پسند ہونے کے جنگ کی ابتدا کرنے میں حق بجانب سمجھے جاتے ہیں۔ مسلمان قوم پر مکہ میں برابر تیرہ سال تک ان تمام معاملات میں ایسے خطرناک حملے ہو چکے تھے کہ قریب تھا کہ اگر مسلمان اپنے گھروں کو چھوڑ کر نہ بھاگ جاتے تو ان کو بالکل نیست و نابود کر دیا جاتا۔ ان کی نہ کوئی عزت باقی رہی تھی، نہ ان کی جائیدادیں اور اموال ظالموں کے ہاتھ سے محفوظ رہے تھے، نہ ان کی کوئی تجارت رہ گئی تھی، نہ ان کے لئے آزادی کا کوئی پہلو باقی رہ گیا تھا اور نہ ہی ان کی، ان کے بال بچوں، ان کے بھائی بندوں کی جانیں محفوظ تھیں۔ بلکہ بہت سے بڑے بڑے مظالم کے ساتھ مار ڈالے گئے تھے۔ پر ان باتوں پر مسلمانوں کو صبر کرنے کی ہدایت ہوتی رہی۔

یہ کس لئے؟ اس لئے کہ یہ سب باتیں اب تک اپنی عزت، اپنے مالوں، اپنی تجارتوں، اپنی آزادی، اپنی حفاظت کے لئے تھیں اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ مسلمان اپنے نفوس پر ہر قسم کے دکھ اور مصیبتیں برداشت کرنا سیکھیں۔ ان کا چونکہ نام ہی مسلم یا ایک صلح پسند اور حق جُو قوم تھا۔ اور وہ نام ان کا اپنا تجویز کردہ نہ تھا۔ بلکہ اس خدا قادر کا تجویز کردہ تھا هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (78:22) جس نے انہیں حقیقی معنوں میں مسلم بنا کر دکھانا تھا۔ اس لئے انہیں اجازت نہیں دی گئی کہ وہ ان دکھوں، ان مصیبتوں، ان حق تلفیوں اور جانوں کے تلف ہونے پر اعلان جنگ کریں۔ جن پر دنیا کی دوسری قومیں کرتی ہیں۔ مگر آخر ان کو بھی میدان جنگ میں نکلنا پڑا۔

کب اور کن حالات کے ماتحت ایسا کرنا پڑا۔ اس پر قرآن سے بڑھ کر کوئی شاہد نہیں۔ ابتداء میں جنگ کی اجازت کا ذکر دو مواقع پر قرآن شریف نے فرمایا ہے۔ ایک سورہ الحج میں اور دوسرے سورہ البقرہ میں۔ اور دونوں جگہ الفاظ مختلف ہیں مگر مفہوم ایک ہی ہے سورہ الحج میں تو بدیں الفاظ فرمایا: **اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ**

يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا (22:39-40) یعنی ان لوگوں کو جن کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے۔ اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ بھی جنگ کریں) ان کے ساتھ ظلم کیا جاتا ہے۔ اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے (اور ان کا) سوائے اس کے (کوئی قصور نہ تھا) کہ وہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے نہ رکواتا تو صومعے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں، جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے، ویران کر دیئے جاتے اور سورہ البقرہ میں فرمایا وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ. (2:190) یعنی "اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو۔ جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ اور (ضرورت جنگ کی) حد سے نہ بڑھو۔ کیونکہ اللہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا" اور اس کے آگے فرمایا وَقَا تِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (2:193) اور ان کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور مذہب اللہ کے لئے ہو۔ ان دونوں مقامات سے ذیل کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ مسلمان طرح طرح کے دکھ اور مصیبتیں اپنے مخالفوں کے ہاتھ سے برداشت کر چکے تھے۔ وہ اپنے گھروں سے بھی ناحق نکالے جا چکے تھے۔ مگر ان کو اپنی مصیبتوں کا انتقام لینے یا اپنے گھروں کے واپس لینے کے لئے جنگ کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ دوم یہ کہ ان کا جنگ کرنا اب اپنے لئے نہ تھا۔ بلکہ فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں تھا۔ اور دوسری جگہ اسی مطلب کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ اگر اب بھی جنگ کی اجازت نہ دی جائے۔ تو تمام مذاہب کے مقدس مقامات برباد کر دیئے جائیں گے۔

سو مسلمانوں کی جنگ اپنے مال و جان اپنی عزت اپنی تجارتوں کی حفاظت کے لئے نہیں تھی۔ بلکہ ان مقامات کو، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں، خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں، ویرانی سے بچانے کے لئے تھی، اور اسی کا نام فی سبیل اللہ رکھا ہے۔ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ کے الفاظ سے اور فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کہہ کر یہ جتایا ہے کہ مسلمانوں کی جنگ اپنی قومیت کے لئے بھی نہیں بلکہ سب قوموں کے یکساں بھلے کے لئے اور صرف اسی قوم کے خلاف ہے جو تمام قوموں کی مذہبی آزادی کو برباد کر کے اللہ کے نام کو دنیا سے مٹانا چاہتی ہے۔ جو یہ اجازت نہیں دیتی کہ لوگ کلمہ حق منہ سے کہہ سکیں۔ بلکہ کسی کلمہ حق کو اپنی کسی غرض یا فائدہ کے

منافی خیال کر کے ایسے کلمہ حق منہ سے نکالنے والے لوگوں کو دنیا سے نیست و نابود کرنا چاہتی ہے۔ سوم دونوں آیتوں میں ایک جگہ یُقَاتِلُوْنَ فرما کر اور دوسری جگہ اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ فرما کر یہ حکم دیا ہے کہ باوجود ان سب باتوں کے کہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہے ہیں اور ان کو دنیا سے نیست و نابود کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اللہ کے نام کو دنیا سے مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر بھی مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں کہ اپنے مخالفوں سے جنگ کی ابتدا کریں۔ بلکہ پہلے مخالف جنگ شروع کریں تو اس کے بعد مسلمانوں کو جنگ کی اجازت ہے۔ باجودیکہ تمام واقعات پیدا ہو چکے تھے۔ جن کی وجہ سے جنگ ضروری ہو چکی تھی۔ پھر بھی اسلام کو جنگ کے ساتھ اس قدر نفرت تھی کہ اب بھی یہی حکم ہوتا ہے کہ مخالف جنگ شروع کریں تو تم جنگ کرو۔ ورنہ اب بھی رکے رہو۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فرمایا کہ اگر جنگ شروع کر دینے کے بعد وہ رک جائیں اور جنگ کرنا ترک کر دیں تو تم بھی رک جاؤ۔ اور ان کی ساری زیادتیوں کو معاف کردو۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (192:2)

چہارم جنگ کے اندر جنگی ضروریات سے بڑھ کر کسی قسم کی زیادتی کرنے سے روکا۔ لَا تَعْتَدُوْا ایک قوم جو طرح طرح کے دکھوں اور مصیبتوں کا شکار ہو چکی تھی۔ ممکن تھا کہ فتح اور غلبہ کے وقت وہ اپنے مصائب کا انتقام لینے کے لئے دشمن پر کوئی زیادتی کر بیٹھے، اس سے روکا۔ اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانشین اپنی فوجوں کو یہ ہدایت دیتے رہے کہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں، راہبوں وغیرہ کو جنگ میں قطعاً نہ چھیڑا جائے، ثمر دار درخت نہ کاٹے جائیں، گھر نہ جلائے جائیں۔

یہ وہ باتیں ہیں جن کے ارتکاب سے کئی مہذب قوموں کا دامن آج بھی آلودہ ہو رہا ہے۔ حالانکہ وہ مظلوم ہو کر نہیں بلکہ ظالم ہو کر جنگ کرتے ہیں۔ ان کو کوئی دکھ دینے والا نہیں۔ بلکہ وہ دوسروں کو دکھ پہنچانے کے لئے جنگ کرتے ہیں۔ جن سے اٹلی کے خونخوار مظالم طرابلس میں یا بلقانی ریاستوں کے وحشیانہ مظالم ٹرکی کی پردہ نشین عورتوں اور معصوم بچوں پر یا جرمنی کا بلجیم کے شہروں کو جلانا اور بچوں اور عورتوں تک کے مصائب کا لحاظ نہ کرنا۔ پنجم جنگ کی غرض یہ نہ تھی کہ کسی قوم کو مفتوح اور مغلوب کر لیں یا کسی پر اپنے رعب کا سکہ بٹھائیں۔ بلکہ صرف یہ کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ امن پسند مسلمانوں اور دوسرے لوگوں کو کلمہ حق کہنے کی وجہ سے دکھ نہ دیا جائے۔ گرجے، مسجدیں اور دوسرے مذاہب کے عبادت خانے سب یکساں محفوظ ہوں۔

اسی کا نام وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (193:2) ہے اور وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (39:8) کے جو معنی بعض لوگوں نے یہ کئے ہیں کہ سب لوگ اللہ کا دین یعنی اسلام قبول کر لیں۔ وہ نہ صرف قرآن کریم کے دوسرے مقامات کے خلاف ہیں۔ بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات یہ بتاتے ہیں کہ آپ نے یہ معنی اس کے کبھی نہیں سمجھے مثلاً اسی جگہ قرآن شریف نے فرمایا فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (192:2) کہ اگر یہ لوگ جنگ سے رک جائیں تو تم ان کو سب کچھ معاف کر دو۔ اور ایسا ہی ایک جگہ فرمایا اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (61:8) یہ صلح کے لئے جھکیں تو تم سب صلح کے لئے جھک جاؤ۔ پس اگر اسلام قبول کرنا شرط ہوتی تو یہ ہدایات جو اس کی منافی ہیں، کیوں دی جاتیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ سورہ الحج میں جنگ کی آخری غرض یہ لکھی ہے کہ گرجے اور دوسرے عبادت خانے اور مسجدیں سب یکساں ویرانی سے بچائے جائیں۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقعہ پر کفار سے صلح کی۔ حالانکہ انہوں نے اسلام تو قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہاں تک شرط کر لی تھی کہ کفار میں سے کوئی مسلمان ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے تو آپ اسے اپنے پاس نہیں رکھیں گے۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی کفار سے جا ملے تو کفار اسے واپس نہیں کریں گے۔ پس ان تمام آیات اور ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (193:2) کے یہ معانی، کہ سب لوگ اللہ کا دین قبول کر لیں، غلط اور قرآن کریم کے صریح مخالف ہیں۔

ان تمام امور سے معلوم ہوگا کہ گو اسلام کو جنگ کرنی پڑے مگر یہ اس غایت درجہ کی مجبوری میں جائز رکھے گئے جب اور کوئی صورت قیام امن کی باقی نہ رہی۔ اور چونکہ قیامِ امن اسلام کے اصل اغراض میں سے تھا اس لئے صرف اسی ایک غرض کے لئے جنگ کی اجازت دی۔ اور اسی قیامِ امن کی حد تک جنگ کے جاری رکھنے کا حکم دیا۔ اور کسی وقت اس غرض کے حاصل ہو جانے کی صورت میں جنگ کو روک دینے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ واقعی اسلام صلح کا نام ہی ہے۔ البتہ صلح اور امن کے قائم کرنے کے لئے جو ضرورتیں پیش آئیں، اور جو کچھ بھی قربانیاں کرنی پڑیں، وہ اسلام کے اس مفہوم کے منافی نہیں۔

17 نومبر 1914ء

میثاق بنی اسرائیل کے تذکرہ میں مسلمانوں کو تعلیم

(13 نومبر کو حضرت امیر قوم کے فرمودہ خطبہ جمعہ کے ان الفاظ کو قلم بند فرمانے میں ایک واجب التعظیم بزرگ نے قارئین پیغام صلح پر احسان فرمایا ہے۔ جن کا نام ان کے ارشاد کے موافق درج نہیں کیا گیا۔ احباب ان کے لئے خاص طور پر دردِ دل سے دعا فرمائیں کہ ان کو اپنے پاک اور نیک ارادوں میں ہر طرح کامیابی میسر ہو۔ آمین۔ مدیر)

بنی اسرائیل کے چند وعدے اور ان کا ایفاء

آیتِ قرآنی **وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ** (83:2) اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کچھ اقرار لئے تھے ان میں سے تین کا یہاں ذکر فرمایا۔

بنی اسرائیل کا پہلا اقرار

پہلا اقرار تو ذات باری تعالیٰ کے متعلق تھا کہ **لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ** بنی اسرائیل نے قبول کیا کہ ہم سوائے اللہ کے اور کسی کی فرمانبرداری نہ کریں گے۔ دوسرا اقرار مخلوق خدا کے متعلق تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ والدین کے ساتھ، قریبیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں کے ساتھ، مسکینوں کے ساتھ اور پھر ساری مخلوق کے ساتھ ہم نیک سلوک کریں گے۔ ان دس احکام میں سے جن پر چلنے کا حکم حضرت موسیٰ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دیا اور جن کی فرمانبرداری کی ان کو یہاں تک تاکید کی کہ وہ انہیں اپنی دہلیزوں پر لکھ کر لٹکائے رکھیں، تا بھول نہ جائیں۔ یہاں بعض کا ذکر کر دیا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں دو وعدے بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ سے کئے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری

دوسرے مخلوق خدا سے نیک سلوک۔ اب سوال جو یہاں اٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی فرمانبرداری کیا چیز ہے؟ انسان کو دنیا میں بہت سی فرمانبرداریاں کرنی پڑتی ہیں۔ مثلاً والدین کی پھر حاکم وقت کی پھر نبی کی پھر استاد کی اور نمبردار کی فرمانبرداری وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کیا چیز ہے۔ نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب یہ دیکھا جائے کہ خود اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ان سب کی فرمانبرداری کرو۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے سوائے کسی کے آگے گردن نہ جھکائی جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری سب سے افضل سمجھی جائے اور باقی سب فرمانبرداریاں صرف اس حد تک کی جائیں جہاں تک ہمیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ انبیاء، والدین، استاد، افسر سب کی فرمانبرداری ہم کریں۔ لیکن اس حد تک جو اللہ نے ہمیں بتا دی ہے۔

مومن اور فاسق دونوں اپنے بزرگوں اور افسروں کی فرمانبرداری تو کرتے ہیں۔ اور ظاہر ان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ لیکن مومن اس کو خدا کا حکم سمجھ کر کرتا ہے۔ پس جونہی کہ وہ حد، جو خدا تعالیٰ نے اس کے متعلق مقرر فرمائی ہے، آتی ہے۔ وہ رک جاتا ہے اور اس سے تجاوز نہیں کرتا۔ لیکن فاسق اپنی کسی غرض کے لئے خوف ورجاء کے ماتحت فرمانبرداری کرتا ہے۔ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ پس بعض اوقات یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ خدا کی جگہ انسان کو دے دیتا ہے، جو بات کہ اسے اعلیٰ ترقیات سے محروم کر دیتی ہے۔ کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان مرتبہ عطا فرمایا ہے یہاں تک کہ **سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا** (13:45) میں بتایا کہ ہر چیز دنیا کی اس کے لئے فرمانبردار کر دی گئی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہر چیز میں دنیا کے انسان بھی شامل ہیں۔ جو اگر یہ چاہے تو اس کے فرمانبردار ہو سکتے ہیں۔ پس جو چیز کہ خود حاکم بنائی گئی ہو۔ وہ اگر اپنے محکوم کی فرمانبردار ہو جائے۔ تو ترقی نہ ہوئی تنزل ہوا۔ جو اس نے اپنے درجہ سے کیا۔ پس **لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ** کے یہی معنی ہیں کہ اللہ کا حکم مانو۔ اور اس کے ماتحت جتنا جتنا کسی دوسرے کی فرمانبرداری کا ارشاد ہو، اسے بجالاؤ۔ اس سے زیادہ نہ کرو۔

جو شخص سوائے اللہ کے اور کسی کا اپنے کو فرمانبردار نہیں سمجھتا وہ کلمہ حق کے کہنے میں کبھی رک نہیں سکتا۔ اسی کو مغربی دنیا میں آزادی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہی وہ آزادی ہے جو کہ اسلام نے تعلیم کی ہے۔ لیکن

جو شخص اللہ کے سوائے اور چیزوں کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ وہ اس قسم کی جرأت نہیں کرسکتا۔ وہ حقیقی آزادی سے بہت دور رہتا ہے۔ پس اس وعدہ لینے میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زندگی سے نکال کر حقیقی ترقی حاصل کرنے کا طریق بتایا ہے۔

بنی اسرائیل کا دوسرا اقرار۔ احسان کسے کہتے ہیں؟

دوسرا اقرار جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے لیا وہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔ **وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا** کہ والدین سے احسان کروں گا۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ ماں باپ تو خود محسن ہیں۔ ان سے احسان کرنا چہ معنی۔ دراصل انسان میں ایک حسن یعنی (خوبی) ہے۔ اور دوسرا احسان ہے۔ ہم میں کسی خوبی کا ہونا بذات خود کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن جب وہ ہماری خوبی دوسروں تک پہنچ جائے، تب ہی وہ پہچانی جاسکتی ہے۔ اور تب ہی مفید ہوتی ہے۔ پس اپنی خوبی کو دوسروں تک پہنچانا احسان ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری سے انسان کے اندر ایک خوبی پیدا ہوتی ہے۔ فرمایا اس خوبی کو اپنے ماں باپ تک لے جاؤ۔ کیونکہ والدین سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح الوہیت کا اظہار ہوتا ہے۔ پس حسن اور خوبی کی مستحق سب سے پہلے خدا کی مخلوق میں ان کی ہی ذات ہے۔ یہاں بیٹوں کے ساتھ احسان کا حکم نہیں فرمایا۔ کیونکہ اولاد کے ساتھ نیکی کرنے میں انسان فطرتاً مجبور ہے۔ اور اس تقاضے میں انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔

ماں باپ ایک مدرسہ ہے۔ جس میں انسان پیدا ہوتے ہی داخل ہوتا ہے۔ پس جو انسان ان سے احسان نہیں کرتا۔ وہ پھر استادوں اور افسروں کو جو والدین کی طرح اس کی تربیت کرنے والے ہوتے ہیں، کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ **وَّذِی الْقُرْبٰی** پھر ماں باپ سے اتر کر قریبیوں سے احسان کا وعدہ لیا۔ اگر سب انسان اپنے قریبیوں سے نیک سلوک کریں تو پھر دنیا میں کوئی انسان نہیں جس پر یہ حکم احاطہ نہ کر جاتا ہو۔ **وَالْيَتٰمٰی** یتیم وہ ہے جن کا تربیت کرنے والا فوت ہو چکا ہے۔ فرمایا ان کے تربیت کرنے والے تم بن جاؤ۔ جس قدر یتیم کے لئے حفاظت کی تعلیم قرآن نے دی ہے اور کہیں نہیں پائی جاتی۔ یہاں تک فرمایا اس کو اپنے بھائی کا بیٹا سمجھ لو۔ مسلمانوں نے جب سے اس حکم سے غفلت ظاہر کی ہزاروں ان کے بچے عیسائیوں کے ہاتھ میں چلے گئے۔

وَالْمَسٰكِيْنِ وہ لوگ ہیں جن کے پاس سامان نہیں۔جس سے وہ رزق کما کھائیں۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا کے معنی اس جگہ کرنے کے ہیں وہ خوبی جو تمہارے اندر پیدا ہوئی ہے اس کو سب تک پہنچادو۔مسلم اورغیر مسلم کی تمیز بالکل نہ کرو۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کہاں تک اسلام کی تعلیم وسیع ہے۔

دونوں اقراروں کی ایک عملی صورت

اب یہ دو وعدے لئے گئے تھے۔ ان کی ایک عملی صورت بھی بتا دی فرمایا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (83:2)نماز کوقائم کرو۔اورزکٰوۃ کودو۔اس میں مجملاً دونوں باتیں آ گئیں۔

وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ مضبوطی کے ساتھ کسی چیز کو کھڑا کرنا اقامت ہے۔فرمایا تمہارے اندر جو نقص اور کمزوریاں ہیں۔جن کی وجہ سے تم نماز کے حقوق ادانہیں کرسکتے۔ان سے اپنے کو پاک کرو۔

وَاٰتُواالزَّكٰوةَ یہ حقوق العباد کے متعلق ارشاد ہے۔

بنی اسرائیل کا تیسرا اقراراورقومیت کے قیام کا سب سے بڑا اصول

وَاِذْ اَخَذْ نَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآ ءَ كُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ. ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ (85-84:2) تم نے وعدہ کیا کہ اپنے لوگوں کا خون نہ کریں گے اوران کوگھروں سے نہ نکالیں گے،اوراس اقرار سے بھی تم انکارنہیں کرسکتے۔پھرتم اس کے خلاف اتنے لوگوں کوقتل کرتے ہواوراپنے لوگوں کوگھروں سے نکالتے ہو۔یہ حکم بھی حضرت موسیٰ کے دس احکام میں سے ہیں۔لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہودیوں نے ان احکام کو چھوڑ دیا تھا۔اُن کی ایک قوم دوسری قوم کوقتل کرتی تھی۔اورگھروں سے نکالتی تھی اور پھرخود ہی ان افعالِ شنیعہ کے ارتکاب میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔لیکن جب وہ پکڑے جاتے۔تو پھرخود ہی بعض کا فدیہ دے کر چھڑاتے تھے۔

مسلمانوں کے قومی تنزل کا سب سے بڑا سبب تکفیر اہل قبلہ ہے

آج کل مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے۔ غیر اقوام سے ملتے ہیں اور اپنوں کی گردن پر چھُری پھیر دیتے ہیں۔ حکم تھا لَاتَکۡفِرُوۡا اَھۡلَ قِبۡلَتِکُمۡ اے مسلمانوں اہل قبلہ کی کبھی تکفیر نہ کرنا۔ لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ صدیوں سے ایک فریق دوسروں کو کافر بنا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپس میں جو ہمدردی تھی وہ ایک دوسرے سے نہیں رہتی۔ مسلم کی نشانی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی۔ اَلۡمُسۡلِمُ مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ مِنۡ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ کہ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔ لیکن آج مسلمان مسلمان کا جانی دشمن ہے۔ مسلمان بنانے کی باتیں تو یاد نہیں کافر بنانے والی آیات سب نوکِ زبان سن لو۔ کیسی اعلیٰ تعلیم تھی! لیکن اس کو چھوڑ آج ہم اپنے عزیزوں کو ہی کافر اور فاسق بنا رہے ہیں۔ تَظٰھَرُوۡنَ عَلَیۡھِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ (85:2) اس کا نظارہ بھی آج ہمیں مسلمانوں میں خوب نظر آتا ہے۔ ہر ایک مسلمان چاہتا ہے کہ کسی تھوڑے فائدہ کے لئے اپنے بھائی کو تباہ کر دے۔

کوئی قوم معزز نہیں رہ سکتی۔ جب تک وہ اپنی قوم کے لوگوں سے ہمدردی نہیں کرتی قرآن کریم میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے لوگوں کی عزت نہیں کرتے خِزۡیٌ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ(85:2) کا ارشاد ہے۔ چنانچہ فرمایا فَمَا جَزَآءُ مَنۡ یَّفۡعَلُ ذٰلِکَ مِنۡکُمۡ اِلَّا خِزۡیٌ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یُرَدُّوۡنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الۡعَذَابِ (85:2) اس قتل وغارت اور تکفیر اور تفسیق کا انجام رسوائی ہے۔ جو چاہے کر کے دیکھے۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا بِالۡاٰخِرَۃِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنۡھُمُ الۡعَذَابُ وَلَا ھُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ۔ (86:2) ایسے لوگ ناعاقبت اندیش ہیں۔ جو تھوڑے فائدہ کے بدلے قوم کو تباہ کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی نصرت نہیں کرتے۔ ان کی نصرت کون کرے۔ وہ دردناک عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔

3 دسمبر 1914ء

اداریہ

خطبۂ نکاح

(جو حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے خواجہ کمال الدین صاحب کے نکاح کے وقت پڑھا۔ مدیر)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد مسنون خطبہ نکاح تلاوت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ نکاح اسلام میں اس قسم کی رسم کی ادائیگی کا نام نہیں جیسا کہ دوسری قوموں میں۔ نکاح نام ہے اس بات کا کہ میاں بی بی رضا مند ہوں اور چند لوگ گواہ ہوں۔ نکاح جس قدر بھی مختصر ہو سننے والوں کو آرام ہے کہ لوگ جلد فارغ ہو کر اپنے اپنے کاموں میں جا کر مشغول ہوں۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح پڑھا کر بتا دیا ہے۔ آپ خطبہ نکاح میں قرآن کریم کی چند آیات، جن میں تقویٰ کا ذکر ہوتا تھا، پڑھا کرتے تھے۔ جیسے کہ میں نے تین آیتیں پڑھی ہیں۔ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ میں نیکی اور راستبازی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ہر معاملہ میں تقویٰ اللہ کا تذکرہ موجود ہے۔ کوئی شخص کہے کہ ایجاب وقبول اور اعلان مہر سے نکاح کا معاملہ ختم ہو گیا۔ تقویٰ اللہ کا خاص طور پر تذکرہ نکاح میں کیوں ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ تقویٰ کہتے ہیں بچنے کو۔ یعنی ہر ایک خطرہ کی راہ سے بچنا۔ یا وہ باتیں، جن سے انسان پر عذاب الٰہی آتا ہے، ان سے بچنا تقویٰ ہے۔ نکاح کے ساتھ تقویٰ کا تعلق یہ ہے کہ انسان میں ایک قوت شہوت کی ہے۔ جس کے جوش کے وقت اس کو کسی قسم کا ہوش نہیں رہتا۔ اور بقائے نوع انسان کے لئے ضروری تھا کہ یہ قوت انسان میں رکھی جاتی۔ لیکن بعض اوقات انسان اس طاقت کے غلط استعمال سے بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ نکاح ان خطرناک جرائم سے انسان کو بچانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اسلام نے صرف کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ باتیں بتا دی ہیں کہ جن پر چل کر تقویٰ اور نیکی کو حاصل کیا جا سکے۔ حضرت مسیحؑ نے کہا تھا کہ بدنظر سے عورت کی طرف نہ دیکھو۔ لیکن اسلام نے تعلیم دی کہ تم نہ بدنظر سے نہ نیک نظر سے غیر عورت کی طرف دیکھو۔ مسیحؑ نے تو بدنظر کو صرف بُرا بتایا۔ لیکن اسلام نے بدنظری سے بچنے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ اسی واسطے تو مسیحؑ نے کہا تھا کہ وہ جو آئے گا، وہ تم کو حقیقی راہ بتائے گا۔

نکاح انسان کو جائز طور پر اپنی فطری خواہشات کے پورا کرنے کا موقعہ دیتا ہے۔جس شخص کے پاس روپیہ پیسہ ہوتا ہے۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ چوری کا ارتکاب کم کرتا ہے۔فرمایا کہ تم نکاح کرلیا کرو۔جو شخص نکاح نہیں کرتا وہ اپنے آپ کو خطرات میں مبتلا کرتا ہے۔اصل غرض نکاح کی یہ ہے کہ انسان کو جائز ذریعہ اپنی طاقت کے استعمال کا دے دیا جائے۔

تقویٰ کی تاکید اس لئے کی کہ عورتوں کے معاملہ میں انسان بہت کچھ غلطیاں کرسکتا ہے۔اور آج کل تو بہت ہی غلطیاں مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔تاکید فرمائی ہے کہ عورتوں کے حقوق کو مدنظر رکھو۔اس وقت صرف خواجہ صاحب ہی کو سنانا اصل غرض نہیں۔کیونکہ یہ تو ساری دنیا کو سناتے ہوئے آئے ہیں۔اصل غرض تو آپ لوگوں کو سنانا ہے۔عورتوں کی تین حالتیں ہیں۔ایک لڑکی، دوسری بیوی، تیسری ماں۔لڑکی کی حیثیت یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوتی ہے تو اس کے پیدا ہونے پر غم کیا جاتا ہے۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُ ھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا وَّ ھُوَ کَظِیْمٌ. (58:16)عرب میں رسم تھی کہ لڑکی کے پیدا ہونے پر بہت غم کیا جاتا تھا اور بیٹی کے پیدا ہونے کو بہت ہی بُرا سمجھا جاتا تھا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بُری رسم کو دنیا سے مٹایا۔لیکن افسوس کہ آج کل پھر مسلمانوں کے گھروں میں یہ رسم موجود نظر آتی ہے۔میرے گھر میں ابھی چار پانچ روز ہوئے لڑکی پیدا ہوئی ہے۔میرے ایک دوست نے یہ سن کر کہ ان کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔بڑی خوشی کے ساتھ مسرور لہجہ میں کہا کہ مبارک ہو۔لیکن جب سنا کہ لڑکی ہوئی ہے۔تو کچھ خاموش سے ہو کر رہ گئے۔حالانکہ ہماری پاک کتاب میں لڑکیوں کی موہبت کے ذکر کو لڑکوں کی موہبت کے ذکر پر مقدم کیا ہے۔قرآن کریم نے فرمایا۔کہ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ (49:42)اپنی موہبت کا جب ذکر کیا۔تو پہلے لڑکیوں کا ذکر کیا۔اس میں بات یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک قربانی کا مادہ رکھا ہے۔لڑکی اس قربانی کے مادے کو بڑھانے والی ہے۔لڑکی کو جب پال پوس کر جوان کیا تو دوسرے کے حوالہ کردیا۔معلوم نہیں کہ وہ جس کے حوالہ کیا ہے اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔لڑکی کا اس طرح پال پوس کر دوسروں کو دے دینا بڑی قربانی ہے۔اسی لئے یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَا ثًا کو مقدم رکھا ہے۔لڑکے کے پیدا ہونے کے بعد ہی سے ختنہ اور بسم اللہ وغیرہ کی رسموں میں سینکڑوں روپے برباد ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ولایت تک بھیج کر پڑھاتے ہیں۔لڑکیوں پر کیا خرچ ہوتا ہے؟ لڑکیوں کی تعلیم

کا کوئی انتظام نہیں۔ اس طرف توجہ بھی نہیں۔ حالانکہ قرآن کریم کی آیت اور نبی کریمؐ کی کسی حدیث میں لڑکیوں کو تعلیم دینے سے منع نہیں کیا۔ یہ جو فرمایا کہ چین میں بھی علم حاصل کرنے کے لئے جانا پڑے، تو جانا چاہیئے۔ اس میں بھی صرف مردوں ہی کی شرط نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جاہلیت کے اشعار یاد تھے۔ انہوں نے کثرت سے ایسی حدیثیں روایت کی ہیں کہ کسی کو ان میں شبہ نہیں۔ مسلمانوں میں کثرت سے پڑھی لکھی عورتیں ہوئی ہیں۔ ہم لوگ لڑکیوں کو جاہل رکھ کر پھر ان سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنے خاوندوں اور ان کے کل اقارب کو خوش رکھیں گی۔ حالانکہ کسی کو خوش رکھنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ بڑے بڑے بے تکلف دوستوں کو بھی خوش رکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ قرآن کریم نے صحابہ کرامؓ کی نسبت فرمایا کہ **وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ** (47:15) یعنی باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں برسوں رہنے کے ان کی حالت یہ ہے کہ زمانہ مستقبل یعنی آخرت میں وہ بھائی بھائی ہو جائیں گے۔ وہ لڑکی جس نے تعلیم نہیں پائی ایک نئے گھر میں جا کر اس گھر کے بیسیوں عورتوں مردوں کو خوش نہیں رکھ سکتی۔ پس میں **اِتَّقُوا اللّٰهَ** کے یہ معنی کروں گا کہ خدا کے لئے اپنی عورتوں پر رحم کرو۔ عرب میں لونڈی اور غلام کا مرتبہ بہت ہی ذلیل تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے، جو اپنی لونڈی کو تربیت کرتا ہے، پھر آزاد کرتا ہے، پھر نکاح کرتا ہے، بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں تم اپنی لڑکیوں کی لونڈیوں کے برابر تو تربیت کرو۔

بیوی کی حالت

آپ لوگ جانتے ہیں کہ بیویوں کے ساتھ بڑا بُرا سلوک ہوتا ہے۔ بعض لوگ تو عورت کو جوتی سے مثال دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ **وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ** (2:228) پھر ایک ماں کی حیثیت ہے۔ ماں کی حیثیت میں عورت جس قدر مشکلات برداشت کرتی ہے۔ ہم میں سے کوئی اس کا اندازہ بھی نہیں کرسکتا۔ بچہ جننے کا وقت کیسا نازک ہے! قرآن کریم نے اس کو ان لفظوں میں ظاہر فرمایا ہے **فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا** (23:19) وہ تکلیف جو عورت کو اٹھانی پڑتی ہے۔ بتاؤ ہم مردوں کو بھی اٹھانی پڑتی ہے؟ **حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا** (15:46) ایسی ایسی مصیبتوں کے بعد جا کر وہ ماں بنتی ہے۔ اکثر ایسے ہوں گے جو بڑے جنٹلمین بنے

پھرتے ہیں اور اپنی ماں کو خیال میں بھی نہیں لاتے۔ میں تم لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ **یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ** (1:4) کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنی لڑکیوں، بیویوں اور ماؤں سے وہی سلوک کرو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا۔

یہ مجلس جو اس وقت منعقد ہوئی ہے۔ جناب خواجہ کمال الدین صاحب کے نکاح کے لئے ہے۔ خواجہ صاحب ایک مجاہدہ کر کے آئے ہیں۔ جاوا کے مسلمانوں میں دستور ہے کہ جب تک کوئی حج کر کے نہ آئے۔ اس کو لڑکی نہیں دیتے۔ سرحدی پٹھانوں میں رواج ہے کہ جب تک کسی کے پاس بندوق نہ ہو، اس کو لڑکی نہیں دیتے۔ کیا اچھا ہو کہ ہم میں بھی ایک ایسا ہی امتیاز قائم ہو جائے کہ جب تک کوئی اسلام کی خدمت کر کے نہ دکھائے گا اس کو لڑکی نہ دیں گے۔

(خلیفہ رجب دین صاحب کی لڑکی مہتاب بیگم سے تین ہزار مہر پر خواجہ صاحب کے نکاح کا اعلان ہوا۔ تین ہزار میں پندرہ سو روپیہ موجل اور پندرہ سو روپیہ معجّل تھے۔ اس کے بعد دسترخوان بچھایا گیا۔ تمام حاضرین کو خلیفہ صاحب نے کھانا کھلایا)

❁❁❁

27 دسمبر 1914ء

کیا ہم منافق ہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

میں نے ایک مختصر سا اعلان کیا تھا۔ جس میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس پر احمدی جماعت کے ان احباب کو بھی مدعو کیا تھا۔ جنہوں نے صاحبزادہ صاحب کی بیعت کی ہوئی ہے اور یہ کہا تھا کہ درحقیقت ہمارا اختلاف کوئی اتنا بڑا اختلاف نہیں اور حضرت مسیح موعود نے جو سلسلہ اخوت ہم میں قائم کیا ہے اس کو ہمارا کوئی معمولی اختلاف دور نہیں کرسکتا۔ پس جو احباب قادیان تشریف لے جائیں۔ وہ چند گھنٹوں کے لئے یہاں بھی شریک ہوتے جائیں۔ اور ہمارا جلسہ بھی ایک دن پہلے شروع ہوتا ہے۔ اس کا ایک جواب منجانب نواب صاحب وغیرہ چند ممبران مجلس معتمدین شائع ہوا ہے اور ایک صاحبزادہ صاحب کے ارشاد سے مولوی شیر علی صاحب کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ ان دونوں میں مبائعین کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ لاہور ہرگز نہ ٹھہریں بلکہ لاہور اسٹیشن پر بالخصوص احتیاط کی تاکید کی گئی ہے کہ ایسا نہ ہو وہاں ان کو اتار لیا جائے۔ اس ممانعت کے وجوہ ان ہر دو جوابات میں، جو دیئے گئے ہیں، سب سے بڑی وجہ یہ قرار دی گئی ہے کہ ہم پہلے بھی ہمیشہ مخالفت ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح مولوی نورالدین صاحب کی بھی مخالفت ہی کرتے رہے اور کہ یہ دعوت محض ایک شرارت ہے۔ جس کی غرض یہ ہے کہ لوگ قادیان نہ جائیں۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ بعض احباب کے چند گھنٹوں کے لئے یہاں اترنے سے یہ نتیجہ کیونکر ہوگا کہ وہ قادیان جانے سے رک جائیں گے۔ یہ نتیجہ تو صرف ایک ہی طرح پیدا ہوسکتا ہے کہ ان پر ہماری باتوں کی صداقت ظاہر ہو جائے۔ اور جب وہ ایک امر حق کو تسلیم کرلیں تو پھر قادیان جانے سے اس وجہ سے رک جائیں کہ قادیان سے جو فتویٰ ہمارے ساتھ سلوک کا نکلا ہے کہ ان کے ساتھ کھانا پینا گفتگو کرنا مل کر بیٹھنا حرام ہے۔ اس کے ماتحت ان کا قادیان جانا محال ہو جائے۔ ورنہ اور کوئی صورت تو مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ان کے چند گھنٹوں کے

لئے یہاں اترنے سے ان کا قادیان جانا کس طرح رک جائے گا۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ مذہبی عقیدے اس طرح دنیا میں کبھی قائم نہیں رہے کہ تم اس شخص کی جس کے ساتھ تمہیں ذرا بھی اختلاف ہو بات نہ سنو۔ ورنہ تمہارا عقیدہ متزلزل ہو جائے گا۔ جن لوگوں کا عقیدہ ایسی کمزور بنیاد پر ہوگا وہ آج نہیں تو کل گر جائے گا۔ اور یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو ابتدا میں سلسلہ احمدیہ کے دشمن ان لوگوں کو کہا کرتے تھے۔ جو سلسلہ کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے تھے کہ تم ان کی کتابیں مت پڑھو۔ ان کے جلسوں میں مت جاؤ۔ ان کی تقریریں مت سنو۔ آج وہی طریق ہمارے احباب نے اختیار کر لیا ہے۔ کیا یہ طریق حق ہے؟ اس بحث کو بھی چھوڑ دو کہ اس اختلاف کے معاملہ میں حق پر کون ہے؟ مگر کیا دوسرے کی بات سننے سے روکنا یہ خود ہمیشہ سے حق کی مخالفت کرنے والوں کا طریق نہیں رہا۔ پیارے دوستو! دین میں دھڑہ داری ٹھیک نہیں۔ اور پھر احمدی قوم کے یہاں شایان شان ہے کہ اس قدر مخالفتوں کے باوجود جب حق کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اب آپس میں اس طریق کو اختیار کریں کہ دوسرے کی بات سنی ہی نہیں۔ ہماری باتوں کو سنو اگر ان میں سلسلہ کی تباہی نظر آئے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ان کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ اور اگر ان میں سلسلہ کی بہتری نظر آئے تو مناسب نہیں کہ کسی کی محبت یا عداوت کے خیال سے یا کسی مخالفت کی وجہ سے تم ان کو رد کرو۔ تمہارے سروں پر ایک ذمہ داری ہے جس کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا۔ باتیں سننے سے پہلے تم کس طرح فیصلہ کر سکتے ہو۔ کیا ہماری باتوں میں سلسلہ کی تباہی ہے؟

دوسرا امر ہمارے خلاف یہ دکھایا گیا ہے کہ چونکہ ہم ہمیشہ سے منافق ہی رہے ہیں۔ اس لئے ہماری باتیں سننی نہیں چاہئیں۔ اگر فی الواقعہ آپ کا ہمارے متعلق ایسا خیال ہے تو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ آپ ہم سے پہلے وہ باتیں سن لیں جن سے ہماری بریت ہوتی ہے۔ اگر ان کو سن لینے کے بعد اور ہمارے خلاف بھی باتیں سن لینے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ واقعی ہم منافق ہیں۔ تو گر نیک نیتی سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہو تو شاید عنداللہ معذور سمجھے جا سکو۔ لیکن اگر ہماری بریت کے سننے کے بعد تم ہمیں منافق ٹھہراتے ہو تو پھر عنداللہ تم یقیناً مواخذہ کے نیچے ہو۔ ایک شخص دنیا میں کوئی عظیم الشان دعویٰ کرے، تو جو شخص اس کے مقابل خاموشی اختیار کرتا ہے اور نہ مخالفت کرتا ہے اور نہ موافقت، وہ اگر معذور سمجھا جائے تو سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن جہاں کسی شخص کو فاسق اور منافق ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہو تو وہاں خاموش رہنا بھی گناہ ہے۔ چہ جائیکہ اس پر منافقت اور فسق کا فتویٰ لگا دیا

جائے۔ اوراس کی بات بھی نہ سنی جائے۔ اگر آپ کو ہمارے متعلق شروع سے ہی حسن ظن نہ ہوتا تو پھر بھی آپ ایک حد تک معذور سمجھے جاسکتے تھے۔لیکن آپ ہمیں مدت تک مومن مخلص اور دین کے سچے خادم سمجھتے رہے ہیں۔ پھر حضرت مسیح موعود آخروقت تک ہمیں اپنے مخلص یقین کرتے رہےاور سلسلہ کےکل کاروبار ہمارے سپرد رکھے تو اب ہمیں منافق اور فاسق قرار دینے سے پہلے ہماری باتوں کوسن لو۔ دنیا میں تو ایک چوراور قاتل پر بھی الزام اس کا جواب لینے کے بعد دیا جاتا ہے۔ پر افسوس کہ آپ لوگ ہماری باتیں سننے سے پہلے ہم پر اس قدر خطرناک فتوے لگا رہے ہیں اور آج آپ کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ ان کی بات سنے بغیر ہی یہ یقین کرلو کہ یہ سلسلہ کے دشمن ہیں۔اے احمدی قوم! اس طریقِ حق طلبی کو ہاتھ سے نہ دے۔ جو تیرا خاص امتیاز ہے، دوسروں کوغور کرنے پر تو اسی وقت ملزم کرسکتی ہے جب تو خودغور کرنے کے لئے تیار ہو۔ پس آؤ ہماری باتیں سنواور پھر جوفتویٰ چاہو دو۔ اور یہ کہنا کہ اگر حضرت مسیح موعود کے فیض صحبت والے فاسق اور منافق ثابت ہوئے تو کیا حرج ہے۔ جبکہ نبی کریم کے فیض صحبت کا بھی ایسا ہی اثر تھا۔نواب صاحب کا مذہب تو بیشک یہ ہوسکتا ہے۔مگر کوئی اہل سنت والجماعت ایسا ناپاک حملہ اس مزکی انسان پر نہیں کرسکتا جس کی تعریف میں یُزَکِّیۡھِمۡ بار بارخود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ افسوس کہ ہم پر حملہ کرتے کرتے خود مسیح موعود پر پھر ان سے بھی آگے گزر کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔اُصَیۡحَابِیۡ والی حدیث اِنَّ اُنَاسًا مِّنۡ اَصۡحَابِیۡ یُؤۡخَذُ بِھِمۡ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوۡلُ اَصۡحَابِیۡ اَصۡحَابِیۡ فَیَقُوۡلُ اِنَّھُمۡ لَمۡ یَزَالُوۡا مُرۡتَدِّیۡنَ عَلٰی اَعۡقَابِھِمۡ مُّنۡذُ فَارَقۡتَھُمۡ فَاَقُوۡلُ کَمَا قَالَ الۡعَبۡدُ الصَّالِحُ وَکُنۡتُ عَلَیۡھِمۡ شَھِیۡدًا مَّادُمۡتُ فِیۡھِمۡ اِلٰی قَوۡلِهٖ الۡحَکِیۡمُ (بخاری۔کتاب الانبیاء) اردو ترجمہ یعنی ’’اور میرے صحابہ میں سے کچھ لوگ بائیں طرف پکڑ کر لیجائے جائیں گے تو میں کہوں گا یہ میرے صحابہ ہیں یہ میرے صحابہ ہیں (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا یہ لوگ جب سے آپ ان سے جدا ہوئے ہیں برابر اپنی ایڑیوں پر واپس پھر گئے تو میں کہوں گا جس طرح عبد صالح (حضرت عیسٰیؑ) نے کہا تھا اور میں ان کا نگہبان تھا جب تک ان میں رہا اللہ کے قول الحکیم تک‘‘ کے اول تو لفظ ہی بتاتے ہیں کہ یہ کن لوگوں کے لئے ہے۔ پھر محدثین نے تو اس کی صاف تشریح کردی وَاِنَّمَا وَقَعَ لِبَعۡضِ حُفَاةِ الۡعَرَبِ وَلَمۡ یَقَعۡ مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ الۡمُشۡھُوۡرِیۡنَ اور اگر وہی معنی صحیح ہیں جو ہمارے نواب صاحب نے اپنے پرانے عقائد کو مدنظر رکھ کر لئے ہیں۔تو پھر حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ

کونعوذ باللہ فاسق کہنے والوں کا بھی کوئی جواب نہیں ہوسکتا۔

باقی باتیں جو ہمارے متعلق ان ہر دو جوابات میں لکھی گئی ہیں۔ان کے جواب دینے کی اس اشتہار میں گنجائش نہیں۔لیکن خدارا غور کرو کہ ہمیں جو یہ کہا جاتا ہے کہ ہم سلسلہ کے دشمن ہیں،حضرت مسیح موعود پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ کس بناء پر ہے؟ مولوی شیر علی صاحب میری اس دعوت کو ایک فتنہ اور شرارت قرار دے، **اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِ ھِمْ وَ نَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ** (ابوداوٗد) یعنی اے اللہ! ہم تجھے ان (دشمنوں) کے سینوں میں (تصرف کرنے والا) بناتے ہیں اوران کی شرارتوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں،تلاوت فرماتے ہیں۔یعنی وہ دعا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے مقابل پڑھا کرتے تھے۔ دیکھو الفضل مورخہ 20 دسمبر۔ یہ وہی مولوی شیر علی صاحب ہیں جو ایک شریر لڑکے کو سزا دیتے وقت کبھی استغفار پڑھ لیا کرتے تھے۔لیکن ان لوگوں پر جنہیں ایک مدت کے تعلقات میں انہوں نے شریر نہیں پایا۔شریر اور فتنہ پرداز اور دشمن اسلام کا فتویٰ دیتے وقت آپ کی طبیعت ذرا بھی نہیں جھکی۔اختلاف تو ان میں اور ہم میں بعض مسائل کا ہے۔جن کا تعلق بالخصوص خلافت سے ہے۔مگر ایک وقت تھا کہ وہ خود بھی ان مسائل میں ہمارے ساتھ متفق تھے۔کیا اس وقت وہ درحقیقت دشمن سلسلہ تھے؟!اور شرارت اور فتنہ پردازی کی راہ سے ہمارے ساتھ شامل تھے۔یا نیک نیتی سے وہ الوصیت کی تحریر کا یہی نتیجہ سمجھتے تھے۔اس وقت الوصیت کو پڑھ کر جس نتیجہ پر وہ پہنچے تھے۔وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے۔

> ’’رسالہ الوصیت کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے انجمن کو اپنی زندگی میں ان تمام امور میں جو اس کے سپرد کئے اپنا جانشین مقرر فرمایا۔خلیفہ کے بارے میں جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں، رسالہ الوصیت میں حضرت اقدس نے کچھ تحریر نہیں فرمایا۔ جہاں حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے کہ چاہئے کہ جماعت کے بزرگ، جو نفس پاک رکھتے ہیں، میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں۔ جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں یہاں حضرت اقدس نے ایسے خلیفہ کا ذکر نہیں فرمایا کہ جو کل قوم کے لئے ایک ہی خلیفہ ہو۔ اور جس کے ہاتھ پر کل احمدی جماعت بیعت کرے۔ بلکہ یہاں میری سمجھ میں ایسے افراد کا ذکر ہے، جو لوگوں کو احمدی سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے بیعت لے سکتے ہیں۔اور ایسے

بیعت لینے والے اس تحریر کے بموجب متعدد ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں یہاں ایسا خلیفہ مراد نہیں جس کے ہاتھ پر تمام احمدی جماعت بیعت کرے۔ بلکہ ایسے پاک شخص مراد ہیں جن سے غیر احمدی، احمدی سلسلہ میں داخل ہونے کے واسطے بیعت کریں''۔

اب اس بات کو تو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ایک وقت ایک شخص ایک تحریر سے ایک نتیجہ نکالے اور دوسرے وقت اسی تحریر سے دوسرا نتیجہ اس کے مخالف نکالے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ اب وہ اپنی پہلی تحریر کو غلط سمجھتے ہیں۔ میں صرف اس قدر دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت جو اجتہاد انہوں نے کیا تھا۔ آیا وہ شرارت اور فتنہ پردازی کی راہ سے کیا تھا۔ اگر نہیں تو آج بعینہٖ وہی اجتہاد کرنے کی وجہ سے وہ ہمیں شریر اور فتنہ پرداز اور اعداء اللہ کیوں قرار دیتے ہیں! لَایُؤْمِنُ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ اور اگر واقعی ان کی رائے میں ہم یہ اجتہاد محض شرارت اور فتنہ پردازی سے کر رہے ہیں۔ تو یہ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ (14:75) کے ماتحت ہی ہوسکتا ہے۔ پس آئندہ ایسی تحریر پر کم از کم ان کو ہم ملزم نہیں کریں گے۔ اگر وہ خدا کی قسم کھا کر یہ اعلان کر دیں کہ جو نتیجہ میں نے 1909ء میں الوصیت کے الفاظ سے نکالا تھا، وہ محض شرارت اور فتنہ پردازی کی راہ سے تھا نہ نیک نیتی سے۔ اور اگر وہ یہ اعلان نہیں کر سکتے تو یاد رکھیں کہ آج ہم کو وہی نتیجہ نکالنے کی وجہ سے شریر اور فتنہ پرداز قرار دینے میں وہ خدا اور مخلوق دونوں کے سامنے ملزم ہیں۔ اور یہاں وہ اس قسم کی تحریروں سے اگر ایک گروہ کو خوش کر لیں تو کر لیں۔ اس جنبہ داری سے خدا خوش نہیں ہوسکتا۔

ہم کو مسیح موعود کی نبوت کا منکر کہا جاتا ہے حالانکہ ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ ہم حضرت مسیح موعود کی ظلی نبوت کے قائل ہیں۔ اصلی نبوت نہیں مانتے۔ آپ کا نام نبی رکھا جانا حقیقت کے رنگ میں نہیں تھا بلکہ مجازی رنگ میں تھا۔ جو پہلی تحریروں کو منسوخ سمجھتے ہیں وہ حقیقۃ الوحی کے الفاظ کو ہی دیکھ لیں۔ وَسُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ

ہم نے اپنے عقیدہ کا بارہا اعلان کیا لیکن میاں صاحب اپنے عقیدہ کا کھول کر اعلان کیوں نہیں کرتے

اور کیوں ایک حد مقرر نہیں کرتے، جس سے آگے بڑھنے والے غلطی پر سمجھے جائیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض جوشیلے مبائعین بعینہٖ اسی طرح غلو کر رہے ہیں۔ جس طرح عیسائیوں نے حضرت مسیح کے مرتبہ میں غلو کیا۔ خواجہ صاحب جس اسلام کو پیش کرتے ہیں، وہ وہی ہے جو حضرت خلیفہ المسیح کے وقت میں کرتے تھے۔ اس وقت ان لوگوں نے کیوں سینوں کے اندر اس بات کو مخفی رکھا اور کھول کر نہ کہا کہ یہ اسلام کوئی نہیں!

آخر میں پھر یہ التماس سامعین سے کرتا ہوں کہ اگر ہم پر یہ بدظنی ہے کہ ہم اپنے جلسہ کی رونق بڑھانے اور قادیان سے لوگوں کو روکنے کے لئے ان کو یہاں بلاتے ہیں۔ تو گو یہ بالکل جھوٹ ہے، لیکن چلو ان دونوں پہلوؤں کا بچاؤ کر لیا جائے۔ وہ پہلے قادیان کے جلسے میں جائیں اور وہاں خوب وہ باتیں بھی سن لیں جن سے ہم منافق اور فاسق قرار پاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد یہاں تشریف لائیں اور ہمارا جواب سن لیں۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ وہ جلسہ جو ہمیشہ تین دن ہوا کرتا تھا، اس کو پانچ دن بنا لینا محض اسی لئے کیا گیا ہے کہ لاہور میں کوئی نہ ٹھہرے۔ اور وہ دن بھی جلسہ میں ڈال دیئے جن پر گزشتہ سال یہ اعتراض تھا کہ ان تاریخوں کو احباب نہیں پہنچ سکتے۔ بہرحال پانچ دن قادیان میں رہ کر پھر واپسی پر ہی اگر ایک دن بھی احباب لاہور ٹھہر جائیں تو اس سے نہ تو ان کا قادیان جانا رکا، نہ ہی لاہور کے جلسہ کی رونق بڑھی۔ مگر اس کا یہ فائدہ ضرور ہو جائے گا کہ جو جو اتہام ہم پر قادیان کی تقریروں میں لگائے جائیں گے اس کا جواب وہ ہم سے سن کر ایک فیصلہ کرنے کے قابل ہو جائیں گے کہ آیا وہ اتہام صحیح ہیں یا غلط۔ اور نیز مسائل مختلف فیہا میں ہماری باتیں بھی سن سکیں گے۔ یہ بات پہنچا کر میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔ اب بھی جو بلا تحقیق شیعوں کا طریق اختیار کرتا ہے، وہ خدا کے نزدیک جوابدہ ہے۔

والسلام

خاکسار

محمد علی لاہور

❁❁❁

29 دسمبر 1914ء

میرا درسِ قرآن

اس قوم کی حالت پر رونا آتا ہے جو اپنے بھائیوں کے ہر ایک مفید کام سے عداوت کی ٹھان لے۔ درس قرآن کریم جو میں دیتا ہوں۔ مجھے اس کے متعلق یہ تو دعویٰ نہیں کہ میں معنی کرنے میں یا مفہوم بیان کرنے میں غلطی نہیں کرسکتا۔ نہ اپنے درس سننے والوں کو یہ کہنے کا عادی ہوں کہ جو معنی میں کرتا ہوں یہ خدا نے مجھے بتائے ہیں۔ گو وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (69:29) کے ماتحت میں یہ مانتا ہوں کہ جس قدر انسان قرآن کریم کے اندر تدبر کرتا ہے، اس کی باریک باتیں خدا کی طرف سے ضرور اس پر کھولی جاتی ہیں۔ مگر میں سننے والوں پر رعب ڈالنا نہیں چاہتا۔ اس درس قرآن کے متعلق پہلے تو ہمارے میاں صاحب یا ان کے مشیروں کو یہ ضرورت پیش آئی کہ جب یہ سلسلہ شروع کیا گیا تو بالمقابل درس قرآن کے لئے دوسرے فریق میں بھی انتظام کیا گیا۔ پھر جب تک میں باہر رہا۔ اس وقت تک ان کو بھی دوبارہ اس سلسلہ کے جاری کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ جب میں لاہور میں اکتوبر کے مہینے میں واپس آیا۔ تو پھر ہمارے دوستوں کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا جائے۔

یہ کس لئے؟ کیا اس کی غرض سوائے اس کے کچھ اور بھی ہوسکتی ہے کہ میاں صاحب کے بیعت شدہ کہیں میرے درس میں نہ آجائیں۔ حالانکہ میں نے کہا تھا کہ ایک خلافت کے متعلق ہم میں اور تم میں اختلاف ہے۔ سو جب کبھی آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (55:24) آئے گی۔ اگر یہ خیال ہو کہ اس کے معنی جو میں کروں اس کے سننے سے آپ کے ایمانوں کو کچھ نقصان پہنچ جائے گا تو اس دن نہ آنا۔ باقی قرآن اگر میں بیان کروں تو اس میں کوئی زہر نہیں ملا دیتا۔ پھر مجھے تعجب ہے کہ آخر تمہاری ساری قوم نے، تمہاری مجلس معتمدین نے، اس بینظیر مفسر قرآن حضرت مولٰینا مولوی نورالدین صاحب مرحوم نے کیا مجھے نہ صرف انگریزی بلکہ اردو ترجمہ کا بھی اہل سمجھ کر یہ کام میرے سپرد نہیں کیا؟ حتی کہ جب اثنائے انگریزی ترجمہ میں میر ناصر نواب صاحب نے ایک اور اردو ترجمہ کی

بنیاد ڈالنی چاہی تو حضرت خلیفۃ المسیح مرحوم نے صاف کہہ دیا کہ اردو ترجمہ بھی وہی چھپے گا۔ جو میں (یعنی عاجز) کرے گا۔ پھر جب کسی زمانہ میں اس قدر اعتبار مجھ پر تھا، تو آج میرے درس قرآن کو سننے سے ان احمدیوں کو، جنہوں نے میاں صاحب کی بیعت کی ہے، کیوں روکا جاتا ہے۔ میں تو اس بات کا بھی عادی نہیں اور اس کی گواہی درس سننے والے دے سکتے ہیں کہ اس واعظ کے پرنالہ کے مضمون کی طرح سارے قرآن کریم کو خلافت کے مسئلہ سے ہی بھرا ہوا بتاؤں۔ پھر تعجب ہے کہ ہماری طرف سے تو یہ سلوک ہو کہ مثلاً وزیرآباد میں ساری جماعت ہمارے ساتھ ہے۔ اور صرف ایک مولوی حافظ غلام رسول مبائعین میں سے ہیں۔ مگر باوجود اس کے وہ جماعت انہی کو اپنا امام بناتی ہے۔ ان کے خطبے سنتی ہے۔ مگر آپ کی طرف سے اس قدر تنگدلی کیوں ظہور میں آرہی ہے کہ جب میرا درس قرآن شروع ہوتا ہے تو یہ گفتگو شروع ہو جاتی ہے کہ یہ بڑی مشکل پیش آگئی ہے۔ اس کا کوئی علاج سوچنا چاہئے۔ یہ تو میں مانتا ہوں کہ بعض لوگ بن سوچ سمجھے بھی ایسے پیچھے لگ جاتے ہیں کہ جو کچھ پیر کہے وہی صحیح مانتے ہیں۔ اور ہزار دلیل بھی ان کو تقلید کی خطرناک زنجیر سے نہیں چھڑا سکتی۔ لیکن جہاں بات کہنے والا پیر نہیں وہاں ایسا خطرہ، کہ بن سوچ سمجھے لوگ مانتے چلے جائیں، بہت کم ہوتا ہے۔ مگر یہاں تک روک ڈالنا کافی نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ بعض مسکین صورتوں کو اندر ہی اندر حسد اور غیظ کی آگ کھائے جارہی ہے۔ مبائعین کو تو روک دیا کیونکہ وہ کسی دلیل کے محتاج نہیں۔ اب ایک اور گروہ ہے کہ اس کے متعلق بھی یہ فکر ہو رہا ہے کہ کہیں یہ وہاں نہ چلے جائیں۔ ان کے لئے ''پیسہ اخبار'' کے کالم ہمارے قادیانی احباب کو ہاتھ آئے ہیں۔ تعجب ہے کہ وہ الفضل کا ایڈیٹر یا اس کے لیڈر لکھنے والا جو ایک طرف مبائعین کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ ان احمدیوں کے ساتھ مل کر کھانے، پینے، بیٹھنے اٹھنے، کلام کرنے کا تعلق نہ رکھو، جنہوں نے میاں صاحب کی بیعت نہیں کی۔ خود پیسہ اخبار سے تعلق رکھنے کو بھی بُرا نہیں سمجھتا۔ وہ پیسہ اخبار کون ہے؟ جس کو حضرت مسیح موعود کے ساتھ ہمیشہ خطرناک عداوت رہی۔ تعجب ہے کہ وہ سیدھے سادھے مسلمان جن کو ہمارے سلسلہ سے کسی قسم کی عداوت نہیں بلکہ حضرت صاحب سے حسنِ ظن رکھنے والے اور آپ کے کاروبار کی ترقی کو چاہنے والے ہیں، ان پر تو کافر کا فتویٰ لگایا جاتا ہے۔ اور سلسلہ کا ابتدائی دشمن حقیقی خیر خواہ نظر آرہا ہے۔ اور اسی کے کالم اپنے خیالات کے اظہار کے لئے سب سے اچھی جگہ نظر آتے ہیں۔

غرض اس کی صرف یہ ہے کہ پیسہ اخبار کے ذریعہ سے درس قرآن اور ترجمہ قرآن کو لوگوں کی نظر میں غلط ٹھہرایا جائے۔ میں اس لئے نہیں کہتا کہ مجھے ترجمہ کے چھپنے کا فکر ہے کہ اس کا خرچ کہاں سے آئے گا۔ اس کے خلاف پہلے بھی مولوی شیر علی صاحب سارے اسلامی اخباروں میں واویلا کر چکے ہیں۔ پیسہ اخبار میں بھی آپ لوگوں کی تحریریں نکل چکی ہیں اور بھی جتنا زور ہے وہ لگالینا چاہئے۔ تاکہ یہ حسرت دل میں نہ رہے کہ ہم نے پورا زور نہ لگایا۔ یا اگر خدا چاہے تو نری حسرت ہی حسرت رہ جائے۔ آدمی بھی ہم بقول تمہارے دو چار اور کوئی ہمارے ساتھ نہیں۔ مال وزر اور جائیداد بھی سب آپ کے پاس چھوڑی۔ اب ہی کچھ صبر کرو اور انتظار کرو۔ کیونکہ اگر تم سچے ہو تو پھر ہم خود ہی ناکام ہو جائیں گے۔ اور ہمارے کاروبار جو شروع کئے گئے ہیں رک جائیں گے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ہاتھ ہمارے ساتھ ہے تو ہماری قلت اور ہماری بے سامانی کا علاج وہ خود ہی فرمادے گا۔ میں اس بات سے نہیں گھبراتا کہ میرے درس پر اعتراض کیوں کئے گئے ہیں۔ بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ اعتراض کئے جائیں۔ تاکہ اگر کوئی غلطی ہو تو میں اسے چھوڑ دوں۔ لیکن اعتراض کرنے والے کو بھی دیانتداری سے کام لینا چاہئے۔ جس صاحب کو اس قدر اعتراض میرے درس پر تھے، انہوں نے سنتے وقت کیوں ان میں سے ایک بھی پیش نہیں کیا۔ اور مجھ سے جواب طلب نہ کیا۔ یا میں ان کی تشفی کر دیتا یا اپنی غلطی تسلیم کر لیتا۔ پھر کم از کم گھر سے جا کر ہی مجھ کو لکھ دیتے کہ یہ اعتراض تمہارے درس پر ہیں۔ اگر مجھ سے جواب نہ پاتے تو پھر اخباروں میں لاتے۔ پھر نیک نیتی سے اعتراض نہ ہونے کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ وہ باتیں جو وہ سالہا سال سے قادیان میں حضرت مولوی صاحب مرحوم کے منہ سے سنتے رہے اور ان پر اخباروں میں چھوڑ، زبانی بھی اعتراض نہیں کیا۔

آج ان پر میرے منہ سے نکلنے پر کیوں ایسا اعتراض سوجھتا ہے؟ مثلاً یہ اعتراض کہ ''یُحَآجُّوْکُمْ (73:3) کے معنی حجت میں غالب آنے کے کسی لغت سے دکھایئے۔'' تعجب ہے کہ اب آپ کو لغت کی ضرورت پڑی اور جب حضرت مولوی صاحب مرحوم بار بار درسوں میں یہی معنی کرتے تھے تو کبھی آپ نے لغت کا حوالہ دریافت نہ کیا۔ اور یہی معنی حضرت مولوی صاحب کے درس کے نوٹوں میں صفحہ 63 پر چھپے ہوئے ہیں۔ ''اَوْ یُحَآجُّوْکُمْ عِنْدَ رَبِّکُمْ(73:3) بلکہ وہ تمہارے رب کے پاس حجت میں تم پر غالب ہیں۔'' پھر آپ کے بڑے مفسر مولوی سرور شاہ صاحب نے اس کے یہی معنی کئے ہیں ''یُحَآجُّوْکُمْ مُحَاجَّۃٌ سے ہے۔ جس کے معنی جھگڑے

اور جھگڑے میں غالب آنے کے بھی ہوتے ہیں۔'' اب فرمایئے کیا قادیان سے اس اعتراض کا نکلنا، کہ یُحَآجُّوْکُمْ کے معنی لغت سے دکھاؤ، دیانتداری پر مبنی ہے؟

اب میں اصل اعتراضات کو لیتا ہوں۔ ذیل کی آیات کے ترجمہ پر اعتراض کیا گیا ہے۔ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ. وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ یُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْیُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ. (3:72-73) ان آیات کا مطلب بیان کرتے وقت پہلی آیت کے متعلق میں نے یہ کہا تھا کہ عام مطلب جو زیادہ مفسرین نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض یہود نے کہا کہ صبح کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور پچھلے پہر انکار کر دو۔ لیکن چونکہ اس کے متعلق جس قدر روایات شان نزول کی ہیں ان کے متعلق صحت کا وثوق نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اس کا ایک اور مطلب بھی ہوسکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اہل کتاب نے کہا کہ جو ابتدا میں ان پر نازل ہوا اسے مان لو اور جو بعد میں نازل ہوا اس کا انکار کر دو۔ تو چونکہ ابتدا میں جو نازل ہوا وہ زیادہ تر توحید کی تعلیم تھی۔ جس میں یہودی شریعت کے مخالف کوئی امر نہ تھا۔ اور بعد میں شریعت یہود کے کئی احکام بدل بھی دیئے گئے تھے۔ جیسا کہ سورہ البقرہ سے ثابت ہوتا ہے اس لئے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ اور اس کی مثال کے طور پر میں نے کہا تھا کہ آج کل عیسائی بھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات بالکل درست تھے اور ان میں اخلاص تھا۔ لیکن مدینہ میں آکر دنیوی عز وجاہ کے خیالات غالب آ گئے۔ اور اس طرح پر گویا ایک پیشگوئی کا رنگ بھی ان معنوں کے اندر آ جاتا ہے۔

دوسری آیت کے پہلے حصہ کے متعلق میں نے کہا تھا کہ عام معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ ایمان نہ لاؤ۔ مگر اس کی خاطر جو تمہارے دین کا پیرو ہے۔ یعنی ان کو لوٹانے کی خاطر ایسا کرو۔ مگر ان معنوں پر میں اس معنی کو ترجیح دیتا ہوں کہ حقیقی ایمان تو تمہارا اسی نبی پر ہوسکتا ہے جو تمہارے دین کا پیرو ہو۔ اور چونکہ یہ نبی تمہاری شریعت کا پیرو نہیں اس لئے اس پر ایمان نہ لاؤ۔ اور اس سے پہلی آیت کے معنوں کی تائید اس طرح ہوتی ہے کہ اس میں صرف بعض باتوں کے مان لینے کا ذکر ہے۔ دوسری آیت کے دوسرے حصہ کے معنی میں نے یوں کئے تھے کہ تم

اس بات کا جواب یوں دو کہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے۔یعنی یہ کہ کسی کو اس کی مثل دیا جائے جو تم کو دیا گیا۔ یا وہ تمہارے رب کے نزدیک حجت میں تم پر غالب آجائیں گے۔اور تفصیل اس کی یوں کی تھی کہ چونکہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ تیری مانند ایک نبی تیرے بھائیوں میں سے اٹھاؤں گا۔اور اس وعدہ کا مصداق ہونے کا کسی بنی اسرائیلی نبی نے کبھی دعویٰ نہیں کیا۔حتّٰی کہ خود حضرت مسیحؑ نے بھی دعویٰ نہیں کیا۔تو پس ان کی اس بات کا کہ تم اپنی شریعت کے پیرو نبیوں کو مانو، دوسروں کو مت مانو۔ یہ جواب دیا کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ جو وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ وعدہ تو اس کی مثل کے آنے کا تھا اور ضرور تھا کہ اس کی شریعت کی مثل کسی اور نبی کو دی جائے۔ بالفاظ دیگر یہ ضروری تھا کہ کوئی اور شریعت بھی دنیا میں آئے۔ ورنہ مثل کا لفظ غلط ٹھہرتا ہے۔تو اگر خدا اب اپنے اس وعدہ کو کبھی پورا نہیں کرے گا۔اور یہود کبھی سوائے اپنی شریعت کے پیرو کے دوسرے کسی نبی کو مانیں گے ہی نہیں۔تو مسلمانوں کی حجت خدا کے نزدیک غالب ہوگی۔ کیونکہ وہ مطالبہ کریں گے کہ وہ مثیل موسیٰ والی پیشگوئی کہاں گئی۔اور چونکہ کسی بنی اسرائیل نبی نے اس پیشگوئی کا مصداق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ صرف ایک ہی انسان دنیا میں ہے جس نے یہ دعویٰ کیا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔تو یہ پیشگوئی ایک سخت حجت تمام اہل کتاب پر ہے۔ان معنوں پر ذیل کے اعتراض کئے گئے ہیں۔

الف: وَجْهَ النَّهَارِ کے معنی، ابتدائے وحی، کس لغت میں پائے جاتے ہیں۔

ب: وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ چاہیئے یا وَاكْفُرُوْٓا بِاٰخِرِهٖ

ج: یہ معنی ہیں تو پھر لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ کیوں فرمایا

د: کیا مکی وحی میں صرف توحید ہی ہے۔

اور ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ صحیح روایت کا سوال کیوں کیا۔قرآن کریم خود صحیح روایت ہے۔

یہ اعتراضات پہلی آیت کے متعلق ہیں۔ میں نے معنی کرنے میں وَجْهَ النَّهَارِ کے معنی ابتدائی وحی نہیں کئے۔ بلکہ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ کے معنی ابتدائے وحی کئے ہیں۔وَجْهَ النَّهَارِ کے معنی تو ابتدائی حصہ دن کے ہیں۔مگر میں نے نَهَارٌ کے لفظ کو وسیع کیا تھا۔اور نَهَارٌ اور يَوْمٌ دونوں لفظوں کا استعمال

اسی طرح عربی زبان میں وسیع آیا ہے۔ بلکہ لَیْلٌ جو ضد نَھَارٌ ہے اس کے معنوں میں بھی وسعت آئی ہے۔ اگر مزید ضرورت سمجھی جائے تو میں اس کو ثابت بھی کر سکتا ہوں۔ لیکن احمدیوں کے لئے اتنا بھی کہہ دینا کافی ہے کہ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ کے ایک معنی حضرت مسیح موعود نے کیا کئے ہیں۔ اور ان میں لَیْلٌ کے لفظ کو جو وسعت دی ہے، وہی وسعت اگر نَھَارٌ کے لفظ کو، جو ضد لَیْلٌ ہے، دے دی جائے، تو اس میں کیا نقص ہے؟

وَاکْفُرُوْآ بِاٰخِرِہٖ چاہئے یا وَاکْفُرُوْآ اٰخِرَہٗ بھی درست ہوسکتا ہے۔ اس کے لئے تفسیر بحر المحیط ملاحظہ فرمایئے۔ جہاں اس آیت کے نیچے ایک قول یہ لکھا ہے۔ وَقِیْلَ النَّاصِبُ لِقَوْلِہٖ وَجْہَ النَّھَارِ اُنْزِلَ اَیْ بِالَّذِیْ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِیْ اَوَّلِ النَّھَارِ وَالضَّمِیْرُ فِیْ اٰخِرَہٗ یَعُوْدُ عَلَی الَّذِیْ اُنْزِلَ اَیْ وَاکْفُرُوْآ اٰخِرَ الْمُنْزَلِ

مجھ پر یہ اعتراض تھا کہ تین چار سال تفاسیر کی سٹڈی کر کے پھر ایسی تفسیر کی ہے۔ مگر اب فرمایئے کہ آپ نے کس قدر تفسیروں کو دیکھ کر میرے معنی پر اعتراض کیا۔ میں نے بھی وَاکْفُرُوْآ اٰخِرَہٗ میں اٰخِرَہٗ سے مراد اٰخِرَ مَااُنْزِلَ لی تھی اور یہی بعینہٖ بحر المحیط میں ایک قول ہے۔ پھر تفسیر کبیر دیکھئے اس میں بعینہٖ میرے معنی کی تائید میں ایک قول ہے۔ اور وہ قول بھی ایک مشہور امام اعصم کا ہے۔ قَالَ اَعْصَمُ قَالَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ اِنْ کَذَّبْتُمُوْہُ فِیْ جَمِیْعِ مَاجَآءَ بِہٖ فَاِنَّ عَوَامَکُمْ یَعْلَمُوْنَ کِذْبَکُمْ لِاَنَّ کَثِیْرًا مِّمَّا جَآءَ بِہٖ حَقٌّ وَلٰکِنْ صَدِّقُوْہُ فِیْ بَعْضٍ وَکَذَّبُوْہُ فِیْ بَعْضٍ حَتّٰی یَحْمِلَ النَّاسُ تَکْذِیْبَکُمْ لَہٗ عَلَی الْاِنْصَافِ لَا عَلَی الْعِنَادِ یعنی اعصم نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض نے بعض کو کہا کہ اگر تم اس (رسولؐ) کو ان سب باتوں میں جھٹلاؤ گے جو وہ لایا ہے۔ تو تمہارے عام لوگ یہ سمجھیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ کیونکہ اس کا بہت سا حصہ جو وہ لایا ہے سچ ہے۔ اس لئے بعض باتوں میں اس کی تصدیق کرو اور بعض باتوں میں اس کی تکذیب کرو تا کہ لوگ سمجھ لیں کہ تمہارا اس کی تکذیب کرنا انصاف پر مبنی ہے، نہ کہ دشمنی پر۔

اب دیکھئے یہاں بھی ایک حصہ پر ایمان لانا اور دوسرے حصہ کا جھٹلانا ہی لکھا ہے۔ تو اس لحاظ سے جو میں نے بیان کیا۔ حقیقت میں وہ یہی ہے۔ صرف اس ایمان لانے والے حصہ کو میں نے ابتدائی وحی کہہ دیا اور

انکار والے حصہ کو وہ وحی جو بعد میں یہود کی شریعت سے اختلاف کیا گیا۔ یہ معنی اگلی آیات کے ساتھ بہت موزون بھی ہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ کے معنی تو سیدھے ہیں کہ مسلمان اسلام سے لوٹ آئیں۔ میرا یہ بھی مطلب نہ تھا کہ مکی وحی میں سوائے توحید کے کچھ نہیں۔ ابتدائے وحی سے مراد ساری مکی سورتیں بھی نہیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ یہود کی شریعت سے اختلاف زیادہ تر بعد میں ہوا۔ قرآن کو واقعی میں خود ایک اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت مانتا ہوں۔ پر جب ان لفظوں کے دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہوں تو اب ایک معنی پر حصر کرنے کے لئے کوئی دوسرا امر ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی اعلیٰ درجہ کی روایت ہوتو ہم اس سے باہر ہرگز نہ جائیں گے۔ مگر ایسی روایت کا نہ ہونا خود اس امر سے ظاہر ہے کہ مفسرین نے بہت سے معنی اس آیت کے کئے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے اس سے تحویل قبلہ والا واقعہ بھی مراد لیا ہے۔

دوسری آیت کے پہلے حصہ پر یہ اعتراض ہے کہ یہ خلاف قرآن ہے۔ میرے خیال میں یہ صرف آپ کی سمجھ کا پھیر ہے۔ ورنہ یہ معنی صاف ہیں۔ یہ کہنا کہ اگر ایسا ہوتا تو ''**لِمَنْ هُوَ مِنْكُمْ**'' ہوتا۔ میں آپ کی اس قدر فضیلتِ علمی کا قائل نہیں ہوں کہ جو آپ کہہ دیں وہی ہونا چاہیئے۔ اور پھر دیکھئے تفسیر کبیر۔ جہاں سب سے پہلے ان الفاظ **لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ** کے یہی معنی کئے ہیں۔ **وَلَا تُصَدِّقُوْا اِلَّا نَبِيًّا يُقَرِّرُ شَرَائِعَ التَّوْرٰةِ فَاَمَّا مَنْ جَآءَ بِتَغَيُّرٍ مِّنْ اَحْكَامِ التَّوْرٰةِ فَلَا تُصَدِّقُوْهُ**

دوسری آیت کے دوسرے حصہ میں اَوْ کے معنوں پر اعتراض ہے۔ جو صرف یَا کے ہیں کہ اگر موسوی شریعت کے مثل کسی دوسرے کو شریعت نہ دی جائے تو پھر دوسروں کی حجت غالب آجائے گی۔ یہی اَوْ کے معنی ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں اس میں میری ایجاد کیا ہے؟ حالانکہ مفسرین نے اَوْ کے معنی حتّٰی اور اِلَّا کے بھی لکھے ہیں۔

يُحَآجُّوْكُمْ کے معنی پر پہلے لکھ چکا ہوں۔ اس کے علاوہ دیکھو تفاسیر۔ **تَفْسِيْرُ اِلَى السَّعُوْدِ مَعْنَاهُ حَتّٰى يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ** اور پھر اسی تفسیر میں لکھا ہے **اَوْ يُحَاجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ اَىْ يُقِيْمُوْنَ الْحُجَّةَ عَلَيْكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ حَتّٰى يُحَاجُوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ فَيَغْلِبُوْكُمْ وَيَدْفَعُوْا حُجَّتَكُمْ عَنٰى بِهِ**

الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

امید ہے کہ ان حوالوں سے آپ کی تشفی ہو جائے گی۔ ورنہ میں اور بھی پیش کرسکتا ہوں۔ اَحَدٌ کے لفظ کے متعلق بھی دیکھو تفسیر بحرالمحیط عَنٰی بِہِ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

آخر میں مَیں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ محض افتراء ہے کہ میں نے کہا ہو کہ نبی کی صرف وہی بات ماننا چاہئیے جو وحی سے کہے۔ دوسری بات نہیں ماننا چاہئے۔ ہاں! میں نے یہ کہا تھا کہ غلطی سے پاک صرف نبی کی وحی ہوسکتی ہے۔ اور یہ بھی میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ایسے مسائل دینی میں، جیسے نماز، زکوٰۃ وغیرہ امور، جن پر شریعت کا دارومدار ہے۔ یہ وہ اصول ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی خفی سے ارشاد فرمائے ہیں۔ اور یہ آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ جھوٹ بنا کر کبھی کوئی انسان کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کاش! تم میں اس قدر جرأت ہوتی کہ میاں صاحب جو حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح اور سارے مفسرین اور خود قرآن کریم کے خلاف معنی کرتے ہیں، ان پر بھی تم کبھی بول اٹھتے۔ تو میں یہی سمجھتا کہ شائد مجھ پر بھی نیک نیتی سے اعتراض کیا ہو۔ مگر وہاں مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کے جب یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ احمد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں تھا بلکہ اس رسول سے مراد حقیقی طور پر مرزا صاحب ہیں۔ پھر جب فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (3:4) میں کل دنیا کے خلاف یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ اصل حکم کم سے کم دو بیبیاں کرنے کا ہے۔ اسی طرح اور بہت سے مقامات ہیں۔ اس وقت کیوں زبانوں اور دلوں پر مہر لگ جاتی ہے؟ اور پیسہ اخبار میں حق ظاہر نہیں کیا جاتا۔

محمد علی

از لاہور 23 دسمبر 1914ء

12 جنوری 1915ء

اسلام میں احمدیت کا مقام

(1)

(احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے جلسہ سالانہ کے موقع پر 26 دسمبر 1914ء کو حضرت امیر ایدہ اللہ کا لیکچر۔ جسے حضرت موصوف کی نظر ثانی کے بعد شائع کیا جارہا ہے۔ مدیر)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ. (113:2)

ترجمہ: اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی (سچائی) پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں یہودی کسی (سچائی) پر نہیں۔ حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح انہی کے قول کی مانند وہ لوگ کہتے ہیں جو کچھ نہیں جانتے سو اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے۔''

اور پھر آپ نے فرمایا کہ اسلام کا مذہب ایک ایسے ملک میں پیدا ہوا جس کا نظارہ دنیا کے ممالک سے کچھ الگ ہی ہے۔ وہ لوگ جو آج کل یورپ کی طرف آتے جاتے ہیں۔ ان کو اپنے سفر میں عرب کے دیکھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ جہاں سے یہ گوہر نایاب پیدا ہوا۔ وہ ایک ریگستان ہے۔ جہاں پانی کا نام ونشان کوسوں نہیں ملتا۔ وہاں پہاڑ ہیں جو تمہارے ان پہاڑوں کی طرح سرسبز نہیں بلکہ ان پر تو سبزی اور درختوں کا نام ونشان تک نہیں۔

ہر ایک ملک میں اس کی حالت کے مطابق انسان پیدا ہوتے ہیں۔ اور اسی حالت کے مطابق ان کے خیالات و عادات ہوتی ہیں۔ غور کر کے دیکھو کیا یہ درست ہے یا نہیں کہ جن حالات میں انسان پرورش پاتا ہے، وہی اس کے جزوِ خیالات بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی جن لوگوں نے عرب کے اشعار جاہلیت کو پڑھا ہے۔ اگرچہ ان کو معلوم ہے کہ گو زبان دانی کے لحاظ سے یہ اشعار کتنے ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو۔ مگر مضامین کیا ہیں۔ گھوڑوں، اونٹوں اور بیابانوں کی تعریف تک ہی محدود ہیں۔ مگر ہمیں اس سے زیادہ ان سے توقع بھی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جب تک انسان کے سامنے کوئی ایسے نظارے نہ ہوں جو اس کی طبیعت پر اثر کرنے والے ہوں، اس کے خیالات میں بھی وسعت پیدا نہیں ہوسکتی۔ بعض ممالک کے لوگ، جہاں ان کے اپنے ممالک میں کچھ نہیں ہوتا، دوسرے ممالک میں چلے جاتے ہیں۔ وہاں سے تجربہ حاصل کر آتے ہیں اور علم پڑھ آتے ہیں۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ ایک طرف تو اس ملک میں پیدا ہوئے، جہاں طبیعت میں امنگ اور نئے نئے خیالات پیدا کرنے والے کوئی نظارے ہی نہیں ہیں۔ دوسری طرف آپ کو یہ موقع نہیں ملتا کہ دوسرے ممالک میں ہی چل پھر کر کوئی تجربہ اور تعلیم حاصل کریں۔ ایک مذہبی پیشوا کے لئے دوسرے مذاہب کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے۔ مگر آپ وہ بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ بلکہ لکھنا پڑھنا تک آپ نہیں جانتے۔ اب ان تمام حالات کے ماتحت جو ایک انسان پیدا ہوتا ہے، وہ اپنی کوشش سے جو کچھ پیدا کرسکتا ہے۔ وہ اسی حد تک محدود ہوگا۔ جہاں تک اس کا علم اور تجربہ کام دے۔ کیونکہ نہ تو ملک میں علم نہ خیالات میں تموج اور تحریک پیدا کرنے والی کوئی اور چیز نہ باہر سے علم حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ۔ مگر اس ساری بے سروسامانی کے اندر ایک انسان اٹھتا ہے اور ایک ایسی کتاب دنیا کو دیتا ہے جو نہ صرف اعلیٰ سے اعلیٰ مذہبی جذبات پیدا کرنے کی طاقت اپنے اندر رکھتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مذہب کے وہ اصول دنیا میں قائم کرتی ہے۔ جو آج سینکڑوں برس کی ترقی اور تعلیم کے بعد مہذب سے مہذب ممالک کے اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی یافتہ فضلاء و علماء کا ان تک پہنچنا بھی ان کے لئے موجب فخر ہے۔

منجملہ ان اصولوں کے ایک اصول یہ ہے کہ اسلام نے کسی مذہب کی خوبی سے انکار نہیں کیا۔ اور اس کے ثبوت میں وہ آیت ہے جو میں نے اپنے بیان کے شروع میں پڑھی ہے۔ یعنی جب یہودیوں نے عیسائی مذہب میں کسی بھی خوبی کے ہونے سے انکار کیا اور عیسائیوں نے یہودی مذہب میں کسی قسم کی خوبی کی موجودگی کو غلط ٹھہرایا

تو دونوں کو ملزم گردانتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ یوں تو لکھے پڑھے ہیں۔مگر باتیں جاہل لوگوں کی سی کرتے ہیں۔

اس آیت سے سمجھانا یہ مقصود تھا کہ ہر ایک مذہب میں کچھ نہ کچھ خوبی ہے۔اور ایسے لفظ منہ سے نکالنا کہ فلاں مذہب میں رکھا ہی کیا ہے؟ اور اس میں ہر قسم کی خوبی کے ہونے سے انکار کرنا جہالت کی بات ہے۔اب غور کرو یہ تعلیم دینے والا کون انسان ہے؟ اس نے کون سی کتابیں پڑھی تھیں؟ ایک امّی کتابوں کے پڑھنے والوں کو ملزم قرار دیتا ہے۔اور بدیں الفاظ ملزم گردانتا ہے کہ تم پڑھے لکھے ہو کر جاہلوں والی باتیں کرتے ہو۔ایک امّی دنیا کی تاریخ، دنیا کے ممالک، دنیا کے مذاہب سے ناواقف آدمی کا یہ قول نہیں ہوسکتا ہے۔اور یہ بھی منجملہ ان دلائل کے ایک دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے۔پھر دوسرے کی خوبی تسلیم کرنا دنیا میں سب سے مشکل امر ہے۔دنیا میں جو انسان بڑا بننے کی خواہش رکھتے ہیں ان کے لئے دوسروں میں خوبی کا تسلیم کرنا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔کیونکہ جو شخص بھی بڑا بننے کی خواہش رکھتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا نہیں بن سکتا۔جب تک کہ دوسرے کی چند برائیاں اور مقابلۃً اپنی خوبیوں کا ذکر نہ کروں۔مگر وہ جو دوسرے کی خوبی قبول کرتا ہے، اس کے دل میں کس قدر جرأت ہے۔کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مجھ میں دوسروں سے بڑھ کر کوئی خوبی ہے۔وہ ان کی خوبی کو تسلیم کرتا ہے۔مگر اپنی خوبی ان سے بڑھ کر پیش کرتا ہے۔

اس ملک عرب میں ایک انسان پیدا ہوتا ہے۔جو کہتا ہے کہ تم ان تمام انبیاء کو مان لو جو وقتاً فوقتاً دنیا کے مختلف حصص میں آئے۔اور پھر کس قدر وسیع اس کا علم معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے نبیوں کو ہی نہیں منواتا، بلکہ ساری دنیا کی قوموں میں نبیوں کے آنے کو تسلیم کراتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌا (24:35) کہ جہاں بھی دنیا جہان میں کوئی قوم ہے ہم نے وہاں نذیر بھیجے۔کیا یہ کلمات عرب کے ایک امی کے منہ سے نکل سکتے تھے؟

اس سے پہلے کوئی ایسا مذہب نہیں تھا جس نے دوسرے مذاہب کی خوبیوں کا ذکر کیا ہو۔لوگ کہا تو کرتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ بعض باتیں یہودیوں اور بعض عیسائیوں اور بعض عبرانیوں سے لے کر ایک نیا مذہب

بنالیا۔ مگر دنیا میں اس مذہب کا نام تو لیا جائے۔ جس نے یہ پاک اور صلح کا اصول اسلام سے پہلے سکھایا ہو کہ ساری قوموں میں نبی گزرے ہیں جن کو مان لینا چاہئیے۔ اور کہ ہر مذہب اپنے اندر کچھ خوبی رکھتا ہے۔ اگر ایک عالم کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے تو اور بات تھی۔ کیونکہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ دوسرے مذاہب کا مطالعہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ مگر وہ، جو نہ پڑھنا جانتا ہو اور نہ لکھنا، کس طرح اس بات کو از خود بیان کر سکتا ہے!

اس اصول پر بعض اوقات میں غور کیا کرتا ہوں کہ ایک طرف تو تمام انبیاءؑ پر ایمان لانا جز و ایمان ٹھہرایا، پھر دوسری طرف یہ ثابت کیا کہ وہ تمام میرے آنے کی تصدیق کرتے رہے تھے۔ یعنی ایک طرف کہا وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (4:2) اور دوسری طرف فرمایا اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَةٍ ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْ تُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْآ اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ. (81:3) یعنی ایک طرف اگر تمام ان انبیاءؑ پر ایمان لانا جز و ایمان ہے۔ جو آنحضرت سے پیشتر آئے تو دوسری طرف وہ تمام بھی قرآن کے مصدق قرار دیئے۔ اور درحقیقت یہ بات، کہ تم سب مجھے مان لو کیونکہ تمہارے نبیوںؑ نے میری تصدیق کی ہے۔ اور مجھ پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے، اسی کے لئے سزاوار تھی۔ جس نے خود دوسرے نبیوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ اسلام کی یہ خوبی کہ اس نے تمام مذاہب کی خوبیوں کو تسلیم کیا ہے، کیا اسلام کی صداقت کا ثبوت نہیں؟ دیکھو! جس نتیجہ پر آج یورپ وامریکہ کے محقق پہنچے، وہ قرآن کریم نے آج سے تیرہ سو سال پہلے بتا دیا۔ اور پھر جہاں دوسرے مذاہب کی خوبیاں تسلیم کیں۔ اس سے پہلے فرمایا وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ کَانَ هُوْدًا اَوْنَصٰرٰی تِلْکَ اَمَا نِیُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ. (112-111:2) یعنی یہودی ہو یا عیسائی ہو، کوئی کیا خاص حق رکھتا ہے کہ بہشت کا ٹھیکہ دار ہونے کا دعویٰ کرے۔ بہشت کا حقدار تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کرے اور اس کی مخلوق سے نیکی کرے۔ بہشت محض کسی مذہب کے اندر داخل ہو جانے سے نہیں ملتی بلکہ فرمایا کہ جب تک تم کامل فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی اور حسن سلوک انسان سے عمل میں نہ لاؤ گے، بہشت کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اسلام نے انسانی زندگی کا کیا ہی اعلیٰ مقصد رکھا

ہے۔صرف منہ سے ایمان کو کافی قرار نہیں دیا۔ بلکہ عمل لازم ٹھہرائے۔اور عمل ہی کے لئے کہا کہ خدا کی کامل فرمانبرداری کرے اور اس کی مخلوق سے کامل طور پر احسان اور نیکی کا معاملہ کرے۔اسلام کا عظیم الشان مقصد، جس کے سامنے دوسری تمام باتیں درحقیقت فروع میں داخل ہیں، دنیا میں توحید کا پھیلانا تھا۔اسی کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔جب تک انسان اس عظیم الشان اور ایک مسلمان کی زندگی کے اصل مقصد کے سامنے ساری باتوں کو قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔وہ حقیقی رنگ میں لفظ مسلم کا مصداق نہیں ہوتا۔مسلمان تو طرح طرح کے فتوے دینے کے عادی ہیں۔ایک فتویٰ قرآن کریم میں ان کے لئے بھی ہے۔جو تم سب پر، مجھ پر، اور ہر ایک پر، جو مسلمان کہلاتا ہے یکساں حاوی ہے فرماتا ہے: قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُ کُمْ وَاَبْنَآؤُ کُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لاَ یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ. (24:9) تو کہہ دے اگر اپنے باپ دادے، اولاد، بھائی بند، بیبیاں خاوند، کمائے ہوئے مال، تجارتیں جس کے سرد ہونے سے ڈرتے ہو اور وہ عظیم الشان مکانات جو تم کو پسند ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کے راستے میں جہاد سے بہتر اور زیادہ محبوب سمجھتے ہو تو تم فاسق ہو اور فاسقوں کو اللہ تعالیٰ کامیابی کی راہ نہیں دکھاتا۔

آج ہماری جماعت میں بالعموم اور میرے لئے بالخصوص فاسق کا لفظ بہت استعمال ہو رہا ہے۔مگر دیکھتے بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ کن معنوں میں فاسق کا لفظ استعمال کرتا ہے۔یہاں فرمایا کہ اگر تم اس مال کو جو تم نے کمایا ہو، تجارت جس کے سرد ہونے سے تم ڈرتے ہو، عظیم الشان مکان جو تم نے بنائے ہوں، خدا سے زیادہ عزیز ہیں تو تم فاسق ہو۔انسان کی محبت ایک طرف تو انسان سے ہوتی ہے۔جیسے ماں باپ، بھائی، بیوی، بال بچے، دوسری طرف وہ چیزیں جو اس نے اپنی ہمت صرف کر کے کمائی ہوں، ایک طرح پر خدا سے روکتی ہیں۔فرمایا اگر تم کو ان انسانوں سے زیادہ محبت ہے یا تمہاری کمائی ہوئی چیزیں تمہارے راستے میں روک ہیں۔تو تم فاسق ہو۔یہی معنی اس آیت کے ہیں اور اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے جو آخری الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔جس میں ہے یہ کہ ایسے لوگ کامیاب نہیں ہوتے۔لفظ فاسق کے ان معنوں کی تائید قرآن کریم کی دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ. الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ. (2:26-27) ۔یعنی فاسق وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے مضبوط عہد کر لینے کے بعد اسے توڑتے ہیں۔اب دیکھو مسلمانوں کا بھی ایک وعدہ تھا اور وہ یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ ان کی زندگیوں کا اصل مقصد ہوگا۔اب یہی عہد تھا جس کا نتیجہ فرمایا کہ جدھر منہ پھیرو گے کامیاب ہی کامیاب ہو جاؤ گے۔ جب انہوں نے عہد توڑ ڈالے اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے دوسرا معاملہ کیا۔کفارہ کی قسم کی کوئی تعلیم اسلام میں نہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو کرے پالے۔اگر کچھ کرو گے تو اس کا نتیجہ مل جائے گا۔ مسلمانوں نے ایمان تو اس بات پر رکھا مگر عمل چھوڑ دیا۔ان کی زندگی کا مقصد جہاد فی سبیل اللہ،اللہ تعالیٰ نے قرار دیا تھا۔مگر اس مقصد کو انہوں نے چھوڑ دیا۔ ہر ایک قوم میں اسی طرح ہوا کرتا ہے۔جب ایک بات پر کچھ عرصہ گزر جاتا ہے تو اس پر عمل بند ہوتا جاتا ہے۔میں نے احمدیت کو یہی سمجھا کہ اصل غرض اسلام کی جہاد فی سبیل اللہ تھی یعنی اشاعت توحید،مسلمانوں نے اسے بھلا دیا۔یہی وجہ تھی کہ مرزا صاحب نے ایک اقرار تم سے لیا اور وہ یہ کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔پس مرزا صاحب نے یہ سمجھ کر کہ اسلام کی ترقی کے رک جانے کی کیا وجہ ہے،تم کو اس مقام پر کھڑا کیا، جہاں صحابہؓ کو کھڑا کیا تھا۔یعنی تمہارا کام وہی قرار دیا جو پہلے مسلمانوں کا کام قرار دیا تھا۔

یہ ہے اسلام میں احمدیت کا مقام۔اس مقام پر کھڑا ہونا آسان نہیں۔ جو غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کی ٹھیرائی، یعنی جہاد فی سبیل اللہ،مرزا صاحب نے بھی اس کی تجدید کی۔ بیعت لیتے وقت صرف یہی اقرار لیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔اگر تم اسے عملی طور پر نہیں کرتے تو منہ سے کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ جب تک عملی طور پر دین کو دنیا پر مقدم کر کے نہ دکھلاؤ گے اور جہاد فی سبیل اللہ یا اعلاء کلمۃ اللہ یا اشاعت توحید اپنی زندگیوں کا اصلی مقصد عملی رنگ میں نہ بناؤ گے،تمہارے منہ کے دعوے سب ہیچ ہیں۔

مرزا صاحب کیا تھے؟

مسلمانوں کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کس قدر عظیم الشان ہے۔مگر چونکہ انسانی طبائع کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہیں کہ وہ کچھ عرصہ بعد ان باتوں کو بھول جاتی ہیں۔ جو انہیں تعلیم کی گئی ہیں۔اس لئے اسلام میں اللہ نے یہ

سامان پیدا کر دیا کہ ہر ایک صدی کے سر پر ایک مجدد ہوا کرے جو دین کی تجدید کرے۔ اور چودھویں صدی کے سر پر آنے والے مجدد کا نام مسیح رکھا۔ کیونکہ اس کا کام مسیح کا کام ہے۔ مرزا صاحب مسیح موعود انہی مجددوں میں سے ایک تھے۔ وہ چودھویں صدی کے سر پر آئے تا کہ وہ اسلام کو از سرنو تازہ کریں اور وہ باتیں پھر از سرنو سکھائیں جو لوگ بھول چکے تھے۔

ایک سوال یہاں پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس قسم کا سلسلہ نبوت چلے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جہاں کہیں کوئی قوم تھی وہاں مختلف انبیاءؑ کے ذریعہ سے تبلیغ ہوتی اور ان کی ضرورتوں اور حالات کے ماتحت علیحدہ علیحدہ تعلیم اترتی رہی کیونکہ اس وقت تو ایک ملک دوسرے سے علیحدہ اور ایک قوم دوسری سے الگ تھی۔ میل جول کے ذرائع نامعلوم تھے۔ مگر جب اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ آیا تو مختلف تعلیمات ایک کتاب میں اکٹھی کر دیں اور قرآن مجید کی صورت میں آپؐ پر اتاریں۔ چونکہ نبیوں کی بعثت کی دو غرضیں ہوتی تھیں۔ ایک تکمیلِ دین اور دوسری تجدیدِ دین۔ اب جبکہ تکمیلِ دین ہو چکی تو وہ ایک غرض تو جاتی رہی کہ جس کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف ممالک میں مصلح آجاتے تھے۔ لیکن دوسری غرض یعنی تجدیدِ دین کی ہمیشہ کے لئے باقی رہے گی۔ پس اسی کا نام نبوت ظلی ہے اور یہی اسلام کے اندر رہی اور رہے گی۔ اور چونکہ یہ نبوت اصلی کی جزو تھی۔ نبوت جزوی بھی کہلائی اور ایسی نبوت کی ضرورت اس لئے تھی تا کہ وقتاً فوقتاً جب زمانہ عمل کو چھوڑ دے تو ایسے لوگ معبوث ہو کر زمانہ میں ایک عملی رنگ پیدا کر دیں۔ یہ ایک اصول ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کس قسم کے نبی آئیں گے۔ اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے بعض کتابوں میں صرف نبی کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ آپ کے الہامات میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں بھی، جس میں مسیح موعود کی پیشگوئی ہے، یہ لفظ آیا ہے۔ مگر دوسری طرف دیکھو جہاں نبی کا لفظ آیا، خواہ حضرت صاحب کی اپنی تحریر میں یا آپ کے الہام میں، اس کی تشریح کر دی۔ اس وقت اسی لفظ کی بحث پر جماعت احمدیہ میں دو فریق قائم ہو گئے ہیں۔ ایک تو وہ جو پہلے نبیوں کی طرح حضرت مسیح موعود کو حقیقی نبی مانتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو آپ کو ظلی اور جزوی نبی مانتے ہیں۔

یہاں اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا فیصلہ کس طرح کریں۔ دونوں میں سے کون سچا ہے۔ ہمارا رہبر

ہمارے ہر ایک قول وفعل میں قرآن ہونا چاہیئے ۔اس میں بھی بعض ایسی باتیں ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کی مخالف نظر آتی ہیں۔ وہ خود فرماتا ہے مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (7:3) کہ اس کتاب میں دو قسم کی آیات ہیں۔ایک اُمُّ الۡكِتٰبِ دوسری مُتَشَابِهٰتٌ اُمُّ الۡكِتٰبِ یعنی جڑ تو اصولی باتیں اور مُتَشَابِهٰتٌ ان کے ماتحت فروعات ہیں۔ اب ان کے فیصلہ کا طریق بھی اللہ نے خود ہی فرما دیا۔ جہاں فرمایا اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا (7:3) یعنی جولوگ دل میں کجی رکھتے ہیں وہ یوں کرتے ہیں کہ متشابہات کو ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور اصولی باتوں کا خیال نہیں کرتے اس لئے دھوکہ میں پڑتے ہیں۔مگر وہ جن کو اللہ نے علم دیا ان کا علم مضبوط ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ چونکہ اصولی باتیں بھی اس کی طرف سے ہیں۔ وہ متشابہات کو اصولی باتوں کے ماتحت کر لیا کرتے ہیں۔ دیکھو! پہلے بھی مشکلات تھیں اب بھی ہیں اور آئندہ بھی ہوں گی۔ مسیح کو اس انجیل سے بعض نے خدا بنایا۔ مسلمان اسے اسی انجیل سے انسان ثابت کرتے ہیں۔ اسی اختلاف پر روشنی ڈالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسیح کا ذکر کرنے سے پہلے محکمات اور متشابہات کی طرف توجہ دلا کر یہ اصول مقرر کر دیا کہ متشابہات کو محکمات یعنی اصولی باتوں کے ماتحت کر لیا کرو۔

اب اصول تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں نبی بھیجتا رہا ہے جو لوگوں کی اصلاح کے لئے آتے رہے۔ اور مسیح کا آنا اسی اصول کی ایک تصریح ہے۔اب اس اصول پر غور کر کے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ اس غرض کے لئے انسانوں کو ہی بھیجتا رہا ہے۔ یہی اس کی سنت ہے۔ مسیحؑ سے پہلے جتنے نبی تھے انسان تھے۔ اب یہ اصول قائم ہو گیا کہ انسانوں کی اصلاح کے لئے انسان مبعوث ہونا چاہیئے ۔ وہ خدا نہیں بلکہ انسان وہ ہو، جو ان میں مل کر ان کی اصلاح کر سکے۔ چونکہ مسیحؑ کا آنا اس قانون یعنی اصول کی ایک فرع ہے۔ پس اس فرع کو اصول کے ماتحت کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مسیح بھی انسان ہونا چاہئے۔ اس سے آگے ہمیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے بھی حضرت مسیح کو بعض خصوصیتیں دے رکھی ہیں۔ جو اور کسی انسان کو نہیں دیں۔ یعنی ایک خلق کرنا دوسرے مردوں کو زندہ کرنا۔

کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے پرندوں کو پیدا کیا اور اس کا استدلال وہ ان آیات سے کرتے ہیں۔ اَنِّىۡۤ اَخۡلُقُ لَـكُمۡ مِّنَ الطِّيۡنِ كَهَیْـئَةِ الطَّيۡرِ فَاَنۡفُخُ فِيۡهِ فَيَكُوۡنُ طَيۡرًاۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (49:3) اب یہاں سے

استدلال صرف لفظ خلق سے کرنا ہی فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَہَ مِنْہُ (7:3) کا مصداق ہے۔ قرآن کے حکم کے مطابق یہ دیکھنا ہے کہ اس بارہ میں یعنی خلق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے کوئی اپنا قانون بتایا ہے یا نہیں۔ اگر کوئی اصول مل جائے تو اسی کے ماتحت ہم ان الفاظ کے معنی بھی کریں گے۔ اب قرآن کریم کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ ہر ایک چیز کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (62:39) دوسرے معبود کچھ پیدا نہیں کرسکتے لَایَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ (20:16)۔ ہر ایک چیز خدا نے ہی پیدا کی ہے خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ (101:6)۔ اور اگر کوئی چیز تمہارے معبودوں کی خدا کی پیدا کردہ چیزوں کے مشابہ ہوتو اسے لے آؤ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْھِمْ (16:13)

پس اصولاً خالق تو ایک ہے۔ پھر مسیحؑ کس طرح خالق ہوسکتا ہے۔ اس لئے لازماً ہم ایسے معنی اختیار کریں گے کہ جو اس اصول کے خلاف نہ ہوں کہ خلق کا فعل سوائے خدا کے دوسرے کی طرف روح ڈالنے کے معنوں میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح مردہ کو زندہ کرنے کے متعلق پہلے قرآن کریم کو دیکھنا ہے کہ اصول کیا قائم کیا ہے۔ اگر تو یہ اصول قرآن کریم نے قائم کیا ہے کہ قیامت سے پہلے اس دنیا میں بھی مردے زندہ ہوکر آجایا کرتے ہیں۔ تو بہتر ورنہ احیائے موتٰی کے کچھ اور معنی کرنے پڑیں گے۔ اب فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (42:39) کہ اللہ قبض کرتا ہے روحوں کو دو طریق پر۔ ایک تو اس وقت جب وہ مرجاتے ہیں۔ دوسرے اس وقت کہ جب سوتے ہیں۔ مگر فرق اتنا ہے کہ جب وہ مرجاتے ہیں تو جو روحیں قبض ہوجاتی ہیں، پھر ہم انہیں واپس نہیں کیا کرتے مگر جو سوتے ہیں ان کی روحوں کو لوٹا دیا کرتے ہیں۔ پس ہمیں اصول قائم کرنا پڑا کہ قرآن کریم کی رو سے جس روح پر موت وارد ہوچکی ہو وہ اس دنیا میں واپس نہیں آیا کرتی۔ اسی طرح پر دوسری جگہ فرمایا وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (95:21) یعنی جن بستی والوں کو ہم نے ہلاک کردیا ان پر ممنوع ہوگیا کہ وہ یہاں لوٹ کر آئیں۔ یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ کوئی مردہ زندہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

پھراس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔حضرت عبداللہ بن جابرؓ کو مغموم دیکھ کرآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیرے والد پر ایسا خوش ہوا کہ فرمایا کہ مانگ جوتو مانگتا ہے، وہی دوں گا۔اس نے کہا کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیجئے تا کہ میں دوبارہ تیری راہ میں شہید ہوکرآ ؤں ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ میں یہ وعدہ کر چکا ہوں کہ مردے دنیا میں واپس نہ بھیجے جائیں گے۔دیکھوایک طرف آزادی دی کہ مانگ جوتو مانگتا ہے۔دوسری طرف ایسے لوگوں کی صحابہؓ کوضرورت تھی جوخدا کی راہ میں جانیں دیں۔مگر پھر بھی یہ کہہ دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ایک قائم کردہ اصول کے خلاف ہے۔اس لئے ہم دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے ۔اب جب خدا تعالیٰ اپنے قائم کردہ اصول کونہیں توڑسکتا تو مسیحؑ کس طرح اس اصول کوتوڑ سکتے ہیں۔

الغرض ہم نے ایک اصول قائم کیا کہ جہاں کہیں مشکل آن پڑے تو پہلے ایک اصول قائم کرواور اس مشکل کواس اصول کے ماتحت کر لینا چاہیئے ۔اب ہمارا ایک اختلاف ہے مرزا صاحب کی نبوت کے متعلق۔ یہاں اصول یہ ہے کہ نبوت کی دوقسمیں ہیں۔اصلی اورظلی ۔اصلی نبوت وہ تھی جس میں تکمیلِ دین اورتجدیدِ دین دونوں کام شامل تھے۔ظلی یا بروزی وہ ہے جس میں صرف تجدید دین کا کام باقی ہے۔نبوت ختم ہوچکی۔ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے دوسری قسم کی نبوت مل سکتی ہے۔(جاری)

14 جنوری 1915ء

اسلام میں احمدیت کا مقام

(2)

یہاں پر ایک دلیل مجھے یاد آئی ہے جو حضرت صاحب نے اپنے مسیح موعود ہونے کی دی ہے کہ مسیحؑ اس لئے دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتا کہ وہ حقیقی معنوں میں نبی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی حقیقی نبی نہیں آسکتا۔ بلکہ صرف ظلی نبی آسکتے ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظلی نبی کو ہم حقیقی طور پر نبی کا خطاب نہیں دے سکتے۔ اب جب یہ ایک مسلّم امر ہے کہ حقیقی نبوت کا دروازہ یا تکمیل دین کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بند ہو چکا۔ تو اصول قائم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حقیقی نبی نہیں آسکتا۔ تو ہزار جگہ مرزا صاحب نے لکھا ہو کہ میں نبی ہوں ہم اسے اس کے ماتحت کریں گے کیونکہ وہ متشابہات میں سے ہے۔ اور یہ اصول ہے کہ متشابہات ہمیشہ اصول کے ماتحت کر لئے جاتے ہیں۔

ظلی کی تشریح

دوسرے کی بعض صفات کو اس کے اثر سے متاثر ہو کر لے لینا یہی ظل ہے۔ دیکھو کبھی ظل اللہ سنا۔ یہ بادشاہوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ بعض خدائی صفات کا پرتَو اپنے اندر رکھتے ہیں۔ مجاز اور حقیقت میں فرق ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ شیر میرے سامنے آ رہا ہے۔ حالانکہ اس کے سامنے ایک انسان آ رہا ہو، تو یہاں شیر کا لفظ اپنے حقیقی نہیں بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور مراد اس سے ایسا انسان ہے جس نے شیر کی ایک صفت کو اپنے اندر لے لیا ہو۔ مگر جب حقیقی طور پر ایک شخص جنگل میں جا رہا ہو اور واقعی شیر اس کے سامنے آئے تو بھی وہ کہے گا کہ شیر میرے سامنے آ رہا ہے۔ مگر ان دونوں حالتوں میں فرق ہے۔ ایک میں شیر کا لفظ مجازی طور پر استعمال ہوا ہے، دوسری جگہ وہی لفظ حقیقی معنوں میں۔ اسی اصول کو ہاتھ میں لے کر کہ اب حقیقی

نبی نہیں آ سکتا، آؤ مرزا صاحب کی سب کتابوں کو دیکھ لو۔ کوئی عبارت لے لو۔ جو تمہارے ذہن میں قابل اعتراض ہو۔ جاؤ دیکھ لو۔ جو عبارت کہ حقیقۃ الوحی سے پیش کیا کرتے ہو اس کو بھی اسی اصول کے مطابق ثابت کر لو۔ حقیقۃ الوحی صفحہ 149 اور 150 میں لکھا ہے:

''اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔''

یہ وہ لفظ ہیں جن سے اکثر ثابت کیا کرتے ہیں کہ حضرت صاحب کا عقیدہ بدل گیا تھا اور وہ اپنے آپ کو حقیقی نبی سمجھنے لگ گئے تھے۔ اب لفظ اوائل اور بعد کی جب تک تشریح نہ معلوم ہو کہ یہ کون سے زمانے کے متعلق ہے، یہ عبارت صاف نہیں ہوتی۔ اوائل سے مراد وہ زمانہ ہے جب آپ نے دعویٰ مثیل مسیح یا موعود مسیح ہونے کا نہیں کیا۔ اور بعد سے مراد دعویٰ کے بعد کا زمانہ ہے۔ الفاظ ''تئیس برس کی متواتر وحی'' نے اس کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ یعنی وہ زمانہ، جو کثرت مکالمہ اور مخاطبہ کا ہے، وہ ایک دو سال نہیں بلکہ ایک لمبا زمانہ 23 سال کے قریب ہے۔ پس اوائل سے مراد وہ زمانہ ہے جبکہ مسیحیت کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا۔ اور بعد سے مراد وہ زمانہ جب مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور یہ بات بھی سیدھی ہے۔ گویا حضرت صاحب کہتے ہیں کہ پہلے مجھے کوئی خاص منصب نہیں دیا گیا تھا۔ مگر دعویٰ کے بعد بتلا دیا کہ فرق ہو گیا۔

اور یہ تو صحیح ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ پر آپ کا منصب ظاہر نہ کیا، اس وقت تک اور کچھ سمجھتے رہے۔ جب دعویٰ کے ساتھ اصل منصب بتا دیا تو پھر اس کے مطابق سمجھ لیا۔ لیکن جس طرح تم لوگ (یعنی وہ فریق جو حقیقی نبوت حضرت صاحب کی طرف منسوب کرتا ہے) کہتے ہو کہ حقیقۃ الوحی سے پہلے ظلی نبی تھے۔ مگر اس کے ساتھ یعنی 1907ء میں پہلی تحریریں منسوخ ہو کر آپ حقیقی نبی ہو گئے۔ اس سے تو خود آپ کے دعویٰ پر خطرناک زد

پڑتی ہے۔

میں نے اوائل کا مطلب سمجھا دیا ہے کہ اس سے مراد ہے دعویٰ سے پیشتر کا زمانہ۔ بعد سے مراد وہ زمانہ، جب دعویٰ کیا۔ کیونکہ قریباً بیس بائیس سال اس کے بعد گزرنے پر یہ کتاب شائع ہوئی۔ اب اگر وہ صحیح ہے جوتم اس کے معنی سمجھتے ہوتو نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ کتاب 1907ء میں شائع ہوئی ہے۔ گویا 1907ء تک مرزا صاحب کا عقیدہ یہی ہے کہ وہ ظلی نبی ہیں۔ 1907ء میں عقیدہ بدلتا ہے اور حقیقی نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ دیکھو چھ مہینے بھی گزرنے نہیں پاتے کہ وہ اس جہان سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ اور ایک مفتری کی طرح معاذ اللہ گرفتار ہوتے ہیں۔ او نادانو! بتلاؤ کہ کیا حقیقی مان کرتم اپنے آقا کے مشن کو بالکل افتراء اور جھوٹ ثابت نہیں کر رہے ہو؟

دوسرا مقام

اب جب مرزا صاحب کی شروع کی اور آخر کی کتابوں میں ایک ہی دعویٰ ہے تو وہ سب تحریریں، خواہ پہلے کی ہوں یا مابعد کی، قابل پذیرائی ہیں۔ اب دیکھو شہادت القرآن صفحہ 42۔ جہاں مجددین کو ظلی رنگ میں نبی اور رسول مانا ہے۔ چنانچہ ذیل کی تحریر قابل غور ہے۔

> ''ایک حکمت فرقان یعنی معارف ودقائق قرآن۔ دوسری تاثیر قرآن جو موجب تزکیہ نفوس ہے۔ اور قرآن کی حفاظت صرف اسی قدر نہیں جو اس کی صحف مکتوبہ کو خوب نگہبانی سے رکھیں۔ کیونکہ ایسے کام تو اوائل حال میں یہود اور نصاریٰ نے بھی کئے۔ یہاں تک کہ توریت کے نقطے بھی گن رکھتے تھے۔ بلکہ اس جگہ معہ حفاظت ظاہری حفاظت فوائد تاثیرات قرآنی مراد ہے۔ اور وہ موافق سنت اللہ کے تبھی ہوسکتی ہے کہ جب وقتاً فوقتاً نائب رسول آویں جن میں ظلی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود ہوں۔ اور جن کو وہ تمام برکات دی گئی ہوں جو نبیوں کو دی جاتی ہیں۔''

ہاں! حقیقۃ الوحی میں کسی دوسرے موقعہ پر بیشک یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''نبی کا نام پانے کے لئے میں مخصوص کیا گیا'' سو اب اس اصل کے ماتحت دیکھنا ہے۔ کیونکہ اگر سب مجددین ظلی نبی ہیں نہ حقیقی۔ اور حضرت

صاحب بھی مجددین میں سے ایک ہیں، تو یہ یقینی بات ہے کہ حضرت صاحب کی نبوت بھی ظلی نبوت ہے، نہ حقیقی۔ جس طرح پر ایک دفعہ اس بات کو تسلیم کر کے کہ رسول ہمیشہ انسان ہوتے تھے۔ یہ مسیحؑ بھی ایک رسول تھے۔ہم مجبور ہیں اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے، کہ مسیحؑ بھی ایک انسان تھے۔اسی طرح، اس اصل کو تسلیم کر کے کہ مجددین ظلی نبی ہیں نہ حقیقی۔ اور حضرت صاحب مجددین میں سے ایک ہیں، ہم مجبور ہیں یہ نتیجہ نکالنے کے لئے کہ حضرت صاحب کی نبوت بھی ظلی نبوت ہے، نہ حقیقی۔

اب ہم نے الفاظ ''مخصوص کیا گیا'' کے معنوں پر غور کرنا ہے۔سو یاد رکھو۔ خواہ کیسے بھی الفاظ ہوں۔ ہم قائم شدہ اصول کے خلاف نہیں جا سکتے۔ ورنہ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ (7:3) کے فتوٰی کے ماتحت ہوں گے۔ دیکھو اس حدیث میں بظاہر کیسا حصر معلوم ہوتا ہے۔ مَا قَالَ اَبُوھُرَیْرَۃؓ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَامِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مَوْلُوْدٌ اِلَّا یَمَسُّہُ الشَّیْطَانُ حِیْنَ یُوْلَدُ فَیَسْتَھِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسّ الشَّیْطَانِ غَیْرَمَرْیَمَ وَابْنِھَا صحیح بخاری کی ایک دوسری حدیث ہے عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ یَطْعُنُ الشَّیْطَانُ فِیْ جَنْبَیْہِ بِاصْبَعِہٖ حِیْنَ یُوْلَدُ غَیْرَ عِیْسَی بِنْ مَرْیَمَ ذَھَبَ یَطْعُنُ فَطَعَنَ فِی الْحِجَابِ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک بنی آدم کے پہلو میں، جب وہ پیدا ہوتا ہے، شیطان اپنی انگلی سے کونچ دیتا ہے۔سوائے عیسیٰ بن مریم کے۔ اسے کونچنے لگا تو پردے کو کونچا۔

اگر ہم اس متشابہ کے پیچھے پڑ جائیں، تو سارے قائم شدہ اصول برباد ہو جائیں گے اور ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ سارے انبیاءؑ کو حتّٰی کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نہ خود پاک تھے، بلکہ کثیر مخلوق کو پاک کرنے والے تھے، شیطان نے مس کیا تھا۔لیکن اس کے معنی اسی اصول کے ماتحت ہوں گے۔ اگر ہم ایک اصل قائم کر کے اس کے ماتحت اس کے معنی کریں تو اس صورت میں ہم حضرت کی بھی پرواہ نہ کریں۔ کیونکہ معنی وہ لینے ہیں جو اصل کے خلاف نہ ہوں۔

اب اور کتابوں کو چھوڑو۔ خود حقیقۃ الوحی میں ضمیمہ صفحہ 65 پر یہ لفظ موجود ہیں۔ ''سُمِّیتُ نَبِیًّا مِّنَ

اللّٰهِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْهَ الْحَقِیْقَةِ'' یعنی میرا نام نبی صرف مجازی طور پر رکھا گیا تھا، نہ حقیقی طور پر۔ پس ان الفاظ سے یعنی نبی کا نام پانے کے لئے میں مخصوص کیا گیا۔ یہاں بھی وہی ظلی یا مجازی نبوت مراد ہوسکتی ہے۔ نہ اصلی اور حقیقی۔ ورنہ اصول ٹوٹتا ہے۔ اور تیسری قسم نبوت کی حضرت صاحب نے کوئی لکھی ہے نہ دوسرے اولیاء اللہ میں سے کسی نے۔ اور مخصوص کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی میں اس زمانہ کے مجدّد کو، جو چودھویں صدی میں ہو، مسیح اور نبی کہا ہے۔ تو چونکہ دوسرے کسی مجدّد کو نبی کے نام سے نہیں پکارا نہ نام لے کر کسی کی پیشگوئی کی، تو یہ ایک خصوصیت ہے۔ اور ''مخصوص کیا گیا'' کے اس سے بڑھ کر کچھ معنی لینا متشابہات کے لئے محکمات کو توڑنا ہے۔ کیسی صاف بات ہے۔ مخصوص اس لئے کہ حدیث میں کسی مجدّد آنے کا ذکر نہیں۔ مگر چودھویں صدی کے سر پر آنے والے مجدّد کا اور پھر اس کی نسبت فرمایا کہ وہ نبی ہوگا۔ پس چونکہ مرزا صاحب چودھویں صدی میں مبعوث ہوئے۔ ان کے لئے حدیث میں خاص طور پر نبی کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس لئے انہوں نے کہہ دیا کہ میں نبی کا نام پانے کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ یعنی خصوصیت یہ ہے کہ میرا نام احادیث میں نبی ہے۔

اس امر کے بعد کہ مرزا صاحب کیسے نبی تھے۔ ایک اور سوال باقی ہے، اور وہ ہے مسئلہ کفر واسلام۔ حضرت مسیح موعود کے نہ ماننے سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں۔ یہاں بھی وہی اصول کام دے گا۔ آیا حضرت صاحب مجددین میں داخل ہیں یا نہیں۔ اور مجددین کے نہ ماننے سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں۔ اب اگر تم دوسرے تمام مجددین کے نہ ماننے والوں کو کافر سمجھتے ہو۔ تو خیر، ورنہ مرزا صاحب کے نہ ماننے والا بھی کافر نہیں ہوسکتا۔

اسی امر کی دلیل، کہ حضرت صاحب کے نہ ماننے سے کوئی کافر نہیں ہو جاتا، وہ اقرار نامہ ہے، جو حضرت صاحب نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کے سامنے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے بالمقابل کیا تھا۔ یعنی جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی طرف سے یہ اقرار کیا گیا کہ وہ آئندہ مرزا صاحب کو کافر، کذاب، دجال، نہیں کہے گا۔ تو آپ کی طرف سے بھی یہ اقرار دیا گیا کہ آپ آئندہ اسے کافر، کذاب، دجال، نہیں کہیں گے۔ اگر تو مرزا صاحب کے نہ ماننے سے کفر لازم آتا تھا تو مرزا صاحب نے مَعَاذَ اللّٰهِ یہ کاروائی منافقانہ کی اور یہ اقرار غلط۔ کیونکہ مولوی محمد حسین نے مسیح موعود تو آپ کو نہیں مانا تھا۔ صرف کافر نہ کہنے کا اقرار کیا تھا۔ پس معلوم

ہوا کہ جو شخص حضرت صاحب کو کافر، کذاب، دجال نہیں کہتا، اسے ہم بھی کافر نہیں کہہ سکتے۔

پھر ایک اور عجیب بات یہ کہ حضرت صاحب نے جہاں اپنے مکفروں کو کافر کہا، وہاں دلیل میں ایک حدیث پیش کی کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے وہ کافر۔ یہ حدیث تمہارے میرے، زید، بکر ہر ایک کے لئے عام ہے۔ اگر کسی مسلمان کو کوئی کافر کہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس میں مسیح موعود کے دعویٰ کی کوئی خصوصیت باقی نہ رہی۔ بلکہ وہ تو جس طرح ایک مسلمان کو دوسرا کافر کہہ کر کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چونکہ حضرت صاحب مسلمان تھے۔ اس لئے ان کا مکفر بھی کافر۔ ان کا نہ ماننے والا کافر نہیں۔ اور اگر واقعی ایک کے نزدیک دوسرے کافر تھے۔ تو انہیں اس بات کے کہنے میں کیا تأمل تھا؟ کس چیز نے انہیں اس سے روکے رکھا؟ اور کیوں بار بار مسلمان کو کافر کہنے والی حدیث پیش کرتے رہے۔ ایک اور بات ہے اگر حضرت صاحب کے نہ ماننے والے کافر ہیں تو تمام غیر احمدی لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے پڑھنے والے کافر ہوئے! تو جب ایک مسلمان لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے والا کافر ہے۔ تو ایک کافر بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ پس چاہئیے تھا کہ حضرت صاحب کوئی نیا کلمہ بھی بنا جاتے، جس کو پڑھا کر کسی شخص کو مسلمان کیا جا سکتا۔

ایک زمانہ تھا جب لوگ ہم پر الزام لگاتے تھے کہ ان کا کلمہ بھی نیا ہے اور ہم اس کو جھوٹ کہتے تھے۔ مگر اب تم ہی ان کی تائید کر رہے ہو۔ لیکن اگر اس کو حق سمجھتے ہو تو پھر جرأت کر کے نئے کلمہ کا اعلان کرو۔ ہمارے بھائی ظہیر الدین کو ایک وقت ایسی غلطی لگی تو کم سے کم انہوں نے یہ بہادری تو دکھائی تھی کہ انہوں نے کلمہ بھی اور تجویز کر لیا تھا۔ مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ تمہارا قدم کس مقام پر ہے۔ عقیدہ رکھتے ہو کہ سب لوگ کافر ہیں۔ علی الاعلان اس کو نہیں کہہ سکتے۔ چاہئیے کہ تمہاری تحریریں اور تقریریں دوسروں کو یَآاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ کہہ کر شروع ہوا کریں۔ عقیدہ رکھتے ہو کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے سے کافر مسلمان نہیں ہوتا، مگر وہ کلمہ بھی نہیں بتاتے، جسے کافر پڑھ کر مسلمان ہوا کرے گا۔ تم اس پوشیدہ کلمہ کو شائع کیوں نہیں کرتے۔ جو تمہیں حضرت صاحب نے اگر سکھایا تھا۔

تم میں سے وہ گروہ، جو غلو میں اس وقت امام بنا ہوا ہے، ان لوگوں کا ہے جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی صحبت کا فیض بھی حاصل نہیں کیا۔ مگر پولوس کی طرح وہ پیچھے آ کر اب غلو کی راہ سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ دیکھو افراط وتفریط سے کچھ نہیں بنتا۔ پہلے ایک قوم نے غلو کیا۔ مگر انیس سو سال وہ عقیدہ مروج پا کر آخر گرا۔ کیونکہ اس کی بنیاد ریت پر تھی۔ تمہارا یہ غلو بھی آخر گرے گا۔ اور ساتھ ہی سلسلہ کو بھی لے گرے گا۔ مگر میں امید کرتا ہوں کہ مسیحیت کے غلو کی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے غلو کو حق پر غالب نہیں ہونے دے گا۔ بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی عزت کے لئے سلسلہ کو اس خطرناک عقیدہ کے غلبہ سے بچالے گا۔

یہ مت خیال کرو کہ اس بات کے کہنے والے تین چار یا تین چار سو ہیں۔ کیا تم کثرت کے حق پر ہونے کے قائل ہو؟ تو جاؤ پھر اسلام کو بھی جواب دو۔ ہاں! خوب یاد آیا۔ حضرت مولوی نور الدینؓ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ پہلے پہل جب لاہور چینیانوالی مسجد میں وہ اترے تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ قرآن کے ناسخ ومنسوخ کے قائل نہیں۔ تو ایک مولوی نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ ناسخ منسوخ کے قائل نہیں؟! جب آپ نے کہا، نہیں، تو کہنے لگا کہ آپ ابومسلم کے بھائی ہو۔ فرمانے لگے میں نے کہا او ہو اب تو ہم دو ہو گئے۔ پھر اس نے کہا کہ تمہارا ہم خیال سرسید بھی ہے۔ فرمانے لگے۔ میں نے کہا واہ! اب تو ہم تین ہو گئے۔ اور جماعت ہوگئی۔ تو تمہارے پاس سچ ہے، تو خواہ تم ایک ہو، تم دنیا کو جیت لو گے۔ تم نے خدا کے سامنے تعداد کا جواب نہیں دینا۔ اور نہ تم سے سوال کیا جائے گا کہ تمہارے ساتھ کتنے آدمی تھے۔ تم اگر بہشت میں اس لئے نہ جاؤ کہ تم نے وہاں جانا ہے، جہاں زیادہ ہوں تو خیر۔ لیکن اگر تم نے حق کو لینا ہے تو پختہ اور محکم اصول مانو۔ دیکھو قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتا ہوا فرماتا ہے اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (144:3) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان ہیں۔ اگر مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا ہے۔ ایک انسان ہیں اور انسان مرا ہی کرتے ہیں۔ مگر کیا اس وجہ سے تم توحید کو چھوڑ کر مشرک بن جاؤ گے۔ احد کا واقعہ ہے۔ آپ گر جاتے ہیں۔ دانت مبارک شہید ہو جاتے ہیں۔ بعض کو شک ہوتا ہے کہ آپؐ فوت ہو گئے ہیں۔ اور وہ بھاگنے لگتے ہیں۔ اس حالت کے متعلق یہ آیت نازل ہوتی ہے۔ کیا تم ایک بات مان کر صرف اس وجہ سے پھر جاؤ گے کہ محمد رسول اللہ بہ تقاضائے بشریت مر جائیں؟

اسی طرح تم بھی ایک اصول قائم کر لو۔ اس سے نہ ہٹو۔ خواہ جیو خواہ مرو۔ ایک اور بات یاد رکھو کہ

صوفیوں میں بیعت لینے کا جو دستور ہے، حضرت مسیح موعود نے اس میں اصلاح کی ہے۔ ہم صوفیاء میں دیکھتے ہیں کہ ایک اٹھتا ہے، بیعت لیتا ہے۔ دوسرا اس کا جانشین بیعت لیتا ہے۔ اور اس طرح وہ گدی قائم ہو جاتی ہے۔

حضرت صاحب کو لوگ اوائل میں کہتے ہیں کہ آپ بیعت لیں۔ فرمایا کہ مجھے بیعت لینے کا حکم نہیں۔ پھر حکم ہوا تو بیعت لی۔ دراصل حقیقی بیعت وہ ہے جس کے لینے کا حکم پروردگار عالم کی طرف سے ہو۔ اگر یہ دیکھنا ہو تو دیکھو "مکتوباتِ احمدیہ"۔ یہ تو شروع کے متعلق اصلاح ہے۔ اب آخر کے متعلق دیکھو۔ آخر کے متعلق بھی ایک اصلاح کی ہے۔ آپ کو جب اطلاع ملی کہ آپ کی موت قریب آ گئی تو فرمایا کہ میرے بعد میرے نام پر بیعت لی جایا کرے۔ تاکہ آپ کے بعد گدی نہ قائم ہو۔ محض اسی بات کے لئے میں اپنے نام پر بیعت نہیں لیتا بلکہ لوگوں کو احمد کی بیعت میں داخل کرتا اور احمد کے نام پر بیعت لیتا ہوں۔ ہم سب بھائی بھائی ہیں ہمارا سردار صرف ایک یعنی مسیح موعود ہے۔ مجھے بھی لوگ مرشد بنانے کے لئے تیار تھے۔ بہت لوگوں نے بار بار کہا کہ آپ احمدیوں سے بیعت لیں۔ اور بہتیرے بیعت کرنے کو تیار تھے۔ میں اگر نفس کی خواہش کی پیروی کرتا تو کیا مجھے مرشد کہلانا پسند نہ آتا تھا! کیا نذرانوں کا روپیہ جو بیٹھے بٹھائے پہنچ جاتا۔ میرے نفس کی خواہش اسے حاصل کرنے کی نہ ہوتی! مگر میں نے عزت اور مال کو، جس کی ہر شخص کو ضرورت ہے، محض اصول کی خاطر ترک کیا۔ میں مر جاؤں یا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں۔ مگر اس اصول کو نہیں چھوڑوں گا۔ کیونکہ میں اسے حق یقین کرتا ہوں۔ مجھے حضرت صاحب کی وصیت کے مطابق تم میں سے چالیس نے منتخب کیا ہے۔ مرزا صاحب نے جو اصول قائم کیا ہے۔ میں اس اصول پر قائم ہوں تم میرے بھائی ہو۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اگر اپنے نام پر بیعت لی تو اُس وقت اور اِس وقت میں بڑا فرق ہے۔ ان پر سب کا اتفاق تھا۔ اب کسی ایک شخص پر سب کا اتفاق نہیں۔ بلکہ چار خلیفے ہیں۔ ان کے اپنے اپنے نام پر بیعت لینے سے جگہ جگہ گدیاں قائم ہوں گی۔ ایک گدی تو بنائی گئی۔ اب اگر دوسرے بھی وہی غلطی کریں، تو تین اور گدیاں بن جائیں گی۔ اور جماعت میں تفرقہ پیدا ہو گا۔ حالانکہ ہمیں مل کر کام کرنے کی ہدایت ہے۔ مگر احمد کے نام پر بیعت لینے والے چار نہیں چار ہزار ہوں، تو تفرقہ نہ پیدا ہو گا۔ میرا اعتقاد یہ آج سے نہیں، جون 1906ء کے اردو اور انگریزی ریویو کو کھول کر دیکھ لو۔ سلسلہ کے متعلق جہاں مضمون لکھا ہے، وہاں یہ ہے کہ جس پر چالیس آدمی اتفاق کریں گے سلسلہ کے بعد وہ دوسروں سے اس کے نام پر بیعت لینے کے مجاز

ہوں گے۔

پھر ہم سے سوال ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے دوبارہ ہم سے بیعت کیوں لی۔ دوبارہ بیعت کسی شخص کے اعتقاد کی غلطی کا ثبوت نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دوبارہ بیعت لی۔ وہ کیوں لی؟ حالانکہ جس بات پر بیعت لی تھی، اس عہد پر سب صحابہؓ پہلے سے قائم تھے۔ بلکہ عملاً اس پر قائم ہونے کا ثبوت دے چکے تھے۔ اگر وہ دوبارہ بیعت کے لئے قابل الزام ہیں تو ہمیں بھی دے دو۔ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وحی پاتے تھے۔ مگر یہ ہم نہیں جانتے کہ حضرت مولوی صاحب نے کیوں دوبارہ تین شخصوں سے بیعت لی۔ اس کا علم خود انہیں کو ہوگا۔ اگر کسی کو انہوں نے کہا ہو کہ میں ان کے عقائد کی وجہ سے دوبارہ بیعت لیتا ہوں، تو وہ حلفیہ شہادت دے۔ ہم نے کیوں کی؟ اس لئے کہ اطاعت فی المعروف کا ہم ان سے پہلے ہی عہد کر چکے تھے۔ ہاں جہاں محمد علی اور خواجہ صاحب سے دوبارہ بیعت لی، شیخ یعقوب علی سے بھی ساتھ ہی دوبارہ بیعت لی۔ حالانکہ ان کے عقیدہ کی رو سے انجمن خلیفہ کے ماتحت تھی۔ اور ہمارے عقیدے کی رو سے انجمن ہی اصل جانشین حضرت مسیح موعود کی تھی۔ پس قیاس تو صرف اس قدر ہوسکتا ہے کہ اس وقت اس بحث کو روکنے کے لئے دوبارہ بیعت لی۔ ہم دونوں کو ایک گروہ کا لیڈر سمجھا۔ اور شیخ یعقوب علی کو دوسرے گروہ کا نمائندہ سمجھا۔ اس لئے بیعت لی۔ مگر اس سے تو ثابت کچھ نہیں ہوتا۔ دیکھو! جب لوگوں نے سوالات شروع کئے تو خطبہ عید میں کہا کہ مرزا صاحب نے چودہ آدمیوں کو اپنے بعد مجموعی طور پر خلیفۃ المسیح قرار دیا ہے۔ جنہوں نے مجھے منتخب کرلیا۔ اور اس طرح مجھے خدا نے خلیفہ بنایا۔ خدا کے خلیفہ بنانے کے انہوں نے یہی معنی کئے کہ ساری جماعت کا اجتماع ان پر تھا۔ چودہ آدمی بحیثیت مجموعی خلیفہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجمن خلیفۃ المسیح تھی۔ حضرت مولوی صاحب کا عقیدہ ہمارے عقیدہ کے عین مطابق تھا۔ اور شیخ یعقوب علی گروہ ثانی کے لیڈر کے عقیدہ کے بالکل مخالف!

میاں صاحب کے اور ہمارے تعلقات

اگرچہ حضرت صاحب کی دعائیں میاں صاحب کے حق میں ہیں۔ مگر دوسری طرف حضرت صاحب کی تعلیم ہے۔ کیا حضرت صاحب کی تعلیم کو مانیں؟ یا اس وجہ سے اسے چھوڑ دیں کہ ان کے برخلاف وہ تعلیم دینے والا

ہے جس کے حق میں مرزا صاحب نے دعائیں کی ہیں۔ دعائیں اگرچہ کی ہیں۔ مگر کبھی نہیں کہا کہ وہ کبھی غلطی نہیں کریں گے۔ کیا ایک انسان یا نبی صرف دعا سے دوسرے انسان کو ایسا معصوم بنا سکتا ہے کہ وہ کبھی غلطی نہ کرے۔ کیا پیر پرستی اسی کا نام نہیں۔ دعائیں تو اور لوگوں کے لئے بھی کی ہیں۔ مگر اس سے بڑھ کر وہ تربیت روحانی ہے جو آپ نے عملاً صحبت سے فیض یافتہ لوگوں کی کی ہے۔ ایک طرف صرف دعا۔ دوسری طرف دعائیں بھی اور تربیت بھی۔ اب بتلاؤ کس کے لئے زیادہ کوشش صرف کی۔ جس کے لئے زیادہ کوشش کی اور جسے خود تربیت دی، اس کو فاسق اور منافق قرار دیتے ہو، اور جس کے لئے صرف دعا کی، اسے معصوم عن الخطا مانتے ہو۔ پھر دیکھو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسنؓ وحسینؓ کے لئے بھی دعائیں کی ہوں گی۔ بلکہ انہیں اپنی چادر کے اندر لے کر ان کے لئے دعائیں کیں۔ مگر باوجود ان دعاؤں کے حضرت امام حسنؓ نے حاصل شدہ خلافت کو معاویہ کے حق میں ترک کیا۔ صرف دعاؤں کے کرنے سے خلیفہ بن جانا لازم نہیں آتا۔ ہمیں جو محبت میاں صاحب سے ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہم ہمیشہ میاں صاحب کی عزت کریں۔ اور دوسروں کو بھی کہیں کہ میاں صاحب کی جائز عزت کریں۔ مگر جانتے ہو۔ میاں صاحب ایک لفظ بولتے ہیں۔ منافق۔ یہ بڑا خطرناک امر ہے۔ تم ان کی ان باتوں سے اعلانیہ بیزاری کا اظہار کرو۔ فاسق اور منافق بنانا بڑی جرأت کا کام ہے۔ ہمارے اعمال میں اور عقائد میں فرق نہیں آیا۔ رات کو سوتے ہوئے مسلمان مومن تھے۔ دن کو اٹھے تو فاسق! دیکھو عمل وہی۔ ایمان وہی۔ اعتقاد وہی۔ کوئی فرق بتاؤ۔ اور پھر فتویٰ لگاؤ۔

پھر اُصَیْحَابِیْ والی حدیث (دیکھئے مضمون درعنوان ''کیا ہم منافق ہیں۔'' بہ تاریخ 27 دسمبر 1914ء۔ مرتب) کو ہمارے فسق اور منافقت کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس سے تو شیعوں کی تائید ہوتی ہے۔ محدثین نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ دیہاتی لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے صحبت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ یہاں بھی اسی گروہ کے متعلق لگالو، جس نے حضرت مسیح موعود کا فیض صحبت حاصل نہیں کیا۔

یہاں دو باتیں اور ہیں جو میری ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔ مجھ پر خائن کا الزام دیتے ہیں۔ ایک جواب تو رات خواجہ صاحب نے دیا کہ اگر مسیح موعود نے خائنوں کی جماعت تیار کی تو کیا بڑا کام کیا! اور کیا خوب تھی آپ کی فراست جو آخر عمر تک نہ پہچان سکے کہ جن کے اوپر وہ پورا اعتبار کرتے تھے، وہ خائن تھے۔ خائن ہمیشہ

خود غرض ہوتا ہے۔ جب میں قادیان سے واپس آیا تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا۔ دیکھو! جب دو مہینے تنخواہ نہ ملے گی آپ ہی درست ہو جائے گا۔ جب حضرت مولوی (نورالدین) صاحب فوت ہوئے تو بہت لوگوں نے کہا ہماری بیعت لے لو۔ اگر میں خود غرض خائن ہوتا تو اس وقت اگر بیعت لینی شروع کر دیتا تو آج بہتیری جماعت میرے ساتھ ہوتی۔ مگر نہیں۔ میں نے جس اصول کو ہی غلط سمجھا اسے کیوں کرتا۔ اگر میں خائن ہوتا تو اپنے لئے روپیہ حاصل کرنے کی فکر میں ہوتا۔ مگر بتاؤ کہ میں نے تم سے کوئی برائی کی ہو۔

تقریباً 70 یا اس سے زیادہ ملازم قادیان میں 1900ء سے 1910ء تک تقریباً دس بارہ سال میرے ماتحت رہے۔ ایک تو کہہ دے کہ مجھے ان کی نسبت بے ایمانی کرنے کا علم ہے۔ جو لوگ بالخصوص میرے تعلق سے روپے کے خرچ کے ذمہ دار تھے۔ جیسے محاسب کے دفتر والے، عمارت والے، میگزین والے۔ وہ اب سب میاں صاحب کی بیعت میں ہیں۔ ایک بھی ان میں سے حلف اٹھائے کہ فلاں معاملہ میں محمد علی پر خیانت کا شبہ تھا۔ میں نے روپیہ سے بالکل تعلق نہ رکھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ مال کی محبت ہی جہنم ہے۔ پھر مجھ پر الزام ہے کہ میں نے مرکز کو چھوڑا۔ ایک طرف کہا جاتا ہے کہ ہم نے ان کو الہام کے ماتحت نکالا تھا۔ یزیدی لوگ قادیان سے نکالے جائیں گے۔ مگر غور تو کرو یزید کون تھا۔ جو بغیر مشورہ کے خلیفہ بنا۔ اور پھر اس شخص کی جان لینے کے در پے تھا۔ جس نے اس کی بیعت نہیں کی۔ حضرت صاحب نے خود اس کے معنی کر کے دکھا دیا۔ جہاں کہا کہ قادیان کے لوگ یزیدی طبع ہیں۔ پر اب بتاؤ کہ کیا میرے چلے آنے کے بعد اب تو کوئی یزیدی طبع قادیان میں نہیں رہا۔

پھر ترجمہ قرآن کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ اتقاء کے خلاف ہے۔ حالانکہ انجمن نے اپنا معاہدہ توڑا۔ اگر اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (34:17) درست ہے، تو دنیا کی عدالت میں بھی اس عہد شکنی کا جواب دہ انجمن کو ہونا پڑے گا اور خدا کے حضور بھی۔ اگر دنیا کی عدالت میں بھی اس کے متعلق فیصلہ ڈھونڈو گے تو میرے ہی حق میں ہو گا۔ اور خدا تو نیتوں کو خوب جانتا ہے۔

ہاں! ایک اور بات ان کے لئے، جو میرے ساتھ متفق الرائے ہیں، اسلام میں گدیوں نے بڑی تباہی پھیلائی ہے۔ انسانوں کو چار پایوں کی طرح بنا دیا۔ گویا ان کو دماغ ہی نہیں دیا گیا۔ تم میں سے ہر ایک کا فرض ہے

کہ وہ اسلام سے اس خوفناک شرک کی بیخ کنی کے لئے کمر باندھ لے۔تم دوسروں کو اس سوال کا موقع کیوں دیتے ہو کہ وہ تم سے سوال کرے کہ تم نے بیعت کیوں نہیں کی۔تم ان سے پہلے پوچھو کہ انہوں نے بیعت کیوں کی۔ اگرچہ ابتدا جس وقت گدیوں کی ہوتی ہے لوگ نیک ہوتے ہیں۔مگر بعد میں صورت اور ہو جاتی ہے۔

پھر بعض کہتے ہیں کہ ہمارے لئے کوئی دعا کرنے والا چاہئے۔حالانکہ یہ خود شرک ہے کہ کسی کی دعا پر بھروسہ کیا جائے۔اگر تم مومن ہو تو اس بات کی پروا ہی نہ کرو۔اگر تمہیں میرے ساتھ ہمدردی ہے اور مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے تو کیا اس اخوت کے تعلق کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کے لئے دعا نہیں کر سکتے! سو میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔تم میرے لئے دعا کرو۔حضرت مسیحؑ نے اپنے لئے دعا کرنے کو اپنے حواریوں کو کہا تھا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عمرؓ سے دعا کے لئے کہا۔

دیکھو! ہمیں منافق نہ کہو کہیں خود منافق نہ ہو جانا۔میاں صاحب سب عقیدوں کے مختلف ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔مگر وہ کہتے ہیں میرے نہ ماننے والوں کو فاسق ضرور مانو۔پھر اگر بیعت کر کے تم ان کی بیعت نہ کرنے والوں کو فاسق نہیں سمجھتے۔تو تم کس بات کی بیعت کرتے ہو! دعویٰ تو تم مانتے نہیں۔بیعت کس بات کی تم نے کی ہے۔اگر ان کو اس دعویٰ میں غلط سمجھتے ہو۔کیونکہ وہ معمولی مرشد کی حیثیت میں بیعت نہیں لیتے بلکہ اپنی ایسی خلافت منوا کر بیعت لیتے ہیں۔جس کی بیعت نہ کرنے والا فاسق ہے۔اور اس طرح ایک غیر مامور کا مرتبہ مجددوں سے اور خود حضرت صاحب سے بھی بڑھا رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہو کر وعظ فرماتے ہیں کہ تم میں مال بہت آ گیا ہے عورتوں کے زیادہ مہر مقرر کرنے لگ گئے ہو۔ایک عورت دور سے بول اٹھتی ہے یا یَاابْنَ الْخَطَّابِ اَللّٰہُ یُعْطِیْنَا وَاَنْتَ تَمْنَعُ. اے خطاب کے بیٹے! خدا تو کہتا ہے سونے کے ڈھیر بھی دے دو اور تو منع کرتا ہے۔حضرت عمرؓ کیا کہتے ہیں۔نِسَآءُ الْمَدِیْنَۃِ اَفْقَہُ مِنْ عُمَرَ یعنی مدینہ کی عورتیں عمرؓ سے زیادہ سمجھدار ہیں۔بڑی مشکل پڑی، اپنی غلطی تسلیم کرنے کا یہ نمونہ دکھاؤ۔ظاہر اور باطن ایک کر لو اگر مرد ہو۔جو کچھ دل میں ہو وہ صاف ظاہر کر دو ''قادیان'' کی پرستش نہ کرو۔

حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کی وفات پر کیا فرمایا تھا۔ اپنے مشہور خطبہ میں فرمایا مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَایَمُوْتُ (بخاری۔ باب مرض النبیؐ) یعنی جو شخص تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا۔تو وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے۔ وہ کبھی نہیں مرے گا۔

یہ دکھا دو کہ مرزا صاحب نے یہ کہیں کہا ہو کہ قادیان منوانے اور اس کی پرستش کرانے میں آیا ہوں۔ وہ تو دین کو دنیا پر مقدم کرنے آیا۔ تمہارے سلسلہ کی غرض اشاعت اسلام ہے۔ تمہارا امام یا امیر اشاعت اسلام کرنے والا ہو۔ جب تمہارے نزدیک ایک شخص کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ تو وہ شخص تمہارا امیر نہیں ہو سکتا، جس کے نزدیک کلمہ طیبہ پڑھنے سے ایک کافر مسلمان نہیں ہوسکتا۔ پس میں صاف کہوں گا کہ میاں صاحب اشاعت اسلام میں تمہارے امیر نہیں ہو سکتے۔ وہ تو آگے ہی مسلمانوں کو کم کرنے کی فکر میں ہیں۔ بے شک میری جگہ اور کو امیر بنا لو۔ لیکن ایسے شخص کو جو اشاعتِ اسلام کے صحیح مفہوم کو سمجھتا ہو۔ اور اپنے عقائد کو کھول کر بیان کرنے کی جرأت رکھتا ہو۔

19 جنوری 1915ء

ادا ریہ

مسئلہ نبوت پر مناظرہ کا چیلنج

مرزا محمود احمد صاحب کی طرف سے مسئلہ نبوت پر مناظرہ کا چیلنج

14 جنوری 1915ء کے الفضل میں ایک اشتہار بعنوان ''پیغام والوں کا چیلنج منظور'' شائع ہوا ہے۔ جس میں اخبار زمیندار کے کسی نوٹ کو حضرت خواجہ صاحب کی طرف سے بطور چیلنج تصور کر کے انہیں اور حضرت مولٰینا مولوی محمد علی اَیَّدَہٗ اللّٰہ تعَالٰی بِنَصْرِہٖ کو مناظرہ کی دعوت دی گئی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ہر دو مخدومانِ ملت جناب حضرت صاحبزادہ صاحب کے کسی مقرر کردہ مناظر کے ساتھ قادیان یا لاہور میں حضرت مسیح موعود کے مقام کے متعلق مناظرہ کرلیں۔ ہم پیشتر اس کے، کہ الفضل کی اس دعوت کا جواب دیں، یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب ممدوح یا کسی اور بزرگ قوم نے کہیں بھی کسی تحریر یا تقریر میں صاحبزادہ صاحب یا آپ کے کسی مرید کو کبھی کوئی چیلنج مناظرہ کا نہیں دیا۔ اور نہ ہی زمیندار کا محولہ بالا مضمون جناب خواجہ صاحب کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ ہاں حضرت ممدوح نے گزشتہ سالانہ جلسہ میں اس موضوع پر جو تقریر فرمائی۔ اور جو اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب کے نام سے بصورت کتاب شائع ہو کر صاحبزادہ صاحب کے مریدین میں بکثرت مفت تقسیم ہو چکی ہے۔ اس میں جگہ جگہ صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں اپنے عقائد شائع کرنے اور بصورت اتفاق عقائد ان کے غالی مریدین کو جماعت سے خارج کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔ جیسا کہ ذیل کے فقرات سے واضح ہوتا ہے۔

> ''اب میں جناب میاں صاحب کی خدمت میں ایک عرض کرتا ہوں وہ خدارا اس الحاد کا سدّ باب کریں۔ وہ اسی مسئلہ کے متعلق اپنا صحیح عقیدہ لکھیں۔ میں نہ ان سے بحث کا طالب ہوں۔ نہ لمبی چوڑی کسی تقریر کا خواہاں۔ وہ صرف دو سطروں میں اپنے عقیدہ کا اعلان کریں کہ کیا وہ حضرت مسیح موعود کو مستقل حقیقی اور کامل نبی مانتے ہیں۔ کیا وہ حضرت مرزا

صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پلہ اور برابر مانتے ہیں۔ یا آپ کو خاتم النبیین کا ایک غلام اور خادم اور محض اسی کی غلامی اور اسی کی اطاعت کے باعث ظلی نبی اور مجدد۔ خدارا وہ خود اپنے دستخط سے اس عقیدہ کا اعلان کریں۔ اگر ان کا عقیدہ وہ ہے جو میرا عقیدہ ہے۔ جس کو میں نے شروع میں لکھ دیا ہے۔ تو پھر ان لوگوں کو اپنی بیعت سے خارج کریں جو ایسے عقائد فاسدہ رکھتے اور پھیلاتے ہیں''

یہ تو ہیں خواجہ صاحب کے وہ فقرات جس میں انہوں نے جناب صاحبزادہ صاحب کو نہایت زور کے ساتھ ایک امر فیصل کی طرف بلایا ہے، نہ کہ مناظرہ کی دعوت دی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ'' میں نہ ان سے بحث کا طالب ہوں۔ نہ لمبی چوڑی کسی تقریر کا خواہاں۔'' لیکن ہمیں حیرانی ہے کہ کیوں خواہ مخواہ اس سے گریز کر کے الٹا یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ انہوں نے مناظرہ کی دعوت دی ہے۔ کیا صاحبزادہ صاحب کو اپنے عقائد کی اشاعت کے لئے کہنا اور غلو کرنے والوں کو اپنی بیعت سے خارج کرنے کی درخواست کرنا چیلنج ہے؟ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا!

لیکن بہر حال چونکہ اب الفضل نے فیصلہ کے لئے خود ایک راہ تجویز کی ہے۔ اور وہ بھی اس کے قول کے بموجب صاحبزادہ کے منشاء کے ماتحت۔ اس لئے نہایت خوشی کے ساتھ اس کی اس دعوت مناظرہ کو منظور کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ تصریح کر دینی ضروری ہے کہ مناظرہ صرف صاحبزادہ صاحب اور حضرت مولوی محمد علی اَیَّدَہٗ اللّٰہ تَعَالیٰ بِنَصْرِہٖ کے درمیان ہونا چاہئیے۔ کیونکہ وہی دونوں اپنے اپنے فریق کی نیابت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سے پیشتر یہ نہایت ضروری ہوگا کہ فریقین اپنے اپنے عقائد شائع کر دیں۔ تا کہ امور متنازعہ فیہ کی تصریح ہو سکے۔ کسی دوسرے مناظر کے اس میں مقرر کرنے کی کوئی شرط تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ ایک اور صورت جو اس سے بھی زیادہ سہل اور آسان تر ہے، یہ ہو سکتی ہے کہ فریقین یعنی جناب صاحبزادہ صاحب اور حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ اپنے اپنے عقائد بمعہ دلائل مفصل تحریر فرما دیں۔ جنہیں ایک ہی رسالہ میں شائع کر دیا جائے۔ اور ان رسالوں کو فریقین اپنے اپنے حلقوں میں تقسیم فرما دیں۔ اور ہر ایک احمدی تک ان کو اپنے اپنے حلقہ اثر میں پہنچانے کی پوری کوشش سے دونوں فریق کام لیں۔ تا کہ کُل جماعت دونوں طرف کے دلائل کو

دیکھ کر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکنے کے قابل ہو۔ہمیں جواب تک شکایت ہے وہ یہی ہے کہ ہماری بات سننے سے مریدین کو روکا جاتا ہے۔حالانکہ حق یہ تھا کہ شروع سے ہی کم از کم دونوں فریق کی بات تو جماعت سن لیتی۔اب بھی ہم دل سے چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ کُل جماعت فریقین کے خیالات سے آگاہ ہو جائے۔پھر اس کا اختیار ہے جو چاہے نتیجہ نکالے۔

دونوں متذکرہ بالا صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے منظور کر لینے پر دیگر شرائط متعلقہ کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔

ایڈیٹر پیغام صلح

19 جنوری 1915ء

زلزلہ کی صورت میں توحید الٰہی کی غیرت

(از حضرت امیر مولینا محمد علی اَیَّدَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بِنَصْرِہٖ)

☆قَالَ اللّٰہ تَعالٰی: تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ ھَدًّا. اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا. (19:90-91)

ترجمہ: قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں کہ وہ رحمٰن کے لئے بیٹے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

☆وَقَالَ اللّٰہ تَعالٰی: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُمَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (4:48)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک بنایا جائے اور جو اس کے علاوہ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

شاید ایک سال کا عرصہ گزرا ہو گا کہ مسیحی مشنری رسالہ ''مسلم ورلڈ'' میں ایک پادری صاحب کا مضمون نکلا تھا۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ اسلام کی سلطنتوں کا دنیا سے مٹتے جانا۔ اسلام کے جھوٹا ہونے پر ایک دلیل ہے۔ اور چونکہ اسلام کا غلبہ محض تلوار اور ملکی زور کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس لئے اب مسلمانوں کے ہاتھ سے تلوار کے نکل جانے سے اسلام بھی دنیا سے (خاکش بدہن) نیست و نابود ہو جائے گا۔ اگر ان ظالموں کو یہ معلوم ہوتا کہ اسلام کا مقصد دنیا میں کیا ہے؟ تو ایسے الفاظ کبھی منہ پر نہ لاتے۔ کیا اسلام کو مٹا کر وہ توحید الٰہی کو دنیا سے مٹا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کا اصل مقصد تو دنیا میں صرف توحید الٰہی کو قائم کرنا اور ہر ایک قسم کے شرک کی بیخ کنی کرنا ہے۔ ہاں! دنیا میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز چاروں کونوں میں بلند کرنا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا یہی مشن تھا۔ اس لئے سارے قرآن کریم میں شروع سے آخر تک اس مضمون پر اس قدر زور دیا اسی لئے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ

یُّشْرَکَ بِہٖ (84:4) میں شرک کے ساتھ کامل بیزاری اور نفرت کا اظہار فرمایا۔ اسی لئے ایک مشرکانہ عقیدہ پر غضب الٰہی کے بھڑک اٹھنے کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ ھَدًّا. اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (90-91:) اور اسی لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشن کی اصل غرض وغایت کو محض اس کی اہمیت کی وجہ سے ان الفاظ میں محدود فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ تَھْلِکَ ھٰذِہٖ الْعَصَابَۃُ مِنْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ اَلْیَوْمَ فَلَا تُعْبَدُ فِیْ الْاَرْضِ اَبَدًا. قرآن تو سارا شروع سے آخر تک توحید الٰہی سے بھرا ہوا ہے۔ مگر وہ، جس کی شان میں خُلُقُہُ الْقُرْآنُ آیا ہے، اس کی زندگی کا مطالعہ کرو، تو وہاں بھی یہی ایک ہی مقصد ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے نظر آتا ہے۔

شاید اس سے بڑھ کر خطرناک موقع اسلام کے نیست و نابود ہونے کا نہ پہلے کبھی آیا تھا۔ اور نہ قیامت تک پھر کبھی آئے گا۔ جب ایک مٹھی بھر جماعت کو نیست و نابود کرنے کے لئے اور ان کا نام دنیا سے مٹانے کے لئے مکہ والوں کے کُل کے کُل جنگی جوان ہر طرح کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر مدینہ پر چڑھ آئے۔ مسلمانوں کی کمزوری صرف یہی نہ تھی کہ وہ سارے کے سارے بوڑھے اور نوجوان لڑکے شامل کر کے کفار کے عدد کی ایک تہائی کو بھی نہ پہنچتے تھے۔ بلکہ اس تعداد میں بھی بہت سے کمزور بوڑھے اور بہت سے وہ نوجوان لڑکے تھے، جنہوں نے ابھی تک میدان جنگ کو نہ دیکھا تھا۔ آج کسی سلطنت کی انتہائی کمزوری کا وقت وہ سمجھا جاتا ہے، جب سولہ سترہ سال کے لڑکے جن کو جنگی تعلیم دی جا چکی ہوتی ہے۔ حاضر ہونے کے لئے بلائے جائیں۔ مگر ان تین سو میں تیرہ تیرہ سال کے بھی لڑکے تھے۔ پھر ہتھیاروں کے استعمال کرنے والوں کا یہ حال، تو ہتھیاروں کا حال اس سے بھی بدتر۔

آہ! وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے پندرہ سال تک دنوں کو ہر طرح کے دکھ اور مصائب اٹھا کر راتوں کو رو رو کر یہ تین سو بوڑھوں، جوانوں اور لڑکوں کی جماعت تیار کی تھی، اب اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی تباہی کا کیسا نقشہ پھر رہا ہے کہ تھوڑے وقت کے لئے اس تاریک نقشہ نے ان عظیم الشان کامیابی کے وعدوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی غنائے ذاتی کی صفت کے نیچے چھپا دیا۔ اور آپ ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں اس اپنی بیکسی اور بے سروسامانی اور دشمن کی طاقت اور قوت کو دیکھتے ہوئے خدا کے آگے ہاتھ اٹھائے ہوئے رو رہے

ہیں۔ اور گڑ گڑا کر دعائیں کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کی بھی خبر نہیں رہی۔ اور آپ کی چادر کندھوں سے گر گئی ہے۔ اور اگر مٹھی بھر مسلمان میدان جنگ میں طاقتور دشمن کے سامنے ساری بے سروسامانی کے ساتھ سینہ سپر ہوتے ہوئے اِسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ (153:2) کا نقشہ دکھا رہے ہیں تو ان کا رہنما اِسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّلٰوۃِ کا وہ کامل نقشہ پیش کر رہا ہے۔ جب انسان کی عاجزی حد سے گزر جاتی ہے۔ مگر اس بیخودی کی حالت میں جب عاجزی نے ساری دنیا کو آپ کی نظر سے پرے ہٹا دیا ہے۔ وہ کون سا خیال ہے جو اس وقت دل پر غالب ہے۔ ہاں! آپ کو کس بات کا فکر ہے۔ کیا یہ فکر ہے کہ میں مارا جاؤں گا۔ کیا یہ فکر ہے کہ میرے دوست تباہ ہو جائیں گے۔ کیا یہ ڈر ہے کہ ہمارے بال بچوں کا کیا حال ہوگا۔ کیا کسی سلطنت کے چلے جانے کا خوف ہے؟ کیا مال ومتاع کا لٹ جانا دنیا کو اس کی آنکھوں میں اندھیرا کر رہا ہے؟ آج اس دعا کی اس پریشانی اور گھبراہٹ کی اس پر خطر وقت کی پوری تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے صرف ایک ہی فقرہ سے ہے اور وہ فقرہ کیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنۡ تَھۡلِکۡ ھٰذِہِ الۡعَصَابَۃُ مِنۡ اَھۡلِ الۡاِیۡمَانِ الۡیَوۡمَ فَلَا تُعۡبَدُ فِیۡ الۡاَرۡضِ اَبَدًا. اے خدا اس چھوٹی سی بے سروسامان جماعت کی ہلاکت کے سامان تو سب جمع ہو گئے۔ لیکن اس کے ہلاک ہو جانے کا اگر مجھے کوئی فکر ہے تو یہ ہے، اگر کوئی غم میری جان کو کھا رہا ہے تو وہ یہی ہے کہ پھر تیری توحید کا نام لیوا دنیا میں کون ہوگا۔ ہاں! اس زمین کے اوپر اس آسمان کے نیچے پھر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ یہ تھی وہ آپ کے دل کی تڑپ، جو اس بیخودی کی حالت میں، جو انسان کے انتہائی درجہ کی عاجزی کے وقت اس کی کل خواہشات کو مغلوب کر دیتی ہے، اپنے آپ کو اصل رنگ میں ظاہر کرتی ہے۔

یہ تھا آپ کا اصل مقصد اور یہ تھا آپ کا فکر کہ آپ زمین پر خدائے واحد کی پرستش کو قائم کرنا چاہتے تھے۔ اگر آپ کو اپنے ساتھ کسی کے ہونے کی خوشی تھی تو اسی لئے کہ وہ لوگ خدائے واحد کی پرستش کو دنیا میں قائم کرنے والے ہوں گے۔ سو اگر آج کسی انسان کی پرستش کے قائم کرنے کے شوقین کو اسلام کی ظاہری قوت وشوکت کے کم ہو جانے میں اسلام کے نیست ونابود ہو جانے کا نشان مل رہا ہے تو میں بھی وہی کہوں گا جو میرے آقا نے اس انتہائی بیکسی کے وقت کہا تھا۔ اَللّٰھُمَّ اِنۡ تَھۡلِکۡ ھٰذِہِ الۡعَصَابَۃُ مِنۡ اَھۡلِ الۡاِیۡمَانِ الۡیَوۡمَ فَلَا تُعۡبَدُ فِیۡ الۡاَرۡضِ اَبَدًا. مسلمانوں کی عاجزی اور بیکسی کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہاں! انہوں نے اے خدا تیری بھی

نافرمانی کی۔ بڑے بڑے ظلم کئے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی بنیادوں کو کھوکھلا کیا۔ تیرے حضور بڑی بڑی سرکشیاں کیں۔ مگر جب تو نے محمد رسول اللہ کو دنیا میں پیدا کر کے زمین پر اپنی توحید کو غالب کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ تو اس گئی گزری حالت میں بھی تو اس جماعت کو ہلاکت سے بچا۔ ہاں! چونکہ تو نے اپنی توحید کو قائم رکھنا ہے اس لئے اپنی توحید کے نام لیواؤں کو بھی ضرور قائم رکھے گا۔ سو کوئی توحید کے مٹانے کا خواہشمند، کوئی بتوں کی پرستش، کوئی انسانوں کی عبادت کو قائم کرنے کا شائق یہ خیال کبھی دل میں نہ لائے کہ اسلام دنیا سے نیست و نابود ہو جائے گا۔ نہیں۔ توحید الٰہی دنیا میں غالب ہو کر رہے گی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن کامیاب ہوا اور کامیاب ہوگا۔ دنیا میں بڑے بڑے انقلاب اور تغیر آتے ہیں۔ انسانوں کو چھوڑ کر حیوانوں تک کی ایک نسل کا نام ونشان مٹ کر دوسری نسل اس کی جگہ قائم ہو جاتی ہے۔ مگر ان سارے تغیرات اور انقلابات کے اندر اللہ تعالیٰ کی توحید کا نشان نہیں مٹتا۔ ہاں جہاں اُوْلِی الْاَلْبَابِ اور قَوْمٌ یَعْقِلُوْنَ اور قَوْمٌ یَتَفَکَّرُوْنَ کے لئے یہ نشانات زمین و آسمان میں بھرے پڑے ہیں۔ اور غور و فکر اور تدبر سے وہ نظر آتے ہیں۔ ظاہر بین آنکھوں کے لئے بھی کچھ نشان اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً دکھاتا رہتا ہے۔

آج ہماری آنکھوں کے سامنے دس سال کے عرصہ کے اندر اندر دو ایسے عظیم الشان نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کو قائم رکھنے اور شرک اور بت پرستی کے آثار مٹانے کا نشان قائم کیا ہے۔ زلزلے دنیا میں ہمیشہ سے آتے ہیں اور آتے رہیں گے۔ دنیا پر جو تباہی ان زلزلوں کے ذریعہ سے آتی ہے، اس کے لئے انسان کا دل اپنے بھائی انسان کی خاطر ہمدردی محسوس کرے گا۔ اور دوسرے کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھ کر بلا تفریق مذہب وقومیت اس کی مصیبت میں شریک ہوگا۔ بلکہ جوں جوں دنیا میں تعلیم اور روشنی زیادہ پھیلتی ہے۔ اور اس کے ساتھ سچی انسانی ہمدردی کے خیالات، جو قومیت کی تنگ کوٹھڑی میں محدود نہیں، نشوونما پاتے ہیں۔ یہ دائرہ زیادہ وسیع ہوتا چلا جائے گا۔ اگر کانگڑہ کے زلزلہ کی مصیبت یورپ کے دلوں کو ہلا دیتی ہے اور ان کی ہمدردی کو جوش میں لاتی ہے، تو اٹلی کے زلزلہ کی مصیبت ایشیا کے دلوں کو ہلائے گی۔ اور ان کو اپنے دور کے مصیبت زدہ بھائیوں کی ہمدردی کے لئے مجبور کرے گی۔ ان دونوں زلزلوں میں ایک خصوصیت ہے جس کی وجہ سے میں ان دونوں کا ذکر کرتا ہوں۔ کانگڑہ کے زلزلہ کو لوگ مدت سے بھول چکے ہوں گے۔ اٹلی کا یہ زلزلہ اپنی سختی میں اس زلزلہ

کے برابر نہیں، جس نے 1906ء میں قریباً ایک لاکھ انسان کو خاک میں سلا دیا تھا۔ اور دوسری طرف موجودہ جنگ یورپ کی وجہ سے جو تباہی نسل انسانی پر آ رہی ہے جہاں ایک ایک دن کے اندر ہزاروں چلتے پھرتے جوانوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ کر پہاڑ بن جاتے ہیں۔ اس تباہی کے سامنے اس زلزلہ کی تباہی ہیچ نظر آتی ہے۔ مگر اس جنگ اور اس زلزلہ میں بھی ایک قسم کا اشتراک معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جہاں ایک کی غرض انسان کے اس ناجائز دباؤ کو مٹانا ہے جو وہ اپنی طاقت کے ذریعہ سے دوسروں پر حاصل کر کے ان سب کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ جس کا نام دوسرے لفظوں میں Militarism رکھا جاتا ہے۔ اس زلزلہ میں بھی مجھے کم از کم ایک نشان نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو انسان کی پرستش کی غلامی سے آزاد کرنا چاہتا ہے۔

الغرض ان دونوں زلزلوں میں، جن میں سے ایک 1905ء میں آیا اور کانگڑہ کو تباہ کر گیا۔ اور دوسرا 1915ء میں آیا۔ اور روئیزانو اور بہت سے دیہات کو تباہ کر گیا، ایک امر مشترک ہے۔ کانگڑہ کے زلزلہ میں بھی ایک شرک کا نشان دنیا سے مٹایا گیا۔ اور اٹلی کے زلزلہ میں بھی ایک شرک کا نشان مٹایا گیا ہے۔ یعنی اول الذکر میں کانگڑہ کا، جو بت پرستی کا صدر مقام ہے عظیم الشان اور قدیم مندر مسمار ہوا۔ اور موخر الذکر میں سینٹ پال کا مجسمہ، جو بیس فٹ بلند تھا، اور اٹلی کے دارالخلافہ روما میں سینٹ سیٹرن کے گرجا کی چھت پر نصب ہوا تھا، گر کر چکنا چور اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اگر انسانوں کے افعال میں ہم کو کوئی نشان نظر آ سکتا ہے تو یقیناً خدا کے اس فعل میں ایک ظاہر بین آنکھ بھی دیکھ لے گی کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی غیرت جوش میں آئی ہے اور وہ بت پرستی اور شرک کے آثار کو مٹانا چاہتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا دنیا پر غالب آنے کا وقت آ رہا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ قرآن کریم میں بھی دو زلزلوں کا بالخصوص ذکر ہے۔ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (79:6-7) اور اگرچہ اپنے اصل مفہوم کے لحاظ سے یہ قیامت کی نشانی کسی اور رنگ میں بھی ہو۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات بھی درحقیقت قیامت کے آثار میں سے ہیں۔ اور دنیا میں وہ انقلاب بھی، جس کے ذریعہ سے توحید الٰہی کا دنیا پر غلبہ ہو اور ہر قسم کی بت پرستی اور شرک دنیا میں نابود ہو جائے، ایک قیامت کا حکم ہی رکھتا ہے۔

زلزلے آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔ مگر ایک توحید کے سکھانے والی کتاب اگر ان دو زلزلوں کا بالخصوص ذکر کرے، جن میں سے ایک شرک کے ان آثار کو مٹانے والا ہو، جو بت پرستی کے رنگ میں دنیا میں قائم

ہوئے۔ اور دوسرا شرک کے ان آثار کو نیست و نابود کرنے والا ہو، جو انسان پرستی کے رنگ میں قائم ہوئے۔ اور یہی دو قسمیں شرک کی ایسی ہیں جنہوں نے دنیا کو گمراہ کیا ہے تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ دو ہی زلزلوں کا ذکر بالخصوص حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی میں پایا جاتا ہے۔ یعنی جب پہلے زلزلہ کی خبر آپ کو ان الفاظ میں ملی عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّھَا وَمَقَامُھَا (8 جون 1904ء) اور اس زلزلہ نے اپنا رنگ دکھا کر اس پیشگوئی کو پورا کر دیا تو معاً الہام ہوا۔ پھر ''بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی'' (9 مئی 1905ء) یعنی پھر کبھی موسم بہار میں اسی نوعیت کا کوئی زلزلہ پھر آنے والا ہے۔

سو یہ عجیب بات ہے کہ آج پورے دس سال کے بعد شروع موسم بہار میں پھر ایک زلزلہ آتا ہے۔ اور جس طرح پہلے زلزلہ کا خاص رنگ یہ تھا کہ اس نے شرک کے ایک نشان کو دنیا سے مٹا دیا۔ نہ یہ کہ اس میں کثرت سے مخلوق ہلاک ہوئی۔ اسی طرح اس زلزلہ کا خاص رنگ یہ ہے کہ اس نے دوسرے قسم کے شرک یعنی انسان پرستی کے ایک عظیم الشان مجسمہ کو، اور یہ انسان تھا بھی، درحقیقت انسان پرستی کا مجسمہ مٹا دیا۔ کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کو خدا بنانا اس راستباز انسان کی تعلیم نہ تھی، جس کو ہم مسیحؑ کے نام سے پکارتے ہیں۔ بلکہ اس مشرکانہ تعلیم کی بنیاد رکھنے والا پولوس تھا۔ جیسا کہ خود عیسائیوں کا موحد گروہ ہمیشہ سے تسلیم کرتا چلا آیا ہے۔ اور جیسا کہ آج کثرت سے تعلیم یافتہ عیسائی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسیحی مذہب میں شرک کی تعلیم حضرت مسیحؑ نے نہیں دی۔ بلکہ اس کا ذمہ دار پولوس ہے۔ اور پولوس کا ہی مجسمہ، آج زلزلہ کے مرکز سے ستر میل کے فاصلہ پر شہر روما کے اندر، جہاں کوئی بڑی عمارت نہیں گری، گر کر چکنا چور ہو جاتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً وَّمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (26:8-9) اور مجسمہ بھی وہ مجسمہ جو پولوس کے غلو کا نشان اپنے اندر رکھتا تھا۔ کیونکہ یہ مجسمہ انسان کے قد کے مطابق ساڑھے پانچ یا چھ فٹ کا نہیں بنایا گیا بلکہ بیس فٹ کا تھا۔ تا کہ یہ اس بات کا نشان ہو کہ حضرت مسیحؑ کو اپنے اصل مرتبہ سے بڑھانے والا یہی انسان تھا۔

سواے توحید کی نام لیوا قوم! اٹھ اور توحید کے اصول کو دنیا میں پھیلا دے۔ کیونکہ اس وقت توحید الٰہی کی غیرت جوش میں ہے۔ اس نے اپنے خاص نشانوں سے، جن کو اس نے اس زمانہ کے ایک برگزیدہ انسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خادم اور جاں نثار کے ہاتھوں پر قبل از وقت ظاہر کیا، یہ دکھا دیا ہے کہ وہ توحید کو

ہی دنیا میں غالب کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ سوائے مسلمانو! اور مسلمانوں میں سے احمدیو! اٹھو اور تم بھی توحید کو دنیا میں پھیلانے کا اور دنیا سے شرک کو مٹانے کا عزم کرلو۔ اپنی طاقتوں اور قوتوں اور مالوں کو اس راہ میں لگا دو۔ کیونکہ اگر ایسا ارادہ کرلو گے تو تمہارا ارادہ خدا کے ارادے کے مطابق ہو گا۔ اور اس لئے فتح ونصرت کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے جائیں گے۔ اور توحید الٰہی میں ہو کر سب انسان بھائی بھائی بن جائیں گے۔ پھر قوم پر قوم کو چڑھنے کی ضرورت بھی باقی نہ رہے گی۔

یہی وہ پیغام صلح ہے جو اسلام کے نام میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا تھا اور یہی وہ پیغام صلح ہے جو آج خدا کے مسیح نے پھر تازہ کیا ہے۔ دیکھو میں تم کو صاف صاف بتاتا ہوں کہ اگر تم اپنے ارادوں کو اللہ تعالیٰ کے ارادوں کے ماتحت کر کے اشاعتِ توحید میں اپنا آپ نہ لگا دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں کبھی کامیابی کا منہ نہیں دکھائے گا۔ تم نے جو اپنے سامنے ایک فرضی نقشہ اپنی کامیابیوں کا کھینچ رکھا ہے اس کو مٹا دو۔ اور تم اس حقیقی نقشہ کے نشانوں سے فائدہ اٹھاؤ، جو الٰہی ارادہ نے تمہیں بتایا ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ تم طرح طرح کے خیالات کو چھوڑ دو کہ ہم یوں دنیا میں بڑے ہو سکتے ہیں۔ یا ہم بادشاہ بن کر دنیا میں اپنی عظمت قائم رکھ سکتے ہیں۔ تم میں اس وقت جو حال غرباء کا ہے وہی تمہارے بادشاہوں کا ہے۔ اس لئے کہ تم دونوں اپنے حقیقی مقصد سے دور پڑے ہوئے ہو۔ تم شوریدہ سری سے اپنے لئے کامیابی کی بعض راہیں تجویز کر رہے ہو۔ مگر میں تمہیں کھول کر کہتا ہوں کہ تمہاری کامیابی اور تمہاری زندگی کا دارومدار صرف اس بات پر ہے کہ تم توحید الٰہی کے حامل بن جاؤ۔ اگر تم دنیا کے روحانی حاکم بن جاؤ تو دنیا خود ہی تمہارے قدموں میں ہوگی۔ تم اپنے حقیقی مقصد کو مت بھولو۔

خدا کے فضلوں کو دیکھو کہ اگر ایک طرف شرک کے آثار اپنے فعل سے مٹا رہا ہے تو دوسری طرف اپنے فعل سے توحید کے آثار کی کس طرح حفاظت کرتا ہے۔ دنیا میں آج خالص توحید کا ایک عظیم الشان نشان ہے۔ اور وہ وہ نشان ہے جس کو تم بیت اللہ کہتے ہو۔ جو اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ (96:3) ہے۔ وہی توحید الٰہی کا سب سے پہلا معبد تھا۔ وہی آخر میں توحید الٰہی کا حقیقی معبد ثابت ہوگا۔ اس کو جب انسان گرانا چاہتے ہیں تو خود خدا اس کا حافظ بن جاتا ہے۔ اصحاب فیل کے واقعہ کو دیکھو اور خدا کی اس قدرت کو دیکھو کہ اس وقت جب پھر اس جنگ میں سلطنت ٹرکی کی شمولیت کی وجہ سے بعض دلوں سے آہیں اٹھی ہوں گی کہ اے خدا تو اپنے گھر کا خود حافظ ہو جا، تو

کس طرح پر اس نے ایک عیسائی سلطنت کے، جو گو ہماری ہی سلطنت ہے۔ مگر آخر کار عیسائی مذہب رکھتی ہے، اس گورنمنٹ کے دل میں یہ ڈال دیا کہ نہ صرف خود اس مقدس مقام کو وہ نہ چھوئے گی، بلکہ اگر کوئی دوسری سلطنت یا طاقت اس پر حملہ آور ہونے کا ارادہ بھی کرے تو یہ گورنمنٹ اس حملہ کو روکنے پر اپنی پوری طاقت خرچ کر دے گی۔ وہ بھی تو ایک عیسائی بادشاہ تھا جس نے ایک وقت خانہ کعبہ کو گرانے کا ارادہ کیا تھا۔ اور اس کا نتیجہ بھی دیکھ لیا تھا۔ تو کیا یہ خدا کا فعل نہیں کہ اس زمانہ میں اس توحید کے نشان کو قائم رکھنے اور اسے اپنے وعدے کے مطابق ہمیشہ غیروں کے ہاتھ سے محفوظ رکھنے کے لئے اس نے اپنی قدرت کا نشان یوں دکھایا کہ ایک عیسائی بادشاہ کے دل میں یہ ڈال دیا کہ نہ صرف وہ خود، باوجود سلطنت ٹرکی سے جنگ کے، خانہ کعبہ کا قصد نہیں کرے گا۔ بلکہ اس عالمگیر جنگ میں اگر کوئی دوسری سلطنت، خواہ وہ اس کی حلیف ہی ہو، اس طرف کا رخ کرے گی۔ تو وہ خانہ کعبہ کی حمایت کے لئے اس کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو جائے گا۔ بیت المقدس یا کسی دوسرے مقدس مقام کی حفاظت کے یہ سامان کہاں ہیں؟ اس وقت تو سب طرف اللہ تعالیٰ کے غضب کی تلوار کھینچی ہوئی ہے۔ اگر کچھ بربادی انسانوں کے ہاتھوں سے وہ کرا رہا ہے، تو اٹلی جیسی غیر جانبدار سلطنت میں اپنے ہاتھ سے بھی اس نے شرک کے ایک نشان کو مٹا دیا ہے۔ مگر توحید کے نشان کو قائم رکھنے کے لئے کیا کیا سامان اس نے پیدا کر دیئے ہیں۔ ؎

بنگر اے قوم نشانہائے خداوند قدیر چشم بکشائے کہ ہر چشم نشانے است کبیر

ہاں! مَنْ لَّا یَشْکُرُ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ. یعنی جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔ ہم اس گورنمنٹ کے بھی شکر گزار ہیں جس نے ہمارے مذہبی محسوسات کی اس قدر عزت کی ہے۔ اور یہ بھی خدا تعالیٰ کا ہی فضل ہے کہ ایسی گورنمنٹ کے صدر مقام میں اسلام کا تبلیغی جھنڈا نصب کیا گیا ہے۔ اور ایسی قوم کے لوگ سچے دل سے اسلام کے عاشق ہو کر توحید کے پیغام کو قبول کرتے جاتے ہیں۔

خاکسار

محمد علی

17 جنوری 1915ء

23مارچ1915ء

چند حل طلب معمے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

''حقیقت النبوۃ'' میں اور اس کے ساتھ ''چند غلط فہمیوں کا ازالہ'' میں میاں محمود احمد صاحب نے مجھ پر یہ الزام لگایا ہے کہ میں نے ''القول الفصل'' میں جو کچھ ان کا منشاء تھا، اس کے سمجھنے کے بغیر ہی جواب لکھ دیا ہے۔ اور میں نے اس کی کسی دلیل کی تردید نہیں کی۔ بلکہ اپنی ہی غلط فہمی کی تردید کی ہے۔ اور ان سے ایسے الہام کا مطالبہ کرنے میں، جس میں مسیح موعود کو نبی قرار دیا گیا ہو، میں نے غلطی کھائی ہے۔ القول الفصل میں صفحہ 24 سے 25 پر ذیل کے الفاظ میاں صاحب نے حضرت مسیح موعود کے متعلق لکھے ہیں:

☆'' بعد میں مجھے وحی الٰہی نے اپنا عقیدہ بدلنے پر مجبور کیا'' (یہاں بعد سے مراد تریاق القلوب کے بعد ہے۔ اور یہ لفظ حضرت صاحب کے نہیں بلکہ میاں صاحب نے آپ کی طرف منسوب کئے ہیں)

☆''تریاق القلوب کی تحریر تک میرا اور عقیدہ تھا۔ بعد میں متواتر وحی نے اس عقیدہ کو بدل دیا۔'' (یہ لفظ بھی میاں صاحب کے ہیں جو حضرت صاحب کی طرف منسوب کئے گئے ہیں)

☆''لیکن بعد میں جیسا کہ نقل کردہ عبارت کے فقرہ 2، 3 سے ثابت ہے۔ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ آپ ہر ایک شان میں مسیح سے افضل ہیں۔ اور کسی جزوی نبوت کے پانے والے نہیں بلکہ نبی ہیں۔''

☆''تریاق القلوب میں جو آپ نے اپنا عقیدۂ نبوت کے متعلق لکھا ہے۔ بعد کی وحی نے اس سے آپ کو بدلا دیا۔''

☆ ''اور آپ نے اسے اس وقت تک ترک کرنا پسند نہ فرمایا جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو بار بار وحی کے ذریعہ سے غلطی سے آگاہ نہ فرمایا۔'' (یہاں اس سے مراد مروجہ عقیدہ متعلقہ نبوت ہے)

اب یہ پانچ مقام ہیں جہاں تریاق القلوب کے بعد کی وحی کا ذکر ہے۔ جس نے پہلے عقیدہ کو بدلا دیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی عقلمند مجھے اس بات پر ملزم کر سکتا ہے کہ تم نے اس بعد کی وحی کا مطالبہ کیوں کیا۔

جب آپ بار بار اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ بعد کی وحی نے پہلے عقیدہ کو بدل دیا۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک بعد کی وحی میں کوئی ایسے امور ہیں جو پہلی وحی میں نہیں۔ وہی امور میں نے دریافت کئے تھے۔ اسی الہام کا مطالبہ کیا تھا۔ اب تریاق القلوب سے پہلے 1884ء سے لے کر 1900ء تک سولہ سال کی وحی ہے اور 1900ء میں میاں صاحب نے لکھا ہے کہ تبدیلی عقیدہ شروع ہوگئی تھی۔ اب دسمبر 1899ء میں تریاق القلوب ختم نہ ہوئی تھی۔ 1900ء میں تبدیلی عقیدہ شروع ہو جاتی ہے اور 5 نومبر 1901ء کو اشتہار ایک غلطی کا ازالہ شائع ہوا۔ جس میں آپ کے نزدیک تبدیل شدہ عقیدہ کا اعلان ہے۔ تو اب بھی معلوم ہوا کہ 1901ء میں وہ وحی ہوئی۔ جس نے آپ کے نزدیک سابقہ عقیدہ کو بدل دیا۔ اب آپ کو محنت بھی زیادہ نہیں کرنی پڑے گی۔ صرف ایک سال کے اندر کے الہامات کو دیکھ کر ان الہامات کا پتہ بتائیں۔ بیشک مرید تو، جو کچھ آپ کہتے چلے جائیں گے، مانتے چلے جائیں گے۔ مگر خدا اور خلقت کے نزدیک آپ ایک اتنا بڑا دعویٰ کر کے اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ آپ اس وحی کا پتہ بتائیں، جو تریاق القلوب سے بعد ہوئی۔ اور 1901ء سے پہلے اور پھر وہ ایک آدھ بات نہیں ہونی چاہئیے۔ بلکہ آپ کے قول کے بموجب متواتر وحی ہے۔ کیونکہ آپ صاف لکھتے ہیں کہ ''بعد میں متواتر وحی نے اس عقیدہ کو بدل دیا۔'' اور پھر لکھا ہے کہ ''بار بار وحی کے ذریعہ'' اس عقیدہ کی غلطی پر آگاہ کر دیا۔

آپ نے حقیقت النبوت میں اپنے سابقہ الفاظ کی کچھ بھی پروا نہیں کی۔ بلکہ الٹا مجھے ملزم قرار دیتے ہیں۔ کیا یہی انصاف اور حق پسندی کا طریق ہے۔ جس کے ساتھ آپ دوسروں کو تباہی اور ہلاکت کی پیشگوئیاں بھی سناتے چلے جاتے ہیں۔ میں تو اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ خواہ مخواہ لفظی بحثوں پر وقت ضائع کیا جائے۔ مگر

آپ نے ایک طرف پہلے القول الفصل میں کچھ لکھا۔ پھر حقیقت النبوت میں کچھ لکھا اور الٹا الزام مجھ پر دیتے ہیں۔ خدا کے لئے آپ غور کریں کہ اس کج بحثی سے کیا حاصل ہے۔

ایک مسئلہ ہے۔ جس میں دو فریق دو پہلو اختیار کر رہے ہیں۔ اس کو صاف کرنے کا یہ طریق نہیں ہے۔ گو حقیقت النبوت میں آپ نے تریاق القلوب سے بعد کی وحی کا نام تک نہیں لیا۔ مگر یہی اگر اپنی غلطی کا اعتراف صاف لفظوں میں کر لیا ہوتا کہ ''جلدی میں مجھ سے یہ لفظ لکھے گئے۔ در حقیقت پہلی اور پچھلی وحی یکساں ہے'' تو اس سے آپ کی شان گھٹتی نہ تھی۔ مگر بجائے اس کے آپ نے اپنی غلطی کی پردہ پوشی کا ایک نہایت غیر موزوں طریق اختیار کیا۔ آپ کا یہ فرض ہے کہ دکھائیں کہ تریاق القلوب سے بعد کی کون سی متواتر وحی ہے۔ جس نے جزئی نبوت کے سابقہ عقیدہ کو تبدیل کر دیا۔ اور یہ بھی ظاہر فرمائیں کہ القول الفصل میں پانچ مرتبہ بعد کی وحی کا خصوصیت سے ذکر کر کے حقیقت النبوت میں کیوں اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔

دوسروں پر الزام لگا کر آپ اصل مطالبہ سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ کے شائع شدہ اعلان کے مطابق 1899ء کے بعد اور 1901ء سے پہلے بار بار اور متواتر وحی حضرت مسیح موعود کو ہوئی ہے۔ جس سے جزوی نبوت کا عقیدہ بدل گیا۔ وہ متواتر وحی پیش کیجئے۔ ورنہ اس غلط بیانی کا صاف اقرار فرما کر دنیا کو دھوکہ سے نکالیے۔ اور میں نے اگر آپ کے الفاظ سے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ تریاق القلوب تک حضرت مسیح موعود کو صرف جزوی نبی مانتے ہیں۔ اور اس کے بعد کامل نبی تو میں نہیں سمجھتا اس میں مجھ پر الزام کیا ہے؟

اوپر کی بحث کو، جو بعد کی وحی کے متعلق ہے، الگ رکھ کر بھی کیا اب آپ یہ نہیں مانتے کہ حضرت مسیح موعود 1901ء تک اپنے آپ کو جزوی نبی ہی مانتے تھے اور یہی ان کا عقیدہ تھا۔ جب ایک شخص خود اپنے آپ کو نبی نہیں کہتا تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ در حقیقت نبی تو ہے، مگر اس کو لفظ نبی کے معنی سمجھ نہیں آتے۔ اس لئے یہ اپنی نبوت سے انکار کر رہا ہے۔ کیا اس طرح پر معانی الفاظ میں کوئی امن باقی رہ جاتا ہے۔ جب یہ امر تسلیم کیا جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب اپنے آپ کو نبی نہیں کہتے تھے۔ بلکہ نبی کہلانے سے انکار کرتے تھے۔ اور جزوی نبی اپنے آپ کو کہتے تھے تو اس سے پہلا قیاس تو یہی ہے کہ وہ در حقیقت جزوی نبی ہی تھے۔ کامل نبی نہ تھے۔

دوسرا قیاس، جو آج تک دنیا میں سوائے آپ کے اور کسی نے نہیں کیا، یہ ہوسکتا ہے کہ تھے تو درحقیقت کامل نبی مگر نبی کے معنی نہ جانتے تھے۔ پس اگر میں نے اول الذکر قیاس کیا تو کوئی گناہ نہیں کیا۔ بلکہ جو قیاس آپ کی تسلیم سے ہوسکتا تھا، وہی کیا۔ اب اگر آپ کو یہ اقرار ہے کہ وہ قیاس درست نہیں تو چلئے میں وہی لے لیتا ہوں جو آپ کہتے ہیں۔ مگر پھر بھی آپ کا فرض ہے کہ آپ حضرت مسیح موعود کا کوئی اعلان دکھائیں۔ جس میں انہوں نے یہ لکھا ہو کہ پہلے میں نبی کے معنی غلط سمجھا ہوا تھا۔ اب ٹھیک سمجھ لئے ہیں۔

غلطی کا ازالہ جس کو آپ پیش کرتے ہیں۔ وہ تو آپ کے سراسر خلاف اس لئے ہے کہ اس میں اپنی کسی غلطی کا اقرار نہیں کیا۔ بلکہ لوگوں کی غلطی کی شکایت کی ہے۔ اور دوسرے اب بھی آپ 1900ء کی وہ وحی ہاں! متواتر وحی اور بار بار کی وحی دکھانے کے پابند ہیں۔ جس نے حضرت صاحب کے پہلے عقیدہ نبوت کو بدل دیا ہو۔ ورنہ کوئی حرج نہیں۔ اتنا تسلیم کر لیجئے کہ القول الفصل میں یہ لفظ مجھ سے غلطی سے لکھے گئے۔ اس غلطی کا اعتراف گو آپ کے معصوم عن الخطاء ہونے کی فرضی عزت کو گھٹائے گا، مگر حقیقت میں آپ کی عزت کو قلوب میں بڑھائے گا۔

حضرت مسیح موعود کی نبوت کا عقیدہ ایک ایسا امر ہے جو صفائی سے حل ہونا چاہیئے۔ اس میں اظہار غیظ وغضب کی کیا ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کمزور دل ہے کہ محض کسی عذاب کی دھمکی سے ڈر کر حق و باطل میں غور کرنا ترک کر دیتا ہے۔ تو پھر دنیا میں کئی کروڑ بت پرست بھی ہیں۔ جو محض اس خوف سے، کہ ان کے بت ان کو نقصان پہنچائیں گے، اپنی گردنوں کو اپنے ہی تراشے ہوئے پتھروں کے آگے جھکانے کو تیار ہیں۔ کیا ایسی قوم دنیا میں تبلیغ حق کا کام کرسکتی ہے۔ جو اپنے ہی عقائد پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جن کے دل اس قدر کمزور ہیں کہ ایک غیر مامور کے عذاب کی دھمکیوں سے ڈر کر وہ اصل مسئلہ کے دوسرے پہلو پر غور کرنا ہی نہیں چاہتے۔ آپ غور کریں کہ کیا اجتہاد میں غلطی لگ جانا کوئی ایسا امر ہے کہ خدا چڑ چڑا ہو کر معاً عذاب نازل کر دے۔ پھر تو اس امت کو آنکھیں بند کر کے اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ کے پیچھے لگ جانا چاہیئے۔ اور اگر حق کوئی چیز ہے۔ تو اس کی خاطر نقصان یا تکلیف اٹھا لینا بھی مومن کا کام ہونا چاہیئے۔ میں انشاءاللہ تعالیٰ کامل تحقیق کے بعد اور حضرت مسیح موعود کی بھی ساری کتب کو پڑھ کر یا پڑھوا کر مبسوط مضمون لکھنا چاہتا ہوں۔ اس پر غور کرو۔ اگر جو میں کہتا ہوں وہ حق ہے تو کم از کم اس حق میں میرا ساتھ دو۔ خلافت کے متعلق تمہارا اختیار ہے۔ جو چاہو اعتقاد رکھو۔ اپنی کتاب کی تکمیل

کے لئے میں ذیل کے چند سوال بھی میاں صاحب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اورامید کرتا ہوں کہ آپ توجہ فرما کر مجھے جواب سے ممنون فرمائیں گے۔

1۔ آپ نے ''القول الفصل میں نبی کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ نبی اسے کہتے ہیں جسے کثرت سے امورغیبیہ پر اطلاع دی جائے اور خود حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے ثابت کیا ہے کہ نبی ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں۔'' ادھر آپ نے الفضل مورخہ 11 جون 1914ء میں جو اپنا مکتوب بنام ''مکتوبِ محمود'' چھپوایا ہے۔اس میں نہایت صفائی سے یہ اعلان کیا ہے کہ ''مجھے بھی الہام ہوتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ مجھے امور غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے۔'' تو پس آپ پر نبی کی تعریف صادق آتی ہے۔کیا آپ درحقیقت نبی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو خدا نے آپ کو اطلاع کیوں نہیں دی۔ اگر نہیں۔تو خدا کے نزدیک آپ کی اصطلاح درست نہ ہوئی۔(میاں صاحب نے القول الفصل کے صفحہ 19 حاشیہ پر یہ تمسخر کیا ہے کہ یہ لوگ جو صحابہؓ اور پچھلے سب ولیوں کو نبی قرار دیتے ہیں تھوڑے دنوں میں اپنے میں سے بعض کو نبی نہ کہنے لگ جائیں) اب غور فرمائیں کہ یہ استہزاء کس پر صادق آتا ہے۔صحابہؓ کی جو ہتک آپ نے ان الفاظ میں کی ہے اور آپ کے مرید جو کچھ کہتے ہیں، اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود کے اپنے الفاظ کافی ہیں کہ ''میرے لئے یہ کافی فخر ہے کہ میں ان لوگوں کا مداح اور خاک پا ہوں۔ جو فضیلت خدا تعالیٰ نے انہیں بخشی ہے، وہ قیامت تک اور کوئی شخص نہیں پا سکتا۔'' اس کے بالمقابل آپ کے مریدین یہاں تک تحقیر اور بے ادبی صحابہؓ کی کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق ایک شخص نے یہ بکواس کی کہ...... (یہاں کے الفاظ پڑھے نہیں جاتے۔مرتب) مرزا صاحب کی جوتیوں کا تسمہ کھولنے کے بھی قابل نہیں...... کا لفظ پڑھ کر آپ کو اتنا غصہ آیا کہ آپ کی تصنیف میں تقریر میں خطبہ میں اس کا ذکر برابر چلا جاتا ہے۔یہ واقعہ بھی درج تھا۔افسوس کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس صحابہؓ کے لئے کوئی غیرت نہ دکھائی اور ان بے ادبی کے الفاظ سے کسی بیزاری کا اظہار نہ فرمایا۔

یہ بھی سنا گیا ہے کہ آپ کے بعض مریدین آپ کو نبی کہتے بھی ہیں، اور چونکہ آپ صاف طور پر مصلح

موعود کہلواتے ہیں۔ حالانکہ خدا نے آپ کو اطلاع نہیں دی، اسی طرح پر شائد یہ بھی درست ہو۔

2۔ آپ نے حقیقت النبوت میں القول الفصل کے معنی نبوت پر ایک شرط یہ بڑھا دی ہے کہ خدا بھی اسے کہے کہ تو نبی ہے۔ جب ایک شخص ملہم اور مکلم ہو کر یہ کہتا ہے کہ کثرت سے امور غیبیہ پر مجھے مطلع کیا جاتا ہے۔ تو اگر کثرتِ امور غیبیہ کا نام ہی نبوت ہے۔ اور نبوت اس کے سوائے اور کچھ بھی نہیں تو یہ ضروری ہے کہ خدا بھی اسے نبی کہے۔ اگر خدا اسے باوجود کثرت امور غیبیہ پر اطلاع کے نبی نہیں کہتا تو معلوم ہوا کہ یا تو نبوت میں کثرت امور غیبیہ کے سوائے کچھ اور بھی ہے۔ یا ملہم نے جھوٹ بولا۔

3۔ القول الفصل میں آپ نے لکھا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے بار بار بتایا ہے کہ میں خلیفہ ہوں۔'' (صفحہ 57)۔ اب ایک طرف خدا کی یہ اطلاع، دوسری طرف کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع پانے کا دعویٰ ہے۔ پس دو باتوں میں سے ایک بات ضروری ہے۔ یا تو خلیفہ کو بھی کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع مل جاتی ہے۔ اور باوجود نبوت کی شرط کے پورا ہونے کے وہ نبی نہیں بنتا۔ یا خلیفہ کے معنی بھی نبی ہی ہیں اور آپ کے نزدیک خلیفہ کا لفظ ان معنوں میں آتا ہے۔ تو کیا یہ ممکن نہیں کہ جو غلطی آپ کی رائے میں حضرت مسیح موعود کو لگی رہی کہ خدا تعالیٰ نے ان کے اندر شرط نبوت یعنی کثرت مکالمہ کو بھی پورا کر دیا۔ اور ان کو نبی بھی کہتا رہا، مگر پھر بھی وہ اپنی نبوت کا انکار کرتے رہے، وہی غلطی اب آپ کو لگ رہی ہو۔ کیا وجہ ہے کہ آپ حضرت مسیح موعود کی اس نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ خطرناک غلطی سے، جس نے ایک قوم کے ایک حصہ کو آپ کی رائے میں تباہ کر دیا، فائدہ نہیں اٹھاتے۔

4۔ الفضل 11 جون 1914ء میں آپ نے مکتوبِ محمود میں لکھا تھا کہ ''مجھے اگر یہ وحی نہیں ہوئی کہ میں خلیفہ ہوں۔ تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ اگر مجھے وحی ہو تو میرا منکر کافر ہوا نہ کہ فاسق''۔ اب چونکہ القول الفصل میں آپ نے ظاہر کیا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کو بار بار خلیفہ کہہ چکا ہے۔ تو آپ کے منکر اب تک کافر کیوں نہیں ہوئے؟ کیا آپ کا فرض نہ تھا کہ خلیفہ کی وحی ہونے کے ساتھ ہی آپ یہ بھی اعلان کر دیتے کہ اب میرے منکر کافر ہو گئے ہیں۔ امید ہے کہ آپ 11 جون 1914ء کے اقرار کو پورا کر کے

ہم لوگوں کو کافر کا وہ خطاب دے دیں گے۔ جو آج تک سب خدا کے لئے کام کرنے والوں کو خشک ملانوں کی طرف سے ملتا رہا ہے۔

5۔ اسی القول الفضل میں آپ نے دو اور بھی عجیب الہام لکھے ہیں۔جن میں سے لازماً ایک غلط ہونا چاہئیے ۔آپ لکھتے ہیں کہ'' اللہ تعالیٰ نے مجھے بار بار بتایا ہے کہ میں خلیفہ ہوں اور یہ کہ وہ میرے مخالفوں کو آہستہ آہستہ میری طرف کھینچ لائے گا یا تباہ کردے گا۔اور ہمیشہ میرے متبعین میرے مخالفوں پر غالب رہیں گے۔'' اب آپ کے پہلے الہام کی رو سے آپ کا منکر کوئی رہے گا ہی نہیں۔ کچھ تباہ ہو جائیں گے۔ کچھ آپ کے ساتھ مل جائیں گے۔ پھر دوسرا الہام کیونکر سچ ہوسکتا ہے۔جس کی رو سے آپ کے ماننے والے آپ کے منکروں پر غالب رہیں گے۔ غالب رہنے کے لئے بالمقابل کوئی چیز چاہئیے ۔اور وہ آپ کا پہلا الہام باقی نہیں چھوڑتا!

6۔ کیا آپ نے کبھی اپنے الہامات کو قرآن وحدیث پر پیش کیا اور غور کیا کہ جب کسی نبی کے ساتھ بھی یہ معاملہ خدا تعالیٰ کا نہیں ہوا کہ اس کا کوئی مخالف باقی نہ رہے۔تو آپ کو ایسا الہام ہونا اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہے۔ پھر آپ نے ایسے الہام کو کیوں نہ صرف قبول بلکہ شائع کیا۔

7۔ کیا یہود اور عیسائی بھی آپ کے منکر ہیں۔ یا نہیں۔اوران کے متعلق وہ بات صحیح ہے جو قرآن میں لکھی ہے کہ وہ قیامت تک باقی رہیں گے۔ یا وہ جو آپ کے الہام میں ہے کہ آپ کا کوئی منکر باقی نہیں رہے گا۔

8۔ اب آپ حضرت مسیح موعود کی جزوی نبوت کے ماننے کو مسیح موعود کے انکار کے برابر قرار دیتے ہیں۔مگر جب آپ نے بیعت لی، اس وقت ان لوگوں سے بھی آپ نے بیعت لی، جنہوں نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ وہ حضرت مسیح موعود کی نبوت کے مسئلہ میں آپ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ کیا اس وقت مسئلہ نبوت کی یہ اہمیت آپ کے نزدیک نہ تھی۔ یا بیعت میں داخل کر لینا محض ایک پالیسی تھی کہ بعد میں تقلید کے رنگ میں جو چاہیں گے منوالیں گے۔

9۔ آپ نے حضرت مسیح موعود کی تحریروں میں حقیقی نبی سے مراد صرف صاحب شریعت نبی لیا ہے۔کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ واقعی حضرت صاحب مثلاً بنی اسرائیل کے کل انبیاء کو سوائے حضرت موسیٰؑ کے غیر حقیقی نبی، مجازی نبی، مستعار طور پر نبی سمجھتے تھے۔کیونکہ یہ وہ الفاظ ہیں جو آپ نے حقیقی کے بالمقابل رکھے ہیں۔اور اپنے لئے یہ الفاظ 1900ء کے بعد استعمال کئے ہیں۔

10۔ آپ کی رائے میں 1901ء میں حضرت مسیح موعود پر لفظ نبی کے معنی کھل گئے تھے۔اور اس کے بعد آپ نے مسلمانوں کی عام اصطلاح کو چھوڑ دیا۔کیا حضرت صاحب نے حقیقی نبی کا لفظ ان معنوں میں اس کے بعد استعمال نہیں کیا، جن معنوں میں پہلے کرتے تھے۔اور کیا 1901ء کے بعد اپنے حقیقی نبی ہونے سے انکار نہیں کیا؟ اور اگر کیا ہے اور کئی دفعہ کیا ہے، تو کیوں؟

11۔ جس صورت میں اصل مرتبہ حضرت مسیح موعود کا نبی ہے۔اور آپ مجددوں میں شامل نہیں۔تو آپ نے تحفۃ الملوک میں اصل مرتبہ کا اخفاء کیوں کیا۔اور کیوں ساری کتاب میں ایک دفعہ بھی حضرت مسیح موعود کو نبی کے نام سے نہیں پکارا اور بار بار مجدّد دکھا ہے۔کیا حضرت مسیح ناصری کے شاگرد یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی محدّث یا مجدّد کے نام سے ان اصفیاء کو پکارا کرتے تھے۔

12۔ کیا وہ لوگ، جو حضرت مسیح موعود کو کامل نبی نہیں مانتے اور ان کو مجددوں میں شامل کرتے ہیں، آپ کے نزدیک احمدی ہیں یا نہیں۔اگر ہیں تو کیا کافر بھی احمدی ہو سکتے ہیں۔اور اگر نہیں تو آپ نے اپنے فرقے کے لئے کونسا نام تجویز فرمایا ہے۔جس سے اصل احمدیوں کی صحیح تعداد کا پتہ لگ سکتا ہے۔

13۔ آپ کے نزدیک ہمارے کل دلائل صرف اس لئے بیکار ہیں کہ ایک مامور کے بعد اس کی جماعت کا کثیر حصہ غلطی نہیں کرسکتا۔کیا آپ مہربانی کر کے یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ کثرت کی معصومیت مامور کی وفات کے کتنے عرصہ بعد تک قائم رہنی ضروری ہوتی ہے۔اور کوئی دلیل قرآن اور حدیث کی اس کی تائید میں ہو تو وہ بھی پیش فرما دیجئے۔

14۔ آپ نے قسم کھا کر جماعت کو ایک مغالطہ میں ڈالنا چاہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ''خدا کی قسم ہے کہ حق میری ہی طرف ہے۔ کیونکہ مجھے خود اللہ تعالیٰ نے بذریعہ رؤیا بتایا ہے کہ حضرت مسیح موعود نبی تھے۔'' کیا آپ کو مناسب نہ تھا کہ پہلے اپنی رؤیا کو قرآن وحدیث پر پیش کرتے۔ اگر قرآن وحدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کامل نبی کے آنے کے مانع ہیں۔ تو اس رؤیا کو حدیث النفس یا شیطانی القاء سمجھ کر ردّ کر دیتے یا اس کی تاویل کرتے۔

اور کیا آپ کے رؤیا کا مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے بھی بڑھ کر ہے کہ ان الفاظ میں تو مجاز اور استعارہ ہوسکتا ہے۔ مگر آپ کے رؤیا میں مجاز اور استعارہ بھی نہیں ہوسکتا۔

15۔ الفضل 20 مئی 1914ء میں آپ کے کئی الفاظ چھپے ہیں کہ خدا نے مجھے بلا وساطت فرشتہ کے بتایا ہے کہ ہم میں ایک نبی آیا اور بھی نبی آئیں گے۔ جب اور نبی آ گئے تو وہ پھر خصوصیت حضرت مسیح موعود کی، جس کا ذکر صفحہ 391 حقیقت الوحی پر ہے اور جس کے متشابہ الفاظ سے آپ نے حضرت صاحب کی محکم تحریروں اور مؤید بہ قرآن وحدیث دلائل کو ردی قرار دیا ہے، کہاں گئی۔ جس خصوصیت کی وجہ سے پہلوں کی شمولیت سے انکار ہے، اس کو تو بعد میں آنے والے نبیوں نے بیکار کر دیا۔ کیا جس خصوصیت کو آپ کا ایک الہام باطل کر سکتا ہے، اسے حضرت مسیح موعود کے سینکڑوں دلائل اور پندرہ سال کا اجتہاد اپنے ماتحت نہیں لا سکتے؟

16۔ کیا آپ قسم کھا کر اپنا یہ عقیدہ شائع کر سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے اعتقاد کی رو سے غیر تشریعی مگر کامل نبوت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ مگر تیرہ سو برس تک صرف اس لئے کوئی ایسا نبی نہیں آیا کہ کاملِ اتباعِ نبی کریمؐ کا درجہ ان تیرہ سو سال کے اندر کسی کو نہیں مل سکا۔

17۔ آپ کو بار بار کثرت پر ناز ہے۔ کیا آپ قسم کھا کر یہ اعلان کر سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کی پانچ لاکھ جماعت میں کم سے کم تین لاکھ آدمی آپ کے عقیدہ نبوت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اور جب آپ کو ان لوگوں کا ہی علم نہیں تو بار بار یہ کہنا کہ کثرت جماعت آپ کے ساتھ ہے، کیا مغالطہ دینا

نہیں۔ اگر آپ مجھ پر یہ سوال کریں کہ اپنے ساتھ کثرت دکھاؤ، تو میں نے تو کبھی کثرت وقلت پر اعتقادات کی صحت یا غلطی کا مدار نہیں رکھا۔ یہ دلیل تو آپ کو سوجھی ہے۔ مگر اب اس کو ثابت کر کے بھی دکھایئے۔

18۔ گو یہ سوال عقیدہ نبوت سے تعلق نہیں رکھتا۔ مگر میں آپ کو آپ کی اس حالت کی طرف توجہ دلاتا ہوں، جس میں آپ میرے خلاف قلم اٹھاتے ہیں۔ آپ نے ''چند غلط فہمیوں کا ازالہ'' میں لکھا ہے کہ ''مولوی صاحب کے رسالہ نے سوائے اس بات کے ظاہر کرنے کے، کہ آپ جس شخص کو غلطی پر سمجھتے ہیں، اس کے مضمون کو سمجھنے کے بغیر ہی جواب لکھنے کے عادی ہیں، اور کچھ ثابت نہیں کیا۔''

اگر واقعی یہی آپ کا ایمان ہے تو کیا یہ دیانتداری ہے کہ آپ میری تحریروں کو، جن سے ریویو کے ہزاروں صفحات بھرے ہوئے ہیں، مخالفین کے مقابل پیش کرنے کے لئے فروخت کرتے ہیں۔ اور غالبًا آپ کو میری اس عادت کا پہلے سے علم ہوگا۔ مگر خیر اگر اس وقت بہ تقاضائے مصلحت خاموشی بھی اختیار کی تو اب محض چند روپوں کی آمد کے لئے کیوں دنیا کو دھوکا میں رکھا جاتا ہے؟ جس طرح اس ترجمہ قرآن کو، جس کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح مرحوم تاکید کر گئے تھے کہ اسے ردّ نہ کریئو، آپ نے ردّ کیا ہے۔ اسی طرح ان سابقہ تحریروں کو بھی ردّی قرار دے کر دنیا میں اعلان کر دینا آپ کا فرض ہے کہ یہ تحریریں اس شخص کے ہاتھ کی ہیں جو مخالفوں کا جواب بغیر ان کی تحریر کے سمجھنے کے دے دینے کا عادی تھا۔ اس لئے آپ کی جماعت کا کوئی آدمی ان تحریروں کو اپنے پاس نہ رکھے۔ بلکہ میرے خیال میں آپ کو جلا دینے کا حکم دینا چاہئے۔ اور اس کے ساتھ ہی حضرت مسیح موعود کی ان تمام تحریروں کو بھی جو 1901ء سے پہلے کی ہیں کیونکہ ان کے ہزاروں صفحات غلط دلائل سے پُر ہیں۔ جن میں جزوی نبوت کا اقرار اور کامل نبوت کا انکار ہے۔

19۔ جس صورت میں کثرت سے امورِ غیبیہ پر اطلاع پانے سے نبوت کا منصب مل جاتا ہے۔ تو آپ کے نزدیک کثرت کی کوئی تعین بھی ہوسکتی ہے یا نہیں۔ یعنی آیا مثلاً تین سے زیادہ اہم امور پر

اطلاع مل جائے تو یہ ''کثرت'' کہلا سکتی ہے یا نہیں۔ یا مثلاً دس یا دس سے زیادہ کثرت کے لفظ کے اندر آتے ہیں۔ بہر حال یہ تو محض ایک حساب کی بات ہوئی۔ جب ایک خاص تعداد تک امورِ غیبیہ کی اطلاع پہنچ جائے تو اس کا نام کثرت ہو جائے گا۔ اور یہ تو ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کے لئے ایک نشان کا نام کثرت رکھ لے۔ اور دوسرے کے لئے ایک سو کو بھی کثرت نہ سمجھے۔ پس مہربانی کر کے اس کثرت کا تعین فرما دیجئے تا کہ بحث میں سہولت ہو۔

20۔ کیا یہ ضروری ہے یا نہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے نبی بنا کر بھیجے، وہ اسے علمِ قرآن بھی ایسا عطا فرمائے کہ وہ غلط استدلال آیات قرآنی سے نہ کیا کرے۔ کیا حضرت مسیح موعود بارہ پندرہ سال تک آپ کی رائے میں آیات قرآنی سے غلط استدلال کرتے رہے یا نہیں۔ اور کیا ان تمام استدلالوں کو، جو 1901ء سے پہلے صرف جزوی نبوت کا دروازہ اس امت میں کھلا ہونے پر اور نبوت کاملہ کا دروازہ تا قیامت مسدود ہونے پر حضرت صاحب نے کئے ہیں، درست سمجھا جائے یا غلط۔

21۔ جس صورت میں پندرہ سال تک خود ایک مامور اپنے دعویٰ کو نہ سمجھ سکا اور جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ عوام الناس کے غلط عقیدہ کو احتیاط کے طور پر ترک نہ کیا اور اپنے آپ کو جزوی نبی کہتا رہا۔ حالانکہ اس کے خلاف ان کو الہام بھی ہوتے تھے۔ تو پھر وہ لوگ جنہوں نے آپ کو اس عرصہ کے اندر نہیں مانا اور اپنے پرانے عقیدہ کو بغرض احتیاط ترک نہیں کیا۔ آیا وہ کسی مواخذہ کے نیچے ہیں یا نہیں؟

22۔ جس صورت میں آپ کے نزدیک وحی ولایت اور وحی رسالت میں کوئی فرق کیفیت کے رنگ میں نہیں۔ اور محض تعداد الہامات سے ولایت اور نبوت کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اور ایک خاص تعداد تک الہامات پانے والا ولی کہلاتا ہے۔ اور اس سے زیادہ تعداد میں الہامات پانے والا نبی کہلاتا ہے۔ تو اس صورت میں یہ ضروری ہوا کہ جب پہلے نبی کو بھی الہام شروع ہوں تو کچھ مدت تک اس کا مرتبہ ولایت کا ہی رہے اور نبی کہلانے کا مستحق نہ ہو۔ کیونکہ ایک آن میں تو کثرت معاً ہو نہیں سکتی۔ بلکہ کچھ وقت لے گی۔ تو اس وقت کے اندر نبی، نبی نہیں ہوگا۔ دوسری طرف ہر ولی الہام پاتا پاتا اگر اس کی عمر

بیوفائی کرے تو نبی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ جب اس کو الہامات شروع ہوں گے تو پھر وہ الہامات روز بروز بڑھتے چلے جائیں گے۔ اب جب ولی خاص اس حد تک پہنچے گا، جہاں نبوت شروع ہو جاتی ہے، جیسے مثلاً 99 الہام ہو گئے اور سوالہاموں پر نبوت کا منصب عطا ہو جاتا ہے۔ تو اب یا تو خدا تعالیٰ اس پر الہام کا دروازہ بند کر دے اور اس نعمت سے اس کو اس ڈر سے محروم کر دے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ نبی نہ ہو جائے۔ اور یا اسے فی الفور وفات دے۔ ورنہ وہ زبردستی نبی بن جائے گا۔ کاش! میاں صاحب کچھ لکھنے سے پہلے غور کرنے کی بھی عادت ڈالتے اور نرے صفحات کے پُر کرنے کو معجزہ قرار نہ دیتے۔ کیا یہ بچوں والی بات نہیں کہ جس طرح لڑکے امتحان میں پاس اور فیل ہوتے ہیں، جیسا آپ نے القول الفصل میں لکھا ہے، اسی طرح خدا کے ہاں نبوت کا فیصلہ ہوتا ہے کہ ایک شخص نے 40 فی صد نمبر حاصل کر لئے تو وہ ایم اے ہو گیا۔ اور جس نے تھوڑے تھوڑے نمبر ہر مضمون میں حاصل کئے وہ ایم اے نہ ہوا۔ اسی طرح جس شخص کو 99 الہام ہوں وہ ولی۔ جس کو ایک سو ہوں وہ نبی۔ نبوت کے سلسلہ پر لوگوں سے ہنسی نہ کراؤ۔ اور خدارا! ان فاش غلطیوں سے توبہ کرو۔ آپ چالیس دن تک نشان کے لئے دعا کرتے ہیں۔ آپ کے مضحکہ خیز عقائد اور دلائل سے بڑھ کر جن لوگوں کو کسی اور نشان کی ضرورت ہے، انہیں تقلید کی نابینائی مبارک رہے۔

23۔ آپ نے اب حضرت مسیح موعود پر نزول جبریل کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ جیسا کہ حقیقۃ النبوت میں لکھا ہے۔ ''ایک سوال یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے نزول جبریل کو نبوت کے لئے شرط ٹھہرایا ہے۔ اور اپنی نسبت جبریل کے نزول کا دعویٰ نہیں کیا۔ سو یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔'' اس دعویٰ کی حقیقت تو میں موقع پر بتاؤں گا۔ مگر سر دست معلوم ہوا کہ آپ نزول جبریل کو وحی رسالت کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ سو شکر ہے کہ آپ نے وحی رسالت کی ایک خصوصیت کو تسلیم کیا۔ پس معلوم ہوا کہ اس امت کے اولیاء پر نزول جبریل نہ ہوتا تھا۔ اور حضرت مسیح موعود پر نزول جبریل ہوتا تھا۔

اب کتاب ازالہ اوہام میں صفحہ 534 پر حضرت مسیح موعود تحریر فرماتے ہیں:

''کیونکر ممکن تھا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی اور نبی، اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے ہے، آتا۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم جو وحی اور نزول جبریل ہے اس کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیئے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ 1891ء کے آخر تک بہر حال حضرت مسیح موعود پر نزول جبریل نہ ہوا تھا۔ حالانکہ اس وقت آپ مسیح موعود بھی ہو چکے تھے۔ اور رسول اور نبی کا لفظ بھی بکثرت آپ کے الہامات میں آ چکا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ اس وقت تک قطعاً اور یقیناً حضرت مسیح موعود کی وحی، وحی ولایت تھی نہ وحی نبوت۔ اور آپ کی نبوت بھی جزوی نبوت تھی، نہ نبوت کاملہ۔ اس کے بعد وحی ولایت بند ہو کر وحی رسالت کب شروع ہوئی۔ اب یہ بتانا آپ کا فرض ہے۔ کیونکہ آپ اس کے مدعی ہیں۔ حقیقت الوحی میں جو الہام آپ پیش کرتے ہیں۔ اگر اس کے یہی معنی لیے جائیں جو آپ نے لیے ہیں۔ تو اس الہام کی تاریخ سے آپ کی نبوت کی قسم بدل گئی۔ اور میرے وہ تمام سوالات، جن کو اب میں یہاں دہرا نہیں سکتا، آپ پر قائم ہیں۔ جو میں نے ''القول الفصل کی ایک غلطی کا اظہار'' میں کئے تھے۔ اور ''حقیقت النبوت'' کے تین سو صفحے ان سوالات کا جواب دینے سے عاجز ہیں۔ اور آپ نے اپنا پیچھا محض اس طرح چھڑایا تھا کہ آپ دو قسم کی نبوت مانتے ہی نہیں۔ بلکہ مسیح موعود کی ایک غلطی مانتے ہیں۔ پس ایک ایسی خطرناک غلطی کو حضرت صاحب کی طرف منسوب کرنے کے بعد بھی آپ کی نبوت کی دو قسمیں آپ کو ماننی پڑیں۔ ایک جزی نبوت یا ولایت، دوسرے کامل نبوت۔ اور چونکہ یہ الہام، جہاں تک مجھے اس وقت تک معلوم ہو سکا ہے، حقیقت الوحی میں سب سے پہلے شائع ہوا۔ اس لئے وحی رسالت کو 1901ء سے شروع کرنا پڑے گا۔ اور نبوت کے دعوٰی کی معیاد اس طرح صرف دو سال کے قریب رہ گئی۔

24۔ کیا جزوی نبوت کا سلسلہ اس امت میں کھلا ہے یا نہیں، اور قرآن کریم کی کونسی آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ نے ان تمام آیات اور احادیث کو، جن سے نبوت جزوی کا استدلال کیا جاتا تھا، نبوت کاملہ کا دروازہ کھلے ہونے پر لگا لیا ہے۔

25۔ کیا دنیا میں پہلے کسی نبی کی نظیر ہے جس نے 15 سال تک اپنا دعویٰ نہ سمجھا ہو۔

26۔ آپ نے ان مسائل میں کئی پہلو بدلے یا نہیں۔ اور اگر بدلے تو کیوں؟ پہلے آپ نے تشحیذ الاذہان اپریل 1911ء میں لکھا ہے کہ ''مسلمان وہ ہے جو خدا کے سب ماموروں کو مانے۔'' اور چونکہ ماموروں کے اندر مجدد بھی شامل ہیں۔ اس لئے آپ نے مجددوں کے منکرین کو نبیوں کے منکروں کی طرح قرار دیا۔ پھر آپ کا ایک اور دعویٰ بھی ہے جو آپ نے 11 جون 1914ء کے الفضل میں کیا کہ اگر خدا تعالیٰ آپ کو وحی کر دے کہ تم خلیفہ ہو، تو میرے منکر کافر ہو جائیں گے۔ اس طرح آپ نے کسی کو کافر بنانے کے لئے مامور ہونے کو بھی ضروری نہ سمجھا۔ بلکہ صرف خلیفہ ہونے کا الہام کافی قرار دیا۔

تیسری بات آپ نے الفضل 17 جنوری 1915ء میں لکھی ہے کہ مجددوں کا منکر کافر نہیں۔ مگر مرزا صاحب نبی ہیں۔ ان کا منکر کافر ہے۔ اور اپنے متعلق بھی یوں تشریح کرنی چاہی ہے کہ ''یہ جو میں نے کہا کہ اگر میں مامور ہوتا تو میرے منکر کافر ہوتے، یہ مامور و خلیفہ نبی سے مراد تھی۔ کیونکہ مامور اور خلیفہ سے مراد نبی بھی ہوتی ہے۔''

اب یہ لغو تاویل کسی عقل مند کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ یا اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت مسیح موعود کو نبوت کی خصوصیت دیتے دیتے آپ کے دل میں بھی نبی بننے کی خواہش موجود ہے۔ اور نہ صرف آرزو بلکہ دعویٰ بھی موجود ہے۔ کیونکہ کثرت امور غیبیہ پر اطلاع موجود۔ خدا نے بھی آپ کو کہہ دیا کہ آپ خلیفہ ہیں۔ خلیفہ کے معنی آپ کے نزدیک نبی بھی ہیں۔ پھر اب کیوں دیر ہے؟

پھر 11 جون 1914ء کے الفضل میں آپ لکھتے ہیں کہ کثرت سے اللہ تعالیٰ مجھے امور غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے۔ اور اب الفضل مورخہ 16 مارچ 1915ء میں آپ کا خطبہ چھپا ہے۔ جس میں آپ نے صراحت سے فرمایا ہے ''چند الہامات اور کشوف تو مجھے بھی ہوئے''۔ کیا یہ بھی آپ کی ترقی درجات کا ثبوت ہے کہ 11 جون 1914ء کے ''کثرت کے امور غیبیہ'' 5 مارچ 1915ء کو صرف ''چند الہامات اور کشوف'' رہ گئے۔ اس رفتار سے معلوم نہیں تھوڑے دنوں میں وہ کثرت هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (23:25) ہو جائے گی۔ یا

اس کا کچھ اثر باقی رہے گا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ یہ معکوس ترقی آپ نے نبوت کی نئی تعریف کی خاطر اختیار کی ہے۔ اور اسی کی خاطر کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع پانے کا دعویٰ ترک کر دیا ہے۔

27۔ کیا کوئی نبی دنیا میں ایسا بھی گزرا ہے۔ جس نے اپنے الہامات کا کثیر حصہ دنیا میں شائع نہ کیا ہو۔ اور صرف تھوڑے سے شائع کئے ہوں۔ یا اپنے دعویٰ میں غلطی کھانے کے ساتھ یہ بھی آپ کے مذہب کی رو سے حضرت مسیح موعود کی ہی خصوصیت ہے۔ کیونکہ دوسروں کو **بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ** (67:5) کا حکم ہوتا تھا۔ مگر حضرت مسیح موعود کی نسبت آپ حقیقت النبوت کے صفحہ 294 کی آخری سطر میں تحریر فرماتے ہیں۔ ’’ہزاروں الہامات ہیں جو شائع نہیں ہوئے‘‘۔ اب شائع شدہ الہامات کی تعداد کو، جو غالباً اڑھائی تین سو سے زیادہ نہ ہوگی، ایک طرف رکھیئے۔ اور دوسری طرف ان ہزاروں الہامات کو، جو کبھی شائع نہیں ہوئے۔ اور پھر نبوت کے میزان کو ہاتھ میں لیجئے۔ میرے مکرم میاں صاحب! آپ کے ان عقائد، ان دلائل، ہاں! ان جلد بازیوں پر میں سوائے **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ** کے اور کیا کہوں؟ مگر افسوس! کہ آپ نے اپنے ساتھ بہتوں کو تقلید میں غرق کر دیا۔ جو باوجود آنکھوں کے نہیں دیکھتے۔ میرے وہ دوست خدا کا شکر کریں، جو اس کورانہ تقلید سے آزاد ہیں۔ اور صداقت اور حقیقت پر غور کر سکتے ہیں۔

28۔ آپ نے جو نبوت کی ایک فرضی قسم بالواسطہ غیر تشریعی نکالی ہے۔ کیا وہ صرف حضرت مسیح موعود کے لئے ہی ہے یا اور بھی کوئی نبی اس قسم کا آیا یا آئے گا۔ اگر ایک اصطلاح دنیا میں محض ایک انسان کے لئے قائم ہوسکتی ہے، تو کیا وجہ ہے کہ یہ نہ مان لیا جائے کہ **مُتَوَفِّیْکَ**(55:3) کے معنی حضرت مسیحؑ کے لئے آسمان پر اٹھانے کے ہیں۔

29۔ پہلی امتوں میں جو محدث آئے تھے۔ ان میں اور ان امتوں کے نبیوں میں کیا فرق تھا۔ اور آیا ان سب کی وحی ایک ہی مرتبہ رکھتی تھی؟

30۔ کیا حضرت مسیح موعود کی وحی کو شریعت محمدی میں وہی مرتبہ حاصل ہے۔ جو مثلاً حضرت داؤد کی

زبور یا حضرت عیسیؑ کی انجیل کو شریعت موسوی میں حاصل تھا۔

31۔ چونکہ حضرت مسیح موعود کے سوائے حدیث میں تو اور کسی کا نام نبی اللہ آیا نہیں اور نہ کوئی اور آپ کے سوائے خاتم الولایت ہے، تو کیا اس صوت میں یہ کہنا جائز ہوگا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف تشریعی نبیوں کے خاتم ہیں۔ اور مسیح موعود کل کے خاتم۔ تو دراصل خاتم النبیین اس صورت میں کون ٹھہرا؟

خاکسار

محمد علی

20اپریل1915ء

اداریہ

حضرت مولٰینا محمد علی کی تازہ تصانیف

ہندوستان کے دومشہور اسلامی اخباروں کی رائے

براعظم ہندوستان میں مسلمانوں کے ایسے چوٹی کے نامور اخباروں میں، جوصرف ایک ہاتھ کی انگلیوں پرشمار کئے جاسکیں، ''وطن'' اور''زمیندار'' بھی وہ اخبار ہیں، جن کا حلقہ اثر نہ صرف حدود ہندوستان میں لامحدود ہے، بلکہ ہندوستان سے باہر دوسرے ممالک کے باخبرلوگ بھی ان دونوں کو ہندوستان کے بااثر اخبار سمجھتے ہیں۔ ''وطن'' کے ایڈیٹرمولوی انشاءاللہ خان صاحب کی سوانح عمری جب کوئی بالغ نظر لکھے گا،تو اس کوان کی اخبار وکیل کی ایڈیٹری کے زمانہ کی اسلامی خدمات، اسلامی ممالک کی کثیر التعداد تاریخی تصانیف، ہندوستان کے مسلمانوں میں شام وروم وعرب وغیرہ اسلامی ممالک کے حالات وواقعات سے دلچسپی پیدا کردینی اخبار''وطن'' کے ذریعہ ملک وقوم وگورنمنٹ کی بعض نہایت ہی قیمتی خدمات انجام دینے کے کارنامے لکھنے کے بعد ان کے اخلاقی خصائص،منصف مزاجی، دوست پرستی،صاف گوئی، سیرچشمی وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مثال میں ان کا یہ ریویو بھی ضرورنقل کرنا پڑے گا، جوانہوں نے اپنے 13 اپریل 1915ء کے روزانہ اخبار''وطن'' میں حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب کی تازہ تصانیف۔قرآن کریم کے تفسیری نوٹ اورحدوث مادہ پر کیا ہے۔مولوی انشاءاللہ خان صاحب نے، باوجوداس بات کے کہ وہ بعض مذہبی عقائد میں سلسلہ احمدیہ سے اختلاف رکھتے ہیں،جس چیزکو اپنے نزدیک قابل قدر سمجھا،اس کی قدر کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں فرمایا۔اوراس سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ شرافتِ نفس اورمعقول پسندی کی صفتِ حسنہ ان کے اخلاق میں بہت نمایاں طور پرجلوہ افگن ہے۔ایسا شخص اگر کسی کا دشمن بھی ہوجائے تو چونکہ وہ شریف دشمن ہوگا۔اس لئے اس کی دشمنی میں بھی ایک سرور ولذت کی ادا ضرور نکلتی رہے گی۔

میں اس جگہ اخبار ''وطن'' سے وہ قابل تعریف ریویو نقل کرتا، لیکن پیغام صلح کے کالموں کی قلت گنجائش اجازت نہیں دیتی۔ ایک مخیّر انسان کے متعلق یہ کوئی خاص قابل تذکرہ بات تو نہ تھی۔ لیکن میں ذکر کئے دیتا ہوں کہ مولوی انشاء اللہ خان صاحب نے اپنے اخبار میں نہایت اچھا ریویو لکھنے کے علاوہ اکتیس روپیہ چار آنہ حضرت مولوی صاحب کے پاس بھجوائے ہیں کہ دونوں کتابوں کی پچاس پچاس جلدیں ان کی طرف سے مساجد کے اماموں کو مفت تقسیم کی جائیں۔

''زمیندار'' کے فاضل اجل ایڈیٹر جناب مولانا مولوی عمادی صاحب وہ بزرگ ہیں۔ جن کے تبحر علمی، وسعت نظر اور نمونہ تہذیب وشرافت ہونے کا حال بیان کرنے کی مجھ کو مطلق ضرورت نہیں۔ طبقہ علماء میں ان کا مقام صدر نشینوں میں ہے۔ اسلامی علوم کی مجالس میں شریک ہونے والوں کو ان کا نام عزت وعظمت کے ساتھ یاد ہے۔ میں نے حضرت اقدس استاذی مولانا نورالدین صاحب کو ایک مرتبہ دیکھا کہ اپنے کتب خانہ سے انہوں نے بہت سے اخباروں اور رسالوں کے فائل خارج کر دیئے۔ لیکن ''البیان'' کے فائل کو احتیاط کے ساتھ کتب خانہ کی الماری میں رکھوا دیا اور فرمایا کہ ''یہ بہت اچھا رسالہ ہے۔ اس کا ایڈیٹر بہت بڑا عالم اور اعلیٰ درجہ کا ادیب ہے۔'' مجھ کو لاہور آ کر بہت دنوں تک اس بات کا حال ہی معلوم نہ ہوا کہ زمیندار کے ایڈیٹر وہی مولانا عماوی ہیں، جو البیان کے ایڈیٹر تھے۔ جب مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ کونسے مولٰینا عمادی ہیں تو میرا وہ تعجب دور ہو گیا جو زمیندار کے ایڈیٹوریل کالموں میں ان نہایت پختہ وبرجستہ فقرات اور دلکش ودلچسپ ادبی نمونوں کے دیکھنے سے ہوا کرتا تھا۔ جو پنجاب میں نظر نہیں آنے چاہئیں تھے۔ جناب مولانا عمادی نے حضرت مولوی محمد علی صاحب کی صرف ایک کتاب تفسیری نوٹ پر 15 اپریل کے روزنامہ ''زمیندار'' میں قریباً ایک صفحہ کا ریویو لکھا ہے۔ اور اسی عالمانہ انداز سے لکھا ہے جو ان کی شان کے شایان تھا۔ ان کے تمہیدی چند فقرات اس طرح ہیں کہ:

> ''جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے ان عزیز الوجود بزرگوں میں ہیں جن کی عالمانہ زندگی کا کوئی لمحہ خدمت اسلام سے خالی نہیں رہتا وہ روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے ہیں اور ہر آیت کی تفسیر میں حقائق ومعارف کے دریا بہا دیتے ہیں۔ حال میں اس درسِ مقدس کے بعض اہم اقتباسات انہوں نے خود ہی قلم بند کر کے شائع فرمائے ہیں۔ جن میں اکثر

آیات جزو اول اور کسی قدر آیات جزو ثانی کی تفسیر ہے۔ اور اس خوبی کی تفسیر ہے کہ شاید اردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک جواہر ریزے بڑی مشکلوں سے بھی نہ نکال سکے گا۔ اس کا نام انہوں نے ''تفسیری نوٹ'' رکھا ہے۔ افادہ عامہ کے لئے ممدوح نے اس کی کئی سو جلدیں طالبان حق میں مفت تقسیم کرا دی ہیں۔ اور جناب مولوی انشاء اللہ خان صاحب ایڈیٹر اخبار ''وطن'' نے بھی اس کی پچاس جلدیں خود قیمت دے کر مفت تقسیم کرانے کا اعلان کیا ہے۔ کتاب کی عام قیمت چھ آنہ ہے۔ اور فاضل مفسّر سے بہ عنوان میکلوڈ روڈ اشاعت اسلام کالج لاہور مل سکتی ہے۔ فاضل مفسر نے جن اصولوں پر یہ تفسیر لکھی ہے، ان کے متعلق وہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ زیادہ تر قرآن کریم کو قرآن کریم ہی کے دوسرے مقامات سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ سے جو معنی مروی ہیں، ان کو مقدم مانا ہے۔ اور اپنی رائے کو لغت کے ماتحت رکھا ہے۔ یہ نہایت پاکیزہ اصول ہیں اور یہ مفید ترین تفسیر واقع میں انہی اصولوں پر ہے۔''

❁❁❁

2 مئی 1915ء

اداریہ

دو جھوٹی افواہوں کی تردید

میرے متعلق جو کچھ قادیان میں بعض مہربانوں نے افتراء کرنے اور جھوٹے الزمات لگانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ جن میں بعض اکابرِ قادیان بھی شامل ہیں۔ میں نے ایسی بیہودگیوں کو کبھی بھی اس قابل نہیں سمجھا کہ خواہ مخواہ ان پر بحث چھیڑ کر اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ اور وقت، روپیہ اور توجہ کو ان نکمے کاموں پر تباہ کیا جائے۔ بہت سی باتیں سنیں اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہہ کر ان سے اعراض کیا۔ اگر میں ایک ایک بات کی تردید کرنے بیٹھوں تو آئے دن جو الفضل اور الحکم کے کالم انہی کاموں کے لئے مخصوص ہیں، ان کے جوابوں کے لئے ایک الگ اخبار چاہیئے۔ ایک پرانے مہربان کو جب میں نے کہا کہ ایسی باتیں جو تم میرے متعلق کہتے ہو اگر جھوٹ ہیں تو یہ افتراء ہے۔ اور اگر سچ ہے تو پھر بھی غیبت ہے۔ جواب دیا کہ ہم اسے ثواب سمجھتے ہیں۔ پس میں نے شروع سے ان سب معاملات کو خدا کے سپرد کر رکھا ہے۔ ہاں! ایک بات پر جب میاں صاحب نے حد سے زیادہ زور دیا۔ بار بار اسے خطبوں اور وعظوں، اشتہاروں میں بیان کیا۔ تو مجھے مجبوراً بیان کرنا پڑا کہ یہ سراسر جھوٹ اور افتراء ہے۔ اب اس قسم کی دو اور باتیں ہیں۔

1۔ قادیان سے دفتر مطبع ضیاء الاسلام سے جہاں میاں صاحب کی کتابیں چھپتی ہیں اس مطبع کے مینیجر کی طرف سے میرے پاس ایک رجسٹری شدہ خط آیا ہے۔ جس میں تھوڑی سی تمہید کے بعد ذیل کی افواہ کا ذکر ہے۔

''آج کل بھی ایک افواہ اسی رنگ میں اڑائی جاتی ہے کہ آپ کے پاس حقیقت النبوت کے پروف (قبل اشاعت حقیقۃ النبوت) مطبع ضیاء الاسلام قادیان سے ساتھ ساتھ پہنچتے رہے ہیں۔ یہ ایک خیال جو آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ چونکہ میرا تعلق مطبع ضیاء

الاسلام سے ہے۔ اس لئے میں بہ حیثیت ذمہ دار مطبع یہ تحقیق کرنا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی اثناء طبع حقیقۃ النبوت آپ کے پاس پروف پہنچتے رہے ہیں...... دوسرے دریافت طلب امر یہ ہے اگر آپ کے پاس پروف پہنچتے رہے ہیں۔ تو کیا آپ کے ایماء سے ایسا ہوتا رہا ہے۔ یا کسی نے اخلاص سے ایسے فعل کو جائز سمجھا۔''

سواس کا جواب یہ ہے، اور بذریعہ اخبار اس لئے اس کا دینا ضروری ہے کہ یہ افواہ قادیان سے نکل کر باہر بھی پہنچ چکی ہے، کہ میرے پاس کوئی پروف حقیقۃ النبوت کا ایک سطر تک کا بھی نہیں پہنچا۔ اور مجھے کتاب کے مضمون سے اس وقت اطلاع ملی جب میاں صاحب کے دو مریدوں نے وہ کتاب مجھے لا کر دی۔ غالبًا یہ افواہ اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ اس قدر جلدی حقیقت النبوت کا جواب لکھا گیا۔ سو جواب کا لکھنا وقت تو اس وقت چاہتا جب کتاب کی بنیاد کسی مضبوط بات پر ہوتی۔ مگر میاں صاحب نے کتاب کی بنیاد ہی ایک ایسے لغو امر پر رکھی ہے جو کبھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ یعنی یہ کہ پندرہ سال حضرت صاحب اپنے آپ کو جزئی نبی سمجھتے رہے۔ پھر کامل نبی سمجھنے لگے۔ یہ ایک ایسا بودہ اور بیہودہ خیال ہے کہ انسان آنکھیں بند کر کے پیر کی ہر بات پر سبحان اللہ کہہ دینا اپنا فرض سمجھے تو اس کا تو کوئی چارہ نہیں، ورنہ جو شخص ادنیٰ فہم اور تدبر سے کام لے گا، وہ اس کے بالبداہت فضول ہونے کا قائل ہوگا۔ اب باقی رہا میرے کسی دوست کا اخلاص سے پروف چرا کر مجھے بھیجنا، سو یہ ایک ایسا گندہ خیال ہے کہ میں اپنے احباب کو اس قسم کے خیالات سے پاک سمجھتا ہوں۔ میرا کوئی محکمہ جاسوسی کا نہیں مَنۡ یَّکۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا یَکۡسِبُہٗ عَلٰی نَفۡسِہٖ (111:4) کی بنا پر قادیان والوں نے سمجھ رکھا میں بِحَمۡدِ اللّٰہِ مسلمان ہوں۔ نہ جاسوسوں کی ضرورت مجھے ہے، نہ خاص کارندوں کی۔

2۔ دوسری افواہ، جس کے راوی میر حامد شاہ صاحب جیسے ثقہ آدمی ہیں، یہ ہے کہ میں نے گویا میر صاحب کو قادیان میں یہ کہا تھا کہ میں میاں صاحب کی بیعت کرلوں گا۔ اور تم لاہور والوں کو بھی سمجھاتے جاؤ۔ اور کہ یہ واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات سے اڑہائی ماہ پیشتر یعنی ایام جلسہ دسمبر 1913ء کا ہے۔ اس واقعہ کو میر صاحب نے، جو شاعر بھی ہیں، نظم میں بھی سجایا ہے۔

خدا تعالیٰ میر صاحب کی حالت پر رحم کرے کہ وہ کہاں سے کہاں چلے گئے۔ ایک دن تھا کہ قسمیں کھا کر کہتے تھے حق پر تم ہی ہو۔ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے دونوں فریق سے الگ تھلگ رہوں گا۔ حالانکہ اگر میں نے ان سے بیعت کرنے کا اقرار کیا تھا۔ تو لاہور میں سارے مجمع کے سامنے کیوں ان کی زبان نہ کھلی۔ اب لوگوں کو یہ کہتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح مرحوم کی وفات سے اڑہائی ماہ پیشتر لوگوں سے میاں صاحب کی بیعت کا اقرار لیتے پھرتے تھے۔ اس کمبخت اندھی تقلید کا ستیاناس ہو کہ یہ انسان کو اپنے عقل وفکر سے کام نہیں لینے دیتی۔ ایک طرف پیر قسمیں کھاتا ہے کہ مجھے کبھی خلافت کا خیال بھی نہ تھا۔ دوسری طرف مرید کہتے ہیں ہم پہلے سے لوگوں سے بیعت کا اقرار لے رہے تھے۔ اس واقعہ سے کم از کم میر صاحب کے اصل خیالات اور میاں صاحب کی قسموں کا پتہ لگتا ہے کہ کوشش کیا ہو رہی تھی۔ اور اب کیا کہہ رہے ہیں۔ لیکن میں میر صاحب کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ اگر ان کی اس گفتگو کا وہ منشاء تھا جو اَب وہ سناتے پھرتے ہیں۔ تو میں نے ہرگز ایسا نہیں سمجھا۔ اس میں شک نہیں کہ مسئلہ کفر واسلام پر میر صاحب نے میاں صاحب کے ساتھ اپنی گفتگو کا کچھ ذکر کیا تھا۔ جس سے اب یہ پتہ لگتا ہے کہ میر صاحب کا تیئس سال کا ایمان اور عقیدہ اس مسئلہ کے متعلق میاں صاحب کے ایک ہی لفظ سے هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (23:25) ہو گیا ہے۔ مگر اس وقت تو میر صاحب اپنے عقیدہ کا میاں صاحب کے عقیدہ سے اختلاف کا ذکر کر رہے تھے۔ میر صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ میں نے میاں صاحب سے کہا کہ اگر آپ خلیفہ ہوں، تو اس اختلاف کا کیا علاج ہوگا۔ جس کا جواب میر صاحب کی زبانی یہ معلوم ہوا تھا کہ ابھی وہ نہیں بتا سکتے۔ لیکن اس گفتگو کے علاوہ جو اصل بات تھی وہ اس وقت میاں صاحب کا انجمن کے اجلاس میں شامل نہ ہونا تھا۔ اور اسی کے متعلق میں نے میر صاحب سے کہا تھا کہ ہم تو ان کی کسی قسم کی مخالفت نہیں کرتے۔

یہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب سے میاں صاحب نے مسلمانوں کے کفر کا فتویٰ شائع کیا۔ میرے کبھی وہم میں بھی نہیں آیا کہ ایسے شخص کی میں بیعت کر سکتا ہوں جو سلسلہ کو ایک ہلاکت کی راہ پر ڈالنا چاہتا ہے۔ اور اسلام کے اصل اصول سمجھنے میں ہی غلطی کھا رہا ہے۔ اور اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح کی وفات کے بعد معاً ہی میں نے میاں صاحب کو الگ کر کے کہہ دیا تھا کہ مسئلہ کفر واسلام میں چونکہ ہم آپ کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور اس غلطی کا جماعت سے دور کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اس لئے اہل الرائے کو اکٹھا کر کے کوئی ایسی راہ سوچی جائے

کہ ان مسائل پر آزادانہ بحث بھی ہو سکے۔ ہم اپنے عقائد کا اظہار کھلا کر سکیں۔ آپ اپنے عقائد کا اظہار کر سکیں اور کام ایک جگہ بھی ہوتا رہے۔ مگر میاں صاحب نے مرغی کی ایک ٹانگ کو ہی قائم رکھا۔ اور یہ کہا کہ جب تک بیعت نہ ہو اتحاد ناممکن ہے۔ اور بیعت کے بعد مرید مرشد کے خلاف اپنے عقیدہ کا اظہار نہیں کر سکتا۔

چونکہ اس طرح پر سلسلہ ہمیشہ کے لئے ایک غلطی پر جمع ہو جاتا ہے، اس لئے مجبوراً ہمیں علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ یہ میں جانتا ہوں کہ جب تک میاں صاحب نے اپریل 1911ء میں مسلمانوں کا تکفیر کا فتویٰ شائع نہیں کیا، اس وقت سے پہلے حضرت مولوی صاحب مرحوم کے گھوڑے سے گرنے کی بیماری میں یہ بھی بیشک خیال تھا کہ گو میاں صاحب بچے ہیں، مگر چونکہ ان کی اور ان کے اقرباء کی خواہش ہے۔ اور ہم میں سے کوئی اس منصب کا خواہاں ہی نہیں، اس لئے ہم نے ان کو صاف طور پر یہ بات کہہ بھی دی تھی کہ وہ ہماری طرف سے مطمئن رہیں کہ ہم میں سے کسی کو یہ خواہش نہیں۔ اور نہ ان کی خواہش پورا ہونے میں ہمیں کوئی تعرض ہے۔

مگر جب ان کا عقیدہ اپریل 1911ء میں معلوم ہوا۔ اور پھر 1913ء میں انہوں نے اس عقیدہ کا از سر نو جلسہ سالانہ میں اعلان کیا، تو اس وقت سے میں نے تو ایسے شخص کی بیعت کرنے کو، جو اصولاً ایک خطرناک غلطی میں مبتلا ہے، جس سے درحقیقت دین اسلام کی ہی بیخ کنی ہوتی ہے، اپنے نزدیک ایمان فروشی سمجھا ہے۔ اور سارے تعلقات پر محض صداقت کو اور سلسلہ کو ہلاکت سے بچانے کے فرض کو ترجیح دی ہے۔ اور اب تو مزید برآں میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ میاں صاحب کی بیعت نے پیر پرستی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اور قوم کو اندھی تقلید کے گڑھے میں گرا دیا ہے۔ پس ان سب امور سے میں ایسا ہی بیزار ہوں جیسا ایک مومن کو شرک و کفر کے عقائد سے بیزار ہونا چاہیئے۔ ہاں! وہ کمزور دل جو ہمارے میر صاحب کی طرح صداقت کو اس طرف پا کر بھی محض مسیح موعود کی اولاد کی محبت کو سچائی کی محبت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو وہ مومنانہ شجاعت عطا فرمائے جو صداقت کے مقابل کسی چیز کی بھی پروا نہیں کرتی۔

دوستو! گدیاں تو دنیا میں بہت ہیں۔ اگر ضرورت ہے تو مومنانہ جرأت کی۔ اور اگر 1910ء کے بعد میرے خیالات میں یہ تغیر آیا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے بھی اس بات کو محسوس کیا اور اس

لئے اپنی آخری بیماری میں جب اپنی صحت کے لئے دعا کرنے پر وہ ارشاد ہوا جس کا مطلب تھا کہ تم دنیا کی زندگی کو مت چاہو۔ تو آپ نے مجھے مسئلہ کفر واسلام پر فتویٰ لکھنے کے لئے مقرر فرمایا۔ اور میرے سامنے عین انہی ایام میں یعنی مجھے حکم دینے کے بعد میاں صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس مسئلہ کو بہت لوگوں نے نہیں سمجھا۔ ہمارے میاں نے بھی نہیں سمجھا۔ اور اسی لئے جب وصیت کے بعد بعض خلیفہ سازوں نے، جو ہمیشہ سے میاں صاحب کی خلافت کے لئے خاص کوشش کرتے رہے تھے، پھر کوشش کی کہ حضرت خلیفۃ المسیح سے میاں صاحب کا نام لکھوائیں۔ تو حضرت صاحب نے نام نہیں لکھا۔ اور اپنے ہاتھ سے جماعت کو ہلاکت کی راہ پر ڈالنا پسند نہ کیا۔

ہاں! افسوس ہے تو یہ کہ جماعت، جس کا فرض تھا کہ وہ بیعت کی پناہ تلاش کرنے سے پہلے اس اہم مسئلہ پر غور کرتی، اس نے اپنے عہد کو، جو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا تھا، بھلا دیا اور دنیوی تعلقات پر اصول دین کو قربان کر دیا۔ اب مجھے ساری عمر مرتد اور فاسق کہتے جاؤ۔ مگر یہ واقعات ہیں جن پر اگر تم نہیں تو تمہاری پیچھے آنے والی نسلیں غور کریں گی۔ میری تو اب بھی یہی نصیحت ہے کہ ایک خدا کا خوف کرو۔ کسی کی بددعاؤں سے مت ڈرو کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جہاں حق پاؤ، وہاں ساتھ ہو جاؤ۔ اور قادیان اور مسیح موعود کی اولاد کو بت نہ بناؤ۔

والسلام

خاکسار **محمد علی** احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

یکم جون 1915ء

حضرت مسیح موعود کا ایک نایاب مکتوب

شائد بعض پرانے خدام مسیحؑ کو یاد ہوگا کہ 1892ء کے اوائل میں بمقام لاہور حضرت مسیح موعودؑ اور مولوی عبدالحکیم صاحب کے مابین ایک مباحثہ ہوا تھا۔ یہ بحث چند دن ہوتی رہی جس کے دوران میں حضرت اقدسؑ اپنے دعویٰ نبوت کی مفصل حقیقت ایک بڑے بھاری جلسہ کے رو برو بیان فرماتے رہے اور اپنی مختلف تصانیف کے ان مقامات کی بھی تشریح کردی، جن کے رو سے مخالف حضرت اقدسؑ پر مدعی نبوت ہونے کا الزام لگاتا تھا۔ بحث کے آخری دن مولوی عبدالحکیم صاحب نے جواب لکھنا شروع کیا اور تھوڑا سا جواب لکھنے کے بعد یہ لکھا کہ:

''اگر مرزا صاحب کو نبوت کا دعویٰ نہیں تو وہ رسالہ توضیح مرام کی اس عبارت کے معنی سمجھا دیں۔ جو صفحہ 180 میں درج ہے۔''

اس پر حضرت اقدس نے دریافت فرمایا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو زبانی سمجھا دوں۔ مولوی صاحب نے کہا۔ ہاں۔ جس پر حضرت اقدس نے ایک مختصر تقریر فرمائی اور اپنے رسالہ کے دیگر مقامات اپنی تشریح کے ثبوت میں پیش کئے۔ جسے سن کر مخالف کا سوائے ایک عذر کے اور کوئی عذر نہ رہا۔ اور وہ عذر یہ تھا۔ کہ عوام الناس اس تشریح کو سمجھ نہیں سکتے۔ اور چونکہ اس غلطی فہمی سے امت میں فتنہ بپا ہو رہا ہے۔ اس لئے اسے فرو کرنے کی کوئی سبیل ہونی چاہئیے۔ مولوی صاحب نے اپنے پہلے جواب کے آخر میں بھی بڑا زور اس بات پر دیا تھا اور اب بھی اسی بات پر زور دیا کہ جس حال میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں کفار کے اصرار پر رسول اللہ کا لفظ اپنے نام نامی سے کٹوا دیا تھا۔ حالانکہ آپ واقعی رسول تھے۔ اور رسول ہونے کے مدعی تھے۔ تو پھر حضرت مرزا صاحب، جس حال میں کہ انہیں نبی ہونے کا دعویٰ بھی نہیں اور نبوت سے صاف انکار کرتے ہیں، کیوں نبی کے لفظ کو جس سے لوگوں کو مغالطہ پڑتا ہے اور امت میں فتنہ بپا ہوتا ہے، اپنے رسالہ سے

کاٹ نہیں دیتے۔

حضرت اقدس نے پھر فرمایا کہ میں نے ابھی آپ لوگوں کے روبرو اس لفظ کی تشریح کر دی ہے۔ اور ابھی ظاہر کر دیا ہے کہ اس لفظ کے استعمال سے میرا مفہوم وہ نہیں جو مجھ پر الزام لگانے والے قرار دیتے ہیں۔ اور مجھے صرف محدثیت کا دعویٰ ہے۔ اور اس لفظ محدثیت کی تعریف کرنے میں مَیں نے اسے جزوی نبوت یا نبوت ناقصہ سے تعبیر کیا ہے۔ تو پھر ایسی صاف تشریح کے بعد اور میرے اقرار کے بعد اور نیز میرے رسائل کے دیگر مقامات کے پڑھے جانے کے بعد کیوں اس لفظ کے کٹوانے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ مگر مخالف کی طرف سے یہ عذر پیش ہوا کہ جب آپ کا اس لفظ کے کٹوانے سے کوئی حرج نہیں۔ اور آپ کے دعویٰ کو اس لفظ کا نہ ہونا مضر نہیں اور مسلمانوں میں اس لفظ سے فتنہ بپا ہوتا ہے۔ تو آپ کیوں اس لفظ کو رسالوں سے نہیں کٹوا دیتے کہ عوام الناس مغالطہ نہ کھائیں اور ان میں فتنہ بپا نہ ہو۔ جس پر حضرت اقدس نے یہ تحریر لکھ دی۔ جس پر بحث کا خاتمہ ہو گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

اَمَّا بَعْدُ تمام مسلمانوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح الاسلام و توضیح المرام و ازالۃ الاوھام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے۔ یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کے رو سے بیان کئے گئے ہیں۔ ورنہ حاشا وکلا مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعویٰ نہیں بلکہ جیسا کہ میں کتاب ازالۃ الاوھام کے صفحہ 137 میں لکھ چکا ہوں۔ میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں پر ناراضی ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے۔ جس حالت

میں ابتدا سے میری نیت میں، جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ خوب جانتا ہے۔ اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ صرف محدث مراد ہے۔ جس کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکلّم مراد لئے ہیں۔ یعنی محدثوں کی نسبت فرمایا ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ. قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ رِجَالٌ یُکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْآ اَنْبِیَآءَ فَاِنْ یَّکُنْ مِنْ اُمَّتِیْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرَ ☆ (صحیح بخاری جلد اول صفحہ 521 پارہ 14 باب مناقب عمرؓ) تو پھر مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دل جوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرا یہ میں بیان کرنے سے کیا عذر ہوسکتا ہے۔ سو دوسرا پیرا یہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرما لیں۔ اور نیز عنقریب یہ عاجز ایک رسالہ مستقلہ نکالنے والا ہے۔ جس میں ان شبہات کی تفصیل اور بسط سے تشریح کی جائے گی۔ جو میری کتابوں کے پڑھنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور میری بعض تحریرات کو خلافِ عقیدہ اہل سنت والجماعت خیال کرتے ہیں۔ سو میں انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ان اوہام کے ازالہ کے لئے پوری تشریح کے ساتھ اس رسالہ کو لکھ دوں گا۔ اور مطابق اہل سنت والجماعت کے بیان کروں گا۔

خاکسار

مرزا غلام احمد قادیانی

مؤلف رسالہ توضیح مرام وازالۃ الاوھام

3 فروری 1892ء

☆

مندرجہ بالا خط بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ تقویٰ سے

کام لیا جائے۔ اسی طرح ایک اور حدیث نبویؐ بھی ملاحظہ ہو:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِيْمَا قَبْلَكُمْ مِّنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَّكُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ

(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبیؐ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہے۔

یکم جون1915ء

نفاق کی تعریف

کلام امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

نفاق کی تعریف

فرمایا۔نفاق اور کفر بعض انسانوں کے اندر بطور بیماری کے جڑ پکڑے ہوئے ہوتا ہے۔قرآن کریم نے نفاق کی اصلیت کو یوں بیان فرمایا ہے کہ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا(10:2) ان کے دلوں میں ایک بیماری ہوتی ہے جو بڑھتی جاتی ہے۔نفاق اس بات کا نام ہے کہ ظاہر کچھ کرے اور دل میں کچھ ہو۔نافقہ اس سوراخ کو کہتے ہیں۔جس کے دو منہ ہوں۔ایسا ہی منافق چونکہ دو قسم کی چالیں اختیار کئے ہوئے ہوتا ہے۔اس لئے اسے اس نام سے پکارا جاتا ہے۔

مومن اور کافر میں فرق

کفر اور نفاق کی بیماری بہت لوگوں کے اندر جڑ پکڑے ہوئے ہوتی ہے۔لیکن اکثر اسے محسوس نہیں کرتے۔تاہم مومن کا لفظ ان پر بھی بولا جاتا ہے۔مشرک کسی کو اس وقت کہتے ہیں۔جب شرک توحید پر غالب آجائے۔ورنہ یوں تو اس سے نجات حاصل کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔

صحابہؓ کی احتیاط

شرک اور نفاق کی بیماری ایسی باریک در باریک راہوں پر مشتمل ہے کہ اور تو اور خود صحابہؓ جن کی نسبت خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ (100:9) جن کی نسبت بتایا کہ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَکَرَّهَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡیَانَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ. (7:49) (تم میں ایمان کی محبت ڈالی گئی۔تمہارے دلوں کو وہ عمدہ معلوم ہوا۔اور کفر، گناہ اور

نافرمانی سے تم کو نفرت دلائی گئی۔ یہی لوگ نیک راہ پر ہیں)

ان کے اگر کبھی حالات کو پڑھو تو پتہ لگتا ہے کہ یہ نفاق کی بیماری ایسی ایسی باریک در باریک ہے کہ وہ بھی اس ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ کہیں یہ بیماری پیدا نہ ہو جائے۔ وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بیٹھتے تھے۔ تو وہ وقت تو ایک ربودگی کا وقت ہوتا تھا۔ کیا ہی سوز وگداز اور ایک انقطاع الی اللہ کی حالت ان پر طاری ہوتی ہوگی۔ ان کی اس حالت کا کسی قدر اندازہ وہ شخص لگا سکتا ہے۔ جو کسی مامور من اللہ کی صحبت میں بیٹھا ہو۔ لیکن وہ بھی کس قدر ہی اندازہ ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مامورین الٰہی کے مراتب میں فرق بین ہے۔ وہ، جس پر کلام الٰہی اترتا ہے۔ کیسی دلکش اور پر لذت وسرور اس کی صحبت ہوئی ہوگی۔ آج ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھ کر کس طرح عش عش کر اٹھتے ہیں۔ لیکن وہ فضیلت ہم کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ جو انہیں نصیب ہوئی۔ اور خدمات دین، بیشک جتنی مرضی ہو، کر لیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب نہیں ہوسکتی۔ ایک مشہور صحابیؓ کا ذکر ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے جب اٹھ کر گئے۔ تو گھر جا کر اور کاموں میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑتے ہوئے آئے اور کہا یَآ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ نَافَقَ الْحَنظَلَۃُ (حنظلہؓ اس صحابی کا نام ہے) جب آپؐ نے پوچھا کہ کیوں خیر ہے۔ تو جواب دیا کہ جب آپؐ کی صحبت میں ہوتے ہیں تو ایک اور ہی عالم محویت طاری ہوتا ہے۔ لیکن گھر جا کر دیگر کاموں میں مشغول ہونا پڑتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو قبض اور بسط ہے۔ یہ منافقت نہیں۔

دیکھو! وہ لوگ جن کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی سند مل چکی ہے۔ وہ جن کو فرمایا حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ (7:49) وہ کس قدر محتاط ہیں۔ ہم کو تو یہ سند بھی نہیں ملی، پھر ہمیں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔ دیکھو اولیاء اللہ نے کہا ہے کہ کفر اور شرک اور نفاق اور ریا کے باریک شعبے ہیں۔ اور انہوں نے ہر ایک شعبہ سے بچنے کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں۔

منافق کی علامات

فرمایا۔منافق میں یہ علامتیں پائی جاتی ہیں کہ:

(1) جب بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے

(2) وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا نہیں کرتا

(3) امانت میں خیانت کرتا ہے

(4) جھگڑے میں گالی گلوچ پر اتر آتا ہے

(5) اِذَا قَامُوْآ اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی (142:4) جب نماز پڑھتا ہے تو بد دلی سے پڑھتا ہے۔بعض حدیثوں میں تو بعض خاص نمازوں کا بھی ذکر ہے کہ منافق پر وہ بوجھل ہوتی ہیں۔مثلاً عشاء اور فجر کی نماز۔اور

(6) ایک یہ بتائی ہے کہ یَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَھُمْ (67:9) بخل اور تنگ دلی سے دیتے ہیں۔قَبْضُ یَدٍ کے معنی ہیں بخل سے دینا۔ بَسْطُ یَدٍ فراخی سے دینے کا نام ہے۔اللہ تعالیٰ کے متعلق آیا ہے یَدٰہُ مَبْسُوْ طَتٰنِ (64:5) خدا کے ہاتھ فراخ ہیں۔یعنی فراخی سے دیتا ہے۔

3 جون 1915ء

منافق کی سزا

کلام امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

فرمایا: منافقین نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں جانے سے انکار کر دیا اور پیچھے بیٹھنے اور احکام کی خلاف ورزی کرنے سے خوش ہوئے۔ جیسا کہ آیت کریمہ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ (81:9) سے ظاہر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آئندہ ان کے لئے یہ سزا تجویز کی کہ ان سے کوئی بھی روحانی اور جسمانی تعلق نہ رکھا جائے۔

(1) ان سے زکوٰۃ نہ لی جائے۔ حدیث میں ایک شخص کا خاص طور پر ذکر ہے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ لینی چھوڑ دی اور فرمایا کہ ہم اس کے مال سے نہیں لیتے۔ پھر بعد میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اس سے کچھ نہ لیا۔ ایسا ہی یہ بھی حکم دیا کہ:

(2) لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا (83:9) نہ تمہیں آئندہ میرے ساتھ جنگ میں جانا ہوگا۔ اور نہ میری معیت میں دشمن سے لڑنا ہوگا۔ پھر ایک اور سزا دی:

(3) لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (84:9) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جنازہ پڑھ کر جب دفن کرتے تو پھر قبر پر کھڑے ہو کر دعا مانگا کرتے۔ منافقین کے لئے اس بات سے بھی روک دیا اور لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ (84:9) کہہ کر ان کے جنازہ سے بھی منع کر دیا۔

لکھا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی مرنے کے قریب ہوا۔ تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں کہلا بھیجا کہ آپ اپنی قمیض بھیج دیجئے۔ تاکہ میں اسے پہن کر دفن کیا جاؤں۔ آپ نے اسے اپنی قمیض بھیج دی۔ کس قدر رحم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تھا! پھر جب وہ فوت ہو گیا۔ تو اس کا بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا حضور! اس کا جنازہ پڑھ دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ پڑھنے کو تیار تھے کہ حضرت عمرؓ آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان روک ہو گئے۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ! اس منافق کا جنازہ ہرگز نہیں پڑھنا۔ کیونکہ ان منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے۔ اِسۡتَغۡفِرۡ لَھُمۡ اَوۡلَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَھُمۡ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَھُمۡ سَبۡعِیۡنَ مَرَّۃً فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَھُمۡ (80:9) آگے جو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خُیِّرۡتُ مجھے اختیار دیا گیا۔ آگے بخشا نہ بخشا خدا کا کام ہے۔

حضرت عمرؓ کے فضائل

حضرت عمرؓ کی رائے بعض مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف ہوتی تھی۔ اور چار ایسے مواقع ہیں کہ جب وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی ہے۔

☆ آیت حجاب: اس آیت کے نزول سے پیشتر عرب میں عورتیں کھلی پھرا کرتی تھیں۔ اور کوئی پردہ نہ ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا کہ یہ کچھ معیوب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس پر وحی الٰہی نے ان کی رائے کی تائید کی۔ اور اتنا ہی حکم صادر ہو گیا۔

☆ تحویل قبلہ کے متعلق بھی حضرت عمرؓ نے ہی کہا تھا یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ اَتَتَّخِذُ مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰھٖمَ مُصَلًّی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ مقام ابراہیم کو جائے نماز قرار دیں گے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

☆ یہی واقعہ لَاتُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنۡھُمۡ (84:9) کا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک منافق کا جنازہ پڑھنے سے روکا۔ تو اس پر وحی الٰہی نے بھی انہی کی تائید کی۔

☆ پھر تَحۡرِیۡمُ خُمَرٍ کا حکم بھی حضرت عمرؓ کی رائے کا ہی مؤید تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور

پانچویں بات بھی لوگوں نے بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ اسیران جنگ کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن چونکہ میری تحقیق میں یہ بات غلط ہے۔ اس لئے میں اس کا ذکر نہیں کرتا۔

آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی نہیں

ایک طرف حضرت عمرؓ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ اور دوسری طرف حضرت ابوبکرؓ کی نسبت ثَانِیَ اثْنَیْنِ (40:9) کا معزز لقب ظاہر کرتا ہے کہ اگر امت میں کوئی نبی ہوسکتا تھا۔ تو وہ صحابہؓ میں سے ہونا چاہیئے تھا۔ انہوں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے تربیت حاصل کی۔ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم کہا۔ اتنے بڑے مراتب کے ہوتے اگر یہ لوگ نبی نہیں تھے۔ تو اور کون ہوسکتا تھا؟ اس پر کسی نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ صرف حضرت عمرؓ کے متعلق اور دوسری جگہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ دونوں کی نسبت فرمایا ہے کہ اگر میری امت میں کوئی نبی ہونا ہوتا تو وہ دونوں ہوتے۔

کیوں آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی نہیں

دیکھو! حضرت موسیٰؑ کے بعد یوشع بن نون ان کے خلیفہ ہوئے ہیں اور وہ نبی تھے۔ کیونکہ شریعت موسوی مکمل نہ تھی۔ لیکن قرآن کریم مکمل کتاب ہے۔ اس لئے اب نبی نہیں آ سکتا۔ (اس پر کسی نے سوال کیا کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے صحابہ کا اتنا تزکیہ نہ کیا تھا کہ ان کے بعد نبوت کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت کا یہ حال نہ تھا۔ اس لئے کوئی ضرورت نہ تھی کہ معاً کوئی نبی بھیجا جائے۔ بعدہ آہستہ آہستہ تیرہ سو برس میں یہ ضرورت پیدا ہوگئی) فرمایا کہ اگر ایسا ہی ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ کا فیض روحانیت حضرت موسیٰؑ سے بھی بہت بڑھ کر تھا۔ جن کے بعد چھ سو برس تک کوئی نبی نہ آیا۔ اور اس طرح حضرت عیسیٰؑ کے مقابلہ میں حضرت موسیٰؑ کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔

❀❀❀

8 جون 1915ء

مسئلہ جنازہ

حضرت مسیح موعود کا خود غیر احمدیوں کا جنازہ پڑھنا

(از حضرت امیر مولٰینا مولوی محمد علی صاحب)

حضرت مسیح موعود کا فتویٰ دربارہ جنازہ غیر احمدی 18 اپریل 1902ء کا مجموعہ فتاوٰی احمدیہ میں صفحہ 118 پر حسب ذیل درج ہے۔

''سوال ہوا کہ جو آدمی اس سلسلہ میں داخل نہیں، اس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود نے فرمایا۔ اگر اس سلسلہ کا مخالف تھا اور ہمیں بُرا کہتا تھا اور بُرا سمجھتا تھا۔ تو اس کا جنازہ نہ پڑھو۔ اور اگر خاموش تھا اور درمیانی حالت میں تھا تو اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ نماز جنازہ کا امام تم میں سے ہو۔ ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔ متوفی اگر مکذب اور مکفر نہ ہو، تو اس کا جنازہ بیشک پڑھ لیا جاوے۔ کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ علام الغیوب خدا ہی کی ذات ہے۔''

اس کے بعد میاں غلام قادر ساکن جیو ونجل کی درخواست پر 12 مئی 1907ء کو حضور نے حسب ذیل فتویٰ مفتی محمد صادق صاحب کے ہاتھ سے لکھوا کر بھیجا ''جو مخالف بُرا نہ بولتا ہو اس کا جنازہ جائز ہے۔ مگر امام بہر حال احمدی ہو خواہ وہ چاہیں تو الگ پڑھ لیں'' ان دو فتوؤں کے ہوتے ہوئے، جو ایک قطعی اور بین دلیل اس بات کی ہیں، کہ حضرت مسیح موعود سب غیر احمدیوں کو کافر نہ جانتے تھے۔ ایک شخص کا احمدی کہلا کر یہ جرأت کرنا کہ وہ کھلے الفاظ میں یہ فتویٰ دے کہ کسی غیر احمدی کا جنازہ کسی احمدی کے لئے پڑھنا جائز نہیں۔ اور پھر باوجود اس علم کے ہو جانے کے کہ حضرت مسیح موعود کا فتویٰ اس کے خلاف موجود ہے۔ اپنے فتویٰ پر اصرار کرنا حیرت میں ڈالتا ہے۔ انسان جب ضد میں آجاتا ہے تو حق کی کوئی پرواہ اسے نہیں رہتی۔ افسوس! کہ میاں صاحب نے حضرت مسیح موعود

کے مذہب کو اعلانیہ چھوڑ کر اپنا نیا مذہب بنایا اور حضرت صاحب کے فتووَں کو نَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ (187:3) کا مصداق بنایا۔ یہ اس جھوٹ کی سزا ہے کہ انہوں نے حضرت صاحب کے مخلصوں پر، سلسلہ کے خادموں پر یہ جھوٹا الزام دیا کہ وہ مسیح موعودؑ کے مذہب پر نہیں۔ آخر یہ سزا ملی کہ خود اعلانیہ حضرت مسیح موعودؑ کے مذہب کو جواب دے رہے ہیں۔ اور مرید بھی تقلید کی پٹی آنکھوں پر باندھے ہوئے یہ سوال نہیں کرتے کہ یہ نیا مذہب کیوں قائم کیا جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا فتویٰ پیش کرنے پر ایک یہ عذر تراشا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے خود کبھی جنازہ نہیں پڑھا۔ کاش! یہ عقلمند اتنا ہی غور کرتے کہ کیا وہ مسیح موعودؑ کو لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (2:61) کا مصداق بنانا چاہتے ہیں۔

جب کھلا اور صاف فتویٰ موجود ہے کہ سوائے مخصوص حالتوں کے جنازہ پڑھ لینا جائز ہے۔ تو یہ عذر، کہ حضرت مسیح موعود نے ایسا نہیں کیا۔ کیا نا معقول ہے۔ حضرت صاحب کی زندگی میں بسا اوقات ایسا ہوا کہ کسی شخص نے لکھا کہ میرا فلاں قریبی فوت ہو گیا ہے۔ وہ حضور کی بیعت میں نہ تھا۔ مگر بُرا نہ کہتا تھا۔ تو آپ نے غائبانہ جنازہ پڑھا ہے۔ مگر اس وقت کس کو یہ علم تھا کہ ایسی تمام شہادتیں جمع کر لینی چاہئیں۔ مگر اللہ تعالیٰ، جو حق کا حامی ہے، وہ حق کو باطل کے ساتھ ملتبس نہیں ہونے دیتا۔ اور بعض وہ واقعات بھی اب خود مبائعین میاں صاحب کی شہادتوں سے ثابت ہوتے جاتے ہیں۔

چنانچہ ان میں سب سے پہلی شہادت میر عابد علی شاہ صاحب ساکن بدوملہی کی ہے۔ جو شیخ نور احمد صاحب وکیل ایبٹ آباد کے استفسار پر انہوں نے دی ہے کہ ان کی والدہ کا جنازہ حضرت مسیح موعود نے، باوجود اس علم کے پڑھا، کہ اس نے نہ صرف آپ کی بیعت نہیں کی بلکہ خود میر صاحب کی بیعت کی وجہ سے آخر دم تک ان سے ناراض رہیں۔ جو ایک گونہ مخالفت ہے۔

میر صاحب نے اپنی شہادت میں جو یہ لکھا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح مولوی نورالدین صاحب کا حکم تھا کہ غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھایا جائے۔ یہ خلاف واقعات ہے۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم نے کبھی کوئی ایسا

فتویٰ نہیں دیا (جہاں تک ہمارا علم ہے) جس میں سب غیر احمدیوں کا جنازہ ناجائز قرار دیا ہو۔ ہاں! کسی خاص آدمی کے متعلق ایسا حکم دیا ہو تو علیحدہ بات ہے۔ آپ کے مذہب کی اس سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے۔ جو آپ نے اپنی قلم سے لکھ کر مولوی فضل دین صاحب کھاریاں والے کو یہ فتویٰ تحریر فرمایا کہ ایسے غیر احمدی کے پیچھے، جو حسن ظن رکھتا ہو۔ استخارہ کر کے نماز پڑھ لینی بھی جائز ہے۔ چنانچہ آپ کی وہ تحریر حسب ذیل ہے۔

''السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

جو لوگ منافق طبع نہیں اور جو لوگ واقعی حسن ظن رکھتے ہیں۔ وہ کسی قدر معذور ہو سکتے ہیں۔ آپ بعد الاستخارہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ والسلام

دستخط

نورالدین

25 فروری 1910ء

☆

پھر میاں صاحب کو، میر صاحب کو سب حاجیوں کو وقتاً فوقتاً یہ فتوے دیتے رہے کہ عرب میں غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ افریقہ کے متعلق، ولایت کے متعلق بھی آپ کے کھلے فتوے موجود ہیں پھر آپ نے اپنی آخری علالت میں خود اپنی بھتیجی کا، جو غیر احمدی تھی، جنازہ پڑھا۔ سو آپ کے متعلق ایسا خیال کسی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ ہاں! البتہ میر صاحب کے موجودہ مرشد کا بیشک یہ فتویٰ ہے۔ مگر میاں صاحب، نے جو آج حضرت صاحب کے کھلے فتویٰ کی اس طرح مخالفت کر رہے ہیں، ڈیڑھ سال گزرا ہے ایک بڑا مضمون لکھا تھا کہ مسائل میں اختلاف کے وقت کسی خلیفہ کے فتویٰ کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت صاحب کی کتابیں اردو میں ہیں۔ سب لوگ خود پڑھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ پھر اب کیوں ساری جماعت کو گمراہی میں ڈال رہے ہیں۔ اور کیوں ان کو نہیں کہتے کہ حضرت صاحب کے فتویٰ پر عمل کرو۔ وہ فتویٰ اردو میں موجود ہے۔ کسی ترجمہ کا کسی تشریح کا محتاج

نہیں۔

اب ہم ذیل میں شیخ نور احمد صاحب کا خط اور میر عابد علی شاہ صاحب کا جواب درج کرتے ہیں۔اور امید کرتے ہیں کہ دوسرے احباب بھی، جو احقاق حق کو اپنا جزو ایمان سمجھتے ہیں، میر صاحب کی طرح جرأت کر کے ان واقعات پر روشنی ڈالیں گے اور ایک باطل کو مٹانے کی کوشش کریں گے۔

ہم میر صاحب کو یہ بھی یقین دلاتے ہیں کہ اس سوال کا خلافت عدم خلافت سے کوئی تعلق نہیں۔اصل غرض یہ ہے کہ سب لوگ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا (165:2) کو چھوڑ کر حضرت مسیح موعود کے مذہب پر قائم ہو جائیں۔

نقل خط شیخ نور احمد صاحب وکیل ایبٹ آباد بنام میر عابد علی شاہ صاحب

مکرمی حضرت شاہ صاحب زادالطافکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدت سے جناب کی خیریت کی خبر نہیں پہنچی۔امید ہے کہ خداوند کریم کے فضل وکرم سے آپ بالکل تندرست ہوں گے۔اس خط کو غور سے پڑھ کر جواب بواپسی ڈاک سے مشکور فرما دیں۔سوال یہ ہے کہ جب آپ کی والدہ صاحبہ مرحومہ مغفورہ کا انتقال ہوا تھا۔تو غالبًا آپ کی تحریک پر حضرت مرزا صاحب مسیح موعود نے ان کا جنازہ قادیان میں پڑھا تھا۔حالانکہ حضرت اقدس کو علم تھا کہ جناب کی والدہ صاحبہ نے ان کی بیعت نہیں کی ہے۔اور وہ اپنی حیات میں آپ سے بھی اس وجہ سے ناراض رہیں کہ آپ نے حضرت اقدس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔حضرت اقدس کو بھی اس بات کا علم تھا کہ وہ حضرت صاحب کی مخالف تھیں اور بیعت میں شامل نہ تھیں۔اس لئے معروض ہوں کہ آپ ٹھیک ٹھیک واقعات قلمبند فرما کر مجھے جواب سے مشکور فرما دیں گے۔چونکہ ایبٹ آباد میں اس مسئلہ پر تنازعہ ہے۔آپ کے جواب آنے پر امید ہے کہ تصفیہ ہو جاوے گا۔میں آپ کو خدا کی قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ بھی خدا کی قسم اٹھا کر اس خط کی پشت پر جواب تحریر فرما دیں گے۔جواب اس خط کو پڑھ کر مجھے روانہ کیا جائے۔باعث مشکور ہوگا۔ لَا تَکْتُمُوا الشَّهَادَةَ (283:2) کا بھی خیال رہے۔والسلام

آپ کا تابعدار

نور احمد، وکیل

☆

جواب میر عابد علی شاہ صاحب

محبی مکرمی شیخ صاحب۔ احسن اللہ احوالکم۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ کو شرف اصدار لائے ڈیڑھ مہینہ ہوا۔ چونکہ ارد گرد کثرت سے طاعون رہی ہے۔ بیماروں کے علاج کی مصروفیت جواب میں تساہل کا باعث ہوئی۔ چونکہ آپ نے احقر کو خدا تعالیٰ کی قسم دی ہے کہ قسم اٹھا کر جواب تحریر کریں۔ اس لئے ایسا ہی کیا جاتا ہے کہ احقر سوال کا جواب لکھنے سے پہلے حلف اٹھاتا ہے کہ احقر کو قسم ہے اس پروردگار حقیقی کی جس کے قبضہ قدرت میں احقر کی جان ہے۔ آپ کے سوال کے جواب میں جو کچھ یاد ہے۔ خداداد توفیق اور اس کے فضل سے اس میں کمی بیشی نہیں کرے گا اور وہ یہ ہے۔

احقر کو اس پیارے مولا کریم نے محض اپنے فضل وکرم سے بذریعہ الہام حضرت مسیح موعودؑ (**فداہ ابی وامی وروحی وقلبی**) کی شناخت عطا فرمائی اور بیعت سے مشرف کیا۔ تو حضرت والدہ صاحبہ مکرمہ سخت ناراض ہوگئیں اور رہیں۔ پھر ان کی مرض الموت کے آخری ایام میں قریباً دو اڑہائی مہینے احقر حاضر رہا۔ احقر حضرت صاحب کی عالی خدمت میں اکثر روزانہ عریضہ ارسال کیا کرتا تھا۔ ان ایام میں بھی کبھی روزانہ اور کبھی دو ایک روز فاصلہ سے عرض کرتا رہا۔ جن کے مضمون کا اکثر یہ حصہ ہوتا تھا کہ لِلّٰہِ حضور دعا فرماویں کہ خدا تعالیٰ حضرت والدہ مکرمہ کو حضور کی شناخت اور غلامی کا شرف بخشے۔ تا کہ وہ اس دولت سے (جو عین خدا تعالیٰ کی رحمت ہے) بے نصیب نہ جائیں۔ لِلّٰہِ حضور دعا فرما دیں کہ وہ پیارا مولا کریم انہیں بذریعہ الہام حضور کی شناخت کی راہ کھول دے۔ چونکہ حضرت والدہ صاحبہ کا رعب بہ پاس ادب احقر پر بہت ہی تھا اور زیادہ تر یہ کہ جبکہ احقر کو اس

پیارے مولا کریم نے بذریعہ الہام حضرت اقدس کی شناخت عطا فرمائی تھی۔ اس لئے احقر کو یہی راہ سوجھتی رہی کہ بار بار حضرت مسیح موعود کی عالی خدمت میں یہی عرض کیا جائے تا کہ حضرت مسیح موعود کی دعاؤں کے طفیل سے وہ پیارا مولا کریم حضرت والدہ صاحب مکرمہ پر اپنا کلام نازل فرما کر اس دولت سے بہرہ یاب فرما دے۔ پھر وفات سے چند یوم پہلے احقر نے خلوت پا کر عرض کیا کہ آپ کو اس عاجز پر حضرت مسیح موعود کی بیعت کرنے کے سوا عاجز کی کسی کمزوری پر کوئی اور ناراضگی بھی ہے۔ اگر ہے تو لِلّٰہِ معاف فرما دیں۔ اور بیعت کی نسبت ہرگز کسی قسم کی معافی نہیں مانگ سکتا۔ کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ تو جواب میں فرمایا کہ اس کے سوا ہمیں اور تو کوئی ناراضگی نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمانے لگیں کہ ہمیں اپنی بیعت کرنے کا حال اور نیز مرزا صاحب (فداہ روحی) کا حال سناؤ۔ تو عاجز نے بذریعہ الہام الٰہی حضرت مسیح موعود کی بیعت کرنے کا ذکر شروع کیا۔ ابھی تھوڑا ہی عرض کیا تھا کہ انہیں کھانسی شروع ہوگئی۔ جس کی وجہ سے بیعت کا حال بھی درمیان ہی رہا۔ آخر اسی حالت میں حضرت والدہ صاحبہ نے اس دنیا سے انتقال کیا۔

تو عاجز نے حضرت مسیح موعود کے عالی حضور میں بذریعہ عریضہ عرض کی کہ حضرت والدہ صاحبہ مکرمہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور حضور سے عرض کرنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ اگر حضور رحمت مجسم پسند اور قبول فرماویں۔ تو حضرت والدہ مکرمہ مرحومہ کے حق میں دعا فرماویں اور جنازہ پڑھیں (یہ اس لمبے عریضہ کا جو حضرت اقدس کے حضور میں لکھا خلاصہ مطلب ہے۔ جو اوپر عرض کیا گیا ہے)

اس کے جواب میں حضرت صاحب (فداہ روحی) کی طرف سے مخدومی مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی قلم کا لکھا ہوا رحمت نامہ، جسے تعزیت نامہ کہنا بجا ہے، شرف اصدار لایا۔ جس میں حضرت والدہ صاحبہ مکرمہ کے انتقال پر اظہار افسوس کے بعد دعا اور تسکین تھی۔ اور آخر یہ تحریر تھا کہ:

''حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن آپ کی والدہ صاحبہ کا جنازہ پڑھیں گے''۔

پھر حضرت خلیفۃ المسیح اول کے زمانہ میں اس امر کی نسبت کچھ ذکر ہوا۔ تو عاجز نے ارادہ کیا کہ اس بات کو حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور میں پیش کر دے کہ حضرت والدہ صاحبہ مکرمہ حضرت صاحب کی زندگی ہی میں بیعت کرنے کے سوا ہی فوت ہوگئی تھیں۔ اور حضرت مسیح موعود نے باوجود اس علم کے عاجز کی درخواست منظور فرما کر ان کا جنازہ پڑھا تھا۔ اتنے میں حضرت خلیفۃ المسیح کا حکم آ گیا کہ جنازہ نہ پڑھنا چاہیئے۔ تو اس حکم کے بعد عاجز نے اس کا پیش کرنا ترک ادب سمجھا۔ اب خلیفۃ الثانی کا حکم بھی خلیفہ اول ہی کے مطابق ہے۔ پھر بھی احقر نے اسے پیش کرنا جسارت سمجھا۔ اب آپ نے احقر کو حلف دیا ہے۔ جو غالباً معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نفس خلافت کے اختلاف کی وجہ سے، جو کہ باہمی ہے، ایسا کیا ہے۔ سو اگرچہ عاجز کو علم ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول و ثانی کا حکم اس کے خلاف ہے۔ اپنا علم جیسا کہ ہے اس پیارے مولا کریم علیم و خبیر کو حاضر ناظر جان کر پیش کرتا ہے۔ اور اسی واسطے ذرا تفصیل سے لکھ دیا ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ خط کی پشت پر جواب دیا جاوے۔ اصل خط رکھ کر اس کی نقل واپس ارسال کی جاتی ہے۔ شائد آپ نے اسے پاس رکھنا ہو۔ احقر حلف دینے کے بغیر ہی آپ کو ایک تکلیف دیتا ہے کہ اگر احقر کا یہ خط کسی اخبار میں شائع کرنا ہو تو سالم کا سالم شائع فرما دیں محض اس کی کوئی جزو ہی شائع نہ کی جائے۔ آپ کا خط مع اپنے جواب کے ایوان خلافت میں بھیج دیا گیا ہے۔ والسلام

احقر العباد اللہ

میر عابد علی، از بدوملہی

31 مئی 1915ء

❁❁❁

22 جون 1915ء

مبلغین کے لئے ہدایات

(جو حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے گزشتہ 14-15 جون 1915ء کی درمیانی شب کو مبلغین اسلام کو برائے تبلیغ رخصت کرتے وقت فرمائیں۔ایڈیٹر)

آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ تبلیغ یا وعظ کے لئے باہر نکلتے ہیں۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا دعوت الی الخیر کے لئے۔جس کے معنی ہیں اسلام کی طرف بلانا۔آپ باہر جاتے ہیں۔آپ کا کام اس سفر میں کیا ہے۔لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جو کچھ اللہ کی کامل توحید پر اعتراض ہوتے ہیں۔جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اعتراض کئے جاتے ہیں، ان کا جواب دینا۔اور اس کے مقابل اللہ تعالیٰ کی کامل توحید اور صداقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرنا۔

یہی کام آریوں کے متعلق ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی کامل توحید پر یہ حملہ کرتے ہیں کہ اس کی صفات ازلیت وابدیت میں ایک اور وجود روح اور مادہ کو بھی شامل کرتے ہیں۔ایسا ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر بھی وہ یوں حملہ آور ہوتے ہیں کہ ان کا دعویٰ ہے بت پرستی کے اٹھا دینے کا۔وہ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی کو کیا دور کرنا تھا ہم نے بتوں کو توڑا ہے۔حالانکہ حق یہ ہے کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں نہ آتے تو بت پرستی دنیا سے نہ اٹھ سکتی۔یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی احسان ہے کہ ان سے فائدہ اٹھا کر دنیا کی باقی قوموں نے بھی اس قباحت کو دور کرنے کی کوشش کی۔

خود عیسائیوں میں جو تحریک ہوئی کہ رومن کیتھولک مذہب سے بت پرستی کو دور کیا جائے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی فیض رسانی کا نتیجہ تھا۔آریوں نے بھی آپ ہی کی کوششوں سے فائدہ اٹھایا۔لیکن انسان اپنے محسن کی قدر نہیں کرتا۔اسلام نے بڑے بڑے احسان دنیا پر کئے ہیں۔لیکن لوگوں نے قدر نہیں کی۔ہاں! وہ وقت آئے گا کہ جب لوگ اس کے پاک کاموں کو بنظر استحسان دیکھیں گے۔

آپ کو سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح آپ ایک سپاہی کی حیثیت سے باہر نکلتے ہیں، ویسے ہی آپ کو سپاہیانہ کام کرنے ہوں گے۔ایک سپاہی کا کام کیا ہوتا ہے۔یہی کہ وہ دشمن کے مقابلہ پر پورے حوصلہ اور دلیری سے سینہ سپر ہو۔اگر اس کی جان پر حملہ ہوتا ہو، اس کی عزت برباد ہوتی ہو، اس کی دولت کو نقصان پہنچتا ہو یا کوئی اور دکھ یا مصیبت اٹھانی پڑے تو اس کی چنداں پروانہ کرے۔آپ سپاہی بن کر نکلتے ہیں۔آپ کی عزت اسلام کی عزت میں ہے۔بڑے بڑے حملے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہوئے ہیں۔ان کے مقابلہ میں اور کسی کی عزت کیا چیز ہے؟ ان کے دفعیہ کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔تھوڑے ہونے سے انسان کو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً (249:2)

ہاں! بحث کے وقت مشکلات پیش آتی ہیں۔ میں بھی خوب جانتا ہوں۔لیکن اس وقت انسان اپنی عزت اپنی نمود اور اپنی وجاہت کو مدنظر نہ رکھے، تو سب دقتیں حل ہو جاتی ہیں۔ میں ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں۔ ایک دفعہ بٹالہ سے کچھ لوگ حضرت مسیح موعود کے پاس آئے اور مولوی محمد حسین کی شکایت کی کہ وہ ایسے مسائل بیان کرتے ہیں جو اسلام میں جائز نہیں۔ وہ لوگ آپ کو بحث کے لئے بٹالہ لے گئے۔ وہاں پہنچ کر جب حضرت مسیح موعود نے مولوی محمد حسین سے پوچھا کہ ان کی کن باتوں سے ناراضگی پیدا ہوئی ہے۔تو اس نے اہلحدیث کے مروجہ مسائل بیان کیئے۔جس پر حضرت صاحب نے فی الفور کہا کہ یہ تو سب سچ ہے۔اس میں تردید کیا کی جائے؟ حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ اسی رات مجھ کو الہام ہوا کہ ''میں تجھے برکت پر بَرکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' (برکات الدعا صفحہ 30) کبھی اپنی عزت اور اپنی فتح وشکست کو مدنظر نہ رکھو۔

ایک موقعہ پر جب کوئی ایسا اعتراض ہو کہ انسان کو جواب نہ آئے، تو اگر پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اپنی عاجزی کا معترف ہو۔اور کامل تضرع کے ساتھ دل میں دعا مانگے، تو فوراً وہ اعتراض حل ہو جاتا ہے۔اس میں کوئی زیادہ وقفہ اور بڑے اہتمام کی ضرورت نہیں۔صرف دل میں اللہ تعالیٰ سے کامل خشوع وخضوع کے ساتھ استعانت چاہیے۔

یہ تو تین باتیں میں نے یونہی بتا دی ہیں۔ایک تمہارے اپنے متعلق ہے۔ جو واعظ ہو کر نکلتا ہے۔اس کے عادات میں، اطوار میں، اعمال میں غرض ہر ایک حرکات وسکنات میں خدا تعالیٰ کی رضا مندی مدنظر ہو۔ نمازوں میں کبھی سستی نہ ہو۔نماز اسلام کا شعار ہے۔اوراس کو چھوڑنا قریباً کفر کے برابر رکھا ہے۔اس سے کبھی بھی غافل مت ہو۔اوراسے اپنے وقت پر پورے طور پرادا کرو۔دوسرے لوگوں کے ساتھ ایسی طرز سے پیش آؤ کہ وہ خود بخود کھنچے چلے آئیں۔اس معاملہ میں بہت محتاط ہونا چاہیئے۔ایسے موقع پر تکلف اور بناوٹ میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ (6:13) اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ باوجود ان کے ظلم کے مغفرت کا برتاؤ کرتا ہے۔کسی غیر مسلم کے ساتھ بھی سختی نہ کرو۔ یہ میں نہیں کہتا۔بعض وقت انسان کو غیرت بھی ہوتی ہے۔جس کی وجہ سے اسے سختی کرنی پڑتی ہے۔لیکن حتی الوسع نرمی سے پیش آؤ۔

کسی کے بڑے کو گالی مت دو۔ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (108:6) کافروں کے بتوں کو بھی گالی مت دو۔ ورنہ وہ جواب میں تمہارے خدا کو گالی دیں گے۔تم اپنی زبان کو گالی سے آلودہ نہ کرو۔کس کے حق میں کوئی بُرا کلمہ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مال کی محبت بھی انسان کو بہت خراب کرنے والی چیز ہے۔

واعظوں کو سب سے بڑی کشش یہ ہے کہ جب انسان وعظ کرتا ہے تو اس کو کچھ لالچ ہوتا ہے کہ لوگ ہمیں کچھ دیں۔ایسے وعظ میں برکت نہیں ہوتی۔لیکن بعض بطور نذرانہ کے کچھ دے دیتے ہیں۔اس کو اپنے پاس رکھنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ایک شخص زکوٰۃ کا روپیہ جمع کر کے لایا اور اسے ادا کرتے وقت اس نے اپنے پاس کچھ رکھ لیا۔آپؐ نے پوچھا یہ تم نے کیوں رکھا،تو اس نے کہا یہ میرا حق ہے۔ یہ مجھے علیحدہ ملا ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ نہیں۔تمہیں رکھنے کا کوئی حق نہیں اوراس سے لے لیا گیا۔ان دنوں زکوٰۃ جمع کرنے پر عامل مقرر تھے۔جن کو تنخواہیں ملتی تھیں۔اس لئے میں آپ سب کو امر کرتا ہوں،آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ کو کوئی روپیہ یا پیسہ ملے،تو اسے اپنے پاس مت رکھو۔اسے انجمن میں داخل کرو۔جس کو میرے اس حکم سے اختلاف ہو، وہ اب کہہ دے کہ میں نہیں جاتا۔آپ پانچوں کو میری یہ شرط منظور ہے (اس پر سب نے کہا کہ ہاں! منظور ہے۔ایڈیٹر) آپ کے دو گروہ ہیں۔جن میں سے ایک میں تین اور دوسرے میں دو آدمی شامل ہیں۔

تین میں خان صاحب (مراد مولوی محمد اکبر شاہ خان نجیب آبادی) اور دو میں حافظ صاحب (مراد حافظ فضل احمد صاحب) امیر ہیں۔ امیر کو واجب ہوگا کہ وہ دوسرے لوگوں کے مشورہ سے کام کرے۔ اور ان کو واجب ہوگا کہ وہ اپنے امیر کا ادب، عزت احترام کریں۔ جس شخص کو اپنی عزت کا اتنا خیال ہو کہ وہ امیر کا کہنا نہیں مان سکتا۔ وہ کوئی خدا کا کام بھی نہیں کر سکتا۔ اس مشن کی ایک غرض یہ بھی ہوگی کہ کوئی ایسا مقام ہو جہاں ایک مستقل تبلیغی سنٹر (مرکز) قائم ہو جائے۔

اب میں آپ کو اپنی طرف سے رخصت کرتا ہوں۔

(اس کے بعد آنحضور نے ایک لمبی دعا بہت تضرع کے ساتھ مانگی۔ اور اس مبارک مشن کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی پاک اغراض میں کامیاب کرے۔ اور ان پاک نصائح پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ ایڈیٹر)

3 ستمبر 1915ء

ایک جائزہ

نئے نئے انکشاف

میاں صاحب کے مریدین کے غلو میں ترقی

(از حضرت مولٰینا محمد علی ایدہ اللہ بنصرہٖ)

افسوس کہ میاں صاحب نے جس راہ پر جماعت کو چلایا ہے۔ اس کے صریح نتائج کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے ہمارے دوست اپنی آنکھوں کو بند کئے ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود ساری عمر آخر وقت تک یہی فرماتے رہے کہ میرا ذکر قرآن کریم میں مجملاً ہے۔ اور حدیث میں مفصل۔ مگر آج قرآن کریم کی ایک ایک آیت کو، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی، مسیح موعود پر لگایا جاتا ہے۔ اور مبائعین میاں صاحب میں سے کوئی آواز نہیں اُٹھاتا کہ اس تحریف کا دروازہ کیوں بند نہیں ہوتا۔ میاں صاحب نے پہل کی اور آیت **مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ** (6:61) میں **اِسْمُهٗٓ اَحْمَدُ** کا حقیقی مصداق حضرت مسیح موعود کو ٹھہرایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کا طفیلی قرار دیا اور کہا کہ آپ کا نام احمد نہ تھا اور اسم احمد کا مصداق مسیح موعود ہے۔ ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی یہ پیشگوئی بوجہ آقا اور استاد ہونے کے اشارہ کرتی ہے۔

خود حضرت مسیح موعود نے بارہا اس پیشگوئی پر لکھا اور جب لکھا یہی لکھا کہ یہ پیشگوئی حقیقتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے۔ اور آپ ہی اس کے مصداق ہیں۔ ہاں! چونکہ میں بروزی اور ظلی طور پر احمد ہوں اس لئے بروزی اور ظلی رنگ میں یعنی خادم ہونے کی وجہ سے یہ پیشگوئی مسیح موعود کی طرف یہی اشارہ کرتی ہے۔ خود مامور کو تو اپنا ذکر قرآن میں اجمالی رنگ میں نظر آتا ہے۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیلی بن کر اس پیشگوئی میں اپنے لئے یہی اشارہ پاتا ہے۔ مگر آج میاں صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح موعود کا طفیلی قرار دیتے ہیں۔ اور مرزا صاحب کا نام کھلا کھلا قرآن میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

مریدوں نے اس سے آگے قدم بڑھانا تھا اور یہاں تک بڑھایا کہ حضرت مرزا صاحب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا مرتبہ دینے پر کفایت نہ کر کے ایسے اشارے کئے جاتے ہیں کہ آپ نعوذ باللہ من ذالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل تھے۔ اور آپ کی شان وشوکت شاہ عرب وعجم سے بھی بڑھ کر ہے۔ معلوم نہیں یہ مرض کہاں تک ترقی کرتی جائے گی۔

اسی کا ایک کرشمہ مولوی میر محمد سعید صاحب حیدر آبادی کا خطبہ جمعہ ہے۔ جو 19 ستمبر کے الفضل میں فخر یہ شائع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں نئے علوم کا انکشاف ہے اور وہ انکشاف یہ ہے کہ آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (81:3) میں رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مرزا صاحب ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب اس آیت کا ترجمہ اور خطوط وحدانی میں تفسیر یوں فرماتے ہیں:

> ''جب اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا (النَّبِيّٖنَ میں سب انبیاء علیہم الصلوۃ و السلام شریک ہیں۔ کوئی نبی بھی مستثنیٰ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس النَّبِيّٖنَ کے لفظ میں داخل ہیں) کہ جب کبھی میں تم کو کتاب اور حکمت دوں (یعنی کتاب سے مراد توریت وقرآن کریم ہے اور حکمت سے مراد سنت ومنہاج نبوت وحدیث شریف ہے) پھر تمہارے پاس ایک رسول آئے۔ مصدق ہوان سب چیزوں کا جو تمہارے پاس کتاب و حکمت سے ہیں (یعنی وہ رسول مسیح موعود ہے جو قرآن وحدیث کی تصدیق کرنے والا ہے۔ اور وہ صاحب شریعت جدیدہ نہیں) لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ (81:3) میں جو نون ثقیلہ ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ سخت تاکید کے معنوں میں آتا ہے۔ یعنی اے نبیو! تم سب ضرور اس پر ایمان لانا اور ہر ایک طرح سے اس کی مدد فرض سمجھنا''۔

یہ نیا انکشاف فی نفسہٖ بہت وقعت کے قابل ہو یا نہ ہو لیکن اس نے ایک دروازہ کھول دیا ہے۔ کیونکہ

اس نے یہ بتا دیا ہے کہ مصدق رسول وہی ہے جو صاحب شریعت جدیدہ نہیں، بلکہ صرف پہلی باتوں کی تصدیق کرنے والا ہی ہے۔ پس اب جہاں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن کریم کے متعلق لفظ مصدق قرآن میں آیا ہے وہ تمام آیات مسیح موعود اور آپ کی وحی کے بارے میں ہوئیں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن کے لئے۔ یہ نیا مشغلہ ترقی کرتے کرتے ایک دن یہ نوبت آئے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تو مٹا دیا جائے گا۔ اور قرآن کی ہر ایک آیت مسیح موعود کے لئے ہو جائے گی۔ اور پھر ہمارے غالی دوست مسیح موعود کو بھی ان الفاظ میں خطاب کرنے کے قابل ہوں گے کہ آپ نے قرآن کو کیا سمجھا تھا جو یونہی لکھ دیا کہ قرآن میں میرا ذکر اجمالاً ہے۔ قرآن تو سارا آپ کے لئے ہی نازل ہوا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا ہی دوسرا نام ہے۔ اور اس دن یہ کہنا بھی ان کے لئے زیبا ہوگا جو اس میں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ قرآن جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ وہ تو دنیا سے اُٹھ گیا۔ اب یہ قرآن وہ ہے جو مسیح موعود پر دوبارہ نازل ہوا۔ لیکن اگر قیامت ہی جلد آ کر دنیا کا خاتمہ ہونے والا نہیں تو یہ دن اسلام پر کبھی نہ آئیں گے۔ اور یہ غلو ایک غالی گروہ میں محدود ہو کر آخر مر جائے گا۔

مگر اس آخری مقصد پر پہنچنے سے پہلے شائد اور بہت سے حق دار پیدا ہو جائیں۔ اور بعید نہیں کہ ان حق داروں میں پہلا نمبر اس شخص کا ہو، جسے مصلح موعود اور فخر رسل کا خطاب دے کر ہمارے غالی پیر پرستوں نے خدا کی خاموشی کو غلطی پر محمول قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ کہہ سکتا ہے اور اس کی تو غیر معقول باتوں پر ہی سرِ تسلیم خم ہے۔ وہ اگر مسیح موعود کی پندرہ سال کی تحریریں منسوخ قرار دے، اس کے دلائل کو غلط قرار دے اس کے اس علم کو جو خدا نے اسے دیا ہے اپنے علم کے سامنے ہیچ قرار دے، اُسے منہ سے نہیں تو عملاً جاہل ٹھہرائے۔ یا لوگوں کو اپنی اغراض کے لئے دھوکا دینے والے کے رنگ میں پیش کرے کہ پندرہ سال تک اپنے دعویٰ میں شک کرنے والا یا اپنے دعویٰ کو نہ سمجھنے والا کہے۔ غرض جہاں ۔

اگر شہ روز را گوید شب است ایں بباید گفت اینک ماہ و پرویں

پر عمل ہو، وہاں کیا اسے کہنے کا حق نہیں، اور کیا مریدین ایسی 'معقول' بات کو ماننے سے انکار کر سکیں گے کہ فخر رسل تو

الہام میں میرا نام رکھا گیا ہے۔ نہ مسیح موعود کا۔ نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ پس وہ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ (81:3) میں ہی ہوں۔ اور جب وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (81:3) میں سارے نبی معہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں۔ تو اس زمانہ کا ''حقیقی نبی'' مسیح موعود کیوں شامل نہیں۔

پس یہ آیت قرآنی درحقیقت نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے نہ مسیح موعود کے۔ بلکہ فخر رسل مصلح موعود کے حق میں ہے۔ اس لئے بھی ہم اپنے غالی دوستوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ ساری آیات کو ابھی سے مسیح موعود پر نہ لگاتے جاؤ۔ اپنے جانشینوں کے لئے بھی کچھ کام باقی چھوڑو۔

اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (79:17) میں بھی درحقیقت یہی ذکر ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کے حکم کی تعمیل کی وجہ سے یہ مرتبہ پایا کہ محمود کے وجود میں ظہور پذیر ہوئے۔ (جیسے کہ میاں صاحب کے ایک مرید کا اشتہار میاں صاحب کی اصلاح کے بعد شائع ہو چکا ہے) تو پھر قرآن ایسے عظیم الشان انسان کے ذکر سے کیوں بھرا ہوا نہ ہوگا؟

ایک اور انکشاف، جو انہی مولانا کو ہوا ہے، یہ ہے کہ مجازی نبی کا لفظ فرضی، وہمی، خیالی، شکی، نبی کے مترادف ہے۔ پس جو شخص مرزا صاحب کو مجازی نبی کہتا ہے وہ منکر حق اور کافر حق ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:

> ''حضرت مسیح موعود کوئی فرضی، وہمی، خیالی، شکی و مجازی نبی نہیں ہیں۔ ایسا ماننے والوں کو میں منکر حق اور کافر حق جانتا ہوں۔''

بیشک آنکھوں پر پٹی باندھ کر جو آپ چاہیں جانیں۔ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ (186:7) لیکن آپ کے اس فتویٰ کے نیچے تو خود مسیح موعود ہی سب سے پہلے آتے ہیں جو حقیقت الوحی میں (اور افسوس ہے کہ یہ میاں صاحب کی منسوخ کردہ فہرست میں داخل نہیں) یہ تعلیم دے گئے سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ میرا نام اللہ کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا۔ حقیقی طور پر نہیں۔ اب چاہو اس مجازی نبی کو فرضی، وہمی، شکی، خیالی نبی قرار دو۔ چاہو اس تعلیم دینے والے کو منکر حق اور کافر حق کہو۔ ہم تو اسی کے ساتھ ہیں اور اسی کے ساتھ رہیں گے۔ جو آپ کے نزدیک کافر حق ہے (بقول حضرت مسیح موعود) ع

گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

آپ کو میاں صاحب کا مذہب مبارک ہو۔ جنہوں نے حقیقی کے مقابل میں نقلی و بناوٹی کے لفظ لکھ کر سب سے پہلے جاہل مریدین کو دھوکا میں ڈالا۔ اور حقیقی کے مقابل جو مجازی کی اصطلاح حضرت صاحب کی تحریر میں پائی جاتی تھی اس کو ترک کیا۔ اس تمام غلو کا اس کے نامۂ اعمال میں بھی ساتھ ساتھ لکھا جائے گا۔ ہم آپ کے بھی مفسد قرار دینے سے ناراض نہیں ہوتے۔ کیونکہ اہل حق کو آپ جیسے ''علماء'' سے ہمیشہ یہی خطاب ملتا رہا ہے۔ ہاں! اگر خدا تمہیں بصیرت دے تو مرزا صاحب کی کتابوں کو پڑھو۔ اور غلام کو غلام کے مرتبہ پر رکھو۔ آقا کا تخت آقا کے لئے مخصوص رہنے دو۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

16 ستمبر 1915ء

کیا آنحضرت ﷺ کو تین سال تک اپنی نبوت میں شک رہا؟ کیا آپؐ اس اثناء میں خودکشی کرنے کو تیار تھے؟

(از حضرت امیر مولانا محمد علی ایدہ اللہ تعالیٰ)

شملہ میں جو بحث اس وقت اس مسئلہ پر ہورہی ہے کہ کیا کُل دنیا کے مسلمان، جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی بیعت نہیں کی، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں یا نہیں۔ اور جس میں اہل قبلہ کو کافر ثابت کرنا مولوی عمر الدین صاحب شملوی نے اپنے پیرومرشد کی اتباع میں اپنے ذمہ لیا ہے۔ اس بحث میں حال میں مولوی عمر الدین صاحب نے ایک تحریر دی ہے۔ جس کے بعض فقرات کو میں ذیل میں نقل کرکے جناب میاں صاحب سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا یہ امور، جن میں ہماری سمجھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر سخت حملہ کیا گیا ہے، مولوی عمر الدین صاحب نے آپ کی اجازت سے پیش کیے ہیں۔ اور اگر آپ کی اجازت سے نہیں کیے، تو کیا آپ کو ان امور سے اتفاق ہے یا نہیں؟ اگر آپ نے حسب معمول خاموشی اختیار کی تو یہ سمجھا جائے گا کہ یا تو آپ کے مشورہ سے ہی یہ امور پیش کیے گئے ہیں۔ اور یا کم از کم آپ کو اُن سے اتفاق ضرور ہے۔ اور اس طرح پر ان عقائد کی ترویج اور اشاعت کے ذمہ دار عنداللہ اور عندالناس آپ ٹھہریں گے۔ اور یہ مذہب آپ کی طرف منسوب ہوگا۔ مولوی عمر الدین صاحب نے بعض احادیث کا حوالہ دے کر یہ لکھا ہے کہ:

> ☆ ''ان واقعات سے ثابت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، جو خاتم النبیّن اور جامع جمیع کمالات ہیں، وہ بھی تین سال تک اپنی وحی نبوت کی حقیقت کو نہیں سمجھے۔ جبھی تو پہاڑوں سے گرنے کا قصد بار بار کیا گیا۔ اور لطف یہ کہ جبریل علیہ السلام نے بھی بار بار آپ کو نبی اور رسول صادق کہہ کر اطمینان دلایا۔ مگر چونکہ آپؐ کے ساتھ یہ ماجرا نیا نیا تھا،

اس لئے تین سال کے قریب آپ اس حقیقت سے کما حقہٗ آگاہ نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ پھر وحی الٰہی ہوئی یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ . قُمْ فَاَنْذِرْ (74:1-2) تب آپ اُٹھے اور دعوت رسالت شروع کی۔مگر معمولی طور پر۔ نہ یہ دعویٰ ہے کہ میں تمام جہان کی طرف رسول ہوں۔''

☆''ان تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ اوائل میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کا علم نہیں ہوا، نہ اس زمانہ میں آپ نے دعوت کی۔ نہ آپ کے ہاتھ پر کسی نے اسلام قبول کیا۔حالانکہ فرشتہ نے بار بار آپ کو نبی اور رسول کہہ کر اطمینان بھی دیا۔''

پھر لکھا ہے:

''اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہؓ میں بھی یہ خیال تھا کہ نبی تو آپ پہلے تھے۔مگر اس کا یقین کامل کچھ عرصہ بعد میں دیا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ بھی اس خیالِ صحابہ کے مؤید ہیں۔ پھر پہلی دفعہ فرشتہ کا نزول، پھر اس کے بعد بار بار آمد کے بعد جب دو فرشتوں نے آکر آپ کو وزن کیا کہ یہی وہ اللہ کا رسول ہے۔تب آپ کو یقین کامل حاصل ہوا۔''

پھر لکھا ہے

''اب جبکہ خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے راستے میں کوئی روک نہ تھی، وہ بھی تین سال تک کما حقہٗ اپنی نبوت سے آگاہ نہیں ہوئے۔تو مسیح موعود، جس کے راستہ میں بہت سی روکیں تھیں، اگر تین کی بجائے پندرہ سال تک بھی اپنے دعویٰ کی پوری حقیقت کو نہ سمجھا ہو، تو کسی صاحب عقل مومن کے نزدیک ہرگز قابل اعتراض نہیں۔''

میاں صاحب کا فرض ہے کہ اگر ان کو مولوی عمر الدین کے ان نتائج سے اتفاق نہیں تو فی الفوران کی تردید کریں۔ اگر تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اندر انہوں نے تردید نہ کی، تو یہی مذہب اُن کا سمجھا جائے گا۔ چونکہ میرا ارادہ اس مضمون پر کچھ لکھنے کا ہے۔اس لئے میں میاں صاحب سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ امر مستفسرہ

کا جواب جلدی شائع فرمائیں گے۔

نوٹ

اس اخبار کی رجسٹری کر کے فی الفور میاں صاحب کی خدمت میں روانہ کی جاوے گی۔
تاکہ ان کا یہ عذر نہ ہو کہ مجھے اطلاع نہیں ہوئی۔

خاکسار

محمد علی

5 اکتوبر 1915ء

ایک تبصرہ

میاں صاحب کے خطبہ جمعہ پر

(بحوالہ الفضل مورخہ 23 ستمبر 1915ء)

(1) لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشّرَاتُ (حدیث نبویؐ)

اپنے خطبہ جمعہ میں میاں صاحب نے لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشّرَاتُ پر توجہ فرمائی ہے اور اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے کہ حقیقت النبوۃ، میں جو اُنہوں نے مبشرات کو عین نبوت قرار دیا تھا، تو حدیث لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّۃِ اِلَّا عَیْنُ الْمُبَشّرَاتُ بے معنی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں حدیث یوں ہوئی لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّۃِ اِلَّا عَیْنُ النَّبُوَّۃِ یعنی نبوت میں سے سوائے عین نبوت کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ اب بھی میاں صاحب نے اپنی پہلی ہی بات کو دوہرایا ہے اور آیت قرآنی مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ (48:6) سے یہ استدلال کیا ہے کہ اَلْمُبَشّرَاتُ بھی نبوت ہیں۔ چنانچہ اُن کے الفاظ یہ ہیں کہ:

> ''مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ (48:6) کی آیت میں خدائے تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ مرسلوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ مبشر اور منذر رہوتے ہیں یعنی اَلْمُبَشّرٰتُ ہی نبوت ہیں۔''

افسوس ہے کہ میاں صاحب کے خطبہ میں بعض ایسے حملے بھی پائے جاتے ہیں۔ جن کے لئے اُن کے مریدین کافی تھے۔ اور جن چھوٹی چھوٹی باتوں پر اُتر آنا ایک قوم کے لیڈر کی شان سے بعید تھا۔ اگر میں انہی کی عبارت کو بتغیر الفاظ پیش کروں تو وہ غور کریں کہ ان کو کس قدر بُرا معلوم ہوگا۔ ایک آیت کے معنے میں بزعم خود خواجہ (کمال الدین) صاحب کی غلطی دکھا کر میاں صاحب لکھتے ہیں:

''لیکن یہ بات خواجہ صاحب کے جاہل مطلق ہونے پر دال ہے۔''

اگر ہم یوں بھی فرض کرلیں کہ ایک آیت کے معنے کرنے میں کسی شخص نے غلطی کھائی ہے۔ تو کیا اس سے یہی نتیجہ نکلا کرتا ہے کہ وہ شخص جاہل مطلق ہے۔ کیا جن جن مفسرین نے یا علماء نے قرآن کریم کی کسی آیت کے معنے کرنے میں کبھی غلطی کھائی ہو، ان سب کو آپ اسی مؤدبانہ لہجہ سے یاد کیا کرتے ہیں کہ وہ لوگ جاہل مطلق ہیں۔ ان کو چھوڑیئے حضرت مسیح موعود نے ازالہ اوہام میں وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (64:4) کے یہ معنے کئے ہیں کہ:

''ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو۔''

اور آپ (میاں صاحب) نے ان معنوں کو صریح طور پر غلط قرار دیا ہے۔ بلکہ ایک طرح یہ بھی مانا ہے کہ حضرت مسیح موعود بھی اس آیت کے معنے کو نہیں سمجھے۔ تو آپ کے استدلال کے رو سے کہ خواجہ صاحب ایک آیت کو نہیں سمجھے تو جاہل مطلق ہوئے۔ حضرت مسیح موعود پر کیا فتویٰ لگتا ہے؟ میاں صاحب ایک شخص کو، جس کے علم سے آپ کی موجودہ جماعت بھی ایک وقت عظیم الشان فائدہ اُٹھاتی رہی ہے، جس کے لیکچروں میں معارف و نکات پر آپ کے مریدین کسی زمانہ میں قربان ہوا کرتے تھے، جو اس وقت ایک ہی آدمی ہے جس نے یورپ میں تبلیغ اسلام کا جھنڈا جا کر گاڑا اور اپنی سعی اور محض خدا کے فضل سے اس سرزمین تثلیث میں اللہ اکبر کے آوازہ کو بلند کیا۔ جس نے جُہلا کو نہیں بلکہ بڑے بڑے فلسفیوں کے سامنے فلسفہ اسلام بیان کر کے اُنہیں دنگ کر دیا۔ حتیٰ کہ آج ایک سو کے قریب ہر طبقہ کے انگریزوں نے، امرا نے، علماء وفضلا نے، عوام نے اس کی وجہ سے اسلام قبول کیا۔ اس کو جاہل مطلق قرار دینا اگر جہالت اور نادانی سے نہیں تو غضب میں اندھے ہو جانے کی وجہ سے ضرور ہے۔

پھر غور فرمایئے کس بات پر آپ نے خواجہ صاحب کو جاہل مُطلق کہا؟ میں آپ کے ہی الفاظ نقل کرتا ہوں:

☆ ''خواجہ صاحب کی علمی نادانی دیکھئے۔ لکھتے ہیں لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (64:10) کے ماتحت ہم میں سے جو خدا کی نگاہ میں مومن ہوگا وہ مبشر ہوسکتا ہے اور اس لئے وہ آیت بالا کے باعث حسب استدلال میاں صاحب رسول ہے۔لیکن یہ بات خواجہ صاحب کے جاہل مطلق ہونے پر دال ہے۔اس آیت کے تو یہ معنے ہیں کہ مومنوں کو بشارت دی جاتی ہے۔یعنی خدا کی طرف سے ان کو بشارت ملتی ہے۔لیکن جس آیت سے میں نے حضرت مسیح موعود کی نبوت کا استدلال کیا ہے وہ یہ ہے مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ (48:6) جس کے معنے یہ ہیں کہ نبی کو یہ درجہ دیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو بشارت دیتا ہے۔ پس پہلی آیت تو یہ بتاتی ہے کہ ہم نبیوں کو نہیں بھیجتے،مگر لوگوں کو بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے ،اور دوسری آیت یہ بتاتی ہے کہ مومنوں کو خدائے تعالیٰ سے بشارت ملتی ہے۔اوران مضمونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ نبی بشارت دینے والا ہےاور مومن بشارت لینے والا۔کیا یہ دونوں باتیں ایک ہی ہیں؟لیکن خواجہ صاحب کی علمیت اُن کو ایک ہی سمجھ رہی ہے۔''

میاں صاحب کو اپنی علمیت کے جتانے اور دوسروں کو نادان بتانے کا تو بہت شوق معلوم ہوتا ہے۔لیکن یہ اُن کے سارے کے سارے حملے خود حضرت مسیح موعود پر جا کر پڑتے ہیں اور ''بازی بازی باریش بابا ہم بازی'' کا مصداق ہوتے ہیں۔اول انہوں نے اس شخص کو جاہل بتایا جو آیت وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (64:4) کے یہ معنی کرے کہ رسول کسی دوسرے رسول کا مطیع اور اُمتی نہیں ہوتا۔مگر یہ وہ تفسیر ہے جو خود حضرت صاحب نے کی۔ پھر اُنہوں نے فرمایا کہ بعض خدا کے ماموروں کے منکروں کو کافر کہنا اور بعض کو کافر نہ کہنا جہالت ہے۔حالانکہ یہی حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے کہ سوائے ان نبیوں کے جو شریعت اور احکام جدیدہ لائیں۔ دوسرے ماموروں کا منکر کافر نہیں ہوتا۔اب یہ تیسری مرتبہ ہے جو اُنہوں نے اپنے ایک مخالف کو جھٹلانے کے لئے حضرت مسیح موعود پر حملہ کیا ہے۔انہوں نے درحقیقت خواجہ صاحب کو جاہل مطلق نہیں کہا بلکہ یہ بے ادبی کے الفاظ خود حضرت مسیح موعود کی شان میں بولے ہیں۔اگر میاں صاحب مومنانہ احتیاط سے کام لیتے تو ایک مرتبہ کی غلطی

کے بعد پھر اس قسم کے الفاظ منہ سے نہ نکالتے۔ اُن کو مناسب ہے کہ یا وہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں کو پہلے پڑھ لیں اور دیکھ لیں کہ ان میں کیا لکھا ہے۔ اور یا اس قسم کے الفاظ جوش و غضب میں ان لوگوں کے متعلق بولنا چھوڑ دیں۔ جن کا اپنا علم کوئی نہیں۔ بلکہ وہ علم اُنہوں نے مسیح موعود سے حاصل کیا ہے۔ میاں صاحب! اگر آپ غور فرماتے تو آپ کو یہ سمجھ آجاتی کہ ہم حضرت مسیح موعود کے سچے خادم ہیں۔ کیونکہ جو حملہ آپ بڑے زور سے ہم پر کرتے ہیں، وہ ہم پر نہیں بلکہ صاف الفاظ میں حضرت مسیح موعود پر ہوتا ہے۔

اب دیکھئے! خواجہ صاحب کی علمی نادانی اور جاہل مطلق ہونا آپ نے اس بات سے ثابت کیا کہ وہ آیت **لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** (64:10) کے معنے نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس آیت میں تو اُن کا ذکر ہے جو **مُبَشَّرٌ** ہیں، **مُبَشِّرٌ** نہیں۔ یعنی بشارت پانے والے ہیں، بشارت دینے والے نہیں۔ اگرچہ آپ کے اس خیال کی تردید کے لئے تو اتنا بھی کافی تھا کہ بشارت دینے والا جب تک خود بشارت کو خدا سے نہ پائے گا، دے گا کس طرح؟ کیونکہ نبی یا مامور اپنے پاس سے بشارتیں گھڑ کر لوگوں کو نہیں سنایا کرتے۔ بلکہ بشارتیں پا کر ہی دیتے ہیں۔ ہاں! ان بشارتوں کو دوسروں تک پہنچانا یا ان کا اعلان کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے۔

مگر میں آپ کے سامنے حضرت مسیح موعود کی تحریر اور آپ کا استدلال پیش کرتا ہوں۔ کاش! آپ میں یہ اخلاقی جرأت ہوتی کہ آپ اعلانیہ اس غلطی کا اقرار کر لیتے اور اپنے مریدوں کے سامنے کبھی تو صحابہؓ کا نمونہ پیش کرتے! حالانکہ دعویٰ تو آپ کو عمر ثانی ہونے کا ہے۔ جو کھلی مجلس میں اپنی غلطی کا اقرار کر لیا کرتے تھے۔ دیکھئے حضرت مسیح موعود کیا فرماتے ہیں:

> ☆ ''اگر بعض جاہل اور نادان، جو نام کے مسلمان ہیں، یہ عقیدہ رکھیں کہ اسلام میں بھی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا سلسلہ بند ہے، تو یہ ان کی اپنی جہالت ہے۔ کیونکہ قرآن شریف مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کے سلسلہ کو بند نہیں کرتا۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے **يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ** (15:40۔مرتب) یعنی خدا جس پر چاہتا ہے اپنا کلام نازل کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ **لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** (64:10۔مرتب) یعنی مومنوں کے لئے مبشر الہام باقی رہ گئے ہیں۔ گو شریعت ختم ہوگئی ہے۔ کیونکہ عمر دنیا ختم

ہونے کو ہے۔ پس خدا کا کلام بشارتوں کے رنگ میں قیامت تک باقی ہے۔'' (چشمۂ معرفت، حاشیہ صفحہ 180)

☆ ''قرآن شریف کا یہ وعدہ ہے کہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (64:10) اور یہ وعدہ ہے کہ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (22:56۔مرتب) اور یہ وعدہ ہے کہ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (29:8۔مرتب) اس وعدہ کے موافق خدا نے یہ سب مجھے عنایت کیا ہے۔ اور ترجمہ ان آیات کا یہ ہے کہ جو لوگ قرآن شریف پر ایمان لائیں گے اُن کو مبشر خوابیں اور الہام دیئے جائیں گے۔ یعنی بکثرت دیئے جائیں گے۔ ورنہ شاذ و نادر کے طور پر کسی دوسرے کو بھی کوئی سچی خواب آسکتی ہے۔ مگر ایک قطرہ کو ایک دریا کے ساتھ کچھ نسبت نہیں اور ایک پیسہ کو ایک خزانہ سے کچھ مشابہت نہیں۔ اور پھر فرمایا کہ کامل پیروی کرنے والے کی روح القدس سے تائید کی جاوے گی۔ یعنی اُن کے فہم اور عقل کو غیب سے ایک روشنی ملے گی۔ اور اُن کی کشفی حالت نہایت صفا کی جاوے گی۔ اور ان کے کلام اور کام میں تاثیر رکھی جائے گی۔ اور اُن کے ایمان نہایت مضبوط کئے جائیں گے۔ اور پھر فرمایا کہ خدا ان میں اور اُن کے غیر میں ایک فرق بین رکھ دے گا۔ یعنی بمقابل ان کے باریک معارف کے جو اُن کو دیئے جائیں گے، اور بمقابل ان کی کرامات اور خوارق کے جو ان کو عطا ہوں گے، دوسری تمام قومیں عاجز رہیں گی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم سے خدائے تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوتا چلا آیا ہے۔ اور اسی زمانہ میں ہم خود اس کے شاہد رویت ہیں۔'' (ضمیمہ چشمۂ معرفت صفحہ 40-41)

اب اس ایک حوالہ سے میاں صاحب کی بہت سی مشکلات حل ہوسکتی ہیں۔ اول تو خواجہ صاحب جو آپ کے نزدیک جاہل مطلق ہیں، جو معنے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (64:10) کے سمجھے، وہی معنے حضرت مسیح موعود کرتے ہیں۔ اور غالباً مسیح موعود کے بالمقابل آپ اپنے آپ کو اس طرح پر کھڑا نہ کریں گے کہ نعوذ باللہ اُن کو بھی جاہل مطلق قرار دیں۔ اب غور فرمائیے ان معنوں کی رُو سے جاہل مطلق کون قرار پاتا ہے؟ خواجہ

صاحب یا آپ۔ اور کس کی علمی نادانی قرار پاتی ہے۔ خواجہ صاحب کی یا آپ کی؟ کیونکہ حضرت صاحب اس کے معنے نہ صرف یہی کرتے ہیں کہ قرآن شریف پر ایمان لانے والوں کو مبشر خوابیں اور الہام دیئے جاتے ہیں۔ خواہ وہ خود اُن کے لئے مبشر ہوں۔ یا اُن کے دوستوں یا ساتھیوں کے لئے۔ بلکہ ایسے الہامات بکثرت دیکھے جاتے ہیں اور اس سے آپ کی مشکلات نبوت بھی حل ہو جاتی ہیں۔

کیونکہ کامل مومنوں کا بکثرت امور غیبیہ پر اطلاع پانا حضرت صاحب کا مذہب ہے۔ حالانکہ آپ اس اُمت کے اولیاء اور مجددین کے بکثرت امور غیبیہ پر اطلاع پانے کے منکر ہیں۔ گو آپ نے اپنے لئے یہ دعویٰ کر کے، کہ مجھے بھی بکثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع دی جاتی ہے، نہ صرف تمام اولیائے اُمت سے بلند تر مرتبہ تجویز کیا ہے۔ بلکہ نبوت کے دعویٰ کے لئے بھی قدم جمایا ہے۔ پھر اسی حوالہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود اس اُمت میں مبشرات والی نبوت، جس کو دوسری جگہ جزئی یا مجازی نبوت کے نام سے موسوم فرمایا ہے، کا استدلال آیت لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (64:10) سے فرماتے ہیں اور اسی آیت کے ماتحت اپنے آپ کو بھی پیش کرتے ہیں۔

پس یہ جو آپ کو ناز ہے کہ اس اُمت میں بکثرت امور غیبیہ پر سوائے مسیح موعود کے اور کسی کو اطلاع نہیں ملی۔ یہ بھی حضرت صاحب کی تحریرات پر تدبر نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اصل میں مذہب تو آپ کا کچھ ہو، مگر اس میں شک نہیں کہ نبوت کی یہ تعریف آپ کو بہت دیر سے سوجھی۔ ورنہ آپ اپنی نسبت یوں کبھی تحریر نہ فرماتے کہ مجھے بھی کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع دی جاتی ہے۔ اور پھر اس حوالہ کا آخری فقرہ بھی آپ کو اصل حقیقت کے سمجھنے میں بہت کچھ مدد دے گا۔ کیونکہ وہاں فرماتے ہیں کہ:

> ''قدیم سے خدائے تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوتا چلا آیا ہے۔ اور اس زمانہ میں ہم خود اس کے شاہد رویت ہیں۔''

اب قرآن کریم میں خدائے تعالیٰ ایک وعدہ کرتا ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (64:10) یعنی کامل مؤمنوں کو کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع دی جائے گی۔ اور ان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو

کثرت سے امورِ غیبیہ پر بھی اطلاع پائیں گے۔ اور اُن کی کشفی حالت نہایت صفا کی جائے گی۔ اور بمقابل اُن کے کرامات وخوارق کے جو اُن کو عطا ہوں گی۔ دوسری تمام قوتیں عاجز رہیں گی اور حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ قدیم سے یہ وعدہ پورا ہوتا چلا آیا ہے۔ یعنی جب سے قرآن دنیا میں نازل ہوا۔ اُس وقت سے یہ وعدہ پورا ہوتا چلا آیا ہے۔

آپ فرمائیں ہم آپ کی بات کو مانیں تو قرآن اور مسیح موعود کا انکار کر دیں۔ کیونکہ قرآن ایک وعدہ دیتا ہے کہ اس اُمت میں بکثرت امورِ غیبیہ پر اطلاع پانے والے پیدا ہوتے رہیں گے اور مسیح موعود فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ ہمیشہ سے پورا ہوتا چلا آیا ہے۔ یعنی ایسے لوگ اسلام میں ہوتے رہے ہیں۔ آپ کہتے ہیں سوائے مسیح موعود کے اور آپ کے اس اُمت میں اور ایسا کوئی انسان نہیں ہوا۔

میاں صاحب! بات تو صاف ہے اگر آپ خدا کے خوف سے کام لیں تو اس معاملہ میں آپ اپنی غلطی کو مان کر قوم کو تاریکی کے گڑھے سے باہر نکال دیں۔ اور یہ امر جیسا کہ آپ کو خیال ہے آپ کی ذلت نہیں بلکہ عزت کا موجب ہوگا اور سارا اختلاف سلسلہ میں سے رفع ہو جائے گا۔ ورنہ قوم کو گڑھے میں گرانے کی جوابدہی آپ کو قیامت کے دن کرنی پڑے گی۔ اور آخر پر میں آپ کو یہ بھی اطلاع دیتا ہوں کہ یہ حوالہ اس کتاب کا نہیں جو آپ کی منسوخ کردہ فہرست میں داخل ہے۔ بلکہ اگر اس کتاب میں بھی حضرت صاحب نے غلطی کھائی تو نعوذ باللہ من ذالک آپ غلطی پر ہی فوت ہوئے۔ کیونکہ یہ دونوں حوالے ''چشمہ معرفت'' کے ہیں۔ دیکھئے صفحہ 180 حاشیہ وصفحہ 40 ''ضمیمہ چشمہ معرفت''۔ اور یہ آخری کتاب ہے جو آپ نے لکھی۔ اور آخری کتاب ہے جو آپ کی زندگی میں شائع ہوئی۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (64:10) پر جو آپ نے چند مثالیں دے کر لوگوں کو خوش کرنا چاہا ہے ان پر بھی غور فرمایئے۔ دیکھئے آپ کے معنے **مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ** (48:6) کے بالکل غلط ہیں اور یہ دوسری غلطی ہے جو آپ نے اس جگہ کی ہے۔ جہاں صرف ایک خیالی غلطی کی وجہ سے (حالانکہ وہ آپ کی اپنی غلطی ہے) خواجہ صاحب کو جاہل مطلق کہا ہے۔ ان الفاظ کے یہ معنے کرنا کہ مرسلوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ مبشر اور منذر ہوتے ہیں۔ یعنی **اَلْمُبَشِّرٰتُ** ہی نبوت ہیں، صحیح نہیں۔ آپ مزید غور فرمائیں تبشیر اور انذار

اس آیت کی رُو سے مرسلین کے آنے کی اصل غرض یا علت غائی نہیں۔ بلکہ اس کا مفہوم تو صرف اس قدر ہے کہ رسول جو بھیجے جاتے ہیں تو ضرور ہے کہ وہ مبشر اور منذر رہوں۔ آپ اپنے علماء سے دریافت کیجئے کہ آپ کو اس کے معنے کرنے میں غلطی لگی ہے یا نہیں؟ اور اگر آپ اس غلطی کو ویسے محسوس نہیں کر سکتے تو ایک اور طریق بھی ہے۔ آپ نے اس کا نتیجہ یہ نکالا کہ اَلْمُبَشِّرٰتُ ہی نبوت ہیں۔ حالانکہ یہ آپ کی تعریف پھر حدیث صحیحہ کے خلاف ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ گو آپ نے عین کا لفظ اب چھوڑ دیا۔ مگر بات تو وہی رہی۔ حدیث صحیح ہے لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرٰتُ اور آپ کے نزدیک المبشر ات ہی نبوت ہیں تو حدیث گویا یوں ہوئی لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا النَّبُوَّةِ جس کا ترجمہ یہ ہوا کہ نبوت میں سے سوائے نبوت کے کچھ باقی نہیں رہا۔ پس یہ گورکھ دھندا ویسے کا ویسا رہا!

اب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا وہ بات، جس کو آپ ویسے درست ثابت نہیں کر سکتے، آپ کی مثالوں سے درست ثابت ہو جاتی ہے۔ ایک مثال تو آپ نے علم طب کی دی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ علم طب کے اقسام ہیں۔ (1) سرجری، (2) علاج ابدان بذریعہ ادویہ، (3) بیطرہ یعنی چارپایوں کا علاج۔ اب جب آپ کہیں گے لَمْ یَبْقَ مِنَ الطِّبِّ اِلَّا الْبَیْطَرة تو اس کے معنے صاف یہ ہوں گے کہ طب یونانی کی اب صرف ایک شاخ یعنی بیطرہ باقی رہ گئی ہے۔ اسی طرح پر جب آپ کہیں گے لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرٰتُ تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ نبوت کاملہ کی اب صرف ایک جزو یعنی مبشرات باقی رہ گئی ہے۔

آپ ہی فرمایئے کہ کیا بیطرہ کو حاصل کرنے والا کامل علمِ طب یونانی کا مالک کہلائے گا یا علم طب یونانی کے صرف ایک حصہ کا مالک۔ اور یہی تو ہم کہتے ہیں کہ مبشرات صرف ایک جزو نبوت ہیں۔ ہمیں اس کے جزو نبوت ماننے سے تو کبھی انکار نہیں ہوا۔ مگر یہ کامل نبوت نہیں یعنی صرف مبشرات کا نام نبوت نہیں۔ جیسے صرف علم بیطرہ کا نام علم طب یونانی نہیں۔ بلکہ بیطرہ علم طب یونانی کا ایک جزو ہے۔ اسی طرح مبشرات نبوت کا ایک جزو ہے۔ پس صاحب مبشرات صاحب نبوت کاملہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ صاحب نبوت جزئی ہوگا۔ آپ محض مبشرات کو، جو جزو نبوت کاملہ ہیں، نبوت کاملہ قرار دیتے ہیں۔ نبوت جزوی قرار نہیں دیتے۔ آپ کی غلطی کے اظہار کے لئے یہی آپ کی مثال کافی ہے۔ ذرا نقشہ کی صورت میں رکھ کر غور فرمایئے۔

آپ کی مثال: لَمْ یَبْقَ مِنَ الطِّبِّ الْیُوْنَانِیَّۃِ اِلَّا الْبیطرۃُ

حدیث: لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ

نتیجہ(1) مثال۔ بیطرہ کامل علم طب یونانی نہیں۔اس کی ایک جزو ہے۔

نتیجہ(1) حدیث۔ مبشرات کامل نبوت نہیں۔اس کی ایک جزو ہے۔

نتیجہ(2) مثال۔ صرف بیطرہ کا جاننے والا کامل علم طب یونانی کا مالک نہیں۔ بلکہ اس کی ایک شاخ کا مالک ہے۔

نتیجہ(2) حدیث۔ صرف مبشرات کا پانے والا صاحب نبوت کاملہ نہیں۔ بلکہ جزوی نبوت کا پانے والا ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ آپ کے سامعین کس طرح کان بند کر کے آپ کی باتوں پر خوش ہوتے رہے۔ حالانکہ جو مثالیں آپ ان کو دے رہے تھے، وہ آپ کے ہی دعویٰ کی تردید تھیں۔ دوسری مثال آپ کی یہ ہے کہ سو آدمی بیمار تھے ان میں سے نہیں بچا مگر ایک حصہ۔اس کے معنے تو یہ درست ہیں کہ ان میں سے دس یا بیس آدمی بچ گئے۔مگر اس مثال کے ساتھ حدیث کو مطابق کرنے کے لئے حدیث یوں نہیں ہونی چاہئے تھی لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ بلکہ یوں ہونی چاہئے تھی لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبِیّنَ اِلَّا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ یعنی نبیوں میں سے باقی نہیں رہا مگر مسیح موعود۔پھر آپ کی بیماروں والی مثال درست ہوتی۔یعنی جس طرح مثال میں تھا کہ بیماروں میں سے باقی نہیں رہا مگر ایک یا دس۔اسی طرح حدیث میں ہوتا۔نبیوں میں سے باقی نہیں رہا مگر ایک یا دس۔مگر حدیث تو ہے کہ نبوت میں سے باقی نہیں رہے مگر مبشرات۔

اس کی مثال یوں ہو سکتی تھی کہ ایک شخص کو تین چار بیماریاں تھیں۔کھانسی بھی تھی پسلی کا درد بھی تھا، بخار بھی تھا۔پھر ان میں سے صرف ایک بیماری مثلاً کھانسی باقی رہ جاتی۔تو کہہ سکتے تھے کہ بیماری میں سے باقی نہیں رہی مگر کھانسی۔تو گو اس میں تو شک نہیں کہ کھانسی بھی ایک بیماری ہے۔مگر اس شخص کی بیماری کا ایک جزو ہے جس

کے متعلق بولا گیا اور یہ اس کی کامل بیماری نہیں ہے۔ اور جب تک کھانسی کے علاوہ کوئی دوسری بیماری مریض کو نہ ہو۔ اُس وقت تک یوں نہیں کہیں گے کہ بیماری میں سے سوائے کھانسی کے کچھ باقی نہیں رہا۔

آپ کی تیسری مثال ہے کہ یہ فقرہ لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ اس طرح کا ہے جس طرح کہا جائے کہ پانی میں سے نہیں بچا مگر جو لوٹے میں ہے۔ یہ مثال بھی آپ کی غلط ہے کیونکہ آپ کی مراد بظاہر تو یہ ہے کہ پانی کی بہت سی مقدار موجود تھی۔ مثلاً دس من پانی تھا۔ اُس میں سے صرف ایک سیر رہ گیا ہے۔ جو لوٹے میں ہے۔ تو نبوت تو کوئی ایسی شے نہیں کہ جس کا پانی کی طرح اندازہ کیا جا سکے کہ اتنی نبوت خرچ ہو چکی اور اتنی اب باقی ہے۔ یہ مثال بھی اُسی صورت میں صادق آ سکتی تھی کہ بجائے لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ کے لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبِیِّنَ ہوتا۔

جس قدر آپ کو اس حدیث کے معنے میں اضطراب ہے۔ وہ ایک سیدھی بات سے رفع ہو جاتا ہے کہ جس طرح حضرت مسیح موعود نے مانا ہے اسی طرح آپ بھی مان لیں کہ جو نبوت پہلے ملتی تھی اس میں سوائے مبشرات کے اور کمالات نبوت بھی تھے۔ دیگر کمالات نبوت باقی نہیں رہے۔ صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔ پس نبوت اپنی کامل صورت میں باقی نہیں رہی۔ ناقص صورت میں یا جزئی طور پر باقی ہے۔ اگر آپ اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے تو ''تین میں ایک اور ایک میں تین'' کی طرح بے شک ساری عمر اس گورکھ دھندے کے سلجھانے میں گزار دیجئے۔ یہ سلجھے گا نہیں۔ اور پھر فرمایئے کہ اگر آپ کی تعریف کو صحیح مان لیں تو یہ نبوت، جو اس اُمت کے لئے باقی رکھ لی گئی تھی، کہاں گئی۔ اولیاء اور مجددین نے تو آپ کے نزدیک مبشرات نہیں پائے۔ نہ صحابہؓ نے۔ یہ مبشرات کس کے لئے باقی رہے تھے۔ باوجود اس نبوت کے باقی ہونے کے اُمت اس سے محروم کیوں رہی۔ اور اُمت کا بھی وہ حصہ جو بہترین تھا۔ ارشاد نبویؐ ہے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ مگر یہ سارے قرون اور ساری صدیاں خالی گئیں۔ کوئی شخص مبشرات کا مستحق قرار نہ پایا اور اس طرح لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (64:10) کا وعدہ بھی اب تیرہ سو سال بعد پورا ہوا۔ اور اب آئندہ کے لئے کس طرح اُمید رکھیں کہ کوئی نبی بھی آئے گا۔ کیوں کہ سوائے مسیح موعود کے، جس کے لئے حدیث میں نبی اللہ کا لفظ آ گیا ہے، باقی تو مجددوں کے ہی آنے کا وعدہ ہے۔ اور محض مجدد صاحبِ مبشرات نہیں ہوسکتا۔

کیونکہ اگر مجدد صاحب مبشرات اور نبی ہوسکتا تو پہلے بھی تیرہ سو سال میں کوئی ہوگیا ہوتا۔ اب ایک طرف حدیث لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ بلکہ یوں ہونی چاہئے تھی لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبِيِّنَ اِلَّا الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ ویسے بھی بے معنے ٹھہری۔ کیونکہ ''المبشر ات ہی نبوت ہیں۔'' اور لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا النَّبُوَّةُ نبوت میں سے سوائے نبوت کے کچھ باقی نہیں رہا۔ بے معنی الفاظ ہیں۔ دوسری طرف یہ حدیث عملاً بیکار ٹھہری۔ کیونکہ اگر ساری اُمت میں سے ایک ہی نبی ہونا تھا تو اس کے لئے یہ عام قانون کیوں باندھا؟! اور اگر کہو کہ اب مسیح موعود کے پیرو نبی ہوا کریں گے تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ مسیح موعود کی پیروی کی برکت سے نبوت مل سکتی ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے نہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ آپ کی پیروی سے صرف ایک نبی بنا۔ مگر مسیح موعود کی پیروی سے اب بہت سے نبی بنیں گے۔ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (22:53) پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کوئی صاحب مبشرات نہیں ہوسکا۔ یعنی اس کمال درجہ پیروی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچا۔ تو کیا مسیح موعود کے صحابہؓ اب اس کمال کو حاصل کر کے صحابہ سے بھی بڑھ گئے ہیں؟ کہ ان میں نبی ہوسکیں گے۔ ذات مقدس نبویؐ کو، جس کے برابر دنیا میں نہ کسی انسان نے اصلاح کی اور نہ کوئی کرسکتا ہے، تیرہ سو سال میں صرف ایک کامل پیرو ملا۔ اب فرمایئے مسیح موعود کو، جو اس ذات مقدس کی روشنی میں سے ایک ہلکا سایہ ہے، ایسا کامل پیرو تیرہ سو سال سے پہلے مل سکتا ہے؟

پھر جب لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ اور لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (64:10) دونوں نبوت کاملہ اس اُمت کو دلاتی ہیں تو فرمایئے کہ وہ جزوی نبوت، جس کے آپ مجددین کو ملنے کے قائل ہیں، وہ کس آیت اور کس حدیث کے ماتحت ملی۔ وعدہ تو تھا نبوت کاملہ کے ملنے کا۔ اور وہ کسی کو اس اُمت میں ملی نہیں (سوائے مسیح موعود کے۔ جس کے لئے حدیث نبی اللہ کا لفظ ہونے کی وجہ سے اسی حدیث کے ماتحت نبوت مل سکتی تھی) اور ملتی رہی نبوت جزوی، جس کا کوئی وعدہ نہیں۔

کیا آپ دین کے ساتھ ہنسی نہیں کرتے اور مخالفوں کے ہاتھ میں اسلام پر حملہ کرنے کے لئے خود ہتھیار نہیں دیتے؟ کہ اسلام کا خدا بھی خوب علم اور قدرت والا ہے کہ جس چیز کا وعدہ کیا تھا وہ کسی کو دی نہیں۔ اور جو دیتا رہا اس کے متعلق وعدہ کرنا یاد نہیں رہا۔ خدارا! دشمنوں کو مت ہنساؤ اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگ کر اسلام کی

جڑوں کو نہ کاٹو۔

(2)۔ کثرت اور ترقی

میاں صاحب نے اپنے خطبہ میں ایک صریح جھوٹ بولا ہے کہ گویا میں نے یہ کہا ہے کہ جماعت احمدیہ کے اُنیس حصے میرے ساتھ ہیں۔ میں بھی حق کے لئے جوش رکھتا ہوں اور لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ(61:3) کے الفاظ تو آج کل ہر ایک کے منہ پر ہیں۔ مگر میں محض اس وجہ سے، کہ آپ حضرت مسیح موعود کے فرزند ہیں، باوجود آپ کی غلطیوں کے آپ کی عزت کرتا ہوں۔ میاں صاحب! صلبی رشتہ کی نسبت روحانی رشتہ کی نسبت سے ادنیٰ ہے۔ بلکہ اُس کے سامنے بے حقیقت ہے۔ مگر میں تو اس ادنیٰ نسبت کا خیال رکھنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ مگر افسوس کہ آپ نے ایک اعلیٰ نسبت کا ذرا بھی لحاظ نہ رکھا۔ اور آپ ایسے الفاظ میں حضرت مسیح موعود کے فرزندانِ روحانی کا ذکر کرتے ہیں، جو اس شرافت کا مقتضاء نہیں۔ جس کی ہم آپ سے اُمید رکھتے ہیں۔ میاں صاحب! آپ نے ہم پر وہ لوگ چھوڑے ہوئے ہیں جن کی مثال اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ(176:7) سے قرآن کریم نے دی ہے۔ ہم کچھ بولیں یا خاموش رہیں؟ اُنہوں نے ہم کو گالیاں دینا اور بہتان باندھنا اپنا فرض سمجھ رکھا ہے۔ جن ناواقف لوگوں کے دلوں پر اُن کا اثر ہوتا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ ان تک ہماری تحریریں پہنچنا اب بند کر دی ہوئی ہیں اور ''بدشنا مے انعامے'' پر بھی آپ کا عمل ہے۔ گو اس قدر فرق کے ساتھ کہ دوسروں کو گالی ملنے پر آپ انعام دیتے ہیں۔ اس لئے آپ نے جو سہولتیں اُن کو بھی گالیاں دینے کے لئے دے رکھی ہیں، اُن سے وہ خوب فائدہ اُٹھاتے اور اپنا نامہ اعمال سیاہ کر کے ساتھ ہی ایک حصہ تک آپ کو بھی ذمہ دار بناتے ہیں۔ مگر ایسے گروہ کے ہوتے ہوئے آپ کو اس قسم کے فقرات کے لکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ:

> ''بڑی بڑی جسامتوں والے، جن کی ظاہری شکلوں نے بعض کو بہلا رکھا ہے دراصل ان کی وجاہت کے پردے میں اسلام اور احمدیت سے نفرت چھپی ہوئی ہے۔''

اگر بڑے جسم کا ہونا ہی منافقت کی علامت ہے تو یہ مشورہ مسیح موعود کو دیا ہوتا! کہ کوئی موٹے جسم والا اپنی جماعت میں داخل نہ کرنا۔ اور پھر اس معیار کی رو سے آپ کے ساتھ بھی تو بہت منافق نکلیں گے۔ اور زَادَهُ

بَسۡطَةً فِي الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ (247:2) والے کو کیا کہو گے اور اگر آپ کی نظر **تُعۡجِبُکَ اَجۡسَامُهُمۡ** (4:63) پر ہے تو آپ کے مریدین آپ کے ''حسن'' پر بہت فخر کرتے ہیں۔ اس سے آپ کو خود ڈرنا چاہئے۔ اور اگر وجاہت منافقت کی علامت ہے، تو پہلے اپنے خان بہادروں اور ججوں کی خبر لیجئے۔ کسی کے جسم پر یا وجاہت پر حملہ کرنا اور اس قسم کی نکتہ چینیوں میں پڑنا آپ ترک کر دیں۔ مسائل پر بحث کریں، دلائل دیں، واقعات پر جو چاہیں لکھیں۔

میں نے کبھی نہیں کہا کہ جماعت کے بیس حصوں میں سے انیس میرے ساتھ ہیں۔ جو کچھ میں نے کہا وہ صرف اس قدر تھا کہ جب آپ کی طرف سے 95 فیصد یا 98 فیصد احمدیوں کی بیعت کر لینے کا دعویٰ کیا گیا تو میں نے لکھا تھا کہ اگر آپ کا یہ دعویٰ سچا ہے تو مسیح موعود اپنی جماعت کو چار لاکھ اور پانچ لاکھ بتاتے ہیں۔ آپ ان آدمیوں کی فہرست شائع کر دیں۔ جنہوں نے آپ کی بیعت کی ہے۔ اگر وہ تعداد میں پچیس ہزار بھی ہوں تو معلوم ہوگا کہ جماعت کے بیسیوں حصے نے آپ کی بیعت کر لی ہے اور اُنیس حصوں نے نہیں کی۔ آپ اس کے جواب میں خاموش رہے۔ حالانکہ آپ نے کئی ہزار روپیہ محض اس بات پر صرف کیا تھا کہ احمدیوں کی فہرست تیار کرائیں۔ جنہوں نے آپ کی بیعت کی ہے۔ وہ سب فہرستیں آپ کے پاس پہنچیں۔ اگر آپ حق کے لئے کچھ بھی جرأت رکھتے تو صاف اعلان کر دیتے کہ پندرہ یا بیس یا پچیس ہزار آدمیوں نے میری بیعت کی ہے۔ مگر آپ کی غرض اس سے پوری نہیں ہوتی تھی۔ مجھے اس بات کے پیش کرنی کی ضرورت اس لئے نہیں ہوئی تھی کہ میں اپنی طاقت اور قوت کو دکھاؤں کہ میرے ساتھ بہت آدمی ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ آپ کی ہی ایک بے اعتدالی تھی کہ آپ نے کہا جو احمدی ہماری بیعت نہ کرے وہ فاسق ہے۔ آپ کی اس بے اعتدالی کو ظاہر کرنے کے لئے میں نے لکھا تھا کہ مسیح موعود اپنی جماعت پانچ لاکھ بتاتے ہیں۔ اور آپ کے پاس اپنی بیعت کرنے والوں کی فہرستیں مکمل ہو کر آ گئی ہیں۔ ہاں! جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر حاضر ہو کر بیعت کی۔ اُن کا ہم آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں۔ اب ان کل کو ملا کر دیکھیں گے۔ اگر پچیس ہزار نے بھی آپ کی بیعت کر لی ہو تو معلوم ہوگا کہ مسیح موعود کی بنائی ہوئی پانچ لاکھ کی جماعت میں سے پچیس ہزار اب مومن رہ گئے ہیں۔ اور باقی پونے پانچ لاکھ فاسق ہو گئے (چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے پہلے صرف پانچ لاکھ مسلمان رہے تھے۔ ان پانچ لاکھ میں سے پچیس ہزار مومن۔ اور باقی

فاسق۔ اور پچیس ہزار میں جتنے احکام قرآنی پر پورے عامل ہوں گے اور پورے طور پر مسیح موعود کی وصایا کے پابند ہوں گے۔ اُن کو پھر دیکھیں گے) مگر آپ نے اس کے بالمقابل خاموشی اختیار کی۔

ہاں! آپ کے اُستاد مولوی سید سرور شاہ صاحب نے ایک خط لکھا تھا۔ جس میں اُنہوں نے اشارہ کیا تھا کہ ایسے مطالبہ کا جواب مسیح موعود پر حملہ ہے۔ گویا ان کے خیال میں حضرت مسیح موعود نے نعوذ باللہ جھوٹ بولا تھا۔ پھر حالانکہ آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ کے مریدین کی تعداد ایک لاکھ کے نصف سے بھی بہت کم ہے۔ آپ نے لاہور میں لیکچر میں یہ فرمایا کہ میرے لاکھوں مرید ہیں۔ کیا یہ جھوٹ نہ تھا؟ حضرت مسیح موعود کی جماعت تو ہم مانتے ہیں کہ لاکھوں کی تعداد میں ہے۔ مگر آپ کے مرید تو وہی کہلائیں گے جنہوں نے آپ کی بیعت کی ہے۔

اس کا فیصلہ یوں ہوسکتا ہے کہ آپ اسی ''تریاق القلوب'' کے نمونہ کے مطابق حلف اُٹھا کر یہ شائع کریں کہ آپ کے مریدین کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ ورنہ لاکھوں کا لفظ جو آپ نے لاہور میں بولا وہ ایک صریح جھوٹ ہے۔ اور اگر آپ سوال مجھ پر کریں کہ باقی پانچ لاکھ کا پتہ میں بتاؤں، تو میں اُس کا ٹھیکیدار نہیں مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ (31:74) خدا کے مسیح نے کہا کہ میری جماعت اس قدر ہے۔ میں مانتا ہوں نہ آپ کو ان کا پتہ ہے نہ مجھے۔ ہاں میں تو ان سب کو مومن ہی کہتا ہوں۔ آپ سوائے اپنی بیعت کرنے والوں کے باقی سب کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ اس لئے آپ کا فرض ہے کہ دکھائیں کہ پانچ لاکھ میں سے پونے پانچ لاکھ آپ کی بیعت کر چکے ہیں۔ تاکہ کم از کم آپ مسیح موعود کو اتنا تو منہ دکھائیں کہ میں نے آپ کی تیار کردہ جماعت کے صرف بیسویں حصہ کو فاسق ٹھہرایا تھا۔ اور اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو آپ اس الزام کے ماتحت ہیں کہ 19/20 حصہ جماعت کو آپ نے فاسق قرار دیا۔ باقی رہے احمدی۔ اگر آپ ان کو کنوئیں کے مینڈک اور ایک گدی کے پرستار بنانا چاہتے ہیں تو ان کا حساب بھی آپ رکھ سکتے ہیں۔ میں تو احمدیوں کو دنیا کے چاروں کونوں میں پھیلے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ مالا بار کے تین ہزار احمدیوں کا نہ آپ کو پتہ تھا نہ مجھے۔ افغانستان میں کتنے ہزار ہیں کون جانتا ہے؟ اور میرے نزدیک تو بہت سے ایسے احمدی بھی ہیں جو دل سے حضرت مسیح موعود کو سچا مانتے اور چندہ بھی دیتے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ احمدیت کا سچا ہونے پر بحث بھی کرتے ہیں۔ مگر باقاعدہ انہوں نے احمدی ہونے کا اعلان نہیں کیا۔ اور یہ کبھی ممکن نہیں کہ خدا لوگوں سے یہ باز پرس بھی کرے کہ بتاؤ فلاں وقت یعنی سنۂ فلاں سے فلاں

تک کون خلیفہ تھا۔جس کی تم نے بیعت کی ہوئی تھی۔اور اگر وہ نہ بتا سکیں تو حکم دے کہ ان کو دوزخ میں لے جاؤ۔ خدا پر ایمان لانا نہ لانا، رسول خدا کو ماننا نہ ماننا، کتاب الٰہی پر عمل کرنا نہ کرنا فضول تھا۔ جب تک مسیح موعود کے خلیفہ پر ایمان نہ ہو۔ اور ہر خلیفہ کا پہلا کام یہ ہوا کرے گا کہ تمام دنیا کے احمدیوں سے بیعت لینے کے لئے ہر ایک قریہ اور دیہہ میں وفد پر وفد بھیجا کرے۔

اس طریق سے سوائے اس کے کیا حاصل ہوگا کہ اصل کام چھوڑ کر اپنی شخصیت کو منوانے کے لئے قوم کی توجہ اور ہمت اور مال لگا دیا جائے۔ جس کا نتیجہ ایک ہی دو خلافتوں میں یہ ہوگا کہ اصل کام بالکل متروک ہو کر خالص گدی اسی قسم کی رہ جائے گی، جیسی اور سینکڑوں گدیاں پہلے سے موجود ہیں۔ اور پیر پرستی کا آغاز جس خطرناک طریق پر ابھی سے ہو چکا ہے۔ وہ تو یقین دلاتا ہے کہ گدی بن بھی چکی۔

نیز آپ نے القول الفصل میں دعویٰ کیا ہے کہ 97 فیصد احمدیوں نے میری بیعت کر لی ہے۔ پس اب فیصلہ کی راہ آسان ہے۔ یا تو یہ اعلان کر دیں کہ حضرت صاحب نے جماعت کی تعداد پانچ لاکھ غلط لکھی ہے۔ یا اپنا حلفیہ بیان شائع کریں کہ آپ کے علم و یقین میں ساڑھے چار لاکھ سے زیادہ آدمی بذریعہ تحریر اور ہاتھ پر آپ کی بیعت کر چکے ہیں۔ پھر آپ کو اپنی ترقی پر فخر ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ یہ محض جاہلوں کا خیال ہوگا کہ ترقی کرنے کو حق پر ہونے کی دلیل قرار دیں۔ مگر آپ نے بھی اپنے مریدین کا تتبع کیا۔ اگر ایک مشنری آپ کو یہ دلیل دے کہ ہندوستان میں ہم بہت تھوڑے ہیں۔ مگر جس نسبت سے ہم ترقی کرتے ہیں اور ہم کو نو مرید ملتے ہیں، اس نسبت سے اور نہیں کرتے۔ تو کیا آپ مان لیں گے کہ مسیح کا خدا ہونا سچ ہے؟ جس طرح عیسائیوں نے کوشش کر کے اور روپیہ خرچ کر کے نئے عیسائی بنا لیے آپ نے بھی اسی طرح کچھ احمدی بنا لیے۔ مگر اس کو سچائی کی دلیل قرار دینا نادانی ہے۔ ہاں! جو تنہائی میں اُٹھے اور باوجود ایک دنیا کی مخالفت کے، اور مدت تک ظاہر کی ناکامیوں کے، آخر ایک جماعت بنا لے۔ اس کی ترقی حق پر ہونے کی دلیل ہوسکتی ہے۔ دعویٰ اور دلیل میں کوئی تعلق بھی ہونا چاہیئے۔ کسی عقیدہ کے حق ہونے کا یہ ثبوت نہیں کہ ایک وقت اُس کو بہت لوگ قبول کر رہے ہیں۔ نہ کسی عقیدہ کے باطل ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ ایک وقت لوگ اس کو رد کرتے ہیں۔ پھر کون سی ترقی ہے جس پر آپ کو فخر ہے! یہی کہ ایک سال میں پندرہ سو آپ کے نئے مرید ہوئے۔ اگر یہی رفتار ترقی رہے تو 67 سال میں ایک لاکھ مرید آپ کے ہوں

گے۔ کیا یہی رفتار سلسلہ کی ترقی کی تھی جس سے چند سال کے اندر پانچ یا چھ لاکھ آدمی احمدی خیالات کے پیرو ہو گئے۔ پھر یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ یہ پندرہ سو مسیح موعود کو کامل اور حقیقی نبی اور کل غیر احمدیوں کو کافر ماننے والے ہیں۔

جب مرزا صاحب کی نبوت آپ کی شرائط بیعت میں سے نہیں۔ بلکہ آپ کا صاف اعلان ہے کہ ان عقائد میں کسی شخص کو میرے ساتھ اختلاف ہو، تو وہ بھی میری بیعت کر سکتا ہے۔ اور ان پندرہ سو کو چھوڑنے سے وہ جو پندرہ ہزار ہیں آپ حلف اُٹھا کر انہی کے متعلق شائع کیجئے کہ وہ سب کے سب مرزا صاحب کو حقیقی اور کامل نبی اور کل غیر احمدیوں کو کافر جانتے ہیں اگر آپ عقیدہ کی بناء پر جماعت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے عقیدہ کو حق سمجھتے ہیں۔ اور آپ کی غرض محض اس حق کو دنیا میں پھیلانا ہے، نہ صرف اپنی پیری مریدی اور نذر نیاز کے دائرہ کو وسیع کرنا، تو آیئے آپ یہ اعلان کر دیں کہ جو شخص حضرت صاحب کو کامل نبی نہیں مانتا اور نہ غیر احمدیوں کو کافر جانتا ہے۔ اس کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ میری بیعت سے خارج ہے۔ اور میں یہ اعلان کر دیتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ تعلق رکھنے والوں میں کوئی شخص حضرت صاحب کو کامل نبی مانتا ہے۔ اور کُل غیر احمدیوں کو کافر جانتا ہے تو اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

یہ آسان طریق فیصلہ کا ہے۔ اگر خود غرضی حائل نہیں تو اس طریق پر ہی جماعت کو آزما کر دیکھ لیجئے۔ اور پھر دیکھئے کہ باوجود ان تمام چالوں کے جواب تک چلی گئی ہیں۔ جن سے جہلاء کو پھندے میں پھنسانا اور پھر اپنے ڈھب کے مطابق بنا لینا مقصود تھا۔ کتنے ہیں جو نبوت کے عقیدہ میں آپ کا ساتھ دیتے ہیں۔ یہ کیا ظلم ہے کہ ایک طرف لوگوں کو کہتے ہو مرزا صاحب کو جزئی نبی مانو۔ اور غیر احمدیوں کو سوائے مکفرین کے مسلمان سمجھو۔ ہماری بیعت کر سکتے ہو۔ اور دوسری طرف جب یہ بھولے بھالے لوگ اس دھوکا میں آجاتے ہیں۔ تو پھر اعلان کرتے ہو کہ اتنے لوگوں کا ہماری بیعت کر لینا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارا عقیدہ سچ ہے۔ اس سے بڑھ کر ظلم دنیا میں کم ہی ہوا ہوگا!

پھر آپ اگر درحقیقت یہ ایمان رکھتے ہیں کہ آپ کا عقیدہ نبوت سلسلہ کی راہ میں روک نہیں، تو کیوں آپ سلسلہ کی تبلیغ اس رنگ میں نہیں کرتے۔ تبلیغ کے وقت تو آپ خود اور آپ کے مبلغین حضرت صاحب کو مجدد

کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ کا یہ ایمان ہوتا کہ سلسلہ کی ترقی آپ کے عقیدہ نبوت میں ہے تو آپ تبلیغ بھی اسی رنگ میں کرتے۔ آہ یہ کیسا ظلم آسمان کے نیچے ہو رہا ہے کہ خطبہ جمعہ میں غریب احمدیوں کو کہا جاتا ہے کہ ہمارے عقیدہ نبوت کی وجہ سے پندرہ سو نئے آدمی سلسلہ میں داخل ہوئے۔ اور احمدیت کی تبلیغ کرنے کے وقت نہ مرزا صاحب کی نبوت کا نام لیا جاتا ہے نہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر توجہ دلائی جاتی ہے کہ تم کافر ہو چکے ہو۔ اپنے ایمانوں کی فکر کرو۔ بلکہ ایسے مباحثہ کو بھی پبلک بنانے سے انکار کیا جاتا ہے۔ جس میں حضرت صاحب کی نبوت اور غیر احمدیوں کے کفر کے سوال پر بحث ہو۔ کیا یہ ایمانداری ہے؟ جو طریق چاہو اختیار کرو۔ مگر اس دورنگی کو چھوڑو کہ گھر میں کچھ کہتے ہو، تبلیغ کے وقت کچھ کہتے ہو۔

لیجئے اس میں بھی میں آپ کو ایک آسان راہ بتاتا ہوں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مسیح موعود کی نبوت کے اس عقیدہ سے، جسے آپ پیش کرتے ہیں، اور غیر احمدیوں کو کافر قرار دینے سے ہی سلسلہ کی ترقی ہو سکتی ہے، تو آپ کے لئے حرام ہے کہ آپ آئندہ حضرت صاحب کو بطور ایک مجدد کے پیش کریں۔ بلکہ جب اُن کو پیش کریں، چاہئے کہ اُن کے اصل منصب کے لحاظ سے، جو آپ کے نزدیک ہے، اور وہ نبوت ہے، جو مجددیت سے بہت بڑھ کر ہے، پیش کریں۔ اور یہی قسم لے کر اپنے مبلغین کو روانہ کریں کہ تم نے جہاں مسیح موعود کو پیش کرنا ہوگا، ان کو کامل نبی بتا کر، اور کل غیر احمدیوں کو کافر قرار دے کر پیش کرنا ہوگا۔ پھر اس کے بعد جو آپ کی ترقی ہوگی اُس کو ہم آپ کے عقیدہ کی قبولیت کی ایک علامت سمجھیں گے۔ گو پھر بھی وہ ان کے حق ہونے کی دلیل نہ ہوگی۔ ہمارا اور آپ کا، جہاں تک عقائد کی بحث ہے، دو باتوں سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔

الف: کہ آپ اعلان کریں کہ جو احمدی حضرت مسیح موعود کو کامل نبی نہیں مانتا، اور کل غیر احمدیوں کو کافر نہیں مانتا، وہ آپ کی بیعت سے خارج ہے۔

ب: کہ آپ خود بھی آئندہ کے لئے عہد کریں اور اپنے مبلغین سے بھی اس اقرار پر بیعت لیں کہ مرزا صاحب کو بطور مجدد کبھی پیش نہیں کریں گے۔ بلکہ بطور ایک نبی کامل حقیقی کے پیش کریں گے۔ اور مسلمانوں کو صاف کھول کر بتا دیں گے کہ جب تک وہ مسیح موعود کی بیعت میں داخل نہ ہوں وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور انہیں اپنے ایمان کی فکر

کرنا چاہئے۔ اگر آپ ان دونوں باتوں سے گریز کریں تو یہ آپ کے جھوٹ پر ہونے کی کافی دلیل ہے۔ باقی آپ کے مریدان باتوں کو پڑھیں یا نہ پڑھیں یا ان پر غور کریں یا نہ کریں، اس کے ذمہ دار یا آپ ہیں یا وہ خود۔ ہمارا کام صرف بتا دینا ہے۔

(3)۔ میاں صاحب کی خوابیں اور قسمیں

جہلاء کو دھوکا دینے کے لئے میاں صاحب کے پاس یہ دو ہتھیار موجود ہیں۔ ایک خوابیں اور دوسری قسمیں۔ چنانچہ ان دونوں ہتھیاروں کو میاں صاحب نے اپنے خطبہ کو موثر بنانے کے لئے چلایا۔ تیسرا ہتھیار ان کا یہ بھی ہے کہ وہ کسی کو منافق، کسی کو مرتد، کسی کو اپنے علم پر فخر کرنے والا قرار دے کر مریدین کو اپنے مخالفوں سے بیزار کریں۔ چنانچہ خواجہ صاحب کے متعلق بہت سی یاوہ گوئی اس قسم کی آپ نے کی ہے۔

''تیرے اندر سے ایمان نکل چکا تھا۔ تیری آنکھیں اندھی اور تیرا دل سیاہ ہو گیا تھا۔''

اور پھر آپ کو غصہ یہ ہے کہ باوجود اس کے وہ یہ کیوں کہتا ہے کہ میں وہی کام کر رہا ہوں جو مرزا صاحب کا تھا۔ شاید میاں صاحب کے نزدیک صحابہؓ تو سارے ہی اس قابل نہ تھے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام کرسکیں۔ اور پھر بالخصوص حضرت عمرؓ جیسا انسان۔ جو ایک وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی لینے کے درپے تھا۔ معلوم نہیں میاں صاحب کا ان باتوں سے کیا مقصد ہے کہ فلاں شخص فلاں وقت ایسا تھا۔ فرمایئے حضرت عمرؓ کا، جس کے آپ مثیل بنتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے پہلے کیا حال تھا؟ اگر ایک شیعہ بھی آپ والی بات دہرا کر رو پڑے کہ دیکھو عمرؓ تو ایمان لانے سے پہلے ایسا انسان تھا کہ بت پرستی کیا کرتا تھا۔ بلکہ بت پرستی پر ایسا مصر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی لینے کے درپے تھا۔ اور اُس کے اندر سے ایمان نکل چکا تھا۔ اس کی آنکھیں اندھی اور دل سیاہ ہو گیا تھا۔ پھر یہ عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور جو کام احمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اسے وہ کیونکر کرسکتا ہے یا کرنے کا دعویدار ہوسکتا ہے۔

تو جس طرح آپ کے مرید عین مسجد میں جمعہ کے وقت آپ کے منہ سے یہ لفظ سن کر خواجہ پر لعنت

کرنے کا ثواب حاصل کر رہے ہوں گے، اسی طرح شیعہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعنت کر کے ثواب حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ بیچارے پرانے شیعہ کس طرح قصوروار ہیں۔ جبکہ اُن کو تیرہ سو سال سے تعلیم مل رہی ہے کہ حضرت عمرؓ (نعوذ باللہ من ذالک) منافق اور مرتد تھا۔ اگر آپ کے یہ نئے شیعہ، جو ابھی کل ''حضرت خواجہ صاحب'' کے ولی ہونے کے قائل تھے، آج ان پر لعنت کر کے ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ خدارا! کچھ تو اپنے قدم کو جادۂ صواب پر لاؤ۔ یہ کون سی راہ ہے جو تم اختیار کر رہے ہو؟

اب میں آپ کی دو دلیلوں پر غور کرتا ہوں جن کو بار بار آپ پیش کر چکے ہیں۔

''خدا تعالیٰ نے رؤیا میں مجھے منہ در منہ کھڑے ہو کر کہا کہ مسیح موعود نبی تھے۔''

یہاں دو سوال غور طلب ہیں۔ کیا آپ کی خوابیں آپ کے مریدین کے عقیدہ کی بنیاد ہو سکتی ہیں۔ اور آپ اُن کی بناء پر مختلف قسم کی تحدیاں کر سکتے ہیں۔ اور مریدوں کو ضرورت نہیں کہ قرآن وحدیث کے دلائل پر غور کریں۔ اور دوسرے یہ کہ بہر حال جو کچھ خواب میں خدا نے آپ کو منہ در منہ کہا، وہ کہاں تک آپ کے دعویٰ کا مؤید ہے۔ میں دوسرے سوال کو پہلے لیتا ہوں۔ خدا نے آپ کو کہا کہ ''مسیح موعود نبی تھے''۔ غالباً یہ خدا کے الفاظ کی روایت بالمعنی ہوگی۔ کیونکہ کہیں آپ نے یہ بھی شائد فرمایا ہے کہ خدا نے مجھے رؤیا میں فرمایا کہ ہم میں ایک نبی آیا اور اور بھی نبی آئیں گے۔ بہر حال یہ کوئی نئی بات تو خدا نے آپ کو نہیں فرمائی۔ مسیح موعود کے الہامات کے برابر تو شائد ابھی آپ کے مرید آپ کے الہامات کو نہ سمجھتے ہوں گے۔ جب وہاں نبی اور رسول کا لفظ موجود ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ بھی ہے تو آپ کی اس شہادت کی تو ہمیں ضرورت نہیں۔ بلکہ ہم نے تو معلوم یہ کرنا ہے کہ مسیح موعود کو خدا نے نبی جو کہا تو اس سے مراد نبوت کاملہ ہے یا جزئی نبوت۔ وہ نبوت جو بند ہو چکی یا وہ نبوت جس کا سلسلہ اسلام میں جاری ہے۔ دعویٰ تو آپ کا یہ ہے کہ اس سے مراد نبوت کاملہ ہے اور دلیل آپ نے اپنی خواب دی۔ مگر اس میں نبی کامل کا یا نبی حقیقی کا لفظ نہیں۔ ہاں! اگر آپ کی خواب میں ایسے لفظ ہوتے کہ ''مسیح موعود حقیقی نبی ہے۔'' (کیونکہ غالباً خدا تو حقیقی نبی کی اصطلاح کو جو آپ کو معلوم ہے جانتا ہوگا۔ گو مسیح موعود کو اس کا پتہ ساری عمر نہیں لگا) یا مسیح موعود کامل نبی ہے۔ یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی ہے۔ یا آیت مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ م بَعْدِیْ اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کا حقیقی مصداق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم اس کے حقیقی مصداق نہیں ہیں۔ سواس وقت آپ کے مریدین کو ایک دقت پیش آتی کہ ایک طرف آپ کی خواب ہوتی کہ مرزا صاحب حقیقی نبی اور کامل نبی ہیں، دوسری طرف وہ علم ہوتا جو خود مرزا صاحب کو خدا نے دیا تھا۔ جس کا ذکر آپ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

> ''بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے بیشک ہیں۔ لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں، اور جیسے یہ محمول نہیں، ایسے ہی ''وہ نبی'' کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے۔ وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے۔'' (سراج منیر صفحہ 3)

پس اگر آپ کے خواب میں حقیقی نبی یا کامل نبی کا لفظ ہوتا تو پھر ایک طرف آپ کا خواب ہوتا۔ دوسری طرف عین اس کے مقابل وہ علم ہوتا جو خدا نے مسیح موعود کو دیا تھا۔ تو ممکن تھا کہ آپ کے بعض مریدین کے دل میں کشمکش پیدا ہوتی کہ اس علم کو سچا سمجھیں جو خدا نے خود مسیح موعود کو دیا یا مسیح موعود کے بیٹے کے خواب کو سچا سمجھیں۔ اور اس علم کو جھوٹا سمجھیں جو خدا نے اپنے مسیح کو دیا تھا۔ ہم تو مانتے ہیں کہ آپ کی خوابوں کا مرتبہ مسیح موعود کو خدا کی طرف سے ملے ہوئے علم کے مقابل کیا وقعت رکھتا ہے۔ مگر آپ کے مریدین بعض وقت ایسی مشکلات میں پریشان ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ لاہور میں آپ کے ایک مرید کے سامنے میں نے ایک طرف حضرت مسیح موعود کا فتویٰ غیر احمدی کے جنازہ کے بارہ میں رکھا کہ سوائے مکفر و مکذب کے باقی کا جنازہ بیشک پڑھ لیا جائے۔ اور دوسری طرف آپ کا فتویٰ بتایا کہ کسی غیر احمدی کا جنازہ کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ اور اس سے پوچھا کہ ان دونوں فتوؤں میں سے جو صریح ایک دوسرے کے مخالف ہیں ہم کس پر عمل کریں۔ تو اس نے بے ساختہ یہ جواب دیا کہ میاں صاحب کے مرید تو میاں صاحب کے فتویٰ پر ہی عمل کریں گے۔ میں نے کہا کہ پھر ہمیں تو حضرت کے فتویٰ پر عمل کرنا چاہئے۔

غرض اگر آپ کے خواب میں مسیح موعود کے لئے حقیقی نبوت یا نبوت کاملہ کا ادعا ہوتا جو کہ امر متنازعہ ہے تو آپ کا خواب آپ کے مریدین کو پریشان کر سکتا تھا کہ مسیح کے علم کو صحیح مانیں یا صاحبزادہ کی خواب کو۔ مگر بحالت

موجودہ اس پر گھبرانے کی ان کو بھی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ منہ در منہ ہی خدا نے آخر بات کی تو امر متنازعہ پر کوئی روشنی نہ ڈالی کہ نبوت کاملہ ہے یا جزوی۔ حقیقی ہے یا مجازی۔ اور آپ نے بھی اس جھگڑے کا علم ہونے کے باوجود دریافت نہ کرلیا۔ اور ایسا عجیب موقعہ یونہی گنوادیا۔

اب میں دوسرے سوال کو لیتا ہوں۔ یعنی یہ کہ آیا آپ کی خوابیں آپ کے مریدین کے عقیدہ کی دلیل یا بنائے تحدی ہوسکتی ہیں۔ جب سے یہ نیا مشغلہ خلافت بنا ہے۔ آپ کے اخباروں کے بھی ورق کے ورق ان خوابوں سے سیاہ ہوئے ہیں جو آپ کے کسی مرید نے آپ کے حسب منشاء دیکھی ہوں۔ ان خوابوں کے ذریعہ سے بہت سے جہلاء کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ آپ ضرور خلیفہ برحق ہیں۔ اور آپ کی بیعت نہ کرنے والے فاسق۔ لیکن عام طور پر یہی کچھ دنیا میں ہو رہا ہے۔ میں چاہتا تو بالمقابل بیسیوں خوابیں ایسی شائع کردیتا جن میں لوگوں کو آپ کی حالت بری نظر آتی۔ مگر میں نے ایک وقتی فائدہ کے لئے قوم کو غلط راہ پر ڈالنا پسند نہ کیا۔ جب آپ کے مریدین کے دل بغض سے بھر گئے اور بعض ان میں سے گزشتہ 6-7 سال سے دن رات ہمارے خلاف کوششوں میں اور بدظنیوں کے پھیلانے میں لگے ہوئے تھے۔ تو فرمایئے ہم خواب میں ان کو اچھے کیونکر نظر آتے۔ ان کے بالمقابل وہ رؤیا زیادہ قابل اعتبار تھے جن میں سے بہت سے احباب نے آپ کو بُری حالت میں دیکھا۔ کیونکہ ان کے دلوں میں آپ کے لئے بغض نہ تھا۔ مگر باوجود اس کے ایسے فساد کی حالت میں خوابوں پر اس قدر وثوق کرنا، کہ ان کو کسی کے مومن یا فاسق ہونے کا یا صادق یا کاذب ہونے کا معیار بنا دیا جائے، جائز نہ تھا۔ یہ تو عوام الناس کی خوابوں کی بات ہے۔ مگر آپ نے اپنے الہامات اور خوابوں کو ماموروں سے بھی بڑھ کر وقعت دی ہے۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ ماموریت کے مرتبہ پر نہیں پہنچتے۔ کتنی جلدی آپ کا دل غضب سے بھرا۔ اور ابھی ایک ماہ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ آپ کا ایک الہام شائع ہوتا ہے کہ جو لوگ تیری بیعت نہیں کرتے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائے گا۔ یہ تو سچ ہے کہ کئی کمزور دل لوگوں نے اس سے ڈر کر آپ کی بیعت کرلی ہوگی۔ گو وہ عقیدہ میں آپ کے مخالف ہوں۔ مگر اس طور پر اپنے ساتھ لوگوں کو بلانے کی کوشش کرنا تقویٰ کی راہ نہ تھی۔ آپ کے اس الہام کی اشاعت پر آپ کے کسی مرید نے 6 ماہ کی میعاد بھی سنائی تھی۔ چونکہ وہ آپ کے خاص رفقاء میں سے تھا۔ ممکن ہے آپ سے ہی اُس نے سنا ہو۔ مگر یہ فرمایئے کہ یہ معاملہ تو بڑے بڑے انبیاؑء کے ساتھ بھی نہ ہوا کہ

ایک دن وہ خدا کی طرف سے ہونے کا دعوٰی کریں۔ اگلے دن ان کو وحی ہو جائے کہ جو تم پر ایمان نہیں لائے گا وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ مدتوں تک ان کی مخالفتیں ہوتی ہیں، اور ان کے خلاف سخت منصوبے ہوتے ہیں، ان کے پیروؤں کو دکھ دیئے جاتے ہیں، ان کے کاروبار میں خطرناک رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ تب ایسا کرنے والے لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے

آپ فرمایئے کہ جس وقت آپ نے ماموروں اور نبیوں سے بڑھ کر تحدی کے ساتھ وہ رسالہ شائع کیا۔ ''کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکتا ہے۔'' اس وقت تک آپ کی کیا مخالفت ہوئی تھی۔ بس یہی کہ کہا جاتا تھا کہ آپ کی خلافت بغیر مشورہ ہوئی ہے۔ اور پہلے سے خاص لوگوں کو جو اپنے مفید مطلب تھے اکیلے کر لیا گیا تھا۔ بس صرف یہ تو مخالفت تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس وقت تک آپ سے منت کی جاتی تھی کہ آپ وفد کو اپنے پاس آنے دیں اور ہماری باتیں سنیں۔ ریزولیوشن پاس کئے جاتے تھے کہ میاں صاحب اگر غیر مبائعین کو فاسق کہنا چھوڑ دیں اور انجمن کو نہ توڑیں تو ان کو امیر مان لیا جائے۔ کیا یہی مخالفت تھی؟ کیا انبیاء کی ایسی ہی مخالفت ہوا کرتی ہے۔ کچھ شرم کرنی چاہئے کہ اس قدر تو آپ کے سامنے لوگ جھکنے کے لئے تیار ہوں اور صرف اس قدر چاہیں کہ آپ بیعت کے لئے سب پر جبر نہ کریں اور یہ آپ کو مخالفت نظر آئے اور الہام سنائے جائیں کہ یہ لوگ ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ گویا خدا کے اختیارات آپ کے ہاتھ میں تھے کہ جس کی طرف اُنگلی اُٹھائیں گے وہ وہیں جل کر خاکِ سیاہ ہو جائے گا!

اسی قسم کی تعلّی کا اظہار آپ نے القول الفصل میں کیا ہے کہیں لکھا ہے کہ ڈر جاؤ کہ خدا کا غضب اس بات پر بھڑک اُٹھے گا کہ آپ کی بیعت کیوں نہیں کرتے۔ کیا خدا نے آپ کو یہ علم دے دیا ہے اور وہ علم اس یقین کے درجہ تک پہنچ چکا ہے کہ آپ اس کا اعلان دنیا میں کر سکیں۔ کاش! آپ اس کی بجائے ان لوگوں کو خدا کے غضب سے ڈراتے جو اس کی توحید کو نہیں مانتے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے۔ بلکہ آپ کو گالیاں نکالتے ہیں۔ جو قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہیں۔ یا خدا کے مسیح کو کافر و کذاب کہتے ہیں۔ مگر نہیں۔ ان میں سے کسی پر خدا کا غضب آپ کو بھڑکتا ہوا نظر نہیں آتا۔ ہاں! جو ذرا آپ کی طبیعت کے خلاف کہے اس پر خدا کا غضب بھڑک اُٹھتا ہے۔ آپ کو ادب اور عزت سے مخاطب کر کے کہے کہ آپ صرف غیر مبائعین کو فاسق نہ کہیں۔ حضرت

صاحب کی انجمن کو نہ توڑیں۔تو آپ اس کیلئے خدا کی تلوار بن کر گردن کاٹنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔مگر افسوس کہ ان لوگوں کے لئے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نکالتے، جو حضرت مسیح موعود کو کافر کہتے ہیں، آپ خدا کی تلوار نہیں بنتے۔آپ جب سے خلیفہ ہوئے ہیں فرمایئے کہ کونسی تحریر میں آپ نے غیر احمدیوں کو، جنہیں آپ کافر سمجھتے ہیں، یہ بتایا کہ آپ خدا کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہیں۔اگر مخالفت سے باز نہیں آؤ گے تو ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔کون سے بدزبان آریوں اور پادریوں کو دھمکایا۔لیکن اگر آپ ایسا کریں تو آپ کو خوف ہے کہ کسی قانونی شکنجہ میں نہ آ جائیں۔

کیا اس سے معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کی یہ تحدیاں نفسانی جوش کی وجہ سے ہیں۔اگر دینی غیرت کی وجہ سے ہوتیں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں پر بھی کچھ جوش آتا۔آپ اپنے مقدس والد پر ہی نظر ڈالتے کہ اپنے مسلمان مخالفوں کو بار بار یہی کہتا رہا کہ تم مجھے اور مخالفین اسلام کو چھوڑ دو۔اور خواہ مخواہ میرے کام میں حارج نہ ہو۔یقیناً اگر علماء نے آپ پر خواہ مخواہ کفر کے فتوے لگا کر ان کے کام میں رکاوٹ نہ ڈالی ہوتی تو وہ اُدھر توجہ بھی نہ کرتے۔اور جس طور پر شروع سے محض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو دنیا میں ظاہر اور مخالفین اسلام کا مقابلہ کرنا ہی آپ کا کام تھا یہی کام آخر تک رہتا۔مگر آپ نے کونسا تبلیغ اسلام کا کام کیا تھا۔جس میں ہم نے رکاوٹ ڈالی۔کب آپ نے اسلام کے لئے مبلغین بھیجے جن میں ہم حارج ہوئے۔ہاں آپ نے بیشک ہمارے تبلیغ اسلام کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنی چاہی۔کبھی حکم دیا خواجہ صاحب کے اسلامی مشن کے لئے چندہ نہ دو۔کبھی کہا انجمن اشاعت اسلام لاہور مسجد ضرار ہے۔اس میں چندہ نہ دو۔اشاعتِ اسلام سلسلہ کی اصل غرض تھی۔آیئے! اب یہی آپ وہ کریں۔ہم اس میں حارج نہیں ہوتے۔ہم وہ کام کریں آپ اس میں حارج نہ ہوں۔

مگر اس قدر غضب کا اظہار کر کے، اس قدر تلوار چلا کر، ابھی آپ تھکے نہیں۔خطبہ جمعہ میں پھر ہماری گردنوں پر تلوار چلانے کی دھمکی دی ہے۔دو آدمیوں کو آپ نے کہہ دیا تھا **لَعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ** (61:3) وہ دونوں تو تباہ ہو رہے ہیں۔مگر خدا تو سارے دشمنانِ حق پر **لَعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ** (61:3) کہتا ہے وہ تو تباہ نہیں ہوتے۔اور معلوم نہیں تباہی آپ کے نزدیک کیا معنے رکھتی ہے۔ان دو آدمیوں کا نام لیا ہوتا تو ہم اس سے

اندازہ کر لیتے۔ اگر مال یا جان کا نقصان آپ کی مراد ہے تو اللہ تعالیٰ تو مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (155:2) بلکہ ان مصائب پر صبر کرنے والوں کو بشارت دیتا ہے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (155:2)۔

اگر کسی کے کاروبار کا بگڑ جانا آپ کی مراد ہے تو سیٹھ عبدالرحمٰن مرحوم مدراسی حضرت صاحب کے اول درجہ کے مخلصین میں سے تھے۔ سو روپیہ ماہوار کی مدد دیتے تھے۔ ان کا کیسا عظیم الشان کاروبار تھا۔ پھر بگڑ کر کس حالت کو پہنچ گیا۔ مجھے آپ کی ان باتوں کے کہنے پر تعجب نہیں۔ بلکہ تعجب ان پر ہے جنہوں نے عقل خداداد سے کام لینا چھوڑ دیا۔ اور آپ کی ان باتوں پر سہمے ہوئے جانور کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

میاں صاحب! جس تباہی سے آپ ڈراتے ہیں۔ اس سے ہم ڈرتے نہیں۔ اگر حق کی تائید میں کام کرتے ہوئے ہماری جانیں چلی جائیں۔ اگر ہمارے مالوں کو کچھ نقصان پہنچ جائے تو یہ تو خوش قسمتی ہے۔ حقیقی تباہی انسان کی وہ ہے جسے اس کی یہ آنکھیں دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتیں۔ گندے عقیدوں میں مبتلا ہو جانا، توحید سے قدم ہٹا کر شرک کی طرف چلے جانا یہی حقیقی تباہی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور تباہی کیا ہے جس سے انسان ڈرے۔ ہاں! ڈرانے کا وہ مقام ہے جس پر خدا نے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (116:4) دو مصیبتوں میں سے آسان کو انسان قبول کرتا ہے۔ غیر اللہ کی اس قدر عظمت کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف توجہ نہ کرے جو آپ کے بہت سے مریدین کی ہو رہی ہے۔ یہی وہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (31:9) والا شرک ہے۔ پس اگر آپ کی بیعت نہ کرنا اور آپ کو مرشد نہ ماننا بھی کوئی گناہ ہے۔ تو اس سے بہت بڑھ کر گناہ وہ مشرکانہ عظمت ہے۔ جس پر اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (116:4) کی وعید خدا کی کتاب میں ہے۔

پس آپ ہم کو کسی تباہی سے نہ ڈرائیں۔ ہم سب سے بڑھ کر شرک میں گرفتار ہو جانے کی تباہی سے ڈرتے ہیں۔ اس کے سامنے سب تباہیاں ہیچ ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ آپ کے مرید آپ کے احکام کو خدا کے احکام پر مقدم کر رہے ہیں۔ خدا فرماتا ہے تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (2:5) آپ کا حکم ہوتا ہے اشاعت اسلام کے فلاں کام میں مدد نہ دو۔ کیوں؟ اس لئے کہ جو شخص اس کام کو کر رہا ہے وہ آپ کا مرید نہیں ہے۔ اور یہ وہ وقت

ہے جب ابھی خواجہ صاحب ولایت میں تھے۔ پھر آپ کے مریدوں نے آپ کے حکم کی کیسی فرمانبرداری کی اور خدا کے حکم کو کس طرح ٹالا! اسلامک ریویو کے وی۔ پی تک انکاری کر دیئے۔ ''عسل مصفیٰ'' نے آج تک سلسلہ میں کس قدر مدد دی۔ مگر اب آپ نے اشاعت سے محض اس بناء پر روک دیا کہ اس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت صاحب ظلی نبی ہیں۔ یا غیر احمدی کافر نہیں۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر باتیں جن کتابوں میں حضرت صاحب نے خود لکھی ہیں۔ ان کو باوجود منسوخ ماننے کے آپ خود ان کی فروخت سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ قرآن کہتا ہے **لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ** (283:2) آپ نے مریدوں کو حکم دیا شہادت مت دو۔ مریدوں نے خدا کے حکم کی پرواہ نہیں کی۔ **اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ** آپ کے حکم کو مقدم سمجھا۔ آپ فرمایئے **اِتَّخَذُوْآ اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** (31:9) اس سے بڑھ کر کیا تھا۔

پھر آپ اپنا ایک رؤیا لکھتے ہیں کہ:

''شیخ رحمت اللہ صاحب نے حضرت صاحب سے مصافحہ نہیں کیا۔ اور حضرت صاحب نے حکم دیا کہ ان کو نکال دو۔''

حالانکہ یہ آپ کا رؤیا آپ کو بہت کچھ سمجھانے کے لئے کافی تھا۔ کیا آپ نے اتنا بھی غور نہ کیا کہ شیخ رحمت اللہ صاحب آپ سے تو مصافحہ کرتے ہیں۔ مگر حضرت صاحب سے نہیں کرتے۔ کیا اس سے صاف پتہ نہیں ملتا کہ یہ وہ شیخ رحمت اللہ نہیں جو آپ کے خیال میں ہے۔ بلکہ حضرت صاحب سے مصافحہ نہ کرنے والا کوئی ایسا شیخ رحمت اللہ ہے جو آپ سے مصافحہ کرتا ہے۔ اور جس سے آپ مصافحہ کرتے ہیں یہ تو آپ کے ملنے والوں کے لئے سبق ہے کہ وہ لوگ جو آپ سے مصافحہ کرتے ہیں وہ مسیح موعود کے مصافحہ کے وقت ہاتھ پیچھے ہٹا لیتے ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ رؤیا میں تعین تشخصات نہیں ہوتی۔ یعنی جس شخص کو دیکھا جائے لازماً وہی مراد نہیں ہوتا۔ اور واقعات ثابت کرتے ہیں کہ آپ کے ملنے والے آپ کے فتوؤں کو حضرت صاحب کے فتوؤں پر ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ جو مسلمان خاموش ہیں اور ہمیں بُرا نہیں کہتے ان کا جنازہ پڑھ لو۔ آپ کا حکم ہے کہ کسی غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھو۔ آپ کے مریدین حضرت صاحب کے فتویٰ سے منہ موڑتے اور آپ کے فتویٰ کو صحیح سمجھتے ہیں پس آپ سے مصافحہ کرنا اور حضرت صاحب ہاتھ بڑھائیں تو اس وقت پیچھے ہٹ جانا یہ وہ مرض ہے جو

آپ کے مریدین میں پیدا ہو چکی ہے۔اور جس کے پیدا کرنے کے آپ خود ذمہ دار ہیں۔اور یہی رؤیا میں آپ کو دکھایا گیا۔

اب یہ بھی قابل غور مسئلہ ہے کہ آپ کے رؤیا کس حد تک آپ کے مریدین کے لئے قابل اعتبار ہیں۔ غیر مامور ہونے کی حالت میں آپ کا بار بار اپنے خوابوں اور الہاموں کو پیش کرنا کہ فلاں خواب سے فلاں عقیدہ درست ثابت ہوتا ہے۔اور فلاں الہام کی رو سے فلاں پر عذاب آئے گا۔ یہ آپ کی قلبی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے کہ اس میں کیا کیا باتیں آپ کے خیال میں ہیں۔اور خلافت تو گویا ایک پہلا قدم تھا۔جس تحدی کے رنگ میں آپ اپنے خوابوں اور الہاموں کو پیش کرتے ہیں۔ وہ ماموروں کا کام ہے۔حالانکہ آپ مامور نہیں۔ میں آپ کو اس کے فیصلہ کے لئے بھی آسان راہ بتاتا ہوں۔حضرت صاحب نے حقیقت الوحی کے شروع میں خوابوں اور الہاموں کے پانے والوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔اور اپنے آپ کو بھی ان تین قسموں میں سے ایک قسم میں داخل کیا ہے۔اب آپ اور آپ کے مریدین غور فرمائیں کہ آپ کے الہام اور رؤیا، جن پر دوستوں کی تباہی کا خیال دل میں بیٹھا ہوا ہے، کس قسم میں آتے ہیں اور کہاں تک وہ بطور تحدّی پیش کرنے کے قابل ہیں۔(ملاحظہ ہو حقیقۃ الوحی ص 57,14,11,5,4) صفحہ 4 پر فرماتے ہیں:

''باوجود اختلاف مذہب اور عقیدہ کے ہر ایک فرقہ کے لوگوں کو خوابیں اور الہام ہوتے ہیں۔اور ایک دوسرے کو اپنی خوابوں اور الہاموں کے ذریعہ سے جھوٹا بھی قرار دیتے ہیں۔اور بعض خوابیں ہر ایک فرقہ کی سچی بھی ہو جاتی ہیں تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ حق کے طالبوں کی راہ میں یہ ایک خطرناک پتھر ہے۔اور خاص کر ایسے لوگوں کے لئے یہ ایک زہر قاتل ہے۔جو خود مدعیٔ الہام ہیں اور اپنے تئیں منجانب اللہ ملہم خیال کرتے ہیں۔اور دراصل خدائے تعالیٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔اور وہ اس دھوکے سے، جو کوئی خواب ان کی سچی بھی ہو جاتی ہے، اپنے تئیں کچھ چیز سمجھتے ہیں۔اور اس طرح پر وہ سچائی کے طلب کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بلکہ سچائی کو تحقیر اور توہین کی نظر سے دیکھتے ہیں۔پس یہی وہ امر ہے جس نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ میں اس فرق کو حق کے طالبوں پر ظاہر

کروں۔ سو میں اس کتاب کو چار باب پر منقسم کرتا ہوں۔ باب اول اُن لوگوں کے بیان میں جن کو بعض سچی خوابیں آتی ہیں یا بعض سچے الہام ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کو خدا تعالیٰ سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ باب دوم اُن لوگوں کے بیان میں جن کو بعض اوقات سچی خوابیں آتی ہیں یا سچے الہام ہوتے ہیں اور اُن کو خدا تعالیٰ سے کچھ تعلق تو ہے۔ لیکن بڑا تعلق نہیں۔ باب سوم اُن لوگوں کے بیان میں جو خدا تعالیٰ سے اکمل اور اصفٰی طور پر وحی پاتے ہیں۔ اور کامل طور پر شرف مکالمہ اور مخاطبہ ان کو حاصل ہے۔ اور خوابیں بھی اُن کو فلق الصبح کی طرح سچی آتی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے اکمل اور اتم اور اصفٰی تعلق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے پسندیدہ نبیوں اور رسولوں کا تعلق ہوتا ہے۔ باب چہارم اپنے حالات کے بیان میں یعنی اس بیان میں کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم نے مجھے ان اقسام ثلٰثہ میں سے کس قسم میں داخل فرمایا ہے۔''

اب میاں صاحب بغور اس تقسیم کو پڑھیں۔ ان کے مریدین کی خوابوں پر تو پیچھے غور ہوگا۔ پہلے وہ اپنے لئے ان تین مقاموں میں سے ایک مقام تجویز کریں۔ پہلی قسم کو تو ہم چھوڑتے ہیں کیونکہ اس میں ہر ایک مذہب وملت کے لوگ داخل ہیں۔ بلکہ حضرت صاحب نے یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ ''ایسی خوابوں اور الہامات میں ہر ایک فاسق و فاجر اور کافر اور ملحد یہاں تک کہ زانیہ عورتیں بھی شریک ہوتی ہیں۔'' باقی صرف دو اقسام رہ جاتی ہیں۔ اور صرف اس قدر ہم نے دیکھنا ہے کہ میاں صاحب قسم دوم میں آتے ہیں یا سوم میں۔ اس فیصلہ کے لئے پہلے میں قسم سوم کے لوگوں کو لیتا ہوں۔ جن میں حضرت صاحب نے اپنے آپ کو بھی داخل کیا ہے۔ (دیکھو صفحہ 57) ان کی چند نشانیاں حضرت صاحب نے بیان فرمائی ہیں۔ صفحہ 15 پر آپ فرماتے ہیں:

''منجملہ ان علامات کے یہ بھی ہے کہ خدائے کریم اپنا فصیح اور لذیذ کلام وقتاً فوقتاً اُس کی زبان پر جاری کرتا رہتا ہے۔ جو الٰہی شوکت اور برکت اور غیب گوئی کی کامل طاقت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور ایک نور اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو بتلاتا ہے کہ یہ یقینی امر ہے ظنی نہیں ہے۔ اور ایک ربانی چمک اس کے اندر ہوتی ہے۔ اور کدورتوں سے پاک ہوتا ہے۔ اور

بسا اوقات اور اکثر اور اغلب طور پر وہ کلام کسی زبردست پیشگوئی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور اس کی پیشگوئیوں کا حلقہ نہایت وسیع اور عالمگیر ہوتا ہے اور وہ پیشگوئیاں کیا باعتبار کمیت اور کیا باعتبار کیفیت بینظیر ہوتی ہیں۔ کوئی ان کی نظیر پیش نہیں کرسکتا۔''

اب میاں صاحب خود ہی اپنے مریدین کو مطلع فرمادیں کہ کیا ان کی پیشگوئیاں بلحاظ کیفیت اور کمیت اس بینظیری کی حالت کو پہنچ چکی ہیں۔ اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اس تیسری قسم میں داخل ہیں۔ اگر نہیں۔ جیسا کہ واقعات بتا رہے ہیں، تو پھر میاں صاحب کے لئے سوائے اس کے چارہ نہیں، کہ وہ قسم دوم میں اپنے آپ کو داخل کریں۔ جس کے متعلق حضرت صاحب فرماتے ہیں۔

''دنیا میں بعض ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ وہ کسی حد تک زہد اور عفت کو اختیار کرتے ہیں اور علاوہ اس بات کے کہ ان میں رؤیا اور کشف کے حصول کے لئے ایک فطرتی استعداد ہوتی ہے۔ اور دماغی بناوٹ اس قسم کی ہوتی ہے کہ خواب وکشف کا کسی قدر نمونہ اُن پر ظاہر ہوجاتا ہے۔ وہ اپنی اصلاح نفس کے لئے بھی کسی قدر کوشش کرتے ہیں۔ اور ایک سطحی نیکی اور راستبازی ان میں پیدا ہوجاتی ہے۔ جس کی آمد سے ایک محدود دائرہ تک رؤیائے صادقہ اور کشوف صحیحہ کے انوار ان میں پیدا ہوجاتے ہیں۔ مگر تاریکی سے خالی نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کی بعض دعائیں بھی منظور ہوجاتی ہیں۔ مگر عظیم الشان کاموں میں نہیں۔ کیونکہ ان کی راستبازی کامل نہیں ہوتی...... اور اس کا نفسانی قالب جل کر خاک نہیں ہوتا۔ کیونکہ شعلۂ نور سے بہت دور ہے اور وہ رسولوں اور نبیوں کا کامل طور پر وارث نہیں ہوتا۔ اور اس کی بعض اندرونی آلائشیں اس کے اندر مخفی ہوتی ہیں...... ایسے آدمی جو نفسانی جذبات ان کے اندر ہیں بعض اوقات ان کے نفسانی جذبات ان کی خوابوں میں اپنا جوش اور طوفان دکھاتے ہیں...... اور بقول مشہور کہ نیم ملا خطرہ ایمان۔ وہ اپنی مغفرت ناقصہ کی وجہ سے خطرہ کی حالت میں ہے۔ ہاں ایسے لوگوں کو بھی کسی قدر کچھ معارف و حقائق معلوم ہوجاتے ہیں۔ مگر اس دودھ کی طرح جس میں کچھ پیشاب بھی پڑا ہوا اور اس

پانی کی طرح جس میں کچھ نجاست بھی ہو۔ اور اس درجہ کا آدمی اگرچہ بہ نسبت درجہ اول کے اپنی خوابوں اور الہامات میں شیطانی دخل اور حدیث النفس سے کسی قدر محفوظ ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کی فطرت میں ابھی شیطان کا حصہ باقی ہے۔ اس لئے شیطانی القاء سے بچ نہیں سکتا۔ اور چونکہ نفس کے جذبات بھی دامن گیر ہیں۔ اس لئے حدیث النفس سے بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔'' (حقیقۃ الوحی ص 11 تا 12)

اب اگر میاں صاحب اس قسم ثانی میں داخل ہیں اور یہی سچ ہے تو وہ خدا کے خوف سے کام لے کر اپنے آپ کو اور جماعت کو خطرناک ٹھوکروں سے بچائیں۔ ان کو یہ کس طرح جائز ہے کہ وہ اپنی خوابوں اور الہاموں کو بطور تحدی پیش کریں۔ جو ماموروں کا کام ہے۔ وہ یاد رکھیں کہ یہ ان کے خواب اور الہامات، جن کو وہ دوسروں کی تباہی کے لئے بچھا رہے ہیں، کسی وقت اُن سرنگوں کا کام دیں گے۔ جو خود بچھانے والے کو بوجہ اس کی کم علمی اور ناواقفیت کے نقصان پہنچاتے ہیں۔ یا تو وہ اعلانیہ مامور ہونے کا دعویٰ کریں۔ اور محض دوسرے لوگوں کے منہ سے مصلح موعود نہ کہلوائیں۔ اور یا اپنی خوابوں اور الہامات کو بطور تحدی پیش کرنے سے توبہ کریں۔ یہ کوچہ بڑا دلفریب مگر بڑا ہی خطرناک ہے۔ کسی وقت غلطی سے میاں صاحب یہ دعویٰ کر بیٹھے تھے کہ مجھے کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع ملتی ہے۔ مگر بعد میں جو نبوت کی تعریف کرنی پڑی، تو معلوم ہوا کہ یہ غلطی تھی۔ اس لئے جھٹ کہہ دیا کہ قلیل مقدار میں مجھے بھی الہام ہوتے ہیں۔ جس طرح اپنی بات کو بنانے کے لئے ایک غلطی سے رجوع کر لیتے ہیں۔ گو اعلانیہ اس کا اظہار اپنی پوزیشن کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اسی طرح کم از کم اپنی غلطی سے رجوع ہی کر لیں اور آئندہ ان خوابوں اور الہاموں کو بطور تحدی پیش کرنے سے رُک جائیں۔ تو یہ بھی ایک طریق اصلاح کا ہے۔ گو مؤمنانہ شجاعت سے کام لیں تو کھلے الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف کر لیں۔ اس کے جواب میں کہہ دیا جائے گا کہ ہم سے غلطی ہی نہیں ہوئی تو اعتراف کس بات کا کریں؟ کیا کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع پانے کا دعویٰ غلط نہ تھا۔ جس سے آپ نے گول مول الفاظ میں یوں رجوع کیا کہ قلیل مقدار میں مجھے بھی الہام ہوتے ہیں۔ مگر صاف اعتراف نہ کیا کہ وہ میری غلطی تھی۔ حالانکہ آپ خوب جانتے ہیں کہ وہ ایک ایسی خطرناک غلطی تھی کہ اس کی بناء پر آپ کے بعض مریدوں نے آپ کو نبی تک کہہ دینے میں فرق نہیں کیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل الشان انسان

سے تو غلطیاں ہوسکیں مگر آپ سے کبھی غلطی ہی نہیں ہوئی۔آپ کے مرید اپنے نفسوں کو یوں بھی دھوکہ دے لیتے ہیں کہ ہم میاں صاحب کو معصوم عن الخطا تو نہیں مانتے۔مگر عملاً اب تک ان سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔حالانکہ بات بات میں صریح غلطیاں ہوتی ہیں۔

مثلاً یہی قسموں کا معاملہ لے لیجئے۔جو آپ کے خطبہ کا اصل موضوع ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ:

''ہم نے ان کی قَسم کے جواب میں اس لئے خاموشی اختیار نہیں کی تھی کہ ہم بھاگتے ہیں۔
بلکہ اس لئے کہ وہ اپنی بات پر پکے ہو جائیں۔''

کیا یہ آپ نے جھوٹا عذر پیش نہیں کیا۔آپ نے خاموشی تو کوئی اختیار نہیں کی۔ بلکہ آپ نے صریحاً اپنے مریدوں کو حلف لینے سے روکا۔ہاں! یہ تدبیر ساتھ کی کہ آپ اپنی زبان سے نہ روکیں بلکہ اپنے مریدوں کے ذریعہ سے رکوائیں۔خطوط بھی پہنچائے گئے۔اخبار میں بھی اعلان ہوا کہ ہمارے احباب فرداً فرداً خواجہ (کمال الدین) صاحب کو جواب نہ دیں۔کیا یہ خاموشی تھی؟ کیا آپ نے صریحاً روکا نہیں؟ اور پھر اس کی وجہ یہ نہیں بتائی کہ اکٹھا جواب قادیان سے نکلے گا؟ اب آپ فرماتے ہیں کہ میرے مرید قسمیں بھی کھائیں گے۔آپ حلفاً بیان شائع کریں کہ وہ مضمون جو الفضل میں اس عنوان سے لکھا گیا کہ:

''ہمارے احباب خواجہ صاحب کو فرداً فرداً جواب نہ دیں۔''

وہ آپ کے مشورہ سے یا آپ کی اجازت سے شائع نہیں ہوا۔ پھر خاموشی کیسی !اور یہ جھوٹا عذر کیسا! آپ تو خدا کے ہاتھ میں تلوار ہوں یا نہ ہوں لیکن ان معنوں میں آپ اپنے مریدین کے لئے ضرور خدا بنے ہوئے ہیں کہ بعض مریدین آپ کے ہاتھ میں تلوار کا کام دیتے ہیں۔لکھوایا تو ان سے وہی جاتا ہے جو آپ چاہتے ہیں۔ مگر لکھ یہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے تو ایسا نہیں کیا۔

ایک مذہبی پیشوا کے لئے یہ تدبیریں جو تدبیریں نہیں بلکہ چالبازیاں ہیں، جائے تعجب ہے! کیا اچھا ہوتا ہے کہ بجائے اس کے آپ اعتراف کر لیتے کہ ہم نے پہلے غور نہیں کیا۔مریدین کو روکنے میں ہم سے غلطی ہوئی۔ بیشک ان کو اختیار ہے کہ وہ فرداً فرداً جوب دیں۔ یہ بظاہر آپ کے لئے ذلت کا موجب تھا۔تاہم حقیقی

عزت اسی میں تھی۔مگر افسوس کہ آپ کو ایک غلطی کے علاج کے لئے پھر دوسری غلطی کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

پھر آپ نے قسم کھائی ہے کہ میں حضرت صاحب کی زندگی سے ہی حضرت صاحب کو ایسا نبی سمجھتا ہوں جیسا کہ اب۔ مجھے معلوم نہیں آپ سے اس حلف کا مطالبہ کس نے کیا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے آپ سے مطالبہ یہ تھا کہ آپ کو یہ خیال کب سوجھا کہ حضرت صاحب کے 1901ء سے پہلے کی تصانیف مسئلہ نبوت میں منسوخ ہیں۔ آپ نے اس سوال کے متعلق ایک حرف بھی نہیں کہا۔ بلکہ ایک مرید سے ٹیڑھی شہادت دلوائی ہے کہ 1901ء میں مسئلہ اسلام وکفر پر جب آپ کو طبع آزمائی کی ضرورت محسوس ہوئی،تو آپ نے اس وقت یہ نوٹ کیا تھا۔ بہرحال آپ کے ذمہ یہ تھا کہ آپ حلف اُٹھاتے کہ میں حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی حضرت صاحب کی 1901ء سے پہلے کی تصانیف کو منسوخ سمجھتا تھا۔ جب تک آپ اس پر حلف نہ اُٹھائیں،مطالبہ حلف سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ رہیں وہ تلواریں، جو آپ نے ہماری گردنوں کے لئے رکھی ہوئی ہیں، ان کو خوشی سے پھیریئے۔ گردنیں حاضر ہیں۔

نیز جب آپ اب اتمام حجت کر چکے۔یعنی کافی وشافی دلائل بھی دے چکے۔سخت سے سخت قسمیں بھی اُٹھا چکے۔الہام بھی بتا چکے کہ حضرت مسیح موعود حقیقی اور کامل نبی ہیں اور مسلمان کافر ہیں سوائے آپ کے مریدین کے۔تو جو آپ کے مریدین ان دونوں باتوں سے منکر ہیں۔ان کو کیوں اپنی بیعت سے خارج نہیں فرماتے۔محض اس ڈر سے کہ مرید کم نہ ہو جائیں؟ کسی موقع پر تو اس شجاعت کا اظہار فرمایئے۔ جو اہل حق ہر موقع پر دکھاتے ہیں۔ یہ دکھاوے کی باتیں، کہ اتنے مرید ہیں، آخر تک کام آنے والی نہیں۔ اگر آپ حق پر ہیں تو دنیا سے کیوں ڈرتے ہیں۔مریدوں کی تعداد کا فکر نہ کیجئے اور ان لوگوں کو بیعت سے خارج فرمایئے جو:

☆ مسیح موعود کو کامل نبی نہیں مانتے اور غیر احمدیوں کو کافر نہیں جانتے۔

☆ جو آپ کے جنازہ کے فتویٰ کے بارے میں عملاً مخالفت کرتے ہیں۔ گو منہ سے کچھ نہ کہیں۔جس طرح لڑکی غیر احمدیوں کو دینے والوں کے ساتھ سلوک ہے، وہی سلوک غیر احمدی کا جنازہ پڑھنے والوں کے ساتھ کیجئے۔

اگر اس میں کوئی سخت لفظ لکھا گیا ہے۔تو لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (148:4) کو مدنظر رکھ کر اسے قابل معافی سمجھیں اور اصل امور متنازعہ فیہ پر دلائل کے ذریعہ روشنی ڈالنے کی کوشش کریں۔

(4)۔ درخواست مباہلہ

آپ کا ہمیں مباہلہ کے لئے بلانا بھی عجیب بے معنی بات ہے۔ جب آپ پیشگوئی شائع کر چکے ہیں کہ ہم ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ تو اب مباہلہ کی غرض کیا ہے؟ کیا یہ کہ جس طرح آپ ہم پر بددعائیں کرتے رہتے ہیں اور ہماری ہلاکت اور تباہی کے لئے انتظار کر رہے ہیں۔ ہم بھی آپ کے لئے بددعا کریں اور پھر آپ کی تباہی کے منتظر رہیں۔ آپ تو مسیح موعود کے فرزند ہیں۔ میں تو ادنیٰ مسلمان کے لئے، باوجود اس کے کہ وہ میرا مخالف ہو، بددعا کرنا پسند نہیں کرتا۔ آنحضرت ﷺ کو وحی الٰہی سے ایک دفعہ حکم ہوا کہ مباہلہ کے لئے بلاؤ۔ مسیح موعود بھی مامور تھے۔ ان کو کسی مباہلہ کے لئے بلانا حکم الٰہی کے ماتحت ہم یقین کرتے ہیں۔ مگر مجھے تو کوئی الہام نہیں ہوا اور نہ کبھی آپ کے لئے بددعا کروں گا۔ اگر میری بددعا اثر کر سکتی ہے تو یہ دعا کیوں نہیں کر سکتی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان غلطیوں سے نکالے۔ باقی اللہ تعالیٰ جو معاملہ آپ سے چاہے کرے۔ اور یہ مباہلہ کا اعلان بھی آپ کا نیا نہیں، یہ بھی لَیُمَزِّقَنَّھُمْ کے الہام کی طرح ابتداء میں ہی ہو گیا تھا۔ پھر اگر آپ کو ایسا شوق مباہلہ کرنے کا ہے تو جو شخص آپ سے کرنا چاہتا ہے اس سے کیوں نہیں کرتے؟ والسلام۔

خاکسار محمد علی

از ایبٹ آباد

29 ستمبر 1915ء

14 اکتوبر 1915ء

روئیداد

سیالکوٹ میں ایک جلسہ

(تقریر امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

(کسی دوسری جگہ سیالکوٹ کے جلسہ احمدیہ کی مختصر روئیداد ہدیہ ناظرین کی جا چکی ہے۔ ذیل میں ہم حضرت امیر مولینا محمد علی صاحب کی اس شاندار تقریر کو اخویم مکرم صدیق حسین خان صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے مرتب کردہ نوٹوں اور اپنے حافظہ سے بھی تھوڑی بہت مدد لے کر بطور خلاصہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ جو اگرچہ بسبب آپ کے اصلی الفاظ نہ ہونے کے اس قدر دلچسپ نہیں ہوسکتی۔ جیسی کہ سامعین کے لئے تھی۔ تاہم اس کے ضروری مطالب و مفہوم کا لکھ دینا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ اصل الفاظ دراصل خاکسار ایڈیٹر کی ناگہانی علالت کے باعث نوٹ نہ کئے جا سکے جس کا مجھے خود افسوس ہے۔ ایسا ہی آئندہ اشاعتوں میں حضرت خواجہ صاحب اور حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی تقاریر کے اندراج کی بھی کوشش کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ مدیر)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے سورۃ النور کی آیات اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ. رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا

بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوۡنَ يَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِيۡهِ الۡقُلُوۡبُ وَالۡاَبۡصَارُ. لِيَجۡزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَاعَمِلُوۡا وَيَزِيۡدَهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ وَاللّٰهُ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ. وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُهُمۡ كَسَرَابٍۢ بِقِيۡعَةٍ يَّحۡسَبُهُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمۡ يَجِدۡهُ شَيۡـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ فَوَفّٰٮهُ حِسَابَهٗ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ. اَوۡ كَظُلُمٰتٍ فِىۡ بَحۡرٍ لُّـجِّىٍّ يَّغۡشٰٮهُ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ اِذَاۤ اَخۡرَجَ يَدَهٗ لَمۡ يَكَدۡ يَرٰٮهَا وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ. (24:35-40) تلاوت کیں۔

اور فرمایا کہ:

قرآن شریف کا ترجمہ کرتے ہوئے مجھے ایک کتاب کی طرف توجہ دلائی گئی جو ایک جرمن فاضل نے لکھی ہے۔ اس کا نام ہے New Studies into the Study of The Qur'an اس کتاب میں قرآن کریم پر تنقید کی گئی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنف نے قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کو نہایت باریک بینی کے ساتھ پڑھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بائبل کے نوٹ اپنے پاس رکھے ہوئے تھے اور وہ اس کے ایک ایک لفظ پر حاوی تھے۔ کیونکہ قرآن شریف کے ایک ایک لفظ میں بائبل کے کئی ایک واقعات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ اس بات کو تو مانتا نہیں کہ قرآن کریم کسی اور بالاتر ہستی کا کلام ہے بلکہ وہ اسے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ہی تصنیف سمجھتا ہے۔ اس لئے اس کا خیال ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں بائبل کا بہت مطالعہ کرتے اور اس کے ضروری نوٹ اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور پھر وقتاً فوقتاً انہیں قرآن کی شکل میں مرتب کرتے رہتے تھے۔ اس نے اتنا تو سوچا نہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو قرآن کریم کا دعویٰ ہے مَا كُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنۡ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيۡنِكَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ (29:48) یعنی تو اس سے پیشتر کوئی لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا۔ واقعات سے بھی یہی پتہ لگتا ہے۔ اور تاریخ بھی اسی کی شاہد ہے۔ خیر یہ تو اس کی اپنی رائے ہے۔ لیکن دراصل بات یہ ہے کہ:

کل کتب منزلہ قرآن کی خادم ہیں

توریت اور انجیل کے متعلق یہ قرآن کریم نے بار بار اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (46:5) پھر فرمایا فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ (46:5) ان کتابوں کے ذریعہ سے قرآن کریم کے سمجھنے میں بہت بڑی مدد ملتی ہے۔ بہت سے ایسے مسائل ہیں۔ جن کے سمجھنے کے لئے ہمیں ان کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ. وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ. وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ . لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ. ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ. اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُواالصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ. (6-1:95)

انجیر کی طرف دیکھو، زیتون پر غور کرو، سینا پہاڑ کو دیکھو اور اس امن والے شہر پر غور کرو۔ ہم نے انسان کو نہایت اعلیٰ قوام سے پیدا کیا ہے۔ ہاں! پھر اسے رذیل ترین حالت میں لوٹا دیا۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے۔ اب اس میں انجیر کے درخت کی طرف توجہ دلانا، زیتون کی طرف اشارہ کرنا اور پھر ایک پہاڑ اور شہر مکہ کا ذکر کرنا کیا معنے رکھتا ہے؟ اس کو انسان کی پیدائش کے ساتھ نسبت کیا ہے؟ انجیر کا درخت بھی ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے۔ زیتون کا درخت اگر کسی نے نہیں دیکھا۔ تو خیر زیتون کا تیل تو عام ہے۔ پہاڑوں کو بھی ہم دیکھا ہی کرتے ہیں۔ اور طور اور سینا کے پہاڑ بھی ہم میں سے کئی ایک نے دیکھے ہیں۔ مکہ کو بھی کئی لوگوں نے دیکھا ہے۔ پھر ان میں وہ کیا بات ہے؟ جس کی وجہ سے ان کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اور پھر خلقت انسانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس عقدہ کے حل کرنے کے لئے ہمیں بائبل کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

شجر تین کو سلسلۂ انبیائے بنی اسرائیل سے مناسبت اور بنی اسرائیل کی ختمِ نبوت

بائبل کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں۔ تو اس میں انجیر کے درخت کو سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کے ساتھ ایک مناسبت دکھائی دیتی ہے۔ انجیر سلسلۂ انبیائے بنی اسرائیل کے لئے بطور ایک نشان کے ہے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو جب بھوک لگی تو آپ ایک انجیر کے درخت کے قریب گئے۔ اور اس میں پھل نہ پا کر اس پر لعنت کی جس سے اس کے پتے بھی خشک ہو گئے۔ یہ کوئی یونہی قصہ یا کہانی نہیں بلکہ انجیل میں اس قسم کی اکثر باتیں ہیں۔ جن میں تمثیل کے طور پر کوئی بات سمجھائی گئی ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ بنی اسرائیل میں اب

نبوت ختم ہوچکی ہے۔اور چونکہ ان میں کوئی پھل پیدا کرنے کی استعداد نہیں رہی۔اس لئے ان کے پتے بھی خشک ہو چکے ہیں۔ پتوں سے مراد اعمال ہیں۔اور اعمال تب ہی پھل لاتے ہیں جب ان کے اندر روح ہو۔بغیر روح کے اعمال پھل نہیں لاتے۔اس بات کی تائید دوسرے مقام سے بھی وضاحت کے ساتھ ہوتی ہے۔مثلاً لوقا باب 9-6:13 میں ایک تمثیل لکھی ہے۔جو حسب ذیل ہے:

''کہ کسی نے اپنے تاکستان (انگوری باغ۔مرتب) میں ایک انجیر کا درخت لگایا تھا۔وہ اس میں پھل ڈھونڈنے آیا اور نہ پایا۔اس پر اس نے باغبان سے کہا کہ دیکھ تین برس سے میں اس انجیر کے درخت میں پھل ڈھونڈنے آتا ہوں اور نہیں پاتا، اسے کاٹ ڈال۔یہ زمین کو بھی کیوں روکے رہے؟ اس نے جواب میں اس سے کہا۔اے خداوند! اس سال تو اور بھی اُسے رہنے دے تاکہ میں اس کے گرد تھالا کھودوں اور کھاد ڈالوں۔اگر آگے کو پھلا، خیر۔نہیں تو اس کے بعد کاٹ ڈالنا۔''

پھر اسی انگوری باغ کے متعلق متی باب 21 آیت 32 سے 42 تک میں ایک تمثیل لکھی ہے جو یہ ہے:

''ایک گھر کا مالک تھا۔جس نے تاکستان لگایا۔اور اس کے چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور بُرج بنایا۔اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا۔اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا۔اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کیا اور کسی کو سنگسار کیا۔پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا۔جو پہلوں سے زیادہ تھے اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے۔جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا یہی وارث ہے۔آؤ اسے قتل کرکے اس کی میراث پر قبضہ کرلیں۔اور اُسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا۔پس جب تاکستان کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انہوں

نے اسے کہا۔ ان بدکاروں کو بُری طرح ہلاک کرے گا۔ اور باغ کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا۔ جو موسم پر اس کو پھل دیں۔‘‘

اس تمثیل میں یہ کہہ کر کہ ’’باغ کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دے۔‘‘ بنی اسرائیل میں سے سلسلۂ انبیاء کے منقطع ہونے اور کسی دوسری قوم میں جاری ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی اسی پیشگوئی کا تذکرہ قرآن کریم نے بھی ان الفاظ میں کیا ہے کہ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (6:61) تو تین (انجیر کے درخت) کو سلسلہ انبیائے بنی اسرائیل کے ساتھ ایک مناسبت ہے اور یہ بنی اسرائیل سے انقطاع سلسلہ نبوت کی خبر دیتا ہے۔

زیتون کا تعلق سلسلہ محمدیہؐ کے ساتھ

زیتون کے لفظ میں اسلام کی طرف اشارہ ہے اور اس کی تشریح میں دوسری جگہ فرمایا اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (35:24) کامل ظہور ذات الٰہی ہے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (35:24) اس کے نور کی مثال ایک بلند مینار کی طرح ہے جس پر ایک چراغ ہو (نور کا لفظ صرف قرآن کریم کے لیے ہی بولا گیا ہے دوسری کتب مقدس کو ھدی کر کے پکارا گیا ہے) اب چراغ تو ہوا کے زور سے چلنے سے بجھ بھی جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ (35:24) وہ چراغ قندیل کے اندر ہے۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ قندیل میں ہونے کی وجہ سے اس کی روشنی پھیل نہ سکے۔ اس لئے فرمایا اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ (35:24) قندیل ایسی ہے جیسا کہ ایک چمکتا ہوا ستارہ۔ جس سے کہ روشنی دوبالا ہو جاتی ہے یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ (35:24) ایک زیتون کے مبارک درخت سے۔

مبارک کے معنے ہمیشہ کے لئے بڑھنے والے ہیں۔ توریت و انجیل کے متعلق یہ لفظ نہیں فرمائے۔ کیونکہ ہمیشہ رہنے والی شرائع نہ تھیں۔ قرآن کریم ہی ایک ہمیشہ رہنے والا اور دن بدن پھیلنے والا تھا، اس لئے اسے مبارک کہا اور سلسلۂ محمدیہ کا نام زیتون رکھا۔ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ (35:24) یعنی وہ کسی ایک جگہ کا نہیں بلکہ چاروں طرف پھیلنے والا ہے۔

پھر پرانے وقتوں میں ہم نے ایسے دیئے بھی دیکھے ہیں۔ جس میں پہلے بتی کو آگ ہی دیر سے لگتی تھی۔ پھر جب اس کا ایک حصہ جل چکتا تھا۔ تو اس کی روشنی مدہم ہو جاتی تھی۔ اور ضرورت ہوتی تھی کہ کوئی اس بتی کے سرے کو پھر باہر نکالے اور وہ پھر روشن ہو۔ پھر ہم نے ایسے بھی دِیئے دیکھے ہیں جس میں بتی نکالنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ صرف آگ لگا دینا کافی ہوتا ہے۔ اور تیل خود بخود ہی بتی کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر آج ہم ایسے بھی دیئے دیکھتے ہیں جن کو آگ لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس بٹن دبایا اور روشن ہو گیا۔ فرمایا کہ یہ اس قسم کا دِیا ہے کہ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (35:24) قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگر چہ اسے آگ نے نہیں چھوا۔ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (35:24) وہ نور بہت بڑھ چڑھ کر ہے یعنی دوسرے مذاہب میں بھی نور ہے۔ لیکن یہ نور سب سے زیادہ روشنی رکھتا ہے۔ پھر پہلے لوگوں کا خیال تھا کہ اللہ کا نور بڑی مشکلوں سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ اتنا دور ہے کہ گویا وہ ہمالیہ کی چوٹیوں پر ہے یا جنگلوں میں بذریعہ رہبانیت مل سکتا ہے۔ فرمایا نہیں فِيْ بُيُوْتٍ (36:24) وہ تو تمہارے گھروں میں ہے۔ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ (36:24) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ بلند کیا جاوے اور یاد کیا جاوے اس میں (گھر میں) اس کا نام۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے گھروں میں عبادت کرنے کا حکم دیا۔ لیکن پہلے تو دن کی طرح نہیں کہ ہفتہ میں ایک دن عبادت کر لی اور پھر خدا کا نام ہی نہیں لینا۔

انسانی فطرت کو اگر بار بار جگایا نہ جائے تو وہ بھول جاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بار بار اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع دلایا جائے۔ اس لئے فرمایا يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (36:24) صبح وشام اس میں اللہ ہی کی تسبیح کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی پنجوقتہ نمازوں کو دیکھ لو۔ کس طرح سے ہر ایک حالت میں انسان رجوع الی اللہ میں منہمک رہتا ہے۔ تمام عبادات گھروں میں کرنے کا حکم دیا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ مسجد میں نماز ہی نہ پڑھی جائے۔ بلکہ فرض نماز مسجد میں پڑھ کر باقی نوافل گھروں میں ادا کرنے چاہئیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں انسان خواہ کسی کام میں مصروف ہو۔ انسان کو پانچ وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا پڑتا ہے۔ جس سے ''دل بیار دست بکار'' کا عملی نقشہ نظر آتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ

الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (37:24) یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں کوئی خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز کے پڑھنے اور زکوۃ دینے سے روک نہیں سکتی۔

طُوْرِ سِیْنِیْنَ سے کیا مراد ہے؟

حضرت موسیٰؑ کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (143:7) اے میرے رب! مجھے اپنا آپ دکھا۔ میں تیری طرف دیکھوں۔ تو جواب میں فرمایا لَنْ تَرٰنِیْ (143:7) تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے متعلق نہ تھا۔ کیونکہ ایک نبی اور اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنا چاہے! کیا انہیں معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کوئی مجسم شے نہیں کہ اس پر احاطہ کیا جاسکے۔ وہ تو خود فرماتا ہے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ (103:6) اس پر آنکھیں احاطہ نہیں کرسکتیں۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست تجلی روحانی کے متعلق معلوم ہوتی ہے۔ یعنی وہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل تجلی اُن پر ہو۔

مگر ہر ایک کو اُس کی استعداد کے مطابق دیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں اتنی استعداد نہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کامل تجلی کو برداشت کرسکتے۔ انہیں تو جب فرعون کی طرف جانے کا حکم ہوا ہے۔ تو حالانکہ وہاں سے صرف قوم بنی اسرائیل کو نکال لانے کا حکم تھا۔ لیکن وہ اس کی طاقت نہ پاکر فرماتے ہیں وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ. ھٰرُوْنَ اَخِی. اشْدُدْ بِہٖٓ اَزْرِیْ. وَاَشْرِکْہُ فِیْٓ اَمْرِیْ. (32-29:20) مولا! میرے اہل سے میرے لئے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا دے۔ اس سے میری قوت کو مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شریک کر۔ اس سے صاف طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمزوری کا پتہ لگتا ہے۔ اور دوسری طرف ایک اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کل دنیا کے لئے مبعوث ہونا آپ کے کامل تجلی کی طاقت برداشت رکھنے کا شاہد۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ کے جواب میں لَنْ تَرٰنِیْ کہہ کر اس کا عملی ثبوت بھی یوں دیا کہ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا (143:7) جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی۔ تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا (143:7) اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش گر پڑے۔ پہاڑ کا ٹکڑے

ٹکڑے ہو جانا اور حضرت موسیٰ کا بے ہوش گر پڑنا یہ اس بات کا نشان تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کامل تجلی کی برداشت نہ رکھتے تھے اور اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ شریعت موسوی قیامت تک نہیں۔ ہاں ! الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ (3:95)

اللہ تعالیٰ کی کامل تجلی کا مورد شہر مکہ

ایک شہر مکہ ہی ایسی با امن جگہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی اس کامل تجلی کی، جسے کوہ طور برداشت نہ کر سکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، مورد ٹھہری۔ البَلَدِ الْاَمِيْنِ میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح سے یہ شہر امن والا ہے اور یہ کبھی تباہ نہ ہوگا اور ہر ایک حملہ سے محفوظ و مصئون رہے گا، ویسے ہی اس پر نازل ہونے والی شریعت بھی بلا ردو بدل قیامت تک محفوظ و مصئون چلی جائے گی۔ اور یہ ہرگز منسوخ نہ ہوگی۔ غرض ان چار الفاظ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ (3-1:95) میں اس طرح سے نہایت لطیف پیرایہ میں سلسلہ انبیائے بنی اسرائیل کے انقطاع اور سلسلہ محمدیہؐ کے دوام اور شریعت موسوی کی تنسیخ اور شریعت محمدی کی مداومت کی طرف اشارہ کر کے انسانی خلقت کے نشیب و فراز کی طرف توجہ دلائی ہے۔ (جاری مشروط بہ فراہمی)

26اکتوبر1915ء

خطبہ عیدالاضحیٰ

مسئلہ کفر واسلام پر ایک نظر

(از حضرت مولانا و مخدومنا محمد علی ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت ممدوح نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُم مِّنۢ بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُوْنَ. وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ. اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ. اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ. الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ .(22:34-40)

ترجمہ: ’’اور ہر قوم کے لئے ہم نے قربانی مقرر کی ہے تا کہ اللہ کا نام اس پر یاد کریں جو اس نے انہیں چو پائے

جانوروں سے دیئے ہیں۔ پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ اور عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوش خبری دے۔ وہ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف محسوس کرتے ہیں۔ اور اس پر صبر کرنے والے جو انہیں (تکلیف) پہنچتی ہے اور نماز کے قائم کرنے والے اور وہ اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے نشانوں سے ٹھہرایا ہے۔ تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے تو اللہ کا نام ان پر یاد کرو جب (وہ) قطار باندھے ہوئے (ہوں) پھر جب وہ پہلو کے بل پر گر پڑیں، تو ان سے کھاؤ اور سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے کو کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔ تاکہ تم شکر کرو۔ نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون۔ لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی طرح اس نے انہیں تمہارے کام میں لگا دیا۔ تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی کرو جو اس نے تمہیں ہدایت دی اور احسان کرنے والوں کو خوش خبری دو۔ اللہ مؤمنوں سے (دشمنوں کو) ہٹا تا رہتا ہے۔ اللہ کسی دغاباز، ناشکر گزار کو پسند نہیں کرتا۔ ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے، صرف اس بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھریاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں۔ اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ طاقتور غالب ہے۔''

اور پھر آپ نے فرمایا کہ یہ موقع ہمارے اجتماع کا ان دو خوشی کے موقعوں میں سے ایک ہے جن میں مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہ عید خود کیا چیز ہے؟ اس کو ہم یوں نہیں سمجھ سکتے کہ اس وقت اپنے موجودہ اجتماع سے ایک نتیجہ نکال لیں۔ بلکہ جس نشان کے لئے یہ مقرر کی گئی ہے ہمیں اسی کو دیکھنا چاہئے۔ ہمارا یہاں جمع ہونا دراصل تتبع ہے ان کا جو اَلْبَلَدُ الْاَمِیْنُ کے عظیم الشان میدان میں جمع ہیں۔

ہمارے ظاہری لباس اصل حقیقت تک پہنچنے سے ہمیں روکتے ہیں۔ اصل حقیقت جاننے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے اپنے آپ کو اس میدان میں لے جاؤ۔ جہاں سب کے سب ایک ہی حالت میں ہیں۔ جہاں نہ امیر اپنے امیرانہ لباس سے، نہ غریب اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں سے شناخت کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ بادشاہ اور فقیر،

مرد اور عورت سب ایک ہی لباس میں ملبوس ہیں۔ اور تمام ظاہری امتیاز ہٹا دیئے گئے ہیں۔ جہاں کئی لاکھ انسان ایک ہی رنگ میں موجود ہیں۔ دنیا کے کسی مذہب کو تم ایسا نہ پاؤ گے جو ظاہری اختلافات کو اس حد تک مٹا دے۔ تمام انسانوں کو یہ بتانا کہ تم سب ایک ہی ہو۔ ظاہری حالات پر نہ پھولو۔ تمام انسان اللہ کے حضور درحقیقت ایک ہی مرتبہ رکھتے ہیں۔ یہ صرف اسلام ہی کا خاصہ ہے۔

ان لوگوں کی حالت اللہ تعالیٰ کی توحید کو ظاہر کرنے والی ہے۔ اُنہوں نے اس وقت ایک وحدت پیدا کر لی ہے۔ جو توحید الٰہی کا نشان ہے۔ خدا کی توحید کوئی ایسی شئے نہیں کہ جس کے ماننے سے خدا کا کچھ بڑھ جاتا ہے۔ بلکہ وہ تو تمہیں وحدت پیدا کرنے کا سبق دیتی ہے۔ انسانوں کے درمیان آپس میں قومی تفاوت اور مذہب کے تفاوت کی وجہ سے بغض وتنفّر کی دیواریں حائل ہیں۔ اسلام کی توحید کے سب سے اعلیٰ ہونے پر اور کوئی دلیل نہ بھی ہو تو بھی یہی ایک بات کافی دلیل ہے کہ اس نے ان تمام بغض وتنفّر کی دیواروں کو درمیان سے ہٹا دیا ہے۔

بغض وتنفر دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک اپنی قومیت کے اندر اور دوسرا مذہب کے اختلاف کی وجہ سے۔ اسلام نے ان دونوں قسم کے بغض وتنفر کو مٹا دیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام نے حکم دیا ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (29:48) لیکن دراصل یہ اس لئے نہیں کہ تم کافروں پر سختی کرو۔ بلکہ یہ تو درحقیقت اس بات کے بتانے کے لئے ہے کہ تمہیں مومنوں کے ساتھ کس قدر رحم سے پیش آنا چاہیئے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رکھ کر فرمایا کہ ان کی مذہبی کتب کو مان لو۔ ان کے انبیاء پر ایمان لاؤ۔ ان کے معبودوں کو بھی برا مت کہو لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (108:6)۔ پس یہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ تو تمہیں یہ سکھانے کے لئے ہے کہ تمہارے آپس کے تعلقاتِ اخوت کیسے پُر از محبت ہونے چاہئیں۔ اور ایک دوسرے سے کس قدر زیادہ رحم سے برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اگر سختی کا مفہوم بھی اس قدر رحم ہے تو پھر رحم کا کیا مفہوم ہونا چاہیئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے مختلف فرقے ایک دوسرے کے ساتھ رحم ومحبت کا وہ برتاؤ نہیں کر سکتے جو اسلام خود اُن کے ساتھ کرتا ہے۔ عیسائیوں کے اندر دیکھو کس قدر فرقے ہیں۔ سب ایک دوسرے

کو بُرا کہتے ہیں اور اپنے مذہب سے خارج سمجھتے ہیں۔ اور ابدی جہنم کا وارث بتاتے ہیں۔ ہندوؤں میں کتنے فرقے ہیں۔ سب ایک دوسرے کو نجات سے خارج قرار دیتے ہیں۔ لیکن اسلام کہتا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ تمہارے سوائے دوسرے سب کے سب ابدی جہنم کے وارث ہیں بلکہ وہ بھی ایک وقت جہنم سے نکال دیئے جائیں گے۔ وہ آپس میں کہتے ہیں قَالَتِ النَّصٰرٰی لَیۡسَتِ الۡیَهُوۡدُ عَلٰی شَیۡءٍ وَّهُمۡ یَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ (113:2) یہود نصاریٰ کو کہتے ہیں کہ یہ کسی شے پر نہیں اور نصاریٰ یہود کو کہتے ہیں کہ یہ کسی شے پر نہیں۔ لیکن اسلام سکھاتا ہے کہ ان میں بھی کچھ کچھ حق ہے۔ ہاں غلطیاں ساتھ مل گئی ہیں۔ تو یہ آیت اَشِدَّآءُ عَلَی الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ (29:48) یہ سکھانے کے لئے ہے کہ آپس میں کس قدر ہمدردی برتنی چاہئے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کو کس قدر چھوڑا کہ یہ بھی پہلے لوگوں کے پیچھے لگ گئے۔ یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمۡ وَیَهۡدِیَكُمۡ سُنَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَیَتُوۡبَ عَلَیۡكُمۡ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَكِیۡمٌ (26:4) یہ بھی ان ہی کی راہوں پر چلے اور آپس میں اَشِدَّآءُ سے بھی بڑھ کر ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے۔ یہاں تک کہ اگر بس چلے تو سب سے پہلے اپنے ہی بھائیوں، اپنے سب سے زیادہ قریب والوں، اپنے ساتھ سب سے بڑھ کر تعلق رکھنے والوں کو بھی ہلاک کر دیں۔

میرا مطلب یہ تھا کہ اس وحدت کو دیکھو جو اس موقع پر سکھائی گئی۔ کیا دنیا کا کوئی مذہب اس حد تک مساوات سکھاتا ہے۔ بیشک نماز میں بھی ایک حد تک مساوات کا سبق دیا جاتا ہے لیکن حج جو ہے یہ درحقیقت انسانی ترقی کا سب سے آخری زینہ ہے۔ نماز اس زینہ کی سب سے پہلی سیڑھی ہے۔ اس لئے کسی قدر آگے بڑھنے کی تعلیم دی ہے اور سکھایا ہے کہ یہاں تک تمہیں پہنچنا چاہئے کہ تمہاری ظاہری حالتیں بھی سب یکساں ہو جائیں۔ تاکہ وہ تمہاری حقیقی مساوات پر شاہد ہوں۔ اور تمام ظاہری تفاوت مٹ کر سب ایک ہی وحدت کا رنگ پیدا کریں۔ تو یہ توحید کا سب سے اعلیٰ سبق ہے جو اسلام نے دیا۔ اس سے اس باہمی تکفیر کو مٹانا چاہئے، جو مذاہب کے فرقوں میں ایک دوسرے کے خلاف رائج ہے۔

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لَا تُكَفِّرُوۡا اَهۡلَ قِبۡلَتِكُمۡ تم اپنے اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرو۔ اس میں اہل قبلہ کیوں کہا؟ اس لئے کہا کہ قبلہ تو اس اسلامی مساوات کا بتاتا ہے جس میں سب ایک ہی حالت اور ایک رنگ میں دکھائی دیتے ہیں۔ امیر سے لے کر غریب تک سب ایک ہی حیثیت میں ہوتے ہیں تو

فرمایا کہ جب تم یہاں تک ایک ہو جاتے ہو تو پھر ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنا اور کفر کے فتویٰ دینا اس مساوات اور وحدت کے منافی ہے۔ اب اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کے لئے کوئی سزا بھی ہونی چاہیئے تھی۔ کیونکہ کسی قانون پر عملدرآمد ہونا مشکل ہے جب تک اس کی خلاف ورزی کرنے والے کے لئے کوئی سزا نہ ہو۔ تو فرمایا کہ جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہے وہ کفر اس پر اُلٹ کر پڑے گا۔ تو گویا ایک طرف یہ حکم ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرو۔ اور دوسری طرف اس کی خلاف ورزی کرنے والے کے لئے یہ سزا ہے کہ جو اہل قبلہ کو کافر کہے گا وہ کفر اس پر اُلٹ کر پڑے گا۔ پھر کیا ہوگا؟ اگر کفر اُلٹ کر پڑے گا۔ تو اُس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کیا خدا تعالیٰ انہیں ابدی جہنم میں ڈال دے گا۔ میں تو یہ فتویٰ دینے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ وہ ابدی جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ ہاں اس سزا کا مطلب یہ ہے کہ انہیں سلسلہ اخوتِ اسلامی سے خارج سمجھا جائے تم اسے اپنی برادری سے خارج کر دو۔ برادری سے مراد وہ برادری نہیں جس میں تم چند ایک آدمی مل بیٹھتے ہو۔ بلکہ اس سے وہ برادری مراد ہے جو دنیا کے تمام ممالک پر حاوی ہے۔ تو درحقیقت کفر کا فتویٰ دینے والے پر کفر کے لوٹ آنے میں یہ تعلیم دی تھی کہ تم ان کفر بازوں کا بائیکاٹ کر دو۔ کیونکہ یہ تفریق جو انہوں نے اپنے فتاویٰ کفر سے ڈال دی ہے اسلام کے ایک ہی اکیلے نشان وحدت کو مٹانے والی ہے۔

اسلام کا یہ نشان ہے کہ اس کے اصول ہمیشہ ایک ہی رہیں گے۔ اور ایک ہی ہیں۔ کوئی اصولی اختلاف مسلمانوں کا آپس میں نہیں لیکن یہ لوگ اس نشان کو مٹانے والے ہیں۔

دیکھو ایک منصف مزاج انسان کے لئے یہ صاف راہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کے دعویٰ کے نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہو جاتا ہے تو چاہیئے تھا کہ وہ پہلے ہی دن، جب آپ نے دعویٰ کیا تھا، کافر سمجھے جاتے۔ ہمیشہ جس وقت کسی نبی نے دعویٰ کیا ہے اس وقت معاً اس کے نہ ماننے والے کافر ٹھہرائے گئے ہیں۔ جس دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اسی دن معاً آپ کے منکر کافر قرار پائے۔ یہ نہیں کہ کچھ عرصہ بعد۔ اب حضرت صاحب کا دعویٰ ہی دیکھ لو۔ آپ نے مدت تک اس بات کو قائم رکھا کہ جو لوگ خود ان کے مکفر بھی تھے۔ انہیں بھی مسلمان ہی سمجھتے رہے۔ چہ جائیکہ تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہراتے۔ اور یہ خیال کرتے رہے کہ میرے

دعویٰ کو نہ جاننے کی وجہ سے ان لوگوں کو ٹھوکر لگ گئی ہے۔ اور انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ گویا میں نے کوئی نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس لئے وہ ایک مدت تک اپنے آپ کو ایک مسلمان کی حیثیت میں پیش کرتے رہے۔ اور اپنے عقائد عام مسلمانوں والے ہی بتاتے رہے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ابھی ان لوگوں کو میرے اصل دعویٰ کی سمجھ نہیں آئی۔ اس لئے جب میں ان کو پورے طور پر بتا دوں گا۔ تو پھر کیوں یہ لوگ مجھے کافر کہیں گے۔ اسی خیال سے آپ انہیں مسلمان ہی سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص مباہلہ کی درخواست کرتا ہے اور وہ مکفر ہے۔ دو سال کفر کا فتویٰ دیئے ہوئے ہو چکے ہیں۔ اور آپ اسے فرماتے ہیں کہ میں تو تجھے مسلمان سمجھتا ہوں۔ اس لئے تمہارے حق میں بد دعا کرنی جائز نہیں سمجھتا۔ تم اگر مجھے کافر جانتے ہو تو بد دعا کرو۔

اب کہا جاتا ہے کہ وقت یہ ہے کہ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکا۔ لیکن یہ بھی تو ہے کہ جنازہ پڑھنے سے نہیں روکا۔ اور فرمایا کہ جو مکفر اور مکذب نہیں ان کا جنازہ اپنے امام کے پیچھے پڑھ لو۔ تو اب جو شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے اس کا تو جنازہ ناجائز ہے۔ اب ایک شخص جو عقل رکھتا ہے وہ اس بات پر غور کر سکتا ہے کہ یہ اختلاف کیوں ہے۔ ایک طرف غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکا۔ اور دوسری طرف ان کا جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

تو اگر وہ آپ کے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کافر ہو جاتے تو جنازہ بھی کیوں حرام نہ ہوتا۔ پس نماز ان کے پیچھے پڑھنے سے کیوں روکا۔ اس کا پتہ اس شرط سے لگتا ہے جس کے ماتحت ان کے پیچھے نماز پڑھ لینے کو درست قرار دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کافر نہ کہے بلکہ کافر کہنے والوں کو کافر کہے۔ تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ تو معلوم ہوا کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا حکم ان کے کفر کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ کسی اور سبب سے ہے۔

قرآن کریم میں حکم ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑتے ہیں۔ تو باقی مسلمانوں کا فرض ہے کہ جو ناحق پر ہے اس کی مخالفت کریں اور حق والے کی حمایت کریں۔ پس وہ لوگ جو خاموش ہیں۔ اور کافر کہنے والوں کو غلطی پر جانتے ہیں۔ انہیں چاہئے تھا کہ وہ کچھ جرأت ایمانی سے کام لیتے اور جنہوں نے کفر کا فتویٰ دیا تھا ان کو روکتے۔ لیکن انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کو چھوڑا۔ جس میں آپ نے مکفر پر کفر کے لوٹ

آنے کی سزا تجویز فرمائی تھی۔ اوراس طرح مسلمانوں کو مکفرین کے بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا تھا۔

پس حضرت صاحب نے فرمایا کہ ان لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کردہ سزا کو عمل میں لانا چھوڑ دیا اس لئے تم بھی ایک حد تک ان سے قطع تعلق کرلو۔ اوران کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ ہاں جب یہ اس سزا کو مکفرین پر وارد کریں تو پھر بیشک ان کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ یعنی اگر اعلان کر دیں کہ ہم احمدیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور جوان کو کافر کہے بموجب حدیث اسے کافر سمجھتے ہیں۔ تو پھر قطع تعلق نہیں چاہئے۔ پھران کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہو۔

رہا جنازہ۔ سو چونکہ جب ایک شخص فوت ہو چکا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں رہی۔ اس لئے اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے۔ اس کفر بازی نے حضرت مسیح موعود کو جو کچھ دکھ پہنچائے ان کے جاننے کے لئے آپ کی پہلی تحریرات کو پڑھو۔ کس درد کے ساتھ آپ انہیں اس کفر بازی سے روکتے رہے اور بار بار یہ کہتے رہے کہ تم میں تو یہ مشہور بات ہے کہ جس میں ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی اسے کافر مت کہو۔ میں تو سب کچھ وہی مانتا اور اسی پر عمل کرتا ہوں جس کا اسلام میں حکم ہے۔

مگر افسوس کہ آج ہم میں ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے جو اس شخص کی طرف، جو کفر بازی کو دنیا سے مٹانے آیا تھا، یہ عقیدہ منسوب کرتا ہے کہ اس نے خود ایک عظیم الشان تکفیر مسلمین کی بنیاد رکھی۔ آج ان لوگوں کو جنہوں نے مسیح موعود کو دیکھا اور سنا تک نہیں، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوسکتا ہے۔ میرا تو دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ اس بے دردی سے تمام مسلمانوں کو خارج از اسلام بتایا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں اتفاق ہو، اتحاد ہو، لیکن اتفاق اور اتحاد کیسے ہو۔ جب اسلام کے حقیقی اور اصل اتحاد کی بیخ پر ہی تبر چلایا جاتا ہے اور اسلام کے اس امتیاز کو مٹایا جاتا ہے جو اسے تمام دنیا کے مذاہب پر ممتاز کرتا تھا۔

تو درحقیقت آج کا دن اس وحدت کا سبق پڑھانے کے لئے ہے۔ جو کہ اس طرح سے مسلمانوں کو کافر قرار دے کر مٹائی جارہی ہے پھر لوگوں نے عید کو ایک خوشی کا دن سمجھ رکھا ہے۔ کچھ شاندار اور بھڑکیلے لباس پہن کر

آئے۔ اور نماز پڑھ کے چلے گئے۔ پھر عیش و نشاط کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ حالانکہ حدیثوں میں حکم ہے کہ اس دن مرد بھی باہر نکلیں اور عورتیں بھی اور سب مل کر دعائیں کریں۔ اصل میں یہ اجتماع تو اس غرض کے لئے ہے تاکہ مسلمان دعا کریں۔ اس عظیم الشان دعا کے ساتھ جو منٰی کے میدان میں آج کے دن ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے عورتوں کو اس نعمت سے بالکل محروم کر دیا ہے۔ وہ بیچاری تو گھروں میں یہ بھی نہیں جانتیں کہ اس عید کی کیا غرض ہے۔

میں نے یہ رکوع جو اس وقت پڑھا ہے یہ حج اور قربانی کے متعلق ہے۔ فرمایا لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا (34:22) ہر ایک قوم کے لئے ہم نے عبادت کی ایک طرز رکھی تھی یا قربانی کا اصول مقرر کر دیا۔ دونوں باتیں درست ہیں۔ لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (34:22) اس لئے کہ وہ اللہ کا نام یاد کریں اس چیز پر جو ان کو دی گئی ہے۔ چوپایوں میں سے فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ (34:22) پس تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری دے۔ قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی کتاب مدلل اور نتیجہ خیز نہیں۔ قربانی کیوں مقرر کی؟ اس لئے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے۔ اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ۔ جاؤ قربانی کے تمام فلسفہ کو چھان مارو اور اس پر خوب غور کر کے دیکھو۔ اس کا یہی مقصد و مدعا تمہیں سمجھ آئے گا کہ جس طرح سے تم ایک جانور کی گردن پر اللہ اکبر کہہ کر چھری چلا دیتے ہو اور اس کو اللہ کے نام پر قربان کر دیتے ہو۔ ویسے ہی تم خود بھی خدا کو ایک جان کر اس کی فرمانبرداری کر لو۔ اور اس کی رضا کے لئے اپنی خواہشات پر چھری چلا دو۔

تو فرمایا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ جب تم چوپائے کو ذبح کرنے لگو تو اس پر اللہ کا نام یاد کر لیا کرو۔ یعنی جس طرح سے تم اس وقت اللہ اکبر کہہ کر اللہ کی کبریائی کے آگے اسے گرا دیتے اور ذبح کر دیتے ہو۔ ویسے ہی تمہارے بھی ہر ایک فعل سے اللہ کی کبریائی ظاہر ہو۔ وہی تمہارے رگ و ریشہ میں بس جائے۔ نماز میں بھی اللہ اکبر کیوں کہتے ہیں۔ جھکنے کے وقت اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ کی کبریائی کے آگے جھک جانا ہے۔ سجدہ میں گرنے کے وقت اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے آگے انسان گر جاتا ہے۔ مگر اسی گری ہوئی حالت میں اُٹھنے کے لئے بھی اللہ اکبر کہا جاتا ہے کہ دوبارہ بھی اسی کی کبریائی اور طاقت سے ہی اُٹھتا ہے۔ اس

لئے سکھایا **فَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ** (34:22) جس طرح سے تم ان پر چھری پھیرتے ہو۔اسی طرح اپنی خواہشات اور جذبات پر بھی چھری پھیرلو۔ **الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ** (35:22) فرمانبردار وہ ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔

یہ جانور بھی ہمارے جیسے ہی اللہ کی مخلوق ہیں۔جیسا تم نے اللہ کے نام پر ان کی گردنوں پر چھری رکھ دی اور ان کو مسخّر کر کے اپنا فرمانبردار بنالیا ہے۔ ویسے ہی ہمیں خود بھی اللہ کا فرمانبردار اور مسخّر ہونا چاہئے۔ **وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ** (35:22) وہ لوگ مصائب پر صبر کرتے ہیں جو ان کو پہنچتی ہیں۔اس کا یہاں کیا تعلق ہے۔اصل بات یہ ہے کہ جن کے دل اللہ کے ذکر سے لرز جاتے ہیں۔وہ پھر اللہ کے کلمہ کے اعلاء کے لئے نکل پڑتے ہیں اور اللہ کا ذکر لوگوں کو سناتے پھرتے ہیں۔اس حالت میں ان کو دکھ اور تکالیف بھی پیش آتی ہیں۔ جس پر وہ صبر سے کام لیتے ہیں۔

قربانی کا فلسفہ بیان فرماتے ہوئے ساتھ ہی اعلاء کلمۃ اللہ کا بھی ذکر کر دیا اور بتایا کہ اس سے یہ فائدہ اُٹھانا چاہئے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے نکل کھڑا ہو **وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ**(35:22)ایک طرف حقوق اللہ کو ادا کرنے والے اور دوسری طرف حقوق العباد کو پورا کرنے والے۔جس طرح سے اللہ کے نام پر اس جانور کی گردن پر چھری رکھ دی تھی۔اسی طرح اپنی تمام خواہشات جذبات پر چھری پھیر کر،اس کے آگے جھک جاتے ہیں۔اور اپنے مال میں سے کاٹ کر دوسروں کو کھلاتے ہیں۔اس میں بتایا کہ جو شخص اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جائے اور اسلام کا پیغام دوسروں کے پاس پہنچائے اسے خود بھی نمونہ قائم کرنا چاہیے۔اسے چاہئے کہ حقوق اللہ حقوق العباد کو پورے طور پر ادا کرے اور دوسروں کے لئے ایک نمونہ ہو۔

اقَامَت الصَّلٰوۃ کے متعلق میں بارہا بتا چکا ہوں کہ یہ ضروری ہے کہ نماز باجماعت ادا کرو۔جیسا کہ اللہ اکبر کے کہنے سے اللہ تعالیٰ کا کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ویسی ہی باجماعت نماز سے بھی کچھ نہیں بڑھتا۔پھر یہ کیا بات ہے کہ یہ ایک اور شق ساتھ لگا دی۔اصل بات یہ ہے کہ تمہارے میل جول سے ایک وحدت پیدا ہوتی ہے۔لغت میں تو صلوۃ کے معنے صرف دعا کے ہیں۔مگر خالی دعا کر لینے سے نماز ادا نہیں ہو جاتی۔اس لئے محمد رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے پانچ وقت باجماعت نماز ادا کر کے ہمیں صلوۃ کے معنی بتائے۔تو جب ایسا عظیم الشان انسان جس کو تمام کاروبار اور انتظامات سے واسطہ پڑتا ہے، اس بات کے لئے وقت نکال سکتا ہے کہ نماز باجماعت ادا کرے۔تو کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر کسی کی مصروفیت ہوسکتی ہے کہ جو اسے باجماعت نماز سے مانع ہو۔اس لئے باجماعت نماز کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے۔ جہاں تک ہو سکے اور موقع مل سکے، نماز کے باجماعت ادا کرنے کے لئے ضرور وقت نکالنا چاہئے۔ اگر تم اپنے دل کے اندر یہ وعدہ کرلو کہ ضرور ہی باجماعت نماز ادا کرنی ہے تو لازماً تم وقت پر پہنچ سکتے ہو۔

ایسا ہی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے جب کہا جائے۔تو میں دیکھتا ہوں کہ عام طور پر کمزوری پائی جاتی ہے کہ کہہ دیتے ہیں کہ کہاں سے دیں۔گزارہ نہیں چلتا۔انسان اپنے لئے، بیوی بچوں کے لئے تو بہت خرچ کرتا ہے اور ایسے اخراجات کے وقت اسے کوئی عذر نہیں ہوتا۔ہاں یہ اس وقت ہوتا ہے جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہو۔عید کے خطبہ کی پہلے ایک یہ غرض بھی ہوا کرتی تھی کہ لوگوں کو نصیحت کی جائے کہ اسلام کی راہ میں خرچ کرو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ ہمیشہ خطبۂ عید میں اسلام کے لئے خرچ کرنے کی تحریک فرماتے تھے۔حتیٰ کہ عورتوں کو علیحدہ بھی انفاق فی سبیل اللہ کی تحریک کرتے تھے اور وہ بھی اپنی بالیاں وغیرہ ان کی جھولی میں پھینکتی تھیں۔مگر اب مسلمانوں کی عورتیں گھروں کی چاردیواری کے اندر ہیں کہ جہاں تک آواز کا پہنچنا بھی ان کی پردہ داری کے منافی سمجھا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کا احیاء کرنا بھی ضروری ہے۔اور عورتوں کو عید کے دن دعاؤں میں شامل کرنا چاہئے۔وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ(36:22) یہ جو تم اونٹ وغیرہ مکہ کو لے جاتے ہو، اس کو ہم نے ایک نشان بنا دیا ہے۔وہ کیا نشان ہے؟ ایک نشان حضرت صالح کی اونٹنی بھی تھی۔لوگوں نے اس کے متعلق عجیب عجیب قصے بنائے۔کسی نے کہا وہ پتھروں میں پیدا ہوئی تھی۔اور وہ سارے شہر کا پانی ایک دن میں پی جاتی تھی۔وہ اتنی بڑی تھی۔ یہ سب قصے اس لئے بنائے گئے کہ اسے آیت اللہ کہا گیا تھا۔لیکن دیکھو ان تمام اونٹوں کو جنہیں مسلمان خانہ کعبہ میں ذبح کرنے کے لئے لے جاتے ہیں۔انہیں بھی شعائر اللہ یا اللہ کے نشان ہی کہا ہے۔یوں بھی نشان ہے کہ وہ تمہارے اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لئے بطور ایک نشان کے ہیں۔اور یوں

بھی کہ جو کوئی اسے چھیڑے گا وہ ضرور ہلاک ہوگا۔ گویا اس میں خانہ کعبہ کی حرمت اور حج کے تا قیامت قائم رہنے کی پیشگوئی ہے لَکُمْ فِیْهَا خَیْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (36:22) پھر جب قربانی کرو تو آپ بھی اس میں سے کھاؤ۔ لیکن صرف اپنا ہی پیٹ نہ بھرو بلکہ فقیروں، غریبوں کو بھی کھلاؤ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (36:22) اسی طرح ہم نے اسے تمہارے لئے مسخر کیا تا کہ تم شکر کرو۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (37:22) اس ایک فقرہ نے قربانی کے اس مفہوم کو ہی بدل دیا ہے۔ جو عام طور پر پہلی قوموں میں سمجھا جاتا تھا۔ پہلے قربانی کو کسی گناہ کے لئے بطور کفارہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور کسی مصیبت کے پیش آنے پر اپنے گناہوں کی تلافی میں قربانی کر دی جاتی تھی۔ لیکن یہاں فرمایا لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا (37:22) اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا لہو اور گوشت نہیں پہنچتا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (37:22) ہاں ایک متقی دل لے کر آؤ۔ تو یہ اللہ کو پہنچے گی۔ یہ نہیں کہ خود گناہ کئے جاؤ اور کفارہ میں قربانی دے دو۔ بلکہ اپنے دلوں کو پاک و صاف کرو اور متقی بن جاؤ۔ اور اپنی فرمانبرداری کے نشان کے طور پر قربانی دو۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (37:22) اسی طرح اسے تمہارا مسخر کیا تا کہ تم اس پر تکبیر بیان کرو۔ یہی حکم ہے کہ یوم العرفات سے لے کر عید کے دن اور پھر ایام تشریق میں اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ تین بار بلند آواز سے دہرائے اور دل کے ساتھ اللہ کی کبریائی بیان کرے۔

درحقیقت جب تک زبان اور دل دونوں متفق نہ ہوں وہ تکبیر نہیں ہوتی۔ اِنَّ اللّٰهَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ (38:22) اللہ تعالیٰ مدافعت کرتا ہے مومنوں کی۔ اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا ہر ایک خائن انکار کرنے والے کو۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ (39:22) اب یہاں سے بظاہر ایک اور ذکر چل پڑا ہے۔ لوگ اسی لئے کہتے ہیں کہ قرآن کے

مضمون میں ربط نہیں۔ واقعی بظاہر اس کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اس میں بھی وہی قربانی کا ہی مضمون ہے۔ فرمایا جانوروں کی قربانیاں تم کر چکے۔ اب اپنی گردنوں کو بھی آگے کرو کہ تم بھی ذبح ہو جاؤ۔ مسلمانوں کو ایک مصیبت پیش آئی تھی۔ دشمنانِ دین نے ان پر حملے کر کے اسلام کو نابود کرنا چاہا۔ اور وہ دین کی راہ میں روکیں ڈالتے تھے۔ اس لئے ان مسائل کو بیان فرما کر بتایا کہ ہم نے یہ مسائل تم کو سنائے۔ اس لئے نہیں کہ تم جانوروں کی گردنوں پر چھریاں پھیر دو۔ بلکہ اس لئے کہ اپنی گردنوں کو آگے رکھو۔ صحابہؓ نے اپنی گردنوں پر چھریاں پھروا کر اسلام کے پودے کو اپنے خون سے نشو ونما دی۔ خوب یاد رکھو۔ اگر صحابہؓ کی گردنوں پر چھریاں نہ پھرتیں تو اسلام کا نام ونشان دنیا میں نہ ہوتا۔ ان کا اپنی گردنوں پر چھُریاں پھروانا کوئی اپنے لئے نہیں بلکہ اسلام کے لئے تھا۔

یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں دعا کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی تھی اَللّٰھُمَّ اِنْ تَھْلِکَ ھٰذِہِ الْعَصَابَۃُ مِنْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ اَلْیَوْمَ فَلَا تُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا اے اللہ اگر تو اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دے گا۔ تو پھر روئے زمین پر کبھی کوئی تیری عبادت نہ کرے گا۔ اب بھی اسلام کے لئے قربانی کی ضرورت ہے۔ اس وقت بھی اسلام ایک مظلومیت کی حالت میں ہے۔ مگر تم اپنے گھروں میں ناآشنا ہو۔ اس وقت بھی اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ وہ حملے اس رنگ کے نہیں کہ جن کے دفعیہ کے لئے تمہیں صحابہؓ کی طرح جانیں قربان کرنی پڑیں۔ اس وقت تمہارے مالوں کی ضرورت ہے۔ ہاں جان کی قربانی اس وقت یہ ہے کہ تم اسلام کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دو۔ اور اس کی راہ میں اپنا وقت اور مال صرف کرو۔

الغرض قربانی کی آخری اور انتہائی غرض یہ بتائی ہے کہ ہم اپنے آپ کو قربان کریں۔ اب میں خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔ آؤ ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں کے اندر درد پیدا کرے اور ہماری جماعت کے اندر بالخصوص یہ درد پیدا ہو کہ وہ اسلام کی خدمت کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔

اس وقت تمہارے ذمہ ایک کام آن پڑا ہے۔ تم نے اسلام کی خدمت کی ذمہ داری لی ہے۔ دوسرے

لوگ کسی قدر عذر بھی کر سکتے ہیں۔ گو وہ عذر قابل سماعت نہیں۔لیکن تمہارے پاس کوئی عذر نہیں۔پس اسلام کے لئے کمریں باندھ لو۔میں نے نماز میں بھی بہت دعائیں کی ہیں۔اب پھر مل کر دعائیں کرتے ہیں۔

(اس کے بعد بہت لمبی دعا فرمائی۔اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین۔ایڈیٹر)

❁❁❁

31 اکتوبر 1915ء

ضمیمہ پیغام صلح

اخبار پیغامِ صلح کی اغراض

(از حضرت امیر مولانا محمد علی ایدہ اللہ تعالیٰ)

اخبار پیغامِ صلح کی اصل غرض زیادہ تر اُن اعتراضات کا دور کرنا تھا جو مخالفین اسلام اسلام پر کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہ سلسلۂ احمدیہ کے متعلق جو غلط فہمیاں مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہیں اُن کو دور کر کے اشاعت اسلام کے کام کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا جائے۔ مگر ابھی اس اخبار کی زندگی کا آغاز ہی تھا کہ اس کو ایک نئی مصیبت کا سامان آ پڑا۔ یعنی سلسلہ کے اندر ایک اختلاف پیدا ہو گیا اور ان اختلافی مسائل میں احمدی قوم کو صحیح راہ پر لگانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان غلطیوں کی طرف توجہ دلائی جاتی اور اس غلو کے خلاف قلم اُٹھایا جاتا جن میں ہماری قوم کا ایک حصہ غرق ہو رہا ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر ایسے وقت میں یہ اخبار ہاتھ میں نہ ہوتا تو قریباً ساری کی ساری قوم ہی ایک غلط راہ پر پڑ چکی ہوتی۔ اس اثناء میں بعض احباب نے وقتاً فوقتاً یہ خواہش ظاہر کی کہ اس حصہ کو بھی ترک کر کے صرف اصل مقصود اشاعتِ اسلام کا اس اخبار میں مدنظر رکھا جائے۔ مگر زیادہ حصہ جماعت کا اس بات کا خواہش مند تھا کہ اس فتنہ کے وقت جماعت کو بعض مسائل کے متعلق غلطی اور گمراہی سے بچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان مسائل پر اخبار میں روشنی ڈالی جائے۔

ذاتیات پر بحث کرنے کو ہمیشہ ہم نے ناپسند کیا ہے۔ ہاں چونکہ اس اختلاف میں دوسری طرف سے ہم پر افتراء پر افتراء کیا جاتا تھا اس لئے بعض اوقات **لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ** (148:4) کے ماتحت بعض نامہ نگاروں کے قلم سے ایسے الفاظ نکل گئے ہیں جو نہ نکلتے تو بہتر ہوتا۔ مگر اصل ذمہ دار اس امر کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس ظلم کی ابتدا کی۔

لیکن اس امر میں کچھ شک نہیں کہ مسائل پر بحث کرنے کی ضرورت تھی اور اب بھی ہے۔ بلکہ موجودہ

حالت میں یہ ایک مستقل ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض احباب نے یہ تحریک بھی کی ہے کہ ایک مستقل ہفتہ وار پرچہ ان مسائل پر بحث کے لئے پیغام صلح سے علیحدہ نکال دیا جائے۔ اگر یہ مسائل صرف اسی قدر وقعت رکھتے کہ سلسلہ کے اندرونی بعض اختلافات ہیں تو اس بحث کو مستقل کرنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ مگر حق یہ ہے کہ ان مسائل میں جو ایک فریق نے غلطی اور غلو کی راہ اختیار کی ہے۔ اس کی زد خود اسلام پر پڑتی ہے۔ مثلاً مسئلہ نبوت مسیح موعود۔ یعنی یہ کہ اگر حضرت مسیح موعود کی نبوت اس قسم کی نبوت کاملہ سمجھی جائے جیسے پہلے انبیاء کو ملتی تھی تو اس سے ختم نبوت باطل ہوتی ہے۔ اور یہ میرا ہی مذہب نہیں بلکہ خود حضرت مسیح موعود کا مذہب ہے۔ اور اگر اسے اسی قسم کی نبوت جزوی سمجھا جائے جس کا دروازہ اس اُمت میں کھلا ہے تو ختم نبوت پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ اسی طرح مسئلہ کفر و اسلام ہے۔ اگر کُل غیر احمدیوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے تو یہ اسلام کے اندر ایک عظیم الشان فتنہ ہے۔ اس باہمی تکفیر بازی نے مسلمانوں کو پہلے ہی تباہ کر دیا ہے۔ اور ہر ایک سچے مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اس کی جڑوں کے کاٹنے میں مدد دے۔ ایسا ہی قرآن کے متعلق بعض آیات کی تحریف معنوی کی جاتی ہے مثلاً مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (6:61) میں پیشگوئی کا حقیقی مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار نہ دینا یا اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (81:3) والی آیت میں ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ (81:3) میں رسول کا مصداق مسیح موعود کو قرار دینا یا اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (79:17) میں میاں محمود کا ذکر بتانا قرآن کریم کی تحریف معنوی ہے۔

پس اس وقت یہ خدمت اسلام ہے کہ ان غلطیوں کو سلسلہ سے دور کر کے اسلام کو ایک عظیم الشان فتنہ سے بچایا جائے اور سلسلہ کی بھی یہ خدمت اور اشاعت ہے۔ کیونکہ مسئلہ نبوت اور مسئلہ تکفیر اہلِ قبلہ سلسلہ کی راہ میں روک ہیں۔ ان ضروریات کی وجہ سے اس بحث کا مستقل طور پر جاری رکھنا ضروری ہے۔ مگر دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ اخبار اپنے اصل اور حقیقی مقصد کو زیادہ تر مدنظر رکھے۔ اور اس میں اشاعتِ اسلام کے عام مضامین ہوں۔ اور یہ بھی مشکل معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیا اخبار جاری کیا جائے۔ پس ان ساری باتوں کو مدّنظر رکھ کر سب سے بہتر یہ تجویز معلوم ہوتی ہے کہ اخبار پیغام صلح کا ایک ضمیمہ ہفتہ وار موجودہ تقطیع کے آٹھ صفحوں کا خالص ان مسائل کی بحث پر شائع ہو۔ مگر چونکہ ایک طرف تو اخبار کی موجودہ مالی حالت بلکہ خود اس کی قیمت اجازت نہیں

دیتی کہ اخبار کے فنڈ پر مزید بوجھ ڈالا جائے۔ اور دوسری طرف قیمتِ اخبار میں اضافہ بھی اس کی ترقی میں روک پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔ اس لئے بعض احباب کی خواہش پر، جن میں سب سے پہلے میر حیات علی شاہ صاحب نمبر دار داتہ ہیں، یہ تجویز کی گئی ہے کہ اس ضمیمہ کے کل اخراجات ایک سو خریداران اخبار پیغام صلح پانچ پانچ روپے زائد دے کر پورے کر دیں۔ اس ضمیمہ کی کاپیاں کچھ زائد بھی چھپوائی جائیں گی تا احمدی جماعت کے بعض دیگر افراد میں مفت اسے تقسیم کیا جا سکے۔ اور اس طرح پر ہمارے خیالات ان احباب تک پہنچ جائیں جو اب تک اس سے قطعاً ناواقف ہیں۔ اور جن کے دلوں میں ہماری طرف سے یوں تنفّر پیدا کیا گیا ہے کہ ہم سلسلہ کے دشمن ہیں اور حضرت مسیح موعود کو نہیں مانتے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ تعداد ہماری جماعت میں آسانی سے پوری ہو جاوے گی اور گو ضمیمہ کے شیوع کے لئے تعداد کے پورا ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ تاہم اُمید ہے کہ ہمارے احباب جلد اس تعداد کو پورا کر دیں گے اور اس مضمون کو پڑھتے ہی اپنے ارادہ سے اطلاع دے کر ممنون فرمائیں گے۔

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

18 نومبر 1915ء

درس بخاری (1)

(گزشتہ 9 نومبر 1915ء سے حضرت امیر ایدہ اللہ نے لاہور میں صحیح بخاری کا درس بھی شروع کر دیا ہے۔ یہ درس انشاء اللہ ہفتہ میں تین بار بعد از درس قرآن ہوا کرے گا۔ ذیل میں پہلے دن کا سبق قارئین کے فائدہ کے لئے درج کیا جاتا ہے۔ آئندہ بھی انشاء اللہ بالترتیب تمام اسباق درج ہوتے رہیں گے۔ **وَمَا تَوفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ**۔ مدیر)

حدیث کسے کہتے ہیں

حدیث کے اصل معنی تو صرف بات کے ہیں۔ قرآن کو بھی حدیث کہہ دیا گیا ہے۔ **فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ** (185:7) لیکن جب ہم حدیث کا لفظ بولتے ہیں تو ان سے مراد خاص ہی باتیں ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ کچھ اور بھی باتیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اُن کے ساتھ آپ کی سنتیں اور وقائع جو آپ کی زندگی میں پیش آئے۔ حدیث میں یہ تینوں باتیں آتی ہیں۔

جمع اور حفاظت احادیث پر اعتراض اور اس کا جواب

حدیث پر بڑے بڑے اعتراض ہوئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کچھ چیز نہیں۔ اور اس زمانہ میں تو ایک خاص گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل فضول ہے۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ڈیڑھ برس بعد جمع ہوئی ہیں۔ لیکن یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ حدیث کے بغیر قرآن کے احکام کو ٹھیک طور پر ہم سمجھ نہیں سکتے۔ کیونکہ مثلاً صلوۃ کو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کیا چیز ہے۔ جب تک کہ نبی کریم کے تعامل سے یہ معلوم نہ ہو کہ اس طرح سے صلوۃ ادا کرنی چاہئے۔

عجیب بات ہے کہ عمرؓ دو ہوئے ہیں۔ ایک عمرؓ نے قرآن جمع کرنے کے متعلق پہلے رائے دی۔ دوسرے نے حدیث کے لئے۔ جمع کرنے سے یہ مطلب نہیں کہ قرآن پہلے محفوظ نہ تھا۔ محفوظ تو تھا لیکن اس طرح سے بین

الدفتین نہ تھا۔مختلف کاغذوں پر کوئی کوئی ٹکڑا لکھا ہوا تھا اور کوئی ٹکڑا کسی کے پاس تھا کوئی کسی کے پاس۔ترتیب بھی اسی طرح پہلے سے موجود تھی۔ جیسے کہ اب ہے۔حفّاظ اسی طرح سے نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ یہ ترتیب خود اللہ تعالیٰ کے منشاء سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بتائی تھی۔ ایسا ہی حدیث کے متعلق پانچ مرحلے گزرے ہیں۔

پہلا مرحلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کا ہے۔خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احادیث کو وقعت دی ہے۔صحابہؓ نے بھی وقعت دی ہے۔اور یہ اسی لئے کہ ہمارے اعمال و افعال کی بناء قرآن پر بھی ہے اور حدیث پر بھی۔خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جونئی قوم آتی تھی آپ اسے سکھاتے تھے کہ یوں نماز پڑھنی چاہئے۔اور جونہیں آتی تھی اس کے اندر آدمی بھیجتے تھے جو اُن کو سکھائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ لوگوں نے احادیث لکھ بھی لی تھیں۔لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔کیونکہ خطرہ تھا کہ اگر سب لکھ لیں تو ایسا نہ ہو کہ قرآن میں اور ان میں امتیاز نہ رہے۔اور اس سے قرآن کی حفاظت پرزد پڑے۔اور اس میں رخنہ واقع ہونے کا اندیشہ تھا۔تاہم اس زمانہ میں بھی لکھی ہوئی موجود تھیں۔لیکن عام طور پر حافظوں میں محفوظ تھیں۔اس وقت کے حافظوں اور ہمارے حافظوں میں فرق ہے۔ اس وقت کے حافظے بہت تیز تھے۔ یہاں تک کہ امام بخاری کے زمانہ تک یہ حال تھا کہ وہ گیارہ برس کے تھے جب ایک عالم کے پاس حدیث کا سبق پڑھنے جاتے تھے۔ایک روز اُن کے اُستاد نے ایک حدیث کی سند یوں بیان کی۔ سفیان عَنْ اَبِیْ زُبَیْرٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ اس پر امام بخاری نے فوراً انہیں ٹوکا۔اور کہا کہ ابوالزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی۔اس پر پہلے تو وہ کچھ بگڑے لیکن پھر اندر جا کر اپنی کتاب کو دیکھا۔تو باہر آکر پوچھنے لگے۔صحیح کس طرح ہے۔امام بخاری نے بتایا سفیان عَنِ الزُّبَیْرِ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ اور یہ زبیر اور ہیں جو عدی کے بیٹے ہیں۔وہ زبیر نہیں جو آپ نے سمجھا ہے۔اس پر اُن کو اعتراف کرنا پڑا اور کہا کہ لڑکا سچ کہتا ہے۔

18 نومبر 1915ء

تبصرہ

حدیث مبشرات، غیر مامور کے خواب اور مباہلہ

میاں صاحب کا ایک اور خطبہ جمعہ

(از حضرت امیر مولانا محمد علی ایّدہ اللہ بنصرہ)

میں نے پیغام صلح کی کسی گزشتہ اشاعت میں میاں صاحب کے ایک خطبہ جمعہ پر بعض خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اس کے آخری حصہ کے جواب کی میاں صاحب نے خود اپنے ایک اور خطبہ جمعہ میں کوشش کی ہے اور اصل بحث کا جواب اپنے مریدین سے دلایا ہے۔ یوں تو جب تک کسی شخص کو لکھنے کو کاغذ اور قلم میسر آ سکتا ہے۔ اور اس تحریر کو دوسروں تک پہنچانے کے ذرائع بھی موجود ہوں، کوئی شخص بحث میں دوسرے کو بند نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی میں اس خیال سے میاں صاحب کی کسی بات کی تردید کرتا ہوں کہ وہ خاموش ہو جائیں گے۔ کیونکہ اگر وہ جواب نہ بھی دے سکیں یا دینا پسند نہ کریں تو دوسرے بہتیرے ان کی طرف سے جواب دینے والے ہیں۔ مگر دو تین باتیں ان احباب تک پہنچانے کے قابل ہیں۔ جو اپنی عقل وفکر سے کام لینے والے ہیں۔ سب سے پہلے یہ امر قابل ذکر ہے کہ حدیثِ مبشرات کی ساری توجیہات ختم ہو کر اب میاں صاحب نے آخری تیر اپنی ترکش سے نکال کر پھینک دیا ہے۔ اور اس کے تیر چلانے کی ڈیوٹی میر محمد اسحاق صاحب کے سپرد ہوئی ہے۔ جنہوں نے قادیان کے نئے پرچہ فاروق میں اس خدمت کو پہلی ہی دفعہ نہایت قابلیت سے ادا کر دیا ہے۔ چنانچہ ان کی اس تحریر کا خلاصہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے۔

> ''غرض اگر کہو کہ سچی خوابوں کے علاوہ مرزا صاحب خدا تعالیٰ کے مکالمہ ومخاطبہ سے بھی مشرف تھے۔ تو تسلیم کرو کہ لَمْ یَبْقَ والی حدیث، جس میں سچی خوابوں کے علاوہ باقی باتوں کو بند کر دیا ہے، بالکل غلط اور موضوع ہے۔ اور اگر کہو کہ حدیث صحیح ہے اور واقعہ میں

مبشرات کے سوا اور تمام باتیں بند ہیں تو پھر تسلیم کرو کہ مرزا صاحب (معاذ اللہ) مفتری تھے۔ کیونکہ حدیث کہتی ہے کہ مبشرات یعنی سچی خوابوں کے سوا اور کچھ بھی اس اُمت کو نہیں ملے گا۔''

حدیث لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشّرٰتُ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ اور آج تک علمائے اُمت نے اس حدیث کو تسلیم کیا۔ ''غلط اور موضوع'' کے الفاظ اس حدیث کے متعلق پہلے اس قادیان سے شائع ہوتے ہیں جو ابھی تھوڑے دن ہوئے علوم کا سرچشمہ تھا۔ آج یہ حالت ہے کہ ذرا اپنی راہ میں کوئی مشکل دیکھی جھٹ جرأت کر کے ایک نئی بات بنا دی۔ حضرت مسیح موعود کو نبی بنانے کے لئے سب سے پہلے خود ان کے پندرہ سالہ علم کو، اس علم کو جسے وہ خود کہتے ہیں کہ ''یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا'' غلط قرار دیا۔ پندرہ سال تک ان کو اپنے دعویٰ میں شک کرنے والے بتایا، پندرہ سال کی تحریروں کو جن کے متعلق حضرت کی زندگی میں کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہوا تھا منسوخ ٹھہرایا۔ اور جب ان تمام باتوں سے مطلب حل نہ ہوا تو شملہ سے ایک مرید کے منہ سے کہلوایا اور لکھوایا گیا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تین سال تک اپنی نبوت میں شک رہا تھا۔ بلکہ وہ شک اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ آپ خودکشی کے ارادہ سے کئی دفعہ پہاڑوں پر گئے اور وہاں سے گرنا چاہا۔ ان خرافات سے اللہ کی پناہ! اب حدیث لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشّرٰتُ کی باری آئی۔ کیونکہ یہ حدیث نبوتِ کاملہ کے دروازوں کو ہمیشہ کے لئے بند کرتی ہے اور ایک جزوی نبوت کو جاری رکھتی ہے۔ مگر دنیا میں علومِ حقہ قائم رہیں نہ رہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ہو یا ذلت ہو، یہاں تحقیق سے کس کو غرض! ایک بات پر طبیعت اَڑ گئی ہے۔ اب آسمان اور زمین ٹل جائیں۔ مگر میاں صاحب کے منہ کی بات نہیں ٹل سکتی۔

ایک صحیح حدیث کو جسے علمائے اُمت نے مانا ہے جو اولیاء اللہ پر مبشرات کا دروازہ کھولتی ہے اور نبوت کے حقیقی انعامات سے اس اُمت کو بہرہ ور کرتی ہے۔ جس کی تصدیق نہ صرف ظاہری علماء نے ہی کی بلکہ ہزاروں کی تعداد میں اولیاء اللہ نے اس چشمہ سے سیراب ہو کر اس کی صداقت پر عینی شہادت دی۔ جسے حضرت مسیح موعود حکم وعدل نے خود صحیح قرار دیا اور اسی پر آخر تک قائم رہے۔ آہ! آج میاں صاحب اپنے مریدوں کے منہ سے اس حدیث کو وضعی اور غلط کہلواتے ہیں۔ کس لئے؟ صرف اس لئے کہ حضرت مسیح موعود کے لئے نبوت کاملہ ثابت

ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ یہ حدیث میاں صاحب کی ساری خیالی عمارتِ نبوتِ مسیح موعود کو گراتی ہے۔ یہ ان کے رستہ میں ایک ایسا پتھر ہے جو ان کو آگے گزرنے سے روکتا ہے۔ اس لئے آخر جب کوئی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی تو کیا مشکل ہے اس حدیث کو غلط اور وضعی قرار دے دیا۔ یہ کس قسم کی جرأت ہے۔ دوستو! خدا کے لئے غور کرو۔ انصاف کرو۔ آخر خدا کو جان دینی ہے۔ کیا دین کے ساتھ یہ گستاخی ایک مومن کی شان ہے کہ اپنی ضد پر قائم رہنے کے لئے اب کسی بات کی پرواہ نہیں۔ کیوں تمہاری زبانیں حق کی حمایت میں نہیں کھلتیں؟ تمہاری ایمانی جرأت کہاں گئی؟

کیا اولیائے اُمت کو اس سے پہلے الہامات نہیں ہوتے تھے؟ کیا یہ اُمت اب تک درحقیقت اس بات سے محروم رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان میں سے کسی کو مکالمہ ومخاطبہ بھی ہو۔ کیا ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں اس میں وہ برگزیدگان الٰہی نہیں ہوئے، جنہوں نے خدا سے شرف مکالمہ ومخاطبہ پایا۔ پھر کیا وہ اس حدیث کو صحیح نہیں مانتے تھے۔ چلو اوروں کو جانے دو کیونکہ تم میں سے بعض کو اولیاء اللہ کی ہتک کی کوئی پرواہ نہیں۔ میاں صاحب کے نزدیک وہ سب ناقص حالت میں ہی گزر گئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) مگر غور کرو خود مرزا صاحب خود مسیح موعود ایک طرف خدا سے مکالمہ ومخاطبہ کا شرف پاتا ہے، دوسری طرف آخر زندگی تک اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔ بلکہ اس پر اپنے دعویٰ کی بنیاد رکھتا ہے۔ لیکن آج ایک شخص، جو اس کوچہ کا اہل نہیں، اُٹھتا ہے اور علی الاعلان اخبار میں چھاپتا ہے کہ یا مرزا صاحب جھوٹے یا حدیث جھوٹی۔ اور پھر مجھ سے سوال کرتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے مَیں کس بات کو ماننے کو تیار ہوں۔ جاؤ خود مسیح موعود سے جا کر پوچھو۔ مجھ سے یہ سوال کیوں پوچھتے ہو۔ میں تو اتنا مانتا ہوں کہ اگر یہ حدیث سچی ہے تو مسیح موعود بھی سچا ہے۔ اور اگر حدیث جھوٹی ہے تو معاذ اللہ مرزا صاحب بھی مسیح نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ خود ہی بار بار اس حدیث کی صداقت کو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ یہ مصیبت میاں صاحب کو کیوں پیش آئی؟ کہ ایک مسلمۃ الصحت حدیث کو وضعی ٹھہرایا۔ اس لئے کہ تمام توجیہیں کر کے دیکھ لیا۔ نبوتِ کاملہ کے دروازے کو یہ حدیث بند کرتی ہے۔ ''حقیقت النبوت'' میں اس حدیث کو زور شور سے صحیح قرار دیا۔ مگر جب اس پر جرح ہوئی تو مثالوں سے اس کا جواب دینے کی کوشش کی۔ جب وہ مثالیں سب غلط نکلیں تو بجائے اس کے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے، آپ نے تو اس مضمون پر خاموشی اختیار کی

اور اپنے خطبہ کو خوابوں پر صرف کیا۔ مگر اپنے ایک مرید سے یہ لکھوا دیا کہ یہ حدیث ہی وضعی ہے۔ اسے موضوع نہ مانیں تو مرزا صاحب جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔

مجھے کہا جائے گا کہ تم کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ یہ میاں صاحب نے لکھوایا ہے۔ مگر میں کیا کروں؟ واقعات مجھے مجبور کرتے ہیں۔ ایک سوال کی زد میاں صاحب پر پڑتی ہے۔ میاں صاحب اس کا جواب کوئی نہیں دے سکتے۔ خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ ایک خاص الخاص مرید جو قادیان کے ان چند لوگوں میں سے ہے جنہوں نے میاں صاحب کے خیالات کو خوب سمجھا ہوا ہے۔ جو رات دن آپ کے پاس رہتا ہے۔ اس کا جواب شائع کرتا ہے۔ وہ جواب قادیان کے ہی ایک اخبار میں نکلتا ہے۔ میاں صاحب اس پر خاموش ہیں۔ 14 اکتوبر کو یہ مضمون شائع ہوا۔ آج دو ہفتے گزر گئے۔ اس کے بعد تین جمعہ کے خطبے بھی ہو چکے۔ مگر میاں صاحب اس کی اس جرأت پر اس کو ڈانٹتے نہیں۔ اور پھر ان تمام تحریروں کو، جو ایسے معاملات میں نکلتی ہیں، اپنے ذمہ دار معتبرین کی تحریریں قرار دینے کے وہ عادی ہیں۔ پس یہ درحقیقت ہماری اس بحث کا جواب ہے جو اخبار پیغام صلح میں میاں صاحب کی مثالوں پر کر کے دکھایا گیا تھا کہ حدیث کی رو سے نبوت کاملہ بند ہو چکی۔ اور جس قدر مثالیں میاں صاحب نے دی ہیں یا تو ان کے دینے میں نبوت کو بجائے کیفیت کے مقدار سمجھ لیا ہے۔ جیسے پانی اور لوٹے والی مثال اور یا ان کی مثال خود اس نبوت کے جزوی ہونے پر شاہد ہے۔

پس یہ آخری جواب میاں صاحب کی طرف سے ہے جو ہماری بحث کا مِلا ہے کہ یہ حدیث موضوع اور غلط ہے۔ ہم خدا کے فضل سے میاں صاحب کی مشکل کو حل کر دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔ لیکن پہلے وہ اس دقت کو سلجھائیں کہ اس کو موضوع قرار دینے سے خود مرزا صاحب جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ جب وہ اس بات کا جواب دیں گے تو ہم بتا دیں گے کہ کیوں حدیث میں اور مسیح موعود کے دعویٰ الہام میں تعارض نہیں۔ اور میاں صاحب پر ہمارا یہ بھی سوال ہے کہ اُنہوں نے خود اس حدیث کو حقیقت النبوت میں کیوں صحیح قرار دیا۔ میری ساری باتوں کو چھوڑ کر میاں صاحب نے خواب اور مباہلہ پر زور دیا ہے۔ کیونکہ درحقیقت اُن کو ان ہی دو باتوں سے دلچسپی ہے۔ میاں صاحب کو یہ بڑی مشق ہے کہ ہر اعتراض کا یہ جواب دے دیتے ہیں کہ یہ اعتراض نبیوں پر بھی ہوا۔ مگر کبھی حدیث لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ پر عمل کیا ہوتا۔

اگر ہم ایسے اعتراض کرنے کے حق دار نہیں تو میاں صاحب ہم پر ایسے اعتراض کیوں کرتے ہیں جو انبیاء اور مامورین پر ہو چکے ہیں۔ مثلاً میاں صاحب بھی کہتے ہیں کہ تم نے وحدت کو توڑا ہے۔ حالانکہ یہی اعتراض ہر نبی اور ہر مامور پر ہوتا ہے۔ میاں صاحب ہم کو مفسد لکھتے ہیں یہی انبیاء کے دشمنوں نے انبیاء کے حق میں کیا پھر کیوں تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (118:2) کا فتویٰ ہم پر لگتا ہے۔ اور میاں صاحب پر نہیں لگتا۔ ہم تو اس بات کے خواہش مند ہیں کہ جن بٹّوں (ناپ تول) سے میاں صاحب دیتے ہیں انہیں سے لیں۔ اور عقائد پر ٹھنڈے دل سے بحث کریں۔ میاں صاحب کی بعض باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ مثلاً اس نئے خطبہ میں جو 21 اکتوبر کے الفضل میں چھپا ہے میاں صاحب اس سوال کا جواب، کہ غیر مامور کی رؤیا کس صورت میں حجت ہے، یوں دیتے ہیں کہ:

''اس میں شک نہیں کہ غیر مامور کے رؤیا کو تمام کے لئے حجت قرار دینا موجب فتنہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شخص پاگل ہو اور اس کا دماغ ہی خراب ہو۔ یا دیدہ و دانستہ وہ لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔ اس لئے کثرتِ کمیت و کیفیت کی شرط لگا دی۔ مگر اپنی ذات کے لئے تو ہر شخص کی رؤیا حجت ہے۔ رؤیا پر اعتبار کیوں نہ ہو؟ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مومن تو در کنار فرعون کی رؤیا پوری ہوئی۔ یوسفؑ کے اصحاب السجن کی رؤیا پوری ہوئی۔''

☆ اب اس عبارت کے فقرہ اول سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غیر مامور کی رؤیا تمام کے لئے نہیں۔ بلکہ بعض کے لئے حجت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہاں آپ فرماتے ہیں: ''تمام کے لئے حجت قرار دینا موجب فتنہ ہو سکتا ہے''

☆ اس کے بعد کے دوسرے فقرہ میں اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص پاگل ہو، یا دیدہ و دانستہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص پاگل نہ ہو یا دیدہ دانستہ لوگوں کو گمراہ نہ کرتا ہو تو اس کی خواب حجت ہو سکتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ جو غیر مامور

پاگل نہیں اور دیدہ و دانستہ گمراہ نہیں کرتے، ان کی رؤیا تمام کے لئے حجت ہوتی ہے۔ اگر نہیں تو پھر یہ وجہ کیسی ہے۔ اور پھر اس کا کیا معیار ہوگا کہ ایک شخص دیدہ و دانستہ لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے یا خود بھی غلطی خوردہ ہے۔ اور دوسروں کو بھی گڑھے میں ڈال رہا ہے۔ اور پھر جو شخص غلطی خوردہ ہو پاگل نہ ہو۔ دیدہ و دانستہ لوگوں کو گمراہ نہ کر رہا ہو۔ کیا اس کی رؤیا تمام لوگوں کے لئے حجت ہے؟ یہ عجیب مذہب ہے۔

☆ تیسرا فقرہ اس سے بھی زیادہ پریشان کن ہے۔ فرماتے ہیں ''اس لئے کثرتِ کمیت و کیفیت کی شرط لگا دی'' حالانکہ کثرت کمیت و کیفیت آپ کے نزدیک ہر مامور کو بھی حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف نبی کو حاصل ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ غیر مامور کو حاصل ہو۔ تیرہ سو برس تک ساری اُمت محمدیہ اس کثرتِ کمیت و کیفیت سے محروم رہی۔ آج اپنی غرض کے لئے یہ کثرت ایسی سستی کر دی کہ ہر ایک غیر مامور اس کو حاصل کرنے کے قابل ہو گیا۔ پھر اس سے ایک یہ بھی نتیجہ نکلا کہ آپ کے نزدیک سوائے نبی کے کسی کی رؤیا بھی حجت نہیں۔ کیونکہ کثرتِ کمیت و کیفیت سوائے نبی کے کسی کو حاصل نہیں۔ پھر یہ آپ کی ساری تقریر، کہ غیر مامور کی رؤیا بھی حجت ہوتی ہے، اس ایک فقرہ سے بے معنی ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کا تعلق سوال کے جواب سے کیا ہوا؟

☆ چوتھے فقرہ میں تحریر ہے کہ اپنے نفس کے لئے ہر شخص کی رؤیا حجت ہے۔ اگر حجت کے معنی یہ ہیں کہ وہ حجت شرعی ہے۔ ایک شخص کو الہام ہو جائے کہ فلاں چیز نہ کھاؤ۔ تو کیا اس کا الہام اس کے لئے حجت ہے اور ایک حلال چیز کو اس کی بناء پر ترک کر سکتا ہے؟

☆ پانچویں فقرہ میں فرعون اور حضرت یوسفؑ کے **اصحاب السجن** کی رؤیا کا ذکر ہے۔ معلوم نہیں وہ کس کے لئے حجت تھی۔ تینوں کی رؤیا پوری بھی ہوگئیں۔ مگر یہ میاں صاحب نے نہیں بتایا کہ وہ پوری ہونے کے بعد کس بات کی حجت ٹھہریں۔ کیا سوائے اس

بات کے کچھ اور بھی ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک بے دین کافر کو بھی سچی خواب آ سکتی ہے۔ یا بالفاظ دیگر یہ کہ خواب گو وہ سچی بھی ہو کوئی حجت نہیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ مامور اور غیر مامور کے رؤیا میں یہ فرق ہے کہ:

''مامور اور نبی کی رؤیا تمام دنیا پر حجت ہے اور غیر مامور کی رؤیا اس کے نفس کے یقین دلانے کے لئے ہے۔ اور دوسروں پر حجت نہیں ہوتی۔ جب تک واقعات تصدیق نہ کریں۔ جب عملاً تصدیق ہو جائے تو پھر تو ایک غیر مامور مومن کی بلکہ ایک کافر کی رؤیا کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔''

میاں صاحب! آپ نے یہ غور نہیں کیا کہ یہاں تو آپ اپنی خوابوں کو صاف طور پر اسی قسم کی بتا رہے ہیں۔ جس قسم کو حضرت مسیح موعود نے حقیقت الوحی میں قسم اول قرار دیا ہے۔ جس میں کافر، فاجر، فاسق، زانی، چور سب شامل ہیں۔ پھر ان لوگوں کے خوابوں کو تسلیم کرنے سے کیا مراد ہے۔ جو مثال آپ نے دی ہے وہ بھی عجیب ہے۔

''مثلاً ایک شخص کو خواب آیا کہ اس کے گھر میں بیٹا ہوگا۔ یا خطرناک مصیبت سے رہائی کی بشارت ہو تو پھر جب اس کے گھر میں بیٹا ہو یا وہ حسب رؤیا رہائی پا جائے تو اس واقعہ خاص میں اس کی تصدیق کرنی پڑے گی۔ اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ جھوٹا ہے۔''

ہمیں تو اس کا کچھ مطلب سمجھ نہیں آتا اور نہ یہ پتہ لگتا ہے کہ میاں صاحب کا کیا مقصد ہے۔ کس بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیا اس کی دلیل دیتے ہیں۔ اس قسم کی تحریر یا تقریر جس میں نہ دعویٰ کو صاف کر کے بیان کیا جائے نہ دلائل کو مخلوق خدا کو دھوکہ میں ڈالنے کے سوائے کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ یہی حالت میں نے حقیقۃ النبوت کی دیکھی ہے۔ تین سو صفحات کو قلم سے پر کر دینے سے کتاب نہیں بن جاتی۔ مسیح موعود نے جو علمِ کلام ہمیں دیا اور جس کی بناء اُنہوں نے قرآن شریف پر رکھی کہ یہ کامل کتاب دعویٰ بھی خود کرتی ہے اور دلیل بھی خود دیتی ہے۔ وہ یہی تھا کہ ہم دعویٰ اور دلائل میں فرق کرنا سیکھیں اور ہر ایک مسئلہ میں دعویٰ کو قائم کر کے اس کے دلائل دیں۔ ایسی

فضول اور پیچیدہ تحریریں جن میں نہ دعویٰ کی وضاحت ہو نہ دلائل سے، وہ دعویٰ مؤید ہو، اس جماعت کے لئے باعثِ عار ہیں۔ اور اسی قسم کی تحریروں کا یہ نتیجہ ہے کہ میاں صاحب کے مریدین اس علم کلام سے بالکل بے بہرہ ہوتے جاتے ہیں۔ جو مسیح موعود نے ہمیں دیا تھا۔ ہاں گالی گلوچ میں البتہ اب خوب مشاق ہوتے جارہے ہیں۔

اب میاں صاحب کی اس تقریر کو پڑھ جاؤ۔ جو خطبہ جمعہ کے عنوان سے الفضل میں نکلی ہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ میاں صاحب کا دعویٰ کیا ہے؟ اور اس کے دلائل کیا ہیں۔ یہ کیا دعویٰ ہے کہ غیر مامور کی رؤیا اپنے نفس کے لئے اور پورا ہونے کے بعد تمام دنیا کے لئے حجت ہوتی ہے۔ خدا کے لئے غور کرو کس بات کی حجت ہوتی ہے۔ پورا ہونے سے پہلے خواب، خواب بین کے لئے کیا حجت ہے؟ ممکن ہے خواب سچی ہو یا جھوٹی ہو۔ پھر حجت کیا ہوئی؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ غیر مامور کو جب خواب آجائے تو لازماً اسے اس خواب کو صحیح ماننا چاہئے۔ اور اگر اس کا یہ اعتقاد نہ ہو کہ میری خواب سچی ہوگی تو وہ قابل مواخذہ ہوگا۔ حجت سے آپ کا کیا مطلب اور یہ امر کب ہمارے اور آپ کے درمیان زیر تنازعہ تھا۔ پھر آپ فرماتے ہیں۔ جب خواب پوری ہوجائے تو کُل دنیا پر حجت ہوجاتی ہے۔ کیا کُل دنیا کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ہر شخص کی، جسے سچی خواب آتی ہے، خواب پر ایمان لائیں۔ پہلے تو خلافت غیر موعودہ کو جزو ایمان بنایا تھا۔ اب خوابیں جزو ایمان ہوگئیں۔ گویا ہر ایک کافر فاسق فاجر چوہڑے چمار کے خواب پر ہمارے لئے جب وہ پوری ہوجائے ایمان لانا ضروری ہے۔ اور ساری دنیا میں تلاش کرتے رہنا چاہئے کہ کس کس شخص کو کیا کیا خواب آئی ہے اور وہ کب پوری ہوئی۔ کیونکہ وہ تو ہم پر حجت ہوچکی۔ اگر کہو کہ صرف اس قدر مراد ہے کہ مان لینا چاہئے کہ مامور کے سوا دوسروں کو بھی سچی خواب آسکتی ہے تو یہ تو ہم پہلے ہی مان رہے ہیں۔ اس پر بحث کس نے کی تھی اور کب کی تھی۔ کیا میں نے کبھی کہا ہے کہ ایک کافر کو یا بے دین کو یا فاسق کو سچی خواب نہیں آسکتی۔ آپ کی اپنی مثال سے جو آپ نے اوپر دی ہے آپ کی کمزوری ظاہر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ’’کسی کو خواب آئے کہ اس کے گھر بیٹا ہوگا اور پھر بیٹا ہوجائے تو اس واقعہ خاص میں اس کی تصدیق کرنی ہوگی اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ جھوٹا ہے۔‘‘

میاں صاحب مکرم خدارا! اپنی بات کی پچ کے لئے بے معنی باتیں کرنا چھوڑ دیں۔ اگر کسی کے گھر بیٹا ہوگا تو ’’اس واقعہ خاص میں‘‘ تو اس کی تصدیق بہر حال کرنی ہوگی۔ خواہ اسے خواب آئے یا نہ آئے۔ کیا آئندہ

کے لئے آپ اپنی جماعت کو یہ ہدایت دیتے ہیں کہ اگر ایک شخص کو خواب آئے کہ اس کے گھر بیٹا ہوگا اور پھر بیٹا ہو جائے تو مان لیا کرو کہ اس کے گھر بیٹا ہو گیا۔ اور اگر کسی کو خواب نہ آئے اور اس کے گھر بیٹا ہو جائے تو اس کو جھوٹا سمجھا کرو۔ اور کبھی یہ بات نہ مانو کہ اس کے گھر بیٹا ہوا ہے؟ جس کے گھر بغیر خواب دیکھے بیٹا ہو جائے اسے مطلق جھوٹا اور کذاب انسان سمجھنا چاہئے اور جو پہلے خواب دیکھ لے اور پھر بیٹا ہو جائے تو اسے صادق اور راست باز تسلیم کر لینا چاہئیے! اگر آپ یہ جواب دیں گے کہ نہیں۔ صرف یہ مان لو کہ اس کی خواب سچی ہوگئی۔ مگر اس سے نتیجہ کیا نکلا۔ صرف یہی کہ معمولی لوگوں کو بھی سچی خوابیں آسکتی ہیں اور یہ تحصیل حاصل ہے۔ اس سے دنیا میں کس کو انکار ہے۔ آپ کی اس ساری بحث سے ثابت کیا ہوا؟ وہی امر جسے مان کر آپ نے تقریر شروع کی تھی اور جس کا دنیا میں کوئی منکر نہیں! یہ تو آپ کے اصولِ عامہ ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنی رؤیا کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''جلسہ سالانہ پر اور بعض دیگر اوقات میں مَیں نے اپنے خوابِ خلافت کے متعلق بیان کئے کہ دیکھو یہ خواب پورے ہوئے۔ اس وجہ سے میں اس جھگڑے میں نہیں گھبرایا۔ کیونکہ میرے مولا کی دی ہوئی تسلی میرے ساتھ تھی۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ لوگو تم مجھے خلیفہ مان لو کیونکہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ لیکن جب وہ خواب پورا ہو گیا اور اس کی تصدیق ہوئی تو پھر لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مانیں۔''

اب دیکھئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ بننے سے پہلے آپ کو خواب آئے تھے کہ آپ خلیفہ بنیں گے۔ اور ابھی آپ نے اصول قائم کیا تھا کہ جب غیر ماموُر کو خواب آئے تو پورا ہونے سے پہلے اس کے اپنے نفس کے لئے وہ حجت ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کا خلیفہ بننا اس سے پہلے حجت ہو چکا تھا۔ جب آپ کو لوگوں نے بنا لیا۔ گویا آپ کو پورا یقین تھا اور آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ خلیفہ بنیں گے۔ اور لازماً اس کے حجت ہو جانے کی وجہ سے آپ کو حصولِ خلافت کے لئے کوشش بھی کرنی پڑی ہوگی۔ حالانکہ دوسری طرف آپ قسمیں کھاتے رہے کہ میرے وہم و گمان میں بھی کبھی یہ بات نہ تھی۔ پس یہ تین حال سے خالی نہیں۔ یا آپ کا یہ بیان غلط ہے کہ آپ نے ایسی خوابیں دیکھیں یا آپ کی قسمیں جھوٹی ہیں۔ یا یہ اصول غلط ہے۔ جو آپ نے باندھا ہے۔ اور آپ کا

چھٹکارا اسی میں ہے خواہ واقعات کچھ ہی ہوں کہ آپ اصول کی غلطی کو تسلیم کر لیں۔ مگر یہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔ پھر میں بھی آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے خود نہیں مگر میرے متعلق دوسرے لوگوں نے خوابیں دیکھیں کہ میں خلیفہ بنا ہوں بلکہ اس جھگڑے سے جو مارچ 1914ء میں شروع ہوا تین سال پہلے دیکھیں۔ اب یہ غیر ماموروں کی خوابیں تھیں جو میرے نزدیک تو حجت نہیں۔ اور اسی لئے میں نے ان کو کبھی پیش نہیں کیا۔ مگر آپ کے اصول سے اب یہ خوابیں آپ کی جماعت پر حجت ہیں۔ کیونکہ واقعہ میں یہ بات بھی پوری ہوگئی۔ اب فرمایئے اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کو خواب آ جائے کہ آپ خلیفہ ہوں گے اور جماعت کا ایک حصہ آپ کو خلیفہ مان لے تو وہ خواب تو دوسروں پر حجت ہو جاتی ہے۔ مگر میرے متعلق کسی کو خواب آ جائے کہ میں خلیفہ ہوں گا اور جماعت کا ایک حصہ مجھے خلیفہ مان لے تو وہ خواب دوسروں پر حجت نہیں ہوتی۔ میں پھر عرض کروں گا کہ لینے اور دینے کے باٹ ایک ہی ہونے چاہئیں۔ بیشک آپ جو اصول چاہیں قائم کریں۔ اور اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ اس فاسد اصول کو دنیا میں پہلے کبھی کسی نے تسلیم نہیں کیا۔ مگر اس اصول کی بناء پر جو نتائج قائم ہوں پھر ان سے گریز نہ کریں۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ آپ کے ساتھ کثرت ہے۔ اس لئے آپ خلیفہ برحق ہیں۔ تو میں یزید اور امام حسین کا قصہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کروں گا۔ بہرحال اصول تو آپ کا یہی تھا کہ غیر مامور کو خواب آ جائے اور وہ پوری ہو جائے تو وہ تمام دنیا پر حجت ہو جاتی ہے۔ اس اصول کی رُو سے آپ کو مجھے خلیفہ تسلیم کرنے میں کیوں انکار ہے۔ بلکہ انکار ہی نہیں خلیفہ کی بجائے آپ مجھے ابلیس، منافق، مرتد، فاسق، جو منہ پر آتا ہے کہہ دیتے ہیں۔

پھر آپ مجھ پر اس لئے خفا ہیں کہ میں نے یہ کیوں کہا کہ آپ کو جب خدا نے منہ در منہ کہا تھا کہ مرزا صاحب نبی ہیں تو اس موقعہ پر جب آپ کو جھگڑے کا بھی علم تھا یہ کیوں نہ دریافت کر لیا کہ یہ نبوتِ کاملہ ہے یا جزوی، حقیقی ہے یا مجازی۔ آپ نے اس پر بڑا بھاری فتویٰ دیا ہے تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (118:2) کہ ان لوگوں کے دل پہلے منکرین کی طرح ہو گئے ہیں۔ کیونکہ خدا سے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی سوال نہ کر سکتے تھے۔ مسیح موعود بھی کوئی سوال نہ کر سکتے تھے۔ پھر ''محمود بیچارے کی کیا طاقت تھی''۔ شکر ہے کہ آپ کے منہ سے یہ کلمہ نکلا۔ مگر آہ! آپ نے اس کو حقیقی طور پر بھلایا ہوا ہے۔ ''محمود بیچارے'' کی یہ طاقت ہے کہ حضرت صاحب کی پندرہ سال کی تحریروں کو منسوخ کر دیا اور مریدوں کو لب تک ہلانے کی جرأت نہ ہوئی۔ ''محمود بیچارے'' کی یہ

طاقت ہے کہ مرزا صاحب کو پندرہ سال تک اپنے دعویٰ میں شک کرنے والا ٹھہرایا اور مریدوں نے کہا بجا۔ پھر ''محمود بچارے'' کی یہ طاقت ہے کہ قرآن کے حکم کے خلاف اپنا حکم متعدد موقعوں پر چلایا **تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى** (2:5) کے حکم کے خلاف لوگوں کو اشاعتِ اسلام کے لئے اور ولایت میں تبلیغِ اسلام کے لئے چندے دینے سے روکا۔

تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف میاں صاحب کا دعویٰ ہے کہ جب سے خواجہ صاحب کا وہ مضمون نکلا۔ جس میں ولایت میں فرقہ بندی کی بحث کو سم قاتل کہنے کا الزام ان پر ہے اس وقت سے میں ان کے کام کو تبلیغِ اسلام کا کام نہیں سمجھتا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ میاں صاحب اپنے رسالہ نماز میں جو آپ نے انگریزی زبان میں لکھا ہے اور جو یکم مارچ 1914ء کو لکھا گیا۔ یعنی حضرت مولوی صاحب کی وفات سے تیرہ دن پیشتر اور مضمون محولہ سے بہت پیچھے اس میں میاں صاحب اس رسالہ کے صفحہ 14 کے حاشیہ پر خواجہ کمال الدین صاحب کو حضرت مسیح موعود کی صداقت کے نشان کے طور پر اور آپ کی تبلیغی کوششوں کو نمونہ کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی انگریزی عبارت (مولوی شیر علی صاحب خفا نہ ہوں) کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

> ''اور اس نے یعنی مسیح موعود نے ایسا تبلیغی جوش اپنے پیروؤں میں پیدا کیا ہے کہ وہ مختلف ممالک کے لوگوں کو بڑی سرعت سے اپنے مذہب میں داخل کر رہے ہیں۔ خواجہ کمال الدین بی۔اے، ایل۔ایل۔بی نے ایک مشن انگلستان میں قائم کیا ہے۔ اور وہ لیکچروں اور ایک رسالہ کے ذریعہ، جس کا نام اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا ہے، اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں۔''

ہم حیران ہیں میاں صاحب کی کس بات کو درست مانیں؟ کبھی خواجہ صاحب اسلام کے دشمن ہیں۔ کبھی مرزا صاحب کے سچے تبلیغی جوش کا نمونہ! **لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ** (283:2) کے حکم کے خلاف لوگوں کو گواہی دینے سے روکا۔ حضرت کے حکم کے خلاف غیر احمدیوں کے جنازے کو حرام ٹھہرایا۔ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد ہونے سے انکار کیا۔ مسیح کی بشارت آپ کے حق میں ہونے سے انکار کیا۔ مسیح موعود کا نام کٹوا کر وہاں اپنا نام

لکھوایا۔ ابھی معلوم نہیں ''محمود بیچارا'' اور کیا کرنا چاہتا ہے۔ جو کر نہیں سکتا!

لیکن اگر میں یہ کہنے کی وجہ سے، کہ یہ امر کیوں اللہ تعالیٰ سے دریافت نہ کرلیا، جب اس دربار میں رسائی ہوچکی تھی، تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ کا مصداق ہوں، منکرحق ٹھہرتا ہوں۔ تو میرا آقا مسیح اور آپ کا مقدس والد بھی میرے ساتھ ہے۔ جو پتھر آپ ہم پر پھینکیں گے وہ اس مقدس انسان کو جا کر لگے گا۔ کیونکہ ہم تو اسی کے خوشہ چیں ہیں۔ اور قوم کی بدقسمتی سے آپ نے حضرت مسیح موعود کی تحریروں کو پڑھا نہیں۔ اور نہ ان کی صحبت میں رہنا آپ کو میسر آیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

''جب میرا آقا، میرا سردار نہ پوچھ سکا تو میں کیا ہوں اور کیا حیثیت رکھتا ہوں'' گویا آپ کے نزدیک جناب الٰہی میں کوئی مقبول بارگاہ الٰہی سوال نہیں کرسکتا۔ مگر آپ قرآن کریم پر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ آپ کا یہ خیال غلط ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی (260:2) کہنا۔ پھر یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ (74:11) پھر حضرت موسیٰ کا سوال و جواب خود یَسْئَلُوْنَکَ کے جواب میں بار بار اللہ تعالیٰ کا وحی نازل فرمانا۔ یہ آپ کے اس خیال کی تردید کے لئے کافی مثالیں ہیں۔ اگر آپ کی نظر حضرت صاحب کی کتابوں پر ہی ہوتی تو آپ ایسی بات نہ کہتے۔

کیا آپ کو وہ واقعہ یاد نہیں کہ عبدالرحیم خاں نواب صاحب کے چھوٹے صاحبزادے کے لئے حضرت صاحب نے دعا کی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ تقدیر مبرم ہے۔ تب آپ نے عرض کیا کہ یاالٰہی میں شفاعت کرتا ہوں۔ کیا آپ کی رائے میں یہ گستاخی تھی۔ پھر ایک سوال و جواب کیا۔ ''ضرورۃ الامام'' کے صفحہ 14 پر حضرت صاحب کے ذیل کے الفاظ پڑھیے:

> ''اور بسا اوقات سوال و جواب کا ایک سلسلہ منعقد ہوکر ایک ہی وقت میں سوال کے بعد جواب اور پھر سوال کے بعد جواب اور پھر سوال کے بعد جواب ایسے صفا اور لذیذ اور فصیح الہام کے پیرایہ میں شروع ہوتا ہے کہ صاحب الہام خیال کرتا ہے کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔''

اور اگر یہ آپ کی منسوخ کردہ فہرست میں داخل ہے تو ''نزول المسیح'' کو ملاحظہ فرمائیے۔ صفحہ 94 پر لکھا ہے کہ:

''بندہ کا دعا کرنا اور خدا تعالیٰ کا لطف اور رحم سے اس دعا کا جواب دینا نہ ایک دفعہ نہ دو دفعہ بلکہ بعض موقعہ پر بیس بیس دفعہ یا تیس تیس دفعہ یا پچاس پچاس دفعہ یا قریباً تمام رات یا قریباً تمام دن اسی طرح ہر یک دعا کا جواب پانا''

اب آپ تو فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سوال کرنا بھی یا کسی مشکل کا حل چاہنا بھی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اور مامور اور نبی بھی ایسی جرأت نہیں کرسکتے۔ اور جو شخص ایسا خیال کرتا ہے وہ منکر حق ہے۔ اور مسیح موعود فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ دو دفعہ کیا بیس تیس اور پچاس دفعہ سوال و جواب ہوتا ہے۔ اب آپ کی بات کو درست مانیں یا مسیح موعود کی۔ اگر آپ صرف اس قدر جواب دے دیتے کہ میں اس مقام تک نہیں پہنچا تو بات صاف تھی۔ مگر ایسا اقرار کرنے میں بھی آپ اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ شائد اس لئے کہ جو مرید خوش قسمتی سے آپ کو رسول اور نبی بنائے بیٹھے ہیں اور آپ کے الہامات کو ماموروں کی وحی کی طرح جانتے ہیں ان کو بھی آپ مایوس کرنا نہیں چاہتے۔

بجائے اس کے آپ نے خدا کی جناب میں سوال کرنے والے کو منکر حق ٹھہرایا۔ **تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ** (118:2) کا مصداق بنایا۔ مگر اب حضرت مسیح موعود کی مذکورہ بالا تحریر کو پڑھ کر فرمایئے کہ یہ منکرِ حق کا فتویٰ کس پر جا کر پڑا۔ یہ چوتھی مرتبہ ہے جو آپ نے ہم کو کوستے کوستے حضرت مسیح موعود پر بھی حملہ کیا ہے۔

میں نے پچھلے ہی مضمون میں بتایا تھا کہ اول آپ نے اس شخص کو جاہل قرار دیا جو **مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ** (64:4) کے یہ معنی کرے کہ رسول مطاع ہوتا ہے مطیع نہیں ہوتا۔ اور یہ معنی خود حضرت صاحب نے کئے ہیں۔ پھر آپ نے لکھا کہ بعض ماموروں کے منکروں کو کافر کہنا اور بعض کو نہ کہنا جہالت ہے۔ حالانکہ خود حضرت صاحب نے یہ تفریق شریعت یا احکام جدیدہ لانے والے انبیاء اور دوسرے ماموروں میں کی ہے۔ پھر آپ نے **لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** (64:10) سے یہ استدلال کرنے والے کو، کہ

اس سے اس اُمت میں تبشیر دینے والوں کا آنا پایا جاتا ہے، جاہل مطلق کہا حالانکہ یہ بھی خود حضرت مسیح موعود کی تفسیر ہے۔ اب آپ نے خدا کی جناب میں سوال کا اشارہ کرنے والے کو منکرِ حق قرار دیا۔ حالانکہ مسیح موعود ایک دفعہ نہیں بلکہ پچاس دفعہ ایسے سوال کا کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ آپ کا اختیار ہے جو بھی چاہیں کہتے جائیں۔ مگر جب آپ ہمارے خلاف جوش میں آتے ہیں تو آپ کے حملہ کی زد سب سے پہلے مسیح موعود پر جا کر پڑتی ہے۔

یہ جو کچھ میں نے لکھا محض اس قدر دکھانے کو کہ میاں صاحب نہ دعویٰ قائم کرتے ہیں نہ اس کے دلائل دیتے ہیں۔ بلکہ یوں ہی کچھ اپنی بڑائی بیان کرنے، کچھ بے تعلق باتوں میں کچھ دوسروں کے کوسنے میں لگ جاتے ہیں۔ اور اس جوش میں یہ بھی نہیں خیال کرتے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ میں نے خوابوں پر جو کچھ آپ کو کہا تھا اس کی طرف تو آپ نے ذرا بھی توجہ نہ فرمائی۔ میں نے لکھا تھا:

> ''کیا آپ کی خوابیں آپ کے مریدین کے عقیدہ کی بنیاد ہو سکتی ہیں اور آپ ان کی بناء پر مختلف قسم کی تحدیاں کر سکتے ہیں۔''

پھر یہی لفظ دوہرائے تھے:

> ''آیا آپ کی خوابیں آپ کے مریدین کے عقیدہ کی دلیل اور بناء تحدی ہو سکتی ہیں۔''

مگر آپ نے میرے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ جواب دینے میں آپ کو صاف انکار کرنا پڑتا۔ اور آپ کی اب تک کی کارروائی عملاً اس کے خلاف ہوئی ہے۔ آپ نے اپنی خوابوں اور الہاموں کی بناء پر تحدیاں بھی کی ہیں۔ جو غیر مامور ہو کر آپ کے لئے جائز نہ تھا۔ اور آپ نے اپنے مریدوں کو اس غلطی میں بھی ڈالا ہے کہ آپ کو کوئی خواب آ جانے سے کسی عقیدہ کی صداقت کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔

چنانچہ آپ نے یہ نبی والا خواب بار بار پیش کیا ہے۔ اگر ایک عیسائی کو خواب آ جائے کہ مسیحؑ خدا ہے تو کیا یہ بھی اس کے اپنے نفس کے لئے حجت ہے۔ اور چند دلائل ساتھ ملا کر اسے وہ دوسروں پر حجت بنا سکتا ہے؟ کیونکہ میاں صاحب کے نزدیک غیر مامور کی رؤیا اپنے نفس کے لئے حجت ہوتی ہے۔ اور پورا ہو کر دوسروں کے لئے۔ اب جیسا کہ اُنہوں نے مرزا صاحب کے نبی ہونے کے خواب کو اپنے خیال میں پورا کر لیا، ایک عیسائی مسیحؑ

کی خدائی کی خواب کو پورا کرسکتا ہے۔ افسوس ہے کہ آج تک ہمارے مکرم میاں صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ خواب کوئی بھی حجت نہیں۔ ہاں! مامور کا معاملہ دیگر ہے۔ دیکھئے اگر خوابیں حجت ہیں تو جن لوگوں نے مسیح موعود کے خلاف خوابیں دیکھی ہیں وہ کم از کم خود تو کسی الزام کے ماتحت نہیں کیونکہ آپ کے نزدیک ان کے خواب اپنے لئے حجت ہیں۔ گویا اب ان کو دلائل سے کام لینے کی حاجت نہیں ہے۔ نہ قرآن وحدیث دیکھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ان کے خواب ان کے لئے حجت ہوگئے۔ یہ مذہب آپ کو کہاں پہنچائے گا!

پھر آپ سے سوال کیا تھا کہ حضرت صاحب نے جو تین قسم کے لوگوں کا ذکر ''حقیقۃ الوحی'' میں کیا ہے آپ ان میں سے کس قسم میں اپنے آپ کو شامل کرتے ہیں؟ آپ صفائی سے اس قدر کہنے کی جرأت نہ کر سکے کہ میں قسم سوئم کی حقیقی وحی پانے والوں میں نہیں ہوں۔ جن میں کثرت کمیت وکیفیت کی شرط ہے۔ خدارا! کوئی اصول اختیار کرو اور قوم کو غلطیوں سے باہر نکالو۔ ضد میں آکر خواہ مخواہ قوم کو تباہی کے گڑھے میں نہ گراؤ۔ ان کو نصیحت کرو کہ وہ دلائل پر غور کریں اور اپنی عقل سے بھی کچھ کام لیں۔

اب آپ اپنے اس سارے خطبہ کے بالمقابل حقیقۃ الوحی کے پہلے صفحہ کو پڑھ جایئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ ابھی اس کوچہ کے اہل نہیں۔ اس لئے جو کچھ آپ نے اب تک اپنی خوابوں اور الہامات پر زور دیا۔ تحدیاں کیں، یہ درحقیقت ناواقفیت کا نتیجہ تھا۔ مجھے ان فقرات کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ ایک متقی انسان ان کو پڑھ کر خود کانپ اُٹھے گا اور سمجھ لے گا کہ میاں صاحب نے یہاں بھی حضرت صاحب کے خلاف طریق اختیار کیا ہے۔ کیونکہ یہ سچ ہے کہ ۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج تا ثریا میرود دیوار کج

حضرت صاحب فرماتے ہیں:

''بعد ہذا واضح ہو کہ مجھے اس رسالہ کے لکھنے کے لئے یہ ضرورت پیش آئی ہے کہ اس زمانہ میں جس طرح اور صدہا طرح کے فتنے اور بدعتیں پیدا ہوگئی ہیں اسی طرح یہ بھی ایک بزرگ فتنہ پیدا ہوگیا ہے کہ اکثر لوگ اس بات سے بے خبر ہیں کہ کس درجہ اور کس حالت

میں کوئی خواب یا الہام قابل اعتبار ہوسکتا ہے اور کن حالتوں میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ شیطان کا کلام ہو نہ خدا کا۔ اور حدیث النفس ہو نہ حدیث الرب۔ جس طرح جبکہ ایک تو آفتاب پر بادل محیط ہو اور دوسرے ساتھ اُس کے گرد وغبار بھی اُٹھا ہوا ہو تو اس صورت میں آفتاب کی روشنی صاف طور سے زمین پر نہیں پڑ سکتی۔ اسی طرح جب نفس پر اپنی ذاتی تاریکی اور شیطان کا غلبہ ہو تو روحانی آفتاب کی روشنی صاف طور پر سے اس پر نہیں پڑے گی۔ اور جیسے جیسے وہ گردوغبار اور ابر کم ہوتا جائے گا روشنی بھی صاف ہوتی جائے گی پس یہی فلاسفی وحی الٰہی کی ہے۔ مصفا وحی وہی لوگ پاتے ہیں جن کے دل صاف ہیں اور جن میں اور خدا میں کوئی روک نہیں۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ وہ الہام جس کے شامل حال نصرت الٰہی ہو اور اکرام اور اعزاز کی اس میں صریح علامتیں پائی جائیں اور قبولیت کے آثار اس میں نمودار ہوں وہ بغیر مقبولان الٰہی کے کسی کو نہیں ہوسکتا اور شیطان کے اقتدار سے یہ باہر ہے کہ کسی جھوٹے مدعی کی تائید اور حمایت میں کوئی قدرت نمائی کا الہام اُس کو کرے اور اُس کو عزت دینے کے لئے کوئی خارق عادت اور مصفا غیب اس پر ظاہر کرے تا اس کے دعویٰ پر گواہ ہو۔ یاد رکھنا چاہئے کہ شیطان انسان کا سخت دشمن ہے۔ وہ طرح طرح کی راہوں سے انسان کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ایک خواب سچی بھی ہو اور پھر بھی وہ شیطان کی طرف سے ہو اور ممکن ہے کہ ایک الہام سچا ہو اور پھر بھی وہ شیطان کی طرف سے ہو۔ کیونکہ اگرچہ شیطان بڑا جھوٹا ہے لیکن کبھی سچی بات بتلا کر دھوکا دیتا ہے تا کہ ایمان چھین لے۔ ہاں وہ لوگ جو اپنے صدق اور وفا اور عشق الٰہی میں کمال کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں اُن پر شیطان تسلط نہیں پا سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ (65:17۔مرتب) سو ان کی یہ نشانی ہے کہ خدا کے فضل کی بارشیں اُن پر ہوتی ہیں اور خدا کی قبولیت کی ہزاروں علامتیں اور نمونے ان میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ ہم اس رسالہ میں انشاء اللہ ذکر کریں گے۔ لیکن افسوس کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ ابھی

شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہیں۔ مگر پھر بھی اپنی خوابوں اور الہاموں پر بھروسہ کر کے اپنے ناراست اعتقادوں اور ناپاک مذہبوں کو اُن خوابوں اور الہاموں سے فروغ دینا چاہتے ہیں بلکہ بطور شہادت ایسی خوابوں اور الہاموں کو پیش کرتے ہیں۔ اور یا یہ نیت رکھتے ہیں کہ ایسی خوابوں اور الہاموں کو پیش کر کے سچے مذہب کی اُن سے تحقیر کریں یا لوگوں کی نظر میں خدا کے پاک نبیوں کو معمولی انسانوں کی طرح دکھاویں اور یا یہ دکھاویں کہ اگر خوابوں اور الہاموں کے ذریعہ سے کسی مذہب کی سچائی ثابت ہوسکتی ہے تو پھر ہمارے مذہب اور طریق کو سچا مان لیا جائے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں کہ وہ اپنی خوابوں اور الہاموں کو اپنے مذہب کی سچائی کے لئے پیش نہیں کرتے اور ان کا ایسی خوابوں اور الہاموں کے بیان کرنے سے صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ خواب اور الہام کسی سچے مذہب یا سچے انسان کی شناخت کے لئے معیار نہیں ہیں۔ اور بعض محض فضولی اور فخر کے طور پر اپنی خوابیں سناتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ چند خوابیں یا الہام اُن کے جو اُن کے نزدیک سچے ہو گئے ہیں ان کی بناء پر وہ اپنے تئیں اماموں یا پیشواؤں یا رسولوں کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ خرابیاں ہیں جو اس ملک میں بہت بڑھ گئیں ہیں اور ایسے لوگوں میں بجائے دینداری اور راستبازی کے بیجا تکبر اور غرور پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ حق اور باطل میں خرچ کرنے کے لئے یہ رسالہ لکھوں۔‘‘

مباہلہ کے متعلق میاں صاحب نے وہی بیجا غرور اور تکبر کا نقشہ دکھایا ہے جس کی تصویر حضرت مسیح موعود نے اس عبارت میں کھینچی ہے اگر آپ کو اصرار ہے تو تین آدمی آپ کے بالمقابل ایک طرف ہیں دوانہی باتوں کے مدعی ہیں جن کے آپ مدعی ہیں۔ کیوں آپ ان سے مباہلہ نہیں کرتے؟ آپ کو مصلح موعود کہلانے کا شوق ہے۔ مگر میاں ظہیر الدین صاحب کہتے ہیں کہ ان کو الہام ہوا ہے کہ وہ مصلح موعود ہیں۔ اور آپ کو مباہلہ کے لئے بلاتے ہیں۔ جو لفظ آپ نے یا آپ کے کارندوں نے ہمارے لئے استعمال کئے ہیں کہ خرگوشوں کی طرح بھاگ گئے۔ یہی لفظ میاں ظہیر الدین کے مقابلہ میں اپنی نسبت سمجھ لیجئے۔ اسی طرح میاں عبداللہ صاحب تیماپوری ہیں۔

ان کے علاوہ مولوی محمد یامین صاحب داتوی ہیں۔ آپ کیوں ان لوگوں کے سامنے میدان مقابلہ میں نہیں آتے۔ پھر میں تو کہہ چکا ہوں کہ میں آپ کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھتا۔ ہاں یہ جانتا ہوں کہ اگر آپ نے اس عقیدہ پر اصرار کیا کہ سارے مسلمانوں کو کافر کہتے رہو تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ حضرت صاحب نے اپنے مکفرین کے لئے کئی سال تک صبر کیا۔ میں کس طرح ایسی جلد بازی سے کام لوں۔ حتیٰ الوسع آپ کو سمجھاتا رہوں گا کہ آئندہ کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کیا ہوگا یا کیا نہیں ہوگا۔

پھر میں نے تو جہاں تک تحقیق کی ہے وحی الٰہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مباہلہ کا حکم ہوا تھا۔ آپ نے خود بخود درخواست مباہلہ نہیں کی۔ وحی الٰہی سے حضرت مسیح موعود کو حکم ہوا۔ وہ مامور تھے۔ معلوم نہیں آپ بار بار کس سنت پر مباہلہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ آپ کی بددعا سے ہم ڈرتے ہیں۔ اگر اس قسم کا دل ہوتا تو پہلے دن ہی کیوں آپ کو کہہ دیا ہوتا کہ عقائد میں مَیں آپ کا سخت مخالف ہوں۔ جماعت کے لئے ان کو مہلک سمجھتا ہوں۔ اور ان کی تردید کے لئے پورا زور لگاؤں گا۔

پھر آپ تو شروع سے بددعائیں ہمارے لئے کرتے رہے ہیں۔ اب اور کونسی بددعا آپ کے ترکش میں باقی ہے وہ بھی کر لیجئے۔ ہمارا محافظ ہمارا خدا ہے۔ آپ کے مریدوں نے تو ہماری موت کی تاریخیں مقرر کر کے بھی قادیان سے خط لکھے ہیں اور وہ تاریخیں گزر بھی چکی ہیں۔ ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ مگر یہ باتیں نہ ان کو کام دیں گی نہ آپ کو۔ ہم تو آپ کے لئے بددعائیں نہیں کرتے۔ اگر آپ کا حوصلہ ہے تو خود اپنے لئے بددعا دیں۔ میں شروع سے جانتا ہوں کہ آپ کی جماعت میں جو گالیاں دینے، بہتان باندھے، غیبت کرنے کی مرض پیدا ہوگئی ہے، وہ مرشد کا روحانی اثر مریدوں میں جلوہ گر ہوا ہے۔ آپ کی طبیعت کا یہ رنگ بار بار آپ کی تحریروں میں اپنی جھلک دکھا جاتا ہے مگر جمعہ کے خطبہ میں مسجد کے ممبر پر کھڑے ہو کر آپ کا اختلاف رکھنے والوں کو گالیاں دینا یہ شائد پہلے کم ہی ہوا ہو۔ آپ نے اُس کمی کو، جو دنیا نے ہمیشہ محسوس کی ہوگی، پورا کر کے اپنی خلافت کے دعویٰ کو سچا ثابت کر دکھایا۔ آپ نے ہمیں کتے کہا۔ خدا کے دروازے کا کتا بننا بھی ہمارے لئے فخر ہے۔ ہاں خدا دنیا کی حرص کا کتا نہ بنائے۔

میں نے سنا ہوا تھا کہ آپ، ان گالیوں کو جو ہمیں دی جاتی ہیں، ناپسند کرتے ہیں۔ مگر اب آپ کے خطبہ سے فیصلہ ہو گیا کہ وہ لوگ آپ کے مخلص ہیں جو اس کام پر لگے ہوئے ہیں۔ آپ کے مریدین کہا کرتے تھے کہ آپ ان لوگوں کو اچھا نہیں سمجھتے جو ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ یہ کام خاص ''مخلصین'' کے سپرد تھا۔ بیشک اس صورت میں آپ مبارکباد کے قابل ہیں کہ آپ کے ''مخلصین'' آپ کی ہدایات پر خوب عمل کر رہے ہیں۔ میرے ایک لفظ پر جو محض ان لوگوں کے متعلق کہا تھا جو ڈیڑھ سال سے بھی گالیاں دینے اور ہم پر بہتان باندھنے میں مصروف ہیں تو آپ اس قدر جھنجھلائے ہیں مگر آپ کے اپنے اخبار میں جس میں یہ خطبہ چھپا ہے آپ کے مریدین کو **لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا** (179:7) کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔ اور آپ کو غصہ نہ آیا۔ گویا جو کچھ آپ کے مخلصین کہتے ہیں وہ سب سچ ہے وہ چاہیں اپنے ہی دوستوں کو **کالانعام** قرار دیں۔ مگر ہم اگر جائز طور پر بھی کسی دریدہ دہن کی شکایت کریں تو اس پر آپ کو اس قدر طیش آجاتا ہے کہ آپ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

مباہلہ کے چیلنج پر آپ پھولے نہیں سماتے۔ حالانکہ جو آپ کو چیلنج دیتے ہیں ان کے مقابلہ میں آپ ایسے دبک جاتے ہیں کہ گویا آپ کو خبر ہی نہیں۔ میں نے تو اوپر لکھ دیا ہے کہ میرے نزدیک خدا کے حکم کے سوا مباہلہ کرنا ٹھیک نہیں۔ یہی وہ بات ہے جو خود حضرت مسیح موعود نے لکھی ہے۔ اول جب آپ سے مباہلہ کی درخواست کی گئی تو آپ نے انکار کیا۔ کیا اس کو بھی فرار کہو گے؟! اس کے بعد اول آئینہ کمالات اسلام میں تحریر فرمایا۔ جہاں لکھا ہے:

> ''ان تمام مولویوں اور مفتیوں کی خدمت میں جو اس عاجز کو جزئی اختلافات (کس قدر ظلم ہے جس بات کو خود مسیح موعود ''جزئی اختلافات'' کے نام سے پکارتے ہیں اور جس کی بناء پر تکفیرِ اہل قبلہ کو بُرا فعل ٹھہراتے ہیں انہی اختلافات کو آج اصولی قرار دے کر چالیس کروڑ مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جاتا ہے۔ احمدی قوم کے دانشمندو! مسیح موعود کے مذہب کو اپنا مذہب بناؤ اور ایک غیر مامور کے پیچھے لگ کر اپنی عاقبت خراب نہ کرو) کی وجہ سے یا اپنی نافہمی کے باعث سے کافر ٹھہراتے ہیں عرض کیا جاتا ہے کہ اب میں خدائے تعالیٰ سے مامور ہو گیا ہوں کہ تا میں آپ لوگوں سے مباہلہ کرنے کی درخواست کروں ......

اور مباہلہ کی اجازت کے بارے میں جو کلام الٰہی میرے پر نازل ہوا وہ یہ ہے۔'' (صفحہ 263-261)

پھر اس جگہ وہ الہامات نقل کئے ہیں جن میں سے ایک الہام آیت قرآنی فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (61:3) ہے۔

ایسا ہی ''انجام آتھم'' میں لکھتے ہیں:

''اسی نے مجھے حکم دیا کہ تا میں آپ لوگوں کے سامنے مباہلہ کی درخواست پیش کروں۔''

اب خدا کا خوف کر کے بتاؤ کہ آپ کو وہ کونسا الہام ہوا ہے جس میں ہمارے ساتھ مباہلہ کی اجازت دی گئی ہے۔ محض اپنی نفسیات پر ہی اس چیلنج کی بناء ہے۔ اور مباہلہ تو یہی ہے کہ آپ ہمارے لئے بددعا کریں۔ اور ہم آپ کے لئے۔ سو آپ تو کر چکے ہیں اور آپ کو ہماری تباہی کا الہام بھی ہو چکا ہے۔ ضرورت ہو تو میں وہ آپ کے مریدین کے خطوط شائع کر دوں جو ہمارے نام بھجوائے گئے ہیں۔

اور بھی آپ کو اجازت ہے کہ اگر آپ کی پہلی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو اور بددعائیں کرتے رہیں۔ مگر میں ایسی دعا کرنا نہیں چاہتا كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (84:17) کاش! آپ کے مریدین غور کرتے اور خدا ترسی سے کام لے کر سوچتے کہ آپ کے اندرونی خیالات کا اس سے کیا اندازہ لگتا ہے۔ آپ مامور نہیں۔ مگر بار بار مباہلہ پر زور دیتے اور پھر فخریہ اس کو خطبوں میں بیان کرتے ہیں کہ ہمارے مباہلہ سے بھاگ گئے۔ میاں صاحب! آپ کے نزدیک تو سوائے حکم الٰہی کے مباہلہ کے لئے بلانا ناجائز ہے۔ پھر جو لوگ آپ کو مباہلہ کے لئے بلاتے ہیں، ان سے آپ کیوں بھاگتے ہیں۔ ہم تو ایک امر کو جائز نہیں سمجھتے، اس لئے نہیں کرتے۔ آپ اسے جائز سمجھ کر پھر کیوں گریز کر رہے ہیں؟

اب انصاف کیجئے کہ خرگوش کی طرح آپ مباہلہ سے بھاگ رہے ہیں یا ہم۔ اگر ہمت ہے تو جو آپ کو للکار رہے ہیں ان کے مقابلہ میں میدان میں نکلئے ہمارا انکار اگر گریز ہے تو یہ اسی طرح کی گریز ہے جیسے خود مسیح

موعود نے عبدالحق غزنوی کے مقابلہ میں اختیار کی۔

ہماری تو یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان غلطیوں سے نکالے اور ہم اسی طرح کوشش کرتے رہیں گے اور دلائل سے آپ کو سمجھاتے رہیں گے۔ کاش! آپ کوئی اصول قائم کر کے دلائل کی طرف متوجہ ہوتے اور جماعت کو اس مہلک غلطی سے نکالنے کی کوشش کرتے **رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ** (89:7)

❁❁❁

25 نومبر 1915ء

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی رائے

اختلاف جماعت احمدیہ کے بارے میں

(اس عنوان سے 9 اکتوبر کے الفضل میں سید انعام اللہ شاہ سیالکوٹی کی ایک تحریر شائع ہوئی تھی۔ جس کے جواب میں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب حسب ذیل چٹھی ارسال فرماتے ہیں۔ مدیر)

لاہور۔13 نومبر 1915ء

مخدومی ایڈیٹر صاحب پیغام صلح۔ السلام علیکم

9 اکتوبر 1915ء کے الفضل میں سید انعام اللہ شاہ صاحب سیالکوٹی نے ایک تحریر بعنوان ''جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب کی رائے اختلاف جماعت احمدیہ کے بارے میں'' شائع کرائی ہے۔ اس تحریر کے متعلق میرے اکثر احباب نے بذریعہ خطوط وغیرہ مجھ سے دریافت کیا ہے۔ فرداً فرداً جواب دینے سے قاصر ہوں۔ لہٰذا آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مندرجہ ذیل سطور کو اپنے اخبار میں جگہ دے کر مجھے ممنون فرمایئے۔

میرے بہت سے احباب سلسلہ احمدیہ کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور جب کبھی مجھے سیالکوٹ جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو اکثر موقعے گفتگو کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ستمبر گزشتہ میں بھی جب میں سیالکوٹ میں تھا تو ایک سے زیادہ موقعے گفتگو کے پیدا ہوئے۔ لیکن مجھے یہ یاد نہ آتا تھا کہ سید انعام اللہ صاحب کون سے موقع گفتگو کا ذکر اپنی تحریر میں فرماتے ہیں۔ چونکہ ان کی تحریر میں سید بشیر احمد صاحب کی طرف اشارہ ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ سید صاحب موصوف کے

سوال پر میں نے یہ کہا تھا کہ قادیانی جماعت حق پر ہے اور مجھے ہمدردی لاہور والوں سے ہے۔ اس واسطے اپنے حافظہ پر اعتبار نہ کر کے میں نے سید بشیر احمد صاحب موصوف کو خط لکھا کہ جس کا وہ حصہ، جو اس بحث سے متعلق ہے، ذیل میں درج کرتا ہوں۔ تا کہ میرے احباب کو اصل کیفیت سے آ گاہی ہو جائے۔

ہوشیار پور 29 اکتوبر

برادرم مکرم و معظم سلمہٗ ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ

ابھی آپ کا خط ملا۔ ستمبر کے آخری ہفتہ میں جب آپ سیالکوٹ تشریف فرما تھے اور میں بھی وہیں تھا آپ کے دولت کدے پر انعام اللہ میرے ہمراہ گیا تھا اور وہ کچھ ادھر اُدھر کی باتیں حسب عادت کرتا رہا تھا۔ کئی اس نے سوال و جواب کئے۔ جو مجھے یاد نہیں ہیں۔ قادیانی پارٹی اور لاہور پارٹی کا ذکر وہ کرتا رہا۔ گفتگو البتہ مجھے یاد نہیں کہ کیا تھی۔ ہاں میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کوئی سوال آپ سے نہیں کیا تھا۔ میر انعام اللہ صاحب سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ وہ عادتاً مبالغہ آمیز باتیں کرنے کا عادی ہے اور پوری گفتگو نہ کبھی اس کی کسی نے سمجھی ہے اور نہ ہی وہ خود بیچارہ سمجھ سکتا ہے۔ ایک فقرہ سے وہ کئی کئی نتائج اخذ کیا کرتے ہیں۔ انہیں معذور سمجھنا چاہئے۔

افسوس ہے کہ میر انعام اللہ صاحب نے میرے الفاظ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں غلط فہمی ہوئی ہو۔ ایک شخص جو کسی خاص فریق سے تعلق رکھتا ہو، وہ قدرتی طور پر اوروں کی گفتگو سے وہی الفاظ و مطالب یاد رکھتا ہے جو اس کے مفید مطلب ہوں۔ اور سباق الفاظ فراموش کر جاتا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے کتاب حقیقت النبوۃ کی بہ لحاظ اس کی ترتیب کے تعریف کی تھی۔ مگر اس کے دلائل پر رائے دینے کا حق مجھے حاصل نہیں۔ کیونکہ اختلاف سلسلہ احمدیہ کے متعلق وہی شخص رائے دے سکتا ہے جو مرزا صاحب مرحوم کی تصانیف

سے پوری آ گاہی رکھتا ہو۔اور یہ آ گاہی مجھے حاصل نہیں ہے۔اس کے علاوہ یہ بات بدیہی ہے کہ ایک غیر احمدی مسلمان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کا قائل نہ ہو، وہ کس طرح یہ بات کہہ سکتا ہے کہ ''عقائد کے لحاظ سے قادیان والے سچے ہیں۔''

والسلام

محمد اقبال

لاہور

28 نومبر 1915ء

درس بخاری (2)

(فرمودہ حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایدہ اللہ)

امام بخاریؒ کی خدمت علمِ حدیث میں

امام بخاریؒ اس پانچویں طبقہ میں سب سے پہلے اور سب سے اعلیٰ شخص ہیں جنہوں نے حدیث کو جمع کیا۔ اُنہوں نے حدیث کے جمع کرنے میں یہاں تک محنت اور کوشش سے کام لیا ہے کہ ایک ایک حدیث کے لئے دور دراز کے سفر طے کرنے پڑتے ہیں۔ اور جہاں کہیں کسی راوی کے زندہ ہونے کا پتہ لگا ہے خود اُس کے پاس پہنچے ہیں اور پھر حدیث کے لینے میں یہاں تک احتیاط سے کام لیا ہے کہ مثلاً کسی شخص کے پاس دور دراز کا سفر طے کر کے پہنچے ہیں لیکن اس سے ملنے پر اس کے بارہ میں ان کو کچھ شبہ سا واقع ہو گیا یا یونہی کوئی چھوٹی سی غلطی اس کی دیکھی ہے بس اسی بناء پر اس سے کوئی حدیث لینا گوارا نہیں کیا اور خالی ہاتھ واپس آ گئے ہیں۔ اور ہر حدیث کے اس کتاب میں لکھنے سے پیشتر دو رکعت نفل پڑھے ہیں۔

صحیح بخاری کی فضیلت

ان کی لِلّٰہی کوششوں اور خدمات کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ ان کی کتاب قرآن کریم کے سوائے تمام دیگر کتب سے بڑھ کر ہے۔ اور تمام آئمہ و محدثین نے بالاتفاق اسے صحیح الکتب بعد کتاب اللہ لکھا ہے۔ جس سے بڑھ کر فضیلت دنیا میں اور کوئی نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو گالیاں دینے والے اور ان پر تبرا کہنے والے بھی کچھ اس زمانہ میں پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو خود کچھ نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں نے امام بخاریؒ کے ایک بال برابر بھی خدمت نہیں کی ان کا کام ہی صرف دوسروں کو گالیاں دینا ہوتا ہے۔ اور ہزاروں اور لاکھوں خوبیوں پر ان کی نظر نہیں پڑتی۔ ایک کمزوری کو لے کر ساری خوبیوں کو ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے بھی دنیا میں لوگ ہیں جو کسی بڑے انسان کو بُرا کہنے میں ہی اپنا فخر سمجھتے ہیں۔

امام بخاریؒ کا کچھ مختصر حال

امام بخاریؒ کا حافظہ اس قدر تیز تھا کہ دس سال کی عمر میں ان کے اُستاد بھی دنگ رہ جاتے تھے۔ اور زانوئے شاگردی دہرانے کو تیار ہو جاتے۔ ان کے لڑکپن کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ وہ بصرہ کے مشائخ کے پاس حدیث سننے کے لئے جایا کرتے تھے لیکن کچھ لکھتے نہ تھے۔ کئی دِنوں کے بعد وہاں کے دوسرے طالبعلموں نے انہیں ملامت کی کہ تو نے اس قدر حدیثیں سنیں لیکن ایک بھی نہیں لکھی۔ اس پر انہوں نے وہ تمام حدیثیں جو پندرہ ہزار سے زیادہ تھیں ان کو اپنے حافظہ سے سنائیں۔ اور دوسرے طالبعلموں نے ان سے سُن کر اپنے لکھے ہوئے کو درست کیا۔

صحیح بخاری کی مدت تصنیف وتالیف

امام بخاریؒ نے یہ تمام کتاب 16 برس میں ختم کی۔ اس قدر طویل مدت کی محنت شاقہ آپ نے کسی سے کوئی معاوضہ لے کر نہیں کی۔ بلکہ وہ خود تجارت کرتے تھے۔ اور اسی پر ان کی گزر تھی۔ اور جمع حدیث میں جو کچھ خرچ ہوا اپنی جیب سے دیا۔ درحقیقت اس قسم کی عظیم الشان خدمت وہی کر سکتے ہیں جن کے پاس ذرائع ہوں۔

امام بخاری کا کام اور ذریعہ آمدنی

امام بخاری تجارت کرتے تھے جس سے آپ کو کافی آمدنی ہوتی تھی۔ اس کام میں بھی ان کی نیت ایسی نیک اور خالص تھی کہ لکھا ہے کہ ان کے پاس کچھ مال آیا جس کو تاجروں نے پانچ ہزار کے نفع پر مانگا۔ لیکن آپ نے نہ دیا۔ پھر دوسرے دن اور تاجروں نے دس ہزار نفع دینا چاہا۔ لیکن آپ نے کہا کہ گو میں نے کل کے خریداروں کو نہیں دیا تھا لیکن میں نے اپنے دل میں ان کو دینے کی نیت کر لی تھی۔ اس لئے ان کو دینے سے انکار کر دیا اور پانچ ہزار کا زائد منافع چھوڑ کر ان پہلے تاجروں کو ہی دیا۔

حدیث کی تحقیقات میں آپ کی کوشش اور آپ کا تفقہ فی الدین

آپ نے حدیث کی تحقیقات اور اس کی صحت وعدمِ صحت کے بارہ میں یہاں تک احتیاط سے کام لیا

ہے۔ایک جگہ سے آپ کودس ہزار احادیث ملتی تھیں ۔لیکن آپ نے دیکھا کہ راوی معتبر نہیں اسے چھوڑ دیا۔آپ کا اصول تھا کہ راوی ثقہ ہوں ۔ پھر ان کا ایسا اتصال ہو کہ کسی مشہور صحابیؓ تک ان کا تواتر چلا جائے ۔ پھر اس قدر تحقیقات کو بھی کافی نہیں سمجھا۔دو رکعت نفل حدیث لینے سے پہلے پڑھتے تھے۔

پھر صحیح حدیث جمع کرنے کے ساتھ ایک اور خوبی امام بخاریؒ میں یہ بھی تھی کہ آپ فقیہ بھی تھے۔ ہر ایک مضمون کے مختلف ابواب اُنہوں نے پہلے ہی سے باندھ لئے تھے۔ پھر جب کوئی حدیث لیتے تو اسے اس کے متعلق باب میں ہی درج کرتے ۔جس سے مسائل کی توضیح بھی ساتھ ہی ساتھ بخوبی ہوگئی ہے۔

بعض حدیثیں ایسی بھی ہیں جن کا مضمون بظاہر اس باب کے مخالف دکھائی دیتا ہے۔جس میں اسے رکھا گیا ہے۔اس کی وجہ بعض نے یہ بھی بیان کی ہے کہ چونکہ باب پہلے سے باندھے ہوئے تھے۔ان میں سے بعض ایسے بھی باب تھے جن کے متعلق اُنہیں کوئی حدیث نہیں مل سکی۔اس لئے جب کوئی ایسی حدیث ملی جس کا باب ابھی نہیں باندھا گیا تو اسے وہیں رکھ دیا۔

بخاری کی حدیثوں کا شمار

صحیح بخاری کی حدیثوں کی تعداد کے متعلق اختلاف ہے۔بعض کے نزدیک بمعہ مکررات کے سات ہزار دوسو پچھتر حدیثیں ہیں۔اور ایک دوسرے قول کے مطابق مع مکررات کے نو ہزار بیاسی احادیث ہیں۔اور موقوف اور اقوال تابعین اس کے علاوہ ہیں۔مکررات کی تعداد تین ہزار یا اس سے کچھ کم وبیش ہے۔

احادیث قابلِ جرح

اس قدر احادیث میں سے صرف اَسّی احادیث پر جرح کی گئی ہے۔جس سے پتہ لگتا ہے کہ صحیح احادیث کے لینے میں امام بخاریؒ نے کیسی کوشش اور جدوجہد کی ہے۔

❁❁❁

2 دسمبر 1915ء

اداریہ

انگریزی ترجمہ قرآن کے متعلق ایک تحریک

قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی دل خوش کن صدا ایک مدت سے ہمارے کانوں میں آرہی تھی۔ اور اس کی صداقت کے ثبوت میں اس مخدوم الملت سردارِ قوم کی شبانہ روز محنتیں ہمارے پیش نظر تھیں۔ جو اپنی پہلی خدمات دین اور حفاظت و اشاعت اسلام کی نمایاں جدوجہد کے باعث، نیز علوم جدیدہ و دینیہ میں اعلیٰ واقفیت اور دستگاہ رکھنے اور اس سچے جوش اور تقرب کی وجہ سے جو مسیح موعود کی غلامی اور فیض صحبت سے اسے نصیب ہوا، اس عظیم الشان کام کا واقعی طور پر اہل ہے۔ اس دل خوش کن صدا اور اس کے ساتھ حضرت امیر کی عملی جدوجہد اگرچہ ہمارے لئے بہت حد تک باعث مسرت تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ از حد کرب واضطراب، بیتابی و بیقراری اور نہایت سخت وشدید پریشانی جو ہمارے لاحق حاصل تھی، وہ ان نکات اور معارف وحقائق کے جو کہ اس ترجمہ کلام مجید میں بیان کئے گئے ہیں، سننے کے انتظار میں سالہائے دراز کی طویل لامحدود گھڑیوں کا گننا تھا۔ نہ صرف یہی بلکہ زیادہ تر پریشانی جو ہمیں لاحق ہوتی رہی اور اب بھی ہے اور جس کی وجہ سے اس ترجمہ کے جلد سے جلد شائع ہونے کی اور بھی بہت بڑی ضرورت دکھائی دیتی ہے، وہ ہمارے انگلستانی نومسلمین اور اسلام کے قریب آنے والے نومسلموں کی قرآنی تعلیم کا فکر اور خود اُن کا بار بار مطالبہ کرنا ہے۔ لیکن کیا ہی مبارک اور مسرت اندوز امر ہے کہ آخرکار ہماری ان تمام پریشانیوں اور دل کو بے چین کر دینے والے انتظار کو دور کرنے والی چیز ہاں! وہ پاک اور بابرکت کام، جس کے پورا ہونے اور اپنی زندگی میں شائع ہو جانے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح جناب حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحبؓ جیسا فاضل جلیل اور فہم قرآن میں اپنے وقت کا فریدالدھر اور وحیدالعصر انسان اپنے آخری ایام علالت تک از حد خواہش مند رہا، آج ہمارے وقت میں تکمیل کو پہنچتا ہے اور ہمیں یہ شرف بخشا جاتا ہے کہ ہم اس کی اشاعت میں مالی امداد دے کر اس اجر جزیل اور ثواب عظیم کو حاصل کریں جو اس کی وجہ سے ہزارہا روحوں کے ہدایت پانے اور راہ حق پر گامزن ہونے سے مترتب ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم اور اس کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت۔ اور پھر ترجمہ بھی وہ جو حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب کا پسندیدہ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بموجب الہام الٰہی مقبول بارگاہ خداوندی ہے، کس قدر بابرکت، کس قدر عظیم الشان اور کس قدر موجب رضائے الٰہی یہ کام ہے جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے۔ دوستو! آؤ اس درگاہِ خداوندی میں صدہا سجدات شکر بجا لائیں اور مالک حقیقی کے اس پسندیدہ کام کی ترویج و اشاعت میں اپنے تمام مال و دولت لٹا دیں۔ کوئی زمانہ تھا جب مسلمانوں سے ان کی جانیں طلب کی جاتی تھیں اور رضائے الٰہی کا سٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لئے اپنی گردنوں کو ننگی تلواروں تلے رکھ دینا پڑتا تھا۔ لیکن اے تمام وہ لوگو! جو آج اس زمانہ میں اپنے آپ کو اسلام کا حلقہ بگوش بتاتے ہو اور اس بات کے خواہش مند ہو کہ تم بھی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ کے مشارٌ الیہ ٹھہر جاؤ۔ ہاں اے وہ جماعت! جس نے خدا کے مامور اور اس زمانہ کے مجدّد کے ہاتھ پر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کر کے اپنے آپ کو ان وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ (100:9) میں بھی شامل کر لیا جنہوں نے اپنے خون سے دین کی آبیاری کی تھی اور اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (3:62) کا حقیقی مصداق بھی اپنے آپ کو قرار دے لیا۔ آؤ کہ یہ تمہاری آزمائش کا وقت ہے۔ اور کس قدر خوشی کا مقام ہے کہ تم سے اس آزمائش میں نہ کسی جان کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور نہ ہی کسی اور سخت جسمانی مشقت و تکلیف کا۔ بلکہ تمہارے لئے یہ اعلیٰ مراتب روحانیت اس قدر ارزاں کر دیئے گئے ہیں کہ محض چند روپوں پر ہمیں ابدی خوشحالی اور کامیابی کا وارث بنایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہی تمہارے مشن کی اصلی غرض اور مقصد ہے۔ اور اسی کی ترویج و اشاعت کے لئے حضرت مسیح موعود مبعوث ہوئے تھے۔

دنیا میں آئے دن ہمیں اپنے اکثر مقاصد دنیاوی کے لئے بعض اوقات پانی کی طرح روپیہ بہا دینا پڑتا ہے۔ بلکہ اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو خود احمدیوں میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو بعض فضول رسموں کو پورا کرنے میں بے جا اسراف سے کام لے کر مقروض بھی ہو جاتے ہیں۔ اور اس وقت اپنی مالی دقتیں ذرا بھی اس فضول حرکت کی سدِ راہ نہیں ہوتیں۔ بلکہ ایک عارضی خوشی اور تحسین و آفرین کے نعرے آئندہ کی پریشانیوں کو بالکل بے حقیقت بنا کر دکھاتے ہیں۔ پھر معلوم نہیں کہ وہ یقین اور اعتقاد اور وہ جوش و خروش، جو ایک دنیوی کام میں روپیہ صرف کرنے کے لئے کھڑا کر دیتا ہے، کیوں دینی کاموں میں ہمارے شامل حال نہیں ہوتا۔ اور یہ فضول

بہانہ پیش کر دیا جاتا ہے کہ ہمارے پاس تو کچھ بھی دینے کو نہیں۔

کیا اس عارضی خوشی کے مقابلہ میں جو ان دنیوی کاموں میں ہماری صحت احساس پر غالب آ کر ہم سے سب کچھ کرا لیتی ہے، دینی کاموں کی ابدی و دائمی خوش حالی کی ہماری نظروں میں یہی قدر و وقعت ہے جو ہم اپنے طرز عمل سے ظاہر کرتے ہیں۔ میں کسی کو اس جگہ الزام نہیں دیتا اور نہ ہی احمدی جماعت کی عظیم الشان مالی قربانیوں کو نظر انداز کر رہا ہوں۔ بلکہ عام مسلمانوں کے آئے دن کے دنیاوی اخراجات کے بالمقابل دینی مصارف کو رکھ کر یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیوں ان دنیاوی اخراجات میں تو دل کھول کر بغیر آئندہ کے فکر کرنے کے خرچ کر دیا جاتا ہے اور دینی ضروریات میں اس قدر ہمت اور جوش و خروش نہیں دکھایا جاتا۔

جس شخص کے دل میں کسی دینی ضرورت کے پیش آ جانے پر ناداری کا عذر جاگزین ہوتا ہے وہ ذرا اپنے بیاہ و شادی اپنی اولاد کے متعلق آئے دن کی تقریبات کے اخراجات پر غور کرے۔ اور پھر اپنے دل کی اس حالت کا جو ان اخراجات کرنے کے وقت تھی موجودہ حالت سے مقابلہ کر کے دیکھے تو اسے صاف معلوم ہو جائے گا کہ صرف دینی کاموں میں ہی اسے یہ تنگی پیدا ہوتی ہے اور آئندہ کے نیک نتائج کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ پھر کیا ایسی حالت میں یہ عذر ایک بے فائدہ اور لغو بہانہ نہیں؟ کیا ان دنیاوی اخراجات کی وجہ سے وہ مورد مصائب و آلام نہیں ٹھہرا۔ بہت لوگ ایسے بھی ہیں جن پر ان دنیاوی اخراجات سے مصیبتوں کے پہاڑ بھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ لیکن وہ وہی اخراجات ہیں جو دین کی رُو سے ناجائز ہیں۔ مگر تاہم انہیں ان مصیبتوں کا کبھی خیال تک بھی پید انہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ ان خوشی کے مواقعات کو ہی فخر کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے جو ان اخراجات کا باعث ہوئے۔ پھر کیوں دین کے معاملہ میں ان تمام باتوں کو بھلا دیا جائے اور ویسی ہی دلی رغبت اور وسعت سے خرچ نہ کیا جائے، جو دنیاوی کاموں میں برتی جاتی ہے۔

چلو اگر یہ نہیں ہو سکتا اور ہم اس قدر ہی کمزور ہو گئے ہیں کہ دین کے معاملہ میں تنگدلی اختیار کرنے سے رہ ہی نہیں سکتے تو کیا یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ہماری ان دنیوی تقریبات میں ہی اس قدر اور زیادہ خرچ ہو گیا تھا۔ دوستو! دین کی راہ میں اور پھر قرآن کریم جیسی کتاب کی اشاعت میں، جس سے تمام وہ تمدنی و

معاشرتی واقتصادی فوائد بھی حاصل ہوسکتے ہیں نیز ہم اس سیاسی اہمیت کو بھی پا سکتے ہیں، جو آئے دن کی مختلف تحریکات سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔تمہارا اس وقت دلی خلوص اور جوش وخروش کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہونا نہ صرف دینی کامیابی کے لئے ہی ممد ومعاون ہوسکتا ہے، بلکہ مسلمانوں کی دنیوی فلاح و بہبود کا بھی اصلی باعث اورسبب یہی ایک چیز ہے۔آؤ اس راہ میں دل سے کوشاں ہوکر دنیا وآخرت میں سرخرو اور کامیاب ہو جاؤ۔

ذیل میں ہم ان احباب کرام اور اُن کے عطیات کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں۔جنہوں نے گزشتہ جمعۃ المبارک میں حضرت امیر اور سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی تحریک پر نہایت فراخدلی سے اشاعت ترجمۃ القرآن میں مالی امداد دینے کا وعدہ کیا۔اور بیرونی جماعتوں سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بھی اپنے ہاں فہرستہائے چندہ کھولیں۔اور طویل المقدار رقوم کے گرانقدر عطیات سے بہت جلد تیس ہزار روپیہ کی اس مطلوبہ رقم کو پورا کردیں،جس کا کہ اشاعت ترجمۃ القرآن انگریزی کے لئے تخمینہ کیا گیا ہے۔یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان چندوں کی تحصیل وادائیگی کا اثر ان ماہوار چندوں پر ہرگز نہیں پڑنا چاہئے۔جو اشاعت اسلام کے لئے پیشتر سے ہر ماہ دیئے جارہے ہیں۔یا قوم کے ہر ایک فرد پر ان کا ادا کرنا ضروری ہے۔یہ ماہوار چندے ہماری اشاعت اسلام کے لئے آئے دن کی مالی ضروریات کو پورا کرنے والے ہیں۔اوراس لئے اس مستقل امداد پر قرآن کریم کے ترجمہ کے چندوں کی وجہ سے کوئی بُرا اثر ہرگز نہیں پڑنا چاہئے۔احمدی قوم کے دو حصوں میں منقسم ہوجانے کے بعد سے لے کر اب تک ہماری جماعت پر سوائے ماہوار چندوں کے کوئی دوسرا بوجھ نہیں پڑا۔یہی ایک عظیم الشان کام ہے جو ہماری جماعت کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے ڈالا ہے۔اور ہمیں اُمید ہے کہ اس کی تکمیل جماعت کے لئے بہت ہی عظیم الشان فضلوں کی جاذب ہوگی۔اور احمدی جماعت کو بیش از بیش کامیابیاں اور نصرتیں نصیب ہوں گی۔ایسا ہی تمام وہ غیر احمدی اصحاب بھی جو اس کارِخیر میں ہاتھ بٹائیں۔ان افضالِ الٰہی میں برابر کے شریک ہوں گے۔کیونکہ فرمان خداوندی کی رُو سے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (7:99) ایک سچا اور صحیح اصول ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔پس ہم تمام احمدی وغیر احمدی اصحاب کی خدمت میں یکساں طور پر اس فرض مشترکہ کی ادائیگی کے لئے اپیل کرتے ہیں۔اوران سے اس عظیم الشان کام میں اورنہیں تو کم ازکم ایک ایک ماہ کی آمد کے دے دینے کی درخواست کرتے ہیں۔ہمیں اُمید ہے کہ اس نہایت ضروری اپیل کا

جواب نہایت فراخدلی سے دیا جائے گا۔ اور مطلوبہ سرمایہ کی تکمیل کا فی الفور بندوبست کیا جائے گا۔ تا کہ یہ عظیم الشان کام جلد سرانجام پا کر سرزمین مادیت میں روحانیت کے دریا بہادے۔

❁❁❁

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

اور

تحریرات بزرگانِ جماعت

تیسری جلد

انتخاب از رسالہ پیغام صلح جنوری 1916ء تا جون 1917ء

احمدیہ انجمن لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ

نے ادا کیئے ہیں

قرآنِ کریم کے عشق اور انسانی ہمدردی سے مخمور، جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور، جماعتِ احمدیہ لاہور کے احباب میں اپنے روح پرور درُوسِ قرآن کے حوالے سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ یہ درُوس وہ عمر بھر اپنی رہائش گاہ یا جماعت کے مراکز میں دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان کی اہلیہ محترمہ سلیمہ فاروقی مرحومہ مغفورہ کا جذبہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان دونوں نے اپنے پیچھے ایک ایسا ورثہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا جس سے جماعت کو اسلام کا پیغام دنیا کے دور دراز کونوں تک پہنچانے کے کام میں مسلسل امداد ملتی رہے۔ اس مقصد کو مدِنظر رکھتے ہوئے فاروقی صاحب نے اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد وقف کر کے فاروقی سلیمہ ٹرسٹ کی بنیاد رکھی اور اسے احمدیہ انجمن لاہور کی نگرانی میں دیا تا کہ اس کے فلاحی اور دینی کاموں، خاص طور پر قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتب کی طباعت، کے لیے مسلسل سرمایہ فراہم ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اس نیک کام کا اجر دے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

(غیر کاروباری مقاصد اور مفت تقسیم کے لیئے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس وقمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر
— محمد اعظم علوی

حرفِ اول

بحمد للّٰہِ و بفضلہ تعالیٰ 'افکار محمد علیؒ' کی تیسری جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔ جس میں اخبار پیغام صلح کی تیسری جلد (جنوری 1916ء تا جون 1916ء) اور چوتھی جلد (جولائی 1916ء تا جون 1917ء) سے انتخاب شامل ہے۔ پیغام صلح کی سالانہ جلد بندی ابتدائی سالوں میں جولائی تا جون ہوئی جبکہ مابعد سالوں کی جنوری تا دسمبر ہوتی رہی۔ عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخِ اشاعت ہے۔ حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن از حضرت مولٰینا محمد علیؒ سے لیا گیا ہے۔

مسودہ کی تلاش و انتخاب اور جمع و تدوین کے صبر آزما مراحل میں جو عزیز دوست فرہادی لگن اور خلوص و ایثار سے تعاون کرر ہے ہیں، راقم ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص و ایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فرو گذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

انچارج

شعبہ تالیف وتصنیف

محمد ارشد علوی

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ بعدازاں گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمۃ القرآن جس کی ابتدا 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوا اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ وتفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی)

1923ء میں ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجن آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اور اسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰنا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسّی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے، یعنی ''عشقِ قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجمِ قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی، تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعتِ اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِهٖ۔

خاکسار **عامر عزیز الازھری بن عبدالعزیز**

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

فہرست

4 جنوری 1916ء

تقریر امیر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

(حضرت مولاناؒ کی تقریر جو آپ نے جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور منعقدہ 27 دسمبر 1915ء کے اختتام پر بغرض الوداع فرمائی۔ مدیر)

آپؒ نے فرمایا۔ دعا سے پہلے میں تھوڑا سا کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ بہت کچھ آپ نے سن لیا۔ میاں (محمود احمد) صاحب کی غلطیوں کو بھی سنا اور ہم نے بھی بہت کچھ لکھا۔ لیکن اس بات کو یاد رکھو کہ بغیر لگاتار محنت اور کوشش کے کسی امر میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ یہ بھی سچ ہے کہ دنیا میں آخرکار حق غالب ہوگا۔ لیکن تمہاری محنتیں اور کوششیں بکار ہیں۔ کوئی اُنیس سو سال کا عرصہ ہوا ایک شخص (حضرت مسیحؑ) دنیا میں آیا توحید قائم کرنے۔ لیکن اس توحید کو دیکھو۔ کہیں اس کا تو اس کی قوم میں نام ونشان تک بھی نہیں۔ بلکہ برخلاف اس کے 40 کروڑ انسان تین خداؤں کے پرستار ہیں۔ کیا ایسے لوگ نہ تھے جو توحید کو پھیلاتے۔ تھے تو ضرور، لیکن اُنہوں نے چنداں توجہ نہ کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو پیرو مُوحّد بھی تھے اُنہوں نے کوئی کوشش نہ کی۔ جس سے تثلیث والوں کا ان پر غلبہ ہوگیا۔ اب ہمارے مولوی مصطفیٰ خاں صاحب نے کل کواکب کے تاثرات کا ذکر کرکے اور بھی ڈرایا ہے کیونکہ کواکب کا اثر تو چاہتا ہے کہ وہ گروہ جو توحید کا حامی ہے وہ دب جائے۔ لیکن میں کہتا ہوں یہ صحیح نہیں۔ اگر تم چاہو تو کواکب کو اپنا مطیع اور مسخر بنا کر اُلٹا ان پر اپنا اثر ڈال سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارا مسخر بنایا ہے۔ اگر تم کوشش نہ کرو گے تو وہی حشر ہوگا اور ان کا اثر تم پر پڑے گا۔ ورنہ تم ان کے اثر کو زائل کرسکتے ہو **كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ** (20:17) یہ سب کچھ کوشش کا ثمرہ ہے۔

میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہمارے دوستوں میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے کوشش کو کم کردیا ہے۔ باقاعدہ کوئی کوشش نہیں ہوتی۔ چندے اگر بعض جگہ نہیں ہوتے تو ایک دوسرے پر الزام دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ ہر ایک کا اپنا فرض ہے کہ پورے طور پر کوشش کرے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بعض اوقات دل میں جوش آتا ہے کہ خود اپنے دوستوں کے پاس جاؤں اور جا کر انہیں سمجھاؤں۔ لیکن مجھے جواب ملتا ہے کہ تمہارے

آ گے پیچھے اس قدر لوگ ہونے چاہیں۔ پھر میں حیران ہوتا ہوں کہ کیا کروں اور کس طرح سمجھاؤں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تن تنہا جا کر لوگوں کو پیغام حق پہنچائیں اور کوئی بھی ان کے ساتھ نہ ہو۔ لیکن میرے لئے یہ ذلت کا باعث ہو۔ تو میں افسوس کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ کام کی طرف بہت کم دھیان کیا جاتا ہے۔ یہ عزتیں جو تم نے بنائی ہیں یہ ٹھیک نہیں۔ اگر چاہتے ہو کہ حقیقی عزت ہو تو آج اپنے فرائض کو سمجھو۔ میں سب کو مخاطب کر کے کہتا ہوں اور اپنے آپ کو بھی ان میں شامل کرتا ہوں کہ سوائے بہت تھوڑوں کے جتنے ہیں اُنہوں نے اپنی کوششوں کو بڑھایا نہیں بلکہ بعض نے کم کر دیا ہے۔ تمہارے سر پر چار چار مدوں کا چندہ ہوتا تھا۔ اور ان سب کو تم پورا کرتے تھے۔ اب صرف ایک مد اشاعتِ اسلام کی آرہی ہے۔ گویا بجائے ترقی کے تنزل کی طرف چلے گئے۔ اگر واقعی کواکب کی تاثیر تم پر ہے تو یہ بہت اندیشناک بات ہے۔ لیکن نہیں۔ خدا تو کہتا ہے سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (13:45) تم انہیں اپنا مطیع بنا سکتے ہو۔

پس تمہیں چاہیئے کہ اس قدر کوشش کرو کہ تم کواکب کو بھی ماتحت کر لو اور یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ صرف تھوڑی سی ہمت بکار ہے۔ بات کچھ بھی نہیں، تم کماتے ہو، آپ بھی کھاتے ہو کچھ دین کی راہ میں بھی دے دیا کرو۔ جو لوگ دین کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، اگر وہ نہ دے کر کچھ امیر ہو گئے ہیں تو انہیں مبارک ہو کہ خیر انہوں نے کچھ پا تو لیا۔ لیکن اگر کچھ بھی نہیں پایا، تو یہ بہت ہی افسوسناک امر ہے کہ ایک تو نہ دینے کی وجہ سے ثواب سے محروم رہے اور دوسری طرف حاصل بھی کچھ نہ ہوا!

پس میں بڑے درد بھرے دل کے ساتھ کہتا ہوں کہ جاؤ اور سوتوں کو جگاؤ۔ اور خود بھی اُن کے ساتھ نہ سو جاؤ۔ پھر میں کہتا ہوں کہ نماز سب سے بڑا فرض ہے۔ ایک مسلمان کا سب سے پہلا فرض ہے کہ نماز ادا کرے۔ جب تک نماز ادا نہ کرے اسلام کا دعویٰ خشک رہ جاتا ہے۔ نمونہ بننا آسان کام نہیں۔ تم ایک جماعت کھڑی کی گئی ہو تا کہ دوسروں کے لئے نمونہ بنو۔ تم میں سے ایک ایک شخص دنیا کے لئے نمونہ ہو۔ آخر یہ احمدی جماعت کس طرح پھیلی۔ مرزا صاحب کوئی شہر بہ شہر اور گاؤں بہ گاؤں لوگوں کو احمدی بناتے پھرتے تھے۔ نہیں؟ جہاں جہاں کوئی احمدی تھا اُس نے نمونہ بن کر دکھایا۔ اُنہی کے نمونہ کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی مانتے چلے گئے۔ اس لئے اگر تو تم دن بدن اس نمونہ میں ترقی کرو تو کامیابی ہی کامیابی حاصل ہوگی۔ ورنہ یاد رکھو جس طرح

اور کیڑے مکوڑے ہیں ویسے ہی یہ انسان ہیں۔خدا تو کیڑے مکوڑوں کو بھی تمہارے جیسی جماعتیں کہتا ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (38:6)۔پس تم کس بات کا فخر کرتے ہو، جب تم وہ کام نہیں کرتے جس کا تمہیں فخر اور شرف دیا گیا ہے۔اگر تم احمدی ہو کر احمدیت کے حقوق کو ادا نہیں کرتے تو بدتر ہو اُن سے جنہوں نے ابھی تک احمدیت کو قبول ہی نہیں کیا۔

تمہارے اوپر بہت ذمہ داری ہے۔خود بھی اُٹھو، دوسروں کو بھی اُٹھاؤ۔ بہت سی کمزوریاں ہیں جو ابھی باقی ہیں۔اور اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو اس تنزل کی حالت پر کبھی بھی مطمئن نہ ہو۔اگر اسی موجودہ حالت پر ہی مطمئن ہو کر تم نے کوشش کو چھوڑ دیا تو یاد رکھو یہ ظاہر حالت بھی نہ رہے گی۔قرآن کی خدمت کو اپنا کام سمجھو، اس کو دوسروں تک پہنچاؤ اور انہیں اس پر عامل بناؤ۔

میں تم میں سے ہر ایک کو سناتا ہوں کہ اپنی کوششوں کو بڑھاؤ۔جنہوں نے اس بوجھ کو اُٹھایا ہے اُن پر سب سے بڑھ کر ذمہ داری ہے۔وہ بھی کوئی نمونہ دکھائیں۔نمونہ سے وہ بہت کچھ خدمت کر سکتے ہیں۔بے شک وہ بہت چندے دیتے ہیں۔لیکن صرف یہی کافی نہیں۔اپنی ہمتوں کو بڑھاؤ اور کبھی بھی ایک حالت پر مطمئن نہ ہو۔ جب تک تم اپنی کوششوں کو تھوڑی سمجھتے ہو۔ترقی حاصل کرو گے۔

(اس کے بعد آپؓ نے بڑے درددل کے ساتھ لمبی دعا کی۔اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ایڈیٹر)

6 جنوری 1916ء

اداریہ

ختم نبوت کی حقیقت اور اسلام کا کمال دیگر مذاہب پر

حضرت امیر ایدہ اللہ نے ''النبوت فی الاسلام'' کیا لکھی۔ معارف وحقائق کے خزانوں کو چند اوراق میں جمع کر دیا۔ اس کتاب کو پڑھ کر صرف حضرت مسیح موعود کی نبوت کے متعلق ہی صحیح طور پر پتہ نہیں لگ جاتا کہ وہ کس قسم کی تھی۔ بلکہ اس کے لطیف اور اعلیٰ پایہ کے بیشتر مضامین اسلام کی اس عظمت ورفعت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں، جو اسے دیگر مذاہب پر حاصل ہے۔

ذیل میں ہم اس موضوع پر باب سوم کی بحث ختم نبوت کا ایک حصہ اس غرض سے نقل کرتے ہیں کہ قارئین کرام کو ختم نبوت کی حقیقت معلوم ہو کر اس میں اسلام کے کمال اور دیگر مذاہب پر فوقیت کا اندازہ ہو۔ کسی آئندہ ضمیمہ میں انشاء اللہ وہ حصہ نقل کیا جائے گا۔ جس میں خصوصیت مسیح موعود کے عنوان سے حقیقۃ الوحی کے صفحہ 39 پر بحث کی گئی ہے۔ حضرت مولٰینا لکھتے ہیں کہ:

''ختم نبوت سے کیا مراد ہے۔ سب سے پہلے اس کا جواب میں یوں دوں گا کہ دنیا میں جو غرض انبیاء ورسل کی بعثت کی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی تھی وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات میں اپنے کمال کو پہنچ کر پوری ہوگی اور جب غرض پوری ہوگئی تو اس کے بعد اب کسی نبی کے آنے کی حاجت باقی نہ رہی۔ ہدایت کے تمام پہلوؤں کو کمال بسط کے ساتھ اور تمام ضروری تفصیلات کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں روشن کر دیا۔ جتنی روشنی امکانی طور پر انسان سرچشمہ الوہیت سے حاصل کر سکتا ہے وہ سب حاصل کر لی۔ جو کوئی ہدایت دنیا کی کسی قوم کے لئے، آئندہ آنے والے کسی زمانہ کے لئے، ایک قوم یا ایک ملک یا ایک فرد کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ حالت

تک تزکیہ اور تکمیل نفس کا کام دے سکتی ہے، اس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پہنچا دیا۔ نبوت اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ اور کوئی ضرورت اور کوئی نقص باقی نہ رہا، جس کی اصلاح کے لئے اب بھی کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہو۔ پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حقیقی معنوں کی رُو سے دنیا میں کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ آپؐ نبوت کی آخری اینٹ ہیں۔"

ختم نبوت کا پہلا امتیازی نشان، آپؐ ساری دنیا کے لئے آئے

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ انبیاء کی بعثت کی چونکہ اصل غرض صرف مخلوق کو ہدایت کا پہنچانا تھا اور یہ ہدایت مختلف نبی اپنی اپنی قوم کی استعداد کے مطابق لوگوں کو پہنچاتے رہے۔ آخر وہ وقت آیا جب نفوسِ انسانی مختلف انبیاء کی تعلیم سے اس قابل ہو چکے تھے کہ اب وہ آخری اور جامع تعلیم پائیں اور اپنے انتہائی کمال کو پہنچیں۔ اس لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس ہدایت کو دنیا تک پہنچایا اور اس کا امتیازی نشان یہ رکھ دیا کہ آپ کی تعلیم ساری دنیا کے لئے ہو۔ تا کہ یہ شہادت ہو اس بات کی کہ آپ کے آنے سے نبوت میں ایک انقلاب عظیم آ گیا ہے۔ اور وہ کامل تعلیم آ گئی ہے جس سے سارے انسان جہاں کہیں ہوں کمالِ انسانی کو آخری حد تک، جو اس دنیا میں نفسِ انسانی حاصل کر سکتا ہے، حاصل کر لیں۔ کیونکہ جو تعلیم صرف ایک ہی قوم کی ضروریات کو پورا کرتی ہے، وہ انسان کی فطرت کی ساری شاخوں کو غذا نہیں دے سکتی۔ مختلف قوموں میں مختلف قوائے انسانی کا نشو و نما خاص طور پر ہوا۔ اور اسی نشو و نما کی ضرورت کے مطابق ان میں متفرق طور پر نبی آتے رہے۔ یہ متفرق طور پر آنا خود ہی اس بات کی شہادت تھی کہ ان کی تعلیم ساری نسل انسانی کے لئے نہیں اور اس لئے ابھی وہ تعلیم اپنے حقیقی کمال کو نہیں پہنچی۔

پس جب وہ کامل تعلیم نازل ہوئی تو اس کے ساتھ ہی قوم اور رنگ اور ملک کی حد بندیاں بھی ٹوٹ گئیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ کہہ دو **یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا** (158:7) اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں، اور پھر فرمایا گیا **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ** (28:34) ہم نے تمام لوگوں کے لئے تم کو بھیجا ہے اور فرمایا **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً**

لِّلْعٰلَمِیْنَ (107:21) ہم نے تم کو صرف اسی لئے بھیجا ہے تا کہ تم ساری دنیا اور ساری قوموں کے لئے رحمت بن جاؤ۔ اسی طرح فرمایا تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (1:25) بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا کہ تا وہ سارے عالموں کے لئے ڈرانے والا ہو۔ غرض اس طرح پر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ساری قومی تفریقوں کو مٹایا تا کہ یہ پیش خیمہ ہو اس بات کا کہ وہ کامل تعلیم آ گئی جو انسان کو اپنے حقیقی کمال تک پہنچا سکتی ہے۔

آپؐ کب کل دُنیا کی طرف مبعوث ہوئے

بعض لوگ یہ امر بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں کہ پہلے دن ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام نہیں ملا کہ تم سب قوموں کے لئے نبی ہو اور تمہاری تعلیم سب جہان کے لئے ہے۔ بلکہ بعض تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ مدینہ میں جا کر آپ کو یہ پتہ لگا۔ یہ بالکل خیال خام ہے۔ میں اوپر وہ حدیث نقل کر چکا ہوں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قُلْتُ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا. فَقُلْتُمْ کَذَّبْتَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ صَدَقْتَ میں نے کہا اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ مگر تم نے کہا تُو جھوٹ کہتا ہے اور ابو بکرؓ نے کہا کہ آپ سچے ہیں۔

اب یہ ظاہر ہے کہ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب اکیلے حضرت ابو بکرؓ نے آپ کی تصدیق کی۔ اور آپ پر ایمان لائے اور سب لوگوں نے جھٹلایا۔ پس گویا اوائل نبوت میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا تھا کہ میں سب لوگوں کی طرف رسول ہوں۔ باقی رہی یہ بات کہ قرآن کریم کی یہ آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ (28:34) کب نازل ہوئی تھی؟ یہ ہماری راہ میں نہیں۔ اور قرآن کریم کی ترتیب نزولی موجود نہیں۔ جس سے ہم یقینی اور قطعی طور پر کہہ دیں کہ فلاں آیت فلاں وقت نازل ہوئی تھی۔ گویا یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہا آیات مذکورہ بالا مکی ہیں۔ تاہم اصل بات یہ ہے کہ ہم کو ان الفاظ کی بھی ضرورت نہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی شہادت موجود ہے کہ آپ نے پہلے دن ہی اپنے آپ کو کُل لوگوں کی طرف رسول کی حیثیت میں پیش کیا تھا۔ کیونکہ حق یہ ہے کہ نبی کو اپنی وحی کی ایک خاص تفہیم دی جاتی ہے۔ غور کا مقام ہے کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ (1:96) والی وحی میں یہ لفظ تو ہیں نہیں کہ تم کو نبی کیا جاتا ہے تم لوگوں کی اصلاح کرو۔ مگر آپ نے جو مفہوم ان

الفاظ کا سمجھا وہ یہی تھا۔ اسی لئے یعنی اس عظیم الشان کام کا بار آپ پر ڈالا جانے کی وجہ سے ہی آپ کو یہ تفکر پیدا ہوا ۔اور درحقیقت اگر ہم غور کریں تو اس میں سب باتیں مخفی ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ آپؐ پڑھنا نہیں جانتے تھے اور آپ کو حکم ہوا، پڑھ۔ اسی لئے آپ نے فرشتہ کو کہا مَآ اَنَا بِقَارِیءٍ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ اور تین بار یہی سوال و جواب ہوا۔ تب حکم ہوا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ (1:96) یعنی تمہیں پڑھانے والا تو خود خداوند کریم ہے۔ پس جب وہ جسمانی طور پر انسان کی ربوبیت کے سامان محض اپنے فضل اور اپنی موہبت سے پہلے سے کر رکھتا ہے تو روحانی تربیت کا سامان کیوں موہبت سے نہ کرے گا۔ گویا آپ کو بتا دیا کہ آپ کے علوم اکتسابی نہیں ہیں بلکہ محض موہبتِ الٰہی سے عطا کئے جاتے ہیں۔ اسی طرف اشارہ فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (2:96) میں کہ جو خدا ایک علق کی حالت سے ایسا عظیم الشان انسان بنا دیتا ہے، کیا وہ اپنی ربوبیت کاملہ سے روحانی طور پر انسان کی نشوونما کے سامان پیدا نہ کرے گا۔ پھر رَبُّکَ الْاَکْرَمُ (3:96) میں آپ کی آئندہ کامیابیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ کیونکہ جب ربوبیت کرنے والا اکرم ہے تو جس کی وہ خود اپنی موہبت سے ربوبیت فرمائے گا وہ بھی اسی کا ظل ہو جائے گا اور اکرم بن جائے گا۔ اسی طرح عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (5:96) میں یہ اشارہ صاف موجود ہے کہ اب ان علوم کے ذریعہ سے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں گے، انسانوں کو وہ علوم دیئے جائیں گے، جو وہ پہلے نہیں جانتے تھے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم نے خدا جانے اس سے کیا کیا سمجھا ہو گا۔ ہمارے لئے اس قدر جان لینا کافی ہے کہ روایات صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے فوراً سمجھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہو کر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لیا کہ صرف عرب کی طرف مبعوث نہیں، بلکہ کل دنیا کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔

اسی کے متعلق یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ آپ ﷺ کی دوسری وحی میں جو لفظ ہیں وہ بھی عام ہیں قُمْ فَاَنْذِرْ (2:74) اُٹھ اور ڈرا۔ یہ نہیں فرمایا کہ اپنی قوم کو ڈرا۔ یہ نہیں کہا کہ عرب والوں کو ڈرا۔ جس صورت میں ہم قرآن کریم کے اندر یہ پاتے ہیں کہ ہر نبیؑ کو اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا۔ تو اپنی قوم کو ڈرانے کا ذکر نہ ہونا صاف اشارہ ہے کہ آپ کو یہی حکم تھا کہ اسود و احمر کو آپ ڈرائیں۔ اس وحی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ بہت مدت بعد کی ہے۔ کیونکہ پہلی اور دوسری وحی کے درمیان تین سال فترت کے گزر گئے تھے۔ مگر یہ ثابت شدہ امر

نہیں کہ تین سال فترت الوحی کے گزرے ہوں۔ بلکہ ابن عباسؓ کا تو یہ مذہب ہے جو فتح الباری میں منقول ہے کہ صرف چند یوم ہی وحی رُکی تھی۔ وَقَدْ عَارَضَهٗ مَاجَآءَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ انّ مُدَّةَ الْفَترةِ الْمَذْكُوْرَةِ كَانَتْ اَيَّاماً یعنی اس تین یا اڑھائی سال والی روایت کا معارضہ کرتی ہے وہ روایت، جو ابن عباسؓ سے ہے کہ فترۃ مذکورہ کی مدت صرف چند دن تھی۔ علاوہ ازیں سورہ فاتحہ بھی ابتدائی وحی ہے اور اس میں یہ الفاظ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1:1) سب تعریف اللہ کے لئے جو سارے جہانوں (یا ساری قوموں) کا رب ہے، صاف ظاہر کرتے ہیں کہ جب وہ جسمانی ربوبیت ساری قوموں کی کرتا ہے تو روحانی ربوبیت ساری قوموں کی کیوں نہ کرے گا۔ قرآن کریم نے ان سارے محاورات کو چھوڑ دیا ہے جو رَبُّ اِسْرَائِيْلَ وغیرہ کی طرح کے تھے۔ اور اس کی بجائے رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کا لفظ یہی اشارہ کرنے کے لئے اختیار کیا ہے کہ یہ تعلیم ساری قوموں کے لئے ہے۔ اسی طرح ایسے ہی لفظ، اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (104:12) جن میں صراحت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کے عام ہونے کا ذکر ہے، بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی وحی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبیؑ ساری دنیا کی طرف نہیں آیا

غرض یہ ختم نبوت کا سب سے پہلا امتیاز تھا کہ آپ ﷺ کا پیغام کُل دنیا کی طرف تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے نبیؑ اپنی اپنی قوم کی طرف ہی آتے رہے اور کسی نے سب قوموں کی طرف ہونے کا اعلان نہیں کیا۔ حضرت مسیحؑ کی طرف ان کے پیرو اس بات کو منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے حواریوں کو فرمایا تھا کہ تم ساری دنیا میں جاؤ۔ مگر اول تو وہ حصہ جس میں یہ ذکر ہے الحاقی ثابت ہوا ہے۔ دوسرے اُس کی تردید صراحت کے ساتھ خود حضرت مسیحؑ کے اقوال میں موجود ہے۔ کیونکہ ایک سامری عورت کو انہوں نے فرمایا کہ یہ مناسب نہیں کہ فرزندوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالی جائے۔ اور ایسا ہی اُن کے الفاظ صراحت کے ساتھ موجود ہیں کہ میں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اور انہی الفاظ کی صداقت کی تائید قرآن کریم بھی فرماتا ہے وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَاءِيْلَ (49:3) یعنی حضرت مسیحؑ بنی اسرائیل کی طرف رسول مبعوث ہوئے تھے۔

اور درحقیقت حضرت مسیحؑ کل دنیا کی طرف ہونے کا دعویٰ کس طرح کر سکتے تھے۔ جب آپ نے صاف طور پر فرما دیا کہ میں ساری تعلیم تم کو نہیں دے سکتا۔ کیونکہ بہت باتیں ہیں جن کی تم برداشت نہیں کر سکتے اور

مکمل تعلیم وہ دے گا جو میرے بعد آئے گا۔ پس یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کُل دنیا کی طرف آنے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ ہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب یہودیوں نے آپ کے پیغام کی عزت نہ کی تو آپ کے بعض پیروؤں نے دوسری قوموں کی طرف رُخ کیا۔ اور پھر شاید اپنی اس کارروائی کی تصدیق کے لئے کوئی بات حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کر دی ہو۔ اور آپ کے سوائے تو کوئی نبی ایسا گزرا نہیں۔ جس کی طرف ایسا دعویٰ منسوب کیا گیا ہو۔

لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک نبی ہیں جو کُل دنیا کی طرف مبعوث ہوئے اور یہ بھی ختم نبوت پر شہادت ہے۔ کیونکہ جب ایک کامل تعلیم والا نبی کُل دنیا کی طرف مبعوث ہو گیا، تو اب دوسرے کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ رسالت کے لئے کھڑا ہو۔

ختم نبوت کا دوسرا امتیاز۔ پہلی کتابوں پر ایمان

جس طرح یہ سچ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی نے کُل دنیا کی طرف مبعوث ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے یہ ضروری قرار دیا ہو کہ تم دنیا کے سارے پہلے نبیوں پر ایمان لاؤ۔ یہ درحقیقت ختم نبوت کا دوسرا امتیاز ہے۔ قرآن کریم کے شروع میں ہی ہر مومن کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (4:2) وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور اس پر جو تم سے پہلے اُتارا گیا۔ اب اس مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ میں اُس تمام وحی نبوت پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل ہو چکی۔ اور دوسری طرف لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (7:13) کہہ کر یہ بتا دیا کہ ہدایت لانے والے ہر قوم میں ہو چکے ہیں۔ اس طرح پر جس قدر کُل قوموں میں ہدایتیں نازل ہو چکی تھیں ان سب پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔

اس سے دو طرح پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیم جامع تھی اور آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا۔ اول اس طرح کہ اگر آپ کی تعلیم جامع نہ ہوتی اور سارے انبیاءؑ کی کتب قیّمہ کو اپنے اندر رکھنے والی نہ ہوتی، تو کیا ضرورت تھی کہ پہلی کتابوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا جاتا۔ گویا پہلے رسولوں کی متفرق قوموں میں آمد ہی اس

بات کی شہادت تھی کہ سب سے آخر ایک ہی رسول کُل قوموں کی طرف آنے والا ہے، جس کی قبولیت کے لئے سب رسولؑ اپنی اپنی قوموں کو تیار کرتے آئے تھے۔ دوسرے اس طرح کہ صاف الفاظ میں مِنْ قَبْلِکَ (4:2) کا لفظ فرمایا۔ یعنی ایمان لانا صرف اس وحی پر ضروری قرار دیا جو آپ سے پہلے نازل ہو چکی ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ آپؐ کے بعد کوئی وحی ایسی نازل نہ ہونے والی تھی جس پر ایمان لانا اصولِ اسلام میں داخل ہو۔ اور اس طرح پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر یہ ایک قطعی شہادت ہے۔'' (ماخوذ)

❁❁❁

6فروری1916ء

میثاق النّبیّن اور ترجمہ قرآن کریم

(از حضرت مولانا محمد علی ایدّہ اللہ بنصرہ)

خطبہ جمعہ میں مَیں عموماً ایک رکوع قرآن کریم کا ابتدا سے شروع کر کے سنا تا رہا ہوں۔ کسی گزشتہ خطبہ جمعہ میں میرے سامنے وہ رکوع قرآن کریم کے تیسرے پارہ کا تھا۔ جو وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ (81:3) سے شروع ہوتا ہے۔ اور اتفاق سے اس سے ایک دو دن پیشتر ہی مجھے قادیان سے نکلا ہوا نیا اردو ترجمہ قرآن کریم پارہ اول کا ملا تھا۔ جس کے شروع میں ہی بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (4:2) کی تشریح کرتے ہوئے یہ لکھا گیا ہے کہ اَ لْاٰخِرَةُ سے مراد ''وہ وحی'' ہے ''جو پیچھے اُترنے والی ہے'' اور لکھا ہے کہ ''بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (4:2) میں مسلمانوں کو یہ تعلیم ہے کہ جب وہ موعود آئے تو اُس کو قبول کریں۔'' اور پہلے فقرہ کے نیچے نوٹ دے کر ذیل کی عبارت لکھی ہے۔

> ''پیچھے آنے والی وحی و رسالت پر ایمان لانے کا ذکر بطور قاعدہ کلیہ کے اس آیت میں ہوا ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ.''(81:3)

اس سے پہلے الفضل مورخہ 19 ستمبر 1915ء میں مَیں مولوی محمد سعید صاحب حیدر آبادی کا ایک خطبہ پڑھ چکا تھا۔ جس میں اس آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (81:3) کی تفسیر مولوی صاحب نے کی ہے۔ اور چونکہ اس خطبہ کو خاص وقعت دی گئی تھی کہ میاں صاحب کے خطبوں کی طرح اسے بھی اخبار الفضل میں جگہ دی گئی۔ ورنہ مولوی محمد سعید صاحب کا کوئی دوسرا خطبہ اس اخبار میں، جہاں تک میرا علم ہے، نہیں چھپا۔ اور یہ عزت اس خطبہ کو محض اس کے مضمون کی اہمیت کے لحاظ سے دی گئی تھی۔ پس اس خطبہ کے مضامین کو جماعت قادیان کا خاص

وقعت وعزت کی نگاہ سے دیکھنا میرے لئے باعث تعجب تھا۔ کیونکہ مولوی صاحب نے اس کی تفسیر یوں کی جو اُن کے اپنے الفاظ میں جو الفضل مذکور میں چھپے ہیں، اس طرح پر درج ہے:

''جب اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا (النّبییّنَ میں سب انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام شریک ہیں۔ کوئی نبی بھی مستثنیٰ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس النّبیّین کے لفظ میں داخل ہیں) کہ جب کبھی میں تم کو کتاب اور حکمت دوں (یعنی کتاب سے مراد توریت و قرآن کریم ہے۔ اور حکمت سے مراد سنت ومنہاج نبوت و حدیث شریف ہے) پھر تمہارے پاس ایک رسول آئے۔ مصدق ہو ان سب چیزوں کا جو تمہارے پاس کتاب و حکمت سے ہیں (یعنی وہ رسول مسیح موعود ہے۔ جو قرآن و حدیث کی تصدیق کرنے والا ہے۔ اور وہ صاحب شریعت جدیدہ نہیں) لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ میں جو نون ثقیلہ ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ سخت تاکید کے معنوں میں آتا ہے۔ یعنی اے نبیؤ! تم سب اس پر ضرور ایمان لانا اور ہر ایک طرح سے اس کی مدد فرض سمجھنا (جب تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو مجملاً حضرت مسیح موعود پر ایمان لانا اور اُس کی نصرت کرنا فرض ہوا تو ہم کون ہیں جو نہ مانیں)۔''

اس خطبہ کا خلاصہ صاف الفاظ میں یہ ہے کہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (3:81) والی پیشگوئی کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مرزا صاحب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو النّبیّٖن کے لفظ میں شامل کیا گیا ہے کہ ان سے عہد لیا گیا تھا اور وہ رسول مصدق مسیح موعود کو بنایا گیا ہے۔ جس پر تمام انبیاء کو ایمان لانا ضروری تھا۔ گویا تمام انبیاءؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں تھا۔ بلکہ مرزا صاحب پر ایمان لانا ضروری تھا!

پھر یہ خطبہ جس میں ایسی خطرناک تحریف معنوی قرآن کریم کی گئی ہے 19 ستمبر کو چھپتا ہے۔ اور اس کے ساتھ کوئی تردید اس کی نہیں چھاپی جاتی کہ یہ ہمارا مذہب نہیں۔ اس شخص کو، جس نے ایسی بے باکی سے کام لیا، نہیں ڈانٹا جاتا۔ مہینوں اس پر گزر جاتے ہیں۔ نہ میاں صاحب اس کے خلاف قلم اُٹھاتے ہیں۔ نہ اُن کی جماعت

میں سے کسی کی زبان ہلتی ہے۔ اخبار پیغام صلح میں اس پر توجہ بھی دلائی جاتی ہے کہ یہ کیسا ظلم ہے کہا یک پیشگوئی کو، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی ہو سکتی ہے، آپ کے حق میں ہونے سے انکار کیا جاتا ہے۔ اور اس کا مصداق مسیح موعود کو قرار دیا جاتا ہے۔ مگر جو قوم اس سے بھی زیادہ تحریف مُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (6:61) میں کر چکی ہو اور اس عظیم الشان پیشگوئی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہونے سے انکار کر چکی ہو، وہ اسی قسم کی ایک دوسری تحریف پر چونکے تو کیوں چونکے؟

ان واقعات کی بنا پر اور قادیان سے نئے شائع شدہ پارہ کی اس عبارت کی بنا پر جو ابتدا میں مَیں نقل کر چکا ہوں، انہی خیالات کا اعادہ میں نے اس خطبہ جمعہ میں کیا۔ جس میں آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (81:3) میرے سامنے تھی۔ اس خطبہ کو ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے اپنے الفاظ میں اس عنوان کے ساتھ اپنے اخبار مورخہ 9 جنوری 1916ء میں چھاپا۔

> ''مِیْثَاقُ النَّبِیّٖنَ کا مصدق رسول کون ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت مسیح موعود۔ میاں صاحب کا ترجمہ قرآن میں اسے مسیح موعود کے حق میں بتانا صریح طور پر غلط اور تحریف ہے۔''

> اس خطبہ میں جو کچھ میرے الفاظ پیغام صلح میں چھپے ہیں وہ بھی میں نقل کر دیتا ہوں۔

> ''یہ رسول کون ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے عہد لیا۔ ظاہر ہے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے عہد لیا ہے۔ لیکن اب حیدر آباد دکن میں ایک شخص اُٹھا۔ اُس نے اپنے ایک خطبہ میں یہ کہہ دیا کہ جو رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ (81:3) یہاں ذکر کیا گیا ہے، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مرزا صاحب ہیں۔ یہ آواز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح تحقیر کرنے والی تھی۔ اور اس لئے ہمیں یہ توقع رکھنی چاہئے تھی کہ اس کے اوپر صدائے نفرین بلند ہوگی۔ لیکن اب جو میاں صاحب کی طرف سے قرآن کریم کے پہلے پارہ کا ترجمہ شائع ہوا ہے، اس میں اس توقع کے بالکل برخلاف اسی آیت کو لے کر اس سے مرزا صاحب کی صداقت کا ثبوت نکالا گیا ہے۔ اس میں

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (4:2) سے مراد لیا ہے کہ آخرت سے مراد مرزا صاحب کی وحی ہے۔ اور اس آیت سے اس کی تائید کی ہے۔ کیا یہ قرآن کے ساتھ صریح تمسخر اور استہزاء نہیں؟''

اس تحریر پر قادیانی جماعت بہت برافروختہ ہے۔ اور غالباً اخبار الفضل میں میاں صاحب کے خیالات کا ہی اظہار ہوا ہے کہ میں نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اور کہ میری نیت پبلک کو اُن کے ترجمہ کی طرف سے بدظن کرنا ہے۔ بفرضِ محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ میثاق النّبیّن والی آیت کا مصداق یہ لوگ مرزا صاحب کو نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مانتے ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ اتنی بات سے وہ بدظنی کیونکر دور ہو جاتی ہے جس کے وہ شاکی ہیں۔ کیا بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (4:2) کے معنے مسیح موعود یا مرزا صاحب پر ایمان لانا میں نے ان کی طرف غلط منسوب کئے ہیں۔ اور ان کا اپنا ترجمہ صاف اس بات کا مقر نہیں کہ اس سے مراد يَوْم الْاٰخر نہیں بلکہ آخری وحی یا مسیح موعود کی وحی مراد ہے۔ اور میثاق النّبیّن والی آیت تو اسی کی تائید کے لئے پیش کی گئی ہے۔ بفرضِ محال اگر یہ مان لیں کہ اُنہوں نے اس کی تائید میں میثاق النّبیّن والی آیت کو پیش نہیں کیا یا میں نے ان کا مطلب غلط سمجھا ہے یا غلط بیان کیا ہے تو کیا اس سے اصل بات میں کوئی فرق آ جاتا ہے۔

اصل بحث تو یہی ہے کہ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (4:2) میں کیا مراد ہے۔ سو یہ ان کا صاف اقرار ان کے ترجمہ میں موجود ہے کہ اس سے مراد حضرت مرزا صاحب کی وحی ہے يَوْمِ الاخر مراد نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ اس امر کو ماننے کے لئے تیار ہیں کہ الاٰخرۃ سے مراد ہم یوم آخر ہی لیتے ہیں نہ مرزا صاحب کی وحی، تو میں اپنی غلطی کا اور ان کے منشاء کو سمجھ نہ سکنے کا سو دفعہ اقرار کرنے کو تیار ہوں۔

لیکن یہاں تو معاملہ دگرگوں ہے۔ نہ صرف بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (4:2) سے مراد مسیح موعود پر ایمان لانا لیا ہے۔ بلکہ اس کی تائید انہی نوٹوں میں آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ (81:3) سے صاف طور پر کی گئی ہے۔ جیسا کہ میں شروع میں ہی حوالہ اصل عبارت کا دے کر دکھا چکا ہوں کہ ''الاخرۃ'' سے مراد وہ وحی ہے جو ''پیچھے اترنے والی ہے۔'' اور ''پیچھے آنے والی وحی و رسالت پر ایمان لانے کا ذکر بطور قاعدہ کلیہ کے اس آیت میں ہوا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ (81:3)''

اب مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں نے غلط بیانی کون سی کی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ مولوی محمد سعید حیدر آبادی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّنَ (81:3) ہونے سے انکار کیا اور باوجود مطالبہ کے میاں صاحب نے اور ان کی جماعت نے اس پر خاموشی اختیار کر کے اسے اپنا مذہب ظاہر کیا ہے۔

کم از کم الفضل جواَب اس قدر جوش میں ہے وہ تو ضرور ملزم ہے کہ جب خود اس خطبہ کو بغیر کسی نوٹ کے درج کیا تھا۔ تو اس وقت یہ خیال کیوں نہ آیا کہ اس تحریف کو کل کو ہماری طرف منسوب کیا جائے گا، تو ہم کیا جواب دیں گے۔ مولوی محمد سعید ایک بات کہیں تو اسے فخریہ جماعت میں پھیلایا جائے۔ میں وہی بات کہوں تو اس پر اس قدر غضب کا اظہار! کیا یہ ایمانداری کا تقاضا ہے؟ اگر نیک نیتی ہے تو پہلے صاف لفظوں میں اقرار کرو کہ میر محمد سعید نے جو کچھ اپنے خطبہ میں کہا اور پھر اسے ہم نے فخریہ اخبار میں درج کیا کہ آیت میثاق النّبیّن کے مصداق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مرزا صاحب ہیں، اور کہ وہ مضمون جس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ سب نبیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں، بلکہ مرزا صاحب پر ایمان لانا ضروری ہے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان لائیں، وہ سب تحریف تھی۔ جس سے ہم توبہ کرتے ہیں۔ پھر میرے متعلق جو چاہو لکھو وَلَا يَجْرِ مَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِ لُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ (8:5)

میرا بیان تین باتوں پر مبنی تھا۔ اور وہ تینوں اب بھی صحیح ہیں۔

1۔ میر محمد سعید نے خطبہ پڑھا کہ میثاق النّبیّن کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ الفضل نے اس کا اعلان کیا۔ میاں صاحب کی ساری جماعت نے اس پر خاموشی اختیار کی اور اس کی صداقت پر مہر لگا دی۔

2۔ ترجمہ قرآن پارہ اول میں میاں صاحب نے بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (4:2) سے مراد مسیح موعود کی وحی کو لیا ہے اور اَلْاٰخِرَ سے مراد يَوْم الْاٰخِرِ ہونے سے انکار کیا ہے۔

3۔اس کی تائید میں کہ اَلْاٰخِرَۃ سے مراد آخری وحی ہے،جس پر ایمان لانا ضروری ہے آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (81:3) اس ترجمہ میں پیش کی گئی ہے۔

یہ تینوں باتیں اب بھی درست ہیں جیسا کہ میرے خطبہ کے وقت درست تھیں۔اگر یہ بحث ایمانداری سے ہے۔تو ان تینوں باتوں میں سے کسی کو غلط ثابت کردیں۔باقی رہی یہ بات کہ اسی ترجمہ میں آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (81:3) کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مانا ہے۔یہ بے شک درست ہے۔مگر میں نے جس قدر واقعات دیکھے ان کی بنا پر کہا جو کچھ کہا۔میں نے جمعہ کے خطبہ میں یہ نہیں کہا کہ میں نے سارا ترجمہ پڑھ لیا ہے۔جس قدر پڑھا تھا اسی قدر حوالہ دیا۔نہ جمعہ کے خطبہ میں مَیں ترجمہ پر ریویو کرنے کھڑا ہوا تھا کہ پہلے سارے کو پڑھ لیتا تو پھر کچھ کہتا۔میں نے نہ آپ لوگوں کے ترجمہ پر کوئی ریویو لکھا نہ خطبہ جمعہ میں اس پر ریویو کرنے کے لئے کھڑا ہوا۔نہ میرے الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ میں ریویو کررہا تھا۔ہاں اگر ترجمہ کا وہ حصہ بھی شائع ہو چکا ہوتا۔جس میں آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (81:3) آتی ہے تو میرا فرض ضرور تھا کہ میں اس موقعہ کو بھی دیکھ لیتا۔لیکن یہ تو صرف پہلے پارہ کا ترجمہ تھا۔میں نے جس موقعہ کو دیکھا اور جس قدر دیکھا اس کو پہلے واقعات کے ساتھ ملا کر جو کچھ میں نے کہا وہ درست تھا۔

اور اگر میں نے اس کو ظلمِ عظیم کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیوں کو مرزا صاحب پر لگایا جاتا ہے تو یہ گالی نہیں! یہ تو کوئی شخص کہنے کا حق رکھتا ہے کہ وہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہی نہیں یا ہم نے اُس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہونے سے انکار نہیں کیا۔مگر یہ کہنا،کہ ظلمِ عظیم کا لفظ ایسے موقع پر گالی ہے،ایک مقلد جماعت کو بدظن کرنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔اور یہ ہتھیار ہمارے قادیانی احباب کے بہت کام آیا ہے کہ بار بار الفضل میں لکھ دیا جاتا ہے کہ ہمیں گالیاں دی جاتی ہیں۔کیا میں یوں لکھتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو پیشگوئیاں ہیں ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہونے سے انکار کرنا بڑا متقیانہ اور منصفانہ فعل ہے۔اگر کوئی پیشگوئی واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے اور ایک شخص اس بات کا انکار کر کے اسے اپنے کسی بڑے پر لگاتا ہے تو اس کا نام تو ظلمِ عظیم ہی ہوگا۔اور بیشک قرآن کی یہ تحریف معنوی ہے اور اس تحریف کا ارتکاب میاں صاحب اور ان کی جماعت نے اعلانیہ اس پیشگوئی

کے متعلق کیا ہے، جو مسیحؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق کی تھی مُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (6:61)

مگر اس کو ایک بہانہ بنا کر حسب معمول الفضل میں خوب دل کھول کر جو چاہا کہا ہے۔ دو فقرے بطور نمونہ کافی ہوں گے اور یہ بھی محض انصاف پسند طبائع کو دکھانے کے لئے۔ ورنہ میں ان باتوں کے سننے کا عادی ہوں اور کبھی ان کی پروا نہیں کی۔

☆ ''اور اس لئے خدا نے چاہا کہ حق کی مخالفت کرنے والے اور صدر انجمن احمدیہ کے مال پر غیر متقیانہ قبضہ رکھنے والے مولوی محمد علی......''

☆ ''اور جب کوئی تحریر دیکھتا ہے تو آگ بھبُوکا ہو جاتا ہے۔ اور نہ آگے کی خبر رہتی ہے اور نہ پیچھے کی اور اشتعال طبیعت کی وجہ سے نہ کچھ سوچ سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ اگر مولوی محمد علی میں یہ آتش مادہ نہ ہوتا تو آج اس کو یہ رسوائی نہ ہوتی۔''

آتشی مادہ سے راقم کا منشاء خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ (12:7) کی طرف اشارہ کرنے کا ہے۔ سو یہ کوئی نئی بات نہیں کہ اس قدر رڈر کر اشارہ میں اس نے بات کی۔ ان کا پیر تو کُھل کر پہلے دن ہی مجھے ابلیس قرار دے چکا ہے۔ اب مرید کس کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ چاہئے تو یوں تھا کہ پیر اشارہ کنایہ میں کچھ کہہ جاتا، مرید گلا پھاڑ کر بولتے۔ مگر یہاں کا عالم ہی نرالا ہے۔ بہر حال ان آوازوں سے مجھے گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ کیونکہ راہ چلتا انسان اگر ایسی آوازوں کو سن کر گھبرانے لگے تو دنیا میں بھی گزارہ نہیں ہو سکتا۔

باقی رہی یہ بات کہ مجھ میں غضب زیادہ ہے یا فلاں نقص ہے سو مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ م بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (53:12) تو ایک نبیؑ کا قول ہے میں کون ہوں جو اپنے آپ کو پاک بناؤں۔ میں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میرے منہ سے جو کچھ نکلتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جو خدا مجھ سے کہلواتا ہے۔ میں نے کبھی یہ اعلان نہیں کیا کہ جس نکاح پر میں راضی ہو جاؤں وہ ضرور ہے کہ بابرکت ہو، خواہ تیسری پشت میں جا کر۔ اور جس پر میں ناراض ہوں وہ ضرور ہے کہ میری ناراضگی کا خمیازہ اُٹھائے۔ میری رضامندی اور ناراضگی

کوئی چیز نہیں۔ انسان واقعی بعض اوقات غلطی سے راضی بھی ہوسکتا ہے اور غلطی سے ناراض بھی ہوسکتا ہے۔ خدا کا حکم ہم مسلمانوں کے لئے یہی ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (62:9) جہاں يُّرْضُوْهُ میں ضمیر واحد رکھ کر اللہ کی رضا جوئی کو ہی سب پر مقدم کیا ہے۔

پس مجھ سے اگر غلطی ہو جائے تو وہ غلطی ہے۔ کوئی نقص ہو جائے تو وہ نقص ہے۔ میں یہ بھی مانتا ہوں کہ مجھے ان تحریروں پر غضب بھی آتا ہے۔ اور اپنے نفس کی بریت کے لئے نہیں، بلکہ امرِ واقعہ کے اظہار کے لئے۔ یہ بھی کہتا ہوں کہ مجھ پر آپ لوگوں نے اور آپ کے پیر نے بیسیوں حملے کئے۔ مگر میں نے ان کو عموماً سپرد خدا کیا۔ بعض وقت بڑا بڑا رنج بھی ہوا۔ مگر اس رنج کا اظہار لفظوں میں نہیں کیا۔ ہاں جب آپ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملہ کرتے ہیں کہ آپؐ کے ایک غلام کو آپؐ کے برابر ٹھہراتے ہیں اور خادم کو آقا کا مرتبہ دیتے ہیں۔ پھر جب آپ کفر کا مسئلہ ایجاد کر کے دین اسلام کی بیخ پر ہی تیر چلانے لگتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں غیظ و غضب کے اظہار میں شاید میں معذور ہی ہوں۔ مگر اس وقت بھی آج تک کوئی بے جا حملہ آپ کے پیر پر نہیں کیا۔ نہ اس لئے کہ وہ ایک جماعت کا پیر ہے اور بہت لوگ آنکھیں بند کر کے اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ میرے آقا کا بیٹا ہے۔ مجھ پر بڑے بڑے بہتان باندھے گئے اور میں نے اُن پر خاموشی ہی اختیار کی۔ سوائے اس کے کہ جب ایک افتراء کو کئی مرتبہ میاں صاحب نے اپنے خطبوں اور اشتہاروں میں دہرایا تو اس کا جواب میں نے دیا۔ ورنہ اپنے معاملہ کو ہمیشہ سپردِ خدا کیا ہے۔

آپ کے پیر نے مجھے حرام خور کہا اور جمعہ کے خطبہ میں کہا۔ خائن کہا اور جمعہ کے خطبہ میں کہا۔ میں نے اُس کے جواب میں بھی خاموشی ہی اختیار کی۔ حالانکہ غضب کے اظہار کا تو یہی موقعہ ہوتا ہے جب انسان کی اپنی ذات پر حملہ ہو۔ میاں صاحب کے متعلق ذرا کسی نے کسی افواہ کا ذکر کیا تو کس قدر شور پڑ گیا۔ اشتہار چھپے، محضر نامہ تیار ہوئے۔ اس لئے کہ ان کی ذات پر حملہ تھا۔ مگر میں نے تو ان ذاتی حملوں پر دوستوں میں بیٹھ کر بھی کم ہی شکائت کی ہے۔ میاں صاحب کے یہ الفاظ پڑھو:

> ''ہم یہ تو جانتے ہیں کہ حرام چیز کسی کو ہضم نہیں ہوا کرتی اور کسی نہ کسی رستہ سے ضرور باہر آجاتی ہے۔ چونکہ اُنہوں نے خیانت سے کام لیا ہے۔ اس لئے وہ فائدہ تو کبھی نہیں اُٹھا

سکتے۔''

کیا اس سے بڑھ کر ایک شریف کے لئے کوئی گالی ہوسکتی ہے؟ مگر ہم نے میاں صاحب کی گالیوں کو برداشت کیا۔ پھر میاں صاحب اسی خطبہ میں فرماتے ہیں:

''بجائے اس کے کہ ہم دو ہزار روپیہ خرچ کر کے ردّی کاغذ جلانے کے لئے لاڈالیں۔''

اب غور کرو کہ غضب میں اندھا ہونا اسے کہتے ہیں کہ اُنہوں نے میرے ترجمہ کو دیکھا تو ہے نہیں۔ اور بن دیکھے اُسے ردّی کاغذ قرار دیتے ہیں۔ جو جلانے کے قابل ہیں۔ اور تعجب یہ کہ با ایں مجھے خائن بھی ٹھہراتے ہیں۔ کیا ردّی کاغذوں کو، جو صرف جلانے کے قابل ہوں اور اُن کی قیمت ایک کوڑی بھی نہ ہو، کوئی شخص لے کر خائن کہلا سکتا ہے۔ خائن تو وہ لوگ کہلا سکتے ہیں کہ ان کو علم تھا کہ میں صرف ونحو عربی سے ناواقف ہوں۔ اور قرآن کے علم سے بالکل بے بہرہ ہوں۔ پھر وہ خاموش رہے اور اُنہوں نے چھ سال تک قوم کو اطلاع نہ دی کہ یہ قوم کا روپیہ برباد ہو رہا ہے۔ اور یہ ترجمہ ایک ردّی کے مجموعہ سے بڑھ کر کوئی وقعت نہیں رکھے گا۔ کیا میاں صاحب کا بحیثیت ممبر و میر مجلس صدر انجمن احمدیہ اور اُن کے دوست مفتی محمد صادق صاحب کا، جواب اپنے لیکچروں کو میری صرف ونحو کی ناواقفیت کے قصوں سے سجاتے اور گالیاں سُنا کر مریدوں کو خوش کر لیتے ہیں، یہ فرض نہ تھا کہ وہ انجمن میں یہ معاملہ پیش کرتے یا اپنے اخباروں کے ذریعہ سے ہی قوم کو اطلاع دیتے کہ یہ شخص ترجمہ کے کام کا اہل نہیں۔ اس کے ذریعہ ترجمہ کرا کر قوم کا روپیہ ضائع نہ کیا جائے۔ کیا یہ ایمانداری تھی کہ باوجود اس علم کے کہ میں اس کام کے قابل نہ تھا یہ سب لوگ خاموش رہے۔ اور چار یا پانچ سال تک اس ترجمہ پر خرچ ہونے دیا؟

اب تھوڑی دیر کے لئے تعصب کی پٹی کو کھول کر واقعات کو دیکھو کہ خائن تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے، اس علم کے ہوتے ہوئے کہ میں ترجمہ کے کام کا اہل نہیں اور میرا ترجمہ محض ردی کاغذوں کا ایک مجموعہ ہوگا جو جلانے کے قابل ہے، قوم کا روپیہ برباد ہونے دیا۔ کیوں اس وقت اُنہوں نے آواز نہ اُٹھائی۔ اور قوم کی امانت میں خیانت کی؟ تمہارے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا تو میرا نام خائن رکھنے کی بجائے اُن لوگوں کا نام خائن رکھتے جنہوں نے اس قدر تمہارا روپیہ خرچ ہو جانے کے بعد تم کو بتایا کہ یہ شخص اس کام کا اہل نہیں تھا۔ اور یہ کہ اس کا سارا تیار کردہ مسودہ ایک ردی کاغذوں کا مجموعہ ہے۔ جو جلانے کے قابل ہے۔ جاؤ! ان سے پوچھو کہ یہ ایمانداری

اور تقویٰ کا تقاضا تھا کہ اتنی مدت بعد تم نے ہم کو بتایا کہ یہ شخص اہل ہی نہ تھا۔ جب روپیہ برباد ہو چکا!

اگر ایمانداری سے کسی بات کا فیصلہ کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے خلیفہ سے یہ بات پوچھو کہ تم کو کب یہ علم ہوا کہ محمد علی ترجمہ کا اہل نہیں۔ کیا ریویو کے مضامین سالہا سال تک پڑھ کر یہ پتہ نہ لگا تھا کہ یہ شخص جب قرآن کریم کی کسی آیت کا ترجمہ یا تفسیر کرتا ہے تو غلط کرتا ہے یا صحیح کرتا ہے۔ کیا اس وقت پتہ نہ لگا تھا جب اردو ترجمہ بھی پہلے چند پاروں کا حضرت مولوی نورالدین مرحوم مجھ سے کرا رہے تھے۔ اور جب انہوں نے میر صاحب کو کہہ دیا تھا کہ اردو ترجمہ محمد علی کا ہی چھپے گا اور کوئی ترجمہ نہیں چھپے گا۔ اور ممکن ہے کہ میاں صاحب نے بھی اس ترجمہ اردو کا کوئی حصہ دیکھا ہو۔ تو کیا اس وقت پتہ نہ لگا تھا کہ یہ ترجمہ نہیں ردی کاغذ ہیں جو جلانے کے قابل ہیں۔ پھر کیا اُس وقت پتہ نہ لگا تھا جب میں قادیان سے چلا آیا تو آپ انجمن سے ریزولیوشن پاس کرایا کرتے تھے۔ جن کا منشاء یہ تھا کہ ترجمہ کی تکمیل میں کرتا رہوں۔ اگر اس قدر علم کے باوجود میاں صاحب کو یہ پتہ نہ لگا تھا کہ میرا ترجمہ ردی کاغذوں کا مجموعہ ہے جو جلانے کے قابل ہے۔ تو اب کیا سرقہ کر کے میرے ترجمہ کی کوئی نقل اُنہوں نے منگوالی ہے۔ جس سے پتہ لگ گیا کہ یہ ردی کاغذوں کا مجموعہ ہے یا خدا نے اُن کو منہ درمنہ بتا دیا تھا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم کی وفات سے آٹھ دس یوم پیشتر، جب حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ خدا کی طرف سے بشارت آ گئی ہے کہ یہ ترجمہ مقبول ہو گیا تو میرے ساتھ ساری جماعت جو وہاں موجود تھی، سجدہ میں گر گئی تھی۔ اور اس میں غالباً میاں صاحب بھی ہوں گے۔ یا وہ نہ ہوں گے تو اُن کی ہاں میں ہاں ملانے والے بہت سے مرید ہوں گے۔ تو کیا اب خدا نے میاں صاحب کو منہ درمنہ کہہ دیا ہے کہ وہ سب کچھ جھوٹ تھا۔ میں نے کوئی بشارت نہ دی تھی اور یہ ترجمہ تو شروع سے لے کر آخر تک ردی کاغذوں کا مجموعہ ہے۔ جو جلانے کے قابل ہے!

اے خدا کے بندو اگر تمہارے دلوں میں خدا کا کچھ خوف ہے تو انصاف کا معاملہ کرو اور میاں صاحب سے پوچھو کہ کس تاریخ اور کن ذرائع سے اُن کو پتہ لگا کہ میں ترجمہ قرآن کے کام کا اہل نہیں۔ اور کہ جو کچھ کر رہا ہوں یہ محض ردی کاغذ ہیں، جو جلانے کے قابل ہیں۔ اور پھر خیانت کا الزام مجھ پر آئے تو مجھ پر دو۔ میاں صاحب پر آئے تو میاں صاحب پر دو۔

میری اس میں کیا خیانت ہے؟ میں نے ترجمہ قرآن کی تجویز کو انجمن کے سامنے پیش کیا۔ یہ بھی لکھ دیا

کہ اگر انجمن ان اخراجات کو برداشت نہ کرسکتی ہوتو خدا تعالیٰ میرے لئے کوئی اور صورت کر دے گا۔ انجمن کے سیکرٹری کو کہو کہ وہ ایمانداری سے اس بات کا جواب دے کہ آیا یہ واقعہ درست ہے یا نہیں۔ میں نے انجمن کو یہ نہیں کہا کہ میں تمہارا ملازم ہوں مجھے کوئی کام دو۔ بلکہ میں نے یہ کہا کہ میں ترجمہ قرآن کا کام کرنا چاہتا ہوں۔ اگر انجمن ان اخراجات کو برداشت نہ کر سکے تو میرے لئے خدا تعالیٰ کوئی اور صورت پیدا کر دے گا۔ اس کو بھی آخر اللہ تعالیٰ نے سچ ہی کر دکھایا کہ انجمن نے اخراجات کے دینے سے انکار کر دیا تو اس مولا کریم نے ''کشائد بفضل وکرم دیگرے'' کا معاملہ میرے ساتھ کیا۔ اور وہ ترجمہ، جس کے لئے آپ لوگوں نے بہت کوشش کی کہ یہ دنیا سے نابود ہوجائے، آخر پریس میں پہنچ گیا۔ اور خدا چاہے گا تو حاسدوں کو وہ نامرادی کا دن بھی دکھائے گا جب چھپا ہوا یہ ترجمہ اُن کے سامنے آجائے گا۔ اور پھر ممکن ہے تم میں سے بعض کو ندامت ہو کہ اس کو نابود کرنے کے لئے ہم نے کیوں اتنا زور لگایا؟

دیکھو! میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ تم جو بار بار یہ کہتے تھے کہ یہ مسودات ترجمہ تم دے دو۔ تمہارا مطلب اس سے سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ مسودات کو لے کر جلا دو۔ اب تم کو تو اپنی کثرت پر فخر ہے۔ مگر دیکھو خدا تعالیٰ نے کیسا نظارہ کَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةً م بِاِذۡنِ اللّٰهِ (249:2) کا دکھایا۔ تم نے میرے ترجمہ کو نابود کرنے کے لئے کتنی کوششیں کیں۔ مگر خدا نے تمہیں ناکامی دکھائی۔ اگر تم میں اہلیت ہوتی تو تم سمجھ جاتے کہ وہ بشارت، جس کی خاطر تم نے سجدے کئے تھے، وہ سچی تھی۔ مگر آہ! اس اندھی دنیا کی آنکھوں پر اکثر حق کی طرف سے پردہ ہی پڑا رہتا ہے۔ آخر میاں صاحب نہ رہ سکے اور اُنہوں نے اپنے اندرونی خیالات کا اظہار خطبہ جمعہ میں کر کے بتا دیا کہ ہمارا مقصد ان مسودات کے بار بار کے مطالبہ سے سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ اُن کو لے کر جلا دیں اور دنیا سے نابود کر دیں۔ اب جو چاہو کرو اور کہو۔ مگر وہ لفظ، جن میں اندرونی خیالات کا اظہار خطبہ جمعہ میں میاں صاحب سے ہوگیا ہے، اور پھر الفضل کا کوئی ناعاقبت اندیش ایڈیٹر اسے قلم سے لکھ کر دنیا میں شائع کر چکا ہے، ہمیشہ کے لئے تمہاری اس ناکامی کے گواہ رہیں گے۔ خوب غور کرو اور سوچو کہ ان الفاظ میں اپنی ہی نامرادی کا رونا رویا گیا ہے یا کچھ اور؟

☆ ''پس میری اپنی یہ رائے ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم دو ہزار روپیہ خرچ کر کے ردی

کاغذ جلانے کے لئے لا ڈالیں۔انہیں کہیں کہ یہ ترجمہ آپ ہی رکھیں۔''

آہ! میں کس منہ سے مولا کریم کا شکر ادا کرسکتا ہوں۔ہاں! میرا دل جس قدر اس بات پر اس کی حمد سے بھرا ہوا ہے اُس کو کوئی انسان سمجھ نہیں سکتا۔اس نے کس طرح مجھ تنہا کو باوجود میری کم لیاقتی اور بے کسی کے اپنے فضل اور نصرتوں کا حصہ دیا کہ میری محنت پر اپنی قبولیت کی مہر اپنے قول سے بھی لگا دی اور اپنے فعل سے بھی۔یہ ایک ناچیز خدمت ہے اور اس کی جناب میں جو کچھ کام کرنے والوں نے کوئی کام کا نذرانہ پیش کیا ہوگا، ان سب میں مُحقّر اور ادنیٰ یہ نذرانہ ہے۔مگر اس پیارے مولا کریم نے مجھ جیسے عاجز کی ناچیز اور قلیل محنت کو بھی ضائع نہیں ہونے دیا۔پھر جو محسن ہیں ان کے لئے کس قدر خوشخبری ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (120:9)

میرا شروع سے یہ خیال تھا کہ مجھ سے جو ترجمہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ کسی نیک نیتی کی بنا پر نہیں بلکہ محض اس لئے کہ ان مسودات کو جلا کر یا اپنے قبضہ میں کرکے میری اس ساری محنت کو برباد کیا جائے۔اور یہی وجہ تھی کہ میں نے مسودات کو اُن کے پہلے مطالبہ پر ان کے حوالہ کرنے سے تأمل کیا۔مگر اب تو میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے روز روشن کی طرح ان لوگوں کی اس نیت بد کو ظاہر کر دیا۔میاں صاحب کے خطبہ جمعہ میں یہ لفظ ہیں کہ:

''میری اپنی رائے یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم دو ہزار روپیہ خرچ کرکے ردّی کاغذ جلانے کے لئے لا ڈالیں۔انہیں کہیں کہ یہ ترجمہ آپ ہی رکھیں۔''

یہ بات تو ظاہر ہے کہ میاں صاحب کو اپریل 1914ء کے بعد کوئی نیا علم اس ترجمہ کے متعلق نہیں ہوا۔ کیونکہ اس وقت سے ترجمہ میرے قبضہ میں ہے۔تو جب وہ بذریعہ اپنی نئی بنائی ہوئی انجمن کے اس کا مطالبہ کرتے تھے تو اسی غرض کے لئے کرتے ہوں گے۔جس کا اعلان اب اُنہوں نے خطبہ میں کیا ہے کہ ''ردی کاغذ جلانے کے لئے لا ڈالیں۔'' فرق صرف اس قدر ہے کہ اس وقت ان ردی کاغذوں کو دو ہزار روپیہ خرچ کے بغیر حاصل کرنے کا خیال تھا۔اب دو ہزار روپے کا خرچ نظر آتا ہے۔اصل غرض جو اَب ہے وہی اس وقت تھی۔کیونکہ اس درمیانی وقفہ میں کوئی نیا امر پیدا نہیں ہوا۔

پھر جماعت کی نیت کا بھی اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جس دن یہ خطبہ پڑھا جاتا ہے۔اس کے معاً بعد قادیان میں ایک کمیٹی ہوتی ہے جس میں یہ ریزولیوشن پاس کیا جاتا ہے کہ ترجمہ واپس لینے کے لئے مقدمہ کرنا چاہیئے۔اوراس ریزولیوشن کو فی الفور مشتہر کیا گیا تاکہ دوسری جگہ کی جماعتیں بھی اس کا تتبع کریں۔چنانچہ لاہور کے جوشیلوں نے تتبع کیا بھی اور سنا ہے کچھ چندہ بھی جمع کیا اور بڑھ بڑھ کراس کارخیر کے لئے چندہ لکھوایا جاتا تھا۔

اب یہ تو صاف ہے کہ جب میاں صاحب اعلان کرچکے کہ مقدمہ کے بعد بھی ہم اس ردی کے انبار کو صرف جلائیں گے ہی۔تو قادیان اور لاہور کی جماعتوں کا یہ ریزولیوشن پاس کرنا کہ مقدمہ کرنا چاہیئے کس غرض پر مبنی تھا؟ جلانے کا تو فیصلہ ہو چکا تھا اور میاں صاحب کے اس فیصلہ کے خلاف لاہور اور قادیان کی جماعتیں اسے شائع تو کر نہ سکتی تھیں۔تو کیا یہ دو ہزار روپیہ اس لئے خرچ کرنا تھا کہ ان ردی اوراق کے جلانے سے کوئی خاص قسم کی آگ پیدا ہوتی۔جس میں شائد کوئی ایسا اثر ہوتا کہ اس کے گرم کئے ہوئے پانی سے کسی مقدس انسان کا غسل کرنا ضروری تھا۔یا یہ آگ محض چند جلے ہوئے سینوں کے حسد کے شعلوں کا ظاہری نمونہ قرار پاتی۔اوراس کی خاکستر (آخر قرآن کا ترجمہ تو تھا ہی) بطور تبرک اس آگ کے سینکنے والے آپس میں تقسیم کرلیتے۔اور یہ بتاتے کہ یہ وہ چیز ہے جو دو ہزار روپیہ خرچ کر کے ہمارے ہاتھ آئی۔یا شاید اس کو گھول کر پی جانے سے ان کی اندرونی آگ کا اشتعال کچھ کم ہو جاتا!

غرض یہ تو محض قیاسات ہیں۔مگر یہ بات یقینی ہے کہ میاں صاحب کے منہ سے جو بات نکلی تھی اس کے خلاف نہ ہوتا۔کیونکہ وہ اولوالعزم ہیں۔جیسا اُنہوں نے کہہ دیا کہ جلانے کے لئے ہم یہ کاغذ لائیں گے۔اور مریدوں نے کہا ہاں ہم دو ہزار روپیہ خرچ کرنے کو تیار ہیں۔کسی طرح یہ مسودات جل جائیں۔تو جب اس آگ میں کوئی خاص خصوصیت نہ تھی تو ظاہر ہے کہ اصل غرض صرف یہ تھی کہ یہ مسودات چھپیں نہیں۔میں اہل انصاف سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ کیا میاں صاحب کے اس خطبہ نے اوراس خطبہ کے بعد جماعت کے اس رویے نے، کہ میاں صاحب کے اس کھلے اعلان پر بھی کہ یہ مسودات جلائے جائیں گے اور کسی کام کے نہیں، وہ مقدمہ کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں، ان کی اصل نیت کو، جو شروع سے اس معاملہ میں تھی، ظاہر نہیں کر دیا؟

اُمید ہے کہ جہاں میاں صاحب میری خیانت پر ایک کتاب لکھیں گے اور اسے مختلف زبانوں میں

ترجمہ کرا کر شائع کریں گے۔ جیسا کہ اُنہوں نے خطبہ میں تجویز کی ہے اس کتاب میں دو صفحے اور بڑھا کر اپنا خطبہ بھی بطور ضمیمہ نقل کر دیں گے تا کہ جو پردہ اُنہوں نے شروع سے اپنی نیت پر ڈالا ہوا تھا وہ بھی اُٹھ جائے اور لوگ دیکھ لیں کہ ایسے نیک کام کو، جیسا کہ ترجمہ قرآن ہے، میاں صاحب کن منصوبوں سے دنیا سے نابود کرنا چاہتے تھے۔

خواجہ کمال الدین صاحب کے اسلامی مشن کو اس طرح نابود کرنے کی کوشش کی کہ اول خود جماعت کو اس میں چندہ دینے سے روکا۔ پھر غیر احمدیوں کو اس سے بدظن کرنے کی کوشش کی اور ان کے مریدوں نے بہتیری چالیں چلیں۔ ترجمہ قرآن کے متعلق آپ کے یہ نیک ارادے تھے۔ ہم کیا تھے خدا کا اپنا کام تھا جو اُس نے ان منصوبوں سے اس کو محفوظ رکھا اور اس کے فضل سے اُمید ہے کہ آئندہ بھی رکھے گا۔ ورنہ ہمارا کام تو صرف ایک کوشش کا کر دینا ہے۔ اس کا قبول کرنا نہ کرنا یہ خدا کا کام ہے۔

باقی رہا ترجمہ کا چھپوانا یا اس سے مالی فائدہ اُٹھانا۔ میں نے تو اب بھی صاف طور پر لکھ دیا تھا کہ اگر میاں صاحب کی بنائی ہوئی انجمن، جو ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہی ہے، اس ترجمہ کو چھپوانا چاہتی ہے تو چھپوا لے۔ مگر اسے تغیر تبدل کا اختیار نہیں۔ یہ کوئی نئی شرط نہ تھی۔ ہاں اس کے لگانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض لوگوں کی بے باکی حضرت مولانا نورالدین کی وفات کے بعد بہت بڑھ گئی۔ ان میں سے ایک بڈھے نے تو اپنے غضب کا اظہار وفات سے اگلے ہی دن کر دیا کہ میاں! کہیں فاسق کا ترجمہ بھی قبول ہوا کرتا ہے؟ اور پھر اخبار الفضل میں میاں صاحب نے یہ مضمون لکھوائے کہ ترجمہ پر میاں صاحب کی نظر ثانی ہو گی۔

یہ تو وہ خوب جانتے تھے کہ مصنف کے خیالات میں تبدیلی کرنے کا اختیار دوسروں کو نہیں ہوا کرتا۔ ہاں وہ مشورہ دے سکتے ہیں۔ بھلا بتائیں تو سہی کہ سات سال تک جو مضامین ریویو میں میری قلم سے نکلے اس وقت کون ان میں اصلاح کیا کرتا تھا۔ حالانکہ کئی باتیں ان مضامین میں ایسی ہوں گی جو بعض لوگوں کو ناپسند بھی ہوں گی۔ اس لئے میں دیکھتا تھا کہ نیتیں صاف نہیں اور جب مُبَشِّرًا م بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (6:61) میں تحریف معنوی کر کے مسلمانوں کے کفر کی بنیاد میاں صاحب رکھ چکے تھے۔ تو کیا میرا فرض نہ تھا کہ میں یہ شرط صاف اور کھول کر بتا دیتا کہ جس بات پر میرا ایمان نہیں اور میرے عقیدہ کے خلاف ہے اور جس کو میں

قرآن کریم کی تحریف معنوی خیال کرتا ہوں وہ میرے ترجمہ میں جو میری تالیف ہے داخل نہیں ہوسکتی۔

آخر میاں صاحب نے کمیٹی بنائی ہے۔تو اس میں بھی ایک شخص کو اختیار ہوگا کہ مختلف آراء میں سے جس رائے کو پسند کرے اسے درج کرے یا جن الفاظ میں وہ پسند کرے مفہوم کو ادا کرے۔ پھر یہ کوئی نئی اور نرالی بات تو تھی نہیں کہ جو مصنف ہے اُس کے کام میں اس کے منشاء کے خلاف دوسرا کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔اب اس بات پر کوئی روئے یا پیٹے۔دنیا میں یوں ہی ہوا کرتا ہے کہ جب ایک شخص کو ایک کام کا اہل سمجھ کر وہ کام اس کے سپرد کیا گیا ہے تو وہ اُسی کے حسب منشاء ہوگا۔تصنیف مصنف کے منشاء کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ہاں اگر پہلے سے کوئی کمیٹی مقرر کردی ہوتی اور اس کے لئے قانون بنا دیا ہوتا کہ وہ کثرت رائے سے فیصلہ کرے یا فلاں شخص کی اقتضائے رائے پر کام ہو تو اسی طرح کام چلتا۔مگر خود کردہ را چہ علاج!

میرے سپرد ایک کام کیا گیا۔ میں نے ایمانداری سے اسے کیا، شب و روز اس پر محنت کی۔ مولوی (حضرت نورالدین) صاحب مرحوم خود مجھے بعض وقت ایک بات بتا کر کہہ دیا کرتے تھے کہ جس بات پر تمہارا اپنا انشراح صدر ہو اسے درج کرو۔ اب اس پر خدا شاہد ہے کہ میں نے پہلے دن سے کبھی بھی نہ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (4:2) کے یہ معنے سمجھے تھے کہ مرزا صاحب پر ایمان لاؤ اور نہ مُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ يَاْتِىْ مِنْ م بَعْدِىْ اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کے یہ معنی سمجھے کہ اس سے مراد مرزا صاحب ہیں تو اب میرا کیا قصور ہے؟ قصور ان نااہلوں کا ہے جنہوں نے مجھے نااہل جان کر یہ کام میرے سپرد کیا۔ یا کم از کم جب اُن کو معلوم ہو گیا تھا کہ میں اس کام کا اہل نہیں تو اُنہوں نے جماعت کو متنبہ نہ کر دیا۔ اگر کہو کہ انجمن میں تو تمہارے لاہوری ممبر بھی تھے۔تو میں کہتا ہوں کہ وہ تو تب بھی مجھے اس کام کا اہل سمجھتے تھے۔اب بھی اہل سمجھتے ہیں۔خیانت ان لوگوں نے کی جو جانتے تھے کہ میں صرف ونحو سے واقف نہیں اور قرآن کریم کے ایک لفظ کو بھی نہیں سمجھتا۔اور میرا ترجمہ ردی کاغذوں کا مجموعہ ہوگا۔جو سوائے جلانے کے اور کسی کام کا نہیں ہوگا۔پھر وہ خاموش رہے!

مگر میں کہتا ہوں کہ گو میں نے تو اب بھی ترجمہ کو اپنی ذاتی منفعت کا ذریعہ نہیں بنایا۔لیکن اگر اس سے مالی منفعت میں حاصل کرتا بھی تو کیا میں خائن کہلا سکتا تھا؟ اس صورت میں بھی مجھے خائن کہنے کا حق اس وقت پہنچتا تھا جب پہلے میاں صاحب کو خائن بنا لیتے۔ کیونکہ وہ حضرت مسیح موعود کی کتابوں کی فروخت سے ذاتی فائدہ اُٹھا

رہے ہیں۔ اگر نہیں اُٹھا رہے تو قسم کھا کر اعلان کر دیں۔ میں کوئی الزام دینا نہیں چاہتا۔ مگر لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (148:4) چاہوں تو بہت کچھ کہہ سکتا ہوں۔ مجھے ایک دفعہ نہیں بیسیوں مرتبہ میاں صاحب اور اُن کے مریدین نے خائن کہا ہے۔ حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ پندرہ سال تک میں نے لاکھوں روپے قومی چندوں کے جمع بھی کئے اور خرچ بھی کئے۔ اس وقت میں نے ان کی ایک کوڑی کی خیانت نہیں کی۔ باوجود اس علم کے ایک متنازعہ امر پر، اور وہ بھی ایسا کہ میاں صاحب کے نزدیک تو اس چیز کی قیمت جو میں نے ان کو نہیں دی ایک کوڑی بھی نہیں۔ اور میں خود اسے اسی شرط پر جس پر پہلے کام کرتا تھا دینے کو بھی راضی تھا، یہ لوگ مجھے خائن کہنے سے نہیں رُکتے!

بعد اس تجویز کے جو میں پیش کر چکا ہوں مجھے خائن کہنا بد ذاتی ہے اور غلط فہمی کا عذر اب نہیں ہوسکتا۔ پہلے اپنی خیانتوں کا فکر کرو، پھر دوسروں پر عیب لگاؤ۔ میں نے اگر اپنی طرف سے کوئی کوتاہی کی ہوتی یا کوئی ایسی بات ترجمہ میں داخل کی ہوتی جو میرے معتقدات کے خلاف تھی۔ اگر شب و روز اس پر محنت نہ کی ہوتی تو تم کو حق پہنچتا تھا کہ مجھ سے مطالبہ کرو۔ مگر ایک کام جب میں نے کیا اور اپنی کوشش اور محنت سے اسے اچھا بنانے میں کوتاہی نہیں کی۔ اور وہ اب تمہیں نہیں بلکہ تمہارے پیر کو ناپسند ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟

اگر حضرت مولوی صاحب مرحوم ایک دو سال اور زندہ رہ جاتے تو نہ یہ ترجمہ ردی کا انبار بن کر جلانے کے قابل ہوتا اور نہ یہ ساری باتیں ہوتیں۔ جو تحریریں میری پہلی چھپ چکی ہیں اُن کی فروخت تو آج تک کی جاتی ہے اور اُن پر حرف نہیں رکھا جاتا۔ حالانکہ وہ اس وقت کی تحریریں ہیں جب ابھی میں نے نیا نیا کام شروع کیا تھا۔ ان سب کو تو سر آنکھوں پر رکھتے ہو اور فخر سے ان کو شائع کرتے ہو۔ ٹیچنگز آف اسلام، جس پر تم کو اس قدر ناز ہے، وہ کس کا کیا ہوا ترجمہ ہے؟ وہ ردی کاغذ کا انبار بن کر جلانے کے قابل کیوں نہیں ہوتا؟ اور قرآن کا ترجمہ کیوں آج ردی کاغذوں کا انبار بن جاتا ہے۔ محض اس لئے کہ اُس کی فروخت سے فائدہ ہوتا ہے اور اس پر روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اگر ایمانداری ہے تو ان پہلی تحریروں کو بھی ردی کا انبار قرار دے کر جلا دو اور اپنی کمیٹی سے نئی تصنیفات کرا کر شائع کرو۔

اتنی جلدی ایک قوم کی حالت بگڑ جائے، رونے کا مقام ہے۔ کوئی تم میں سے غور نہیں کرتا۔ کوئی سوچتا

نہیں کہ ہم کیا باتیں منہ سے نکال رہے ہیں۔ کن گندے خیالات کے اظہار پر سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ رہے ہیں۔ اور آنکھیں بند کر کے ایک آواز پر سب تالیاں بجانے لگتے ہو۔ اگر ایمانی جرأت نہیں تو دنیا داری کی شرافت ہی دکھاؤ۔ وہ جنہیں کافر کہتے ہو وہ بھی تو ایک دوسرے سے شرافت کا معاملہ کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں۔ کیا تم میں سے وہ طاقت بھی سلب ہوگئی۔ تم لعنتیں کر کے خوش ہوتے ہو۔ مگر تمہاری ان لعنتوں پر لعنت کرنے والے لوگ بھی پیدا ہوں گے۔

اب میں اس بات کو لیتا ہوں کہ میثاق النّبیّن والی آیت سے کیا مراد ہے۔ اور قادیان کے پہلے پارہ کے ترجمہ میں اس سے کیا مراد لی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ میں نے ساری دنیا کی تفاسیر نہیں پڑھیں۔ شاید میاں صاحب پڑھ چکے ہوں گے۔ اور میرا اس قدر حافظہ بھی نہیں کہ سب کو پڑھ کر اُن کے مختلف اقوال کو سر میں رکھ سکوں۔ الفضل میں بعض روائتیں پیش کی گئی ہیں۔ جن کا خلاصہ الفضل کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

> ''عربی کی ان عبارات میں نام بنام بتایا گیا ہے کہ بعض صحابہ اور تابعین اور ایک جماعت مفسرین کے نزدیک وہ رسولؐ جن کا اس آیت میثاق النّبیّن میں ذکر ہے اور جن کی بابت تمام نبیوں سے عہد لیا گیا تھا، وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ جن کی بابت تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا کہ جب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہو کر دنیا میں مبعوث اور تشریف فرما ہوں تو تم سب نے آپ پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا اور آپ ہی عہد کے رسول ہیں۔ اور بعض دیگر صحابہ اور تابعین اور ایک جماعت مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ آیت میثاق میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبیوںؑ سے یہ ایک عام عہد لیا گیا تھا کہ جب کوئی بھی نبی یا رسول تمہارے پاس آئے جو تمہاری کتاب وحکمت کی تصدیق کرتا ہو تو تم نے اس کی وحی ورسالت پر ایمان لانا اور اس کی نصرت و مدد کرنا۔ چنانچہ آدم سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ اپنے بعد میں آنے والے نبیوں اور رسولوں کی تصدیق کرے گا اور علیٰ ہذا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور دیگر انبیاء سے بھی یہ عہد لیا گیا تھا۔''

اب مطلب اس کا یہ ہوا کہ بعض صحابہؓ اور مفسرینؒ کے نزدیک تو یہ آیت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔یعنی رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ (81:3) صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعض کے نزدیک دوسرے انبیاء بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔جن کی پیشگوئی کسی پہلے نبی نے کی ہو۔

اب قبل اس کے کہ میں اس آیت کے اصلی معنی پر کچھ کہوں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ بہت سے بے بنیاد الزامات سے ایک یہ الزام بھی مجھ پر ہے کہ میں نے ان صحابہؓ اور مفسرینؒ کو فاسق کہا ہے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے اور کسی رسول کو اس پیشگوئی میں شامل سمجھا ہے۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (16:24) میرے الفاظ کو دوبارہ پڑھو اور غور کرو کہ تم نے کیسا جھوٹا الزام مجھ پر لگایا ہے۔ میں یہ اُمید رکھوں کہ آپ اس بے بنیاد الزام کو واپس لے لیں گے اور کھلے دل سے اعتراف کریں گے کہ غلطی ہوئی تو فضول ہے۔ کیونکہ یہاں چند غریبوں کو، جن کے پاس اصل واقعات نہیں پہنچتے، دھوکہ میں رکھنا مقصود ہے۔ میں مانتا ہوں کہ بعض وقت انسان سے جلدی کسی عبارت کے پڑھ جانے میں غلطی ہو جاتی ہے۔مگر نیک نیتی ہو تو غلطی پر رنج کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔لیکن افسوس کہ تم لوگ ایک مسلم کی حالت کو اپنے اندر پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ مسلم کا کام ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے۔اگر کسی پر الزام لگایا ہے وہ الزام جھوٹا ہے تو اُس کو واپس لینے میں جلدی کرے۔

دیکھو تم نے یہ ایک افتراء مجھ پر باندھا ہے کہ میں نے کہا ہے کہ جو شخص اس رسول مصدق کا مصداق آنحضرت کے ساتھ اور کسی کو بھی سمجھتا ہو وہ فاسق ہے۔ میں نے تو جو کچھ کہا وہ صرف یہ تھا کہ جو شخص اس پیشگوئی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہونے سے انکار کرتا ہے وہ اس وعید فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ (82:3) کے نیچے آتا ہے۔میرے الفاظ دیکھ لو:

> ’’لیکن اب حیدر آباد دکن میں ایک شخص اُٹھا اُس نے اپنے ایک خطبہ میں یہ کہہ دیا کہ جو رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ (81:3) یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مرزا صاحب ہیں۔‘‘
>
> اور خود اپنے اس حیدر آبادی مُفسّر کے الفاظ کو دیکھو:

’’جب اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس النّبییّن میں داخل ہیں کہ جب کبھی میں تم کو کتاب اور حکمت دوں ۔یعنی کتاب سے مراد توریت و قرآن کریم ہے۔ پھر تمہارے پاس ایک رسول آئے۔ مصدق ہوان سب چیزوں کا جو تمہارے پاس کتاب وحکمت سے ہیں ۔یعنی وہ رسول مسیح موعود ہے۔‘‘

اب خدا کے لئے شہادت دواور یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْتُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (135:4) کومدنظر رکھو۔آخر نجات تو قرآن پرعمل سے ہوگی کہ یہ شخص اس بات کا صاف اقرار کرتا ہے یانہیں کہ خدا نے سب نبیوںؑ سے مع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عہد لیا اور وہ عہد مرزا صاحب کے متعلق تھا کہ وہ رسول ہوکر آئیں گے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سب نبی اُن پر ایمان لائیں تو یہاں اس پیشگوئی کے آنحضرت ﷺ کے حق میں ہونے سے انکار صاف ہے۔کیا دکھا سکتے ہو کہ پہلے بھی کسی صحابیؓ یا مفسرؒ نے اس پیشگوئی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہونے سے انکار کیا؟ پھر یہ کھلا کھلا انکار تم نے اپنے اخبار میں شائع کیا۔ اوراس پر ساری جماعت کی زبانیں کٹ گئیں۔کسی نے نہ کہا کہ یہ شخص جھوٹ کہتا ہے اور بکواس کرتا ہے۔کئی مہینے گزر گئے۔ پیغام صلح میں مطالبہ بھی ہوا مگر کسی کی نہ زبان ہلی نہ قلم چلی۔اب دیکھو! کیا یہ سچ ہے یانہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تمہاری غیرت مرگئی ہے۔کوئی شخص آپؐ کی ہتک کرے تم کو غیرت اور جوش نہیں آتا۔لیکن تمہارے پیر کے خلاف ایک لفظ کوئی لکھ دے تو اس کی پگڑی اُتارنے کو تیار ہو جاتے ہو۔

پیارو! ناراض ہونے کی بات نہیں۔ واقعات پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہتک کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ اسے فخریہ شائع کیا۔پس تم سب نے اس پیشگوئی سے انحراف کیا اور دنیا میں یہ اعلان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ پیشگوئی نہیں بلکہ صرف مرزا صاحب کے حق میں ہے۔اس پر جو کچھ میں نے کہا محض اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر حملہ ہوتا تھا،قرآن کے ساتھ استہزاء کیا جاتا تھا۔ بات تو اب بھی صاف ہے۔اعلان کردیا جائے کہ میر محمد سعید کی تفسیر کو ہم باطل جانتے

ہیں۔ پیشگوئی کا اصل اور حقیقی مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہیں اور جو کچھ میر محمد سعید نے لکھا ہے اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ خدا کے لئے ایک شہادت ہوگی۔مشکل کچھ نہیں۔ غلط بات کو غلط کہہ دینے میں کیا حرج ہے۔ اگر دل سے اسے غلط سمجھتے ہو۔لیکن اگر تم اب اس قدر اصرار پر بھی میر محمد سعید کی تفسیرِ باطل کی اعلانیہ تردید شائع نہ کرو تو کیا پھر یہ قیاس کرنے کا حق نہ ہوگا کہ ترجمہ قرآن سے جو دوسرا حوالہ پیش کیا جاتا ہے وہ صرف دکھانے کے دانت ہیں۔

بہر حال خطبہ میں میرا روئے سخن میر محمد سعید جیسے غالیوں اور اس کے ان ہم خیال لوگوں کی طرف تھا جنہوں نے ان کے خیالات کو جماعت میں پھیلایا۔ اور پھر ان کی طرف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہتک پر خوش ہو گئے اور اس کی مخالفت میں قلم نہ اُٹھائی، نہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور مفسرین کی طرف۔ اور قادیان کے پارہ اول میں وَبِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ کے نیچے جو نوٹ تھا میرے نزدیک وہ بھی میر محمد سعید کی بات کی تائید کرتا تھا۔ اور اب بھی میں ایسا ہی سمجھتا ہوں جیسا کہ آگے چل کر دکھاؤں گا۔لیکن اگر بالفرض مجھ سے غلطی سے کوئی فقرہ ایسا لکھا جائے جس کی زد بدون میرے علم کے صحابہؓ پر پڑتی ہو تو میں اپنی ایسی تحریر کو واپس لینے میں اپنی ذلت نہیں سمجھتا۔ میں تو اُن کا خاکپا بھی نہیں۔ ان کی بے ادبی کرنا میرے وہم وگمان میں کبھی نہیں آسکتا۔لیکن الفضل میں جو کچھ میرے متعلق ہرزہ سرائی کی گئی ہے کہ میں صحابہ اور تابعین کو فاسق کہنے سے توبہ کروں۔ یہ محض بعض ناواقف لوگوں کو مجھ سے بدظن کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ میاں صاحب کی پارٹی خوب جانتی ہے کہ وہ جس بات کو پھیلاویں گے اس کی تردید تو ہر جگہ پہنچ سکتی ہی نہیں۔ کچھ دلوں میں اور بُغض میرے خلاف پیدا ہو جائے گا۔ سو یہ ذخیرہ جمع کرتے جانا اُن کو مبارک ہو۔ وہ بڑی بدبخت قومیں ہیں جو دوسروں کو بُرا کہنے میں اور اُن کے متعلق غلطیاں پھیلانے میں اپنا فخر سمجھتی ہیں۔ کاش! دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھنے سے پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھا ہوتا۔ مجھ پر حملہ کرنے میں تو صحابہؓ کی شان کے لئے کس قدر غیوری دکھائی جاتی ہے۔ اور اگر یہ غیوری صدق دل سے ہوتی تو میں تو خوش ہوتا۔ اگر مجھ پر ایسے ہی سو اور حملے کر لئے جاتے۔ مگر افسوس کہ یہ صرف دکھانے کے دانت ہیں۔

میاں صاحب نے ایک اصول باندھا ہے جس پر ان کو بہت مرتبہ توجہ دلائی گئی کہ اس کی رو سے اگر وہ اپنے چند مخالفین کو فاسق کہہ کر خوش ہولیں تو یہ خوشی اس بات کے مقابل کیا وقعت رکھتی ہے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو وہ نعوذ باللہ من ذالک فاسق ٹھہراتے ہیں۔ میاں صاحب کا مجوزہ اصول یہ ہے کہ مَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ (55:24) کے ماتحت وہ لوگ جو کسی خلیفہ وقت کی بیعت نہ کریں فاسق ہیں۔ چنانچہ اس فتویٰ کے ماتحت اُن احمدیوں کو فاسق بنایا جاتا ہے جو خود میاں صاحب کی بیعت نہیں کرتے۔ کیونکہ کسی غیر معلوم طریق سے مسیح موعود کی خلافت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کو یکساں سمجھتے ہیں۔ بہرحال اصول ان کا یہ ہے کہ مسیح موعود کے خلیفوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفوں کی جو شخص بیعت نہ کرے وہ فاسق ہے۔ خواہ وہ خلیفے منجانب اللہ مامور نہ ہوں۔

اب اس اصول کے ماتحت اول تو تمام صحابیہؓ عورتیں، جن میں سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرؓ ابھی شامل ہیں وہ اس فتویٰ کے ماتحت آتی ہیں۔ کیونکہ عورتوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت نہیں کی۔ پھر حضرت علیؓ نے چھ ماہ تک حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی۔ کیا ان چھ ماہ کے اندر وہ نعوذ باللہ من ذالک فاسق تھے۔ پھر اور سب باتوں کو چھوڑ کر حضرت معاویہ اور حضرت علیؓ کی جنگ کو لیتے ہیں۔ جس میں دونوں طرف صحابہؓ شریک جنگ تھے۔ اور بہت سے دونوں طرف سے شہید بھی ہوئے۔ کیا یہ سب کے سب صحابی نعوذ باللہ فاسق تھے۔ یا وہ صحابی جو حضرت معاویہ کے ساتھی تھے نعوذ باللہ من ذالک فاسق تھے۔ اور پھر حضرت معاویہ خود کیا ٹھہرے؟ اور پھر تعجب یہ کہ باوجود حضرت علی کی بیعت نہ کرنے کے اور بقول میاں صاحب فاسق رہنے کے وہ خلیفہ بھی بن جاتے ہیں!

دیانت وامانت کا تقاضا یہ ہے کہ یا تو اس اصول کو ترک کیا جائے یا پھر اعلانیہ ان سب لوگوں کو اس اصول کے ماتحت لایا جائے۔ پس جب سینکڑوں صحابیوں پر میاں صاحب کے اصول کی رُو سے فسق کا فتویٰ لگتا ہے۔ تو سعید بن جبیر کی فکر کس ایمانداری کی بنیاد پر ہے۔ مجھے کہا جاتا ہے کہ سعید بن جبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسرے بعض انبیائے سابقین کو بھی اس پیشگوئی رَسُوْلٌ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ کا مصداق سمجھتے تھے۔ تو میں نے گویا اُن کو نعوذ باللہ فاسق کہا ہے۔ مجھ پر تو یہ افترا ہے میں نے تو تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ (82:3) کے ماتحت یہ کہا تھا کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیشگوئی کا مصداق نہیں سمجھتا اور آپؐ کے رَسُوْلٌ

مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ (81:3) ہونے سے انکار کرتا ہے وہ بموجب منطوق آیت فاسق ہے۔ اور ایسا انکار کرنے والے سعید بن جبیر ہرگز نہیں۔ نہ تابعین میں سے کوئی ہے، نہ مفسرین میں سے کوئی ہے۔ میر محمد سعید حیدر آبادی مسلمان کہلانے والوں میں سے پہلا شخص ہے جس نے اس پیشگوئی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہونے سے انکار کیا اور الفضل کا ایڈیٹر دوسرا شخص ہے، جس نے اسے شائع کیا۔ اور ایسے رنگ میں شائع کیا کہ وہی مذہب ساری جماعت کا سمجھا آتا ہے۔ اور میاں محمود صاحب مع اپنی جماعت کے تیسرے نمبر پر اس کے ذمہ دار ہیں کہ انہوں نے باوجود مطالبہ کے میر محمد سعید کی تفسیر کی صحت سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ اپنی خاموشی سے اس کی صداقت پر مہر لگا دی۔

اب یہ جو ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگ چکا ہے اُس کو اس طرح دھونا چاہتے ہیں کہ مجھ پر کچھ افتراء کیا جائے۔ ورنہ صحابہؓ کی عزت کے لئے کب ان کو غیرت ہوئی تھی، جو دن رات اپنی مدح سرائی میں اور اپنے پیر کی مداح سرائی میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس شخص کو جو حضرت عمرؓ کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے قابل بھی نہیں، حضرت عمرؓ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ اگر یہ الفاظ میاں صاحب اور ان کی جماعت کو بُرے معلوم ہوں تو میں کم از کم اپنے لئے تو یہ اقرار کرنے کو تیار ہوں کہ میں اس مقدس انسان کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے بھی قابل نہیں۔ اور میاں صاحب اپنے خاص مقرب میر محمد اسحاق کے الفاظ کو یاد کریں کہ اُس نے کہا تھا کہ ابوبکرؓ وعمرؓ حضرت مسیح موعود کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے قابل نہیں۔

پس صحابہؓ کے لئے غیرت دکھانا اگر یہ صدق دل سے ہوتا، تو مجھے جو چاہتے کہہ لیتے مگر صدق نیت کا ثبوت دینے کے لئے میاں صاحب سے یہ اعلان کرا دیں اور یا خود کریں کہ ہم حضرت ابوبکرؓ یا حضرت علیؓ کی بیعت نہ کرنے والوں کو فاسق نہیں کہتے۔ یا پہلے کسی امام کا قول دکھا دیں کہ اس نے بھی ایسی جرأت کی ہو۔

اور یہ کہنا کہ فاسق کے معنی باغی ہیں یہ ایک جھوٹ کو قائم رکھنے کے لئے دوسرا جھوٹ بولنا ہے۔ حدیث میں، تاریخ میں، عربی علم ادب میں کہیں فاسق کا لفظ بمعنی باغی استعمال ہوا دکھا دو۔ **خُرُوُجٌ عَنِ الْحَقِّ** یا **خُرُوُجٌ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ** کو کسی غیر مامور خلیفہ کے انکار یا عدم بیعت کے ہم معنی قرار دینا جہالت ہے۔ پیر مریدوں کو نئے عقائد تو بنا کر دے سکتا ہے اور اس کے مرید ان عقائد کو مان بھی لیں گے، مگر لغت نئی بنا دینا اور

مریدوں کا اس لغت کو مان لینا، یہ کمال میاں صاحب میں ہی دیکھا گیا ہے!

اب سوال اصلی یہ ہے کہ آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (81:3) کے کون سے معنی درست ہیں۔ وہ معنی جو سعید بن جبیر نے کئے ہیں یا وہ معنی جو اوروں نے کئے ہیں۔ یعنی ایک معنے تو آیت کے یہ ہوئے کہ ہر نبی جو دنیا میں ظاہر ہوا، اس سے عہد لیا گیا کہ تمہارے بعد جو دوسرا نبی آئے اس پر تم نے ایمان لانا ہوگا۔ یعنی جب وہ ظاہر ہو جائے گا تو پہلے نبی کا زمانہ ختم ہو کر دوسرے نبی کا زمانہ شروع ہو جائے گا۔ اور چونکہ وقت کا نبی پھر وہ دوسرا نبی ہوگا۔ اس لئے اسی کا ماننا ضروری ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ معنی بھی درست نہیں۔

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ خود حضرت مسیح موعود نے کن معنوں کو درست قرار دیا۔

حقیقۃ الوحی صفحہ 130 پر اس آیت کا ترجمہ آپ نے بدیں الفاظ کیا ہے:

''اور یاد کرو جب خدا نے تمام رسولوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں گا۔ اور پھر تمہارے پاس آخری زمانہ میں میرا رسول آئے گا جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے گا۔ تمہیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی اور کہا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس عہد پر استوار ہو گئے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کر لیا۔ اب ظاہر ہے کہ انبیاء تو اپنے اپنے وقت پر فوت ہو گئے تھے یہ حکم ہر نبی کی اُمت کے لئے ہے کہ جب وہ رسول ظاہر ہو تو اس پر ایمان لاؤ۔ ورنہ مواخذہ ہوگا۔''

اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسی کتاب کے صفحہ 178 پر تحریر فرمایا ہے:

''ہر ایک اُمت سے بذریعہ ان کے نبی کے یہ عہد لیا گیا تھا کہ جب حضرت خاتم الانبیاء پیدا ہوں تو اُن پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔''

یہی معنی حضرت خلیفۃ المسیح مرحوم ہمیشہ لیتے رہے۔ چنانچہ یہی معنی ان کے درس کے نوٹوں میں موجود ہیں۔ یہی معنی مولوی سرور شاہ نے اپنی تفسیر میں کئے ہیں۔

’’جبکہ ہم نے سب انبیاء سے ان کے اپنے اپنے زمانہ میں پختہ عہد لیا تھا کہ کتاب و حکمت سے جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہو...... پھر تمہارے پاس کوئی ایسا رسول آ جائے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو ضرور ہی تم اس پر ایمان لاؤ گے......اس کی تفسیر میں یہی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا ہے......اور شہادت کے بعد پھرنے والوں کے فسق کا ذکر کر کے بتایا۔‘‘

اب مجھ پر تو اس قدر طیش کا اظہار ہے کہ میں نے ان لوگوں کو فاسق کیوں کہا جو پیشگوئی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ مگر یہاں مولوی سرور شاہ کا فتویٰ موجود ہے کہ شہادت کے بعد پھرنے والے فاسق ہیں۔ اب حضرت مسیح موعود کا یہی مذہب، حضرت خلیفۃ المسیح کا یہی مذہب، خود تمہارے بڑے مولویوں کا پہلا مذہب یہی۔ پھر جو لوگ احمدی جماعت میں ہو کر پھر اس پیشگوئی سے انحراف کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس کے ہونے سے انکار کر کے کسی دوسرے پر لگائیں وہ تو یقیناً فاسق ہیں۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے سلسلہ کا یہی مذہب رہا ہے کہ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے۔ اور دوسرے معنی کی طرف کسی نے توجہ بھی نہیں کی۔ اس لئے اب جو قرآن شریف کے نوٹوں میں یہ معنی درج کئے گئے ہیں تو آخر اُن کی غرض کیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس تبدیلی میں تقدّم کا سہرا مولوی میر محمد سعید صاحب حیدر آبادی کے سر پر ہے۔ ان کی اتباع میں ہی ترجمہ قرآن میں یہ معنی داخل کئے گئے ہیں۔ ہاں اُنہوں نے اس بات کو ایسے رنگ میں پیش کیا کہ وہ طبائع کو بہت قبیح معلوم ہوتی ہے۔ پہلے پارہ میں اس کو اوپر سے خوبصورت بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر غرض دونوں کی اگر بالکل متحد نہیں تو قریباً ایک ہی جا ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا حضرت مسیح موعود بھی رسولِ مصدق ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ تو گو ایک جگہ یعنی صفحہ 43 و 44 پر قادیان کے ترجمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسولِ مصدق مانا ہے۔ مگر دوسری جگہ یعنی بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (4:2) میں یہ مانا ہے کہ مرزا صاحب بھی رسولِ مصدق ہیں۔ کیونکہ اس آیت کو بطور دلیل پیش کیا ہے اس امر پر کہ مرزا صاحب کو رسول ماننا ضروری ہے۔ تو گویا ترجمہ کے ایک مقام کی رو سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسولِ مصدق ہوئے اور دوسرے مقام کے لحاظ سے مسیح موعود رسول مصدق ہوئے۔ لیکن اب ایک اور دقت ہے۔ اگر مسیح موعود رسولِ مصدق ہیں تو اس لئے (جیسا کہ میر محمد سعید صاحب نے کہا) کہ کُل نبیوں سے مع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ عہد لیا گیا کہ جب مرزا صاحب ظاہر ہوں تو ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ تو اب میر محمد سعید کی دلیل یہ ہے کہ کُل نبی جن کو کتاب اور حکمت دی تھی اُن سے میثاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو نہیں لیا گیا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود کتاب و حکمت والے نبی ہیں۔ پس سارے نبیوں سے میثاق نہ ہوا۔ لیکن مسیح موعود کے متعلق تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی میثاق لیا گیا۔ پس کل نبیوں سے میثاق مسیح موعود کے لئے لیا گیا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ اور یہ بدیہی اور کھلا نتیجہ ہے اس شخص کے کلام کا جو کہتا ہے کہ آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ (81:3) کے ماتحت مسیح موعود بھی رسولِ مصدق ہو سکتے ہیں اور یہی وہ بات ہے جو بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (4:2) کی تفسیر میں قادیان کے شائع شدہ ترجمہ میں لکھی گئی ہے۔

ان لفظوں پر دوبارہ غور کرلو۔

> ''پیچھے آنے والی وحی اور رسالت پر ایمان لانے کا ذکر بطور قاعدہ کلیہ کے اس آیت میں ہوا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ''(صفحہ 12)

تثلیث کے عقیدہ کی طرح اگر ایک امر کو صفائی کے ساتھ بیان کرنا مقصود نہ ہو تو اور بات ہے۔ ورنہ بات تو صاف ہے کہ اوپر لکھا ہے۔

> ''گویا یہاں تین وحیوں کا ذکر ہے جن پر متقی ایمان لاتا ہے ایک وہ وحی جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور ایک وہ وحی جو آپ سے پہلے نازل ہوئی اور ایک وہ وحی جو پیچھے اترنے والی ہے۔''

اور اسی پر یہ نوٹ ہے کہ ''پیچھے آنی والی وحی و رسالت پر ایمان لانے کا ذکر بطور قاعدہ کلیہ کے اس آیت میں ہوا ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ''۔

اب اگر تو لکھنے والے کا یہ مذہب ہو کہ پیچھے آنے والی وحی کسی خاص شخص کی وحی تک محدود نہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ اس قاعدہ کلیہ کا ذکر یہاں اس غرض کے لئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو رسول آتے رہیں گے وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے رہیں گے۔ مگر ان مترجمین کا ہرگز یہ خیال نہیں کہ اور بھی رسول آتے رہیں گے۔ بلکہ پیچھے آنے والی وحی کو محدود کر دیا ہے مسیح موعود کی وحی پر۔ پس ایک وہی پیچھے آنے والی وحی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آئے گی۔ کیونکہ جہاں یہ لفظ لکھے ہیں" اور ایک وہ وحی جو پیچھے اُترنے والی ہے۔" اس کے ساتھ ہی یہ فقرہ ہے" اور یہ وہ وحی ہے جو سورۃ الجمعہ نمبر 62 آیت 2،3 هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ. وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ(3-2:62) میں موعود ہے۔" تو پس معلوم ہوا کہ ان مترجمین کے اعتقاد کی رو سے الاٰخرۃ سے مراد صرف ایک مسیح موعود کی وحی ہے۔ مزید تشریح خود وہیں موجود ہے۔

> "اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثت بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک تو وہ بعثت جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اور ایک دوسرا بعثت جو آخری زمانہ میں ہونا مقرر تھا۔ چنانچہ احادیث اور قرآن شریف کی دیگر آیات سے ثابت ہے کہ وہ صاحب وحی شخص مسیح موعود اور مہدی معہود ہے جس کی وحی پر یقین لانا ویسا ہی ضروری ہے، جیسا کہ دوسری وحیوں پر"

اب اس سارے بیان سے ظاہر ہے کہ اس پارہ کے شائع کرنے والوں کے نزدیک الاٰخرۃ سے مراد صرف مسیح موعود کی وحی ہے نہ کوئی اور وحی۔ اور یہی پیچھے آنے والی وحی و رسالت ہے۔ تو اب جس صورت میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ کُل نبیوں سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عہد لیا گیا کہ مسیح موعود پر ایمان لانا۔ اور سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی نبیوں سے میثاق لیا گیا کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا۔ تو اب بتاؤ کہ حقیقی مصداق اس پیشگوئی میثاق النّبیّٖن والی کا کون ہوا۔ وہ شخص جس پر صرف قومی نبیوں کا اتفاق ہوا یا وہ شخص جس پر قومی نبی بھی متفق ہوئے اور اُن کے سرتاج رَحۡمَةً لِلۡعَالَمِیۡنَ اور لِلۡعَالَمِیۡنَ نَذِیۡرًا بھی

متفق ہوئے۔

عقائد کو گول مول رکھنا مومن کا کام نہیں۔ یا تو صاف کہو کہ کُل صاحب کتاب نبیوں سے میثاق صرف مرزا صاحب کے لئے لیا گیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں۔ اور یا یہ کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول نہیں۔ اس لئے رسولِ مصدق آپؐ ہی ہو سکتے ہیں نہ کوئی اور۔ جب مرید یہ بحثیں کر رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسولِ مصدق نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان پر کُل صاحب کتاب نبیوں کا اتفاق نہیں ہوا۔ تو میاں صاحب کا اب یہ انکار کرنا بے معنی ہے۔ ان سوالوں کا جواب صفائی سے دو۔

1۔ کیا حضرت مسیح موعود رسول ہیں یا نہیں۔

2۔ کیا حضرت مسیح موعود کے متعلق کُل صاحب کتاب نبیوں سے میثاق لیا گیا یا نہیں۔

اگر سوال اول کا جواب نفی میں ہے تو بھی معاملہ صاف ہے کہ جب وہ رسول ہی نہیں تو رسولِ مصدق کیسے ٹھہریں گے۔ لیکن اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہے کہ وہ رسول تو ہیں تو اب دوسرے سوال کا جواب صفائی سے دو اور جو کچھ مرید کہہ رہے ہیں اور جسے الفضل چھاپ چکا ہے، اس کا اعتراف کرو یا انکار کرو کہ مسیح موعود کے متعلق کُل نبیوں سے میثاق لیا گیا یا نہیں۔ لیکن باطل عقیدہ والے کو صفائی سے بات کرنے کی کبھی جرأت نہیں ہوتی۔ گول مول باتیں کر کے اِدھر کی اُدھر بات لے جائیں گے۔ مگر صاف اور سیدھا جواب کبھی نہ دیں گے۔ اگر مرزا صاحب رسول بھی ہیں اور ان کے متعلق کُل نبیوں سے میثاق بھی لیا گیا تو پھر تو رسولِ مصدق وہی ہوئے۔ اور اگر مرزا صاحب رسول نہیں یا رسول تو ہیں مگر کل نبیوں سے ان کے متعلق میثاق نہیں لیا گیا تو بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسولِ مصدق ہو سکتے ہیں۔

مگر میں جانتا ہوں کہ ان میں کسی بات کا اعتراف کرنا ان لوگوں کے لئے موت ہے۔ یہ کبھی یہ نہ کہیں گے کہ مسیح موعود کے متعلق کُل نبیوں سے میثاق نہیں لیا گیا۔ حالانکہ اگر اتنی بات کہہ دیں تو کم از کم اتنا عقیدہ ان کا معلوم ہو جائے گا کہ حقیقی مصداق تو یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی سمجھتے ہیں۔ مگر مرزا صاحب کو بھی کسی دوسرے معنی کی رُو سے جو سعید بن جبیر نے کئے ہیں اور جنہیں محض دھوکا دینے کے لئے بطور ایک آڑ کے پیش کیا

گیا ہے مرزا صاحب کو بھی اس میں شریک سمجھتے ہیں۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر رسولؑ گذرے ہیں۔ اگر ان کو بوجہ کسی پہلے نبی کی پیشگوئی کے رسولِ مصدق مانا جائے تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کوئی نہیں۔ کیونکہ حقیقی اور کامل مصداق اس پیشگوئی کی آپؐ کی ذات بابرکات ہی ہوگی۔ لیکن اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول، رسولِ مصدق ہے۔ تو پھر حقیقی اور کامل مصداق پیشگوئی کا وہ ہوگا۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ غرض جب تک کہ صفائی سے مذکورہ بالا دونوں سوالوں میں سے ایک کا جواب نفی میں نہ دیا جائے، اس وقت تک باوجود اس کے کہ جو پہلے پارہ کے نوٹوں میں قادیان سے نکلا ہے، حقیقی مصداق میثاق النّبییّن کے مرزا صاحب ہوں گے نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور میاں صاحب کا مذہب وہی قرار پائے گا جو میر محمد سعید کا مذہب ہے۔ اور جس کی صداقت پر میاں صاحب بمع ان کی جماعت کے اپنی خاموشی سے مہر لگا چکے ہیں۔

افسوس کہ ان لوگوں نے کبھی اتنا بھی غور نہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق میثاق لینے کے تو یہ معنی تھے کہ کُل انبیاء پر آپ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اگر آپ کے زمانہ میں ان انبیاء میں سے کوئی زندہ ہوتا تو وہ بھی آپؐ کا متبع ہوتا لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ حدیث اس پر شاہد ہے اور یہی مطلب اس صورت میں لیا گیا ہے۔ جہاں ایک نبی کو دوسرے کا مصدق قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ہر ایک نبی اگر اپنے بعد کے نبی کے زمانہ میں ہوتا تو اُس پر ایمان لاتا۔ اس کے معنی تو صاف یہ ہیں کہ جب ایک نبی آجاتا ہے تو اس وقت سارے لوگ جو اُس وقت زندہ موجود ہوں ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس نبی پر ایمان لائیں۔ حتیٰ کہ اگر ایک نبی بھی اُس وقت زندہ ہو تو اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس دوسرے نبی پر ایمان لائے جو اپنے وقت کا نبی ہے۔ تو اس میثاق اور رسول مصدق کا مطلب تو صرف یہ تھا کہ ہر نبی جب آجاتا ہے تو وہ اپنے وقت کا نبی ہوتا ہے۔ اور اس وقت حقیقی متبوع وہی ہوتا ہے نہ کوئی پہلا نبی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے رسولِ مصدق ہوئے اور اس لئے سب نبیوں سے عہد لیا گیا کہ جب آپ آئے تو کُل دنیا پر فرض ہو گیا کہ آپ کی اتباع کرے۔ اگر کوئی پہلا نبی بھی آپ کے وقت میں زندہ ہوتا تو آپ کا متبع ہوتا۔

لیکن جب اس آیت کے ماتحت مسیح موعود کو رسولِ مصدق قرار دیا گیا اور کم از کم یہ تسلیم کیا گیا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میثاق لیا گیا تھا۔تو یہ ماننا پڑے گا کہ مسیح موعود اپنے وقت کا رسول ہے۔اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس وقت زندہ ہوتے تو نعوذ باللہ من ذالک وہ مرزا صاحب کے پیرو ہوتے۔تعجب آتا ہے کہ ایسے عقائد پیش کرتے وقت ان لوگوں کی غیرت ایمانی کیوں مرجاتی ہے؟ جب تم نے ،قاعدہ کلیہ کے طور پر ہی سہی، مسیح موعود کو رسولِ مصدق قرار دیا تو گویا یہ مانا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وعدہ لیا گیا تھا کہ جب اُن کا ایک اُمتی انہی سے سب فیض حاصل کرنے والا دنیا میں ظاہر ہو۔اور آپ بھی اس کے وقت میں موجود ہوں تو آپ پھر اس کے پیرو اور اس کی متبع ہوں۔آپ اس کی نصرت کریں۔وہ مؤمِن بہٖ ہو اور آپ مومن ہوں۔وہ متبوع ہو اور آپ تابع ہوں۔وہ منصور ہو اور آپ ناصر ہوں۔

میں کہتا ہوں ساری باتوں کو چھوڑ دو۔ہم مان لیتے ہیں کہ سعید بن جبیر والے معنی تم نے لئے مگر یہ معنی لے کر گویا یہ قرار دیا کہ جس طرح پر پہلے رسول کو یہ حکم ہوتا تھا کہ اگر اس کے بعد والا نبی اس کے زمانہ میں آجائے تو اس پر لازم ہوگا کہ بعد والے نبی کی پیروی کرے۔اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ جب اُن کا ایک غلام ظاہر ہو اور آپ اُس وقت زندہ ہوں تو ضروری ہوگا کہ آپ اس کی پیروی کریں۔یعنی پہلے تو آپ متبوع اور وہ تابع تھا۔مگر جب اس تابع کو نبوت مل گئی تو پھر وہ متبوع اور آپ تابع ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت پر رحم کرے کہ یہ اپنے غلو میں کہاں تک ترقی کر گئے ہیں۔اور پھر اس مثل کے مطابق کہ ''اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' مجھ پر حملہ آور ہیں کہ تم نے صحابہؓ کی ہتک کی۔مگر خود یہ ظلم کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کر رہے ہیں۔اور پھر جب توجہ دلائی جاتی ہے تو پروا نہیں کرتے!

اس ترجمہ کے اوپر لکھا گیا ہے کہ ''حسبِ ارشاد و زیرنگرانی'' میاں صاحب کے شائع ہوا ہے۔تو کیا میاں صاحب کا فرض نہیں کہ اس عقیدہ کو صاف کریں کہ آیا جیسا کہ اُنہوں نے بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (4:2) کے نیچے نوٹ لکھا ہے۔کیا درحقیقت ان کا یہی عقیدہ ہے کہ مرزا صاحب بھی رسولِ مصدق ہو سکتے ہیں۔یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاہدہ لیا گیا تھا کہ جب مرزا صاحب ظاہر ہوں تو تم نے ان پر ایمان لانا ہوگا۔جب تک وہ اس بات سے صاف انکار کر کے اس نوٹ کو جھوٹا قرار نہ دیں اور اُس کی تردید علی الاعلان شائع نہ کریں۔یہی اُن کا مذہب سمجھا جائے گا۔

اور پھر اُن کے مریدین کی یہ شکایت، کہ میں نے اُن کے عقیدہ کے متعلق غلط بیانی کی ہے کسی توجہ کے قابل نہ ہوگی۔ میاں صاحب خوب یاد رکھیں کہ آگ لگا کر وہ الگ کھڑے نہیں ہو سکتے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ آگ جو وہ میرے ترجمہ قرآن کے مسودوں کو لگانا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے اس میں اپنی اور اپنی جماعت کی غیرتِ اسلامی کو جلا دیا ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ اس نوٹ کی کھلی کھلی تردید کریں۔ ورنہ یہ عذر اُن کا کچھ کام نہیں دے سکتا کہ ہم نے دوسری جگہ اس پیش گوئی کے متعلق یہ لکھ دیا ہے۔

اس کے معنی تو صرف اس قدر ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اپنے وقت کا نبی متبوع سمجھتے ہیں اور مسیح موعود کو اپنے وقت کا نبی متبوع۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ خلافت کا بوجھ جو میاں صاحب کے والنٹیئر بننے میں رکاوٹ کا باعث ہوگیا ہے۔ وہ کم ازکم اس مسئلہ کے صاف کرنے میں رکاوٹ کا موجب نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کی خلافتِ مَزعُومہ کی اصل غرض تو اپنی جماعت کے عقائد کی درستگی ہونی چاہئے۔ اب وہ فیصلہ کریں کہ اس وقت کے نبی متبوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا مسیح موعود۔ یعنی اگر مسیح موعود کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو مسیح موعود متبوع اور آپؐ تابع ہوتے یا برعکس۔ صورت اول میں یعنی مسیح موعود کو متبوع مان کر وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے قائل نہیں ہو سکتے۔ صورت ثانی میں ان کا یہ نوٹ، کہ مسیح موعود کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میثاق لیا گیا تھا کہ آپ بھی اگر اس وقت زندہ ہوں تو مسیح موعود پر ایمان لائیں، جھوٹ ٹھہرتا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نبیوں پر بھی تو ایمان لاتے تھے۔ اس سے یہ واجب نہیں ہو جاتا کہ وہ پہلے نبی اُن کے لئے بطور متبوع کے ہوں اور آپ تابع ہوں۔ تو یہ ایک دھوکا ہے اور اسی قسم کے دھوکوں اور مغالطّوں سے ہی گمراہ کرنے والے عقائد ہمیشہ پھیلائے جایا کرتے ہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ جس رسول سے عہد لیا گیا ہے کہ اگر فلاں رسول آئے تو تم نے اس پر ایمان لانا ہوگا۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ اگر بفرض محال وہ رسول اس پچھلے آنے والے رسول کے وقت میں زندہ ہو تو اُس پر ایمان لائے اور اس کو اپنا متبوع بنائے؟ حدیث لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِيْ نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر موسیٰؑ وعیسیٰؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زندہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم متبوع ہوتے اور وہ تابع

ہوتے۔ پس رسول جس پر عہد لیا گیا ہے۔ وہ تو بلحاظ اس کی عظمت کے ہی عہد لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اس قدر عظمت دی ہے کہ اگر دوسرا کوئی رسول بھی اُس کے زمانہ میں زندہ ہوتا تو وہ اسی کا متبع ہوتا۔ اور اسی لئے لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ کے ساتھ لَتَنْصُرُنَّهٗ (81:3) کا لفظ بھی لایا گیا ہے کہ اصل اس زمانہ کا پیشوا وہی ہوگا اور دوسرے سب بطور ناصر اور مددگار کے ہوں گے۔ اس لئے جس صورت میں کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس عہد کا لیا جانا مانتا ہے کہ تمہارے بعد تمہاری اُمت میں ایک مسیح موعود ہوگا۔تم نے اس پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ یعنی جدھر وہ تم کو لے جائے اُدھر جانا ہوگا اور جو کام وہ تم کو کہے وہی تم کو کرنا ہوگا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ہتک کر رہا ہے۔ جن لوگوں کا کام اسی قسم کی گڑبڑ ڈالنے سے چلتا ہے ان کو تو اختیار ہے کہ یہ بھی کہہ دیں کہ خدا بھی مومنوں کی نصرت کرتا ہے۔ مگر صحیح حواس والا انسان یہ بات بطور وکیل پیش نہیں کرسکتا۔ جو کسی رسول کے انصار اور مددگار انسانوں کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ وہ رسول جس طرح اُن کو حکم دیتا ہے۔ اسی طرح وہ مانتے چلے جاتے ہیں۔ اور اپنے قویٰ کو، مال کو، جانوں کو اس رسول کی خدمت میں لگا دیتے ہیں۔ تو گویا ترجمہ قادیان میں یہ اعتقاد ظاہر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسیح موعود کی اس قسم کی نصرت کا عہد لیا گیا تھا۔ جس کے معنی صاف الفاظ میں یہ ہوئے کہ مسیح موعود اپنے زمانہ میں ایک ایسا رسول ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے زمانہ میں زندہ ہوتے تو اس کے متبعین میں سے ہوتے۔ ان مزخرفات سے خدا کی پناہ! اور پھر بجائے اس کے کہ ان بیہودگیوں سے توبہ کریں اُلٹا الزام ہم کو دیتے ہیں۔ جب تک اس عقیدہ سے توبہ نہ کرو اس وقت تک یہ لکھ دینا کہ اس پیشگوئی کو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مانتے ہیں۔ محض ایک قوم کو مغالطہ میں ڈالنا ہے۔ مجھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ (81:3) کے جو معنی تم نے کئے ہیں کہ یہاں مراد ''نبیوں کا اپنی اُمتوں سے عہد لینا ہے'' یہ غلط ہیں۔ اور کوئی عالم یا زبان دان معنوں کو درست قرار نہیں دے گا۔ یہ بھی ان لوگوں کی ایک عجیب چال ہے کہ جو کچھ میں کہوں اس پر اعتراض کر دیں گے کہ یہ غلط ہے۔ اب وہ بیچارے جن تک اس کا جواب تو پہنچتا نہیں وہ کس نتیجہ پر پہنچیں۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے اخبار میں میرے جواب کو چھاپ لیں۔ اوروں کو تو چھوڑو، اخبار نور میں میرے متعلق غلط بیانی کی گئی۔ میں نے اُس کا جواب لکھا۔ شائع نہیں کیا۔ حالانکہ مجھ سے وعدہ بھی کیا کہ میں شائع کر دوں گا۔ تو یہ تو ان لوگوں کی حالت ہے۔ غرض صرف عوام کو دھوکا دینا ہے کہ محمد علی قرآن نہیں جانتا۔

اس میں تو شک نہیں کہ میں فضیلت کا مدعی نہیں اور ترجمہ کرنے یا تفسیر کرنے میں تو فاضلوں سے بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ پس میری کسی غلطی کو لے کر اس پر ڈھول بجانا یہ کوئی بڑی فضیلت یا کمال کا ثبوت نہیں۔ لیکن آج تک جو پہلے اعتراض، ان لوگوں نے کئے، ان پر منہ کی کھانے کے باوجود باز نہیں آئے۔ پیسہ اخبار میں میرے درس پر اعتراض کئے۔ جب میں نے دکھایا کہ تفاسیر میں وہی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ حضرت مولوی نور الدین مرحوم وہی معنی کرتے رہے۔ مولوی سرور شاہ نے وہی معنی کئے تو پھر خاموش ہیں۔ اسی طرح پیسہ اخبار کو مجھ پر اعتراض کرنے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ ''نکات القرآن'' کا پہلا حصہ نکلنے پر پیسہ اخبار میں جو اعتراض چھاپے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اُنہوں نے غلط لکھا ہے کہ ہر ایک کام کی ابتدا بسم اللہ ہونی چاہئے۔ حدیث میں اس کے خلاف ہے۔ یعنی وہاں کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ ہے اور اس لئے اب اردو ترجمہ کے نوٹوں میں ''ذیشان'' کا لفظ کام کے ساتھ بڑھا دیا ہے۔ یعنی یہ لکھا ہے کہ مسلمان ہر ایک ذیشان کام کی ابتدا کرتے وقت اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ مگر انگریزی ترجمہ کے نوٹوں میں پھر اس کے خلاف کیوں لکھا؟ جہاں لکھا ہے Every deed small or great ہر ایک کام چھوٹا ہو یا بڑا اس کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ پڑھی جاتی ہے۔ اور پھر اردو نوٹوں میں بھی حافظہ نے یاوری نہ کی۔ خود ہی صفحہ 8 پر یہ حدیث بھی نقل کی ہے کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَا یُبْدَءُ فِیْہِ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فَھُوَ اَجْذَمُ یعنی ہر ایک کام جو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے۔ پس جہاں نیت یہ ہو کہ صرف ایک شخص کو بدنام کرنا ہے۔ وہاں جواب دینا نہ دینا برابر ہے۔ نیک نیتی کا پہلو اگر موجود ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ ان لوگوں نے اس ضروری اصول کو ہی بھلا دیا ہے۔ پھر ایک مدت تک ساری جماعت میں اس امر کی تشہیر کی جاتی رہی کہ قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ (91:6) کے معنی محمد علی نے غلط کئے ہیں۔ اس لئے ان کا ترجمہ قرآن بالکل ردی ہے۔ بڑے بڑے ایماندار مولویوں نے جگہ جگہ اس بات کی تشہیر کی۔ حالانکہ میں نے بارہا کہہ دیا تھا کہ یہ معنی جو رسالہ ''کفر و اسلام'' میں مَیں نے لکھے ہیں وہ صرف حضرت مولانا نور الدین مرحوم کے الفاظ کی نقل ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ پر انہوں نے انہی باتوں کو مدنظر رکھ کر لکھنے کا اشارہ فرمایا تھا۔ مگر اُن لوگوں کی ایمانداری کیا اس بات کو چاہتی ہے کہ میرے کسی جواب پر غور کریں۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ یہ معنی حضرت مولوی صاحب مرحوم کی زندگی میں آپ کی ڈائری کے عنوان میں پیغام صلح میں چھپ چکے ہیں۔

مگر یہاں تحقیقِ حق سے کس کو غرض! میں نے صاف کہا کہ میرے اپنے ترجمہ قرآن میں یہ معنی نہیں۔ اصل مسودہ اب تک موجود ہے۔ میں نے کبھی یہ معنی خود نہیں کئے۔ مگر اس کی کسے پرواہ ہے کہ اصل بات کیا ہے۔ سچ ہو یا جھوٹ کوئی بات مل جائے جس سے محمد علی بدنام ہو سکے اور ایک غلطی خوردہ جماعت اسے گالیاں دینا ثواب سمجھے۔ حضرت مرحوم کی زندگی میں تو کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا۔ مگر میرے ترجمہ کے خلاف صرف یہی ایک ہتھیار رہے۔ حتیٰ کہ خود میاں صاحب کو جب خطبہ جمعہ میں یہ اعلان کرنا پڑا کہ اُن کا ترجمہ محض ردی ہے جو جلانے کے قابل ہے (مجھے افسوس ہے کہ یہ سردیوں کا موسم تو میاں صاحب کی خواہش کے پورا ہوئے بغیر ہی گزر گیا۔ شاید آئندہ سردیوں میں میرے مسودات کو جلا کر سینکیں گے) تو اس کے لئے بھی عذر یہی ہے کہ اس میں قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ (91:6) کا ترجمہ غلط ہے۔ اتنا بھی خوف خدا نہ کیا کہا اپنے استاد مرحوم (مولٰینا نور الدین) کی کچھ عزت کرتے اور میری غلطیوں کو دیکھنا تھا تو میرے ''نکات القرآن'' کا ایک حصہ شائع ہو چکا تھا، اس میں سے بتاتے کہ کون کون سے مقام غلط ہیں۔ پھر میں کہتا ہوں اگر حضرت مولوی صاحب مرحوم نے کوئی اور معنی اس کے کئے ہوں تو پھر تم لوگوں کے لئے کیسا ماتم کا دن ہوگا۔ بات تو صرف اسی قدر ہے کہ قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ (91:6) کا ترجمہ ''اللہ منوا کر چھوڑ دینا'' اس لئے غلط ہے کہ قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ (91:6) جواب ہے مَنْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِہٖ مُوْسٰی (91:6) کا۔ اور مطلب صرف یہ ہے کہ وہ کتاب بھی اللہ نے ہی اُتاری تھی۔ اور اس کے سوا کوئی اور معنی نہیں ہو سکتے۔ اب میں حضرت مولوی صاحب مرحوم کے درس کے نوٹوں سے دکھاتا ہوں کہ حضرت مولوی صاحب نے اس کے کوئی اور معنی بھی کئے ہیں۔ دیکھو صفحہ 85۔ ان نوٹوں کے پہلے کالم میں یہ الفاظ ہیں۔

> ''تیسرا مرتبہ آخری یہ ہے کہ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (30:41) اور قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ اللہ ہی اللہ رہ جائے۔''

اب یہاں حضرت مرحوم نے قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ (91:6) کے معنی کئے ہیں اللہ ہی اللہ رہ جائے۔ حالانکہ سیاق وسباق عبارت سے تو یہ معنی ویسے ہی غلط ہیں۔ جیسے اللہ منوا کر چھوڑ دو۔

اب اگر نیک نیتی سے مجھ پر اعتراض تھا اور اس بنا پر میرے ترجمہ کو ردی اور جلانے کے قابل قرار دیا

تھا تو اس کے بعد چاہیئے کہ الفضل کے ان سارے پرچوں کو جلا دو جن میں اس آیت پر اعتراض چھپے ہیں۔ اور بالخصوص اس خطبہ والے پرچوں کو۔ ورنہ کم از کم حضرت مولوی صاحب کے درس کے نوٹوں کو ہی اپنے مریدوں سے اکٹھا کر کے جلا دو کہ ان میں بھی اس آیت کے معنی غلط لکھے ہیں جس کا الزام مجھ پر ہے۔ کیا یہی تقویٰ ہے۔ جس پر مَقَامٌ مَّحْمُوْدٌ کا دعویٰ ہوتا ہے۔ اور مریدوں سے اشتہار شائع کرائے جاتے ہیں کہ سب سے اعلیٰ مقام جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل سکتا تھا وہ مَحْمُوْدٌ کے وجود میں ملا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

اب میثاق النّبیّین کے ترجمہ کی غلطی کو دیکھئے۔ جس کا بڑے زور سے اخبار الفضل میں اعلان کرایا ہے کہ کسی عالم کے نزدیک یہ معنی درست نہیں کہ نبیوں نے اپنی اُمتوں سے عہد لیا تھا۔ سو سب سے پہلے تو مسیح موعود کو چھوڑ و اور ان عالموں کے پیچھے لگو جن سے تم نے صحیح معنی کرنے سیکھے ہیں۔ کیونکہ حقیقۃ الوحی کے صفحہ 178 حاشیہ پر آپ اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں:

''اسی وجہ سے قرآن شریف فرماتا ہے کہ ہر ایک اُمت سے بذریعہ ان کے نبی کے یہ عہد لیا گیا تھا۔''

تعجب ہے کہ تم لوگ کیوں حقیقۃ الوحی کی اشاعت کے وقت خاموش بیٹھے رہے اور مرزا صاحب کے قرآن سے ناواقف ہونے کا اعلان کر کے میاں محمود کو پیر نہ بنالیا! کیونکہ یہی وہ معنی ہیں جو میں نے کئے ہیں کہ نبیوں کے واسطہ سے ان کی اُمتوں سے عہد لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اُمتوں سے جو عہد لیتا ہے وہ بواسطہ انبیاء ہی لیتا ہے۔ عہد تو خدا کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ مگر اس کے لینے کا ذریعہ خدا کے نبی ہی ہوتے ہیں۔ اور اہل علم کی ضرورت ہو تو سرِ دست تفسیر کبیر کی ذیل کی عبارت پڑھ لیں:

اَلْمُرَادُ مِنَ الْاٰیَۃِ اَنَّ اَلانْبِیَآءَ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قَالُوْا یَاخُذُوْنَ الْمِیْثَاقَ مِنْ اُمَمِھِمْ بِاَنَّہٗ اِذَا بعث مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فَاِنَّہٗ یَجِبُ عَلَیْھِمْ اَنْ یُّوْمِنُوْا بِہٖ وَاَنْ یَّنْصُرُوْہٗ وَھٰذَا قُوْلٌ کَثِیْر مِّنَ الْعُلْمَاءِ ۔

مراد آیت سے یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اُمتوں سے عہد لیا کرتے تھے کہ جب محمد صلی اللہ

علیہ وسلم مبعوث ہوں تو ان پر واجب ہے کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی امداد کریں اور یہ کثیر علماء کا قول ہے۔

میرا تو ان باتوں سے کچھ نہیں بگڑتا۔ ان غریبوں پر رحم کرو جو آنکھیں بند کر کے تمہارے پیچھے لگے ہیں۔ میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب میں نے اس مضمون کو لکھنے کے بعد یہ دیکھا کہ اسی اخبار الفضل میں، جس میں مجھ پر یہ اعتراضات کئے گئے ہیں کہ تم نے ہماری طرف یہ جھوٹ منسوب کیا ہے کہ رسولِ مصدق سے ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں سمجھتے، ۔کسی صاحب چوہدری احمد الدین کا ایک مضمون چھپا ہے۔ جس میں مولوی محمد سعید حیدر آبادی کے مضمون کی ہی تائید ہوئی ہے۔ چنانچہ ذیل کے فقرات قابل غور ہیں:

☆ ''کیونکہ آیت مذکور میں جناب رسالت پناہ سے بھی عہد کا لیا جانا ثابت ہوتا ہے۔''

☆ ''تمام قرآن میں جہاں جہاں میثاق کا لفظ آیا ہے اُس کو دیکھ لو۔ سوائے اس عہد کے جو آیت نمبر 1 میں بیان ہوا ہے اور کوئی عہد ثابت نہیں ہوتا۔ جو جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بشمول دیگر انبیاء لیا گیا۔''

جب ایک عہد ''جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بشمول دیگر انبیاء لیا گیا'' اور وہ مرزا صاحب کے متعلق ہے۔ تو اب حقیقی مصداق اس آیت کے تو وہی ہوئے نہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اب اس زمانہ میں وہ تو عہد کرنے والے ہوئے اور مرزا صاحب رسول مصدق ہوئے۔ میاں صاحب خوب یاد رکھیں کہ اُن کے مرید پہلے نبوت کے مسئلہ میں جس گڑبڑ میں پڑے ہوئے ہیں وہ اسی وجہ سے ہے کہ خود صاف اور واضح کر کے اپنے عقیدہ کو بیان نہیں کرتے، گول مول بات کر دیتے ہیں۔ جس سے ان کے غالی مرید مرزا صاحب کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر بھی ٹھہراتے ہیں، آپ کا عین بھی ٹھہراتے ہیں۔ رات کو ہی مسجد میں تیس آدمیوں کے سامنے ان کے ایک مرید نے کہا کہ مرزا صاحب کے کام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہیں۔ اور جس قدر اصلاح مرزا صاحب نے کی وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی۔ پھر کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج مرزا صاحب ہیں۔ اور اس پر یہ بھی بڑھایا کہ مرزا صاحب کا معراج محمود ہے۔ اور اس کی تائید میں یہ آیت پڑھی عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (79:17) وہ خوب یاد رکھیں کہ جماعت کو ایک خطرناک ضلالت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اب یہی حال اس میثاق النّبیّن کا ہو رہا ہے۔ وہ صاف ایک

ہدایت اس جماعت کو دیں کہ جس سے وہ آگے نہ گزرے۔ عقائد کو صاف کرنا ان کی ''خلافت'' کا پہلا کام ہونا چاہیے تھا۔ مگر افسوس ہے کہ عقائد کے بارے میں ہی ان کے مریدین میں اس قدر گڑبڑ ہے کہ دو کا کچھ عقیدہ ہے تو چار کا کچھ!

8فروری1916ء

کلام امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

درس قرآن میں سے کچھ

دعا کا عقیدہ اختلافاتِ مذاہب کا فیصلہ کر دیتا ہے۔فرمایا ہر ایک مذہب میں دعا کا وجود پایا جاتا ہے۔ عیسائی بھی دعا کرتے ہیں۔اے خدا! جس طرح ہم اپنے قرض داروں کو معاف کرتے ہیں تو بھی ہمارے گناہ معاف کر۔اب ایک طرف گناہ کی معافی کی دعا مانگتے ہیں اور مثال دیتے ہیں کہ جس طرح ہم اپنے قرض داروں کو معاف کرتے ہیں۔لیکن دوسری طرف عقیدہ یہ ہے کہ وہ معاوضہ لے کر معاف کیا کرتا ہے اور اس کے سوائے نہیں۔حالانکہ دعا میں کہتے ہیں کہ جس طرح ہم اپنے قرض داروں کو معاف کرتے ہیں۔کیا کبھی کسی نے اپنے قرض داروں کو اس طرح بھی معاف کیا ہے کہ اس سے قرض واپس بھی لے لیا ہو اور پھر کہا ہو میں نے تمہیں معاف کیا۔اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ اُن کا عقیدہ صحیح نہیں۔کیونکہ اگر عقیدہ صحیح ہوتا تو وہ اس امر مشترک کے خلاف نہ ہوتا۔دعا کا عقیدہ سب مذاہب میں پایا جاتا ہے اور سب میں ہی دعا سکھائی گئی ہے۔اس لئے چونکہ یہ ایک امر مشترک ہے،اس لئے بطور اصول کے ہے۔پس اس اصول کے خلاف جو عقیدہ ہے وہ باطل ہے۔

اسی طرح ہندوؤں میں بھی عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا گناہ کو معاف نہیں کر سکتا۔بلکہ ایک ایک گناہ کے لئے اُسے تناسخ کے چکر میں جانا پڑتا ہے۔لیکن پھر بھی خدا سے دعائیں مانگتے ہیں۔اگر خدا کوئی مدبر بالا رادہ ہستی نہیں۔تو اس سے دعا مانگنے کے کیا معنی۔دعا تو کوئی اس سے مانگتا ہے جس کی نسبت یہ یقین ہو کہ وہ کچھ دے سکتا ہے۔کوئی شخص آگ کے آگے ہاتھ جوڑ کر یہ نہیں کہے گا کہ اے آگ! تو مجھے مت جلائیو۔وہ تو مدبر بالا رادہ ہے ہی نہیں۔اس کا تو خاصہ ہے جلانا۔اس لئے کوئی اس سے یہ دعا نہیں کرے گا۔مانگتا تو کوئی اُس سے ہے جسے کوئی اختیار ہو۔مثلاً ایک بادشاہ ہے۔وہ اختیار رکھتا ہے کہ کسی کی درخواست کو منظور کرے۔وہ کسی کا کوئی جرم معاف بھی کر سکتا ہے۔اس سے درخواست کوئی کرے،تو کوئی بات بھی ہے۔لیکن اگر وہ کسی ایسے عہدہ دار سے، جو اس کا

اختیار نہیں رکھتا، وہی درخواست کرتا ہے تو یہ صحیح نہیں۔ تو ہندو مذہب میں اگر خدا سے دعا مانگنا ٹھیک ہے تو معلوم ہوا کہ وہ مدبر بالا رادہ بھی ہے۔ یہ امر فیصلہ کرتا ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کی صحیح صفات کونسی ہیں۔ آیا اُسے عفو کا اختیار ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو دعا مانگنی بھی ٹھیک نہیں۔

☆☆☆

درس حدیث میں سے کچھ

صحیح بخاری کا سبق دیتے ہوئے سِبَابُ الْمُسْلِمِ فَسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفُرٌ کی حدیث پر لمبی چوڑی بحث ہوئی۔ حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح میں جو کچھ بیان فرمایا۔ اس کا ایک حصہ حسب ذیل ہے۔ دوسرا حصہ، جس میں فسق کے متعلق بہت کچھ بیان کیا گیا۔ وہ پھر ہدیۂ قارئین ہوگا۔

فرمایا اسی کے متعلق دوسری حدیث ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ يَّدِهٖ وَلِسَانِهٖ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں۔ یہ حدیث اس پہلی حدیث کی دوسرے پہلو کو لیتی ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو دُکھ نہ پہنچے وہ مسلمان ہے۔ وہاں اس کے اُلٹ، ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے کا نتیجہ بتایا تھا کہ زبان سے بُرا کہنا یا گالی دینا فسق ہے اور ہاتھ چلانا یعنی قتل کرنا کفر۔

اس فسق اور کفر کا کیا مطلب ہے؟ کیا ہم یوں سمجھ لیں کہ اسلام نے بھی عیسائیوں کی طرح ایک ایسی تعلیم دے دی ہے جو نا قابلِ عمل ہے۔ جس طرح وہاں یہ حکم ہے کہ اگر تیرا بھائی تجھ سے کرتہ مانگے تو تُو چوغہ اُتار دے۔ اگر کوئی تیری ایک گال پر طمانچہ مارے تو تُو دوسری بھی پھیر دے۔ کیا ویسے ہی یہاں مسلمانوں کو بھی ایسی تعلیم دی ہے۔ جس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ لیکن نہیں بات یہ ہے کہ مسلم کے معنی ہیں سلامتی والا۔ اس لئے جب کوئی مسلم اپنے ہاتھ اور زبان کو کسی مسلم کے خلاف چلاتا ہے تو اس حد تک وہ مسلم کی تعریف کے اندر نہیں رہتا۔ جو شخص انسانوں کے خلاف اپنے ہاتھ اور زبان نہیں چلاتا وہ اس حد تک مسلم کی تعریف کے اندر ہے اور ایک مسلم کو چاہئے کہ اس کے خلاف اپنے ہاتھ اور زبان کو نہ چلائے۔

پھر قِتَالُہٗ کُفُرٌ کا لفظ نظم قائم رکھنے کے لئے بھی ہے۔ کیونکہ مسلم وہ ہے جو کسی قانون کے ماتحت چلے۔ کامل فرمانبرداری کو اسلام کہتے ہیں۔ اس لئے کوئی شخص جو کسی مسلمان کو قتل کرتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ قانون کی حد سے باہر نکل جاتا ہے۔ کیونکہ قانون کی رُو سے کوئی شخص خود بخود کسی کو قتل نہیں کرسکتا۔ اور سوائے اس کے کہ حکام مجاز سے قانونی چارہ جوئی کرے اور کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ پس جو شخص قانون کی حد بندی سے نکلتا ہے وہ اس حد تک مسلم کی تعریف کے اندر نہیں رہتا۔ یہ نہیں کہ صرف اس ایک بات سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ قرآن میں آتا ہے وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا فَاِنۡ بَغَتۡ اِحۡدٰہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ (9:49) اس میں صاف طور پر ان کو مومن ہی کہا۔ باوجودیکہ ایک دوسرے کے خلاف اُنہوں نے قتال کیا۔ تو یہ قِتَالُہٗ کُفُرٌ کا لفظ نظم قائم کرنے کے لئے ہے۔

یوں جنگیں تو پیش آئیں گی ہی۔ ایسی حالت میں یہ حکم اگر اس سے خارج از اسلام ہونا مراد لیا جائے تو ناقابل عمل ٹھہرتا ہے۔

اسلام نے قتال کے اسباب کو دور بھی کیا ہے۔ جنگ کی ایک بڑی وجہ قومیت کی تفریق بھی ہے۔ ہر ایک قوم دوسری کو کھا جانا چاہتی ہے۔ اسلام نے قومیت کے سوال کو ہی اُٹھا دیا ہے۔ پس ایک مسلم کی شان یہ ہے کہ اس کے اندر قومیت کی کوئی روک باقی نہ رہے۔ مسلم بننے سے ہی انسان درحقیقت اس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچتا ہے کہ جس سے انسان کے اندر سے قومیت کی تمام روکیں دور ہو جاتی ہیں۔ اور آپس میں تنافر وتحاسد قائم نہ رہ کر امن قائم ہو جاتا ہے۔

❁❁❁

24فروری1916ء

عرش کیا ہے؟

(موضوع بالا پر حضرت امیرایدہ اللہ نے چند دن ہوئے درس قرآن کے دوران میں آیہ کریمہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (5:20) کی تفسیر کرتے ہوئے ایک طویل تقریر فرمائی جو برائے افادہ قارئین کرام حسب ذیل ہے۔ مدیر)

فرمایا: عرش عربی زبان میں اصل میں چھتی ہوئی چیز کو یا چھت کو کہتے ہیں۔ چنانچہ مفردات راغب میں ہے اَلْعَرْشُ فِی الْاَصْلِ شَیْءٌ مُسَقَّفٌ قرآن کریم میں بھی ہے وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا (259:2) انگور کی بیل کے اوپر چڑھانے میں بھی اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا مِمَّا یَعْرِشُوْنَ (68:16) کیونکہ انگور کی بیلیں ٹٹیاں بنا کر ان پر چڑھائی جاتی ہیں۔ اور اس ٹٹی کو عرش الکرم کہتے ہیں۔ پھر بادشاہ کے تخت کو بھی مجازاً عرش کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مرتبہ کے لحاظ سے جیسے قرآن کریم میں آتا ہے وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ (100:12) اور نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا (41:27) کیونکہ چھت بھی بلند ہوتی ہے۔ ان تمام مقامات پر عرش کا لفظ بہ تعلق ذات باری تعالیٰ نہیں بولا گیا۔ ذات باری کے متعلق قرآن کریم میں عرش کا لفظ چار طرح پر استعمال ہوا ہے۔

1۔ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (54:7) یا عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (5:20) چھ سات مرتبہ آتا ہے۔

2۔ ذُو الْعَرْشِ (15:40) اور رَبُّ الْعَرْشِ (129:9) کئی مرتبہ آتا ہے۔

3۔ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (7:11) ایک دفعہ آتا ہے۔

4۔ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ (17:69) ایک دفعہ آتا ہے۔

اب ان سب آیات کے معانی کو سمجھنے اور عرش کی حقیقت کو جاننے سے پہلے اس اصول کو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جو الفاظ ہم اپنی روزمرہ کی بول چال میں استعمال کرتے ہیں وہ اصل حقیقت صفاتِ کاملہ

باری تعالیٰ کو ظاہر کرنے والے نہیں ہوتے۔ کیونکہ جو لفظ ہم خدا تعالیٰ کی صفات کو بتانے کے لئے استعمال کرتے ہیں، وہی ہم اپنی اس قسم کی صفات و حالات کے اظہار کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہماری طرح نہیں۔ مثلاً جب ہم اپنے متعلق دیکھنے کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کا مفہوم ہمارے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ ہم ایک آنکھ رکھتے ہیں۔ جس میں بینائی کی قوت ہے۔ پھر خارج میں ایک روشنی ہوتی ہے۔ تو ان دونوں چیزوں کی مدد سے ایک قوت ظہور پذیر ہوتی ہے۔ لیکن یہی دیکھنے کا لفظ جب ہم اللہ تعالیٰ کے متعلق استعمال کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ نہیں ہوتی کہ وہ بھی ہماری طرح انہی دونوں چیزوں کی مدد سے دیکھتا ہے۔ بلکہ اس وقت صرف اس صفت کا مفہوم عام اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور ذرائع کا خیال، جن سے وہ صفت ظہور پذیر ہوتی ہے، درمیان سے نکال دیتے ہیں۔ ایسا ہی جب سننے کا لفظ ہم اپنے متعلق استعمال کریں گے تو اس میں کانوں کا ہونا اور خارج میں ہوا کا ہونا، جس کی مدد سے آواز دوسرے تک پہنچ سکے، ضروری سمجھا جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے متعلق ان معنوں میں سننے کا لفظ بولا نہیں جاتا۔ بلکہ وہاں ہم صرف سننے کا نتیجہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بس۔ تو پس ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کو ظاہر کرنے کے لئے بھی لفظ تو وہی استعمال کرتے ہیں، جو اپنے لئے استعمال کیا کرتے ہیں لیکن وہ الفاظ اس حقیقی کیفیت کو ظاہر کرنے والے نہیں ہوتے جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کے اندر پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق آیا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (11:42) اس کی مثل بھی کوئی شے نہیں۔

آریوں کو اسی حقیقت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ٹھوکر لگی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ہم دنیا میں کوئی چیز بغیر اسباب کے بنا نہیں سکتے، ویسے ہی اللہ تعالیٰ بھی بغیر اسباب کے بنا نہیں سکتا۔ حالانکہ دوسری طرف یہ بھی مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ دیکھتا ہے لیکن ہماری طرح نہیں۔ وہ سنتا ہے لیکن اس طرح نہیں جیسے ہم سنتے ہیں۔ ان صفات میں ہماری طرح کسی چیز کا محتاج نہیں۔ پھر سمجھ نہیں آتی کہ جب دیکھنے اور سننے میں محتاج نہیں مانتے تو بنانے میں وہ محتاج کیوں ہے؟ بیشک بنانا ہمارے تجربہ میں یونہی ہے کہ ہاتھ بھی ہوں اور مادہ بھی ہو۔ لیکن خدا کے متعلق ایسا خیال نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جس طرح بغیر ہاتھوں کے بناتا ہے۔ اسی طرح بغیر مادہ کے بھی بناتا ہے۔ اسی طرح قرآن شریف میں آتا ہے۔ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ (64:5) یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کھلے

ہیں۔خرچ کرتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔اب یہاں یَدٰہُ سے مراد کوئی جسمانی ہاتھ نہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت قدرت اور قوت ایسی ہے۔

سارے قرآن میں دو لفظ ایسے استعمال ہوئے ہیں جن پر لوگوں کو ٹھوکر لگی ہے۔ وہ ہیں عَرُشٌ اور کُرُسِیٌ۔لوگوں نے کرسی اور عرش کو دو چیزیں آسمانوں کی طرح قرار دیا ہے۔لیکن ایک معاملہ کو تو امام بخاریؒ نے ایسا صاف کر دیا ہے کہ اس پر کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اُنہوں نے کرسی کی یہ تفسیر فرمادی ہے کہ کُرُسِیُہٗ عِلُمُہٗ یعنی اس کی کرسی سے مراد اس کا علم ہے۔ رہا یہ کہ عرش کیا ہے؟ امام راغبؒ نے اپنی مفردات میں لکھا ہے کہ عرش کی حقیقت کو سمجھا نہیں سکتے۔لیکن عوام الناس کے اوہام میں جو چیز عرش ہے وہ عرش نہیں۔سب سے پہلی بات جو عرش کے متعلق سمجھنی چاہیئے۔وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باقی چیزوں کے متعلق تو کہا ہے کہ انہیں پیدا کیا، لیکن عرش کے متعلق یہ نہیں کہا۔تو پہلی بات یہ ہے کہ عرش مخلوق نہیں۔

اب اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر عرش مخلوق نہیں اور خدا تعالیٰ کی طرح وہ بھی ازلی ابدی ہے تو خدا کی صفات کاملہ میں یہ ایک اور شریک ہوگیا اور یہ محال ہے۔تو پھر عرش کیا ہے؟ اصل میں عرش اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔جس طرح کرسی اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا نام ہے، اسی طرح سے عرش اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدرت کا نام ہے۔اس کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے جن میں عرش کا لفظ ہے: مثلاً اِسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ (54:7) کسی بادشاہ کے متعلق اُس وقت بولتے ہیں جب وہ اپنے ملک پر پورا مسلّط ہوجائے۔اسی طرح جب کوئی انسان کسی چیز پر پورے طور پر غالب آجائے تو اِسۡتَوٰی عَلٰی شَیۡءٍ کا لفظ بولتے ہیں۔ اِسۡتَوٰی عَلٰی کے معنی ہیں اِسۡتَولٰی یعنی مستولی ہوگیا اس پر غلبہ پالیا۔

تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کامل طور پر نافذ ہونا جب قرآن کریم بیان فرماتا ہے تو اس موقعہ پر اِستَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ کا جملہ بولتا ہے اور اس کی شہادت قرآن کریم کی ان آیات سے ملتی ہے جہاں یہ لفظ آتے ہیں اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّہَارَ یَطۡلُبُہٗ حَثِیۡثًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ وَالنُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمۡرِہٖ اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ (54:7)

یعنی تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا۔ پھر وہی عرش پر غالب ہے۔خلق بھی اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا ہے۔اب یہاں دو باتوں کا ذکر پہلے کیا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اور اس کے مقابل پر دو باتوں کو رکھا اَلْخَلْقُ اور اَلْاَمْرُ۔جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ سے مراد امر یا قدرت اور حکومت کا نفاذ پانا ہے۔اس طرح عموماً اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا ذکر خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے ساتھ کر کے بتا دیا ہے کہ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ امام راغبؒ بھی لکھتے ہیں هُوَ اِشَارَةٌ اِلٰی مُمْلکَتِهٖ وَسُلْطَانِهٖ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ میں ثُمَّ پر لوگوں کو بہت شبہ پڑتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ثم کے معنی بَعْدُ کے ہیں۔حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ ثُمَّ کے معنی صرف ’’اور‘‘ کے ہوتے ہیں۔یعنی جیسا کہا جائے کہ ایک اور بات یہ بھی ہے۔اس میں کوئی ضروری نہیں کہ پہلے یا بعد کا واقعہ بتانا مراد ہو۔ بلکہ صرف ایک اور بات بتانے پر ثُمَّ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اس کی ایک مثال پہلے پارہ میں ہے هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ (29:2)اس لحاظ سے یہاں پہلے زمین کے بنانے اور پھر لفظ ثُمَّ لا کر آسمان کی طرف متوجہ ہونے کا ذکر ہے۔ حالانکہ دوسری جگہ تیسویں پارے میں فرمایاءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًااَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا. رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا.وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا. وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا (79:27-30)اس میں صاف طور پر آسمان کا پہلے بنایا جانا بتایا اور زمین کے ساتھ بعد کا لفظ رکھا ہے۔جس سے کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور صاف طور پر پتہ لگ جاتا ہے کہ زمین آسمان کے بعد ہی بنی ہے۔اس لئے بعض جگہ لفظ ثُمَّ لا کر ایک اور بات کا بتانا مقصود ہوتا ہے۔اور اس کی مثالیں عربی زبان میں بکثرت ملتی ہیں۔اسی لئے ثُمَّ بمعنی وَ بھی لکھا ہے۔یعنی اس کے معنی صرف ’’اور‘‘ بھی ہیں۔ایسا ہی اس آیت میں خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (7:54) کہہ کر یہ بتایا ہے کہ پیدا بھی وہی کرتا ہے اور پھر ان پر حکومت بھی اسی کی ہے۔اسی لئے ساتھ ہی فرمایا أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ قدرت کا نفاذ پانا اَمر ہے۔ جب اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کہا تو اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نافذ ہونا۔اسی کو اَمر کے نام سے پکارا۔

2۔ جہاں یہ لفظ آئے ہیں کہ وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ اس دن تیرے

رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ یہاں عرش سے کیا مراد ہے۔ یہاں بھی عرش کے معنی وہی قدرت ہی کے ہیں۔ یہاں اس قسم کا عمل مراد نہیں کہ جیسے کوئی اپنے سر پر بوجھ اُٹھائے ہوئے ہو۔ کیونکہ گر ایسا ہو تو پھر عرش کا بھی کوئی جسم ماننا پڑے گا۔ اور اس طرح خدا بھی مجسم ٹھہرتا ہے تا کہ اسے عرش کے اوپر اُٹھایا جائے اور اسے آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوئے ہوں۔ اس لحاظ سے یہ معنی بالکل غلط ہیں۔

اصل میں اللہ تعالیٰ کی چار بڑی صفات ہیں۔ جو دنیا میں کام کرتی ہیں رَبٌّ، رَحْمٰنٌ، رَحِیْمٌ، مَالِکٌ۔ یہ چاروں صفات ایسی ہیں کہ جیسے عمارت کی چار دیواریں ہوتی ہیں۔ ان ہی صفات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نفوذ پاتی ہے۔ تو قیامت کے دن یہ چاروں صفات آٹھ بن جائیں گی۔ کیونکہ یہ عالم جسمانیات کے چار مظاہر عالم روحانیت کے چار مظاہر سے مل کر آٹھ بن جائیں گے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے نفوذ کا باعث ہوں گے۔

پھر ایک تیسری آیت ہے: کَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ (7:11) اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے۔ کَانَ کے معنی دوام کے ہیں۔ جیسے کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیْرًا (27:33) تو اس کے معنی یوں کریں گے کہ اس کی قدرت پانی پر ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیءٍ حَیٍّ (30:21) ہم نے پانی سے ہر ایک چیز کو زندہ کیا۔ آج سائنس بھی اس بات کو مانتی ہے کہ سب چیزوں کی زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ تو گویا کَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ میں یہ بتایا کہ ہمارا تسلط اس چیز پر بھی ہے جو تمہاری زندگی کا ذریعہ ہے۔ یا یہ کہ زندگی کی ابتدا جہاں سے ہوتی ہے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی حکومت کا تصرف ہے۔

4۔ رَبُّ الْعَرْشِ اور ذُو الْعَرْشِ ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ یہ ترکیب ایسی ہی ہے جیسے کہ فرمایا اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ (43:41) مغفرت بھی ایک صفت ہے۔ تو ذُوْ مَغْفِرَۃٍ وہ جس کے اندر صفت مغفرۃ پائی جائے۔ رب کا لفظ یہاں مضاف کیا ہے۔ ذُو کی طرح پر۔ پس رَبُّ الْعَرْشِ اور ذُو الْعَرْشِ سے مراد صاحب قدرت و حکومت ہے۔

30 مارچ 1916ء

ارشادِ امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ

تَسَمُّوْا بِاسْمِیْ وَلَا تَکْنُوْا بِکُنْیَتِیْ۔ ارشاد نبویؐ

(میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ کرو)

(درس بخاری کے دوران حضرت امیر ایدّہ اللہ نے حدیث مندرجہ عنوان پر ایک لطیف تقریر کی جو برائے افادہ قارئین کرام حسب ذیل ہے۔ مدیر)

فرمایا نام پر نام رکھنے اور کنیت پر کنیت کرنے میں کیا فرق ہے؟ دوسری بات (یعنی کنیت پر کنیت کرنے سے) وہ کونسا حرج لازم آتا ہے جو پہلی بات پر نہیں آتا۔ میرے خیال میں اس میں شاید اشارہ ہے **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ** (40:33) کی طرف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی جسمانی ابوت حاصل نہیں۔ بلکہ روحانی ابوت کامل طور پر حاصل ہے۔ بالفاظ دیگر جسمانی ابوت کے سلسلہ کو کاٹ کر روحانی ابوت کا کمال آپؐ کو دیا گیا ہے۔ بخلاف اس کے کوئی شخص اس اُمت کے اندر ابوت کا مرتبہ روحانی رنگ میں نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہمیشہ کے لئے حاصل ہے اور وہی اپنی اُمت کے روحانی باپ ہیں۔

نبی ہمیشہ اپنی اُمت کے لئے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود کو بھی الہام میں یا بن رسول اللّٰہ کرکے ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ اگر آپ کو ابن کرکے نہ پکارا جاتا تو شبہ ہوتا کہ شاید آپ رسول ہیں۔ کیونکہ باپ روحانی طور پر وہی ہوسکتا ہے جو خود رسول ہو۔ لیکن اُمت کے لئے روحانی ابوت صرف ایک ہی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ دوسرے کے لئے نہیں۔ ہاں جو کوئی اس کا نام پاتا ہے وہ چونکہ اس میں فنا ہوکر ہی پاتا ہے اس لئے وہ ابوت کا مقام نہیں۔ وہ اب بھی ابنیت کا ہی مقام ہے۔ وہ اس میں فنا ہوکر باپ نہیں بن گیا۔ کیونکہ وہ اس کے کمالِ اتباع کی وجہ سے اس میں فنا ہوا ہے۔ اس لئے وہ بہرحال اس کا بیٹا ہی ہے۔ اس

لئے تُسَمُّوْا بِاسْمِیْ میں تو اشارہ کیا ہے اس کمال اتباع اور فنافی الرسول کے مقام کی طرف۔

باقی رہا لَا تَکنُوْا بِکُنْیَتِیْ (میری کنیت پر کنیت نہ کرو) تو آپؐ کی جسمانی کنیت تھی ابوالقاسم۔ روحانی کنیت آپ کی ہے اُمت کا باپ ہونا۔ تو یہاں جسمانی کنیت سے منع کرنے سے دراصل روحانی کنیت سے منع کرنا مراد ہے۔ گویا تسَمُّوْا بِاسْمِیْ میں تو حد درجہ کی متابعت کا حکم دے

کر فنافی الرسول کے مقام کے حصول کی تلقین کی ہے۔ اور یہاں اس بات سے منع فرمایا ہے کہ فنافی الرسول ہو کر کہیں باپ نہ بن جانا۔ اور میری اس روحانی کنیت کو نہ اختیار کر لینا۔ بلکہ میرے نام پر نام رکھ کر یعنی مجھ میں فنا ہو کر بھی تم بہرحال بیٹے ہو نہ کہ باپ۔ گویا تسَمُّوْا بِاسْمِیْ میں یہ بتایا ہے کہ تم فنا کو حاصل کر کے محمد و احمد تو بن سکتے ہو لیکن ابوالقاسم بن کر اُمت کے باپ نہیں بن سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے بھی شرائط بیعت میں عہدِ اخوت ہی لیا ہے نہ کہ عہدِ ابویت۔ تا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ مرزا صاحب باپ ہونے کا مقام لیتے ہیں۔

☆☆☆

پرسوں (27 مارچ 1916ء کو) قبل از درس قرآن کریم حضرت امیر اید ہ اللہ ایک شخص کو حضرت اقدس کے دعاوی کے متعلق خوب کھول کھول کر سمجھاتے رہے۔ اور ایسے عام فہم اور پختہ دلائل دیئے کہ جنہیں سوائے تسلیم کرنے کے چارہ نہیں رہتا۔ مثلاً مجددیت کے متعلق آپ نے بتایا کہ مجددوں کے آنے کا حدیث میں وعدہ دیا گیا ہے۔ اس اُمت میں مجدّد آتے رہے۔ اب ضرور ہے کہ چودھویں صدی کے سر پر بھی کوئی مجدّد آئے۔ حضرت مرزا صاحب کے سوائے کوئی ایسا نہیں جس نے مجدّد ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ اب جب اور کوئی مجدّد نہیں تو اس پر کسی جرح وقدح کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔ باقی جن باتوں میں مشکلات آ کر پڑتی ہیں وہ ہے دعویٰ مسیحیت اور آپ کا مجازی طور پر نبی کہلانا۔ دعویٰ مسیحیت کی مشکل کا حل تو یوں ہوسکتا ہے کہ پہلے ہم یہ فیصلہ کر لیں کہ ختمِ نبوت کے بعد عیسیٰ ابن مریم کے دوبارہ نزول سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک طرف تو ختمِ نبوت پر تمام اُمت کا متفقہ ایمان ہے اور دوسری طرف یہ بھی خیال ہے کہ وہی عیسیٰ ابن مریم نبی اللہ آسمان سے نازل ہوگا۔ حالانکہ اگر ایک دفعہ بھی جبریل وحیٔ نبوت لے کر آ جائے تو ختمِ نبوت باقی نہیں رہتی۔ اس

لئے دونوں میں سے کسی ایک عقیدہ کو چھوڑنا پڑے گا۔اس کے بعد آپ نے عیسیٰ ابن مریم کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی کی حقیقت کو واضح کیا اور بتلایا کہ ملاکی نبی کی کتاب میں جو ایلیا کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی ہے اس کے اس رنگ میں پورا ہونے سے کہ ایلیا کی جگہ یحییٰ آ گیا یہ ثابت ہو گیا کہ:

1۔ دوبارہ آنے سے مراد اسی کا آنا نہیں ہوتا بلکہ کسی اور کا آنا مراد ہوتا ہے۔

2۔ معراج کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ ابن مریم کا جو کچھ حلیہ دیکھا وہ وہ نہیں جو آپ نے آنے والے مسیح کا بیان فرمایا ہے۔

3۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (117:5) سے ثابت ہے کہ عیسیٰ ابن مریم فوت ہو چکے ہیں۔اس لئے وہ دوبارہ نہیں آ سکتے۔

4۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو مختلف نبیوں سے نسبت دی۔مثلاً حضرت ابو بکرؓ کو بوجہ اِن کی حلیمی کے ابراہیمؑ۔اور حضرت عمرؓ کو بوجہ ان کی شدت اور سختی کے نوحؑ کہا۔تو ان ساری باتوں سے ثابت ہے کہ مسیح کے دوبارہ آنے کی جو پیشگوئی ہے تو اس سے وہی مسیح ابن مریم مراد نہیں بلکہ کوئی اور شخص ہے۔اور اس امت میں بھی کسی کو کسی نبی کے نام سے پکارنا جائز ہے۔رہا یہ کہ نبوت کا لفظ مجازاً استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ سو:

(1) خود قرآن نے رسول کا لفظ مجازاً استعمال کیا ہے۔جہاں سورہ یٰسٓ میں مسیحؑ کے حواریوں کو رسول کہہ کر پکارا۔حالانکہ وہ اصلی رسول نہ تھے۔کیونکہ نبی کریمؐ کی حدیث لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ نَبِيٌّ اس پر شاہد عادل ہے۔

(2) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن سنان کو رسول کہا۔حالانکہ وہ بھی مسیحؑ کے بعد ہوا۔اس لئے اس کا بھی اصلی رسول ہونا اسی حدیث کے منافی ہے۔پس وہ بھی مجازی رسول تھا۔

(3) اس اُمت میں اور لوگوں پر بھی رسول اور نبی کا لفظ بولا جاتا رہا ہے۔ بلکہ الہام میں

انہیں نبی کہا گیا۔ جیسے کوٹھے والے بزرگ کا الہام ہے یَا نَبِیُّ اِتَّقِ اللّٰہَ اے نبی! تقویٰ اختیار کر۔ ان کو بھی مجازاً ہی نبی کہا۔ پس ان دلائل پر غور کرنے سے وہ تمام مشکلات بھی رفع ہوجاتی ہیں۔ جو دعویٰ مسیحیت اور نبی کا لفظ استعمال کرنے سے پیدا ہوئی تھیں اور ختمِ نبوت قائم رہتی ہے۔

3اپریل1916ء

ہندوستان میں مرتدین کے احکام

(1)

(از حضرت امیر مولانا محمد علی ایدہ اللہ بنصرہ)

کچھ عرصہ ہوا ہے چیف کورٹ پنجاب نے ایک مقدمہ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسلامی شریعت کی رُو سے مسلمان عورت کے عیسائی ہو جانے سے مسلمان خاوند کے ساتھ اس کا نکاح معاً فسخ ہو جاتا ہے۔ اس فیصلہ کا اثر جیسا کہ ظاہر تھا یہ ہوا ہے کہ بعض عورتوں نے طلاق کے حاصل کرنے کی غرض سے اسلامی مذہب کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے مقدمات بھی عدالتوں کے سامنے آئے ہیں۔ دراصل مسلمان گھرانوں اور مسلمان سوسائٹی کے لئے یہ ایک ایسا خطرناک فیصلہ ہے جس کا اثر بہت دور تک پہنچتا ہے اور اگر اس فیصلہ کی اصلاح نہ ہوئی تو اس قسم کے ارتداد کے واقعات جن سے اسلامی سوسائٹی میں ایک بڑا فتنہ پیدا ہوگا دن بدن بڑھتے چلے جائیں گے۔ فاضل ججان چیف کورٹ نے جنہوں نے اس مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اس مسئلہ کی تہہ تک جانے اور اس کے اصول کی تحقیق کرنے سے انکار کیا ہے اور اسلامی شریعت کے اصل ماخذوں پر اور اس شہادت پر جو ان سے پیدا ہوتی ہے غور کرنے کو ضروری خیال نہیں کیا۔

اس فیصلہ کے پڑھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ججوں کے سامنے ایسی شہادت اور اصل ماخذ بھی پیش نہیں کئے گئے۔لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر وہ پیش کر بھی دیئے جاتے تو بھی فاضل جج اُن کی کچھ پروانہ کرتے۔ فیصلہ میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں مسلمان علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے یا نہیں۔مگر ججوں کی رائے میں کثرت سے علماء اسی طرف گئے ہیں کہ فسخ ہو جاتا ہے۔

ہماری رائے میں اس بات کے سمجھنے میں ججوں کو سخت غلطی لگی ہے کہ احکام مرتدین، جو فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، انگریزی سلطنت کے ماتحت ہندوستان میں کس حد تک جاری کئے جا سکتے ہیں۔اور یہ ایک اہم اور

ضروری مسئلہ ہے۔ اس لئے ہم اپنے دلائل کو جن سے ججان چیف کورٹ کی غلطی ظاہر ہوتی ہے کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ گورنمنٹ یا مجلس وضع قوانین اس معاملہ میں کوئی ایسی تجویز کرے گی جس سے ان مضار کا جو چیف کورٹ کے فیصلہ سے پیدا ہوئے ہیں خطرہ باقی نہ رہے۔ علمائے اسلام کی خدمت میں بھی یہ التماس ہے کہ وہ اس مضمون کو ٹھنڈے دل اور غور کے ساتھ پڑھیں۔

اسلامی شریعت کا اصلی اور سب سے پہلا ماخذ قرآن کریم ہے اور اس کتاب میں مرتدین کے متعلق جو آیات ہیں وہ ایسی کھلی کھلی ہیں کہ ان پر کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں۔ بلکہ سیدھے سادے ترجمہ سے ہی قارئین اصل مطلب کو سمجھ لیں گے۔ سب سے پہلے سورہ البقرہ کی یہ آیت قابل غور ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (217:2) اے مسلمانو! یہ کفار تم سے سدا لڑتے ہی رہیں گے۔ یہاں تک کہ ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کردیں۔ اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہوگا اور پھر کفر کی حالت میں ہی مرجائے گا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے۔ اور یہی آگ والے ہیں اس میں رہ پڑیں گے۔

اب اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتدین کے لئے قرآن کریم نے بھی کوئی سزا بتائی ہے۔ مگر وہ سزا کیسی ہے۔ آیت میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جو کوئی تم میں سے مرتد ہوجایا کرے تم اس کو قتل کردیا کرو۔ بالفاظ دیگر ارتداد کی سزا حکومت کے ہاتھ میں نہیں دی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ کیونکہ فرماتا ہے کہ جو شخص مرتد ہوکر کفر کی حالت پر ہی مرجائے اُس نے جو کچھ نیک عمل ایمان کی حالت میں کئے تھے وہ بھی اکارت جائیں گے اور ان کا اجر نہ اس کو اس دنیا میں ملے گا نہ آخرت میں۔ اور آخرت میں اس کے لئے عذاب جہنم ہوگا۔

اس آیت میں ایک اور لفظ قابل غور ہے اور وہ ہے لفظ فَيَمُتْ یعنی مرتد کے لئے یہ فرمایا کہ وہ مر جائے۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ مارا جائے یا قتل کیا جائے۔

اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کافر دن رات زور لگاتے تھے مسلمانوں کو مرتد کریں اور ان کے بس میں ہوتا تو زور سے بھی ان کو مرتد کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی مسلمانوں سے جنگ کرنے کی علت غائی یہ تھی کہ ان کو دین اسلام سے روکا جائے اور اس دین پر نہ رہنے دیا جائے۔

یہ کیسے تعجب کی بات ہے کہ جو الزام مسلمانوں پر جہاد کا لگایا جاتا ہے وہ درحقیقت ان کے دشمنوں یعنی کفار عرب پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مسلمانوں سے اس لئے جنگ کرتے تھے کہ ان کو زبردستی دین اسلام سے نکال کر پھر کفر میں داخل کریں۔ پس جہاد اپنے مشہور معنوں میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ہوتا تھا نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے کفار پر۔ بلکہ مسلمانوں کی جنگ صرف دفاعی تھی۔ وہ دین اسلام کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا جب ان کو تلوار سے نیست و نابود کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا تو ان کو بھی خدا کی طرف سے اپنی حفاظت کی اجازت دی گئی۔

ایک اور آیت مرتدین کے متعلق سورہ المائدہ میں ہے جو آخیر زمانہ میں نازل ہوئی ہے۔ یہ آیت اس طرح ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِهٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰهُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّهُمۡ وَیُحِبُّوۡنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ یُجَاهِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (54:5) اے مسلمانو! تم میں سے کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے تو اللہ کوئی ایسی قوم لاموجود کرے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اسے دوست رکھتے ہوں گے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ نرم، کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں کوشش کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ اور اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے اور وہ سب کے حال سے واقف ہے۔

اور اس آیت میں گویا مسلمانوں کو یہ سمجھایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد بھی ہو جائے تو کچھ فکر نہ کرو اور ایسے شخص کی کچھ پروا نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک قوم کی قوم کو دین اسلام میں داخل کرے گا۔ اور وہ قوم بھی بڑے مضبوط ایمان والی ہوگی۔ یہاں بھی مرتدین کے لئے کوئی سزا بیان نہیں فرمائی کہ ان کو قتل کردو یا ان کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کرو۔

یہ تو دو مدنی آیات ہیں۔ مکی آیات میں بھی مرتدین کا ذکر ایسے ہی الفاظ میں ہے۔ یعنی وہاں بھی یہی فرمایا کہ مرتدین کے لئے آخرت میں عذاب ہوگا۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ تم مرتدین کو یہ سزا دو یا وہ سزا دو۔

سورہ النحل کی ذیل کی آیات پر غور کرو مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ وَلٰـكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ. ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ. اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَسَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ. لَا جَرَمَ اَنَّهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ (16:106-109) جو شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے سوائے اس کے کہ وہ مجبور کیا جائے۔ درانحالیکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ ایسے سے تو مواخذہ نہیں۔ لیکن جو شخص جی کھول کر کافر ہوا تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لئے کہ اُنہوں نے دنیا کی زندگی سے پیار کر کے اسے آخرت پر مقدم کر لیا۔ اور بیشک اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو کفر کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی اور وہ غافل ہیں۔ ضرور ہے کہ آخرت میں یہ لوگ گھاٹے میں رہیں۔

یہ آیات اس موقع پر نازل ہوئیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے۔ اور آپ کے ساتھیوں کو جن پر کفار کا بس چلتا تھا دین اسلام قبول کرنے کی وجہ سے سخت ایذائیں دی جاتی تھیں اور اُن کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اسلام سے بیزاری ظاہر کریں۔ ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن الفاظ میں مکی آیات میں مرتدین کا ذکر کیا گیا ہے انہی الفاظ میں مدنی آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احکامِ مرتدین جو کچھ مکہ میں تھے وہ مدینہ میں بھی جاری وساری رہے۔ اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور اگرچہ شریعت کا بڑا حصہ مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوا مگر احکامِ مرتدین کوئی نئے نازل نہیں ہوئے۔ ورنہ ضرور تھا کہ قرآن شریف میں ان احکام کا خاص طور پر ذکر ہوتا۔ نہ کہ جس طرح مکہ میں مرتدین کے لئے سزا صرف عالم ثانی میں بتائی گئی تھی اسی طرح مدینہ میں بھی ان کے متعلق یہی کہا جاتا کہ وہ آخرت میں عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

غرضیکہ قرآن شریف میں نہ ابتدائی سورتوں میں اور نہ آخر زمانہ کی نازل شدہ سورتوں میں کسی جگہ یہ

ذکر نہیں کہ مرتدین کو قتل کر دینا چاہئے یا یہ کہ ان کو اور کسی قسم کی سزا دینا چاہئے۔ چند جگہ اور بھی دین اسلام میں داخل ہو کر کفر کی طرف لوٹ جانے کا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں بھی سزائے قتل کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

قارئین کی تسکین کے لئے ہم ان آیات کو بھی ذیل میں درج کرتے ہیں۔ سورہ آل عمران رکوع 10 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ. اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ. خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ. اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ (3:86-90) ترجمہ: کس طرح اللہ ہدایت دے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا بعد اس کے کہ وہ ایمان لا چکے تھے۔ اور گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں۔ اور ان کے پاس کھلے ثبوت بھی آ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر خدا کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اسی میں رہ پڑیں گے نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی ان کو مہلت دی جائے گی۔ مگر جن لوگوں نے اس کے بعد (یعنی ارتداد کے بعد) توبہ کی اور اپنی اصلاح کی تو اللہ بھی بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور پھر کفر میں ترقی کرتے گئے۔ ان کی توبہ نہیں قبول کی جائے گی اور وہ گمراہ ہیں۔

اور سورہ النساء رکوع 20 میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا (137:4) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں ترقی کرتے گئے خدا ان کو نہیں بخشے گا اور نہ ہی ان کو ہدایت کرے گا۔

ایسا ہی سورہ آل عمران میں یہودیوں کی تدابیر کا، جو وہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لئے سوچا کرتے تھے، ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِىْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (72:3) اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ اپنے لوگوں کو سمجھاتا ہے کہ اس چیز پر جو مسلمانوں پر اُتاری گئی ہے۔ اول روز میں تم ایمان لاؤ۔ اور آخر روز میں تم اس سے

انکار کردو۔ شاید اس تدبیر سے (یعنی اہل کتاب کے ایک گروہ کے گروہ کو) ایمان لائے بعد مرتد ہوتا دیکھ کر مسلمان بھی اپنے دین سے پھر جائیں۔

یہ قرآن شریف کی وہ آیات ہیں جو ارتداد اور مرتدین کے متعلق مجھے ملی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم میں کسی جگہ مرتدین کو کسی قسم کی سزا دینے یا ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ اگر ان کے لئے سزا کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ وہی عذاب آخرت ہے جس میں وہ دوسرے کفار کے ساتھ شریک ہوں گے۔ بعض آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو کئی کئی دفعہ اسلام لاتے اور مرتد ہوتے تھے۔ حالانکہ اگر مرتد کو معاً قتل کرنے کا حکم ہوتا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل درآمد ہوتا کہ جب کسی شخص سے ارتداد وقوع میں آئے، اسے فوراً قتل کرا دیتے، تو اس طرح بار بار ایمان لانا اور کفر کرنا ناممکن تھا۔ (جاری)

4اپریل1916ء

اداریہ

ہندوستان میں مرتدین کے احکام

(2)

(از حضرت امیر مولانا محمد علی ایّدہ اللہ بنصرہ)

سب سے آخری آیت، جس میں یہودیوں کے حیلوں اور تدابیر کا ذکر ہے اس بات پر کہ مرتدین کو قتل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدرآمد نہ تھا، قطعی دلیل ہے۔ اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ یہودی اپنے بعض لوگوں کو یہ تجویز بتاتے تھے کہ مسلمانوں کو اس طرح مرتد کیا جائے کہ ایک گروہ کا گروہ صبح کو اسلام لے آئے اور شام کو اسلام کو جھوٹا کہہ کر انکار کر دے۔ جس سے غرض ان کی یہ تھی کہ مسلمان جب دیکھیں گے کہ اہلِ کتاب کا ایک بڑا گروہ اسلام کو دیکھ کر اس کا منکر ہو گیا ہے تو ضرور ان کے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہوں گے کہ اُنہوں نے واقعی اسلام کا جھوٹا ہونا معلوم کر کے ہی اسے چھوڑا ہوگا اور کہ اگر اسلام سچا ہوتا تو اہلِ کتاب ایمان لانے کے بعد اسے کیوں چھوڑتے۔

اب ہمیں اس غرض کے لئے، جس کے لئے ہم نے اس آیت کو نقل کیا ہے، یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ تاریخی طور پر کوئی ایسا واقعہ ہوا بھی تھا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسلام میں سزائے ارتداد قتل ہوتی تو یہودیوں کے دلوں میں ایسی تجویز ہی نہ آسکتی تھی۔ کیونکہ جس صورت میں وہ جانتے تھے کہ مرتدین کو تو مسلمان قتل کر دیں گے تو وہ اپنے لوگوں کو یہ مشورہ کیونکر دے سکتے تھے کہ تم صبح کو ایمان لے آؤ اور شام کو انکار کر دو؟ کیا وہ اپنی ہی قوم کو مروانا چاہتے تھے؟

پس یہ آیت ایک قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ اسلام میں سزائے ارتداد قتل نہ تھی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہودیوں کے ساتھ مدینہ میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ پڑا تھا۔ بلکہ یہ آیت ابتدائی مدنی زندگی

کے وقت کی بھی معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ ابتدا میں یہودیوں کے تعلقات مسلمانوں سے اچھے تھے اور ان کی دشمنی بعد میں بڑھ گئی تھی۔ ان تمام آیات منقولہ بالا کو پڑھ کر ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم میں، جو اسلامی شریعت کا اصل سرچشمہ ہے، مرتدین کے لئے سزائے قتل یا دوسری کسی سزا کا ذکر نہیں ہے۔

مرتدین کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

اس کے بعد ہم احادیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو شریعت اسلامی کا دوسرا بڑا سرچشمہ ہے۔ مگر قبل اس کے کہ ہم احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور قول کو اس بارہ میں بیان کریں، ایک بات کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے جو بطور ایک اہم اصول کے یاد رکھنی چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول اور فعل کی حکمت سمجھنے کے لئے یا اس کی اصل غرض معلوم کرنے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان حالات کو مدنظر رکھا جائے جن کے ماتحت آپ نے کوئی فعل کیا یا کوئی بات بیان فرمائی۔

اکثر جگہ جہاں آپ کے قول یا فعل سے غلط نتیجہ نکالا گیا ہے اس کی تہہ میں اس اصول کی فروگذاشت ہے۔ یعنی اُن خاص حالات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جن کے ماتحت آپ نے کوئی کام کیا یا کرنے کا حکم دیا یا کوئی بات بیان فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ایک ہی طرز کی واقع نہ ہوئی تھی۔ بلکہ آپ کی زندگی میں انسانی زندگی کے تمام پہلو بدل بدل کر آتے رہے تا کہ جو ہدایات انسانی زندگی کے مختلف حالات کے لئے ضروری ہیں آپ سے وہ عملاً ثابت ہو جاویں۔ اور ضروری ہے کہ ان مختلف حالات میں جو کام آپ نے کیا یا جو حکم آپ نے دیا اس پر غور کرتے وقت ان حالات کو بھی مدنظر رکھا جائے جن کے ماتحت ایسا کیا گیا یا کہا گیا۔

آپ کی زندگی مختلف زمانوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ جن میں سے ہر ایک زمانہ میں جداگانہ حالات کا اثر پایا جاتا ہے۔ سب سے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے دینی دشمنوں کی سخت سے سخت اذیتوں اور تکلیف رسانیوں کے نیچے کس طرح صبر اور بردباری سے اُنہیں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد ہجرت اولیٰ کا زمانہ ہے۔ جس میں اکثر مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے ملک حبش میں چلے گئے جہاں ایک عیسائی گورنمنٹ تھی۔

اس میں ان کو یہ تعلیم دی گئی کہ جہاں حکومت کی طرف سے ان کے مذہب میں کوئی دست اندازی نہ کی جائے تو ان کو کس طرح فرمانبرداری اور امن پسندی اور وفاداری کے ساتھ اور دوسری قوموں سے نیک سلوک کے ساتھ زندگیاں بسر کرنی چاہئیں۔ اس کے بعد پھر وہ زمانہ آتا ہے جب آپؐ مع تمام صحابہؓ کے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں جا بسے۔ جہاں اور بھی قومیں مثل یہودیوں اور بت پرستوں کی موجود تھیں اور کچھ مسلمان بھی تھے۔ مگر ملکی طور پر وہ سب ایک تھے۔ اور اس جگہ ایک قسم کی جمہوری سلطنت قائم ہوگئی۔ جس میں اعلیٰ اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیئے گئے۔

اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے عملی طور پر یہ دکھایا کہ کیونکر مسلمان ایک مسلمان گورنمنٹ کے نیچے رہ کر بھی اپنے مذہبی مخالفوں کے ساتھ ملکی طور پر اتفاق کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور کس طرح ایک اسلامی گورنمنٹ کو اپنی غیر اسلامی رعایا کے حقوق کی حفاظت اور نگہداشت کرنی چاہئے۔ خواہ وہ غیر مسلم رعایا اس کے مذہب کی کیسی ہی دشمن کیوں نہ ہو۔ یہاں یثرب کی حدود کے اندر مسلمان، یہودی اور بت پرست، ملکی طور پر ایک ہی قوم کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ اس جمہوری انتظام کے حاکمِ اعلیٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔

اسی طرح اب ایک چوتھا اور نیا زمانہ مسلمان سوسائٹی پر آتا ہے۔ جس کا باعث خود مسلمان نہیں بلکہ ان کے دشمن بنے۔ یعنی وہ کفار جنہوں نے کہ ان کو امن نہ لینے دیا تھا اور جن کی اذیتوں کی خاطر وہ اپنے پیارے وطنوں کو چھوڑ کر کبھی کہیں اور کبھی کہیں پناہ گزین ہوتے تھے۔ اگر کفار قریش اپنی دشمنی میں حد سے نہ بڑھ جاتے اور تلواریں ہاتھ میں لے کر اسلام کے نیست و نابود کرنے کے در پے نہ ہو جاتے تو اسلام کی اس حالت میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوتی جس کا ذکر ہم نے اس جگہ کیا ہے۔ مگر ان کوتاہ اندیشوں نے جب دیکھا کہ اسلام کیسے امن کے ساتھ مدینہ میں ترقی کرتا جارہا ہے تو اُنہوں نے خیال کیا کہ ہم اس ابتدائی حالت میں اس کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔

اُدھر یہودیوں کو حالانکہ وہ ملکی طور پر مسلمانوں سے اتفاق کر چکے تھے۔ مگر تاہم ان کے دلوں میں اسلام کی ترقی کو دیکھ کر سخت جلن پیدا ہوتی تھی اور ان کا کینہ اور بغض روز بروز ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے بھی

خفیہ طور پر کفار کے ساتھ سازشیں کیں اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا چاہا۔ پس اب اسلام پر اور مسلمانوں پر ایک ایسا زمانہ آ گیا کہ چاروں طرف سے لوگ ان کے ہلاک کرنے کے درپے ہو گئے۔

یہ لڑائیوں اور جنگوں کا زمانہ تھا۔ جس میں کہا جاتا ہے کہ بجائے عام ملکی قوانین کے مسلمانوں کو بعض وقت جنگی قوانین جاری کرنے پڑے۔ کیونکہ ہر طرف اور ہر وقت اُنہیں دشمنوں سے جنگ کا سامنا تھا۔ ایسے وقت میں اسلام سے ارتداد صرف ایک مذہبی ارتداد نہ تھا بلکہ مسلمانی افواج کو چھوڑ کر دشمنوں کے ساتھ جانے کے برابر تھا۔ اور ایسے لوگ ملکی طور پر مسلمانوں کے دشمن اور ان سے جنگ کرنے والے ہوتے تھے۔ بلکہ بیرونی دشمنوں سے زیادہ خطرناک یہ اندرونی دشمن تھے۔ کیونکہ ان کو مسلمانوں کے حالات معلوم ہوتے تھے۔ پس اگر ایسے وقت میں مرتدین کے قتل کا حکم دیا گیا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

آج کل بھی اگر کسی مہذب گورنمنٹ کو ایسے واقعات پیش آئیں تو اسے سزا تجویز کرنی پڑے گی ورنہ امن نہیں رہ سکتا۔ ہاں یہ جنگوں کی حالت ایسی نہ تھی کہ آئندہ ہمیشہ کے لئے مسلمان اس حالت سے نہ نکلیں۔ بلکہ انہی جنگوں کے اثنا میں جیسا کہ قرآن شریف اور تاریخ کے پڑھنے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ بعض وقت صلح بھی ہو جایا کرتی تھی اور اس وقت جنگی قوانین موقوف ہو کر پھر ان کی بجائے وہی معمولی قوانین مروج ہو جاتے تھے جو پہلے امن کی حالت میں مروج تھے۔ اور جب تک پھر جنگ شروع نہ ہوتی ویسی ہی حالت رہتی۔

پس اس سے بڑھ کر کیا غلطی ہو سکتی ہے کہ ان احکام کو، جو ایک خاص قسم کے حالات کے ماتحت دیئے گئے تھے، ایک ایسی سوسائٹی پر لگایا جاوے جس کے حالات بالکل الگ ہیں۔ یہ تو اسلام کی تعلیم کا کمال ہے کہ اسلام اپنے پیروؤں کو یہ نہیں کہتا کہ ہر قسم کے حالات کے ماتحت تم ایک ہی طرح کام کیا کرو۔ بلکہ ان کو یہ سکھاتا ہے کہ جس قسم کے حالات ہوں انہی کے مطابق کام بھی کرنا چاہئے۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمام ان مختلف حالات کے واقع ہو جانے نے اہلِ اسلام کے لئے ہر قسم کی ہدایات عملی رنگ میں مہیا کر دی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ زندگی میں اسلام کی پولیٹیکل زندگی کے تمام مختلف پہلوؤں کا نقشہ کھینچا ہوا نظر آتا ہے۔ جنگ کی حالت بھی انہی حالتوں میں سے ایک حالت ہے۔ اور یہ خلافِ تعلیمِ اسلام ہے

کہ ہم ان ضوابط اور قواعد احکام کو، جو اس خاص حالت یعنی جنگ کی حالت میں دیئے گئے تھے، ایک ایسی حالت پر چسپاں کریں جہاں مسلمانوں کی نہ غیر قوم سے جنگ ہے اور نہ ہی ان کی مذہبی آزادی میں کسی قسم کی دست اندازی کی جاتی ہے اور نہ ہی ان کو اپنے مذہب کے پھیلانے میں یا اپنے اصول کی اشاعت کرنے یا اپنے عقائد کا اظہار کرنے سے روکا جاتا ہے۔

جنگ کی حالت اسلام کی اصلی حالت نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ خود اسلام کے نام سے ظاہر ہے کہ اسلام کی اصلیت صلح ہے اور جنگ اس کو صرف بحالت مجبوری کرنی پڑے اور ایسے حالات کے ماتحت کرنی پڑے جن پر مسلمانوں کو اختیار نہ تھا۔ یعنی ان کے ٹالنے سے وہ جنگ ٹل نہ سکتی تھی۔ کیونکہ مخالفین یہ ٹھان چکے تھے کہ تلوار سے اسلام کو نیست و نابود کر دیں۔ کیا تاریخ شہادت نہیں دیتی کہ مسلمانوں نے کس صبر اور برداشت سے سخت سے سخت مصائب اور اذیتیں اُٹھائیں اور ہر طرح کے دُکھوں کو برداشت کیا؟ کیا یہ سب لغو اور بے معنی تھا اور اس میں یہ سبق نہ تھا کہ آئندہ بھی جب مسلمانوں کو ایسی حالت پیش آئے تو وہ اسی طرح کا صبر کا نمونہ دکھائیں؟

پھر غور کرو کہ حبش میں ایک عیسائی گورنمنٹ کے ماتحت مسلمانوں نے کیسی شکر گزاری اور وفاداری کے ساتھ اپنے دن کاٹے۔ کیا اس سے یہ سبق نہیں ملتا کہ جب کبھی مسلمانوں کو ایسی مہربان گورنمنٹ ملے تو وہ اس کے ماتحت ایسی ہی وفاداری اور شکر گزاری سے اپنی زندگیاں بسر کریں؟ پھر دیکھو کہ یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا اس حالت میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اس میں کیسی صراحت سے یہ تعلیم پائی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی غیر مسلم رعایا یا ایسی غیر مسلم اقوام کی، جن کے ساتھ ان کا ملکی اتحاد ہو، کس طرح حفاظت اور رعایت کرنی چاہیئے۔

اس معاہدہ میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مسلمان اور تمام وہ لوگ، جنہوں نے ان کے ساتھ ملکی اتحاد کیا ہے، ایک ہی قوم سمجھے جاویں گے اور ان کی صلح اور جنگ کی حالت ایک ہی ہوگی۔ پھر صراحت سے اس بات کا ذکر ہے کہ جو یہودی مسلمانوں کی اس جمہوری سلطنت کے ساتھ اتحاد کریں اُن کی ہر ایک رنج و آزار سے پوری حفاظت کی جائے گی اور ان کو مسلمانوں کی طرف سے مدد اور حفاظت کا ایسا ہی حق ہوگا جیسا کہ خود مسلمانوں کو اور وہ تمام اپنے اپنے مذاہب پر اسی آزادی سے رہیں گے جیسے کہ مسلمان۔ اور مجرم خواہ کسی قوم یا مذہب کا ہو اُسے

برابر سزا دی جائے گی۔ یہود کا فرض ہوگا کہ وہ بھی مسلمانوں کے دشمنوں کے مقابل پر مسلمانوں کی مدد کریں۔اور تمام ان لوگوں کے، جو اس معاہدہ کو قبول کریں یثرب کے اندر، مال و جان اور آزادی کی حفاظت کی جائے گی۔ مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کے ساتھیوں کو ایک سے ہی حقوق حاصل ہوں گے۔ اور تمام جھگڑے جو اس معاہدہ کے نیچے پیدا ہوں ان کا آخری فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا گیا۔

ان تمام باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا اصل میلان صلح کی طرف ہے اور جنگ اسے صرف بحالت مجبوری کرنی پڑی۔ اسی کی تائید میں یہ امر بھی ہے کہ جنگ کے وقت میں بھی جب کبھی مخالفین مائل بہ صلح پائے جاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلح کر لیتے۔ بلکہ ایسی شرائط کو بھی قبول فرما لیتے جن کے قبول کرنے میں بظاہر ایک قسم کی کمزوری پائی جاتی۔ مگر آپ نہ چاہتے تھے کہ جب کفار صلح کا پیغام دیں تو پھر آپ محض ان کی شرائط کی سختی کی وجہ سے رُکے رہیں اور مخلوق خدا کا خون ہونے دیں۔ چنانچہ واقعہ حدیبیہ سے اس امر کی صاف شہادت ملتی ہے۔ 1400 صحابہؓ کے ساتھ آپ مدینہ سے حج کا عزم کر کے چلے اور جب مکہ سے تھوڑی دور رہ گئے تو کفار نے آگے جانے سے روک دیا۔ اس روک کا نتیجہ صریحاً جنگ تھا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اس طرح بے نیل و مرام واپس ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ اُدھر کفار نے ایسی شرائط پیش کیں جن کو قبول کرنے میں مسلمان ایک طرح سے اپنی ذلت سمجھتے تھے۔ مگر پیغمبرِ خدا چونکہ کسی صلح کے موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اس لئے آپ نے اُنہی شرائط کو قبول فرما لیا مگر جنگ نہ کی۔

اس صلح نامہ کی شرائط میں یہ درج تھا کہ دس سال تک مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص قریش میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آ ملے تو مسلمانوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے واپس قریش کے حوالہ کریں۔ لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں میں سے قریش کے ساتھ جا ملے تو مسلمانوں کو اسے طلب کرنے کا حق نہ ہوگا۔ دونوں فریقوں کے ساتھ جو قوم ملنا چاہے مل سکے گی اور مسلمان اس مرتبہ بلا حج کرنے کے واپس ہوں گے۔ مگر آئندہ سال ان کو حج کرنے کی اجازت ہوگی۔ بشرطیکہ ان کی تلواریں میانوں میں ہوں اور تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہریں۔

غرض تمام واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں یہ لحاظ رکھنا

ضروری ہے کہ کن واقعات کے ماتحت آپ نے کوئی حکم دیا یا کوئی کام کیا۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی حکم مرتدین کے قتل کرنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے تو وہ نہ اُس وقت دیا جب کہ آپ مکہ میں تھے نہ اُس وقت جب کہ آپ کے صحابہ حبش میں تھے اور نہ ہی اس وقت جبکہ آپ پہلے پہلے مدینہ میں جا کر ٹھہرے۔ بلکہ یہ حکم اُس وقت دیا گیا جبکہ اسلام کی جنگ کفار کے ساتھ اس طرح شروع ہوگئی کہ متواتر ایک سلسلہ ہی چلا چلتا تھا۔گویا امن کی حالت لڑائی کی حالت سے بدل چکی تھی اور اس لئے اسی کے مناسبِ حال حکم دینے کی ضرورت پیش آئی۔

ان حالات میں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اسلام کو چھوڑنا گویا مسلمانوں کی فوج سے الگ ہو کر ان کے دشمنوں کے ساتھ ملنے کے برابر تھا۔کیونکہ لڑائی صرف دو لشکروں کے درمیان نہ تھی۔ بلکہ کفار کا ارادہ تمام مسلمانوں کو، خواہ وہ کسی قوم کے ہوں، نیست و نابود کرنے کا تھا اور یہ جنگ گویا مسلمان سوسائٹی کے خلاف تھی۔ پس وہ ضرورت، جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کیا کہ وہ مرتدین کے قتل کا حکم دیں، خود مسلمانوں کی حفاظت تھی۔ کیونکہ ارتداد اُس وقت میں محض مذہبی عقائد سے پھر جانا نہ تھا بلکہ ایسا ہی تھا جیسا جنگ میں ایک فوج کو چھوڑ کر دوسری فوج سے کوئی شخص جا ملے۔ پس سزائے قتل بھی مذہبی عقائد کو بدلنے کی وجہ سے نہ تھی۔ کیونکہ ان حالات کے پیش آنے سے پہلے تبدیلیٔ مذہب پر کوئی ایسی سزا نہ دی جاتی تھی۔ بلکہ یہ ان حالات کی بنا پر تھی جو اب پیش آ گئے تھے۔ایک مسلمان جب اہل اسلام کو چھوڑ کر مسلمانوں کے دشمنوں سے جا ملتا تو وہ ایک خطرناک جاسوس کا کام دے سکتا تھا۔اور ایسی صورت میں سوائے اس کے کہ وہ قتل کیا جاتا اور کوئی چارہ نہ تھا۔اور ایسی سزا کو کوئی شخص بے رحمی یا ظلم نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ بالکل منصفانہ اصول پر مبنی ہے۔اور آج بھی اگر کسی مہذب گورنمنٹ کو ایسے واقعات پیش آویں تو وہ یقیناً ایسی ہی کارروائی کرے گی۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کسی طرح قابل اعتراض نہیں۔مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس حکم کا اجراء ہر رنگ کے حالات کے ماتحت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان امن کی حالت میں رہتے تھے یعنی جنگوں کا سلسلہ جاری نہ ہوا تھا تو اُس وقت اس قسم کا حکم نہ دیا گیا۔ بلکہ اس معاہدہ کی شرائط میں، جو یہودیوں وغیرہ دیگر باشندگان یثرب کے ساتھ کیا گیا تھا، اور ایسا ہی اس صلح نامہ کی شرائط میں جو حدیبیہ پر کیا گیا، قطعی اور یقینی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ جنگوں کے نہ ہونے یا جنگوں

کی التواء کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتدین کے قتل کو جائز نہیں رکھا۔ کیونکہ ان میں ایسی شرائط موجود ہیں جو قتل مرتدین کے منافی ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قرآنی تعلیم کے منافی نہیں۔ کیونکہ آپ نے مرتدین کے قتل کا حکم صرف اس صورت میں دیا جب قتل کی وجوہات کسی اور بنا پر پیدا ہوئیں۔ اور محض ارتداد کو موجب قتل قرار نہیں دیا۔ (جاری)

❁❁❁

6اپریل1916ء

ہندوستان میں مرتدین کے احکام

(3)

(از حضرت امیر مولانا محمد علی ایدہ اللہ بنصرہ)

قتلِ مرتدین کا ایک ہی موقع معتبر کتبِ احادیث میں پایا جاتا ہے جس کا ذکر مندرجہ ذیل حدیث میں ہے:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ اُنَاسٌ مِّنْ عُکْلٍ اَوْعُرَیْنَۃَ فَاجْتَوَوْا الْمَدِیْنَۃَ فَاَمَرَھُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِلِقَاحٍ وَاَنْ یَّشْرَبُوْا مِنْ اَبْوَالِھَا وَاَلْبَانِھَا فَانْطَلَقُوْا فَلَمَّا صَحُّوْا قَتَلُوْا رَاعِیَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ فَجَآءَ الْخَبَرُ فِیْ اَوَّلِ النَّھَارِ فَبَعَثَ فِیْ اٰثَارِھِمْ فَلَمَّا ارْتَفَعَ النَّھَارُ جِیْءَ بِھِمْ فَاَمَرَ فَقُطِعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ وَسُمِرَتْ اَعْیُنُھُمْ وَاُلْقُوْا فِی الْحَرَّۃِ یَسْتَسْقُوْنَ فَلَا یُسْقَوْنَ قَالَ اَبُوْ قِلَابَۃَ فَھٰؤُلَاءِ سَرَقُوْا وَقَتَلُوْا وَکَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ وَحَارَبُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (بخاری)

ترجمہ: ”حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ عکل یا عرینہ کے چند آدمی آئے تو مدینہ کی آب و ہوا ان کو موافق نہیں آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ دودھ والی اونٹنیوں کے پاس جائیں اوران کا پیشاب اوردودھ پیتے رہیں تو وہ (وہاں پر) چلے گئے جب اچھے ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو مار ڈالا اور اونٹنیوں کو بھی لے گئے اس واقعہ کی اطلاع صبح کو (مدینہ) پہنچی تو آپ نے (ایک دستہ) اُن کے پیچھے بھیجا دن چڑھے وہ لائے گئے آپ نے حکم دیا تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے اور ان کی

آنکھیں پھوڑی گئیں اور پتھریلی زمین پر ڈالے گئے پانی مانگتے تھے کوئی پلاتا نہیں تھا ابو قلابہ کہتے ہیں ان لوگوں نے چوری کی اور قتل کے مجرم ہوئے اور ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑے۔''

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ محض ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کئے گئے۔ وہ پہلے مسلمان ہوئے اور ان کی بیماری کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر یہ احسان کیا کہ صدقے کے اونٹوں کا دودھ پینے کے لئے ان کو اجازت دی۔ جب وہ تندرست ہوئے تو اُنہوں نے بجائے شکر گزاری کے یہ کیا کہ اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر ڈالا اور سب اونٹوں کو لے گئے۔ اب ان کا جرم ڈاکہ زنی اور قتل تھا۔ اور آج بھی اس جرم کے مرتکب کو سزائے قتل ہی دی جاتی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تبدیلِ مذہب کی سزا نہیں دی، بلکہ ان کی ڈاکہ زنی اور قتل کے جرائم پر وہ سزا دی جو آج کوئی مہذب گورنمنٹ بھی دے۔ وہ مرتد بھی تھے مگر ارتداد کے ساتھ ان کے اور جرائم بھی تھے۔ جنہوں نے اُنہیں سزائے قتل کا مستوجب کر دیا۔ پس اِسے مرتدین کے قتل کی مثال نہیں کہہ سکتے۔

امام بخاریؒ نے اسی وجہ سے اسے مرتدین کے باب میں ذکر نہیں کیا، بلکہ **کتاب المحاربين من اهل الكفر والردة** کے نیچے ذکر کیا ہے۔ اور پہلے قرآن کریم کی اس آیت کو اپنی تائید میں لائے ہیں **اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** (33:5) یعنی اُن لوگوں کی سزا، جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جاوے یا صلیب دی جاوے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں اُلٹے کاٹ دیئے جائیں یا اُن کو جلاوطن کر دیا جاوے۔

اس جگہ بھی قرآن کریم نے ایک صورتِ معافی کا ذکر کیا ہے **اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** (34:5)

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس صورت میں قتل کا حکم دیا تو وہ قرآن کریم کی اس آیت کے حکم

کے نیچے تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن کریم کے حکموں کے مطابق ہی حکم دیتے تھے۔ ضرور تھا کہ اگر ان لوگوں کو ان کے ارتداد کی وجہ سے سزا دی جاتی تو آیت بھی کوئی اس قسم کی پیش کی جاتی جس میں مرتدین کا ذکر ہوتا نہ کہ محاربین کا۔

پس معلوم ہوا کہ یہ سزا ان کے محاربہ کی وجہ سے تھی نہ ارتداد کی وجہ سے۔ کوئی اور معتبر حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ محض ارتداد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کسی شخص کے قتل کئے جانے کا حکم دیا ہو۔

المشکوٰۃ میں، جس میں بعض اوقات کم معتبر روائتیں بھی لے لی جاتی ہیں، اس قسم کے کسی واقعہ کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ برخلاف اس کے بخاری میں بعض ایسی روائتیں موجود ہیں جہاں کسی صحابیؓ نے کسی شخص کو قتل کرنا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ ہاں! اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا پایا جاتا ہے جس کا ذکر اس بحث میں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کا بڑا حصہ، کہا جاتا ہے کہ مرتد ہو گیا تھا اور ان سب پر حضرت ابوبکرؓ نے چڑھائی کی۔ مگر بخاری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی ان لوگوں پر چڑھائی کی وجہ ان کا ادائیگی زکوۃ سے، جو ایک قسم کا مالی ٹیکس تھا، انکار کرنا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ پر اعتراض کیا کہ کیوں ان لوگوں پر چڑھائی کی جاتی ہے تو آپ نے جواب دیا وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْمَنَعُوْنِىْ عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّوْنَهَآ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ) یعنی اللہ کی قسم میں اس سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوۃ میں تفریق کرے گا۔ کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اور اللہ کی قسم اگر وہ مجھ سے وہ بکری کا بچہ روکیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اُن سے اس کے نہ دینے پر لڑوں گا۔

جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس وجہ سے ان سے جنگ نہ کی تھی کہ وہ مرتد ہو گئے تھے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ زکوٰۃ کے دینے سے انکار کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز بھی پڑھتے تھے۔ پس اس مثال کو قتلِ مرتدین کے جواز میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں تک ہم نے ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا ذکر ہے اور یہ دکھایا ہے کہ کوئی ایسا واقعہ احادیث معتبرہ میں نہیں پایا جاتا۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ نے محض ارتداد کی وجہ سے کسی شخص کے قتل کرنے کا حکم دیا ہو۔ لیکن ایک حدیث میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ یعنی جو شخص اپنے مذہب کو تبدیل کرے اسے قتل کر ڈالو۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اس حدیث کے الفاظ کے معنی لگانے میں کچھ نہ کچھ قید لگانی پڑے گی۔ ورنہ ہر ایک تبدیلی مذہب کی خواہ کسی مذہب کی، کسی مذہب میں ہو سزا قتل ہونی چاہئے۔ گویا عموم معنی کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح نہیں ہوسکتی۔ اور تخصیص کرتے وقت ہمیں اُن حالات کو ضرور مدِّنظر رکھنا پڑے گا جن کے ماتحت یہ حکم دیا گیا۔ اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم بھی قریباً قریباً آخری زمانہ کا ہے۔ کیونکہ اس کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں۔ جن کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت تیرہ چودہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہ زمانہ وہ تھا جب اسلام کے خلاف جنگوں کا سلسلہ ہر طرف جاری تھا۔ اور ایسے حالات پیش آچکے تھے جن کے ماتحت ایسے حکم کا دیا جانا نہ صرف جائز بلکہ نہایت ضروری ہو گیا تھا۔

یہ صورت جیسا کہ میں اوپر بھی لکھ چکا ہوں محض ارتداد کی وجہ سے قتل کی نہ تھی۔ بلکہ لڑائی کے سلسلہ کے سبب سے ایسے وقت میں اسلام کو چھوڑنا گویا مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر ان کے دشمنوں کے ساتھ جا ملنے کے برابر تھا۔ پس حفاظتِ خود اختیاری کی ضرورت نے ایسے لوگوں کے قتل کو جائز کر دیا۔ اور وہی یہ ضرورت تھی جس نے مسلمانوں کو ہاتھ میں تلوار لینے کے لئے مجبور کیا تھا۔

اس امر کا ثبوت، کہ یہ حکم خاص حالات جنگ کے لحاظ سے دیا گیا تھا، ہم کافی طور پر اوپر دے چکے ہیں۔ اسی کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کوئی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیں ایسی نہیں ملتی جس میں آپ نے محض ارتداد کی وجہ سے کسی شخص کے قتل کئے جانے کا حکم دیا ہو۔ بلکہ آپ کی معاً ہدایت اور آپ ﷺ کے صلح ناموں میں ایسی شرائط پائی جاتی ہیں جو قتل مرتدین کے منافی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کے معنی کرنے میں ہمیں آپ کے ہی فعل کو دیکھنا چاہئے۔ اور اس لئے معنوں کی تخصیص کرنے میں اس

امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ جیسے کہ اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ کن حالات کے ماتحت کوئی حکم دیا گیا تھا۔ اگر ایسی قید معنوں پر لگائی جائے تو حدیث مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ خود قرآن کریم کے معارض ٹھہرتی ہے۔ اس لئے ہم مجبور ہیں کہ ان الفاظ کے معنوں کی عمومیت میں کوئی تخصیص کریں۔

ایک سوال اس جگہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس حکم مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ عورتیں عموماً جنگوں میں شامل نہ ہوتی تھیں سوائے اس کے کہ زخمیوں کے علاج اور مرہم پٹی کے لئے جائیں۔ اور یہ ایک مسلّم امر ہے کہ تمام جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے قتل کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ اس مناہی سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیاں اس غرض سے نہ تھیں کہ وہ لوگوں کو بہ جبر مسلمان بنائیں۔ کیونکہ اگر یہ غرض ہوتی تو عورتوں کے قتل کرنے سے کیوں روکا جاتا؟ بلکہ آپ کی غرض چونکہ صرف مسلمانوں کی کفار سے حفاظت اور مجرموں کو سزائیں دینے کی تھی اس لئے آپ نے عورتوں کے قتل سے روک دیا۔ کیونکہ عورتیں جنگ میں شریک نہ ہوتی تھیں۔ اب ظاہر ہے کہ مرتد عورت کی صورت کافر عورت کی طرح ہے۔ اور چونکہ کافر عورتوں کے قتل سے روکنے کی وجہ ان کا جنگوں میں شریک نہ ہونا تھا۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ مرتد عورتیں اس مناہی میں شامل نہ ہوں جو دوسری عورتوں کے لئے تھی۔ کیونکہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ مرتدین کے قتل کی وجہ صرف ان کا جنگوں میں شریک ہونا تھا نہ کہ ارتداد۔ فقہاء میں اس امر پر بحث ہوئی ہے اور دو فریق ہو گئے ہیں۔ ایک فریق کے نزدیک مرتدہ کا قتل جائز نہیں اور دوسرے کے نزدیک مرتدہ بھی مثلِ مرتد قتل ہونی چاہئے۔

امام ابوحنیفہؒ فریق اول میں ہیں۔ دونوں فریق اپنے اپنے دعویٰ کی تائید میں ایک آدھ حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ فریق اول ابن عباسؓ کی اس حدیث کو معتبر ٹھہراتا ہے جس میں یہ حکم ہے کہ عورتیں جب مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل مت کرو۔ اور ساتھ ہی اس کے ابن الطلاع کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث مروی نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ نے کسی مرتدہ عورت کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ فریق ثانی دار قطنی کی ایک حدیث پر اپنے دعویٰ کا سارا دارومدار رکھتا ہے۔ اس کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتد عورت کے قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ابن عباسؓ کی حدیث، جس کو فریق اول نے قبول کیا

ہے وہ بھی دار قطنی کی ہی حدیث ہے۔

یہ امر تو ظاہر ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح تسلیم نہیں کی جاسکتیں۔سوائے اس صورت کے کہ دوسری حدیث میں یہ سمجھا جائے کہ جس مرتدہ عورت کے قتل کرنے کا حکم آپ نے دیا اس کا کوئی اور جرم بھی سوائے ارتداد کے ہو، جس کی سزا اسے دی گئی ہو۔

اگرچہ حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں ہے مگر قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کوئی امر ضرور ہوگا جو محفوظ نہیں رہا۔ کیونکہ حدیث میں تفصیل اس قصہ کی کوئی نہیں ہے۔اور اگر اس کو قبول نہ کیا جاوے تو پھر دونوں حدیثوں میں سے ایک کو غلط ٹھہرانا پڑے گا۔

ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی تحقیق صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی تائید میں اور بہت سے امور پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ دوسری حدیث کی تائید اور کسی طرح پر نہیں ہوتی۔ حدیث اول کی تائید میں ایک تو ابن الطلاع کی تحقیق ہے۔ اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم۔ جس کی رُو سے آپ نے عورتوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا۔اگر حکم مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ کو عام سمجھا جاتا ہے جس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوں تو نَهٰى عَنْ قَتْلِ النِّسَآءِ بھی عام ہے۔ جو کافر اور مرتد عورتوں پر یکساں حاوی ہے۔مگر درآنحالیکہ اوپر دکھا چکے ہیں کہ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ عام حکم نہیں ہوسکتا بلکہ قرآن شریف سے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیس سالہ عملدرآمد سے اس کا تطابق کرنے کے لئے اس کو مقیّد اور مخصوص کرنا ضروری ہے۔تو اس صورت میں عورتیں خود اس سے الگ ہوجاتی ہیں۔ کیونکہ وہ جنگوں میں شریک نہ ہوسکتی تھیں اور یہ حکم عین جنگوں کے وقت میں دیا گیا۔اور قتل نساء کی نہی سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔ بہرحال ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ جن وجوہ پر کافر عورتوں کے قتل کی ممانعت کی گئی انہی وجوہ پر مرتدہ عورتیں بھی قتل کے حکم سے بچ جاتی ہیں۔

اگر اسلام کی لڑائیاں بہ جبر دین پھیلانے کے لئے سمجھی جاویں تو اس صورت میں بے شک یہ خیال ہوسکتا ہے کہ مرتد عورتیں بھی قتل ہونی چاہئیں۔مگر سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ مرتد عورتوں کے قتل کو جائز رکھا جاتا۔ پس ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرتد عورت کو کسی صورت میں قتل کئے جانے کا حکم نہ تھا۔

اب ہم اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوکر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مرتدین کے کون کون سے حقوق تلف

ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ قتل کا حکم اگر دیا گیا تو خاص حالات کے ماتحت اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں، جب جنگوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اس وقت دیا گیا۔ اگر اس قتل کے حکم سے علیحدہ مرتدین کے حقوق پر کچھ اثر پڑتا تو ضرور تھا کہ اس کی مثال یا اس کے متعلق کوئی ہدایت احادیث میں مذکور ہوتی۔ کیونکہ ارتداد مدینہ میں آ کر شروع نہیں ہوا بلکہ بعض لوگ مکہ میں بھی مرتد ہوئے۔ اور ایک شخص حبش میں جا کر بھی مرتد ہو گیا تھا۔ اور ایسا ہی مدینہ کی ابتدائی زندگی میں، جب یہودیوں اور دوسری قوموں کے ساتھ ایک معاہدہ سا ہو گیا تھا، ارتداد کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مگر کسی حدیث سے یہ پتہ نہیں ملتا کہ ان کے کوئی خاص حقوق زائل ہو جاتے تھے۔ کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ عورت یا خاوند کے ارتداد سے محض ارتداد کی وجہ پر نکاح ٹوٹ کر خاوند اور عورت میں علیحدگی واقع ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ جب ایک شخص واجب القتل سمجھ لیا گیا ہو اور پھر وہ بھاگ کر دشمن سے جا ملے تو اس کے تمام حقوق زائل ہو جائیں گے اور قانونی طور پر اسے مقتول ہی سمجھا جائے گا۔ اور جہاں ایک طرف اس کو مرا ہوا قرار دینے سے اس کے حقوق زوجیت باقی نہ رہیں گے، ایسا ہی اس کے حقوق ملکیت بھی زائل ہو کر اس کی جائداد کے وارث دوسرے لوگ ہو جائیں گے۔

مگر یہ ارتداد کے اصلی نتائج نہ تھے۔ بلکہ اصل نتیجہ ارتداد کا قتل قرار پا کر ان حقوق کا اتلاف اس صورت میں واقع ہوتا تھا جب قتل درحقیقت کسی روک کی وجہ سے، جیسا مجرم کے بھاگ جانے سے، واقع نہ ہو سکے اور اس لئے مجرم کو مقتول کے حکم میں سمجھا جائے۔ بالفاظ دیگر اس کی کوئی مثال نہیں کہ مرتد امن سے مسلمانوں کے درمیان رہے اور اس کے حقوق زوجیت وملکیت قطعی طور پر مسلوب ہو جائیں۔ بلکہ حقوق اُسی وقت سلب ہوتے تھے جب یا تو مجرم واقعی قتل ہو جائے۔ اور یا قانونی طور پر اسے مقتول قرار دیا جاوے اور وہ محض بھاگ کر اپنی جان بچالے۔ پس سلبِ حقوق قتل یا قتل کے فتویٰ کا نتیجہ تھا اور جس شخص کو واجب القتل نہیں سمجھا گیا اس کے حقوق بھی تلف نہیں ہوئے۔ چنانچہ بخاری میں دو حدیثیں ہیں۔ جن میں حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو واجب القتل سمجھ کر اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ ان دونوں حدیثوں میں یہ ذکر نہیں کہ ان کو قتل تو نہیں کیا گیا، مگر ان کے حقوق زوجیت وملکیت زائل کر دیئے گئے، نہ ہی کسی اور حدیث میں ایسا ذکر ہے کہ ایک شخص ارتداد کی وجہ سے واجب القتل تو نہ سمجھا گیا ہو، مگر اس کے حقوق زائل کر دیئے گئے ہوں۔ (جاری)

11اپریل1916ء

ہندوستان میں مرتدین کے احکام

(4)

(از حضرت امیر مولانا محمد علی ایدہ اللہ بنصرہ)

اب جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اسے مدنظر رکھ کر ہندوستان کی حالت پر غور کرو۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مرتد پر حکم قتل جاری نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی دراصل وہ حالات یہاں موجود ہیں جن کی بنا پر نہ صرف قرآن و حدیث کے مطابق بلکہ اصول کتبِ فقہ کے مطابق بھی مرتد پر حکم قتل جاری ہوتا تھا۔ پس جو حقوق حکمِ قتل کے نتیجہ کے طور پر زائل ہوتے تھے وہ بھی یہاں زائل نہیں ہوسکتے۔ بالفاظ دیگر اگر انگریزی عدالتیں، جو ہندوستان میں قائم ہیں ایک شخص کو جو اسلام سے مرتد ہو کر کسی دوسرے مذہب کو قبول کرتا ہے، سزائے قتل کا مستحق قرار نہیں دیتیں۔ تو انہیں یہ بھی حق حاصل نہیں کہ اس کے ارتداد کو دوسرے حقوق کے زائل کرنے میں موثر سمجھیں۔ کیونکہ جس بناء پر مقنّنین نے مرتد کے دوسرے حقوق کو زائل کیا تھا وہ بنا اس جگہ موجود نہیں۔ اس جگہ گورنمنٹ نہ تو مرتد پر واقعی حکم قتل جاری کرسکتی ہے اور نہ ہی اسے قانونی طور پر کَالْمیتِ قرار دے سکتی ہے۔

اور جب یہ دونوں صورتیں موجود نہیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کس بنا پر اس کے حقوق زوجیت کو سلب کیا جاتا ہے۔

پس محض ارتداد یا تبدیلی مذہب حقوقِ زوجیت پر بذاتہٖ کچھ اثر نہیں ڈال سکتی۔ بلکہ اس کا اثر ایک اور رنگ میں پڑ سکتا ہے اور وہ اس طرح پر کہ اسلامی شریعت کی رُو سے ایک مسلمان عورت کا نکاح کسی غیر مسلم سے جائز نہیں۔ اور اسی طرح ایک مسلمان مرد کا نکاح کسی غیر مسلم عورت سے جائز نہیں۔ بشرطیکہ وہ عورت ان غیر مسلموں میں سے نہ ہو، جن پر اہلِ کتاب کا لفظ اطلاق پاسکتا ہے۔ پس اس اصول کی بناء پر ارتداد کے وقت یہی دیکھا جائے گا کہ اگر خاوند نے اپنا مذہب تبدیل کرلیا تو اس کا نکاح اس کی مسلمان بی بی سے باقی نہیں رہ سکتا۔

اور اگر عورت نے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے تو پھر یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ نیا مذہب جو اس نے اختیار کیا ہے وہ اہل کتاب کے مفہوم میں داخل تو نہیں۔ اگر ہے تو نکاح نہیں ٹوٹا اور اگر نہیں تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ ہاں ہماری رائے میں اس صورت میں یعنی بصورت ارتداد زوجین کے حقوق متعلق بہ حفاظت اولاد پر ایک اثر پڑے گا۔ اور وہ یہ کہ جو فریق مرتد ہوا ہے وہ کسی صورت میں اولاد کا جائز دلی شریعت اسلامی کی رُو سے نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ نکاح شریعت اسلامی کے نیچے ہوا ہے۔ اور اگر وہ نکاح احدالزوجین کی تبدیلی مذہب سے فسخ ہوگیا ہے تو وہ اولاد جو شریعت اسلامی کے مطابق نکاح سے پیدا ہوئی ہے اس کی ولایت بھی اس شریعت کی رُو سے ہوگی۔

پس یہ وہ قانون ہے جس کے مطابق انگریزی عدالتیں بروئے انصاف اس وقت فیصلہ کرسکتی ہیں۔ اور ایسا قانون نہ صرف مسلمانوں کی موجودہ حالت کے مطابق ہی ہوگا، بلکہ شریعتِ اسلامی کے اصول کے مطابق اور اصول احکامِ شرعی کے بھی زیادہ قریب ہوگا۔ بہ نسبت ان احکام کے جو کتبِ فقہ میں مرتدین کے متعلق درج ہیں۔ اور جو اسلامی دنیا کی موجودہ حالت میں کسی ملک میں بھی قابل عملدرآمد نہیں۔ بہرحال جہاں تک ہم سمجھتے ہیں مسلمانوں کو مجبوراً ان احکام کے ماتحت کرنا، جو اُس وقت وضع کئے گئے تھے، جبکہ سلطنت اسلام کی تھی، تقاضائے انصاف نہیں۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزی عدالتیں صرف اسی حد تک شریعتِ اسلامی پر کاربند ہوسکتی ہیں، جس حد تک ان کے اپنے قوانین انہیں اجازت دیں۔ اور اس لئے وہ مجبور ہیں کہ بعض احکام کی پابندی کریں اور بعض کو چھوڑ دیں۔ اس حد تک کوئی شخص عدالت کو ملزم نہیں کرسکتا۔ مگر مرتدین کے احکام کی صورت بالکل الگ ہے۔ اس جگہ انگریزی عدالتوں نے اس وجہ کو تسلیم نہیں کیا جس وجہ سے مرتد کے حقوقِ ملکیت کو کتبِ فقہ نے زائل کیا تھا۔

مگر جو نتائج اس سے پیدا ہوتے ہیں، ان پر ایک حد تک کاربند ہونا (ایک حد تک جو میں نے کہا ہے اس کی تشریح اگلے پیرے میں کروں گا) ایسا ضروری خیال کیا ہے کہ اس کے خلاف کو خلاف شریعت اسلامی سمجھا جاتا ہے۔ اگر مرتد کے حقوقِ ملکیت کے زائل ہونے اور اس پر حکمِ قتل جاری ہونے میں کتبِ فقہ میں کوئی تعلق نہ دکھایا جاتا اور اس بات کو تسلیم نہ کیا جاتا کہ حکمِ قتل کے جاری ہونے کی وجہ سے ہی حقوق زائل ہوتے ہیں۔ تو انگریزی عدالتیں حکمِ قتل کو رد کر کے حقوق کے زائل ہونے کو قائم رکھ سکتی تھیں۔ مگر جس صورت کو اوپر کھول کر دکھایا

گیا ہے اس صورت میں وجہ کا انکار کر کے نتیجہ کو قائم نہیں رکھا جا سکتا۔لیکن انگریزی عدالتوں کے رویہ میں سب سے عجیب بات جو ہے، وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو کتبِ فقہ کے احکام پر، جو متعلق بہ حقوق زوجیت ہیں، اس قدر زور دیا جاتا ہے، اور دوسری طرف انہی احکام کا باقی تمام قسم کے حقوق پر کچھ بھی اثر نہیں سمجھا جاتا۔

سب سے بڑی بات جس پر کتبِ فقہ نے زور دیا ہے وہ حقوق ملکیت کا زائل ہونا ہے۔ چنانچہ کسی کتاب کو کھول کر دیکھ لو حکم قتل کے بعد اسی بات پر زور دیا گیا ہے۔ اور اسی کے متعلق زیادہ بحث کی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ مرتد کو قانونی طور پر مردہ کے حکم میں رکھنے کا پہلا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ اس کے حقوق ملکیت زائل سمجھے جاویں۔ اب حالانکہ انگریزی عدالتیں مسلمانوں میں اسلامی قانون وراثت کے مطابق یہی فیصلہ کرتی ہیں، مگر مرتد کے لئے جو قانونِ وراثت اسلام نے قرار دیا ہے اس کی خاک بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور نہ ہی مرتد کے حقوقِ ملکیت کو زائل کر دیا جاتا ہے۔ اگر عدالتیں کتبِ فقہ کے سارے احکام کو، سوائے قتل کے جائز رکھیں، تو بھی کسی قدر قرین انصاف ہوتا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ ان سارے احکام میں سے ایک نکاح کے فسخ ہونے کو ہی قائم رکھا گیا ہے۔ اس امتیاز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کتب فقہ کے احکام کے مطابق مرتد کی کل جائداد فوراً اس کے وارثوں کا حق ہو جاتی ہے اور ایسا ہی مرتد کسی کا وارث نہیں ہو سکتا۔ پھر باوجود اس کے کہ شریعتِ اسلام کے احکام وراثت کے مقدمات میں لگائے جاتے ہیں۔ مرتد کی وراثت یا اس کے حقوق وراثت میں احکام متعلقہ کو بے اثر خیال کیا جاتا ہے۔ اور آ جا کر صرف اس ایک بات پر زور دیا جاتا ہے کہ مرتد کے حقوق و فرائض زوجیت باقی نہیں رہتے۔ اصل منشاء احکام مرتدین کا تو اس کو سزا دینا تھا۔ مگر انگریزی عدالتیں سزا کی بجائے اسے کچھ فائدہ پہنچانے کے لئے تیار ہیں۔ کیونکہ حقوقِ زوجیت کا زائل ہونا تو الگ بات تھی یہاں تو زوجیت کے فرائض سے آزادی دی جاتی ہے۔

دراصل جو عملدر آمد انگریزی عدالتوں کا ہے وہ حقوق کا زائل کرنا نہیں بلکہ حقوق کا دینا ہے۔ مثلاً ایک عورت مرتد ہو کر اپنے خاوند سے گویا طلاق حاصل کر لیتی ہے۔ جو اس کو کسی اور طرح پر نہ مل سکتی تھی۔ اس کا بگڑا کچھ نہیں، کوئی حق زائل نہیں ہوا۔ بلکہ اس کو ایک یہ فائدہ یا حق حاصل ہو گیا کہ ایک شخص کی قیدِ نکاح سے آزاد ہو کر اب کسی دوسرے سے نکاح کرنے کی حق دار ہو گئی۔ اگر یہ کہا جائے، جیسا کہ مقدمہ زیر بحث میں ججوں نے کہا ہے،

کہ اگر یہ مسلمانوں پر سختی ہے تو اس کا الزام خود شریعتِ اسلامی یا احکام مندرجہ کتبِ فقہ پر ہے، تو میں کہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ اسلامی شریعت یا احکام مندرجہ کتبِ فقہ کے منشاء کو دیکھنا چاہیئے کہ آیا اُن کا منشاء مرتد کے لئے سزا تجویز کرنے کا تھا یا اُس کو کچھ فائدہ پہنچانے کا۔

پس جس صورت میں انگریزی عدالتیں اس بات کو جائز سمجھتی ہیں کہ شریعت اسلامی میں اس قدر تصرف کر لیں کہ جس قدر امور متعلق سزا کے یا حقوق ملکیت وغیرہ کے زائل ہونے کے تھے اور اُن کو رد کر دیں، تو کیا وجہ ہے کہ وہ مرتد کے فائدہ کی صورت کو باقی رکھ لیں؟ وہ کونسا امر مانع ہے کہ اس قدر بڑے حصہ کو رد کر کے اس ایک چھوٹی سی بات کو باقی چھوڑ دیا جائے جس سے ارتداد میں روک پیدا ہونے کی بجائے باریک طور پر ایک تحریک موجود ہے۔

بفرض محال ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ انگریزی عدالتوں کے نزدیک حقوقِ ملکیت وغیرہ کا زائل ہونا حکم قتل کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ یہ دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ مگر فاضل ججوں نے اس امر پر کوئی روشنی نہیں ڈالی کہ حقوقِ مرتد کو زائل کرتے کرتے اُنھوں نے مسلمانوں کے حقوق کو تلف کرنا کس بناء پر شروع کیا ہے۔ مثلاً زوجین میں سے جب خاوند مسلمان رہتا ہے اور عورت مرتد ہوتی ہے تو عورت کے ارتداد کا نتیجہ انگریزی عدالتوں کے رویہ کے مطابق یہ نہ ہوا کہ عورت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حق بھی زائل ہو۔ بلکہ اس کے خاوند کا حق بھی زائل ہوا کہ اس کی عورت اس سے چھین لی گئی۔ کیا یہ بھی کسی کتابِ فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ مرتدہ کا کوئی حق زائل نہ ہو۔ بلکہ عورت کے ارتداد کی سزا اس کے مسلمان خاوند کو ملے! ہم حیران ہیں کہ فاضل ججوں نے کیا سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے؟

مختصراً ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ کس انصاف، کس قانون، کس شریعت کی رُو سے انگریزی عدالتیں شریعت اسلامی کے سارے احکام متعلقہ مرتدین منسوخ قرار دے کر ایک نکاح پر ارتداد کا اثر ڈالنے کی مجاز ہیں۔ اور وہ بھی اس طرح پر کہ ارتداد کی سزا مرتد کو نہ ملے بلکہ ایک دوسرے بے گناہ شخص کے حقوق زائل کئے جاویں۔ اس کا جواب سوائے اس کے کچھ نہیں دیا جائے گا کہ انگریزی عدالتوں کا آج تک ہندوستان میں یہی عملدرآمد رہا ہے کہ اُنہوں نے تمام احکامِ شرعیہ متعلقہ مرتدین مندرجہ کتب فقہ کو رد کر کے صرف ایک نکاح پر ارتداد کے اثر کو جائز قرار دیا ہے۔ اور کہ اب وہ اپنے پرانے رویہ کو بدل نہیں سکتیں۔ مگر اس کو بھی بفرضِ محال تسلیم کر کے ہم کہیں

گے کہ جس صورت میں خود مسلمانوں میں اس امر میں اختلاف موجود ہے کہ آیا عورت کے ارتداد کا نتیجہ وہی ہوتا ہے یا نہیں، جیسا مرد کے ارتداد سے، تو اس صورت میں انگریزی عدالتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ اختلافی آراء میں سے کونسی رائے اس ملک کے حالات کے زیادہ مناسب ہے۔

اس مقدمہ میں، جس کا ذکر میں نے ابتدا میں کیا ہے، فاضل ججان چیف کورٹ نے فیصلہ دیتے وقت خود اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ اس معاملہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف موجود ہے۔ مگر اس اختلاف پر غور کرنے سے یا کم از کم مقابل کی رائے کو وقعت دینے سے دو وجوہ پر انکار کیا ہے۔ اول یہ کہ عورت کے ارتداد اور مرد کے ارتداد سے حقوقِ زوجیت پر ایک سا ہی اثر واقع ہونے کی رائے غالب ہے۔ یعنی زیادہ لوگوں نے قبول کی ہے بہ نسبت اس کی بالمقابل رائے کے، اور کہ خود امام ابوحنیفہؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ اور دوسرے یہ کہ عدالت میں یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ ہندوستان میں حنفی مسلمان مقابل رائے کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور کہ انگریزی عدالتوں کا یہ فرض نہیں کہ وہ فیصلہ کریں کہ قانون کیا ہونا چاہئے؟ بلکہ اُنہوں نے قانون کو صرف واقعات پیش آمدہ پر لگانا ہے۔ جیسا کہ وہ قانون ملک میں مروج ہو۔

ان میں سے پہلی وجہ بالکل کمزور ہے۔ زیادہ آدمیوں کے ایک رائے کو قبول کرنے سے کسی عقلمند کے نزدیک اس کی صحت پر ایسی مہر نہیں لگ جاتی کہ اس کی مقابل رائے پر کوئی غور ہی نہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں جس اصول کو قائم کر کے وہ رائے قائم کی گئی ہے، جس پر چیف کورٹ نے عمل کیا ہے، وہ اصول خود دوسری رائے کا مؤید ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں مخالف راؤں میں سے ایک ضرور ہے کہ غلط ہو۔ اور یہ فیصلہ کرنے کے لئے غلط کون سی ہے اس سے بڑھ کر قطعی فیصلہ کوئی نہیں ہوسکتا کہ جن اصولوں کو دونوں فریقوں نے قبول کیا ہے، ان کی رُو سے کونسی رائے غلط ٹھہرتی ہے۔ سو اگر اس راہ پر چل کر فاضل ججان چیف کورٹ فیصلہ کرتے تو وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچتے جس کو اب اُنہوں نے اپنے فیصلہ میں رَدّ کیا ہے۔ مگر اُنہوں نے ہماری رائے میں ایک غلط راہ کو اختیار کیا۔ یعنی رائے دینے والوں کی تعداد کی کمی وبیشی پر اس کا فیصلہ کیا۔

دوسری وجہ، کہ عدالت میں یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ ہندوستان کے علماء دونوں مخالفت راؤں میں سے

کس رائے کو قبول کرتے ہیں، اس پہلو سے کمزور ہے کہ ایسے اختلاف اور بے اطمینانی کی صورت میں، جہاں قیاس ہوسکتا تھا کہ ممکن ہے کہ ہندوستان کے علمائے اسلام مقابل کی رائے کو ہی صحیح مانتے ہوں، چیف کورٹ کا فرض تھا کہ فیصلہ دینے سے پہلے اس کے متعلق شہادتیں اور فتویٰ لیتی۔ یہ قیاس کر لینا کہ جو کچھ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا گیا ہے وہی صحیح ہے اور اس کے برخلاف ہند کے مسلمان علماء کوئی رائے نہیں رکھ سکتے، بالکل غلط ہے۔

چنانچہ اس معاملہ میں لاہور کی ایک انجمن بنام انجمن مستشار العلماء نے چیف کورٹ کے فیصلہ کے خلاف فتویٰ دیا ہے اور دوسری رائے کو ہی تسلیم کیا ہے۔ بہرحال اگر فریقین سے یہ غلطی ہوگئی کہ اُنہوں نے خود علماء کے فتاوی حاصل کر کے پیش نہیں کئے تو بھی کورٹ کا یہ فرض تھا کہ پوری تحقیق کرنے کے بعد کوئی فیصلہ دیا جاتا۔ جب عدالت کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے تو ضروری تھا کہ علماء ہند کی رائے دیکھی جاتی کہ وہ کس طرف کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ کہنا کہ اس سے پہلے فیصلے اس کے ممدّ ہیں، ایک غلطی کی تائید میں، دوسری غلطی کو پیش کرنا ہے۔ تعجب ہے کہ مسلمان اس فیصلے پر شور مچا رہے ہیں۔ حالانکہ چیف کورٹ کی رائے میں ہندوستان کے مسلمانوں کے نزدیک یہی رائے مسلّم ہے۔

ایسے اختلاف کے ہوتے ہوئے یہ کہنا، کہ قانون کی اصلیت تک پہنچنے کی ضرورت نہیں، معقول بات نہیں۔ ضروری تھا کہ خواہ ایک طرف رائے کا غلبہ ہی تھا (اور اختلاف کی صورت میں ایک نہ ایک طرف غلبہ ہوگا ہی) صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مسئلہ کی اصلیت دریافت کی جاتی اور یہ بھی دیکھا جاتا کہ کونسی رائے حالات موجودہ کے ماتحت اس قوم کے لئے، جس کے لئے قانون بنایا جاتا ہے، انصاف اور نرمی کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

یہ اعتراض کہ عورت اور مرد کے ارتداد سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں، ان میں فرق کرنا عورتوں پر ایک گونہ ظلم ہے، کسی وقعت کے قابل نہیں۔ تمام قوموں اور ملکوں میں خاوند کو ایک قسم کا اختیار عورت پر دیا گیا ہے۔ اور ان کے متعلق جو قوانین ہیں، ان میں بھی کچھ نہ کچھ فرق نظر آتا ہے۔ مثلاً انگلستان میں بھی اگر عورت زنا کرے تو خاوند طلاق کے لئے دعویٰ کر سکتا ہے۔ مگر خاوند کے صرف زنا کی وجہ پر عورت طلاق کے لئے نالش نہیں کر سکتی۔ پس ایسے فرق جب موجود ہیں تو اسلامی شریعت پر اس وجہ پر اعتراض کرنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔

چیف کورٹ کا فیصلہ ایک ایسا دروازہ کھولتا ہے جس سے اہلِ اسلام کی مشکلات بے حد بڑھ جاتی ہیں۔

مثلاً زنا کے مقدمہ میں ایک عورت کہہ سکتی ہے کہ اس نے مذہب بدل لیا ہوا ہے۔ایسا ہی اغوا کے مقدموں میں بھی یہی جواب ہوسکتا ہے۔اور بعض دعوؤں کے مقدموں میں تو ایسے جواب کی صحت کا خود چیف کورٹ نے فیصلہ کر دیا ہے۔مسلمان گھروں کے لئے کون سی امن کی صورت باقی ہے۔کیا فیصلہ کرتے وقت فاضل ججان چیف کورٹ کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ غور کرتے کہ وہ ایک قوم کو کن مشکلات میں ڈال رہے ہیں اور کس طرح ان کے گھروں کے امن کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں۔ایسے مقدمات اس فیصلے کے بعد اور بھی ہوئے ہیں اور چیف کورٹ کے فیصلہ نے بہت سی ناجائز کارروائیوں کی جرأت بعض لوگوں کو دلا دی ہے۔

تبدیلِ مذہب کے معاملہ میں چیف کورٹ کو یہ خیال رکھنا ضروری تھا کہ ایسا قانون نہ بنایا جائے کہ تبدیلِ مذہب حقوق کے تلف کرنے کے لئے بہانہ ہوجائے۔ہم اُمید کرتے ہیں کہ ایسے مقدمات کے پھر عدالتوں تک پہنچنے پر اس فیصلہ کی اصلاح کی جاوے گی۔یا گورنمنٹ ہند اپنی مجلس واضع آئین وقوانین کے ذریعہ سے اس فیصلے کی غلطی کا علاج کر کے مسلمانوں پر احسان کرے گی۔

13 اپریل 1916ء

شرائط مباحثہ مابین میاں محمود احمد صاحب اور مولوی محمد علی صاحب

بجواب اعلان مولوی فضل دین صاحب مختار بٹالہ

فریق ثانی کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ہمیں آپ کے ساتھ ذیل کی تصریحی شرائط پر مباحثہ منظور ہے۔

1۔حسب قرارداد سابق مباحثہ لاہور میں ہوگا۔

2۔مباحثہ ہماری طرف سے پہلے اس طرح تجویز کیا گیا تھا کہ اول فریقین ایک پرائیویٹ جگہ پر بامداد معاونین بالمقابل تقریریں لکھائیں اور وہ بعد میں پبلک طور پر پبلک جلسہ میں سنا دی جائیں۔اس شرط سے اہل قادیان کو انکار رہا اور ہم نے اس حصہ کو جو پبلک سے تعلق رکھتا ہے اُن کی خاطر چھوڑنا قبول کرلیا۔اس شرط پر کہ وہ تحریر کو منظور کرلیں۔لیکن مولوی فضل دین صاحب کے اعلان جدید میں یہ تجویز ہوئی ہے کہ فریقین کے دو دو صد آدمی مباحثہ کے وقت موجود ہوں یہ ایک مباحثہ کی پبلک صورت ہے۔ احمدی چار صد کا ہونا یا غیر احمدیوں کا ایک بڑی تعداد میں جمع ہونا جلسہ کی پبلک حیثیت میں فرق نہیں لاتا۔ چونکہ ہمارے نقطہ خیال سے مباحثہ کی صرف اسی قدر غرض تھی کہ فریقین کی رُودررُو تحریریں ہمیشہ کے لئے کتاب کی صورت میں آجائیں اور وہ باتیں جو ایک شخص گھر میں بیٹھ کر جواب دینے سے ٹال سکتا ہے۔وہ رودررُو مباحثہ میں ناممکن ہے کہ ٹل سکیں۔اس لئے مباحثہ کی صورت وہی رہے گی جو پہلے تجویز کی گئی تھی۔ ہم میں اور میاں صاحب میں امور متنازعہ اس قسم کے نہیں جن کا تعلق صرف احمدی جماعت سے ہو۔ ہمارے نزدیک ان کا اثر کل مسلم پبلک پر ہے۔اس لئے ہم یہ تو قبول کر سکتے ہیں کہ مباحثہ پرائیویٹ صورت میں ہی ہو۔اور تحریرات پبلک میں سنائے جانے کے بجائے کسی اخبار میں شائع ہوجائیں لیکن یہ امر ہمیں پسند نہیں کہ مباحثہ عام پبلک میں تو نہ ہو اور احمدی پبلک میں ہو۔ چار صد کی تعداد ایک پبلک تعداد ہے نہ کہ پرائیویٹ۔پس مباحثہ کی صورت یہی ہوگی کہ پرائیویٹ طور پر ایک مکان میں جس میں

صرف صدر نشین مناظرین، ان کے معاون اور محرر ہوں گے۔فریقین اپنی تقریریں تحریر کرادیں۔ان تحریروں کے تیار ہونے پر خواہ یہ تحریریں پبلک میں سنادی جائیں خواہ اخبار میں چلی جائیں۔

3۔طریق مباحثہ کے متعلق بھی یہ امر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ مباحثہ فریقین میں قطعیت کی شکل میں حتیٰ الامکان ہونا چاہئے۔ اس لئے ہم پسند کرتے ہیں کہ آتھم والے مباحثہ کی طرح اگر پہلے تین دن میاں محمود احمد صاحب سائل ہوں اور مولوی محمد علی صاحب مجیب۔تو اگلے تین دن مولوی صاحب موصوف سائل ہوں۔اور میاں صاحب موصوف مجیب۔کیونکہ بعض باتیں جو بحیثیت سائل معرض بحث میں آسکتی ہیں۔ وہ بعض وقت بحیثیت مجیب طے نہیں ہوسکتیں۔ یہ مباحثہ ہم احقاق حق کے لئے کرنا چاہتے ہیں نہ بازی جیتنے کے لئے۔اور اس میں فریقین کو یکساں مواقعات ملنے چاہئیں تاکہ ہر روز مُناقشات کو ایک حد تک ختم کردیا جائے۔

4۔مباحثین میں سے ہر ایک کو یکساں موقع دینے کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک سوال زیر تنازعہ ایک ہی دن میں ختم ہو۔ایسا نہیں کہ ایک فریق کو ایک لمبا وقفہ غور وفکر کامل جائے۔اور دوسرا اس سے محروم رہے۔ مثلاً اگر دو دو تقریریں فریقین نے ہر ایک سوال پر قلمبند کرانی ہیں اور سائل نے بعد میں آخری جواب الجواب دینا ہے۔تو یہ پانچوں تقریریں ایک ہی دن ختم ہونی چاہئیں۔درمیان میں وقفہ ایک آدھ گھنٹہ کا ہوسکتا ہے۔آخیری جواب الجواب کے لئے صرف نصف گھنٹہ کا وقت ہوگا۔

5۔مباحثہ شروع ہونے سے پہلے اُمورِ متنازعہ فیہ محدود ہونے چاہئیں۔میاں صاحب کو ذیل کے امور ثابت کرنے ہوں گے۔جن کی تردید ہماری طرف سے ہوگی۔

الف۔مسئلہ نبوت

1۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی آتے رہیں گے۔

2۔حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر کھڑا کیا۔اور تیرہ سو سال میں پہلے کسی کو یہ منصب نہیں دیا۔

3۔ پیشگوئی مندرجہ قرآن کریم مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (6:61) کے مصداق حقیقی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ حضرت مرزا صاحب ہیں۔

ب۔ تکفیرِ اہلِ قبلہ

1۔ حضرت مرزا صاحب کے ظہور پر کل مسلمانانِ عالم دائرہ اسلام سے خارج ہوگئے اور صرف ان کی بیعت سے ہی کوئی شخص مسلمان رہ سکتا۔

2۔ اب کوئی شخص صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کر کے دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ وہ جناب مرزا صاحب کے نبی اللہ ہونے کا اقرار نہ کرے۔

ج۔ مسئلہ وصیت و خلافت

1۔ آیت استخلاف میں جو وعدہ خلفاء کا ہے۔ اس کے ماتحت اب مسیح موعود کے خلفاء آئیں گے۔

2۔ مسیح موعود کے خلفاء کی جو احمدی بیعت نہ کریں وہ فاسق ہیں۔

3۔ میاں صاحب کی خلافت حضرت مرزا صاحب کی وصیت کے مطابق ہے۔

4۔ میاں صاحب کا بحیثیت خلیفہ وصیت پر اس وقت عمل ہے۔

بالمقابل ہماری طرف سے بحیثیت سائل ذیل کے امور ثابت کئے جائیں گے اور میاں صاحب ان کا جواب دیں گے۔

الف۔ مسئلہ نبوت

1۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت مسدود ہے۔

2۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف محدثیت و مبشرات کا دروازہ کھلا ہے جس کو دوسری اصطلاح میں وحی ولایت، ظلّی، جزوی، بروزی نبوت کہا گیا ہے۔ اور ان کے پانے والے حضرت مرزا صاحب

کے سوا اور اکابر اُمت بھی ہوتے رہے۔

3۔ پیشگوئی **مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ** (6:61) اصلی اور حقیقی مصداق صرف حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

ب۔ تکفیرِ اہل قبلہ

1۔ حضرت مرزا صاحب کا انکار کسی کلمہ گو کو کافر نہیں بناتا۔ نہ دائرہ اسلام سے خارج کرتا ہے۔ گو ایسا شخص زیر مواخذہ آجاتا ہے۔

ج۔ مسئلہ خلافت

1۔ آیت استخلاف کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کا سلسلہ ہی تاقیامت چلے گا۔

2۔ مسیح موعود کے آنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا سلسلہ منسوخ نہیں ہوا اور نہ کوئی نیا سلسلہ اس کی جگہ شروع ہوا ہے۔

3۔ میاں محمود احمد صاحب کا انتخاب وصیت حضرت مرزا صاحب کے خلاف ہوا ہے۔

4۔ میاں صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی وصیت کو توڑ دیا ہے اور اس کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔

نوٹ

یاد رہے کہ جو بالمقابل سائل اور مجیب کی حیثیت ہم نے ہر ایک مناظر کے لئے تجویز کی ہے۔ اس کی غرض صرف یہی ہے کہ کوئی امر باقی نہ رہ جائے۔ ممکن ہے کہ اس بحث میں، جس میں میاں صاحب سائل ہوں گے، کل امور طے ہو جائیں اور ہمیں سائل بننے کی ضرورت بھی نہ رہے، اس صورت میں بحث کو صرف پہلے تین دن میں ختم کر دیا جائے گا۔ لیکن بغرض احتیاط یہ حق ہم اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم پہلا موقعہ سائل بننے کا میاں صاحب کو دیتے ہیں اور اپنے حق کو حسب ضرورت ہم اگر چاہیں گے تو استعمال کر لیں گے۔

5۔کُل مباحثہ کی کارروائی بحیثیت مجموعی ایک جلد میں مساوی اخراجات پر فریقین کو چھاپنی ہوگی اور وہ نصف نصف کا پیاں آپس میں تقسیم کرلیں گے۔اور اگر فریقین میں سے کسی نے ایک حصہ کو چھپوایا تو وہ بدعہدی کا ذمہ دار ہوگا۔اگر یہ مضامین کسی اخبار میں بطور ضمیمہ بھی شائع ہوئے تو وہ الگ ہے۔اس کا خرچ بھی فریقین نصف نصف برداشت کریں گے۔اور طبع کتاب کے اخراجات کے واسطے فریقین کم از کم دوسو روپیہ کسی شخص کے پاس جمع کرادیں گے۔

6۔مباحثہ 10اور20 مئی کے درمیان ہوگا۔

ضروری انتباہ

مولوی فضل دین صاحب کو یادرہے کہ چونکہ اب یہ مباحثہ عملی صورت اختیار کرنے کے قریب آ گیا ہے۔اس لئے ہم نے اپنی اس تحریر میں مولویانہ بحثوں سے اجتناب کیا ہے اور پسند نہیں کیا کہ کسی تحریر کو کسی کی نیت اور مصلحت کی طرف منسوب کیا جائے۔ وہ اپنی تحریر کو ہر قسم کی بالواسطہ و بلاواسطہ تعریض سے پاک رکھیں۔اسی طرح کسی قسم کی خوش عقیدگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایسی تحریروں کو جولانگاہ بنانا بھی ہمیں پسند نہیں۔یہ ایک معاملہ کی تحریر ہے۔آئندہ وہ اس معاملہ کی تحریر کو معاملہ کے رنگ میں پیش کریں۔اُمید ہے کہ ان کی آئندہ کی تحریر ایسے الفاظ مثلاً ''مرزا محمود احمد صاحب جماعت احمدیہ کی طرف سے اور مولوی محمد علی صاحب اپنے ہم خیالوں کی طرف سے مباحث ہوں گے'' سے پاک ہوگی۔ایسی باتیں لکھنے کے لئے فریقین کے اخبار کافی ہیں۔نیز یہ بھی یادرہے کہ اس سے پیشتر شرائط مباحثہ ہی کے تصفیہ میں پورے چھ ماہ کا عرصہ لگ جانے کے باوجود کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا اور خواہ مخواہ بہت سے کاغذات کا ایک پلندا بن کر رہ گیا ہے۔جس کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے ہم آئندہ اس پر زیادہ وقت اور کاغذ صرف نہیں کرنا چاہتے۔ ہماری طرف سے بس یہی شرائط کافی ہیں۔اگر ان پر مباحثہ منظور ہو تو ہمیں اطلاع دی جائے۔ورنہ اس سے علاوہ اور کچھ کرنا نہیں چاہتے۔

20 اپریل 1916ء

فرمودہ امیر ایدہ اللہ بنصرہ

وصول الی اللہ کی ایک راہ

فرمایا وہ بات، جو انسان کا قدم ہر ایک نیکی پر جما دیتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا یقین اور کامل یقین ہے۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور نیکیوں پر عامل ہونے کی ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ پر کامل یقین۔ حدیث میں آیا ہے کہ لَا یَسْرِقُ سَارِقٌ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَزْنِیْ زَانٍ وَھُوَ مُؤْمِنٌ (کوئی چور چوری نہیں کرتا بحالیکہ وہ مومن ہو اور کوئی زانی زنا نہیں کرتا بحالیکہ وہ مومن ہو) حالانکہ چور اور زانی کو کوئی بھی کافر نہیں کہتا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کامل یقین نہیں رکھتا۔ تبھی تو وہ چوری کرتا ہے یا زنا کا مرتکب ہوتا ہے۔ جو شخص یہ جانتا ہو کہ اس سوراخ میں سانپ ہے وہ اس سوراخ میں کبھی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔

بدی بھی ایک آگ ہے اگر انسان اس پر کامل یقین رکھتا ہو کہ اس آگ میں ہاتھ ڈالنے سے وہ جل جائے گا۔ اگر اسے یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے جو ان باتوں کی اسے سزا دے گا تو وہ کبھی اس کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ مامورین الٰہی میں اللہ تعالیٰ یقین کامل پیدا کر دیتا ہے۔ ایک طرف دیکھتے ہیں کہ دُکھوں اور مصیبتوں کا سامنا ہے کامیابی کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن پھر بھی دوسری طرف اس بات کا یقین کامل رکھتے اور بڑی تحدّی سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بالآخر وہ کامیاب ہوں گے۔ تمہیں بھی جس بات کی صداقت پر یقین کامل ہو پھر اس کے خلاف خواہ کتنے ہی مخالف حالات کا تمہیں سامنا ہو ان کا کوئی اثر تم پر نہیں ہوتا۔ اور اسی یقینِ کامل سے اس صداقت پر قائم رہتے ہو۔

حضرت مسیح موعود کی صداقت کا ایک ثبوت

حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے دیگر کئی ایک دلائل میں سے ایک یہ دلیل بھی میں سمجھتا ہوں۔ جو بہت پختہ اور ناقابل تردید ہے کہ اس وقت جبکہ کل دنیا کے دل اس یقین کامل سے خالی ہو چکے تھے کہ اسلام غالب

آئے گا اس وقت حضرت مرزا صاحب نے کہا اور یقین کامل کے ساتھ اس بات پر زور دیا کہ اسلام ہی سب ادیان پر غالب آئے گا۔ اس وقت کسی ایک کا بھی سوائے حضرت اقدس مرزا صاحب کے اسلام کے غلبہ کا نام تک نہ لینا بتاتا ہے کہ دلوں کے اندر خود کمزوریاں موجود تھیں۔ ورنہ کیوں باہر نہ نکلتے؟ تو ایک طرف تو سارے اسباب مخالف ہیں۔ پھر مخالفین کی طرف سے حملوں پر حملے ہو رہے ہیں۔ دنیاوی اشغال اور مادیت اس قدر ترقی کر گئی ہے کہ مذہب کا اور خدا کا نام تک لینا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ خود اسلام کے حامی اور خیر خواہ جو کہلاتے ہیں وہ بے دست و پا ہو کر چپکے سے بیٹھ گئے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں، جبکہ اسلام کی سرسبزی اور غلبہ کی کوئی اُمید بظاہر دکھائی نہیں دیتی، حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوتا ہے:

''بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد''

کیا اس وقت دنیا میں اور کوئی ملہم نہ تھا۔ پھر کیوں ان کو یہ الہام نہ ہوگیا اور مرزا صاحب کو ہی کیوں ہوا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ جیسا یقین کامل اسلام کے غالب آنے کا حضرت مرزا صاحب کے دل میں تھا وہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ دوسروں کو اس کے ساتھ ایک کمزوری سی ملی ہوئی تھی۔ اور یہ امر بتاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب وصول الی اللہ یا تقرب الی اللہ کے جس مقام پر پہنچے ہوئے تھے اس زمانہ میں اور کوئی نہیں اور اس لئے آپ صداقت پر تھے۔

یکم جون 1916ء

احباب کرام سے ایک ضروری بات

(از حضرت امیر مولانا محمد علی ایدہ اللہ بنصرہ)

برادران سلسلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

یہ تو ہم میں سے ہر ایک مانتا ہے کہ ہماری زندگی اس دنیا تک محدود نہیں، نہ ہی ہمارے اعمال کی ذمہ داری ہماری اس زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہماری حقیقی زندگی اس موت کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔کیا پاک اصول قرآن کریم نے سکھایا ہے۔اور کس اعلیٰ مقام پر مسلمان کو کھڑا کرنا چاہتا ہے کہ جس کو دوسرے لوگ موت سمجھتے ہیں اسے تم زندگی کا دروازہ سمجھو۔اور جسکی وقعت دوسروں کے دلوں میں کوئی نہیں اسے حقیقی زندگی سمجھو۔انسان کی کوتاہ نظر نے بسااوقات زندگی کو اس دنیا تک محدود سمجھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوںؑ کو بھیج کر بار بار اسے یہ یاد دلایا ہے کہ جس زندگی پر وہ نازاں ہے، وہ جس آسائش اور آرام کو، جن شغلوں کو اپنی زندگی کا بلند اور اعلیٰ مقام سمجھتا ہے، وہ بے حقیقت چیزیں ہیں۔اور اصلی زندگی موت سے ہی ملتی ہے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (64:29) یہ دنیا کی زندگی (جس کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمایا **وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ** (20:57) یعنی تمہاری زینت کے سامان جنہوں نے تم کو منہمک کر رکھا ہے اور ایک دوسرے پر بڑائی کرنا اور مال اور اولاد کی خواہش میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش میں لگے رہنا) یہ خدا سے غافل کرنے کے سامان اور بے نتیجہ شغل ہیں۔جن کا تمہاری اصلی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔اور دارِ آخرت یعنی موت کے بعد جو رہنے کا مقام ہے وہی تو حقیقی زندگی ہے۔کاش کہ یہ لوگ جانتے!

آیت کے آخری الفاظ کس قدر دردناک ہیں۔اکثر لوگ اپنی حقیقی زندگی کے سامانوں سے غافل ہیں۔اس دنیا میں بڑا بننے کی فکر میں ہر وقت لگے رہتے ہیں۔لیکن اپنی زندگی میں کوئی ایسے اوقات الگ نہیں

کرتے کہ ان اوقات میں اس حقیقی زندگی میں بڑا بننے کے سامانوں کی فکر کریں۔ یومِ آخر پر ایمان ہر ایک مسلمان کی زبان پر ہے۔مگر عمل کہاں؟ آج لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ سب سے بڑھ کر مسلمانوں پر صادق آتا ہے۔ جو شخص فی الواقع اس بات کو مانتا ہے کہ اس کی حقیقی زندگی کہیں اور ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ اس کے دل میں کبھی اس کی تیاری کا خیال نہ آئے۔ یا جس قدر فکر اس دنیا کی معاش اور سامانوں کی اسے لگی رہتی ہے، کم از کم اسی قدر فکر اس حقیقی زندگی کے سامانوں کے لئے نہ ہو۔ پس جو لوگ منہ سے اقرار کرتے اور عمل سے انکار کرتے ہیں، وہ فی الواقع یوم آخر پر ایمان نہیں لاتے۔

پس خوب یاد رکھو کہ مومن وہی ہے جو دل سے یقین رکھتا ہے کہ اس کے لئے کوئی اور زندگی بھی ہے۔ جو اس دنیا کی زندگی کے بعد شروع ہوتی ہے۔اور پھر اس زندگی کے لئے کچھ فکر میں بھی لگا رہتا ہے۔

میں اس وقت اپنے احباب کو ایک ضروری فرض کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ فرض ادائیگی زکوٰۃ کا ہے۔نماز اور زکوٰۃ مسلمانوں کے دو بڑے شعار ہیں۔ اور قرآن کریم نے بھی بار باران کا ذکر اس لئے فرمایا ہے اوران دو کو اسلام کے لئے بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بطور اصل الاصول قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک جگہ فرمایا فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ (11:9) اگر وہ (یعنی کفار اپنے کفر سے) رجوع کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں۔

گویا اسلام میں دینی بھائی ارشاد قرآنی کی رُو سے وہی کہلا سکتے ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اگر ایک کافر ہمارا دینی بھائی قیامِ نماز اور ادائے زکوٰۃ سے بنتا ہے تو ایک مسلمان بغیر اس کے کیونکر اس سلسلۂ اخوت کا ممبر کہلا سکتا ہے! پس یاد رکھو کہ اسلامی سلسلۂ اخوت کا خاص امتیاز منہ سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار اور عملاً قیام نماز اور ادائے زکوٰۃ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان قوموں کے ساتھ جنگ کی جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔آج مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ اس ضروری فریضہ کی طرف کچھ بھی توجہ نہیں۔

اس وقت میرا روئے سخن بالخصوص احباب سلسلہ سے ہے۔ وہ خدا کے لئے غور کریں کہ وہ ان ہر دو فرائض کی ادائیگی میں کہاں تک دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں۔ منہ کے دعووں نے پہلی قوموں کو ہلاک کر دیا۔اور

خوب یاد رکھو کہ نرے زبانی دعوؤں سے، کہ ہم یوں ہیں اور ووں ہیں، کوئی قوم دنیا میں سرسبز نہیں ہوئی۔ جتنی کامیابی کے وعدے ہیں وہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (29:13) کے ساتھ ہی ہیں۔ مسیح موعود کے مان لینے کو کفارہ نہ بناؤ۔ آپ کے فرقہ کی غرض مسلمانوں کو اسلامی اصول پر قائم کرنا تھا۔ اگر تم اس اصول پر قائم ہو گئے ہو تو تم نے مسیح موعود کو مانا ہے ورنہ نہیں۔ حضرت صاحب نے تو علاوہ فرائض کے نوافل کی ادائیگی بھی تم سے چاہی ہے۔ یہ چندے، جو تمہارے لئے ضروری ٹھہرائے، ان کی غرض کیا تھی کہ فرائض سے بڑھ کر تم نوافل بھی ادا کرو۔ لیکن کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص نوافل کی ادائیگی سے فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتا ہے! اگر ایک شخص ساری رات نوافل کی ادائیگی میں لگا رہتا ہے اور صبح کی نماز ترک کرتا ہے تو وہ اس کے نوافل اس کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ اسی طرح پر کوئی چندہ، کوئی خدمت تم کو ادائیگی زکوٰۃ کے فرض سے مستثنیٰ نہیں ٹھہرا سکتی۔

پھر جو لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ وہ اپنی طرف سے ہی کوئی اصول بنا کر اس ساری رقم کو خرچ کر دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل صاف بتاتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم بیت المال میں ادا ہونی چاہئے۔ اور وہاں سے تمام ضروریاتِ قومی پر خرچ ہونی چاہئے۔ نہ یہ کہ جہاں کسی کا جی چاہا وہاں زکوٰۃ کی رقم کو خرچ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں زکوٰۃ کے روپیہ کے لئے آٹھ مصرف قائم کئے ہیں۔ یعنی فقراء، مساکین، محکمہ زکوٰۃ کے ملازمین، مؤلفۃ القلوب، غلاموں کی آزادی، قرض دار، مسافر اور فی سبیل اللہ یعنی دینی جہاد اور اشاعتِ اسلام۔

اب بعض لوگوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی کو اس حد تک سمجھا ہوا ہے کہ کسی غریب رشتہ دار کی مدد جو کی تو سمجھ لیا کہ چلو زکوٰۃ ادا ہوگئی ہوگی۔ حالانکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی قرآن کریم نے بار بار غرباء اور مساکین اور محتاج رشتہ داروں کی امداد کے لئے نصیحت فرمائی ہے۔ لیکن بہرحال جب اللہ تعالیٰ نے آٹھ مصرف بتائے ہیں تو کسی کا کیا حق ہے کہ باقی سب کی طرف سے لاپرواہی کر کے ساری رقم کو کسی غریب رشتہ دار پر خرچ کر دے۔ اگر ایک رشتہ دار محتاج ہے تو کیا اسلام کی حالت آج اس معاملہ میں اضطرار کی نہیں! سب سے بڑھ کر تو خود اسلام کی اعانت کی ضرورت ہے۔ حفاظتِ اسلام اور اشاعتِ اسلام کا کام جس قدر مدد کا محتاج ہے، کوئی فقیر اور غریب بھی اس قدر مدد کا محتاج نہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک جماعت بنا کر موقعہ دیا ہے کہ ہم اپنے لئے ایک بیت المال

قائم کر کے حسب منشاء قرآن کریم ادائیگی زکوٰۃ کے فرض سے سبکدوش ہوں۔

خوب یاد رکھو مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا جو شخص ایک اچھی راہ قائم کر جاتا ہے اس کے لئے اس کا اجر اور اس اچھی راہ پر چلنے والوں کا اجر بھی ہے۔ ہم کو آج اللہ تعالیٰ نے ایک موقعہ دیا ہے کہ ہم ایک نیک سنت کو قائم کریں۔ اگر ہم نے اپنے اس فرض کو ادا کیا تو یہ مسلمانوں کی آئندہ بہتری کے لئے ایک ایسی راہ ہوگی کہ پیچھے آنے والی نسلیں اس راہ کے قائم کرنے والوں کو ہمیشہ نیکی سے یاد کریں گی اور اجر تو الگ رہا۔ لیکن اگر ہم نے دنیا کے چند پیسوں سے محبت کر کے خدا کے اس حکم کو ٹال دیا تو یہ ہمارا مال بھی یہیں رہ جائے گا۔ اور ہم خدا کے حضور بھی منہ دکھانے کے قابل نہ ہوں گے اور پیچھے آنے والے لوگ بھی ہمیں بُرائی سے یاد کریں گے اور اس وقت ہمارا پچھتانا کوئی کام نہ دے گا۔ پس ابھی ہمارے ہاتھوں میں بات ہے۔ ہمیں موقعہ حاصل ہے۔ پھر وہ وقت آئے گا کہ یہ موقعہ باقی نہ رہے گا اور افسوس یہ ہوگا کہ اس وقت وہ مال بھی باقی نہ رہے گا۔ خدا نہ کرے کہ ہم فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا (12:32) کہنے والوں میں سے ہوں کہ خدایا ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج کہ ہم اچھے عمل کریں۔ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ (100-99:23) اے میرے رب مجھے لوٹا دو تاکہ جو چیزیں میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں اب جا کر ان میں اعمال صالحہ بجالاؤں۔ اس کا جواب کیا ہے كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا (100:23) یہ تو ایک بات ہے جس کو منہ سے کہہ دیا ہے۔

افسوس کہ ہماری اکثر باتیں بھی آج منہ کی باتیں ہیں۔ پس آؤ اور عمل کر کے دکھاؤ تاکہ تمہارے ناموں پر ابدالآباد تک خدا کی رحمت ہو۔ اور نیکی سے لوگ تم کو یاد کریں۔ چھوٹی چھوٹی قربانیاں ہیں، وہ چند حقیر پیسے جو بہرحال ہمارے ہاتھ سے چلے جائیں گے، آج خدا کے حکم کے ماتحت ان کو اپنے ہاتھ سے دے دو۔ مگر اس طریق پر جو طریق آئندہ مسلمانوں کی کامیابی کا باعث ہو۔ اور جو جماعت احمدیہ کو دوسرے لوگوں کے لئے نمونہ بنانے والا ہو۔ یعنی اس رقم کو ایک جگہ جمع کر کے قومی کاموں پر لگاؤ۔ دین کی اشاعت پر لگاؤ۔

میں کہتا ہوں سرِ دست اتنا ہی کر دو کہ کم از کم نصف مال زکوٰۃ یا جس قدر زیادہ خدا توفیق دے انجمن کے بیت المال میں بھیج دو۔ جو اسے اشاعت اسلام پر، مؤلفۃ القلوب پر اور دیگر نیک مصارف پر لگائے اور باقی نصف کو اپنے حسبِ منشاء غرباء اور مساکین پر خرچ کر دو۔ تو کم از کم ایک قدم تو ایک نیکی کے کام کی طرف اُٹھے اور

بنیاد تو رکھی جائے۔ پچھلا سال تو گزر گیا اور بہتیرے ہیں جنہوں نے خدا کے حکم کو ٹال دیا ہوگا۔ وہ کچھ غنی نہیں ہو گئے۔ بہتیرے ہیں جنہوں نے اس فرض کو خوشی سے ادا کیا وہ فقیر نہیں ہو گئے۔ آج اگر طبیعت پر جبر کر کے بھی تم اس کام کی بنیاد رکھ دو تو کل کو اللہ تعالیٰ تم کو شرح صدر بھی دے دے گا۔ بہر حال اس سال کو اور اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ گنواؤ۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ خدا کے سامنے سرخرو ہو کر جاؤ۔ اس حکم کو ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ اپنے دوستوں اپنے عزیزوں اپنے قریبیوں کو بھی اس طرف متوجہ کرو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی بیبیوں کو اپنی بیٹیوں کو اپنی بہوؤں کو خدا کا یہ حکم کھول کر سناؤ، سمجھاؤ اور نصیحت کرو کہ وہ بھی اس حکم کو پورا کریں۔

پھر یوں بھی نہ کرو کہ ایک شخص نے اپنے بہت سے مال سے ایک چیز نکال کر دے دی اور سمجھ لیا کہ چلو حکم ادا ہو گیا۔ کیا اگر تم نماز کو ادا کرتے وقت چار رکعت کی بجائے تین پڑھ لو یا رکوع کو چھوڑ دو یا تکبیروں کو چھوڑ دو یا نماز سے پہلے وضو نہ کرو تو تمہاری نماز ہو جائے گی؟ پس فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی یہ چاہتی ہے کہ اس مال کا خواہ وہ زیور ہو یا نقدی ہو حساب کرو۔ جو مال پھر تمہارے پاس جمع رہا ہے اگر اس میں اس طرح کمی بیشی ہوتی رہی ہے کہ کچھ آتا اور کچھ جاتا رہا ہے تو مال کی اوسط نکال لو اور اس پر زکوٰۃ ادا کرو۔ اور اسی طرح دیگر اشیاء میں بھی حساب کر کے جس قدر بروئے حساب زکوٰۃ بنتی ہو اسے ادا کرو۔

یہ جو کچھ دو گے درحقیقت یہی تمہارے حساب میں جمع ہوگا۔ لیکن یہ بات سوائے اللہ پر ایمان لانے کے اور آخرت پر ایمان لانے کے سمجھ نہیں آسکتی۔ تم سمجھتے ہو کہ جو مال تمہارے مکانوں اور صندوقوں میں پڑا ہے وہ تمہارا مال ہے اور جو دے دیا وہ چلا گیا اور اس قدر کم ہو گیا۔ خدا کی کتاب ہمیں کچھ اور تعلیم دیتی ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (96:16) جو تمہارے پاس ہے یہ فنا ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا۔ گویا وہ یوں فرماتا ہے کہ جو تمہارے مکانوں اور صندوقوں میں بند ہے وہ تمہارا نہیں۔ جو کچھ تم نے خدا کی راہ میں دے دیا ہے وہی تمہارے لئے باقی رہ گیا ہے۔ پس اپنی خواہشات اور خیالات کو خدا کے کلام کے ماتحت کرو۔ ذیل میں چند اُمور متعلقہ زکوٰۃ کی تشریح کر دی گئی ہے۔

نقدی

نصاب چاندی 52 تولہ اور سونا ساڑھے سات تولہ ہے۔یعنی جس کے پاس اس قدر یا اس سے زیادہ مال ہو وہ چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرے۔

زیورات

ان کا حکم نقدی کی طرح ہے۔ جو زیور معمولی طور پر استعمال میں نہ آتا ہو بلکہ کبھی کبھی پہنا جائے اس کے متعلق کسی کو اختلاف نہیں یعنی اس میں زکوٰۃ ضروری ہے۔ جو زیور عام طور پر استعمال میں آتا ہو اس کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے۔یعنی صحابہؓ سے ایسے زیور کی زکوٰۃ کا ادا کرنا ثابت ہے۔بعض سے ثابت ہے کہ وہ ادا نہ کرتے تھے۔ اس بارہ میں اُم سلمہؓ کی حدیث صاف ہے کہ اُم سلمہؓ کچھ سونے کا زیور پہنے ہوئے تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو یہ کنز میں داخل نہیں۔اصل الفاظ روایت کے یوں ہیں عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ کُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِّنْ ذَھَبٍ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَکَنْزٌ ھُوَ فَقَالَ مَا بَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰی زَکَاتَہٗ فَزُکِیَّ فَلَیْسَ بِکَنْزٍ یعنی اُم سلمہؓ سے روایت ہے: کہا کہ میں پہنا کرتی تھی اوضاح (ایک قسم کا زیور ہے) سونے کے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ کنز ہے۔آپؐ نے فرمایا جو مال اتنا ہو جاوے جس میں زکوٰۃ دینا لازم آوے پھر اس کی زکوٰۃ دی جاوے وہ کنز نہیں ہے۔(سنن ابی داؤد۔روایت کیا اس کو دارقطنی اور حاکم نے اور صحیح کہا اس کو حاکم نے)۔اس حدیث میں کنز سے اشارہ اس آیت کی طرف ہے وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (34:9) گویا جس جمع شدہ مال میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے اس پر وعید نہیں بلکہ وعید اس پر ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔تو اس حدیث کی رُو سے پہنے ہوئے زیور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری قرار دی۔امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ سب زیورات پر زکوۃ ہے اور ہمارے حضرت مسیح موعود نے بھی اپنا عمل یہی بتایا ہے۔اس لحاظ سے سارے زیور پر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔

مال تجارت

مال تجارت پر زکوٰۃ ہے۔اونٹ،گائے،بھیڑ،بکری وغیرہ میں الگ الگ نصاب ہے۔چونکہ ہمارے

احباب میں اس کی ضرورت نہ ہوگی، اس لئے اس کو چھوڑا جاتا ہے۔ دوسرے قسم کے مال تجارت پر زکوٰۃ کے وجوب میں اکثر فقہاء کا اتفاق ہے۔ حضرت مسیح موعود سے پوچھا گیا تھا آپ نے فرمایا:

''تجارتی مال پر جو مکان میں رکھا ہے زکوٰۃ نہیں۔ حضرت عمرؓ چھ ماہ کے بعد حساب کرلیا کرتے تھے۔ اور روپیہ پر زکوٰۃ لگائی جاتی تھی۔''

پیداوار اراضی

چونکہ سرکاری لگان کے ماتحت ہے۔ اور وہ لگان اکثر حالات میں زکوٰۃ کے 1/10 یا 1/20 سے زیادہ ہے۔ اس لئے اس پر زکوۃ نہیں۔

مکانات کی آمد کرایہ پر زکوٰۃ ہے۔ (لیکن اگر ہاؤس ٹیکس کے ماتحت ہیں تو لگان والی اراضی کی طرح مستثنٰی ہوں گے)۔ پارچاجات پوشیدنی پر، سواری کے گھوڑے، رہنے کے مکان، گھر کے اسباب وسامان، جو اپنی ضروریات کے لئے تجارت کے لئے نہیں، زمینداروں کے مویشیوں، جو تجارت کے لئے نہیں ہیں، کاریگروں کے ہتھیاروں پر جن سے کام چلاتے ہیں، زکوٰۃ نہیں۔

یکم جون 1916ء

خطبہ نکاح

(1)

(جو گزشتہ 21 مئی 1916ء کو حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ کی دو صاحبزادیوں کے نکاح کے موقعہ پر حضرت امیر ایدہ اللہ نے ایجاب و قبول سے قبل ارشاد فرمایا۔ آپ نے مسنون خطبہ نکاح کی تلاوت کی۔ مدیر)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئاٰتِ اَعْمَالِنَا فَمَنْ یَھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یَضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ. وَاَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اَمَّا بَعْد. قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (102:3)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا . یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (71-70:33)

فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ج وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (1:4)

اور پھر آپؒ نے فرمایا کہ خدا کی شان آج ہماری حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ آج ہمارے دوست میاں چراغ الدین صاحب نے جو پہلا سوال مجھ پر کیا اُس سے پتہ لگتا ہے کہ کیا حالت ہوگئی ہے مسلمانوں کی کہ کفر کے فتوؤں کے سوائے اور کوئی کام، کام ہی نہیں۔ یا خود کسی پر کفر کا فتویٰ لگا رہے ہیں یا دوسروں سے اپنے لئے کفر کا فتویٰ چاہتے ہیں۔ اور جب تک مسلمانوں کا ایک گروہ کافر نہ بنے، دوسرا مسلمان نہیں بن سکتا۔ گویا قرآن کریم جیسی کتاب، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ نور اور ہدایت ہے اور وہ رسولؐ جس کی قوتِ قدسی ہمیشہ تک کام کرنے والی تھی آج اس کتاب پر عمل کر کے کوئی شخص ہدایت اور نور حاصل نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی ہی اس قابل رہی کہ کوئی شخص اس سے فیض یاب ہو کر دائرہ اسلام کے اندر رہ سکے!

مجھ پر یہ سوال (کہ میاں محمود کے متعلق کیا فتویٰ ہے) ایک اور رنگ میں اسی مسجد کے اندر آج سے قریباً دو ماہ پہلے ایک عام جلسہ میں کیا گیا۔ ہمارے ایک دوست ہیں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، اُنہوں نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ چونکہ میاں صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک حقیقی نبی مانتے ہیں۔ اس لئے مجھے اُن کو کافر کہنا چاہئے۔ وہ موقعہ بھی عجیب تھا۔ اُس دن خواجہ (کمال الدین) صاحب کا ایک لیکچر تھا اسلامی فرقوں کے اتحاد اور اتفاق پر۔ میں اُس جلسہ میں پریذیڈنٹ تھا۔ اب اسی جلسہ میں تو مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی راہ بتائی جائے اور اُسی میں ہم سے کفر کا فتویٰ طلب کیا جائے۔ میں نے انہیں کہا کہ میاں صاحب کے یہ عقائد گمراہی اور ضلالت کے تو ہیں۔ مگر میں انہیں کافر نہیں کہتا۔ لیکن جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے وہ بہت نازک مقام پر ہے۔ اور خود اس پر اُس کی زد پڑتی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت صاحب نے بھی بالآخر ان کفر کے فتوؤں سے تنگ آ کر حدیث کے ماتحت اپنے مکفرین کو کافر کہا۔ لیکن ایک وقت تک آپ نے انہیں ایسا کہنے سے انکار کیا۔ حالانکہ حدیث تو صاف تھی کہ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ لیکن آپ نے خیال کیا کہ شائد اُن کو غلطی لگی ہے اور میرے عقائد کے متعلق غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں۔ اس لئے پہلے ایک مدت تک اُنہیں سمجھاتے رہے اور کافر نہیں کہا۔ حتیٰ کہ تین سال بعد بھی جب امرتسر میں ڈپٹی عبداللہ آتھم کے ساتھ مباحثہ کے موقعہ پر گئے ہوئے تھے۔ تو وہاں مولوی عبدالحق غزنوی نے

آپ سے مباہلہ کرنا چاہا۔ وہ منجملہ مکفرین کے تھے۔ کفر کے فتویٰ پر ان کی مہر ہے۔ لیکن حضرت صاحب نے فرمایا کہ میں تو تمہیں مسلمان سمجھتا ہوں اس لئے تم ہی بد دعا کرو۔

اب باوجود یکہ ایک شخص نے کفر کے فتویٰ پر مُہر لگائی ہوئی ہے۔ مگر پھر بھی اُسے مہلت دی۔ اور مسلمان ہی کہا اور کبھی کسی کو کافر نہ کہا۔ یہاں تک کہ اپنے عقائد کو کھول کھول کر بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا میں مسلمان ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہوں۔ قرآن، ملائکہ، دوزخ، بہشت، حشر نشر اور یوم آخر کا قائل ہوں۔ ختم نبوت پر ایمان رکھتا ہوں۔ مانتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ ہاں میری تحریروں میں بیشک نبی کا لفظ آ گیا ہے۔ لیکن اُس کے تو معنی صرف محدث کے ہیں اور اس سے بڑھ کر نہیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر نبی کے لفظ سے گھبراتے ہو تو جہاں جہاں میں نے نبی کا لفظ اپنے لئے استعمال کیا ہے، اُسے کاٹا ہوا سمجھو۔ اور اُس کی جگہ محدث کا لفظ سمجھ لو۔

لیکن بالآخر جب دیکھا کہ اب ان لوگوں نے ایک اور راہ نکال لی ہے۔ یعنی اُنہوں نے کہا کہ یہ جو مرزا صاحب نے نبوت سے انکار کیا ہے یہ محض دکھانے کے لئے ہے۔ ان کا دعویٰ دراصل نبی ہونے کا ہے، اور یہ جو وہ اپنے آپ کو جزئی نبی کہتے ہیں یہ محض لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ ابھی پہلی سیڑھی ہے آہستہ آہستہ وہ اس سے بڑھ کر اپنے آپ کو حقیقی نبی کہنے لگیں گے۔ تو اس وقت اتمام حجت کر چکنے کے بعد اور یہ دیکھ کر کہ وہ کسی غلطی کی وجہ سے نہیں بلکہ عمداً کجی اختیار کر کے ایک مسلمان جماعت کو کافر کہہ رہے ہیں اور باز نہیں آتے۔ حضرت صاحب نے کہا کہ حدیث کے ماتحت یہ کفر کا فتویٰ خود اُن پر اُلٹ کر پڑتا ہے۔

کس قدر افسوس کا منظر ہے کہ آج وہی بات، جو دشمنوں کے منہ سے نکلی تھی۔ ہم خود اپنوں کے مونہوں سے سنتے ہیں۔ وہ جو دشمن کہتے تھے آج وہ اپنوں نے سچ کر دکھایا۔ مسیح موعود کہتے تھے میرا دعویٰ نبوت کا نہیں۔ یہ جزوی، بروزی نبوت ہے۔ حقیقی نبوت نہیں۔ دشمن کہتے تھے اصل میں دعویٰ نبوت کا ہی ہے، محض چالبازی سے لوگوں کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ آج قادیان سے یہ اعلان ہو رہا ہے کہ جو دشمن کہتے تھے وہ سچ تھا۔ اصل میں دعویٰ نبوت کا ہی تھا۔

تو میں صرف اس بات کا جواب دینا چاہتا ہوں جو مکرم میاں چراغ الدین صاحب نے مجھ سے پوچھی

ہے۔اس لئے کہ اگر میں میاں محمود صاحب کو کافر کہتا تو وہ شائد اس مجلس میں نہ بیٹھتے۔اور اسی لئے اُنہوں نے یہ امر دریافت کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ بھولے بھالے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہ سب فتنہ پردازیاں ہو رہی ہیں۔جس الفضل میں اب یہ لکھا جاتا ہے کہ میں میاں صاحب پر کفر کا فتویٰ دیتا ہوں۔اسی الفضل میں یہ جلسہ کا واقعہ(جس کا اوپر ذکر کیا گیا) چھپا۔اوراس میں یہ لفظ لکھے گئے کہ:

> ''ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے بھی خوب دم بند کیا۔انہیں کہا کہ جب تم بار بار کہتے ہو کہ مدعی نبوت کاذب اور ملعون ہے۔تو مرزا محمود اور جماعت احمدیہ(مراد جماعت محمودیہ) کو کھلم کھلا کافر کیوں نہیں کہتے۔''الفضل یکم اپریل1916ء

گویا یہ میرا ناطقہ بند ہوا کہ مجھے کہا گیا کہ تم میاں صاحب کو کافر کہو اور میں نے کہا کہ میں انہیں کافر نہیں کہتا۔جس کے معنی یہ ہوئے کہ کوئی مجھے کہے کہ تم میاں صاحب کو گالی دو(کیونکہ مسلمان کو کافر کہنا بھی ایک گالی ہے) میں اُنہیں گالی نہ دوں۔بس الفضل کے نزدیک اُس نے میرا ناطقہ بند کر دیا۔کس قدر شرم کا مقام ہے۔مرید ہو کر چاہئے تھا کہ خوش ہوتے کہ اُن کے پیر کو کافر نہیں کہا گیا۔لیکن یہ اُلٹے اس بات میں خوش ہوتے ہیں کہ انہیں کافر کہا جاتا۔گویا حقیقت میں میاں محمود کافر تھے اور میرا اُن کو کافر نہ کہنا میری ذلت کا موجب ہوا۔

اصل میں وہ بھی سچے ہیں۔اُنہیں ایک ایسے مسلک پر چلایا گیا ہے کہ جس کا نتیجہ یہی ہے کہ دوسروں کو کافر کہنے پر اور خود کافر کہلوانے پر فخر کریں۔میاں صاحب نے سالانہ جلسہ پر ایک تقریر کی۔ میں سنی سنائی بات نہیں کرتا۔ بلکہ خود''فاروق''میں چھپی ہوئی میں نے پڑھی ہے۔اس میں اُنہوں نے یہ اعلان کیا کہ جس طرح غیر احمدیوں کا فرض ہے کہ جب تک وہ بیعت نہ کرلیں ہمیں کافر سمجھیں۔اسی طرح احمدیوں کا فرض ہے کہ انہیں کافر سمجھیں۔

اب یہ خطرناک الفاظ جب پیر کے منہ سے نکلے تو مرید تو یہی چاہیں گے کہ انہیں کافر کہا جائے اور وہ دوسروں کو کافر کہیں۔مگر میرا مسلک اس معاملہ میں وہی ہے جو حضرت مسیح موعود کا تھا۔ میں ابھی ان کو کافر نہیں کہتا مگر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو بھی چھوڑ نہیں سکتا۔جس میں ایک مسلمان کو کافر کہنے والے کو کافر کہا گیا ہے۔ میرے نزدیک اس کے لئے ابھی ایک وقفہ درکار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ میری قلم سے

کوئی لفظ نکلے، ان پر کافی طور پر اتمام حجت کرلوں اور مجھے اُمید ہے کہ شائد اصلاح ہو جائے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ طبائع عام طور پر اس بات سے متنفر ہیں کہ وہ کروڑ در کروڑ مسلمان جن کو احمدیت کی ہوا تک نہیں پہنچی، اور جن کو علم تک نہیں کہ مرزا صاحب بھی دنیا میں کوئی ہوئے ہیں، انہیں کافر کہا جائے۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے غالی مریدین میاں صاحب نے میرے سامنے اس بات کا انکار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جن کو دعوت نہیں پہنچی ہم اُن کو مسلمان کہتے ہیں اور اُن کے پیچھے نماز پڑھنا بھی جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ میاں صاحب ان سب کو کافر قرار دے چکے ہیں۔

میرے نزدیک مرزا صاحب نے محدثیت کا دعویٰ کیا ہے۔ نبوت کا لفظ بھی جہاں کہیں استعمال کیا ہے۔ اس کے بھی معنی محدث کے ہی ہیں۔ مگر اب دقت یہ آ کر پڑتی ہے کہ اب بعض مریدین آپ کو حقیقی نبی قرار دیتے ہیں اس کے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی دنیا سے مٹ گیا۔ آپ کی قوتِ قدسی کا اب دنیا میں کوئی اثر نہیں۔ وہ جو کافر قرار پاتے ہیں گویا یہ قرآن اُن کو فائدہ نہیں دے سکتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اب اُن کے لئے فائدہ مند نہیں۔ یہ دقتیں ہیں جو اس عقیدہ کی ترویج کی راہ میں حائل ہیں۔ اس لئے میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا وہ وقت لائے گا جب جماعت کے اکثر فہمیدہ لوگ اس عقیدہ سے رجوع کریں گے۔

میاں صاحب کے متعلق تو نہیں کہا جا سکتا۔ اُنہوں نے ہی تو اس بات کی بنیاد رکھی ہے۔ ممکن ہے خدا اُن کو بھی امرِ حق کے تسلیم کرنے کی توفیق دے دے۔ اور اس خطرناک ضلالت سے باہر نکال دے۔ لیکن بہر حال جماعت کی بہت حد تک اصلاح ہو جانے کی اُمید ہے۔ اس لئے سر دست میرا یہ خیال ہے کہ اس مسئلہ کو سمجھایا جائے۔ آئندہ کے متعلق بھی میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا کچھ ہوگا۔ لیکن سر دست اس پر ابھی بہت کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے۔

یہ تو اس سوال کے متعلق تھا۔ جو ہمارے میاں چراغ دین صاحب نے مجھ سے کہا۔ لیکن یہ مجلس منعقد ہوئی ہے حکیم مرہم عیسیٰ صاحب کی دو صاحبزادیوں کے نکاح کے لئے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ہر ایک موقعہ پر یہی چاہا ہے کہ مسلمانوں کے اندر تقویٰ کی، طہارت کی، پاکیزگی کی ایک روح

پھونک دی جائے۔ اگر کسی مسلمان کا جنازہ ہو تو اس موقع پر بھی یہی دعا سکھائی۔ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ (مستدرک حاکم) نہ صرف اس میت کے لئے ہی دعا کی، بلکہ وہ تو ساروں کو اپنے اندر لینا چاہتا ہے اور سب کے اسلام اور ایمان کے قائم و برقرار رہنے کی دعا کرتا ہے۔

اسی طرح نکاح کے موقع پر بھی جو خطبہ پڑھا ہے، اس میں بھی بار بار تقویٰ اللہ کی ہی تاکید کی ہے۔ نکاح تو درحقیقت نام ہے اعلان کا۔ یعنی ایک مجلس میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ فلاں عورت کا فلاں مرد کے ساتھ رشتہ زوجیت قرار دیا گیا۔ لیکن یہ خطبہ مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ہے۔ تا کہ انہیں ایک دوسرے کے حقوقِ زوجیت سے بھی آگاہ کر دیا جائے۔ ورنہ جا کر تلاش کرو تمام دنیا میں شادیوں کے موقع پر کون وعظ و نصیحت کرتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع کو بھی خالی جانے نہیں دیا۔ اور تقویٰ کی طرف ہی بار بار متوجہ کیا ہے۔

یہ آیتیں جو نکاح کے موقع پر پڑھی جاتی ہیں یہ ماثورہ ہیں۔ پہلی آیت میں فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ (102:3) تقویٰ اختیار کرو۔ جیسا کہ حقِ تقویٰ اختیار کرنے کا ہے۔ یعنی اتقاء کا وہ کامل نمونہ دکھاؤ جو دکھانا چاہیئے۔

معلوم ہوتا ہے اس اُمت کے اندر ایسے کامل تقویٰ کا نمونہ دکھانے کی قابلیت تھی۔ پھر فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا (70:33) تقویٰ بھی اختیار کرو۔ اور بات بھی اچھی کہو یعنی دوسروں کو نیک باتوں کی تلقین کرتے رہو۔ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (71:33) تمہارے اعمال سدھر جائیں گے اور تمہارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (71:33) اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت اختیار کرے اُس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ بہت عظیم الشان مراد پالے گا۔ پہلے تو فَازَ کہا۔ یعنی کامیاب ہوا۔ پھر اس سے اور بڑھایا اور ساتھ فَوْزًا کا لفظ بھی لگا دیا۔ پھر اس پر بھی بس نہیں عَظِیْمًا کہہ کر اور بھی اس کامیابی کی عظمت بیان کی۔ جس سے ظاہر یہ کرنا مقصود ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد جو انسان کے مدنظر ہونا چاہیئے، وہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے مل سکتا ہے۔ جو اللہ اور رسولؐ کی پورے طور پر اطاعت کرتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ

اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ (69:4) اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی معیت حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ لیکن لوگوں نے یہاں ایک غلطی کھائی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ معیت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان وہی بن جاتا ہے۔ بیشک بعض وقت یہ بھی ہوتا ہے لیکن معیت کا لازمی نتیجہ یہ نہیں۔ مثلاً دوسری جگہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اب اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ اللہ ایک انسان بن گیا ہے۔ لیکن اگر معیت کا لازمی طور پر یہ نتیجہ ہو کہ وہی بن بھی جاتا ہے تو اس سے پھر ایک اور مشکل پیش آتی ہے۔ ہاں وہ اس قسم کا رنگ پالیتا ہے جو نبیوں جیسا ہوتا ہے۔ نبوت کا منصب اللہ تعالیٰ نے ایک خاص غرض کے لئے رکھا تھا۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی ضرورت تھی۔ نبی اس لئے آتے رہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی راہوں کو ظاہر کریں۔ چونکہ یہ غرض اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے پوری ہوگئی، اس لئے اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں۔ ایک بھی راہ ایسی باقی نہیں۔ جس کے لانے والے کا انتظار ہو۔ بڑی سیدھی بات تھی کہ چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض کو پورا کر دیا جو نبیوں کے آنے کی غرض تھی۔ اس لئے اب نبی نہیں آسکتے۔ ہاں وہ انعامات جو نبیوں پر ہوتے تھے اس کے متعلق فرمایا کہ وہ اب بھی دے دیتا ہوں۔ لیکن اس سے کوئی شخص نبی نہیں بن جاتا۔ اگر نبی بننا واقعی اطاعت کا نتیجہ ہو تو پھر تو بڑی مصیبت وارد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ پھر صحابہ کرامؓ اور اُن کے ساتھ تیرہ سو برس میں جس قدر مجددین، محدثین، اولیاء اور اقطاب آج تک ہوئے، ان سب کی نسبت یہ کہنا پڑے گا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل طور پر اطاعت نہیں کی۔

کیا صحابہؓ نے کامل اطاعت نہیں کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ مجھے تو یہ لفظ بہت گراں گزرتے ہیں۔ کیونکہ کوئی گروہ نہیں پیدا ہوا دنیا میں، جس نے وہ اطاعت کر کے دکھائی ہو جو صحابہؓ نے کی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے لئے رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ اور حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَكَرَّهَ اِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ (7:49) کی سندیں موجود ہیں۔ اُن کے مال اُن کی عزتیں، اُن کی اولاد، اور ان کی جانیں دین کی راہ میں فدا ہوئیں۔ اور اُنہوں نے کبھی ان اموال اور عزت وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں سمجھی۔ انہوں نے وہ کامل اطاعت کر کے دکھائی کہ اس کا کوئی نمونہ نظر نہیں آتا۔ پھر بڑے بڑے محدث، بڑے بڑے

فقیہ، بڑے بڑے آئمہ اور مجتہدین جو آج تک پیدا ہوتے رہے اگر ان سب کے متعلق یہ اعتقاد رکھیں کہ اُنہوں نے آج تک کامل اطاعت ہی نہیں کی، تو یہ دین باہر پیش کرنے کے قابل نہیں۔ اس دینِ اسلام کو گھر کے اندر ہی بند کر کے رکھ چھوڑنا چاہیئے۔ کیا تم مخالفوں کے سامنے یہی جا کر بیان کرو گے کہ ہم وہ لوگ ہیں۔ جنہیں قرآن کے اندر خَیۡرُ اُمَّۃٍ کہا گیا ہے۔ ہم سب سے افضل جماعت ہیں۔ کتنی افضل اور کس قدر بہترین اُمت کہ جس میں سے تیرہ سو سال میں ایک بھی کامل اطاعت کرنے والا پیدا نہیں ہوا۔ یہ ہے تمہارا وہ فخر جو تم لئے پھرتے ہو۔ کیا اسی فخر کو غیر اقوام کے سامنے پیش کر کے اُنہیں منواؤ گے؟

دیکھو حق بیّن اور واضح چیز ہے جو ادنیٰ تدبیر سے بھی سمجھ آجاتا ہے۔ کوئی بھی باریک بحث نہیں۔ نبوت کا منصب آج ایک شخص کو دینے کا یہ نتیجہ ہے کہ جس قدر محدث، جس قدر مجدد، جس قدر ولی، جس قدر امام اور جس قدر صالحین آج تک ہوئے ہیں، ان سب کو ناقص قرار دینا پڑتا ہے۔ یہ بڑا بھاری کلمہ ہے جو کسی کو منہ سے نہیں نکالنا چاہیئے۔

پھر فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ (1:4) اس رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کُل کی کُل مخلوق کو ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ کتنے وسیع تعلقات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ سب کو ایک ہی جان سے پیدا شدہ بتا کر آپس کے تعلقات کو مضبوط کیا ہے۔ ایک ماں باپ سے جو پیدا ہوتے ہیں، تو کس قدر قرابت کے تعلقات ہو جاتے ہیں۔ گویا ایک دوسرے کو بھائی بھائی قرار دیا۔ جب اس قدر قرابت کے تعلقات ہوں تو دشمنی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔ آگے چل کر فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَ لُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ (1:4) اللہ کا بھی تقویٰ اختیار کرو اور رحموں کا بھی۔

اس پر کہہ دیا جائے گا کہ خدا کا تقویٰ تو ہوا۔ رحموں کا تقویٰ کیا ہوا؟ یہ اصل میں تقویٰ کے غلط معنی سمجھنے کے باعث سوال ہوتا ہے۔ خدا کا تقویٰ اصل میں یہ ہے کہ حقوق اللہ کی نگہداشت کریں اور رحموں کے تقویٰ میں تمام وہ آپس کے تعلقات آجاتے ہیں جو رحموں کے ذریعے قائم ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر تو اتنی وسیع تھی اور آپ رحموں کے حقوق کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ آپ نے اپنے صحابہؓ کو فرمایا کہ مصر میں جاؤ تو ان کی رعایت کرنا۔ کیونکہ ہماری ماں ہاجرہؓ وہیں سے آئی تھیں۔ کتنی دور کے تعلقات کو یاد دلایا ہے۔ ہزار ہا سال حضرت

ہاجرہؓ کو گزرے ہوئے ہو گئے۔ اب اس قدر مدت اور ایسے دور کے تعلقات کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھلایا نہیں۔

چونکہ نکاح کے موقعہ پر بھی ایک نیا تعلق انسان کا قائم ہوتا ہے جو رحم سے وابستہ ہے۔ اور اس ذریعہ سے اب اس کے لئے ایک اور سلسلہ تعلقات پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے نکاح کے موقع پر خاص طور پر اُن حقوق کی نگہداشت کی تعلیم کے لئے، جو ان تعلقات میں انسان پر عائد ہوتے ہیں، یہ آیت پڑھی جاتی ہے۔ آج تو مسلمانوں میں ذرا بھی ان تعلقات کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ عورتوں کے متعلق بہت سی مصائب وارد ہو گئی ہیں۔ جیسے کہ عرب کے اندر جاہلیت کے زمانہ میں یہ حالت تھی کہ عورتیں کچھ چیز ہی نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ مرد چاہے تو ان کو طلاق دے دے چاہے تو انہیں یونہی رہنے دے اور تنگ کرے۔ تا کہ اُس کے رشتہ دار کچھ دے کر اس سے طلاق دلوا دیں۔ یا اُن کے مہر دینے نہ پڑیں۔

آج مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے صاف طور پر فرمایا اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً (4:4) عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دے دو۔ مگر آج مسلمانوں کے اندر بھی مہر اسی طرح سے برائے نام رہ گئے ہیں۔ جیسے کہ عرب کے اندر تھے۔ مسلمان بھی عورتوں کو تنگ کرتے ہیں تا کہ ان سے کچھ روپیہ وصول ہو جائے یا مہر ان کو دینا نہ پڑے۔ ایسا ہی عرب میں لڑکیوں کو ورثہ نہیں دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں بھی آج یہی رسم پھیل گئی ہے۔ قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ لڑکیوں کو بھی وراثت میں وہی حق ہے جو مردوں کو حاصل ہے۔ لیکن مسلمان ان کا کوئی حق نہیں سمجھتے۔ یہ بڑا بھاری دھبہ ہے مسلمانوں کے اوپر۔ مگر وہ جو بڑے بڑے لیڈر ہیں اس طرف کسی کو توجہ بھی نہیں۔

بہرحال یہ تعلیم دی ہے اسلام نے اور نکاح کے وقت اس تعلیم کو بالخصوص یاد دلایا جاتا ہے کہ بی بی کی وجہ سے بعض نئے حقوق پیدا ہوتے ہیں۔ جن کی اسے نگہداشت رکھنی چاہئے۔ سُسر کا ادب بھی ویسا ہی کرنا چاہئے جیسے باپ کا۔ خسر باپ کے مقام پر ہوتا ہے۔ اسی طرح سے بیویوں کے اور رشتہ داروں سے بھی نیک تعلقات رکھنے چاہئے اور اُن کے حقوق کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ پھر خود بیویوں سے بھی حسن سلوک اور محبت کا برتاؤ کرنا چاہئے اور اُنہیں تنگ نہیں کرنا چاہئے۔

مجھے حکیم صاحب کی اس تقریب کے موقعہ پر بڑی خوشی ہے۔ میرے دل میں حکیم صاحب کی بہت عزت ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ میرے ہم خیال ہیں۔ بلکہ بالخصوص اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا ایمان انہیں دیا ہے کہ جو کچھ اُن کے دل میں ہے اُسے صاف منہ پر کہہ دیتے ہیں۔ وہ جب میاں صاحب کے انصار اللہ میں داخل تھے۔ تو اس وقت بھی میاں صاحب کی ان غلطیوں کو اُن کے منہ پر کھول کر کہہ دیتے تھے۔ ان کی اس صاف دلی کی میرے دل میں بڑی قدر ہے۔ اس شخص نے ایک نمونہ دکھایا ہے ایثار کا کہ اپنے گھر کے اندر بہت سی مخالفتوں کی حق گوئی کے مقابل پرواہ نہیں کی۔ اس لئے بھی میرے دل میں اُس کی خاص عزت ہے۔

(اس کے بعد حکیم صاحب کی بڑی صاحبزادی سعیدہ بیگم کا میاں نذیر محمد ولد میاں غلام محمد صاحب کے ساتھ اور چھوٹی لڑکی عائشہ بیگم کا میاں عبداللطیف صاحب ولد میاں میراں بخش صاحب مرحوم کے ساتھ علی الترتیب مبلغ ایک ہزار اور پانچ سو روپیہ مہر پر نکاح کا اعلان ہوا۔ اور بعد از ایجاب وقبول دعائے خیر کی گئی۔)

❁❁❁

11 جون 1916ء

چند اسلامی خصوصیات

(از حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایدہ اللہ)

اسلامی کہاوتیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مسلم کی زندگی کے بعض اہم ترین اور ضروری اصول چھوٹے چھوٹے فقروں کے رنگ میں ہر ایک مسلمان کے سامنے آٹھوں پہر رہتے ہیں۔ خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ۔ عرب ہو یا ایرانی یا افغانی یا ہندوستانی یا چینی یا ترک یا مصری۔ ایشیائی ہو یا یورپ، افریقہ یا کسی اور ملک کا رہنے والا ہو۔ آج اسلام میں داخل ہوا ہو یا نسلاً بعد نسلٍ مسلمان چلا آیا ہو۔ چونکہ یہ اصول چھوٹے چھوٹے جملوں کے رنگ میں ہیں۔ اس لئے ان کا نام اگر اسلامی کہاوتیں رکھا جائے، تو غیر موزوں نہیں ہے۔

ان جملوں میں نہ صرف بعض زریں اصولِ زندگی ہی پوشیدہ ہیں۔ جو انسان کو ہر حال میں کام دینے والے ہیں۔ بلکہ یہ جملے یہ اسلامی کہاوتیں اس وجہ سے کہ ساری اسلامی دنیا میں شہرت رکھتے ہیں اور ہر ایک مسلمان گھرانے میں یکساں علم ان کا ہے اور ہر مسلم کی زبان پر یکساں پائے جاتے ہیں۔ درحقیقت اسلامی محبت و اتحاد کی اس قدر ضمانتیں ہیں۔ اس زنجیرِ اخوت کی اس قدر زبردست کڑیاں ہیں جس کے اندر ساری دنیا کے مسلمان جکڑے ہوئے ہیں اور جو مشرق کے ایک مسلمان کے دل کو مغرب کے مسلمان کے دل سے ملاتے ہیں۔ یہ جملے تمام ملکی اور زمین کی حدبندیوں سے بالاتر، قوم اور ذات کی قیود سے آزاد، رنگ اور زبان کے اختلاف سے غیر متاثر ہیں۔ اور وہ ایک مسلمان کی سچی وراثت ہیں۔ خواہ وہ ایک پر رونق شہر میں۔ ہجوم کے اندر ہو یا اکیلا کسی جنگل میں ہو۔ درحقیقت اُن کا دائرہ ایسا ہی وسیع ہے۔ جیسے کہ خود دنیا کا۔

مُسلم کی زندگی کے ان زریں ہدایت ناموں کو میں ان الفاظ میں شروع کرتا ہوں ۔جن سے قرآن کریم کی ابتدا ہے۔اور جووہ پہلا جملہ ہے جو ہرایک ملک میں ہرایک قوم میں ہرایک گھرانے میں ہرایک مسلم بچہ کو سب سے پہلے سکھایا جاتا ہے اور جن الفاظ کو ہرایک مسلمان ہر کام اور بالخصوص اہم کاموں کی ابتدا میں دہراتا ہے۔ دنیا میں شاید کوئی مسلمان ہوگا جو ان الفاظ سے ناواقف ہو۔اور وہ الفاظ کیا ہیں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یا اور بھی اختصار کر کے صرف بِسْمِ اللّٰہِ۔جس کے معنی ہیں خدا کے نام سے۔ بِسْمِ اللّٰہِ ایک رنگ میں سارے قرآن کریم کا خلاصہ ہے۔کیونکہ سورہ الفاتحہ کے سارے مطالب اجمالی رنگ میں بِسْمِ اللّٰہِ کے اندر موجود ہیں۔اور اس طرح پر گویا بِسْمِ اللّٰہِ سورۃ الفاتحہ کا خلاصہ ہے۔لیکن سورہ الفاتحہ خود سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔اسی لئے اس کا نام اُم القرآن بھی ہے۔ان الفاظ کو کیوں ایک مسلمان کے ہر کام کی ابتدا میں رکھا گیا ہے؟ خود ان الفاظ کی ابتدا اس پر روشنی ڈالتی ہے۔

انسان کی گری ہوئی حالت، ہاں ساری نسلِ انسان کی قعرِ تنزل میں چلے جانے کی حالت کو مشاہدہ کر کے وہ انسان، جو نسلِ انسانی کا سب سے بڑا ہمدرد ثابت ہوا ہے، محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا کی کنجِ تنہائی میں عزلت گزین ہوا۔تا کہ ایک خلوص بھرے دل کے اندرونی رازوں کو اپنے مالک حقیقی کے سامنے کھولے اور اس کی جناب میں گڑگڑائے اور گریہ زاری کرے۔گو آپ نے صرف عرب اور شام کی پستی کا ہی مشاہدہ کیا تھا۔ مگر آپ کا پاک دل گویا کل قوموں کی بگڑی ہوئی حالت پر اطلاع پا چکا تھا۔جیسا کہ بعد کے ان الفاظ سے جو آپ کے قلبِ مطہر پر نازل ہوئے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (41:30) ظاہر ہوتا ہے۔لیکن ایک طرف اگر آپ اُن تاریکیوں اور جہالتوں، ان بداعتقادیوں اور ناپاک اور ذلیل کاموں پر تاسف کرتے تھے۔تو دوسری طرف کوئی ایسی راہ بھی آپ کو نظر نہ آتی تھی کہ نسلِ انسانی کو اس گری ہوئی حالت سے باہر نکال سکیں۔آپ کے ذرائع ایک اتنے بڑے کام کے لئے کچھ بھی نہ تھے۔آپ کے والدِ محترم تو آپ کی پیدائش سے بھی چند ماہ پیشتر فوت ہو چکے تھے۔ابھی چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔دو سال بعد آپ کے دادا عبدالمطلب بھی فوت ہو گئے۔ مال اور دولت آپ کے پاس نہ تھا کہ کسی اصلاح کی بنیاد مال کے بھروسہ پر ڈالتے۔علم آپ نے کوئی حاصل نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپ کو پڑھنا اور لکھنا بھی نہیں آتا تھا۔آپ اُمی یعنی اَن پڑھ تھے۔جیسا کہ قرآن

کریم میں بار بار فرمایا ہے اسی طرح پر اس عظیم الشان اصلاح کے لئے جس کی تڑپ ایک سچے ہمدرد نوعِ انسانی کے دل میں پیدا ہوسکتی ہے۔ آپ کے پاس کوئی بھی سامان نہ تھا۔ آپ کے دل میں ایک تڑپ تھی۔ مگر اس کے پورا ہونے کا کوئی بھی سامان نہ تھا۔ آپ کو کوئی راہ نظر نہ آتی تھی جس سے آپ ان لوگوں کو ان جہالتوں اور غلطیوں سے باہر نکال سکیں۔ اسی تڑپ اور ایسی مشکلات کا نقشہ قرآن کریم نے سورہ الضُّحٰی میں ایک ہی لفظ میں کھینچ دیا ہے وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی (7:93) آپ کو کوئی راہ نظر نہ آتی تھی کیونکہ کوئی سامان آپ کے پاس تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے راہ دکھا دی۔ یہاں ضال سے مراد صرف اس قدر ہے کہ آپ کو اپنی کوشش سے ہاں محض انسانی کوشش سے کوئی راہ نہ مل سکتی تھی۔ اور آپ حیران تھے کہ کیا ہوگا اور کس طرح دنیا سے تاریکی کا تسلط اُٹھ کر لوگ حق کو قبول کریں گے کہ ناگہاں خدا کی طرف سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور وہی روشنی اُن تاریکیوں کے اندر آپ کی ہادیٔ راہ ہوئی۔ خدا کا فرشتہ ناموس اکبر، جو ہمیشہ خدا کے پیغام اُس کے برگزیدہ بندوں کو پہنچاتا رہا تاکہ وہ انسانوں کو تاریکیوں سے باہر نکالے، آپ پر ظاہر ہوا۔ اور سب سے پہلا پیغام یہی لایا کہ پڑھو۔ کیا پڑھیں اور کس طرح پڑھیں؟ کیونکہ پڑھنا تو آپؐ جانتے نہیں تھے۔ اس لئے جواب میں آپ نے یہی فرمایا مَآاَنَا بِقَارِیءٍ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتہ نے پھر وہی لفظ دوہرائے اور وہی جواب آپؐ نے دیا۔ یہاں تک تین مرتبہ اسی بات کا اعادہ ہوا۔ کیونکہ جو شخص پڑھنا نہیں جانتا تھا وہ کس طرح پڑھنے پر قادر ہو۔ اس لئے ناموس اکبر نے چوتھی بار کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (1:96) اپنے رب کے نام سے پڑھو۔ جس نے پیدا کیا۔ ان الفاظ میں کیا بجلی کی طاقت تھی۔ ہاں بجلی کی طاقت بھی جس کے مقابل ہیچ ہے کہ رب کے نام سے پڑھنے کا حکم پاتے ہی وہ سب تاریکی دور ہوگئی۔ وہ سب حیرت اور طبیعت کی کشمکش جاتی رہی۔ ایک لمحہ کے لئے یہ خیال دل میں آیا کہ کیا کُل عالم کی اصلاح کے عظیم الشان کام کو میں سر پر اُٹھا سکتا ہوں۔ مگر بِاسْمِ رَبِّکَ نے ساری مشکلات کو حل کر دیا اور سارے بوجھوں کے پہاڑ کو اُڑا دیا۔ اور ادھر حکم ملا اُدھر آپ اصلاحِ خلق کے کام میں لگ گئے۔ وہ عظیم الشان کام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی کوشش سے کرنا ایسا ناممکن تھا کہ کبھی اُس کے کرنے کا وہم بھی کسی کو نہ ہوسکتا تھا۔ وہ خدا کی مدد سے ایسا سہل ہوگیا کہ اب کوئی مشکل آپ کی راہ میں باقی نہ رہی۔ ہاں اس خدا کے نام کی مدد سے ہی، جو ناممکن تھا، ممکن ہوگیا۔

یہ ہے ان الفاظ کی ابتدا اور ان حالات میں۔ ہاں اس بِسۡمِ اللّٰہِ میں جس کے ساتھ قرآن کریم شروع ہوتا ہے۔ ایک مسلم کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ وہ عظیم الشان کام جو فی الحقیقت ناممکن نظر آتا تھا اُس کو خدا کے نام نے ہاں اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نے ایسا آسان کر دیا۔ تو ایک مسلم کی زندگی میں وہ کونسی مشکل ہے جو ایسے خدا کے نام کی مدد سے دور نہیں ہوسکتی۔ ہاں اُس کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو کام اس کی اپنی کوشش سے نہیں ہوسکتا وہ بِسۡمِ اللّٰہِ سے ہوسکتا ہے۔ اور اسی لئے اُسے تاکید ہے کہ وہ ہر کام کی ابتدا بِسۡمِ اللّٰہِ سے کرے۔ وہ بات جو انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچاتی ہے۔ وہ جو اس سے بڑے بڑے جوانمردی کے کام کرا سکتی ہے وہ کیا ہے۔ کامیابی کا یقین۔ یہ یقین کہ کوئی روک اُس کی راہ میں ایسی نہیں جو دور نہ ہوسکے۔ اسی سے انسان کے اندر وہ عزم پیدا ہوتا ہے جس کے سامنے مشکلات کے پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی طرح اُڑ جاتے ہیں وَتَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِہۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ (5:101)۔

اسی یقین کو پیدا کرنے کے لئے اسے بِسۡمِ اللّٰہِ سکھائی گئی ہے۔ اور اسے بتایا گیا ہے کہ وہ کسی کام کو ناممکن نہ سمجھے۔ بلکہ خواہ اس کی اپنی کوشش کسی کام کے مقابل میں کیسی بھی کمزور نظر آئے۔ اس کو اپنی کمزوری پر نہیں بلکہ اس ذات پاک کی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہئے، جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ اسی طرح پر بِسۡمِ اللّٰہِ گویا انسانی زندگی کی ساری مشکلات کی کنجی ہے۔ جس کے سامنے مشکلات کے تالے ٹوٹتے چلے جاتے ہیں۔ ہاں انسان کا دل اپنی کمزوری کو محسوس کرتا ہے۔ مگر خدا کی مدد کا بھروسہ اس کی ساری کمزوریوں کو دور کر کے اس کے دل کو پہاڑ کی طرح مضبوط بنا دیتا ہے۔ بہت باتیں ہیں جو انسان کے نزدیک ناممکن ہیں۔ مگر خدا کے نزدیک کچھ ناممکن نہیں۔ پس بِسۡمِ اللّٰہِ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انسان کے قلب کی کیا حالت ساری مخلوق کے خالق کے سامنے ہونی چاہئے۔ اپنی عاجزی کا پورا اعتراف اور خدا کی مدد کا کامل بھروسہ پہلا اعتراف انسان کے قلب کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ دوسری جگہ سے امداد حاصل کرے۔ دوسرا یقین انسان کے لئے وہ سرچشمہ ہے جو اُس کی ساری کمزوریوں کو دور کر دے گا۔ اور یوں توحیدِ الٰہی کا عملی سبق ہر مسلمان کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں ملتا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جو ساری کتبِ مقدّسہ کی اوراق گردانی کے بعد بھی انسان کو کہیں نہیں مل سکتی۔

ایک اور بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ صفاتِ الٰہی کی جو تصویر بِسۡمِ اللّٰہِ میں کھینچی گئی ہے وہ کیسی

ہے۔ یہاں تین نام ذات باری کے آئے ہیں اَللّٰہُ، رَحْمٰنٌ ، رَحِیْمٌ،اور چونکہ ایک مسلمان اپنے ہر کام کی ابتدا میں بِسْمِ اللّٰہِ پڑھتا ہے۔اس لئے یہ تین نام گویا وہ اسمائے الٰہی ہیں۔ جو شب و روز ایک مسلمان کے سامنے رہتے ہیں۔اور انہی صفات الٰہی میں وہ شب و روز پناہ ڈھونڈتا ہے۔ان میں سے لفظ اللہ ذات باری کا نام ہونے کے علاوہ توحید الٰہی کا ایک نشان ہے۔ کیونکہ یہ لفظ عربی زبان میں سوائے خدائے واحد کے اور کسی پر نہیں بولا گیا۔ پھر اسم اَللّٰہُ جامع جمیع صفاتِ حسنہ باری تعالیٰ ہے۔ دوسرا اسم ذات باری کا جو بِسْمِ اللّٰہِ میں پایا جاتا ہے، اَلرَّحْمٰنُ ہے۔جس کے معنے ہیں صفت رحم کو کمال کے ساتھ رکھنے والا۔ وہ جس کا رحم کافر و مومن پر یکساں ہے۔یعنی اس کی صفت رحمانیت کا یہ تقاضا ہے کہ انسان کے استحقاق پیدا کرنے سے پہلے وہ اپنا رحم اس پر کرتا ہے۔اور اس لئے یہ رحم اس کا ساری مخلوق کے لئے عام ہے۔تیسرا اسم اَلرَّحِیْمُ ہے۔جس کے معنے ہیں وہ جس کی صفت رحم بار بار کام کرتی رہتی ہے۔صفتِ رحیمیت کا تعلق انسان کے افعال کے ساتھ ہے۔یعنی جو شخص اپنے آپ کو اس قابل بناتا ہے کہ اللہ اُس پر رحم کرے، وہ صفتِ رحیمیت سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔گو یا صفتِ رحمانیت کا رحم ایک عام قانون کے رنگ میں ہے۔اور صفتِ رحیمیت کا رحم ایک فعل کے نتیجہ کے رنگ میں۔ وہ رحمان ہے کہ اس نے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے وہ سارے سامان پیدا کئے جن سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے۔اور وہ رحیم ہے کہ جو انسان اُس کے قوانین اور سامانوں کو اپنے کام میں لاتا ہے وہ اُن سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ پس یہ تینوں اسماء یعنی اللہ ، رحمان، رحیم، ذات باری تعالیٰ کے کمال، اس کی محبت اور اُس کی رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔اور جو شخص اپنی ذات پر بھروسہ کرتا ہے اور اس سے مدد طلب کرتا ہے وہ یقیناً محروم نہیں کیا جاتا۔

بِسْمِ اللّٰہِ اس بات کا فیصلہ بھی کرتی ہے کہ ایک مسلمان اپنے خدا کو کیسا سمجھتا ہے۔کیونکہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ درحقیقت قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ در خلاصہ ہے۔اس لئے جن صفاتِ الٰہی کا یہاں اظہار ہے وہ خدائے اسلام کی صفات کا اصلی نقشہ دکھاتی ہیں اب بِسْمِ اللّٰہِ میں اسم اللہ کمال پر، اسم رحمان محبت غیر متناہی پر، اسم رحیم غلبۂ رحم پر دلالت کرتا ہے۔اور اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام اس خدا کو پیش کرتا ہے جس کی ذات میں کمال اور جس کی صفات میں محبت اور رحم کا غلبہ ہے۔اور ان صفاتِ الٰہی کو ہر وقت نظر کے سامنے رکھنے سے ایک مسلمان بھی انہی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔پس نہ صرف بِسْمِ اللّٰہِ اس بات

کا فیصلہ کرتی ہے کہ خدائے اسلام کی صفات غالب محبت اور رحم ہیں۔ بلکہ ساتھ ہی یہ بھی سکھاتی ہے کہ اس انسان کو جو ہر حال ایک محبت اور رحم والے خدا کی مدد طلب کرتا ہے۔ خود بھی محبت اور رحم کی صفات اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔

بعض معترضین نے کہا ہے کہ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** عربوں کو طائف کے شاعر اُمیہ نے سکھائی تھی۔ یہ یقیناً غلط ہے۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کفارِ عرب **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** کے لکھنے سے انکار کرتے ہیں اور اس کی بجائے اپنی پرانی طرز میں **بِاسْمِکَ اللّٰهُمَّ** لکھتے ہیں کیونکہ سہیل بن عمر نے معاہدہ حدیبیہ پر **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** لکھنے سے انکار کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک قوم کے اندر ابتدا کرنے کے لئے بطور تبرک کوئی جملہ استعمال کیا جاتا ہو گا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی **بِسْمِ اللّٰهِ** کسی قوم میں مروج تھی۔ اسلام کا کمال اس میں ہے کہ پہلوں کی خوبیوں کا ہونا تسلیم کر کے اُن سے بڑھ کر خوبی کی بات پیش کرتا ہے۔ **بِسْمِ اللّٰهِ** کی جو سورہ قرآن کریم نے سکھائی اور جن جن صفات الٰہی کا اس کے اندر بطور خلاصہ نقشہ کھینچا وہی اسلام کے اختیارات میں سے ہے۔

❁❁❁

11 جون 1916ء

رمضان المبارک میں درس قرآن کی پورے دور کی تجویز

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ (88:11)

برادران سلسلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

قرآن کریم کا سیکھنا اور سکھانا ہر ایک احمدی کا فرض ہونا چاہئے۔ مگر اپنے اپنے اشغال میں مصروفیت کی وجہ سے ہمارے بہت سے احباب کو اس فرض کی طرف توجہ کا پورا موقعہ نہیں ملتا۔ یہاں لاہور میں باقاعدہ درس قرآن روزانہ ہوتا ہے اور لاہور کے اکثر احباب کو یہ موقعہ ملتا رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے ان کے لئے نافع بنائے۔ پشاور میں مخدومی مولوی غلام حسن خاں صاحب کا وجود برکاتِ عظیمہ میں سے ایک برکت ہے اور آپ کے درس قرآن سے پشاور کی جماعت کو مستفیض ہونے کا خوب موقعہ ملتا ہے۔ راولپنڈی میں مکرمی مخدومی ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے درسِ قرآن سے سلسلہ میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی ہے۔ علاوہ ان کے درس کے اس جگہ مکرمی مولٰینا حکیم شاہنواز صاحب کا درسِ قرآن وحدیث ہمیشہ ہوتا ہے۔ اور اب ڈاکٹر صاحب موصوف کی تبدیلی کے بعد بھی یہ سلسلہ بدستور سابق قائم ہے۔

ڈیرہ غازی خاں میں برادر مکرم مولانا مولوی عزیز بخش صاحب نے درس قرآن کا باقاعدہ سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ مولوی صاحب موصوف پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ باراول بھی ڈیرہ غازی خاں میں آپ کے وجود سے ایک جماعت قائم ہوئی۔ اور اب جب موجودہ اختلافات میں وہ جماعت پیر پرستی کے پرانے مرض میں گرفتار ہوگئی اور تکبر کے طور پر یہ کلمہ کسی نے کہا کہ مولوی صاحب کو ہم نے امامت سے الگ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے دوسری بار آپ کو ایک جماعت عطا فرمائی۔ اور اب پندرہ سولہ آدمیوں کی جماعت پھر مولوی صاحب موصوف کے ساتھ ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کہیں کہیں ہمارے احباب میں درسِ قرآن کا چرچا ہے۔ مگر بہت سے مقامات ہیں

جہاں احباب کو اس نعمتِ عظمیٰ سے حصہ نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ہر مقام کے احباب کے لئے ایسے سامان پیدا کر دے مگر ہمیں بھی اس کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے۔ میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اُسی کی تائید و نصرت سے قرآن کریم کے مسودہ کو پورا کر چکا ہوں۔ ہاں پروف دیکھنے انڈیکس اور تمہید تیار کرنے کا کام ہے۔ جس میں اب مصروف ہوں۔ مگر اس مصروفیت کے اندر میں چاہتا ہوں کہ چند احباب کے ساتھ اس رمضان مبارک میں درس قرآن کا ایک دَور پورا کروں۔ یعنی ایک پارہ روزانہ کا درس کرا کر رمضان کے اندر اندر قرآن کو ختم کر دوں۔ یہ میرے دل کی تڑپ ہے۔ اس کا پورا کرنا نہ کرنا، اس کے لئے نیت خالص صحت سامان اور توفیق کا عطا فرمانا مولا کریم کی مرضی ہے۔

رمضان کا مہینہ اس سال میرا ارادہ ایبٹ آباد میں کاٹنے کا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ چند احباب محض اس نیت کو ساتھ لے کر میرے ساتھ شامل ہو جائیں۔ گو اس میں شبہ نہیں کہ ایک پارہ روزانہ کرنے میں کسی قدر جلدی قرآن کریم کے اندر سے گزرنا پڑے گا۔ لیکن جن احباب کو ایک دفعہ اس قدر موقعہ بھی میسر آ جائے، میں اُمید رکھتا ہوں پھر خود انہیں قرآن کریم پر تدبر کرنے کا موقع ملتا رہے گا۔ اور یہ محض ایک کارِ خیر کی طرف توجہ دلانا ہوگا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جو احباب اس غرض کے لئے آئیں وہ صرف اسی غرض کو لے کر آئیں۔ تا کہ ہمارا شغل اور ہماری غرض اس ماہ مبارک میں صرف کلامِ الٰہی کا چرچا ہو۔ یہ ضروری ہوگا کہ ایسے احباب خود روزانہ ایک پارہ کو کسی آسان تفسیر یا محض اردو ترجمہ کے ساتھ پڑھ لیں۔ اس طرح پر خدا چاہے تو یہ رمضان ہمارے لئے دوہری برکات کا موجب ہو۔ ایک تو خود ہی یہ برکات کا مہینہ ہے اور دوسرے اس میں ہمارا شغل محض رضائے الٰہی کے لئے خدا کے پاک کلام کا ذکر ہو۔ اور خدا کے دین اور اس پاک سلسلہ کی ترقی کے لئے ہم مل کر دعائیں بھی کریں گے۔

وہ تمام احباب جو اس نیت سے آئیں اس ماہِ مبارک کے اندر وہ ہمارے مہمان ہوں گے اور اُن کے مکان اور کھانے کا انتظام انشاء اللہ کیا جائے گا۔ لاہور میں بھی ان ایام میں سلسلہ درس جاری رہے گا اور مہمان خانہ بھی لاہور میں موجود ہے۔ اور جو احباب چاہیں یہاں آ کر بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ مکانات کے لئے چونکہ ایبٹ آباد میں خاص دقت ہے۔ اس لئے مجھے جن احباب کی طرف سے 15 جون سے پہلے پہلے اطلاع پہنچ

جائے۔ان کے مکان کے لئے میں انتظام کرنے کی کوشش کروں گا۔گواب بھی میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ کس قدر احباب کے لئے مکان کا انتظام ہو سکے۔مگر پھر بھی جو احباب دیر سے اطلاع دیں گے اُن کے لئے مکان کا انتظام بہت مشکل ہوگا اور شاید نہ بھی ہو سکے۔

ایبٹ آباد گرمی سردی کے لحاظ سے متوسط جگہ ہے۔عموماً معمولی گرمی کے کپڑوں میں گزارہ ہو جاتا ہے۔لیکن زیادہ بارش کی صورت میں ہلکے گرم کپڑوں کی اور رات کو گرم بستر کی ضرورت پڑتی ہے۔میں چاہتا ہوں کہ اُن احباب میں سے جو نئے سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں ضرور کچھ دوست اس میں شامل ہوں۔والسلام

محمد علی

صدر انجمن احمدیہ،

احمدیہ بلڈنگس ،لاہور

7 جون 1916ء

❁❁❁

13 جون 1916ء

خطبہ نکاح

(2)

جو حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے صاحبزادہ خواجہ بشیر احمد صاحب کے نکاح کے موقعہ پر حضرت امیر ایدہ اللہ نے پڑھا۔ ایجاب وقبول سے قبل تشہد، تعوذ، تسمیہ اور آیات ماثورہ کی تلاوت کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

نکاح ہر ایک قوم میں نہایت ہی مختصر سی بات ہے۔ کسی قوم کے اندر یہ کوئی بڑا لمبا چوڑا کام نہیں۔ اس کے اعلان کے لئے بھی بہت وقت اور سامان درکار نہیں۔ اصل نکاح ایک مختصر سی بات ہے کہ فلاں مرد کا فلاں عورت کے ساتھ رشتہ زوجیت قائم ہونے کا اعلان کیا جائے۔ لیکن ہر ایک قوم نے اس کے ساتھ کچھ زَوائد بھی لگا دیئے ہیں۔ بہت سی باتیں، جو نکاح کی ضروریات میں سے نہیں، اس موقع پر کی جاتی ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام زوائد اور حواشی کے بجائے اس اعلان کے ساتھ خطبہ رکھ دیا ہے۔ اس خطبہ میں چند باتیں ان لوگوں کے لئے، جو اس موقع پر جمع ہوتے ہیں، بیان کی جاتی ہیں۔ اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی فوقیت اور عظمت عطا فرمائی ہے کہ آپ کے سارے اقوال وافعال کو محفوظ کرنے کے لئے ایک جماعت اللہ تعالیٰ نے کھڑی کر دی۔ اس جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال اور افعال کو اس طرح محفوظ کیا ہے کہ آج تیرہ سو سال گزرنے پر بھی اس بات میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ بعینہٖ وہی ہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے یا آپ نے کر کے دکھائے۔

جس طرح پر یہ ہماری نمازیں ہیں کہ ان کے اندر کسی کو شک وشبہ نہیں کہ بعینہٖ یہی نمازیں ہیں اور اسی طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ آج بھی مسلمانوں کے تمام کے تمام فرقے متفق ہیں اس بات کے اوپر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اتنی رکعتیں پڑھتے۔ اسی طرح رکوع سجود اور قومہ وغیرہ ادا کرتے

تھے۔ یہی سنتیں اور فرائض آپ بھی ادا کرتے تھے۔ ایسے ہی روزہ اور حج وغیرہ الغرض کسی بات میں اختلاف نہیں۔ جو بھی اصولی اور ضروری مسائل تھے، وہ اسی طرح اپنی نہایت باریک اور اَدَق تفصیلات کے ساتھ اس وقت بھی ہم میں پائے جاتے ہیں۔ اوران پر کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ دوسری قوموں میں اس قدر یقین کے ساتھ تمام باتیں پائی نہیں جاتیں۔ اوراس لئے ان کوخود کوئی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے۔

پس ایسی حالت میں جبکہ ہرایک قوم کوشاں ہے کہ وہ اپنی فلاح کے لئے کوئی خاص راہ اختیار کرے۔ کتنا بڑا احسان ہے اسلام اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا ہم پر، کہ تمام باتیں ہمیں من وعن پہنچ گئیں۔ نکاح کی یہ آیتیں بھی جو کہ میں نے پڑھی ہیں۔ اسی یقینی اور قطعی علم کے ساتھ جیسا کہ نماز یا دیگر اصولی مسائل کے بارہ میں ہر ایک مسلمان کو ہے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کے موقع پر انہی تین آیتوں کو پڑھا کرتے تھے۔

کیا بات ہے اس خطبہ کے اندر؟ وہ کیا خصوصیت ہے جو ہمیں خاص طور پر متوجہ کرنے والی ہے؟ وہ خصوصیت یہ ہے کہ تین آیات اس خطبہ کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہیں۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (102:3)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا. يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (71-70:33)

فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (1:4)

ان تینوں آیات کے اندر ایک امر مشترک جونظر آتا ہے وہ ہے تقویٰ۔ یعنی ان میں بار بار تقویٰ کی تعلیم

دی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ بہت لوگ تقویٰ کا لفظ سن کر گھبرا جائیں گے کہ یہ کیا قصہ اس نے شروع کر دیا۔ یہ شادی کا موقع ہنسی کھیل کا ہوتا ہے۔ یہاں تقویٰ کا کیا ذکر! لیکن درحقیقت تقویٰ ہمارے ان الفاظ میں سے ہے جو دنیا میں اس وقت بدنام ہو چکے ہیں۔

ہر قوم پر تین مرحلے آتے ہیں۔ ایک وقت قوم پر وہ ہوتا ہے جب وہ الفاظ کی اصل حقیقت کو سمجھتے ہیں اور اُن کو اسی رنگ میں استعمال میں لاتے ہیں۔ دوسرا مرحلہ آتا ہے کہ اس وقت وہ الفاظ کی اصل حقیقت کو تو بھول جاتے ہیں لیکن تاہم وہ ان الفاظ کی عزت کرتے ہیں۔ پھر تیسرا مرحلہ آتا ہے جب وہ الفاظ خود بدنام ہو جاتے ہیں۔

یہ تین مرحلے تو مسلمان بھی طے کر چکے ہیں۔ وہ وقت بھی ان پر تھا کہ جب ان الفاظ کی اصل حقیقت کو لوگ سمجھتے تھے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا جب اصل حقیقت کو بھلا بیٹھے۔ لیکن تاہم الفاظ کی عزت اُن کے دلوں سے مفقود نہیں ہوئی تھی۔ پھر آج یہ تیسری حالت بھی ہم ان پر دیکھتے ہیں کہ نہ صرف الفاظ کی اصل حقیقت سے ہی یہ بالکل ناواقف ہیں۔ بلکہ ان کی کوئی عزت بھی ان کے دل میں نہیں۔ بلکہ اب وہ الفاظ بہت بدنام ہو چکے ہیں۔ ابھی ایک چوتھی حالت باقی ہے کہ جب ان الفاظ کی اصل حقیقت سے جو لوگ واقف تھے ان کی طرف بدیاں منسوب ہونے لگ جاتی ہیں۔ یہ چوتھا مرحلہ آتا ہے قوموں پر کہ وہ نیک اور بزرگ لوگ جو ان الفاظ کی اصل حقیقت سے واقف اور اس پر چلنے والے ہوتے ہیں ان کی طرف اُن کے بُرے معنوں کو منسوب کیا جاتا ہے۔

اس کے لئے میں توجہ دلاتا ہوں بالخصوص ہندوستان کی گزشتہ تاریخ کی طرف۔ یہاں ہندوؤں کی قوم نے اپنے نیک اور بزرگ لوگوں کی طرف کس قدر بدیاں منسوب کیں۔ جناب کرشن جی مہاراج کتنے پاکباز انسان تھے۔ اور ہمارا تو یہ بھی اعتقاد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر اصلاح کے واسطے کھڑے کئے گئے تھے۔ لیکن آج ان کے پیروؤں نے ان گندی باتوں کو جن کو وہ آپ خود کرنا چاہتے ہیں ان کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا ہے۔ آپ تو گرے ہیں ساتھ ان بزرگوں کو بھی گرا ہوا بتاتے ہیں۔

خدا کا شکر اور احسان ہے کہ مسلمانوں پر ابھی یہ چوتھی حالت وارد نہیں ہوئی۔ باقی تینوں مرحلے تو یہ

طے کر چکے ہیں۔ ایک مرحلہ تو وہ تھا جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔ پھر اس کے بعد کا زمانہ، پھر ان کے بعد کا زمانہ۔ حدیث میں ہے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر اس سے اُتر کر ان لوگوں کا زمانہ جو اُن سے ملنے والے ہوں۔ پھر اس سے اتر کر اُنکا جو اُن سے ملنے والے ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رنگ میں اپنے بعد تین سو سال تک کے لئے فرمادیا کہ اس وقت تک لوگوں کی حالت بگڑنے نہ پائے گی۔ اس کے بعد لوگ اس مقام سے گرنے شروع ہوئے۔ پھر بھی اصل الفاظ بدنام نہیں ہوئے۔ اس کے بعد یہ تیسرا زمانہ ہمارا ہے کہ جو بھی نیک اور پاک الفاظ تھے وہ ہمارے اندر بدنام ہو چکے ہیں۔ مسلم کا لفظ کس قدر ہمارے اندر آکر بدنام ہوا ہے۔ شائد ہمارے وہ دوست جن کو دنیا میں پھرنے اور لوگوں سے رابطہ کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ اس بات سے واقف ہوں گے کہ آج دنیا کے اندر مسلم کے لفظ کو مترادف سمجھا جاتا ہے ذلت کے۔ مسلمانوں کی قوم کو ذلیل قوم سمجھ کر جہاں کہیں مسلم کا لفظ آئے، وہاں ذلیل کے معنی کر لئے جاتے ہیں۔ یہ مسلم کی وہ حالت ہے جس کو لوگوں نے سمجھ رکھا ہے اور اصل حقیقت سے وہ دور جا پڑے ہیں۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ قوم جس کو کہا گیا تھا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (110:3) وہ قوم جس کو یہ فرمایا گیا تھا کہ لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا (143:2) تم لوگوں کے پیشرو اور امام بنو اور رسول تمہارا پیشترو اور امام بنے۔ وہ جس کو لوگوں کے لئے پیشرو اور امام بنایا گیا تھا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے اندر اس کی معمولی عزت و وقعت بھی نہیں رہی۔ پیشرو اور امام تو کیا بننا تھا آج تو اس کا نام لینا بھی ذلت کے ہم معنی اور مترادف سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح نماز کا لفظ لے لو۔ کیسا زبردست ہتھیار تھا برائیوں سے بچنے کا۔ لیکن آج نمازی کا لفظ طعنہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ خود نمازیوں کا نمونہ اس بارہ میں سب کا اچھا ہوتا ہے۔ نہیں۔ کچھ انہوں نے بھی اپنے نمونہ سے اسے ایسا ہی بنا رکھا ہے۔ لیکن عام طور پر آج نماز پر ہنسی کی جاتی ہے۔

ایسا ہی روزہ کا حال ہے۔ حج کیا تھا۔ معراج تھا مومن کا۔ وہ حالت کہ انسان سر اور پیر تک بھول جاتا

ہے۔ اپنے بدن کی کوئی ہوش نہیں ہوتی۔ سر اور پاؤں سے ننگا۔ مردے کی طرح ایک کفن پہن کر عاشقانہ وار دوڑتا ہے۔ یہ گویا حج میں بتایا تھا کہ یہ مومن کی آخری حالت ہے کہ اپنے رب کے عشق میں اپنا سب کچھ بھول جائے۔ لیکن آج حاجی کا لفظ ہمارے اندر اتنا بدنام ہوا ہے کہ ایک کہانی مشہور ہے۔ کوئی شخص کسی غریب بڑھیا کو مارتا تھا اور وہ کہہ رہی تھی بچہ حاجی مجھے نہ مار۔ اس سے پوچھا گیا کہ تجھ کو کس طرح معلوم ہوا۔ اُس نے کہا کہ حاجی کے سوائے ایسا ظلم کون کرسکتا ہے؟

تو غرض مسلم کا لفظ اور اسی طرح جتنے اور پاکیزہ الفاظ ہیں۔ وہ سب آج بدنام ہو چکے ہیں۔ اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں۔ جن کو ان پر عمل کر کے اُن کی اصل حقیقت کو بتانا چاہیئے تھا۔ لیکن آج جو اُن پر عمل کرتے ہیں وہ ایسے رنگ میں کہ جس سے وہ اور بھی بدنام ہوں۔ نماز کیا تھی۔ قرآن نے نماز کی یہ تعریف کی تھی کہ **اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ** (45:29) نماز انسان کو برائیوں سے روک دینے والی چیز ہے۔ لیکن آج اگر جھوٹی گواہی کی ضرورت ہو تو بہت نماز پڑھنے والے کو اس کام کے لئے لے جاتے ہیں۔ گویا ہماری قوم نے نماز کو اس پست حالت تک پہنچا دیا کہ جس کا نتیجہ سوائے جھوٹ بولنے اور بیہودہ امور کے مرتکب ہونے کے اور کچھ نہیں۔

ایسا ہی تقویٰ کے لفظ کا حال ہے۔ تقویٰ کے لفظ کی حقیقت کو خود قرآن نے واضح کر دیا۔ جہاں فرمایا **ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ** (2:2) گویا تقویٰ کے لفظ کی بنیاد ہی اس پر رکھی ہے کہ انسان ہدایت کے راستہ پر چلے۔ ہدایت وہ ہے جو آخری منزل تک انسان کو پہنچا دے۔ تو یہاں یہ شرط رکھی کہ متقی آخری منزلِ ہدایت تک پہنچیں گے۔ پھر ایک مسلمان کی بڑائی کا معیار ہی اتقاء کو رکھا۔ فرمایا **اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ** (13:49) تم مسلمانوں کے اندر نہ دولت کا، نہ عزت کا، نہ قوم کا نہ ذات کا اور نسب کا کوئی امتیاز ایک کو دوسرے سے بڑا بنا سکتا ہے۔ بلکہ سب سے بڑا تم میں وہی ہے۔ جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

قرآن کسی ایک شخص کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو مخاطب کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ تم سب در حقیقت ایک ہی ہو۔ جس طرح سے ایک بھائی دولت والا ہو کر اپنے بھائی کی اخوت سے انکار نہیں کرسکتا۔ ویسے ہی کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو اپنی اس برادری سے خارج نہیں کرسکتا۔ دنیا کے اندر قبیلوں اور قوموں کی بڑی تفریق پائی جاتی

ہے۔ بعض قومیں ہیں وہ دوسروں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی اور اپنے آپ کو اُن سے بڑھ کر سمجھتی ہیں۔ ادنیٰ سے ادنیٰ تقسیم سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ قومی امتیاز تک لوگوں نے قائم کر رکھے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بھی قوموں اور قبیلوں کے علیحدہ علیحدہ کرنے کی ایک غرض بتائی ہے فرمایا وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (13:49) انسانوں کی جب تعداد بڑھ جائے۔ تو اُن میں ایک دوسرے کے ساتھ معرفت اور تمیز کا پیدا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی معرفت اور تمیز کو پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قوموں اور قبائل کی تقسیم کر دی۔ ورنہ یہ انسان کا گروہ درحقیقت ایک ہی کنبہ کے حکم میں ہے۔ یہ قوموں کی تقسیم اس کے اندر اس لئے قائم کی کہ تم ایک دوسرے کی معرفت ذرائع کو بڑھاؤ۔ ورنہ بڑائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک الگ معیار قائم کیا ہے کہ جو تمہارے اندر کام کرنے والا ہے۔ ہمارے نزدیک وہی سب سے بڑا ہے۔

درحقیقت اگر کبھی غور کرو تو یہ انسانوں کا خاندان ایک خاندان سے بڑھ کر نہیں۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوقات میں یہ بھی ایک خاندان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (38:6) یہ جو زمین میں چارپائے اور جانور وغیرہ اڑنے والے ہیں یہ بھی تمہارے جیسی جماعتیں ہیں۔ درحقیقت اگر ذرا نظر کو وسیع کر لیا جائے تو بات یہی حق معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق کے اندر یہ انسان ہے ہی کیا؟

قرآن تو اس قدر وسعت کی طرف لے جاتا ہے کہ اس کی تعلیم ہے کہ اپنی نظر کو وسیع کرو۔ پھر دیکھو کہ اس مخلوق کے اندر تم کیا رہ جاتے ہو۔ محض ایک خاندان اور اس سے بڑھ کر نہیں۔ تو فرمایا یہ جو اس خاندان کے اندر قبیلوں اور قوموں کے امتیاز رکھے ہیں تمہاری بڑائی چھٹائی کا معیار یہ نہیں۔ بلکہ اصلی بڑائی یہ بتائی کہ تم سب سے زیادہ اتقاء دکھاؤ۔ یہ تو خدا کے نزدیک عزت ہے جو ہمیشہ تک رہنے والی ہے۔ کوئی دولت کوئی عزت کوئی وجاہت، جو دنیا میں انسان کو کسی اور ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، قائم نہیں رہ جاتی۔ مگر صرف یہی ایک عزت جو خدا تعالیٰ نے اس کے لئے قائم کی ہے۔ اس لئے اتقاء اختیار کرو۔ وہ کام کرو جو مخلوق خدا کی بھلائی کا باعث ہو۔ اور قبل اس کے کہ تمہاری زندگی خاتمہ کو پہنچے، اس حقیقی عزت کو حاصل کرو۔ (باقی بمطابق مورخہ 15 جون 1916ء)

13 جون 1916ء

مراسلات

عقائد باطلہ سے بیزاری

(1)

تنگ آمد بجنگ آمد

بخدمت حضرت امیرِ قوم مولٰینا محمد علی صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اللہ تعالیٰ کی شان! یہ محمودی کہاں سے کہاں تک چلے گئے۔ ان جدید عقائد باطلہ محمودیہ نے ان کے رگ وریشے میں اس قدر اثر کردیا ہے کہ انہوں نے کھلے طور پر مرزا صاحب کی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور اگر کوئی تحریر ان کے جدید خلیفہ کی مرزا صاحب کے برخلاف دکھائی جاتی ہے تو تنگ خیالی کے اثر کا شعلہ ان کے مغز سے شروع ہوکر پاؤں کے تلووں سے نکل جاتا ہے۔ اس کے مطابق میں شہر سیالکوٹ کے ایک غالی محمودی اور امام مسجد یعنی مولوی فیض الدین کا ذکر کرتا ہوں کہ بروز جمعہ مورخہ 2 جون 1916ء کو جب بعد ادائے نماز جمعہ میں شیخ مولا بخش صاحب کے کارخانہ میں آیا۔ تو دیکھا کہ شیخ مولا بخش صاحب مکرمی میاں عبدالرزاق صاحب محمودی سے چند مسئلوں پر گفتگو کررہے ہیں اور مرزا صاحب کی اور نئے خلیفہ صاحب کی کتابیں سامنے رکھی ہوئی ہیں۔ اور حوالہ جات نکال نکال کر دکھا رہے ہیں کہ میاں صاحب نے بالکل حضرت صاحب کے خلاف لکھا ہے۔ خاکسار بھی ساتھ ساتھ سنتا اور نتیجہ اخذ کرکے مرزا صاحب کی تعلیم پر بہت خوش ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ اس بحث میں خاکسار کے سب شکوک رفع ہوگئے۔ مگر بھائی عبدالرزاق صاحب کا عجیب حال تھا کبھی کہتا تھا کہ یہ حوالہ میاں صاحب کا واقعی مرزا صاحب کے برخلاف ہے۔ مگر شائد میاں صاحب کا مطلب کچھ اور ہو۔ ان فضول جوابوں اور باتوں میں

حاضرین مجلس میں بہت ہنسی پڑ جاتی۔جن میں سے ایک میرے دوست ماسٹر اللہ دین صاحب بھی تھے۔

ان سب حوالوں میں سے جو کہ شیخ صاحب نے بھائی عبدالرزاق صاحب کو دکھائے کہ میاں صاحب بالکل حضرت مرزا صاحب کے برخلاف لکھ رہے ہیں۔ایک حوالہ جو کہ مجھے بہت پسند آیا لکھ دیتا ہوں۔حضرت صاحب ازالہ اوہام صفحہ 569 میں تحریر فرماتے ہیں:

''لیکن افسوس کہ مولوی صاحب مرحوم کو یہ سمجھ نہ آیا کہ صاحب نبوت تامہ ہرگز اُمتی نہیں ہوسکتا اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے وہ کامل طور پر کسی دوسرے نبی کا مطیع اور اُمتی ہو جانا نصوص قرآنیہ و حدیثیہ کی رُو سے بکلی ممتنع ہے۔اللہ جلشانہ فرماتا ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ (64:4۔مرتب) یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو۔''

اس کے بالمقابل شیخ صاحب نے میاں صاحب کی کتاب حقیقۃ النبوت پیش کی کہ جس کے صفحہ 155 پر میاں صاحب یہ فرماتے ہیں:

''بعض نادان کہہ دیا کرتے ہیں کہ نبی دوسرے نبی کا متبع نہیں ہوتا۔اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ (64:4۔مرتب) اور اس آیت سے حضرت مسیح موعود کی نبوت کے خلاف استدلال کرتے ہیں۔لیکن یہ سب بہ سبب قلتِ تدبر ہے۔''

یہی دونوں حوالے تھے جس پر میرے بھائی عبدالرزاق کو مرزا صاحب کے برخلاف میاں صاحب کا یہ حوالہ معلوم ہوتا تھا۔مگر عقائد باطلہ کا اثر جو کہ رگ و ریشے میں گندے خون کی طرح اثر کئے ہوئے تھا کہاں جا سکتا ہے۔جھٹ ساتھ ہی کہہ دیا کہ اس میں میاں صاحب کا مطلب کچھ اور ہوگا۔بیچارہ کیا کرتا۔میاں صاحب کی نصیحت کے بموجب جواب دینا تو ضروری تھا۔خیر دو تین گھنٹے کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔

بھائی عبدالرزاق نے یہ دونوں حوالے بھی نوٹ کر لئے کہ مولوی فیض الدین صاحب سے سمجھ کر جواب دوں گا۔ یہ کیا تھا؟ بموجب اصولِ محمودیاں وقت ٹالنا تھا۔ دوسرے روز مولوی فیض الدین صاحب بازار کھٹیکاں میں مجھے ملے اور کہا کہ کل تم بھی شیخ صاحب کے مکان پر تھے۔ اُن کی باتوں سے کیا نتیجہ نکالا ہے۔ میں نے کہا مولوی صاحب اصل بات تو یہ ہے خواہ آپ راضی ہوں یا ناراض، میرے تو سب شکوک رفع ہوگئے ہیں اور میں نے سمجھ لیا ہے کہ لاہوری احباب بالکل راہ راست پر ہیں۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ نہیں۔ تُو میرا پرانا شاگرد ہے۔ جب تک مجھ سے یہ سب باتیں نہ سمجھ لے۔ تب تک یک طرفہ ڈگری نہیں کرنی چاہیئے۔ تم نے میرے پاس ضرور آنا ہے۔ میں نے بہتیرا اصرار کیا کہ عقائد کی نسبت تو میری تسلی ہوگئی ہے۔ ہاں اگر کوئی اور حکم ہو تو بندہ حاضر ہے۔ کیونکہ آپ میرے اُستاد ہیں۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ نہیں ضرور وہ حوالے بھی ساتھ لاؤ اور خود بھی آؤ۔ میں نے حضرت صاحب کی سب کتابیں پڑھی ہوئی ہیں۔ بہت اچھی طرح سے تمہارے شکوک رفع کروں گا۔

خیر میں نے شیخ صاحب کے پاس آ کر یہ قصہ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا حرج تو کوئی نہیں۔ خوب تحقیق کرنی چاہیئے۔ مگر وہ آدمی کچھ ایسا ہے کہ اگر کسی بات کا جواب نہ آئے تو لڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ جب اُنہوں نے بار بار اصرار کیا ہے اور کہا ہے کہ ضرور حوالے لے کر آؤ اور دوسرے یہ کہ میں اُن کا شاگرد ہوں، ہرگز ہرگز لڑائی تک نوبت نہیں پہنچے گی۔ خیر میں حوالے لے کر مولوی صاحب کے پاس چلا گیا۔ مگر انہوں نے جواب دیا کہ ''ازالہ اوہام'' میرے پاس نہیں ہے۔ وہ لے آؤ۔ میں ابھی تمہارے شکوک رفع کر دیتا ہوں۔ خیر قریب شام کے وقت ازالہ اوہام لے کر گیا۔ مولوی صاحب نے دو تین دفعہ خوب غور سے حوالہ پڑھا اور یہ فرمایا کہ مرزا صاحب کا مذہب نہیں ہے۔ یہ مرزا صاحب نے کسی اور کا مذہب لکھا ہے۔ میں نے کہا کہ میں مذہب نہیں دریافت کرنے آیا۔ بلکہ یہ دریافت کرنے آیا ہوں کہ اس آیت مذکورہ کے معنی حضرت صاحب نے ازالہ اوہام صفحہ 569 میں کئے ہیں۔ اور میاں صاحب نے حقیقۃ النبوت صفحہ 155 میں کئے ہیں۔ دونوں کے معنوں میں فرق ہے یا نہیں۔ اس پر مولوی صاحب نے جلال پہلوان سے دریافت کیا کہ حقیقۃ النبوت تیرے پاس ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ اب میں تیار نہیں ہوں۔ کل ظہر کے وقت آنا۔ میں واپس چلا آیا اور

اس وقت یہ نتیجہ نکالا کہ مولوی صاحب نے یونہی کہہ دیا تھا کہ میں نے حضرت صاحب کی کتابیں پڑھی ہوئی ہیں۔

پڑھنا تو درکنار اُن کے پاس اگر حضرت مرزا صاحب کی کتاب نہیں تھی تو میاں صاحب کی کتاب تو ضرور ہونی چاہئے تھی۔ یا تو مولوی صاحب کے پاس واقعی کوئی کتاب نہیں ہے یا اُنہوں نے وقت ٹال دیا ہے۔

خیر دوسرے دن میں وقت مقرر پر شیخ صاحب کے پاس آیا۔ تو شیخ صاحب نے کہا کہ سمجھانا تو انہوں نے کچھ بھی نہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ مگر تم بھی حجت پوری کرو۔ اور اب یہ دونوں کتابیں ان کے پاس لے جاؤ۔ اور دونوں جگہ سے کھول کر مولوی صاحب کے آگے رکھ دو۔ تا کہ کتاب نہ ہونے کی حجت تو جاتی رہے۔ خیر مجھ کو شیخ صاحب کی بات پسند آئی۔ میں وقت مقررہ پر دونوں کتابیں لے کر گیا اور دونوں مولوی صاحب کے آگے رکھ دیں اور حوالوں کی جگہ بھی نکال دی۔ مولوی صاحب دیر تک دونوں کتابوں کے حوالے پڑھتے رہے اور یہی جواب دیا کہ یہ حضرت مرزا صاحب نے اپنا مذہب بیان نہیں کیا۔ میں نے کہا گستاخی معاف! یہ بات آپ لکھ دیویں کہ یہ مرزا صاحب کا مذہب نہیں ہے۔ اور یا یہ کہ مرزا صاحب نے معنی غلط کئے ہیں اور میاں صاحب نے نادان کس کو کہا ہے۔ میں صاف صاف جواب پوچھنا چاہتا تھا۔ مولوی صاحب تکرار کئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کے عقائد باطلہ کے اثر کا شعلہ اُن کے رگ و ریشہ میں موجزن ہوا اور نیچے دبا کر لگے مارنے۔ لطف یہ کہ اُنکا داماد بھی حیرانی سے یہ معاملہ دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ خیر میں مار کھا کر اور یہ کہتا ہوا، کہ آپ بالکل احمدیت کو چھوڑ چکے ہیں، چلا آیا۔

میں نے یہ ماجرا اکثر دوستوں سے بیان کیا اور بعضوں نے نالش کرنے کی رائے بھی دی۔ مگر میں غریب تھا اس لئے چپکے ہو رہا۔ ہاں ایمان میرا بہت ترقی کر گیا۔ اور میں نے عقائد محمودیہ سے جو کہ باطل ہیں اور جن کے اثر سے انسان بالکل خلق محمدی سے گر جاتا ہے، خدا کے حضور توبہ کی اور سخت توبہ کی اور اب یہ چند حروف برائے آگاہی دوستاں اور احمدی بھائیوں کے فائدے کے واسطے اخبار میں شائع کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ مجھے خدا ٹھیک حضرت مرزا صاحب کی تعلیم پر تادم زیست قائم رکھے۔ شکر ہے کہ میں نے آج ان عقائد باطلہ سے مخلصی پائی۔ آخر میں ان دوستوں کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں۔ جن کے طفیل سے ان عقائد باطلہ سے مخلصی پائی۔ والسلام۔

العبد شاہ دین ولد مہر دین زرگر۔ احمدی۔ شہر سیالکوٹ۔ محلّہ رام تلائی۔ 7 جون 1916ء۔

15 جون 1916ء

عرفانِ امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

کفارہ اور اس کی اصل حقیقت

مسیحی اور اسلامی کفارہ میں فرق

فرمایا حضرت مسیحؑ کے کلام میں ایک فقرہ آتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آؤ جو تم تھکے ماندے ہو، میں تمہارے بوجھ کو اُتار دوں۔ اس فقرہ سے ایک قوم نے بہت سخت ٹھوکر کھائی ہے اور اس کا غلط اور کچھ کا کچھ مفہوم لے لیا ہے۔ اور یہ سمجھ لیا ہے کہ بس اب اعمال کی ضرورت نہیں۔ ان پر ایمان لے آنا ہی کافی ہے۔ قرآن کریم نے بھی ایک جگہ ایک اسی قسم کا فقرہ استعمال کیا ہے۔ لیکن اس نے ساتھ ہی اس کے معنی بھی کر دیئے ہیں۔ فرمایا **يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا** (28:4) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے تمہارے بوجھوں کو ہلکا کرے کیونکہ انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے معنی سیاق وسباق عبارت سے یہ معلوم ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بوجھ کو یوں ہلکا نہیں کیا کہ گویا ہم کو شریعت کی پیروی سے بری الذمہ کر دیا ہو۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اپنی رضا کی راہیں اس نے انسان پر کھول دیں۔ انسان خود بخود اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں کو پا نہیں سکتا تھا۔ وہ کمزور ہے اور اپنی کمزوری کے باعث اس کی صحیح منشاء کو سمجھ نہیں سکتا۔ تا کہ سیدھے راستہ پر گامزن ہو کر اس کی اصلی خوشی کو پا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے اس بوجھ کو یوں ہلکا کیا کہ اپنی رضا کی راہوں کو اس پر کھول دیا۔ چنانچہ اس سے پہلے فرمایا ہے **يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ** (26:4) جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ یہاں تخفیف سے مراد کوئی شریعت سے آزاد کرنا نہیں بلکہ شریعت کا دینا مراد ہے۔ یعنی شریعت کے ذریعہ اپنی رضا کی راہوں کو کھول دیا اور اس طرح سے تمہارے اس بوجھ کو ہلکا کر دیا۔

واقعات عالم کی شہادت

اب کفارہ کی ان دونوں صورتوں کو یعنی (1) وہ جو قرآن نے بتائی اور (2) وہ جو مسیحی تجویز کرتے

ہیں۔ہم واقعاتِ عالم پر پرکھتے ہیں کہ کونسی صحیح ہے۔دنیا میں ساری قوموں کے اندر نبی آتے ہیں۔عیسائی بھی بہت سے انبیاء کو مانتے ہیں۔وہ انبیاء کس غرض کے لئے آئے۔اس بات پر سب متفق ہیں کہ اُن کے آنے کی غرض صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں کو کھولنا اور ظاہر کرنا تھا۔لیکن اب عیسائیوں کا خیال ہے کہ انسان چونکہ کمزور ہے اس لئے وہ شریعت کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ کو بھیجا کہ وہ سب کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے اور نسل انسانی کو شریعت سے آزاد کردے تا کہ وہ گناہوں میں گرفتار ہوکر عذاب کے مستحق نہ ہوں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ خدا وہی ہے جس نے انسان کو پیدا کیا تھا یا کوئی اور۔اگر یہ وہی خدا ہے تو کیا اس کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ انسان کتنا بوجھ اُٹھا سکتا ہے۔وہ تو انسان کی طاقت کو خوب جانتا ہے اور اس لئے اس کے مطابق اتنا ہی بوجھ اس کے اوپر لائے گا جتنا وہ اُٹھا سکتا ہے۔اس کے بغیر تو اس سے اس کے علم پر حرف آتا ہے کہ باوجود پیدا کرنے کے وہ اتنا بھی واقف نہیں کہ ہم کس قدر بوجھ اُٹھانے کے قابل ہیں۔پس اگر یہ سچ ہے کہ انسان شریعت کے بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔تو اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے انبیاء کو کیوں بھیجا۔ظاہر ہے کہ انسان ان کی بتائی ہوئی راہوں پر چل ہی نہیں سکتا۔تو انبیاءؑ کا بھیجنا عبث تھا۔

پھر اس نے تجربہ سے بھی فائدہ نہ اُٹھایا کہ ایک نبی کو بھیج کر جب دیکھ لیا تھا کہ اس کی بتائی ہوئی راہوں پر انسان چل ہی نہیں سکتا۔تو آئندہ اور نبی نہ بھیجتا۔وہ تو نبی پر نبی ہی بھیجتا چلا گیا اور آخر میں آکر پتہ لگا کہ یہ تو سب کیا کرایا اکارت گیا۔اس لئے اب کفارہ کی راہ اختیار کی اور اس بوجھ کو اس پر سے آخر میں آکر اُتارا۔

اس سے ظاہر ہے کہ عیسائیوں کا پیش کردہ عقیدہ کفارہ کس قدر واقعاتِ عالم کے خلاف اور اللہ تعالیٰ کے علم پر نقص عائد کرنے والا ہے۔اس سے تو اللہ تعالیٰ کی حیثیت ایک انسان کے برابر بھی نہیں رہتی۔انسان تو ایک دفعہ کے تجربہ سے ہمیشہ کے لئے فائدہ اُٹھاتا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ اتنا فائدہ بھی نہ اُٹھا سکا۔اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسیحی کفارہ واقعاتِ عالم کے صریح خلاف اور ذات باری تعالیٰ پر نقص عائد کرنے والا ہے۔ فتدبر!

15 جون 1916ء

خطبہ نکاح

(3)

(بسلسلہ مورخہ 13 جون 1916ء)

تقویٰ کی اصل حقیقت

لفظ اتقاء کے معنی ہوتے ہیں حفاظت کرنا، بچانا، نگہداشت کرنا۔ یہاں دو چیزوں کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (1:4) تقویٰ کرو اللہ کا، تقویٰ کرو رحموں کا۔ اگر تقویٰ کے معنی ہوں کہ کسی چیز سے ڈرتے رہو۔ تو یہاں معنی کرنے پڑیں کہ رحموں سے ڈرتے رہو۔ یہ تو رحموں کا تقویٰ نہیں۔ اس لئے تقویٰ کے صحیح معنی یہ ہیں کہ جو رحموں کے ذریعہ سے تعلقات قائم ہوں ان کی نگہداشت رکھو، ان کے حقوق کو ضائع نہ ہونے دو۔ اس سے پہلے فرمایا یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (1:4) لوگو تقویٰ اختیار کرو اس رب کا، جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ ایک ہی جان سے مراد یہاں ایک جوڑا ہے۔

گویا یہاں یونٹ آف دی ہیومن فیملی کے اصول کی توضیح کی ہے۔ نسل انسانی کے ایک جوڑے کو ایک اکائی سے تعبیر کیا ہے۔ مرد اور عورت کی وجہ سے ہمارے تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور بڑھتے ہیں۔ اس لئے یہ بمنزلہ ایک اکیلی جان کے ہے۔ دیکھئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست، کیسی موزوں آیت کو انتخاب کیا ہے نکاح کے موقعہ پر۔ نکاح درحقیقت چونکہ وسعتِ تعلقات کا باعث ہے اور ایک مرد عورت کے جوڑے سے انسانوں کے تعلقات دنیا میں بڑھتے اور وسیع ہوتے ہیں۔ اس لئے نکاح کے موقعہ پر رحموں کے تعلقات کی نگہداشت کا خاص طور پر حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ کا تقویٰ تو انسان کے عامہ حقوق میں سے ہے اور وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ (1:4) سے نئی زندگی کا سلسلہ پیدا ہوتا ہے۔ وَاتَّقُوا ......الْاَرْحَامَ کے اندر فرمایا کہ نگہداشت کرو رحموں کے حقوق کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اللہ تعالیٰ نے کتنی وسیع فرمادی تھی۔ آپ نے جہاں اور باتیں فرمائیں وہیں یہ بھی فرمایا اور صحابہؓ کو تاکید کی کہ جب تم مصر میں جاؤ تو وہاں کے لوگوں کی خاص رعایت رکھنا۔ کیونکہ ان سے ہمارے رحم کے تعلقات ہیں۔ ساڑھے تین ہزار سال ہوئے وہ رحم کے تعلقات کیا تھے؟ حضرت ہاجرہؑ جو مصر کی رہنے والی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں آئی تھیں۔ اسی آبائی تعلق کے باعث آپ نے مصر والوں کی رعایت ملحوظ رکھنے کا حکم دیا۔ کس قدر وسیع نظر ہے! ساڑھے تین ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ اب کوئی تعلقات ان سے ہیں نہیں۔ پرلے درجہ کے مشرک اور بت پرست ہیں۔ بنی اسرائیل کے ساتھ ان کے ظلم وستم کوئی چھپے ہوئے نہیں۔ مگر پھر بھی فرمایا کہ ان کی بہت خاطر داری کرنی ہے۔ ان سے ہمارا رحم کا تعلق ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیم حاوی ہے تمام نسل انسانی کے اوپر۔ کسی مذہب میں ایسی تعلیم نہیں پائی جاتی۔ باوجودیکہ مصر سے بڑے دُکھ پہنچے ہیں۔ بنی اسرائیل پر انہوں نے طرح طرح کے ظلم وستم کئے اور انہیں مصائب وآلام کا تختہ مشق بنائے رکھا۔ لیکن پھر بھی ان کی خاطر داری ہی کا سبق دیا۔ کہیں اتنا بڑا رحمت اور محبت کا نمونہ مل سکتا ہے! جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ درحقیقت حق اسی کا تھا کہ اس کو تمام قوموں کے اندر رحمت بنا کر بھیجا۔ عجیب قلب نظر آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ ایک ذرا سے تعلق کی بنا جس پر صدیاں گزر چکیں اور پشتوں کی پشتیں گزر گئیں۔ ان کے تمام گناہوں، ہر قسم کی لغزشوں، سب مظالم کو نظر انداز کر کے ان سے محبت ہی کا برتاؤ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

وہ گالیاں دینے والی قوم کو بھی محبت اور پیار سے یاد کرتا اور دُکھ اور تکلیف سے انہیں بچانے میں ہی کوشاں رہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گویا مجسم رحمت ہیں۔ جس طرح اللہ کی ذات نری رحمت ہی رحمت ہے۔ کبھی غور کرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی حالت پر۔ مکہ والوں نے کس قدر تکلیفیں آپ کو پہنچائیں۔ عرب کا ملک ایک بیابان جہاں کی گرم ہوا سے بھی سینکڑوں جانیں تباہ اور برباد ہو جاتی ہیں۔ اس ملک میں محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو گرم پتھروں پر لٹا کر سینے پر سنگریزے رکھ دیتے تھے اور بھی انہوں نے کس کس قسم کے سخت ترین دُکھ مسلمانوں کو دیئے۔ ایک دفعہ ان ظالموں نے ایک مسلمان بی بی کو پکڑ کر اس کی ایک ٹانگ کو ایک اونٹ کے ساتھ باندھا اور دوسری کو دوسرے اونٹ کے ساتھ۔ اور دونوں اونٹوں کو دو مخالف سمتوں میں دوڑا دیا۔ کچھ تو اس طرح سے ہلاک ہوئے اور رہے سہے صحابہ کو اپنی جانیں بچا کر حبشہ کے ملک میں جانا پڑا۔ لیکن باوجود ان سب دُکھوں اور تکلیفوں کے جب آپ اُن پر غالب آئے ہیں۔ اور کوئی تسلط ان کا باقی نہیں رہتا تو بجائے اس کے کہ ان باتوں کی کوئی سرزنش اُن کو کریں لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ کہہ کر کامل امن و امان اُن کو دے دیتے ہیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ اُن کو کوئی ملامت ہی کی ہو یا اُنہیں جتایا تک بھی ہو۔ یہ حد ہے عفو کی۔ اس سے بڑھ کر عفو اور کیا ہوتا ہے۔ اتنا بھی نہیں کہا کہ تمہارے پانچ دس سرغنوں کو پھانسی دے دیں گے۔

تو غرض تقویٰ کے معنی حقوق کو پورا کرنا ہے۔ پہلے فرمایا اِتَّقُوْا رَبَّکُمْ. رَبَّکُمْ اس لئے فرمایا کہ رب تمام مخلوق کی پرورش کرنے والا ہے۔ رَبَّکُمْ کے اندر درحقیقت دونوں قسم کے حقوق آجاتے ہیں۔ جب اِتَّقُوْا رَبَّکُمْ فرمایا تو اس سے توجہ دلائی کہ اور بھی ہماری مخلوق ہے۔ جس کی ہم ربوبیت کرتے ہیں۔ ان کے حقوق پر بھی نگاہ رکھنا ضروری ہے۔ تو تقویٰ یہ ہوا کہ انسان اپنی ذمہ داریوں کو پہچانے اور اُن کی نگہداشت میں کوشاں رہے۔ میری سمجھ میں یہ ایک دو موٹی باتیں فرمادی ہیں جن کے اندر سب کچھ آجاتا ہے۔

ایک جگہ حدیث میں ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ کوئی تم میں سے کامل مومن نہیں جب تک مَیں اسے اُس کے ماں باپ اس کی اولاد اور تمام دوسرے لوگوں سے بڑھ کر پیارا نہ ہوں۔

پھر فرمایا لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ کوئی کامل طور پر ایمان نہیں لاتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہ وہی کچھ پسند نہیں کرتا۔ جو اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہے۔ تو غرض ایک طرف اللہ کے حقوق اور دوسری طرف بندوں کے حقوق کی حفاظت کا حکم دیا۔ وہ حقوق کیا تھے۔ منجملہ ان حقوق کے ایک یہ حق بھی تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اتنی محبت اور غیرت ان کے دل میں ہو کہ اس کے بالمقابل کسی جان و مال وغیرہ کی کوئی پرواہ نہ کریں۔

کسی زمانہ میں چند لوگ تھے مدینہ میں جو منافق کہلاتے تھے۔ وہ بیرونی دشمنوں سے ملے رہتے تھے۔ پہلے پہل مدینہ کے اندر مسلمانوں کی کوئی بڑی جمعیت نہ تھی۔ ایک جنگ میں جب ان منافقوں کو جانا پڑا تو انہوں نے وہاں کہا لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (8:63) اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو بالضرور باعزت لوگوں کے ذریعہ یہ ذلیل اور غریب لوگ نکال دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (8:63) کہہ دے عزت تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنوں کے لئے ہے۔ منافق اسے بھلا کیا جانیں؟

تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت کے بڑے اعلیٰ اور اشرف مقام پر پہنچانا چاہا ہے۔ اور اس کے لئے سچے دل سے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی ہے جو اس اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا ہو جس پر صحابہؓ پہنچے تھے۔ حقیقی چیز جو اللہ نے ہم سے چاہی ہے، وہ مخلوقِ خدا کی بھلائی ہے۔ فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (110:3) تم بہترین اُمت ہو۔ جو لوگوں کی بھلائی کے لئے کھڑی کی گئی ہے۔ پس اگر تو دوسرے لوگوں کی بھلائی تمہارے مدنظر ہے۔ تو تم واقعی خَيْرُ اُمَّةٍ ہو۔ لیکن اگر یہ نہیں تو پھر خَيْرُ اُمَّةٍ کا لقب تم پر صادق نہیں آتا۔

تو غرض اسلام نے، قرآن نے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ بتا دیا ہے کہ تمہاری حقیقی عزت اور شرف اسی میں ہے کہ تم مخلوقِ خدا کی بھلائی میں کوشاں رہو گے۔

آگے فرمایا وَاتَّقُوا ......الْاَرْحَامَ جب یہ بتا دیا کہ کُل لوگوں کی بھلائی تمہارے مدّنظر ہو۔ تو جتنے قریب کے تعلقات ہوں گے اتنا ہی ان کے ساتھ بھلائی بھی دوسروں سے زیادہ اور بڑھ کر ہوگی۔ بھلائی کا دائرہ جتنا وسیع تر چلا جائے گا، اتنا ہی وہ کمزور بھی ہوتا چلا جائے گا۔

اب حیرت کا مقام ہے کہ مسلمانوں کی حالت کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے فوائد کی خاطر دوسروں کے حقوق کی پرواہ تک نہیں کرتے۔ قرآن تمہیں بتاتا ہے کہ تم میں سے جو بڑا بننا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کچھ کام کر کے دکھائے۔ اپنے اندر اتقاء کا اعلیٰ نمونہ پیدا کرے۔ انسان کے دل اندر ایک درد ہوتا ہے جس سے وہ دوسروں سے ایک امتیاز پیدا کر لیتا ہے۔ دل کے اندر ایک بات ہوتی ہے جو فرق

کرا دیتی ہے متقی اور غیر متقی میں ۔ کیا فرق تھا ابوبکرؓ اور دیگر صحابہ میں ۔ یہ نہیں کہ ابوبکرؓ کوئی لمبی نماز پڑھا کرتے تھے اور دوسرے صحابہ کی نمازیں اتنی لمبی نہ ہوتی تھیں ۔ ان باتوں کا تعلق تو خدا سے ہے ۔ وہی جانتا ہے کہ کون کیسی نماز پڑھتا ہے اور کس قدر اتقا اپنے اندر رکھتا ہے ۔ خدا تو دل کا فیصلہ کرنے والا ہے ۔ جو انسان کے تمام افعال کا واقف ہے ۔ لیکن انسان ظاہر افعال سے ہی جان سکتا ہے کہ کوئی کیسا ہے اور کس قسم کے اخلاق اپنے اندر رکھتا ہے ۔ اپنے دل کے اندر درد پیدا کرو ۔ مخلوق خدا کی بھلائی کے کام کرو ۔ دین کو دنیا پر مقدم کر کے دکھاؤ ۔ یہی اللہ کا تقویٰ ہے ۔ یہی اللہ کے حقوق کی نگہداشت ہے ۔

نرا کھانا پینا اور اپنی اولاد کی پرورش کرنا یہ تو چڑیوں کے اندر بھی پایا جاتا ہے ۔ اگر تم انسان ہو کر نری اتنی ہی بات کو اختیار کئے رکھو اور اس سے بڑھ کوئی نمونہ نہ دکھاؤ ۔ تو تم میں اور اُن میں کیا فرق ہے ۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بڑا مقام عطا کیا ہے ۔ اس کو دوسری مخلوقات پر ایک شرف بخشا ہے ۔ اتنا بڑا مقام اس کو دیا ہے ۔ فرمایا یہ قویٰ انسان کو اس لئے نہیں دیئے کہ اس کی اپنی ملکیت ہیں ۔ بلکہ یہ ایک امانت کے طور پر ہیں اور وہ امانت چاہتی ہے کہ اپنی بھلائی سے بڑھ کر دوسروں کی بھلائی اور بہبودی کا خیال رکھے ۔ محض اس بات کے اوپر آ رہنا کہ اپنی ہی ذاتی آسائش کے درپے رہے اور دوسروں کا کوئی خیال نہ رکھے ۔ یہ انسانیت کے سراسر خلاف ہے ۔ تو یہ وہ حقیقی مقام ہے جو انسان کو اوپر اُٹھاتا ہے ۔

پہلی بات جو انسان کو نکاح کے ساتھ سکھائی جاتی ہے وہ قربانی ہی ہے ۔ انسان کو اپنا کچھ روپیہ کچھ آسائش وغیرہ کو ایک دوسرے وجود کے لئے قربان کرنا پڑتا ہے ۔ خانہ داری ایک مدرسہ ہے جہاں کہ انسان کو قربانی کے بہت سے مفید اسباق سیکھنے پڑتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ منجملہ اور باتوں کے سب سے زیادہ زور مہر کی ادائیگی پر دیا ۔ فرمایا اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (4:4) عورتوں کو اُن کے مہر برضا و رغبت خود دو ۔ درحقیقت اس میں ایثار اور قربانی کی تعلیم دی ہے گویا قربانی کے بیش بہا سبق کو پہلے شروع کیا ہے گھر سے ۔ جس طرح سے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بعد انسانوں میں ہے سب سے پہلے والدین کی اطاعت کا حکم دیا ۔ کیونکہ جو شخص والدین کا فرمانبردار ہے اور اُن سے حسن سلوک سے پیش آئے گا ۔ وہی درحقیقت دوسروں کے ساتھ بھی نیک برتاؤ کر سکتا ہے جو گھر کے اندر نیکی کرتا ہے باہر بھی وہ نیکی کرے گا ۔ اور جو گھر میں نیکی نہیں کرتا، باہر اُس نے

کیا نیکی کرنی ہے؟ انسان کے اندر یہ جو بھلائی کرنے کی قوت ودیعت کر رکھی ہے اس کو پہلے گھر سے شروع کرنا چاہیئے۔ تو غرض انسان کی بڑائی کا معیار قربانی اور ایثار کو ٹھہرایا ہے۔

بیوی کے لئے انسان کو کتنا ایثار اور قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ ذمہ داریاں رکھی ہیں۔ تمہارے اوپر اور تم پر فرض قرار دیا ہے کہ تم ان ذمہ داریوں کو ادا کرو۔ جس میں سب سے پہلے مہر کا ادا کرنا ایک ضروری فرض ہے۔ یہ مجلس منعقدہ ہوئی ہے خواجہ بشیر احمد صاحب ولد خواجہ کمال الدین صاحب کے ساتھ سید محمد شاہ صاحب وکیل کی صاحبزادی کے نکاح کا کرنے کے لئے تین ہزار روپے مہر پر۔ (اس کے بعد ایجاب وقبول ہو کر دعائے خیر کی گئی)

۞۞۞

20 جون 1916ء

تفہیم امیر ایّدہ اللہ بنصرہٖ

درس قرآن میں سے کچھ

حضرت نوحؑ کی عمر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَلَبِثَ فِیۡهِمۡ اَلۡفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمۡسِیۡنَ عَامًا (14:29) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو بیان کیا گیا ہے **فَلَبِثَ فِیۡهِمۡ اَلۡفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمۡسِیۡنَ عَامًا** یعنی حضرت نوحؑ اپنی قوم کے اندر 950 سال تک ٹھہرے رہے۔ اس پر بھی لوگ اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ انسان کی طبعی عمر سے بہت بڑھ کر ہے، اس لئے صحیح نہیں۔ ممکن ہے کسی زمانہ میں اتنی بھی عمریں ہوتی ہوں۔ انسان کی عمر کے بارہ میں ہم کوئی حد بندی قائم نہیں کر سکتے۔ ابھی ہم نے اخباروں میں چھپا ہوا پڑھا تھا کہ امریکہ میں ایک شخص نے اپنی شادی کا 100 واں سال منایا تو جب شادی کو بھی سو سال ہو چکے ہیں تو عمر کتنی لمبی ہوگی۔ بائیبل میں بھی حضرت نوح کی عمر 950 سال لکھی ہے۔ لیکن قرآن نے 950 سال عمر نہیں لکھی بلکہ **فَلَبِثَ فِیۡهِمۡ** کہا ہے۔ جس کے معنی ٹھہرنے کے ہیں۔

نبیوں کا ٹھہرنا یہ ہوتا ہے کہ ایک خاص زمانہ تک لوگ ان کی پیروی کرتے اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ یہ نبیوں کا ایک خاص زمانہ ہے۔ حضرت نوحؑ کے علاقہ کے قریب قریب حضرت ابراہیمؑ کا علاقہ تھا۔ جو ان سے 950 سال بعد ہوئے۔ درمیان میں جو دو نبی ہودؑ اور صالحؑ آئے تو وہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے علاقوں میں مبعوث نہیں ہوئے بلکہ الگ حصوں میں آئے تھے۔ اس لئے چونکہ ان کا علاقہ الگ تھا حضرت نوح کے زمانہ پر ان کا اثر نہیں بلکہ حضرت نوح کا زمانہ حضرت ابراہیم تک چلتا ہے۔ اور اسی لحاظ سے آپ کے زمانہ کو جو 950 سال تھا **فَلَبِثَ فِیۡهِمۡ اَلۡفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمۡسِیۡنَ عَامًا** سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ جس وقت تک کوئی دوسرا نبی نہ آجائے اُس وقت تک پہلے نبی کا ہی زمانہ چلتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ:

یہ تو ہر ایک نبی کا اس کے اپنے علاقہ میں حال تھا۔لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو چونکہ آپ کُل دنیا کے لئے تھے اس لئے آپ کے آنے سے کُل نبیوں کا زمانہ ختم ہوگیا۔لیکن آپ کا زمانہ اب کبھی ختم نہیں ہوسکتا بلکہ قیامت تک چلتا ہے۔ اسی لئے آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ کیونکہ ہر ایک نبی کی قوت قدسی ایک خاص وقت تک کام کرتی رہی۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اب قیامت تک کام کرے گی اور کوئی دوسرا نبی آکر آپ کے اس فیض کو روک نہیں سکتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہر ایک نبی کی قوت قدسی خاص خاص اقوام میں ہی کام کرتی رہی۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی قومی تحدید سے بھی باہر ہے۔

حضرت مسیحؑ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کُل دنیا کی طرف تھے۔لیکن انجیل اس کے خلاف ہے۔ وہاں تو لکھا ہے کہ ایک کنعانی عورت نے جب آپ سے برکت چاہی تو آپ نے اس سے انکار کیا۔ پھر اس کے زیادہ اصرار پر یہاں تک کہہ دیا کہ میں بچوں کی روٹی کیونکر کتوں کے آگے ڈال دوں۔ بالآخر جب اس نے کسی طرح نہ مانا اور کہا کہ آخر بچے جب روٹی کھاتے ہیں تو کچھ بھور چور جو گرتے ہیں اس سے تو کوئی نہیں روکتا۔تب جواب دیا کہ تو اپنے ایمان کے باعث پھل پائے گی۔

اسی طرح سے حضرت موسیٰ کچھ مدت تک مصر میں رہے۔اس جگہ آپ کے جانے کی غرض بنی اسرائیل کو نکالنے کے سوائے اور کچھ نہ تھی۔ چنانچہ اس غرض کے پورا ہوجانے پر آپ نے پھر انہیں کبھی تبلیغ نہیں کی۔تو ہر ایک نبی کی قوت قدسی کو یہ حد بندی لگائی گئی کہ جس طرح وہ خاص اقوام سے باہر کام نہیں کرسکتی تھی، اسی طرح وہ ایک خاص وقت سے بھی باہر کام نہیں کرسکتی تھی۔ جب ایک نبی گزر چکا، اُس کا زمانہ گزر چکا تو اب دوسرے نبی کا ماننا بطور مطاع اور نمونہ کی ضروری ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ قوت قدسی عنایت کی گئی جو خاص زمانہ تک محدود تھی نہ مکان تک۔ اگر اب آپ کے بعد کوئی نبی ظاہر ہوجائے تو لازماً ماننا پڑے گا کہ اب آپ کی قوت قدسی کام کرنے سے رُک گئی۔اسی لئے میاں (محمود احمد) صاحب کہتے ہیں کہ کُل دنیا کے مسلمان کافر ہیں۔ جس کا مطلب صاف طور پر یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی نے اب اپنا کام کرنا چھوڑ دیا۔

22جون1916ء

''نکات قرآن، حصہ سوم''

(یہ کتاب بفضلہٖ تعالیٰ چھپ کر تیار ہوگئی ہے۔اس میں سورۃ آلِ عمران کی تفسیر پورے 112 صفحات پر ختم ہوئی ہے۔جس میں قرآن کریم کے نکات وغوّامض کے ساتھ ساتھ حضرت امیر ایدہ اللہ نے جابجا ضروری نصائح بھی مسلمانوں کو کی ہیں۔اس حصہ کے پڑھنے سے اسلام کی عظمت و رفعت اور قرآن کریم کی پاک تعلیمات کی عمدگیوں کا خصوصیت سے پتہ لگتا ہے۔

از سر تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا ست

کے مصداق یوں تو اس کا ہر ایک مضمون ہی ایک موتیوں کی لڑی ہے اور ان سب کا ایک ایک لفظ ہمیں ہر پہلو سے رہنمائی کا کام دے سکتا ہے۔لیکن میں اس جگہ ایک سب سے بڑی ضرورت دعوت الی اللہ کے متعلق ایک نہایت ضروری مضمون کو جو آیۃ کریمہ **وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ**(104:3) کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے۔اپنے قارئین کے فائدہ کیلئے نقل کرنا چاہتا ہوں۔ **وَھُوَ ھٰذَا**۔ مدیر)

ترجمہ آیت مذکورہ:''اور چاہئے کہ تم میں ایک ایسا گروہ موجود رہے جو خیر کی طرف بلاتے رہیں اور اچھی باتوں کا حکم دیں اور بُری باتوں سے روکیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''

آپ نے فرمایا یہ کامیابی کا تیسرا اصول ہے اور اس کے ساتھ **اَلْمُفْلِحُوْنَ** کا لفظ لگا کر یہ بتا دیا ہے کہ حقیقی کامیابی اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکے گی۔ان اُمور میں سب سے پہلی بات دعوت الی الخیر ہے۔اور اس سے مراد درحقیقت دعوت الی الاسلام ہے۔کیونکہ دوسری جگہ فرمایا **مَايَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ** (105:2) جہاں **مُنَزَّلُ مِنَ اللّٰهِ** یعنی قرآن کریم کو خیر کہا ہے۔اور چونکہ خیر کے معنی بھلائی ہیں اور حقیقی بھلائی کی سب راہیں قرآن کریم میں ہی ہیں۔اس لئے

ارشاد الٰہی یہاں یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ہمیشہ ایسی موجود رہے جو دعوت الی الاسلام کے کام میں لگی رہے۔

ابتدائے اسلام کا زمانہ تو وہ تھا کہ ہر ایک مسلمان کے اندر ایک ایسی روح دعوت الی الاسلام کی پھونکی گئی تھی کہ وہ سب کے سب ہی داعیان اسلام تھے۔ اور اس جوش اور تڑپ کو لے کر وہ دنیا کے مختلف ممالک اور مختلف شہروں اور جزیروں میں نکل گئے۔ اور تھوڑے ہی سالوں میں دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ یعنی اسلام کا نام دنیا کے دور دور کے ملکوں میں روشن کر دیا۔ افغانستان میں، چین میں، ہندوستان میں، جزائر میں، افریقہ میں، ایران میں، ترکستان میں، شام میں غرض ہر ملک اور ہر شہر میں اسلام کا جھنڈا لگا دیا۔

پھر بعد اس کے ایک ایسا زمانہ آیا کہ بادشاہوں اور امراء کی توجہ دعوت الی الاسلام کی طرف سے کم ہو کر وہ تو اپنے تعیّشات میں گرفتار بلا ہو گئے، علماء کی توجہ بھی زیادہ تر اپنے فروعی اختلافات میں صرف ہونے لگی۔ پھر بھی بہت سے خدا کے بندے ان تمام جھگڑوں سے الگ ہو کر دعوت الی الاسلام کے کام میں لگے رہے۔ بہت سے وہ بزرگ جس کے ناموں پر آج ہزارہا لوگ قربان ہوتے ہیں ان کی یہ عزت محض اسلام کی خدمت گزاری سے ہوئی۔ وہ درحقیقت روحانی بادشاہ تھے۔ اور جب دُنیوی بادشاہوں نے دعوت الی الاسلام کے کام کو چھوڑ دیا تو ان روحانی بادشاہوں نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا۔

مگر یہ کس قدر افسوسناک نظارہ ہے کہ آج ان داعیان اسلام کی گدیاں محض دنیا کے چند پیسے کمانے کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک گدی جس میں ہزاروں اور لاکھوں کی آمد ہے۔ وہ چند لوگوں کے پیٹ بھرنے یا ان کے تعیش کا سامان پیدا کرنے کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ اور نہ صرف دنیا کی محبت اور دنیوی جھگڑوں میں ہی گرفتار بلا ہو رہی ہے بلکہ طرح طرح کی بدعادات میں مبتلا ہو کر خود مسلمانوں کو چاہ ضلالت میں گرا رہی ہے اور دعوت الی الاسلام کا وہاں نام بھی نہیں۔ کاش! ان گدیوں کی آمد کا دسواں حصہ بھی مسلمان دعوت الی الاسلام پر خرچ کرتے تو مسلمانوں کی قوم اس مردگی کی حالت کو نہ پہنچتی۔ کاش! دُنیوی بادشاہ ہی کچھ انتظام دعوت الی الاسلام کا رکھتے۔ تو اُن کی سلطنتیں اس طرح تباہ نہ ہوتیں۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں کو دونوں گروہوں نے ترک کر دیا۔ بادشاہ اپنے تعیّشات میں مصروف ہو گئے، گدی نشین اپنی دولت اور عزت کے بڑھانے

میں لگ گئے اور علماء اپنے فروعی جھگڑوں میں منہمک ہو گئے تو دعوت الی الاسلام کا کام بالکل جاتا رہا۔ اور مسلمان اسی وجہ سے اس تنزل کی حالت کو پہنچے کہ انہوں نے اپنی زندگی کے سامانوں کو خود لات ماری۔ اور وہ جسے غلطی سے اپنی زندگی سمجھ بیٹھے یعنی اپنی ہی تعیّشات اور اپنی ہی آسائش کا فکر، وہ درحقیقت ان کی موت تھی۔

کیسے کیسے پاک اصول فلاح کے مسلمانوں کی اس پاک کتاب کے اندر دیئے گئے تھے۔ دوسرے لوگوں نے ان سے فائدہ اُٹھایا اور کامیابیاں حاصل کیں۔ مگر مسلمانوں نے اِنَّ قَوْمِیْ اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (30:25) کا مصداق اپنے آپ ہی کو ثابت کر دکھایا۔ دنیا کی کونسی قوم ہے جو آج اسلام کے پاک اصول سے متمتع نہیں ہوئی ہے۔ اگر نہیں ہوئے تو صرف مسلمان نہیں ہوئے۔ کس قوم کی مقدس کتاب میں یہ اصول باندھا گیا ہے کہ تم میں ہر وقت ایک جماعت رہے جو دعوت الی الاسلام کے کام کو کرتی رہے۔ سوائے قرآن کے یہ اصول کسی کتاب میں نہ پاؤ گے۔ مگر عملی طور پر کونسی قوم ہے جس کو آج دنیا میں اس اصول کی تارک دیکھتے ہو۔ تو سوائے مسلمانوں کے دوسری قوم نظر نہ آئے گی۔ ہر ایک کو فکر لگی ہوئی ہے کہ دوسروں کو اپنا ہم مذہب بنائے۔ ہر ایک قوم ایک جدوجہد میں ہے اور سکون میں اپنی موت سمجھتی ہے۔ مگر مسلمان جن کی کتاب نے یہ پاک اصول سکھایا تھا کہ ہر وقت جدوجہد میں لگے رہنا اگر غافل ہیں تو وہی اگر اپنے مذہب کی تبلیغ سے بے فکر ہیں تو وہی۔ نہ مبلغ پیدا کرنے کا سامان ہے۔ نہ دنیا کی ضروریات کی خبر ہے۔ نہ اسلام پر حملوں کی پروا ہے۔ نہ دوسرے مذاہب سے کچھ واقفیت ہے۔ پس کس قدر رونے کے قابل اس قوم کی حالت ہے۔ جس کے گھر میں خزانہ ہے مگر وہ خود اس خزانہ سے بے خبر ہے۔ اور دوسرے لوگ اس سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کیوں دعوت الی الاسلام کے کام کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اسلام میں ایک جماعت کا موجود رہنا ضروری قرار دیا ہے۔ جو دعوت الی الاسلام کے کام میں ہی لگی ہوئی ہو۔ اس جماعت کے افراد کی زندگیوں کا مقصد اصلی اشاعت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے سوائے اور کچھ نہ ہو۔ اس لئے کہ بغیر اس کے مسلمان قوم ایک زندہ قوم نہیں رہ سکتی۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جس قوم نے اپنی ترقی کے لئے اپنی تعداد کو بڑھانے کے لئے جدوجہد ترک کر دی ہے، اس میں تنزل اور انحطاط شروع ہو گیا ہے۔ زندگی کے آثار اس میں سے دور ہو گئے ہیں اور وہ آخر کار مردگی کی حالت تک پہنچ گئی ہے۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا تنزل ان

کی سلطنت اور حکومت کے جاتے رہنے سے ہوا ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ مسلمانوں کا تنزل اس وقت سے شروع ہوا ہے جب سے انہوں نے دعوت الی الاسلام کے کام کی طرف کم توجہی کر دی ہے۔ اور سلطنتوں کا جاتے رہنا محض اس کے نتائج میں سے ایک نتیجہ ہے۔ پھر جب مسلمان دعوت الی الاسلام کے کام پر پوری توجہ کریں گے۔ تو پھر وہی کامیابیاں اور وہی شان وشوکت اُن کے لئے ہوگی جس کا وعدہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (104:3) میں ہے۔

اس زمانہ میں جب دعوت الی الاسلام کے کام کی طرف سے مسلمان غافل ہو رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے مجدد حضرت مرزا صاحب احمد قادیانی کو اپنی جناب سے یہ الہام کیا کہ وہ ایک جماعت اس غرض کے لئے تیار کریں، اور یہ بھی اُن کو الہام کیا کہ:

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدؐیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

جس میں درحقیقت وہی وعدہ ہے جو اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (104:3) میں ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے بارہا یہ اعلان کیا کہ میرے آنے کی اصل غرض یہی ہے کہ تا اشاعت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔ اور آپ جو اقرار سلسلہ میں داخل ہونے والوں سے لیتے تھے یا جو اقرار اب آپ کے جانشین لیتے ہیں وہ یہی ہے کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا''۔ اس اقرار کا اصل منشاء بھی یہی ہے کہ ایسی جماعت تیار ہو، جن کی متحد غرض خدمتِ دین ہو۔ پس درحقیقت احمدی جماعت کو تمام جماعتوں سے ممتاز اور مخصوص کرنے والی بات عملی رنگ میں یہی ایک ہے۔ یعنی یہ ایک جماعت ہے۔ جو محض خدمت دین کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس کے تمام افراد کی غرض واحد اور اُس کا اصلی مقصد صرف ایک ہے۔ یعنی اشاعت اسلام۔ گویا آپ نے مسلمانوں کے اندر اس حکم کی تعمیل کرنے کے لئے وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (104:3) ایک جماعت بنانی چاہی ہے۔

پس ہر ایک شخص جو اس جماعت میں داخل ہوتا ہے وہ درحقیقت یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا اصل نصب العین صرف دعوت الی الاسلام رکھے گا۔ اور چونکہ جس قدر یہ جماعت ترقی کرے گی اسی قدر دعوت الی الاسلام کا کام بھی ترقی کرے گا۔ اس لئے ہر ایک احمدی کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اس حق کی طرف توجہ

دلائے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لفظ احمدی کا اصلی مفہوم داعی الی الاسلام ہی ہے۔

دعوت الی الخیر کے ساتھ دو باتیں اور بیان فرمائیں اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَھی عَنِ الْمُنْکَرِ۔ یہ بھی گویا اسی جماعت کا کام ہے جو داعی الی اسلام ہو۔ دوسروں کو اسلام کی طرف بلانا اور مسلمانوں کو نیک راستوں پر چلنے کے لئے ہدایت کرنا اور بُری راہوں سے روکنا۔ دعوت الی الاسلام کے ساتھ ہی یہ خوبی بھی مسلمانوں میں سے جاتی رہی ہے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اُمور منکرہ ہوتے ہیں اور وہ روکتے نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو امر منکر ہو، اُسے جو ہاتھ سے روکنے کی طاقت رکھتا ہے، ہاتھ سے روک دے جو ہاتھ سے نہیں مگر زبان سے روک سکتا ہے وہ زبان سے روک دے۔ جو زبان سے بھی نہیں روک سکتا وہ دل سے ہی اس امر کے ساتھ نفرت رکھے۔ مگر جو امر منکر کے لئے دل میں بھی تنفر نہیں رکھتا وہ گویا اس پر راضی ہو گیا۔

یہودیوں کی بدترین حالت کا ذکر جہاں قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ وہاں یہ بھی فرمایا ہے کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ (79:5) جن امور منکرہ کا ان کے اندر ارتکاب ہوتا تھا وہ اُن سے لوگوں کو روکتے نہیں تھے۔ جب قوم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے نہیں رہتے، تو ساری قوم ارتکابِ معاصی میں دلیر ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ آخر بدی کے کرنے پر لوگ فخر کرنے لگتے ہیں۔

اسلام کا یہ فخر تھا کہ اس میں چھوٹے سے چھوٹا انسان بڑے سے بڑے کو نصیحت کر سکتا تھا اور اس کی غلطی پر اُسے بے دھڑک آگاہ کر سکتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ جیسا کامل راستباز خلافت کے منصب پر آتے ہی کہتا ہے فَاِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ۔ حضرت عمر فاروقؓ جیسے رعب والے انسان کے سامنے ایک بڑھیا یوں کہہ سکتی ہے کہ یَآ ابْنَ الْخَطَّابِ اَللّٰہُ یُعْطِیْنَا وَاَنْتُ تَمْنَعُنَا قرآن تو عورتوں کے مہر کے متعلق فرماتا ہے وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْہُ شَیْئًا (20:4) اور آپ کہتے ہیں بڑے بڑے مہر نہ دو۔ تو حضرت عمرؓ اپنی رائے سے رجوع کرتے ہیں۔ لیکن آج مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ہر حلقہ میں ایک پیر یا گدی نشین ہے اور اس کا حکم ان کے لئے خدا کے حکم کے قائمقام ہے۔ اس کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم میں یہ غلطی ہے یا فلاں بات تم نے ٹھیک نہیں کہی۔ گویا دعوت الی الاسلام کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی اُن کے درمیان سے اُٹھ گئے۔

22 جون 1916ء

ادارتی نوٹ

ایک نئی دلیل

18 جون 1916ء کے ''الفضل'' میں ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نے، جو آج کل کالا پانی میں مقیم ہیں، نبوت مسیح موعود کے ثبوت میں ایک دلیل دی ہے اور درود شریف سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس میں **کَمَا صَلَّیۡتَ عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ** جو سکھایا گیا ہے تو قرآن کریم میں مفصل ذکر آیا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنی روحانی اولاد کے لئے، جو درحقیقت انبیائے کرام تھے، یہی دعائیں کیں کہ ان پر وہ انعام کر جو مجھ پر کئے۔ یعنی ان کو نبی و رسول بنا کر لاکھوں کروڑوں بنی نوع انسان کا رہنما بنا دے۔ یہ دعا کچھ ایسی قبول ہوئی کہ لاکھوں نبی آپ کی اولاد میں ہوئے۔ حتیٰ کہ بعثتِ محمدیہ بھی حضرت ابراہیم کی قبولیت دعا کا نتیجہ ہی ہے۔ انہیں منعم علیہ لوگوں کو مدنظر رکھ کر اللہ جل شانہ کا حکم صادر ہوا کہ اے مؤمنو! تم بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر روز بلا ناغہ دعائیں مانگا کرو کہ:

> ''آپ (فدا امی وابی) اور آپ کی اولاد پہلی سنگتوں سے پیچھے نہ رہ جاوے۔ بلکہ قدم آگے رکھے۔''

ماسٹر صاحب کی یہ دلیل تو بڑی لطیف ہے۔ لیکن غالبًا کالا پانی کا یہ ایک خاص اثر ان کی طبیعت پر ہوا ہے کہ وہ اس دلیل کے محل و موقع کو سمجھنے سے قاصر ہو گئے ہیں۔ کاش! وہ ساتھ ہی اس معمّہ کو بھی حل کر دیتے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہی منشاء تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ''اولاد پہلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جاوے بلکہ قدم آگے رکھے۔'' تو پہلی امتوں میں تو آپ خود قائل ہیں کہ لاکھوں اور کروڑوں نبی آئے۔ پھر یہ کیا وجہ ہے کہ یہاں تیرہ سو برس تک ایک بھی نبی نہ ہوا۔ اور صرف آج ایک نبی پیدا ہو گیا۔ کیا یہ ان پہلی سنگتوں سے پیچھے رہنا نہیں؟ اور کیا درود شریف کی صحیح غرض و مدعا کو یہ کہہ کر کہ صرف ایک ہی نبی تیرہ سو برس میں ہوا کھلے طور پر نظر انداز نہیں کیا جاتا؟

ماسٹر صاحب! آپ کی یہ دلیل تو کھلے طور پر آپ کے عقائد کو بیخ و بن سے اکھاڑ رہی ہے۔ اگر درود

شریف کا یہی منشاء ہے کہ اُمت محمد یہ میں نبوت کا سلسلہ ویسے ہی جاری رہے جیسے کہ پہلی اُمتوں میں رہا تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ تیرہ سو برس میں جتنے اولیاء اور مجددین آئے وہ سب نبی تھے۔ اور اس صورت میں مسیح موعود کی خصوصیت اُڑ گئی۔ آئندہ کے متعلق بھی اگر آپ کہیں کہ آئندہ نبی آئیں گے تو بھی ایک طرف تو کَمَا کے لفظ سے جو تشبیہ آپ نے قائم کی تھی وہ اُڑ گئی اور دوسری طرف مسیح موعود کی خصوصیت باقی نہ رہی۔ ایسی حالت میں سوائے اس کے کیا چارہ ہے کہ آپ جیسا کہ حق ہے یہ تسلیم کر لیں کہ سلسلہ محمد یہ میں جتنے اولیائے کرام ہوتے رہے وہ سب ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی یعنی ظلی بروزی اور جزوی نبی تھے اور ایسا ہی مسیح موعود بھی۔ اور یہی ایک بات ہے جو کَمَا کے لفظ کی منشاء کو پورا کر دیتی ہے۔ کَمَا کے یہ معنی نہیں کہ بعینہٖ اسی طرح کی حقیقی نبوت ہی ہو۔ مشُبَّہ اور مشبہ بہ میں ہمیشہ عینیّت نہیں ہوتی بلکہ کسی قدر مغائرت بھی ہوتی ہے۔ اس لئے نبوت کا ایک جزو بھی اس میں آ گیا۔ اور سلسلہ بھی ویسے ہی قائم رہا۔ رہی خصوصیت۔ سو وہ مسیح موعود کو اپنے درجات کی بلندی کے باعث دوسرے مجددین پر حاصل ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے درجات کی بلندی کے باعث دوسرے نبیوں پر خصوصیت ہے۔ فتدبر۔

❁❁❁

22 جون 1916ء

مراسلات

تبلیغی رپورٹ

بخدمت گرامی حضرت امیر جماعت احمدیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اس تحریر کو میری گذشتہ رپورٹ کا ایک جزو سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ رپورٹ کو بھیج دینے کے بعد دوالمیال میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ ملک فتح محمد خان محمودی نمبردار نے دریافت کیا کہ آپ کے اور ہمارے درمیان کونسے اختلافی امور ہیں۔ میں نے تفصیل سے بیان کیا۔ اس پر مولوی کرم داد صاحب نے کہا کہ جب خود حضرت صاحب نے حقیقۃ الوحی میں لکھا کہ پہلے اعتقاد پر میں قائم نہ رہا تو اب ناسخ ومنسوخ کا سلسلہ ماننا پڑے گا اور مفصل بیان کیا۔ اس کے بعد میں نے یہ بیان کیا کہ جب تک حضرت صاحب اپنے آپ کو غیر نبی سمجھتے تھے تو بقول آپ کے اپنی جزوی فضیلت حضرت مسیحؑ پر بتلاتے رہے۔ لیکن جب 1901ء، 1902ء کے بعد آپ کو نبوت کی سمجھ آ گئی۔ تو پھر بقول آپ کے حضرت صاحب اپنی کلی فضیلت بیان کرنے لگے۔ حالانکہ ریویوز یر بحث کے بعد ایک ریویو میں خود حضرت صاحب نے اپنی جزئی فضیلت بیان کی ہے بلکہ الفاظ ''شان میں بڑھ کر'' ہونے کی تفسیر فرمادی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اگر اپریل 1902ء میں حضرت صاحب نبی ہو گئے تھے تو مئی 1902ء میں پھر آپ کی نبوت ٹوٹ گئی۔ دوئم یہ کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ 1901ء و 1902ء تک مرزا صاحب مسئلہ نبوت کو نہیں سمجھے۔ 1901ء و 1902ء میں آپ کو سمجھ آئی تو پھر کیا وجہ ہے کہ باوجود آ جانے سمجھ وتغیر عقیدہ کے حضرت صاحب اس بارہ میں کوئی ذکر نہیں کرتے۔ حالانکہ پہلے تو 1902ء تک سمجھ نہ آئی۔ جب سمجھ آئی تو اُس کا اظہار نہیں کرتے کہ اب میرے عقیدہ میں تبدیلی ہوگئی اور ایک تغیر عظیم پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن جب 1907ء میں ایک معترض اتفاقاً اعتراض کرتا ہے کہ تریاق القلوب اور ریویو کی عبارتوں میں اختلاف ہے تو آپ اعتراض کے جواب میں یہ ظاہر کرتے

ہیں کہ تریاق القلوب کے وقت میں غیر نبی تھا۔اس لئے جزئی فضیلت بیان کی اور ریویو کے وقت میں نبی تھا اس لئے کلی فضیلت بیان کی۔

میں نے کہا کہ کیا پہلے نبی بھی اس قسم کے ہوتے رہے کہ خود بخود اپنی نبوت کا ذکر نہ کرتے تھے اور جب کوئی اعتراض کرتا تھا تو اس کے بعد نبوت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر بالفرض وہ معترض اعتراض نہ کرتا تو حقیقۃ الوحی میں اُس کا جواب نہ دیا جاتا۔تو پھر آپ لوگ کس کتاب سے تغیرِ عقیدہ وتبدیلیٔ نبوت کا ثبوت دیتے۔ یہ تو معترض کی مہربانی ہے کہ اس نے اعتراض کر کے مرزا صاحب کی نبوت کو دنیا پر پیش کیا۔ ورنہ نبوت غرق تھی۔ پس ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی گر نہیں ہیں بلکہ حضرت صاحب کی نبوت کا نبی گر وہ معترض ہے۔

مولوی کرم داد صاحب کی حالت قابل دید تھی اور وہ یہ کوشش کرتے رہے کہ شور وشر ڈال کر لوگوں کو مضمون سمجھنے نہ دیں۔مگر خیر! جو شخص یعنی نمبردار میرا مخاطب تھا اس کو سمجھ آ گئی۔ وہ کہنے لگا میں تو ہرگز نہیں مانتا کہ مرزا صاحب کو حضرت مسیحؑ پر کلی فضیلت حاصل ہے۔کیونکہ ایک اصلی نبی ہے دوسرا ظلی۔اس نے دریافت کیا کہ کیا میاں صاحب نے یہ لکھا ہے کہ حضرت صاحب کو کلی فضیلت ہے۔ میں نے کہا کہ مولوی کرم داد صاحب سے دریافت کرلیں۔ اس پر نمبردار نے کہا کہ مولوی صاحب معلوم ہوتا ہے کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے اور یہ لوگ یوں ہی شور برپا نہیں کر رہے۔ کچھ حقیقت ہے!

اُس نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ بھی بعض باتوں کو ہم سے چھپاتے ہیں۔خیر! جب شاہ صاحب اور حکیم صاحب چلے گئے تو پھر آپ کی اور ہماری باتیں ہوں گی کہ آپ نے حضرت کو کیا بنا رکھا ہے۔ بلکہ مجلس میں مجھے مخاطب کر کے کہا کہ آپ کے سامنے اس لئے نہیں دریافت کرتا کہ شائد آپ خیال کرلیں گے کہ میں آپ کی طرف مائل ہو گیا ہوں۔نمبردار نے بوقت روانگی مجھے علیحدہ کر کے کہا کہ میرا اور بعض دوستوں کا خیال تھا کہ آپ لوگوں کو کچھ سفر خرچ دیں۔لیکن ہم نے مولوی صاحب کو اس کے خلاف دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ شاید میاں صاحب سن کر ناراض ہوں گے۔ اس نے کہا کہ مولوی صاحب! اس میں میاں صاحب کا کیا دخل ہے؟ ہمارے بھائی ہیں۔ دور سے سفر کر کے آئے ہیں۔مسلمان ہندوؤں کو بھی امداد دے دیتے ہیں۔ خیر بوقت روانگی انہوں

نے مبلغ چار روپیہ دیئے جو انجمن کے خزانے میں پہنچا دیئے گئے...... عام طور پر لوگوں کے وہی عقائد ہیں جو ہمارے ہیں۔صرف نبی کا نام لیتے ہیں۔ جب تشریح دریافت کی جائے تو وہی بیان کرتے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ لیکن طوطے کی طرح نبی کا نام رٹتے ہیں۔مولوی عبدالمجید خلف مولوی کرم داد صاحب ایک خاص آدمی اور باسمجھ نکلا ہے۔ جب میں نے تنہائی میں اس سے گفتگو کی تو اس نے خود کہا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے۔تم نے میرے ساتھ بہت محنت کی۔ مجھے خوب سمجھ آ گئی ہے۔ بلکہ وہ بہت افسوس کرتا تھا کہ پہلے آپ کی طرف سے کوئی شخص کیوں نہ آیا۔ جب میں راولپنڈی واپس آیا تو پھر امام خان نام محمودی سے ملا۔جس کے متعلق میں نے اپنی گزشتہ رپورٹ میں لکھا تھا کہ اس نے ایک روپیہ ماہوار چندہ دینا منظور کر لیا ہے۔ چنانچہ واپسی پر اس نے فسخِ بیعت کا اعلان لکھ دیا ہے۔ جو ارسالِ خدمت بغرض اشاعت ہے۔

خادم

سید مدثر شاہ گیلانی

22جون1916ء

مکتوب

عقائد باطلہ سے بیزاری

(2)

بخدمت محترم جناب مولانا محمد علی صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

امابعد التماس ہے کہ حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب کی وفات کے دن میں جالندھر میں تھا۔ وہاں سے دوتین آدمیوں نے میاں صاحب کی بیعت کی تھی۔ان کی وجہ سے بندہ نے بھی بیعت کا کارڈ لکھ دیا تھا اوراس وقت میرا یہ خیال تھا کہ میاں صاحب کے بھی وہی عقائد ہیں جو حضرت اقدس مرزا صاحب اورحضرت مولانا نورالدین صاحب کے تھے۔مگراب معلوم ہوا کہ میاں صاحب نے یہ عقائد پیش کئے ہیں۔

1۔ کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کی کتابیں جو 1902ء سے پہلے کی ہیں مسئلہ نبوت کے متعلق غلط اور منسوخ ہیں اور اُن سے حجت پکڑنی ناجائز ہے اور یہ کہ حضرت اقدس مسئلہ نبوت کو 1902ء تک نہیں سمجھے۔ بلکہ یہ مسئلہ 1902ء میں حضرت صاحب پر کھلا یا یہ کہ 1902ء سے پہلے آپ کا کچھ اور مذہب تھا اور 1902ء کے بعد آپ کا کوئی اور مذہب ہوگیا

2۔ یہ کہ میاں صاحب نے لکھا ہے کہ احمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں بلکہ یہ حضرت مرزا صاحب کا نام ہے۔اور آیت مُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ (6:61) کو مرزا صاحب پر چسپاں کیا۔

3۔ یہ کہ میاں صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب حقیقی نبی مثل دیگر انبیاء علیہم السلام کے

ہیں۔

4۔ یہ کہ جن لوگوں کو حضرت اقدس کی دعوت پہنچی ہے اورانہوں نے حضرت صاحب کو قبول نہیں کیا ان کو بھی میاں صاحب دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

حالانکہ حضرت اقدس مرزا صاحب مسیح موعود ومہدی معہود کے وقت سے ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ ان کی ساری تحریرات صحیح ہیں اوراُن میں ناسخ ومنسوخ نہیں اور نہ وہ غلط ہیں۔ بلکہ سب کی سب قابل حجت ہیں۔

اوراحمد کے مصداق اصلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضرت مرزا صاحب ظلی طور پر اس سے مراد ہیں اور حضرت مرزا صاحب حقیقی نبی نہیں ہیں۔ بلکہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض اور اتباع سے کامل متبعین میں ظلِّ نبوت پڑتا ہے اور ایسے لوگ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے سرفراز ہوتے ہیں۔جن کو بروزی یا ظلی یا جزوی نبی کہتے ہیں جس کا دوسرا نام محدث ہے۔اور جن لوگوں نے حضرت صاحب کی بیعت نہیں کی ان کو میں حضرت صاحب کے انکار کی وجہ سے کافر نہیں سمجھتا۔ بلکہ جیسا کہ حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ ان کو کافر کہنے والا بموجب حدیث نبویؐ خود کافر ہو جاتا ہے۔ چونکہ میرے یہ عقائد ہیں اس لئے میں اپنے عقائد کا اعلان کرتا ہوں اور میاں صاحب کے عقائد سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ فقط۔ والسلام۔

بقلم خود

امام خان احمدی

فلیش مین ہوٹل

راولپنڈی صدر۔11 جون 1916ء

❁❁❁

27 جون 1916ء

ایک جائزہ

پیر پرستی کی بنیاد

بدر کا ایک پُرانا فائل اس وقت میرے سامنے ہے۔اس میں 13 مارچ 1913ء کے پرچہ میں ’’قادیان کی سیر‘‘ کے عنوان سے ایک غیر احمدی سمجھدار اور مصنف مزاج مسلمان کا ایک مضمون اتفاق سے میری نظر پڑا۔ اس سارے مضمون کو پڑھنے سے لائق مضمون نگار کے انصاف اور تدبر کی داد دینی پڑی۔ بالخصوص ذیل کی چند سطور کو جس میں بعض واقعات سے قادیان میں آئندہ پیر پرستی کی بنیاد پڑنے کی پیشگوئی کی گئی ہے۔موجودہ واقعات کے مطابق دیکھ کر لائق مضمون نگار سردار محمد اسلم خان صاحب کے فہم وتدبر اور اُن کی دینداری کا اور بھی قائل ہونا پڑا۔ یہ الگ امر ہے کہ وہ سلسلہ عالیہ کے عقائد سے اختلاف رکھتے ہیں۔لیکن توحید وانصاف کا جوجذبہ اُنہوں نے اپنی اس تحریر میں دکھایا ہے۔ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم انہیں اپنے موجودہ دوستوں کے مقابلہ میں جنہوں نے ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنے تمام علم وعقل کو خیر باد کہہ دیا ہے زیادہ دیندار اور منصف مزاج کہیں۔ جیسا کہ ان کی ذیل کی سطور سے ظاہر ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ’’ہاں ایک بات کسی حد تک پیر پرستی کی بنیاد آئندہ قادیان میں قائم ہوجانے کے متعلق مجھے نظر آئی۔ وہ الحکم کے ایڈیٹر کا ایک مطبوعہ اشتہار تھا جو قادیان میں بہت جگہ چسپاں پایا گیا جو صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب کے سفر حج سے بخیر و عافیت واپس آنے کی مبارکبادی کے لئے شائع کیا گیا۔جس کا مفہوم ’’لڑ لگے دی لاج‘‘ جیسے پنجابی فقرے اور باقی سیاق عبارت سے پیر پرستی کے خط وخال کو نمایاں کرر ہا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ کیوں ایسے اشتہار کی اشاعت اس حد تک جائز رکھی گئی ہے کہ وہ بہت دنوں سے خدا پرست قادیان کی دیواروں کو چمٹا ہوا ہے خصوصاً مولوی نورالدین صاحب اور صاحبزادہ صاحب نے اسے اکھڑوا ڈالنا چاہئے تھا۔اس کو دیکھ کر مجھے خوف پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں پیر پرستی کی

کمزور سی چنگاری بڑھتے بڑھتے سارے قادیان کو بھسم نہ کرڈالے جو غالباً مولوی نور الدین صاحب کی اس دنیا سے رحلت فرمانے کے انتظار میں ہے۔ جس کا تدارک اُمید ہے کہ صاحبزادہ صاحب ابھی سے فرمادیں گے۔''

(صاحبزادہ صاحب نے تدارک تو کیا کرنا تھا۔ یہ تو انہی کی سنہری رَوپہلی تجاویز کا آئینہ تھا جو بالآخر حضرت مولوی نورالدین صاحب کی وفات کے بعد سے کھلے طور پر پیر پرستی کے لباس میں رونما ہورہی ہیں۔ ایڈیٹر)

27 جون 1916ء

حضرت امیر ایدہ اللہ کا ضروری اعلان

ایبٹ آباد جانے والے احباب کی خاص توجہ کے قابل

☆ میرا پتہ خط وکتابت حسب ذیل ہے۔کوٹھی نمبر 14۔سول لائنز۔ایبٹ آباد۔

☆ درس قرآن کریم کے لئے رمضان میں جو احباب یہاں آنے کا پختہ فیصلہ کر چکے ہیں وہ اس اعلان کے دیکھتے ہی مجھے اطلاع دیں۔تا کہ تعداد کا صحیح اندازہ کیا جا سکے۔

☆ ایسے تمام احباب کو رمضان کے شروع ہونے سے ایک دن پیشتر یہاں پہنچ جانا چاہئے۔

☆ آخری ریلوے سٹیشن،جس کا ٹکٹ لینا ہے،حویلیاں ہے۔وہاں سے ایبٹ آباد صرف 9 میل ہے۔سالم ٹانگے کا کرایہ سوا دو اور تین روپے کے درمیان ہے۔ٹانگے میں ایک روپیہ فی سواری پر سیٹ (جگہ) مل سکتی ہے۔موٹر بھی چلتی ہے۔جس کا کرایہ دو روپیہ فی سواری ہے۔

☆ فاسٹ پیسنجر ٹرین جو لاہور سے دس بجے رات کے چلتی ہے وہ سرائے کالا دس بجے دن کے پہنچتی ہے۔ یہاں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ لاہور کی سمت سے سفر کے لئے یہ گاڑی بہت موزوں ہے۔ایک بجے حویلیاں پہنچا دیتی ہے۔اور ایک شخص دو تین گھنٹہ میں ایبٹ آباد پہنچ جاتا ہے۔کلکتہ میل رات کے بارہ بجے پہنچتی ہے۔اس سے اُتر کر اسی وقت حویلیاں کی گاڑی میں سوار ہو جانا چاہئے۔ جو تیار رہتی ہے۔مگر رات سرائے کالا میں گزارنی پڑتی ہے۔اور وہ صبح کے 5 بجے وہاں سے چلتی ہے۔ خاکسار۔

محمد علی ، احمدیہ بلڈنگس،لاہور

23 جولائی 1916ء

ایک ضروری تحریک

(1)

(از حضرت امیر مولٰینا مولوی محمد علی ایدہٗ اللہ بنصرہٖ العزیز)

برادران۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

میں آپ کو اس وقت ایک خاص امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے اس اختلاف میں سلسلہ کی ترقی کس قدر رک گئی ہے۔ جس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ وہ بات جو ہمیشہ اس سلسلہ کے دشمن سلسلہ کی طرف منسوب کرتے رہے۔ وہ الزام جو ہمیشہ سخت سے سخت مخالف محض اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے حضرت مسیح موعود پر لگاتے رہے، آج قادیان سے میاں محمود احمد صاحب نے وہی باتیں اس سلسلہ کی طرف منسوب کرنی شروع کیں اور وہی الزام مسیح موعود پر دینا شروع کیا۔ یعنی یہ کہ یہ سلسلہ خادمِ اسلام نہیں بلکہ اسلام کو دنیا سے مٹاتا ہے۔ کیونکہ سب مسلمانوں کو کافر قرار دینا گویا اسلام کو دنیا سے مٹانا ہے۔ حالانکہ خدمتِ اسلام کا تقاضا یہ تھا کہ جو نقص پائے جاتے تھے۔ ان کی اصلاح کی کوشش کی جاتی۔ اور یہ کہ حضرت صاحب کا دعوٰی مجددیت اور محدثیت کا نہ تھا۔ جس کو بالفاظ دیگر جزوی یا مجازی نبوت کہتے ہیں۔ بلکہ ان کا دعوٰی فی الواقع نبوت کا تھا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ منسوخ ہوگیا۔ گو منہ سے یہ باتیں نہ کہیں۔ مگر عقیدہ ان لوگوں کا یہی ہے۔ کیونکہ وہ کلمہ جس سے تیرہ سو سال سے لوگ مسلمان ہوتے چلے آتے تھے۔ آج ان کے نزدیک اس کلمہ کے اقرار سے کوئی شخص اسلام کے اندر داخل نہیں ہوسکتا۔ غرض یہ سلسلہ پر ایک مصیبتِ عظیم ہے کہ دشمنوں کا کام خود دوستوں نے شروع کر دیا ہے۔ جس سے آئندہ اسلامی پبلک کے اس حصہ پر جس کو اس اختلاف کا علم ہے، بہت بُرا اثر پڑا ہے اور اس لئے سلسلہ کی ترقی کی وہ رفتار باقی نہیں رہی۔

ہم نے کسی وقت ایک انسان کو شناخت کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ایک مامور ہے۔ اور اپنے ایمان سے

شناخت کیا، اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور اس کے ساتھ اقرار کیا کہ دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔یعنی جس قدر پرواہ اپنی دُنیوی اغراض کی کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر دین کی پرواہ کریں گے۔جس قدر اپنی ترقی دنیا میں چاہتے ہیں، اس سے بڑھ کر دین اسلام کی ترقی چاہیں گے۔جس قدر محبت غیر اللہ کے لئے رکھتے ہیں، اس سے بڑھ کر تڑپ اور محبت خدا کے لئے رکھیں گے۔اس اقرار میں ہم نے نہ کسی رشتہ دار کی پروا کی نہ کسی کی مخالفت کو کوئی روک سمجھا۔ بلکہ ہر رکاوٹ پر ہمارا قدم خدا کی راہ میں آگے ہی بڑھتا گیا اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ ورنہ کمزور انسان بہت عاجز ہے۔ہم نے اپنے مالوں سے، اپنی طاقت سے، اپنی قلموں سے، اپنی زبانوں سے اس کی امداد کی۔ جب یہ پودا کچھ بڑھا تو اس پر ایک مصیبت کا وقت آ گیا۔اس سے میری مراد موجودہ مصیبت ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جس چیز کے ساتھ انسان کو محبت ہوتی ہے۔ جسے وہ اپنی چیز سمجھتا ہے۔ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو اس کے لئے انسان اپنی کوشش کو دو چند بلکہ دہ چند کر دیتا ہے۔ایک بچہ جس کی پرورش معمولی طور پر انسان تھوڑے سے خرچ سے کرتا ہے۔ جب اس پر کوئی ایسی بیماری آ جائے جس میں اس کی جان کا خطرہ ہو تو انسان اپنے لئے آرام کو بھی حرام کر دیتا ہے اور اپنا مال بھی اس پر بے دریغ خرچ کرتا ہے۔اور اس کے لئے اس کی تڑپ اور محبت پہلے سے بہت بڑھ جاتی ہے۔اگر اس کا کوئی مکان ہے، جو کسی بارش کی وجہ سے یا کسی زلزلہ سے پھٹ گیا ہے۔تو سب سے پہلے اس کی مرمت کی فکر ہوتی ہے۔اور اس غرض کے لئے جس طرح بھی ہو سکے، وہ روپیہ حاصل کرتا اور اس پر لگاتا ہے۔

اب خدارا اپنے دلوں میں غور کرو کہ کیا تم نے سلسلہ کی اس مصیبت میں اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اپنے بچہ یا اپنے مکان کے ساتھ کرتے ہو، یا نہیں۔اگر نہیں کیا تو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد جو تم نے خدا کے ایک مامور سے کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی۔ چاہئے تھا کہ اس مصیبت کے اندر تمہاری ہمتیں آگے سے بڑھ جاتیں اور تم اپنی ساری طاقت اس کام پر لگا دیتے کہ یہ رکاوٹ دور ہو جائے۔مگر کیسی ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے اندر وہ لوگ بھی ہیں۔جنہوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا کہ چندہ دینے سے نجات پائی۔بعض نے اس قدر کافی سمجھا کہ ماہوار تھوڑا سا چندہ دے کر نجات ہو گئی۔ ہاں بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے فرض کو حسبِ معمول سر انجام دیتے رہے۔مگر ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں جنہوں نے سلسلہ کی اس مصیبت میں اس کے ساتھ وہ ہمدردی کی جو

ان پر حق تھا۔

میں اپنے ان احباب کو مخاطب کرتا ہوں جو اس سلسلہ کی آبیاری میں صدق دل سے سچی محبت سے آج تک کام کرتے رہے ہیں کہ وہ اب بھی اٹھیں اور خدا کے لئے اپنے فرض کو سمجھیں۔ یہ رمضان کا مہینہ ہے۔ خدا کے حضور گر کر دعائیں کریں کہ وہ پھر اس سلسلہ کی دستگیری فرمائے اور اپنی جناب سے وہی رحمت اور فضل کی بارش اس پر کرے۔ یہ رمضان کا آخری عشرہ ہے جس کے اندر یہ تحریک آپ کی خدمت میں پہنچے گی۔ اس لئے اس موقع کو گنوائیں نہیں۔ مگر دعا کے ساتھ جب تک کچھ قربانی عملی رنگ میں انسان کی طرف سے نہ ہو۔ خدا کی جناب سے قبولیت نہیں ملتی۔ اپنے قلبوں میں وہ حالت اضطراری بھی پیدا کرو جس کے لئے **اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ** (62:27) کا وعدہ ہے اور ساتھ کچھ خیرات بھی کرو، تا کہ یہ تمہارے صدقات خدا کے حضور میں تمہاری دعاؤں کی قبولیت میں معاون ہوں۔

مجھے افسوس ہے کہ اس اختلاف کے ساتھ ہماری جماعت میں مالی قربانیوں کی بھی وہ پہلی سی حالت نہیں رہی۔ حالانکہ چاہئے تھا کہ پہلے سے دو چند قربانی کے لئے تیار ہو جاتے۔ حضرت صاحب کے وقت میں علاوہ معمولی چندوں کے ہمیشہ ضروریات پیش آمدہ پر خاص چندے ہوتے تھے۔ اور ہم خوشی سے ان میں شامل ہوتے تھے۔ بلکہ یہ خدا کا فضل سمجھتے تھے کہ نیک تحریکوں میں شمولیت کا ہمیں موقعہ ملتا ہے۔ اب ہماری مصائب اور مشکلات بڑھ گئیں۔ مگر نہ وہ تحریکیں ہیں اور جو ہیں بھی تو ان میں حصہ لینے والوں کا وہ جوش باقی نہیں رہا۔ سرِ دست میں نے آپ کو ایک چھوٹے سے امر کی طرف متوجہ کیا ہے کہ سلسلہ کے مصائب کے دور ہونے کے لئے دعاؤں سے کام لیں اور ساتھ کچھ صدقہ خیرات بھی کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں لکھا ہے **کَانَ اَجۡوَدُ مَایَکُوۡنُ فِیۡ رَمَضَانَ**۔ رمضان کے اندر آپؐ بہت ہی سخاوت کیا کرتے تھے۔

پس اس نمونہ کو پیش نظر رکھو۔ میں اس بات سے بھی آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ نیک تحریک پر شیطان انسان کے دل میں طرح طرح کے وسواس ڈالتا ہے **اَلشَّیۡطٰنُ یَعِدُ کُمُ الۡفَقۡرَ وَیَاۡمُرُکُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ** (268:2) یعنی شیطان ڈراتا ہے کہ خدا کی راہ میں دو گے تو تنگ دست ہو جاؤ گے۔ اور تم کو حکم دیتا ہے کہ اس موقعہ پر بخل سے کام لو۔ پس ایسا نہ ہو کہ کسی نیک ارادہ میں شیطان حائل ہو جائے۔ بخل یہی ہے کہ انسان خدا کی راہ میں

دیتے وقت مضائقہ کرے۔ ورنہ اپنی ضروریات کے لئے کون ہر روز دل کھول کر خرچ نہیں کرتا۔ یاد رکھو کہ حقیقی بہتری اسی میں ہے کہ خدا کی راہ میں اپنے مالوں کو قربان کرنا سیکھو۔ ہمارے صدقات اور خیرات کا اس وقت سب سے بڑھ کر مستحق خود اسلام ہے۔ آپ کی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہر سال اپنے لئے بڑا پروگرام تیار کرتی ہے۔ مگر مالی مشکلات اس کے رستے میں حائل رہتی ہیں۔ اس وقت بھی انجمن سخت ضرورت کی حالت میں ہے۔ اس لئے جو کچھ صدقہ یا خیرات کے لئے دینا ہو وہ انجمن کے خزانہ میں بطور چندہ دینا چاہئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ غربا اور اقرباء کی مدد نہ کرو۔ وہ بھی کرو۔ مگر اول اسلام کے حقوق کو مقدم کرو۔ دعاؤں کے علاوہ مالی قربانیوں سے سلسلہ کو مصیبت سے نکالنے کی کوشش کرو۔

یہاں ایبٹ آباد میں جو چند احباب درس کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے یہی تحریک بوساطت مکرمی مخدومی خواجہ کمال الدین صاحب پیش کی گئی ہے۔ خدا کا احسان ہے کہ چار سو روپے سے زائد چندہ اسی وقت انجمن کے لئے ہو گیا۔ اور اس کے علاوہ ایک سو دس روپے ان مہمانوں کے اخراجات کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بھجوا دیئے۔ اس لئے اگر اس موقعہ پر ہماری مختلف جماعتیں کوشش کریں تو چار پانچ ہزار روپیہ بڑی آسانی سے جمع ہو سکتا ہے۔ پس سب احباب کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ خود بھی اس پر عمل کریں اور دوسرے احباب کو بھی تحریک کریں۔ اور جہاں جماعتیں ہیں وہاں ساری جماعت کو تحریک کی جائے۔ جو چندہ یہاں ہوا تھا اس کی ایک فہرست بھی اس کے ساتھ منسلک ہے۔ چندہ جس قدر ہو وہ فوراً محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نام بھیج دیا جائے۔ یہ خدا کا کام ہے وہی اس کا اجر دے گا۔ ہاں! رمضان سے پیچھے اس تحریک کو نہ ڈالا جائے۔ بلکہ رمضان کے آخری جمعہ سے پہلے پہلے یہ کام ہو جانا چاہیئے۔ رمضان میں جو ثوابِ صدقات ہے وہ پھر نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے دلوں میں نیک تحریک پیدا کرے اور اس تحریک کے قبول کرنے کی بھی توفیق دے۔ والسلام

محمد علی ، از ایبٹ آباد

18 رمضان مطابق 19 جولائی

17اگست1916ء

اداریہ

صدرانجمن احمدیہ تیارکردہ حضرت مسیح موعوداورسوال اخراج ممبران

حضرت مولوی نورالدین مرحوم کی وفات کے بعدسب سے پہلاسوال یہی پیدا ہوا تھا کہ میاں (مرزا محموداحمد) صاحب نے فرمایا کہ جوشخص ان کی بیعت نہ کرے وہ فاسق ہے اورایساشخص جماعت کے اندرشامل نہیں رہ سکتا۔اپنی اس منشاء کو پورا کرنے کے لئے میاں صاحب نے اب اپنے مریدوں کو یہ حکم دیاہے کہ وہ ان ممبران کے، جوان سے اختلاف رکھتے ہیں،انجمن سے اخراج کے لئے کوئی صورت سوچیں۔ چنانچہ یہ سوال کچھ عرصہ سے اب میاں صاحب کے مریدین کے سامنے ہے۔سب سے پہلے جب یہ سوال ایجنڈاپرلایا گیاتو ہم نے جو کچھ اس کا جواب دیا وہ اسی طرح پراخبار میں شائع کر دیا گیا تھا۔تاکہ سب ممبران انجمن قادیان اور میاں صاحب کے مریدین اصل حالات سے مطلع ہو جائیں۔اس جواب پر جو کچھ میاں صاحب کے مشیران قانونی نے میاں صاحب کومشورہ دیااس کانتیجہ ذیل کاریزولیوشن ہے۔

نقل ریزولیوشن 213۔اجلاس مجلس معتمدین صدرانجمن احمدیہ قادیان منعقدہ 22جون 1916ء

رپورٹ سیکرٹری کہ مجلس معتمدین صدرانجمن احمدیہ کے اجلاس مورخہ 12 مئی 1916ء میں جو کاغذات ممبران ذیل کے اخراج کے متعلق پیش ہوئے تھے۔ان کے متعلق مجلس نے بروئے ریزولیوشن نمبر 15 فیصلہ کیا تھا کہ آئندہ اجلاس میں پیش ہو۔لہٰذا یہ امر دوبارہ غور کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

ممبران،جن کی نسبت مجلس معتمدین صدرانجمن احمدیہ قادیان کی ممبری سے اخراج وعدم اخراج کے متعلق غور کرنا ہے، ان کے نام یہ ہیں۔خان صاحب مولوی غلام حسن صاحب پشاوری، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب،خواجہ کمال الدین صاحب بی اے۔مولوی محمد علی صاحب ایم اے ،شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر پیش ہوکر فیصلہ ہوا کہ مندرجہ ذیل اصحاب کونوٹس دیا جائے کہ بوجوہات ذیل

کیوں نہ ان کو ممبری مجلس معتمدین قادیان سے علیحدہ کیا جائے:-

(1) 1914ء سے، جب سے خلیفہ ثانی کا وقت شروع ہوا ہے، آپ نے انجمن ہذا سے بالکل قطع تعلق کر لیا ہے اور اس عرصہ تخمیناً دو سال میں انجمن ہذا کا کوئی کام نہیں کیا

(2) انجمن کو اس عرصہ میں اپنا معمولی چندہ ادا نہیں کیا

(3) انجمن کے کسی اجلاس میں شامل نہیں ہوئے

(4) بلکہ برخلاف اس کے ایک علیحدہ انجمن بنام انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور میں قائم کر لی ہے

(5) آپ نے صدر انجمن قادیان کے مرکز قادیان کو چھوڑ کر ایک علیحدہ مقام یعنی لاہور میں انجمن بنالی ہے

(6) اعلانیہ طور پر تحریرًا و تقریرًا اظاہر کرتے ہیں کہ انجمن ہذا ٹوٹ چکی ہے

(7) احمدیہ جماعت کو صدر انجمن احمدیہ قادیان کو چندہ دینے سے روکتے ہیں

(8) جو وصایا بحق صدر انجمن احمدیہ ماتحت الوصیت کی تھیں ان کو آپ نے منسوخ کر دیا ہے۔ اور لوگوں کو منسوخ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اور لکھا جاوے کہ الزامات مندرجہ بالا کی جواب دہی کے واسطے اجلاس انجمن میں بمقام قادیان بتاریخ 6 اگست 1916ء خود حاضر ہوں۔ اگر وہ حاضر نہ ہوں گے تو ان کو شکایت نہ ہو گی اگر انجمن نے ان کے خلاف یک طرفہ فیصلہ دیا۔ وہ اصحاب یہ ہیں:

خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب، ڈاکٹر محمد حسین صاحب، ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب، خان مولوی غلام حسن خاں صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب۔

شیر علی، عفی عنہ،

اسسٹنٹ سیکرٹری مجلس معتمدین۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان

اس ریزولیوشن کا جو جواب ہم نے دیا ہے یا جن امور کی طرف انجمن قادیان کے ممبروں کو توجہ دلائی ہے۔ان سب کو مع اصل رزولیوشن کے جملہ احباب کی اطلاع کے لئے اور بالخصوص میاں صاحب کے مریدین کی اطلاع کے لئے ہم نے شائع کر دینا پسند کیا ہے۔تا کہ جو کچھ کاروائی میاں صاحب خفیہ طور پر کر رہے ہیں اس سے جماعت کو بھی اطلاع ہو جائے۔اور وہ اچھی طرح سوچ لیں کہ ان کا قدم کدھر جا رہا ہے۔اور آیا کوئی ایسے امور تو پیدا نہیں ہو رہے جو ان تنازعات کو اور بھی خطرناک رنگ دے دیں۔مناسب تو یہ تھا کہ جس قدر اختلاف پیدا ہو چکا تھا۔اس میں اصلاح کی کوشش کی جاتی۔نہ کہ اس کو روز بروز بڑھانے کی کوشش کی جاتی۔بہرحال یہ اطلاع دے کر ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں۔

☆☆☆

جناب مولوی شیر علی صاحب سیکرٹری،

السلام علیکم وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ۔

بجواب چھٹی 1187 مورخہ یکم جولائی 1916ء مشتمل بر ریزولیوشن نمبر 213 مورخہ 22 جون 1916ء حسب ذیل قلمی ہے۔

۱۔ الزامات مبینہ ریزولیوشن بالا کی جوابدہی کا طریق جو آپ نے تجویز کیا ہے کہ ہم قادیان میں 6 اگست کو آ کر آپ کے سامنے جوابدہی کریں اس کے لئے کوئی قاعدہ ان بائی لاز میں نہیں۔جو حضرت اقدس کی بنا کردہ صدر انجمن احمدیہ کے لئے تجویز ہوئے تھے۔لہٰذا آپ کا مطالبہ کسی ممبر کو پابند نہیں کر سکتا۔

۲۔ الزامات مبینہ کی جوابدہی کا کوئی اور طریق چونکہ ریزولیوشن مذکورہ کے رو سے قابل تسلیم نہیں سمجھا گیا۔اس لئے ہم بھی سر دست اپنی سابقہ تحریر پر کچھ ایزاد کرنا نہیں چاہتے۔یہ تو آپ کی چھٹی مشتمل بر ریزولیوشن مذکورہ کا جواب ہے۔لیکن چونکہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری سابقہ تحریر پر جن اصحاب سے آپ نے قانونی مشورہ لیا، یا تو ان کو صحیح واقعات سے آپ نے اطلاع نہیں دی، یا جو انہوں نے مشورہ دیا، اس کو آپ نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔وَاِلَّا نہ یہ آپ کے الزام تجویز ہوتے اور نہ بچوں کے اس کھیل کو

دہرانے کا آپ کو شوق ہوتا۔ جن میں بعض جج بنتے ہیں اور بعض اپنے سامنے ملزموں کو حاضری کا حکم دیتے ہیں۔ اس لئے ہم نے پسند کیا کہ جب آپ پھر قانونی مشیروں کو قادیان بلوائیں تو انہیں امور ذیل سے اطلاع دیں تا کہ وہ صحیح مشورہ آپ کو دے سکیں اور تا کہ آپ کو بھی یہ سمجھ آ جائے کہ آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو کس طرح لاپروائی سے پھینکا ہے۔ اور اس کی جوابدہی کے وقت کا بھی خیال رہے۔

(۱) صدر انجمن احمدیہ قادیان بنا کردہ 1906ء کی بنیاد حضرت مسیح موعود کی ایک وصیت ہے۔ جس کے قواعد خود حضرت کی زندگی میں بنے اور ان کی اجازت اور منظوری ہی سے شائع ہوئے۔ اور ان پر انجمن کا عمل درآمد ہوا۔ اس وصیت پر حضرت اقدس نے ایک کوڈی سل یعنی تکملہ 1907ء میں لکھا۔ جو میر ناصر نواب صاحب کی خلاف ورزی انجمن مذکور پر حضرت نے تنبیہاً لکھا۔ جس میں آپ نے قطعی فیصلہ کیا کہ انجمن کے فیصلہ جات، جو کثرت رائے سے ہوں، وہ قطعی ہوں گے اور آپ کے بعد انجمن کے فیصلہ جات کی بحالی یا منسوخی کسی ایک شخص کے ہاتھ میں نہ ہوگی۔

(۲) آپ لوگوں نے اس کونسٹی ٹیوشنل اور بنیادی اصول کو چھوڑ دیا اور حضرت مسیح موعود کے وضع کردہ قاعدہ نمبر 18 انجمن مذکور میں سے حضرت مسیح موعود کا نام کاٹ کر اس جگہ میاں محمود احمد صاحب کا نام درج کر دیا۔ اور حضرت اقدس کی صریح منشاء کے خلاف، کہ انجمن کی کثرت رائے کے فیصلہ پر آپ کے بعد کوئی حاکم نہ ہوگا، آپ نے ان فیصلہ جاتِ انجمن پر میاں محمود احمد صاحب کو حاکم قرار دیا۔ اس طرح آپ کی اس کاروائی کے بعد یہ انجمن نہیں رہی۔ جس کی بنیاد حضرت اعلیٰ کی وصیت اور آپ کی کوڈی سل یا تکملہ ہے۔ وہ انجمن، جس کے فیصلہ جات پر بعد وفات حضرت شخص واحد حکمراں ہو سکتا ہے، وہ حضرت مسیح موعود کی بنا کروہ انجمن نہیں۔ اس کی جو کچھ بھی حیثیت ہو ہم بحیثیت احمدی ہونے کے اور ایسا ہی حضرت اقدس کے الفاظ کی عزت کرنا اپنا فرض سمجھ کر اس انجمن کی کاروائیوں میں شریک ہونا اپنے مزیل شان اور ہتک احمدیت سمجھتے ہیں اور گناہ عظیم۔ کیونکہ اس انجمن کی کارروائیوں میں شمولیت دراصل حضرت مسیح موعود کی وصیت کی بے عزتی اور آپ کے مقرر کردہ اصولوں کی ہتک کرنا ہے۔ ہاں یہ امر آپ کو مبارک ہو۔

(۳) رہا یہ مغالطہ اور وہم کہ، میاں محمود احمد صاحب کو یہ اختیار صدر انجمن کے ایک جلسہ نے کثرت رائے سے دیئے اور اس طرح حضرت اقدس کی منشاء پوری ہوگئی اور ان کی شرائط کی تعمیل ہو گئی۔ اولاً اس ساری کاروائی میں قانونی سقم ہیں۔ جن کو ایک قابل اور تجربہ کار قانونی مشیر رجسٹرڈ انجمن کے قانون اور قواعد کو مدنظر رکھ کر سمجھ سکتا ہے۔ اور آپ کو بتلا سکتا ہے کہ ان سقموں کی موجودگی میں یہ کُل کی کُل کاروائی قانوناً کالعدم ہے۔

علاوہ ازیں آپ کے قانونی مشیر آپ کو سمجھا دیں گے کہ وصیت کے منشاء کو اس طرح پورا کرنا انجمن کو بازیچہ اطفال بناتا ہے۔ وصی کے فرائض اور ذمہ داریوں کو سامنے رکھ کر ایک قابل قانونی مشیر آپ کو سمجھا دے گا کہ کوئی وصی اغراض واصول وصیت کو توڑ نہیں سکتا۔ کسی وصیت میں جہاں چند وصیتوں کی کثرت رائے سے اغراض وصیت نفاذ پاتے ہوں، وہ وصی اپنی کثرت رائے سے غرض وغایت وصیت کو کالعدم نہیں کر سکتے۔ مثلاً اسی انجمن کے معاملہ میں صدر انجمن احمدیہ کی ایک غرض اشاعت اسلام ہے، اور وصیت میں لکھا ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے جو امور اختیار ہوں یا جو روپیہ خرچ ہو یا جو طریق اختیار کیا جائے وہ کثرت رائے کے فیصلہ پر اختیار کئے جائیں۔ ممبران انجمن کثرت سے یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ہم اشاعتِ اسلام آئندہ نہیں کرتے اور اس فرض کو کسی دوسرے کے سپرد کرتے ہیں۔ یا کثرت رائے یہ فیصلہ نہیں کرسکتی کہ اشاعتِ اسلام کے کل معاملے آئندہ کثرت رائے سے نہیں، بلکہ شخص واحد کی رائے سے سرانجام پائیں۔

یہ ہمیشہ آپ یاد رکھیں ہر ایک انجمن کی بنیاد اور ہر ایک انجمن کی تعریف میں جزوِ ضروری اور پھر صدر انجمن احمدیہ کا بنیادی اصول کثرت رائے ہے۔ کوئی قانون آپ کو اجازت نہیں دیتا کہ آپ کثرت رائے سے اس کثرت رائے کے اصول کو توڑ دیں، جس صورت میں بانیٔ انجمن حضرت مسیح موعود یہ اپنی فیصلہ کُن تحریر اپنے قلم سے لکھ کر انجمن کے سپرد کر چکے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص واحد اس امر کا مجاز نہیں کہ وہ اس انجمن کی کثرتِ رائے کے فیصلوں کو توڑ سکے، تو آپ کا اپنے میں سے ایک شخص کو اختیار دے دینا گویا غرض و غایت وصیت کو ہی کالعدم کرنا ہے۔ یہ ایک قانونی مسئلہ ہے۔ ہم نے آپ کی خاطر اور احمدی اصحاب کی خاطر اس کو کسی قدر صاف کر دیا ہے۔ مزید روشنی آپ کے مشیر اس سوال پر ڈال سکتے ہیں۔

(۴) اپنے دیگر مزعومہ الزامات مندرجہ ریزولیوشن کو پیش از یں کہ آپ ایسا الزام قرار دیں جو صدر انجمن احمدیہ بنا کردہ 1906ء کے کسی لائف ممبر کے اخراج کے لئے کافی ہو، ذیل کے امور پر بھی غور کر لیں۔

الف۔ نواب محمد علی خان صاحب نے صدر انجمن کی ممبری سے استعفیٰ دیا جس پر انجمن نے التفات نہ کی۔ اس کے بعد تقریباً دو سال صدر انجمن سے نواب صاحب نے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ پھر جب نیا دور شروع ہوا تو اس استعفیٰ کے متعلق کسی کارروائی کرنے کے بغیر انجمن میں آ داخل ہوئے۔

ب۔ سیٹھ عبدالرحمٰن کے عملِ تعطل پر جو کارروائی انجمن نے کی، اور خصوصاً حکیم صاحب قبلہ کے استفسار پر جو رائے خود میاں محمود احمد صاحب نے دی ان سے حلفاً دریافت کریں اور پھر اس پر غور کریں۔

ج۔ سال 1906ء سے 1916ء تک رجسٹرات آمد انجمن کو دیکھو۔ پھر پڑتال کرو کہ میاں محمود احمد صاحب، میاں بشیر احمد صاحب اور نواب محمد علی صاحب نے کتنے کتنے عرصہ بعد کیا کیا چندہ دیا۔ جو بعض کی حالت میں صفر ہے۔ اگر انجمن کا موجودہ پریزیڈنٹ دس سال تک کوئی چندہ نہ دینے کے باوجود بھی انجمن سے اخراج کے قابل نہیں، تو اور کسی پر آپ کا یہ الزام قائم کرنے کی کوشش کرنا کس قدر بے سود ہے۔

د۔ انجمن کی موجودگی میں ایک انجمن انصار اللہ بنائی گئی۔ پھر اس کے بعد آپ کی انجمن کی موجودگی میں صدر انجمن کو ضعیف کرنے اور عملاً اس کا وجود کمزور کرنے کے لئے انجمن ترقی اسلام بنائی گئی۔ جیسے کہ آگے چل کر آپ کو سمجھ آ جائے گی، پھر اگر میاں محمود احمد صاحب ان دو انجمنوں کو بنا کر صدر انجمن سے قابل اخراج نہیں، تو اور کوئی کیسے ہو سکتا ہے؟

(۵) رہا آپ کا یہ الزام، کہ ہم نے کسی کو چندہ دینے سے روکا، یہ خالی الزام اور بہتان ہے۔ اور شائد چونکہ مشیران قانونی نے آپ کو مشورہ دیا ہے کہ پہلے الزام بتاؤ پھر اخراج کا سوال اٹھاؤ۔

اس لئے یہ الزام بھی افتراء کیا گیا۔

وصیتیں ہم نے بے شک منسوخ کیں اس کی وجہ ظاہر ہے۔اوراس کی تفصیل ذیل میں آ جاتی ہے۔آخیر میں بعض امور ضروری آپ کے اور آپ کے مشیروں کے اور خصوصاً احمدی پبلک کے غور کرنے کے لئے لکھ دیئے جاتے ہیں۔ان امور پر خود غور کریں اور پہلے اپنی اصلاح کریں۔وَاِلّا کسی دن کسی عدالت میں جا کر کسی خطرناک مواخذہ میں نہ آ جائیں۔

ان سب کاموں کو ہنسی اور کھیل نہ سمجھیں۔آخر ذمہ داریاں ہیں اور بعض ایسی ذمہ داریاں ہیں جن کی جوابدہی وقت پر بڑی مشکل ہوگی۔ان اصولی امور کے علاوہ جن کا ذکر ہم نے فقرات نمبر 1 و 2 میں کیا ہے۔آپ ممبران انجمن موجودہ نے ایک اور طریق پر خطرناک نقصان انجمن کو پہنچایا ہے۔اوراس طرح آہستہ آہستہ رہی سہی حالت انجمن کو توڑنے کا فکر کیا ہے۔صدر انجمن کی چند اغراض تھیں اور ایسا ہی ان اغراض کے پورا کرنے کے لئے چند مدات آمدنی تھیں۔مثلاً انجمن مذکور کی ایک بھاری غرض اشاعت اسلام تھی اور اس کی ایک بھاری آمد کی مَد اِعانت کا روپیہ تھا۔ایسا ہی انجمن کی اغراض میں ایک غرض قومی بیت المال کا قیام تھا۔اوراس کے قواعد کی بڑی بھاری مد زکوٰۃ تھی۔اب بتلائیے کہ آپ کو کہاں اختیار تھا کہ اِعانت اور زکوٰۃ کو میاں محمود احمد صاحب کی بنائی ہوئی ''انجمن ترقی اسلام'' کے سپرد کر دیتے۔

اب تو انہی ریزولیوشنوں میں آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ احمدی قوم کی زکوٰۃ کا روپیہ انجمن ترقی اسلام میں جائے۔آپ نے اپنے عمل سے وہ قوم کا روپیہ جو صدر انجمن کا ہے۔جو اس انجمن کے خزانہ میں جانا اور رہنا چاہئیے ،وہ ایک غیر کے سپرد کیا اور سپرد ہونے دیا، جو آپ کو بروئے قوانین انجمن اختیار نہ تھا۔

اسی طرح جو اشاعت اسلام کا رہا سہا اچھا یا بُرا کام صدر انجمن کر رہی تھی۔وہ ان گزشتہ دو سالوں میں اس انجمن نے نہیں کیا اور وہ کام انجمن ترقی اسلام نے سنبھال لیا۔اوراسی طرح صدر انجمن کو ایک بھاری نقصان پہنچایا۔کیا آپ نے کوشش کی کہ صدر انجمن کی موجودگی میں کسی اور انجمن کو یہ احمدی قوم کا روپیہ نہ جائے۔اوراسی طرح وہ کام جو صدر انجمن کر رہی ہے وہ اپنا کام جاری رکھے۔بلکہ اس کے برخلاف انجمن کا ایک ایک کام نکلتا ہوا دیکھ کر آپ سب ممبران نے خاموشی اختیار کی۔آپ کا یہ اغماض قانون کی نگاہ میں بحیثیت ممبر صدر انجمن بدعملی اور

بدعہدی از فرائض انجمن ہے۔اور بعض واقعات کی رو سے،جس کا علم آپ کو حسب ضرورت دیا جاسکتا ہے،قانونی نگاہ میں ایک خطرناک رنگ اختیار کر چکا ہے۔

خیانت صرف اس کا نام نہیں کہ خود آدمی مفوضہ امانت کو ضائع کر دے، بلکہ قانون اور شریعت نے اس کی اور بھی شکلیں رکھی ہیں۔آپ اپنا 1915ء و1916ء کا ریکارڈ پڑتال کریں اور ایک امر کا ہمیں پتہ بتلائیں کہ جو اس انجمن نے اشاعت اسلام کے متعلق کیا ہو۔اگر اس کے جواب میں کوئی یہ کہے کہ قادیان میں اشاعت کا کام جب انجمن ترقی اسلام کر رہی ہے تو پھر صدر انجمن کی ضرورت نہ تھی۔تو اس فقرہ کو اگر یوں رکھ دیا جائے۔تو زیادہ موزون ہوگا کہ جب اشاعت اسلام کا کام انجمن ترقی اسلام کر رہی ہے تو پھر صدر انجمن کی ضرورت نہیں۔تو کیا یہ درست نہیں؟

پھر انجمن کے توڑنے میں اور اس کا مال اندر ہی اندر دوسروں کے سپرد کرنے میں آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو جو بحیثیت ممبر آپ پر عائد ہوئی تھیں کہاں تک ادا کیا۔کیا وہ انجمن اس وقت آپ کے اس فعل سے، جہاں تک اشاعت اسلام کا تعلق ہے،اور یہی غرض حضرت اقدس کی بعثت اور آپ کے مشن کی ہے،مر نہ گئی۔لیکن یہ انجمن اشاعت اسلام کا کام کیسے کرتی۔جبکہ جن رقوم سے یہ کام ہوسکتا تھا۔یعنی رقوم اعانت ورقم زکوٰۃ ودیگر عطیہ جات، وہ سب کے سب ان ممبروں نے میاں صاحب کی انجمن کو دے دیئے۔بتلاؤ وہ کون سا قاعدہ اور کون سی امانت ودیانت ہے جس کے ماتحت زکوٰۃ کا روپیہ جو قادیان میں آئے یا قادیان میں وصول ہو وہ صدر انجمن کے خزانہ میں نہ جائے، بلکہ کسی اور کے سپرد ہو۔

آپ کی یہ کارروائی جس خطاب کی مستحق ہے وہ سب آپ پر ظاہر ہو جائے گا۔اگر یہ کہا جائے کہ زکوٰۃ دہندگان زکوٰۃ کا روپیہ صدر انجمن میں نہیں بھیجتے۔وہ میاں صاحب کو یا میاں صاحب کی انجمن کو بھیجتے ہیں تو یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔لوگ زکوٰۃ کو اس طرح بھیجتے ہیں جیسے پہلے بھیجتے تھے۔لیکن آپ اپنے ریزولیوشنوں کو دیکھو اور اپنے اعتراف کو دیکھو جو اس جگہ موجود ہے۔لیکن اس امر کو بھی جانے دو۔کیا آپ کا فرض نہ تھا کہ آپ احمدی پبلک کو اطلاع دیتے کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ صدر انجمن میں آنا چاہیئے۔کیونکہ حضرت مسیح موعود کی یہ منشاء ہے کہ یہ روپیہ انجمن میں جائے نہ کہ میاں صاحب کے نام یا انجمن ترقی اسلام کے نام۔پھر آپ کے اس اعلان کے بعد

اگر وہ عمل نہ کرتے تو خدا کے آگے اور خدا کے مسیح کے آگے وہ خود ذمہ دار تھے۔

اب اگر آپ کے اس طریقِ عمل نے اشاعتِ اسلام جیسا اہم کام ایک دوسری انجمن کے حوالہ کر دیا، اور ایسا ہی جو جو امور زکوٰۃ کے مصرف کے تھے، ان پر بھی مجبوراً عمل نہ کیا، کیونکہ زکوٰۃ اب کسی اور کے قبضہ میں ہے۔تو پھر کیا ایک مدت کے بعد، آپ ایسی رقوم جو کوئی خالصاً اشاعت اسلام کے لئے بھیجے، وہ انجمن ترقی اسلام کے حوالہ نہ کر دو گے؟ کیونکہ اشاعتِ اسلام کا کام اب صدر انجمن نہیں، بلکہ وہ دوسری انجمن کر رہی ہے۔اور ان دو سالوں میں عملاً بھی ہوا ہے۔اور اس وقت آپ کا یہ جواب ہوگا کہ صدر انجمن کے ممبروں نے کثرت رائے سے یہ معاملہ طے کیا۔ جب آپ لوگوں نے کثرت رائے کے بھی یہ معنی سمجھ رکھے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ وصیتوں کے ماتحت جو روپیہ آتا ہے، اور جس کی اصل غرض اشاعتِ اسلام تھی، وہ میاں صاحب کے حوالہ کثرت رائے سے نہ کر دیا جائے۔کیا آپ نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ کثرت رائے ہر ایک نا جائز اور خلاف قانون فعل کو جائز کر دیتی ہے اور نا جائز کو جائز بنانے کا یہ عجیب نسخہ ہے۔ یاد رکھو کہ کثرت رائے سے خیانت امانت نہیں بن سکتی۔ علاوہ ازیں جس اصول پر آپ نے یہ انجمن بنائی ہے اس میں تو آپ کی کثرت رائے کی بھی ضرورت نہیں۔خود میاں صاحب اپنے اختیار سے جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

اب ہماری وصیتوں کی منسوخی کا حال سن لو۔صدر انجمن کی غرض اور وصیت کرنے کی غرض، جیسے کہ حضرت اقدس کی وصیت سے نظر آتا ہے، صرف اشاعت اسلام ہے۔ جو منتظمِ جماعت کے ہاتھوں نفاذ پائے۔ یہ آپ کے گزشتہ عمل نے ثابت کر دیا کہ صدر انجمن اشاعت کا کام نہیں کرتی بلکہ ترقی اسلام انجمن۔ پھر جب یہ انجمن اشاعت کا کام نہیں کرتی تو وصیتوں کا روپیہ کس مَصرَف کا رہے گا۔اور اس کا کون ذمہ دار ہوگا؟ کہ آئندہ آپ کی کوئی کثرت رائے وصیتوں کے اموال کو، اس عذر پر کہ اب اشاعت کا کام ترقی اسلام کر رہی ہے، انجمن ترقی اسلام کے حوالہ نہ کر دے۔ یا خود ہی میاں صاحب ان کو اپنے اختیارات کی رو سے نہ لے لے۔ بتلاؤ کیا یہی منشاء حضرت اقدس کی تھی؟ یہی وہ امر ہے جس سے حضرت اقدس نے اپنی وصیت میں ڈرایا ہے۔تو پھر کس طرح کوئی ذی ہوش اپنی متروکہ جائیداد کو، جو وہ صدر انجمن کو بغرض اشاعت اسلام دینا چاہتا ہے، آپ لوگوں کے حوالہ کرے جنہوں نے کثرت رائے کو نا جائز کے جائز کرنے کا ایک آلہ تجویز کر رکھا ہے۔اس لئے ہم نے ایک مدت

تک صبر کیا کہ آپ کوئی اصلاح کی صورت پیدا کریں۔ اور جب یہ نظر آنے لگا کہ صدر انجمن کی آمد کی مدات اور اس کے ضروری کام دوسری انجمن کو آہستہ آہستہ منتقل ہو رہے ہیں اور یوماً فیوماً ابتر صورت ہے تو ہم نے پسند نہ کیا کہ ہماری وصیتوں کا نفاذ آپ کے ہاتھ جائے۔ اس لئے وصیتوں کو منسوخ کیا اور حضرت اقدس نے جس غرض خاص کے لئے صدر انجمن بنائی تھی اس غرض کے لئے ایک انجمن بنائی۔ اس کا نام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہے اور وصیتوں کو اس کے حق میں کیا۔

دستخط غلام حسن سب رجسٹرار پشاور،

دستخط خواجہ کمال الدین،

دستخط سید محمد حسین اسسٹنٹ سرجن مورخہ 30 جولائی،

دستخط رحمت اللہ،

دستخط مرزا یعقوب بیگ،

دستخط محمد علی

31-26 اگست 1916ء

ایک مسلم کی زندگی کا نصب العین

(خلاصہ خطبہ جمعہ جو گذشتہ 25 اگست 1916ء کو حضرت خواجہ صاحب نے مسجد احمدیہ لاہور میں پڑھا۔ مدیر)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. (156-155:2)

ترجمہ: ''اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دو۔ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ کے لیے ہی ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''۔

ان آیتوں میں ایک مسلم کا حقیقی و اعلیٰ نصب العین بتایا ہے۔ انسان درحقیقت ایک امین ہے۔ اس کا مال، اس کی جان، اس کی اولاد اور دیگر تمام سامان اس کے اپنے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اس لئے ایسے موقع پر جب ان پر کوئی نقصان وارد ہو تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ہی کہنا صحیح ہوسکتا ہے۔ ہم دنیا میں بھوک، مال اور اولاد وغیرہ کے لئے نہیں جیتے ہم تو ان چیزوں کے امین ہیں۔ پس اس امانت کے دینے سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھنا چاہیے۔ درحقیقت معاملات کے پیش آنے سے ہی انسان کی دلی کیفیت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اگر مجھے کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے اور کچھ مانگا جائے اور میں کہوں کہ اچھا لو تو تب تو میرا حق ہے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہوں۔ ورنہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ دنیا دار اور دیندار میں یہی فرق ہے۔ جس

طرح سے ایک دنیادار کے متعلق، جس نے بہت سا مال جمع کیا ہو اور مثلاً اپنی کسی اولاد کی شادی وغیرہ کئے بغیر مر جائے، دنیادار کہہ دیا کرتے ہیں کہ نامراد مر گیا۔ ویسے ہی وہ شخص جس کا مال ساری عمر خدا کی راہ میں خرچ نہیں ہوا وہ نامراد رہا اور ہرگز کسی مبارکباد کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس وقت مبارک باد کا مستحق ٹھہراتا ہے جب وہ اس روپیہ کو خدا کی راہ میں خرچ کر دے۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا تیرے لئے وہ مبارکی کا دن ہے جب تجھ پر موت آئے۔

حضرت مولوی محمد علی صاحب نے میرے بچے کی شادی کے موقع پر فرمایا تھا کہ الفاظ کے معنی کچھ عرصہ بعد بدل جاتے ہیں۔ اس فقرہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا مطلب بھی مسلمانوں نے اب کچھ اور سمجھ لیا ہے۔ ایک مسلمان کی اعلیٰ ترین منزل سلوک یہی ہے کہ وہ سب کچھ دے کر پھر اس پر خوش ہو اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہے۔ یہی وہ مقام ہے جس پر پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہوئے۔ ایک مسلم کا مقصد زندگی ہی دراصل اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ہے۔ انسان کی زندگی میں کتنے کتنے مواقع رنج اور تکلیف کے پیش آتے ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک موقع پر دنیادار پر تو موت آتی ہے اور دیندار کے لئے وہی موقع بمنزلہ عید اور باعثِ مبارک ہو جاتا ہے۔ دیندار پر تو جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ بجائے اس پر چیخنے چلانے کے اس حقیقت کو زیرِ نظر رکھ کر، کہ درحقیقت وہ خود بھی اور جو کچھ اس کے پاس ہے سب خدا ہی کی امانت ہے اور اسی کو یہ واپس پہنچنے والی ہے، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھتا اور خوش ہوتا ہے کہ وہ امانت ادا ہوئی۔

دنیادار اسے اپنی ہی ملک سمجھ کر اس پر چیختا اور چلاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (102:3) تمہاری حالت یہ ہونی چاہئے جب بھی موت تم پر آئے، تم مسلم ہو۔ تم یہ کہہ سکو کہ اے موت! آ۔ تُو ہمیں مسلمان پائے گی۔ گویا تم ہر دم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے نیچے اپنے آپ کو رکھے ہو اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کی عملی تصویر ہو۔ فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. (2:155-156) اس نقصان جان و مال کا نام ابتلا رکھا ہے۔ کیونکہ اس سے نیک انسان کی نیکی اور بُرے کا گند ظاہر ہو جاتا ہے۔ ایک ہی واقعہ پر ایک شخص گند اکھلاتا ہے اور دوسرا صبر و شکر سے کام لیتا ہے۔

مذہب کی علت غائی کیا ہے۔ بہشت کس چیز کا نام ہے؟ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَاھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ (38:2) یہی بڑی نعمت بہشت کی ہے کہ نہ وہاں کوئی خوف ہے اور نہ حزن۔ مذہب اسی بات کو سکھلاتا ہے کہ انسان کسی بات سے خوف نہ کھائے اور نہ غمگین ہو۔ مومن کا بہشت اسی دنیا سے شروع ہو جاتا ہے۔ وہی واقعات جو دوسروں کے لئے رنج کا موجب ہوتے ہیں، وہی ایک مومن کی خوشی کا باعث ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ ایک بہشتی زندگی بسر کرتا ہے۔ جس میں نہ اسے خوف ہوتا ہے، نہ غم۔ رنج اور خوشی یہ دو مختلف کیفیات کا نام ہے۔ ایک دل میں رنج کی کیفیت کسی واقعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایک مومن کے دل میں اس واقعہ پر بھی تمام راحت ہی راحت ہو جاتی ہے۔

ماں باپ، اولاد اور دیگر خویش واقارب وغیرہ سے محبت رکھنا کوئی حرام امر نہیں۔ مال و دولت بھی حرام چیز نہیں۔ لیکن یہ سب کچھ اسی وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ خدا کے رستہ میں روک نہیں۔ جب یہ دین اللہ میں روک کا موجب ہوں تو پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کہہ کر علیحدہ ہو جانا چاہئے۔ کیا ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے۔ کل دنیا جہان کے لوگوں میں سے مسلمانوں کو چنا۔ بڑا فخر ہے مسلمانوں کو اس بات پر کہ ہم بہترین امت ہیں۔ لیکن کس بات کی بہترین امت؟ قرآن تو کہتا ہے اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ (110:3) تم وہ بہترین امت ہو کہ دنیا کی اصلاح کے لئے پیدا کی گئی ہو۔ ہم نے دنیا کی اصلاح کی۔ پھر مسلمانوں میں سے اس زمانہ میں ایک مجدد پیدا ہوا۔ مجدد کی غرض بھی کوئی اور نہیں ہوتی۔ سوائے اس کے کہ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ (110:3) کی وہ حقیقت سمجھانے اور عملی نمونہ قائم کرنے آتا ہے۔

تو اس مجدد کے ہاتھ پر ہم نے اقرار کیا کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا'' دین کیا ہے؟ دین دراصل اللہ ہے اور دنیا ماسوا اللہ۔ تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کو دیگر تمام امور پر مقدم کرنے کا حکم دیا۔ پھر خدا نے ہمیں گدی پرستی کی لعنت سے بچایا اور اس طرح یہ خصوصیتیں ہم میں پیدا کر کے اپنے کام کے لئے کھڑا کیا۔

پھر افسوس کا مقام ہے کہ اگر ہم ان خصوصیتوں اور برگزیدگی کے بعد بھی کام نہ کریں۔ سارے ہی ایک کام کے اہل نہیں ہوتے۔ لیکن جتنے اہل ہیں وہ تو اس کام کو کریں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ لینا (بیعت کرنا) تو گویا اس کام کے کرنے کا اقرار ہے۔ حقیقتِ احمدیت بیعت کرنا نہیں۔ بلکہ حقیقتِ احمدیت ہے تطہیرِ قلب۔ اس کی ہدایات

پر پنجہ مارنا۔تو پس کیا آپ نے اس فرض (تبلیغ اشاعت واسلام) کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ یہ بھی ایک موت ہے کہ انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جائے۔لیکن اس موت سے گزرنا ہمارا کام ہے۔آپ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بس یہ زید اور بکر کا کام ہے کہ تبلیغ اسلام کے کام کو سرانجام دے اور صرف چند پیسے دے کر آپ بیٹھ رہیں۔ آپ کو اس غلطی سے نکلنا چاہئے۔حضرت اقدس مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ میرے راستے میں کانٹے ہیں اور تمام راستہ پُر از خار ہے۔جس کے پاؤں نازک ہوں وہ ابھی سے الگ ہو جائے۔تو پس اگر تم نے اس شخص کے ساتھ چلنا ہے تو وہ تو خود فرماتا ہے کہ میرے راستے میں کانٹے ہیں۔پھر اپنے آپ کو اس قابل بنانا چاہئے کہ ان کانٹوں کو سہار سکیں۔

ہم کس لئے زندہ ہیں؟ اس لئے نہیں کہ کچھ مال و دولت جمع کر لیں۔اس لئے نہیں کہ خوب کما کر کھایا کریں اور اپنی اولاد اور دیگر خویش و اقارب کی پرورش کے سامان میں منہمک رہیں۔ بلکہ اس لئے کہ ہماری زندگی کا کوئی حصہ کسی کام آجائے۔ہم تو اللہ کے لئے زندہ ہیں۔اور اسی کے دین کی خدمت ہماری زندگی کا بڑا مقصد ہے۔ یہ ووکنگ مشن آپ پر ایک حجت ہے۔اللہ تعالیٰ کی سنت یونہی ہے کہ ایک قوم تباہ ہو جاتی ہے تو وہ دوسری کو کھڑی کر دیتا ہے۔ ووکنگ مشن کی عظیم الشان کامیابیاں آئندہ کے لئے حوصلہ بڑھانے والی ہیں۔ یہ فتوحات فتح خیبر کی مانند ہیں۔خیبر کی فتح بیشک بہت بڑی فتح تھی۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کوشش کو ترک نہیں کر دیا۔اگر تو فتح خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر کوئی کوشش نہ کرنی پڑتی تو میں یہی کہتا کہ بس اب ووکنگ مشن کا کام بھی ہو چکا۔لیکن جب وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوشش کرنی پڑی اور سخت شدید تر مصائب اٹھانے پڑے،تو ہم کیوں اتنے ہی پر اکتفا کر لیں اور مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں۔

اگلے دن میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات خطبہ میں سنائے تھے۔ان سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود وعدوں کے پھر کوشش کے نہ ہونے کے سبب سے وہ وعدے ملتوی ہو گئے۔اور خدا کے نبی کو اپنی قوم کی خرابی کے باعث جنگلوں میں مارا مارا پھرنا پڑا۔تو گویا وعدے بھی انہی کے حق میں پورے ہوتے ہیں جو کوشش کرتے ہیں۔پس اگر قرآن کا یہ معیار صحیح ہے تو مجھے نہیں معلوم ہوتا کہ موجودہ حالت میں مسلم بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔

ووکنگ کی کامیابی کا نام میں موہبت رحمانی رکھتا ہوں، جو بغیر کسی کوشش کے نصیب ہوئی۔لیکن

رحمانیت کے بعد رحیمیت کا یہ تقاضا ہے کہ انسان خود کوشش کرے اور ہاتھ پاؤں ہلائے۔ اب تو رحیمیت ہی چلے گی۔ جب تک خود کچھ کر کے نہ دکھاؤ گے، عمدہ نتائج میسر نہیں آ سکتے۔

مائدہ آسمانی

پھر مائدہ کے قصہ کی طرف دیکھو۔ ایک طرف تو اس کی قدر غائت ہے کہ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّ لِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ (114:5) کہا گیا۔ لیکن جہاں دینے کا وعدہ کیا وہاں ساتھ ہی یہ شق لگا دی کہ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ. (115:5)

اگر پھر بھی ناشکری کی تو وہ عذاب دوں گا جو دنیا جہان میں کسی کو نہیں دیا گیا۔ ووکنگ کا واقعہ بھی محض خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک مائدہ ہے تمہیں اس کی قدر کر کے آگے قدم بڑھانا چاہئے۔ اشاعت اسلام کو تم اپنا مقصد زندگی سمجھ لو۔ محض کثرت کچھ کام نہیں دے سکتی۔ اگر تم میں سے پچاس بھی ایسے نکل آئیں جو زبان حال سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہیں اور دین کی راہ میں نکل کھڑے ہوں تو ان پر پچاس ہزار قربان۔ ہمارا مرشد تو صرف چالیس مانگتا تھا۔ اس کی قوت قدسی تو ہم سے بہت بڑھ کر تھی۔ اس لئے یہاں دس کا اضافہ کوئی بہت بڑا اضافہ نہیں۔

مرزا صاحب نے عملاً اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا رنگ دکھایا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے ایک انچ بھی اپنی جائیدادوں سے بڑھایا۔ پھر کیا تم میں یہ رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ یاد رکھو وہ وعدے تم پر پورے نہیں ہو سکتے، جو مرزا کے ساتھ جماعت کے متعلق ہوئے۔ جب تک کہ تم اپنے اندر عملاً وہی رنگ پیدا نہ کرو جو مرزا میں تھا۔

حضرت موسیٰ کی مثال کو پیش نظر رکھو۔ خدا کا نبی اور جنگلوں میں خوار ہوتا پھرے! محض اس لئے کہ قوم میں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کا رنگ بہت دیر میں جا کر پیدا ہوا۔ بظاہر یہ رنگ کسی کے اندر پیدا ہونا ایک دنیادار کی نظر میں سخت نقصان ہے۔ لیکن تم یاد رکھو وہ روح جس دن تمہارے اندر پیدا ہو گی کہ تم زبان حال سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہہ سکو تو وہ لوگوں کے لئے غم اور تمہارے لئے عید کا دن ہو گا۔ مشکل اگر کوئی ہے تو

تمہارا خود اپنے دل پر قابو پانا ہے۔ میں نے یہ ووکنگ مشن کا کام محض اپنے دل کے شوق سے کیا۔لیکن آٹھوں پہر میری یہی دعا رہی کہ یہ کام میرا نہ رہے کہ یہ تم سب کا ہو جائے۔اب بھی میں کوئی ملازم نہیں۔تمہاری ملازمت مجھے اب فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔جس قدر کہ تمہاری محبت۔ میں نے اس وقت شروع میں بھی کوئی کام نہیں کیا جب تک کہ مشورہ نہ لے لیا ہو۔اب اس حالت میں بھی میں یہی دعا مانگتا ہوں کہ مولا! ہمیں اپنے دین کی زندگی کے لئے زندہ رکھ۔مرنے کا بھی ہمیں کوئی غم اور ہراس نہیں۔لیکن یہی خیال ہوتا ہے کہ مبادا یہ مرنا کسی کے لئے ابتلا کا موجب نہ ہو جائے۔اور ہم ہیں ہی کیا؟ ہماری وجہ سے ابتلا بھی کیا آ سکتا ہے۔ یہ بھی ایک موہوم بات ہے۔

بہر حال ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں تو محض دین اسلام کی اشاعت کے لئے۔ یہی دعا میں نے خانہ کعبہ میں کی تھی کہ مولا! اگر یہ مشن نہیں چلنا تو پھر ہمارا زندہ رہنا بھی کوئی ضروری نہیں اور نہ خواہش ہے۔ ہاں اگر یہ چل سکتا ہے تو محض اس کی خاطر ہمیں زندہ رکھ۔

26-31 اگست 1916ء

مراسلات

تمام احمدی بھائیوں کی خدمت میں التماس

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ (59:4)

ترجمہ: ’’پھر اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لے جاؤ‘‘

دیکھا جاتا ہے کہ قادیان میں مسیح موعود کی نبوت کی تصدیق کے لئے یا غیر احمدی کو خارج از دائرہ اسلام سمجھنے کے لئے اور انہیں کافر اور بیرون از اسلام بنانے کے لئے یا دیگر اختلافات کے لئے نہ تو قرآن شریف سے استدلال چنداں کیا جاتا ہے، نہ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ بلکہ ان کا زیادہ انحصار فقط تحریراتِ حضرت مسیح موعود ہیں۔ گویا ان کے نزدیک تمام عقائد کی بنا صرف اقوالِ حضرت مسیح موعود ہی ہیں۔ چاہئے تو یوں تھا کہ سب سے اول قرآن شریف اور مابعد احادیثِ آنحضرت ﷺ کو لے کر اس کی مطابقت اقوالِ حضرت مسیح موعود سے کرتے۔ لیکن ان سب کے خلاف یہاں کے لوگوں نے تو حضرت مسیح موعود کے اقوال ہی کو سب پر مقدم کیا اور وہ بھی تمام وکمال نہیں۔ بعض تحریرات منسوخ شدہ سمجھی جاتی ہیں اور بعض ترمیم شدہ۔ اور بعض قابلِ عمل۔ کیسی ہنسی کی بات ہے کہ 1901ء سے اول کی تمام تحریرات منسوخ اور نا قابل عمل۔ مگر بعد کی بھی اکثر قابلِ ترمیم اور چند ایک قابلِ عمل! یہ ایک ایسا گورکھ دھندا ہے۔ جس کا عقدہ لاینحل ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ یہ ضد اور ہٹ میں آکر اقوالِ حضرت مسیح موعود کو قرآن شریف پر بھی سبقت دے جاتے ہیں۔ جیسے تفسیر وَبِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ (4:2) اس صورت میں نہ انہیں خوف خدا ہے نہ رسول اکرمؐ سے شرم۔ مناسب اور درست تو یہی ہے اور ہونا بھی چاہئے تھا کہ بہر حال قرآن شریف کو مقدم کر لیا جاتا اور ہر ایک فیصلہ اس کے حکم کے مطابق ہوتا اور احادیث اور اقوالِ مسیح موعود کی اس سے تطبیق کی جاتی۔ یعنی قرآن شریف جج ہوتا اور اقوالِ مسیح موعود بطور مستغیث۔ لیکن نہ انہوں نے ایسا کیا نہ ان سے یہ امید ہی ہے۔ اور ہو بھی کس طرح؟ کیونکہ جب ایک غرض خاص مدّنظر ہو تو بھلا کب کسی کی سنیں گے۔ حق سے دور پڑنے والے اور ناراستی کے حامی ہمیشہ غرضِ ذاتی کو تمام اغراض

پر مقدم ہی رکھا کرتے ہیں۔ایمان رہے یا جائے۔ان کی بلا سے۔قرآن شریف تو دین کو مکمل کر کے اور دینِ اسلام کو تمام مذاہب پر برگزیدہ کر کے خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ کے لفظ سے نبوت ختم کر چکا۔اور احادیث لَا نَبِیَّ بَعْدِی اور دیگر سے بابِ نبوت مسدود کر چکیں۔مگر یہ اپنے زعم میں باب نبوت کھلا سمجھتے ہیں اور اقوال حضرت مسیح موعود سے نبوت پیش کی جاتی ہے۔اور اپنی غرض کی تکمیل کے لئے قرآن شریف اور احادیث کی بھی تاویل کر کے اس سے مطابقت کی جاتی ہے۔قرآن شریف تو اللہ اور اس کے رسول اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماقبل کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کو داخل اسلام کرتا ہے۔اور یہاں حضرت مسیح موعود کو نبی قرار دے کر کافر گردانا جاتا ہے۔کبھی تو حضرت اقدس کو ظلی یا جزوی یا انعکاسی نبی کہا جاتا تھا۔اور ان کے منکر لوگوں کو مخطی قرار دیا جاتا تھا۔یا اب یہ حال ہے کہ کامل نبوت منوایا جاتا ہے اور ان سے منکر قطعی کافر سمجھے جاتے ہیں۔اور ان سے سلام علیک تک لینا روا نہیں خیال کیا جاتا۔

ابتدائے عشق ہے، روتا ہے کیا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

جائے افسوس کہ دین میں کیسی تفرقہ اندازی پڑ گئی اور کیسے طور پر مدعیانِ اسلام نے کفر کو گلے لگایا کہ بجائے خود کفر مجسم ہو گئے۔اے قوم! خدا تیری حالت پر رحم کرے۔اے مسیح موعود کے مرتبہ میں غلو کرنے والو! اللہ تمہاری حالت سدھارے۔تم نے تو بجائے خود کفر سے ایسا پیار کیا کہ اب یہی کفر تمہارے گلے کا ہار ہو گیا ہے۔ ایک وقت تھا کہ تم بزرگان دینِ اور علماء کو مطعون کیا کرتے تھے کہ ان کا اسلام کیسا ہے؟ لیکن اب دیکھا جاتا ہے کہ اس طعن کے آماجگاہ تم خود ہی ہو رہے ہو۔اگر امتی کو نبی کامل یا غلام کو آقا کے مرتبہ دینے کا خیال تم کو نہ گزرتا تو تم کبھی منتشر نہ ہوتے۔مگر جیسا کہ اللہ ہمیشہ سچائی کا حامی ہے۔تم نے مسیح موعود کے درجہ میں غلو کیا۔ادھر تم میں سے خدا نے ایک جماعت کو علیحدہ کر دیا۔جس نے راستی کا دامن پکڑ کر مسیح موعود کے درجہ اصلی کو ظاہر کیا اور غلو سے علیحدہ ہو گئی اور ایک خطرناک غلطی (جس میں عوام مبتلا ہونے والے تھے) سے بچا لیا۔خدا نسب کو نہیں دیکھتا، قلب کو دیکھتا ہے۔اسے ہڈیاں اور لہو پسند نہیں بلکہ تقویٰ کا لباس پسند ہے۔پس آؤ اور تقوی کے رستہ پر پنجہ مارو۔ نہایت افسوس اور درد دل سے لکھا گیا ہے۔ممکن ہے کوئی سفید روح مستفید ہو سکے۔

بقلم غلام دستگیر۔مدرس اول، مدرسہ ست کوہا ڈاکخانہ خاص ضلع۔گورداسپور

3 ستمبر 1916ء

مراسلات

کشمیر سے ایک خط

حضرت امیر ایّدہ اللہ کے نام

السلام علیکم وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

میں بفضلِ خدا 3 ستمبر کی شام کو کشمیر سری نگر پہنچا۔ پہلے ہی دن لوگ میری گفتگو کو بڑی متانت سے سنتے رہے۔ خصوصاً حضرت مولٰینا مولوی سید محمد احسن صاحب کے عقائد اور حالات پوچھ پوچھ کر سنتے تھے (خدا کے فضل سے مولٰینا صاحب موصوف کی کتاب نے بہت اثر کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالٰی ضرور اور اثر کرے گی)۔ میں نے مولٰینا صاحب کی زبانی جو کچھ سنا تھا، مفصل طور سے بیان کیا لوگ حیران رہ گئے۔ تیسرے دن عبدالعزیز صاحب مبلغ قادیان پہنچ گئے۔ میرے سامنے ہی مولٰینا صاحب موصوف کی مخالفت شروع کی اور آپ کے فرزند سید محمد یعقوب صاحب کی نسبت سخت سست الفاظ استعمال کرنے لگے۔ مولٰینا صاحب کی نسبت جو الفاظ انہوں نے استعمال کئے ہیں، میں اس رپورٹ میں درج کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ کیونکہ مولٰینا صاحب کے دل کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ غرض وہ لوگ اس کتاب کے اثرات زائل کرنے کے لئے حد درجہ کی کوشش کر رہے ہیں۔ خدا رحم کرے۔ یہاں روزانہ کم از کم دو تین گھنٹے مباحثہ ہوتا ہے۔

خلیفہ نورالدین صاحب نے مجھ سے تین تحریری سوالات پوچھے:

1۔ کیا قرآن کریم میں تشریعی اور غیر تشریعی نبی کا کہیں ذکر ہے؟

2۔ نبی اور رسول کی کیا تعریف ہے؟

3۔ کیا نبی کے نہ ماننے سے کفر لازم آتا ہے؟

میں نے تحریر میں ہی جواب دیا۔

اول یہ کہ قرآن کریم میں کہیں بھی تشریعی اور غیر تشریعی نبی کا ذکر نہیں ہے۔ ہاں! اتنا لکھا ہوا ضرور ہے کہ کوئی نبی بغیر کتاب کے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (213:2)اس پر بڑی بحث کی اور یہ کہا کہ اس آیت سے کُل انبیاء کو کتاب دی جانا ثابت نہیں ہوتا۔ نَبِيّٖنَ جمع کا صیغہ ہے۔ تین نبیوں کی نسبت بھی استعمال ہوسکتا ہے (حالانکہ یہ غلط ہے)۔ میں نے پھر اس کی تائید میں یہ آیت پیش کی۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ (43:16-44)اس پر بھی خلیفہ صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ بِالْبَيِّنٰتِ کا صلہ اَرْسَلْنَا کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ لَا تَعْلَمُوْنَ کے ساتھ ہے۔ میں نے کہا کسی مفسر کی تحریر سے یہ ثابت کر دو کہ اس کا صلہ لَا تَعْلَمُوْنَ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ نذیر احمد صاحب کا ترجمہ دیکھا گیا، شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ دکھایا گیا اور صدیق حسن خان صاحب کی تفسیر دکھائی گئی۔ ان تینوں میں وہی معنی نکلے جو میں نے کئے تھے۔ یعنی کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں گزرا جس کو نبوت اور کتاب نہ دی گئی ہو۔ چونکہ یہ کلام حصر کا تھا۔ کوئی نبی باہر نہیں رہ سکتا تھا۔ خلیفہ صاحب نے مجبور ہو کر کج بحثی شروع کی جیسے کہ ان کی عادت ہے۔

دوسرے یہ کہ نبی اور رسول کی تعریف کی نسبت قرآن کریم میں 18 آیات ہیں۔ مجھے زبانی یاد نہیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک آیت جس میں ایک حد تک مجملاً تعریف ہے۔ وہ یہ ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ(64:4)

تیسرے یہ کہ نبی کے نہ ماننے والوں کی نسبت سورۃ النسآء میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا. اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا (150:4-151) پھر بعد اس کے حضرت صاحب کی کتب پر بہت بحث رہی۔ خلیفہ صاحب اِسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کی آیت کی نسبت میاں صاحب کو غلطی پر سمجھتے ہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب، جو یہاں کے فرد واحد مولوی ہیں، میاں صاحب کے عقائد سے سخت بیزار ہیں۔ جو آپ کا عقیدہ ہے، وہی عقیدہ مولوی صاحب موصوف کا ہے۔ تقریباً تمام جماعت

سری نگر کا عقیدہ ہمارا عقیدہ ہے۔

جہاں تک میں نے غور کیا ہے۔جن لوگوں کو آپ کی ذات سے عناد ہے انہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے۔محمودی اور احمدی دونوں ایک ہی جگہ رہتے سہتے ہیں۔ خدا نے مجھے بعد نماز جمعہ بھی موقعہ دیا۔ میں نے قرآن کریم کے فضائل بیان کر کے اندرونی اختلاف پر کھول کھول کر بحث کی۔ مدلّل تقریر کی۔حتی الامکان کوئی خبر باقی نہ رکھی۔ وقت تنگ تھا۔ختم لیکچر پر محمودیوں کی طرف سے آواز اٹھی کہ ہم کو بھی موقعہ دیا جائے۔ ہم ان مغالطوں کی تردید کریں گے۔ ملک صاحب نے اور خواجہ جمال الدین صاحب نے اٹھ کر کہا کہ یہ بحث کا موقعہ نہیں ہے۔ اگر بحث کرنا ہے تو شام کو آؤ۔غرض تمام جماعت نے ان کو خاموش کرایا۔ آگ بگولہ ہو گئے۔ دعا فرمایئے!

خاکسار

صدیق حسین

❁❁❁

26 ستمبر 1916ء

ایک ضروری تحریک

(2)

(از حضرت امیر مولٰینا مولوی محمد علی ایدہُ اللہ بنصرہِ العزیز)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُہَا مِنۡ اَطۡرَافِہَا وَاللّٰہُ یَحۡکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکۡمِہٖ وَہُوَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ. (41:13)

ترجمہ: ’’اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں اور اللہ فیصلہ کرتا ہے کوئی اس کے فیصلہ کو رد کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔‘‘

حق کا غالب آنا ہمیشہ ہی ایک ایسا تاریخی امر رہا ہے کہ ابنائے دنیا کو اس پر ٹھوکر لگتی رہی ہے۔ یوں تو حضرت محمد مصطفٰی احمد مجتبٰی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان رسول کو مخاطب کر کے اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ **وَاِنۡ مَّا نُرِیَنَّکَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُ ھُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ وَعَلَیۡنَا الۡحِسَابُ ((40:13)** یعنی وہ وعدے جو ہم ان کو دیتے ہیں، کہ حق غالب ہوگا اور باطل کو نابود کر دیا جائے گا، چاہیں تو ان میں سے بعض وعدے ہم تم کو دکھا دیں یا اس سے بھی پہلے ہی تم کو وفات دے دیں۔ اس میں تمہارا کچھ دخل نہیں۔ کیونکہ تمہارا کام صرف حق کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے۔ اپنے ساتھ ملا لینا یہ تمہارا کام نہیں۔

اچھے اور بُرے کاموں پر محاسبہ کرنا یہ اللہ تعالٰی کا کام ہے۔ اس میں آپؐ کے پیروؤں کو یہ نصیحت ہے کہ یہ کبھی بھی فکر مت کرو کہ فلاں بات جو ہم کہتے ہیں اس کو لوگ مانتے ہیں یا نہیں۔ ہاں! یہ دیکھو کہ وہ حق ہے یا نہیں۔ کسی شخص سے قیامت کے دن یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تمہارے ہم خیال کتنے لوگ تھے۔ ان کی تعداد زیادہ تھی یا کم۔ ہاں! یہ سوال ضرور کیا جائے گا کہ جو تم کہتے تھے اور کرتے تھے وہ حق تھا یا نہیں۔

جب کسی قوم کے گرنے کے دن آتے ہیں تو عُلوم حقّہ ان سے چھین لئے جاتے ہیں اور حق پر تمسخر واستہزاء کرنا ان کے حصہ میں آجاتا ہے۔ یہی حال ہمارے غالی دوستوں کا ہے۔ جو اپنی کثرت پر نازاں ہو کر بغلیں بجاتے اور بار بار بطور استہزاء ہم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیوں جی! اگر تم اہل حق ہو تو تمہارے ساتھ کتنے آدمی مل گئے؟ وہ وقت بھی آجائے گا، جب وہ دیکھ لیں گے کہ ہمارے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔ لیکن ان کا یہ سوال اور یہ تمسخر ایک احمقانہ فعل ہے۔ اگر جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ضرور ہے کہ وہ دنیا پر غالب آئے۔ خواہ سالوں میں اور خواہ صدیوں میں۔ غور کرو کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد مؤیدین تثلیث کو اپنی کثرت پر کس قدر فخر ہوگا۔ اور توحید کے مؤیدین پر وہ کس طرح ہنستے ہوں گے کہ دو چار آدمی کیا چیز ہیں۔ خیر توحید کا غلبہ تو چونکہ دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہی ابتدا سے مقدّر ہو چکا تھا۔ اس لئے مصلحتِ الٰہی نے یہی چاہا کہ ایک وقت کے لئے شرک اور ظلمت غالب رہیں۔ لیکن ظلمت کے فرزند تو اس وقت بھی ہنستے ہوں گے۔ جب جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا. (81:17) کی آواز ان کے کانوں پر پڑتی ہوگی کہ باطل تو دنیا پر نشو ونما پا رہا ہے۔ نابود کہاں ہوا ہے!

میں نے بیشک یہ کہا ہے اور اب بھی یہ کہتا ہوں کہ جو عقیدہ ہمارے غالی بھائی پہلے ضالین کے نقش قدم پر چل کر دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں وہ کبھی بار آور نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ باطل محض ہے۔ اور اسی یقین کے ساتھ، جو اہلِ حق کو ہمیشہ حاصل ہوتا ہے، میں یہ کہتا ہوں اگر یہ نہ میری موت وحیات سے وابستہ ہے نہ میرے دوسرے ہم خیال احباب کی موت وحیات سے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے اس باطل عقیدہ کو نابود کر دے جو پھیلایا جا رہا ہے کہ اب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے پڑھنے سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا۔ گویا زمانہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح گزر چکا جس طرح آنحضرت کی تشریف آوری پر پہلے انبیا کی نبوت کا زمانہ ختم ہو چکا۔

بعض صلح پسند لوگ کافی غور کئے بغیر یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ محض نزاع لفظی ہے۔ کسی نے حقیقی نبی کہہ دیا تو کیا؟ اور مجازی کہہ دیا تو کیا؟ اس سہل انگاری سے تو ایک انسان خدا بن گیا۔ مجازی خدا کہہ دیا تو کیا اور حقیقی خدا کہہ دیا تو کیا۔ بس حقیقی اور مجازی نبی کے فرق کو مدنظر نہ رکھنے سے اتنا ہی فرق پڑتا ہے، جس طرح وہ عقیدہ خدا

کی خدائی کو باطل کرتا ہے، اسی طرح یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو باطل کرتا ہے۔ اور دین اسلام کا باقی کچھ نہیں رہنے دیتا۔ کاش! ہمارے دوست اتنا ہی غور کرتے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے پڑھنے سے اب ایک غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوتا محمد رسول اللہ کی نبوت کا زمانہ تو ختم ہو چکا۔ نبی کہہ دینا تو آسان ہے۔ مگر اس کے خطرناک نتائج پر غور نہیں کرتے۔

ہاں! یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ حق کے ساتھ ہمیشہ کچھ کھلے کھلے نشان بھی ہوتے ہیں۔ نرا دعویٰ ہی دعویٰ نہیں ہوتا۔ اسی میں سے ایک نشان کا ذکر آیت مندرجہ عنوان میں ہے۔ کیا یہ غور نہیں کرتے کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے گھٹاتے چلے آتے ہیں۔ اطراف الارض سے مراد اوپر اور نیچے کے طبقہ کے لوگ بھی لئے گئے ہیں اور بعض اعلیٰ درجہ کے لوگ بھی۔ باوجود اس زور کے جو حق کی مخالفت پر لگایا جاتا ہے کچھ نہ کچھ لوگ اعلانِ حق کرنے والے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی سنت اللہ کے مطابق یہاں بھی سلسلہ جاری ہے۔ ہماری غرض کوئی گدی قائم کرنا نہیں۔ ہاں! جماعت کو عقائد صحیحہ پر قائم رکھنا ہے۔ سو حالانکہ اس عرصہ میں ہماری طرف سے کوئی بڑی کوشش بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ میری مصروفیت تو ترجمہ قرآن میں اس قدر رہی ہے کہ دوسرے کاموں کی طرف توجہ نہیں کر سکا۔ باوجود اس کے محض خدا کے فضل سے ایسے لوگ نکلتے چلے آتے ہیں جو جرأت ایمانی سے کام لے کر اپنے عقائد کا اعلان اور اپنے غلو اور افراط کے بھرے ہوئے عقائد سے بیزاری کا اظہار کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جماعت میں کثیر حصہ ان لوگوں کا، جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی صحبت سے فائدہ اٹھایا ہے، ان نئے عقائد سے سچے دل سے متنفر ہیں۔ خواہ انہوں نے ابتدا میں بوجہ ناواقفیت اس امر کے، کہ نئے عقائد کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے، یا یہ کہ ان میں اس قدر غلو کیا جائے گا، قادیان میں بیعت بھی کر لی ہو، مگر ان لوگوں کا کثیر حصہ اس غلطی میں پڑا ہوا ہے کہ ہم کو پیر و مرشد کے عقائد سے کیا واسطہ؟ ہم اپنے عقائد اپنے دل میں رکھیں گے۔

مگر وہ نہیں جانتے کہ ان کی اس غلطی کی وجہ سے سلسلہ کو کس طرح نقصان پہنچ رہا ہے اور نئی نسل کس طرح تباہ ہو رہی ہے۔ کیونکہ ایک تو مخالفینِ سلسلہ کو اب یہ دعویٰ سے کہنے کا موقعہ مل گیا کہ ہمارا الزام مرزا صاحب پر مدعی نبوت ہونے کا سچا تھا۔ اور دوسرے جو ناواقف اب سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں یا جو خود ان کی اپنی نسل

ہے، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ شائد انہی عقائد کی حضرت صاحب نے تعلیم دی ہوگی۔ وہ خوب یاد رکھیں کہ یہ محض ایک چال تھی جو چل گئی کہ اپنے عقائد کو دل میں رکھو اور باوجود اختلافِ عقائد بیعت کرلو۔ جن دلوں میں یہ عقائد ہیں وہ تو خاموش رہے۔ لوگوں کو کیا پتہ کہ ان کے دل میں کیا عقائد ہیں۔ اور جن عقائد کی شب و روز تعلیم دی جاتی ہے۔ جن کے خلاف ایک حرف کسی اخبار یا رسالہ میں نہیں نکل سکتا۔ جن کی تردید کے لئے قادیان میں ایک شخص بھی منہ نہیں کھول سکتا۔ حالانکہ بیعت کے وقت ایسے لوگ تھے جنہوں نے اعلانیہ کہہ دیا تھا کہ ہم عقائد میں اختلاف رکھتے ہیں۔ وہی عقائد ان کے بھی سمجھے جاتے ہیں۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری نہ کرو۔ اس نے حکومت تو ایسی عطا فرمائی جو اپنے شاہی مذہب کی تردید پر بھی تمہیں کچھ نہیں کہتی اور تم کھلے طور پر اس کے مذہب کی تردید کر سکتے ہو۔ مگر ایک خلیفہ تم نے اپنے اختیار سے، اپنی رائے سے، اپنی منشاء سے ایسا بنا لیا جو تم کو عقائد حقّہ سے روکتا ہے۔ پھر اسلام تو عیسائیوں، یہودیوں اور سب اہل مذاہب کو اپنے عقائد کی اشاعت کی اجازت دیتا ہے۔ یہ خلافت کس اصول پر ہے؟ جو عقائد صحیحہ کے اظہار سے مانع ہے۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ یہ لوگ تو منافقت سے اپنی زندگی بسر کر جائیں اور پیچھے آنے والی نسلیں ان کی وجہ سے ہلاک ہوں۔ یا ان پر ملامت کریں کہ انہوں نے اپنے اندر اس قدر ایمانی جرأت نہ پائی کہ ایک آزاد گورنمنٹ کے ماتحت بھی اپنے عقائد صحیحہ کا اظہار کر کے دوسروں کو غلطی سے باہر نکالتے۔ ایسے ہمارے سب دوست اس بات کو یاد رکھیں کہ وہ اپنے فعلِ خاموشی سے ان عقائد باطلہ غالیانہ کی ترویج میں مدد دے رہے ہیں۔ ان کی خاموشی سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ساری جماعت کا ان عقائد پر اتفاق ہے۔ پس وہ اب بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ بڑی بڑی برکات دینی و دنیوی سے مالا مال کرے ان احباب کو، جنہوں نے جرأت ایمانی سے کام لے کر اپنے عقائد کا اعلان اور غلو سے بیزاری کا اظہار کر دیا ہے۔ ان سب کے سرتاج مخدومی مکرمی مولٰینا سید محمد احسن صاحب امروہوی ہیں۔ جنہوں نے اس ضعیفی میں ہر قسم کے خیالات کو خشیۃ اللہ اور تقویٰ اللہ کے سامنے قربان کر دیا ہے۔ اور غالیانہ عقائد کی تردید میں ایک مختصر مگر نہایت مدلل کتاب ''**القول الممجد**'' تحریر فرمائی ہے۔ حضرت مولٰینا صاحب کی اس کتاب نے درحقیقت یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ہمارے سلسلہ کا مذہب

حضرت مسیح موعود کے وقت میں کیا تھا۔ کیونکہ مولیٰنا ممدوح نہ صرف مُسلّم طور پر اس سلسلہ میں بزرگی کا مرتبہ رکھتے ہیں، بلکہ آپ کے علم وفضل کی اور آپ کے تفقہ فی الدین کی خود حضرت مسیح موعود نے اپنی کتابوں میں بار بار تعریف فرمائی ہے اور بہت سے امور پیش آمدہ کے جواب دینے کے لئے آپ کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ اور آپ کا ساختہ پرداختہ گویا ہر چیز آپ کو منظور ہوتا تھا۔ آپ کے متعلق کتاب ''حمامۃ البشریٰ'' میں صفحہ 29-30 پر ایک جگہ تحریر فرمایا ہے۔ **فَمِنْهُمْ الاخ المكرم العالم الْمحدث اَلْفَقِيْهُ الْجَلِيْلُ...... اِنَّهُ رجلٌ صَالِحٌ تقىٌّ غيُّوْرٌ لِلْاِسْلَامِ ......رَزَقَهُ اللّٰهُ ذَخِيْرَةً كَثِيْرَةً مِّنْ عُلُوْمِ الدِّيْنِ......وَمَعَ ذٰلِكَ انَّهُ زَاهِدٌ مُتَّقِيٌّ كَثِيْرُ الْبُكَاءِ مِنْ خَوْفِ اللّٰهِ يُخَافُ مَقَامَ رِبِّهٖ. وَيَعُشُ كَالْمِسْكِيْن** (یعنی ان میں سے بزرگ بھائی عالم محدث اور جلیل القدر فقیہ (سید مولوی محمد احسن ہیں)............ وہ ایک صالح متقی اسلام کے لئے غیرت رکھنے والا مرد ہے۔............ اللہ تعالیٰ نے اس کو علومِ دینیہ کا بڑا ذخیرہ دیا ہے............ اور باوجود ان صفات کے وہ زاہد متقی اور اللہ کے خوف سے بہت رونے والا ہے۔ اور خدا کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اور مسکینوں کی زندگی گزارتا ہے۔

اور پھر آپ کی تصنیفات ''تحزیر المومنین'' وغیرہ کے مسائلِ حقّہ کی تصدیق بدیں الفاظ حقیقۃ الوحی میں فرمائی ہے۔

''پس اس اثناء میں کہ میں یہ شعر پڑھ رہا تھا کہ عین پڑھنے کے وقت مجھے یہ الہام ہوا ؎

از پئے آں محمد احسن را تارکِ روز گارمے بینم

یعنی میں دیکھتا ہوں کہ مولوی سید محمد احسن امروہی اس غرض کے لئے اپنی نوکری سے جو ریاست بھوپال میں تھی علیحدہ ہو گئے۔ تا خدا کے مسیح موعود کے پاس حاضر ہوں اور اس کے دعویٰ کی تائید کے لئے خدمت بجا لاوے اور یہ ایک پیشگوئی تھی جو بعد میں نہایت صفائی سے ظہور میں آئی۔ کیونکہ مولوی صاحب موصوف نے کمر بستہ ہو کر میرے دعویٰ کی تائید میں بہت سی کتابیں تالیف کیں اور لوگوں سے مباحثات کئے۔ اور اب تک اسی کام میں مشغول ہیں۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ 333)

حقیقۃ الوحی کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حقیقۃ الوحی کی تصنیف کے وقت بھی حضرت مسیح موعود آپ کی سب کتابوں کو اپنے دعویٰ کا مؤید مانتے ہیں۔ حالانکہ ان کتابوں اور بالخصوص ''تحریر المومنین'' میں وہی مذہب تحریر فرمایا ہے۔ جو آج **القول الممجد** میں لکھتے ہیں۔ جیسا کہ صفحہ 125 **القول الممجد** میں وہ خود ہی فرماتے ہیں:

''یہ میرے عقائد من ابتدائے تصنیف ''اعلام الناس حصہ اول'' یعنی من ابتدائے تصنیف ''فتح الاسلام'' از حضرت اقدس آج تک یہی رہے ہیں۔''

اس کتاب ''**القول الممجد**'' فی تفسیر **اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ** میں نہ صرف آپ نے پیشگوئی مندرجہ **مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ** (6:61) کا وقوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں دلائل قطعی سے ثابت کیا ہے۔ بلکہ باقی مسائلِ متنازعہ کا بھی، جن کی تائید کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم احمد کا انکار کیا گیا ہے، فیصلہ کر دیا ہے۔ اور مسئلہ کفر و اسلام میں اور مسئلہ نبوت میں بھی نہایت صفائی کے ساتھ اور مُحکم دلائل کے ساتھ غالیانہ عقائد کے جواب جو خلاف واقعہ حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، تردید کر دی ہے۔ اور ایک خاص فصل ختم نبوت کی بحث پر بڑھا کر بتایا ہے کہ اب بھی آپ کا وہی مذہب ہے جو حضرت مسیح موعود کی زندگی میں تھا کہ بابِ رسالت و نبوت قطعی طور پر مسدود ہے۔ ہاں بابِ ولایت و محدثیت، جس کو نبوت مجازی کہا جا سکتا ہے، کھلا ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کی وجہ بھی منجانب اللہ تحریک ہے۔ جیسا کہ آپ نے صفحہ 98 پر لکھا ہے:

''خاکسار تو جب ہر چہار طرف سے مجبور ہو گیا تب بولا ہے۔ خصوصاً جب کہ روحانی طور پر حضرت مسیح موعود کی طرف سے بذریعہ رؤیا صادقہ مجھ پر تاکید پر تاکید ہوئی''۔

قادیان کے اخباروں کو اس بات پر فخر ہے کہ مولٰنا موصوف کی اس کتاب سے ان کی جماعت میں معاً کوئی انقلابِ عظیم پیدا نہیں ہو گیا۔ جس سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جماعت نے اس کتاب کو تحقیر کی نظر سے دیکھا ہے۔ اگر ایک جماعت، جس کی نسبت خود اس کے سردار کی الہامی شہادت بدیں الفاظ موجود ہے۔

شکر للہ مل گیا مجھ کو وہ لعل بے بدل   کیا ہوا گر قوم کا دل سنگِ خارا ہو گیا

یعنی خلافت تو مل گئی۔ جماعت کے دل چاہے کَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (2:74) کے مصداق ہو گئے ہوں، اس وقت ضد میں آکر اس شخص کی تحریر کو پسِ پشت پھینکے جس کو کل تک فرشتہ کہا جاتا تھا اور احسن المناظرین کا خطاب مسلّم طور پر اس کو دیا جا چکا ہے۔ تو یہ اس جماعت کی حالت پر رونے کا مقام ہے، نہ خوش ہونے کا! آپ وہی بزرگ ہیں جن کی نسبت بہت دیر نہیں ہوئی نواب محمد علی خاں نے ذیل کے الفاظ لکھے تھے:

''اور بہ لحاظ علمی حالت کے جناب کا تبحر علمی ظاہر خود حضرت اقدس تعریف فرمایا کرتے تھے اور بہ لحاظ علمیت دینی کے الہام ربانی خود بتلا رہا ہے کہ

از پئے آں محمد احسن را   تارکِ روزگار می بینم

تو اس لحاظ سے ہر طرح خواہ کوئی شق لی جائے آپ بزرگ۔ ہم سب خورد۔ بھلا جو بات جناب کی سمجھ نہ آتی ہو، وہ ان بچوں کی سمجھ کیا آ سکتی ہے۔''

جن کے متعلق یہ فخریہ لکھا جاتا تھا کہ:

''کتاب وسنت کے مطابق آپ عقیدہ رکھیں گے اور وہی حق ہو گا۔''

اور جن کے متعلق سب سے بڑھ کر خود میاں (محمود احمد) صاحب نے یہ شہادت دی ہے:

''حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے خیالات اکثر حضرت سے توارد ہوتے ہیں۔ سو آپ کے خیالات سے مطابقت حاصل کر کے ایک خوشی ہوتی ہے کہ گویا حضرت صاحب کا خیال بھی یہی تھا۔''

کاش! آج بھی محض آپ کے ''خیالات'' نہیں بلکہ ان عقائدِ حقّہ سے، جن پر آپ ابتدائے دعویٰ مسیح موعود سے اب تک قائم رہے، مطابقت حاصل کر کے صاحبزادہ صاحب خوش ہوتے اور اپنی غلطی سے اور غلو سے صاحبزادہ صاحب توبہ کر کے گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتے اور اپنے ہی الہام کے انذار سے ڈر جاتے۔ جس

میں ان کی جماعت کے دل کے سنگ خارا ہو جانے کی شہادت موجود ہے۔مگر نہیں۔آج ان باتوں پر فخر کیا جاتا ہے کہ جماعت نے ایسے بزرگ کی تحریر کی طرف توجہ نہیں کی اور نا اہل لوگوں سے اپنے اخبار میں یہ لکھوایا جاتا ہے کہ کتاب کو لکھ کر مولوی صاحب نے اپنی علمی پردہ دری کر دی ہے یہ ناہنجار جو اس قسم کے الفاظ لکھتے ہیں وہ اتنا بھی نہیں ڈرتے کہ مولوی صاحب کی تو اہل علم کے نزدیک جو عزت اس کتاب کی تصنیف سے ہوئی ہے وہ ایک الگ امر ہے۔لیکن کیا اس سے خود حضرت مسیح موعود پر حرف نہیں آتا کہ انہی لوگوں کی تعریفیں کیا کرتے تھے جن کی علمی پردہ داری آج چند چھوکرے بھی کر سکتے ہیں۔پھر حضرت مولوی صاحب کی ایمانی جرأت، جو ایمان کی اصل نشانی ہے، کس قدر اس کتاب سے ظاہر ہوئی ہے کہ آپ نے کسی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوبارہ اپنے آپ کو اس شعر کا مصداق ثابت کیا۔

از پئے آں محمد احسن را تارک روزگار می بینم

اور جب اسلام پر حملہ ہوتے دیکھا تو پھر خاموش رہنا گناہ سمجھا۔مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی اس محنت کو، اس ایمانی شجاعت کو، اس قربانی کو اور اس دینی غیرت کو بے ثمر نہیں چھوڑے گا۔یہی جماعت اس کی قدر کرے گی، اور نہیں کرے گی تو اللہ تعالیٰ ان سے بہتر اس کے قدر دان پیدا کر دے گا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر جناب مولینا صاحب سے اس بارہ میں تم لوگوں کو اختلاف بھی تھا تو طریقِ ادب سے ان کے خیالات کی تردید کرتے۔اعلان یہ کرنا کہ ''اختلافِ عقیدہ رکھ کر بیعت کرلو'' اور اس اختلافِ عقیدہ کے اظہار پر اس قسم کی یاوہ گوئی کرنا اور کرانا طریقِ شرافت سے بھی بعید ہے! خلافت تو منوائی جاتی ہے اس آڑ میں، کہ جماعت میں وحدت قائم ہو جاتی ہے۔مگر غور کرو کہ کیا یہ وحدت ہے؟ دل تو اندر سے کینہ اور حسد سے بھرے ہوئے ہیں۔ذرا کسی نے غالیانہ عقائد کے خلاف اظہار رائے کیا، تو پر اور پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔اس قدر بغض تو دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے بھی رکھنا جائز نہیں۔چہ جائیکہ ان سے رکھو جن کو تم نے ایک سلسلہ وحدت واخوت میں منسلک کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔اب غور کرو کہ یہ وحدت ہے یا منافقت؟ اوپر کے مُلَمّع پر مت بھولو کہ ہم نے بذریعہ بیعت ایک کرلیا ہے۔دلوں میں سخت بغض اور کینہ بھرا ہوا ہے کہا تو یہ جاتا ہے کہ تم چاہے یہ عقیدہ رکھو یا وہ رکھو بیعت کرلو۔ہم تم بھائی ہیں۔مگر دوسرے عقیدہ کا کسی نے اظہار کیا تو اس کا اتنا

بھی پاس ادب نہیں کیا جاتا جتنا ایک دشمن کا کرنا بھی اخلاقِ اسلامی کی رو سے ضروری ہے کہیں ''رشوت'' کے الزام ہیں، کہیں ''ارذل العمر'' تک پہنچ جانے کا ناپاک حملہ ہے۔ پھر بتاؤ کہ جب تمہارے نزدیک یہ عقیدے ایسے گندے ہیں جیسا تم اپنے اخباروں میں ظاہر کرتے ہو۔تو یہ عجیب تماشا ہے کہ تم لوگوں کو یہ کہتے ہو کہ اس گند کو دل میں رکھ کر ہماری بیعت کرلو۔ کیا گند کا دل میں رہنا جائز ہے اور اس کا باہر نکالنا آپ کے نئے عقائد کی رو سے ناجائز؟ کیا یہی تعلیم ہے جس سے عقائدِ دینی متمکن ہوں گے؟ جو مولوی محمد احسن ایسے عظیم الشان شخص کے اظہارِ عقائد پر اگر مطابقت حاصل کر کے خوشی حاصل کرنے کا زمانہ اب گزر چکا تھا۔ کیونکہ جو کام ان سے لینا تھا لے چکے، تو کم از کم اس اختلاف میں صاحبزادہ صاحب خود قلم اٹھاتے۔ اور ان کے دلائل کی تردید کرتے اور جماعت خود اندازہ کر لیتی کہ اس شخص کی بات ماننے کے قابل ہے جس کا ساختہ پرداختہ حضرت بھی منظور فرما لیتے ہیں اور جن کو فرشتہ ہونے کا خطاب دیا تھا، جن کا علم وفضل مسلّم ہے۔ یا اس شخص کا جس نے اور علوم کی جو تحقیق کی ہوگی اس سے تو ہمیں سروکار نہیں، حضرت صاحب کی کتابوں سے بھی قطعاً ناواقف ہے۔ اور اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں کہ نہایت تحقیر کے ساتھ وہ حضرت مسیح موعود کی تحریرات کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً حضرت صاحب تو فرماتے ہیں کہ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شکمِ آمنہ عفیفہ میں تھے تب فرشتے نے ظاہر ہو کر کہا کہ اے آمنہ تو بیٹا جنے گی اس کا نام احمد رکھنا اور میاں صاحب فرماتے ہیں:

''آپ کی والدہ نے ہرگز آپ کا نام احمد نہیں رکھا۔ یہ بات کسی کی بنائی ہوئی ہے۔''

میاں صاحب! غور کیجئے۔ کس کی بنائی ہوئی بات ہے۔ مسیح موعود کی؟ اور پھر علمِ حدیث پر آپ کو اس قدر عبور ہے کہ ان تمام احادیث صحیحہ وغیرہ کو، جن میں آپ کا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم آیا ہے، آپ ''کچی'' اور ناقابل اعتبار روایات قرار دیتے ہیں اور ان کے موضوع ہونے کی وجوہات کا بھی آپ نے ایک شوشہ قلم سے پتہ لگالیا، ''جو صرف عیسائیوں کے اس اعتراض سے بچنے کے لئے وضع کر لی گئی تھیں کہ تم احمد کی پیشگوئی انجیل میں کہتے ہو۔ مگر تمہارے نبی کا نام تو احمد نہیں''۔ حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ کوئی عیسائی یہ نہیں کہتا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انجیل کی پیشگوئی کا مصداق اس لئے نہیں مانتے کہ انجیل میں لفظ احمد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد نہ تھا۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ احمد کا لفظ ہی انجیل میں نہیں۔ فارقلیط یا تسلی دہندہ کا نام انجیل میں ہے۔ سو وہ

پیشگوئی روح القدس کے آنے سے پوری ہو چکی۔ایک جھوٹ خود ہی گھڑ کر اس کی بنا پر صحیح احادیث کو موضوع قرار دینا یہ کہاں کی دیانتداری ہے؟

اس قدر احادیث کو اس بے خوفی سے وضعی کہہ دینا، جن میں بخاری اور مسلم کی حدیثیں بھی موجود ہیں، یہ خدا ترسی اور تقویٰ کو تو الگ رکھو، دعویٰ اسلام سے کس قدر بعید ہے! بھلا کسی معترض عیسائی کی کتاب کا حوالہ دیجئے۔جس میں ان روایات کے ان کتابوں میں تحریر پانے سے پہلے یہ اعتراض پیش کیا گیا ہو۔اور اگر نہیں دے سکتے وَلَنْ تَفْعَلُوْا (24:2) تو پھر غور فرمایئے کہ عیسائی معترضین کی وکالت آپ کے حصہ میں کیونکر آ گئی؟ کہ جو باتیں انہوں نے کیں وہ آج آپ اسلام کے خلاف بیان کر رہے ہیں۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیشگوئی کا مصداق نہ ثابت ہونے دینے کے لئے عیسائیوں پر بھی افترا، العیاذ باللہ! اگر اس بات میں ایک ذرہ بھر بھی سچ ہے تو کسی عیسائی کا اعتراض شرائط بالا کے ساتھ پیش کرو۔ورنہ اس طرح احادیث کی تحقیر اور دین اسلام کی بیخ کنی کے درپے ہونے سے توبہ کرو۔

جن لوگوں نے یہ بات تراشی ہے ان کو اتنی بھی سمجھ نہیں آئی کہ ماں باپ کے نام رکھنے پر پیشگوئی کا انحصار نہیں ہوا کرتا۔اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے اِسْمُهٗٓ اَحْمَدُ کی پیشگوئی کے مصداق نہیں کہ والدین نے آپ کا نام احمد نہیں رکھا تو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی عیسیٰ بن مریم کے نزول کی پیشگوئی کے مصداق کیونکر بن گئے؟ صوفی شمس الدین شملوی کے لڑکے کو، اللہ تعالیٰ عمر دے، اگر وہ کل کو کہے کہ میرا نام ماں باپ نے عیسیٰ رکھا اور میں مریم کا بیٹا بھی ہوں۔پس میرا نام عیسیٰ بن مریم ہے۔مگر مرزا غلام احمد صاحب کا نام تو والدین نے عیسیٰ بن مریم نہیں رکھا۔تو اس لئے اصول کے مطابق میاں صاحب ایک نئے عیسیٰ بن مریم کے پیرو ہو جائیں گے اور مرزا صاحب کی مسیحیت سے توبہ کریں گے۔اور یہی عذر اس وقت بھی ہو گا جواب کرتے ہیں کہ تعیّنِ اخبار غیبیہ میں اختلاف ہو ہی جاتا ہے۔اس وقت سب احمدیوں کو غلطی لگ گئی۔عیسیٰ بن مریم وہ ہے جن کا نام ماں باپ نے عیسیٰ بن مریم رکھا۔اور پھر کوئی پوچھے کہ ماں باپ نے تو مرزا صاحب کا نام بھی احمد نہیں رکھا۔ اور اس سے پہلے تین مجدد احمد نام کے ہندوستان میں ہی گزر چکے ہیں۔وہ کیوں اس پیشگوئی کے مصداق نہیں؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولٰینا سید محمد احسن صاحب کو، جنہوں نے اس کتاب میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی حمد کرنے والا انسان دنیا میں نہیں گذرا۔ پس جو سب سے بڑھ کر اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ کا مصداق ہے وہی اس پیش گوئی کا بھی مصداق ہے۔ اور میرے خیال میں جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص اس آیت میں اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ کا حق دار ہے اور اس لئے وہ پیشگوئی اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ کا مصداق ہے، وہ مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں۔

غرض مولٰینا موصوف کی یہ کتاب ایک نہایت قابل قدر کتاب ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہمارے ہر ایک دوست کے ہاتھ میں اس کی ایک کاپی ہو جو اسے ہر وقت ہتھیار کا کام دے گی۔ انشاء اللہ تعالٰی یہ وہ چوٹ ثابت ہو گی، جس کو ایک دفعہ کھا کر باطل دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ ہوگا۔ نبوت کے متعلق کافی بحث ہو چکی ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے اس بحث میں بھی غالیانہ عقائد کے پیروؤں کو نیچا دکھایا ہے۔ اب ان غالیانہ عقائد پر یہ دوسرے رنگ کا حملہ ہے۔ اور اب اس سے کام لینا چاہئیے۔ جو کچھ کام اس وقت ہماری جماعت کو کرنا پڑا ہے وہ کوئی چھوٹا سا کام نہیں۔ دنیا میں غلو کا مقابلہ بڑا مشکل کام ہے۔ کیونکہ غلو ایک دل خوش کن پہلو اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ بڑی کوشش اور ان تھک محنت سے کام لینا ضروری ہے۔ اگر اس وقت ہم لوگ ذرا بھی سستی سے کام لیں گے، تو یہ الزام ہم پر ہو گا کہ ہم نے اپنی غفلت سے باطل کو ترقی کرنے دی۔ جس طرح پہلے مسیح کے موحد پیروؤں نے تثلیث کے حامیوں کو ترقی کر جانے دی۔ میرے خیال میں یہ مناسب ہے کہ اب ہر جگہ اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ کی بحث کو چھیڑا جائے۔ اس کے لئے ایک ہتھیار تو یہی حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کی کتاب ہے جس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں۔ اور ایک اور چھوٹی سی کتاب انہی دنوں میں شیخ مولا بخش صاحب نے بنام ''بشارت احمد'' اسی موضوع پر لکھی ہے۔ جس میں علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیشگوئی کا مصداق ثابت کرنے کے، ساٹھ کے قریب حوالے حضرت مسیح موعود کی کتابوں سے انکار نبوت پر بھی دیئے ہیں۔ یہ بھی ایک نہایت مفید کتاب ہے اور اس کے استنباط اور دلائل بالکل عام فہم اور سیدھے ہیں۔ اور قیمت نہایت کم صرف دو آنہ ہے۔ اس کا بھی ہر ایک دوست کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے۔ سخت سے سخت قفل بھی جو دلوں پر لگ جائیں مومن کی کوشش سے کھل جاتے ہیں۔ پس ہمیں اپنے غلطی خوردہ بھائیوں سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اب اس پہلو سے ان کو سمجھانے کی کوشش کرنی چاہئیے۔

مگر اس سے بڑھ کر میں جس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ علاوہ سمجھانے کے، ان دو

کتابوں کو بھی ہر ایک صاحبزادہ صاحب کے مبائع کے ہاتھ تک پہنچانا ضروری ہے۔اس کے لئے میں چاہتا ہوں کہ کم از کم تین تین سو کتاب ہمارے ہاتھ میں مفت تقسیم کے لئے آجائے۔**القول الممجد** کی قیمت 8 آنہ اور بشارت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دو آنہ ہے۔تین سو آدمیوں کے ہاتھ تک پہنچا کر اگر ان میں سے تیس بھی امر حق کو قبول کر لیں اور غالیانہ عقائد سے متنفر ہو جائیں،تو ہماری محنت کا ثمرہ گویا مل گیا۔اس لئے میں اپنے احباب سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ایک ایک، دو دو، چار چار نسخوں کی قیمت ہمیں بھیج دیں تو ہم ان کتابوں کے منگوانے اور تقسیم کرنے کا انتظام کر دیں۔ ہمارے سارے احباب، جو اس سلسلہ سے محبت رکھتے ہیں،فرداً فرداً اپنے آپ کو اس تحریک کا مخاطب سمجھیں۔ یہ ذمہ داری درحقیقت ہر ایک احمدی پر ہے کہ وہ اپنے غلطی خوردہ بھائیوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرے۔اور اس لئے سب ہی اس میں مخاطب بھی ہیں۔

ہاں! جہاں خود جماعتیں تقسیم کا مناسب انتظام کر سکتی ہوں، انہیں اختیار ہے کہ وہ اپنے طور پر منگوا کر تقسیم کریں۔لیکن بہرحال یہ موقعہ کام کرنے کا ہے۔اکثر تحریکیں یوں ضائع ہو جاتی ہیں کہ ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ میرے کام کرنے کی ضرورت نہیں، میرے دوسرے بھائی کام کر لیں گے۔مگر جماعت کے ہر ممبر کا جب تک یہ خیال نہ ہو کہ اور کوئی کچھ کرے نہ کرے، میرے لئے کام کرنا ضروری ہے، تب تک وہ جماعت کام کرنے والی جماعت نہیں کہلا سکتی۔اور پھر تعویق میں ڈال دینے سے اکثر تحریکات کالعدم ہو جاتی ہیں۔ پس جو کچھ کیا جائے فوراً کرنا چاہیئے۔اس غرض کے لئے جو رقم بھیجی جائے وہ بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور بھیجی جائے۔صرف کوپن میں غرض بتائی جائے۔

خاکسار، **محمد علی**

19 ستمبر، از ایبٹ آباد

☆☆☆

میں یہ مضمون لکھ چکا تھا کہ اخبار الفضل مورخہ 16 ستمبر نامکمل حالت میں مجھے ملا۔جس میں صاحبزادہ صاحب نے اخبار پیغامِ صلح کے بعض مضامین پر خود قلم اٹھائی ہے۔ مجھے اس سے کئی طرح پر خوشی ہوئی ہے۔ جہاں

میاں صاحب کی ذات پر ذرا سا بھی حملہ ہوتا ہے تو فوراً آپ کی تحریر اخبار میں نکل آتی ہے۔ لیکن جو حملے ان کی اخبار میں یا ان کے مریدوں کی طرف سے ذات پاک نبویؐ پر ہوتے ہیں اس کے متعلق توجہ بھی دلائی جائے تو آپ ایسے رنگ میں خاموشی اختیار کرتے ہیں کہ گویا ان باتوں کی طرف آپ کو کوئی توجہ ہی نہیں۔

میں اس مضمون کا جواب لکھنا نہیں چاہتا۔ پیغامِ صلح کے کسی مضمون میں ہمارے دوست مصطفیٰ خاں صاحب بی۔اے نے صاحب زادہ صاحب کے متعلق کچھ سخت لفظ لکھے۔ جن میں اس قسم کے بھی لفظ تھے کہ میاں صاحب ایک ایسی عجیب دماغی کیفیت رکھتے ہیں کہ انہیں کسی چڑیا گھر یا عجائب گھر میں رکھنا چاہئیے۔ اس بات پر خدا شاہد ہے کہ میں نے اس طرز تحریر کو پسند نہیں کیا اور مجھے خود یہ بات بُری لگی۔ گو مفہوم ان کا جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ نہ تھا کہ وہ میاں صاحب کو کسی جانور سے مشابہت دینا چاہتے تھے۔ بلکہ جس طرح پر ایک نادر چیز کا ذکر انسان کرتا ہے کہ یہ عجائب گھر میں رکھے جانے کے قابل ہے، اس رنگ میں ذکر تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ میاں صاحب کی اس تقریر میں جس پر خان صاحب نے جرح کی تھی عجیب وغریب خیالات کا اظہار تھا۔ مثلاً ایک شخص کا اپنے نوجوان مخاطبین کو یوں کہنا کہ اس زمانہ میں دماغ ایسے نہیں کہ ایسی باریک باتوں کو سمجھ سکیں (کچھ اسی کے قریب قریب الفاظ تھے) اس بات کو چھوڑ کر بھی کہ اس زمانہ میں دماغی قوت کا انحطاط کس طرح پر ثابت ہوا اس لحاظ سے مضحکہ خیز ہے کہ صاحبزادہ خود بھی تو ستر اسی سال کے بزرگ نہیں۔ بلکہ آپ بھی اسی زمانہ کے نوجوان ہیں۔ گو ان نوجوانوں سے عمر میں دس سال زیادہ ہوں گے۔ تو اگر انحطاطِ اقویٰ دماغی کی وجہ سے اس زمانہ کے نوجوان ان باریک باتوں کو نہیں سمجھ سکتے تو خود صاحبزادہ صاحب بھی نہیں سمجھ سکتے!

اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ حضرت مولٰینا مرحوم نے ایک نوجوان کو کہا کہ اپنے انگریز پروفیسر سے تثلیث کے عقدہ کا حل دریافت کرنا۔ واپس آ کر اس نے یہ جواب سنایا کہ وہ کہتا ہے کہ یہ ایک ایسا باریک مسئلہ ہے کہ ایشیائی دماغ اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اس کو کہو کہ تب یہ یقینی بات ہے کہ یہ مسیحؑ کی تعلیم نہیں کیونکہ وہ ایشیائی تھے اور ایشیائی دماغ میں یہ مسئلہ سما نہیں سکتا۔ اس پر پروفیسر مذکور ہنس کر چپ ہو رہے (غالباً یہ ہنسی اپنے جواب کی حماقت پر ہوگی)۔ بعینہٖ اس تثلیث کے مسئلہ کی طرح ہی میاں صاحب نے نوجوانوں کو مسئلہ نبوت کا حل بتایا ہے اور یہ یاد نہ رہا کہ آپ خود بھی، جنہوں نے چشم بددور یہ مسئلہ ایجاد کیا ہے، اسی زمانہ کے

نوجوانوں میں سے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دماغ میں بھی اب تک نہیں آیا اور غالباً اسی لئے بہت سے سوال جو اس نوایجاد شدہ مسئلہ پر کئے جاتے ہیں، ان پر میاں صاحب خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔

بہرحال میرے لئے خوشی کی بات ہے کہ میاں صاحب نے ہمارے مکرم دوست کی تھوڑی سی غلطی کا بدلہ ضرورت سے زیادہ لے کر کفّارہ ادا کر دیا ہے۔ قصّاص تو صرف اس قدر تھا کہ جو کچھ خاں صاحب نے میاں صاحب کو کہا تھا، اسی قدر میاں صاحب خاں صاحب کو کہہ لیتے۔ مگر اس کی بجائے میاں صاحب نے کہا بھی بہت بڑھ کر اور بجائے خان صاحب کے مجھے پکڑ لیا۔ شائد عرب کی اس پرانی رسم پر عمل کیا جس کی اصلاح کے لئے اَلْحُرُّ بِا لْحُرِّ (178:2) نازل ہوا تھا۔ میاں صاحب کی عادت میں جو گالی گلوچ کی پسندیدگی ہے اس کا ثبوت ان کی سالانہ جلسہ کی تقریر ہی کافی ہے۔ جب آپ نے، باوجود گالیوں کے اوران طوماروں کے، جو ان کے مریدین کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں، یوں فرمایا کہ مجھ سے بھی اب تک ایک غلطی ہوئی (معصومیت کا دعویٰ یہاں ٹوٹ گیا) اور وہ یہ کہ میں نے اپنے مریدوں کو اس بات سے روکا ہے کہ وہ دوسرے احمدی فریق کو گالیاں دیں۔

گویا یہ آئندہ ان کے لئے نصیحت تھی کہ جو کچھ کہنا ہے کہہ لو۔ تمہاری ان بدعنوانیوں کا میں ذمہ دار ہوں۔ مگر لغت کمبخت بھی آخر انسانوں کی بنائی ہوئی ہے اور نئی گالیوں کے لئے لفظ کہاں سے ملیں۔ اور گالی کو اگر حلوا بھی سمجھ لیا جائے تو ''یکبار خوردن وبس'' والا معاملہ ہے۔ جب وہ پہلے اپنا زور خرچ کر چکے تو اب اور زور کہاں سے لائیں۔ اور دوسرے اس تقریر نے ان کے حوصلوں کو پست کر دیا ہوگا کہ اتنی کوشش کر کے اور نامۂ اعمال کو سیاہ کر کے ابھی تک ہم مرشد کو خوش نہیں کر سکے۔ کیونکہ ان سب باتوں کو وہ گالیاں نہ دینے کے برابر سمجھتے ہیں۔ تو اب وہ گالیاں کہاں سے لائیں؟ جن سے آپ بھی خوش ہو کر انعام دے سکیں۔ اس کی وجہ شائد یہ ہو کہ میاں صاحب کا گالیوں کا معیار بہت بلند ہے اور ایک لحاظ سے تو یہ سچ بھی ہے۔ جس طرح مثل ہے کَلَامُ الْمَلُوْکِ مَلُوْکُ الْکَلَامِ۔ اسی طرح خلیفوں کی گالیاں بھی گالیوں کی خلیفہ ہی ہوتی ہوں گی وہاں تک بچارے عامی آدمیوں کے دماغ کہاں پہنچ سکتے ہیں؟ اور میاں صاحب کے نزدیک اس قسم کے خلیفے، جیسے وہ خود ہیں، مخلوق کی ایک الگ ہی قسم ہے۔ پس جب ان خلیفوں کا باوا آدم ہی نرالا ہے تو گالیاں کیوں نرالی نہ ہوں؟

پس شیخ یعقوب علی صاحب اور میر قاسم علی صاحب کو جو انعام ملا تھا وہ بھی ابھی بیعانہ کے طور پر تھا اور مزید فقرات گندہ دہانی کے ادا کرنے پر بہت کچھ توقع ہو سکتی تھی۔ مگر لغت کی کوتاہی کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ میاں صاحب جواَب بدلہ لینے اٹھے تو ان کو بھی کوئی پہلے سے زیادہ لفظ نہ مل سکے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''مولوی محمد علی صاحب تو خلیفہ نہیں ....لیکن کیا تم پسند کرو گے کہ چڑیا گھر والے فقرہ کے جواب میں میری جماعت کے لوگ بھی چڑیا گھر کے کسی جانور کے نام سے ان کو پکارا کریں۔ مثلاً خنزیر ان کا نام رکھ دیں یا کتا یا گدھا۔''

اول تو اس بداخلاقی کو دیکھئے کہ چڑیا گھر کے جانوروں میں سے کسی اچھے جانور کا نام ہمارے میاں صاحب کو نہ ملا۔ آخر مصطفیٰ خان صاحب نے تو عجوبہ ہونے کے لحاظ سے چڑیا گھر کا ذکر کیا تھا، نہ اس لحاظ سے کہ وہاں پلید جانور اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ یہ آپ کی طبیعت کیوں پلید جانوروں کے نام کی طرف مائل ہوئی۔ اور تعجب ہے کہ خنزیر، کتا اور گدھا کم از کم میں نے چڑیا گھر میں نہیں دیکھے۔ گو بہت مدت گزر گئی جب چڑیا گھر کو دیکھا تھا۔ پھر ہمارے میاں اس پر خوش نہیں کہ ایک دفعہ کہہ کر دل ٹھنڈا کر لیں۔ بلکہ تجویز یہ ہے کہ ہمارا نام ہی رکھ دیا جائے۔ اگر اس سے آپ کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے تو میرا کیا نقصان ہے؟ اسی قسم کے نام لوگوں نے حضرت مسیح موعود کے بھی رکھے تھے۔ مجھے بھی یہ فخر ہو گا کہ آج وہی نام میرا رکھا جاتا ہے۔ مطلب میرا یہ تھا کہ میاں صاحب تخت خلافت پر بیٹھتے ہی مجھے ابلیس کا خطاب دے چکے ہیں، تو اب اس سے بڑھ کر اور کیا نام تجویز کریں گے؟ میں تو خنزیر کتے اور گدھے کو ابلیس سے کم ہی سمجھتا ہوں۔ میاں صاحب! کیا آپ نے اپنے والد کا یہ قول نہیں سنا ''لعنت آں است کہ از سوئے خدا بارد'' پس آپ جو چاہیں نام رکھیں۔ خدا یہ نام نہ رکھے تو میرے لئے خسارہ نہیں۔ اور اگر آپ یا آپ کے مرید میری تعریف کر دیں اور خدا کے ہاں میں اس تعریف کا مستحق نہیں، تو وہ میرے لئے موجب خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ پر اور ہم پر رحم کرے وَّهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ (64:12)۔ بہرحال شکر ہے کہ آپ نے دل کھول کر انتقام لے لیا!

محمد علی

3 اکتوبر 1916ء

اداریہ

انگریزی ترجمہ قرآن کے متعلق ایک خوشخبری

(از حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایدہ اللہ تعالٰی)

انگریزی ترجمۃ القرآن کا کام ایسے ایسے مراحل میں سے ہو کر گزرا ہے کہ میں اس کی تکمیل پر جس قدر بھی سجدات شکر بجا لاؤں اللہ تعالٰی کی اس نعمت کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ جو جو واقعات مجھ پر گزرے اور جو جو الزامات مجھ پر لگائے گئے، ان کو اب میں بیان کرتا ہوں۔ ایک بڑی بھاری مشکل اس کے راستہ میں اخراجاتِ طبع کے مہیا کرنے کی تھی۔ ان لوگوں کے دلوں میں، جو اس کے مسودات کو لے کر جلانے کی فکر میں تھے، بہت ہی حسرتیں باقی رہ گئیں۔ کیونکہ جب آگ سے جلانے کا موقعہ ہاتھ میں نہ رہا تو پھر یہی خیال تھا کہ یہ جماعت اس قدر رقم کی فراہمی کا انتظام نہیں کر سکتی، جس سے اخراجاتِ طبع ادا ہو سکیں۔ احمدی جماعت کے کثیر حصہ کو تو حکماً اس کے لیے چندہ میں حصہ لینے سے بند کر دیا گیا اور ایک آدھ دفعہ جو عام تحریک کی گئی تو اس پر یہ اعلان سارے اخباروں میں شائع کرایا گیا کہ کوئی شخص ان کو قرآن کے چھاپنے کے لئے چندہ نہ دے۔ یہ قانوناً اس کے چھپوانے کے مجاز نہیں ہیں۔ یہ حرکات اسی قسم کی تھیں جیسی سلسلۂ حقہ کے بالمقابل بعض سخت معاندین سلسلہ کیا کرتے ہیں۔

غرض ایک طرف اس ترجمہ کے مخالف بزعمِ خود یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ احمدی جماعت پر تو ہمارا تصرف ہے اور یہ دو چار آدمی ہیں، یہ کیا کر سکتے ہیں۔ اور غیر احمدیوں کے لئے یہ اعلان شائع کر دیا گیا کہ کوئی چندہ نہ دے۔ اور اس طرح پر یہ خیال دل میں کر لیا کہ اگر اس طرح ترجمہ کے مسودات ہمارے ہاتھ میں نہ آئے تو کم از کم فنڈ کے نہ ہونے سے یہ خود اسی طرح رکھا رہ جائے گا۔ مگر قربان جائیں اس مولٰی کے جس نے اپنے فضل سے سارے سامان پیدا کر دیئے۔ ادھر انتظام طبع کے لئے ایک ایسا آدمی دے دیا جس کا پہلے سے ولایت میں پہنچ جانا گویا اس

غرض کے لئے ہی تھا۔ بڑی ناشکری ہوگی اگر میں احباب کو یہ اطلاع نہ دوں کہ مولوی صدرالدین صاحب کے سر پروو کنگ مشن کے کاروبار کا بوجھ بھی اس قدر تھا کہ ایک نہیں بلکہ تین آدمیوں کا کام وہ اکیلے کر رہے تھے۔ مگر جونہی ان کو علم ہوا کہ ترجمہ کا کام اب چھپنے کے لئے تیار ہے۔ اپنی ساری ذمہ داریوں پر خود شرح صدر سے ایک اور ذمہ داری لی اور ایسی محنت سے کام کیا کہ میں تو حیران ہوں کہ وہ یہ سارے کام کس طرح نبھاتے رہے! نہ صرف طبع کا سارا انتظام کیا بلکہ پروفوں کو غائر نظر سے پڑھا۔ اس شبانہ روز محنت کا اثر تھا کہ آخر آپ کی صحت خراب ہوئی اور یہاں تک حالت بگڑی کہ عید سے پہلے دن گویا کَالمیتِ تھے۔ مگر چونکہ خدا نے اپنے کام ابھی آپ سے لینے تھے، اس لئے مردہ میں جان ڈالی اور ایسی زندگی پھونکی کہ وہ شخص جس کی دوشنبہ کے دن نبض قریباً ساکت تھی، منگل کے دن ایک گھنٹہ تک چارسو آدمیوں کے مجمع میں خطبہ دیتا رہا۔ اور ایسی قابلیت سے کہا کہ اخبار ووکنگ ڈیلی نیوز نے یہ اعتراف کیا ہے کہ نہایت ہی فصیح و بلیغ انگریزی میں آپ بول رہے تھے۔ اب خدا کے فضل سے خواجہ صاحب پہنچ گئے ہیں اور مولوی صاحب کو ووکنگ کے کام سے آرام مل جائے گا۔ اور وہ ہمہ تن ترجمہ کے کام میں مصروف ہو جائیں گے۔ قریباً دو ہزار بلاک تیار کرانے کا انتظام کرنا ہے۔ پھر انگریزی پروف کی محنت کو الگ رکھ کر خود قرآن کریم کے پروفوں پر سخت محنت بکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کا حامی و ناصر ہو۔

یہ تو ایک حصۂ کام کا محض خدا کے فضل سے ہوا۔ ایک دوسرا حصہ اس پہلے کام کا تھا۔ اس کے لئے بھی محض اپنے فضل سے سامان کر دیئے۔ جماعت قلیل، پھر موجودہ تفرقہ نے اسے مشکلات میں ڈالا ہوا۔ تیس ہزار روپیہ کا جمع کرنا ایک محال سا امر نظر آتا تھا۔ اگرچہ تھوڑے تھے، پر ہمت نہیں ہارے۔ سب سے بڑھ کر جو امر حیرت ناک ہے وہ یہ ہے کہ کوئی بڑی تحریک بھی چندہ کے لئے نہیں کی گئی۔ نہ کوئی وفد کہیں گیا۔ جن لوگوں کے دلوں میں خدا کے دین کے لئے درد تھا وہ خود ہی اس کوشش میں لگے رہے۔

مکرمی مخدومی شیخ رحمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے نہ صرف خود ہی ایک ایک ہزار روپیہ دیا بلکہ اپنے طور پر کوشش بھی بہت کی اور چار پانچ ہزار کی رقم آپ دونوں کی کوشش سے جمع ہوگئی۔ میں تو ذاتیات سے بہت بچتا ہوں۔ لیکن تحدیث نعمت کے طور پر یہ ذکر کرتا ہوں کہ کسی شخص کو اگر یہ خیال ہو کہ میں نے فلاں جائداد خریدی تو اس میں ایک غیر احمدی نے ایک دو ماہ کے لئے مجھے

بارہ ہزار روپیہ بطور قرضہ دے دیا اور کہ یہ اخلاص عدیم المثال ہے جو صرف خرید کنندہ جائداد کی دین داری کی وجہ سے غیروں کے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے، تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر غائبانہ اخلاص رکھنے والے آدمی ہیں۔

ہمارے میاں محمود احمد صاحب ہمارے سامنے اس بات کو بطور فخر پیش کرتے ہیں کہ میرے ساتھ اخلاص رکھنے والے ایسے لوگ ہیں جو باوجود غیر احمدی (باعتقاد میاں صاحب کافر اور خارج از اسلام) ہونے کے مجھے بارہ ہزار روپیہ قرض دے سکتے ہیں۔ لیکن مجھے تو خوشی اس شخص پر ہے جس نے غیر احمدی ہونے کے باوجود (اور وہ کوئی نواب یا والیٔ ریاست نہیں) قریباً 12 ہزار روپیہ خدا کی راہ میں دے دیا اور ہمارے سپرد کر دیا کہ ہم اسے خدا کی راہ میں خرچ کر دیں۔ جس میں سے چھ ہزار روپیہ ترجمہ قرآن پر خرچ ہوا اور چھ ہزار روپے کے قریب ''اسلامک ریویو پر''۔

میاں صاحب کو خریدِ جائداد میں سہولت کے سامان پیدا ہو جانے پر فخر ہے۔ مجھے ترجمہ قرآن کے طبع میں یہ غیبی سامان پیدا ہو جانے پر خوشی ہے۔ کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا (20:17). جہاں تک مجھے علم ہے ہمارے احباب میں سے کسی کو میاں صاحب کی دنیوی ترقیات پر حسد نہیں كَانَ اَبُوۡهُمَا صَالِحًا (82:18) بھی ہمیں یاد ہے۔ کاش! میاں صاحب کو ہمارے دینی کاموں سے ضد نہ ہوتی اور وہ خواہ مخواہ ہمارے کاموں میں رکاوٹ پیدا نہ کرتے۔

میں اگر ان سارے احباب کا ذکر کروں جنہوں نے اس کارِ خیر میں حصہ لیا ہے تو موجب طوالت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو، جنہوں نے 6 ہزار روپے سے لے کر اپنی توفیق کے مطابق ایک پیسہ تک بھی اس کام میں مدد دی ہے یا اس کی خدمت میں اپنی قوت کو لگایا ہے، جزائے خیر دے۔ ان کے اخلاص کا بہتر صلہ عطا فرمائے اور ان کو دینی و دُنیوی حسنات سے متمتع فرمائے۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ علاوہ خود حصہ لینے کے دوسروں کو بھی اس کارِ خیر کی طرف توجہ دلائی۔ جن میں علاوہ ان احباب کے، جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، خاں صاحب میاں غلام رسول خاص طور قابل شکریہ ہیں۔ یہ اخلاص کی کوششیں ہیں۔ کسی ذکر کی محتاج نہیں۔ صرف دوسروں کی تحریص کے لئے

میں نے بعض کا ذکر کر دیا ہے۔

ہاں! ایک دو نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب حیات گل نام ہیں۔ جو دیبگراں (ہزارہ) کے رہنے والے ہیں۔ جہاں ہمارے سلسلہ کے دو پاک باطن بزرگ مولوی محمد یحییٰ صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب بھی رہتے ہیں۔ ہر دو بھائیوں نے قابل قدر مدد خاص ترجمۃ القرآن کے فنڈ میں کی ہے۔ بلکہ مولوی محمد یحییٰ صاحب کی اہلیہ نے اپنا ایک زیور بھی چندہ میں دیا۔ اسی گاؤں میں میاں حیات گل ہمارے ایک بھائی ہیں، جو کفش دوزی کا کام کرتے ہیں۔ قربان جائیں اس سید الاولین والآخرین کے، جس نے کسی جائز پیشہ کو، جس سے انسان اپنی روزی کما کر کھائے، معیوب نہیں رہنے دیا۔ اور نہ کسی پیشہ کے نام کے ساتھ ذلت باقی رہنے دی ہے۔ اولین اور آخرین کا سیّد ہو کر اس نے اپنی جوتی آپ گانٹھی اور اس طرح کفش دوزی کو ایک معزز پیشہ بنا دیا۔ آج تو مغل اور ارائیں کے فرق پر دین کا دار و مدار آ رہا ہے۔ مگر میرا ہادیؐ تو بتا گیا کہ کفش دوزی سے بھی اسے عار نہیں۔ عزت چاہتے ہو تو اور طرف توجہ کرو اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (13:49)

سو یہ ہمارا بھائی حیات گل کفش دوز اپنے تقویٰ سے عزت کا مرتبہ لے گیا۔ اس شخص نے گھر کی کل پونجی کو دیکھا اور اسے کوئی چار سو روپیہ سے نیچے ہی پایا۔ بی بی سے مشورہ کیا کہ کچھ توشہ آخرت اس میں سے بنا لیں۔ نصف ہی خدا کی راہ میں دینے کی صلاح ٹھہری۔ کسی نے بڑی نیک نیتی سے صلاح دی کہ ایک سو روپیہ سر دست ترجمہ القرآن میں دے دو۔ اور باقی پھر کسی نیک کام میں دے دینا۔ دوبارہ مشورہ کیا۔ مگر میاں بی بی کا یہی مشورہ ہوا کہ اب تو ایک موقعہ ہے اور کس موقعہ کے لئے اٹھا رکھیں گے؟ اور خدا جانے اس وقت نیکی کی توفیق ملے نہ ملے۔ دو سو روپیہ خود آ کر مجھے پہنچا دیا!

یہ وہ پاک نمونے ہیں جن سے دل کو ایک ڈھارس ملتی ہے کہ اسلام کی خدمت کا جوش رکھنے والے پھٹے کپڑوں میں بھی بہت ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس قوم کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ دوبارہ اٹھائے گا۔ یہ وہ نمونہ ہے جو صحابہؓ نے دکھایا۔ کاش! دین کے لئے کچھ دیوانے بنیں۔ اور اپنے آپ کو خدا کی راہ میں ایسا لگا دیں کہ گویا انہیں اور کوئی فکر ہی نہیں۔ بہت ہیں جو اپنی دُنیوی عزتوں پر، اپنے بڑے بڑے عہدوں پر، اپنے مال پر، اپنی

قومیت پر، اپنی پیری پر فخر کرتے ہیں۔ مگر وہ حقیقی عزت سے بے خبر ہیں۔ لوگ تو حضرت مسیحؑ کے حواریوں کو دھوبی اور ماہی گیر کہتے ہیں۔ مگر کاش! اس زمانہ میں مسلمانوں میں کچھ ایسے بھی نکل آتے، جو اپنے آپ کو خدا کی راہ میں ان دھوبیوں اور ماہی گیروں کی طرح لگا دیتے۔ اوروں پر کیا ہنستے ہو، اپنی حالت پر رونے کا تھوڑا سامان ہے!

اسی ذیل میں مَیں سردار عبدالحمید خان صاحب کا ذکر بھی خصوصیت سے کرنا چاہتا ہوں۔ جنہوں نے ایک معمولی سی تحریک پر اپنی قیمتی فٹن خدا کی راہ میں دے کر ایک بڑی نیک مثال قائم کی ہے۔ جزاہ اللہ خیر۔ یہ روح ان لوگوں میں پیدا کرنے والا وہی ہے جو خدا کی طرف سے مسیح ہو کر آیا۔ میرے لئے اس میں کوئی فخر نہیں۔ ہاں! فخر ہے تو صرف یہ ہے کہ ایسے نیک لوگوں اور خدا کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کرنے والوں کے ساتھ مجھے بھی محبت ہے۔ میں اپنی بساط کو بھی خوب جانتا ہوں۔ کوئی دو سال سے زائد عرصہ ہوا، اپنے احباب کی چھوٹی سی جماعت میں مَیں نے ایک تحریک کی تھی، اور کی بھی ترجمۃ القرآن کے لئے ہی تھی۔ اس وقت میرے سامعین میں ایک ہمارے معزز دوست چھ سات سو روپیہ ماہوار آمدنی والے بھی تھے۔ اور دوسرے ایک معزز عہدہ دار چار پانچ سو روپیہ ماہوار آمد والے تھے۔ اول الذکر نے دو سو روپیہ کا وعدہ فرمایا۔ جس میں سے اب تک دو سال کے عرصہ میں صرف ایک سو روپیہ ادا ہوا ہے۔ اور ثانی الذکر نے ایک سو کا وعدہ فرمایا۔ جس میں سے 50 روپیہ ادا ہوئے ہیں۔ یہ میرے دوست بڑے صاحبِ عزت ہیں۔ اور ان کی عزت کرنا میں بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ اس قحط الرجال میں ایسے آدمی بھی کہاں ملتے ہیں؟ لیکن حیاتِ گل کا مقام ابھی بہت دور ہے۔ یہ عزتیں اور شیخیاں ایسی عارضی ہیں کہ مرنے کے بعد ایک دن بھی قائم نہیں رہتیں۔ مگر حیاتِ گل نے جو عزت پائی وہ ابدی ہے۔ یہ مت دیکھو کہ اولاد کے لئے ہم کیا بنا رہے ہیں؟ یہ سوچو کہ خدا کے لئے کیا کر رہے ہو؟ جب تک تم یہ نہیں دیکھتے، تم نے اس منزل کی طرف گویا نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، جہاں تک تم نے پہنچنا ہے۔

میرا کام تو خدا کے فضل سے ہو گیا۔ یعنی ترجمۃ القرآن کے لئے اللہ تعالیٰ نے روپیہ اپنے فضل سے بہم پہنچا دیا۔ لیکن جلدوں کے لئے ابھی پانچ سات ہزار روپے کی غالباً ضرورت ہو گی۔ صحیح تخمینہ میرے دوست مولوی صدر الدین صاحب بتا سکتے ہیں۔ اگر ہمارے وہ دوست، جو اب تک خاموش رہے ہیں، یا وعدے کرنے کے بعد ان کے ایفاء کی طرف توجہ نہیں کی، اس موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، اور سب سے بہتر صدقہ جاریہ

اپنے پیچھے چھوڑنا چاہتے ہیں، تو ایک آدھ ماہ کی بات ہے۔ ورنہ خدا کے کام تو رکتے نہیں۔ احمدی کہلا کر مدد سے پہلو تہی کرو گے تو خدا دوسروں سے یہ کام کرا دے گا۔ تمہارا اختیار ہے۔ چاہو مال کی محبت پر گرے رہو اور خدا کے کام کی طرف توجہ نہ کرو۔ اور چاہو دین کو دنیا پر مقدم کر کے اپنے اموال کو خدا کی راہ میں لگا دو۔ میرا کام صرف کہہ دینا ہے۔

خاکسار

محمد علی

27 ستمبر 1916ء

17 اکتوبر 1916ء

اداریہ

میاں محمود احمد صاحب کا چیلنج منظور

احمد مجتبیٰ ؐ کا انکار اور اس کا جواب

(از حضرت امیر مولانا محمد علی ایدہ اللہ تعالیٰ)

میں ایبٹ آباد میں چلنے کو تیار ہی تھا کہ میرے ایک دوست کا خط آیا کہ الفضل قادیان مورخہ 19 ستمبر 1916ء میں ایک چیلنج چھپا ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق آیت شریفہ مُبَشِّرًا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ (6:61) نہ ہونے اور آپؐ کے اسم احمد کا انکار کرتے ہوئے کل دنیا کو مخاطب کیا گیا ہے کہ کوئی شخص ہمارے دلائل کو توڑ نہیں سکتا۔ میں نے اسی وقت لاہور خط لکھ کر الفضل کا وہ پرچہ منگوایا۔ مگر اس پرچہ کے ساتھ ہی ایڈیٹر صاحب پیغام صلح کی طرف سے مجھے یہ بھی اطلاع پہنچی کہ اس چیلنج کی منظوری کا اعلان اخبار میں کر دیا گیا ہے۔ اس لئے میں نے اس کے متعلق کسی مزید کارروائی کی ضرورت نہ سمجھی۔

اب جو لاہور میں آیا تو معلوم ہوا کہ 7 اکتوبر کے اخبار الفضل میں کوئی مضمون چھپا ہے۔ جس میں ایڈیٹر پیغام صلح کی منظوری چیلنج کو اس بنا پر ناکافی قرار دیا گیا ہے کہ وہ کسی جماعت کا قائم مقام نہیں۔ چنانچہ اخبار مذکور میں ''ایاز قدر خود بہ شناس'' کے عنوان کے نیچے یہ لکھا ہے:

> ''ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ چیلنج کو منظور کرنے والا کون ہے۔ ہم نے اپنے امام اور مطاع حضرت خلیفۃ المسیح کے اپنے فرمودہ الفاظ شائع کئے ہیں۔ اب اگر کسی میں مردِ میدان بننے کی جرأت ہے۔ تو وہ اول تو اپنے آپ کو کسی جماعت کا قائمقام ثابت کرے اور پھر اپنی قلم سے اور اپنے نام کے ساتھ اصل مبحث کو پیش کر کے چیلنج کے منظور کرنے کا اعلان کرے۔''

یہ بھی ایک نرالی منطق ہے کہ ہمارے پاس کوئی امر حق ہو اور ہم اس کے دلائل رکھتے ہوں۔ تو ان دلائل کو کسی جماعت کے قائمقام کے سوائے دوسروں کے سامنے بیان نہیں کریں گے۔ دوسری دقت یہ ہے کہ یہ انکار تو خود مدعی کو سزاوار تھا۔ میاں صاحب خود کہتے کہ میں ایڈیٹر پیغام صلح سے مقابلہ منظور نہیں کرتا۔ جس اصول پر انکار کیا گیا ہے خود الفضل ہی اس اصول کو توڑتا ہے۔ کیونکہ جب چیلنج دینے والا موجود ہے تو یہ عجیب بات ہے کہ وہ تو خاموش رہے اور کچھ نہ کہے کہ میں چیلنج کو منظور کرتا ہوں یا نامنظور۔ اور ایک دوسرا شخص اس کا قائمقام بن بیٹھے۔ یہ قائمقامی کے اصول کی مٹی پلید نہیں تو اور کیا ہے؟

میاں صاحب ایک جماعت کے قائم مقام ہونے کے مدعی ہیں۔ اب اس قائمقام کا ایک اور قائم مقام بن بیٹھتا ہے اور وہ اخبار الفضل کا ایڈیٹر ہے۔ پھر جب ایک اخبار کا ایڈیٹر ''مطاع الکل'' قائمقام کا بھی قائم مقام ہو سکتا ہے۔ تو دوسرے اخبار کے ایڈیٹر نے کیا گناہ کیا ہے کہ اس کا اعلان قابل توجہ بھی نہیں!

بات یہ ہے کہ میاں صاحب کی جماعت میں یہ ایک بیماری پیدا ہو گئی ہے۔ اور اس کے پیدا کرنے والے خود میاں صاحب ہیں کہ ہر بات میں یہ سوال ہوتا ہے کہ فلاں شخص جماعت کا واجب الاطاعت امام ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو وہ خطاب کے قابل نہیں۔ اور اس کو گالیاں بھی دل کھول کر دے لی جائیں تو حرج نہیں۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ اگر میاں صاحب اس بات میں اپنی ذلت سمجھتے تھے کہ کسی ایسے شخص سے گفتگو کریں جو کسی جماعت کا واجب الاطاعت امام نہیں، تو یہ ان کو پہلے سے کہہ دینا چاہیئے تھا۔ جو اعلان ان کا اخبار الفضل میں شائع ہوا ہے۔ اس میں کوئی شرط ایسی نہیں کہ چیلنج صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو کسی جماعت کے واجب الاطاعت امام ہوں، بلکہ وہاں صاف الفاظ میں تمام دنیا کو مخاطب کیا ہے۔

''اور اگر کوئی میرے دلائل کو غلط ثابت کر دے .... تو میں ایسے شخص کو ایک مقرر تاوان، جو فریقین کو منظور ہو، دینے کے لئے تیار ہوں''۔

اب اس کے بعد میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔ اسی مضمون کے آخر پر، جس میں ایڈیٹر صاحب پیغام صلح کے مقابلہ سے انکار کیا گیا ہے، یہ الفاظ درج ہیں۔

''اگر ایڈیٹر پیغام نے اپنی طرف سے اس کو شائع کیا ہے تو اسے چاہئے کہ ''ایاز قدر خود بہ شناس'' پر غور کرے اور اس طرح اپنے امیر کو اپنے پاؤں کے نیچے چھپانے کے بجائے میدان میں نکلنے دے۔''

یہ تو ان لوگوں کے اخلاق کا نمونہ ہے کہ ایک دعویٰ خود کرتے ہیں۔ جب کوئی اس کا جواب دینے کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔تو اس کے ساتھ جب تک اور چند لوگوں کو کوس نہ لیں ان کے سینے ٹھنڈے نہیں ہوتے۔ باقی رہا میرا میاں صاحب کی دعوت کو منظور کرنا، سو ایک ایسے نیک کام کے لئے مجھے بلایا جائے اور میں انکار کروں، تو میری اپنی محرومی ہے۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو دنیا میں قائم کرنے سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں سمجھتا۔ یہی سب سے اعلیٰ درجہ کا جہاد ہے۔ کیونکہ آپؐ کی ذات بابرکات کی عزت دنیا میں پھیلنے کے ساتھ ہی اصول حقہ بھی دنیا میں پھیلیں گے۔مگر مجھے یہ ڈر ہے کہ جس طرح ایک عذر بنا کر ایک شخص کو پہلے جواب دیا گیا ہے، اسی طرح اب کوئی عذر بنا کر مجھے بھی جواب نہ دیا جائے۔ میں کوئی جھوٹی شیخی اپنے لئے تجویز نہیں کرتا کہ دین کے معاملہ میں بولنا یا قلم اٹھانا میری ہتک ہے۔ میں پس پردہ بیٹھ کر اپنے الفاظ دوسروں کے منہ میں ڈالنا بھی نہیں چاہتا۔ پھر میرے لئے آج یہ کوئی نئی بات نہیں۔ایک مدت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا ایک ادنیٰ سا خادم بننے کا شرف مجھے محض اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے۔ ورنہ میری قابلیت اس قدر نہ تھی۔ میں تو ایک مدت سے اسی کام میں مصروف ہوں۔

ہاں! عجائبات قدرت الٰہی پر انسان کے لئے حیرت ہے۔ایک وقت وہ تھا کہ عیسائیوں کے بالمقابل ہم اس بات کو ثابت کرتے تھے کہ ''فارقلیط'' والی پیشگوئی، جس کا ذکر انجیل یوحنا میں ہے، وہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پوری ہوئی۔آج کس قدر رونے کا مقام ہے کہ مسلمان کہلانے والوں میں سے ایک گروہ پیدا ہوتا ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اَحْمَدُ ہونے سے انکار کرتا ہوا اس پیش گوئی کے ذات پاک نبویؐ کے حق میں ہونے سے انکار کرتا ہے۔

کام تو اب بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔ ہاں! فریق مخالف بدل گیا۔عیسائی مخالفانہ رنگ میں اسلام پر حملہ کرتے تھے۔ ہمارے یہ دوست، جس کے فی الواقع ممنون احسان تھے، اسی کے منکر ہوگئے۔آہ! ''یکے بر سر شاخ

وبن مے بریدؔ" والا معاملہ ہے۔

پیارو! یاد رکھو۔تم اس بات کی تردید کے درپے ہو۔جس سے تم اپنی ہی جڑیں کاٹ رہے ہو۔اس امت میں سے جس کو چاہو، لاؤ۔ وہ مسیح موعود ہی کیوں نہ ہو۔احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کے سامنے اسے غلام بنا کر کھڑا کرو۔اوراسی حیثیت میں جس قدر اس کی چاہو عزت کرو۔مگر اس سردار اولین اور آخرین کو تخت سے اتار کر کسی دوسرے کو اس تخت پر بٹھانا چاہو گے، تو تم اپنے دشمن آپ ہو۔

بہر حال اگر رنج کے ساتھ مجھے یہ منظور ہے کہ میاں صاحب سورہ الصّف کی پیشگوئی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں انکار پر دلائل دیں، تو میں ان دلائل کو توڑ کر دکھاؤں۔میاں صاحب کے جو الفاظ اخبار الفضل میں نقل کئے گئے ہیں۔حسب ذیل ہیں۔

> "احمد کا لفظ جو قرآن کریم میں آیا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود کے متعلق ہی ہے۔ میں اس بات کے ثبوت میں اپنے پاس خدا کے فضل سے دلائل رکھتا ہوں۔ اور تمام دنیا کے عالموں، فاضلوں کے سامنے بیان کرنے کو تیار ہوں۔حتیٰ کہ میں انعام رکھنے کے لئے بھی تیار ہوں۔اور اگر کوئی میرے دلائل کو غلط ثابت کر دے اور قرآن کریم سے اور احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت کر دے کہ اَحْمَدُ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا نہ کہ صفت۔ اور یہ کہ جو نشانات اَحْمَد کے قرآن کریم میں آتے ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہوتے ہیں، اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی اپنے اوپر چسپاں فرمائی ہے، تو میں ایسے شخص کو ایک مقرر تاوان جو فریقین کو منظور ہو دینے کے لئے تیار ہوں۔"

میں خدا کے فضل سے میاں صاحب کے دلائل کو غلط ثابت کرنے کے لئے تیار ہوں۔لیکن بعض باتوں کو صاف کر دینا چاہتا ہوں۔سب سے پہلے انعام یا تاوان کا سوال ہے۔ چونکہ میاں صاحب کا دعویٰ ہے کہ ان کے پانچ لاکھ مرید ہیں۔اس لئے اگر بحساب اوسط وہ فی مرید ایک روپیہ بھی وصول کریں۔تو پانچ لاکھ روپیہ ہوسکتا ہے اور پیر کی شکست کا تاوان ایک روپیہ فی مرید کچھ زیادہ نہیں۔لیکن میں ان پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ وہ اس

مقدار کا صرف پچاسواں حصہ جس کے معنی ہیں فی مرید سوا پیسہ یعنی دس ہزار روپیہ تاوان کم از کم دیں۔ اور اتنے بڑے جرم کے لئے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم اَحْمَدُ کا انکار کیا جاتا ہے، یہ کوئی بڑا تاوان نہیں۔ لیکن اس کی ادائیگی میں شرط یہ ہوگی کہ یہ روپیہ قبل از مباحثہ بینک آف بنگال میں جمع کرایا جائے گا اور باضابطہ اقرار نامہ لکھ کر دے دیا جائے کہ میاں صاحب کی شکست کی صورت میں یہ روپیہ پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا ہوگا۔ اور میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ یہ سارا روپیہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے خزانہ میں داخل ہوکر صرف اشاعت اسلام پر لگایا جائے گا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ میاں صاحب کے دلائل کا غلط ہونا کیونکر ثابت ہوگا؟ بظاہر میاں صاحب کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ علمائے امت کے فیصلہ کے سامنے سر جھکانے کو تیار ہیں۔ مجھے بھی اس سے انکار نہیں۔ تین کس علماء میں سے وہ منتخب کرلیں اور تین کس میں منتخب کرلوں گا اور ایک شخص بطور سرپنچ برضامندی فریقین مقرر کیا جائے۔ اور ان سات آدمیوں کا جو فیصلہ کثرت رائے سے ہو، اس کو صحیح مانا جائے گا۔ مگر میں اس سے بھی ایک آسان تر صورت پیش کرتا ہوں۔ اصل غرض تو صرف یہ ہے کہ احمدی جماعت کے دو فریقوں میں سے جو فریق حق پر ہے اس کے متعلق پبلک کو علم ہو جائے۔ سو فیصلہ کے لئے تین معزز آدمی میاں صاحب کی جماعت میں سے، یعنی ان لوگوں میں سے، جو میاں صاحب کو خلیفہ اور امیر مانتے ہیں، میں منتخب کرلوں گا۔ اور تین معزز آدمی میری جماعت میں سے، یعنی ان لوگوں میں سے، جو مجھے امام و امیر مانتے ہیں، میاں صاحب منتخب کرلیں۔ اور ان کے علاوہ دو دو آدمی غیر احمدی علماء میں سے ہر ایک فریق منتخب کرلے۔ اور ان دس آدمیوں کی کثرت رائے کا جو فیصلہ ہو، اسے صحیح تسلیم کرلیا جائے اور اسی کی بنا پر تاوان ادا کیا جائے۔

مناظرہ کی صورت یہ ہوگی کہ تین دن تک فریقین اپنے اپنے دلائل ایک عام مجمع میں پیش کرتے رہیں۔ جو کسی بڑے شہر مثلاً لاہور یا دہلی میں منعقد ہو۔ اور یہ تحریریں بعدہ ایک رسالہ کی صورت میں طبع ہوکر عام طور پر تقسیم کی جائیں اور ان پر کسی قسم کا مزید حاشیہ نہ دیا جاوے۔

جلسہ میں تحریروں کے سنانے کی یہ صورت ہوگی کہ ہر روز ہر فریق اپنے دلائل لکھ کر دو پرچے لے آئے گا۔ جن میں سے ایک پرچہ مصدقہ اس کے پاس اور دوسرا فریق مخالف کے پاس رہے گا۔ پہلے میاں صاحب

اپنے دلائل سنا دیں گے۔ پھر میں اپنے دلائل اپنے دعاوی کی تائید میں سنا دوں گا۔ دوسرے دن اسی ترتیب سے ہر ایک فریق، فریق ثانی کا تحریری جواب جلسہ عام میں سنائے گا اور تیسرے دن اسی طرح جواب الجواب ہر فریق کا ہوگا۔

☆ امور بحث طلب میں میاں صاحب ذیل کے امور پر دلائل دیں گے۔

اول: مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ (6:61) کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔

دوم: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک اَحْمَد نہ تھا بلکہ یہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا نام تھا۔

☆ میں ذیل کے امور پر دلائل دوں گا۔

اول: آیت کریمہ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ (6:61) کے مصداق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دوم: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک اَحْمَد ہی تھا۔

دلائل کے دینے میں جہاں تک پیشگوئی کا سوال ہے اول قرآن کریم، بعدہ ہر حدیث، جو قرآن کریم کے مخالف نہ ہو، اور جو وضعی نہ ہو۔ لیکن جہاں نام کا سوال ہے، ہر قسم کی تاریخی شہادت بھی علاوہ مذکورہ بالا شہادتوں کے قابلِ قبول ہوگی۔

خاکسار

محمد علی

24 اکتوبر 1916ء

موجودہ اختلافات میں فیصلہ کی آسان راہ

فرشتگانِ مسیح موعود کی شہادت

(از حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایدہ اللہ تعالٰی)

اس وقت حضرت مسیح موعود کے بارے میں آپ کے پیرووٴں میں دو گروہ ہیں۔ اور جن نتائج پر یہ دونوں گروہ پہنچے ہیں وہ ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ یعنی چند نتائج، جن پر ایک گروہ پہنچا ہے، وہ آپس میں ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ یا سارے نتائج ایک گروہ کے قابل قبول ہیں یا سارے نتائج دوسرے گروہ کے۔ ہذا پہلے میں ان نتائج کو الگ الگ لکھتا ہوں تا کہ ہر ایک شخص ایک سرسری نظر سے اپنے لئے فیصلہ کر لے کہ کون سے عقائد قابل قبول ہیں:

میاں صاحب کا گروہ	ہمارا گروہ
1۔ حضرت مسیح موعود ویسے ہی نبی ہیں جیسے حضرت موسیٰ، عیسیٰ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ صرف طریقہ حصول نبوت بدل گیا ہے۔ مگر اس کا علم 1901ء کے بعد آپ کو ہوا۔ اور اس لئے 1901ء سے پہلے کی تحریریں درباره انکار نبوت منسوخ ہیں۔	1۔ حضرت مسیح موعود مجدد ہیں۔ آپ کی نبوت جزوی، ظلی، بروزی مجازی ہے۔ اور شروع دعویٰ مسیح موعود سے وفات تک ایک ہی مذہب آپ کا رہا۔
2۔ اب یعنی حضرت مسیح موعود کے ظہور کے بعد کوئی شخص سوائے حضرت مسیح موعود پر ایمان کا	2۔ اسلام میں آئندہ بھی لوگ اسی طرح لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اعلان کرنے کے دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔(گویا کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اب منسوخ ہے)	کے پڑھنے سے داخل ہوتے رہیں گے۔ جیسے اس سے پہلے تیرہ سو سال تک۔ حضرت مسیح موعود پر ایمان لانا دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ایک فروعی امر ہے۔
3 ۔قرآن کریم کی آیت مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) والی پیشگوئی جو حضرت عیسیٰؑ نے کی تھی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پوری نہیں ہوئی بلکہ اب مسیح موعود کے ظہور سے پوری ہوئی ہے۔	3۔ پیشگوئی مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پوری ہو گئی۔ حضرت مسیح موعود صرف بطور ظل کے اس کے اندر شامل ہو سکتے ہیں۔
4۔اَحْمَدُ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ تھا بلکہ یہ نام حضرت مرزا صاحب کا تھا۔	4۔اَحْمَدُ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا۔ حضرت مرزا صاحب کا نام اَحْمَدُ محض ایک ظل اور بروز کے رنگ میں الہاماً اسی طرح ہوا جس طرح آپ کا نام مریم یا عیسیٰ ہوا۔
5۔کُل دنیا کے مسلمان اسی دن دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے جس دن حضرت صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔	5۔کوئی مسلمان مسیح موعود کے دعویٰ کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوا۔ بلکہ جن لوگوں نے آپ کی تکفیر کی یا آپ کو مفتری قرار دیا وہ بروئے حدیث نبویؐ، کہ مسلمان کو کافر کہنے والے پر کفر الٹ کر پڑتا ہے، کافر ہو جاتے ہیں۔

6۔جن مسلمانوں کوحضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں پہنچا یا ان کے دعویٰ کی خبر بھی نہیں ہوئی وہ بھی کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔	6۔جب بے خبر لوگوں نے آپ کو کافر یا مفتری نہیں کہا تو وہ اس فتویٰ کے ماتحت بھی نہیں آسکتے۔
7۔کسی مسلمان کا جنازہ، جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں داخل نہ ہو چکا ہو، اسی طرح ناجائز ہے جس طرح کسی ہندو یا عیسائی کا۔	7۔سوائے ان لوگوں کے، جو کافر یا مفتری کہتے ہیں یا گالیاں دیتے ہیں، ہر ایک مسلمان کا جنازہ جائز ہے۔

باتیں تو اور بھی ہیں۔مگر میں نے چند موٹی موٹی باتیں لکھ دیں ہیں۔ان میں سے یا تو ایک طرف کے سات نتائج قابل قبول ہیں یا دوسری طرف کے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ نبوت مان کر ان کے باقی نتائج کا انکار کر دیا جائے۔ یا سب منکروں کو کافر بمعنی دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر ان لوگوں کو جن کو مسیح موعود کی اطلاع نہیں پہنچی دائرہ اسلام کے اندر سمجھا جائے۔ پس ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ کسی ایک عقیدہ کو جس کا قبول کرنا سہل معلوم ہوتا ہے قبول کرنے سے پہلے ان نتائج پر بھی ایک نظر ڈال لے جو اس کے ساتھ لازم ملزوم ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ خود حضرت مسیح موعود کا کیا مذہب ہے؟ اس پر لمبی بحث ایک خط میں نہیں ہوسکتی۔ اَمرِ اوّل، جو ان سب عقائد کی بنیاد ہے جو بعد میں ہیں، درحقیقت بڑا متنازعہ امر ہے۔اس لئے ایک سرسری نگاہ سے اَمرِ اوّل کے چھ نتائج پر، جو میاں صاحب علی الاعلان قبول کرتے ہیں، ایک نظر ڈال لینا کافی ہے کہ آیا حضرت مسیح موعود بھی ان کو قبول کرتے تھے یا نہیں۔

نمبر 2 کے متعلق اس وقت تک ساری جماعت شہادت دے سکتی ہے کہ حضرت صاحب جب کسی کو مسلمان کرتے تھے تو لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر ہی کرتے تھے۔ بلکہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر اعلانِ اسلام کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا کسی دوسری جگہ اعلانِ اسلام کرلو (یہ بعض ابتلاؤں سے بچانے کے لئے کہا)۔

قرآن کریم کی پیشگوئی مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کے متعلق

صاف اقرار موجود ہے کہ آنحضرت کی تشریف آوری سے پیشگوئی پوری ہوگئی اور کہ آپ کا نام احمد تھا۔کل دنیا کے مسلمانوں کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے متعلق، جنہوں نے آپ پر اطلاع نہیں پائی، ایک لفظ بھی آپ کی تحریروں میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ اس کو اپنے اوپر افتراء قرار دیا ہے۔دیکھو حقیقۃ الوحی۔نماز جنازہ کے متعلق صریح فتویٰ آپ کا موجود ہے کہ مکفر ومکذب کو چھوڑ کر، ان لوگوں کا جو خاموش اور درمیانی حالت میں ہیں، جنازہ پڑھ لیا جائے۔

اب اس کے بعد یہ سوال آتا ہے کہ اس جماعت کے بڑے بڑے لوگوں کا کیا مذہب اس بارہ میں تھا۔ کسی شخص کا مذہب معلوم کرنے کے لئے یہ نہیں ہونا چاہئیے کہ اس کی کل تحریروں اور کل عمل کو ایک طرف دکھلایا جائے۔اور اس کا ایک فقرہ لے کر اسی پر ساری بنیاد رکھ لیں۔ **القول الممجد** کے چھپنے سے پہلے بہت لوگوں کا یہی خیال تھا کہ مولوی سید محمد احسن صاحب کا بھی وہی مذہب ہے جو میاں صاحب کا ہے۔مگر اس کتاب کی اشاعت نے بتا دیا کہ یہ گمان غلط تھا۔ اب حضرت مولوی نور الدین صاحب اور حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کو حضرت مسیح موعود نے دو فرشتے قرار دیا ہے۔ یہ جماعت کی خوش نصیبی ہے کہ ان دو فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ابھی زندہ ہے۔(اس لفظ فرشتہ سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ نیک اور بزرگ انسانوں کو فرشتہ کہہ دینا کلام کا محاورہ ہے اور استعارہ کے طور پر ایسا بول دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آیت قرآنی۔ **اِنْ ھٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ** (31:12) میں حضرت یوسفؑ کو فرشتہ کہہ دیا۔ کیونکہ حضرت یوسف نے عصمت کا ایک ایسا کامل نمونہ دکھایا کہ معمولی انسانوں سے اس کی توقع نہیں ہوسکتی۔ پس مولٰنا مولوی سید محمد احسن صاحب کو حضرت صاحب کا فرشتہ قرار دینا اس بات پر مبنی تھا کہ آپ عقائد حقہ پر پوری مضبوطی دکھائیں گے) جو فوت ہو چکے، ان کی تحریروں اور الفاظ پر ہی بحث کرنی پڑتی ہے۔لیکن جو زندہ ہیں وہ تو ہر ایک بات کو خود صاف کر کے بیان کر سکتے ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں کہ حضرت مسیح موعود ایسے کو فرشتہ کہیں جو ان کے عقائد کا ہی مخالف ہو اور ایسا مخالف کہ آپ کے دعویٰ کو بھی رد کرنے والا ہو۔ دونوں فرشتوں کے عقائد تو ضرور درست ہوں گے۔ پس جو فرشتہ زندہ ہے اس نے صاف بتا دیا کہ وہ عقائد حقّہ کیا ہیں۔ اور ہر ایک عقل مند کے لئے یہ شہادت کافی ہے۔ اور آپ کی شہادت، کہ حضرت مسیح موعود کے وقت میں ہمارے عقائد کیا تھے، فیصلہ کن ہے۔

لیکن اگر اس پہلو کو ہم چھوڑ بھی دیں۔ تو کم از کم کسی شخص کے کسی فقرے یا لفظ کے معنی کرنے کا یہ طریق نہیں کہ اس کی باقی تحریروں اور طریق عمل کو بالائے طاق رکھ کر ہم ایک فقرہ کے پیچھے جائیں مثلاً اس خط پر جس کا عکس اخبار الفضل میں چھپا ہے اس قدر اصرار کرنا کہ اس کے مقابل اور کسی چیز کی پروانہ کی جائے یہ استدلال کا درست طریق نہیں۔ بلکہ یہ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق دل میں کسی کجی کا نتیجہ ہے۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ (7:3) سب سے موٹی اور آسان فہم یہ بات ہے کہ کسی شخص کے قول کی وضاحت کے لئے اس کے فعل کو دیکھ لیا جائے۔ کیونکہ بات میں جو ابہام ہوتا ہے وہ فعل سے دور ہو جاتا ہے۔ اب اگر اس خط کی بنا پر ہم یہ بات مان لیں کہ حضرت مولوی صاحب کا مذہب یہ تھا کہ وہ سب غیر احمدیوں کو کافر سمجھتے تھے، تو ان کے ذیل کے افعال کی کیا تشریح کریں گے۔

1۔ خود اپنی غیر احمدی بھتیجی کا جنازہ پڑھا (حالانکہ میاں صاحب کے اعتقاد کی رو سے وہ جنازہ ناجائز ہے۔ گو اس وقت میاں صاحب نے مولوی صاحب کی خاطر شمولیت اختیار کی)۔

2۔ مولوی غلام محمد سے، جو آپ کے پاس رہتے تھے، غیر احمدیوں کے جنازے پڑھواتے رہے۔ یعنی جو کوئی بیمار ان کے پاس جاتے تھے ان میں سے کوئی وہاں فوت ہو جائے تو مولوی غلام محمد کو کہتے تھے کہ ان کا جنازہ پڑھا دو۔

3۔ غیر احمدیوں کے پیچھے، جو ہندوستان سے باہر ہیں، نماز کے جواز کے فتویٰ دیئے۔ انگلستان میں خواجہ کمال الدین صاحب کو حج کے لئے سب جانے والوں کو۔ حتیٰ کہ میر ناصر نواب نے، چوہدری حاکم علی نے، مستری موسیٰ نے، جو اب میاں صاحب کے ہم عقیدہ اپنے آپ کو بتاتے ہیں، ان فتووں پر عمل کیا اور وہاں غیر احمدیوں کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ میاں صاحب نے بھی نماز پڑھ تو لی۔ گو اس کو دہرالیا ہو۔ بہرحال اگر مولوی صاحب کا مذہب یہی تھا جو میاں صاحب کا ہے تو اب کیوں غیر احمدیوں کے پیچھے، جو ہندوستان سے باہر ہیں، میاں صاحب نماز کو حرام ٹھہراتے ہیں جبکہ مولوی صاحب اس پر عمل کرتے رہے۔

4۔ ہندوستان کے اندر مولوی صاحب کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا فتویٰ موجود ہے کہ غیر احمدی کے

پیچھے، جو حضرت صاحب پر حسن ظن رکھتا ہو، بعد استخارہ نماز پڑھ لی جائے۔ کیا کافر کے پیچھے کوئی شخص نماز کے جواز کا فتویٰ دے سکتا ہے؟

5۔ ایک احمدی کو جو فوج میں ملازم تھا غیر احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ وہاں حسن ظن اور استخارہ کی بھی شرط نہ تھی۔

6۔ ایک احمدی کی لڑکی کا (یعنی خود خلیفہ رشید الدین کی لڑکی کا) ایک غیر احمدی سے، جو منکر مسیح موعود تھا، نکاح پڑھا۔

میں تحریروں کو چھوڑ کر صرف ان چند افعال کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ کیا ان سے مولوی صاحب کا مذہب معلوم نہیں ہوتا؟

اور جو مجھ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ تم مولوی صاحب کی بیعت کر کے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ عقائد میں ان کے ساتھ اتفاق ہو۔ اب اس خط کو کیوں نہیں مانتے۔ سو بات یہ ہے کہ مولوی صاحب کا جو مذہب مجھ پر، بلکہ سب لوگوں پر ظاہر تھا، اس لحاظ سے میرے اور ان کے عقائد میں قطعاً فرق نہ تھا۔ ہاں! میں نے یہ نہ کبھی لکھا اور نہ کبھی اس کا قائل ہوا کہ مرشد کا ہر قول اور ہر فعل حجت شرعی ہو جاتا ہے۔ اگر ہم کوئی فعل اور قول اس کا شریعت کے خلاف پائیں گے، تو اسے ترک کر دیں گے۔ حجت شرعی ہمارے لئے قرآن کریم اور حدیث شریف ہے۔ آئمہ اور خلفاء کا اجتہاد بھی سب اسی کے ماتحت مانتے ہیں۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (59:4) یہ کہنا کہ مرشد اور مرید میں ایسا تعلق بکار ہے اور بات ہے۔ اور یہ کہ مرشد کا ہر قول و فعل، خواہ وہ خلافِ شریعت ہے، مرید کے لئے حجت شرعی بن جاتا ہے، ایک بالکل علیحدہ بات ہے۔

میں اس دوسری بات کا قائل نہ کبھی ہوا نہ کوئی شخص مسلم کہلا کر اس کا قائل ہو سکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ میں نے حضرت مولوی صاحب کے عقائد کو کیا سمجھا؟ سو میں خدا کی قسم کھا کر شہادت دیتا ہوں کہ مجھے ایک منٹ کے لئے کبھی یہ خیال نہیں گزرا کہ مولوی صاحب انہی عقائد کے قائل ہیں جن کا اعلان آج میاں صاحب کر رہے ہیں۔ ورنہ میں ان کی بیعت سے فوراً الگ ہو جاتا۔ میرے سامنے اور ایک اچھے مجمع میں حضرت مولوی

صاحب نے میاں صاحب کو مخاطب کر کے اور مسئلہ کفر واسلام کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا میاں بھی اس مسئلہ کو نہیں سمجھا۔ پھر مجھے فرمایا کہ تم اس کو تطبیق دو۔

کیا اس سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ میاں صاحب کو وہ اس مسئلہ میں غلطی پر سمجھتے تھے اور مجھے حق پر۔ پھر جب آپ نے خواجہ صاحب کو انگلستان میں غیر احمدی کے پیچھے نماز کے جواز کا فتویٰ دیا تو اس وقت میاں صاحب نے اور ان کے ساتھیوں نے مخالفت بھی کی۔حتیٰ کہ میرے پاس بھی کتابیں لے کر آئے۔ اسی مخالفت کی بنا پر ہی آپ نے مجھے مسئلہ کفر واسلام کی تطبیق کے لئے حکم دیا۔اور پھر اس مضمون کو سن کر پسند فرمایا۔ پھر برابر چار ماہ کئی کئی گھنٹے میں آپ کو قرآن شریف اور اس کے نوٹ سناتا رہا اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے حضرت مولوی صاحب کے کسی لفظ سے ان ایام میں یہ بو بھی نہیں پائی کہ حضرت صاحب کو کامل نبی سمجھتے یا سب غیر احمدیوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ بلکہ آپ سے بہت سی باتیں ان ایام میں ایسی سنیں جن سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ آپ اسی عقیدہ پر قائم ہیں جس پر ہم سب حضرت مسیح موعود کے وقت سے قائم چلے آتے ہیں۔پس میرے لئے تو مفہومِ بیعت میں کوئی تغیّر واقع نہیں ہوا۔

ہاں! سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا پھر حضرت مولوی صاحب مرحوم کا یہ خط ان کے اسی عقیدہ کا مؤید ہے جو ان کے دوسرے اقوال وافعال سے ظاہر ہوتا ہے یا اس میں کوئی اور عقیدہ ظاہر ہوتا ہے جو اس پچھلے عقیدہ کے بھی خلاف ہے۔اور 1907ء سے پہلے جو عقیدہ حضرت مولوی صاحب کا آپ کی تحریروں اور تقریروں سے ظاہر ہوتا ہے، اس کے بھی خلاف ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی ایک قول کو اگلی اور پچھلی تحریروں اور عمل کے خلاف قرار دینا یہ ایک سخت معاند کا کام ہوسکتا ہے، نہ کسی دوست یا خیر خواہ کا۔

اس مکتوب کو جہاں تک میں نے دیکھا ہے اس میں زیادہ تر کفر کے مسئلہ کا ذکر ہے۔ اگر اصل سوال ہمارے سامنے ہوتے تو شائد اس خط کا سمجھنا زیادہ آسان ہوتا۔

بہر حال اب بھی کچھ چنداں مشکل بات نہیں۔ کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ کا مسئلہ یہاں حضرت مولوی صاحب نے قائم کیا ہے۔اب کفر دون کفر کی تشریحات کو، جو آئمہ نے کی ہیں دیکھا جائے ،تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل اور فروع کے کفر میں فرق کیا گیا ہے۔یعنی ایک تو کفر اصل کا ہوتا ہے اور ایک فرع کا۔فرع کے کفر سے

اصل کا کفر لازم نہیں آتا۔ پس اسلام کی کسی فرع کا کفر اصل اسلام کا کفر نہیں۔ یعنی دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ایک خاص شاخ کا کفر ہے۔ جو اس حصہ سے انسان کو محروم کر دیتا ہے۔

امام ابن اثیر نے اس کی تصریح فرمائی ہے جیسا کہ وہ اَلنِّهَايَة میں لکھتے ہیں: اَلْكُفْرُ صِنْفَانِ اَحَدُ هُمَا الْكُفْرُ بِاَصْلِ الْاِيْمَانِ وَهُوَ ضِدُّهٗ وَالْاٰخِرُ الْكُفْرِ بَفَرْعٍ مِّنْ فُرُوْعِ الْاِيْمَانِ فَلَا يَخْرُجُ بِهٖ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ یعنی کفر دو قسم ہے۔ ایک اصل ایمان کا کفر ہے اور وہ ایمان کی ضد ہے۔ اور دوسرا ایمان کے فروع میں سے کسی ایک فرع کا کفر ہے۔ اس سے انسان اصل ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا۔ پس اگر اس معنی میں حضرت مولوی صاحب کے خط کو پڑھیں، تو ان کے پہلے اور پچھلے اقوال اور افعال سے تطبیق ہو جاتی ہے۔ ورنہ اس کے کوئی اور معنی کرنے سے یہ تو ثابت نہیں ہو جائے گا کہ ایک قول نے اگلے اور پچھلے سب اقوال وافعال کو باطل کر دیا۔ ہاں! آپ پر یہ ایک اعتراض رہے گا کہ ایسا آپ نے کیوں کیا؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک قول کی خاطر بہت سے اقوال و افعال کو باطل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور اسی تطبیق کے لئے، جس کا میں نے ذکر کیا ہے، خود اس خط کے اندر بھی وجوہات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک فقرہ اس کا فیصلہ کن ہے۔ اور وہ یہ ہے:

''نیز عرض ہے خلفاء کے منکر پر کفر کا فتویٰ قرآن مجید میں موجود ہے۔ آیت خلافت جو سورہ النور (55:24۔ مرتب) میں ہے۔ اس میں ارشاد الٰہی ہے۔''

اب اگر غور کیا جائے تو یہ لفظ صاف بتاتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کے ذہن میں وہی فرع کا کفر ہے۔ ورنہ اسلام کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ خلفاء میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کو بیسیوں جگہ حضرت مولوی صاحب نے تسلیم فرمایا ہے۔ اب اور سب حقوق کو الگ رکھ کر اس میں کیا شک ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا انکار ہزارہا صحابہؓ نے کیا۔ جن میں سے بہت سے میدان جنگ میں شہید بھی ہو گئے۔ تو کیا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ یہ سب کے سب کافر تھے؟ حتیٰ کہ طلحہؓ اور زبیرؓ بھی جو عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ پھر حضرت فاطمہؓ خود حضرت ابوبکرؓ سے ناراض رہی ہیں اور آپ کی وفات تک ان کی وجہ سے حضرت علیؓ نے بھی بیعت نہیں کی۔ تو کیا نعوذ باللہ یہ کافر تھے؟

اس سے آگے چل کر مجددوں کو لے لیں۔ کیونکہ ان کو بھی حضرت صاحب نے خلفاء کے نیچے ذکر کیا

ہے۔اور حضرت مولوی صاحب بھی اس بات کو مانتے ہیں۔تو کیا جس طرح میاں صاحب حضرت مسیح موعود کے متعلق کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص مسلمان نہیں جو آپ کی بیعت میں داخل نہیں ہوا۔اسی طرح ان کے متعلق بھی مانیں کہ اس وقت جس قدر لوگ اسلامی دنیا میں ان کی بیعت میں داخل نہیں ہوئے وہ سب کافر ہی تھے!

گویا تیرھویں صدی میں سوائے سید احمد بریلویؒ کے مبائعین کے کل اسلامی دنیا کافر تھی! بارہویں صدی میں سوائے شاہ ولی اللہؒ کی بیعت کرنے والوں کے کل مسلمان کافر تھے۔گیارہویں صدی میں سوائے مجدد الف ثانیؒ کے مبائعین کے سب دنیا کافر تھی۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔اب فرمایئے یہ لوگوں کو دھوکہ کیوں دیا جاتا ہے کہ مسلمان اتنے کروڑ ہیں۔جب ان کی تعداد ہر صدی میں چند ہزار سے زائد نہیں نکلے گی۔آخر جب ''خلفاء کے منکر پر کفر کا فتویٰ قرآن مجید میں موجود ہے'' کو اس قدر زور سے اس بات کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے کہ مسیح موعود کی بیعت نہ کرنے والے سب دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔تو پھر کیوں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہ کرنے والے، حضرت عمرؓ کی بیعت نہ کرنے والے، حضرت علیؓ کی بیعت نہ کرنے والے، ہر صدی کے مجدد کی بیعت نہ کرنے والے، دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوئے۔خدارا! مذہب اور عقیدہ وہ بنائیں جس سے دین اسلام کا بھی کچھ باقی رہے۔ورنہ دین اسلام کو جواب دے کر اپنے پاس سے ایک نیا مذہب قائم کرنے کا اعلان کرنا چاہیئے۔سب خلفاء کو ایک ترازو میں تولیئے اور پھر دیکھئے کہ یہاں جس کفر کا ذکر حضرت مولوی صاحب نے کیا ہے اگر اس کو ایسا کفر سمجھ لیا جائے جس کا فتویٰ میاں صاحب حضرت مسیح موعود کی بیعت نہ کرنے والوں پر دے رہے ہیں۔تو پھر دین اسلام کا کچھ باقی نہیں رہتا!

اگر کسی شخص کا دل ان باتوں پر راضی ہو جاتا ہے تو ہمارے لئے بھی قرآن کریم میں تسلی موجود ہے۔ مَآ اَنۡتَ عَلَیۡھِمۡ بِوَکِیۡلٍ (6:107) جب رسول خدا کو یہ ارشاد ہوتا ہے تو ہم چیز کیا ہیں؟ ہر ایک کا معاملہ خدا سے ہے۔دین کوئی بچوں کا کھیل نہیں کہ جس نے جو منہ پر آیا کہہ دیا۔ایک مسلمان کو کافر کہنا بھی ایک شخص کو کافر بنا دیتا ہے۔تو جو شخص کروڑوں مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے، اسے کانپ اٹھنا چاہیئے۔اور ایسے الفاظ منہ سے نکالنے سے پہلے بہت غور و فکر کر لینا چاہیئے۔ایک بات کا منہ سے نکال دینا آسان ہے مگر اس کی جواب دہی کے وقت کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔اسی کو یاد کرو جو حضرت مسیح موعود نے فرمایا تھا۔

سہل باشد، از زبان خویش تکفیر کسے مشکل اُفتد آں زماں، چوں پُرسد از وے کردگار

اور کروڑوں مسلمانوں کی تکفیر سے باز آ جاؤ۔ یہ بڑا خطرناک گناہ ہے، دین اسلام پر سخت حملہ ہے۔ حضرت مسیح موعود نے اپنی ساری تحریروں میں ایک دفعہ بھی یہ نہیں کہا، نہ تقریروں میں کہیں اس کا نشان پایا جاتا ہے کہ میرے دعویٰ کی وجہ سے روئے زمین کے سارے مسلمان کافر اور دین اسلام سے خارج ہو گئے۔ پھر ایسے خطرناک جرم کے ارتکاب کے لئے، کہ کل روئے زمین کے مسلمانوں کو کافر کہا جاتا ہے، کون سی آڑ تلاش کر لی ہے۔ پہلے اسے بھی سوچ لینا ضروری ہے۔ میاں صاحب حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں بچے تھے اور کتابوں کو پڑھنے سے پہلے انہوں نے ایک عقیدہ کا اعلان کر دیا۔ اور جب منہ سے بات نکل چکی تو اب اس سے پھرنے میں خلافت کی ہتک نظر آتی ہے۔ اور اس طرح ساری جماعت کو مصیبت میں ڈالا ہے۔ مگر وہ خوب یاد رکھیں کہ یہ ان کا عقیدہ اسلام پر ایک خطرناک حملہ ہے اور اللہ تعالیٰ کبھی اس کو سرسبز ہونے نہیں دے گا۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

19 نومبر 1916ء

منظوری چیلنج پر میاں صاحب کا گریز

احمد مجتبیٰؐ کے اسم احمد کا انکار اور اس کا جواب

(از حضرت امیر مولانا محمد علی ایدہ اللہ تعالیٰ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اَحْمَد ہے یا نہیں اور حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی، جس کی طرف قرآن کریم کی آیت مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (6:61) میں اشارہ کیا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پوری ہوئی یا نہیں؟ ایک سوال ہے جس کو میاں محمود احمد صاحب نے بعد وفات حضرت مولانا نورالدین مرحوم اٹھایا اور یہ دعویٰ کیا کہ نہ ہی پیشگوئی مندرجہ سورہ الصّف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پوری ہوئی اور نہ اَحْمَدُ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ بلکہ یہ پیشگوئی صرف مسیح موعود کے لئے تھی۔ اس کا جواب بذریعہ مضامین اخبار و رسائل ہمارے احباب دیتے رہے ہیں۔ اور دو رسالے بالخصوص اس موضوع کے اوپر لکھے گئے ہیں۔ یعنی ایک رسالہ ''اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ'' مؤلفہ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ لاہور اور دوسرا رسالہ ''بشارت احمد'' مؤلفہ شیخ مولا بخش صاحب سیالکوٹ۔ بلکہ اس سے علاوہ خود میاں صاحب کی جماعت میں سے مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب نے ایک کتاب ''**القول الممجد**'' اس باطل عقیدہ کی تردید میں لکھ کر بڑے زور سے اس کا قلع قمع کیا ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے خیال کیا کہ یہ بات، جو میاں صاحب کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی احمد نہ تھا، اس قدر بیہودہ ہے کہ اس کی تردید کی ضرورت نہیں۔ مگر ان کی خاموشی ہی درحقیقت میاں صاحب کی اس جرأت کا موجب ہوئی ہے کہ باوجود اس عقیدہ کی اس قدر تردید کے جو ادھر سے کی گئی وہ اپنے ادعا میں ترقی کرتے چلے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ دسمبر 1915ء کے جلسہ میں کوئی تقریر انہوں نے کی۔ جس کے متعلق 19 ستمبر 1916ء کے پرچہ الفضل میں سب سے پہلے یہ اعلان ہوا کہ اس تقریر

میں ساری دنیا کے عالموں اور فاضلوں کو چیلنج دیا گیا ہے کہ میاں صاحب اپنے دلائل کو پیش کرنے اور بصورت شکست کچھ تاوان بھی دینے کو تیار رہیں۔ گو تعجب آتا ہے کہ یہ دعویٰ اس وقت کیوں حذف کیا گیا، جب قادیان کے اخباروں میں سالانہ جلسہ کی رپورٹیں چھپی تھیں۔ ممکن ہے اس کی وجہ وہی ہو جو میاں صاحب نے خود حاشیہ میں اس چیلنج کے متعلق بطور نوٹ لکھ دی ہے۔ دیکھو انوارِ خلافت صفحہ 18 یعنی یہ کہ:

> ''اس مضمون میں نظر ثانی کے وقت میں نے اور مضامین بھی زائد کر دیئے ہیں۔ جو لیکچر کے وقت بوجہ کمی وقت بیان نہیں کر سکا۔''

خیر اس سے تو چنداں غرض نہیں۔ مگر یہ تعجب ہے کہ جب مضمون کے وقت نظر ثانی کرتے ہوئے اور مضامین بھی بڑھا دیئے تھے، تو کم از کم دو چار صفحوں میں ہی مولٰنا مولوی سید محمد احسن صاحب کے دلائل کی تردید کر دی ہوتی۔ بہر حال اس چیلنج کے شائع ہونے پر اول پیغام صلح میں اس کی منظوری کا اعلان نکلا۔ مگر اس کو اس وجہ سے قابل قبول نہ سمجھا گیا کہ یہ کسی جماعت کے قائم مقام کی طرف سے نہیں۔ اور مجھے الفضل میں مقابلہ پر آنے کے لئے بلایا گیا۔ چنانچہ 7 اکتوبر کے الفضل میں یہ الفاظ لکھے گئے۔

> ''اگر ایڈیٹر پیغام نے اپنی طرف سے اس کو شائع کیا ہے تو اسے چاہئے کہ ''ایاز قدر خود بہ شناس'' پر غور کرے۔ اور اس طرح اپنے امیر کو اپنے پاؤں کے نیچے چھپانے کے بجائے میدان میں نکلنے دے۔''

اس پر میں نے اخبار پیغام صلح مورخہ 17 اکتوبر اور بعض دیگر اخبارات میں میاں صاحب کے اصل الفاظ کو نقل کرنے کے بعد اس چیلنج کی منظوری کا اعلان کیا۔ اور انعام یا تاوان نیز ثالثوں کے بارہ میں چند نہایت ہی نرم شرائط پیش کرتے ہوئے ایک پبلک جلسہ میں میاں صاحب کو ذیل کے امور پر اپنے دلائل پیش کرنے کو کہا۔

اول: آیت کریمہ مُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔

دوم: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک اَحْمَدُ نہ تھا بلکہ یہ حضرت مرزا غلام احمد

صاحب کا نام تھا۔

اس جواب کو شائع ہوئے قریباً پورے ایک ماہ بعد 14 نومبر کے الفضل میں میاں صاحب کی طرف سے ایک جواب شائع ہوا ہے۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس میں بجائے منصفانہ شرائط کے قبول کرنے کے اصل مبحث سے ہی گریز اختیار کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو باوجود اس کے کہ مجھے خاص طور پر چیلنج قبول کرنے کے لئے بلایا گیا تھا یہ جواب دیا گیا ہے۔

''اس وقت تک جن لوگوں نے اس مبحث پر گفتگو کی خواہش ظاہر کی ہے۔ وہ مولوی محمد علی صاحب، مولوی ثناء اللہ صاحب ایڈیٹر اہلحدیث اور ملا محمد بخش صاحب لاہوری ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ تینوں صاحب اپنے میں سے ایک شخص کو چن لیں اور وہ بحث کرے۔''

اس کے متعلق میں مختصراس قدر لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایڈیٹر پیغامِ صلح کے متعلق تو پہلے یہ عذر بنایا گیا کہ وہ کسی جماعت کا قائم مقام نہیں اور پھر یہ کہ وہ علماء فضلاء میں سے نہیں۔ مگر ملا محمد بخش لاہوری کو خوشی کے ساتھ مدِّ مقابل منظور کیا جاتا ہے۔ کیا اس میں یہ دونوں صفات پائی جاتی ہیں؟ یعنی وہ کسی جماعت کا امام واجب الاطاعت یا علماء وفضلاء میں سے ہے؟ پھر مجھے خود دعوت دے کر ملا محمد بخش لاہوری کا نام پیش کرنا محض استہزاء کی غرض سے نہیں تو کیا ہے؟ گویا اس وقت میاں صاحب نے فخریہ یہ جتایا ہے کہ ملا محمد بخش لاہوری اور یہ عاجز ایک ہی بات کے حامی ہیں۔ مگر کیا میاں صاحب کو خود یہ علم نہیں کہ یہی ملا محمد بخش لاہوری اس امت میں آنے والے مسیح کی نبوت کا میاں صاحب کی طرح قائل ہے۔ اور اس نے ہمارے مقابل ایک اعلان بھی کیا تھا کہ جس میں میاں صاحب اور مولوی محمد حسین بٹالوی کو منصف قرار دیا تھا۔

میاں صاحب نے اس بات کی نقل کر کے، جو ایک دریدہ دہن اخبار نویس قادیان سے پہلے لکھ چکا ہے، اپنے ہی اخلاق اور متانت کا ثبوت دینے کے سوائے اور کچھ نہیں کیا۔ لیکن جس صورت میں میاں صاحب ملا محمد بخش لاہوری کو علماء فضلاء میں سے تسلیم کر چکے ہیں۔ اور مہربانی فرما کر میرے ساتھ ان سے الگ ہو کر مباحثہ کرنے کو بھی منظور کر چکے ہیں، امید ہے کہ اب وہ اسے مایوس نہیں کریں گے۔ چونکہ میرے ساتھ تو الگ مباحثہ کرنے کو میاں صاحب اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس لئے مجھے تو یہ ضرورت نہیں کہ میں اسے اپنا وکیل

بناؤں۔ مگر مجھے یہ تعجب ہے کہ میاں صاحب نے ملا محمد بخش کو اپنے لئے کس طرح موزوں جوڑ سمجھ لیا؟ محض میری عداوت کی وجہ سے! ہاں ایک امر کی میاں صاحب کی طرف سے تصریح کی ضرورت باقی ہے کہ جب وہ ملا محمد بخش کے ساتھ مباحثہ کرنے کو تیار ہیں تو یہ دونوں مباحثے ایک ہی وقت تو ہو نہیں سکتے۔ امید ہے ان کے لئے الگ الگ تاریخوں کا اعلان کر دیں گے اور بہتر ہو کہ ملا محمد بخش کے ساتھ پہلے مباحثہ ہو جائے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس میں آپ کو کچھ اور دلائل بھی سوجھ جائیں۔ ورنہ جو دلائل آپ اب تک پیش کر چکے ہیں وہ کسی وقیع مجلس میں پیش ہونے کے قابل نہیں۔ اور بعض تو محض جگ ہنسائی کا کام دینے والے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت صاحب کا نام غلام احمد نہ تھا۔ ورنہ آپ کے نام پر جو آپ کے والد صاحب نے گاؤں آباد کیا تھا، اس کا نام غلام احمد آباد رکھا جاتا نہ احمد آباد۔ کیونکہ آپ کی اس دلیل کی رو سے غلام رسول کے نام پر جو رسول پور گاؤں آباد ہوا تو معلوم ہوا کہ اس کا اصل نام غلام رسول نہ تھا۔ بلکہ رسول تھا۔ اور اللہ بخش کے نام پر جو اللہ آباد گاؤں آباد ہوا تو معلوم ہوا کہ اس شخص کا اصل نام اللہ بخش نہ تھا بلکہ اللہ تھا، وغیرہ۔

بہر حال آپ کی عام دعوت کے علاوہ چونکہ مجھے اس چیلنج کے جواب کے لئے آپ کے اخبار میں خاص دعوت بھی دی گئی ہے، اس لئے میں تو جہاں تک ممکن ہوگا یہ کوشش کروں گا کہ یہ مباحثہ ہو جائے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود ایک ماہ تک غور کرنے کے آپ نے ان باتوں کی طرف، سوائے ایک دو کے توجہ نہیں کی، جو میں نے پیش کی تھیں۔ اس لئے میں دوبارہ آپ کے جواب کو سامنے رکھ کر ان کو صاف کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اگر ان میں سے کسی شرط میں آپ پر کوئی سختی ہو تو آپ بیشک اس کا اظہار کریں۔ لیکن گول مول الفاظ میں، جیسا کہ اس جواب میں آپ نے کیا ہے، ان کو ٹالیں نہیں۔ آخر حق تو ظاہر ہو جائے گا۔ اور جس طرح آپ نے پہلے نبوت کے مسئلہ میں کوئی بات طے نہ ہونے دی تو مجھے مجبوراً ''النبوت فی الاسلام'' میں ان مسائل کو کھول کر لکھنا پڑا۔ اسی طرح اب بھی اگر آپ گریز کریں گے تو مجھے کتاب لکھنے میں بھی عذر نہیں۔ گو یہ دقت ہے کہ ہماری کتابیں پڑھنے کی آپ اپنے مریدوں کو اجازت نہیں دیتے۔ اس لئے بہر حال میں یہ چاہتا ہوں کہ مباحثہ ہو جائے اور اس کے لئے چھ ضروری امور کو صاف کر کے پیش کرتا ہوں۔ اس میں آپ کے جوابات پر بھی بحث کی گئی ہے۔ جس خاص امر میں آپ اپنے اوپر سختی سمجھیں اسے کھول کر لکھیں۔ باقی امور کو منظور فرما دیں۔

اول: سب سے پہلے میں یہ چاہتا ہوں کہ اصل موضوع بحث صاف ہو جائے۔آپ نے اب اپنے جواب میں اپنے ذمہ صرف اس قدر ثابت کرنا لیا ہے کہ:

''اسمہٗ احمد والی پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود ہیں''۔

اب یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ کم از کم مجھ میں اور آپ میں تو یہ بحث ہی نہیں۔ظلی طور پر میں اس پیشگوئی کے اندر مسیح موعود کو داخل سمجھتا ہوں۔پھر آپ کا اس بات کو ثابت کرنے کا فائدہ؟ اصل تنازعہ تو یہ ہے کہ آپ اسمہٗ احمد والی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پورا ہونے پر ایمان نہیں لاتے، میں لاتا ہوں۔آپ کے نزدیک احمد نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں تھا۔میرے نزدیک ہے۔پس اصل بات، جس کا فیصلہ کرنا ہے یہی ہے، کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پیشگوئی پوری ہوگئی یا نہیں۔اور آپؐ کا اسم مبارک احمد تھا یا نہیں۔آپ نے ثابت کرنا ہے کہ نہیں۔مگر اب آپ اصل مبحث کو ٹالتے ہیں اور بجائے اس کے ایک گول مول فقرہ میں یہ کہتے ہیں کہ آپ صرف یہ ثابت کریں گے کہ اسمہٗ احمد والی پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود ہیں۔گویا آپ ظلی طور پر بھی آپ کا اس پیشگوئی میں داخل ہونا ثابت کریں۔تو آپ کا یہ دعویٰ تو ثابت ہو گیا۔حالانکہ آپ کے صریح اعلان کے خلاف ہے۔اور ظلی طور پر داخل ہونے کے ہم قائل ہیں نہ کہ آپ۔میں اس کو کسی قدر کھول کر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔آخری نتیجہ، جس پر آپ لوگوں کو پہنچانا چاہتے ہیں، یہ ہے کہ اسمہٗ احمد والی پیشگوئی کا مصداق مسیح موعود ہی ہیں (یعنی اور کوئی نہیں)۔

مگر اس کو ثابت کرنے سے پہلے اس بات کو ثابت کرنا آپ کے ذمہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔نہ آپؐ کا اسم مبارک احمد تھا۔اور یہی وہ باتیں ہیں جن پر بار بار آپ نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں زور دیا ہے۔لیکن اب مباحثہ کرنے میں انہی کے ثابت کرنے سے گریز کرتے ہیں۔خود ''انوارِ خلافت'' میں آپ نے صفحہ 18 سے صفحہ 32 تک اسی بات کے دلائل دیئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔نہ آپؐ کا اسم مبارک احمد تھا۔اور پھر اس کے بعد صفحہ 33 پر یہ لکھا ہے کہ:

''اب میں اس بات کا ثبوت قرآن کریم سے پیش کرتا ہوں کہ اس پیشگوئی کے مصداق

حضرت مسیح موعود ہی ہو سکتے ہیں، نہ اور کوئی''۔

یہی طرز مباحثہ میں بھی ہوگی۔یعنی جب تک آپ پہلے یہ ثابت نہ کر لیں کہ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نہیں، اس وقت تک دوسری شق پر آپ کا ہاتھ ڈالنا خلافِ اصول ہے۔مثلاً دیکھئے! جب ایک احمدی یہ ثابت کرنا چاہے کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ہیں تو جب تک پہلے وہ یہ ثابت نہ کر لے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے اور وہ اب واپس نہیں آسکتے، اس وقت تک حضرت صاحب کے دعویٰ مسیحیت پر کوئی بحث نہیں ہوسکتی۔اس کا فرض ہے کہ پہلے یہ ثابت کرے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے۔حالانکہ وفات پانا کسی انسان کا ایک معمولی امر ہے۔مگر پھر بھی اثبات دعویٰ مسیحیت سے پہلے قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت دینا ضروری ہے۔اگر ہم اس امر کو ہی ثابت نہ کرسکیں کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے تو حضرت صاحب کے دعویٰ مسیحیت پر ہمارا دلائل دینا بے سود ہے۔

اسی طرح پر جب تک آپ یہ ثابت نہ کرلیں کہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پوری نہیں ہوئی، اس وقت تک کسی اور کے متعلق آپ کا اس کو ثابت کرنا (سوائے اس کے کہ اسے آپ ظلی طور پر اس کے اندر داخل کریں جس کے آپ قائل نہیں) بیسود ہے۔مزید برآں یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک احمد ہونا اور آپؐ کا اس پیشگوئی کا مصداق ہونا ساری امت میں بلا استثنا فرد واحد کے مسلّم ہے۔حتیٰ کہ آپ کے نزدیک تو عیسائی بھی آپ کا نام احمد ہونے کے قائل ہیں۔جیسا کہ آپ نے اپنے جواب مندرجہ الفضل 14 نومبر 1916ء میں لکھا ہے۔

''مسیحیوں کو آپ کا نام احمد ہونے سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں...... چنانچہ ان کے بعض نئے معترضین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل نام احمد تھا۔''

پھر جب دوست دشمن تیرہ سو سال سے اس بات کے قائل چلے آتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد تھا اور قرآن کریم کے سارے کے سارے پیرو اس بات کے قائل چلے آتے ہیں کہ اسمہٗ احمد کی پیشگوئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔اور آپؐ کے آنے سے ہی پوری ہوئی ہے،تو اب جو شخص اس قدر صریح واقعات کے ہوتے ہوئے انکار کرتا ہے،اس کا فرض ہے کہ وہ ثبوت پیش کرے اور اس بات کا بار ثبوت اس کے ذمہ ہے کہ جس طرح پر واقعات ساری دنیا کو دوستوں کو اور دشمنوں کو مسلّم ہیں وہ سب غلط ہیں۔اس لئے اب دعویٰ کر کے آپ کا اس طرح گھبرانا اور دعویٰ کا ثبوت پیش کرنے سے انکار کرنا صریح گریز ہے۔

بلکہ میں تو اس سے بھی بڑھ کر ثبوت دے سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ خود بھی حضرت مسیح موعود کی زندگی میں اس بات کے قائل نہ تھے کہ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں۔اور آپ کا اسم مبارک احمد نہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ آپ کا حضرت صاحب کی وفات کے بعد بنا ہے۔اس کے لئے میں دلائل نہیں دیتا۔خود آپ کا اپنا اقرار پیش کرتا ہوں۔جو انوارِ خلافت کے صفحہ 21 پر چھپا ہوا موجود ہے۔

''اور میرا ایمان ہے کہ اس آیت کے مصداق حضرت مسیح موعود ہی ہیں۔ہاں! پہلے جب حضرت خلیفہ اول سے یہ بات میں نے سنی تو ابتداً اسے قبول نہ کیا اور بہت کچھ اس کے متعلق بحثیں ہوتی رہیں۔لیکن جب میں نے اس پر غور کیا تو خدا تعالیٰ نے اس کے متعلق میرا سینہ کھول دیا اور دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ عنایت فرما دیئے اور میں نے اس خیال کو قبول کر لیا۔''

حضرت مولٰینا نورالدین مرحوم کا تو یہ مذہب نہ تھا۔

دیکھو البدر مورخہ 8 دسمبر 1903ء جس میں حضرت مولوی صاحب کا ایک مکتوب چھپا ہے۔ (جو درج ذیل ہے۔مرتب)

احمد اندر جان احمد شد پدید اسم من گردید اسم آں وحید

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

يَّاْتِىْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61 مرتب) سے مراد ہمارے سیّد و مولیٰ، ہادی کامل، خاتم النبیین، رسول رب العالمین، محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہی

امر سچ ہے۔ حکیم فضل دین صاحب نے اگر اس کے خلاف کہا ہے تو غلط اور بالکل غلط کہا ہے۔ ہاں اگر ایک احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خادم اپنی خدمت کے لحاظ سے اور غلامی کے لحاظ سے اور غلامی کی راہ سے فرما دے کہ میں بہ لحاظ کامل محبت اور سچی خدمت کے وہی احمد ہوں۔ بلکہ اس کا مولیٰ و خالق جل شانہ ارشاد فرما دے کہ تُو تو احمد ہے۔ تو یہ امر دیگر ہے۔ اسی کارڈ کے اوپر جو شعر لکھا ہے اس پر غور کرو۔ حضرت مرزا جی کا فرمایا ہوا ہے۔''

مگر اس سے سرِ دست ہمیں بحث نہیں کہ ان کا کیا مذہب تھا۔ ہاں! ان الفاظ سے یہ صاف معلوم ہوا کہ آپ کا بھی عقیدہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں اس کے خلاف نہ تھا۔ اور بعدہٗ خواہ آپ کا شرح صدر ہو گیا، خواہ ایک غلط خیال کی پیروی میں آپ لگ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو عقیدہ تبدیل کرنا پڑا۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ بحثیں جو آپ کرتے رہے، یہ کب کرتے رہے۔ اور انہی بحثوں کا نتیجہ تھا جو آپ نے نہ صرف اپنے عقائد کو تبدیل کر لیا، بلکہ ساتھ ہی ایک جماعت کو بھی ابتلا میں ڈالا۔ افسوس ہے کہ آپ کے مرید اور آپ خود ہمیں بار بار تبدیلی عقیدہ کا جھوٹا الزام دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے، کہ جیسا کہ آپ نے خود یہاں اقرار کیا ہے، کہ آپ نے اپنا عقیدہ حضرت خلیفۃ المسیح مولینا مولوی نورالدین صاحب کے زمانہ میں تبدیل کیا۔

بہر حال جو کچھ بھی ہوا، اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ خود آپ کا عقیدہ بھی پہلے یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیشگوئی اسمہٗ احمد کے مصداق ہیں اور آپ کا اسم مبارک احمد ہے۔ پھر بعد میں آپ نے بعض خیالات کی پیروی کی ہے۔ جن سے آپ کو یہ ثابت ہوا کہ ایسا نہیں۔ انہی دلائل کو آپ نے علماء فضلاء کے سامنے پیش کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس لئے اب ان سے گریز کرنا گویا اپنے اعلان کی تردید کرنا ہے۔ پس آپ کے ذمہ یہ ثابت کرنا ہے کہ:

اول: پیشگوئی مندرجہ آیت کریمہ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (6:61) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پوری نہیں ہوئی۔

دوم: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک احمد نہ تھا۔

ان دونوں باتوں کا بارِثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ جب تک یہ ثابت نہ کرلیں، اس وقت تک آپ اس بات کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے کہ یہ پیشگوئی مسیح موعود کے لئے ہے۔ اور، اور کوئی اس کا مصداق ہوسکتا ہی نہیں۔ جیسا کہ ''انوارِخلافت'' میں آپ کا دعویٰ موجود ہے۔

اور آپ جو میرے ذمہ باتیں ڈالتے ہیں وہ چھ ہیں۔

اول: یہ ثابت کرنا کہ احمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا نہ کہ صفت۔ اب یہ بھی ایک مغالطہ ہے جو آپ دیتے ہیں۔ میرا فرض صرف اس قدر ہے کہ میں احمد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ثابت کروں۔ یہ ثابت کرنا میرے ذمہ نہیں کہ احمد آپ کی صفت نہ تھی۔ کسی شخص کا اسم با مسمی ہونا یعنی ان صفات کا بھی اس میں ہونا، جو اس کے نام سے ظاہر ہوں، محالات میں سے نہیں۔ پس ایک امر جو میرے ذمہ ثابت کرنا ہے وہ یہ ہے کہ احمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک تھا۔ لیکن اس سے بھی مقدّم یہ بات ہے کہ پیشگوئی اسمہٗ احمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پوری ہو گئی۔ اس لئے سب سے پہلے میرے ذمے اسی کے دلائل دینا ہیں۔

آپ اس کی بجائے تفصیلات میں جاتے ہیں۔ یعنی میرے ذمہ بجائے اس ایک سیدھی بات کے دو باتیں ڈالتے ہیں۔ اول یہ کہ جو نشانات قرآن کریم میں احمد موعود کے آئے ہیں، وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی اپنے اوپر چسپاں فرمائی ہے۔

یہ تو صرف دو دلائل ہیں جن سے یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پوری ہوئی۔ یہ دلائل اصل موضوع نہیں۔ اصل موضوع پیشگوئی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پورا ہونا ہے۔ سو وہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ دلائل کو خود منصف دیکھ لیں گے کہ آیا ان سے مدعا ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ آپ مطمئن رہیں کہ جو دلائل کسی اور پیشگوئی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں پورا ہونے کے دیئے جا سکتے ہیں، ویسے ہی دلائل اس کے بھی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو مل جائیں گے۔ اگر انصاف مدّنظر ہے تو جس طرح اپنے ذمہ آپ نے کوئی تشریحات نہیں ڈالیں، اسی طرح

تشریحات کو یہاں بھی داخل نہ کریں۔ میں خدا کے فضل سے وہ باتیں بھی دکھا دوں گا جن کو آپ چاہتے ہیں۔مگر موضوع بحث یہی ہے کہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ جو دلائل اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں پورا نہ ہونے کے آپ دیں گے، ان کو توڑنا اور آپؐ کی ذات میں اس کا پورا ہونا، ثابت کرنا میرے ذمہ ہوگا۔

غرض کہ آپ کے دلائل کا نقض میرے ذمہ ہوگا۔اور ایسا ہی یہ بھی کہ پیشگوئی اسمہٗ احمد والی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کےظہور سے پوری ہوگئی۔اور دوسرے یہ کہ آنحضرتؐ کا اسم مبارک احمد تھا۔

دوم: موضوع بحث کے بعد اب دوسرا سوال اسناد ہیں جو بحث میں پیش کی جاسکتی ہیں۔اس کے متعلق بھی یہ عجیب بات ہے کہ آپ نے اپنے لئے اس جواب میں کوئی ذمہ داری نہیں لی۔ حالانکہ دوسرے فریق کے لئے یہ حد بندی کر دی ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے ثبوت پیش کرے۔ یہ انصاف نہیں۔جس بات کا پابند دوسرے کو کرنا چاہتے ہیں، اس بات کا آپ کو خود بھی پابند ہونا ہوگا۔اس لئے جس طرح میں پابند ہوں گا کہ قرآن وحدیث سے دلائل پیش کروں، آپ بھی اس بات کے پابند ہوں گے کہ قرآن وحدیث سے یہ دلائل پیش کریں کہ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پوری نہیں ہوئی اور نہ آپ کا اسم مبارک احمد تھا۔اور یہ کہ پیشگوئی حضرت مسیح موعود کے لئے ہے۔ ہاں! صرف نام کے متعلق بیشک یہ امر قابلِ تسلیم ہے کہ وہاں ہر قسم کا تاریخی ثبوت لیا جائے۔ چونکہ آپ نے شروع سے اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن وحدیث سے ہی دلائل ہوں اور کُل دنیا کے علماء فضلا کو مخاطب کرنے سے بھی آپ کا یہی منشاء ہے کہ آپ کے دلائل صرف قرآن وحدیث سے ہوں گے۔اس لئے اس شرط کا آپ کو پابند ہونا ہوگا کہ:

''دلائل کے دینے میں جہاں تک پیشگوئی کا سوال ہے اول قرآن کریم، بعدہٗ حدیث۔ جو قرآن کریم کے مخالف نہ ہو اور جو وضعی نہ ہو۔لیکن جہاں نام کا سوال ہے ہر قسم کی تاریخی شہادت بھی علاوہ مذکورہ بالا شہادتوں کے قابلِ قبول ہوگی''۔

سوم: تیسری بات جلسہ کے پبلک ہونے کے متعلق ہے۔ یہ آپ خواہ مخواہ کی شرائط اب لگاتے

ہیں کہ جلسہ پبلک نہ ہو۔ بلکہ بذریعہ ٹکٹوں کے داخلہ کے ہو کہاں وہ دعویٰ کہ:

’’تمام دنیا کے عالموں اور فاضلوں کے سامنے بیان کرنے کے لئے تیار ہوں۔‘‘

اور کہاں اب اس قدر انحراف! کہ صرف تین تین سو آدمی فریقین کے بذریعہ ٹکٹوں کے داخل ہوں۔ اگر آپ کہیں کہ نقصِ امن کا خوف ہے تو آپ کے واعظین، جو جگہ جگہ جلسے کرتے ہیں، وہ کس طرح کر لئے جاتے ہیں۔ وہاں بھی تو یہی باتیں پیش ہوتی ہیں۔ اور پھر جلسہ کے انتظام میں پولیس کا انتظام ہو اور اس کا خرچ امید ہے آپ خود ہی برداشت کریں گے۔ کیونکہ جو دعویٰ کرتا ہے، اسی کے ذمہ یہ بات بھی ہے۔ لیکن اگر آپ کوئی خاص وجہ اس کے لئے پیش کر سکیں کہ آپ سارے اخراجات کے ذمہ دار نہیں تو نصف خرچ قیام امن کا میں دے دوں گا۔

چہارم: مقامِ جلسہ کے متعلق میری غرض تو صرف اس قدر تھی کہ کم از کم ایسا مقام تو ہو جہاں بہت سے علماء فضلاء جمع ہو سکیں۔ اس لئے میں نے لاہور اور دہلی کہا تھا۔ آپ اس کے مقابل امرتسر تجویز کرتے ہیں۔ اگر امرتسر دونوں فریق کے لئے یکساں ہے تو دہلی بھی، جس کا نام میں نے پیش کیا تھا، یکساں ہے۔ وہاں پنجاب اور ہندوستان کے علماء فضلاء آسانی سے جمع ہو سکتے ہیں۔ میرے اور آپ کے لئے دہلی بھی یکساں ہے۔ صرف غرض یہ ہے کہ کثرت سے علماء فضلاء اس بحث کو سن لیں۔ اس لئے امرتسر کی بجائے دہلی کے قبول کرنے میں آپ کو کوئی عذر نہیں ہونا چاہیئے۔

پنجم: یہ کہ اعلان کے متعلق میں نے کہا تھا کہ فی مرید سوا پیسہ کے حساب سے دس ہزار روپیہ آپ جمع کرا دیں۔ اور سوا پیسہ کی برداشت امیر وغریب سب کر سکتے ہیں آپ اس کے بالمقابل کہتے ہیں حضرت صاحب نے دس ہزار کی جائداد ’’چشمۂ معرفت‘‘ میں پیش کی تھی یا ایک ہزار نقد۔ اور آپ اس سے بھی نصف دے سکتے ہیں۔ لیکن آپ کو یہ خیال نہیں رہا کہ ’’پیغامِ صلح‘‘ میں حضرت صاحب نے تین لاکھ روپیہ تاوان قبول کیا ہے۔ اور وہی آخری تحریر حضرت مسیح موعود کی ہے۔ مگر میں نے عمداً اتنا بوجھ آپ پر ڈالنا نہیں چاہا۔ تا کہ کہیں یہی بہانہ نہ ہو جائے۔ بلکہ میں تو آپ پر ایک پیسہ کا بوجھ بھی ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے ایسی تجویز کی، جس میں نہ آپ کو تکلیف ہو نہ آپ کے مریدین کو، سوا پیسہ

کیا چیز ہے؟ اور اگر یہ خیال ہو کہ اس قدر مریدوں تک حکم پہنچانے میں بھی خرچ ہوگا۔ تو میں اس بات پر راضی ہوں کہ اس اشتہار کا خرچ، جس میں صرف یہ مطالبہ ہو، اس رقم میں سے منہا کرلیا جائے، جو اس طرح پر جمع ہو۔

البتہ یہ عذر آپ کا ہوسکتا ہے۔ اور میں اسے بجا تسلیم کرتا ہوں کہ بہت سے مرید آپ کے عقیدہ سے متفق نہیں ہیں، وہ کیوں تاوان دینے لگے! لیکن اس کے بالمقابل یہ بھی ظاہر ہے کہ جو مرید آپ کے اس عقیدہ میں شامل ہیں، اخلاقاً وہ بھی تاوان کے ذمہ دار ہیں۔ کیونکہ اگر وہ آپ کی ہاں میں ہاں ملانے والے نہ ہوتے تو آپ کبھی ایسا خطرناک عقیدہ پیش کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ پس چونکہ وہ تو بہرحال ذمہ دار ہیں، اس لئے میں صرف اس قدر ترمیم پیش کرتا ہوں کہ آپ کی طرف سے یہ اعلان ہو کہ جو میرے مرید میرے ساتھ اِسمُہٗ اَحْمَدُ کے عقیدہ میں متفق ہیں کہ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پوری نہیں ہوئی، وہ بحساب دو پیسہ فی مرید مرد وزن آپ کو بھیج دیں۔ میں اب دس ہزار کی شرط بھی اٹھا دیتا ہوں۔ جس قدر روپیہ اس طرح پر ہو جائے وہ مع آپ کی پانچ ہزار کی جائداد کے تاوان دیا جائے۔ اور جس صورت میں مَیں یہ اقرار لکھ دینے کو تیار ہوں کہ یہ روپیہ میں اپنے لئے، مکان یا زمین خریدنے میں نہیں لگاؤں گا، نہ اپنی ذات پر اس میں سے ایک ہبہ بھی خرچ کروں گا، تو اس کے ماننے میں آپ کو کیا عذر ہوسکتا ہے؟ آپ کا اور آپ کے مریدوں کا روپیہ بہر حال ایک نیک کام یعنی اشاعت اسلام پر لگے گا۔ اور اگر آپ کے نزدیک ہمارا اشاعت اسلام کا کام بھی اشاعت اسلام نہیں۔ تو ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ یہ روپیہ بعد وضع اخراجات مناظرہ، حضرت مسیح موعود کی کتابوں کی اشاعت پر خرچ کر دیں گے۔

ششم: ثالثوں کے بارے میں میں نے دو تجویزیں کی تھیں۔ غیر احمدی علماء اسلام ہوں یا آپ کے مریدوں میں سے میں چند آدمی منتخب کرلوں۔ اور میری جماعت میں سے آپ کرلیں اور کچھ غیر احمدی ساتھ ملا لئے جائیں۔ ان میں سے امر اوّل کا تو آپ نے یہ جواب دیا ہے کہ غیر احمدی بوجہ اپنے عقیدہ کے فیصلہ آپ کے خلاف دیں گے۔ گویا چونکہ ان کو اسلام سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم سے محبت ہے، اس لئے وہ ایمان داری سے فیصلہ نہیں دیں گے۔ اوراس کے بالمقابل آپ یہ فرماتے ہیں کہ ہندو یا یہودی یا سکھ منصف ہوں۔ کیا قرآن وحدیث کے دلائل کو ہندو اور سکھ اور یہودی بہتر سمجھتے ہیں یا علماء اسلام؟ حضرت مسیح موعود نے اپنے اور پیر صاحب گولڑوی کے مابین غیر احمدی علماء کو ثالث منظور کیا تھا۔آپ کو بھی اس میں عذر نہ ہونا چاہیئے۔

علاوہ بریں جس طرح آپ کو یہ خطرہ ہے کہ غیر احمدی بوجہ محبت اسلام کے آپ کے خلاف فیصلہ دیں گے، میں بھی اس خطرہ کو پیش کر سکتا ہوں کہ غیر مسلم بوجہ عداوتِ اسلام کے میرے خلاف فیصلہ دیں گے۔ کیونکہ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ پیشگوئی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہ آنے سے اسلام کو ایک ضعف پہنچتا ہے۔ پس اگر آپ غیر احمدیوں کے عقیدۂ اسلام سے ڈرتے ہیں، تو میں غیر مسلموں کی عداوتِ اسلام سے ڈرتا ہوں۔ اور آپ نے تو نام بھی یہود اور مشرکین کے ہی تجویز کئے ہیں۔جن کے متعلق قرآن کریم شہادت دیتا ہے۔ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا (82:5)۔اس لئے دوسری تجویز جو میں نے پیش کی تھی، اور جس کے متعلق آپ نے اپنے جواب میں کچھ بھی نہیں لکھا، وہ نہایت موزوں ہے۔آپ کی خاطر میں اس سے یہ حصہ نکال دیتا ہوں کہ کچھ غیر احمدی علماء بھی ساتھ شامل ہوں۔صرف احمدی ہی رہیں اور صورت وہی ہو جو میں نے پہلے تجویز کی تھی اور جس میں کسی نقص کا ہونا آپ نے ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ محض اس کے فیصلہ کن ہونے کی وجہ سے اس سے انحراف کیا ہے۔

یعنی یہ کہ میں پانچ کس آپ کی جماعت میں سے منتخب کرلوں اور آپ اسی قدر آدمی میرے رفقاء میں سے منتخب کر لیں۔قسمیں جس طرح آپ پسند کریں، ان کو دے لیں۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ کے دلائل زبردست ہوں گے تو میرے ساتھیوں میں سے کوئی آپ کے ساتھ ہو جائے گا۔ اور اگر میرے زبردست ہوں گے تو آپ کے فریق میں سے کوئی میرے حق میں فیصلہ دے دے گا۔ اوراس طرح پر ان کی کثرت رائے حقیقی طور پر غلبہ کی شہادت ہوگی۔آپ غور فرمالیں کہ اس میں کوئی دقّت نہیں اور اصل مقصود بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ آپ کے مریدین میں سے بھی آپ

سے اس بارہ میں اختلاف عقیدہ رکھتے ہیں، تو کم از کم وہ دلائل دنیا میں پیش کرنے کے قابل نہیں، جن کو اپنے مرید بھی تسلیم نہ کرتے ہوں۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ آپ کی جماعت میں بعض منافق شامل ہیں، تو میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ جو نام میں تجویز کروں، اگر ان میں سے کسی کے متعلق آپ یہ اعلان کر دیں، کہ یہ شخص منافق ہے۔ اور اس کی صحت پر مؤکد بہ عذاب حلف اٹھائیں۔ تو میں اس شخص کے نام کو واپس لے کر اس کی جگہ کوئی اور آدمی آپ کی جماعت میں سے تجویز کر دوں گا۔ اور میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر فریقین کے ثالثوں کی رائے میں مساوات ہو تو اس صورت میں مَیں تاوان لینے کا حق دار نہ ہوں گا۔ اور دونوں فریق میں سے کسی کی فتح یا شکست متصور نہ ہوگی۔

ہر ایک عقلمند غور کر سکتا ہے کہ یہ شرائط اس قدر صاف ہیں کہ اگر آپ کی غرض صرف جماعت کو ڈرانا ہی نہ تھا کہ آپ کے پاس دلائل ہیں تو آپ ان دلائل کو اب ان شرائط کے ساتھ پبلک میں پیش کرنے اور اس آسان طریق سے فیصلہ کرنے کو تیار ہوں گے۔ اور اگر اب بھی آپ گریز کریں تو میں آپ کو مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ آپ تو دوسروں کو موت کی دھمکیاں دیتے ہی رہتے ہیں۔ مگر مرنا تو سب نے ہے۔ آپ نے بھی میں نے بھی۔ لیکن یہ آپ یاد رکھیں کہ آپ کا یہ باطل عقیدہ انشاء اللہ تعالیٰ دنیا میں کبھی سرسبز نہ ہوگا۔ اور خود آپ کے مرید اس باطل کو دھکے دیں گے۔

باقی رہی نبوت پر بحث۔ سو اس کے متعلق میں ''النبوت فی الاسلام'' لکھ چکا ہوں۔ جب آپ ''حقیقت النبوت'' کی دوسری جلد میں اس کے دلائل کو رد کرنے کی کوشش کریں گے تو پھر نبوت پر بھی بحث کر لی جائے گی۔ مگر جب تک آپ کے ذمہ یہ قرضہ ہے، اس وقت تک میں بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ آپ نے اس کے جواب سے اب تک عملاً عجز ظاہر کیا ہے۔ اور علاوہ ازیں آپ کے سب عقائد چونکہ ایک دوسرے کی شاخیں ہیں، اس لئے اس ایک ہی مسئلہ کے فیصلہ سے باقی مسائل کا فیصلہ بھی ہو جائے گا اور ثابت ہو جائے گا کہ جن عقائد کی آپ تعلیم دے رہے ہیں، وہ حضرت صاحب کے عقائد ہیں یا آپ نے بھی حضرت صاحب کی زندگی کے بعد وہ عقائد تجویز کئے ہیں اور سابقہ عقائد کو بدل لیا ہے۔

نیز امید ہے کہ آپ اس قدر مدت جواب کے لئے نہ لگائیں گے، جس طرح پہلے ایک ماہ لگا دیا اور پھر

بھی میری کسی بات کی طرف توجہ نہیں کی۔ میں نے صاف صاف باتیں لکھی ہیں اور جو شرائط آپ نے لکھی ہیں، ان کے نقص کو ظاہر کیا ہے۔ اگر میری پیش کردہ شرائط میں کوئی نقص ہے تو آپ اس کو ظاہر کریں یا شرائط کو قبول کریں تا کہ یہ معاملہ جلد طے ہو سکے۔

خاکسار

محمد علی

16 نومبر 1916ء

❁❁❁

26 نومبر 1916ء

اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ

میں نے 19 نومبر کے اخبار پیغامِ صلح میں میاں صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے تاوان کے متعلق یہ لکھا تھا کہ جو مرید اُن کے عقیدہ متعلق اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ (6:61) میں ان سے اتفاق رکھتے ہیں وہ بھی بحساب دو پیسہ فی کس تاوان دیں۔ لیکن اگر میاں صاحب کو اس بات پر بھی اعتراض ہے تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں اور اس کی بجائے صرف یہ پیش کرتا ہوں کہ میاں صاحب اپنے پانچ لاکھ مریدین میں سے، جن کا ان کو دعویٰ ہے، صرف بیس ہزار مریدین کے دستخط ایک اعلان پر کرا دیں۔ جس کی عبارت حسب ذیل ہو:

> ''میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ شہادتِ حقّہ ادا کرتا ہوں کہ میرا ایمان یہ ہے کہ پیشگوئی جس کا حوالہ آیت کریمہ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ (6:61) میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پوری نہیں ہوئی۔ اور نہ آپ کا اسم مبارک اَحۡمَد تھا۔''

یہ شرط لگانے کی ضرورت اس لئے ہے تا کہ معلوم ہو جاوے میاں صاحب جو کچھ دلائل رکھتے ہیں ان سے ان کے کس قدر مریدین قائل ہو چکے ہیں۔ اگر اُن کی مزعومہ پانچ لاکھ تعداد میں سے بیس ہزار بھی اس اعلان پر دستخط کر دیں تو اس قدر تو ثابت ہو جائے گا کہ میاں صاحب کے مریدین میں سے سو میں سے کم از کم چار تو اُن کے دلائل کو درست مانتے ہیں اور اُن کے ہم عقیدہ ہیں۔ اور اگر سو میں سے چار مرید بھی ان دلائل سے قائل نہیں ہو سکتے۔ تو ان دلائل کو دوسروں کے سامنے پیش کر کے کیا کریں گے۔ چونکہ میاں صاحب کے مریدین صرف ان کے حکم سے ہی شہادتِ حقّہ ادا کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ معاملہ حلف میں پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے ہم معذور ہیں کہ براہِ راست ان سے کچھ دریافت نہیں کر سکتے۔

خاکسار **محمد علی**

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

28 نومبر 1916ء

اداریہ

مسیح موعود کی نبوت ماننے والوں کی تعداد

(از حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایدہ اللہ تعالیٰ)

میں نے اس جواب کے اثناء میں، جو میاں صاحب کو ان کے اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کی پیشگوئی کے چیلنج پر دیا تھا، یہ بھی لکھا تھا کہ کسی دوسرے کے ساتھ مباحثہ کرنے سے پہلے وہ یہ ثابت کریں کہ ان کے مریدین کس قدر فیصدان کے دلائل کے قائل ہو چکے ہیں اور انہی کی طرح اپنا پہلا عقیدہ تبدیل کر کے اب اس نئے عقیدہ کے قائل ہو چکے ہیں کہ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پوری نہیں ہوئی اور نہ آپ کا اسم مبارک احمد تھا۔ اس کا تو معلوم نہیں میاں صاحب کیا جواب دیں گے۔ اور ممکن ہے کہ وہ اسے ٹالنے کی کوشش کریں کہ ہم اس جھگڑے میں نہیں پڑتے۔ لیکن اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ محض بحث سے گریز پر ایک دلیل ہوگی۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ برابر اس طرح کوشش کرتے رہے ہیں کہ نئے عقائد میں اپنے ہم خیال مریدوں کی تعداد معلوم کریں۔

لیکن بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعداد ایسی حوصلہ شکن ثابت ہوئی کہ پھر میاں صاحب نے اس کے نتائج کو شائع کرنا پسند نہیں کیا۔ ایک طرف مولٰینا مولوی محمد احسن صاحب جیسے انسان نے، جو حضرت مسیح موعود کے عقائد کا زندہ نمونہ ہے، کھلی کھلی شہادت میاں صاحب کے عقیدہ کے بطلان کی دے دی، دوسری طرف میاں صاحب نے جو کوشش کی تھی، کہ نبوت ماننے والوں کی ایک عظیم الشان جماعت ہم دکھا دیں گے، اس میں ناکامی ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ تھی کہ وہ اپنے عقیدہ کی اصلاح کر لیتے اور اس باطل عقیدہ سے، جس میں خود مبتلا ہو کر بہت ناواقف لوگوں کو بھی اپنے ساتھ مبتلا کر دیا ہے، رجوع کرتے۔ یہ رجوع ان کے لئے بابرکت ہی ہوتا۔ مگر میاں صاحب محض ضد میں آ کر اب اس بات پر اڑے چلے جاتے ہیں۔ جب ہم ان کے مریدین سے

حلفیہ شہادت طلب کرتے ہیں کہ ان کے عقائد حضرت مسیح موعود کے وقت میں کیا تھے، تو مریدین کو شہادتِ حق ادا کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ اور اس کے بالمقابل ایک پیچیدہ سارنگ سوال کو دے کر خود اپنی جماعت سے حلفیہ شہادت لینا چاہتے ہیں، تو اس میں بھی سخت ناکامی اٹھاتے ہیں۔

اہلِ بصیرت کے لئے تو یہ نشان کافی تھے۔ مگر غافل انسان کی طبیعت کا رنگ ہمیشہ ہی یکساں چلا آتا ہے۔ وَكَأَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (105:12) کتنے نشان آسمان اور زمین کے اندر ہیں جن پر سے لوگ گزر جاتے ہیں اور ان کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ ہمارے حلفیہ شہادتوں کے مطالبہ سے انکار کرنا اور کرانا، خود نبوت پر حلفیہ شہادت کے پیدا کرنے میں ناکامی، اور سب سے بڑھ کر مولٰینا سید محمد احسن صاحب جیسے مسلمہ فاضل کا نہایت صفائی سے حق کی تائید میں کھڑے ہو جانا، کیا یہ بین نشان کافی نہ تھے؟ میرے دوستو! اب بھی غور کرو اور اپنی اصلاح کی فکر کرو۔

وہ حلفیہ شہادت جس کا مطالبہ میاں صاحب نے اپنے مریدین سے کیا تھا اور جس میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ناکامی ہوئی۔ کیونکہ سوا سال سے زیادہ عرصہ اس چٹھی کو شائع ہوئے گزر چکا اور اب تک اس کے کسی نتیجہ کا اعلان میاں صاحب کی طرف سے نہیں ہوا۔ ذیل میں ہم اصل چٹھی مولوی شیر علی صاحب کی، جو بحیثیت سیکریٹری ترقی اسلام انہوں نے میاں صاحب کے حکم سے شائع کی، درج کرتے ہیں۔

☆☆☆

از قادیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّى عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

مکرم۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

بیعت مسیح موعود کے متعلق حلفیہ شہادتیں صرف ایسے لوگوں کی چاہئیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی زندگی میں حضور انور کی بیعت کی اور آپ کی خدمت میں قادیان

شریف حاضر ہوئے۔اور آپ کے فیضِ صحبت سے مستفیض ہوئے۔

شہادت اس امر کے متعلق مطلوب ہے کہ حضرت اقدس کی نبوت کا اعتقاد موجودہ تنازعہ غیر مبائعین کے بعد پیدا ہوا ہے یا حضرت اقدس کے زمانہ میں ہی حلف کنندہ کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت اقدس واقعی نبی ہیں اور زمرہ انبیاء علیہم الصّلوۃ والسلام میں شامل ہیں۔اگرچہ آپ نہ ایسے نبی ہیں جو شریعت لانے والے ہیں۔نہ ایسے نبی جو براہ راست نبوت پاتے ہیں۔بلکہ ایسے نبی جن کی نبوت آنحضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور آپؐ کے فیضِ اتباع سے تھی۔حلف کنندہ خواندہ ہوتو بدستخط خود شہادت لکھے۔شہادت گواہوں کے روبرو لکھوائے۔اور اس پر اپنا نشان انگوٹھا جب لگائے، ساتھ ہی یہ لکھتا جائے شہادت دینے والے نے کس سنہ میں بیعت کی اور وہ قادیان تخمیناً کتنی بار آیا۔ شہادت اللہ جلشانہ کی قسم سے ہو۔آپ کے حلقہ تعارف میں جس قدر شہادتیں جمع ہوں، الگ الگ لکھوا کر بہت جلد بھیج دیں۔تاکید ہے۔

شیر علی

سیکریٹری ترقیٔ اسلام

☆☆☆

اب اس چٹھی میں اصل سوال کو چھپایا گیا ہے۔اصل سوال تو ان لوگوں سے ہونا چاہئیے تھا۔جنہوں نے 1901ء سے پہلے بیعت کی۔اور سوال یہ ہونا چاہئے تھا کہ آیا حلف کنندہ 1901ء سے پہلے یہ مانتا تھا یانہیں کہ حضرت مسیح موعود جس نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ جزوی نبوت ہے۔نبوتِ کاملہ نہیں اور نہ آپ زمرہ انبیاء میں شامل ہیں۔اور 1901ء کے بعد اس کے عقیدہ میں یہ تبدیلی واقعہ ہوئی یانہیں کہ اب حضرت مسیح موعود کا دعویٰ نبوت جزوی کا نہیں رہا بلکہ نبوتِ کاملہ کا ہوگیا ہے۔اور اب آپ مجددین میں سے نکل کر انبیاء میں داخل ہو گئے ہیں۔اور پہلے آپ اپنے منکر کو بھی کافر نہ سمجھتے تھے اور اب کل روئے زمین کے مسلمانوں کو،سوائے اپنے مریدین

کے، کافر سمجھتے ہیں۔ یا ان سب لوگوں سے بھی شہادت طلب کی جاتی، جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی زندگی میں آپ کی بیعت کی، تو یوں سوال کرنا چاہئے تھا کہ آیا بیعت کرنے والے کا بیعت کے وقت یہ اعتقاد تھا کہ حضرت مسیح موعود کی نبوت نبوتِ کاملہ ہے۔ اور اس پر ایمان لائے بغیر اب کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا اور نہ ہو سکتا ہے۔

مگر اس کو بھی ہم سر دست چھوڑتے ہیں۔ صرف یہ چاہتے ہیں کہ میاں صاحب اس فہرست کو شائع کر دیں جو مطالبہ حلف مذکورہ پر تیار ہوئی۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ کس قدر لوگ میاں صاحب کے ہم خیال ہیں۔ یہ یاد رہے کہ یہ شہادت میاں صاحب نے اس وقت طلب کی جب وہ ''حقیقۃ النبوت'' کو لکھ کر نبوت کے متعلق ایک غلط مفہوم پھیلا چکے تھے کہ حقیقی نبوت صرف کثرتِ مکالمہ کا نام ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود ''حقیقۃ الوحی'' میں صاف فرماتے ہیں کہ نبوت ختم ہوگئی اور اب صرف کثرتِ مکالمہ باقی ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک کثرتِ مکالمہ کا نام نبوت نہیں۔

غرض یہ مطالبۂ حلف اس وقت ہوا، جس وقت میاں صاحب جماعت کو نبوت کے متعلق ایک مغالطہ میں ڈال چکے تھے۔ اور ابھی ہماری طرف سے ''حقیقۃ النبوت'' کا جواب نہ لکھا گیا تھا۔ پس اس وقت اگر بعض لوگوں نے اس مغالطہ میں غلط شہادت بھی دے دی ہو، تو وہ خود ان پر یا کسی دوسرے پر حجت نہیں۔ مگر صرف اس قدر چاہتے ہیں کہ باوجود اس مغالطہ کے، کس قدر لوگوں نے حضرت مسیح موعود کی نبوت کا اعتقاد ظاہر کیا۔ اگر میاں صاحب واقعی یہ چاہتے ہیں کہ جماعت کو ان مسائل متنازعہ میں حضرت صاحب کا صحیح مذہب معلوم ہو جائے، تو اس سیدھے سادھے مطالبہ کو وہ پورا کر دیں گے۔ اور جب فہرستیں تیار اور مکمل موجود ہیں تو ان کے چھاپنے میں کیا حرج ہے۔ اس طرح پر اعتقاد کے معاملہ میں جماعت کی کثرت کا اندازہ ہو جائے گا۔

☆☆☆

فرضی نومبائعین

21 نومبر 1916ء کے الفضل میں حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ کے اس مضمون کا جواب دیتے

ہوئے جس میں انہوں نے سیالکوٹ کے ایک محمودی کی روایت پر الفضل کی فہرست ہائے نومبائعین کے اکثر ناموں کے فرضی ہونے کا ذکر کیا تھا ہمیں یہ چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر ہم:

> ''الفضل میں شائع ہونے والے نومبائعین کے ناموں کو فرضی اور جعلی سمجھتے ہیں تو گذشتہ 6 ماہ کی فہرستوں میں سے ہی پورا ایک سو نام ایسے لوگوں کا شائع کر دیں۔ جن کا کوئی پتہ ونشان نہیں ملتا۔''

پورا ایک سو نام تو خیر الگ بات ہے۔ وہ بھی کسی وقت گنوایا جا سکتا ہے۔ لیکن عقلمندوں کے نزدیک تو ایک فرضی نام بھی ان کے اس جعل کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ اس سے پیشتر بنارس کے پتہ سے کسی شخص حافظ محمد عبداللہ کا فرضی نام انہی فہرست ہائے نومبائعین میں طبع ہوا تھا۔ جس پر ہم 21 مئی 1916ء کے پیغامِ صلح میں بتا چکے ہیں کہ وہاں کے ایک محمودی کے کہنے پر الفضل نے نہایت جوش وخروش کے ساتھ اس کا مفصّل پتہ جو کچھ لکھا (یعنی حافظ محمد عبداللہ سوداگر چرم محلّہ زیر محلّہ عقب درگاہ قلندر صاحب بنارس) وہ بھی سب کا سب فرضی اور جعلی ہے اس نام کا بنارس میں نہ کوئی محلّہ ہے نہ درگاہ۔ آج پورے چھ ماہ گزر چکے ہیں اور الفضل نے باوجود ہمارے چیلنج کے حافظ محمد عبداللہ مذکور اور اس کے مذکورہ بالا پتہ کی صحت کو ثابت نہیں کیا۔ یہ قرضہ جب تک اس کے ذمہ ہے، اسے حق نہیں پہنچتا کہ کسی اور فرضی نام کا ہم سے مطالبہ کرے۔ گو بفضلِ خدا ہم اور بھی بہت سے نام اسی قسم کے پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن فی الحال اسی ایک ہی نام کو، جو پورے سو کے برابر ہے، یاد دلا دینا کافی ہے۔

5 دسمبر 1916ء

جمع وترتیب قرآن کریم

(1)

قرآن مجید دنیا کی اکیلی کتاب ہے جس نے کروڑوں انسانوں کی زندگی کے ہر پہلو پر اثر ڈالا ہے۔ یہ پاک کتاب صرف چند مذہبی عبادات کا طریق سکھانے کے لئے نہیں ہے۔ جس طرح دنیا کی بیشتر مذہبی کتب ہیں۔ بلکہ انسانوں اور قوموں کے لئے ہر قسم کی رہنمائی کرتی ہے۔ ان کے اخلاق، ان کے تمدن، ان کی معاشرت، ان کی سیاسیات، ان کی تعلیم، ان کی ترقی، ان کی تہذیب غرض ہر پہلو کی اصلاح کو اپنے سامنے رکھتی ہے۔ اور نہ صرف یہ امور خیالی ہی خیالی ہیں بلکہ عملاً افراد کو چھوڑ کر قوموں کی زندگی کے تمام شعبوں پر اس نے اپنا اثر ڈالا ہے۔ پھر قرآن کریم دنیا کی وہ اکیلی کتاب ہے جس کی تلاوت ہر لمحہ دنیا کے کسی نہ کسی مقام پر ہوتی رہتی ہے۔ اور اس قدر کثرت کے ساتھ اسے پڑھا جاتا ہے کہ اگر علّامُ الغیوب نے اس کا نام پہلے ہی قرآن نہ رکھ دیا ہوتا (جو قراء سے مشتق ہے۔ جس کے معنے پڑھنے کے ہیں۔ اور سب سے پہلی وحی جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ اقراء کے لفظ سے ہی شروع ہوتی ہے۔ گویا سب سے پہلا لفظ اس عظیم ترین وحی میں یہی پڑھنے کا حکم تھا۔ جس کی آج تمام مسلمان تمام روئے زمین پر تعمیل کر رہے ہیں) اور آج دنیا کے عقلمند اکٹھے ہو کر اس کا کوئی نام تجویز کرنا چاہتے تو اس لحاظ سے کہ دنیا کی کروڑوں کتابوں میں ایک یہی کتاب ہے جو اس کثرت سے پڑھی جاتی ہے، اس کا نام قرآن ہی تجویز کرتے۔

مگر باوجود اس کے کہ ابتدا سے ہی یہ کتاب اس کثرت کے ساتھ پڑھی گئی ہے اور اس کا اثر مسلمانانِ عالم کی زندگی کے ہر پہلو پر رہا ہے۔ اور اس نے انسانوں کو ذلیل سے ذلیل حالت سے، جو قیاس میں آسکتی ہے، اٹھا کر اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر، جہاں انسان اس عالم میں رہ کر پہنچ سکتا ہے، پہنچایا ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے مضامین میں کچھ بے ترتیبی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ قرآن کریم

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اس ترتیب پر جمع نہ ہو سکا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یا بعض کے نزدیک حضرت عثمانؓ نے جس طرح چاہا اسے ترتیب دے دی۔ عیسائیوں اور بعض معترضین کا تو یہ اعتراض تھا ہی مگر بعض مسلمانوں کو بھی یہ غلطی لگی ہے کہ وہ موجودہ ترتیب قرآن کو منجانب اللہ نہیں مانتے۔ بلکہ ان کا یہ خیال ہے کہ اگر وہ ترتیب قرآن کریم کی، جس سے اس کا نزول ہوا، قائم رہتی تو بہتر ہوتا۔ چنانچہ ایک انگریزی ترجمہ قرآن کریم کا جو حامل المتن ہے، کچھ عرصہ ہوا، الہ آباد کے اصغر اینڈ کو نے شائع کیا تھا۔ جس میں قرآن کریم کی مسلم ترتیب کو چھوڑ کر اپنی طرف سے ایک ترتیب نزولی قرار دی گئی ہے۔ اور سورتوں کا ادل بدل کر کے پہلی سورتوں کو پیچھے اور پچھلی سورتوں کو پہلے کر دیا گیا ہے۔ اور بعض حالات انہی ایام میں ایک اسلامی اخبار میں بھی شائع ہوئے ہیں۔ جن میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ موجودہ ترتیب قرآن کریم کی ٹھیک نہیں۔ اور اگر ترتیب نزولی قرآن کریم کی قائم رہتی تو ہم اس سے بہت سے فوائد اٹھا سکتے تھے۔ اور ہمیں قرآن کریم کے پڑھنے سے اسلام کی ابتدائی تاریخ کا سب پتہ مل جاتا۔

یہ خیالات قلتِ تدبر کا نتیجہ ہیں۔ تاریخِ اسلام کو اُن مقدس بزرگوں نے جو پیغامِ اسلام کے اول حامل تھے، ایسا محفوظ کیا ہے کہ دنیا کے عظیم الشان مذاہب میں یہ ایک ہی مذہب ہے جو تاریخی مذہب کہلا سکتا ہے۔ پس یہ خیال کہ قرآن کی ترتیبِ نزولی سے ہمیں تاریخِ اسلامی کا کوئی ایسا ورق مل جاتا ہو جو اب گم شدہ ہے، ان مقدس بزرگوں کی کوششوں سے عدم واقفیت کی وجہ سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ اور پھر قرآن کریم کی اصل غرض تاریخ کا بیان کرنا ہرگز نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ کچھ واقعات گذشتہ اور کچھ واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں۔ مگر نہ اس غرض سے کہ پچھلوں کی کوئی تاریخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جائے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض حالات کا پچھلے لوگوں کو پتہ لگ جائے۔

پچھلے انبیاءؑ کا جس قدر ذکر ہے وہ اس لئے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں پر مثالوں سے اتمام حجت کیا جائے۔ یا راستبازوں کی کامیابی اور باطل کے حامیوں کی آخری ناکامیوں اور حسرتوں کا نقشہ کھینچا جائے یا بعض پیشگوئیاں بیان کی گئی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مخالفین کو کیا حالات پیش آنے

والے ہیں۔ یا کسی سبق یا نصیحت کے سکھانے کے لئے۔ تاریخی رنگ میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ جس طرح مثلاً بائبل نے کیا ہے۔ اس لئے کسی تذکرہ کا کوئی واقعہ کہیں ذکر کر دیا اور کوئی واقعہ کہیں۔ جہاں جس امر کی ضرورت تھی وہاں اسے بیان کر دیا۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات میں ہجرت سے بڑھ کر کون سا واقعہ ہے۔ اور یہ ایسا عظیم الشان واقعہ آپ کی زندگی کا ہے کہ اسی پر اسلامی سنہ کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ لیکن اگر قرآن شریف کو پڑھو تو اس کا ذکر یا تو پہلی مکی سورتوں میں پیشگوئیوں کے رنگ میں پایا جائے گا۔ اور یا اس واقعہ کے ایک عرصہ کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض مصائب اور ان کے بعد کا ذکر کیا۔ اور یہ بتانا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے بڑی سے بڑی تنہائی اور بیکسی کی حالت میں نصرت فرما کر تکالیف سے باہر نکالتا رہا ہے۔ اس لئے کسی تکلیف کے پیش آنے پر مسلمانوں کو گھبرانا نہیں چاہیئے تو وہاں ذکر کر دیا کہ اس تنہائی اور بیکسی کی گھڑی کو یاد کرو۔ جب اکیلے ہاں صرف ایک ثانی اثنین کے ساتھ اسے نکلنا پڑا اور غار میں پناہ لینی پڑی۔ مگر وہاں بھی نہ غار کا پتہ بتایا، نہ ساتھی کا نام لیا، نہ کسی اور واقعہ کا ذکر کیا۔ اگر کیا تو صرف اس بات کا کہ وہ کیسی بیکسی کا وقت تھا۔ اور اس وقت خدا کی نصرت پر اس کا کیسا بھروسہ تھا۔ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا(40:9) اور خدا نے اس کو کیسی نصرت دی۔

اخلاق نبویؐ کو بیان کرنا تو بیشک قرآن کی ایک غرض ہے۔ جیسا عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: کَانَ خُلُقُهٗ الْقُرْآن اور اسی غرض کے لئے آپؐ کی زندگی کے بعض تاریخی واقعات کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ مگر تاریخ کو بیان کرنا اصل غرض قرآن شریف کی نہیں۔ اور جس قدر تاریخ قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔ وہ موجودہ ترتیب میں بھی ایسی ہی معلوم ہوسکتی ہے۔ جیسی ترتیب نزولی سے معلوم ہوسکتی۔ (جاری)

10 دسمبر 1916ء

جمع وترتیب قرآن

(2)

ترتیب نزولی

اس مضمون کی پہلی قسط میں مَیں نے یہ بتایا تھا کہ قرآن کریم کی غرض کسی تاریخ کا بیان کرنا نہیں۔ نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کا اس میں تاریخی رنگ میں ذکر ہے کہ ترتیبِ نزولی سے ہمیں کوئی خاص فائدہ حاصل ہو سکے، جو اَب حاصل نہیں۔ اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ترتیبِ نزولی کا لفظ اکثر لوگ بغیر اس کا مفہوم سمجھنے کے استعمال کرتے ہیں۔ یہ امر مسلّم ہے کہ بعض سورتوں میں سے سوائے سورہ انعام کے کوئی سورت ایک مرتبہ نازل نہیں ہوئی اور چھوٹی سورتوں کا بھی اکثر حصہ متفرق طور پر نازل ہوا۔ مثلاً اس امر پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلی وحی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات تھیں۔ اس سورت کا پچھلا حصہ بہت دیر بعد نازل ہوا۔ اور دورانی وقفہ میں اور سورتوں کا یا ان کے حصص کا نزول ہوتا رہا۔ صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ ایک ایک وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی کئی سورتوں کا نزول ہوتا تھا۔ پس سورتوں کی تقسیم خود کسی واقعی ترتیب نزولی کے قائم کرنے سے مانع ہے۔ یعنی ترتیبِ نزولی کا تو یہ اقتضا ہوگا کہ جو جو آیت جس جس ترتیب سے نازل ہوئی ہے وہ اسی ترتیب سے رکھی جائے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کے خلاف پایا جاتا ہے۔ یعنی آپ آیتوں کی ترتیب نزولی کے لحاظ سے نہ کرتے تھے۔ بلکہ خاص خاص موقعہ پر رکھوا دیتے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ خود وحی الٰہی کا یہ منشاء نہ تھا کہ قرآن کریم کی ترتیب نزولی وحی کے لحاظ سے ہو۔ ورنہ یوں ہونا چاہیئے تھا کہ جب تک ایک سورت مکمل نہ ہو جاتی دوسری سورت کا نزول شروع نہ ہوتا۔ تا کہ ترتیب نزولی کا قائم رہنا ممکن ہو جاتا۔

اس سے بھی بڑھ کر احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دو سورتوں میں آیات کی ترتیب، ترتیب

نزولی نہیں۔ یعنی یوں نہ ہوتا تھا کہ جوں جوں کسی سورت کا کوئی حصہ نازل ہوا اسی ترتیب سے وہ سورت بنتی چلی جائے۔ بلکہ ہر آیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود خاص موقعہ پر لکھواتے تھے۔ اور بعض وقت ایک آیت کو پہلی نازل شدہ آیات کے درمیان میں رکھ دیا جاتا تھا۔

ان امور کا مفصّل ذکر اس مختصر مضمون میں نہیں ہوسکتا۔ صرف ایک روایت کا حوالہ دینا کافی ہے جس کی اسناد کو حسن کہا گیا ہے۔ یہ روایت عثمانؓ بن ابی العاص کی ہے۔ جو ایک وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ بعد نزول وحی کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَتَانِیْ جِبْرَآئیلُ فَامَرَنِیْٓ اَنْ اَضِعَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ عَلٰی هٰذِهِ الْمُوْضِعِ مِنْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیءِ ذِی الْقُرْبٰی اِلٰی اٰخِرِهَا یعنی جبریل میرے پاس آیا اور اس نے مجھے حکم دیا کہ اس آیت کو اس سورۃ کے اس مقام پر رکھ دوں۔ اور وہ آیت یہ تھی اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔(90:16)

غرض خود وحی الٰہی کا نزول ایسے رنگ میں ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب نزولی کا قائم رکھنا منشائے الٰہی نہ تھا۔ ورنہ یوں ہونا چاہئے تھا کہ ایک سورت کے مکمل ہونے سے پہلے دوسری سورت کا نزول شروع نہ ہوتا۔ اور جس سورت کا جو حصہ نازل ہوتا وہ ترتیب نزولی کے لحاظ سے اس سورت میں رکھا جاتا۔ نہ یہ کہ اس کے لئے بھی خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا کہ اس آیت کو فلاں موقعہ پر رکھ دو۔

اب ہم تاریخ پر ایک نظر ڈالیں تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ صحابہؓ میں سے کسی کو ترتیبِ نزولی کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ سوائے ایک روایت کے، جس میں حضرت علیؓ کی طرف سورتوں کی ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے قرآن کریم کا جمع کرنا منسوب کیا گیا ہے۔ مگر اول تو اصل آیت کے الفاظ صرف اس قدر ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ تو میں نے قسم کھائی کہ میں سوائے نماز جمعہ کے اپنی چادر نہیں لوں گا جب تک کہ قرآن جمع نہ کرلوں۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے ترتیبِ نزولی کے لحاظ سے جمع کیا۔ دوسرے یہ اثر خود صحیح روایت کے مخالف ہے، جو عبد خیر سے مروی ہے اور جس کی سند کو حسن مانا گیا ہے۔ جس میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰی اَبِیْ بَكْرٍ هُوَ اَوَّلُ مَنْ جَمَعَ كِتٰبَ اللّٰهِ خدا کی رحمت

ابوبکرؓ پر کہ وہ پہلا انسان ہے جس نے قرآن جمع کیا۔

دوسرے صحیح احادیث اعلیٰ پایہ کی کثرت سے موجود ہیں۔ جن میں حضرت ابوبکرؓ کا سب سے پہلے جمع قرآن کا حکم دینا صاف طور پر مذکور ہے۔ امام ابن حجرؒ نے پہلے اثر کو بوجہ انقطاع بھی ضعیف کہا ہے۔ اور اس کی صحت کو تسلیم کر کے اس کے معنی صرف اس قدر ہو سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے کُل قرآن کو اپنے سینہ میں جمع کیا ہو یعنی حفظ کیا ہو۔ علاوہ ازیں اگر حضرت علیؓ نے کوئی ترتیب نزولی قرآن کریم کی کی تھی تو اس کے شائع کرنے سے کون مانع ہوا۔ کم از کم اپنے عہدِ خلافت میں تو اس کا کوئی نسخہ وہ شائع فرما دیتے۔ کیا وجہ ہوئی کہ حضرت علیؓ خود اپنے زمانہ خلافت میں اسی ترتیب کی اشاعت فرماتے رہے جو حضرت عثمانؓ کی خلافت میں پائی جاتی ہے۔

یہ ایک ایسی بین شہادت ہے کہ ہم کو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑتی ہے۔ یعنی یا تو حضرت علیؓ کا ترتیبِ نزولی دینا وہی ایک غلط واقعہ ہے۔ اور یا اگر یہ سچ ہے تو حضرت علیؓ کا قطعاً یہ خیال نہ تھا کہ یہ ترتیب سور حسب منشائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بلکہ محض تاریخی رنگ میں بعض امور کو محفوظ رکھنے کے لئے انہوں نے سورتوں کی ابتدا کے لحاظ سے ایک ترتیب دے لی ہوگی۔ جس سے منشاء صرف اس قدر ہوگا کہ لوگوں کو معلوم رہے کہ کون کون سورت کا کس کس وقت اور کہاں کہاں نزول ہوا۔ اسی طرح متاخرین میں جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اس قسم کی ترتیب دی ہے۔ یعنی ''ایقان'' میں یہ دکھایا ہے کہ پہلے کونسی سورت نازل ہوئی اور پھر کونسی۔ مگر اس کے دکھانے سے ان کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ یہ اصلی ترتیب قرآن کریم کی ہے۔ بلکہ امام سیوطیؒ خود اس بات کے قائل ہیں کہ سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اور وحی الٰہی سے ہے۔ ہاں! صرف تاریخی طور پر انہوں نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ سورتیں کس ترتیب سے نازل ہوئیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے تاریخی شہادت کے طور پر کوئی ترتیبِ نزولی کی قرار دی ہوگی۔ لیکن انہوں نے باوجود چند برس تک حکومت کرنے کے اپنی اس ترتیب کا ذکر تک نہیں اور نہ کوئی نسخہ اس ترتیب کے ساتھ شائع کیا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوائے اس ترتیب کے جو آج ہمارے قرآن میں پائی جاتی ہے کوئی ترتیب سورتوں کی قائم کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ پس آج تک نہ صحابہؓ کی جماعت، نہ تابعین، نہ تبع تابعین میں، نہ اس کے بعد آئمہ میں سے کسی کو یہ خیال گزرا کہ قرآن کریم کی کوئی ترتیب نزولی قائم کرنی چاہئے۔ یہ خیال محض اس بات کا نتیجہ ہے کہ بعض مخالف

تحریروں سے متاثر ہوکر، اور بغیر تحقیق کے اس خیال کو قبول کرلیا گیا ہے کہ ترتیبِ نزولی حقیقی قرآن کریم کی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، جیسا کہ ہم آئندہ دکھائیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

12 دسمبر 1916ء

جمع وترتیب قرآن کریم

(3)

جمع قرآن پر اندرونی شہادت

جمع قرآن کریم کے سوال پر سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کریم خود بھی اس کے متعلق کچھ فرماتا ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں وہ کامل مکمل کتاب ملی ہے جو تمام ضروری اصولی امور پر دعویٰ اور دلائل اپنے اندر رکھتی ہے۔ جمع قرآن پر بھی اندرونی شہادت قرآن کے اندر ایسی موجود ہے کہ اگر کوئی بیرونی تاریخی شہادت نہ بھی ہوتی تو خود وہی شہادت کافی تھی۔ اول یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سارا قرآن ایک مرتبہ ہی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں نازل نہ ہوا تاکہ یہ جمع اور ترتیب کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس کا جواب خود قرآن کریم نے دیا ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا. (32:25) اور کافر کہتے ہیں سارا قرآن اس پر ایک مرتبہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ اسی طرح ضروری تھا تاکہ ہم اس کے ساتھ تمہارے دل کو مضبوط کرتے رہیں اور ہم نے اس کو خوب ترتیب دی ہے۔

یہاں قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنے کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو وقتاً فوقتاً بڑی بڑی مشکلات اور مصائب کے نیچے قرآن کریم سے تقویت پہنچتی رہے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو کام تھا وہ اس قدر عظیم الشان تھا کہ دنیا میں اس قدر بوجھ اصلاح کا کبھی کسی انسان پر نہیں ڈالا گیا۔ اول تو خطاب کل دنیا سے۔ حالانکہ پہلے سب رسولؑ ایک قوم کی اصلاح کے لئے آتے رہے۔ پھر وہ رسول اس قوم کے بھی بعض وقت خاص خاص امور میں اصلاح کے لئے مبعوث ہوتے رہے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی کُل امراض کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا۔ اس طرح پر آپ کا کام بہ نسبت انبیائے

سابقین ہزار ہا گنا ہو گیا۔ یعنی کُل قوموں کی کُل بیماریوں کی اصلاح کے لئے آپ کی بعثت ہوئی۔ پھر اس قوم سے اس کام کی ابتدا ہوئی جو ہر قسم کی روحانی بیماریوں میں سینکڑوں سالوں سے مبتلا چلی آتی تھی اور اس کی مرض خطرناک حالت کو پہنچ چکی تھی۔ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّآ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُ هُمۡ (6:36) پہلے کوئی ڈرانے والا بھی ان میں نہ آیا تھا۔ پھر جب ساری قومیں مخاطب ہوئیں تو مخالفت بھی سب کی طرف سے ہوئی۔

اس کام کی عظمت کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو کبھی انسانوں کی اصلاح کے کسی پہلو سے واسطہ پڑا ہو۔ پھر کوئی سامان موجود نہیں جس کی بنا پر یہ اصلاح ہو سکے۔ بلکہ سب کچھ از سرِ نو دنیا کو دینا ہے۔ اور اس طرح پر ساری دنیا کی روحانی ابوت کا مرتبہ آپ کو ملتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ روحانی دنیا از سرِ نو بنتی ہے۔ غرض ان مشکلات کی گھڑیوں میں جب دنیا چاروں طرف سے ایک تاریک منظر پیش کر رہی ہو، یہ ضروری تھا کہ مکالمہ الٰہی کی کرنیں آپ کے قلب مبارک پر نازل ہو کر وقتاً فوقتاً تاریکیوں کو پاش پاش کرتی رہیں۔ اور آپ کے لئے موجب تسلی ہوں۔ اس لئے جیسی جس وقت ضرورت پیش آتی، اسی کے مطابق کلام الٰہی کا ظہور ہو کر دوہرا کام دے جاتا۔ یعنی وہ اصل غرض جو کسی امر کی اصلاح ہوتی ہے وہ بھی پوری ہوتی رہتی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ تدریجی نزول اس عظیم الشان بوجھ کے نیچے ثباتِ قلب کا بھی کام دیتا۔

لیکن جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ضرورت بیان فرمائی کہ قرآن کریم ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل ہونا کیوں ضروری تھا، ساتھ ہی کفار کے اعتراض کو مدنظر رکھ کر اس کا جواب دیا ہے۔ یعنی یہ بیان فرمایا ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل ہوا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہی رہیں گے۔ وَرَتَّلۡنٰهُ تَرۡتِيۡلًا (32:25) بلکہ ہم نے اس کو بہت عمدہ ترتیب بھی دے دی ہے۔

تَرۡتِيۡلٌ کے معنے درحقیقت حسنِ تالیف ہیں۔ چنانچہ رَتَّلَ کے معنے لسان العرب میں حسن تناوق الشئ ہیں اور نغر رتل دانتوں کو کہتے ہیں۔ جو نہایت عمدگی سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں اور رَتَّلَ الۡكَلَامَ کے معنی احسن تالیف ہی ہیں۔ یعنی اس کو نہایت عمدہ ترتیب دی۔ اس میں شک نہیں کہ پڑھنے میں ترتیل کا لفظ عمدہ طور پر ادا کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مگر یہاں سیاق کلام سے صاف ظاہر ہے کہ مراد ترتیب ہی ہے۔ گویا ٹکڑے ٹکڑے کر کے اتارنے میں ایک مصلحت الٰہی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے پھر ٹکڑے ٹکڑے نہیں چھوڑا

بلکہ ایک نہایت احسن ترتیب بھی دے دی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کی ترتیب بھی وحی الٰہی کا کام تھا۔

اس سے بھی زیادہ صفائی کے ساتھ سورہ اَلْقِیٰمَۃُ میں اللہ تعالیٰ نے جمع قرآن کو اپنا کام فرمایا ہے۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ. فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ. ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ (75:17-19) ہم پر ہی اس کا جمع کرنا ہے اور اس کا پڑھنا۔ پس جب ہم پڑھ دیں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔ پھر ہم پر ہی اس کا کھول کر بتا دینا ہے۔ یہاں قرآن کریم کے نزول میں تین الگ الگ باتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی ایک اس کا پڑھنا۔ دوسرا اس کا جمع کرنا۔ تیسرا اس کا بیان یا کھول کر بتا دینا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر جس ترتیب سے قرآن کریم نازل ہوتا تھا، اسی ترتیب سے اس کا جمع ہونا بھی ضروری تھا۔ اور وہی حقیقی ترتیب قرآن کریم تھی۔ تو پھر پڑھنے اور جمع کرنے کو دو الگ الگ امور کے طور پر کیوں بیان کیا۔ ان دونوں کو دو علیحدہ علیحدہ کام قرار دینا صاف بتاتا ہے کہ جمع قرآن کوئی علیحدہ کام تھا۔ سو وہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ گویا قرآن کریم کے متعلق تین کام تھے۔ ایک محض اس کا پڑھ دینا۔ یعنی ملک کے ذریعہ سے وحی کا وقتاً فوقتاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانا۔ دوسرا کام اس نازل شدہ وحی کا جمع کرنا تھا۔ یعنی اس کو ترتیب کے ساتھ اکٹھا کر دینا۔ کیونکہ جمع تب ہی الگ کام ٹھہر سکتا ہے جب اس میں کوئی الگ ترتیب دینا ضروری ہو۔ ویسے تو جو حصہ نازل ہوتا وہ خود پہلے حصہ کے ساتھ ملتا چلا جاتا۔ پس جمع کے لئے وحی الٰہی کی ضرورت نہ ہوتی۔ مگر یہاں اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ. (75:17) فرما کر یہ بتا دیا ہے کہ یہ جمع بھی وحی الٰہی کا کام تھا۔ یعنی یہ بتانا کہ کوئی آیت یا کوئی سورت کہاں رکھی جائے۔ یہ اسی طرح وحی الٰہی کا کام تھا جس طرح قرآن کا پڑھ دینا۔ تیسرا کام بیان فرمایا ہے، یعنی قرآن کریم کو کھول کر بتا دینا یہ بھی درحقیقت وحیٔ الٰہی سے ہی ہوا۔

یہاں بیان سے مراد اُن امور کی تفصیلات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کرنا ہے جن کا تعلق شریعت سے ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں تو صرف اس قدر حکم ہے کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ نماز قائم کرو۔ اس کی تفصیلات قرآن کریم میں نہیں۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر قرآن میں یہ تفصیلات نہیں تو پھر وحیٔ الٰہی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ یہ بھی وحیٔ الٰہی کا کام تھا۔ یعنی جس طرح پر جمع قرآن وحیٔ الٰہی کا کام تھا، اسی طرح پر اس کا بیان بھی وحیٔ الٰہی کا کام تھا۔

پس سنت اور حدیث درحقیقت وحیٔ الٰہی سے ہی ہیں۔ گو اسی وحی کا رنگ جمع قرآن کی طرح وحی خفی کا ہو۔ پس یہ آیات اس بات پر قطعی شہادت ہیں کہ قرآن کریم کی جمع اور ترتیب اس کے نزول سے علاوہ کوئی کام تھا اور وہ بھی اسی طرح وحیٔ الٰہی کا کام تھا۔ جس طرح قرآن کریم کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانا۔

علاوہ ازیں قرآن کریم کو بار بار کتاب کے نام سے پکارنا بھی اسی امر کی شہادت ہے۔ کیونکہ کوئی کلام، جب تک اس میں خاص ترتیب نہ دی جائے، کتاب کہلانے کی مستحق نہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں بیشتر حصہ ایسا بھی ہے جو واقعات پیش آمدہ پر نازل ہوا۔ لیکن وہ واقعات تو اپنے اندر کوئی ایسی ترتیب نہ رکھتے تھے۔ ایک کتاب کا رنگ اختیار کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اس کی ترتیب کوئی اور ہو۔ جس کا اثر ہدایت انسانی پر ہو، جو اس کتاب کی اصلی غرض تھی۔ ہاں! اگر محض چند واقعات کا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے تھے، بیان کرنا قرآن کریم کی اصل غرض ہوتی۔ تو بیشک کسی الگ ترتیب کی ضرورت نہ ہوئی۔ مگر تاریخ کو بیان کرنا قرآن کریم کی کوئی غرض نہ تھی۔ اپنی غرض کا خود ابتدائے قرآن میں یوں بیان فرمایا ہے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (2:2) یعنی یہ کتاب انسانوں کی ہدایت کے لئے ہے۔ اور اس کی اصل غرض یہی ہے کہ انسانوں کو ہدایت کی راہ بتائی جائے۔ اس سے اگلے شمارہ میں انشاء اللہ تعالیٰ یہ بتاؤں گا کہ یہ غرض جو اس کتاب نے خود اپنی غرض بتائی ہے، کس طرح موجودہ ترتیب میں اس کے پورا کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ جو ترتیبِ نزولی میں حاصل نہ ہوسکتا تھا۔

❁❁❁

14دسمبر 1916ء

اِسۡمُہٗ اَحۡمَدُ

میاں صاحب کے دوسرے جواب الجواب کا جواب

اس بحث پر میاں صاحب کا جواب 5 دسمبر کے پرچہ الفضل میں شائع ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ مجھے یہ پرچہ نہیں بھیجا گیا (اس مضمون کے لکھے جانے بلکہ الگ ٹریکٹ کی صورت میں شائع ہو جانے کے بعد الفضل کا پرچہ بھی موصول ہو گیا) ایبٹ آباد میں میاں صاحب کے ایک مرید نے ہمارے ایک دوست کو ایک دفعہ یہ کہا تھا کہ تم لوگوں کے پاس حق کوئی نہیں۔ کیونکہ میاں صاحب کی کتاب حقیقۃ النبوت تو 300 صفحات پر نکلی ہے اور تمہاری طرف سے بیس بیس صفحوں کے رسالے شائع ہوئے ہیں۔ سو اس معیار سے میاں صاحب کے بارہ صفحات اخبار کا جواب دینا میرے لئے واقعی مشکل* ہے۔

---

*اس جواب میں سے بطور نمونہ ظل اور التزام کی بحث جو میاں صاحب نے کی ہے اس کو دیکھ لینا کافی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ''میں اس پیشگوئی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر التزامی طور پر مانتا ہوں۔ اور التزامی طور پر ماننا ظلیت سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔ کیونکہ ظل کا وجود پایا جانا ضروری نہیں۔ ممکن ہوتا ہے.........لیکن جو بات التزاماً ثابت ہو اس کا وجود ضروری ہے۔ مثلاً جب پیشگوئی کی جائے کہ ایک وقت میں ایک شخص اس طرز کا ہوگا تو اس خبر میں التزاماً یہ بات بھی ثابت ہوگی کہ اس کی ماں بھی ہوگی اور باپ بھی ہوگا'' اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ ''قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت نہیں کہ ہر نبی کی امت میں سے ایک شخص ضرور اس کا ظلِ کامل ہوتا ہے۔'' گویا میاں صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ظلی طور پر کسی پیشگوئی میں کسی نبی کا پیرو داخل ہونا مشکل ہے۔ لیکن پیرو کی نسبت پیشگوئی میں نبی متبوع التزامی طور پر داخل ہوتا ہے۔ یہ عجیب منطق ہے۔ نبی تو دنیا میں آتے اس لئے ہیں کہ ان کے کامل متبعین بھی ہوں۔ خواہ ایک دو ہوں یا ایک دو لاکھ ہوں، وہی ان کے ظل ہیں۔ پھر ایک شخص دوسروں سے بلحاظ اتباع کے نبی کی ایک صفت کا کامل مظہر ہوسکتا ہے۔ دوسرا کسی دوسری صفت کا۔ اگر دونوں صفات احمدیت اور محمدیت کو لے لیں تو آنحضرت کی صفت احمد کے ہزاروں مظہر ہو

شرائط کے متعلق مختصر اور سیدھی باتیں ہونی چاہئیں۔ خلاصہ اس جواب کا یہ ہے کہ جس قدر باتیں پیش کی گئی ہیں۔ میاں صاحب ان میں سے سوائے ایک کے کسی کو تسلیم نہیں کرتے۔ سب باتوں کا ایک جواب تو میاں صاحب کے پاس یہ ہے کہ چونکہ میں نے انعام یا تاوان کا اعلان کیا ہے۔ اس لئے خواہ وہ شرائط بظاہر لغو معلوم ہوں، مگر انہی شرائط پر مباحثہ منظور کرنا ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا میاں صاحب نے یہ مباحثہ بطور ایک کھیل کے تجویز کیا تھا یا احقاقِ حق کے لئے؟ اور دنیا پر اتمام حجت کے لئے نئی بات جو شخص دنیا میں پیش کرتا ہے وہ اس کا کچھ نہ کچھ ثبوت اور دلائل دینے کے لئے بھی تیار ہوتا ہے۔ مگر میاں صاحب کی منطق انوکھی ہے کہ چونکہ میں نے نئی بات نکالی ہے اس لئے میں جس طرح چاہوں گا، اسی طرح ہوگا۔ بیشک مریدین میں تو میاں صاحب کو یہ اختیار حاصل ہے۔ وہ باوجود عقیدہ میاں صاحب کے خلاف رکھنے کے میاں صاحب کی باتوں کو سن کر خاموش ہو رہتے ہیں۔ لیکن جب آپ پبلک میں آئیں گے تو میدانِ مساوات میں آپ کو آنا پڑے گا۔ اور کوئی فرضی فضیلت وہاں کام نہیں دے سکتی۔ اگر ایک پہلوان دنیا کو اپنے مقابل پر بلائے اور پھر یہ کہے کہ چونکہ میں چیلنج دینے والا ہوں، اس لئے میری شرائط یہ ہیں کہ میں خشک زمین پر کھڑا رہوں گا اور میرا مخالف کیچڑ میں اور کشتی بالکل اندھیرے میں

سکتے ہیں۔ ان میں مسیح موعود کمال کے رنگ میں مظہر ہو سکتا ہے۔ لاکھوں صفت محمدیت کے مظہر ہو سکتے ہیں۔ ان میں ابوبکرؓ وعمرؓ کامل مظہر ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ سمجھ نہیں آتی کہ دنیا میں ایک نبی آئے اور اس کی کسی بھی صفت کا کوئی مظہر نہ ہو۔ گویا اس کا حقیقی اتباع کرنے والا کوئی بھی انسان دنیا میں نہ ہو۔ اور میاں صاحب کے التزام کی مثال پیشگوئی کے معاملہ میں کس طرح صادق آتی ہے، میں اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ایک شخص کی نسبت پیشگوئی کی جائے کہ وہ ظاہر ہوگا۔ تو یہ بھی ضروری ہوگا کہ اس کے ماں باپ بھی ہوں۔ مگر کیا یہ بھی ضروری ہوگا کہ اس کے ماں باپ بھی اس پیشگوئی کے ضرور مصداق ہوں۔ پھر غالباً دادا دادی، نانا نانی اور بعید کے بزرگ بھی سب اس پیشگوئی کے مصداق ہوں گے۔ اور موجودہ واقعات متعلقہ اسمہٗ احمد پر آپ کی یہ مثال کیونکر صادق آئے گی۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ ایک احمد رسولؐ کے آنے کی پیش گوئی کرتے ہیں۔ تو کیا ضروری ہے کہ یہ احمد رسول کسی پہلے نبی کا پیرو ہو۔ جس میں صفت احمدیت اپنے کمال میں پائی جاتی ہو۔ پھر احمد رسول ظلی نبوت اپنے نبی متبوع سے حاصل کرے۔ اور نبی متبوع کا نام احمد نہ ہو بلکہ اس پیرو کا نام احمد ہو۔ سبحان اللہ! اس نرالی منطق کو ہم ان موجودہ دماغوں کے ساتھ نہیں سمجھ سکتے۔''

رات کے وقت ہوگی۔تو کون اسے معذور سمجھے گا! چنانچہ میاں صاحب نے اپنے جواب میں بار بار اسی قسم کے الفاظ کا اعادہ کیا ہے۔جن میں سے ایک فقرہ مَیں یہاں نقل کرتا ہوں۔

''اول تو اس لئے کہ اس وقت گفتگو ایک انعامی چیلنج کے متعلق ہو رہی ہے۔ وہ لغو ہے یا درست۔اس سے بحث نہیں۔''

میں کہتا ہوں کہ چیلنج بھی اگر لغو ہو تو اس پر بھی بحث ہوسکتی ہے۔لیکن بات یہ ہے کہ چیلنج کا جو کچھ مفہوم تھا اور جس طرح پر اس چیلنج کی بنا پر تصفیہ ہوسکتا ہے، اب اس سے عمداً گریز کیا جاتا ہے۔ میں کوئی نئی بات پیش نہیں کرتا۔موضوع بحث میں جو کچھ آپ نے ثابت کرنا ہے اور جس طرح پہلے آپ نے بغیر کسی تحریک کے اسے ''انوار خلافت'' میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔اس سے بڑھ کر آپ سے کوئی مطالبہ نہیں۔آپ کے دل نے یہ گواہی دی ہے کہ اگر پیشگوئی کو آپ مسیح موعود کے لئے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔تو وہ بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس کی نفی ثابت کریں۔ چنانچہ یہی طریق آپ نے وہاں اختیار کیا ہے۔سو اب اس سے انکار کرنا سوائے گریز کے کیا معنی رکھتا ہے؟

اب میں مختصراً پھر انہی باتوں کو دہراتا ہوں۔جن کو پہلے دو دفعہ پیش کر چکا ہوں:

☆ سب سے اول موضوع بحث ہے۔آپ فرماتے ہیں چونکہ یہ امر کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پیشگوئی کے مصداق نہیں اور آپ کا اسم مبارک احمد نہ تھا۔محض ایک انکار ہے۔یعنی آپ اس حیثیت میں محض منکر ہیں۔اس لئے اس کا ثبوت آپ کے ذمہ نہیں۔ بلکہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا مصداق ٹھہراتا ہے، اسی پر بار ثبوت بھی ہے۔اس قدر تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر میرا مباحثہ ایک عیسائی کے ساتھ ہو۔تو حضرت مسیحؑ کی پیشگوئی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پورا ہونے کا ثبوت دینا میرے ذمہ ہوگا۔لیکن آپ کے ساتھ چونکہ میری بحث ایک مسلمان کی حیثیت سے ہے۔اس لئے وہ امور جو اسلامی دنیا کو مسلّمہ ہیں۔ان کے خلاف جو کوئی مسلمان کہے گا تو اس کا ثبوت کہنے والے کے ذمہ ہے۔خواہ اس کا دعویٰ برنگ اثبات ہو اور خواہ برنگ انکار۔اور اس میں کس کو شک ہے کہ اس پیشگوئی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پورا ہونا اور آپ کا اسم

مبارک احمد ہونا، یہ دو ایسے امور ہیں کہ تیرہ سو سال سے قرآن و حدیث کا ہر ایک ماننے والا ان کو مانتا چلا آیا ہے۔ اگر آپ یہ ثابت کر دیں کہ یہ امور امت کا اجماعی مسئلہ نہیں۔ تو پھر انکار کا بارِ ثبوت بیشک آپ کے ذمہ نہ ہوگا۔ لیکن اس سے پیشتر آپ کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ مسلمہ امر کے خلاف آپ انکار کر کے انکار کا ثبوت دینے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

یہاں آپ کے جنوں اور پریوں کے قصے لے بیٹھنا اس لئے درست نہیں کہ یہ امور وہ نہیں جو امت میں مسلمہ اور اجماعی ہوں۔ میں آپ کی ہی مثال لیتا ہوں۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

''کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ جلال الدین اکبر کا نام ضیاء الدین تھا۔ تو بارِ ثبوت اس کے ذمہ ہے کہ ایسا ثابت کرے۔ نہ اس کے ذمے جو اس کا نام ضیاء الدین ہونے سے انکار کرے۔''

یہ سچ ہے۔ مگر یہ آپ مغالطہ دیتے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ابراہیم تھا اور آپ انکار کریں۔ تو بیشک بارِ ثبوت آپ کے ذمے کوئی نہیں۔ میرے ذمہ ہے۔ لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد نہ تھا۔ یا احمد نہ تھا تو اس کا بارِ ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کوئی شخص کہے کہ جلال الدین اکبر کا نام جلال الدین نہ تھا یا اکبر نہ تھا۔ جلال الدین اکبر کا نام ضیاء الدین تو آج تک دنیا میں کسی نے سنا نہیں۔ اس لئے جو دعویٰ کرتا ہے وہ ثابت کرے۔ لیکن اس کا نام جلال الدین اور اس کا نام اکبر، سب لوگ جو اس کے حالات سے واقف ہیں، جانتے ہیں۔ اس لئے جو شخص انکار کرے کہ اس کا نام جلال الدین نہ تھا یا اکبر نہ تھا، وہ اپنے انکار کے دلائل دے۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد ہونا ساری امت کو مسلّم ہے اور ہمیشہ سے مسلم رہا ہے۔ انکار کا بارِ ثبوت منکر پر ہے۔ آپ اس سے گریز نہیں کر سکتے اور اگر کریں گے تو یہ چیلنج سے گریز ہے۔ پس اگر اپنے چیلنج پر قائم ہیں۔ تو اس بات کا بارِ ثبوت، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد نہ تھا۔ اور اس لئے آپ کے آنے سے پیشگوئی اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ پوری نہیں ہوئی، آپ پر ہے۔

یہ کوئی نئی شرط نہیں ہے جو اَب بڑھائی گئی ہو۔ بلکہ آپ کا دعویٰ جو چیلنج میں کیا گیا ہے اس بات کو مستلزم

ہے کہ پہلے آپ مسلّمہ حقیقت کی نفی کر کے پھر اپنے دعوے کو ثابت کریں۔اور یہ بات جس پر آپ بار بار زور دیتے ہیں کہ میرے ذمہ یہ بھی ثابت کرنا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو حضرت مسیح کی اس پیشگوئی کا مصداق قرار دیا۔ میں اس کو اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ بدیں شرط کہ اس کے بالمقابل آپ کے ذمہ یہ ہوگا کہ آپ ثابت کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیشگوئی کا مصداق خود ہونے سے انکار کیا اور مسیح موعود کو اس کا مصداق قرار دیا۔

یہ کوئی نئی شرط نہیں صرف مساوات کا مطالبہ ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کا ثبوت اس بات کو ثابت کئے بغیر مکمل ہو جائے اور میرا ثبوت مکمل نہ ہو۔ طرز ثبوت میں جس قسم کا وزنی ثبوت آپ مجھ سے طلب کرتے ہیں، اسی قسم کا وزنی ثبوت میں آپ سے طلب کرنے کا حق دار ہوں۔ جب فیصلہ قرآن وحدیث سے آپ نے تسلیم کیا ہے۔تو جس طرح مجھ سے حدیث کا مطالبہ ہے میں بھی آپ سے حدیث کا مطالبہ کرتا ہوں۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میرا نام احمد نہیں، صفت احمد ہے۔ اس لئے میں اس پیشگوئی کا مصداق نہیں۔ مسیح موعود کا چونکہ نام بھی احمد ہوگا اس لئے وہ اس پیشگوئی کے مصداق ہوں گے۔

☆ دوسری بات کو آپ نے چونکہ تسلیم کر لیا ہے کہ قرآن وحدیث سے ہی ثبوت ہر قسم کا آپ پیش کریں گے۔ اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

☆ تیسری بات جلسہ کے پبلک ہونے کے متعلق ہے۔ آپ کا اب چیلنج کے یہ معنی کرنا کہ آپ پبلک میں اس بات کو پیش نہیں کریں گے۔ صرف علماء فضلاء کے سامنے کریں گے۔ الفاظ کی ایک نہایت ہی بھدی تاویل ہے۔ تمام دنیا کے عالموں اور فاضلوں کے سامنے بیان کرنے کی تیاری تو صاف بتاتی ہے کہ آپ ہر ایک جلسہ میں ثابت کرنے کو تیار ہیں۔ اس خصوصیت کی سمجھ نہیں آتی کہ صرف عالم وفاضل ہی آپ کی بات سنیں۔ دنیا میں آج تک کسی مدعی نے یہ شرط نہیں لگائی کہ میرے دلائل سوائے علماء فضلاء کے یا ایک خاص طبقہ کے دوسرا کوئی نہ سن سکے گا۔ ہاں بعض عیسائی کہہ دیا کرتے ہیں کہ عقیدہ تثلیث کو ایشیائی دماغ نہیں سمجھ سکتے۔ اور غالباً جو کچھ آپ نے ''انوارِ خلافت'' میں پیش کیا ہے

وہ اس مسئلہ کے دلائل نہیں ۔ کیونکہ اس وقت تو آپ کے سامعین عالم و فاضل نہ تھے ۔ بلکہ اس سارے مجمع میں جس کو آپ کے مرید پانچ ہزار بتاتے ہیں، پچاس آدمی بھی ایسے نہ ہوں گے ۔ جو آپ کی عالم و فاضل کی تعریف کے نیچے آسکیں ۔ آپ کی عالم و فاضل کی تعریف اب یہ ہے کہ جو شخص مولوی عالم یا مولوی فاضل یا منشی عالم یا منشی فاضل کا امتحان پاس ہو ۔ یا کسی باقاعدہ عربی مدرسے کا فارغ التحصیل سند یافتہ ہو ۔ یا کسی مدرسہ انگریزی یا ورنیکلر میں فارسی یا عربی کا مدرس ہو یا رہ چکا ہو ۔ یا کسی باقاعدہ عربی مدرسہ کا عربی مدرس ہو یا رہ چکا ہو ۔

اب میاں صاحب! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا لوگ ہم پر ہنسی کرنے کے حق دار نہ ہوں گے ۔ جب ان کو یہ کہا جائے کہ دونوں مناظر تو خیر سے عالم و فاضل کی اس تعریف کے نیچے آتے نہیں ۔ مگر سامعین عالم و فاضل بکار ہیں ۔ یہ عجب کھیل ہے کہ مناظر تو آپ کی تعریف کے رو سے عالم و فاضل نہ ہوئے اور سامعین عالم و فاضل ضروری ہیں ۔ یہ ہنسی کروانا نہیں تو اور کیا ہے ۔ اب آپ غور فرمائیے کہ وہ ''طفلانہ'' باتوں کا محاورہ، جو آپ کی قلم سے بہ تقاضۂ عمر نکلتا ہے، آپ کی باتوں پر صادق آتا ہے یا میری باتوں پر؟ آپ کا چیلنج تو صاف تھا ۔ اب اس پر آپ پچھتاتے اور اس کو توڑ مروڑ کر کچھ اور بنانا چاہتے ہیں ۔ مگر کیا اس سے بہتر یہ نہیں کہ آپ اب صاف انکار کر دیں ۔ اور اگر سوائے علما وفضلا کے اور کوئی آپ کے دلائل سننے کا اہل نہیں تو اپنے متبعین کو بھی ہدایت کر دیجئے کہ آئندہ وہ اپنے دلائل صرف مولوی فاضلوں اور سند یافتوں کے سامنے بیان کیا کریں ۔ عوام الناس کو مخاطب نہ کیا کریں ۔

☆ چہارم جلسہ کے متعلق آپ دہلی کو کسی صورت قبول نہیں کرتے ۔ میں اسے امرتسر ہی تسلیم کرتا ہوں ۔

☆ پنجم تاوان کے متعلق میں نے آپ کا پیش کردہ تاوان قبول کر لیا تھا ۔ صرف آخری شرط یہ لگائی تھی کہ آپ کو چونکہ اپنے دلائل پر اس قدر فخر ہے ۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان دلائل سے اب تک آپ کے مرید آپ کے سامنے منہ سے لفظ نہیں نکال سکتے، کس قدر قائل ہو چکے ہیں ۔ مرشد کے سامنے مرید بیچارہ کیا حقیقت رکھتا ہے ۔ وہ تو اس کی بات بلا دلیل ہی اکثر اوقات مان لیتا ہے ۔ پھر جب ایسے زبردست دلائل ہوں تو کیوں انکار کرنے لگا ۔ اب آپ کے بہت سے مرید تو جلسہ سالانہ گذشتہ

میں ہی آپ کے دلائل کو سن چکے اور باقی تک ’’انوارِخلافت‘‘ نے ان دلائل کو پہنچا دیا۔اب معلوم ہونا چاہئے کہ آیا آپ کے مریدین نے آپ کے دلائل کو ’’طفلانہ‘‘ باتیں ہی سمجھا ہے یا اس سے بڑھ کر کچھ اور وقعت دی ہے۔ اگر مرید بھی ان کو بودی اور کمزور سمجھتے ہیں تو دوسرے لوگوں کو تکلیف دینے کا کیا فائدہ۔آپ دنیا کو ان دلائل سے قائل کرنے نکلتے ہیں جن کو مریدین دھکے دیتے ہیں۔آپ اس پر اتنا گھبرائے ہیں کہ بالمقابل مجھ سے چالیس لاکھ مسلمانوں کی شہادت طلب کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد سمجھتے ہوں اور آپ کو پیشگوئی اسمہٗ احمد کا مصداق سمجھتے ہوں۔ میں اس مطالبہ کو بھی پورا کرنے کے لئے تیار ہوں۔مگر انصافاً یہ مطالبہ میرے ذمہ نہیں پڑ سکتا، جب تک کہ آپ کم از کم اس پایہ اور شان کا ایک آدمی غیر احمدی مسلمانوں میں سے نہ دکھا دیں۔جس پایہ اور شان کے بزرگ آپ کی جماعت میں مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد ہونے سے انکار کرے اور آپ کو پیشگوئی اسمہٗ احمد کا مصداق نہ مانے۔ جب کل مسلمان اس پر متفق ہیں تو چالیس لاکھ کی شہادت طلب کرنا ایک معقول بات کا ’’طفلانہ‘‘ مقابلہ نہیں تو اور کیا ہے۔ہاں جس طرح میں آپ کی جماعت میں سب سے برگزیدہ انسان کا مذہب آپ کے خلاف دکھا سکتا ہوں۔ جو آج تک آپ کے دلائل کا قائل نہیں ہو سکا۔اسی طرح اگر آپ مسلمانوں میں کسی ایسے بزرگ کا وجود دکھا دیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمہٗ احمد کا اور پیشگوئی اسمہٗ احمد کا منکر ہو۔تو میں چالیس لاکھ کی شہادت ضرور پیش کر دوں گا۔لیکن اس کے ساتھ ہی پھر دوسری شرط یہ ہوگی کہ جب میں چالیس لاکھ کی شہادت پیش کر دوں تو آپ اس کے بالمقابل اگر اپنی جماعت میں بیس ہزار آدمیوں کی شہادت پیش نہ کریں گے تو یہی آپ کی شکست تصور ہوگی۔اور آپ کے دلائل کے بودہ پن کی اس سے بڑھ کر اور کوئی شہادت ضروری نہ ہوگی اور تاوان کا حقدار میں اس صورت میں ہوں گا۔اور یہ بھی میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ اسمہٗ احمد کو تو اب آپ صرف حضرت صاحب کی نبوت کی ایک دلیل قرار دیتے ہیں۔ آپ تو خود نبوت پر مریدین کی شہادت لے چکے ہیں۔اسی کو شائع کر دیں تو اندازہ لگ جائے گا کہ کس قدر مرید آپ کے عقائد کے ساتھ متفق ہیں۔

☆ششم ثالثوں کے متعلق آپ صریح گریز کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ جب تک فیصلہ کی کوئی صورت نظر نہ آئے۔ اس مناظرہ پر وقت اور روپیہ صرف کرنا اور قوم کو خواہ مخواہ تکلیف میں ڈالنا لغو بات ہے میں نے غیر احمدی علماء کے لئے لکھا تھا کہ کچھ ان میں سے آپ منتخب کر لیں کچھ میں۔ آپ نے اسے تسلیم نہ کیا اور ہندو، سکھ اور یہودی آپ پیش کرتے ہیں جو قرآن وحدیث کو نہیں سمجھ سکتے۔ پھر آسان ترین تجویز یہ کی تھی کہ آپ میری جماعت سے پانچ آدمی منتخب کر لیں اور میں آپ کی جماعت سے کر لوں۔ اس کو بھی آپ نہیں مانتے۔ اس کے برخلاف آپ کہتے ہیں کہ آپ اپنی جماعت سے خود منتخب کریں گے۔ ظاہر ہے کہ آپ ایسے آدمیوں کا انتخاب کر لیں گے جو پہلے ہی اپنا عقیدہ آپ کی طرح تبدیل کر چکے ہیں، ان کو انصاف سے کیا کام۔ وہ آپ کی طرح مدعی۔ اس کے بالمقابل آپ کہہ سکتے ہیں کہ میں آپ کی جماعت میں سے ایسے لوگ منتخب کروں گا۔ جو میرے ہم عقیدہ ہیں۔ اس لئے ان سے انصاف کی امید نہیں ہوسکتی۔ تو یہ دلیل غلط ہے۔ آپ کے مرید کبھی انصاف کو چھوڑ کر آپ کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتے۔ ہاں یہ امکان ہے کہ آپ کے مرید انصاف کو چھوڑ کر میرے خلاف فیصلہ دیں یا میری جماعت کے لوگ انصاف کو چھوڑ کر آپ کے خلاف فیصلہ دیں۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ مرید مرشد کے دلائل کو مضبوط پا کر پھر بھی مرشد کے ہی خلاف فیصلہ کرے اور اپنے مرشد کے مدمقابل کی رعایت کرے اور مرشد سے ناانصافی کرے * پس بات تو سیدھی ہے۔ اور فیصلہ کی راہ بھی سیدھی ہے۔ اگر آپ بلاوجہ لیت ولعل میں اصل بات کو ٹالنا نہیں چاہتے۔ تو آپ کو اس میں کوئی انکار نہ ہونا چاہئے۔ فیصلہ کی صورت صرف ایک ہی ہے اور جب تک آپ اس کو تسلیم نہ کریں، یہ بھی محض تضیع اوقات ہے۔

والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس لاہور، 9 دسمبر 1916ء

---

* ایسا شخص مرید کہلا کر وہی ہوسکتا ہے جو منافق ہو۔ سو اس کے متعلق میں نے پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ جس شخص کے متعلق آپ حلف اٹھا کر یہ اعلان کر دیں کہ وہ منافق ہے اور حلف اسی نمونہ کی ہو جیسی آپ خود طلب فرمایا کرتے ہیں تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔

10 جنوری 1917ء

اداریہ

نبوت محمدیہ ؐ

(1)

قَالَ اللّٰہُ تَعالیٰ: وَبِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰہُ وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ (105:17)

ہم نے اسے ضرورتِ حق کے ساتھ اتارا اور ضرورتِ حقّہ کے مطابق یہ کلام اترا۔

اگر دنیا کو کبھی ایک نبی کی ضرورت تھی تو یہ اس وقت تھی کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور دنیا میں ہوا۔ جب خدا کے قوانین ساری روئے زمین پر توڑے جا چکے تھے اور جب ہر قوم حد اعتدال سے تجاوز کر چکی تھی۔ اگر کسی ایک قوم کے قعرِ مذلت میں گر جانے پر اس قوم کے اندر نبی کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پیشتر دنیا کی کل قومیں جہالت، کفر، بددیانتی، بداخلاقی اور ناپاکی میں گرفتار ہو چکی تھیں۔ ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کی حالت اخلاقی پہلو سے نہایت درجہ ذلیل ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ گناہ کو بعض حالات میں گناہ سمجھ کر نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ بلکہ اسے نیکی سمجھ کر اس سے پیار کیا جاتا تھا۔

شائد اس بیان پر بعض لوگوں کو تعجب ہو۔ مگر یہ بالکل سچ ہے اور اس زمانہ کی ایران، ہندوستان اور کلیسیا کی تاریخ اس پر شاہد ہے۔ نسلِ انسانی کی ترقی میں یہ زمانہ تھا جب اخلاقی اور روحانی پہلوؤں سے انسان بہت ہی نیچے گر چکا تھا۔ اور انبیاء ایسے ہی وقتوں میں آتے ہیں، جب گناہ اور شرارت زمین پر پھیل جاتے ہیں اور یہی ہر مذہب کی تاریخ بھی بتاتی ہے۔ یعنی جیسے خدا تعالیٰ کے اس ظاہری قانونِ قدرت میں تاریکی کے بعد روشنی اور امساک کے بعد بارش ہوتی ہے

اسی طرح اس کے روحانی قانون میں بھی تاریکی کے بعد روشنی آتی ہے۔ تو وہ زمانہ جب دنیا کے

چاروں کناروں میں تاریکی اپنے انتہا کو پہنچ چکی تھی، اس وقت حالتِ زمانہ اس امر کی مقتضی تھی کہ یا تو ہر ملک میں ایک نبی ظاہر ہو، جو اپنے اپنے ملک اور اپنی اپنی قوم کی اصلاح کا بیڑہ اٹھائے۔ یا ایک ہی انسان کامل دنیا میں ظاہر ہو کر سب قوموں اور ملکوں کی اصلاح کا بار اپنے اوپر لے اور خدا کے مذہب کو ایک کمال کے رنگ میں پیش کرے۔

مختلف قوموں کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے مختلف کتابیں ہدایت کے لئے دی گئی تھیں۔ مگر وہ کتابیں انسانی آمیزش اور دستبرد سے پاک نہ رہ سکیں اور اس لئے خدا کی رضا کی راہیں جو انسانوں پر ظاہر کی گئی تھیں وہ پھر تاریک ہو گئیں اور اختلافات ہر جگہ نمودار ہو گئے۔ یہاں تک کہ اصولِ دین بھی ان اختلافات سے نہ بچ سکے۔ قرآن کریم اس حالت کا نقشہ ذیل کی آیت میں کھینچتا ہے۔ جہاں درحقیقت قرآنی وحی کی ضرورت بیان فرمائی گئی ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (213:2)

اس کا ترجمہ یہ ہے: لوگ سب ایک ہی گروہ ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نبیوں کو بھیجتا رہا جو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب اتارتا رہا۔ تاکہ لوگوں میں اس بارہ میں فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ اور نہیں اختلاف کیا اس میں لوگوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی بعد اس کے کہ کھلے دلائل ان کے پاس آ چکے تھے۔ آپس میں ضد کرتے ہوئے۔ پس اللہ نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اپنے اذن سے ہدایت دی ہے اس بارہ میں جس بارہ میں لوگ حق میں اختلاف کرتے

تھے اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

اس آیت کا پہلا حصہ اس عام قانون کو بیان کرتا ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ مختلف قوموں میں نبی مبعوث فرماتا رہا۔ چونکہ سب لوگ ایک ہی گروہ کے حکم میں ہیں۔ اس لئے یہ نہ ہوسکتا تھا کہ بعض قوموں میں نبی مبعوث کئے جائیں اور بعض میں نہ کئے جائیں۔ پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہر نبی کے ساتھ ایک کتاب بھی نازل کی گئی۔ تاکہ ان مختلف فریقوں میں، جو کہ نبی کے ظہور سے پہلے موجود تھے، یہ کتاب ایک فیصلہ کی راہ پیش کرے۔ مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا وہی لوگ جن کو رفعِ اختلاف کے لئے کتاب دی گئی تھی، تاکہ وہ اس کی پیروی کریں، اس کے خلاف کرنے لگے۔ پس گو ہر قوم میں ایک نبی مبعوث کیا گیا تھا۔ مگر ہر قوم راہ راست کو ترک کر چکی تھی۔ اور انہی ہدایتوں کے خلاف کا ارتکاب کر چکی تھی، جو اس کو دی گئی تھیں۔ پس اس طرح پر اور اختلاف نمودار ہو گئے جن کی وجہ سے ایک اور نبی کی بعثت کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ایسا نبی مبعوث کیا جائے جو سب قوموں کو سیدھی راہ دکھائے اور سب قوموں کے باہمی اختلاف کو دور کرے۔ کیونکہ اگر ہر قوم کے لئے ایک نبی کی ضرورت پیش آتی رہی تاکہ وہ ان کے اختلاف کو مٹائے۔ تو یقیناً اب ایک ایسے نبی کی ضرورت تھی جو مختلف قوموں کے اختلاف کو دور کرے۔ کیونکہ وہ صداقت جس کا ظہور مختلف قوموں پر اپنے اپنے وقت میں ہوا تھا، اب سب اس کو بھلا چکی تھیں۔ پس مختلف قومی مذاہب کے اندر اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور جس طرح متفرق قومی قوانین کا یہ تقاضا ہے کہ ایک بین الاقوامی قانون بھی ہو، اسی طرح مختلف قومی مذاہب کے اندر ایک بین الاقوامی یا عالمگیر مذہب ضروری تھا جو ان کے باہمی اختلاف کو دور کر کے مذہب کے اصل اصول کو قائم کر دے۔

یہ دلیل واقعی ایسی صاف ہے کہ کسی کو اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اگر حکمتِ الٰہی کا تقاضا ایک وقت میں مختلف قوموں کی ضروریات کے مطابق یہ تھا کہ ان مختلف قوموں پر مختلف انبیاء کے ذریعہ سے اپنے منشاء کو ظاہر کرے۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ وہ کتب جو منشائے الٰہی کو دنیا میں ظاہر کرنے والی تھیں، مرور زمانہ سے خود بگڑ گئیں اور ان کی اصلی اور حقیقی تعلیم پر ہر ایک تاریکی کا پردہ پڑ گیا۔ تو کیا حکمتِ الٰہی کا یہ ضروری تقاضا نہ تھا کہ ایک اور کتاب نازل کرے جو ان سب اختلافات کا فیصلہ کرنے والی اور ان سب غلطیوں کو دور کرنے والی ہو۔ علاوہ

ازیں خود دنیا کی حالت میں ایک انقلاب آ رہا تھا یعنی یہ کہ مختلف قومیں اب ایک اتحاد کا رنگ اختیار کریں۔اس لئے ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو تمام پچھلی صداقتوں کو آمیزش انسانی سے الگ کر کے ایک خالص اور کامل مجموعہ تعلیم الٰہی کا پیش کرے۔اور ایک ایسے نبی کی ضرورت تھی جس کی زندگی مختلف انبیاء کی زندگی کا آئینہ ہو۔اس لئے قرآن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔جو بجا طور پر دنیا کا آخری نبیؐ ہوا۔

❁❁❁

14 جنوری 1917ء

اداریہ

نبوت محمدیہ

(2)

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر آخری نبی ہوئے؟ کیا وجہ ہوئی کہ نبوت کا دروازہ آپ کے بعد بند کیا گیا؟ اس سوال کا مفصّل جواب اس قدر وسعت چاہتا ہے کہ اس کے لئے ایک ضخیم وجیم کتاب بھی شاید کفایت نہ کرے۔ اس لئے ہم اس سوال کے صرف ایک پہلو پر غور کرتے ہیں۔ پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ غرض اور مدعا کیا ہے، جس کے لئے نبوت کی چادر ایک انسان کے کندھوں پر ڈالی جاتی ہے۔ نبی اس لے نہیں آتے کہ وہ اپنی بڑائی کو ظاہر کریں یا خود اپنی پرستش کرائیں اور خدا کی جگہ آپ لے لیں۔ وہ ایک پیغام لاتا ہے جو اللہ تعالیٰ اسے انسانوں کی ہدایت کے لئے دیتا ہے اور وہ خود اسے عمل میں لاکر دکھاتا ہے۔ وہ آسمان سے احکام پاتا اور ان احکام کو اپنے اعمال میں لاتا ہے۔ وہ خود سب سے پہلا فرمانبردار ان احکام الٰہی کا ہوتا ہے اور دوسروں کو بتاتا ہے کہ وہ کس طرح سے ان احکام کی تعمیل کریں۔

اس طرح پر خدا کا کلام اور نبی کی سنت، جو ایک مثال کا کام بھی دیتی ہے، دوسروں کو ہدایت کے راستہ کی پیروی میں مدد دیتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنی اصلی پاک حالت میں باقی رہیں اور اسی طرح ہم کو پہنچ جائیں، اور تعلیم بھی ان کے اندر اپنے کمال میں ظاہر کر دی گئی ہو تو ہمیں دوسرے نبی کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن یہ دونوں باتیں دنیا کی تاریخ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے کسی کو میسر نہیں آئیں۔ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے نازل ہوا۔ اس میں تحریف وتبدیلی واقع ہوگئی۔ انسانوں کے ہاتھوں نے اس میں کمی بیشی کر دی۔ علاوہ بریں اسلام سے پہلے کے تمام مذہبی معلموں کی زندگیوں کے واقعات

تاریکی میں ہیں اور تاریخی طور پر ان کی صحت کا اطمینان کوئی نہیں۔ بلکہ زیادہ تر وہ باتیں قصوں کے رنگ میں رہ گئی ہیں اور اس طرح پر ہم کو ان کے حقیقی حالات کا علم بہت ہی کم ہے۔

اس لئے قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول ضروری ہوا۔ لیکن اگر قرآن کریم آج ہمارے ہاتھوں میں بغیر ایک شعشہ کی تحریف کے ایسا ہی موجود ہے۔ جیسا آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھا اور اگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات تمام تر صحت اور امانت کے ساتھ ہم تک پہنچائے گئے ہیں۔ اور قرآن نے ہدایت کی راہوں کو بھی پورے طور پر روشن کر دیا ہے اور شریعت کی تکمیل کر دی ہے۔ تو کیا پھر بھی ہمیں کسی اور نبی کی ضرورت ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن سب کتابوں میں سے آخری کتاب ہوئی اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں میں آخری نبی ہیں۔

درحقیقت جو چیز قرآن کو خاتم الکتب اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء بناتی ہے وہ یہی ہے کہ قرآن ہدایت اور شریعت کی تکمیل فرماتا ہے۔ پس اگر قرآن کریم میں ہمارے اخلاقی اور روحانی ضروریات کو کامل طور پر پورا کیا گیا ہے اور اگر اس میں خدا کی رضا کی راہوں کو کامل طور پر ظاہر کر دیا گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں جب احکامِ قرآنی کو تعمیل میں لا کر نبی کے کام کا عملی حصہ پورا کر دیا ہے تو اب بتاؤ کہ اور نبی کی ضرورت کہاں ہے اور کیوں ہے؟

سب سے زیادہ کامیاب نبیؐ

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ جس سے دشمن کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی دنیا کے اکیلے نبی ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد، اپنی آنکھوں کے سامنے پورا ہوتا دیکھ لیا۔ قرآن کریم کی سب سے بڑی خصوصیت، جس میں دنیا کی کوئی کتاب اس کا مثل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی، وہ حیرت انگیز روحانی انقلاب ہے جو اس کے ذریعہ سے دنیا میں نمودار ہوا۔ اس کی طرف اس کے ان پاک الفاظ میں اشارہ ہے۔ جس سے یہ کتاب شروع ہوتی ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (2:2) یعنی یہ کتاب، اس میں کوئی شک نہیں عظیم الشان اور کامل ہدایت متقیوں کے لئے ہے۔ یہ بات کہ جو انقلاب اس کتاب نے پیدا

کیا اس کی کوئی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی سب کو مسلّم ہے۔ کیونکہ اگر جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا بری ٹینیکا میں صاف اعتراف موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے اور تمام مصلحوں سے بڑھ کر کامیاب ہوئے، تو یہ کامیابی اسی پاک کتاب قرآن کے ذریعہ سے وقوع میں آئی۔ اس کے احکام نے ہر قسم کی خطرناک بدیوں کو، جو ہزاروں سالوں سے جڑ پکڑے ہوئے تھیں، جیسے بت پرستی اور شراب خوری، خس وخاشاک کی طرح بہا کر نابود کر دیا۔ اور جزیرہ نمائے عرب میں ان کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑا۔ خطرناک جنگجو قوموں کو، جن کی عداوتیں صدیوں سے چلی آتی تھیں، ایک متحد قوم بنا دیا اور ایک جاہل اور ان پڑھ قوم کو اعلیٰ سے اعلیٰ علوم اور تہذیب کے علم بردار بنا کر ان کو دنیا کے پیشرو بنا دیا۔ علاوہ بریں قرآن کا ایک ایک لفظ اللہ تعالیٰ کی عظمت وشوکت کا ایک ایسا موثر نقشہ کھینچتا ہے جس کی نظیر ہمیں کسی دوسری مقدس کتاب میں نظر نہیں آتی۔ اور اس طرح پر قرآن کی یہ تحدی فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (23:2) یعنی اس جیسی ایک ہی سورہ کہیں سے پیدا کر دو، آج تک قائم ہے۔ جس کا جواب دنیا سے نہیں ہو سکا۔

عرب کو چھوڑو ساری نسل انسانی قرآن کریم کے نزول سے پہلے قعر مذلت میں گری ہوئی تھی۔ جہالت اور تاریکی کے بادل اخلاق اور روحانیت کے آسمان پر ایسے چھائے ہوئے تھے کہ روشنی کی کوئی شعاع نظر نہ آتی تھی۔ خدا کے قانون بڑی دلیری سے توڑے جاتے اور اس کی حد بندیوں سے بے باکی سے تجاوز کیا جاتا تھا۔ فسق وفجور کی حکومت ساری روئے زمین پر تھی۔ مگر عرب کا ملک سب سے بڑھا ہوا تھا۔ وہ نہ صرف ہر ایک قسم کے فاحش امور کے ہی مرتکب ہوئے بلکہ ان کے ارتکاب پر اپنی مجلسوں میں اور اپنے اشعار میں فخر کرتے۔ اس زمانہ میں عرب میں شعر گوئی کا شوق کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ ان کے بڑے بڑے مجمعوں اور مجلسوں کو مشاعرہ کی مجالس زیب وزینت دیتی تھیں۔ مگر اس شاعری کے نازک سے نازک خیالات میں نہایت گندے اور فحش افعال کے ارتکاب کا ذکر فخر کے طور پر کیا جاتا تھا۔

اب ایک طرف اس قوم کی اس حالت پر غور کرو اور دوسری طرف اس حالت کو دیکھو کہ صرف چوتھائی صدی سے بھی کم عرصہ میں کُل کے کُل ایک خدا ترس راستباز انسانوں کی جماعت بن کر دنیا کی رہنمائی کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ جو دنیا کی قوموں میں سب سے بڑھ کر علم سے دور اور جہالت پر فخر کرنے والے تھے،

وہی دنیا میں علم کی مشعل کے حامل بن گئے اور جو عورتوں کو ذلیل ترین حالت میں رکھتے تھے، وہی حقوقِ نسواں کے حامی بن گئے۔ اور دوسروں میں بھی انہوں نے وہی روح پھونک دی جو خود ان کے اندر کام کر رہی تھی۔ اور یہ انقلاب عظیم بہت ہی تھوڑے عرصہ میں ظہور میں آیا۔ تاریخ میں اس قسم کی اصلاح کی اور کوئی مثال نظر نہیں آتی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ .

❁❁❁

14 جنوری 1917ء

ہاں چرخ پہ اب احمدی بلڈنگ کی زمیں ہے

از حکیم اللہ یار خان صاحب جوگی واصل ربانی ''قومی شاعر''

(یہ نظم گذشتہ 27 دسمبر 1916ء کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ پر پڑھی گئی)

مژگانِ چشمِ حُور کا ہے مُو قلم مِرا پڑھ کے درود دیکھنا طرزِ رقم مِرا
معشوقِ کبریا ہے محمدؐ صنم مِرا ہے کیا بڑا رقیب خدا کی قسم مِرا
دعویٰ برابری کا ہے عشقِ حضورؐ میں
بات آپڑی ہے بندے میں ربِّ غفور میں

جب تختِ عرش پہ بچھے کُرسی قریب ہو جلوہ فگن خدا ہو خدا کا حبیبؐ ہو
آواز آئے پیش ہمارا رقیب ہو گردن جھکائے سامنے واصل غریب ہو
ہو حکم مستحق ہے تو نارِ جہیم کا
لیکن ہے عشقِ تجھ کو رسولِ کریمؐ کا

مجنوں کو عشق میں سگِ لیلیٰ عزیز ہو یوسفؑ کو سو برس کی زلیخا عزیز ہو
لچھمن کو رام، رام کو سیتا عزیز ہو گوکل میں رادھا کو کنہیا عزیز ہو
اصحابِ کہف سے سگِ احمدؐ بلند ہے
ہر گُل کے ساتھ اگر ہمیں کانٹا پسند ہے

اچھا پڑھے درود بُرا بھی پڑھے درود چھوٹا پڑھے درود بڑا بھی پڑھے درود
رام وکرشن بھی پڑھیں عیسیٰؑ پڑھے درود بندوں کے ساتھ آج خدا بھی پڑھے درود

ہم دیکھ لیں گے روئے منور جنابؐ کا
تازہ سا کوئی پھول تولانا گلاب کا

آقاؐ کے ساتھ خلد میں جائیں گے سب غلام لونڈی خدا کی آئے گی رحمت ہمارے کام
سجدہ نہیں ملک ہمیں جھک کر کریں سلام نوکر بھی دیں گے ساقی کوثر کو بھر کے جام

آئیں گے بن کے دستِ نگر سب حضورؐ کے
لیں گے قدم وہ قاسمِ حُور و قصور کے

جس کے بھی دل میں ہو گی ولائے محمدؐی جنت میں بے حساب وہ جائے محمدؐی
محشر میں شور ہو گا وہ آئے محمدؐی ہم سب کے سر پہ ہو گا لوائے محمدؐی
رضواں کی کیا مجال جو روکے ہمیں ذرا
جنت سے دیں نکال جو ٹوکے ہمیں ذرا

دارین لُوٹ۔ کر شہِ ہر دو سَرَا کو خوش عشقِ محمدؐی سے تو کر دے خدا کو خوش
کرمَتوں سے دلبرِ ربّ العلیٰ کو خوش رب خوش ہوا ہوا ہے، کر مصطفیٰؐ کو خوش
عاشق سہار لے گا تری منہ درازیاں
ہوتی ہیں حسن والوں میں نازک مزاجیاں

جس گھر میں تھا حبیب خدا نے جنم لیا قبضہ پھر اس پر کر کے ہی عاشق نے دم لیا
حق نے بنائے کعبہ کو بیت الصنم لیا احمدؐ سے ہے کرائے پہ گویا حرم لیا
اس رُخ بغیر حکم دیا ہے جھکو نہیں
مشرق میں ہم دکھیں بھی تو سجدہ کرو نہیں

یورپ میں بھی جاؤں تو میں کعبہ کو ہوں جھکتا ووکنگ کی مسجد کا دکھانا مجھے نقشا
مکہ میں محمدؐ کے خدا کا بھی ہے کُوچا فاران کے کوہ طور پہ شعلہ نہیں چمکا
باتیں بھی کرے اور شجر طور سے جھانکے
احمدؐ سے کلیم ایسے حسین آئے کہاں کے

دیدارِ محمدؐ سے خدا دِکھتا ہے مجھ کو میں چُوم لوں قدموں کو یہ کیا دِکھتا ہے مجھ کو
اندھا ہوں میں وحدت کا ہرا دِکھتا ہے مجھ کو سجدے میں زیادہ ہی صفا دِکھتا ہے مجھ کو
سرکش سے ذرا کھِچتا ہے عاجز کے قرین ہے
اے دیکھنے والے جہاں دیکھے تو وہیں ہے

قرآن بھی اب غور سے تو کیا نہیں پڑھتا دو سجدوں میں کیوں سورۃ اقراء نہیں پڑھتا
والظاہرُ والباطنُ اصلاً نہیں پڑھتا صلوٰۃ خدا پڑھتا ہے کلمہ نہیں پڑھتا
میں کیسے نہ دوں نامِ محمدؐ کی دہائی
کلمے میں جُدائی نہیں اللہ کو بھائی

صلّوا علَی النبیؐ کا میں مناد بنوں گا جو کام خدا کرتا ہے وہ مَیں بھی کروں گا
وہ اپنے فرشتوں سے مَیں یاروں سے کہوں گا دن رات درود اپنے محمدؐ پہ پڑھوں گا
جھُک جائے وہ جب کان پہ قدموں پہ جھکوں مَیں
وہ بات کرے پاؤں پہ آنکھوں کو ملوں مَیں

تاثیر سی تاثیر ہے؟ بلبل کی چہک میں بس جاتے ہیں کانٹے بھی گُلِ تر کی مہک میں
خورشید لئے رہتا ہے ذروں کو چمک میں پتھر نمک ہو جاتے ہیں جب کان نمک میں
اللہ کی رنگت کے بھی پاسنگ ہے کوئی؟
من احسن صِبْغَةً سے فزوں رنگ ہے کوئی؟

تڑپا رہی ہے مجھ کو تولّائے سرمدی آقا ہے میرا، ہے جو غلامِ محمدؐی
نسبت یہی ہے جس سے ہوا ہوں میں احمدی احمدؐ نہ کہنا عیسیٰ موعود کو کدی
جیسے خدا ہے ایک محمدؐ بھی ایک ہے
محمود کو خبر نہیں احمدؐ بھی ایک ہے

عرشِ عظیم ظلِّ محمدؐ کا پایہ ہے قدموں پہ جو گرے گا وہ احمدؐ کا سایہ ہے
کہہ کر نبی غلام کا رتبہ گھٹایا ہے عیسیٰ خدا بھی بن کے فلک تک ہی آیا ہے
فرقہ نصیریوں کا علیؒ کو خدا کہے
منہ نوچ لوں خدا کو اگر مصطفیٰ کہے

سر ایک اور اک سے زیادہ میں ہاتھ پاؤں ہر حال میں شجر ہے شجر اور چھاؤں چھاؤں
مکہ ہے شہر، آج بھی ہے قادیان گاؤں توڑ ان بتوں کو کیونکہ ہے محمود تیرا ناؤں
گدی تیری بنی رہے قبلہ بدل نہیں
برعکس اپنے پدرِ مقدس کے چل نہیں

مشہور یہ مسیح کا احمدؐ لقب کریں بیٹے کو باپ کہہ کے خدا کا غضب کریں
محبوبِ رب کا ہائے یہ کچھ تو ادب کریں بُت بھی گھڑیں تو پاؤں کو سر پہ نصب کریں
بچپن ہے بھولپن ہے سلیقہ ابھی نہیں
پیری کا پیرجی کو طریقہ ابھی نہیں

مستوں کے ہاتھ سے بھی کبھی نوش جام کر جھگڑے کو چھوڑ احمدیت کو سلام کر
جس بات کا تو اہل ہے پیارے وہ کام کر محمود ہے تو آج سے منصور نام کر
دن رات پانچ وقت جو کی، کیا نماز کی
ہر وقت روبرو رہے صورت ایاز کی

جھگڑا ہی کیا ہے مان لے وحدت وجود کو   خالی نہ رکھ پھر اسمِ پدر سے درود کو
بیخوف ہو کے توڑ دے شرعی قیود کو   بتلا حرم گھر اپنا تو اہلِ سجود کو
احمدؐ ہے جب غلامِ محمدؐ بنا لیا
کعبہ بھی اب گر درِ کعبہ تو ڈھا لیا

کفار مسلموں کو کہا واہ میاں جی واہ   پھر جرم کوئی۔ کوئی خطا واہ میاں جی واہ
کس پر الٹ کے کفر پڑا؟ واہ میاں جی واہ   تم کیا ہوئے؟ میں کون ہوا؟ واہ میاں جی واہ
ظل کو جب اصل کہتے ہو تو برملا کہو
ہم پادشاہِ جارج کہیں تم خدا کہو

مامور ہی جب اپنے دعاوی کو نہ سمجھے   تفریق کم وبیش ومساوی کو نہ سمجھے
خود ظلِ نبی حکم سماوی کو نہ سمجھے   بطالوی کیوں مفتری راوی کو نہ سمجھے؟
لاریب محدث مرا دجال نہیں ہے
تم حق پہ اگر ہو تو وہ بطال نہیں ہے

جو چھیڑ سے کہتے رہے برسوں ہمیں اعدا   اب آپ ہی کرنے لگے تم ان کا اعادہ
الزام کے قابل میاں صاحب کے ہیں دادا   جو رکھ گئے کندھے پہ غلامی کا لبادہ
ہے شکر کی جا اسمہ احمدؐ نہیں رکھا
نام حضرت مرزا کا محمدؐ نہیں رکھا

ورنہ نہیں معلوم ستم توڑتے کیا کیا   گُنگے کی طرح کلیہ میں گڑ پھوڑتے کیا کیا
لوگوں کو رہِ صدق سے یہ موڑتے کیا کیا   قرآن واحادیث سے تُک جوڑتے کیا کیا
پوتے کی جگہ حق نے یہ دادا کو سمجھ دی
شق نام میں احمدؐ کے غلامی کی جو رکھ دی

تردید کو محمودیو! اعجاز یہ کم ہے؟ کچھ دیجیے جواب اس کا گر آپ میں دم ہے
سوچو ذرا احمدؑ کی غلامی کی قسم ہے ہم بچ گئے گمراہی سے مولا کا کرم ہے
حل مشکلیں کیں اپنی محمدؑ نے علیؒ نے
گرنے سے بچایا درِ کعبہ کو ولی نے

بہکاتے تو ہو کوئی بہکتا بھی ہے ہم میں؟ دیکھا کوئی رستے سے بھٹکتا بھی ہے ہم میں؟
خواجہ سا مبلغ دُرِّ یکتا بھی ہے ہم میں بس آن ملا اب تو فرشتہ بھی ہے ہم میں
جس بازو پہ تھے عیسیٰ موعود بھی اُترے
لڑنے کو اسی سے میاں محمود بھی اُترے

مرشد کا ہے فرزند قلم رُکتا ہے میرا ورنہ کسی میداں میں قدم رُکتا ہے میرا
دبتا ہے فلک مجھ سے علم رکتا ہے میرا بس جوگی جی خاموش، کہ دم رُکتا ہے میرا
پیغام ہے یہ صلح کا بیعت کریں آکر
اب اپنے بزرگوں کی وہ عزت کریں آکر

بچپن میں انہی گودیوں میں آپ تھے کھیلے دُکھ کیا تمہیں معلوم جو ان لوگوں نے جھیلے
جب حضرت اقدس تھے زمانے میں اکیلے قربانیاں گھر بار کی کرکے بنے چیلے
سیکھا جو انہوں نے ہے وہ تم نے نہیں سیکھا
دیکھا جو انہوں نے ہے وہ تم نے نہیں دیکھا

صحبت میں ہمیشہ انہیں رکھتے تھے مسیحا جھکتے رہے ان کی ہی طرف پہلے خلیفہ
دعویٰ نہیں یہ حضرت واصلؔ کا ہے جھوٹا گھر میں انہی فرزندوں کے تھا جان کو سونپا
نکلی تھی جہاں روح مسیحا کی وہی ہے
ہاں چرخ پہ اب احمدی بلڈنگ کی زمین ہے

17 جنوری 1917ء

اسلام اور دیگر مذاہب

تقریر امیر مورخہ 28 دسمبر 1916ء برموقعہ جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ(64:3)

فرمایا کہ یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے سورہ آلِ عمران میں عیسائیوں کے ساتھ بحث کے سلسلہ میں آئی ہے۔اس سورۃ میں بالخصوص صدر کے اندر عیسائی مذہب کے ساتھ بحث ہے۔اس بحث کو تین طرح پر تکمیل تک پہنچایا گیا ہے۔سب سے پہلے تو مسیحؑ کی خدائی کے خلاف کچھ دلائل دیئے ہیں۔اس کے لئے پہلے ایک اصول قائم کیا۔هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ(7:3)

کتاب کے اندر کچھ محکمات ہیں اور کچھ متشابہات۔کچھ باتیں اصول کے رنگ میں جڑ کے طور پر ہوتی ہیں اور کچھ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں۔تو فرمایا متشابہ بات کے پیچھے لگ جانا یہ موجب فتنہ ہے نہ کہ کسی صحیح اصول پر قائم کرنے والا۔استعارہ اور مجاز پر کسی اصول کی بنیاد نہیں رکھی جاتی۔ بلکہ وہ خود کسی اصول کے ماتحت تاویل طلب ہوتے ہیں۔ یہاں ابھی ذکر تھا کہ پرَکرِتی اور جیو کے غیر مخلوق ہونے کا ثبوت وید سے نہیں ملتا۔دعویٰ یہ تھا کہ وید میں ان کے غیر مخلوق ہونے کا ذکر ہے۔میں نے کہا تھا کہ اگر یوں پرَکرِتی اور جیو کے الفاظ نہیں ملتے تو کوئی ایسا ہی منتر ہو جس سے ان کے غیر مخلوق ہونے کا مفہوم پایا جائے۔

بجائے اس کے کہ اس کے جواب میں کوئی اصول پیش کیا جاتا۔ہمیں ایک کہانی سنائی گئی کہ ایک درخت ہے اس پر دو جانور بیٹھے ہوئے ہیں۔ایک اس کا پھل کھاتا ہے اور دوسرا دیکھتا ہے۔اب یہ بات بجائے

خود ایک استعارہ کا رنگ رکھتی ہے۔ اس پر کسی اصول کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ نہ ہی اس سے روح و مادہ کی ازلیت کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ جو کچھ کوئی شخص چاہے اس کے معنی کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے اوپر اصول یہ قائم کیا گیا کہ روح و مادہ ازلی اور ابدی ہیں۔ حالانکہ نہ اس میں روح کا ذکر نہ مادہ کا ذکر نہ ان کی ازلیت کا مفہوم۔ ایک استعارہ کی بنا پر مذہب کا ایک اتنا بڑا اصول بنا لینا بہت ہی دقتوں کو پیدا کر دیتا ہے۔

قرآن کریم کا سب سے پہلا اصول کہ متشابہات کو محکمات کے ماتحت کرو

قرآن کریم نے سب سے پہلا اصول، گو اسے عیسائی مذہب کے مقابلہ میں پیش کیا ہے لیکن درحقیقت یہ سب مذاہب کے خلاف کام دے سکتا ہے، یہ قائم کیا مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ (7:3) اس میں بعض محکم آیتیں اور اصولی باتیں بھی ہیں۔ ان محکمات سے ہی ہم کسی کے عقیدہ کے متعلق فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے یا نہیں۔ اصول کی بنیاد تو کبھی متشابہات پر نہیں ہوتی۔ استعارہ اور مجاز کے اوپر کوئی عقیدہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کے جتنے اصول ہیں تمام کی بنیاد محکمات پر ہے۔ اسی لئے اسلام کے اندر ایسے فرقے نہیں جو اصول پر جھگڑتے ہوں۔ اصولاً تمام فرقے ایک عقیدہ پر ہیں۔ تو قرآن کریم نے سب سے پہلے ایک طرز مباحثہ کی، جو غیر مذاہب کے ساتھ قائم کی ہے، وہ یہ ہے کہ محکمات کو قائم کرو اور باقی تمام متشابہات کو اس کے ماتحت کر دو۔

الوہیت مسیحؑ پر اصولی بحث

اس کے بعد قرآن نے وہ دلائل دیئے ہیں۔ جن سے اصولاً مسیح علیہ السلام کا انسان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کی پیدائش کا حال، اس کی ماں کا ذکر، بچپن کا زمانہ اور نبوت و تعلیم، ساری باتیں، جن سے ان کا بشر ہونا ثابت ہوتا تھا، بیان کیں۔ حدیثوں میں اس کا تذکرہ آیا ہے کہ وفد نجران کے سامنے، جو کہ عیسائی تھے، الوہیت مسیح کے خلاف اسی قسم کے دلائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کئے تھے۔ انہوں نے مسیح علیہ السلام کی بعض خصوصیات کو پیش کر کے آپ کو خدا ثابت کرنا چاہا۔ ان کو بتایا گیا کہ اس سے کوئی اصول نہیں بنتا کہ مثلاً مسیح علیہ السلام کو قرآن نے كَلِمَتُهٗ (171:4) کہا ہے۔

فیصلہ کا دوسرا رنگ مباہلہ

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری باتیں بتا کر جن سے مسیح علیہ السلام کی بشریت ثابت ہوتی ہے اور اصولاً آپ کی خدائی کی تردید کر کے پھر ایک دوسرا رنگ بیان کیا۔ **فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ** (61:3) اس قدر کھلے کھلے اور بین دلائل کے بعد بھی جو شخص جھگڑتا ہے **فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَاوَاَبْنَآءَ کُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ کُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ** (61:3) آخر سچے مذہب پر چلنے سے قربِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔ عیسائی بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ الوہیت مسیح پر ایمان لانے سے انسان مقرّبِ بارگاہ الٰہی ہو جاتا ہے اور دعا کو بھی صحیح مانا ہے۔ خود مسیح علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے ''بہت رو رو کر اور آنسو بہا بہا کر اس سے، جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا، دعائیں اور منتیں کیں'' (عبرانیوں باب 5 درس 7)۔ تو فرمایا آ ؤ اب اس طریق سے ہی فیصلہ کر لیں کہ ایک دوسرے کے مقابلہ پر دعا کریں کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو۔ پھر معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں مقرب کون ہے۔ لیکن اس دوسرے فیصلہ کو بھی فریقِ مخالف نے نامنظور کیا۔

فیصلہ کے لئے تیسرا آخری اصول

اس لئے اس کے بعد ایک تیسرا اصول فیصلہ کا بتایا کہ **قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَانُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** (64:3) آ ؤ کوئی مشترک اصول قائم کر لیں۔ کوئی بات سب میں مشترک ہوتی ہے۔ اگر اس کو بطور بنیاد کے رکھیں اور ایک اصول کے طور پر ٹھہرا لیں تو اس پر فیصلہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔

اہل کتاب کے لفظ میں کل مذاہب کو دعوت

اہل کتاب میں سب مذاہب آ جاتے ہیں۔ جس صورت میں قرآن میں دوسری جگہ فرمایا **اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَافِیْهَا نَذِیْرٌ** (24:35) اور ہر ایک مذہب، جو اپنا تعلق کسی برگزیدہ الٰہی کے ساتھ بتاتا ہے، اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی کتاب بھی رکھتا ہے۔ جس پر اس کے عقائد کی بنیاد ہوتی ہے۔ تو درحقیقت یہ تمام مذاہب اہلِ کتاب کے

اندر شامل ہیں۔اس لئے یَااَھْلَ الْکِتٰبِ میں دراصل کل دنیا کے مذہب کو مخاطب کیا ہے۔کیونکہ ہر مذہب کی بنیاد کسی نہ کسی کتاب پر ہے۔

مذاہب عالم کا اصول حقہ پر اتحاد اور امور باطلہ میں اختلاف

دنیا کے تمام مذاہب پر غور کرلو۔تمام کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے اور اتحاد بھی پایا جاتا ہے۔مگر ایک عجیب بات جو ہمیں معلوم ہوئی ہے یہ ہے کہ اصولِ حقہ میں سب کا اتحاد ہے اور جس قدر ساتھ باطل ملا دیا ہے اس میں اختلاف ہے۔کوئی باطل اصول نہیں کہ جسے ایک مذہب مانتا ہو تو دوسرا بھی اس کا قائل ہو۔مثلاً تناسخ اور کفارہ کے متعلق ہندو مذہب اور عیسائیت کوئی بھی ایک دوسرے سے متفق نہیں۔اب ان سب کے بالمقابل اسلام کو لو۔اسلام اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ دنیا میں اپنے اپنے وقت پر نبی آتے رہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر اپنے زمانہ کے لوگوں کو توحید کی تعلیم دی۔لیکن مرور زمانہ سے وہ تعلیمات تبدیل ہو گئیں۔اسلام یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ان تمام اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لئے حکم بن کر آیا ہے۔فرمایا وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ وَھُدًی وَّرَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ (64:16) ان پہلے صحیفوں میں خدا کی توحید میں جو غلطیاں پائی جاتی تھیں اس تعلیم کے اندر کامل توحید کے رنگ میں ان کا ازالہ کر دیا۔

کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ توحید الٰہی ہے

اب اصول مشترک نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک راہ بتائی ہے۔جب ہم دنیا کے تمام مذاہب پر غور کرتے ہیں تو ان میں توحیدِ الٰہی کے ساتھ کچھ نہ کچھ ملاوٹ بھی کر دی گئی ہے۔جس سے توحید کا اعتقاد تو ان کے اندر ہے۔لیکن اس کے ساتھ شرک بھی کچھ نہ کچھ کرتے ہیں۔خالص توحید سوائے اسلام کے کسی کے اندر نہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے یہی سب سے موٹا اصول بتا دیا تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۭ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ (64:3) وہ کلمہ سواء کیا ہوسکتا ہے۔یہی کہ نہ عبادت کریں سوائے اللہ کے کسی کی۔غیر اللہ کی عبادت ہی درحقیقت شرک ہے۔تو فرمایا جس حد تک ایک اللہ کی عبادت کا سوال ہے،تم ہمارے ساتھ متفق ہو۔باقی تم اس عبادت میں اوروں کو بھی شریک کرتے ہو تو یہ تمہاری اپنی ایجاد ہے۔کلمہ سواء سب مذاہب میں ایک اللہ کی عبادت ہی ہے۔

یہی مشترک اصول اس بات پر شہادت دیتا ہے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے جو کامل توحید سکھاتا ہے۔

تین قسم کا شرک جو دنیا میں پایا جاتا ہے

یہاں تین قسم کے شرک کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلے تو فرمایا اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ (64:3) غیر اللہ کی پرستش سب سے پہلی اور موٹی قسم شرک کی ہے۔ جو دنیا کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس سے بت پرستی وغیرہ مراد ہے یا غیر اللہ سے دعا کرنا یا غیر اللہ کو سجدہ کرنا۔ یہ موٹی قسم شرک کی عرب کے اندر اس وقت بہت زور میں تھی۔

دوسری قسم شرک کی بتائی وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا (64:3) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ یہ پہلی شرک سے ذرا باریک قسم شرک کی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے زرتشی مذہب جو خالقِ خیر اور خالقِ شر کا قائل ہے۔ یا جیسے آریہ مذہب کہ وہ بھی خدا کی صفات میں کامل طور پر اور اور چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی یہاں وہ بحث کر رہے تھے کہ روح و مادہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ازلیت میں کامل طور پر شریک ہے۔ یا جیسے عیسائی مذہب کہ وہ تین اقنوم مانتے ہیں اور ان تینوں کو خدا تعالیٰ کی صفت میں کامل طور پر شریک سمجھتے ہیں۔

تیسری قسم شرک کی وہ ہے۔ جہاں فرمایا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (64:3) اللہ کے سوائے ایک دوسرے کو اپنا ارباب نہ بنالو۔ یہ سب سے باریک قسم کا شرک ہے۔ یہودیوں کو بھی دوسری جگہ کہا ہے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَ ھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (31:9)۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت لکھا ہے کہ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ قرآن نے یہ ہم پر الزام دیا ہے۔ حالانکہ ہم کسی کو بھی سوائے اللہ کے اپنا ارباب نہیں سمجھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم جس چیز کو وہ حرام کہتے ہیں اسے حرام اور جسے وہ حلال کہہ دیتے ہیں اسے حلال نہیں سمجھتے۔ خواہ وہ کتابِ اللہ کے خلاف ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا یہی تو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ہوتا ہے۔

شرک میں آمیزش کے باوجود توحید الٰہی کا اعتقاد سب میں پایا جاتا ہے

تو جتنے شرک دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ سب کے سب ان تین قسموں میں آ جاتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ذات باری کے ایک ہونے کا اعتقاد ان میں بھی پایا جاتا ہے۔ حتٰی کہ وہ ہندو جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کی

پوجا کرتے ہیں وہ بھی ان سب کے اوپر ایک باری تعالیٰ کے ضرور قائل ہیں۔ عرب کے بتوں کے پجاری بھی کہا کرتے تھے مَانَعۡبُدُ ھُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی (3:39) ہم تو ان بتوں کی اس لئے پرستش کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرّب بنا دیں گے۔

عقائد باطلہ کے خلاف مذاہب عالم کی بیرونی شہادت۔ سب کا ایک دوسرے کے خلاف ہونا

توحید الٰہی کے حق ہونے کا فیصلہ تو یوں ہو جاتا ہے کہ سب مذاہب کے لوگ اس کے قائل ہیں اور سب اس پر متفق ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ اب لوگوں نے کچھ نہ کچھ ملاوٹ بھی کی ہے۔ اور عجب بات یہ ہے کہ وہ جو ملاوٹ کرنے والے ہیں۔ وہ کوئی دو مذہب اس ملاوٹ کے بارہ میں ایک دوسرے سے متفق نہیں۔ کسی نے کچھ ملایا ہے اور کسی نے کچھ۔ ایک دوسرے کی خود ہی تردید کر دیتے ہیں۔ توحید الٰہی کے ساتھ جو بات ایک مذہب نے لگائی ہے وہ دوسرے نے نہیں لگائی۔ اس وقت کئی قسم کے مذاہب پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہر ایک مذہب کے مشرکانہ عقیدہ کے خلاف دوسروں کی شہادت آموجود ہوتی ہے۔

حق کی تائید کے لئے شہادتیں ہوتی ہیں لیکن باطل کے لئے نہیں

حق کی شناخت کے لئے اللہ تعالیٰ بعض موٹی باتیں رکھ دیتا ہے جن سے ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی غلطی کھانے سے بچ سکتا ہے۔ چنانچہ یہاں میں جس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ حق کی تائید کے لئے بہت سی شہادتیں ہوتی ہیں۔ لیکن باطل کو تائید نہیں ملتی، اس کی میں پہلے ایک موٹی مثال دیتا ہوں۔

ایک مثال

حفاظتِ قرآن کے خلاف روایات کی تردید۔ ہمارا قرآن کریم جس کے متعلق دعویٰ ہے کہ یہ محفوظ کتاب ہے اس کے متعلق ہماری ہی حدیثوں میں بعض ایسی بھی روایات ہیں۔ جو بظاہر اس کی حفاظت کے خلاف ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ فلاں آیت پہلے پڑھی جاتی تھی لیکن اب وہ نہیں ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں سورت پہلے تھی اب قرآن کے اندر نہیں۔ اس کے اوپر معترضین نے کہا کہ جب تمہارے گھر میں ایسا دعویٰ کرنے والے موجود ہیں

تو پھر تمہارا یہ کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم محفوظ کتاب ہے۔لیکن ان میں بھی وہی موٹا اصول حق و باطل کی تمیز کر دیتا ہے۔اگر دیکھا جائے تو کوئی دو روائتیں ایک بات پر متفق نہیں۔ بلکہ جتنی بھی اس قسم کی روایتیں ہیں وہ سب ایک دوسرے کی تردید کر دیتی ہیں۔مثلاً ایک صحابی ہیں ابی ابن کعب، وہ کہتے ہیں کہ دو سورتیں پہلے قرآن کے اندر نہیں لکھتے تھے جواب لکھی جاتی ہیں۔لیکن ان کی بات کے لئے ہزار ہا صحابہؓ میں سے ایک بھی موید نہیں ملتا۔ بلکہ بے شمار صحابہؓ کی شہادت اس کے خلاف آجاتی ہے۔ایسا ہی مثلاً ابوموسیٰ اشعری ہیں۔انہوں نے کہا ہے کہ ایک سورہ پہلے قرآن میں پڑھی جاتی تھی جس کی ایک دو آیتیں اب مجھے یاد ہیں۔لیکن تمام صحابہؓ کی شہادت ان کے خلاف ہے اور لاکھوں انسانوں میں ایک بھی ان کی بات کی تائید نہیں کرتا۔تو ایک کو تو غلطی لگ جانا ممکن ہے۔ یہاں قرآن کے لکھنے میں آئے دن غلطیاں ہو جاتی ہیں۔کتنی کتنی تعداد میں قرآن کریم کے نسخے چھپتے ہیں۔لیکن بہت ہی کم نسخے ملتے ہیں جن میں غلطی نہ ہو۔ باوجود اس کے کہ کثرت سے ایسے نسخے پاؤ گے۔جن کی لفظی غلطیاں باقی رہ جاتی ہیں۔سب کی شہادت ایک دوسرے کے خلاف ہوگی۔اگر ایک قرآن میں کوئی غلطی ہو تو باقی نسخوں کی شہادت اس ایک کو بے وزن کر دیتی ہے۔تمام الگ الگ چھاپوں میں الگ الگ غلطیاں ہوں گی۔ کوئی ایک دوسرے کی غلطی کو تسلیم نہیں کرتا۔

توحید کے سوا دیگر عقائد میں مذاہب کا اختلاف

اب اسی طرح توحید کے متعلق بھی حال ہے۔ جتنے مذاہب ہیں اتنے ہی مختلف قسم کی ملاوٹیں ان کے ساتھ کی گئی ہیں۔کسی نے عبادت لِغَیْرِ اللّٰہِ کو جائز کر رکھا ہے اور وہ بتوں کی پرستش کو ہی اللہ تعالیٰ کی پرستش قرار دیتا ہے۔کوئی انسانوں کو بھی خدا بناتا ہے، کوئی اللہ تعالیٰ کی صفات میں دوسری اشیاء کو بھی کامل طور پر شریک ٹھہراتا ہے۔غرض سب الگ الگ اصولوں پر قائم ہیں اور کوئی ایک مذہب دوسرے سے متفق نہیں۔ رام اور کرشن کی خدائی کے قائل سوائے ہندوؤں کے اور کوئی نہیں۔ایسا ہی مسیحؑ کو سوائے عیسائیوں کے اور کوئی خدا نہیں سمجھتا۔ زرتشت کے مذہب کے سوا دو خالق یعنی خالقِ خیر اور خالقِ شر کسی نے تسلیم نہیں کئے۔جب کسی ایک کا سوال پیش ہو گا تو باقی تمام مذاہب اس کے خلاف آ کھڑے ہوں گے اور مُتفقہ طور پر اس کے غلط ہونے پر شہادت دیں گے۔ اس اصول پر بیشک پرکھ کر دیکھ لو۔سوائے اس بات کے کہ توحید الٰہی کا عقیدہ باقی رہ جائے۔جس پر تمام مذاہب کی

شہادت مل سکتی ہے اور کسی بات میں بھی کوئی دو مذہب متفق نظر نہیں آتے۔

رام اور کرشن کی خدائی کا دعویٰ

حق بات پر سب متفق ہو جاتے ہیں۔ باطل کے سب خلاف ہوتے ہیں۔ رام اور کرشن کی خدائی ایک دعویٰ ہے۔ اس کی شہادت کے لئے دنیا کا کوئی مذہب کھڑا نہیں ہوتا۔ گویا سب اس کی تردید کرتے ہیں۔ اسی طرح خالص توحید کے ساتھ جس قدر ملاوٹ ہے ایک ایک عقیدہ کو لے لو اور سب مذاہب کو شہادت میں بلاؤ۔ سب اس ملاوٹ کی تردید کریں گے۔ یہی حال باقی اصولِ باطلہ کا بھی ہے۔

تناسخ

مثلاً تناسخ کا مسئلہ ہے۔ اب جاؤ دنیا میں تلاش کرو۔ دنیا کا کوئی مذہب سوائے ہندو مذہب کے ایسا نہیں پاؤ گے جو تناسخ کے حق ہونے کی شہادت دے۔ کیا زرتشت تناسخ کا قائل ہے۔ کیا عیسائی یہود یا کسی اور مذہب کے پیرو تناسخ پر ایمان رکھتے ہیں؟

کفّارہ

ایسا ہی کفارہ کو لو۔ کیا ہندو مذہب یا عیسائیت کے سوائے دنیا کا کوئی اور مذہب کفارہ کا قائل ہے۔ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے اعتقاد، جن کی دنیا کے کسی دوسرے مذہب سے کوئی شہادت نہیں ملتی، صحیح نہیں۔

روح و مادہ کی ازلیّت کا مسئلہ اور مولٰینا شبلی کے خیال کی تردید

اس روح و مادہ کی ازلیت والے مسئلہ کو ہی کو دنیا کا کوئی دوسرا مذہب آریوں کے اس عقیدہ سے متفق نہیں کہ روح و مادہ ازلی ابدی ہیں۔ ابھی ہمارے سامنے مولٰینا شبلی کا ایک حوالہ پڑھا گیا تھا کہ انہوں نے کہا ہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ دخان سے سب کچھ بنایا تھا۔ حالانکہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ چلو دخان سے ہی بنایا سہی۔ لیکن اس سے یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ دخان ازلی تھا۔ دخان کو پہلے پیدا کیا۔ وہ تو دوسری جگہ فرماتا ہے خَلَقْنَا

كُمْ مِّنْ تُرَابٍ (5:22) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ مٹی کو پیدا نہیں کیا۔ پھر فرمایا کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (30:21) ہم نے پانی سے ہر ایک چیز کو زندہ کیا۔ تو کیا اب سمجھ لیا جائے کہ خود پانی پیدا شدہ نہیں۔

قرآن کریم کا فیصلہ

قرآن جو موجود ہے اسی پر فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اس کا مذہب کیا ہے۔ اب جب ہم اس طرف آتے ہیں تو ہمیں صاف طور پر قرآن شریف میں یہ ملتا ہے خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (2:25) اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا اور اس کا اندازہ اور دائرہ عمل مقرر کیا۔ اب كُلَّ شَيْءٍ میں مادہ اور روح اور سب کچھ آ گیا۔ تو آسان طریق فیصلہ کا یہی ہے کہ جو کچھ مشترک طور پر تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے، اس کو لے لیا جائے۔

باطل اصولوں کے خلاف مذاہب عالم کی اندرونی شہادت۔ دعا

ایک اور اصول یادرکھنے کے قابل یہ ہے کہ جو اصول باطل ہے وہ خود اسی مذہب کے دوسرے اصولِ مسلّمہ کے خلاف ہے۔ مثلاً کفارہ اور تناسخ کے قائل یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کے گناہ معاف نہیں کرتا۔ حالانکہ جو صفات خدا کی انہوں نے تسلیم کی ہیں وہ خود اس اصول کی تردید کرتی ہیں۔ یہ بات کہ خدا معاف کرتا ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اس بات سے کہ خدا دعا کو سنتا ہے یا نہیں۔ جو بات اس بات کا فیصلہ کرنے والی ہے، وہ ہے کہ خدا کا دعا سننے والا ہونا۔ اب کوئی مذہب دنیا میں نہیں جس نے دعا نہ سکھائی ہو۔ جب خدا دعا کو سنتا ہے تو معاف کیوں نہیں کر سکتا۔ کیا کوئی اس سے بھی دعا مانگتا ہے جس کے اندر اس کو قبول کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ جلانا آگ کا فطری خاصہ ہے۔ اب کوئی شخص اس کے آگے ہاتھ جوڑے کہ اے اگنی تو مجھے نہ جلائیو۔ تو یہ کبھی ہوسکتا ہے؟ اس کا ایسا کہنا ہی مجنونانہ کام سمجھا جائے گا۔ تو جب سارے مذاہب میں دعا کرنی سکھائی گئی ہے تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ اس دعا کو قبول کرنے کی اللہ تعالیٰ کو طاقت ہی نہیں۔ وہ عیسائی مذہب جہاں گناہوں کی بخشش صفات الٰہی کے خلاف بتائی گئی ہے۔ وہاں بھی دیکھو لارڈز پرئیر خود انجیل کے اندر موجود ہے۔ اور اس اصول کے منافی ہے۔ دعا یہ کی جاتی ہے کہ:

''جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے۔ تُو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر''۔

اب کیا کبھی کوئی دنیا میں اپنے قرضداروں کو یوں بھی معاف کیا کرتا ہے کہ روپے اس سے لے کر ان کو اپنی جیب میں ڈال لیا اور کہہ دیا کہ جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۔ ایسا ہی ہندو مذہب کے اندر ایک طرف تو تناسخ کا مسئلہ ہے اور دوسری طرف دعائیں بھی گناہوں کی بخشش کی اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہیں۔ جس سے پتہ لگتا ہے کہ تناسخ کا عقیدہ صحیح نہیں۔

تو اصولِ دعا کا بتاتا ہے کہ توحید الٰہی کے ساتھ جو انہوں نے اور اور باتیں ایجاد کی ہیں وہ صحیح نہیں۔ گویا نہ صرف بیرونی شہادت ہی تمام مذاہب کی ایک دوسرے مذہب کے خلاف ہے۔ بلکہ اندرونی شہادت بھی بتاتی ہے کہ توحید الٰہی کے ساتھ جو دیگر باتیں ملائی جاتی ہیں وہ ان کے اپنے اصول کے خلاف ہیں۔

روح و مادہ کی ازلیت کے خلاف آریہ مذہب کی اندرونی شہادت

یہ بڑا موٹا جھگڑا جو اٹھا ہوا ہے روح اور مادہ کی ازلیت کا، یہ بھی خود ان کے اپنے اصول کا مخالف ہے۔ مثال اس کی یوں دی جاتی ہے کہ کمہار جو برتن بناتا ہے تو اسے بعض چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان چیزوں کی تقسیم یوں کی ہے کہ ایک تو وہ قوت جو انسان کے اندر بنانے کی ہوتی ہے۔ اور دوسرے وہ مادہ جس کا وہ برتن بنتا ہے۔ لیکن یہ مثال اللہ تعالیٰ پر عائد نہیں ہوئی۔ کیونکہ خدا کو تو صرف پیدا کرنے والا ہی نہیں مانا جاتا بلکہ بعض اور صفات بھی اس کے اندر مانی جاتی ہیں۔ مثلاً خدا کے اندر بھی سننے کی طاقت ہے اور انسان میں بھی۔ لیکن انسان کے سننے کے لئے دو چیزیں بکار ہیں۔ ایک کان اور ان کے اندر قوت شنوائی اور دوسرے باہر ہوا کی موجودگی۔ اگر کانوں کے اندر شنوائی کی طاقت نہ ہو تو بھی ہم دوسرے کی آواز نہیں سن سکتے۔ اور اگر ہوا اور درمیان میں ذریعہ نہ ہو تو ہماری آواز دوسرے تک نہیں پہنچ سکتی اور نہ ہم اس کی آواز سن سکتے ہیں۔

جب میں کسی آواز کو سننا چاہوں انہی دو چیزوں کی مدد سے سن سکتا ہوں۔ اس کے بغیر نہیں۔ ایسا ہی جب میں کسی چیز کو دیکھنا چاہتا ہوں تو اس وقت بھی مجھے دو ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک آنکھ اور اس کے

اندر دیکھنے کی قوت اور دوسرے وہ روشنی جو باہر کی چیزوں کو روشن کرتی ہے۔اس کے بغیر میں دیکھ نہیں سکتا۔

خدا کو بھی ہم مانتے ہیں کہ وہ سمیع اور بصیر ہے۔لیکن جب ہم اس کی صفات سمع اور بصر کے متعلق غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے، کہ خدا کو سننے کے لئے نہ تو ہماری طرح کسی کان کی ضرورت ہے اور نہ کسی مادہ وغیرہ کی۔خدا تعالیٰ کی سمع اور بصر کی طاقتوں کو ہم انسانی طاقتوں سے بالاتر مانتے ہیں اور یہ ان لوگوں کا بھی عقیدہ ہے جو اسے بنانے میں کسی چیز کا محتاج سمجھتے ہیں۔

دیگر صفات کی طرح صفتِ خلق میں بھی اللہ تعالیٰ محتاج نہیں ہوسکتا

خدا کی صفاتِ سمع اور بصر کے قائل ہونے کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ بنانے میں وہ ضرور دوسری چیزوں کا محتاج ہے، جیسے کہ انسان۔حالانکہ جب باقی صفات میں وہ دوسری چیزوں کا ہماری طرح محتاج نہیں۔تو اس ایک صفت میں کیونکر ان کا محتاج ٹھہر سکتا ہے۔اور ہماری طرح اسے اور چیزوں کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

وہ بات مانو جو اصول کے مخالف نہ ہو۔یا تو اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو ہی انسان کی طرح مانو۔سننے میں، دیکھنے میں اُسے ویسا ہی دوسری چیزوں کا محتاج سمجھو جیسے بنانے میں سمجھتے ہو۔اور یا پھر اگر باقی صفات میں وہ محتاج نہیں اور انسان سے بالاتر قوت رکھتا ہے تو اس ایک صفت میں بھی ماننا ہوگا کہ وہ ویسی ہی طاقت رکھتا ہے اور کسی کا محتاج نہیں۔اصول کو ترک نہ کرو۔جب اصول کو ترک کرو گے۔تو لازماً ٹھوکر کھاؤ گے۔

ایک اور اصول۔مذاہبِ عالم کا مقابلہ

ایک اور اصول جس کی قرآن نے فیصلہ کے لئے تعلیم دی ہے۔وہ ہے مذاہبِ عالم کا مقابلہ۔دنیا میں اس وقت یہ اصول بھی بہت مانا گیا ہے۔آج مہذب دنیا اس بات کی ٹوہ میں لگی ہوئی ہے کہ وہ کونسی باتیں ہیں جو سب مذاہب میں ماننے کے قابل ہیں۔کیونکہ ان مشترکہ باتوں کو لے کر وہ چاہتے ہیں کہ ایک مذہب بنایا جائے جو عالمگیر ہو۔ویسے تو دنیا میں مذاہب کے اندر جھگڑے کشتیاں بہت ہیں۔لیکن باوجود اس کے توحید الٰہی کا اصول سب میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے۔مشترک اصول تب ہی نکل سکتا ہے کہ پہلے ان تینوں باتوں کی، جن سے قرآن نے روکا ہے، نفی کرو۔پس قرآن نے جو اس طرف بلایا ہے۔تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ طریق سب مذاہب میں

فیصلہ کن ہے۔ اب اس طرف طبائع مائل ہیں اور آہستہ آہستہ وہ اس طرف آ رہی ہیں۔ یہ بھی کوئی نہیں کہتا کہ کُل لوگ ایک ہی مذہب اختیار کر لیں گے۔ بلکہ اس سے اسلام ہی کا غلبہ سب مذاہب پر ثابت ہوگا۔

حق و باطل میں امتیاز کے لئے صحیح موازنہ کی ضرورت

لیکن اس کے لئے ضرورت ہے کہ موازنہ صحیح ہو۔ کیونکہ جب تک موازنہ صحیح نہ ہو، حق بات معلوم نہیں ہوسکتی۔ یہ جو قرآن نے کہا تھا وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ (4:2) اس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر اتارا گیا اور اُن کتابوں پر بھی جو تجھ سے پہلے نازل ہوئیں۔

مسلمانوں کو پہلی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم اس لئے کہ صحیح موازنہ کرسکیں

اس میں کیوں ایک مسلمان کو پہلی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ اس لئے کہ اُن کے متعلق کوئی تعصب دل میں نہ رہے اور موازنہ اُن سے ٹھیک طرح پر کرسکیں۔ انسان کی طبیعت میں جب تعصب ہو تو موازنہ ٹھیک نہیں کرسکتا۔ تو ایک مسلم جو یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ (4:2) پر عمل کرتا ہے، وہ ایک ترازو لے کر تولتا ہے اور ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرتا ہے مذاہب کے درمیان۔ وہ حق بجانب ہے کہ اصول کو قائم کر کے اس پر دوسروں کو پرکھے۔

لیکن مسلمان کے سوائے دوسرے جو لوگ ہیں وہ اس انصاف کے ساتھ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کا دوسرے مذاہب کی کتابوں پر ایمان نہیں ہوتا۔ تو وہ مسلم جن کا یہ کام تھا کہ دوسرے مذاہب کی کتابوں کو دیکھتے، ان کو پڑھتے اور اسلام کی عظمت کو ان کے مقابلہ میں ثابت کرتے، وہ اس سے بکُلّی بے خبر ہیں۔ درحقیقت مسلمان کو ایک ایسے اعلیٰ مقام پر کھڑا کیا گیا تھا کہ جو سب سے اوپر تھا۔ اسلام نے جس نظر سے دوسرے مذاہب کو دیکھا ہے اس ایک نظر سے دیکھنے والا اور کوئی مذہب نہیں ہوسکتا۔ ایک مسلمان اگر سچا مسلم ہو، یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ (4:2) پر ایمان رکھتا ہو تو ممکن نہیں کہ وہ اس اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ٹھوکر کھا سکے۔

خلاصہ مضمون

تو پس مذاہب کے فیصلہ کے لئے سب سے پہلے جو ضروری بات ہے وہ یہ ہے کہ پہلے ایک مشترک اصول قائم کرو۔ اور پھر اس پر سب مذاہب کو لے آؤ اور ایک ایک کر کے پرکھو۔ اسلام ہی کا غلبہ سب پر ثابت ہو گا۔

17 جنوری 1917ء

آیت خاتم النّبیّین پر ایک مبسوط تقریر

از حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ

گذشتہ ماہ نومبر 1916ء میں حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کے درسِ قرآن کریم کے دوران آیت کریمہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا. (40:33) آ گئی۔ جس پر آپ نے ایک مبسوط تقریر فرمائی اور سیاق عبارت احادیث نبویؐ، اجماع امت اور خود مسیح موعود کے اقوال سے خاتم النبیین کے معنوں کو واضح کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ساری تقریر کو من وعن احباب کے استفادہ کے لئے شائع کیا جائے۔ مدیر

فرمایا: اس آیت پر آج کل بہت بحث چل رہی ہے اور اس سے حضرت مسیح موعود کی نبوت ثابت کی جاتی ہے۔ لیکن کسی امر کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں اس کے متعلق ایک اصول قائم کر لینا چاہیئے۔ جب تک انسان اصول نہ سمجھ لے، کسی بات کا تصفیہ ہونا مشکل ہوتا ہے۔ ہماری ان بحثوں کے تصفیہ کے لئے پہلے اصول قائم ہونا چاہیئے۔ لیکن اصول قائم کرنے سے ہمارے احباب گریز کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود کی نبوت کے متعلق کیونکر تصفیہ ہوسکتا ہے

اس بات کو قائم کرنا کہ حضرت مرزا صاحب رسول یا نبی تھے یا نہیں تھے۔ اس طرح پر اس پر غور نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ فیصلہ یوں ہونا چاہیئے کہ آیا نبوت کا دروازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کھلا ہے یا بند۔ مسیح موعود کی نبوت پر بحث کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اگر نبوت کا دروازہ کھلا ہے تو مسیح موعود کے نبی ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے۔ اور اگر دروازہ بند ہے۔ تو پھر نہ مسیح موعود نبی ہو سکتے ہیں نہ کوئی اور۔ جب تک اس بات کا فیصلہ نہ ہو بحث آگے چل نہیں سکتی اور نہ ہی فیصلہ ہوسکتا ہے۔

آئندہ نبی آنے کے متعلق مریدین میاں صاحب کا اعتقاد

لیکن اس کا جواب ہمیں یہ دیا جاتا ہے۔ میاں صاحب نے تو نہیں دیا۔ بلکہ انہوں نے تو کھلے طور پر کہا ہے کہ آئندہ بھی نبی آئیں گے۔ مگر ان کے مریدین یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کیا علم کہ کوئی اور بھی نبی آئیں گے یا نہیں۔ لیکن یہ بالکل لغو جواب ہے۔ اعتقاد کا معاملہ کوئی ایسا تو نہیں کہ اس کو انسان جانتا نہ ہو۔ ختمِ نبوت کا مسئلہ ایک اعتقادی معاملہ ہے۔ یہ ساری امت کا عقیدہ رہا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہہ دینا کہ ہم نہیں جانتے کہ اب نبی آئیں گے یا نہیں۔ یہ تو دین کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرنا ہے۔ دین کو تو ہم نے قرآن سے حدیث سے لینا ہے۔ کوئی اپنے پاس سے تھوڑا ہی بنانا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے جو بات صاف کرنی ہے وہ یہی ہے کہ نبوت کا دروازہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کھلا ہے یا بند۔ اگر دروازہ نبوت کھلا ہے تو پھر کسی ایک کی خصوصیت کوئی نہیں۔ دروازہ کھلا ہے تو سب کے لئے کھلا ہے۔ کیوں امت میں سے اور بھی لوگ نبی نہیں بن سکتے۔ اور اگر دروازہ بند ہے تو پھر یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی ایک کے لئے تو کھل جائے اور باقی کے لئے بند ہو۔ خدا تعالیٰ کے قانون میں استثنا کوئی نہیں۔

خاتم النبیین کے معنی اجماعِ امت سے

اب ہم اس آیت خاتم النبیین کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ ہمیں کیا بتاتی ہے۔ عام طور پر لوگوں نے اس آیت کے معنی یہی سمجھے ہیں کہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ خاتم کے لفظی معنی بیشک مُہر کے ہیں۔ لیکن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر سے لے کر، جو آپ نے اس آیت کی کی۔ جیسا کہ میں آگے چل کر حدیثوں سے ثابت کروں گا، تمام صحابہؓ اور دیگر تمام مفسرین، حتیٰ کہ کل امت میں اجماعی طور پر یہی ایک ہی متفق علیہ عقیدہ چلتا ہے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی اور اب آپ کے بعد دروازہ نبوت مسدود ہے۔ کیا یہ عقیدہ صحیح ہے یا غلط؟

ان معنوں کے خلاف اعتراض

کیا یہ ممکن ہے کہ ان سب لوگوں کو غلطی لگ گئی ہو اور تمام امت ایک غلط عقیدہ پر قائم رہی ہو۔ ہمارے سامنے اس کی تائید میں کچھ آیات قرآنی پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک آیت ہے یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ

مِّنۡكُمۡ يَقُصُّوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفُ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ (35:7) یعنی اے بنی آدم! جب تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں پڑھیں وہ میری آیات تمہارے اوپر تو جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور اصلاح کرے اس پر کوئی خوف نہیں اور نہ حزن۔ تو اس آیت میں يَاۡتِيَنَّكُمۡ سے وہ کہتے ہیں کہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول آیا کریں گے۔ یا ایک دوسری آیت ہے رَفِيۡعُ الدَّرَجٰتِ ذُوالۡعَرۡشِ ۚ يُلۡقِى الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ لِيُنۡذِرَ يَوۡمَ التَّلَاقِ (15:40) ڈالتا ہے روح اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔ تاکہ وہ ڈرائے یوم قیامت سے۔

اس سے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا سنت جاریہ یہی ہے کہ نبی آیا کریں اور بھی بعض آیات پیش کرتے ہیں۔ لیکن بالخصوص یہ دو آیات یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہیں کہ رسولوں کو بھیجنا سنت جاریہ ہے۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غرض و غایت نبوت کو پورا کر دیا۔ اس لئے یہ سنت جاریہ نہ رہی۔ ایک طرف یہ دو آیات ہیں اور دوسری طرف خاتم النبیین کا عقیدہ ہے۔ ان دونوں میں سے کونسی بات صحیح ہے۔ فیصلہ طلب امر یہ ہے کہ کیا خدا تعالیٰ کی یہ سنت جاریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ویسی ہی جاری ہے جیسے کہ آپؐ سے پہلے جاری تھی۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس سنت کے متعلق جس کا ذکر ان دو آیات میں ہے، اس سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ پہلے یہ سنت جاریہ تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بیشک رسول آیا کرتے تھے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آ جانے سے نبوت کی جو کچھ غرض و غایت تھی وہ پوری ہو گئی۔ اب آپ کے بعد وہ غرض و غایت باقی نہیں رہی۔ تو چونکہ غرض و غایت پوری ہو چکی ہے اس لئے کسی نبی کی ضرورت بھی اب باقی نہ رہی۔

فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى (38:2) کے باوجود سنتِ جاریہ ہونے کے قرآن کریم کے بعد اور کوئی کتاب نہیں آ سکتی

ہمارے دوست اس بات کو تو مانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے واقعی شرائع کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ خود قرآن کریم میں ایک بالکل اسی قسم کی آیت ہے جس میں شرائع بھیجنے کے متعلق اپنی سنت جاریہ کو بیان کیا ہے۔ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ (38:2)

اب اس آیت میں بھی صاف طور پر بعینہٖ اسی قسم کے الفاظ ہیں جیسے کہ رسولوں کے بھیجنے کے متعلق تھے۔سنت جاریہ کے رنگ میں شرائع کے بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔لیکن ہمارے دوست خوشی سے اس بات کو مان لیتے ہیں کہ چونکہ قرآن کریم نے آکر ہدایت نامے بھیجنے کی غرض کو پورا کر دیا۔ وہ تمام اغراض، جو کسی ہدایت نامہ کے آنے کی ہوا کرتی تھیں،قرآن کے آنے سے ختم ہو گئیں۔اس لئے اب کسی نئے ہدایت نامہ کی ضرورت نہیں اور نہ کوئی نیا ہدایت نامہ آسکتا ہے۔

ایسا ہی اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (35:7) سے بھی اب رسولوں کا آنا جائز نہیں ٹھہر جاتا

تو جس طرح سے باوجود اس آیت میں شرائع کو بھیجنا ایک سنت جاریہ ٹھہرانے کے ہمیں تسلیم کرنا پڑا کہ اب قرآن کے آنے سے شرائع کے آنے کی غرض وغایت پوری ہو چکی اور کسی نئے ہدایت نامہ کے آنے کی اب گنجائش باقی نہیں رہی۔اسی طرح پر اسی قسم کی دوسری آیت کے باوجود،جس میں رسولوں کے آنے کو سنت جاریہ کے طور پر بیان فرمایا ہے، یہ بھی ثابت ہو گیا کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غرض وغایت نبوت کو پورا کر دیا۔اس لئے اب کسی نبی کے آنے کی گنجائش نہیں نہ ضرورت ہے۔اس لئے وہ قانون جو تھا اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (35:7) وہ منافی نہیں اس بات کا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں۔نہ ہی آپؐ کے بعد نبیوں کا نہ آنا اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ الخ کے منافی ہے۔ٹھیک اسی طرح پر جس طرح قرآن کے بعد اور کسی صحیفہ یا ہدایت نامہ کا نہ آنا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی (38:2) کا منافی نہیں یا بالفاظ دیگر فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی (38:2) قرآن کے بعد کسی اور صحیفے کی عدمِ ضرورت کے منافی نہیں۔ایسا ہی یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ (15:40) کے بھی یہ منافی بات نہیں کہ آنحضرت کے بعد کوئی اور رسول نہ آئے۔اس لئے ان آیات کو پیش کرنا ایک غلطی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے نبیوںؑ میں ایک عظیم الشان فرق

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبیوںؑ کے متعلق ہم یونہی مانتے ہیں کہ خاص خاص قوموں کی طرف خاص خاص ہدایت نامے بھیجتا رہا۔ بعینہٖ اسی طرح ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً نبی بھی آتے رہے۔ لیکن پہلے یہ دستور تھا کہ ہر ایک نبی کسی خاص قوم کی طرف ہی نبی ہو کر آیا۔ اس کے علاوہ دوسری قوموں کی طرف وہ مبعوث نہیں ہوا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض نبی تو قوم کے بھی کسی خاص ہی حصہ کی طرف مبعوث ہوتے رہے۔ قرآن کے اندر اس کا ذکر بھی ہے کہ نبی خاص اقوام کی طرف پہلے آیا کرتے تھے۔ حدیث میں بھی آیا ہے **كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلَى النَّاسِ خَآصَةً ۔**

قرآن میں بھی جس جس نبی کا نام لیا ہے اس کے صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہونے کا ہی ذکر ہے۔ مثلاً **اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ** (1:71) وغیرہ۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا **رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ** (49:3)۔ ہمارے دوست بھی اس بات کو مانتے ہیں اور اس پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے خاص خاص قوموں کی طرف ہی نبی آتے رہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے ساتھ اس میں ایک انقلاب واقع ہوا ہے۔ وہ یہ کہ آپ ان سب کے لئے برخلاف کسی ایک خاص قوم کی طرف نہیں، بلکہ کل دنیا کی طرف مبعوث ہوئے۔ دنیا کی کوئی قوم بھی آپ کے دائرہ تبلیغ سے باہر نہ رہی۔ قرآن کے اندر صاف طور پر فرمایا **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ** (28:34) اور **قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا** (158:7)۔ یہ ایک فرق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری قوموں کے اندر ہمیں صاف طور پر نظر آتا ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟

اصل میں انسان کی زندگی کی تاریخ مثل ایک بچہ کے بچپن کی تاریخ کے ہے۔ جس طرح سے ایک بچہ کے لئے چھوٹی عمر میں نئی ضروریات پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ آج ایک بچے کے کپڑے بنتے ہیں اگلا سال آتا ہے۔ وہ کپڑے اس کے کام کے نہیں رہتے اور نئے بنوانے پڑتے ہیں۔ حالانکہ اپنے لئے ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہوتی کہ ہر سال نئے کپڑے بنوائیں۔ بچے کے لئے چونکہ نئی ضروریات پیدا ہوتی رہتی ہیں اس لئے بار بار بنوانے پڑتے ہیں۔ اسی طرح جب نسل انسانی پر بچپن کا زمانہ تھا۔ اس وقت چونکہ آئے دن ان پر تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی تھیں اور اُن تبدیلیوں کے حسب حال نئی ضروریات پیدا ہو جاتی تھیں۔ اس لئے ان ضروریات کو پورا کرنے کے

لئے ان میں کسی رسول کو بھیج دیا جاتا تھا۔ جس قوم کی حالت اس درجہ کو پہنچی کہ پہلا ہدایت نامہ اُن کے لئے کافی نہ رہا اور اب نئے قوانین کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس کی طرف کوئی رسول بھیج دیا گیا۔

آنحضرتؐ کی بعثت نسل انسانی کے جوانی کے وقت ہوئی

لیکن جب نسل انسانی پر ایک ایسا زمانہ آ گیا کہ جب وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ گئی۔ سب قسم کی ضروریات جو اس وقت یا آئندہ کبھی پیدا ہوسکتی تھیں، پیش آ گئیں اور سب قومیں ایک ہی یکساں سٹیج پر آ گئیں۔ تو پھر ان سب کی طرف ایک ہی رسول بھیجا جانا ضروری ہوا۔ جس نے آکر ان سب ضروریات کو پورا کر دیا۔ اس لئے فرمایا اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (3:5) آج ہم نے تم پر دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمام کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ گویا وہ سب ضروریات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیں۔

میثاق النبیین سے آنحضرتؐ کے بعد دروازہ نبوت کے مسدود ہونے پر شہادت

ایک اور بھی شہادت ملتی ہے۔ وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّحِکۡمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنۡصُرُنَّہٗ (81:3) جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے وعدہ لیا۔ یا نبیوں کی معرفت اُن کی امتوں سے وعدہ لیا کہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت دی ہے۔ پھر تمہارے پاس ایک رسول آئے گا جو اس کی تصدیق کرے گا جو تمہارے پاس ہے۔ پس تمہیں اُس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ تو یہاں گویا ایک رسول کی بشارت دی گئی تھی۔ جس کے متعلق فرمایا کہ وہ سب رسولوں کی تصدیق کرے گا۔ اب تاریخ کے اوپر غور کر کے دیکھ لو کہ کون ایسا رسول ہوا۔ سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس نے سب رسولوں کی تصدیق کی ہو۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ابتدا سے ہی ایسا مقرر کر رکھا تھا کہ مختلف قوموں کی طرف مختلف رسول آئیں۔ لیکن چونکہ اس سے تفرقہ بھی بظاہر نظر آتا تھا کہ تمام قومیں ایک دوسری سے دور رہتی ہیں اور ہر ایک یہی خیال کرتی ہے کہ بس ہمارا ہی تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ ہماری طرف ہی رسول آتے رہے ہیں اور دوسروں کی طرف نہیں۔ اسے لئے مشیتِ ایزدی نے یہ چاہا کہ آخر میں ایک رسول ایسا آجائے کہ وہ کل نسل انسانی

کوایک دین پر جمع کر دے۔تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے تمام قوموں کو اکٹھا کرنا چاہا ہے۔اسی لئے حدیث کے اندر یہ دعا سکھائی گئی ہے۔

ایک خدا اور ایک دین کے ساتھ نبی بھی ایک ہی ہوسکتا ہے دو نہیں

رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا اس دعا میں حصر کر دیا۔ایک ہی خدا کے رب ہونے پر اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نبی ہونے پر۔اور صرف اسلام ہی کے دین ہونے پر۔اب ان تینوں میں سے کسی ایک میں بھی شرکت کی گنجائش نہیں چھوڑی۔یہ ناممکن ہے اور محض ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رب سمجھتے ہوئے،اسلام کو اپنا دین مانتے ہوئے،پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے کسی اور کو نبی آپ کے بعد مانا جائے۔جس طرح سے خدا ایک ہوگا اور دین صرف اسلام ہوگا۔اس کے ساتھ لازماً نبی بھی ایک ہی ماننا پڑے گا۔اگر اس کے اندر اختلاف ہوگا۔اگر کسی اور کو بھی نبی قرار دیا جائے گا۔تو پھر یہ وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے والا اختلاف ہوگا۔جب نبی دو ہوئے تو پھر لازماً دین بھی دو بنانے پڑیں گے۔

خاتم النبیین والی آیت کا تعلق سیاق وسباق سے

اب ہم اس آیت کو لیتے ہیں اور پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ پہلی آیات کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (39:33)’’یعنی وہ لوگ جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں،اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوائے کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب لینے والا بس ہے۔‘‘

یہ توحیدِ الٰہی کا آخری مقام ہے۔تو توحید کا یہ عملی رنگ ہے جو رسولوں کے اندر بالضرور ہونا چاہئے۔ایک تو توحید کا عملی رنگ ہوتا ہے۔لیکن ایک دوسرا عملی رنگ ہوتا ہے جو رسولوں کا امتیازی نشان ہوتا ہے۔کیا ہے وہ رنگ؟ یہ کہ وہ جو اللہ کی رسالتوں کو پہنچاتے ہیں،وہ اللہ کے سوائے اور کسی چیز کا ڈر اپنے دل میں نہیں رکھتے۔

رسولوں کے آنے کا کیا مطلب ہے۔وہ کس مقام پر کھڑے کئے جاتے ہیں۔وہ ہے خشیت الٰہی کے سوائے اور کسی کا خوف دل میں نہ ہونا۔یہ وہ مقام ہے کہ جس میں انسان معرفت الٰہی کو کامل طور پر پالیتا ہے۔وہ

لوگوں کو اس اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر کھڑا کرنے کے لئے آتے ہیں۔ یہ توحید الٰہی کا آخری مقام ہے۔ تو ایک تو اس مضمون کو اس آیت کے اندر لائے ہیں۔

حضرت زینبؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کیوں ہوا؟

دوسرا زیدؓ کی بیوی سے نکاح والا معاملہ ہے۔ جو گویا ان آیات کا اصل مضمون ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی جتنے نکاح ہیں۔ وہ کسی بڑی اہم ضرورت کے موقع پر ہوئے ہیں۔ پس زیدؓ کی مطلقہ بیوی زینبؓ کے ساتھ نکاح کرنے سے آپ کی کیا غرض تھی۔ کیوں آپ نے یہ نکاح کیا؟ اصل بات یہ ہے کہ زیدؓ کو لوگ بوجہ آپؐ کا آزاد کردہ غلام ہونے اور آپؐ سے کامل محبت رکھنے کے ابنِ محمد کہہ کر پکارتے تھے۔ تو ایک تو اللہ تعالیٰ اس متبنیٰ بننے کی رسم کو مٹانا چاہتا تھا۔ اور بتانا چاہتا تھا کہ متبنیٰ بیٹے کوئی حقیقی بیٹے نہیں ہوتے۔ لیکن یہاں اس سے بھی بڑھ کر ایک اور غرض ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا جسمانی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب چلنے کی نفی کرنا ہے۔ تو مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (40:33) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت جسمانی کی نفی کی اور نفی کو کمال تک پہنچانے کے لئے زیدؓ کی، جس کے متبنیٰ ہونے کی وجہ سے جسمانی ابوت کے پیدا ہو جانے اور سلسلہ نسب کے چلنے کا شبہ ہو سکتا تھا، جورو سے نکاح کا حکم دیا۔ تا کہ ابنیت جسمانی کا سلسلہ آپؐ سے بالکل منقطع ہو جائے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نسب ہمیشہ بیٹے کی طرف سے چلتا ہے نہ کہ بیٹی کی طرف سے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا. (40:33) محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ اس سے آپ کی جسمانی ابوت اور نسب چلنے کی قطعاً نفی کر دی۔

یہ نفی کیوں کی؟ اس لئے کہ ایک ابوالبشر جسمانی رنگ میں تو آدم ہیں۔ لیکن ابوالبشر روحانی بھی چاہئے تھا۔ جو روحانی طور پر لوگوں کا باپ ہو اور اس کا سلسلہ نسب قیامت تک چلے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحانی ابوالبشر ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی طور پر ابوالبشر بنانے کے لئے آپ کی جسمانی ابوت کی نفی کر دی۔

اس نفی ابوت کے بعد فرمایا ہے وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا۔ (40:33) لٰکِنْ کا حرف زبان عربی میں استدراک کے لئے آتا ہے۔یعنی جہاں پہلے ایک ایسی بات بیان کی ہو، جس سے مخاطب کے دل میں کچھ وسوسہ باقی رہ جائے، یا کوئی شبہ وارد ہو، تو اس شبہ اور وسوسہ کو دور کرنے کے لئے لٰکِنْ کا حرف لایا جاتا ہے۔تو اب یہاں جو پہلے فرمایا تھا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (40:33) تو اس سے سننے والے کے دل میں ایک شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ اس میں تو ہر ایک قسم کی ابوت کی نفی ہوگئی۔ کیا جسمانی اور کیا روحانی۔اس لئے فرمایا وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (40:33)

رَسُوْلُ اللّٰهِ کا لفظ کیوں اختیار کیا؟

اس لئے کہ اللہ کے رسول اس لئے آتے ہیں کہ لوگوں کی روحانی تربیت کریں۔تو چونکہ وہ روحانی طور پر لوگوں کی تربیت کرتے ہیں اس لئے وہ روحانی طور پر لوگوں کے باپ ہوتے ہیں۔اس لئے یہاں رسول اللہ کا لفظ اختیار فرمایا کہ اس سے آپ کی روحانی ابوت کا اثبات ہو۔گویا رسول اللہ کا لفظ قائمقام ہے روحانی باپ کے۔ یہ کہنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے کہا جائے کہ جسمانی طور پر تو آپ کسی کے باپ نہیں لیکن روحانی طور پر باپ ہیں۔

خاتم النبیین کا لفظ آنحضرت کی فضیلت دیگر انبیاء پر ثابت کرتا ہے

لیکن یہاں تک تو آپ دوسرے نبیوںؑ کے برابر ٹھہرتے ہیں۔اس سے آپ کی کوئی فضیلت تو ثابت نہیں ہوتی۔ نبی ہونے کے لحاظ سے جیسے دوسرے نبیؑ اپنی اپنی امتوں کے باپ ہیں، ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے باپ ہیں۔آپ کی فضیلت اس میں کیا ہوئی؟ اس فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ بیشک باپ ہونے میں تو دوسرے نبیوں کے آپ برابر ہیں۔تاہم ان کی ابوت کا سلسلہ ایک مدت کے بعد ختم ہوجاتا تھا اور صرف خاص مدت تک یہ ابوت باقی رہتی تھی۔لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد روحانی کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا، یہ قیامت تک چلے گی۔کیوں؟ اس وجہ سے کہ آپ خاتم النبیین ہیں یعنی آخری نبی ہیں۔آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔اگر آپ کے بعد اب کوئی اور نبی آجائے تو لازماً آپ کی ابوت

روحانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور اب اس دوسرے نبی کی اولاد چلے گی۔

خاتَم کے لفظ پر بحث

یہ کہنا کہ خاتَم کے معنی مہر کے ہیں۔تو خاتَم النبیین کا مطلب یہ ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر سے نبی بنا کریں گے۔ یہ صحیح نہیں۔لغت کے اندر خاتَم کے دونوں معنی آئے ہیں۔مہر بھی اس کے معنی ہیں۔لیکن دوسرے معنی خاتِم کے بھی ہیں۔یعنی ختم کرنے والا۔ان دونوں میں سے کونسے معنی لگ سکتے ہیں۔اول تو خاتَم النبیّین کی دوسری قرأت خاتِم النبیین بھی آئی ہے۔اور قرآن کریم کا قاعدہ ہے کہ جب ایک لفظ کی دو قرأتیں آجائیں۔تو ایک کی مفسر دوسری قرأت ہوتی ہے جو اس کے معنوں کی وضاحت کر دیتی ہے۔

حضرت صاحب نے بھی اس بات کو کہیں لکھا ہے کہ جہاں دو قرأتیں ہوں وہاں ایک قرأت دوسری کے معنوں کی وضاحت کر دیتی ہے۔تو یہاں خاتَم النبیین کی دوسری قرأت خاتِم النبیین بھی ہے۔جس نے صاف طور پر بتا دیا کہ اس کے معنی یہاں ختم کرنے والا کے ہی ہیں۔

خاتَم کے لفظ میں حکمت

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ خاتَم کا لفظ اختیار کرنے میں بھی حکمت رکھی ہے۔جس طرح سے خاتِم کے لفظ سے شہادت ملتی ہے اس بات کی کہ اولادِ روحانی کا سلسلہ قیامت تک چلے گا۔اسی طرح خاتَم اس بات کو ظاہر کرنے والا ہے کہ آپؐ ہی کے ذریعہ سے تکمیل نفوس انسانی ہوگی اور لوگ ان انعامات کو حاصل کر سکیں گے جو نبیوں کو ملا کرتے تھے۔کیونکہ خاتَم کے معنی جب مہر کے ہوئے تو خاتَم النبیین بمعنی ''نبیوں پر مہر'' کے، یا تو یہ معنی ہوں گے کہ نبیوں کے آنے پر اب مہر لگ گئی۔دروازہ نبوت مسدود ہو چکا اور یا یہ پھر معنی ہوں گے کہ آپؐ نبیوں کی مہر کا کام دیں گے۔یعنی جو کام نبیؑ کرتے رہے ہیں وہ کام اب قیامت تک آپ ہی کے واسطہ اور وسیلہ سے سرانجام پائے گا۔

نبیؑ کا اصل میں یہ کام رہا ہے کہ تکمیلِ نفوس انسانی کرے۔لوگوں کو اعلیٰ درجہ کا باخدا انسان بنا دے۔ کسی نبیؑ کا کام نبی بنانا نہیں رہا۔نبیؑ ہمیشہ اللہ تعالیٰ منتخب کرتا رہا ہے۔اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسٰلَتَہٗ (124:6)

خدا تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ کون نبی بنائے جانے کا مستحق ہے۔

نبیوںؑ کو شروع سے ہی قویٰ اور طاقتیں ایسی دی جاتی ہیں کہ نبوت کے منصب کے حسب حال ہوں۔ وہ فطری رنگ میں خدا تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلنے والا ہوتا ہے۔ کسی کی اطاعت اور محنت اور کوشش سے وہ نبی نہیں بنتا۔ لیکن برخلاف اس کے غیر نبی اکتساب اور پیروی شریعت سے صرف انعامات نبوت کو پالیتا ہے، نبی نہیں بن جاتا۔

اب تکمیل نفوس انسانی بغیر واسطہ آنحضرت ﷺ نہیں ہوسکتی

نبیوں کا کام نفوس انسانی کی تکمیل کرنا ہے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ خاتَم النبیین کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی آئندہ نبیوں کی مہر کا کام دیں گے۔ کوئی دوسرا آپ کے بعد ایسا نہیں آ سکتا جو نبیوں کا کام کرے۔ کیونکہ اس سے تو پھر آپ کا خاتم النبیین ہونا باطل ہو جاتا ہے۔

اس کے خلاف معنوں کی تغلیط

لیکن اگر یہاں یہ معنی کریں کہ آپؐ کی مہر سے نبی بنا کریں گے۔ تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ کل نبی آپ کی مہر سے نبی بنے۔ خواہ آپ سے پہلے ہوں یا بعد۔ حالانکہ آپ سے پہلے جتنے نبی آئے سب براہ راست تھے۔ کوئی بھی آپ کی پیروی اور اطاعت سے نبی نہیں بنا۔

خلاصہ مطلب

غرض خاتَم کے معنی لغت میں خاتم (یعنی ختم کرنے والا) کے بھی آئے ہیں۔ قرأت ثانیہ میں بھی خاتم کا لفظ آیا ہے۔ جو انہی معنوں کا مؤید ہے۔ لیکن اگر مہر کے معنی کریں تو بھی کوئی حرج نہیں بات صاف ہے۔ اب قیامت تک جو کوئی اپنی روحانی تکمیل کرنی چاہے گا۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور واسطہ سے ہی حاصل کر سکے گا۔ آپ گویا نبیوں کی مہر کا کام دیں گے جو کام نبی کیا کرتے تھے، وہ آپ کریں گے قیامت تک۔ یہ نہیں کہ کوئی اور اب آپ کے بعد اس کام کو لے لے اور یہ مہر بھی بیکار ہو جائے۔

خاتم النبیین کے معنی احادیث سے

اب میں احادیث کو لیتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تفسیر کسی آیت کی صحیح طور پر ثابت ہو جائے۔ وہ سب سے پہلے مانے جانے کے قابل ہے۔ احادیث میں بہت کم مقامات ایسے ہیں کہ جن میں قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو۔

مہبط وحی کو معنی کرنے میں غلطی نہیں لگ سکتی

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کے خود یہی معنی کئے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ تو یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ آپ کو نعوذ باللہ سمجھ نہ آئی تھی۔ ہم مانتے ہیں کہ کسی صحابیؓ کو کسی آیت کے معنی کرنے میں غلطی لگ جائے۔ لیکن خود مہبط وحی کے متعلق یہ گمان نہیں ہو سکتا۔

حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے آنحضرتؐ نے اپنے بعد نبوت کی نفی کی

بہر حال جب ہم احادیث کی طرف دیکھتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں بخاری اور مسلم، جو صحاحِ ستہ میں سے سب سے زیادہ صحیح مانی گئی ہیں، ان دونوں کی متفق علیہ یہ حدیث ملتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

1۔ **یَاعَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزَلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ اِلَّا اَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ** اے علیؓ تو مجھ سے وہی نسبت رکھتا ہے، جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، لیکن میرے بعد نبی کوئی نہیں۔ اب اس حدیث میں صاف طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی نبی کے نہ آنے کا فیصلہ سنا دیا۔

2۔ دوسری حدیث ہے **لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَلْحَقَ قَبَائِلُ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ وَحَتّٰی تُعْبَدَ الْاَوْشَانُ وَاَنَّهٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ کَذَّابًا کُلُّهُمْ یَزْعَمُ اِنَّهٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ** نہیں کھڑی ہوگی قیامت حتّٰی کہ میری امت کے کچھ قبائل مشرکین کے ساتھ مل جائیں گے اور یہاں تک کہ بتوں کی پوجا ہوگی اور میری امت میں تیس کذاب ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک سمجھے گا کہ وہ نبی ہے۔ لیکن میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (معلوم ہوتا ہے

کہ مسلمانوں میں اس بیماری کے عام طور پر پھیل جانے کا ذکر ہے) یہاں اس حدیث میں خاتم النبیین کے معنی خود کر دیئے کہ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖن لَانَبِیَّ بَعْدِیْ میں خاتم النبیین ہوں یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں

لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے بعض عجیب وغریب معنی ہمارے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ایک ہمارے دوست نے سنایا کہ اس نے قادیان میں میاں صاحب کے سامنے جب اس حدیث کو پیش کیا۔تو میاں صاحب نے فرمایا کہ اصل میں لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے معنی سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔قرآن میں خدا تعالیٰ کے متعلق ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ (3:57) حدیث میں اس کی یہ تشریح کی گئی ہے کہ هُوَ الْاَوَّلُ لَيْسَ قَبْلُهٗ شَيْئًا هُوَ الْاٰخِرُ لَيْسَ بَعْدُهٗ شَيْئًا یعنی هُوَ الْاَوَّلُ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔هُوَ الْاٰخِرُ کے معنی ہیں اس کے بعد کوئی شے نہیں۔تو یہاں جو فرمایا اس کے بعد کوئی شے نہیں۔تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے ساتھ بھی کوئی چیز نہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی میں اور ساتھ ساتھ چیزیں تو ہیں ہی۔اسی طرح حدیث میں جو لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کا لفظ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی کوئی نبی نہیں، بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ آپ کے زمانہ یعنی قیامت تک کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔میاں صاحب نے یہ معنی لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے ایک مجمع کے اندر بیان کئے۔تو اس دوست نے سنایا کہ اس پر اس قدر سبحان اللہ کے نعرے بلند ہوئے کہ میں اس پر زیادہ گفتگو کرنا بھی بھول گیا۔

ان معنوں کی لغویت

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا میاں صاحب نے لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے یہ معنی پوری حدیث کو مدنظر رکھ کر کئے ہیں یا کہ صرف دفع الوقتی کے لئے انہی دو تین الفاظ کے حسب مطلب معنی کر دیئے۔اگر لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کے یہ معنی ہوتے کہ اب قیامت کے بعد کوئی نبی نہیں ہونا اور قیامت تک نبی ہوتے رہیں گے۔تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو یہ کہہ سکتے تھے کہ يَاعَلِيُّ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ اے علیؓ تو مجھ سے ایسا ہی ہے جیسا ہارونؑ موسیٰؑ سے نسبت رکھتا تھا۔مگر فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔کیا مطلب کہ نبی تو تُو ہوسکتا تھا۔لیکن چونکہ قیامت کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اس لئے تو

نبی نہیں۔ کیا حضرت علیؓ اس وقت یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ یارسول اللہ! قیامت تو ابھی آئی نہیں۔ اس وقت تو قیامت سے پہلے کا وقت ہے۔ اب تو آپ کے بعد نبی ہو سکتے ہیں۔ پھر میرے نبی ہونے میں کیا محذور لازم آتا ہے۔ پھر دوسری حدیث میں تو صراحت کے ساتھ ان معنوں کی تردید ہے۔ وہاں تو یہ الفاظ ہیں لَاتَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَلْحَقَ قَبَائِلُ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ وَحَتّٰی تُعْبَدَ الْاَوْشَانُ وَاَنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ کَذَّابًا کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ.

قیامت قائم نہ ہوگی

جب تک میری امت کے بعض قبائل مشرکین سے نہ مل جائیں گے۔ اور بتوں کی پرستش ہوگی۔ اور تیس کذاب میری امت سے ہوں گے۔ ہر ایک خیال کرے گا کہ وہ نبی اللہ ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس حدیث میں صاف طور پر قیامت سے پہلے ایسا ایسا واقعہ ہونے کا ذکر ہے۔ اگر قیامت سے پہلے نبیوں کا اٹھنا جائز ہوتا تو وہ تیس کیوں کذاب ہوں گے۔ تو ان دو حدیثوں میں زبان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں خاتم النبیین کے معنی معلوم ہو گئے۔ جنہیں تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہوسکتا۔ ایک اور بھی حدیث ہے وہ صرف بخاری میں ہے۔ اوپر کی دونوں بخاری اور مسلم میں موجود ہیں۔ بخاری کی اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو اس طرح ہے۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ مِّنْ زَاوِیَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِہٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَہٗ وَیَقُوْلُوْنَ ھَلَّا وُضِعَتْ ھٰذِہِ اللَّبِنَۃُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتِمُ النَّبِیِّیْنَ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور ان نبیوںؑ کی مثال جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں، اس شخص کی مثال ہے۔ جس نے ایک گھر بنایا۔ پس اس نے بہت اچھا بنایا اور خوبصورت بنایا مگر اس کے کونہ سے ایک اینٹ کی جگہ خالی رہی۔ سو لوگ اس کے گرد گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اس پر۔ اور کہنے لگے کیوں یہ اینٹ نہیں لگائی۔ فرمایا میں وہ اینٹ ہوں اور میں نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔

یہاں بھی خاتم النبیین کے لفظ کی وضاحت کر دی کہ آخری اینٹ میں ہوں۔ پس اگر اور کوئی نبی لانا ہوتو

جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زاوئے کی اینٹ پر سے نکال نہ دو گے، وہ نبی نہیں بن سکتا۔ یہ دراصل ایک پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے جو توریت میں ہے کہ ''جس پتھر کو معماروں نے رد کیا تھا۔ وہی کونے کا سرا ہوا۔'' معماروں نے کون سے پتھر کر رد کیا تھا۔ وہ پتھر ہاجرہؓ اور اسمٰعیلؑ تھے۔ جنہیں شام کے ملک سے نکال کر حضرت ابراہیمؑ مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں لے آئے تھے۔ معمار وہی بنی اسرائیل تھے۔ جن میں نبی پر نبی ہوتے تھے اور حضرت اسمٰعیل اُن سے بالکل الگ تھے۔ ان کی اولاد میں اب تک کوئی نبی نہیں ہوا تھا۔ آخر وہی پتھر کونے کا سرا ہوا۔ یعنی انہی کی اولاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی جو قیامت تک چلتی ہے اور اب کوئی شخص اس کونے کی اینٹ کو اکھاڑ نہیں سکتا۔ یہ تین حدیثیں اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیثیں ہیں اور کوئی گنجائش نہیں چھوڑتیں کسی اور کے نبی بننے کی۔ اور اُن سے ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت کے چلنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرَ میں بَعْدِیْ کے معنی

ایسا ہی ترمذی کی ایک حدیث ہے۔ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرَ اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ اس حدیث کے متعلق ''انوار خلافت'' میں میاں صاحب نے بَعْدِیْ کے یہ معنی کئے ہیں کہ اگر میرے فوراً بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمرؓ ہوتا میاں صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ ''ایک مطلب اس حدیث کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوراً ہی آپ کی جماعت کو سنبھالنے کے لئے کسی نبی کی ضرورت ہوتی۔ جس طرح حضرت موسیٰ کے بعد تھی۔ تو حضرت عمرؓ ہی آپ کے بعد نبوت کے مقام پر ترقی پاتے۔ لیکن چونکہ آپ ایک ایسی جماعت تیار کر کے رخصت ہونے والے تھے۔ جو اپنی نیکی اور تقویٰ میں حضرت موسیٰ کی جماعت سے کئی درجہ زیادہ تھی اور مکمل تھی اس لئے آپ کے بعد فوراً کسی نبی کی بعثت کی ضرورت نہ تھی''۔

(انوارِ خلافت صفحہ 77 حاشیہ)

گویا اپنے حسبِ مطلب جہاں جو کچھ معنی مفید سمجھے کر لئے۔ ایک جگہ بَعْدِیْ کے معنی قیامت کے بعد کر لئے اور دوسری جگہ جہاں اس کے خلاف آ کر زد پڑتی تھی ''فوراً بعد'' کے معنی گھڑ لئے!

خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ

پھر نسائی اور ترمذی دونوں میں یہ بھی الفاظ آتے ہیں خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ میرے ساتھ نبیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب ان سب احادیث صحیحہ کے بالمقابل صرف ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَالْاَنْبِیَآءِ اِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ اُمَّھَا تُھُمْ شَتّٰی وَدِیْنُھُمْ وَّاحِدٌ ......وَ لَمْ یَکُنْ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ وَاِنَّہٗ نَازِلٌ الخ ...... ترجمہ۔ نبی علاتی بھائی ہوتے ہیں ان کی مائیں مختلف ہوتی ہیں اور ان کا دین ایک ہے اور میں سب سے زیادہ قریب ہوں عیسیٰ بن مریم سے۔ میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور وہ ضرور نازل ہونے والا ہے۔

اس حدیث کو میاں صاحب نے مسیح موعود کی نبوت پر پیش کیا ہے۔ لیکن میں ایک بات بتاتا ہوں۔ مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا (40:33) میں سب کا اتفاق ہو گیا ہے کہ جسمانی ابوت کی نفی کی ہے اور روحانی ابوت کو قائم کیا ہے۔ لیکن اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیوںؑ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بھائی ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرزندیت کا رشتہ ہے نہ بھائی ہونے کا

اب اگر تو مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرزندیت کے مرتبے پر ہیں۔ تو پھر وہ نبی نہیں ہو سکتے۔ اُن کو نبی بنانے کے لئے پہلے ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرزندیت کے مرتبے سے انہیں الگ کر دو اور اخوت کے مرتبے پر قائم کرو۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہنے کی بجائے بھائی بناؤ۔ تب تو اس حدیث پر ہاتھ پڑ سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ اور حضرت صاحب نے خود اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہا ہے۔ فرمایا:

وَاِنِّیْ وَرِثْتُ الْمَالَ مَالَ مُحَمَّدٍ   فَمَا اَنَا اِلَّا اٰلُہُ الْمُتَخَیَّرُ

اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مال کا وارث بنایا گیا ہوں۔ پس میں اس کی آلِ برگزیدہ ہوں۔جس کو ورثہ پہنچ گئی۔

وَتَزْعَمُ اَنَّ رَسُوْلَنَا سَیِّدَالْوَرٰی عَلٰی زَعْمِ شَانِئِہٖ تُوُفِّیَ اَبْتَرُ

کیا تو گمان کرتا ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو کل کائنات کے سردار ہیں، بےاولاد ہونے کی حالت میں وفات پائی۔جیسا کہ دشمن بدگو کا خیال ہے۔

فَلَا وَالَّذِیْ خَلَقَ السَّمَآءَ لِاَجْلِہٖ لَہٗ مِثْلُنَا وُلْدٌ اِلٰی یَوْمِ یُحْشَرُ

(بحوالہ اعجاز احمدی)

مجھے اس کی قسم جس نے آسمان بنایا کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے میری طرح اور بھی بیٹے ہیں اور قیامت تک ہوں گے۔

مسیح موعود نبی ہوتے تو شرائط بیعت میں عہد ابوّت لیتے نہ عہدِ اخوّت

پھر شرائط بیعت میں لوگوں سے عہد اخوت لیا ہے نہ کہ عہد ابوت۔جس سے معلوم ہوا کہ آپ بھی اپنے آپ کو دیگر امت کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہی گنتے تھے۔اور اس لئے کُلُّ الْمُؤمِنِیْنَ اِخَوَۃٌ کے ماتحت اپنے آپ کو انبیاء کی نہیں بلکہ مومنوں کی اخوت میں شامل کرتے تھے۔

پہلے اصول کا فیصلہ ہونا چاہئے

اب میں حضرت صاحب کی تحریروں کی طرف آتا ہوں۔ یہاں بھی صرف اصول کا ہی فیصلہ کر لینا کافی ہے۔باقی جو کچھ ہوگا سب اصول کے ماتحت ہوگا۔فیصلہ صرف اس قدر کرنا ہے کہ کیا مرزا صاحب نبوت کا دروازہ کھلا مانتے تھے یا بند؟

میاں صاحب مسیح موعود اور دیگر اولیاء اللہ کو کذاب ٹھہراتے ہیں

میاں صاحب تو فرماتے ہیں کہ:

’’اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے۔ اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تو میں اُسے کہوں گا کہ تو جھوٹا ہے۔ کذاب ہے‘‘۔(انوارِ خلافت صفحہ 65)

یہ لفظ کہتے وقت اُن کو کم از کم اتنی ہی عزت مسیح موعود کی کر لینی چاہئے تھی کہ آپ نے بھی یہ فرمایا ہے کہ وَالنَّبُوَّۃُ قَدْ اِنْقَطَعَتْ بَعْدَ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلّٰمَ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو گئی۔ اور نہیں تو کم از کم پندرہ سال تک تو میاں صاحب بھی مانتے ہیں کہ مسیح موعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کے قائل نہ تھے۔ پھر بتلاؤ کہ یہ ’’جھوٹا اور کذاب‘‘ کس کو کہا۔ پھر میاں صاحب کی زد ہم پر ہی نہیں، بلکہ کل امت کے اولیاء پر پڑتی ہے۔ تمام امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ نبی اب کوئی نہیں آ سکتا۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ آیا حضرت صاحب نبوت کے دروازے کو مسدود مانتے ہیں یا کھلا۔ ہم پچھلی تحریروں کو ہی دیکھتے ہیں۔ اسی حقیقت الوحی میں، جس کے ضمیمہ 65-64 کو تمام اگلی اور پچھلی تحریروں کا ناسخ سمجھا جاتا ہے, ایک اصول اور قانون کے رنگ میں آپ فرماتے ہیں۔

وَالنَّبُوَّۃُ قَدْ اِنْقَطَعَتْ بَعْدَ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَاکِتَابَ بَعْدَ الْفُرْقَانِ الَّذِیْ ھُوَ خَیْرُ الصُّحُفِ السَّابِقَۃِ. وَلَاشَرِیْعَۃَ بَعْدَ الشَّرِیْعَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ بید اِنِّیْ سُمِیُّتُ نَبِیًّا عَلٰی لِسَانِ خَیْرِالْبَرِیَّۃِ. وَذٰلِکَ اَمْرٌ ظِلِّیٌّ مِنْ بَرَکَاۃِ الْمُتَابِعَۃِ وَمَا اَرٰی فِیْ نَفْسِیْ خَیْرًا وَ وَجَدْتُ کُلَّمَآ وَجَدْتُ مِنْ ھٰذِہِ النَّفْسِ الْمُقَدَّسِ. وَمَاعَنٰی اللّٰہُ مِنْ نَبُوَّتِیْ اِلَّا کَثْرَۃُ الْمُکَالَمَۃِ وَالْمُخَاطَبَۃِ. وَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی مَنْ اَرَادَ فَوْقَ ذٰلِکَ...... وَاِنَّ رَسُوْلَنَا خَاتَمُ النّبِیّنَ عَلَیْہِ اِنْقَطَعَتْ سِلْسِلَۃُ الْمُرْسِلِیْنَ فَلَیْسَ حَقُّ اَحَدٍ اَنْ یَدعّی النَّبُوَّۃَ بَعْدَرَسُوْلِنَا الْمُصْطَفٰی عَلَی الْطَرِیْقَ الْمُسْتَقِلَّۃِ وَمَا بَقِیَ بَعْدُہٗ اِلَّا کَثْرَۃُ الْمُکَالَمَۃِ وَھُوَ بِشَرْطِ الْاِتْبَاعِ لَا بِغَیْرِ مُتَابعَۃِ خَیر الْبَرِیَّۃِ ...... وَسُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَاعَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ ۔

ترجمہ: اور نبوت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہوگئی اور قرآن کریم کے بعد جو سب صحیفوں سے بہتر ہے نہ کوئی کتاب آسکتی ہے اور نہ کوئی شریعت شریعت محمدیہ کے بعد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر میرا نام نبی رکھا گیا۔ اور یہ آپ کی متابعت کی برکات میں سے ایک ظلی امر ہے اور میں اپنے اندر کوئی بھلائی نہیں دیکھتا۔ میں نے جو کچھ پایا اسی نفس مقدسہ سے پایا۔ اور اللہ تعالیٰ کی میری نبوت سے سوائے مکالمہ اور مخاطبہ کے اور کچھ مراد نہیں۔ اور اللہ کی لعنت ہو اس پر جو اس سے زیادہ کسی چیز کا ارادہ کرے.................. اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ پر مرسلوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اور کسی کا حق نہیں کہ ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل نبوت کا دعویٰ کرے اور آپ کے بعد کثرت مکالمہ کے سوائے اور کچھ بھی باقی نہیں۔ اور اس کے پانے کے لئے اتباع شرط ہے۔ بغیر متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ اصل نہیں ہوسکتا۔ اور میرا نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی رکھا گیا بطور مجاز کے نہ حقیقی طور پر۔

نبوت اور کثرتِ مکالمہ ایک نہیں

یہاں صاف لفظوں میں فرمایا کہ نبوت منقطع ہوگئی۔ صرف کثرت مکالمہ مخاطبہ باقی ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ نبوت اور کثرت مکالمہ دو الگ الگ چیزیں ہیں پھر فرمایا مَابَقِیَ بَعْدُهٗ اِلَّا كَثْرَةُ الْمُكَالَمَةِ معلوم ہوا نبوت باقی نہیں کثرت مکالمہ باقی ہے۔ یہ بعینہٖ اس کی مثال ہے جیسے حدیثوں کے اندر ہے لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ نبوت میں سے سوائے مبشرات کے کچھ باقی نہیں رہا۔ میاں صاحب کہتے ہیں کہ مبشرات سے مراد عین نبوت ہے۔ بہت اچھا۔ تو حدیث یوں ہوئی لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا عَيْنُ النَّبُوَّةِ نبوت میں سے کچھ باقی رہا مگر عین نبوت۔ کیا یہ کسی دانا اور سمجھدار کا کلام ہوسکتا ہے۔ اور اس لئے کیا مناسب ہے کہ ایسے لچر معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کئے جائیں؟

''الوصیّت'' کا حوالہ کہ نبوتِ محمدیہؐ پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے

پھر الوصیّت میں حضرت صاحب صاف لفظوں میں فرماتے ہیں کہ:

''تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی۔ کیونکہ نبوتِ محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے۔ اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں، اس کے اندر ہیں۔ نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں۔ اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے۔ لیکن یہ نبوتِ محمدؐیہ اپنی ذاتی فیض رسانی سے قاصر نہیں بلکہ سب نبوتوں سے زیادہ اس میں فیض ہے۔ اس نبوت کی پیروی خدا تک بہت سہل طریق سے پہنچا دیتی ہے۔ اور اس کی پیروی سے خدا تعالیٰ کی محبت اور ان کے مکالمہ مخاطبہ کا اس سے بڑھ کر انعام مل سکتا ہے جو پہلے ملتا تھا۔ مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ نبوت کاملہ تامہ محمدؐیہ کی اس میں ہتک ہے۔ ہاں امتی اور نبی دونوں لفظ اجتماعی حالت میں اس پر صادق آسکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں نبوت تامہ کاملہ محمدؐیہ کی ہتک نہیں۔''

یہاں بھی نبوت محمدؐیہ پر تمام نبوتوں کا خاتمہ مانا ہے اور اس کے کامل پیرو پر صرف نبی کا لفظ بولا جانا نبوت کاملہ تامہ محمدؐیہ کی ہتک قرار دی ہے۔ گویا بالفاظ دیگر اپنی نبوت کو کاملہ وتامہ نہیں مانا۔

آنحضرتؐ کی توجہ روحانی کے نبی تراش ہونے کا مطلب

میں وہ لفظ بھی یہاں پڑھ دیتا ہوں جن کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ روحانی سے کوئی شخص نبی بن جاتا ہے۔ وہ لفظ حقیقۃ الوحی صفحہ 97 پر لکھے ہیں۔ جو یہ ہیں:

''اللہ جلشانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔

یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔''

اب ان الفاظ کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ روحانی کو چونکہ نبی تراش کہا گیا ہے اس لئے آپ کی پیروی سے نبوت ملتی ہے۔ لیکن کس قسم کی نبوت؟ آگے ان لفظوں کے ساتھ ہی فرمایا کہ:

''یہی معنی اس حدیث کے ہیں کہ عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ یعنی میری امت کے علما بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے۔''

یہ ہے توجہ روحانی اور یہ ہے نبی تراش ہونا۔ یہی مذہب مرزا صاحب کا تھا کہ نبوت ختم ہو چکی لیکن افاضہ کمال رہے گا۔ وہی لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وہی لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ اور مرزا صاحب کا قول بھی یہی کہ آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ لیکن کس قسم کے نبی بنتے ہیں۔ ویسے ہی جیسے حدیث میں آیا ہے عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ۔ کس قدر صاف لفظوں میں اپنی نبوت کا فیصلہ کیا ہے۔ نبوت کے دروازہ کو کھلا نہیں مانا، بلکہ اسے بند ہی تسلیم کیا ہے۔

''مواہب الرحمٰن'' کا حوالہ کہ قرآن نے حاجت شریعت کو پورا کر دیا۔ اس لئے کسی نبی کی ضرورت نہیں

پھر ''مواہب الرحمٰن'' میں اس دروازہ نبوت کے بند ہونے اور اولیاء اللہ کے نبی نہ ہونے کی ایک وجہ لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

''وخدارا مکالمات ومخاطبات است باولیائے خود درین امت وایشاں را رنگ انبیاء دادہ میشود۔ ایشاں درحقیقت انبیاء نیستند زیرا کہ قرآن حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است ودادہ نے شوند مگر فہم قرآن۔ ونہ زیادہ میکنند ونہ کم مے کنند از قرآن''۔ ص66-67

(اور اس امّت میں خدا تعالٰی کے اولیاء سے مکالمہ مخاطبہ جاری ہے۔ ان اولیاء کو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے اور وہ حقیقت میں نبی نہیں ہوتے۔ قرآن نے شریعت کی حاجت کو کامل

طور پر پورا کر دیا ہے۔ان اولیاء کو سوائے فہمِ قرآن کے کچھ نہیں دیا جاتا۔ نہ وہ اس میں زیادہ کرتے ہیں اور نہ اس میں سے کم)۔

یہاں ایک بات بتائی ہے، کیوں نبی نہیں ہو سکتے۔اس لئے نہیں کہ جیسے میاں صاحب کہتے ہیں۔کمال اتباع نہیں کی بلکہ اس لئے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال تک پہنچا دیا۔اب جس طرح سے اور اولیاء اللہ کے نبی نہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ قرآن نے حاجتِ شریعت کو کمال تک پہنچا دیا۔اس لئے اب کسی نبی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ویسے ہی یہی بات خود مرزا صاحب کے نبی نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔اب یا تو مرزا صاحب کو بھی ان اولیاء اللہ میں ہی شامل کر کے اسی دلیل کے ماتحت غیر نبی تسلیم کرو اور یا یوں کہہ دو کہ قرآن نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ جو فرمایا تو یہ غلط ہے۔اور پھر حضرت صاحب کا اس کو دوسرے اولیاء اللہ کے نبی نہ ہونے کی دلیل گردانبا بھی غلط ٹھہرتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی بعثت ثانی کے متعلق امت کا مذہب

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تمام امت اس پر اتفاق رکھتی ہے کہ حضرت عیسیٰ جو آئیں گے تو نبی ہوں گے۔ اول تو کسی نے اگر پہلے لوگوں میں سے ایسا خیال ظاہر کیا ہو۔تو یہ ایک پیشگوئی کے متعلق اُن کا خیال ہے۔جس کا وقوع جب تک نہ ہو جائے اصل حقیقت کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ پیشگوئی کبھی کسی اصول کو توڑ نہیں سکتی۔اور پھر امت میں جو لوگ صاحب تحقیق ہوئے ہیں، انہوں نے مانا ہے کہ وہ جب آئیں گے تو نبی ہو کر نہیں آئیں گے۔ بلکہ اس وقت امتی ہوں گے۔اُن کی طرف وحی کوئی نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ خلیفہ کے طور پر کام کریں گے۔اور پھر یہ بھی مانا ہے کہ مسائل کو اجتہاد سے بتائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سیکھیں گے، اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔امت میں ایسے لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے کشف کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کئے ہیں۔حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ایک رات میری سترہ دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی اور آپ سے مسائل پوچھے۔ یہ مذہب امت محمدؐیہ کا کبھی نہیں گذرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی بھی آ سکتا ہے۔ یہ تو سب نے مانا ہے کہ اصلی نبوت چھین نہیں لی جائے گی۔لیکن یہ بھی ساتھ ہی کہتے ہیں کہ وہ عالم و مجتہد کے رنگ میں ہوں گے۔تو قرآن سے، حدیث سے، حضرت مسیح موعود سے اور تمام

امت کے اجماع سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت خاتم النبیین کے معنی یہ نہیں کہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ بلکہ اس کے صحیح اور سچے معنی یہی ہیں کہ نبوت کا دروازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بند ہے۔ اور اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

17 جنوری 1917ء

حضرت امیر سے ایک حوالہ کی دریافت اور اس کا جواب

الفضل اور فاروق میں دوتین دفعہ ان الفاظ کا حوالہ پوچھا گیا ہے جو حضرت امیر نے اپنے ایک مضمون مندرجہ پیغام صلح مورخہ 27 ستمبر 1916ء میں لکھے تھے کہ:

''حضرت صاحب تو فرماتے ہیں کہ جبکہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم شکم آمنہ عفیفہ میں تھے۔ تب فرشتے نے ظاہر ہوکر کہا کہ اے آمنہ تو بیٹا جنے گی۔اس کا نام احمد رکھنا۔''

میاں اکمل کے اس مطالبہ کا جواب دینے سے ہمیں انکار نہیں۔لیکن اس وقت تک ہم اس جواب کو ملتوی رکھنا چاہتے ہیں جب تک کہ میاں صاحب ہمارے اس رجسٹرڈ خط کا جواب نہ دے دیں۔جس میں ہم نے میاں شمس الدین صاحب تاجرِ چرم لاہور کے متعلق، جنہوں نے میاں صاحب کے صریح حکم کے خلاف غیر احمدی کولڑکی دی ہے، یہ دریافت کیا تھا کہ کیوں انہیں ابھی تک حسب ادعائے خود جماعت سے خارج نہیں کیا گیا۔ کیوں پانچ سو روپیہ کی رقم لے کر میاں صاحب نے منہ میں گھنگھنیاں ڈال لیں۔میاں اکمل کو چاہئے کہ پہلے وہ اپنے پیر سے ہمارے مطالبہ کا جواب شائع کرائے۔نہیں۔ بلکہ میاں شمس الدین صاحب کو میاں صاحب کے حلقۂ بیعت سے خارج کرائے اور پھر وہ حضرت امیر سے بھی مذکورہ بالا کا حوالہ طلب کرسکتا ہے۔کیا وہ ایسا کرے گا؟

☆

حضرت مولینا نورالدین صاحب پر میاں صاحب کا حملہ

اپنی سالانہ جلسہ کی تقریر میں میاں صاحب اپنی اس بے نظیر محبت کا ادعاء کرتے ہوئے جس نے کہ ان کی جماعت کو ہلاکت وتباہی کے گڑھے تک پہنچا دیا ہے۔فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مسیح موعود کا زمانہ گزر گیا جو ایک بے مثل زمانہ تھا۔ اور ہم اس کی تلافی نہیں کر سکتے۔ حضرت مولوی صاحب کا میں ذکر نہیں کرتا کہ وہ میرے استاد اور جائے ادب تھے۔ لیکن میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تمہیں مجھ جیسا انسان بھی نہیں ملے گا۔ جو تم سے اس قدر محبت رکھتا ہو۔''

اس سے تو ہمیں بھی انکار نہیں کہ میاں صاحب جیسا انسان، جس نے جماعت کو محبت کے چاہ میں غرق کر دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، تمام دنیا میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتا۔ لیکن حضرت مسیح موعود کے بے مثل زمانہ کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب کے متعلق میاں صاحب کا یہ کہنا کہ ''حضرت مولوی صاحب کا میں ذکر نہیں کرتا کہ وہ میرے استاد اور جائے ادب تھے۔'' کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا ان الفاظ میں میاں صاحب نے صریحاً حضرت مولٰینا نورالدین صاحب پر حملہ نہیں کیا۔ کیونکہ میاں صاحب کے نزدیک اگر ان کا ذکر کریں تو ادب نہیں رہتا۔ یہ ہیں ان لوگوں کے خیالات اس پاک انسان کے متعلق، جو کہ مسیح موعود کا سب سے پہلا صحابی اور ان دو فرشتوں میں سے ایک تھا، جن کے کندھوں پر آپ کا نزول ہوا۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ پہلے مرید (مولوی سرور شاہ صاحب) نے آپ کو پطرس بنایا تھا۔ اب شاگرد رشید نے بھی آپ پر زد مارنے سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔!

☆

آخری نبی کے بعد ایک اور نبی

قادیان میں جلسہ سالانہ پر امسال جو ریزولیوشن پاس ہوئے ان میں ایک وہ بھی تھا جس میں جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے ان الفاظ کو ''دھوکا دینے والے'' ظاہر کیا گیا۔ جن میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ ماننے کا فاسد اعتقاد محمودیوں کی طرف منسوب کیا تھا۔ اس فرضی دھوکا کو جس طرز سے دور کیا گیا وہ خود اس ریزولیوشن کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ جو یہ ہیں کہ:

''جماعت احمدیہ قادیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور آخری نبی تسلیم کرتی ہے۔ اور قرآن کریم کو آخری کتاب تسلیم کرتی ہے۔ ہاں اس کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق کہ آنے والا مسیح نبی ہوگا، حضرت مرزا صاحب جو مسیح موعود تھے نبی تھے۔''

اب اس منطق کو کون سمجھے۔ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی کہنا اور دوسری طرف آپ کے بعد ایک نبی کے آنے کا اعتقاد رکھنا۔ یہ متضاد باتیں محمودیوں کے دماغ میں تو سما سکتی ہیں لیکن کوئی صحیح العقل انسان ان کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ آگے چل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شرعی نبی کے نہ آنے کا ذکر کیا ہے۔ لیکن کھلے الفاظ میں یہ کیوں نہیں کہہ دیا جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف صاحب شریعت نبیوں کے خاتم ہیں، نہ کہ غیر صاحب شریعت کے۔ اور لطف یہ کہ صاحب شریعت بھی آپ سے پہلے صرف ایک حضرت موسیٰ ہی ہوئے ہیں۔ پس اس لحاظ سے آپ کو خاتم النبیین نہیں، بلکہ صرف خاتم النبی کہنا چاہئے!

24 جنوری 1917ء

ادارتی نوٹ

حدیث مجدّد اور مولوی ظفر علی خاں

بالآخر مولوی ظفر علی خان صاحب نے صاف اور کھلے طور پر اس مہتم بالشان حدیث کو، جو کہ امتِ محمدیہ میں بعثتِ مجدد دین کا وعدہ دلاتی ہے، اور جس کی صحت پر تمام امت کا اجتماع ہے، موضوع ٹھہرا کر ان ماموران الٰہی کی صداقت کو بھی مخدوش کر دیا۔ جنہوں نے بحکم الٰہی ہر صدی کے سر پر مجدد ہونے کا دعویٰ کر کے اس حدیث کی صحت پر شہادت دی ہے۔ چنانچہ 16 جنوری 1916 ء کے ''ستارہ صبح'' میں انہوں نے ایک طویل مضمون میں صاف اور کھلے الفاظ میں نہ صرف اس حدیث کو ہی موضوع قرار دیا ہے۔ بلکہ ان بزرگان کرام اور اولیاء عظام پر بھی تک بندی کا فتویٰ دیا ہے۔ جنہوں نے اس کی بنا پر بعض بزرگان امت کو مجدد تسلیم کیا۔ ابو داؤدؒ، حاکمؒ، بیہقیؒ، امام جلالؒ الدین سیوطی اور امام احمد بن حنبلؒ ...... کا نام لے کر انہوں نے کھلے الفاظ میں لکھا ہے کہ انہوں نے جو کچھ اس حدیث سے استنباط کیا، جس بزرگ کو کسی صدی کا مجدد سمجھا یا تسلیم کیا وہ محض تک بندی تھی۔ ہم نہیں جانتے کہ مولوی صاحب کو ایسے ایسے عظیم الشان بزرگوں کے متعلق اس قدر بے باکانہ کلمات لکھنے کی جرأت کیونکر ہوئی۔ بالخصوص جبکہ نرا ان بزرگوں کا خیال و استنباط ہی نہیں، بلکہ مختلف اولیائے کرامؒ کے اپنے دعاوی موجود ہیں جو انہوں نے بر بنا الہام الٰہی اپنے مجدد ہونے کے متعلق کئے۔ کیا کہو گے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو جنہوں نے اپنی مہتم بالشان کتاب ''تفہیمات الٰہیہ'' میں کھلے الفاظ میں لکھا ہے۔ جن کا اردو ترجمہ ہے کہ:

> ''جب دورہ حکمت کا انتہا تک پہنچ چکا تو اللہ تعالیٰ نے خلعت مجددیت سے سرفراز فرمایا اور جب حقانیت کا خلعت مجھے پہنایا گیا اور ہر نظری و فکری علم مجھ سے زائل کر دیئے گئے۔ تو میں بادیہ حیرت میں سرگردان رہا کہ میں کیونکر مجددیت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں گا۔ اتنے میں اللہ جل جلالہ نے میرے لئے ایک طریقہ ایسا واضح کیا کہ جس سے مجددیت وحقانیت کو باہم پیوست کر دیا گیا۔ جس میں نہ علم نظری کی ضرورت رہی اور نہ علم فکری کی

حاجت اور اس وقت تک مجھے مجددیت کی تفصیل سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ پھر اس نے اپنے فضل سے اس کا اجمال مجھ پر کھول دیا اور مجھے یہ علم عطا کیا گیا ہے کہ جس کے رو سے میں مسائل مختلفہ کو باہم تطبیق دے سکوں اور باہم جوڑ سکوں۔ اور مجھے اس بات کی بھی تعلیم دی گئی کہ خبردار شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا تحریف ہے اور تصفیہ مقدمات میں رائے دینا کرامت اور بزرگی میں داخل ہے۔''

اس میں صاف طور پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجدد بنایا جانا تحریر فرمایا ہے۔ جس کو مولوی ظفر علی خان صاحب تُک بندی قرار دیتے ہیں۔ گویا بالفاظ دیگر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا یہ لکھنا جھوٹ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مجدد بنایا۔ یا شاید مولوی ظفر علی خاں صاحب کے اعتقاد میں اللہ تعالیٰ نے بھی تک بندی سے ہی کام لے کر انہیں مجدد ٹھہرا دیا ہو۔ لیکن پھر ایک شاہ ولیؒ اللہ نہیں، دیگر بزرگان دین کا بھی یہی حال ہے۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ بہتر ہو کہ مولوی ظفر علی خان صاحب پہلے حضرت مجدد الف ثانیؒ پر جو اپنے مکتوبات کی جلد ثانی صفحہ 1 پر مکتوب چہارم کے اندر فرماتے ہیں:

''وبدانند برسر ہر مائۃ مجددے گزشتہ است اما مجدد مائۃ دیگر است و مجدد الف دیگر۔ چنانچہ درمیان مائۃ والف فرق است ومجددیں اینہا نیز ہماں قدر فرق است بلکہ زیادہ ازاں ومجدد آں است کہ ہرچندوراں مدت از فیوض بامتاں برسد بتوسط او برسد اگرچہ اقطاب اوتادِ آں وقت بوند وبُدُ لا ونجا باشند۔''

(جاننا چاہئے۔ کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدّد گذرا ہے۔ لیکن سو سال کا مجدّد اور ہے اور ہزار سال کا مجدّد اور۔ جس قدر سو اور ہزار کے درمیان فرق ہے۔ اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ دونوں مجدّدوں کے درمیان فرق ہے۔ اور مجدّد وہ ہوتا ہے کہ جو فیض اُس مدّت میں اُمتوں کو پہنچنا ہوتا ہے۔ اُسی کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ خواہ اُس وقت کے اقطاب واوتاد ہوں اور خواہ ابدال ونجبا)۔

ایسا ہی حضرت سید احمد بریلویؒ اور دیگر تمام ان اولیائے کرامؒ پر، جنہوں نے خود اللہ تعالیٰ سے الہام پا

کرمجددیت کے دعوے کئے، کھلے الفاظ میں فتویٰ صادر کریں کہ وہ انہیں کس ذیل میں لاتے ہیں۔ تنگ بندی کا فتویٰ تو خیر دے ہی دیا ہے۔ لیکن یہ بھی بتادیں کہ خود ایسا دعویٰ کرنا اور اسے الہام الٰہی کے مطابق بتانا۔ بحالانکہ یہ محض تنگ بندی ہو، یہ کیونکر جائز ہے اور کس فتویٰ کا مستحق؟ ہمیں نہیں امید کہ وہ شخص، جسے کبھی اتنی بھی جرأت نہ تھی کہ کسی حق مسئلہ کو، جو عامہ خیال کے مخالف ہو، برسرجلسہ بیان کرنے کے بعد اور بقول خود ''بلاخوف تردید'' بیان کرنے کے بعد اس پر استقلال سے قائم نہ رہ سکے (جیسا کہ مولوی ظفر علی خان صاحب نے 1911ء میں معراج نبویؐ کو اسلامیہ کالج گراؤنڈ میں ایک جلسہ کے اندر روحانی کہہ کر پھر مولویوں کے فتوے کفر سے ڈر کر ایک جلسہ میں اپنے اس اعتقاد سے توبہ کی) وہ جمہور مسلمین کے مسلمہ بزرگان دین پر یوں بے باکانہ فتوے عائد کر سکے یا عائد کرنے کے بعد عام اسلامی جذبات کے جائز طور پر جوش میں آنے پر اس مضبوطی سے قائم رہ سکے۔ مولوی صاحب آخر وہی تو ہیں جنہوں نے انجمن حمایت اسلام کے ایک عام جلسہ میں حبیبیہ ہال میں کھڑے ہو کر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی ایک نظم کی تعریف کرتے ہوئے قرآن کریم کی عزت ورفعت پر یہ کہہ کر ہاتھ ڈال دیا تھا کہ قرآن کریم اردو نظم میں اگر ہوتا تو وہ یہی ڈاکٹر اقبال کی ہی نظم ہوتی۔ پھر اب اگر وہ مجددین امت پر بھی تنگ بندیوں کے علاوہ کوئی اور صاف وصریح فتوے بھی دے دیں جو ان کا اعتقاد چاہتا ہے کہ ان پر دیا جائے۔ تو یہ ان سے کوئی بعید بات نہیں۔ لیکن تاہم ان کے مذہب اور اصل اعتقادات کو الم نشرح کرنے اور عامہ مسلمین کو مغالطہ میں نہ رکھنے کے لئے ہم چاہتے ہیں کہ ان کے مضمون کا شرح وبسط سے جواب دینے سے پہلے ان سے یہ بھی پوچھ لیا جائے۔ آپ ہی کے اعتقاد کے مطابق حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور اور ایسے ہی بزرگ، جنہوں نے الہام الٰہی سے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا، کیا ہوئے؟ کیا مولوی صاحب جواب دیں گے؟

24 جنوری 1917ء

مراسلات

اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی

مکرمی ایڈیٹر صاحب العصر۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

قادیان میں جو ریزولیوشن سالانہ جلسہ کے موقعہ پر پاس کئے گئے ہیں۔ اور جو اخبار میں بھی شائع کر دیے گئے ہیں، افسوس ہے کہ ان میں صفائی سے کام نہیں لیا گیا۔ اور احمدیہ انجمنِ اشاعتِ اسلام پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اس کے سیکریٹری نے اخباروں میں یہ غلط اطلاع دی ہے کہ سلسلہ احمدیہ کا قادیانی فریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتا اور دنیا کے سارے مسلمانوں کو سوائے احمدیوں کے کافر جانتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ میاں محمود صاحب کی صریح تحریروں کے مقابل ان ریزولیوشنوں کو کس قسم کی کارروائی سمجھنا چاہئے۔ اور کیا اس کی غرض سوائے پبلک کو مغالطہ دینے کے اور کچھ ہو سکتی ہے!

ریزولیوشن میں یقین دلایا گیا ہے کہ:

> ''جماعت احمدیہ قادیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور آخری نبی تسلیم کرتی ہے اور قرآن کریم کو آخری کتاب تسلیم کرتی ہے۔ ہاں! اس کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کہ آنے والا مسیح نبی ہوگا۔ حضرت مرزا صاحب جو مسیح موعود تھے۔ نبی تھے۔''

اول تو یہ خود بے معنی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی بھی ہیں اور آپ کے بعد بھی ایک نبی ہے۔ اگر آپ آخری نبی ہیں تو آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور اگر آپ کے بعد کوئی نبی ہے تو آپ آخری نبی نہیں۔ پھر اس کو امت کا اجماعی عقیدہ کہنا بھی غلط ہے۔ یہ ایک پیشگوئی تھی اور خود بانی سلسلہ احمدیہ نے جو اس کی تشریح کی ہے وہ درج ذیل ہے۔

''ہاں یہ بھی سچ ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی کر کے بھی بیان کیا گیا ہے۔مگر اس کو امتی کر کے بھی تو بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ خبر دی گئی ہے کہ اے امتی لوگو! وہ تم میں سے ہوگا......اب ان تمام اشارات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعی اور حقیقی طور پر نبوتِ تامہ کی صفت سے متصف نہیں ہوگا۔ ہاں نبوت ناقصہ اس میں پائی جائے گی۔ جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے اور نبوتِ تامہ کی شانوں میں سے ایک شان اپنے اندر رکھتی ہے۔''
(ازالہ اوہام 532-533)

اور اگر یہ درست ہے کہ باوجود آنحضرت کے آخری نبی ہونے کے ایک نبی آپ کے بعد آ سکتا ہے۔تو جماعت احمدیہ قادیان کا یہ عقیدہ کہ وہ ''قرآن کریم کو آخری کتاب تسلیم کرتی ہے۔'' اس کے ہم معنی ہوگا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''آخری نبی'' تسلیم کرتی ہے۔اور جس طرح آخری نبی کے بعد ایک نبی آ گیا، آخری کتاب کے بعد ایک کتاب کیوں نہیں آ سکتی۔مگر سب سے حیرت انگیز یہ امر ہے کہ اس ریزولیوشن میں تو اس قدر زور دیا گیا ہے کہ جماعت احمدیہ قادیان محض اجماعی عقیدہ کی وجہ سے ایک مسیح موعود کا نبی ہونا مانتی ہے۔لیکن فی الواقع یہ سچ نہیں۔ بلکہ اصل میں یہ جماعت باب نبوت کو کھلا مانتی ہے اور ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کا آخری نبی نہیں مانتی۔ان کے لیڈر میاں محمود احمد صاحب اپنی کتاب ''انوارِ خلافت'' میں صاف الفاظ میں لکھتے ہیں:

☆''ورنہ ایک نبی کیا میں تو کہتا ہوں ہزاروں نبی ہوں گے۔'' صفحہ 62

☆''وہ تو حضرت مسیح موعود کی نبوت کے متعلق لکھتے ہیں۔لیکن میں کہتا ہوں کہ اب بھی نبی بن سکتا ہے۔'' صفحہ 62

☆''اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے۔اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔تو میں اسے کہوں گا تو جھوٹا ہے، کذاب ہے۔آپ کے بعد نبی آ سکتے ہیں اور ضرور آ سکتے ہیں۔'' صفحہ 65

پھر نواب محمد علی خان کا ایسا ریزولیوشن پیش کر کے مسلمان پبلک کو دھوکہ دینا نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی طرح تکفیر مسلمانان کے مسئلہ میں ریزولیوشن میں یہ لکھا؟

''ہم مرزا یعقوب بیگ صاحب کے اس الزام کی بھی تردید کرتے ہیں کہ ہم دنیا کے سب مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے امام کی تعلیم ہے۔ ہم کسی ایک مسلمان کو بھی کافر نہیں کہتے۔''

مگر میاں محمود احمد صاحب فرماتے ہیں۔

☆''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں'' (انوار خلافت صفحہ 90)

☆''اگر یہ کہا جائے کہ کسی ایسی جگہ تبلیغ نہیں پہنچی۔ کوئی مرا ہوا ہو اور اس کے مر چکنے کے بعد کوئی احمدی پہنچے۔ تو وہ جنازہ کے متعلق کیا کرے۔ اس کے متعلق یہ ہے کہ ہم تو ظاہر پر ہی نظر رکھتے ہیں۔ چونکہ وہ ایسی حالت میں مرا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نبی اور رسول کی پہچان اسے نصیب نہیں ہوئی۔ اس لئے ہم اُس کا جنازہ نہیں پڑھیں گے۔ (الفضل مورخہ 6 مئی 1915ء)

☆''پس نہ صرف اس کو، جو آپ کو کافر تو نہیں کہتا مگر آپ کے دعویٰ کو نہیں مانتا، کافر قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ وہ بھی، جو آپ کو دل سے سچا قرار دیتا ہے اور زبانی آپ کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن ابھی بیعت میں اسے کچھ توقف ہے، کافر قرار دیا گیا ہے۔'' (تشحیذ الاذھان۔ اپریل 1911ء صفحہ 241)

☆''جن پر تبلیغ نہیں ہوئی (یعنی مسیح موعود کے دعویٰ کی) ہم نہیں جانتے کہ تبلیغ ان کو ہو چکی ہے یا نہیں۔ چونکہ شریعت کی بنا ظاہر پر ہے۔ ہم ان کو کافر کہیں گے۔ (تشحیذ الاذھان اپریل 1911ء صفحہ 139)

کیا اس قدر تصریحی حوالہ جات کے بعد بھی کسی کو شک رہ سکتا ہے کہ جماعت احمدیہ کا قادیانی گروہ دنیا کے سارے مسلمانوں کو کافر سمجھتا ہے! گھر کے اندر تو یہ عقیدہ اور باہر لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہم کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے۔ اس طرح پبلک کو مغالطہ دینے کا کیا فائدہ۔ اور اگر سچ مچ میاں صاحب سارے مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہزاروں نبیوں کا آنا نہیں مانتے تو اپنی قلم سے وہ کیوں چار سطریں شائع نہیں کر دیتے کہ میں نے ان سابقہ تحریروں سے، جن میں باب نبوت کو کھلا قرار دیا تھا اور مسلمانوں کو کافر قرار دیا تھا، توبہ کر لی ہے۔ میاں صاحب کا تو یہاں تک عقیدہ ہے کہ اب **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کو پڑھ کر کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ساتھ مسیح موعود کی نبوت کا اقرار ضروری ہے۔ گویا عملاً کلمہ ان کے نزدیک منسوخ ہے۔

والسلام

محمد علی

❁❁❁

مذہبی تعلیم

مذہب کی طرف الحمدللہ مسلمان آہستہ آہستہ کچھ متوجہ ہو رہے ہیں۔ حال ہی میں برما ایجوکیشنل کانفرنس کی تقریرِ صدارت میں اس موضوع پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے اور بتایا گیا کہ صنعتی اور حرفتی تعلیم کا تو ذکر کیا۔ مذہب جو ہم مسلمانوں کی قوم میں داخل ہے اور جس کے بغیر ہماری قومیت کا شیرازہ کبھی مجتمع نہیں ہو سکتا، اس کی تعلیم کا مکمل انتظام نہیں۔ اس کا مجھے خود اعتراف ہے کہ سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم کا انتظام گورنمنٹ کے فرائض میں داخل نہیں۔ لیکن مسلمانانِ برما بجائے خود اس سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

ہم کو چاہئے کہ اپنے اپنے مدارس میں مذہبی تعلیم کا پروگرام اس طرح تیار کریں کہ آئندہ چل کر یہی تعلیم مذہب کے بنیادی پتھر کا کام دے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ موجودہ مذہبی تعلیم ہمارے مدارس میں بالکل غیر مکتفی ہے۔ مذہبی تعلیم کا اثر جو کچھ اخلاق پر پڑتا ہے، میرے خیال میں آپ حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس بنا پر اگر آپ صاحبان کو ایک خالص عربی مدرسہ کا احساس کراؤں تو غالباً یہ کوئی غیر موزوں بات نہ ہوگی۔ پھر جیسا کہا گیا مذہب ہی ہماری کل کائنات ہے۔ تو اس صورت میں عربی مدارس کا نہ ہونا کیسی عبرت انگیز مثال ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ حضرات جو قدیم تعلیم سے شغفِ کُلّی رکھتے ہیں نیز جو جدید تعلیم کے دلدادہ ہیں، دونوں اس پر متفق ہو سکتے ہیں۔ باقی امور مثلاً نصاب تعلیم اور نظام تعلیم۔ اس کے لئے بہترین تدبیر یہی ہے کہ ہر دو فریق کے سربرآوردہ اشخاص متفقہ طور پر آپس میں افہام و تفہیم کر لیں۔

اگر مذہبی تعلیم سے آئندہ بھی ایسی ہی غفلت برتی گئی تو یاد رکھنا چاہئے کہ ہر وہ قدم، جو ترقی کے لئے اٹھایا جاوے گا، درحقیقت پیچھے پڑے گا۔ کیا مسلمانانِ پنجاب بھی اس ضروری پہلو کی طرف کبھی متوجہ ہوں گے؟

4 مارچ 1917ء

منظوم کلام

(مولوی عبدالمجید صاحب بسمل پلیڈر لائلپور نے جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لائلپور میں پڑھی)

حمدِ باری کے لئے چاہیئے، سامان بھی ہو — لمعہ علم بھی ہو۔ جلوۂ عرفان بھی ہو
بے اطاعت نہیں ممکن، کہ ہو بندہ بندہ — بندگی تب ہے، کہ فرمان کا اذعان بھی ہو
معصیت اپنی دکھاتی ہے ہمیں روز آنکھیں — اس طرف دیدۂ عبرت کا مگر دھیان بھی ہو
کسی تکلیف کا شاکی نہ ہو کوئی مسلم — ہر مسلمان اگر عاملِ قرآں بھی ہو
شاذ آتا ہے نظر اب زپئے قحط رجال — کوئی عالم بھی ہو، اور حافظ قرآن بھی ہو
چار چاند اور بھی اخلاص کو اپنے لگ جائیں — شاملِ حال اگر رحمتِ رحمان بھی ہو
معصیت کی جو معیت ہو تو کیا عزت ہے — قصرِ کسریٰ بھی ہو، جمشید کا ایوان بھی ہو
لطف و احسان تیرے ہم پر ہوں نہ کیوں ہر آن — جبکہ حنان بھی ہو، اور تو منان بھی ہو
ساجدیں چاہیئے کثرت سے ہوں ہر سجدے میں — ابرو و چشم و جبیں ہو، صفِ مژگان بھی ہو
اہلِ اسلام میں پہلی سی کوئی شان بھی ہو — وہ حمیت ہو، وہ غیرت ہو، وہ کچھ آن بھی ہو
ایک نعمت کا بھی شکر اس کی محالات سے ہے — گر چہ انساں کا نثار اس پہ دل و جان بھی ہو
کم سے کم چار ہی چیزیں ہوں پئے نذر وہاں — دل بھی ہو، آنکھ بھی ہو جسم بھی ہو، جان بھی ہو

عفو تقصیر پہ مالک تو ہے مائل ہر آں   گردہ خویش سے انسان پشیماں بھی ہو
حیف اس پر ہے، اگر وہ نہ ہو پابند صلوٰۃ   وقت تو لید سنی جس نے کہ آذان بھی ہو
عرصہ دہر میں انسان بھی ہو، حیوان بھی ہو   حکمتِ حق ہے کہ دانا بھی ہو، نادان بھی ہو
اس کے ہی در کا ہے محتاج غنی سے بھی غنی   کوئی خاقان بھی ہو یا کوئی سلطان بھی ہو
تو ہی رازق ہے یہ مرزوق ہیں تیرے ہی تمام   ملخ و مور ہو، جن ہو کہ سلیمان بھی ہو
باریابی اسے حاصل ہو، جو اخلاص سے آئے   یہ وہ درگاہ نہیں، جس پہ کوئی دربان بھی ہو
دین اکمل جسے کہہ سکتے ہیں، وہ ہے اسلام   نیک و بد کی، مگر اغیار کو پہچان بھی ہو
وہ نبی تو نے عطا ہم کو کیا ہے مولیٰ   اس کی امت ہو، گر اب موسیٰ عمران بھی ہو
جس کے اصحاب میں صدیقؓ ہو فاروقؓ بھی ہو   اسد اللہؓ بھی ہو۔ جامعِ فرقانؓ بھی ہو
کوئی قرآں کے سوا ہے وہ صحیفہ جس میں   اپنا برہان بھی ہو، غیر کا بطلان بھی ہو
فوق کیونکر نہ ہو مسلم کو ہر امت پر   کوئی اسلام سا دنیا میں دبستان بھی ہو
اسی قرآن سے ملتی ہے متاعِ ایماں   اور ممکن نہیں اس مال کی دکان بھی ہو
یہ شرف اس کو تو اسلام نے ہی بخشا تھا   جو شتر بان ہو، وہ قوم جہاں بان بھی ہو
معرفت سے تیرے قاصر ہوں جو سارے ہی نبی   مجھ سے عاصی کو کہاں حمد کی پھر یارائی ہو

21مارچ1917ء

نعت

از سید محمود اختر صاحب احمدی آف میرٹھ

یا نبیؐ خواب میں ہو آپ کا دیدار مجھے
زہے قسمت جو ملے چشم طلبگار مجھے

جاں نکل جائے نہ حسرت میں مدینہ کے کہیں
اب سنبھلنے نہیں دیتا دل بیمار مجھے

آپؐ ہیں رحمتِ حق اور شفیع امت
کون کہہ سکتا ہے محشر میں گنہگار مجھے

شوقِ طبیعت نے کہیں کا بھی نہ رکھا مجھ کو
نہ تو صحرا ہی خوش آتا ہے نہ گلزار مجھے

دوری سرور عالمؐ میں یہ نوبت پہنچی
جینا مشکل ہوا، مرنا ہوا دشوار مجھے

میں جو ہوں بادۂ الفت میں نبیؐ کی سرشار
حوریں جنت کی بھی کہنے لگیں مے خوار مجھے

یا نبیؐ بھیجئے اختر کو وطن کی جانب
زندگی کاٹنی یورپ میں ہے دشوار مجھے

18اپریل1917ء

اداریہ

شجرِ تکفیر کی بیخ کنی

تاریکی کے اندر روشنی کی شعاعیں

کفر بازی اور تکفیر و تفسیق کا مرض موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں جس شدت کے ساتھ پھیل رہا ہے اور بھائی کو بھائی سے جدا کرنے میں اس نے جو نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ بالخصوص ہندوستان کے اندر جس مضبوطی کے ساتھ ہر طرف اس نے اپنا قدم جمایا ہے۔اس کے اعتراف میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ وہ اسلام جس نے اپنی یہ امتیازی خصوصیت بتائی تھی، اپنی اس نعمت کا شکریہ ہم سے چاہا تھا کہ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (103:3) تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔اس نے تمہارے دلوں کے اندر ایک دوسرے کی محبت ڈالی۔پس تم آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔جس نے ہماری پہلی حالت کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا تھا کہ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (103:3) تم آگ کے گڑھے پر کھڑے تھے اور فَاَنْقَذَكُمْ کی نعمت ربانی سے سرفراز فرمانے کو یاد دلا کر آئندہ بھی اس سے بچنے کی تلقین فرمائی تھی۔افسوس کہ آج عملی طور پر ہم نے اسے بھلا دیا اور پھر ان عالیشان نعمائے الٰہی کی یہاں تک بے قدری کی کہ پھر اسی آگ کے گڑھے پر آ کھڑے ہوئے!

یہی نہیں کہ اس پہلی حالت کے بدل جانے کا قرآن کریم نے محض ذکر ہی کیا ہے۔صرف ان نعماء کی یاد ہی نہیں دلائی بلکہ انہی آیات میں مسلمانوں کو لَاتَفَرَّقُوْا (103:3) کے قیمتی ارشاد میں پھر ان سابقہ تفرقوں میں پڑنے سے بھی وہ روکتا ہے اور دوسری جگہ اس کی بیخ کنی کے لئے یہاں تک حکم فرماتا ہے کہ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ

(9:49) یعنی اگر مومنوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو اور اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے۔ تو اس سے، جو زیادتی کرتا ہے، لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کی طرف آجائے۔ اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو۔ اور انصاف کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف پسندوں سے محبت کرتا ہے۔

اس میں کس قدر صفائی کے ساتھ قرآن کریم نے ہمیں تین باتوں کا ارشاد فرمایا۔

1۔ جب مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔ تو ان دونوں کی صلح کرادو۔

2۔ اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اس کے ساتھ لڑا جائے۔ یہاں تک کہ وہ سیدھا ہو جائے اور اللہ کے امر کی طرف آجائے۔

3۔ جس وقت وہ سیدھا ہو جائے اور اس زیادتی کو چھوڑ دے تو پھر عدل اور انصاف کے ساتھ ان کی آپس میں صلح کرادو۔

ایک طرف قرآن کریم کا یہ ارشاد اور اس کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ مَنْ قَالَ لِاَخِیْہِ الْمُسْلِمِ کَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِاَحَدِھُمَا جو شخص اپنے بھائی مسلمان کو کافر کہے ان دونوں میں سے ایک پر کفر لوٹ کر پڑا۔ لیکن دوسری طرف موجودہ مسلمانوں کا رویہ ہے کہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور نہایت آزادی اور جرأت کے ساتھ کہہ دیتے ہیں۔ بات بات پر کفر ہے، بات بات پر لڑائی اور دنگا فساد ہے۔ لیکن کوئی نہیں جو ان باتوں کو روکنے والا ہوں۔ جو ان کفر بازوں کا بائیکاٹ کرکے بلکہ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق ان کا مقابلہ کرکے انہیں شکست دے دے۔ اور صلح و اتحاد کی طرف لے آئے۔

آہ! ہمیں کہا جاتا ہے۔ بلکہ مجدد زمان امام وقت مسیح موعود پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی جماعت کو دوسرے مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکا اور مسلمانوں میں تفرقہ کا بیج بویا۔ لیکن کاش! ایسا کہنے والے اور اپنے مطلب کے صرف ایک ہی پہلو پر غور کرنے والے ذرا تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھتے۔ قرآن کے اس ارشاد پر بھی غور کرتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف و صریح حکم کو بھی نظر تلے لاتے تو انہیں معلوم ہو

جا تا کہ حضرت مسیح موعود کا یہ حکم، آپ کا اور آپ کی جماعت کا یہ طرزِ عمل، قرآن کریم اور حدیث شریف کے عین مطابق ہے اور اس کے بالمقابل باقی مسلمانوں کا طریقِ عمل ان کے سراسر خلاف۔ کاش! وہ دیکھتے کہ کیونکر فتوے باز ملانوں نے اس شیدائی اسلام کو کافر ٹھہرانے میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا۔ اس کی اسلام کو سرسبز کرنے والی پاک کوششوں کو ناکام ٹھہرانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ باقی مسلمانوں نے بجائے اس کے کہ اس کفر بازی کی روک تھام کرتے، قرآن کریم کے ارشاد کے ماتحت ان کفر بازوں کے مقابلہ میں کھڑے ہوتے۔ انہوں نے بھی الٹا ان مکفرین کا ساتھ دیا۔ اس ہنگامہ آرائی میں ان کی امداد کی اور قرآن کریم کے اس کھلے ارشاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک حکم کی قطعاً کوئی پروانہ کی۔

اب بتاؤ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔ کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم قرآن کریم کے اسی ارشاد کے ماتحت ایسے تمام لوگوں سے اپنی نمازیں وغیرہ علیحدہ کرلیں۔ حضرت مسیح موعود کے ماننے یا نہ ماننے کا سوال علیحدہ ہے۔ ہم اسے کسی مسلمان ہونے کے لئے شرط نہیں قرار دیتے۔ لیکن جس حد تک خود جماعت احمدیہ اور اس کے مقدس بانی کے اسلام کا سوال ہے۔ بتاؤ کہ ان مکفرین کے ساتھ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ پھر تم کیوں اس ارشاد الٰہی کو بھلا رہے ہو؟ کیوں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں عملی طور پر منحرف ہو رہے ہو اور قطعاً کوئی پروا نہیں کرتے کہ اس سے کیا کچھ قباحتیں پیدا ہوں گی اور کن خطرناک نتائج اور سزاؤں کا مورد ہونا پڑے گا۔

خدا بھلا کرے مسلمانانِ کلکتہ کا جنہوں نے حال ہی میں اس تکفیر کے خلاف، ہم نے سنا ہے، آواز اٹھائی ہے۔ چنانچہ معاصر ''صداقت'' کی 12 اپریل کی اشاعت میں یہ رپورٹ درج ہوئی ہے کہ:

> ''7 ماہ حال کو مسلمانانِ کلکتہ کا ایک جلسہ بمقام سرکلر روڈ اس غرض سے منعقد ہوا کہ کلکتہ کے ان مسلمانوں کی تردید کی جائے جو وقتاً فوقتاً تمام علماء اسلام کے خلاف تکفیر کے اشتہارات شائع کرتے رہتے ہیں۔ جلسہ میں مسلمانوں کی تعداد معقول تھی۔ کارروائی تلاوت قرآن مجید سے شروع ہوئی۔ ایک غیر دیوبندی مولوی صاحب نے نہایت عامیانہ لہجہ میں شخصی معاملات کا تذکرہ چھیڑ دیا اور دو تین گھنٹہ تک دماغ کو پریشان کرنے والی

تقریر کی۔ ذاتیات کی بحث نے لوگوں میں اشتعال پیدا کر دیا۔مگر الحمد للہ کوئی بے لطفی کی بات نہ ہوئی۔عوام نے شور مچایا کہ مولوی صاحب بیٹھ جائیں اور مولوی صاحب بیٹھ جانے پر مجبور ہوئے۔ بعد ازاں جناب اسمٰعیل صاحب اور جناب مولوی سہیل صاحب قبلہ نے صلح وآشتی کی تقریریں کی۔جس سے حاضرین جلسہ میں متانت اور سکون کی کیفیت پیدا ہو گئی۔آخر دو بجے شب کے قریب جلسہ نعتیہ نظموں کے پڑھنے کے بعد دعا کے ساتھ بخیر وخوبی ختم ہوگیا۔''

اس سے اگلی اشاعت میں معاصر مذکور اپنے ایڈیٹوریل نوٹ میں رقم طراز ہے کہ:

''گذشتہ اشاعت میں ہم ایک جلسہ کی روئداد درج کر چکے ہیں جس میں کلکتہ کے بعض مسلمانوں کی تکفیرانہ (بوزن جارحانہ) روش پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ایک وہ زمانہ تھا کہ جب غیر مسلم اقوام کے افراد اسلام کے حلقہ بگوش ہوکر مسلمانوں کی برادری میں شامل ہوتے تھے تو اس پر غیر معمولی خوشی منائی جاتی تھی۔آج مسلمانوں میں یہ مرض طاعون کی طرح پھیل گیا ہے کہ وہ تکفیر کے خودساختہ آلہ سے اپنے ہی بھائیوں کو اسلام کے دائرہ سے خارج کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ہم نہایت ادب کے ساتھ ان تکفیر باز بزرگواروں کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ جس آلہ کو وہ اس پھرتی اور بے سمجھی سے استعمال کرتے ہیں اس سے اسلام کے تبلیغی مقاصد کو سخت ضعف پہنچتا ہے۔

اسلام ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنی پوری کوشش اس دین کی اشاعت میں صرف کریں جس نے ہم کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔لیکن اگر اس کے برعکس ہم اپنی ہی برادری میں فتنہ وفساد کی بنیاد ڈالیں گے تو نہ صرف ہمارا اصلی مقصد فوت ہو جائے گا، بلکہ ہم ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ جب محبت اور اخوت کا رشتہ ٹوٹ گیا تو ہماری حالت ان بھیڑوں کی طرح ہو جائے گی جو آندھی یا طوفان میں اِدھر اُدھر بھٹکتی پھرتی ہیں اور کوئی ان کی خبر نہیں لیتا۔ان بھیڑوں کا جو حشر ہوتا ہے وہ محتاج تشریح نہیں۔کلام مجید میں مسلمانوں

کو حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ کفار سے بحث کریں تو اس طرح کہ انہیں ناگوار نہ گزرے۔ اس ارشاد میں یہی حکمت ہے کہ غیر مسلم اقوام اسلام کے اخلاق سے متاثر ہوں۔ رسول اکرمؐ کی مقدس زندگی مجسم اخلاق تھی۔ جن مولویوں نے تکفیر بازی کو اپنی ذاتی اغراض کے لئے پیشہ بنا رکھا ہے، انہیں اگر بندوں سے نہیں تو خدا سے توڑنا چاہیئے۔ جاہلوں کی لڑائی اس قدر بُرا اثر نہیں پیدا کرتی جس قدر کہ مولویوں کی لڑائی! ہم اس لڑائی کے خلاف جہاد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ عامہ مسلمین سے ہماری گذارش ہے کہ وہ ہرگز ایسی لڑائی میں دلچسپی نہ لیں۔ جس سے دلوں میں تعصب کے جذبات مشتعل ہوں۔ یہ وقت ایک دوسرے سے لڑنے کا نہیں بلکہ غیروں کو اپنا بنانے کا ہے۔ یہ ہماری طاقت اور ہمارے علم وفضل کا بدترین استعمال ہے کہ ہم اسلام کے شجر پر تکفیر کا تیشہ چلائیں۔''

مسلمانانِ کلکتہ کی آواز اور معاصر ''صداقت'' کا یہ نوٹ مسلمانوں کی آئندہ بہبود وفلاح کی ایک نیک فال ہے۔ اور ہم اس سے امید لگا سکتے ہیں کہ انشاء اللہ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب شجر اسلام تکفیر کے اس تیشہ سے محفوظ ہو جائے اور مسلمان اس شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (103:3) سے ہٹ کر پھر سے اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (103:3) کے مصداق ٹھہریں۔ لیکن اس اقدامِ عمل میں صرف اتنا ہی بکار نہیں کہ بس صلح واتحاد کے وعظ کر دیئے جائیں اور کفر بازی سے محض زبانی لوگوں کو روکا جائے۔ یہ بھی ضروری ہے، بلکہ یہ اس منزل کی ابتدائی سیڑھی ہے۔ کیونکہ جب تک لوگوں کو تکفیر سے نفرت نہ دلائی جائے، ان کو صلح واتحاد کی طرف مائل نہ کیا جائے، اس وقت تک کوئی بھی تجویز کارگر نہیں ہو سکتی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے۔ اصل منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے ہمیں اس سے بڑھ کر بھی ایک قدم اٹھانا ہے۔ اور جب تک ہم وہ قدم نہ اٹھائیں تب تک اقدامِ عمل میں اس دوسری سٹیج کو بھی طے نہ کر لیں۔ اس وقت تک اصل مقصود ہاتھ نہیں آ سکتا اور نہ ہی یہ صلح واتحاد کے وعظ ہی کارگر ہو سکتے ہیں۔ اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ قرآن کریم نے اس مقصود کو حاصل کرنے کے لئے تین باتوں پر عمل پیرا ہونے کا ہمیں حکم دیا ہے۔

1۔ باہمی لڑائی میں ہم صلح کرا دیں۔

2۔ اگر ایک زیادتی کرتا ہے تو اس سے لڑیں۔

3۔ پھر صلح کرا دیں۔

حقیقت میں نرا صلح کا وعظ کر دینا کیونکر کارگر ہو سکتا ہے جب تک اس کی مخالفت کرنے والوں کا علاج نہ کیا جائے اور ان کی مخالفت اور مقابلہ میں کھڑے ہو کر انہیں اس مذموم فعل سے نہ روک دیا جائے۔ تم لاکھ دوسروں کو امن اور صلح کی طرف رجوع کرو، انہیں اتحاد و اتفاق کی خوبیاں جتا کر اس پر قائم کرنے کی کوشش کرو، لیکن جب تک اس سے انحراف کرنے والوں پر کوئی سزا نہیں، اس وقت تک یہ مرض رک نہیں سکتا۔ لوگ اس جرم سے باز نہیں آ سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے فرمایا کہ جو مسلمان بھائی کو کافر کہے وہ کفر اس پر الٹ کر پڑتا ہے۔ گویا کافر کہنے والوں کے لئے یہ سزا تجویز کی کہ ان سے بھی کفار کا سا سلوک کیا جائے۔ ان سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ اور عملی طور پر انہیں اپنی اس زیادتی سے باز آ جانے پر مجبور کیا جائے۔

آؤ! اس دوا کو بھی ذرا استعمال کریں۔ صلح و اتحاد کے وعظ ہو چکے، کفر بازی کے خلاف آوازیں اٹھ چکیں، زبانی ''اتفاق''، ''اتفاق'' کی صدائیں بھی بلند ہو چکیں۔ آؤ! اب اس دوسری راہ کو بھی اختیار کریں۔ قرآن کریم کے اس دوسرے حکم پر بھی چلنے کی کوشش کریں۔ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پورے طور پر عامل ہوں۔ ہم ان سے لڑیں جو مسلمانوں کو کافر کہنے میں دلیر ہو چکے ہیں اور اپنی زیادتی پر سختی کے ساتھ مصر ہیں۔ تو پھر دیکھو کہ کیونکر اس مرض کا جلد سے جلد استیصال ہوتا ہے!

خدا کا شکر ہے کہ ہمارا رویہ اب بھی اس بارہ میں اسی عدل و انصاف پر مبنی ہے جس کا قرآن کریم نے ارشاد کیا ہے۔ قرآن کریم کا مندرجہ بالا حکم اور حدیث نبویؐ کسی خاص شخص کے لئے نہیں، اس میں احمدیت و غیر احمدیت کا لحاظ نہیں رکھا گیا، عام مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق یکساں طور پر حاصل ہے۔ اس لئے اگر کوئی غیر احمدی مولوی حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت کو کافر ٹھہرا کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کی

مخالفت ومقابلہ کیا جائے تو اسی سزا کا مستحق وہ احمدی بھی ہے جو اس جرم کا مرتکب ہو۔ایسے اشخاص کا خواہ وہ کوئی بھی ہوں مقابلہ کرنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں اور کرتے ہیں۔مگر وائے برحال ان لوگوں کے! جو ان سب باتوں کو دیکھنے اور دل سے ان کو بُرا سمجھنے کے، ان باتوں کو اسلام کے حق میں مُضِر یقین کرنے کے باوجود پھر بھی اس کے اصل علاج کی طرف نہیں آتے۔اپنی خواہشات کی پرواہ انہیں اپنے کسی محبوب کی اس حرکت زبون پر ساکت رہنے یا کم از کم اس کو سزا نہ دینے کی طرف مائل کئے رکھتی ہے۔اور وہ نہیں سوچتے کہ اس علاج کے بغیر نزاغم وافسوس اور اتحاد اتفاق کا شور وغل کیونکر کارگر ہوسکتا ہے!

پس آؤ! آج اس بات کا اعلان کر دو کہ مسلمانوں کو کافر کہنے والے پر وہی کفر الٹ کر پڑتا ہے۔ بلکہ کھلے طور پر اس شہادت کو ادا کرو کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسلمان تھے۔جنہوں نے آپ کو کافر کہا وہ کفران پر الٹ کر پڑا۔ پھر دیکھو کہ اس سے کیا کچھ برکت اور کامیابی ہوتی ہے۔اتحاد واتفاق کی راہ کیونکر کھل جاتی ہے۔ وہ جنہیں تم علیحدگی نماز کے باعث تفرقہ پرداز کہتے ہو،تم دیکھو گے کہ بغیر تمہارے سلسلہ احمدیہ داخل ہونے کے کیونکر عملی طور پر باوجود ویسے ہی پکے احمدی رہنے کے اسی اتحاد اتفاق میں سب سے پہلے حصہ لیتے اور اس ظاہری تفرقہ کو بھی مٹا دیتے ہیں ؎

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

18 اپریل 1917ء

’’زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی با حالِ زار‘‘

ایک عظیم الشان پیشگوئی کا پورا ہونا

دین اسلام وہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تا قیامت ایک سلسلہ نشانات کا عطا فرمایا ہے۔ جو کبھی ختم اور منقطع ہونے والا نہیں اور گو نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔ مگر آیت لَھُمُ الْبُشْریٰ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (64:10) (یعنی سچے مسلمانوں کو اس دنیا کی زندگی میں بشارتیں دی جائیں گی) اور حدیث صحیح لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ (یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا مگر مبشرات) کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے اس امت میں اپنے الہام اور کلام کے ذریعہ سے، جو وہ اپنے پاک اور برگزیدہ بندوں سے کرتا ہے، پیشگوئی کے سلسلہ کو اس امت میں قیامت تک جاری رکھا ہے۔ اور نہ صرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی کھلی پیشگوئیوں جو احادیث میں پائی جاتی ہیں اور قرآنی پیشگوئیوں کا ظہور ہی ہر زمانہ میں ہوتا رہتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام کو بھی شرفِ ہمکلامی عطا فرما کر تازہ بتازہ نشانات دین اسلام کی صداقت کے ہر زمانہ میں ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ اور اس امت کے اندر ہزارہا اولیاء اللہ ایسے گزرے ہیں کہ اپنے اپنے وقت میں انہوں نے اس طرح خدا کی قدرت اور علم کے زندہ نشانات لوگوں کو دکھا کر نہ صرف مخالفین پر اتمام حجت کیا ہے، بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی ایک روشنی اور زندگی پیدا کر دی ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو قوتِ ایمانی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی

---

* ’’خدا تعالیٰ کی وحی میں زلزلہ کا بار بار لفظ ہے اور فرمایا کہ ایسا زلزلہ ہوگا جو نمونہ قیامت ہوگا۔ بلکہ قیامت کا زلزلہ اس کو کہنا چاہئے۔ جس کی طرف سورۃ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا (1:99) اشارہ کرتی ہے۔ لیکن میں ابھی تک اس زلزلہ کے لفظ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو۔ بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھلا دے۔ جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو۔ اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے۔‘‘ (منقول از براہین احمدیہ)۔

جلوہ نمائیوں کو دیکھ کر ایک انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے، وہ محض دلائل سے پیدا نہیں ہوتی۔

اس وقت میں جس عظیم الشان صداقتِ اسلام کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ ایک پیشگوئی ہے، جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ نے 15 اپریل 1905ء کو شائع کی اور جو قبل از وقت اخبارات اور کتب میں چھپ کر اطراف واکناف عالم میں پھیل گئی۔ چنانچہ آپ کی کتاب براہینِ احمدیہ حصہ پنجم میں صفحہ 120 پر یہ پیشگوئی موٹے الفاظ میں چھپی ہوئی ہے۔(موجودہ جنگ۔ جنگ عظیم اول کے شروع ہونے پر یہ پیش گوئی دوبارہ اخبار پیغام صلح مورخہ 13 اگست 1914ء میں شائع ہوئی۔اور وہ پیش گوئی حضرت مرزا صاحب نے اپنے منظوم کلام میں رقم فرمائی ہے۔ جو حسبِ ذیل ہے:

اک نشان ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد   جس سے گردش کھائیں گے دیہات وشہر اور مرغزار

تاریخ امروز 15 اپریل 1905ء

آئے گا قہرِ خدا سے خلق پہ اک انقلاب   اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار

یک بیک اک زلزلہ سے سخت جنبش کھائیں گے   کیا بشر اور کیا شجر اور کیا حجر اور کیا بحار

اک جھپک میں یہ زمیں ہو جائے گی زیر و زبر   نالیاں خوں کی چلیں گی جیسے آبِ رود بار

رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگِ یاسمن   صبح کر دے گی انہیں مثلِ درختانِ چنار

ہوش اڑ جائیں گے انساں کے، پرندوں کے حواس   بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور بلبل ہزار

ہر مسافر پر وہ ساعت سخت ہے اور وہ گھڑی   راہ کو بھولیں گے ہو کر مست و بیخود راہوار

خون سے مردوں کے کوہستان کے آبِ رواں   سرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شرابِ انجبار

مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن وانس   زار بھی ہو گا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار

اک نمونہ قہر کا ہوگا وہ ربّانی نشان   آسماں حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار

ہاں نہ کر جلدی سے انکار اے سفیہ ناشناس   اس پہ ہے میری سچائی کا سبھی دارومدار

وحی حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا   کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور بردبار

یہ گماں مت کر کہ یہ سب بدگمانی ہے معاف   قرض ہے واپس ملے گا تجھ کو یہ سارا اُدھار

لفظ زلزلہ کی تشریح گوخود پیشگوئی کے ساتھ ہیصراحت سے موجود ہے۔مگر مزید وضاحت کے لئے یہاں لغت کی شہادت بھی پیش کی جاتی ہے۔لسان العرب میں ہے قَالَ اِبْنُ الْاَنْبَارِیُ فِیْ قَوْلِھِمْ اَصَابَتِ الْقُوْمُ زَلْزَلَۃً قَالَ اَلْزَلْزَلَۃُ اَلْتَخْوِیْفُ وَالْتَحْذِیْرُ یعنی ابن الانباری کہتا ہے کہ قوم کوزلزلہ پہنچنے سے مراد خوف وحذر کا آنا ہے۔اور پھر اس میں ہے اَلْزِلَازِلُ اَلشَّدَائِدُ وَالْزَلَازِلُ اَلْاَھْوَالُ یعنی زلزلوں سے مراد خطرناک تکلیفیں اور ہولناک مصائب ہیں۔

اور وہ پیشگوئی حسب ذیل ہے

ان اشعار کواس حاشیہ کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے، جوخود پیشگوئی کرنے والے نے لفظ زلزلہ * پر دیا ہے کہ اس سے مراد کوئی ایسی شدید آفت ہے، جس سے جانوں اور عمارتوں پرسخت تباہی آئے، یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ دنیا پر ایک ایسی مہیب آفت آنے کی خبر دیتا ہے۔جس سے انسانوں کی جانوں اور شہروں اور دیہات اور سرسبز ملکوں پر خطرناک تباہی واقع ہونے والی ہے۔اس ہولناک مصیبت کے متعلق چندامور وہ ایسے بیان کر دیتا ہے۔جو کھلے طور پر موجودہ واقعات جنگ پر چسپاں ہورہے ہیں۔

---

* ’’خدا تعالیٰ کی وحی میں زلزلہ کا بار بار لفظ ہے اور فرمایا کہ ایسا زلزلہ ہوگا جونمونہ قیامت ہوگا۔ بلکہ قیامت کا زلزلہ اس کوکہنا چاہئے۔جس کی طرف سورۃ اِذَاذُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا (1:99) اشارہ کرتی ہے۔لیکن میں ابھی تک اس زلزلہ کے لفظ کوقطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جمانہیں سکتا۔ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو۔ بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھلا دے۔جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو۔اور جانوں اور عمارتوں پرسخت تباہی آوے۔‘‘ (منقول از براہین احمدیہ)

اول: یہ کہ یہ ایک ایسی مہیب آفت ہوگی ۔

''جس سے گردش کھائیں گے دیہات اور شہر و مرغزار''

یعنی آبادیوں کی تباہی کے ساتھ سرسبز ملکوں کو بھی تباہ کر دے گی۔ اب دیکھو کہ کس قدر تباہی اس جنگ میں جرمنوں نے کی ہے۔ بیلجیئم جب فتح ہوا تھا تو اس وقت بعض شہروں کے شہر بالکل ویران کر دیئے گئے۔ ایسا ہی اب فرانس کے جن علاقوں سے جرمنی پیچھے ہٹ گیا ہے ان کی تباہی کا کیسا نقشہ ٹیلی گرافی تاروں سے ہی نظر آتا ہے۔ فرانس کا وہ علاقہ نہایت ہی سرسبز علاقہ تھا۔ گویا ایک باغ تھا۔ مگر وہ سب تباہ کر دیا گیا۔ ایسی ہی پولینڈ اور رومانیہ اور سرویہ کے سرسبز علاقوں اور اس کے دیہات اور شہروں پر کیسی تباہی آئی ہے۔ شہر ویران ہو گئے، دیہات اجڑ گئے اور سرسبز زمینوں کو ویران کر دیا گیا۔

دوم: یہ کہ اس ہولناک مصیبت میں کشت و خون کا بازار گرم ہوگا۔ جس کی طرف ذیل کے اشعار توجہ دلا رہے ہیں۔

اِک جھپک میں یہ زمیں ہو جائے گی زیر و زبر
نالیاں خوں کی چلیں گی جیسے آبِ رود بار
خون سے مُردوں کے، کوہستان کے آبِ رواں
سرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شراب انجبار

اور ایسا ہی سفید پوشاک والوں کا ''مثل درختان چنار'' ہو جانا یعنی جیسے چنار کے پتے ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر گویا خون کے چھینٹے پڑے ہوئے ہیں۔ ایسا ہی صاف سفید لباس خون آلودہ ہو جائیں گے۔

اب غور کا مقام ہے کہ کس قدر کشت و خون اس جنگ کے اندر ہوا ہے۔ لاکھوں انسان مر چکے اور جو زخمی ہوئے ہیں ان کی تعداد تو شاید کروڑ تک پہنچ چکی ہوگی۔ بڑے بڑے ناز و نعمت میں پلے ہوئے اور عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے والے بھی اس جنگ کی نذر ہوئے۔ کتنے بے خانماں ہو کر وطن سے بے وطن پڑے ہیں۔ اور کس

طرح، جہاں یہ آفت نمودار ہوتی ہے، لوگ بدحواس ہو کر اس کے آگے بھاگتے ہیں ع

''ہوش اڑ جائیں گے انساں کے، پرندوں کے حواس''

سوم: ایک بڑی بھاری علامت اس تباہ کن آفت کی یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کی تباہی کسی ایک ملک تک محدود نہ ہوگی۔ بلکہ دنیا کا اس قدر کثیر حصہ اس میں مبتلا ہوگا کہ گویا یہ کل عالم پر محیط ہوگی اور اس کی نظیر دنیا نے نہ دیکھی ہوگی۔ سو اس میں ایک ذرہ بھی شک نہیں کہ مہیب سے مہیب جنگیں جو آج تک دنیا میں ہو چکیں اور خطرناک سے خطرناک بھونچال جو زمین کے کسی حصہ کو برباد کر چکے۔ ان سب کی تباہی اس تباہی کے بالمقابل ہیچ ہے۔ جو اس جنگ عالمگیر میں ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے۔ پرانی اور نئی دنیا یورپ، ایشیاء، افریقہ، امریکہ سب یکساں اس میں مبتلا ہیں۔

چہارم: ان تمام امور کے علاوہ ایک ایسا بین نشان اس کا بتا دیا ہے کہ عقل انسانی حیرت میں رہ جاتی ہے۔ اور وہ نشان یہ ہے کہ ع

''زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی با حالِ زار''

یعنی اس گھڑی اور اس ہولناک مصیبت کا ایک یہ نشان ہے کہ اس وقت زار (شاہ روس) کی حالت زار ہو جائے گی۔ زار اس وقت دنیا کا اکیلا ہی خود مختار بادشاہ سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اور ملکوں میں آئینی حکومتیں ہو چکی ہیں۔ علاوہ ازیں وسعت مملکت کے لحاظ سے بھی وہ ایک عظیم الشان بادشاہ تھا اور اس کی حکومت سولہ کروڑ انسانوں پر ایسی تھی کہ اس کے حکم کے سامنے کسی قانون اور آئین کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ تھی!

مگر آج دیکھو کہ اس دنیا کے گویا سب سے جبار انسان کی حالت کیا ہے؟ اس حالتِ زار کا نقشہ کھینچنا بھی محال ہے۔ وہ نہ صرف اپنے تاج و تخت سے ہی علیحدہ کیا گیا ہے۔ وہ نہ صرف ان لوگوں کے ہاتھ میں قید ہے جو کل تک اس کی نظروں میں ہیچ تھے۔ بلکہ وہ ایک قیدِ تنہائی میں پڑا ہوا ہے۔ زار بیگم سے بھی الگ اور اپنے بال بچوں سے بھی الگ۔ یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ ہاں اس کی آخری حالت، جو دنیا کے علم میں ہے، کا نقشہ رائٹر کی ٹیلی گراف تار میں کھینچا گیا ہے۔ جب اُن کی گرفتاری کا فرمان پیش کیا گیا اور اس کی اطلاع زار کو

ہوئی۔ تو اس نے صرف اس قدر کہا:

''میں ہر جگہ جانے اور ہر قسم کے فیصلہ کو منظور کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔''

پھر لکھا ہے۔

''زار نے کاسک وردی پہنی ہوئی تھی۔ وہ بڑے سکون کے ساتھ باہر نکلا۔ مگر اُس کی صورت نہایت افسردہ تھی۔ باہر ایک موٹر کار منتظر تھی۔ وہ اس پر سوار ہو گیا۔ عوام میں سے کوئی موجود نہ تھا۔''

زار بیگم علیحدہ اپنے بچوں سمیت اس آزادی سے بھی محروم ہیں۔ جو ایک غریب مزدور کو بھی حاصل ہوتی ہے۔

آج سے قریباً بارہ سال پیشتر ان امور کی اس صفائی کے ساتھ اطلاع دینا کسی انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ صرف خدائے عالم الغیب کی پُر شوکت کلام ہی ان رازہائے سربستہ کو ظاہر کر سکتی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب ان امور کی خبر دی گئی کہ اس وقت تمام دنیا میں صلح و امن کا غلغلہ بلند تھا۔ خود ہمارے بادشاہ سابق ایڈورڈ ہفتم پیس میکر (Peace Maker) کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس لئے کہ انہوں نے دنیا میں صلح قائم کرنے کے لئے بڑی بڑی تجاویز کیں اور عام لوگوں کی طبائع کا رجحان بھی اسی طرف تھا کہ دنیا میں جنگ نہ ہونے پائے۔ اور اس قسم کی مہیب جنگ کا وقوع میں آنا کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ آ سکتا تھا۔ مگر خدائی طاقت کا اظہار اس امر میں نظر آتا ہے کہ ایسے حالات مخالف میں نہ صرف ایک عالمگیر جنگ کی پیشگوئی کی، بلکہ اس ساعت کا پتہ کھلے الفاظ میں یوں بتایا کہ اس وقت زار جو دنیا کا سب سے جابر انسان ہے وہ حالت زار میں ہوگا۔

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ دنیا کے کسی خود مختار بادشاہ کو اس زمانہ میں یہ مصیبت پیش آ جانا ایک ظنّی بات بھی ہو سکتی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ پیشگوئی تو دو باتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کرتی ہے۔ یعنی ایک ہولناک عالمگیر جنگ کا دنیا میں ظہور پذیر ہونا اور اس ہولناک جنگ میں زار کا با حالتِ زار ہو جانا۔ اول تو خود زار کی فوج اس قدر طاقتور اور زبردست کہ اس کی طاقت زبان زدِ خلائق۔ پھر اس کی حمایت میں دنیا کی اس قدر

طاقتیں۔ اور سب سے بڑھ کر خود ہماری گورنمنٹ اس کی حمایت میں موجود اور ہر طرح سے اس کی مدد کرنے والی اور ہر قسم کی ضروریات اسے بہم پہنچانے والی۔ کیا کسی کے وہم وگمان میں یہ آ سکتا تھا کہ ایسی حالت میں زار کی یہ حالتِ زار ہوگی۔

اگر زار اسی طرح وفاداری سے ہماری گورنمنٹ کی اغراض کا حامی رہتا، تو ممکن تھا کہ یہ مصیبت ہی اسے پیش نہ آتی۔ مگر عالم الغیب خدا کے لفظ غلط نہ ہو سکتے تھے۔ زار اور اس کے سابقہ وزراء اندر ہی اندر جرمنی کے ساتھ صلح کرنے کی تجویز کرنے لگے۔ اور اگر یہ صورت ہو جاتی تو نتیجہ اچھا نہ ہوتا۔ کیونکہ اس جنگ کا خاتمہ اگر یونہی کسی معمولی صلح پر ہو جائے اور پھر دوسرے دن کوئی اور جنگ چھڑ پڑے تو انسان کی بہتری کی اغراض، جو اس قدر کشت وخون کے بعد ضرور حاصل ہونی چاہئیں، کبھی میسر نہیں آ سکتیں۔ اس لئے ہماری گورنمنٹ کے وزراء بالکل حق پر ہیں۔ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ صلح ایسی حالت میں ہو کہ یہ اغراض پوری طور پر حاصل ہونے کی امید ہو جائے۔

غرض یہ ایک عجیب نشان خدا تعالیٰ کے علمِ کامل اور اعلیٰ طاقت کا ہے کہ اتنی مدت پیشتر ان واقعات کو ایک با خدا انسان کے منہ سے کہلوا دیا تا کہ جہاں اس جنگ سے اور فوائد حاصل ہوں وہاں ایک یہ فائدہ بھی حاصل ہو کہ دینِ اسلام کی صداقت دنیا پر روشن ہو جائے۔ اس کے پھیلنے کے لئے دنیا میں سارے سامان پیدا ہو جائیں اور یہ دنیا پر روشن ہو جائے کہ اس مادی دنیا کے اوپر جو مادہ پرستی میں مبتلا ہے ایک عظیم الشان طاقت حکمران ہے اور حقیقی حکم اسی کا چلتا ہے اور سب باتیں اسی کے ارادہ کے ماتحت اس عالم میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اور وہ اپنے پاک بندوں پر ظاہر بھی ہوتا رہتا ہے۔

ہاں! جہاں خداوند قدیر اور عالم الغیب کے علم اور قدرت کا یہ ایک نشان ہے اور اسلام کی صداقت پر ایک بیّن دلیل ہے، وہاں اس صدی کے مجدّد حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی صداقت کا بھی یہ ایک بھاری ثبوت ہے۔ تا دنیا پر یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ شخص، جس کو کافر و کاذب کہا گیا، حالانکہ اس کی خدمات اسلام کے لئے مسلّم تھیں اور وہ شب و روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو ہی دنیا میں بلند کرنے میں لگا رہتا تھا۔ مگر ایسے انسان کو بھی بعض لوگوں نے تعصّب کی پٹی باندھ کر اور بعض نے غلطی سے ان کے ساتھ شامل ہو کر جھوٹا اور مفتری کہا،

خدا نے اس کی صداقت کے بڑے بڑے تین ثبوت دنیا میں دکھائے۔

انہی میں سے ایک یہ بھی نشان ہے۔ اور اس قسم کے عام نشان اور بھی بہت سے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک اور واقعہ کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ جب لارڈ کرزن کے عہد حکومت میں صوبہ بنگال کی تقسیم کر کے اس کے دو حصے کر دیئے گئے، تو بنگالی قوم میں ایک سخت شور برپا ہوا۔ اخباری شورش کے علاوہ ہر طرح حکومت ہند کے سامنے اس فریاد کو پہنچایا گیا۔ مگر گورنمنٹ نے نہ اخباری شورش کی پروا کی اور نہ ہی ان دلائل کی صحت کو تسلیم کیا جو تقسیم کے خلاف دیئے جاتے تھے۔ پارلیمنٹ میں بھی سوال کیا گیا مگر مدبّرین نے صاف جواب دیا کہ اب اس تقسیم میں کسی قسم کی ترمیم نہیں ہوسکتی۔ انہی حالات میں جب ہر طرف سے مایوسی ہو چکی اور کوئی چارہ باقی نہ رہا تو اسی برگزیدہ خدا پر یہ الہام الٰہی نازل ہوا۔

''پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا۔ اب ان کی دلجوئی ہوگی۔''

یہ 1906ء کا واقعہ ہے۔ ایسے حالات میں جبکہ دلجوئی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ بلکہ اس ایجی ٹیشن کے ساتھ جو انارکسٹ تحریک شروع ہوئی اور قتل ڈکیتیاں اور قیمتی جانوں پر حملے ہونے لگے۔ انہوں نے حکام کو مجبور کر دیا کہ ان جرائم کی بیخکنی کے لئے سختی سے کام لیں۔ ان حالات میں واقعی یہ آواز عجیب ہی نہ تھی بلکہ اس پر کسی کو یقین بھی نہ آ سکتا تھا۔ اس الہام کے بعد بھی کئی سال تک یہی حالت رہی اور گورنمنٹ نے 1909-10ء تک برابر اپنی پہلی پالیسی کو قائم رکھا اور تقسیم بنگال کے خلاف کسی بات کی بھی پرواہ نہ کی۔ مگر خدا کا کلام آخر پورا ہونا تھا اور ہو کر رہا اور باوجودیکہ گورنمنٹ اس معاملہ میں صاف صاف انکار کرتی رہی تھی، اور اس لئے لوگ اس طرف سے بالکل مایوس ہو چکے تھے. اور کسی کو وہم تک بھی نہ تھا کہ اب اس معاملہ میں کوئی مزید کارروائی ہوگی کہ 1912ء میں دربارِ دہلی کے موقعہ پر اس معاملہ میں وہ کارروائی ہوئی جو لفظاً لفظاً الہام الٰہی کی صداقت کو ظاہر کر رہی تھی۔ اس عظیم الشان دربار سے پہلے گورنمنٹ ہند نے بنگال کو گورنر دینے اور تقسیم بنگال میں ایک حد تک ترمیم کرنے کے متعلق جو مراسلہ صاحب وزیر ہند کو لکھا اس میں صاف اس بات کا اظہار کیا گیا کہ اہلِ بنگال کی دلجوئی کے لئے یہ ترمیم ضروری ہے۔ مثلاً اس مراسلہ میں ذیل کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

''ہمارا یہ بھی مقصد ہے کہ اس رنج کو فرو کیا جائے جو تقسیم بنگال سے پیدا ہوا ہے۔ مختلف

حالات نے ہم کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ تقسیم بنگال سے جو تلخ خیالات پیدا ہوئے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ ہر شخص، جو ملک کی بہتری اور خوشحالی کی کچھ بھی سچی خواہش رکھتا ہے، یہ چاہتا ہے کہ اگر ممکن ہو تو اس رنج کو کم کرنے کا کوئی طریق اختیار کیا جائے۔''

اس قسم کے خیالات سے یہ مراسلہ بھرا پڑا ہے۔ جس میں صاف صاف یہ اعتراف ہے کہ بنگال کی دلجوئی ضروری ہے۔ اب مقام غور ہے کہ خدائے عالم الغیب کے سوائے یہ کس کی آواز ہوسکتی تھی۔ جو اس قدر حالاتِ مخالف میں ایسی صحت کے ساتھ آئندہ کی ایسی باریک خبر دے!

اسی قسم کے اور بھی بڑے بڑے عظیم الشان امور ہیں۔ جن کے متعلق قبل از وقت خبر دی گئی اور وہ واقع ہوئے۔ اب میں اہلِ انصاف سے، خواہ وہ کسی مذہب وملت سے تعلق رکھتے ہوں، یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان امور پر غور کریں اور بالخصوص اہلِ اسلام سے۔ اور یہ بھی کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے پہلے مخالفت کی حیثیت میں حضرت امام پر دعویٰ نبوت کا الزام لگایا، جس کا وہ بار بار انکار کرتے رہے اور مدعیٔ نبوت کو خارج از اسلام قرار دیتے رہے، یا جنہوں نے پہلے مسیحؑ کے پیروؤں کی طرح اب غلو کر کے ان مخالفوں کی ہاں میں ہاں ملا کر آپ کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کیا ہے، ان دونوں فریقوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ جو لوگ آپ کے دعاوی کے بارہ میں یا دیگر امور کے متعلق مزید حالات دریافت کرنا چاہتے ہوں وہ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور سے خط و کتابت کریں یا احمدیہ بلڈنگس لاہور میں خاکسار سے ملیں۔

یہ دین کا معاملہ ہے اس میں تساہل اچھا نہیں۔ اگر یہ شخص، جس کی صداقت کے ایسے ایسے بین نشان ظاہر ہو رہے ہیں، سچا تھا تو بہت جلد اس کے ساتھ ہو جانا ضروری ہے اور اسلام کی اشاعت میں، جو اس کے آنے کی غرض تھی، شامل ہو جانا فرض ہے۔ پس اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ گنواؤ اور ان باتوں کی طرف بھی نہ جاؤ کہ ان کے پیروؤں میں سے ایک فریق انہیں نبی کہتا ہے (یعنی میاں محمود احمد صاحب اور ان کے مریدین۔ جنہوں نے اسی مسئلہ نبوت کی وجہ سے کل دنیائے اسلام کو کافر قرار دے رکھا ہے)۔

کیا حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں اپنی خدائی منوانے آئے تھے؟ نہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو بندہ کہتے اور محض خدا کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ مگر پہلے مخالف علمائے یہود نے ان پر یہ جھوٹا الزام لگایا کہ آپ

خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور بالآخر ان کے متبعین بھی اسی میں شامل ہو گئے۔ اور ان میں موحد گروہ قریباً معدوم ہی ہو گیا۔ مگر یہاں تو خدا کے فضل سے ایک جماعت حق پر کھڑی ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ ہو جاؤ۔

المشتہر خاکسار **محمد علی** احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

☆☆☆

پیغام صلح

حضرت امیر ایدہ اللہ کا مندرجہ بالا مضمون علیحدہ ٹریکٹ کی شکل میں چھپ کر ہزارہا کی تعداد میں انجمن حمایت اسلام کے گذشتہ جلسہ سالانہ پر تقسیم کیا گیا، اب دوبارہ چھپ رہا ہے۔ احباب اپنے اپنے شہروں اور حلقہ اثر میں تقسیم کرنے کے لئے حسب ضرورت ٹکٹ بھیج کر منگوا لیں۔ ایسے ٹریکٹوں سے بہت آسانی کے ساتھ تبلیغ ہو سکتی ہے۔ حتّی الوسع ان مواقع سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔

6 مئی 1917ء

مراسلات

خواجہ حسن نظامی دہلوی کے نام

خواجہ حسن نظامی دہلوی سکنہ حجرۂ ''رین بسیرا'' دہلی کے نام نامی اسم گرامی سے اکثر حضرات واقف ہیں کیونکہ آپ وہ بزرگ ہیں کہ جو خرقہ درویشی میں رہنے کے باوجود ملک وقوم کی اپنے دماغ اور عقل وسمجھ کے مطابق ایک حدتک خدمت کرتے ہیں۔آپ کے مضامین اکثر سادہ الفاظ اور صاف عبارتوں میں ہوتے ہیں۔جن سے ہرایک اردودان فائدہ اٹھاسکتا ہے۔یعنی معمولی لیاقت اور سمجھ کے حضرات بھی مضامین، گو سطحی خیالات کو رنگین اور مزیدار بنانے والے ہوتے ہیں، مگر واقعی دلچسپ اور مفید بھی ضرور ہوتے ہیں۔''مچھر کا اعلان جنگ''، ''مکھی کا میدان جنگ''، ''بم''، ''ہوائی جہاز'' ''توپخانہ''، ''بندوق'' وغیرہ عنوان کے بہت سے مضامین لکھنے میں اور عنوان کو نبھانے میں خواجہ صاحب نے کمال حاصل کیا ہے۔خواجہ صاحب کا وجود فی زمانہ حجرہ نشینوں اور گدی خانوں میں غنیمت ہے۔آپ نے حال میں ایک کتاب ''خدائی انکم ٹیکس'' کے نام سے شائع فرمائی ہے۔جس میں زکوٰۃ کے مسئلہ کے متعلق خامہ فرمائی کی ہے۔رسالہ اپنے رنگ میں واقعی قابل قدر اور لائقِ عزت ہے۔اسی رسالہ کے ساتھ ایک فہرست کتب مصنفہ خواجہ صاحب بھی پیوست ہے، جس کا عنوان ''آئینہ دیدار علم'' ہے۔جس کے صفحہ 34 پر ایک عجیب وغریب کتاب کا بھی اعلان ہے۔جس کا نام خواجہ صاحب کی جدت پسند طبیعت نے ''یزید نامہ'' تجویز کیا ہے۔جس کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ:

> ''یہ کتاب ''محرّم نامہ'' کا دوسرا حصہ ہے۔محرم نامہ تو بطور ایک افسانہ کے لکھا گیا تھا۔یزید نامہ اس کی مؤرخانہ شرح ہے جس میں اول خلافت سے لے کر واقعہ کربلا تک ہر اختلافی مسئلہ پر مدلل بحث ہوئی ہے۔اور پھر ان واقعات کا ذکر ہے جو واقعہ کربلا کے بعد پیش آئے اور یزید شمر ابن زیاد اور تمام قاتلان بنی فاطمہؓ کا حال ہے اور ان سب لڑائیوں کا تذکرہ ہے جو یزید کے زمانہ میں یا اس کے بعد واقعہ کربلا کے سبب بنی امیہ اور مسلمانوں

میں ہوئیں۔ اس کتاب کو دیکھ کر خواجہ صاحب کے وہ مخالف، جو محرّم نامہ پر تاریخی اعتراض کرتے ہیں، خود تسلیم کرلیں گے کہ محرم نامہ باعتبار واقعات تاریخ بالکل معتبر اور مکمل کتاب ہے۔'' (صفحہ 34 خدائی انکم ٹیکس'' مطبوعہ ہلال پریس۔دہلی)

مذکورہ بالا عبارت سے جن الفاظ کو ہم نے جلی کر دیا ہے صرف وہ حصہ غور طلب ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت خواجہ صاحب کے خیالات کے مطابق بنی امیہ کو مسلمانوں سے الگ دکھایا گیا ہے۔ جس سے یہ سمجھ میں آنا ایک امر لازمی ہے کہ خواجہ صاب کا غالباً یہی مذہب ہے کہ بنی امیہ مسلمان نہیں تھے۔ اس لئے آپ نے اس اختلاف کے باعث، جو بنی فاطمہؓ اور بنی امیہ میں سیاسی لحاظ سے ظہور پذیر ہوا، نہ کہ مذہبی اور دینی پہلو کے لحاظ سے، اول الذکر کو مسلمان اور ثانی الذکر کو محض بنی امیہ لکھا۔ تاکہ فرق بین ظاہر ہو جائے۔ اگر یہ صورت، جو خواجہ صاحب کے تخیلات کا نتیجہ ہے، قابل قبول ہے تو بہت سی مشکلات رونما ہوتی ہیں۔

کیونکہ تاریخ کے اوراق پر یہ مسطور و مکتوب ہے کہ بعد خلافت اربعہ کے نشرِ اسلام کا موجب صرف بنی امیہ ہی ہوئے ہیں۔ اگر وہ مسلمانوں سے الگ کوئی شخصیت رکھتے ہیں جن پر لفظ مسلمان اطلاق نہیں پاسکتا تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ جو حضرات بنی امیہ کے ذریعہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، وہ بھی دراصل مسلمان نہیں ہوسکتے۔ عقبہ بن نافعہ الفہری، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، محمد بن قاسم، مسلمہ بن عبدالملک وغیرہ وغیرہ سب ہی امیہ کے روشن گہر اور خادمان اسلام اور اسلام کی اشاعت کا ذوق وشوق عملی رنگ میں رکھنے والے اور اسلام کو دنیا کے کناروں تک پھیلانے کے متمنی ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ ہندوستان میں بھی اسلام دراصل بنی امیہ کے طفیل ہی آیا ہے۔ یعنی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے وقت محمد بن قاسم وغیرہ نے ہی اپنے نیک نمونوں سے انتشارِ اسلام اس 33 کروڑ دیوتاؤں کی بھومی میں کیا۔ افریقہ، مصر، عراق، عرب وغیرہ میں اسلام کا پھریرہ اڑانے والے اور اندلس کی سرزمین کو عسلِ اسلام سے شیریں کام بنانے والے بنی امیہ ہی ثابت ہوتے ہیں۔ بنی امیہ نے جو خدمات اسلام کی کیں ان کا اسلام تا قیامت مرہونِ منت رہے گا۔ لیکن افسوس کہ ایک حجرہ نشین اور خانقاہ کے پاس تکیہ لگانے والے کے نزدیک بنی امیہ مسلمانوں سے الگ درجہ پر رہنے کے قابل ہیں۔ خواجہ صاحب! یزید اور ابن زیاد کی سیاہی حرکتوں پر خواہ کچھ ہی لکھیں، یزید کو جس قدر چاہیں طمانچے ماریں اور ابن زیاد کو جس قدر ہوسکے گالیاں دیں،

مگر للہ بنی امیہ کو اسلام سے خارج اور غیر از اسلام ہونے کے اشارے کنائے نہ کریں۔ کیونکہ اس کا نتیجہ اسلام کے حق میں نہایت خطرناک قرار پاتا ہے۔

یزید اور ابن زیاد کی حرکتوں سے اللہ تعالیٰ واقف ہے۔ کراماً کاتبین نے خدا کے روبرو ان کے افعال اور کردار پیش کر دیئے ہوں گے۔ اب ہم کو کیا ضرورت ہے کہ یزید کے منہ پر طمانچے مارنے کے لئے سعی بلیغ کریں۔ جبکہ یزید کا منہ ہی ہم کو صفحہ دہر میں نظر نہیں آتا اور نہ امام حسین علیہ السلام کو ہم ان آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس وقت نہ تو ہم یزید کو کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ امام حسینؑ کو کچھ فائدہ پہنچانے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وقت ہاتھ سے نکل گیا۔

''گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں'' کی مثل کو زیرِ نظر رکھنا چاہئے۔ البتہ بنی امیہ کے احسانات، جو اسلام پر ہیں، وہ ہرگز بھولنے کے لائق نہیں ہیں۔ خواجہ صاحب غالباً اس امر سے بھی غافل و بے خبر نہ ہوں گے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی آخر بنی امیہ میں سے ہی تھے۔ انہوں نے جناب علیؓ کے متعلق جو کام کیا وہ کیسا عظیم الشان کام ہے! جس سے آج وہ فرقہ قریباً ناپید ہے کہ جو مولیٰ علیؓ پر تبرّہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ اگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوتے تو نہ معلوم آج وہ حضرات، جو حضرت علیؓ کو تبرہ کرنا جائز سمجھتے تھے، کس قدر زور پر ہوتے۔ معاویہ بن یزید اور عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے نیک انسان بنی امیہ میں ایسے ملتے ہیں کہ جن کا شیدایانِ حضرت علی مرتضیٰ کو ممنون ورہینِ منت ہونا فرض ہے۔ اگر ان لوگوں جیسی ہمدردی کی روح علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابوسفیان کے طرفداروں میں ہوتی تو محرم کا واقعہ ہی پیش نہ آتا۔ مگر جو ہونا تھا، وہ ہوگیا۔ سانپ نکل گیا، اب لکیر پیٹنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے! اس لئے یہ منطق سراسر نرالی ہے کہ بنی امیہ مسلمانوں سے الگ شخصیت رکھتے ہیں۔ سیاسی معاملات، رقبہ اسلامیہ کی حفاظت اور قیام امن کے لئے کسی کا کچھ کرنا امر دیگر ہے۔ جس پر قلم اٹھانے کی نہ تو ہم کو ضرورت ہے اور نہ خواجہ صاحب کو۔ کیونکہ یہ معاملہ عوام کے لئے باعث فتنہ ہے۔ خواجہ صاحب کا فرض ہے کہ وہ یہ بتلائیں کہ کیا وہ دراصل بنی امیہ کو مسلمانوں سے الگ سمجھتے ہیں بلکہ کفر یقین کرتے ہیں؟ امید ہے کہ خواجہ صاحب اس مضمون کو پڑھ کر خاموش نہ ہو جائیں گے، بلکہ مردِ میدان بن کر اپنی پوزیشن کو صاف کریں گے۔

ایک قدر دان خادمانِ اسلام

13 مئی 1917ء

مکتوب امیر

سود کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب

(ارادہ ہے کہ اس عنوان کے تحت وہ تمام خطوط وقتاً وقتاً شائع ہوتے رہیں، جو مسائل دینیہ پر حضرت امیر کی طرف سے لوگوں کے سوالات کے جوابات میں لکھے جاتے ہیں۔ ذیل کا مکتوب کسی صاحب کے ایک سوال کے جواب میں کہ ''سود کو اشاعتِ اسلام پر خرچ کرنے کے لئے جائز رکھا گیا ہے۔'' حضور نے لکھ کر بھجوایا ہے۔ جو انشاء اللہ بہت سے شکوک کے ازالہ کا موجب ہوگا۔ مدیر)

☆

مکرمی و معظمی جناب بابو صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا خط پہنچا جس میں تفسیری نوٹوں کی اس عبارت پر ''بنکوں کے سودی روپیہ کو خاص شرائط کے ماتحت اشاعت اسلام کے لئے جائز قرار دیا ہے'' چند سوال کیے ہیں اور ایک آدھ جگہ بیجا نکتہ چینی بھی کی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ اجتہاد سود کے بارے میں کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ اور اس کے خلاف ہونے پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ رسولؐ خدا اور خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں کفار سے لڑائیاں ہوئیں اور روپیہ کی ضرورت پڑی۔ مگر پھر بھی آپؐ نے اور آپ کے خلفاءؓ نے سود کے روپیہ کو اس کام کے لئے جائز نہیں قرار دیا۔ علاوہ اس کے قرآن اور حدیث میں اس کے جواز کے لئے کوئی استثنا بھی نہیں۔

آپ اس کے جواز کے لئے قرآن اور سنت سے کھلی کھلی سند چاہتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ اجتہاد کرنا ہی تب پڑتا ہے جب کسی چیز کا جائز اور ناجائز ہونا کتاب اور سنت سے صریح طور پر معلوم نہ ہو۔ اور نہ ہی اس کے جواز کے لئے قرآن اور حدیث میں کوئی کھلا کھلا استثنا ہو۔ اگر کسی چیز کا جائز اور ناجائز ہونا قرآن اور حدیث میں

صریح طور پر موجود ہے تو اس کے جواز کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہی کیا ہوئی۔ مجتہد کو اجتہاد کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب ایک مشکل قرآن اور حدیث سے بظاہر حل نہیں ہوتی۔ اور اس کا حل قرآن اور حدیث کے مفہوم میں موجود ہوتا ہے۔ تب مجتہد اپنے اجتہاد سے اس مشکل کو حل کرتا ہے۔

میری تحریر کا یہ منشاء نہیں کہ جو لوگ صاحب مال ہیں وہ اپنا روپیہ ضرور سود پر لگائیں یا بنکوں میں جمع کرائیں۔ اور وہاں سے سود لے کر اس کو اشاعت اسلام کے لئے ہم کو دیں یا مسلمانوں کی جس جماعت کے ہاتھ میں اشاعت اسلام کا کام ہے اس کے سپرد کریں۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنا روپیہ حفاظت کے لئے بنکوں میں رکھا ہوا ہے اگر وہ سود وہاں سے لیں تو وہ اس کو اپنے نفس پر اور اپنے اہل وعیال کے نفس پر خرچ نہ کریں، کیونکہ یہ قطعی حرام ہے۔ بجائے اس کے اشاعتِ اسلام کے کام پر خرچ کریں۔ ایسا کرنے سے ان پر کوئی گناہ نہیں۔

یہ اجازت ایک اضطراری حالت میں ہے۔ کیونکہ اسلام کی اشاعت کا کوئی سامان مسلمانوں میں نہیں رہا۔ زکوٰۃ اول تو لوگ دیتے نہیں۔ جو دیتے ہیں وہ خود جہاں چاہتے ہیں خرچ کر لیتے ہیں۔ اشاعتِ اسلام کا مہتم بالشان کام کسمپرسی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ پس! جن لوگوں کو یہ کام کرنا پڑتا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کیسی اضطراری حالت واقع ہوگئی ہے۔ اضطراری حالت میں جب خنزیر کھانے کی اجازت نفسانی ضرورتوں کے واسطے ہے، تو اسلام کی ہمدردی کے واسطے اگر انسان دین کو ہلاکت سے بچانے کے لئے سود کے روپیہ کو اشاعتِ اسلام پر خرچ کر دے تو کیا قیامت ہے! یہ اجازت مختص المقام اور مختص الزمان ہے۔ جب اسلام کی نازک حالت نہ رہے تو اس کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ کیونکہ سود کا عام حکم حرمت ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن اور حدیث میں اس کے جواز کے لئے کوئی استثنا نہیں۔ میں اس بات کو مانتا ہوں کہ بظاہر کوئی استثنا نہیں۔ اگر استثنا ہوتا تو جھگڑا ہی کاہے کو ہوتا! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ شراب کے استعمال کے لئے قرآن اور حدیث میں کونسا استثنا ہے؟ جب اس کے لئے کوئی استثنا نہیں تو ضرورت کے وقت بطور دوائی اس کا استعمال کیوں جائز ہے؟ جبکہ اس کا استعمال حرام ہے۔!

پھر آپ فرماتے ہیں کہ رسول خدا اور خلفاءؓ کے زمانہ میں جنگوں کے لئے روپیہ کی اشد ضرورت تھی۔ مگر

انہوں نے سود کے جواز کو جائز نہ ٹھہرایا۔ اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ اس وقت دین اسلام ایسی غربت اور کسمپرسی کی حالت میں نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ اور نہ ہی اس وقت مسلمان دین اسلام اور اس کی ضروریات سے ایسے غافل تھے جیسا کہ اب ہیں۔ انہوں نے اپنے مال کیا بلکہ اپنی جانیں بھی خدا کی راہ میں قربان کر دیں۔

اِس وقت کے مسلمانوں کی عملی حالت نہایت ردّی ہے اور ایثار کا مادہ ان میں رہا ہی نہیں۔ اگر یہ لوگ با قاعدہ زکوٰۃ دیتے اور دین اسلام کی ہمدردی کے لئے کھڑے ہو جاتے تو ایسے سود کے جواز کی ضرورت ہی کیا تھی!

یہ ایک اضطراری حالت میں ہمارے امام نے اس کے جواز کے لئے فتویٰ دیا۔ اور اس فتویٰ دینے میں نہایت احتیاط ہوتی ہے۔ پھر اس قسم کی ایک نظیر ہمیں ملتی ہے جو اگرچہ سود کے بارے میں نہیں مگر شرطِ مال کے بارے میں ہے۔ جو درحقیقت ایک قسم میسر ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ ان اونٹوں کو، جو انہوں نے غُلِبَتِ الرُّوْمُ (2:30) والی پیشگوئی کے متعلق شرط میں جیتے تھے، ذبح کر کے مساکین کو کھلا دیں۔ یہ بھی ہمارے اجتہاد کی ایک دلیل ہے۔ ایسا ہی بعض علماء نے دارالحرب میں سود کا لینا جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ دارالامن میں وہ جائز نہیں مانتے۔ ان کے پاس کونسی صریح حدیث ہے۔ خلفاء کا طرز عمل ہے؟ ان پر کیوں اعتراض نہیں؟ حالانکہ وہ اپنے نفس کے لئے لیتا ہے۔ اور یہاں صرف ایک دینی ضرورت کے لئے!

باقی رہا آپ کا یہ فرمانا کہ اس طرح امن اٹھ جائے گا اور ہر دشمن اسلام کا مال لوٹ لینا ایک مستحسن امر سمجھا جائے گا۔ ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ یہاں تو اسلام کے دشمنوں یا دوستوں کا سوال نہیں۔ یہ اعتراض ان پر ہوسکتا ہے جو دارالحرب میں سود لینے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ سود اور لوٹ کے مال میں بڑا فرق ہے۔ سود والا اپنی رضا مندی سے دیتا ہے۔ لوٹ یا ڈاکہ یا دھوکہ میں دوسرے پر ظلم ہے۔ سود نہ لینا اپنے حق کو چھوڑنا ہے۔ جو عرف عام میں ایک گونہ حق قرار پا گیا ہے اور ڈاکہ یا چوری دوسرے کے حق کو چھیننا ہے۔ اس لئے سود کا لینا عرف عام میں جائز ہے۔ مگر ڈاکہ چوری وغیرہ جائز نہیں۔

اسلام چونکہ بہت اعلیٰ درجہ کے اخلاق ایک مسلمان کے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے، اس لئے اس نے اپنے اس حق کو قربان کرنے کی تعلیم دی ہے تا کہ ہمدردیٔ انسانی کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ انسان دکھائے۔ اور سود کے لینے

سے عام طور پر جو ذلیل اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں، ان سے ایک مسلم بچا رہے۔ یہ ایک بین فرق دونوں صورتوں میں ہے۔ اگر کوئی ناجائز حیلے نکال کر اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنا چاہے تو کیا ہم اس کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں؟

آخر میں آپ نے بیجا نکتہ چینی کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انگلستان میں تو سودی روپیہ اشاعت میں خرچ ہوتا ہے۔ اس لئے لارڈ ہیڈ لے اسلام لائے بھی تو نامکمل طور پر اور شراب بھی نہ چھوڑی۔ معلوم نہیں کہ آپ کو اس کا علم کس طرح ہوا۔ کیا آپ کو آیت وَلَاتَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (36:17) یاد نہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہاں کے مسلمان جو نسلاً بعد نسلٍ مسلمان ہیں اور وہ سودی روپیہ سے مسلمان بھی نہیں ہوئے۔ کیا ان میں سے کوئی شراب نہیں پیتا، نہ کوئی چوری کرتا ہے، اور نہ کوئی زنا کرتا ہے؟ ایسی نکتہ چینی بہت بیجا ہے۔ کیا ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں میں، کیا ان لوگوں کے اندر جو دشمنانِ اسلام کے ساتھ جنگ کرتے تھے، اور جہاد میں شامل تھے، کیا ایسی نظریں نہیں ملتی ہیں کہ کسی شخص نے شراب پی لی ہے۔ یا کیا بعض لوگ ان میں سے، جن کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کیا، مرتد نہیں ہو گئے! اور منافقوں کی جماعت کا ذکر قرآن کریم میں بار بار نہیں آتا؟ یہ نامکمل مسلمان کون ہوئے! ایسے اعتراض کرنے میں تقوٰی سے کام لینا چاہئے۔ پھر آپ کو کیا علم ہے کہ لارڈ ہیڈ لے کے اندر کس قدر اسلامی غیرت ہے۔ اس کی ایک لغزش کو پلے باندھ لینا یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ اس شراب نوشی سے بھی بدتر کام ہے۔

☆☆☆

مرزا محمود احمد صاحب جواب دیں

مکرم معظم جناب ایڈیٹر صاحب پیغام صلح۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں نے دیر ہوئی کہ مفصل ذیل عریضہ جناب مرزا محمود احمد صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا اور لکھا تھا کہ کسی اخبار کے کونے میں شائع کر کے جواب دیں۔ مگر تا حال کسی اخبار میں میری نظر سے نہیں گذرا۔ اس واسطے معروض ہوں کہ آپ اپنے اخبار گوہر بار میں شائع فرما کر خاکسار کو ممنون فرما دیں۔

مکرم و معظم جناب صاحبزادہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ذیل عبارت کو غور و تدبر کا بار دے کر معہ جواب باصواب کسی کونۂ اخبار میں مزین فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ بصورت دیگر عریضہ ہذا کو اگر ردی کی ٹوکری میں ڈالیں تو بندہ کسی دوسرے اخبار میں شائع کرا دے گا۔

☆ کمترین خاتم نبوت و مستقل نبی و رسول اسمہٗ احمد کا مصداق خاص ہستی فاراں کے ہی نبیؐ کو مانتا ہے۔ ہاں اس نبی کے چشمۂ فیض سے مستفیض ہو کر ظلی، بروزی، طفیلی نبی اور رسول ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جناب مسیح موعود بھی اسی ظلی، بروزی، طفیلی زمرہ میں سے نبی اور رسول ہیں۔ جیسا کہ ان کی تحریرات سے اظہر من الشمس ہے۔

☆ کسی کلمہ گو اور مشارک قبلہ کو کافر کہنا یا ماننا صریحاً خلافِ عقائد جناب مسیح موعود ہے۔ ہاں جب تک وہ احمدیوں کو یا دوسرے لفظوں میں جناب مسیح موعود کو خلیفہ حق ماننے والے کو کافر کہہ کر خود ہی یہ جامہ نہ پہن لیں۔

☆ کمترین ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ کے لئے بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ جناب مسیح موعود کی تمام تحریرات و کتابیں 1902ء تک مسئلہ نبوت کے متعلق منسوخ ہیں۔

☆ کیا ان عقائد کا انسان بھی اپنے آپ کو آپ کے مریدین میں سمجھ سکتا ہے۔ بصورت خاموشی ایک ماہ بعد آپ کی بیعت کا جُوآ اپنے کاندھوں سے اترا سمجھوں گا اور شائع کر دوں گا۔

احقر چراغ شاہ احمدی ولد قطب شاہ

ساکن ٹبہ سیالکوٹ حال وارد لائل پور

ملازم شیخ غلام باری صاحب بیرسٹر ایٹ لاء

❁❁❁

16 مئی 1917ء

اداریہ

زلزلہ کی پیشگوئی پر اعتراض کا جواب

(از حضرت امیر مولیٰنا محمد علی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز)

(حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی کے پورا ہونے پر مخالفین کی طرف سے کچھ اعتراضات ہوئے ہیں، جن کا جواب آج ہی کے اداریہ میں حضرت امیر ایدہ اللہ کی طرف سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ مدیر)

میں نے ایک اعلان کے ذریعہ حضرت مسیح موعود کی اس پیشگوئی کی طرف طالبانِ حق کو توجہ دلائی تھی۔ جس کی کھلی کھلی علامت زارِ روس کی علیحدگی تاج وتخت میں ظاہر ہوئی۔ جن لوگوں کو حق سے کچھ واسطہ نہیں بلکہ ان کی غرض ہی حضرت مسیح موعود کی مخالفت ہے۔ انہوں نے ایسی صریح اور کھلی پیشگوئی کی طرف سے بھی آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسَهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (14:27) کا مصداق ثابت کیا ہے۔ بہتیرے کج طبع اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ چونکہ زلزلہ کا لفظ پیشگوئی میں موجود ہے، اس لئے جنگ اس کی مصداق نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ خود حضرت مسیح موعود کے اپنے الفاظ نقل کئے گئے تھے کہ جہاں پیشگوئی ہے وہیں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ:

> ''ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو۔ جو قیامت کا نمونہ دکھلا سکے۔ جس کی نظیر کبھی اس زمانے نے نہ دیکھی ہو اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے۔''

اور لغت کا حوالہ بھی دیا گیا تھا۔ اس پیشگوئی کی اشاعت کے وقت بھی حضرت مسیح موعود پر یہ اعتراض کیا گیا تھا۔ جو پیسہ اخبار مورخہ 22 مئی 1915ء میں چھپا ہوا موجود ہے کہ:

''جناب مقدس مرزا صاحب نے دوبارہ زلزلہ آنے کی خبر دی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا

ہے کہ مجھے علم نہیں دیا گیا کہ وہ کوئی زلزلہ ہے یا اور شدید آفت ہے۔''

اور پھر لکھا تھا کہ:

''جس حالت میں قرآن شریف میں دونوں زلزلوں کی خبر ہے۔ پھر کیوں کہا جاتا ہے کہ شاید وہ زلزلہ ہے یا کوئی اور آفت ہے۔''

جس کا جواب ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 94 پر دیا ہے کہ:

''سنت اللہ ہمیں مجبور کرتی ہے کہ تاویل احتمال بھی پیش نظر رہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک قوم کے لئے ایک جگہ فرماتا ہے وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا (11:33 مرتب) یعنی ان پر سخت زلزلہ آیا۔ حالانکہ ان پر کوئی زلزلہ نہیں آیا تھا۔''

بلکہ یہاں بھی خطرناک جنگ کے لئے ہی زلزلہ کا لفظ بولا گیا ہے۔ پس ایسی صراحت کے ہوتے ہوئے یہ اعتراض قابل توجہ نہیں۔ البتہ ایک صاحب محمد صدیق نام لاہور سے ایک اعتراض کرتے ہیں جو انہوں نے ایک خط میں میرے نام لکھا ہے۔ اس کا جواب بیشک ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ حضرت صاحب نے اسی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے کہ یہ زلزلہ نمونہ قیامت میری زندگی میں ہوگا۔ اور ضمیمہ صفحہ 93 کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ:

''اگر وہ آخر کو کوئی معمولی بات نکلی یا میری زندگی میں اس کا ظہور نہ ہوا تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔''

یہ اعتراض بیشک قابل غور ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ جیسا کہ میاں محمد صدیق صاحب نے یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ اعتراض وہ محض خدا کے خوف سے کرتے ہیں۔ ''کیونکہ اس کے ساتھ بعض کی زندگی اور حیات کا معاملہ ہے۔'' اسی طرح وہ خوفِ خدا کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اب اس بات پر بھی غور کریں گے کہ حضرت مسیح موعود کے الہامات اور آپ کے ان الفاظ سے کیسی صداقت ثابت ہوتی ہے۔

یہ بالکل سچ ہے کہ کتاب براہینِ احمدیہ حصہ پنجم کے ضمیمہ میں حضرت مسیح موعود نے یہی تحریر فرمایا ہے کہ پہلا زلزلہ میری زندگی میں ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ واقعات اور دوسرے الہامات کو بھی دیکھنا ضروری ہے۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم اور اس کا ضمیمہ ایک ایسی کتاب ہے جو حضرت مسیح موعود کی زندگی میں شائع نہیں ہوئی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کتاب لکھی کب گئی؟ سو اس کے لئے ہمیں زیادہ تحقیقات کی ضرورت نہیں۔ بلکہ خود اس کتاب کے صفحہ 120 پر جہاں اشعار میں زلزلہ کی پیشگوئی درج کی ہے وہیں اس کی تاریخ بھی حضرت کے اپنے قلم کی لکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی اس مصرعہ سے شروع ہوتی ہے۔ ''اک نشان ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد۔'' جس کے نیچے یہ الفاظ لکھے ہوئے موجود ہیں۔ ''تاریخ امروزہ 15 اپریل 1905ء''۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ اشعار اس تاریخ کو اس کتاب میں لکھے گئے۔ اب اصل کتاب تو یہیں صفحہ 120 پر ختم ہو جاتی ہے اور یہ اس کا آخری صفحہ ہے، جو 15 اپریل 1905ء کو لکھا گیا۔

اور یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ حضرت صاحب کی کتب جو بعد میں شائع ہوئیں وہ چھپی آپ کی زندگی میں ہی تھیں۔ بلکہ مسودہ لکھنے کے ساتھ ساتھ ہی چھپتی جاتی تھیں۔ ناتمام رہنے کی وجہ سے یا بعض دوسری کتابوں کے درمیان میں آجانے کی وجہ سے ان کی اشاعت آپ کی زندگی میں نہیں ہوئی۔ تو یہ اوراق تاریخ مذکورہ کے قریب قریب طبع ہو چکے تھے۔ انہیں ایام میں یعنی 11 مئی 1905ء کو آپ نے ایک اشتہار اسی زلزلہ کے متعلق شائع کیا۔ جس پر پیسہ اخبار مورخہ 22 مئی 1905ء میں کچھ اعتراضات کئے گئے۔ اور ان اعتراضات کے جواب میں حضرت مسیح موعود نے اسی کتاب کا ایک ضمیمہ شروع کر دیا۔ کیونکہ یہ کتاب زلزلہ کی پیشگوئی پر ختم ہوتی تھی۔ اس لئے ساتھ ہی ان اعتراضات کا جواب شروع ہو گیا۔ چنانچہ یہ ضمیمہ ذیل کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

> ''ایک صاحب محمد اکرام اللہ نام نے، روزانہ پیسہ اخبار مورخہ 22 مئی 1905ء میں میرے ان اشتہارات کی نسبت جن میں اول دفعہ اور دوم دفعہ کے زلزلہ کی نسبت پیشگوئیاں ہیں، کچھ اعتراض شائع کیے ہیں۔''

ان اعتراضات کا جواب ضمیمہ مذکور کے صفحہ 1 سے لے کر 102 تک چلتا ہے اور صفحہ 102 سے مزید اعتراضات کا جواب شروع ہوتا ہے، جو مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے پیسہ اخبار 19 جون 1905ء میں

شائع کئے تھے۔ان دونوں اعتراضات کی نوعیت ملتی جلتی ہے یعنی ایک ہی اشتہار پر ہیں۔اور ظاہر ہے کہ محمد اکرام اللہ صاحب کے اعتراضات مندرجہ اخبار 22 مئی 1905ء کا جواب لکھا جاچکا ہے۔ جب 19 جون کا پیسہ اخبار حضرت صاحب کو ملتا ہے اور اس میں مزید اعتراضات ہیں۔جن کا جواب ضمیمہ صفحہ 102 سے شروع کیا جاتا ہے۔ پس یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ حضرت صاحب کی کتاب کا وہ حصہ جو ضمیمہ صفحہ 1 سے 102 تک ہے وہ 22 مئی اور 19 جون 1905ء کے درمیان لکھا گیا۔اور اس میں یعنی ضمیمہ صفحہ 93 یا بعض دوسرے مقامات میں یہ عبارت ہے کہ ''یہ ضروری ہے کہ یہ زلزلہ میری زندگی میں آئے۔'' جس سے معلوم ہوا کہ حضرت صاحب کو ان عبارات کے لکھنے کے وقت یہی علم دیا گیا تھا کہ یہ زلزلہ آپ کی زندگی میں آنے والا ہے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کیا اس کے بعد اس علم میں کوئی تبدیلی واقعہ ہوئی اور اس کو حضرت مسیح موعود نے شائع فرمایا۔ دسمبر 1905ء میں آپ کو بہت سے الہامات اس امر کے متعلق ہوئے کہ آپ کی اجل قریب آگئی ہے۔ یہ الہامات ایک رسالہ الوصیت نام میں آپ نے دسمبر 1905ء میں ہی لکھ کر شائع فرما دیئے۔ان الہامات میں یہ الہام بھی ہے قَرُبَ اَجَلُکَ الْمُقَدَّرُ (اردو ترجمہ۔تیری اجل قریب آگئی ہے) اور یہ بھی کہ ''بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں'' اور یہ بھی کہ وَاِمَّانُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُ ھُمْ اَوْنَتَوَ فَّیَنَّکَ (46:10) یعنی چاہیں تو ہم تمہیں بعض وہ امور دکھلا دیں جن کا ان کے ساتھ وعدہ کرتے ہیں یا تمہیں وفات دے دیں۔جس میں یہ صاف اشارہ پایا جاتا ہے کہ بعض امور جن کا وعدہ دیا گیا تھا، بعد از موت واقعہ ہوں گے۔

اگر اسی قدر بات رہتی تو ایک معترض کو پھر بھی نکتہ چینی کی گنجائش تھی۔لیکن چونکہ یہ ایک بڑی اہم پیشگوئی تھی اس لئے الہامِ الٰہی نے اس میں اور بھی وضاحت کر دی۔اور اس کتاب کے لکھا جانے کے بعد اوران اوراق کے طبع ہو جانے کے بعد اور پہلی خبر سے قریباً گیارہ ماہ بعد حضرت مسیح موعود پر یہ ظاہر کیا گیا کہ زلزلہ کے وقت میں تاخیر ڈال دی گئی ہے۔ چنانچہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ اپریل 1906ء میں صفحہ 122 پر ذیل کے رؤیا اور الہامات درج ہیں۔

☆27 مارچ 1906ء۔فرمایا آج زلزلہ کے وقت کے لئے توجہ کی گئی تھی کہ کب آوے گا۔
اسی توجہ کی حالت میں زلزلہ کی صورت آنکھوں کے سامنے آگئی اور پھر الہام ہوا رَبِّ

اَخِّرْ وَقْتَ ھٰذَا یعنی اے میرے خدا یہ زلزلہ جو نظر کے سامنے ہے اس کا وقت کچھ پیچھے ڈال دے۔

قاعدہ نحو کے مطابق ھٰذَا کی جگہ ھٰذِہٖ چاہئے تھا۔ مگر اس جگہ ھٰذَا سے مراد ھٰذَا الْعَذَابَ ہے۔ کیونکہ اصل غرض تو عذاب سے ہے۔ ورنہ زلزلے تو پہلے بھی آ چکے ہیں۔

☆ پھر بعد اس کے ساتھ ہی یہ الہام ہوا رَبِّ سَلِّطْنِیْ عَلَی النَّارِ یعنی اے میرے خدا مجھے آگ پر مسلط کر دے۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور الہام درج ہے۔

☆'' 28 مارچ 1906ء اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُسَمًّی اللہ تعالیٰ نے اس میں تاخیر ڈال دی ہے وقت مقرر تک۔ فرمایا چھوٹے زلزلے تو آتے رہتے ہیں۔ لیکن سخت زلزلہ جو آنے والا ہے اس کے وقت میں تاخیر ڈالی گئی ہے۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ تاخیر کتنی ہے۔''

اس تصریح کے بعد اب کسی شخص کو یہ گنجائش نہیں کہ وہ اس بات پر اعتراض کرے۔ جو کچھ پہلے آپ کو بتایا گیا۔ اس میں یہی بتایا گیا کہ آپ کی زندگی میں وہ واقعہ ہائلہ آنے والا ہے۔ لیکن یَمْحُوا اللّٰہُ مَایَشَآءُ وَیُثْبِتُ (39:13) اللہ تعالیٰ کی مصلحت نے یہی چاہا کہ آپ کی زندگی میں یہ واقعہ نہ ہو۔

چونکہ یہ کتاب حضرت صاحب کی زندگی میں شائع نہیں ہوئی۔ اس لئے آپ کو یہ موقعہ بھی نہیں ملا کہ اس عبارت میں، جو اس کتاب میں لکھی گئی تھی، ترمیم فرماتے۔ بہر حال جہاں تک اشاعت کا سوال ہے۔ اس زلزلہ عظیم کے وقت میں تاخیر کے واقع ہو جانے کا ذکر، یعنی آپ کی زندگی میں اس کا ظاہر نہ ہونا، براہین احمدیہ حصہ پنجم کی اشاعت سے، جس میں زلزلہ کی تفصیلی خبر ہے، مدت پہلے شائع ہو چکا اور کافی طور پر شائع ہو چکا۔ یعنی سلسلہ کے سارے اخبارات اور رسالوں میں اس کی اشاعت ہو چکی۔ اور اس کے بعد کوئی شخص انصاف سے کام لے کر یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ زلزلہ آپ کی زندگی میں کیوں نہیں ہوا۔ بلکہ اس میں حضرت مسیح موعود کی صداقت کا ایک نشان ہے کہ کس صفائی سے، جو بات آپ پر ظاہر ہوتی تھی، وہ آپ شائع فرما دیتے تھے۔ اور آپ کے الہامات کے منجانب اللہ ہونے پر بھی یہ ایک قطعی اور فیصلہ کن دلیل ہے۔ جو چاہے اس سے فائدہ اٹھائے۔

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خود الہامات سے صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ زلزلہ سے مراد واقعی کوئی اور واقعہ ہائلہ ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر کی تحریر میں درج ہے۔ اس کی طرف جب اشارہ کیا گیا تو ایسے لفظ سے اشارہ کیا گیا جو زلزلہ کے لئے نہیں بلکہ مطلق عذاب کی طرف اشارہ ہے۔ اور پھر ساتھ ہی دوسرے الہام میں **سَلِّطْنِیْ عَلَی النَّارِ** کے لفظ بتاتے ہیں کہ اسی زلزلہ کو **نَارٌ** بھی کہا ہے۔ اور نار کا لفظ استعارةً جنگ کے لئے بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں بھی ہے **كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَايُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ** (64:5) یہ باتیں ان لوگوں کے لئے، جو دل رکھتے ہیں، سوچنے کو کافی ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے **وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ** (105:12)

❁❁❁

13جون1917ء

مکتوب امیر

سماعِ موتیٰ

(کسی صاحب نے سمع موتیٰ کے متعلق چند سوالات بذریعہ خط بھیجے تھے۔ ان کا مفصل جواب حضرت امیر کے ارشاد کے مطابق مکرم حکیم محمد حسین صاحب مریم عیسیٰ نے لکھا ہے اوراس کے ساتھ ہی خود حضرت امیر نے بھی اصولی رنگ میں اس مسئلہ پر مختصراً روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں ان ہر دو چٹھیات کو برائے افادہ قارئین کرام شائع کیا جاتا ہے۔ مدیر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اخویم مکرم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

آپ کے خط کا مفصل جواب میں نے حکیم محمد حسین صاحب سے لکھوایا ہے۔ کیونکہ مجھے فرصت کم تھی۔ ایسے معاملات میں ہمیشہ پہلے ایک اصول قائم کر لینا ضروری ہوتا ہے۔ کیا قرآن کریم اوراحادیث نبوی کی مجموعی شہادت اس بات کی مؤید ہے کہ مردے سنا کرتے ہیں۔ خواہ کافر ہوں یا مسلم یا صالح یا نبی، یا اس کے خلاف جو واقعات پیش کئے جاتے ہیں ان میں تو کفار کے بھی سن لینے کا استدلال اسی طرح ہوسکتا ہے، جس طرح صلحاء کے۔ پس کوئی مابہ الامتیاز نہ رہا۔لیکن جب ہم مجموعی شہادت کو دیکھیں گے تو ایسا اعتقاد صاف خلافِ قرآن نظر آتا ہے۔ پس ایسے واقعات جن سے خلافِ قرآن کوئی استدلال ہو، اُن کی ہم لازماً ایسی تاویل کریں گے کہ وہ قرآن کے ماتحت ہوجائیں۔اور یہی ہر ایک مسلمان کا فرض ہونا چاہئے۔

قرآن نے آخر کوئی اصول قائم کئے ہیں۔ یہ تو ہونہیں سکتا کہ کہیں کہہ دے کہ مردے نہیں سنا کرتے اور کہیں کہہ دے کہ وہ سن لیا کرتے ہیں۔ پس پہلے یہ دیکھنا ہے کہ زیادہ وضاحت کے ساتھ آیاتِ قرآنی سے کونسی

بات ثابت ہوتی ہے۔ وہ یہی ہوگی کہ مردے سنا نہیں کرتے۔ وہ اور عالم میں ہیں اور ہم اور عالم میں۔ پس اب جس قدر امور سے یا احادیث سے اس کے خلاف کوئی شہادت پیدا ہو، اس کو قرآن کے ماتحت کرلیں گے اور اس کی مناسب تاویل کرلیں گے۔ ورنہ خدا کے کلام کے سامنے کسی صحابیؓ کا استدلال کوئی حجت بھی نہیں۔

والسلام

محمد علی

☆☆☆

جواب از حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمُدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِیۡمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! بجواب خط عرض ہے کہ ہر ایک مولوی اور مشائخ جو علاوہ کتاب اللہ المجید وسنت رسول اللہ الحمید کے کوئی حکم دین اسلام میں کسی اور کتاب سے بیان کرتا ہے وہ ہر طرح ردّ کرنے کے لائق ہے۔ سرودوں کی مجالس، پیرزادوں کے کشف وکرامت، مریدوں کا رقص اور وجد کرنا، حضرت نبی کریم رؤف رحیم رحمۃ للعٰلمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب اور حاضر وناظر مانا جانا، اور یہ کہ رزق بھی وہی صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرماتے ہیں، وغیرہ وغیرہ من گھڑت، خانہ ساز وہم وخیال سب کے سب بہتان وافتراء علی اللہ ہیں۔ جو سراسر ثمرہ ونتیجہ سفاہت وجہالت وبےخبری ونادانی کتاب اللہ المجید کا ہے۔ ایسا ہی تقریبات دربارہ وفات، محرم اور بڑے پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی گیارہویں وغیرہ کا کھانا، ولیوں کے عرسوں پر جانا، اُن کی قبروں پر نذر ونیاز چڑھانا، سب باطل اور حرام ہے۔ یہ ان پیروں اور سجادہ نشینوں کے خانہ ساز راستے اور طریقے ہیں، جنہوں نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا ہے۔

لوگوں کو سمجھانا چاہئے کہ یہ باتیں اصل اسلام میں یعنی قرآن اور حدیث میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لئے ان مذکورہ بالا باطل پیشواؤں کی سند لینا اوران کی شفاعت پر بھروسا کرنا سراسر سفاہت وحماقت ہے۔

سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، کسی شخص کے قول یا فعل کو دینِ اسلام میں قابل اعتبار و اعتماد بطور سند شرعی کے جاننا بھی بموجب ضلالت و گمراہی ہے۔تصور شیخ کا مسئلہ اور ہمہ اوست کا مسئلہ ہندوؤں کی ایجاد اور ہندوؤں سے ہی لیا گیا ہے۔قلب جاری ہونے کا مسئلہ بھی ہندوؤں سے ہی لیا گیا ہے۔قرآن وسنت میں ان باتوں کا ذکر کہیں نہیں۔قلب جاری ہونا وغیرہ دراصل ایک کھیل ہے جو سادہ لوح جہلا کو اپنے دام میں پھنسانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ان خیالی باتوں اور کھیلوں کا اصلاحِ نفس اور روحانی امور سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ بلکہ مذکورہ بالا ایسے تمام کھیل خدا سے دُوری کا موجب ہوئے ہیں۔

سمع موتی کا مسئلہ بھی ہندوؤں کی ایجاد ہے۔جب مردوں کی آواز دنیا میں آ ہی نہیں سکتی،تو ہماری آواز مردوں تک کہاں جاسکتی ہے۔خواہ کوئی نبی ہو یا صدیق۔خدا تعالیٰ نے ان کے درمیان اور دنیا والوں کے درمیان قیامت تک ایک حجاب رکھ دیا ہے۔اس لئے دنیا والوں کے سب تعلق ان سے قطع ہیں۔بعض احمق میت کے ہاتھ میں کچھ آیتیں لکھ کر دیتے ہیں،بعض کفن پر آیتیں لکھ دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ،ان کا قرآن اور حدیث میں مطلق ذکر نہیں۔ فاتحہ، تیجا، چالیسواں، یہ ہر سہ کام بھی ناجائز ہیں۔اسلام میں ان کی کوئی سند نہیں۔قبور پر بیٹھ کر قرآن پڑھنا بھی شریعت میں ثابت نہیں۔ بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جس میں قبر پر بیٹھنے سے نہی پائی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو نسائی جلد اول صفحہ 257۔قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَجْلِسَ اَحَدُکُمْ عَلٰی جُمْرَۃٍ حَتّٰی تُحْرَقَ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّجْلِسَ عَلٰی قَبْرٍ.

یعنی تم میں سے کسی کا آگ کی چنگاری پر بیٹھ کر جلنا قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔اگر سماع موتی کا مسئلہ درست ہوتا تو قبر پر بیٹھ کر قرآن وغیرہ پڑھنا یا بیٹھنا کیوں منع ہوتا؟اسی لئے قبرستان میں نذر و نیاز کی نیت سے جانا یا وہاں جا کر منتیں مانگنا جائز نہیں۔ہاں وہاں جا کر اگر کوئی عبرت سیکھے اور اپنی موت یاد کرے تو جانا جائز ہے۔اب میں جناب کے سوالوں کا جواب عرض کرتا ہوں۔

سوال 1: اہلِ قبور کو زندہ آدمی اپنا کلام براہ راست کسی طریقہ پر سنا سکتا ہے۔اگرچہ قبر سے کوئی جواب نہ ملے۔مگر کیا متکلم باور کرسکتا ہے کہ مردہ نے اس کا کلام کم از کم ضرور سن لیا ہوگا۔

الجواب: میت نہ آواز سن سکتی ہے اور نہ ہم اپنا کلام براہِ راست کسی طریقے سے میت کو سنا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَايَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ. اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ.** (195-193:7)

اس آیت سے خوب صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ مر جاتے ہیں اُن کی زندگی کے نہ پاؤں رہتے ہیں، نہ ہاتھ، آنکھیں نہ کان، اور ایسا ہی نہ زبان وغیرہ۔ اور اسی وجہ سے نہ وہ چل سکتے ہیں، نہ بول سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ پکڑ سکتے ہیں۔ پس یہ کافی ثبوت ہے عدم سماعِ موتیٰ کا۔ پھر دوسری جگہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى** (80:27) اور **مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ** (22:35)۔

ایسی ہی بہت سی آیات ہیں جن سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ مُردوں میں یہ طاقت ہی نہیں کہ وہ بول سکیں اور کسی کا کلام سن سکیں۔ اس کے ثبوت کی کیا ضرورت ہے، یہ بدیہی بات ہے۔ صرف عقل کے دشمنوں اور کتاب اللہ کے منکروں کا یہ اعتقاد ہو سکتا ہے کہ وہ تو مردوں کا کلام نہیں سن سکتے لیکن مردے ان کا کلام ضرور سن لیتے ہیں!

سوال 2: اگر مردہ کے ساتھ ہمکلامی کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے یا مردہ کسی نہ کسی صورت میں کچھ نہ کچھ کلام براہ راست سن سکتا ہے تو اس کی کیا تشریح ہے؟ کیا وہ صورت قبر کے موقعہ پر جانے کے بغیر پیدا ہو سکتی ہے یا نہ۔ اگر قبر پر جانا ضروری ہے تو زندہ متکلم اور قبر کے درمیان کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کس قدر فاصلہ ہونا بکار ہے۔ اور جن مردوں کو قبر نصیب نہیں ہوئی تو ان کو اپنا کلام سنانے کا کیا ذریعہ ہے؟

الجواب: نہ مردہ کے ساتھ ہمکلامی کی کوئی صورت اس والی زندگی میں حاصل ہو سکتی ہے، نہ مردہ کسی

صورت میں ہمارا کوئی کلام براہِ راست سن سکتا ہے۔خواہ ہم قبر پر جائیں یا نہ جائیں اور خواہ مردہ کو قبر نصیب ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، خواہ اس کی قبر کہیں ہو۔ ہمارے پاس ان کو اپنے کلام سنانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے ملائکہ اس کلام کو اس تک پہنچا دیں۔ خدا تعالیٰ کے ذریعہ ہی مردہ ہماری آواز کو سن لیتا ہے۔اور خدا تعالیٰ ہی اپنے ذریعے کوئی خبر ان کے متعلق ہم کو دے دیتا ہے۔ رؤیا اور مکاشفہ میں بھی اگرچہ کسی مردہ کی شکل ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور آنکھ بھی اس کو شناخت کر لیتی ہے کہ یہ فلاں شخص ہے اور انسان رؤیا اور مکاشفہ کی حالت میں مردہ سے اپنے کو ہمکلام بھی پاتا ہے۔مگر اس میں بھی قطعی اور یقینی طور پر سوائے خدا تعالیٰ کی اطلاع کے کوئی نہیں بتلا سکتا کہ اس میت کو بھی اس وقت یہ علم ہوتا ہے کہ میں اس وقت فلاں کا کلام سن رہا ہوں یا فلاں کو میں یہ اپنا کلام سنا رہا ہوں۔جس طرح عالم مثال یعنی رؤیا میں ہم ایک زندہ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔تو اس زندہ کو ہماری خبر نہیں ہوتی کہ میں نے فلاں شخص سے رات باتیں کیں، اسی طرح میت کا حساب ہے۔ جب قرآن فرما چکا ہے مَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ (22:35) اور وَمِنۡ وَّرَآءِ هِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ (100:23) تو پھر ایک مومن کو اس بات کے درپے ہونے کی کیا حاجت کہ مردہ زندہ کی کلام کو کس صورت میں سن سکتا ہے؟

اول تو قبر پر اس نیت سے جانا ہی جائز نہیں کہ زندہ متکلم اور مردہ میں کوئی گفت وشنید ہو سکتی ہے۔

دوم، جب مردوں کی آواز دنیا میں آ ہی نہیں سکتی تو ہماری ان تک آواز کہاں جا سکتی ہے، خواہ کوئی نبی ہو یا صدیق۔ جب خدا تعالیٰ نے اس زندگی اور اگلے جہان میں ہمارے اور اُن کے درمیان ایک برزخ قائم کر دیا ہے۔تو ہم سوائے خدا تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کے واسطہ کے کسی طرح اور کسی ذریعہ سے بھی اُن کو اپنا کلام نہیں سنا سکتے۔ بڑے ہی توہمات میں پھنسے ہوئے وہ لوگ ہیں جو اس ارشادِ الٰہی مَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ (22:35) اور وَمِنۡ وَّرَآءِ هِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ (100:23) کے ہوتے ہوئے پھر بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مردے ہمارا کلام سنتے ہیں!

سوال 3: اگر مردے نہیں سن سکتے یا مردوں کو کچھ نہیں سنایا جا سکتا تو قبرستان یا قبر پر السلام علیکم کہنا

کیوں سنت ہے؟ اس مقام پر جو کچھ ہمارے منہ سے نکلے اس کا خطاب محض خداوند تعالیٰ کی طرف ہونا چاہیئے تھا؟

الجواب: ہم اہلِ قبور کو جو السلام علیکم کہتے ہیں تو اس لئے نہیں کہتے کہ وہ سلام کا جواب دیں۔ وہ سلام کا جواب وعلیکم السلام تو نہیں دیتے۔ خدا تعالیٰ وہ سلام جو ایک دعا ہے ان کو پہنچا دیتا ہے۔ ہم جو آواز سنتے ہیں اس میں ہوا ایک واسطہ ہے لیکن یہ واسطہ مردہ اور زندہ کے درمیان نہیں۔ لیکن السلام علیکم میں خدا تعالیٰ ملائکہ کو واسطہ بنا دیتا ہے۔ اسی طرح درود شریف التحیات میں **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ** ہے کہ ملائکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کو پہنچا دیتے ہیں۔ ہمارا قبر پر السلام علیکم کہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ چونکہ یہ براہ راست اہلِ قبور کی طرف خطاب ہے، اس لئے ضرور ہے کہ وہ ہماری بات سنتے ہوں گے۔ بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز میں قبر پر حاضر ہونے کے بغیر **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ** کہنے میں خاص سرورِ کائنات کی طرف ہی خطاب کرتے ہیں اور اس وقت کسی مسلم اور مومن کے وہم میں بھی یہ بات نہیں گزرتی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حاضر ہیں یا وہاں اپنے روضہ مبارک میں اس سلام کو سن رہے ہیں۔ اسی طرح ہم اہل قبور پر السلام علیکم کہہ کر یہ خیال نہیں کرتے کہ مردے ہمارا السلام علیکم سنتے ہیں۔ ہم تو حاضر اور غائب متکلم اور مخاطب سب پر السلام علیکم کہتے ہیں اور اپنے آپ پر بھی کہتے ہیں جیسا کہ **اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ** یا جب کہ قرآن کریم میں ہے **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی** (59:27)۔

باقی رہی یہ بات کہ ''جبکہ اہل قبور سن ہی نہیں سکتے ہیں تو جو کچھ ہمارے منہ سے نکلے اس کا خطاب محض خداوند تعالیٰ کی طرف ہونا چاہیئے تھا۔'' ''اس ہونا چاہیئے تھا'' کا جواب تو ہم دے نہیں سکتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے **اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا** (56:33) اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعائیہ کلمات میں اگرچہ خطاب کسی اور کی طرف ہوتا ہے مگر حقیقت میں

دعائیہ کلمہ ہونے کی وجہ سے اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تم پر سلامتی رکھے۔

پھر قبر کا لفظ وسیع ہے۔ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی حالت بعد الموت میں جہاں خدا اس کو رکھتا ہے وہی قبر ہے، خواہ دریا میں غرق ہوجائے، خواہ جل جائے، خواہ زمین پر پڑا رہے۔ دنیا سے انتقال کے بعد انسان قبر میں ہی ہے۔

اب بحث اس پر ہے کہ جب قرآن مجید سے صریح طور پر ثابت ہے کہ تو اہل قبور کو کچھ سنا نہیں سکتا۔ تو صحیح حدیث میں جو ایک واقعہ درج ہے کہ بعض کفار قتل ہوئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ہمکلام ہوئے۔ اور حضرت عمرؓ* نے جب دریافت فرمایا کہ یارسول اللہ! کیا یہ لوگ آپ کا کلام سن رہے ہوں گے۔

---

* عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلٰى قَلِيْبِ بَدْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَقَالَ لَهُ النَّاسُ اَلَيْسُوْا اَمْوَاتًا فَقَالَ اَنَّهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَمَا تَسْمَعُوْنَ۔ (تفسیر درمنثور صفحہ 83 جلد 3)۔

یعنی بعد فتح بدر جب مشرکین کی لاشیں چاہ بدر میں پھینکی گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہ بدر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ سچا پالیا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچا پالیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا یہ لوگ مردہ نہیں۔ تو حضور نے فرمایا: ''وہ تو ایسا سن رہے ہیں جیسا کہ تم سن رہے ہو''۔

پھر زاد المعاد صفحہ 347 پر لکھا ہے:

الجواب: (ترجمہ) پس جب جنگ بدر ہو چکا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ کھڑے ہو گئے مشرکوں کے مقتولوں پر۔ پھر فرمایا: ''تم بہت ہی بُرے رشتہ دار ہوا اپنے نبیؐ کے لئے۔ تم لوگوں (جاری) نے میری تکذیب کی اور لوگوں نے میری تصدیق کی۔ اور تم لوگوں نے مجھے خذلان میں ڈالنے کی کوشش کی اور لوگوں نے میری مدد کی۔ اور تم لوگوں نے مجھے وطن سے نکالا اور لوگوں نے مجھے جگہ دی''۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا پس وہ بدر کے پرانے کنوئیں کی طرف گھسیٹے گئے اور اس میں پھینک دیئے گئے۔ پھر آپ ان پر کھڑے ہوئے۔ پھر

اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اور جن زوردار الفاظ میں فرمایا اس سے سمع موتیٰ کے قائلوں کو بہت کچھ تقویت پہنچتی ہے۔اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ وہ آیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار پر پڑھی وہ یہ تھی **قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّاوَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا** (44:7)۔

اس حدیث کے الفاظ سماع موتیٰ کے قائلوں کو کچھ تقویت نہیں بخش سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر پڑھا تو خدا کا مردوں کے کلام سننے کی نفی چونکہ اس آیت **وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ** (22:35) سے نہیں پائی جاتی۔اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک یہ کلام وہ کفار جو قتل ہوئے خوب سن رہے تھے۔اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس حدیث کی جو تفسیر وتشریح فرمائی۔وہ منشاءِ قرآن کے بالکل مطابق ہے۔اسی لئے سامعین صحابہؓ میں سے کسی نے کوئی جرح اور قدح نہیں کی جیسا کہ آپ نے بھی اپنی چٹھی میں اشارہ فرمایا ہے اور یہی ہمارا مقصود ثابت کرنے کا ہے۔والسلام

۞۞۞

فرمایا:''اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے فلاں! اے فلاں کیا تم نے پایا ہے جو کچھ تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا سچا۔پس تحقیق ہم نے یہ پالیا ہے جو کچھ کہ وعدہ کیا ہم سے ہمارے رب نے سچا''۔پس عرض کی آپؐ کے حضور میں حضرت عمرؓ نے۔یارسول اللہ! آپ کن لوگوں کو مخاطب کر رہے ہو۔جو لاشہ بیجان ہو چکے ہیں۔فرمایا:''مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم ان سے زیادہ نہیں سننے والے جو کچھ میں کہتا ہوں۔لیکن وہ جواب کی طاقت نہیں رکھتے''۔

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

اور

تحریرات بزرگانِ جماعت

چوتھی جلد

انتخاب از رسالہ پیغام صلح جولائی 1917ء تا جون 1918ء

احمدیہ انجمن لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ

نے ادا کیئے ہیں

قرآنِ کریم کے عشق اور انسانی ہمدردی سے مخمور، جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور، جماعتِ احمدیہ لاہور کے احباب میں اپنے روح پرور درُوسِ قرآن کے حوالے سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ یہ درُوس وہ عمر بھر اپنی رہائش گاہ یا جماعت کے مراکز میں دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان کی اہلیہ محترمہ سلیمہ فاروقی مرحومہ مغفورہ کا جذبہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان دونوں نے اپنے پیچھے ایک ایسا ورثہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا جس سے جماعت کو اسلام کا پیغام دنیا کے دور دراز کونوں تک پہنچانے کے کام میں مسلسل امداد ملتی رہے۔ اس مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فاروقی صاحب نے اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد وقف کر کے فاروقی سلیمہ ٹرسٹ کی بنیاد رکھی اور اسے احمدیہ انجمن لاہور کی نگرانی میں دیا تا کہ اس کے فلاحی اور دینی کاموں، خاص طور پر قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتب کی طباعت، کے لیے مسلسل سرمایہ فراہم ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اس نیک کام کا اجر دے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

(غیر کاروباری مقاصد اور مفت تقسیم کے لیئے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر
— محمد اعظم علوی

حرفِ اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی چوتھی جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔اس میں اخبار پیغامِ صلح کی پانچویں جلد (جولائی 1917ء تا جون 1918ء) سے انتخاب شامل ہے۔اگرچہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولٰینا محمد علیؒ ہیں، تاہم جیسا کہ اس کی پہلی جلد کے حرف اول میں بیان ہوا کہ حضرت مولٰینا ممدوح کے رشحاتِ لسان وقلم کے علاوہ دیگر اہلِ علم وفضل اکابرین سلسلہ کی وہ چیدہ چیدہ قلمی خدمات بھی شامل ہوتی رہیں گی،جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق سلسلہ احمدیہ کے پیش آمدہ ومسائل ومعاملات سے ہو۔

1914ء کے دورانیئے میں جماعت احمدیہ کے دوٹکڑے ہو جانے کے اسباب وعوامل اور مابعد دونوں دھڑوں کے اتحاد واتفاق کے لئے بے سود کاوشوں کے ایک طویل سلسلے کی سرگذشت افکارِ محمد علیؒ کی ابتدائی جلدوں کا غالب حجم ہے۔ان دوموضوعات پر بولنے لکھنے والوں میں سلسلہ احمدیہ کے قرآن وحدیث کے معتبر عالم فاضل بزرگ حضرت مولٰینا سید محمد احسن فاضل امروہویؒ ہیں۔وہ حضرت امامِ وقت کے دوفرشتوں میں سے ایک تھے۔زیرنظر جلد میں شامل حضرت موصوف کے فرمودات وارشادات،سلسلہ احمدیہ کے معتقدات پر نقد وبصر اور اس کی بنتی تاریخ کا ایمان افروز مطالعہ ہے۔آپ حضرت مسیح موعود کے سب سے پرانے خدام میں سے تھے،اور حضرت اقدس آپ کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔مولانا قرآن وحدیث کے بہت بڑے مستند عالم تھے،نواب صدیق حسن خان کے زمانے میں بھوپال میں نواب صاحب کے دستِ راست تھے۔جب حضرت مسیح موعود کو مانا تو محض خدا کے لئے اپنی نہایت معزز ملازمت چھوڑ کر قادیان چلے آئے اور ایک چھوٹے سے کمرہ میں حضرت صاحب کے قدموں میں سکونت اختیار کرلی۔ان کے اخلاص اور قربانی کے متعلق حضرت صاحب کو یہ الہام ہوا:

از برائش محمد احسن را　　　　تارکِ روزگاری بینم

حضرت صاحب کی وفات کے بعد آپ اپنے وطن امروہہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔مولانا محمد علی صاحب کے متعلق آپ شروع سے نہایت اچھے خیالات رکھتے تھے،چنانچہ ان کے نام اپنے خط مورخہ 5 فروری

1910ء میں فرماتے ہیں:

''...... جناب کو تو وہ فضیلت حاصل ہے جو جماعت میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔اور یہ بات کچھ میں خوشامد سے نہیں کہتا، بلکہ میرا ایمان واعتقاد ہے جو مقتضٰی اس کے اظہار کا ہوا ہے۔اور خوشامد کرنے والے کو تو میں منافق سمجھتا ہوں۔ بلکہ ملعون جانتا ہوں۔'' (پیغامِ صلح 7اپریل1914ء)

مولانا نورالدین صاحبؓ کی وفات کے وقت آپ قادیان میں تھے اور میاں محمود صاحب کا نام خلافت کے لئے آپ نے ہی مسجد نور والے اجتماع میں تجویز کیا۔لیکن جیسا کہ انہوں نے بعد میں لاہور آ کر خود بیان کیا ان کو علم نہ تھا کہ میاں صاحب کے ایسے خطرناک عقائد ہیں۔ کیونکہ وہ امروہہ میں قادیان کے ماحول سے الگ تھلگ تھے۔اپنے 24دسمبر 1916ء کے اعلان میں فرماتے ہیں:

''آپ صاحبان کو علم ہے کہ 1914ء کے اوائل میں حضرت مولانا نورالدین صاحب کی وفات پر ہماری جماعت میں ایک اختلاف نمودار ہوا۔اس وقت میں نے اتحاد قائم رکھنے کی خاطر یہی مناسب سمجھا کہ ہم سب لوگ صاحبزادہ محمود احمد صاحب کی بیعت لر لیں۔ مجھے اس وقت تک علم نہ تھا کہ صاحبزادہ صاحب کے عقائد میں کوئی فساد واقع ہو چکا ہے۔''

اس کے بعد آپ کو لاہور کے احباب نے ان باتوں کی طرف توجہ دلائی۔ ادھر قادیان سے آپ کو مطالبہ آیا کہ اپنے عقائد تبدیل کرو،تو آپ اصلاح کے لئے خود قادیان گئے۔مگر مایوس ہو کر بالآخر آپ کو اعلان کرنا پڑا:

''پس اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اور اس کے حضور میں جوابدہی کا خوف کرتے ہوئے میں اعلان کرتا ہوں کہ صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب بوجہ اپنے عقائد فاسدہ پر مصر ہونے کے میرے نزدیک اب ہرگز اس بات کے اہل نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود کی جماعت کے خلیفہ یا امیر ہوں۔ اس لئے میں اس خلافت سے جو محض ارادی ہے،

صاحبزادہ صاحب کا اپنی طرف سے عزل کر کے عنداللہ وعندالناس اس ذمہ داری سے بری ہوتا ہوں جو میرے سر پر تھی۔ اور جماعت احمدیہ کو اطلاع کرتا ہوں کہ صاحبزادہ صاحب کے یہ عقائد کہ:

1۔ سب اہل قبلہ کلمہ گو کافر اور خارج از اسلام ہیں۔

2۔ حضرت مسیح موعود کامل حقیقی نبی ہیں۔ جزوی نبی یعنی محدث نہیں۔

3۔ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ والی پیش گوئی جناب مرزا صاحب کے لئے ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے نہیں۔

ایسے عقائد اسلام میں موجب ایک خطرناک فتنہ کے ہیں۔ جس کے دور کرنے کے لئے کھڑا ہو جانا ہر احمدی کا فرض اولین ہے۔'' (اعلان مورخہ 24 دسمبر 1916ء)

آپ نے القول المجد اِسْمُهٗ اَحْمَدُ اور خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ پر نہایت جامع کتب تصنیف کیں۔ آپ کی دیگر چھوٹی بڑی تالیفات کا خاص موضوع سلسلہ میں پیدا کردہ اباطیل جدیدہ اور خلافت بدعی کا رد ہے۔ آپ اپنی ضعیفی اور بیماری کی وجہ سے امروہہ میں ہی رہ پڑے مگر انجمن کے سالانہ جلسوں میں شرکت فرماتے تھے۔ 10 جولائی 1926ء کو آپ نے وصال الی اللہ فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اَلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ آپ نے 90 برس سے زیادہ عمر پائی۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغامِ صلح کی تاریخِ اشاعت ہے۔ حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔ عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔ پیغامِ صلح کی سالانہ جلد بندی ابتدائی سالوں میں جولائی تا جون ہوئی جبکہ مابعد سالوں کی جنوری تا دسمبر ہوتی رہی ہے۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے صبر آزما مراحل میں جو عزیز دوست فرہادی لگن اور خلوص

وایثار سے تعاون کررہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فرد گذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار محمد ارشد علوی

انچارج

شعبہ تالیف وتصنیف

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امامِ زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نور الدینؓ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدماتِ دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمۃ القرآن جس کی ابتدا 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوا اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ و تفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی)

1923ء میں، ''تاریخِ خلافتِ راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجن آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اور اسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسّی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درسِ قرآن مجید اور علومِ قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے، یعنی ''عشقِ قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی، تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعتِ اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِهٖ۔

خاکسار **عامر عزیز الازھری بن عبدالعزیز**

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

فہرست

25 جولائی 1917ء

ایک مسلم کی عید

(از حضرت امیر ایّدہ اللہ بنصرہٖ)

ذیل کا مضمون، جو حضرت امیر ایّدہ اللہ نے روزنامہ اخبار ''العصر'' کے عید نمبر کے لیے لکھا اور ہمیں بھی ازراہِ عنایت مرحمت فرمایا ہے، دفتر پیغام صلح میں اس وقت موصول ہوا جب تازہ نمبر تیار ہو کر پریس جا چکا تھا۔ اس لیے عید کا مضمون عید کے بعد درج ہونا اگرچہ کچھ موزوں نہیں، لیکن مجبوری امر ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین اس تاخیر کے لیے معاف فرمائیں گے۔ اب بھی کہ یہ مضمون عید کے بعد درج ہوا ہے۔ بہت سے ضروری سبق ہیں جو ایک مسلم کو اس سے حاصل ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ دیدۂ عبرت اور گوشِ ہوش وا ہو۔ مدیر

عید کے معنی عربی زبان میں اَلسّرُوْرُ الْعَائِدُ ہیں یعنی وہ خوشی جو لوٹ لوٹ کر آتی ہے۔ قرآن کریم میں عید کا لفظ صرف ایک ہی دفعہ آیا ہے اور وہ بھی ایک مسلم کی عید کے لیے نہیں بلکہ ایک مسیحی کی عید کے لیے آیا ہے۔ سورہ المائدہ میں حواریوں کی درخواست پر حضرت مسیحؑ جناب باری میں عرض کرتے ہیں اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ (114:5) اے اللہ ہمارے رب! ہم پر ایک مائدہ آسمان سے اُتاریئے، جو ہمارے پہلوؤں اور پچھلوں کے لیے عید ہو۔ یہ مائدہ نازل ہوا یا نہ ہوا۔ اس پر ہمارے مفسرین میں اختلاف ہے۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کی اس مشہور دعا میں، جو خداوند کی دعا کے نام سے موسوم ہے، ہم کو یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ اس میں بھی روٹی کی دعا پر زور ہے۔ ''ہماری روزانہ کی روٹی آج ہم کو بخش۔'' شاید اسی دعا کا نتیجہ ہو کہ مسیحی اقوام نے روٹی کمانے میں بڑا کمال دکھایا ہے۔

بہرحال ایک طرف موجودہ اناجیل میں یہ شہادت موجود ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے جو دعا مانگی اور اس کو جو دعا سکھائی اس میں روٹی کا ذکر خصوصیت سے ہے۔ دوسری طرف قرآن کریم میں مسیحؑ کی ایک دعا کا ذکر ہے جس میں مسیح علیہ السلام اپنی قوم کے لیے کھانا مانگتے ہیں اور اسی کو اپنی قوم کی عید قرار دیتے

ہیں۔اس سے ہم کم ازکم اس نتیجہ پر ضرور پہنچتے ہیں کہ ایک مسیحی کے لیے عید کے معنی یہ ہیں کہ کھانے پینے کو خوب ملے۔اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات میں زیادہ تر کھانے پینے کے قصے ہی ہیں۔چنانچہ کہیں تو پانچ روٹیوں سے پانچ ہزار کے پیٹ بھرنے کا ذکر ہے کہیں شادی کی دعوت میں شراب کے خم کے خم لٹا کر براتیوں کو مدہوش کرنے کا ذکر ہے کہیں کسی حالت میں انجیر کے درخت کی طرف جانے کا اوراس کو خالی پا کر بددعا دے کراسے خشک کردینے کا ذکر ہے۔بلکہ عیسائیوں میں جسے مسیحؑ کی حیات بعدالموت سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی واقعہ صلیب کے بعد قبر سے نکل پڑنا۔اس میں بھی آنجناب مچھلی کے کباب وغیرہ حواریوں کے ساتھ مل کر کھاتے ہیں۔اورعشائے ربانی جوعیسائی مذہب کا ایک بڑا رُکن ہے۔جیسا کہ خوداس نام سے ظاہر ہے،اس میں بھی کچھ کھانے پینے کا ہی قصہ ہے۔اناجیل میں زیادہ غورکرنے سے اوربھی اس کے مؤیّد واقعات ملتے ہیں۔مگر سرِدست ہمیں اس مضمون سے تعلق نہیں۔میری غرض یہ دکھانا ہے کہ ایک مسیحی کی عید تو کھانے پینے سے بیشک تعبیر ہوسکتی ہے۔لیکن ایک مسلم کی عید کے نیچے حقیقت کچھ اور ہے۔

مسلم کی عید کیا ہے۔جس طرح ایک مسیحی کی عید کا پتہ خداوند کی دعا کے ایک فقرہ سے لگ جاتا ہے۔اسی طرح ایک مسلم کی عید کی اصل حقیقت بھی ہمیں مسلم کی اس دعا سے معلوم ہوسکتی ہے جوقرآن کریم کی عظیم ترین دعا ہے۔جیسا کہ ہرایک مسلم اس سے واقف ہے۔یہ وہ دعا ہے جسے مسیحی کی طرح مسلم ایک دفعہ نہیں مانگتا بلکہ کم ازکم تئیس دفعہ تو ضروردن میں اس کا اعادہ کرتا ہے۔یہ دعا سورہ الفاتحہ میں ہے۔اس ساری دعا میں صرف ایک ہی چیز مانگی گئی ہےاوروہ ہےاِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ. صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ. (1:5-7) ہمیں سیدھی راہ پر راہنمائی فرما۔ان لوگوں کی راہ پر جن پرتُو نے انعام کیا ،نہ اُن کی جن پر غضب ہوا نہ گمراہوں کی۔

پس یہ وہ صراطِ مستقیم ہے جوافراط وتفریط سے بچا ہوا ہونے کی وجہ سے انسان کوحقیقی کامیابی تک پہنچاتا ہے۔جس طرح مسیحی کی عید کا پتہ ’’روز کی روٹی‘‘ سے لگ سکتا ہے،مسلم کی عید کا پتہ ’’صراطِ مستقیم‘‘ سے لگ سکتا ہے۔جس طرح ایک انسان اس دُنیا کے سارے آرام کے سامانوں کو پا کر(درحقیقت انہی سامانوں کواس مقدس انسان نے جودنیا کے آرام اورآسائش پرلات مارتا تھا ایک حقیر سے لفظ روزانہ کی روٹی سے تعبیر کیا ہے)اپنے

لیےخوشی محسوس کرتا ہےاور چاہتا ہے کہ وہ خوشی اس کے لیے **سرور عائد** یعنی بار بار لوٹ کرآنے والی ہو۔اسی طرح ایک مسلم صراطِ مستقیم کو پا کرحقیقی خوشی محسوس کرتا ہے۔ایسی حقیقی خوشی کہ یہی اس دُنیا میں اُس کے لیے جنت ہوجاتی ہے۔اورایک دفعہ نہیں بلکہ تیئیس دفعہ روزانہ جناب باری میں عرض کرتا ہے کہ یہ حقیقی خوشی اسے بار بار ملے بلکہ ہرلمحہ اور ہرلحظہ اس کے ساتھ رہے۔

جو کچھ عید کی اصل حقیقت کا استنباط یہاں میں نے ایک مسلم کی دعا سے کیا ہے۔کیا اس کی تائید واقعات سے بھی ہوتی ہے۔جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا کہ قرآن کریم میں تو مسلم کی عید کا ذکر نہیں۔لیکن سنت صحیحہ ثابتہ نے مسلم کے لیے دوعیدیں رکھی ہیں۔اوراس میں کوئی شک نہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم سے ہی یہ استنباط اس وحی خفی کے ذریعہ سے کیا جوشریعت کی تفصیلات میں انبیاءعلیہم السلام کے شامل حال ہوتی ہے۔مگر یہ دوعیدیں آپ نے کس موقعہ پر رکھیں۔ایک عیدکواختتامِ رمضان پر رکھا اور دوسری عیدکواختتامِ حج پر۔

اب عید کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اسی قدر دیکھ لینا کافی ہے کہ آنخضرت نے مسلم کی عیدکوان خاص موقعوں سے وابستہ کیوں کیا۔رمضان کیا ہے؟ کیوں ایک مسلم کواس کے اندر کھانے پینے کی حلال چیزیں بھی ترک کرنی پڑتی ہیں۔(جب حلال چیزیں ترک کرائیں تو یہ تو خودمعلوم ہوگیا کہ حرام سے مسلم کوکس قدر دور بھاگنا چاہئے)اس کی وجہ ہم کوخود تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔اور نہ اپنے فلسفہ سے قرآن کو مدد دینے کی ضرورت ہے۔کیونکہ ہماری پاک کتاب خودفلسفہ کے لیے بھی رہبر ہے۔اسی لیے رمضان کا فلسفہ خود بتادیا **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** (21:2) تاکہ تم متقی بنو،اپنے آپ کو بدیوں سے بچاؤ،دُکھوں سے اپنی حفاظت کرلو۔اورآگے چل کراسی ذکر میں دعا کی قبولیت کا ذکرکرتے ہوئے فرمایا **لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ** (186:2) تاکہ وہ کامیاب ہوں۔

پس رمضان ایک مسلم کو کیا سبق دیتا ہے۔یہ کہ بدیوں سے بچنے کے لیے،دُکھوں سے نجات پانے کے لیے،کامیابی کی منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے سخت جدوجہد کرو۔اوراس حد تک اپنی کوشش کو پہنچاؤ کہ جس سے آگے پہنچانا انسان کے لیے ممکن نہیں۔یہی ایک مسلم کی رہبانیت ہے،یہی اس کا حقیقی چلّہ ہے،یہی اس کی ریاضت ہے۔اور جب وہ اس جدوجہد میں کامیاب ہوکر نکلتا ہے،جب وہ اس کٹھن منزل کو طے کرلیتا ہے تو شارع علیہ

السلام اُسے بتا تا ہے کہ اب تمہاری خوشی کا موقعہ آیا۔تم اللہ کو راضی کرنے اور اپنے نفس کی اصلاح میں کامیاب ہو گئے اور اب تمہیں حق ہے کہ تم عید مناؤ اور خوشی کرو۔مگر کس بات پر؟ اس بات پر نہیں کہ اب تمہیں کھانے پینے سے کوئی روک نہیں۔ بلکہ اس بات پر کہ تم ایک امتحان میں کامیاب ہو کر نکلے ہو۔اور تم نے اس منزلِ مقصود پر پہنچنے میں، جو تمہاری زندگی کی اصل غرض ہے، ایک اور قدم کامیابی سے اُٹھایا، ایک گھاٹی کو طے کر لیا۔اب تمہارے لیے آگے رستہ پہلے سے صاف ہو گیا۔

حقیقت میں انسان کے خوش ہونے کا موقعہ یہی ہوتا ہے۔ نادان ہے جو محض کھانے پینے پر خوش ہوتا ہے۔انسان کی حقیقی خوشی جدوجہد کے بعد ترقی اور کامیابی حاصل کرنے میں ہے اور یہی ایک مسلم کے لیے سرور **عائد** یعنی بار بار لوٹ کر آنے والی خوشی ہو سکتی ہے۔

دوسری عید کا موقعہ اس حقیقت کو اور بھی زیادہ واضح کرتا ہے۔وہ عید درحقیقت خوشی میں ہماری شمولیت کا اظہار ہے۔جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں بلکہ خود خدا سے اپنے عشق اور وفاداری کا سچا ثبوت دے دیا ہے۔اور اپنے تمام آرام اور آسائش کو چھوڑ کر اپنے وطن کو ایک وقت کے لیے ترک کر کے اپنے قریبیوں اور دوستوں سے الگ ہو کر سفر کی مصیبتیں جھیلتے ہوئے، مگر ان تمام آسائشوں کو چھوڑنے اور ان مصیبتوں کو اُٹھانے میں حقیقی راحتِ قلب محسوس کرتے ہوئے دیوانہ وار اپنے محبوب کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔اور جب ہر ایک قسم کی مصیبت کے امتحان سے گزر کر دیارِ محبوب کے قریب ہوتے ہیں، تو اپنے لباسِ فاخرہ کو بھی خیر باد کہتے ہیں۔اور ننگے پاؤں اور ننگے سر صرف دو چادروں میں سچے عاشقوں کی طرح اس گھر کے گرد گھومتے ہیں۔جو رُوحانیت کی اس بحرِ امواج کا سرچشمہ ہے، جہاں سے انہوں نے بھی سیرابی حاصل کی ہے۔وہاں وہ اس دنیا میں عالمِ محشر کا ایک نقشہ دکھاتے ہیں کہ کس طرح اللہ کے حضور بادشاہ اور گدا مساوی ہیں۔اس عاشقوں کے عظیم الشان مجمع میں، جس کی نظیر دنیا دکھانے سے قاصر ہے اور قاصر رہے گی، کوئی ظاہری علامت اس بات کی نہیں رہ جاتی کہ شاہ مقتدر کون ہے اور گدائے بے نوا کون۔ پس جب یہ اہلِ اسلام میں سے حقیقی عزت کا حق دار گروہ ساری وفاداری کا ثبوت دیتا ہے، تو اپنے نفس کی قربانی کی، جو وہ چاہتا ہے کہ وہ بھی خدا کی راہ میں کر دے، نشان کے طور پر صرف ایک جانور کی گردن پر چُھری چلاتا ہے۔اور درحقیقت اپنے آپ کو مثل ایک ذبح شدہ جانور کے

ایک مالکِ حقیقی کے حضور پیش کرتا ہے۔اس کا دور بیٹھا ہوا مسلم بھائی جس کا دل تو اس مجمع میں حاضر ہونے کے لیے تڑپتا ہے۔مگر وہ سامان ابھی اسے میسر نہیں آیا۔اس کے اس فعل میں شریک ہوکر بتاتا ہے کہ جو قربانی ان عاشقانِ الٰہی نے کر دکھائی ہے،اسی کے لیے اس کا بھی دل حاضر ہے۔اس لیے اگر وہ اپنے جسم کے ساتھ وہاں حاضر نہیں ہوسکتا تو اپنے دل کے ساتھ اُنہی میں شامل ہوتا ہے۔اوراسی طرح ایک ذبح شدہ جانور کی صورت میں اپنے نفس کی قربانی پیش کرتا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (37:22) گوشت اور خون یہیں رہتا ہے۔ہاں وہ کیفیتِ قلبی،وہ دل کا تقویٰ ہے جو رب العالمین کے حضور پہنچ جاتا ہے۔

۞۞۞

5اگست1917ء

منقولات۔قسط اول

قومی زندگی

(از ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)

قوموں کی تاریخ میں یہ ایک بڑا نازک وقت ہے جو اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر قوم نہ صرف اپنی موجودہ حالت پر غور کرے بلکہ اگر اُسے اقوامِ عالم کے دفتر میں اپنا نام قائم رکھنا منظور ہے تو اپنی آئندہ نسلوں کی بہبودی کو بھی ایک موجودہ واقعہ تصور کرے اور ایسا طریقِ عمل اختیار کرے جس کے احاطۂ اثر میں اس کے اخلاف کا تمدن بھی شامل ہو۔ایک زمانہ تھا جبکہ اقوام دنیا کی باہمی معرکہ آرائیوں کا فیصلہ تلوار سے ہوا کرتا تھا اور یہ فولادی حربہ دنیائے قدیم کی تاریخ میں ایک زبردست قوت تھی۔مگر حال کا زمانہ ایک عجیب زمانہ ہے۔جس میں قوموں کی بقاء اُن کے افراد کی تعداد اُن کے زور بازو اور اُن کے فولادی ہتھیاروں پر انحصار نہیں رکھتی، بلکہ اُن کی زندگی کا دارومدار اس کاٹھ کی تلوار پر ہے جو قلم کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔آج کل کی جنگوں کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ قومیں ہتھیار بند ہوں اور ایک خاص میدان میں آراستہ ہو کر جدال و قتال کا بازار گرم کریں۔نہ آج کل یہ ضروری ہے کہ کوئی قوم کسی ہمسایہ قوم پر فتح پانے کے لیے اس ملک پر چڑھائی کرے۔

یہ تمام سامان زمانۂ قدیم کے ساتھ مختص تھے۔ ہمارے زمانہ میں ایک اور خاموش قوت ہے۔جس پر قوموں کی بقاء و فنا انحصار رکھتی ہیں اور جس کے بل پر ایک قوم گھر بیٹھے دوسری قوم کو ہمیشہ کے لیے صفحۂ عالم سے حرف غلط کی طرح مٹا سکتی ہے۔ ہاتھوں کی لڑائی کا زمانہ گزر چکا۔اب دماغوں، تہذیبوں اور تمدنوں کی ہنگامہ آرائیوں کا وقت ہے۔اور یہ جنگ ایک ایسی جنگ ہے جس کے زخم رسیدہ زنگاری اور کافوری مرہم سے ہرگز اچھے نہیں ہو سکتے۔ظاہری فاصلہ، جو قوموں کے خلا و ملا میں بمنزلہ ایک سد سکندری کے تھا، اب ریل اور پیام برقی کی حرکت انگیز ایجادوں سے گویا بالکل معدوم ہو گیا ہے۔اور وہ ممالک، جو کبھی ناپیدا کنار سمندر کی وجہ سے ایک

دوسرے سے اس قدر دور تھے کہ ایک کو دوسرے کی ہستی کا بھی علم نہ تھا، موجودہ صدی میں فنِ جہاز رانی کی تعجب خیز ترقی سے ایک شہر کے دو محلوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ جس سے دنیا کی تمام قومیں ایک دوسرے کی تہذیب و تمدن سے روز بروز منوّر ہو رہی ہیں۔

برق، جس کی مضطربانہ چمک تہذیب کے ابتدائی مراحل میں انسان کے دل میں مذہبی تاثرات کا ایک ہجوم پیدا کر دیا کرتی تھی، اب اس کی پیام رسانی کا کام دیتی ہے۔ سٹیم اس کی سواری ہے اور ہوا اُس کے پنکھے جھلا کرتی ہے۔ آفتاب، جس کی عظمت وجلال نے نہ صرف ابراہیمؑ کی باریک بین نگاہوں کو دھوکے میں ڈال دیا تھا، بلکہ ایک مہذب قوم کے دل و دماغ کو بھی متاثر کر دیا تھا، اب اپنی حرارت اور روشنی کو حضرت انسان کے اشارے پر صرف کرتا ہے۔

غرضیکہ نظامِ قدرت کے وہ تمام قویٰ جن کے ناقابل تشریح عمل سے مرعوب ہو کر قدیم قومیں انہیں ربوبیت کے لباس سے مزین کر کے ان کے لیے عظیم الشان معابد تعمیر کیا کرتی تھیں، موجودہ علوم کی وساطت سے انسان کے دست بستہ غلام ہیں، اور یہ ظلول وجہول اس عظیم الشان امانت کا بار اُٹھائے، جس کے اُٹھانے سے پہاڑوں نے بھی انکار کر دیا تھا، اپنے اشرف المخلوقات ہونے پر بجا ناز کر رہا ہے۔ اس کی مستفسرانہ نگاہیں قدرت کے سربستہ رازوں کو کھول رہی ہیں۔ اور اس کا دماغ انہی علمی فتوحات کے سہارے پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں حتیٰ کہ چاند، سورج اور ستاروں پر بھی حکومت کر رہا ہے۔

یہ ہے وہ حیرت انگیز تغیر جو زمانہ حال کو زمانہ ماضی سے متمیز کرتا ہے اور جس کی حقیقت اس امر کی متقاضی ہے کہ تمام قومیں جدید روحانی اور جسمانی ضروریات کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے اپنی اپنی زندگی کے لیے نئے سامان بہم پہنچائیں۔ میرا منشاء یہ ہے کہ اس تغیر کے لحاظ سے اقوامِ ہندوستان اور خصوصاً مسلمانوں کی موجودہ حالت پر ایک نظر دوڑاؤں اور اس امر کو واضح کروں کہ زندگی کی کٹھن راہ میں ہمیں کون کون سی مشکلات درپیش ہیں اور ہمیں ان کے ازالہ کے لیے کیا کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ میرا مقصد زیادہ تر قارئین کے دل و دماغ کو قومی زندگی کے اہم اور ضروری سوال کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ اور اگر قارئین سے کسی ایک فرد کو بھی اس ضروری مسئلے پر سوچنے کی تحریک ہو گئی تو میں سمجھ لوں گا کہ یہ مضمون لاحاصل نہیں گیا۔

واقعاتِ عالم کے مشاہدے سے حکماء اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ زندگی کی مختلف صورتوں یعنی انسانوں، حیوانوں اور پودوں وغیرہ میں ایک قسم کی عالمگیر جنگ شروع رہتی ہے۔ گویا نظامِ فطرت کا راز زندگی کا ایک درد ناک نظارہ ہے۔ جس میں ہر طبقے کے حیوان اپنے ہمسایہ طبقوں سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ اس کشمکش حیات میں کامیاب ہونے کے لیے ہر طبقہ زندگی میں مصروف رہتا ہے۔ لیکن فتح صرف اُسی طبقے کو حاصل ہوتی ہے جس میں رہنے کی قابلیت ہو۔ یعنی جس نے زندگی کے متغیرہ حالات کے ساتھ موافقت پیدا کر لی ہو۔ صدہا اقسام کے عجیب وغریب چوپائے اور پرندے کبھی روئے زمین پر اور سمندروں میں موجود تھے۔ مگر اب ان کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جُوں جُوں زندگی کے حالات اور اس کی شرائط تبدیل ہوتی گئیں، یہ حیوان فنا ہوتے گئے۔ کیونکہ یہ اس انقلاب کے مختلف مراحل میں حالات کے ساتھ موافقت پیدا نہ کر سکے۔

یہ قانون، جس کو حکماء حال نے کمال محنت سے دریافت کیا ہے، ایک عالمگیر قانون ہے۔ انسان، حیوان، چرند، پرند، درخت غرض کہ زندگی کی کوئی ایسی صورت نہیں جو اس کے اثر سے آزاد ہو۔ لیکن میں اس وقت یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اس زبردست قانون نے طبقۂ انسانی کے نشو ونما اور اس کے ارتقاء پر کیا عمل کیا ہے اور اب کیا کہہ رہا ہے؟ کیا موجودہ انسان ابتدا ہی سے ایسا تھا جیسا اب ہے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ نوعِ انسان وموجودہ نسل اُن زبردست قومی تہذیبوں اور تمدنوں کی یادگار ہے جو زندہ رہنے کی کوشش میں فنا کا شکار ہوئیں۔ اور فنا بھی اسی طرح ہوئی کہ اِس وقت ان کا نام ونشان تک صفحۂ ہستی پر موجود نہیں ہے۔ اہرام مصر کے بانی ہزار سال ہوئے مٹ گئے۔ یونانیوں کے اشراقین اور شائین کے فلسفے رہ گئے، لیکن قوم کا نام ونشان تک بھی دنیا میں نہیں ہے۔ افریقہ کی وہ زبردست قوم، جس کے دلیر فوجی افسروں نے ممالک مغرب کو پامال کر کے اہلِ روما کی عظیم الشان سلطنت پر حملے کیے تھے، اب کہاں ہے؟ کیا اس قوم کی کوئی یادگار باقی ہے؟ صدہا قومیں پیدا ہوئیں، پھیلیں، پھولیں اور آخر اس اٹل قانون کے عمل سے متاثر ہو کر خاک میں مل گئیں۔

نوعِ انسان کی موجودہ ترقی، جیسا کہ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے، کوئی سستے داموں کی چیز نہیں ہے۔ سینکڑوں قومیں علمی اور تمدنی ترقی کی حسین دیوی کے لیے قربان ہوئی ہیں۔ اور ہزاروں افراد کا خون اس کی خوفناک قربان گاہ پر بہایا جاتا ہے۔ جنگیں، وبائیں اور قحط اس ہمہ گیر قانون کے عمل کی صورتیں ہیں۔ اور اگر ان کو

ارتقاءنوعِ انسانی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ واقعات جو بظاہر آفاتِ سماوی معلوم ہوتے ہیں، طبقہ انسانی کے لیے ایک برکت ہیں۔جس کا وجود نظام قدرت کی آراستگی کے لیے انتہا درجہ ضروری ہے۔

اس قانون کا اثر اقوام انسانی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بزمِ ہستی کے کسی حصہ کی طرف نگاہ کرو اس کا عمل جاری نظر آئے گا۔سینکڑوں مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے۔ بڑھے، پھلے، پھولے اور آخر کار مٹ گئے۔ کیوں؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان کے عقلی ارتقاء کے ساتھ ساتھ جدید روحانی ضروریات پیدا ہوتی گئیں، جن کو ان مذاہب کے اصول پورا نہ کرسکے۔ یہی سبب ہے کہ اہلِ مذہب کو وقتاً فوقتاً نئے نئے علم کلام ایجاد کرنے کی ضرورت پیش آتی رہی۔جن کے اصول کی رُو سے انہوں نے اپنے اپنے مذاہب کو پرکھا اور اُن کی تعلیم کو ایسی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی جو عملی اور روحانی زندگی میں انسان کی راہنما ہوسکے۔علیٰ ہذا القیاس۔

ایک زمانہ تھا جب یونانی، لاطینی اور سنسکرت وغیرہ زندہ زبانیں تھیں۔مگر اب ایک عرصے سے یہ زبانیں بے جان ہوچکی ہیں، ان کی موت کا راز اس قانون کا عمل ہے۔اور خود پنجابی زبان، جس کو ہم روزمرہ استعمال کررہے ہیں، اس سے روز بروز متاثر ہورہی ہے۔سینکڑوں الفاظ ہیں جو تعلیم یافتہ لوگوں کے روزمرہ استعمال میں ہیں مگر اس زبان میں نہیں۔اظہارِ خیالات کے جدید طریق، جو ہماری عقلی ترقی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، یہ زبان اُن کے ادا کرنے سے قاصر ہے۔ایسے حالات میں یہ لازم ہے کہ اس زبان کا حشر بھی وہی ہو جو قدیم زبانوں کا ہوا ہے۔حال کی قوموں کی طرف نظر دوڑاؤ تو معلوم ہوگا کہ امریکہ اور آسٹریلیا کی اصلی قومیں ایک اعلیٰ تر تمدن وتہذیب کے سیلِ رواں کے آگے قریباً قریباً نیست و نابود ہوگئی ہیں۔اور ممالک ایشیا میں چینی، ایرانی اور وسط ایشیا کی قومیں اس قانون کے عمل سے روز بروز متاثر ہورہی ہیں۔ یہاں تک کہ حکماء کے خیال میں ان اقوام کی آئندہ حالت نہایت مخدوش ہے۔ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصارف ہستی نوع انسانی کی ترقی کے لیے ضروری ہیں اور یہ نہال صرف اسی صورت مجموعی ترقی میں بارآور ہوسکتا ہے کہ ہزاروں چھوٹے چھوٹے پودے اس کی نمو کی خاطر بادِسموم کی نذر ہوجائیں۔جس طرح نوع انسان کی مجموعی ترقی کے لیے مختلف اقوام کا نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ کسی خاص قوم کے ارتقاء کے لیے کئی افراد نذرِ اجل ہوجائیں یا اور قوم کی نشوونما کی خاطر اُن کے ذاتی حقوق کی کوئی پرواہ نہ کی جائے۔لیکن یہاں ایک عجیب اور

مشکل سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس صورت میں کسی خاص فرد کو قوم کی آئندہ نسلوں کی بہبودی، اُنکی عظمت وجلال، اور اُن کی عقلی اور تمدنی ترقی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے، تو کیوں اُس کے ذاتی حقوق پر قومی ارتقاء کو ترجیح دی جائے؟ کیا میں آج سے سوسال بعد زندہ ہوں گا؟ نہیں۔ پھر مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں اپنے آپ کو قوم کے لیے قربان کروں اور اپنی نیند حرام کر کے قوم کی آئندہ بہبودی کے لیے بے خواب راتیں بسر کروں؟

یہ بے چین کرنے والا سوال ہے، جو کسی قوم کے افراد کے دلوں میں پیدا ہونا ممکن ہے اور جس کا کوئی عقلی جواب ہمارے پاس نہیں ہے۔ لیکن اس خطرناک شبہ کے وقت مذہب اپنی دستگیری کرتا ہے اور ہمیں بتاتا ہے کہ ایثار یعنی اوروں کے نفع کو اپنے ذاتی نفع پر مقدم رکھنے کی بنا عقل نہیں ہے۔ بلکہ یہ نیکی، جو ارتقاء نوع انسانی اور قومی کے لیے سخت ضروری ہے، اس فوق سعادت اصول پر مبنی ہے۔ آوازِ نبوت کا زور اور اس کی حقیقی وقعت، عقلی دلائل اور براہین پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا دارومدار اس روحانی مشاہدے پر ہے، جو نبی کے غیر معمولی قویٰ کو حاصل ہوتا ہے۔ اور جس کی بناء پر اُس کی آواز میں وہ ربانی سطوت و جبروت پیدا ہو جاتی ہے، جس کے سامنے انسانی شوکت ہیچ محض ہے۔

(جاری بمطابق مورخہ 8 اگست 1917ء)

۞ ۞ ۞

8اگست 1917ء

منقولات دوم

قومی زندگی

(بسلسلہ مورخہ 5 اگست 1917ء)

یہ ہے نمونۂ مذہب کا اصلی راز۔ جس کو سطحی خیال کے لوگوں نے نہیں سمجھا اور اسے غلطی سے انہوں نے اصول مذہب کو خونریزیوں اور عالمگیر جنگوں کا محرک تصور کیا ہے۔ یہی حقیقت ہے قربانی کی۔ جس کو تمام دنیا کی قوموں نے وقتاً فوقتاً مختلف صورتوں میں اختیار کیا ہے۔ باریک بین لوگ جانتے ہیں کہ اگر قبائل انسانی کو ایثار کی تعلیم نہ دی جاتی تو یقیناً ارتقاء کا ٹوٹ جانا اور موجودہ تہذیب وتمدن کی وہ صورت مطلق نہ ہوتی جو آج ہے۔ اگر ارتقاء تمدن وتہذیب انسان کو ایک درخت سے تعبیر کیا جائے تو مذہب اس کا ایک پھل ہوگا۔ اور پھل بھی ایسا پھل جس کا کھانا قومی زندگی کے لیے ایسا ہی ضروری ہے جیسے پانی ہوا اور غذا کا استعمال جسمانی بقا کے لیے لازم ہے۔ مذہب کچھ تعلیم ایثار کی رو سے ہی ارتقاء انسانی کا ممد نہیں ہے بلکہ اس کا ایک اور پہلو بھی ہے جس کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اہلِ نظر جانتے ہیں زمانہ قدیم میں غلامی تمدنِ انسانی کا ایک ضروری جز وتصور کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ افلاطون جیسے فلسفی نے بھی اسے اپنی کتاب المملکت میں جائز قرار دیا ہے۔ اس جواز کی ایک وجہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی سے اجرت پر کام کرا لینے کا خیال بھی انسانی ذہن میں نہیں آسکتا تھا۔ ملازمت ایک آزاد معاہدہ نہیں تصور کی جاسکتی تھی اور چونکہ نظامِ تمدن اصولِ ملازمت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا تھا، اس واسطے غلامی کو جائز قرار دینا لازمی ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افرادِ انسانی کی ایک بہت بڑی تعداد بے جان اشیاء کی طرح ملکیت سمجھی جانے لگی اور آخر کار اس آزاد جنگ کے میدان سے خارج ہوگئی جو ارتقاء انسان کے لیے نہایت ضروری ہے۔

سب سے پہلے نبی عرب نے انسان کی فطری آزادی کی تعلیم دی اور غلاموں اور آقاؤں کے حقوق

کو مساوی قرار دے کر اس تمدنی انقلاب کی بنیاد رکھی۔ جس کے نتائج کو اس وقت تمام دنیا محسوس کر رہی ہے۔ ایسا کرنا گویا نوعِ انسانی کے لیے ایک کثیر حصے کو اس آزاد مقابلے کے میدان میں واپس لے آنا تھا۔ جس کے اثر سے تمدن و تہذیب کی اعلیٰ صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور جو دنیا کی تمام تہذیب و شائستگی کی بیخ و بنیاد ہے۔ حکیمِ عربؐ کی اس مبارک تعلیم کا نتیجہ کیا ہوا۔ مسلمانوں میں غلام بادشاہ ہوئے، غلام وزیر ہوئے، غلاموں کو اس کی تعلیم دی گئی، غلاموں میں فلسفی اور ادیب پیدا ہوئے۔ غرض کہ اس قبیح امتیاز کے مٹ جانے سے ہر غلام ایک اعلیٰ خاندان کے آدمی کے ساتھ عقلی مقابلہ کر سکتا تھا اور اس مقابلے میں کامیاب ہو کر سلطنت کے اعلیٰ ترین مناصب پر پہنچ سکتا تھا۔ اس تعلیم کا سب سے اعلیٰ نمونہ جناب عمر فاروقؓ نے پیش کیا۔ جبکہ وہ بیت المقدس کی فتح کے لیے جا رہے تھے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے دنیا کی کسی قوم کی تاریخ ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی اور مسلمان اس تعلیم پر جس قدر ناز کریں بجا ہے علیٰ ھٰذا القیاس۔ عورتوں کے حقوق کا نازک مسئلہ ہے جس کے متعلق حکیمِ عرب نے ایسی ہی آزادانہ تعلیم دی۔ مگر چونکہ یہ مضمون نہایت وسیع اور بحث طلب ہے، اس واسطے میں اسے یہاں نظر انداز کرتا ہوں۔ البتہ مناسب مقام پر اس کی طرف چند اشارات کروں گا۔ لیکن شرائطِ زندگی کے متعلق ایک اور غور طلب بات ہے۔ کیا وہ تمام حالات جن پر کسی قوم کی زندگی کا دارومدار ہے، انسانی کوشش سے ایک خاص ترتیب میں جمع ہو سکتے ہیں؟ بالفاظ دیگر قوم کی زندگی قوم کے اختیار میں ہے یا پودوں اور حیوانوں کی طرح افرادِ انسانی کی زندگی بھی نوائے فطرت کے غیر اختیاری عمل پر منحصر ہے۔

اگرچہ زندگی کی اصلیت مخلوقات کی صورت میں وہی ہے۔ تاہم انسان اپنی عقلِ خداداد کی وجہ سے آفرینش کی ہر صورت سے متمیّز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک ایسی قوت دی ہے جس کی وساطت سے یہ شرائطِ زندگی کو سمجھ سکتا اور ہر انقلاب کے لوازم پر غور کر سکتا ہے۔ اس کی گرفت ایسی زبردست ہے کہ یہ قدرت کے بعض قویٰ کو معلوم کر کے ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اپنی ارتقا کے رخ کو متعین کر سکتا ہے۔ جب یہ دیکھتا ہے کہ آبادی کی افزائش کے ساتھ زمین کی پیداوار قدرتی اسباب سے کم ہو رہی ہے تو یہ ان اسباب کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور مختلف اقسام کی ایجادوں سے ان کے مخالف کو روک کر اپنی زندگی کے سامان بہم پہنچاتا ہے۔ اگر انسان عقل کے زیور سے معریٰ ہوتا تو ترقیِ تہذیب و تمدن کے لیے کوششیں کرنا بالکل بیسود ہوتا۔ ہماری زندگی حیوانوں اور درختوں کی

طرح ہوتی، ہم کسی انقلاب کا مقابلہ نہ کر سکتے اور ہماری بقاء وفنا کا انحصار محض قدرتی اسباب پر ہوتا۔ جن کی قدرت کے سامنے ہم بالکل بے کس ہوتے۔

یہاں تک تو میں نے شرائط زندگی پر زیادہ تر نظری لحاظ سے بحث کی ہے۔ اب میں واقعات کی طرف آتا ہوں جن سے میں چند ایسے نتائج پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔ جو اہلِ ملک وقوم کے لیے عملی لحاظ سے مفید ہوں۔ اگر ہم تمدنِ دنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اقوام قدیمہ میں سے صرف چار قومیں ایسی ہیں جو قوانینِ زندگی کی تیز تلوار سے بچ کر بُری بھلی حالت میں اب تک صفحۂ ہستی پر قائم ہیں یعنی چینی، ہندو، بنی اسرائیل اور پارسی۔ حال کی قوموں میں سے دیگر مغربی اقوام کے علاوہ ایشیا میں جاپانی اور فرنگستان میں اہل اطالیہ دو قومیں ایسی ہیں جنھوں نے موجودہ تغیر کے مفہوم کو سمجھ کر اپنے تمدنی اخلاقی اور سیاسی حالات کو اس کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن چونکہ ہندوؤں اور چینیوں کی قومی زندگی کے اسباب اسرائیلیوں اور پارسیوں کی قومی زندگی کے اسباب سے بالکل مختلف ہیں اور جہاں تک زیر بحث کا تعلق ہے ہمیں کوئی عملی فائدے ابھی نہیں دے سکتے، اس واسطے میں ان دونوں قوموں کی دلچسپ اور حیرت انگیز سرگذشت کی طرف اشارہ نہیں کروں گا۔ اگرچہ یہ ساری قومیں قومی زندگی کے اصل مفہوم کو ادا نہیں کرتیں۔ تاہم یہ بات کچھ کم تعجب خیز نہیں ہے کہ باوجود تمام خارجی یورشوں کے، جو ان کے ممالک پر وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں، باوجود صدہا سال کی غلامی اور دیگر ارضی وسماوی آفات کے جو ان قوموں نے برداشت کیں، ان کا نام ونشان اب تک قائم ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ ایک دردناک کہانی ہے۔ جس کو ایک دردمند دل سن بھی نہیں سکتا۔ تاہم یہ قوم اپنے فطری قویٰ کے لحاظ سے اس قدر حیرت انگیز ہے کہ کوئی مشرقی اور مغربی قوم سوائے ہندوؤں کے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

دنیا کے سب سے پہلے مقنن اور توحید مطلق کے پہلے استاد حضرت موسیٰؑ تھے۔ علی ہذا القیاس زمانہ حال میں توحید وجود کا پہلا استاد بھی ہالینڈ کا ایک یہودی تھا۔ تعجب ہے کہ حقیقت اشیاء کے یہ دو اصول، جو بظاہر ایک دوسرے کے نقیض ہیں، اور جو دنیا کی تہذیب وتمدن میں سب سے بڑی قوتیں ہیں، ایک ہی قوم کے دل ودماغ سے کس طرح پیدا ہوئے۔ اگرچہ توحید وجود کا مسئلہ آلِ یافت کی ایشیائی شاخ یعنی ہندوؤں میں ایک حیرت انگیز ترقی پا چکا تھا، تاہم یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ہالینڈ کے یہودی یعنی سپائی نوزا (Spinoza) کی تعلیم

ویدانت کے دقیق فلسفے سے بالکل متاثر نہیں ہوئی۔سینکڑوں پیغمبر اس برگزیدہ قوم میں مبعوث ہوئے۔سینکڑوں شہنشاہ اور ہزاروں مقنن پیدا ہوئے، جنھوں نے قوم کے تمدن اور اس کی تہذیب کو معراج کمال تک پہنچایا مگر آخر قہرِ الٰہی نے قوانینِ حیات کی صورت میں اپنا عمل کیا اور یہ قوم غلامی کی خوفناک مصیبتیں اٹھاتی وطن سے بے وطن ہوئی۔ نہ وہ عظمت رہی نہ وہ سلطنت، نہ وہ شوکت نہ وہ تہذیب، نہ وہ تمدن غرضیکہ پریشان اور خستہ حال ہوکر مغربی ممالک میں منتشر ہوگئی۔ اور اب تک غیر اقوام کی سختیاں اٹھا رہی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس قوم کی ایک شاخ یعنی قومِ افاغنہ ایشیاء کے ایک کوہستانی حصے میں آزاد حکومت کر رہی ہے۔ تاہم قوموں کے عروج وزوال کے اسباب پر غور کرنے والے اس بات کو جانتے ہیں کہ اگر افغانوں نے موجودہ انقلاب کے مفہوم کو نہ سمجھا اور اپنی آزاد حکومت سے تمدنی فوائد نہ اٹھائے تو یقیناً ان کا وہی حال ہوگا جو وسط ایشیا کی موجودہ قوموں کا ہو رہا ہے۔ باوجود ان تمام مصائب کے، جو قوم بنی اسرائیل نے زمانے کے ہاتھوں برداشت کیے، حیران کر دینے والی بات یہ ہے کہ یہ قوم اب تک زندہ ہے۔ اگرچہ قومیت اور حکومت نہیں رہی، تاہم دولت کا یہ حال ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں اس قوم کی مقروض ہیں۔ اور اس دولت کے بل پر یہ قوم ایک عرصہ سے اس تجویز کو عملی صورت دینے میں مصروف ہے کہ سلطنت عثمانیہ سے اپنا آبائی وطن خرید کر اپنی پرانی عظمت وجلال کی ازسرِ نو بنیاد رکھے۔

یہودیوں کو چھوڑ کر پارسیوں کی تاریخ پر نگاہ ڈالو۔ پارسی قوم ایک زمانہ میں عظیم الشان قوم تھی۔ یہودیوں کی طرح اس قوم میں بھی پیغمبر مبعوث ہوئے۔ کیانی تہذیب وتمدن انتہائی نقطہ تک پہنچا اور آخر کار شہنشاہ یزدجرد کے عہد میں عربی تلواروں نے کیانی شائستگی کو صفحۂ عالم سے معدوم کر دیا اور معبدوں کی آواز ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی، آتشکدے ویران ہو گئے اور پیروانِ زَرتُشت وطن سے بے وطن ہوکر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے۔ لیکن کیا یہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹ گئی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں قوموں نے اس انقلاب کے مفہوم کو کسی قدر سمجھ لیا ہے۔ جس کی سب سے بڑی خصوصیت صنعت وتجارت ہے۔ دنیا کی تجارت کا ایک کثیر حصہ ان کے ہاتھوں میں ہے، اور یہی وجہ ان کے سنبھل جانے کی ہے۔

۞۞۞

12 ستمبر 1917ء

مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا

(خطبہ جمعہ 31 اگست 1917ء فرمودہ حضرت مولٰینا محمد احسن فاضل امروہوی)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولٰیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡھُوۡدًا. وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَھَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا. (79-78:17)

اور فرمایا کہ مقامِ محمود کے معنی چند ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں حمد کی جاوے گی۔ دوسرے یہ کہ خود رسول مقبولؐ اللہ تعالیٰ کے ایسے محامد الٰہی بجا لائیں گے جو دوسرے انبیاءؑ نہ کر سکے۔ تیسرے یہ کہ وہ خود مقام ایسا پسندیدہ ہے جس کو محمود کہا گیا۔ اس آیت کریمہ میں ایک بڑی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور آپؐ کے ذریعہ سے امت محمدیہؐ کے لیے ہے۔ احادیثِ صحاح سے ثابت ہے۔ تفسیر کبیر اور فتح البیان وغیرہ اور کتب احادیث سب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ ایک بڑی بشارت ہے۔ یہ جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا.(79:17) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہؓ نے اس مقام کی نسبت دریافت کیا تھا۔ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ یہ وہ کرامت اور عزت کا مقام ہے جو تمام بنی آدم میں بجز میرے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ جہاں آنحضرتؐ قیامت کے روز گنہگاروں کے لیے شفاعت کرنے کو کھڑے ہوں گے۔ جس روز کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کسی کو مجال نہ ہوگی کہ شفاعت کی کرسی پر بیٹھے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں شفاعتِ کبریٰ کے بیان میں وارد ہے کہ قیامت کے روز جو طرح طرح سے سختی واقع ہوگی تو لوگ حضرت آدمؑ کے پاس آئیں گے کہ وہ شفاعت کریں، مگر وہ عذر کریں گے۔ حتّٰی کہ یکے بعد دیگرے سب انبیاء اولوالعزم کے پاس آئیں گے۔ ابراہیمؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ اور عیسیٰ علیہم السلام

وغیرھم سب اپنا اپنا عذر کریں گے۔ کما فی الاحادیث الصحیحہ ، اور کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ اور (کنز العمال کی اکثر حدیثوں میں جو مختلف طرق سے آئی ہیں اُن میں اس جگہ احمدؐ کا نام لیا گیا ہے) کیونکہ ایک وہی ہیں جن کی نسبت فرمایا گیا ہے **لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ**(2:48) بجز ان کے اور کسی کے واسطے یہ بات حاصل نہیں۔ پس میرے پاس آ کر مجھ سے درخواست کریں گے تب میں جناب باری میں سربسجود ہوں گا اور محامد الٰہی بجالاؤں گا۔ پس حکم ہوگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سر اٹھاؤ **سَلْ تُعْطَهٗ وَاشْفَعْ تُشَفَّعُ وَقُلْ تُسْمَعُ**، تب میں شفاعت کروں گا۔ الغرض اس طرح پر تین بار سجدہ میں جاؤں گا اور ہر ایک بار میں اسی قدر ایک جمِ غفیر امتِ محمدیہؐ کا بخشا جاوے گا کہ سوائے کفار اور مشرکین کے کوئی باقی نہ رہے گا جو جہنم میں داخل ہو۔ سچ کہا شیخ سعدیؒ نے ۔

نہ ماند بعصیاں کسے در گرد   کہ دارد چنیں سیّد پیشرو

یہ مضمون ماحصل اُن احادیث کا ہے جو صحاح ستہ میں مندرج ہیں۔ آپ جواذان کے بعد یہ دعا پڑھتے ہیں، اور اس کے پڑھنے کے لیے بڑی تاکید وارد ہے۔ حدیث صحیح میں اس دعا کے لیے یہاں تک وارد ہے کہ **وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ** اور بعض میں **حلَّتْ لهٗ شَفَاعَتِیْ** بھی ہے وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ.

جب صحابہؓ نے وسیلہ کے بارہ میں سوال کیا۔ سو اُس کے جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وسیلہ اور مقام محمود قریب المعنی اور قریب المراد ہیں **سَلُوا اللّٰهَ لِیَ الْوَسِيْلَةَ**۔ اللہ تعالیٰ کا قادرِ مطلق ہونا اور اس کی غناء ذاتی کس درجہ تک ہے جس کا مختصر بیان یہ ہے کہ عَسٰی افعال مقاربہ میں سے ہے۔ لیکن یہاں پر وجوب کے واسطے ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے: **اِتَّفَقَ الْمُفَسِّرُوْنَ عَلٰی اَنَّ کَلِمَةَ عسٰی مِنَ اللّٰهِ وَاجِبٌ قَالَ اَهْلُ الْمَعَانِیْ لِاَ نَّ لَفْظَةَ عَسٰی تُفِيْدُ الْاِطْمَاعَ وَمَنْ اَطْمَعَ اِنْسَانًا فِیْ شَیْءٍ ثُمَّ عَدِمَهٗ کَانَ عَارًا وَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَکْرَمُ منْ اَنْ يَطْمَعَ اَحَدًا فِیْ شَیْءٍ ثُمَّ لَا يُعْطِيْهِ ذٰلِکَ.**

باوجود یہ کہ یہ وعدہ حتمی ہے لیکن سب مسلمانوں کے واسطے یہ حکم ہے کہ یہ دعا بعد اذان کے پڑھتے رہے اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذَہِ الدَّعۡوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الۡقَآئِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الوَسِیۡلَۃَ وَالۡفَضِیۡلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیۡعَۃَ وَابۡعَثۡہُ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدَانِ الَّذِیۡ وَعَدۡتَّہٗ اِنَّکَ لَا تَخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ.

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی، تفاسیر میں لکھا ہے کہ مدینہ شریف سے حضرت رسول مقبولؐ کے جانے کے لیے طرفِ شام اور بیت المقدس کی، یہود نے طرح طرح کے حیلے بہانے کیے۔ کیونکہ آپ کے کلمات طیبات کی تاثیرات لوگوں کو گرویدہ کرتی تھیں اور علماء یہود کا بازار سرد ہوتا چلا جاتا تھا۔ اس لیے چارو ناچار علماء یہود نے بہانہ کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ بیت المقدس بڑا مقام مقدس ہے اور تمام انبیاء کی ارواح مقدسہ کا مجمع وہیں ہے۔ آپ وہاں تشریف لے جایئے، تو آپ کی دعوت کو بڑا فائدہ ہوگا۔ وہیں پر نبوت کا مرکز ہے۔ اگر آپ کا دعویٰ صادق ہے تو بطفیل ارواح مقدّسہ انبیاء کے آپ کو بہت امداد پہنچے گی اور آپ کی دعوت پر بہت لوگ ایمان لائیں گے۔ تب تو ہم بھی مان لیں گے۔

چونکہ بظاہر ایک بات معقول سی نظر آتی تھی اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارادہ مصمم وہاں جانے کا ہوگیا۔ کیونکہ آپ اُن کے ایمان لانے کے بڑے شائق تھے۔ حتیٰ کہ آپ سامانِ سفر بھی تیار کر چکے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تجھ کو شام اور بیت المقدس جانے کی تحصیل تبرک کے لیے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تجھ کو یہ نسخہ بتاتے ہیں کہا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ الخ. ہاں علاوہ پنجوقتہ نماز کے چھٹی نماز تہجد کی بھی تم پر فرض کرتے ہیں وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَھَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ۔ اس کے نتیجہ میں تُو تمام انبیاءؑ کا سید المرسلین ہوگا۔ اور تجھ کو وہ مرتبہ اور مقام ہماری جناب سے مرحمت ہوگا کہ وہ مرتبہ آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اور تم تو خود تمام انبیاء کو فیض پہنچاؤ گے۔ اور قیامت کو تمام انبیاء تمہارے افاضہ اور شفاعت کے محتاج ہوں گے۔

احادیث صحیحہ میں بھی ہے کہ مقام محمود وہ مقام ہے کہ کسی کو عنایت نہیں ہوا۔ ہاں آپ کے طفیل آپ کی امت کو بھی ظلی طور پر ملے گا۔ پچھلی کتابوں میں جہاں احمدؐ یا محمدؐ نام آیا ہے، وہاں یہ بھی آیا ہے کہ اُمتہُ الۡحَمَّادُوۡنَ یَحۡمَدُوۡنَ اللّٰہَ فِیۡ السَّرّٓاءِ والضَّرّٓاءِ یَحۡمَدُوۡنَ اللّٰہَ فِیۡ کُلِّ مَنۡزِلِہٖ اور اب تیرہ سو برس

ہو گئے کہ ہر وقت یہ امت اللہ تعالیٰ کی حمد کرتی ہے۔ چونکہ زمین کُروی ہے، پنجوقتہ نمازوں کے اوقات اس وجہ سے مختلف رہتے ہیں۔

پس یہ محامد آلٰہیہ، جو اذان سے لے کر اختتام نمازوں تک یہ امت بجالا رہی ہے اور کسی امت کو نصیب نہیں، ہر وقت حمد کرتے رہو۔ احادیث میں ہے کہ اذان کے بعد جو یہ دعا پڑھے گا اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِالتَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ الخ تو اس کے لیے شفاعت اور جنت واجب ہوگئی۔ پس غلط ہے کسی کا یہ دعویٰ کہ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِکی دعوت تامہ نہیں ناقصہ ہے، جب تک کہ کسی امتی نبی کی دعوت بھی شامل نہ کی جاوے۔ جبکہ کسی کو امتی قرار دیا گیا تو اس کے لیے بھی یہی دعوت تامہ ہوئی نہ ناقصہ۔ اُمَّتِیْ مَنْ سَنَّ بِسُنَّتِیْ قضیہ مسلمہ ہے۔ کیونکہ اس دعوت تامہ کے ایک ایک لفظ میں پیشگوئی ہے۔ اس میں پانچ لفظ آئے ہیں رَبَّ ھٰذَہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ قیامت تک وہ پوری دعوت تامہ ہے، کامل دعوت تامہ ہے اس وقت تک کہ تیرہ سو برس گزر چکے۔ وہی اذان بلاتحریف وتبدیل چلی آتی ہے۔ اگرچہ اہلِ تشیع نے کسی قدر الفاظ اس میں شامل کر دیئے ہیں مگر النادر کالمعدوم کے حکم میں ہیں۔ اگر اہل غلو بھی ان کی حرص میں آکر اس دعوت تامہ کو ناقص کہیں تو وہ یاد رکھیں کہ النادر کالمعدوم کے حکم میں رہے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ دوسرا لفظ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ ہے۔ نماز بھی وہی قائم ہے۔ دیگر انبیاء کی تعلیم عبادت کی بدل گئی ہے۔ اس میں پیشگوئی ہے کہ وہی نماز بھی قائم رہے گی۔ وہی قیام، وہی رکوع، سجدے، وہی قعدہ، وہی تشہد کہ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرُسُوْلُہٗ، وہی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ۔کسی کی مجال نہیں کہ اس فقرہ میں کسی دوسرے فرضی نبی کو داخل کر سکے۔ تمام افراد مکمل اور غیر مکمل دوسرے اس جملہ میں داخل ہیں جو یہ ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔ سچ فرمایا حضرت مسیح موعود نے ؎

جان کنی صد کن بکینِ مصطفیٰ	رہ نہ بینی بدینِ مصطفیٰ
تا نہ نور احمدؐ آید چارہ گر	کس نمے آرد ز تاریکی بدر

بعض لوگ جلدی جلدی نماز پڑھ لیتے ہیں اور تعدیلِ ارکان نہیں کرتے، وہ جدا بات ہے۔ اس سے تحریف نماز میں نہیں ہوسکتی۔ لیکن نماز وہی قائم رہے گی۔ کیونکہ کوئی انتظار اب دین اسلام کے لیے اور کسی نبی کے

آنے کا نہیں ہے کہ وہ آ کر کچھ ترمیم کرے یا اس کو مکمل کرے۔ یہ دعوت تامہ ہے، اس میں اور کسی طرح کا الحاق نہیں ہوسکتا۔ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ جب بعض صحابہؓ نے وسیلہ اور مقام محمود کو دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ وسیلہ وہ مقام محمود ہے کہ وہاں کوئی کھڑا نہ ہوسکے گا۔ یہ شفاعت کبریٰ کا مقام ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے وسیلہ کے لیے دعا کرتے رہو۔ وہ ایک اعلیٰ درجہ ہے لَا یَنَالُھَا اِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ وَاَنَا اَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَنَا ھُوَ. کیا غنائے ذاتی ہے پروردگار کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت و عجز و انکسار کی کہ باوجودیکہ وعدہ مستحکم ہے وہ بھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی کسی بادشاہ ارضی کی طرف سے نہیں ہے۔ مگر اس پر بھی اَنَا اَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَنَا ھُوَ فرماتے ہیں۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔ دوسرے الفاظ میں بھی پیشگوئیاں ہیں۔ جو غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

تفسیر الفاظِ آیت کی: لِدُلُوْکِ کہتے ہیں اس کو کہ جب آفتاب مغرب کی طرف جھکتا ہے۔ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ۔ غَسَقَ میں اختلاف ہے۔ لیکن جبکہ غَسَقَ تاریکی کو کہتے ہیں تو اس میں عشاء تک کی نماز آ گئی۔ تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب انسان کو شیاطین الانس اور جن کچھ وساوس ڈالنا چاہیں، جیسا کہ یہود نابود نے آپ کو وسوسوں میں ڈالنا چاہا تھا۔ تو حکم آیا کہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ تو پھر رسول مقبولؐ نے اس وسوسہ یہود سے رجوع فرمایا۔ اس لیے مومن کو بھی ایسا ہی عمل کرنا چاہئے۔ کیونکہ آپ احمد بصیغہ افضل التفضیل ہیں تو آپ کی غلامی سے آپ کی امت حمّادون ہوئی۔ اسی لیے آپ کے پاس قیامت کے روز واسطے نشانِ سید المرسلین ہونے کے ایک نیزہ ہوگا۔ جس کا امام لواءِ الحمد ہو گا۔ کیونکہ وہاں آپ اس قدر حمد الٰہی کریں گے کہ کوئی نبی نہ کر سکے گا۔ اس لیے اس وقت سب انبیاء شفاعت سے عذر کریں گے اور اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ سَلْ تُعْطَہٗ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. اسی لیے آپ فرماتے ہیں کہ فَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ اٰدَمُ فَمنْ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائِیْ وَاُمَّتُہٗ اَلْحَمَّادُوْنَ یَحْمَدُوْنَ اللّٰہَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ یَحْمَدُوْنَ اللّٰہ فِی کُلِّ مَنْزَلَتِہٖ. اس لیے فرمایا کہ اونچی جگہ پر جب چڑھے تو کہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور جب اترے تو کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ پس آپ کی امت کا یہی مرتبہ ایسا ہے کہ انبیاء نے بھی آپ کی امت میں داخل ہونے کی التجا کی ہے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں۔

از کمالِ خوبی وحسنِ اتم　　جملہ خوباں راکند زیرِ قدم

اورمولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

غوطہ دہ موسیٰ خودرا دربحار　　و از میانِ امتِ احمدؐ برآر

پس ایسے فضائل جزئی حضرت کی امت کوبھی حاصل ہیں۔جیسا کہ حضرت مسیح موعود کوبعض فضائل حاصل ہیں۔لیکن یہ نہیں کہ حقیقی طور پرعین مصطفیٰ ہوگئے۔ورنہ اس کے کیا معنی ہوں گے ۔

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم　　یک قطرۂ ز بحر زلال محمدؐ است

برتر گمان ووہم سے احمدؐ کی شان ہے　　جس کا غلام دیکھو، مسیح زمان ہے

ایک بزرگ فرماتے ہیں ۔

علمہا از بحرِ علمش قطرۂ　　آں چوخورشید است و اینہا ذرّۂ

گر کسے در علم صد لقمان بود　　پیشِ علمِ کاملش نادان بُود

اسی واسطے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ صاحب فرماتے ہیں۔

اَفَلَتْ شُمُوسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا　　اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تغْرِبُ

سب سمجھ لوکہ جس طرح پرآفتاب جسمانی صرف ایک ہی ہے، دوسرا کوئی شمس دنیامیں موجودنہیں۔اسی طرح پرآفتاب روحانی بھی ایک ہی ہے، دوسرا کوئی نہیں۔مگرآفتابِ روحانی افق اعلیٰ پردرخشاں وتاباں رہے گا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبی ہیں۔پھرآپ کے بعد دوسرے نبی کے کیا معنی؟ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں۔

آن شہ عالم کہ نامش مصطفیٰؐ　　سیدِ عشاقِ حق شمس الضحیٰ

شمس الضحیٰ حضرت صاحب نے اس واسطے لکھا کہ وہ مثیل چاشت کے وقت کے تاباں ودرخشاں رہے

گا۔ پس کسی نبی کے آنے کی کیا ضرورت ہے۔ سید المرسلین کو جو یہ مقامِ محمود عنایت ہوا وہ نماز تہجد کا نتیجہ ہے۔ جو آپ پر فرض تھی وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (79:17) اس کا نتیجہ یہ کہ چونکہ آپ کے افرادِ اُمت نے بھی لقب حمادون کا پایا ہے، اس لیے ظلی طور پر اپنی اپنی استعدادوں کے بموجب اس مقام سے ان کو بھی حصہ ملے گا۔ خصوصًا خاتم النبیّین سیّد المرسلین کے ساتھ لازم آوے، ان سے سخت اجتناب کرنا فرض اور واجب ہے۔ چونکہ یہ مقام محمود صرف آپ کے واسطے ہوگا اور حضرت مسیح موعود کو اس سے حصہ وافر مرحمت ہوگا۔ لیکن ان الفاظ سے، جن سے کہ التباس واقعہ ہونے پر لازم آوے، ایسے الفاظ سے قرآن شریف بھی سخت منع کرتا ہے۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے جو فضائل خصوصیتوں کے ساتھ ہیں، ان میں اشتباہ واقع نہ ہو جائے۔ تاکہ شریعت غرّا اور بیضاء میں جس کی شان لَيْلُهَا كَنِهَارِهَا ہے، تحریف واقع نہ ہو۔ چنانچہ حدیث صحیح میں فرمایا کہ ایسے نام بھی مت رکھو جن سے اشتباہ لازم آئے جیسے لَاتَكَنُّوْا بِكُنْيَتِيْ الخ ...... یہ اس وقت منع فرمایا تھا جبکہ اہلِ اسلام میں آپ کا خاتم النبیّن ہونا خوب دلنشین نہیں ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ قاسم تو میں ہی ہوں، تقسیم تو میں ہی کرتا ہوں۔ التباس سے سخت ممانعت اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اکثر لوگوں کی طبائع طفلانہ ہوتی ہیں۔ مبادا ایسا نہ ہو کہ جس طرح پر ایک لڑکا یہ جانتا ہے کہ مجھ کو دایہ ہی سب کچھ دیتی ہے حالانکہ اصل میں دایہ تو اس کے والدین کی ملازمہ ہے اور والدین ہی اصل میں پرورش کرنے والے ہیں۔ مگر نادانی سے وہ لڑکا یہ سمجھتا ہے کہ دایہ ہی مجھے سب کچھ دیتی ہے۔ مگر یہ خیال اس کا محض غلط ہے۔ یہاں پر بھی اس لڑکے کا سا خیال ہو رہا ہے۔ ذرا غور تو کرو کہ جو شخص وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ (6:61) کا مصداق خاص حضرت مرزا صاحب کو قرار دیتے ہیں، اور اصلی مصداق اس کا ہرگز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتقاد نہیں کرتے۔ اور اس کو قطعی ایمانیات سے قرار دے رکھا ہے۔ اور تنوین مُبَشِّرًا اور رَسُوْلٍ میں تعظیم کے لیے ہے۔ اور علم وہ ہوتا ہے جو ما بین المتکلم والمخاطب معلوم ہو معہود ہو۔

ان کے اس ایمان سے کس قدر التباس لازم آتا ہے اور کیسے کیسے مفاسد اس مسئلہ پر متفرع ہوں گے۔ صَدَقَ اللّٰهُ تَعالٰى: بِئسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ (93:2)، وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ: تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ

وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ.(23:39)

یہ ایک ایسا فتنہ برپا ہوا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔رسول عظیم الشان مرزا صاحب ہی ہوئے۔ اور تمام انبیاءؑ سے زیادہ ترحم کرنے والے بھی مرزا صاحب ہی ہوئے اور مرزا صاحب ہی نبی حقیقی ہوئے۔اور جو بیعت میں داخل نہیں، وہ سب کے سب کافر خارج از اسلام ہوئے۔ كَائِنًا مَنْ كَانَ وَابْنُ مَنْ كَانَ اب فرماؤ کہ دین اسلام میں کیا باقی رہا۔اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

خلاصہ یہ ہے کہ تیرہ سو برس کا تو یہ مقدمہ ہے عیسائیوں پر اتمام حجت کیا جارہا ہے اور مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ(46:5) بھی موجود ہے۔جس میں اشارہ ہے کہ سفر استثناء باب 18 کی پیشگوئی عظیم الشان کی بھی میں تصدیق کررہا ہوں۔اور خود حضرت صاحب قصیدہ الہامیہ میں فرماتے ہیں۔

من نیستم رسول و نیا وردہ ام کتاب

اور یہ الہام بھی ہے فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَمَا تَعَلَّمْ

دگر استاد را نامے نہ دانم کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

اوراس پر یہ غلو کہ تمام دنیا کے علماء کو مدعو کیا جاتا ہے

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجا ست تا بکجا

سچ کہا ہے۔

گر ہمیں مکتب است وایں ملا کارِ طفلاں تمام خواہد شد

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (63:24)

التباس سے پرہیز کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ

بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذاً۔(63:24)

ادھر ہم نے نص قرآنی پیش کی، حدیث منصوص پیش کی، وہ دوسری طرف کو کھسک گئے۔ نص قرآن مجید کی تاویل فاسد کی آڑ میں ایک اُٹھا، اس کی آڑ میں دوسرا بھی اٹھ بیٹھا۔ کبھی ریل کی باتیں کرنے لگا اور کبھی انجن ریلوں سے اور کبھی پرندوں سے۔ نصوص قرآنی اور احادیث رسول مقبول کی کچھ پروا نہیں لَا يَجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ (حدیث)۔ خیر اس وقت کو یہ لوگ حیلے اور بہانے اور آڑ ڈھونڈ ڈھونڈ کر چھپ جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے آگے فرماتا ہے فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (63:24) ایسے حیلے بہانے مندرجہ ذیل ہرگز ہرگز کام نہ آئیں گے کہ میاں! غلام احمد کسی زبان میں حضرت کا نام نہیں ہوسکتا۔ اگر عربی نام ہووے تو غلامُ احمد ہونا چاہیئے، اور اگر فارسی اردو ہوتا تو غلامِ احمد ہوتا، اور اگر پنجابی ہوتو احمد دا غلام ہوتا۔ مگر ان تینوں زبانوں کا یہ نام نہیں ہوسکتا۔ پس نام احمد ہی رہا۔ پس اس لیے یہ پیشگوئی وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) صرف مرزا صاحب ہی کے لیے ہوئی۔ واہ واہ! کیا عمدہ دلیل ہے۔ جس سے مباحثہ کرنے کے لیے تمام دنیا کے علماء مدعو کیے جاتے ہیں۔ شرم! شرم! شرم! اس نوجوان پر تو مجھ کو کوئی تعجب نہیں آتا کہ ناز و نعمت کا پرورش یافتہ ہے، کوئی علم اس نے نہیں پڑھا، تیار معاملہ پر مسند خلافت پر بیٹھ گئے۔ مگر ان لوگوں پر بڑا افسوس آتا ہے کہ کوئی ہائیکورٹ کا وکیل ہے اور کسی کو علم دینیات سے کچھ بہرہ بھی حاصل ہے۔ وہ اب تک بیعت میں چلے جاتے ہیں۔ میرا اصل حال تو وہ ہے جو ایک قصیدہ میں لکھ چکا ہوں ؎

حسن سبزے بخطِ سبز مرا کرد اسیر — دامِ ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

لیکن انگہ ز احوال خبردار شدم — توبہ کردم کہ چرا بانی ایں کار شدم

❁❁❁

12 ستمبر 1917ء

مراسلات

قادیانیوں سے ایک سوال

حضرت مسیح موعود ''سراج منیر'' کے صفحہ 2 پر فرماتے ہیں:

''بیہودہ اعتراضوں کو چھوڑ دو۔ ناحق کی نکتہ چینیوں سے پرہیز کرو اور فاسقانہ خیالات سے اپنے تئیں بچاؤ۔ جھوٹے الزام مجھ پر مت لگاؤ کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔''

اب سوال یہ ہے کہ یہ چار قسم کے لوگ کون ہیں، جو جھوٹے الزام لگانے والے، فاسقانہ خیال رکھنے والے، ناحق نکتہ چینی کرنے والے، بیہودہ اعتراض کرنے والے۔ ذرا سوچ کر جواب دو۔ کیا تم نے یہ سب جھوٹے الزام حضرت صاحب پر نہیں لگائے۔ اگر ایمان دلوں سے اٹھ نہیں گیا تو ایسے متعد لوگوں کو توبہ کرنی چاہئے۔ غور تو کرو کہ جو کام دشمن کرتے تھے، وہ تم خود ملے ہوئے کر رہے ہو۔ جیسے قادیان والے کہتے ہیں کہ حضرت صاحب حقیقی نبی ہیں۔ حالانکہ حضرت صاحب تو فرماتے ہیں کہ جھوٹے الزام مت لگاؤ کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ **استغفر اللّٰہ سبحانک ھذٰا بھتان عظیم.**

پھر تیسرے صفحہ پر فرماتے ہیں:

''ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کے رو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے نہ پرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے۔ مگر مجازی معنوں کے رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے۔ میرے پر یہی کھولا گیا ہے کہ حقیقی نبوت کے دروازے خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بکلی بند ہیں۔ اب نہ کوئی جدید نبی حقیقی معنوں کے رو سے اور نہ کوئی قدیم نبی آ سکتا ہے۔'' (صفحہ 3 سراج منیر)

ایک حوالہ کتاب ''چشمہ معرفت'' سے دیا جاتا ہے۔تا کہ متعدین پر اتمام حجت ہو۔

''مگر خدا اس شخص سے پیار کرتا ہے جو اس کتاب قرآن شریف کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے۔اوراس کے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درحقیقت خاتم الانبیاء سمجھتا ہے۔اوراس کے فیض کا اپنے تئیں محتاج جانتا ہے۔پس ایسا شخص خدا تعالیٰ کی جناب میں پیارا ہو جاتا ہے۔اور خدا کا پیار یہ ہے کہ اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اوراس کو مکالمہ مخاطبہ سے مشرف کرتا ہے اور اس کی حمایت میں اپنے نشان ظاہر کرتا ہے۔اور جب اس کی پیروی کمال کو پہنچتی ہے تو ایک ظلی نبوت اس کو عطا کرتا ہے۔جو نبوت محمد یہ کا ظل ہے۔یہ اس لیے کہ تا اسلام ایسے لوگوں کے وجود سے تازہ رہے اور تا اسلام ہمیشہ مخالفوں پر غالب رہے۔''

ایسی کھلی کھلی ہدایتوں کے ہوتے ہوئے جو شخص اب بھی اندھا رہے، اس کا اپنا قصور ہے۔ایسے وجودوں کی ہر زمانہ میں ضرورت رہی ہے اور یہ سنت اللہ جاریہ ہے، قیامت تک رہے گی۔

اب ہم ایک اور حوالہ تقریر واجب الاعلان متعلق واقعات جلسہ بحث منعقدہ جامع مسجد دہلی مورخہ 23 اکتوبر 1898ء دیتے ہیں۔جیسا کہ فرماتے ہیں:

''اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا مسجد (جامع مسجد دہلی) میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں۔اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو، اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔''

ایک اور حوالہ پیش کرتا ہوں۔فرماتے ہیں:

''لہٰذا میں اظہاراً للحق عام خاص اور تمام بزرگوں کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افتراء ہیں۔میں نہ نبوت کا مدعی ہوں، نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر

وغیرہ سے منکر۔ سیدنا و مولٰینا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔'' (ملخص از ایک عاجز مسافر کا اشتہار۔ مورخہ 2 اکتوبر 1891ء صفحہ 1)

ایک حوالہ ''نشان آسمانی'' مطبوعہ باراول صفحہ 30، 1892ء کا دیا جاتا ہے:

''ان الزامات کی نسبت اگرچہ میں نے بار بار بیان کیا اور اپنی کتابوں کا مطلب سنایا کہ کوئی کلمۂ کفران (کتابوں) میں نہیں ہے۔ نہ مجھے دعویٰ نبوت وخروج از امت اور نہ میں منکرِ معجزات اور ملائک اور نہ لیلۃ القدر سے انکاری ہوں۔ آنجنابؐ کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا۔ اور قرآن کریم کا ایک شعشعہ یا لفظ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں! محدث آئیں گے جو اللہ جلشانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کی بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور بلحاظ بعض وجوہ شانِ نبوت کے رنگ سے رنگین کیے جاتے ہیں اور ان میں سے میں ایک ہوں۔''

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے ختم نبوت کے کیا معنی کیے ہیں؟ تو اس کے متعلق اخبار الحکم نمبر 3 جلد 3 مطبوعہ 10 جنوری 1899ء صفحہ 7-9 دیکھنا کافی ہوگا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

''ختم نبوت کو یوں سمجھ سکتے ہو کہ جہاں تک دلائل اور معرفت طبعی طور پر ختم ہو جاتے ہیں، وہی حد ہے جس کو ختم نبوت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے...... ختم نبوت کے متعلق میں پھر کہتا ہوں کہ خاتم النبییّن کے بڑے معنے یہی ہیں کہ نبوت کے امور کو آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا۔ یہ موٹے اور ظاہر معنے ہیں۔ دوسرے یہ معنے ہیں کہ کمالات کا دائرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ یہ سچ اور بالکل سچ ہے۔ قرآن نے ناقص باتوں کا کمال کیا اور نبوت ختم ہو گئی۔ اس لیے **اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ** کا مصداق اسلام ہو گیا۔ الغرض مہر نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان

نبوت میں سے ایک نشان ہے۔جس پر ایمان لانا ہر مسلمان کو ضروری ہے۔''

میں نے مختصر طور پر پانچ چھ حوالے ایسے پیش کیے ہیں جس میں حضرت صاحب نے مدعی نبوت کو کاذب وکافر کہا ہے اور اپنی نبوت کی نفی کے لیے ساتھ ہی اس کے محدث ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔

پس سوال یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب نبی حقیقی ہیں،تو یہ کفر وکذب کس پر پڑا؟ مرزا صاحب پر یا آپ لوگوں پر۔ جو مرزا صاحب کو نبی نبی کر کے پکارتے ہو۔ ذرا سوچ کر جواب دو۔کیا میاں صاحب نے پہلے خط میں، جو انہوں نے ایک ڈاکٹر مرید کو لکھا تھا، کہ میں بھی نبی کے لفظ کو اچھا نہیں سمجھتا، بلکہ رسالہ ''تحفۃ الملوک'' میں کہیں مرزا صاحب کو بھول کر مجازی نبی بھی لکھا نہیں،تو محمودی بتا دیں کہ اب مرزا صاحب کیسے نبی بن گئے! معلوم ہوتا ہے کہ آگے تو خدا نبی بنایا کرتا تھا،اب میاں محمود کے ہاتھ میں خدا نے کل دے دی کہ اب محمود جس کو چاہے نبی بنایا کریں۔**فاعتبروا یااولی الابصار واٰخر دعوٰنا اَن الحمد للّٰہِ رب العٰلمین ۔**

خاکسار

عبدالرحمٰن احمدی تخت ہزاروی

مڈھ رانجھا

12 ستمبر 1917ء

قسط اول

شہداء کی زندگی کے متعلق ایک مُحقّقانہ بحث

(ماہ مئی 1917ء میں ہمارے مخدوم ومکرم دوست سید محمد اختر صاحب نے حضرت امیر ایّدہ اللہ سے بذریعہ خط سوال کیا تھا کہ:

''قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید مرتے نہیں بلکہ زندہ جاوید ہیں۔ اس لیے جو بزرگ شہید ہوتے ہیں اُن کی ارواح جنت میں رہتی ہیں یا اُن کے مزاروں پر ان کو حاضر سمجھا جاوے اور یہ سمجھ کر ان کے مزاروں پر حاضری دی جاوے کہ وہ موجود ہیں اور ہم کو دیکھ رہے اور ہماری التجاسُن رہے ہیں۔''

اس کا جواب مکرمی حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ نے حضرت امیر ایّدہ اللہ کے ارشاد سے انہی دِنوں میں لکھ کر بھیجا تھا۔ جس کی نقل اُنہوں نے ازراہِ عنایت برائے اشاعت مرحمت فرمائی ہے۔ وَھُوَ ھٰذَا۔ مدیر)

☆☆☆

اخویم مکرم معظم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

بجواب خط آں مکرم عرض ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شہید مرتے نہیں بلکہ زندہ جاوید ہیں۔ قرآن کریم تو صاف فرماتا ہے کہ کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ (185:3، 35:21) اگر جناب کا اشارہ قرآن کریم کی ان دو آیتوں کی طرف ہے۔

☆ وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتٌ بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّلٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ. (154:2)

☆ وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ.(169:3)

تو اس جگہ اس بات کا ذکر کرنا بے موقعہ نہ ہوگا کہ عام لوگ یوں تو ہر ایک شخص (مومن ہو یا کافر، فاسق ہو یا فاجر) کی روح کو موت کے بعد باقی رہنا خیال کرتے ہیں۔ مگر شہیدوں کی نسبت جو اُن کا اعتقاد ہے وہ نہایت ہی تعجب انگیز ہے کہتے ہیں کہ شہید مرتے نہیں بلکہ زندہ رہتے ہیں۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ کافۂ انبیاءؑ ورُسلؑ، جو فضیلت میں شہداء سے بدرجہا بہتر و برتر اعلیٰ و اشرف ہوتے ہیں، ان میں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو افضل الرسل اور خاتم النبیّن رحمۃ للعالمین اور سید المرسلین ہیں اُن کی نسبت تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمۡ مَّیِّتُوۡنَ (30:39) یعنی اے پیغمبرؐ تو بھی مرنے والا ہے اور تحقیق یہ کافر بھی مرنے والے ہیں اور فرماتا ہے وَمَاجَعَلۡنَا لِبَشَرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ الۡخُلۡدَ. اَفَائِنۡ مِّتَّ فَھُمُ الۡخٰلِدُوۡنَ کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ الخ (35-34:21) یعنی نہیں بنایا ہم نے کسی بشر کے لیے بھی، جو تجھ سے پہلے پیدا ہوئے ہیں (انبیاءؑ ہوں یا شہداء) ہمیشہ زندہ رہنے والا۔ پس کیا اگر تو مر گیا تو یہ لوگ باقی رہ جائیں گے؟ پھر حضرت یعقوبؑ کے متعلق قرآن مجید میں یہ ذکر موجود ہے اَمۡ کُنۡتُمۡ شُھَدَآءَ اِذۡحَضَرَ یَعۡقُوۡبَ الۡمُوۡتُ الخ (133:2) یعنی کیا تم حاضر تھے جب سامنے ہوئی یعقوبؑ کو اُس کی موت۔ پھر کُل انسانوں کے متعلق خواہ وہ نبی ہوں یا شہید، قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ. ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ. ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ. ثُمَّ اِنَّکُمۡ بَعۡدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوۡنَ.(15-12:23)

ان آیات سے بلا ریب ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حاضرین ومنکرین جملہ رُسل و انبیاء مر گئے، اُن میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔ اسی طرح جملہ رُسل، انبیاء اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین بھی وصال پا چکے ہیں۔ ان انبیاء اور شہداء میں سے کسی ایک کو بھی زندہ سمجھنا مخالفت کتاب اللہ ہے۔ جب حضرت خاتم النبین کے لیے اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمۡ مَّیِّتُوۡنَ (30:39) صریح وارد ہے۔ تو جب ایسے اولوالعزم سید النبیّن افضل المرسلین اور تمام انبیاء ورُسل سے مجتبیٰ اور مصطفیٰ پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میت کہنا عین ارشاد الٰہی ہے، تو

شہیدوں کو جو نبیوں کے درجہ کو کبھی بھی نہیں پہنچ سکتے، زندہ خیال کرنا اور مرے ہوؤں کو نہ مرا ہوا کہنا کس قدر اسلام سے دور ڈالنے والی راہ ہے۔

اگر ان ہر دو آیات متذکرہ بالا لَاتَقُوْلُوْا (2:154) اور لَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا (169:3) سے دنیا میں شہداء کو زندہ وہم وخیال کیا جائے، تو اس سے بہت سی آیاتِ کتاب اللہ کا انکار کرنا پڑے گا۔ بلکہ مابین آیات متذکرہ بالا کتاب اللہ سے صریح وصاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کافۂ انبیاءؑ ورُسلؑ فوت ہوگئے۔ یہاں تک کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو خاتم النبیّن اور افضل المرسلین تھے، وہ بھی وصال پا گئے۔تو شہید بیچارے کس گنتی میں رہے؟ اگر آیت كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (185:3) کے ماتحت شہید بھی دوسرے تمام انسانوں کی طرح ذائقہ موت نہ چکھتے اور شہداء کو مرا ہوا خیال کرنا گناہ ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیت اور اس کی مثل دوسری آیات میں شہیدوں یا اُن کی روحوں کو مستثنیٰ عن الحکم کر دیتا اور فرماتا کہ تمام مخلوق جملہ انبیاء ورُسل تو مرتی ہے، مگر شہید نہیں مرتے۔مگر اُس نے ایسا نہیں فرمایا۔

یہ سب مفتریات ہیں کہ شہید مرتے نہیں بلکہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔آیات مذکورہ الصدر سے قطعی اور یقینی طور یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ جملہ شہداء سب کے سب، جب بسبب قتل فوت ہوجائیں، یعنی مرجائیں، تو پھر اُن میں سے کسی کو زندہ کہنا یا زندہ سمجھنا سراسر غلطی ہے۔جبکہ سید العالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اِنَّکَ مَیِّتٌ (30:39) مذکور موجود ہے۔اور تمام رسلؑ، انبیاءؑ، جو قبل از حضرت خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے قَدْ خَلَتْ کے نیچے آچکے تو شہیدوں کی نسبت یہ کہنا، کہ وہ مرتے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، اگر کتاب اللہ المجید سے بے خبری کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟

پس جو لوگ شہیدوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ مرتے نہیں، یا بعض لوگ بعض انبیاءؑ مثل حضرت عیسیٰؑ وحضرت ادریسؑ کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں، یا خضرؑ اور الیاسؑ کی نسبت یہ وہم کرتے ہیں کہ وہ زمین پر زندہ اس وقت تک موجود ہیں، یہ باطل خیالات اُن لوگوں کے دل میں ہی قائم رہ سکتے ہیں، جن کی حالت ایمانی بالکل مبروص ومجذوم ہوچکی ہے۔کیونکہ من حیث الایمان اور بحیثیت اعتقادات واعمال وغیرہ کے نہ تو وہ صرف کتاب اللہ قرآن مجید کے پورے اور پکے مومن ہی

ہیں۔اور نہ وہ بالفاظ صریح زبانی طور پر کتاب اللہ المجید کے ماننے کے اقرار سے انکار کر کے اس سے مطلق منکر اور کافر کہلانا ہی پسند و گوارا کرتے ہیں۔ زبانی جمع وخرچ میں تو برائے نام قرآن مجید کے مسلمان ہیں، لیکن عموماً عبادات واطاعات وغیرہ جملہ امور دینی میں عملدر آمد اُن کا اپنے اماموں، مجتہدوں، پیروں، مشائخوں، ولیوں، گدی نشینوں، باطل مرشدوں کے اقوال وروایات وحکایات پر ہوتا ہے۔قرآن مجید کو اگر اُن کے سامنے پڑھا جائے اور اُس کے معنی کیے جائیں تو جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ کیا یہ بات، جو فلاں بزرگ نے لکھی، غلط اور جھوٹ لکھی ہے؟ اور کیا تم اُن بزرگوں سے زیادہ قرآن جاننے والے پیدا ہو گئے؟ ظالم یہ نہیں جانتے کہ کیا وہ بزرگ اُن کے نبی اور رسول ہیں! یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے نبی اور رسول ہیں! ہزار طرح سے اُن کو سمجھاؤ، قرآن مجید کی بیان کردہ باتوں پر ان نام کے مسلمانوں کے دل تسلی پذیر نہیں ہوتے۔اس لیے اُن کا یہ دعویٰ کہ ہم قرآن مجید کو خدا کا کلام سمجھتے ہیں، صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔لہٰذا اُن کے ایسے اقرار حقیقی ایمان اور اسلام کا رنگ اُن کے دلوں پر نہیں چڑھا سکتے۔خدا تعالیٰ کے کلام کو ماننا تو کیا، دراصل اُن لوگوں کو اس قدر نصیب بھی نہیں کہ قرآن کریم میں کبھی غور وفکر اور تدبر کریں۔اور قرآن کریم کی باتوں کو اپنے بزرگوں کی باتوں سے ہی ملا کر دیکھیں۔ بلکہ اُن کے دل تاریکی میں پڑے ہیں۔

اس درد دل کی کہانی کے بعد ذیل میں اب میں اُن آیتوں کے معنی لکھتا ہوں جو شہداء کی نسبت قرآن مجید میں آئی ہیں، اور اللہ کی توفیق اور فضل سے دکھاتا ہوں کہ جو معنی لوگ ان آیتوں کے لے کر شہیدوں کا زندہ ہونا مانتے ہیں وہ معنی ان آیتوں کے ہرگز ثابت نہیں۔

پہلی آیت، جس کے عام لوگ یہ معنی لیتے ہیں کہ شہید مرتے نہیں بلکہ زندہ رہتے ہیں، یہ ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. (154:2) اس آیت کے ترجمہ میں سب سے پہلی غلطی یہ کی گئی ہے کہ وَلَا تَقُوْلُوْا (154:2) کے مخاطب مسلمان ٹھہرائے گئے ہیں اور غلطی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے پہلی آیت میں جو یہ ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ. (153:2) لوگوں نے سمجھا کہ مؤمنین مخاطب ہیں اس لیے آیت وَلَا تَقُوْلُوْا (154:2) بھی انہوں نے مؤمنین کو مخاطب سمجھا۔مگر قرآن کریم میں ہر جگہ یہ قاعدہ نہیں۔ بلکہ کئی آیتیں

ایسی بھی ہیں جن میں پہلے بالفاظ صریح جو شخص مخاطب ہے تو پیچھے اس کے کوئی اور ہی مخاطب کیا گیا ہے یا پہلے جس کا قول بیان ہوا ہے پیچھے اس کے کسی اور کا ہی بیان ہو گیا ہے اور وہاں سوائے قرائن کے کوئی صریح لفظ بھی موجود نہیں ہوتا۔ جس سے کسی دوسرے شخص کا مخاطب یا متکلم ہونا سمجھا جاوے۔ مثلاً سورہ یٰسٓ میں ہے **وَمَالِیَ لَآاَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ.** (22:36)اَلآیَۃُ اِلٰی : **اِنِّیۡ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ** (25:36)'' آگے ہے **قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ** (26:36) کیا مطلب؟ پہلے ایک رجل رسولوں کی تصدیق کرنے والے کا کلام ہے۔ اس کے بعد خدا کی طرف سے حکم دیئے جانے کا بیان ہے۔ اس کے بعد پھر اُسی رجل مومن کا کلام ہے **قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ. بِمَا غَفَرَلِیۡ رَبِّیۡ وَجَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ.** (36:26-27) اس کے بعد **وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی قَوۡمِهٖ**(28:36) سے خدا کا مقولہ ہے جس کے ساتھ ہی **یٰحَسۡرَۃً عَلَی الۡعِبَادِ**(30:36) موجود ہے۔ اور جیسے **یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ.**(26:36) اس رجل مومن کا مقولہ ہے اسی طرح **یٰحَسۡرَۃً عَلَی الۡعِبَادِ** (30:36) بھی اسی کا قول حکایۃ عن الطیر کے طور پر خدا تعالیٰ نے یہاں نقل فرمایا ہے۔ ایسا ہی سورہ یوسف میں آیت **یُوۡسُفُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا وَاسۡتَغۡفِرِیۡ لِذَنۡبِکِ** (29:12) کے پہلے جملہ میں حضرت یوسفؑ کو خطاب ہے اور دوسرے میں عزیز مصر کی عورت کو۔ مگر یہ بات صرف قرینہ سے پائی جاتی ہے۔

ایسا ہی اسی سورہ میں **ذٰلِکَ لِیَعۡلَمَ اَنِّیۡ لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَیۡبِ** (52:12) اور **مَآاُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ** (53:12) قابل غور ہیں۔ دیکھئے **مَآاُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ** (53:12) بظاہر قول یوسف علیہ السلام کا معلوم ہوتا ہے۔ مگر نہیں۔ جب یوسف علیہ السلام آیت **اَنِّیۡ لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَیۡبِ**(52:12) میں اپنے آپ کو بری الذمہ ٹھہراتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے بادشاہ کی کوئی غائبانہ خیانت نہیں کی یعنی اُس کی عورت سے کوئی بدقصد نہیں کیا۔ اور حضرت یوسفؑ کے اس دعویٰ کی خود **امۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ** (51:12) تصدیق کرتی ہے اور کہتی ہے **وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیۡنَ** (51:12)۔ پس یوسف علیہ السلام کبھی بھی اُسی زبان سے اپنے خلاف یہ اقرار نہیں کر سکتے تھے۔ **وَمَآاُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ** (53:12) یعنی میرا نفس امّارہ بالسوء ہے۔ پس یہ مقولہ عزیز مصر کی عورت کا ہے، جو اپنے نفس کے امّار بالسوء ہونے کو ان لفظوں میں تسلیم کرتی ہے **اَنَا رَاوَدۡتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ.** (51:12)

ایسا ہی سورہ آل عمران میں وَلَیۡسَ الذَّکَرُ کَالۡاُنۡثٰی (36:3) کا جملہ بظاہر والدہ مریمؑ کا قول معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ والدہ مریمؑ کا قول نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے جو والدہ مریم کی شکایت اِنِّی وَضَعۡتُهَآ اُنۡثٰی (36:3) کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ تو نادانی سے لڑکی کے ہونے پر افسوس کرتی ہے وَلَیۡسَ الذَّکَرُ کَالۡاُنۡثٰی (36:3) حال یہ ہے کہ لڑکا اس لڑکی کی مانند نہ ہوتا۔

خلاصہ مطلب یہ کہ جس طرح قرآن کریم کے ان مندرجہ بالا مقامات سے میں نے دکھایا ہے کہ ماقبل پر نظر کرنے سے جو فاعل یا قائل یا مخاطب معلوم ہوتے ہیں، وہ نہ تو فاعل نہ قائل نہ مخاطب ہیں، بلکہ آیت کے مطالب کے لحاظ سے اس کے فاعل یا قائل یا مخاطب کوئی اور ہوتے ہیں، اسی طرح آیت زیر بحث وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّلٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ. (154:2) کے مخاطب آیت ماقبل یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوةِ (153:2) پر نگاہ کرنے سے مومن معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وجوہات ذیل سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ اس کے مخاطب مومن اور مسلم نہیں بلکہ کفار ہیں:

☆ اول یہ کہ وَّلٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ (154:2) کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ اس کے مخاطب کفار ہی ہو سکتے ہیں نہ مومن۔ کیونکہ قرآن مجید میں سینکڑوں جگہ کافروں کو ہی ایسا کہا گیا ہے۔ تم نہیں مانتے، تم نہیں شعور رکھتے، تم بیوقوفی کی باتیں کرتے ہو۔ مومنوں کی شان میں یہ الفاظ کہیں نہیں آئے۔

☆ دوم جو لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ تم شہیدوں کو مرا ہوا نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔ لیکن تم لوگ اُن کی زندگی کو نہیں سمجھتے، یہ اس لیے صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ جو لوگ مسلمانوں میں شہید ہو جاتے تھے وہ تو سب مسلمانوں کو مر چکے ہی نظر آتے تھے۔ اگر وہ اُسی وقت غائبانہ بدرگاہ رب العٰلمین زندہ ہو جاتے تھے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ اس پر کہا جاتا ''لیکن تم اس بات کو سمجھتے یعنی مانتے نہیں ہو یا تم اس بات کا شعور نہیں رکھتے۔''

قرآن مجید میں سینکڑوں غائبانہ باتیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلا ہی سبق ہے الّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ (3:2) وہ جو ایمان لاتے ہیں ساتھ غیب کے۔ پھر وقوع قیامت غائب ہے، جنت دوزخ غائب ہے، حالات اُمم و رسل سابقہ و ملائکہ جبرئیل و میکائیل غائبات ہیں۔ مگر ان میں سے کسی ایک کی نسبت بھی نہیں کہا گیا کہ تم

مسلمان اس کو نہیں سمجھتے۔ تو شہیدوں کی زندگی کے متعلق مسلمانوں کو کیوں کہا جائے **وَّلٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ** (154:2) کہ تم اس کو سمجھتے نہیں۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اس کو مومنین مانتے اور خوب سمجھتے ہیں اور اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ہاں! منکرین قرآن، قرآن کریم کو افتراء جاننے کے باعث ان باتوں کے جاننے سے بے شعور محض اور نادان ہیں۔ اسی لیے یہ اُن کو خطاب ہے کہ چونکہ تم شہیدوں کی عاقبت کو نہیں سمجھتے۔ جس واسطے تم اُس پر افسوس کرتے ہو کہ وہ اپنی عمریں برباد کر گئے۔ اُن کی عمریں برباد نہیں ہوئیں بلکہ اُنہوں نے حیاتِ جاوید پائی۔ (جاری بمطابق 16 ستمبر 1917ء)

16 ستمبر 1917ء

قسط دوم

شہداء کی زندگی کے متعلق ایک مُحقّقانہ بحث

(بسلسلہ اشاعت مورخہ 12 ستمبر 1917ء)

اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس آیت وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتٌ بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّلٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ. (2:154) کے معنی کی رُو سے یہ ثابت کرتا ہوں کہ معنوں کے لحاظ سے بھی اس آیت کا وہ مفہوم نہیں نکلتا جو لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ اس آیت سے پہلی آیت میں تو خدا تعالیٰ نے مؤمنوں کو شدائد پر صبر کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں نے مسلمانوں کے قتل وقتال پر کمر باندھی تھی۔ اور جب مسلمان شہید ہوئے تو بعد وقوع قتل وقتال کے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ جنگ بدر تھی جس میں چھ مسلمان مہاجرینؓ میں سے اور آٹھ انصارؓ میں سے شہید ہوئے۔ بہرحال کسی واقعہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو، ہم کو دیکھنا تو یہ ہے کہ اس قولِ خداوندی کے، کہ اُن کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہی ہیں، کیا معنی ہیں؟ بعض مفسرین نے اس آیت کی عجیب وغریب تفسیریں کی ہیں۔ لیکن صرف اپنے بے بنیاد خیال سے، نہ کسی آیت یا حدیث صحیح کے حوالہ سے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو اُن سے ان کے متعلق پوچھا جاتا۔ بعض نے کسی قدر صحیح تفسیر بھی اس آیت کی کی ہے۔ مثلاً ایک تفسیر والا تو اس آیت کے یہ معنی کرتا ہے کہ اَحۡیَاءٌ سے مراد سَیَحۡیُوۡنَ ہے۔ یعنی زندہ ہوں گے، یعنی قیامت کے دن۔ اُس کی مثال انہوں نے یہ دی ہے کہ دیکھو خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الۡاَبۡرَارَلَفِیۡ نَعِیۡمٍ. وَاِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ. (82:13-14)، وَاَمَّا الَّذِیۡنَ سُعِدُوۡا فَفِی الۡجَنَّۃِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ (11:108)، فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ. (22:56) اوران سب کے معنی یہ ہیں کہ سَیَصِرُوۡنَ کَذٰلِکَ یعنی قیامت کو ایسے ہو جائیں گے۔ اور یہ معنی وہ اس لیے لیتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات ہیں، جو

ظاہر کرتی ہیں کہ حشر اجساد ہوگا۔ اور حساب کے بعد بہشتی بہشت میں داخل کیے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں۔ اور قیامت کے دن ہی قبروں میں سے مُردے جی اُٹھیں گے اور ہر ایک شخص حکم سننے کے لیے خدا تعالیٰ کے حضور کھڑا ہوگا۔ اور ہر ایک شخص کے عمل اور ایمان کا اندازہ الٰہی ترازو سے اُس پر ظاہر کیا جائے گا۔ پھر اگر شہید، شہید ہوتے ہی اسی وقت زندہ ہو جاتے ہیں تو پھر قرآن کریم کی آیات میں تعارض اور تخالف واقع ہوتا ہے۔

دوسری تفسیر والا، جو بہت محقق مانا جاتا ہے، اس آیت کے یہ معنی کرتا ہے کہ خدا کا یہ قول کہ اُن کو مردہ مت کہو وہ تو زندہ ہیں۔ یہ کہنا ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ مَا مَاتَ رَجُلٌ خَلَفَ مِثْلَکَ یعنی وہ شخص نہیں مرا، جس نے تیرے مانند خلف چھوڑا۔ اور اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ دین کی استقامت کے سبب مارے گئے ہیں، درحقیقت اُنہوں نے دینِ حق کے پھیلانے اور اپنے بعد اُس نیکی کو قائم رہنے اور جاری رہنے کے لیے جان دی ہے۔ پس اُنہوں نے اپنے بعد ایسی نیکی چھوڑی ہے کہ اس سے بہتر کوئی اور نیکی نہیں ہو سکتی۔ اور اسی اعتبار سے اُن کی نسبت خدا نے کہا کہ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ جن سے ایسی نیکی قائم اور جاری ہوئی۔

میرے نزدیک یہ آخری معنی صحیح ہیں، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ خود خدا تعالیٰ نے ایک جگہ مومنوں کی نسبت قرآن میں فرمایا ہے اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنَاہُ (122:6) موت اور حیات مقابل کی باتیں ہیں۔ جب حیات کے معنی معلوم ہو جائیں گے تو پھر موت کے معنی خود بخود حل ہو جائیں گے۔

حیات: قوت نامیہ، قوت حاسہ، قوت عقل، بیداری اور زندگی کا نام ہے۔ اسی طرح ان معنوں کے مقابل پر موت بولی جاتی ہے۔ مفردات راغب، جو قرآن کریم کی لغت میں ایک مشہور کتاب ہے، اُس میں لکھا ہے کہ حیات کئی قسم کی ہے۔ اول حیات قوتِ نامیہ کو کہتے ہیں جو حیوانات اور نباتات میں ہوتی ہے۔ یہ اُس طاقت اور قوت کا نام ہے کہ جس کے ذریعہ سے حیوانات اور نباتات نشوونما پاتے ہیں۔ اس کی مثال خداوند کریم کا یہ قول ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (30:21) یعنی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز کو زندہ کیا۔ دوم حیات نام ہے اُس قوت کا یا اُن قویٰ کا کہ جن کے ذریعہ سے حس ہوتی ہے جو کہ بالخصوص حیوانوں میں ہوتی ہے اور انہی معنوں کے لحاظ سے جانداروں کو بالخصوص حیوان کہتے ہیں۔ سوم حیات نام ہے قوتِ عقل، نورِ باطن کا۔ اور خداوند کریم کے اس قول اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنَاہُ (122:6) میں یہی معنی مراد ہیں۔ چہارم

ارتفاع غم وحزن کو حیات کہتے ہیں۔ جیسا کہ خداوند کریم کے اس قول وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ (17:14) میں یہی معنی مراد ہیں۔یعنی یہاں مرنے سے مراد اس حزن اور غم کا آنا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ پنجم اخروی زندگی کو حیات کہتے ہیں جو کہ دائمی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ (24:89) یعنی کاش کہ میں اپنی زندگی کے لیے کچھ زاد بناتا۔ ششم وہ حیات ہے جس کے ساتھ خداوند کریم موصوف ہے۔تو جب اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کو حَیّ کہا جاتا ہے۔تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس پر موت نہیں آسکتی۔تو ان معنوں کے لحاظ سے سوائے خداوند کریم کے اور کوئی حَیّ نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک امام راغبؒ کا بیان ختم ہوگیا۔

ان معنوں سے اس قدر تو واضح ہے کہ قیامت سے پیشتر کسی مردہ کو کسی حالت میں بھی دنیا جیسا زندہ سمجھنا محض شرک اور سراسر باطل ہی باطل ہے۔ مطابق آیت اِنَّکَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ (30:39) اور مطابق آیت كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ (57:29) بلکہ سچ پوچھو تو شہیدوں کے زندہ موجود سمجھنے پر ہی دراصل تمام شرک اور باطل کی بنیاد و اساس ہے۔شہیدوں کی روح بھی مثل اور لوگوں کے موت کے وقت قبض ہو جاتی ہے۔شہیدوں کی زندگی دوسرے نیک لوگوں کی زندگی سے الگ نہیں ہوتی۔

اہل حدیث کا یہ اعتقاد نہایت فاسد اور بالکل باطل ہے جو وہ کہتے ہیں کہ شہیدوں کی روح مرنے کے ساتھ ہی سبز پرندوں میں داخل ہو جاتی ہے۔ جو عرش کے ساتھ قندیلوں میں لٹکتی اور بہشتی نعمتیں کھا کر خوش ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ خدایا! اگر تو ہمیں کچھ عطا کرتا ہے تو یہ عطا کر کہ ہم کو ہمارے پہلے جسموں میں بھیج دے تا کہ ہم تیری راہ میں پھر شہید ہو جائیں۔ایسی ساری حدیثیں، جو شہیدوں کی ارواح کو ایسی دنیا میں غیر جسم ملنا بیان کرتی ہیں، یا تناسخ کے مسئلہ کی طرح شہیدوں کی ارواح کو سبز پرندوں میں داخل ہونا بتلاتی ہیں، سب کی سب سراسر بہتان و افترا حضرت خاتم النبین سید المرسلین رسول خدا مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (3:53) پر ہیں۔ یہ واضعین حدیث کے صریح افترا کی دلیل ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں، جن کی قرآن مجید سے کوئی سند نہیں ملتی، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتاناً وافتراءً کہہ دیتے ہیں۔

اب میں ان آیتوں کی تفصیل اور تشریح کی طرف آتا ہوں، جو شہیدوں کے بارے میں قرآن کریم میں

آتی ہیں۔ وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ‌ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ. فَرِحِيۡنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَيَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ مِّنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ. (3:169-170) ترجمہ (اور اے کافر) ہرگز ہرگز نہ گمان کر اُن لوگوں کو، جو قتل کیے جائیں حق کی راہ میں واسطے اشاعت کتاب اللہ کے، ایسے مردے کہ گویا اُن کا ذکر خیر یا اُن کے اعمال کے ثمرات منقطع ہو گئے ہیں۔ بلکہ وہ اپنے خدا کے پاس زندہ ہیں (یعنی اُن کی حیات حیات فی الدین ہے) رزق دیئے جاتے ہیں اور فرحت پاتے ہیں، بسبب اُس نعمت کے جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دی ہے اپنے فضل سے۔ اور خوش ہوتے اور خوشخبری لیتے ہیں بہ سبب اپنے ساتھ بہشت میں ملنے اُن لوگوں کے، جو مرتبہ شہادت میں نہیں ملے تھے۔ اُن کے ساتھ پیچھے ان کے یعنی وہ بھی جنت میں داخل کیے جائیں گے پیچھے اُن شہیدوں کے (اور خوش ہیں) بہ سبب اس کے کہ نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ کسی طرح اور کبھی آزردہ خاطر ہی ہوں گے۔

آیت مذکورہ بالا کا تعلق و ربط اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ‌ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ (3:168) کے ساتھ اس طور پر ہے کہ اول ان لوگوں کو، جنہوں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا اور خود بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ کیے جاتے، کہہ تم اپنی جانوں سے موت کو ہٹا رکھو اگر تم سچے ہو، بتلایا گیا ہے کہ مرنا جینا اپنے اپنے وقت پر ہی معین و مقرر ہوتا ہے۔ اور کسی وجہ اور کسی طرح سے بھی اس میں تقدیم و تاخیر و تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ بعدہ ہر ایک کافر اور منکر کو یہ فرمایا گیا وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ‌ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ. فَرِحِيۡنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَيَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ مِّنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ. (3:169-170) اب اس کی تشریح یہ ہے کہ رکوع ہذا ہی کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَقَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ اِذَا ضَرَبُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَوۡ كَانُوۡا غُزًّى لَّوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَمَا قُتِلُوۡا ‌ۚ لِيَجۡعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسۡرَةً فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ‌ؕ وَاللّٰهُ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ. (3:156) کہ مومن کافرین و منکرین کی طرح نہ کہیں کہ اگر ہمارے بھائی جنگ وغیرہ میں نہ جاتے تو وہ نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے۔ کافر تو اپنے انکار کی وجہ سے شہیدوں کی نسبت کہتے ہیں کہ اچھے

بھلے عیش و آرام میں زندگی میں بسر کرتے ہوئے لڑائی میں گئے اور مر گئے۔ اور نعمتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم و بےنصیب ہو گئے اور اپنی عمریں ضائع کر گئے۔

اس کا ایک ہی جواب، جو الزامی جواب ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ دیا ہے فَادْرَءُ وْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنتُمْ صٰدِقِيْنَ (168:3) یعنی کہہ دے اب ٹال دینا اپنی جانوں سے موت اپنی اگر تم اس بیان میں سچے ہو۔ پھر اس کے ساتھ دوسرا تحقیقی جواب یہ دیا ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (169:3-170) یعنی اے وہ جو خدا کی راہ میں شہید ہوتے اور اشاعت کتاب اللہ کے لیے مارے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ مر تو جاتے ہیں، مگر جب ایسے مرے ہوئے شخص کا دین کے لحاظ سے بہت بڑا درجہ ہو، اور قیامت میں اُس کو خوشی اور بزرگی اور سعادت نصیب ہونے والی ہو، اور اس کے اعمال کے ثمرات بھی قیامت تک منقطع ہونے والے نہ ہوں، تو ان کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ مر گئے ہیں ٹھیک نہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کی جناب میں۔

جاننا چاہئے کہ یہ بات کسی ثبوت کی محتاج ہی نہیں ہے کہ شہید مر جاتے ہیں۔ باقی رہا یہ کہ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رِبِّهِمْ اس لفظ سے کہ اپنے پروردگار کے نزدیک زندہ ہیں، جس طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ اُن کی زندگی زندہ انسانوں کی سی زندگی نہیں اور نہ اُس زندگی کو ابدان سے کچھ تعلق ہے، يُرْزَقُوْنَ. فَرِحِيْنَ (169:3-170) کے بعد آیا ہے بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (170:3) کیا مطلب؟ اُن کو رزق دیا جانا اور اُن کا خوش ہونا۔ اُن اشیاء یا اسباب سے نہیں ہے، جس سے ایسے زندے، جن کو تعلق ابدان سے ہوتا ہے، رزق دیئے جاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ اُن کو رزق دیا جانا اور خوش ہونا اُس چیز سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دی ہے۔ اور خود اسی آیت میں اُس کا بیان ہے کہ وہ چیز کیا ہے؟ وہ ہے اللہ کا فضل۔ پس معنی یہ ہوئے کہ وہ اللہ کے فضل اور کرم اور رحمت سے مرزوق ہوتے اور خوش ہوتے ہیں، نہ کہ مثل زندہ انسانوں کے اشیاء خوردنی و نوشیدنی سے!

خود بڑے بڑے جیّد علماء اسلام نے بھی متعدد جگہ شہیدوں کے رزق یعنی طعام و شراب سے وہ معنی مراد لیے جو ارواح سے متعلق ہوتے ہیں، نہ ابدان سے۔ شہداء کی ارواح کو رزق دیئے جانے یا کھانے اور پینے

سے معرفت ومحبت الٰہی اور انوارِ عالم غیب سے اکتسابِ نور مراد ہے، نہ وہ کھانا اور پینا اور رزق دیا جانا جو ہم اور تم کھانے اور پینے اور رزق دیئے جاتے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ روح کی اور اُس کی بقاء کی اور اُس کی فرحت اور الم کی کیا کیفیت اور کیا اصل اور حقیقت ہے؟ یہ بحث نہایت دقیق اور طویل ہے۔ اور ایسی بحث ہے کہ انسان کی زندگی میں یہ ساری کیفیات تجربہ میں نہیں آسکتیں۔ اس جگہ یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر شہیدوں کی زندگی مابعدالموت بھی عام موتوں کی زندگی کی طرح ہے، تو خدا نے خاص شہیدوں کے متعلق کیوں فرمایا کہ ان کو مردہ مت کہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہاں کافروں کے اعتراض متعلقہ شہید کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ ورنہ شہیدوں کی مابعدالموت زندگی اور مومنوں کی مابعدالموت زندگی میں کوئی فرق قرآن میں بیان نہیں ہوا۔ اس لیے یہاں شہیدوں کا حال و رتبہ ہی بتایا گیا ہے۔ چونکہ مؤمنوں کی عام موت کے بارہ میں یہاں اُن کا کوئی اعتراض ذکر نہیں ہوا، اس لیے مومنوں کا خدا کے حضور میں زندہ ہونے کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ اس کی مثال اس طرح سمجھ لو کہ زید و بکر صادق آدمی ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ زید کاذب ہے تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ زید کاذب نہیں بلکہ صادق ہے۔ اگرچہ بکر زید کے پاس حاضر ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اس بات کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ بے جا ہوگا کہ اس وقت کہا جائے کہ بکر بھی صادق ہے۔ کیونکہ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔ ایسا ہی جب کافروں کا سوال و اعتراض بھی خاص شہداء ہی کے متعلق تھا، اس لیے ان کو جواب بھی ان کے سوال کے مطابق ہی دیا گیا ہے کہ شہید مرتے نہیں، بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کے ساتھ اس بات کی ہرگز حاجت نہیں تھی کہ کہا جاتا کہ تمام مومن اللہ کے نزدیک زندہ ہیں۔ (جاری)

16 ستمبر 1917ء

بشارت عظمیٰ

خطبہ جمعہ 7 ستمبر 1917ء فرمودہ حضرت مولیٰنا محمد احسن فاضل امروہی

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیٰناؒ نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

اَلۡیَوۡمَ یَئِسَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ دِیۡنِکُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا. (3:5)

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی حالت میں کسی کا خوف کرنا نہیں چاہیے ایہاالاحباب! یہ بشارت آج تم نے ایسی سنی ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی بشارت نہیں ہوسکتی ہے۔ خاص کر جبکہ اس شہنشاہ عظیم الشان کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو بِیَدِهٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ (88:23) کا مالک ہے۔ جس کے قبضہ تصرف سے ذرہ سے لے کر عرش تک کوئی باہر نہیں رہ سکتا۔ جنت ونار بھی اس کے قبضہ میں ہیں اور جن وانس بھی اس کی قدرتِ کاملہ سے باہر نہیں رہ سکتے۔ وہ آج فرماتا ہے کہ اے امتِ محمدیہؐ! آج کسی سے مت ڈرو، کسی کا خوف مت کرو، ہاں مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ یعنی اوامر کو بجالاتے رہو اور ممنوعات اور نواہی سے بچتے رہو۔ جو اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا میں داخل ہیں، وہ تمہارا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔

حکایت شیخ سعدیؒ: شیخ شیرازیؒ نے اپنا ایک حال لکھا ہے۔ اس کا بیان مختصراً یہاں پر مناسب ہے۔

یکے دیدم از عرصہ رودبار   کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار

چناں ہول نہ آسخال بر من نشست   کہ ترسیدنم پائے رفتن بہ بست

تبسم کناں دست برلب گرفت   کہ سعدی مدار آنچہ دی شگفت

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ   کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

بلکہ متقی مومن سے تو ہر ایک شے اور تمام لوگ جن وانس ڈرنے لگتے ہیں۔ مومن سے دوزخ بھی ڈرتا ہے۔ مولٰینا رومؒ فرماتے ہیں ؎

ہر کہ ترسید از حق وتقویٰ گزید   ترسد از وے جن وانس دہر کہ دید

تفسیر اس ہتھیار کی جوامت محمدیہ کو دیا گیا ہے

وَاخۡشَوۡنِ۔ آگے بیان فرماتے ہیں کہ ایسی کونسی شے ہے جو میں نے تم کو دی ہے یا کونسا ہتھیار ہے جو میں نے تم کو دیا ہے کہ اس کے ہاتھ میں ہوتے ہوئے کسی سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ دوستو! اب میں تم کو اتا پتا اس کا بتلاتا ہوں کہ وہ ایک ایسا ہتھیار ہے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے بھی کسی کو نہیں دیا گیا اور پہلے لاکھوں اولیاء میں سے بھی کسی کو عطا نہیں ہوا۔ اور ایسی دو دھاری تلوار ہے کہ تمہارے مخالفین کو دونوں طرف سے مارتی ہے۔ تم کو وہ تلوار دی گئی ہے۔ وہ کیا ہے؟ ایک طرف تو اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ (3:5) ہے اور دوسری طرف اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ (3:5) اور پھر ان دونوں کے بعد تم کو کوئی وہم پیدا نہ ہو کہ خالق اور مالک تمہارا تم سے راضی ہے یا نہیں۔ اس لیے فرماتے ہیں رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (3:5) اسی دینِ اسلام میں میری رضا اور رضوان بھی تم کو حاصل ہوگا اور اس کے غیر میں ہرگز نہیں ملے گا۔ وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ. (85:3)

مراد اَلۡیَوۡمَ سے کیا ہے

اب تم کو سمجھنا چاہیئے کہ کیا الیوم سے وہی دن مراد ہے جس روز یہ بشارت نازل ہوئی تھی؟ اور کیا بعد کو پھر وہ بشارت چھین لی گئی۔ حاشا وکلا۔ الیوم یہ ایک عرب کا محاورہ ہے۔ جیسا کہ کُنۡتُ بِالۡاَمۡسِ شَابًا وَقَدۡ صِرۡتُ شَیۡخًا کہ صرف کل کے دن تُو نوجوان تھا اور آج بوڑھا ہوگیا۔ اسی محاورہ کے بموجب یہ اَلۡیَوۡمَ

اَکْمَلْتُ فرمایا گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی یوم سے مراد قیامت تک ہے۔ پس یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو قیامِ قیامت تک دائم اور قائم رہے گی۔ حتیٰ کہ رسول مقبول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مقام محمود میں مع لواء الحمد کے کھڑے ہو کر شفاعت کبریٰ کی فضیلت حاصل کریں گے۔

چند فضائل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے

جیسا کہ احادیث میں آیا ہے عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخَرَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخَرَ وَمَا مِنْ نَّبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمَ فَمَنْ سِوَاہُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْاَرْض وَلَا فَخَرَ (رَوَاہُ اَلتِرْمَذِیْ) آپ کے فضائل تو بے شمار ہیں اور جس حدیث میں لفظ ت کے ساتھ حصر مروی ہے۔ اس سے بھی حضرت مراد ہیں کَمَا فِیْ الشُّرُوْحِ، جیسا کہ یہ حدیث ہے فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَھُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ. (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

فضائل ستہ کا بیان

آپ کے کلمات مختصرہ کا جامع ہونا معانی کثیرہ کے تو ایسا ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ فضائل ستّہ کا بیان خود اپنی مفہومات کلام کی نسبت فرماتا ہے۔

جوامع الکلم

قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا (109:18) اور خود رسول مقبول اپنے کلمات کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں کہ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ اور اسی لیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا حافظ ہے اسی طرح حضرت کی احادیث کا بھی حافظ ہوا ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بِیَانَہٗ۔(19:75)

رعب

اگر آپ کا رُعب سب انبیاءؑ سے بڑھ کر نہ ہوتا تو اس قدر فتوحات جو کچھ عرصہ میں بلکہ عرصہ قلیل میں شرق سے غرب تک اور جنوب سے شمال تک پہنچ گئیں تو یہ کیونکر حاصل ہوتیں۔

حلّت غنائم

پہلے انبیاءؑ کو خاص غنائم میں سے کوئی چیز حلال نہ تھی۔ ہمارے حضرت خاتم النبیّین کو خمس وغیرہ حلال ہوا۔

زمین کا طہور ہونا

کل زمین سے جو پاک ہو اس سے تیمّم بھی جائز ہے اور نماز بھی اس پر جائز ہے۔ مگر پہلے کسی کے لیے تیمّم جائز نہ ہوا تھا اور نماز بھی سوائے گرجا وغیرہ کے جائز نہ تھی۔

رسالتِ عامہ

آپؐ کی رسالت اور نبوت کا تمام خلق کے لیے ہونا ظاہر ہے۔ كَائِنًا مَنْ كَانَ وَابْنُ مَن كَانَ.

ختمِ نبوت

ختمِ نبوت بھی ظاہر ہے۔ حضرت مسیح موعود بھی اس کو اپنا ایمان قرار دیتے ہیں اور جو مسلمان ختمِ نبوت کا منکر ہو اس کو خارج از دائرہ اسلام قرار دیتے ہیں۔ گو معانِد طرح طرح سے وساوس لایعنی اور شبہات بے ہودہ اس میں پیدا کرتے ہیں۔ حضرت اقدس آپ کے فضائل میں فرماتے ہیں ؎

آنکہ جملہ انبیاء و راستاں　　خادمانش، ہمچو خاکِ آستاں

منطقِ او، از معارف پُر بودَ　　ہر بیانِ او، سراسر دُر بود

تابعش چوں انبیاء گردد، زنور نورش افتد، بر ہمہ نزدیک ودُور

شیرِ حق، پُر ہیبت از ربِّ جلیل دشمناں، پیشش چورو باہِ ذلیل

تا نہ نورِ احمدؐ آید چارہ گر کس نمے گیرد زِ تاریکی بدر

اور یاد کرو امَنّا بِانۡقِطَاعِهَا مِنۡ يَوۡمٍ نَزَلَ فِيۡهِ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یہاں پر جو اکمال دین ہوا ہے۔

انبیاء اور حضرت عیسیٰؑ کی پیشگوئی کا پورا ہونا

اس میں علاوہ دیگر اسرارِ بسیار کے ایک سرّ یہ بھی ہے کہ یہ اکمال دین تمام انبیاءؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی خصوصًا ان پیشگوئیوں کو پورا کر رہا ہے جو انا جیل یوحنا باب 14 وغیرہ میں مذکور ہیں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں: وَاِنَّ لِيۡ كَلَامًا كَثِيۡرًا اُرِيۡدُ اَنۡ اَقُوۡلَهٗ لَكُمۡ لٰكِنَّكُمۡ لَسۡتُمۡ تَطِيۡقُوۡنَ حَمۡلَهُ الۡاٰنَ فَاِذَا جَاءَ رُوۡحُ الۡحَقِّ ذَاكَ هُوَ يُرۡشِدُكُمۡ اِلٰى جَمِيۡعِ الۡحَقِّ لِاَنَّهٗ لَيۡسَ يَنۡطِقُ مِنۡ عِنۡدِهٖ بَلۡ يَتَكَلَّمُ بِمَا يَسۡمَعُ وَيُخۡبِرُكُمۡ بِمَا يَاۡتِيۡ وَذَاكَ يَمۡجدُنِيۡ لِاَنَّهٗ يَاۡخُذُ مِمَّا لِيۡ وَيُخۡبِرُكُمۡ.

خاتم النبیّٖن ہو کر قیامت تک اکمال دین کا قائم رہنا

آپ کی بعثت کو جو قیامت تک رہے گی اور اسی سے لوگ فیض یاب ہوتے رہیں گے، اس کی نسبت فرماتے ہیں يَثۡبِتُ مَعَكُمۡ اِلَى الۡاَبَدِ. ان دونوں درسوں میں آپؐ کی ختمِ نبوت کو بھی بیان فرماتے ہیں اور آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کو بھی ان درسوں میں ارشاد کرتے ہیں۔ کیونکہ جب آپؐ کی کتاب وسنت يُرۡشِدُكُمۡ اِلَى جَمِيۡعِ الۡحَقِّ کی مصداق ہوئی جو دوسرے لفظوں میں لَا رَطۡبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيۡ كِتَابٍ مُّبِيۡنٍ (59:6) اس کو فرمایا گیا ہے تو بھی کسی نبی کے آنے کی اب ضرورت ہی نہ رہی۔ نہ نئے کی نہ پرانے کی۔ ہاں ایسے مجددوں کے آنے کی ضرورت رہے گی جو لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتے رہیں اور نمونۂ رسول مقبول کا بن کر عامۃ الناس اور کافۃ الناس کے لیے باعث رشدو ہدایت بن سکیں۔ پس ان خادموں اور چاکروں کا آنا اس

لیےنہیں کہ اس کے اکمال میں کچھ نقص واقع ہے، بلکہ ان کے آنے کا سبب صرف لوگوں کی غفلت اور دین اسلام سے بے خبری کا واقع ہو جانا ہے جو غالباً صدی پر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دین اسلام میں تو کوئی کمی ہی واقع نہیں رہی۔

آپ کا حیات النبی اور خاتم النبیین ہونا

وہ تو یُرْشِدُکُمْ اِلٰی جَمِیْعِ الْحَقِّ کا مصداق ہے۔ جو دوسرے لفظوں میں لَارَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ فرمایا گیا ہے۔ اور آپ کا حیات النبی ہونا بھی اس طرح سے ثابت رہے گا۔ کیونکہ تمام فیوض کے تقسیم کرنے والے بھی آپ ہی ہیں۔ جیسا کہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے فَاِنِّیْ اِنَّمَا جُعِلْتُ قَاسِمًا اُقْسِمُ بَیْنَکُمْ۔ پس اس طرح حضرت عیسٰیؑ کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہو رہی ہے کہ یَثْبُتُ مَعَکُمْ اِلَی الْاَبَدِ۔ پس اس لیے کہ اکمال دین و اتمام نعمت ہو چکا۔ اب کسی نئے یا پرانے نبی کے آنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول مقبولؐ نے اور تمام امت کے اجماع نے جو صحابہؓ سے لے کر مسیح موعود تک ہے، واسطے دور کرنے التباس کے رسول مقبولؐ کے ساتھ اور واسطے رفع کرنے اشتباہ کے بعد رسول مقبول کے نبی کے آنے کی سخت ممانعت فرمائی اور مدعیان نبوت کو کذّاب، دجال، خارج از اسلام اور مکذب قرآن مجید فرمایا۔ کیونکہ ایسے دعویٰ سے ایک تو التباس رسول مقبولؐ کے ساتھ لازم آتا ہے۔ دوسرے خطرہ اور اندیشہ تحریف اور تبدیل شریعت بیضاء کا ہے۔ تیسرے یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ نے اپنے حواریوں کو اس طرح منتظر چھوڑا کہ (وہ تسلی دینے والا، جو روح قدس ہے، جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا، اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے تمہیں کہیں ہیں تمہیں یاد دلائے گا۔ سلام تم لوگوں کے لیے چھوڑ کے جاتا ہوں) کہیں اسی طرح ہمارے رسول مقبولؐ نے ہم کو کسی نبی کے آنے کا منتظر نہ چھوڑا ہو جو ہمارے دین کا مبعوث ہو کر اکمال کرے۔ اس لیے نص کے طور پر ارشاد فرمادیا کہ کلا وحاشا۔ کیونکہ حضرت عیسٰیؑ کی وہ پیشگوئی تو رسول مقبولؐ کی بعثت نے پوری کر دی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ قرآن مجید کی بلاغت کے قربان جایئے کہ یہاں پر لفظ لَکُمْ کو دِیْنَکُمْ سے اور عَلَیْکُمْ کو نِعْمَتِیْ سے مقدم فرمادیا ہے۔ جو بموجب علم معانی کے فائدہ تخصیص کا دیتا ہے۔ مراد یہ کہ یہ اکمال دین تو کسی امت کو امم سابقہ میں حاصل ہی نہیں ہوا۔ یہ تو صرف تمہارے ہی لیے ہوا ہے، وبس۔

اب کسی نبی کے مبعوث ہونے کا خیال اکمال دین کا انکار ہے

پس بعد نازل ہونے اس آیت کریمہ کے کسی دوسرے نبی کے مبعوث ہونے کا خیال کرنا گویا کہ اکمالِ دین کا انکار کرنا ہے۔اور ہمارے مخالفین کو کیا ہو گیا ہے کہ جس لفظ کا استعمال شریعت اسلام میں واسطے رعایت چند مصالح کے سخت سے سخت ترمنع فرما دیا ہے، اسی کو استعمال کیے جاتے ہیں۔محدّ ث اور ملہم اور مجدد یا مسیح موعود وغیرہ میں کیا محظور لازم آتا ہے۔جس کے ساتھ حضرت مسیح موعود نے بھی بڑے زور شور سے دعویٰ کیا ہے۔

لفظ محدث کا استعمال جائز اور نبی کا غیر جائز

فِيۡکَ مَادَةٌ فَارُوۡقِيَةٌ دیکھو بموجب مذہب مرزا صاحب کے خضرؑ بھی تو نبی نہیں تھا۔مع ھٰذا **وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا** کا مصداق تھا۔کیونکہ وہ بھی ایک محدث تھا۔جو بعض امور میں حضرت موسیٰؑ پر جو صاحب شریعت تھے غالب آ گیا۔پھر حضرت مرزا صاحب پر لفظ نبی کے اطلاق کو، جبکہ تمام اور قطعیہ شرعیہ رد کر رہی ہیں، کیوں جائز رکھا جاتا ہے۔کیا اس کا بھی خیال نہیں کہ **وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡم بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا**۔(115:4)

اس کثرتِ جماعت اور کثرت چندوں پر غرور و گھمنڈ مت کرو۔یہ تو چلتی پھرتی چھاؤں ہے، ایک دم میں اللہ تعالیٰ اس کو غتر بود کر دے گا۔اور جیسا کہ آیت خاتم النبیین بعد رسول مقبولؐ کے ہر کسی کی نبوت کو رد کر رہی ہے۔اسی طرح پر یہ آیت **اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ** رد فرما رہی ہے۔تقریر اس کی اس طرح پر ہو سکتی ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت دو حال سے خالی نہیں۔اگر اللہ تعالیٰ اور اس رسول کی طرف سے منصوص ہے اور ایسی واجب الاطاعت ہے کہ اس کے منکر کافر ہیں، تو اس سے لازم آتا ہے کہ تمام احمدی منکرین نبوتِ مرزا صاحب کے اس کے اخفا یا تغیر یا انکار میں ناامید ہو جاتے اور کسی احمدی کو چارہ نہ ہوتا کہ اس نص کا انکار یا اخفا یا تغیر کر سکے۔لیکن ایسا کچھ تو نہیں ہے۔بہت سے احمدی آپ کی نبوت کا انکار کر رہے ہیں۔پھر ہم کتاب وسنت اور اجماع امت کو دیکھتے ہیں۔جس میں مرزا صاحب تک مسائل ہیں کہ ان ادلہ شرعیہ میں کہیں اس کا پتہ نہیں اور خود مرزا صاحب کے صدہا اقوال میں اس کا انکار اور نیز تاویل پائی جاتی ہے۔اور چونکہ نبوت بغیر موجود ہونے نص اور دلیل قطعی

کے ثابت نہیں ہوسکتی، پس ادعا نبوۃ مرزا صاحب کا محض افترا اور کذب ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب منصوص بالنبوت نہ کتاب اللہ میں ہیں اور نہ سنت رسول اللہ میں اور نہ اجماع امت میں۔ جو صحابہؓ سے لے کر مرزا صاحب تک ہے۔ دیکھو ہمارے رسائل کو۔ اور اگر یہ نبوت منصوص نہیں تو ادعائے نبوت محض غلط اور کذب صریح ہوا۔

رہا اختلاف فریقین کا۔ تو اس کا رفع بموجب اصولِ زرّین اور محکم مندرجہ قرآن مجید کے یوں ہوسکتا ہے کہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا. اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّکْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلاً بَعِيْدًا (4:59-60) اور واسطے تنبیہ کے چند احادیث بھی یہاں لکھی جاتی ہیں۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنَ النَّبِّی صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَتْ بَنُوْا اِسْرَآئِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَآءُ کُلَّمَا هَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَهٗ نَبِیٌّ وَّاِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَيَکُوْنُ خُلَفَآءُ فَيَکْثُرُوْنَ (الحدیث متفق علیہ)۔ دیکھو اس حدیث متفق علیہ سے بھی ثابت ہوا کہ یہ مسئلہ مسلمہ اور ثابت شدہ صداقت چلا آتا ہے کہ دین اسلام میں بہ سبب اکمال کرنے دین اسلام کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی نہیں آسکتا۔ پھر اس مسئلہ خاتم النبیین کو مثالیں دے دے کر سمجھایا گیا ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِيَآءِ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَيْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهٖ يَقُوْلُوْنَ مَا رَاَيْنَا بُنْيَانًا اَحْسَنُ مِنْ هٰذَا اِلَّا هٰذَا اللَّبِنَةُ فَکُنْتُ تِلْکَ اللَّبِنَةُ. اور کسی روایت میں اس کے بعد وَاَنَا خَاتِمُ النَّبِيّنَ بھی فرمایا ہے جس سے ثابت ہوا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ان احادیث میں خاتم النبیین ہی کے معنی بیان فرما رہے ہیں ''تصنیف را مصنف نکو کند بیان'' اور کہیں اس کے بعد فرمایا کہ خُتِمَتْ بِیَ الْاَنْبِيَآءُ اور کسی حدیث میں چھ فضیلتیں خاصہ بیان فرمائی ہیں فضلت عَلَی الْاَنْبِيَآءِ. آخر میں چھٹی فضیلت کو یوں ارشاد فرمایا کہ خُتِمَ بِیَ النَّبِيُّوْنَ (مسلم) کہیں فرمایا اَنَا الْعَاقِبُ. وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ (متفق علیہ) کہیں فرمایا خُتِمَ بِیَ النَّبِيُّوْنَ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ وَاَنَا خَاتِمُ النَّبِيّنَ (متفق علیہ) وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ہمارے رسائل اور مضامین میں فہرست ستر احادیث کی لکھی گئی ہے اور اجماع کذائی کی نسبت ارشاد ہوا ہے وَاِنْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰی

ضَلَالَۃٍ (حدیث) بالآخر مخالفین کے حق میں بجز اس آیت کریمہ کے اور کونسی آیت اب تلاوت کی جاوے۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْم بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (115:4) ان ہر دو اخبار الفضل اور فاروق کی نسبت جنھوں نے یہ دو فتنے اکمال دین اور اتمام نعمت کے انکار کے لیے برپا کر رکھے ہیں ہم یہ دعا ماثورہ پڑھتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ الْاَعْمِیَیْنِ السُّبُلِ وَالْبَصَرِ۔ لیکن یاد رہے۔

اعتبارِ پست فطرت یکدو ساعت بیش نیست گرد د آخر تہ نشین در دیکہ شد بالا نشیں

اور اگر اب بھی باوجود ایسے دلائل بینہ کے اکمال دین اور اتمام نعمت کی تکذیب ہی کرتے رہیں گے تو ہم کو تو کچھ خوف ہی نہیں، بالآخر یہ لوگ بہت نیچا دیکھیں گے اور کبھی اہلِ حق پر غالب نہیں آسکتے۔ اور پھر جار مجرور مندرجہ آیت کی تقدیم جو اس آیت میں ہے اس کے مصداق انشاء اللہ تعالیٰ صرف ہم ہی رہیں گے۔ جو لَكُمْ اور عَلَيْكُمْ کی تقدیم بموجب قواعد علم معانی کے تخصیص پر دلالت کرتے ہیں۔ تفاسیر متداولہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ سے یہود نے یہ اعتراض کیا کہ ایک آیت تم جو قرآن مجید میں پڑھتے ہو، اگر ہماری کتاب میں نازل ہوتی تو واسطے یادگار اس دن کے اس کو عید گردان لیتے۔ آپ نے دریافت کیا کہ کون سی آیت ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (3:5) آپ نے جواب دیا کہ میں تو خوب جانتا ہوں کہ جس دن اور جس گھڑی رسول مقبولؐ پر یہ آیت نازل ہوئی تھی وہ دن عرفہ کی شام کا وقت تھا اور اتفاق سے دن بھی جمعہ کا تھا۔ پس وہ دن تو ہمارے لیے دو عیدوں کا مجمع ہو گیا، جو قیامت تک یادگار رہے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے روز پانچ عیدیں جمع ہو گئیں تھیں۔ جمعہ، عرفہ، یہود کی عید، نصاریٰ کی عید، مجوس کی عید، ایسا اتفاق نہ کبھی پہلے ہوا اور نہ بعد کو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ ان تینوں فرقوں کو بھی دین اسلام سے حصہ ملے گا۔ چنانچہ یہ اشارہ پورا بھی ہو چکا اور اب تک بھی پورا ہو رہا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ سے ابطال عقیدہ باطلہ ''انوارِ خلافت'' کا

اگر پیشگوئی وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کی صرف بطور علم کے مرزا صاحب کے واسطے ایسی قطعی ایمانیات سے ہووے کہ جس کے لیے ''انوارِ خلافت'' میں تمام دنیا کے علماؤں کو

مباحثہ کے واسطے مدعو کیا گیا ہے۔ تو اس پر دریافت طلب یہ امر ہے کہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو عرفۃ حجۃ الوداع کے روز، جس میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے، اکمال دین اور اتمام نعمت ہو گیا یا نہیں ہوا تھا۔

بشق اول: مرزا صاحب کا عرفہ حجۃ الوداع کے روز نہ کہیں پتہ تھا اور نہ کہیں نشان اور اثر تھا۔ پس جب منصوص النبوت ہوئے اور یہ مسئلہ کتاب وسنت میں چونکہ مذکور نہیں ہے پس بغیر ایمانی مسئلہ کے اکمال دین کیونکر ہو گیا۔ اور بشق ثانی: اگر حضور کی ''انوارِ خلافت'' کی تصنیف کے وقت ہی اکمالِ دین اور اتمامِ نعمت ہوا۔ تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نعوذ باللہ کاذب ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو عرفہ حجۃ الوداع کے روز فرماتا ہے کہ میں تمہارے لیے اکمالِ دین کر چکا اور اتمامِ نعمت بھی میں نے تم پر اسی روز کر دیا۔ لیکن یہ دونوں اکمالِ دین واتمام نعمتِ ایمانیات کے مسئلے ''انوارِ خلافت'' کی تصنیف کے وقت تیرہ سو برس کے بعد ہوں۔ پس نعوذ باللہ کس قدر کذب اور دروغ کلام الٰہی میں لازم آیا پس ''انوارِ خلافت'' کا بیان کذب صریح وغلط قبیح ہے۔ اور دوسری دلیل ابطال نبوت کی بعد نبوت رسول مقبولؐ کے یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسی فضیلت دینی ودنیوی کو نہیں چھوڑا، جس کی تحصیل کے لیے دعا اپنی امت کے لیے تعلیم نہ فرمائی ہو۔ اور کسی برائی دینی ودنیوی کو بھی نہیں ترک فرمایا جس سے بچنے کے لیے اس سے پناہ نہ مانگی ہو۔ یا پرہیز کرنے کے لیے اس سے نہ ارشاد فرمایا ہو۔ اور اکمالِ دین اور اتمامِ نعمت کی یہی شان ہے کہ کوئی امر فروگذاشت نہ کیا جائے۔ پس اگر امتِ محمدیہؐ کے لیے نبوت کوئی فضیلت تھی تو آپ نے اس کے حاصل کرنے کے لیے دعا کیوں نہیں تعلیم فرمائی۔ اور سورہ الفاتحہ کی جو دعا ہے وہ بموجب دوسری آیت اور خود آیت سورہ الفاتحہ کے صِرَاطٌ لفظ کے سبب مرافقتِ انبیاء کی دعا ہے نہ انبیاء ہونے کی کہ لفظ مَعَ کا آیت دیگر میں موجود ہے۔ اور یہ مضمون مرافقت کا دعاؤں میں بھی موجود ہے اور قرآن مجید میں بھی۔ اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُکَ نز الْمُقَرَّبِیْنَ وَمَرَافَقَةُ النَّبِیّن۔ لیکن مدعیان نبوت کو دجال وکذاب ہی فرمایا۔ جس سے ہر ایک مسلمان کو پرہیز کرنا اللہ تعالیٰ نے لازم کر دیا ہے۔

❁ ❁ ❁

19 ستمبر 1917ء

سخن دانی عالم بالا

آج کی اشاعت میں دوسری جگہ قارئین کرام ان دو عجیب طریقوں کو ملاحظہ فرمائیں گے جو شملہ کے عالم بالا میں بیٹھ کر فیصلہ کے لیے میاں صاحب نے تجویز کیے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

☆ ''اول: قرآن کریم لے کر ایک بچہ کے ہاتھ میں دے دیا جائے وہ کوئی سا مقام نکال دے اور غیر مبائعین کا کوئی ایسا قائم مقام جس کا عمل ان پر حجت ہو میرے مقابل اس مقام کی تفسیر لکھے۔ پھر دنیا دیکھ لے گی کہ خدا کس کو پسند کرتا ہے اور کس کی اپنے کلام کو سمجھانے میں تائید کرتا ہے اور کون اس کا محبوب ہے۔

☆ ''دوم: وہ ایک طرح ہم کو کافر قرار دیتے ہیں اور ہم سے اصولی فرق کا اظہار کرتے ہیں۔ اس لیے وہ ہمیں مباہلہ کا چیلنج دے سکتے ہیں اور اپنے قائم مقام کو ہمارے سامنے کھڑا کر سکتے ہیں۔ پھر دنیا دیکھ لے گی کہ خدا کا عذاب کس پر آتا ہے اور رحمت کا نزول کس پر ہوتا ہے؟ صادق کون ہے؟ کاذب کون ہے؟''

اس کے جواب میں حضرت مولینا سید محمد احسن صاحب نے طریق اول کے متعلق جو منظوری کا اعلان کیا ہے اس کے لیے جو کچھ شرائط تجویز فرمائی ہیں امید کہ میاں صاحب انہیں دیکھتے ہی میدان پر اتر آئیں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ جو میاں صاحب کو اپنی قرآن دانی پر ناز ہے۔ اس کا اب وہ پبلک پر بھی سکہ بٹھانا چاہتے ہیں بلکہ اسے اپنے محبوبِ الٰہی ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہیں یہ وہی قرآن دانی تو نہ ہوگی جو اس سے پیشتر بھی خود اپنے والد بزرگوار، ہاں خدا کے مسیح کی مخالفت کا موجب ہو چکی ہے۔ کیا کہیں اس میدان مقابلہ میں بھی وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (64:4) کی آیت پر یہ لکھ کر کہ:

''بعض نادان کہہ دیا کرتے ہیں کہ نبی دوسرے نبی کا متبع نہیں ہوسکتا اور اس کی دلیل یہ

دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ (64:4) اور اس آیت سے حضرت مسیح موعود کی نبوت کے خلاف استدلال کرتے ہیں۔لیکن یہ سب بسبب قلّتِ تدبیر کے ہے۔'' (حقیقۃ النبوت صفحہ 155)

اس خدا کے مسیح اور ہاں! خود اپنے والد بزرگوار کو نادان اور کم تدبر ثابت کرنے میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور تو نہ لگائیں گے جو میاں صاحب کے اس ادعا اور تفسیر نادرہ کے خلاف فرماتے ہیں کہ:

''صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہوسکتا۔اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رُو سے بکلی ممتنع ہے۔اللہ جلّشانہ فرماتا ہے۔وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ (64:4) یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو۔''

یہی نہیں، ہمیں تو خطرہ ہے کہیں آپ اپنے خطبہ جمعہ کی طرح اس میدان مقابلہ میں بھی لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا (64:10) کے معنی کرتے ہوئے پھر اس شخص کو جاہل مطلق نہ کہہ دیں، جو اس سے یہ استدلال کرتا ہے کہ اس آیت میں تبشیر دینے والوں کا آنا پایا جاتا ہے۔حالانکہ یہ وہ معنی ہیں جو خود مسیح موعود نے اس آیت کے کیے ہیں۔ہاں آپ کی وہ تفسیر قرآنی بھی ابھی ہمیں بھول نہیں گئی، جس میں آپ نے بڑے پُرزور الفاظ میں یہ کہا اور اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے فہمِ قرآن دیئے جانے کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ:

''میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے۔یعنی جب سے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن کریم کا فہم دیا ہے کہ قرآن کریم میں ایک سے زیادہ نکاح کا حکم ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا (3:4) اس سے معلوم ہوا کہ اصل حکم دو دو تین تین چار چار کا ہے۔اگر عدل نہ کرنے کا خوف ہو تو پھر ایک کا حکم ہے...... پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ منشاء الٰہی ایک سے زیادہ بیوی کا ہے۔ہاں جو عدل نہ

کرے وہ ایک ہی کرے۔'' (خط میاں صاحب بنام محمد عثمان لکھنوی)

آہ! کیا یہی وہ فہم قرآن ہے۔ جسے میاں صاحب اس میدانِ مقابلہ میں بھی پیش کرنے پر مصر ہیں اور اسے اپنے قربِ الٰہی کی دلیل ٹھہراتے ہیں۔ گویا ہمارے نہیں، خود اپنے ابا جان اور ہاں! خدا کے مامور کے بالمقابل میدانِ مقابلہ میں اترتے اور اس کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں کہ:

''کیا کوئی ایسا دلیر اور مردمیدان معترض ہے جو ہم کو یہ دکھلا سکے کہ قرآن کہتا ہے کہ ضرور ضرور ایک سے زیادہ عورتیں کرو۔ ہاں یہ ایک سچی بات ہے اور بالکل طبعی امر ہے کہ اکثر اوقات انسان کو ضرورت پیش آجاتی ہے مثلاً عورت اندھی ہوگئی یا کسی اور خطرناک بیماری میں مبتلا ہو کر اس قابل ہوگئی کہ خانہ داری کے امور سرانجام نہیں دے سکتی اور مرداز راہ ہمدردی یہ بھی نہیں چاہتا کہ اسے علیحدہ کرے یا رحم کی خطرناک بیماریوں کا شکار ہو کر مرد کی طبعی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتی۔ تو ایسی صورت میں اگر نکاح ثانی کی اجازت نہ ہو تو بتلاؤ کہ اس سے بدکاری اور بداخلاقی کو ترقی نہ ہوگی۔''

ایسی ہی اس قسم کی بیسیوں تفاسیر ہیں جو میاں صاحب اس سے پیشتر کر چکے ہیں۔ اور یوں خدا کے مسیح کی مخالفت کر کے اور اسے نادان اور جاہل مطلق قرار دے کر اپنی قرآن دانی اور اس تقرب کا پتہ دے چکے ہیں جو انہیں بارگاہِ ایزدی میں حاصل ہے۔ ہمیں تو ڈر ہے کہ میدان مقابلہ میں آکر بھی میاں صاحب اپنی اسی عادت سے مجبور ہو کر خود ابا جان ہی کی پگڑی اتارنے کے درپے نہ ہو جائیں۔ اور غالبًا یہی وجہ ہے کہ حضرت احسن المناظرین نے ان کے چیلنج کو قبول فرماتے ہوئے صاف طور پر ایسی شرائط تجویز کر دی ہیں جن کے مطابق فریقین معانی مسلمہ سے، جو قواعد علوم نحو اور معانی وغیرہ کے مطابق ہوں، باہر نہیں جا سکتے۔ پس اگر اب قرآن کریم کا کوئی نیا فہم جناب الٰہی سے میاں صاحب کو عنایت ہوا ہے اور اسی سابقہ فہم قرآن کو ہی وہ اس میدانِ مقابلہ میں پیش نہیں کریں گے۔ تو مبارک۔ صبح کا بھولا شام کو گھر آئے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہہ سکتے۔ اور اگر یہ نہیں۔ اور وہ انہی سابقہ دوراز قیاس تاویلات اور فاسد خیالات سے کام لینے کو ہی تائیدایزدی اور قربِ الٰہی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، تو انہیں تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں، دنیا کو وہ پیشتر سے معلوم ہے۔ اور میاں صاحب کے میدانِ مقابلہ میں

اترنے کے بغیر ہی ان پر ایمان لا چکے ہوئے ہیں!

رہا طریق ثانی یعنی مباہلہ۔ سو اس کے متعلق میاں صاحب ظہیر الدین اور مولوی محمد یمین صاحب داتوی سے کیوں فیصلہ نہیں کرتے۔ جو انہیں بار بار میدانِ مباہلہ میں بلاتے ہیں۔ ہم نے تو میاں صاحب کو کہیں بھی کافر قرار نہیں دیا۔ ہاں! یہ ہر دو اشخاص انہیں کافر سمجھتے اور آئے دن مباہلہ کے لیے للکارتے ہیں۔ ان کے بالمقابل میاں صاحب کا خاموشی اختیار کرنا اور ہمیں چیلنج کے لیے کہنا باوجودیکہ خود اسے انبیاء کا کام قرار دے کر اس سے گریز کرتے ہیں خود ہی اپنے کذب پر مہر لگانا ہے۔

ہم تو حیران ہیں کہ میاں صاحب حضرت مسیح موعود کی نقل اتار کر اور اس قسم کی باتوں کو پیش کر کے جو ایک مامور من اللہ کے امتیازاتِ خصوصی میں سے ہیں، وہ کون سا امتیاز ہے جو ایک مامور اور غیر مامور میں باقی رہنے دیں گے۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ میاں صاحب کا دراصل حضرت مسیح موعود پر بھی ایمان نہیں! وہ اس قسم کی باتوں کو محض خود اختراع سمجھ کر خدا کے مامور کی نقل اتارنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دراصل حضرت مسیح موعود انہی گیدڑ بھبکیوں سے لوگوں کو ڈرا لیا کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت صاحب نے اس وقت تک مباہلہ کا نام ہی نہیں لیا، جب تک کہ انہیں جناب الٰہی سے اس کا حکم نہیں ہوا۔ نہ ہی آپ نے ارشادِ الٰہی کے بغیر کسی کو تفسیر قرآنی کے لیے بالمقابل بلایا۔ لیکن آج ایک غیر مامور کے منہ سے بھی انہی الفاظ کا نکلنا اور میاں صاحب کا اسی قسم کی تعلّیوں سے کام لینا صریحاً حضرت مسیح موعود کی شان امتیازی پر پانی پھیرنا ہے۔

19 ستمبر 1917ء

مراسلات

نکات القرآن پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　　میلش اندر طعنہ پاکاں برد

نہیں معلوم قادیان والوں کو مولانا مولوی محمد علی صاحب سے کیا عداوت ہے۔ جو امور کہ ان کی فضیلتِ علمی پر دلالت کرتے ہیں، وہ بھی ان کی آنکھوں میں خس وخاشاک رذائل ہو کر بھر جاتے ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے ۔

ہُنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است　　　گل است سعدی ودرچشم دشمناں خار است

چشمِ بد اندیش کہ بر کندہ باذ　　　عیب نمائید ہُنرش در نظر

چنانچہ میرے دوست میاں اکمل صاحب نے جو اعتراض نوٹ نمبر 268 پر کیا ہے کہ شَھۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡھُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ (185:2) کے متعلق کہتے ہیں کہ جو نوٹ مولانا فاضل ایم اے نے لکھا ہے، غلط ہے۔اس سے میاں اکمل نے اپنے اس علم کی پردہ دری کی ہے جو سنے سنائے سے کچھ ان کو حاصل ہے۔اول تفسیر شیخ یعقوب علی صاحب ہی کو دیکھ لیا ہوتا جو مولانا حکیم نورالدین صاحب کے نوٹوں اور ان کی تفسیر اور پرانی یادداشتوں سے اور انہی کی اصلاح اور نظر ثانی کے بعد لکھی گئی ہے کہ وہ کیا لکھتے ہیں۔انہوں نے تو علاوہ نوٹ کے ترجمہ بھی یہ ہی لکھا ہے:

> ’’ماہ رمضان وہ مہینہ ہے۔جس میں یا جس کے بارہ میں قرآن شریف اتارا گیا ہے جو لوگوں کے لیے ہدایت نامہ ہے اور ہدایت کے کھلے نشان اور دلائل اپنے ساتھ رکھتا ہے اورحق و باطل میں فرق کرنے والا بھی ہے۔‘‘

پھر علاوہ ترجمہ کے اس کے نوٹ میں بھی اسی کا اعادہ کرتے ہیں کہ:

''قرآن جیسی ہدایت اس مہینہ میں نازل ہوئی۔اورالفرقان بھی اس مہینہ میں واقع ہوا۔''

اس ترجمہ اورنوٹ سے ظاہر ہے کہ لکھنے والا الفرقان کو اُنْزِلَ کا مفعول مالم یسم فاعلہ قرار دے رہا ہے جو فاعل کی جگہ پر ہوتا ہے۔اوراسی پر بس نہیں بلکہ فرقان کی نسبت اس کی تائید میں لکھا ہے کہ:

''یعنی بدر کے دن کا فیصلہ اور مکہ معظّمہ بھی رمضان میں فتح ہوا۔''

یہ لکھنے والا لفظ فرقان کو فاعل کی جگہ مفعول مالم یسمّ فاعلہ قرار دے رہا ہے۔اب فرمایئے کہ آپ کی مہارت نحوی قادیان کی ڈھاب میں کسی جگہ پر ڈوب گئی ہے۔یا جہاں آپ نے مکان بنایا ہے اس میں کہیں مٹی میں دب گئی۔ذرا مجھ کو بتادیں تاکہ میں ہی اس کو ڈھاب میں سے تلاش کر کے یا مٹی میں سے نکال دوں۔پھر درس کے نوٹوں میں حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب مرحوم ومغفور فرماتے ہیں۔

''الفرقان۔قرآن سے مجھے اس کے معنی یہ معلوم ہوئے کہ فرقان نام ہے اس فتح کا جس کے بعد دشمن کی کمر ٹوٹ جاوے اور یہ بدر کا دن تھا۔اورغزوۂ بدر بھی ماہِ رمضان میں ہوا ہے۔غرض رمضان المبارک کیا بلحاظ فتوحات دنیاوی اور کیا باعتبار ابتدا نزول قرآنی بہ تاکید قرآنی ہرطرح قابلِ قدر وحرمت ہے۔''

اس سے بھی قارئین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مولوی نورالدین صاحب بھی الفرقان کو مرفوع سمجھ رہے ہیں۔اب آپ فرمایئے کہ جو کسرہ متواتر قرأت میں وارد ہے،اس کو یعنی الفرقان کو مولانا مرفوع کیوں قرار دے رہے ہیں۔ بینوا وَ تَدَبّرُوْا

خیر! میں ہی اب اپنے قدیمی دوست کو معہ ترکیب نحوی کے سمجھائے دیتا ہوں۔اے حضرت! هدًی اور بینات یہ دونوں بذریعہ عطف کے حال واقعہ ہوئے ہیں۔القرآن سے جو مفعول مالم یسم فاعلہ اُنْزِلَ کا۔ای انزل حال کو مِنْهُ هدايةً لِلنَّاسِ بِمَا فِيْهِ مِنَ الْإِعْجَازِ وغیرہ وحال کو منه بينات من الهدٰى والفرقان یعنی حال کو منه اٰيات واضحات مرشدة إلى الحق فارقة بينه و بين الباطل بما فيه من حق الحكم والاحكام لفظ هدًى معطوف علیہ ہے اور بينات معطوف ہے۔جس کا بیان من الهدٰى

والفرقان واقع ہوا ہے۔الفرقان معطوف ہے **الھدٰی** پر۔نحویوں کے نزدیک مسلم ہے کہ عطف خاص کا اوپر عام کے بھی ہوتا ہے۔جس کو عطف نوع کا اوپر جنس کے بھی کہیں کہہ سکتے ہیں۔یہ عطف اسی قسم سے ہے۔اور جو فاضل ایم اے نے یہ نوٹ 318 میں لکھا ہے، وہی بعینہٖ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔**والتقدیر کانہ قیل ھذا ھدًی وھٰذا بین من الھُدٰی وھٰذا بَیّنٰت من الھُدیٰ** اور اس کے اوپر لکھا ہے **فکانہ قیل ھو ھدًی لانہ ھوالنبین من الھدیٰ والفارق بین الحق والباطل فھٰذا من باب مایذکر الجنس ویعطف نوعہ علیہ لکونہ اشرف انواع** اور تفسیر کشاف میں بھی ایسا ہی کچھ ہے۔ **ذکر اولا انہ ھدیٰ ثم ذکر انہ بینات من جملہ ماھدیٰ بہ اللّٰہ وفرق بہ بین الحق والباطل** اور تفسیر فتح البیان میں لکھا ہے **وبینات من عطف الخاص علی العام** اس سب کا حاصل یہی ہوا کہ جب **بینات** حال ہے **الفرقان** سے اور **بینات** کی دو قسم ہیں۔ایک ہدایت واضحہ، دوسری ایسی آیات واضحہ کہ **فارق بین الحق والباطل** ہو۔پس اس لیے **الفرقان** بھی ایک صفت قرآن ہی کی ہوئی۔کیونکہ اقسام مقسم سے جدا نہیں ہوسکتیں۔اور مقسم حال ہے القرآن سے جو صفت یا حال ہے قرآن کے لیے۔پس **الفرقان** بھی قرآن مجید کا حال یا صفت ہوگئی۔جیسا کہ عام تفاسیر مذکورہ سے واضح ہوا۔اور مولانا نورالدین صاحب نے تو خاص ترجمہ ہی میں الفرقان کا حال یا صفت یا خبر قرآن مجید کی قرار دی ہے۔لیکن فاضل ایم اے نے تو ایسے نوٹ میں، جس میں حاصل ترجمہ بطور توضیح کے لکھا جایا کرتا ہے، اس میں صفت یا خبر یا حال الفرقان کو قرآن مجید کی لکھا ہے۔جس میں کوئی وسوسہ وارد ہی نہیں ہوسکتا۔

اب ہم تراجم مسلمہ مشہورہ کی طرف بھی نظر کرتے ہیں۔تفسیر حقانی میں یہ ترجمہ لکھا ہے:

''اور ہدایت کی کھلی نشانیاں اور فرق کرنے والا حق اور باطل میں ہے۔''

نذیر احمد کے ترجمہ میں لکھا ہے:

''اور قرآن لوگوں کا رہنما ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کی تمیز کے کھلے کھلے حکم موجود ہیں۔''

اس میں بھی القراٰن کو ایک صفت یا خبر وغیرہ قرآن ہی کی لکھی ہے۔شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ

میں لکھا ہے:

''اتارا گیا بیچ اس کے قرآن مجید۔ ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں ہدایت کی اور معجزے۔''

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے ترجمہ میں لکھا ہے:

''مہینہ رمضان کا جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت واسطے لوگوں کے اور کھلی نشانیاں راہ کی اور فیصلہ۔''

اس میں شاہ صاحب نے اردو میں حال قرار دیا ہے۔ ایسا ہی کچھ اور تراجم میں بھی لکھا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ الفرقان صفت یا خبر یا حال قرآن کا ہے۔ گو ترکیبِ نحوی میں ھدًی اور بینات صرف حال ہی واقع ہوا ہے۔ لیکن تراجم عربی میں محاورہ اردو کے بموجب ترجمہ کیا جا سکتا ہے نہ محاورہ عربی کے مطابق الشاذ والنادر۔ اور خود قرآن مجید نے بھی اپنا نام الفرقان رکھا ہے تَبَارَکَ الَّذِیُ نَزَّلَ الْفُرُقَانَ عَلٰی عَبُدِہٖ لِیَکُوُنَ لِلُعٰلِمِیُنَ نَذِیُرًا. (1:25)

بالآخر آپ کی خدمت میں ایک عرض اور ہے کہ جس ترجمہ کو آپ نے اپنی طرف سے صحیح کر کے لکھا ہے ہم تو اس کو بھی بموجب ان تراکیب نحوی کے، جو محاورہ اردو کے مطابق لکھی گئی ہیں، محض غلط نہیں کہتے۔ مگر آپ کے مسلک کے بموجب وہ ترجمہ بھی بالکل غلط ہوا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کا ترجمہ یہ ہے کہ:

''قرآن مجید ہدایت ہے لوگوں کے لیے اور ہدایت وفرقان کے واضح دلائل ہیں۔''

ظاہر ہے کہ یہ جملہ مبتدا اور خبر ہو کر جملہ اسمیہ ہو گیا ہے۔ مگر قرآن مجید کے ان لفظوں میں نہ کہیں مبتدا ہے اور نہ خبر ہے اور نہ جملہ اسمیہ ہے۔ لفظ ھدًی لِّلنَّاسِ اور بَیِّنَاتٍ ترکیب نحوی کی رو سے حال واقع ہوا ہے، جو منصوب ہوتا ہے۔ اور آپ نے اس کو بحثیت خبر ہونے کے مرفوع قرار دے دیا۔ حالانکہ کل الفاظ اُنُزِلَ سے لے کر آخر تک جملہ فعلیہ ہیں۔ فَاَیُنَ ھٰذَا من ذاکَ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اے میرے دوست! آپ نے کسی عربی کتاب کا ترجمہ کیا ہے نہ نحو وحروف کی کتابیں پڑھی ہیں اور نہ قرآن کا کوئی پارہ ترجمہ کیا ہے، اور نہ گریمر عربی کی ایم۔اے تک پڑھی۔ایم۔اے تک کیا، کچھ ہی نہیں پڑھی ہے۔اور نہ مولانا نورالدین صاحب کے درسوں میں بیٹھے ہیں۔ پھر آپ کس بودگی پر اس ترجمہ پر اعتراض کر سکتے ہیں، جو مولانا نورالدین صاحب کا سنا ہوا یا دیکھا ہوا ہے۔مگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم بھی انگلی کاٹ کر شہیدوں میں شامل ہو جائیں۔

اچھا! ذرا ایک دو روز کی رخصت لے کر حضرت قبلہ کے باعث ہی حاضر ہو جاؤ تا کہ اس آیت کے ترجمہ کے کچھ قواعد آپ کو بتلا دیویں ذرا سوچ سمجھ کر اعتراض کیا کرو جو منہ کے بل اوندھے نہ گرو۔ جیسے اب منہ کے بل اوندھے ہو کر گر پڑے۔

سنبھل کے رکھنا قدم دشتِ خار میں مجنون کہ اس نواں میں سودآ برہنہ پا بھی ہے

خاکسار

سید محمد یعقوب

پسر مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی

❁❁❁

19 ستمبر 1917ء

فیصلہ کے دو طریق

میاں صاحب کا چیلنج اور اس کا جواب

(از قلم احسن المناظرین حضرت مولینا سید محمد احسن صاحب فاضل امروہوی)

اس مضمون کے مخاطب صرف میاں صاحب ہی ہیں۔ دوسرے اخبار والے نہیں ہیں، اور انہی کی طرف سے یہ دعویٰ ہوا ہے۔ جب تک انہی کے دستخط خاص سے کوئی مضمون شائع نہ ہوگا، وہ ہرگز ہرگز قابل سماعت نہیں۔

الفضل 15 ستمبر 1917ء نمبر 22 میں میاں صاحب نے فیصلہ کے دو طریق بتائے ہیں۔ اول: تفسیر قرآن مجید کسی مقام کی فریقین لکھیں۔ دوم: مباہلہ۔

لیکن ان دونوں طریقوں میں سے دوسرے فیصلہ کو تو خود ہی نیست و نابود کر دیا اور کہہ دیا کہ یہ کام انبیاءؑ کا ہے۔ یعنی میں نبی نہیں ہوں، مباحثہ کیونکر کر سکتا ہوں۔ اور پھر یہ بھی فرمایا کہ غیر مبائعین شملہ کو تحریک کریں کہ اپنے سرگروہوں کو راضی کرنے کے لیے اس فیصلہ پر تحریک کریں۔ کیسا لغو کلام ہے؟ کیا دوسرے مبائعین یا غیر مبائعین میں سے کسی نے دعویٰ نبوت کا کیا ہے یا میاں صاحب کے نزدیک کوئی نبی ہے جو وہ انبیاء کے کام کو کر سکتا ہے۔ کلا و حاشا۔ پھر اس لغو کلام کی نسبت یہ بھی شائع کیا جاتا ہے کہ پیارے محمود کی ہر بات میں ایک بات تھی اور ہر لفظ سبق آموز تھا۔ فی الحقیقت سچ ہے اور ہر لفظ سبق آموز ہے جو فیصلہ کا طریق بھی پیش کیا جاتا ہے اور پھر اسی فیصلہ سے بالکل گریز بھی کیا جاتا ہے۔ ع

نہ انکار می کنم و نہ ایں کار می کنم

اور مباہلہ کرنے کی نسبت تو پہلی تحریرات پیغامِ صلح میں مندرج ہو چکی ہیں۔ ان کے اعادہ کی کچھ

ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہی کافی ہیں۔ ہم اول طریقِ فیصلہ کو ہی تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کے انتظام کے لیے عرض کرتے ہیں کہ اس انتظام کی منظوری تدابیر کو الفضل میں شائع کر دیں تا کہ پھر کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔ کیونکہ ہم نے تو شائع کر دیا۔

☆ اول: یہ جلسہ لاہور میں حسب منظوری گورنمنٹ عالیہ کے ہوگا۔

☆ دوم: میاں صاحب جو کچھ تفسیر لکھیں گے۔ چونکہ طرفین میں سے کوئی ایسا کامل عربی دان نہیں کہ قرآن مجید کے اسرار وحقائق کو بخوب ترین درجہ جانتا ہو۔ لہٰذا طرفین کو لازم ہوگا کہ جس آیت کی تفسیر بیان ہوگی، اس میں طرفین کو وہ تراکیبِ نحوی بھی ضرور بیان کرنی پڑیں گی جو الفاظ آیت کے متعلق ہیں معہ حوالہ کتب معتبرہ علمِ نحو کے۔ اور چونکہ قرآن مجید کی بلاغت اور فصاحت اعجازی ہے۔ اس لیے جو قواعد وضوابط علمِ بلاغت کے، علم معانی اور بیان میں مسلم اور منضبط ہیں، ان کا بیان بھی لکھا جاوے گا معہ حوالہ کتب معتبرہ میں سے۔ تا کہ طرفین سے اناپ شناپ تفسیر آیت کی واقع نہ ہو جاوے۔

جیسا کہ ''انوارِ خلافت'' میں آیت مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (6:61) کی تفسیر کی گئی ہے اور مثال کے طور پر اس میں سے جو دس ثبوت دیئے ہیں۔ اس میں کا ایک یہ ثبوت لکھا جاتا ہے کہ غلام احمدؐ نام بالکل غلط۔ اگر یہ عربی نام مانا جاوے تو غلامُ احمد ہونا چاہیئے تھا اور اگر فارسی اردو تسلیم کیا جاوے تو غلامِ احمد ہونا تھا اور اگر پنجابی زبان کا نام تسلیم کیا جاوے تو ''احمد دا غلام'' ہونا تھا۔ مگر یہ نام حضرت کے نہ تھے۔ پس نام احمدؐ ہی رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پیشگوئی مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (6:61) احمد کے مصداق اصلی اور حقیقی طور پر مرزا صاحب ہی رہے۔

حالانکہ یہ سب تقریر مخالف ہے اس تحقیقات کے، جو غیاث اللغات میں بھی لکھی ہے۔ اور اس تفسیر دانی پر تمام دنیا کے علماء کو مدعو کیا گیا۔ علیٰ ہذا القیاس اور ثبوت بھی ایسے ہی ہیں۔ شرم! شرم! شرم!

آیت زیر تفسیر میں محذوفات اس قدر تسلیم نہ کیے جاویں گے۔ جیسا کہ ''انوارِ خلافت'' میں اس قدر محذوفات نکالے گئے ہیں جس سے ایک قرآن نیا شیعوں کا بن گیا ہے۔ محذوفات وہی مانے جائیں گے۔ جن کو

قواعدِ نحوی اور علم معانی و بیان کے مقتضٰی ہوں گے۔لغات کے معانی کی نسبت بھی یہ انتظام کیا جاوے گا کہ چونکہ الفاظ قرآن مجید کے متواتر ہیں، لہٰذا ان کے معانی بھی مشہور اور معروف ہی لیے جائیں گے۔کوئی جدید معنی مسلم نہ ہوں گے۔جیسا کہ آخرۃ کے معنی وحیِ مسیح موعود کیے گئے ہیں۔چونکہ مفردات راغب علم قرآن کی لغت ہے۔اس کا حوالہ دینا ہوگا۔اس میں کسی اور شخص کی اعانت کی ضرورت نہیں۔یہ سب امورِ ذیل طرفین کو خود بلا مدد دوسرے شخص کے خود ہی لکھنے پڑیں گے۔تراکیب نحوی، فصاحت و بلاغت، قرآن مجید کے متعلق حوالہ کتب معتبرہ، علم معانی اور بیان کا لغت کے متعلق حوالہ مفردات راغب اصفہانی کا یا اور کسی کتاب معتبر کا جو فریقین کو مسلم ہو۔طرفین کو پابندی اس انتظام کی کرنی ضروری ہوگی تاکہ کوئی صاحب طرفین میں سے شترِ بے مہار کی طرح لکھتا ہوا نہ چلا جاوے اور تاکہ اس وعید مندرجہ حدیث فریقین میں سے کوئی داخل نہ ہو جاوے۔ **من قال فی القراٰن برائته فلیتبؤا مقعده من النار و فی روایت من قال فی القراٰن بغیر علم فلیتبؤا مقعده من النار (رواه الترمذی)** اور عمدگی تفسیر کا فیصلہ کوئی بڑا عالم، مفسر، محدث جو ہندوستان کا باشندہ ہو، کرے گا۔ہم نے اس کو پیغامِ صلح میں شائع کر دیا۔آپ بھی منظور فرما کر الفضل میں شائع فرما دیں۔اور اس کے ساتھ یہ شرط ضروری ہے کہ وہ تفسیر احادیث صحیحہ کے مخالف نہ ہو۔"تصنیف را مصنف نکو کند بیان" کیونکہ احادیث صحاح تو وہ ہیں جو خود قرآن مجید کا بیان ہیں تنبیہ: ثُمَّ عَلَيْنَا بِيَانَهُ (19:75) جو کچھ تراکیبِ نحوی وغیرہ بیان کی جائیں گی، وہ اپنی اپنی زبان میں ایسے اردو میں ہوں گی جو اوساط و عام سمجھ سکیں، سوائے عوام کے۔اور چونکہ میاں صاحب تائید الٰہی اور اپنے علم کے مدعی ہیں، اس لیے یہ انتظام ان پر کچھ دشوار نہ ہوگا۔اور چونکہ واقعات نے بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے نزدیک میاں صاحب مؤید من اللہ نہیں ہیں۔جس قدر ان کے الہامات پہلے لکھے گئے تھے، ان میں سے ایک بھی پورا نہ ہوا اور نہ وہ رؤیا پوری ہوئی جو ریاست حیدرآباد دکن کی نسبت ان کو ہوئی تھی۔اور اسی رؤیا کی بنا پر "تحفۃ الملوک" لکھا گیا تھا۔حالانکہ تحفۃ الملوک میں نہ مرزا صاحب کو حقیقی نبی لکھا گیا تھا اور نہ حضرت نظام الملک اور اہالی حیدرآباد کو درصورت نہ ماننے کو کافر خارج از دین اسلام لکھا گیا تھا۔تب بھی توفیقِ الٰہی ان کے رفیقِ حال نہیں ہوئی۔ہمارا اعتقاد تو حضرت صاحب کے اس شعر پر ہے۔

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو　　　کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

یہ شعر حضرت اقدس کا ہے۔ اس لیے اس کے لکھنے پر ہم مجبور ہیں۔ خاص کسی شخص کو نہیں کہتے۔ بلکہ سب الہامات الٹ کر انہیں پر اب تک واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے ہم ان کو مؤید من اللہ اعتقاد نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس تفسیر دانی کے انتظام میں یہ شرائط لکھی گئی ہیں۔ اگر یہ سب منظور ہوں تو فَبِھَا ورنہ اس بارہ میں اور کوئی تاویل حواشی کی طرف سے سنی نہ جائے گی۔ کیونکہ اگر میاں صاحب مؤید من اللہ ہیں تو ان کو ان علومِ نحو اور علمِ معانی و بیان اور علم لغت میں، جو خادم قرآن مجید ہیں، امداد ضرور پہنچے گی۔ ورنہ اگر کسی ایک آیت کی تفسیر میں اس ''انوارِ خلافت'' سے زیادہ بھی کچھ لکھا جاوے تو ہمارے نزدیک ایک پر پشہ کے برابر بھی قدر نہیں رکھتا۔ قارئین منصفین نے دیکھ لیا ہے اور ''قول ممجد'' اور ''انوارِ خلافت'' جن میں صرف ایک آیت کی تفسیر بھی، اس سے خود فیصلہ کر لیا ہے کہ مؤید من اللہ کون ہے اور مخذول کون ہے۔ ان دونوں تفسیروں سے بخوبی فیصلہ ہو گیا۔ اس لیے بغیر اس انتظام کے منظور کیے ہوئے اور کوئی تاویل قابلِ سماعت نہیں ہے۔

23 ستمبر 1917ء

قسط اول

مسئلہ رَجعَت اور بعثت مسیح موعود اور اکمال دین و اتمام نعمت

خطبہ جمعہ مورخہ 14 ستمبر 1917ء فرمودہ حضرت مولانا محمد احسن فاضل امروہوی

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

اِنَّهُمۡ كَانُوۡا يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَيَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ‌ؕ وَكَانُوۡا لَـنَا خٰشِعِيۡنَ ‏. وَالَّتِىۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِيۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَجَعَلۡنٰهَا وَابۡنَهَاۤ اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ‏. اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً ‌ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ‏. وَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ‌ؕ كُلٌّ اِلَـيۡنَا رٰجِعُوۡنَ‏. فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا كُفۡرَانَ لِسَعۡيِهٖ‌ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوۡنَ‏. وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَاۤ اَنَّهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ‏. حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتۡ يَاۡجُوۡجُ وَمَاۡجُوۡجُ وَهُمۡ مِّنۡ كُلِّ حَدَبٍ يَّنۡسِلُوۡنَ‏. وَاقۡتَرَبَ الۡوَعۡدُ الۡحَـقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبۡصَارُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ يٰوَيۡلَنَا قَدۡ كُنَّا فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا بَلۡ كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ‏. (21:90-97)

وجہ تسمیہ سورہ کی باسم انبیاء

یہ آیت سورہ الانبیاء میں سے ہے اس کا نام سورہ الانبیاء اس لیے رکھا گیا کہ 16 نبیوںؑ کا ذکر اس میں فرمایا گیا ہے۔ ابراہیمؑ، نوحؑ، ہارونؑ، لوطؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، داوٗدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، اسمٰعیلؑ، ادریسؑ، ذوالکفلؑ، ذوالنونؑ، زکریاؑ اور عیسیٰ علیہ السلام۔

ترجمہ حرامٌ سے آخر تک

اورحرام ہے ہرایک اس بستی پرجس کوہم نے ہلاک کردیا۔ بیشک وہ لوٹ کرنہیں آئیں گے۔ یہاں تک کہ کھول دیئے جائیں یاجوج ماجوج۔ اوروہ ہر بلندی سے دوڑے آئیں اورنزدیک ہوجاوے وعدہ سچا۔ پس یہ حال ہوگا کہ چڑھی ہوں گی آنکھیں کافروں کی کہ ہائے ہماری کم نصیبی۔ بیشک تھے ہم غفلت میں اس سے، بلکہ تھے ہم ظالم۔

مفسرین میں اس آیت کے معنی مرادی میں بہت اختلاف واقع ہے۔ اور یہ آیت واقع میں مشکل آیاتِ قرآن مجید میں سے ایک ہے۔ علمائے شیعہ نے اس آیت سے رجعت کا مسئلہ نکالا ہے کہ جملہ اہلِ بیت کرامؑ کے لوگوں کوآخرزمانہ مہدی میں رجعت واقعی ہوگی اورجن جن کو یہ لوگ ظالم اورغاصب خلافت وغیرہ کا سمجھتے ہیں، ان کوبھی رجعت ہوگی اورغاصبوں سے ظلم کا بدلہ لیں گے۔ مگر یہ مسئلہ رجعت کا دنیا میں تومحض نصوص قرآنیہ کے خلاف ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (100:23) وغیرہ وغیرہ آیات اس مسئلہ رجعت کو باطل کررہی ہیں۔

اصل اس کی صرف اس قدرمعلوم ہوتی ہے کہ زمانہ دَوری ہے۔ جسمانی طورپربھی اورروحانی طورپربھی موسم کی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جاڑا، گرمی، برسات ہمیشہ دورہ کرتے رہتے ہیں۔ روحانی طورپرہرایک صدی کے سرپرمجدد آتے رہتے ہیں۔ موسمِ حج، رمضان شریف، عیدین ہرسال دورہ کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ شب وروز میں پنجوقتہ نمازوغیرہ دائرسائرہمیشہ رہتی ہے۔ اسی طرح سے ہزاربرس کا دورہ یا کم زیادہ کسی حادثہ عظیمہ کا ہوسکتا ہے۔ اس میں کوئی استبعادنہیں ہے۔ کیونکہ زمانہ دَوری ہے۔ اس زمانہ آخری میں حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم کا دورہ واقع ہوا ہے۔ جس میں دین اسلام پر بڑے بڑے فتنے واقع ہورہے ہیں۔ پس اصل مسئلہ رجعت کی صرف اس قدرمعلوم ہوتی ہے کہ دورضلالت اوراضلال کا بھی ہوتا ہے۔ اوراس کے دفعیہ کے لیے دوسری طرف دوراکمال اوراتمام نعمت کا بھی ہوا کرتا ہے۔ اورحدیث صحیح سے ثابت ہوچکا ہے کہ صدی کے سرپریہ دورواقع ہوتے رہتے ہیں۔

ہم اس آخری دور کا ذکر کرتے ہیں، جو مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ یہ تو ہم کو معلوم ہے کہ دو نبیوں کی نسبت اہلِ کتاب اور اہلِ اسلام کے نزدیک یہ اعتقاد چلا آتا تھا کہ وہ دوبارہ دنیا میں پھر مبعوث بجسم عنصری ہوں گے۔ ایک تو یوحنا جس کا نام ایلیاہ اور ادریسؑ بھی ہے۔ دوسرے مسیح ابن مریم۔ حضرت عیسیٰؑ نے تو اس ایلیاہ کی رجعت کا یہ فیصلہ کیا کہ یحییٰ بن زکریاؑ کے پیدا ہونے سے ان کا آسمان سے اترنا بجسم عنصری مبعوث ہونا غلط ہے۔ اور وہ یحییٰ کے پیدا ہونے سے وقوع میں آ گیا۔ اور حضرت مسیح موعود نے حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے اترنے کا فیصلہ حضرت عیسیٰؑ ہی کے فیصلہ پر متصرح فرما کر دلائلِ کتاب وسنت سے یہ فیصلہ فرما دیا کہ میرے وجود سے عیسیٰؑ کا دوبارہ آنا واقع ہو گیا۔ اور اس پر بڑی تحدیاں بھی مخالفین کے مقابلہ میں پیش فرمائیں۔ جن کا توڑ مخالفین سے نہ ہو سکا۔ نہ روحانی طور پر اور نہ علومِ ظاہر کتاب وسنت کے نہج پر۔

پس یہ مسئلہ رجعتِ جسمانی کا تو صاف ثابت ہو گیا کہ باطل ہے۔ مراد اس سے صرف اس قدر ہے کہ اس زمانہ میں عیسیٰؑ کے دوبارہ آنے سے یہی مراد ہے کہ چونکہ کُل دنیا میں مذہب باطل عیسوی شائع ہو رہا ہے۔ اس کی اصلاح کے واسطے ایک ایسا شخص پیدا ہو گا کہ زمانہ حال کے موافق اس مذہب کی اصلاح اس کے ہاتھ سے ہونے والی ہے، وبس۔ نہ عیسیٰؑ خود آئیں گے اور نہ ایلیاہ آویں گے اور اسی فیصلہ سے مہدی کے آنے کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ جو لوگوں کے خیال میں تھا کہ محمدؐ نام کے مہدی آئیں گے۔ ان کے باپ کا نام عبداللہ ہو گا اور ماں کا نام آمنہ اور خود ان کا نام محمد۔ یعنی وہ خود آئیں گے۔

یہ سب خیالات تو باطل ہو گئے کہ خود تو کوئی بھی نہیں آنے کا، اور نہ کوئی آ سکتا ہے۔ شیعوں کا مسئلہ بھی غلط ثابت ہوا اور یہود کا خیال بھی غلط ثابت ہو گیا **کَمَا ثبت فِی محله بالبراهین**. اور اب اہل غلو جو اس دھوکا میں پڑے ہوئے ہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد مجدد عظیم الشان کی بعثت عین بعثت ثانی حضرت خاتم النبیین سید المرسلین کی ہے، جس وجہ سے ان بیچاروں کو حضرت صاحب کا نبی کامل اور رسولِ حقیقی ماننا ضروری ہو گیا ہے، یہ بھی ازسرتاپا غلط ہے۔ اور نیز حضرت مسیح موعود کی بعثت کو بعثت ثانوی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ماننا بداہتاً محض غلط و باطل ہے۔ ہاں! صرف اس قدر ہم مانتے ہیں، جو وہی حضرت مسیح موعود کا مذہب بھی ہے کہ اس زمانہ کی اصلاح کے لیے خاص مسلمانوں کے لیے میری بعثت بلحاظ مہدویت کی شان کے ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

دگر استاد رانامے نہ دانم ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

کرامت گرچہ بے نام ونشاں است ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بیا بنگر ز غلمان محمدؐ

فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّم. اور عیسائیوں کی اصلاح کے لیے میری بعثت مجددیت مسیح موعود کی نہج پر ہے کہ۔

چوں مرا نورے پئے قومِ مسیحی دادہ اند ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ابن مریم مصلحت رانام من بنہادہ اند

وغیرہ۔ ذَالِکَ مِنَ الْاَشْعَارِ وَالْعِبَارَاتِ

اب میں آیت متلو کی تفسیر کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ تم دیکھتے ہو کہ اس زمانہ آخری میں دینِ اسلام پر ارواح خبیثہ شیاطین اپنے مظاہر جسمانی میں ہو کر کیسے کیسے حملے کر رہے ہیں اور لاکھوں اعتراضات بطور وساوس اور شبہات کے دین اسلام پر وارد کر رہے ہیں جو کبھی پہلے زمانوں میں نہ ہوئے تھے۔ اس لیے ضرور ہوا کہ تمام ارواح طیبہ انبیاءؑ کی بھی دین اسلام کے اکمال اور اتمام نعمت کی طرف متوجہ ہوئیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا(56:33)خود اللہ تعالیٰ تو دین اسلام کا حامی ہی ہے۔ مگر تمام اس کے فرشتے اور تمام مومنین اس صلوٰۃ وسلام میں نبیؐ پر بھیجنے کے لیے مصروف ہیں اور مقصود اصلی صلوٰۃ وسلام سے یہی ہے کہ آپ کے دین اسلام کے اکمال اور اتمام نعمت میں ساعی وکوشاں رہیں۔ اس لیے تمام انبیاء کی ارواحِ مقدسہ بھی اسی طرف متوجہ ہیں کیونکہ یہ سب انبیاءؑ تو آپ کے خادم ہیں جبکہ سید عالم، سید ولد آدم اس پُرفتن کے زمانہ میں اس طرف سے اس کے دفعیہ کی طرف متوجہ ہیں، تو پھر تمام انبیاء، جن کی نسبت ارشاد ہے کہ وَبِيَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخَرَ وَمَامِنْ نَّبِيٍّ يَوْمَئِذٍ اٰدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ (اَلْتِرْمَذِیْ) وہ کیونکر متوجہ نہ ہوتے۔

آں شہ عالم کہ نامش مصطفیٰؐ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ سید عشاق حق شمس الضحیٰ

خصوصاً جبکہ یہ لحاظ بھی کیا جاوے کہ تمام انبیاء ماسبق سے بڑی تاکیدات کے ساتھ یہ عہد موثق بھی وقتاً فوقتاً لے لیا گیا ہے کہ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْۤا

اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ. (81:3) اور نیز درودشریف کے الفاظ ذیل بھی اس طرف ناظر ہیں کہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِیْ فِیْ الْمُصْطَفِيْنَ مُحَبَّتَهٗ وَفِی الْمُقَرَّبِيْنَ مُؤَدَّبَّهٗ وَفِی الْاَعْلِيِّيْنَ وَكُرَهٗ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ.

اور احباب پر واضح ہو کہ احادیثِ صحاح سے ثابت ہے کہ جس دعا کے اول وآخر میں درودشریف پڑھ لیا جائے وہ دعا قبول ہو جاتی ہے۔لیکن جو خود درودشریف کے الفاظ میں مضمون ہوتا ہے، وہ تو ضرور بالضرور مقبول ہی ہوتا ہے اور ضائع نہیں جاتا۔ بنا بریں ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ تمام برگزیدہ لوگوں میں جو انبیاءؑ اور اس کے اولیاء مقربینؒ ہیں آپؐ کی محبت کا ذکر ہمیشہ رہنا ہے۔اور اعلیٰ درجہ کے لوگوں میں آپ کی مؤدت کا تذکرہ مدام رہتا ہے۔اور آپؐ کے ساتھ محبت یہی ہے کہ آپ کے دین اسلام کے اکمال اور اتمام نعمت میں ہمیشہ سعی اور کوشش کی جاوے۔پس اس سے ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کی ارواحِ مقدّسہ بھی اس زمانہ آخری میں، جو دین اسلام پر طرح طرح کے حملے ہو رہے ہیں۔ان کے دفعیہ کی طرف خود اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت ہے۔اور تمام اس کے فرشتے اور تمام انبیاء کی ارواحِ مقدسہ متوجہ ہو رہی ہیں۔اور الفاظ ذیل دوسرے درودشریف کے بھی اس طرف مشعر ہیں۔جو یہ ہیں اَللّٰهُمَّ رَبِّیْ وَسعديک صَلَوٰةُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَمَا سح لَکَ مَنْ سَنّٰی يَاربَّ الْعٰلَمِينَ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَ رَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اور واضح ہو کہ پھر ان الہامات (جن میں حضرت مسیح موعود کو آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، یوسفؑ، موسٰیؑ، عیسٰیؑ وغیرہ وغیرہ فرمایا گیا ہے حتیٰ کہ جری الله فی حلل الانبیاء بھی الہام میں وارد ہوا ہے۔جس کے اصلی معنی ومراد ہم نے اپنے رسائل میں لکھے بھی ہیں) کا مفہوم یہ ہے کہ ان انبیاء مقربین کی ارواح طیبہ اس طرف متوجہ ہیں۔خصوصاً حضرت عیسٰیؑ کی روحِ قدس کی تو نہایت ہی درجہ توجہ ہے۔کیونکہ تمام دنیا میں مذہب محرف حضرت عیسٰیؑ کا شائع ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے آپ کا نام مسیح ابن مریم رکھا گیا ہے۔

چوں مرا نورے پئے قومِ مسیحی دادہ اند ابن مریم مصلحت را نامِ من بنہادہ اند

اور یہ بھی خوب یاد رکھو کہ بحکم وَاِمَا نُرِيَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْنَتَوَفَّيَنَّکَ (46:10) کے

بعد وفاتِ حضرت مسیح موعود کی وہی غیبی تائیدات جواوپر بیان ہوئیں، ان لوگوں کے شامل حال ہی ہیں، جو یورپ وغیرہ میں جہاں دینِ اسلام مسیح موعود کی حیات تک نہیں پہنچا تھا اور اب بعد وفات جن کے ذریعہ سے پہنچ رہا ہے۔اسی لیے بڑی تاکیدات سے حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو میری شاخیں مجھ میں سے ہیں اس کام کو انجام دیں گی، وہ اصفیاء میں داخل ہیں۔کیا خوش نصیبی ہے ان لوگوں کی، جو اصفیاء میں داخل ہو کر دینِ اسلام کو وہاں شائع کر رہے ہیں۔اور کیا خوش قسمتی ہے ان علماء کی، جو قرآن کی تفسیر انگریزی میں تصنیف فرما کر وہاں پر انہوں نے شائع کرائی ہے۔اور کیسے بہرہ ور ہیں وہ لوگ، جو مالی امداد سے ان سب کارکنوں کی تائید کر رہے ہیں اور تائید غیبی تو بہرحال اپنا کام کر کے ہی رہے گی۔لیکن مالی امداد پہنچانے والوں کو کیسے کیسے اجرِ عظیم اللہ تعالیٰ کے ہاں سے عطا اور مرحمت ہوں گے۔

بمفت ایں اجر نصرت را وہندت اے اخی ورنہ   قضائے آسماں است ایں بہرحالت شود پیدا

(جاری)

۞۞۞

26 ستمبر 1917ء

قسط دوم وآخر

مسئلہ رَجعت اور اکمال دین و اتمام نعمت

ختم نبوت کے چند دلائل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَوَلَمۡ یَکۡفِہِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً وَّذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ. قُلۡ کَفٰی بِاللّٰہِ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکُمۡ شَہِیۡدًا یَعۡلَمُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَکَفَرُوۡا بِاللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ. (29:51-52)

یہ آیت بھی خاتم النبیّٖن کی آیت کی تائید ختم نبوت کے بارہ میں کر رہی ہے۔ بڑی تاکید سے فرماتے ہیں کہ کیا اب بھی تم کو کسی نبی کے آنے کی ضرورت وانتظار ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔ ہم نے تمہارے لیے ایسی کتاب جامع تمام اسرار ظاہر و باطن کی نازل فرمائی ہے کہ ہماری رحمت کاملہ سے اب کسی نبی کے آنے کی ضرورت اس کے بعد باقی ہی نہیں رہی۔ کیونکہ وقتاً فوقتاً مقتضائے حالات زمانہ کے مطابق اس میں تمام علوم کا خزانہ موجود ہے۔ اس پر علاوہ یہ کہ ہر صدی کے سر پر مجدد دین مبعوث ہو کر مومنین کے لیے باعثِ رفع اُن کی غفلت کے ہوتے رہیں گے۔ اور مقتضائے حال کے مطابق اس کے ان علوم کو جو اس میں مذکور ہیں یاد دلاتے رہیں گے اور اس امر پر اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہوگی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال اُن کے رہے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ کی شہادت یعنی نصرت کے ہوتے ہوئے، جو اکمال دین اور اتمام نعمت میں ہوتی رہے گی، اب کسی نبی کے آنے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ ایسی ذات جامع تمام صفاتِ حمیدہ نے نازل فرمائی ہے جس کو مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا کا علم حاصل ہے۔ اس نے تمام علوم غیر متناہی کے خزانے اس میں رکھ

دیئے ہیں۔ اور جن لوگوں نے بعد ایسی کتاب کامل کے، کسی نبی کے آنے کا انتظار کر رکھا ہے، تو یہ اعتقاد ان کا اس کتاب کے نزول کے بعد محض باطل ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس کا نام ایمان رکھا ہے۔ مگر وہ تو اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ کے مصداق ہیں کہ شِرۡکٌ فِی النَّبُوَّۃِ کے معتقد ہیں اور اس اعتبار ذیل سے وہ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ کے بھی مصداق ہیں۔ کیونکہ ان کے اس خیالِ باطل سے لازم آتا ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو ایسا علم اور قدرت حاصل نہیں کہ علوم غیر متناہی کو اس کتاب میں جمع کر دے۔ اس لحاظ سے وہ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ کے بھی مصداق ہوئے۔ گو بظاہر ان کی کثرت بھی ہو اور چندوں کی آمدنی بھی بہت کچھ حاصل ہوتی ہو لیکن بالآخر اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ میں شامل ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان کا اعتقاد اللہ تعالیٰ کے اکمالِ دین اور اتمامِ نعمت پر نہیں رہا۔ جو کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت بعد نزول قرآن مجید کے سمجھ رہے ہیں۔

ختمِ نبوت کی بُرھان

خاتم النبیّن کا انکار کرنے والا اندھا ہو گیا ہے کہ جو صدہا آیات قرآن مجید کی ختمِ نبوت کا اثبات کر رہی ہیں، اس کو بھی نہیں دیکھتا۔ مثلاً اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (9:15) جو ایک چھوٹی سی آیت ہے ختمِ نبوت پر صریح دال ہے کیونکہ کسی پہلی کتاب کے واسطے یہ وعدہ حفاظت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں کیا گیا تھا۔ جو کتابیں کہ اب تک باقی ہیں وہ بھی محرف اور مبدل و متغیر ہو گئی ہیں۔ بدیں وجہ پہلے بسبب تحریف و تبدیل صحائف انبیاء کے، نبیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ بڑی تاکید سے خود لے لیا ہے۔ اور سب طرح سے قرآن مجید کی حفاظت کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ رسم الخط بھی قرآن مجید کا وہی محفوظ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھا۔ حالانکہ ہر ایک زبان کا رسم الخط بدلتا رہتا ہے۔ بلکہ خود عربی کا رسم الخط بھی بہ نسبت پہلے کے کسی قدر تبدیل ہو گیا ہے۔ لیکن قرآن کا رسم الخط اب تک وہی محفوظ چلا آتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھا۔ اور اسی رسم الخط سے قرآن شریف کا لکھنا فرض اور واجب ہے، جو آپ کے وقت میں موجود تھا اور اسی رسم الخط میں لکھا جا رہا ہے۔ اس کے قواعد محفوظ، اس کے ضوابط محفوظ۔ جبکہ اس طرح کی حفاظت قرآن مجید کی اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اپنے ذمہ لے لی ہے تو پھر کسی نبی کے آنے کی ضرورت کیا رہی؟ نبی کے آنے کی ضرورت پہلے اس وجہ سے ہوتی رہی کہ کتب اللہ و صحائف منزّلہ میں تحریف و تبدیل ہو

جایا کرتی تھی۔مگر دینِ اسلام میں یہ تحریف ممکن نہیں۔کیونکہ قرآن مجید میں تو کوئی اس زیروزبر کی حرکت کو بھی بدل نہیں سکتا۔ پس سوائے مجددین کی ضرورت کے، جو لوگوں کو غفلت سے آگاہ کرتے ہیں، کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہ رہی۔

دوسری آیت ختمِ نبوت کے لیے برہان

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (89:16) جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی نسبت تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (89:16) بھی فرماتا ہے کہ اس میں تمام حقائق ومعارف اور احکام اور اخبار ازمنہ ماضیہ کے بھی موجود ہیں۔اور تمام دلائل ورفع شبہات بطور ہدایت کاملہ کے بھی اس میں موجود ہیں اور رحمتِ کاملہ بھی اس میں موجود ہے، جو مقربینِ الٰہی کو اس کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔اور تمام آئندہ کی بشارتیں بھی اس میں موجود ہیں وغیرہ وغیرہ۔تو تمام امور اکمال دینِ اسلام کے اور تکمیلِ نعمت الٰہی کے بھی اس میں موجود ہوئے۔اور تمام تحصیلِ فضائل کے سامان، اجتناب رذائل کے اسباب اس کتاب سے حاصل ہیں، تو نبی کے آنے کی کیا ضرورت رہی؟ بجز اس کے کہ کوئی مجدد نمونہ بن کر موافق مقتضائے حال زمانہ کے امت محمدیہ کو ان امور سے خبردار کرے۔پس بعد نزول اس کتاب اللہ اور قرآن مجید کے کسی نبی کو ماننا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (89:16) کی تکذیب کرنی ہے۔نعوذ باللہ منہ۔

پس میں خلاصہ کے طور پر اصل آیت کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ اس آخری زمانہ میں، جبکہ فتح سدّ یا جوج ماجوج ہو جائے گا، اس وقت یہ رجعت روحانی واقع ہوگی۔ادھر ارواح خبیثہ کے مظاہر دینِ اسلام پر حملے کریں گے، ادھر اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت دینِ اسلام کے اکمال اور اتمام نعمت پر متوجہ ہوگی اور ارواحِ مقدسہ انبیاءؑ کی توجہ باطنی بھی اس طرف مبذول فرماوے گی۔اور اس میں فتح بیکران ونصرت عظیم الشان دینِ اسلام کو حاصل ہوگی۔جس کے آثار ابھی سے نمایاں ہو رہے ہیں کہ یورپ وغیرہ میں خصوصاً مسجد ووکنگ وغیرہ میں پنجوقتہ نوبت اسلام کی بج رہی ہے اور اسلام کو وہ فتوحات حاصل ہو رہی ہیں جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھیں۔

اور یہ جو فرمایا گیا کہ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ (97:21) یہ وعدہ وہی ہے، جو دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے

جہاں ذوالقرنین کی سدّ کے ٹوٹ جانے کا ذکر ہے۔ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا (98:18)۔ پس اس آیت متلو میں جو وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ. حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (21:95-96) ہے۔ اس میں اس رجعت روحانی کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ بعد فتح سَدِّ یاجوج ماجوج کے یہ رجعت روحانی ارواح خبیثہ ہلاک شدہ کی بھی ہوگی، جو بذریعہ اپنے مظاہر کے اکمال دینِ اسلام پر اعتراضات کریں گے اور دلائل سے وہ ہلاک ہوں گے۔ اور مقربین کی رجعت روحانی کا اشارہ بھی اس آیت سے پہلی آیت میں ہے، جہاں فرمایا گیا ہے اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ. وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ. اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ. وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ. (21:90-93) اور جو شبہ پیدا ہوتا تھا کہ ان سابق انبیاء کا تو فروع میں دینِ اسلام سے بہت بہت کچھ اختلاف ہے، پھر وہ کیونکر اس دینِ اسلام کے اکمال کی طرف توجہ روحانی کریں گے۔ اس شبہ کو یوں رفع فرمایا گیا کہ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (21:93) کہ اے مسلمانو! یہ سب انبیاءؑ اور اس وقت کے ایمان والے اصولِ دین کے اعتبار سے تمہارے دینِ اسلام ہی کے گروہ کے ہیں اور تم سب ایک ہی امت رسول مقبولؐ کی ہو۔ اس لیے ان کی رجعت روحانی اور توجہ روحانی، جو دینِ اسلام کے اکمال کی طرف ہے، وہ توجہ ہماری ہی طرف ہے۔ کیونکہ ہم معہ سب فرشتوں کے تمہارے نبیؐ کے لیے رحمت بھیج رہے ہیں۔ اس لحاظ سے ان سب انبیاءؑ کی توجہ جو دین اسلام کے اکمال کی طرف ہے، وہ توجہ ہماری طرف ہے كُلٌّ اِلَيْنَا رَاجِعُوْنَ۔ کیا اچھا کہا مولٰینا رومؒ نے! ؎

نامِ احمدؐ نامِ جملہ انبیاءؑ است — چوں بیامد صد نود ہم پیشِ ما است

الحاصل وہ رجعت جسمانی، جس کے قائل شیعہ ہیں، وہ تو نصوص قرآنی سے باطل ہے اور غالیوں کی رجعت بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں جو سمجھ رہے ہیں، وہ بھی باطل ہے۔ ہاں وہ رجعت روحانی جس کو مسیح موعود نے بڑی بڑی تحدیوں کے ساتھ ثابت کیا ہے، وہ صحیح ہے۔ اور اس آخر زمانہ میں جو لاکھوں فتنے دینِ اسلام پر وارد ہو رہے ہیں، وہ اس آیتِ قرآنی سے بطور التباس اور اشارہ کے مفہوم ہوتی ہے، اور وہ ان

اصفیاء کے ساتھ ہی تائید کر رہی ہے، جو قدرتِ ثانی کے کارکن ہیں۔ **وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ**. اور الہامات مسیح موعود کے، جن میں آپ کو آدمؑ ،نوحؑ ، ابراہیمؑ وغیرہ وغیرہ کہا گیا ہے، وہ بھی اس التباس پر اشارہ کر رہے ہیں۔ یہی حقیقت ان الہامات کی ہے اور یہی ہے حقیقت اس رجعت روحانی کی۔ اور اہلِ غلو نے جو حضرت مسیح موعود کو عین مصطفیٰ قرار دے رکھا ہے، وہ بھی غلط ہے۔ اس سے مراد سرور عالم سید المرسلین کی ایک توجہ بادشاہانہ ہے دینِ اسلام کے اکمال کی طرف، وبس۔

آں شہِ عالم کہ نامش مصطفیٰؐ سید عشاق حق شمس الضحیٰ

سید و سرور محمدؐ نورِ جان مہتر و بہتر شفیع مذنبان

۞۞۞

26 ستمبر 1917ء

ادارتی نوٹ

شملہ کی گھاٹیوں پر اشاعت کفر

قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ آج کل میاں محمود احمد صاحب شملہ میں بغرض تبدیلیٔ آب و ہوا تشریف فرما ہیں۔ اس تبدیلیٔ آب و ہوا کا آپ کو جسمانی طور پر تو کچھ فائدہ ہوا ہوگا۔ وہ کچھ اُن کے اردگرد کے لوگ ہی معلوم کر سکتے ہیں۔ ہم تو صرف اُن خیالاتِ فاسدہ کے متعلق، جو اُنہوں نے ایک مدت سے اختیار کر رکھے ہیں، آج یہ شہادت دینا چاہتے ہیں کہ اُن میں البتہ ترقی شملہ پہنچ کر ضرور ہوئی ہے۔ اسے تبدیلیٔ آب ہوا کا اثر کہو یا اُن کی اپنی طبیعت کا نتیجہ! بہرحال شملہ کی گھاٹیوں سے جو صدائیں بلند ہو ہو کر ہمارے کانوں تک پہنچ رہی ہیں، وہ اگر مرض کی کمی کی خبر نہیں دیتیں، تو ایک حد تک اُس کی ترقی کی شاہد تو ضرور ہیں۔ چنانچہ ابھی گذشتہ سے پیوستہ اشاعت میں ہم ان ماموارانہ تحدّیوں کا پتہ دے چکے ہیں، جو میاں صاحب نے غیر مامور ہو کر ایک مامور من اللہ کی شان خصوصی پر پانی پھیرنے کے لیے کی ہیں۔ آج ہم اُن کی ایک اور تقریر کا ایک حصہ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں، جو 22 ستمبر 1917ء کے الفضل میں طبع ہوئی ہے۔ اور جس میں میاں صاحب نے اگرچہ اپنے آپ کو نبی تو نہیں کہا، لیکن اپنی حیثیت کو نبیوں سے کچھ کم بھی ظاہر نہیں کیا۔ کل انبیاء بنی اسرائیل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود نے بقول میاں صاحب ان کے لیے پیشگوئیاں کی ہیں۔ اور اس لیے اُن کا انکار ان سب انبیائے کرام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود کا اِنکار ہے۔ جیسا کہ اُن کے ذیل کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

''انبیاء بنی اسرائیل نے کہا کہ مسیح موعود کی دو بعثتیں ہوں گی۔ دوسری بعثت میں اُس کا بیٹا جانشین ہوگا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا یتزوج ویولد له۔ نعمت اللہؒ بھی فرماتے ہیں ''پسرش یادگارے بینم'' مسیح موعود اُس کا نام محمود رکھتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جانشین اپنے پیشرو کے کام کو ہی سرانجام دے گا۔ مسیح موعود ایمان کو ثریا سے لایا۔

جانشین کا بھی یہی کام تھا۔ اگر خدانخواستہ وہ عقائد کا بگاڑنے والا اور اسلام کا دشمن ہوتا تو پہلے لوگوں کو اُس کی بشارت دینے کی بجائے اُس سے ڈرانا چاہئے تھا۔ اور مسیح موعود کو اس کی خبر محمود کے نام سے نہیں بلکہ مذموم کے نام سے دینی چاہئے تھی۔ ہم سے خدا تعالیٰ نے کام لیا ہے اور میں مسیح موعود کا وہی بیٹا ہوں، جس کی خبر دی گئی تھی۔''

''جس طرح مسیح موعود کا انکار تمام انبیاء کا انکار ہے، اسی طرح میرا انکار انبیاء بنی اسرائیل کا انکار ہے، جنہوں نے میری خبر دی۔ میرا انکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے، جنہوں نے میری خبر دی۔ میرا انکار شاہ نعمت اللہ ولی کا انکار ہے، جنہوں نے میری خبر دی۔ میرا انکار مسیح موعود کا انکار ہے، جنہوں نے میرا نام محمود رکھا اور مجھے موعود بیٹا ٹھہرا کر میری تعیین کی۔''

نواقض

لیکن اس قدر تصریحات کے بعد مصلح موعود تو ایک طرف، اپنے آپ کو نبیوں تک کی حیثیت دے دینے اور اپنے نہ ماننے والوں، یعنی جماعت حقہ احمدیہ کو یوں کھلے لفظوں میں کافر ٹھہرا دینے کے بعد جب اُن پر سوال ہوتے ہیں اور زیادہ وضاحت کے لیے ایک احمدی کی طرف سے (جسے الفضل نے غیر از جماعت کہہ کر پکارا ہے۔ جس پر پھر کسی وقت ہم لکھیں گے) جب جرح ہوتی ہے، تو میاں صاحب عجیب کشمکش میں پڑتے ہیں۔ جس کا حال ذیل کے سوالات و جوابات سے معلوم ہوگا، جو الفضل کے اسی پرچہ میں اسی تقریر کی ذیل میں شائع ہوئے ہیں۔

سوال: کیا آپ مصلح موعود ہیں؟

جواب: میں نے ابھی کہا ہے کہ میں وہ بیٹا ہوں، جس کی خبر انبیاء بنی اسرائیل نے دی۔ میں وہ بیٹا ہوں جس کے محمود ہونے کی مسیح موعود نے خبر دی اور جس کو موعود بیٹا ٹھہرایا۔ ہاں! میں ابھی نہیں کہہ سکتا کہ آیا میں مصلح موعود ہوں۔ کیونکہ مجھے خدا نے اس کی خبر نہیں دی۔ اگر مجھے خبر دی گئی تو کسی سوال کی ضرورت نہ ہوگی۔ میں خود اعلان کروں گا۔

سوال: غیر مبائعین کو آپ مسلمان سمجھتے ہیں یا کافر؟

جواب: جو حضرت مسیح موعود کو نبی اللہ یقین کرتے ہیں، خواہ نبی اللہ کی کوئی تاویل کریں، وہ مسلمان ہیں، مگر جو حضور کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، وہ کافر ہیں۔

سوال: غیر مبائعین کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مکروہ ہے۔ضرورت کے وقت پڑھ لی جائے، مگر غیر مبائع مستقل امام نہ ہو۔

سوال: کیا غیر مبائعین سے رشتہ ناطہ جائز ہے۔

جواب: چونکہ عقائد بگڑنے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے (ناجائز تو نہیں) مکروہ ہے۔

سوال: غیر مبائع کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: وہ کافر تو نہیں۔اس لیے جائز ہے۔

ملاحظات

تقریر مندرجہ بالا اور اس کے بعد کے سوالات و جوابات کسی توضیح کے محتاج نہیں۔گو ہمیں تعجب ہے کہ جب ایک طرف میاں صاحب اپنے انکار کو کُل انبیاء بنی اسرائیل، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود تک کا انکار قرار دیتے ہیں، تو دوسری طرف ان کا ہمارے متعلق یہ حسن ظن کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود کو تاویلی رنگ میں نبی یقین کرتے ہیں۔ جب ہم میاں صاحب کے (ان کے فاسد اعتقادات کے باعث) کھلے طور پر مخالف ہیں۔اور اس کا انکار و مخالفت سے بقول میاں صاحب ہم کُل انبیاء کرام اور حضرت مسیح موعود کے منکر ہو گئے ہیں، تو پھر آپ کو نبی اللہ یقین کرنا چہ معنی دارد؟ منکر بھی ہیں اور پھر نبی اللہ بھی یقین کرتے ہیں۔ پھر اس قدر انبیاء کے منکر ہو کر بھی مسلمان کے مسلمان ہیں، نماز بھی ہمارے پیچھے جائز، رشتہ ناطہ بھی درست ہے گو مکروہ ہی سہی۔سمجھ نہیں آتا کہ ایک صحیح دماغ انسان ایک ہی وقت میں ایک ہی مجلس کے اندر کیونکر ایسی متضاد باتیں کر سکتا ہے۔

بہر حال ہمیں خوشی ہے کہ میاں صاحب نے آہستہ آہستہ نبیوں کا سارنگ تو اختیار کر لیا۔ اب کوئی دن جاتا ہے کہ وہ نبی بھی اپنے آپ کو کہنے لگیں گے اور ان کے مزعومہ کل انبیاء کے منکرین کا مسلمان ہونا بھی محض اُن کے دعویٰ نبوت کے ساتھ ہی غتر بود ہو جائے گا۔ پھر دنیا میں اسلام کا دائرہ صرف محمودیت کے حلقہ تک ہی محدود ہو گا اور بس۔

خدا کرے ان مندرجہ بالا تحدّیانہ دعاوی کی طرح دعویٰ نبوت کا شرف بھی شملہ کے مقام ٹوٹی کنڈی کو ہی حاصل ہو کہ اس سے کوہِ طور کی مماثلت قائم ہو کر شاید دلیلِ نبوت کے طور پر کام آ سکے۔ کسی آئندہ اشاعت میں ان تحدّیانہ دعاوی اور پیشگوئیوں وغیرہ پر، جو بزعم میاں صاحب انبیاء کرام نے ان کے لیے کی ہیں، مفصل بحث کی جائے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

☆☆☆

حضرت امیر کا پیغام احباب کے نام

ذیل کا پیغام حضرت امیر ایدہ اللہ کی طرف سے برائے اشاعت موصول ہوا ہے:

''میں کل دیبگراں میں تھا۔ ہمارے نہایت ہی مخلص اور بزرگ دوست مولوی محمد یعقوب صاحب بیمار ہیں۔ اُن کی خواہش تھی کہ دوسرے احباب بھی ان کے لیے دعا کریں۔ مجھے اُن سے بہت محبت ہے۔ اس لیے بذریعہ اخبار احباب سے التجا ہے کہ مولوی صاحب موصوف کی صحت کے لیے دعا کریں۔''

خاکسار محمد علی

از ایبٹ آباد

24 ستمبر 1917ء

3 اکتوبر 1917ء

تفسیری مقابلہ سے میاں صاحب کا فرار

گذشتہ اشاعت میں یہ خبر درج ہو چکی ہے کہ شملہ کی فلک نما چوٹیوں پر بیٹھ کر میاں صاحب نے اپنے قربِ الٰہی کو ثابت کرنے کے لیے فیصلہ کے جو ''دو طریق'' تجویز کیے تھے اور ان میں بڑے زور سے یہ چیلنج دیا تھا کہ:

''قرآن کریم لے کر ایک بچہ کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ وہ کوئی سا مقام نکال دے اور غیر مبائعین کا کوئی ایسا قائمقام، جس کا عمل ان پر حجت ہو، میرے مقابل اس مقام کی تفسیر لکھے۔ پھر دنیا دیکھ لے گی کہ خدا کس کو پسند کرتا ہے اور کس کی اپنے کلام کو سمجھانے میں تائید کرتا ہے اور کون اس کا محبوب ہے۔''

19 ستمبر 1917ء کے ''پیغامِ صلح'' میں جب اسے منظور کیا گیا اور حضرت فاضل امروہوی نے میدان میں اترنے کے لیے للکارا تو میاں صاحب کے ہوش و حواس گم ہو گئے اور لگے راہ فرار اختیار کرنے۔ چنانچہ ان کی اس حواس باختگی اور فرار کا حال ذیل کی خط کتابت سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جو اخویم مکرم بابو عبدالحق صاحب شملوی اور میاں صاحب کے مابین ہوئی ہے۔

''پیغامِ صلح'' کے شملہ پہنچنے پر بابو عبدالحق صاحب خود اسے لے کر میاں صاحب کی قیام گاہ پر گئے۔ اور ذیل کی چٹھی میں انہیں اپنی غرضِ آمد سے اطلاع دی۔

☆☆☆

مکرم معظم جناب میاں صاحب۔ السلام علیکم۔ عرض ہے کہ میں جناب کی خدمت میں دو تین باتیں عرض کرنے کی خاطر حاضر ہوا ہوں۔ پہلا امر تو یہ ہے کہ جناب کی خدمت میں فیصلہ کے دو طریق جو جناب نے اپنی جماعت شملہ کو ایڈریس کرتے وقت فرمائے تھے۔ ان ہر دو کے جواب میں پیغامِ صلح 19 ستمبر 1917ء پیش

کروں۔ تا کہ آپ اس کا مناسب جواب جو چاہیں شائع فرما دیں۔ تا کہ بعد میں یہ اعتراض کہیں نہ ہو کہ ہمیں اخبار پیغامِ صلح نہیں ملی۔

دوسرا امر یہ ہے کہ ان حوالہ جات کو جو خاکسار نے اتوار گذشتہ کے موقعہ پر پیش کیے تھے، آپ کو دکھلا دوں۔ اور ساتھ ہی چند اور باتیں، جو مسئلہ نبوت کے متعلق ہیں، آپ کو حضرت صاحب کے حوالہ جات دکھلا کر آپ سے ان کا مطلب پوچھوں۔

خاکسار عبدالحق احمدی، 22 ستمبر 1917ء

اس کا جو کچھ جواب میاں صاحب کی طرف سے موصول ہوا۔ وہ ذیل میں ملاحظہ ہو:

My* Dear M.A Haq,

Yours of today to his Holiness*, The Khalifatul Massiah, I am commanded* to acknowledge the receipt thereof, and to add that حضرت اقدس کے جواب کی نقل لف عریضہ ھٰذا ہے۔

Yours Fraternally,

Abdul Rahim Nayyar

(By Hazrat's Command*)

---

* حضور خلافت مآب کے پرائیویٹ سیکریٹری صاحب کا یہ انگریزی ارشاد نامہ خاص توجہ کے قابل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دولت انگلشیہ کے سرمائی دارالخلافہ کے یہ بالکل موزون حال ہے کہ ایک طرف حضور نائب السلطنت کے احکام اگر انگریزی زبان میں نافذ ہوتے ہیں تو نائب خداوندی کے احکام بھی، جن کا انکار کل انبیاء کا انکار ہے، کیوں کسی کم درجہ زبان میں شائع ہوں۔ بلکہ آنجناب کا رتبہ نائب السلطنت سے بھی کچھ زیادہ ہی ہے شاید اسی وجہ سے حضور خلافت مآب کی شان میں لفظ بھی وہ استعمال ہوئے ہیں جو بڑے بڑے مامورین کو ممکن ہے کہ نصیب نہ ہوئے ہوں۔ جیسے His Holiness۔ اگر پھر بھی دعویٰ معصومیت سے انکار کرنا میاں صاحب ہی کی شانِ خصوصی کے شایان ہے۔ یا شاید یہ بھی

السلام علیکم۔ اگر جواب مولوی محمد علی صاحب کی طرف سے ہے۔تو ان کی طرف سے میرے پاس آنا چاہیئے۔اور اگر کسی اور کی طرف سے ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میرے مخاطب یا میری جماعت کے لوگ تھے کہ وہ میرے مخالفین سے سوال کریں یا خود مولوی صاحب کہ مقابلہ کے لیے ان کو بلایا گیا تھا۔ دوسرے کا جواب نہ نتیجہ خیز ہوسکتا ہیاورنہ کوئی اس کا اہل ہے۔حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے واقف ہوں۔اور میری کتاب ''حقیقۃ النبوت'' میں ان حوالوں کا ذکر آچکا ہے، جن کی نسبت آپ نے مجھ سے دریافت کیا تھا۔اب کچھ دریافت کرنا ہوتو مولوی عمر دین صاحب سے، جو یہاں موجود ہیں، ان سے دریافت کر لیں۔دونوں کی گفتگو میں جو بات ایسی ہو کہ وہ اس کا جواب نہ دے سکیں۔تو وہ مجھ سے پوچھ لیں۔ ورنہ، جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، مجھے فرصت نہیں کہ میں ایک شخص کے لیے اس قدر وقت دے سکوں۔ رات کو کچھ وقت دینے کا میں نے وعدہ کیا تھااوراس وقت میں وقت نکال سکتا ہوں۔

دستخط حضرت خلیفۃ المسیح

جس کمال دیدہ دلیری سے میاں صاحب نے خود اپنے الفاظ کے خلاف اپنی اس چٹھی میں راہ فرار

بقیہ حاشیہ: اس مزعومہ کسرِنفسی کی تقلید ہو جو بخیال میاں صاحب حضرت مسیح موعود نے نبی ہوتے ہوئے انکارِنبوت کے رنگ میں کی۔ لیکن خیر ہمیں اس سے کام نہیں، وہ جو چاہیں بنیں۔His Holiness کے لقب سے ملقب ہوں یا اس ادعائے معصومیت کے متعلق تجاہلِ عارفانہ سے کام لیں، مگر برائے نوازش اس لفظ **Commanded** کی تو تشریح فرما دیں جو ان کے پرائیویٹ سیکریٹری صاحب نے استعمال کیا ہے۔حضور وائسرائے اور کمانڈر انچیف بلکہ شہ ملک معظم کے لیے مختص ہوتا ہے۔ جو حضور خلافت مآب ہی کی شان مختصہ کے لیے ریزور ہو، تو ان کی مرضی ورنہ ایک ایسے موقعہ پر جیسا کہ منقولہ بالا چٹھی سے ظاہر ہے I am Commanded کا استعمال جو کچھ حقیقت اور وقعت رکھتا ہے وہ میاں صاحب یا ان کے پرائیویٹ سیکریٹری کی نوایجاد انگریزی نویسی سے متعلق ہے۔ باقی دنیا کو اس سے فائدہ اٹھانا کہاں نصیب ہوسکتا ہے۔ یہ تو خیر ایک معمولی سی بات ہے۔اس سے پیشتر خلافت مآب ہی کے کارخانہ زبان سازی وقرآن دانی ونکات آفرینی میں سے فنِ لغت وتفسیر ونکتہ سنجی میں جن جن کمالات کا ظہور ہوا ہے اور یہ نت نئی ایجادات ان کی طبع رسا کی جیسی کچھ داد دے رہی ہیں وہ قارئین پیغامِ صلح سے کم از کم پوشیدہ نہیں۔اور ابھی دنیا دیکھے گی کہ اس جولانی طبع کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے!

اختیار کی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ چیلنج میں تو ارشاد ہوتا ہے کہ:

''غیر مبائعین کا کوئی قائم مقام جس کا عمل ان پر حجت ہو۔''

کوئی کسی کی تخصیص نہیں۔ نہ ہی نام لے کر حضرت امیر مولٰینا مولوی محمد علی صاحب ایدہ اللہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ہاں صرف یہ شرط لگائی ہے کہ ہم میں سے وہ شخص مقابلہ کرے، جس کا عمل ہم پر حجت ہو۔ خدا کی شان! ہماری طرف سے وہ شخص، وہ احسن المناظرین میدان میں نکلتا ہے، جس کا عمل تو کیا، اس کا ساختہ پرداختہ خود مسیح موعود اپنے مخالفین کے بالمقابل منظور فرماتے ہیں۔ لیکن میاں صاحب کو یہ منظور نہیں۔ آپ کے نا قابل اپیل دربار سے یہ فتویٰ صادر ہوتا ہے کہ:

''دوسرے کا جواب نہ نتیجہ خیز ہوسکتا ہے اور نہ کوئی اس کا اہل ہے۔''

سبحان اللہ وبحمدہٖ۔ مولوی محمد احسن صاحب جیسا فاضل انسان، جس کے متعلق خود خلافت مآب کی یہ شہادت ہے کہ:

''حضرت فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے خیالات اکثر حضرت سے توارد ہوتے ہیں۔''

آج مسیح موعود کے خیالات سے توارد رکھنے والا شخص اس کا اہل نہیں کہ میاں صاحب کے بالمقابل قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر لکھ سکے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ میاں صاحب نے یہ لفظ کس غرض سے لکھے ہیں۔ لیکن ان کا یہ فقرہ، افسوس ہے کہ مسیح موعود کی شان پر پانی پھیرنے والا ہے۔ جنہوں نے حضرت مولوی صاحب کے متعلق نہ صرف بقول میاں صاحب یہ شہادت دی بلکہ مخالفین کے بالمقابل مناظروں میں ان کا ساختہ پرداختہ منظور کیا۔ انہیں ان دو فرشتوں میں سے ایک قرار دیا، جن کے کندھوں پر مسیح موعود کا نزول ہوا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر خود بھی ان سے فتوے پوچھتے رہے۔ کیا یہ کام حضرت مسیح موعود، نعوذ باللہ، ایک ''نااہل'' سے ہی لیا کرتے تھے تو پھر بتاؤ کہ خود مسیح موعود کی کیا حیثیت رہی؟

ان سب باتوں سے بھی قطع نظر میاں صاحب بتائیں کہ ان کے چیلنج کے گذشتہ بالا الفاظ میں کہاں حضرت امیر ایدہ اللہ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ وہی مقابلہ کے لیے آئیں اور دوسرا کوئی نہ آئے۔ ورنہ اس جھوٹ سے

ان کی حالت کا جیسا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے، وہ ظاہر ہے۔

یہ نوٹ لکھا جا کر کاپیاں پریس میں جانے کو تیار تھیں کہ حضرت امیر ایدہ اللہ کا ایک مبسوط مضمون اسی مبحث پر موصول ہوا۔ جو میاں صاحب کے اس چیلنج وغیرہ کا انشاءاللہ کافی شافی جواب ہوگا۔ قارئین کرام اس کے لیے آئندہ اشاعت کے منتظر رہیں۔

۞۞۞

3 اکتوبر 1917ء

ایک مکالمہ

مابین میاں محمود احمد صاحب و شیخ عبدالحق صاحب شملوی

جب سے میاں صاحب بغرض تبدیلیٔ آب و ہوا شملہ تشریف لے گئے ہیں، ایک طرف تو ان کے مزاج میں وہ حیرت انگیز تغیر واقعہ ہوا ہے، جو انہیں کھلم کھلا بعض ان حیثیات کو اپنے لیے مخصوص کرنے کی جرأت دلا رہا ہے، جو قبل ازیں صرف نبیوں اور مامورین ہی کے لیے خاص سمجھی جاتی تھیں۔ مخصوص تو وہ اپنے لیے بھی پیشتر ہی سے ان باتوں کو کیے ہوئے تھے۔ البتہ انہیں علانیہ پیش کرنے کی جرأت شملہ کی سرد آب و ہوا میں ہی حاصل ہوئی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ اشاعتوں میں ہم خود ان کے اپنے الفاظ سے ثابت کر چکے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف ہی مقام شملہ پر عقائد حقہ کی تردید میں جو جو مشکلات انہیں پیش آئی ہیں اور حامیانِ صداقت نے خود خلافت مآب کے رُو در رُو باطل کے سر کو کچلنے اور بالآخر میاں صاحب کو ساکت کرا دینے میں جو نمایاں کامیابی حاصل کی ہے، وہ میاں صاحب کی ان سب تعلیوں اور تحدیوں کا تار و پود بکھیر کر رکھ دینے والی ہیں۔

شاید یہی وجہ ہو کہ دلائل سے عاجز آ کر جب میاں صاحب نے اور کوئی راہ نہ دیکھی تو پھر مباہلوں پر اتر آئے اور اپنی تفسیر دانی کی شیخی بگھارتے ہوئے مقابلۃً تفسیر لکھنے کا چیلنج دیا۔ گو اس میں بھی جیسا کہ قارئین کرام دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں گے، انہیں سوائے پیٹھ دکھانے کے اور کچھ نہ بن پڑی۔ حیرت ہے کہ الفضل میں یوں تو ایک ایک منٹ کی میاں صاحب کی حرکات و سکنات کو نوٹ کیا جاتا ہے۔ میاں صاحب کے بعض ایسے ایسے نادر رؤیا بھی شائع ہوتے ہیں، جو طبقہ زمین پر آج تک کسی کو نہ ہوئے ہوں گے۔ زمین کے جھگڑوں سے فراغت حاصل کیے بدون آسمان تک بھی میاں صاحب کے لیے ٹیلی فون لگ جاتی ہے۔ جس سے حضور خلافت مآب اپنے لیے ''عشقی'' کا خطاب پا کر ہمیں ''شقی'' کا لقب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ جو ان کی نکتہ سنج طبیعت کو ایک سرور و انبساط میں مبتلا کر دیتا ہے کہ ''عشقی'' کا محض ایک عین اڑ جانے سے ''شقی'' رہ گیا۔ بات گو مہمل ہی سہی، غرض ان سب باتوں کا تذکرہ کر دینا تو الفضل کے رپورٹر کے لیے ضروری ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ کسی حامیٔ صداقت

کو، جو منہ پر میاں صاحب کو سچی سچی باتیں سنا کر ساکت اور لا جواب کرتا ہے، ''غیر از جماعت'' قرار دے کر اپنے مطلب کے موافق اس کی چند ایک باتوں کو لے کر چھاپ دے۔ لیکن آہ! اگر عداوت ہے تو صداقت سے ساری باتوں کو لکھنا، اور ان کھری کھری باتوں کو نوٹ کرنا جو میاں صاحب کو منہ پر سنائی گئیں۔ جن سے انہیں بالآخر ساکت اور لا جواب ہونا پڑا، یہ باطل پرستوں کا کام نہیں۔ حالانکہ اگر وہ اس پر غور کریں۔ اگر وہ ٹھنڈے دل کے ساتھ ان باتوں کو سن کر ایمانداری کے ساتھ اپنے قارئین تک انہیں پہنچائیں، تو گو یہ میاں صاحب کی سنہری اور رَوپہلی اغراض کے منافی ہو، لیکن خود ان کے لیے صراط مستقیم کو پانے اور ثوابِ اُخروی کے حصول میں بہت بڑا ممد ثابت ہو۔ کاش! وہ اور ان کے ساتھ دیگر مریدین میاں صاحب جو خود اپنے کانوں سے ان باتوں کو سن چکے ہیں اور آئے دن سنتے ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ کاش! مردم پرستی اور ناعاقبت اندیشی کا مرض، جو ان میں اس قدر سرایت کر چکا ہے کہ حق بات کو اب دیکھنا اور اس پر غور کرنا بھی انہیں گوارا نہیں، حامیان عقائد حقہ کی ان صحت افزا ادویہ سے ہی رفع ہو جائے اور وہ حق کو پانے کی توفیق حاصل کریں۔ کاش! ایک غیر مامور من اللہ کی بیہودہ اور ناجائز تعلیاں انہیں اس قدر مرعوب نہ کریں کہ وہ ان کے بالمقابل دلائل اور عقائد حقہ سے اور بھی دور چلے جائیں۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ

ذیل کا مکالمہ بھی انہی مجاہدانہ کوششوں کا ایک شمہ ہے جو ہمارے شملوی احباب میں سے ہمارے دوست مولوی عبدالحق صاحب بالخصوص ہر اتوار کے اتوار خود خلافت مآب کے پاس پہنچ کر اور ان سے رُو دَر رُو باتیں کرنے میں سرانجام دیتے ہیں کہ اسی روز ملازمت سرکاری سے آپ کو فرصت حاصل ہوتی ہے۔ گو باقی دنوں کے فارغ اوقات بھی آپ دین حق کی تائید و نصرت اور باطل کا سر کچلنے میں ہی صرف کرتے ہیں اور انہیں ضائع نہیں جانے دیتے۔ مولوی صاحب مکرم کا ہر دینی کام میں ہمیشہ پیش پیش رہنا اور بالخصوص اس موقعہ پر بھی، جبکہ میاں صاحب کے ساتھ ان کے مریدین اور بڑے بڑے افضل الفضلاء اور اکمل الکملاء وغیرھم کا مجمع وہاں لگا رہتا ہے، خود وہاں جانا اور خلیفو ں جیسی جنس (باصطلاح میاں صاحب) کے ایک فرد سے باتیں کرنا اور اسے ساکت کرا دینا۔ حالانکہ یہ وہ جنس ہے، جو اس میں اپنی ہتک سمجھتی ہے کہ انسانوں سے باتیں کیا کرے اور اپنی سنانے کے ساتھ کچھ دوسروں کی بھی سن لیا کرے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو شیخ صاحب موصوف کی ہمت و جوش اور خلوص پر دال

ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے بھی بڑھ کر ہمت ونصرت عطا فرمائے۔

اس مکالمہ کو پڑھنے سے واضح ہوگا کہ میاں صاحب کو اپنے باطل عقائد کے ثابت کرنے میں حضرت مسیح موعود کی کتب پر علانیہ ہاتھ صاف کرنے سے بھی دریغ نہیں۔ بلکہ موقعہ بننے پر خود اپنی تحریرات سے بھی مکر جانا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ جیسا کہ ''القول الفصل'' کے ایک حوالہ سے انکار کر کے انہوں نے ثابت کیا ہے۔ لیکن بالآخر صداقت کے سامنے کچھ بھی کرتے دھرتے نہ بنی۔ کیا ہم اُمید کریں کہ مریدین میاں صاحب اپنے پیر کی ان حرکات مذبوحی کو دیکھ کر صداقت کی راہ ختیار کریں گے۔

مکالمہ کے الفاظ گو وہی نہیں، جو دوران گفتگو استعمال ہوئے ہیں۔ اور نہ کوئی انسان محض زبانی ہی گفتگو کرتے وقت ان الفاظ کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھ سکتا ہے۔ لیکن مطلب میں سرِ مُو تفاوت نہیں۔ اور اسی لیے شیخ صاحب مکرم کا ارشاد ہے کہ چونکہ یہ گفتگو صرف میاں صاحب کے ساتھ ہوئی ہے، اس لیے سوائے میاں صاحب کے اور کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں۔ میاں صاحب سے یہ تو امید کرنا فضول ہے کہ وہ اس کی تصدیق کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔ ہاں! بصورت تکذیب انہیں کافی وشافی جواب انشاء اللہ دیا جا سکتا ہے۔ اصل گفتگو حسب ذیل ہے:

سوال (منجانب شیخ عبدالحق صاحب): حضرت مسیح موعود اپنے دعویٰ مسیحیت کے ساتھ ہی یہ اعلان فرماتے ہیں کہ:

''آنے والے مسیح کے لیے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی۔''

ایک طرف تو مسیح موعود کا یہ فرمانِ واجب الاذعان۔ اور دوسری طرف اب میاں صاحب فرما رہے ہیں کہ جو شخص مسیح موعود کو تسلیم نہ کرے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اب ہم مسیح موعود کی مانیں یا آپ کی۔

جواب میاں صاحب: یہ فرمان مسیح موعود کا اس زمانہ کا ہے جبکہ وہ اپنے آپ کو نبی نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ بعد میں آپ نے ''حقیقۃ الوحی'' میں صاف یہ فرما دیا ہے کہ میں اس عقیدہ پر قائم نہ رہا۔ تو ہم نے مان لیا کہ حضرت مسیح موعود نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے۔ بس مسیح موعود نبی ہیں اور ضرور ہیں۔

سوال: یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔ میں نے پوچھا کچھ ہے اور جواب آپ کچھ صادر فرماتے ہیں۔آپ میرے سوال سے باہر نہ جائیں۔ بالفرض آپ کے اس جواب کو تسلیم کرتے ہوئے میں مؤدبانہ طور پر ''بعد کی بارش کی طرح وحی'' (کہ جن الفاظ کو آپ حقیقۃ الوحی سے تبدیلی عقیدہ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں) پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ وہ ''بعد کی متواتر وحی'' نہ بتلاسکیں، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کا جواب بالکل غلط ہے۔

الجواب: ''بعد کی بارش کی طرح وحی'' میرا فرض نہیں کہ بتلاؤں کہ فلاں ہے۔ میں حضرت مسیح موعود کو راستباز مانتا ہوں، انہوں نے لکھا اور میں نے مان لیا۔ اور اگر کوئی وحی نہیں ہوئی تھی تو جاؤ مسیح موعود سے جا کر پوچھو کہ انہوں نے ایسا کیوں لکھا۔

سوال: پھر یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔آخر ہم بھی تو مسیح موعود کو راستباز ہی مانتے ہیں۔قطع نظر اس کے کہ آپ میرے سوال کے جواب سے پہلو تہی کرتے ہیں۔آپ کے مسلمات ہی کی بنا پر عرض ہے کہ اگر اس قسم کی تعلیم حضرت مسیح موعود بھی دیتے۔جیسی کہ آپ اپنے مریدین کو دے رہے ہیں، تو ہم اپنے شکوک کو ان سے رفع کروا لیتے۔لیکن چونکہ انہوں نے ہمارے نزدیک یہ تعلیم نہیں دی کہ ''بعد کی وحی'' کے وہ معنی ہیں جو میاں صاحب کرتے ہیں تو اس لیے آپ کا جواب صداقت سے بالکل معرّٰی ہے۔علاوہ ازیں اگر آپ دس الہامات سے ایک بھی زیادہ الہام* جس میں حضرت کو نبی کے نام سے پکارا گیا ہو، خواہ آیات قرآنی میں، خواہ اس کے علاوہ، پیش کر دیں تو میں ماننے کو تیار ہوں۔ اور اگر آپ ایسے دس سے زیادہ الہامات نہ پیش کر سکیں اور ہرگز ہرگز قیامت تک پیش نہیں کر سکتے۔تو اس سے آپ پر ''متواتر بارش کی مانند وحی'' کی بھی حقیقت کھل جائے گی۔

جواب: اس قسم کے اعتراضات مجھ پر نہیں، حضرت مسیح موعود پر ہیں۔ بھلا یہ میرے معنی اس عبارت کے غلط ہیں، تو ذرا تم درست معنی تو پیش کرو۔

---

*الہام جس میں نبی کا لفظ آیا ہے۔سارے کل چھ سے زیادہ نہیں۔ میں نے دس کی قید اس لیے لگائی کہ شاید میری تحقیقات سے ممکن ہو سکتا ہے کہ کچھ مخفی بھی رہے ہوں۔ (عبدالحق)

اقول: لیجئے اگر مجھ سے ہی آپ معنی سننا چاہتے ہیں تو سنیں اور اس پر غور فرماویں۔ اگر کسی جگہ غلطی کروں تو بیشک ٹوکیں۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ جب مجھے بارش کی مانند وحی ہوئی اور اس نے مجھے سمجھا دیا۔ تب میں نے دعویٰ کیا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ دیکھو ''اعجاز احمدی'' صفحہ 8۔

اس سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ حضرت مسیح موعود کا دعویٰ مسیحیت خدا کے سمجھائے ہوئے مفہوم کے ماتحت ہے۔ جس سے ہم اس نتیجہ پر صاف پہنچ گئے کہ جب انہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو خدا کے حکم کے ماتحت کیا۔ اب ہم حضرت کی کتابوں سے دیکھ لیتے ہیں کہ ان کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا کب سے ہے۔ پہلی کتابوں میں سے ''ازالہ اوہام'' کو لے لیتے ہیں۔ اس میں صاف طور لکھا ہے کہ عیسیٰؑ نے جو مردے زندہ کیے وہ مر گئے۔ لیکن جو مردے میرے ہاتھ سے زندہ ہوں گے وہ ابدی زندگی پائیں گے۔ پھر الہامی قصیدہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

عیسیٰ کُجا ست، تا بِنَہد پابہ مِنبرَم

اور اسی کتاب میں صاف طور پر فرماتے ہیں کہ میں مجازی نبی ہوں اور خدا کے حکم کے ماتحت اپنے آپ کو مجازی نبی کہتا ہوں۔ تو ایک طرف ''اعجاز احمدی'' کے حوالہ سے، جو کہ 1901ء کے بعد کی کتاب ہے، یہ معلوم کر کے کہ ان کا دعویٰ مسیح موعود اپنے اجتہاد کی بنا پر نہیں۔ اور دوسری طرف ''ازالہ اوہام'' کی عبارات کو مدنظر رکھ کر کہ فی الحقیقت مرزا صاحب نے خدا کے حکم کے ماتحت اپنا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا پیش فرمایا (ساتھ ہی جب ''سراج منیر'' صفحہ 4 کا حوالہ بھی مدنظر رکھ لیں کہ وہ فرماتے ہیں: هُوَ اَفْضَلُ مِنْہ بَعْضِ الْاَنْبِيَآءِ. نیز کتاب البریہ کو بھی جس میں کثرتِ مکالمہ کے باعث مسیح سے افضل ہونے کا دعویٰ موجود ہے اور یہ سب باتیں 1901ء کے پہلی کی تحریروں میں پائی جاتی ہیں)۔

تو پھر ''حقیقۃ الوحیٰ'' کے معنی کرنے میں دِقت کونسی باقی رہ جاتی ہے۔ کیونکہ عبارت اس طرح پر شروع ہوئی ہے۔ ''اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ ''مجھ کو مسیح ابن مریمؑ سے کیا نسبت ہے۔'' (اور خاص کر جبکہ قرینہ اس عبارت کے اوپر بھی موجود ہو کہ حضرت عیسیٰ کو زندہ آسمان پر سمجھا۔ لیکن بعد میں خدا کی وحی سے اس عقیدہ کو تبدیل کیا) اور ''اعجاز احمدی'' میں یہ صاف موجود ہے کہ مرزا صاحب کا عیسیٰ ناصریؑ کو زندہ آسمان پر سمجھنا خدا کی وحی کے ماتحت نہ تھا۔ تو پھر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسیح موعود 1901ء سے اپنا دعویٰ مسیحیت خدا کے حکم کے ماتحت

کرتے ہیں اور یہ کوئی آپ کا اجتہاد نہیں۔ اور ساتھ ہی اپنی نسبت بھی مسیحؑ سے قائم کرتے ہیں اور علی الاعلان اپنی فضیلت کا اظہار کرتے ہیں۔ تو پہلے قرینہ کو مدنظر رکھ کر خاص کر جبکہ اس قرینہ کی تفسیر اسی عبارت حقیقۃ الوحی میں بھی موجود ہو کہ میں 23 برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کر سکتا ہوں۔ صاف نتیجہ نکل آیا کہ مسیح موعود اپنے اس عقیدہ کی تبدیلی یہاں پر کر رہے ہیں، جو 23 برس پہلے کا کوئی تھا۔ یعنی جبکہ وہ اپنے تئیں مسیح موعود نہ سمجھتے تھے۔ اور ساتھ ہی حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر سمجھتے تھے۔ تو مطلب یہ کہ اگر انہوں نے کوئی تبدیلی کی ہے تو اس عقیدہ کی، جو قبل از بعثت مسیح موعود تھا۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کا زندہ آسمان پر سمجھنا اور اس کے نتائج۔ علاوہ ازیں ''حقیقۃ الوحی'' میں حضرت فرماتے ہیں: ''پس خدا دکھلاتا ہے کہ مسیح اسرائیلی سے رسولِ خدا کے ادنیٰ خادم بڑھ کر ہیں۔''

اب اگر لفظ پرست ہی بننا ہے۔ تو چلیئے ادنیٰ خادم تو تب ہوں گے، جب رسولِ خدا کے اعلیٰ خادم بھی ہوں۔ اگر ادنیٰ خادم سے مراد یہاں پر حضرت مرزا صاحب ہیں۔ تو ایک ادنیٰ خادم جب نبی بن سکتا ہے تو حضرت ابوبکرؓ کو تو کاملِ خادم یا اعلیٰ خادم رسولِ خدا کا حضرت نے خود مانا ہے۔ تو پھر فضیلت سے جب انسان نبی بنتا ہے تو ابوبکرؓ کیوں نبی نہیں۔ حالانکہ وہ بھی مسیحؑ سے افضل ہیں۔ پس فضیلت سے جیسے پہلے غیر نبی رہے، بعد میں بھی رہے۔ اور یہ فضیلت متواتر دعویٰ مسیحیت سے لے کر 1901ء سے پہلے اور 1901ء کے بعد ایک ہی جیسی ہے۔

جواب میاں صاحب: تمہاری تاویل ساری کی ساری اس لیے غلط ہے کہ معترض کے جس اعتراض کا حضرت مسیح موعود نے حقیقۃ الوحی کی اس عبارت میں جواب دیا ہے۔ اس میں ''ریویو'' (آف ریلیجنز) کی عبارت کو کہ میں اپنی تمام شان میں مسیحؑ سے افضل ہوں ''تریاق القلوب'' کی عبارت سے کہ ''(مسیح پر) یہ ایک جزئی فضیلت ہے جو ایک غیر نبی کو نبی پر ہو سکتی ہے'' متناقض قرار دیا گیا ہے اور حضرت اس تناقض کو قبول کرتے ہیں۔ تو پھر ہم کیسے مان لیں کہ حضرت نے ''تریاق القلوب'' سے پہلے بھی اپنے آپ کو مسیح سے افضل لکھا ہے۔

میں: لیکن اس کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ''تریاق القلوب'' تو شائع ہوتی ہے 25 اکتوبر 1902ء کو، خواہ وہ لکھی ہو 1899ء کو۔ اور معترض جس حوالہ کا ذکر کرتا ہے وہ اس کو پہلے ملتا ہے۔ تو جب واقعات کے لحاظ سے سائل کا سوال ہی غلط ہے تو حضرت نے بھی عام طور پر تناقض کو تسلیم کر کے اور ''براہین'' اور بعد کے

زمانہ کوملحوظ رکھ کر جواب دیا ہے۔جیسا کہ آپ کی مثال سے واضح ہے۔اس میں حرج کی بات ہی کونسی ہے۔اور پھر معترض تو شاہجہان پور کا ہے، جو کہ غیر احمدی ہے۔آپ کو گھر میں رہتے ہوئے تو پہلے علم نہیں ہو سکا کہ تریاق القلوب 1899ء کی لکھی ہوئی ہے یا1902ء کی۔تو وہ جو قادیان سے پانچ سومیل دور رہتا ہے،اس کو کیسے سمجھ آ گئی کہ تریاق القلوب پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔اورریویواس کے بعد کا پرچہ ہے۔ذرا القول الفصل صفحہ 24 ملاحظہ فرمائیں۔جہاں آپ نے لکھا ہے کہ 1902ء سے پہلے کے کسی حوالہ سے مسیح موعود کی نبوت کے بارے میں حجت پکڑنا درست نہیں۔تو جب ہم اپنے سامنے دیکھتے ہیں کہ آپ کو بھی یہی غلطی لگتی ہے۔جس سے بعد میں متنبہ کرنے پر آپ کو ہوش آتی ہے۔تو پھر اس میں نقص ہی کیا لازم آتا ہے کہ حضرت نے سائل کے سوال کو واقعات کے لحاظ سے غلط سمجھا اور ویسے ہی اس کا جواب دے دیا۔

میاں صاحب: میں نے اپنی کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ 1902ء سے پہلے کسی حوالہ سے مسیح موعود کی نبوت کے بارے میں حجت پکڑنا غلط ہے۔میں نے 1901ء کی ہی قید لگائی ہے۔بالفرض اگر مان بھی لیا جائے تو یہ میری غلطی نہیں ہوسکتی، یہ کاتب کی غلطی ہے۔وہ ایک کی جگہ دولکھ گیا ہوگا۔میں نے 1901ء ہی لکھا ہے۔

میں: یہ بھی بالکل غلط۔وہاں پر تو ایسے صاف الفاظ ہیں کہ کاتب بیچارہ اس گناہ کے ارتکاب میں نہیں پھنس سکتا۔آپ نے لکھا ہے کہ (تریاق القلوب جس کی اشاعت 1899ء میں شروع ہوئی اور 25 اکتوبر 1902ء میں ختم ہوئی) تو یہ کاتب کی غلطی کیسے ہوئی۔اور پھر آگے آپ نے 1902ء لکھا ہے۔یہ محض جھوٹ ہے جو آپ نے سوال کے شکنجے سے نکلنے کے لیے اب تراشا ہے۔اور آپ کی کتاب ''القول الفصل'' اس کی بیّن شاہد ہے۔

میاں صاحب: نہیں ایسا نہیں لکھا۔اور مجھے نہیں یاد پڑتا۔

(کاہے کو یاد پڑنا ہے۔اسی طرح سے آپ کو یہ بھی بھول گیا کہ کبھی آپ نے حضرت مسیح موعود کے متعلق نبی کے لفظ کو خود بھی ناپسند کیا تھا۔پھر اس کو چندروزہ بھی قرار دیا تھا۔پھر اسی طرح سے آپ کو مسیح موعود کی کتب بھی کاہے کو یاد رہنا تھیں۔جن میں آپ نے دعویٰ

نبوت کرنے والے کو کافرو کاذب قرار دیا ہے۔ مگر یاد کا سوال تو تب ہو کہ کتابیں پڑھی بھی ہوں۔ جب پڑھی ہی نہیں تو یاد کیسے ہوں۔ جیسے کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ ایڈیٹر)

میں: اب میں آپ کو دکھلا دوں گا۔ کیونکہ القول الفصل یہاں پر موجود نہیں۔

میاں صاحب: بہت اچھا۔

(میاں صاحب کے لیے اور مخلصی کی راہ ہی کونسی تھی۔ اچھا ہوا چھٹکارا ہو گیا۔ ایڈیٹر)

اسی سوال و جواب کے بعد پھر میں نے سلسلہ کلام کو اس طرح شروع کیا:

(آپ بھی عجیب ہیں کسی پہلو چین نہیں لینے دیتے۔ خدا خدا کر کے پہلے انہوں نے چھٹکارا پایا۔ اب پھر آپ دوسری طرف سے دبوچنے لگے۔ گویا پورے طور پر ساکت ہی کر کے چھوڑیں گے۔ ایڈیٹر)

سوال: 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود نبی کی تعریف جانتے تھے یا نہیں۔

جواب: نہیں جانتے تھے۔

سوال: وہ کیا وجوہات تھیں۔ جن سے مسیح موعود لفظ نبی کی بھی تعریف نہ سمجھ سکے۔

جواب: مسیح موعود یوں تو تعریف جانتے تھے۔ لیکن 1901ء سے پہلے نبی کے لیے کتاب لانا ضروری سمجھتے تھے۔ 1901ء کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ امر ان پر ظاہر کر دیا کہ نبی بغیر کتاب کے بھی آ سکتا ہے۔ پس تھوڑی سی مفہوم میں تبدیلی آئی والاّ فرق تو کچھ بھی نہیں۔ اگر یہ فرق ان کو معلوم ہوتا کہ نبی بغیر کتاب کے بھی آ سکتا ہے۔ تو پھر شروع میں ہی وہ اپنے آپ کو نبی کہتے۔

میں: معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت مسیح موعود کی کتابوں سے ناواقف ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کو اپنا لکھا بھی بھول جاتا ہے۔ ''شہادت القرآن'' والا حوالہ صفحہ 42 پر جو بار بار آپ کی جماعت کی طرف سے ہم پر بطور اعتراض وارد ہوتا ہے کہ نبی بغیر کتاب کے بھی آ سکتا ہے۔ آپ کو کیوں یاد نہ آتا۔ (اس لیے کہ وہ میاں

صاحب کے مطلب کو پورا نہیں ہونے دیتا۔ اور اس وقت اس کو پیش کرنے سے ان کی اپنی اغراض بر نہیں آتیں۔ ایڈیٹر)

جواب: حوالہ تو مجھے یاد ہے (ہاں! جیسے القول الفصل کا یاد تھا۔ ایڈیٹر) لیکن وہاں پر حضرت نے صریح طور پر نہیں لکھا کہ نبی بغیر کتاب کے بھی ہوتا ہے، اجمالاً یہ نکلتا ہے۔ تفصیلاً ان کو 1901ء کے بعد ہی معلوم ہوا ہے (سبحان اللہ! گویا اجمالاً لکھی ہوئی بات اصل مذہب نہیں ہوتی۔ سوال تو تھا کہ 1901ء سے پہلے بھی آپ نے یہی تعریف نبوت کی ہے۔ اب اس کو اجمالاً کہو یا تفصیلاً بہر حال 1901ء سے پہلے کا عقیدہ بعد کے عقیدہ سے مطابق ہو گیا۔ اس سے یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ چونکہ اجمالاً لکھی ہے (حالانکہ یہ بھی غلط ہے) اس لیے آپ کا یہ عقیدہ نہ تھا۔ کیا قرآن کریم نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ صحیح نہیں۔ یا اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھا نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ میاں صاحب کو جواب دینے سے کام ہے، خواہ وہ جواب بن سکے یا نہ۔ ایسا ہی جب ہمارے بالمقابل یہی حوالہ پیش ہوا اس بات کے ثبوت میں کہ نبی بغیر کتاب بھی آ سکتا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے۔ یہ منسوخ بھی نہیں اور ہے بھی مفصل، لیکن جب میاں صاحب کا خیال اس سے ردّ ہونا ہو تو پھر یہ مجمل ہو گیا۔ اور مجمل بھی وہ کہ گویا حضرت مسیح موعود کا اصل مذہب ہی نہیں۔ ایڈیٹر)

سوال: آپ نے دوبارہ ناواقفیت از کتب مسیح موعود ظاہر فرمائی۔ 1901ء کے بعد آپ سوائے ایک ڈائری کے، جو 1908ء میں بدر میں چھپی ہے، اور کوئی تحریر پیش نہیں کر سکتے۔ حالانکہ معرکتہ الآرا حوالہ تو آپ کی جماعت کا صرف ''شہادت القرآن'' والا ہی ہے۔

لقمہ: (یہاں پہنچ کر میاں صاحب چونکہ لاجواب ہو چکے تھے، اس لیے ان کے شملوی مرید میاں عمر دین نے ان کے منہ میں یہ کہہ کر لقمہ دینا چاہا) کہ حضرت کہتا تو عبدالحق ٹھیک ہے۔ لیکن حضور کو جیسا معلوم ہی ہو گا، مسیح موعود نبی کے لیے براہ راست کی بھی شرط قرار دیتے ہیں۔ دیکھیں 7 اگست 1899ء والا خط مسیح موعود کا، جہاں نبی کی تعریف موجود ہے۔

میں نے پھر اس کا جواب دیا کہ اب گویا صرف صاحبِ کتاب ہونے نہ ہونے کا سوال نہ رہا۔ بلکہ آپ کے نزدیک 1901ء سے پہلے حضرت صاحب نبی کے لیے صاحب کتاب ہونے کے ساتھ مستقل ہونا بھی ضروری

سمجھتے تھے۔تو چاہئے 1901ء کے بعد جب آپ کے نزدیک انکشاف حقیقت ہو چکی تھی، آپ اس کے خلاف کوئی اور تعریف کریں اور اپنے آپ کو نبی قرار دیں۔ حالانکہ یہ بھی نہیں۔ بلکہ جب ان کو 1901ء کے بعد انکشاف حقیقت ہو جاتی ہے، تو پھر بھی یہی کہتے ہیں کہ نبوت کا دعویٰ میری طرف منسوب کرنا افتراء ہے۔ دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ 390۔

میاں صاحب: حوالہ دکھلاؤ۔ پھر ہم جواب دیں گے۔

(یہ خلاصی کا سہل طریق ہے۔ کیونکہ جانتے ہیں کہ کتاب اس وقت موجود نہیں اور ہم نے دینی نہیں۔ پس چھٹکارا ہو جائے گا۔لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ معترض بھی کوئی ایسی کچی گولیاں کھیلا ہوا نہیں کہ یوں ان کا پیچھا چھوڑ دے گا۔ایڈیٹر)

اس اعتراض کے ختم ہونے پر پھر میں نے اپنا سلسلہ کلام اس طرح پر جاری کیا۔

سوال: 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود نے محدثیت کی تعریف کی ہے یا نہیں۔

جواب: کی ہے۔

سوال: 1901ء کے بعد۔

جواب: کوئی نہیں۔

سوال: 1901ء کے بعد محدثیت کی کوئی تعریف ہی موجود نہیں، تو کیسے معلوم ہوا کہ انہوں نے محدثیت سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس بات کا موازنہ کرنے کے لیے یہی ایک معیار تھا کہ ہم دونوں زمانوں کی تعریفوں کو جانچ لیتے۔

میاں صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے کہا۔

سوال: اگر میں آپ کو 1901ء کے بعد کوئی حوالہ دکھلا دوں۔جس میں انہوں نے محدثیت کی وہی تعریف کی ہے، جو 1901ء کے پہلے کی۔تو پھر؟

جواب: کہاں پر ہے۔

سوال: اگر دکھلا دوں۔تو بتلائیے کہاں کا بھی میں جواب دے دوں گا۔

جواب: پہلے حوالہ دکھلاؤ۔ پھر ہم جواب دیں گے۔

میں: لیکچر سیالکوٹ مصنفہ 1904ء کا صفحہ 30 دیکھئے۔

جواب: تم دکھلاؤ۔ یہ میرا فرض نہیں ہے۔

اس پر عمر دین سے کتاب مانگی۔انہوں نے دینے سے انکار کیا اور کہا کہ گھر پر ہے۔بس محمودی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے کہ بس بس نماز پڑھنے دو۔ کتاب تم لاؤ۔ جب لاؤ گے تو حضرت تمہیں اس کے معنی بتلا دیں گے۔ گویا ماننا پھر بھی نہیں ،صرف معنی بتا دیں گے۔ جیسے پہلے اپنے مطلب کے مطابق دوسری عبارتوں کے معنی کر رہے ہیں۔لیکن خیر (ہمیں تو اس سے خوشی ہوئی کہ میاں صاحب کو چھٹکارا نصیب ہوا) پیچھے تو شیخ عبدالحق صاحب بری طرح پڑ گئے تھے۔لیکن پیر کی رہائی کے لیے مریدوں نے یہ خوب تدبیر سوچی کہ بس نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ورنہ میاں صاحب نے تو بہت کوشش کی تھی۔لیکن ان کو نماز نہ سوجھی، مریدوں کو یاد آ گئی۔ خیر اچھا ہوا۔ جان بچی لاکھوں پائے۔

یہ ہے مختصر تفصیلی تبادلہ خیالات در بارہ مسئلہ نبوت درمیان خاکسار وخلافت مآب۔اسی سے قارئین اندازہ لگا لیں گے کہ میاں صاحب نے کتنی کتب حضرت مسیح موعود کی پڑھی ہیں۔اللہ تعالیٰ میاں صاحب پر رحم کرے۔ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف حقیقۃ الوحی صفحہ 149، 150 یا 391 ہی دیکھا ہے (دیکھا تو خیر ابھی بڑی بات ہے۔اگر یوں کہیں کہ سنے سنائے پر کھڑے ہیں تو البتہ مانا بھی جا سکتا ہے۔ بھلا خلافت مآب کو اتنی فرصت کہاں کہ خود کتابوں کو پڑھیں۔ یہ تو آپ کی شان کے منافی ہے۔کسی سے کچھ سن لیا ہوگا۔ایڈیٹر)

پیغامِ صلح

افسوس ہے کہ اس برتے پر میاں صاحب مباحثوں اور تفسیروں تک کا چیلنج دیتے اور مباہلوں پر اترتے اور

تعلیوں اورتحدیوں سے حامیانِ صداقت کوجھٹلانا چاہتے ہیں۔ یہاں اس مکالمہ میں تو کتب کے نہ ہونے سے میاں صاحب کا چھٹکارا ہو گیا۔لیکن اگلے اتوار جب بابوعبدالحق صاحب حوالے لے کر گئے تو پھر بھی افسوس ہے کہ انہوں نے بات تک نہ کی اور کسی مرید سے بات کرنے کا کہا۔جیسا کہ دوسری جگہ اپنی چٹھی سے ظاہر ہے۔

3 اکتوبر 1917ء

خواجہ حسن نظامی کا فتویٰ کفر مولوی ظفر علی خاں پر

آج ہی کے مقالہ افتتاحیہ میں مولوی ظفر علی خان کے ان گستاخانہ کلمات کو نقل کر کے، جو اولیاء مجددین عظام بالخصوص حضرت محی الدین ابن عربی کی شان میں انہوں نے لکھے ہیں، ہم نے جملہ مسلمانوں کو بالعموم اور خواجہ حسن نظامی صاحب کو بالخصوص توجہ دلائی ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود کی مخالفت میں اس قدر تو اندھے نہ ہوں کہ یوں علانیہ اپنے بزرگوں کی ہتکِ توہین ہوتے ہوئے دیکھیں اور ٹس سے مس نہ ہوں۔ مضمون لکھا جا چکا تھا بلکہ کاپیاں بھی تیار ہو چکی تھیں کہ 2 اکتوبر 1917ء کا ''ستارۂ صبح'' موصول ہوا۔ جس کے مقابلہ افتتاحیہ میں جمال یا جلال کے عنوان سے مولوی ظفر علی خان نے خواجہ حسن نظامی کی ایک تازہ چٹھی سے، جو انہوں نے ظفر علی خان کے نام براہ راست لکھی ہے، چند ایک فقرات نقل کیے ہیں۔ جن سے ہمارے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے، جو ہم نے اپنے مضمون میں ظاہر کیا تھا کہ مسلمانوں بالخصوص خواجہ حسن نظامی جملہ اولیائے کرام اور طبقہ صوفیاء کے شیخ اکبر محی الدین عربی کی شان میں وہ گستاخانہ کلمات سننا ہرگز ہرگز گوارہ نہیں کر سکتے، جو ظفر علی خاں نے لکھے ہیں۔ افسوس ہے کہ مولوی ظفر علی خاں نے خواجہ حسن نظامی کی چٹھی کو بمقام وکمال شائع نہیں کیا۔ جس سے ان کے اس غم وغصہ کا پورے طور پر اندازہ ہو سکتا۔ جو انہوں نے ان الفاظ پر ظاہر کیا ہے۔ کوئی مرزا صاحب کی مخالفت اس میں تھوڑی ہی کی گئی تھی کہ اخبار کے پورے دو صفحات اس کے لیے وقف کر دیئے جاتے۔ یہ تو ان کے اپنے خلاف ایک فتویٰ تھا۔ جس کا سننا اور شائع کرنا انہیں کسی طرح بھی گوارا نہیں ہو سکتا۔ مگر تاہم جتنے بھی الفاظ نقل کیے ہیں اور ان کا جو کچھ جواب دیا ہے وہ بھی اس جوشِ ناراضگی کے اظہار میں کوئی کسر باقی نہیں رہنے دیتے چنانچہ لکھا ہے کہ:

> ''26 ستمبر کے ''ستارہ صبح'' میں آپ کے مذہب کا حال پڑھ کر مجھے کچھ تعجب نہیں ہوا۔ آپ حضرت اجمیری اور حضرت لاہوری کو بھی، جو آپ کے متشنیات میں سے ہیں، سب کچھ کہہ سکتے ہیں۔ جب کسی چیز کا رعب جاتا رہتا ہے تو یہی ہوا کرتا ہے۔ جو ہو رہا ہے۔''

’’ہوم رول سے مجھے جس بنیاد پر اختلاف ہے وہ یہی ہے جس کا اظہار آج آپ نے کیا ہے۔ اتنا تو اب ہے اور جب اقتدارِ حکومت ہوگا۔ تو قلم نہیں تیغ رائے دیا کرے گی۔‘‘

’’ضرورت اگر ایجاد کی ماں ہے۔ تو شاید مادی تیغ کا جواب بھی ایجاد ہو جائے۔ مگر بظاہر تو طواروں کی تھیوری...... پوری ہوتی معلوم ہوتی ہے کہ کمزور قوت والوں کے ہاتھ سے فنا ہو جائیں۔‘‘

سڑک کو کون روکے، چلنے والے ستون کو کون ٹوکے۔ ڈاکٹر اقبال نے ارشاد فرمالیا تو کسی نے کیا کر لیا۔ آپ ان کی کہی ہوئی باتوں کو دہراتے ہیں تو کون آپ سے شکوہ کر سکتا ہے۔ ضرورت تو ایک مادی قوت کی ہے۔ جو جبراً اپنا وقار تسلیم کرائے۔

ان الفاظ کے جو کچھ معنی ظفر علی خاں نے کیے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں۔

پہلے تو جناب خواجہ حسن نظامی کی عبارت کا ہم مطلب ہی نہ سمجھ سکے۔ لیکن بڑے غور و فکر کے بعد الفاظ و معانی کو جب ربط دیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ جناب خواجہ صاحب کا خیال ہے کہ اگر ہندوستان کو ہوم رول مل گیا، تو ہر وہ شخص جو ابن عربی کے فلسفے کے نکتہ چینوں کے منہ آئے گا، بے دریغ تہہ تیغ کر دیا جائے گا۔

اسی پر ظفر علی خاں نے بہت کچھ نکتہ چینی کی ہے اور خواجہ حسن نظامی کے اس جلالی مسلک کو حضرت محبوب الٰہی کی خواہرزادگی کے پرتو جمال کے خلاف بتایا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ کوئی چیں بہ جبیں ہونے والی بات نہیں۔ نہ ہی خواجہ حسن نظامی کا یہ جلالی مسلک مولوی ظفر علی خان کے اپنے مسلک کے خلاف ہے۔ ابھی آج سے چار پانچ روز قبل 30 ستمبر 1917ء کے ستارہ صبح میں میاں محمود احمد صاحب پر نکتہ چینی کرتے ہوئے آپ بھی کہہ چکے ہیں کہ:

اگر ہم امیر عبدالرحمٰن خلد آشیاں کی جگہ ہوتے تو آپ سے صرف اتنا کہتے کہ ’’ایں جابیا‘‘۔ کیا مطلب کہ مولوی صاحب کا سر قلم کر دیتے۔ تو پس اگر میاں صاحب کی اتنی بات پر وہ آخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (3:62) الخ کا مصداق حضرت مسیح موعود کو قرار دیتے ہیں، مولوی ظفر علی خان صاحب سر قلم کرنے کو تیار ہو جاتے

ہیں تو خواجہ حسن نظامی صاحب نے اولیاء کرام اور حضرت محی الدین ابن عربی کی کی ہے ان گستاخانہ کلمات کے عوض جو اس نے ان پاک بزرگوں کی شان میں لکھے ہیں ۔ اگر وہی سزا تجویز کر دی اور بصورت اقتدار سر قلم کرنا ہی ضروری سمجھا تو کیا بُرا کیا۔ اس پر تو انہیں خوش ہونا چاہئے کہ انہی کا مسلک اور رویہ دوسرے مسلمان بھی اختیار کر رہے ہیں ۔ اس کی طرح بات پر سر کاٹنے کو تیار ہو جاتے ہیں ۔ خود تو دوسروں کے بالمقابل امیر عبدالرحمٰن کی جگہ پر ہونے کی خواہش کرنا اور ایں جا بیا کی آوازوں سے دوسروں کے لائق گردن زدنی ٹھہرانا اور اپنے ان جرائم پر جن سے بڑا جرم شاید اس دنیا میں کبھی بھی ہوا ہو، اپنی تجویز کردہ سزا کو بے محل قرار دینا اپنی حماقت کا خود ہی ثبوت دینا ہے ۔ خواجہ حسن نظامی کی مجوزہ سزا صحیح ہو یا غلط ، جائز ہو یا ناجائز، اس سے ہمیں بحث نہیں ۔ لیکن ظفر علی خاں کو غور کرنا چاہئے کہ ؎

کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ لے، اس ہاتھ دے

۞۞۞

3 اکتوبر 1917ء

قسط اول

ختم نبوت اور اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ پر بحث

خطبہ جمعہ مورخہ 21 ستمبر 1917ء فرمودہ حضرت سید محمد احسن فاضل امروہی

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

وَلَقَدۡ جَآءَ کُمۡ یُوۡسُفُ مِنۡ قَبۡلُ بِالۡبَیِّنٰتِ فَمَا زِلۡتُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّمَّا جَآءَ کُمۡ بِهٖ حَتّٰۤی اِذَا هَلَکَ قُلۡتُمۡ لَنۡ یَّبۡعَثَ اللّٰهُ مِنۡ م بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ مُّرۡتَابُ. نِ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰهُمۡ کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کَذٰلِکَ یَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ قَلۡبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ. (40:34-35)

اور پھر آپؓ نے فرمایا کہ:

ایہا الاحباب! حضرت یوسفؑ کی نسبت جو ان کی وفات کے بعد یہ اعتقاد پیدا کیا گیا کہ وہی خاتم النبیین تھے۔ آپؑ کے بعد اب کوئی رسول یا نبی اللہ تعالیٰ مبعوث نہ فرمائے گا، تو اس کی وجہ کیا تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاءؑ گذشتہ میں ایک رسول عظیم الشان کی پیشگوئی چلی آتی تھی۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں موجود ہے اِنِّیۡ عِنۡدَ اللّٰهِ مَکۡتُوۡبٌ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَاَنۡ اٰدَم لمنجدل فِیۡ طِیۡنَتِهٖ اور آپ کے فضائل مخصوصہ میں سے ہے۔ وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوۡنَ وغیرہ وغیرہ۔ اہل کتاب کے نزدیک اس کی وجہ کچھ ہو۔ خواہ یہ ہو کہ اس کی کتاب ایسی کامل اور محفوظ قیامت تک رہے گی کہ اس کتاب کے ہوتے ہوئے کسی نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت نہ رہے گی۔ یا اور کوئی کمال اللہ تعالیٰ اگر منتظر نبی میں پیدا کر دے گا، جو اس ضرورت کو رفع کر دے۔ مثلاً اس کی روح پُر فتوح میں ایسی قوت جاذبہ موجود ہو کہ قیامت تک کے انسانوں کو اس کی تعلیم روحانی سے فیوض پہنچتے رہیں۔ جیسا کہ حضرت

مسیح موعود فرماتے ہیں ؎

دگر اُستاد را نامے ندانم   کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

اور فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ بہرحال کچھ بھی ہو، وہ رسول عظیم الشان ہوگا۔ جس میں یہ کمالات موجود ہوں۔ جس کے سبب سے اس کی امت میں محدث، ملہم، مجدد ہوتے رہیں گے اور نبی کا لفظ اسی کے لیے مخصوص ہو جائے گا۔ یہ انتظار اہلِ کتاب کو ضرور تھا۔ پس اس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یوسفؑ کی زندگی میں تو اس کی قوم ان کی نبوت اور رسالت میں شک کرتی رہی۔ پھر جب ان کی وفات ہوگئی اور انتظامِ ملک میں بدنظمی واقع ہوئی تب ان کو یوسفؑ کی قدر معلوم ہوئی ع

قدرِ نعمت است بعد زوال

پھر اس کی نبوت میں غلو کر کے کہنے لگی کہ یوسفؑ وہی نبی خاتم النبیین منتظر ہے کہ اس کے بعد اب کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ لہٰذا اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان کے اس عقیدہ حد سے متجاوز کو رد فرماتا ہے۔ بلحاظ افراط کے ان کو مسرف بھی فرماتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ امت محمدیہؐ میں بھی مہدی منتظر کی نسبت بہت سے لوگوں نے دعاوی مہدویت بھی کیے اور بہت سے ان کے مقلّد بھی ہو گئے۔ مگر وہ نہ مہدی موعود آخر زمانہ کے تھے نہ مسیح موعود تھے۔ بہرحال انبیاءؑ اور ان کی امتوں کو اس رسول عظیم الشان کا انتظار ضرور تھا۔

رسول کریمؐ کے منتظر تمام انبیاءؑ اور ان کی امتیں تھیں

اگر انتظار نہ ہوتا تو وہ یوسفؑ کو خاتم النبیین کیونکر اعتقاد کر لیتے۔ غرضیکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بین الانبیاء اور بین الامم معروف اور مشہور چلے آتے تھے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ. اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ (2:146-147) اسی لیے بڑے زور و شور سے خود نبی کریم دعویٰ کرتے ہیں اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْب خاتم النَّبِیّنَ وَانْ اٰدم لمنجدل فِیْ طِیْنَتِہٖ وَسَاُخْبِرُکُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِیْ دعوۃ ابراھیمؑ وبشارۃ عیسٰی وَرؤیا امّی اَلَّتِیْ رَأتْ حِیْنَ وَضَعَتْنِیْ وَقَد خَرَجَ لَھَا نُوْرٌ

اَضَاءَ مِنۡہُ قُصُوۡرُ الشّام۔(مشکوٰۃ صفحہ 505)

غالیوں کا قول کہ مکذبین رسل کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ بہانہ ختم نبوت سے تکذیب رسل کرتے رہے ہیں، غلط ہے۔اولاً غالیوں سے ہم یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ جن تاکیدات کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ خاتم النبیین ہونے کا کتاب اور سنت صحیحہ میں کیا ہے۔ان تاکیدات کے ساتھ باسناد صحیح ان کا دعویٰ خاتم النبیین ہونے کا ثابت کریں۔انہوں نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی نسبت پیشگوئیاں فرمائی ہیں۔دگر ہیچ کسی قوم کے کہنے نبی کا نہ اب اعتبار ہے اور نہ پہلے ان کی قوم کا اعتبار ہے۔بعد اس کے دعویٰ مرزا صاحب کا تحدی کے ساتھ ثابت کریں۔یا کسی پہلے نبی نے کسی گذشتہ نبی کی نسبت یہ دعویٰ کیا ہو۔ورنہ خرط القتاد ان دونوں مطالبوں کا جواب دینا ضروری ہوگا۔یہ ہے تفسیر آیت متلو کی۔جس سے ایک غالی نے آپ کے خاتم النبیین ہونے کا اس آیت کے ذریعہ انکار کیا ہے۔کجا اثبات ختم نبوت جو مضمون آیت سے مفہوم ہوتا ہے اور کجا انکار ختم نبوت۔

اب میں درس 18 باب 5 متی کو بھی لکھتا ہوں۔جس سے ایک علم کے چور نے درس مذکور میں قطع و بُرید کرکے اس کے ذریعہ ختم نبوت کی تکذیب کی ہے۔میں اس کُل درس کو یہاں پر نقل کرتا ہوں۔

> ''یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں، ایک نقطہ یا ایک شعشعہ توراۃ سے ہرگز نہ ٹلے گا، جب تک سب کچھ پورا نہ ہوجائے۔''(متی 5:17-18)

اور عربی نسخہ 1811ء میں اس طرح لکھا ہے لَا تَظُنُّوۡا اِنِّیۡ جِئۡتُ لِاَنۡقَضَ النَّامُوۡسَ اَوِالۡاَنۡبِیَآءَ لَمۡ اَتِ لِاَنۡقَض بَلۡ لِاَکۡمَل امِیۡنِ اَقُوۡلُ لَکُمۡ اَنۡ السَّمَآءَ وَالاَرۡض نَزُوۡلَانِ وَیوطة واحدة او خطة واحدة لا نَزُوۡلُ مِنَ النَّامُوۡسِ حَتّٰی یَکُوۡنَ کُلُہٗ.

ان درسوں سے یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس جگہ انبیاءؑ یا توریت کی ان پیشگوئیوں کی نسبت فرما رہے ہیں جو آئندہ زمانہ میں ہونے والی ہیں۔اردو میں یہ الفاظ ''جب تک سب کچھ پورا نہ ہوجائے'' اور عربی

میں ''حَتّٰی یَکُوْنَ کُلّہٗ '' اس پر صریح دال ہے۔

بہر حال اب باب پنجم متی کو ملاحظہ کرو۔ جس میں حضرت عیسیٰؑ ایک بادشاہتِ آسمانی کی خبر دے رہے ہیں۔ اور عربی نسخہ 1811ء میں بجائے بادشاہت آسمانی کے **ملکوت السمٰوٰت** لکھا ہے۔ اور اپنے محل پر ثابت کیا گیا ہے کہ بادشاہت آسمانی یا **ملکوت السَّمٰوٰت** سے مراد بادشاہتِ اسلامی ہے۔ جس کے شہنشاہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ توریت اور صحفِ انبیاء کا نقص بادشاہتِ اسلامی میں واقع ہو جائے گا۔ اس علم کے چور نے اس فقرہ ذیل کو حذف کر دیا کہ ''جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے'' جو عربی کے لفظوں میں حَتّٰی یَکُوْنَ کُلُّہٗ ہے۔ اس کے حذف کرنے سے بجز اس کے اور کیا مطلب ہو گا کہ اس بادشاہ اسلام کی بادشاہت کہیں ثابت نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس فقرے سے ظاہر ہے کہ بادشاہتِ اسلامی میں توریت اور صحفِ انبیاء متروک ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس بادشاہِ اسلام اور حیات النبیؐ کی بادشاہتِ اسلامی کے وقت میں جبکہ صحفِ انبیاء بھی متروک ہو جائیں گے اور وہ بادشاہِ اسلام انبیاءؑ کا ہی مطاع رہے گا، تو پھر اس بادشاہ اسلام کے بعد کسی دوسرے نبی کے آنے کی کیا ضرورت رہے گی۔ دیکھو ان حدیثوں کو اس بارہ میں ہمارے رسائل اور مضامین مندرجہ پیغامِ صلح میں۔ اور یاد رکھو بالفعل ان حدیثوں کو بھی کہ **لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا وَاَدْرَکَ نَبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیسٰی حَیَّیْنِ لما وَسَعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ** پس اس کے حذف کر دینے سے اس فقرہ کا کیا ہوتا ہے۔

جاں کنی صد کن بکین مصطفیؐ ۔۔۔ رہ نہ بینی جز بدینِ مصطفیؐ

حضرت عمرؓ کی دعا جبکہ نسخہ توریت کے پڑھنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا:

''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غضبِ اللّٰہِ وَغَضَبَ رَسُوْلِہٖ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا. عَلَیْہِ اُحْيِ وَعَلَیْہِ اَمُوْتُ وَعَلَیْہِ اَحْشرُ.''

انشاءاللہ تعالیٰ اب واضح ہو کہ حضرت مرزا صاحب کو الہام میں یوسفؑ بھی کہا گیا ہے۔ اس الہام سے

مرزا صاحب کو کیا مناسبت ہے۔ اس مناسبت کا بیان کرنا بھی مناسب ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت صاحب کو کوئی آدمی جماعت میں کا پیشگوئی مُبَشِّرًا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ (6:61) کا اصلی مصداق اور حقیقی رسول نہیں جانتا تھا۔ اور وہ بھی ایسا رسول جو عظیم الشان رسول ہو۔ اور پھر وہ بھی ایسا رسول جو بلا واسطہ رسول کریم کے ہو۔ کیونکہ یہ پیشگوئی تو حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے ہے اور اس میں کہیں واسطہ رسول کریم کا مذکور نہیں۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پیشگوئی کو فرماتے تو واسطہ بھی مفہوم ہوسکتا تھا۔ یا حضرت عیسیٰؑ ہی بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے اور اس پیشین گوئی کو بیان کرتے تو بھی کسی قدر گنجائش تھی کہ یہ رسول عظیم الشان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہو۔ یہ دونوں امر تو موجود نہیں۔ تو یہ پیشگوئی مرزا صاحب کے لیے بلا واسطہ ہوئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی واسطہ اس میں نہیں۔ جملہ معترضہ (احباب کے غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ کس قدر عظیم الشان حملہ اس نوجوان کا ہے حضرت خاتم النبیین پر) مگر جب آپ کی وفات ہوگئی۔ بلکہ مولٰنا نورالدین صاحب کی وفات بھی واقع ہوگئی۔ تب آپ کو بعض آپ کی قوم نے ایسا رسول اعتقاد کرلیا کہ نہ آپ سے پہلے امت محمدیہؐ میں صحابہ کرامؓ سے لے کر اس وقت تک کوئی رسول ہوا ہے اور نہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی ایسا رسول ہوگا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی تکذیب بڑے بڑے حملوں سے کی جاتی ہے۔ دیکھو الفضل نمبر 21 تا 18

پس اس طرح اس آیت متلو سے مناسبت ہوگئی۔ کیونکہ مضمون آیت کا، جیسا کہ حضرت یوسفؑ پر صادق آتا ہے، حضرت مرزا صاحب پر بھی صادق ہوگیا۔ قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ. مَلِکِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ. مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ. الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ. مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ. (6-1:114)

جاں کنی صد کن بکین مصطفیؐ   رہ نہ بینی جز بدینِ مصطفیؐ

(جاری)

7اکتوبر1917ء

قسط دوم وآخر

ختم نبوت اور اِسْمُہٗ اَحْمَدُ پر بحث

خطبہ جمعہ 21 ستمبر 1917 بسلسلہ اشاعت 3اکتوبر 1917ء

ایسے اعتقاد والے بصیرت کے بھی اندھے ہوئے ہیں اور بصارت کے بھی اندھے ہیں۔ان کو اس قدر بھی نہیں سوجھتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو وہ شان ہے کہ انبیاءؑ گذشتہ میں بھی آپ بنام نبی کے ایسے معروف ومشہور تھے کہ لفظ نبی کا آپ کے لیے بمنزلہ علم کے ہو گیا تھا۔جیسا کہ انجیل یوحنا باب اول میں ہے کہ حضرت یوحنا سے یہود نے دریافت کیا تھا کہ:

''کیا تو وہ نبی ہے؟اس نے جواب دیا کہ نہیں۔''

چونکہ حضرت یوسفؑ میں حضرت خاتم النبیین کی وہ صفات اور فضائل مخصوصہ رسالت مآب نہیں تھیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بڑے زور کے ساتھ رد فرما دیا کہ یوسفؑ کی نسبت ایسا اعتقاد کرنے والے مسرف ہیں، حد سے متجاوز، مرتاب ہیں، مجادلہ کرنے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی ان آیات میں جو بین الانبیاء اور ان کی امم کے مشہور و معروف ہیں، کوئی حجت اور سلطان ان کے پاس نہیں، متکبر ہیں، جبّار ہیں۔وکذا وکذا۔اس لیے اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ. اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ (2:146-147) یہ آیت تاکیداً مکرر لکھی گئی۔اسلام میں لفظ نبی کا جناب رسالت مآب کے لیے بمنزلہ علم کے ایسا مخصوص ہو گیا ہے کہ سوائے آپ کے اور کوئی مراد نہیں ہو سکتا۔کیونکہ ہزارہا تحریرات محدثین اور شارحین حدیث میں ہم لکھا ہوا پاتے ہیں کہ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ......ان الفاظ سے سوائے ذات پاک خاتم النبیین کے اور کوئی مراد نہیں ہو سکتا کہ القول الممجد میں پچیس جگہ قرآن مجید کی آیتوں سے ثابت کر

دیا گیا ہے اور تشہد و درود شریف وغیرہ میں بھی ایسا ہی کچھ ہے۔ جو اَلسَّلَامُ عَلَیۡکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اور اَللّٰھُم اجۡعَلۡ نَبِیّنَا لَنَا فَرۡطًا وَفوضہ لَنَا مُوۡرَدًا اور اَللّٰھُمَّ ابۡلغہٗ مِنَا السَّلَام کَلمَا ذکر السلام السلام عَلَی النبی وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتہٗ ایضاً اقتباس از صیغہ درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اَھۡلِ بَیۡتِ نَبِیّنَا وَاجز اَصۡحَابَ نَبِیّکَ اور بہت سے الفاظ درود شریف کے صحیح احادیث میں وارد ہوئے ہیں، جن میں صرف لفظ نبی سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں لا غیر۔ اور اگر مراد متکلم کی کسی دوسرے نبی سے ہوتی ہے، تو اس کا نام بھی لفظ نبیؑ کے ساتھ شامل کر لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نبی یا حضرت نبیؑ یا فقط اس کا نام ہی لے لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوحؑ یا حضرت ابراہیمؑ وغیرہ وغیرہ۔ اور حضرت رسالت مآبؐ نے جنگ حنین میں بطور رجز کے ارشاد فرمایا تھا کہ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذب۔

خلاصہ یہ کہ جبکہ لفظ نبی کا بمنزلہ علم کے حضرت رسول مقبولؐ کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے۔ تو واسطے رفع التباس کے کسی دوسرے کے واسطے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت مرزا صاحب نے، جس جگہ پر الہام میں لفظ نبی کا آ گیا، اس میں تاویلات ہی فرمائیں۔ اگر آپ نبی حقیقی ہوتے تو پھر ان کو ہرگز جائز نہ تھا کہ اس میں تاویل فرماتے بلکہ تحدی کے ساتھ دعویٰ کرتے۔ جیسا کہ رسول کریمؐ نے دعویٰ کیا کہ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذب. ایک اور آیت سے استدلال آپ کے خاتم النبیین ہونے پر۔ مَافَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمۡ یُحۡشَرُوۡنَ (38:6) اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن شریف ہے۔ جس پر امام فخر الدین رازیؒ نے بڑا زور دیا ہے۔ مگر وہ طویل بہت ہے۔ لہٰذا ترک کیا گیا۔ خطبہ میں اس کی گنجائش نہیں اور مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ بھی صاف قرینہ اسی کا ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ نہیں بلکہ قرآن مجید ہی ہے۔ اور اگر لوح محفوظ مراد ہو تو مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ کو کیا مناسبت ہوگی ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمۡ یُحۡشَرُوۡن سے۔ اندریں صورت جبکہ قرآن مجید میں تمام ضروریات دینی بلکہ دنیوی بھی موجود ہیں، خواہ کسی طرح سے ہوں۔ منصوص ہوں یا بطور عموم، اور کلیات کے ہوں جن سے جزئیات نکل سکتے ہوں یا خود رسول کریمؐ نے احادیث صحیحہ میں بحُکمِ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ (19:75) کے بیان فرما دیئے ہوں۔ جو سب مجتہدین کے اجتہادات سے وہ بیان مقدم ہے۔ وَمَآ اٰتکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَمَا نَھٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَھُوۡا (7:59) ایضاً قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَمَآ یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی اِنۡ ھُوَ

اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی (4-3:53) اور حدیث صحیح موجود ہے کہ اُوۡتِیتُ الۡقُراٰنَ وَمِثۡلهٗ مَعَهٗ وغیرہ وغیرہ۔ اوران سب کے علاوہ محدثین اور مجددین بھی رأس صدی پر مبعوث ہوتے رہتے ہیں جو غافلوں اور سونے والوں کو جگاتے رہتے ہیں اور کتاب اللہ بھی محفوظ ہے۔ اس میں تحریف تبدیل ممکن نہیں۔ تو باوجود ایسی صورتوں کے بجز مجددین کے اب نبی کے مبعوث ہونے کی کیا ضرورت رہی؟ اور بغیر ضرورت کے اللہ تعالیٰ کا فعل لغو ہو جائے گا بِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنَاهُ وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ (105:17)۔ اور پھر اس سب کے علاوہ کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے کسی نبی کے مبعوث ہونے کی سخت ممانعت ہے۔ تو پھر ہم کو کسی نبی کے ماننے کی کونسی ضرورت باقی رہی۔ علامہ ابوالسعود اس آیت کی تفسیر میں مختصراً لکھتے ہیں:

یقال فرط الشیء ای صبغه وترکة قال ساعده بن جوبه ع

معه سقاء لا یفرط حمله ای لا یترکه ولا یفارقه

ویقال فرط فی الشیء ای العمل ماینبغی ان یکون فیه واغفله فقوله تعالیٰ فی الکتاب ای فی القراٰن علی الاول ظرف لغو وقوله تعالیٰ من شیء فرطنا ومن مزیده للاشتغراق ای ماترکنا فی القرآن شیئا من الا شیاء المهمة التی من حملنها بیان اله تعالیٰ مراع المصالح جمیع مخلوقاته علی ماینبغی وعلی الثانی مفعول للفعل و من شی فی موضع المصدر ای ماجعلنا الکتاب مفرطافیه شیًا من التفریط بل ذکرنا فیه کل مالا بدمن ذکره واما کان فالجمله اعتراض مقر لمضمون ماقبلها۔

حضرت مسیح موعود کی نبوت کے اثبات کے لیے غالی لوگ یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں مَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا (15:17) جبکہ دنیا میں یہ عذاب آ رہے ہیں۔ اگر کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا، تو یہ عذاب کیوں آ رہے ہیں۔ آیت مذکور کا تو مقتضٰی یہ ہے کہ بغیر رسول کے آئے ہوئے نہیں آیا کرتا۔ خصوصًا یہ عذاب نمونۂ قیامت کا جو بصورت جنگ عالمگیر کے واقع ہو رہا ہے۔ اس سے بھی نبوت ثابت ہے۔ واضح ہو کہ حضرت مسیح موعود نے اس عذاب نمونۂ قیامت کی نسبت صاف تصریح فرما دی ہے کہ ''یہ عذاب اس وجہ سے نہیں آئے گا کہ کوئی

میری بیعت میں داخل نہیں۔ یہ سب لوگ اس سے محفوظ ہیں۔'' دیکھو براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 10 حاشیہ اندرونی۔

پھر یہ اپنی طرف سے بحکم ''مدعی سست گواہ چست'' کیوں دعویٰ کر رہے ہیں کہ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا (15:17) کے مطابق یہ عذاب آیا ہے۔ یہ دعویٰ حضرت کے مذہب کے بالکل خلاف ہے۔ اگر آپ رسول ہوتے تو ضرور بالضرور یہ دعویٰ کرتے کہ میری بیعت میں داخل نہ ہونے کی وجہ سے یہ عذاب نازل ہوا ہے۔ اور کیا ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول نہیں ہیں، اور کیا حیات النبی بھی نہیں، رسول تو مبعوث ہو چکا۔ اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں کتاب اشراط الساعہ میں ان تمام عذابوں کی پیشگوئی بالا جمال فرمادی ہے۔ دیکھو اشراط الساعہ یا اذاعہ اشاعہ اور کتاب حجج الکرامۃ کو۔ اور خود حضرت مسیح موعود کی دوسری تحریر بھی اس طرف ناظر ہے۔ ہاں! جو شخص، خواہ کسی مذہب کا پابند ہو، جرائم پیشہ ہونا اپنی عادت رکھے اور فسق و فجور میں غرق ہو اور زانی، خونی، چور، ظالم اور ناحق کے طور پر بداندیش، بدزبان اور بدچلن ہو، اس کو اس سے ڈرنا چاہئے۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حدودِ شریعتِ اسلام سے جو حد درجہ کا متجاوز ہو، اس کو ان عذابوں میں مبتلا ہونے کا خوف ہے۔ یہ اس لیے کہ دنیا دارالعمل ہے، دارالجزا نہیں۔

حلم حق گرچہ مواسا ہا کند چونکہ از حد بگذرد رسوا کند

تنبیہ: ہاں! چونکہ حضرت مرزا صاحب محدث ہیں، ملہم ہیں، مجدد ہیں، مسیح موعود ہیں اور ان الہامات میں صادق اور مصدوق ہیں، تو جو شخص ان کی تکفیر اور تکذیب میں حد سے متجاوز ہو جائے گا، اس کو بھی ان عذابوں میں مبتلا ہونے کا ڈر ہے۔ لیکن اس سے منصبِ نبوت کیونکر ثابت ہوسکتا ہے۔ صرف سچا ملہم اور محدث ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔ اور اس پر علاوہ یہ کہ جس مکفر اور مکذب کی نسبت آپ نے پیش گوئی تحدی کے ساتھ کی ہو اور اس پر عذاب آ بھی جائے تو اس سے صرف آپ کا سچا محدث ہونا یا سچا ملہم ہونا ثابت ہوتا ہے نہ حقیقی نبی ہونا یا مُبَشِّرًا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ (6:61) کا اصلی اور حقیقی طور پر مصداق ہونا۔ خصوصاً جبکہ آپ نے بڑی تاکیدات سے اپنا یہ ایمان لکھا ہو کہ اٰمناً بابیقطاعھا من یوم نزل فیہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اور احادیث صحاح بلکہ اصح الصحاح میں یہ وارد ہو گیا ہو کہ

خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْن. خُتِمَ بِیَ الْاَنْبِیَآءُ. وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وغیرہ وغیرہ (مِنَ الْاَحَادِیْثِ الصحاح)۔ ہاں! ہم اس بات کو ضرور مانتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی حضرت کی کہ ع

زار بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی باحال زار

آخر تک سب پوری ہو گئی۔ لیکن اس سے نبوتِ شرعی ثابت نہیں ہو سکتی۔ خود حضرت مرزا صاحب کا مجدد بنام احمد ہونا شاہ نعمت اللہ ولیؒ کے قصیدہ الہامیہ سے ثابت ہوتا ہے۔ اور حضرت نے اس سے اپنے دعویٰ پر بڑے زور سے استدلال فرمایا ہے۔ تو کیا نعمت اللہ ولی نبی ہو گئے، کلا و حاشا۔ خصوصًا جبکہ یہ لحاظ بھی کیا جائے کہ ان کی اکثر پیشگوئیاں پوری ہو گئی ہیں۔ مگر نعمت اللہ ولی نبی نہیں تھے۔ جو تاویلات فاسدہ غالی لوگ کرتے ہیں، ان تاویلات فاسدہ کی رو سے تو اول نعمت اللہ ولی کا نبی ہونا چاہئے تھا۔ بعد کو مرزا صاحب کی نبوت پر نظر کی جائے۔ بات سچی صرف اسی قدر ہے کہ ؎

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب ہاں ملہم استم و ز خداوند مُنْذِرَم

پھر یہ بھی یاد رکھو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نبی ہیں اور ان کا یہ بھی دعویٰ ہے اِنِّیْ اِنَّمَا اَنَا الْقَاسِمُ تمام فیوض کے آپ ہی قاسم ہیں۔ اگر مرزا صاحب خادم اور غلام بن کر آپؐ کی طرف سے پیشگوئی فرما دیں تو وہ اصل میں اور حقیقت میں معجزہ حضرت خاتم النبیّن کا ہی ہے، نہ مستقل طور پر حضرت مرزا صاحب کا۔ آپ کو جو کچھ حاصل ہوا وہ بہ سبب غلامی کے ملا، نہ استقلالاً کَرَامَۃُ الْوَلِیِّ مُعْجَزَۃٌ للنَّبِیِّ مسلمہ عقیدہ علم عقائد کا ہے۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر اعتراض یا شبہات و وساوس بعد بعثت خاتم النبیین کے اور بعد نزول قرآن مجید کے کسی نبی کے نہ آنے پر کیے جاتے ہیں، وہ سب کے سب قرآن مجید پر وارد ہوتے ہیں اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور امت کے ایسے اجماعی مسئلہ پر جو صحابہ کرامؓ سے لے کر حضرت مسیح موعود تک ہے کہاں تک لکھوں۔ اٰمناَّ بِیَقْطَاعِہَا مِنْ یَوْمِ نَزَلَ فِیہِ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَا لِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّنَ اور صدہا وہ تحریرات حضرت مسیح موعود کی، جن میں آپ نے اپنے نبی ہونے سے انکار کیا ہے۔ یا لفظ نبی کی تاویل جزوی نبی، بروزی نبی، لغوی اور تاویلی نبی کے ساتھ کی ہے، وہ سب کی سب نعوذ باللہ مرُدود ہو جاوے گی۔ بلکہ خود حضرت مرُدود ان شبہات سے ہو جائیں گے جو بڑے زور و شور کے ساتھ ہم پر وارد کیے جاتے ہیں۔ بلکہ

ان وسوسہ اندازوں کے نزدیک تو حضرت مسیح موعود بے ایمان قرار پا جائیں گے۔نعوذ باللہ۔اور پھر سلسلہ احمدیہ تو بالکل تباہ اور باطل ہی ہو جائے گا۔ونعوذ باللّٰہ من ھٰذہ الوساوس۔اور جس قدر مفاسد دنیا میں غالی لوگ بتلاتے ہیں، ان سب کو ایک غلام احمد رفع کر سکتا ہے۔پھر بھی ضرورت نبی کی نہ رہی۔اس غلامی مرزا صاحب کی سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر شان بڑھتی ہے۔

جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے　　　برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے

7اکتوبر1917ء

میاں صاحب کے فیصلہ کے دوطریق اور اُن پر ایک منصفانہ نظر

(گزشتہ اشاعت میں اس خط و کتابت کو نقل کیا جا چکا ہے۔ جو میاں صاحب کے چیلنج دربارہ تفسیری مقابلہ کو حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب کے قبول فرمانے پر اخویم شیخ عبدالحق صاحب شملوی اور میاں صاحب کے درمیان ہوئی۔ جس میں میاں صاحب نے یہ عذر لنگ پیش کر کے، کہ اُنہوں نے حضرت مولانا محمد علی صاحب کو مخاطب کیا تھا، اپنے ہی تجویز کردہ فیصلہ سے راہ گریز اختیار کی ہے۔ ہم نے یہ خط و کتابت شملہ سے موصول ہونے پر اُسی وقت حضرت امیر ایدہ اللہ کے ملاحظہ کے لیے ایبٹ آباد بھیج دی تھی۔ جس کے جواب میں آپ نے حسب ذیل چٹھی لکھی ہے۔ جو قارئین کرام کی خاص دلچسپی کی موجب ہوگی۔ایڈیٹر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اخویم منشی دوست محمد صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط معہ اخبار الفضل مورخہ 15 ستمبر پہنچا۔ جس میں میاں محمود صاحب کے ’’فیصلہ کے دو طریق‘‘ کا ذکر ہے۔ اور شیخ عبدالحق صاحب کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب نے جو میاں صاحب کے ایک طریقِ فیصلہ کو قبول کر کے بالمقابل تفسیر لکھنے کے لیے ارادہ ظاہر فرمایا تھا، اُس کو میاں صاحب نے یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ اُنہوں نے مقابلہ کے لیے مجھ کو بلایا تھا۔ میں تو پہلے سے جانتا تھا کہ یہ شغل میاں صاحب نے اپنی جماعت کے بہلانے کے لیے رکھے ہوئے ہیں اور اُن کی غرض اس میں کوئی نہیں ہوتی۔ میں کسی کی نیت اور ارادہ سے واقف ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ مگر ان کا پچھلا سارا طریقِ عمل یہی بتاتا ہے۔

دو سال ہوئے جب وہ لاہور آئے تو مسائل نبوت اور کفر و اسلام پر بحث کی طرح ڈالی۔ مگر چھ ماہ سے

زیادہ عرصہ ان کے کارندوں نے شرائط طے کرنے میں لگا دیا اور شرط ایک بھی طے نہ ہوئی۔ اتنے میں سالانہ جلسہ آ گیا اور اُن کی غرض پوری ہوگئی۔ سال گزشتہ اِسْمُہٗ اَحْمَدُ والی پیشگوئی پر ایک زور کا چیلنج شائع کیا کہ احمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ تھا۔ اس لیے پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پوری نہ ہوئی۔ مگر جب اس چیلنج کو منظور کیا گیا، تو پھر وہی دفع الوقتی شروع ہوئی۔ کبھی یہ عذر کہ جلسہ عام نہ ہو اور اس میں مولوی فاضل کی سند والوں کے سوائے یا اور اس قسم کی چند سند والوں کے سوا کوئی شامل نہ ہو۔ طریقِ فیصلہ سے صریح گریز۔ حالانکہ میں نے سیدھا طریق بتایا تھا کہ اگر وہ اس بات پر راضی نہیں کہ دوسرے علماء میں سے وہ بھی منصف چن لیں، میں بھی چن لوں۔ تو میں اُن کی جماعت میں سے تین منصف چن لیتا ہوں، وہ میرے رفقاء میں سے چُن لیں۔ یہ چھ آدمی جو فیصلہ کثرت رائے سے کریں وہی فیصلہ سمجھا جائے۔ مگر میاں صاحب کو، حالانکہ ایک طرف تو یہ دعویٰ ہے کہ جماعت انہی کی ہے اور کوئی جماعت ہی دنیا میں نہیں۔ مگر اپنی جماعت پر، اپنے مریدوں پر، جو بیچارے سامنے بولنے کی مجال نہیں رکھتے، اتنا بھی بھروسہ نہیں کہ اپنے دلائل پر اُن کو حکم ٹھہرا سکیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ بے اعتباری جماعت پر نہیں، بلکہ اپنے دلائل پر بے اعتباری ہے۔ بھلا جس شخص کے دلائل ایسے کچے اور بودے ہیں کہ وہ اپنے ایک مرید کو بھی قائل نہیں کر سکتا وہ دنیا کو کیا قائل کرے گا؟

بالمقابل یہ کہا گیا کہ ہم اپنے مریدوں میں سے خود آدمی چُن لیں گے۔ تم اپنی جماعت سے چُن لو۔ میں کہتا ہوں اس کا کیا فائدہ۔ وہ اُن غالیوں کو چُن لیں گے جن کی نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ میاں صاحب ابھی اپنے آپ کو مصلح موعود نہیں کہتے، وہ ان کو مصلح موعود قرار دیتے ہیں! تو اُن سے واقعات اور دلائل پر غور کرنے کی اُمید رکھنا فضول اور عبث ہے اور ان کے سامنے دلائل کا پیش کرنا محض تضیع اوقات۔ جب میں ان کی جماعت سے انتخاب کرتا تھا تو ان کو شبہ کس بات کا تھا۔ میں نے تو یہاں تک بھی کہہ دیا تھا کہ جن مریدین کے متعلق وہ یہ اعلان کر دیں کہ یہ لوگ منافق ہیں اور صرف اس لیے میرے ساتھ شامل ہیں کہ مجھے میرے دشمنوں سے ذلیل کرائیں، میں اُن کے نام پیش نہیں کروں گا۔ لیکن اگر احقاقِ حق منظور ہوتا تو اس سیدھے طریق فیصلہ سے گریز نہ کرتے۔ وہاں تو غرض ہی کچھ اور تھی۔ اس لیے جلسہ سالانہ تک جماعت کو بہلائے رکھا۔

اصل بات یہ ہے کہ میاں صاحب اپنے آپ کو کسی اصول کا پابند کرنا ضروری نہیں سمجھتے اور میں مذہبی

شطرنج بازی کو پسند نہیں کرتا۔ وہ پہلے جوش میں آ کر کچھ کا کچھ اعلان کر دیتے ہیں۔ پھر جب وقت آتا ہے تو بات کو ٹالنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اسی احمد والی بحث میں ان کے ان تحدیانہ الفاظ پر کوئی غور کرے ’’تمام دنیا کے عالموں اور فاضلوں کے سامنے بیان کرنے کو تیار ہوں۔‘‘ اور پھر اس جواب کو دیکھئے کہ جلسہ عام نہ ہو، فیصلہ کرنے والے علمائے اہل اسلام نہ ہوں، ان کے اپنے مریدین میں سے بھی وہ لوگ نہ ہوں جن کو میں منتخب کروں۔ مثل مشہور ہے ’’یا بآں شورا شوری یا بایں بے نمکی‘‘ یہی حالت اُن کے موجودہ چیلنج کی ہے! ان کا دعویٰ ہے کہ:

’’غیر مبائعین کا کوئی ایسا قائمقام جس کا عمل اُن پر حجت ہو میرے مقابل اس مقابل کی تفسیر لکھے۔ پھر دنیا دیکھ لے گی کہ خدا کس کو پسند کرتا ہے۔‘‘

اب سوال یہ ہے کہ یہ دنیا، جو دیکھ لے گی اور جس دنیا پر قرآن کریم کے ایک رکوع کی تفسیر سے میاں صاحب کی ولایت آفتابِ نصف النہار کی طرح روشن ہو جائے گی، کون سی دنیا ہے۔ جب ذرا پڑتال کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ دنیا صرف اُن کے غالی مریدین کی دنیا ہے۔ جو ایک معمولی لفظ تو الگ رہا، ایک غلط ترین تاویل کو میاں صاحب کے منہ سے سُن کر سُبْحَانَ اللّٰه کے نعرے بلند کر دیتی ہے۔ انہی کے ایک مرید نے کہا تھا کہ جب میاں صاحب نے حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی یہ تاویل بیان کی کہ بَعْدِیْ سے مراد آپ کے زمانہ نبوت کے بعد کا زمانہ ہے اور آپ کا زمانہ نبوت قیامت تک ہے۔ تو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میرے زمانہ کے یعنی قیامت کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اپنے زمانۂ نبوت کے اندر دوسرے نبی کے ہونے سے انکار نہیں کیا۔ تو ساری مجلس سُبْحَانَ اللّٰهِ کے نعروں سے گونج اُٹھی۔ حالانکہ اتنا ایک نے بھی غور نہ کیا کہ حدیث تو یوں ہے یَاعَلِیّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ اے علیؓ! تیری نسبت مجھ سے وہی ہے جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ تو اب زمانہ نبوت کے اندر دوسرے نبی کا انکار لازم نہیں آتا تھا، تو حضرت علیؓ کو یہ کیا کہا۔ کیا حضرت علیؓ قیامت کے بعد نبوت کے خواہاں تھے؟ کلامِ نبوی کو اپنے کلام کی طرح لچر نہ بنانا چاہئے۔ یا دوسری حدیث یوں ہے سَیَکُوْنُ مِنْ اُمَّتِیْ ثُلَاثُوْنَ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیَ اللّٰهِ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ. اب یہ تیس دجال کذاب قیامت کے بعد آنے والے

نہیں۔ بلکہ آپ کے زمانہ نبوت کے اندر ہی آنے والے ہیں۔

اور اگر ''دنیا دیکھ لے گی'' سے مراد میاں صاحب کی مراد واقعی وہی ہے، جو ایک پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ میاں صاحب کی تفسیر کے ساتھ ہی ساری دنیا یا ایک جمّ غفیر اُن کی ولایت کا قائل ہو جائے گا اور اس بات کو مان لے گا کہ واقعی میاں صاحب خدا کے مقربین میں سے ہیں اور وہ سب میاں صاحب پر ایمان لے آئیں گے۔تو خدارا اس تفسیر کو بہت جلد دنیا کے سامنے پیش کریں۔ یہ لغو انتظار کیوں ہے کہ جب تک محمد علی بالمقابل نہ بیٹھا ہو اُس وقت تک یہ تفسیر ظاہر نہیں ہو سکتی اور دنیا اس خزانہ سے محض ایک محمد علی کی وجہ سے محروم رکھی گئی ہے۔صرف دنیا ہی محروم نہیں بلکہ ہمارے میاں خود بھی محروم ہیں۔ کیونکہ جب ساری دنیا ان کے ساتھ ہو جائے گی تو محمد علی اور اُس کے چند رفیقوں کی کیا ہستی ہے! اسی لیے میں کہتا ہوں کہ میاں صاحب محض ایک کھیل کے رنگ میں باتیں کرتے ہیں۔ وہ قرآن کے مقام کی ایک ایسی عجیب وغریب تفسیر کر سکتے ہیں جس کو دیکھتے ہی دنیا اس بات کی قائل ہو جائے گی کہ وہ خدا کے محبوب ہیں۔مگر وہ اسے کرتے کیوں نہیں؟ کیا وہ مثل تو نہیں کہ ہماری بکری شیر کو مار سکتی ہے۔اور پھر اگر کوئی کہے کہ مارتی کیوں نہیں تو اس کا نہایت معقول جواب یہ ہے کہ چاہتی نہیں۔سو میاں صاحب ایسی تفسیر لکھ تو سکتے ہیں مگر چاہتے نہیں۔اور شاید یہاں ہمارا تجربہ بھی کوئی کام نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ایک آیت یا رکوع چھوڑ ایک پارہ کی تفسیر میاں صاحب نے لکھی اور اپنی جماعت کے سارے علماء کی مدد سے لکھی۔مگر دنیا نے اب تک نہ دیکھا کہ خدا کس کو پسند کرتا ہے۔محبوبیتِ الٰہی کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے۔اگر کوئی کہے کہ وہ آثار صرف مریدین پر ظاہر ہو سکتے ہیں۔تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ بہت سے مریدین اب تک اُن کے ہم عقیدہ نہیں ہوئے۔جس خطرہ کی وجہ سے وہ اپنے مریدین میں سے اپنے دلائل کا حکم کسی کو نہیں بنا سکتے۔اور اگر سارے مریدین پر بھی یہ آثار ظاہر ہو جائیں تو میاں صاحب کو اس سے بڑھ کر کوئی مقام حاصل نہ ہو گا، جو ہر ایک گدی نشین کو حاصل ہے۔ کیونکہ ایک پیر کے مرید اپنے پیر کے ایک ایک لفظ کو معرفتِ الٰہی میں ڈوبا ہوا ہی تصور کیا کرتے ہیں!

پھر میں کہتا ہوں کہ میاں صاحب کسی اُصول کے پابند نہیں۔ جب کوئی زد اُن پر پڑتی ہے تو پھر وہ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور ایسے چپ ہوتے ہیں کہ اس دنیا سے گویا اُن کا کوئی تعلق ہی نہیں۔اُن کی اعلیٰ شان

کے سامنے پھر ہر شخص کی بات، کتنی ہی معقول کیوں نہ ہو، نا قابل التفات ہوتی ہے۔ مسئلہ نبوت پر ''حقیقۃ النبوت'' حصہ اول لکھتے وقت دعویٰ کیا کہ اس کا دوسرا حصہ بھی لکھیں گے۔ لیکن ''النبوت فی الاسلام'' کی ایک اصولی زد سے بھی اپنے آپ کو بچانے کی کوشش آج تک نہیں کی۔ ہاں صرف یہ کوشش کی کہ اس کتاب کو کوئی مرید پڑھے ہی نہیں۔ حالانکہ جب وعدہ بھی ہو چکا تھا اور بالمقابل اس کے ان کی بحثِ نبوت کی دھجیاں بھی اُڑ چکی تھیں، تو چاہئے تھا کہ اس وعدے کو پورا کرتے۔ مگر نہیں۔ اس کی بجائے اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ کے دلائل کا جواب دینے کے بجائے اب یہ نیا طریق فیصلہ کا سوجھا ہے کہ بالمقابل تفسیر لکھو۔ سو چنا کیا تھا۔ حضرت مسیح موعود کی نقل کرتے ہیں۔ مگر وہ نقل اصل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ حقیقت اس کے نیچے کوئی نہیں۔ اول تو انہوں نے اتنا نہیں سوچا کہ جو ایک مامور کے امتیازات خصوصی تھے، ان سب کو ایک ایک کر کے وہ ابھی تین سال کے عرصہ میں غیر مامور ہونے کی حالت میں اپنی طرف منسوب کر چکے ہیں۔ کیا یہ خود حضرت پر تو حملہ نہیں؟ اگر ایک غیر ماموراسی طرح تحدیاں کر سکتا ہے جس طرح ایک مامور تو وہ تحدیاں اُس کی ماموریت کا ثبوت نہیں ہوں گی۔ میاں صاحب اپنے الہام کی بنا پر تحدی کر چکے۔ اب تفسیر نویسی پر تحدی کر رہے ہیں۔ اور بایں وہ غیر مامور ہیں اور اپنے منہ سے اپنے آپ کو غیر مامور کہتے ہیں۔ تو جو کام ایک غیر مامور بھی کر سکتا ہے، اس کے کر لینے کی وجہ سے مرزا صاحب مامور کیونکر ہو گئے؟ ہاں حضرت مسیح موعود نے ان باتوں کو، جو خدا نے آپ کو سکھائی تھیں، کسی مقابلہ کے لیے چھپا کر نہیں رکھا۔ بلکہ آپ کی کتابیں ان قیمتی ذخائر سے بھری پڑی ہیں۔ ہاں جب کسی مخالف نے دلائل کی پرواہ نہ کی اور آپ کو قرآن کے علم سے بے بہرہ اور جاہل کہا اور اپنے مریدین کو اپنی پیری کی وجہ سے بہکایا اور حضرت مسیح موعود کی کتابیں پڑھنے سے روکا، تو آپ نے اتمام حجت کے لیے یہ ایک بات بھی پیش کی۔ اور پھر خود اس مقام کی تفسیر لکھ کر دکھا بھی دی۔ مگر شاید ایسی نقل کے لیے، جس کے نیچے حقیقت کوئی نہ ہو، غور بکار نہیں ہوتا۔ اسی لیے لوگوں نے یہ ضرب المثل بھی بنالی ہے ''نقل را چہ عقل''۔

میاں صاحب نے پہلے صاف لفظوں میں اس جماعت میں سے کسی سرکردہ کو اپنے مقابلہ کے لیے بُلایا۔ چنانچہ اُن کے اپنے اخبار کے یہ لفظ ہیں:

''جماعت شملہ کو ارشاد فرمایا کہ وہی غیر مبائعین شملہ کو اس فیصلہ پر اپنے سرگروہوں کو راضی

کرنے کی تحریک کریں‘‘۔

لیکن جب مولانا سید محمد احسن صاحب نے، جن کا علم و فضل میاں صاحب کے نزدیک اب کچھ نہ ہو تو نہ ہو، حضرت مسیح موعود کو مسلم تھا، تفسیر نویسی کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا تو میاں صاحب نے یہ غلط عذر بنا کر پیش کر دیا کہ وہ صرف مجھ کو اپنے مقابلہ پر چاہتے ہیں اور کسی کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے۔ پھر وہ سرگروہوں کی تشریح بھی کر دیں کہ آیا سرگروہوں سے مراد بھی ایک ہی ہے۔ جیسے بعض افراد سے مراد ایک ہی فرد ہے۔ سارے جمع کے صیغے واحد ہو گئے اور سارے ماضی مستقبل ہو گئے۔ اب کوئی کیا کرے، کیا نہ کرے۔ ان صریح الفاظ کے سامنے یہ کیسا بھدّا ہے جواب میاں صاحب نے پیش کیا ہے۔ کاش! وہ ان باتوں پر پہلے غور کر لیا کریں تو یہ خواہ مخواہ کی شرمندگی ان کو بعد میں نہ اُٹھانا پڑا کرے۔ باقی رہا یہ کہ میں ہی ان کے مقابلہ پر تفسیر لکھوں۔ مجھ سے جو کچھ خدمت قرآن شریف کی ہوسکتی ہے کر رہا ہوں۔ اور آج آٹھ سال اسی خدمت میں لگے ہوئے مجھے ہو گئے۔ جو کچھ میں نے کیا وہ عنقریب اُن کے بھی سامنے آ جائے گا۔ مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ ہاں میاں صاحب کے قلب کی جو حالت میرے متعلق ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہی ترجمہ اور نوٹ جن سے حضرت مولانا نورالدین جیسے عاشقِ قرآن کو زندگی کے آخری ایام میں راحت پہنچتی تھی اور جو اُن کی بیماری میں اُن کے لیے قوت کا موجب ہوتے تھے۔ انہی پر میاں صاحب کا یہ فتویٰ تھا کہ یہ جو کچھ میں نے کیا ہے وہ صرف ردّی کا ایک انبار ہے جو جلانے کے قابل ہے (یہ میاں صاحب نے کسی خطبہ جمعہ میں بیان کیا تھا) مجھے اس کا افسوس نہیں۔ کیونکہ جو قدر کرنے کا اہل تھا اس نے اس کی قدر کی اور یہاں تک قدر کی کہ یہ حکم دے دیا کہ ہماری جماعت میں اردو ترجمہ بھی جب نکلے میرا ہی نکلے۔ اگر اس کا یقین نہیں تو میاں صاحب اپنے نانا جان سے پوچھ لیں۔ بہرحال جو کچھ مجھ سے ہوسکتا ہے کر رہا ہوں۔ میاں صاحب اگر اس خدمت کے بہتر اہل ہیں اور اُن کو خاص کمال اس بارے میں دیا گیا ہے تو وہ اپنے اس کمال کو دنیا پر ظاہر کریں اور اپنے آپ کو اپنے ہی مرید علماء کا محتاج نہ بنائیں۔

باقی رہا مباہلہ۔ سو یہاں بھی وہی بے اصولا پن میاں صاحب کا نظر آتا ہے۔ سال گذشتہ میں اُنہوں نے بڑی موٹی قلم سے لکھوا کر ایک اعلان شائع کیا تھا کہ میں اُن سے مباہلہ کروں۔ کیونکہ ان کے استدلال کی رو سے وہ میرے نزدیک کافر اور میں اُن کے نزدیک کافر ہوں۔ اس چیلنج کے بعد اب نیا چیلنج کسی سخت اضطراب کا

پتہ دیتا ہے۔ اب وہ فرماتے ہیں:

> ''وہ ایک طرح ہم کو کافر قرار دیتے ہیں اور ہم سے اصولی فرق کا اظہار کرتے ہیں۔ اس لیے وہ ہمیں مباہلہ کا چیلنج دے سکتے ہیں''۔

چیلنج دیتے دیتے میاں صاحب خود اب چیلنج کے محتاج بنے ہیں۔ وہ اپنی پہلی تحدیوں پر غور کریں اور ان الفاظ کو بھی پھر پڑھیں۔ قوت کے بعد کمزوری کا پیدا ہونا اچھی علامت نہیں ہے!

اسی بارہ میں ان کا دوسرا بے اصولا پن یہ ہے کہ وہ بار بار یہ کہتے ہیں کہ ہمارے یعنی راقم کے نزدیک ضرور ہے کہ وہ یعنی میاں محمود کافر ہوں۔ کیوں؟ اس لیے کہ جن کو ہم یعنی راقم اور اس کے ہم خیال مسلمان قرار دیتے ہیں۔ وہ یعنی میاں محمود ان کو کافر کہتے ہیں۔ اس لیے چونکہ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے، ضرور ہے کہ میاں صاحب کافر ہوں۔ ہم نے آج تک اُن کو کافر نہیں کہا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جس دلیل کی رو سے وہ ہمارے نزدیک کافر ہیں، اسی دلیل کی رو سے اپنے اُن مریدین کے نزدیک بھی کافر ہوئے، جو سب مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے۔ پھر یہ کیا اصول ہے کہ آپ تو وہ کہ کافروں کے پیر بننے کو تیار ہیں، یا ان کے مرید تو ایک کافر کو پیر بنا سکتے ہیں، لیکن مباہلہ کے لیے بار بار ہم کو بلایا جاتا ہے۔ کیوں پہلے وہ اپنے مریدین سے مباہلہ نہیں کرتے، جو اب تک اُن کے ہم عقیدہ نہیں ہوئے ''اول خویش بعد درویش''۔ پہلے اپنے مریدوں کو تو راہ راست پر لائیں پھر دوسروں کا فکر کریں۔ مگر یہاں تو ''او خویشتن گم است کرا زرہبری کند'' والا معاملہ ہے۔ جن کو ہم مسلمان کہتے ہیں انہی کو اُن کے بہتیرے مرید بھی مسلمان کہتے ہیں۔ حالانکہ میاں صاحب ان سب کو کافر جانتے ہیں۔

پھر جس دلیل کی رو سے میاں صاحب ہمارے نزدیک کافر بنیں گے، جو اُنہوں نے خود استعمال کی ہے، اسی دلیل کی رو سے اپنے مریدوں کے نزدیک بھی کافر ہوئے۔ پس مباہلہ ایک سرے سے شروع ہونا چاہیے۔ پہلے میاں صاحب اپنے مریدین سے مباہلہ کریں، پھر اُن احمدیوں سے مباہلہ کریں جو اُن کو پیر نہیں مانتے، پھر دوسرے مسلمانوں سے مباہلہ کریں۔ یا اس سرے سے منظور نہیں تو دوسرے سرے سے شروع کریں۔ یعنی پہلے دوسرے مسلمانوں سے، پھر ہم سے، پھر اپنے مریدین سے۔ مگر طبعی ترتیب وہی ہے جو سب سے پہلے ذکر ہوئی۔ ان کا فرض ہے کہ وہ ایک عام اعلان شائع کریں کہ جو لوگ تمام غیر احمدی مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند سمجھتے ہیں، اِسْمُهٗۤ اَحْمَدُ کی پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہیں، وہ (مرید) اُن کے (میاں محمود احمد صاحب کے) نزدیک کافر ہیں۔ اور میاں محمود احمد صاحب ان کے نزدیک کافر ہیں۔ اور وہ اپنا ایک قائمقام مقرر کرکے ''جس کا عمل اُن پر حجت ہو'' (کیونکہ ایسے قائمقام کو وہ ماننے کے عادی ہو چکے ہیں) ان (میاں محمود صاحب) کے ساتھ مباہلہ کریں۔ ورنہ اپنے عقیدہ سے توبہ کریں۔

ہم حیران ہیں کہ میاں صاحب کیوں بقول خود کافروں کے پیر بنتے ہیں۔ بلکہ ''انوارِ خلافت'' میں صفحہ 65 پر انہوں نے لکھا ہے کہ:

''اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں اُسے کہوں گا تو جھوٹا ہے کذاب ہے۔ آپؐ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آسکتے ہیں۔''

پس جو اُن کے مرید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبیوں کا آنا نہیں مانتے اور حضرت صاحب کی نبوت کی تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد نبوت جزوی اور نبوت ناقصہ ہے جس کو محدثیت بھی کہتے ہیں۔ ایسے لوگ میاں صاحب کے نزدیک ''جھوٹے اور کذاب'' ہوئے۔ اب جھوٹوں اور کذابوں کا پیر کہلانا کیا فخر کا مقام ہے؟ کاش! وہ اور اُن کی جماعت کے لوگ غور کریں۔

اور اگر میاں صاحب مباہلہ کے چیلنج کو قبول کرنے کے ایسے ہی شائق ہیں، تو ظہیر الدین کا مباہلہ کا چیلنج کیوں قبول نہیں کرتے۔ وہ نہ صرف مدت سے مباہلہ کے لیے للکار رہا ہے بلکہ وہ مصلح موعود ہونے کا مدعی ہے اور کہتا ہے کہ خدا نے مجھے کہا ہے کہ تو وہ موعود مصلح ہے۔ اور میاں صاحب تو ابھی اس مقام کے لیے قدم جما رہے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ پیشگوئیوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ مصلح موعود میں ہی ہوں، مگر خدا مجھے نہیں کہتا (نہ معلوم یہ بخل نعوذ باللہ من ذالک خدا کو کیوں ہوا کہ ایک شخص مصلح موعود پیشگوئیوں سے صاف نظر آتا ہے وہ اُسے نہیں کہتا)۔ بہرحال جس صورت میں میاں صاحب کے نزدیک ظہیر الدین افترا کے طور پر مصلح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور میاں صاحب کو مباہلہ کی دعوت دیتا ہے تو میاں صاحب کیوں مباہلہ نہیں کرتے۔ یہ تمام باتیں

ایک غور کرنے والے کے لیے کافی ہیں کہ میاں صاحب مذہب کو ایک کھیل بنا رہے ہیں۔ والسلام۔

خاکسار

محمد علی

۞۞۞

14 اکتوبر 1917ء

قسط سوم و آخر

شہداء کی زندگی کے متعلق ایک محققانہ بحث

(بسلسلہ مورخہ 16 ستمبر 1917ء)

شہداء اور دیگر مؤمنین

اس جگہ یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر شہیدوں کی زندگی مابعدالموت بھی عام مؤمنوں کی زندگی کی طرح ہے، تو خدا تعالیٰ نے خاص شہیدوں کے متعلق کیوں فرمایا کہ ان کو مردہ مت کہو۔ اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہاں کافروں کے اعتراض کے متعلق شہداء کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ ورنہ شہیدوں کی مابعد الموت زندگی اور مومنوں کی مابعدالموت زندگی میں کوئی فرق قرآن میں بیان نہیں ہے۔ اس لیے یہاں شہیدوں کا حال ورتبہ بتایا گیا۔ چونکہ مومنوں کی عام موت کے بارہ میں یہاں ان کا کوئی اعتراض ذکر نہیں ہوا، اس لیے مومنوں کا خدا کے حضور زندہ ہونے کا جواب نہیں دیا گیا۔ اس کی مثال اس طرح سمجھ لو کہ زید و بکر صادق آدمی ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ زید کاذب ہے تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ زید کاذب نہیں بلکہ صادق ہے۔ اگرچہ بکر زید کے پاس حاضر ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اس بات کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ بے جا ہوگا کہ اس وقت کہا جائے بکر بھی صادق ہے کیونکہ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔

ایسا ہی جب کافروں کا سوال واعتراض بھی خاص شہداء ہی کے متعلق تھا، اس لیے ان کو جواب بھی ان کے سوال کے مطابق دیا گیا ہے کہ شہید مردے نہیں بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کے ساتھ اس بات کی ہرگز حاجت نہیں تھی کہ کہا جاتا کہ اور تمام مومن بھی اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں۔ اور کہ تمام اہلِ ایمان مرنے کے بعد خدا کی طرف سے رزق دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ جس قدر مراتب شہداء کے قرآن کریم میں مذکور ہوئے ہیں، ان کے قریب قریب حالات ودرجات باقی مومنوں کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ سنیئے۔

اول: يُرْزَقُوْنَ. فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ (3:169-170) کی طرح مومنوں کے حق میں فرمایا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ. (40:40)

دوم: وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ الخ (3:170) یہی بشارت مومنین کے لیے بھی ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَابِهِمْ. (52:20)

خلاصہ یہ کہ جس طرح دوسرے مومن مر جاتے ہیں اسی طرح شہید بھی مر جاتے ہیں۔ اور جس طرح مابعد الموت مومنوں کا زندہ ہونا ہے، اسی طرح شہیدوں کا زندہ ہونا ہے۔ کوئی فرق مومن اور شہید کی روح کے فنا ہونے اور زندہ ہونے میں نہیں۔ یہ نادان لوگوں کا خیال ہے جو وہ مانتے ہیں کہ شہیدوں کی روح زندہ رہتی ہے اور شہید مرتے نہیں۔ قرآن اور حدیث صحیح سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

کس قسم کی زندگی شہداء وغیرہم کو ملتی ہے

مخدومنا! یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء مرتے نہیں بلکہ زندہ جاوید ہیں لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (2:154) اس کے متعلق تو میں نے عرض کر دیا کہ قرآن کریم سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شہداء مرتے نہیں بلکہ زندہ جاوید ہیں۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرتے ضرور ہیں اور ان کو زندہ بھی اسی طرح فرمایا ہے جس طرح دوسرے مومن مابعد الموت زندہ ہیں یا زندہ ہوں گے۔ ایک حکایت میں لکھا ہے کہتے ہیں کہ جب عبدالملک بن مروان زہری سے ملے اور ان کے تفقہ اور تحقیق کو جانا تو ان کے باپ کی نسبت، جو مر چکے تھے، کہا کہ وہ شخص نہیں مرا، جس نے تجھ سا بیٹا چھوڑا۔ تو مطلب یہ ہے کہ انسان جبکہ مر جاوے اور کوئی اچھا کام یا کوئی اچھی یادگار ہی چھوڑ جائے تو اس کی نسبت بطریق مجاز کہا جاتا ہے کہ وہ مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔

اسی طرح اس آیت میں شہداء کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ مرتے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ اور اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ جو شخص سچائی اور دین اللہ کے لیے اپنی زندگی کو قربان کر دیتا ہے اور اپنی جان اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے دے دیتا ہے، وہ بیشک ایک ہمیشہ کی زندگی پاتا ہے۔ جیسے حق پر کبھی موت نہیں اس لیے حق کی راہ میں اپنے آپ کو قربان کرنے والے کو بھی مردہ نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ کبھی اس کے اس عمل اور نیکی کے ثمرات بھی منقطع نہیں ہوتے۔

پھر جولوگ شہید ہوتے ہیں ان کو دوہری خوشی ہے ایک تو یہ خوشی کہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے ان کو وہ رزق ملا کہ ان پر کبھی موت وارد نہ ہونے دے گا۔ اور دوسرے جو ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اور ابھی ان سے نہیں ملے ان کے متعلق یہ خوش خبری ان کو ملتی ہے کہ ان پر بھی خوف وحزن نہیں رہے گا۔ اور وہ یقیناً یقیناً کامیاب یا بامراد اور مظفر ومنصور ہوں گے۔

شہداء کی ارواح کہاں رہتی ہیں

باقی رہا یہ سوال کہ شہداء کی ارواح جنت میں رہتی ہیں یا ان کی مزاروں پر ان کو حاضر سمجھا جائے۔ اور یہ سمجھ کر ان کی مزاروں پر حاضری دی جائے کہ وہ موجود ہیں اور ہم کو دیکھ رہے ہیں، ہماری التجا سن رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شہداء کی ارواح ہی کی کیا خصوصیت ہے ہر مومن کی روح مرنے کے بعد ایک جنت میں ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے **يَآَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ. وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ.** (89:27-30) مگر قرآن کریم سے اس بیان کی ہرگز تصدیق نہیں ہوسکتی اور یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ شہداء کی ارواح اپنی قبروں پر حاضر رہتی ہیں اور وہ ہم کو دیکھ رہی ہوتی ہیں یا ہماری التجا سن رہی ہوتی ہیں۔ شہداء کی حاضری وغیرہ، جو شرک کی باتیں ہیں، بھلا قرآن اور حدیث میں کہاں ہوسکتی ہیں؟ یہ صرف بیوقوف لوگوں کو بہلانے والی باتیں ہیں جیسا کہ ارواح شہداء کا سبز پرندوں میں داخل ہونا اور عرش کے نیچے لٹکنا اور درخت طوبیٰ پر گھونسلے بنانا، سب من گھڑت بیان ہیں۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم **مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى** (53:3) پر نرے بہتان اور افتراء ہیں۔ اسی طرح شہداء کی حاضری وغیرہ بھی رسوماتِ کفریات میں داخل ہیں۔ قرآن مجید یا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں۔

میت کو آواز نہیں پہنچتی

میت شہید کی ہو یا غیر شہید کی، نہ آواز کو سن سکتی ہے اور نہ خود بول سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَ كُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ** (7:195) یہ آیت صریح نص ہے اس امر پر کہ جو لوگ مر جاتے ہیں، خواہ وہ شہید ہوں یا غیر شہید یا کوئی اور پیر فقیر ہو، ان کے زندگی کے نہ پاؤں رہتے ہیں نہ ہاتھ نہ آنکھیں

نہ کان، اور ایسا ہی نہ زبان۔ اور اسی وجہ سے نہ وہ سن سکتے ہیں، نہ بول سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے ثبوت کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو یہی بات ہے کہ جو مر جاتا ہے وہ ایک دوسرے عالم میں چلا جاتا ہے اور ان کے اور ہمارے درمیان قیامت تک ایک برزخ ہے۔

شہیدوں اور ولیوں سے التجائیں کرنا

پس کس طرح یہ جائز ہوسکتا ہے کہ ہم کسی شہید یا ولی سے کوئی التجا کریں یا ان کی نیاز بطور منت کے مانیں یا دعاؤں میں ان سے استمداد کریں۔ یہ تو ایسی بات ہے کہ ہندو مورتی کے پاس جا کر کچھ کھانا رکھ دے اور اس کے آگے پرارتھنا کرنے لگ جائے۔ یہ تو صرف عقل کے دشمنوں اور منکرین کتاب اللہ کا اعتقاد ہوسکتا ہے کہ شہیدوں سے التجا کرنی چاہیئے یا ان کی نیاز بطور منت ماننی چاہئے یا ان سے دعاؤں میں استمداد کرنی چاہئے۔ مومن بالقرآن کا تو یہ مذہب ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اگر اپنی من گھڑت اور سمہ ہمہ باتیں اور خیالات چھوڑ کر قرآن مجید کو اپنا راہ نما بنایا جائے تو وہ صاف بتلاتا ہے کہ غیر اللہ سے دعاؤں میں استمداد یا غیر اللہ کی نیاز بطور منت کے ماننا یا ان کی حاضری وغیرہ دیں یا کسی شہید یا نبی کو حاضر سمجھنا اور ان کو موجود یقین کرنا یا ان کی نسبت یہ ماننا کہ وہ ہماری التجائیں سن رہے ہیں، سراسر وہم وخیال اور سراسر باطل ومردود ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحم سے لوگوں کو قرآن کی سمجھ عطا کرے اور ان کی آنکھیں کھولے اور اپنے پاک کلام پر عملدرآمد کی انہیں توفیق بخشے۔ آمین۔

قبروں پر جانا

آخر میں انہیں یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے نزدیک قبرستان میں آنے جانے سے انسان فانی کو ایک سبق ملتا ہے۔ وہاں جا کر اسے اپنا مقام یاد آجاتا ہے کہ انسان اس دنیا میں مسافر آیا ہے۔ آج زمین پر ہے تو کل زمین کے نیچے ہے۔ دوسرے مردوں کے حق میں دعا کرنا بھی میں کوئی منع نہیں سمجھتا۔ دعائیں بہت بہت اور ضرور کرنا چاہیں مگر مُردوں سے طلبِ حاجت ومشکل کشائی کی دعا کرنا یا مُردوں سے امداد چاہنا سخت شرک اور اسلام سے دور لے جانے والی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو صراطِ مستقیم پر چلائے اور ہدایت دے۔ آمین۔

(از حضرت حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ)

14 اکتوبر 1917ء

ایک روئیداد

میاں صاحب پٹیالہ میں

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

پٹیالہ میں میاں صاحب کی تشریف آوری کا بڑا غلغلہ تھا۔ پیر کے استقبال کے لیے مرید بڑی بڑی تیاریاں کر رہے تھے۔ہمیں بھی بڑے دل خوش کُن وعدے دیئے جا رہے تھے۔میاں صاحب آئیں گے آپ ان سے ضرور ملنا اور اپنے شکوک رفع کرا لینا۔ تھوڑے تھوڑے لفظی تغیر کے ساتھ بجنسہٖ یہی باتیں تھیں۔ جو میاں صاحب کا ہر ایک مرید ہم سے کہا کرتا تھا۔آخر سیکریٹریان جماعت پٹیالہ و سنور کے نام میاں صاحب کا فرمان آیا کہ ہم 9 اکتوبر کو آئیں گے۔سنور و پٹیالہ میں جہاں دونوں جماعتیں متفق ہو جائیں ایک جگہ تقریر کریں گے۔اگر دونوں جماعتوں میں اتفاق نہ ہو سکا، تو کسی ایک جگہ بھی تقریر نہ ہو گی۔ ہمارا ان حالات کے بیان کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ جماعت سنور و پٹیالہ کے مابین کسی قسم کا نقیض ہے اور جو دربارِ خلافت تک بھی پہنچ چکا ہے۔اور نہ ہمارا ذاتی جھگڑوں اور کاوشوں کی طرف اشارہ کرنے کا مدعا ہے، جن سے میاں صاحب کے مرید ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ بلکہ ہمارا مقصد تو یہ ظاہر کرنا ہے کہ میاں صاحب محض اپنے مریدوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تقریر کیا کرتے ہیں۔اور خدمت اسلام ان کا نصب العین نہیں ہوتا۔ ورنہ اس کے کیا معنی کہ ''ہم کسی جگہ بھی تقریر نہیں کریں گے۔'' میاں صاحب آپ تقریر کیا کریں یا نہ کیا کریں، نذرانہ تو بہرحال مل ہی رہا کرے گا۔خیر مارا چہ ازیں قصہ۔

خدا خدا کر کے میاں صاحب کی تشریف آوری کا دن آیا۔ میں نے اپنے ایک محترم دوست کے، جو میاں صاحب کے مرید بھی ہیں، مشورہ کے مطابق سیکرٹری جماعت پٹیالہ کی خدمت میں ایک رقعہ لکھا کہ وہ میاں صاحب سے میری ملاقات کا انتظام کر دیں۔ اور لیکچر کے بعد سوال جواب کے لیے بھی میاں صاحب سے

اجازت حاصل کر دیں۔ سیکرٹری صاحب نے حتمی وعدہ کیا کہ وہ ضرور میاں صاحب سے وقت لے دیں گے یا کم ازکم وہ اپنی انتہائی کوشش صرف کریں گے۔ میں ان کے اعتبار پر اطمینان کر کے بیٹھ رہا۔ اتنے میں اشتہار تقسیم ہونے شروع ہو گئے کہ ''بتاریخ 9 اکتوبر 1917ء بروز منگل چار بجے بعد دوپہر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی مرزا محمود احمد صاحب پسر جانشین حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود قادیان صداقتِ اسلام پر لیکچر فرماویں گے۔ جملہ مذاہب کے اشخاص وقت معینہ پر تشریف لا کر مستفید ہوں۔ یہ نادر موقع حسن اتفاق سے حاصل ہوا ہے۔'' (اصل اشتہار)

اگلے دن بتاریخ 9 اکتوبر میاں صاحب بمعیت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب و ماسٹر عبدالرحیم صاحب وغیرھم پٹیالہ تشریف لائے اور تھوڑی سی دیر ٹھہر کر سنور تشریف لے گئے۔ لیکچر کا وقت چار بجے مقرر تھا میاں صاحب کے ریاست کے تقریباً تمام مرید تشریف لائے ہوئے تھے۔ 4 بجے بہت سے لوگ میاں صاحب کی تقریر سننے کے اشتیاق میں جلسہ گاہ میں آ گئے۔ لیکن وہاں تو میاں صاحب کا کوئی نشان نہ تھا۔ روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرانے والا خود بھی اسلام کا عملی نمونہ بن کر نہ دکھلا سکا۔ کالج کے طلباء اور شہر کے بعض دیگر معززین بھی موجود تھے۔ 4 بجے چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ لوگوں کو 4 بجے کا وقت دے کر خود نہ آنا وعدہ خلافی ہے اور یہ ایک گناہ ہے۔ ان بیچاروں کو کیا خبر تھی کہ ہمارے میاں صاحب 9 بجے وقت دے کر 12 بجے تقریر شروع کیا کرتے ہیں۔ ساڑھے چار بجے اکثر لوگوں نے، جن کے نزدیک وقت ایک قابلِ قدر چیز ہے، اٹھنا شروع کر دیا۔ میاں صاحب کے مرید سخت اضطراب اور بے چینی کی حالت میں ادھر اُدھر بھاگے پھرتے تھے۔ کالج کے طلباء اور دیگر تعلیم یافتہ اشخاص ان پر آوازے کستے تھے کہ یہ انڈین ٹائم ہے۔ ہم تو آ کر یونہی پھنس گئے، وغیرہ وغیرہ۔

میاں صاحب کے مرید سخت خفیف ہو رہے تھے۔ آخر تجویز ہوئی کہ جب تک میاں صاحب تشریف نہ لائیں۔ میاں صاحب کے مرید لوگوں کو نظمیں پڑھ پڑھ کر سنائیں۔ شائع شدہ پروگرام کی یہ خلاف ورزی بھی تعلیم یافتہ اشخاص کو بڑی ناگوار معلوم ہوئی۔ ہر نظم کے اختتام پر یہ کہنا اور سننا کہ ''میاں صاحب آ رہے ہوں گے، میں ایک نظم اور پڑھ دوں'' بڑا تکلیف دہ اور صبر آزما تھا۔ میاں صاحب کی تقریر سننے کا لوگوں کو بڑا شوق تھا۔ لیکن میاں صاحب کی اس عملی غلطی نے سب شوق دور کر دیا اور سمجھ دار لوگوں کے دلوں میں میاں صاحب سے غائبانہ ہی

نفرت اور حقارت پیدا ہو گئی۔ آخر خدا خدا کر کے 5 بجکر 40 منٹ پر میاں صاحبان تشریف لائے۔

5 منٹ آرام لے کر لیکچر شروع کیا۔ اعلان تو یہ کیا گیا تھا کہ میاں صاحب صداقتِ اسلام پر لیکچر دیں گے۔ لیکن سامعین میں سے تو کوئی نہ سمجھ سکا کہ میاں صاحب کس موضوع پر تقریر کر رہے ہیں۔ غالباً خود میاں صاحب کو بھی علم نہ تھا کہ میں نے کیا بیان کرنا ہے اور میں کیا کہہ رہا ہوں۔ تقریر کیا تھی، پریشان خیالی کا ایک مجموعہ تھی۔ اصل تقریر تو جب الفضل میں شائع ہو گی، احباب ملاحظہ فرمائیں گے۔ لیکن میں بھی اس کا ایک مختصر سا نقشہ یہاں پیش کیے دیتا ہوں۔ سورہ الفاتحہ تلاوت فرما کر میاں صاحب نے 10 منٹ تو اس امر پر بحث کی کہ بہت سی چیزیں دنیا میں ایسی ہیں کہ ان کو ہم دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن ان کی ہستی کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً انگور کی شیرینی، قوت حافظہ، پھول کی خوشبو وغیرہ۔ اور اس سے آپ نے ہستی باری تعالیٰ پر استدلال کیا۔ اس کے بعد آپ نے **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ** پڑھ کر میاں مظہر جانجاناں کے لڈو کھانے کا قصہ اور ایک اس لڈو کا قصہ بیان کیا جس کا حال آپ نے کبھی کسی ابتدائی جماعت میں پڑھا تھا۔ یہ قصہ آپ سالانہ جلسہ کے موقع پر بھی سنا چکے تھے۔ لیکن فرق یہ تھا کہ اس وقت آپ نے یہ قصہ برسبیل تذکرہ پیش کیا تھا۔ اس دفعہ لڈو کھانے کا یہ طریقہ بتایا اور کہا کہ مظہر جانجانان نے لڈو کھانے کا یہ طریقہ بتلایا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ خود جناب میاں صاحب کا بھی اس پر عمل ہے یا نہیں۔ اس قسم کے قصے سنا کر میاں صاحب اپنے مریدوں کو مذہب کی اصل غرض سے جس قدر دور لے جا رہے ہیں، وہ عقلمندوں سے پوشیدہ نہیں۔ ورنہ اگر کسی صوفی منش بزرگ نے ذوق کی حالت میں تمام دن میں لڈو کا ایک ذرہ کھایا، تو اسے لڈو کھانے کا طریقہ قرار دینا میاں صاحب کی نادانی ہے۔

ابھی لڈو کھانے کا قصہ ہی میاں صاحب ختم نہ کر سکے تھے کہ نماز مغرب کا وقت ہو گیا اور مسلمان تقریباً تمام کے تمام اٹھ کر چلے گئے۔ محض میاں صاحب کے مرید اور دس پندرہ اور شخص بیٹھے رہے۔ لڈو کا قصہ ختم کر کے تقریباً پانچ منٹ میاں صاحب نے اس موضوع پر تقریر کی کہ مسلمان تمام جہان میں انبیاء کی بعثت کے قائل ہیں اور جب کبھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں ملک میں فلاں نبی ہوا ہے، تو مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ اور فرمایا کہ پہلے نبی مخصوص زمانے اور خاص خاص قوم کے لیے ہوتے تھے۔ لیکن میں تمام جہان کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اگر ایسا کسی نے دعویٰ کیا ہے تو وہ ہمارے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس موضوع پر چند

اقتباسات میں میاں صاحب کے الفاظ میں ہی ہدیہ قارئین کرتا ہوں۔

''اگر ایسا کوئی نبی آ جائے تو پھر ضرورت نہیں کہ اور نبی آئیں۔ وہی کافی ہے۔''، ''اگر انسان کو پیدا کیا تھا تو کوئی نبی بھی شریعت دے کر بھیجتا۔ کیونکہ انسان کو شریعت کی ضرورت ہے۔''، ''ہر زمانہ میں نبی گزرے ہیں تا کہ دنیا کی اصلاح کریں۔''

اس سلسلہ تقریر کو بدل کر پھر میاں صاحب نے اس طرح شروع کیا کہ ''حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر زمانے میں ایسے لوگ آتے رہیں گے۔ جو اللہ تعالیٰ سے کلام پا کر دنیا کی اصلاح کیا کریں گے۔ ہر زمانے میں ایسے لوگ آتے رہے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی ایک شخص آیا، جس نے کہا کہ میں نے اسلام پر چل کر خدا کو پایا۔''

(افسوس میاں صاحب کو یہاں یاد نہ رہا کہ تیرہ سو سال میں مرزا صاحب اپنی قسم کے ایک ہی شخص آئے ہیں) پھر فرمایا کہ ''جس طرح پہلے زمانوں میں لوگوں نے کلام پایا، اسی طرح اس زمانہ میں بھی پایا۔''

یہ باتیں بیان فرما کر حضرت اقدس جناب مسیح موعود کے چند الہام۔ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا، تجھے تمام زمانہ میں شہرت دی جائے گی، لوگ دور دراز سے تیرے پاس تحفے لائیں گے، پیش کر کے صداقتِ مسیح موعود پر مضمون شروع کیا۔ نذیر کے معنی نبی بتلائے۔ ایک دو دفعہ مسیح موعود کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کیا۔ لیکن خدا معلوم یہ کیا بات تھی کہ جب میاں صاحب حضرت صاحب کو نبی کہتے تھے ان کی زبان میں لکنت آ جاتی تھی۔ شاید آیت خاتم النبیین کا خیال آتا ہوگا یا حدیث وَسَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ دِجَالُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهُ نَبِيُّ اللّٰهِ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ یاد آ جاتی ہوگی۔ یا جناب مسیح موعود کی وصیت کا کہ مجھے صرف نبی کہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کاملہ کی ہتک کرنا ہے، دھیان آ کر ضمیر ملامت کرتی ہوگی۔

پٹیالہ کے لوگ بڑے اداشناس ہیں۔ انہوں نے اس بات کو بڑے زور سے محسوس کیا۔ سب سے

زبردست دلیل، جو میاں صاحب نے حضرت صاحب کی نبوت کے متعلق پیش کی، وہ یہ تھی کہ جو اسلام کی خدمت کرے، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہو، جو اسلام کا سچا خادم ہو، وہ ''دجال ہے یا نبی''۔ میاں صاحب نے خوب دلیل دی۔ نبوت ثابت ہوگئی۔ آخر آپ کے دل میں مجددین کرام کا کیا نقشہ ہے۔ کیا وہ خادم اسلام تھے یا نہیں۔ کیا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے یا نہیں۔

اس کے بعد میاں صاحب نے اپنے انگریز مریدوں کا ذکر کیا کہ وہ میرے خادم ہونے کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم کی کامل اطاعت سے انسان نبی بن جاتا ہے۔ میاں صاحب اور ان کے مرید اس راستہ پر چل کر فیض پا رہے ہیں اور آئندہ پائیں گے۔ میاں صاحب کچھ ایسے طریقے جانتے ہیں جن پر چل کر پہلے لوگ نبی بن گئے اور وہ خط و کتابت کے ذریعہ پٹیالہ کے لوگوں کو بتانے کے لیے تیار ہیں۔ علیٰ ہذا۔

میاں صاحب کی تقریر کا یہ حصہ سخت غیر مسلسل تھا۔ لیکن اب احباب کو امید رکھنی چاہئے کہ میاں صاحب اور ان کے ہزار ہا مرید نبی بن جائیں گے۔ لیکن میاں صاحب اور ان کے مریدوں کو اپنے اپنے دعویٰ نبوت پیش کرنے میں دنگا مستی کرتے ہوئے دیکھنا ایک خطرناک نظارہ ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وقت کا تقاضا بھی ضروری ہے اور ایک وقت میں ایک نبی آسکتا ہے تو میاں صاحب کے اصول کے مطابق یہ بدیہی ابطلان ہے۔ جس کسی نے مقررہ کورس ختم کرلیا، وہ نبی بن گیا۔

میاں صاحب کے اصول کے لحاظ سے خدا کا اس میں کیا اجارہ ہے کہ لوگوں کی ایمانی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرے۔ خیر! جب وہ دن آئے گا تو ہم دیکھ لیں گے۔ لیکن میاں صاحب کو یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا اس خطرناک کھیل کے لیے تیار نہیں۔

لیکچر کے ختم ہوتے ہی میرے ایک احمدی دوست شیخ مہدی حسن صاحب میاں صاحب سے چند سوالات دریافت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ لیکن میاں صاحب کے بیٹھتے ہی مریدوں نے چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا اور ان کے ہاتھ پاؤں دبانے لگے۔ پھر بیچارے مہدی حسن کو کون پوچھتا تھا؟

میاں صاحب کے لیکچر کے متعلق پبلک کی رائے اچھی نہیں۔ میاں صاحب کی وقت کی عدم پابندی کا

عام گلہ ہے۔حتیٰ کہ لالہ سانون رام صاحب بی اے پلیڈر نے میاں صاحب کے منہ پر کہہ دیا کہ ہم لوگ وقت کے پابند ہیں۔4 بجے آپ نے لیکچر کا اعلان کیا تھا۔ میں 4 بجے آیا، بڑی دشواری سے ساڑھے چار بجے تک آپ کا انتظار کر کے میں چلا گیا۔اب ساڑھے سات بجے میں آیا تو آپ کا لیکچر ختم ہو چکا تھا۔

مسلمانوں میں اس بات کا بڑا چرچا ہے کہ میاں صاحب نے جلسہ گاہ میں آکر سلام علیکم نہیں کہا۔اگر وہ عام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں تو اپنے مریدوں کو ہی سلام وعلیکم کہا ہوتا۔ اَتَاْ مُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ (44:2)تقریر کی نسبت عام رائے یہ ہے کہ غیر مسلسل تھی۔اصل موضوع پر نہیں تھی،اس میں کوئی علمی بات نہ تھی،میاں صاحب لاف وگزاف کے بہت عادی ہیں۔وغیرہ وغیرہ۔

لیکچر کے اختتام پر میں نے سیکرٹری صاحب جماعت پٹیالہ سے استفسار کیا کہ آپ نے میرے لیے کونسا وقت لیا ہے۔انہوں نے کمال سادگی سے فرمایا کہ مجھے جناب میاں صاحب سے دریافت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ان کے اس جواب سے مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ کیونکہ وہ کامل 24 گھنٹے میاں صاحب کے ساتھ ہی رہے تھے۔ میں نے اور کوئی سبیل نہ دیکھ کر خود ہی ایک رقعہ میاں صاحب کی خدمت میں بڑے ادب سے پیش کیا۔ میاں صاحب نے رقعہ پڑھ کر جیب میں ڈال لیا اور خاموش بیٹھے رہے۔ پھر میں نے زبانی عرض کیا۔تو میاں صاحب تو ابھی خاموش ہی تھے کہ ان کے ایک مرید میاں امام علی صاحب سنوری نے مجھ سے جھگڑنا شروع کیا اور کہا کہ تم پیغامی ہو،تم یہاں کیوں آئے ہو،تم فسادی لوگ ہو،میاں صاحب سے کیوں باتیں پوچھتے ہو۔بعض اور زیادہ سخت باتیں بھی کہیں۔

میاں صاحب خاموشی اور سکون سے اپنے مرید کی یہ نامعقول باتیں سنتے رہے۔آخر میں نے میاں صاحب کو پھر مخاطب کیا اور عرض کیا کہ آپ کے مریدوں کا یہ رویہ ناقابل برداشت ہے۔ یہ ہمیں ہی گالی گلوچ نہیں دے رہے، بلکہ ان کا آپ کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنا آپ کی بھی گستاخی اور بے ادبی ہے۔اس پر میاں صاحب نے فرمایا کہ ہاں! جب یہ میرے سے پوچھتے ہیں تو تم کیوں بولتے ہو۔لیکن مولوی امام علی نے تو میاں صاحب کا حکم نہ ماننا تھا نہ مانا۔وہ یہی بکواس کرتا چلا گیا کہ یہ ''پیغامی'' ہو گیا،اس نے جماعت سنور کو مباحثہ کا چیلنج دیا ہے۔ یہ مولوی صاحب وہی بزرگ ہیں جن کے پیچھے میاں صاحب نے حال ہی میں نماز پڑھنے کی

ممانعت کر دی تھی۔ کیونکہ ان کے نکاح کے متعلق جماعت سنور کو بعض اعتراض تھے۔ اور آج یہی مولوی امام علی صاحب میاں صاحب کے پیش پیش تھے اور دوسرے کو میاں صاحب سے بات بھی کرنے نہ دیتے تھے۔

خیر! میں نے پھر میاں صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ مجھے فرصت نہیں۔ اتنے میں ایک صاحب کوٹ پتلون پہنے میرے سے لڑنے جھگڑنے کے لیے آموجود ہوئے۔ غالباً وہ ریاست رامپور میں ملازم ہیں۔ ان بیچاروں کو یہ گلہ تھا کہ میں کیوں اپنے ساتھ سیدنا حضرت مولوی محمد علی صاحب کو نہیں لایا۔ کیونکہ مولوی صاحب کے سوائے میاں صاحب اور کسی سے بات نہیں کرنا چاہتے۔ گھڑی گھڑی وہ یہی کہے جاتے تھے کہ اپنے امیر کو لاؤ اور بھی جو کچھ ان کے منہ پر آتا تھا، اس کے کہنے سے انہیں حیا مانع نہ تھی۔ آخر میں نے انہیں کہا کہ آپ مہمان ہیں۔ میں آپ کے پاس خاطر کی وجہ سے کچھ نہیں کہتا۔ اگر آپ کو اسلامی اخلاق سے کچھ حصہ نہیں ملا، تو اس کوٹ پتلون کی عزت ہی رکھ لیجئے۔ پاس سے لوگ بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ یہ محمودی بڑے بد اخلاق ہیں۔ ان کو اپنے پیر کی بھی شرم نہیں۔ جس جماعت کے اخلاق خود اس قسم کے ہیں وہ دوسروں کو کیا تبلیغ کرتی پھرتی ہے! اپنی تو اصلاح کرے۔

مگر مجھے تو اپنے مطلب سے مطلب تھا۔ میں نے پھر عرض کیا کہ اگر آپ کو یہاں فرصت نہیں تو کم از کم یہ وعدہ فرمایئے کہ قادیان سے میرے سوالوں کا جواب لکھ کر بھیج دیں گے۔ میں سوالات لکھے دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ''مجھے اس کی بھی فرصت نہیں۔ تم خود قادیان آجاؤ۔''

میں میاں صاحب سے اپنے سوالات کا جواب لینے کے لیے جاؤں یا نہ جاؤں۔ لیکن مجھے تو رہ رہ کر میاں صاحب کی خلاف بیانی پر تعجب آتا ہے۔ سالانہ جلسہ کے موقع پر بڑی شان اور بڑی تمکنت سے آپ سٹیج سے اعلان کرتے ہیں کہ اگر کسی کو کوئی شک پیدا ہوا کرے تو وہ ہم سے دریافت کر لیا کرے۔ لیکن چار ماہ سے میری چٹھی کا جواب نہیں دیا۔ اب وعدہ لینا چاہا، تو عدیم الفرصتی کا بہانہ کر دیا۔ میاں صاحب کا حافظہ بھی بڑا کمزور معلوم ہوتا ہے۔ پندرہ منٹ پہلے تو پٹیالہ کے لوگوں سے وعدہ کر رہے تھے کہ وہ خط وکتابت کے ذریعے نبوت کے طریقے انہیں لکھ بھیجیں گے۔ لیکن پھر میرے سے باتیں کرتے ہوئے انہیں اپنی عدیم الفرصتی یاد آئی۔ میاں صاحب کو تقریر کرتے ہوئے بڑے بڑے وعدے کرنے کا شوق ہے۔ جن کے متعلق غالباً انہیں خود بھی خیال ہوتا ہو گا کہ

میں ایفاء نہ کروں گا۔ اصلی اور سچی بات تو یہ ہے کہ میاں صاحب کو ہر جگہ ہمارے مقابلہ میں ندامت اور سُبکی اٹھانا پڑتی ہے۔ جیسا کہ حال ہی میں شملہ کے مریدوں نے میاں صاحب کو مخلصی دلوائی۔ اس لیے انہوں نے اسی میں اپنی بہتری سمجھی ہے کہ ہمیں بات چیت کا موقعہ ہی نہ دیں۔ میاں صاحب کو تو لطف غلام رسول حجام کی باتوں ہی میں آتا ہے۔ اے کاش! جناب مسیح موعود کے اخلاق سے بھی میاں صاحب کو کوئی حصہ ملا ہوتا۔

خاکسار

صادق علی

پٹیالہ

17 اکتوبر 1917ء

مراسلت

مسئلہ کفر واسلام پر میاں صاحب سے تبادلہ خیالات

آج صبح سوموار کے دن میں میر قاسم علی صاحب کے پاس کسی اپنے ذاتی کام کے لیے گیا۔ وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ جناب میاں صاحب نے ہاتھ میں پرچہ اخبار پیغامِ صلح کا پکڑا ہوا ہے اور بھائی عبدالرحمٰن صاحب کے ساتھ کچھ ایسا کلام فرما رہے ہیں، جس سے صاف مترشح ہو رہا تھا کہ جناب میاں صاحب کو ابھی دلائل تو ملتے نہیں، لاہوری احباب کے متعلق بدظنی طرح طرح سے پھیلا رہے ہیں۔ یوں بھی آگے کئی دفعہ انہوں نے فرمایا کہ مولوی سید محمد احسن صاحب مرتد ہو گئے تھے۔ اور حضرت صاحب کی ایسی تحریر ان کے پاس موجود ہے۔ لیکن آج جو باتیں ہمارے سننے میں آئیں وہ یہ تھیں کہ قُلِ اللّٰہ ثُمَّ ذَرْھُمْ (91:6) کے معنی مولوی محمد علی صاحب نے ایسے لغو اور غلط کیے ہیں کہ دنیا جہان میں کوئی احمق بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ اور کہ مولوی محمد علی عربی سے محض ناواقف محض ہے۔ نہ اس کو قرآن کا علم ہے اور نہ ہی حدیث کا، وغیرہ وغیرہ۔ کچھ اسی قسم کی باتیں تھیں۔

ان باتوں میں حافظ روشن علی خاص طور پر حصہ لے رہے تھے۔ اس نے جب بار بار یہ کہا کہ مولوی محمد علی کذاب ہے، بے ایمان ہے، جھوٹا ہے۔ تب مجھ سے نہ رہا گیا اور حافظ صاحب کو یہ کہہ کر کہ اچھا تم یہ الفاظ کہہ کر دل میں خوش ہو لو۔ وقت آئے گا کہ خدائی دربار میں تم اپنے کیے کی سزا پاؤ گے۔ جناب میاں صاحب سے مذکورہ بالا آیت کے متعلق گفتگو کر چکنے کے بعد یوں ہمکلام ہوا۔

سوال: کیا کسی جگہ حضرت مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے کہ ان کا محض انکار اس لیے کفر ہے کہ وہ نبی نہیں؟

جواب: اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے لکھا اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں فرمایا کہ ان کا انکار اس لیے کفر ہے کہ وہ نبی نہیں۔ بلکہ صحیح بخاری و مسلم

میں صرف یہ حدیث آئی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ میں سے جس پر اتمام حجت ہو چکا اور انہوں نے مجھے قبول نہ کیا وہ قابلِ مؤاخذہ ہوں گے۔

سوال: میں اس وقت میں قرآن کریم و احادیث کی بنا پر کہ یہی دونوں آپ کے تمام عقائد پر ایک کاری حربہ کا کام دے سکتے ہیں، بحث کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ محض مرزا صاحب کی تحریرات کی بنا پر عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ صاف فرماتے ہیں کہ ہر نبی کا انکار کفر ہوتا ہے۔ جب وہ بقول آپ کے اپنے آپ کو نبی کہتے تھے۔ تو کیوں انہوں نے اپنا محض انکار کفر قرار نہیں دیا۔

جواب میاں صاحب (اقبالی ڈگری!): یہ غلط ہے کہ جو تم کہتے ہو کہ مرزا صاحب نے لکھا کہ ہر نبی کا انکار کفر ہوتا ہے۔ بلکہ انہوں نے تو یہ لکھا ہے کہ صاحب شریعت نبی کا انکار کفر ہوتا ہے۔ دوسرے کا نہیں۔ (لیکن آپ بھی تو حضرت صاحب کو صاحب شریعت نبی نہیں کہتے۔ پھر ان کا منکر کافر کیوں؟ ایڈیٹر)

سوال: لیکن یہ تو فرمایئے۔ حضرت عیسیٰؑ صاحب شریعت رسول تھے یا غیر صاحب شریعت۔

جواب: غیر صاحب شریعت۔

سوال: تو اگر حضرت مرزا صاحب کی تحریروں سے میں یہ ثابت کر دوں کہ حضرت عیسیٰؑ کا انکار بھی کفر ہے۔ تو پھر یہ ثابت ہو جائے گا کہ نہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے نزدیک صاحب شریعت یا غیر صاحب شریعت نبی ہر دو کا انکار کفر ہوتا ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں تمام نبیوں میں سے کسی ایک نبی کا انکار بھی انسان کو کافر بنا دیتا ہے۔

جواب: اس سے آپ کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ ہمارا بھی تو یہی مذہب ہے۔

سوال: فائدہ پہنچنے یا نہ پہنچنے کا سوال تو بالکل علیحدہ ہے۔ اگر یہی مذہب آپ کا ہے تو حضرت مرزا صاحب نے کیوں تحریر نہ فرما دیا کہ میرا انکار اس لیے کفر ہے کہ میں نبی ہوں۔ تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

جواب: دیکھو! جیسے میں نے تمہیں صحیح بخاری و مسلم کی حدیث سے بتلایا ہے۔ ویسے ہی الفاظ حضرت مرزا صاحب کے بھی اپنے منکرین کے لیے ہیں۔ تو جب رسول خدا کے الفاظ سب یہودیوں و نصرانیوں کو

کافر بنا سکتے ہیں، تو مرزا صاحب کے یہ الفاظ کہ ''بہر حال جبکہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ جس پر میری دعوت پہنچ چکی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا۔ وہ مسلمان نہیں ہے، کیوں غیر احمدیوں کو کافر بنانے والے نہیں؟

اَقُوْلُ: اس لیے کہ ''تصنیف را مصنف نیکو کند بیان'' والا معاملہ ہے۔ حضرت مسیح موعود جن کے یہ الفاظ ہیں۔ جن سے آپ نے مراد غیر احمدیوں کا کفر لے لیا ہے۔ وہ اس فتویٰ کو مدنظر رکھتے ہوئے فوت ہونے سے صرف چند گھنٹہ پیشتر مسٹر فضل حسین صاحب کو ان کے اس سوال کے جواب میں کہ اگر کل غیر احمدی کافر ہیں تو پھر اسلام میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا، صاف یہ فرماتے ہیں:

(الف) ہم ہرگز ہرگز کسی مسلمان کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے۔ جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جائیں۔

(ب) جو مسلمان مجھے کافر نہیں کہتا۔ میں اسے ہرگز ہرگز کافر نہیں سمجھتا۔

تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود جو بقول آپ کے نبی ہیں اور نبی بھی ایسے جن کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے بقول آپ کے ان کو اپنا فتویٰ بھی بتلاتا ہے کہ غیر احمدی کافر نہیں۔ لیکن ایک کافر کے سامنے (مراد غیر احمدی مسٹر فضل حسین صاحب) خدائی حکم کے برخلاف پھر کافر کو مسلمان کہتے ہیں۔ ذرا برائے نوازش غور تو فرمائیں۔ فضل حسین صاحب کے جواب میں بالکل وضاحت ہے کہ غیر احمدی کون کافر ہیں۔ وہی جو مرزا صاحب کو کافر کہہ کر خود کافر بنتے ہیں (نہ بوجہ انکار دعویٰ نبوت کے، بلکہ ماتحت فتویٰ نبوت لَا تَكْفُرُوْا اَهْلَ قِبْلَتِكُمْ) اور کون غیر احمدی مسلمان ہیں۔ وہی جو مرزا صاحب کو کافر نہیں کہتے۔ سمجھ نہیں آتی کہ اس میں دقت کونسی ہے۔

جواب: یہی تو ایک بات ہے، جس کو نہ سمجھ کر لاہوری جماعت نے ٹھوکر کھائی ہے۔ جیسے کہ خود تم نے اس وقت ٹھوکر کھائی۔ درحقیقت حضرت مرزا صاحب نے تین شرطیں رکھی ہیں کہ اگر غیر احمدی پوری کریں تو تب ہی مسلمان ہو سکتے ہیں۔ اور یہ تعلیق بالمحال ہے۔ کیونکہ یہ تین شرطیں ممکن ہی نہیں کے ایک شخص میں پائی جائیں اور وہ احمدی نہ رہے۔ اور ''حقیقۃ الوحی'' میں کھول کر حضرت نے ان شرائط کو بیان کر دیا ہے۔

میں: تعلیق بالمحال کے متعلق بھی میں عرض کروں گا۔ درحقیقت جو شرائط حقیقۃ الوحی میں ہیں وہ نماز کے متعلق ہیں وَاِلاَّ مرزا صاحب تو فتویٰ دے چکے ہیں کہ جو مجھے کافر نہیں کہتا میں اس کو مسلمان سمجھتا ہوں۔

میاں صاحب: حقیقۃ الوحی میں ہرگز ہرگز نماز کا ذکر نہیں ہے۔ وہ شرائط تو صرف غیر احمدیوں کے کفر کے متعلق ہیں۔

میں: حقیقۃ الوحی میں یقیناً یقیناً جن شرائط کا ذکر ہے۔ وہ نماز کے متعلق ہیں کہ اگر غیر احمدی وہ شرائط پوری کردیں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنی واجب ہے، درست ہے، جائز ہے۔

میاں صاحب: ہرگز ہرگز یہ درست نہیں۔ جو تم کہہ رہے ہو۔

یہاں پر جھٹ اپنے مریدین سے کسی کو چابیوں کا گچھا دیا کہ وہ ان کے ٹرنک سے کتاب حقیقۃ الوحی نکال لاوے۔ چنانچہ کتاب منگائی گئی اور جناب میاں صاحب نے سوال نمبر 6 کا جواب سارا پڑھ کر حاضرین کو سنا دیا اور مجھ سے فرمانے لگے۔ کیوں صاحب! یہاں پر کہیں نماز کا ذکر تک بھی ہے۔ جناب میاں بشیر احمد صاحب نے حاضرین میں سے شاید بھائی عبدالرحمٰن صاحب کو کہا کہ مرہم عیسیٰ بھی ایسے ہی جھوٹے حوالے دے کر لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔

میں: یہاں پر یقیناً نماز کے متعلق ہی ذکر ہے۔ اگر آپ نہ سمجھ سکیں تو فرمایئے یہ بندہ کا قصور کیسے ہوسکتا ہے۔ اب آپ تو بڑے خوش ہیں کہ یہاں پر نماز کا ظاہراً ذکر نہیں۔ تو پس میدان مار لیا۔ لیکن ذرا بھی آپ تدبر سے کام لیں، تو فوراً آپ کو میری صداقت معلوم ہوجائے۔ اب آپ خاکسار کی بات ذرا دھیان سے سنیں۔ حضرت مسیح موعود فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لاء کے اس اعتراض کا جواب کہ اگر غیر احمدی پبلک کو کافر کہا جائے تو پھر اسلام کا صفایا ہے، یوں عطا فرماتے ہیں کہ ''ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے جب تک کہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جائے۔'' پھر فرماتے ہیں کہ ''جو شخص (مسلمان) ہم کو کافر نہیں کہتا۔ ہم بھی اس کو ہرگز ہرگز کافر نہیں کہتے۔ یعنی کہ ہم ان کو مسلمان کہتے ہیں۔

تو اب اسی سوال وجواب سے اتنا معلوم ہوگیا کہ حضرت مرزا صاحب کا دوسرے مسلمانوں کو مسلمان

سمجھ لینا صرف اسی بات پر مبنی رہا کہ دوسرے مسلمان حضرت مرزا صاحب کو صرف مسلمان جان لیں، نہ یہ کہ وہ ان کے دعویٰ کو مان لیں۔ تب وہ مسلمان سمجھے جائیں گے۔ اس کے بعد وہی بیرسٹر صاحب اعتراض فرماتے ہیں کہ پھر ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے میں کیا حرج ہے۔ تو حضرت اسی سوال کے جواب میں وہی شرائط پیش فرماتے ہیں۔ جو کہ حقیقۃ الوحی میں آپ نے پڑھ کر ابھی سنائی ہیں۔ اور جس میں لفظ نماز نہ آنے سے آپ اتنے خوش معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ نے خاکسار کو قائل کر دیا! تو اب آپ ہی فرمائیں کہ میں حقیقۃ الوحی کی ان شرائط کے حضرت کی دوسری تحریر و تقریر کے ماتحت یہ معنی کروں کہ یہاں پر نماز کا ہی ذکر ہے تو میں کیسے غلط بیانی کا مرتکب ٹھہر سکتا ہوں؟

میاں صاحب: اس طرح سے تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جب حقیقۃ الوحی میں صرف بحث کفر و اسلام پر ہو رہی ہے نہ کہ نماز میں، تو حضرت کا مسٹر فضل حسین کو جواب دینا وہاں پر در حقیقت نماز سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ وہاں سے بھی مراد حضرت کی غیر احمدیوں کے کفر سے ہی ہے۔ اور وہ شرائط پوری نہیں ہو سکتیں، جب تک کہ ایک شخص احمدی نہ ہو۔ تو پھر فیصلہ کیسے ہو گا۔ ایک شخص اٹھے وہ اپنے مطلب کے مطابق کوئی معنی لے لے اور دوسرا کوئی، تو پھر اس طرح سے فیصلہ بات کا نہیں ہو سکتا۔ تم نے دعویٰ کیا تھا کہ حقیقۃ الوحی کے حوالہ میں نماز کا ذکر ہے۔ اب وہاں پر تو نکلا نہیں۔ اب راہ فرار یہ اختیار کرتے ہو کہ حضرت نے فضل حسین کو چونکہ یہ جواب دیا۔ اس لیے یہاں مراد بھی نماز ہی ہے۔ اب بحث لمبی ہونے کا خدشہ ہے اور میں نے آج جانا بھی ہے۔ چھ سات دن تک ہم نے (بھائی عبدالرحمٰن صاحب کی طرف اشارہ کر کے) ان کو یہ مسئلہ سمجھایا ہے۔ حالانکہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ میں رات کے وقت ملنے کے لیے آیا کروں گا۔ اس وقت جبکہ کافی وقت تھا ملنے کے لیے آئے نہیں۔ اب جبکہ وقت تھوڑا ہے اور مسئلہ بڑا لمبا۔ تو ادھر کے حوالہ جات سے تمہاری مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ پیغامِ صلح میں شائع کروا دو کہ لو جی! میاں صاحب نے ہمارے سوالات کا جواب نہ دیا!

میں: کسی عبارت کے معنی کرنے میں جب اختلاف ہو جائے تو اس وقت سیدھی بات تو یہ ہے کہ نہ آپ میری مانیں اور نہ میں آپ کی۔ ہم دونوں کے لیے رستہ کھلا ہے۔ ہم حضرت کی دیگر تحریروں کی طرف رخ کریں کہ کیا حضرت کی دوسری تحریریں جناب میاں صاحب کے اجتہاد کی مؤید ہیں یا کہ جو کچھ عبدالحق کہتا ہے

اس کی تائید کرتی ہیں۔ خیر! اتنا تو آپ نے بھی تسلیم فرمالیا کہ اس عبارت کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ تو معلوم ہو گیا کہ یہ عبارت متشابہات سے ہے۔ اب میں آپ کو حضرت کا وہ فتویٰ پیش کرتا ہوں جو کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے میاں نور محمد صاحب کو لکھا اور تاریخ فتویٰ 17 تا 18 مارچ 1908ء ہے۔ یعنی اپنی وفات سے ڈیڑھ ماہ پیشتر کا فتویٰ۔ جبکہ وہ اپنے آپ کو آپ کے زعم کے مطابق کامل نبی سمجھتے تھے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ اگر ایسے لوگ پائے جائیں جو مکفر مولویوں کے پیرو نہ ہوں تو پھر ان کے پیچھے نماز پڑھ لینی درست اور واجب ہے۔ اور مفتی محمد صادق صاحب اس فتویٰ کو بہ عنوان کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز جائز ہو سکتی ہے، اپنے اخبار بدر مورخہ 24، 31 دسمبر 1908ء میں یہی فتویٰ شائع کرتے ہیں۔ اب میرے معنوں کی تائید تو اس فتویٰ نے بھی کر دی کہ حقیقتاً جو معنی میں نے حقیقۃ الوحی کے سمجھے ہیں، وہی درست ہیں، آپ بھی ایسی کوئی تحریر یا تقریر کا حوالہ اپنے معنوں کی تائید میں پیش فرما دیں۔ باقی رہ گیا آپ کا فرمانا کہ ملنے کے لیے تم نہیں آئے۔ سو ماسٹر عبدالرحیم صاحب یہاں پر موجود ہیں۔ ان کو پوچھ لیں۔ انہوں نے مجھے سختی سے منع کیا کہ تم یہاں پر مت آؤ۔ تو میں آتا تو کس منہ پر! کیونکہ مجھے تو یہاں سے نکالا جاتا ہے۔ اور آپ دلجمعی رکھیں کہ پیغامِ صلح میں ہرگز ہرگز یہ نہ لکھوں گا کہ جناب میاں صاحب میرے سوالات کے جوابات سے عاجز آ گئے ہیں۔ اور نہ ہی ہمیں ایسا کرنے کی ضرورت ہے۔

میاں صاحب: نور محمد کا جو فتویٰ تم پیش کرتے، جو میں نے دیکھا نہیں، لیکن میں آپ کو جھوٹا نہیں کہتا۔ مگر یہ امر ضرور ہے کہ ہم آپ کے حافظہ کو کمزور سمجھیں۔ کیونکہ حقیقۃ الوحی کے معاملہ میں ہم نے دیکھا کہ آپ نے کہا کہ نماز کے متعلق وہاں پر لکھا ہے۔ حالانکہ وہاں پر نماز کا ذکر تک نہیں۔ پس وہ فتویٰ دکھلاؤ۔ جب تک نہ دکھلاؤ ہم کسی صورت میں آپ کے سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔

میں: مَیں یہاں پر میر قاسم علی صاحب سے ملنے کی خاطر آیا تھا۔ بحث مباحثہ کی نیت میرے دل میں نہ تھی اور نہ ہی اب ہے۔ یہ تو یونہی یہاں پر موقع نصیب ہو گیا۔ وِالّا حوالہ جات دکھلانے کی خاطر خاکسار ایک دفعہ حاضر ہوا تھا۔ جس کا جواب آپ نے خاکسار کو تحریری دیا۔ اور مجھے اس جواب کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ وہاں پر آپ نے صاف انکار فرمایا ہے۔ باقی رہ گیا حوالہ کے متعلق میرا جواب۔ سو عرض ہے کہ میں نے تو حقیقۃ الوحی کی تحریر کے متعلق مسیح موعود کی دیگر تحریروں سے ثابت کر دیا کہ یہاں پر مراد حضرت کی غیر احمدیوں کے پیچھے

نماز کے متعلق ہے۔اور وہ فتویٰ جو 1908ء کا ہے،اگر وہ ایسا ہی ہو، جیسے کہ میں نے عرض کیا ہے تو پھر آپ کو یہ سمجھ آ سکتا ہے یا نہیں کہ درحقیقت حقیقۃ الوحی کے جو معنی میں نے سمجھے ہیں، وہی درست ہیں۔اور جو کچھ جناب نے سمجھے ہیں وہ غلط۔

میاں صاحب: اگر 1908ء والا فتویٰ وہی ہوگا، جو تم بیان کرتے ہو تو پھر یہ کہیں گے کہ وہ مفصل نہیں۔ کیونکہ مفصل حقیقۃ الوحی کی شرائط ہی ہیں۔ اس لیے ہم اس فتویٰ کے معنی وہی کریں گے جو حقیقۃ الوحی کرے۔نہ کہ حقیقۃ الوحی کی صریح وصاف و بین شرائط کو ایک مجمل فتویٰ کے ماتحت لاویں۔

میں: 1908ء والا فتویٰ بالکل صریح اور واضح ہے۔اور ابھی حقیقۃ الوحی کے حوالہ کے متعلق میں نے عرض کیا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں اور آپ نے تسلیم فرمالیا کہ میں اس کے معنی یہ کرتا ہوں۔تو ہم نے تو تحقیق کرنا ہے کہ کس کے معنی درست ہیں اور کس کے غلط۔ میں اپنے معنوں کی تائید میں 1908ء کی دو تحریریں پیش کر چکا ہوں۔آپ نے ابھی تک کوئی تحریر اپنے معنوں کی تائید میں پیش نہیں فرمائی اور خاص کر ان 1908ء کی تحریروں کے ساتھ ''الحکم'' کی دو تحریروں کو مدنظر رکھ لیں۔جن کے لیے ایک 1903ء کی ہے اور ایک 1904ء کی۔جن میں حضرت صاحب نے صاف فرمایا ہے کہ میں غیر احمدیوں کو مسلمان کہتا ہوں۔تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ اور پھر غور تو فرمائیں کہ ''تریاق القلوب'' میں صاف موجود ہے کہ ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں بن جاتا۔اور پھر جس بنا پر مکفر مولویوں کو وہاں پر کافر قرار دیا ہے، وہی وجوہات حقیقۃ الوحی میں موجود ہیں۔ (چنانچہ حقیقۃ الوحی صفحہ 120 پڑھ کر سنا دیا گیا اور یہ بات ثابت کر چکنے کے بعد کہ حضرت نے ذرہ بھر اپنے مذہب ''تریاق القلوب'' سے انحراف نہیں کیا) بتایا گیا کہ اب تین باتیں یہاں پر جمع ہو گئیں۔

1۔ میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔

2۔ میں کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتا۔ جب تک کہ وہ مجھے کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جائیں۔

3۔ جو مسلمان مجھے کافر نہیں کہتا میں اس کو ہرگز ہرگز کافر نہیں کہتا۔تو میاں صاحب آپ خدا کے لیے

بتلائیں کہ کون سی دقت باقی رہ گئی۔اور پھر آپ کے معنی کیسے صحیح ہو سکتے ہیں۔

میاں صاحب: لو اب معاملہ بالکل ہی صاف ہو چلا ہے۔ دیکھو! میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ جو کچھ حضرت صاحب نے ''تریاق القلوب'' میں فرمایا ہے، اسی معیارِ کفر پر غیر احمدیوں کو کافر قرار دیا ہے۔مرزا صاحب نے بے شک اس میں تبدیلی نہیں کی۔مگر دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ 120 کا جو حوالہ تم نے دیا ہے وہاں یہ لفظ ہیں کہ ''ہم نے بیس کروڑ مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا''۔وجوہات کفر کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔یہ تو ثابت ہو گیا نہ، کہ حضرت نے بیس کروڑ مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا۔تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت نے کل غیر احمدیوں کو کافر کہا۔پس ''تریاق القلوب'' اور ''حقیقۃ الوحی'' میں کوئی فرق نہیں۔وہاں پر بھی کافر کہا اور یہاں پر بھی کافر کہہ دیا۔اور یہی ثابت کرنا ہمارا مقصود تھا۔

میں: میں نے کہا کچھ ہے اور جواب آپ نے کچھ صادر فرمایا ہے۔ 20 کروڑ مسلمانوں کو حضرت نے کافر ہرگز ہرگز نہیں ٹھہرایا۔اور یہ معنی تو خود حضرت کی اسی کتاب حقیقۃ الوحی صفحہ 178 کے خلاف ہیں۔ جہاں پر کہ وہ ڈاکٹر عبدالحکیم کے سوال کا جواب دیتے ہیں کہ میں نے ہرگز ہرگز یہ کہیں نہیں لکھا کہ اس کو دعوت نہیں پہنچی اور وہ نام تک سے بھی بے خبر ہے، وہ کافر ہے اور دوزخ میں پڑے گا۔تو پھر آپ کے معنی کیسے صحیح ہوئے۔پھر دیکھیں ڈائری الحکم 1904ء جہاں پر وہ فرماتے ہیں کہ جو مجھے نہیں مانتے لیکن میری مخالفت بھی نہیں کرتے۔ چونکہ وہ مسلمانوں کے زیر اثر نہیں ہیں۔اس لیے وہ میری مد میں شامل ہیں۔اور ایسے ہی 1903ء کی ڈائری میں بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے خواہ مجھے مانتا ہو یا نہ۔وہ میری جماعت میں شامل ہے۔

یہاں پر تو بیعت کی بھی قید نہیں لگاتے۔تو فرمایئے۔خود جو آپ کے معنی کی تردید حقیقۃ الوحی کر رہی ہے۔اور دوسری طرف حضرت کی ڈائریاں غیر احمدیوں کو ببانگ وہل مسلمان مسلمان پکار رہی ہیں،تو پھر ہم آپ کی مانیں یا حضرت مسیح موعود کی؟

میاں صاحب: حضرت نے غیر احمدیوں کے پیچھے نماز کیوں حرام قرار دی۔جبکہ وہ مسلمان تھے۔کیا حضرت مرزا صاحب شریعت اسلام کے برخلاف کرنے آئے تھے۔پس غیر احمدی کافر ہیں۔باقی رہیں ڈائریاں،سو ہم ان کو نہیں مان سکتے۔جبکہ صریح تحریریں حضرت کی اس کے برخلاف موجود ہیں۔

میں: مسیح موعود کی کوئی تحریر ان ڈائریوں کے برخلاف نہیں ہے۔ ابھی تک آپ نے تحریر تو کوئی پیش نہیں کی۔ لے دے کر حقیقۃ الوحی آپ پیش فرماتے ہیں۔ سو اس کا مفصل جواب ہو چکا جس کو آپ نے بھی تسلیم فرما لیا۔ باقی بیشک نماز کا معیار آپ پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن خوب یاد رکھیں حضرت نے مکفر مولویوں کے پیچھے نماز پڑھنا منع کیا ہے اور جو حرام آپ فرماتے ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کافروں کے پیچھے نماز جائز نہیں اور جو مکفر مولوی ہوگا اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ وِالّا 1908ء والا خط، جو کہ حضرت نے خود نور محمد کو لکھا، وہ صاف بتلاتا ہے کہ بعض ایسے غیر احمدی ہیں، جن کے پیچھے نماز جائز ہو سکتی ہے۔ لیکن خاص شرائط کے ماتحت۔ جو حضرت صاحب کی بیعت میں آئے بغیر بھی پوری ہو سکتی ہیں۔

میاں صاحب: حوالہ دکھلاؤ۔

میں: اب حوالہ تو یہاں پر موجود نہیں۔ دکھلاؤں کہاں سے۔ آپ اخبار بدر مورخہ 24، 31 دسمبر 1908ء بعنوان المفتی دیکھ سکتے ہیں۔

میاں صاحب: اب جب تک حوالہ نہ سامنے ہو تو بات کیسے چلے۔

میں: پھر جیسا آپ فرمائیں۔

میاں صاحب: بات کو بند کرنا چاہیئے۔ کیونکہ میں نے دس بجے اسٹیشن پر پہنچنا ہے۔

میں: بہت اچھا۔

بعد میں خاکسار جناب میاں صاحب سے ملتا ہوا سیدھا دفتر پہنچ گیا۔ میاں ذوالفقار علی صاحب اور حافظ روشن علی صاحب نے جس بدتہذیبی سے کام لیا، مجھے اس کے دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ باوجودیکہ میاں صاحب نے، خان صاحب اور حافظ صاحب دونوں کو بعض اوقات منع بھی کیا۔ لیکن پیر کی سنے، تو کون۔

والسلام، خاکسار۔ عبدالحق احمدی

❁❁❁

23 اکتوبر 1917ء

تبصرہ

ترجمۃ القرآن انگریزی کے متعلق ایک انگریز مصنف کی رائے

انگریزی ترجمۃ القرآن ولایت سے شائع ہو کر اس وقت تک بہت سے انگریز شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے۔ ذیل کی ایک چٹھی انگلستان کے مشہور مصنّف مسٹر ایس ایچ لیڈر نے حضرت خواجہ صاحب کو لکھی ہے:

''مجھے ترجمۃ القرآن کی ایک کاپی موصول ہوئی ہے۔ اور میں بعجلت تمام آپ کو قرآن مجید کے ایسی پاکیزہ اور دیدہ زیب صورت میں نکلنے کی مبارکباد دیتا ہوں۔ اس کتاب کو تو محض ہاتھ میں لینا ہی ایک خاص لطف رکھتا ہے۔ لیکن جب اس کے اُن خزائنِ علمیہ کی طرف توجہ کی جائے جو موجبِ ہدایت ونور ہیں تو انسان کا قلب اس محنت کے لیے، جس سے یہ کتاب تیار ہوئی ہے، شکر و امتنان سے لبریز ہو جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ محض محبت وعقیدت کا کرشمہ ہے کہ اس قسم کی تصنیف سرانجام کو پہنچی ہے۔ میں اس سے خوش ہوں کہ قرآن مجید اب میری مادری زبان میں ہو گیا ہے۔ اور اس کی تصنیف ایک متقی اور علامہ مسلمان نے کی ہے۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ یہ تالیف دنیا کی مذہبی زندگی میں ایک نیا دور شروع کر دے گی۔ یہ تصنیف مشرق کے خزائن الٰہیات کو مغربی دنیا کے قریب لے آئی ہے۔ اور جو چیز یہ کام انجام دیتی ہے وہ اس دن کو قریب لاتی ہے جبکہ تمام دنیا ذات الٰہی کے متعلق موجودہ سے زیادہ روشنی علم کے ساتھ معمور ہو جائے گی۔ اور ایسے دن کے لیے ہم سب دست بدعا ہیں۔

میں آپ کو ایک گنی کا چیک اس کے ساتھ بھیجتا ہوں تا کہ آپ ایک اور کاپی بھیج دیں کہ میں نے اپنے ایک عزیز دوست کو بھیجنی ہے جو مصر میں مقیم ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ بھی

اسی طرح اس سے خوش ہوں گے کہ جس طرح میں ہو رہا ہوں اور اس یوم سعید کا خیر مقدم کریں گے، جس دن کا یہ کتاب ایک نیک شگون ہے۔''

❁❁❁

23اکتوبر1917ء

مذاکرہ علمیہ

میاں صاحب کی تقریر شملہ پر ایک نظر

(از قلم مولٰینا مولوی سید محمد احسن صاحب فاضل امروہوی)

شملہ میں جن دنوں میاں صاحب تبدیلیٔ آب وہوا کے لیے تشریف لے گئے تھے بعض وہ دعاوی ان کی ''زبان حق نواز'' سے سننے میں آئے تھے کہ جو شاید نبیوں سے بھی کچھ درجہ بڑھ کر کہے جائیں تو اس میں مبالغہ نہ ہو گا۔ ان تمام دعاوی کا تذکرہ مختصراً ہم نے اسی وقت پیغامِ صلح میں کر دیا تھا۔ اب ہمارے ایک فاضل بزرگوار نے عالمانہ طرز پر ان سب دعاوی پر جرح ونقد کی ہے جو ذیل میں نذر قارئین کرام ہے۔

ایہاالاحباب! اس معراج شملہ میں حقائق و معارف تو آپ کو بہت منکشف ہوئے ہوں گے۔ سب کے نقل کرنے سے تو طوالت ہوگی اس لیے ان سب کو نقل نہیں کرسکتا۔ صرف دو تین ''مکاشفاتِ محمودیہ'' پر اکتفا کرتا ہوں۔

قیاس کن ز گلستان من بہار سرا

آپ فرماتے ہیں کہ:

''میرا انکار انبیائے بنی اسرائیل کا انکار ہے۔ میرا انکار رسول اللہ کا انکار ہے۔''

وغیرہ وغیرہ۔ اس معراج میں تمام امتِ محمدیہ جو کروڑوں انسان ہیں، کافر حقیقی خارج از دائرہ اسلام ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (156:2) اس کا اصل الاصول آپ فرماتے ہیں کہ:

''جن رجال فارس کی نسبت پیشگوئی تھی ان میں سے وہ ہمارے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اور وہ حضرت مسیح (موعود) کی اولاد کے سوا کون ہے۔ اور ایمان لانے والی جماعت کے

ایک حصہ سے بھی ایمان اٹھ رہا ہے۔''

معارف، حقائق ودقائق تو اس معراج میں اور بہت سے منکشف ہوئے ہیں۔مگر اصل الاصول ان تمام مکاشفات کا حدیث رجال فارس کی ہے۔اسی لیے پہلے میں وہ حدیث قارئین کے روبرو پیش کروں گا اور پھر کچھ عرض کروں گا۔مگر اس سے پہلے ایک دوسرا مکاشفہ بھی آپ کا قارئین یادرکھیں۔وَھِیَ ھٰذِہٖ:

''ہاں میں ابھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا میں مصلح موعود ہوں۔کیونکہ مجھے خدا نے اس کی خبر نہیں دی............۔''

معراج میں یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ اقوال متناقضہ اور متعارضہ کا جمع ہونا بھی زمانہ خلافت محمود میں جائز اور درست ہے۔اور قرآن مجید کا یہ مضمون مندرجہ آیت اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا (82:4)نعوذ باللہ غلط ہو گیا ہے۔اور اگر یہ مضمون آیت کا صحیح ہے تو آج تو یہ معراجِ محمودی بالکل غلط ہے۔پھر کوئی انسان صحیح العقل باوجود ان کے اس خلل دماغ کے ایسے متناقضات امور پر ایمان لاکر کیونکر خود دیوانہ اور مجنون ہوسکتا ہے۔پھر وہ بھی خلاف کتاب وسنت کے۔اندریں صورت وَاِنْ اَطَعْتُمُوْھُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ (121:6) مبائعین مشرکین ہوئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ بڑی تاکید سے فرماتا ہے۔اور اگر وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَھَا مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ اَنْکَاثًا (92:16) سے میاں محمود صاحب مستثنٰی ہیں۔کیونکہ بہ سبب خللِ دماغ کے مرفوع القلم ہیں۔تو پھر بھی العجب کہ جو کچھ وہ فرمادیں، سب کو اس پر ایمان لانا فرض اور واجب ہے۔ورنہ تکذیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لازم آجائے گی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذِہٖ الْخَرَفَاتِ۔اور میاں صاحب کیا اس آیت کے حکم سے بھی مستثنٰی ہیں کہ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (18:50) جو چاہیں سو کہیں۔اس تناقض کے بارہ میں ہم کچھ نہیں کہتے۔قارئین خود سمجھ لیویں۔

گہ چنیں بنماید و گہ ضد ایں　　اینچہ حیرانی است در دین متیں

واضح ہو کہ یہ حدیث فارسی کی حضرت ابو ہریرہ سے اس طرح صحیح مسلم میں آئی ہے۔قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْکَانَ الدِّیْنُ عِنْدَ الثّریا لَذَھَبَ بِہٖ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ اَوْ قَالَ مِنْ

اَبْنَاءِ فَارِسٍ حَتّٰی یَنَاوَلَهُ. ایضًا. فَوَضَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدَهُ عَلٰی سَلْمَان. ثُمَّ قَالَ لَوْکَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثَّرِیَا لَنَالَهُ رِجَالٌ مِّنْ هٰؤُلَآءِ.

پھر اب دیکھو کہ حضرت مرزا صاحب کو بھی اپنے فارسی الاصل ہونے میں چند الہام ہوئے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ رَدَّ عَلَیْهِمْ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ شکر اللّٰه سعیه دوسرا الہام یہ ہے لَوْکَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثریَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ.

ان دونوں الہاموں میں رَجُلٌ صیغہ مفرد کا ہے۔ اس سے مراد حضرت مرزا صاحب نے اس وقت میں صرف اپنے ہی تئیں رکھا ہے ولا غیر۔ اور حدیث نبویؐ میں جو جمع کا صیغہ رِجَالٌ آیا ہے۔ حضرت نے اسے اپنی تعظیم کے لیے قرار دیا ہے۔ دیکھو ازالہ اوہام۔

سو ہم کو بھی مسلم ہے۔ گو ان دونوں حدیثوں کے مصداق پہلے محدثین بھی ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ آگے ذکر کروں گا۔ کیونکہ صیغہ جمع کا جو حدیث میں آیا ہے، میرزا صاحب نے اس کو واسطے تعظیم کے قرار دے کر مراد اس سے خود اپنی ذات ہی کو لکھا ہے۔ میاں محمود صاحب وغیرہ تو مضمونِ حدیث کی رو سے بھی اور الہام کی رو سے بھی ہرگز ہرگز اس میں آ ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ انہوں نے سوائے تکفیر تمام اہل اسلام غیر احمدیاں اور نبوت حقیقی اور کامل میرزا صاحب کے اور تفسیر وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کے، جو محض مخالف مذہب میرزا صاحب کے ہے، کوئی ایسا کارِنمایاں دینِ اسلام کا نہیں کیا، جس کے لیے بعثت مسیح موعود کی تھی۔

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند ابن مریم مصلحت را نامِ من بنہادہ اند

اور تیسرا الہام میاں محمود صاحب کے لیے بڑا خوفناک ہے، اس میں ضرور جمع کا صیغہ ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیے میں دو مقدمے لکھتا ہوں۔ تا کہ قارئین دھوکے یا کسی کے فریب میں نہ پھنس جائیں۔

مقدمہ اولیٰ

کسی بزرگ کی اولاد کی نسبت، کیسا ہی بزرگ ہو، اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذِابْتَلٰی اِبْرٰھِمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (124:2) جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ مقبولیت اور اپنی امامت تمام انسانوں کے لیے جناب باری میں معلوم کی تو اپنی ذریت کی نسبت بھی بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ تو جواب میں ارشاد ہوا کہ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ (124:2)

اب ذرا غور کرو کہ جو عرب عرباء حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں سے تھے، ان کو اپنی امامت اور سرداری کی وجہ سے، جو ان کے آباء کے لیے تھی، اسی امامتِ آباؤاجداد کا گھمنڈ تھا۔ لیکن جب سردارانِ قریش کا ظلم بمقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حد سے بڑھ گیا تو پھر ان کا کیا حال ہوا۔ ہزاروں ہزار مقبول تو نہ ہوئے بلکہ مقتول ہو کر جہنم رسید ہو گئے۔ صَدَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی: لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (124:2) پھر حضرت نوحؑ کے بیٹے خاندانی کو دیکھو جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ وہ کشتی نوحؑ میں بیٹھنے سے انکار ہی کرتا رہا۔ تو فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ (43:11) کا مصداق ہوا یا نہیں ہوا؟ یہاں پر بھی کشتی نوح کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور جب حضرت نوحؑ نے عرض کیا وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ (45:11) اس سوال کے ردّ میں حضرت نوحؑ کو کیا جواب پُرعتاب ملا قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَالَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنِّیْٓ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ. قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَالَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ (11:45-47) حضرت سلیمان کے بیٹے کو بھی دیکھو۔ پس شریعت دینِ اسلام میں کسی کی ذریت ہو، اس کی نسبت یہی اصول ہے۔ اس اصول سے تجاوز ہرگز نہیں ہو سکتا۔

مقدمہ دوم

جب کوئی مسئلہ کتاب اللہ سے ثابت ہو، احادیث رسول اللہ سے ثابت ہو، تمام امت کے اجماع سے ثابت ہو۔ جو صحابہ کرامؓ سے لے کر حضرت مسیح موعود تک ہے۔ اس کے خلاف اور ضد پر اصرار کرنا اور حضرت مسیح موعود نے جو کتاب ''کشتی نوح'' تصنیف فرمائی ہے، اس کے بھی مخالف ہو کر دریائے ناپیدا کنار میں چلنا، کذا وکذا۔ یہ بھی ایک قسم کا بڑا شرک ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب اس طرح سے اس مسئلہ کو استحکام بخشا تو اب جو کوئی

اس مسئلہ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر اصرار کر رہا ہے، تو اس کے اصرار سے لازم آتا ہے کہ یا تو کوئی دوسرا خدا ہے۔ جس نے وہ مسئلہ جدید پہلے کے مخالف بنایا اور یا وہ خود اپنے تئیں شارع شریعت الٰہی کا قرار دے رہا ہے۔ بہر دو صورت شرک لازم آتا ہے کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (121:6) یہاں پر شرک فی العبادت مراد نہیں، بلکہ شرک فی الحکم مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ آپ کے تینوں مسئلے ایسے ہی ہیں، جن پر آپ کو اصرار ہے کَمَا ثبت فِیْ محلهٖ مِنَ الرِسَائِلِ وَالْمَضَامِیْن.

اب میں وہ الہام لکھتا ہوں جن میں آپ نے کُل بھائی بندوں کو اس الہام میں مندرج کر کے اپنے انکار کو انکار تمام انبیاء کا اعتقاد کیا ہے۔ حتی کہ انکار سید المرسلین خاتم المرسلین خاتم النبیین کا بڑے زور سے لکھا ہے۔ وہ الہام یہ ہے خُذُوا الْتَوْحِيْدَ اَلتَّوْحِيْدَ يَآ اَبْنَاءَ الْفَارِسِ. اس الہام میں اللہ تعالیٰ آپ کو شرک فی الحکم سے، جس میں آپ مبتلا ہیں، چھڑوا کر توحید کی طرف بڑی تاکید کے ساتھ بلا رہا ہے۔ پس جبکہ اللہ تعالیٰ اس الہام میں آپ کو مشرک فی الحکم قرار دے کر اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ کے بموجب توحید کی طرف بلا رہا ہے، مشرک قرار دیتا ہے۔ تو آپ حدیث رِجَالٌ یا رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ کے مصداق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ مثل حضرت میرزا صاحب کے اپنے دعاوی کا ثبوت معہ توحید خالص کے نہ دیں۔ علاوہ یہ کہ میرزا صاحب نے رَجُلٌ اور رِجَالٌ دونوں صیغوں مفرد اور جمع کو اپنے لیے مراد رکھا ہے۔ ہاں! الہام میں اَبْنَاء فَارِس بھی آیا ہے۔ مگر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو ابھی تک توحید بھی حاصل نہیں۔ پس جبکہ آپ نے اپنے تئیں اس الہام میں شریک کر لیا ہے۔ اور وہ الہام یہ ہے کہ خُذُوا الْتَوْحِيْدَ اَلتَّوْحِيْدَ يَآ اَبْنَاءَ الْفَارِسِ اندریں صورت اپنے ایمان کی فکر کیجئے۔ اور الہام ''براہین احمدیہ'' اور ''ازالہ اوہام'' میں بھی انہی الفاظ سے لکھا ہوا ہے اور ''حقیقۃ الوحی'' میں بھی اسی پر طرح ہے۔ اس الہام سے پایا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود تو ضرور رِجَالٌ یا رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ میں سے ہیں۔ اور آپ اَبْنَاءُ سب کے سب توحید کے خلاف اور مخالفِ توحید ہیں، جو ان تاکیدوں کے ساتھ آپ کو توحید کی طرف بلایا جاتا ہے۔ صیغہ تاکید کا بلیغ کے کلام میں جب ہی استعمال میں آتا ہے، جب مخاطب مخالف کو متکلم کی مخالفت پر اصرار ہو۔ پس اگر بموجب اپنے اقراروں کے صرف آپ ہی اَبْنَاءُ الْفَارِسِ ہیں اور دوسرا کوئی آپ جیسا اَبْنَاءُ الْفَارِسِ نہیں، تو صرف آپ ہی اس الہام کے مورد رہے بموجب مقدمہ دوم کے اور مطابق بفحوائے

مقدمہ اول کے آپ ہی اس آیت کے مصداق ہیں قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (124:2)۔ کیونکہ دوسری جگہ پر اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (13:31) بھی وارد ہوا ہے۔ ہم ابھی تک اس امر کا فیصلہ کامل نہیں کرتے کہ یہ آپ کا شرک کیا وہ شرک ہے جو مُخْرِجٌ عَنْ مِلَّۃِ الْاِسْلَامِ ہے یا ایسا کفر ہے جس کو اندرون اسلام کے بھی کفر وشرک کہا گیا ہے۔

اور جبکہ آپ کو ابھی تک بموجب آپ کے اقرار کے یہ بھی نہیں معلوم کہ میں مصلح موعود ہوں یا نہیں، تو پھر آپ کو ان آباؤ اجداد پر کون سا فخر حاصل ہے، جو ابناء فارس میں سے کامل الایمان گزرے ہیں۔ اور جو اپنی تیرہ پشتیں حضرت میرزا صاحب نے ''حقیقۃ الوحی'' میں لکھی ہیں۔ یعنی میرزا غلام مرتضیٰ بن میرزا عطا محمد بن میرزا گل محمد بن میرزا فیض محمد بن میرزا محمد قاسم بن میرزا محمد اسلم بن میرزا دلاور بن میرزا الہ دین بن میرزا جعفر بیگ بن میرزا محمد بیگ بن میرزا عبدالباقی بن میرزا محمد سلطان بن میرزا ہادی بیگ۔ ان بزرگوں کی نسل میں ہونے سے ہرگز ہرگز کوئی فخر آپ کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان کا حال تو کچھ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ یَنْقَطِعُ اٰبَاءِ کَ وَیَبْدَءُ مِنْکَ سے مفہوم ہوتا ہے۔ پھر جبکہ اس قدر پشتوں میں، جو حضرت سلمان فارسیؓ کے ساتھ درجہ بدرجہ بہت قریب ہوتی گئی ہیں، تب بھی کوئی صاحب مجدد یا ملہم نہیں ہوئے، تو آپ کو ابناء فارس سے ہونے کا ایک ہی پشت میں وہ کون سا فخر حاصل ہوگیا، جس سے آپ کا انکار حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین کا انکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ آپ کو ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم کہ میں مصلح موعود ہوں یا نہیں! ''بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا'' اور حضرت میرزا صاحب نے کسی تحریر میں تعدی کے ساتھ یہ تحریر بھی نہیں فرمایا کہ میرزا محمود صاحب ہی مصلح موعود ہیں۔

اگر کہا جائے کہ تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْخَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (134:2) بھی وارد ہے۔ تو یہ آیت بھی آپ کے ''مکاشفاتِ معراجی'' کے لیے کچھ مفید نہیں۔ کیونکہ اس میں بھی وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ موجود ہے۔ اور آپ کا کسب وہ ہے جو تمام ادلہ شرعیہ کے مخالف ہے فَاَیْنَ المفر خذوا التوحید التوحید یآ ابناء الفارس۔ اور اگر کہا جائے کہ یہ الہام بھی تو ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰہ تبارک و تعالٰی زاد مجدک یَنْقَطِعُ اٰباء کَ وَیَبْدَاُ مِنْکَ تو یہ الہام بھی آپ کے مدعا کے لیے سخت مضر ہے۔ جبکہ یہ آباؤ اجداد 13 پشتوں میں آپ کے ایسے گزرے ہیں کہ جن سے انقطاع کر کے

بدایت نسل کی حضرت میرزا صاحب سے کی گئی ہے۔ اور حضرت سلمان فارسی عظیم الشان صحابی کی ان تیرہ پشتوں میں بھی کوئی صاحب ایسے نہیں گزرے جن کا انکار حضرت خاتم النبیین سید المرسلین کا انکار ہو جو مُخرِجٌ عَنْ مِلَّۃِ الْاِسْلَامِ ہے۔ تو پھر یہ کیا ضروری ہے کہ حضرت میرزا صاحب کی ایک ہی اسی پشت میں بلا دلیل ایک شخص ایسا پیدا ہو جائے جو ایسا مصلح موعود ہو کہ اس کا انکار تمام انبیائے بنی اسرائیل کا انکار ہو۔ حتیٰ کہ حضرت سید المرسلین کا بھی انکار ہو جائے!

غایت الامر یہ کہ شاید تیرہ پشتوں کے بعد کوئی پسر مصلح موعود پیدا ہو جائے۔ ہم کو اس سے انکار نہیں۔ پس پھر تقریب تام نہیں ہوئی جو مستلزم مطلوب کی ہوتی۔ بینوا وتوجروا! فَاَیْنَ المفر خذوا التوحید التوحید یآ ابناء الفارس.

پھر دوسرے فرزند ارجمند میرزا سلطان احمد صاحب بھی ہیں جو ایکسٹرا اسسٹنٹ ہیں اور انہوں نے بفضل تعالیٰ دنیا میں بڑا نام پیدا کیا ہے، وہ تو کچھ دعویٰ نہیں کرتے۔ اور نعمت اللہ ولیؒ کے قصیدہ کے اس شعر کے وہ بھی مصداق ہو سکتے ہیں کہ ع

پسرش یادگار مے بینم

کیونکہ البتہ بالضرور دنیا میں انہوں نے ایک اچھی عظمت پیدا کی ہے ہاں وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کا مسئلہ آپ نے ایسا ایجاد کیا ہے کہ آپ بھی جس قدر مدت تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، یادگار رہیں گے۔ یہ مسئلہ جو قطعی ایمانیات سے ہے تیرہ سو برس کے بعد صرف آپ ہی کی خلافت میں بموجب خود آپ کے اقرار کے ایجاد ہوا ہے۔ جس کی نسبت کسی بندہ خدا نے کہا ہے کہ ؎

بدعقائد کہ در ''انوارِ خلافت'' ہستند لِلّٰہ الحمد کہ رد کردہ پر انوار شدم

یہ مسئلہ تو ایسی جدت رکھتا ہے کہ کبھی ان تیرہ سو برس میں کسی فرقہ اندرونی اسلام اور نیز کسی فرقہ بیرونی اسلام نے یہ قول نسبت کسی انسان کے، سوائے روح القدس کے، نہیں کہا۔ ہاں! مدعی نبوت تو ہوئے ہیں جو تباہ ہو گئے اور تباہ کیے گئے اور تکفیر اہل قبلہ کے بھی خَوارِج یا رَوافِض قائل ہوئے، لیکن اس مسئلہ قطعی ایمانیات کا کسی نے

ارتکاب نہیں کیا۔ اور نہ تمام دنیا کے علماء کو واسطے مناظرہ کرنے کے اس مسئلہ کے لیے کسی نے مدعو کیا۔ یہ آپ ہی کے حصہ میں رکھا ہوا تھا **خذوا التوحید التوحید یاابناء الفارس**. اور اس قسم کے دلائل بھی کسی نے نہیں لکھے کہ صاحبو! غلام احمد تو کسی زبان کا نام ہی نہیں ہوسکتا۔ اگر فارسی اردو ہوتا تو غلامِ احمد ہوتا اور اگر عربی ہوتا تو غلامُ احمد ہوتا، اگر پنجابی ہوتا تو ''احمد دا غلام'' ہوتا۔ پس غلام احمد تو نام نہ رہا۔ پس اس لیے نام احمد ہی رہا تو پھر پیشگوئی **وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ** (6:61) کے مصداق حضرت میرزا صاحب ہی حقیقتاً ہیں نہ کہ نبی کریمؐ۔ اس لحاظ سے ہرگز ہرگز رسول عربی کے لیے نہیں ہوسکتی۔ بھلا قارئین بتلاویں کہ ایسے اَدِلّہ قاہرہ کسی نے آج تک لکھے ہیں ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

خذوا التوحید التوحید یاابناء الفارس کیا سچا الہام ہے نعمت اللہ ولیؒ کا ع

پسرش یادگار مے بینم

رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ کا مصداق جو ہم حضرت میرزا صاحب کو اعتقاد کرتے ہیں۔ تو صرف ان کے الہام کی وجہ سے اس کا مصداق سمجھتے ہیں۔ ورنہ اس حدیث کی پیشگوئی خواہ بصیغہ مفرد ہو یا بصیغہ جمع منتظر الوقوع نہیں رہی۔ اس کی مصادیق تو پہلے واقع ہوچکی۔ مختصر بیان اس کا یہ ہے کہ حضرت امام الدنیا فی الحدیث حافظ اور حجۃ فی الحدیث حضرت امام بخاری **رَجُلٌ مِنْ فَارِسٍ** ہیں۔ جو فارسی الاصل ہیں اور اگر صیغہ جمع کا لیا جائے تب بھی امام مسلم وغیرہ ہیں۔ جن میں اکثر جامع امہات ستّہ کے ہیں۔ چنانچہ شروع احادیث میں تحت اس حدیث کے لکھا ہے کہ:

> **الذین خرجوا من فارس العجم وھم رجال کثیرون طیبون ومنھم غالب اصحاب الامھات الست و ذکر الثریا دلیل علی اکتسابھم الایمان من مکان بعید ولیس علی وجہ السیطۃ من حصل الایمان من موضوع شاسع و محل باعد بجمیع السنن الاحادیث و نزع الاخبار والاثار من**

معاوِنها غیر اهل الحدیث النبوی تظاهرت بذالک کتب طبقاتهم و صحف اسفاء هم حتی ان واحدا منهم سافر فی طلب حدیث واحد فِی سیرة شهر او زیاده علیها فکانهم نالوا الایمان من عندالثریا الذی هو بعد المکان وانک لا تجد ابدا سواداً واحدا من اسودة الفقهاء اهل الرای والقیاس العب نفسه فی کسب العلم السنی هذا التعب اوبلغ فی مواضعه ومعادنه هذا المبلغ فهٰذا الحدیث لا مصداق له انشاء اللّٰه تعالیٰ الاعصابة الحدیث وجماعة السنة فی القدیم والحدیث وفی هذا معجزة ظاهره للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم ومنقبة باهرة للبخاری ومسلم وامثالهما ممن تصدی لعلم الاخبار وروایة الآثار و نقل السنن من الرجال الاخیار والرواة الابرار والحمامة الاطهار واصلهم من فارس و بلاده واللّٰه یختص برحمته من یشاء. من عباده۔ خذوا التوحید التوحید یا ابناء فارس.

پس یہ مضمون، جو حدیث سے مستنبط ہے جس میں مجاز اور مبالغہ بھی موجود ہے، بغیر ان محدثین کے اور کس میں پایا جاتا ہے۔ ہاں! بسبب الہام کے حضرت میرزا صاحب کو بھی ہم اس میں داخل سمجھتے ہیں۔ لیکن اَبْنَآءُ اس رَجَلٌ فَارسٍ کے اگر داخل ہوں تو اس الہام کی رو سے مشرک ہی معلوم ہوئے ہیں۔ خواہ شرک خفی ہو یا شرک جلی۔ دیکھو الہام میں جو تاکید ہے خذوا التوحید التوحید یا ابناء فارس اللہ تعالیٰ اس توحید مندرجہ الہام کے لیے آپ کو توفیق عنایت فرماوے۔ پس آپ کے لیے حضرت مرزا صاحب کے الہام میں بھی کوئی منفعت موجود نہیں رہی۔ بلکہ الٹ کر آپ ہی پر پڑا۔ شاید یہ بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی دنیا ہی میں اس کا ملا ہے کہ تمام امتِ محمدیہ کی سوائے جماعت احمدیہ کے، آپ نے سب کی تکفیر کی ہے۔ اور جماعت احمدیہ میں سے بھی ایک حصہ کی نسبت اس معراجِ شملہ میں آپ کو منکشف ہو رہا ہے کہ اس حصہ کا ایمان بھی اٹھ رہا ہے۔ کیونکہ انہوں نے آپ سے بیعت نہیں کی۔ اور بہت سی تہدیدات ان کی نسبت آپ ارشاد کر رہے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا اس حصہ

احمدیہ پر برعکس آپ کے الہاموں سابقہ اور لاحقہ کے اس قدر فضل ہو رہا ہے کہ جس قدر تہدیدات لَیُمَزِّقَنَّھُمْ وغیرہ اور دیگر انذارات مندرجہ رسالہ جات ''القول الفصل'' وغیرہ میں آپ نے ارشاد فرمائے تھے۔ وہ سب کے سب الٹ کر آپ پر اور آپ کی جماعت پر واقع ہو رہے ہیں۔ **خذوا التوحید یا ابناء فارس!**

قارئین سے امید ہے کہ ہر دو مقدمہ مذکورۃ الصدر کو ہر مضمون کے استدلال میں پیش نظر اپنے رکھیں۔ ہر ایک مضمون میں یہ دونوں مقدمے ناطق رہیں گے، میں کچھ نہیں کہتا۔ والحمدللہ۔ مسیلمہ کی نسبت بھی لکھا ہوا ہے کہ اگر کسی کی آنکھ کی روشنائی کے لیے دعا کرتا تھا تو اندھا ہو جایا کرتا تھا اور اگر کسی کی درازی عمر کے لیے دعا کرتا تھا تو جلد مر جایا کرتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس آپ کا بھی یہی حال ہے۔ جس کو واقعات نے ثابت کر دیا۔ یہی وجہ بفضل اللہ تعالیٰ ہم کو آپ کی تہدیدات کی اتنی بھی پرواہ نہیں ہے جیسے کسی مکھی کے بھنبھنانے کی کچھ پرواہ کسی کو ہوا کرتی ہے۔ اور آپ کی تفہیم کے لیے اول تو انہی الہامات تہدیدی کا الٹ پڑنا کافی ہے ''اگر در خانہ کس است حرفی نیست''۔ اور پھر قرآن مجید میں جو تہدیدات ایسے دعاوی بے بنیاد کے لیے مندرج ہیں ایمان والے کو وہی کافی ہیں۔ پچھلے انبیاءؑ کی کتابوں میں بھی آپ جیسے بزرگوں کے لیے سب کچھ موجود ہے۔ قارئین کی توجہ کے لیے سفر استثنا باب 18 درس 22,21 کو لکھے دیتا ہوں۔

> ''اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اس سے مت ڈر۔''

یہاں پر تو آپ کی تہدیدات سابقہ مندرجہ رسائل کے واقعہ یا پورے ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے، ہم تو مشاہدہ کر چکے کہ وہ سب کی سب آپ پر پڑیں یا آپ کی جماعت پر **خذوا التوحید یا ابناء فارس**۔ اور آپ نے جو ایک شرذمہ قلیلہ کو مومن قرار دے کر باقی تمام جماعت احمدیہ کو کافر ٹھہرا دیا ہے، یہ آپ کی کوئی نئی بات نہیں۔ فرقِ باطلہ کا ہمیشہ سے یہی دستور چلا آیا ہے۔ کیونکہ ان کو بھی اس قسم کا گھمنڈ ہوتا تھا۔ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کر کر اہل حق سے مقابلہ ومجادلہ کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کا قول نقل فرماتا ہے: **وَلَا تُؤْمِنُوْنَ اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ** (73:3) اس کا جواب اللہ تعالیٰ ہماری طرف یہ ارشاد فرماتا ہے: **قُلْ اِنَّ الْھُدٰی**

هُدَی اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓی اَحَدٌ مِّثْلَ مَآاُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ(73:3)، **خذوا التوحيد التوحيد یا ابناء فارس**. اگرچہ آپ نے تدابیر اور منصوبہ بازی اپنی خلافتِ سیاسی کے حصول کے لیے بہت سی کچھ کی ہیں، جیسا کہ ''انوارِخلافت'' سے ظاہر ہے۔ مگر الحمدللہ کہ کچھ پیش نہیں گئی۔ جیسا کہ ''اظہارالنصائح'' میں خاکسار نے آپ کو بہت سی نصائح اس بارہ میں کی ہیں۔ اگرچہ خدانخواستہ کچھ دخل خلافتِ سیاسی میں آپ کو حاصل ہوجاتا، تو پھر نہیں معلوم، کیسی کیسی معراجیں آپ کو ہونے لگتیں۔ ثُمّ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** کہ اس حصہ جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے غالیوں کے شر سے محفوظ رکھا۔ جس کے ایمان کی نسبت آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کا بھی ایمان اٹھاجاتا ہے۔ جیسا کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے ایمان کی نسبت آپ کو معراج میں مکاشفات ہورہے ہیں کہ تمام مسلمان غیراحمدیوں کا ایمان تو اٹھ ہی گیا ہے۔ یعنی سب کے سب کروڑوں مسلمان بے ایمان ہوگئے ہیں۔ **نعوذ باللّٰه منه**۔ اَدِلّہ شرعیہ کی آپ کو کچھ پرواہ نہیں، بلا تحاشی اور بلاخوف وخطر اللہ تعالیٰ کی تمام امت محمدیہ غیراحمدی کو کافر حقیقی کہہ رہے ہو۔ اس سے بڑھ کر آپ کی یادگار اور کیا ہوتی۔ پورا ہوا الہام نعمت اللہ ولیؒ کا ؎

پسرش یادگار مے بینم

خذوا التوحيد التوحيد يا ابناء فارس۔ کیا یہ لوگ ابناء فارس نہیں تھے جن کی نسبت نبی کریم نے پیشگوئیاں فرمائی ہیں۔

> **عن ابی هريرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم لاتقوم الساعة حتی تقاتلوا قوما لغالهم اشعر حتی تقاتلوا الترک صغار الاعين حمر الوجوه فی ...... وجوهم المحان المطرقهه (متفق عليه وعنه) *ايضاً* قال قال رسول اللّٰه لا تقوم الساعة حتی تقاتلوا خوز اوکرمان من الاعاجم حمرالوجوه فطر الانوف صغار الاعين وجوهم ...... وفی رواية له عن عمر بن تغلب عراض الوجوه**

کیا یہ لوگ فارسی عجمی نہیں تھے۔ جن کے فتووں کے شر سے اس وقت کے اہل زبان نے پناہ مانگی ہے اور ان کے

مصائب اور تکالیف کے بارے میں جواُن کو ان سے پہنچے ہیں، مرثیے فارسی عربی میں لکھے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ آپ کے نزدیک خاص ابناء فارس سے نہیں تھے۔ کیونکہ یہ لوگ خاص ایرانی فارسی نہیں ہیں، تو اس سے تو آپ کے نزدیک سمرقند اور بخارا بھی خاص فارس میں نہیں ٹھہرے۔ جس کو حضرت میرزا صاحب نے اپنے آپ کو بخاری اور سمرقندی الاصل تحریر فرمایا ہے۔ دیکھو ازالہ اوہام کو۔ پھر تو آپ نے اس مسلک کے بموجب حضرت میرزا صاحب کے الہام پر بھی حملہ کر کر الہام الٰہی کا ستیاناس کر دیا۔ نعوذ باللہ منہ

ستم در عہد اوز انگونہ خونین شد کہ ہر ساعت اجل نزد شفاعت آید و دست ستم گیرد

چگونہ شرح تو انداواں قیامت را کز اں فزع ملک الموت خواستی زینہار

کنند تہنیت یک دگر کنوں بحیات بقیہ کہ زانساں بماند و از حیواں

برائے بندگی حضرتش وگر بارہ ز سر گرفت طبیعت توالد انساں

پدید مے شود آثار حرث ونسل وجود ازاں سبب کہ بروز وصواعق بفلاں

عقل دریں دایرہ سرمست ماند عاقبت از صبر تہی دست ماند

گمان بہر کہ ز تاثیر ابرو بار است کہ چرخ روئے زمیں راہمیں کند تزئیں

زبسکہ ریحت فلک خون شاہداں برخاک ہمیں دیدز زمیں سوسن وگل ونسریں

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِ ھٰٓؤلاءِ العلاۃ۔ اس لیے حضرت اقدس میرزا صاحب کو الہام میں بڑی تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **خذوا التوحید التوحید یا ابناء فارس**۔ اور خاص میرزا صاحب کے لیے الہام میں صیغہ مفرد کا فرمایا گیا ہے نہ جمع کا۔ اور جو جمع کا صیغہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اس سے مراد بھی میرزا صاحب ہی ہیں۔ دیکھو ’’ازالہ اوہام‘‘ کو۔ اور الہام میں جو جمع کا صیغہ ابناء فارس استعمال ہوا، اس میں آپ کو مشرک قرار دے کر تاکیداً ارشاد ہوا کہ **خذوا التوحید التوحید یا ابناء فارس**۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ**۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ**

قارئین کی تنبیہ کے واسطے میں ایک حدیث کے مضمون کو اور بھی لکھے دیتا ہوں جس میں اس زمانہ کے پانچ فتنوں کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ حدیث صحیح ہے۔ چونکہ مجھ کو مخبر صادق کی پیشگوئیوں کو صادق کرنے کا ہمیشہ سے شوق ہے جو نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ کی سنت ہے۔ دیکھو حضرت عمرؓ کا سراقہ کے ہاتھوں میں سونے کا کنگن پہنانا۔ باوجود یہ کہ سونے کا زیور مرد کو ناجائز ہے۔لیکن پیشگوئی کے پورا کرنے کے لیے یہ عمل کیا گیا۔حدیث نبویؐ میں مذکور ہے:

وعن عبداللّٰه بن عمر قال کنا قعودا عند النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فذکر الفتن فاکثر فی ذکرها حتی ذکر فتنة الاحلاس قال قائل ومافتننة الاحلاس قال هی هرب وحرب ثم فتنة السرآء دخنها من تحت قدمی رجل من اهل بیتی یزعم انه منی ولیس منی انما اولیائی المتقون . ثم یصطلح الناس علی رجل کورک علی ضلع ثم فتنة الدما لا تدع احدا من هذه الامته الالطمة لطمة فاذا قیل انقضت تمادت یصبح الرجل فیها مومنا و یمسی کافرا حتی یصیر الناس الی فسطاطین فسطاط ایمان الانفاق فیه وفسطاط نفاق لاایمان فیه فاذا کان ذالک فانتظروا الدجال من یومه ومن غده. (رواه ابوداؤد)

وحاصل ترجمہ معہ شروح حدیث کے حواشی سے کہ اول آپ نے فتنہ احلاس کا ذکر فرمایا کسی نے دریافت کیا کہ فتنہ احلاس کیا ہے فرمایا کہ وہ ہرب اور حرب ہے۔ دونوں بالتحریک اول ہرب کے معنے بہت بھاگنا **ای یفربعضهم مِن بعضهم لما بینهم المحا ربة** اور دوسرے حرب کے معنی بڑی لوٹ کھسوٹ **ای نهب مَال الانسان بحیث لا یبقی شیء** پر فتنہ سراء ہوگا۔معنی سراء کے خوش عیشی اور آرام وراحت کے ہیں۔یعنی یہ فتنہ بحالت آسائش اور رفاہ عام کے واقع ہوگا۔

اول فتنہ ظاہر ہے کہ غدر کا زمانہ ہے جس نے ایام غدر دیکھے ہوں گے، اس کو اس فتنہ کے وقوع میں کچھ شک نہ رہے گا۔ دوسرا فتنہ غدر کے بعد تکفیر مسیح موعود کا فتنہ ہے۔ جو بحالت امن و آرام کے واقع ہوا اور حضرت مسیح موعود کا عیش و آرام اور آپ کی حیات طیبہ ایسی ہی، جو الہام میں لکھی ہے، اور موجود تھی کہ شب و روز عیش و آرام میں گزرے **وَلَنُحۡیِیَنَّکَ حَیٰوةً طَیِّبَةً ثَمَانین حَوۡلًا اَوۡ قَرِیۡبًا مِنۡ ذٰلِکَ** حتی کہ دن رات آپ کا جسم

بھی دبتا رہتا تھا۔ لہٰذا اس فتنہ سراء کی تعبیر بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ ایسے مسلمان شخص کی تکفیر کرنا بڑا فتنہ ہے۔ اس میں ایک دخن بھی اس کے قدموں کے نیچے سے پیدا ہوگا۔ چونکہ دخن کا حدوث سوزش سے ہی پیدا ہوتا ہے اور تعلق زیادہ تر ولادت کا تحت رجلین سے ہی ہے۔ اس لیے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے ولد سے اس کے مملوکہ میں تغیر اور تبدل حادث ہوجائے گا۔ یعنی اس کے مذہب میں، جو اس کا اصل مملوک ہے، تغیر واقع ہوگا۔ ومن رٰی ان رجلیه یحتبر قان فانه یتذل مایملکه ویتغیر تعطیل الانام وغیرہ اور اس رجل کا اہلِ بیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا ہی ظاہر ہے۔ جیسا کہ حضرت سلمان کو آپ نے اپنے اہلِ بیت میں سے شمار کیا ہے اور حضرت مسیح موعود کا الہام بھی ہے سلمان منّا اھل البیت۔ پھر حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ دخن جو میرے ایک رجل اہل بیت سے پیدا ہوا ہے وہ دعویٰ کرے گا کہ میں ہی مثل اس اہل بیت کے نبی کریم کے اجزاء میں سے ایک جزو ہوں۔ حالانکہ وہ مجھ سے نہیں کیونکہ میرے دوست یا اہل بیت متقی ہوتے ہیں اور وہ دخن متقی نہیں۔ کیونکہ مرتکب شرک کا ہو رہا ہے۔

سیاق وسباق حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دخن سے جو لوگ جماعت کے محض صاف دل ہوں گے وہ مختلف رہیں گے۔ لیکن ایک ایسے رجل کی وجہ سے، جو نہایت درجہ اپنے اخلاق حمیدہ طبعی کے سبب نرم دل ہوگا اور دونوں فریق کی رعایت کرے گا، اس لیے دونوں فریق میں صلح اور آشتی رہے گی اور باہم متفق رہیں گے۔ لیکن اس رجل کے بعد وہ دخن نہایت درجہ تاریک ہوجائے گا۔ اور یہ فتنہ ایسا عام ہوجائے گا کہ اس جماعت میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑے گا، جس کو تھوڑا بہت اثر بھی نہ پہنچے۔ یہاں تک کہ جب کہا جائے گا کہ اب یہ فتنہ ہو چکا تو وہ اور طویل ہوجائے گا۔ نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ صبح کو اگر کوئی مومن ہوگا تو شام کو کافر ہوجائے گا۔ اس اختلافِ اسلام اور کفر کی نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ جماعت کے دو فرقے علیحدہ علیحدہ ہوجائیں گے اَیْ فِرْقَتَیْنِ وَقِیْلَ مَدِیْنَتَیْنِ ایک بستی میں تو ایسے اہل ایمان چلے جائیں گے جن میں نفاق نہ ہوگا۔ اور دوسری بستی میں ایسے نفاق کے رہیں گے لَا اِیْمَانَ فِیْهِ کے مصداق ہوں گے۔ چونکہ دجال کا فتنہ دینی بھی بڑا اعظیم الشان ہوگا، بنا بریں اسی سخت تاریک فتنہ کے قریب قریب ایک فتنہ دجالی دنیوی جنگ عالمگیر کا واقع ہوگا۔

ہم نے یہاں یہ ترجمہ بطور حاصل معنی کے مکرر بلکہ سہ کرر تاکید کے لیے لکھ دیا ہے معہ کسی قدر شرح کے

کتب شروح حدیث سے۔ اور اس حدیث کے آگے ترجمہ شیخ عبدالحق دہلوی میں یہ بھی لکھا ہوا ہے۔ از ینجا معلوم میشو کہ ایں فتنہ در آخر زمان بوجود خواہد آمد۔ (رواہ ابوداؤد)

اور خود قرینہ دجالی فتنہ کا یہ کہہ رہا ہے کہ یہ فتنہ حضرت مسیح موعود کی بعثت کے آخر میں واقع ہوگا۔ چونکہ اس حدیث کے مصداق ایسے ظاہر ہیں کہ مجھ کو ان کی تعین اور بیان کرنے کی ضرورت نہیں، اس لیے میں ان کو بیان نہیں کرتا۔ قارئین اپنی فراست سے اس کے مصداق خود سمجھ لیں کہ وہ مصداق کون کون سے ہیں۔ اور جو صاحب اس حدیث کا رد کرنا چاہیں، اول تو وہ ان تاویلوں کو پیش نظر رکھیں، جو حضرت مسیح موعود کے مسیح ہونے میں خود حضرت مسیح نے تحریر فرمائی ہیں۔ اور اس حدیث میں تو ویسی تاویلات بھی نہیں کی گئیں۔ اور اگر وہ تاویلات پیش نظر نہ رکھیں گے، اور اٹکل پچو جواب لکھتے چلے جائیں گے، تو پھر ان کے روبرو وہ سب تاویلات، جو احادیث حضرت مسیح موعود میں کی گئی ہیں، پیش کی جائیں گی۔ اگر اس حدیث کو تسلیم نہ کریں گے تو پھر ان کو ان احادیث سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا جس سے آپ کی مسیحائی ثابت کی جاتی ہے۔ یہ امر خوب یاد رکھیں اس سے غافل نہ رہیں۔ پھر حضرت صاحب کے الہام کو واسطے تاکید کے دہراتا ہوں **خُذُوا التوحید التوحید یا ابناء فارس** کسی بزرگ نے نسبت عجائبات زمانہ کیا اچھا کہا ہے۔

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از شام　　　ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است

کسی بزرگ کی ذریت ہونے پر کیا فخر کیا جا سکتا ہے۔ جو ایسے دعاوی خلاف کتاب اللہ وسنت رسول اللہ واجماع تمام امت از صحابہ تا مسیح موعود تک کے کرے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد قریش نے کیا کیا غضب کیے۔ اور حضرت خاتم النبیین کی بعثت نے ان کو خاک میں ملا دیا، بجز ان کے جو اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کی وہ اولاد، جو قنطورہ کے بطن سے ہوئی اسلام ہی کے عہد میں اس نے کیا کچھ کفر اور ظلم نہیں کیا۔ جس کے بارہ میں یہ چند شعر لکھے گئے ہیں اور جبکہ حضرت میرزا صاحب نے خود ازالہ اوہام میں تحریر فرما دیا ہے کہ جمع کا صیغہ جو آ گیا ہے وہ صرف واسطے اعزاز و اکرام کے ہے۔ مراد اس سے جمع نہیں۔ تو پھر مراد صیغہ جمع سے صرف میں ہی ہوں۔ تو پھر آپ اس میں کیونکر گھس سکتے ہیں۔ اور گھسنا بھی ایسا کہ آپ کا انکار سید المرسلین کا انکار ہو جائے۔ ذرا توجہ دیں اور اس کی ذریت کے مظالم اور کفر پر نظر فرمائی جائے، جس کی نسبت چند شعر مذکور لکھے گئے اور جن سے

بڑے بڑے اکابرِ اسلام، مثل صاحبِ حصن حصین شیخ امام بن محمد بن محمد بن محمد جزرائی شافعی وغیرہ نے اس کے فتنوں سے پناہ مانگی ہے۔ اور نبی کریم مخبر صادق نے چند حدیثوں میں ان فتنوں کی پیشگوئی فرمائی ہے۔ جس میں سے دو حدیثیں اوپر لکھی گئی ہیں۔ اور پھر وہ بنی اسرائیل، جن کی نسبت اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ (122:2) پھر دیکھو ان ابناء اسرائیل اہل کتاب کا کیا حال ہوا۔ باوجودیکہ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ کے مصداق تھے۔ ان کا بھی وہی قول تھا جو کہ آپ کا قول ہے کہ لَا تُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّا لِمَنۡ تَبِعَ دِیۡنَکُمۡ (73:3) ہم تو اس کا جواب یہی دیں گے قُلۡ اِنَّ الۡہُدٰی ہُدَی اللّٰہِ (73:3) اور حضرت میرزا صاحب کا الہام بھی آپ کے روبرو مکرر سہ کرر پیش کیے دیتے ہیں خذوا التوحید التوحید یا ابناء فارس.

دونوں مقدموں مذکورۃ الصدر پر قارئین کی توجہ رہے۔ صاحب حصن حصین مذکور فرماتے ہیں ۔

الا قولوا نشخص قد تقویٰ علیٰ لفظی ولا یخشٰی رقیبہ

خبات لہ سھاماً فی اللیالی و ارجو ان تکون لہ مصیبہ

ہمارے لیے بذریعہ اعتصام بالکتاب والسنّت کے اور کافی ہوتے ہوئے کتاب وسنت کے آپ کی کچھ پرواہ نہیں قَالَ اللّٰہ تَعَالٰی: فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَاعۡتَصَمُوۡا بِہٖ فَسَیُدۡخِلُہُمۡ فِیۡ رَحۡمَۃٍ مِّنۡہُ وَفَضۡلٍ وَّیَہۡدِیۡہِمۡ اِلَیۡہِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا (175:4) وَقَالَ اللّٰہ تَعَالٰی: وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰہِ ہُوَ مَوۡلٰىکُمۡ فَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَنِعۡمَ النَّصِیۡرُ (78:22) اور فرمایا اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ. یَعۡلَمُ مَابَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمَا خَلۡفَہُمۡ وَاِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ (75:22-76)۔ یہ آیات بینات بھی ختم نبوت حضرت خاتم النبیین پر براہین قاہرہ ہیں۔ پس ہم کو بعد خاتم النبیین ہونے کے اور ایسے آیات بینات کے ہوتے کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ اگر ضرورت ہے تو صرف مجددین کی، ملہمین کی، محدثین کی، جو ہم کو خوابِ غفلت سے بیدار کریں۔ اور براہین قاہرہ سے حقیقت کتاب اللہ اور نبوت محمدیہ کی ثابت کرکے دکھائیں اور قرآن مجید کے حقائق ومعارف سے مطلع کریں اور کسی کا رسول حقیقی اور نبی شرعی بنانا آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ (75:22) اس

کے لیے ایک برہان قوی ہے۔ آپ جیسے لوگ، جن کو اپنے مصلح موعود ہونے کی بھی خبر نہیں، وہ کسی کو نبی نہیں بنا سکتے۔ اندھے ہیں وہ لوگ جو آپ کی شملہ میں معراج کو حقیقی معراج اعتقاد کر کے آپ کو ایسا مصلح موعود سمجھ لیویں، جس کے انکار سے تمام انبیاءؑ کا انکار لازم آتا ہے ''اوخویشتن گم است کرا زرہبری کند''۔ یا حضرت میرزا صاحب ہی کو آپ کے صرف کہنے سے خلاف مذہب حضرت کے نبی حقیقی مان لیں۔ باوجودیکہ صدہا ادلہ شرعیہ اس نبوت حقیقی کو، جو بعد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو، دینِ اسلام میں بڑے زور شور سے ردّ کر رہی ہیں۔ اور پھر حضرت میرزا صاحب آپ کو ابھی تک توحید کی طرف بلا رہے ہیں۔ حدیث فارس میں لفظ رجال جو صیغہ جمع کا وارد ہوا ہے، اس کو بھی تعظیم کے لیے قرار دے کر میرزا صاحب اپنے ہی لیے اس وقت میں ارشاد کر رہے ہیں۔ اور آپ خود یہ بھی فرما رہے ہیں کہ مجھے ابھی تک یہ بھی خبر نہیں کہ مصلح موعود ہوں یا نہیں۔ اور تمام انذارات انذارات تہدیدی جو غیر مبائعین کے لیے بڑے زور وشور سے دنیا بھر میں شائع کیے گئے تھے، وہ سب کے سب اُلٹ کر آپ ہی پر پڑے۔

اور ظاہر داری اور منصوبہ بازی کا یہ حال ہے کہ کسی سے کچھ کہہ دیا اور کسی سے اور کچھ۔ چنانچہ ان کا خط رجسٹری شدہ بنام میرے موجود ہے۔ جس میں آپ نے اس مسئلہ کو، جو آپ کے زعم میں قطعی ایمانیات سے ہے اور بموجب اقرار خود آپ کی خلافت ہی کے ظلمات میں پیدا ہوا ہے، نہ تیرہ سو برس سنین ماضیہ کے اندر، جو خلاف کتاب وسنت اور اس اجماع امت کے بھی، جو صحابہؓ سے لے کر حضرت مسیح موعود تک ہے اور دلائل کا آپ کے وہ حال جو میں چند مرتبہ آپ کو اطلاع دے چکا ہوں۔ جو احادیث صحاح ختم نبوت کے لیے خاکسار اس لیے لکھ چکا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی وہی صحیح ہیں جو خود رسول مقبول نے بیان فرمائے، نہ وہ جو میاں محمود بیان کرتے ہیں، کذا وکذا۔ اور رسائل اظہار النصائح اور النصیحت وغیرہ میں دلائل لکھ چکا ہوں، ان کا جواب آج تک ندارد ہے۔ شاید مبائعین حاضرین سے صرف بلا دلیل انکار کر دیا ہوگا کہ یہ جو کچھ احادیث یا دلائل لکھے گئے ہیں، ان سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ وبس۔ وہ بیچارے اس نکتہ کو کب سمجھ سکتے ہیں کہ جو نافی بلا دلیل وسند ہوتا ہے وہی منفی ہوتا ہے۔ پس جیسا کہ شملہ کی معراج میں ارشاد ہوا کہ وَلَا تُؤْمِنُوْآ اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ (73:3) اور اس پر جماعت شملہ نے کہا کہ اٰمَنَّا وَسَلَّمْنَا ع

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

فَاِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَتْ حُدَّامُ اسی لیے خاکسار حضرت مرزا صاحب کے الہام کو مکرر سہ کرر تکرار کرتا ہے کہ خذوا التوحید التوحید یا ابناء فارس۔ اَيُّهَا الْمُبَائِعُوْنَ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيْدٌ. مجھ کو تو سخت تعجب ہوتا ہے کہ باوجود ایسے ہفوات اور سوء اخلاق اور خرابی اعمال کے، پھر بھی میاں محمود پر ایمان نہ لانا تمام انبیاءؑ کی تکذیب ہے، سید المرسلین خاتم النبیین کی تکذیب ہے۔ دنیا بھر کے لوگ جو میاں محمود صاحب کے ایسے ہفوات اور لغویات پر ایمان نہ لائیں، وہ سب کے سب کافر خارج از دائرہ اسلام ہیں۔ کیا سچ کہا ہے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے کہ ''ایں امامت نشد قیامت شد'' یہاں پر قرآن مجید کی چند آیات لکھی جاتی ہیں۔ تا کہ قارئین عبرت حاصل کر کے ایسی باتوں سے اجتناب کریں۔

> يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ. يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ. وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ. (3:70-73)

ایہا الاحباب! بموجب مذہب حضرت مرزا صاحب کے جو آپ کے الہامات میں الفاظ متشابہات اور مجاز و استعارہ وغیرہ کے آ گئے ہیں، ان کی نسبت ہر چند غالیوں سے کہا جاتا ہے کہ جب حضرت نے بیسیوں مقام پر اس کی تاویل فرما دی ہے، تو اس کو حقیقت پر محمول مت کرو۔ اور جس طرح سے کہ حضرت نے ان الفاظ کی تاویل فرمائی ہے، ان کو اسی طرح پر اعتقاد کرو۔ ورنہ ختم نبوت حضرت خاتم النبیین میں رخنہ پڑ جائے گا۔ اور پھر اس پر وہ مفاسد دینی برپا ہوں گے کہ جن کی کوئی حد نہیں ہے۔ اور شریعت دینِ اسلام میں دو ایک نسلوں کے بعد ہی گڑ بڑ ہو جائے گی۔ بلکہ ابھی سے بڑے بڑے مفاسد برپا ہو رہے ہیں اور اس پر نصوص قطعیہ احادیث کی بھی پیش کی جاتی ہیں، کتاب اللہ کی آیات بیّنات بھی پیش کی جاتی ہیں، اتفاق تمام امت کا جو صحابہ کرامؓ سے لے کر حضرت مسیح موعود

تک ہے وہ بھی پیش کیا جاتا ہے اور خود حضرت کے صدہا اقوال بھی پیش ہو چکے۔ لیکن کچھ شنوائی نہیں ہوتی۔ قرآن مجید کی آیت محکمہ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ(40:33) میں کوئی تاویل فاسد کر دیتے ہیں (خود مرزا صاحب کے الہام لَکَ خَطَابُ الۡعِزَّةِ کو اپنے پاؤں سے پامال کر رہے ہیں)۔ جو معنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیان فرمائے ہیں وہ تسلیم نہیں کرتے۔ احادیث صحاح کی طرف تو کوئی توجہ ہی نہیں کرتا کہہ دیتے ہیں کہ ہم حدیثوں کو کیا کریں؟ بیسیوں واسطے ان میں ہم تک پڑ گئے ہیں اور ہمارے پاس مسیح موعود کی وحی بلا واسطہ موجود ہے۔ پھر حدیثوں کو ہم کیا کریں گے۔ ہاں اگر کہیں مجبور ہو گئے تو لکھ دیا کہ حضرت کی تصنیفات اور تمام تحریرات 1901ء کے قبل کی سب منسوخ ہیں۔ حضرت اس وقت تک سمجھے ہی نہیں تھے۔

بہت سے مضامین میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ دیکھو سورہ آل عمران کے اس اصول کو، جو اللہ تعالیٰ نے واسطے دور کرنے جھگڑوں نصاریٰ اہل غلو کے مقرر فرمایا ہے، اس میں حضرت عیسیٰؑ، یحییٰؑ اور مریم والدہ عیسیٰؑ کا بھی ذکر ہے۔ اور ان میں جو جھگڑا تھا اس کے رفع کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا اصول محکم قائم کیا ہے، جس سے سارے جھگڑے اب بھی فیصل ہو سکتے ہیں فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ(7:3) میں بیان ہے۔ کیونکہ اس وقت بھی وہی جھگڑا غلو حضرت مسیح موعود کا درپیش ہے، اس لیے اس تمہارے غلو کو اہل نصاریٰ کے غلو کے ساتھ بڑی مشابہت ہے، مگر کچھ شنوائی نہیں ہوئی۔ اور شنوائی کیسی، چند روز کے بعد لکھ دیتے ہیں کہ دیکھو مولوی محمد احسن نے حضرت کے الہام کی یہ مخالفت کی، وہ مخالفت کی۔ آؤ، دوڑو، سنبھالو، وہ تو مرتد ہو گئے۔ ہائے افسوس۔

گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو　　لیک ازیشاں یک نشد اسرار جو

پھر دوبارہ انہی متشابہات کو پیش کر دیتے ہیں اور محکمات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اسی عیسیٰؑ بن مریم کے دفع غلو کے لیے قائم فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ وَمَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ يَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا

بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ(7:3)

سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے، جس طرح عیسیٰ بن مریم کی نسبت جو غلو نصاریٰ کرتے تھے، اس کا فیصلہ فرمایا ہے، اسی طرح سے اور انہی اصولوں سے فیصلہ کرنا یہاں بھی چاہیے۔ پھر بھی مکرر سہ کرر وہی متشابہات پیش کر دیتے ہیں اور محکمات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ مبادا دوسری ان کی نسل میں ایسی اولاد پیدا نہ ہو جائے جو بحکم الہام اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ اَوْ لَادِیْ وغیرہ کے، حضرت مسیح موعود کو خدا کا بیٹا قرار دے دے۔ لیکن اس اندیشہ سے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین محمدی کا قیامت تک حافظ ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. (9:15)

اور آج کل کے اخبار الفضل کا تو کچھ ذکر ہی نہیں کیا جاتا۔ جو میاں محمود کوہ شملہ کی چڑھائی تک پہنچ گئے ہیں، مگر غنیمت یہ ہے کہ ماؤنٹ ایورسٹ کی چڑھائی تک ابھی نہیں پہنچے۔ دیکھئے وہاں تک پہنچے میں کیا ہو؟ اس لیے مجھ کو ضرورت پڑی کہ ایک معراج نامہ بھی لکھنا پڑا، جس کا نام ''سعود نا مسعود فی معراج محمود'' ہے اور دوسرا لقب دعائیہ ''صعود محمود بر کوہ شملہ ماجمع اللہ شملہ''۔ بالفعل حضرات غالیوں کی خدمت میں چند الہامات حضرت اقدس کے پیش کرتا ہوں۔ دیکھیں وہ ان کو حقیقت پر کیونکر محمول کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ:

> ''سورہ تحریم میں اشارہ کیا گیا ہے کہ بعض افراد اس امت کے ابن مریم کہلائیں گے۔ کیونکہ اول مریم سے ان کو تشبیہ دے کر پھر مریم کی طرح نفخ روح ان میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اول وہ مریمی وجود لے کر اور اس سے ترقی کر کے پھر ابن مریم بن جائیں گے۔ جیسا کہ براہین احمدیہ میں خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں اول میرا نام مریم رکھا اور فرمایا: یٰمَرْيَمُ اُسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ یعنی اے مریم تو اور تیرے دوست بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ اور پھر فرمایا: یٰمَرْيَمُ نَفَخْتُ فِيْكَ مِنْ رُّوْحِ الصِّدْقِ یعنی اے مریم! میں نے صدق کی روح تجھ میں پھونک دی۔ گویا استعارہ کے رنگ میں مریم روح صدق سے حاملہ ہو گئی اور پھر آخر میں فرمایا: یٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ (55:3) یعنی اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی

طرف اٹھاؤں گا۔ پس اس جگہ مریمی مقام سے منتقل کر کے میرا نام عیسیٰؑ رکھا گیا۔ اور اس طرح پر ابن مریم مجھے ٹھہرایا گیا تا وہ وعدہ جو سورہ تحریم میں کیا گیا تھا پورا ہو۔ انتھی صفحہ 41
''

اے غالیو! اب کہو کہ یہ لطیفہ اگر حقیقی طور پر مانا جائے، تو تم نے خوب حضرت میرزا صاحب کی قدر کی کہ اول تو ایک لڑکی باکرہ مریم نام تم نے حضرت اقدس کو اعتقاد کیا۔ اور پھر مریم کی طرح حمل کا ٹھہر جانا بھی حضرت اقدس کے شکم میں مانا۔ اور پھر ولادت تو ضرور ہی ہوگی۔ کیونکہ اسقاط تو ہو ہی نہیں سکتا۔ خدائی حمل ہے۔ اور تعجب یہ کہ پھر باوجود طے کرنے ان سب مراحلِ حمل کے، پھر ولادت جو ہوئی، تو پھر وہی میرزا جی کے میرزا جی رہے ع

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ

اے غالیو! تمہاری دوسری نسل مثل ہنود کے کنہیا جی کی جنم اشٹمی کرنے لگے تو کچھ بعید نہیں۔ اے کم نصیبو! یہ صوفیائے کرام کے نکات ہیں ان کو حقیقت سے کیا واسطہ! خیر تو یہ ہوگئی کہ حضرت نے جابجا مسیحا ایسے نکات کے مجاز ہونے کی تصریح کر دی ہے۔ ورنہ تمہاری تو وہ عقلیں ہیں کہ تم تو اب تک رسم جنم اشٹمی ہنود کی اختیار کر چکے ہوتے۔ الفاظ متشابہات ضروری التاویل ہوتے ہیں۔ ورنہ الہام **لَکَ خِطَابُ الْعِزَّةِ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** جھوٹا ہو جائے گا۔

اب آیت کی تفسیر کی طرف بحولہ وقولہ تعالیٰ توجہ ہونی چاہئے۔ قرآن مجید کے اعجازات کا تو شمار نہیں ہو سکتا۔ ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ جس قدر فرقِ باطلہ اندرونی اور بیرونی اسلام کے ہیں ان سب کا رَدّ اس میں موجود ہے۔ قربان جائیے قرآن مجید کے کہ فرقِ باطلہ کے ابطال کے لیے کوئی دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں فرمایا۔ آیت مذکورہ جو لکھی گئی اس میں چار فریب اہل کتاب کے فرمائے گئے ہیں۔ یہ چاروں باتیں جوں کی توں یہاں کے اہل غلو میں پائی جاتی ہیں۔ تم کو معلوم ہوگا کہ ختم نبوت کے دلائل آیاتِ بینات قرآنی وحدیثی واقوال میرزا صاحب کے بذریعہ کتاب النبوت فی الاسلام اور القول الممجد واظہار النصائح وغیرہ وغیرہ من الرسائل والمضامین کے منصوص طور پر یہ تفصیل لکھی گئی۔ لیکن ان کے نزدیک حدیث تو کوئی چیز نہیں کہاں حدیث اور کہاں حکم وعدل کا

قول ''بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا''۔ کیونکہ وہاں تو بالمشافہ خدا بول رہا ہے اور یہاں حدیث بالواسطہ کی بات کرتے ہیں۔ جو ہم تک بیسیوں واسطہ ہو گئے ہیں، یہ جواب ہوا احادیث کا۔ اور قرآن مجید کی آیات میں ایسی تاویلات فاسدہ، جو یہود کی تحریفات سے بھی بدرجہا بڑھ کر ہیں، کی جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ قرآن مجید کی پوری اصلاح کرتے ہیں۔ آج ہی میں نے الفضل کے ہفوات سنے۔ اس میں عجیب وغریب یہ اصلاح کی گئی ہے کہ آیت مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ(6:61) ہونی چاہیئے مُبَشِّرًا بِرَسُوْلَیْنِ یَاْتِیْ اَحَدُھُمَا بَعْدِیْ وَالثَّانِیْ یَأتِیْ مِنْ بَعْدِ الرَّسُوْلِ الْاَوَّلِ اِسْمُہٗۤ اَحْمَدُ جو ترجمہ اس میں اردو میں لکھا ہے ترجمہ اس کا عربی میں کرا دیکھو کہ یہی ہوگا یا کچھ اور۔ تحریف معنوی تو پہلے ہوتی ہی تھی، اب تحریف لفظی بھی ہونے لگی۔ اس بے نصیب سے کوئی کہے کہ دینِ اسلام میں پہلے مخالف کذاب بھی تو بہت گذر چکے ہیں، مگر کسی سے مصداق اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (9:15) کا ایک شعشعہ یا ایک نقطہ بھی تبدیل نہ ہو سکا۔ اس بیچارے عبدالدرہم والدنیا کی کیا حقیقت ہے جو قرآن مجید میں لفظ **بعد** کو کہیں ظرف قرار دے کر اور کہیں اسم قرار دے کر کچھ تغیر وتحریف کر سکے۔ بڑے بڑے کذاب جو شعبدہ باز بھی تھے، جو حکومت بھی رکھتے تھے اور پورے طور پر کہانت میں دخل رکھتے تھے، ان سے تو کچھ ہو ہی نہ سکا، تو یہ بیچارہ کیا کر سکتا ہے۔ انہوں نے تو قرآن مجید کے مقابل بہت سی سورتیں بھی بنا لی تھیں۔ وہ روایات میں ماری ماری پھرتی ہیں اور کوئی ان کو بجز چولہے میں جلا دینے کے کام میں نہیں لاتا۔ اچھا اول تو میں تجھ سے یہی دریافت کرتا ہوں کہ آیت مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ (6:61) کی ترکیب نحوی تو بیان کرو اور جو نحوی محذوفات ہوتے ہیں اس کی بھی تجھے اجازت ہے بموجب قواعد کے مصدرات بھی نکال لے اور پھر میرے روبرو جملہ بنا کر پیش کرو۔ اور پھر لفظ **بعد** کے اسم یا ظرف ہونے کی تحقیقات تجھ سے کی جائے گی۔ جو بغیر لفظ من کے مستعمل ہوتا ہے تو اس کے معنوں میں یہ فرق ہو جاتا ہے جو آپ نے لکھا ہے، جس کی وجہ سے دو رسول ہو جاتے ہیں۔ اور پھر دریافت کیا جائے گا کہ کیا تمہارے کسی کو نبی بنانے سے کوئی شخص ایسا غیر نبی جو ہمیشہ تا حیات یہ کہتا رہا کہ ع

من نیستم رسول و نیا وردہ ام کتاب

وہ نبی بن سکتا ہے۔ کلا وحاشا اور قرآن مجید کے نصوص بینہ مثل اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ

سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَاللّٰہِ وَعَذَابٌ شَدِیْدٌم بِمَا کَانُوْایَمْکُرُوْنَ (124:6) اور وَاللّٰہُ
یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ(105:2) اور اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا
وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ م بَصِیْرٌ. (75:22)

❁❁❁

5دسمبر 1917ء

مذاکرہ علمیہ

بعثت مجددین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ .(15:40)

ترجمہ: وہ روح کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ڈالتا ہے تا کہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

اثر خامہ جناب مولٰینا محمد علی صاحب ایم۔اے امیر جماعت احمدیہ لاہور

(ماخوذ از روزنامہ ستارۂ صبح مورخہ یکم دسمبر 1917ء)

ختم نبوت کا مسئلہ بیشک دینِ اسلام کا ایک عظیم الشان رکن اور وحدت اسلامی کی مضبوط بنیاد ہے۔مگر اس کے ساتھ ہی ایک سوال بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جب زمین میں ظلمت وفساد پھیل جاتا،تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے ایک رسول کھڑا کر دیتا۔دنیا کی بڑی بڑی قوموں میں ہم کو یہ کیفیت نظر آتی ہے۔لیکن ہم بالخصوص اس قوم کو لیتے ہیں جس کا ذکر نہ صرف قرآن کریم نے کئی موقع پر کیا ہے، بلکہ اس قوم کو سلسلہ اسلامیہ کے ساتھ ایک مماثلت دی ہے۔میری مراد بنی اسرائیل سے ہے۔بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کے بعد ایک سلسلہ انبیاءؑ کا چلتا ہے جس کا ذکر متعدد موقعہ پر ہے۔ایک جگہ فرمایا: وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ (87:2) اس کے پیچھے ہم نے رسول بھیجے۔ایک جگہ فرمایا: ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا (44:23) پھر ہم نے اپنے رسول پے در پے بھیجے۔اس میں شک نہیں کہ شریعت موسوی کامل نہ تھی۔اور نہ حضرت موسیٰؑ یا حضرت ہارونؑ یا دوسرے انبیاء بنی اسرائیل کے لیے کامل نمونہ تھے، بلکہ ہر ایک نبی جو بنی اسرائیل میں آیا، یا کسی دوسری قوم یا ملک میں ظاہر ہوا، وہ صرف بعض صفات الٰہی کی تجلی اپنے اندر رکھتا تھا۔اور کامل نمونہ کا

ظہور صرف انسان کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں ہی ہوا۔ اور اسی طرح جو شریعت یا ہدایات وہ لاتا تھا وہ ایک خاص زمانہ کے لیے مخصوص ہوتی تھیں۔ اور یہ وہ ضروریات تھیں جو بعثت انبیاء کو چاہتی تھیں۔ مگر ان سب کے علاوہ ایک ضرورت اور بھی تھی اور وہ لوگوں کا راہ حق سے دور جا پڑنا اور ان صداقتوں کو ترک کر دینا تھا، انبیاءؑ جو پہلے لاتے تھے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ ان کی قساوت قلبی تھی جو مرور زمانہ سے پیدا ہو جاتی تھی۔ تو گو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صورت میں اپنی تعلیمات کو کامل کر دیا اور کسی ضرورت شریعت کو باقی نہ رہنے دیا۔ اور گو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صفات الٰہی کے کامل مظہر ہو کر انسانوں کے لیے ایک کامل نمونہ بن گئے۔ اور آپ کے بعد کسی اور نمونہ کی حاجت اہل اسلام کو نہ رہی۔ اور گو قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرما دیا، لیکن مرور زمانہ سے جو زنگ طبائع پر بیٹھ جاتا ہے۔ یا جو غلطیاں قوموں کے اندر ظہور پذیر ہو جاتی ہیں۔ وہ چونکہ فطرت انسانی کا خاصہ تھا۔ اس لیے ضرور تھا کہ اس کا اثر دور کرنے کے لیے اس اُمت اسلامی میں بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی راہ رکھی ہوتی۔ چنانچہ اس پر ایک طرف آیت قرآنی وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ (16:57) شاہد ہے۔ یعنی مسلمانوں کو نہ چاہئے کہ ایسے ہو جائیں جیسے پہلے اہل کتاب تھے کہ ان پر ایک لمبی مدت گذر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور دوسری حدیث شاہد ہے خَيْرُ قَرْنِىْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلَوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلَوْنَهُمْ (متفق علیہ) یعنی بہترین لوگ میری صدی کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے ملیں، پھر وہ جو اُن سے ملیں۔ اس کے بعد پھر جھوٹ وغیرہ کے پھیلنے کا ذکر ہے۔ پس جب پہلے ایسی ضرورتوں کے وقت میں، یعنی جب مرور زمانہ سے بعض غلطیاں پیدا ہو جائیں، اللہ تعالیٰ انبیاء کو پیدا کرتا رہا، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس اُمت میں بھی اس قسم کا کوئی سامان رکھا گیا ہے یا نہیں۔ جو ختم نبوت کے منافی نہ ہو۔

اس سوال کا جواب ہمیں اس حدیث سے ملتا ہے۔ جو بعثت مجددین کے متعلق صحاح ستہ کی ایک کتاب میں ہمیں ملتی ہیں۔ اور جس کو اُمت نے اپنے تعامل سے قبول کر لیا ہے اور جس کی صداقت پر ان عظیم الشان بزرگوں کی شہادت ہے، جن کی راستبازی اس اُمت میں مسلم ہے۔ مگر قبل اس کے کہ ہم اس حدیث مجدد پر بحث کریں پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن اصولوں پر بحث کی جائے جن پر اس حدیث مجدد کی بنیاد ہے۔ اگر وہ

اصول ہی قرآن و حدیث سے غلط ثابت ہوں، تو اس حدیث کی شہادت پر شک کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ سکتی۔ پس سب سے پہلے ہم یہ غور کریں گے کہ حدیث مجدد کی بنا کن اصولوں پر ہے۔ یوں تو اس اُمت میں اجتہاد کا ہونا یعنی قرآن و حدیث سے استنباط کر کے مسائل حل کرنا ایک مسلم امر ہے۔ اور خادمان اسلام کا بھی ایک گروہ عظیم ہم کو نظر آتا ہے، جنہوں نے اپنے وقت میں اسلام کی بیش بہا خدمات کیں اور اپنی زندگی کو محض خدمت اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ پھر کسی نے کوئی شاخ خدمت کی لے لی، کسی نے کوئی اور۔ کم و بیش اپنی اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کا کام بھی وہ کرتے رہے۔

مگر وہ بات جو ایک مجدد کو ان لوگوں سے ممیّز کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کا خاص تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے ہم کلام ہو اور بعض غلطیوں کی اصلاح کے لیے اسے مامور کرے۔ اور اس کی خاص طور پر تائید و نصرت کرے۔ پس وہ اصل الاصول، جس پر حدیثِ مجدد کی بنیاد ہے، درحقیقت صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص سے ہم کلام ہو۔ اور اس کو اصلاح کے ایک خاص کام کے لیے مامور فرمائے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کا اس اُمت میں لوگوں کے ساتھ ہم کلام ہونا ایک صحیح اصول ہے، تو حدیث مجدد پر اعتراض کرنا فضول ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اس اُمت میں اپنے اولیاء سے ہم کلام نہیں ہوتا تو حدیث مجدد خود باطل ہو جاتی ہے۔

اصل مسئلہ جو اس بارہ میں قابل بحث ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا اپنے اولیاء سے ہم کلام ہونا اور نشانات سے یا اطلاع علی الغیب کے ذریعہ سے ان کی تائید کرنا ہے۔ اور اس پر ہم پہلے قرآن کریم و حدیث سے غور کریں گے۔ اس کے بعد دوسری بحث اس بات پر ہوگی کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آئمہ دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے یا نہیں، جو منہاج نبوت پر کام کرنے والے ہوں۔ یعنی اصلاح خلق ان کی اصل غرض ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے امر سے ان کو کھڑا کرے۔ اگر یہ دونوں باتیں صحیح ثابت ہو جائیں تو پھر حدیثِ مجدد پر زیادہ بحث کی ضرورت نہ رہے گی۔

اس امر کو معلوم کرنے کے لیے کہ اس اُمت میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء سے مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے یا نہیں اور اُمور غیبیہ پر ان کو اطلاع دیتا ہے یا نہیں۔ سب سے آسان راہ یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اللہ تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ اور امور غیبیہ پر اطلاع دینا صرف انبیاء علیہم السلام سے ہی

مخصوص تھا۔ یا ان کی اُمتوں میں غیر نبیوں کو بھی یہ نعمت عطا فرمائی جاتی تھی۔

اس پر پہلی شہادت قرآن کریم کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی طرف وحی کی گئی اور اس کو اُمور غیبیہ پر یقینی اطلاع دی گئی۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (7:28) ہم نے موسیٰؑ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اس کو دودھ پلاؤ۔ پھر جب اس کی نسبت تم کو خوف ہو تو اس کو دریا میں ڈال دو اور کچھ خوف نہ کرنا، نہ غمگین ہونا۔ ہم یقیناً اس کو تمہاری طرف لوٹائیں گے۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبی نہ تھیں۔ مگر ان کی طرف اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے۔ یعنی ان سے کلام کرتا ہے اور ان کو اُمورِ غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے۔ اور وہ اطلاع ایسی یقینی ہے کہ اس کی بنیاد پر حضرت موسیٰؑ کی والدہ حضرت موسیٰ کو دریا میں ڈال دیتی ہیں۔

پس یہ ایک کھلی اور قطعی شہادت ہے کہ پہلی اُمتوں میں اللہ تعالیٰ غیر انبیاء سے کلام کرتا تھا اور ان کو اُمور غیبیہ پر اطلاع دیتا تھا۔ اور وہ ظنی امور نہ ہوتے تھے، بلکہ اعلیٰ درجہ کے یقینی اُمور ہوتے تھے۔

دوسری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ. يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ. ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ. اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (3:42-45) یعنی جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ نے تجھ کو چُن لیا ہے اور پاک کیا ہے اور دنیا کی عورتوں پر برگزیدہ کیا ہے۔ اے مریم اپنے رب کی فرمانبردار رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تم کو اپنے کلام سے بشارت دیتا ہے (ایک بیٹے کی) جس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا۔ دنیا اور آخرت میں معزز اور مقربین میں سے ہوگا۔ یہ بھی ایک غیر نبی سے کلام ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کی پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔ قرآن کریم میں اور بھی بہت سی مثالیں ہیں مگر یہ دو مثالیں اس لیے انتخاب کی گئی ہیں کہ یہاں عورتوں کو اطلاع علی الغیب دی جاتی ہے جو کہ نبی ہو نہیں سکتیں۔ کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ کوئی عورت نبوت

کے منصب پر سرفراز نہیں ہوئی۔

اب ہمارا استدلال دونوں مثالوں سے یہ ہے کہ جب پہلے اللہ تعالیٰ غیر نبیوں سے کلام کرتا اور ان کو اُمورِ غیبیہ پر اطلاع دیتا تھا، تو اب اس اُمت میں اس کی وہ سنت کیوں جاری نہ رہے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے سوائے نبیوں کے دوسروں سے کلام نہ کیا ہوتا تو ختمِ نبوت کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا انقطاع بھی ماننا پڑتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا ظہور پہلے غیر انبیاء کے ذریعے سے ہوتا رہا ہے تو ختمِ نبوت سے صفتِ کلام کے ظہور پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور اگر اس اُمت میں اللہ تعالیٰ کے مکالمہ مخاطبہ کا دروازہ بھی بند ہے تو بلا وجہ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کو معطل ماننا پڑتا ہے۔ ہاں اگر کلام الٰہی انبیاء سے مخصوص ہوتا تو ختم نبوت سے مکالمہ مخاطبہ کا بند ہونا بھی ممکن تھا۔ علاوہ بریں امت کے مومنوں کی مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت مریمؑ سے دی ہے۔ فرمایا:
وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ. (12:66)

پس اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اگر حضرت مریمؑ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور اُن کو اُمورِ غیبیہ پر اطلاع دی۔ تو ضرور ہے کہ اس اُمت کے برگزیدہ لوگوں سے بھی کلام کرے اور اُن کو اُمورِ غیبیہ پر اطلاع دے۔

ان تمام باتوں پر حدیث سے بین ثبوت اس امر کا ملتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ پہلی اُمتوں میں غیر انبیاء سے کلام کیا کرتا تھا اور ان کو اُمورِ غیبیہ پر اطلاع دیتا تھا۔ اسی طرح اس اُمت میں بھی اُس کی یہ سنت جاری رہے گی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلُكُمْ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ رِجَالٌ يُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوْآ اَنْبِيَآءَ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْ اُمَّتِيْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَر. نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن لوگوں میں جو تم سے پہلے بنی اسرائیل میں سے تھے ایسے لوگ تھے کہ اُن سے کلام کی جاتی تھی۔ حالانکہ وہ نبی نہ ہوتے تھے۔ ایسے لوگوں میں سے ایک عظیم الشان انسان میری اُمت میں ہے تو عمرؓ ہے۔ اس حدیث پر مفصل بحث آگے چل کر ہوگی۔ یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ جس طرح پہلی قوموں میں غیر انبیاء سے مکالمہ ہوتا تھا اور اُن کو اُمورِ غیبیہ سے اطلاع دی جاتی تھی۔ اسی طرح اس اُمت میں بھی ہوگا۔ حضرت عمرؓ کا ذکر یہاں صرف اظہارِ عظمت کے لیے یا اُن کے اولین میں سے ہونے کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ تمام

شارحین حدیث کا اس پر اتفاق ہے۔ علاوہ اس کے قرآن کریم نے بالتصریح بھی اُمت کے مومنین کو اطلاع علی الغیب دیئے جانے کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: اَ لَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ. الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ. لَہُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ. (10:62-64) دیکھو اولیاء اللہ پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ان کے لیے اس دنیا کی زندگی میں بھی بشارتیں ہیں اور آخرت میں بھی۔ یہاں اَلۡبُشۡرٰی کے معنی احادیث میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رویائے صالحہ مروی ہیں۔ اور رویائے صالحہ وہی ہیں جس میں کوئی آئندہ کی صحیح خبر ظاہر کی جائے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اَلۡبُشۡرٰی ہِیَ الرُّؤۡیَا الصَّالِحَۃُ یَرٰھا الۡمُؤۡمِنُ اَوۡتَرٰی لَہٗ وَعَنۡہُ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ذَھَبَتِ النُّبُوَّۃُ وبَقِیَتِ الۡمُبَشَّرَاتُ آخری الفاظ میں امام رازیؒ نے آیت کے معنے پر ایک دوسری حدیث کی شہادت پیش کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ نبوت ختم ہوگئی اور مبشرات باقی رہ گئے۔

چنانچہ جو کچھ اس آیت قرآنی میں منشاء ہے، اس کی تفسیر اس حدیث سے ہوئی ہے جو بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَمۡ یَبۡقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الۡمُبَشَّرَاتُ قَالُوۡا وَمَا الۡمُبَشَّرَاتُ قَالَ الرُّؤۡیَا اَلصَّالِحَۃُ نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا مگر مبشرات۔ لوگوں نے عرض کیا مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا رؤیا صالحہ۔ اور اس رؤیا صالحہ کے متعلق دوسری جگہ فرمایا: عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ رُؤۡیَا الۡمُومِنِ جُزۡءٌ مِّنۡ سِتَّۃٍ وَاَرۡبَعِیۡنُ جُزۡءٍ مِنَ النُّبُوَّۃِ. مومن کی رؤیا نبوت کے چھیالیس جزو میں سے ایک جزو ہے۔ اور اس سے مراد معمولی خواب نہیں۔ اور حدیث رِجَالٌ یُّکَلَّمُوۡنَ مِنۡ غَیۡرِاَنۡ یَّکُوۡنُوۡا اَنۡبِیَآءَ سے مکالمہ باقی رہنا ظاہر ہے۔ پس مبشرات میں مکالمہ مخاطبہ جو اللہ تعالیٰ کا اولیاء سے ہوتا ہے شامل ہے۔ چنانچہ فتح الباری میں ان الفاظ کی تشریح میں لکھا ہے: قَالَ اِبۡنُ التِّیۡنِ مَعۡنی الۡحَدِیۡثِ اَنَّ الۡوَحۡیَ یَنۡقَطِعُ بِمَوۡتِیۡ وَمَا بَقِیَ مَا یَعۡلَمُ مِنۡہُ مَا سَیَکُوۡنُ الرُّؤۡیَا وَ یرد عَلَیۡہِ الۡاَلۡھَام فَاِنۡ فِیۡہِ اخبار بما سیکُوۡنُ وَھَوَ الۡاَنۡبِیَآءُ بِالنِّسۡبَۃِ الۡوَحۡی کَالرُّؤۡیَا وَیَقع بِغَیۡرِ الۡاَنۡبِیَآءِ کَمَا فِیۡ حَدِیۡثِ الۡمَاضِیۡ فِیۡ مَنَاقِبِ عُمَرؓ قَدۡ کَانَ فِیۡمَنۡ مضٰی مِنَ الۡاُمَمِ مُحَدَّثُوۡنَ وَفُسِّرَ الۡمُحَدَّثُ بِفَتۡحِ الدَّالِ بِالۡمُلۡھِمۡ بِالۡفَتۡحِ اَیۡضًا وَقَدۡ اَخۡبَرَ کَثِیۡرٌ

مِّنَ الْاَوْلِیَآءِ عَنْ اُمُوْرٍ مَغِیْبَۃٍ فَکَانَتْ کَمَا اَخْبَرُوْا یعنی ابن المتین کہتے ہیں کہ حدیث کے معنے یہ ہیں کہ وحی (وحی نبوۃ) میری وفات سے منقطع ہوجائے گی اور رؤیا باقی رہ جائے گی۔ اوراس میں الہام بھی شامل ہے۔ کیونکہ اس میں اس چیز کی خبر ہوتی ہے جو ہونے والی ہو اور وہ یعنی الہام انبیاء کے لیے وحی کی نسبت سے رؤیا کی طرح ہے اور وہ غیرانبیاء کو ہوتا ہے جیسا کہ پچھلی حدیث سے ظاہر ہے۔ جو حضرت عمرؓ کے مناقب میں ہے کہ گذری ہوئی اُمتوں میں محدث تھے اور محدث کی تفسیر ملہم سے کی ہے۔ اور بہت سے اولیاء غیب کی خبریں دیتے رہے ہیں۔ اور جس طرح اُنہوں نے خبریں دیں، اسی طرح وقوع میں آیا۔ یہاں صاف طور پر الہام یعنی اولیاء اللہ کی وحی کو رؤیا صالحہ میں شامل کیا ہے۔ اس لیے کہ انبیاء کی وحی جو حضرت جبریلؑ لاتے ہیں اور جو صفائی کے لحاظ سے کمال رکھتی ہے اور جو حالت بیداری میں ہوتی ہے، اس کے بالمقابل اولیاء کی وحی ایسی ہوتی ہے، جیسے رؤیا۔ اور یہ لفظ اختیار کرنے میں ایک یہ وجہ بھی اختیار کی گئی ہے کہ خواب عام ہے اور کثرت سے دیکھا جاتا ہے۔ اور عام مومنین بھی اس سے حصہ پاتے ہیں۔ اور الہام خواص سے یعنی محدثین سے مختص ہے۔ اس لیے اس لفظ کو اختیار فرمایا جس میں عمومیت زیادہ ہے۔ کیونکہ خاص کلام اس کے اندر شامل ہوجاتا ہے اور خود اولیاء کی وحی میں بھی زیادہ حصہ خوابوں کا ہوتا ہے۔ اور امام راغبؒ لفظ وحی کے معنی میں لکھتے ہیں وَیُقَالُ اَلْمکَالمَۃُ الْاِلٰھِیَّۃُ اَلَّتِیْ تُلْقٰی اِلٰی اَنْبِیَآئِہٖ وَاَوْلِیَآئِہٖ وَحْیٌ. یعنی مکالمہ الٰہیہ، جو انبیاء اور اولیاء سے ہوتا ہے، اُس کو وحی کہا جاتا ہے۔ یعنی لفظ وحی کا اولیاء کے الہام پر بولنا بھی جائز ہے۔ اور اس پر قرآن کریم کی شہادت اوپر نقل کی جاچکی ہے کہ حضرت موسٰیؑ کی والدہ کے لیے لفظ وحی ہی استعمال کیا۔ حالانکہ وہ نبی نہ تھیں۔ اس کی مزید تائید امام قرطبیؒ کے اس قول سے ہوتی ہے جو باب رؤیا الصالحین کے ماتحت فتح الباری میں نقل کیا گیا ہے اَلْمُسْلِمُ اَلصَّادِقُ اَلصَّالِحُ ھُوَالَّذِیْ یُنَاسِبُ حَالَہٗ حَالَ الْاَنْبِیَآءِ فَاُکْرِمَ بِنَوْعٍ مِّمَّا اُکْرِمَ بِہِ الْاَنْبِیَآء وَھُوَ الْاِطْلَاعُ عَلَی الْغَیْبِ مسلم صادق صالح وہ ہے جس کا حال انبیاء سے مشابہ ہو۔ پس اس کو وہ چیز عطا کی جاتی ہے جو انبیاء علیہم السلام کو عطا کی جاتی ہے۔ یعنی اطلاع علی الغیب۔

اب ہم اس سوال کے دوسرے پہلو پر غور کرتے ہیں اور وہ ہے اس اُمت میں محدثین کا وجود۔ محدث کے وجود پر اُمت کا اجماع ہے۔ یہاں تک کہ اس آیت میں وَمَااَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ

اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰی (52:22) حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت وَلَا نَبِیٌّ وَلَا مُحَدَّثٌ مروی ہے (دیکھو فتح الباری) اور بخاری میں یہی روایت ابن عباسؓ کی مروی ہے۔ اس سے کم از کم یہ معلوم ہوتا ہے کہ محدث کا وجود ایک مسلّم امر ہے اور دوسرے یہ کہ اس کو انبیاء و رسل سے اشد مشابہت ہے۔ کیونکہ اس کا ذکر رسول اور نبی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور جب ہم حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ذیل کی متفق علیہ حدیث فیصلہ کن ہے عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِیْمَا قَبْلَكُمْ مِّنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّكُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم سے پہلے اُمتیں گذریں ہیں اُن میں محدث ہوا کرتے تھے۔ میری اُمت میں اگر کوئی ایک ہے تو عمرؓ ہے۔ یعنی حضرت عمرؓ ان میں ایک عظیم الشان محدث ہیں۔ حضرت عمرؓ کا نام بالخصوص اس لیے بھی لیا کہ دوسری حدیث میں آتا ہے لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرَ میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محدث کے مقام کو نبی کے ساتھ بہت تشبیہ ہے۔ اِنْ یَّكُ فِیْ اُمَّتِیْ سے مراد یہ نہیں کہ میری اُمت میں کوئی محدث نہیں، نہ ہی یہ مراد ہے کہ حضرت عمرؓ ہی ایک محدث ہیں۔ فتح الباری میں اس کی شرح یوں کی ہے لَمْ یورد هٰذَا الْقَوْل مورد التَرْدِیْد فَاِنَّ اُمَّتَهٗ اَفْضَلُ الْاُمَمِ وَاِذاثبت ان ذٰلِكَ وَجَدَ فِیْ غَیْرِهِمْ فَاَمْكَانُ وَجُوْدِهٖ فِیْهِمْ اَوْلٰی وَاِنَّمَا اَوْرَدَهٗ مُوْرد التَّاكِیْدِ. یعنی اس قول سے مراد محدثوں کے ہونے کی تردید کرنا نہیں۔ کیونکہ آپ کی اُمت تو سب اُمتوں سے افضل ہے۔ اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ دوسری اُمتوں میں محدث پائے گئے ہیں تو اس اُمت میں اُن کا پایا جانا بدرجہ اولیٰ ثابت ہے۔ اور ان الفاظ میں درحقیقت تاکید کرنا مقصود ہے۔ اس کی مثال یوں دی ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ اَنْ یَّكُنْ لِیْ صدِیْقٌ فَاِنَّهٗ فَلَانٌ یعنی اگر کوئی میرا دوست ہوسکتا ہے تو وہ فلاں ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ میرا کوئی دوست نہیں۔ یا اُس خاص شخص کے سوائے کوئی دوست نہیں۔ بلکہ اس کی خصوصیت ظاہر کرنا اصل مقصود ہوتا ہے۔ اور آگے صاحب فتح الباری لکھتے ہیں کہ اس اُمت میں محدث بہت کثرت سے ہوئے ہیں، اور اس کی وجہ یوں بیان کی ہے وَقَدْ تَكُوْنُ الْحِكْمَةُ فِیْ تَكْثِیْرِهِمْ مَضَاهَة بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ فِیْ كَثْرَةِ الْاَنْبِیَآءِ فِیْهِمْ فَلَمَّا فَاتَ هٰذِهِ الْاُمَّة كَثْرَة الْاَنْبِیَآءِ فِیْهَا یَكُوْنُ نَبِیُّهَا خَاتم الْاَنْبِیَآءِ عوضُوْا بِكَثْرَةِ الْمُلْهِمِیْنَ یعنی اس اُمت میں محدثین کی کثرت میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل میں انبیاءؑ کی کثرت سے مشابہت ہو۔ پس جب اس اُمت

میں نبی تو کثرت سے ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ اس کا نبی خاتم الانبیاء ہے تو اس کے عوض ان میں ملہم کثرت سے پیدا کیے گئے۔

محدث سے کیا مراد ہے؟

کسی نے اس کے معنے ملہم کیے ہیں، کسی نے یہ کیے ہیں کہ وہ مرد صادق الظن ہے جس کے دل میں ملاء اعلیٰ بعض باتیں ڈال دیتے ہیں یعنی القاء کرتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ وہ شخص جس کی زبان پر بلا ارادہ صحیح بات جاری ہو، اور بعض نے کہا وہ جو نبی نہ ہو، مگر مکلم ہو۔ اور یہ آخری معنی حدیث مرفوع میں بھی پائے جاتے ہیں جو ابوسعیدؓ سے مروی ہے۔

درحقیقت بخاری کی ہی دوسری حدیث نے محدث کے معنوں کا فیصلہ کر دیا ہے۔ کیونکہ یہی حدیث جو اوپر بیان ہوئی دوسرے طریق سے بخاری میں ہی یوں مروی ہے عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِیْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِّنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ رِجَالٌ یُّكَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّكُوْنُوْا اَنْبِیَآءَ فَاِنْ مِّنْ اُمَّتِیْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ یعنی ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں میں سے جو بنی اسرائیل میں سے تم سے پہلے تھے ایسے لوگ ہوا کرتے تھے جن سے کلام ہوتا تھا بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں۔ پس میری اُمت میں اگر کوئی اُن میں سے ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ اس حدیث کے الفاظ میں اور پہلی حدیث کے الفاظ میں صرف ایک ہی فرق ہے کہ وہاں لفظ محدث رکھا ہے اور یہاں رِجَالٌ یُّكَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّكُوْنُوْا اَنْبِیَآءَ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ محدث کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایک شخص نبی نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو۔ پس محدث کے معنی بروئے حدیث یہ ہوئے کہ ایسا شخص جو نبی تو نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ اُس سے ہم کلام ہو۔

محدث کی حیثیت کیا ہے؟

اس پر بھی فتح الباری کا قول ہی نقل کر دینا کافی ہے۔ وہ نبی کی طرح خود مطاع نہیں ہوتا بلکہ اپنے نبی کا مطیع ہوتا ہے۔ اور اس کی گردن اپنے نبی متبوع کے جوئے کے نیچے ہوتی ہے۔ چنانچہ فتح الباری میں ہے

المحدث منهم اذا تحقق وجوہ لا یحکم بھا وقع لہ بل لا بدلہ من عرضہ علی القراٰن فان وافقہ او وافق السنۃ عمل بہ والا ترکہٗ وھٰذا وان جازان یقع لکنہٗ نادر مما یکون امرہ منھم مبنیا علیٰ اتباع الکتاب والسنۃ یعنی محدث کا وجود جب متحقق ہو جائے، تو وہ اس کے مطابق حکم نہیں دیتا جو اس پر واقع ہوتا ہے (یعنی الہام اس کو ملتا ہے) بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کو قرآن پر پیش کرے۔ پس اگر قرآن سے موافقت رکھتا ہو یا سنت سے موافقت رکھتا ہو تو اُس پر عمل کر لیتا ہے، ورنہ اُسے ترک کر دیتا ہے۔ اور گو ایسا ہونا جائز ہے۔ لیکن ان لوگوں سے، جن کا سارا دار و مدار ہی اتباع کتاب و سنت پر ہو، ایسا نادر ہی وقوع میں آ سکتا ہے۔

متاخرین نے جو کچھ محدث کے متعلق لکھا ہے اس کا جان لینا بھی ضروری ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوب پنجاہ و یکم میں لکھتے ہیں: **اعلم ایھا الاخ الصدیق ان کلامہ سبحانہ مع البشر قد یکون شفاھا وذالک الافراد من الانبیاء علیھم الصلوٰت والتسلیمات وقد یکون ذالک لبعض المکمل من متابعیھم بالتعیہ والوراثۃ ایضاً واذ اکثر ھٰذا القسم من الکلام مع واحد منھم مسمی محدثا کما کان امیر المومنین رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ** یعنی اے صدیق! جان لے کہ اللہ سبحانہ کا کلام کبھی انسان کے ساتھ ایسا ہوتا ہے۔ جیسا ان کے سامنے۔ اور یہ انبیاء علیہم السلام کے لیے ہے اور کبھی ان کے پیروؤں میں سے بعض کے لیے، جو کمال حاصل کر چکے ہوں، بسبب پیروی اور وراثت کے بھی ایسا کلام ہوتا ہے۔ اور جب یہ قسم کلام ان میں سے ایک کے ساتھ کثرت سے ہو تو اس کا نام محدث رکھا جاتا ہے۔ جیسے امیر المومنین حضرت عمرؓ کا رکھا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں فرماتے ہیں۔ یہاں صرف اُردو ترجمہ دیا جاتا ہے۔

''اور از انجملہ صدیقیت و محدثیت ہے۔ اور ان کی حقیقت یوں ہے کہ اُمت میں سے ایک شخص ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی فطرت ذاتی کے اعتبار سے انبیاءؑ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ جیسے کہ شاگردِ فطین کو شیخِ محقق کے ساتھ نسبت ہوتی ہے۔''

اور پھر لکھتے ہیں:

''اور منجملہ مقامات قلب کے دو مقامات اور ہیں۔ یہ مقام ان نفوس کے ساتھ مختص ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مشابہ ہوتے ہیں۔ ان مقامات کا عکس ان نفوس پر ایسا پڑتا ہے جس طرح سورج کی روشنی کا اس آئینہ پر عکس پڑتا ہے جو ایک کھلے ہوئے سوراخ کے مقابل رکھا ہوا ہے۔ پھر اس آئینہ کی روشنی کا عکس دیواروں اور چھت اور زمین پر پڑتا ہے۔ یہ دو مقام بھی بمنزلہ صدیقیت اور محدثیت کے ہیں۔''

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ محدث کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ کثرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور حضرت شاہ ولیؒ اللہ نے محدث کو مثیل انبیاء قرار دیا ہے۔ وہ اپنی فطرت ذاتی کے اعتبار سے انبیاء کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور پھر اس میں بطور عکس یا ظلی طور پر نبوت کا ہونا مانا ہے۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کے مقام کا عکس اُن پر ایسا پڑتا ہے جیسے چاند کی روشنی کا عکس آئینہ پر۔

ان احادیث سے جو اوپر نقل ہوئیں اور شارحین کے اقوال سے اور ایسا ہی جو کچھ مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولیؒ اللہ کی کتابوں سے حوالے دیئے گئے ہیں، اُن سے ذیل کے اُمور محدث کے متعلق ثابت ہوتے ہیں۔

☆ اس اُمت میں نبی کوئی نہیں ہوگا۔ محدث ہوں گے۔

☆ محدث حقیقی طور پر نبی نہیں۔ بلکہ اُمتی ہوتا ہے۔

☆ محدثیت اُمتی کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام ہے۔

☆ محدث کو کمالات نبوت حاصل ہوتے ہیں۔

☆ محدث نبی سے بطور عکس کے روشنی لیتا ہے۔ یعنی ظلی رنگ میں، نہ اصلی رنگ میں نبوت پاتا ہے۔

☆اس اُمت میں محدث پہلی اُمتوں کے بالخصوص بنی اسرائیل کے انبیاء کے قائمقام ہیں۔

☆ محدث نبی سے اشد مشابہت رکھتا ہے۔اس کا وارث ہوتا ہے مگر رسول نہیں ہوتا۔

☆ محدث کے ساتھ کثرت سے مکالمہ مخاطبہ ہوتا ہے۔

☆ محدث کی وحی دخل شیطانی سے منزہ ہوتی ہے۔

☆ بااین ہمہ محدث اپنی وحی کی پیروی نہیں کرتا، جب تک کہ اُسے قرآن شریف پر اور سنت نبویؐ پر عرض نہ کرے۔اور اگر وہ خلاف کتاب وسنت ہو تو وہ اُسے ترک کرتا ہے۔

ان تمام دلائل سے یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن کریم وحدیث دونوں کی رُو سے اس اُمت کے اندر ایسے لوگوں کا ہونا ضروری ٹھہرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ سے مکالمہ ومخاطبہ کا شرف رکھتے ہیں اور اُن پر امورِ غیبیہ ظاہر کیے جاتے ہیں۔اب ظاہر ہے کہ امورِ غیبیہ کا ظاہر کرنا کوئی کھیل کے طور پر نہیں، بلکہ یہ اظہار غیب محض تائید دین کے لیے ہوتا ہے۔جیسے خود انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات دیئے جاتے ہیں، یا پیشگوئیاں ان کے ذریعہ سے ظاہر کی جاتی ہیں، ان کی غرض محض تائید دین ہوتی ہے۔اصل کام انبیاء کا معجزہ دکھانا یا پیشگوئیاں کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہیں بتانا ہے۔معجزات اور پیشگوئیاں محض اتمام حجت کے لیے ہوتی ہیں۔تاکہ مخالفین پر اتمام حجت ہو اور پیروؤں کا ایمان بڑھے۔یعنی اصل غرض ہدایت کا پہنچانا ہے۔اور اس کے پہنچانے میں پیش گوئی یا معجزہ معاون ہوتے ہیں۔اب یہ ظاہر ہے کہ ہدایت کی تکمیل ہو چکی ہے اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ (3:5) یعنی ہدایت کی تمام راہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دنیا پر ظاہر ہو چکیں۔مگر تائیدات دین کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔اس لیے لَھُمُ الۡبُشۡرٰی (64:10) کا وعدہ فرمایا۔نبوت کے ایک حصہ مبشرات کو باقی رکھنے کی بھی تصریح فرما دی۔اس اُمت میں مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور اطلاع علی الغیب کے جاری رہنے کی خوش خبری بھی سُنا دی۔

وہ لوگ، جن کو اللہ تعالیٰ اپنی کلام سے سرفراز فرما کر تائید دین کے لیے مامور کرتا ہے، اور تائید کے سامان ان کو اطلاع علی الغیب کے رنگ میں عطا فرماتا ہے، مجدد کہلاتے ہیں۔اور مجدد دین کا انکار کرنا یہ معنی رکھتا

ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے تائید دین کا سلسلہ بھی ختم کر دیا۔ اور جس رنگ میں وہ نبیوں کے ذریعہ سے تائید دین کیا کرتا تھا، اب اسلام میں یہ دروازہ کھلا نہیں۔ اور یہ بات نہ صرف اصولاً قرآن کریم اور حدیث کے خلاف ہے، جیسا کہ اوپر دکھایا جا چکا، بلکہ ایک طرف خدا تعالیٰ کی صفتِ کلام کا معطل لازم آتا ہے۔ اور دوسری طرف اس کو نہ مان کر اسلام کی زندگی ہی کچھ باقی نہیں رہتی۔ اور اس چیز کو بند کرنا، جس کی ضرورت ہمیشہ اور ہر زمانہ میں اسلام کو ہے، گویا یہ معنی رکھتا ہے کہ خدا کا یہ منشاء ہی نہیں کہ دینِ اسلام دنیا میں پھیلے۔ ورنہ وہ اپنی اس قدیم سنت کو، جو تائید دین کے لیے رہی ہے، کیوں ترک کر دیتا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ دین کو اس قدر کمال تک پہنچا کر اب اس کی تائید کا سامان ہی باقی نہ رکھا جائے، بلکہ اس میں تو تائیدات کا غیبی سامان پہلے ادیان سے بھی بڑھ کر ہونا چاہئے، اور حق یہی ہے کہ فی الواقع ایسا سامان بہت بڑھ کر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کی جو کثرت اس اُمت میں پائی جاتی ہے، اس کے مقابلہ پر سابقہ اُمتوں میں اولیاء اللہ کا وجود النادر کالمعدوم کے حکم میں ہے۔ اور درحقیقت اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ میری اُمت کے علماء انبیائے بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں۔ یعنی وہ کام جو انبیائے بنی اسرائیل کرتے تھے، اس اُمت میں وہ کام اللہ تعالیٰ غیر نبیوں سے لے گا۔ کیونکہ مشابہت بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتی کہ جو کمال انبیاء میں پایا جاتا تھا، وہ کسی رنگ میں اس اُمت میں پایا جائے۔ پس درحقیقت اس حدیث میں مراد وہی علماء ہیں، جن کو انبیاء کی طرح تائید اور تجدید دِین کے لیے مامور کیا جاتا ہے۔

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے يُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ. (15:40) یعنی اللہ تعالیٰ روح یعنی کلام کو اپنے امر سے یا اپنے امر کو پہنچانے کے لیے نازل فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، تاکہ وہ اُن کو ان مصائب سے ڈرائے جو ملاقات کے دن پیش آنے والے ہیں۔ اس آیت میں روح کے معنے کلام یا وحی حضرت قتادہؓ سے مروی ہیں اور مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (15:40) میں مجددین بھی داخل ہیں۔ جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر میں درج ہے۔ اور یہ تفسیر اہل سنت والجماعت کے مذہب پر لکھی گئی ہے۔ **والا سقرار التجددی المفهوم من يلقی ظاهر فان الا لقاء لم ينزل من لدن ادم عليه السلام الی انتهاء زمان نبينا صلّی اللّٰه عليه وسلّم**

وھو فی حکم المتصل الٰی قیام الساعة باقامة من یقوم بالدعوة علٰی ما روی ابوداؤد عن ابی ھریرة عن النبی علیه الصلوٰة والسلام انه قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَبْعَثُ لِھٰذِہٖ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا اوراستمرارتجدد(یعنی ایک بات کا ہمیشہ نئے رنگ میں ہوتے چلے جانا اور اُس کا کبھی بند نہ ہونا، جو یُلْقِیْ کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے، ظاہر ہے۔ کیونکہ القائے وحی آدم علیہ السلام سے شروع کر کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے آخر تک، جو قیامت سے جا ملتا ہے، ہمیشہ رہا ہے اور رہے گا، بذریعہ ان لوگوں کو کھڑا کرنے کے، جو صرف دعوت کے لیے کھڑے ہوں۔ جیسا کہ ابوداؤد نے ابوہریرۃؓ سے روایت کی ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت کے لیے ہر صدی کے سر پر ایک ایسے شخص کو مبعوث کرتا رہے گا جو اس کے دین کی اس کے لیے تجدید کرتا رہے۔ پس حدیث مجدد درحقیقت قرآن کریم کی اس آیت ہی کی تفسیر ہے۔ کیونکہ آیت یہ چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس سنت کو جاری رکھے کہ اپنی طرف سے یا اپنے امر سے وقتاً فوقتاً کسی شخص کو کھڑا کرتا رہے۔ جس پر اپنا کلام بھی نازل فرمائے، جو دعوت الی الحق کرے۔ پس یہ حدیث بوجہ قرآن کریم کے موافق ہونے اور اس آیت کریمہ کی تفسیر ہونے کے ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے۔

اب میں حدیث مجدد کو لیتا ہوں۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے بیان کیا ہے۔ الفاظ حدیث اوپر نقل ہو چکے ہیں اور امام سیوطیؒ مرقات مسعود میں کہتے ہیں **اِتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰی صِحَتِہٖ** حدیث کے حافظ اس کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔ چنانچہ متقدمین میں سے حاکمؒ نے مستدرک میں اور بیہقی نے مدخل میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور متاخرین میں سے ابوالفضل عراقیؒ اور ابن حجرؒ بھی اس کی صحت کے قائل ہیں۔ اور ہر زمانہ میں علماء اس کی صحت کے قائل چلے آئے ہیں۔ حافظ ابن عساؒ کر نے بھی اس حدیث کی صحت کو مان کر لکھا ہے کہ اس حدیث سے ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ قریب زمانہ میں اور ہمارے ملک میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اور اس کے بعد حضرت شاہ ولیؒ اللہ نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولیؒ اللہ اپنی کتاب ''ازالۃ الخفا'' کے صفحہ 41 پر لکھتے ہیں:

''وخبر داد از آنکہ ہر راس ہر مائۃ مجدد پیدا خواہد شد وہمچناں واقع شد'' یعنی اس

امر کی خبر دی ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد پیدا ہوا کرے گا اور اسی طرح پر واقع ہوا۔ اور تفہیمات الٰہیہ میں بھی آپ فرماتے ہیں **قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس اُمت کے لیے ایک ایسا شخص مبعوث کیا کرے گا جو اس کے لیے اس کے دین کے لیے تجدید کرتا رہے گا۔

اب ایک طرف نہ صرف اس حدیث کے راویوں پر جرح نہیں بلکہ بلحاظ روایت اس کی صحت پر عظیم الشان آئمہ کی شہادت موجود ہے۔ دوسری طرف نہ صرف یہ کہ حدیث قرآن کریم کی مخالف نہیں بلکہ یہی ایک ضرورت تھی کہ اسے ردّ کیا جا سکتا۔ جبکہ قرآن کریم کی آیت کا صحیح منشاء وہی ہے جس کی وضاحت حدیث کرتی ہے ۔ اور اس طرح پر یہ دوسری تائید اس حدیث کی ہے۔ تیسرے یہ کہ اُصول دین کے یہ امر مخالف نہیں، بلکہ وہ خود اس کی صحت کے مقتضی اور مؤید ہیں۔ پس اس قدر زبردست شہادتوں اور تائیدات کے ہوتے ہوئے اس کا انکار کرنا ایک مسلمان کے لیے شایاں نہیں۔

علاوہ ازیں اگر اس حدیث کو غلط مانا جائے تو بڑے بڑے بزرگان دین کو، جنہوں نے مجددیت کے دعوے کیے یا جن کا مجدد ہونا دوسروں نے تسلیم کیا، نہ صرف باطل پر بلکہ بعض حالات میں نعوذ باللہ من ذالک مفتری ماننا پڑے گا۔ مجدد کے لیے یہ تو بہر حال ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں معلوم اور مشہور ہو، اور لوگ اسے مجدد جانتے ہوں۔ چنانچہ عون المعبود حاشیہ سنن ابوداؤد میں ہے **ان ابن الا ثیر والطیبی وغیرھما زعموا ان المجدد ھو الذی انقضت المائۃ وھو حی معلوم مشھور مشار الیہ** یعنی ابن الاثیر والطیبی وغیرھما کہتے ہیں کہ مجدد وہ ہے جو صدی گذر جائے تو زندہ معلوم مشہور ہو۔ اور لوگ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوں یعنی اُسے مجدد مانتے ہوں۔ اب جس قدر مجددین تسلیم کیے گئے ہیں جن کا ذکر امام سیوطیؒ نے نویں صدی تک کیا ہے۔ ان سب کے متعلق اور ان کے ماننے والوں کے متعلق، جن میں عظیم الشان آئمہ ہیں (مثلاً امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کو پہلی صدی کا اور امام شافعیؒ کو دوسری صدی کا مجدد تسلیم کیا ہے) ان سب کو ماننا پڑے گا کہ ایک ایسی حدیث کی بنیاد پر جو وضعی تھی اُنہوں نے ایسے ایسے دعوے کیے اور خود بھی باطل پر رہے اور

لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ خود امام سیوطیؒ نویں صدی کے مجدد ہونے کے مدعی ہیں۔ پھر اس کے بعد اسی ہمارے ملک میں ایک بزرگ محض اسی نام مجدد سے مشہور ہیں یعنی دوسرے ہزار کے مجدد۔ اور اُنہوں نے بڑے زور سے الف ثانیؒ کے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ اپنے مکتوبات میں وہ فرماتے ہیں:

''ایں علوم مقتبس از مشکوٰۃ انوارِ نبوت اند علیٰ اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کہ بعد از تجدید الف ثانی بہ تبعیت وراثت تازہ گشتہ اند و بطراوت ظہور یافتہ صاحب ایں علوم و معارف مجدد ایں الف است...... وبدانند کہ برسر ہر مائۃ مجددے گذشتہ است اما مجدد مائۃ دیگر است و مجدد الف دیگر۔ چنانچہ درمیان مائۃ و الف فرق است در مجددین اینہا نیز ہمانقدر فرق است بلکہ زیادہ از آں و مجدد آنست کہ ہر چہ درآں مدت از فیوض بہ امتاں برسد بہ توسط او برسد۔ اگرچہ اقطاب و اوتار آں وقت بودند و ابدال و نجباء باشند۔'' (مکتوبات امام ربانی جلد 2 صفحہ 14 مکتوب چہارم) یعنی یہ علوم نبوت کے انوار کے مشکوۃ سے حاصل ہوتے ہیں جو دوسرے ہزار کی تجدید کے بعد وراثت کے طور پر تازہ ہو گئے ہیں اور تروتازگی سے ظہور پایا ہے۔ ان علوم اور معارف کا پانے والا اس ہزار کا مجدد ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد گذرا ہے۔ ہاں مجدد صدی کا اور ہے اور مجدد ہزار کا اور۔ جیسا کہ سو اور ہزار میں فرق ہے، اسی کے مطابق صدی اور ہزار کے مجددوں میں فرق ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اور مجدد وہ ہے کہ اس زمانہ میں جس قدر فیض اُمتوں کو پہنچتا ہے وہ اس مجدد کے توسط سے پہنچتا ہے۔ خواہ اس زمانہ کے قطب اور اوتار اور ابدال اور نُجَباء بھی موجود ہوں۔''

ایسا ہی ایک بڑے مشہور بزرگ ہمارے ملک میں حضرت شاہ ولیؒ اللہ ہیں۔ آپ نے بھی مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ ''تفہیمات الٰہیہ'' میں آپ فرماتے ہیں: **فھمنی ربی جل جلالہٗ انا جعلنک امام ھٰذہ الطریقۃ واوصلناک ذروۃ سنامھا وسددنا طرق الوصول الٰی حقیقۃ القرب کلھا الیوم غیر طریقۃ واحدۃ وھو حجتک والانقیاد لک ...... فاھل المغرب واھل المشرق**

کلّھم رعیتک وانت سلطانھم علموا ولم یعملوا فان علموا فازوا وان جھلوا خابوا۔ یعنی میرے رب جل جلالہٗ نے مجھے مطلع فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو اس طریقہ کا امام مقرر کیا ہے اور اس کی اعلیٰ بلندی تک پہنچایا ہے۔ اور ہم نے آج کے روز سے باقی سب طریقوں کو حقیقت قربِ الٰہی تک پہنچنے سے روک دیا ہے، سوائے ایک طریقہ کے۔ اور وہ تمہاری محبت اور تمہاری فرمانبرداری کا طریقہ ہے۔ پس اہلِ مغرب اور اہلِ مشرق سب تمہاری رعیت ہیں اور تم اُن کے بادشاہ ہو۔ خواہ وہ تم کو جانیں یا نہ جانیں۔ پس اگر جانیں گے تو کامیاب ہوجائیں گے۔ اور اگر جاہل رہیں گے تو ناکام رہیں گے۔ پھر فرماتے ہیں: **کُنْتُ قَد ...... اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ خِلْعَۃَ الْمُجَدَدِّیّۃِ حِیْنَ انْتَھَتْ بِیْ دورۃُ الحکمۃ** یعنی جب میرے ساتھ حکمت کا دورہ کمال کو پہنچ چکا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے مجددیت کا خلعت پہنایا۔

ان تمام حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ حدیث مجدد کا انکار، بعد اس کے کہ اس شان کے بزرگ اسی حدیث کے ماتحت کھلا کھلا دعویٰ مجدد ہونے کا کرچکے ہیں اور ایک دنیا اُن کے سامنے سر جھکا چکی ہے، دین سے قطعاً ناواقفیت کا نتیجہ ہے، اور اگر ان تمام بزرگوں کو نعوذ باللہ من ذالک مفتری قرار دیا جائے۔ اور اس کھلے کھلے دعویٰ کی صورت میں، سوائے اس کے چارہ نہیں کہ یا تو اس حدیث کو صحیح مانا جائے اور اُن کے دعوؤں کو سچا اور یا نعوذ باللہ ان کو مفتری قرار دیا جائے، تو دینِ اسلام میں باقی کیا رہ جاتا ہے۔

ہاں! معترضین کے دو بڑے سوال ہیں۔ ایک یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو سوائے مجددین کے کیا کسی اور کو بھی اولیاء اللہ میں داخل کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ہر صدی کے سر پر مجدد کا دعویٰ دکھایا جاوے۔ سوامر اول کا جواب تو یہ ہے کہ صدی کے سر پر مجدد کا آنا اولیاء اللہ اور خدامِ دین اور علمائے ربانی کے وجود کو باطل نہیں کرتا۔ اولیاء اللہ کا وجود تو اس اُمت میں ہزاروں کیا لاکھوں تک پہنچا ہوا ہوگا۔ نہ ہی یہ ضروری ہے کہ صدی کے سر پر صرف ایک ہی مجدد ہو۔ بلکہ ایک سے زیادہ بھی ہوسکتے ہیں۔ نہ یہاں کوئی مرتبہ ہی کا سوال ہے کہ اگر ایک بزرگ مجدد ہے اور دوسرا مجدد نہیں تو وہ دوسرا بڑے پایہ کا نہیں ہوسکتا۔ ان تمام اُمور کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مجددین کو وہ اپنی خاص مصلحت سے بعض علوم دے کر بعض اُمور کی اصلاح کے لیے کھڑا کرتا ہے۔ اور چونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص منشاء کے ماتحت کھڑے ہوتے ہیں، اس لیے ہر شخص کا فرض ہوتا ہے کہ اُن کے ساتھ

ہو جائے۔جیسا کہ حضرت شاہ ولیؒ اللہ کے کلام میں صفائی سے پایا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں اس شخص کا انکار انسان کو بہت سے فوائد سے محروم کر دیتا ہے اور اس کی معیت اس کو کامیاب کرتی ہے۔ ہاں ! اولیاء اللہ سے عداوت بھی انسان کے لیے شقاوت قلب کا موجب ہے۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے مَنْ عَادَلِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ لِلْحَربِ جو شخص میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے میں اس کو اپنے ساتھ جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔ اولیاء اللہ سے دشمنی انسان کی بدبختی ہے۔لیکن مجددین کے ساتھ ہونا اور اُن کی نصرت کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے اُن کا محض انکار بھی انسان کو بہت سے فوائد سے محروم کر دیتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کا دعویٰ دکھایا جائے۔ میں کہتا ہوں جب اللہ تعالیٰ نے، جو عالم الغیب ہے، اپنے پاک کلام میں سارے رسولوں کے نام بھی نہیں لیے، بلکہ صاف فرمایا کہ مِنْهُمْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ (78:40) ان میں ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر ہم نے تم پر نہیں کیا۔تو کیا یہ مطالبہ خود اس آیت کے خلاف نہیں۔ یہ کہنا کہ ہم مجدد کی حدیث کو اس صورت میں مانیں گے، جب ہر صدی کے سر پر مجدد کا دعویٰ دکھایا جائے، ایسا ہی مطالبہ ہے، جیسا کہ کوئی کہے کہ قرآن کریم نے دعویٰ کیا ہے کہ اِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (24:35) اور وَلِکُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (47:10) یعنی ہر قوم میں کوئی نہ کوئی نذیر گذرا ہے۔اور ہر قوم کا کوئی رسول ہوا ہے۔ہم اس اصول کو اس صورت میں تسلیم کر سکتے ہیں کہ ہر ایک قوم کے رسول کا نام بتایا جائے۔

اگر قرآن کریم کے اس اصول کو کہ ہر قوم میں رسول ہوا ہے، اُس وقت تک نا قابل تسلیم قرار دیا جا سکتا ہے، جب تک کہ قرآن شریف خود یا ایک مسلمان ہر قوم میں ایک رسول کا ہونا ثابت نہ کرے۔تو حدیث کے اس عام اصول کو بھی، کہ ہر صدی کے سر پر ''مجدد ہوگا'' قابل تسلیم کہا جا سکتا ہے۔ جب تک کہ ہر صدی کے سر پر مجدد کا دعویٰ اُس کے اپنے الفاظ میں نہ دکھایا جائے۔لیکن جس طرح پہلا اعتراض غلط ہے، اسی طرح دوسرا۔ ہاں ! جس طرح قرآن کریم نے بعض قوموں میں رسولوں کا ذکر کر دیا، اسی طرح ہم بھی بعض صدیوں کے مجددین کے دعاوی ان کے اپنے الفاظ میں دکھا چکے ہیں۔ اگر پہلے زمانہ میں کسی بزرگ نے اس صراحت کے ساتھ دعویٰ نہ کیا ہو جس صراحت کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کیا ہے تو اس میں بھی حرج نہیں ہے۔ لیکن ہمارے پاس سب کے کلمات محفوظ نہیں اور ہم پہلے بزرگوں کا قیاس انہی پچھلے بزرگوں پر کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہر زمانہ کی ضروریات بھی ایک خاص رنگ دعویٰ میں پیدا کر دیتی ہیں۔ جیسا کہ مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں کہ ہزار کا مجدد صدی کے مجدد سے بڑھ کر ہونا چاہئے۔ اور جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ قرون اولیٰ میں زیادہ لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کا دعویٰ نہ کرنا اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ وہ زمانہ زمانہ نبوت سے اس قدر قریب تھا کہ اس بات کی ضرورت نہ تھی۔ بہرحال حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کھلے الفاظ میں دعویٰ مجددیت کرتے ہیں اور حدیث مجدد کو صحیح ٹھہراتے ہیں۔ اور ان دو بزرگوں کی شہادت بھی اس امر کے حق ہونے پر کافی ہے۔ علاوہ ازیں لوگوں نے ہر صدی کے مجددین کے نام بھی لکھے ہیں جیسے امام سیوطیؒ۔ پس ان تمام باتوں سے بعثتِ مجددین اس اُمت اسلامیہ میں ایک ایسا بین اور روشن امر ہے کہ اس سے انکار کرنا ایسا ہے جیسا آفتاب نصف النہار سے!

۞۞۞

9 دسمبر 1917ء

اداریہ

انگریزی ترجمۃ القرآن اور حضرت مسیح موعود کا ایک کشف

خادمانِ دینِ متین اور نگہبانِ کلام مبین کو مبارک ہو کہ قرآن کریم کا وہ ترجمہ اور اس کی تفسیر، جو مسیح موعود کے چشمہ صافی سے نکل کر مولوی محمد علی صاحب جیسے عاشق کلام اللہ کے قلب میں ودیعت ہو چکی تھی، آپ کی سات سالہ قلم آرائی کے بعد آج تشنگانِ ہدایت کو سیراب کرنے کے لیے شائع ہو چکی ہے۔

نومبر 1917ء کا دن کس قدر مبارک دن تھا، جب یہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ ولایت سے موصول ہو کر خدامِ مسیح موعود کے ہاتھوں میں آیا۔ اور اس خدا کے مامور کے اس کشف کو جو قریباً چالیس سال سے ''براہین احمدیہ'' کے اندر مندرج ہے، یوں عملی طور پر پورا کر دکھایا۔ پس خدامِ مسیح موعود کو مبارک ہو کہ آج ان کے لیے دوہری خوشی کا دن ہے۔ آج اس پاک کلام کے انگریزی ترجمہ وتفسیر سے ان کی آنکھوں کو اس لیے ٹھنڈک اور دل میں خوشی ہے کہ صداقتِ اسلام اور معارفِ قرآن کا بیش بہا خزانہ دنیا کے آگے رکھ دیا گیا ہے۔ جس سے نہ صرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تیرہ سو سالہ پیشگوئی کا عملی طور پر ظہور ہوا، جو مغرب سے طلوعِ آفتاب کے نام سے موسوم تھی، بلکہ اس خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس غلام احمد کی باتیں، اس کے پیش از وقت بیان کیے ہوئے کشوف بھی واقعات کے ذریعہ سے ہماری اپنی آنکھوں کے سامنے سچے ثابت ہوئے۔ اور ایک ایسے وقت میں ان کا ظہور ہوا جبکہ دنیا نہ صرف اس پاک انسان کی صداقت کو ہی ملیامیٹ کرنے میں ایڑی چوٹی تک کا زور لگا رہی ہے، بلکہ اس خادمِ مسیح موعود کی اس پاک کوشش کو بھی رائیگاں ثابت کرنے، اسے ناکارہ محض ٹھہرانے اور قرآن کریم کے ان پاک اوراق کو ردی کا انبار قرار دینے میں خود نام لیوایانِ مسیح موعود نے بھی کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی کہیں نہیں جاؤ اور اس مامور من اللہ کی اس تصنیف کو اُٹھا کر پڑھو جو ''**اَلْبَرَاهِيْنُ الْاَحْمَدِيَّةُ عَلٰى حقيقت كتاب الله القرآن والنبوة المحمديه**'' کے نام سے دنیا میں ایک تہلکہ مچا چکی ہے۔ جاؤ اور دیکھو کہ اس کا ایک ایک لفظ نہ صرف اس مامور من اللہ کی صداقت پر دال ہے، بلکہ مولوی محمد علی صاحب کی ان پاک کوششوں کو

بھی، جو آج انگریزی ترجمہ القرآن کی صورت میں شمشیر علی بن کر باطل کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتی اور کر رہی ہے، کن پاک الفاظ میں سراہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

> ''پھر اس کے بعد مجھ کو ایک کتاب دی گئی۔ جس کی نسبت یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے۔ جس کو علی نے تالیف کیا ہے۔ اور اب علی تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ۔**''

کس قدر صراحت ان الفاظ میں کی ہے۔ وہ علی کون ہے، جس نے یہ تفسیر قرآن لکھی اور مسیح موعود کو دی۔ اگر ''علی'' سے یہاں مراد مولوی محمد علی صاحب نہیں، جو علم الٰہی میں پیشتر سے اس پاک کام کے کرنے کے لیے مقرر ہو چکے تھے، اگر یہ پیشگوئی آج اپنے اصل الفاظ میں پوری نہیں ہوئی اور تفسیر کنندہ کے نام کا بھی ایک جزو بتا کر پیشتر سے ان الفاظ میں خبر نہیں دی گئی کہ وہ، جس کو تم نعوذ باللہ فاسق اور منافق اور کیا کیا کہتے ہو، وہ تو مقبول بارگاہِ ایزدی ہے۔ اس کی تفسیر (خاک بدہن قائل) ردی کا انبار ہرگز نہیں کہ تم اسے کسی ردی یا سلائی کی نذر کر سکو۔ اسے تو ''علی نے تالیف کیا ہے''۔ جس سے اس کی بلند پا کی ثابت ہے۔ جاؤ اور تمام لغتیں بھی چھان مارو۔ اور زباندانی کی تمام کتب کی بھی ورق گردانی کر دیکھو۔ جس سے ممکن ہو کہ تم ان الفاظ کی کچھ اور تاویل کر سکو، اس پیشگوئی کو کسی اور پر چسپاں کر سکو۔ لیکن یاد رکھو کہ تمہارے اپنے مسلمات کے مطابق بھی جس طرح ''غلام احمد'' نام کی ترکیب کسی زبان کے مطابق نہ ہونے کے باعث مسیح موعود کا اصل نام احمد ہے، ویسے ہی تمہاری اس نئی لغت کی رو سے بھی مولوی محمد علی کا اصل نام بھی ''علی'' ہی ہوگا۔ جس کا مسیح موعود کے مندرجہ بالا الفاظ میں صراحت کے ساتھ ذکر آ گیا۔ پس اس کشف میں جس کو ''علی'' کہا گیا، جس کے ترجمہ و تفسیر کو تالیف کرنے کی پیشتر سے خبر دی گئی، اور اس ترجمہ و تفسیر کا مسیح موعود کو دیا جانا قبل از وقت بتایا۔ اس پر خود مسیح موعود نے **فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ** پڑھا، وہ مولوی محمد علی صاحب ہی کا ترجمہ و تفسیر ہے، جو علم الٰہی سے اب مَنَصّہ ظہور میں بھی آ واقع ہوا۔ اور مسیح موعود کے اس خادم کی علو مرتبت کا نشان ٹھہرا۔ ''یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔'' کیا یہ الفاظ اس قابل نہیں کہ ایک منصف مزاج انسان ان سے راہ حق کو پا سکے۔ دیکھو! ایک طرف ان الفاظ کو دیکھو کہ ''اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے'' اور دوسری طرف حضرت مولانا کے ترجمہ القرآن کے

دیباچہ کے اندر ان الفاظ کو پڑھو کہ:

"And lastly, the greatest religious leader of the present time, Mirza Ghulam Ahmad of Qadian, has inspired me with all that is best in this work. I have drunk deep at the fountain of knowledge which this great reformer--Mujaddid of the persent century and founder of the Ahmadiyyah Movement--- has made to flow."

ترجمہ: ''سب سے آخر میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ وہ تمام بہترین خیالات، جو اس کتاب کے اندر شامل ہیں، اس زمانہ کے عظیم الشان مذہبی پیشوا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہی کے فیوض کا نتیجہ ہیں۔علوم کا وہ دریا، جو اس عظیم الشان مصلح اور بانی سلسلہ احمدیہ نے جو اس صدی کے سر پر اسلام کے اندر مجدد اور مہدی ہو کر آیا، دنیا میں بہایا ہے، میں بفضل خدا اس سے بہت کچھ سیراب ہوا ہوں۔''

ایک طرف مسیح موعود کے الفاظ، ایک طرف یہ پاک الفاظ کہ ''اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے'' اور دوسری طرف حضرت مولیٰناؒ کا اس دریائے معانی کو، جو انہوں نے اپنے اس ترجمہ اور تفسیر کے اندر بہایا ہے، حضرت مسیح موعود ہی کی طرف منسوب کرنا، صاف طور پر اس پیشگوئی کی صداقت اور حضرت مولیٰنا ہی پر اس کے من وعن پورے ہونے کا شاہد ہے۔ایک طرف وہ لوگ ہیں جو علی کی اس تفسیر کو، جو مسیح موعود کے چشمہ صافی سے نکلی ہے، ملیا میٹ کرنے سے ہرگز دریغ نہیں کرتے۔لیکن دوسری طرف جب خود ترجمہ وتفسیر کرتے ہیں، جب اس ترجمہ وتفسیر کی عظمت کو مٹانے کے لیے ایک اور مسجد ضرار کھڑی کرتے ہیں، تو وہ اسے مسیح موعود کے فیوض کا کوئی نتیجہ نہیں، بلکہ اپنی دماغ سوزی کا اثر بتاتے ہیں اور بات بھی یہی صحیح ہے۔جن کا مسیح موعود کے ساتھ تعلق کوئی نہیں، ان کے تراجم وتفاسیر کو، جو وہ بھی خود مسیح موعود کے خلاف ہیں، اس پاک انسان سے کیا واسطہ؟ اس کے پاک علوم کی وراثت تو مقدر تھی، اس بزرگوار، اس خادم دین متین کے لیے، جس کو الہام الٰہی میں علی (بلند مرتبہ کے نام سے پکارا گیا جو

اس کے نام کا ایک جزو بھی ہے) جس کو خود مسیح موعود نے کشف کے اندر اپنا قلم سپرد کیا۔ بلکہ خود مسیح موعود کے خلیفہ حضرت مولٰینا نور الدین صاحب کی زبان مبارک سے بھی اس کے اس ترجمہ کے مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کا سٹرفکیٹ ملا۔ اور آپ نے جماعت احمدیہ کو بڑے زور سے یہ نصیحت کی اس سے ہرگز انکار نہ کریو۔ دیکھو! یہ کہنا کہ مسیح موعود کی مندرجہ بالا عبارت سے پہلے پانچ آدمیوں کا ذکر ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت علیؓ و فاطمہ زہرا حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اس لیے اس عبارت میں بھی حضرت علی ہی مراد ہیں، نہ حضرت مولٰیناؒ محمد علی صاحب۔ یہ ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکہ اول تو وہ کشف ہی اس سے علیحدہ ہے جو پھر ''بعد اس کے'' کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ اور نیز جہاں پانچ آدمیوں کا ذکر ہے، وہاں صاف حضرت علیؓ لکھا ہے اور یہاں صرف علی۔ جو اس پر صاف طور پر شاہد ہے کہ اس علی سے حضرت علیؓ مراد نہیں۔ اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے تو بتاؤ اس کشف کے معنی کیا ہوئے۔ وہ کونسی تفسیر ہے جو حضرت علیؓ نے لکھی اور حضرت مسیح موعود کو دی۔ کیا ہمارے مخالف بالخصوص میاں صاحب اس پر روشنی ڈالیں گے؟

12 دسمبر 1917ء

ملفوظات

اپنے دعاوی پر حضرت امام کا ایک مکتوب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی اخویم سلمہ اللہ۔

بعد سلام مسنون آنمخدوم کا دوبارہ عنایت نامہ پہنچا۔ اس عاجز کو اگرچہ بباعث علالت طبع طاقت تحریر جواب نہیں، لیکن آنمخدوم کی تاکید دوبارہ کی وجہ سے کچھ بطور اجمال عرض کیا جاتا ہے۔

1۔ یہ عاجز شریعت اور طریقت دونوں میں مجدد ہے۔

2۔ تجدید کے یہ معنے نہیں ہیں کہ کم یا زیادہ کیا جاوے۔ اس کا نام تو نسخ ہے۔ بلکہ تجدید کے یہ معنے ہیں کہ عقائد حقہ میں فتور آ گیا ہے اور طرح طرح کے زوائد اِن کے ساتھ لگ گئے ہیں۔ یا جو اعمال صالحہ کے ادا کرنے میں سستی وقوع میں آ گئی ہے یا جو وصول اور سلوک الی اللہ کے طرق اور قواعد محفوظ نہیں رہے، ان کو مجدداً تاکیداً بالاصل بیان کیا جائے۔ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا (17:57۔ مرتب) یعنی عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ جب دل مر جاتے ہیں اور محبت اللہ دلوں سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور ذوق اور شوق اور حضور اور خضوع نمازوں میں نہیں رہتا اور اکثر لوگ رو بہ دنیا ہو جاتے ہیں اور علماء میں نفسانیت اور فقراء میں عجب اور پست ہمتی اور انواع واقسام کی بدعات پیدا ہو جاتی ہیں تو ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ صاحب قوت قدسیہ پیدا کرتا ہے اور وہ حجۃ اللہ ہوتا ہے۔ اور بہتوں کے دلوں کو خدا کی طرف کھینچتا ہے اور بہتوں پر اتمام حجت کرتا ہے۔

یہ وسوسہ بالکل نکما ہے کہ قرآن شریف واحادیث موجود ہیں، پھر مجدد کی کیا ضرورت ہے۔ یہ اُنہی

لوگوں کے خیالات ہیں جنہوں نے کبھی غم خواری سے اپنے ایمان کی طرف نظر نہیں کی، اپنی حالت اسلامیہ کو نہیں جانچا۔اپنے یقین کا اندازہ معلوم نہیں کیا۔ بلکہ اتفاقاً مسلمانوں کے گھر پیدا ہوگئے اور پھر رسم اور عادت کے طور پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے رہے۔حقیقی یقین اور ایمان بجز صحبتِ صادقین میسر نہیں آتا۔قرآن شریف تو اس وقت بھی ہوگا جب قیامت آئے گی، مگر وہ صدیق لوگ نہیں ہوں گے جو قرآن شریف کو سمجھتے تھے۔اور اپنی قوتِ قدسی سے مستعدین پر اس کا اثر ڈالتے تھے لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ (79:56۔مرتب)۔پس قیامت کے وجود کا مانع صرف صدیقوں کا وجود ہے۔قرآن شریف خدا کی روحانی کتاب ہے۔ جب تک یہ دونوں نمایاں انوارِ ایمانی ظاہر نہیں ہوتے، تب تک انسان خدا تک نہیں پہنچتا۔فتدبّروا وتفکّروا۔

3۔اس کا جواب، جواب دوم میں آگیا ہے۔

4۔اول قرآن شریف مجدد کی ضرورت بتلاتا ہے۔جیسے میں نے ابھی بیان کیا ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا(17:57۔مرتب)وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَوَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ. (9:15۔مرتب)اور ایسا ہی حدیث نبویؐ بھی مجدد کی ضرورت بتلاتی ہے۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَّنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا. (رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدُ)اور اجماع سنت و جماعت بھی اس پر ہے۔کیونکہ کوئی ایسا مومن نہیں کہ جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردان ہوسکتا ہے۔اور قیاس بھی اسی کو چاہتا ہے۔کیونکہ جس حالت میں خدا تعالیٰ شریعتِ موسوی کی تجدید ہزار ہا نبیوں سے کرتا رہا ہے۔اور گو وہ صاحب کتاب نہ تھے۔مگر مجدد شریعت موسوی تھے،اور یہ اُمت خیرالامم ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ(110:3۔مرتب) پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس اُمت کو خدا تعالیٰ بالکل گوشہ خاطر عاطر سے فراموش کردے اور باوجود صد ہا خرابیوں کے، کہ جو مسلمانوں کی حالت پر غالب ہوگئی ہیں اور اسلام پر بیرونی حملے ہورہے ہیں،نظر اُٹھا کر نہ دیکھے۔ جو کچھ آج کل اسلام کی حالت خفیف ہورہی ہے، کسی عاقل پر مخفی نہیں۔یعنی تعلیم یافتہ عقائد حقہ سے دست بردار ہوتے جاتے ہیں۔ پرانے مسلمانوں میں صرف یہودیوں کی طرح ظاہر پرستی یا قبر پرستی رہ گئی ہے۔ٹھیک ٹھیک رو بخدا کتنے ہیں، کہاں ہیں اور کدھر ہیں؟ ہر ایک صدی میں کوئی نامی مجدد پیدا ہونا ضروری نہیں۔ نامی گرامی مجدد صرف

اسی صدی کے لیے پیدا ہوتا ہے کہ جس میں سخت ضلالت پھیلتی ہے۔ جیسے آج کل ہے۔

5۔ پانچواں سوال میں آپ کا سمجھا نہیں۔ مجھ سے اچھی طرح پڑھا نہیں گیا۔

6۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں آپ ہی فرماتے ہیں کہ جو لوگ میرے بعد آنے والے ہیں۔ جن پر حضرت احدیت کی خاص خاص عنایات ہیں۔ میں ان سے افضل نہیں ہوں اور نہ وہ میرے پیرو ہیں۔ سو یہ عاجز بیان کرتا ہے، نہ فخر کے طریق پر بلکہ واقعی طور پر شکر النعمۃ کہ اس عاجز کو خدا تعالیٰ نے ان بہتوں پر فضلیت بخشی ہے کہ جو حضرت مجدد صاحب سے بھی بہتر ہیں اور مراتب اولیاء سے بڑھ کر نبیوں سے مشابہت دی ہے۔ سو یہ عاجز مجدد صاحب کا پیرو نہیں ہے۔ بلکہ براہ راست اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو ہے۔ اور جیسا سمجھایا گیا ہے بدلی یقین سمجھتا ہے کہ ان سے اور ایسا ہی ان بہتوں سے کہ جو گذر چکے ہیں افضل ہے ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ (54:5۔ مرتب)

7۔ خدا تعالیٰ کے کلام میں مجھ سے یہ محاورہ نہیں ہے۔ مجھ کو حضرت خداوند کریم محض اپنے فضل سے صدیق کے لفظ سے یاد کرتا ہے۔ اور نیز دوسرے ایسے لفظوں سے جن کے سننے کی آپ کو برداشت نہیں ہوگی۔ اور حضرت خداوند کریم نے مجھ کو اس خطاب سے معزز فرما کر اَنِّیْ فَضَّلْتُکَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ. قُلْ اِنِّیْ اُرْسِلْتُ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا یہ بات بخوبی کھول دی ہے کہ اس ناکارہ کو تمام عالمین یعنی تمام زمین کے باشندوں پر فضیلت بخشی گئی ہے۔ پس سوال ہفتم کے جواب میں اسی قدر کافی ہے۔

8۔ اس ناکارہ کے والد مرحوم کا نام غلام مرتضٰی تھا۔ وہی ہیں جو حکیم حاذق تھے اور دنیوی وضع پر اس ملک کے گردونواح میں مشہور بھی تھے۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ 30 دسمبر 1884ء

9 جنوری 1918ء

مراسلات

انگریزی ترجمۃ القرآن اور اُس کی خصوصیات

قارئین حضرات کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ حضرت مولینا محمد علی صاحب کا ترجمۃ القرآن انگریزی ہندوستان میں پہنچ چکا ہے اور اس وقت پبلک کے سامنے موجود ہے۔ جو لوگ ہمدردِ اسلام اور عاشق قرآن ہیں، وہ تو اس کے مطالعہ سے مسرور ہوں گے۔ رہا معترضین، سواُن کے اعتراضوں سے، خواہ کتنی ہی اچھی چیز ہو، بچ نہیں سکتی۔ میں اس وقت پبلک کے سامنے اس ترجمہ کی چند خصوصیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جو اس میں خاص طور پر دلچسپی لیے ہوئے ہیں۔ تا کوئی شخص، جسے انگریزی زبان سے ذرا بھی واقفیت ہے، کسی مخالف کے روکنے سے اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم نہ رہے۔

1۔ سب سے پہلی خصوصیت اس ترجمہ کی یہ ہے کہ اس میں نہایت عام فہم انگریزی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جس کے لیے حضرت مولانا صاحب خاص طور پر مشہور ہیں۔ ثقیل اور بھاری الفاظ سے حتیٰ الامکان ترجمہ کو پاک رکھا گیا ہے۔ اگر ایک معمولی لیاقت کا شخص چند پارے غور سے عبور کر جاوے تو وہ آخر تک بلا مدد اُستاد یا لغات کے قرآن شریف کو سمجھ سکتا ہے۔ اور اپنی انگریزی، لیاقت و دینی معلومات بڑھا سکتا ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو شاید ہی کسی دوسری کتاب میں پائی جاوے۔ خصوصاً مذہبی کتب میں۔

2۔ دوسری خصوصیت اس کا دیباچہ ہے۔ جس میں تعلیم قرآن اور جمع قرآن پر بحث کی گئی ہے۔ اصولِ اسلام کو 34 صفحوں میں نہایت لطیف پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی میں اذان و نماز کا ترجمہ رومن و انگریزی میں کرنے کے بعد جمع اور ترتیبِ قرآن پر نہایت مفصل بحث 14 صفحوں میں کی گئی ہے۔ اور پھر 3 صفحوں پر اس ترجمہ کی خصوصیات بتائی گئی ہیں جنہیں میں ابھی لکھوں گا۔

3۔ فہرست مضامین 7 اوراق میں ترتیب سور کے لحاظ سے دے کر ایک صفحہ پر جن کتب سے حاشیہ میں

مدد لی گئی ہے اُن کا مختصر نام دیا گیا ہے۔ پھر عربی حروف کے بدلہ میں جو انگریزی حروف استعمال ہوتے ہیں اُن کی فہرست دو صفحوں میں دی ہے۔ اور بعد ازاں انجیلی اسماء کے بدلہ جو عربی اسماء قرآن شریف کے ترجمہ میں استعمال ہوئے ہیں، اُن کی فہرست ایک صفحہ میں دے کر پہلا پارہ شروع کیا ہے۔

4۔ جملہ موجودہ انگریزی تراجم کی نسبت اس ترجمہ کو حتی الوسع قرآن شریف کے اصل الفاظ کے معانی میں بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ اس کے مطالعہ سے قرآنی تعلیم کی اصل روح سے واقفیت حاصل ہو۔

5۔ جہاں تک ممکن تھا اصل الفاظ کو واضح کرنے والے زائد الفاظ کو ترجمہ میں متروک کیا گیا ہے۔ اور جہاں اشد ضروری تھا (اور یہ صرف چند مواقع ہیں) وہاں انہیں بریکٹ کے اندر درج کیا گیا ہے۔

6۔ تفسیری نوٹوں میں لغت کی کتابوں، تفاسیر اور حدیث، تاریخ وغیرہ کے سب حوالے دیئے گئے ہیں۔

7۔ اس ترجمہ انگریزی کے ساتھ اصل متن قرآن شریف کا نہایت خوشخط کاتب کا لکھا ہوا مع اعراب موجود ہے۔ عربی کے بالمقابل انگریزی ترجمہ دیا گیا ہے۔ تمام قرآن میں ہر آیت قرآنی اور نیز اُس کا ترجمہ نئی سطر سے شروع ہوتا ہے۔ ترجمہ میں ہر آیت پر نمبر دیا گیا ہے۔ تاکہ حوالہ نکالنے میں آسانی ہو۔

8۔ حسبِ ضرورت نیچے کے حاشیہ میں نمبر دے کر بعض حل طلب مقامات کی تفسیر کی گئی ہے اور عموماً اس کی تائید میں نقلی اور عقلی دلائل دیئے گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے اس ترجمہ کی تیاری میں خاص طور پر بہت محنت صرف کرنی پڑی۔ لیکن ان طبائع کی تسلی کے لیے، جو ان تفسیری نوٹوں میں بیان شدہ اکثر حقائق و معارف کی تائید میں عقلی اور نقلی دلائل کے محتاج ہوں، اتنی محنت کرنی ضروری تھی۔

9۔ حتیٰ الوسع تفسیری نوٹوں میں تکرار نہیں کیا گیا اور جہاں لابدی تھا، وہاں کنارہ کے حاشیہ پر سابقہ حوالہ دے دیا گیا ہے۔ گو تفسیری نوٹ بہت لمبے چوڑے نہیں دیئے گئے، تاہم فہمِ قرآن حاصل کرنے کے لیے کافی ہیں۔

10۔ جب ایک لفظ کے معنے ایک جگہ واضح کر دیئے ہیں تو سوائے شاذ موقعوں کے یہ غیر ضروری

سمجھا گیا ہے کہ بار بار اس کا حوالہ کنارہ کے حاشیہ پر دیا جاوے۔

11۔مطالعہ کنندہ کی آسائش کے لیے ان الفاظ کی فہرست مع نمبر حاشیہ، جن کی حاشیہ میں تفسیر کر دی گئی ہے، قرآن شریف کے آخر میں دے دی گئی ہے اور اس میں صرف وہی الفاظ ہیں جن کے بارہ میں مطالعہ کنندہ کو کسی قسم کی غلطی یا دقت کا سامنا ہونے کا احتمال ہو۔

12۔تفسیری نوٹوں کے علاوہ ہر ایک سورہ کے شروع میں بھی کافی تمہیدی نوٹ دے دیئے گئے ہیں ۔جن میں رکوعوں کے لحاظ سے ہر ایک سورۃ کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔جس کے ساتھ ہی ایک رکوع کا دوسرے رکوع سے اور ایک سورۃ کا دوسری سورۃ سے تعلق بھی بیان کر دیا گیا ہے۔پھر ہر ایک رکوع کے شروع میں اس کا خلاصہ دے کر اس کی ہر ایک آیت کا آپس میں تعلق بتایا گیا ہے۔اور حسبِ ضرورت حاشیہ میں بھی ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔گویا اس طرح سورتوں کی آیات اور اُن سورتوں کا ایک دوسری کے ساتھ تعلق نہایت عمدگی سے دکھایا گیا ہے اور یہ خصوصیت اس ترجمہ کی ایک نہایت ہی قابل قدر بات ہے۔جو غلط فہمی پر مبنی خیالات در بارہ بے ترتیبی سور و آیات اکثر لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہیں، اُن کا قلع قمع کرتی ہے۔ہر شخص جو سور کے تمہیدی نوٹوں کو پڑھے گا، اُس پر واضح طور پر آیات اور سور کا تعلق فیما بین ظاہر ہو جائے گا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کس طرح مکی اور مدنی الہامات نہایت عمدہ ترتیب سے آپس میں ملے ہوئے ہیں۔اور کئی سورتیں ایک ہی زمانہ کی اور ایک ہی مضمون کی ایک جگہ درج ہیں۔

13۔متقدمین کی جن کتب سے حوالہ جات تفسیری حاشیہ میں لیے گئے ہیں، اُن کی تفصیل فہرست مضامین کے بعد دے دی گئی ہے۔تاہم اُن میں سے خاص طور پر قابل ذکر یہ ہیں۔

مفسرین میں سے: 1۔تفسیر کبیر امام فخر الدین رازیؒ 2۔بحر المحیط امام اثیر الدین ابوحیانؒ 3۔ابن جریر طبریؒ 4۔کشاف زمخشریؒ 5۔بیضاوی 6۔جامع البیان۔

لغت میں: 1۔تاج العروس 2۔لسان العرب 3۔مفردات امام راغب اصفہانیؒ۔جو قرآن شریف کی نہایت اعلیٰ پایہ کی لغت عرب ہے۔لغات احادیث نہایہ ابن اثیر نے بعض مشکل مقامات کے حل

کرنے میں بڑی مدد دی۔ پھر لین صاحب کی عربی انگریزی لغات ایک قابل قدر کتاب ہے۔اس سے بھی مدد لی گئی ہے۔تفاسیر کتب لغت کے علاوہ تواریخ اور دیگر فن کی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ روایات میں بخاری کی کتاب التفسیر زیرِ نظر رہی ہے۔

14۔قرآن شریف کے معانی بیان کرنے میں جو اصول اس ترجمہ میں مدنظر رکھا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی لفظ کا ایسا ترجمہ نہیں کیا گیا جو قرآن شریف کی محکم اور صاف تعلیم کے خلاف ہو۔اور یہ ایسا اصول ہے جس کی طرف خود قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے۔هُوَ الَّذِیٓ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَاتَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ وَمَایَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا وَمَایَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُوۡلُوا الۡاَلۡبَابِ (7:3) یہ اُصول قرآن شریف کی تفسیر کا بنیادی پتھر ہے۔اور قرآن شریف میں استعارات اور تماثیل اس کی صاف تعلیم کے پہلو بہ پہلو مانتے ہوئے یہ ایک معقول اُصول ہے۔

15۔سنت اور احادیث صحیحہ قرآن شریف کی نہایت معتبر تفاسیر ہیں۔اس لیے ترجمہ ہذا میں ان کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔

16۔کسی لفظ کے مختلف معانی میں سے کوئی خاص معنے اختیار کرنے میں یہ اصول مدنظر رکھا گیا ہے کہ آیت کا سیاق وسباق دیکھ کر جو معنی خاص طور پر موزوں ہوں اور پھر لغت عرب اور محاورہ عرب کے عین مطابق ہوں وہی لیے گئے ہیں۔

17۔موجودہ تراجم وغیرہ سے بھی حسب ضرورت مدد لی گئی ہے۔لیکن جہاں تک ہوسکا ہے اصل کو ہر حال میں مدنظر رکھا گیا ہے۔

18۔بے اصل روایات اور قصوں سے یہ تفسیر وترجمہ بالکل پاک ہے۔کیونکہ ان میں سے اکثر قصے اور روایتیں عیسائی اور یہودی نومسلموں کے ذریعہ سے اسلامی کتب میں درج ہوتی رہی ہیں۔اس لیے صرف وہی واقعات درج کیے گئے ہیں جو تواریخی لحاظ سے معتبر یا جن کی سند احادیث صحیحہ ہیں۔

یہ ترجمہ کامل سات سال کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے اور یقین ہے کہ جو لوگ اس کا مطالعہ کریں گے وہ قرآن شریف کی پُر معارف تعلیم کا ایک خاص حظ اُٹھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مترجم کو بہت بہت جزائے خیر دے اور اس کی صحت و عمر میں بہت بہت برکت ڈالے۔ آمین

ٹائٹل، دیباچہ، فہرست مضامین و اصل ترجمہ ملا کر 1391 صفحات کی ضخیم کتاب ہے۔ مگر انڈیا پیپر پر ہونے کے باعث ہلکی اور مناسب حجم کی معلوم ہوتی ہے۔ قیمت درجہ دوم 11 روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔ 12 روپیہ معہ محصول ڈاک ورجسٹری۔

خاکسار

محمد منظور الٰہی

❁❁❁

9 جنوری 1918ء

کلامِ امجد

خصوصیات انگریزی ترجمۃ القرآن

انگریزی ترجمۃ القرآن کی خصوصیات ہمارے محترم دوست امجدؔ نے ایک نظم کی شکل میں لکھی ہیں۔ جو ہدیہ قارئین ہے۔ ایڈیٹر

قرآن پاک اپنا لنڈن سے چھپ کے آیا ‌‌ شکر خدائے برحق جس نے یہ دن دکھایا

مومن ہوئے ہیں شاداں، تیرے کرم سے مولا! ‌‌ اور دشمنوں کے دل پر بادل الم کا چھایا

بہتر سا ترجمہ ہے قرآن پاک کا یہ ‌‌ انگلش زباں میں اس کو ہے خوب ہی نبھایا

سمری[1] میں جو لکھا ہے ٹیچنگ[2] کا جو بیاں ہے ‌‌ سچ یہ ہے سب سے بہتر رستہ پہ ہے لگایا

اسلام کو بتایا انسانیت کا مذہب ‌‌ جو مدعا ہے اُس کا وہ کھول کر سُنایا

جو ہیں اصول اُس کے، اِک اِک بیاں کیے ہیں ‌‌ دیباچہ میں ہی سب کچھ اسلام کا دکھایا

سروس[3] کا ترجمہ ہے اور اُس کی ہے حقیقت ‌‌ آذان کو سہ[4] طرح پر حضرات من! دکھایا

عربی زباں لکھی ہے رومن بھی سامنے ہے ‌‌ انگلش[5] میں ترجمہ ہے، اِک صاف سا دکھایا

چیپٹر[6] کی لِسٹ دے کر اُس میں دیا خلاصہ ‌‌ کنٹنٹس[7] کے ہی اندر سارا بیاں سُنایا

انگلش سے جو ہیں واقف، اُن پر یہ کی عنایت ‌‌ عربی کے سیکھنے کا رستہ اُنہیں بتایا

عربی ہے ایک جانب، انگلش ہے ایک جانب ‌‌ طرزِ بیاں نے اپنا اچھا اثر دکھایا

مشکل مقام جو ہیں اُن کی شرح ہے لکھی کومنٹری [8] میں اُس کو ہے صاف کر دکھایا
سیل[9] اور راڈویل [10] نے جو کچھ کہ غلطیاں کیں اُن پر بھی خوب لکھ کر بہتان کو مٹایا
سورۃ سے پہلے اکثر سیکشن [11] کی لسٹ دی ہے مضمون مختصر ہے، پہلے سے سب بتایا
پورے ہوئے نوشتے پہلے سے جو لکھے تھے تیرے حضور یا رب ! ہم نے ہے سر جُھکایا
تو سچے وعدوں والا، تو ہی ہے فضل والا سیدھا سا جو ہے رستہ، اُس پر ہمیں لگایا
قرآں کے ترجمہ میں جس نے ہے زر لگایا اُس نے قسم خدا کی، جنت میں گھر بنایا
وقت اپنا ترجمہ میں اُس کے دیا ہے جس نے رحمت خدا کی اُس پر، اچھا عمل کمایا
اے دوستو! پیارو!! اس کی کرو زیارت وہ ہے نصیب والا، جس نے اسے منگایا
ہے بے نصیب وہ ہی، دیکھے نہ جو کہ اس کو وہ بھی حسد سے جس نے اپنا ہو دل جلایا
عیسٰی [12] کا جو ''علیؓ'' [13] ہے، ''احمدؐ'' [14] کا جو ہے خادم قرآں کا اس نے نقشہ، بہتر سا اِک دکھایا
عیسٰی کے اُس ''علی'' نے احمدؐ کے ''اس ولی'' نے خدمت کا ''دینِ حق'' کی اچھا ہنر دکھایا
تعریف پر بشر کی، اٹھتا نہیں قلم گو امجدؔ مگر جو حق ہے، وہ کھول کر سنایا

☆☆☆

اشارات

1۔سمری: Summary

2۔ٹیچنگ: Teaching

3۔سروس: Service

4۔سہ: تین۔اردو،انگریزی اور رومن

5۔انگلش: English

6۔چیپٹر: Chapter

7۔کنٹینٹس: Contents

8۔کومنٹری: Commentry

9۔سیل: Sale

10۔راڈوَیل: Rodwell

11۔سیکشن: Section

12۔حضرت مسیح موعود

13۔مراد مولانا محمد علی صاحب

14۔مراد حضرت سیدنا و مولانا محمد و احمد صلی اللہ علیہ وسلم

۞۞۞

10 جنوری 1918ء

حضرت امیر کا پیام مریدین میاں صاحب کے نام

(ایامِ جلسہ سے پہلے حضرت امیر ایدہ اللہ نے میاں صاحب کے مریدین کے نام ایک چٹھی لکھ کر فرداً فرداً اُنہیں بھیجی اور جلسہ کے پروگرام کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے بڑے درد دل سے شمولیت جلسہ کی دعوت دی تھی۔ اور ساتھ ہی میاں صاحب اور حضرت مسیح موعود کے عقائد کو ایک دوسرے کے سامنے رکھ کر دکھایا تھا کہ ان دونوں میں کس قدر تضاد واقع ہوا ہے۔ اور لکھا تھا کہ ایام جلسہ میں مضامین مقررہ پر جو کچھ شکوک ہوں ان پر گفتگو بھی ہوسکتی ہے۔ یہ چٹھی جس درد دل سے لکھی گئی اور اس سے حضرت امیر کی صداقت و نیک نیتی پر جس قدر روشنی پڑتی ہے، وہ اصل چٹھی کو پڑھنے سے ہی معلوم ہوسکتی ہے۔ جو حسبِ ذیل ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدهٗ و نصلّی علیٰ رسولِہِ الکریم

برادران !السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

اس تعلق اخوت کی بنا پر، جو اسلام نے اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ اور پھر حضرت مسیح موعود کے دامن سے وابستگی نے ہم میں اور آپ میں پیدا کیا ہے، میں آپ کی خدمت میں یہ پروگرام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور بھیجتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود کے عظیم الشان کارناموں میں سے ایک یہ بھی کام تھا کہ اُنہوں نے اپنی جماعت کے اندر ایک تحقیق کی روح پیدا کر دی۔ اور یہی وہ روح تھی جس کی وجہ سے اس سلسلہ کا ایک معمولی آدمی بڑے بڑے لوگوں پر غالب آجاتا تھا۔ حامیانِ باطل کی پہلی کمزوری یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ نہیں چاہتے کہ لوگ حق کو سُنیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حق بات اثر کر جاتی ہے۔ چنانچہ یہی ہتھیار حضرت مسیح موعود کے مخالفین نے پہلے پہلے حضرت مسیح موعود کے خلاف استعمال کیا۔ مگر یہ چند روزہ رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ اب جو اختلاف ہمارے درمیان ہے اس میں اگر کوئی فریق یہ راہ اختیار کرے کہ اپنے ساتھیوں کو دوسرے فریق کی باتیں سُننے سے روکے تو وہ وہی کمزوری دکھاتا ہے جو باطل کے حامیوں کو ہمیشہ سے شیوہ رہی ہے۔ ایک احمدی کو تو میدانِ مذہب میں پہلوان

ہونا چاہئے۔ وہ ہر ایک کی باتیں سُنیں، ہر ایک غلط بات کی تردید کے لیے تیار رہے اور ہر ایک سچائی کو قبول کرنے کے لیے اپنے دل کو ہمیشہ کھلا رکھے۔ اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ ہم نے اپنے سالانہ جلسہ میں، جو 24 دسمبر کی دوپہر سے شروع ہوگا، نہ صرف غیر مذاہب پر اتمام حجت کے لیے سامان رکھا ہے بلکہ سلسلہ احمدیہ کی تبلیغ کے لیے اس کے دو بنیادی اُصولوں پر، یعنی نزول ابن مریم اور وفات مسیح پر، مخالفین سلسلہ کو دعوت دی ہے کہ وہ اپنے اعتراضات پیش کریں۔ اور اس سے علاوہ اس وقت جو اختلاف عقائد سلسلہ میں ہے اس کے لیے 24 اور 25 تاریخیں خاص کر دی ہیں۔ انہی ایام میں مولٰینا مولوی صدرالدین صاحب کا لیکچر بھی ہے۔ جو اسی سال ولایت سے قریباً ڈیڑھ سو انگریزوں کو، جن میں بڑے بڑے فاضل اور عہدیدار اور اہل قلم ہیں، مسلمان کرنے کے بعد تشریف لائے ہیں۔ ہمارا یہ منشاء نہیں ہے کہ آپ کے دل میں اعتراض ہو تو اس کو پیش نہ کریں۔ آپ ہماری باتیں سُنیں، اپنی بیشک ہمیں سنائیں، اسی محققانہ رنگ کو لے کر جو حضرت مسیح موعود نے پیدا کیا تھا، تبادلہ خیالات کریں اور دیکھیں کہ مسیح موعود کی تعلیم کی رو سے حق ہمارے ساتھ ہے یا میاں صاحب کے۔ غلو پہلے بھی ہوتے رہے ہیں اور بالخصوص حضرت مسیحؑ کے معاملہ میں کیسا غلو ہوا۔ اس لیے یہاں بھی اس کا ہو جانا کوئی بعید بات نہیں۔ بلکہ مسیح موعود کی راستبازی کا ایک اور نشان ہے کہ اسے ہر معاملہ میں پہلے مسیحؑ کے ساتھ مماثلت ہے۔ ہر ایک شخص اپنے عقائد و اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ اور جو یہ کہے کہ میں دوسروں کا ذمہ دار ہوں، وہ خلافِ اسلام تعلیم دیتا ہے۔ اگر تم نے مسیح موعود کو قبول کیا تو اپنی ذمہ داری پر۔ اب خدا کے لیے تحقیق کرو۔ ورنہ کل کو اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گے؟ ہم پر حد سے بدظنی مت بڑھاؤ اللہ تعالیٰ نے ہماری نصرت فرمائی۔ جن کو دو چار آدمی کہا جاتا تھا، ان کو ایک جماعت بنایا۔ اُن کے کاروبار میں وہم و گمان سے بڑھ کر برکت دی۔ اس رکن سلسلہ کو (حضرت مولٰینا سید محمد احسن صاحب امروہوی) جس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسیح موعود کا نزول ہوتا ہے، ہمارے ساتھ شامل کیا۔ حضرت مسیح موعود کے چُنے ہوئے معتمدین میں سے کثرت ہماری طرف کر دی۔ قرآن کریم ترجمہ انگریزی کی طبع کا کام، جو ساری جماعت کے لیے ایک بارگراں معلوم ہوتا تھا، اُسے انہی دو چار آدمیوں سے کرایا۔ ہماری تباہی کے منتظر کو مایوس کیا۔ اور محض اپنے فضل سے ہر طرح ہماری تائید فرمائی۔ پس خدارا! اپنی عاقبت کے لیے ہماری باتیں بھی سنو۔ ہم حضرت مسیح موعود کی تعلیم پر ہی آپ کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اس کے خلاف کہیں تو مجمع میں ہم پر اعتراض کرو۔ (بقیہ فائل میں ندارد۔ مرتب)

۞۞۞

16 جنوری 1918ء

مراسلات

ختم نبوت پر ایک نَصِّ قطعی

(تقریر جو 27 دسمبر 1917ء کو برموقعہ جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ حکیم میر عیش صاحب امروہوی خلف حضرت فاضل امروہوی نے حاضرین جلسہ کے روبرو فرمائی۔ مدیر)

حضرات بابرکات! آپ کے اشتیاق زیارت میں خاکسار کالے کوسوں سے رَخشِ ہوائے شوق پر اڑتا چلا آرہا ہے۔ الحمدللہ! کہ یہ اشتیاق برآیا۔ دوست، دوستوں کے لیے تحفے لاتے ہیں، مگر آپ میرے اخی للہ و محبی فی اللہ ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ دنیوی تحفہ آپ کو محظوظ و مسرور نہیں کرسکتا۔ آپ حق پرست جماعت ہیں۔ پس حقائق و معارف ہی سے آپ ذوق و لطف اٹھا سکتے ہیں۔

محترمان گرامی! ہمارے گھرانے کی مشہور چیز تبلیغِ حق و تردیدِ باطل ہے۔ چنانچہ والد صاحب قبلہ و کعبہ کی ذاتِ والا صفات اس امر کی خوب مشعر و مظہر ہے۔ اس لیے میں بھی تردیدِ باطل ہی کے لیے ایک نادر تبر پیش خدمت کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اگر سر عقیدہ فاسدہ پر رسید فرمایئے گا تو جان باقی نہ چھوڑے گا۔ ندرت اس میں یہ ہے کہ اس حیثیت میں یہ اب تک پیش ہی نہیں ہوا ہے۔ اس لیے میں اگر اسے تحفہ قرار دوں تو آپ کی نکتہ شناسی سے امید ہے کہ یہ بے موقع نہ ہوگا۔ اسلام میں نبوت کا دروازہ کھولنا ایک خطرناک امر ہے اور حقیقت میں یہ اسلام کو خیرباد کہنا ہے۔ کیونکہ پھر کیا وجہ ہے کہ نیا نبی آئے اور نئی شریعت نہ آئے؟ اس سوال پر سطحی نظر نہیں، بلکہ غائر نظر ڈال کر غور فرمایئے۔

اب میں اپنا تحفہ پیش کرتا ہوں پارہ 7، سورہ الانعام، رکوع 2، آیت 21۔ **قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌم بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْ م بَلَغَ اَئِنَّکُمْ**

لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّآ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ. (19:6)

محترمانِ گرامی! مجھے اس وقت اس پوری آیت کی تفسیر مدنظر نہیں ہے۔ بلکہ صرف وَاُوْحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ م بَلَغَ کی طرف جناب کی توجہات کو مبذول کروانا ہے کہ یہ جملہ ختم نبوت پر ایک نص قطعی ہے۔ اس میں متکلم حضور ختمی پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ قرآن میری طرف وحی فرمایا گیا تا کہ میں اس سے (اے اہل علم) تم کو تنبیہ فرماؤں اور جن جن کو یہ پہنچتا رہے، ان کے لیے بھی میں ہی نذیر ہوں۔ متکلم کا صیغہ اعراف المعارف ہوتا ہے۔ پس اس آیت شریفہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ جب تک قرآن شریف دنیا میں موجود ہے، کسی حقیقی نذیر، نبی یا رسول کی ہرگز ضرورت نہیں۔ قرآن کے ہوتے ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا منصب نذیر حقیقی ہے اور رہے گا۔ البتہ ظلی نذیر اور مجازی نبی اگر کوئی اپنی اصطلاح مقرر کر کے مجددین اور محدثین پر اس کا اطلاق کرے، اور اسے مستعمل رکھے، تو حرج نہیں ہے۔

ختم نبوت کی براہین اور حُجت سے تمام کتاب وسنت مملو ہے۔ اور آپ بھی ان سے کماحقہ واقف ہیں۔ خاکسار نے بجوائے اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ جو اس وقت سوجھا، عرض کر دیا۔ اب ایک مسدس اردو (فارسی) کا عرض کیا جاتا ہے۔

16 جنوری 1918ء

کلام عیش امروہوی

در مدحتِ مسیح موعود

(اس قصیدے کے بہت سے الفاظ بھی غالیوں کے عقائد فاسدہ کے کان اینٹھتے ہیں۔ یہ قصیدہ بتاریخ 28 دسمبر 1917ء بعد نماز جمعہ حاضرین کے اصرار پر عرض کیا گیا۔ مدیر)

اگر روئے غلام احمدؐ بچشمِ حق نشاں بینی
ہر آئینہ دریں آئینہ ذاتِ حق عیاں بینی

غلامِ اوست کا ترا سرورِ کون مکاں بینی
غلامان غلامش مرجع شاہنشہاں بینی

طفیلِ ایں غلامی فائز از فیضانِ احمدؐ شد
ازیں فیضاں بایمائش زمین وآسماں بینی

زہے مجد وشرف وحی ولایت بردلش نازل
زنجمِ غیب نجم قربت او ہمقراں بینی

مجدد برسر صد فارسی اصل است زیں او را
بدست آوردن دیں از ثریا کامراں بینی

امام مہدی وعیسیٰ است ہم او درخبر روکن
بقرآن ذکر او در سورہ جمعہ عیاں بینی

ہزاراں مردہ ہارا زندگی دائمی بخشد
ز اعجازِ دمش اعجازِ عیسیٰ اندر آں بینی

چوطیبِ مشک پیزش موم‌ناں راروح افزاید
نفس چوں شداز ومرگِ نفوسِ کافراں بینی

ز امدادِ خداوندی ز تائیداتِ ربّانی
پئے صدقش نشانہا از زمین وآسمان بینی

بدخلت باخدا او را چو رشکِ اولیا یابی
بتقدیس وحقادت غیریت کروبیاں بینی

بصارف ہا ز انوار بصیرت روشنی یا بند
چوخاک کفش پایش سرمۂ چشمِ جہاں بینی

باستیصال باطل تیغِ برہانش عجب کاری — درونِ رزمِ دیں اورا جوانِ کامراں بینی
زترصیعاتِ الہامی است تصنیفات او زیبا — درآں اسرارِ قرآں بیشمار وبیکراں بینی
بدل فکر ظہور وغلبہ وتمکین اسلامی — بجانش کوششِ تدبیر و اصلاح زماں بینی
دُرِ تنقیح در دُرج فصاحت تحفہ نادر — گلِ تحقیق درخوانِ بیانش ارمغاں بینی
گلِ حکمت فروریزند از گفتار شیرینش — کہ سامع را درونِ دہر درباغِ جناں بینی
پئے شادابیِ گلزارِ دیں از قلبہ علمش — حقائق ہائے معنی صورت جوئے رواں بینی
بہارِ روضۂ دیں از ریاضش چوں شدہ قائم — کہ بے مہری نہ از طرز وطراز مہرگاں بینی
شیوع دینِ اسلام و علوئے ملتِ حقہ — ہمیں سعی است کا ندر ہر زماں بینی
پناہ گیر اندروں اے مبتلائے نفس امّارہ — حریم موعظش یک کعبۂ امن واماں بینی
شوی سیاحِ میدان شہود از اتباعِ او — ہمیشہ رخشِ احسان وتورّع زیرِ ریراں بینی
بآں شمع صفا سوز وگدازِ عشق پیدا کن — کہ نار اللہ۔ را دربارگاہِ دل و ماں بینی
متاعِ صحبتش جو گر صفاد تزکیہ خواہی — بفیضش ارتقاد رفعت خود ہر زماں بینی
تو ہر دم درسماءِ الفتش سعی صعودے کن — شوی طیار خود را طائر عرش آشیاں بینی
شدہ پروانہ تو نورِ دیں اے شمع نورِ حق — بسوزِ حب خود عشاق راآتش بجاں بینی
محمد با علی است آں امیرِ ملتِ حقہ — کہ او را ہم بشوق دیدنت برآستاں بینی
محمد احسنِ فاضل کہ نازِ روزگار است او — برائے تو بترکِ روزگارش شادماں بینی
کمال الدین کزوتبلیغ اسلامی است دریورپ — نہ فیضِ صحبت او را عجب معجز بیاں بینی

چناں شد مولوی صدرِ دیں از یک نگاہِ تو　　　که او را زبده و صدر الصّدور کاملاں بینی

چه گلکاری مضموں در زبان پارسی کردم　　　زمینِ شعرِ ما اے عیش باغِ اصفهاں بینی

۞۞۞

16 جنوری 1918ء

چند ضروری اور مفید نصائح

(اخویم مکرم حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ نے ذیل کی چند نہایت مفید نصائح احباب کے لیے لکھی ہیں، جن پر حضرت امیر ایدّہ اللہ بنصرہٖ نے بھی عمل پیرا ہونے کی سفارش کی ہے۔ اُمید ہے کہ ہمارے احباب ان ضروری باتوں کو اپنا روزانہ طریق عمل قرار دیں گے کہ یہی وہ باتیں ہیں جو اسلام کا لب لباب ہونے کے ساتھ دین اور دنیا میں ہماری کامرانی اور خوشحالی کی موجب ہو سکتی ہیں۔ ایڈیٹر)

میں عاجزانہ اپنے بھائیوں کی خدمت میں چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ تا ہمارے احباب ان نصائح پر عمل پیرا ہو کر دین و دنیا میں نفع اُٹھائیں۔

1۔ ہمارے احباب دنیا میں صلح و آشتی کے ساتھ رہیں، باہمی تفرقہ سے بچیں، دعاؤں پر بہت زور دیں۔ الحمد شریف، استغفار، لاحول اور درود شریف کثرت سے پڑھیں۔ اپنے دلوں کو ہر قسم کے بغضوں اور کدورتوں سے صاف کریں۔ اگر کسی سے زیادتی ہو جاوے تو دوسرا اس پر صبر کرے۔ برداشت کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا اجر اور نیکی ہے۔ نمازوں کو نہایت سنوار کر پڑھیں، اور جو کچھ پڑھیں، اس طرح نہ پڑھیں کہ دل میں تو کچھ اور طرف خیال جا رہے ہوں، اور زبان سے نماز ادا کر رہے ہوں۔ بہت عجز اور خاکساری سے خدا کے حضور نماز ادا کیا کریں۔

2۔ ہر فرض نماز کے بعد 33 دفعہ سبحان اللہ، 33 دفعہ الحمد للہ، 33 دفعہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لیا کریں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ.(87:21) رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ (118:23) اور رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ (16:28) بہت عمدہ استغفار ہے اور قرآن کریم کا بتایا ہوا ہے۔ اس کو بہت پڑھا کریں۔

3۔ چونکہ ہمارے احباب تعداد میں قلیل اور طاقت میں کمزور ہیں۔ اور مخالفین ایذا رسانی میں کوشاں رہتے ہیں، اس لیے تمام احباب کے لیے ہمارا ہر ایک محبّ مخلص دعا کیا کرے۔ رَبَّنَا لَاتَجۡعَلۡنَا فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ (5:60) اے ہمارے رب! ہم کو تختۂ مشق منکروں کا نہ بنا اور ہماری حفاظت فرما، ہمارے گناہ بخش۔ اے ہمارے رب! تحقیق تو غالب اور حکمت والا ہے۔

4۔ شرِ دشمناں کے دفع کے لیے مندرجہ ذیل دعا مقابلہ کے وقت پڑھیں اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَرَبِّکُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنَ۔ حدیث میں اس طرح بھی دعا کرنی آئی ہے اَللّٰھُمَّ اِنَّآ نَجۡعَلُکَ فِیۡ نُحُوۡرِھِمۡ وَنَعُوۡذُبِکَ مِنۡ شُرُوۡرِھِمۡ. (ابوداؤد)

5۔ اُٹھتے، بیٹھتے اور سوتے وقت قرآن کریم نے اس دعا کے پڑھنے کا اشارہ فرمایا ہے رَبَّنَا مَاخَلَقۡتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَہٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ. رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغۡفِرۡلَنَا ذُنُوۡبَنَا وَکَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ. رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَاتُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ. (194-191:3)

سوتے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مندرجہ ذیل وظائف بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ اٰیۃُ الکُرۡسی، سورۃ الکافرون، سورۃ الاخلاص، معوذتین، یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس۔ نیز مندرجہ ذیل دعائیں کروٹ پر لیٹ کر پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَسۡلَمۡتُ نَفۡسِیۡ اِلَیۡکَ وَجَّھۡتُ وَجۡھِیَ اِلَیۡکَ وَفَوَّضۡتُ اَمۡرِی اِلَیۡکَ وَاَلۡجَأۡتُ ظَھۡرِیۡ اِلَیۡکَ رَغۡبَۃً وَرَھۡبَۃً اِلَیۡکَ لَا مَلۡجَاءَ وَلَا مَنۡجَاءَ مِنۡکَ اِلَّا اِلَیۡکَ اٰمَنۡتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیۡ اَنۡزَلۡتَ وَبِنَبِیِّکَ الَّذِیۡ اَرۡسَلۡتَ (صحیح بخاری)

6۔ اپنے مکان اور شہر کے لیے دعا کرنا سنت ابراہیمیؑ ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے مکہ معظّمہ کے لیے دعا فرمائی تھی رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (126:2) ہمارے احباب بھی اپنے مکانوں اور شہروں کے لیے برکت اور سلامتی کی دعا کیا کریں۔

7۔ طاعون سے بچنے کے لیے رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (66:25) اور استغفار اور معوذتین بہت پڑھیں۔ حفظانِ صحت کا پورا لحاظ رکھیں، صدقہ وخیرات بھی کریں۔ استغفار، درود شریف، لاحول اور سورۃ الفاتحہ کی کثرت کے علاوہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا ورد کریں۔

8۔ جس مقام پر طاعون کثرت سے نمودار ہو تو یہ دعا پڑھیں: رَبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. (94-93:23)

9۔ باہم محبت اور اخوت قائم رکھنے کے لیے یہ دعا پڑھا کریں: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. (10:59)

10۔ صحبتِ نیک کے حصول کے لیے رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ (19:27)

11۔ اور ترقیٔ جماعت کے لیے رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (100:37) پڑھا کریں۔

12۔ ہر ایک نئے شہر یا بستی میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعائیں پڑھ لینا بہت فائدہ اور برکت دیتی ہیں۔ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (80:17) رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ (29:23) اگر سفر میں موقع کسی کی بھلائی کا ملے تو اسے ضرور کریں اور اس کارِ خیر کے کرنے کے بعد

یہ دعا ضرور مانگ لیا کریں۔ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (24:28) اور استغفار کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوں اور بڑی بڑی دعائیں حفاظت اور برکت اور سلامتی کی اپنے لیے اور اس شہر یا بستی کے رہنے والوں کے لیے کریں۔

13۔ سوار ہوں تو یہ دعا پڑھیں سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ. (14-13:43)

14۔ کشتی یا جہاز پر سوار ہوں تو یہ دعا پڑھیں بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖھَا وَمُرْسٰھَآ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (41:11)

15۔ سفر سے گھر میں واپس آئیں تو کہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرُ. نِ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ (35-34:35)

16۔ استعاذہ کے لیے یہ دعا ہمیشہ کے لیے پڑھا کریں رَّبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ. وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ. (98-97:23)

17۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ کی بہت عادت ڈالیں۔ گھر میں آئیں تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہیں، باہر جاتے وقت بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہیں۔ چھوٹے بچوں تک السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہنے کی عادت ڈالیں۔

غرض اَلْعَظْمَةُ لِاَمْرِ اللّٰهِ وَالشَّفْقَةُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰهِ کا سبق ہمیشہ زیر نظر رہے۔

خاکسار

محمد حسین، مرہم عیسیٰ۔ لاہور

☆☆☆

حکیم صاحب نے بہت ہی مفید اور نافع باتوں کی طرف احباب کو توجہ دلائی ہے۔ میں بھی اپنے احباب

سے یہ سفارش کرتا ہوں کہ ان نیک باتوں پر سب کے سب عامل ہوں۔ جماعت کے عمل میں اللہ تعالیٰ نے خاص برکات رکھی ہیں۔ جب اتنی آوازیں مل کر اُٹھیں گی، تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری بہت سی مشکلات کو دور فرما دے گا۔

والسلام

خاکسار

محمد علی

۞۞۞

23 جنوری 1918ء

ختم نبوت

تقریر حضرت امیر ایّدہ اللہ بنصرہ برموقعہ جلسہ سالانہ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (40:33)

اور فرمایا:

یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے اس کو اہلِ اسلام نے ختم نبوت کے لیے بطور بنیاد ٹھہرایا ہے۔ یعنی اس بات کو بنیاد قرار دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے اوپر ایک اتفاق قومی بطور گواہ بن جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں حکم ہے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (56:24) یا مومنوں کے لیے فرمایا يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (55:5) اس حکم کی تعمیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کی۔ اب اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعمیل کی۔ تو دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ تعامل جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کے متعلق تھا اپنی اصلیت میں ہم تک پہنچا ہے یا نہیں۔

نماز کے متعلق اجماع اُمت

اس کے متعلق ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے کل فرقے باوجود حد درجہ کی مخالفت رکھنے کے ابتدا سے ہی اس بارہ میں متفق ومتحد چلے آتے ہیں اور نماز کا ایک ہی رنگ ان میں پایا جاتا ہے، جو گواہ ہے اس بات پر کہ واقعی یہ وہی نماز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ادا کی۔ ہمارے لیے یہ شہادت کافی ہے کہ مسلمانوں کے کل فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ پانچ نمازیں اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (56:24) کی تعمیل میں پڑھنی

فرض ہیں۔ان کے اوقات پر بھی اتفاق ہے کہ ایک صبح سورج چڑھنے سے پہلے، ایک سورج ڈھلنے پر، ایک غروب آفتاب سے کچھ پہلے اور ایک اس کے بعد۔ پھر شفق کے غائب ہونے اور تاریکی ہو جانے کے بعد ایک نماز پڑھنی چاہئے۔ پھر ان کی رکعتوں پر بھی سب متفق ہیں کہ دو رکعت فرض فجر کے وقت، چار ظہر کے وقت، چار نماز عصر میں، تین نماز مغرب میں اور چار عشاء کے وقت۔ تو اس کے اوپر بھی کل فرقوں کا اتفاق ہے۔

آج تیرہ سو سال بعد اگر کوئی اختلاف کرے، جیسا کہ چکڑالوی فرقہ نے کیا ہے، تو وہ تعامل کے خلاف کوئی شہادت نہیں ہو سکتی۔ لیکن باقی تمام فرقے جو اس پر متفق ہیں، بالخصوص اس زمانہ میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا، یہاں تک کہ بعض کی بعض نے گردنیں کاٹیں، ان سب کا بھی اس بارہ میں اتفاق ثابت کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعامل یہی تھا۔

اور اس کے بالمقابل ایک شخص کا آج اُٹھ کر یہ کہنا کہ نماز یوں نہیں یوں ہے، یا چار رکعتیں نہیں دو ہیں، کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اگر اس میں ذرا بھر بھی شائبہ ہوتا تو لازمی تھا کہ اس بارہ میں قرون اولیٰ میں کچھ اختلاف واقعہ ہوتا۔ لیکن ایسا نہ ہونا صاف ثابت کرتا ہے کہ اصلیت یہی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔

ختم نبوت پر اُمت کا اجماع

اسی طرح اس آیت کریمہ کے اوپر بھی پہلے ہم شہادت لیتے ہیں اجماع اُمت کی کہ کیا کُل مسلمان اس پر متفق ہوئے ہیں یا نہیں کہ اس آیت کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت بند ہے۔ کیا کُل مسلمانوں نے اسی آیت کی بنا پر اپنا یہ محکم عقیدہ بنایا ہے یا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی، اور آپ کے بعد اب کوئی دوسرا نبی نہیں آ سکتا۔ دیکھئے اہل تشیع کا کس قدر اختلاف ہے اہل سنت کے ساتھ۔ پھر خوارج کا اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے ساتھ کس قدر اختلاف چلا آتا ہے۔ وہ اہل خوارج، جنہوں نے حضرت علیؓ کو کہا تھا کہ اگر تم ان ہمارے مخالف مسلمانوں کو قتل کے قابل نہیں قرار دیتے تو ہم تمہارے خلاف جنگ کریں گے، اور اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ تمام کے تمام لوگ بھی باوجود ایک دوسرے کے دشمن ہونے کے اس بات پر متفق ہو گئے کہ یہ آیت ثابت کرتی ہے اس بات کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ ان سب کا یہ اتفاق یہ اجماع اُمت ثابت کرتا ہے اس بات کو کہ یہ معنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی آئے

ہیں۔ ورنہ اگر ان معنوں میں کوئی ذرا بھی شبہ ہوتا تو اہل تشیع، جو خود کئی امام مانتے ہیں، ضروری تھا کہ ان میں سے کوئی اس کا بھی قائل ہوتا۔

حیات وفات مسیحؑ اور اجماع اُمت

دیکھیئے ایک مسئلہ ہے حیات و وفات مسیحؑ کا۔ کہا جائے گا کہ حیات مسیحؑ پر اُمت کا اجماع ہے، پھر اس کو کیوں نہیں مانتے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ اول تو یہ کوئی عقیدہ نہیں۔ یعنی فی الحقیقت اصول وفروع دین میں داخل نہیں کہ ایک نبی جیتا ہے یا مر گیا۔ اور دوسرے اگر ہم اس بارہ میں بھی اُمت کا مذہب دیکھیں تو اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ میں آپ کو ان باتوں کی طرف نہیں لے جاؤں گا، جو صراحت سے دور ہوں۔ ابتدا سے مفسرین کہتے چلے آئے۔ کسی نے کہا کہ تین گھنٹہ کے لیے حضرت عیسیٰؑ مر گئے، کسی نے کہا تین دن کے لیے۔ الغرض اسی طرح سے مختلف اوقات کے لیے اُنہوں نے موت تسلیم کی۔ تو یہ وفاتِ مسیح کے اوپر اِن کا کھلا اتفاق ہے۔ یہ لوگ کوئی معتزلہ نہیں۔ ''مجمع البحار'' کو لو، جو لغت حدیث کی کتاب ہے۔ اس میں ایک بڑے امام کا یہی مذہب صاف طور پر لکھا ہے۔ اور یہ الفاظ ہیں قَالَ مَالِکٌ مَاتَ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے۔ اگلے دن کسی نے مجھ سے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ امام مالکؒ کا یہی مذہب تھا تو مالکی لوگ اس کے کیوں قائل نہیں۔ میں نے کہا کہ اور پیچھے چلے جاؤ تو کیا تمہارے وہم میں بھی یہ آ سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ میں حقیقی معنوں میں خدا اور خدا کا بیٹا ہوں۔ جیسا کہ آج ان کے پیرو انہیں مانتے ہیں۔ تو پس مالکی لوگوں کا وفاتِ مسیحؑ کو نہ ماننا کوئی اس بات کی دلیل نہیں کہ امام مالکؒ کا بھی یہ مذہب نہ تھا۔

ختم نبوت کے خلاف کسی نے بھی کبھی آواز نہیں اُٹھائی

غرض اجماع اُمت ایک بڑی بات ہے۔ ہم نے دیکھنا ہے کہ کیا اس اُمت کے اندر ایسا کوئی شخص گذرا ہے، جس نے کہا ہو کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نہیں ہوئی اور آپ کے بعد بھی نبی آ سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں، بلکہ ایک اجماع اُمت کا ایسا کہ ایک بھی آواز مخالف پیدا نہیں ہوئی، ختم نبوت ہی پر ہے۔ تو اس کو کیونکر رد کرو گے۔ دیکھو اگر کوئی ایسا شخص کبھی ہوا ہے، جس نے اس اجماع اُمت کے خلاف آواز اُٹھائی ہے، تو اس کا نام

لو۔ ورنہ اگر اس اجماع کو رد کرو گے تو تمہارے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں رہ جاتا۔ قرآن کے بارے تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ یہ من وعن طور پر اسی طرح موجود ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اجماع ہی کے ذریعہ سے۔ تو پس وہی اُمت جس کے اجماع سے تم قرآن کو لیتے ہو، اسی کے اجماع سے یہ بھی ثابت ہے کہ نبوت کا دروازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بند ہے۔ اور آپ کے بعد نبی کوئی نہیں آ سکتا۔

ختم نبوت کا عقیدہ کیونکر قائم ہوا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو ختم نبوت کا مسئلہ ہے۔ کیا یہ مسلمانوں نے بھی اسی طرح بنالیا ہے، جس طرح آریوں یا عیسائیوں یا دنیا کی اور قوموں نے بنالیا کہ بس اب فلاں کے بعد سلسلہ نبوت بند ہے۔ مثلاً آریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وید کے بعد اب خدا تعالیٰ کسی سے کلام نہیں کرتا۔ ایسا ہی عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو ہی مُنجی قرار دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں نے بھی اس طرح دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی ختم نبوت کا عقیدہ ایجاد کرلیا؟ یا فی الواقع کوئی ایسی شہادت اور کوئی زبردست ثبوت بھی اس کا ہے، جو گردنوں کو جھکا دے اور منوا دے کہ واقعی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوچکی اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ محض دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی نہیں۔ اس کے لیے اگر ہم تمام دنیا کی کتب کو تلاش کر ماریں اور ہر ایک مذہب کی کتاب کو پڑھ جائیں تو تم کسی کے اندر یہ دعویٰ نہ پاؤ گے کہ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ (3:5) آج ہم نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔ گو میں مانتا ہوں کہ یہ محض ایک دعویٰ ہے۔ اور آج بھی ایک شخص اگر چاہے تو اس قسم کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ لیکن جتنی بھی مذہبی کتابیں اس وقت تک موجود ہیں، ان کو پڑھ جاؤ، اور دیکھ لو کہ کیا یہ دعویٰ ان میں موجود ہے۔ ہرگز نہیں۔

یہ دعویٰ کرنے والی صرف ایک ہی کتاب قرآن کریم ہی ہے۔ تو پس یہ بات اور بھی ہمیں مطمئن کر دیتی ہے کہ یہ دعویٰ ختم نبوت کچھ بیجا طور پر نہیں کیا گیا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسا کام کیا ہے قرآن نے، جس کے بعد اس نے کہا کہ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَۃٍ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ. (3:5) وہ دین کامل کیونکر ہوگیا۔ وہ تمام علوم حقہ، جن کی دین کے لیے ضرورت تھی، ان سب کو اس کے اندر بتا دیا اور تمام باطل کی راہوں کو بھی اس

کے اندر آشکارا کر دیا۔ اگر میں ان سب کو گننے بیٹھوں تو یہ تو مشکل ہے۔لیکن مثال کے طور پر توحید باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم اور اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ۔ یہ ہی بڑی ضرورت ہوتی ہے مذہب کو کہ اپنے پیروؤں کو دے۔ پھر کیا خدا تعالیٰ کی توحید، اس کی صفات کے بیان میں کوئی کمی اس کے اندر ہے، کوئی ایسا حق امر کیا دنیا کو معلوم ہو گیا جو قرآن کے اندر موجود نہیں۔ وہ اخلاق کی تعلیم جو قرآن نے اپنے پیروؤں کو دی ہے۔کیا دنیا نے اس سے کوئی اخلاق حاصل کیے ہیں۔جس سے قرآنی اخلاق میں کوئی نقص ثابت ہوا ہو۔

وہ تمدن اور معاشرت کی تعلیم، جس پر آئے دن اعتراضات ہوتے تھے، اب زمانہ خود ان اعتراضات کا بطلان کر رہا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ ان اعتراضات کی تردید میں کوئی دلائل دیئے جائیں۔ اگر ایک شخص بھی نہ اُٹھے اور ان اعتراضات کا جواب نہ دے، تو بھی زمانہ خود گواہی دے رہا ہے کہ یہ اعتراضات کس قدر باطل ہیں!

جہاد، طلاق اور تعدد ازدواج

بڑا اعتراض کیا گیا تھا اسلام کی معاشرت پر کہا جاتا تھا کہ اسلام نے طلاق کی تعلیم دی ہے۔ جو قانون معاشرت کی رُو سے گری ہوئی تعلیم ہے۔لیکن آج تمام مذاہب کے پیروؤں کو ضرورت طلاق کو تسلیم کرنا پڑا۔ اسی عیسائی مذہب کو دیکھو۔ انجیل کی تعلیم ایک طرف رکھی کی رکھی رہ گئی اور آج تمام قوانین اس کے خلاف بن رہے ہیں۔ اسی طرح سے جہاد کی تعلیم پر اعتراض تھا کہ یہ مذہب ایسا ہے کہ تلوار چلانے کی اس نے اجازت دی ہے۔ مگر آج پادری صاحبان سے جا کر پوچھو۔ وہ گرجوں کے اندر منبروں کے اوپر چڑھ کر بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ انجیل کی تعلیم میں نرمی ہی نرمی ہے، وہ انجیل کے مغز سے ہی واقف نہیں۔ کیونکہ ظلم کے موقعہ پر تلوار اُٹھانا جائز ہے۔لیکن کیا قرآن نے اس کے خلاف کہا تھا کہ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ. (39:22) غرض جو جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا جواب ہم تو جو کچھ دیں گے دیں گے، زمانہ خود بخود ان کے جواب دیتا چلا جاتا ہے۔ اور یہی وہ جواب ہے جس کے سامنے لوگ خاموش ہو جاتے ہیں۔

زمانہ جو بات سکھاتا ہے، وہ دوسرے دلائل سے بہت بڑھ کر موثر ہوتی ہے۔ اس کے آگے گردنیں خود بخود جھک جاتی ہیں۔ اور باتوں کو چھوڑ دو چلو تعدد ازدواج ہی کو لو۔ اب اس جنگ نے لاکھوں آدمیوں کی تعداد کو

زمین کے نیچے سلا دیا ہے۔ اور بغیر اس کے چارہ نہیں رہا کہ ایک سے زیادہ عورتیں ایک ایک آدمی کے گھر میں ہوں۔ یہ ہے زمانہ کی تادیب۔ لاکھ یہ کہو کہ ہم تجرد قائم کرتے ہیں۔ مگر تجرد قائم نہیں رہ سکتا، جب عبادت خانوں اور راہبوں کی کوٹھڑیوں کے اندر تجرد قائم نہ رہ سکا اور عبادت کے گھروں میں فواحش کا ارتکاب شروع ہوگیا۔ جس پر خود عیسائی تواریخ گواہ ہیں۔ تو دنیا میں رہنے والے مرد اور عورتیں تجرد پر کس طرح قائم ہو سکتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی طاقت ایسی نکل آئے جو فطرتِ انسان کی اس خواہش کو بھی روک دے، تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ نسل انسانی منقطع ہو جائے۔ یا دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ بغیر نکاح کے ناجائز تعلقات پیدا کریں۔ بہرحال تعدد ازدواج کا اعتراض بھی قائم نہ رہا۔ حالانکہ بہترین صورت وہی ہے جو اسلام نے قائم کی ہے۔

اسلام اور تعدد ازدواج

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہو کہ آپ نے کب اور کس حالت میں ایک سے زیادہ بیویاں کیں؟ مکہ میں آپ کی صرف ایک ہی بیوی تھی۔ پھر یہ حکم کس وقت نازل ہوا۔ جب جنگ اُحد میں بہت سے مسلمان مارے گئے اور بہت سی عورتیں بیوہ رہ گئیں۔ ایسے حالات میں یا بعض دیگر ضروریات کے لیے اگر اسلام نے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا تو خوب یاد رکھو کہ اس کے بغیر آج بھی دنیا کو چارہ نہیں۔

زمانہ بہترین مؤدب ہے

غرض اسلام کے جو اصول ہیں ان کے اوپر عمل کیے بغیر دنیا ترقی نہیں کرسکتی۔ خواہ کوئی لاکھ اعتراضات کرے۔ آخر زمانہ آہستہ آہستہ خود اسی طرف لے آتا ہے۔ اس بات کو چھوڑیئے۔ ایک اور بات میں لیتا ہوں کہ ختم نبوت کا کوئی عملی رنگ میں بھی ثبوت ملتا ہے یا نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سلسلہ نبوت میں انقلاب

یہ دنیا جس کی تاریخ کو اگر دیکھو تو یہ ایک ملک اور زمانہ کے اندر نظر آتا ہے کہ آج ایک نبی ہے، تو کل کوئی دوسرا نبی اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کے اندر اور، اور قوموں میں بھی نبی پر نبی آتے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ نبوت بند نہیں ہوا تھا، تو یہ کیا ہوگیا کہ ان تیرہ سو برس میں دنیا کی کسی بھی قوم میں کوئی نبی پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں دنیا

کی تمام قوموں کے اندر نبیوں کا آنا یک لخت بند ہو جاتا ہے۔ کیا یہ انقلابِ عظیم اس امر کا عملی ثبوت اور خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت نہیں کہ سلسلہ نبوت ختم ہو چکا۔ ورنہ دیکھو کہ وہ حالت، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دنیا کی تھی، اس وقت کا اگر کوئی مردہ قبر کے اندر سے اُٹھ کر آئے اور دنیا کی موجودہ حالت کو دیکھے تو کیا وہ سمجھے گا کہ یہ وہی دنیا ہے۔ تمام باتوں میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا ہو چکا ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ اتنے بڑے انقلابات کے ہوتے ہوئے نبوت کا انقلاب نہیں ہوتا۔ اور کوئی نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا کی کسی بھی قوم میں پیدا نہیں ہوتا۔ اور اسلام ہی دنیا کا آخری مذہب عملاً ثابت ہو چکا ہے۔ پہلے کی تاریخ کو بھی دیکھو کہ نبی پر نبی آتے ہیں اور اب ان تیرہ سو برس میں ایک بھی نبی نہیں آتا۔

مذاہب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے پیدا ہوئے

ہاں! بعض مذاہب نظر بھی آتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے رائج ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک تو سِکھ مذہب ہے۔ یہ بھی ایک نیا مذہب ہے۔ ایک بابی اور بہائی مذہب ہے اور تیسرا ایک نبوت کا دعویٰ ہمارے زمانہ میں ہمارے امام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

سکھ مذہب

سِکھ مذہب کے متعلق جب ہم اس کی تاریخ کو تلاش کرتے ہیں تو اس کے بانی حضرت بابا نانک علیہ الرحمۃ تھے۔ نبی کا کام ہوتا ہے کہ جو آتا ہے وہ کوئی نیا اصول لے کر آتا ہے۔ سکھ مذہب کی کتاب میں کوئی نئی بات نہیں۔ ان کی کتاب کو پڑھ جاؤ۔ اسلام اور قرآن ہی کی تعریف اور اسی کی تعلیم ہے۔ ہم دور کیوں جائیں۔ ان کے ایک ''چولہ صاحب'' کو ہی لیتے ہیں۔ جو بطور تبرک ڈیرہ بابا نانک میں رکھا ہوا ہے۔ ان کا وہ چولہ جا کر دیکھو جسے کہا جاتا ہے کہ سات زبانوں کے حروف اس پر لکھے ہوئے ہیں۔ وہ سات زبانوں کے حروف صرف عربی زبان میں ہی ہیں۔ اور ایک حرف بھی کسی اور زبان میں نہیں۔ پھر عربی میں بھی صرف اسلام ہی کی تعلیم اور آیات قرآنی لکھی ہوئی ہیں۔ یہ ایک مستقل شہادت ہے اس بات کی کہ بابا نانک کوئی نئی تعلیم نہیں لائے۔ کوئی علیحدہ مذہب انہوں نے قائم نہیں کیا اور نہ اسلام کے سوا کوئی علیحدہ اصول بنایا ہے۔ ان کی تمام زندگی کو دیکھ جاؤ۔ خود مکہ

میں جاتے اور وہاں کا حج کرتے ہیں۔ پھر کیا کرتے ہیں؟ کسی صوفی کے ساتھ یا کسی خانقاہ پر بیٹھ کر چلاّ کھینچتے ہیں۔ ان کی تعلیم کے اندر نمازوں اور روزوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ تو ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ سکھ مذہب، جہاں تک اس کے بانی کا تعلق ہے، کوئی نیا مذہب نہیں۔ جو ختم نبوت کے منافی ہو۔

بابی مذہب اور بہائی مذہب

بابا نانکؒ کے بعد آج سے قریباً سو سال پہلے ایران میں ایک شخص پیدا ہوتا ہے۔ مرزا علی محمد۔ ایک شیعوں کا فرقہ تھا، شیخی نام، مرزا علی محمد اس سے تعلق رکھتا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ امام غائب اور مہدی کے درمیان ایک واسطہ ہر زمانہ میں ہوتا ہے۔ مرزا علی محمد کا تعلق چونکہ اس فرقہ سے تھا۔ اس لیے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں باب ہوں۔ جس کا مفہوم وہی ہوسکتا ہے جو شیخی فرقہ کے پیشوا کا منصب تھا۔ یعنی یہ کہ اس کے ذریعہ سے علوم حاصل ہوتے ہیں۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنے لیے نقطہ کا لفظ اختیار کیا کہ تمام پیشگوئیاں مجھ پر آ کر پوری ہوجاتی ہیں۔ یہی ایک اس کا دعویٰ ہے۔ اور سوائے اس دعویٰ کے اس نے بھی کوئی نیا اصول یا نئی تعلیم ایجاد نہیں کی۔ مگر اس کے بعد ایک شخص مرزا یحییٰ اس کی گدی پر بیٹھتا ہے۔ اس کا ایک بھائی تھا حسین علی، وہی تمام کام کرتا تھا اور مرزا یحییٰ اندر ہی بیٹھا رہتا تھا۔ اس لیے مرزا حسین علی کا تمام لوگوں میں اچھا رسوخ ہوگیا۔ باب کی کتابوں میں یہ بھی تھا کہ ایک شخص ظاہر ہوگا جس کے متعلق اس نے کہا مَنْ یُّظْہِرَہُ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرے گا۔ مرزا حسین علی نے من یظھرہ اللّٰه ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا نام بہاء اللہ رکھا۔ لیکن ان میں سے ایک شخص بھی نبوت کا دعویدار نہیں۔

بہائی مذہب کے اصول

بہاء اللہ اپنے آپ کو نبی نہیں کہتا، بلکہ خدا قرار دیتا ہے۔ اس نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھی ہے۔ ایک نئی شریعت اس نے اپنی طرف سے بنائی ہے۔ لیکن اس کی ساری ''کتاب اقدس'' کو پڑھ جاؤ۔ خدا کی صفات اور اس کی توحید کے متعلق ایک حرف تک نہیں۔ کچھ اخلاقی باتیں ہیں۔ کچھ مسائل ہیں۔ نمازیں اس نے تین رکھی ہیں۔ اور نو رکعت کی ہر نماز قرار دی ہے۔ ان کا مہینہ 29 دن کا ہے۔ انتیس ہی دنوں کے روزے انہوں نے

رکھنے کا حکم دیا ہے۔ایک بیت العدل اس نے قائم کیا ہے جس کے اوپر اپنے بیٹوں کو متصرف کیا ہے۔ یہاں یہ ایک بات قابل غور ہے کہ ہمارے حضرت نے بھی اپنی زندگی میں ایک فنڈ قائم کیا تھا۔لیکن اس کے اوپر آپ نے نہ اپنا تصرف رکھا اور نہ اپنے بیٹوں کا!

چوتھا اُصول حج کا ہے۔اور عجیب بات ہے کہ بہاء اللہ نے حج بیت اللہ کا ہی قرار دیا ہے۔اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔اس نے صاف حکم دیا ہے کہ ایک وقت میں دو عورتیں کرو۔ یہ اس کے خلاف ہے کہ جو کہا جاتا ہے کہ اس نے تعدد ازدواج کو جائز نہیں رکھا۔اخلاق کے متعلق عفو اور درگذر کی تعلیم ہے۔ یہ عفو اور درگذر کی تعلیم وہ دیتے ہیں جو خود ساری عمر ماریں کھاتے رہتے ہیں۔وہ کیا کریں؟ مقابلہ کی طاقت تو ہے نہیں! یہ تعلیم نہ دیں تو اور کیا بتائیں۔ یہ کوئی عفو اور درگذر نہیں۔عفو اور درگذر کی تعلیم وہ ہوتی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔مقابلہ میں دشمن پر غالب آتے ہیں، ہر ایک قسم کی طاقت حاصل ہے، ان مظالم کا انتقام لینے پر پوری قدرت رکھتے ہیں جو آپ پر اور آپ کے پیروؤں پر توڑے گئے۔ایسا شخص اگر عفو اور درگذر کی تعلیم دے تو البتہ موزوں بھی ہے۔وہ تو حق دار بھی ہے عفو اور درگذر کی تعلیم دینے کا۔لیکن جو نرا ماریں ہی کھا تا رہے اور کبھی اس کو مقابلہ کی طاقت ہی حاصل نہ ہو، اس کا عفو اور درگذر کی تعلیم دینا چنداں وزن نہیں رکھتا۔تو بہرحال چلو یوں ہی مانا کہ بہاء اللہ نے کوئی تو نئی تعلیم دی۔مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ تعلیم کہاں تک رائج ہے۔

بہاء اللہ کی تعلیم عملاً رائج نہیں ہوئی

بہاء اللہ تو مر گئے۔ان کی کتاب کتابِ اقدس ہے اب بھی مل تو سکتی ہے۔اس کو پڑھ دیکھیں۔ بہاء اللہ کا بیٹا عباس اس وقت ان سب کا امام ہے۔لیکن یہ لوگ بجائے کتابِ اقدس کی تعلیم کے قرآن کریم کا درس دیتے ہیں۔نمازیں بھی سب وہی پڑھتے ہیں، جن کا اسلام میں حکم ہے، روزے بھی وہی رکھتے ہیں۔غرض تمام مسائل، جن پر ان کا عملدرآمد ہے، اسلامی مسائل ہی ہیں۔ یہ گویا عملی ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نئی تعلیم کو اتنا بھی سرسبز نہیں ہونے دیا کہ کوئی اس کے ساتھی بھی اس پر عملدرآمد کریں۔ یہ مرزا عباس، جو ان کا آج کل پیش امام ہے، ووکنگ میں خواجہ صاحب کے پیچھے جا کر نماز پڑھ آیا ہے۔ یہ تو ہے ان کی عملی حالت۔لوگوں میں بھی یہ نہیں کہ کوئی اعتقاد کھول کر پیش کریں۔حالت بالکل یہ ہے کہ مثلاً مسلمانوں میں بیٹھے ہیں، تو انہی کی ہاں میں ہاں

ملا رہے ہیں اور آہستہ آہستہ کسی وقت اپنے مطلب کی بھی کوئی بات کہہ دیتے ہیں۔

یہ ایک دوسرے مذہب کی حالت ہوتی ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوتا ہے کہ خود اپنے پیروؤں میں ہی عملی طور پر رائج نہیں ہوسکتا اور نہ عملاً کوئی نئی نبوت یا نئی شریعت قائم کر سکا۔

تیسرا فرقہ محمودیہ

اب تیسرا ایک اور فرقہ پیدا ہوگیا ہے، وہ بھی نبوت کا مدعی ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ وہ بھی ایک نبوت کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔لیکن جس کی طرف انہوں نے دعویٰ نبوت کو منسوب کیا ہے، کم از کم اس کی بریت اس سے بھی ہوسکتی ہے کہ ایک فرقہ اسی کے پیروؤں میں سے اب بھی ایسا ہے کہ اسے ایک اتہام قرار دیتا ہے۔ اور عملاً یہ دوسرا فرقہ بھی کوئی نئی نبوت قائم نہیں کر سکا۔

خاتم النبیین پر بحث

یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (40:33) یہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب زیدؓ اپنی بی بی کو طلاق دے دیتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زینبؓ کو اپنے نکاح میں لے آتے ہیں۔ اس وقت کہا جاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، مگر رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں۔ بظاہر ایک شخص اس آیت کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں باتوں کا جوڑ کیا ہے؟ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں! ان کا کوئی تعلق بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔ مگر غور کیا جائے تو مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ (40:33) جب کہا تو اس سے نفی ہوگئی آپ کے باپ ہونے کی۔ تو چونکہ ابوت کی اس سے بکلی نفی ہوگئی تھی، جس سے شبہ پید اہوسکتا تھا کہ جسمانی باپ نہ ہونے کے ساتھ آپ کی روحانی ابوت کی بھی تو نفی نہیں کردی گئی۔ تو اس شبہ کے دور کرنے کے لیے فرمایا وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ (40:33) لٰکِنْ حرف استدراک ہے۔ یعنی ازالہ وہم کے لیے آتا ہے۔ گویا یہ بتانا مقصود ہے کہ جسمانی طور پر تو آپؐ کسی کے باپ نہیں، مگر چونکہ آپ رسول اللہ ہیں اور ہر ایک رسول یا نبی اپنی اُمت کے صلحاء کا باپ ہوتا ہے، اس لیے آپ بھی روحانی طور پر لوگوں کے باپ ہیں۔ لیکن صرف

رسول اللہ کہنا بھی کافی نہیں۔ باپ تو آپ روحانی طور پر بیشک ہیں، لیکن اس سے ایک اور شبہ ہوتا ہے کہ نبیؑ اپنی اُمت کے روحانی باپ تو ہوتے ہیں۔مگران نبیوںؑ کی اُمت تو کچھ مدت بعد منقطع ہوجاتی تھی۔ان کا زمانہ تھوڑی سی مدت تک چل کر پھر ختم ہوجاتا تھا۔کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت بھی اسی قسم کی ہے۔آپ کا زمانہ نبوت بھی کیا ایک خاص مدت تک کے لیے ہے اور پھر نعوذ باللہ منقطع ہوجائے گا۔اس شبہ کے ازالہ کے لیے فرمایا وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (40:33) آپ کا زمانہ نبوت کبھی ختم نہیں ہوگا۔کیونکہ تمام نبیوںؑ کے آپ خاتم ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

خاتم النبیین کا عقیدہ اور محکمات ومتشابہات

دیکھو! اس آیت کے اوپر ایک عقیدہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔یہ کوئی یونہی نہیں رکھ دی گئی۔ بلکہ میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ کوئی بات، جس کے اوپر کسی عقیدہ کی بنیاد رکھی جائے، گول مول لفظوں میں نہیں ہونی چاہئے۔ بعض لوگ گول مول لفظوں پر عقیدہ کی بنیاد رکھ دیتے ہیں۔قرآن کریم نے اس کے خلاف ایک اصول باندھ دیا کہ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَایَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَایَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (7:3) یہاں بتادیا کہ متشابہات کے پیچھے پڑنے اور ان پر عقائد کی بنیاد رکھنے سے ہمیشہ فتنہ پیدا ہوتا ہے۔اسی لیے جنہوں نے متشابہات کے اوپر عقائد کی بنیاد رکھی ہے، انہوں نے بڑی بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں۔مثلاً عیسائیوں کو ہی لے لو۔ کس بات نے ان کو دھوکا دیا؟

وہ بعض پیشگوئیوں کو لے بیٹھے۔ایک الفاظ میں خدا کے آنے کی خبر ہے۔پس انہوں نے اسی کی بنا پر مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بنا کر تثلیث کا اعتقاد اس کے اوپر قائم کردیا۔حالانکہ پیشگوئی ہمیشہ متشابہات میں سے ہوتی ہے اور اس وقت آکر کھلتی ہے جب پوری ہوجائے۔اس لیے اس کے اوپر کسی عقیدہ کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں۔اسی طرح سے پچھلے سال یہیں جلسہ سالانہ میں ہمارے مولوی عبدالحق صاحب نے آریوں سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ کونسی آیت ہے وید کی جس میں روح اور مادہ کو ازلی قرار دیا گیا ہے۔ وہ آیت تو کوئی نہ نکلی۔اور جس کے اوپر روح اور مادہ

کے ازلی ہونے کے عقیدہ کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ ایک درخت کے اوپر دو جانور بیٹھے ہیں۔ ایک ان میں سے کچھ کھاتا ہے اور دوسرا اس کا منہ تک رہا ہے...... حالانکہ یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کے اوپر اتنے بڑے عقیدہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس کے بالمقابل قرآن نے یہ کمال دکھایا ہے کہ کسی عقیدہ کی بنیاد متشابہات پر نہیں رکھی۔ وہ جس عقیدہ کی تعلیم دیتا ہے، اس کے اوپر ایسا سورج چڑھا دیتا ہے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ کیا ختم نبوت پر بھی ہمارے ہاتھ میں کوئی محکمات ہیں؟ یا یہ عقیدہ کوئی متشابہات کے اوپر ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ کیا قرآن نے خود بھی خاتم النبیین کے معنوں کو صاف کر کے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش تو نہیں چھوڑی۔

خاتم النبیّین کے معنے نبیوں کی مہر نہیں بنتے

اب جو کہا جاتا ہے کہ خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں کہ ان کی مہر سے نبی بنا کریں گے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ یعنی پہلے اگر اللہ تعالیٰ کے دستخطوں سے نبی بنا کرتے تھے۔ تو اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں مہر دے دی گئی کہ دستخطوں کی ضرورت نہ رہے اور جس کو وہ چاہیں ٹھپ سے مہر لگائی اور نبی بنا دیا۔ چلو یونہی سہی! لیکن یہ کیا ہوگیا کہ یہ جب سے مہر آپ کو ملی اُلٹا نبیوں کا بننا ہی موقوف ہوگیا۔ حالانکہ مہر سے تو آسانی کے ساتھ کام ہوتا ہے۔ چاہئے تھا کہ جہاں آگے ان کاغذوں پر دستخط ہوتے تھے، وہاں اس مہر سے سو نبی تو بنتے، مگر یہاں تو تیرہ سو برس میں اگر بنتا بھی ہے تو صرف ایک۔ پھر خاتم النبیین کے معنے اگر نبیوں کی مہر ہی ہیں، تو یہ کہاں سے نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مہر ہے، جس سے نبی بنا کریں گے؟

خاتم النبیین کا حل قرآن کریم سے

بہرحال سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کریم نے اس کو واضح کر دیا یا یونہی تشابہ میں ہی چھوڑ دیا۔ جہاں تک قرآن کریم کی آیات ہیں، ان سے آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی قطعاً گنجائش نہیں نکلتی۔ مثلاً وہ فرماتا ہے تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا (1:25) اس میں صاف طور پر تمام عالمین کے لیے آپ کو نذیر قرار دیا ہے۔ تو جب تمام عالمین کے لیے نذیر آپ بن گئے تو معلوم ہوگیا کہ اور کسی نذیر کی ضرورت نہیں۔ پھر آپ کو رحمۃ للعالمین قرار دیا۔ پھر فرمایا وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ (34:28

) پس اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کافی نہیں رہی، تو بیشک اور نبی بناؤ۔لیکن اگر آپ ہی تمام جہانوں کے لیے نذیر اور رحمۃ للعالمین ہیں تو سلسلہ نبوت اب جاری نہیں رہ سکتا۔ہمیں کوئی بات ہو وہ قرآن اور حدیث سے لینا ہے۔اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے کہ کہنے والا کون ہے، خواہ کوئی کہے۔اگر قرآن کے مخالف ہے، اگر حدیث اس کی مؤید نہیں تو چاہیے کہ اس کے منہ پر دے ماریں۔دیکھو یہی نہیں کہ آپ کسی خاص وقت کے لیے ہی کَآفَّةً لِّلنَّاسِ (28:34) تھے۔بلکہ یوں بھی آپ کَآفَّةً لِلنَّاسِ (28:34) ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

نبی اور مجدد میں فرق

کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد مجددین کے مبعوث ہونے کی خبر دی اور نبیوں کی بعثت کی خبر نہ دی اس لیے کہ دین کامل ہو گیا۔اور کامل دین کے لیے نبیوں کی ضرورت نہیں رہتی۔اس کے لیے ضرورت مجددین کی ہی ہوتی ہے۔جہاں دین ناقص ہو وہاں نبی آتے ہیں اور جہاں دین کامل ہو وہاں ان کی ضرورت نہیں۔بلکہ صرف مجددین کی ضرورت ہے۔تو دین کے کامل ہو جانے کے بعد نبی کیسے آسکتے ہیں۔بفرض محال اگر نبی آنے بھی تھے تو مجددین کے مبعوث ہونے کی خوشخبری کیوں دی۔ایک بڑی نعمت کا تو ذکر تک نہ کیا۔اور چھوٹی نعمت کی خوشخبری دے دی!

خاتم النبیین کے معنوں کی تصریح اقوال نبی کریمؐ سے

اس کو بھی چھوڑ کر آیت خاتم النبیین کے متعلق ہم حدیث کو لیتے ہیں کہ کیا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی اس کی تفسیر فرمائی ہے۔اگر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کچھ بھی تفسیر نہ فرماتے تو بھی کوئی بات تھی۔لیکن جب ہم احادیث کو دیکھتے ہیں تو وہاں ہمیں ایک ذخیرہ ملتا ہے ان احادیث کا، جن میں خاتم النبیین کی تفسیر آپ نے فرمائی ہے۔پھر آپ کی تفسیر کے ہوتے ہوئے ہمیں اور باتوں کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔مثلاً ایک حدیث میں آپ نے حضرت علیؓ کو فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوسٰى اِلَّا اِنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ۔یعنی تو مجھ سے وہی منزلت رکھتا ہے جو ہارونؑ کو موسٰیؑ سے تھی۔لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔یہ صحیح بخاری اور مسلم کی حدیث ہے۔جو دونوں صحاح ستہ میں سب سے اعلیٰ درجہ پر ہیں۔پھر ایک اور حدیث ہے سَيَكُوْنُ

مِنْ اُمَّتِیْ ثَلٰثُوْنَ کَذَّابُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیُّ اللّٰہِ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یعنی میری اُمت میں تیس کذاب ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو نبی کہے گا۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ پہلے تو حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ باوجود اس منزلت رکھنے کے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی پھر بھی آپ نبی نہیں ہوسکتے۔ گویا نبی کے مرتبہ والے تو ہوسکتے ہیں، لیکن نبی نہیں بن سکتے۔ اب اس کو ایک اور رنگ میں سمجھا دیا اور وضاحت کے ساتھ خاتم النبیین کی تفسیر فرمادی کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ لیکن تیسری حدیث میں ایک اور ہی رنگ چڑھا دیا۔ فرمایا: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ مِّنْ زَاوِیَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِہٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَہٗ وَیَقُوْلُوْنَ ھَلَّا وُضِعَتْ ھٰذِہِ اللَّبِنَۃُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتِمُ النَّبِیّٖنَ (بخاری) میری اور میرے سے پہلے انبیاءؑ کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے ایک مکان بنایا پس اسے بہت اچھا بنایا اور خوبصورت بنایا۔ مگر اس کے کونہ کی ایک اینٹ کی جگہ خالی رہی۔ سو لوگ اس کے گرد گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اس پر اور کہنے لگے کیوں یہ اینٹ نہیں لگائی۔ فرمایا میں وہ اینٹ ہوں اور میں نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔ دیکھو یہ تیسری حدیث ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کے الفاظ ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظوں کی عزت کرو۔ اگر ایک حدیث ہوتی تو اسے ترک بھی کر دیتے۔ لیکن اس کو کیا کرو گے۔ کیا اس آخری اینٹ کے لگ جانے کے بعد کوئی ذریعہ ہے کسی اور نبی کو داخل کرنے کا؟ اب اور اینٹ لگ ہی نہیں سکتی جب تک پہلے اس کونے کی اینٹ کو اکھیڑ نہ لو۔

پھر ایک اور متفق علیہ حدیث ہے عَنْ جُبَیْرِبْنِ مُطْعِمٍؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ لِیْ اَسْمَآءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِیُّ الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِی یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیَّ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ (متفق علیہ) یعنی جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے میرے کئی ایک نام ہیں۔ میں محمد ہوں احمد ہوں اور ماحی ہوں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کفر مٹا دیتا ہے اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد نبی نہ ہو۔

کس طرح سے تمام لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر جمع ہو رہے ہیں؟ اس کا نظارہ بھی ووکنگ میں جا کر دیکھ لو۔ جہاں ایک حبشی اور ایک سفید رنگ کا انگریز، ایک ادنیٰ طبقہ کا سپاہی اور ایک لفٹیننٹ، ایک لارڈ اور ایک معمولی حیثیت کا انسان۔ پھر مصری، ہندوستانی اور مختلف ممالک کے لوگ غرض وہ یُحۡشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیۡ ہوتا ہے کہ اس کی نظیر دنیا میں ملنی مشکل ہے۔ پھر فرمایا اَنَا الۡعَاقِبُ میں سب سے آخری ہوں۔ اگر یہیں تک رہنے دیتے تو بھی بات صاف تھی مطلب تو پورا ہو گیا تھا۔ لیکن نہیں۔ ابھی مزید تشریح کی ضرورت سمجھتے ہیں اور آگے ہی فرماتے ہیں وَالۡعَاقِبُ الَّذِیۡ لَیۡسَ بَعۡدَہٗ نَبِیٌّ عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

پانچویں شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث ہے۔ جو بخاری اور مسلم میں تو نہیں لیکن صحاح ستہ ہی کی ایک کتاب میں ہے۔ فرمایا لَوۡ کَانَ بَعۡدِیۡ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ گویا بتا دیا کہ حضرت عمرؓ کے اندر وہ کمالات تو پائے جاتے ہیں جو نبیوں میں ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے آپ نبی نہیں۔ لیکن اس کے خلاف اب میاں صاحب صرف کمالاتِ نبوت سے ہی سمجھتے ہیں کہ نبی بن جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: فُضِّلۡتُ عَلَی الۡاَنۡبِیَآءِ بِسِتَّۃٍ الخ۔ وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوۡنَ مجھے چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے دوسرے انبیاء پر، جن میں سے ایک فضیلت یہ بھی بیان فرمائی وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوۡنَ میرے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا گیا۔ یہاں خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوۡنَ کہہ کر خاتم النبیین کے معنوں کو صاف کر دیا۔

پھر ساتویں حدیث ہے۔ لَمۡ یَبۡقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الۡمُبَشِّرَاتُ نبوت میں سے سوائے مبشرات کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ یہاں مبشرات کو نبوت کا ایک جز و قرار دیا ہے اور نبوت کے باقی نہ رہنے اور مبشرات کے رہ جانے کی خبر دی ہے۔ لیکن ہمارے میاں صاحب جو اس کی تشریح کرنے بیٹھے تو کہنے لگے کہ مبشرات ہی عین نبوت ہیں۔ ہم نے کہا کہ ان معنوں کو ذرا حدیث کے اندر رکھ کر بتاؤ۔ لَمۡ یَبۡقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الۡمُبَشِّرٰتُ کی جگہ ذرا میاں صاحب کے معنوں کو لگاؤ لَمۡ یَبۡقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا عَیۡنَ النُّبُوَّۃِ نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا مگر عین نبوت۔ کیا یہ کسی صحیح الدماغ شخص کا کلام ہو سکتا ہے۔ لیکن نہیں۔ اپنے مطلب کے مطابق ایک معنے اُنہوں نے کر لیے ہیں۔ اب چاہے وہ صحیح ہوں یا غلط، ان سے کتنی ہی بڑی زد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں نہ پڑے،

بس وہی ٹھیک ہیں۔اس حدیث کی ایک اور طرز بھی آتی ہے،اس کو لیا ہے امام احمدؒ نے۔اُس کے یہ لفظ ہیں **اِنَّ الْرِسَالَۃَ وَالنَّبُوَّۃَ قَدْ اِنْقَطَعَتْ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ. فَشَقَّ ذَالِکَ عَلَی النَّاسِ فَقَالَ لٰکِنَّ الْمُبَشَّرَاتُ**۔ رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی اور میرے بعد کوئی رسول نہیں اور نہ کوئی نبی ہے۔ یہ لوگوں پر گراں گذرا تو فرمایا لیکن مبشرات باقی ہیں۔

اب ان سات آٹھ حدیثوں کے ہوتے ہوئے بھی خاتم النبیین کے معنی خود اپنی طرف سے کچھ اور بنا کر پیش کرنا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں؟

میاں صاحب کے معنے کسی عدالت میں پیش کرنے کے قابل نہیں

ایک عدالت کے سامنے اگر یہ معاملہ ہو اور اُسے اس کا فیصلہ کرنا ہو، تو یہ معنی جو میاں صاحب کرتے ہیں، کیا قابل قبول سمجھے جاسکتے ہیں؟ جبکہ بالمقابل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے معنے ایک نہیں آٹھ حدیثوں میں اس کے خلاف ہیں۔ پھر کیا جو بات کسی عدالت میں پیش کرنے کے قابل نہیں، اور انصاف اس کے خلاف ہے، وہ اس قابل ہے کہ اُس پر اپنے عقیدوں کی بنیاد رکھی جائے! چھوڑ دیجئے اس بات کو کہ ہم مسلمان ہیں، چھوڑ دیجئے اس کو کہ ہم فلاں عقائد رکھتے ہیں۔ اگر ہم اتنی بھی ہمت نہیں رکھتے کہ ایک کورٹ کے اندر جرأت کے ساتھ اپنی باتوں کو پیش کرسکیں۔ جس کی بنیاد ہی اتنی مضبوط نہیں کہ اس پر کسی عمارت کو کھڑا کیا جاسکے۔ اس کو اپنا عقیدہ بنانا کس قدر خلافِ دیانت ہے!

احادیث مذکورہ بالا کی صحت

میں نے خاتم النبیین کی تفسیر میں آٹھ حدیثیں پیش کردیں۔ جو سب الگ الگ صحابیوںؓ سے مروی ہیں اور سب ہی مختلف پیرایوں میں بیان ہوئی ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک ہی طرز پر بیان ہوئی ہوں۔ ورنہ ہوسکتا تھا کہ سب نے ایک ہی سے سُن کر بیان کردی ہوتیں۔ لیکن ان سب کے پیرائے مختلف ہیں اور مختلف محدثین نے ان کو اپنی کتابوں میں لیا ہے۔ یہ سب باتیں ایک انسان کے دل میں ثلجِ قلب پیدا کردیتی ہیں کہ کس قدر صفائی کے ساتھ اس کو کھول دیا ہے۔ اور خاتم النبییّن کے معنوں میں کوئی اشتباہ رہنے ہی نہیں دیا۔ ایک عقیدہ کو اس قدر محکم بنیاد پر

قائم کیا ہے کہ اس سے زیادہ صفائی اور ممکن نہیں ۔ جاؤ! جتنے مذہب ہیں، ان سب میں تلاش کرو۔ کیا ایسا محکم عقیدہ کہیں ہوسکتا ہے۔اس قدر صفائی عقائد کے بارہ میں کسی مذہب نے بھی نہیں کی۔ختم نبوۃ کی بنیاد اگر ایسے ہی محکم اصولوں پر نہ رکھی جاتی تو یہ ٹھیک نہ تھا۔

''نبیوں کی مہر'' کے معنے کسی وضعی سے وضعی حدیث میں بھی نہیں

اس کے خلاف اگر یہی مانا جائے کہ خاتم النبیّن کے معنے ہیں''نبیوں کی مہر''۔یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مہر دی گئی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے ذریعہ سے نبی بنائیں۔تو یہ مہر جو آپ کو دی گئی۔تو آپ کو کم ازکم اس کا علم تو ہونا چاہئے کہ یہ مہر مجھے دی گئی ہے۔لیکن جاؤ! تمام احادیث سے تلاش کرلو۔کوئی حدیث بھی ایسی نہ پاؤ گے۔جس میں خاتم النبیّن کے آپؐ نے یہ معنے کیے ہوں۔ ورنہ کوئی سچی، کوئی جھوٹی، کوئی وضعی حدیث کوئی کسی صحابیؓ کے قول سے ہی یہ دکھادو کہ خاتم النبیّن کے یہ معنے آپؐ نے کیے ہیں کہ مجھے نبی بنانے کی کوئی مہر دی گئی ہے یا میں نبیوں کی مہر ہوں۔لیکن اگر ایسا نہیں اور کوئی وضعی سے وضعی حدیث بھی ایسی پیش نہیں کر سکتے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معنے کیے ہوں تو خدا کا خوف کرو۔اوراس کے بالمقابل ایک نہیں دو نہیں سات اعلیٰ پایہ کی حدیثوں کو ردّ نہ کرو۔

آیت قرآنی جس سے نبیوںؑ کا آنا جائز ثابت کیا جاتا ہے

ہم کو کہا جاتا ہے کہ حدیث کی ہمیں ضرورت نہیں۔ جب قرآن میں آتا ہے یٰبَنِیۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ. (35:7) تو قرآن کی اس آیت کے ہوتے ہوئے ہم حدیثوں کو کیا کریں! لیکن کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس آیت کا علم تھا یا نہیں۔اگر تو اس کا علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا، تو خاتم النبیّن کی تفسیر کرتے وقت یہ بھی اُن کے مدنظر ہوگی۔پھر آپؐ نے باوجود اس آیت کی موجودگی کے خاتم النبیین کے معنے لَانَبِیَّ بَعۡدِیۡ ہی کیے۔تو معلوم ہوا کہ اس کا وہ مطلب نہیں جو اَب لیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول آسکتے ہیں۔ دیکھو! بعض وقت ایک معنے کرتے ہوئے غلطی بھی ہوسکتی ہے۔ میں ایک آیت کے معنے کرنے لگتا ہوں، تو

ممکن ہے کہ دوسری آیت ایسی ہو جو ان معنوں کے خلاف ہو اور وہ مدنظر نہ رہے۔لیکن کیا آپؐ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات مختلف پیرایوں میں خاتم النبیّین کے ایک ہی معنے کریں اور کوئی دوسری آیت ایسی بھی ہو، جو اس کے مخالف پڑی ہوئی ہو اور وہ آپؐ کے مدنظر نہ رہے۔ یہاں اس آیت میں کل نبی آدم کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ تم میں رسول آتے رہیں گے۔اور ایسا ہی ہوا۔ بنی آدم میں رسول تو آتے رہے لیکن اس سلسلہ رسالت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر ختم کر دیا۔

قرآن وحدیث سب پر مقدّم ہیں

میں پھر علی الاعلان کہوں گا کہ قرآن اور حدیث سے ہم باہر نہیں جاسکتے۔ جو یہ کہتا ہے کہ قرآن اور حدیث سے ہمیں مطلب نہیں، وہ خطرناک ضلالت میں ہے۔ ہمارے تمام امور کا فیصلہ قرآن اور حدیث سے ہونا چاہیئے۔اس کے خلاف جو شخص ہمیں لے جانا چاہے، ہم نہیں جاسکتے۔حتیٰ کہ اگر امام بھی ہم سے وہ بات منوانی چاہے، جس کی قرآن وحدیث میں سند نہیں تو ہم اُسے نہیں مانیں گے۔تو یا تو قرآن اور حدیث کے معنوں کو مانو یا جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ خاتم النبیّین کے معنے ہیں اپنی مہر سے نبی بنانے والا، وہ کوئی ایک ہی حدیث ان معنوں کی سند میں ہمیں دکھائے۔کوئی وضعی اور جھوٹی حدیث ہی وہ پیش کر دے۔جس میں یہ لکھا ہو کہ خاتم النبیّین کے معنے ہیں اپنی مہر سے نبی بنانے والا۔لیکن اگر کوئی بھی حدیث ایسی نہیں۔اور بالمقابل ہمارے پاس ختم نبوت کی تائید میں اس قدر اعلیٰ پایہ کی اور اتنی تعداد میں حدیثیں موجود ہیں، تو پھر اپنے عقائد کو درست کرو۔دیکھو۔غلطیاں انسان سے ہو جاتی ہیں۔لیکن ان غلطیوں کے اعتراف کے لیے بھی اسے تیار رہنا چاہیئے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ کس کو یاد نہیں۔ جب آپ نے فرمایا اِنْ زِغْتُ فَقَوِّ مُوْنِیْ کہ دیکھو۔اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو تم نے مجھے سیدھا کر دینا ہے۔ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک بُڑھیا عورت کس جرأت کے ساتھ اُن کی غلطی پر متنبہ کرتی ہے اور آپ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ بڑے بڑے آئمہ سے غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ہم آئمہ کو معصوم نہیں مانتے۔اسی لیے قرآن کریم نے فرمایا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (59:4) اصل اطاعت کے دو ہی درجے رکھے۔اللہ اور رسول۔اس کے آگے اُوْلِی الْاَمْرِ (59:4) کی اطاعت بھی ہے۔لیکن اگر اس سے کسی امر میں جھگڑا ہو جائے تو اللہ اور رسول ہی کی طرف لوٹانے کا حکم دیا۔وہاں پھر خاموشی کے ساتھ نری اطاعت ہی کو

جائز نہیں رکھا۔ اس لیے جو بھی شخص ہو خواہ کتنا ہی بڑے سے بڑا ہو، خدا اور رسولؐ کے احکام کے خلاف ہم اُس کا کہا نہیں مان سکتے۔ پس جو شخص خاتم النبیّین کے معنے اپنی مہر سے نبی بنانے والا کرتا ہے، اُسے چاہیے کہ کسی کمزور سے کمزور حدیث میں سے ہی یہ معنے ہمیں دکھا دے!

خاتم النبیّین پر بحث حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے

دوسری بات یہ آ رہتی ہے کہ مرزا صاحب نے جو یہ کہا کہ میں نبی ہوں، تو اسے کیا کریں؟ اس پر سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا ہم نے مرزا صاحب کو اس لیے مانا کہ قرآن اور حدیث نے اُن کو سچا قرار دیا۔ یا قرآن اور حدیث کو اس لیے مانا کہ مرزا صاحب نے ان کو منوایا۔ ایک طرح سے تو یہ بھی سچ ہے کہ قرآن و حدیث مرزا صاحب نے ٹھیک طور پر منوایا۔ کیونکہ قرآن و حدیث کی سمجھ مرزا صاحب کے سکھانے پر آئی۔ لیکن واقعات کے رنگ میں اگر ہم لیں تو صحیح یونہی ہے کہ قرآن اور حدیث نے ہم کو بتایا تو ہم نے مرزا صاحب کو مانا۔ یہ نہیں کہ مرزا صاحب کے کہنے پر ہم قرآن و حدیث پر ایمان لائے۔ تو پس اگر قرآن اور حدیث نے ہی ہمیں یہ منوایا کہ ہم مرزا صاحب پر ایمان لائیں، تو اب دیکھو کہ وہی قرآن و حدیث ان تمہارے معنوں کے مخالف ہیں۔ اس قرآن و حدیث کو اب کہاں رکھیں؟ کیا مرزا صاحب کو لے کر قرآن و حدیث کو جواب دے دیں۔ دیکھو! جس طرح باقی مذہب نہیں چل سکا، اسی طرح خوب یاد رکھو کہ یہ مذہب بھی نہیں چل سکتا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ کبھی بار آور نہیں ہو سکتا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اسود عنسی اور مسیلمہ کذّاب نے نبوت کے دعاوی کیے اور وہ مارے گئے۔ اس لیے اس قسم کا مذہب قرآن و حدیث کے مخالف ہے اور چل نہیں سکتا۔

لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ مرزا صاحب نے واقعی کیا معنے خاتم النبیّین کے کیے۔ کیا یہ معنے آپ نے کیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ یا یہ کہ آپ ''نبیوں کی مہر'' ہیں اور آپؐ کی مہر سے اب نبی بنا کریں گے جو پہلے براہ راست بنا کرتے تھے۔ اس کے لیے آپ کی تحریرات کو ہم لیتے ہیں۔

1۔ اب وحی رسالت تا قیامت منقطع ہے

سب سے پہلے ''ازالہ اوہام'' میں آپ اس آیت کے معنے کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔ پس اس سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریمؑ رسول اللہ دنیا میں آ نہیں سکتا۔ کیونکہ مسیح ابن مریم رسول ہے۔ اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبریل حاصل کرے۔ اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تابقیامت منقطع ہے۔''

2۔ مدعی نبوت قرآن وحدیث پر ایمان نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں

پھر حاشیہ ''انجام آتھم'' صفحہ 27 پر لکھتے ہیں کہ:

''کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے۔ اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (40:33۔مرتب) کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ صاحبِ انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اُس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔ مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکا لگ جانے کا احتمال ہے۔ لیکن وہ مکالمات اور مخاطبات جو اللہ جلّشانہ کی طرف سے ملے ہیں، جن میں یہ لفظ نبوت اور رسالت کا بکثرت آیا ہے، ان کو میں بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا۔ لیکن بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا

میری نسبت آیا ہے (ایسے لفظ نہ اب سے بلکہ سولہ برس سے میرے الہامات میں درج ہیں، چنانچہ براہین احمدیہ میں ایسے کئی مخاطبات میری نسبت پاؤ گے) وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہیں۔ اور اصل حقیقت جس کی میں علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا۔‘‘

3۔ فی الحقیقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوچکی ہے

پھر حاشیہ ’’کتاب البریۃ‘‘ صفحہ 184 پر تحریر فرمایا ہے کہ:

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمادیا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھی۔ اور قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے اپنی آیت کریمہ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (40:33۔ مرتب) سے بھی اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوچکی ہے۔‘‘

4۔ خاتم النبیّین اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا فیصلہ

پھر صفحہ 185 پر فرماتے ہیں کہ:

’’غرض قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خاتم النبیّین رکھ کر اور حدیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ فرما کر اس امر کا فیصلہ کر دیا تھا کہ کوئی نبی نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آسکتا۔‘‘

5۔ آنحضرتؐ خاتم الانبیاء ہیں۔ اس لیے نبی اللہ والی حدیث کو ظاہر الفاظ سے پھیرنا چاہیے

اس کے بعد ''ایام الصلح'' صفحہ 27 پر لکھا ہے کہ:

''علاوہ ان باتوں کے کہ مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کو یہ آیت بھی روکتی ہے۔ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (40:33۔ مرتب) اور ایسا ہی یہ حدیث بھی لَا نَبِیَّ بَعۡدِیۡ. یہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ باوجودیکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، پھر کسی وقت دوسرا نبی آجائے اور وحی نبوت شروع ہو جائے۔ کیا یہ سب امور حکم نہیں کرتے کہ اس حدیث کے معنے کرنے کے وقت ضرور ہے کہ الفاظ کو ظاہر سے پھیرا جائے۔''

تبدیلی عقیدہ کی بحث

یہ جو اس قدر حوالے میں نے پڑھے ہیں یہ بہت تھوڑا سا حصہ ان کثیر تحریرات کا ہیں جن میں آپ نے بار بار نبوت کے ختم ہو جانے کا اقرار کیا ہے۔ مگر ایک شخص جھٹ ان پر یہ اعتراض کر دے گا کہ یہ تو سب 1901ء سے پہلے کی ہیں جب آپ کو ابھی اپنی نبوت کا پتہ نہیں چلا تھا۔ بہت اچھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ کی 1901ء سے پہلے کی باتیں ماننے کے قابل ہیں یا نہیں۔ اگر تو 1901ء سے پہلے کی تحریرات ماننے کے قابل ہیں تو چشم ماروشن دل ماشاد۔ لیکن اگر یہ ماننے کے قابل نہیں تو یہ تو ایک عقیدہ متفقہ طور پر چلا آتا تھا کہ نبوت کا دروازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہے اور مرزا صاحب بھی تیرہ سال تک اسی کے مؤید رہے۔

اگر عقیدہ بدلا تو ختم نبوت کے دلائل کو کہاں اور کیونکر ردّ کیا

اب تیرہ سال کے بعد اگر اسے تبدیل ہی کرنا تھا تو ان دلائل کو آپ نے کیا کیا، جو پہلے ختمِ نبوت کی تائید میں تیرہ سال تک دیتے رہے تھے۔ وہ دیوار جو آپ نے سلسلہ نبوت کے لیے بمنزلہ روک قرار دی تھی، کیا

عقیدہ تبدیل کرنے کے لیے اس دیوار کو بھی پھاندنا ضروری ہے یا نہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ کے متعلق آپ ''ازالہ اوہام'' میں لکھتے ہیں کہ:

''مسیحؑ کیونکر آ سکتا۔ وہ رسول تھا۔ اور خاتم النبیّین کی دیوارِ رُوئیں* اس کو آنے سے روکتی۔''

اگر یہ صحیح ہے کہ آپ نے اپنے عقیدہ کو بدل لیا، تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ بھی ضروری ہے یا نہیں کہ آپ اس خاتم النبیّین کی دیوارِ رُوئیں* کو بھی پھاندتے، اس کو غلط ٹھہراتے۔ جو شخص ایک عقیدہ تبدیل کرتا ہے اس کو چاہئے کہ جس بنیاد پر پہلا عقیدہ قائم ہوا تھا، اس بنیاد کو بھی غلط ثابت کرے۔ 1901ء سے پہلے اگر یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی نہیں آ سکتے، تو چاہئے تھا کہ 1901ء کے بعد کہتے کہ دیکھو یہ جو میرا عقیدہ تھا کہ نبوت کا دروازہ اب بند ہے یہ صحیح نہیں۔ بلکہ آپؐ کے بعد بھی نبی آ سکتے ہیں۔ جب تک اس آہنی دیوار کو دور نہیں کرتے، اس وقت تک مرزا صاحب نبی نہیں بن سکتے!

1901ء کے بعد کی تحریرات

اچھا اب 1901ء کے بعد کی تحریروں کو بھی تلاش کرو۔ ''مواہب الرحمٰن'' 1903ء کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ اس وقت شائع ہوئی تھی جب جہلم میں مقدمہ پر آپ گئے تھے۔ اس کتاب کے صفحہ 66 پر آپ اپنے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اِنَّنَا مُسْلِمُوْنَ نُؤْمِنُ بِکِتَابِ اللّٰهِ الْفُرْقَانِ وَنُؤْمِنُ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا نَبِيَّهٗ وَرَسُوْلَهٗ وَاَنَّهٗ جَآءَ بَخَيْرِ الْاَدْيَانِ وَنُؤْمِنُ بِاَنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَآءِ لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ اِلَّا الَّذِیْ رَبّٰی مِنْ فَيْضِهٖ وَاَظْهَرَ. وَعْدَهٗ''

---

* دیوارِ رُوئیں: بنیانٌ مرصوصٌ۔ سیسہ پلائی دیوار۔ رُوئیں کانسی کو کہتے ہیں جو ایک مرکب دھات ہوتی ہے۔ جو رانگے اور تانبے سے تیار کرتے ہیں۔ اور یہ نہایت مضبوط ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رانگ اور پیتل سے یا تانبے سے اور جست سے بناتے ہیں ہے۔

اس کا ترجمہ خود ہی فارسی میں یوں فرماتے ہیں کہ:

''ما مسلمانیم بکتاب الٰہی قرآن شریف ایمان مے آریم و ایمان مے آریم کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی خدا و رسول خدا است و دینِ او بہتر ادیان است و ایمان مے آریم کہ او خاتم الانبیاء است۔ بعد او ہیچ پیغمبرے نیست مگر آنکہ از فیض او پرورش یافتہ باشد و موافق وعدہ او ظاہر شد۔''

ترجمہ اردو:

''ہم مسلمان ہیں کتاب الٰہی قرآن شریف پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے نبی ہیں اور آپؐ کا دین سب دینوں سے بہتر ہے۔ اور یمان لاتے ہیں کہ آپؐ خاتم الانبیاء ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ مگر وہی جو آپؐ کے فیض سے پرورش پائے اور آپؐ کے وعدہ کے موافق ظاہر ہو۔''

یہاں یہ لفظ اِلَّا الَّذِیْ رَبّٰی مِنْ فَیْضِہٖ شبہ میں ڈالتے ہیں۔ اور ان لفظوں کو دیکھ کر ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ لیجئے مرزا صاحب نے اپنے لیے ایک راہ نکال ہی لی۔ لیکن آگے چل کر یہ شبہ بھی دور ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں کہ:

''وَلِلّٰہِ مُکَالَمَاتٌ وَمُخَاطَبَاتٌ مَعَ اَوْلِیَآءِ ہٖ فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَاَنَّھُمْ یُعْطُوْنَ صِبْغَۃَ الْاَنْبِیَآءِ وَلَیْسُوْا بِنَبِیِّنَ فِی الْحَقِیْقَۃِ فَاِنَّ الْقُرْاٰنَ اَکْمَلُ وَطَرَالشَّرِیَّعَۃِ وَلَا یُعْطُوْنَ اِلَّا فَھْمُ الْقُرْاٰنِ وَلَا یَزِیْدُوْنَ عَلَیْہِ وَلَا یَنْقُصُوْنَ مِنْہُ وَمَنْ زَادَ اَوْ نَقَصَ فَاُوْلٰئِکَ مِنَ الشَّیَاطِیْنَ الْفَجَرَۃِ.''

ترجمہ فارسی:

''وخدا را مکالمات ومخاطبات است باولیائے خود دریں امت و ایشاں را رنگِ انبیاء دادہ می شود۔ و در حقیقت انبیاء نیستند۔ زیرا کہ قرآن حاجتِ شریعت را بکمال رسانیدہ است و

دادہ نمیشوند مگر فہم قرآن و نہ زیادہ مے کنند و نہ کم مے کنند از قرآن دہر کہ زیادہ کرد یا کم کرد پس او از شیطانان است کہ بدکاراند‘‘

ترجمہ اردو:

’’اور خدا تعالیٰ کے اس اُمت میں اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمات ومخاطبات ہوتے ہیں اور انہیں انبیاء کا رنگ دیا جاتا ہے اور وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے۔ کیونکہ قرآن نے حاجتِ شریعت کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اور انہیں فہمِ قرآن کے سوائے اور کچھ نہیں دیا جاتا۔ اور نہ وہ قران سے کچھ کم کرتے ہیں اور نہ زیادہ کرتے ہیں۔ اور جو زیادہ کرے یا کم کرے وہ بدکار شیاطین میں سے ہے۔‘‘

اب یہاں صاف بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے مکالمات ومخاطبات بھی اپنے اولیاء سے ہوتے ہیں۔ ان کو انبیاء کا رنگ بھی دیا جاتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے وہ نبی نہیں ہوتے۔ اس سے پہلے جو یہ فرمایا تھا اِلَّا الَّذِیۡ رَبِّی مِنۡ فَیۡضِہٖ تو یہ کن کے متعلق ہے۔ یہ ایک شبہ بیشک وارد ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ بھی صاف ہو جاتا ہے کہ یہ انہی لوگوں کے متعلق کہا ہے جن کو آگے ہی فرمایا کہ ’’ایشاں را رنگ انبیاء دادہ می شود و درحقیقت انبیاء نیستند۔‘‘

مانع نبوت کوئی نقص نفس یا عدم ضرورت زمانہ نہیں بلکہ کمال شریعت ہے

یہ نہیں کہ اس لیے یہ نبی نہ ہوں کہ جیسے کہ میاں صاحب نے کہا ہے کہ ان کے نفسوں میں کوئی نقص ہے یا ان کے زمانوں میں کوئی ضرورت نہ تھی۔ اگر انہی دو وجوہات میں سے کوئی ایک وجہ مانع نبوت قرار دی ہوتی تو بھی البتہ مان سکتے تھے۔ لیکن نہیں وجہ یہ قرار دی فَاِنَّ الۡقُرۡاٰنَ اَکۡمَلُ وَطَرَالۡشَرِیۡعَۃِ قرآن نے شریعت کو کمال تک پہنچا دیا۔ تو کیا اب یہ وجہ باقی نہیں رہی۔ کیا اب قرآن کی شریعت اس زمانہ میں کمال کو پہنچی ہوئی نہیں۔ اگر تو مرزا صاحب کے وقت میں بھی وہی بات موجود ہے کہ قرآن نے حاجتِ شریعت کو کمال تک پہنچایا ہوا ہے۔ اور یہی بات درحقیقت پہلے اولیاء اللہ کے لیے باوجود ان کے نبیوں کا رنگ پانے کے مانع نبوت تھی تو پھر وہ بھی نبی

نہیں ہو سکتے۔ مانع نبوت جب ایک ہی ہے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو پورا کر دیا۔ اور وہی مانع اب بھی ہے۔ اب بھی قرآن کریم کامل اور اکمل کتاب ہے۔ جب کسی شخص کا نقص نفس نہیں جو مانع نبوت ہو، نہ ہی زمانہ کی عدم ضرورت کو ہی مانع نبوت قرار دیا اور جس بات کو مانع کہا وہی مانع اب بھی ہے، تو لاکھ اِلَّا الَّذِیۡ رَبّی مِنۡ فَیۡضِہٖ ہو۔ مرزا صاحب ہوں یا کوئی اور، نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں بن سکتے۔ وہ اِلَّا الَّذِیۡ رَبّی مِنۡ فَیۡضِہٖ بھی جو کہا تو وہ انہی کو کہا جو باوجود نبی کا رنگ دیئے جانے کے درحقیقت نبی نہیں ہوتے۔ کیونکہ قرآن نے حاجتِ شریعت کو کمال تک پہنچا دیا۔ تو 1901ء کے بعد بھی مرزا صاحب کا دامن ایسے عقائد سے پاک ہے۔

اُنہوں نے جس طرح اپنی پہلی کتابوں میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کوئی نہیں آ سکتا، اسی طرح پچھلی کتابوں میں بھی یہی کہا کہ سلسلۂ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منقطع ہے۔ میں تو اصول کا پیرو ہوں۔ میں تو دیکھوں گا کہ مرزا صاحب نے اصول کیا قائم کیا ہے۔ اگر مرزا صاحب یہ اصول قائم کر دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی اسی طرح آتے رہیں گے جس طرح پہلے آتے رہے۔ تو چشمِ ما روشن دلِ ماشاد۔ لیکن اگر یہ نہیں اور اصول یہی قائم کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی نہیں آ سکتے، تو آپ کے لیے بھی جگہ باقی نہیں رہتی۔ پہلے اصول کو قائم کرو اور پھر اس کے مطابق فیصلہ کرو۔

حقیقۃ الوحی میں انقطاعِ نبوت و رسالت کو تسلیم کیا

دیکھو اپنی آخری کتاب ''حقیقۃ الوحی'' کے ضمیمہ صفحہ 64 میں اصول یہ قائم کرتے ہیں کہ:

''وَالنُّبُوَّۃُ قَدۡ اِنۡقَطَعَتۡ بَعۡد نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَلَا کِتَابَ بَعۡدَ الۡفُرۡقَانِ الَّذِیۡ ھُوَ خَیۡرُ الۡصُحُفِ السَّابِقَۃِ الخ.''

ترجمہ: ''اور نبوت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو چکی ہے اور قرآن کریم کے بعد جو سب صحیفوں سے بہترین کتاب ہے کوئی اور کتاب آ نہیں سکتی۔ الخ''

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:

''وَاِنَّ رَسُوۡلَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ عَلَیۡہِ اِنۡقَطَعَتۡ سِلۡسَلَۃُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ فَلَیۡسَ حَقُّ

اَحَدٍ اَنْ یَّدَّعٰی النَّبُوَّۃَ بَعْدَ رَسُوْلِنَا الْمُصْطَفٰی عَلَی الطَّرِیْقَۃِ الْمُسْتَقِلَّۃِ وَمَا بَقِیَ بَعْدَہٗ اِلَّا کَثْرَۃُ الْمکَالَمَۃِ.''

ترجمہ:''اور بیشک ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ پر رسولوں کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ پس کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل نبوت کا دعویٰ کرے۔ اور آپؐ کے بعد سوائے کثرتِ مکالمہ کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔''

نبوت اور کثرتِ مکالمہ ایک نہیں

اب یہاں کثرتِ مکالمہ کو نبوت سے الگ کیا ہے کہ نبوت منقطع ہو چکی ہے اور کثرتِ مکالمہ باقی ہے۔ لیکن میاں صاحب کہتے ہیں کہ نہیں کثرتِ مکالمہ ہی عین نبوت ہے، بہت اچھا۔ میں کہتا ہوں اگر یہی صحیح ہے تو اس کو اس فقرہ میں رکھ کر دیکھو اَلنَّبُوَّۃُ قَدْ اِنْقَطَعَتْ بَعْد نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ...... وَمَابَقِیَ بَعْدَہٗ اِلَّا النَّبُوَّۃُ۔ نبوت منقطع ہوگئی اور نبوت باقی بھی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ میں مبشرات کو عین نبوت قرار دینے سے لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّۃِ اِلَّا عَیْن النَّبُوَّۃِ کا بے معنی فقرہ بنتا ہے۔ ویسے ہی یہاں بھی ایک بالکل بے معنی سی بات بن جاتی ہے۔ اگر نبوت اور کثرتِ مکالمہ ایک ہی چیز ہوتے تو ایک کی نفی اور دوسرے کا اثبات، یہ بالکل بے معنی بات ہے۔ کون شخص اسے کسی عقلمند کا قول کہہ سکتا ہے!

کثرتِ مکالمہ مجازی نبوت کا نام ہے

آگے چل کر دیکھو وہ خود اسے کیا کہتے ہیں۔ اور کیا وہ خود بھی کثرتِ مکالمہ کو نبوت ہی قرار دیتے ہیں یا کیا اس سے آگے فرماتے ہیں''وَسُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَاعَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ''میرا نام اللہ کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا نہ حقیقی طور پر۔ یہ مجاز کیا ہے؟ جو لوگ کوئی تھوڑا بہت بھی علم رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کوئی مشابہت بڑی ہوتی ہے کسی چیز سے۔ اسی مشابہت کی وجہ سے وہ اس چیز کا نام اس پر بول دیا جاتا ہے۔ جس سے اصل شے نہیں بن جاتا۔ اسی کا نام مجاز ہے کہ اس مشابہت کی وجہ سے ایک نام اسے دے دیا

جاتا ہے۔ اسی کو ''مواہب الرحمٰن'' میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اِنَّھُمْ یُعْطُوْنَ صِبْغَةَ الْاَنْبِیَآءِ. اُنہیں نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے۔ ویسے وَلَیْسُوْا بِنَبِیّٖنَ فِی الْحَقِیْقَةِ اور وہ حقیقی نبی نہیں ہوتے۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں یہاں کہہ دیا کہ میرا نام جو نبی رکھا گیا تو وہ مجازی طور پر ہے نہ حقیقی طور پر۔ جو ترازو دوسروں کے لیے قائم کی تھی، وہی اپنے لیے رکھی۔ جس ترازو پر دوسروں کو تولنا چاہا، اسی پر اپنے آپ کو بھی تولا۔

اگر یہ نہیں اور جیسا کہ میاں صاحب کا خیال ہے مرزا صاحب کا یہی مذہب تھا کہ وہ حقیقی نبی ہیں۔ اور صرف کثرتِ مکالمہ ہی سے حقیقی نبی بن گئے۔ تو یہ وہ بات ہے کہ لینے کے بٹے اور دینے کے اور۔ دوسروں کی نبوت کو پرکھنے کا موقعہ ہوا تو فرماتے ہیں فَاِنَّ الْقُرْاٰنَ اَکْمَلُ وَطَرَالشَّرِیْعَةِ قرآن نے حاجتِ شریعت کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اس لیے وہ نبی نہیں ہو سکتے۔ اور اپنا موقعہ آتا ہے تو میاں صاحب کے مذہب کی رُو سے اور راہ تجویز ہو جاتی ہے۔ کچھ تو خدا کا خوف کرو اور مرزا صاحب کی حیثیت پر دھبہ نہ لگاؤ۔

دیکھو حقیقۃ الوحی الاستفتاء کے اسی صفحہ 16 پر فرماتے ہیں:

''مَانعُنِیْ مِنَ النَّبُوَّةِ مَایُعْنَی فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔''

ہم اپنی نبوت سے وہ مراد ہرگز نہیں لیتے جو صحف اولیٰ والی نبوت سے مراد تھی۔ اور اس سے بڑھ کر کیا صفائی ہو۔ اس کے ساتھ ہی آگے حاشیہ میں لکھا ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ مَااَرَادَ مِنْ نَّبُوَّتِیْ اِلَّا کَثْرَةُ الْمَکَالَمَةِ وَالْمخَاطَبَة وَھُوَمُسلَّمٌ عِنْدَ اَکَابِرِ اَھْلِ الْسُنَّةِ.''

اللہ تعالیٰ نے میری نبوت سے کچھ بھی ارادہ نہیں کیا سوائے کثرت مکالمت اور مخاطبت کے اور یہ اکابرِ اہل سنت کے نزدیک مسلّم ہے۔ یہاں صاف بتا دیا کہ اسی نبوت کو مانتے ہیں اور اسی کا دعویٰ ہے جو اکابرِ اہل سنت کے نزدیک مسلّم ہے۔ جو اکابرِ اہل سنت کا مذہب چلا آ رہا ہے وہی مذہب میرا ہے۔

مجازی نبوت کے معنے میاں صاحب سے

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ مجازی نبی کیا ہوتے ہیں؟ صفحہ 158 ''حقیقۃ النبوت'' پر میاں صاحب لکھتے ہیں:

''میں اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے مختصر طور پر یہ لکھ دینا پسند کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود نے جو مختلف اصطلاحات نبوت کے متعلق قرار دی ہیں۔ ان سے کیا مطلب ہے۔ یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود نے بیشک بعض اصطلاحات نبوت کی تشریح کے لیے مقرر فرمائی ہیں۔ لیکن وہ اصطلاحات قرآن کریم یا حدیث کے الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعود نے لوگوں کو نبوت کی اقسام سمجھانے کے لیے خود وضع فرمائی ہیں۔ اور چونکہ آپ نے خود ان اصطلاحات کو وضع فرمایا ہے۔ اس لیے ان کے وہی معنے کرنے درست ہوں گے جو آپ نے خود فرما دیئے ہیں نہ کہ کوئی اور معنے۔''

پس اب ہم کو مجاز اور حقیقت کے معنے سمجھنے کے لیے ان کی اس کتاب کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود مرزا صاحب نے بھی کوئی اس کے معنے کیے ہیں یا نہیں۔ اگر کیے ہیں تو کیا۔ ''ازالہ اوہام'' صفحہ 349 پر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مسیح گذشتہ کی نسبت قطعی طور پر کہا ہے کہ وہ نبی تھا۔ لیکن آنے والے مسیح کو اُمتی کر کے پکارا ہے۔ جیسا کہ حدیث اِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ سے ظاہر ہے۔ اور حدیث عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ میں اشارتاً مثیل مسیح کے آنے کی خبر دی ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق آنے والا مسیح محدث ہونے کی وجہ سے مجازاً نبی بھی ہے۔''

اب یہاں مجازی نبی کی تشریح کر دی کہ اس سے مراد محدث ہے نہ کہ حقیقی نبی کہا جائے گا کہ یہ 1901ء سے پہلے کی بات ہے۔ لیکن جو شخص کوئی بات قائم کرنی چاہتا ہے، اس کے متعلق پہلے اپنی اصطلاحات کو، جن سے اس نے آگے چل کر کام لینا ہے، بتا کر اس کی تشریح کر دیتا ہے۔ یہ ہمارے مقنّنین جب کوئی قانون کی کتاب لکھنے لگتے ہیں تو سب سے پہلے یہ بتا دیتے ہیں کہ اس کتاب میں فلاں اصطلاح سے فلاں بات مراد ہے اور فلاں الفاظ کا یہ مطلب ہے وغیرہ۔ اسی طرح سے ''ازالہ اوہام'' میں بھی نبوت کی تمام اصطلاحات کی تشریح کر دی ہے۔ صفحہ 349 پر تو فرمایا تھا کہ:

''مسیح گزشتہ کی نسبت قطعی طور پر کہا ہے کہ وہ نبی تھا۔لیکن آنے والے مسیح کو اُمتی کر کے پکارا ہے۔''

اور پھر اسی سے آنے والے مسیح کو مجازاً نبی کہہ کر محدث قرار دیا تھا۔آگے صفحہ 422 پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اس کی اور بھی وضاحت کر دی۔اور مجازی نبی کے معنے کھول کر بتا دیئے۔جیسا کہ اس سوال و جواب سے ظاہر ہے کہ:

''(11)سوال۔ رسالہ فتح اسلام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

اما الجواب۔ نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے۔جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے۔جس حالت میں رویائے صالحہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے، تو محدثیت ، جو قرآن شریف میں نبوت کے ساتھ اور رسالت کے ہم پہلو بیان کی گئی ہے، جس کے لیے صحیح بخاری میں حدیث بھی موجود ہے،اس کو اگر مجازی نبوت قرار دیا جائے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا جائے تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آ گیا۔''

یہ تحریر اس امر پر کافی شہادت ہے کہ مجازی نبوت کے معنی محدثیت کے ہیں۔میاں صاحب کہیں گے کہ مجازی نبی سے مراد غیر صاحب شریعت نبی ہے۔لیکن اس کو کوئی حضرت صاحب کی کتاب سے دکھاوے۔آپ نے تو کہیں بھی غیر صاحبِ شریعت نبی کو مجازی نبی قرار نہیں دیا۔بلکہ اس کے صریح خلاف ''سراجؑ منیر'' صفحہ 4 پر حضرت عیسیٰ کو حقیقی نبی ہی کہا ہے۔حالانکہ وہ غیر صاحبِ شریعت ہیں۔

اُمتی نبی کے معنے

پھر ایک اور لفظ ہے اُمتی نبی۔اس کے اوپر بھی بڑا جھگڑا ہوا ہے کہ اُمتی نبی کے معنے ہیں بالواسطہ نبی۔حالانکہ حضرت صاحب اس کو بھی خود ہی صاف کر چکے ہیں۔ازالہ اوہام صفحہ 532-533 پر آپ فرماتے ہیں کہ:

''ہاں یہ بھی سچ ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی کر کے بھی بیان کیا گیا ہے۔مگر اس کو اُمتی

کر کے بھی تو بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ خبر دی گئی کہ اے اُمتی لوگو وہ تم میں سے ہی ہوگا اور تمہارا امام ہوگا۔ اور نہ صرف قولی طور پر اس کا امتی ہونا ظاہر کیا بلکہ فعلی طور پر بھی دکھلا دیا کہ وہ اُمتی لوگوں کے موافق صرف قال اللہ اور قال الرسول کا پیرو ہوگا۔ اور حل مغلقات معضلات دین نبوت سے نہیں بلکہ اجتہاد سے کرے گا۔ اور نماز دوسروں کے پیچھے پڑھے گا۔ اوران تمام اشارات سے صاف ظاہر ہے کہ وہ واقعی اور حقیقی طور پر نبوتِ تامہ کی صفت سے متصف نہیں ہوگا۔ ہاں نبوت ناقصہ اس میں پائی جائے گی جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہلاتی ہے اور نبوت تامہ کی شانوں میں سے ایک شان اپنے اندر رکھتی ہے۔ سو یہ بات کہ اس کو اُمتی بھی کہا اور نبی بھی، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شانیں اُمتیت اور نبوت کی اس میں پائی جائیں گی۔ جیسا کہ محدث میں ان دونوں شانوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن صاحب نبوت تامہ تو صرف ایک شان نبوت ہی رکھتا ہے۔ غرض محدثیت دونوں رنگوں سے رنگین ہوتی ہے۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے ''براہین احمدیہ'' میں بھی اس عاجز کا نام اُمتی بھی رکھا اور نبی بھی۔''

تو یہ جو اُمتی نبی کی اصطلاح ہے اس کی بھی اپنے قلم سے تشریح کر دی ہے اور کھول کر بتا دیا کہ یہ بھی صرف محدثیت کا دوسرا نام ہے۔ لیکن ہمارے میاں صاحب کو یہ تشریحات منظور نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ 1901ء سے پہلے حضرت صاحب نبوت کی کچھ اور تعریف کرتے تھے اور 1901ء میں انہیں سمجھ آ گئی تھی کہ نبوت کیا ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کے یہ لفظ ہیں کہ:

☆''اور جب آپ نے معلوم کیا کہ نبی کی شرائط کوئی اور ہیں وہ نہیں جو پہلے سمجھتے تھے۔ اور وہ آپ کے اندر پائی جاتی ہیں تو آپ نے اپنے نبی ہونے کا اقرار کیا۔''

☆''لیکن جب بار بار الہامات میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول کے نام سے پکارا تو آپ کو معلوم ہوا کہ آپ واقعہ میں نبی ہی ہیں، غیر نبی نہیں۔ جیسا کہ پہلے سمجھتے تھے۔ اور نبی کا لفظ، جو آپ کے الہامات میں آتا ہے، صریح ہے۔ قابلِ تاویل نہیں۔''

☆''مگر بار بار کے الہامات نے آخر آپ کی توجہ کو نبی کے حقیقی مفہوم کی طرف پھیرا۔اور آپ کے دل پر پورے طور پر امر واقعہ کا انکشاف ہوا۔اور قرآن کریم کو بھی آپ نے عام لوگوں کے عقیدہ کے خلاف پایا۔تو اس پہلے عقیدہ کو ترک کر دیا۔''

''حقیقۃ الوحی'' اس خیال کی بالکل تردید کرتی ہے

میں اب جس بات کو صاف کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ میاں صاحب کہتے ہیں کہ 1901ء میں حضرت صاحب کو پتہ لگ گیا کہ اصل نبوت یہ ہے۔لیکن اگر یہ ٹھیک ہے کہ اس سے پہلے غلطی میں تھے اور 1901ء میں ہی آ کر پتہ لگا تو اب یہ سب کچھ کر کرا کر پھر یہ کیا ہو گیا کہ حقیقۃ الوحی میں آ کر پھر وہی کہنے لگ گئے کہ وَسُمِّيْتُ نَبِيًّا مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى طَرِيْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰى وَجْهِ الْحَقِيْقَةِ میاں صاحب کہتے ہیں کہ یہاں جو مجازی نبی اپنے آپ کو کہا تو وہ دوسرے مسلمانوں کی غلط تعریف نبوت کے مطابق کہا۔یعنی فقرہ اصل میں یوں ہے وَسُمِّيْتُ نَبِيًّا مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى طَرِيْقِ الْمَجَازِ بِزُعْمِكُمُ الْبَاطِل لَا عَلٰى وَجْهِ الْحَقَيْقَةِ بِزُعْمِكُمُ الْبَاطِل تمہارے باطل اعتقاد کے مطابق میں مجازی نبی ہوں اور حقیقی نہیں۔لیکن اگر یہی صحیح ہے تو پھر اس کی تمیز کیا ہے کہ اور بھی جو باتیں حضرت صاحب نے لکھی ہیں وہ دوسروں کے ہی اعتقادات کے مطابق لکھ دی ہوں اور خود انہیں نہ مانتے ہوں۔کیا جہاں مرزا صاحب یہ کہیں کہ خدا ایک ہے۔وہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسے بھی دراصل باطل ہی سمجھتے ہوں گے اور بِزُعْمِكُمُ الْبَاطِل کا مفہوم دل میں رکھ کر ہی اسے لکھا ہے!

تم کہتے ہو کہ پہلے نبوت کی سمجھ آپ کو نہ تھی۔اس لیے غلط تعریف نبوت کی کی۔لیکن 1901ء میں جب یہ پتہ لگ گیا تو اس کے بعد بھی اگر اسی تمہاری مزعومہ غلطی کا ارتکاب کریں تو اس کا کون ذمہ دار؟ یہ تو خود مرزا صاحب پر زد پڑتی ہے کہ باوجود سمجھ آ جانے کے پھر وہی پرانی تعریف کے مطابق کہہ دیا عَلٰى طَرِيْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰى وَجْهِ الْحَقِيْقَةِ!

یہ اس تیسرے گروہ کا حال ہے جو خاتم النبیّین کے بعد ایک اور نبوت کو قائم کرنا چاہتا ہے۔لیکن خود حضرت مسیح موعود کے دعویٰ سے ثابت نہیں بلکہ اس کی تردید ہے۔میں پھر خلاصہ کے طور پر کہتا ہوں کہ اس ختم نبوت پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر شہادت ہے کہ اس کے خلاف ایک بھی بات موجود نہیں۔مرزا

صاحب کی اس قدر شہادت موجود ہے کہ اس کے خلاف کوئی ایک بات بھی کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ ''حقیقۃ الوحی'' سے ایک بات پیش کی جاتی ہے کہ وہاں حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ:

> ''اللہ جلّشانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپؐ کو افاضہ کمال کے لیے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔ اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔''

ان لفظوں کو دیکھ کر بیشک ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ یہاں آ کر تو مرزا صاحب کا عقیدہ بدل گیا۔ اسی لیے ہمارے دوست جب اس حوالہ کو لکھتے ہیں تو بس یہیں پر آ کر اس کو ختم کر دیتے ہیں کہ کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ثابت ہو جائے۔ لیکن کیا یہ واقعی صحیح ہے کہ ان الفاظ کا یہی منشاء ہے جو لیا جاتا ہے۔ منقولہ بالا عبارت کے ساتھ یہ فقرہ بھی موجود ہے کہ:

> ''یہی معنے اس حدیث کے ہیں کہ عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ یعنی میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔''

اب اس فقرہ سے صاف پتہ لگ گیا ہے کہ توجہ روحانی کے نبی تراش ہونے سے کیا مراد ہے۔ صرف یہی کہ آپؐ کی اُمت کے علماء نبیوں کے رنگ میں رنگین ہوں گے۔ اس فقرہ کی کہ ''یہ قوتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی'' خود ہی آگے یوں تشریح کر دی ہے کہ ان کی اُمتوں میں اولیاء اللہ کا وجود النادر کالمعدوم کے حکم میں تھا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں بیشمار اولیاء اللہ ہوئے۔ یہ معنے حضرت صاحب کی کسی تحریر میں نہیں کہ اور نبی صرف صدیق کے مرتبہ تک پہنچا کر چھوڑ دیتے تھے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی بنا سکتے ہیں۔

ہمارے متعلق غلط بیانیاں اور رکاوٹیں اور میاں صاحب کے باطل ہونے کا کھلا ثبوت

یہ تو ہے مختصراً ختم نبوت کا حال۔ لیکن اس کو سننا آج گوارا نہیں۔ آج وہی طریقِ عمل ہمارے خلاف اختیار کر رکھا ہے جو ہمیشہ سے اہل باطل کا شیوہ ہوتا ہے۔ دیکھئے لوگوں کو ہمارے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے

مسیح موعود کو چھوڑ دیا اور پھر ویسے بھی روکتے ہیں کہ کوئی یہاں آ کر کچھ سن نہ لے۔ کسی کے کان میں کوئی حق کی آواز نہ پڑ جائے۔ ورنہ یہ کیا مصیبت ہے، کیوں اب قادیان میں جہاں ہمیشہ تین دن جلسہ ہوتا تھا، اس دفعہ پانچ دن جلسہ کا اعلان ہے۔ بس صرف اسی لیے کہ ان کے پاس جانے والا کوئی نہ رہے۔ ورنہ کیوں یہ مصیبت پڑتی۔ مگر یہ ہتھیار کسی حق پرست قوم کے ہاتھ میں کبھی نہیں ہوتا۔ ہمیشہ وہی لوگ اس ہتھیار کو کام میں لاتے ہیں جن کے ہاتھ میں کوئی مضبوط بات نہیں ہوتی۔ ورنہ ہم جو ہر سال یہاں موقعہ دیتے ہیں کہ آ کر ہم پر سوال کریں، یہ نہیں کہتے کہ نرا سُن ہی لیں۔ بلکہ آزادانہ سوالات کی اجازت دیتے ہیں۔ کیا حرج ہے اگر ہمیں بھی اسی طرح سے قادیان میں موقعہ دیا جائے کہ وہ جماعت جو وہاں جمع ہوتی ہے اس کو یہی باتیں ہم بھی سنائیں۔ لیکن نہیں۔ باطل پر جو کھڑے ہوتے ہیں وہ کبھی کسی کو حق بات سننے نہیں دیتے۔ مبادا کسی پر اثر ہو جائے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سننے سے لوگ روکتے تھے۔ مرزا صاحب کی باتوں کو بھی سننے سے روکا گیا۔ یہی سلوک آج ہمارے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ یہاں دعوت دیتے ہیں، آتے نہیں اور دوسروں کو آنے سے روکتے ہیں۔ اشتہار دیتے ہیں، ان کو پھاڑ پھاڑ کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ بس ایک شخص کے منہ سے سن کر ایک عقیدہ بنالیا۔ اس کے خلاف اب اور کوئی بات نہیں سُنی جاسکتی۔ یہ ان لوگوں کا کام نہیں، جو اہلِ حق ہوتے ہیں۔ حق بات رکھنے والے کبھی ان حرکات سے کام نہیں لیتے۔

لفظ نبی کا استعمال

حضرت مسیح موعود کی تحریروں میں اور احمدیہ لٹریچر میں موجودہ اختلاف سے پہلے جب لفظ نبی استعمال ہوا تو صرف اپنے لغوی معنے میں۔ یعنی اس معنی میں جس کی رو سے تمام مجددین اور محدثین پر یہ صادق آتا ہے۔ چنانچہ حضرت صاحب کی آخری تحریر ''اخبار عام'' 26 مئی 1908ء میں یہ الفاظ ہیں:

> ''سو میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیشگوئی کرنے والا۔''

اب دیکھو یہاں حصر کر دیا ہے کہ صرف ایک خاص وجہ سے نبی کہلاتا ہوں۔ اور وہ خاص وجہ عربی اور

عبرانی زبان میں لفظ نبی کے معنی ہیں۔ کیا یہاں سے قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صرف لفظ نبی کے لغوی معنی کی رُو سے نبی کہلاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد صاف طور پر اس کی وجہ بتائی ہے جس کو پڑھ کر ایک سلیم العقل انسان فوراً سمجھ جاتا ہے کہ یہ وجہ وہی ہے جس کی بنا پر دوسرے مجددوں پر بھی اس نام کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''بس اسی بنا پر خدا نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ اس زمانہ میں کثرت مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ اور کثرتِ اطلاع بر علوم غیب صرف مجھے ہی عطا کی گئی ہے۔ اور جس حالت میں عام طور پر لوگوں کو خوابیں بھی آتی ہیں بعض کو الہام بھی ہوتا ہے اور کسی قدر ملونی کے ساتھ علمِ غیب سے بھی اطلاع دی جاتی ہے۔ مگر وہ الہام مقدار میں نہایت قلیل ہوتا ہے اور اخبار غیبیہ بھی اس میں نہایت کم ہوتی ہیں۔ اور باوجود کمی کے مشتبہ اور مکدر اور خیالات نفسانی سے آلودہ ہوتی ہیں۔ تو اس صورت میں عقل سلیم خود چاہتی ہے کہ جس کی وحی اور علم غیب اس کدورت اور نقصان سے پاک ہو، اس کو دوسرے انسانوں کے ساتھ نہ ملایا جاوے۔ بلکہ اس کو کسی خاص نام کے ساتھ پکارا جائے تا کہ اس میں اور اس کے غیر میں امتیاز ہو۔ اس لیے محض مجھے امتیازی مرتبہ بخشنے کے لیے خدا نے میرا نام نبی رکھ دیا اور یہ مجھے ایک عزت کا خطاب دیا گیا ہے کہ ان میں اور مجھ میں فرق ظاہر ہو جائے۔''

اب بتاؤ! کیا تمہارا ایمان قبول کرتا ہے کہ اس اُمت میں تیرہ سو سال میں صرف اپنے لیے ہی یہ مرتبہ تجویز کرتے ہیں۔ کیا صاف نہیں لکھا کہ اس زمانے میں میں ایسا ہوں۔ اور یہ سچ ہے کیونکہ اس زمانے میں اور کسی شخص نے مجدد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ کیا ہم مان سکتے ہیں کہ جس قدر مجدد اس اُمت میں گذرے ہیں وہ سب اسی ناقص حالت میں گذرے کہ ان کی اخبارِ غیبیہ ''نہایت کم'' بھی تھیں ''اور باوجود کمی کے مشتبہ اور مکدر اور خیالات نفسانی سے آلودہ'' تھیں۔ اور اگر ایسا نہ تھا تو بتاؤ کہ ان کا امتیاز دوسرے لوگوں سے، جو ناقص حالت میں ہیں، کس طرح ہوگا۔ پس یہاں صاف طور پر تمام مجددین کے لیے وہی امتیاز ضروری قرار دیا ہے جو اپنے لیے۔ اس کے بعد اخبار بدر کے فائل کو دیکھو۔ مولوی سرور شاہ صاحب کا ایک خط بڑی تعریف کے ساتھ مفتی محمد صادق صاحب

نے اپنے اخبار بدر جلد 10 نمبر 16 مورخہ 16 فروری 1911ء میں زیر عنوان ''الفاظ نبی ومجدد کا استعمال'' چھاپا ہے۔ جس کی مفتی صاحب یوں تعریف کرتے ہیں:

''ہمارے معزز سید سرور شاہ صاحب نے ایک لطیف جواب لکھا ہے۔''

اس خط میں حضرت کے دعویٰ نبوت کو اس طرح پر ثابت کیا گیا ہے:

''لفظ نبی کے معنے اپنے مصدروں کے لحاظ سے دو ہیں۔ اول: اپنے خدا سے اخبار غیب پانے والا۔ دوئم: عالی رتبہ شخص۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ بکثرت شرف مکالمہ سے ممتاز کرے اور غیب کی چیزوں پر مطلع کرے وہ نبی ہے۔ اس رنگ میں میرے نزدیک تمام مجددین سابق مختلف مدارج کے انبیاء گذرے ہیں۔''

پھر اسی اخبار میں ہے:

''پس جب مبشرات جزو نبوت تامہ ہوئے تو صاحب مبشرات صاحب نبوت جزوی ٹھہرا۔'' (بدر جلد 7 نمبر 7 صفحہ 7 عنوان خاتم النبیین)

مگر آج تو مبشرات عین نبوت قرار پا گئے اور صاحب مبشرات صاحب نبوت کامل ہو گیا۔ پھر اسی اخبار میں لکھا ہے:

''نہ کوئی ایسا نبی آ سکتا ہے جو صاحب شریعت جدیدہ یا صاحب نبوت تامہ ہو۔''

مگر آج ایک صاحب نبوت تامہ کا آنا مانا جاتا ہے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی کہ یہ ہمارا مذہب کس تاریخ سے چلا ہے۔ پھر اسی اخبار بدر میں لکھا ہے:

''جب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اُمت محمدیہؐ کے افراد کامل منجانب اللہ مطلع ہو کر خلق اللہ کو غیبی خبریں پہنچاتے ہیں۔ تو ایسی خبریں پہنچانے والے لوگ بلاشبہ نبی ہوئے۔''

پھر لکھا ہے:

''دلائل متذکرہ بالا سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی اور رسول آسکتے ہیں۔مگر وہ شریعت محمدیہؐ کے تابع اور اُمت محمدیہؐ میں داخل یعنی جزوی نبی ہوں گے۔''

اور مفتی صاحب نے خود اپنا مذہب یوں پیش کیا ہے۔دیکھو اخبار بدر جلد 9 صفحہ 51-52

''شبلی مرحوم نے دریافت کیا کہ کیا ہم لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔میں نے عرض کیا کہ ہمارا عقیدہ اس معاملہ میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں، نہ نیا اور نہ پرانا۔ہاں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔اور وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل آپؐ سے فیض حاصل کر کے اس اُمت میں ایسے آدمی ہوتے رہے جن کو الہام الٰہی سے مشرف کیا گیا اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے اور الہامِ الٰہی کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ نے بہت سی آئندہ کی خبریں بھی بطور پیشگوئی کے بتلائی تھیں، جو پوری ہوتی رہیں۔اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں اور احادیث میں بھی آنے والے مسیح کا نام نبی رکھا گیا۔''

30 جنوری 1918ء

عقائد احمدیہ

حضرت مولٰینا نورالدینؒ کا مذہب

ذیل کا خطبہ حضرت مولٰینا نورالدینؒ نے اس وقت بیان فرمایا تھا، جب آپ متحدہ جماعت احمدیہ کی امامت وخلافت کے منصب پر جاگزین تھے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت موصوف کا بھی وہی مذہب تھا، جو اَب میاں صاحب محمود احمد کے فاسد عقائد کی صورت میں جماعت کے تفرقہ کا موجب ہوا ہے، وہ آپ کے اس بیان کو پڑھیں اور دیکھیں کہ آپ ختم نبوت کے بعد کسی اور نبی کا آنا کہاں جائز رکھتے ہیں۔ پھر آپ کے ان الفاظ کو بھی دیکھیں جو اس خطبہ کے اندر اپنے عقائد کو بالتفصیل بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمائے ہیں کہ:

''اگر اس کے موافق کوئی بات ہو تو ہماری طرف سے سمجھو اور اگر اس کے خلاف ہو تو وہ ہمارے عقائد کے مطابق نہیں۔''

اس خطبہ کے اوپر، جو 28 مارچ و7 اپریل 1910ء کے الحکم میں درج ہے، ایڈیٹر الحکم کا ایک نوٹ بھی ہے جس میں لکھا ہے کہ:

''حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس خطبہ کو عامۃ الناس تک پہنچانے کا خاص اہتمام فرمایا۔ جیسا کہ اوپر کہیں ذکر کیا گیا آپ ایک ایک دو دو جملے بیان فرماتے تھے۔ پھر انہی کو بلند آواز سے دیگر احباب اور خاکسار ایڈیٹر الحکم لوگوں تک پہنچا دیتا تھا۔ اس خطبہ میں حضرت نے عقائد احمدیہ کو اولاً بیان فرمایا اور زاں بعد جماعت کو اشاعتِ اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ اور پھر اپنے مطاع اور امام کے نقش قدم پر چل کر حکومتِ وقت کی وفاداری، فرمانبرداری اور اس کی حمایت کی تعلیم دی اور بالآخر قوم میں وحدت اور باہم اخوت ومحبت کا سبق پڑھایا۔ اس خطبہ کو اور حضرت کی تقریر کو ہمارے مخاطب ضرور غور سے پڑھیں۔ اور

خدا کے لیے وہ اپنی آواز اٹھائیں کہ اس کے بعد بھی ان کا نور قلب ہمیں کافر کہنے کی دلیری کرتا ہے!

اسی ضمن میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ حضرت نے جب خطبہ کے پہنچانے کے لیے بعض دوستوں سے چاہا کہ بلند آواز سے پہنچائیں۔تو کسی نے کہہ دیا جو کچھ اردو زبان میں حضرت فرمائیں وہ دوسرے کہیں۔حضرت نے فرمایا نہیں جو کچھ میں کہوں سب کچھ دہراؤ۔قرآن ہی تو پہنچانا ہے۔ہم کیا اور ہمارے الفاظ کیا۔اصل برکت قرآن کریم ہی کے الفاظ میں ہے۔یہ فقرہ آپ کے اخلاص اور قرآن کریم کی عظمت کے اظہار کے جوش کو ظاہر کرتا ہے۔''ایڈیٹر

اس کے بعد خطبہ درج کیا ہے۔جو حسب ذیل ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَالْعَصْرِ. اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِىْ خُسْرٍ. اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ. (3-1:103)

کلمہ توحید

تمام خطبے جو دنیا میں پڑھے جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک اُن کی ابتدا **اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ** سے ہوتی ہے۔

کلمہ توحید اور اس کے تین فائدے

اس کا پہلا حصہ ہے **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** اس کے تین فائدے ہیں۔پہلا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص اسے

بآواز بلند پڑھ لیتا ہے، ہم اسے مسلمان اور شرک سے بیزار سمجھ لیتے ہیں۔ اور دوسرا فائدہ اس کا یہ ہے کہ جب اس کے معنوں پر حقیقی طور پر ایمان ہوتا ہے، تو ایسا مومن دنیا کے تمام اسباب اور ذرائع کو تب ذریعہ مانتا ہے جب دیکھ لیتا ہے کہ میرا مولیٰ ان کو اسباب بناتا ہے اور اسی نے اس میں تاثیر رکھ دی ہے۔ (یعنی دراصل وہ سچا موحد ہو کر اسباب پر بھروسہ کرنا بھی شرک سمجھ لیتا ہے۔ یہ اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔ ایڈیٹر)

تیسرا فائدہ، جس کی شہادت تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام اولیاء کرام یک زبان ہو کر دیتے آئے ہیں، یہ ہے کہ جب اس کلمہ کی کثرت کی جاوے اور اسے بار بار سمجھ کر دہرایا جاوے، تو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے اور اس کے قرب کی راہ میں جو حجاب اور پردے ہوتے ہیں وہ آسانی سے بتدریج اٹھ جاتے ہیں۔

فقرہ اول کے دو حصے

اس کلمہ کے پہلے فقرہ کے دو حصے ہیں۔ ایک میں لَآ اِلٰہَ دوسرے میں اِلَّا اللّٰہُ۔ پہلا حصہ گناہوں کے دور کرنے اور ان سے بچانے کا سامان ہے۔ اور دوسرا نیکیوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ۔ لَآ اِلٰہَ میں دنیا کے تمام معبودوں، محبوبوں اور مطلوبوں کی نفی ہے۔ جو کوئی چیز انسان کی نظر اور ایمان میں محبوب اور مطلوب ہی نہ رہے، تو وہ ان امور پر جو گناہ ہیں جھک کیونکر سکتا ہے۔ اصل اشیاء جو اس کے لیے حلال ہیں وہ بھی جب اس کا مقصود بالذات نہ ہوں گی، تو جو اس پر حرام ہیں ان کی طرف تو وہ توجہ بھی نہیں کر سکتا۔ اس طرح پر یہ پہلا حصہ لَآ اِلٰہَ گناہوں سے بچانے کا ذریعہ ٹھہرتا ہے۔ کس کس طرح پر ہر ایک گناہ سے انسان اس حصہ پر ایمان لا کر بچ سکتا ہے۔ یہ لمبی بحث ہے۔ دانشمند اس اصل پر جو میں نے بیان کر دیا ہے غور کریں۔ لَآ اِلٰہَ سے نیکیوں کی توجہ کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ اس طرح پر کہ جب انسان تمام مطلوبات و محبوبات کو فانی اور ادنیٰ یقین کر کے کامل الصفات خدا کے ساتھ پیوند کرتا ہے تو پھر اس کی تجلی اس کے تمام جذبات کو اپنی رضا کے نیچے کر لیتی ہے۔ اور اس کا اصل مطلوب ہر امر میں خدا ہوتا ہے۔ پس وہ کسی کام کو کرتا ہی نہیں جب تک وہ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لے۔ یعنی جہاں ایک طرف اسے نگران حال پاتا ہے، وہاں دوسری طرف اس کی رضا اور اجازت کو دیکھتا ہے۔ اس طرح پر وہ نیکیوں کو حاصل کرتا ہے۔ (ایڈیٹر)

کلمہ کا دوسرا جزو

پھراس کلمہ کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کا جملہ اس لیے لگایا کہ آپ نے دیکھ لیا تھا کہ زمانِ گذشتہ میں جو ہادیٔ دنیا کی ہدایت کے لیے وقتاً فوقتاً آئے ایک زمانہ گزرنے کے بعد ان کو معبود بنالیا گیا اور خدا تعالیٰ کی معبودیت میں ان کو شریک کرلیا گیا۔ اس گند سے دنیا کو بچانے کے لیے آپ نے اس حصہ کو رکھا تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عبد سمجھیں۔ اور آئندہ چونکہ اس امت میں ولی ہوں گے اس لیے انہیں بھی کوئی معبود قرار نہ دے لے۔ پس میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کو کلمہ کا متمم یقین کرتا ہوں اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ اس جزو پر ایمان لائے بغیر مومن بن ہی نہیں سکتا۔ جب انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا منشاء ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی حسناتِ کاملہ پر غور کرتا اور اس کے اسماء اور افعال پر سوچتا ہے تو یقیناً اسے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں، اللہ تعالیٰ کی کتابوں، اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور تقدیر اور حشر نشر، پلِ صراط اور جنت و نار پر ایمان لانا لابدی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ثمرات ہیں۔ اور ایمان باللہ کے لیے لابد ہے کہ وہ اس کو صفاتِ کاملہ سے موصوف یقین کرے۔ چونکہ اسی نے تقدیر کو بنایا، ملائکہ کو پیدا کیا، جنت و نار کو پیدا کیا، انبیاء علیہم السلام کو بھیجا، ان کو صحائف دیئے۔ اس لیے ملائکہ پر ایمان لانا، خدا کی کتابوں، اس کے رسولوں، تقدیر، حشر و نشر، پلِ صراط، اور جنت و نار پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے۔

ایمان اور اعمال

پس میرے ایمان میں ایمان باللہ ہو ہی نہیں سکتا، جب تک کہ وہ ان باتوں پر بھی ایمان نہ لاوے۔ پھر ایمان کے بعد اس کا اثر انسان کے جوارح پر ہوتا ہے۔ جوارح سے جو امور سرزد ہوتے ہیں، ان کا نام اعمال ہے۔ ان میں نماز ہے، روزہ ہے، حج ہے، اخلاق فاضلہ ہیں، رزائل سے بچنا ہے وغیرہ۔ ایمان باللہ اور ایمان کامل کے ساتھ اعمال بھی لابد ہیں۔ قرآن کریم سے یہ ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ (92:6)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے تو وہ آخرت پر بھی ایمان لاتا ہے۔یعنی اللہ پر ایمان لانا آخرت پر ایمان لانے کے لیے ضروری ہے۔ پھر اس ایمان کا اثر اعمال پر یوں پڑتا ہے کہ ایسے مومن اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، انہیں ضائع نہیں ہونے دیتے۔ پس یاد رکھو کہ جو شخص **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کا دعویٰ کرے اور باوجود اس کے نماز کا تارک ہو اور قرآن کریم کی اتباع میں سستی کرے وہ اپنے اس **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کے دعویٰ میں سچا نہیں۔ جیسا کہ یہ آیت ظاہر کرتی ہے۔

نبوت محمدؐیہ

اس کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اس کلمہ میں موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اقرار کے ساتھ ہمیں ضرورت پڑتی ہے کہ ہم قرآن شریف میں دیکھیں کہ آپ کس درجہ کے انسان تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بلند معلوم کرنے کے لیے مومنوں کو دو آئتیں، جو ادنیٰ تعداد شہادت کی ہے، سامنے رکھنی پڑتی ہیں۔ ایک جگہ فرمایا: **اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ** (4:68) دوسری جگہ فرمایا: **کَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا** (113:4) اب غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو عظمتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک تو عظیم اخلاق پر ہوتا ہے۔ بڑا ہوتا ہے۔ پھر جس کو اللہ بڑا بنائے، اس کا خیال کرو کہ وہ بڑائی کس شان کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جو کامل الصفات ہستی ہے۔ اس کی طرف سے جس کو بڑائی عطا ہو، وہ بڑائی ایسی نہیں ہو سکتی جس کا وہم یا اندازہ ہو سکے۔ اور یہ بڑائی ایک اخلاق میں عطا کی۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثل اخلاق کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ پھر عظیم فضل آپ پر کیا۔ اب غور کرو کہ جس کو یہ دو عظمتیں حاصل ہوں اور فضل عظیم اور خلق عظیم والا جن کا مقتدا ہو اُنہیں کسی اور کی رتیجھ ہی کیا ہوسکتی ہے؟ **وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ۔**

کتاب اللہ

پھر جو کتاب اللہ، جل شانہ نے اس کامل انسان، صاحب خلق عظیم وفضل عظیم پر نازل کی، اس کے لیے دو گواہیاں میں پیش کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوۡنَ** (9:15) اور پھر فرماتا ہے **لَّا یَاۡتِیۡهِ**

الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ. (42:41)

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا آپ وعدہ فرمایا اور دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ باطل اس پر اپنا اثر نہیں کر سکتا۔ اب جس کتاب کا محافظ حق سبحانہ وتعالیٰ ہوا اور وہ آئندہ کے لیے پیشگوئی کرتا ہے کہ اس کو باطل کرنے والی چیز نہیں بھیجیں گے، تو ہمیں سائنس کا کیا ڈر اور کسی اندونی یا بیرونی حملے کا کیا خوف؟ میں نے ہمیشہ یہ ظاہر کیا ہے کہ جس قدر سائنس اور دیگر علوم ترقی کریں گے، اسی قدر قرآن مجید کے کمالات کا اظہار ہو گا۔ اس کتاب کو لے کر ہمیں کسی حملے سے دنیا میں رہ کر گھبرانے کی حاجت نہیں۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے اور تجربہ نے بتا دیا ہے کہ نہ اس میں تحریف ہوگی اور نہ یہ دنیا سے اٹھے گی۔ پس یہ کتاب کامل کتاب ہے اور یہی خالق فطرت نے بتا دیا ہے۔ تو اس پر کسی حملے کا ڈر نہیں اور نہ گھبرانے کی حاجت ہے۔ ہاں اگر ڈر ہے تو اس بات کا کہ بعض گھروں سے نکل کر دوسرے گھروں میں چلی جائے گی۔ تو پچھلے بزرگوں کی روح کو کیسا ملال ہوگا۔ پس خوف ہے تو یہ ہے کہ کوئی اس کی اتباع سے نہ نکل جائے۔

موجودہ حالت

موجودہ حالت میں دیکھتا ہوں کہ کچھ امراء ہیں، کچھ علماء اور سجادہ نشین ہیں اور کچھ وہ نوجوان ہیں جو قوم کے لیے کالجوں میں تعلیم پانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ جب عملی رنگ میں یہی لوگ مذہبی امور میں سست ہوں تو عام مخلوق کا کیا حال ہو سکتا ہے؟ اس لیے سورۃ العصر میں نے پڑھی ہے۔ اور میرا مطلب اس میں یہ ہے کہ زمانہ جس طرح تیزی سے گزر رہا ہے، اسی طرح ہماری عمریں تیزی سے گزر رہی ہیں۔ جس طرح وہ آناً فاناً گزر رہا ہے اسی طرح سے وہ ہر آن اپنا اثر ہماری عمروں پر ڈال رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ شریفہ میں جہاں انسانی عمر کے اس طرح تیزی سے گزرنے کی طرف متوجہ کیا ہے، ساتھ ہی اس سورۃ میں اس کا علاج بتایا ہے کہ تمہیں زمانہ کی پرواہ نہیں، اگر ہمارا حکم مان لو۔ اس حکم کی تعمیل سے تم زندہ جاوید ہو جاؤ گے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ مومن بنو اور اعمال صالحہ کرو، دوسرے کو مومن بناؤ اور حق کی وصیت کرو۔ حق کے پہنچانے میں تکالیف سے نہ ڈرو اور صبر و استقلال سے کام لو۔

وصیۃ الحق

اس علاج پر اگر مومن عمل کرے اور اس کو اپنا دستور العمل بنا لے تو یقیناً یقیناً وہ ہمیشہ کی زندگی پالے گا۔ بہر حال یہ سورۃ العصر وہ سورۃ کریمہ ہے کہ جب صحابہ کرامؓ آپس میں ملتے تھے، تو اس کو پڑھ لیا کرتے تھے۔ آج تم اور ہم بھی ملے ہیں اور نہیں معلوم آئندہ ہمیں ملنے کا موقعہ ہوگا یا نہیں۔ اس لیے میں نے اس سنت پر عمل کرنے کی نیت سے اس سورۃ کو پڑھا ہے۔ اور میں نے چاہا ہے کہ وصیت الحق کے طور پر تمہیں سنا دوں۔ سنو! میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں کہ وہ اپنی ذات میں یکتا، اپنی صفات میں بے ہمتا، اپنے اسماء اور افعال میں لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ (11:42) ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے ملائکہ پر ایمان رکھتا ہوں جو تمام نیک تحریکوں کے محرک ہیں۔ اور ان پر ایمان لانے کی یہی غرض ہے کہ ہر نیک تحریک پر انسان عمل کرے۔ میں اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوںؑ پر ایمان رکھتا ہوں۔ خواہ ان کا ذکر قرآن مجید میں ہے یا نہیں۔ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے راستباز بندے تھے۔ اور انہوں نے مخلوق کو اللہ کا کلام اپنے اپنے وقت پر پہنچایا۔ میں اس بات پر بھی ایمان رکھتا ہوں کہ تمام نبوتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئیں۔ بلکہ میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں اور بصیرت اور شرح صدر کے ساتھ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف تمام نبوتوں کے جامع اور خاتم تھے۔ بلکہ میں پھر کہتا ہوں کہ آپ خاتم النبیین، خاتم الرسل اور خاتم کمالاتِ انسانی تھے۔ یہ میرا یقین ہے کہ تمام انبیاء اور تمام اولیاء اور تمام انسانی کمالات کے آپ جامع اور خاتم ہیں۔ اور اب آپ کے بعد میرا واہمہ بھی تجویز نہیں کرتا کہ کسی شخص میں ایسے کمالات ہوں۔ میں اس کے متعلق حضرت صاحب کا ایک شعر سناتا ہوں۔

اے کہ در اِنکار و شک آں شاہِ دینؐ خادماں و چاکر انش را ببیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے لیے جب ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کیسے پاک گروہ تھے، تو یہ قصہ معلوم ہوتا ہے۔ تمہارا وجود اس گاؤں میں خود گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ احمدؑ کا غلام بننے سے کیا فضل کرتا ہے۔ اسی طرح پر میں خدا کی تقدیر، حشر ونشر، پل صراط، جنت ونار پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں اب تم کو اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ میں نے لمبا خطبہ نہیں سنایا۔ میری غرض یہ بھی ہے کہ میرے پھر تقریر کرنے تک اگر کوئی اور تمہیں تقریریں سنائیں یا باتیں بتائیں، تو ہمارے مذہب اور معتقدات کا یہ معیار ہوگا۔ اگر اس کے موافق کوئی بات ہو تو

ہماری طرف سے سمجھو اور اگر اس کے خلاف ہو تو وہ ہمارے عقائد کے مطابق نہیں۔

گورنمنٹ کا شکریہ

اسلام چونکہ حق کے اظہار کے لیے آیا ہے۔ جیسا کہ اس سورۃ سے ظاہر ہے۔ اس لیے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تمہیں دین کی بہت سی باتیں پہنچائی ہیں وہاں ہم تم کو دنیا کی ایک بات سناتے ہیں۔ مگر دنیا کی نہیں، ہم اسے دین ہی سمجھتے ہیں اور دین ہی سمجھ کر کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمارے سارے دنیا کے کام، بلکہ دین کے بھی سب کام، امن پر موقوف ہیں۔ اگر امن قائم نہ رہے گا، تو کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔ جس قدر امن بڑھ کر ہوگا، اسی قدر حق کا ابلاغ عمدہ طور سے ہوگا۔ اس واسطے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ امن کے حامی رہے۔ آپؐ نے طوائف الملوکی میں، جو مکہ معظّمہ میں تھی خود رہ کر اور عیسائیوں کی سلطنت میں، جو حبشہ میں تھی، صحابہ کرامؓ کو رکھ کر ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہمیں کس طرح کی زندگی بسر کرنی چاہئے۔ اس زندگی کے فرائض میں سے امن ہے۔ اگر امن نہ ہو تو کسی طرح کا کوئی کام دین یا دنیا کا عمدگی سے نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ امن کی کوشش کرو۔ اور امن کے لیے ایک تو طاقت کی ضرورت ہے، جو گورنمنٹ کے پاس ہے۔ دوسرے نیک چلنی اور گورنمنٹ کی اطاعت اور وفاداری تمہارا فرض ہے۔ میں اس امر کو کسی کی خوشامد کی غرض سے نہیں بلکہ حق پہنچانے کی غرض سے کہتا ہوں کہ امن پسند جماعت بنو۔ تا کہ ہر قسم کی ترقیوں کا تم کو موقعہ ملے اور چین سے زندگی بسر کرو، اس کا بدلہ مخلوق سے مت مانگو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو مُقدّم کرو اور اس سے مانگو۔ یہ خوب یاد رکھو کہ بلا امن کوئی مذہب نہیں پھیلتا اور نہ پھول سکتا ہے۔ پس تم امن کے قائم رکھنے میں ہمیشہ گورنمنٹ کا وفاداری سے ساتھ دو۔ میں اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت صاحب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے اس احسان کا بدلہ اگر امن کے قائم کرنے کے لیے کوشش کریں، تو اللہ تعالیٰ اس کا نتیجہ ضرور دے گا۔ اور اگر خلاف ورزی کریں گے تو اس کے بدنتیجہ کا ضرور منتظر رہنا پڑے گا۔

پھر اس کے بعد ایک اور بات کہتا ہوں کہ باہم محبت کو بڑھاؤ اور بغضوں کو دور کرو، اور یہ محبت بڑھ نہیں سکتی جب تک کسی قدر صبر سے کام نہ لو اور صبر کرنے والے کے ساتھ آپ خدا ہوتا ہے۔ اس واسطے صبر کرنے والے کو کوئی ذلت اور تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔

انفاق کی تاکید

چوتھی اور آخری بات، جو میں کہنا ضروری سمجھتا ہوں، یہ ہے کہ ''فتح اسلام'' میں حضرت صاحب نے جن پانچ شاخوں کا ذکر کیا ہے ان میں چندہ دینے کی تاکید کی ہے۔ مثلاً آپ کی تصانیف کی اشاعت، آپ کے اشتہارات کی اشاعت، لنگر خانہ کو مضبوط کرنے کی تاکید اور مہمان خانہ کی ترقی کی اور آمدورفت میں بعض اوقات خرچ کرنے پڑتے ہیں اور مکان بنانے پڑتے ہیں، ان میں انفاق کی تاکید کی ہے۔ میں بھی حضرت کی اس تاکید پر تاکید کرتا ہوں۔ مہمان خانہ کی طرف آپ کی سستی ہے، اسے چھوڑ دیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ مثلاً جس طرح پر ایک مدرسہ چلتا ہے۔ جو کام یہاں ہوتے ہیں۔ ان میں لنگر خانہ اور دینی مدرسہ بہت کمزور رنگ میں ہیں۔ ہمارے بھائیوں کو چاہئے کہ ان دونوں امور میں توجہ اور انفاق سے کام لیں۔ پھر یہ بھی تاکید کرتا ہوں کہ یہاں چند لوگ کتابیں بیچتے ہیں اور وہ اخلاص سے کام لیتے ہیں۔ ان میں دو چار آنہ کی مدد دینے سے دریغ نہ کریں۔ ایک ہمارے دوست مولوی حسن علی مرحوم نے بڑے اخلاص سے ایک کتاب ''تائید حق'' لکھی ہے اور حضرت صاحب کی زندگی میں وہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس کی کئی سو جلدیں یہاں پڑی ہیں۔ احباب اس کی طرف توجہ کریں۔ دو چار آنہ کی کتاب ہے۔ میں نے یہ باتیں تمہیں اس لیے بتائی ہیں کہ تم کو دین اور دنیا دونوں کا وعظ کروں۔ اس لیے نہیں کہ میری کوئی غرض ہے۔ میری عمر کا بہت بڑا حصہ گزر گیا ہے۔ اور اللہ کے محض فضل سے بہت ہی عمدہ گزر گیا ہے۔ تھوڑے دن باقی ہیں۔ میں مخلوق کے سوال میں اپنی ہمت کو ضائع کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ (پھر حضرت نے استراحت کے بعد دوسرا خطبہ مسنون پڑھ کر جمعہ کی نماز پڑھائی)

پیغامِ صلح

ان تمام مدات کی قائمقام اب لاہور کی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہے۔ اس کی امداد میں احباب کو ساعی ہونا چاہئے۔

❁❁❁

10 فروری 1918ء

مراسلات

جماعت احمدیہ اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بعض شاخوں نے چند ایک ریزولیوشن پاس کر کے بعض اینگلوانڈین اخبارات میں چھپوائے ہیں۔ جن کا مقصد و مدعا یہ ظاہر کرنا ہے کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو جماعت احمدیہ کی نمائندگی کا کوئی حق حاصل نہیں۔ لیکن جہاں تک واقعات کا تعلق ہے یہ محض ایک غلط فہمی ہے جو پھیلائی گئی ہے اور یہ صاف اور ظاہر بات ہے کہ اس کا منشاء سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے متعلق یورپین اصحاب کو بدظن کیا جائے۔

لیکن واقعات آخر واقعات ہیں۔ اور غلط بیانیوں کا خواہ کتنا بھی پہاڑ بنا کر کیوں نہ کھڑا کر دیا جائے، پھر بھی اصل حقائق مفقود نہیں ہو سکتے اور نہ ہی بدل سکتے ہیں۔ اصل حقیقت ہندوستان کے لوگوں اور گورنمنٹ کو بھی معلوم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت مولٰینا نورالدین مرحوم کی (جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الرحمۃ بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے سب سے پہلے جانشین تھے) وفات پر جماعت احمدیہ دو حصوں میں منقسم ہو گئی تھی۔ جن میں سے قادیانی فریق کے لیڈر میاں محمود احمد قرار پائے اور فریق ثانی کے امیر حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی منتخب ہوئے۔ جن کا مرکز لاہور قرار پایا۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام جماعت احمدیہ کے اس دوسرے حصہ کی نمائندہ ہے اور اس انجمن کے ارکان تمام حصص ہندوستان اور ممالک غیر میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔

جماعت احمدیہ کے اس انشقاق و تفرقہ کا سب سے بڑا سبب وہ نئے عقائد ہیں جو بانی سلسلہ کی وفات کے بعد قادیانی فریق کے موجودہ لیڈر (میاں محمود احمد صاحب) نے اختراع کیے ہیں اور جن سے جماعت کے بہت سے قابل اور فہمیدہ اشخاص اختلاف رکھتے تھے۔ جنہوں نے علانیہ ان عقائد کی تردید کی اور اپنے آپ کو ایک

علیحدہ انجمن کی صورت میں منضبط کیا۔ اس وقت اس انجمن کے ماتحت ملک کے مختلف علاقوں مثلاً پشاور، راولپنڈی، سیالکوٹ، فیروز پور، لائل پور، دہلی، بمبئی وغیرہ میں اس کی بہت سی شاخیں خدمتِ دین کا کام کر رہی ہیں۔اوراس جماعت کے ممبر تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام میں جماعت احمدیہ کے بالعموم تعلیم یافتہ اشخاص شامل ہیں اور قادیانی فریق میں عموماً دیہاتی لوگوں کی کثرت ہے۔اول الذکر انجمن کی اہمیت اس کے کاموں اوران کی اس جدوجہد سے معلوم ہوسکتی ہے جواس کے ارکان کئی ایک پہلوؤں میں دکھا رہے ہیں مثلاً:-

(1) سب سے پہلے اسلامی مشن ووکنگ (لنڈن) کے مبارک اور عالیشان کام کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے، ایل۔ ایل۔ بی اور مولٰینا مولوی صدر الدین صاحب بی اے بی ٹی کی، جومعتمدین انجمن میں سے ہیں، مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ ہے۔

(2) مسلمان سپاہیوں کے لیے ووکنگ میں جوقبرستان بنایا جانا تجویز ہوا ہے،اس کا کام بھی ہوم گورنمنٹ (دولت علیہ برطانیہ) کی طرف سے امام مسجد ووکنگ کے ہی سپرد ہوا۔ جواسی انجمن کے ممبر ہیں۔خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے، ایل۔ایل۔بی کی، جواسی انجمن کے معتمدین میں سے ہیں، زیرادارت ایک ماہوار رسالہ ''اسلامک ریویو'' جو مذہبی مسائل پرنہایت قابلیت کے ساتھ بحث کرتا ہے،لنڈن سے شائع ہوتا ہے۔

(3) حال ہی میں انجمن نے قرآن کریم کا ایک انگریزی ترجمہ بمعہ تفسیر لنڈن سے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ جوحضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے،ایل۔ایل۔بی، امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی اعلیٰ اورخداداد قابلیت اورہشت سالہ محنت ہائے شاقہ کا نتیجہ ہے۔اس ترجمہ کی صرف چھپوائی ہی پرانجمن کا قریباً پچاس ہزارروپیہ خرچ ہوا ہے۔

(4) مسلم ہائی سکول اورسینئر لوکل کیمبرج کالج اسی انجمن ہی کی ملکیت ہیں۔ جو میکلورڈ روڈ لاہور پرانگلستان کے پبلک سکولوں کے طرز پر کام کررہے ہیں۔اورجس کے متعلق حکام اور پبلک کو

بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا ایک بہترین اور اعلیٰ سکول ہے۔

(5) اقوام جرائم پیشہ کی اصلاح کا کام پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے سب سے پہلے جس ہندوستانی سوسائٹی کے سپرد ہوا، وہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہی ہے۔ اور اس پہلو میں انجمن نے جو کام کیا ہے، وہ گورنمنٹ کی خوشنودی کا موجب ہوا ہے۔ ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب کو، جو انجمن کی طرف سے کوٹ موکل میں قوم بکھیوارہ کی اصلاح و تربیت کے لیے بطور سپرنٹنڈنٹ کام کر رہے ہیں، رائے بہادر پنڈت ہری کشن صاحب کول، ڈپٹی کمشنر اقوام جرائم پیشہ نے ان کے اعلیٰ انتظام اور جرائم پیشہ مفرورین کو گرفتار کرانے کے صلہ میں محکمہ کا سب سے پہلا انعام ایک نقرئی گھڑی کی صورت میں خود اپنے ہاتھ سے عطا کیا۔

(6) سال گذشتہ میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کو 36933 روپیہ 5 آنے 9 پائی آمدنی ہوئی۔ جس میں سے 34479 روپیہ 10 آنے 9 پائی خرچ ہوا۔ ووکنگ مشن لنڈن اور اسلامک ریویو کی کل آمد 21977 روپیہ 10 آنے 6 پائی تھی۔ اور خرچ 26868 روپیہ 11 آنے 3 پائی ہوا۔ گویا اشاعتِ اسلام کے کام میں، جو کہ اس انجمن کا سب سے بڑا کام ہے، کل آمد خرچ بالترتیب 58901 روپیہ 3 پائی اور 61348 روپیہ 6 آنے ہوا۔

ان سب واقعات کی موجودگی میں یہ کہنا کہ یہ انجمن احمدیہ کے کسی فریق کی بھی نمائندہ نہیں، سوائے عام لوگوں کو مغالطہ دینے اور انہیں غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے کے اور کوئی بھی مدعا نہیں رکھتا۔

خاکسار **مرزا یعقوب بیگ**، ایل۔ایم۔ایس

آنریری سیکریٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

احمدیہ بلڈنگس لاہور

❁❁❁

24فروری1918ء

انگریزی ترجمہ القرآن اور ولایتی اخبارات

اخبار ''ٹائمز'' کی رائے

''قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ وتفسیر کی ایک جلد ہمیں موصول ہوئی ہے۔جس کو ایک فاضل مسلمان نے، جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے پریذیڈنٹ بھی ہیں، تالیف کیا ہے۔ یہ ایک بہت ہی خوبصورت کتاب ہے۔جس پر لچکدار چمڑے کی جلد ہے۔ترجمہ میں قرآن کریم کا عربی متن بھی ہندوستانی کاتبوں کا لکھا ہوا ہر ایک آیت کے ساتھ ساتھ دیا ہے۔تفسیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث پر، جو مسلمان علماء کی روایات سے چلی آتی ہیں، مبنی ہے۔شروع کے نوے صفحات میں اسلام کی خصوصیات پر، جو قرآن کریم اور احادیث میں بیان ہوئی ہیں، بحث کی گئی ہے۔جس کے علاوہ قرآن کریم کی بعض شاندار خصوصیات پر تفصیلی بحث کے لیے ایک اور الگ کتاب کی امید دلائی ہے۔''

(ٹائمز 25 اکتوبر 1917ء)

☆☆☆

''ویسٹ منسٹر گزٹ'' کی رائے

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا۔ (88:17) اگر تمام جن اور انس اکٹھے ہو کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ کبھی نہیں لا سکتے۔اگرچہ ان کے بعض بعض کے مددگار بھی بن جائیں۔

یہ قرآن کریم کا ایک دعویٰ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے کرایا گیا ہے۔ اس دعویٰ کو تو میں تسلیم نہیں کرتا، لیکن اس کا اعتراف مجھے ضرور ہے کہ جب کبھی مجھے قرآن کے بعض بعض مقامات کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، ہمیشہ میں نے ان میں ایک لذت اور سرور پایا ہے۔ جو دل پر اثر کرنے والا تھا۔ اور میں ہمیشہ اس کو محسوس کرتا رہا ہوں کہ ان تراجم میں، جو عیسائی مصنفین نے قرآن کریم کے کیے ہیں، کچھ نہ کچھ نقص ضرور باقی رہ گئے ہیں۔ مگر یہ تمام نقائص اس ایک ترجمہ سے رفع ہو گئے ہیں۔ جو ''دی ہولی قرآن'' کے نام سے ایک نہایت خوبصورت کتاب کی شکل میں لاہور کے ایک فاضل مسلمان مولوی محمد علی صاحب نے سات سال کی محنت ہائے شاقہ سے تیار کیا ہے۔ اور جس کی ایک جلد ہمیں دفتر اسلامک ریویو کی طرف سے، جو ووکنگ کی مسلم آبادی میں قائم ہے، موصول ہوئی ہے۔ اس میں ترجمہ کے ساتھ ساتھ اصل عربی متن بھی دیا گیا ہے۔ جس سے افسوس ہے کہ میں فائدہ اٹھانے سے قاصر ہوں۔ تفسیر بہت مکمل اور نہایت دلچسپ ہے۔ دیباچہ میں تعلیم اسلام کا خلاصہ اور قرآن کریم کی تاریخ دونوں باتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ ان سب باتوں کے ساتھ اس ہولناک جنگ کے ایام میں انڈیا پیپر کے باریک ترین کاغذ پر خوبصورت ٹائپ سنہرے کنارے اور ایک لچکدار سبز چمڑے کی جلد۔ کتاب کی لاگت کو بہت کچھ بڑھا دینے والا ہے۔ (ویسٹ منسٹر گزٹ 12 نومبر 1917ء)

۞۞۞

6مارچ1918ء

کلام امجد

تاریخی نظم

تجھ سے پہلے میرے احمدؐ [1] کوئی بیدار نہ تھا　　خوابِ غفلت میں تھا وہ کون؟ جو سرشار نہ تھا

گرم تھا شرک کا بازار، تھے مشرک سارے　　جنسِ توحید کا کوئی بھی خریدار نہ تھا

سب کو الفت بھی اگر تھی، تو سیاہ کاری سے　　نیک کاموں کا کوئی ان میں طرفدار نہ تھا

حسنِ خوباں میں جو اغراض رکھے ہیں پنہاں　　راز سے اس کے بھی کوئی تو خبردار نہ تھا

نفسِ سرکش کے ہی پھندے میں پھنسے تھے سارے　　کون تھا، دام میں اس کے جو گرفتار نہ تھا

لات و عزّٰی کو سمجھتے تھے وہ اپنا مولیٰ　　تابع حکم کوئی، حضرتِ دادار نہ تھا

جنس بہتر [2] جو ہے گو اس سے تھی خالی کیسے　　رازِ توحید کے لینے سے سروکار نہ تھا

بزم میں سب کی اگر تھے تو بتوں کے چرچے　　اک خداوند کی الفت کا ہی اظہار نہ تھا

کل بلاؤں نے ، وباؤں نے زمیں گھیری تھی　　کیا بتائیں کہ یہاں کونسا آزار نہ تھا

مار دیتے تھے، اگر ہوتی تھی پیدا دختر　　کونسا باپ تھا کم بخت، جو خونخوار نہ تھا

نوعِ نسواں کو سمجھتے نہ تھے انسانوں میں　　''نصف بہتر'' کا کوئی ان میں طرفدار نہ تھا

خم کے خم پی کے یہ خواہش تھی کہ کچھ اور ملے　　کونسا فرد تھا ان میں، کہ جو مے خوار نہ تھا

بے خطر ہو کے خطاؤں پہ خطائیں کرتے　　دل میں کچھ خوف کبھی حضرتِ قہار نہ تھا

منزل یار کوئی تھا نہ بتانے والا درد فرقت میں تڑپنے کے سوا کار نہ تھا
دعوتِ دین سے ہوئے سارے قبیلے برھم کون تھا، آپؐ[3] سے جو برسرِ پیکار نہ تھا
باعثِ شرم و رذالت تھی نظر میں توحید ذلتِ شرک میں رہنے سے مگر عار نہ تھا
بت پرستی کی حمایت میں ستاتے ہر دم کون بد بخت تھا امجدؔ، جو ستمگار نہ تھا

☆☆☆

1۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے۔

2۔ راہِ ہدایت جنس بہتر دراصل ہے۔

3۔ آنخضرت احمد مجتبیٰ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

10 مارچ 1918ء

نزولِ ابن مریم اور عقیدہ ختم نبوت

لیکچر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ برموقعہ جلسہ سالانہ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد تلاوت قرآن کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:

پیشگوئی کے ظاہر الفاظ میں پورا ہونے میں رکاوٹ

مسیحؑ ابن مریم کا نزول بظاہر یہ لفظ کچھ ایسے کھلے کھلے نظر آتے ہیں کہ اکثر دلوں میں یہ خیال گزرتا ہے کہ جب نزول ابن مریم کے صریح الفاظ موجود ہیں، تو اس میں تاویل کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے۔ ابن مریم کوئی ایسا لفظ نہیں جس کے دو معنی ہو سکتے ہوں۔ بلکہ ایک نبی کا نام ہے جس کو سب لوگ جانتے ہیں۔ گو ایسے یورپین لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مسیح کوئی ہوا ہی نہیں۔ بہر حال ہم تو مانتے ہیں۔ لیکن جس طرح ایک طرف صاف الفاظ میں ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے، دوسری طرف اس سے بڑھ کر کھلی کھلی رکاوٹ حضرت عیسیٰؑ کی واپسی میں ہے، اور وہ ہے ختم نبوت کا متفقہ عقیدہ۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے سے مانع ہے۔ مفسرین قرآن اور شارحین حدیث نے اس دقت کو محسوس کیا ہے۔

پیشگوئی متشابہات میں سے ہے اور رؤیا صالحہ کا رنگ رکھتی ہے، اس لیے تعبیر طلب ہے

وہ جانتے ہیں کہ نزول ابن مریم ایک پیشگوئی ہے۔ اور پیشگوئی متشابہات میں سے ہوتی ہے۔ اس لیے اس پیشگوئی کی خاطر انہوں نے ختم نبوت کے اجماعی عقیدہ کو نہیں چھوڑا۔ ابن مریم کے نزول کے متعلق جو احادیث آئی ہیں، وہ درحقیقت رؤیا صالحہ کا ایک رنگ رکھتی ہیں۔ اور رویائے صالحہ کو اگر ہم دیکھیں تو وہ بڑی ہی تعبیر طلب ہوتی ہے۔

اس کی پہلی مثال حضرت یوسفؑ کی خواب

مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کو رؤیا ہوتی ہے کہ بارہ ستارے اور چاند اور سورج مجھے سجدہ کرتے ہیں۔ اس کی تعبیر کیا جا نکلی؟ وہ جب مصر میں جا کر تخت پر بیٹھتے ہیں، تو وہاں اس رؤیا کی حقیقت کھلتی ہے کہ اس سے کیا مراد تھی۔

دوسری مثال بادشاہ کی خواب

اسی طرح سورہ یوسف میں تین قسم کی اور رؤیا آتی ہیں۔ وہ تینوں ہی تعبیر طلب ہیں۔ ایک بادشاہ خواب دیکھتا ہے کہ سات گائیں ہیں، خوب موٹی تازی۔ وہ سات پتلی دبلی گائیوں کو کھا جاتی ہیں۔ اسی طرح سات بالیں ہری وہ دیکھتا ہے اور سات سوکھی ہوئی۔ اس کی بھی تعبیر اور ہی نکلتی ہے کہ سات سال خوب اناج ہوتا ہے۔ جس سے بہت کچھ ذخیرہ کر لیتے ہیں اور سات سال سخت قحط پڑتا ہے۔

تیسری مثال ایک قیدی کی خواب

دو اور آدمیوں کی بھی خواب بیان کی ہے۔ ایک نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑتا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میرے سر پر روٹیاں ہیں اور اس سے پرندے کھاتے ہیں۔ ان میں سے ایک ساقی جا بنتا ہے اور دوسرا پھانسی پر لٹکایا جاتا ہے اور پرندے اس کا گوشت کھاتے ہیں۔

آنحضرتؐ کی ایک رؤیا

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی کئی ایک رؤیا ہیں۔ ان کی بھی تعبیریں ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک آپ کی رؤیا تھی۔ بخاری کی کتاب الزکوۃ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوںؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اَیُّنَا اَسْرَعُ بِکَ لُحُوْقًا یعنی ہم میں سے کونسی آپؐ سے جلد ملے گی۔ قَالَ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا آپؐ نے فرمایا تم میں سے جس کا ہاتھ لمبا ہے۔ یعنی آپؐ نے اپنی بیبیوں کو فرمایا کہ تم میں سے سب سے پہلے مجھ سے وہ بیوی ملے گی جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں۔ اسی حدیث کے اندر آتا ہے کہ آپ کی

بیویوں نے یہ سن کر اپنے ہاتھ ناپنے شروع کیے۔ ان میں ام المومنین حضرت سودہؓ کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے نکلے۔ لیکن ایک بی بی تھیں آپ کی زینبؓ، وہ سخاوت بہت کیا کرتی تھیں۔ اسی سبب سے وہ ام المساکین مشہور ہوگئی تھیں۔ وہ پہلے فوت ہوگئیں۔ اس وقت جا کر سمجھ آئی کہ لغت میں تو طُوْلُ یَدٍ یعنی ہاتھ کی لمبائی سے سخاوت مراد لی جاتی ہے۔ چنانچہ مجازاً طَوِیْلُ الْیَدِ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت صدقہ اور خیرات کرنے والا ہو۔ اسی طرح سے اور بھی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بڑی بڑی صاف اور کھلی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ تاہم پیشگوئی کے اندر ایک رنگ تشابہ کا ضرور رہ جاتا ہے۔

انجیل میں آنحضرتؐ کی پیشگوئی اور اس میں تشابہ کا ایک رنگ

انجیل میں، اتفاق کی بات ہے، اور سب کچھ تو لکھا اور بڑی کھول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی اور ایک تسلی دہندہ کا لفظ بھی لکھ دیا۔ لیکن یہ بھی لکھا کہ وہ روح حق ہے۔ اور کہیں کہہ دیا کہ روح القدس ہے۔ اب عیسائی کہتے ہیں کہ وہ روح القدس حواریوں پر نازل ہوگئی تھی کہ وہ سب ایک رات مختلف زبانیں بولنے لگ گئے تھے۔ اسی کا آنا مراد ہے۔ حالانکہ وہاں صاف لکھا ہے کہ وہ تمہیں سب باتیں سکھائے گا، جن کی اب تم برداشت نہیں کر سکتے۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ حواریوں والی روح نہیں۔ کیونکہ کوئی نئی باتیں انہیں معلوم نہیں ہوئیں۔ لیکن اس قدر صفائی کے ہوتے ہوئے بھی ایک ایسا متشابہ سا لفظ رکھ دیا کہ جس سے وہ ظاہر الفاظ پر اڑ بیٹھے۔

محکمات و متشابہات میں فیصلہ کا طریق

اب اسی طرح سے ایک طرف تو قرآن کریم کی آیت ختم نبوت ہے اور دوسری طرف مسیح ابن مریم کے نزول کی پیشگوئی ہے۔ محکمات و متشابہات کا جب آ کر مقابلہ پڑے تو قرآن نے یہ قاعدہ ہمیں بتایا ہے کہ **هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْ وِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَاوَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ**۔ (7:3) جن

لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ تو فتنہ ڈالنے کے لیے ایک متشابہ بات کو لے لیتے ہیں۔ مگر راسخ فی العلم جو ہیں، وہ کہتے ہیں کہ محکم بھی خدا ہی کی طرف سے ہے۔ یہ نہیں کہ متشابہ کو لے لیں اور محکم کو چھوڑ دیں۔ مگر یہ کوئی اس قسم کا ماننا نہیں۔ جیسے آج کہا جاتا ہے کہ خدا نے کہا کہ نبوت ختم ہوچکی، ہم نے مان لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ نبی اللہ آئے گا، ہم نے مان لیا۔ یہ ماننا جو ہے اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ (7:3) کا مصداق ہے۔ خدا نے کوئی عقل بھی انسان کو دی ہے۔ اس سے بھی کچھ کام لینا چاہئے۔ ختم نبوت کا عقیدہ ایک محکم چیز ہے۔ اس پر بنا اور دارومدار ہے بہت سی باتوں کا۔ اس کے خلاف اگر کوئی بات ہو تو ہم اسے نہیں لے سکتے۔

نزول ابن مریم کی مختلف تاویلیں جو مفسرین وشارحین حدیث نے کیں

بہر حال جب یہ اختلاف آ کر واقعہ ہوا کہ ایک طرف ختم نبوت کا عقیدہ ہے اور دوسری طرف نزول ابن مریم کی پیشگوئی۔ تو لوگوں نے اس کی مختلف تاویلیں کیں۔ اس وقت (یعنی لیکچر کے وقت) میرے پاس دو تفسیریں ہیں۔ ایک فتح البیان اور دوسری روح المعانی۔ فتح البیان میں نواب صدیق حسن خان آیت خاتم النبیّین ماتحت نزول عیسیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وَحِیْنَ یَنْزُلُ ینزل عَامِلًا عَلٰی شَرِیعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَاَنَّہٗ بَعْضُ اُمَّتِہٖ یعنی جس وقت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہی پر عامل ہوں گے۔ گویا کہ وہ آپ کی امت میں سے ہوں گے۔

ایسا ہی روح المعانی میں لکھا ہے کہ ثُمَّ انَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ حِیْنَ یَنْزُلُ بَاقٍ عَلٰی نَبُوَّۃِ السَّابِقَةِ لَمْ یَعْزِلُ عَنْھَا بِحَالٍ لٰکِنَّہٗ لَا یَتَعَبَّدُ بِھَا نَسْخِھَا فِیْ حَقِّہٖ وَحَقِّ غَیْرِہٖ وَتَکْلِیفه بِاَحْکَامِ ھٰذِہِ الشَّرِیْعَةِ اَصْلًا وَفَرْعًا فَلَا یَکُوْنُ اِلَیْہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَحی وَلَا نصب اَحْکَامِ بَلْ یَکُوْنُ خَلِیْفَةً لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَحَاکِمًا مِنْ حُکَّامِ مِلَّتِہٖ بَیْنَ اُمَّتِہٖ بِمَا علمہٗ فِی السَّمَآءِ قَبْلَ نَزُوْلِہٖ مِنْ شَرِیْعَتِہٖ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ ...... اَلْمُرَادُ مِنْ کَوْنِہٖ عَلٰی دِیْنِ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْسَلاخه عَنْ وَصْفِ النَّبُوَّۃِ وَالرِّسَالَةِ لَمْ یَعْزِلُ عَنْھَا بِحَالٍ۔ یعنی مسیح علیہ السلام جو نازل ہوں گے، تو یہ تو سچ ہے کہ وہ شریعت سابقہ پر ہی عمل پیرا ہوں گے۔ لیکن نبوت سے معزول نہ ہوں گے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ متعبد نہ ہوں گے اس اپنی نبوت کے ساتھ بوجہ اس کے اپنے حق میں اور دوسروں کے حق

میں منسوخ ہو جانے کے اور بوجہ اس کے کہ وہ اصلاً وفرعاً اسی شریعت کے احکام کے مکلّف ہوں گے۔ اس کی طرف نہ تو وحی ہوگی اور نہ نصب احکام۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خلیفہ اور آپ کی امت میں حکام ملت میں سے ایک حاکم ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان میں نزول سے پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی تعلیم دی ہوگی۔

اب یہاں صاف کہا کہ **لَمْ یعزل عنھا بحال** وہ اپنی نبوت سے کسی حال میں بھی معزول نہیں ہوں گے۔ تو ایک قول تو یہ ہے اور دوسرا یہ ہے کہ **اَلْمُرَادُ مِنْ کَوْنِہٖ عَلَی دِیْنِ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اِنْسِلَاخِہٖ عَنْ وَصْفِ نَبُوَّۃِ وَرِسَالَۃِ** یعنی حضرت عیسیٰؑ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ وصف نبوت ورسالت سے منسلخ ہو جائیں گے۔ تو بہر حال یہ دو مختلف باتیں انہوں نے بیان کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسا تو ہوسکتا ہے کہ وصف نبوت بالکل الگ کر دیا جائے گا لیکن ختم نبوت نہیں ٹوٹ سکتی۔ اور بات بھی سچی ہے۔ اگر ختم نبوت ٹوٹ گئی، تو ''دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند'' والا حساب ہوگا۔ یا تو پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تخت پر بٹھاؤ اور یا عیسیٰ نبی اللہ کو۔

فتح الباری کا فیصلہ کہ حضرت عیسیٰؑ مجدد ہو کر آئیں گے

فتح الباری میں جو صحیح بخاری کی شرح ہے حافظ ابن حجر، جنہوں نے یہ شرح لکھی ہے، لکھتے ہیں کہ **یَکُوْنَ عِیْسٰی حَاکِمًا مِّنْ حُکَّامِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ ینزلُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ مُجَدِّدًا لِاَمْرِ الْاِسْلَامِ** یعنی عیسیٰؑ اس امت کے حاکموں میں سے ایک ہوں گے جو اسلام کے امر کے لیے بطور مجدد آخر زمانہ میں نازل ہوں گے۔ تو یا تو اگر نبوت پر ہی نازل ہوں تو ختم نبوت ٹوٹتی ہے۔ اور اگر جیسا کہ حافظ ابن حجر نے مانا ہے، بحیثیت مجدد نازل ہوں تو البتہ ختم نبوت باقی ہے۔

1۔ اس خیال کی تردید کہ نبوت پر ہی نازل ہوں گے

لیکن جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ بحیثیت نبوت نازل ہوں گے، ان پر پہلا سوال یہ ہے کہ کیا نبوت کا کوئی کام باقی بھی رہ گیا تھا۔ جس کے کرنے کے لیے وہ آئیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد ایک اور نبی آنے کے معنی صاف طور پر یہ ہیں کہ آپ کی نبوت میں کوئی نقص باقی رہ گیا۔ نبوت کا کوئی کام ابھی باقی تھا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ نہیں کیا اور حضرت عیسیٰؑ آ کر کریں گے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کیا کرنے آئیں گے۔ اگر تجدید کا کام کریں گے تو کیا اس کی کوئی نظیر پائی جاتی ہے کہ ایک مجدد کے کام کے لیے ایک نبی کو بھیجا جائے۔ یہ کہاں کا قانون ہے کہ ایک نبی کو اللہ تعالیٰ دو ہزار سال سے اس لیے آسمان پر لے جا کر بٹھا رکھے کہ اسے پھر کسی وقت دنیا میں بھیجنا ہے۔ اس لیے نہیں کہ نبوت کا کوئی کام ہے جو اس نے کرنا ہے۔ اگر نبوت کا کام انہوں نے کرنا ہے۔ تو بیشک سو دفعہ آئیں۔ گو ختم نبوت پر یہ ایک بہت بڑی زد ہو گی۔ لیکن جب نبوت کا کام کوئی نہیں، تو اس میں حکمت کیا ہے کہ ایک مجدد کے کام کے لیے نبی کو بچا کر رکھ چھوڑا۔ پھر اگر اس نبی نے پہلے بھی دنیا میں کوئی نمایاں کام کر کے دکھائے ہوتے، کوئی عظیم الشان فتوحات اس نے حاصل کی ہوتیں۔ تو خیر مان لیتے کہ اچھا اللہ تعالیٰ کو یہی پسند آیا ہو گا کہ ایسے قیمتی انسان کو کسی بڑی ضرورت کے لیے بچا کر رکھ لے۔ تا کہ پھر کسی وقت کام آئے۔ لیکن اس قسم کا کام پہلے بھی اس نے کوئی نہیں کیا۔ تو اب ان کے متعلق کیسے گمان ہو سکتا ہے کہ اسلام کی کسی ضرورت میں کام آئیں گے۔

اگر کسی نے دوبارہ آنا ہوتا تو آنحضرتؐ آتے

ایک تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان تھا۔ جس کے متعلق بیشک آج بھی دلوں میں تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ کاش! یہ انسان صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہوتا، تو اسلام کے لیے از حد فائدہ کا موجب تھا۔ ذرا حضرت عیسیٰؑ کے کام پر بھی غور کرو۔ تو کیا کسی کے دل میں تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ وہ اس وقت موجود ہوتے۔ خود ہی وہ کہتے ہیں، جب ایک کنعانی عورت ان سے آ کر کچھ تعلیم چاہتی ہے کہ میں بچوں کی روٹی کتوں کے آگے نہیں ڈال سکتا۔ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کو کچھ تعلیم دینی تھی اس زمانہ کے مناسب حال، سو وہ انہوں نے دی۔ لیکن یہ اب ان کی زندگی پر غور کر کے دیکھ لو کہ اس تعلیم کا کیا اثر ہوا۔ اور وہ جو ان کے ساتھ ہوئے خود ان کا کہاں تک تزکیہ ہوا۔ پس جب ایک بنی اسرائیل کی مصیبت کے وقت حضرت مسیحؑ اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے کوئی عظیم الشان کام نہ کر سکے کہ لاکھوں آدمی آپ کے ہاتھ

پرتوبہ کرکے اولیاء اللہ بن جاتے، تو اسلام کی مصیبت کے وقت، جس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے، وہ کیا کام دیں گے۔

اس لیے اگر اسلام کی کسی آڑی مصیبت کے لیے کسی کو بچا کر ہی رکھنا تھا، تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا کر رکھتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب آ بھی جائیں، تو وہ وہی کام کریں گے جو پہلے کر گئے۔ اگر ساری دنیا کو مسلمان بنانے کے قابل ہوتے، تو پہلے سارے بنی اسرائیل کو کیوں درست نہ کر جاتے۔ اور جب وہاں یہودی ان کے دشمن ہی رہے تو اب کیونکر مان لیں کہ سب فوراً مطیع ہو جائیں گے؟

2۔ نبی کی نبوت چھن جانا محال اور ممتنع ہے۔ جیسے مجدد کا ترقی پا کر نبی بننا محال ہے

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ بھی کوئی قانون ہے کہ کسی کو نبوت دے کر پھر اس سے چھین لی جائے۔ آپ نے نبی اور مجدد کا جھگڑا ہے، وہ تو دیکھ لیا۔ یہ ایک بین امر ہے کہ نبی کا نبوت کو چھوڑ کر مجدد بننا اور مجدد کا مجددیت سے ترقی پا کر نبی بننا جائز نہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت اگر چھینی بھی جائے گی تو اسی وجہ سے کہ کام کچھ نہیں کر سکے۔ اگر نبوت چھینی نہ جائے گی، تو وہ کونسا کام نبوت کا باقی ہے جس کو کرنے کے لیے آئیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ عیسائیوں کو ملزم کرنے کے لیے ان کا آنا ضروری ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس وقت بھی عیسائیوں کو ملزم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جب تک حضرت عیسیٰ خود آ کر نہ کہیں کہ میں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں، تب تک عیسائی مانیں گے نہیں۔ لیکن جب پہلے آئے تھے۔ تب کس نے مانا؟ جواب ان کے آنے پر ماننے کی امید کی جائے! اور پھر اس کی شہادت کیا ہوگی کہ یہی وہی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ کہہ دیں گے یہ وہ عیسیٰ ہے ہی نہیں۔ کیونکہ شہادت بھی تو آخر مسلمانوں کی ہی ہوگی۔ جن کے ہاں دمشق میں اتریں گے۔ یہاں تو آٹھ آٹھ آنہ پر بڑی بڑی داڑھیوں والے جا کر جھوٹی شہادتیں ان کے سامنے دے آتے ہیں۔ تو دمشق میں اترنے والے کے متعلق ان کی شہادت کو وہ ضرور مان لیں گے۔ غرض یہ بالکل کچی بات ہے کہ حضرت عیسیٰ کے آنے سے اتمام حجت ہوگی۔ اتمام حجت کیا قرآن نے نہیں کی۔

اتمام حجت بین دلائل سے ہوتی ہے۔ کفارے اور الوہیت مسیح کا ابطال اس طرح نہیں ہو جاتا کہ کوئی کہہ دے میں خدا نہیں۔ ابطال تو خود قرآن نے کیا ہے اور دلائل بیّنہ کے ساتھ کیا ہے۔ اور انہی دلائل بیّنہ در قرآن کے ذریعہ سے باطل مغلوب ہوگا اور وہ قرآن کریم کر چکا ہے۔ بات تو موٹی ہے۔ عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ شریعت کی پابندی کوئی نہیں کر سکتا۔

میاں صاحب کا خیال کہ کامل اطاعت سے نبی بنتا ہے اور کہ تیرہ سو سال میں ایک ہی نبی ہوا، کفارہ کے عقیدہ کو سچا ٹھہراتا ہے

ہمارے میاں صاحب کا بھی عقیدہ ہے کہ جو کافی اطاعت کرے، شریعت کی کامل طور پر پیروی کرے، وہ نبی بن جاتا ہے۔ لیکن غور کرو کہ اس عقیدہ کو جب عیسائیوں کے سامنے پیش کریں گے تو وہ پوچھیں گے کہ آج تک کتنے نبی بنے۔ صرف ایک۔ اور اس پر بھی ابھی جھگڑا ہے۔ معلوم ہوا تمہاری شریعت پر کوئی چل نہیں سکتا۔ اس لیے کفارہ صحیح ہے۔ دیکھئے! جو بنیاد رکھی ہے نبوت کی، اس کے معنی ہیں کہ کفارہ صحیح ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے کہ شریعت کی کامل طور پر کوئی پیروی نہیں کر سکتا۔ اسلام کی کھلی تعلیم ہے وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (39:53) انسان جس قدر کوشش کرتا ہے، اسی قدر اس کا نتیجہ پاتا ہے۔ اب یہ تاریخ ثابت کرے گی کہ کیا یہ صحیح ہے کہ قانون پر کوئی نہیں چل سکتا۔ بلکہ اس کے برخلاف ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگوں نے شریعت کی کامل طور پر پیروی کی۔ پھر ایک شخص ایک قانون کی پیروی کرتا ہے تو دوسرا دوسرے کی۔ جس سے ثابت ہوا کہ قانون پر تو چل سکتے ہیں۔ دوسرا نقص کفارہ کو اگر مانا جائے تو پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سچ ہے کہ انسان کی فطرت ہی گناہ گار واقع ہوئی ہے۔ اور انسان کا گناہ کرنا فطرتی امر ہے، تو پھر خلافِ فطرت کام اس سے کیوں کراتے ہو۔ اور گناہوں سے اسے منع کیوں کرتے ہو؟

غرض ابطال عیسائیت اس سے نہیں ہوتا کہ مسیحؑ آ کر کہہ دے کہ میں خدا نہیں یا کفارہ باطل ہے۔ بلکہ اس کا ابطال تو اصول کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کا اصلاحِ خلق کے لیے آنا امت محمدیہ اور آنحضرتؐ کی ہتک ہے

ایک اور بات ہے کہ جب عیسیٰؑ کو اٹھا کر رکھا تو کسی عظیم الشان کام کے لیے ہی رکھا ہوگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس امت کے علماء میں بھی کوئی قابلیت رکھتا ہے یا نہیں کہ اس کام کو، جو مسیحؑ نے آ کر کرنا ہے، سرانجام دے سکے۔ امت محمدیہ میں کیا کوئی بھی اس قابل نہیں کہ ایک مجدد کا کام کر سکے۔ جس کے لیے دو ہزار سال سے مسیحؑ کو زندہ آسمان پر رکھنا پڑا۔

صحابہؓ کی عظیم الشان خدماتِ اسلام

اس امت میں تو بڑے بڑے عظیم الشان انسان ہو گزرے ہیں۔ جنہوں نے ایسے ایسے عالیشان کام سرانجام دیئے کہ جن کی نظیر بڑے بڑے نبیوںؑ کی زندگی میں بھی نہیں ملتی۔ آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے کتنے عظیم الشان کام کیے۔ ملک عرب تو سارے کا سارا صحابہؓ کی زندگی میں مسلمان ہو چکا تھا۔ پھر ان میں سے کوئی کہیں نکل جاتا ہے، کوئی کہیں۔ اور جہاں اور جس ملک میں جاتے ہیں، ان میں ایک ایک وہاں کے تمام کے تمام لوگوں کو مسلمان بنالیتا ہے۔ پھر اس کے علاوہ کیا ابوبکرؓ کی کامیابی، عمرؓ کی کامیابی کہیں دکھا سکتے ہو؟ بھلا بتا سکتے ہو کہ کسی نبی کو بھی ایسی عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی ہو، جو ان لوگوں کو ہوئی۔

ہمارا کام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے اور آپ ہی کی قوتِ قدسی کا نتیجہ

مشکل تو یہ ہے کہ یہ ان لوگوں پر ہی زد نہیں کہ مسیح اسرائیلی آئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کاموں کو سرانجام دے۔ بلکہ یہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک بڑی زد ہے۔ کیونکہ یہ تو ظاہر بات ہے کہ ہمارا یہ کام جو دین کا کام ہے۔ یہ ہمارا تو نہیں یہ تو خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔ وہ تو آپ ہی کی قوتِ قدسی ہے جو ہم سے کام کراتی ہے۔ آپ کی قوتِ قدسی کا ہی اثر ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ کو اتنی اتنی کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی میں یہ طاقت تھی یا نہیں کہ وہ اس زمانہ کے فتن کو بھی، جب مسیح نے آنا ہے، دور کر دے اور مسیح اسرائیلی کی منت پذیر نہ ہو۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی نے وہ وہ کام کرائے ہیں جو بڑے بڑے انبیاء سے بھی

نہیں ہو سکے۔ تو ہم کیونکر یہ سمجھ لیں کہ اس زمانہ میں آپ کی قوتِ قدسی نعوذ باللہ کچھ کام نہیں کر سکتی۔ خوب یاد رکھو کہ ایک مسلمان، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں آپ کی محبت میں فنا ہو کر کام کرے، وہ کوئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان نہیں کرتا۔ بلکہ آپ کے ممنونِ احسان ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ تو آپ ہی کی قوتِ قدسی ہے، جو کام کر رہی ہے۔ لیکن جو غیر آ کر کوئی کام کرے گا، تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے محتاج ہو گئے۔ یہ گویا اس کا آپ پر ایک طرح سے احسان ہو جائے گا۔ خدا جانتا ہے کہ میں یہ باتیں اس لیے نہیں کہتا کہ مرزا صاحب کو مان لیا ہے، تو اب خواہ مخواہ بھی حضرت عیسیٰ کے آنے کی مخالفت ہی کرنی ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اس اعتقاد سے کہ عیسیٰؑ دوبارہ نازل ہوں گے، اس سے ایک تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کی تحقیر ہوتی ہے اور دوسرے امتِ محمدیہ کے اکابر کی بھی اس میں ہتک ہے کہ اس مجددیت کے کام کو وہ نہیں سرانجام دے سکے، اور باہر کا نبی آ کر اس کام کو کرتا ہے۔ اب اس عظیم الشان مشکل کو حل کرنے کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی بھی کام نہ آئی۔ خوب یاد رکھو! کہ دوسرے کو جب لاؤ گے تو اسلام کو محتاج کرو گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا شرمندۂ احسان بناؤ گے، کُل امتِ محمدیہ کی ہتک اس میں ہوگی۔

احادیث متعلقہ نزولِ ابنِ مریم پر بحث

احادیث نزول میں وہی ابن مریم مراد نہیں

اس لیے اب ہم ذرا غور کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں آپ کے نزول کی انتظار دلائی۔ کیا وہ حدیثیں جن میں فرمایا کہ کَیۡفَ اَنۡتُمۡ اِذَا نَزَلَ ابۡنُ مَرۡیَمَ فِیۡکُمۡ (بخاری۔ کتاب الانبیاء) تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم نازل ہوگا۔ کیا ان میں واقعی اس پہلے مسیح ابن مریم کے نزول کی پیشگوئی کی ہے یا اس سے مراد کوئی اور ہے۔ اگر ان سب حدیثوں کو ہم غور سے پڑھیں، جو نزول ابن مریم کے متعلق بخاری اور مسلم میں آئی ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان سے وہ ابن مریم، جو مسیحؑ ناصری تھا، ہرگز مراد نہیں بلکہ یہ کوئی اور ابن مریم ہے۔

اِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ اور اُمَّکُمْ مِّنْکُمْ کا اضافہ بخاری اور مسلم میں

خود بخاری میں ان الفاظ کے بعد کہ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ آگے فرمایا وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ وہ تمہارا امام تم میں سے ہی ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں اُمُّکُمْ مِنْکُمْ بھی فرمایا اور صحیح مسلم میں یہ بھی ہے۔ کَیْفَ بِکُمْ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمْ اِبْنُ مَرْیَمَ فَاُمَّکُمْ یہاں صرف فَاُمَّکُمْ ہی فرمایا یعنی وہ تمہارا امام ہوگا۔

مسلم اور بخاری میں مہدی کی کوئی حدیث نہیں، اس لیے وَاِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ سے مراد مہدی نہیں ہوسکتا

جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ وَاِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ اس پر سوال ہوسکتا ہے کہ کیا ہم میں سے ہونے کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ ابن مریم تو نازل ہوں گے۔ لیکن تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ یعنی لوگ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہاں اِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ سے امام مہدی مراد ہیں کہ وہ تم میں سے تمہارے امام ہوں گے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ وہ دو کتابیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم، جن میں یہ حدیثیں آئی ہیں اور اِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ کے لفظ جن میں درج ہیں، ان میں مہدی کا ذکر ہی کوئی نہیں۔ اگر مہدی کی روایتیں صحیح ہوتیں تو بخاری اور مسلم انہیں کیوں چھوڑ دیتے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہرحال یہ دو کتابیں صاف بتاتی ہیں کہ اِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ کے یہ معنی نہیں کہ امام مہدی تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔ وہ تو امام مہدی کے آنے کے متعلق حدیث ہی کوئی نہیں لیتیں، تو ان لفظوں سے ان کی امامت کیسے مراد لے سکتی ہیں۔ اصل میں کَیْفَ اَنْتُمْ بولا جاتا ہے تعجب کے موقعہ پر۔ اور اِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ سے یہی مراد ہے کہ وہ ابن مریم جس کے آنے کا ذکر کیا ہے، وہ کوئی باہر سے نہیں آئے گا بلکہ تم میں سے ہی تمہارا امام ہوگا۔

مسیح ابن مریم اور آنے والے مسیح کا حلیہ

اب ہم اس سے آگے چلتے ہیں اور اس شبہ کے ازالہ کے لیے کہ ابن مریم سے مراد وہی ابن مریم ہے یا کوئی اور، دوسری حدیثوں کو بھی دیکھتے ہیں۔ صحیح بخاری کے اندر کتاب الانبیاء میں چار حدیثیں* ہیں۔ ان میں

---

* اصل احادیث صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، بَابٌ قَالَ اللّٰہُ وَّاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَا مَکَانًا شَرْقِیًّا (16:19) میں ملاحظہ ہوں۔ ایڈیٹر۔

سے دو میں تو یوں فرمایا کہ میں نے معراج کی شب میں موسیٰؑ ،عیسیٰؑ اور ابراہیمؑ کو دیکھا اور پھر ان تینوں کے حلیے بتائے ہیں۔اور دو اور حدیثیں جو ہیں ان میں فرمایا: ایک شخص کو خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے دیکھا۔دو آدمیوں کے کندھوں پر تکیہ کیے ہوئے۔اور فرمایا کہ میں نے پوچھا مَنْ هٰذَا تو لوگوں نے جواب دیا هٰذَا الْمَسِيْحُ اِبْنُ مَرْيَمَ اور اس کے ساتھ انہی دو حدیثوں میں مسیح الدجال کا بھی ذکر ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ یہ آنے والے مسیح ابن مریم کو آپ نے دیکھا ہے۔

پہلی دو احادیث میں ایک حلیہ ہے چوڑا جسم، گورا رنگ گھنگریالے بال

تو یہ چاروں حدیثیں جو بخاری نے ایک جا بیان کی ہیں۔ان میں سے پہلی دو میں مسیح کا جو حلیہ بیان کیا ہے۔جس کے متعلق دوسری حدیث کے یہ لفظ ہیں کہ فَاَمَّا عِيْسٰى فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيْضُ الصَّدْرِ۔ یہ حلیہ باقی دونوں حدیثوں کے حلیوں سے مختلف ہے۔

اس میں اَحْمَرُ کا جو لفظ ہے۔اس کے معنی ہیں بڑے سفید رنگ والا، گورا چٹا۔ جَعْدٌ گھنگریالے بالوں والا۔عَرِيْضُ الصَّدْرِ چوڑے سینے والا۔

یہ تو ابن عمرؓ کی روایت ہے۔اور اس سے اوپر کی حدیث میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ اُسْرِىَ بِهٖ ...... وَرَاَيْتُ عِيْسٰى ...... رَجُلٌ رَّبْعَةٌ اَحْمَرُ كَاَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيْمَاسٍ يعنى الحمام۔مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات میں نے عیسیٰؑ کو دیکھا۔اس کا وصف آپ نے یہ بیان فرمایا کہ رَبْعَةٌ اَحْمَرُ. رَبَعَةُ کہتے ہیں چوڑا چکلا ہو اور میانے قد کا ہو۔وہی بات ہے جس کو ابن عمرؓ کی روایت میں عَرِيْضُ الصَّدْرِ کے الفاظ میں بیان کیا۔اَحْمَرُ یعنی سفید، گورا چٹا۔ كَاَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيْمَاسٍ ایسا کہ گویا وہ حمام میں سے نکلا ہے۔تو اب یہ دو حدیثیں متفق ہیں۔ایک ہی حلیہ ان دونوں میں بیان ہوا۔ان دونوں میں عیسیٰ علیہ السلام کو موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ دیکھا ہے۔جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ اس سے حضرت مسیح ناصریؑ مراد ہیں۔

دوسری دو احادیث میں دوسرا حلیہ ہے۔گندم گوں رنگ، سیدھے اور نرم بال

اب باقی دو حدیثوں کو لیجئے۔ جن میں مسیح ابن مریم کو دو شخصوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ وہاں فرمایا اَرَانِی اللَّیْلَۃَ عِنْدَ الْکَعْبَۃِ فِی الْمَنَامِ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ کَاَحْسَنِ مَایُرٰی مِنْ اُدُمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُہٗ بَیْنَ مَنْکِبَیْہِ رَجِلُ الشَّعْرِ یَقْطُرُ رَأْسُہٗ مَآءً (بخاری) یہاں اس کا رنگ اٰدَمُ بتایا۔ اٰدَمُ اس رنگ کو کہتے ہیں جو گندم گوں ہو۔ ساتھ ہی فرمایا کَاَحْسَنِ مَایُرٰی مِنْ اُدُمِ الرِّجَالِ گندم گوں رنگوں میں بھی بہت خوبصورت لِمَّتُہٗ بَیْنَ مَنْکِبَیْہِ اس کے بال پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ آگے فرمایا رَجِلُ الشَّعْرِ سیدھے بال ہیں۔ اگلی دوسری حدیث میں سَبْطُ الشَّعْرِ کا لفظ ہے۔ رَجِلُ الشَّعْرِ اور سَبْطُ الشَّعْرِ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ وہ بال جو نرم اور صاف ہوں کنگھی کرنے سے۔ اس دوسری حدیث کا راوی اور ہے، اور اس میں بھی یہی ذکر ہے۔ سَبْطُ الشَّعْرِ کے معنی ہیں سیدھے بالوں والا۔ معراج والی حدیث میں جَعْدٌ فرمایا جَعْدٌ اور سَبْطٌ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جَعْدٌ ان بالوں کو کہتے ہیں جو گھنے اور گھنگریالے ہوں۔ سَبْطٌ سیدھے بالوں کو کہتے ہیں۔

ان مختلف حلیوں سے ظاہر ہے کہ آنے والا مسیح اور ہے اور مسیح ناصریؑ اور

اب ان مختلف حلیوں سے ظاہر ہے کہ دو حدیثیں تو امام بخاریؒ اس بات کے بیان میں لاتے ہیں کہ معراج کی رات جس عیسیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا وہ اور عیسیٰؑ ہے، اس کا رنگ گورا چٹا ہے۔ جیسا کہ شامیوں کا رنگ ہوتا ہے۔ اس کے بال گھنے اور گھنگریالے ہیں، قد اس کا میانہ اور سینہ چوڑا ہے۔ اور دوسری دو اس مطلب کی بیان کرتے ہیں کہ جس آنے والے ابن مریم کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا، وہ کوئی اور ابن مریم ہے۔ کیونکہ اس کا حلیہ اس پہلے عیسیٰ سے بالکل مختلف ہے، اس کا رنگ گندم گوں ہے، اس کے بال سیدھے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ غور کرنے والے کے لیے یہ کافی شہادت ہے اس بات پر کہ جس ابن مریم کے نزول کا وعدہ دیا گیا ہے، وہ حقیقی ابن مریم نہیں جو مسیح ناصری کے نام سے مشہور ہے۔ بلکہ یہ کوئی اور ابن مریم ہے جس کا حلیہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ خود امام بخاریؒ کا ان چاروں حدیثوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی وہ پہلا عیسیٰ اور ہے اور یہ دوسرا، جسے ابن مریم کے نام سے پکارا ہے، کوئی اور ہے۔ ورنہ چاروں حدیثوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دینے کے کیا معنی۔ سوائے اس کے نہیں کہ آپ نے ان چاروں کو ایک جگہ

لکھ کر یہ بتا دیا ہے کہ خود ان کے نزدیک بھی نازل ہونے والا عیسیٰ وہ نہیں، جو پہلا مسیح ناصری تھا۔اور جس کو معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیمؑ کے ساتھ دیکھا۔

شارحین حدیث کی مختلف توجیہات

لیکن اس پر شارحین حدیث کو بڑی بڑی مشکلات پیش آتی ہیں کہ یہ کیا وجہ ہے کہ ایک موقعہ کے ذکر میں حلیہ کچھ اور ہے، اور دوسرے موقعہ کے ذکر میں کوئی اور حلیہ بیان کیا ہے۔اس کے متعلق فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ جو پہلی معراج والی احادیث میں اَحْمَرُ رنگ بتایا ہے۔ یہ غالباً تکان وغیرہ کسی سبب کی وجہ سے ہے۔ گویا حضرت عیسیٰ کو آسمان پر جاتے ہوئے تکان ہوگئی ہوگی۔اور اس لیے تکان کی وجہ سے رنگ سفید پڑ گیا ہوگا۔اس کے لفظ ہیں بِاَنَّهُ اَحْمَرُ لَوْنُهُ بَسَبَبٍ كَالتَّعبِ اس کا سفید رنگ ہو جانا کسی سبب سے ہوسکتا ہے مثلاً تکان سے۔اس کو بھی ہم مان لیتے۔لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ تو تھے شام کے ملک کے رہنے والے۔ جہاں کے لوگوں کے رنگ ہوتے ہی سفید ہیں۔اگر ہندوستان کے رہنے والے ہوتے ،تو سمجھتے کہ خیر تکان کی وجہ سے رنگ ان کا احمر ہوگیا ہوگا۔لیکن جب پہلے ہی سفید رنگ رکھتے تھے۔تو اب آسمان پر جا کر تکان کی وجہ سے اَحْمَرُ ہونا غلط ہے۔

پھر وہ کہتے ہیں یہ معراج والی حدیث میں جَعْدٌ کہا ہے۔یعنی گھنگریالے بالوں والا اور دوسری طواف والی میں سَبْطٌ فرمایا ہے۔تو یہ جَعْدٌ سے جَعُوْدَةُ الشَّعَرِ یعنی گھنے بالوں کا ہونا مراد نہیں۔ بلکہ اَلْمُرَادُ مِنْهُ جَعُوْدَةُ الْجِسْمِ اس سے جسم کی جعودت مراد ہے۔لیکن یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ دونوں حدیثوں کا مقابلہ بتا تا ہے کہ دونوں میں حلیے بیان کر کے پھر بالوں کی کیفیت بتائی ہے۔لیکن رنگوں کا اختلاف بہر حال ثابت کرتا ہے کہ وہ پہلا مسیح اور ہے اور یہ آنے والا اور۔وہ پہلا مسیح تو اسرائیلی نبی تھا، اس کا قبلہ تو بیت المقدس تھا۔لیکن یہ دوسرا جو آنے والا ہے، اس کو تو خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔جس سے صاف طور پر اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ کہیں باہر سے نہیں، بلکہ خود مسلمانوں میں سے ہی ہوگا۔

اتنی باتوں کے ہوتے ہوئے کیا یہ کافی نہیں اس بات کے جاننے کے لیے کہ یہ آنے والا مسیح وہ سابق مسیح نہیں، جو بنی اسرائیل کا ایک نبی تھا۔اس کو تو بیت المقدس کا طواف کرنا چاہئے تھا، نہ کہ خانہ کعبہ کا۔اس کا رنگ تو

سفید تھا، نہ کہ گندم گوں۔ ایک غور کرنے والا اس سے صاف اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ مسیح وہ نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔

اس کی تردید کہ عیسیٰؑ کی طرف وحی کوئی نہیں ہوگی

پھر ایک اور غور طلب بات یہ ہے کہ یہ جو بعض نے لکھ دیا ہے کہ اس کی طرف کوئی وحی نہیں ہوگی فَلَا یَکُوْنُ اِلَیْهِ وَحْیٌ (روح المعانی) یہ کہاں تک جائز ہوسکتا ہے۔ انبیاء علیہ السلام کی دو قسم کی وحی سب نے مانی ہے۔ ایک جلی اور دوسری خفی۔ لیکن مسیح علیہ السلام کو جب وہ دوبارہ آئیں تو ان دونوں وحیوں سے محروم ٹھہرا دیا ہے کہ ان کو وحی ہی نہیں ہوگی۔ حالانکہ حدیث میں ان کے متعلق صاف آتا ہے کہ ان کی طرف وحی ہوگی ثُمَّ اوْحی اللّٰهُ اِلٰی عِیْسٰی. تو اب اگر اس وحی کو وحی نبوت مانیں تو ختم نبوت ٹوٹتی ہے۔ اور اگر وحی خفی قرار دی جائے تو ان کی نبوت کیونکر چھن گئی۔ کوئی بھی وحی اگر نہ ہوگی تو ان کا درجہ تو امت کے اولیاء کے برابر بھی نہیں رہتا۔ کیونکہ ان کو بھی الہام تو ہوتا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے دوبارہ آنے پر یہ دونوں نعمتیں چھن جائیں!

مسیح علیہ السلام کا اپنا فیصلہ نزول ثانی کے متعلق

ایلیاہ کے نزول ثانی کے متعلق مسیح کا فیصلہ

لیکن ان سب باتوں کے علاوہ اگر یہ مشکلات ہمارے سامنے نہ بھی ہوتیں تو بھی ہم نزولِ ابن مریم کے یہ معنی ہرگز نہیں کر سکتے کہ وہی مسیح نازل ہوں گے۔ کیونکہ یہ جھگڑا اس سے پہلے بھی ایک شخص کے متعلق ہوا ہے اور اس کے نزولِ ثانی کا فیصلہ خود حضرت مسیح نے ہی کیا ہے۔ اس لیے ہم خود اس کے دوبارہ نزول کے وہ معنی ہرگز نہیں کر سکتے، جو خود انہوں نے ایک اور کے آنے کے معنی کیے ہیں۔ حضرت مسیح سے پہلے ایک ملاکی نبی ہوئے ہیں۔ وہ ایک پیشگوئی کرتے ہیں کہ:

> ''دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔'' (ملاکی 4-5)

یہ ایلیاہ نبی کون تھے یہ مسیح علیہ السلام سے کوئی پانچ سو سال پہلے ہوگزرے ہیں۔ وہی جس کو ہم الیاس

کہتے ہیں۔ان کا ذکر یوں آتا ہے:

''اور یوں ہوا کہ جب خداوند نے چاہا کہ ایلیاہ کو ایک بگولے میں اڑا کے آسمان پر لے جائے...... اور ایسا ہوا کہ جونہی وے دونوں (ایلیاہ اور الیسع) بڑھتے اور باتیں کرتے چلے جاتے تھے۔تو دیکھ کہ ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے درمیان آکر ان دونوں کو جدا کر دیا۔اور ایلیاہ بگولے میں ہو کے آسمان پر جاتا رہا۔''(2سلاطین2باب1و11)

یہیں تک نہیں۔ بلکہ اس سے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''اس (الیسع) نے ایلیاہ کی چادر کو بھی، جو اس پر سے زمین پر گر پڑی تھی، اُٹھا لیا۔'' (آیت:13)

اب یہ کس قدر صاف ہے، کتنی پکی بات ملتی ہے، وہ زندہ آسمان پر جانا بھی موجود اور پھر اس کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی بھی موجود۔ پھر یہاں یہ بھی نہیں کہ کوئی سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے بلکہ ان میں تو نبی پر نبی آتے ہیں۔حالانکہ دوسری طرف ہمارے یہاں اب نبی بھی کوئی نہیں آسکتا۔یہی وجہ ہے کہ ''میں نے نزولِ ابن مریم'' کے مضمون کو ''وفاتِ مسیحؑ'' سے پہلے رکھا۔لوگوں نے کہا کہ پہلے ''وفاتِ مسیح'' کا مضمون ہونا چاہئے تھا کہ مسیح علیہ السلام مر چکے ہیں۔اس لیے دوبارہ اب نہیں آسکتے۔لیکن میں نے اس کے خلاف ''نزولِ ابن مریم'' کو پہلے رکھا۔ یہ کیوں؟ اس لیے اگر مسیحؑ جیتا بھی ہے تو بھی اس اُمت کے اندر تو اب وہ نہیں آسکتا۔اگر وہ آجائے تو ختم نبوت ٹوٹتی ہے۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر اس سے لازم آتی ہے۔لیکن وہاں ایلیاہ کے بارہ میں یہ بھی کوئی سوال نہیں۔ یہ نہیں کہ وہ نبی ہے، اس لیے نہیں آسکتا۔ نبی تو وہاں آتے ہیں۔ پھر یہ بھی صاف ہے کہ جیتا آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ممکن تھا کہ ہم اس کو سمجھ لیتے کہ یہ سب یہودیوں کی تحریف ہے۔لیکن یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آگے ہی ایک اور گواہ اس کے خلاف بھی کھڑا ہے۔جس میں خود حضرت مسیح ایلیاہ کے اس نزول ثانی کے معنی کرتے ہیں۔وہاں لکھا ہے کہ:

''اس (مسیح) کے شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقیہہ یہ کیوں کہتے ہیں کہ ایلیاہ کا

پہلے آنا ضرور ہے۔ اس نے جواب میں کہا۔ ایلیاہ البتہ آئے گا اور سب کچھ بحال کرے گا۔ لیکن میں تمہیں کہتا ہوں۔ ایلیاہ تو آچکا اور انہوں نے اس کو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔ تب شاگرد سمجھ گئے کہ اس نے ہم سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے۔'' (متی 17:10-13)

یہ ایک شہادت یہاں ہم کو متی کی کتاب میں سے ملتی ہے کہ مسیح سے پہلے الیاس کا آنا ضروری ہے۔ ایسا ہی مرقس 9 باب 11 سے 13 آیت میں قریباً یہی الفاظ ہیں۔ پھر لوقا میں ہے کہ:

''وہ (یوحنا) ایلیاہ کی روح اور قوت میں اس کے آگے چلے گا۔'' (لوقا 1:17)

کیا مطلب کہ یوحنا چونکہ ایلیاہ ہی کی روح اور قوت کو لے کر آیا ہے۔ اس لیے درحقیقت وہی ایلیاہ یا الیاس ہے، جس کے نزول ثانی کا انتظار تھا۔

اب یہاں تین شہادتیں جمع ہو گئیں۔ پہلے ایلیاہ کا آسمان پر جانا موجود، پھر اس کے دوبارہ نزول کی پیشگوئی موجود، جو ضروری ہے کہ مسیحؑ کے آنے سے پہلے پوری ہو۔ پھر حضرت مسیح اس دوبارہ نزول کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اس سے مراد کسی کا ایلیاہ کی روح اور قوت میں آنا ہے۔ اور وہ اس کا مصداق یوحنا یا یحیٰی کو ٹھہراتے ہیں۔ اب اگر تو اس سے مسیح کا دعویٰ خدائی ثابت ہوتا تو البتہ کہا جا سکتا تھا کہ یہ عیسائیوں کی اپنی تحریف ہے۔ لیکن ان سے تو الٹا ان کی خدائی پر زد پڑتی ہے۔ اس لیے یہ کسی طرح بھی تحریف نہیں کہی جا سکتی۔

باوجود نبوت ہونے کے الیاس دوبارہ نہیں آ سکتا۔ تو ختم نبوت ہو جانے پر عیسیٰ علیہ السلام کیوں کر آ سکتے ہیں

تو اب الیاس کے دوبارہ آنے کے معنی حضرت مسیح کرتے ہیں الیاس کی روح اور قوت میں کسی کا آنا۔ حالانکہ یہ بھی نہیں کہ کوئی وہاں سلسلہ نبوت بند ہے۔ بلکہ سلسلہ نبوت تو جاری ہے۔ اس لیے اگر الیاس باوجود نبی ہونے کے آ جائے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ لیکن پھر بھی اس کا اپنا آنا یہاں مراد نہیں لیا۔

آنحضرتؐ آفتاب ہیں اور دیگر انبیاءؑ چھوٹے چھوٹے چراغ

برخلاف اس کے یہاں تو ختم نبوت بھی ہو چکی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو اب نبی نہیں آ سکتا۔ آپ کی اور پہلے انبیاء کی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے رات کے وقت ایک چراغ ایک کمرہ میں ہو۔ جو صرف اسی کمرہ کو روشن کرتا ہو۔ ایک دوسرے کمرہ میں ایک اور چراغ ہو، تیسرے میں ایک اور۔ علیٰ ہذا القیاس۔ مختلف کمروں میں مختلف چراغوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مختلف قوموں میں ہر زمانہ میں ایک نہ ایک نبی کی ضرورت رہتی تھی۔ اس ایسے وقت میں الیاس اگر آ جاتا تو کوئی حرج بھی نہ تھا۔ لیکن باوجود اس کے الیاس خود نہیں آتا، اور ایک دوسرا اس کی ''روح اور قوت میں'' آتا ہے۔

آفتاب کے چڑھ جانے پر اب دیئے کی ضرورت نہیں

لیکن اب جبکہ آفتابِ نبوت چڑھ چکا جس سے ان مختلف چراغوں کی ضرورت نہ رہی۔ تو اب مسیح کو دوبارہ واپس لانا ایسا ہی ہے، جیسے کوئی شخص عین دوپہر کے وقت چراغ جلا کر رکھ دے۔ ایک طرف یہ ختمِ نبوت مانع ہے مسیح کے آنے کی۔ اور دوسری طرف خود مسیح علیہ السلام کے کیے ہوئے یہ معنی ہیں، جو خود ان کی آمدِ ثانی کی تشریح کرتے ہیں، یہ معنی مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں پر حجت ہیں۔ جو خود انہی کے دوبارہ آنے کے منتظر ہیں۔ لیکن اگر دوبارہ آنے کے معنی یہی ہیں کہ وہ خود ہی دوبارہ آئے، تو صرف اس قدر کہہ دینے سے تو وہ ان معنوں سے رہائی نہیں پا سکتے، جب تک کہ پہلے خود مسیح علیہ السلام کو جھوٹا نہ ٹھہرا لیں۔ یا تو یہ کہیں کہ مسیح علیہ السلام نے جو الیاس کے آنے کے متعلق کہا کہ اس سے مراد کسی اور کا اس کی ''روح اور قوت میں'' آنا ہے۔ اور وہ یحییٰ ہے۔ یہ معنی غلط ہیں۔ اور اس صورت میں پھر مسیح خود بھی سچے ثابت نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہاں لکھا ہے کہ الیاس مسیح سے پہلے آئے گا۔ اور اگر یہ نہیں اور مسیح علیہ السلام کے یہ معنی صحیح ہیں تو پھر خود ان کی آمد ثانی سے بھی مراد یہی ہے کہ ان کی ''روح اور قوت میں'' کوئی اور آ جائے۔ بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام تو یحییٰ کی آمد ثانی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''اسی طرح ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔'' (متی 12:17)

یعنی ان کی آمدِ ثانی کے متعلق بھی یہی جھگڑا لوگ اٹھائیں گے، جو الیاس کے بارہ میں یہودیوں نے اٹھایا۔ تو یہ سب امور فیصلہ ناطق ہیں اس پر کہ ابن آدم کے آنے سے مراد خود مسیح کا آنا نہیں۔

نزول اور انزل کے معنی

نزول کے معنی لازمی طور پر آسمان سے اترنا نہیں

پھر یہ جو نُزُوْل یا اَنْزَلَ کے لفظ حدیثوں میں آتے ہیں، ان کو لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ ان کے معنی ہیں کہ مسیح آسمان سے اترے گا۔ حالانکہ نزول کے معنی لازمی طور پر آسمان سے اترنے کے ہی نہیں ہوتے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ (57-25) لوہے کو ہم نے اتارا۔ کیا اب اس کے معنی یہ سمجھ لیں کہ لوہا آسمان سے گرا کرتا ہے۔

پھر فرماتا ہے: اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ (26:7) لباس کو ہم نے تم پر اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانکتا ہے۔ آج کل تو کپڑا ابھی بہت مہنگا ہو رہا ہے۔ کاش! آسمان سے یہی کوئی کپڑے کے تھان اترنے لگتے۔ لیکن باوجود اَنْزَلْنَا فرمانے کے یہ بھی نہیں ہوتا۔

پھر فرمایا: اَنْزَلَ لَکُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ (6:39) گائے، بیل بھی آسمان سے اترتے ہیں۔ پھر فرمایا: قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا (10:65) یہاں ذِکْرًا سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس سے قرآن مراد ہو۔ لیکن آگے ہی فرمایا ذِکْرًا رَسُوْلًا تو معلوم ہوا ذِکْرًا سے یہاں رسول مراد ہے۔ لیکن اب اہل قرآن رسول کے معنی بھی قرآن ہی کرتے ہیں۔ اس لیے یہاں رسول سے بھی ممکن ہے کہ قرآن ہی مراد ہو۔ مگر ساتھ ہی فرمایا: یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ (11:65) وہ اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی آیات تم پر پڑھتا ہے۔ پھر ایک جگہ فرمایا: وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ (25:57) نبیوںؑ کے ساتھ ہم نے کتاب بھی اتاری اور میزان بھی۔ پھر فرمایا: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ. (21:15) ہر ایک چیز کے خزانے ہمارے پاس جمع ہیں اور ہم انہیں مقرر اندازہ سے اتارتے ہیں۔ یہاں اب تمام ہی چیزوں پر نزول کا لفظ بول دیا۔ حالانکہ وہ آسمان سے تو نہیں اترتیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ نرا انزل یا نزول کا لفظ آ جانے سے یہ نہیں

ثابت ہو جاتا کہ مسیحؑ ضرور آسمان سے ہی دوبارہ نازل ہوں گے۔

آنے والے مسیح کو ابنِ مریم کیوں کہا گیا

سلسلہ محمدی کی سلسلہ موسوی سے مشابہت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی مسیح ابن مریم نے ہی نازل نہیں ہونا تھا تو پھر احادیث میں آنے والے مسیح کو اِبن مریم کیوں کہا گیا۔ اس سوال کے جواب میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ حدیث کے اندر جتنی پیشگوئیاں ہیں، قرآن کریم میں کوئی نہ کوئی ان کا اصل ضرور ہے۔ ابن مریم کا نام بھی جو احادیث میں لکھا ہے تو وہ بھی قرآن کریم کے ایک اشارہ پر مبنی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (55:24) یہاں مِنْ قَبْلِهِمْ کے متعلق تمام مفسرین نے یہی کہا ہے کہ اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک پیشگوئی کی تھی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق۔ جس میں ان کے یہ لفظ ہیں کہ:

> ’’خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے (یہ بنی اسرائیل کومخاطب کر کے کہا ہے) میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو۔‘‘ (استثنا 15:18)

اس سے آگے لکھا ہے کہ:

> ’’اور خداوند نے مجھے کہا...... میں ان کے لیے ان کے (یعنی بنی اسرائیل کے) بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔‘‘ (استثنا 18-17:18)

اب اس میں حضرت موسیٰؑ نے اپنے جیسا ایک نبی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہونے کی پیشگوئی

فرمائی۔اور یہ پیشگوئی بنی اسرائیل میں اس قدر مشہور تھی کہ اس کے لیے کسی بھی وضاحت کی ضرورت نہ تھی۔صرف ''وہ نبی'' کہہ دینے سے ہی یہ پتہ لگ جاتا تھا کہ اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے۔لیکن باوجود اس کے اس قدر مشہور ہونے کے تمام بنی اسرائیل میں سے کسی نے بھی اپنے آپ کو اس کا مصداق نہیں کہا۔خود حضرت مسیح علیہ السلام سے بھی یہ سوال ہوا کہ کیا تو ''وہ نبی'' ہے۔عربی میں آتا ہے۔اَلنَّبِیُّ اَنْتَ ؟ کیونکہ اب دنیا میں ایک ہی نبی رہ جانے والا تھا۔جس کا سکہ قیامت تک رہنا تھا۔تو اس کا انتظار تو یہودیوں کو لگا ہوا تھا۔اسی لیے انہوں نے حضرت مسیحؑ سے بھی یہی سوال کیا کہ تو ''وہ نبی'' ہے۔جس کے ساتھ ہی حاشیہ پر اسی استثنا 18:18 کا حوالہ دیا ہوا ہے۔میں حضرت مسیح کو اتنا شرمیلا تو نہیں مانتا کہ وہ باوجود ''وہ نبی'' ہونے کے اس سے انکار کر دیں۔مگر نہیں۔پیشگوئی موجود ہے اور انتظار بھی موجود ہے۔لیکن آپ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہاں! میں ہی ''وہ نبی'' ہوں۔بلکہ خود بھی حالتِ انتظار میں ہی چلے جاتے ہیں اور اسی حالتِ انتظار میں اس کے لیے پیشگوئی کرتے ہیں کہ:

> ''میں باپ سے درخواست کروں گا۔تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ دیر تک تمہارے ساتھ رہے۔'' (یوحنا16:14)

> ''میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں۔لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔'' (یوحنا1:25-26)

تو یہ حضرت موسیٰ کی مانند نبی ہونے کا دعویٰ نہ حضرت مسیح نے کیا اور نہ اور کسی بنی اسرائیل کے نبی نے۔ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جو بنی اسرائیل کے بھائیوں بنی اسمٰعیل میں سے تھے) آکر یہ دعویٰ کیا۔اور قرآن کریم کے کھلے لفظوں نے آپؐ کے مثیل ہونے کی شہادت دی۔فرمایا: اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا۔(15:73) ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا جو گواہ ہے تم پر۔جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول کو بھیجا تھا۔یہ نہیں کہ دعویٰ رسالت کے بعد آپ کو بعد میں جا کر کہیں اس پیشگوئی کا علم ہو گیا ہو۔اور پھر یہ مماثلت کا دعویٰ کیا ہو۔نہیں۔بلکہ جس دن ظاہر ہوا،اسی دن یہ مماثلت کا بھی دعویٰ کرتا ہے۔پڑھا ہوا نہیں۔لیکن اسی کَمَا کے لفظ میں اس ''تیری مانند تیرے بھائیوں والی'' پیشگوئی کی طرف اشارہ کر دیا۔مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ یہ مماثلت بس یہیں تک ختم ہو جائے۔موسیٰ علیہ السلام تو

قوم کو تیار کرنے میں ہی گزر گئے۔جس کے بعد ایک اور نبی یوشع بن نون نے کھڑے ہو کر اس قوم سے کام لیا۔اور کنعان کے ملک کو فتح کر کے اس پر قابض ہوئے۔لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی حین حیات میں اونٹوں کے چرانے والوں کو بادشاہ بنا کر چھوڑ گیا۔اس لیے وہ مماثلت اب آپ کے خلفاء میں بھی چلتی ہے۔فرمایا: لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (55:24) جس طرح سے پہلے بنی اسرائیل میں خلفاء بنائے، تم کو بھی خلیفہ بنائیں گے۔

جس طرح موسوی خلفاء بادشاہ اور نبی ہوئے اسی طرح محمدی خلفاء بادشاہ اور مجدد ہوئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں دو قسم کے خلفاء ہوئے ہیں، بادشاہ بھی اور نبی بھی۔اس امت میں نبی کی ضرورت چونکہ نہیں اس لیے نبی کی جگہ مجدد ہے۔فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا. (ابوداؤد)

جس طرح موسیٰؑ کے تیرہ سو سال بعد مسیحؑ روحانی خلافت کے وارث ہوئے۔آنحضرتؐ کے بھی تیرہ سو سال اسی رنگ کے خلیفہ ہونے چاہئیں اور اسی لیے تیرھویں صدی کے خلیفہ کا نام اِبن مریم رکھا گیا

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تیرہ سو سال بعد (بائبل تو کوئی چودہ سو سال بعد بتاتی ہے۔لیکن قریباً ساڑھے بارہ سو یا پونے تیرہ سو سال بنتے ہیں) بنی اسرائیل پر وہ زمانہ آیا تھا کہ اُن کے ہاتھ سے بادشاہت نکل گئی تھی اور حضرت مسیحؑ صرف روحانی خلافت کے وارث تھے۔اسی طرح سے آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سو برس بعد بھی ظاہری سلطنت کے لحاظ سے مسلمان کمزور ہو چکے ہیں۔گو یہ میرا ایمان ہے کہ بادشاہت مسلمانوں سے بکلی نہیں جا سکتی۔تو جس طرح اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیرہ سو برس بعد ایک نرمی کی تعلیم دینے والا بھیجا۔جو محض روحانی خلافت کا وارث تھا۔ویسے ہی مثیل موسیٰؑ کے بھی تیرہ سو سال بعد ایک شخص کو بھیجا۔جو انہی خصوصیات کا وارث ہے جو حضرت مسیحؑ کو حاصل تھیں۔اور اسی لحاظ سے مجاز کے طور پر ابن مریم کا لفظ اس پر بھی بولا گیا۔

❁❁❁

20مارچ1918ء

ایک محاکمہ

پیشگوئی اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ کا مصداق اصلی اور ہے اور مسیح موعود اور۔ الفاظِ پیشگوئی پر بحث

(از قلم حضرت مولٰینا سید محمد احسن صاحب فاضل امروہوی)

اس مضمون میں ہم بحولہٖ وقوتہٖ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ (6:61) کی تفسیر میں ایک ایسی تقریر کریں کہ انشاء اللہ تعالیٰ تمام نام کے علماء مبائعین کے لیے مسکت اور دندان شکن ہو کہ پھر بجز آئیں بائیں شائیں کرنے کے ان سے اور کچھ بن نہ آئے۔ قارئین سے امید ہے کہ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ کے واسطے اور اس کے رسول خاتم النبیّین کے واسطے ایک نظر ڈال جائیں۔

وَاِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ. (6:61)

ایہاالاحباب! اس آیت کریمہ کی تفسیر کے متعلق "**القول الممجد فی تفسیر اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ**" و **اظہار النصائح فی رد المخزیات والفضائح** وغیرہ وغیرہ اور متعدد مضامین مسکتہ اور حجج بیّنہ کالشّمس فی النصف النہار دررد اباطیل جدیدہ خلافت بدعی خاکسار لکھ چکا ہے۔ لیکن غالیان شپر چشم کو کہاں وہ بصارت حاصل ہے، جو اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکیں۔

شپرک خواہد کہ نبود آفتاب　　تا نہ بیند دیدۂ او مرز و بوم

دستِ حق در ہر صباح شمع مہر　　برفروزد کوری خفاش شوم

حالانکہ اگر دیکھا جائے تو یہ مسئلہ، جو خلیفہ صاحب کے اپنے اقرار کے بموجب، اُن کے ذہن میں قطعی ایمانیات سے ہے، ایسی جدت رکھتا ہے کہ تمام اولیاء اور مجددین امت و مجتہدین و تابعین وصحابہ کرامؓ بلکہ مسیح موعود سے لے کر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی فرد نے اس پر یہ نہیں کہا ہے کَمَا ثَبَتَ فِیْ رِسَائِلِنَا۔ اب اتمام حجت کے لیے چند سطروں میں اس پیشگوئی کی نسبت پھر لکھتا ہوں اور نام کے علماء غالیوں سے ایک سوال کرتا ہوں۔ انہیں چاہئے کہ یا تو اس سوال کا جواب دیں یا تسلیم کریں۔ اور اگر جواب بھی نہ دیں اور پھر بھی اس مسئلہ ایمانی کی، جو یَئِسَ ما یَأمُرُ بِہٖ اِیْمَانکُمْ کا مصداق ہے، تاویلات باطلہ وفاسدہ ہی کرتے رہیں تو لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ (61:3) کے سوا اور کیا کہا جائے۔

مگر مضمون کے پڑھنے سے پہلے یہ مقدمہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ باب 3 اعمال میں اس نبی عظیم الشان کی بعثت کا وقت مابین آمد اول اور آمد ثانی عیسیٰ بن مریم کے منتظر الوقوع قرار دیا ہے، جس سے آمد ثانی عیسیٰ کی بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ اس کا بیان ہمارے رسائل اور ''ریویو آف ریلیجنز'' میں مفصل مذکور ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام اہلِ اسلام اور جملہ اہل کتاب اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ آخر زمانہ میں عیسیٰ بن مریم کا نزول ہوگا۔ غیر احمدی خود عیسیٰ ابن مریم کا آنا اعتقاد کرتے ہیں اور احمدی بطور بروز عیسیٰ کے نزول کے قائل ہیں۔ مگر اب تحقیق طلب یہ امر ہے کہ اس بشارت مندرجہ سورہ الصّف کا مصداق حقیقی کیا آمد ثانی عیسیٰؑ کی ہے یا کوئی اور رسول عظیم الشان اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ کا مصداق ہے۔ ''انوارِ خلافت'' کا ایمان قطعی ہے کہ اس کا مصداق اصلی وحقیقی مسیح موعود ہی ہے۔ پس اس عقیدہ سے لازم آیا کہ اس بشارت کا مصداق اصلی جو اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ہے اور مسیح موعود دونوں متحد ہیں والازم باطل فالملزوم مثلہ۔ کیونکہ خود عیسیٰ علیہ السلام اپنی آمد ثانی کے متعلق بجائے اس عبارت کے کہ ''میں دوبارہ آؤں گا'' یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ''میں بشارت دینے والا ہوں ایک رسول عظیم الشان کی جس کا نام احمد ہے اور جو میرے بعد آئے گا۔'' کجا خود عیسیٰ بن مریم یا اس کے بروز کا نزول اور کجا یہ بشارت عیسوی اپنے دوبارہ آنے کی نسبت!

کوئی بشر، جس کے دماغ میں عقل انسانی ہو، اول الذکر وعدہ کو ثانی الذکر عبارت کے ساتھ کیونکر بیان کر سکتا ہے۔ اور پھر قرآن مجید، جو معجز البیان ہے، وعدہ اول کو دوسری غلط عبارت کے ساتھ بعبارت مذکورہ کیونکر

ذکر فرما سکتا ہے۔ جو محض ایک اغلط سے زیادہ نہیں۔ اگر اسی طرح پر قرآن مجید کی نظم عبارت میں تحریف وتبدیل کی جائے گی تو تمام قرآن مجید سے امن اٹھ جائے گا۔ کیونکہ اس کی مثال تو ایسی ہوگی جیسے کسی نے کہا کہ ؎

چہ خوش گفت است سعدی درزلیخا   الا یا ایّہا الساقی اور کاسًا و ناولہا

وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ هٰذِهِ الْخَرَافَاتِ وَالْهَفَوَاتِ. اسی باعث قرآن مجید کے وقت نزول سے حضرت مسیح موعود تک کسی فرقہ اہل اسلام وغیر اسلام نے یہ غلط استدلال نہیں کیا۔ پس اگر مرزا صاحب اصلی مصداق اس پیشگوئی کے ہوں اور سمجھ لیا جائے کہ وہی اصلی احمد رسول بشارت عیسوی کے ہیں، تو مسیح موعود ہر گز نہیں ہو سکتے۔ وہ مسیح موعود ان کے بعد آنا چاہیے۔ اور اگر مرزا صاحب ہی مسیح موعود ہیں تو پھر وہ اصلی مصداق اس پیشگوئی کے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ پس اس لیے اسلام نے اور قرآن مجید نے اسی التباس کے دور کرنے کے لیے وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (6:61) کی معجزانہ عبارت کے ساتھ حضرت خاتم النبیین کی آمد کو بیان فرما دیا کہ کوئی بصیرت کا اندھا یہ نہ سمجھ لیوے کہ یہ عیسیٰ ہی کی آمد کی بشارت ہے۔ سُبْحَانَهٗ مَا اَعْظَمُ شَانَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ! اور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ کی آمد کو بہ لفظ اِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ کے بیان فرمادیا نہ رَسُوْلُکُمْ مِّنْکُمْ یا نَبِیُّکُمْ مِنْکُمْ کے ؎

نکتہا ہست بے محرمِ اسرار کجا است

پھر مِنْ بَعْدِیْ یعنی میرے بعد کہنے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ رسول عظیم الشان وہی ہے جس کو باب 3۔ اعمال میں اس کی بعثت کو درمیان آمدِ اول اور آمد ثانی عیسیٰ کے متعین فرما دیا گیا ہے۔ اب توضیح اس کی لکھی جاتی ہے۔

1۔ وَاِذْ قَالَ عِيْسٰى بْنَ مَرْيَمَ (6:61) اس باب میں بطور نص ہے کہ اس کے آگے قول حضرت عیسیٰؑ کا نقل کیا جائے گا۔

2۔ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ (158:7) نص ہے اس باب میں کہ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کی

طرف رسول ہوکر آئے تھے، نہ مطلق رسول۔ جس سے فرد کامل مراد ہو۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔

3۔ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ جو حال واقع ہوا ہے وہ بھی نص ہے اس امر میں کہ وہ بشارت بھی کسی ایسے رسول کے لیے ہے جو عیسیٰ کا غیر ہے، نہ خود عیسیٰ اور نہ مثیل عیسیٰ۔ کیونکہ مثیل سے بھی اصل مراد ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کا فیصلہ یحییٰؑ کی نسبت موجود ہے۔ اور

4۔ چونکہ حضرت عیسیٰ خود اس بشارت کے دینے والے ہیں تو پھر ان کا کسی دوسرے رسول کے لیے یہ بشارت دینا بھی بطور نص کے ثابت ہو گیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ خود ان کے لیے یہ بشارت نہیں ہے۔ اور

5۔ یَاتِیْ غائب کا صیغہ ہے۔ وہ صیغہ متکلم نہیں ہو سکتا، جس سے کوئی دوسرا رسول منصوصًا ثابت ہوا۔ اور

6۔ مِنْۢ بَعْدِیْ کا لفظ، جو متکلم کا قول ہے، اس نے صراحت کر دی کہ وہ غائب کا صیغہ کسی دوسرے رسول کے لیے ہے، جو ان کے بعد آئے گا۔ نہ خود عیسیٰ کے لیے اور نہ ہی اس کے مثیل کے لیے۔

7۔ اِسْمُہٗۤ اَحْمَدُ نے بھی، جو وہ بھی نص ہے اس پر کہ یہ کسی دوسرے رسول کے لیے ہے نہ متکلم کے لیے۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ متکلم خود کہے کہ میں اپنے بعد آؤں گا۔ پس مِنْۢ بَعْدِیْ نے بھی واضح کر دیا کہ وہ کوئی ایسا رسول عظیم الشان ہے جو بلفظ رسول مطلق فرمایا گیا ہے۔ اور تنوین تعظیم کی ہے جس سے یہاں مراد فرد کامل ہے۔ خصوصًا جبکہ لفظ بشارت پر بھی نظر کی جائے جو عظمت پر دال ہے اور لفظ غلام ماتحت ہونے پر۔ اور حضرت عیسیٰ کا نام نہ اہل کتاب میں سے اب تک کوئی احمد کہتا ہے نہ اہل اسلام میں سے۔ نہ کسی حدیث صحیح یا ضعیف میں آیا ہے۔ بلکہ کسی موضوع حدیث میں بھی نہیں آیا۔ الہام میں صرف بطور تخلص کے آ گیا ہے، جو خود مرزا صاحب نے تخلص کے طور پر رکھا ہے، نہ حضرت صاحب نے الہاماً دعویٰ کیا کہ اس پیش گوئی کا حقیقی مصداق میں ہوں۔ پس اگر حضرت عیسیٰ اپنے

دوبارہ آنے کی بشارت دیتے تو یوں فرماتے کہ:

''اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُبَشِّرًا بِاَنِیّ اَرْجِعُ اَوْ اٰتِیْ مِنْ بَعْدِ رَفعی رَسُوْلًا اِلٰی کَافَّۃِ النَّاسِ وَیَوْمَئِذٍ یَصِیرُ اِسْمِیْ اَحْمَدُ. وَاَیْن من ھٰذَا ذَاکَ.

پس اس پیشگوئی کی نسبت یہ اعتقاد ایمانی رکھنا کہ حضرت عیسٰیؑ یا ان کا مثیل اس سے مراد ہے اور کہ یہ پیشگوئی اسی کے لیے ہے، تمام دینِ اسلام اور قرآن مجید کو غتر بود کر دینا ہے اور مسئلہ اتفاقی یہود و نصاریٰ پر بھی پانی پھیر دینا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سلسلہ احمدیہ کا، جو حضرت مجدد وقت غلام احمد نے قائم کیا ہے، استیصال کر دینا ہے۔ ایسے ایمان والے پر سلسلہ احمدیہ کا استیصال لازم آتا ہے۔ نعوذ باللّٰہ منہ. کوئی احمدی ہو کر کیونکر یہ ایمان رکھ سکتا ہے کہ یہ پیشگوئی اصلی طور پر حضرت عیسٰی کے دوبارہ آنے کے لیے ہے۔ جس کا تحقق بُروزاً حضرت مرزا غلام احمد میں ہوا۔ پس ایسے ہی لوگ تو تمام سلسلہ احمدیہ کو غارت کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ایسا شخص کیونکر جماعت احمدیہ کا خلیفہ ہو سکتا ہے، جو قرآن مجید کی نظم عبارت کی بھی تحریف کر دیوے۔ اور تمام احادیث اصح الصحاح اور صحاح کو بھی رد کر دیوے۔ بلکہ اس پر تمام اجماع امت کی مخالفت لازم آتی ہے جس میں خود رسول خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم، جنہوں نے اپنی احادیث صحاح میں خاتم النبیّین کے معنٰی کو بیان فرمایا ہے، اور وہ ہمارے رسائل متعددہ میں مندرج ہو چکے ہیں اور حضرت مسیح موعود تک داخل ہیں۔ پس جبکہ اس پیشگوئی کا حضرت مرزا صاحب کو مصداق اصلی قرار دینے میں اس قدر مفاسد دینی لازم آتے ہیں، تو پھر کیونکر ایسے ابطل الاباطیل پر احمدی ایمان لا سکتے ہیں۔ اور مرزا صاحب کی عزت اس ایمان باطل سے کیسے پیدا ہو سکتی ہے، بجز تحصیل رسوائی اور مخزیات کے کہ ان کی نسبت مثل مخالفین کے اور بڑھائی جائے۔ ہندی کی مثل مشہور ہے کہ'' پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان''، اگر ایسی نصوص بیّنہ کو بھی تسلیم نہ کیا جائے۔ تو پھر تو قرآن مجید ایک بازیچہ اطفال ہوا جاتا ہے۔ جس سے آریہ بخوبی اپنے مذہب کی حقیقت کا ثبوت دے سکتے ہیں اور یہودی بھی اور عیسائی بھی ایسی تحریف کر کے سب کچھ ثابت کر سکتے ہیں۔ بابی اور بہائی تو قادیانی خلیفہ صاحب سے بڑھ کر وہ دلائل پیش کر رہے ہیں، جن کے جواب سے خلیفہ صاحب بھی عاجز ہو جائیں گے۔ مثلاً خاتمہ دورامتِ محمدیہ کے لیے وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ وَلِکُل اُمَّۃٍ اَجَلٌ (7:34) اور تمام شریعت اسلامیہ کو انہوں نے جواب دیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگوں نے اپنا

ایمان اور اسلام ایک نادان نوجوان لڑکے کے سپرد کر دیا ہے ۔

گر ہمیں مکتب است وایں ملّا　　کارِ طفلاں تمام خواہد شد

اس بیان سے بخوبی ثابت ہوا کہ حضرت میرزا صاحب کی رسالت اور نبوت نہ قرآن مجید سے ثابت ہو سکتی ہے اور نہ احادیث سے۔ اور حدیثِ نواس کو خود حضرت اقدس نے ساقط الاعتبار لکھ دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں عیسٰیؑ کی دوبارہ آمد کے بیان میں لفظ نبی کا صحیح ترمذی میں موجود ہی نہیں۔ پس تمام نزاع طے ہوگئی۔ ایک یہی حملہ ''انوارِ خلافت'' کا رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا تھا جو برباد ہوگیا۔

20مارچ1918ء

مکتوب امیر

مسیح علیہ السلام بن باپ تھے یا با باپ؟

ذیل کا خط حضرت امیر ایّدہ اللہ بنصرہٖ نے ایک دوست کے اس سوال کے جواب میں کہ ''آپ کا عقیدہ دربارہ ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیا ہے؟'' لکھا ہے۔ جسے قارئین کرام کے افادہ کے لیے نقل کیا جاتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اخویم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط پہنچا۔ مجھے ان دنوں درس قرآن کریم کی وجہ سے جلدی جواب دینے کی فرصت نہیں ملی۔ آپ کا سوال ہے کہ دربارہ ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام میرا عقیدہ کیا ہے۔ میں اس مسئلہ کو اس قدر اہمیت نہیں دیتا کہ اس پر عقیدہ کا لفظ لانے کی ضرورت ہو۔ قرآن کریم میں جو کچھ انبیاء علیہم السلام کے حالات لکھے ہیں، میں ان سب کو حرف حرف صحیح مانتا ہوں۔ لیکن ان امور کو کہ فلاں نبی کا باپ تھا، یا وہ بن باپ پیدا ہوئے یا فلاں نبی کے باپ کا نام کیا تھا، عقائد اسلامی سے جن پر ہمارے اعمال کی بنا ہے، کوئی تعلق نہیں۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم اور احادیث نبویؐ سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے تو یہ اس کا ایک اجتہاد ہے۔ اور اگر ایک دوسرا شخص قرآن کریم اور احادیث نبوی پر تدبر کرنے سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے بن باپ پیدا ہونے کی تائید قرآن کریم اور احادیث نبوی سے نہیں ہوتی تو یہ اس کا اجتہاد ہے۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اَبٌ آزر کا ذکر قرآن کریم میں صاف الفاظ میں ہے۔ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰہِیۡمُ لِاَبِیۡہِ اٰزَرَ (6:74) جب ابراہیمؑ نے اپنے اَبٌ آزر کو کہا۔ لیکن مفسرین میں سے بہتیرے محققین اس بات کے قائل ہیں کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کے والد نہ تھے۔ بلکہ کوئی اور بزرگ تھے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام

تارح تھا۔ اور اَبٌ کا لفظ عربی زبان میں باپ، چچا، دادا اور دوسرے بزرگوں پر بولا گیا ہے۔ جیسے نَعۡبُدُ اِلٰهَکَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحَاقَ (133:2) میں جہاں حضرت یعقوبؑ کی اولاد اپنے دادا اور اپنے پڑدادا اور چچیرے دادا سب کو اپنا اَبٌ قرار دیتی ہے اور اس اَبٌ کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے تبرّی کا اظہار کیا۔ اب اگر اس تحقیقات کی بنا پر کوئی شخص یہ نہیں مانتا کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام آزر تھا، اور کہ قرآن کریم میں جو بار بار آپ کے اَبٌ کا ذکر آتا ہے۔ اس سے مراد باپ ہے تو یہ ایک اجتہاد ہے۔ ایسا ہی اگر کوئی شخص یہ کہے مَرۡیَمَ ابۡنَتَ عِمۡرٰنَ (12:66) میں مراد یہ نہیں کہ مریمؑ کے باپ کا نام عمران تھا۔ بلکہ عمران سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کی طرف اشارہ ہے۔ جو اس کے مورث اعلیٰ تھے۔ تو اس امر کو عقائد سے کوئی تعلق نہیں۔ میں مسیحؑ کے باپ کے ہونے یا نہ ہونے کے سوال کو اس سے بڑھ کر کوئی وقعت نہیں دیتا۔

اگر ایک شخص قرآن کریم اور احادیث نبویؐ سے کوئی شہادت اس امر کی نہیں پاتا کہ حضرت مسیح فی الواقع بن باپ پیدا ہوئے تو یہ قرآن کریم اور احادیث سے ایک اجتہاد ہے۔ اور اگر دوسرا شخص اس بات کا قائل ہے کہ قرآن کریم سے ان کا بن باپ ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ بھی ایک اجتہاد ہے۔ عقائد کو اس امر سے کوئی تعلق نہیں۔ میری تحقیقات یہی ہے۔ اور میں نے حضرت مولوی نور الدین صاحب مرحوم سے ان کی تحقیقات کا نتیجہ بھی دریافت کیا تھا۔ تو انہوں نے بھی یہی فرمایا تھا کہ قرآن کریم سے کوئی ثبوت قطعی اس بات کا نہیں ملتا کہ حضرت مسیح بن باپ پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح موعود نے بیشک یہ لکھا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کا بن باپ پیدا ہونا مانتے ہیں۔ لیکن ہم اس وجہ سے ان کے بن باپ ہونے سے انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ طاقت نہیں کہ وہ ایک انسان کو بن باپ پیدا کر دے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ قرآن کریم میں ان کے بن باپ پیدا ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ ہم تو اس بات کو بھی مان لیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح کو آسمان پر زندہ مع جسم لے گیا۔ مگر قرآن کریم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس لیے ایسا نہیں مانتے۔

ہماری قوم کی بدقسمتی ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے اُمور میں ایک دوسرے کو کافر اور منکر معجزات بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ اصول دین میں یہ باتیں داخل نہیں۔ کسی وقت آمین اور رفع یدین کے جھگڑوں نے مسلمانوں کی طاقت کو تباہ کیا، تو اب اس قسم کی باتیں نکل آئی ہیں۔ دل میں اپنے ایک بھائی کے خلاف کچھ کینہ ہوتا

ہے، اس کے اظہار کے لیے کوئی وجہ نکال لیتے ہیں اور اس پر کفر کا فتویٰ فوراً لگا دیتے ہیں۔ دین کے لیے غیرت نہیں۔ عیسائی آئے دن یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسیحؑ کی بشریت تمام بنی آدم سے نرالی ہے۔ کیونکہ حضرت آدمؑ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون بنی نوع انسان کے لیے یہ بنایا تھا کہ وہ مرد عورت کے تعلق سے پیدا ہوا کریں گے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (2:76) اور ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ (8:32) مگر مسیحؑ نہ نطفہ امشاج سے پیدا ہوئے اور نہ وہ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ والی نسل میں ہیں۔ اس لیے وہ دیگر انسانوں کی طرح انسان نہیں اور ان کی پیدائش نرالی ہے۔ ایسا ہی کہتے ہیں اس کی زندگی بھی نرالی ہے کہ بنی آدم تو سب کے سب، یہاں تک کہ رسول بھی، کھانے پینے کے محتاج تھے اور ہیں، مگر مسیحؑ کا جسم ایسا ہے کہ وہ دو ہزار سال سے کھانے پینے کا محتاج نہیں اور نہ ان کے جسم میں کچھ تغیر آتا ہے۔ حالانکہ رسولوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (8:21) ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں۔ اور نہ وہ ایسے تھے کہ ان کے اجسام میں تغیر نہ آئے۔ پس مسیحؑ اگر بشر بھی ہیں تو تمام رسولوں سے نرالے ہیں!

پھر وہ یہ کہتے ہیں کہ سب سے بڑا فتنہ جو اسلام میں پیدا ہونے والا تھا، اس کے علاج کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کے پرورش یافتہ ناقابل ثابت ہوئے اور حضرت مسیح کو اس فتنہ کے دور کرنے کے لیے زندہ رکھا گیا۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس فتنہ کا علاج نہ کر سکتے تھے۔ ورنہ آپ کو کیوں اس فتنہ کے علاج کے لیے زندہ نہ رکھا جاتا۔ پس حضرت مسیحؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہوئے۔ اور جب افضل البشر سے بھی افضل ہوئے تو اب خدا کے بیٹے کے سوائے اور کیا خطاب ان کو دیا جائے! لیکن مسلمان ہیں کہ یہ تمام باتیں سنتے ہیں اور قرآن کریم پر ایک دفعہ غور بھی کرنا نہیں چاہتے کہ کیا فی الواقعہ یہ باتیں جو قرآن کریم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، قرآن شریف میں کہیں لکھی بھی ہیں یا نہ۔ اگر قرآن کریم میں یا کسی صحیح حدیث میں یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت مسیحؑ بن باپ پیدا ہوئے تو اس مقام کو پیش کرنا چاہیئے۔ اور اگر نہیں لکھا تو جہاں ایک لاکھ تیئیس ہزار نو سو ننانوے پیغمبروں کو بن باپ نہیں مانا تو ایک حضرت مسیح کو بن باپ نہ مانا جائے گا، تو کونسا اندھیر آ جائے گا۔ اسلام پر اس پہلو سے ایک خطرناک حملہ ہو رہا ہے اور یہ ہمارا ایمان ہے کہ

قرآن کریم کی کوئی تعلیم کسی باطل کی حمایت کا کام نہیں دے سکتی۔اس لیے جو کچھ اس مسئلہ میں میری تحقیقات ہے، میں اس کو مخفی نہیں رکھنا چاہتا۔ محض لَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ (47:3) سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس بشارت کے بعد کبھی مس بشر نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور بھی بھائی اور بہنیں تھیں۔لیکن اگر کسی شخص کا استدلال آیات قرآنی سے یہی ہے کہ حضرت مسیح بن باپ پیدا ہوئے تو اس کا اختیار ہے۔اسی طرح مانے۔ اس کے اسلام میں نہ حضرت عیسیٰ کو بن باپ ماننے سے کوئی نقص پیدا ہوتا ہے نہ باباپ ماننے سے۔ ہاں جو کچھ انسان مانے اس کی سند قرآن کریم یا احادیث صحیحہ سے پیش کرنی چاہیئے۔محض ظنّیات کی بنا پر ایسے امر کو، جس کے خلاف قرآن کا بیان کردہ صریح قانون ہے کہ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (2:76)اور ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ. (8:32)، ماننا ٹھیک نہیں۔والسلام

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

۞۞۞

15/12 مئی 1918ء

اداریہ

مسئلہ ولادت مسیح علیہ السلام

بعض اعتراضات کے جواب

20 مارچ 1918ء کے ''پیغامِ صلح'' میں حضرت امیر ایدہ اللہ کا ایک مکتوب ہم نے شائع کیا تھا۔ جس میں آپ نے مسیح علیہ السلام کی ولادت کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے قرآن کریم کے اس قانون کو بیان کیا تھا، جو انسانی پیدائش کے متعلق اس نے بتایا ہے کہ **اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ** (2:76) اور **ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ.** (8:32) اور اس کے ماتحت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے مسئلہ پر کسی قدر روشنی ڈالی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس اصولِ قرآنی کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ اور صرف اپنے دلی بغض اور حسد کو ظاہر کرنے کے لیے اس پر لایعنی اعتراضات کی بوچھاڑ قادیانی اخبارات نے کی ہے۔ کبھی لکھتے ہیں کہ مولوی محمد علی صاحب کا عقیدہ حضرت مسیح موعود کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ کبھی آپ کے ان الفاظ کو کہ:

''میں اس مسئلہ کو اس قدر اہمیت نہیں دیتا کہ اس پر عقیدہ کا لفظ لانے کی ضرورت ہو۔''

سخت قابل اعتراض بتایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے مسیحؑ کا بن باپ ہونا اپنے عقائد میں سے بتایا ہے۔ جیسے کہ فرمایا کہ ''**وَمِنْ عَقَائِدِنَا اَنَّ عِيْسٰى وَيَحْيٰى قَدْ وَلَدَا عَلٰى طَرِيْقِ خرقِ الْعَادَةِ وَلَا استبعاد فِيْ هٰذِهِ الْوِلَادَةِ**'' یعنی ہمارے عقائد میں سے ہے کہ عیسٰیؑ اور یحییٰؑ خرق عادت کے طور پر پیدا ہوئے اور اس قسم کی پیدائش میں کوئی استبعاد نہیں۔ ان الفاظ کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود نے مسیحؑ کا بن باپ ہونا اپنے عقائد میں سے بیان کیا ہے۔ تو یہ کہنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ ''میں اس مسئلہ کو اس قدر اہمیت نہیں دیتا کہ اس پر عقیدہ کا لفظ لانے کی ضرورت ہو۔''

مگر افسوس ہے کہ معترضین اعتراض کرتے وقت یا تو اصل عبارت کے سیاق وسباق کو نہیں دیکھتے اور یا

انہیں یہ معلوم نہیں کہ حضرت مسیح موعود نے اس کو کس قسم کے عقائد میں داخل کیا ہے۔حضرت امیر ایدہ اللہ نے جہاں یہ لکھا ہے کہ:

''میں اس مسئلہ کو اس قدر اہمیت نہیں دیتا کہ اس پر عقیدہ کا لفظ لانے کی ضرورت ہو۔''

وہیں آگے چل کر آپ نے اس کی یوں وضاحت بھی کر دی ہے کہ:

''ان امور کو کہ فلاں نبی کا باپ تھا یا وہ بن باپ پیدا ہوئے یا فلاں نبی کے باپ کا نام کیا تھا،عقائد اسلامی سے،جن پر ہمارے اعمال کی بنا ہے،کوئی تعلق نہیں۔''

ان الفاظ میں آپ نے اس کو صاف کر دیا ہے کہ اس پر عقیدہ کا لفظ لانے کی ضرورت نہ سمجھنے سے آپ کی کیا مراد ہے۔اور اس سے یہ بھی پتہ لگ جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اس پر کن معنوں میں عقیدہ کا لفظ بولا۔ اگر تو ولادتِ مسیحؑ کا مسئلہ ان عقائدِ اسلامی میں سے ہے،جن کا ماننا ضروریات اسلام میں داخل ہے،اور ہمارے اعمال کی ان پر بنا ہے،تو البتہ حضرت امیر ایدہ اللہ کے الفاظ پر بیشک اعتراض بھی ہو سکتا تھا۔لیکن اگر ایسا نہیں،تو پھر سمجھ نہیں آتا کہ نرا لفظوں کو پکڑ بیٹھنا اور اصل مطلب کو چھوڑ دینا کہاں تک جائز ہے! حضرت مسیح موعود نے جن معنوں میں عقیدہ کا لفظ اس پر بولا،ان معنوں میں کونسی بات ہے۔جس پر ہم عقیدہ کا لفظ نہیں بول سکتے۔کیا ہمارا عقیدہ نہیں کہ رفع یدین کرنا جائز،آمین بالجہر کہنا درست اور سینے پر ہاتھ باندھنا ضروری ہے۔کیا یہ بھی ہمارا عقیدہ نہیں کہ جو شخص ایسا نہ کرے اور نیچے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے،رفع یدین نہ کرے اور آمین بالجہر بھی نہ کہے،اس کی بھی نماز ہو جاتی ہے۔پھر ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم میں جو طوفان نوحؑ کا ذکر ہے۔تو یہ طوفان کُل دنیا پر نہیں آیا تھا، بلکہ صرف ان بستیوں کو ہی اس نے ہلاک کیا تھا،جن کی طرف نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اور انہوں نے انہیں نہیں مانا۔ایسا ہی صالحؑ کی اونٹنی،ہم مانتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ پہاڑ میں سے معجزانہ طور پر پیدا نہیں ہوئی،جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے۔ بلکہ عام اونٹنیوں میں سے ایک کو بطور نشان آیت اللہ قرار دے دیا گیا۔

ایسی ہی اور بھی بیسیوں باتیں ہیں جو ہمارے اعتقادات میں داخل ہیں۔لیکن باوجود اس کے ہم ان کو

ان اعتقادات میں سے قرار نہیں دیتے جو بنائے اسلام میں سے ہیں۔اور اس لیے ان معنوں میں عقیدہ کا لفظ بھی ان پر بولنا جائز نہیں۔خود حضرت مسیح موعود اور حضرت مولٰینا نور الدین کے درمیان بعض اس قسم کے عقائد میں اختلاف رہا ہے۔کیا حضرت مولٰینا نور الدین صاحب کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ نبی کوئی بھی قتل نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ حضرت مسیح موعود اس کے خلاف اعتقاد رکھتے تھے کہ اولوالعزم نبیوں کے سوائے باقی انبیاء کو لوگوں نے قتل بھی کیا ہے۔ پھر اگر یہ مسئلہ ان عقائد اسلامی میں سے ہے،جن پر دین وایمان کا دارومدار ہے،تو دونوں میں سے کس کو مومن کہو گے اور کس کو کافر قرار دو گے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ایسے فروعی مسائل میں ہمیشہ سے مسلمانوں میں اختلاف چلا آیا ہے۔ اور خود صحابہؓ میں بڑے بڑے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اور ہرگز یہ اس قابل نہیں کہ ان کو ان عقائد اسلامی میں سے قرار دیا جائے۔جن کا ماننا ہر ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ یہ ہم نہیں کہتے بلکہ خود میاں محمود احمد صاحب کا،جن کے اخبار ''الفضل'' میں حضرت امیر ایدہ اللہ کو اس ولادت مسیح کے عقیدہ پر بہت کچھ برا بھلا کہا گیا ہے، یہی اعتقاد ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔اور مسلمانوں میں سے بعض لوگوں نے قرآن کریم سے مسیح علیہ السلام کا باباپ ہونا ثابت کیا ہے۔ چنانچہ ایک عیسائی کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''میں سب سے اول آپ (مسیحؑ) کی ولادت کے مسئلہ کو لیتا ہوں۔ پادری صاحب فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ تمام مسلمانوں کا متفقہ مسئلہ ہے اور سوائے سر سید کے، جنہوں نے صرف عقلی دلائل سے اس کو رد کیا ہے، اور کسی نے قرآن شریف سے اس کا انکار نہیں کیا۔ مگر میں آگے چل کر بتاؤں گا کہ یہ بات غلط ہے کہ کسی نے قرآن شریف سے اس مسئلہ کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ ثابت کر دوں گا کہ لوگوں نے اس مسئلہ پر قرآن شریف سے ہی روشنی ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ مسیحؑ بن باپ کے نہیں بلکہ باپ سے پیدا ہوا۔(تشحیذ بابت ماہ اپریل 1913ء مضمون ''عظمت مسیحؑ'')

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

''اب میں ان لوگوں کا خیال بتاتا ہوں جو کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ بن باپ کے پیدا نہ ہوئے تھے۔ بلکہ جس طرح سب دنیا پیدا ہو رہی ہے، اسی طرح آپ کی بھی پیدائش تھی۔

اور میری اس سے یہ غرض ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے اور یہ کہ بعض لوگ آپ کے باپ کے قائل ہیں۔جس سے سب بحث ہی باطل ہو جاتی ہے۔''

میاں صاحب کے ان الفاظ کے ہوتے ہوئے ان کے اطاعت شعار مریدوں کے لیے اور کونسی سند کی ضروری باقی رہ جاتی ہے۔ان الفاظ میں میاں صاحب نے صاف طور پر اس کو ایک اختلافی مسئلہ قرار دیا ہے۔اور اس بنا پر اس بحث کو ہی (کہ مسیح علیہ السلام کا باپ تھا یا نہ تھا) باطل ٹھہرا دیا ہے۔ جو حضرت امیر ایدہ اللہ کے ان الفاظ کے مترادف ہے کہ:

''میں اس مسئلہ کو اس قدر اہمیت نہیں دیتا کہ اس پر عقیدہ کا لفظ لانے کی ضرورت ہو۔''

اس کے علاوہ رسالہ ''اظہار حقیقت'' میں جو ''انصار اللہ'' نامی جماعت میاں صاحب کے چالیس بڑے بڑے ممبروں مثل حافظ روشن علی صاحب، مولوی سرور شاہ صاحب، مولوی اسمٰعیل صاحب مولوی فاضل، مولوی غلام رسول صاحب راجیکی، غرض تمام علماء عمائدین جماعت محمودیہ کی طرف سے ان کے دستخطوں کے ساتھ شائع ہوا تھا، میاں صاحب اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ ''ان کا ان سے تعلق ہے جو مسیح علیہ السلام کو باپ مانتے ہیں'' لکھتے ہیں کہ:

''اس کا پہلے تو تم ہی جواب دو کہ کیا ان سے مسیح موعود کا تعلق تھا یا کہ نہیں۔شریعتِ اسلام سے ثابت کرو کہ جو مسیح علیہ السلام کو با باپ مانیں، وہ اسلام سے خارج کیے جائیں یا خلفاء کے منکروں کی طرح فاسق اور کافر قرار دیئے جائیں۔'' (اظہار حقیقت صفحہ 23)

کس قدر صاف الفاظ ہیں۔اور ان میں یہاں تک تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود کا تعلق بھی ان لوگوں میں سے تھا جو مسیح علیہ السلام کو با باپ مانتے ہیں۔اور ایسے لوگوں کو کافر تو کجا فاسق بھی کہنا جائز نہیں۔ پھر تعجب ہے کہ ان صریح بیانات کے ہوتے ہوئے حضرت امیر ایدہ اللہ کے ان الفاظ پر، جن میں آپ نے اس کو ان عقائد اسلام میں سے قرار نہیں دیا، جن پر ہمارے اعمال کی بنا ہے، خواہ مخواہ شور مچایا جاتا اور اسے حضرت مسیح موعود کے خلاف بتا کر لوگوں کو متنفر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔کیا میاں صاحب کو ان تحریرات کے لکھتے وقت حضرت

مسیح موعود کا عقیدہ معلوم نہ تھا۔ کیا انہیں یاد نہ تھا کہ حضرت صاحب نے مسیحؑ کا بن باپ ہونا اپنے عقائد میں سے قرار دیا ہے۔ پھر کیوں انہوں نے باوجود اس کے اس کو ایک اختلافی مسئلہ قرار دیا اور اس بحث کو باطل بتایا۔ سوائے اس کے نہیں کہ وہ بھی حضرت مسیح موعود کی اس تحریر میں وہ عَقَائِدُنَا سے وہی عقائد مراد لیتے ہیں، جن میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ اسی لیے تو مسیح موعود بھی خود میاں صاحب کی شہادت کے مطابق ان لوگوں سے تعلق رکھتے تھے، جو مسیح کے باپدر ہونے کے قائل ہیں۔ اور باوجود ان کے اس عقیدہ کے آپ نے نہ ان کو کافر کہا نہ فاسق۔ اس کے علاوہ حضرت مولٰنا نورالدین صاحب نے بھی اپنی کتاب ''نورالدین'' میں اس مسئلہ پر لکھتے ہوئے صاف طور پر یہی لکھا ہے کہ یہ عقیدہ کہ مسیحؑ کا باپ تھا یا نہیں، کوئی ضروریات اسلامی میں سے نہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

''(1) جو اسلام قرآن کریم کے صحیفہ فطرت نے ہم کو سکھایا ہے۔ اس میں تو کہیں نہیں لکھا کہ تم اسلام لاؤ کہ مسیحؑ بے باپ تھے۔

(2) ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ اسلام میں یہ بھی ہے کہ تم مان لو کہ مسیحؑ بے پدر تھا۔

(3) ہمارے پیارے صحابہ کرامؓ اور ہمارے آئمہؒ اربعہ فقہاؒ اور دیگر آئمہ عظامؒ نے ہمیں کہیں ہدایت نہیں کی کہ اسلامی ضروریات سے ہے کہ مان لو مسیحؑ بے باپ تھا۔

(4) ہم کو ہمارے صوفیاء کرامؒ نے اپنی تعلیمات میں کہیں تاکید نہیں فرمائی کہ اسلام میں قرب الٰہی کے مدارج و مسالک، واصلاح نفس، حصول اخلاق فاضلہ کے لیے لابد ہے کہ یہ بھی یقین کرو کہ مسیحؑ بے باپ تھے۔

(5) مسیح علیہ السلام کے ماسوا کس قدر انبیاء و رسل اور اللہ تعالیٰ کے مامور گزرے ہیں کسی کا نسب نامہ قرآن کریم میں لکھا ہے؟ بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ** (31:74) پس سب کے وجود کا علم بھی ضروری نہیں، چہ جائیکہ وہ کس طرح پیدا ہوئے۔ پھر یہ مسئلہ اسلام کا جزو نہیں تو یہ مسئلہ تم کو باعث ترک اسلام کیوں ہوا۔

عام تحقیقات کے مسائل میں یہ مسئلہ بھی ہے۔‘‘

اس عبارت میں حضرت مولینا مرحوم نے صفائی کے ساتھ بتایا ہے کہ یہ مسئلہ کوئی ضروریات اسلامی میں سے نہیں۔ نہ ہی کوئی شخص مسیحؑ کا باپ مان کر اسلام سے خارج ہوسکتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر آپ کی ایک چٹھی ماسٹر محمد سعید صاحب کے نام ان کی کتاب ’’یوسف نامہ‘‘ کے آخر میں چھپی ہوئی موجود ہے۔ جس میں آپ ان کی کتاب ’’سعادتِ مریمیہ‘‘ کے متعلق، جو اسی موضوع پر لکھی گئی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

مکرم معظم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل جمعہ کے قریب مجھے کتاب پہنچی۔ نظم سے پہلے نثر کو سب کو پورا پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں فرماتا مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ وَسَعٰی لَھَا سَعْیَھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُھُمْ مَّشْکُوْرًا. (17:19۔مرتب) جب آپ کا اخلاص اور تمسک بہ قرآن اس کے ساتھ ہے۔ تو الٰہی شکر یہ کے آپ مستحق ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ اس کو مشکور فرمائے تو آپ کو ہرگز ہرگز ہرگز تردد وفکر کا موقع نہیں۔ اس کا خیال بھی نہ فرمائیں۔ دو ہزار کیا چیز ہے۔ وہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (21:56 ۔مرتب) سارے جہان کا مالک وَلَہُ الْمُلْکُ (2:247) خاکسار بچپن سے اسی خیال کا آدمی تھا۔ آپ نے وہ دلائل نہیں لکھے جو میرے خیال میں تھے۔ مگر حضرت میرزا صاحب نے فرمایا ہم کو الہاماً اس مسئلہ پر زور دینے کا ارشاد نہیں۔ اگرچہ بات کوئی بڑی نہیں۔ اس مسئلہ کے لیے جب الہامی تائیدات ہوں، تو ہم لکھ سکتے ہیں۔ اس لیے میں تادیباً سردست خاموش ہوں اور اس وقت تک خاموشی پسند رہوں گا کہ ارشادِ الٰہی محرک ومؤید ہو۔ یہ ایک خاص بات ہے۔ آپ کی محنت قابل ردّی نہیں ہوسکتی۔ والسلام۔

نورالدین

26 جولائی 1913ء

اب ان کھلی کھلی تحریرات کے ہوتے ہوئے حضرت امیرایدہ اللہ کواس بات کا متہم ٹھہرانا کہ انہوں نے مسیح موعود کے خلاف کہا،کس قدر خلاف بیانی ہے۔مسیح موعود کے خلاف تو انہوں نے کہیں بھی نہیں کہا۔وہی کہا جو میاں صاحب نے کہا،وہی کہا جو حضرت مولٰینا نورالدین صاحب نے کہا کہ یہ مسئلہ کوئی ایسا نہیں کہ ضروریاتِ اسلام میں سے ہو۔بلکہ اس عقیدہ کی تائید کرنے والے کو''الٰہی شکریہ کے مستحق'' قرار دیا اور دو ہزار سے بھی زائد دلائل کا اس کی تائید میں ہونا بتایا۔

حضرت مسیح موعود کا عقیدہ اگر مسیحؑ کے پدر ہونے کا نہ تھا،مگر پھر بھی آپ نے اس پر چنداں زور نہیں دیا۔نہ ہی قرآن کریم کی آیات کو بطور سند اس پر بیان فرمایا اور اس کے ماننے والے پر کوئی فتویٰ دیا۔بلکہ ایک جگہ اس بارہ میں منجانب اللہ کوئی انکشاف نہ ہونے کے سبب سے کوئی روشنی ڈالنے سے احتراز فرمایا۔چنانچہ اس بارہ میں اس خط کو پیش کیا جا سکتا ہے جو 23 ستمبر 1894ء کو حضرت مولٰینا عبدالکریم صاحب مرحوم نے مولوی امام الدین صاحب گجراتی کے جواب میں لکھا۔جس کے متعلق مولوی امام الدین صاحب موصوف اپنی کتاب ''**التنقیح فی ولادۃ المسیح**'' میں صفحہ 57 پر لکھتے ہیں کہ:

> ''راقم نے جناب مرزا صاحب قادیانی کی خدمت میں ماہ ستمبر 1894ء میں ایک عریضہ لکھا کہ حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت باپ سے تھی یا بلا باپ۔اور جواب صرف''ہاں یا نہیں'' میں طلب کیا تھا۔وہ عریضہ ان کے حضور میں پڑھا گیا۔اور مولوی عبدالکریم مرحوم سیالکوٹی نے جناب مرزا صاحب کی طرف سے حسب ذیل اس خاکسار کو جواب لکھا۔
>
> منشی صاحب۔وعلیکم السلام۔بجواب آپ کے کارڈ 19 ستمبر 1894ء کے حسب ایماء حضرت امام ہمام صادق مسیح موعود مہدی مسعود علیہ السلام عرض ہے کہ جناب امام ہمام کی توجہ آج کل ایسے امور مہمہ دینیہ کی طرف متوجہ ہے کہ آپ ان سے کسی اور جانب توجہ نہیں کر سکتے۔اور فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے اس بارے میں کچھ انکشاف کیا تو ضرور آپ کو اطلاع دی جائے گی۔مگر توجہ اپنے اختیار میں نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ جب مصلحت عام کے

لیے اپنے نزدیک کوئی امر اجرا کرنا چاہتا ہے تو اس طرف خود ہی اپنے بندہ کی توجہ معطوف کر دیتا ہے۔

عاجز عبدالکریم از قادیان 23 ستمبر 1894ء

اس خط میں صاف طور پر اس مسئلہ کو ان ''امور مہمہ دینیہ'' میں سے قرار نہیں دیا گیا۔ جن کی طرف حضرت مسیح موعود کی توجہ مبذول تھی۔ اور صاف لکھا ہے کہ:

''جلّشانہ نے اس بارے میں کچھ انکشاف کیا تو ضرور آپ کو اطلاع دی جائے گی۔''

جس سے ثابت ہے کہ خود حضرت صاحب بھی اس مسئلہ کو چنداں اہمیت نہ دیتے تھے کہ اس کی طرف خاص طور پر توجہ کرتے اور نہ اس وقت تک اور نہ بعد میں اس کے متعلق کوئی انکشاف منجانب اللہ آپ پر ہوا۔ صرف سرسری طور پر عام عقائد کے مطابق جو کچھ آپ کا عقیدہ تھا کہ مسیح علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے، اس کو لکھ دیا اور چنداں اہمیت اس کو نہیں دی۔ بلکہ جہاں عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے کا ذکر کیا، وہیں یحییٰ علیہ السلام کے بھی بغیر مس قویٰ بشری پیدا ہونے کا ذکر کیا۔ چنانچہ ''مواہب الرحمٰن'' میں جہاں لکھا ہے کہ:

''وَمِنْ عَقَائِدِنَا انَّ عِیسٰی وَیَحیٰی قَدْوَلَدَا بِطَرِیْقِ خرق الْعَادَةِ.''

وہاں عیسیٰؑ کے ساتھ یحییٰؑ کے بھی خرقِ عادت طور پر پیدا ہونے کا ذکر کیا۔ اور آگے چل کر صاف بتایا ہے کہ:

''فَاِنَّ یَحیٰی مَا تولدُ مِنَ الْقَوٰی الاِسْرَآئِیْلِیَّةِ البَشَرِیَّةِ بَلْ مِنْ قُدْرَةِ اللّٰهِ الْفَعَالِ.''

ترجمہ: اور یحییٰ اسرائیلی خاندان کے قویٰ بشریہ سے پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ اللہ کارساز کی قدرت سے پیدا ہوئے۔''

اس سے بھی صاف آگے چل کر کہا۔ جہاں فرمایا کہ:

''وَكَانَ تُولَدُ يَحيٰ مِنْ دُوْنِ مِسِّ الْقَوٰى اَلْبَشَرِيّهِ وَكَذٰلِكَ تُوْلَدُ عِيسٰى مِنْ دُوْنِ الْاَبِ.''

ترجمہ: اور یحیٰ اس قویٰ بشریہ کے بغیر پیدا ہوئے اور اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی بغیر باپ پیدا ہوئے۔''

پس اگر حضرت صاحب کے اس کو اپنے عقائد میں سے بتانے سے اس کا ماننا ضروری ہوا کہ ان کو بھی آپ لکھتے ہیں کہ مس قویٰ بشری کے بغیر پیدا ہوئے۔ حالانکہ ان کے متعلق کسی کا بھی بے باپ ہونے کا عقیدہ نہیں۔لیکن اگر یونہی سب کو بے باپ ہی ماننا ہے، تو قرآن میں تو حضرت اسحٰقؑ کے بھی انہی حالات میں پیدا ہونے کا ذکر ہے۔ جو حضرت یحییٰ کے متعلق پیش آئے تھے۔ پھر حضرت اسحٰقؑ کو کیوں بے باپ نہ مانا جائے۔ جب حضرت زکریاؑ کے بوڑھے اور ان کی بیوی کے بانجھ ہونے کی صورت میں یحییٰ علیہ السلام بغیر مس قویٰ بشری ان سے پیدا ہوئے، تو حضرت ابراہیم اور سارہ کے انہی حالات میں اسحٰقؑ کو بھی بے باپ ہی ماننا پڑے گا۔لیکن یہ صحیح نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت صاحب نے چونکہ اس مسئلہ کو اپنی راہ میں چنداں قابل اہمیت نہیں سمجھا، اس لیے قرآن کریم سے کوئی محققانہ روشنی بھی اس پر نہیں ڈالی اور عام خیالات کے مطابق ہی اپنا عقیدہ لکھ دیا۔ جیسا کہ ''براہین احمدیہ'' میں عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر لکھ دیا تھا۔اور یہ آپ کی صداقت پر ایک بڑی بھاری دلیل ہے۔مولوی امام الدین صاحب نے حضرت مسیح موعود کے اس عقیدہ دربارہ ولادت مسیحؑ کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے:

''اصل بات یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب قادیانی مرحوم کو اس ولادت مسیحؑ کے مسئلہ سے کچھ سروکار نہ تھا۔ بلکہ جس قدر بھی زور وشور سے لکھا، وہ صرف وفات منوانے پر ہی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کی بیان کردہ ہیومن نیچر (طبع بشری) پر کچھ تدبر نہ کیا۔اور عامیوں کی طرح اپنی آنکھوں کو بند کیے رکھا۔'' (صفحہ 77)

اس عبارت کے پہلے فقرات تو بالکل صحیح ہیں کہ حضرت صاحب کو وفات مسیحؑ سے ہی کام تھا اور ولادت مسیحؑ سے چنداں سروکار نہ تھا۔لیکن آخری فقرہ میں ''عامیوں'' سے مثال دے کر جس خیال کو ظاہر کرنے کی کوشش

کی گئی ہے، وہ صحیح نہیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعود کا اس مسئلہ سے قطعاً سروکار نہ رکھنا، اور باوجود سوال ہونے کے یہی جواب دینا، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے متعلق کوئی انکشاف نہیں ہوا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے کھول دیا تو بتایا جائے گا، آپ کی صداقت کو اظہر من الشّمس کرنے والا ہے۔ اور یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے۔ ورنہ اگر آپ میں ذرا بھی بناوٹ ہوتی تو فوراً اس بارہ میں کوئی فیصلہ کن بات کہہ دیتے اور وفات مسیحؑ کی طرح اس کو بھی کھول کر بیان کرتے۔ لیکن ایسا نہیں کیا۔

غرض ولادت مسیحؑ کے مسئلہ پر جہاں تک حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے پتہ چلتا ہے۔ آپ کا یہ عقیدہ ضرور تھا کہ مسیح علیہ السلام بن باپ تھے۔ لیکن قرآن کریم کی کسی آیت سے آپ نے اس کو ثابت نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس بارہ میں کوئی ایسا فیصلہ دیا کہ جسے حقیقتاً فیصلہ کہا جاسکے۔ کیونکہ یہ مسئلہ آپ کی راہ میں نہ تھا۔ آپ مامور من اللہ تھے، حکم عدل تھے۔ لیکن نہ ان معنوں میں کہ آپ کی ہر بات اسی طرح سے واجب تسلیم ہو، جیسے کہ قرآن کریم کا حکم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات۔ آپ کی حیثیت ایک اولوالامر کی تھی۔ جس کے متعلق قرآن کا صاف حکم ہے کہ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ (59:4) آپ کے بعد فہم قرآن بند نہیں ہو گیا۔ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔ اور جس بات میں آپ مامور نہیں تھے، اس میں آپ کے خیال سے اگر کوئی شخص اختلاف کرتا ہے تو یہ ناجائز نہیں۔ حکم عدل کے یہ معنیٰ نہیں کہ ہر بات اور ہر ایک اسلامی مسئلہ میں آپ حکم عدل ہیں۔ اگر ایسا مانا جائے تو پھر تو امن ہی اٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ بہت سے ایسے اختلافی مسائل مسلمانوں میں موجود ہیں، جن کا آپ نے فیصلہ نہیں فرمایا۔ ہاں! جس کام کے لیے آپ مامور تھے، اس کی راہ میں پیش آنے والے مسائل میں آپ حَکَم بھی تھے اور آپ نے ان میں فیصلہ دیا۔ لیکن ''ولادت مسیحؑ'' کے مسئلہ کو آپ نے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ اس کو کوئی اہمیت دیں۔

اس لیے حضرت امیر ایدّہ اللہ نے جن خیالات کا اظہار کیا، وہ کسی صورت میں حضرت مسیح موعود پر کوئی حملہ نہیں، بلکہ وہی ہے جس کو حضرت مولوی نورالدین صاحب اور خود میاں محمود احمد صاحب بھی مانتے رہے ہیں۔ اور باوجود اس کے انہوں نے اس میں مسیح موعود کی مخالفت نہیں سمجھی۔

❁ ❁ ❁

پیشگوئی اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ اور نبوت حضرت مسیح موعود

جناب عالی۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولوی فتح محمد صاحب ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول کا مضمون ارسال خدمت ہے۔بعد ملاحظہ شائع فرما کر مشکور فرمایا جائے۔والسلام۔خاکسار عبدالسبوح۔ایبٹ آباد۔

قرآن کریم میں جو حضرت مسیح ناصری نے اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ کی پیشگوئی خدا تعالیٰ کی وحی سے کی ہے،اس کی نسبت ایک عرصہ تک میرا عقیدہ بھی وہی رہا جو کہ مریدین میاں محمود احمد صاحب کا ہے۔اگرچہ اس بارہ میں مجھے خدشات پیدا ہوتے تھے۔لیکن خاموشی اختیار کر کے ہاں میں ہاں ملا دیتا تھا۔بالآخر دل میں خیال آیا کہ اسلام کو اختیار کر کے اور ایک شخص کو مسلم ہو کر ایسے عقائد کو دل میں جگہ نہیں دینی چاہئے۔جن کی بنیاد ایک بودی رسی پر ہو جو جُرُفٍ ھَارٍ فَانۡھَارَ بِہٖ (109:9) ہو کر ایک دن ایسا نہ ہو کہ اسلام سے ہی دست بردار کر دے اور آخر کار اسلام کو خیر باد کہنا پڑے۔کیونکہ اسلام کا دعویٰ ہی یہی ہے کہ نہ اندھا دھند اور بالا کراہ کسی مسئلہ کی تصدیق کی جائے۔بلکہ اسلام تو ایک ایسا نورانی مذہب ہے،جس کے دعاوی جمیع دلائل دیکھنے کے بعد فوراً انسان اس کی کشش سے اسے قبول کرنے کے بعد ناچار اس کی زبان ہی سے اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ (19:3) کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔

میں نے اپنے پیر بھائیوں سے کئی دفعہ اس مسئلہ کو صاف کرانا چاہا اور متعدد بحثیں کیں۔لیکن خدا کی قدرت کہ جب کبھی اس پر گفتگو ہوتی ہے، مجھے ان کے خلاف ثابت کرنے کے لیے نئے دلائل عجیب وغریب سوجھتے ہیں۔الحمدللہ کہ ع

مرض ”گھٹتا“ گیا جوں جوں دوا کی

چنانچہ ایک دن جو بحث ایک محمودی بھائی سے ہوئی،اس کا مختصر خلاصہ ہدیہ قارئین کرتا ہوں۔شاید کسی

انصاف پسند کو اس کے ذریعہ سے انصاف کرنے کا موقعہ حاصل ہو۔

مکالمہ

میں: اِسْمُهٗ اَحْمَدُ کی پیشگوئی کے مصداق اصلی کون ہیں۔ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم یا مرزا صاحب؟

محمودی: مرزا صاحب مستحق اصلی ہیں۔ کیونکہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد نہ تھا۔ کیونکہ ماں باپ نے ان کا نام احمد نہیں رکھا۔ اور نہ ہی خدا نے احمد کے نام سے ان کو پکارا۔

میں: کیا مرزا صاحب نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے کہ اس پیشگوئی کے اصلی مصداق نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور میں ان کا ظل ہوں اور ان کی اتباع سے میں نے یہ رتبہ پایا ہے۔ تو جب نبی آخرالزمان اس کے اصلی مصداق ہوئے، تو مرزا صاحب کیسے اس پیشگوئی کے اصلی مصداق ہو سکتے ہیں۔

محمودی: بیشک انہوں نے یہ لکھا ہے۔ لیکن نبی آخرالزمان بطور صفت کے اس پیشگوئی کے مستحق ہیں اور مرزا صاحب ہم ذات کے مصداق ہیں۔

میں: جب مرزا صاحب نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل ہیں۔ اور ان کا ایسا ہی عکس ہیں جیسا کہ چاند سورج کے نور سے منعکس ہو کر منور ہوتا ہے۔ تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پیشگوئی بطور صفت کے چسپاں ہوتی ہے اور بطور ذات کے نہیں ہوتی۔ اور جب مرزا صاحب نے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے عکس سے منعکس ہو کر تمام صفات لے لی ہیں اور یہ پیشگوئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور صفت کے چسپاں تھی تو ضروری ہے کہ اس کا عکس بھی بطور صفت کے لیا ہوگا، نہ کہ ذات کے طور پر۔ حالانکہ یہ مسلمہ امر ہے کہ ہر ایک چیز کا عکس اس کی ذات سے کم و بیش نہیں ہوتا۔ جب یہ پیشگوئی

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور صفت کے ہوئی اور مرزا صاحب بطور ذات کے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب یا تو آپ کا ظل نہیں ہیں، یا ہیں۔ اگر ہیں تو یہ پیشگوئی بھی ان کے بارہ میں بطور نص کے ہے نہ کہ بطور ذات۔ اور اگر نہیں ہیں تو ان کے دعویٰ کے برخلاف ہے۔ اور ماننا پڑتا ہے کہ یہ ایک صفت بغیر اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انہوں نے حاصل کی ہے۔ تو اس صورت میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مرزا صاحب کو فضیلت ہوئی۔ وَھٰذَا کَمَا تَرٰی. کیونکہ صفت عرض ہوتی ہے اور ذات جوہر۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ جوہر صفت سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ اور اگر یہ کہیں کہ اول مصداق اس پیشگوئی کے بطور صفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، مگر مرزا صاحب ان کے عکس سے مستفید ہو کر بطور ذات کے مصداق بن گئے، تو یہ مسلمہ اصول علماء و حکماء کے خلاف ہے۔ کیونکہ صفت کا عکس صفت ہی ہو گا نہ کہ ذات۔ کیونکہ گھٹیا چیز (عرض) کا عکس اس سے بالاتر (یعنی جوہر) نہیں بن سکتا۔

محمودی: بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر احمدؐ تھے مگر اوائیل عمر میں۔ بعد میں ترقی کرتے کرتے محمدؐ بن گئے۔ اب ان کو احمد کہنا گویا ان کی ہتک کرنی ہے۔ کیونکہ احمد کا درجہ محمد سے کم ہے۔

میں: تو اس صورت میں محمدؐ بھی ان کا ہم ذات نہ رہا۔ کیونکہ بقول آپ کے وہ پہلی صفت احمدؐ سے ترقی کر کے دوسری صفت یعنی محمدؐ تک پہنچ گئے۔ اب ان کے لیے محمدؐ اسم صفت ہوا نہ کہ اسم ذات۔ تو پھر اسم ذات کونسا ہوا۔ دوسرے یہ کہ صفت کبھی موصوف سے جدا نہیں ہوتی۔ گویا دونوں اوصاف کبھی موصوف سے جدا نہیں ہوتی۔ گویا دونوں اوصاف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ جیسا ان کو پہلے احمد اور محمد کہہ سکتے تھے، اب بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور اس صورت میں جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ محمدؐ اسم ذات ہے، تو میں آپ کی دلیل کے مطابق کہہ سکتا ہوں کہ احمدؐ بھی اسم ذات ہے ورنہ ہم ذات کوئی نہیں رہتا۔

محمودی: ہمیں آپ کی یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔آگے نبوت کے بارے میں جو آپ کے اعتراضات ہیں۔ بیان کریں۔

میں: اچھا بتایئے کہ حضرت صاحب حقیقی نبی تھے یا مجازی۔اور مجازی کی تعریف مجدد ومحدث اپنی کسی کتاب میں کی ہے یا نہیں؟

محمودی: ہاں1901ء سے پیشتر لکھا ہے۔لیکن1901ء کے بعد کا عقیدہ تبدیل ہوا۔جبکہ بارش کی طرح وحی ان پر نازل ہوئی اور نبی کے نام سے آپ کو پکارا گیا۔

میں: کیا1901ء سے پہلے نبی کے نام سے نہیں پکارا گیا۔

محمودی: ہاں پکارا گیا۔لیکن آپ اس کا مطلب نہیں سمجھے۔

میں: 1901ء سے پہلے کتنی مدت تک وحی ہوتی رہی۔

محمودی: تقریباً19 سال وحی ہوتی رہی،جس میں ان کو نبی کے نام سے پکارا جاتا رہا۔ لیکن وہ تاویل مجددیت ومحدثیت کرتے رہے۔

میں: کیا یہ تاویل اپنی رائے سے کرتے رہے یا الہام الٰہی کے ماتحت۔اور کیا خدا کو اس کا علم تھا؟

محمودی: وحی میں کوئی فرق نہیں۔حضرت صاحب اس کے سمجھنے سے قاصر رہے۔اور خدا کو اس کا علم تھا۔

میں: تو ممکن ہے کہ جب19 سال قبل نہ سمجھے،تو بعد میں بھی نہ سمجھا ہو۔ کیونکہ خدا تعالٰی کی طرف سے کوئی تفسیر نہیں بتائی گئی۔تو یا پہلی تفسیر غلط ہے یا پچھلی تفسیر غلط ہے۔اور اگر پہلی غلط ہوتو دعویٰ صرف آٹھ سال کا رہا۔ جو کہ 23 سال کی میعاد سے کم ہے۔جس حالت میں کہ وہ23 سال کے اصول کے ماتحت نبی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ 23 سال کی میعاد

کے اندر وفات پا گئے۔ اور اگر پہلی تفسیر ٹھیک ہے تو **فَثَبَت المدعا**۔ کیونکہ اس تفسیر کے ماتحت آپ صرف مجدد اور محدث کہلانے کے مستحق ہیں۔ علاوہ ازیں جو الزامات آپ کے اس فاسد عقیدہ پر مخالفین کی طرف سے وارد ہوتے ہیں، وہ عیاں راچہ بیاں۔

اس پر محمودی صاحب خاموش ہو گئے اور لگے الزامات دینے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ ان لوگوں نے کہاں تک عقائد فاسدہ کو ترقی دے کر حضرت مرزا صاحب کے تمام دعاوی اور سعادات پر دھبہ لگایا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کی حالت پر رحم کرے۔ آمین !!!

خاکسار

فتح محمد از ایبٹ آباد

۞۞۞

5 مئی 1918ء

مکتوب امیر

احباب احمدیہ کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

برادران !السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

عمومًا سال میں ایک دفعہ میں اپنے احباب کواس فریضہ کی طرف توجہ دلانے کا عادی ہوں جوقرآن کریم نے زکوٰۃ کے نام سے ہر مسلمان مرداورعورت صاحبِ نصاب پرفرض کیا ہے۔اس فریضہ کومسلمانوں نے بالکل ترک کررکھا ہے۔مگرہمیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ موقعہ دیا ہے کہ ایک طرف اشاعت اسلام جیسا اہم کام ہمارا نصب العین ہے، دوسری طرف ہماری جماعت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک نظم موجود ہے اور ہمارا ایک بیت المال اشاعت اسلام کے لیے ہے۔ جہاں اس قسم کا روپیہ جمع ہوتا ہے۔اس لیے ہم اگراس قسم کی غفلت کریں جیسی غفلت عام مسلمانوں میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں پائی جاتی ہے تو عنداللہ اورعندالناس بہت زیادہ قابل گرفت اورقابل الزام ہیں۔جس صورت میں ہم میں سے ہرایک کچھ نہ کچھ چندہ اشاعت اسلام کے لیے دیتا ہے تو کس قدرضروری ہے کہ ہم نوافل کی ادائیگی کے ساتھ فرض کی ادائیگی کوبھی یادرکھیں۔ ورنہ ہمارا بطورنفل یہ چندہ دینا کچھ معنی نہیں رکھتا جب کہ ہم اس فرض کوادانہیں کرتے جواحکم الحاکمین نے ہرایک مسلمان کے ذمہ ضروری قرار دیا ہے۔

یہ مال،جس سے محبت کر کے بعض وقت انسان اس فریضہ کوٹالنا چاہتا ہے، ایک دن آخرانسان اس سے الگ ہوگا۔ پھر وہ وقت کیسی حسرت وحرمان کا ہوگا اورکس طرح نفس اندر سے ملامت کرے گا یٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَافَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡبِ اللّٰہِ (56:39)۔یادرکھوکہ اس وقت کی ہرایک کوتاہی ایک وقت دل کے اوپرایک نشتر کی طرح لگے گی۔ مال اوراولاد کی محبت پرخدا کی محبت کومقدم کرواورخدا کی راہ میں اس مال کو ہیچ سمجھو۔ جہاں اس

کا حکم آجائے اس پر پروانہ کی طرح فدا ہو جاؤ اور جان بھی دینی پڑے تو دے دو۔ یہ چند چاندی یا سونے کے ٹکڑے بلکہ کاغذ کے پرزے کیا چیز ہیں؟ میں بعض ایسے دوستوں کو جانتا ہوں کہ انہوں نے بار بار کی نصیحت کے باوجود اس فریضہ کو ٹالنے کی کوشش کی ہے۔ کاش! آج وہ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے امیر ہو گئے ہوتے۔ یا کوئی ایسی مثال ہی بیان کر سکتے کہ کوئی شخص زکوٰۃ دینے کی وجہ سے غریب ہو گیا ہو۔ اگر قرآن پر ایمان رکھتے ہو، اگر اسے خدائے علیم وقدیر کا کلام سمجھتے ہو تو وہ فرماتا ہے: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ. (39:30) جو کچھ تم ایسے مال دیتے ہو جن سے مقصود ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے مالوں میں بڑھیں۔ وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتے۔ اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو کہ اس سے اللہ کی رضامندی ہو تو ایسے لوگوں کے مال کئی گنا ہو جاتے ہیں۔ بہتیرے لوگ ہیں جو ہزاروں روپے محض رسم ورواج کے طور پر خرچ کر دیتے ہیں۔ تاکہ کل کو زیادہ ہو کر ملے یا نام ونمود ہو۔ آج ہم کسی کو کھلاتے ہیں تاکہ کل وہ ہم کو کھلائے۔ اور آج ہم کسی کو تحفہ دیتے ہیں تاکہ کل کو وہ ہم کو دے۔ لیکن خدا کے حکم پر چند روپے بھی اسی مال میں سے، جو پاس موجود ہوتا ہے، نہیں نکال سکتے۔ دنیا میں ایک نہیں ہزاروں نظیریں ایسی ہر جگہ مل سکتی ہیں کہ ان رسوم رواج کی پابندیوں نے ایک شخص کو تباہ اور مفلوک الحال کر دیا ہے۔ مگر پھر بھی لوگ ان سے باز نہیں آتے۔ لیکن اس کی کوئی نظیر نہ ملے گی کہ زکوٰۃ نے کسی کو مفلس کر دیا ہو۔ پھر بھی اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ جو سال نکل کر چلا جاتا ہے اور ہمارے مال میں سے زکوٰۃ کا حصہ ادا نہیں ہوتا، اس پر کوئی یہ فخر نہ کرے کہ ہم نے موقعہ گزار ہی دیا۔ لِیَزْدَادُوْٓا (4:48) پر فخر کرنا مومن کا کام نہیں۔ آج نہیں تو کل کو جوابدہی تو بہر حال کرنی ہوگی۔ وہاں کیا عذر ہوگا کہ ٹھیکریوں اور کاغذوں کو کیوں خدا سے بڑھ کر عزت دی تھی۔ ہماری جماعت کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ عذر تراش کر یا غفلت سے موقعہ کو گنوا دے۔ خدا کا حکم سمجھ کر اس کے ادا کرنے کے لیے جلدی کرو اور ڈرو کہ غفلت میں ہی وہ موقعہ نہ آجائے کہ سوائے کفِ افسوس ملنے کے انسان کے ہاتھ میں کچھ نہ آئے۔ زکوٰۃ اسلام کے ان محاسن میں سے ایک حسن ہے، جس کی نظیر ہم کو دوسرے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ ایسا نہ ہو کہ ان چیزوں کو، جو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے بطور ایک حسن کے رکھی تھیں، ہم ایک بدنما داغ بنا کر اور بھی ملزم ہو جائیں۔

میں نے زکوٰۃ کی طرف کسی جمعہ کے خطبہ میں توجہ دلائی تھی اور یہی خیال ہوتا ہے کہ خطبہ جمعہ سب احباب تک پہنچ جائے گا۔ لیکن اس تحریر کے لکھنے کے لیے جو خاص امر محرک ہوا ہے وہ ہمارے نہایت ہی مکرم دوستوں شیخ محمد اسمٰعیل و مولا بخش و میاں محمد صاحبان کا ایک خط ہے۔ میں نے اپنے ان مکرم احباب کو ایک خاص معاملہ میں توجہ دلائی تھی کہ زکوٰۃ کے روپے سے تھوڑی سی مدد کریں۔ جس کے جواب میں ان کا ایک خط مجھے پہنچا ہے۔ جس کو پڑھ کر بے اختیار اور بار بار میرے دل سے ان کے لیے یہ دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بڑی بڑی برکتیں اور رحمتیں دینی اور دنیوی ان پر نازل فرمائے۔ صدقات کی ادائیگی کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر عزت دی ہے کہ احادیث میں آتا ہے کہ جب صدقات کا مال کسی کی طرف سے آتا تھا تو آپ ان الفاظ میں اس کے لیے دعا کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی فَلَانٍ۔ سو میں خود بھی شیخ صاحبان کے لیے دعا کرتا ہوں اور احباب سے بھی التجا ہے کہ وہ دعا کریں۔ انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک سو کاپی ترجمہ انگریزی قرآن شریف کی مفت تقسیم کر کے قیمت ان سے وصول کی جائے۔ جس سے بیس کاپیاں تقسیم ہو چکی ہیں اور باقی اسی کے متعلق عنقریب کوئی تجویز کی جائے گی۔ بیشتر حصہ ان کا خیال ہے کہ لائبریریوں میں بھیجا جائے۔ ہاں چند کاپیاں اس غرض سے الگ رکھی جائیں گی کہ مستحقین کو مناسب خفیف قیمت پر دی جائیں۔ شیخ صاحبان کا یہ نیک نمونہ میں اپنے احباب کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر ایسی ہی ہمت سے ہمارے دیگر احباب بھی کام لیں تو اشاعت اسلام کا کام دنوں میں ترقی کر کے کہیں کا کہیں پہنچ سکتا ہے۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

26 مئی 1918ء

دوشانیں

ازحضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

انسان کی زندگی ایسی واقع ہوئی ہے کہ اس کے مختلف پہلوؤں میں ہر ایک انسان عموماً ایک ہی شان میں ترقی کرتا ہے۔ لیکن وہ فخرِ نوع انسان جو آج سے تیرہ سوسال پیشتر ملک عرب میں پیدا ہوا۔ اس کے وجود کو اللہ تعالیٰ نے مجموعہ عجائبات بنا کر یہ دکھا دیا کہ انسان اگر چاہے تو اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ان دوشانوں میں بھی ترقی کرسکتا ہے، جو بظاہر ایک دوسرے کے متضاد واقع ہوئی نظر آتی ہیں۔ یورپین مصنفین اپنے تمام ذہنی فراخی کے دعوؤں کے ساتھ انسانوں کے معاملات میں بسا اوقات بہت ہی تنگ نظر پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور یورپین مصنف ڈوزی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق اور عادات میں ان لوگوں کے ساتھ ادنیٰ سے ادنیٰ مشابہت بھی نہ تھی، جن میں وہ پلے اور انہوں نے پرورش پائی۔ وہ بڑے مضبوط جنگجو لوگ تھے۔ تو آپؐ حد درجہ کے نرم دل اور مصیبت کے وقت عورت کی طرح رو پڑنے والے۔ وہ اگر مجسم شجاعت تھے تو آپ میں جنگی شجاعت قطعاً نہ تھی۔ وہ اگر تنہائی سے نفرت رکھنے والے تھے تو آپ حد درجہ کے تنہائی پسند تھے۔

یہ تو بالکل سچ ہے کہ آپ اخلاق اور عادات میں ان لوگوں جیسے نہ تھے، مگر نہ اس لیے کہ کوئی اعلیٰ جوہر جو انسان میں ہوسکتا ہے، آپ میں نہ تھا، بلکہ اس لیے کہ باوجود ان میں رہنے اور ان میں پرورش پانے کے آپ ظلمت کے اندر نور کی طرح، ایک تاریک کان کے اندر ایک ہیرے کی طرح تھے۔ لیکن دوسری طرف جب ہم آپ کی ذات والا صفات کی طرف نگاہ کرتے ہیں، تو شجاعت اور نرم دلی، مضبوطیٔ قلب اور صحت، دونوں آپ کے حالات کے اندر کمال کو پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بلا شبہ نرمی اور محبت کا پہلو آپؐ کے اندر ایسا غالب تھا کہ آپ دوسروں کی مصیبت کو برداشت نہ کرسکتے تھے۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ (128:9) قرآن کریم نے آپ کے اخلاق کا

نقشہ کھینچا ہے۔یعنی اگر تم پر کوئی مصیبت یا دشواری آئے تو اس پر وہ شاق گزرتی ہے۔اور یہی نقشہ آپ کا آپ کی سب سے بڑی راز دار رفیقہ حضرت خدیجہؓ نے کھینچا ہے۔اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحمِلُ الْکَلَّ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِیَ الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبَ الْحَقِّ (بخاری۔باب کَیْفَ کَانَ بَدَءَ الْوَحْیُ)۔اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا،آپ صلہٗ رحمی کرتے ہیں اور ناتوان کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔اور جن کے پاس کچھ نہیں،انہیں کما کر دیتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور حادثوں میں حق کی مدد کرتے ہیں۔

بلاشبہ آپؐ نے نسل انسانی کو گمراہ پا کر اس کے لیے اتنے آنسو بہائے کہ آپ کی آنکھوں کا پانی ہی ملک عرب کی زندگی کا باعث ہو گیا۔آپؐ کا ایک عاشق صادق (حضرت مرزا صاحب) یوں اس کی مدح کا گیت گاتا ہے۔

کس چہ میداند،کرازاں نالہ ہا باشد خبر　　کان شفیع کرد، از بہر جہاں درکنجِ غار

من نمیدانم،چہ دردے بود و اندوہ و غمے　　کاندراں غارے درآورش،حزین ودلفگاء

نعرہ ہا پُر درد می زد، از پئے خلقِ خُدا　　شد تضّرع کارِ او، پیش خدا، لیل و نہار

سخت شورے برفلک افتاد ازاں عجز و دعا　　قدسیاں را نیز شد،چشم ازغم آں اشکبار

آخرِ از عجز و مناجات و تضرع کردنش　　شد نگاہِ لطفِ حق ، بر عالمِ تاریک وتار

(درثمین فارسی۔درنعت و مدح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)

بلاشبہ وہ روتا تھا اور عورتوں کی طرح آنسو بہاتا تھا۔مگر اپنی مصیبت پر نہیں بلکہ نسل انسانی کی مصیبت پر۔لیکن اس نرم دلی کے ساتھ شجاعت بھی اس کے اندر اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔مصلحت الٰہی نے یہ بھی چاہا کہ آپ کو جنگیں بھی کرنا پڑیں اس طرح کہ بعض جنگوں کے اندر مسلمانوں کی جمعیت قائم نہ رہ سکی۔حتّٰی کہ ساری فوج تتر بتر ہو گئی اور شکست کا پورا نقشہ قائم ہو گیا۔لیکن یہ بھی اس لیے ہوا کہ تا اس انسان کامل کی زندگی کا دوسرا پہلو، جو تنگ نظروں سے مخفی رہ سکتا تھا،نمایاں ہو جائے۔

جنگ حنین کے اندر شکست خوردہ تتر بتر ہوئے مسلمانوں کو اگر کسی چیز نے بچایا تو وہ ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت تھی کہ جب سب لوگ دشمن کے آگے بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں، تو وہ اکیلا انسان دشمن کی طرف منہ کیے ہوئے بلند آواز سے پکار رہا ہے اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰه یا کہہ رہا ہے اَنَّا النَّبِیُّ لَا کذب. اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ خدا کی شان ہے کہ محبوب خدا ہو کر جنگوں میں زخمی بھی ہوتا ہے۔ مگر کس لیے؟ تا ان نامردوں پر، جو آپ پر شجاعت سے خالی ہونے کا الزام لگاتے ہیں، یہ ثابت کرے کہ آپ کبھی اور کسی حالت میں بھی کسی جنگ کے اندر بھاگے نہیں۔ لشکر کی شکست خوردہ حالت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر کوئی زخم نہیں۔ بلکہ آپ کے دانت ٹوٹتے ہیں یا آپ کی پیشانی اور سر پر زخم آتا ہے۔ پس اس حالت میں بھی جب دشمن کے آگے بھاگ رہے ہیں وہ پیٹھ دشمن کی طرف نہیں کرتا۔ اس لیے اگر کسی کے ''وکٹوریہ کراس'' حاصل کرنے کے لیے کوئی نمونہ دنیا میں ہے تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، حضرت مسیحؑ نہیں۔ یہ وہ بہادر ہے کہ اپنے صحابیوںؓ کو ایک ایک کر کے مکہ معظّمہ سے رخصت کرتا اور آپ تنہا دشمنوں کے اندر رہتا ہے اور اس مقدس سرزمین کو نہیں چھوڑتا، جب تک کہ کُل کے کُل مسلمانوں کی جانوں کے محفوظ ہونے کا پہلے اطمینان نہیں کر لیتا۔

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انسانی زندگی کے ہر دو متضاد پہلو جمع ہیں۔ آپ یتیم بھی ہیں اور صاحب خلق عظیم بھی۔ آپ امی بھی ہیں اور کتاب وحکمت کے معلم بھی ہیں۔ آپ بیوی بچے بھی رکھتے ہیں اور زہد وعبادت میں راہبوں سے بڑھ کر بھی ہیں۔ آپ بادشاہ بھی ہیں اور فقیرانہ زندگی بھی بسر کرتے ہیں۔ آپ فوج کے کمانڈر انچیف بھی ہیں اور نمازوں کے پیش امام بھی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب قوم کی سرداری سپرد کی جاتی ہے۔ تو نمازوں کا پیش امام ہونے کے لیے ایک اور نبی حضرت ہارون کو اپنے ساتھ چاہتے ہیں۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دونوں کام نہیں بلکہ اور سینکڑوں کام بھی اپنی ذات سے ہی سرانجام دیتے ہیں۔ غرض وہ بات، جو آپ کو جملہ انبیاءؑ پر ممتاز کرتی ہے، وہ آپ کی ذات پاک کا جامع جلال و جمال ہونا ہے۔

ہاں! آج اس شخص کو، جس نے کہا ہے کہ ''او یک ثمرہ ایست از باغ او و یک قطرہ از بارشِ او'' یعنی اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باغ ہے تو میں بھی اس کا ایک پھل ہوں اور اگر وہ باران رحمت ہے تو میں بھی اس بارش کا قطرہ ہوں، ایک شکل میں دونوں رنگ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔

اس زمانہ میں تصوف اور علوم ظاہری کے دونوں گروہ الگ الگ ہو گئے۔ اہل تصوف نے دینِ حق کی تبلیغ سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ اور علمائے دین نے تصوف کو بیکار سمجھا۔ مگران دونوں باتوں کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی میں جمع کر کے یہ بتا دیا کہ تزکیہ اور تعلیم یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کام تھے۔ اس لیے آپ کے سچے اور کامل پیروؤں میں یہ دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ یہ نہیں کہ موجودہ اہلِ تصوف کی طرح تزکیہ نفس کے پیچھے لگے تو تبلیغ دین کے کام سے الگ ہو گئے۔ اور تعلیم و تعلم کتاب کے پیچھے لگے، تو تزکیہ نفس کو غیر ضروری سمجھا اور صرف علوم ظاہری پر سارا دارومدار رکھا۔ چنانچہ ایک طرف اگر آپ کو تزکیہ نفس کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچا کر اپنے کلام اور الہام سے مشرف فرمایا، تو دوسری طرف علم سے بھی آپ کو اس قدر حصہ دیا کہ سوائے ان لوگوں کے، جن کے حصہ میں شقاوت ازلی سے اس برگزیدہ خدا کی مخالفت ہی آ گئی ہے، سب سے آپ کا ''سلطان القلم'' ہونا منوا دیا۔

اس زمانہ میں لوگ رؤیا کشف اور الہام کے نام سے نا آشنا ہوتے چلے جاتے تھے، تو اس کی عظمت کو اس طرح واضح فرمایا کہ آپ پر بڑی بڑی عظیم الشان پیشگوئیوں کا اظہار کر کے بتا دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس نعمت سے کبھی خالی نہ ہوئی اور نہ ہو گی۔ ہماری آنکھوں کے سامنے آپ کی ایسی ایسی عظیم الشان پیشگوئیاں پوری ہوئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کے سامنے روح انسانی بے اختیار سر جھکا دیتی ہے۔ زارِ روس کی حالتِ زار (اس موضوع پر ایک علیحدہ ہینڈ بل حضرت مولٰینا موصوف کے قلم سے نکل کر شائع ہو چکا ہوا ہے۔ شائقین دو پیسے کا ٹکٹ بھیج کر دفتر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے منگوا لیں۔ ایڈیٹر پیغامِ صلح) کی خبر اور اس کا ایک مہیب عالمگیر مصیبت کے اندر وقوع میں آنا آج سے بارہ سال پیشتر اس برگزیدہ خدا نے صاف اور کھلے الفاظ میں بتایا اور وہ حرف بحرف پورا ہوا۔ اور بہت سے انقلابات ملکی اور واقعات عالم کی خبر آپ نے پیش از وقت دی۔ جن میں سے بہت سی باتیں پوری ہو چکیں اور بعض کا ابھی انتظار ہے۔

غرض یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق ایک دل خوش کن لفظ نہیں بلکہ ایک امر واقعہ ہے اور مذہب اسلام کی صداقت کا ایک یہ نشان بھی ہے کہ اس کے اندر ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے، جن پر اللہ تعالیٰ آئندہ کی بعض خبریں ظاہر کر کے دنیا میں اپنی ذات پر تازہ ایمان پیدا کرتا رہے گا۔ لیکن اس کثیر حصہ مکاشفات ورؤیا

والہامات پر آپ کے کمالات کو محدود نہیں کیا۔ بلکہ علمی رنگ میں آپ کو ایسے زبردست دلائل حقانیت اسلام کے سکھائے کہ جنہوں نے اسلامی علم کلام کے اندر ایک نئی روح ڈال دی۔ اور نہ صرف مخالفین اسلام کے ساتھ ہر میدان مقابلہ میں اعلائے کلمۃ اللہ علمی رنگ میں کر کے دکھایا، بلکہ ان ہتھیاروں کو ہاتھ میں لے کر آج آپ کا ایک ادنیٰ غلام بھی کسی میدان میں شرمندہ نہیں ہوسکتا۔

یہ علمی خزانے قرآن کریم کے اندر مخفی تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے ان کو اس زمانہ کے مجدّد پر ظاہر فرمایا اور اس کے ذریعہ سے تمام دینوں پر اتمام حجت کرا کر بتا دیا کہ وعدہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (28:48) ہر رنگ میں سچا ہے۔ جس طرح مکاشفہ والہام میں اللہ تعالیٰ نے اس مجدد کو ایک ایسا کثیر حصہ نعمت الٰہی کا دیا کہ جس کی نظیر پہلے مجددین میں نظر نہیں آتی، اسی طرح علوم کے رنگ میں بھی آپ کو وہ غلبہ عطا فرمایا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جیسے شخص نے یہ اعتراف کیا کہ جو کچھ خدمت اسلام کی علمی رنگ میں آپ نے صرف ایک کتاب ''براہین احمدیہ'' میں کی ہے، اس کی نظیر اسلام میں پہلے تیرہ سو سال میں نہیں پائی جاتی۔ اور پھر آپ کی یہ خدمتِ اسلام صرف اسلام کے اندرونی اختلافات تک محدود نہیں، یا کسی ایک غیر مذہب کے حملوں کے جواب پر ہی پر ختم نہیں نہ ہوگئی، بلکہ دنیا کے سب بڑے بڑے مذاہب سے اسلام کا مقابلہ کر کے آپ نے اسلام کی حقانیت کو اظہر من الشمّس کر دیا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس برگزیدہ انسان کو تزکیہ اور علم کے رنگ میں اس کمال تک پہنچایا، اسی طرح اس نے اپنی جماعت کو بھی اسی راہ پر چلایا۔ آپ کی غرض صرف مبلغین اسلام پیدا کرنا نہ تھا۔ بلکہ حقیقت میں وہ مجاہدات، جو تزکیہ نفس کے لیے ضروری، آپ نے ان کو عملی رنگ میں منتقل کر کے اپنی جماعت میں بھی تصوف اور علم دونوں رنگ پیدا کرنے چاہے ہیں۔ اس زمانہ میں صوفیوں کے عام مجاہدات جواذکار اور حلقہ بندیوں اور چلہ کشیوں پر آرہے ہیں، نہ صرف یہ کہ یہ رنگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں نہیں پایا جاتا، بلکہ اس سے ایک بڑا نقصان جو مسلمانوں کو پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ ان مجاہدات کو اختیار کر کے وہ حقیقی جہاد، جو انسانوں اور قوم کی زندگی کا موجب ہوسکتا تھا، اس کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود نے جس طرح تزکیہ نفس کو انسان کے لیے سب سے مقدم اور ضروری قرار دیا ہے، اسی طرح جہاد برنگ تبلیغ کو اس کا ضروری اور مقدم فرض قرار دیا

ہے۔اوراس طرح تبلیغِ دین کو ہی وہ عظیم الشان مجاہدہ بنا دیا ہے، جس سے انسان تزکیہ نفس حاصل کرسکتا ہے۔اور یوں تصوف اور علم کوایک جگہ جمع کر کے ان دونوں کوایک دوسرے کے نقصان سے بچایا ہے۔اور صحابہؓ کا ایک رنگ اپنی جماعت کے اندر پیدا کرنا چاہا ہے۔جس طرح ان کے مجاہدات جہاد کے رنگ میں تھے،مگر وہ جہاد ضروریاتِ وقتی کے لحاظ سے سیفی تھا۔اسی طرح حضرت مسیح موعود نے بھی اپنی جماعت کے مجاہدات کو جہاد کے رنگ میں تجویز فرمایا۔گو یہ جہاد بلحاظ ضرورت زمانہ قلمی ہے۔یعنی اس وقت دینِ اسلام پر جو حملے کیے جاتے تھے وہ تلوار سے تھے۔اس لیے تلوار کے ساتھ ان کی مدافعت کی ضرورت بھی پیش آئی تھی۔لیکن اب جو حملے دینِ اسلام پر کیے جاتے ہیں، وہ علمی رنگ میں ہیں۔اس لیے علمی رنگ میں ہی ان کی مدافعت کی ضرورت پیش آئی ہے۔پس اسلام کا اصل مجاہدہ جہاد ہے اور دوسرے مجاہدات جولوگوں نے بنائے ہیں، وہ نفع سے بڑھ کر نقصان پیدا کرنے والے ہیں۔اور یہ وہ حقیقت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے مجدد کو مطلع کیا ہے۔

حضرت مسیح موعوداور فنا فی اللہ کا درجہ

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔اس کے کان بن جاتا ہوں، جن سے وہ سنتا ہے۔اس کے پاؤں بن جاتا ہوں، جن سے وہ چلتا ہے وغیرہ۔یوں تو یہ حدیث زبان زد عام ہے، اوراسی کی بنا پر اولیاء اللہ کا فنا فی اللہ کے درجہ پر فائز ہونا لوگ مانتے بھی ہیں۔لیکن افسوس ہے کہ جس زمانہ میں کوئی خدا کا بندہ اپنی صفائی قلب اور کمال متابعت کی وجہ سے حضرت الوہیت میں اپنے آپ کو فنا کرتا ہے، اوراس پر وہ حالات وارد ہوتے ہیں، جو دوسرے انسانوں سے ممکن نہیں، تو لوگ بجائے اس کے کہ ان کی نیکی، ان کی پارسائی، ان کے تقویٰ وطہارت کو سامنے رکھ کر ان حالات کو انوارِ الٰہی کے پرتَو کا نتیجہ قرار دیں، جو ان کی حد درجہ کی عبودیت کی وجہ سے اس حدیث کے مطابق وارد ہونے ضروری ہیں، الٹا انہیں ان کے دعوے خدائی پر محمول کر کے ان پر کفر کے فتوے لگاتے اور ہر ایک قسم کی سزاؤں کا انہیں مستحق قرار دیتے ہیں۔یہ بھی عجیب حکمت الٰہی ہے کہ وہی شخص، جو کل تک تمام مخلوق کا مرجع اور محبوب بنا ہوا تھا، جب خاص ذاتِ الٰہی کی تجلی کا شکار ہو کر اپنی نیکی کا بدلہ پاتا ہے تو جہان میں بجائے اور زیادہ محبوب ہونے کے دنیا اس کے خلاف ہو جاتی ہے۔

تَشۡبِیۡتًا (265:2) فنافی اللہ کے مدارج سلوک میں سے یہ بھی ایک نہایت ضروری درجہ ہے۔ جس میں سے ہر ایک کامل انسان کو گزرنا پڑا ہے۔ اور آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عظیم الشان انسان جو مسیح موعود کے نام سے ہم میں آیا اور اپنی ابتدائی منزل سلوک میں ہی بڑے بڑے علماء وفضلا کی نظروں میں قابل رشک اور تیرہ سو سال میں ایک ہی انسان نظر آتا تھا، اس عالیشان منزل پر پہنچ کر جسے فنافی اللہ کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ انہی لوگوں کی نظروں میں مردود، مخذول اور دجال وغیرہ وغیرہ ٹھہر جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود کا ایک کشف آئے دن ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں آپ نے دیکھا کہ:

''میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں۔ اور میرا اپنا کوئی ارادہ اور کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا۔............اس اثنا میں مَیں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی روح مجھ پر محیط ہوگئی اور میرے جسم پر مستولی ہو کر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کرلیا۔ یہاں تک کہ میرا کوئی ذرہ بھی باقی نہ رہا۔ اور میں نے اپنے جسم کو دیکھا تو میرے اعضاء اس کے اعضاء اور میری آنکھ اس کی آنکھ، اور میرے کان اس کے کان اور میری زبان اس کی زبان بن گئی تھی۔ میرے رب نے مجھے پکڑا اور ایسا پکڑا کہ میں بالکل اس میں محو ہو گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی قدرت اور قوت مجھ میں جوش مارتی اور اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے۔ حضرت عزت کے خیمے میرے دل کے چاروں طرف لگائے گئے۔ اور سلطان جبروت نے میرے نفس کو پیس ڈالا۔ سو نہ تو میں میں ہی رہا اور نہ میری کوئی تمنا ہی باقی رہی۔ میری اپنی عمارت گر گئی اور رب العالمین کی عمارت نظر آنے لگی اور الوہیت بڑے زور کے ساتھ مجھ پر غالب ہوئی............۔''

اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ حضرت میرزا صاحب نے الوہیت کا دعویٰ کیا ہے۔ نہیں دیکھتے کہ یہ تو آپ نے ایک کشف بیان کیا ہے۔ جو بہر حال حقیقت پر محمول نہیں ہو سکتا۔ حضرت میرزا صاحب جیسا شخص جو جناب الوہیت میں کھڑا ہو کر بارہا دفعہ، اور اس کشف کے بعد بھی اپنے آپ کو یوں بیان کرتا ہے ۔

کرمِ خاکی ہوں میرے پیارے، نہ آدم زاد ہوں ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

کیا ایسے شخص سے، جو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کے سامنے اپنے آپ کو یہاں تک گرا کر رکھتا ہے، بھلا کبھی ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ الوہیت کا مدعی ہو۔ کاش! مخالفین اعتراض کرتے وقت اتنا غور کرلیا کریں کہ اگر آپ کا دعویٰ خدائی کا تھا، تو پھر اس پر زور دینے اور اپنی عبادت کرانے کی بجائے کیوں آپ نے اللہ تعالیٰ کی توحید وعظمت پر اس قدر زور دیا۔ اور خود بھی تمام عمر آستانۂ الوہیت پر ہی اپنے سر کو رکھے رکھا اور یہی تلقین اپنی جماعت کو بھی کی، بلکہ اس پر قائم کیا۔ مندرجہ بالا کشف کو حدیث قدسی کے ساتھ ملا کر پڑھو۔ صاف نظر آجائے گا کہ یہ فنا فی اللہ کے درجہ کے اظہار کے سوائے اور کچھ نہیں۔

''میں نے اپنے جسم کو دیکھا تو میرے اعضاء اس کے اعضاء اور میری آنکھ اس کی آنکھ اور میرے کان اس کے کان اور میری زبان اس کی زبان بن گئی تھی۔''

کیا ان الفاظ میں اور اس حدیث کے الفاظ میں کوئی فرق ہے۔ وہاں ایک بات کا امکان بیان کیا گیا ہے۔ یہاں کشفی طور پر وارد کر کے دکھا دیا۔

''سلطان جبروت نے میرے نفس کو پیس ڈالا۔ سو نہ تو میں مَیں ہی رہا اور نہ میری کوئی تمنا ہی باقی رہی۔ میری اپنی عمارت گر گئی اور رب العالمین کی عمارت نظر آنے لگی۔''

کیا یہ فنا فی اللہ اور اپنی خودی کو بھلا کر اللہ ہی کی ذات میں محو ہونے سے کچھ بڑھ کر اپنے آپ کو بیان کیا ہے؟ کاش! کوئی غور کرے اور تعصب کو چھوڑ کر حق کے قبول کرنے کو تیار ہو۔

حضرت مسیح موعود اور فنا فی الرسول کا درجہ

دعویٰ خدائی کے علاوہ ایک دوسرا الزام، جو حضرت مسیح موعود پر لگایا گیا ہے، اور بیگانوں کے علاوہ اپنوں نے بھی اس پر زور دینا شروع کیا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کا دعویٰ نبی ہونے کا تھا۔ اس پر اس سے پیشتر بارہا دفعہ ''پیغامِ صلح'' میں روشنی ڈالی جا چکی ہے اور ان تمام خیالات کا بخوبی قلع قمع کر دیا گیا ہے، جو اس ناپاک الزام کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں اور ثابت کیا جا چکا ہے کہ جو کچھ بھی آپ کے الفاظ اس بارہ میں پائے جاتے ہیں، وہ فنا فی الرسول کے درجہ سے بڑھ کر آپ کو ثابت نہیں کرتے۔ لیکن مخالفین سے بڑھ کر ان موافقین نے اس الزام کو

بار بار دہرا کر آپ کو بدنام کرنا شروع کیا ہے۔ اور اب پھر شور برپا ہو رہا ہے کہ جہاں جہاں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے، انہی معنوں میں ہے کہ آپ تشریعی نبی نہیں، بلکہ صرف غیر صاحب شریعت نبی ہیں۔ لیکن اس کے خلاف حضرت مسیح موعود کے صاف اور کھلے الفاظ ہیں۔ جن کو پیشتر ازیں بھی ہم ایک مرتبہ ملفوظات حضرت مسیح موعود کی ذیل میں نقل کر چکے ہیں۔ اور اب پھر ہمارے مکرم معظم جناب سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب نے بمبئی سے انہیں لکھ کر بھیجا ہے۔ جن میں حضرت مسیح موعود نے صاف طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ:

''محی الدین ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ نبوت تشریعی جائز نہیں، دوسری جائز ہے۔ مگر میرا اپنا مذہب یہ ہے کہ ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہے۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انعکاس سے جو نبوت ہو وہ جائز ہے۔''

اب اس میں صاف طور پر (تشریعی و غیر تشریعی) ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند بتایا اور صرف اسی نبوت کو جائز رکھا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انعکاس سے ہو۔ یعنی وہی فنا فی الرسول کا درجہ جو امت کے کامل افراد کو مل سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جس طرح سے نادان مخالفین نے پہلے ایک کشف سے غلطی کھا کر فنا فی اللہ کی ماہیت کو نہ سمجھتے ہوئے آپ پر دعویٰ خدائی کا الزام دیا، اسی طرح موافقین و مخالفین دونوں نے فنا فی الرسول کے درجہ کو نہ سمجھ کر دعویٰ نبوت آپ کی طرف منسوب کر دیا۔ جو ہرگز صحیح نہیں۔

۞۞۞

2-5 جون 1918ء

میاں ظہیرالدین صاحب اوران کے عقائد

پیغامِ صلح کی گذشتہ اشاعت میں ہم نے یہ اعلان کیا تھا کہ میاں ظہیرالدین صاحب نے، جو یوسف موعوداور مصلح موعود ہونے کے مدعی ہیں۔اپنے ان عقائد سے کہ حضرت مسیح موعود حقیقی اور صاحب شریعت نبی ہیں رجوع کرلیا ہے۔اوراب جیسا کہ ان کی ایک تحریر سے واضح ہوتا ہے سلسلہ نبوت کوآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم اور حضرت مسیح موعودکومجازاوراستعارہ کے رنگ میں نبی ماننے لگے ہیں اور قادیان کوقبلہ نماز بنانے سے بھی انہوں نے رجوع کرلیا ہے۔ یہ اعلان ہم نے ان کی ایک تحریر کی بنا پر کیا تھا، جو''پیغامِ صلح'' کےاسی پرچہ میں ساتھ ہی شائع بھی کردی گئی تھی۔اس کےتھوڑے ہی دن بعدانہی میاں ظہیرالدین صاحب نے بعض سوالات پر، جوحضرت امیرایدّہ اللہ نے تحریراًان سے کیے، جوکچھ جوابات لکھے، وہ ان کے عقائدکواوربھی صاف کرنے والے تھے۔اور ان سے پتہ لگتا تھا کہ ان کے تمام عقائد وہی ہیں، جواس وقت جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد ہیں۔ چنانچہ وہ جوابات بمعہ اصل سوالات حسب ذیل ہیں۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اخویکم مولوی ظہیرالدین صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

چونکہ آپ نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ آپ اشاعتِ اسلام وتبلیغ سلسلہ میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ساتھ اوراس کے ماتحت ہوکر کام کرنا چاہتے ہیں۔اورآپ کی طرف سے بعض اشتہارات وخیالات کی اشاعت کی بناپر عام طور پرکچھ خیالات پھیلے ہوئے ہیں،اس لیے ان معاملات کی صفائی کے لیے آپ ذیل کےسوالوں کے جواب سامنے کے کالم میں لکھ دیں۔تاکہ انجمن آپ کےتقرر کا فیصلہ کرسکے۔

سوالات از حضرت امیر ایّدہ اللہ بنصرہٖ

جوابات از میاں ظہیر الدین صاحب

1 ۔ کیا آپ حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو محدّث اور مجدد اور صرف جزئی طور پر اور مجاز کے رنگ میں ظلی بروزی نبی یقین کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ''النبوۃ فی الاسلام'' اور دیگر تحریرات میں ثابت کیا ہے۔ یا حقیقی معنی میں اور کامل نبی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ میاں محمود احمد صاحب نے ''حقیقۃ النبوت'' و دیگر تحریرات میں شائع کیا ہے۔

1 ۔ میں حضرت مسیح موعود کو امتی نبی بمعنی محدث یقین کرتا ہوں۔ اور بروزی رنگ میں اور مجاز اور استعارہ کے طور پر ان کو نبی اللہ اور رسول اللہ تسلیم کرتا ہوں۔ حقیقی رنگ میں نہیں بلکہ مجازی رنگ میں۔ جیسے کہ کتاب ''النبوۃ فی الاسلام'' میں ثابت کیا گیا ہے اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود مانتا ہوں۔ میاں محمود احمد صاحب کے عقیدہ کو غلط سمجھتا ہوں۔

2 ۔ کیا آپ آنحضرتؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند مانتے ہیں، جیسا کہ جماعت لاہور کی تحریرات میں پایا جاتا ہے۔ یا پہلے انبیاءؑ کی طرح آپؐ کے بعد بھی سلسلہ انبیاء کا جاری رہنا مانتے ہیں۔ جو پہلے انبیاءؑ کی طرح حقیقی اور کامل نبی ہوں۔ جیسا کہ میاں محمود احمد صاحب کا مذہب ہے۔

2 ۔ انقطاعِ نبوت، جیسے کہ حضرت مسیح موعود نے بار بار لکھا ہوا ہے، اس پر ایمان رکھتا ہوں اور حضرت مرزا صاحب کو پہلے انبیاءؑ کی طرح حقیقی اور کامل نبی نہیں مانتا ہوں، بلکہ لغوی معنوں کی رو سے اور مجاز اور استعارہ کے طور پر حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی سمجھتا ہوں۔

3 ۔ کیا آپ دنیا کے تمام مسلمانوں کو اور اہل قبلہ کو کافر سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ میاں محمود احمد صاحب نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔ یا ہمارے ساتھ اس عقیدہ میں متفق ہیں کہ حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص دائرہ

3 ۔ جس رنگ میں میاں محمود احمد صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس سے بالکل متفق نہیں ہوں۔ بلکہ ان کے فتویٰ کفر سے سخت بیزار ہوں۔ اہلِ اسلام کو ہرگز ہرگز کافر نہیں سمجھتا ہوں۔ ہاں! جو شخص حضرت مسیح موعود کو

اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ گوایسا انکار قابل مؤاخذہ ہے۔

کافر کہتا ہےاس کوضرور سچے دل سے کافرسمجھتا ہوں اور سمجھوں گا۔ اور جوشخص حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کا انکار کرتا ہےاس کوبھی قابل مؤاخذہ سمجھتا ہوں۔

4۔کیا آپ پیشگوئی مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کوحقیقی اور اصل طور پرآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مانتے ہیں۔جیسا کہ ہمارا مذہب ہے، یا مرزا صاحب کے لیے، جیسا کہ میاں محمود احمد صاحب کا مذہب ہے۔

4۔حضرت نبی کریم خاتم النبیّین کے میں دونام محمد اور احمد یقین کرتا ہوں۔اورحضرت موسیٰؑ اورحضرت عیسیٰؑ کی پیشگوئی کا حقیقی اور اصلی مصداق جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مانتا ہوں اور حضرت مرزا صاحب مسیح موعودکو بروزی رنگ میں احمد سمجھتا ہوں اور پیشگوئی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ مجازی رنگ میں ان پر چسپاں کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔جیسے کہ حضرت مسیح موعود نے ''ازالہ اوہام'' میں اور ''تریاق القلوب'' میں اور ''اعجاز المسیح'' میں اس پیشگوئی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ کواپنے اوپر چسپاں کیا ہےاورحضرت مسیح موعودکواحمدؐ کا مظہر یقین کرتا ہوں اوراس بات کو بالکل غلط یقین کرتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد نہ تھا۔اور میاں محمود احمد صاحب کے عقائد سے ہرگز متفق نہیں ہوں۔

5۔کیا آپ قرآن کریم اور حدیث صحیح کو حضرت مسیح موعود کے الہام اور تحریر پر مقدم جانتے ہیں جیسا کہ ہمارا مسلک ہے یا قرآن کریم اور الہامات مسیح موعود کا ایک ہی مرتبہ سمجھتے ہیں جیسا کہ میاں محمود احمد صاحب کا مذہب ہے۔

5۔قرآن کریم اور الہامات حضرت مسیح موعود کا ایک رتبہ اور ایک درجہ ہرگز نہیں مانتا ہوں۔ قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو الہاماتِ مسیح موعود اور کلامِ مسیح موعود سے مقدم یقین کرتا ہوں۔

6۔کیا آپ اسلام میں ایک ہی کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے قائل ہیں۔ یا کوئی اور بھی کلمہ ہے۔جس کا اقرار کیے بغیر انسان دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا۔

6۔جو غیر مسلم کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ایمان لے آتا ہے، وہ یقیناً دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ دائرہ اسلام میں داخل کرنے کے لیے صرف یہی کلمہ طیبہ ہے دوسرا کوئی کلمہ ہرگز نہیں جس کا کسی مسلمان پر پڑھنا واجب ہو۔

7۔کیا آپ یہ اطمینان دلا سکتے ہیں کہ جب تک آپ انجمن کے ماتحت کام کریں گے۔ اپنے خاص دعاوی کو، جو بعض آپ کے اشتہارات سے مترشح ہوتے ہیں، تحریراً تقریراً شائع نہ کریں گے۔ (اس کی غرض صرف یہ ہے کہ تا سلسلہ میں تفرقہ نہ پیدا ہو) کیونکہ آپ کے رؤیا یا الہام دوسروں پر کوئی حجت نہیں۔ آپ اپنی جگہ ان کو جس طرح چاہیں سمجھیں مگر ان خیالات کی اشاعت نہ ہو۔

7۔مجھے یقیناً رؤیا صادقہ ہوئے اور ہوتے ہیں۔ اس وقت تک میرا یہی خیال ہے کہ یوسف موعود یا مصلح موعود والی پیشگوئی مجھ پر چسپاں ہوتی ہے۔لیکن تحریراً یا تقریراً میں ایسے خیالات کی ہرگز ایسے رنگ میں اشاعت کبھی نہ کروں گا، جس سے انجمن کے مقاصد کو کسی طرح سے نقصان پہنچے یا جماعت میں کسی رنگ میں فتنہ اور فساد پیدا ہو۔

دعویٰ کی عام اشاعت ہرگز نہیں کروں گا۔

8۔ جہاں تک حضرت مسیح موعود کی خلافت اور انجمن اور امیر کے تعلقات کا سوال ہے، کیا آپ ہمارے مسلک کو صحیح مانتے ہیں یا میاں محمود احمد صاحب کے مسلک کو؟	8۔ حضرت مسیح موعود کی خلافت کے متعلق آپ کے مسلک کو بالکل صحیح یقین کرتا ہوں۔ اور میاں محمود احمد صاحب کے عملدرآمد کو حضرت مسیح موعود کی وصیت کے بالکل خلاف یقین کرتا ہوں۔

والسلام۔ خاکسار۔ محمد علی

بقلم خود محمد ظہیر الدین

مورخہ 18 اپریل 1918ء لاہور

ان تمام جوابات کو اول سے آخر تک پڑھو۔ ان میں تمام وہی باتیں لکھ دی ہیں جن کا اعلان بار ہا دفعہ ہماری طرف سے ہو چکا ہے۔ اس لیے میاں ظہیر الدین صاحب کے اس رجوع پر قدرتاً ہمارے دل میں ان کی عزت بیٹھ گئی۔ اور فی الواقعہ ایسے شخص کی، جو اپنی کسی بات یا خیال کو غلط پا کر اس پر اصرار نہیں کرتا، اور فوراً اس کو چھوڑ کر صحیح راہ پر قائم ہو جاتا ہے، قابلِ عزت وقعت سمجھنا چاہئے۔ نہ صرف یہی کہ عقیدہ نبوت مسیح موعود سے ہی انہوں نے اس تحریر میں رجوع کیا ہے اور نبوتِ حقیقی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منقطع مانا ہے، بلکہ الہاماتِ مسیح موعود کے متعلق بھی صاف لکھا ہے کہ:

> ''قرآن کریم اور الہاماتِ مسیح موعود کا ایک رتبہ اور درجہ ہرگز نہیں مانتا ہوں۔ قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو الہامات مسیح موعود اور کلام مسیح موعود سے مقدم یقین کرتا ہوں۔''

جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے تمام اپنے سابقہ عقیدوں کو، جن میں حضرت مسیح موعود کے الہامات کو قرآن کریم پر مقدم یا اس کے برابر سمجھتے تھے، قطعاً خیر باد کہہ دیا ہے۔

لیکن ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب اس کے چند دن بعد ان کا ایک خط حضرت امیرایدہ اللہ کے نام موصول ہوا۔ جس میں انہوں نے خدا جانے کیوں یہ سوال اٹھانا چاہا کہ:

''حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بعد حضرت مرزا صاحب کی پوزیشن کیا اس رنگ میں ہے کہ جیسے آفتاب نصف النہار کے وقت چراغ کا روشن ہونا یا کہ فی الواقعہ شریعت محمد یہ کے بعد ایک ایسی شریعت نازل ہوگئی ہے کہ جس میں جہاد، قتال حرام اور کلمہ گو نماز پڑھنے والے، زکوٰۃ دینے والے، حج کرنے والے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے مسلمانوں کو، محض حضرت مرزا صاحب کے بعد اس بات کے انکار کرنے کی وجہ سے، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھنا جائز ہوگیا ہے؟

ادھر یہ خط حضرت امیرایدہ اللہ کے نام موصول ہوا اور ادھر ایک اشتہار بھی ان کی طرف سے چھپ کر ہمارے پاس پہنچا۔ جو 21 مئی 1918ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے اسی سوال کو اٹھایا ہے۔ جس کا اپنے خط میں ذکر کیا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

''جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء سراجاً منیراً کا زمانہ وہ زمانہ نہ تھا جو حضرت موسیٰؑ کا تھا۔ اسی طرح آج مسیح موعود کا زمانہ وہ زمانہ نہیں جو آج سے تیرہ سو برس پہلے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے لیے وہ شریعت نہیں رہی جو آج سے تیرہ سو برس پہلے تھی۔''

پس اگر خدا تعالیٰ نے زمانہ کی حالت بدل جانے کے سبب اپنی مرضی سے اپنے ایک رسول اور نبی کی معرفت ہمیں یہ تعلیم دے دی کہ اب تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے، تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے توریت کو یا انجیل کو یا قرآن شریف کو یا آیت کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (246:2) کو منسوخ و حرام کر دیا۔ کیونکہ ہر ایک حکم خاص محل اور موقع سے تعلق رکھتا ہے۔ کیا حضرت مسیح ناصری نے توریت کی شریعت کو منسوخ کر دیا تھا۔ ہرگز نہیں منسوخ نہیں کیا تھا بلکہ پورا کیا تھا۔ کیا حضرت نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت اور انجیل کو منسوخ کر دیا تھا۔ ہرگز نہیں بلکہ جا بجا ان کتابوں کی تصدیق کی تھی اور

صحف الاولیٰ کی تعلیمات کی بذریعہ قرآن شریف تجدید کی تھی۔ پس اس سنت کے مطابق حضرت مسیح موعود کے ذریعہ سے بھی خدا نے اس زمانہ کی ہدایت کے لیے وہ تعلیم نازل فرمائی جس کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں……

قرآن کریم کی متعدد آیات مثلاً **یٰاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَاھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ** (35:7)، **یٰاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ھُدًی** (38:2)، **یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ لِیُنۡذِرَ یَوۡمَ التَّلَاقِ** (15:40) وغیرہ سے صریح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن کریم کے بعد بھی خدا کے رسول آتے رہیں گے اور وحی الٰہی اور مکالمات ومخاطبات الٰہیہ کا سلسلہ جاری رہے گا……جس طرح حضرت موسٰیؑ کے بعد کئی نبی اور رسول ہوئے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ سلسلہ کے آخر پر حضرت مسیح ناصری کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح سے خصوصیت سے قرآن مجید میں احمد کے نام سے اور حدیث میں نبی اللہ اِمَامُکُمۡ مِنۡکُمۡ کے الفاظ سے حضرت مسیح محمدی کی تخصیص کی گئی۔‘‘

ہم نہیں جانتے کہ میاں ظہیر الدین صاحب کا اس سوال کو اب پھر دوبارہ چھیڑنے سے کیا مطلب ہے۔ کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کو حقیقی اور صاحب شریعت نبی ہی سمجھا جائے۔ ایسا تو ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جبکہ وہ اس کے خلاف تحریر لکھ کر دے چکے ہیں اور سلسلہ نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منقطع قرار دے چکے ہیں۔ اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ کی پیشگوئی کا مصداق حقیقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی بتا چکے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود کے الہامات اور کلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الہام اور کلام کے ماتحت اور مؤخر الذکر کو اول الذکر پر مقدم قرار دے چکے ہیں۔ پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ چند ہی دن بعد اس کا عقیدہ یوں آناً فاناً بدل جائے اور فوراً وہ کچھ کا کچھ کہنے لگ جائیں۔ اس لیے ہمیں ڈر ہے کہ یہ جو اشتہارات شائع ہوتے اور چٹھیاں لکھی جارہی ہیں، یہ ان کی اپنی طرف سے نہیں۔ آخر ع

کوئی تو ہے اس پردۂ زنگاری میں

یہ آواز میاں ظہیر الدین کی آواز نہیں بلکہ کسی اور شخص کی آواز ہے۔ جو ان کے منہ کے ذریعہ سے بولتا ہے اور ان کے دلی عقائد کے خلاف ان سے اس قسم کی باتیں لکھواتا اور شائع کرتا ہے۔ چنانچہ اس کا یہ ایک اور کھلا ثبوت ہے کہ آج ہی انہی میاں ظہیر الدین کی طرف سے ایک اور چٹھی موصول ہوئی ہے۔ جس میں صاف لکھتے ہیں کہ:

''میں نے سنا ہے کہ میری کسی تحریر پر، جو ڈاکٹر نور محمد صاحب نے شائع کی ہے، بعض احباب کو یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ گویا میں حضرت مسیح موعود کو نبوت مستقلہ کا مدعی سمجھنے لگ گیا ہوں۔ یہ سراسر غلط فہمی ہے۔ میرا خدا گواہ ہے کہ میں حضرت مرزا صاحب کو سچے دل سے محدث یقین کرتا ہوں، نہ نبوت مستقلہ کا مدعی۔ ہاں! محدث بمعنی نبی مانتا ہوں اور شرح صدر سے اس اعتقاد پر قائم ہوں کہ براہین احمدیہ حصہ سوم کے زمانہ سے لے کر براہین احمدیہ حصہ پنجم کے زمانہ تک حضرت مسیح موعود ایک ہی مفہوم کے ساتھ اپنے آپ کو محدث بمعنی نبی سمجھتے رہے۔ پس میری کسی تحریر سے اس عقیدہ کے خلاف کوئی بات پیدا کرنا محض شرارت ہے۔ اور انشاء اللہ آئندہ میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ صرف وہی الفاظ استعمال کیا کروں۔ جو حضرت مسیح موعود نے استعمال کیے ہیں۔''

اس تحریر سے صاف عیاں ہے کہ میاں ظہیر الدین صاحب کے جو کچھ اشتہارات آج کل شائع ہو رہے ہیں، یہ ان کے اپنے دلی خیالات و صحیح عقائد کا آئینہ نہیں، بلکہ بعض اور ہی قسم کی ریشہ دوانیوں کا اثر ہیں۔ جن کا پتہ لگانا کوئی مشکل امر نہیں۔

❁❁❁

12جون1918ء

مراسلات

نہ صرف مسیح ناصریؑ بلکہ ان کا ایک امتی بھی آسمان پر باجسم موجود ہے

میرے پاس نسخہ مترجم پنجسورہ کا، جو1301ھ میں بمقام لکھنؤ مطبع نامی سے طبع ہو کر شائع ہوا ہے، موجود ہے۔اس میں سورہ یٰسٓ ،سورہ الفتح ،سورہ حٰم ،سورہ الواقعہ،سورہ الملک کا مجموعہ ہے۔لیکن مؤلف صاحب کا نام نہیں ہے۔شاید مینیجر مطبع کی یہ حسن خدمت کا نتیجہ ہے۔

سورہ یٰسٓ میں آیت وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلاً اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ(13:36) سے آیت بِمَا غَفَرَلِىْ رَبِّىْ وَجَعَلَنِىْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ (27:36) تک مندرجہ ذیل نوٹ حاشیہ پر مؤلف نے تحریر کیے ہیں۔

اصحاب القریہ کے متعلق

یہ شہر تھا انطا کیہ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دو یار وہاں پہنچے۔شہر والوں نے (انہیں) ٹال دیا۔پھر تیسرے یار بھی پہنچے۔یہ تیسرے بڑے یار تھے الخ۔

آیت قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ(19:36) کے متعلق شاید کفر کی شامت سے قحط ہوا ہو گا اس کو نامبارک سمجھے۔یا آپس میں اختلاف ہوا۔کسی نے مانا کسی نے نہ مانا۔اس کو کہا۔ہر طرح شامت ان ہی کی تھی۔الخ

آیت اِنِّىْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ (25:36) کے متعلق آگے نقل کرتے ہیں کہ قوم نے اس کو شہید کیا۔اور بعضے کہتے ہیں،اللہ تعالیٰ نے جیتا اٹھالیا۔الخ

میری غرض نوٹ کے صرف اس فقرہ سے ہے جس پر خط کھینچ دیا ہے۔ ہمارے غیر احمدی احباب نہ صرف حضرت مسیح ناصری ہی کے لیے رَفع اِلَی السمَآء کے قائل ہیں بلکہ ان کے امتی کو بھی یہ درجہ دیتے ہیں۔ مگر مسیح ناصری کو تو پھر واپس بلانے کے آرزومند ہیں۔ اور حواری مسیح کو جو انطا کیہ سے آسمان پر باجسم پہنچائے گئے ہیں، دنیا میں پھر کیوں نہیں بلاتے۔ ہمارے بعض احباب اس آیت کے متعلق تو یہ جواب دے دیا کرتے ہیں مَاقُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَآ اَمَرۡتَنِیۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیۡ وَرَبَّكُمۡ وَكُنۡتُ عَلَیۡهِمۡ شَهِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡهِمۡ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡهِمۡ وَاَنۡتَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ (117:5) کہ حضرت مسیحؑ جب دوبارہ دنیا میں نازل ہو جائیں گے، اور وفات پا جائیں گے، تب کہیں قیامت ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے ان کی بگڑی ہوئی امت کا سوال کرے گا۔

مگر اول تو اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ یہ سوال اس امت کے متعلق کرے گا جو جناب محمد رسول اللہ کی بعثت سے قبل خالص امتِ مسیح تھی اور اس نے حضرت مسیح کو ابن اللہ قرار دے رکھا تھا۔ یا اس دوسری امت کی نسبت سوال ہوگا، جو ہوگی تو امتِ محمدیہ، مسیح ناصری کے آنے کے بعد امت مسیح ہو جائے گی اور پھر وفات مسیح کے بعد وہ بھی حضرت مسیح کو ابن اللہ کہنے لگے گی۔ غرض اس قسم کے بہت سے اعتراض ہو سکتے ہیں۔ مگر میرا مقصد اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ نوٹ محولہ کے متعلق تسلی بخش یہ جواب چاہتا ہوں کہ مسیح ناصری کی طرح انطا کیہ والے حواری بھی پھر فرش پر آئیں گے یا نہیں اور ان کی وفات دنیا میں صادر ہوگی یا نہیں۔ اگر وہ بھی وفات پائیں گے تو کب اور کیونکر۔ حضرت مسیح سے قبل یا ساتھ یا بعد میں آسمان سے اتر کر فوت ہوں گے۔ بصراحت جواب دیا جائے اگر وفات نہ ہوگی تو كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ (185:3) میں استثنا کیسا۔

غالباً ہمارے مخاطبوں میں سے کوئی صاحب فرمائیں کہ ہم اس نوٹ کے قائل ہی نہیں یہ بالکل غلط ہے۔ تو بتلایا جائے کبھی کسی وقت کسی عالم نے جو نائب رسول ہونے کا دعویٰ کیا کرتے ہیں اس کو باطل قرار دیا؟ آج 35 سال کا عرصہ اس نسخہ کو شائع ہوئے ہو گیا۔ کوئی بولے کہ میں نے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ آہ! ہرگز نہیں۔ یقیناً اس فقرہ کو اٰمَنَّا وَ صَدَقۡنَا کہا۔ کیونکہ جب صعود مسیح خلاف قدرت الٰہی نہیں تو حواری مسیح کا صعود کیونکر خلاف قدرت ہو سکتا ہے؟

ہمارے غیر احمدی احباب نہ صرف مسیحؑ کو آسمان پر لے جانے کے قائل ہیں، بلکہ حضرت ادریس علیہ السلام کو بھی ایسا ہی باور کرتے ہیں۔اور حضرت خواجہ خضر کو بھی دنیا میں زندہ جاوید تسلیم کرتے ہیں۔ یہ تو دنیا کے متعلق عقیدہ ہے۔ میں نے ایک نظم کا نسخہ مصنفہ شیخ سخاوت حسین سخا میں حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ کی کرامات کے ضمن میں ایک بھاٹ کے متعلق یہ لفظ لکھے ہوئے جو دیکھے کہ یہ شخص حضرت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تو اس نے خواہش کی کہ میرے حق میں زندہ جاوید رہنے کی دعا فرمائی جائے، اور میری خدمت یہ ہو کہ جو حضور کی زیارت کو اجمیر شریف آئے اور راستہ بھول جائے تو میں اس کو دکھلاؤں۔ چنانچہ آپ نے اس کے حق میں دعا کی۔ وہ اب تک زندہ ہے۔مگر عالم کی نگاہ سے پوشیدہ!

میرے خیال میں مسلمانوں میں ایسے فاسد اور بے سروپا عقیدے کئی وجوہ سے پیدا ہوئے۔ کچھ تو یہود اور نصاریٰ کی مروجہ حکایات وصحبت سے متاثر ہوئے اور کچھ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں یہود ونصاریٰ بھی حلقہ بگوش اسلام بکثرت ہوئے تھے۔ان میں اس قسم کی روایتیں موروثی چلی آتی ہیں۔مسلمان ہونے کے بعد بھی ان ہی روایتوں کو باور کیے رہے۔جن کی تقویت حدیثوں سے بھی جستہ جستہ ہوئی، جو مسیح موعود کی بعثت کے متعلق تھیں۔ حالانکہ ان کا مقصد مثیل مسیح سے تھا نہ اصل مسیح کے نزول سے،مگر دل میں ایک موروثی عقیدہ یہ مستحکم ہو رہا تھا کہ مسیح ناصری بالجسم آسمان پر اٹھائے گئے،تو پھر اس پر یہ مستزاد عقیدہ ہو جانا کچھ تعجب نہیں کہ پھر وہی نازل بھی ہوں گے۔ یا ان کو وفات مسیح کے متعلق قرآن پاک میں بالصراحت کوئی آیت نظر نہ آئی اور تدبر وتفکر سے کام نہ لیا اور عیسائیوں کی روایتوں کو سچ سمجھ کر کسی نے تین دن کے بعد زندہ ہو کر آسمان کی طرف صعود کر جانا یقین کر لیا جیسا کہ آج بھی نصرانیوں کا عقیدہ ہے۔اور کسی نے خانہ زندان سے چھت توڑ کر صعود کر جانا باور کیا۔اور مسیحؑ کے عوض دوسرے شخص کو جو قدرت الٰہی سے حضرت مسیح کا ہم شکل ہو گیا تھا،صلیب دیا جانا سمجھ لیا۔اور جو اسلاف میں اہل نظر تھے وہ وفاتِ مسیح کے قائل رہے۔

سب سے زیادہ تمسخر انگیز بات یہ ہے کہ مسیحؑ اور مسیحؑ کے حواری جو آسمان پر اٹھائے گئے ہیں وہ بالکل ایک حالت کے ماتحت ہیں۔یعنی جب قوم کی ہدایت کو مامور ہوئے اور قوم نے ان کے خلاف قتل کی سازش کی تو خداوند عالم نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔مگر اس کے مقابل خاتم الانبیاء محبوب کبریا پر طرح طرح کی مشکلیں پیش کی

جاتی ہیں۔ کفار مکہ آپ کے قتل کے لیے مجتمع ہوکر گھر کا محاصرہ بھی کر لیتے ہیں۔مگر بجائے اس کے کہ آپ کو بھی مسیح ناصری کی طرح اللہ تعالیٰ آسمان پر اٹھالے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں آدھی رات کو غار میں پوشیدہ رہنے کے لیے مجبور ہونا پڑتا ہے۔ غزوات میں آپ کے دندان مبارک شہید کیے جاتے ہیں، پیشانی مبارک زخمی ہوتی ہے، بڑے بڑے رفقاء آنکھوں کے سامنے شہید کیے جاتے ہیں، جاں نثاروں کو گرم ریت پر ہاتھ پیر باندھ کر ڈالا جاتا ہے، مومنہ مستورات کے جسموں میں نیزے مارے جاتے ہیں، حضرت خبیبؓ کو ہیبت ناک مصیبت سے شہید کیا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی سنت رفع الی السماء سے کسی کی بھی جان نہیں بچاتا۔ بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ کی آل کے ساتھ قوم بدترین سلوک میدان کربلا میں کرتی ہے۔ اور پیارے علی اصغر بھی سہام ظلم سے نہیں بچ سکتا ہے۔ کیا یہ مقدس روحیں بنی آدم کی ہدایت کو طرف نہیں بلاتی تھیں جوان پر نزولِ بلا کا دروازہ کھولا گیا۔ اور کسی کو آسمانِ اوّل پر بھی بلا کر ظلم وستم سے محفوظ نہ رکھا گیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے ہی نہیں کہ اس نے ازل سے اب تک کسی انسان کو مادی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھایا ہو۔ اور اگر ہے تو ہمارے نبی عرب محبوبِ رب العالمین نہیں بلکہ حضرت مسیح اور ان کے حواری محبوبیت کے بہت زیادہ مستحق تھے۔ جن کو دشمنانِ حق کے ہاتھوں سے ضائع نہ ہونے دیا۔ بلکہ ایک طرح عیسائیوں کا عقیدہ مسیح کے ابن اللہ ہونے کا بالکل صحیح ہے۔ غیر احمدی احباب خواہ مخواہ ان سے الجھتے ہیں۔ بلکہ میں کہوں گا کہ بظاہر عیسائیوں کے اس عقیدہ سے آنکھ ناک چڑھائیں، مگر رفع الی السماء کے قائل ہوکر باطنی طور سے وہ بھی مسیحؑ کو ابن اللہ باور کیے ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایسا فاسد عقیدہ زمانہ سلف میں کسی منافق مسلمان نے اسلام کو ضعف پہنچانے کے لیے زندہ رکھا ہو اور اس کی تبلیغ سینہ بسینہ کی جاتی رہی ہو۔ حتی کہ ایک عرصہ کے بعد یہ ایک مستقل و مسلمہ عقیدہ بن کر قرآن پاک کی تفاسیر میں شامل کر دیا گیا ہو، جو آج تک باقی ہے۔ اور دائرہ اسلام میں مایہ فساد بنا ہوا ہے۔ جو اس منافق کی کامیابی پر دال ہے۔ اور کلمہ گویان محمدی کے حق میں دیدۂ نم ہمارے دانشمند غیر احمدی علماء کی نظروں سے وہ کیفیتیں پوشیدہ ہیں جو خود حضور خاتم الانبیاء کے زمانہ میں منافق مسلمانوں نے نفسِ اسلام کو صدمہ پہنچانے کے لیے اختیار کیں۔ اور کیا صرف حضرت علیؓ کو نصیری فرقہ نے خدا بنا کر اس امر کی کوشش نہیں کی کہ اسلام میں شرک وکفر کی پراگندگی شامل ہو جائے۔ علیٰ ہذا ایسے ہی ہزاروں باطل

عقیدے منافقین نے نہیں شائع کیے؟ جس نے مسلم دنیا کو 73 کے اعداد میں بانٹ رکھا ہے۔ اور قومیں ان کے حالات سے واقف ہو کر ایک دوسرے کو لڑا رہی ہیں۔

احمدی لوگ جب اس قسم کی بحثیں غیر احمدی علماء کے روبرو پیش کرتے ہیں تو ان کے پاس صرف یہی ایک جواب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جب قادر مطلق مانا جاتا ہے تو یہ کون سی تعجب کی بات ہے کہ مسیح کو بالجسم آسمان پر اٹھالیا گیا ہو۔ بالفرض تھوڑی دیر کے واسطے یہ مان لیا جائے کہ اس کی قدرت سے بعید نہیں مگر خدارا امکان قدرت کا خط اپنے ہی عقیدہ تک کیوں محدود کیا جاتا ہے۔ دو چار قدم اور بھی بڑھایا جائے اور دنیا کی دیگر اقوام میں جو بے سروپا قصے زندہ چلے آرہے ہیں، انہیں بھی صحیح باور کرلیں۔ ہندوؤں میں بہت سی ایسی روایتیں ہیں جن کو تمام مسلمان عجوبہ روزگار باور کرتے اور ان کی تردید کرنے کے لیے دن رات دماغ سوزی کی جارہی ہے اور ہر صورت سے کافر بنایا جاتا ہے۔ یہ امر تو بعید از قدرت ہوا اور وہ ممکنِ قدرت!

قرآن ہی میں یہ بھی بار بار کہا گیا ہے کہ اللہ کی جو سنت قائم ہو چکی، اس کے خلاف کبھی ہوتا ہی نہیں۔ پس ان ہی میں یہ سنت بھی ہے کہ انسان بالجسم آسمان پر کبھی نہیں گیا۔ اگر ایسا ہونا ممکن تھا اور یہ سنت الٰہی قرار پا چکی ہوتی، تو تمام انسان بالجسم آسمان پر جانے کے مستحق تھے۔ دنیا میں موت کے ذائقہ سے کوئی بھی آشنا نہ کیا جاتا۔ اور نہ روئے زمین پر کوئی پیکرِ انسان کی قبر ملتی۔ پھر یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ جب آسمان سے کوئی فوج نازل نہیں کی جاتی وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ(28:36) یعنی اتاری نہیں ہم نے اس کی قوم پر اس کے پیچھے کوئی فوج آسمان سے اور ہم اتارا نہیں کرتے۔ تو اس سے یہ بھی استنباط کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب آسمان سے ایسی فوج، جس کو ہماری آنکھیں دیکھ سکتی نہیں، اتارا کرتا تو ایسی شے بھی آسمان پر نہیں لے جاتا، جو مادی جسم رکھتی ہو، اور جس کو ہمارے حواس خمسہ محسوس کر سکیں۔ بلکہ جو شے آسمان سے نازل ہوتی ہے یا آسمان کو صعود کرتی ہے وہ نہایت لطیف ہوتی ہے۔ جسے کوئی حواس ظاہری محسوس نہیں کر سکتا۔ پس لازم آیا کہ مسیح بالجسم آسمان پر نہیں گئے۔ اور اگر گئے تو اس آیت کی رو سے ان کا نزول محال ہے۔

بعض حضرات امکانِ قدرت کی تائید میں نہیں، بلکہ اپنے عقیدہ کو سچا منوانے کے لیے ایسی ایسی صورتیں پیش کرتے ہیں، جو پیدائش اور تخلیق عالم کے متعلق گاہ بگاہ ظہور میں آتی ہیں۔ مثلاً بعض بچے مسخ صورتوں

میں پیدا ہوتے ہیں۔بعض کے منہ خنزیر اور ہاتھی یا بندر کے مشابہ ہوتے ہیں۔بعض کے دو ہاتھوں کی بجائے چار یا ایک ہی ہوتا ہے۔مگرانہیں خبر نہیں۔اس کی نسبت تو خود اِلٰهُ الْعٰلَمِیْنَ اپنے کلام معجز نظام میں ارشادفرما چکا ہے اوران کی حقیقت سے بے خبر رہنے والوں کو خبر دار بنانا چاہتا ہے۔دیکھوسورہ یٰسٓ کی یہ آیت سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ (36:36) یعنی بے عیب (ذات) ہے جس نے جوڑے پیدا کیےاس سے جو زمین اُگاتی ہےاوران کی اپنی جانوں سےاوراس سے جو وہ نہیں جانتے۔

مسلمانوں کے لیے یہ بڑا سبق ہے کہ وہ اس پرغور وفکر کرتے توان کوتخلیق عالم کے عجائبات پرعش عش کرنے کا موقعہ نصیب ہوتا۔صرف امکانِ قدرت کا اقبال کر لینا عالم قدرت نہیں بنا سکتا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ گونا گوں رنگ میں مخلوق کا پیدا ہونا تو خلاف سنت الٰہیہ ہرگزنہیں،مگراس کوآسمان پر بالجسم جانے سےنسبت ہی کیا۔لیکن سچ تو یہ ہے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ (6:36) یعنی تاکہ اُن لوگوں کو ڈرائے، جن کے باپ دادانہیں ڈرائے گئے۔سو وہ غافل ہیں۔غیر احمدی حضرات کا بالکل یہی نقشہ ہے کہ ان کے آباؤاجداد نے تو مسیحؑ کی وفات کا ذکر سنا ہی نہیں اور نہ اس قسم کے کبھی چرچے ہوئے۔اگر اسلام میں سے کسی اہل بصیرت نے مسیحؑ کی وفات کوتسلیم بھی کیا تو اس کی تبلیغ لا حاصل سمجھی گئی۔کیونکہ ضرورت نہ تھی۔لہٰذا لوگوں کے کان نا آشنا رہے۔اور وہی روزمرہ کا عقیدہ، جو کسی نے عامتہ المسلمین میں رواج دے دیا تھا،موروثی طور سے چلا آیا۔ اب جبکہ وقت آیا اور مثیل مسیح کی بعثت ہوئی تو اس کا بطلان بھی ضروری ہوا۔مگر جو بات کئی صدیوں سے دلوں میں نقش کالحجر ہو چکی تھی وہ کیونکر مٹتی۔لہٰذا اعراض کیا گیا۔مگر دل اس کے دل لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (7:36) سے بے خبر ہیں اور اپنے زعم باطل کی بنا پر بالکل اس متکبرانہ صورت میں سرکشیدہ پھر رہے ہیں۔ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ. وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (36:8-9) حقیقت سے ان کا اعراض کرنا ایک تکبر ہے۔اور سرکشیدہ رہنا گردن میں طوق لعنت کا پڑ جانا ایک قدرتی سزا ہے۔سچائی کو سچائی جان کر قبول نہ کرنا ایک ایسا قید خانہ ہے جو مستحکم دیواروں سے گھرا ہوا اور اوپر سے ڈھکا ہوا ہے۔جس میں سوائے ظلمت کے کچھ سجھائی ہی

نہیں دیتا۔ یہ وہ شے ہے جو ان کے عقیدہ نے قائم کر رکھی ہے۔ اَللّٰھُمَّ احۡفِظۡنَا.

میں ان فتاوٰی نویسوں کے حال پر بے حد تعجب کرتا ہوں جو اہل اللہ کے کسی ادعائے حق کے مقابل میں تو فوراً کفر کا اعلان کر دیتے ہیں، مگر اہل دنیا کی مغرور و جابر ہستیوں کو خود ویسا بنانے میں ذرا باک نہیں کرتے۔ حضرت مرزا صاحب نے مثیل مسیح یا ظِلّ رسول کریم ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ غُرفِش کہ چاروں طرف سے کفر کے فتووں کی بوچھاڑ ہوئی مگر شاہان اسلام کو ظل اللہ بنانے میں کبھی علماء نے زبان قلم کو نہ روکا۔ دیکھئے کتب تواریخ۔کوئی ظل سجانی ہے، کسی کو ظل اللہ کہا گیا ہے۔ وجہ اس دورنگی کی صرف یہ تھی کہ بادشاہ تو ایسے خوشامدیوں کو مالا مال کر دیتے تھے۔ اور حضرت مرزا صاحب کو اگر ظلی نبی باور کیا جاتا تو کیا مل جاتا؟ اور زہد و تقویٰ کی فکر ان کو لگ جاتی اور اپنی آزادی میں فرق آتا۔ چونکہ اب تو سینکڑوں جاہلوں پر اپنی فضیلت کے اثر سے حکومت کر رہے ہیں اور ایک دوسرے کو ذرا ذرا سی بات پر کافر بنا رہے ہیں۔ خدا رحم فرمائے ایسے لوگوں پر اور انہیں چشم بصیرت عطا کرے۔ تا کہ اسلام کا بول بالا ہو۔ آمین ثم آمین

16 جون 1918ء

مکتوب امیر

دعا کی درخواست

احباب کی خاص توجہ کے قابل

اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَیَجۡعَلُکُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ. (62:27)

ترجمہ: ’’بھلا کون بے قرار کی فریاد کو پہنچتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں حاکم بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود ہے۔ تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔‘‘

برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

قرآن کریم نے ہم کو یہ وعدہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مضطر کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور دکھ اور تکلیف کو دور فرماتا ہے۔ اور اس ماہ مبارک رمضان کے ذکر میں **اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ** (60:40) فرما کر یہ بھی جتا دیا ہے کہ یہ مہینہ خاص طور پر دعاؤں کی قبولیت کا مہینہ ہے۔ کیونکہ اس مہینہ میں مسلمان ایک عظیم الشان مجاہدہ میں مصروف ہوتا ہے۔ پس میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر انسان واقعی حالت اضطرار میں، اور پھر خدا پر کامل ایمان رکھتا ہوا، اس ماہ میں دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرے گا۔ میرے احباب بھی بعض وقت اپنی کسی مشکل یا معاملہ میں مجھے دعا کے لیے لکھتے ہیں۔ تو مجھے ایک گونہ خوشی ہوتی ہے کہ میں اپنے کسی بھائی کا کچھ کام ہی کر سکوں۔ اگرچہ وہ دعا کے رنگ میں ہی ہو۔ تاہم میں اس بات کا قائل نہیں کہ ایک خاص شخص کسی جماعت میں دعا کرنے کے لیے چاہیئے۔ اور جب کسی کو دکھ یا تکلیف ہو تو وہ فوراً اسے خط لکھ کر یہ سمجھ لے کہ بس اب کام بن گیا!

یہ ایک قسم کا چھپا ہوا شرک ہے کہ کسی کی دعا پر اس قدر بھروسہ کیا جائے کہ اس سے فوراً کوئی کام ہو جاتا ہے۔ ہاں! یہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک بھائی جہاں دوسرے بھائی سے کسی قسم کی ہمدردی کر سکتا ہے تو ایک رنگ ہمدردی کا دعا بھی ہے۔ اور جس شخص کو یہ موقعہ ملے کہ وہ اپنے کسی بھائی کے لیے غائبانہ دعا کرے وہ بہت خوش رہتا ہے اور ایسی دعا کو اللہ تعالیٰ قبول بھی فرماتا ہے۔ میں بھی ہمیشہ، بالخصوص ماہ رمضان میں، اپنے بھائیوں کے لیے غائبانہ دعا کرنے کا عادی ہوں۔ جس کا ان میں سے کسی کو علم بھی نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان، جو خدا کی درگاہ میں تمام نوع انسانی سے بڑھ کر پسندیدہ اور برگزیدہ انسان ہے، آپ بھی دعا کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو جب ایک سفر پیش آیا، تو آپ نے حضرت عمرؓ سے یوں فرمایا: لَا تَنْسَانِیْ فِیْ دُعَائِکَ یَا اَخِی. اے بھائی! اپنی دعاؤں میں ہم کو نہ بھولنا۔ پس اگر میرا کوئی دوست مجھے اپنی تکلیف میں دعا کے لیے لکھے تو میں اس تعلق اخوت کی بنا پر، جو اس سلسلہ کے سب بھائیوں میں ہے، دعا کرنا حتی الوسع اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

اب اس موقعہ پر میں بھی اپنی ایک مشکل کو اپنے بھائیوں کے سامنے پیش کرتا ہوں اور ان سے دعا کی امداد چاہتا ہوں۔ اور میں خصوصیت سے اس ماہ کے شروع میں ہی یہ درخواست پیش کرتا ہوں کہ میرے بھائیوں کو اس مبارک ماہ میں ایک ماہ تک اس دعا کرنے کا موقعہ ملے۔ حالت اضطرار کا پیدا کرنا تو انسان کے اپنے اختیار میں نہیں۔ لیکن چونکہ جس امر کے لیے میں دعا کی التجا کرتا ہوں، وہ صرف میرا ہی محبوب امر نہیں بلکہ ہم سب بھائیوں کا یکساں محبوب امر ہے۔ اس لیے کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض قلوب میں حالتِ اضطرار پیدا کر دے۔

وہ امر، جس کے لیے میں اپنے احباب سے دعا چاہتا ہوں، وہ اصل میں ایک ہی امر کی دو شاخیں ہے۔ **الاھم فالاھم**۔ ان میں سے پہلی بات تو خود اسلام کی بیکسی اور مصیبت ہے۔ اس بیکسی اور مصیبت کے وقت میں ایک شخص نے بارگاہ الٰہی میں گریہ زاری کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو سنا اور بہت سے سامان اسلام کی بہتری کے پیدا کر دیئے۔ مگر اسلام کی خدمت کا وہی کام، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے مبعوث کیا، یہ برگزیدہ خدا بطور امانت اپنی جماعت کے سپرد کر گیا ہے۔ اور اس لیے جو جوش اللہ تعالیٰ نے اسے دیا تھا، وہی ہمیں اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جس طرح اس نے گریہ ہائے شبانہ سے اس دین کی آبیاری کی، وہی

کیفیت ہمیں اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے، ورنہ ہم اس امانت کے اہل نہیں ہو سکتے۔ اگر اپنے ایک عزیز بچہ کی بیماری پر یا ایک شفیق ماں یا باپ یا بھائی کی تکلیف پر ہمارے قلوب میں اضطرار پیدا ہوتا ہے۔ اگر اپنی ایک ذاتی مصیبت میں ہم خدا کے سامنے روتے ہیں، تو یاد رکھو کہ اس سے بڑھ کر ہمارے دلوں میں دینِ حق کی بیماری اور بیکسی کو دیکھ کر اضطرار پیدا ہونا چاہئے۔ اور اپنی مصیبت سے بہت بڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کی مصیبت پر ہماری آنکھیں پُرنم ہونی چاہئیں۔

برادران! میں آپ سے اس نام کا واسطہ دے کر درد دل سے دعا کی التجا کرتا ہوں، جس نے یہ قطعی حکم لگا دیا ہے کہ لَايُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں بنتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ پھر اُس نام کا واسطہ دے کر التجا کرتا ہوں جو ہم سب سے یہ عہد لے چکا ہے، کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے، کہ یہ وقت اسلام کی کامیابیوں کے لیے اور اسلام کی زندگی کے لیے دعاؤں کا ہے۔ اور اگر زیادہ نہیں تو کم از کم اس ایک ماہ میں یا اگر اس تحریر کے آپ تک پہنچنے میں اس سے بھی تھوڑا وقت رہ گیا ہے تو اس تھوڑے سے وقت میں اپنے آپ کو اسلام اور مسلمانوں کے لیے دعا میں لگا دیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر اس پاک ماہ میں ایک جماعت کی طرف سے ایک ہی وقت میں درد دِل سے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھیں، تو ضرور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کوئی سامان پیدا کر دے گا، جو اسلام کے مصائب کو دور کرنے والے ہوں۔

دوسری بات، جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہمارے سلسلہ پر بھی ایک مصیبت ہے۔ ہمارے بھائی غلو اور افراط میں بہت دور نکل گئے ہیں اور اپنے فرائض کو آہستہ آہستہ دینِ اسلام سے ہی الگ کرتے چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر دینِ اسلام سے کیا علیحدگی ہوسکتی ہے کہ یہ یقین رکھا جائے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اب اسلام میں داخل ہونے کے لیے کافی نہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ جس راہ پر ہمارے ان غالی بھائیوں نے قدم رکھا ہے اس کا نتیجہ آہستہ آہستہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ ایک نیا کلمہ اور نیا دین بنے۔ ہم نے ان پر اتمام حجت کے لیے کتابیں بھی لکھیں اور ان کو توجہ بھی دلائی۔ مگر افسوس کہ ان کو یہ ہدایت ہوئی کہ ان کتابوں کو مت پڑھو، ان دلائل کو مت دیکھو۔ انہوں نے اپنے دلوں کے دروازے بند

کر لیے اور نہ سوچا کہ یہ کن لوگوں کی راہ ہے، جن پر وہ قدم مار رہے ہیں۔

میں تو اب بھی اپنے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان کی کتابوں کو پڑھو۔ اور اگر حق ان کے پاس ہے تو بیشک لو۔ کاش! وہ بھی اتنی جرأت ایمانی دکھا کر اپنے مریدین کو ہماری کتابیں پڑھنے کی ہدایت کرتے۔ بلکہ خود بھی پڑھتے۔ بہرحال اب ہمارے پاس دوسرا ہتھیار یہی ہے کہ بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو کھولے۔ یہ باتیں بڑی صاف ہیں اور ایک خفیف سا پردہ اٹھ جانے سے حقیقت ان پر منکشف ہو سکتی ہے۔ پس اب اللہ تعالیٰ سے ہماری یہ دعا ہے کہ وہ ان لوگوں کے دلوں پر سے اس پردہ کو دور کرے۔

دعا کے لیے بہترین وقت پچھلی رات ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تہجد کی پابندی بہت زیادہ اختیار فرمایا کرتے تھے اور یہی اصلی نماز تراویح ہے۔ پس چونکہ میری غرض یہ ہے کہ ہم بغیر اکٹھے ہوئے بھی بارگاہ الٰہی میں اکٹھے ہاتھ اٹھا سکیں، اس لیے اس درخواست دعا کے ساتھ یہ بھی ضرورت ہے کہ ہمارے وہ احباب، جو اس میں شامل ہوں، دو بجے سے تین بجے، سوا تین بجے تک تہجد میں گزاریں۔ یعنی سحری کھانے سے پہلے نماز تہجد ادا کریں اور نماز تہجد میں ان دونوں امور کے لیے دعا کریں۔ قرآن کریم نے خود بہت سی دعائیں سکھائی ہیں۔ سورہ البقرہ کی آخری آیت ایک نہایت ہی لطیف دعا ہے۔ اور بھی بہت سی دعائیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ احادیث میں بھی دعائیں آئی ہیں۔ ماثورہ دعائیں قرآنی دعاؤں کے بعد سب سے افضل ہیں۔ پھر اپنی زبان میں دعائیں کریں۔ اب میں اس درخواست کو ایک دعا پر ہی ختم کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ کم از کم چالیس دوست ضرور یہ پختہ عہد اس ایک ماہ کے لیے کر لیں۔ اَللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (26:3) اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ . والسلام

محمد علی

2 رمضان

16 جون 1918ء

کلام امجد

احمدی قوم میں فتنہ نہ جگائے کوئی

کوچۂ غیر میں بھولے سے نہ جائے کوئی　　بتِ بے پیر سے الفت نہ لگائے کوئی
درِ اغیار پہ بندے نہ کبھی بھی جائیں　　منزلِ یار اگر ان کو دکھائے کوئی
مرغِ دل پھر تو پھنسے دام میں آسانی سے　　حُسن و اِحسان سرِ بام جو لائے کوئی
خوبیٔ یار کا نقشہ جو کہیں دل پہ جمے　　کس میں طاقت ہے جو وہ نقش مٹائے کوئی
سرِ سرکش بھی خدا ہی تو جھکا دیتا ہے　　اس کے آگے سرِ طاعت بھی جھکائے کوئی
اس میں غیرت نہیں، ہے شرم وحیا کا دشمن　　الفتِ حق سے جو دل اپنا پھرائے کوئی
ظلمتِ کفر سے دل صاف اسی کا ہوگا　　نورِ اسلام جو سینہ میں بسائے کوئی
آبِ حیواں کی اسے پھر تو ضرورت نہ رہے　　جامِ اسلام اگر منہ سے لگائے کوئی
جز محمدؐ کے نبی کوئی نہیں ہے اپنا　　جو تھا مُنذِر [1] اسے مُرسَل [2] نہ بنائے کوئی
فخر سمجھے تھے غلامی میں غلامِ احمد　　ان کو آقا نہ ہمیں آکے بتائے کوئی
ظلِّ احمدؐ کبھی احمدؐ بھلا ہو سکتا ہے　　پہلی باتیں نہ عبث ہم کو سنائے کوئی

2, 1 اشارہ ہے حضرت امام زمان کے اس شعر کی طرف۔

من نیستم رسول ونیاوردہ ام کتاب　　ہاں ملہم استم زخداوند منذرم

صفت وموصوف کے جھگڑے ہیں عبث، اے ہمدم ایسی باتوں میں نہ اب وقت گنوائے کوئی
اصل احمدؐ ہے، مسیحا ہے فقط ظلِّ نبی احمدی قوم میں فتنہ نہ جگائے کوئی
شرک وبدعت میں پھنسے جو خدا کے بندے ان کو اس قعرؔ سے لازم ہے چھڑائے کوئی
نظر انداز وصیت کو نہ کرے ہرگز اس میں جو کچھ ہے، اسے بھول نہ جائے کوئی
دین کی خدمت کی ہے تاکید، تو اس سے نہ پھرے اس کی خدمت سے نہ جی اپنا چرائے کوئی
مال وزر سے کرو، اور جان سے دین کی خدمت خوب ہو، سب کو جو یہ راگ سنائے کوئی
در پہ مولیٰ کے گرو، پیر کے در پر نہ گرو پیر و مرشد کو نہ بت اپنا بنائے کوئی
دل لگایا ہے فقط ایک خدا سے، بنے بت کی صورت نہ میرے سامنے لائے کوئی
اس حکایت میں مزا قند مکرر کا ملے داستاں یار کی امجدؔ جو سنائے کوئی

❁❁❁

23جون1918ء

مکتوبات حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

ذیل میں حضرت امیر ایّد اللہ کے بعض خطوط درج کیے جاتے ہیں۔ جو آپ نے دیر ہوئی، ایک دوست کے سوالات کے جواب میں لکھے تھے۔ ان میں مسئلہ نبوت مسیح موعود اور مسئلہ کفر و اسلام وغیرہ کے متعلق محمودی خیالات پر نہایت مختصر اور ایسے جامع الفاظ میں آپ نے تنقید کی ہے کہ تمام بحث کا فیصلہ ہی کر دیا ہے۔ بعض ایسے الفاظ، جو ہمارے موضوع سے متعلق نہ تھے، ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ایڈیٹر)

اخویم شیخ صاحب۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

.... جو تخیلات آپ نے سعدیؒ کی گفتگو سے اخذ کیے، یہ مذبوحی حرکات ان لوگوں کی ہیں۔ 5 نومبر 1901ء کو تاریخ نبوت رکھتے رکھتے اب لگے ''اربعین'' سے استدلال کرنے۔ جو 15 دسمبر 1900ء کو یعنی جو چند ماہ پیشتر کی شائع شدہ ہے۔ آخر کچھ تو ان کو خدا کا خوف دلائیں کہ کوئی تمہارا اصول بھی ہے۔ ایک طرف کہتے ہو 1901ء سے پہلے حضرت صاحب اپنے آپ کو نبی نہ سمجھتے تھے، دوسری طرف 1900ء کی کتاب سے نبوت کا ثبوت دیتے ہو۔ پھر ''اربعین'' میں جس نبوت کا ذکر ہے، اس کی حقیقت تو حصہ سوم کے صفحہ 25 کے حاشیہ کی ایک ہی سطر واضح کر دیتی ہے:

''میری نسبت جو کلامِ الٰہی میں رسول اور نبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ یہ رسول اور نبی اللہ ہے۔ یہ اطلاق مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے۔ کیونکہ جو شخص خدا سے براہ راست وحی پاتا ہے اور یقینی طور پر خدا اس سے مکالمہ کرتا ہے جیسا کہ نبیوں سے کیا۔ اس پر رسول اور نبی کا لفظ بولنا غیر موزوں نہیں۔ بلکہ یہ نہایت فصیح استعارہ ہے...... اور بعض نبیوں کی کتابوں میں میری نسبت بطور استعارہ فرشتہ کا لفظ آ گیا ہے۔''

اب میں تو حیران ہوتا ہوں اور بے اختیار طبیعت بول اٹھتی ہے اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ (78:11) دنیا کی آنکھوں میں کس طرح مٹی ڈالتے ہیں۔ اگر نبی کا لفظ بطور مجاز اور استعارہ ہے تو فرشتہ کا لفظ بھی بطور مجاز اور استعارہ ہے۔ اب کیا فرشتہ بھی حقیقی معنوں میں مرزا صاحب تھے۔ ایک قدم اور آگے اٹھاؤ وہیں لکھا ہے: دانیال نے میرا نام میکائیل رکھا ہے اور اس کے معنی ہیں خدا کی مانند۔ خدا جانے ان لوگوں کو کیا ہو گیا۔ کیوں دیدہ و دانستہ حق پر پردہ ڈالتے ہیں اور دنیا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ یا کیوں صاف طور پر نہیں کہتے کہ مرزا صاحب خدا تھے۔ تا آخری مرحلہ پر، جسے اگلی نسل نے طے کرنا ہے، ابھی پہنچ جائیں۔ 23 برس کی مدت نبوت اور رسالت کے لیے ہے یا مجدد اور مامور من اللہ کے لیے بھی۔ خود ''اربعین'' پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب نے اسے ہر مامور من اللہ پر رکھا ہے۔ دیکھو نمبر 3 صفحہ 19 ''سچا نبی یا سچا رسول یا خدا کی طرف سے سچا مصلح اور مجدد ہے۔'' صفحہ 20 ''کوئی شخص اس کو نبی یا رسول یا مامور من اللہ نہیں سمجھتا۔''

اسی قسم کے بہتیرے حوالے ''اربعین'' سے آپ کو مل جائیں گے جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مامور من اللہ پر اسے لگایا ہے۔ اب قیاس کو کیا کریں جب الفاظ صریح اس کے خلاف ہیں۔ پس جہاں اپنے لیے ''اربعین'' میں نبوت اور رسالت کا لفظ استعمال کیا ہے، وہ حقیقت کے رنگ میں نہیں، بلکہ مجاز اور استعارہ کے رنگ میں ہے۔ اور مجازی نبوت کے جو معنے یہ لوگ کیا کرتے ہیں، اس سے مراد حقیقی بالواسطہ نبوت ہے۔ جس کی ضد میں ایک بھی قول مرزا صاحب کا یا دنیا کے کسی عالم کا پیش نہیں کر سکتے۔ اس کے معنی بھی خود حضرت صاحب نے یہاں واضح کر کے اس کے جھوٹ کو ظاہر کر دیا۔ جس طرح مجاز اور استعارہ کے طور پر آپ نبی ہیں، اسی طرح استعارہ کے رنگ میں آپ فرشتہ بھی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ استعارہ اور مجاز سے وہی مراد ہے جو کل دنیا مراد لیا کرتی ہے نہ کہ سعدی یا میاں صاحب کے مجوزہ معنی!

اسی طرح ''اربعین'' نمبر 4 میں خود وحی نبوت کا لفظ ہے۔ وہ بھی اسی استعارہ اور مجاز کے ماتحت استعمال ہوا ہے۔ جب ایک مقنن خود ایک لفظ کے معنی بتا دیتا ہے کہ میں اس کو فلاں معنی میں استعمال کروں گا تو اب کسی کا کیا حق ہے کہ کسی اور معنے میں استعمال کرے! یہ ایک سیدھی سی بات ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کیوں اس قدر پیچ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دوسرے وہاں اپنا ذکر نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کا ذکر ہے۔ جن کی

طرف نبوت کا دعویٰ منسوب کیا جاتا ہے۔

............خاتم النبیین کی تفسیر بار بار کیوں کی؟ اس لیے کہ لوگ الہام الٰہی کا دروازہ بند سمجھتے تھے۔ خاتم النبیین کی بحث جہاں کی ہے، وہاں صاف ساری امت میں اس قسم کی نبوت کا ہونا مانا ہے۔ حالانکہ اگر اپنے لیے خاص قسم کی نبوت کا ادعا ہوتا تو یہ آیت بے محل ٹھہرتی۔ چنانچہ خاتم النبیّن کی بحث سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ان النَّبِیّن میں شامل کیا ہے جو اس امت میں ہو سکتے ہیں۔ ورنہ قرآنی آیت یوں ہوتی خاتم المسیح الموعود کہ مسیح موعود اس کی مہر سے نبی ہوگا، نہ کہ ساری امت۔

نمبر 4۔ ''چشمۂ معرفت'' میں دوسرے اقوال بھی موجود ہیں۔ جن کے حوالے آپ کے پاس موجود ہیں۔ قرنا ان معنوں میں اپنے آپ کہا۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح پر دوسرے مجددین کو انبیاء کے گروہ میں داخل کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ آپ کی نبوت حقیقی تھی، مجازی نہ تھی۔ ''ضرورۃ الامام'' کو پڑھ کر دیکھ لیں۔ وہاں ہر رسول، نبی اور مجدد کو امام الزمان کہا ہے۔ اور پھر بار ہا لکھا ہے کہ محدث من وجہ نبی ہوتا ہے۔ پس اگر اپنے آپ کو انبیاء میں داخل کیا ہے، تو اسی طرح سے دوسرے مجددین کو بھی داخل کیا ہے۔ یہ نرالی منطق ہے کہ اپنے آپ کو کسی وجہ پر گروہ انبیاء میں شامل کیا ہے تو آپ حقیقی نبی بھی بن گئے۔ **صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ** (6:1) کی تفسیر میں **اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ** (69:4) پیش کر کے سارے منعم **عَلَیۡهِمۡ** کو انبیاء کے گروہ میں شامل کیا ہے۔ کیا سارے منعم **عَلَیۡهِمۡ** حقیقی معنوں میں نبی ہوتے ہیں؟ اس قسم کے اشتراک ہمیشہ من وجہ ہوتے ہیں، نہ من کل الوجوہ۔ اور پھر وہاں قرنا کے معنی خود صفحہ 77 پر کر دیئے ہیں۔ ''یعنی قرنا جن کے دلوں میں وہ اپنی آواز پھونکتا ہے۔'' تو کیا مجددوں کے دلوں میں اور اولیاء کے دلوں میں وہ اپنی آواز نہیں پھونکتا؟

نمبر 5۔ کسی چیز کے کسی امر کے منافی نہ ہونے سے وہ بات ثابت نہیں ہو جاتی۔ نبی کا بروز ہونا منافی نبوت نہیں۔ تو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جو بروز کسی نبی کا ہو وہ نبی ہوتا ہے۔ یوں تو اولیائے امت سب کو کسی نہ کسی نبی کا بروز کہا ہے۔ پس کیا یہ سارے اولیاء نبی تھے۔ پھر اسی ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں تو یہ بھی مانا ہے کہ بروز ہزاروں ہو سکتے ہیں۔ بلکہ کئی جگہ اولیاء اللہ کو بروز انبیاء کہا ہے۔

نمبر 6 ''تحفہ گولڑویہ'' سے بھی سوائے اس کے کچھ ثابت نہ ہوا کہ بروز نبی کا نبی بھی ہوسکتا ہے اور غیر نبی بھی۔ پھر تحفہ گولڑویہ دوسرا ایڈیشن صفحہ 98 پر اپنا مرتبہ ولایت لکھا ہے۔ حاشیہ میں پھر لکھا ہے کہ مسیح موعود مجدد دانہ حیثیت اور لوازم میں عیسٰی کے مانند ہے (نہ نبوت میں)۔ پھر ضمیمہ صفحہ 24 پر رسول اور نبی کے لفظ کو مجاز اور استعارہ مانا ہے۔ غرض بروز کے مسئلہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی کا بروز نبی بھی ہوسکتا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نبی کا بروز نبی ہوتا ہے۔ جبکہ غیر نبیوں کو بھی صاف طور پر انبیاء کا بروز لکھا ہے۔ والسلام۔

خاکسار **محمد علی**

☆☆☆

اخویم شیخ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

.... ہر ایک قانون میں کچھ اصطلاحات ہوتی ہیں۔ جن کے معنی خود واضعان قانون شروع میں بیان کر دیا کرتے ہیں۔ ان اصطلاحات کے معانی سے باہر جانا خلاف منشاء قانون ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے جب دعویٰ مسیح موعود کیا تو ساتھ ہی اپنے لیے ایک قسم کی نبوت کا ادعا کیا۔ اور نبوت کی دو تقسیمیں کر کے کامل نبوت کا دروازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ کے لیے مفقود اور جزئی نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے اس امت میں کھلا بتایا۔ اپنے لیے جزئی کا اقرار اور کامل نبوت کا انکار کیا اور اپنی نبوت کی تشریح یوں کر دی کہ میں بھی نبی کہلاتا ہوں، مگر ان معنوں میں۔ یہی بات وہ برابر کئی سال تک کہتے رہے۔ حالانکہ اس کا ایک دفعہ بھی لکھ دینا کافی تھا۔ پس آخری تحریروں میں، جہاں ہم لفظ نبی پائیں گے، ابتدائی تحریروں کی رو سے ہم مجبور ہیں کہ اس لفظ نبی کو اس تعریف کے ماتحت سمجھیں اور اس سے باہر نہ نکلیں۔ جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے، اس کو تین باتوں میں سے ایک بات ثابت کرنی چاہئے۔

اول: حضرت صاحب نے کہیں لکھا ہو کہ پہلے جو میں نے جزئی اور کامل دو قسم کی نبوت کہی تھی وہ غلط ہے۔ نبوت صرف ایک ہی قسم ہے۔

دوم: یا تقسیم تو صحیح ہے۔ مگر کامل نبوت ختم نہیں ہوئی۔ وہ بھی چلتی ہے اور جزئی بھی۔

سوم: یا نبوت دو ہی قسم ہے۔ اور کامل نبوت بند اور جزئی کھلی ہے مگر میں مستثنیٰ ہوں۔ میری نبوت کامل ہے یا میری نبوت جزئی نہیں۔

جب تک ان تین باتوں میں سے ایک بات ایسے کھلے اور واضح اور صاف الفاظ میں مرزا صاحب کی تحریروں سے ثابت نہ کرائی جائے، اس وقت تک یہ ماننا پڑے گا کہ خواہ ایک لاکھ مرتبہ بھی نبی کا لفظ استعمال کیا، انہی معنوں میں استعمال کیا۔............والسلام۔

خاکسار محمد علی

☆☆☆

مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

............ہم پر یہ الزام جھوٹا ہے کہ ہم مرتبہ کو کم کرتے ہیں۔ حضرت صاحب نے خود اپنے آپ کو مجددین میں لکھا ہے اور مجددین کو ظلی رنگ میں نبی کہا ہے۔ پس آپ کی ظلی نبوت اگر چہ دوسرے مجددین کی ظلی نبوت سے اتم اور افضل ہو، مگر ہے وہ مجددیت والی نبوت۔ اس بات کا بحث سے پہلے ہر جگہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ظلی نبوت میں بھی اسی طرح مراتب ہیں، جس طرح اصلی نبوت میں ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود کو مجددین پر فضیلت ہونا ہم یقین کرتے ہیں۔ لیکن ایسی فضیلت سے نبوت کی نوعیت کا بدل جانا ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ اور نہ صرف ختم نبوت پر اس کا حملہ ہے، بلکہ خود سلسلہ کی بھی بیخ کنی ہوتی ہے۔ اور وہ بات، جو دشمن حضرت مسیح موعود کے خلاف کہا کرتے تھے، اور آپ لعنت بہ مؤکد قسمیں کھا کر اس کا انکار کرتے رہے، آج وہ قادیان سے آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ کم از کم وہ یعنی (مریدین میاں صاحب) ہماری تحریروں کو پڑھیں اور خواہ مخواہ ہمیں شریر اور منافق سمجھ کر اپنے آپ کو جوابدہی میں نہ ڈالیں۔ کسی کی بیعت اگر کرتے ہیں تو اس بات کو یاد رکھیں کہ بیعت صرف اس غرض کے لیے کی جاتی ہے، جس کا ذکر حضرت مسیح موعود نے خود اپنی کتاب ''ضرورۃ الامام'' صفحہ 37 پر بدیں الفاظ کیا ہے۔

''سو بیعت سے غرض یہ ہے کہ بیعت کرنے والا اپنے نفس کو مع اس کے تمام لوازم کے

ایک رہبر کے ہاتھ میں اس غرض سے بیچے کہ تا اس کے عوض میں وہ معارفِ حقہ اور برکاتِ کاملہ حاصل کرے، جو موجب معرفت اور نجات اور رضامندی باری تعالیٰ ہوں۔''

مگر جہاں اس شخص کا، جسے مرشد تجویز کیا جاتا ہے، عقیدہ ہی سرے سے غلط ہے، تو معرفت اور رضامندی باری تعالیٰ کس طرح سے حاصل ہوسکتی ہے؟ پھر اس طرح پر تو ہر ایک پیر کی بیعت کرنے والا حق پر قرار دیا جاسکتا ہے۔ احمدیوں کو ان کی ذمہ داری سمجھائیں کہ اگر سلسلہ غلط عقائد پر قائم ہوگیا، تو مسیحیت کی نظیر ان کے سامنے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ملزم ہوں گے۔ اگر انہوں نے عقائد حقہ کو قائم کرنے میں پورا زور نہ لگایا۔ والسلام۔

خاکسار محمد علی

☆☆☆

26 جون 1918ء

مکرمی ...... صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حقیقۃ الوحی صفحہ 171 پہلی سطر میں اور 172 پانچویں سطر میں حضرت مسیح موعود نے یہ اصول باندھا ہے کہ اگر قلیل کثیر سے بظاہر مخالف ہو تو قلیل کو کثیر کے تابع کرنا چاہئے۔

''یعنی اگر بالفرض وہ دو تین آیتیں ان صدہا آیتوں کے مخالف ہوتیں تب بھی چاہئے تھا کہ قلیل کو کثیر کے تابع کیا جاتا۔''

پس اس اصول کو مرزا صاحب کی اپنی تحریروں میں برتنا چاہئے۔ مرزا صاحب نے کہیں نہیں کہا کہ میری فلاں تحریریں منسوخ ہیں۔ جب تک پہلے مرزا صاحب کی تحریر نہ دکھائی جائے کہ میری فلاں سال تک کی تحریریں منسوخ ہیں، اس وقت تک منسوخی کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور قلیل کو کثیر کے تابع کرنا پڑے گا۔ خواہ وہ قلیل کثیر کا مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

اب ''حقیقۃ الوحی'' کو ہی دیکھو۔ صفحہ 11 دوسرا پیرا:-

''صحابہؓ کے زمانہ سے ہمارے اس زمانہ تک تمام اسلامی مؤرخوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلام کی حقیقت یہی ہے کہ جب ایک شخص خدائے تعالیٰ کو واحد لاشریک سمجھتا ہے، ایسا ہی اس کے لیے ضروری ہے کہ آنحضرت کی نبوت پر ایمان لائے۔''

یہاں اپنا ذکر کوئی نہیں۔ صفحہ 111 دوسرا پیرا:

'' تمام نبی یہی سکھانے آئے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کو واحد لاشریک مانو اور ساتھ اس کے ہماری رسالت پر بھی ایمان لاؤ...... اسی وجہ سے اسلامی تعلیم کا ان دو فقروں میں خلاصہ تمام امت کو سکھایا گیا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ.''

اب ایک تو اسے اسلامی تعلیم کا خلاصہ کہا ہے۔ دوسرے معلوم ہوا کہ اگر مرزا صاحب اپنی رسالت منواتے تو ضرور تھا کہ محمد رسول اللہ کی طرح اپنا کلمہ بھی سکھاتے۔ صفحہ 120 پر لکھا ہے کہ ''ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی۔''

حالانکہ اگر تکفیر دعویٰ کا نتیجہ ہے تو لازماً سبقت مرزا صاحب کی طرف سے چاہیے۔

صفحہ 124 آخری سے پہلی سطر۔

''اس وقت کے نبی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''

صفحہ 125 سے شروع کر کے سولہ آیات قرآنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے متعلق پیش کی ہیں۔ ان میں سے اپنے اوپر کوئی آیت نہیں لگائی۔

صفحہ 133۔ ''نجات پانا صرف اسی بات میں منحصر کر دیا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لائیں۔ اور اس کی بندگی کریں۔''

اب عیسیٰؑ کی کتاب انجیل ہے۔مگر مرزا صاحب کی کوئی کتاب نہیں۔جس کی کتاب نہیں وہ رسول کیسا! اور بہر حال منحصر نجات کتابوں پر ایمان لانے پر ہے۔مرزا صاحب کی کتاب پیش کریں!

پھر صفحہ 180و181 کو غور سے پڑھیں۔تو گویا وہاں اپنے انکار کا ذکر کیا ہے اور اسے ایک قسم کا کفر قرار دیا ہے۔مگر اصل بحث جیسا کہ سوال نمبر 9 سے ظاہر ہے، آنحضرتؐ پر ایمان کے متعلق ہے۔صفحہ 180 پر آخر سے تیسری سطر میں صاف اسلام پر اطلاع نہ پانے کا ذکر ہے۔ایسا ہی صفحہ 181 میں دو جگہ اسلام پر اطلاع نہ پانے کا ذکر ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ یہ بحث اصل میں صرف اسلام کے متعلق ہے، اپنا ذکر ضمناً ہے، جسے وہیں چھوڑ دیا ہے۔اپنے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ صفحہ 178 پر ہے۔جہاں دوسرے پیرے میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو نام سے بھی بے خبر ہے وہ قطعاً کافر نہیں (کافر کون ہیں اس کو پہلے واضح کر دیا کہ مجھے کافر یا مفتری کہنے والے)۔بہر حال معلوم ہوا کہ سب غیر احمدیوں کو کافر نہیں کہا۔آخر پر استفتاء یوں شروع ہوتا ہے: یَا عُلَمَآءَ الْاِسْلَامِ وَفُقَهَآءَ مِلَّةِ خَيْرِ الانَامِ. کیا ان علماء اسلام سے مراد مولوی سرور شاہ اور حافظ روشن علی تھے یا کوئی اور علمائے اسلام ان کا نام کیوں رکھا؟

افسوس ہے کہ وہ عبارت اس وقت مجھے نہیں ملی جس میں ''مسلمان نہ ہونے کا'' لفظ ہے۔مگر اس کی بڑی کھلی تصریح اس تقریر میں ہے جو قریشی نے چھپوائی ہے۔جس میں یہ لفظ ہیں کہ وہ کامل طور پر مومن نہیں کہلا سکتا، اور اس کا نام فاسق رکھا ہے۔

............وہ تقریر بھی میں بھیجتا ہوں۔اس کا پہلا ہی فقرہ دیکھ لیں۔مسیح موعود کا ماننا یا اس کی ضرورت سمجھنا اور احکام کی طرح ایک حکم رکھا ہے۔اور فرمایا ہے کہ جس طرح اور کسی حکم کو ماننے والا سچا مسلمان نہیں کہلا سکتا یہی حال مسیح موعود کے منکر کا ہے۔اور پھر اس کا نام بروئے قرآن وحدیث فاسق رکھا ہے، نہ کافر۔والسلام۔

خاکسار محمد علی

☆☆☆

مکرمی اخویم......صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے ہر دو خطوط پہنچے......صداقت کو مشکلات پیش آتی ہیں اور آتی رہیں گی۔اس میں سِر وہی ہے جو حضرت صاحب نے لکھا ہے ۔

عشق اوّل سرکش وخونی بود تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

ہم عنداللہ بری ہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ تمہارے ساتھ بہت آدمی کیوں نہ ہوئے......حق آخر کامیاب ہوگا۔ جو جیتے رہیں گے وہ دیکھ لیں گے۔

............1901ء کے بعد جزوی نبی کا لفظ دکھانا ہمارا فرض نہیں۔ جزوی کا ہم معنی مجازی ''ازالہ اوہام'' میں لکھا ہے۔مجازی کا لفظ1901ء کے بعد استعمال کیا ہے۔ دوسرے یہ ثبوت تو فریق مخالف کے ذمے ہے کہ وہ جزئی نبوت کا انکار یا نبوت کاملہ کا ادعا کہیں سے دکھائے۔

اور یہ جو لکھا ہے کہ پہلے عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ وہاں تو صاف فضیلت مسیحؑ کا ذکر ہے۔سو وہ فضیلت اور ہمسری کا دعویٰ ''ازالہ اوہام'' بلکہ ''توضیح مرام'' میں موجود ہے۔محدث کا لفظ1901ء کے بعد صاف طور پر استعمال کیا ہے......مرزا صاحب کا اصول باندھا ہوا ہم دکھاتے ہیں کہ نبوت جزئی کا دروازہ صرف کھلا ہے۔اسی کا نام نبوت مجازی ہے۔اور نبوت کاملہ کا دروازہ مسدود۔اس اصول کو توڑا ہوا دکھانا فریق مخالف کا فرض ہے...... اگر نبوت کے بارے میں تبدیلی ہوتی تو کفر واسلام کے بارے میں بھی تبدیلی ہوتی۔حالانکہ نمازوں کا حکم1901ء سے پہلے کا ہے کہ دوسروں کے پیچھے مت پڑھو (اربعین1899یا1900ء کی ہے) اور جنازہ غیر احمدی کا پڑھنے کا حکم1901ء کے بعد ہے۔اگر عقیدہ نبوت تبدیل ہوتا تو اس کے لوازم میں بھی کوئی فرق آتا۔مگر عام مسلمانوں سے جو سلوک پہلے تھا وہی بعد میں رہا۔ پھر مجاز اور حقیقت کا فرق موٹا ہے۔اور اس کی مثال عیسائیوں کا مسیحؑ کو ابن اللہ قرار دینا ہے۔اس موٹی مثال سے بھی اگر کوئی شخص حقیقت اور مجاز کا فرق نہیں سمجھ سکتا تو خدا اس سے سمجھے گا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر ایک بھی آدمی اور اس بات کو نہ مانے تو بھی ہم تو اسے ترک نہیں کر سکتے۔مرزا

صاحب کی بات کو ماننے والے پہلے سالوں میں کس قدر تھے۔ غرض آپ سادہ اور مختصر طور پر اپنی باتیں پیش کر دیں۔ باقی خدا پر چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ والسلام۔

خاکسار **محمد علی**

مکرمی ......صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

......امید ہے چند سوالات کا اگر جواب دیں تو یہ میاں محمود احمد صاحب کے مذہب کو صاف کر دیں گے۔

(1) کیا انجیل کوئی کتاب ہے یا نہیں؟ (کتاب کا ہونا حضرت صاحب نے تسلیم کیا ہے)	ایسی کوئی کتاب مرزا صاحب کو دی گئی یا نہیں؟
(2) کیا انجیل توریت کی تکمیل کرتی ہے یا نہیں؟	مرزا صاحب کے الہامات کس کی تکمیل کرتے ہیں؟
(3) کیا انجیل کی وحی مسیحؑ کے پیرو تلاوت میں نماز میں پڑھتے تھے یا نہیں؟ (حضرت صاحب نے پڑھنا تسلیم کیا ہے)	مرزا صاحب کے الہامات کو اس طرح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
(4) کیا جبرئیل شروع سے حضرت صاحب پر وحی نبوت لے کر نازل ہوتے تھے۔ یعنی نبوت اور رسالت کے الفاظ جو آپ کی وحی میں آئے وہ جبرئیل کے ذریعہ سے بطور وحی نبوت آئے تھے یا نہیں۔	''ازالہ اوہام'' میں، پھر ''تحفہ گولڑویہ'' میں جبرئیل کا وحی نبوت لانے کو حضرت صاحب ختم نبوت کے منافی قرار دیتے ہیں۔ معلوم ہوا جبرئیل آپ پر نہیں آتے تھے۔

(5)۔اگر جبرئیل آئے ہی نہیں تو نبوت باطل ہوتی ہے۔اگر آئے اور تحفہ گولڑویہ یعنی 1902ء کے بعد،تو 1902ء تک وحی، وحی ولایت ہوئی اور اس کے بعد وحی نبوت۔پس دو قسم کی نبوت فی الواقع ہوئی۔اگر جبرئیل شروع سے لائے تو حضرت صاحب کا انکار کیا معنی رکھتا ہے۔کیا صاحب وحی کو خود بھی یہ علم نہ تھا کہ وحی لانے والا کون ہے؟

ایک اور قسم کے سوالات بھی ہیں:

سوال۔سب سے پہلے اصول قائم کرنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا سلسلہ اسلام میں مانا ہے یا نہیں۔اگر مانا ہے تو کس قسم کی نبوت کا؟

جواب۔''توضیح مرام'' میں نبوت کاملہ تامہ کا انکار کیا۔جزوی نبوت کا اقرار کیا۔

سوال۔کیا یہ اصول 1901ء کے یا اس کے بعد کی کسی تحریر میں توڑا گیا؟

جواب۔ہرگز نہیں،1901ء کے بعد جنوری 1903ء میں ''مواہب الرحمٰن'' میں پھر اسی اصول کو قائم کیا کہ جو شخص اس کے فیض سے تربیت پائے، وہی اس امت میں آسکتا ہے۔مگر اولیاء، جن کو انبیاء کا رنگ دیا جاتا ہے، فی الواقع نبی نہیں ہوتے۔کیونکہ شریعت مکمل ہو چکی۔پس 1901ء سے اول اور بعد ایک ہی اصول ہے۔

سوال۔کیا مرزا صاحب ''مواہب الرحمٰن'' کے اس اصول سے مستثنٰی ہیں۔

جواب۔اگر مستثنٰی کیا جائے تو وجہ بے معنی ہو جاتی ہے۔کیونکہ وجہ تکمیل قرآن ہے۔اگر اولیاء کے لیے قرآن مکمل ہے تو کیا مرزا صاحب کے لیے ناقص ہے۔پھر اگر مستثنٰی کریں تو وہاں لکھا ہے کہ اولیاء نبی نہیں ہو سکتے۔کیونکہ قرآن سے ایک حرف کم و بیش نہیں کر سکتے۔پس معلوم ہوا کہ اگر مرزا صاحب نبی ہیں، تو انہوں نے قرآن میں کچھ کمی بیشی ضرور کی ہوگی۔مگر ساتھ ہی کمی بیشی کرنے والے کو بدکار شیطان قرار دیتے ہیں۔پس 1901ء کے بعد یہ نبوت کا صاف انکار ہے، جس سے کسی طرح چھٹکارا نہیں۔

ظل، عکس، بروز، مجاز، استعارہ ان سب میں ایک صفت ظاہر ہوا کرتی ہے، نہ کل صفات۔ سب سے بڑھ کر عکس ہے۔ عکس میں نہ بولنے کی طاقت، نہ کھانے پینے کی، نہ سوچنے سمجھنے کی۔ سایہ پھل نہیں دیتا۔ بروز میں بھی ایک ہی صفت کا ظہور ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا مجاز میں۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اولیاء کے متعلق لکھا ہے کہ ظلّی طور پر خدائی صفات کو وہ اپنے اندر لیتے ہیں۔ تو وہ بھی کوئی ایک ہی صفت ہوتی ہے۔ پس ظلی نبی، بروزی نبی، مجازی نبی۔ سب کے ایک ہی معنی ہیں کہ نبوت کی ایک صفت کا اظہار اس کے اندر ہے، نہ کامل نبوت۔ اسی لیے اس کا نام جزوی یا ناقص رکھا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر ایک جزو ہے نہ کل اور کامل کے مقابل میں ناقص ہے۔ پس ظلی، بروزی، مجازی، جزوی سب ہم معنی لفظ ہیں۔

لفظ نبی کا استعمال اپنے لیے شروع سے لغوی معنوں میں کرتے رہے۔ آخری تقریر میں یہی لفظ ہیں ''چشمۂ معرفت'' میں نزاع لفظی کہہ کر یہی ظاہر کیا۔ خدا کا نبی نام رکھنا مراد صرف الہام ہے، خصوصیت ہے۔ لیکن باوجود خصوصیت کے نبوت مجازی ہے، نہ اصلی .... کیا مرزا صاحب کا آنا عام اصول سے برنگ استثنا ہے یا عام اصول کے ماتحت ہے۔ اگر عام اصول کے ماتحت ہے تو تیرہ سو سال تک کیا ایک کامل پیرو بھی نہیں تھا۔ اور پھر اب کامل پیرو پیدا ہوں گے، تو مرزا صاحب کی پیروی سے۔ خاتم النبیین مرزا صاحب ہوئے۔ پھر اگر عام اصول ہے تو مرزا صاحب کی خصوصیت کہاں گئی۔ حدیث میں تو نبی اللہ کا لفظ نہ پہلے نہ بعد اور کسی کے لیے آیا نہیں۔ اگر ایک استثنا ہے تو یہ خود باطل ہے۔ کیونکہ خدا کے کام اصول اور قوانین کے ماتحت ہوتے ہیں۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

26جون1918ء

مراسلات

کیا حضرت غوث الاعظمؒ بھی مثیل مسیح تھے

میرے پاس ایک قلمی نسخہ قصیدہ غوثیہ عربی موجود ہے۔ جو1276ء میں منورعلی صاحب خلف اصغر علی ساکن بہڑی ضلع بریلی مرحوم مغفور نے لکھا ہے۔ اصل قصیدہ حضرت غوث پاک کی تصنیف ہے اور غالباً نثر کا ترجمہ معہ ترکیب حرفی، نحوی غلام محی الدین صاحب خلف دوست محمد دہلوی مرحوم نے بامداد روحانی حضرت سماء الحق والدینؒ کیا ہے۔ چنانچہ اس قصیدہ کا شعرنمبر3 معہ تفسیر ترجمہ ملاحظہ ہو۔ جو حرف بحرف ہدیہ قارئین ہے۔ جس سے واضح ہوگا کہ حضرت غوث پاکؒ کو بھی مثیل مسیح بعض لوگ باور کرتے تھے۔ وَھوَ ھٰذا

اصل شعر عربی از قصیدہ غوثیہ:

فقلت لسائر الاقطاب لموا　　بحالی وادخلوا انتم رجال

نظم فارسی از لطفی:

پس بگفتم جملہ اقطاب را　　درحما، من درآئیدائے رجال

پس بگفتم سائر اقطاب را　　مژدہ دادم جملہ احباب را

ہاں بیائید ودرائیدائے رفیق　　گرشما ہستید مردان طریق

شعر محولہ کی تفسیر میں (بہ زبان فارسی جسے یہاں درج نہیں کیا گیا) جو کچھ عجیب وغریب اعتقادات مترجم ومفسر نے اختراع کیے ہیں، اس سے ہمیں کچھ غرض نہیں۔ مگر ہم صرف اس فقرہ کو روشنی میں لانا چاہتے ہیں کہ ''بعضے گویند کہ آنحضرت (حضرت غوث اعظمؒ) عیسیٰ علیہ السلام است۔''

اگر یہ مسلمہ عقیدہ سلف سے خلف تک سمجھ لیا جائے گا کہ حضرت مسیح ناصری بالجسم زندہ آسمان پر موجود ہیں اور پھران کا نزول ہوگا، تو حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت بعضوں کا یہ اعتقاد کیوں ہوا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح ناصریؑ کی حیات ونزول کے بارہ میں متقدمین اختلاف پر تھے۔ اوراہلِ فہم کا اعتقاد تھا کہ دنیا میں اُمت محمدیہ ہی میں حضرت مسیح کی خو بو پران کا کوئی مثیل مبعوث ہوگا۔ جو تجدیدِ ملت کی خدمت انجام دے گا۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس صدی کے آغاز میں اللہ جل شانہٗ نے اُمت محمدیہ ہی میں سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مثیل مسیح بنا کر تجدید ملت کی خدمت کے لیے مبعوث فرمایا تھا جو بحمد اللہ اپنا کام کر گیا۔ اوراپنی یادگار کے لیے ایک تڑپ رکھنے والی زندہ جماعت، جو اسلام کی محافظت کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہے، چھوڑ گئے۔ ان میں سے بعض قطب ہیں، بعض ابدال ہیں، اور بعض اتقیاء وغیرہ اَللّٰھُمَّ زد فزد۔ ہے کوئی سعید روح، جو انصاف کی نظر سے مطالعہ کرے اور متوجہ الی الخیر ہو کر دولتِ دارین کا مستحق بنے۔ ونیز عبارت ''سوائے آں دوازدہ قلب برقلوب دوازدہ انبیاءؑ نوح وابراہیم علیہم السلام وغیرہ۔ حدیث نبوی عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اشارت برادست'' بھی قابل غور ہے۔ گویا ''دوازدہ قطب دوازدہ انبیاء'' کے مثیل باور کیے گئے ہیں۔ مگر جب یہ دلیل مرزا صاحب کے دعویٰ کی تائید میں پیش کی جائے تو کیوں قوم توجہ نہیں کرتی اور ناک بھوں چڑھا لیتی ہے؟ اورغیر منصف ابو جہل کی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ یا للعجب۔

انوارحسین انور۔ ڈبائی دی

☆☆☆

میاں صاحب اوران کے مریدوں سے ایک سوال

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس جگہ خدا نے کسی نبی کو وفات دی وہ اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں اس کی روح مبارک قبض ہوئی۔ مگراس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود نبی لاہور میں فوت ہوئے اور قادیان میں دفن کیے گئے۔ احادیث جن سے کسی نبی کا فوت ہونے کی جگہ مدفون ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حسب ذیل ہیں۔

1۔ مَا قَبَضَ اللّٰہُ تَعَالٰی نَبِیًّا اِلَّا فِی الْمَوْضِعِ الَّذِیْ یُحِبُّ اَنْ یّدفنَ فِیْہِ. (رَوَاہُ

اَلتِرْمَذِیُ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍؓ) یعنی ترمذیؒ نے حضرت ابوبکرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس جگہ نبی کو اللہ تعالیٰ نے وفات دی اس کو اس جگہ پر دی کہ جہاں وہ نبی دفن ہونا پسند کرتا تھا۔ دیکھو کنز العمال جلد 6 صفحہ 199

2۔مَا مَاتَ نَبِیٌّ اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ یَقْبِضُ. (رَوَاہُ ابْنُ مَاجه عَنْ اَبِیْ بَکْرٍؓ) یعنی ابن ماجہؒ حضرت ابوبکرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جو نبی مرگیا تو اس کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں اس کی روح قبض ہوئی۔ دیکھو کنز العمال جلد 6 صفحہ 199

3۔ روایت ہے کہ کوئی بھی نبی نہیں جس نے اپنی اُمت کو اپنے دفن کے لیے اختیار دیا ہو، بلکہ اُمت کے لوگوں نے اسی جگہ اس کو دفن کیا ہے، جہاں اس کی جان قبض ہوئی۔ دیکھو کنز العمال جلد 6 صفحہ 120

خاکسار

شیر محمد بُزدار

۞۞۞

30 جون 1918ء

مکتوب امیر

ماہ رمضان کا ایک اور جہاد

برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے اپنے پہلے خط میں آپ کو اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ ایک مسلمان کے لیے ماہ رمضان ایک مجاہدہ کا مہینہ ہے، جو بڑی بڑی دینی ترقیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک سامان عطا فرمایا ہے۔ اس ماہ مبارک کا ایک مجاہدہ تو دعا ہے اور دعا بھی پچھلی رات یعنی تہجد کی بالخصوص۔ غالبًا میرا یہ خط آخری عشرہ رمضان کے شروع ہونے سے پہلے پہلے احباب تک پہنچ جائے گا۔ اور ان دس ایام یا راتوں کو، جن کی فضیلت قرآن کریم اور احادیث نے کھلی کھلی بیان کی ہے، ضائع نہ ہونے دیں گے۔ انہی راتوں میں وہ بابرکت رات بھی ہے جس کے اندر قرآن جیسی نعمتِ عظمٰی کا نزول ہوا۔ پس اور کون سی نعمت ہے جو حاصل نہ ہوسکتی ہو۔ مگر شاقہ مجاہدات کی اس کے لیے ضرورت ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (69:29)

دعا تو ہر وقت ہی انسان کی قبول ہوسکتی ہے۔ ماہ رمضان کو کیوں خاص کیا؟ اس لیے کہ ان ایام میں انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے نفس کو ایک مجاہدہ شاقہ میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کے قرب کے مقام کی طرف قدم مار رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح ماہ رمضان کا یہ دوسرا مجاہدہ، جس کی طرف میں احباب کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں، انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اور اگرچہ ہر حال میں انسان کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا چاہئے، مگر ماہ رمضان میں اس مجاہدہ، کی طرف بھی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور نمونہ سے خاص توجہ دلائی ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے ذکر میں صحیح حدیث میں آتا ہے کہ آپ اَجْوَدُ النَّاسِ تھے۔ یعنی سب لوگوں سے زیادہ سخی۔ لیکن اَجْوَدُ مَایَكُوْنُ فِیْ رَمَضَانَ سب سے زیادہ آپؐ کی اَجْوَدُ کا اظہار رمضان میں ہوتا تھا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ یعنی حفاظت دینی اور دین کی ترقیات کے لیے مال کو

خرچ کرنے کی مثال اس دانہ سے دی ہے، جو معمولی حالات میں بھی سات سو دانہ پیدا کرتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی دو چند چہار چند کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بے حساب بھی اس کا اجر ایک جگہ فرمایا ہے۔ جو شخص قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے، اس کے دل کے اندر یہ ولولہ پیدا ہونا چاہئے کہ اپنے مال کا کچھ حصہ اس راہ میں خرچ کر کے ان عظیم الشان نتائج کا وارث وہ ہو۔ ظاہر بات ہے کہ جس کے لیے انسان اپنا مال خرچ کرتا ہے، وہ اس پر کس قدر خوش ہوتا ہے۔ تو کیا وہ لوگ جو خدا کی راہ میں خرچ کریں گے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل نہ کریں گے؟ اور کیا اس خالق و مالک کی خوشی کا حاصل کرنا تمام خوشیوں کے حاصل کرنے سے بڑھ کر نہیں؟ پھر جس غرض یا جس کام کے لیے انسان اپنا مال خرچ کرتا ہے، اس کے ساتھ اس کو محبت بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہ وہ نظارہ ہے جو دن رات ہم دیکھتے ہیں نکمّے سے نکمّے کام کے لیے جب انسان اپنا مال خرچ کرتا ہے، تو اس کے ساتھ بھی اس کو محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے جو لوگ محبتِ الٰہی میں ترقی کرنا چاہتے ہیں، ان کے لیے اپنے مال کو خدا کے راہ میں خرچ کرنے سے نہ صرف انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرتا بلکہ اس کی محبت بھی اس کے دل کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اور اس مقام سے بڑھ کر اور کوئی مقام نہیں، جس کے لیے انسان کوشش کرے۔

ہماری پاک کتاب، جو ہر امر میں ہماری رہنما ہے، ان امور کی طرف بھی وہی ہماری ہدایت فرماتی ہے، جیسا کہ انفاق فی سبیل اللہ کے مضمون میں ان الفاظ میں فرمایا وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ(2:265) یعنی جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور کچھ اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایک ایسے باغ کی مثال ہے، جو اعلیٰ درجہ کی زمین پر ہو۔ اب اس ایک مختصر سے فقرہ میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا سارا فلسفہ بیان کر دیا ہے۔ مال کے خرچ کرنے میں انسان کی غرض تو یہ ہوتی ہے کہ کسی کو خوش کرے۔ بعض وقت اپنے نفس کو ہی خوش کرنا چاہتا ہے۔ اور خرچ کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کام کے ساتھ اسے محبت پیدا ہوتی ہے اور انہی دو باتوں کا ذکر اس آیت میں کیا ہے۔

پس اس غرض اور اس نتیجہ کو مدنظر رکھ کر وہ انسان، جو خدا پر ایمان لاتا ہے، کیوں خدا کی راہ میں اپنے مال کو خرچ نہیں کرتا۔ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ سے مراد محبت الٰہی میں ترقی کرنا ہے۔ کیونکہ ثباتِ نفس یا ایمان پر

انسان کی مضبوطی درحقیقت محبت الٰہی کا ہی نام ہے۔مگر قرآن کریم بڑی پُر حکمت کتاب ہے۔ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ میں یہ مِّنْ کا لفظ بھی زائد نہیں بلکہ حصہ ہے۔اور یہ بتایا ہے کہ اس طریق سے یعنی مال کے خرچ کرنے سے کس قدر ثباتِ نفس اور محبت الٰہی میں انسان ترقی کرتا ہے اور یہی سچ بھی ہے۔ پوری ترقی کے لیے اپنے سارے قویٰ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگا دینا ضروری ہے۔اور یہ نرا دعویٰ ہی دعویٰ نہیں۔ بلکہ دیکھ لو کہ جب صحابہؓ نے اس اصول کو سمجھ کر اپنے مالوں کو بے دریغ ضروریات دینی پر خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں لگا دیا، تو ایک طرف اگر ان کو اعلیٰ درجہ کی زمینوں کے باغ بھی سچ مچ مل گئے اور اس سے بڑھ کر دوسری زندگی میں ملیں گے، تو دوسری طرف ان کے اس فعل پر وعدہ الٰہی کے مطابق رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (119:5) کی سند بھی ان کو بارگاہ الٰہی سے مل گئی۔ یعنی اللہ ان سے خوش ہو گیا اور وہ اللہ سے خوش ہو گئے۔ یہی وہ بات ہے جو ہماری ہمتوں کو بڑھاتی ہے۔ کیونکہ جو بھی ان کے نقش قدم پر چلے گا، وہ وہی کچھ پالے گا۔

میرے دوستو! دنیا کی ادنیٰ اور حقیر اغراض سے اپنے آپ کو بلند کرو اور قوتِ ایمانی کا کوئی نمونہ دکھاؤ۔ اور اگر تم میں وہ قوت ایمانی نہیں تو اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کر کے اس کو پیدا کرو۔ اور بالخصوص اس کے پیدا کرنے کا نہایت عمدہ موقعہ یہ رمضان کے دن ہیں۔ جب طرح طرح کے مجاہدات سے قدم آگے بڑھانے میں تمہارے لیے بہت سہولت ہو گئی ہے۔ بیشک قرآن کریم محتاجوں قریبیوں کو دینے کے لیے بھی تاکید فرماتا ہے۔ مگر ہر کام کا ایک مرتبہ ہے۔ جو کچھ فوائد اور ثمرات تم اشاعت اور تبلیغ دین کے لیے خرچ کر کے اٹھا سکتے ہو، وہ سب سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ میری یہ خواہش ہے کہ ہمارے احباب اپنے ہر قدم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کو اختیار کریں۔ اور اس لیے اگر ایک طرف وہ اپنے اموال میں سے معمولی طور پر کچھ نہ کچھ چندہ دے کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، تو رمضان کے اندر اس مجاہدہ میں نمایاں طور پر ترقی کریں۔ اسلام کوئی ایسا ناقص مذہب نہیں کہ ریاکاری میں اور علانیہ صدقات کے دینے میں فرق نہ کرتا ہو۔ وہ ریاکاری سے تو اتنا ڈراتا ہے کہ فرماتا ہے کہ یہ مسلمان کا کام نہیں کافروں کا کام ہے۔ مگر یاد رکھو کہ خدا کی راہ میں ریاکاری سے کبھی انسان خرچ کر سکتا ہی نہیں۔ اور وہ علانیہ صدقات کی بڑی تاکید فرماتا ہے۔ بلکہ انہی کو سب سے بلند مقام دیتا ہے۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ (271:2) علی الاعلان دین کے لیے چندے دو تو کیا ہی خوب ہے! علانیہ چندے

ایک دوسرے کے لیے نیکی کی تحریص کا موجب بھی ہوتے ہیں۔

ہمیں اس وقت اشاعت دین کے لیے بڑی بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ہمیں ضرورت ہے کہ ہم میں سے وہ لوگ پیدا ہوں جو اپنی زندگیوں کو اشاعت دین کے لیے وقف کر دیں۔مگر پہلا مرحلہ مالی قربانی ہے، جس میں ہر ایک مرد وعورت کو حصہ لینا چاہئے۔تعجب ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو صرف مردوں کا حصہ ہی سمجھ لیا گیا ہے۔عورتیں بھی اسی طرح اس کی محتاج ہیں۔کیا قرآن شریف میں نہیں پڑھا وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ (35:33) اگر مرد صدقہ کریں تو عورتیں بھی صدقہ کریں۔ہمارے ان چندوں میں حصہ لینا سب کے لیے ضروری ہے۔

اس لیے جہاں ایک طرف میری اپنے احباب سے یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے ماہوار چندوں میں زیادہ محتاط ہوں۔اور اسی احتیاط کی خاطر ہی ہمارے حضرت صاحب نے فرمایا تھا کہ جو تین ماہ تک چندہ نہ دے، وہ سلسلہ سے منقطع ہو جاتا ہے۔کیونکہ سلسلہ کی غرض تو دینِ اسلام کی خدمت اور دینِ اسلام کی محبت کا پیدا کرنا ہے۔اور وہ بغیر مال خرچ کرنے کے پیدا نہیں ہوسکتی، تو نری لفاظی کا کیا فائدہ، جب دل میں محبتِ دین نہیں؟

غرض ایک طرف اگر ماہ رمضان کے مجاہدات سے ہم یہ فائدہ حاصل کریں، تو دوسری طرف اس وقت خصوصیت سے بھی کچھ حصہ لینا ضروری ہے۔اور اس کے لیے میں یہ تحریک کرنا چاہتا ہوں کہ اس تجویز پر ہماری ہر جگہ کی جماعت خاص طور پر اپنے ممبروں میں تحریک کرے اور ماہ رمضان کے آخری جمعہ میں ہر جگہ یہ تحریک ہو یا جہاں اس سے پہلے ہو سکے تو پہلے ہو جائے۔یہ خاص چندہ جو اس وقت ہو اس کی غرض ہر جگہ صرف اس قدر ہو کہ اپنے علاقہ یا سنٹر یا ضلع میں اشاعتِ اسلام اور تبلیغ سلسلہ کا لٹریچر مفت شائع کرنے کا انتظام کیا جائے۔اور اس میں دو یا تین کتابوں کی طرف خاص طور پر اس وقت میں توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ایک رسالہ ''مسیح موعود'' ایک ''حقیقت المسیح''، جس میں عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب ہے اور ایک ''آیت اللہ''۔جہاں جہاں جس قدر چندہ کوئی جماعت کرے وہ محاسب صاحب احمدیہ بلڈنگس لاہور کے پاس بھیج دے۔اور وہ اس قیمت کے اندر اندازہ کر کے تینوں کتابیں مناسب تعداد میں بھجوا دیں گے۔اور پھر ان کو وہاں کی جماعت میں مفت تقسیم کر دے۔

یوں یہ ماہ رمضان کا صدقہ نہ صرف ہمارے لیے آخرت میں ہی ثواب کا موجب ہوگا، بلکہ اس سے

ایک فوری ضرورت بھی پوری ہوگی۔ اور خدا کے فضل سے یہ امید ہے کہ اگر جس قدر تعداد میں یہ کتابیں چھپی ہیں، فوراً تقسیم ہو جائیں تو خدمت اسلام کا ایک بڑا بھاری کام سرانجام پائے گا۔ ورنہ اگر یہ انجمن کے کتب خانے میں بند پڑی رہیں تو ان پر ہماری محنت اور روپیہ جو خرچ ہوا ہے وہ برباد ہی ہوگا۔

ہمارے احباب مطمئن رہیں کہ ان کتابوں کی فروخت سے مجھے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ انجمن کے خرچ سے چھپی ہیں۔ میں صرف ان کو ایک نیک کام کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور یہی وہ کام ہیں جن میں انہیں میرا ساتھ دینا چاہئے یا جن میں ہم سب کو مل کر ہمتِ مردانہ دکھانی چاہئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان کتابوں کی اشاعت سے جماعت کو بڑی قوت پہنچے گی اور اس کا ایک اہم فرض ادا ہوگا۔ میرا یہ بھی دل چاہتا ہے کہ ہر ایک احمدی اس میں حصہ لے۔ فراخی والا اپنے قدر کے مطابق اور تنگدست اپنی قدر کے مطابق۔ کیونکہ جب ایک جماعت مل جل کر ایک کام کرتی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ خاص طور پر برکات نازل فرماتا ہے۔ جو احباب اس میں سستی کریں گے، وہ ان برکات کے نزول میں اپنے آپ کو روک بنائیں گے۔

آخر میں میری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آپ کے دلوں کے اندر وہ جوش خدمتِ دین کا پیدا کرے جس کے ساتھ آپ بڑی بڑی خدمات دینی کو ادا کر کے اپنے دلوں کے اندر ایک خوشی محسوس کریں اور جب دین کی کسی خدمت کی طرف بلایا جائے تو وہ آپ کے دلوں کے اندر ایک نشاط پیدا کرے اور بوجھ محسوس نہ ہو۔ کیونکہ جو لوگ ضرورتِ دینی کو بوجھ سمجھتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ والسلام۔

خاکسار

محمد علی

❁❁❁

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

اور

تحریرات بزرگانِ جماعت

پانچویں جلد

انتخاب از رسالہ پیغام صلح جولائی 1918ء تا جون 1920ء

احمدیہ انجمن لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ

نے ادا کیئے ہیں

قرآنِ کریم کے عشق اور انسانی ہمدردی سے مخمور، جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور، جماعتِ احمدیہ لاہور کے احباب میں اپنے روح پرور دُروسِ قرآن کے حوالے سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ یہ دُروس وہ عمر بھر اپنی رہائش گاہ یا جماعت کے مراکز میں دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان کی اہلیہ محترمہ سلیمہ فاروقی مرحومہ مغفورہ کا جذبہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان دونوں نے اپنے پیچھے ایک ایسا ورثہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا جس سے جماعت کو اسلام کا پیغام دنیا کے دور دراز کونوں تک پہنچانے کے کام میں مسلسل امداد ملتی رہے۔ اس مقصد کو مدِنظر رکھتے ہوئے فاروقی صاحب نے اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد وقف کر کے فاروقی سلیمہ ٹرسٹ کی بنیاد رکھی اور اسے احمدیہ انجمن لاہور کی نگرانی میں دیا تا کہ اس کے فلاحی اور دینی کاموں، خاص طور پر قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتب کی طباعت، کے لیے مسلسل سرمایہ فراہم ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اس نیک کام کا اجر دے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

(غیر کاروباری مقاصد اور مفت تقسیم کے لیئے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس وقمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

— محمد اعظم علوی

حرفِ اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی پانچویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔اس میں اخبار پیغام صلح 10 جولائی 1918ء تا30 جون 1920ء سے انتخاب شامل ہے۔عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔حسب ضرورت قرآنی آیات کا اردو ترجمہ اور تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کر رہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فروگذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار محمد ارشد علوی

انچارج

شعبہ تالیف وتصنیف

❁

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (تم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمۃ القرآن جس کی ابتدا 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوا اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ و تفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی)

1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجن آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے)1935ء میں شائع ہوئی۔ اوراسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسّی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم واستحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے، یعنی ''عشقِ قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجمِ قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی، تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعتِ اسلام کے فروغ اور علومِ قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولٰی کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلَہٗ وَ ارۡفَعۡ دَرَجَاتِہٖ۔

خاکسار **عامر عزیز الازھری بن عبدالعزیز**

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

فہرست

28 جولائی 1918ء

اسلامی اصولوں کی صداقت پر تمام مذاہب کی شہادت

لیکچر حضرت مولٰینا محمد علی بر موقعہ جلسہ سالانہ انجمن حمایت اسلام، لاہور

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولٰینا نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

یٰسٓ. وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ . اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ. عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ. (36:1-4)

اور فرمایا حضرات! یہ آیات قرآنی، جو اس وقت میں نے پڑھی ہیں، سورہ یٰسٓ کی پہلی چار آیات ہیں۔ یہ سورۃ قلب قرآن کے نام سے مشہور ہے۔ ان آیات میں ایک دعویٰ کیا گیا ہے اور اسی کے متعلق میں اس وقت کچھ بیان کروں گا۔ وہ دعویٰ یہ ہے۔ یٰسٓ۔ اے انسان کامل۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ. (36:2) یہ قرآن جو ایک پُرحکمت کتاب ہے جس میں حکمت کی باتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ اس کی قسم اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ. (36:3) تو بیشک مرسلوں میں سے ہے۔ یقیناً خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور تو سیدھی راہ پر ہے۔ اس میں جو دعویٰ کیا گیا ہے اور قرآن کے پُرحکمت کتاب ہونے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ یہ دعویٰ بجائے خود کوئی چھوٹا سا دعویٰ نہیں۔ عرب کی جو حالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت تھی۔ وہ مجھ سے پہلے مولٰینا صاحب بیان فرما چکے ہیں۔ ان لوگوں کے اندر جیسی حکمت کی توقع ہو سکتی تھی، ظاہر ہے۔ حکمت تو کُجا وہ تو لکھنے پڑھنے سے بھی عاری تھے اور حد درجہ کی جہالت میں مخمور ان لوگوں کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے حکم ہوتا ہے اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ. خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ. اِقۡرَاۡ وَرَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ . الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَم (96:1-4) یعنی پڑھ اپنے رب کے نام سے۔ جس نے پیدا کیا، اس نے انسان کو علق سے بنایا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑی بزرگی والا ہے۔ وہ جس نے قلم سے سکھایا۔

اس میں صاف طور پر قلم کے ذریعہ سے سکھانے کا وعدہ کیا۔ امّی قوم اور قلم کے ذریعہ علوم کا سکھانا۔

لیکن یہ بھی کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔قلم کے ذریعہ سے لکھنا بھی انسان سیکھ سکتا ہے۔سوال یہ ہے کہ اس ملک کے اندر، جہاں جہالت اور توہمات کے سوائے اور کچھ نہیں۔کوئی باہر کے حالات کی بھی خبر نہیں، ان کے اندر کیا توقع ہوسکتی ہے کہ ایک امی انسان کوئی پُرحکمت کتاب پیش کرے۔مگر باوجود اس کے نہ صرف اسے پُرحکمت قرار دیتا ہے بلکہ فرماتا ہے کہ اس قرآن کا پُرحکمت ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرسلوں میں سے ہیں۔وہ معجزات، جو دوسرے انبیاءؑ سے ظاہر ہوئے، وہ تو ایک وقت تک جا کر رہ جاتے ہیں۔لیکن قرآن کا پُرحکمت کتاب ہونا وہ معجزہ ہے کہ جس قدر علم ترقی کرے گا، جوں جوں زمانہ گزرے گا اور سائنس اور علوم کا زور ہو گا، یہ بھی اظہر من الشّمس ہوتا جائے گا۔علوم کے بڑھنے سے ہی حکمت بھی بڑھتی ہے اور علوم کے بڑھنے سے ہی حکمت کی ترقی وابستہ ہے۔پس جس قدر علم ترقی کرے گا، قرآن ایک پُرحکمت کتاب ہی ثابت ہوگی۔

یہ دعویٰ قرآن میں کوئی ایک ہی جگہ نہیں۔ بلکہ بہت سے مقامات پر یہ دعویٰ ہے اور مختلف طرزوں پر ہے۔ایک جگہ فرمایا الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ (1:11) یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات حکمت کے خزائن کو لیے ہوئے ہیں۔لیکن ایسی حکمت نہیں کہ جس کی سمجھ ہی نہ آئے۔ جو بہت ہی مغلق ہو۔فرمایا ثُمَّ فُصِّلَتْ (1:11) باوجود اس کے کہ وہ حکمت کی باتیں ہیں۔ان کو پھر کھول کھول کر بھی بیان کیا ہے۔پھر فرمایا مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (1:11) یہ اس ذات کی طرف سے ہے جو حکمت والا بھی ہے اور جانتا ہے۔پھر فرماتا ہے: لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ م بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِن خَلْفِهٖ ط تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ. (42:41) یہ قرآن اتارا گیا ہے اس خدا کی طرف سے جو حکمت والا اور حمد والا ہے۔اس لیے باطل نہ سامنے سے اس پر حملہ آور ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔

یہ حکیم اور حمید جو نام یہاں بتائے ہیں۔درحقیقت ان دو اسماء کے اندر ہی خود بتا دیا ہے کہ سامنے سے اور پیچھے سے حملہ آور ہونے کے کیا معنی ہیں۔حکمت والے کی کتاب کے اوپر، اگر اس کا فلسفہ صحیح ہے اور وہ صحیح حکمت کو بیان کرتا ہے، سامنے سے کوئی حملہ نہیں ہوسکتا۔ جتنا اس کے سامنے علوم آئیں گے، جتنے علوم ترقی کریں گے، اسی قدر وہ حکمت والی کتاب ثابت ہوگی۔اس پر حملہ آور کوئی نہیں ہو سکے گا۔ پیچھے سے حملہ یہ ہوسکتا ہے کہ دعویٰ تو کیا تھا کہ ایسا کام کر دکھائے گا۔لیکن وہ دعویٰ عملی رنگ میں پورا نہیں کیا۔فرمایا یہ بھی نہیں۔ یہ تو حمید خدا کی

طرف سے ہے۔اس لیے اس کی گزشتہ تاریخ پر جتنا غور کرو وہ بتائے گی کہ واقعی یہ حمید خدا کی طرف سے ہے۔ جو دعویٰ اس نے کیا ہے اسے عملی رنگ میں پورا کر دکھایا ہے۔

اسی طرح اور ابھی کئی مقامات پر اسی قسم کے دعاوی کیے ہیں۔ایک جگہ فرمایا ہے کہ جن لوگوں کی طرف اسے بھیجا گیا ہے یہ ان کو بھی حکمت والے بنا دے گی۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ. (2:62) ناخواندہ لوگوں کے اندر، جو کسی قسم کے علوم سے واقف نہیں، جو ہر ایک قسم کی میل سے آلودہ ہیں، ان میں سے ایک رسولؐ کو کھڑا کیا۔ جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات کو پڑھتا، ان کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ گویا یہ کتاب یہ قرآن خود حکمت کی باتوں سے لبریز ہے۔اس کا اتارنے والا بھی حکیم۔آگے جن پر نازل ہوتی ہے، ان کو بھی صاحبِ حکمت بنا دیتی ہے۔

یہ وہ دعویٰ ہے جو قرآن کریم نے کیا ہے۔لیکن یونہی نہیں۔ اگر اس کے اندر کچھ نہ ہوتا تو یہ اتنا بڑا دعویٰ نہ کرتا۔خوب یاد رکھو! جس کے اندر قوت نہیں ہوتی وہ دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ کچھ اندر ہو تو ہی اتنا بڑا دعویٰ بھی ہوتا ہے۔ پھر قرآن کے اندر تو یہ دعویٰ بار بار دہرایا گیا ہے۔گویا بڑی مضبوطی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔اور پھر ایک ملک عرب کے سامنے ہی نہیں بلکہ کل دنیا کے آگے اس دعویٰ کو پیش کیا ہے۔اس لیے یہ دعویٰ بجائے خود ایک دلیل ہے۔ کیونکہ اس کا اس قدر مضبوطی کے ساتھ کل دنیا کے سامنے پیش کرنا ہی اس کی صداقت پر شاہد ہے۔

ملک عرب میں کوئی فلسفہ نہیں، کوئی علم وحکمت ان میں پائی نہیں جاتی۔ان کا لٹریچر ان کے اشعار ہیں۔ وہ قوم جس کے اندر جہالت ہی جہالت بھری ہوئی ہے، اس کے اندر سے ایک امّی انسان پیدا ہوتا ہے۔اس نے کوئی دنیا کا سفر نہیں کیا کہ لوگوں کے حالات سے واقف ہو جائے۔کوئی کتاب اس نے نہیں پڑھی۔ نہ ہی کوئی علم وحکمت کی باتیں کسی سے کبھی سننے کا اتفاق ہوا ہے۔اس لیے انسان کے منہ سے یہ دعویٰ کوئی چھوٹا سا دعویٰ نہیں۔ وہ تو علم وحکمت کے نام کو بھی جانتا تک نہیں۔ پھر اس کے منہ سے یہ کہلانا کہ یہ کتاب حکیم خدا کی طرف سے ہے۔ اور جس پر نازل ہوتی ہے وہ اس کے ذریعہ سے حکمت لوگوں کو سکھاتا ہے، ایک بڑی بات ہے اور خود صداقت دعویٰ کی ایک دلیل بھی۔

لیکن پھر بھی اس دعویٰ کو جب تک واقعات پَر پر کھ کر نہ دیکھا جائے اس وقت تک اس کی صداقت پورے طور پر منکشف نہیں ہوسکتی۔ اس لیے میں اس دعویٰ کے ایک حصہ کو واقعات کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔ میرے مضمون کا عنوان تو تھا ''اسلام اور دیگر مذاہب'' لیکن میں اس کو بدل کر اس وقت عنوان قائم کرتا ہوں'' فلسفہ مذاہب''۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا قرآن نے کوئی مذہب کا فلسفہ بھی بیان کیا جس کو دیکھ کر انسان سمجھ لے کہ یہ بڑے ہی حکیم خدا کا کلام ہے۔

قرآن کریم تمام مذہبی کتب پر تنقید کرتا ہے

فی الحال میں اس کے متعلق ایک ہی بات کو لیتا ہوں۔قرآن مجید کے اندر ایک عجیب بات آپ دیکھیں گے۔ دنیا کی ساری مذہبی کتابوں کو پڑھ جایئے، کسی کے اندر وہ بات نہ پاؤ گے۔ وہ یہ ہے کہ کسی بھی مذہبی کتاب نے کوئی تعلق دوسری کسی مذہبی کتاب سے نہیں رکھا نہ ہی اس کا کوئی ذکر تک کیا ہے۔حضرت مسیحؑ یہودیوں کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ان کے سامنے فقیہی اور فریسی وغیرہ ہیں۔بس ان کا تمام واسطہ انہی سے رہا ہے، انہی کے متعلق وہ بیان کرتے ہیں۔حضرت بدھ ہندوستان میں آتے ہیں، وہ صرف یہیں کی رسم ورواج کی اصلاح کرتے اور برہمنوں کی حکومت کو مٹا کر اپنے ہی نجات کے اصول کو بیان کر کے چلے جاتے ہیں۔ ایسا ہی چین میں کنفیوشس اور ایران میں زرتشت مبعوث ہوتے ہیں۔ وہ بھی اپنے ہی ملک میں جو کچھ نقص دیکھتے ہیں۔بس صرف انہی کی اصلاح کرتے اور انہیں دور کر کے چلے جاتے ہیں۔

ایسا ہی حال دنیا کی باقی تمام مذہبی کتب کا ہے۔ ویدوں کے اندر بھی بس ستلج اور بیاس کی ہی مہمات پر اکتفا کیا گیا ہے اور ہندوستان کی حدود کو عبور کرنا گناہ سمجھا گیا ہے۔ یہ تو حال دنیا کی باقی مذہبی کتب کا ہے۔لیکن اگر دنیا کے تمام مذاہب پر قلم اٹھانے اور ان پر تنقید کرنے والا کوئی مذہب ہے، تو وہ صرف قرآن کریم ہے۔ ایک قرآن میں تمام کتابوں کا خلاصہ نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ کب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرتشت کی کتابیں پڑھیں، آپ نے کب یہود کی کتابوں کا مطالعہ کیا کہ یہ سمجھا جاسکے کہ ان میں سے دیکھ کر آپؐ نے لکھ دیا ہوگا۔مگر پھر بھی دنیا میں ایک ہی کتاب ہے قرآن کریم، جو سب مذاہب پر ریویو کرتی ہے۔

خود مسلمانوں نے بھی قرآن کی عزت کو نہیں سمجھا۔ انہوں نے نہیں پڑھا کہ ویدوں میں کیا لکھا ہے۔ انجیل کو انہوں نے مطالعہ نہیں کیا۔ نہ ہی دیگر مذاہب کی تعلیمات کو دیکھا اور نہ قرآن کو غور سے پڑھا، نہ مقابلہ کیا۔ گھر میں بیٹھے ہوئے بہت ہیں جو یونہی بے سمجھے سوچے اعتراض کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ غور کر کے دیکھیں تو قرآن کے اندر ایسے ایسے حکمت کے اصول بھرے پڑے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ملک عرب کے اندر ایک اُمّی انسان نے کس طرح سے ان اصولوں کو وضع کر دیا۔ جن کی کبھی اور کسی زمانہ میں بھی تردید نہیں ہوسکتی۔

سب سے پہلی بات، جو قرآن کریم کو دوسری تمام کتب سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ قرآن میں دنیا کے سارے مذاہب کے اصول باطلہ کا ذکر اور ان میں فیصلہ کی راہ موجود ہے۔ وہ تمام مذاہب کے درمیان پورا پورا فیصلہ کر دیتا ہے۔ جو کبھی بھی رد نہیں ہوسکتا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ میں یہ کس نے رکھ دیا کہ تم سارے مذاہب پر لکھ کر دے جاؤ؟ آیا عرب میں کوئی ایسے حالات تھے کہ جن سے آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسا لکھ جاؤں اور ایسے اصول بنا کر دے جاؤں کہ خواہ لاکھ علوم ترقی کر جائیں، مگر ان اصولوں کو کوئی بھی توڑ نہ سکے اور انہیں رد نہ کر سکے۔ قرآن کی ایک ایک ادا کو میں دیکھتا ہوں کہ کس طرح حکمت پر مبنی ہے۔ اس قدر کشادہ دلی ہے کہ دنیا کی تمام اقوام میں نبیوں کا آنا مانتا ہے۔ فرمایا: اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَافِيْهَا نَذِيْرٌ (24:35) کوئی قوم نہیں جس میں کوئی نذیر نہیں آیا، لِکُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (47:10) ہر ایک امت میں ایک رسولؑ ہوا ہے، لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (7:13) ہر ایک قوم میں ایک ہادیؑ ہوا ہے۔ اس قسم کے متعدد الفاظ میں بتا دیا ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں رسولؑ آئے ہیں۔ لیکن سارے انبیاءؑ کے نام تو نہیں لے سکتا تھا اس لیے فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْکَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْکَ. (78:40) بعض رسولوں کا ہم نے تجھ پر ذکر کیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا۔

اس سے پتہ لگتا ہے کہ کیا ہی پُر حکمت کتاب ہے۔ تھوڑے تھوڑے نام لے دیئے۔ عرب کے لوگ پہلے مخاطب تھے۔ اس لیے زیادہ تر انہی انبیاء کے نام لیے۔ جو عرب کے کناروں پر یا اس کے ارد گرد آتے رہے۔

سب کا ذکر تو کر نہیں سکتا تھا اس لیے اجمالاً ان کے متعلق کہہ دیا کہ سب قوموں میں رسولؑ ہوئے ہیں۔لیکن ایک اور بڑا اکمال کر دیا، شاید قرآن کو معلوم تھا کہ گورے اور کالے کا فرق بھی دنیا میں ہوگا۔اس لیے جہاں گورے نبیؑ کا ذکر کیا، وہاں ایک کالے نبیؑ کا بھی خاص طور پر ذکر کیا اور اسی کے نام پر ایک سورۃ کا نام رکھ دیا، سورۃ لقمان۔گوروں میں تو حضرت عیسیٰ کی مثال لے لیجئے۔حدیث معراج میں حضرت عیسیؑ کا حلیہ بیان کیا ہے رَجُلٌ اَحۡمَرُ نہایت سفید رنگ کا آدمی۔ادھر دوسری طرف حضرت لقمانؑ حبشہ کے نہایت سیاہ فام انسان تھے۔تو قرآن نے ان دونوں قسم کے نبیوں کا ذکر کیا ہے، ایک طرف اگر نہایت سفید رنگ کے نبیوں کا ذکر کیا۔تو دوسری طرف ایک نہایت سیاہ رنگ کے نبی کا بھی۔جب کالوں اور گوروں دونوں کا ذکر کیا تو گندمی رنگ والے تو خود ہی اس کے اندر آ گئے۔

اسلام کا سلوک دوسرے مذاہب سے

اگر سارے انبیاء کا ذکر نہیں کیا، تو سارے مذاہب کے عقائد کا ذکر ضرور کر دیا اور بتا دیا کہ ان میں یہ غلطی ہے اور فلاں بات درست ہے۔لیکن ایک ایسی تنقید میں، جہاں دوسروں کے اوپر رائے زنی کرنی ہو، توازن کا قائم رہنا بڑا مشکل امر ہے۔ایک عیسائی، جو جانتا ہے کہ صرف اسی کا عقیدہ صحیح ہے اور باقی سب غلط، کبھی انصاف کے ساتھ دوسروں پر رائے زنی نہیں کر سکتا۔جس کے دل میں یہ ہوگا کہ فلاں جھوٹا ہے، اس کے دل میں تمام مذاہب کے متعلق توازن پیدا نہیں ہو سکتا۔ایک آنکھ سے سب مذاہب کو نہیں دیکھا جا سکتا۔جب تک کہ انسان صرف اپنے ہی مذہب کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہو اور باقی سب کو باطل پر۔اس لیے قرآن کریم نے اس کا یہ علاج کیا کہ تمام مذاہب کا خدا کی طرف سے آنا ایمانیات میں رکھ دیا۔مسلمان وہ نہیں ہو سکتا جو یہ نہ مانے کہ تمام مذاہب خدا کی طرف سے آئے۔تمام مذاہب پر ایمان لانا اس نے سب سے پہلی شرط قرار دی ہے۔فرمایا: وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ (4:2) وہ ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر اتارا گیا اس پر اور اس پر بھی جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔یہ تو ایک مسلمان کے اعتقاد و ایمان کے لیے ضروری رکھا۔لیکن یہ ایمان ایک فرضی بات ہو جاتی ہے اگر اس کا ہمارے اعمال پر کوئی اثر نہ ہو۔اس لیے عملی رنگ میں وہ سلوک دوسرے مذاہب سے کیا ہے کہ گویا سب کو ایک برابر رکھا ہے۔اس طرح ایک مساوات سب میں قائم ہو جاتی

ہے۔

مسلمانوں کے متعلق عام طور پر خیال ہے کہ ایک جنگجو قوم تھی۔ لیکن یہ جنگیں انہوں نے کیوں کیں؟ کیا غرض تھی؟ معترض تو کہیں گے کہ اس لیے کیں کہ اسلام کو بزور شمشیر منوادیں۔ لیکن حقیقت کیا ہے۔ جہاں جنگ کا اذن دیا جاتا ہے، وہاں کس طرح شروع ہوتا ہے۔ فرمایا: اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (39:22) ان لوگوں کو اجازت دی جاتی ہے۔ جن کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے، کیونکہ ان پر ظلم ہوا۔ یہ جنگ کی ابتدا ہے۔ کوئی دوسری قوم ان کے ساتھ جنگ شروع کر چکی ہے، ان کو تلوار سے مٹانا چاہتی ہے، اس سے بچاؤ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہ تو ابتدا ہے جنگ کی۔ لیکن اس اذن (اجازت) کی غرض کیا ہے؟ ان جنگوں میں کون سی بات مدّنظر ہوگی۔ فرمایا: وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (40:22) اگر اللہ تعالیٰ اس طرح سے بعض لوگوں کا بعض سے دفعیہ نہ کرا دیتا، تو راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور عبادت خانے اور مساجد، جن میں اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ ہوتا ہے، مسمار ہو جاتیں۔

یہ ہے اسلام کی جنگوں کی غرض۔ پہلے فکر جو پڑی ہے تو عیسائی راہبوں کی کوٹھڑیوں کی، گرجوں اور دیگر عبادت خانوں کی۔ یہ ہے وہ بہت بڑا احسان جو اسلام نے دیگر مذاہب کے اوپر کیا ہے کہ ان کے عبادت خانوں کو گرنے سے بچالیا۔ یہ کیوں؟ کس لیے عیسائی راہبوں کی کوٹھڑیوں کی فکر پڑتی ہے۔ کیا ان کو کوئی اچھی نظر سے دیکھتا ہے؟ نہیں۔ دوسری جگہ خود ہی فرماتا ہے: رَهْبَانِيَّةَ نِابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (27:57) یہ رہبانیت انہوں نے خود ہی ایجاد کر لی، ہم نے ان کے اوپر نہیں رکھی۔ پس وہ اس کا حقِ رعایت ملحوظ نہیں رکھ سکے۔ یہ تو ان کی رہبانیت کا حال ہے۔ پھر ان راہبوں کا، جن کی کوٹھڑیوں کی حفاظت کرنی ہے، عقیدہ کیا ہے کہ مسیحؑ خدا کا بیٹا ہے۔ اس کے متعلق بھی صاف طور پر فرماتے ہیں: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّا الْجِبَالُ هَدًّا. (90:19) قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ کانپ کر گر پڑیں۔ تو ان کے عقیدہ کو یہاں تک برا جانتا ہے، ان کی رہبانیت کو وہ جائز نہیں رکھتا۔ لیکن باوجود اس کے سب سے پہلے کہتا ہے: لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ (40:22)

راہبوں کی کوٹھڑیاں گر پڑیں گی اگر اللہ تعالیٰ جنگ نہ کرائے۔ساتھ ہی فرمایا وَبِيَعٌ (40:22) اور گرجے بھی۔ لیجئے! ابھی راہبوں کی کوٹھڑیوں کی فکر تھی، اب گرجوں کی بھی فکر ہوگئی۔ جہاں دن رات مسیحؑ کی خدائی کا ذکر ہے۔ پھر فرماتا ہے۔وَّ صَلَوٰتٌ (40:22) اور بھی عبادت خانے جو دنیا میں ہیں۔آخر پر مساجد کو رکھا اور ساتھ ہی کہا کہ ان میں اللہ کا ذکر بہت کثرت سے ہوتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں اور گرجوں کو پہلے رکھا۔ یہ ہے وہ عزت جو اسلام نے دوسرے مذاہب کی روا رکھی ہے۔ یہ ایک بہت ہی مشکل کام ہے کہ کوئی کسی دوسرے شخص کو مقدم کرے اور اپنے آپ کو پیچھے رکھے۔ یہ اسلام ہی کا احسان ہے جو اس نے دوسرے مذاہب پر کیا ہے۔تو عملی رنگ میں دوسرے مذاہب کی وہ عزت کرتا ہے۔اس پر بھی بس نہیں۔اس سے آگے اور ترقی کرتا ہے۔فرمایا: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (108:6) ان کافروں کے معبودوں کو بھی، جن کو وہ اللہ کے سوائے پکارتے ہیں، گالی نہ دو۔ گویا ہمیں تمام مذاہب کے بزرگوں کی عزت کرنی سکھائی ہے۔ چاہے لوگ انہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (108:6) معبود بنائے ہوئے ہوں!

چنانچہ ایک طرف علوم کے رنگ میں تمام مذاہب کے اصولوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا اور دوسری طرف عملاً ان کی یہ عزت کی۔ گویا اتنی بڑی مساوات قائم کر دی کہ تمام مذاہب کی ایک حیثیت قرار دے دی۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلام نے سب کو ایسی مساوات دے دی تو اس کی اپنی کیا پوزیشن ہے؟ یہ خود کیا بنا؟ دوسرے مذاہب کو خدا کی طرف سے مان لینا ایک بڑی ہی دل خوش کن بات ہے۔لیکن مشکلات بھی اس میں بڑی ہیں۔خود اپنی پوزیشن کیا ہوگی؟ دوسرے مذاہب کی عزت تو یہاں تک کی کہ مثلاً جہاں کہیں توراۃ کا بھی ذکر کرے گا، تو فرمائے گا فِيْهَا هُدًى وَنُوْرٌ (44:5) تو جب اس کے اندر ہدایت اور نور موجود ہے۔توراۃ والے کہیں گے کہ پھر اس قرآن کو ہمارے سامنے کیوں پیش کرتے ہو؟ ہدایت اور نور تو پہلے ہی ہماری اس کتاب میں موجود ہے۔اور کون سی بات ہے جس کے لیے اس کو مانا جائے۔تو اس لیے سب سے پہلے اپنی بھی ایک پوزیشن قائم کرتا ہے۔فرمایا: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (81:3) اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوںؑ کے ذریعہ سے یہ عہد

لیا کہ دیکھو میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے۔ پھر تمہارے پاس ایک رسولؐ آئے گا جو تصدیق کرے گا اس کی جو تمہارے پاس ہے۔ پھر تمہیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ دوسری جگہ فرمایا: وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِا لْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُھَیْمِنًا عَلَیْہِ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (48:5) اور اتاری تیری طرف کتاب حق کے ساتھ جو تصدیق کرتی ہے اس کی، جو سامنے ہے کتاب سے اور محافظ اس پر۔ پس جو کچھ اللہ نے اتارا اس سے ان میں فیصلہ کر۔

پہلی آیت میں صاف ایک رسول کے آنے کا وعدہ دیا ہے اور اس کی نشانی یہ بتا دی کہ وہ تمام دنیا کی کتابوں کی تصدیق کرے گا۔ جاؤ! اب ایک ایک کر کے تمام نبیوںؑ کی کتابوں کو تلاش کرو۔ سوائے قرآن کریم، سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، کسی کو بھی دوسری کتابوں اور نبیوں کا مصدّق نہ پاؤ گے۔ بیشک توراۃ کو جس کا جی چاہے دیکھ لے یا ویدوں سے ہی کوئی نکال کر دکھائے کہ اس نے کہاں دوسری کتابوں کی تصدیق کی ہے۔ اب یہ بات کہ واقعی سارے نبیوںؑ نے آپؐ کے لیے پیشگوئی کی تھی، اس کی تصدیق کسی قدر دقت طلب امر ہے۔ کئی نبیوںؑ کی کتابیں نہیں ملتیں۔ تو ان کی پیشگوئیوں کا کہاں سے پتہ لگے! لیکن اس کا ایک بڑا علاج بتا دیا کہ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کا مصدق ہے۔ اسی طرح وہ سب اس کی پیشگوئی کرتے ہیں۔ یوں مذہب کو ایک سائنس اور علم کا رنگ دے دیا۔

بڑی پُر حکمت کتاب ہے یہ قرآن کریم۔ واقعی اس کے اندر علوم کے خزانے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس قدر علوم کو اس نے بیان کیا ہے کہ ایک جرمن پروفیسر نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ہے ''قرآن کے متعلق نئی تحقیقات''۔ وہ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، معلوم ہوتا ہے اپنے پاس بائبل کے نوٹ رکھے ہوئے تھے۔ کیونکہ قرآن کے ایک ایک فقرہ بلکہ ایک ایک لفظ کے اندر اس نے بائبل کے کئی کئی باب بیان کر دیئے ہیں۔ لیکن اس کو معلوم نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیبل کا علم تو کیا ہونا تھا۔ آپ پڑھے ہوئے بھی نہ تھے!

سلسلہ اسرائیلی میں سے دو باتیں قرآن مجید نے لے لیں اور باقی سب کو چھوڑ دیا۔ اس سلسلہ کے ایک موجدِ اوّل حضرت ابراہیمؑ کا ذکر دیا کہ ان کی ایک دعا ہے رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ

اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ (129:2) یہ دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔اس دعا کا ذکر تو صراحت کے ساتھ کیا۔لیکن حضرت موسیٰؑ تک کی عظیم الشان پیشگوئی:

''خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔''(استثناء15:18)

کو محض ایک اشارہ کے رنگ میں بیان کیا جہاں فرمایا: اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا. (15:73) یعنی وہ مثیل موسیٰؑ نبی آ گیا۔لیکن ایک اور پیشگوئی کا بھی تصریح کے ساتھ ذکر کیا اور وہ ہے سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰؑ کی پیشگوئی۔ان کی بھی بشارت کو نقل کیا: وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) یعنی آپ نے فرمایا کہ میں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔گویا تمام نبی جس کا انتظار دلاتے آئے تھے کہ وہ آئے گا،حضرت عیسیٰؑ اسی کی بشارت لے کر آئے کہ لو وہ اب آتا ہے۔اس طرح سارے نبیوںؑ کا موعود آپؐ کو ثابت کر دیا۔

غرض اسلام کی پوزیشن دوسرے مذاہب میں کیا ہے۔اسلام دراصل موعود ہے تمام دوسرے مذاہب کا۔ہر ایک مذہب اس آخری دین کا وعدہ دیتا آیا اور اس کو ماننے کی ہر ایک نے ہدایت دی۔پھر سب سے بڑی خصوصیت اسلام میں یہ ہے کہ تمام مذاہب قومی ہیں،لیکن اسلام دنیا کی تمام قوموں کے لیے آیا ہے۔اور واقعی اس پوزیشن کے لحاظ سے،جو قائم کی کہ سارے نبیؑ اس کا وعدہ دیتے آئے،کُل قوموں کو اس نبی پر ایمان لانے کی تلقین کی گئی،یہی ہونا چاہیئے تھا۔حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بھی فرمایا: وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ (49:3) صرف بنی اسرائیل کی طرف ہی آپ رسول ہو کر آئے تھے۔چونکہ آپ اس سلسلہ کے آخری نبی تھے۔اس لیے بتا دیا کہ یہ بھی ایک خاص ہی قوم کی طرف آئے ہیں۔اس کا ثبوت خود انجیل سے بھی ملتا ہے۔ایک موقعہ پر جب ایک کنعانی عورت حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئی اور اس نے آپ سے کچھ تلقین چاہی تو آپ نے فرمایا:

''میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ اس (عورت) نے آ کر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند! میری مدد کر۔اس نے جواب میں

کہا۔لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔اس (عورت) نے کہا ہاں خداوند کیونکہ کتے بھی ان ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو ان کے مالکوں کی میز سے گرتے ہیں۔''
(متی28-24:15)

چنانچہ جتنے نبی قرآن سے پہلے آئے، سب ایک ایک قوم کی طرف ہی آتے رہے۔ یہ عیسائیوں نے پیچھے بنا لیا کہ حضرت مسیحؑ کل دنیا کے لیے تھے۔ پولوس ایک شخص ہوا ہے حضرت مسیح کے بعد۔اس نے کہا کہ یہود تو ہماری باتوں کو مانتے نہیں، چلو غیر اقوام میں ہی چل کر پھیلائیں۔ حالانکہ حضرت مسیح کا منشا یہ نہ تھا اور نہ ان کا دعویٰ تھا جو پیش کیا گیا۔غرض اپنی اصلیت میں ہر ایک مذہب ایک ایک قوم کے لیے آیا، اور اسلام سب کے لیے۔ چونکہ پہلے مذاہب کے ایک ایک قوم کی طرف آنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قومیں مختلف بن گئیں۔ ہر ایک اپنے ہی اعتقادات کو صحیح سمجھتی۔اور دوسری قوموں سے متنفر تھی۔اس لیے ان سب کے لیے ایک مذہب بھیجا گیا تا کہ سب ایک رشتہ میں منسلک ہو جائیں۔

تو پس اسلام ہی ایک مذہب ہے کہ جس نے یہ کمال کر دیا کہ تمام قومی تفریقات کو مٹا دیا۔گورا اور کالا، غلام اور آقا، حاکم اور محکوم اور دیگر قومی و نسلی تفریقات کو بالکل مٹا دیا۔اس کا ایک عجیب نقشہ آج بھی نظر آتا ہے کہاں؟ ووکنگ (انگلستان) کی اس مسجد میں۔ جہاں نماز میں جب کھڑے ہوتے ہیں، جب کھانے پر بیٹھتے ہیں تو نہ حاکم و محکوم کا فرق ہے اور نہ ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز۔سب ایک دوسرے کے برابر، شانہ بشانہ، پہلو بہ پہلو کھڑے اور بیٹھے ہیں۔ایک لارڈ اور ایک معمولی آدمی، ایک لیفٹیننٹ اور ایک سپاہی، ایک آقا اور ایک غلام، سب میں ایک مساوات نظر آتی ہے!

اسلام کی بہت سی باتوں کے اندر یہی پاؤ گے۔ حج میں کیا کمال کر دیا؟ وہاں ہر ایک قسم کے امتیازات کو ہی ہٹا دیا۔کوئی اپنا خاص کپڑا نہیں، سب بن سِلی چادروں کو پہنو۔اس وقت شاہ اور گدا میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ ایک معبودِ حقیقی کے سامنے سب ایک ہی لباس اور ایک ہی وضع قطع میں نظر آتے ہیں۔ یہ نقشہ اگر پیدا کر کے دکھایا ہے تو اسلام ہی نے۔ یہ ایک وحدتِ قومی اور مساوات صرف اسی ایک مذہب نے پیدا کی ہے۔تو پہلی خصوصیت اسلام کی یہ ہے کہ اس نے قوموں کے خاص خاص نشانوں اور امتیازات کو، جو موجبِ تفرقۂ نسل انسانی تھے، مٹا

دیا۔ پھر دوسری بات یہ بتائی کہ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِا لْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ (48:5) ہم نے کتاب کو تیری طرف نازل کیا حق کے ساتھ، مصدق ہے اس کی جو سامنے ہے کتاب میں سے اور محافظ ہے اس پر۔ توراۃ بیشک ہدایت اور نور بھی ہے، بیشک اپنے وقت میں روشنی اس میں تھی۔ لیکن قرآن اس لیے آیا کہ ان کی سچائیوں کو اپنے اندر لے لے اور ان کی غلطیوں کو دور کر دے۔ کس طرح سے ہر ایک بات کو سائنس کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔ یہ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ(48:5) کہنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ اس لیے کہ ان دوسری کتابوں میں تحریف لوگوں نے کر دی۔ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (79:2) اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب کو لکھتے ہیں اور پھر اسے خدا کی طرف سے بتاتے ہیں۔ تمام انجیلوں کو دیکھ لو۔ لکھتے ہیں۔ ''خداوند یسوع مسیح کی انجیل جو متّی رسول کی معرفت لکھی گئی۔'' تو یہ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ (48:5) کہنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ اس لیے کہ ان کتابوں کے اندر تحریف ہو گئی!

لیکن اب پھر مشکل پیش آتی ہے کہ تمام کتابوں کی تحریف کو کیونکر پیش کرے۔ بائبل کی تحریف کو تو پیش کر دیا۔ لیکن باقی تمام کتابوں کی تحریف کیونکر ثابت ہو؟ اس کے لیے اگر ہم واقعات کو پیش کریں تو واقعی تحریف نظر آتی ہے۔ گو اس زمانہ میں اس میں شبہ نہیں کہ الفاظ کے معانی کو بڑی وسعت ہو گئی ہے۔ اور ویدوں کے اندر سے بھی کیا کیا کچھ ثابت کرنے کی کوششیں ہوئی ہیں۔ لیکن ان کے اندر بھی تحریف اسی سے ثابت ہے کہ خود منتروں کے اوپر لکھا ہے کہ فلاں نے اس کو فلاں راجہ کی تعریف میں بنایا۔

کہا جائے گا کہ دوسروں کے اوپر حکم بن کر جس طرح تم کہتے ہو کہ ان کی کتابوں میں تحریف ہوئی ہے اس طرح سے عیسائی وغیرہ کہتے ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ یہ ایک علیحدہ مستقل مضمون ہے۔ جو میں آج شام کو بیان کرنے والا ہوں (اسی شام کو حضرت مولٰینا نے جمع قرآن پر ہسٹاریکل سوسائٹی کے زیر اہتمام ایک لیکچر دیا جس میں قرآن کریم کو غیر محرف و مبدّل ثابت کیا۔ مرتب)۔ لیکن اتنا میں کہتا ہوں کہ قرآن کے متعلق ایسی ایسی شہادتیں ہیں کہ جن کا انکار نہیں ہو سکتا اور جن سے ثابت ہے کہ قرآن بیشک محفوظ ہو گیا۔ بلکہ اس کا یہ کام بتایا کہ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ(64:16) یعنی اس قرآن کا کام یہ ہے کہ ان تمام باتوں کو کھول کر بیان کر دے، جن میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا: فِطْرَتَ اللّٰهِ

الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَاتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (30:30) اس حصہ کو اس قرآن میں محفوظ کر دیا ہے۔جس پر فطرت شہادت دیتی ہے۔ پھر ایک اور خصوصیت یہ بیان کی کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (3:5) آج کے دن تمہارا دین تمہارے لیے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔ ہم کو تو اس کے متعلق زیادہ بحثوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس نے یہ دعویٰ کیا ہو۔اس لیے اس کے متعلق بحث ہی فضول ہے۔اسی انجیل کے اندر صاف طور پر یہ اعتراف موجود ہے کہ:

> ’’مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے۔مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔‘‘ (یوحنا 16:12-13)

یہ خود حضرت مسیحؑ کی زبان سے اعتراف ہے، جس کے ہوتے ہوئے قرآن کے اس دعویٰ پر بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ ساری تعلیم وہ نہیں دے سکے اور اس کے لیے ایک اور کا انتظار دلاتے ہیں۔ وہ کون ہے؟ وہ وہی موعود رسولؐ ہے جس کی سب نبیؑ پیشگوئی کرتے آئے۔

تمام اختلافات کا فیصلہ قرآن کریم میں: میں نے کہا تھا کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ اختلافات میں فیصلہ کرنے آیا ہے: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْہِ (64:16) مذہب کو ایک مجموعی حیثیت میں لو۔اس کا کیا نقشہ نظر آتا ہے؟ ہر جگہ اختلاف ہی اختلاف ہے۔ایک کہتا ہے۔خدا کوئی نہیں، ایک کہتا ہے تین خدا ہیں۔ایک اور ہے وہ کئی کروڑ خدا مانتا ہے۔غرض ایک بہت بڑا اختلاف ان سب میں پایا جاتا ہے۔ پھر کیونکر یہ حل ہو؟ قرآن حکیم اس کے حل کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر اس کے حل کا طریق بتا دے، تو یہ ایسی بات ہے کہ جس کے سامنے ساری باتیں ہیچ ہیں۔ چنانچہ وہ بتاتا ہے کہ: قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (64:3) اور ایک مشترک امر کو، جو سب مذاہب میں ہے، اس کو نکال کر دیکھیں۔حضرت مسیحؑ کی خدائی کے خلاف سارے دلائل دے کر، یہاں تک کہ مباہلہ کا بھی چیلنج دے کر، پھر یہ گُر

فیصلہ کا بتایا کہ سب مذاہب میں سے ایک مشترکہ امر کو نکال کر دیکھو کس کی تائید میں ہے۔ یہاں اَھْلَ الْکِتٰبِ کہہ کر خطاب کیا۔ اہل کتاب میں گو یہود اور نصاریٰ کو ہی عام طور پر داخل سمجھا گیا ہے، لیکن صحابہؓ کا فتویٰ مجوسیوں کے حق میں بھی اہل کتاب ہونے کا ہے۔ انہوں نے مجوسیوں سے اہل کتاب کا سا سلوک کیا ہے۔

اسی لیے کسی نے کہا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کے اوپر بڑی نظر تھی کہ ان کو مجوسیوں کے اندر بھی کتاب کا آنا معلوم تھا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ مسلمانوں کی تاریخ دانی کا نتیجہ نہیں، بلکہ قرآن دانی کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم نے جب بیان کر دیا کہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَافِیْهَا نَذِیْرٌ (24:35) ہر ایک قوم میں کوئی نہ کوئی ہادی اور رسول آیا. تو ساری ہی قومیں اہلِ کتاب میں داخل ہو گئیں۔ اس لیے فرمایا کہ ان ساری قوموں کے مذہب میں سے ایک اصول مشترک لے لو۔ اس سے یہی ثابت ہوگا اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (64:3) کہ خدا کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں۔

چنانچہ جب ہم ایک ایک کر کے سب مذاہب پر نظر ڈالتے ہیں تو یہی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ ہمیں نظر آتا ہے۔ ایک مذہب بدھ کا ہے، وہ خدا کا قائل نہیں۔ ایک نصاریٰ ہیں، وہ تین خدا مانتے ہیں۔ ایک زرتشتی ہیں، وہ دو خداؤں کے قائل ہیں۔ ہندو کئی خدا مانتے ہیں اور مسلمان توحید۔ ان سب میں سے ہم ایک کَلِمَةٍ سَوَآءٍ کو لینا چاہتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو خدا کی ہستی کا قائل نہ ہو، سوائے ایک بدھ مذہب کے۔ لیکن بحیثیت ایک مذہب کے ماننا پڑتا ہے کہ یہ بدھ کی اصل تعلیم نہیں، بلکہ اس میں تحریف ہو گئی ہے۔ کیونکہ مذہب کی اصل غرض تو خدا پرستی ہی کو سکھانا ہے۔ ایک بنچ آف ججز بٹھا لو، اس میں تمام مذاہب کے ایک ایک قائم مقام کو لے لو اور اس کے سامنے ایک ایک کر کے سب مذاہب کو پیش کرو۔ ایک بدھ مذہب ہی اس کے سامنے آئے گا جو کہے گا کہ خدا کوئی نہیں۔ باقی سب خدا کی ہستی کے قائل نظر آئیں گے۔ اب چاہیئے تو یہ تھا کہ جو بھی مذہب اس نسل انسانی کی کورٹ کے سامنے آتا ہے، وہ اپنے عقیدہ کی صداقت کے لیے کوئی شہادت بھی پیش کرے۔ لیکن یہاں بدھ مذہب کا اکیلے ہی یہ دعویٰ ہے کہ خدا کوئی نہیں، کسی دوسرے کی شہادت اس پر نہیں۔ پس وہ دعویٰ، جس کی شہادت کوئی نہیں، خارج ہو جائے گا۔

اس کے بعد زرتشت کا مذہب آتا ہے۔ اس مذہب کی بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ دو خالق مانتا ہے۔

(یزدان اور اہرمن یعنی نیکی کا خالق اور بدی کا خالق ۔ مرتب) بدی کا وجود دنیا میں اس قدر نظر آتا ہے کہ کوئی طرف اس سے خالی نہیں اور اس کی اصلاح بھی ہوتی نظر نہیں آتی ۔ اگر کوئی ایسا انسان نظر آتا ہے، جس نے بدی کے وجود کو مٹا ہی دیا، تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات اقدس ہے ۔ آپؐ کو اگر دیکھا جائے تو جس بد ترین حالت سے آپ نے عرب کے لوگوں کو اعلیٰ معراج پر پہنچایا، اس کی نظیر دنیا میں نظر نہیں آتی ۔ تو یہ تو ایک ہی انسان دنیا میں ہوا ہے ۔ جس نے یوں بدی کو مٹا ڈالنے میں فوق العادت کامیابی حاصل کی ۔ زرتشتیوں کے سامنے یہ نظیر کہاں تھی؟ انہوں نے جب بدی کو اس طرح چاروں طرف مسلط دیکھا تو یہ خیال کیا کہ یہ کسی اور خالق کی پیدا کردہ ہے ۔ اس لیے یہ عقیدہ بنالیا کہ خالق دو ہیں ۔ ایک نیکی کا اور ایک بدی کا ۔ قرآن کریم نے زرتشت کے اس مذہب کی اصولی طور پر تردید کی ہے ۔ فرمایا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ (1:6) یہاں صاف بتا دیا کہ اندھیرا اور روشنی، نور اور ظلمات، نیکی اور بدی، سب ایک خدا کے ہی پیدا کردہ ہیں ۔ پھر دیکھئے ۔ ایک جگہ بڑے ہی لطیف الفاظ میں تردید کی وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوۡۤا اِلٰهَیۡنِ اثۡنَیۡنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (51:16) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دو خدا مت بناؤ ۔ اللہ تو ایک ہی ہے ۔ وہ کہاں دو خدا ہیں؟ جن سے منع کیا ۔ اس کے پہلے ہی سمجھا دیا یہ کہہ کر اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَیۡءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمۡ دٰخِرُوۡنَ. (48:16) کیا نہیں دیکھتے اس طرف، جو اللہ نے پیدا کیا ہے کسی چیز سے ۔ اس کے سائے دائیں اور بائیں سے پھرتے ہیں اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے ۔ وہ پورے طور پر مطیع ہیں ۔ یہاں بتا دیا کہ جس طرح سے ان اشیاء کو اپنے ماتحت رکھا ہے، اسی طرح ان کے سائے بھی لوٹ کر آتے ہیں ۔ بدی کو اس جگہ سائے سے مشابہت دی ہے اور اس طرح سے اس عقیدہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے، جو خالق شر کے متعلق رائج ہے ۔ لیکن اب ہم اس عقیدہ کو اسی مذاہب انسانی کی عدالت کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔ کیا کوئی اور مذہب بھی ایسا ہے جو یہ مانتا ہو اور ان دو خداؤں کا قائل ہو ۔ کوئی نہیں ۔ معلوم ہوا کہ یہ بھی فطرتی مذہب نہیں ۔ کیونکہ تمام مذاہب اس کے خلاف ہیں اور کوئی اس کی گواہی کے لیے کھڑا نہیں ہوتا ۔ اس لیے یہ بھی دعویٰ شہادت نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ اخراج ٹھہرا ۔

اس کے بعد تین خداؤں کے عقیدہ کو لو ۔ اس عقیدہ نے دنیا میں بڑا رواج پایا ہے ۔ قرآن نے تو اس

عقیدہ کی صاف طور پر یوں تردید کردی کہ وَلَاتَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ (171:4) سُبْحٰنَہٗ کے معنی ہیں کہ خدا کی ذات تمام نقصوں سے پاک ہے۔ اس کو کیا ضرورت ہے کہ کسی اور کو اپنا شریک بنائے۔ یہ نقصوں سے پاک ہونے کا ذکر اس لیے کیا کہ وہ جو تین خدا مانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خدا باپ کے اندر عدل ہے رحم نہیں۔ رحم کے لیے خدا بیٹے کو پیش کیا۔ چونکہ وہ سزا کو اٹھا لے گیا، اس لیے اب سب بری ہیں۔ تو اس طرح سے خدا باپ بناتے ہیں اس کی صفات میں نقص قرار دے کر۔ تو سُبْحٰنَہٗ اس سارے عقیدہ کا ہی جواب ہے۔ علاوہ اس کے واقعی بات یہ ہے کہ اس عقیدہ کے بنانے والے کو بعض الفاظ سے غلطی لگ گئی ہے۔ ورنہ اناجیل کو اگر دیکھا جائے، تو باوجود یہ کہ بہت بعد کی بنی ہوئی ہیں، پھر بھی ان میں توحید کا ذکر ضرور ہے۔ حضرت مسیح کا قاعدہ تھا کہ تمثیلوں میں کلام کیا کرتے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ لفظ خدا کا بیٹا انجیلوں میں بہت آتا ہے۔ لیکن اس سے حضرت مسیحؑ کیا مراد لیتے تھے؟ اس کو وہ خود ہی صاف کر دیتے ہیں۔

ایک اور موقعہ پر حضرت عیسیٰؑ یہودیوں کو ابلیس کے فرزند قرار دیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ ابلیس کے کام کرتے تھے۔ یہ تو مطلب نہیں کہ وہ واقعی ابلیس کے بیٹے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا حضرت مسیحؑ کے ذہن میں واقعی یہ بات تھی کہ وہ حقیقی معنوں میں اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہیں۔ اس کے برخلاف انجیل میں تو انھوں نے وہ نسخہ ہمیں بتا دیا ہے کہ جس سے ہم سب خدا کے بیٹے بن جائیں۔ ان کی پہاڑی وعظ کا ایک فقرہ ہے:

''مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔'' (متی 8:5)

پھر کہتے ہیں کہ:

''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لیے دعا کرو۔ تا کہ تم اپنے باپ کے، جو آسمان پر ہے، بیٹے ٹھہرو۔'' (متی 5:43-45)

تو یہاں دشمنوں سے بھی محبت کرنے اور ان کے لیے دعا مانگنے کو خدا کے بیٹے بننے کا موجب ٹھہرایا۔

کیونکہ خدا اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرتا ہے، وہ نیک و بد کی تمیز نہیں کرتا، اس کا رزق سب کے لیے یکساں کھلا ہے۔ اس لیے دراصل خدا کے بیٹے بننے سے مراد کیا ہے؟ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ صرف اس کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگین کرنا، اس کی صفات سے حصہ لینا۔ پھر حضرت مسیحؑ خود اپنی صفائی کرتے ہیں۔ ایک دفعہ یہودیوں نے انہیں سنگسار کرنے کے لیے پتھر اٹھائے۔ اس پر لکھا ہے کہ:

> ''یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے تم کو باپ کی طرف سے بہتیرے اچھے کام دکھائے ہیں۔ ان میں سے کس کام کے سبب سے مجھے سنگسار کرتے ہو؟ یہودیوں نے اسے جواب دیا کہ اچھے کام کے سبب سے نہیں بلکہ کفر کے سبب سے تجھے سنگسار کرتے ہیں اور اس لیے کہ تُو آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا بناتا ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو؟ جبکہ اس نے انہیں خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا اور کتاب مقدس کا باطل ہونا ممکن نہیں۔ آیا تم اس شخص سے، جسے باپ نے مقدس کر کے دنیا میں بھیجا، کہتے ہو کہ تُو کفر بکتا ہے۔ اس لیے کہ میں نے کہا میں خدا کا بیٹا ہوں''۔ (یوحنا10-32-36)

اب اس سے کوئی عقلمند نتیجہ نکالے کہ حضرت مسیحؑ کا منشاء خدا کا بیٹا اپنے آپ کو کہنے سے کیا ہو سکتا ہے؟ اگر تو انہی معنوں میں خدا کے بیٹے ہیں، جیسا کہ خود انہوں نے اپنے اس کلام میں بتایا ہے، تو بات ہی صاف ہے۔ توراۃ کے اندر تو یہ محاورہ عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جلد باز لوگوں نے اسے اور کا اور بنا لیا!

یہ تو انجیل کی اپنی شہادت ہے۔ ادھر قرآن کریم بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ لیکن اگر واقعی یہ خدا کا بیٹا ہونا بھی کوئی بات ہوتی، تو جس طرح بنی اسرائیل میں نبی آئے، اسی طرح سب قوموں میں آتے رہے۔ اگر خدا کا بیٹا ہونا بھی کوئی بات ہوتی، تو اس کی تعلیم ایک ہی قوم میں نہ ہوتی۔ جو بات حق ہوتی ہے۔ اس کی شہادت سب دے دیتے ہیں۔ اس کی بھی گواہی دوسرے مذاہب سے کوئی ملتی اگر اس میں کوئی حق امر ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے یہ دعویٰ بھی قابل سماعت نہیں۔ اب ان تمام مذاہب میں سے ایک کلمہ سواء ایک خلاصہ اور نچوڑ کو لے لو، وہ یہی نکلے گا اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ (64:3)۔ تین خدا ماننے والوں نے بھی ایک خدا کو آخر مانا۔

ایک خدا اور تین خدا یہ کوئی جوڑ نہیں۔ تاہم تین کے ساتھ ایک ضرور کہیں گے۔ اسی لیے تو ان کو کہنا پڑا کہ مذہب میں عقل کو دخل نہ دو۔ لیکن سرے سے تین ہی خدا مان لیتے۔ یہ جو اپنے گلے میں ایک بلا ڈال رکھی ہے کہ ایک بھی ہے اور تین بھی۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے ہے کہ وہ فطرت انسانی، وہ نور جو انسان کے اندر ہے، وہ پیچھا نہیں چھوڑتا۔ انہوں نے تین کو ایک اور ایک کو تین مان کر یہ بتا دیا کہ فطرت انسانی کی چنگاری ابھی موجود ہے۔ بلکہ ایک فریق ان کے اندر ایسا بھی ہے جو ایک ہی خدا کا قائل ہے اور تثلیث کو نہیں مانتا۔

پھر انجیل میں ایک اور جگہ یہ بھی لفظ ہیں کہ:

"تاکہ جو یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو یہ میرا خادم ہے جسے میں نے چنا۔ میرا پیارا جس سے میرا دل خوش ہے"۔ (متی 12:17-18)

عربی انجیل میں لفظ ہیں عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَیۡہِ یعنی بندہ جس پر ہم نے انعام کیا۔ پھر یہ لفظ کہ "جس سے میرا دل خوش ہے۔" یعنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ کا ترجمہ ہے۔ اس سے آگے لفظ ہیں کہ:

"میں اپنی روح اس پر ڈالوں گا۔"

قرآن فرماتا ہے: یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ (15:40) یعنی اپنے بندوں میں سے، جس پر چاہتا ہے، اپنی روح ڈالتا ہے یعنی اس سے ہمکلام ہوتا ہے۔ کس قدر صاف بات ہے! ساری انسانی صفات کا ہی ان آیات میں ذکر کیا ہے۔ اب بھی عیسائی کہہ دیتے ہیں کہ مسلمان مسیحؑ کی عزت نہیں کرتے۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر عزت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے خدا تعالیٰ کا پیارا بندہ مانتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوتا تھا۔ اور جیسا کہ متقدّمین اور سمجھدار عیسائیوں نے بھی شہادت دی ہے۔ یہی حق بات ہے۔ مسلمان جب کفار مکہ کی اذیتوں سے تنگ ہو کر ہجرت کر کے حبش کو چلے گئے۔ جہاں کا ایک عیسائی فرمانروا نجاشی نام تھا۔ تو کفار ان کے پیچھے وہاں پہنچے اور بادشاہ سے جا کر ان کو ان کے حوالے کر دینے کے لیے کہا۔ اس وقت نجاشی نے حضرت جعفرؓ کو بلایا، جو اُن لوگوں میں سے تھے جو وہاں گئے ہوئے تھے۔ نجاشی نے انہیں بلا کر ساری کیفیت پوچھی اور پھر قرآن میں سے کچھ پڑھنے کے لیے کہا۔ حضرت جعفر نے سورۃ مریم پڑھنی شروع کی۔ اس

سورۃ میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اوران کی عبدیت کا نقشہ کھینچنے کے بعد جہاں آتا ہے کہ ذٰلِکَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ قَوۡلَ الۡحَقِّ الَّذِیۡ فِیۡہِ یَمۡتَرُوۡنَ (34:19) یہاں تک جب حضرت جعفر پہنچے تو نجاشی نے ایک تنکا اٹھایا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم! مسیح اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔

غرض اسلام نے وہ فطرتی تعلیم واقعی باقی رکھی ہے جو تمام مذاہب میں پائی جاتی ہے۔اس نے تمام مذاہب میں سے ایک خلاصہ اور نچوڑ نکال کر، جو فطرت کے عین مطابق ہے، رکھ دیا ہے۔ دنیا کے مذاہب کا اتحاد اگر کبھی ہوسکتا ہے، اگر کبھی ہندو اور عیسائی مل سکتے ہیں، تو صرف انہی اسلام ہی کے عقائد پر۔ یہ کس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھا دیا کہ وہ تمام مذاہب میں سے ایک ایسا خلاصہ اور نچوڑ نکال کر رکھ جائیں، جس کی سب ہی تائید کرتے ہوں اور فطرت اس کی شہادت کے لیے بول اٹھے! آج اتحاد مذاہب کے لیے کوششیں لوگ کرتے اور اس کے لیے تجاویز سوچتے ہیں۔لیکن قرآن کریم نے تیرہ سو برس پیشتر سے ہی اس کا طریق بتا دیا کہ ایک امر مشترک نکال لو اور اسی پر سب قائم ہو جاؤ اور وہی امر مشترک اسلام کی تعلیم ہے۔

ایک اور بھی امرِ مشترک سارے مذاہب میں پایا جاتا ہے اور وہ دعا ہے۔جس طرح سے توحید ایک امرِ مشترک کے طور پر سب مذاہب میں نکل آتی ہے، اسی طرح دعا بھی سب میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے۔اس کو بھی سب مذاہب نے تسلیم کیا ہے۔ دعا کے فلسفہ پر جب ہم غور کرتے ہیں تو واقعی طور پر سمجھ آجاتا ہے کہ اسلام نے جو کچھ پیش کیا ہے، وہی حق ہے۔مختلف مذاہب کے اصولوں پر غور کرو۔ ایک مسیحی کہتا ہے کہ کفارہ پر نجات ہے۔ ہندو کہتا ہے کہ بخشش ہو ہی نہیں سکتی، انسان مختلف جُونوں میں پھرتا اور اپنے اعمال کی جزا و سزا پاتا رہتا ہے۔ اسلام نے ان سب کے اندر ایک وسط کی راہ پیش کی ہے۔فرمایا اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ (114:11) نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں۔ جتنا غلبہ نیکی کا ہو، اتنی ہی بدی کی طاقت دب جاتی ہے اور بدیوں کا جو اثر انسان پر تھا وہ زائل ہو جاتا ہے۔

لیکن آؤ اب ہم مختلف مذاہب کے اندر تلاش کریں کہ دعا کے متعلق ان کا اصول کیا ہے۔عیسائی مذہب کا سب سے بڑا اصول کفارہ ہے۔ان کا عقیدہ ہے کہ کفارہ کو مان لو اور نجات ہو جائے گی۔لیکن باوجود اس کے کہ دعا کے مسئلہ کے وہ بھی قائل ہیں۔اور دعا بھی حضرت مسیحؑ نے جو سکھائی ہے، وہ اس اصول کی بیخ کنی کرنے والی

ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''تم اس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے۔ تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے...... اور جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے۔ تو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔ بلکہ برائی سے بچا...... اس لیے کہ اگر تم آدمیوں کے قصور معاف کرو گے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تم کو معاف کرے گا اور اگر تم آدمیوں کے قصور معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ بھی تمہارے قصور معاف نہ کرے گا۔'' (متی 6:9-15)

اس دعا نے فیصلہ کر دیا کہ کفارہ کی تعلیم مسیحؑ کی تعلیم نہیں ورنہ دعا غلط ٹھہرتی ہے۔ دونوں میں سے ایک ہی بات ہوسکتی ہے۔ یا تو یہ دعا صحیح ہے اور کفارہ باطل ہے۔ اور یا اگر کفارہ صحیح ہے تو یہ دعا جائز نہیں۔ صاف لکھا ہے: ''جس طرح ہم نے اپنے قرض داروں کو معاف کرلیا ہے۔ تو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر''۔ کیا ہم اپنے قرض داروں کو اسی طرح معاف کیا کرتے ہیں کہ قرض اس سے واپس لے لیا اور کہا جاؤ تمہیں معاف کر دیا۔ کیا بخشش یہی ہوتی ہے کہ کسی چیز کا معاوضہ لے لیا اور پھر کہہ دیا کہ ہم تمہیں بخش دیتے ہیں؟ نہیں۔ بلکہ ہم تو کسی کے قصور یا قرض اس طرح بخشا کرتے ہیں کہ اسے چھوڑ دیا اس سے کچھ بھی نہ لیا۔ اسی کا نام بخشش ہے۔ تعجب ہے کہ انسان کے اندر وہ بات بتائی جاتی ہے جو خدا میں نہیں۔ پھر اگر کفارہ کے ذریعہ سے بخشش ہو چکی ہے۔ تو دعا کس بات کی ہے؟ کس چیز کی بخشش طلب کی جاتی ہے؟ اسی طرح سے ویدوں کے اندر بھی وہ دعائیں موجود ہیں۔ جو تناسخ کو غلط ثابت کرتی ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ ایک دعا ہے:

''آوَ درگدھانی پتر سرجانو آوَ یادئم چکر ماتنو بھیہ اوراجن پشوتریم نا تایم سرجاؤ فتم ناوامنو ششتم ناوامنور ششٹھ''۔ (رگ وید:86/5)

ترجمہ: خلاصی دے ہم کو ہمارے والدین کے گناہوں سے۔ یا جو ہم نے اپنے جسم کے ذریعہ کیے ہیں۔ خلاصی دے اے راجہ رسی سے بندھے ہوئے بچھڑے کی مانند وششٹھ چور کی طرح (جس طرح وششٹھ نے رسی سے بندھا بچھڑا چھوڑ دیا) اسی طرح ہم کو

گناہوں سے آزاد کرو۔

یہ دعا ویدوں کے منتروں میں کیوں سکھائی گئی؟ جبکہ ان کا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے گناہوں کو بخش سکتا ہی نہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ ہر ایک شخص اپنے ذرا سے فعل کی سزا بھگتے۔ پھر کیا جو شخص بخش نہیں سکتا، اس سے بخشش کی دعا کرنا بالکل بے محل نہیں؟ کوئی عقلمند کبھی آگ سے نہ جلانے کی دعا نہیں کیا کرتا۔ کبھی کوئی پانی کو یہ نہیں کہتا کہ مجھے نہ بھگوئیو۔

چنانچہ اگر تناسخ صحیح ہے تو پھر دعا مانگنا ایسا ہی ہے، جیسے آگ سے نہ جلانے کی درخواست کرنا۔ دعا کا ہونا صاف بتاتا ہے کہ تناسخ کا عقیدہ صحیح نہیں۔ کیونکہ دعا کا اصول تو سب میں مشترک ہے اور تناسخ کی کوئی بھی دوسرا مذہب تائید نہیں کرتا۔ بس خوب یاد رکھو کہ اس بارہ میں بھی اسلام ہی کا مذہب سچا ہے کہ گناہ معاف بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اپنے عمل سے جتنا کوئی نیکی کی طاقت کو بڑھائے گا، اتنا ہی بدیوں کا اثر زائل ہوگا۔ ایک جگہ قرآن کریم میں ہے کہ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَہٗ. وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَہٗ.(99:7-8) یعنی جو ایک ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جو ذرہ بھر بدی کرے گا وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔ تو یہ آریوں کا بظاہر مذہب ہو گیا۔ ایک جگہ کہا تھا: اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (114:11) دوسری جگہ کہہ دیا کہ جو جیسا کام کرے گا، ویسا نتیجہ دیکھے گا۔ دراصل یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائیکہ جو کچھ کوئی شخص کھائے گا، وہی اثر ہو گا۔ اس سے مقوی اثر والی چیز کھالے گا وہ اثر زائل ہو جائے گا۔ ایک جگہ یہ بھی ہے: حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (22:3) ان کے اعمال حبط ہو گئے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے زہر کھالی تو وہ تو مرے گا ہی۔ اسی طرح کوئی اتنا بڑا گناہ کرے، جو تمام نیکیوں کے اثر کو زائل کرنے والا ہو۔ تو وہ اعمال حبط ہی ہو گئے۔

یہ چند باتیں میں نے اس لیے کہی ہیں کہ آپ کو سمجھ آ جائے کہ اسلام کے اصول کیسے پختہ اور محکم ہیں۔ اسلام کا مذہب وہ مذہب ہے کہ تمام دنیا کے اندر جاتا ہے۔ کوئی پنڈت مشنری اسلام کے اندر رکھنے کی ضرورت نہیں۔

ہر ایک مسلمان بچے اور بڑے کا فرض ہے کہ اسے دنیا کے کناروں تک پہنچائے۔ اسلام کی کوئی تعلیم کبھی شرمندہ نہ ہوگی، بلکہ شرمندہ کرے گی۔ تمہارے پاس وہ خزانہ ہے جو ہر ایک جگہ تمہارے کام آئے گا۔ ہاں! دلوں

کے اندر وسعت بکار ہے۔ آج دلوں میں وسعت نہ ہونے کے سبب سے ایک ادنیٰ بات کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ اس کی اچھی بھی نہیں سننی چاہیئے ۔ حالانکہ ہمیں تو ارشاد تھا کہ اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا حکمت مومن کی گم شدہ پونجی ہے۔ جہاں سے بھی ملے، لے لو۔ پس اپنے دلوں کے اندر وسعت پیدا کرو، اپنے بھائیوں کے کام میں ان کے معاون بنو، روک نہ بنو۔ حضرت عمرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ ایک شرابی کو ایک آیت لکھ کر بھیجی غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ (3:40) کس قدر اس میں مغفرت اور بخشش کے وعدے ہیں۔ اس کو پڑھنا تھا کہ اس شخص نے توبہ کر لی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کسی کو بدی کرتے دیکھو تو شیطان کے مددگار نہ بنو کہ سختی کے ساتھ پیش آ کر اور بھی اسے بدی کی طرف لے جاؤ۔ تم اسے بدیوں سے ہٹانے کی کوشش کرو۔

لیکن آج اپنے بھائیوں کے اندر کوئی قصور ہو نہ ہو، اس کی نیک باتوں کو بھی بدی ہی قرار دیا جاتا اور نیک کاموں میں روڑا اٹکایا جاتا ہے۔ کبھی اس شہر (لاہور) میں ہی یہ تجویز ہوئی تھی کہ خواجہ کمال الدین غلط اسلام پیش کرتا ہے۔ پس اس لیے خواجہ صاحب کے خلاف ایک کمیٹی بنائی جائے جو اس کی غلطیوں کو شائع کر کے لوگوں کو اسے چندہ دینے سے روکے۔ کاش! اس وقت یہ غیرت ہوتی کہ اسلام کی راہ میں کس قدر رکاوٹ پیدا ہوگی۔ اگر خواجہ کمال الدین (بفرض محال) غلط اسلام پیش کرتا ہے تو کرنے دو۔ کیونکہ آخر وہ لوگوں کو مسلمان ہی کرتا ہے۔ اسلام کے اصولوں میں تو بہرحال اتحاد ہے۔ دوسروں میں دیکھو، وہاں اصولوں میں بھی اتحاد نہیں۔ مگر پھر بھی ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ پھر جن میں وہ پیش کرتا ہے، ان کو انہی متحدہ اصولوں پر قائم کرتا ہے۔ فروعی مسائل میں اختلاف ہے، تو ہو۔ بہرحال قومیت تو ایک ہے۔ وہی نماز، وہی روزہ، وہی حج، وہی زکوٰۃ۔ کوئی اس کے خلاف تو خواجہ صاحب نے بات نہیں کہی۔ صحابہؓ کو دیکھو جو ہر وقت اس تلاش میں رہتے تھے کہ کونسی بات ایسی ہے جس پر ہمیں عمل کرنا ضروری ہے۔ ان کو ان باریکیوں اور چھوٹے چھوٹے مسائل سے کام نہ تھا۔ عمل سے ان کو کام تھا اور بس۔

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ آج لوگوں کو اپنے قومی کاموں میں بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ کیا تمہارے پنڈال کے اندر وہ رونق ہے جو ایک بیس لاکھ یا پچیس لاکھ کی قوم کے پنڈال میں نظر آتی ہے۔ لیکن کوئی مشاعرہ کہیں ہو تو سَو

کام چھوڑ کر بھی لوگ دوڑے جائیں گے۔اس بگڑے ہوئے مذاق کو درست کرنا چاہیئے ۔ یادرکھو! تمہاری ساری عزت قوم سے وابستہ ہے۔اس لیے قوم کو اٹھانے کی کوشش کرو۔ بڑے آدمی پہلے قربانی کر کے دکھائیں۔ اگر بڑے آدمی کام کریں تو چھوٹے خود بخود اِن کے پیچھے لگ جائیں گے۔ ہر سال شرم آتی ہے کہ ہماری حالت کیوں نہیں درست ہوتی، ہر سال محتاج ہیں کہ چندوں کے لیے بار بار اپیلیں کریں۔ جب تک قوم کو مضبوط اور منضبط نہ کیا جائے گا، کام چل نہیں سکتا۔ ہمارا ہی اس میں فائدہ نہیں بلکہ ساری قوم کا فائدہ ہے۔وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

❁❁❁

31 جولائی 1918ء

قسط اول

ہماری زندگیوں کی متحدہ غرض

احباب سے ایک فیصلہ کی درخواست

(حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے)

برادران و بزرگان قوم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔

جو شخص اپنی زندگی کی غرض کو نہیں سمجھا وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ محض کھا پی کر زندگی بسر کر لینا یا اپنی اولاد کی پرورش کر لینا، یہ امر ادنیٰ سے ادنیٰ حیوانات اور انسان میں مشترک ہے۔ اور جو شخص حقیقی غرض کو سمجھ کر اس کے حاصل کرنے کے لیے اپنی پوری قوت خرچ نہیں کرتا، اس سے بڑھ کر بدقسمت کوئی نہیں۔ ہم لوگ بھی، جو احمدی کہلاتے ہیں، بحیثیت ایک جماعت کے ایک شخصیت رکھتے ہیں اور اس عظیم الشان شخصیت میں ہماری چھوٹی چھوٹی انفرادی شخصیتیں فی الحقیقت گم ہو جاتی ہیں یا گم ہو جانی چاہئیں۔ اب جس طرح ہر انسان کو فرداً فرداً اپنی زندگی کی اصل غرض سمجھنا ضروری ہے، اسی طرح اجتماعی غرض کا جاننا سمجھنا بھی ضروری ہے۔

وہ غرض کیا ہے؟ وہ ہم نے اپنی مرضی اور ارادہ سے قائم نہیں کی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے خاص ارادہ کے ماتحت ہماری جماعت کا وجود بھی قائم ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ایک شخص کو اشاعتِ اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے مامور کیا، خود ہی اسے حکم دیا کہ وہ ایک جماعت بنائے۔ اور آخر جب وہ اپنا کام کر کے اپنے رب سے جا ملا تو اس جماعت کو اپنی جگہ پر چھوڑ گیا۔

چنانچہ ایک مامور کے جانشین ہونے کے لحاظ سے ہماری ذمہ داری اس سے بہت بڑھ کر ہے، جو ہم خود اتفاق کر کے ایک جماعت بناتے ہیں اور اس کا نصب العین اشاعتِ اسلام قرار دیتے ہیں۔ پس ہم سے نہ صرف

الگ الگ خدمتِ دین کو سب خدمتوں پر مقدم کرنے کا اقرار لیا گیا ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ بلکہ بحیثیت جانشین مسیح موعود ہم اسی امر کے ماتحت ہیں، جس امر کے ماتحت خود حضرت مسیح موعود تھے۔ چنانچہ ہم کو بڑے بلند مقام پر کھڑا کیا گیا ہے۔ مگر جس قدر بلند مقام پر کوئی شخص کھڑا ہوتا ہے، اسی قدر اس کی ذمہ داری بھی بڑھتی ہے۔ اور جو بلند مقام پر کھڑا ہو کر اپنی ذمہ داری کو نہیں سمجھتا، اس کی مثال اس نادان کی طرح ہے جو ایک بلند مینار پر کھڑا ہو، مگر یہ سمجھ رہا ہو کہ وہ ہموار سطح زمین پر کھڑا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی حیثیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ایسا کرے گا کہ اس کا کچھ باقی نہ رہے گا!

یہی وہ بات ہے جس نے مسلمانوں کو اس ذلت کی حالت تک پہنچایا۔ کیونکہ ان کو دنیا کے لیے نیکی اور بھلائی کے معلّم اور پیشرو قرار دیا گیا تھا۔ مگر جب ان سے اس بلند مقام کی ذمہ داری کا احساس جاتا رہا تو وہ گرے۔ اور ہر شخص جو بلند مقام پر کھڑا ہو کر اپنی ذمہ داری کو نہیں سمجھے گا، اسی طرح گرے گا۔

اس لیے میں اپنے احباب سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ حضرت مسیح موعود نے ضرور انہیں پستی سے اٹھا کر ایک بلند مقام پر کھڑا کر دیا۔ مگر اب اس بلندی کو اپنی عزت یا اپنی ذلت کا موجب بنانا یہ خود ان کا اپنا کام ہے۔ اگر وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہیں، ان کے لیے یہ مقام بڑی عزت کا موجب ہوگا۔ اور اگر نہیں سمجھتے اور دوسروں سے زیادہ کوئی کام نہیں کرنا چاہتے، تو ان کی ذلت بھی دوسروں سے بڑھ کر ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ وہ کہتی ہے رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَافِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّیۡ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (35:3) اے میرے رب! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے، وہ میں نے دنیا کے کاروبار سے آزاد کر کے تیری نذر کیا ہے۔ سو تو مجھ سے قبول فرما۔ کیونکہ تو سننے والا جاننے والا ہے۔

قرآن پاک کوئی قصوں کی کتاب نہیں کہ ایک کہانی ہمارا دل خوش کرنے کے لیے سنا دی ہو کہ اس کہانی کو سن کر ہم سو جائیں۔ جس طرح ماں بچے کو کہانیاں سنا کر سلاتی ہے۔ بلکہ اس کی ہر ایک کہانی میں ایک بڑا پُر عظمت سبق ہے۔ یہ ذکر بھی ہمیں ایک سبق سکھانے کے لیے ہے کہ ہر ایک فضیلت اور بزرگی اور عظمت کا مقام بڑی بڑی عظیم الشان قربانیوں سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ

وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ. ذُرِّيَّةً بَعۡضُهَا مِنۡ بَعۡضٍ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ. اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لَـكَ مَا فِىۡ بَطۡنِىۡ مُحَرَّرًا (3:33-35) آل عمران کی برگزیدگی یوں ہی نہیں۔ اس کی عورتوں کے دل کے اندر یہاں تک جوش ہے۔ یہ اپنی اولاد کو خدمت دین کے لیے وقف کرتی ہیں۔ مگر جب ایسے لوگوں کا وجود ان میں سے مفقود ہو گیا تو وہ ذلیل بھی ایسے ہوئے کہ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ (90:2) صحابہؓ نے اس سبق کو خوب سمجھا اور کس طرح تمام سب نے اپنی زندگیوں کو خدمت اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ پھر ان کی قربانیوں کے نتائج بھی دیکھ لو۔ آج ہمارے بہت سے دوست ہیں جن کی عملی حالت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ گویا اس انتظار میں ہیں کہ ہم تو خاموش بیٹھے رہیں اور خدا کے فرشتے آسمان سے اتر کر اسلام کو دنیا میں پھیلا جائیں۔ خدا کے فرشتے تو ضرور اترتے ہیں اور ان کے نزول کے بغیر کام بھی نہیں بن سکتا۔ مگر وہ کب اترتے ہیں؟ صحابہؓ کی زندگیوں کی طرف غور کرو۔ جب تین سو آدمی ایک ہزار سے اپنے سر کٹوانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اپنے بال بچوں، گھروں اور جائیدادوں کو چھوڑ کر خدا کی راہ میں نکل پڑتے ہیں، تو ایک ہزار دشمن کے لیے ایک ہزار فرشتے بھی آجاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ گھروں سے نہ نکلتے تو وہ فرشتے بھی نہ آتے۔ پس خدا کے ملائکہ تو ضرور نازل ہوں گے۔ مگر پہلے خدمتِ اسلام کے لیے کوئی کمر بستہ ہو جائے۔ پھر ملائکہ کی نصرت کا نظارہ بھی دیکھ لے گا۔ ہمارے سامنے دو آدمیوں نے بھی (خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی صدرالدین صاحب) اپنے آپ کو جب خدمتِ اسلام میں لگا دیا تو دیکھ لو کہ دو تین سال کے اندر ملائکہ نے دو سو بڑے بڑے آدمیوں کو پکڑ کر ان کے سامنے جھکا دیا۔ پھر اگر تم میں سے دو سو آدمی نکل پڑیں تو نصرت الٰہی یقیناً سو نہیں ہزار گونی ہو آئے گی۔ کیونکہ یونہی اس کا وعدہ ہے کہ جب انسان ایک قدم اس کی طرف اٹھاتا ہے، تو وہ دو قدم اٹھاتا اور جو چل کر آتا ہے وہ دوڑتا ہوا اس کی طرف آتا ہے۔

اس لیے میری درخواست اپنے احباب سے یہ ہے کہ آئندہ بغیر وقت ضائع کرنے کے ہم اس بات کا فیصلہ کریں کہ کون کون ہم میں سے خدمتِ اسلام کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے کو تیار ہے؟ اس کے یہ معنی نہیں کہ ایسے لوگ فوراً اپنے کاروبار کو چھوڑ کر بطور مبلغ اسلام نکل پڑیں۔ بلکہ اس وقت صرف عزم کر لینا ہے اور نیت کر لینی ہے۔ بعض وقت مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہو جاتی ہے نِيَّةُ الۡمُؤۡمِنِ خَيۡرٌ مِّنۡ عَمَلِهٖ. جو لوگ پہلے

اپنے دل کے ساتھ یہ فیصلہ کرلیں کہ ہم نے اپنی زندگی خدمت اسلام کے لیے وقف کرنی ہے، ان کے متعلق پھر ابھی یہ فیصلہ کرنا باقی ہوگا کہ آیا وہ موجودہ ضروریاتِ تبلیغ میں کچھ کام دے سکتے ہیں اور کب تک ۔ پھر ان کی تیاری میں ایک وقت صرف ہوگا۔

اس وقت خصوصیت سے میرے مخاطب دو قسم کے لوگ ہیں۔

اول: وہ لوگ جو ابھی زندگی کے کسی خاص شعبہ میں داخل نہیں ہوئے یا کوئی ملازمت یا شغل انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ یا اختیار کرلیا ہے تو اسے فوراً چھوڑنے کے لیے تیار ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے لازماً انجمن کو گزارہ وغیرہ کا انتظام کرنا ہوگا۔ اس لیے ان کی ایک محدود تعداد ہی سر دست لی جاسکتی ہے۔ ایک مدت تک انجمن کو ان کے لیے سامان گزارہ وغیرہ مہیا کر کے ان کی تعلیم کا انتظام کرنا ہوگا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ انجمن پر بوجھ ہوں گے۔ کیونکہ آخر جو شخص اپنی زندگی دین کے لیے وقف کرے گا، اس کے گزارہ کے لیے انتظام کرنا دوسرے بھائیوں کا کام ہے۔ اس کی قربانی بہرحال قربانی ہے، اور خدمتِ اسلام میں اپنے آپ کو لگا کر ضروریات کے لیے گزارہ کرلینا ابوبکرؓ، عمرؓ جیسے بزرگ انسانوں کی سنت ہے۔

بعض لوگوں کو یہ غلطی لگتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خدمتِ اسلام کر کے گزارہ کے لیے کچھ لینے میں خدمت میں کچھ نقص واقع ہو جاتا ہے یا یہ کسی قسم کی ہتک ہے۔ یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ ایسے لوگوں میں سے جن کا انتخاب ہوگا، ان کی ضروریات کے مطابق ان کے گزارہ کا انتظام کر کے ان کی تعلیم کا ضروری انتظام کیا جائے گا اور انہیں کچھ عرصہ اپنی زندگی طالب علمی کی حیثیت میں گزارنا ہوگی۔ پھر اس کے بعد ہندوستان کے اندر یا باہر حسب ضرورت انہیں تبلیغِ اسلام کے کام کے لیے بھیجا جائے گا۔

دوم: وہ لوگ جو اس وقت کسی ملازمت پر ہیں یا کسی اور ایسے کاروبار میں مشغول ہیں، جسے وہ جلدی چھوڑ نہیں سکتے۔ جو ہمارے احباب برسرِ ملازمت ہیں ان میں سے بہت سے ایسے ہوں گے جو ایک وقت کے بعد پنشن لینے والے ہیں۔ ایسے احباب سے خصوصیت سے یہ التماس ہے کہ وہ دنیوی خدمات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو خدمت دین کے لیے تیار کرنے کے لیے ابھی سے نیت کرلیں۔ جب چندروزہ دنیا کی زندگی کے لیے انسان اپنے بہترین قویٰ کو دوسرے کے لیے خرچ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، تو کیا مشکل

ہے کہ اس آنے والی ہمیشگی کی زندگی کے لیے ایک شخص اور دو چار سال، جب تک اس کے قویٰ برداشت کر سکتے ہوں، اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگا دے۔ ایسے احباب اس لیے بھی زیادہ مفید ہو سکتے ہیں کہ سر دست ان کی تعلیم کا انتظام تو غالباً بغیر کسی خرچ کے برداشت کرنے کے یا بہت تھوڑا خرچ برداشت کر کے ہو سکتا ہے۔ ہر ایک کی حالت کے مطابق خاص کتابیں یا مضامین تجویز ہو سکتے ہیں۔ اور جب وہ ملازمت سے فراغت حاصل کر کے کسی کام پر لگیں، تب بھی ان کے اخراجات کے ایک حصہ کا کفیل ہی انجمن کو ہونا پڑے گا۔ اور بعض ایسے ہوں گے کہ ان کے موجودہ کاروبار میں اس سے کوئی حرج واقع نہ ہوگا۔ ہاں! اگر آج سے دس سال بعد بھی ان کو فراغت ہونے والی ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی زندگی کا یہ حصہ بھی خدمت دین کے لیے ہی وقف ہوگا اور خواہ ان کو موقعہ ملے یا نہ ملے، وہ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (100:4) کے ماتحت ہیں۔

برادران اٹھو! اور دنیا کی ادنیٰ ادنیٰ اغراض کو خدمت دین کے عظیم الشان کام کے سامنے قربان کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ بیشک یہ فیصلہ ہماری زندگیوں کا ایک عظیم الشان مرحلہ ہوگا۔ اس کے متعلق مشورہ بھی کرو، استخارہ بھی کرو۔ کیونکہ یہ آسان کام نہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ جو قوم مشکل کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی، اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا ہے اور اس کا قیام باقی نہیں رہ سکتا۔ یہ الٰہی فیصلہ ہے وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (38:47)۔ ہاں! اس فیصلہ میں بہت وقت بھی ضائع نہ کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ اکتوبر میں لاہور میں جو کام میں کروں اس میں ان مبلغین کی تیاری بھی خاص طور پر مدنظر ہو۔ اس لیے جس قدر جلد ممکن ہو، اپنی اپنی ذمہ داری اور دنیوی مشکلات میں سے جو احباب اول کو ترجیح دیں، وہ اپنے فیصلہ سے مجھے مطلع فرما دیں۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

ایوالاج، چھوٹا شملہ

21اگست1918ء

اداریہ

انگریزی ترجمۃ القرآن اور مسلمان حاسد

جب کبھی کوئی نیک کام دنیا میں ہوتا ہے تو اس کے حاسد بھی ساتھ ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی آنکھیں کتنی مدت سے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی طرف لگ رہی تھیں۔ آخر خدا خدا کر کے وہ چھپ کر شائع ہوا اور عاشقانِ کلامِ ربانی نے اس کو سر آنکھوں پر رکھا۔ لیکن حاسد طبائع، جو پیشتر ہی سے جل بھن کر کباب ہو رہی تھیں، یک لخت مشتعل ہو گئیں اور اب تک ناحق شور وشر سے اپنے عناد کا ثبوت دے رہی ہیں۔

ایک وقت تھا جب یہی لوگ اس کوشش میں منہمک تھے کہ حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کے ترجمۃ القرآن کے شائع ہونے سے پیشتر کسی اور شخص سے ترجمہ کرا کر شائع کرا دیں۔ چنانچہ اس کے لیے مختلف نام بھی تجویز ہوئے، کام بھی ان کے سپرد ہوا۔ لیکن کامیابی کا سہرا اللہ تعالیٰ نے اسی کے سر دیا، جس نے پہلے ہی خلوص کے ساتھ اس کام کو شروع کیا تھا۔

''پیسہ اخبار'' کے ایک تازہ پرچہ میں اب پھر اس اعتراض کو دہرایا گیا ہے کہ ''اس ترجمہ میں مرزا صاحب کی نبوت کی بنیادی اینٹ رکھی گئی ہے۔'' اور کہ:

> ''وہ (یعنی مسلمان) عام اتفاق کے ساتھ ایک مستند ترجمہ شائع کریں اور قوم ان باتوں پر سنجیدگی سے توجہ کرے۔ اور بہتر ہوگا کہ ایک انجمن اس غرض کے واسطے بنائی جائے۔ جس کے ممبر ایسے ہوشیار ہوں کہ خواجہ کمال الدین اور اس کے ساتھیوں کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آ جائیں اور اپنے کام میں ان لوگوں کی شمولیت نہ ہونے دیں۔''

اس خیال کے حامی کوئی نام نہاد ''خیر خواہ اسلام'' ہیں۔ جنہوں نے گریٹ لنڈن سے اس موضوع پر ایک مراسلت لکھ کر بھیجی ہے۔ اور اول الذکر بات کے ثبوت میں ''کویسٹ'' نامی انگریزی رسالہ کے ریویو کا حوالہ

دیا ہے۔ جس کی حقیقت کو ہم کسی دوسری اشاعت میں منکشف کریں گے۔ لیکن جس اہم بات کی طرف اس نام نہاد خیر خواہ اسلام نے مسلمانوں کی توجہ معطوف کرائی ہے۔ جس ''مستند ترجمہ'' کی اس نے خواہش کی ہے، اور وہ بھی ایسا کہ عام اتفاق کے ساتھ شائع ہو، اس کی کیا صورت ہوگی۔ آیا اس انجمن میں شیعہ اور سنی دونوں گروہوں کے مولویوں کو بٹھا کر ترجمہ کرایا جائے گا۔ اور ایک طرف اگر جناب علی الحائری ھٰذَا صَرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ میں عَلَیَّ کو عَلِیٌّ بنا کر ''یہ ہے علی کا سیدھا راہ'' معنے لکھیں گے تو دوسری طرف کوئی اور سنی مترجم صرف ''یہ راہ ہے اوپر میرے سیدھی'' ہی لکھ کر رہنے دے گا۔ یہ تو الفاظ کے ترجمہ کی بات رہی۔ اس سے اتر کر نوٹوں کے لکھنے میں شیعہ اور سنی مقلدین وغیرہ مقلدین میں جو بیسیوں مسائل میں اختلاف ہے اس کا کون فیصلہ کرے گا؟

شہداء زندہ جاوید ہیں یا نہیں؟ اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمُوْتٰی (52:30) سے سماع موتیٰ ثابت ہے یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے یا نہیں؟ اس قسم کی کئی ایک باتوں پر جو قدم قدم پر جھگڑے پیش آئیں گے، انہیں کون طے کرے گا۔ اور تو اور صرف ایک گروہ اہلحدیث میں مولوی ثناء اللہ کی تفسیر پر ہی جھگڑا ہو رہا ہے کہ اس میں فلاں فلاں غلطیاں ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب ان کی باتوں کو غلط سمجھتے ہیں۔ آیا یہ تمام اختلافات پیسہ اخبار کے ''خیر خواہ اسلام'' نامہ نگار کے تجویز کردہ ''ہوشیار ممبر'' ترجمہ قرآن کے صفحات پر ایک دوسرے کے سامنے لکھ کر چھوڑ دیں گے یا ان میں سے کسی ایک کی بات کو قابل ترجیح سمجھا جائے گا!

ہاں! ممکن ہے پیسہ اخبار کے حاجی الحرمین الشریفین ایڈیٹر صاحب اس کام کو اپنے ذمہ لینا پسند کریں، جنہوں نے اس تجویز کی بڑے زور سے تائید کی ہے۔ لیکن کیا وہ اس بات کا یقین دلا سکیں گے کہ وہ اس کے اندر کوئی بھی ایسی بات نہیں لکھیں گے، جو مسلمانوں کے کسی بھی فرقہ کے خلاف ہو۔ اگر نہیں، اور کوئی شخص بھی ہرگز اس بات کا ذمہ نہیں لے سکتا، تو پیسہ اخبار کے ''خیر خواہ اسلام'' نامہ نگار کے موضوعہ اصول کے مطابق ہر ایک فرقہ کے مسلمانوں کو اپنے اپنے جداگانہ خیالات ہی اس ترجمہ کے اندر لکھ دینے ہوں گے تا کہ یورپین پادریوں کی اسلام کے خلاف رنگ آمیزیاں، جو موجودہ ترجمہ کی وجہ سے دور ہونی شروع ہوئی ہیں، ایک دفعہ پھر ایک گھٹا ٹوپ اندھیرے کی شکل میں ان کے سامنے نمایاں ہو جائیں۔ جو شاید کارخانہ پیسہ اخبار کا ایک بہت بڑا کرشمہ ہوگا۔ اور یہی ان کی حقیقی اشاعتِ اسلام ہے!

لیکن بیچارے مولوی محبوب عالم صاحب بھی مجبور ہیں۔ان کو نامہ نگار بھی خیر سے ایسے ہی ملے ہیں جو خود ان کے اپنے ٹائپ کے ہیں۔لنڈن سے بیٹھے ہوئے کبھی ''خیرخواہ اسلام'' اور کبھی ''القاضی'' کا برقعہ پہن کر وہ عموماً اس قسم کی باتیں لکھ لکھ کر انہیں بھیجتے ہیں، جس پر انہیں بھی چارو نا چار کچھ نہ کچھ نوٹ چڑھانا ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ جس نام نہاد خیرخواہ اسلام کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ:

''اس ترجمہ میں صاف لکھا ہے کہ وحی کا دروازہ کھلا ہے۔ نبی صرف وہ ہے جس کو وحی ہوتی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ مرزا صاحب کو وحی ہوتی تھی۔اور اس طرح سے ان کی نبوت کی بنیادی اینٹ رکھ دی ہے۔''

ہم چیلنج کرتے ہیں کہ سارے ترجمہ قرآن میں سے اس قسم کے الفاظ کہیں سے نکال کر دکھائے جائیں۔ یا ان صفحات کا حوالہ ہی دیا جائے کہ جن میں یہ لکھا ہے کہ ''نبی صرف وہ ہے جس کو وحی ہوتی ہو'' اور اس بنا پر حضرت مرزا صاحب کو نبی ثابت کیا گیا ہو۔حالانکہ اس کے صریح خلاف صفحہ 940 پر جہاں وہ آیت آتی ہے جس میں قرآن کریم نے وحی کی تین طرزیں بتائی ہیں: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآئِي حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَآءُ (51:42) وہاں آخری طرز يُرْسِلَ رَسُوْلًا یعنی جبریلؑ کے آنے کے متعلق صاف طور پر لکھا ہے کہ ''اس قسم کا الہام صرف نبیوں کے ساتھ مخصوص ہے بحالانکہ پہلی دونوں قسموں کے الہام ان تمام راستباز انسانوں کو بھی ہوتے ہیں، جو نبوت کے درجہ پر فائز نہیں ہوئے''۔ یہ تو وحی کے متعلق آپ نے صاف طور پر لکھا ہے۔اور سارے قرآن میں کہیں بھی حضرت مرزا صاحب کو اس تیسری طرز کے الہام کا مورد ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ اصل ترجمہ کے نوٹوں کے اندر صرف ایک جگہ آپ کا ذکر کیا ہے اور ایک جگہ تمہید کے آخر میں۔اور لطف یہ ہے کہ ان دونوں موقعوں پر ''مجدد اور مہدی'' کے لفظ ہیں۔اور اصل ترجمہ میں آیت کریمہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ الخ (55:24) مجدد ہی کہہ کر پکارا ہے اور نبی نہیں۔تمہید میں تو صاف طور پر جو نوٹ دیا ہے اس میں حدیث مجدد کو نقل کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آیت کریمہ میں جو بنی اسرائیل سے مشابہت دی گئی ہے، وہ اس بات کی متقاضی ہے کہ امت محمدیہ میں بھی ایک مسیح مبعوث ہو جس طرح بنی اسرائیل میں ایک مسیحؑ آیا۔حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ

اس آیت پر مبنی تھا۔ آپ نے اس چودھویں صدی میں بطور ایک مجدد اور مسلم مسیح کے مبعوث ہونے کا دعویٰ کیا۔

اب اس کو آپ کی ''نبوت کی بنیادی اینٹ رکھنے'' کے مترادف قرار دو یا جیسا کہ حق ہے آپ کے دعویٰ مجددیت کا اظہار۔ بہرحال یہ وہ حق بات ہے جو ''پیسہ اخبار'' کے نام نہاد ''خیرخواہ اسلام'' کو ایک آنکھ نہیں بھائی اور تعصب کی آگ سے جل بھن کر اس نے اس کو غلط طور پر پیش کرنا شروع کیا ہے۔ جس پر حاجی محبوب عالم صاحب بھی بغیر دیکھے ایمان بالغیب لے آئے۔ اور اس پر تو انہیں پہلے ہی سے یقین تھا کہ یہ جنگ جو چار پانچ سال سے حضرت مرزا صاحب کی نبوت پر آپس میں چھڑ چکی ہے، اور ہم نبوت سے انکاری ہیں، تو یہ محض ''جنگ زرگری'' ہے جو تقیہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ معلوم ہوتا ہے حاجی صاحب کا اخبار نویسی کا تجربہ بسبب پیرانہ سالی اب اس حالت کو پہنچ چکا ہے کہ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا (70:16) کے آپ مصداق ہو چکے ہیں۔ یا شاید بغض وحسد کی آگ کوئی ٹھکانے کی بات نہیں کرنے دیتی!

بہرحال ان دونوں س صورتوں میں ہم انہیں معذور سمجھتے ہیں اور ان کے ''خیرخواہ اسلام'' نہیں، خیرخواہ ''دشمنان اسلام'' نامہ نگار کے اس ''مستند'' ترجمہ کے بڑے شوق کے ساتھ منتظر ہیں، جو ''عام اتفاق کے ساتھ'' شائع ہو اور جس پر تمام فرق اسلام کی مہر اسناد ہو۔ دیکھئے ''پیسہ اخبار'' اس کے انصرام کی خبر کب سناتا ہے؟

4-8 ستمبر 1918ء

قسط دوم

بعثت مسیح موعود کی اصل غرض

احباب سے ایک فیصلہ کی درخواست

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَـكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَـكُمُ انْفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ‌ؕ اَرَضِيۡتُمۡ بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا مِنَ الۡاٰخِرَةِ‌ ۚ فَمَا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيۡلٌ. (38:9)

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہوا کہ جب تم کو کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکلو، تو تم بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو، سو دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں تھوڑا ہی ہے۔''

برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے آپ سے ایک فیصلہ کی درخواست کی تھی، اس پر سب سے پہلا خط جو مجھے پہنچا ہے، وہ یہ تھا کہ اب تم نے جماعت کو اصل مقصد کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اب دیکھیں گے کہ کتنے آدمی نکلتے ہیں۔ میں اس خط کا جواب دینے میں اب تک متامل رہا ہوں۔ اس لیے کہ فی الواقع اب تک میرے پاس صرف چھ سات ہی احباب کا فیصلہ آیا ہے۔ لاہور میں معلوم ہوا ہے کہ کچھ اور احباب بھی شاید سولہ کے قریب تیار ہوئے ہیں۔ مگر چونکہ اب تک میرے پاس ان کی تحریریں نہیں پہنچیں، اس لیے میں ان کے متعلق سرِ دست کچھ نہیں لکھتا۔ مجھے جماعت کی اس کم ہمتی پر افسوس ضرور ہے۔ پچھلے دنوں جب مکرم معظم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے جرائم پیشہ کے لیے سپرنٹنڈنٹ کی اسامی کے لیے کچھ خالی جگہ کا اعلان کیا تھا تو فوراً کوئی بیس کے قریب درخواستیں بھی آ گئیں اور بعض لوگ خود چل کر بھی پہنچے۔ لیکن جب خدا کی راہ میں کام کرنے کو نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ تو اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى

الۡاَرۡضِ (38:9) کا نظارہ نظر آتا ہے۔ اگر ہماری حالت بھی وہی رہے، جو عام طور پر مسلمانوں کے اندر نظر آتی ہے کہ منہ سے کہنے کو بہت کچھ، مگر کرنے کے وقت کوئی نہیں نکلتا، تو اس تحریک کا خاتمہ سمجھنا چاہیئے۔ جب ہم اتنا بڑا اقرار کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا'' تو کیا وجہ ہے کہ جب دین کے کام کے لیے بلایا جاتا ہے تو اس قدر دھیمی آواز اٹھتی ہے کہ گویا ہے ہی نہیں۔

دوستو! غور کرو کہ تم کس غرض کے لیے اس سلسلہ میں شامل ہوئے ہو! اسلام میں تو کوئی نقص باقی نہیں رہ گیا تھا جس کو پورا کرنے کے لیے مسیح موعود آئے ہوں۔ اور ہم خوش ہو جائیں کہ چلو ہم نے مسیح موعود کو مان لیا اور نقص پورا ہو گیا۔ اسلام میں جو کوئی خدا کی طرف سے آتا ہے وہ تو لوگوں کو ایک کام پر لگانے کے لیے آتا ہے۔ پس جب تک ہم اس کام میں نہیں لگتے، اس کو ماننے اور اس کے ساتھ ہونے کے کیا معنی؟ خدارا غور کرو۔ اپنی ذمہ داری کو پہچانو اور دین کے ساتھ تمسخر نہ کرو کہ منہ سے کچھ اور عمل کے وقت کچھ اور ہے۔ دنیا میں کوئی کام کر کے دکھاؤ، ورنہ لفاظی کی پہلے کمی نہ تھی۔ بعض لوگ شاید اس خیال میں ہیں کہ ہم تو کوئی کام کرنے کے قابل ہی نہیں!

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف تو ہر ایک مسلمان کا کام رکھا ہے۔ ہر ایک شخص، جو دل میں تڑپ رکھتا ہو، وہ اسلام کا مبلغ بن سکتا ہے۔ اور دوسرے یہ فیصلہ کرنا کہ میں کام کر سکتا ہوں یا نہیں، ایک شخص کا اپنا کام نہیں۔ سرِ دست تو احباب سے فیصلہ چاہا گیا تھا کہ کتنے اس کام کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ ابھی ان میں یہ فیصلہ کرنا کہ کون کون سے احباب فی الواقع کام کے قابل ہیں یا کس کام کے قابل ہیں، یہ بعد میں ہوگا۔ میں کہتا ہوں اگر ایک شخص ایک کام کا اہل بھی ہو تو نِيَّةُ الۡمُؤۡمِنِ خَيۡرٌ مِّنۡ عَمَلِهٖ اس نے تو اپنی نیت کا پھل پا لیا۔ گویا وہ کام کر ہی دکھایا۔

میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ جماعت کا ایک ایک فرد اپنی حیثیت کے مطابق اپنے آپ کو مبلغ اسلام بنائے۔ اور جو نہیں بن سکتا اس کی بھی نیت یہ ضرور ہو کہ وہ ایسا بن جائے۔ میں نے کسی سے یہ نہیں کہا کہ وہ اپنا کاروبار چھوڑ دے (گو بعض ایسے آدمیوں کی بھی ہمیں ضرورت ہے) یا اپنی ملازمت فوراً چھوڑ دے۔ میں کہتا ہوں کہ ملازمین کے لیے یہ بہت عمدہ موقعہ ہے کہ وہ انسانوں کی خدمت کرتے کرتے اپنے آپ کو خدا کی خدمت کا اہل بنا لیں۔ کم از کم اس خدمت کا اہل بننے کے لیے کوشش تو کر کے دیکھ لیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جہاں تک ممکن

ہو جلد اس پر فیصلہ کر کے مجھے اطلاع دی جائے ۔ تا کہ پھر عملی طور پر کوئی صورت سوچی جائے ۔

خاکسار

محمد علی

8-4 ستمبر 1918ء

کسر صلیب سے کیا مراد ہے؟

30 اگست 1918ء کے ’’اہلحدیث‘‘ میں کوئی کوہاٹی نامہ نگار حضرت مسیح موعود پر مخالفین مامورین کے حسبِ عادت ان الفاظ میں استہزا کرتا ہے کہ:

’’لوگ عموماً اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب قادیانی کا دعویٰ تھا کہ وہ مسیح جس کے آنے کے مسلمان منتظر ہیں، وہ تو فوت ہو کر گلیل میں نہ تو بہ کشمیر میں مدفون ہو گیا اور اس کی جگہ میں آ گیا ہوں۔ جو ہر شان میں اس اصلی مسیح سے بہتر ہوں۔ اور جو اس کا فرض تھا یعنی کسر صلیب کرنا اگر میں اپنی زندگی میں پورا نہ کروں۔ تو لوگو گواہ رہو کہ میں جھوٹا۔ مطلب یہ کہ میں اپنی زندگی میں تثلیث کے ماننے والوں کو موحد اور مسلمان بنا دوں گا۔ اور چونکہ مرزا جی نے کروڑواں حصہ بھی تثلیث کے ماننے والوں کا مسلمان نہ بنایا۔ بلکہ مسلمان عیسائی ہوتے رہے...... لہٰذا مرزا جی اپنے دعوے میں اپنے ہی قول کے موجب جھوٹے اور اسی لیے کاذب مسیح تھے۔‘‘

اس ’’نہ تو بہ کشمیر میں‘‘ کے تمسخرانہ بازاری لہجہ سے قطع نظر کہ یہ مخالفین مامورین من اللہ کی ہمیشہ سے سنت چلی آئی ہے، ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کسر صلیب کے یہ معنی کہ:

’’میں اپنی زندگی میں تثلیث کے ماننے والوں کو موحد اور مسلمان بنا دوں گا۔‘‘

حضرت مسیح موعود نے کہاں کیے ہیں؟ کیا نامہ نگار ’’اہلحدیث‘‘ اس کتاب کا حوالہ دے گا جہاں حضرت مسیح موعود نے کسر صلیب کے یہ معنی کیے ہوں کہ ’’میں اپنی زندگی میں تثلیث کے ماننے والوں کو مواحد اور مسلمان بنا دوں گا۔‘‘ اگر آپ نے ایسا نہیں لکھا اور نامہ نگار ’’اہلحدیث‘‘ نے صرف اپنے پاس سے کسر صلیب کے یہ معنی کیے ہیں۔ تو کیا وہ ان معنوں کے لیے کوئی سند بھی دے سکتا ہے یا جو کچھ اس کے جی میں آئے اسی کو سند یقین کر لیا جائے۔

جس کے ماننے سے نہ قرآن پر ایمان رہ سکتا ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت ہی قائم رہتی ہے۔ قرآن کریم تو کھلے الفاظ میں حضرت عیسیٰؑ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (55:3) تیرے متبعین کو تیرے کفار پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ عیسائی دنیا میں قیامت تک باقی رہیں گے۔ ایسا ہی یہود اور نصاریٰ کے متعلق فرماتا ہے کہ وَاَلْقَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (64:5) اس سے یہی صاف ثابت ہے کہ یہود اور نصاریٰ قیامت تک باقی رہیں گے۔ پھر کسر صلیب کے یہ معنی کرنا کہ نصاریٰ سب کے سب مسلمان ہو جائیں، کیا قرآن کریم کی ان آیات کے صریح مخالف نہیں؟ تعجب ہے کہ جہاں قرآن کریم میں ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ. (33:9) کی آیت کریمہ آتی ہے، وہاں باوجود اس کے کہ سب ہی مفسرین اس کو مسیح موعود کے لیے بتاتے ہیں کہ وہ آ کر اس کام کو کرے گا۔ مگر پھر بھی لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (33:9) کے معنی کسی نے بھی یہ نہیں کیے، اور نہ ہمارے خیال میں نامہ نگار اہلحدیث ہی ان معنوں کو روا رکھے گا کہ مسیح موعود تمام ادیان کو مٹا دے گا۔ بلکہ یہی معنی کیے جاتے ہیں کہ وہ اسلام کو از روئے دلائل و براہین تمام ادیان پر غالب ثابت کرے گا۔ مگر باوجود اس کے مسیح موعود جب آتا ہے تو یہی لوگ اسی بات کو الٹا کر پیش کرتے اور ان سیدھے معنوں کو بدل کر یہ اعتراض آپ پر کر دیتے ہیں کہ آپ نے فلاں دین کو نہیں مٹایا اور فلاں مذہب ابھی تک باقی ہے۔ حالانکہ سوچنا چاہیئے کہ کس مامور بلکہ کون سے نبیؑ نے یہ کام کیا ہے کہ کسی دین کو مٹا کر رکھ دیا ہے۔ اور اس کے تمام پیروؤں کو مسلمان بنا لیا ہے۔ اور تو اور خود اسی کسر صلیب والی حدیث کو دیکھو شارحین حدیث اس کے کیا معنی کرتے ہیں۔ آیا وہ بھی نامہ نگار اہلحدیث کے ہی ہم خیال ہیں اور یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ مسیح موعود جب آئے تو تمام نصاریٰ کو مسلمان کیے بغیر یہاں سے نہ جائے۔ اس کی حقیقت ذیل کے الفاظ سے معلوم ہو گی جو امام طیبی اور دیگر مختلف محدثین نے اس کی شرح میں لکھے ہیں۔ چنانچہ کسر صلیب کے لفظ کی یہ شرح انہوں نے کی ہے کہ اَیْ یَبْطَلُ دِیْنَ النَّصْرَانِیَّۃِ بِالْحُجَجِ وَالْبَرَاھِیْنِ یعنی دلائل و براہین سے دین نصرانیت کو باطل ثابت کرے گا۔

یہ تو محدثین کا خیال ہے جو حضرت میرزا صاحب کی زندگی میں اس قدر نمایاں رنگ میں پورا ہوا ہے کہ

آپ نے گویا عیسائی مذہب کو دلائل کے ساتھ مصلوب ہی کر کے رکھ دیا۔ بس چونکہ اس خیال کو تسلیم کرنے میں حضرت میرزا صاحب کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے نامہ نگار ''اہلحدیث'' نے اس کو پس پشت ڈال کر اپنے پاس سے یہ خیال وضع کر لیا کہ کسر صلیب سے مراد مسیح موعود کا عیسائیوں کو مسلمان موحد بنا لینا ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ بھی ہوگا اور ہو رہا ہے۔ انگلستان میں جا کے دیکھو، کس قدر عیسائی اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے ہیں اور کس قدر اس طرف مائل ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس مامور من اللہ ہی کے ایک دو خدام کی روح القدس سے فیض یافتہ ساعی کا نتیجہ ہے۔ کیا کسی منکر اور نامہ نگار اہلحدیث کی طرح خدا کے اس مامور سے استہزا کرنے والے کو بھی یہی توفیق نصیب ہوئی کہ کسی کفرستان میں جا کر اس طرح توحید الٰہی کا جھنڈا نصب کرے جیسا کہ خواجہ کمال الدین نے انگلستان میں بلند کیا۔ پھر یہ اس مامور من اللہ کی فتح نہیں تو اور کیا ہے؟ اور یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اس لحاظ سے کسر صلیب نہیں کی۔ مامور ایک بیج بونے آتا ہے، وہ دنیا پر غالب آنے کے لیے ایک جماعت بنا جاتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں دلائل و براہین کے وہ نادر ہتھیار دے جاتا ہے جو اسے دوسروں پر غالب کر دیں۔ اور یہی حضرت میرزا صاحب نے کیا جس کا اثر آج ظاہر ہو رہا ہے۔ کیا ہم امید کریں کہ مولوی ثناء اللہ اور ان کا کوہاٹی نامہ نگار اس پر غور کریں گے؟

❁❁❁

8-4 ستمبر 1918ء

مکتوب امیر

بنام میاں محمود احمد صاحب

(ذیل کا خط حضرت امیر ایدہ اللہ نے حال ہی میں میاں محمود احمد صاحب کے نام لکھا ہے۔
جو علیحدہ دو ہزار کی تعداد میں انجمن کی طرف سے شائع ہوا ہے اور اس کی ایک کاپی میاں
صاحب کو بھی بھیجی گئی ہے۔ایڈیٹر)

مکرم معظم میاں صاحب! السلام علیکم!

یہ معلوم کر کے کہ آپ ڈلہوزی سے واپس آ گئے ہیں اور اب آپ کی صحت خدا کے فضل سے اچھی ہے، خوشی ہوئی۔ جو کچھ عرصہ ساڑھے چار سال سے میرے اور آپ کے تعلقات دنیا کی نظروں میں ہیں۔ان کے لحاظ سے شاید کسی کو میرے اس فقرہ پر تعجب ہو۔اگرچہ کتنا ہی رنج آپ کے بعض خیالات اور عقائد کو ترویج دینے کی وجہ سے ہو، تاہم آپ کی بیماری میں آپ کے ساتھ ہمدردی رہی ہے۔اور جب فطرتِ انسانی کو رؤف و رحیم خدا نے ایسا بنایا ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی بیماری اور بیکسی کی حالت میں ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے، تو پھر اس شخص کے ساتھ جس سے انسانیت کے تعلق کے علاوہ، اخوت اسلامی کا تعلق، ایک ہی سلسلہ اخوت میں منسلک ہونے کا تعلق، قادیان میں اس قدر لمبی رہائش کا تعلق ہو، اور بالآخر یہ تعلق کہ جس مقدّس اور برگزیدہ انسان کے آپ جسمانی طور پر فرزند ہیں، اسی کی روحانی فرزندیت کا مجھے بھی دعویٰ ہے، یہ تمام تعلقات بے اثر نہیں۔اور یہی وجہ تھی کہ لاہور میں بھی آپ کی عیادت کے لیے آنا چاہا تھا، مگر افسوس ہے کہ اتفاق ملاقات نہ ہو سکا۔ کیونکہ پہلے ایام میں مَیں فیروز پور رہا اور جس دن واپس آیا، اسی دن آپ بمبئی روانہ ہو گئے۔اور میرے خط کا جواب مجھے اس وقت ملا جب آپ گاڑی پر جانے کو تیار تھے۔

آپ نے بہت لمبی بیماری کاٹی ہے جس میں بعض وقت حالت بہت نازک ہو جاتی رہی ہے۔ ایسی

حالت سے نکلنا گویا دوبارہ زندگی ہے۔ جس پر جس قدر اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا جائے کم ہے۔ یوں تو انسان بعض وقت صحیح سالم چلتا پھرتا بھی گزر جاتا ہے اور صحت بھی خدا کے فضل سے ہی کام دیتی ہے۔ مگر بیماریوں سے شفاء عطا کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضلوں میں سے ایک فضل ہے۔ جس پر خود مریض اور اس کے احباب کے لیے شکر گزاری کا ایک موقعہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس موقعہ پر میں آپ سے اور آپ کے مریدین سے ایک خاص استدعا کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ محض اللہ کی رضا کے لیے ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر غور کریں۔ بارہا آپ کی بیماری میں بھی میرا یہ خیال ہوا کہ ایسے وقت شاید اگر آپ کی توجہ ان امور کی طرف ہو، تو آپ اپنے قدم کو سنبھال کر ایک جماعت کو غلطی میں گرانے کے بعد ان کے بچانے کا موجب بھی ہو جائیں۔ کیونکہ بیماری میں انسان کے اندر بہت سی صفائی ہو جاتی ہے۔ اور اگر خدا کا فضل ساتھ ہو تو انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کو دوسری تمام باتوں پر مقدم کر لیتا ہے اور ہر قسم کی تعلّی وغیرہ دور ہو کر پاک نفسی کی طرف ترقی کرنے کا بڑا موقعہ ہوتا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال دامن گیر تھا کہ میری یہ تحریر حالتِ بیماری میں آپ کے لیے موجبِ رنج ہو کر اور بیماری کے بڑھانے کا موجب نہ ہو۔ کیونکہ عقائد کے معاملہ میں بعض وقت انسان بجائے غور کرنے کے مشتعل ہو جاتا ہے۔ گو ایسا کرنا درست نہیں ہوتا اور بیماری میں انسان کو ایسے معاملات میں زیادہ غور و خوض کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جلد واسطہ پڑنے والا ہے۔

بہر حال میں نے احتیاطاً اس وقت تک کا انتظار کیا اور آپ سے امید رکھتا ہوں کہ آپ خود بھی ان امور پر غور فرمائیں گے اور اپنے احباب کو بھی غور کرنے کی تاکید فرمائیں گے۔ یہ میں نے اس لیے کہا ہے کہ اب تک نہ صرف آپ نے خود ہی ہماری تحریروں کی طرف توجہ نہیں فرمائی بلکہ جہاں تک معلوم ہوا ہے، ہماری تحریروں کو پڑھنے اور دیکھنے سے آپ نے اپنے مریدین کو منع کیا ہوا ہے۔ کم از کم آپ کے مریدین میں عموماً یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ آپ یہ پسند نہیں کرتے کہ ہماری تحریریں وہ پڑھیں۔ اور بعض خطوط بھی قادیان سے اسی قسم کے لکھے گئے ہیں جن میں ان کی ممانعت کی گئی ہے۔ گو وہ آپ کے صریح حکم سے لکھے گئے ہوں یا آپ کا منشاء معلوم کر کے کسی اور نے لکھے ہوں۔ آپ کو معلوم ہے یہ وہی طریق ہے جو حضرت مسیح موعود کے مخالفین نے آپ کے مقابلہ میں اختیار کیا تھا کہ عوام الناس کو حضرت صاحب کی کتابیں پڑھنے سے روکتے تھے۔ اور اَور ادھر چلے جائیں تو یہ طریق ہمیشہ

ان لوگوں کا رہا ہے، جو حق کی مخالفت کرتے رہے ہیں اور اس سے صاف ایک کمزوری کا اعتراف نظر آتا ہے۔ آپ غور فرما سکتے ہیں کہ جو لوگ آپ کے مرید ہیں ان کا حسنِ ظن تو اس قدر آپ سے بڑھا ہوا ہے کہ جو بات آپ کے منہ سے نکل جاتی ہے وہ اس پر اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہہ دیتے ہیں۔ خواہ وہ غلط ہی ہو۔ پھر کم از کم ان کو اس قدر اجازت تو دے دیں کہ وہ ہماری تحریروں کو بھی پڑھ لیں۔ بلکہ آپ اگر ان کو حکم دے دیں کہ وہ اپنے عقائد کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کریں۔ اور آپ کی اور ہماری دونوں تحریروں کو پڑھ لیں تو اس صورت میں اگر غلطی بھی کریں تو عنداللہ آپ پر شاید اس کی ذمہ داری نہ ہو۔ حضرت مسیح موعود نے جس جماعت کو تیار کیا تھا اس کو دنیا میں مذاہب کے میدان میں وہ پہلوان بنانا چاہتے تھے اور یہ ایسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ مخالف کی تحریروں کو پڑھیں اور ان پر غور کریں۔ لیکن جب وہ ایک اندرونی اختلاف میں بھی دونوں تحریروں کو پڑھنے کے عادی نہیں تو انہوں نے اور کیا کام دنیا میں کرنا ہے! بہر حال میں امید کرتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور سرخروئی کے لیے اس ممانعت کو دور کر دیں گے۔ اب میں ذیل کے امور کی طرف سر دست آپ کی توجہ کو پھیرنا چاہتا ہوں اور ایک دفعہ پھر یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ لِلّٰہِ ان امور پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔

اول: یہ کہ موٹی بات ہے کہ اسلام کے اندر کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہوسکتا جو کسی باطل اصول مذہبی کا مؤید ہو۔ یہ ایک آسان پرکھ ہے۔ جس پر ایک سادہ اور ان پڑھ آدمی بھی اصول اسلامی کو پرکھ کر اپنے لیے ایک صحیح راہ نکال سکتا ہے۔ آپ نے جو حضرت مسیح موعود کی 1901ء میں تبدیلی عقیدہ کا خیال پیش کیا ہے۔ اس کی بنا پر یہ بحث اٹھی ہے کہ اتنی مدت تک یعنی بارہ سال کے عرصہ دراز تک باوجود مامور ہونے یا بقول آپ کے نبی ہونے کے اپنے دعویٰ کو بھی نہ سمجھ سکے تو اور کوئی ان کے دعویٰ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کس طرح قابلِ مؤاخذہ ہوسکتا ہے۔ جس پر آپ کے مریدین کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ اگر حضرت مسیح موعود کو بارہ سال تک اپنے دعویٰ میں شک رہا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے دعویٰ میں تین سال تک (یا بقول مولوی عمر الدین صاحب شملوی چھ سال تک) شک رہا۔ اور اس مدت دراز میں آپ کو یہ سمجھ نہ آئی کہ میری وحی رحمانی ہے یا شیطانی۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ. یہ حملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کیسا گستاخانہ ہے! مگر آپ کا اصول آپ کے مریدین کو اس کے پیش کرنے کے لیے مجبور کر رہا ہے۔

اب جائے غور ہے کہ وہی سلسلہ احمدیہ جس کے سب چھوٹے بڑے افراد آج تک پادریوں کے اس اعتراض پر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دعویٰ پر شک تھا آج سے پہلے کیسے پُر زور جواب دیتے رہے۔ خود حضرت مسیح موعود نے یہ جواب دیا، حضرت مولوی نور الدین صاحب مرحوم نے یہ جواب دیا، شیخ یعقوب علی نے اپنی تفسیر قرآن میں یہ جواب دیا۔ پھر آج اسی سلسلہ کی جو مخالفینِ اسلام کو بڑی دلیری سے جواب دیتا ہے، یہ کیسی حالت ہے کہ وہ خود ہی اس اصول کو قائم کر رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین یا چھ سال تک اپنے دعویٰ میں شک رہا!

میں نے ایک دفعہ پہلے بھی آپ سے اس کے متعلق استفسار کیا تھا۔ مگر آپ نے جواب دینا پسند نہ کیا۔ اب پھر آپ خدا کے لیے غور فرمائیں اور کم از کم اس ناپاک غلطی سے، جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک خطرناک حملہ ہے، جو مخالفوں کے ہاتھ میں بڑے ہتھیار کا کام دے گا، اپنی جماعت کو باہر نکال دیں۔ وہ پادری جو احمدی کے نام سے ڈرتے تھے، کیا آپ کے اس اصول کو لے کر اب اسلام پر حملہ کرنے میں ان کی دلیری آگے سے بڑھ نہ جائے گی؟ اگر آپ نے آنخضرتؐ کی محبت کے خیال سے اور آپ کی عظمت کو مدنظر رکھ کر یہ مسئلہ نبوت حضرت مسیح موعود پیش کیا تھا۔ تو اب دیکھ لیجئے کہ ایک دو سال کے عرصہ میں ہی اس کا پھل کیا نکلا ہے؟

اس پھل کے موجود ہوتے ہوئے آپ کا یہ خیال کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ جیسے نبیوں کے آنے میں آنخضرت کی شان بڑھتی ہے، درست نہ نکلا۔ اب بھی جو کچھ تعلق اس کا مسئلہ نبوت مسیح موعود سے ہے، اس کو چھوڑ کر آپ صرف آنخضرتؐ پر اس ناپاک حملہ سے، جس کو کوئی غیور مسلمان برداشت نہیں کر سکتا، اپنی جماعت کو قطعاً روک دیں۔ آپ نے اب تک اس پر کچھ لکھا نہیں، اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ غور کریں گے تو اس خیال کو دھکا دے کر اپنے دل سے نکال دیں گے اور جماعت کو ایک خطرناک ابتلا میں پڑنے سے بچا لیں گے۔ مسیح موعود کی وہ عظمت قائم کیجئے جس سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کوئی حملہ نہ ہو۔ اور بیماری سے صحت یابی کے شکریہ میں اپنی قلم سے جماعت کو یہ ہدایت دیجئے کہ وہ آئندہ ایسے لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قطعاً استعمال نہ کریں۔

دوم: آپ نے ''حقیقۃ النبوت'' میں یہ لکھ کر کہ:

''نبوت ایمان کا ہی ایک اعلیٰ مرتبہ ہے اور تقویٰ میں ترقی کرتے کرتے انسان اس رتبہ کو پہنچ جاتا ہے، جسے نبی کہتے ہیں۔'' (صفحہ 151)

اور پھر یہ لکھ کر کہ:

''نبوت کی تعریف اور اس کے حصول کا طریق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف طور پر بیان کر دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ یہ ایک انسانی کمال کا رتبہ ہے جس پر پہنچ کر انسان غیب الٰہی سے واقف کیا جاتا ہے۔'' (صفحہ 154)

اور پھر یہ لکھ کر کہ:

''صدیق...... کی فطرت نبیوں کی سی فطرت ہوتی ہے اور اس کے کام نبیوں کے سے کام ہوتے ہیں لیکن کسی قدر کمی اور نقص کی وجہ سے وہ درجہ نبوت پانے سے روکا جاتا ہے۔'' (صفحہ 152)

امتِ محمدیہ پر ایک خطرناک حملہ کی بنیاد قائم کر دی ہے۔ ممکن ہے ان الفاظ کو لکھتے وقت آپ کا خیال اس طرف نہ گیا ہو۔ لیکن جب اس خیال سے صریحاً صرف خیر امت پر نہیں بلکہ خیر الرسلؐ پر بھی ایک خطرناک حملہ ہوتا ہے، تو امید ہے کہ اس سے رجوع کرنے میں آپ اپنی ہتک تصور نہ فرماویں گے۔ اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ کی عزت میں ہی ہماری عزت ہے اور ہماری ہتک انہی کی ہتک میں ہے۔

اب آپ کے پیش کردہ اصول کی رو سے تیرہ سو سال تک اس امتِ محمدیہ میں کوئی شخص کامل متقی کہلانے کا مستحق نہیں۔ حتیٰ کہ وہ پاک گروہ بھی جن کی تعلیم، جن کا تزکیہ خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے کیا، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ شہادت دی کہ اَللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (7:49) ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں زینت دی اور پھر یہ شہادت دی کہ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔ (23:33) اور پھر ایک سے زیادہ مرتبہ یہ شہادت دی کہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (119:5) اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ جملہ وَّجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

(74:25) کہہ کر صاف بتا دیا کہ وہ کامل متقی ہی نہیں بلکہ کامل متقیوں کے امام ہیں۔

اور ایسا ہی اس امت کے وہ مقدس اولیاء، جن کے نام آج آسمان پر ستاروں کی طرح روشن ہیں، آپ کے اصول کی رو سے یہ پاک گروہ ''ایمان کے اعلیٰ مرتبہ، کو حاصل نہیں کر سکا۔ ''تقویٰ میں'' کافی ترقی انہوں نے نہ کی ''کسی قدر کمی اور نقص'' ان میں باقی رہ گیا۔ غور فرمایئے کہ یہ زد کس پر پڑتی ہے۔ یہ تو خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زد ہے کہ آپ ایسے معلم بن کر آئے کہ تیرہ سو سال میں آپ کا ایک شاگرد بھی کامل ایمان کے مرتبہ کو حاصل نہ کر سکا، کامل متقی نہ بن سکا۔ خدارا غور فرمایئے۔ کیا اسی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فخر کے طور پر اولین وآخرین کا معلم حقیقی، بنی نوع انسان کا سردار، نسل انسانی کے منجی کے طور پر پیش کریں گے؟ کیا یہ اسلام دنیا میں پیش کرنے کے قابل ہے؟ کیا جہاں آپ ایسا اسلام پیش کریں گے، آپ کو یہ جواب نہ ملے گا کہ جب تیرہ سو سال لوگوں کو اس قرآن پر عمل کرتے گزر گئے اور کامل تقویٰ کا مرتبہ ایک بھی شخص کو نہ مل سکا، انسانی کمال کو ایک شخص بھی حاصل نہ کر سکا تو ہم اب کیوں ٹکریں مار کر اپنی عمریں ضائع کریں!

غور کیجئے کہ آپ کے اس اصول سے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر ہتک ہوتی ہے۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ آپ کبھی غیروں کے سامنے اس بات کا نام نہ لیں گے۔ کیونکہ آپ کی غیرت برداشت نہ کرے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی اس قدر ہتک صریح کر کے پھر ان کی طرف لوگوں کو بلایا جائے۔ بلکہ آپ کیا ہر ایک شخص کو یہ بات کہتے وقت شرم آ جائے گی کہ جب اسلام واقعی ایسا ہی ہے کہ تیرہ سو سال تک اس میں کوئی کامل متقی پیدا نہیں ہو سکا اور زہد اور تقویٰ میں کوئی شخص کافی ترقی نہیں کر سکا۔ تو پھر میں کیا پیش کر کے دوسروں کو بلاتا ہوں۔ پھر دوسری مصیبت اس پر یہ ہے کہ آپ کے اس اصول نے کفارہ کے عقیدہ کو ثابت کر دیا۔ کیونکہ کفارہ کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ کوئی شخص شریعت پر عمل کر کے کمال تقویٰ کے مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتا، کسی قدر کمی اور نقص رہ جاتا ہے وہ کفارہ سے پورا ہوتا ہے۔

اب کیا عیسائی آپ پر شیر نہ ہو جائیں گے اور یہ نہ کہیں گے کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت بھی، جس کو تم کامل شریعت کہتے ہو، ایسی ثابت نہ ہوئی کہ اس پر عمل کر کے کوئی شخص کمال تقویٰ کے مرتبہ کو حاصل نہیں کر سکا، تو اب بتاؤ کہ کفارہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟!

مکرم میاں صاحب! اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے مقام کو اپنی عزت سے بڑھ کر رتبہ دیجئے اور اگر آپ کے کسی اصول سے ان دو کی ہتک ہو گئی ہے تو اس اصول کو واپس لینے میں تأمل نہ فرمایئے۔ آخر آپ معصوم نہیں، یہ آپ کا دعویٰ نہیں کہ خدا نے آپ کو یہ بتایا ہے۔ پھر غلطی کے اعتراف میں آپ کا کوئی نقصان نہیں۔ اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک سے رجوع ہے، جو درحقیقت عزت کا مقام ہے۔ خدارا! اس میں دیر نہ لگائیں۔ ہیر پھر کر کے تاویلات رکیکہ سے تو انسان کو خدا بھی لوگوں نے بنالیا۔ مگر آپ سے میری یہ درخواست ہے کہ اسلامی سادگی سے کام لیجئے۔ اور اگر آپ کی کسی بات سے اسلام کی ہتک ہوئی ہے، حالانکہ آپ کا منشاء ہتک کا نہیں اور کسی اصول باطل کی تائید ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ کا منشاء تائید کا نہیں، تو اس وقت تک یہ ایک خطا ہے۔ لیکن باوجود علم ہو جانے کے پھر اس پر اصرار کرنا اس کو خطرناک گناہ کی حد تک پہنچا دے گا۔ اسی لیے عرض ہے کہ ابھی وقت ہے، اپنے قدم کو سنبھالیں۔ ورنہ یقین رکھیئے کہ معاملہ وہی ہو رہا ہے۔ ؎

بہ نیم بیضہ کہ سلطاں ستم روا دارد   بزنند لشکر یانش ہزار مرغ بسیخ

آپ کی جماعت بہت دور نکل گئی ہے اور اور بھی دور نکل جائے گی۔ اور اسلام میں اور اس میں اس قدر بعد ہو جائے گا، جس قدر آج دین موسوی اور عیسائیت میں ہے۔

سوم: مسئلہ کفر و اسلام میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ اگر بالفرض حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے یہ بھی نکل سکتا ہے کہ آپ سب مسلمانوں کو کافر کہتے تھے (حالانکہ ایسا نتیجہ یقیناً ان سے نہیں نکل سکتا) اور یہ بھی نکل سکتا ہے کہ آپ نے صرف اپنے آپ کو کافر اور مفتری کہنے والوں کو کافر کہا ہے، دوسروں کو کافر نہیں کہا۔ تو تقویٰ اور امن سے قریب تر یہ ہے کہ ہم موخرالذکر مطلب ہی نکالیں۔ اس لیے کہ مسلمان کو کافر کہنے کا گناہ بہت بڑا ہے۔ چہ جائیکہ ایک مسلمان نہیں، کروڑ ہا مسلمانوں کو کافر قرار دیا جائے۔ حالانکہ کم از کم یہ تو آپ کو بھی مسلم ہے کہ حضرت مسیح موعود نے ان کو اپنی تحریروں میں مسلمان ہی کہا ہے اور مسلمانوں کے اندر ہی شمار کیا ہے۔ پھر ان کروڑ ہا مسلمانوں کو بھی کافر قرار دیا جائے، جنہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام تک نہیں سنا۔ پھر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر حضرت مسیح موعود کے الفاظ سے کوئی اشتباہ پیدا ہوتا ہے تو آپ کے عمل کو دیکھ لیجئے۔ آپ نے اپنی جماعت کے سوا دوسرے مسلمانوں کے جنازے پڑھنے کی اجازت دی۔ آپ کی جماعت ہر بڑے شہر میں ایسے جنازے

پڑھتی رہی۔ آپ نے خود ایسے جنازے پڑھے، جس کی حلفیہ شہادت بارہا آپ کے سامنے پیش ہو چکی ہے۔ ''مجموعہ فتاویٰ احمدیہ'' میں حضرت صاحب کا فتویٰ اس کے جواز کا موجود ہے۔ حضرت کا اپنا خط موجود ہے۔ جس کا اعتراف آپ نے ''انوارِ خلافت'' صفحہ 91 پر اس طرح کیا ہے:

> ''حضرت مسیح موعود نے بعض صورتوں میں جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض حوالے ایسے ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور ایک خط بھی ملا ہے۔''
>
> مگر آپ نے ان سب شہادتوں کے خلاف فتویٰ صرف یہ کہہ کر دے دیا ہے کہ ''جس پر غور کی جائے گی۔'' (صفحہ 91 انوارِ خلافت)

خدارا غور فرمائیں۔ کیا مفتی کا یہ کام ہوتا ہے کہ جس بنا پر فتویٰ دینا ہو اس کو یہ کہہ کر الگ کر دے کہ اس پر غور کی جائے گی اور فتویٰ اس کے صریحاً خلاف دے دے۔ جماعت آنکھیں بند کر کے آپ کے پیچھے ہولے۔ مگر عنداللہ آپ اس جرأت پر مواخذہ سے بری نہیں ہو سکتے۔

پھر دیکھیں! یہ تقریر آپ نے دسمبر 1915ء میں کی اور اب پونے تین سال ہو گئے۔ کیا آپ نے غور کیا؟ کیا اس کا نتیجہ شائع کیا؟ کیا خدا کے نزدیک آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں؟ اور حدودِ شریعت سے آپ مستثنیٰ ہو چکے ہیں؟ اور آپ کا یہ کہنا کہ ''حضرت کا عمل اس کے برخلاف ہے'' حضرت کو گویا **لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ** (2:61) کی زجر کے نیچے لانا ہے کہ وہ کہتے کچھ تھے اور کرتے کچھ اور تھے۔ آپ کی تمام تحریروں، پھر آپ کی جماعت کے عمل، پھر آپ کے اپنے عمل کے برخلاف آپ کا مرزا فضل احمد کو پیش کرنا ایک ایسی کمزور اور کچی بات ہے، جس کا جواب آپ نے خود ''القول الفصل'' کے صفحہ 68 پر دیا ہوا ہے۔ جہاں حضرت مسیح موعود کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے:

> ''وہ ہندوؤں سے ملتا تھا، مسیحیوں سے ملتا تھا۔ لیکن مرزا سلطان احمد صاحب سے کبھی نہیں ملتا تھا۔ اور کئی دفعہ جب حضرت خلیفہ اول نے کوشش کی کہ آپ کو ان سے ملائیں، تو آپ

نے نہایت سختی سے انکار کر دیا۔''

اب فرمائیں! اگر مرزا افضل احمد صاحب کا جنازہ نہ پڑھا، جن کا تعلق حضرت صاحب سے وہی تھا، جو مرزا سلطان احمد صاحب کا تھا۔ اور جہاں مزید حالات یہ تھے کہ مرزا افضل احمد صاحب منٹگمری (ساہیوال) میں فوت ہوئے، قادیان میں ان کی نعش آئی۔ جو مرزا امام الدین نظام الدین کے قبضہ میں تھی، جو ان دنوں سخت مخالف حضرت مسیح موعود کے تھے۔ تو کیا اس بات کو پیش کرنا سوائے تنکے کے سہارے کے کچھ اور ہے؟ مگر مسائل دینی میں یہ جائز نہیں۔

پھر حضرت صاحب کے عمل کو خود آپ اپنی سالی کے نکاح کے معاملہ میں دیکھئے۔ جو صرف نہ ماننے والوں سے نہیں، بلکہ ایک حد تک مخالفت کرنے والوں سے، حضرت مسیح موعود نے خود منظور کیا۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب مرحوم نے وہ نکاح پڑھایا۔ آپ اس مجلسِ نکاح میں شریک، پھر آپ دعوتِ شادی میں شریک۔ یقیناً اگر اس وقت آپ دوسرے مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے، تو آپ کا ایک مسلمان لڑکی کا، ہاں! اس لڑکی کا، جو آپ کی بہن کے مقام پر تھی، کافر سے نکاح ہوتے ہوئے دیکھ کر نہ صرف خاموش رہنا بلکہ اس میں شامل ہو کر اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کرنا، ایک خطرناک جرم ہی نہ تھا، بلکہ دنیا کو بھی دھوکا دینا تھا۔ کیونکہ آپ کے عمل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس وقت ان کو کافر نہ جانتے تھے۔ ورنہ اپنی سالی کو کافروں کو کبھی نہ دیتے۔ کیونکہ وہ تو آپ کے نزدیک نکاح ہی نہیں۔

ابھی دو کافروں کا نکاح تو کچھ معنی رکھتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان لڑکی کا ایک کافر سے نکاح کوئی معنی نہیں رکھتا۔ شریعت اس پر جو فتویٰ دیتی ہے، آپ بھی خوب اس کو جانتے ہیں۔ میرے کہنے کی ضرورت نہیں۔ پھر خدارا غور کیجئے کہ آپ خود اپنی پوزیشن کو ان مسائل کے اختراع سے کیسا مخدوش کر رہے ہیں۔ میری باتوں پر اگر آپ غور نہ کریں گے تو کل کو آپ کے پیچھے آنے والے غور کریں گے۔ مکرم میاں صاحب! با خدا صلح کرنے کے لیے انسان کو ایک ایک منٹ، جو اسے ملتا ہے، غنیمت سمجھنا چاہئے۔

چہارم: مسئلہ نبوت میں صرف آپ کو کتاب اَلنُبُوَّۃَ فِیْ الْاِسْلَامِ کی طرف اور اِسْمُہٗ اَحْمَدُ (6:61) کے بارے میں اپنے رسالہ ''احمد مجتبیٰؐ'' کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کا جواب آپ کے ذمہ

ہے۔آپ نے ان مسائل کو بڑے زور اور تحدی سے شائع کیا۔مگر باوجود وعدوں کے آپ اب ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔میری یا آپ کی پوزیشن ایسی نہ ہونی چاہیئے کہ ہم اسلام کی عزت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو زیادہ وقعت دیں اور یہ خیال کریں کہ ہماری پوزیشن ایسی ہے کہ ہم دوسرے کی بات کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔آپ ان مسائل کو ترویج دینے والے ہیں۔اگر یہ صحیح ہیں تو عنداللہ آپ بڑے اجر کے مستحق ہیں۔اور اگر غلط ہیں تو عنداللہ آپ زیرِ مواخذہ ہیں۔

پھر کم از کم یہ تو آپ کا فرض ہونا چاہئے کہ اب جو کچھ آپ نے پیش کیا ہے،اس پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں،ان کا جواب دیا جائے۔یہ کہنا کہ دوسرے آپ کی طرف سے جواب دے رہے ہیں،اس صورت میں درست ہوسکتا ہے کہ آپ کچھ حق اس خدمت کا ادا کر چکے ہوں۔آپ کی کتاب ''حقیقۃ النبوت'' کے ایک ایک صفحہ پر آپ کی اپنی لکھی ہوئی شہادت موجود ہے کہ آپ نے یہ حق ادا نہیں کیا،اور یہ شہادت نہایت صفائی سے الفاظ حقیقۃ النبوت حصہ اول میں موجود ہے۔پھر آپ کا یہ اعتراف موجود ہے کہ اصولی بحث بعد میں ہوگی۔

اس لیے لِلّٰہِ اس صحت کو غنیمت سمجھ کر اس طرف توجہ فرمائیے اور اپنے وعدوں کو پورا کیجئے۔جب اصولی بحث ہی آپ نے نہیں کی تو حقیقۃ النبوت حصہ اول تو محض بیکار ہے۔بات تو اصول سے شروع ہونی چاہئے تھی۔میں انشاءاللہ تعالیٰ مختصراً آپ کی تعریفِ نبوت اور اس کے مزعومہ طریق حصول پر جو اعتراض وارد ہوتے ہیں،ان کو آپ کے سامنے پیش کروں گا۔گو''النبوت فی الاسلام'' میں مفصل بحث موجود ہے،اور آپ سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ آپ جملہ مسائل پر کھُل کر بحث کریں اور جو اعتراضات ان پر وارد ہوتے ہیں ان کا جواب لکھیں۔ان مسائل کو چھیڑ کر اب خاموشی اختیار نہ کریں۔

حضرت مسیح موعود نے جن مسائل کو شروع کیا تھا ساری عمر ان پر لکھتے رہے۔اور یہی حق کی علامت ہوتی ہے کہ جس قدر اس پر زیادہ بحث ہو،اس کی صداقت زیادہ واضح ہوتی جاتی ہے۔آپ اب جلسہ سالانہ تک ان مسائل پر گفتگو کرنے سے گھبراتے ہیں۔کیونکہ ایک غلط مسئلہ پر جس قدر زیادہ بحث ہوگی اسی قدر اس کی خامی ظاہر ہوگی۔

ایک اور بات بھی میں اس خط کو ختم کرنے سے پہلے صاف کر دینا چاہتا ہوں کہا جاتا ہے کہ ہم حضرت

مسیح موعود کے مرتبہ کو گھٹاتے ہیں۔اور چونکہ سب مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے،اس لیے ہمارے نزدیک حضرت مسیح موعود کے ماننے کی کوئی ضرورت نہیں۔میں کہتا ہوں کہ حضرت صاحب 1901ء تک مسیح موعود تھے یا نہیں؟ اور اگر تھے تو اس وقت تک تو آپ کے نزدیک بھی مسلّم ہے کہ وہ اپنے درجہ کو محدث قرار دیتے تھے اور مسلمانوں کو کافر نہ کہتے تھے اور مدعی نبوت کو کاذب اور کافر یقین کرتے تھے۔تو کیا اس وقت وہ اپنے منوانے کی کوئی ضرورت نہ سمجھتے تھے؟ ہم تو ان کو 1901ء سے پہلے بھی حکم وعدل مانتے ہیں اور 1901ء سے پہلے ہی آپ کو مانا۔اور ماننے کی ضرورت سمجھ کر ہی مانا۔پس یہ ہم پر محض بہتان ہے۔والسلام

خاکسار

محمد علی

ایوالاج شملہ

❁❁❁

5 اکتوبر 1918ء

اداریہ

جواب بہ مکتوب امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

مریدین میاں صاحب کے اخلاق کا نمونہ

کسی گذشتہ اشاعت میں ہم حضرت امیر کے اس مطبوعہ چھٹے خط کی نقل درج کر چکے ہیں۔ جو آپ نے میاں صاحب کے نام حال ہی میں لکھا ہے۔ اس خط میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے حسبِ عادت جس درد دل اور نرمی کے ساتھ میاں صاحب کو ان برے نتائج کی طرف متوجہ کیا ہے۔ جو ان کے مخترعہ عقائد سے پیدا ہوئے ہیں اور جن سے اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دیگر اکابرین امت اور حضرت مسیح موعود سخت زد کے نیچے آتے ہیں۔ اس کی گواہی کون منصف مزاج ہے جو دینے کے لیے تیار نہ ہو۔ اس سے قطع نظر کہ حضرت امیر کے اعتراضات کہاں تک صحیح ہیں، اور میاں صاحب کہاں تک حق سے دور جا رہے ہیں، صرف اس دردِ دل اور ان اعلیٰ اخلاق کو دیکھ کر، جو حضرت امیر کی تحریر سے ظاہر ہیں، انسان عش عش کر اٹھتا اور آپ کی بلند اخلاقی پر ہی فریفتہ ہو جاتا ہے۔

اس کے بالمقابل میاں صاحب کی طرف سے کیا کچھ ظاہر ہوا؟ اس کے متعلق ہم اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتے، جب تک کہ ان کا وہ جواب ہمیں پہنچ نہ جائے۔ جس کے عنقریب کتابی صورت میں شائع ہونے کی امید الفضل نے دلائی ہے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ میاں صاحب کا جواب شائع ہو، ان کے مریدوں کی طرف سے بھی متفرق چٹھیات حضرت امیر کے نام موصول ہوئی ہیں۔ جن کے پڑھنے سے سوائے اس کے کہ ان کے لکھنے والوں کے اخلاق کا نوحہ کیا جائے اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ ان چٹھیات میں سے بعض فقرات کو ایک ایک کر کے پڑھو اور اس اخلاقی حالت کا اندازہ لگاؤ جو خلافت مآب کے زیر اثر جماعت احمدیہ کے ایک کثیر حصہ کو حاصل ہوئی ہے۔ سب سے پہلا خط قادیان سے آیا ہے۔ جس میں ایک صاحب صالح محمد نام لکھتے ہیں کہ:

''اتنا طول طویل خط لکھنے سے کوئی اہم مدعا حاصل کرنا ہے اور خاص طور پر مبائعین میں بدظنی پھیلانا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اور سچے دل سے اور محض حق رسانی کی غرض سے لکھا جاتا تو شاید کچھ نتیجہ خیز ہوتا۔ احمدیہ جماعت ایسے خطوط کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتی۔''

دوسرے صاحب میاں عبدالحمید ہیں۔ جو لاہور کی محمودی جماعت کے سیکرٹری بھی رہ چکے ہیں۔ آپ کے اخلاق کا نمونہ پہلے خط سے بہت بڑھ کر ہے۔ فرماتے ہیں:

''آپ (یعنی حضرت امیر) کا یہ لکھنا (کہ میاں صاحب کے مریدین ان کی ناپسندیدگی کے خیال سے ہماری تحریریں نہیں پڑھتے) سراسر جھوٹ اور بہتان ہے اور یہ ایسا سفید جھوٹ ہے کہ آپ جیسے گریجویٹ کو لکھنے سے شرم کرنی چاہیئے تھی۔ آپ ایک بھی ایسی نظیر پیش نہیں کر سکتے۔ آپ کی تحریریں پڑھنے کے لیے پڑھنے والے کو اپنے دل پر بڑا جبر کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ان میں حضرت مسیح موعود اور حضور کے خاندان کو سوائے گالیاں نکالنے کے اور کچھ لکھا ہوا نہیں ہوتا۔ اگر اس سے زیادہ کچھ ہوتا بھی ہے تو وہ سرور عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں ہتک آمیز الفاظ ہوتے ہیں۔ جن کو ایک سچا اور غیور مسلمان، جب تک اپنی طبیعت پر جبر نہ کرے، پڑھ نہیں سکتا۔ بلکہ بعض وقت یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ آپ کی تحریر دراصل کسی پادری یا آریہ کی تحریر کا اقتباس نہ ہو۔''

پھر لکھا ہے:

''آپ اپنی حالت کا اندازہ کریں کہ کیا آپ ویسے پہلوان ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود بنانا چاہتے تھے۔ کیا حضرت مسیح موعود کا طرزِ عمل یہی تھا کہ وہ غیر احمدیوں کے جلسوں میں جا جا کر انہی کے ماتحت لیکچر دیتے اور اپنی تقریر کا سامعین پر اثر ڈال کر روپیہ بٹورنے کی کوشش کرتے۔ جیسا کہ آپ نے آج کل طریقہ اختیار کیا ہوا ہے۔''

اس کے بعد لکھا ہے کہ:

''آپ کے خط سے آپ کی شقاوت قلبی کا پتہ چلتا ہے۔ شروع شروع میں جبکہ آپ نے مخالفت کا جھنڈا کھڑا کیا تو شاید آپ کو وہم وگمان بھی نہ ہوگا کہ ساری کی ساری جماعت خاندان مسیح موعود پر ایسی شیدا اور فریفتہ ہوگی اور حضرت خلیفہ ثانی سے اس کے تعلقات ایسے مستحکم ہوں گے کہ آپ کی سرتوڑ کوششیں بیکار جائیں گی اور آپ کو یہ نامرادی کے دن دیکھنے پڑیں گے۔ سب سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ آپ کو غیر احمدیوں نے بھی منہ نہ لگایا۔''

یہ وہ جواب ہے جو میاں صاحب کے ایک لاہوری مرید اور پھر جماعت محمودیہ لاہور کے سابق سیکرٹری کی طرف سے ملا ہے۔ یہ جواب ہے اس بات کا کہ میاں صاحب کے نزدیک نبوت اگر ایمان کا ہی ایک درجہ ہے۔ اور اگر ایک شخص ترقی کرتے کرتے نبوت کے درجہ کو پا سکتا ہے، تو اس سے تمام کاملین امت اور صحابہ کرامؓ پر حرف آتا ہے کہ وہ ایمان کے اس درجہ کو نہ پا سکے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی قوت قدسی کے یہ منافی ہے کہ تیرہ سو سال تک آپ کی امت کے تمام لوگ کامل ایمان کو پا ہی نہ سکے۔

یہ اس سوال کا جواب ہے، جو حضرت امیر نے اپنی چٹھی میں کیا تھا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین یا چھ سال تک اپنے دعویٰ میں شک رہا تھا۔ تو اس سے اسلام کا کیا باقی رہ گیا اور ایسے اسلام کو پیش کر کے میاں صاحب کہاں تک کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس غور کا جس کا وعدہ میاں صاحب نے ''انوارِ خلافت'' صفحہ 92 پر حضرت مسیح موعود کے فتویٰ جنازہ اور اس خط پر کرنے کے لیے کیا تھا۔ جس میں آپ نے دوسرے مسلمانوں کے جنازہ کی اجازت دی ہے اور جس کی حضرت امیر نے اپنی چٹھی میں یاد دہانی کرائی ہے۔

میاں صاحب تو جب غور کریں گے دیکھا جائے گا۔ مریدوں کا بھی اگر غور ہے تو بس یہی کہ بجائے جواب دینے کے دو چار گالیاں سنا دیں اور بُرا بھلا کہہ دیا۔ میاں عبدالحمید صاحب کی یہ چٹھی نمونہ ہے اُن اخلاق کا، جو خلافت مآب کے زیر اثر ان کے مریدوں کے اندر پیدا ہو رہے ہیں۔ کیا ان اخلاق کی موجودگی میں یہ کہنا غلط ہے کہ گدی پرستی نے ان لوگوں کی عقلوں کو سلب کر لیا ہے۔ ورنہ حضرت امیر نے جن باتوں کی طرف توجہ دلائی تھی اور جس سنجیدگی کے ساتھ میاں صاحب کو مخاطب کیا تھا کوئی مہذب سے مہذب انسان بھی اس کو گالیاں قرار نہیں

دے سکتا۔ بلکہ ہمیں تو میاں عبدالحمید صاحب کی اس بات پر بھی تعجب ہوتا ہے کہ حضرت امیر کی تحریرات میں خلافت مآب اور حضرت مسیح موعود کو گالیاں دینے کے سوائے اور کچھ ہوتا ہی نہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہتک آمیز الفاظ ہوتے ہیں۔ کیا میاں عبدالحمید صاحب اس قسم کی کوئی ایک تحریر بھی پیش کر سکیں گے اور ہمیں بتائیں گے کہ کہاں حضرت امیر نے حضرت مسیح موعود اور ان کے خاندان بلکہ میاں صاحب کو بھی گالیاں دی ہیں اور کس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہتک آمیز کلمات لکھے ہیں۔ اگر ایسی کوئی تحریر نہ دکھا سکیں اور ایسی کوئی بھی وہ تحریر کبھی دکھا نہیں سکتے تو ان کی اس ایمانداری کو کیا کہا جائے جو ایسا صریح جھوٹ بولنے اور اس قدر ناپاک الزام لگانے سے انہیں منع نہیں کرتی۔ لیکن صرف یہ دو چٹھیاں ہی نہیں ایک اور میاں صاحب کے لکھنوی مرید کی بھی چٹھی ہمارے پاس پہنچی ہے۔ جس میں لکھنے والے نے ان دونوں سے بڑھ کر اخلاق کا اظہار کیا ہے۔ بطور نمونہ چند فقرات ہم یہاں نقل کیے دیتے ہیں:

''آج آپ نے چٹھی طبع شدہ بھیجی ہے۔ جواب یہ ہے۔ یہ مسموع ہوا تھا کہ مولوی محمد علی صاحب علوم دینیہ میں بڑے لائق اور حلیہ تقویٰ، دیانت وتہذیب سے محلّی ہیں۔ لیکن اس ورقہ چٹھی اسلامیہ پریس لاہور کی چھپی نے کمال حیرت پیدا کی اور یہ نہیں معلوم کہ آیا امیر نے حالت صحو بیداری اور ہوشیاری یا حالت محو یعنی بے خبری اور بے اختیاری میں تحریر کیا ہے یا یہ قصہ ماہی گیر الف لیلہ حسن نظامی کا سا۔ صرف دھوکے اور مغالطہ عامہ عوام الناس کے لیے دام تزویر پھیلایا ہے۔ ہمارے جناب نبی گر خاتم النبیّین (نبی گر خاتم النبیّین کی یہ اصطلاح خاص توجہ کے لائق ہے) محمد احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے دھوکا اور مغالطہ دینے لوگوں کے سے...... میری یہ تحریر کہ جس کو دوسرے لفظوں میں حدیث کبیر کہتے ہیں، آپ کی حالت تندرستی میں، آپ کے لیے انفلوانزا ہو کر بیماری کے بڑھانے کا موجب ضرور ہے۔ مگر پھر بھی اس عاجز کو خدا جانتا ہے آپ سے الفت ہے۔ چاہتا ہوں کہ آپ کا رفع ہو اور مرہم عیسیٰ کی صحبت سے ہٹ کر آپ مقام محمود میں آجائیں اور وہ دن بھی خدا جلد لاوے کہ آپ لکھنؤ بھی تشریف لاویں اور میں کچھ کان میں کہوں۔''

ان الفاظ کو پڑھ کر کون غیرت مند ہے جو مریدین میاں صاحب کے اخلاقی فقدان کا قائل نہ ہو۔ میاں عبدالحمید صاحب کو شکایت تھی کہ ان کو ہماری تحریریں دل پر جبر کر کے پڑھنی پڑتی ہیں۔ کیونکہ ان میں مسیح موعود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں ہی گالیاں دی ہوئی ہوتی ہیں۔ لیکن کیا وہ بتائیں گے کہ ان کی اپنی اور میاں کبیرالدین صاحب کی مندرجہ بالا تحریر کہاں تک گالیوں سے پاک ہے! اور کس قدر جبر ہمیں اپنے اوپر کرنا پڑا ہے، جب ان تحریرات کو ہم نے پڑھا اور پھر نقل کیا ہے۔ لیکن اگر واقعی ہماری تحریرات میں مسیح موعود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی ہوئی ہوتی ہیں، تو پھر بڑی بے غیرتی ہے کہ میاں عبدالحمید صاحب انہی تحریرات کو پڑھنے کا بھی ادعا کرتے اور حضرت امیر ایدہ اللہ کے اس بیان کی کہ میاں صاحب کے مریدین ہماری تحریرات کو پڑھتے نہیں، تردید کرتے ہیں۔ مسیح موعود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں جس تحریر میں دی ہوئی ہوں، کیا وہ پڑھنے کے لائق ہوسکتی ہے، اسے تو ردّی میں پھینکنا چاہیئے۔ مگر میاں عبدالحمید صاحب ہیں کہ ایک طرف تو انہیں ہماری تحریرات میں گالیوں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا اور دوسری طرف انہیں پڑھنا بھی ضروری سمجھتے ہیں!

اس امر کا ثبوت کہ ہماری تحریرات کو نہ پڑھنے کا ایما، خود خلافت مآب کی طرف سے ہوا ہے، ہم اس وقت تک محفوظ رکھیں گے، جب تک کہ خلافت مآب کا جواب شائع نہ ہو جائے۔ اور اس میں وہ اس سے انکار نہ کریں، ہاں ہمیں تعجب ہے کہ اس قدر اخلاق کے ہوتے ہوئے، جیسا کہ مندرجہ بالا چٹھیات سے ظاہر ہے، میاں صاحب کے مریدین کی وہ کون سی روحانیت ہے، جس کا وہ فخریہ دعویٰ کیا کرتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ سے نبوت دینے کا اختیار چھین کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی گر کہہ دینے اور میاں صاحب کی ہاں میں ہاں ملا دینے کا نام روحانیت ہے؟ کیا میاں صاحب کی بیعت کو مقام محمود قرار دے دینا روحانیت کا مرتبہ رکھتا ہے۔ یا چند موٹی موٹی بازاری گالیاں سنا دینے کو روحانیت کہتے ہیں؟

آخر روحانیت میں اخلاق بھی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ اور کیا بلند اخلاقی ہی روحانیت کا دوسرا نام نہیں؟ کاش! میاں صاحب اور ان کے مریدین اس پر غور کریں اور دیکھیں کہ وہ کہاں سے کہاں جا رہے ہیں۔ یہ چند تحریرات ہم نے میاں صاحب کے غور اور توجہ کے لیے یہاں نقل کر دی ہیں۔ جن کا ترکی بہ ترکی جواب دینا ہمارا کام نہیں۔ ہم میاں کبیرالدین صاحب کی مماثلت کو اختیار کرنا نہیں چاہتے، ان کی گالیاں اور خطابات ان کو

مبارک۔ ہمیں صرف خلافت مآب کے مریدین کی روحانیت کا ایک شمہ پیش کرنا تھا، جو کر دیا۔ میاں صاحب کیا اس پر غور فرمائیں گے اور جماعت کی اس حالت کو دیکھ کر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچیں گے اور ان کی اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ ہوں گے؟

5 اکتوبر 1918ء

روئیداد

ووکنگ (انگلستان) میں عیدالفطر

اس سال بھی سالہائے ماسبق کی طرح ووکنگ، سرے، انگلستان میں حضرت خواجہ صاحب نے نماز عیدالفطر پڑھائی جس کی تفصیلی روئیداد اگست ستمبر 1918ء کے ''اسلامک ریویو'' میں شائع ہوئی ہے جو حسب ذیل ہے۔

''کہا جاتا ہے کہ عبادت کو سچے دل سے بجالانا ہی بذات خود اس کی قبولیت کا نشان ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے، جو جس قدر ہمارے معاملہ میں سچی ثابت ہوئی ہے، شاید کبھی بھی صداقت کی کسوٹی پر اس طرح پوری نہ اتری ہوگی۔ ہمارے قارئین کو یاد ہوگا کہ چند سال ہوئے ہم نے اپنی اس دلی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ مسجد ووکنگ میں ہم سالہا سال تک عیدیں منانے کے قابل ہوسکیں۔ یہ خوش گوار امید اور خواہش جس خوش آئند طریق پر پوری ہوئی اور ہو رہی ہے، وہ ہماری تمام توقعات سے بالا تر ہے۔ ہمارے بہت سے نو مسلم برادران وخواتین کے لیے یہ مبارک تقریب حقیقی مسرت اور خوشی کا موجب ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کی زندگیوں میں، جو انہوں نے اسلام کے ماتحت بسر کرنی شروع کی ہیں، وہ نمایاں خصوصیات پیدا ہوگئی ہیں جن کے پیدا کرنے میں اس زمانہ کی خشک مادیت کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ ان میں سے اکثروں کے لیے اسلام ایک عجیب وغریب لیکن مؤثر اور دلنشین عملی ضابطہ زندگی ثابت ہوا۔ جو نہ صرف روحانیت ہی کی عمارت کو مستحکم ومضبوط کرتا ہے، بلکہ تمام دنیوی ترقیات اور مرفع الحالی کا بھی مخزن ہے، جسم اور روح دونوں کے متعلق اس نے ہدایات دی ہیں۔ اور یہ وہ امر ہے جو اب تک کسی کے سننے میں نہیں آیا۔

حسبِ معمول انگلستان میں رہنے والے مسلمانوں کو عید کی، جو 10 جولائی 1918ء کو بروز بدھ منائی گئی، بہت دن پیشتر اطلاع دی جاچکی تھی۔ صبح سویرے ہی ہمارے مسلمان بھائی اور بہنیں لندن اور اس سے کسی قدر دور کے مقامات سے آنے شروع ہوگئے۔ جن کا سلسلہ 12 بجے دوپہر تک جاری رہا۔ بارش کی وجہ سے جو تمام دن ہوتی رہی اگرچہ مجمع پہلے سالوں سے نسبتاً کم تھا۔ لیکن پھر بھی مسلمانوں کی ایک کافی تعداد جمع ہوگئی تھی۔ جن میں ہر ایک طبقہ کے مرد اور عورتیں اور بہت سی مجالس کے نمائندے بھی شریک تھے۔ اور لوگوں کے علاوہ سیکرٹری آف سٹیٹ (صاحب وزیر ہند) کی انڈیا کونسل کے بھی دو ممبر ایک ہندو اور ایک مسلمان شامل تھے۔ انگلستان کے مسلمان طلباء میں سے بھی بعض عید منانے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ علیٰ ھذا القیاس! کیمبرج، آکسفورڈ، برسٹل، لورپول اور ناٹنگھم یونیورسٹیوں کے بھی اکثر طلبا نے اس مبارک موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ نماز مسجد کے اندر ہی پڑھی گئی، جس کے بعد امام نے خطبہ پڑھا اور سورت فاتحہ کو اپنے وعظ کا عنوان قرار دیا۔ خطبہ میں آپ نے اسلام کی اس نمایاں اور عالم گیر تعلیم اور خصوصیت کا بالخصوص ذکر کیا جو تمام بڑے بڑے ہادیان مذاہب کے بارہ میں اس نے دی ہے۔ اور جس کا عملی نقشہ آپ نے بتایا کہ آج (عید) کے دن سے بڑھ کر کماحقہ کبھی بھی نظر نہیں آسکتا۔ یہ دن گویا تمام بین الاقوامی تفریقات کو دور کرنے اور مختلف اقوام کی باہمی عالمگیر منافرت کو ملیامیٹ کرنے کا دن ہے۔

خطبہ کے بعد تمام حاضرین نے ''عید مبارک'' اور السلام علیکم کی صداؤں کے ساتھ ایک دوسرے سے بغلگیر ہونا شروع کیا۔ دعوت عید پلاؤ اور قورمہ (دو ہندوستانی کھانوں) سے کی گئی۔ حاضرین اس کھانے سے بہت ہی محظوظ ہوئے اور باقی دن یونہی بات چیت میں گزرا۔ نماز ظہر کے بعد چائے پلائی گئی۔ جس میں بہت سے اور احباب بھی، جو عدیم الفرصتی کی وجہ سے صبح پہنچ نہ سکتے تھے، شامل ہوئے۔ عصر اور مغرب کی نمازوں کے بعد

کچھ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور شام کے کھانے میں سوائے ان چند ایک کے باقی شریک تھے۔ کھانا کھانے کے بعد باقی مہمان بھی اس دن دعا کے ساتھ رخصت ہوئے کہ آئندہ بھی سالہا سال تک وہ عید منانے کے لیے یہاں جمع ہوتے رہیں۔

عید الفطر کی اس روئیداد کو ختم کرنے سے پہلے ہم ان خدمات کے لیے جو ہمارے نومسلم بھائی اور بہنوں نے سابق کی طرح عید کو کامیاب بنانے کے لیے محنت ہائے شاقہ کے ساتھ سرانجام دیں۔ان کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ان نومسلم برادران کا یہ شاندار نمونہ اس محبت واخوت اور جوش اسلامی کی ایک زندہ مثال ہے جو اسلام سے انہیں حاصل ہوا ہے۔''

☆☆☆

ایک ولایتی انگریزی اخبار کے الفاظ عید الفطر کی تقریب پر

عید الفطر کی متذکرہ بالا تقریب پر لندن کا روزانہ اخبار ''ڈیلی ایکسپریس'' رقمطراز ہے کہ کل مسجد ووکنگ میں ہندوستانی، ایرانی اور مصر کے دلکش ملبوسات اور عماموں کے ساتھ مختلف نمازیوں، ایک ہر دلعزیز انگریزی ناولسٹ (مسٹر مارمڈیوک پکتھال) اور ایک پیر یعنی امیر الامراء (لارڈ ہیڈلے بالقابہ) نے رمضان کی عید کا تہوار منایا۔ان رنگارنگ اور دلکش ملبوسات اور عماموں کے اندر ایک شاہی فوج کی خاکی وردی بھی تھی۔ جو بہت سے نمازیوں نے پہنی ہوئی تھی۔ نماز اور تلاوتِ قرآن کے ایک گھنٹہ بعد خواجہ کمال الدین صاحب مبلّغِ اسلام نے انگریزی میں ایک زبردست لیکچر دیا۔ایک باغ کے اندر قوم مورش مسلمانوں کے طرز کی نہایت خوبصورت مسجد جس میں ایک فوارہ بھی ہے پھر مسجد کے اندر تلاوت قرآن کریم اور مکہ معظّمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا وادی سرے میں (اس علاقہ کا نام ہے جہاں ووکنگ کا شہر آباد ہے) بغداد کا منظر قائم کیا ہوا تھا۔''

''ڈیلی ایکسپریس'' کے یہ الفاظ اور عید الفطر کی مندرجہ بالا روئیداد اسلام کی اس عظمت کو ثابت کرتی ہے، جو مغربی ممالک کی اس سرزمین میں اس کو حاصل ہو چکی ہے۔ جہاں کسی وقت اسے سخت نفرت وحقارت کی نظر

سے دیکھا جاتا اورطرح طرح کے برے خیالات اسلام کے متعلق لوگوں کے قلوب میں گڑ چکے تھے۔ برطانیہ عظمیٰ کی وسیع مملکت کے دارالصدر میں اسلام کی اس عظمت کا قائم ہو جانا اس بات کی علامت ہے کہ برطانوی مقبوضات کی طرح اسلام پر بھی اب وہ وقت آنے والا ہے کہ اس پر کبھی سورج غروب نہ ہوگا۔ مغرب سے سورج کا نکلنا اگر یہ حقیقت اپنے اندر رکھتا ہے کہ بلا دمغرب سے اسلام کا سورج طلوع ہوکر کل دنیا کو اپنی منور کرنوں سے روشن کر دے تو خواجہ کمال الدین صاحب کے لیے اس سے بڑھ کر مبارک بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس تیرہ صد سالہ پیشگوئی کا ظہور آج ان کے ہاتھوں سے ہونے لگا ہے۔ اور ہادئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک الفاظ ان کی مساعئ جمیلہ سے حقیقت کا جامہ پہن رہے ہیں۔ انہیں مبارک ہو کہ امام وقت کی بھی آواز انہی کی تائید میں ہے اور مسیح موعود ہی کی قائم مقامی میں ان سفید پرندوں کو پکڑ رہے ہیں، جن کو آپ نے عالم رؤیا میں انگلستان کے منبر پر کھڑے ہوکر بزبان انگریزی تقریر کرتے ہوئے پکڑا تھا۔ حاسدین کے منہ کھلے رہیں اور بیشک وہ ان نورانی کرنوں پر، جو افق انگلستان سے طلوع ہو رہی ہیں، خاک پھینکتے رہیں لیکن اسلام کامیاب ہوگا۔ خواجہ کمال الدین صاحب کی کوششیں جناب الٰہی میں مشکور ہوں گی اور ہو رہی ہیں اور خاک الٹ کر انہیں کے مونہوں پر پڑے گی جو اس دشمنی کے درپے ہیں۔ وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ۔

❁❁❁

13 اکتوبر 1918ء

تبصرہ

میاں صاحب کی ’’حقیقت الامر‘‘

حضرت امیر ایّدہ اللہ کی چٹھی کا جواب میاں صاحب کی طرف سے شائع ہو گیا ہے۔ 20x26/8 سائز پر بیس صفحات کا ایک ٹریکٹ ہے جس کا نام رکھا ہے ’’حقیقت الامر‘‘۔ اس کتاب کے اندر کیا کچھ حقیقت الامر ظاہر ہوئی ہے اور خلافت مآب نے ان امور کا کیا کچھ جواب دیا ہے جو حضرت امیر ایّدہ اللہ نے فیصلہ کے لیے پیش کیے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئیے کہ مریدین نے جو بے فائدہ طعن و تشنیع اپنی چٹھیات میں شروع کی تھی، پیر صاحب نے اس میں کیا کچھ کمال دکھایا ہے، اس کے متعلق ہمیں خود کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ احباب کرام سے ہم سفارش کرتے ہیں کہ وہ میاں صاحب کے اس جواب کو بالضرور منگوا کر پڑھیں اور دیکھیں کہ میاں صاحب نے حقیقت الامر کو آیا واضح کرنے کی کوشش کی ہے یا بیہودہ الزامات کے ذریعہ سے اپنے مریدین سے اس کو چھپانا چاہا ہے۔ میاں صاحب کے مریدین بھی، اگر تحقیق حق سے کام ہو، تو خلافت مآب کے اس جواب کو پڑھنے سے پہلے ذرا ایک دفعہ پھر حضرت امیر ایّدہ اللہ کی چٹھی کو پڑھ لیں، اور ان دونوں کے مقابلہ سے اس بات کا اندازہ لگائیں کہ کون جماعت کو حق و صداقت کی طرف لے جانا چاہتا ہے اور کون حقیقت الامر کو چھپا رہا ہے۔

ممکن ہے اس کا مفصل جواب ہماری طرف سے بعد میں شائع ہو۔ جو اصل مطالبہ کے متعلق میاں صاحب کی بے فائدہ الجھنوں کو کھولنے اور الزامات کی تردید اور واقعی و حقیقی طور پر حقیقت الامر کو واضح کرنے والا ہوگا۔ لیکن بذات خود میاں صاحب کا یہ جواب ہی اگر تعصب سے علیحدہ ہو کر چشم انصاف سے دیکھا جائے، تو ان کے مطالب کی تردید اور ان کے خلاف اصل حقیقت کو واضح کرنے والا ہے۔ اس لیے ہم پھر ایک دفعہ بزور سفارش کرتے ہیں کہ اس جواب کو جماعت احمدیہ کے تمام ممبر ضرور پڑھیں۔ اور پڑھنے سے پہلے ذرا حضرت امیر ایّدہ اللہ کی چٹھی کو بھی پھر ایک نظر دیکھ لیں۔

10 نومبر 1918ء

مراسلات

مکتوب بنام حضرت امیر ایّدہ اللہ

(زبان فارسی سے اردو ترجمہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اَللّٰھُمَّ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ.

بخدمت مکرم و معظم بندہ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

کل جناب میاں صاحب کی تحریر موسومہ بہ حقیقت الامر (جس میں جناب مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب فرمایا ہے) پہنچ کر یادآوری سے ممنون فرمایا۔حق تو یہی ہے کہ ہم سب احمدیوں کو چاہئے کہ باجود اختلاف کے جو درپیش ہے، سلسلہ اتحاد اور محبت کو قائم رکھیں اور اختلاف کو جو فی الجملہ رحمت ہے عداوت اور فساد کی حد تک نہ پہنچائیں۔ چنانچہ جناب مولوی محمد علی صاحب کے خط کا، جس کے جواب میں ''حقیقت الامر'' لکھی گئی ہے، یہی مقصد ہے۔اور ظاہر ہے کہ جس دن سے ہم احمدیوں کے مابین یہ تفریق ہوئی ہے، غالباً ہم میں سے کوئی شخص بھی رنج وتأسف سے خالی نہیں ہے۔ میں اپنے دل کا حال عرض کرتا ہوں کہ ہر ساعت ایک درد اس میں پیدا ہے کہ کیوں نہ ہم ایک دوسرے سے موانست کریں۔لیکن ہو کیا سکتا ہے جبکہ جناب میاں صاحب اپنی تصانیف سے ہم کو اس راہ کی طرف بلاتے ہیں جس کی صریحاً کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع اہل اللہ اور تعلیم حضرت مسیح موعود مانع ہے۔یعنی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حقیقی نبوت کا دروازہ بند ہے۔مگر ظلی اور غیر مستقلہ نبوت کی کھڑکی کھلی ہے، جو نبوت ظلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل ہے اور یہ مسلمہ جملہ مجددین ہے۔ چنانچہ ضمیمہ حقیقۃ الوحی صفحہ 64-65 میں مدعی نبوت مستقلہ پر صاف لعنت کی اور فرمایا کہ:

بیداني سُمّیتُ نبیًّا عَلٰی لسان خیر البریة. وذٰلک امر ظلّی مِنْ برکات المتابعة وما ارٰی فی نفسی خیرًا ووجدتُ کُلّما وجدتُ مِنْ ھٰذہٖ النفس المقدّسة. وما عنی اللّٰه من نبوتی الا کثرة المکالمة والمخاطبةِ ولَعنة اللّٰه علٰی من اراد فوق ذٰلک اوحسب نفسه شیئًا او اخرج عنقه من الربقةِ النبویّة. وانّ رسولنا خاتم النبیین وعلیه انقطعت سلسلة المرسلین فلیس حقّ احدٍ ان یدعّی النّبوة بعد رسولنا المصطفٰی علی الطریقة المستقلة. وما بقی بعده الاکثرة المکالمة. وھو بشرط الاتباع لابغیر متابعة خیر البریه. وواللّٰه ماحصل لی ھٰذا المقام الامِنْ انوارا اتباع الاشعّة المصطفویة وسُمِّیتُ نبیّا مِنْ اللّٰه علی طریق المجازلا علٰی وجه الحقیقة.

ترجمہ: ''میرا نام جو نبی حضورؐ کی زبان سے موسوم ہے وہ برکات متابعت میں سے ایک ظلی امر ہے۔ اور میں بذات خود اپنے اندر کوئی خوبی نہیں دیکھتا اور جو کچھ میں نے پایا اسی نفس مقدسہ سے ہی پایا۔ اور میری نبوت سے خدا کی مراد بجز مکالمہ اور مخاطبہ کے اوپر کچھ نہیں۔ اور جو اس پر زیادتی کا ارادہ کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ یا اپنے نفس پر کچھ گمان کرے یا حضور سرور کائنات کی متابعت سے گردن پھیرے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ پر سلسلہ مرسلین منقطع ہے۔ پس کسی کا حق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل طریق پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آپ کے بعد کثرت مکالمہ کے سوائے اور کچھ باقی نہیں، جس میں اطاعت شرط ہے۔ اور خیر البریہ کی متابعت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور خدا کی قسم اس مقام پر انوار اتباع مصطفویہ کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ میرا نام اللہ کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا نہ حقیقی طور پر۔''

حضرت اقدس کے اس ارشاد سے، جو آپ کے آخرین ارشادات میں سے ہے اور آپ کی کل کتب

مقدسہ کا نچوڑ، یہی صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا دعویٰ مکالمہ اور مخاطبہ کا ہے۔ اور صاحب مکالمہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر نبی فرمایا ہے اور امت مرحومہ میں اس سلسلہ کو جاری قرار دیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت فاروق اعظمؓ کے مناقب میں مروی ہے۔ لَقَدْ کَانَ فِیْمَنْ قَبْلَکُمْ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ رِجَالٌ یُّکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْآ اَنْبِیَآءَ فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْ اُمَّتِیْ مِنْھُمْ اَحَدٌ فَعُمَر. ''یعنی تم سے پیشتر بنی اسرائیل کے لوگ صاحب مکالمہ ہوتے رہے بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوتے تھے۔ پس اگر تم میں سے میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہے۔''

پس ہر مسلمان اہل بصیرت ضرور جانتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہوتا تو حضرت عمرؓ کو مکلمین محدثین میں ہی کیوں شمار کرتے اور مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْآ اَنْبِیَآءَ کا حکم فرماتے۔ کیونکہ ہارونؑ بھی حضرت موسٰیؑ کی موجودگی میں حقیقی نبوت سے مشرف ہوئے ہیں۔ پس مثیل حضرت موسیٰ کے صحابہ کبار میں سے اگر کوئی خلعت نبوت سے سرفراز ہوتا تو زیادتی مماثلت کا موجب ہو جاتا اور آئندہ کے واسطے حصول نبوت کی راہ نکل آتی۔ اس سے ثابت ہے کہ اس کا اصل سبب نبوت حقیقی کا انقطاع اور خاتمہ ہی ہے اور بس۔ کیونکہ نبی متبوع کی امت مرحومہ میں جس کسی کو فیض پہنچا ہے، اس کا اصل نمونہ صحابہؓ میں خود نبی متبوع کی زندگی ہی میں ظہور پذیر ہوا۔ ورنہ بدعت سمجھی جاتی۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کے لیے بطور دلیل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مثیل حضرت عیسٰیؑ وحضرت ہارونؑ قرار دیا اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ سے ان کی شان نبوت کی نفی کر دی۔ تا کہ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (3:62) والوں پر یہ دلیل آفتاب کی طرح روشن ہو اور امت مرحومہ مسیح موعود کو حقیقی نبی سمجھ کر غلطی نہ کھائے۔

بندہ نے یہ چند سطریں حسب فرمودہ جناب میاں صاحب تحریر کی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے رسالہ حقیقت الامر میں صاف اعلان کیا ہے کہ بدوں تحقیق وتدقیق جو کوئی زید وبکر کے قول پر اعتماد کرے، وہ قابل مواخذہ حق سبحانہ تعالیٰ ہے (صفحہ 6)۔ مولٰینا مرزا بیدل قدس سرہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

ہر کس اینجا از مقامِ خویش میگوید خبر　　از زبانم حرفِ او گر بشنوی باور مکن

''جو شخص خود بخود اپنا مرتبہ ظاہر کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی بات کا یقین نہ کرنا۔'' خدا کرے حق الامر ظاہر ہو جائے اور ہم سب متحد ہو کر شیر و شکر ہو جائیں۔آمین۔اگر جناب میاں صاحب ہمارے معتقدات کو، جو مطابق فرمودہ خدا و رسول اور مسیح موعود ہیں، منظور نہ کریں، مگر مہربانی فرما کر ہمیں خواہ مخواہ مطعون نہ کریں۔ بلکہ باوجود اس اختلاف کے ہم تمام احمدیوں کو ایک دوسرے کا بھائی جانیں اور ایک دوسرے کی تحریر و تقریر کو غور، تأمل، صدق اور راستی سے دیکھ اور پڑھ کر ایک دوسرے کے آگے پیش کریں۔ بندہ اس اختلاف کو بھی حضرت اقدس کی صداقت کی برہان جانتا ہے۔ کیونکہ آپ نے پہلے سے خبر دی ہے کہ ضرور ہے کہ جماعت میں تفرقہ ہو اور دو جماعت بن جائیں۔

بلکہ اگر یہ تفرقہ ظہور پذیر نہ ہوتا، تو پیشگوئی حضرت اقدس کی درست نہ ہوتی۔ پس ہم عاجزوں کو اس تفرقہ پر صبر کرنا چاہیئے اور اختلاف کو حدود عناد تک نہ پہنچانا چاہیئے۔ اور ہمیشہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم آپس میں دوست، خیر خواہ اور ہمدرد بن جائیں۔ چنانچہ ہر چہار مذاہب میں باوجود اختلاف کے باہم دوست ہیں اور ہرگز ایک دوسرے کو بُرا نہیں کہتے۔

مخفی نہ رہے کہ اختلاف میں غیبی تحریک ہے اور یہ تحریک زندگی اور زیادتی علم اور عقل کی علامت ہے، بشرطیکہ عناد کو درمیان سے اٹھا دیا جائے۔ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہوا کہ اس کے مرسل الٰہی کے بعد اس میں اختلاف واقعہ نہ ہوا ہو۔ کیونکہ مرسل الٰہی کے وقت میں ان کی متابعت پر نظر ہوتی ہے۔ لیکن مرسل کے بعد ہر متبع نے متبوع کے کلام کو سمجھنے کے واسطے اپنی اپنی عقل، فہم اور فراست سے رجوع کیا ہے۔ اسی واسطے تفاوت عقل و استعداد کی وجہ سے اس کے معانی میں اختلاف کیا ہے۔ مولانا مرزا بیدل قدس سرہ نے (جو حضرت اقدس کے خاندان سے ہوئے ہیں) کیا اچھا فرمایا ہے۔ (مندرج چار فارسی اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔ مرتب)

''جبکہ تو راگ کے پست اور بلند آواز سے واقف ہوا تو پھر تجھے ہر راگ کی بلند آواز کیوں بے حوصلہ کر دیتی ہے۔ اگر تُو سریلی آواز سے محرم ہو جاوے تو تجھے بے سُر نغمہ کا فریب کیوں مدہوش کر دیتا ہے۔ اگر تو دانشمند ہے تو ہستی کا دعویٰ مت کر۔ نہیں تو اس بھنگ کی

مستی تجھے نیست و نابود کر دے گی۔ خاموش شمع کی طرح تو بھی نیست ہو جا۔ ورنہ نیستی کا طوفان تیری ہستی کو مٹا دے گا۔‘‘

والسلام

خاکسار

بندہ محمد ابراہیم احمدی

13 نومبر 1918ء

تعزیت نامہ

حضرت خواجہ کمال الدینؒ کے نام

(خواجہ بشیر احمد صاحب کی وفات پر حضرت امیر ایدہ اللہ نے حضرت خواجہ صاحب کو تعزیت نامہ لکھا ہے۔ وہ بہت سے ایسے قیمتی اور بیش بہا خیالات کا جامع ہے، جن کا شائع کرنا بہت کچھ فوائد کا موجب ہوسکتا ہے۔ اور ایسے ایسے واقعات وحادثات میں یہ خط ایک بہترین وعظ کا کام دے سکتا ہے۔ اس لیے ہم اسے ذیل میں فوائدِ عامہ کے لیے درج کیے دیتے ہیں۔ وھو ہذا:)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرمی مخدومی اخویم خواجہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اَلۡقَلۡبُ یَحۡزُنُ وَالۡعَیۡنُ تَدۡمَعُ وَلَا نَقُوۡلُ اِلَّا مَایَرۡضٰی بِہٖ رَبُّنَا کیا ہی پیارے کلمات ہیں جو ایک دنیوی لحاظ سے سخت ترین صدمہ کے وقت اس شخص صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلتے ہیں جس کو دنیا کے لیے نمونہ اور ہادی بنا کر بھیجا گیا اور جس کی ذات ستودہ صفات میں ہماری رہنمائی کے لیے ہر قسم کے نمونے جمع کر دیئے گئے۔ لَوۡعَاشَ اِبۡرَاھِیۡمُ لَکَانَ نَبِیًّا بتاتا ہے کہ یہ مقدر ہی نہ تھا کہ خاتم النبیّین کے ہاں اولاد ذکور پیچھے رہتی۔ مگر مصلحتِ خداوندی نے یہ چاہا کہ آپؐ کو بیٹے دے کر واپس بلالیے جائیں تاکہ قضاء وقدر کے ان صدمات کے وقت، جن کا آنا اس دنیا میں ناگزیر ہے، آپؐ کے پیروؤں کے لیے ایک عملی نمونہ ہادی عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں موجود رہے۔ ایسے صدمات کے وقت دل کا پُرغم اور آنکھوں کا پُرنم ہونا عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ وہ محبت، جو خود خدا کے ہاتھ نے انسان میں ودیعت کی ہے، اسی کا یہ تقاضا ہے کہ جب انسان کا کوئی محبوب اس سے الگ ہو، تو اس کے دل کو غم پہنچے اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئیں۔

اگر یہ باتیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر نہ ہوتیں تو آپؐ ہمارے لیے نمونہ نہ بن سکتے۔ اگر جذبۂ محبت اس قلب صافی میں نہ ہوتا تو اور کہاں ہوتا؟ ہاں! آپ کی فطرت تو ایسی صحیح اور ایسی صراطِ مستقیم پر واقع ہے کہ اس کے تمام ترین جذبات ایک مکمل رنگ میں آپ کے اندر پائے جاتے ہیں۔ پس اولاد کی محبت، جو فطرتِ انسانی کا ایک نہایت ہی صحیح جذبہ ہے، ضرور تھا کہ آپ کے اندر پایا جاتا اور اس محبت کا تقاضا اولاد کی علیحدگی پر قلب حزیں اور چشم پُرنم کا ہونا اس محبت سے علیحدہ نہیں ہوسکتا تھا۔ پس فرمایا کہ دل پُرغم ضرور ہے۔ آنکھوں میں آنسو ضرور ہیں۔

یہاں تک ہی انسانی محبت اور انسانی فرائض تھے۔ لیکن اس سے آگے اس سے بالا تر ایک اور فرض اپنے مالکِ حقیقی کا تھا۔ اور وہ یہ کہ اولاد ہو یا مال یا صحت، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، جو انسان کو ایک وقت تک بطور امانت دی جاتی ہیں۔ اس کا حق نہیں کہ ہمیشہ کے لیے ان کا مدعی بنے۔ وہ ان باتوں میں سے جس قدر چاہتا ہے اور جب تک چاہتا ہے، کسی کو دیتا ہے اور جس طرح محض رحمانیت سے دیتا ہے، کسی کے حق کے طور پر نہیں دیتا۔ اسی طرح اسی صفت مالکیت کے ماتحت جب چاہتا ہے اور جس سے چاہتا ہے، لے لیتا ہے۔ اور جو کوئی دیتا ہے وہ خدا کی امانت اس کو واپس کرتا ہے۔ پس شکایت کے کیا معنی؟

خدا نے کیوں ایسا کیا کہ ہم سے ایک اپنی امانت کو واپس لے لیا۔ یہ سوال وہ نادان کرسکتا ہے جو صفاتِ الٰہی سے ناواقف ہے۔ کیوں یہ سوال اس کے دل میں اس وقت پیدا نہیں ہوتا، جب اس کو وہ نعمت ملتی ہے؟ کیوں وہ اس وقت یہ نہیں سوچتا کہ ہزاروں اس نعمت سے محروم ہیں۔ مجھے یہ کیوں مل گئی؟ جو دیتا ہے وہی لیتا ہے۔ نہ اس کے دینے پر سوال ہوسکتا ہے نہ اس کے لینے پر۔ پس جب یہ بتایا کہ تقاضائے محبت سے، جو بشر کی فطرت میں ودیعت ہے، دل غمگین ہے اور آنکھ پُرنم۔ تو دوسرے پہلو کو بھی ساتھ ہی بتا دیا کہ ہم کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَایَرْضٰی بِہٖ رَبُّنَا. کیا ہی پاک نقشہ اگر ایک طرف فطرتِ انسانی کا کھینچا ہے، تو دوسری طرف مالکِ حقیقی کی طرف جھکایا ہے اور وہ بھی درحقیقت فطرتِ انسانی ہی کا نقشہ ہے۔ کیونکہ مالک کی طرف جھکنا بھی فطرت انسانی میں ودیعت کیا گیا ہے۔ ہاں! زیادہ خوشی اور زیادہ غم کے وقت میں بعض وقت اس تقاضائے فطرت کو انسان بھول جاتا ہے۔ اس لیے ان جامع الفاظ میں کہ دل پُرغم ہے، اور آنکھ پُرنم، مگر شکایت کا

حرف زبان پر نہیں لاتے، بلکہ خدا کی قضاء پر راضی ہیں۔ صدمہ کے وقت فطرت کے ان دونوں تقاضوں کو اپنے کمال میں ظاہر کر دیا ہے۔ یہی وہ باتیں ہیں جو تمام صحیح فطرتوں کو آہستہ آہستہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور غلامی کی طرف کھینچ کر لاتی رہیں گی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ وَعَلٰی اَصْحَابِہٖ وَاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

آج پیارے بشیر کی وفات پر ہم بھی یہی الفاظ دہراتے ہیں جو ہمارے پیارے ہادیؐ نے ہمیں سکھائے ہیں اَلْقَلْبُ یَحْزَنُ وَالْعَیْنُ تَدْمَعُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَایَرْضٰی بِہٖ رَبُّنَا. اس کی حکمت کاملہ نے ہی جو چاہا عطا فرمایا اور اس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے جس کو چاہا اور جب چاہا اپنی طرف واپس بلا لیا۔

بشیر آپ کا فرزند تھا اور اس تعلق محبت کے لحاظ سے، جو ہم سب کو آپ کے ساتھ ہے، اس کی جدائی نے اگر آپ کو صدمہ پہنچایا ہے، تو ہمیں بھی صدمہ پہنچنا ضروری تھا۔ مگر ہمارا صدمہ صرف آپ کے تعلق محبت کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس کی خوبیوں، اس کی سعادت، اس کی فرمانبرداری نے بہت دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نہ صرف آپ نے اسے خدمت دین کے لیے تیار کیا، اور اس کو خدا کی راہ میں دے دیا، بلکہ خود اس نے بھی اپنے آپ کو خدا کی راہ میں لگانے کا پورا تہیہ کر لیا تھا۔ اور پچھلے دنوں جب میں نے احباب میں یہ تحریک کی کہ خدمتِ دین کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے کے لیے کچھ لوگ نکلیں، تو نوجوانوں میں وہ سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں تھا۔ پس جو نیت اس نے کی اس کا پھل وہ پائے گا۔ اور جو نیت آپ نے اس کے متعلق کی، اس کا پھل آپ پائیں گے۔ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (100:4)

ہماری ترقیات اس دنیا کی کسی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتیں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ اپنی سنتوں اور مصالح کو خوب جانتا ہے۔ وہ جہاں تک چاہتا ہے اور جب تک چاہتا ہے، کسی سے یہاں کام لیتا ہے۔ اور جب اس کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے، وہ اپنے حضور بلا لیتا ہے۔ اس سے اس کی ترقی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ ہاں! یہ سچ ہے کہ قضا و قدر کے ایسے صدمات جو انسان کو پہنچتے ہیں اور وہ تکالیف جو اس پر وارد ہوتی ہیں، وہ ایک مومن کے لیے ترقیات کا موجب ہوتی ہیں۔ سو میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے مزید ترقیات کا موجب بنائے گا۔ آج سے چھ سال پیشتر آپ کی بی بی کا انتقال ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھی

آپ کی زندگی میں ایک ایسی تبدیلی پیدا کر دی، جس کا اثر آج ایک دنیا محسوس کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت پر صبر کا یہ اجر آپ کو دیا کہ اپنی خدمت کے لیے آپ کو چن لیا۔ اب یہ دوسرا صدمہ ہے اور خدا نے چاہا تو اس پر صبر کا اجر مزید ترقیات کے رنگ میں نمودار ہوگا۔

کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب مومن اُن ابتلاؤں پر، جو قضا وقدر الٰہی سے اس پر وارد کی جاتی ہیں، صبر کرتا ہے تو صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (157:2) کا حق دار ہو جاتا ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو اعلیٰ سے اعلیٰ ترقیات کے مقام، قضا وقدر کی مشکلات اور مصائب میں سے گزرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک وہ قربانیاں ہیں، جو انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ ایک وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے جو انسان خوش دلی کے ساتھ اس کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ لیکن اس سے بلند تر مقام وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قضا وقدر کے ذریعہ سے اس سے قربانی چاہتا ہے۔ یعنی اس کو کوئی دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس کی قضا پر راضی ہو جاتا ہے اور جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے اس میں بھی اس کی بہتری ہی رکھی ہے۔ اور خوشدلی کی اطاعت سے بڑھ کر وہ اطاعت ہے جو قلبِ حزیں اور چشمِ گریاں کے وقت انسان اختیار کرتا ہے۔

آسائش، راحت اور آرام کے وقت ہر شخص اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے کو تیار ہو سکتا ہے۔ دکھ، تکلیف، اور غم کے وقت باخدا انسان ہی دل سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1:1) کہے گا۔ دل میں قوت ہو اور خوشی ہو، تو بڑی سے بڑی مشکلات کو طے کرنے کے لیے انسان تیار ہو سکتا ہے۔ مگر غم سے بھرے ہوئے دل کے وقت ایسا قدم اٹھانا عارفانِ الٰہی ہی کا کام ہے۔

اسی خط کے لکھتے وقت مجھے خیال آیا کہ حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش میں اللہ تعالیٰ نے کیسا عجیب واقعہ بیٹے کی قربانی کا رکھا ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو خدا کے حکم کے ماتحت قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو ایک کامل نمونہ ہے۔ کیا وہ ایسے واقعہ سے خالی ہے؟ ہرگز نہیں۔ جہاں تک اپنے اختیار سے قربانی کرنے کا سوال ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام بلند پر پہنچایا قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (162:6) حضورؐ کا سب کچھ ہی اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔ مگر بیٹے کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی بڑھ کر واقعہ دکھایا ہے۔ آپ کا فرزند ابراہیمؑ آپ

کے سامنے وفات پاتا ہے اور وہ کام جو حضرت ابراہیمؑ اپنے اختیار سے کرنے کو تیار ہوتے ہیں، ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قضاء وقدر کے ذریعہ سے وارد کر دیا جاتا ہے اور اس وقت آپ کے یہ الفاظ اَلْقَلْبُ يَحْزُنُ وَالْعَيْنُ تَدْمَعُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى بِهٖ رَبُّنَا حضرت ابراہیمؑ کی تیاری سے بھی بڑھ کر ہیں۔

آج اگر ہم یہی لفظ بہ اتباع سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ اور اپنے قلب کے اندر ایک سکون اور ٹھنڈک کی کیفیت پاتے ہیں۔ تو کس قدر سکون اور ٹھنڈک سے وہ قلب پُر ہوگا، جس سے پہلے یہ لفظ پھوٹ کر نکلے ہیں اور عین اس حالت میں نکلے ہیں، جب اس کا دل حزین ہے۔ جب اس کی آنکھوں میں پیارے بیٹے کی جدائی کے لیے آنسو بھر آئے ہیں۔ اس وقت وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَايَرْضٰى بِهٖ رَبُّنَا کے الفاظ کا جوش سے پھوٹ کر نکلنا بتاتا ہے کہ باوجود حزنِ قلب کے اللہ تعالیٰ کی رضا پر کس قدر سکون اس قلبِ صافی کو حاصل ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّم وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلٰى اَصْحَابِهٖ وَاٰلِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

میں جہاں تک غور کرتا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ کے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کی تیاری سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس واقعہ کو پاتا ہوں کہ اپنے بیٹے کی وفات پر جب محبتِ پدری سے فی الواقع دل میں غم اور آنکھوں میں آنسو ہیں۔ وہ چلّا اُٹھتا ہے کہ اے خدا! تیری قضا پر ہم راضی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے اختیار سے ایک قربانی کرنے کو راضی ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قضاء وقدر ایک قربانی وارد کرتی ہے، تو آپ کا قلبِ حزیں پھر بھی راضی ہے۔ یہ مقام اس سے بڑھ کر ہونے کے علاوہ ہر ایک متبع کے لیے ایک نمونہ کا کام دے سکتا ہے۔ فی الواقع قضاء وقدر کی مشکلات میں خدا کی قضاء پر راضی رہنا ایک ارفع مقام ہے اور خود حضرت ابراہیمؑ کی زندگی سے بھی یہی سبق ہم کو ملتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بیٹے کی قربانی کے لیے تیاری کر چکے، اپنے اختیار میں جس قدر باتیں ہیں، ان پر اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (131:2) میں اپنے قلب کی کیفیت کو بیان کر چکے ہیں۔ یعنی ہر ایک امر میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر تیار ہو چکے ہیں۔ مگر پھر بھی ان پر قضاء وقدر کی تکلیفات وارد کی جاتی ہیں اور ان کو طرح طرح کی مشکلات میں ڈالا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اَسْلَمْتُ سے بھی ایک بلند مقام پر پہنچیں۔

بلاشبہ فرمانبرداریٔ احکام بڑا عظیم الشان مرتبہ ہے۔ مگر قضاء قدر کی مشکلات میں قضاء الٰہی پر راضی رہنا

اورغم کے وقت خوشدلی سے خدا کی اطاعت میں لگے رہنا، اس سے بھی بلند مرتبہ ہے۔غور کیا جائے تو ہر ایک نبیؑ اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری اختیار کرتا ہے۔مگر ہر ایک کو ہی طرح طرح کے دکھوں اور مشکلات میں سے گزرنا پڑتا ہے۔اعلیٰ درجہ کی غمگسار بی بیؓ، سخت سے سخت مشکلات کے وقت تسکین دینے والی بی بیؓ، آپؐ سے الگ کی جاتی ہے۔ چچا، جو سخت سے سخت مخالفتوں میں آپ کی حمایت پر رہے، فوت ہو جاتے ہیں۔ سارا قبیلہ شہر کے ایک گوشہ میں مقید ہے، کھانے تک کا سامان نہیں ملتا۔مگر کیا آپ کی زبان پر کبھی حرف شکایت آتا ہے کہ اے خدا! یہ کیا معاملہ تو میرے ساتھ کر رہا ہے۔نہیں۔ بلکہ ان تمام مشکلات پر جب ایک اور تاریکی کا بادل چھا جاتا ہے اور آپؐ طائف کی طرف رجوع کرتے ہیں۔مگر وہاں سے بھی زخموں سے چور ہو کر واپس آتے ہیں تو پھر بھی یہی لفظ آپ کے منہ سے نکلتے ہیں کہ اے خدا اگر تیری ناراضگی مجھ پر نہیں تو ان تمام باتوں کی مجھے کچھ پروا نہیں۔ خدا تعالیٰ اگر چاہتا تو اپنے انبیاءؑ کے لیے ایسے سامان پیدا کر دیتا کہ ان کو کوئی دکھ نہ دے سکتا۔مگر نہیں۔اس دن سے گزرے بغیر انسان کمالِ حقیقی کو حاصل نہیں کر سکتا اور انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی تکمیل کے لیے سب کو قضاء وقدر کی مشکلات میں سے گذارا جاتا ہے۔اور شاید دوسرے لوگوں سے بڑھ کر یہ مشکلات ان پر وارد کی جاتی ہیں۔ان تمام مشکلات میں، جو ایک معمولی انسان کو کچل دینے کے لیے اور اس کو پاگل بنا دینے کے لیے کافی ہوں، ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ پر ایمان اسی جوش سے قائم رہنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایک بڑی دلیل ہوتی ہے۔

مسلمانوں نے یعنی صحابہؓ نے کس قدر قربانیاں خدا کی راہ میں اپنے اختیار سے کیں۔ وطن چھوڑے، جائیدادیں چھوڑیں، رشتہ دار اور عزیز و اقارب چھوڑے۔مگر کیا اسی پر بس ہوگئی؟ نہیں۔ بلکہ ان تمام قربانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ (155:2) ابھی کچھ اور امتحان تمہارا باقی ہے۔ابھی تمہیں انعام دینے کے لیے، تمہارے کمالات ظاہر کرنے کے لیے تم پر کچھ خوف اور بھوک اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کا نقصان وارد کرنا ضروری ہے۔اس میں درحقیقت زیادہ تر قضاء وقدر کے نقصانات کی طرف ہی اشارہ ہے۔جیسا کہ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ (156-155:2) سے ظاہر ہے۔اور جب اس حالت پر پہنچ جائیں کہ جب ان کو مصائب پہنچیں، تو بجائے اس کے کہ ان پر گھبرائیں، ان کے دلوں میں کوئی شکایت پیدا

ہو، ان کے دلوں سے یہ آواز نکل کر زبان پر آتی ہے قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (156:2) یہ مصیبتیں کیا چیز ہیں! اگر کچھ مال کا نقصان ہو گیا، اگر کوئی عزیز بچہ مر گیا، اگر کوئی عزیز دوست فوت ہو گیا، اگر کسی محنت کا ثمرہ ہاتھ نہیں آیا، اور کی کرائی کوشش یونہی گئی، تو بات ہی کیا ہے۔ ہماری زندگی محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اسی کی طرف ہم لوٹ کر جانے والے ہیں۔

مال یا اولاد کا ہونا کوئی حقیقی مقصد ان کی زندگی کا نہیں۔ بلکہ اللہ کو پا لینا، اللہ کے لیے اپنے آپ کو کر دینا، یہ بات مصائب کے وارد ہونے پر ہی انسان کی سمجھ میں آتی ہے، اور یہی بات ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بڑی رحمتوں کا وارث بنا دیتی ہے۔ یہ تمام امور اس بات پر شاہد ہیں کہ قضاء وقدر کی طرف سے جو صدمات انسان پر وارد ہوتے ہیں، وہی درحقیقت اس کی تکمیل کا موجب ہوتے ہیں اور وہی بات جو دوسروں کے لیے دکھ کا موجب ہوتی ہے، مومن کے قلب کی حالت کی وجہ سے وہی رحمت و برکت کا موجب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے جملہ متعلقین کو انہی برکات اور رحمتوں کا وارث بنائے، جس کا وعدہ اس نے اپنے صابر بندوں کے لیے یہاں دیا ہے۔

دنیا پر اس وقت ایک بلائے عظیم نازل ہوئی ہے اور طرح طرح کے مصائب وارد ہو رہے ہیں۔ قحط، جنگیں اور سب سے بڑھ کر وبائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں ہے۔ مگر وہ ذات تو رحمت ہے، اس کا غضب بھی رحم کے لیے ہی ہے۔ قرآن کریم نے اس پُر حکمت امر کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ. (94:7) اصل غرض تو یہ ہے کہ لوگ کچھ خدا کی طرف بھی توجہ کریں، کچھ دنیا کی محبت کو کم کریں، نرے زمینی نہ رہیں۔ بلکہ کچھ نظر ان کی خدا کی طرف بھی ہو۔ بس وہی، جو ہم کو مصیبت نظر آتی ہے، رحمت کا کام کر جاتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ایک نبی کو بھیج کر دنیا کو متنبہ کرتا ہے اسی طرح جب لوگ بہت سو جاتے ہیں، تو ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے بعض مصائب دنیا پر بھیج دیتا ہے۔ جن سے عام طور پر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ واقعی کوئی بالاتر ہستی ہے جس کے قبضۂ قدرت میں سب باتیں ہیں اور انسان کا علم اور انسان کی طاقت اس کے سامنے بالکل محدود ہے۔ ہاں! جس طرح سوتے ہوئے آدمی کو جگانے والا بُرا معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ اس کے

آرام وآسائش میں مخّل ہوتا ہے، اسی طرح یہ دکھ اور تکلیفیں نظر آتی ہیں۔

رہا یہ سوال کہ ایسی تکلیفات میں نیک و بد دونوں کیوں شامل ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو قحط پڑا، اس میں مسلمانوں کو بھی تکلیف ہوئی۔ چنانچہ اسی قسم کے عذابوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (25:8) اس فتنہ یا عذاب سے ڈرو جو خصوصیت سے تم میں سے ظلم کرنے والوں کو نہیں پہنچتا۔ یعنی اس کا اثر نیک و بد دونوں پر ہوتا ہے۔ سو اس پر اعتراض کرنا فضول ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے عذابوں میں اگر نیک و بد کو الگ کر دیا جائے اور نیکوں پر کوئی تکلیف نہ آئے تو ایمان بالغیب باقی نہیں رہتا۔ اور دوسرے یہ کہ درحقیقت تضرع اور عاجزی کے بد اور نیک اپنے اپنے حالات کے مطابق دونوں محتاج ہیں۔ اس وقت اگر ہمارے احباب میں سے بھی بعض ان مصائب میں شریک ہیں، تو اس لیے کہ ہم قضاء وقدر کی تکلیفات سے الگ نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو الگ کرنے کا وعدہ کیا ہے، نہ ہی ہم اس بات سے بالاتر ہیں کہ ہمیں تضرع کی حاجت نہیں۔ جب تک عزیز واقارب پر تکلیف نہیں آتی، اس وقت تک انسان کے دل سے دنیا کی محبت سرد نہیں ہوتی۔

ہاں! یہ تضرع، یہ خدا کی طرف جھکنا اپنے اپنے حالات کے مطابق ہوتا ہے۔ ایک دہریہ کے لیے بھی تضرع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات کو دیکھ کر اور انسان کی بےبسی اور عاجزی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہو جائے۔ مومن اس سے اور زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور خدا کی راہ میں بڑی بڑی ترقیات کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں دنیا کی محبت کی آگ بجھا کر محبت الٰہی کی آگ جلادی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تضرع دونوں میں پیدا کرتا ہے۔ مگر ایک کا تضرع دوسرے سے بہت بلند مقام رکھتا ہے۔ ہاں! ہمارے احباب کو بھی اس بات کو سمجھ کر اپنی ہمتوں کو دوبالا کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ دنیا تو ایک فنا کا مقام ہے۔ بڑے بڑے نوجوان عین جوانی کی امنگوں میں اٹھائے گئے۔ یہ نظارہ ہماری غفلتوں کو دور کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ اس بات کو ہماری آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے کہ ہم اپنی ساری ہمت دنیا پر ہی صرف نہ کر دیں، بلکہ کچھ کام خدا کی راہ میں بھی کر کے دکھائیں اور اس مقصد کو بھول نہ جائیں، جس کے حصول کے لیے ہمیں ایک جماعت بنایا گیا ہے۔ یہی وہ سبق ہے جو ان بڑے بڑے مصائب سے ملتا ہے۔ دعا

ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے احباب کو اس سبق سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے اور مادی دنیا کے لیے بھی یہ تازیانہ کافی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس سے بھی سخت تر تازیانہ کی ضرورت ہو۔

آخر میں اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزیز بشیر اور اس کی بی بی کو، جن کے ایک ہی دن فوت ہونے سے اس نظارہ کو اور بھی دردانگیز بنا دیا، اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْھُمَا وَارْحَمْھُمَا وَاعْفُ عَنْھُمَا اَللّٰھُمَّ اَکْرِمْ مَنْزَلَھُمَا وَوَسِّعْ مَدْخَلَھُمَا وَارْفَعْ دَرَجٰتَھُمَا فِی الْجَنَّۃِ** اور آپ کے اور دیگر پسماندگان کے قلبِ حزین کو اپنے فضل سے سکون وصبر عطا فرمائے۔ اور اس چار ماہ کے بچہ کو، جو انہوں نے اپنی یادگار چھوڑا ہے، اس بلندی کے مقام پر پہنچائے، جہاں ہماری آنکھیں بشیر کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ اور ہماری جماعت کے نوجوانوں کے دلوں میں اپنے فضل سے یہ تحریک کرے کہ وہ عزیز بشیر کی طرح اپنی زندگیوں کو خدا کے دین کی خدمت کے لیے وقف کرنے والے ہوں۔ والسلام

محمد علی

2 نومبر 1918ء

13نومبر 1918ء

مِنۡ بَعۡدِیۡ کے معنی میرے مرنے کے بعد

ابن جوزی اور مولانا عبدالحق محدث دہلوی سے

کسی گذشتہ اشاعت میں ہم نے حکیم ابوتراب عبدالحق صاحب ایڈیٹر ''اہلسنت والجماعت'' سے اس ترجمہ پر، جو یَاتِیۡ مِنۡ بَعۡدِی اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ (6:61) کا انہوں نے کیا تھا کہ مسیحؑ نے کہا کہ ''میرے بعد یعنی میرے آسمان پر جانے کے بعد'' آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا، یہ سوال کیا تھا کہ مِنۡ بَعۡدِیۡ کا یہ ترجمہ صرف ونحو کے کون سے قاعدہ یا کس لغت کے مطابق ہے مِنۡ بَعۡدِیۡ کا ترجمہ ''میرے آسمان پر جانے کے بعد'' ایک صریح تحریف ہے قرآن کریم کی۔ جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔

حکیم ابوتراب عبدالحق صاحب نے تو اس کا کیا جواب دینا تھا۔ ان کے بعض نامہ نگاروں نے ہمارے سوال کو نظرانداز کرکے الٹا ہم سے یہ مطالبہ کیا کہ ہم ''مِنۡ بَعۡدِیۡ'' کا ترجمہ ''میرے مرنے کے بعد'' لغت کی کسی کتاب سے دکھائیں۔ حالانکہ جہاں تک نرا مِنۡ بَعۡدِیۡ کے الفاظ کا تعلق ہے، لغت کی رو سے مِنۡ بَعۡدِیۡ میں نہ آسمان پر جانا شامل ہے نہ موت کے معنی اس سے نکلتے ہیں۔ البتہ اس سارے کلام کو اگر مدِّنظر رکھا جائے کہ مسیح علیہ السلام کی بشارت قرآن نے نقل کی ہے کہ میرے جانے کے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہوگا، تو آسانی کے ساتھ سمجھ آجاتا ہے کہ مِنۡ بَعۡدِیۡ سے یہاں انتقال مکانی یا آسمان پر جانا مراد ہے یا موت۔ ہم اس کے لیے اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتے۔ مولٰینا عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ کی فضیلت علمی سے غالبًا حکیم ابوتراب صاحب کو انکار نہ ہوگا۔ آپ کی مشہور شرح مشکوٰہ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اس میں آپ کتاب الایمان کے باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کے ذیل میں ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''ودر حکایت یوحنا کہ یکے از حوارین است آمدہ کہ مسیح گفت فارقلیط نمے آید شمارا۔ تا آنکہ نمردم من۔''

یعنی حکایت یوحنا میں جو مسیح علیہ السلام کے حواریوں میں سے ہیں آیا ہے کہ مسیح نے کہا کہ فارقلیط تمہارے پاس نہیں آئے گا جب تک کہ ''میں مر نہ جاؤں۔''

اس عبارت میں صاف طور پر یَاتِیْ مِنْۢ بَعْدِی (61:6) کا، جو الفاظ یوحنا۔

''اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔''(یوحنا۔7:16)

کے مترادف ہے، ترجمہ '' تا آنکہ نہ مُردم من''(جب تک میں مر نہ جاؤں) کیا ہے۔جس سے نہ صرف مولٰینا عبدالحق صاحب ہی کے متعلق یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ وفاتِ مسیح کے قائل تھے، بلکہ محدث ابن جوزی بھی، جن سے انہوں نے اس کو نقل کیا ہے، وفات ہی کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ورنہ پھر ماننا پڑے گا کہ کم ازکم ان دونوں صاحبوں کے نزدیک فارقلیط (جس سے وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیتے ہیں) ابھی تک دنیا میں نہیں آیا۔ کیونکہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح کے مرنے کے بعد فارقلیط نے آنا ہے۔پس اگر وہ مسیح کو زندہ مانتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے نزدیک نہ آئے ہوتے۔

یہ ہے مِنْۢ بَعْدِی کا وہ ترجمہ جو ان دو بزرگوں نے الفاظ یوحنا کی روایت معنوی سے کر دیا ہے۔کیا مولوی حکیم ابوتراب عبدالحق صاحب اور دیگر قارئین حیاتِ مسیحؑ اس پر غور کریں گے؟

❁❁❁

8دسمبر 1918ء

مراسلات

مکتوب حضرت امیر ایّدہ اللہ بنام میاں محمود احمد صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مکرم معظم میاں صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے آپ کی چٹھی موسومہ ''حقیقت الامر'' کا جواب شروع کیا ہے۔ اس میں مَیں نے جلسہ سالانہ پر تبالہ خیالات کے لیے آپ کو ایک دعوت دی ہے۔ جس کو اس لیے کہ شاید اس جواب کی تیاری میں دیر ہو جائے گی، علیحدہ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ جلد اس کی منظوری سے اطلاع دیں گے۔ دعوت حسب ذیل ہے:

میں اب بھی ایک آسان راہ فیصلہ کی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس دفعہ آپ کا جلسہ سالانہ دسمبر میں نہیں، ہمارا ہے۔ آپ ایسٹر میں یعنی موسم بہار میں کریں گے۔ آپ اپنے مریدین کے لیے ایک اعلان شائع کر دیں کہ آپ خود اس جلسہ میں شریک ہوں گے۔ اور وہ بھی، جہاں تک ممکن ہو، شریک ہوں۔ سب کی مہمانی ہمارے ذمہ ہوگی۔ جو کچھ میں یا میرے دوست مسائلِ اختلافی پر تقریر کریں آپ اُن پر اعتراض کریں، ہم اُن کا جواب دیں گے۔ اگر آپ علالت کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے خود شریک ہونا پسند نہ کریں، تو اپنی جگہ ایک اپنا قائمقام مقرر کر دیں۔ جو اس جماعت کی طرف سے حفظ امن کا ذمہ دار بھی ہو اور جو آپ کی جگہ ہمارے دلائل کی تردید کرے۔ اس کے بالمقابل میں بھی ابھی یا جب آپ چاہیں اعلان شائع کر دوں گا کہ میں آپ کے جلسہ سالانہ میں شامل ہوں گا۔ اور میرے رفقاء، جہاں تک ممکن ہو شریک ہوں۔ اپنی مہمانی کا بوجھ ہم آپ کے ذمہ نہیں ڈالتے۔ جو کچھ آپ یا آپ کے دوست مسائلِ اختلافی پر تقریر کریں، میں اُن پر اعتراض کروں گا۔ آپ کی طرف سے جواب ہوگا۔ اگر میں علالت کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے خود شریک نہ ہوسکوں تو اپنی جگہ ایک اپنا

قائمقام مقرر کر دوں گا، جو میری جماعت کی طرف سے حفظِ امن کا ذمہ دار بھی ہوگا اور میری جگہ آپ کے دلائل کی تردید بھی کر دے گا۔ اعتراض اور جواب دو دفعہ ہوں گے۔ اور آخری جواب الجواب تقریر کرنے والے کا ہوگا۔

والسلام

خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس لاہور

6 دسمبر 1918ء

8دسمبر 1918ء

چند سوالوں کے جواب

ایک خط مشتمل بہ چند سوالات حضرت امیر ایدہ اللہ کی خدمت میں برائے جواب موصول ہوا تھا۔ جس کا جواب مکرم مولوی مصطفیٰ خاں صاحب نے حضرت امیر کے ارشاد سے لکھا ہے۔ جو بمعہ اصل سوالات برائے افادہ عام ہدیہ قارئین کرام ہے۔ مدیر

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

حضرت امیر جناب مولٰینا محمد علی صاحب ایم۔اے مدّ ظِلُّہُ الۡعَالِیۡ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔

بہ امیدِ اخوتِ اسلامی معروض کہ مندرجہ ذیل سوالات پر روشنی ڈال کر بندہ کو قعرِ ظلمت سے رہائی بخشیں گے۔ وَھُو ھٰذَا

(1) مرزا صاحب کتاب مؤلفہ ''حمامۃ البشریٰ'' میں فرماتے ہیں:

وَکَذٰلِکَ تَدُلُّ اٰیَۃٌ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ عَلٰی انّ عِیۡسٰی قَدۡ تَوَفّٰی وَکَانَ اللّٰہُ خلیفۃ لَہٗ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیَامَۃِ فَکَیۡفَ یُمۡکِنُ بَعۡدَ الۡمُوۡتِ وَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: فَیُمۡسِکُ الَتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہِ الۡمَوۡتَ وَقَالَ: حَرامٌ عَلٰی قَرۡیَۃٍ اَھۡلَکۡنٰـھَاۤ اَنَّھَمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ۔

عبارت ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ باعتقاد جناب مرزا صاحب مردہ زندہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ علاوہ

ازیں بعض دیگر تصنیفات میں بھی احی الموتیٰ سے مراد احی الارواح الموتی ای احی القلوب المیۃ الکافِرِیْنَ لی ہے۔لیکن آیات ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مردہ کا زندہ ہونا بھی قدرتِ اللہ اور قانونِ الٰہی میں شامل ہے۔اگر چہ یہ قانون ہی مخصوص ہے۔

☆کَمَا قَالَ عزّوجلٌ: اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (259:2)

☆وَقَالَ وَلَبِثُوْافِىْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْ دَادُوْا تِسْعًا (25:18)

☆وَقَالَ: وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَ لُوْا بَيْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْبَعْضَ يَوْمٍ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ (19:18)

(2)اقتدائے امام میں مقتدی کوبحوائے آیت قرآن وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (204:7)سورۃ الفاتحہ نہ پڑھنی چاہیۓ۔مگر بعد کی دو رکعت میں تو قرأت سورہ الفاتحہ لازم آتی ہے۔ شاید آپ اس کے جواب میں تحریر فرما دیں کہ قرأت الامام قرأت المقتدی لیکن عرض ہے کہ تسبیحات رکوع وسجود اور تسبیحات جلسہ اور التحیات کیوں پڑھی جاتی ہے۔

(3) خرِ دجال کی خوراک بنا برآگ و پانی صحاح ستہ کی کون سی کتاب میں مندرج ہے۔مفصل تحریر فرما دیں گے۔

(4) جناب نعمت اللہ کشمیری کی پیشگوئی دوبارہ مسیح المہدی یہ ہے ۔

از برائے دفع دجال لعیں گویم شنو   عیسیٰ آئد مہدی آخر زماں پیدا شود

پانصد ہفتا ہجری بود تا ایں گفتہ شد   دو ہزار ودو صدو ہفتادآں پیدا شود

علاوہ ازیں خواجہ غلام رسول صاحب خلیفہ خواجہ سلیمان تونسویؒ سکنہ تو گیری علاقہ منچن آباد نے بجواب ایک سائل فرمایا کہ تاریخ پیدائش امام مہدی لفظ غَفَوَ ہے۔ بحساب ابجد غفر کے اعداد 1280 ہیں۔کیا

مرزا صاحب کی بعثت یا پیدائش کا کوئی تعلق ان اعداد سن ہجری سے ہے۔

(5) کتاب **صیانتہ الانسان عن وساوس الشیطان** مصنفہ حافظ عطاء اللہ لاہوری اگر آپ کے پاس موجود ہووے تو بذریعہ وی پی ارسال فرما دیں۔ ورنہ کسی مطبع کا پتہ تحریر فرما دیں۔ فقط معروضہ 13 مطابق ماہ محرم الحرام 1337ھ

نیاز مند مستفسر بندہ۔ **نور احمد** مدرس منڈی

☆☆☆

الجواب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

30 نومبر 1918ء۔ احمدیہ بلڈنگس، لاہور

مکرم و معظم بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط مجھے حضرت امیر نے جواب کے لیے دیا ہے۔

(1) آپ کا سب سے پہلا سوال احیاء موتی کے متعلق ہے۔ اس کی نسبت میں سب سے اول یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید کی آیات کے معنی ہمیں اس طرح نہیں کرنے چاہئیں کہ ایک آیت دوسری آیت سے ٹکرا جائے اور قرآن مجید میں اختلاف پیدا ہو جائے۔ بلکہ ہمیں آیات میں تطبیق دینی چاہیئے۔ آپ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ آیات کا مطلب تو یہ ہے کہ مردے زندہ نہیں ہوتے اور بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مردہ زندہ ہونا بھی قدرت اللہ اور قانون الٰہی میں شامل ہے۔

حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ ایسے دو طرح کے قانون تو نہیں ہو سکتے۔ جو آپس میں صریح مخالف و متضاد ہوں۔ **وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا** (62:33)۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر ایک کتاب میں بعض باتیں بطور اصول

بیان کی جاتی ہیں۔بعض بطور حالات وواقعات کے۔ جو باتیں بطور اصول بیان ہوتی ہیں، وہ نہایت محکم ہوتی ہیں اور ان میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اسی طرح قابل تسلیم ہوتی ہیں، جس طرح کہ بیان ہوئیں۔ ہاں! حالات وواقعات کے متعلق جو باتیں ہوتی ہیں۔ان میں چونکہ استعارہ اور مجاز بھی ہوتا ہے، اس لیے ان میں تاویل کی گنجائش ہوتی ہے۔اور وہ اسی حد تک قابلِ تسلیم ہوتی ہیں کہ اصول کے خلاف نہ ہو جائیں۔ یا بالفاظ دیگر ان باتوں کو اصول کے ماتحت کر کے تسلیم کیا جاتا ہے اور ان کے معنی وہ کیے جاتے ہیں جو اصول کے خلاف نہ ہوں۔

یہ اصول کوئی میرے گھر کا نہیں بلکہ خود قرآن مجید نے بھی یہی اصول بیان فرمایا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَاتَشَابَهَ (7:3)اس آیت شریفہ میں قرآن مجید کی آیات کو دو قسموں میں منقسم کر دیا ہے۔محکمات اور متشابہات۔ محکمات کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ ام الکتاب ہیں۔ام جڑ یا اصول کو کہتے ہیں اور اسی آیت میں آگے چل کر تاکید ہے کہ مُتَشٰبِهٰتٌ کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ بلکہ محکمات یعنی اصول کی باتوں کو محکم پکڑنا چاہیے۔ کیونکہ متشابہات کے پیچھے لگنے والوں کو زیغ قلب کا مریض فرمایا ہے۔

اب قرآن مجید کے اس اصول کے مطابق ہم احیاء موتٰی کا فیصلہ کرتے ہیں۔قرآن مجید میں صاف لکھا ہے کہ فَيُمۡسِكُ الَّتِىۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ(42:39)۔ دیکھ لیجئے ان آیات میں کسی واقعہ یا قصے کا ذکر نہیں بلکہ ایک عام اصول بیان کیا گیا ہے، جو بہر حال قابلِ تسلیم ہے۔اگر بظاہر اس اصول کے خلاف کوئی واقعات یا حالات بیان ہوئے ہیں تو ہمیں اپنے اصول کے مطابق مجبوراً ان کی تاویل کرنی پڑے گی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ان کی خاطر ہم اصول کو پسِ پشت ڈال دیں اور اس کے خلاف معنی قبول کر کے قرآن مجید میں اختلاف پیدا کر دیں۔ آپ خوب جانتے ہوں گے کہ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ پس جہاں کوئی آیت بظاہر ہمیں کسی اصولِ قرآن کے خلاف نظر آئے گی تو ہم اس آیت کے الفاظ کے معانی مختلفہ پر غور کر کے وہ معنی مراد لیں گے جو اصول کو نہ توڑیں۔

آپ نے جو آیات احیاء موتٰی کے حق میں پیش کی ہیں مثلاً مندرجہ درسوال نمبر 1 وغیرہ۔ان سے بھی

احیاءموتی ثابت نہیں ہوتا۔معلوم ہوتا ہے کہ آپ موت وحیات کے معنی صرف یہی عرفی موت وحیات ہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ لغت میں موت کے معنی متعدد ہیں۔ مفردات راغب میں ہے۔ اَنْوَاعُ الْمَوْتِ بِحسب انواع الحیات پھر آگے چل کر موت کے متعدد معنی بیان کیے ہیں۔جن کو آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔دو ایک میں لکھ دیتا ہوں۔

☆قوتِ نامیہ کا زوال: مثلاًیُحیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا (19:30)

☆قوتِ حاسہ کا زوال: مثلاًیٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا (23:19)

☆قوتِ عاقلہ کا زوال: مثلاًاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (80:27)

دیکھ لیجئے لفظ موت کا استعمال کیسے مختلف معانی میں ہوتا ہے۔ بہر حال قوم یا افراد کی ذلت یا پستی کی حالت کو بھی استعاراً موت کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں بھی قوت نامیہ کا زوال ہوتا ہے اور قَالَ اَنّٰی یُحْیِ ھٰذِہِ اللّٰہُ الخ (259:2) میں موت سے مراد یہی پستی و ذلت ہے۔اور یہ تو معمولی اردو کا محاورہ بھی ہے اور ہم ہر روز کہتے ہیں کہ فلاں قوم مرگئی،فلاں فلاں قومیں زندہ ہیں۔اسی طرح جب قومیں اخلاقی، روحانی یا جسمانی طور پر ترقی کرتی ہیں اور اوج رفعت پر پہنچتی ہیں تو استعارۃً ان کا احیاء یا بعثت سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (24:8) اس آیت میں احیاء مراد جسمانی احیاء نہیں بلکہ اخلاقی و روحانی احیاء ہے۔

اسی قبیل کے معنی اصحاب کہف والی آیت کے ہیں۔جس سے مراد یہ ہے کہ تین سو سال تک وہ حالت پستی اور ذلت میں رہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو رفعت یا بلندی یعنی ترقی دے دی۔

(2) سورۃ الفاتحہ خلف امام پڑھنی چاہیے۔احادیث سے یہی پتہ لگتا ہے کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اسے پڑھا کرتے تھے۔قرآن مجید کے حکم کی تعمیل اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب امام ایک آیت پڑھ کر ٹھہرے تو مقتدی اس وقفہ میں وہ آیت خود پڑھ لے۔

(3) خر دجال کی خوراک آگ اور پانی کے متعلق صحاح ستہ میں تو کوئی حدیث نہیں۔ ہاں! مستدرک،

مسند احمد بن حنبل، بیہقی وغیرہ میں ہے۔ اس کی مفصل بحث اگر آپ نے ملاحظہ فرمانی ہے تو کتاب عسل مصفیٰ مطالعہ فرمائیے۔ جو یہاں سے مل سکتی ہے۔

(4) حضرت مرزا صاحب کی پیدائش کے متعلق عرض ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی ایسی پیشگوئیاں ان کے کشوف ورؤیا پر مبنی ہوتی ہیں جو قابلِ تاویل ہوتے ہیں۔ بہر حال نعمت اللہ ولیؒ کے مصرعہ میں جو آپ نے نقل کیا ہے۔ لکھا ہے:

دو ہزار و دو صد و ہفتاد آں پیدا شود

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مہدی 1270ھ میں پیدا ہوگا۔ مگر آپ نے 1280ھ لکھا ہے۔ شاید لغزش قلم ہو۔ لیکن اگر 1270ھ ہی لیا جائے جیسا کہ اصل الفاظ سے ظاہر ہے تو پھر گو حضرت مرزا صاحب کا سال پیدائش یہ نہیں۔ مگر اس سنہ کو آپ کی عمر سے ایک خاص مناسبت ہے۔ یعنی اپنی عمر کے حساب سے آپ 1270ھ میں سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں تھے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ یہ سن بلوغ اور سنِ شعور کی ابتدا ہوتی ہے، جو گویا ایک قسم کی پیدائش ہوتی ہے۔ اس لیے اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا صاحب ہی ہیں۔

دوسری پیشگوئی آپ نے خواجہ غلام رسول صاحب کی زبان مبارک سے نقل کی ہے کہ آپ نے کسی سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ تاریخ امام مہدی لفظ غَفَرَ ہے۔ اور اس لفظ کے اعداد 1280ھ نکلتے ہیں۔ میرے خیال میں یہاں راوی نے تھوڑی سی غلطی کی ہے۔ ورنہ خواجہ غلام رسول صاحب کا کشف یا رؤیا نہایت صاف ہے۔ معلوم ہوتا ہے انہوں نے غَفَرَ نہیں بلکہ یاغَفُوْرٌ فرمایا ہوگا اور سائل نے غفر سمجھ لیا۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ لفظ یاغَفُوْر کے اعداد سے بھی حضرت مرزا صاحب کی ایک معنوی پیدائش وابستہ ہے اور اس جمال کی تفصیل یہ ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی شہرہ آفاق تصنیف، جس نے سب سے پہلے آپ کو دنیا میں روشناس کرایا اور جس سے اعلاء کلمۃ اللہ کا کام نہایت زور سے شروع ہوا، وہ 1297ھ میں شائع ہوئی۔ اور اس کی تاریخ لفظ یاغَفُوْر سے ہی نکلی۔ چنانچہ اس کے سرورق پر یہ شعر ہے ؎

ازبس کہ یہ مغفرت کا بتاتی ہے راہ تاریخ بھی یاغَفُوْر نکلی واہ واہ

لیکن اگر یہ تاویل نہ بھی تسلیم کی جائے تو بھی 1280 ھ میں حضرت مرزا صاحب کا ظہور ہو چکا تھا اور میرے نزدیک وہ ان پیشگوئیوں کے مصداق اور مصدق ہیں۔ لیکن معاف فرمایئے اگر حضرت مرزا صاحب کو صادق نہ مانا جائے تو ساتھ ہی ان پیشگوئیوں کی تکذیب لازم آتی ہے۔ کیونکہ 1270 ھ کے حساب سے اس وقت مہدی کی عمر چھیاسٹھ سال کی ہے اور 1280 ھ کے لحاظ سے چھپن سال کی ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس کا دعویٰ ابھی تک موجود نہیں اور دنیا کو اس کا کچھ علم نہیں۔ تو کیا نعوذ باللہ حضرت مہدی اپنا کام ارذل العمر میں پہنچ کر شروع کریں گے؟ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

مصطفیٰ خان

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

11دسمبر 1918ء

اداریہ

میاں محمود احمد صاحب کی وصیّت

میاں محمود احمد صاحب، خدا انہیں دیر تک سلامت رکھے اور ہدایت نصیب کرے، بدقسمتی سے ایک مستقل بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بعض اوقات ایسی حالت تک پہنچ جاتے ہیں کہ جان تک کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ گو اب ''الفضل'' اور قادیان کے دیگر اخبارات ان کی ترقی صحت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ لیکن پچھلے دنوں ان کی حالت اس قدر نازک اور تشویش انگیز ہوگئی تھی کہ ناچار انہیں وصیت تک لکھوا دینی پڑی۔ جس میں آئندہ خلافت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی ایسی باتیں لکھی ہیں جن کا قارئین کرام کے گوش گذار کرنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ذیل میں ہم اصل وصیت بمعہ چٹھی مولوی شیر علی صاحب، جو انہوں نے وصیت کے اوپر اپنی جماعت کے معتمدین کے نام لکھی ہے، بہ لفظ ہدیہ قارئین کرام کیے دیتے ہیں۔ وھو ہذا:

☆☆☆

برادرم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

حضرت خلیفہ المسیح ثانی کی وصیت کی نقل آپ کی خدمت میں آپ کی اور دیگر احباب مقامی کی اطلاع کے لیے ارسال کرتا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح کو اس وقت زیادہ تر ضعف قلب کی وجہ سے تکلیف ہے۔ تمام احباب حضور کی صحت عاجلہ وکاملہ کے لیے دردِ دل سے الگ الگ اور مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے بابرکت وجود کو بخیر وعافیت سلامت رکھے۔ آمین یارب العالمین۔

خاکسار شیر علی عفی عنہ

از قادیان مورخہ 30 اکتوبر 1918ء

نقل وصیت

اَعُوذُ بِا اللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

میں مرزا محمود احمد ولد حضرت مسیح موعود خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر ایسی حالت میں کہ دنیا اپنی سب خوبصورتیوں سمیت میرے سامنے سے ہٹ گئی ہے، بقائمی ہوش وحواس رو برو ان پانچ گواہوں کے جن کے نام اس تحریر کے آخر میں ہیں اور جن میں سے ایک خود اس تحریر کا کاتب ہے، جماعت احمدیہ کی بہتری اور اس کی بہبودی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ وصیت کرتا ہوں کہ اگر میں اس کاغذ کی تحریر کو اپنی حین حیات میں منسوخ نہ کروں تو میری وفات کی صورت میں وہ لوگ جن کے نام میں اس جگہ تحریر کرتا ہوں ایک جگہ پر جمع ہوں۔جن کے صدر اس وقت نواب محمد علی خاں صاحب ہوں گے۔اور اگر کسی وجہ سے وہ شامل نہ ہوسکیں (گو اگر حد امکان میں ہوتو میرا حکم ہے کہ وہ اس میں شامل ہوں) تو پھر یہ جمع ہونے والے لوگ آپس کے مشورہ سے کسی شخص کو صدر مقرر کریں۔پہلے صدر جلسہ سب کے روبرو بآواز بلند کلمہ شہادت پڑھ کر خدا کی قسم کھا کر اس بات کا اقرار کرے کہ وہ نیک نیتی سے اس معاملہ میں رائے دے گا اور کسی قسم کی نفسانیت کو اس میں دخل نہ دے گا۔پھر وہ ہر ایک نام زدشدہ سے اسی قسم کی قسم لے اور سب لوگ صدر جلسہ سمیت اس بات پر حلف اٹھائیں کہ وہ اس معاملہ کو کسی پر ظاہر نہ کریں گے۔حتیٰ کہ وہ شرائط پوری نہ ہو جائیں جو میں نے اس تحریر میں لکھی ہیں۔اس قسم کے بعد یہ سب لوگ فرداً فرداً اس بات کا مشورہ دیں کہ جماعت میں سے کس شخص کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔تا کہ وہ جماعت کے لیے خلیفہ اور امیر المومنین ہو۔صدر جلسہ اس بات کی کوشش کرے کہ سب ممبروں کی رائے ایک ہو۔اگر یہ صورت نہ ہوسکے تو سب لوگ جن کے نام اس کاغذ میں لکھے جاویں گے، رات کو نہایت عاجزی کے ساتھ دعا کریں کہ خدایا تو ہم پر حق کھول دے۔دوسرے دن وہ پھر جمع ہوں اور پھر حلف اٹھائیں اور پھر اسی طرح رائے دیں۔اگر آج کے دن بھی وہ لوگ اتفاق نہ کر سکیں تو 3/5 رائیں جس شخص کے حق میں متفق ہوں اس کی خلافت کا اعلان کیا جائے۔لیکن

اعلان سے پہلے یہ ضروری ہوگا کہ حاضر الوقت احباب سے نواب صاحب یا ان کی جگہ جو صدر ہو اس مضمون کی بیعت لیں کہ وہ سب کے سب ان لوگوں کے فیصلہ کو بصدق دل منظور کریں گے اور اس بیعت میں وہ لوگ بھی شامل ہوں جن کے نام اس کاغذ میں لکھے جائیں گے۔ اس کے بعد اس شخص کی خلافت کا صدر جلسہ اعلان کرے، جس پر ان ممبروں کا حسب قواعد مذکورہ بالا اتفاق ہو۔ بشرطیکہ وہ شخص ان ممبروں میں سے جو صدر جلسہ ہو، اس کے ہاتھ پر اس امر کی بیعت کرے (جو بیعت کہ میری ہی سمجھی جائے گی اور اس شخص کا ہاتھ میرا ہاتھ ہوگا) کہ میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ حضرت صاحب کی بتلائی ہوئی تعلیم اسلام پر میں یقین رکھوں گا اور عمل کروں گا اور دانستہ اس سے ذرا بھی ادھر اُدھر نہ ہوں گا۔ بلکہ پوری کوشش اس کے قیام کی کروں گا۔ روحانی امور سب سے زیادہ میرے مدنظر رہیں گے اور میں خود بھی اپنی ساری توجہ اسی طرف پھیروں گا اور باقی سب کی توجہ بھی اسی طرف پھیرا کروں گا۔ اور سلسلہ کے متعلق تمام کاموں میں نفسانیت کا دخل نہیں ہونے دوں گا۔ اور جماعت کے متعلق جو پہلے دو خلفاء کی سنت ہے اس کو ہمیشہ مدنظر رکھوں گا۔ اس کے بعد وہ سب لوگوں سے بیعت لے۔ اور میں ساتھ ہی اس شخص کو وصیت کرتا ہوں کہ حضرت صاحب کے پُرانے دوستوں سے نیک سلوک کرے، بیٹوں سے شفقت کرے، امہات المومنین خدا کے حضور میں خاص رتبہ رکھتی ہیں۔ پس حضرت ام المومنین کے احساسات کا، اگر اس کے فرائض کے راستہ میں روک نہ ہوں، احترام کرے۔ میری اپنی بیبیوں اور بچوں کے متعلق اس شخص کو یہ وصیت ہے کہ وہ قرضہ حسنہ کے طور پر ان کے خرچ کا انتظام کرے۔ جو میری نرینہ اولاد انشاء اللہ تعالیٰ ادا کرے گی۔ بصورت عدم ادائیگی میری جائداد اس کی کفیل ہو۔ ان کو خرچ مناسب دیا جائے۔ عورتوں کو اسی وقت تک خرچ دیا جائے جب تک کہ وہ اپنی شادی کر لیں۔ بچوں کو اس وقت تک کہ جب تک وہ اپنے کام کے قابل ہو جائیں۔ بچوں کو دینی و دنیوی تعلیم ایسے رنگ میں دلائی جائے کہ وہ آزاد پیشہ ہو کر خدمت دین کر سکیں۔ جہاں تک ہو سکے لڑکوں کو حفظ قرآن کرایا جائے۔ باقی حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح اول کی وصیتیں، میں پھر اس شخص کو اور جماعت کو یاد دلاتا ہوں۔ جو کام حضرت مسیح موعود نے جاری کیے ہیں، کسی صورت میں ان کو بند نہ کیا جائے۔ ہاں ان کی صورتوں میں کچھ تغیر ہو تو ضرورتوں کے مطابق خلیفہ کو اختیار رہے۔ اس قسم کا انتظام آئندہ انتخاب خلفاء کے لیے بھی وہ شخص کر دے، اللہ تعالیٰ اس کا حامی اور ناصر ہو۔ اس شخص کو چاہیئے کہ اگر وہ دین کی ظاہری تعلیم سے واقف نہیں تو اس کو حاصل کرے، دعاؤں پر

بہت زوردے، ہر بات کرتے وقت پہلے سوچ لے کہ آخرانجام کیا ہوگا۔کسی کا غصہ دل میں نہ رکھے۔خواہ کسی سے کس قدر ہی اس کو ناراضگی ہو اس کی خدمات کو کبھی نہ بھلائے ان لوگوں کے اسماء، جن کو میں خلیفہ کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے مقرر کرتا ہوں، یہ ہیں۔

1۔ نواب محمد علی خاں صاحب 2۔ ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب 3۔ مولوی شیرعلی صاحب 4۔ مولوی سیدسرورشاہ صاحب 5۔ قاضی سیدامیرحسین صاحب 6۔ چوہدری فتح محمد صاحب۔ 7۔ حافظ روشن علی صاحب 8۔ سیدحامدشاہ صاحب 9۔ میاں چراغ دین صاحب 10۔ذوالفقارعلی خاں صاحب۔

اگر بیرونی لوگ شامل نہ ہوسکیں، تو پھر یہیں کے لوگ فیصلہ کریں۔خلیفہ وہی شخص ہوسکتا ہے، جو قادیان میں رہے۔ جو خود نمازیں پڑھائے یہ ضروری ہدایت یادرکھی جائے کہ یہ لوگ اس بات کا اختیار رکھیں گے کہ اپنے میں سے کسی ایسے شخص کا انتخاب کریں یا کسی ایسے شخص کو جس کا نام اس فہرست میں شامل نہیں۔ایک نام اس میں اورزیادہ کردیا جائے۔میاں بشیراحمد صاحب بھی اس میں شامل ہوں۔والسلام

اگرصدرجلسہ خودخلیفہ تجویز نہ ہوتو جو الفاظ خلیفہ کی بیعت کے لیے رکھے گئے ہیں ان کا وہ خود حلفیہ طور پر مجلس میں اقرار کرے۔خدا کے فضلوں کا انکار کوئی نہیں کرسکتا۔خلیفہ خدا بناتا ہے۔پس اس شخص کو، جس کے لیے لوگ متفق ہوں، خلافت سے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ہاں مشورہ دینے والوں کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ ایسے شخص کو منتخب کریں کہ وہ قادیان کا ہی ہوکر رہ سکے اور جماعت کرا سکتا ہو۔

والسلام

وَآخرُدَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(دستخط) خاکسار مرزا محمود احمد۔

(دستخط) شیرعلی عفی عنہ بقلم خود۔ کاتب تحریر ہذا۔19 اکتوبر 1918ء

(دستخط) فتح محمد سیال بقلم خود

(دستخط) خاکسار میرزا بشیر احمد بقلم خود 19 اکتوبر 1918ء

(دستخط) محمد سرور شاہ بقلم خود 19 اکتوبر 1918ء

(دستخط) خلیفہ رشید الدین ایل۔ایم۔ایس۔بقلم خود 19 اکتوبر 1918ء۔

نوٹ۔ یہ کاغذ مولوی شیر علی صاحب کی تحویل میں رکھا جائے اور اس کی نقل فوراً شائع کر دی جائے۔

دستخط میرزا محمود احمد"۔

☆☆☆☆

اس وصیت میں بعض ضروری اور قابل توجہ الفاظ کو ہم نے بالخصوص جلی کر دیا ہے۔ سب سے زیادہ قابل غور اور تعجب انگیز بات جو ہمیں اس میں نظر آتی ہے وہ میاں صاحب کا آئندہ خلیفہ کے متعلق اُس پوزیشن کو اختیار کرنا ہے۔ جس کو اپنے انتخابِ خلافت کے وقت اختیار کرنے کے لیے وہ تیار نہ تھے۔ بلکہ اس کا انکار کرنے کی وجہ سے جماعت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ وہ پوزیشن کیا ہے؟ وہ وہی ہے جو حضرت امیر جناب مولٰینا مولوی محمد علی صاحب ایدّہ اللہ نے حضرت مولٰینا مولوی نور الدین صاحبؒ کی وفات کے وقت اختیار کرنے کی صلاح دی تھی اور جماعت کے چیدہ اور اہل الرائے اصحاب کے مشورہ سے انتخابِ خلافت یا کسی اور مناسب فیصلہ کے لیے کہا تھا۔ اس وقت میاں صاحب نے سختی کے ساتھ اس نیک مشورہ کو رد کر دیا اور جماعت میں تفرقہ کی بنیاد رکھی۔ اُس وقت اُن کو اصرار تھا کہ سابق خلیفہ کے دفن ہونے سے پہلے آئندہ خلافت کا انتخاب ہو جانا چاہیئے۔ لیکن آج اس کے خلاف آئندہ خلافت کے لیے مشورہ کی وصیت کرتے ہیں۔ اور ایک دن نہیں، اگر ضرورت پڑے تو دو دنوں تک مشورہ کا حکم انہیں دیتے ہیں۔ آج میاں صاحب اپنی بنائی ہوئی کمیٹی کے 3/5 ممبروں کے اتفاق رائے پر عمل کرنے کا مشورہ بلکہ حکم اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ لیکن اپنے انتخابِ خلافت کے وقت مسیح موعود کی بنائی ہوئی مجلسِ معتمدین کے مقامی دس ممبروں میں سے پانچ کے اس اتفاق رائے کو وہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ جو کچھ فیصلہ ہو قوم کے اہل الرائے اصحاب کے مشورہ سے یہی ہو۔ "ہر چہ برخود مپسندی بر دیگراں مپسند" کے خلاف

معلوم نہیں کہ آئندہ کی فکر میاں صاحب کو کیوں پڑ گئی اور جو کچھ اپنے لیے پسند نہ تھا وہ آئندہ خلیفہ کے لیے کیوں پسند آ گیا؟

ہاں یہ 3/5 کی شرط بھی میاں صاحب کے مزید غور اور توجہ کے قابل ہے۔ اگر آئندہ خدانخواستہ پھر کبھی وصیت کی ضرورت پڑے تو مہربانی کر کے یہ بھی ہدایت فرما دیں کہ 3/5 اگر متفق نہ ہوں تو اور اگر 5 ممبر ایک طرف ہوں اور پانچ دوسری طرف (کیونکہ ایک ممبر یعنی میر حامد شاہ فوت ہو چکے ہیں) تو اس صورت میں کس طرح فیصلہ ہو۔ آیا اس صورت میں مریدین میاں صاحب بغیر خلیفہ کے فاسق ہی پڑے رہیں گے؟

ایک اور عجیب بات جو اس وصیت میں نظر آتی ہے وہ منتخب شدہ خلیفہ کا صدر کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے۔ ایک طرف تو میاں صاحب کا اعتقاد ہے کہ ''خلیفہ خدا بناتا ہے''۔ چنانچہ اپنی مجوزہ کمیٹی کے انتخاب پر حصر کرنے کے باوجود وصیت کے آخر میں بھی یہی الفاظ لکھے ہیں۔ لیکن دوسری طرف اس خدا کے بنائے ہوئے خلیفہ کی یہ حیثیت قرار دی ہے کہ وہ صدر کمیٹی یعنی نواب محمد علی خاں صاحب یا ان کے کسی قائم مقام کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ اور پھر تعجب پر تعجب یہ کہ وہ بیعت میاں صاحب کی ہی سمجھی جائے گی۔ زندوں کی بیعت تو آج تک سنا کرتے تھے، مُردوں کی بیعت کا آج میاں صاحب ہی سے پتہ چلا۔ اور پھر بیعت بھی آئندہ ہونے والا خلیفہ پہلے فوت شدہ خلیفہ کی کرتا ہے۔ نہ صرف بیعت بلکہ آئندہ کے لیے بھی میاں صاحب اسے وصیت کرتے ہیں کہ ''اس قسم کا انتظام آئندہ انتخابِ خلفاء کے لیے بھی وہ شخص کر دے'' گویا آئندہ یہ حضرت مسیح موعود کا سلسلہ نہیں، بلکہ میاں صاحب کا سلسلہ چلے گا۔ پہلے تو خلیفہ کی یہ حیثیت ہوا کرتی تھی کہ ان کی زندگی میں ہی ان کا حکم چلتا تھا اور فوت ہونے کے بعد ان کے حکم بھی ان کے ساتھ ہی بقول میاں صاحب قبر میں دفن ہو جاتے تھے (الفضل 25 فروری 1914ء)۔ لیکن وہ وقت اب گیا۔ کیونکہ میاں صاحب کی ذاتی مصلحت اس وقت اسی فتویٰ کی متقاضی تھی تا حضرت مولٰنا نورالدین صاحب کے بعض ضروری احکام کو ٹالا جا سکے۔ مگر اب فاروقی زمانہ ہے اور اگرچہ حضرت فاروق اعظمؓ بھی اس فتویٰ سے اس وقت بچ نہ سکے تھے۔ مگر یہاں تو فاروقیت کے علاوہ اولوالعزمی بھی اپنی پوری شان کے ساتھ موجود ہے۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضرت اولوالعزم کی اس وصیت کے کسی نقطہ یا شعشعہ کو بھی حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔ اس لحاظ سے بیشک یہ مانا جا سکتا ہے کہ آئندہ خلیفہ بیعت لینے سے پہلے خود بھی

جناب میاں صاحب کی بیعت کرے اگرچہ وہ برائے نام ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ ہمارے خیال میں میاں صاحب کو یہ بھی ہدایت کرنی چاہئیے تھی کہ آئندہ خلیفہ انہی کے قدم بقدم چلے اور اس سے سر مو متفاوت نہ ہو۔

ہاں! اس آئندہ خلیفہ نے کس بات پر بیعت کرنی ہے۔ میاں صاحب فرماتے ہیں کہ وہ بیعت اس بات کی کرے کہ ''حضرت صاحب کی بتائی ہوئی تعلیم اسلام پر میں یقین رکھوں گا۔'' ہم پوچھتے ہیں حضرت صاحب نے کون سی نئی تعلیم اسلام بتائی ہے۔ جو کچھ انہوں نے بتایا ہے آیا وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تعلیم اسلام نہیں! پھر حضرت صاحب کے ساتھ اس کو منسوب کرنا اور تمام وصیت کے اندر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تک بھی نہ لینا کیا یہ ثابت نہیں کرتا کہ میاں صاحب کے دل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت بالکل اٹھ چکی ہے اور حضرت مسیح موعود ہی کا نام لینا وہ کافی سمجھتے ہیں۔ ایک اور اقرار جو اس خلیفہ نے کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ''جماعت کے متعلق جو پہلے دو خلفاء کی سنت ہے اس کو ہمیشہ مدنظر رکھوں گا۔''

بہتر ہوتا کہ اس سنت کی بھی میاں صاحب تشریح فرما دیتے۔ تا کہ اگر کہیں پہلے دو خلفاء حضرت مولٰینا نورالدین صاحب اور میاں صاحب کے طریق عمل میں نہ صرف فرق بین پایا جاتا ہو بلکہ دونوں کے اعتقادات واعمال ایک دوسرے کے قطعاً متخالف ومتضاد ہوں، تو اس حالت میں اس سنت کو کیا کِیا جائے۔ مثلاً حضرت مولٰینا نورالدینؒ محض انکارِ مسیح موعود کو موجب کفر نہیں سمجھتے تھے۔ آپ میاں صاحب کی طرح حضرت مسیح موعود کو نبی حقیقی قرار نہیں دیتے تھے۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (6:61) کی پیش گوئی کا حقیقی مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو سمجھتے تھے۔ اور مسیح موعود کو اس کا مصداق حقیقی قرار دینا آپ ''غلط اور بالکل غلط'' یقین کرتے تھے۔ میاں صاحب آج ان سب باتوں کے قائل نہیں۔ گویا جس بات کی وہ آئندہ خلیفہ کو وصیت کرتے اور جس پر اسے عامل بنانا چاہتے ہیں، خود اس پر اپنی ساری خلافت کے زمانہ میں عامل ہونا تو کجا اس کی طرف رخ تک نہیں کیا۔ ایسی حالت میں ''پہلے دو خلفاء کی سنت'' کیا ہے؟ اور کون سی وہ سنت ہے جس پر آئندہ خلیفہ کو عمل پیرا ہونا چاہئیے؟ امید ہے کہ میاں صاحب آئندہ ضرورت وصیت پیش آنے پر اس کی بھی تشریح فرما دیں گے۔ ایک اور اقرار آئندہ خلیفہ سے انہوں نے یہ لینا چاہا ہے کہ ''حضرت صاحب کے پرانے دوستوں سے نیک سلوک کرے''۔ کیا میاں صاحب بتائیں گے کہ پُرانے دوستوں سے ان کی کیا مراد ہے؟ اور خود انہوں نے اپنے

دوران خلافت میں کہاں تک اس پر عمل کیا؟

وہ آئندہ خلیفہ کو وصیت کرتے ہیں کہ ''بات کرتے وقت پہلے سوچ لے کہ آخرانجام کیا ہوگا۔'' غالبًا یہ اپنے ہی تجربہ کی بنا پر کہا ہے۔ کیونکہ خود بات کا آخرانجام سوچنا تو کجا اس کا خیال تک بھی وہ کبھی دل میں نہیں لائے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ جماعت میں اس قدر فتنہ وفساد برپا ہوا ہے اور سلسلہ عالیہ، جو اشاعتِ اسلام کے عظیم الشان کام کے لیے قائم کیا گیا تھا، آج اپنے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے حالت زار تک پہنچ گیا ہے۔ اگر واقعی میاں صاحب کا یہی خیال ہے اور اپنے اس تجربہ ہی کی بنا پر انہوں نے یہ وصیت کی ہے تو ہمیں خوشی ہے کہ آخرکار انہوں نے حق کو پالیا۔ صبح کا بھولا شام کو گھر آئے تو اسے بھولا نہیں سمجھنا چاہیئے۔ امید ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہی ایک اور فقرہ بڑھا کر یہ بھی وصیت آئندہ کریں گے کہ ان کے خودساختہ عقائد کا وہ پیرو نہ ہو۔ تا کہ اگر ان کے وقت میں نہیں تو آئندہ ہی جماعت کے ایک ہونے کی صورت پیدا ہو جائے ایک اور وصیت آئندہ خلیفہ کو یہ بھی کی ہے کہ:

> ''کسی کا غصہ دل میں نہ رکھے۔ خواہ کسی سے کس قدر ہی ان کو ناراضگی ہو۔ اس کی خدمات کو کبھی نہ بھلائے۔''

ہمارا خیال ہے کہ ''یہ بھی من نہ کردم شما حذر بکنید'' ہی کی تشریح میاں صاحب نے کی ہے۔ ورنہ غصہ کو دل میں رکھنے اور خدمات کو بھلانے کا کام جس خوش اسلوبی کے ساتھ انہوں نے انجام دیا ہے، شاید ہی کوئی انجام دے سکے۔ جماعت کے اس عظیم الشان رکن اور حضرت مسیح موعود کے قوت بازو حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایدہ اللہ کی قلمی خدمات کو انہوں نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ جو کچھ ہے، مسیح موعود ہی کے مضامین ہیں اور ان کا لکھا ہوا کوئی نہیں۔ آپ کا دنیوی ترقیات کو چھوڑ کر خدمات دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنا آلایش دنیوی اور کبر واستکبار سے داغدار بتایا گیا۔ اور خود میاں صاحب نے خطبہ جمعہ کے اندر آپ کے ترجمہ قرآن کو ردّی میں جلانے کے قابل کہہ کر اپنے اعتراف خدمات کا ثبوت دیا۔ پھر ایسی حالت میں دوسروں کو یہ کہنا ''خواہ کسی سے کس قدر ہی اس کو ناراضگی ہو ان کی خدمات کو کبھی نہ بھلائے'' سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ اپنے اس سابق رویہ کے خلاف ہے۔ کاش! وہ خود بھی اس نصیحت پر عامل ہوتے تو جماعت میں اس قدر تباغض وتحاسد نہ پیدا ہوتا اور

پھیلتا۔

ایک اور بات خلیفہ کے متعلق بڑی ہی عجیب انہوں نے فرمائی ہے کہ: ''اگر وہ دین کی ظاہری تعلیم سے واقف نہیں تو اس کو حاصل کرے۔'' تعجب ہے! خلیفہ قوم کا رہنما، جس سے تزکیہ نفس حاصل کرنے کے لیے لوگ آئیں، وہ دین کی ظاہری تعلیم سے بھی بے بہرہ ہو۔ لیکن یہ بھی شاید اپنے ہی تجربہ کی بات میاں صاحب نے کی۔ کیونکہ خود ان کی اسی ظاہری تعلیم سے ناواقفیت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہم اس قدر فتنہ جماعت میں دیکھتے ہیں۔ کاش! کہ اب صحت یاب ہونے پر وہ خود بھی اس اپنی وصیت پر عمل پیرا ہوں۔

غرض اب آئندہ میاں صاحب کی اس وصیت کے مطابق سلسلہ چلے گا اور مسیح موعود کی وصیت اس خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین انجمن تو نیست و نابود ہو چکی۔ اب میاں صاحب کا دور دورہ ہے۔ اب جیتے جی بھی ان کی اور مرے ہوئے بھی انہی کی بیعت ضروری ہے۔ وہی قوم کے اب آئندہ ناخدا اور سلسلہ کے بانی اپنے آپ کو قرار دینا چاہتے ہیں اور مسیح موعود کی بیعت اور ان کی وصیت ان کے لیے کام کی نہیں۔ **فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ** (156:2)

کیا ہم اُمید کریں کہ میاں صاحب ان باتوں پر غور کر کے ہمیں بتائیں گے کہ مسیح موعود کی وصیت کو نظر انداز کر کے اس نئی وصیت اور ایک نئے انتظام کے کیا معنی ہیں؟

❁❁❁

11دسمبر1918ء

احباب احمدیہ کے نام

برادران و بزرگانِ قوم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سالانہ جلسہ 25-27دسمبر 1918ء کو قرار پایا ہے۔ 25اور 26 کے پورے دن اور 27 کو نماز جمعہ تک۔

جلسہ کے اغراض کیا ہیں۔ وہ سیکریٹری صاحب آپ کو بتا چکے ہیں۔ احمدی جماعت کی بہبودی کی تجاویز پر غور کرنا، اشاعتِ اسلام و تبلیغ سلسلہ کے لیے وسیع پیمانہ پر قدم اٹھانا۔ ایک نئے سال کے کام کے لیے ایک نیا جوش، جو ملاقات احباب سے پیدا ہوتا ہے، اپنے اندر پیدا کرنا، کچھ وعظ و نصیحت کا سننا اور کچھ اپنی گزشتہ کوششوں کے ثمرات کا جائزہ لینا۔

ہمارے اکثر احباب نے جلسہ میں شمولیت کو فرض کفایہ خیال کیا ہوا ہے کہ ایک کنبہ میں سے ایک شخص یا ایک جماعت میں سے ایک آدمی نے سن لیا۔ وہ سب کا قائمقام ہو جائے گا۔ بہت سے ایسے ہیں کہ وہ سفر کی تکلیف یا خرچ سے بچنے کے لیے یوں من سمجھوتہ کر لیتے ہیں کہ ایک ہمارے نہ جانے سے کیا کمی محسوس ہو سکتی ہے؟ یہ نہیں سوچتے کہ سب ہمارے بھائی ہیں۔ ان کو بھی یہی خیال کرنے کا حق ہے۔ اپنی بہبودی کے لیے انسان کیا کچھ تکلیف نہیں اٹھا لیتا، کہاں کہاں نہیں پہنچ جاتا۔ اپنے عزیزوں اور اقارب کی غمی خوشی میں شریک ہونے کے لیے کس قدر لمبے سفر اختیار نہیں کر لیتا۔ اور سارے کاروبار کو چھوڑ کر اپنی غرض کو مقدّم نہیں کر لیتا۔ حکّام کی خوشنودی کے لیے کس قدر روپیہ صرف نہیں کر دیتا۔ اور کس طرح وقت نہیں نکال لیتا۔ لیکن قوم کی بہبودی کا سوال ہو، دین کے رنج و راحت میں شرکت کا مطالبہ ہو، خدا کی خوشنودی کی طرف بلایا جائے تو کس قدر عذر پیدا ہو جاتے ہیں۔ کیا یہی وہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد ہے۔ جو آپ لوگوں نے کیا؟ وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡــُٔوۡلًا (34:17)

برادران و بزرگان! تمہارے ہاتھ میں سلسلہ کی باگ ہے۔ تمہارے سپرد ایک عظیم الشان خدمت کا کام ہوا ہے۔ تم نے دینِ اسلام کی خدمت کی امانت کو خدا کے برگزیدہ مسیح موعود کے ہاتھ سے لیا ہے۔ سلسلہ کی فکر کرو، خدمت میں لگ جاؤ، امانت کو ضائع کرنے سے ڈرو۔ آپ لوگوں کی اس وقت کی ذرا سی غفلت اسلام کی

ترقی کے میلوں پیچھے روکنے کا موجب ہو سکتی ہے۔ اور تمہارا اپنے فرض کا احساس اس کو میلوں آگے بڑھا سکتا ہے۔ ہم تعداد میں تھوڑے تھے، اختلاف نے ہماری قوت کو جو صدمہ پہنچایا اس کا رنج کس دل پر نہیں! جماعت کا ایک حصہ غلط عقائد میں مبتلا ہو گیا اور خطرناک غلو اور اسلام میں تفرقہ اندازی، اختلاف سے بہت بڑھ کر ہماری کمزوری کا موجب ہو گئی۔

اس پہلی خدمت کے ساتھ یہ نیا بوجھ آپ پر پڑ گیا۔ ہماری تباہی اور ہلاکت کے لیے دعائیں ہوئیں، پیشگوئیاں ہوئیں، میعادیں بڑھیں۔ مگر خدا جس پودا کو لگانا چاہتا ہے اسے کوئی برباد نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ہماری جماعت کو مضبوط و مستحکم کیا۔ بلکہ اس سے اپنے دین کی خدمت کے عظیم الشان کام لیے۔ ان کاموں کے لیے اپنے فضل سے خود ہی سامان پیدا کیے۔ قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ وتفسیر کی اشاعت ایک ایسا کام تھا۔ جس پر آج بڑی سے بڑی قوم فخر کر سکتی ہے۔ ہندوؤں جیسی دولتمند قوم سے وید کے ترجمہ کا کام آج تک سرانجام نہیں پا سکا۔ مسلمان بھی اس طرف سے غافل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کا موقعہ بھی اپنے فضل سے مسلمانوں میں سے احمدیوں اور احمدیوں میں سے اس چھوٹے سے گروہ کو دیا، جس کو تحقیر کی نظر سے دیکھا گیا تھا۔

یہ خدا کے کام ہیں۔ اس کام کو اگر ہم اپنے زور بازو سے کرنا چاہتے، تو ہماری پیٹھیں اس بوجھ کے نیچے دب جاتیں۔ مگر خدا نے ہماری تائید ونصرت ان راہوں سے فرمائی جہاں سے گمان بھی نہ تھا۔ اس نے حضرت اقدس کے بہت سے قدیم ترین مخلصین کو ہمارے ساتھ رکھا اور میاں صاحب کی جماعت کے سب سے اعلیٰ رکن حضرت مولٰینا مولوی سید محمد احسن صاحب کو ہمارے ساتھ ملایا۔ اور بھی بہت سے پُر محبت اور مخلص احباب سلسلہ کو میاں صاحب کی جماعت سے الگ کر کے ہمارے ساتھ شامل کیا۔ اس کی ان نعمتوں کا شکر یہ ہم پر واجب ہے۔ اور وہ شکر یہ یہی ہے کہ ہم عملی رنگ میں پہلے سے زیادہ قربانی کر کے دکھائیں۔ اور پہلے سے زیادہ خوشی کے ساتھ کام میں لگ جائیں۔ اور اپنے اجتماع سے، اپنی یکجہتی سے، اپنے اتحاد سے اور اپنے اجتہاد فی الدین سے ثابت کر دیں کہ مرشد و مرید کے تعلق سے بڑھ کر ہم میں مقصد کی یکجہتی کا تعلق ہے۔ اور اس بیعت سے بڑھ کر مضبوط راہ **حبل اللہ** ہے جس کے **اعتصام** کا ہم کو حکم ہے۔

ہم اپنے جلسہ سالانہ کو قوم کے اجتماع کا مفید ترین موقعہ بنانا چاہتے ہیں۔ جن میں قوم کے سب افراد مل کر نہ صرف چند ریزولیوشن پاس کریں بلکہ کچھ عملی کام کر کے دکھائیں اور کچھ کام کرنے کی تجاویز کو مشورہ سے طے

کر کے ان پر عمل پیرا ہوں۔

اَمۡرُ ھُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَھُمۡ (38:42) کے ارشاد کو، جسے مسلمانوں نے بھلا رکھا ہے، تازہ کر کے دکھایا جائے۔ مگر یہ ارادہ عملی صورت اسی وقت اختیار کر سکتا ہے کہ ہر ایک شخص جو احمدیت سے تعلق رکھتا ہے، اس موقعہ پر مجمع احباب میں شمولیت کو اپنا فرض اولین سمجھے۔ ابھی ہماری قوم کی تعداد اس قدر تھوڑی ہی ہے کہ نمائندے بھیج کر ہم اپنا کام نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس وقت ہر شخص کی شمولیت کی ضرورت ہے۔ ہم دور ہوں یا نزدیک، اس مقدس فرض کو سب سے اہم کام سمجھ لیں، تو کوئی روک باقی نہیں رہ سکتی۔

دقّت یہی ہے کہ ہم اسے ایک زائد کام سمجھتے ہیں۔ کبھی فرصت مل گئی تو شامل ہو گئے۔ اس وقت جو تکلیف ہم میں سے کوئی شخص خدا کی راہ میں اٹھالے گا، وہ نہ صرف اسی کے لیے نجات کا موجب بنے گی، بلکہ ہماری آئندہ کامیابیوں کے لیے یہ ایک بنیاد ہوگی۔ سال میں سے یہ تین دن کی قربانی اور تھوڑے سے امروں کی قربانی اور چند پیسوں کی قربانی بھی جو شخص نہیں کر سکتا، اس کی برائے نام شمولیت سلسلہ سے اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے میں پھر کہتا ہوں کہ آپ سب لوگ، جو حضرت مسیح موعود کے نام لیوا ہیں، ان تاریخوں میں یہاں جمع ہوں، نہ اس نیت سے کہ ہمارا بھی بڑا مجمع ہو۔ کیونکہ کثرت پر فخر کرنے والوں کو خالی یہ فخر ہی میسر آتا ہے نہ کچھ اور۔ بلکہ اس نیت سے کہ ہم پر ایک فرض ہے، سال میں یہ ایک موقعہ مشورہ کا ہے، اس میں ہم نے اپنے گذشتہ سال کے کام پر نظر ڈالنی ہے اور آئندہ سال کے کام کے لیے تجویزوں پر غور کرنا ہے۔ اس کے لیے سامان بہم پہنچانے کی کوشش کرنا ہے۔ چھوٹے چھوٹے عذروں کو مردانہ ہمت کے ساتھ پاؤں کے نیچے مسل دو، بڑی بڑی مشکلات پر عزم مقبلانہ سے غالب آؤ، اپنی زندگی کا ثبوت دو، مُردوں سے دنیا میں کوئی کام نہیں ہوا کرتا۔

نوٹ: اس میری عرض داشت پر خود غور کرو، دوسروں کو دکھاؤ۔ آپ آؤ، دوسروں کو ساتھ لاؤ۔

والسلام خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

15 دسمبر 1918ء

پیغام امیر

جلسہ سالانہ پر آنا کیوں ضروری ہے؟

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا پیغام احباب احمدیہ کے نام

برادران۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی شکر ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس خادم کا دامن ہم نے پکڑا، اس نے گو ایک خلوت پسند طبیعت پائی تھی اور اپنی زندگی کو وہ تنہائی میں ہی بسر کرنا پسند کرتے تھے۔مگر دینی ضرورتوں کے لیے آپ کی نظر اس قدر وسیع تھی کہ آپ نے ابتدا سے ہی اس بات کو محسوس کیا کہ قوم کے ان افراد کے لیے، جو آپ کی غلامی کے سلسلہ میں منسلک ہو کر خدمت دین میں حصہ لینا چاہتے ہیں، ایک اجتماع کی صورت قائم کی جائے۔تا کہ اس طرح کے اجتماع سے ایک طرف وہ آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھائیں اور علم میں، ایمان میں، معرفت میں اور خدا کے دین کی صداقت کے جوش میں ترقی کریں، دوسری طرف ان کے باہمی تعلقات محبت بڑھیں۔

اسی غرض کے لیے آپ نے ایک لنگر خانہ اور مہمان خانہ بھی قائم کیا تھا۔تا کہ طالبان حق اور دین کے لیے اجتہاد کرنے والوں کے لیے ضروری سامان مہیا رہے۔اور وہ بغیر کسی قسم کی تکلیف کے آپ کے انفاس طیبہ سے فائدہ اٹھا سکیں۔لیکن چونکہ اس طرح وقت نکال کر تھوڑے ہی آدمی وقتاً فوقتاً آپ کے پاس حاضر ہو سکتے تھے، اس لیے علاوہ اس کے آپ نے ایک سالانہ اجتماع کی بنیاد بھی ڈالی۔جس میں دور دراز کے احباب بھی شامل ہو سکیں اور جماعت میں اتحاد اور محبت اور اس کے ساتھ قوت پیدا ہو۔اور علمی رنگ میں بھی ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ترقی کا موقعہ ملے۔جس زمانہ میں آپ نے اپنی وسیع نظری سے ایک اہم ضرورت دینی کو دیکھ کر اس کے لیے یہ سامان مہیا کیا، اس وقت اور شاید اب بھی یہی ماہ ہے، اکثر علماء کی حالت ضروریات دینی سے ایسی ناواقفیت کی تھی اور تنگ

خیالی ان پر اس قدر اثر ڈالے ہوئی تھی کہ اس اعلان کو کہ ہمارے احباب کا ایک سالانہ اجتماع ہوا کرے گا، ایک مولوی نے بدعت قرار دے کر اس میں شمولیت کو ایک گناہ قرار دیا۔لیکن وہ شخص جسے اللہ نے اسلام کی ضروریات کے متعلق اعلیٰ درجہ کی فراست عطا فرمائی تھی اور جس کو خود وہ راہیں سجھائی تھیں، جن پر چل کر کامیابی حاصل ہوسکتی ہے، ایسے فتویٰ کی کیا پرواہ کرتا تھا۔ چنانچہ ہمارا پہلا سالانہ جلسہ 27 دسمبر 1893ء کو ہوا۔جس میں 327 احباب مختلف مقامات سے شامل ہوئے۔

اگرچہ آج ہم میں وہ پاک نفس انسان نہیں ہے۔جس کے انفاس طیبہ محبت اور معرفت الٰہی کی ایک روح لوگوں کے اندر پھونک دیتے تھے۔اور جس کے پاک کلمات سے ازدیادِ ایمان ہوکر قلوب میں جان ڈالنے کا ایک ایسا جوش موجزن ہوتا تھا، جس کے سامنے ساری مخالفتیں اور رکاوٹیں خاکستر کی طرح اڑ جاتی تھیں۔لیکن آج ایسے سالانہ اجتماع کی ضرورت اس وقت سے بھی بڑھ کر ہے۔اس وقت اگر اس کی ہر ایک ہدایت ہمارے لیے خضرراہ کا کام دیتی تھی، تو اب ہم کو باہم مشورہ سے راہ نکالنا ہے۔اس وقت جو بار اس اکیلے کی پشت پر تھا، اب وہ ہم میں سے ایک کے نہیں بلکہ سب کی پشت پر ہے۔اس وقت اگر اس کے پاک کلمات روح کو نیکی کی طرف کھینچے لیے جاتے تھے تو اب ساری قوم کی متفقہ نیکی کی قوت کے ظہور کی ضرورت ہے۔اس وقت اگر اس کی پاک صورت کو دیکھ کر دنیا کی محبت ٹھنڈی ہوتی تھی اور خدا تعالیٰ کی محبت کی آگ دل کے اندر جل اٹھتی تھی، تو اب ان سب خدّام کے اجتماع کی ضرورت ہے، جنہوں نے اس سے فیض پایا۔اس وقت اگر اس ایک کے ایثار اور قربانی سے بہت سے قلوب میں قربانی کی موجیں جوش زن ہوتی تھیں، تو اس وقت بہتوں کی قربانیوں کو اجتماعی رنگ میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔اس وقت اگر تم میں سے بہت لوگوں کو بار بار اس مقدس وجود کی قوتِ مقناطیسی کھینچ کر لے جاتی تھی تو اب احباب کے اجتماع کا قریباً یہ ایک ہی موقعہ رہ گیا ہے۔اس وقت جس قدر مخالفت تھی، اس میں ہمارے فریق کے لیے ایک اور مخالفت کا اضافہ ہوگیا ہے۔غرض ہر رنگ میں آج پچیس سال بعد اس سالانہ اجتماع کی ضرورت پہلے سے بڑھ کر ہے۔

اس اجتماع کے کیا فوائد ہیں؟ میں مختصراً احباب کے سامنے ان کو پیش کرتا ہوں۔

اول: حدیث میں ہے کہ خدا کی رحمت کا سایہ ان دو انسانوں پر ہے، جو اللہ کی محبت کے لیے اکٹھے

ہوئے اور اسی پر الگ ہوئے۔ ہم لوگ دن رات اپنی اغراض دنیوی کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ برادریوں کی شادی غمی میں اجتماع ہوتے ہیں۔مگر خالص للّٰہیت کے اجتماع کا موقعہ بہت کم ہوتا ہے اور پھر ایسا اجتماع، جس میں ایک دو نہیں سینکڑوں احباب ملیں، محض اللہ کے لیے ہم سب اکٹھے ہوئے، اور اسی کے دین کی صداقت میں مشغول رہنے کے بعد پھر ایک سال کے لیے الگ ہوئے، کس قدر برکت کا موجب یہ ہے! اور کس قدر رحمت الٰہی کے ہم امیدوار ہو سکتے ہیں!

دوم: کسی قوم کی ترقی کے لیے اتحاد کی سب سے بڑھ کر ضرورت ہے۔ اور اتحاد پیدا نہیں ہوتا جب تک قوم کے افراد میں باہمی محبت ترقی نہ کرے۔ اس محبت کے ازدیاد کے لیے ہمارے پاس کوئی موقعہ نہیں، سوائے اس ایک سالانہ اجتماع کے۔ اس میں پرانی محبتیں تازہ ہوتی ہیں، نئے تعلقات محبت پیدا ہوتے ہیں۔ جو احباب اس موقعہ کو بھی ہاتھ سے گنوا دیتے ہیں، ان کے وہ تعلقات محبت کس طرح قائم رہ سکتے ہیں؟ اگر محبت کے قائم رکھنے کے لیے بار بار ملاقات کی ضرورت ہے، تو جو احباب سال میں ایک دفعہ بھی اپنے دیگر احباب سے ملاقات کے لیے نہیں آسکتے، وہ خود غور کریں کہ سلسلہ میں ازدیادِ محبت کے لیے ان کا وجود کیا کام دے سکتا ہے۔ اور صرف برائے نام کسی سلسلہ میں منسلک رہنے کا کیا فائدہ ہے!

سوم: شب وروز انسان کے دنیوی کاروبار میں مصروفیت سے دنیا کی محبت ہی بڑھتی ہے۔مگر خدمتِ اسلام اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ محبتِ دنیا کسی قدر کم ہو۔ اس غرض کے لیے یہ سال میں ایک موقعہ ہے۔ جس میں تین چار دن کے لیے سب کاروبار سے الگ ہو کر ذکر الٰہی کرنے یا سننے کا موقعہ ملتا ہے۔ جس سے دل کا بہت سا زنگ اتر جاتا ہے۔

چہارم: جب کوئی اجتماع کسی نیک غرض کے لیے ہوتا ہے، تو اس میں شامل ہونے سے انسان کا میلان نیکی کی طرف طبعی طور پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ جیسا رنگ اس کے سامنے ہو، قبول کرنے کے لیے تیار ہوتی ہے۔ پس اس قسم کے اجتماع میں اگرچہ انسان اس کو محسوس بھی نہ کرے خود بخود قدم نیکی کی طرف اٹھتا ہے۔

پنجم: باہمی جمعیت محبت الٰہی اور نیکی میں ترقی کے علاوہ ایسے اجتماع میں، جہاں علمی مضامین کا چرچا ہو،

علم میں بھی انسان ترقی کرتا ہے۔ ایسی ترقی کی ہمارے احباب کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ علم ایک ہی انسان یا چند خاص انسانوں کی جائیداد نہیں کہ بعض احباب یہ خیال کرلیں کہ مخالف کا جواب دینا ہمارا کام نہیں، کسی دوسرے کا کام ہے۔ یہ تقسیم جن لوگوں نے کی ہے، انہوں نے اپنے آپ کو بھی دھوکہ دیا ہے اور اپنے احباب کو بھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ مخالف کا جواب دینے کے لیے تیار رہو۔ اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو ہی ازدیادِ علم کی بھی ضرورت ہے۔ جس کے لیے یہ سالانہ اجتماع کا موقعہ نہایت غنیمت ہے۔ جہاں چیدہ احباب کے علم سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ششم: نیکی کے کاموں میں رشک کا موقعہ ملنا بھی مغتنمات سے ہے۔ چونکہ اس سالانہ اجتماع پر وہ لوگ، جو دین کے لیے قربانیاں کرتے ہیں، نیکی اور خدمت دین میں ایک دوسرے سے بڑھ کر قدم اٹھانے والے ہوتے ہیں، اس لیے یہ شمولیت اس رنگ میں بھی انسان کو قدم آگے بڑھانے کا موقعہ دیتی ہے۔

ہفتم: سب سے بڑی بات، جو اس اجتماع کو بابرکت بناتی ہے، یہ ہے کہ خدمت دین کا جو جوش ایسے موقعہ پر پیدا ہوتا ہے، شاذونادر ہی اس سے بہتر موقعہ پر آسکتا ہے۔ جب ہم ایک دوسرے کو نیکی کا کام کرتے دیکھتے ہیں، جب دوسروں کی خدمت کے صرف قصے ہی نہیں سنتے بلکہ نمونے دیکھتے ہیں۔ تو ہمارے دلوں میں بھی ایک ولولہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم بھی سابقین میں سے ہوں۔ درحقیقت یہی جوش ہے جو سب کام کراتا ہے۔

اسی جوش نے صحابہؓ سے وہ قربانیاں کرائیں، جنھوں نے اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا۔ یہی جوش وہ لوگ پیدا کرنے آتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے خدمت دین کے لیے مامور فرماتا ہے یعنی مجدد دین۔ وہ آگ، جو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں روشن کرتا ہے، اسی کی چنگاریاں دوسروں کے دلوں کو بھی منور کر دیتی ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کے گذر جانے کے بعد یہی چنگاریاں ایک جگہ جمع ہو کر وہی کام کرسکتی ہیں۔ ہمارے اسلام کا معیار، ہمارے کام اور ہماری صورتیں اور ہمارے خاندان بلکہ میں کہتا ہوں ہماری نمازیں اور روزے بھی نہیں، بلکہ وہ جوش ہے، وہ تڑپ ہے، جو اسلام کے لیے ہم اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔ یہ جوش اور تڑپ، جو حقیقی اسلام کی روح ہے، اگر اپنے اندر چاہتے، ہو تو اس موقعہ سے اپنے آپ کو محروم نہ کرو۔

ہشتم: مشورہ مسلمانوں کی کامیابیوں کا اصلی راز تھا۔ وہ آج تم سے مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہمارے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بڑے بڑے کام کے لیے صحابہؓ کو بلا لیتے تھے۔ حضرت مسیح موعود بھی اہم امور کو مشورہ سے سرانجام دیتے تھے۔ اور آخر اپنا جانشین بھی انہوں نے منتخب احباب کے مشورہ کو ہی قرار دیا۔

اس میں شک نہیں کہ ہر وقت اور ہر کام کے لیے سب احباب نہیں جمع ہو سکتے۔ لیکن ہمارے قومی کام کیا ترقی کر سکتے ہیں، اگر سال بھر میں ایک دفعہ بھی قوم کے افراد جمع ہو کر اہم امور کو طے نہ کر لیں؟ اس سالانہ جلسہ سے ہمارا یہ ارادہ ہے کہ شوریٰ کے اصول کو ترقی دینے کے لیے ساری قوم کے سامنے اہم امور متعلقہ سلسلہ کو پیش کیا جائے۔ مختلف آراء سے اور مختلف تجارب سے بہترین راہ مل سکتی ہے۔ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ میں ان کاموں میں کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔ سرِ دست تھوڑے ہونے کی وجہ سے ہماری ضرورت نمائندوں سے پوری نہیں ہو سکتی۔ اور بعض وقت نہایت قیمتی بات وہاں سے مل جاتی ہے، جہاں گمان نہیں ہوتا۔

نہم: سال بھر میں ہم کو یہ ایک موقعہ ملتا ہے۔ جس میں ہم پچھلے سال کے کام کا محاسبہ کرتے ہیں۔ جب ہمیں یہ پتہ لگتا ہے کہ ہم سے کون کون سی فروگذاشتیں ہوئیں، ہمارے کام میں کون سی کمی ہے، ہم میں کون سا نقص ہے اور اس کی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے۔ ایسا ہی سال آئندہ کے لیے جو کچھ کرنا ہو، اس کے لیے بہترین راہیں سوچنے کا بھی موقعہ ہوتا ہے۔

دہم: بالآخر یہی اجتماع ہماری قومی زندگی کی علامت ہے۔ اس وقت آ کر پتہ لگتا ہے کہ کس قدر زندگی کی روح ہم میں ہے۔ اگر ہم اپنی اپنی جگہ کام بھی کر رہے ہوں، مگر قوم کے اس سالانہ اجتماع کو لاپرواہی کی نظر سے دیکھیں، تو نہ صرف دوسری قوموں پر ہی یہ بُرا اثر پڑتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان میں روح نہیں، کام کرنے والے نہیں، بلکہ فی الواقعہ اپنی جماعت پر بھی اس کا بُرا اثر پڑتا ہے۔

میں یہ ہرگز نہیں کہتا کہ ہم بہت سے جمع ہو کر لوگوں کو دکھائیں کہ ہمارے جلسہ میں اتنے ہزار آدمی ہوتے ہیں۔ نمود و نمائش ایک لعنت ہے، جو آخر کار سخت خسران کا موجب ہوتی ہے۔ میری غرض صرف یہ ہے کہ اس جلسہ میں شمولیت ہر ایک دوست کو اپنا فرض سمجھنا چاہیئے۔ اس وقت کے لیے اپنے کاروبارِ دنیوی کو بند کر کے اس میں شامل ہونا چاہیئے۔ اس کے لیے بلاشبہ اخراجات بکار ہیں، تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے اور پھر جلسہ میں شمولیت کر کے ہم کو خدا کی راہ میں کچھ اور بھی دینا پڑتا ہے۔ مگر ایمان کے سامنے یہ رکاوٹیں ہیچ ہیں اور خدا کا وعدہ

ہے وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡ ءٍ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَاتُظۡلَمُوۡنَ.(60:8) دنیا کے لیے بہت دکھ ہم اٹھاتے ہیں اور بہت خرچ کرتے ہیں۔ دین کے لیے کچھ دکھ اٹھانے اور کچھ خرچ کرنے کا موقعہ مل جائے تو اسے غنیمت سمجھنا چاہئیے۔ اَلشَّیۡطٰنُ یَعِدُکُمُ الۡفَقۡرَ(268:2) یہ شیطانی وساوس ہیں جو تنگی سے ڈراتے ہیں۔ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ کون جانتا ہے کہ پھر اگلے سال بھی اسے یہ موقعہ ملے گا! کتنے نوجوان طرح طرح کے جوش اور امنگیں اپنے سینوں میں لیے ہوئے قبروں میں جا سوئے۔ کیا ابھی ہمارے لیے وقت نہیں آیا کہ کلیۃً خدا کے حضور جھک جائیں۔ اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُھُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ (16:57) اور جو لوگ یہ عزم ہی کر چکے ہیں کہ انہوں نے شامل نہیں ہونا، ان کا اختیار ہے۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ اس طرح سے وہ قوم کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ والسلام

محمد علی

احمد بلڈنگس، لاہور

13 دسمبر 1918ء

25 دسمبر 1918ء

مراسلات

بنام ایڈیٹر الحکم و میاں اکمل صاحبان قادیان

الحکم کی ایک تازہ اشاعت میں میاں اکمل صاحب نے جناب مولوی عبدالرحمٰن شملوی کے نام ایک کھلی چٹھی لکھی تھی جس کے جواب میں ہمارے مکرم و معظم بزرگ سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب نے بھی انہی میاں اکمل صاحب کے نام ایک کھلی چٹھی لکھ کر الحکم میں برائے اشاعت بھیجی ہے اوراس کی ایک نقل ہمیں بھی مرحمت فرمائی ہے۔اس کے ساتھ ہی شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم کو بھی ایک چٹھی انہوں نے لکھی ہے۔جس میں اول الذکر خط کی اشاعت کی فرمائش کے ساتھ اختلافات سلسلہ کے متعلق بعض اور کام کی باتیں بھی درج ہیں۔لہٰذا یہ دونوں چٹھیاں قارئین پیغام صلح کے تفنّن طبع کے لیے درج کی جاتی ہیں۔

☆

بنام شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم

برادرم مکرم شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر اخبار الحکم قادیان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط ہذا کے ہمراہ مضمون بعنوان کھلی چٹھی بنام قاضی ظہور الدین اکمل صاحب ارسال خدمت ہے۔اس کو اخبار الحکم میں چھاپ دیں اوراس عریضہ کو بھی اس کے ساتھ شامل کر دیں۔میرے خیال میں اب وہ وقت آ پہنچا ہے کہ احمدی کہلانے والے دو فریقوں میں، جو 1914ء سے برسرِ جنگ ہیں، سچائی اور انصاف پر صلح ہو جائے۔میرے اپنے ذوق کی بنا پر جو میرے مرشد و ہادی حضرت مسیح موعود کی تعلیم سے پیدا ہوا، وہ یہ ہے کہ مشہودات وموجودات ظاہری امور باطنی روحانی کے لیے بطور گواہ ہوتے ہیں اور یہی فلسفہ قرآن شریف میں امور

باطنیہ کے سمجھانے کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ 1914ء میں جس طرح ایک جسمانی جنگ یورپین کہلانے والے دو فریقوں میں شروع ہوئی۔ جس میں ایک فریق حکومت شخصیت کا دلدادہ اور دوسرا فریق جمہوریت کا شیدائی تھا۔ شخصیت کے دلدادہ فریق کا اصول یہ تھا کہ انجمن (ریشٹاگ) کا مشورہ لیا جائے۔ مگر بادشاہ (جسمانی امام) جس بات کا عزم کرے اس پر عمل کرنا چاہئیے۔ گویا وہی واجب الاطاعت ہے۔

دوسری طرف جمہوریت کے شیدائی فریق کا اصول یہ تھا کہ انجمن (پارلیمنٹ) کے مشورہ کرنے کے بعد جس بات کا اتفاق کر کے عزم کرے، بادشاہ یا پریذیڈنٹ (امام) کو اسی امر پر عمل کرنا اور اپنی قوم کو کرانا چاہئے۔ ان دو اصولوں کی جنگ نے دنیا میں جو بربادی اور خانہ خرابی کی، وہ اظہر من الشّمس ہے۔

اگرچہ جنگ کی شروع تاریخ سے بارہ سو ساٹھ دن یا بیالیس مہینے تک حکومت شخصیت کا دلدادہ فریق غالب رہا۔ مگر اس معیاد کے گزرتے ہی جمہوریت کے شیدائی فریق میں ایک زبردست جمہوریت امریکہ کا اضافہ ہوا۔ اور اسی دن سے شخصیت کے دلدادہ فریق کی مغلوبیت کی بنیاد پڑ گئی۔ جس کا انجام 1918ء کے خاتمہ پر ہو گیا، جمہوریت غالب آ گئی۔ دنیا جہان کے لوگوں نے بڑی بڑی خوشیاں منائیں۔ حتیٰ کہ دارلامان قادیان میں بھی 27 سے 29 نومبر تک وہ خوشیاں منائی گئیں جو اس سے پہلے کبھی نہ منائی گئی تھیں۔

یہ قادیان وہ بستی ہے جہاں اصولِ جمہوریت کے دنیا میں سب سے اول بانی مبانئ اسلام کے مقدس نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ایک برگزیدہ امام پیدا ہوا تھا۔ جس نے اپنے مطاع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں اپنے آپ کو فنا کر کے تیرہ صدیوں قبل کا زمانہ ہماری آنکھوں کے سامنے دکھا دیا تھا۔ اس برگزیدۂ خدا نے بھی اپنی وفات سے پہلے ایک انجمن (صدر انجمن احمدیہ) کی بنا ڈالی تھی اور ہم کو وصیت کر گیا تھا کہ میرے بعد سب مل کر کام کرنا اور اس انجمن کے فیصلہ کو قطعی فیصلہ سمجھنا۔ (ہاں اس نے اپنی زندگی تک اپنے آپ کو مستثنیٰ رکھا تھا۔ کیونکہ وہ اس زمانہ کا امام تھا، وہ رب ذوالجلال کا مامور تھا) کیونکہ آغازِ دنیا سے خدا کے نبی اور مرسلان الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء آئمہ زمان جو مقام ماموریت پر ہوں، مرسلان الٰہی میں ہی داخل ہیں۔ ہمیشہ اس اصول جمہوریت سے مستثنیٰ رہے ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ کیونکہ اگر ایک طرف وہ انسانیت کا جامہ پہنے ہوئے ہیں تو دوسری طرف وہ الوہیت کے مظہر ہوئے ہیں۔ اگرچہ بحیثیت انسان اپنے

ساتھیوں کے ساتھ مشورہ تو کرتے ہیں مگر بحیثیت مظہر الوہیت وہ جمہوریت کے تابع نہیں رہتے ۔ان کا عزم اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہوتا ہے (کہ جو اللہ کسی کے مشورہ کا محتاج نہیں) مگر افسوس کہ 1914ء نے جس طرح جسمانی جنگ کا نظارہ دنیا کو دکھایا اسی طرح اس 1914ء نے دنیائے احمدیت میں ایک روحانی جنگ بھی دکھلائی ۔اس روحانی جنگ میں بھی ایک فریق حکومت شخصیت کا دلدادہ اور دوسرا فریق جمہوریت کا شیدائی نظر آیا۔

یہ روحانی جنگ بھی بارہ سو ساٹھ دن یا بیالیس مہینے تک خوب زور وشور سے چلی اور فریق حکومت شخصیت غالب ہی غالب ہوتا رہا۔مگر اس میعاد کے گزرتے ہی اس کی مغلوبیت شروع ہوگئی ۔لہٰذا آج 1918ء کے خاتمہ پر جبکہ جسمانی جنگوں کے دونوں فریق جمہوریت کے حق میں صلح آشتی کا جھنڈا لگانے میں مصروف ہیں، تو کیوں نہ جماعت احمدیہ کے روحانی جنگ والے دونوں فریق جمہوریت کے حق میں صلح وآشتی کا سفید جھنڈا بلند کرنے میں مصروف ہوں ۔اگر جسمانی جنگ کی صلح کی کانفرنس پیرس میں اجلاس کرے،تو کیوں اس روحانی جنگ کی صلح کی کانفرنس کا لاہور میں اجلاس نہ ہو۔ پھر خوبی یہ ہے کہ لاہور میں احمدی برادران کا جلسہ سالانہ ایام تعطیلات کرسمس میں مقرر ہو چکا ہے اور قادیان کا جلسہ سالانہ ملتوی۔

مزید عرض یہ ہے کہ اگر اخبار کے محدود صفحات اس مضمون کے چھاپ دینے کی اجازت نہ دیں تو آپ بطور ضمیمہ الحکم اس کو شائع کر دیں ۔اور 50 کاپیاں اس مضمون کی مزید چھاپ کر مجھے بھیج دیں ۔سارا خرچہ میرے ذمہ رکھیں ۔مضمون چھاپنے کو التوا میں نہ رکھیں ۔آپ کا جواب آتے ہی خرچہ کا جتنا روپیہ ہوگا میں انشاء اللہ آپ کو بھیج دوں گا۔فقط والسلام

خاکسار اسمٰعیل آدم

بمبئی 14 دسمبر 1918ء

☆

کھلی چٹھی بنام قاضی ظہور الدین اکمل صاحب

برادرم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مجھے غالباً جناب سے ملاقات کا نیاز حاصل نہیں۔ مگر کم ازکم آپ میرے نام سے واقف ہیں۔ اس لیے یہ رقعہ ایک اجنبی کی طرف سے نہیں سمجھیں گے، بلکہ ایک ایسے شخص کی طرف سے، جو حضرت مسیح موعود میں ہو کر آپ کا بھائی ہے۔ آپ کی کھلی چٹھی مطبوعہ اخبار الحکم جلد 20 نمبر 40 صفحہ 3 بنام مولوی عبدالرحمٰن صاحب سپرنٹنڈنٹ میڈیکل برانچ شملہ میری نظر سے گزری۔ چونکہ میں بھی جناب موصوف کی طرح اس بات کا قائل ہوں کہ حضرت مسیح موعود کی تحریرات میں اور جماعت احمدیہ میں لفظ نبی ورسول کا استعمال عام طور پر ہوا ہے۔ تاہم ان الفاظ سے جو نتائج فی زمانہ آپ اور مبائعین جناب خلیفہ ثانی نکال رہے ہیں، وہ نتائج حضرت اقدس کے دعویٰ مسیح موعود سے لے کر خلافت اولیٰ کے خاتمہ تک ہرگز ہرگز نہیں نکالے گئے۔ پھر جب میں حضرت مسیح موعود کی تحریرات کو پڑھتا ہوں۔ اور جب ان تقریروں کو، جو اس برگزیدہ امام کی زبان مبارک سے میں نے خود سنی ہیں، یاد کرتا ہوں۔ اور جب ان تقریروں کو جو میں نے خود نہیں سنی، مگر اخبارات الحکم، البدر وغیرہ میں دیکھ چکا ہوں اور اب پھر مکرر دیکھتا ہوں، تو ان میں حضرت مسیح موعود کے لیے لفظ نبی ورسول کا بہت کم استعمال پاتا ہوں۔ اور بجائے اس کے لفظ امام الزمان، مامور من اللہ، حضرت امام، حضرت مسیح موعود، حضرت مہدی آخر زمان، چودہویں صدی کا مجدد بلا تکلف اور اس کثرت سے پاتا ہوں کہ شاید یہ لفظ نبی ورسول ایک ہزار کے مقابل ایک بار ہی استعمال ہوا ہوگا۔

تو معلوم ہوا کہ یہ لفظ نبی ورسول ایک ہزار کے مقابل ایک بار ہی استعمال ہوا ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ لفظ نبی ورسول تو ہزار میں ایک بار ہی سہی، مگر باعث اختلافِ جماعت کبھی نہیں ہوا۔ اور آج جو یہ لفظ باعث اختلاف ہوا ہے تو اس کا کیا سبب ہے؟ جب اس سبب پر غور کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ نبی ورسول باعث اختلاف ہے ہی نہیں۔ اگر باعث اختلاف ہوا ہے۔ تو اسی لفظ نبی ورسول کے نتائج جو خلافت ثانیہ میں نکالے گئے ہیں، وہی ہیں۔ لہٰذا حقیقۃ الوحی صفحہ 391 کا حوالہ جو آپ نے اپنے مضمون میں دیا ہے۔ اس پر نظر کرنے سے پیشتر جو چیز باعث اختلاف ہے اسی کو دیکھنا چاہیے، تاکہ صحیح نتیجہ پر ہم پہنچ سکیں۔

اس بات میں تو آپ کو کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کہ لفظ مبائعین وغیر مبائعین کی ایجاد جماعت احمدیہ میں بزمانہ خلافت ثانیہ ہوئی ہے۔ اور اس ایجاد پر ایک نتیجہ نکالا گیا کہ فرقہ مبائعین وہ ہے جس نے میاں صاحب کی بیعت کی، وہی مومن ہے اور فرقہ غیر مبائعین یعنی جس نے میاں صاحب کی بیعت نہیں کی، وہ فاسق ہیں۔ خواہ انہوں نے حضرت اقدس مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کی ہو یا حضرت خلیفہ اول کی بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے ہوں۔ پھر اسی فتویٰ کے ماتحت ان غیر مبائعین کی اقتدا میں نماز پڑھنا بھی مکروہ گردانا گیا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر جماعت احمدیہ حیدر آباد دکن میں بعض شرعی حیلے حوالوں کے ماتحت احمدیوں کے نکاح بھی فسخ کرائے گئے۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ خلافت ثانیہ کا وجود بتلا رہا ہے کہ اس سے پہلے ایک خلافت خلافت اولیٰ کے نام سے ہو چکی ہے۔ اور وہ امر واقعی ہے، کیا خلافت اولیٰ میں بھی اس کی کوئی نظیر ہے۔ آپ خود اس بات کا اقرار کریں گے کہ ایسی کوئی نظیر نہیں۔ پھر جب اس کے خلاف کوئی نظیر نہ ملے تو یقیناً ثابت ہوگا کہ آپ غلطی پر ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ اخبار بدر جلد 11 نمبر 6، 7 مورخہ 23 نومبر 1911ء صفحہ 4:

''فرمایا (خلیفہ اول نے) جو سنتے ہیں سنیں اور جن تک آواز نہیں پہنچتی ان کو سنا دیں کہ تم کو بیعت کرنے پر کوئی مجبور نہیں کرتا، کوئی مارتا نہیں کہ ضرور بیعت کرو، ہم کسی کو بلاتے نہیں، کسی پر زور نہیں دیتے۔ یہاں بعض عورتیں ہیں جو بیعت میں داخل نہیں، حالانکہ ان کے مرد ہیں۔ ان عورتوں پر کوئی زور نہیں ڈالا جاتا۔ پس جب بیعت اپنے ارادے اور خوشی سے ہے تو اس پر پکے رہو۔''

تقریر بالا سے حسب ذیل تین امور واضح ہوتے ہیں:

اول۔ خلیفہ اول کے وقت میں بھی بعض احمدیوں نے بیعت کی اور بعض نے نہیں۔

دوم۔ بیعت نہ کرنے والوں کو نہ غیر مبائعین کہا گیا، نہ فتویٰ فسق ان پر جاری ہوا۔

سوم۔ بیعت خلیفۃ المسیح اپنے ارادے اور خوشی سے تھی۔

پس واضح ہوا کہ خلیفۃ المسیح کی بیعت بیعت ارادی ہے، نہ کہ اعتقادی۔ یہ بیعت وہ بیعت نہیں، جس سے فتویٰ فسق لازم آئے۔ تو پھر یقیناً یقیناً حضرت مسیح موعود کی نبوت وہ نبوت نہیں، جس سے فتویٰ کفر عائد ہو۔ اور ایسے لوگوں سے شریعت محمدؐیہ میں بتائے ہوئے کافروں والا معاملہ کیا جائے۔

پھر ملاحظہ ہو اخبار بدر جلد 8 نمبر 46-47 مورخہ 16 ستمبر 1909ء صفحہ اول میں حضرت امیر المومنین خلیفہ اول کا ایک خطبہ چھپا ہے۔ جس اخبار کے ایڈیٹر جناب مفتی محمد صادق صاحب اور اسسٹنٹ ایڈیٹر جناب قاضی ظہور الدین اکمل (یعنی آپ خود مخاطب عریضہ ہذا) خدا نے ان کو ایسا دین دیا جو سب دینوں سے بڑھ کر ہے، ایسی کتاب دی جو خود کتب الٰہیہ کی جامع ہے، ایسا نبیؐ دیا جو تمام انبیاء کا سردار ہے۔ (اور احمدیوں کو تو وہ امام دیا جو تمام اولیاء کا سردار ہے) یہ بریکٹ والا فقرہ حضرت امیر المومنین کا فرمایا ہوا نہیں بلکہ اسسٹنٹ ایڈیٹر قاضی اکمل صاحب کا ہے (یعنی خود آپ کا)۔ اس وقت ایڈیٹر صاحب مفتی محمد صادق کی قادیان سے غیر حاضری ہے۔ جو اسی اخبار کے دوسرے صفحہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اب آپ خود ہی غور کریں کہ جس وقت یعنی 1909ء میں آپ نے یہ بریکٹ والا فقرہ لکھا جس میں حضرت اقدس کو زمرہ اولیاء اللہ میں شمار کر کے تمام اولیاء کا سردار بتایا اس وقت بھی آپ نے حقیقۃ الوحی صفحہ 391 کے ان الفاظ کو کہ:

> ''جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں۔ ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا۔''

ذہن نشین فرما کر ہی لکھا تھا یا نہیں؟ یقیناً اس وقت آپ کی نظروں میں حضرت اقدس کے نبی کا نام پانے میں مخصوص ہونا تمام اولیاء کا سردار ہونا ہی مسلّم تھا، نہ کہ زمرہ اولیاء اللہ سے نکل کر زمرہ انبیاء میں داخل ہو جانا۔ اگر اس وقت آپ کا وہی عقیدہ ہوتا جو آپ سمجھ رہے ہیں اور دوسروں کو سمجھا رہے ہیں، تو ہرگز ہرگز یہ بریکٹ والا فقرہ آپ کی قلم سے لکھا نہ جاتا۔

پھر آپ نے حقیقۃ الوحی صفحہ 149 کا حوالہ دے کر آپ کی مزعومہ نبوت کو ثابت کرنے کے لیے حضرت اقدس کے اپنے عقیدہ نبوت میں تبدیلی فرمانے کا نتیجہ نکالا ہے۔ مگر جب وہ سارا مضمون، جو حقیقۃ الوحی صفحہ 148

سے شروع ہو کر صفحہ 155 پر ختم ہوتا ہے، سارے کا سارا پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں نبوت پر کوئی بحث ہی نہیں۔ سائل کا سوال اور اعتراض فضیلتِ مسیح موعود علیٰ مسیح عیسیٰ بن مریم پر ہے۔ حضرت اقدس اسی کے جواب میں اپنی فضیلت ثابت کر رہے ہیں۔ اور جو عقیدہ فضیلت کے بارے میں آپ کا پہلے تھا اس سے رجوع فرما رہے ہیں۔ اس مضمون سے آپ کی فضیلت اور صداقت ثابت ہو رہی ہے۔ نہ آپ کی وہ نبوت جو مبائعین جناب خلیفہ ثانی کے زعم میں آج آ رہی ہے۔ چنانچہ صفحہ 155 پر آپ ان الفاظ پر بحث مذکورہ بالا کو ختم کرتے ہیں۔

''ہاں میں صرف نبی نہیں بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی بھی تا آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ وکمالِ فیضان ثابت ہو۔''

اس فضیلت کی تائید میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی ہے۔ جس میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''اگر موسیٰ وعیسیٰ زندہ ہوتے تو میری اتباع کرتے۔'' اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا سابقہ نبوتوں سے افضل ہے۔ حضرت مسیح موعود بھی آنخضرت کے امتی ہی ہیں۔ تو کیوں افضل نہ ہوں۔ قربِ الٰہی کا کمال عرفانِ الٰہی ہے اور وہ کمال صرف امتِ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ملا۔ اس لیے سابقہ انبیاء نے بھی یہ تمنا کی کہ کاش وہ بھی آنخضرت کی امت ہوتے۔ حضرت اقدس کا یہ شعرے

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من بہ عرفاں نہ کمترم نہ کسے

اسی بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس شعر سے بھی مبائعین جناب خلیفہ ثانی نبوت کا استدلال کر رہے ہیں، وہ جو یقیناً غلط استدلال ہے۔ پھر آپ اسی حقیقۃ الوحی صفحہ 391 کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ دوسرے محدثین ومجددین کو نبی ورسول کہنا گناہ ہے۔ یہ آپ نے کتنا بڑا کلمہ زبان سے نکال دیا۔ سنئے اگر یہ گناہ ہے تو اسی گناہ میں حضرت خلیفہ اول شامل ہیں۔ جنہوں نے 1909ء میں باوجود کتاب حقیقۃ الوحی معہ صفحہ 391 دنیا میں موجود ہونے کے یہ گناہ کیا۔ اور پھر جناب قاضی ظہور الدین اکمل (آپ خود بہ نفسِ نفیس) اسسٹنٹ ایڈیٹر اخبار بدر بھی شامل ہیں، جنہوں نے اس گناہ کو شائع کیا۔ ملاحظہ ہو اخبار بدر جلد 8 نمبر 48 صفحہ 3 کالم 3۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول کا خط ایک شخص کے جواب میں:

’’اگر آپ سن سکیں تو میں 13 مسلم الثبوت اولیاءاللہ کے کلام میں یہ لفظ نبی ورسول صاف صاف آپ کو دکھا سکتا ہوں۔‘‘

پیارے بھائی! اس حوالہ مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اور مبائعین جناب خلیفہ ثانی اپنا عقیدہ تبدیل کر رہے ہیں۔ نہ حضرت اقدس مسیح موعود نے کبھی عقیدہ تبدیل کیا، نہ حضرت خلیفہ اول نے، نہ اصحاب حضرت مسیح موعود نے۔ یہ آپ لوگوں کا ظلم ہے جو آپ ان بزرگوں کی وفات کے بعد ان پر تہمت لگا رہے ہیں۔ اگر انہوں نے تبدیلی عقیدہ کی کی ہوتی تو جو فتوے اس عقیدہ کی بنا پر خلافت ثانیہ میں دیئے جاتے ہیں، وہ حضرت اقدس کی زندگی میں یا کم از کم حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں دیئے جاتے۔ اپنی کھلی چٹھی میں آپ فرماتے ہیں:

’’حضرت مسیح موعود کی نبوت انبیائے سابقین جیسی تھی نہ محدثین جیسی۔‘‘

جب اس پر غور کیا جاتا ہے تو حضرت اقدس اپنی نبوت سے ہرگز ہرگز وہ نبوت مراد نہیں لیتے جو آپ لے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو حقیقۃ الوحی صفحہ 28:

’’اور اس کی امت کے لیے قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے۔ جس کے لیے امتی ہونا لازمی ہے۔‘‘

اسی سلسلہ مضمون کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’کیونکہ مستقل نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے، مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی۔‘‘

اس حوالہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نبوت سابقہ ختم ہوگئی۔ صرف مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ تا قیامت جاری ہے۔ اس جاری چیز کو آپ ظلی نبوت فرماتے ہیں اور اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا شرط قرار دیتے ہیں۔ اس نبوت ظلیّہ میں امت محمدیہ کے تمام افراد، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے اور تا قیامت آئیں گے، شریک ہیں۔

پھر تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ 68 میں آپ فرماتے ہیں:

''اے نادانو! میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت ومخاطبت الٰہیہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی۔ یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ رکھتے ہیں۔ میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ وَلِکُلٍّ اَنْ یَّصْطَلِحَ.

حوالہ مذکورہ بالا سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ دوسرے مسلمانوں میں اور حضرت اقدس میں صرف لفظی نزاع ہے نہ کہ اعتقادی۔ اور یہ بات تو اظہر من الشّمس ہے کہ لفظی نزاع میں نہ کفر لازم آتا ہے۔ نہ کوئی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ہاں! آپ لوگ اب اعتقادی نزاع بنا رہے ہیں جو حضرت اقدس کا کلام رد کر رہا ہے۔

یہ حوالے مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ ورنہ ایسے حوالہ جات اگر حضرت اقدس کے ان کی کتب میں سے لکھنے بیٹھوں، تو ایک انبار ہو جائے۔ غرض خلاصہ یہ ہے کہ حضرت اقدس کی نبوت محدثین ومجددین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین جیسی ہی تھی، نہ انبیاء سابقین جیسی۔ انبیائے سابقین کی نبوت مستقلہ براہِ راست تھی۔ ان میں ایسا کوئی نبی نہیں ہوا۔ جس نے کسی نبی متبوع کے فیض نبوت سے نبوت پائی ہو۔

بالکل کھلی بات ہے کہ جب نبوت سابقہ کی نوعیت الگ ہے۔ اس کی کیفیت اور ماہیت بھی الگ ہوئی۔ اور یہاں پر حضرت اقدس کی نبوت کی نوعیت الگ ہے۔ تو اس کی کیفیت اور ماہیت بھی الگ ہونی چاہئیے۔ پھر ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ حضرت اقدس کی نبوت ویسی ہی تھی جیسی انبیاء سابقین کی۔ امور روحانیہ کے سمجھنے کے لیے مشہودات ومحسوسات بطور گواہ کے ہیں۔ یہی فلسفہ قرآن شریف نے بتایا ہے۔ لہٰذا آپ مشہودات کی اس مثال پر سوچیں تو آپ کو آپ کی غلطی کھلی کھلی نظر آ جائے گی۔ وہ یہ ہے کہ آفتاب عالمتاب کے نور سے ماہتاب اپنا نور حاصل کرتا ہے خواہ ہلال ہو یا قمر ہو یا بدر ہو، پہلی کی رات سے چودھویں تک روشنی تو اسی آفتاب سے ملتی ہے۔ تاہم آفتاب آفتاب ہے اور ماہتاب ماہتاب۔ آفتاب کی روشنی خانہ زاد ہے اور ماہتاب کی مستعار ہے۔ جس طرح آفتاب کی روشنی کی نوعیت الگ ہے۔ اس کی کیفیت وماہیت بھی الگ ہے۔ اسی طرح ماہتاب کی روشنی کی

نوعیت الگ ہے اور کیفیت و ماہیت میں بھی فرق۔ مگر ماہتاب کی پہلی سے لے کر چودھویں تک کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں۔ نہ کیفیت و ماہیت میں۔

اسی مثال پر آفتاب نبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ انبیاء کے آپ ہی آخری نبی ہیں اور محدثین ومجددین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ماہتاب سے مشابہت دو۔ کیونکہ یہ گروہ نور اسی آفتاب سے حاصل کرتا ہے۔ اگر محدثین ومجددین سابقہ مانند پہلی تاریخ یا اس کے بعد کے تھے تو حضرت اقدس چودھویں کے بدر تھے۔ پہلی اور چودھویں نوعیت ایک ہی ہے۔ اگر ایک نے کم نور حاصل کیا تو دوسرے نے زیادہ اور چودھویں نے پورا نور حاصل کرلیا۔ اسی طرح حضرت اقدس بھی ماہتاب کی طرح گروہ محدثین ومجددین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں داخل ہیں، نہ کہ آفتاب نبوت کی طرح زمرہ انبیاء میں۔

علاوہ ازیں آپ نے صفحہ حقیقۃ الوحی 391 پر بڑا دارومدار اپنے اعتقاد کا رکھا ہے۔ اگر صفحہ 390 کو آپ دیکھیں تو ساری حقیقت کھل جاتی ہے۔ میں نے بفضل خدا اس کو دیکھا ہے اور خوب غور کیا ہے، اور مجھے امید ہے کہ جو شخص اس کو پڑھے گا، وہ ضرور اس حقیقت تک پہنچ جائے گا، جس پر میں پہنچا ہوں۔ ملاحظہ ہو حقیقۃ الوحی:

> ''اور پھر ایک نادانی یہ ہے کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کے لیے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کا سراسر افتراء ہے۔ بلکہ جس نبوت کا دعویٰ کرنا قرآن شریف کے رو سے منع معلوم ہوتا ہے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا گیا صرف یہ دعویٰ ہے کہ ایک پہلو میں امتی ہوں اور ایک پہلو سے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نبوت کے وجہ سے نبی ہوں۔ اور نبی سے مراد صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالیٰ سے بکثرت شرف مکالمہ ومخاطبہ پاتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ جیسا کہ مجدد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اگرچہ اس امت کے بعض افراد مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہیں اور تا قیامت مخصوص رہیں گے۔ لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کیے جائیں وہ نبی کہلاتا ہے۔''

اسی مضمون میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

''غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں۔ اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں۔''

پھر اسی سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی'' الخ۔

حوالہ مذکورہ بالا میں جن الفاظ پر خط کشیدہ ہے وہ خود حضرت اقدس کا ہے۔ صفحہ 390 و 391 کا سارا مضمون پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس مجدد صاحب سرہندی کے کلام کو اپنے لیے لفظ نبی کا جائز بنانے کے لیے بطور تائید لے رہے ہیں۔ اور مجدد صاحب سرہندی کو چونکہ مسلمان اہل اللہ میں شمار کرتے ہیں، اس لیے ان کے کلام سے اپنے مخالفین مسلمانوں کو ملزم کر رہے ہیں۔ اور خود اپنے عقیدہ حقہ کو ظاہر کر رہے ہیں کہ جس نبوت کا دعویٰ کرنا قرآن شریف کی رو سے منع ہے، اس کا کوئی دعویٰ نہیں۔ یہی وہ دعویٰ نبوت ہے (جس سے قرآن شریف منع کرتا ہے) جس کے انکار سے کفر لازم آتا ہے اور حضرت اقدس کا ایسا کوئی دعویٰ نہیں۔

اس چٹھی کو ختم کرنے سے پہلے آپ کے اس الزام کی تردید ضروری ہے، جو تبدیلی عقیدہ کے بارے میں آپ حضرت اقدس پر لگا رہے ہیں۔ لیکن میں اپنے الفاظ میں کچھ نہیں کہتا بلکہ خود حضرت اقدس کا کلام ابتدائے دعویٰ مسیح موعود میں سے ایک، اور وفات سے قریب زمانہ کا ایک پیش کرتا ہوں۔ جس سے واضح ہو جائے گا کہ آپ نے کوئی تبدیلی اپنے عقیدہ میں نہیں کی۔ یہ ان شاگردوں کی مہربانی ہے کہ جو گناہ کرتے ہیں اور تہمت اپنے استاد پر لگا رہے ہیں۔ توضیح مرام الہامی صفحہ 9 کتاب ابتدائی دعویٰ میسحیت (جس پر کوئی تاریخ اشاعت نہیں)۔

''فَاعْلَمْ اَرْشَدَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ النَّبِیَّ مُحَدَّثٌ وَالْمُحَدّثُ نَبِیٌّ بِاَعْتِبَار حَصُوْلِ نَوْعٍ مِّنَ النَّوَاعِ النَّبُوَّۃِ وقد قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشَّرَات الخ‘‘۔

چشمہ معرفت صفحہ 180 تاریخ اشاعت 20 مئی 1908ء پر مرقوم ہے:

’’اور ہم میں اور ہمارے مخالف مسلمانوں میں صرف لفظی نزاع ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے ان کلمات کو جو نبوت یعنی پیش گوئیوں پر مشتمل ہوں نبوت کے اسم سے موسوم کرتے ہیں۔ اور ایسا شخص جس کو بکثرت ایسی پیشگوئیاں بذریعہ وحی دی جائیں یعنی اس قدر کہ اس کے زمانہ میں اس کی کوئی نظیر نہ ہو، اس کا نام ہم نبی رکھتے ہیں۔ کیونکہ نبی اس کو کہتے ہیں جو خدا کے الہام سے بہ کثرت آئندہ کی خبریں دے۔ مگر ہمارے مخالف مسلمان مکالمہ الٰہیہ کے تو قائل ہیں لیکن اپنی نادانی سے ایسے مکالمات کو جو بکثرت پیشگوئیوں پر مشتمل ہوں نبوت کے نام سے موسوم نہیں کرتے حالانکہ نبوت صرف آئندہ کی خبر دینے کو کہتے ہیں جو بذریعہ وحی والہام ہو۔ اور ہم سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ شریعت قرآن شریف پر ختم ہوگئی ہے۔ صرف مبشرات یعنی پیشگوئیاں باقی ہیں۔‘‘

مذکورہ بالا دونوں حوالے، جو قریباً 20 سال کے فاصلہ میں لکھے گئے ہیں، واضح طور سے بتلاتے ہیں کہ حضرت اقدس نے اپنے عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ پہلے حوالہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ لکھتے ہیں ’’لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتِ‘‘ اور دوسرے حوالہ میں کہتے ہیں کہ ہم سب یعنی ہمارے مخالف مسلمان اور ہم بھی اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ صرف مبشرات باقی ہیں۔ ایک ہی چیز ہے۔ جو پہلے تھی وہی اخیر تک رہی۔ نبوت کے معنی اب بھی پیشگوئی لے رہے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

خاکسار اسمٰعیل آدم

سیکریٹری انجمن احمدیہ۔ بمبئی 14 دسمبر 1918ء

❀❀❀

25 دسمبر 1918ء

ادارتی نوٹ

جناب میاں صاحب بنام حضرت امیر

(حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی آخری چٹھی کا جواب میاں صاحب کی طرف سے)

اخبار کی کاپیاں تیار ہو چکی تھیں کہ آج 23 دسمبر 1918ء کی شام کو میاں صاحب کی طرف سے حضرت امیر ایّدہ اللہ کی آخری چٹھی کا جواب موصول ہوا۔ جس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ میاں صاحب کو خطرہ ہے کہ ان کے لاہور آنے پر ان کے مرید کثرت کے ساتھ یہاں آجائیں گے۔ لیکن پھر وہ قادیان کے جلسہ پر نہ جائیں گے۔ لاہور کے جلسہ میں آنے کی وجہ ان کی میاں صاحب سے محبت ہوگی۔ لیکن وہی قادیان کے جلسہ میں ان کی کشش کا موجب نہ ہوگی۔ ایسا ہی میاں صاحب نے اپنی بیماری کا بھی عذر کیا ہے۔ اور تعجب کیا ہے کہ ان کی جماعت کے دوسرے علماء کے لیے وہی طریق کیوں جائز نہیں رکھا جاتا، جو ان کے لیے جائز رکھا گیا ہے۔ مگر ہمیں اس تعجب پر تعجب ہے کہ ان کو اپنے مریدین کو بھی یہاں آنے کی ہدایت کرنے سے گھبراہٹ کیوں ہے۔ کیا قادیان کے جلسہ کو وہ لوگ ایسا ہی فضول سمجھتے ہیں کہ وہاں جانے میں ان کو عذر ہوگا۔ اور لاہور ایک ذرا سے اشارہ بلکہ میاں صاحب کے آنے سے ہی وہ دوڑے ہوئے آئیں گے۔

میاں صاحب سچے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ لاہور آکر دلائل حقہ سے ان کے بہت مریدین حق کا ساتھ دیں گے۔ اور پھر قادیان کے جلسہ میں ان کی شمولیت مشکوک ہو جائے گی۔

☆☆☆

جس دن سے حضرت امیر ایّدہ اللہ نے میاں محمود احمد صاحب کو جلسہ سالانہ پر تبادلہ خیالات کی دعوت دی ہے، محمودی حلقوں میں عجیب کھلبلی برپا ہے۔ بہت ایسے ہیں جو دل سے اس دعوت کو معقول اور مناسب سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میاں صاحب اس کو منظور کرلیں۔ جس کا اظہار گو وہ اب میاں صاحب کے انکار کے بعد نہ

کریں۔لیکن ہم ایسے آدمیوں کو جانتے ہیں، جنہوں نے ان کا جواب شائع ہونے سے پہلے زبانی بھی اس کا اقرار کیا۔لیکن پیر پرستی کو خدا غارت کرے جو کسی معقول بات پر انسان کو کھڑا رہنے نہیں دیتی اور ہمیشہ بقوائے ''دیوانہ را یک ہوائے بس است'' جو کچھ آواز کان میں پڑی اسی پر قائم ہو گئے۔

ہم اپنی طرف سے اس پر کچھ لکھنے کے لیے تیار نہ تھے۔اور حضرت امیر ایّدہ اللہ کی آخری چٹھی کا جواب میاں صاحب کے قلم سے سننا چاہتے تھے۔ جو (23 دسمبر 1918ء) تک موصول نہیں ہوا۔لیکن الفضل نے پہلی چٹھی کا جواب میاں صاحب کی طرف سے شائع کرنے کے ساتھ خود اپنی طرف سے بھی ایک طویل افتتاحیہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے ''سالانہ جلسہ کا التوا اور مولوی محمد علی ایم۔اے کی چالبازی۔'' ہمیں افسوس ہے کہ ان لوگوں کے اخلاق اس درجہ گر چکے ہیں کہ اپنی تحریرات میں مخاطب کی عزت کا انہیں ذرا بھی پاس نہیں ہوتا۔دوسروں پر کیا افسوس کریں، خود میاں صاحب نے اپنے جواب میں حضرت امیر ایّدہ اللہ کی دعوت کو ''چالاکی'' اور آپ کے خیالات کو ''زہر'' قرار دے کر یہ ثابت کر دیا کہ یہ سب آنجناب کا پھیلایا ہوا زہر ہے۔جو مریدین کی اخلاقی زندگی کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔لیکن اس سے قطع نظر کہ حضرت امیر ایّدہ اللہ کی شرافت اور بلند اخلاقی ایسی تمام باتوں کو ''لِلّٰہ معاف'' فرمانے پر تلی ہوئی ہے۔اس گھبراہٹ اور اضطراب کو ہم دکھانا چاہتے ہیں جو ''الفضل'' کو حضرت امیر ایّدہ اللہ کی چٹھی پر خلافت مآب کے زیر اثر دامن گیر ہوا ہے۔ان لایعنی وجوہات کا تذکرہ کرنے کے بعد، جن کو وہ جلسہ سالانہ کے التوا کا موجب قرار دیتے ہیں، آخر میں کس پریشانی اور گھبراہٹ کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ:

> ''ہرگز ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اس قسم کا کوئی اعلان شائع ہو۔جو مولوی محمد علی صاحب نے تجویز کیا ہے اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ ہماری جماعت میں سے کوئی شخص غیر مبائعین کے جلسہ پر جائے۔''

کیوں نہ جائے اور کس لیے یہ مناسب نہیں۔الفضل کو تو شرمندگی چھپانے کے لیے یہ بہانہ بعد میں حاشیہ پر تجویز کرنا پڑا کہ ''اس کا نتیجہ اپنے جلسہ پر آنے کے لیے روک پیدا کرنا ہے۔'' لیکن صاف ظاہر ہے کہ اصل وجہ یہ نہیں۔کیونکہ جس طرح سے حضرت امیر ایّدہ اللہ لاہور میں میاں صاحب کو ان کے مریدین سمیت

دعوت دیتے ہیں، ویسے ہی ایسٹر میں قادیان کے جلسہ پر خود بھی اسی تبادلہ خیالات کے لیے جانا چاہتے ہیں۔ تو پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ وہاں لوگوں کے آنے میں روک پیدا کرنا چاہتے ہوں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ آپ کے پاک خیالات اور ادلہ قاطعہ میاں صاحب کے باطل عقائد کے لیے ایک ''زہر'' کا حکم رکھتے ہیں۔ اسی لیے ان کو ڈر ہے کہ مبادا ان کے مریدین کے لاہور آنے پر ان غلط عقائد کو ہمیشہ کے لیے قبر میں دفن نہ کر دینا پڑے۔ اسی لیے ''کوئی نہ جائے'' ''کوئی نہ جائے'' کی چیخ و پکار سے نہ صرف اس سال بلکہ ہمیشہ ہی ان لوگوں کو اپنی کمزوری کا علانیہ اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ جس کو اپنے حق پر ہونے کا یقین ہو، وہ ایسے کوتاہ ہتھیاروں سے کام نہیں رکھتا۔ ایک طرف حضرت امیر ایدہ اللہ کی اس جرات اور فراخ حوصلگی کو دیکھئے کہ خود اپنے جلسہ میں میاں صاحب کو اپنے برابر حقوقِ تقریر دیتے ہیں۔ جو آپ کے حق پر ہونے کا ایک کھلا نشان ہے۔ اور دوسری طرف ان لوگوں کی کمزوری کا اندازہ لگائیے کہ تبادلہ خیالات تو ایک طرف، حق بات کے سننے تک کی تاب نہیں لا سکتے اور لوگوں کو اس سے روکتے ہیں۔ جو باطل کا علانیہ ثبوت ہے۔

لیکن انہیں یاد رکھنا چاہئیے کہ اس سے پہلے بھی ایسی ایسی کوششیں حق کے بالمقابل اہل باطل کی طرف سے وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین نے بھی **لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِيۡهِ** (26:41) کہا۔ لیکن اس کا آخری نتیجہ وہی ہوا جو ایسا کہنے والوں کے لیے موت اور زہر ہلاہل کا موجب تھا۔ پھر مسیح موعود کے مخالفین کی اسی قسم کی کوششیں ہماری چشم دید ہیں لیکن نتیجہ میں آپ کو جو کامیابی نصیب ہوئی ظاہر ہے۔ آج انہی لوگوں کا منصب انہوں نے سنبھالا ہے اور وہی ''کوئی نہ جائے'' کی آواز پھر ہمیں سنائی دی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اہلِ حق کی کامیابی ایک اٹل بات ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

❁❁❁

25دسمبر1918ء

دعوتی چٹھی کا جواب

کسی گذشتہ اشاعت میں حضرت امیر ایدہ اللہ کی وہ چٹھی درج کی گئی تھی جس میں آپ نے میاں صاحب کو جلسہ سالانہ میں بمعہ مریدین آنے اور اپنی اور دیگر احباب کی تقاریر پر اعتراض کرنے کی دعوت دی تھی۔ اور یہی کام ان کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر جانا اپنے ذمہ لیا تھا۔میاں صاحب کی طرف سے اس کا جواب کل 19 دسمبر 1918ء کو موصول ہوا۔جس کا اسی وقت جواب الجواب لکھ کر انہیں بھیج دیا گیا۔

میاں صاحب کے جواب اور حضرت امیر ایدہ اللہ کے جواب الجواب کی نقل بجنسہٖ حسب ذیل ہے:

☆☆☆

حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے مولوی محمد علی صاحب کی چٹھی کا جواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرمی مولوی صاحب! السلام علیکم۔

آپ کا ایک مطبوعہ اعلان، جس میں آپ نے مجھے اور میرے مبائعین کو لاہور آنے کی دعوت دی ہے، مجھے ملا۔ مجھے تعجب ہے کہ جہاں آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس سال ہم نے جلسہ مارچ تک ملتوی کر دیا ہے، وہاں آپ کو اس کے ساتھ ہی یہ معلوم نہ ہوا کہ جلسہ کے التوا کی وجوہ کیا ہیں۔ کیونکہ اگر آپ ان وجوہ کو مدنظر رکھتے اور حق جوئی آپ کے مدنظر ہوتی تو کبھی ایسا اعلان شائع نہ کرتے، جیسا کہ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔جلسہ کے اس سال ملتوی کرنے کی یہ وجہ ہے کہ:

1۔ ابھی ملک میں ایک سخت وبا پڑ چکی ہے۔ بلکہ بعض حصصِ ملک میں ابھی تک پڑی ہوئی ہے۔پس خطرہ ہے کہ بیماری سے تازہ اٹھے ہوئے لوگ سفر کی تکلیف نہ برداشت کر سکیں یا اجتماع سے پھر کسی قسم کی تکلیف ہو جائے۔

2۔ قحط سالی کے اخراجات، جن کے ساتھ بیماری کے اخراجات مل گئے ہیں۔ پس ضروری سمجھا گیا کہ جب تک ایک عرصہ نہ گذر جائے کہ لوگ اپنی صحت میں ترقی کر لیں۔ اور جو بار خرچ ان پر پڑ چکا ہے وہ ہلکا ہو جائے، اس وقت تک جلسہ نہ کیا جائے۔

اب ان وجوہ کے اعلان کے باوجود آپ کا یہ لکھنا، کہ اس موقعہ پر مبائعین اور میں یا میرا قائم مقام لاہور آئیں، اگر ایک چالاکی نہیں تو اور کیا ہے! آپ بڑی مہربانی سے کھانے کے متعلق تو دعوت دیتے ہیں۔ مگر دوسری مفرّ توں اور اخراجات کا کون ذمہ دار ہوگا؟ پھر اس قحط سالی میں دو دفعہ اخراجات غربا کس طرح برداشت کریں گے۔ اگر لاہور آئیں تو دوبارہ قادیان آنا مشکل ہوگا۔ علاوہ ازیں احقاق حق کا یہ کونسا طریق ہے کہ ایک جلسہ میں تو آپ اپنی تقریر کریں اور اس کے تین ماہ کے بعد ہم اس کے زہر کا ازالہ کریں۔ گو آپ نے اپنے جلسہ میں ہم کو اعتراض کرنے کا موقعہ دینے کا ذکر کیا ہے، لیکن ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اول تو اعتراض کرنے والے کے لیے وقت بہت کم ہوا کرتا ہے۔ علاوہ ازیں آخری تقریر مدعی کی ہوتی ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ صرف اعتراض کرنے سے پوری طرح کسی زہر کا ازالہ نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی اس سے سامعین کی پوری پوری تشفی اور تسلی ہوا کرتی ہے، جب تک معترض علاوہ متکلم کے دلائل کو توڑنے کے اپنے معتقدات کو مفصل طور پر معہ دلائل نہ بیان کرے۔ لیکن اس کے لیے تین ماہ بعد کا وقت مقرر کرتے ہیں۔ کیا آج تک کسی راستباز نے اس تجویز کو منظور کیا ہے۔ پس اگر آپ میں کچھ بھی صداقت کا پاس ہے تو اس قسم کی چالاکیوں کو ترک کر کے ایک مجلس مناظرہ کا فیصلہ کریں۔ جس میں اصل اختلافی مسائل پر برابر حقوق کے ساتھ گفتگو ہو جائے اور ایسے مقام پر ہو کہ ہم دونوں کے لیے برابر ہو۔ اس میں ہمارے آدمی بھی شامل ہوں اور آپ کے بھی۔ اگر یہ بات آپ کو منظور ہو تو اپنے کسی معتبر کو اس کام کے لیے مقرر کر کے مجھے اطلاع دیں، جو فیصلہ شرائط میں آپ کا قائم مقام ہو۔ میری طرف سے مولوی فضل الدین صاحب پلیڈر رہوں گے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

قادیان

18 دسمبر 1918ء

جواب الجواب جو حضرت امیر ایّدہ اللہ نے اسی وقت لکھ کر بھیجا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرم معظم میاں صاحب۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

میرے 6 دسمبر کے خط کا، جس میں آپ کو شمولیت جلسہ کے لیے دعوت دی تھی، جواب 18 دسمبر کا لکھا ہوا آج ملا۔ آپ جس دعوت کو قبول کرنے سے اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ:

☆ بعض لوگ بیماری سے اٹھے ہوئے سفر کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔

☆ قحط سالی کے اخراجات بعض لوگوں کو دوبارہ سفر کی اجازت نہ دیں گے۔ اس کے علاوہ جو آپ نے اسے میری چالاکی قرار دیا ہے اور میرے خیالات کو زہر قرار دیا ہے، وہ میں آپ کو لِلّٰہِ معاف کرتا ہوں اور اسی دعوت کو دہراتا ہوں۔ بیشک وہ لوگ نہ آئیں، جو تازہ بیماری سے اٹھے ہوئے ہونے کی وجہ سے سفر کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔ اور نہ وہ لوگ جو بوجہ تنگدستی دوبارہ سفر کے اخراجات کی برداشت نہیں کر سکتے۔ میں نے پہلے بھی یہ نہ لکھا تھا کہ سب لوگ آئیں۔ جو آ سکتے ہیں، آئیں۔ رہا یہ شبہہ کہ مجمع سے پھر بیماری پیدا ہو جائے گی۔ یہاں لاہور میں آریہ سماج کا جلسہ خوب دھوم دھام سے ہوا، کوئی بیماری عود نہیں کر آئی۔ جن علاقوں میں ابھی تک بیماری ہو، ان لوگوں کو آپ مستثنٰی کر دیں۔

اگر آپ خود تشریف لائیں (اور میں یقین رکھتا ہوں کہ لاہور آنے سے تبدیل آب و ہوا سے آپ کی صحت کو بھی فائدہ ہوگا۔ آخر دوسری جگہ بھی تو آپ ابھی ہو آئے ہیں) تو مجھے یہ بھی منظور ہے کہ پہلے دن میری تقریر ہو، ڈیڑھ گھنٹہ۔ آپ اسی تقریر پر آدھ گھنٹہ کے لیے اعتراض کریں۔ میرا جواب آدھ گھنٹہ ہو، پھر آپ آدھ گھنٹہ تقریر کریں، پھر میرا جواب آدھ گھنٹہ ہو اور دوسرے دن آپ ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کریں اور میں آدھ گھنٹہ اعتراض کروں۔ پھر آپ آدھ گھنٹہ جواب دیں، پھر آدھ گھنٹہ میرے اعتراض کے لیے ہو اور پھر آپ کا جواب جواب الجواب آدھ گھنٹہ ہو۔

اس صورت میں زہر کا ازالہ بھی آپ فوراً کر سکیں گے اور چالاکی بھی کوئی نہ رہی۔ اس کے بالمقابل یہی معاملہ میرے ساتھ آپ کے جلسہ سالانہ پر ہو۔ یعنی پہلے دن قادیان کے مجمع میں ڈیڑھ گھنٹہ آپ کی تقریر ہو۔ میرا اعتراض آپ کا جواب، پھر اعتراض پھر جواب الجواب آدھ گھنٹہ ہو۔

میری غرض صرف دوستانہ گفتگو سے ہے۔ فریقین ایک دوسرے کا ادب ملحوظ رکھ کر گفتگو کریں۔ اس کے بعد مناظرہ کی آپ کی دعوت کو بھی میں قبول کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ جلسہ عام ہو اور مناظرہ تحریری ہو۔ اور شرائط اگر آپ مولوی فضل الدین صاحب کے سپرد کریں گے تو ان کا وہی حشر ہوگا جو پہلے ایک دفعہ ہو چکا ہے۔

والسلام

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

19 دسمبر 1918ء

پیغام صلح: حضرت امیر ایدہ اللہ کو میاں صاحب کی طرف سے اس آخری چٹھی کے جواب کا انتظار ہے۔ دیکھئے وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔

❁❁❁

یکم جنوری1919ء

اسلام کی کامیابی کیونکر مقدر ہے؟

برادران اسلام سے ایک درخواست

حضرت امیر مولیٰنا محمد علی ایم۔اے کے قلم سے

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ (16:57)

ترجمہ: کیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے یہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے نرم ہو جائیں اور اس کے (لیے) جو حق سے اترا ہے۔

برادرانِ اسلام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

ایک درد دِل کا پیغام آپ کی خدمت میں پہنچاتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دلوں کو اس کے لیے کھول دے۔اسلام پر مصائب کی انتہا ہوگئی، بہتوں کی نظر اسلام کی ملکی طاقت کے جاتے رہنے پر ہے، اس کی بادشاہتوں کی بربادی میں وہ اسلام کی تباہی کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہیں۔عیسائی پادری کھلے طور پر یہ لکھتے ہیں کہ اسلام اب تباہ ہو جائے گا۔کیونکہ اس کی طاقت کا موجب اس کا ملکی اقتدار تھا، وہ جاتا رہا۔واقعات عالم کو دیکھ کر کچھ دوستوں کے دل بھی بیٹھے جاتے ہیں۔مگر علیم وحکیم خدا نے اسلام کی کمزوری کے وقت یہ سنا دیا تھا ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ (33:9) یعنی خدا وہ ہے جس نے اپنا رسولؐ ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے سارے دینوں پر غالب کرے۔

خدا کا وعدہ اسلام کی بڑی بڑی مصائب میں سچا ہوا۔خود بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ایسے مواقع آئے کہ دشمنانِ اسلام نے سمجھا کہ اسلام اب گیا۔کبھی عین میدانِ جنگ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے مارا جانے کی خبر اڑتی ہے۔مگر ایمان ان لوگوں کا تھا کہ اس خبر کو سن کر بول اٹھے اِنْ کَانَ مُحَمَّدٌ قَدْقُتِلَ فَرَبُّ مُحَمَّدٍ لَمْ یُقْتَلُ یعنی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے تو رب محمد قتل نہیں ہوا۔کبھی چوبیس ہزار کالشکر جرّار مٹھی بھر مسلمانوں کو محصور کر لیتا ہے اور کمزور دلوں میں وعدہ الٰہی کی صداقت پر شبہات پیدا ہوتے ہیں، تو سچے مومن بجائے گھبرانے کے پکار اٹھتے ہیں ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُه' وَصدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه' وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْماً. (22:33)یعنی یہ وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا(کہ اسلام پر بڑی بڑی سختی کے وقت آئیں گے)اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا کہ(اسلام آخر کار کامیاب اور غالب ہو گا)۔اور تھوڑے ہی دنوں میں اسلام کی بادشاہت دور دراز ملکوں میں قائم ہو جاتی ہے۔

کبھی ایک دوسرا نقشہ نظر آتا ہے کہ اسلام کی سلطنت غیر مسلموں (تاتاریوں) کے ہاتھ سے تباہ ہو کر جب اسلام شکست خوردہ نظر آتا ہے۔تو خود فاتح قوم ہی اسلام کی زبردست آسمانی سلطنت کے سامنے سر جھکا دیتی ہے اور یوں شکست ہی اسلام کی فتح کا موجب ہو جاتی ہے۔غرض اگر کبھی خدا کا زبردست ہاتھ اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے لیے اسلام کے غریب نام لیواؤں کو ملکوں کا فاتح اور بادشاہ بنا دیتا ہے، تو وہی زبردست ہاتھ دوسرے وقت میں زبردست فاتحین اور بادشاہوں کو اسلام کی غلامی میں لا کھڑا کرتا ہے۔

پس اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اسلام کا ملکی اقتدار جاتا رہا، تو اس میں اسلام کی مغلوبیت کی کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ کسی فتح کا پیش خیمہ ہے۔اور یہ ملکی اقتدار کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی مذہب کی ترقی وتنزل کا حقیقی مدار ہو۔ بلکہ یہ خود ایک تبدیل ہوتے رہنے والی چیز ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر قوم کا اپنی قسمت اور اپنے نظم ونسق کا آپ مالک ہوتے جانا ایک ایسا امر ہے، جس کی طرف کل دنیا میں ایک حرکت پیدا ہو رہی ہے۔ مذہب کے اصول ہمیشہ کے لیے قائم ہیں۔ بدلنے والی چیزیں ان پر اپنا اثر ڈال لیں، مگر ان اصولوں کو برباد نہیں کر سکتیں۔

اسلام کی آخری کامیابی

دنیا کے کل مذاہب پر غالب آنے کی خوش خبری، جو ہم کو ہمارے مولیٰ نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر دی اور جس کا ظہور ان تیرہ سو سال میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے، اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو آج اس کے کھلے

آثار بھی ہم کو نظر آتے ہیں۔ بلکہ خود یہ جنگ، جس میں چار ساڑھے چار سال کے عرصہ میں لاکھوں کی تعداد میں اس قدر تندرست اور توانا انسان خاک کے نیچے جا سوئے، اگر کوئی دیرپا خوشخبری ہم کو دیتی ہے، تو وہ اصول اسلامی کی کامیابی ہے۔

آج تک عیسائی مذہب کو یہ فخر رہا کہ انجیل کی اخلاقی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے اور قرآن اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ انجیل کہتی ہے کہ دشمنوں سے پیار اور محبت کرو۔ مگر قرآن دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کا بھی حکم دیتا ہے۔ ساری دنیا کو ایک جنگ میں شامل کر کے خدا نے اپنے طاقتور ہاتھ سے یہ بتا دیا کہ انجیل کی تعلیم ناقص تھی۔

جنگ ضروریاتِ انسانی میں سے ہے اور ظلم و تعدّی کو روکنے کے لیے جنگ کرنا، نتیجہ خواہ فتح ہو یا شکست، اخلاقِ انسانی میں ایک نہایت اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ اب جنگ کے بعد صلح سے جو فیصلہ قوموں کی قسمت کا ہو، وہ کب تک قائم رہے، یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ انسان آج ایک چیز بناتا ہے، کل کو اسے خود معلوم ہوتا ہے کہ اس نے غلطی کی۔ آج ایک کے ساتھ دوستی گانٹھتا ہے، کل کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کا دشمن تھا۔ یہ چیزیں جلد جلد تغیر پذیر ہیں۔ صلح کا اگر کوئی مستقل اور دیرپا اثر نوع انسانی پر رہ سکتا ہے تو وہ اصولِ جمہوریت، اصولِ شوریٰ اور اصولِ مساوات نسل انسانی کی فتح ہے۔ کیونکہ یہ فتح دلوں پر ہے۔

مگر کیا یہ سچ نہیں کہ یہ اصول بحیثیت ایک مذہب کے اسلام نے ہی سکھائے۔ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ (38:42) حکومت مشورہ کا نام ہے۔ سوائے اسلام کے کس مذہب نے سکھایا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ (110:18) جب سید الکونین فخر نسل انسانی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے انسان کے منہ سے یہ کہلوایا جائے کہ میں بھی تمہارے جیسا ہی بشر ہوں۔ حالانکہ بشر اس آفتاب کے سامنے خاک کے ذرات کی طرح ہیں، تو جمہوریت کی وہ بنیاد رکھ دی گئی، جس کو کوئی جابرانہ حکومت دنیا سے ہمیشہ کے لیے نیست و نابود نہیں کرسکی۔ گو ایک وقت اس کے اوپر تاریکی کا پردہ پڑ جائے۔ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَاللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ (13:49) میں بتا دیا کہ چھوٹے سے چھوٹا انسان بڑے سے بڑے مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے۔ عرب، عجم، گورے، کالے، آزاد، غلام، ان امتیازات کو ایسا مٹایا کہ جس قوم کے لیے حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ فخر ہیں، اس میں ایک حبشی غلام بلالؓ کی عزت کسی طرح کم نہیں!

غرض جو کچھ قوموں کی قسمت کا فیصلہ اس جنگ کے نتیجہ میں ہوگا، وہ ایک عارضی اور تبدیل ہوتے رہنے والی چیز ہے۔ مگر جو فتح اصولِ جمہوریت، اصولِ مساوات نسلِ انسانی اور اصولِ شوریٰ کو عطا ہوئی ہے۔ یا یوں کہو کہ جو عظیم الشان فتح اصول اسلامی کو ہوئی وہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ غرض اصول اسلامی کی کامیابی کا نظارہ نگاہِ دوربین اس وقت دیکھ سکتی ہے۔

اصولِ مذہب میں مسئلہ توحید کو جو غلبہ بت پرستی اور تثلیث وغیرہ غلط عقائد پر حاصل ہو رہا ہے۔ نیکی بدی کی جزا وسزا کا جو مسئلہ اسلام نے سکھایا تھا وہ آج کفارہ اور دوسرے غلط عقائد کی بیخکنی کرتا جا رہا ہے۔ اصول سیاست میں جمہوریت جو فتح حاصل کرتی جا رہی ہے، اصولِ تمدن میں جو آج زکوٰۃ اور مسئلہ وراثت میں سوشلزم کی مشکلات کے حل کا موجود ہے، اصولِ معاشرت میں جو ضروریاتِ انسانی قوموں کو اسلامی اصول کی طرف آنے کے لیے مجبور کر رہی ہیں، یہ سب کھلی علامات اس بات کی ہیں کہ آخری غلبہ دنیا میں اسلام کے لیے مقدّر ہے۔ مگر مصائب کا اس قدر ہجوم ہے کہ اکثر دلوں میں بجائے اس مضبوط ایمان کے کہ اسلام غالب ہوگا، ایک کمزوری پیدا ہوگئی ہے۔

یاد رکھو کہ اسلام کے غلبہ پر ایمان ہی ہماری کوششوں میں جان ڈال سکتا ہے اور ان کو بار آور کر سکتا ہے۔ یہی ایمان صحابہؓ کے دلوں میں تھا، جس نے ان سے اسلام کے لیے جان نثاری کے ناممکن کام کرا دیئے۔ اور اسی ایمان کے اس زمانہ میں دوبارہ پیدا ہونے کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ہی کامیابی کی حقیقی راہ پر قدم مارنا ضروری ہے۔

یہی وہ دو باتیں ہیں جن کی طرف اس صدی کے مجدد و مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے۔ جب چاروں طرف اسلام پر مصائب کے گھٹا ٹوپ بادل چھائے ہوئے تھے، جب کوئی انسان واقعاتِ عالم پر غور کر کے اپنے قیاس سے اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتا تھا کہ دنیا میں آخری کامیابی اسلام کے لیے مقدر ہے۔ بلکہ اسلام کی حالت دن بدن تنزل کی طرف جاتی نظر آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری اسی انسان کے ذریعہ سے ہم تک پہنچائی کہ:

''بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدؐیاں بر منار بلند تر محکم افتاد''

یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کی سلطنتیں یکے بعد دیگرے گرتی چلی جاتی تھیں۔ جب مسلمانوں کا اخلاقی تنزل حد درجہ کو پہنچ گیا تھا، جب قوم کو گرتی ہوئی سلطنتوں کی خطرناک آوازیں بھی خواب غفلت سے بیدار نہ کرتی تھیں، جب مسلمان سب کے سب ایک مایوسی کی حالت میں تھے، جب غیر مذاہب کے حملوں سے اور غیر مذاہب کی جدوجہد سے، اسلام میں لوگوں کے داخل ہونے کی بجائے اسلام سے لوگ نکل رہے تھے اور مسلمان دوسرے مذاہب کی تردید ایک طرف رہی، اپنے مذہب کو غیروں کے حملوں سے بچانے کی طاقت بھی اپنے اندر نہ سمجھتے تھے۔

ان حالات میں یہ روشنی کی چمک ایک قلب روشن پر خدا کی طرف سے پڑی اور یہ زندگی بخش پیغام خدا کی طرف سے ایک دل زندہ کو ملا کہ یہ سب ظلمتیں پاش پاش ہو جائیں گی اور انہی بادلوں کے نیچے سے اسلام کا منور آفتاب نمودار ہو کر ساری دنیا میں اپنی روشنی پھیلائے گا۔ یہاں تک کہ وہ مغرب بھی، جس نے اس آفتاب کی روشنی کو آج تک قبول نہیں کیا، اس کی تیز شعاعوں سے بچ نہ سکے گا اور یوں اسلام کی صداقت کا آفتاب مغرب سے نمودار ہو گا۔

پس پہلی وہ بات، جو اس شخص کو اس زمانہ میں مسلمانوں کی امیدوں کا مرجع بناتی ہے، وہ یہی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی بشارت دینے والی آواز اس زمانہ میں سب سے پہلے اسی کے دل پر ڈالی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا دل اسلام کی آئندہ کامیابی پر ایمان سے لبریز تھا اور یہی ایمان اس نے اپنے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں میں بھی پیدا کر دیا۔

برادران اسلام! میں سچ کہتا ہوں کہ یہ ایمان جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ایک قوم کی قوم کے اندر پیدا کر دیا ہے، اسی کی سب سے پہلے ضرورت ہے۔ جب تک دل خاموش ہیں، جب تک ان کے اندر سے وہی آواز نہیں اٹھتی جو تمام اسبابِ شکست کے پیدا ہو جانے پر صحابہؓ کے دلوں سے اٹھتی تھی وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُه وَصدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه (22:33)، جب تک ان کے دلوں میں وہ محبت پیدا نہیں ہوتی جو حد درجہ کے زخم رسیدہ ہونے پر اس پاک گروہ کے دلوں میں موجود تھی اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْجَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ

الُوَکِیۡلُ. (173:3) اس وقت تک کامیابی کا منہ وہ نہیں دیکھ سکتے۔

اسی آواز کو اسلام کے ایک خادم نے اس زمانہ میں زندہ کیا اور اس نے یہ بشارت دے کر اپنی طرف بلایا ہے۔ ہمارے کام کرنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں ایسے ندا دینے والے کی ضرورت تھی۔ وہ ندا خدا نے اپنے ایک مجدد کے ذریعہ سے دے دی ہے۔اب اس کو سن کر اس کی طرف آنا نہ آنا آپ لوگوں کا اختیار ہے۔

دوسری ضرورت جیسا کہ میں نے کہا، یہ تھی کہ اسلام کی حقیقی کامیابی کی راہ پر ہمارے قدم پڑیں۔ عام طور پر مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیالات جاگزیں تھے کہ اسلام کی آخری کامیابیاں اس مہدی و مسیح کے ذریعہ سے ہوں گی، جن کا غلبہ تلوار سے ہوگا۔مگر وہی شخص جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک بشارت کی آواز ہم تک پہنچائی ہے کہ اسلام ضرور سب دینوں پر غالب ہوگا۔اسی کے ذریعہ یہ بھی ہم کو بتایا کہ اسلام کی وہ آخری کامیابیاں تلوار کے ذریعہ سے مقدر نہیں بلکہ قلم کے ذریعہ سے اور دلائل و براہین سے مقدر ہیں۔

پادریوں نے اسلام کی پہلی کامیابیوں کو یہ کہہ کر مشتبہ کرنا چاہا کہ وہ اسلام کی کامیابی نہ تھی بلکہ تلوار کی کامیابی تھی۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں یہ دکھانا چاہا ہے کہ اسلام کے اصول کے اندر کامیابی کے بیج مخفی ہیں اور وہ اپنی کامیابی کے لیے کسی تلوار کا محتاج نہیں۔اس نے پہلے بھی بہتیرے تلوار چلانے والوں کو اپنا غلام بنایا ہے۔اب اس زمانہ میں، جو ایک علمی زمانہ ہے، وہ اسلام کو علوم کے ذریعہ سے کامیاب کر کے دکھلائے گا اور مسلمانوں کے فاتحین کو اسلام کی حلقہ بگوشی میں داخل کر کے یہ دکھادے گا کہ اسلام کا غلبہ فتوحاتِ ملکی سے نہ ہوا تھا۔ کیونکہ وہ اب بھی دلوں کو اسی طرح فتح کرتا جارہا ہے۔ بلکہ فتوحاتِ ملکی درحقیقت اصولِ اسلام کی صداقت کا نتیجہ تھیں۔جس طرح اب اصولِ اسلامی کی فتوحات ان کی صداقت کا نتیجہ ہے۔ ہاں! چونکہ وہ پہلا زمانہ ایک ایسا زمانہ تھا کہ اس وقت اگر اسلام کی بادشاہت قائم نہ ہوتی تو دینِ اسلام کے پھیلانے میں خطرناک رکاوٹیں تھیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے خود سلطنتِ اسلام کو قائم کر دیا اور اب جب اس نے ان رکاوٹوں کو ایک بڑی حد تک اپنے فضل سے یونہی دور کر دیا ہے،تو اب اسلام کے اقتدار ملکی کے کم ہو جانے سے اسلام کو کوئی حقیقی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

اگر واقعات عالم پر غور کیا جائے تو خود اس خیال کا بطلان نظر آتا ہے، جو ایک مدت تک غلطی سے

مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں رہا ہے کہ اسلام کا آخری غلبہ تلوار کے ذریعہ سے ہوگا۔گذشتہ سو سال میں جہاں جہاں مسلمانوں نے تلوار اٹھائی ہے،ان کے قدم پیچھے ہی ہٹے ہیں۔لیکن جہاں اسلام کی تبلیغ کے لیے تھوڑی سی بھی کوشش کی ہے،اس کا ثمرہ امید سے بڑھ کر پایا ہے۔اگر ایک طرف افریقہ میں اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم نے عیسائی دنیا کو حیران کیا ہے۔تو دوسری طرف خود یورپ میں ایک تھوڑی سی کوشش وہم وگمان سے بڑھ کر پھل لائی ہے۔اور یہ وہ حقیقت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے مجدد کو مطلع فرمایا اور پرانے خیالات کو اس کے ذریعہ سے دلوں سے نکال کر اسلام کی کامیابی کی صحیح راہ پر لگایا۔

پس ان برادران اسلام سے، جو اسلام کے لیے اپنے سینہ میں کچھ درد رکھتے ہیں، میری یہ درخواست ہے کہ وہ ان واقعات پر غور کریں اور ان اسباب کو، جو اسلام کی کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ پیدا کر رہا ہے، تحقیر کی نظر سے نہ دیکھیں۔مجدد ہر صدی کے سر پر آتے رہے۔اب جب کہ اسلام کے مصائب و بے کسی کی انتہا ہوگئی یہ ممکن نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس وعدہ کو پورا نہ کرتا۔وہ آواز آئی، جو بشارت اس نے ہمیں دی اس کے آثار بھی ہمیں نظر آتے ہیں۔پھر بھی اس کی طرف توجہ نہ کرنا حجتِ اسلام کے دعویٰ کے منافی ہے۔ایک عظیم الشان کام کرنے میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر رک جانا اور ان پر غالب آنے کی کوشش نہ کرنا حد درجہ کی بدقسمتی ہے۔آخر اس ندا دینے والے کے ساتھ ہو جانے سے کچھ بگڑتا تو نہیں، وہ اسلام سے الگ نہیں کرتا کوئی نیا مذہب نہیں لایا، قرآن وحدیث ہی اس کا مسلک ہے، وہ اسلام کی خدمت کے لیے بلاتا ہے اور اسی راہ پر لگاتا ہے، جس پر آج سب دل بھی شہادت دے اٹھے ہیں۔ یہ وہی کامیابی کی سچی راہ ہے، جس پر چل کر کامیابی کی جھلک بھی نظر آرہی ہے۔موہوم باتوں پر خوابِ غفلت میں پڑے رہنا اور ہاتھ پاؤں نہ ہلانا شیوۂ دانشمندی نہیں۔ برادران اسلام! لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (87:12) یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ کی رحمت سے کافر مایوس ہوا کرتے ہیں۔تھوڑی سی ہمت کرو، کچھ قدم آگے اُٹھاؤ، کچھ غور وفکر سے کام لو اور دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ ان کوششوں میں کیا برکات ڈالتا ہے۔حضرت مرزا صاحب نے جماعتِ اسلام میں ایک اور فرقہ بڑھانے کے لیے نہیں بنائی۔ بلکہ اس کے لیے کہ بغیر جماعت خدمتِ اسلام کا وہ عظیم الشان کام نہیں ہوسکتا تھا جو آپ کے سپرد کیا گیا تھا۔آؤ اور تجربہ کر کے بھی دیکھ لو کہ اس کے ساتھ ہونے میں اسلام کو کیا فائدہ پہنچ سکتا

ہے؟ بہر حال غور کرو، تحقیق کرو اور اس آواز کو تحقیر کی نظر سے نہ دیکھو۔ یہ ہماری بھلائی کے لیے ایک آواز ہے۔ اس کے گرد جمع ہو کر ہم خدمتِ اسلام کے ایک عظیم الشان کام میں لگ سکتے ہیں۔ اسلام کے مزدور بننا بڑے فخر کا مقام ہے۔ خواہ کام لینے والا کوئی ہو۔ پھر جب خدا تعالیٰ اپنی طرف سے ایک شخص کو کام لینے کے لیے کھڑا کر دے تو پھر انتظار کیا ہے؟

اسلام کے مزدور وہ لوگ ہے جن کے ناموں پر ہم آج فدا ہوتے ہیں۔ پھر اس پاک گروہ میں شامل ہونے سے گھبراہٹ کیوں ہے۔ کوئی عزت اس عزت سے بڑھ کر نہیں جو اسلام کی خدمت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ میں دردِ دل کے ساتھ اس آواز کی طرف اور ان واقعات کی طرف توجہ دلاتا ہوں، جو اس آواز کی صداقت پر شہادت دے رہے ہیں۔ یہ واقعات کی شہادت، اس کے صدق پر اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے۔ دنیا میں قومیں اپنے اپنے نصب العین کو ترقی دینے کی سرتوڑ کوششیں کر رہی ہیں۔ ہمارا نصب العین دینِ اسلام کا کل دینوں پر غلبہ ہونا چاہیئے۔ اور اسی کے لیے ہمیں سرتوڑ کوششوں میں لگ جانا چاہیئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اسلام کی محبت رکھنے والے میری اس آواز کو بے توجہی کی نگاہ سے نہ دیکھیں گے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ وَالسَّلَامُ

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

22 دسمبر 1918ء

8 جنوری 1919ء

اختلافی مسائل سلسلہ احمدیہ

تقریر حضرت امیر مولٰینا محمد علی صاحب ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی

بر موقعہ جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور مورخہ 25 دسمبر 1918ء

تشہد تعوذ کے بعد حضرت مولٰینا موصوف نے سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ:

سب سے پہلے میرا فرض ہے کہ میں اپنے احباب کو اس اجتماع پر اس ملاقات پر جس کا سال کے بعد موقعہ ملتا ہے اُن احباب کو جو آ گئے ہیں مبارکباد دوں کہ وہ تکلیف اٹھا کر ایک لمبی بیماری کے بعد جو بہت قسم کے صدمات بھی چھوڑ گئی ہے، خرچ اور سفر کو برداشت کر کے یہاں آئے۔ اور میں ان کو اس پر بھی مبارک باد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اپنی نصرت اور اپنی تائیدات کے ساتھ جماعت کو مضبوط کر دیا۔ آج پانچ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ ہم پر نظریں لگی ہوئی ہیں کہ کب ہلاک ہوتے ہیں۔ ہماری نسبت بددعائیں کی گئیں، ہلاکت کی پیشگوئیاں شائع ہوئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بچایا۔ کیوں؟ کیا ہم سے کوئی خدا کی رشتہ داری ہے؟ کوئی جنبہ داری اسے ہمارے ساتھ ہے؟ نہیں۔ بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے مسیح کی تعلیم کو زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ ورنہ جماعت کی وہ حالت ہو گئی تھی کہ آپ کی اصل تعلیم پر پردہ پڑ چکا تھا۔ جس طرح پہلے مسیحؑ کی تعلیم کو آج کوئی جانتا بھی نہیں اور سب طرف سے تثلیث ہی کی آواز آتی ہے۔ اسی طرح اس امتِ مسلمہ کے مسیح کی اصل تعلیم نابود ہو جاتی، اگر اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو اس کی حفاظت کے لیے کھڑا نہ کر دیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو بڑی ہی تائید و نصرت دی۔ کوشش سے یہ حاصل نہیں ہوئی۔ بلاشبہ چند لوگوں نے اس کام کو شروع کیا۔ جو یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ مخالفت بھی کس قدر سخت تھی۔ ہمارے خلاف نفرت پھیلانے اور لوگوں کو اکسانے کے لیے چاروں طرف آدمی بھیجے گئے اور ہر ایک قسم کی کوشش کی گئی۔

ان ساری مخالفتوں کے بعد جماعت کا یہ رنگ ہوتا ہے جو آج آپ کے سامنے ہے۔ گذشتہ سالوں میں

ہمارے جلسہ پر آنے والوں کی تعداد ستر ہی بتائی جاتی تھی۔لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کامیابی ونصرت عطا فرمائی، جس کا انہیں خیال بھی نہ تھا۔

یاد رفتگان

اس کے ساتھ ہی میرا یہ بھی فرض ہے کہ اظہار افسوس کروں اپنے ان جدا شدہ دوستوں کے اوپر، جو ہمارے دلوں پر صدمات چھوڑ گئے ہیں۔ایسے دوست بہت سے ہیں مگر خدمت دینی کے لحاظ سے بالخصوص قابل ذکر شیخ نور احمد صاحب بلال ہیں۔ جو ایک بڑے ہی نیک نمونہ تھے ہم سب کے لیے۔ پھٹے کپڑوں میں بھی اگر کوئی لعل مل جائے تو اس کی قدر کرنی چاہئیے ۔ پھر ہمارا نوجوان دوست بشیر، ہمارے خواجہ صاحب کا بیٹا، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے، بڑے ہی نیک ارادے اپنے دل میں رکھتا تھا۔ کاش! ہماری جماعت میں اس نمونہ کے لوگ ہوں اور وہ سمجھیں کہ دنیا کے ارادے اور خواہشات خدا کے دین کی راہ میں ان کے لیے موجب روک نہیں ہونے چاہئیں۔ میں اس افسوس کا اظہار کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ ہمارے خواجہ صاحب کوئی مضمون نہیں بھیج سکے۔ اس لیے کہ وہ کثرت کار کی وجہ سے بیمار ہیں۔ان کا ارادہ مضمون بھیجنے کا تھا لیکن بیماری کی وجہ سے بھیج نہیں سکے۔

ساتھ ہی اپنے ان احباب پر اظہار افسوس کرنے سے رک نہیں سکتا۔ جو اس سال بھی اپنے اس قومی اجتماع میں شامل نہیں ہوئے۔ انہوں نے سفر کی دو تین دن کی تکلیف اور تھوڑے سے خرچ کو بہت سمجھا۔ اور تھوڑے نقصان کے لیے بڑا فائدہ ہاتھ سے دے دیا۔ یہ اجتماع ہمارے لیے بڑی بڑی برکات کا موجب ہے۔ اس سے دلوں کے اندر جوش بڑھتا ہے۔ کام کرنے کی روح پیدا ہوتی ہے۔ اور بہت سے فائدے اس سے حاصل ہوتے ہیں۔

یہ جو کچھ اس وقت ہم دو فریق کے اندر اختلاف ہیں۔ان کے متعلق میں نے بہت لوگوں سے سنا ہے کہ اس قدر دونوں فریق کی تحریریں شائع ہوئی ہیں کہ ان سب کو پڑھنا اور کسی نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہے۔ممکن ہے کہ کچھ اس میں سچ بھی ہو۔لیکن عام طور پر یہ ایک بہانہ ہے اور یہ غلط ہے کہ کسی صحیح نتیجہ تک پہنچا نہیں جا سکتا۔اپنے دنیوی معاملات میں تو تھوڑے سے مال اور تھوڑی سی زمین کے لیے کتنی کتنی محنتیں کرتے اور کیا کیا باتیں پیدا کرتے

ہیں۔ وہاں تو اتنی باتیں اور دلائل پیدا ہو جاتے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔لیکن دین کی باتوں میں فیصلہ کرنے کے لیے دماغ پریشان ہوتا ہے، یہ غلط ہے۔ خدا کی باتوں سے دماغ پراگندہ نہیں ہوتا۔ یہ صرف ایک بہانہ ہے، جو بنایا جاتا ہے۔لیکن کیا واقعی مذہب کوئی ایسی مشکل چیز ہے کہ جب تک انباروں کے انبار کوئی کتابوں کے نہ پڑھ لے کسی مذہب کے حق پر ہونے کا فیصلہ نہیں کرسکتا؟ یہ کہا گیا ہے کہ جب تک اپنے مذہب کی ساری کتب و رسائل کو نہ پڑھ لے، دوسرے مذہب کی کسی کتاب کو دیکھنا منع ہے۔لیکن اس خطرناک اصول کا نتیجہ کیا ہے؟ یہ کہ مثلاً اگر ایک شخص تثلیث کے مذہب میں پیدا ہوا ہو تو اسے چاہیئے کہ پہلے تثلیث کے متعلق تمام پرانے اور نئے دلائل کو دیکھ لے۔ممکن ہے ان میں سے کوئی ایسی بات نکل آئے جو تثلیث کی صداقت پر شاہد ہو۔مگر یہ دنیا میں عملی رنگ میں نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ یوں کسی ایک مسئلہ کے حل کرنے کے لیے بھی انسان کی ساری عمر مکتفی نہیں۔ اصل یہ ہے کہ جہاں باریک بحثیں اور طویل تحریریں بھی ایک مسئلہ پر ہوسکتی ہیں، حق کی تائید میں بعض موٹے اور عام فہم دلائل ہوتے ہیں۔جن سے انسان آسانی سے ایک نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

اس ہمارے موجودہ اختلافات میں ایک موٹی دلیل ہے۔ حضرت مسیح موعود کی نبوت قائم کرنے کے لیے جو بنیادی پتھر میاں صاحب کو رکھنا پڑا ہے، وہ ہے 1901ء سے پہلے کی تحریروں کی منسوخی دربارہ انکار نبوت۔ اب میں تم سے ایک ایک کو قسم دیتا ہوں کہ وہ خدا کے لیے شہادت دے کہ کیا حضرت مسیح موعود کی زندگی میں بھی تمہیں یہ معلوم تھا کہ 1901ء سے پہلے کی تحریریں منسوخ ہو چکی ہیں۔ دیکھو! دین اور مذہب ہمدردی کا نام ہے۔ اور ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی بات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور بلاوجہ اس سے اعراض نہ کریں۔ اگر تم میں سے کوئی حضرت صاحب کی زندگی میں جانتا تھا کہ حضرت صاحب کی 1901ء سے پہلے کی تحریریں انکار نبوت والی منسوخ ہو چکی ہیں تو اس مجلس میں اٹھ کر کہہ دے۔ میں اسی پر فیصلہ کرنے کو تیار ہوں۔

یہ ایک نہایت موٹی بات ہے جسے امّی سے امّی آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر میاں صاحب جو مذہب پیش کرتے ہیں وہ سچ ہے، تو ضروری ہے کہ حضرت صاحب کی 1901ء سے پہلے کی تحریریں انکار نبوت بھی منسوخ ہیں۔ اور اگر وہ منسوخ نہیں ہیں تو ضروری ہے کہ ہر ایک احمدی کو اس کا علم ہو۔ پس اگر یہ علم کسی کو ہے تو وہ اس مجلس میں اس کو پیش کرے اور ہمارے ساتھ اسی پر فیصلہ کر لے۔ یہاں میاں چراغ دین صاحب بیٹھے ہیں۔ وہ

حضرت صاحب کے پُرانے مریدوں میں سے ہیں، وہ اٹھیں اور حلفیہ کہیں کہ انہیں حضرت صاحب کی زندگی میں یہ معلوم تھا کہ آپ کی 1901ء سے پہلے کی تحریرات منسوخ ہو چکی ہیں۔ لیکن میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ کوئی بھی ایسی شہادت نہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ نبوت کا دعویٰ بارہ سال تک حضرت صاحب کو سمجھ نہیں آیا۔ تو اس کی بنیاد بالکل ایک موہوم امر ہے۔

اس کے بالمقابل ایک فقرہ پیش کیا جاتا ہے براہین احمدیہ (حضرت صاحب کی ایک معروف تالیف۔ مرتب) کا۔ وہ فقرہ کیا ہے؟ وہ ایک ایسی بات ہے جس میں حضرت صاحب نے محض اپنا اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ مسیحؑ آسمان پر ہیں۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ فقرہ منسوخ ہے اور حضرت صاحب نے خود اس غلطی کا اپنی کتابوں میں بار بار اعتراف کیا ہے کہ میں نے ایک پرانے خیال کے ماتحت غلطی سے ایسا لکھ دیا۔ کیا اس وقت، جب حضرت صاحب کی بیعت میں تم داخل ہوئے تمہیں یہ معلوم نہ تھا کہ براہین احمدیہ کے یہ الفاظ قابل حجت نہیں ہیں۔ پس نبوت کے متعلق بھی حضرت صاحب کی زندگی میں کیوں تمہیں یہ معلوم نہ ہوا کہ 1901ء کے قبل کی تحریرات منسوخ ہیں؟ موٹی بات ہے۔ اگر موٹی بات پر فیصلہ کرنا ہو تو چلو اس پر فیصلہ ہو سکتا ہے۔ کوئی نکلے اور قسم کھا کر کہے کہ میں حضرت صاحب کی زندگی میں ان تحریرات کو منسوخ سمجھتا تھا۔

نبوت مسیح موعود کے متعلق حضرت مسیح موعود کی ابتدائی تحریرات

1۔ محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے

ہاں! البتہ اس مسئلہ پر بیشک بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس لیے یونہی اس کو ہم بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ کچھ مزید تشریحات میں ہم بھی چلتے ہیں اور اس کو ابتدا سے ہی لیتے ہیں۔ شروع میں حضرت صاحب نے کیا کہا؟ آنے والے مسیح کی نبوت کے مسئلہ کو کس طرح حل کیا؟ اس کے لیے ''توضیح مرام'' (تالیف حضرت صاحب صفحہ 9 ۔مرتب) کے یہ الفاظ میں پڑھ دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

> ''آنے والے مسیح کے لیے ہمارے سید و مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی۔ بلکہ صاف طور پر یہی لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہوگا اور عام مسلمانوں کی طرح شریعت فرقانی کا پابند ہو

گا۔ اور اس سے زیادہ کچھ بھی ظاہر نہیں کرے گا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کا امام ہوں۔ ماسوا اس کے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لیے محدث ہو کر آیا ہے۔ اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے۔''

''محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے'' بظاہر یہ بڑی خطرناک بات کہہ گئے ہیں۔ آگے دیکھتے ہیں:

''گو اس کے لیے نبوت تامہ نہیں مگر تاہم جزوی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔ امور غیبیہ اس پر ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اور رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطان سے منزہ کیا جاتا ہے۔ اور مغز شریعت اس پر کھولا جاتا ہے اور بعینہٖ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔''

''بعینہٖ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔'' میں ان لفظوں کو بالخصوص توجہ میں لانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ آج یہ مذہب بنایا جاتا ہے کہ سوائے نبی کے اور کوئی مامور نہیں ہوتا۔ چنانچہ میاں صاحب کے اپنے الفاظ ہیں کہ:

''میرے نزدیک مامور کے معنی نبی ہی کے ہیں۔'' (حقیقۃ الرؤیا صفحہ 100)

حضرت صاحب اس کے بالمقابل لکھتے ہیں کہ محدث بھی ''بعینہٖ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔'' پھر آگے فرماتے ہیں:

''اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں بآواز بلند ظاہر کرے اور اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے۔ اور نبوت کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں۔

اور اگر یہ عذر پیش ہو کہ باب نبوت مسدود ہے اور وحی جو انبیاء پر نازل ہوتی ہے، اس پر مہر لگ چکی ہے۔ میں کہتا ہوں نہ من کل الوجوہ باب نبوت مسدود ہوا ہے اور نہ ہر ایک طور سے وحی پر مہر لگائی ہے۔ بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس امت مرحومہ کے لیے ہمیشہ

دروازہ کھلا ہے۔مگر اس بات کو بحضور دل یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ نبوت جس کا ہمیشہ کے لیے سلسلہ جاری رہے گا نبوت تامہ نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں وہ صرف ایک جزئی نبوت ہے۔ جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کے اسم سے موسوم ہے۔''

اس پر اعتراض اور اس کا جواب

یہ تحریر حضرت صاحب کی بڑی بنائے اعتراض ہو سکتی تھی اور ہوئی۔اس میں کچھ اشتباہ ہوتا ہے کہ یہ کیا باتیں کہہ گئے ہیں؟ اس پر لوگوں میں زبانی باتیں ہوتی ہیں۔ابھی فتویٰ کفر نہیں لگا۔کیونکہ فتویٰ کفر، جہاں تک میری تحقیق ہے، ازالہ اوہام کی طبع کے بعد لگا ہے۔توضیح مرام کے بعد آپ ''ازالہ اوہام'' لکھتے ہیں۔اس میں اسی کے متعلق ایک سوال نقل کرتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں۔

''سوال: رسالہ فتح اسلام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

جواب: نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے۔جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے۔جس حالت میں رؤیا صالحہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔تو محدثیت جو قرآن شریف میں نبوت کے ساتھ اور رسالت کے ہم پہلو بیان کی گئی ہے۔جس کے لیے صحیح بخاری میں حدیث بھی موجود ہے۔اس کو اگر مجازی نبوت قرار دیا جائے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا جائے، تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آ گیا؟'' (ازالہ اوہام صفحہ 422-421)

میاں صاحب اور مخالفین کا خیال

کیا اس تحریر کی بنا پر کوئی مخالف یا موافق کہہ سکتا ہے کہ نبوت کا دعویٰ اس میں حضرت صاحب نے کیا ہے۔موافق بالکل نہیں کہہ سکتا۔ورنہ کیوں اس بکھیڑے میں پڑتے کہ یہ تمام ابتدائی تحریریں منسوخ ہیں۔جیسا کہ میاں صاحب لکھتے ہیں کہ:

''1901ء سے پہلے کے وہ حوالے، جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے، اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔'' (حقیقۃ النبوت صفحہ 121)

مخالف یوں نہیں کہہ سکتا کہ جس بات کا ایک شخص خود انکار کرتا ہے، تو کسی کا کیا حق ہے کہ خواہ مخواہ اس کی طرف وہ بات منسوب کرے۔ اور بھی بعض باتیں آئیں گی جن میں نبوت سے انکار کیا ہے۔ لیکن یہ منجملہ ان باتوں کے ہے، جن کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ بھی میاں صاحب کی کتاب سے ہی سناتے ہیں۔ لکھا ہے:

''خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مسیح موعود چونکہ ابتداً نبی کی تعریف یہ خیال فرماتے تھے کہ نبی وہ ہے جو نئی شریعت لائے۔ یا بعض حکم منسوخ کرے یا بلا واسطہ نبی ہو۔ اس لیے باوجود اس کے کہ وہ سب شرائط جو نبی کے لیے واقعہ میں ضروری ہیں، آپ میں پائی جاتی تھیں، آپ نبی کا نام اختیار کرنے سے انکار کرتے رہے۔ اور گو ان ساری باتوں کا دعویٰ کرتے رہے جن کے پائے جانے سے کوئی شخص نبی ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ آپ ان شرائط کو نبی کی شرائط نہیں خیال کرتے تھے۔ بلکہ محدث کی شرائط سمجھتے تھے، اس لیے اپنے آپ کو محدث کہتے رہے اور نہیں جانتے تھے کہ میں دعویٰ کی کیفیت تو وہ بیان کرتا ہوں، جو نبیوں کے سوائے اور کسی میں پائی نہیں جاتی اور نبی ہونے سے انکار کرتا ہوں۔'' (حقیقۃ النبوت صفحہ 124)

بڑی بات ہے جو میاں صاحب نے کہی ہے۔ میں اس کو ذرا پرکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن قبل اس کے کہ اس کو کسی محک پر لائیں، ایک اور بات میں کہتا ہوں۔ آج تک میرا خیال تھا کہ یہ میاں صاحب نے ہی سب سے پہلے لکھا ہے کہ حضرت صاحب محدث اور نبی کے معنی نہ جانتے تھے۔ اور محدث کی تعریف ایسی کرتے تھے جس سے مراد نبی تھا۔ لیکن خیال کل ہی بدل گیا۔ کل ایک کتاب مجھے ملی۔ یہ فتویٰ تکفیر ہے جو مولوی محمد حسین بٹالوی نے شائع کیا تھا۔ اس میں لکھا ہے ''ہر چند قادیانی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔''

مولوی اس بات سے بے خبر نہ تھے کہ مرزا صاحب نبوت سے انکار اور محدثیت کا اقرار کرتے ہیں۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اگر چہ قادیانی نے یہ بات کہہ دی ہے کہ جس نبوت کا اس کو دعویٰ ہے اور اس کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ اس کا دوسرا نام محدثیت ہے اور اسی محدثیت کے معنی سے نبوت کا وہ مدعی ہے۔ مگر ساتھ اس کے اس نے محدثیت کے معنی ایسے بیان کیے ہیں اور اس کی حقیقت کی ایسی تشریح کر دی ہے کہ اس سے بجز نبوت اور کچھ مراد نہیں ہوسکتا۔''

اب اس کا جواب مولوی صاحب کیا دیتے ہیں:

''صاف اور قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ کے نزدیک محدثیت کے وہی معنی اور اس کی وہی حقیقت ہے۔ جو نبی کے معنی اور حقیقت ہے۔ اور محدث اور نبی آپ کے نزدیک صدق وتحقق میں مساوی ہیں۔''

یہ مکفر اور سخت مخالفت اور یہ بیٹا (میاں محمود احمد۔ مرتب) دونوں انکار نبوت کی ایک ہی وجہ قرار دیتے ہیں۔ یہ جماعت کا رہبر اور وہ دشمن۔ کوئی عجیب بات نہیں۔ پہلے بھی ایسی ہی نظائر موجود ہیں۔ مسیحؑ ملعون ہوا، دشمن یہود کا عقیدہ۔ مسیحؑ ملعون ہوا، عیسائی متبعین کا عقیدہ۔ ایسا ہی میاں صاحب اور مخالف مولویوں کا حال ہے۔ مخالف کہہ دے گا کہ دھوکا دینے کے لیے ایسے الفاظ لکھے ہیں کہتے ہیں کہ محدث ہوں نبی نہیں۔ مگر محدث کے معنی ایسے کر جاتے ہیں جو نبی کی تعریف ہے۔ میاں صاحب کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو سمجھ نہ آتی تھی کہ محدث کسے کہتے ہیں۔ اور نبی کسے؟ اور محدث کے معنی ایسے کر دیتے تھے جو نبی کی تعریف ہے۔

تم وہی بات اپنے مذہب کی بنا قرار دیتے ہو جو مخالف کے نزدیک دھوکا دینے کے لیے چھپا رکھی ہے۔ دشمن کو سمجھ آ گیا کہ یہ مدعی نبوت ہے۔ لیکن خود مسیح کو سمجھ نہ آیا کہ واقعی میں نبی ہوں۔ عجیب نبی ہے، عجیب حکم ہے، عجیب مسیح موعود ہے کہ اس کو سمجھ ہی نہیں آتی کہ میرا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن مخالف کو پتہ لگ جاتا ہے۔

2۔ **مدعی رسالت قرآن شریف پر ایمان نہیں رکھتا:** لیکن دیکھئے کہاں تک چلتے ہیں اور ایسے دعویٰ کو کیا کچھ بناتے ہیں:

''کیا ایسا بد بخت مفتری، جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے۔ اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (40:33) کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔'' (حاشیہ انجام آتھم صفحہ 27)

میں اس پر آؤں گا اور بتاؤں گا کہ اس کا نام تردّد کھا گیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ احتیاط کا پہلو ہے۔ لیکن فی الحال اس احتیاط کے پہلو کو دیکھنا چاہئیے۔

3۔ غیر حقیقی نبی: فرماتے ہیں

''صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہئیے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کا استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔'' (حاشیہ انجام آتھم صفحہ 27)

''نقلی، بناوٹی اور جعلی'' یہ بھی ایک غیر حقیقی کے معنی قرار دیئے گئے ہیں۔ یہ القول الفصل میں میاں صاحب نے ایجاد کیے ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

''حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔''

آگے چاہئیے تھا ''نقلی، بناوٹی اور جعلی'' طور پر کیا ہے۔

4۔ استعارہ اور مجاز کے طور پر نبی

مگر نہیں۔ یہاں حقیقت کا مقابلہ کیا ہے استعارہ اور مجاز کے ساتھ۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

''یاد رکھنا چاہئیے کہ جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے بعض اوقات خدا تعالیٰ کے الہامات

میں ایسے الفاظ استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے بعض اولیا کی نسبت استعمال ہو جاتے ہیں۔اور وہ حقیقت پر محمول نہیں ہوتے۔'' (حاشیہ انجام آتھم صفحہ 28)

آگے فرماتے ہیں:

''سارا جھگڑا یہ ہے جس کو نادان متعصب اور طرف کھینچ کر لے گئے ہیں۔آنے والے مسیح موعود کا نام جو صحیح مسلم وغیرہ میں زبان مقدس حضرت نبوی سے نبی اللہ نکلا ہے۔وہ انہی مجازی معنوں کے رو سے ہے۔جو صوفیائے کرام کی کتابوں میں مسلم اور ایک معمولی محاورہ مکالمات الٰہیہ کا ہے۔ورنہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کیسا؟(حاشیہ انجام آتھم صفحہ 28)

تبدیلی عقیدہ کے متعلق میاں صاحب کا خیال

اچھا! بات کیا ہے۔آخر کیا واقعی میاں صاحب کے ہاتھ میں کوئی بات نہیں۔نہیں ان کے ہاتھ میں بھی کوئی بات ہے اس پر بھی غور کرنا چاہیئے۔وہ ہے حقیقۃ الوحی کا صفحہ 149-150،جس میں یہ لکھا ہے:

''اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے۔وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا۔تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔مگر بعد میں جو اللہ تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا ہے۔مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔''

اس پر حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''یاد رہے کہ بہت سے لوگ میرے دعویٰ میں نبی کا نام سن کر دھوکا کھاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ گویا میں نے اس نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو پہلے زمانوں میں براہ راست نبیوں کو ملی ہے۔لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔میرا ایسا دعویٰ نہیں ہے۔بلکہ خدا تعالیٰ کی

مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضہ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کے لیے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپؐ کے فیض کی برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا۔ اس لیے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔ اور میری نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظل ہے نہ کہ اصلی نبوت۔''

ان لفظوں کی بنیاد پر میاں صاحب نے کہا کہ کبھی اپنا دعویٰ حضرت صاحب نے بدل لیا تھا۔ اب میں اس بحث میں سر دست نہیں پڑتا کہ یہاں نبوت کا سوال نہیں بلکہ فضیلت کا ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت صاحب کا کوئی عقیدہ اگر بدلا تو وہ کب بدلا؟ میاں صاحب کہتے ہیں 1901 ء میں ایک اشتہار شائع کیا ''ایک غلطی کا ازالہ''۔ اس میں اس عقیدہ کی تبدیلی کا اعلان کیا ہے۔ اس سے پہلے انکار کیوں کرتے رہے کہ میں نبی نہیں۔ اس لیے کہ آپ کو نبی کے معنی معلوم نہ تھے۔

اس سے یہ تو آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ نہ صرف یہی کہ حضرت صاحب کو نبی کے معنی نہیں آتے تھے۔ بلکہ محدث کے معنی بھی آپ کو معلوم نہ تھے۔ خود ہی حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ تیرہ سو سال میں ہزاروں محدث ہوئے ہیں۔ اب یا تو وہ محدث بھی اس کے معنی نہیں سمجھتے تھے اور یا یہ عجیب نبی ہے کہ یہ بھی پتہ نہیں کہ محدث کون ہے؟ اور کہتے ہیں کہ ہزاروں محدث ہوئے۔ یا تو سارے محدث ناواقف تھے۔ اور یہ عجیب تماشا ہے کہ محدث پر محدث آتے جاتے تھے اور ان کو معنی محدث نہیں آتے تھے۔ اور اگر آتے تھے تو اور بھی عجیب بات ہے کہ ان سب کو باوجود محدث ہونے کے محدث کے معنی نہ آتے تھے۔ اور حضرت صاحب کو نبی اور ساری امت سے بڑھ کر ہونے کے باوجود محدث کے معنی نہیں آتے تھے۔ ورنہ اگر محدث کے معنی آتے ہوتے تو غلطی کبھی نہ کھاتے۔ لیکن یہ معنی کیوں نہیں آتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو تردد تھا۔ اس لیے احتیاطاً اپنے آپ کو محدث کہہ دیتے تھے۔

''ہاں صرف اس دعویٰ کے نام میں آپ احتیاط کرتے رہے ہیں۔ یعنی آیا اس کا نام نبوت رکھا جائے یا محدثیت۔''

یہ تو حضرت مرزا صاحب کی احتیاط ہے۔ لیکن اگر بارہ سال تک آپ نے محدث اور نبی کے معنی کو نہیں سمجھا۔ تو آگے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی 3 یا 6 سال تک اپنے دعویٰ کو نہیں سمجھے۔

مجھے اس پر ایک بات دل میں کھٹکتی ہے۔ یہ کیسا فرق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم 3 یا 6 سال تک نہیں سمجھے اور حضرت مسیح موعود بارہ سال تک نہیں دیکھ سکے۔ اگر تو دعویٰ نہ سمجھنا کوئی بڑا بلند مقام ہے۔تو حضرت مسیح موعود (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر رہے۔اور اگر بلند مقام نہیں تو یہ دونوں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود) تو سرتاج ہیں سب کے۔ باوجود اس کے ان میں بھی کچھ تھوڑا سا فرق ہے (معلوم ہوا کہ پوری بعثت ثانی نہیں۔ ورنہ یہ فرق نہ ہوتا) تو جب سرتاج ہی نہ سمجھے۔تو وہ نبی جن کے ساتھ صرف تین ہی آدمی ماننے والے ہوئے۔ یا وہ جو چھوٹی چھوٹی قوموں کی طرف معبوث ہوئے وہ تمام عمر ہی نہ سمجھے ہوں گے۔آخر جب یہ دو بڑے بڑے انبیاء تھے تو اپنے دعویٰ کو نہ سمجھنا یہ بھی کوئی سنت انبیاءؑ کی ہونی چاہئیے۔تو چونکہ مرزا صاحب دیگر انبیاؑء سے افضل ہیں۔تو دوسرے تو آپ سے کم درجہ کے ہیں۔ وہ تو شاید ڈیڑھ ڈیڑھ سو سال تک اپنے دعویٰ کو نہ سمجھ سکے ہوں۔ جب مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہونے کی وجہ سے بارہ سال تک نہیں سمجھے۔ وہ جو اور بھی کم درجہ پر ہیں ان کو اور بھی زیادہ عرصہ سمجھنے پر لگا ہوگا۔ بلکہ احتمال ہے کہ تمام عمر ہی انہیں سمجھ نہ آئی ہو!

ہاں! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اپنے دعویٰ کو نہیں سمجھے تھے! اس کے متعلق جو مضمون ابھی پڑھا گیا ہے حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب کا، وہ باوجود بڑھاپے کے جوانی کا مضمون ہے۔حضرت مولوی صاحب مرحوم (یعنی مولوی نور الدین صاحب) کے زمانہ میں جب لوگ کہتے تھے کہ یہ کیا بات ہے۔ حضرت مولوی صاحب کے دستخط خواجہ (کمال الدین) صاحب کی تحریر پر بھی ہیں اور میاں صاحب کی تحریر پر بھی۔ تو مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میاں صاحب کا جوانی کا جوش ہے، آہستہ آہستہ خود جاتا رہے گا۔ یہاں بھی اگر کسی کو مولانا سید محمد احسن صاحب کے مضمون میں ان کے کوئی الفاظ گراں معلوم ہوئے ہوں تو مولانا نور الدین صاحب کے الفاظ کی طرح ہی ان کو بھی سمجھ لے۔

میاں صاحب کا خیال کہ آنحضرتؐ تین یا چھ سال تک تردّد میں رہے

تو میاں صاحب سے میں نے پوچھا تھا کہ آیا دو واقعی اس بات کو آپ مانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دعویٰ کی سمجھ نہ آئی تھی اور اپنی وحی کے متعلق شک ہوا تھا کہ آیا شیطانی ہے یا رحمانی۔اس کے جواب

میں میاں صاحب لکھتے ہیں کہ:

''آپ کا یہ فرمانا کہ میرے اس عقیدہ کے نتیجہ میں مولوی عمرالدین صاحب شملوی اور بعض اور مبائعین کو بحث میں لکھنا پڑا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تین یا چھ سال تک شک رہا کہ آپ کی وحی شیطانی ہے یا رحمانی۔ میرے نزدیک ایک ایسا حملہ ہے جس کا ثبوت آپ کے پاس نہیں۔'' (حقیقت الامر صفحہ 11)

اس کا وقت نہیں کہ میں یہ ثبوت دوں کہ ان کے مریدین نے ایسا لکھا ہے۔ لیکن اس کتاب (مراۃ الحقیقت* بجواب حقیقت الامر) کے اندر میں نے اس کا ثبوت دیا ہے۔ بہرحال میاں صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں:

''مگر مولوی صاحب ایک بات کا تو آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ایک متواتر حدیث جو صحاح میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ بخاری کی حدیث ہمیں بتلاتی ہے کہ تین یا چھ سال تک اپنی وحی کے معنی کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد رہا ہے۔''

آگے لکھتے ہیں:

''میں اس شخص کو جھوٹا سمجھتا ہوں جو کہے آنحضرؐت کو اپنی وحی کی نسبت یہ شبہ تھا کہ شیطانی یا رحمانی ہے۔''

اگر کسی کے ذہن میں حقیقۃ الوحی کا کوئی حوالہ ہو۔ تو اس کے لیے میں سردست میاں صاحب کا یہ جواب کافی سمجھتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں:

* (حاشیہ) یہ کتاب جلسہ سالانہ ہی میں چھپ کر تیار ہوئی ہے۔ جس میں میاں صاحب کی ''حقیقت الامر'' کا ایک مسکت جواب حضرت امیر ایدہ اللہ نے دیا ہے کہ کوئی جائے دم زدن میاں صاحب کے لیے باقی نہیں رہی۔ تمام احباب کو منگوا کر پڑھنی چاہیئے۔ قیمت چار آنہ۔ مہتمم بک ڈپو۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور سے طلب کی جاسکتی ہے۔ مدیر

''اگر کوئی شخص میری جماعت میں سے ایسا خیال کرتا ہے۔تو میرے نزدیک وہ سخت غلطی کرتا ہے۔اوراس نے حقیقت نبوت کو سمجھا ہی نہیں۔''

آگے کہتے ہیں:

''مگراس بات میں کیا شک ہے کہ باوجود صریح وحی کے آپ گھبرا کر اپنی بیوی کے پاس گئے اور بعد میں ان کے مشورہ سے اس وحی کے مطلب کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے آپ ورقہ بن نوفل کے پاس گئے۔اگر آپ کو اس کے مطلب کے متعلق تردد نہ تھا۔تو آپ ورقہ کے پاس کیوں گئے اور پھر گھبرائے ہوئے کیوں تھے۔صاف ظاہر ہے کہ آپ حیران تھے کہ میں اس وحی کو ظاہری معنوں پر محمول کروں یا کچھ اور مطلب سمجھوں۔مگر ظاہر ہے کہ باوجود اس کے کہ ورقہ نے اس وحی کو ظاہری معنوں پر محمول کیا۔پر آپ نے اس کے متعلق احتیاط کا پہلو ہی اختیار کیا۔اور جب تک صریح اور متواتر وحی نے آپ کو مجبور نہ کیا آپ احتیاط سے ہی کام لیتے رہے۔''

آگے فرماتے ہیں:

''اورآپ اس واقعہ کا، جو زبردست اور صحاح احادیث سے ثابت ہے، کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔کیا کسی وحی کے معنی کرنے میں تردد کا نام آپ شیطانی اور رحمانی وحی قرار دینے میں تردّد رکھتے ہیں۔''

آنحضرتؐ نے بھی کیا مسیح موعود کی طرح دعویٰ نبوت کو باطل اور دروغ محض قرار دیا ہے؟

میرا اس پر پہلا سوال یہ ہے کہ مرزا صاحب کو بھی کچھ بات سمجھ نہیں آئی تھی اور وہ بقول میاں صاحب احتیاط کا پہلو اختیار کرتے رہے۔مرزا صاحب کا احتیاط کا پہلو یہ تھا کہ جب کوئی کہتا کہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ کہتے کہ:

یہ ''باطل اور دروغ محض ہے۔''

آیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی احتیاط کا پہلو یہی تھا کہ آپ کی طرف کسی نے دعویٰ نبوت منسوب کیا ہو۔آپ نے اس کو مفتری اور اس بات کو باطل اور دروغ محض قرار دیا ہو۔احتیاط کا پہلو ایک ہی ہونا چاہئیے ۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی احتیاط کا پہلو آیا وہی تھا جو مرزا صاحب کا تھا یا کوئی اور؟ آیا آپ بھی قسمیں کھا کھا کر اپنے دعویٰ نبوت سے انکار کرتے اور مدعی نبوت پر لعنتیں بھیجتے تھے۔جیسا کہ حضرت مرزا صاحب بھیجتے تھے۔

بخاری یا صحاح کی اس حدیث کا مطالبہ جس میں تین یا چھ سال تک تردّد کا بیان ہو

افسوس ہے کہ اس قدر غلط بیانیاں اس چھوٹے سے فقرہ میں کئی گئی ہیں ۔جو میاں صاحب نے کہا ہے کہ:

''ایک متواتر حدیث جو صحاح میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ بخاری کی حدیث ہمیں بتلاتی ہے کہ تین سال یا چھ سال تک اپنی وحی کے معنی کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تردّد رہا ہے۔''(حقیقت الامر صفحہ 12)

اور تین سال یا چھ سال بخاری یا صحاح کی کسی حدیث میں سے نکال کر دکھا دیں اور بتائیں کہ بخاری یا صحاح کی کس حدیث کے اندر تین یا چھ سال تک ''تردّد'' کا لفظ موجود ہے۔ورنہ ان لفظوں کے کیا معنی ہیں:

''مولوی صاحب! ایک بات کا تو آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ایک متواتر حدیث جو صحاح میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ بخاری کی حدیث ہمیں بتلاتی ہے کہ تین سال یا چھ سال تک اپنی وحی کے معنی کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد رہا ہے۔''

آخر یہ تین یا چھ سال تک اپنی وحی کے معنی کرنے میں تردد میں رہنا بخاری یا صحاح کی کس حدیث میں موجود ہے۔(اس پر مجمع سے ایک آواز آئی کہ فتح الباری منگوا دی جائے۔اس میں سے دکھانے کو تیار ہیں)

جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ:''جس فتح الباری کو آپ منگوائیں گے۔اگر اس میں تین یا چھ سال کا لفظ ہے تو حضرت ابن عباسؓ کی بھی یہ روایت ہے کہ صرف چند ہی ایام فترت رہی۔لیکن فتح الباری بخاری

کی شرح ہے نہ صحاح کی کوئی کتاب ہے۔ میاں صاحب نے یہ نہیں کہا کہ بخاری یا صحاح کی شرح میں لکھا کہ تین یا چھ سال تک تردد تھا۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ بخاری اور صحاح کی حدیث ہمیں بتلاتی ہے۔ اس لیے میرا مطالبہ بخاری یا صحاح کی اس حدیث کا ہے۔ مجھے بخاری یا صحاح کی کسی حدیث کے اندر تین یا چھ سال دکھا دو۔ ایک، اور دوسری یہ کہ وحی کے معنی کرنے میں تردد تین یا چھ سال تک رہا۔ یہ بھی کسی حدیث میں دکھا دو۔ پہلی وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (1:96) وحی کے معنی کرنے میں تردد یہ ہے کہ اس میں تردد ہو کہ اس آیت کے معنی یہ کروں یا وہ کروں۔

فترۃ کے معنی اور مدت

اب زمانہ فترۃ کا ذکر کسی حدیث صحاح میں نہیں، اور جن روایات میں ایسا ذکر پایا جاتا ہے، ان میں تین سال بھی فترۃ کے لکھے ہیں، اڑھائی بھی۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اَیَّامًا چند یوم بھی آیا ہے۔ لیکن فترت کو معنی میں تردد کا زمانہ بتانا بھی میاں صاحب کی اختراعات میں سے ہے۔ فترۃ کے معنی ہیں وحی کا رکے رہنا۔ اس کو وحی کے معنی میں تردد سے کیا تعلق؟ میاں صاحب فترت کا زمانہ تین یا اڑھائی سال (نہ چھ سال) بخاری اور صحاح میں نہیں دکھا سکتے۔ ایک دعویٰ غلط۔ فترت کے معنی میں وحی میں تردد نہیں۔ دوسرا دعویٰ غلط۔ ایسی جرأت احادیث نبوی کے متعلق بہت ہی خطرناک ہے۔ میرا مطالبہ صرف اسی قدر ہے کہ میاں صاحب نے جو دعویٰ کیا ہے کہ حدیث صحاح میں تین یا چھ سال تک اپنی وحی کے معنی کرنے میں تردد کا ذکر موجود ہے، وہ دکھا دیا جائے۔

ورقہ بن نوفل کے پاس آنحضرتؐ کس حالت میں گئے

میاں صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

> ''اگر آپ کو اس کے مطلب کے متعلق تردد نہ تھا۔ تو آپ ورقہ کے پاس کیوں گئے تھے۔
> اور آپ گھبرائے ہوئے کیوں تھے؟''

یہ لیجئے بخاری۔ اس کے اندر یہ حدیث موجود ہے۔ جس میں ورقہ کے پاس جانے کا ذکر ہے۔ دیکھنا یہ

ہے کہ جب ورقہ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گئے تو آیا گھبرائے ہوئے گئے تھے۔حدیث کے یہ لفظ ہیں۔

فَقَالَ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ فَزَمِّلُوْہُ حَتّٰی ذَھَبَ عَنْہُ الرَّوْعُ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، مجھے کپڑا اڑھادو۔پس آپ کو کپڑا اڑھادیا۔یہاں تک کہ خوف آپ سے جاتا رہا۔لیجئے! یہاں تو گھبراہٹ کے دور ہوجانے کا بیان ہے۔انہوں نے تو حضرت خدیجہؓ سے بات بھی نہیں کی، جب تک گھبراہٹ دور نہیں ہوئی۔ورقہ کے پاس گھبرائے ہوئے جانا کہاں سے نکلا۔

ورقہ بن نوفل کے پاس کس غرض سے گئے

بہت اچھا! اب دیکھنا یہ ہے کہ ورقہ کے پاس کیوں گئے تھے۔میاں صاحب کا خیال ہے کہ:

’’اس وحی کے مطلب کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے آپ ورقہ بن نوفل کے پاس گئے۔‘‘

یہ عجیب بات ہے۔کل کوئی کہہ دے گا کہ خدیجہؓ سے بھی وحی کے مطلب کے متعلق ہی مشورہ کیا تھا۔ حضرت علیؓ کے پاس بھی اس کا مطلب پوچھنے ہی گئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ سے بھی مشورہ ہی لینے کے متعلق گئے تھے۔اور ظلم یہ ہے کہ ’’باوجود صریح وحی کے‘‘ آپؐ گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں، تماشا ہے کہ جس کو میاں صاحب صریح وحی کہتے ہیں۔اس کے معنی خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، جو مہبط وحی تھے، نہ آتے تھے۔ورقہ ایک عیسائی معنی سمجھ لے! آج ہمارے میاں محمود اس کو صریح وحی کہیں۔مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا حکیم انسان اپنی وحی کے معنی نہیں جانتا۔یا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی بات ہے۔اور اگر آپ میں ہے تو دوسرے انبیاءؑ میں بھی ہوگی۔ورنہ آپؐ تو سرتاج انبیاء ہیں۔جو نقص دوسروں میں پایا نہیں جاتا وہ آپ کے اندر کیوں آگیا۔فرمایئے! جب حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل ہوئی کہ فرعون کی طرف جاؤ تو وہ کس سے معنی دریافت کرنے گئے تھے اور حضرت عیسیٰؑ نے کس سے دریافت کیے۔یہ دین ہے یا بچوں کا کھیل! کیا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمسخر نہیں کہ وحی آپؐ پر آتی ہے اور معنی عیسائیوں سے پوچھنے جاتے ہیں! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کیا آپؐ کو جب ایک پیغام ملا تھا، جب آپ کے ذمہ اصلاح خلق کا کام ڈالا گیا تھا۔تو آپ کا فرض تھا کہ دوسرے لوگوں

کے علاوہ آپؐ ورقہ کو بھی تبلیغ کرتے۔ حدیث میں یہ نہیں کہ آپ گھبرائے ہوئے کسی وحی کے معنی پوچھنے ورقہ کے پاس گئے تھے۔ بلکہ صاف لکھا ہے کہ خدیجہؓ آپ کو ورقہ کے پاس لے کر گئیں حَتّٰی اَتَتْ بِہٖ وَرقۃ بِنْ نَوْفَل حتّٰی کہ خدیجہؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر آئیں۔ پھر آگے لکھا ہے: فَقَالَتْ لَہٗ خِدِیْجَۃُ یَا اِبْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنْ اِبْنِ اَخِیْکَ۔ خدیجہؓ نے اسے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھائی کے بیٹے سے سن۔

فَقَالَ لَہٗ وَرَقَۃُ یَا اِبْنَ اخِیْ مَاذَا تَرٰی فَاَخْبَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَارٰی۔ ورقہ نے پوچھا بھائی کے بیٹے! تو نے کیا دیکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام واقعہ بیان کیا جو آپؐ نے دیکھا تھا۔ یہاں کوئی معنی اس سے اپنی وحی کے نہیں پوچھے۔ صرف اس کو سنایا ہے کہ کیا ماجرا گذرا۔ پھر ورقہ کا جواب بھی دیکھ لیجئے۔ اس نے بھی کوئی معنی نہیں بتائے بلکہ کہا: ھٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِیْ نَزَّلَ اللّٰہُ عَلٰی مُوْسٰی یہ وہ فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ پر اتارا تھا۔

تعجب ہے! کون سے معنی آپؐ نے ورقہ سے پوچھے؟ اور کیا معنی اس نے بتائے۔ یہ کس قدر ظلم ہے کہ اپنے پاس سے ایک بات بنا کر اسے حدیث کی طرف منسوب کر دیا۔ بڑے ظلم کی بات ہے۔ لوگ تو اسے پڑھ کر یہی سمجھیں گے کہ حدیث کا مضمون ہے۔ لیکن حدیث میں اس کا کوئی ذکر تک نہیں۔

اچھا پھر آگے لکھتے ہیں کہ:

> ''باوجود اس کے کہ ورقہ نے اس وحی کو ظاہری معنوں پر محمول کیا۔ آپؐ نے اس کی نسبت احتیاط کا پہلو ہی اختیار کیا۔''

اب حدیث کو نکال لو اور اس کا فیصلہ کرو۔ کون سے ظاہری اور باطنی معنی ہیں جن کو ورقہ کے بتانے پر بھی آپ نے نہ مانا اور ''احتیاط کا پہلو'' اختیار کیا۔ کوئی معنی تو ورقہ نے کسی وحی کے نہیں بتائے۔ صرف یہی کہا ہے ھٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِیْ نَزَّلَ اللّٰہُ عَلٰی مُوْسٰی۔ یہ وہی فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ پر اتارا۔ لیکن میاں صاحب کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ظاہری معنوں کو قبول نہیں کیا۔ معلوم ہوا میاں صاحب کی تحریر کے مطابق باجود ورقہ کے کہنے کے یہ نہ مانا کہ یہ فرشتہ ہے۔ عجیب بات ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

فرشتہ نازل ہوا اور آپ کو پتہ نہ لگے اور ایک عیسائی کو اس کا پتہ لگ جائے۔ خود مہبط وحی کا قلب تو اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اور ایک غیر مذہب کا شخص اس کی حقیقت کو پا لیتا ہے۔ میں اس پر یقین رکھتا ہوں کہ انبیاءؑ کے دلوں میں یقین واثق اپنی وحی کے متعلق ہوتا ہے۔ وہ پہلے ان کے اپنے دل پر اثر ڈالتا ہے۔ پھر دوسرے پر اسی کا اثر پڑتا ہے۔ اثر پہلے خود مہبط وحی پر ہونا چاہیئے۔

تو پس دو ہی توجیہیں ہیں۔ یا تو یہ جیسا کہ میاں صاحب کہتے ہیں، اپنی وحی کے معنی اس سے پوچھنے گئے تھے اور یہ بڑی ہی لچر بات ہے۔ یا یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ ورقہ کو تبلیغ کرنا یا اس کو بھی وہ پیغام پہنچانا مقصود تھا، جس پر خدیجہؓ ایمان لا چکی تھیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ورقہ نے اس کی تصدیق کی اور اسی لیے اسے صحابہؓ میں شامل کیا گیا ہے۔

غرض جس طرح حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ اور اپنے راستباز دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ پیغام پہنچایا تھا، اسی طرح ورقہ کو بھی پہنچایا۔ یہ نہیں کہ اس سے کوئی وحی کے معنی پوچھنے یا معنوں کے متعلق مشورہ کرنے گئے تھے۔ جس کا کسی ضعیف سے ضعیف حدیث تک میں بھی ذکر نہیں۔

میاں صاحب کے نزدیک آنحضرتؐ ''مدت دراز'' تک دعویٰ کی تاویل کرتے رہے

ایک اور بات میں یہاں کہنے سے رک نہیں سکتا۔ میاں صاحب، جو اعتراض ان پر پڑتا ہے، اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لے آتے ہیں۔ دعویٰ کے نہ سمجھنے کے متعلق بھی صرف ابتدائی وحی تک ہی محدود نہیں رکھا۔ بلکہ لکھا ہے:

> ''باوجود اس کے کہ صاف طور پر آپؐ کو نبی کہا گیا، آپ نے ایک مدت دراز تک اس دعویٰ کی تاویل کی اور فرماتے رہے کہ موسیٰؑ پر مجھے ترجیح نہ دو اور یونس پر مجھے ترجیح نہ دو۔ دیکھو بخاری باب بدء الخلق۔'' (حقیقت الامر صفحہ 11)

اس میں ''ایک مدت دراز تک'' نہ سمجھنے کا ذکر ہے۔ یہ زمانہ فترت کے بعد کی بات ہے۔ زمانہ فترت نکل گیا۔ مگر پھر بھی مدت دراز تک تاویل ہی کرتے رہے۔ اور پھر اور لفظ بھی ذرا توجہ کے قابل ہیں:

''مگر بعد میں وفات سے پانچ چھ سال پہلے کے قریب آ کر اُلٹ کہا اور صاف لفظوں میں سب دنیا کی طرف اپنے مبعوث ہونے اور سب نبیوں پر افضل ہونے کا ذکر فرمایا۔''

اول ابتدا میں مدت دراز تک کہتے رہے کہ موسٰیؑ اور یونسؑ پر مجھے ترجیح مت دو اور پھر وفات سے پانچ چھ سال پہلے آ کر سمجھ آئی اور کہہ دیا کہ کل دنیا کی طرف رسول ہوں اور سب نبیوں سے افضل ہوں۔ یہ باتیں ذرا دیکھنے کے قابل ہیں۔ یہ کیوں میاں صاحب نے لکھا؟ کیا کسی تاریخ میں ایسا لکھا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ صرف اس لیے انہوں نے لکھا ہے کہ مرزا صاحب کو بھی ان کے نزدیک وفات سے پانچ چھ سال پہلے ہی اپنا دعویٰ سمجھ آیا تھا! یہ کم بخت مشابہت نے مار رکھا ہے! میں نہیں کہتا کہ میاں صاحب عمداً ایسی جھوٹ باتیں لکھتے ہیں۔ لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ صرف مشابہت کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے لکھ دیا ہے۔ ورنہ تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ ابتدا میں یوں کہتے تھے اور بعد میں وفات سے پانچ سال پہلے یوں کہا اور نبی کی تاویل کرنی چھوڑ دی۔

''موسٰیؑ اور یونسؑ پر ترجیح نہ دو'' کا مطلب اور تشریح

یہ واقعہ کہ یونسؑ پر ترجیح نہ دو۔ وہ ابتدا کی بات قرار دیتے ہیں۔ اب بخاری باب بدء الخلق کو دیکھئے، جس کا میاں صاحب نے حوالہ دیا ہے۔ اس میں ایک حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے اور ایک اور ہے۔ دونوں میں ایک ہی واقعہ کا بیان ہے۔ کچھ تھوڑا سا لفظی اختلاف ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ کچھ لین دین کرتے وقت ایک یہودی اور ایک انصاری میں جھگڑا ہو گیا۔ اس پر یہودی کے منہ سے یہ لفظ نکلے وَالَّذِی اصْطَفٰی مُوْسٰی عَلَی الْبَشَرِ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ کو سب انسانوں سے برگزیدہ کیا۔ اس پر انصاری کو غصہ آیا اور اس نے یہودی کو طمانچہ مارا کہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے موسٰیؑ کو سب انسانوں پر فضیلت دیتا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور یہ واقعہ پیش ہوا۔ آپؐ نے اس پر فرمایا۔ ایک حدیث کے تو یہ لفظ ہیں لَاتُفَضِّلُوْا بَیْنَ اَنْبِیَآءِ اللّٰہِ خدا کے نبیوںؑ کو ایک دوسرے کا مقابلہ کر کے فضیلت مت دو۔ اور دوسری روایت میں ہے لَاتخیرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی مجھے موسٰیؑ پر مت بڑھاؤ۔

بات تو دراصل اتنی تھی، اور میاں صاحب بھی خوب جانتے ہیں کہ صرف اتنی ہی بات تھی۔ چنانچہ بعینہٖ

اس حدیث کی وہ ''حقیقۃ الرؤیا'' میں تشریح کر چکے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں انبیاءؑ کی عظمت اور بڑائی بتانے کے لیے فرمایا کہ یونسؑ اور موسیٰؑ پر مجھے فضیلت مت دو۔ یعنی ان کی بہت بڑی قدر اور عزت کرو۔'' (حقیقۃ الرؤیا صفحہ 102)

یہ میاں صاحب کے اپنے قلم سے کی ہوئی تشریح ہے۔ یعنی ''موسیٰؑ اور یونسؑ پر فضیلت نہ دو'' کے معنی یہ ہیں کہ ان کی بڑی عزت کرو۔ ورنہ حقیقتاً ان سے اپنے آپ کو کمتر ظاہر کرنا مقصود نہیں۔ یہ تو میاں صاحب کے لفظ ہیں۔ اور اگر حضرت صاحب کے لفظ دیکھنے ہوں۔ تو ''آئینہ کمالات اسلام'' کو دیکھو۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

''اگر وہ حدیث صحیح بھی ہو۔ تب بھی وہ بطور انکسار و تذلّل ہے۔''

یہ حضرت صاحب کی تشریح ہے کہ تذلّل اور انکسار کے لیے ایسا کہا۔ اور میاں صاحب کی تشریح ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور یونسؑ کی عظمت اور قدر کے لیے کہا، نہ کہ فی الواقع اپنے آپ کو ان سے افضل نہ سمجھتے تھے۔ اور پھر یہ کس زمانہ کی بات ہے؟ وہ انصاری کہاں تھے، جن سے یہودی کا جھگڑا ہوا اور جس پر یہ لفظ فرمائے۔ مدینہ میں۔ جو واقعہ مدینہ کا ہے، یعنی بعثت سے کوئی پندرہ سال بعد کا، اسے اوائل کا بتاتے ہیں۔ اور جو ابتدائی وحی ہے اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (104:12) هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلِمِيْنَ (52:68) یعنی یہ قرآن سارے جہانوں کے لیے آیا ہے، نہ ایک قوم کے لیے۔ یعنی ابتدائی سورتوں میں جو بار بار کُل دنیا کی طرف مبعوث ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اسے (میاں صاحب) کہتے ہیں کہ وفات سے پانچ چھ سال پہلے کا ہے۔ کیا یہ صریح تحریف نہیں؟ عمداً ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ درست ہے کہ صرف اپنی بات بنانے کے لیے تاریخی واقعات کو الٹ پلٹ کر کے ابتدائی زمانہ کی وحی کو وفات سے پانچ چھ سال پیشتر کی قرار دیا اور وفات سے پانچ چھ سال پیشتر کے واقعہ کو ابتدائی زمانہ کا واقعہ بتایا!

حضرت مسیح موعود کے نزدیک محدث اور نبی میں فرق

یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق میاں صاحب کے خیالات ہیں۔ رہے حضرت مسیح موعود، سو

ان کے متعلق سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب محدث کے کیا معنی کرتے تھے۔ آیا محدث اور نبی میں کوئی فرق بھی کیا ہے یا نہیں۔ اگر کیا ہے تو کس بنا پر؟ انہوں نے یہ تو کہہ دیا کہ وہ بھی نبیوں کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔ اس کی وحی بھی بعینہٖ انبیاء کی طرح دخل شیطان سے منزہ کی جاتی ہے۔ غرض جو مماثلت کی باتیں تھیں وہ تو بتا دیں۔ لیکن جو فرق تھا وہ ابتدا میں نہیں بتایا تھا۔ اس کے بتانے کی اس وقت ضرورت پیش آئی جب اعتراض ہوا۔ ''توضیح مرام'' میں تو صرف مشابہت اور مماثلت کی ہی باتیں بتائیں۔ لیکن جب اعتراض ہوا تو ضرورت پیش آئی کہ دونوں میں فرق بھی کر کے دکھائیں۔ چنانچہ یہ فرق بعد کی کتابوں میں کر کے دکھایا ہے۔ کیونکہ توضیح مرام کے بعد اعتراضات شروع ہو گئے تھے۔

☆ تو سب سے پہلا فرق، جو محدث اور نبی میں کیا، یہ ہے کہ محدث انبیاء اور امم میں بطور برزخ کے ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

''اور محدث کا وجود انبیاء اور امم میں بطور برزخ کے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔'' (ازالہ اوہام صفحہ 569)

☆ دوسرا فرق آپ نے یہ کیا کہ محدث میں دو شانیں پائی جاتی ہیں۔

1۔ امتیت اور 2۔ نبوت۔ چنانچہ لکھا ہے:

''سو یہ بات کہ اس کو امتی بھی کہا اور نبی بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شانیں امتیت اور نبوت کی اس میں پائی جائیں گی۔ جیسا کہ محدث میں ان دونوں شانوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن صاحب نبوت تامہ تو صرف ایک شان نبوت ہی رکھتا ہے۔ غرض محدثیت دونوں رنگوں سے رنگین ہوتی ہے۔''

☆ تیسرا فرق یہ بتایا ہے کہ وحی نبوت کی شان اتم اور اکمل ہے اور محدثیت کی وحی میں نسبتاً ضعف ہوتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا:

نَعَمْ لِوَحْيِ الْاَنْبِيَآءِ شَأْنٌ اَتَمُّ وَاَكْمَلُ وَاَقْوٰى اَقْسَام الْوَحْيِ رَسُوْلِنَا خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ

ہاں انبیاء کی وحی اقسام وحی میں سے اتم واکمل واقویٰ شان رکھتی ہے۔''(تحفہ بغداد صفحہ 20-21)

☆چوتھا فرق محدث اور نبی میں قوت اور فعل کا فرق ہے۔ چنانچہ حضرت صاحب فرماتے ہیں:

''اِنَّ مَقَامَ التَّحْدِیْثِ اَشَدُّ تَشْبِیْهًا بِمَقَامِ النُّبُوَّةِ وَلَا فَرْقَ اِلَّا فَرْقَ الْقُوَّةِ وَالْفِعْلِ.'' (حمامة البشریٰ،صفحہ 81)

یعنی تحدیث کا مقام نبوت کے مقام سے اشد مشابہت رکھتا ہے اور سوائے قوت اور فعل کے اور کوئی فرق دونوں میں نہیں۔

☆پانچواں فرق جو نبی اور محدث میں بتایا ہے وہ یہ ہے کہ نبی سابقہ احکام شریعت کو منسوخ کر سکتا ہے۔ محدث کے لیے یہ جائز نہیں۔ چنانچہ فرمایا:

''انبیاء اس لیے آتے ہیں تا ایک دین سے دوسرے دین میں داخل کریں اور ایک قبلہ سے دوسرا قبلہ مقرر کرا ویں۔ اور بعض احکام کو منسوخ کریں اور بعض نئے احکام لاویں۔''(آئینہ کمالات اسلام صفحہ 339)

حضرت صاحب کے نزدیک نبی نہ آنے کی وجہ

اور بھی اس قسم کے حوالے بہت ہیں۔ لیکن میں ان کو چھوڑتا ہوں۔ صرف ایک ''مواہب الرحمٰن'' کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ 1903ء کی تالیف ہے۔ اس کے صفحہ 66 پر آپ فرماتے ہیں:

''وخدارا مکالمات ومخاطبات است باولیائے خود دریں امت وایشاں را رنگ انبیاء دادہ می شود ودر حقیقت انبیاء نیستند ریزا کہ قرآن حاجت شریعت را بکمال سانیدہ است ودادہ نمیشوند مگر فہم قرآن۔ ونہ زیادہ میکنند ونہ کم میکنند ازاں قرآن۔''
(مواہب الرحمٰن صفحہ 66)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے اس امت میں اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمات ومخاطبات ہوتے

> ہیں۔ اور انہیں انبیاء کا رنگ دیا جاتا ہے۔ اور وہ درحقیقت انبیاء نہیں ہیں۔ اس لیے کہ قرآن نے حاجتِ شریعت کو کمال تک پہنچا دیا ہے اور فہم قرآن کے سوائے انہیں اور کچھ نہیں دیا جاتا۔ اور قرآن میں نہ وہ کچھ زیادہ کرتے ہیں اور نہ اس سے کچھ کم کرتے ہیں۔

یہاں کیوں ان کے انبیاء نہ ہونے کی یہ وجہ حضرت صاحب نے نہیں دی جو ہمارے میاں صاحب نے دی ہے کہ ان میں کچھ کمی اور نقص پایا جاتا ہے۔ وجہ اگر قرار دی ہے تو یہی کہ قرآن نے حاجتِ شریعت کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ پس اب جو شخص کسی ایک کو یا ہزاروں کو، جیسا کہ میاں صاحب کا خیال ہے کہ ہزاروں نبی آئیں گے (انوارِ خلافت)، نبی بنانا چاہتا ہے، تو وہ لازماً قرآن کو ناقص قرار دیتا ہے۔

نبی اور محدث میں یہ فرق کرنے کی بنیاد

اب یہ فرق جو نبی اور محدث میں حضرت صاحب نے کیا ہے، کس وجہ پر کیا ہے؟ میاں صاحب کہتے ہیں کہ یوں ہی اجتہاد سے یہ فرق کر دیا ہے اور یہ ایک غلطی ہوگئی۔ مگر کیا حضرت صاحب نے کبھی کہا کہ مجھ سے یہ غلطی ہوگئی تھی کہ میں نے محدث کے معنی صحیح نہ سمجھے۔

خدا تعالیٰ کا حکم: نہیں ایسا نہیں کہا آپ پر جب سوال ہوتا ہے کہ ''فتح اسلام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے'' تو جواب میں فرماتے ہیں:

> ''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔''
>
> (ازالہ اوہام صفحہ 422)

کیا وہ شخص، جس کو خدا نے نہ نبی کے معنی بتائے نہ محدث کے، وہ یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ خدا کے حکم سے میں نے ایسا کہا ہے۔ دونوں میں سے ایک ہی بات ہوسکتی ہے۔ یا تو اس نے خدا پر جھوٹ بولا کہ معنی بقول میاں صاحب اپنے اجتہاد سے کرتا ہے اور اسے خدا تعالیٰ کا حکم قرار دیتا ہے اور یا پھر خود خدا کو بھی نعوذ باللہ نبی اور محدث کے معنی نہیں آتے تھے۔ خدا بھی سالہا سال تک بھولا رہا۔ جب 1901ء کا مبارک سال آیا تب نبی کے معنی سمجھ آئے۔ جس طرح انیس سو سال پیشتر عیسائیوں کے قول کے مطابق یہ سمجھ آیا تھا کہ شریعت لعنت ہے

اور اکلوتا بیٹا بھیج کر اپنی غلطی کی اصلاح کی، اسی طرح آج انیس سو سال بعد معلوم ہوا کہ وہ نبی کے معنی غلط کرتا رہا اور ''ایک غلطی کا ازالہ'' لکھوا کر اس کی اصلاح کی!

2۔خدا کا دیا ہوا علم

لیکن یہیں تک بس نہیں، اور سن لیجئے! حضرت صاحب فرماتے ہیں:

''ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پُرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے۔ مگر مجازی معنوں کی رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یاد کرے...... بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے بے شک ہیں لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ اور جیسے یہ محمول نہیں۔ ایسے ہی وہ نبی کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لیے آیا ہے، وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے۔''(سراج منیر صفحہ 3)

اب یہاں اس کو خدا کا دیا ہوا علم قرار دیتے ہیں۔ اس سے مرزا صاحب واپس نہیں ہو سکتے۔ اگر اس سے واپس کرو گے۔ تو مرزا صاحب معلوم ہوا یہ سب کچھ جھوٹ بنا کر لکھ دیتے تھے۔

3۔خدا کی طرف سے کھولا جانا

آگے پھر لکھتے ہیں:

''میرے پر یہی کھولا گیا ہے کہ حقیقی نبوت کے دروازے خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بکلی بند ہیں۔ اب نہ کوئی جدید نبی حقیقی معنوں کی رو سے آ سکتا ہے اور نہ کوئی قدیم نبی''(سراج منیر صفحہ 4)

یہاں بھی خدا کی طرف سے کھولا جانا لکھا ہے۔

بہت اچھا! خدا کے حکم سے نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا ہے۔ خدا کے دیئے ہوئے علم سے نبی حقیقی معنوں کی رو سے کوئی نہیں آ سکتا ہے۔ یہی کھولا گیا ہے کہ نبوت کے حقیقی دروازے بند ہیں۔ یہ سب کچھ سہی، لیکن کہہ دیتے ہیں کہ اس پر نصوص قرآنیہ وحدیثیہ پیش نہیں کیں!

4۔ نصوص قرآنیہ وحدیثیہ

اس کو بھی دیکھ لیجئے۔ فرماتے ہیں:

''کیونکر ممکن تھا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ، جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے ہے، آ سکتا۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم جو وحی اور نزول جبریل ہے اس کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہئیے۔ کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم رسول اسی کو کہتے ہیں۔ جس نے احکام وعقائد دین جبریل کے ذریعہ سے حاصل کیے ہوں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی ہے۔ کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی؟ (ازالہ اوہام 534)

معلوم ہوا کہ بنیاد اس اس کی تصریح قرآن پر ہے۔ اور لیجئے!

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرما دیا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور حدیث لَانَبِیَّ بَعْدِیْ ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا۔ اور قرآن شریف، جس کا لفظ لفظ قطعی ہے، اپنی آیت کریمہ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (40:33) سے بھی اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔'' (حاشیہ کتاب البریہ صفحہ 184)

پھر ایک اور جگہ فرمایا:

’’حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ محدث بھی نبیوں اور رسولوں کی طرح خدا کے مرسلوں میں داخل ہے۔‘‘ (ایام الصلح صفحہ 75)

بہت اچھا! یہ تو ایک بات ہوئی کہ خدا کے حکم سے محدث ہیں اور خدا کے دیئے ہوئے علم سے محدث کے وہ معنی کرتے ہیں، جو 1901ء سے پہلے کیے۔ اوران معنوں کو نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ پر مبنی بتاتے ہیں۔

تردّد کے خلاف شہادتیں: لیکن کیا، جیسا کہ میاں صاحب کہتے ہیں، آپ کو تردّد تھا؟ تردّد کس بات کو کہتے ہیں؟ تردّد اس کو کہتے ہیں کہ کسی بات پر یقین نہ ہو اور اس پر شک ہو کہ یہ مانوں یا یہ۔ آیا مرزا صاحب کو یقین تھا اس بات پر یا نہیں؟ ایمان تھا اس بات پر یا نہیں کہ میں نبی نہیں محدث ہوں۔

1۔ آنحضرتؐ کے بعد نبی نہ آنے پر یقینِ کامل اور ایمانِ محکم

اس کے متعلق آپ کی تحریرات کو دیکھتے ہیں۔ لکھا ہے:

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ جناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا اور قرآن کریم کا ایک شعشعہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جلّشانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اور نبوت تامہ کی بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں۔‘‘

(نشان آسمانی صفحہ 28)

کیا یہ تردّد ہے؟ اگر یقینِ کامل اور محکم ایمان بھی تردّد ہی ہے تو پھر لفظوں سے امن اٹھ گیا۔

2۔ حلفیہ بیان اور دعویٰ نبوت منسوب کرنے والوں پر افتراء کا الزام

اور بقول میاں صاحب تردّد کے الفاظ دیکھئے:

وَبِعِزَّةِ اللّٰہِ وَجَلَالِہٖ اِنِّیْ مُؤمِنٌ مُسْلِمٌ وَاُوْمِنُ بِاللّٰہِ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَالْبَعْثِ بَعْد الْمَوْتِ وَبِاَنَّ رَسُوْلَنَا مُحَمَّدًا اَلْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَل الرُّسَلِ وَخَاتَم النَّبِیّٖنَ وَاَنَّ ھٰؤُلَآءِ قَدْ اِفْتَرُوْا عَلَیَّ وَقَالُوْا اِنَّ ھٰذَا الرَّجُلَ یَدَّعٰی اَنَّہٗ نَبِیٌّ

(حمامة البشریٰ، صفحہ 35-36)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ میں مومن مسلمان ہوں اور میں اللہ اور اس کی کتابوں اور رسولوں اور ملائکہ اور بعث بعد الموت پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ بھی مانتا ہوں کہ ہمارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل خاتم النبیین ہیں اور لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔''

لیکن باوجود اس کو افتراء قرار دینے کے ابھی تردّد ہے۔ باوجود قسم کھانے کے تردّد ہے۔ ابھی احتیاط کا پہلو اختیار کر رہے ہیں۔

3۔ دعویٰ نبوت منسوب کرنے والوں پر لعنت

پھر کہتے ہیں:

''اور اگر یہ اعتراض ہے کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کلمہ کفر ہے تو بجز اس کے کیا کہیں کہ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ الْمُفْتَرِیْنَ. ''

اب اس لعنت کا مورد دونوں سے ایک کو بناؤ۔ اگر ان لوگوں نے جھوٹ بولا تو ان پر لعنت پڑے گی۔ اور اگر واقعی نبوت کا دعویٰ تھا تو پھر تم خود ہی غور کر لو کہ یہ لعنت کس پر پڑتی ہے؟

دیکھو کس قدر زور دیا ہے۔ قسم کھائی ہے، پھر اسے افتراء قرار دیا ہے پھر اس پر لعنت کی ہے باوجود اتنا زور دینے کے یہ ابھی تردّد ہے؟ ابھی میاں صاحب اسے احتیاط ہی قرار دیتے ہیں۔ عجیب احتیاط ہے کہ اس پر

قسمیں بھی کھائے چلے جاتے ہیں اور لعنتیں بھی بھیج رہے ہیں اور حال یہ ہے کہ یقین اس پر خود بھی نہیں رکھتے!

4۔ نبوت کے خلاف علیٰ رؤس الاشہاد شہادت اور اعلان: پھر یہیں تک نہیں، ایک اعلان کرتے ہیں اور اس میں لکھتے ہیں:

> ’’اور اصل حقیقت، جس کی میں علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں، یہی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا۔ وَمَنْ قَالَ بَعْدَ رَسُوْلِنَا وَسَیِّدِنَا اِنِّیْ نَبِیٌّ وَرَسُوْلٌ عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ وَالْاِفْتَرَاء وَتَرَکَ الْقُرْاٰنَ وَاَحْکَامَ الْشَرِیْعَۃِ الْغَرَّاء فَھُوَ کَافِرٌ کَذَّابٌ یعنی اور جس نے ہمارے رسول اور سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کہا کہ میں حقیقی طور پر نبی اور رسول ہوں، اس نے افتراء کیا اور قرآن اور احکام شریعت کو چھوڑ دیا پس وہ کافر کذاب ہے۔ (حاشیہ انجام آتھم صفحہ 25)

یہ کس لیے کہا۔ اس لیے کہ تردّد میں جو تھے۔ اس لیے علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

> ’’اگر ہمیں ہمارے دعویٰ کے موافق قبول کرنے کے لیے یہی مابہ النزاع ہے تو ہم بلند آواز سے بار بار سناتے ہیں کہ ہمارے یہی عقائد ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں۔‘‘ (انجام آتھم صفحہ 43)

ان باتوں پر بھی تردّد بتانا حیثیت کو بگاڑنا ہے

لیکن میاں صاحب کے نزدیک باوجود ان گواہیوں اور شہادتوں، ان قسموں اور لعنتوں کے ابھی مرزا صاحب تردّد ہی میں ہیں۔ جس کا نتیجہ سوائے اس کے کیا ہے کہ یہ ساری باتیں جھوٹ ماننا پڑیں گی۔ یہ مرزا صاحب کی اپنی تحریریں ہیں۔ اگر تم ان کو منسوخ قرار دو گے تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ تم مرزا صاحب کو دنیا کے سامنے ایک ایسی حیثیت میں پیش کرتے ہو کہ اس سے بدتر حیثیت میں کوئی انسان پیش نہیں کیا جاسکتا۔

''ایک غلطی کا ازالہ'' میں سابقہ دعاوی کو بدلا نہیں: اب اس ''ایک غلطی کا ازالہ'' کو لو اور جس کو بنا قرار دیا جاتا ہے منسوخی کی۔ اس میں کیا لکھا ہے؟ آیا اس میں یہ ہے کہ اس سے پہلے کی تحریریں منسوخ ہیں۔ نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف کہتے ہیں:

> ''مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتداء سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علمِ غیب پایا ہے، رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔'' (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 8)

اب یہاں صاف طور پر بتا دیا کہ وہی کہتے ہیں، جو پہلے کہا کرتے تھے۔ پہلی باتوں کے خلاف نہیں کہا۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ ''اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔''

محدث کے معنی ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں اور بعد

لیکن کہا جاتا ہے کہ اس میں محدث میں اظہار علی الغیب نہیں مانا اور نبی میں مانا ہے۔ یہ غلط ہے۔ یہاں صرف محدث کے لغوی معنی بتائے ہیں کہ:

> ''میں کہتا ہوں تحدیث کے معنی کسی لغت کی کتاب میں اظہار غیب نہیں ہے۔'' (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 7)

ورنہ محدث میں بعد کی تحریروں میں اظہار علی الغیب مانا ہے۔ حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (72:26-27) اس آیت سے قطعی اور یقینی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کھلی کھلی پیشگوئیاں، جو مقدار میں زیادہ اور صفائی میں اول درجہ پر ہوں، صرف خدا کے برگزیدوں کو ہوتی ہیں۔ دوسرے آدمی ان میں شریک نہیں ہوتے۔'' (تتمہ حقیقۃ الوحی حاشیہ 166)

اب فرمایئے محدث ان خدا کے برگزیدوں میں داخل ہیں یا نہیں اور ان کے لیے اظہار علی الغیب مانا ہے یا نہیں۔ آگے فرمایا:

''اور جو اس درجہ پر الہام نہیں وہ دوسروں کو بھی ہو سکتے ہیں۔ اور اکثر ان میں مہمل اور متشابہ الہام ہوتے ہیں۔'' (تتمہ حقیقۃ الوحی حاشیہ نکتہ قابل یادداشت صفحہ 166)

اب یا تو محدث کے الہام کو بھی مہمل اور متشابہ قرار دو اور یا اسے اظہار علیٰ الغیب میں شامل کرو۔

بعد کی وحی کا مطالبہ جس نے بقول میاں صاحب اس عقیدہ سے بدلایا

اس پر ایک اور مطالبہ ہے۔ میاں صاحب ''القول الفصل'' صفحہ 34 پر فرماتے ہیں:

''پس 1902ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے فیصلہ دیا ہے کہ ''تریاق القلوب'' میں جو آپ نے اپنا عقیدہ نبوت کے متعلق لکھا ہے، بعد کی وحی نے اس سے آپ کو بدلا دیا۔''

یہاں 1902ء ہے۔ یہ بھی میاں صاحب کی تحریر ہے۔ ابتدا میں تاریخ منسوخی 1901ء تھی 1902ء بعد میں آیا۔ تو یہاں کہا ہے کہ ''بعد کی وحی نے اس سے آپ کو بدلا دیا۔'' میں وہ ''بعد کی وحی'' مانگتا ہوں، اس کو پیش کیا جائے۔ وہ کہاں ہے؟ اس کا کوئی حوالہ مرزا صاحب کی تحریر سے دکھایا جائے۔

لیکن جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے۔ مرزا صاحب کی تحریر میں اول سے آخر تک کوئی فرق نہیں۔ لفظ نبی پہلے بھی ہے۔ لغوی طور پر مجازی طور پر۔ اور بعد میں بھی کہا کہ میں مجازی طور پر استعارہ کے طور پر نبی ہوں۔

''سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰهِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَاعَلٰی وَجْهِ الْحَقِیْقَةِ.'' (حقیقۃ الوحی اَلْاِسْتَفْتَاءُ صفحہ 65)

پہلے اور پچھلے بیانات میں کوئی فرق نہیں۔ معنوں میں فرق کیوں ہوا؟

یہ عجیب بات ہے کہ پہلے بھی کہتے تھے کہ مجازی نبی ہوں اور بعد میں بھی یہی کہا کہ میں مجازی نبی

ہوں۔ الفاظ تو ایک ہی ہیں۔ اگر کوئی فرق پڑا تو میاں صاحب کے نزدیک مجاز کے معنوں میں پڑا۔ اگر مرزا صاحب کے ذہن میں کوئی بات ہوتی۔ کوئی فرق وہ پہلے کی نسبت اپنی تحریر میں سمجھتے، تو وہ لفظ استعمال نہ کرتے جو پہلے کر چکے تھے۔ پہلے بھی یہ کہا کہ برنگ، استعارہ نبی ہوں۔ بعد میں بھی کہا کہ مستعار طور پر نبی ہوں۔ پہلے بھی اپنے آپ کو مجازی نبی امتی نبی قرار دیا۔ پیچھے بھی مجازی نبی امتی نبی ہی قرار دیا۔ اور صرف نبی اپنے آپ کو نہیں کہا۔ جب لفظ وہی ہیں تو مفہوم کیونکر بدل سکتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ جو معنی مرزا صاحب نے کیے ہیں۔ انہیں رد کر دیا جائے کہ منسوخ ہیں اور خود نئے معنی بنائے جائیں۔ یہ کیونکر جائز ہے؟

مسئلہ کفر و اسلام

محض انکار کے موجب کفر ہونے کے خلاف عملی شہادت

اب میں مسئلہ کفر و اسلام پر ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے میاں صاحب کو لکھا تھا کہ اگر بالفرض مرزا صاحب کی تحریروں سے دو معنی نکلتے ہیں۔ تو بہتر یہ ہے کہ ہم آپ کے عمل سے معنی لیں۔ اس کے متعلق میں دو باتیں کہتا ہوں۔

مسئلہ جنازہ غیر احمدیان اور میاں صاحب

یہ تو مسلّم ہے کہ جنازہ غیر مسلم کا جائز نہیں۔ اسی لیے میاں صاحب نے بھی جن کو کافر سمجھتے ہیں، ان کا جنازہ ناجائز قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک واقعہ شائع ہوا ہے کہ ایک شخص (میاں خدا بخش صاحب ساکن ......) اس کی جب والدہ فوت ہوگئی تو اسے بغیر جنازہ کے ہی اس نے دفن کر دیا۔ اس پر لکھا ہے کہ:

"اس قسم کی اخلاقی جرأت کی مثال صرف صحابہ ہی میں ملتی ہے۔" (فاروق 14 نومبر 1918)

حضرت مسیح موعود کا فتویٰ میاں صاحب کے خلاف

لیکن اگر تمام نہ ماننے والوں کا جنازہ ناجائز ہے تو یہ کس کے لفظ ہیں:

''اگر خاموش تھا اور درمیانی حالت میں تھا تو اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ نماز جنازہ کا امام تم میں سے ہو۔'' (ڈائری 18 اپریل 1902ء فتاویٰ احمدیہ صفحہ 118)

یہ 1902ء کے مرزا صاحب کے فتویٰ کے لفظ شائع شدہ موجود ہیں اور اس پر جماعت کا عمل ہے۔ لاہور میں سیالکوٹ میں برابر ایسے جنازے پڑھے جاتے رہے۔

حضرت صاحب کا ایک خط

پھر ایک خط تھا، اس کی نقل میں مانتا ہوں۔ سید امیر علی شاہ صاحب نے مجھے پہنچائی ہے۔ وہ خط میر حامد شاہ صاحب نے میاں صاحب کو دیا۔ چنانچہ میاں صاحب نے 1915ء کے جلسہ میں وعدہ کیا کہ ''اس پر غور کی جائے گی۔''

میاں صاحب کی طرف سے اس کا جواب اور اس خط کی قدر

لیکن جب پوچھا گیا تو فرماتے ہیں:

''یہ خط حبی فی اللہ اخی المکرّم سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹی لائے تھے۔ اور آپ نے بیان کیا تھا کہ یہ خط سید میر حسن صاحب سیالکوٹی کے پاس تھا اور میں نے سنا تھا کہ سید امیر علی شاہ صاحب نے اس کی نقل لاہور بھیجنے کے لیے لی ہے۔ اس پر مجھے خیال آیا کہ میں بھی اس کی نقل لے جاؤں شاید ضرورت پڑے۔ چونکہ آپ نے فرمایا کہ میری شنید میں یہ آیا کہ پیغام (پیغام صلح) میں چھاپنے کے لیے یہ نقل لی گئی ہے۔ اس لیے میں نے زیادہ احتیاط اس کی حفاظت کی نہیں کی اور جلسہ کے دن تھے ایک ایک دن میں سینکڑوں رقعہ مجھے ملے تھے جن میں وہ خط ضائع ہوگیا۔ اور میں نے سمجھا کہ جب پیغام (صلح) میں یہ خط شائع ہوگا، اس وقت ہم بھی دیکھ لیں گے۔''

یہ تو اس کی تشریح موجود ہے کہ سینکڑوں رقعہ آتے تھے۔ اور اس میں کیا شک ہے آتے ہی ہیں۔ جن میں دعاؤں وغیرہ کے لیے لکھا ہوگا۔ لیکن عجیب بات ہے۔ حضرت صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط۔ اس کو بھی انہی نوٹوں کے ساتھ ردی میں پھینک دیتے ہیں۔ ایک روپیہ

کے نوٹ کے برابر بھی اس کو وقعت نہیں دی۔ آخر وہ نوٹ کیوں انہی سینکڑوں رقعوں میں ضائع نہیں ہو جاتے۔ ان کی احتیاط کس طرح ہو جاتی ہے کہا تو یہ تھا کہ اس پر غور کی جائے گی۔ لیکن غور یہ کی کہ اس کو ردی میں ڈال دیا۔

اچھا تو اس پر حاشیہ چڑھاتے ہیں۔ لکھا ہے:

''اور جہاں تک مجھے یاد ہے۔ گو حق الیقین نہیں کہ وہ خط ایسے زمانہ کا تھا کہ جس کا زیادہ اثر اصل بحث پر نہ پڑتا تھا۔''

زیادہ اثر اور کم اثر کیا ہوتا ہے؟ صاف کہو کہ اثر نہیں پڑتا۔ کیوں اثر نہیں پڑتا؟ اس لیے کہ میاں صاحب کے نزدیک 1901ء سے پہلے کا ہونے کی وجہ سے وہ منسوخ ہے۔ مگر تعجب یہ کہ آگے ہی لکھا ہے:

''حضرت مسیح موعود کی ڈائری نوشتہ مولوی عبدالکریم صاحب کے اور حضرت مسیح موعود کے اپنے عمل کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔'' (حقیقت الامر صفحہ 18)

ڈائری نوشتہ مولوی عبدالکریم صاحب کی تاریخ

وہ مولوی عبدالکریم صاحب کی ڈائری کب کی ہے۔ وہ ڈائری بڑے نمایاں طور پر الفضل میں شائع ہوئی ہے اور اس پر لکھا ہے:

''سرسید جو مدعیانِ اسلام میں ایک ممتاز پایہ رکھتا تھا اور مسلمانوں میں فرقہ بندی کے خیال کو سمِ قاتل اور مسئلہ تکفیر کو اسلام کے تنزل کے ایک اہم اسباب میں سے سمجھتا تھا۔''

گویا مسئلہ تکفیر کو ایسا سمجھا تو بڑا گناہ کیا۔ الفضل کے نزدیک تو مسئلہ تکفیر اسلام کی ترقی کی اصل جڑ ہے۔ تو اس ڈائری میں کیا ہے؟ صرف یہ کہ بعض لوگوں نے اس کے جنازہ کے لیے کہا۔ تا کہ عام لوگ ہم سے خوش ہوں تو اس کو مناسب نہیں سمجھا کہ دوسرے لوگوں کے خوش کرنے کے لیے ایسا کیا جائے۔ اب یہ پیغام (پیغام صلح) 13 اپریل 1898ء کا ایک خط جو مولوی عبدالکریم صاحب نے لکھا ہے اور یوں حضرت صاحب کے ہاتھ کے لکھے

ہوئے خط سے، جس کو ابھی میاں صاحب منسوخ قرار دے چکے ہیں، دوسال پیشتر کا ہے۔ گویا دوسال پہلے کی لکھی ہوئی ڈائری اس تحریر کو منسوخ کر دیتی ہے، جو دوسال بعد حضرت صاحب اپنے قلم سے لکھتے ہیں۔ نہ صرف اس کو ہی بلکہ 1902ء کی ڈائری کو بھی منسوخ کر دیتی ہے۔ نہ صرف 1902ء کی ڈائری کو ہی بلکہ 1907ء کی مفتی صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر کو بھی۔

کیا یہ دلائل ہیں کہ ایک ڈائری سے دوسال بعد کا لکھا ہوا خط منسوخ ہو گیا اور 1902ء اور 1907ء کی ڈائریاں اور فتوے سب منسوخ!

دوسرے مسلمانوں سے رشتہ اور خلیفہ رشید الدین کی صاحبزادی کا نکاح

دوسرا معاملہ غیر احمدیوں سے نکاح کا ہے۔ اب میاں صاحب نے یہ مان لیا ہے کہ بیشک حضرت صاحب نے خلیفہ رشید الدین صاحب کی لڑکی کے غیر احمدی سے نکاح کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود نے اس نکاح کے اصل حالات سے واقف ہوتے ہوئے ہرگز اجازت نہیں دی۔ بلکہ جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ لڑکا غیر احمدی ہے تو ڈاکٹر صاحب کے گھر کے لوگوں کو کہا کہ کیا ڈاکٹر صاحب کو معلوم نہیں کہ غیر احمدی سے رشتہ ہم نے منع کیا ہے۔ پھر انہوں نے لڑکی غیر احمدی لڑکے سے کیوں منسوب کی۔'' (حقیقت الامر صفحہ 19)

لیکن ساتھ ہی آگے جا کر یہ بھی لکھ دیا ہے:

''آپ کو (یعنی مجھے) یہ بھی معلوم ہونا چاہئیے کہ لڑکی بالغ اور غیر احمدی تھی اور لڑکی کی حقیقی والدہ بھی اس وقت غیر احمدی تھیں۔ پس اس صورت میں نکاح میں کوئی خلاف شریعت بات بھی نہیں۔ اب بھی بعض دفعہ احمدی لڑکی کے نکاح کی میں نے غیر احمدیوں سے اجازت دی ہے۔''(صفحہ 19)

یہ دو متضاد باتیں ہیں۔ اگر لڑکی غیر احمدی تھی تو مرزا صاحب ناراض کیوں ہوئے؟ اور کیوں کہا کہ ''غیر احمدی سے رشتہ ہم نے منع کیا ہوا ہے۔'' تعجب ہے ایک صفحہ پر کس قدر متضاد باتیں لکھتے ہیں اور اصل حقیقت پر پردہ ڈالتے ہیں۔ صاف اور سیدھی بات ہے کہ حضرت مسیح موعود کا یہ عمل کہ آپ نے غیر احمدی سے احمدی کی لڑکی کے نکاح کی اجازت دی، ثابت کرتا ہے کہ آپ مسلمانوں کو کافر نہ سمجھتے تھے۔ میاں صاحب تو یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ احمدی ماں باپ کی اولاد احمدی ہی سمجھی جائے گی۔ جب تک اس کے خلاف اعلان نہ ہو۔ اس لڑکی نے کون سا احمدیت کے خلاف اعلان کیا ہے کہ اسے غیر احمدی سمجھا جائے؟

تتمہ تقریر

جلسہ قادیان میں سوال و جواب کا موقعہ نہ دینا اپنی کمزوری کا اعتراف ہے

اب میں اس بیان کو ختم کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میاں صاحب کی طرف سے جو اعتراض کرنا چاہتے ہیں وہ آئیں اور ہم سے ان امور کے متعلق باتیں کریں۔ لیکن ایک بات میں کہہ دیتا ہوں۔ ہم نے میاں صاحب کو مدعو کیا کہ آپ ہمارے جلسہ پر آئیں اور یہاں ہماری تقریر پر اعتراض کریں۔ ہمیں بھی قادیان میں اپنے جلسہ پر موقع دیں کہ ہم آپ کی تقریر پر اعتراض کریں۔ اس کا جواب جو کچھ مجھے ملا، اس کا ایک ہی فقرہ سنا دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ''یہ میری چالاکی ہے۔''

آج صبح مولوی غلام رسول راجیکی کا رقعہ آیا کہ یہ کیا طریقِ تحقیق ہے کہ تم دو گھنٹے تقریر کرو اور ایک گھنٹہ وقت سوال و جواب کے لیے دیا جائے؟ میں نے اس کا جواب عمداً نہیں دیا۔ میں کہتا ہوں تم چار سال سے ہمارے ہر جلسہ سالانہ پر آتے ہو اور اعتراض کرتے ہو۔ کیوں تم وہاں ہم کو بھی قادیان میں اعتراض کا موقعہ نہیں دیتے۔ اگر تمہارے پاس حق ہے تو کیوں اتنا ڈرتے اور کانپتے ہو۔ خوف کس بات کا ہے؟ کیوں ہم کو بھی وہاں موقعہ نہیں دیتے کہ تمہاری تقاریر پر ہم بھی کوئی سوال کرسکیں؟ یہ ایک ایسا کمزوری کا اعتراف ہے، جو غور کرنے والے کے لیے آپ لوگوں کے باطل پر ہونے کی کافی دلیل ہے۔

29 جنوری 1919ء

روئیداد

اسلام کی انسدادِ مے نوشی کی تقلید میں دنیا کے مہذب ترین برِ اعظم کا سب سے پہلا قدم

امریکہ کے قانونِ انسداد مے نوشی پر ایک شاندار جلسہ

امریکہ کی کانگریس نے بہ ترمیمِ قانونِ مشروبات الکوحل (شراب) کی ساخت وفروخت اور درآمد وبرآمد کو قطعی بند کردیا ہے۔ جو تاریخ کا ایک نہایت عظیم الشان اور اہم واقعہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ خبر اور بھی موجبِ مسرت ہے کہ اس نئے قانون کے ساتھ امریکہ کی تین چوتھائی یعنی 32 ریاستیں اتفاق ظاہر کرچکی ہیں۔ چنانچہ بعض ریاستوں کے گرجوں میں گھنٹیاں بجائی گئیں اور خاص خوشیاں منائی گئیں۔

یہ واقعہ فی الحقیقت جس قدر اہم ہے، اسی قدر اسلام کے اس عالیشان اصول کی ایک نمایاں اور بیّن فتح ہے، جو حرمت مے نوشی کے متعلق اس نے آج سے تیرہ سوسال پہلے قائم کیا تھا اور آج تک مسلمانوں میں وہ جاری چلا آتا ہے۔ اس لیے اس فتح عظیم کی تقریب پر، جیسا کہ گذشتہ اشاعت میں مختصر اعلان کیا گیا تھا، احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے زیر اہتمام مسجد احمدیہ لاہور میں ایک پبلک جلسہ زیر صدارت مولانا مولوی صدرالدین صاحب بی اے۔ بی ٹی منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے ایک زبردست تقریر اس موضوع پر کی کہ امریکہ کے اس انسداد مے نوشی پر اسلام کو فتح حاصل ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اور دنیا کے دیگر مذاہب اس فتح میں کیوں شریک نہیں۔ آپ نے قرآن کریم کی آیت اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَیۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡہُ (5:90) تلاوت کرنے کے بعد اس سوال کا کہ جبکہ چوری، جھوٹ، ڈاکہ زنی اور زنا وغیرہ کی حرمت بھی اسلام کی تعلیم میں داخل ہے اور دوسری قومیں بھی ان کو بُرا سمجھتی ہیں،

تو ان کے اس بُرا سمجھنے پر اسلام کیوں خوشی نہیں مناتا؟ اور اسے اپنی فتح قرار نہیں دیتا اور محض انسداد مے نوشی کو ہی اپنی فتح تصور کرتا ہے، جواب دیتے ہوئے بتایا کہ سوائے اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بھی ایسا مصلح یا رہبر دنیا میں نہیں آیا، جس نے شراب جیسے زبردست دیو سے بچنے کی تلقین کی ہو۔ اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہ خود وہ رہبر اور مصلح، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے، اس دیولعین کی غلامی سے بالکل آزاد تھے۔ خود توریت، انجیل اور وید مقدس سے اس بات کا ثبوت دیا کہ دوسروں کو اس سے منع کرنا تو ایک طرف، خود ان کی اپنی تعلیمات اور مذہبی رسوم میں بھی کسی نہ کسی ذریعہ سے اس نے دخل پا لیا ہے۔ یہودیوں میں ایک قومی تیوہار پر شراب کا استعمال، عیسائیوں میں عشاء ربانی میں اس کی ضرورت، اور ہندوؤں کو ایک یگ کے اندر اس کی موجودگی اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ دنیا میں سوائے اسلام کے کوئی مذہب ایسا نہیں، جس نے اس سے دنیا کو بچانے کی کوشش کی ہو یا کم از کم خود ہی اس سے بچا ہوا ہو۔ آپ نے توریت کے بعض حوالہ جات اور اناجیل کے ان بیانات سے، جن میں شراب کا بنانا حضرت مسیح کے معجزات میں شمار کیا گیا ہے، ایسا ہی وید مقدس کی ان عبارات سے، جن میں شراب کو دیوتاؤں اور مردہ روحوں کے آگے پیش کرنے کا ذکر ہے، یہ ثابت کیا کہ اس دیولعین سے دنیا کو نجات دلانے میں اگر کسی نے سب سے پہلے قدم اٹھایا تو وہ اسلام ہی ہے۔ اور یہ اسی کا احسان عظیم ہے کہ اس نے آج سے تیرہ صد برس پیشتر اس کی مضرات سے دنیا کو مطلع کر کے ایک کثیر حصہ مخلوق کو اس سے نجات دے دی۔ اسی کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے ان واقعات کا ذکر کیا، جو عرب جیسی قوم میں، شراب جن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی، حرمت شراب کا حکم قرآن کریم میں نازل ہونے سے ظہور پذیر ہوئے اور بتایا کہ اس وقت تمام گھروں میں شراب کے برتن توڑ ڈالے گئے اور مدینہ کی گلیوں میں پانی کی طرح شراب بہہ نکلی۔

اسی کے ساتھ ہی آپ نے اس حقیقت الامر کو واضح کیا کہ اس قسم کا قطعی انسداد محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے حرمت شراب کا حکم سن لینے سے ہی ہو گیا۔ اور یہ ربانی مصلحین ہی کا کام ہے کہ ان کے ذرا سے اشارہ سے بدیوں کا ایسا قطعی استحصال ہو جاتا ہے کہ کوئی دُنیوی حکومت اس قسم کا استحصال نہیں کر سکتی۔ امریکہ نے بھی جو قانون بنایا ہے اس میں اس انسداد ساخت وفروخت وغیرہ کے لیے ایک سال کا نوٹس دیا ہے۔ جس سے فائدہ اٹھا کر لوگ ایک سال میں اپنے گھروں کے اندر شراب کو بھر لیں گے۔ اس کے ثبوت میں آپ نے

ڈوئی کی مثال دی، جس نے کچھ مدت ہوئی، امریکہ میں الیاس ہونے کا دعویٰ کیا تھا، اورزار روس کی مثال دی کہ مؤخرالذکر کی معزولی کی سخت ترین مصیبت میں روسیوں کو جو سب سے بڑی خوشی حاصل ہوئی وہ زار کے محلات سے نہایت پُرانی اور گندی سڑی شراب کا بافراط مل جانا تھا۔

ایسا ہی ڈاکٹر ڈوئی کے مرجانے پر بھی اس کے گھر سے شراب کے بہت بڑے سٹور برآمد ہوئے۔غرض آپ نے اس بات کو بوضاحت ثابت کیا کہ باوجود امی اور دیگر مما لک کے حالات سے ناآشنا ہونے کے آپؐ نے ان لوگوں کے اندر، جہاں شراب پینا دن رات کا شغل تھا، اس کی حرمت کا اعلان کیا اور اس کو مضر چیز قرار دیا۔جس کا یہ نتیجہ ہے کہ نہ صرف اسی وقت تمام عرب کی کایا پلٹ ہوگئی اور شراب کا نام ونشان مٹ گیا، بلکہ آج بھی مسلمانوں کے کانوں میں یہی آواز گونج رہی ہے اور دنیا بھر میں مسلمان ہی زیادہ تر اس سے بچے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے ان اعتراضات کا بھی جواب دیا جو شراب خوری کے جواز اور قرآنی آیات کی غلط تاویل کی بیہودہ کوشش بعض لوگوں کے منہ سے نکلواتی ہے۔مثلاً یہ کہ قرآن نے شراب کو حرام نہیں کیا یا حرام قرار دیا ہے تو انگور کی شراب کو۔آپ نے بتایا کہ جب قرآن نے اسے رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ (90:5)(یعنی ناپاک شیطانی عمل) کہہ دیا تو حرام قرار نہ دینے کے کیا معنی؟ کسی شیطانی عمل کو قرآن حلال قرار نہیں دے سکتا۔ایسا ہی یہ بالکل غلط ہے کہ انگور کی شراب سے منع کیا ہے، بلکہ مدینہ میں تو انگور کی شراب بنتی ہی نہ تھی۔

غرض آپ نے اس بارہ میں اسلامی تعلیمات کو واضح کرتے ہوئے اس پر خوشی کا اظہار کیا کہ اس وقت، جبکہ ہر طرف سے اسلامی سلطنتوں کے گرنے کی آوازیں آرہی ہیں، اسلامی اصولوں کی فتح ہمارے دلوں کو بندھانے والی ہے۔آپ نے بتایا کہ اس بات کو کہ کس طرح دیگر اقوام اور مذاہب اسلام کے اصولوں کے سامنے جھکتے چلے جارہے ہیں، خوب وضاحت سے بیان کیا جاسکتا ہے۔کیونکہ آپ نے اس کو خاص طور پر مطالعہ کیا ہے۔ لیکن اس کا یہ موقعہ نہیں۔اس کے ساتھ ہی آپ نے امریکہ کی اس مثال کی تقلید کے لیے گورنمنٹ انگریزی سے استدعا کرنے کی تحریک کی۔

☆ پہلا ریزولیوشن، جس میں یہ خواہش کی گئی تھی کہ امریکہ کی طرح ہندوستان میں بھی شراب کی ساخت اور درآمد و برآمد فروخت کو بند کر دیا جائے، پیش کرتے ہوئے یہ بتایا کہ ہم اس ریزولیوشن کے ذریعہ

حکومت سے دراصل اپنی اخلاقی حفاظت چاہتے ہیں۔ اور اس حالت میں جبکہ حضور ملک معظم بھی اپنی میز پر سے شراب کو اٹھوا چکے ہیں، اس مضر چیز سے ملک کو بچانا اور امریکہ کی مثال کی تقلید کرنا ازبس ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن آئے گا جب انگلستان کو ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ لیکن جو کام پیچھے ہی کرنا ہے، اسے کیوں نہ پہلے ہی کرلیا جائے اور آنے والے خطرات ونقصانات سے ملک کو محفوظ کر دیا جائے۔

غرض آپ نے اس ریزولیوشن کی اہمیت کو بوضاحت بیان کیا اور تمام حاضرین سے، جن میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو، سکھ اور دیگر اقوام کے لوگ بھی شامل تھے، اس کی تائید کے لیے کہا۔ جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ریزولیوشن کے اصل الفاظ پڑھ کر سنائے جو حسب ذیل ہیں:

> ''یہ پبلک جلسہ زیر اہتمام احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور گورنمنٹ کی خدمت میں استدعا کرتا ہے کہ ہندوستان کو شراب کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اسی قسم کا قانون نافذ کیا جائے، جیسا کہ امریکہ نے جاری کیا ہے اور ہندوستان میں بھی شراب کی ساخت وفروخت اور درآمد وبرآمد کو ممنوع قرار دیا جائے۔''

اس ریزولیوشن کی تائید کے لیے میاں چراغ الدین صاحب سیکرٹری ٹمپرنس ایسوسی ایشن لاہور کھڑے ہوئے۔ جنہوں نے شراب کے متعلق ہر قسم کے اعداد وشمار بتاتے ہوئے اس ریزولیوشن کی اہمیت کو اور بھی واضح کیا اور دکھایا کہ کس طرح سے ہر سال ہندوستان، بالخصوص پنجاب میں، مے نوشی میں ترقی ہوتی چلی جارہی ہے۔ ان تمام اعداد وشمار کو ایک علیحدہ مستقل مضمون میں کسی آئندہ اشاعت میں نقل کیا جائے گا۔ ہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میاں چراغ الدین صاحب نے افسوس کے ساتھ اس بات کو بیان کیا کہ گذشتہ سال وائسرائے لیگل کونسل میں مسٹر شرما نے انسداد مے نوشی کے متعلق ایک ریزولیوشن پیش کیا تھا، جس کی تائید تمام غیر سرکاری ممبروں نے کی۔ لیکن سرکاری ممبروں کی کثرت رائے کے خلاف ہونے کی وجہ سے ریزولیوشن مسترد ہو گیا۔ ایسی حالت میں ہمارے حوصلے بہت کچھ پست ہو جاتے ہیں۔ لیکن احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی یہ آواز، امید ہے کہ ملک کی دیگر تمام سوسائٹیوں کی تائیدی آوازوں سے اور زیادہ قوی ہو کر اس شاندار مقصد کی انجام دہی میں کامیاب ثابت ہو گی۔

میاں چراغ الدین صاحب کے بعد جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور سردار عبدالحمید صاحب بنیرہ، امیر شیر علی صاحب سابق والیٔ کابل نے اس کی پرزور تائید کی اور ریزولیوشن باتفاق رائے پاس ہوا۔

☆اس کے بعد دوسرا ریزولیوشن خود صاحب صدر حضرت مولیٰنا مولوی صدر الدین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی کی طرف سے پیش ہوا کہ:

''پریذیڈنٹ ولسن واہل امریکہ کی خدمت میں ایسے مبارک اصول کے قیام کی مبارک باد دی جائے، جس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے دنیا میں رائج کیا۔''

حضرت مولیٰنا نے اس ریزولیوشن کو پیش کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دوسرے لوگوں کی بھی خوبیوں کی قدر کیا کرتے تھے۔ اوراس کے ثبوت میں آپ نے سفانہ بنت حاتم طائی کا قصہ سنایا کہ جب وہ قیدیوں میں پکڑی ہوئی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی۔ جب آپؐ کو معلوم ہوا کہ یہ حاتم طائی کی بیٹی ہے تو آپؐ نے سفید چادر بچھا کر عزت کے ساتھ اس کو بٹھایا اور اسے رہائی محض اس وجہ سے دے دی کہ اس کا باپ حاتم بڑا سخی مرد تھا۔ لیکن اس لڑکی نے کہا کہ میں اس قید سے کیسے نکل سکتی ہوں، جبکہ میری سہیلیاں پابہ زنجیر ہیں۔ اس پر آپؐ نے ان سب عورتوں کو، جو اس کے ساتھ تھیں، چھوڑ دیا۔ ایسی ہی اور بھی آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں سے بعض باتیں سنائیں اور اس کی تقلید کی نصیحت کرتے ہوئے اس ریزولیوشن کو پاس کرنے کے لیے کہا۔ جس کے ساتھ حاضرین نے اتفاق رائے ظاہر کیا اور ریزولیوشن پاس ہوا۔

☆ تیسرا ریزولیوشن جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے بدیں الفاظ پیش کیا کہ:

''تمام پبلک کو تحریک کی جائے کہ سارے ملک میں اسی قسم کے جلسے منعقد کیے جائیں۔''

اس ریزولیوشن کی تائید 1۔ پنڈت نرنجن ناتھ صاحب سیکرٹری پنجاب ٹمپرنس سوسائٹی لاہور 2۔ یہاں نظام الدین صاحب سابق اکاؤنٹینٹ ریاست بھوپال ورکن انجمن حمایت اسلام لاہور 3۔ سردار رام سنگھ صاحب سیکرٹری ٹمپرنس سوسائٹی فیروز پور نے کی۔ جو حاضرین کے اتفاق رائے سے پاس ہوا۔

☆ چوتھا اور آخری ریزولیوشن مولوی مصطفیٰ خاں صاحب بی۔اے نے بدیں الفاظ پیش کیا کہ:

''ایکسی لینسی وائسرائے گورنر جنرل وحضور لیفٹیننٹ گورنر پنجاب، جملہ انجمن ہائے اسلامیہ وٹمپرنس سوسائٹیوں ودیگر ممتاز مجالس کو اور اخبارات میں ان ریزولیوشنوں کی نقلیں بھیجی جائیں۔''

آپ نے اس ریزولیوشن کو پیش کرتے ہوئے اس قدر زائد بات بیان کی کہ اگر گورنمنٹ عالیہ اس استدعا پر عمل پیرا ہو، جو انسدادِ مے نوشی کے متعلق ہم نے کی ہے، تو اس سے جہاں ریونیوڈیپارٹمنٹ (محکمہ آبکاری کو نقصان ہوگا) وہیں فوجداری مقدمات میں بہت کچھ سہولت ہو جائے گی۔اور پولیس کا بہت سا وقت بالخصوص ایسے مقدمات میں ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔ جہاں شراب خوری ملزمین کی بریت کی آخری وجہ پائی جاتی اور تفتیش وغیرہ کا سارا وقت رائیگاں چلا جاتا ہے۔اس سے ایک حد تک اخراجات کی بھی تخفیف ہو جائے گی، جو ممکن ہے محکمہ آبکاری کے نقصان کی تلافی کر سکے۔

اس ریزولیوشن کی تائید لالہ درگا داس صاحب خلف مہنت چرنداس صاحب سوداگر ادویات نے کی اور باتفاق رائے پاس ہوا۔اس پر جلسہ بخیر وخوبی ختم ہوا۔

یہ تمام روئیداد اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ ملک کے بہی خواہ حضرات ان ریزولیوشنوں کو، جو انجمن نے پاس کیے ہیں، بروئے کار لانے میں کوشاں ہوں۔کیا ہم امید کریں کہ سارے آنریبل ممبران کونسل بالخصوص مسلمان سربرآوردہ اصحاب اس قسم کے قانونی مسودات مرتب کر کے، جن میں پہلے ریزولیوشن کا مفہوم پایا جائے، قانونی کونسلوں میں انہیں پیش کریں گے۔کیا ملک کے اسلامی اور غیر اسلامی اخبارات، تمام مذہبی اور دیگر مجالس، بالخصوص انجمن حمایت اسلام لاہور، ندوۃ العلماء دیوبند، انجمن علماء بنگال، اہل حدیث کانفرنس اور انجمن ہدایت الاسلام وغیرہ وغیرہ اپنی تائیدی آوازوں سے اس اہم ریزولیوشنوں کو بصورت قانون نافذ کرانے میں کوشاں ہوں گی؟

☆☆☆

کابل میں احمدیت

پیغام صلح کی کسی گذشتہ اشاعت میں جلسہ سالانہ کی روئیداد لکھتے ہوئے مولوی محمد رسول صاحب کابلی کے ذکر میں ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ مولوی صاحب گذشتہ سے پیوستہ سال کابل سے لاہور اور قادیان دونوں جگہ پر آئے۔ لیکن اپنی واقفیت انہوں نے نہیں کرائی۔ اس وقت آپ ہر دو فریق یعنی میاں صاحب اور حضرت امیر ایدہ اللہ کی کتب در بارہ مسائل اختلافی خرید کر لے گئے۔ جن کا فارسی میں ترجمہ کر کے وہاں احمدیوں کو ان کے مطالب سے آگاہ کیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ سب کے سب میاں صاحب کی بیعت کو فسخ کر کے ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ ہمارے اس بیان پر الفضل کو بہت تکلیف ہوئی ہے اور اس نے ''احمدیان کابل کے متعلق غلط بیانی'' کے عنوان سے آٹھ کالم کا ایک لیٹر دھر گھسیٹا ہے۔ جس میں سارا زور اس بات پر ہے کہ:

1۔ مولوی محمد رسول صاحب گذشتہ سے پیوستہ سال قادیان نہیں آئے۔ نہ وہاں سے کتابیں خرید کر لے گئے اور نہ وہاں جا کر فارسی میں ترجمہ کر کے سنایا۔

2۔ شہید مرحوم حضرت مولٰینا عبداللطیف صاحب حضرت صاحب کو مجدد اور محدث نہیں مانتے تھے، بلکہ نبی یقین کرتے، جیسا کہ ان کا قول ہے ''مسیح موعود محمد است و عین محمد است۔''

3۔ یہ غلط ہے کہ کابل میں شہید مرحوم کے قتل کے بعد وہاں کے عمائدین نے کوئی تحقیقات کیں اور حضرت صاحب کی کتب کو پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ شہید مرحوم نے حق پر شہادت پائی ہے اور وہاں احمدیوں سے تعرض کیا جانا بھی غلط ہے۔

4۔ اگر یہ سب باتیں، جو پیغام صلح میں بیان ہوئی ہیں، غلط نہیں تو مولوی محمد علی صاحب وہاں جا کر تبلیغ کریں اور اگر مستقل طور پر نہیں تو عارضی طور پر وہاں رہیں۔

نمبر اول کے متعلق ممکن ہے ہمارے الفاظ سے غلطی لگی ہو۔ مولوی محمد مقبول صاحب قادیان کے عزم سے بٹالہ تک گذشتہ سے پیوستہ سال گئے۔ لیکن کسی وجہ سے انہیں واپس آنا پڑا اور دوسرے ذرائع سے انہوں نے فریقین کی کتب بہم پہنچائیں۔ ترجمہ بھی انہوں نے خود کر کے نہیں سنایا، بلکہ ایک اور صاحب نے ان کا ترجمہ کیا تھا۔ ہاں یہ امر واقعہ ہے کہ ان کتب کے مطلب جب کابل کے احمدیوں کو معلوم ہوئے اور میاں صاحب کے

عقائد کا ان کا پتہ لگا، تو انہوں نے ان سے اظہار نفرت کیا اور ہمارے عقائد ہی کی تائید کی۔ الفضل کا بے نام راوی معلوم نہیں کیوں اس کا منکر ہے اور اس کا انکار ایک امر واقعہ کو کیونکر جھٹلا سکتا ہے۔

حضرت مولٰنا عبداللطیف صاحب کے متعلق بھی یہ بالکل افترا ہے کہ آپ حضرت صاحب کو نبی سمجھتے تھے۔ آپ کے الفاظ ''مسیح موعود محمد است وعین محمد است'' ہرگز اس افتراء کو صحیح ثابت کرنے والے نہیں۔ انہوں نے اگر مسیح موعود کو عین محمد قرار دیا تو اس بروزی کیفیت کے لحاظ سے جو آپ کو حاصل تھی۔ اور ظل اور بروز کبھی اصل نہیں ہو جاتا۔ نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ایک نبی کا ظل بھی ضرور نبی ہو، بلکہ نبوت تو کسی کا ظل نہیں ہوتی نبوت کسبی نہیں اور نہ کسی کے اتباع سے ملتی ہے کیونکہ وہ موہبت ہے۔ اور ظلی حالت اتباع اور کسب کو چاہتی ہے۔ پس اس ایک فقرہ سے یہ ثابت کرنا کہ سید عبداللطیف صاحب مسیح موعود کو نبی سمجھتے تھے، قیاس مع الفارق ہے۔

رہا یہ کہ کابل میں وہ واقعات ظہور پذیر ہوئے یا نہیں، جن کا مولوی محمد رسول صاحب نے ذکر کیا ہے، ہمیں اس میں پڑنے کی ضرورت نہیں...... خود الفضل نے بھی وہاں کے احمدیوں کی تعداد ہزاروں ہی لکھی ہے۔ پھر ایسے ملک میں، جہاں احمدیت کی خاطر ایک نہایت عزیز جان کو جو لوگوں میں بہت عزت اور وقر رکھتی تھی، شہید کر دیا جاتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں احمدی ہو جانا کیونکر قرین قیاس ہے۔ سوائے اس کے کہ شہید مرحوم کے بعد ذی اقتدار اصحاب نے خود سلسلہ سے واقفیت حاصل کر لی ہو اور اسے حق پر پا کر تعرض کرنا چھوڑ دیا ہو۔

تعجب ہے کہ ان ظاہر واقعات کو الفضل ''غلط بیانی'' قرار دیتا ہے، اسے گوارا نہیں کہ احمدیت کو بلا روک ٹوک کابل میں پھیلتا ہوا سن سکے۔ ہاں اس کی خواہش ہے کہ حضرت امیر ایدہ اللہ وہاں جا کر تبلیغ کریں۔ شاید خلافت مآب کا عارضی طور پر ہی پیچھا چھڑانے کی یہی تجویز نظر آئی ہو۔ لیکن کاش وہ یہ بھی تو بتا دیتا کہ وہ جنہیں ''عمر'' ہونے کا دعوٰی ہے، کیوں باہر نہیں نکلتے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ کو تو جانے کی جب ضرورت پیش آئے گی دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو ان کے بغیر ہی وہاں کام ہو رہا ہے۔ ضرورت تو وہاں میاں صاحب کی ہے۔

پس جناب عمر ثانی اولوالعزم باہر نکلیں اور وہاں جا کر اور نہیں تو کم از کم اپنے بگڑے ہوئے مریدوں کو ہی راہ راست پر لانے میں کوشاں ہوں۔ کیا ہم امید کریں کہ الفضل اس کے لیے میاں صاحب کو تیار کرے گا۔

2 فروری 1919ء

پریذیڈنٹ ولسن کومبارک باد کا تار

گذشتہ اشاعت میں اس ریزولیوشن کو نقل کیا جا چکا ہے جو اس پبلک جلسہ میں، جو امریکہ کے انسداد مے نوشی کی تقریب پر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے زیر اہتمام ہوا، پریذیڈنٹ ولسن رئیس جمہوریہ امریکہ کو مبارک باد کا تار دینے کے متعلق پاس ہوا تھا۔ اس ریزولیوشن کی تعمیل میں حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب نے حسب ذیل تار پریذیڈنٹ موصوف کو پیرس میں دیا ہے۔

> ''احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور (ہندوستان) آپ کو اور تمام امریکن قوم کو انسدادِ مے نوشی پر جو عالم اسلامی کی خاص خوشی کا موجب ہے کیونکہ اس قسم کا قانون دنیا میں سب سے پہلے ذاتِ مقدس نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رائج کیا تھا، مبارک باد عرض کرتی ہے۔''

محمد علی

پریذیڈنٹ

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام، لاہور

❁❁❁

23 فروری 1919ء

فرمودات حضرت امیر

ہمارے دینی تقاضے اور ذمہ داریاں

(حضرت امیر ایدہ اللہ کا خطاب فرمودہ 27 دسمبر 1918ء برموقعہ جلسہ سالانہ)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیٰناؒ نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی:

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡہِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَکَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ. (16:57)

ترجمہ: ''کیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے نرم ہو جائیں اور اس کے (لیے) جو حق سے اترا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی۔ پھر ان پر لمبا زمانہ گزر گیا، تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔''

اور پھر آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو یا ان لوگوں کو جنہیں چار سال اس بات کو سنتے ہوئے گذر گئے ہوں کہ تمہارے ناحق پر ہونے کی ایک ہی دلیل ہے کہ تم تھوڑے ہو۔ جن کی تعداد صرف چار پانچ سو ہی قرار دی جاتی تھی۔ شاید موجودہ نظارہ جو اس وقت ہمارے سامنے ہے، جہاں ان کے خوش کرنے کے لیے کافی ہے۔ وہیں بہت سے دلوں کو اس نظارہ کو دیکھ کر تکلیف بھی ہوئی ہو گی۔ لیکن یہ خوشی کوئی اس لیے نہیں کہ کثرت کو کسی کی صداقت کا معیار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ جب میں نے بھی آپ لوگوں کو دعوت دی کہ آپ اس قومی اجتماع میں شامل ہوں۔ تو اس نیت سے نہیں کہ کوئی جتھا ہو اور مقابل گروہ کو کہہ سکیں کہ ہمارے ساتھ اتنے آدمی ہیں۔ کیا ہی کمینہ وہ جواب تھا جو ہم کو پرسوں دیا گیا۔ چار سال تک ہم محض احقاق حق کے لیے مباحثہ کا وقت

رکھتے رہے اور میاں صاحب کو اور ان کے مریدین کو دعوت دیتے رہے کہ وہ ہمارے جلسہ پر آئیں اور ہماری باتیں سنیں اور ان پر اعتراض کریں۔لیکن کیا جواب دیا گیا؟ جب میاں صاحب کو ہم نے اس جلسہ پر آنے کے لیے کہا کہ تم اپنے جلسہ کی رونق بڑھانے کے لیے ہمیں بلاتے ہو اور یہ تم نے چالاکی کی ہے۔اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔میرے وہم میں بھی کبھی یہ نہیں آیا کہ جلسہ کی رونق کو اس طرح بڑھایا جائے۔

تھوڑے یا زیادہ ہونا

یہ کوئی ذلت یا فخر کی بات نہیں۔ بلکہ کثرت تو ایسی چیز ہے کہ انسان اس سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ بہت ہونا بھی بعض اوقات ذلت کا موجب ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ابھی موجودہ اختلاف نہ ہوا تھا کہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے اپنا ایک الہام سنایا کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً (249:2) حضرت مولانا نورالدین صاحب کی وفات اس کے جلد ہی بعد واقعہ ہوتی ہے۔ مجھے اسی وقت خیال تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس سنت کی طرف اشارہ ہے کہ جب حق و باطل میں جھگڑا ہوتا ہے تو پہلے حق کے ساتھ تھوڑے ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے ساتھ وہ کثیر گروہ پر غالب آتے اور بڑھ جاتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی تائید معلوم نہیں ہوسکتی جب تک کہ کمزوری کی حالت سے نہ اٹھیں۔ اگر پہلے ہی دن سب کچھ کیا کرایا مل جائے تو اس کی نصرت کا پتہ کیونکر لگے؟

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اس وقت ایک ایسی جماعت کو کھڑا کر دیا جو بظاہر کمزور نظر آتی تھی۔ مگر اس نے اس کی تائید کی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ پاک تعلیم جو اس کے مسیحؑ نے آ کر دی، ملیا میٹ ہو جائے۔ جس طرح پہلے مسیحؑ کی اصل تعلیم کا آج نام و نشان پایا نہیں جاتا اور توحید کی جگہ تثلیث نے لے لی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ نظارہ خوش کرنے کے لیے کافی نہیں۔ بہت ہوں اور ہمت نہ ہو، تو کوئی فائدہ اس کا نہیں۔

تھوڑے ہوں اور باہمت ہوں

تو وہ ان سے بہت بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اس لیے کمی اور بہتات کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ایک وقت مسلمانوں پر آتا ہے کہ تین سو تیرہ آدمی ہزار آدمیوں پر غالب آ سکتے ہیں۔ ایک وقت 3 ہزار 24 ہزار پر غالب

آ جاتے ہیں۔لیکن ایک دوسرے وقت بارہ ہزار کا لشکر چار ہزار کے سامنے بھاگ جاتا ہے۔ جنگ بدر میں تین سو تیرہ مسلمان ایک ہزار کفار پر غالب آتے ہیں۔ جنگ احد میں 700 تین ہزار پر غلبہ پاتے ہیں اور غزوہ احزاب میں تین ہزار چوبیس ہزار پر۔لیکن وہی مسلمان جنگِ حنین میں بارہ ہزار ہو کر چار ہزار کفار سے شکست کھا جاتے ہیں۔ کیوں؟ قرآن کریم وجہ بتاتا ہے: یَوۡمَ حُنَیۡنٍ اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ (25:9) حنین کے دن تمہیں تمہاری کثرت نے عُجب میں ڈال دیا فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡکُمۡ شَیۡئًا (25:19) پس اس نے تم کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ یہ ہے کثرت کا حال۔ آگے فرماتا ہے: وَّضَاقَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ (25:9) زمین باوجود اپنی وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی، ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ (25:9) پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ پس یہ تو ہے کثرت کی حقیقت۔ اس لیے اگر آج یہ فخر پیدا ہوا کہ ہم بہت ہیں، تو [یہ فخر ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کیا چاہتا ہے۔ وہ کسی کثرت تعداد کا خواہاں نہیں۔ بلکہ فرماتا ہے: اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ (16:57) کیا ابھی وقت نہیں آیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے کہ ان کے دل گر جائیں، پست ہو جائیں اللہ کے ذکر کے سامنے۔ اور اس کے لیے جو کچھ حق سے نازل ہوا۔

کیا ہم نے نہیں دیکھا کہ اس وقت قوموں نے کس طرح سے اپنے مقاصد کی خاطر اور اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے اپنے آپ کو قربان کر دیا ہے۔ کیا یہ نظارہ ہمارے لیے کافی نہیں کہ کس طرح قوموں کی قومیں کٹوا دی گئیں اور لاکھوں انسان ہلاک اور تباہ ہو گئے۔ پھر کیا ابھی مسلمانوں پر وقت نہیں آیا کہ وہ دیکھیں کہ کس طرح ایک عالمگیر مصیبت میں دنیا مبتلا ہو گئی اور خدا کا عذاب سب پر حاوی ہو گیا۔ پھر کیا ایسے نظاروں کے دیکھتے ہوئے ابھی انہیں کام کی فکر پیدا نہیں ہوتی اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے جھک نہیں جاتے۔ یہ جو فکر لوگوں کو ہوتا ہے کہ ہم اگر کوئی خدمت دین کا کام کریں گے تو بال بچے کیا کریں گے؟ وہ کہاں سے کھائیں گے؟ اس خدا نے ہمارے سامنے ایک عالمگیر مصیبت کے نظارے کو لا کر بتا دیا ہے کہ یہ بالکل لغو بہانے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود نے رؤیا میں دیکھا تھا کہ بہت سی بھیڑیں ہیں اور چند قصاب بیٹھے ہیں۔ اور کسی حکم کی انتظار میں آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ معاً انہیں حکم ہوتا ہے اور وہ ان کے گلوں پر چھریاں چلا دیتے

ہیں۔ وہ تڑپتی ہیں تو وہ قصاب کہتے ہیں۔ کیا ہو؟ گوہ کھانے والی بھیڑیں ہی ہو! ان سے کون مراد ہیں؟ یہی دنیا کی خواہشات رکھنے والے انسان۔ خدا کو کسی کی کیا پرواہ ہے۔ اس کی کروڑ در کروڑ مخلوق میں انسان کیا چیز ہے۔ تو ان واقعات کو دیکھ کر کیا تمہارے اوپر وہ وقت نہیں آیا کہ تم سمجھ لو کہ اس غرض کے لیے تم جماعت نہیں بنے کہ سال کے بعد ایک جگہ پر جمع ہو گئے اور کچھ تقریریں سن کر دل خوش کر لیا۔ تم نے خدا کے مامور کے ہاتھ پر عہد کیا ہے۔ کیا اس کی کوئی ذمہ داری تم پر عائد نہیں ہوتی۔ کیا اس عہد کو پورا کرنا ہمارا فرض نہیں۔ کب تک ہم ان باتوں کو ٹالتے رہیں گے۔ اپنی ذمہ داری کو نہ دیکھنا اور عہد کو مدنظر نہ رکھنا یہ ایک بڑی خطرناک غلطی ہے۔

ہمارے عہدوں کی حالت یہ ہے کہ ابھی رات کو محمد عجب خان صاحب نے دستخط کرانے شروع کیے کہ ہم بکلّی اپنے آپ کو شریعت اسلامی کے تابع کریں گے اور تمام امور میں جو ہمارے امکان میں ہیں، شریعت پر کار بند ہوں گے۔ یہ ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا کام ہے۔ مگر اس تحریر کا ہمارے سامنے آنا درحقیقت ہماری خطرناک ہتک تھی۔ یہ ایسا ہی تھا جس طرح ایک شخص ٹمپرنس سوسائٹی کا ہمارے پاس آئے اور شراب نہ پینے کا اقرار ہم سے مانگے۔ تو ہم اس کو اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ کام تو اچھا ہے۔ مگر جب ہم خدا اور رسولؐ کے حکم کے ماتحت اسے چھوڑ چکے تو کسی انسان سے اقرار کرنے کے کیا معنی؟ لیکن اس کاغذ کے اوپر سب سے پہلا دستخط کرنے والا میں ہوں۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ قوم کے اندر ابھی وہ حالت پیدا نہیں ہوئی کہ اس اقرار نامہ کی اسے ضرورت نہ ہو۔ قوم اس وقت ابھی ایک ناقص حالت میں ہے۔ بظاہر کہنے کو سب کچھ مانتے ہیں لیکن اس قدر نہیں۔ ابھی بہت چیزوں کی حکومت کے وہ نیچے ہے۔ رسم و رواج کی حکومت ابھی نہیں اٹھی۔ بعض حصے میں عورتوں کی وہ حکومت ہے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ ایک شخص ایک نیک کام کرنا چاہتا ہے، اس کی عورت اس کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (14:64) میں اسی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ دین کی خدمت میں نیکی کے اختیار کرنے میں عورتیں اور بیٹے اگر حائل ہوتے ہیں تو وہ تمہارے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ عورتوں کا قصور نہیں۔ یہ بھی مردوں کا اپنا قصور ہے۔ عورتیں ضروریات دین سے بے خبر ہیں۔ ان کو علم نہیں کہ دین اسلام کن مصائب کے نیچے ہے اور اس وقت اس کی خدمت کے لیے کس طرح جانفروشی کی ضرورت ہے۔ ان کو ہم نے خود ناواقف رکھا ہوا ہے۔ پھر اگر ایک شخص کام کرنے کا پورا عزم کر لے تو

دنیا کی کوئی چیز اس کی راہ میں روک نہیں ہو سکتی۔خود باہمت بننا مشکل ہے۔

اب ہم میں سے چند آدمی ہیں۔انہوں نے آپس میں یہ عہد کیا کہ جہاں کہیں بھی انہیں جس وقت بھیجا جائے گا، وہ جانے کو تیار ہیں۔جو شخص ہمت کر کے یہ الفاظ ایک دفعہ منہ سے نکال دیتا ہے۔اسے چاہیئے کہ اب ان پر ثابت قدم رہے۔میں کہتا ہوں کہ وہ بیبیاں جو اس وقت جانے میں روک ہیں، اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے یہ کام کرنا ہے،تو وہ خوشی سے اجازت دیں گی۔اگر انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ بات اب ٹلنے والی نہیں۔ان کے خاوند جس بات کا ارادہ کر چکے ہیں،اب وہ اس سے ہٹنے والے نہیں۔تو وہ روک نہ رہیں گی۔

خود دلوں کے اندر عزم ہونا چاہیئے

یہ ایک کمزوری کی بات ہے جو میں نے جماعت میں دیکھی کہ عورتوں یا بچوں کی وجہ سے وہ اپنے عزم کو ترک کر دیتے ہیں۔ایک حدیث میں آتا ہے۔ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ ہر ایک تم میں سے بادشاہ ہے۔اور ہر ایک سے اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔کس بات کا بادشاہ ہے؟ ہر ایک کے ذمہ کچھ حقوق ہیں جن کو ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے اور وہ ان کے متعلق پوچھا جائے گا، وہ ان کے لیے جواب دہ ہے۔یہی اس کی بادشاہت ہے۔اس لیے تم ان حقوق کو ادا کرو۔جو دین کے بارہ میں تم پر عائد ہوتے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں ایک لفظ منہ سے نکال کر پھر مرد بننا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں انسانیت یہی ہے کہ جو بات منہ سے کہے اسے پورا کر کے دکھائے۔ایک حیوان اور انسان میں کیا فرق ہے؟ حیوان کو تم پکڑ لو، اسے جوت لو، کوئی کام اس سے لے لو۔وہ تمہارے کرانے پر کرے گا۔ برخلاف اس کے انسان کے اندر خود بخود کرنا ڈالا گیا ہے۔پس اگر اپنے سروں پر کوئی ذمہ داری قبول کی ہے تو اسے پورا کرو۔دیکھو! بات کو منہ سے نکال دینا بڑا آسان ہے۔لیکن اس کو کر کے دکھانا بڑا مشکل ہے۔کسی کام کو کرنے سے پہلے اسے سوچو اور خوب غور کرو۔لیکن جب اسے اختیار کر لو تو پھر کر گزرو۔پھر سوچنے کا وقت نہیں۔تمہارے سوچنے کا وقت وہ تھا جب تم ابھی اس سلسلہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔اس وقت تم حق رکھتے تھے کہ قبل اس کے کہ اس سلسلہ میں داخل ہوتے، خوب سوچتے اور غور کرتے کہ اس میں شامل ہونا کیا تمہارے لیے ضروری اور مفید ہے یا نہیں۔لیکن جب تم داخل ہو گئے، جب تم نے

خدا کے مامور کے ہاتھ پر کام کرنے کا عہد کرلیا تو سوچنے کا وقت گزر چکا۔ اب کام کرنے کا وقت ہے۔ کام کرتے وقت سوچا نہیں کرتے۔ اگر تم اس کام کو صحیح نہیں جانتے تو پہلے ہی اسے قبول نہیں کرنا تھا۔ لیکن جبکہ قبول کرلیا تو اب کام کر لینا چاہیئے۔ جو لوگ ایسا کرنے والے ہیں کہ ایک کام کا عزم کر کے پھر اسے کرتے نہیں ان کے متعلق قرآن کریم نے بڑی تحدید فرمائی ہے۔ فرماتا ہے: لِمَا تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ. پس تمہارے یہ اقرار محض شاعروں کی شاعری ہی نہ ہوں۔ اقرار کرنے سے پہلے بیشک جتنا چاہو اس پر غور کرو۔ لیکن جب غور اور فکر کر کے ایک جگہ پہنچ گئے تو اب اس سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔ بلکہ آگے قدم اٹھاؤ۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم میں سے کتنے انسان تباہ ہو گئے۔ کیا اس عظیم الشان روسی قوم کی آج کوئی طاقت نظر آتی ہے، جو کل تک ایک تہائی حصہ دنیا پر حکمران تھی۔ کیا نہیں دیکھتے کہ بڑے بڑے تاجر، بڑے بڑے علم اور روپیہ والے لوگ اس جنگ کی نذر ہو گئے۔ کیا یہاں سے لوگوں نے حقیر تنخواہوں کے لیے جا کر اپنے سر نہیں کٹوا دیئے۔ پھر یہ تو بڑی ہی کم ہمتی ہے کہ جب دنیا کے لیے اپنے اوپر دکھوں کو قبول کرتے ہو تو دین کے لیے نہ کرو۔ وہ مجنون کا خطاب، جو انبیاءؑ کو دیا کرتے ہیں ضروری ہے کہ وہ تم پر بھی عائد ہو۔ لوگ ان کو مجنون کیوں کہتے ہیں؟ اس لیے کہ ان کو ایک بات کی ہی دُھن لگ جاتی ہے۔ اسی لیے وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔

وہ جو منافق لوگ مسلمانوں کو کہا کرتے تھے۔ اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ(13:2) (کیا ہم ایمان لے آئیں، جس طرح یہ بیوقوف لوگ ایمان لے آئے) وہ کیا بات تھی جس کے لیے وہ مسلمانوں کو بے وقوف کہتے تھے۔ مسلمانوں نے کیا کیا کہ ان کی نظروں میں بیوقوف کہلائے۔ وہ یہی تھا کہ انہوں نے اپنے گھر بار، وطن، جائیدادیں اور عزیز و اقارب سب چھوڑ دیئے۔ ورنہ بظاہر تو وہ منافق بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے یہ سب کچھ چھوڑا نہیں اور مسلمانوں نے دین کی خاطر انہیں چھوڑا۔ لیکن یاد رکھو! ان کے لیے جو نہیں چھوڑتے کیا فتویٰ ہے؟ قیامت میں کیا، اس دنیا میں ہی وہ بھی ان چیزوں سے الگ کر دیئے جاتے ہیں۔ اور قیامت میں ان کی یہ حالت بیان کرتا ہے کہ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ(14:57) وہ مسلمانوں کو اس وقت افضال الٰہی کے اندر دیکھ کر پکاریں گے۔ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ قَالُوْا بَلٰى کہیں گے ہاں! ظاہر میں بیشک تم ہمارے ساتھ تھے۔ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ لیکن تمہاری جانوں نے تمہیں فتنہ میں ڈالا، وَتَرَبَّصْتُمْ اور تم انتظار میں پڑے رہے

کہ مسلمان کب تباہ ہوتے ہیں۔ وَارْتَبْتُمْ اور شکوں کے اندر مبتلا رہے کہ خدا جانے یہ جو کچھ کہتا ہے، سچ بھی ہے یا نہیں۔ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ اور تمہاری خواہشات نے تمہیں دھوکا میں ڈالا۔ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ یہاں تک کہ اللہ کی سزا آ گئی۔ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ اور شیطان نے اللہ سے تمہیں دھوکا میں ڈالے رکھا۔ شیطان کا بہکانا کیا ہوتا ہے؟ وہ طرح طرح کی خواہش انسان کے اندر ڈال دیتا ہے۔ جو دین کے رستہ میں اس کے لیے روک ہو جاتی ہیں۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ۔ (268:2)

یہ تو ان منافق لوگوں کا حال ہے۔ وہ تو ایک گروہ تھا جو اسلام کا دل سے دشمن تھا۔ لیکن وہ لوگ جو ان منافقوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتے ہیں وہ بھی فائدہ میں نہیں۔ منافقوں کے ساتھ یہ مشابہت ہے کہ ظاہر میں کہے کہ میں ساتھ ہوں، لیکن عملی طور پر ساتھ نہ دے اور کر کے کچھ نہ دکھائے۔ کیا وہ لوگ، جو ایک عمارت بن رہی ہو اور وہ اس کا سامان بہم نہ پہنچائیں، وہ اس کے بنانے والے سمجھے جائیں گے؟ اس لیے جو شخص دل کے ساتھ شامل نہیں ہوتا وہ ہمارے ساتھ نہیں۔ وہ، جس نے دل کے ساتھ یہ نہیں ٹھان لیا کہ دین کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنا ہے اور تمام مشکلات کو اپنے اوپر برداشت کر کے ہی اسلام کی خدمت کرنی ہے، وہ سلسلہ کی اصل غرض کو سمجھا ہی نہیں۔ کیا منہ سے ان لوگوں نے بھی نہیں مان لیا تھا جن کو منافق کہا جاتا ہے۔ کیا بُرا کام انہوں نے کیا تھا؟ منہ سے تو وہ اسلام کو مانتے تھے۔ لیکن جب وقت آیا تو کہنے لگے اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ (13:33) ہمارے گھر خالی ہیں، وہاں حفاظت کرنے والا کوئی نہیں۔ آج بھی اگر یہی عذر پیش ہو تو کیا فرق ہے ان میں اور ہم میں۔ منہ سے کہنے کو تو بہت ہیں۔ لیکن جس وقت کام کرنے کا وقت آتا ہے، اس وقت وہ انسان نہیں جو عذر کرنے لگ جائے۔ کیا جس وقت کوئی تمہارا عزیز بیمار ہوتا ہے تو باوجود سخت خطرات کے تم ان کی خدمت اور تیمارداری نہیں کرتے؟ پھر وہ تو ابھی قریبی ہیں۔ اگر کوئی بھی مسلمان مصیبت میں مبتلا ہو تو اس کو اس سے چھڑانا ایک مسلمان کا فرض ہے۔ یہ زندگی اس لیے نہیں بنائی گئی کہ انسان اس سے کام نہ لے۔ یہ بچا کر رکھنے کے لیے نہیں۔ اپنے دنیا کے تمام کام تم کرتے ہو، ہر قسم کی مشکلات تمہیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ مگر جب خدا کا کام آ جائے تو عذر اور حیلے موجود ہو جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں بہتیرے لفظ منہ سے نکالتے ہو، سوچ کر نکالو اور پھر ان پر عمل کر کے دکھاؤ۔ اب یہ کاغذ

تمہارے سامنے آتا ہے (جو خان عجب خان صاحب نے شریعت کی پابندی کے لیے بطور اقرار نامہ پیش کیا تھا۔ایڈیٹر) مت دستخط کرو اگر تم سمجھتے ہو کہ تم میں جرأت نہیں کہ اس پر کار بند ہو سکو۔اس وقت ہمت دکھاؤ اور صاف کہہ دو کہ ہم اس پر دستخط نہیں کرتے۔

میں نے اس کو ہمت کہا ہے۔لیکن دراصل یہ پرلے درجہ کی نامردی ہے کہ شریعت پر عمل پیرا ہونے سے انکار کیا جائے۔اگرچہ مسلمانوں نے ایسا بھی کیا ہے کہ شریعت پر اپنے رواج کو ترجیح دی ہے۔لیکن یہ پرلے درجہ کی نامردی ہے۔تمہارے اختیار میں ہے کہ اس نامردی کو اختیار کرو اپنی زندگی کی فکر کرو۔اگر تم اپنے اندر یہ ہمت دیکھتے ہو کہ اپنی بیوی بچوں کو مجبور کریں گے اور ان سے منوائیں گے تو تم کسی بات کا اقرار کرو۔ورنہ نہیں۔اس وقت اختیار میں دونوں باتیں ہیں۔چاہے تو نامردی اور کمزوری کی راہ اختیار کرو اور چاہے ہمت کر کے دکھاؤ۔اور پھر اپنی بات پر پورے طور پر قائم ہو جاؤ۔دیکھو! وہ بڑا ہی عزت کے قابل انسان ہے کہ جس کے منہ سے ایک لفظ نکلا ہوا پھر واپس نہیں آتا اور اسی پر کھڑا ہو جاتا ہے۔وہ کس کام کہ جس کے منہ سے لفظوں پر لفظ نکلتے چلے جائیں اور ان کا اثر کوئی نہ ہو۔انسانیت یہ ہے کہ انسان اپنی ذمہ داری کو پہچانے۔ایک بات کا جب تم ذمہ لیتے ہو تو چاہئیے کہ تمام رکاوٹیں تمہارے سامنے ہیچ ہو جائیں۔

کل ہی ایک واقعہ سنایا تھا کہ جنگ احد میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہو جانے کی خبر اڑ گئی۔تو بعض مسلمانوں کے دلوں میں کچھ کمزوری سی پیدا ہوئی۔ایک صحابیؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو ایک سے پوچھا کہ کیا حال ہے۔اس نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو قتل ہو گئے۔وہ کہنے لگے **اِنْ کَانَ مُحَمَّدٌ قَدْ قُتِلَ فَرَبُّ مُحَمَّدٍ لَمْ یُقْتَلْ فَقَاتَلُوْا عَلٰی مَاقَاتَلَ عَلَیْہِ** اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے ہیں تو رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو زندہ ہے وہ تو قتل نہیں ہوا۔پس لڑو اس پر جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم لڑتے تھے۔

میں بھی تمہیں کہتا ہوں کہ اگر تمہیں مسلمان نابود ہوتے ہوئے بھی نظر آئیں تو بھی اسلام کے اصول تو مر نہیں سکتے۔تم اپنے اندر ہمت دکھاؤ اور ان اصولوں کے ذریعہ سے دنیا کو اسلام کا قائل کرو۔آپ لوگ میری عزت کرتے ہیں۔میں اس سے بعض اوقات شرمندہ بھی ہوتا ہوں۔لیکن وہ عزت آپ میری نہیں، بلکہ انسانیت کی عزت کرتے ہیں۔میرح حالت تو اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس کبھی ایک غلام تھا، جس پر اس نے بہت

سے احسانات کیے اور آخر اس کو آزاد کر دیا۔ اتفاق سے وہ شخص کسی وقت خستہ حالت کو جا پہنچتا ہے اور وہ غلام بڑھتے بڑھتے ملک افریقہ کا بادشاہ بن جاتا ہے۔ وہ شخص اس کے پاس اس لیے جاتا ہے کہ ممکن ہے اس سے امداد مل سکے جس وقت جاتا ہے تو وہ شخص جو اس کا غلام تھا اور اب بادشاہ ہے، اس کی بڑی عزت کرتا ہے۔ اس کو اپنے پاس تخت پر بٹھاتا ہے۔ اس کے بیٹے جب اس کو دیکھتے ہیں تو منقبض ہوتے ہیں کہ ہمارے باپ نے کیوں ایسے آدمی کو تخت پر بٹھا لیا ہے۔ الگ ہو کر باپ سے وہ اس کی شکایت کرتے ہیں کہ اس طرح ہماری عزت کو بٹہ لگتا ہے۔ اگلے دن وہ شخص دربار لگاتا ہے اور اس دربار میں تخت پر اسی آدمی کو بٹھاتا ہے اور خود ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو میں اس کا آزاد کردہ غلام ہوں۔ میری حیثیت اس آزاد کردہ غلام سے زیادہ نہیں، نہ میرے دل میں کوئی خیال حکومت کا ہے۔ اگر ہے تو یہی کہ تم سے مطالبہ کروں گا کہ جس بات کا تم نے عہد کیا ہے اس سلسلہ میں داخل ہو کر اسے پورا کر کے دکھاؤ۔ یہ صحیح ہے کہ تمہیں حکم ہے کہ اگر تم پر کوئی حبشی غلام بھی مسلط کیا جائے تو اس کا کہا مانو۔

لیکن سچی بات یہ ہے کہ وہ اصول جس پر ہم دوسروں سے لڑتے ہیں کہ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ (38:42) اگر کسی کو ناپسند بھی ہو تو میں کہوں گا اسی پر کاربند ہونا ضروری ہے۔ میرا اصول یہی ہے کہ مشورہ سے تمام امور کا فیصلہ ہونا چاہیئے، اس سے میرا بوجھ ہلکا رہتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ جب آپ ایک فیصلہ کرتے ہیں تو میں اس کو نفاذ میں لانے والا ہوں۔ لیکن فیصلہ امور کا مشورہ سے ہی ہونا چاہیئے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد کے میدان میں کس قدر تکالیف اٹھانی پڑیں۔ لیکن کبھی آپ نے یہ نہ کہا کہ تم نے باہر جانے کا مشورہ دیا تھا اور تم نے میری رائے نہ مانی۔ اس لیے تکلیف وارد ہوئی۔ تو تم جو اقرار کرتے ہو وہ میرے ساتھ نہیں بلکہ خدا کے ساتھ اقرار کرتے ہو۔ اس اقرار کو نبھانا تمہارا کام ہے۔

میں ان بیبیوں کو سنانا چاہتا ہوں جو آج اس اقرار کے پورا ہونے میں روک ہو سکتی ہیں۔ انہیں وہ روح اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئے کہ میدان جنگ سے کچھ مسلمان بھاگ کر آتے ہیں تو ان کی عورتیں ان کے منہ پر مٹی ڈالتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم تمہیں گھروں میں داخل نہیں ہونے دیں گی۔ جاؤ اور جا کر لڑ کر مر جاؤ۔ وہ روح تمہیں پیدا کرنی چاہیئے جو اسماء بنت ابوبکرؓ کے اندر تھی۔ اس کے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ نے جب دیکھا کہ اب کوئی صورت

فتح کی نہیں تو ماں سے جا کر پوچھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئیے ۔ کیا اب میں دشمن سے دب کر صلح کرلوں ۔ اس نے کہا چلا جا اور جا کر قتل ہو جا ۔ یہ سن کر وہ اندر بڑھے کہ زرہ پہنیں ۔ ماں نے پوچھا کہاں جاتا ہے؟ کہا کہ زرّہ بکتر پہننے جاتا ہوں ۔ فرمانے لگیں جب قتل ہونا ہے تو زرّہ بکتر کی کیا ضرورت ؟ یونہی جاؤ اور لڑ کر جان دے دو ۔ جب یہ روح عورتوں کے اندر پیدا ہوتی ہے تو پھر کوئی کام بنتا ہے ۔ اس لیے سب سے پہلی بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں ۔ مجھے خوشی ہے کہ میں ان لوگوں کو مخاطب کرتا ہوں جو کام کرنے کے اہل ہیں ۔ پس تم اپنے فرائض کو سمجھ کر ان پر کھڑے ہو جاؤ ۔ جس طرح تمہیں اپنے دوسرے کاروبار کی فکر ہوتی ہے ، جس طرح اپنی دکانوں کے بڑھانے کی دن رات تمہیں فکر لگی رہتی ہے ۔ اس سے بڑھ کر دین کا ، خدا کا اور اسلام کو پھیلانے کا غم تمہیں ہونا چاہئیے ۔ وہ جانبازی اور عشق اپنے اندر پیدا کرو جو صحابہؓ کے اندر تھا ۔ وہی روح تم بھی اپنے اندر پیدا کرو اور کام کر کے دکھاؤ ۔ کیا تم جانتے ہو کہ مال کی وجہ سے کسی کی اتنی عزت نہیں ہوتی جتنی کام کی وجہ سے ہوتی ہے ۔ کیا تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لیے عزت کرتے ہو کہ وہ کوئی جائیداد اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے ۔ کیا ان کے پاس کوئی بہت بڑا مال تھا ۔ مال کی تو یہ حالت ہے کہ جب بیبیاںؓ کچھ مال کی خواہش کرتی ہیں تو جواب ملتا ہے: یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا (28:33) اے نبی اپنی بیبیوں کو کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ تم کو مال دے دیں ۔ لیکن پھر ہمارے گھر میں تم نہیں رہ سکتیں ، پھر تمہیں یہاں سے رخصت کر دیا جائے گا ۔ وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۔ (29:33) اور اگر اللہ اور اس کے رسولؐ اور دارِ آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے محسنات کے لیے بڑا اجر رکھا ہے ۔

یہ تو مال کا حال ہے کہ اپنی عورتوں تک کو مال دینے کا روادار نہیں ۔ پھر کس لیے آپؐ کی عزت کہیں ہو ۔ اس لیے کہ فقیری کے اندر بادشاہت کا رنگ رکھتا ہے ۔ وہ شخص جو اس وقت جب کہ اس کی بیکسی کی حالت میں قریش کے عمائدین اس کے پاس آتے ہیں کہ تم عرب کے سارے مال و دولت کو لے لو ، اگر عورت کی خواہش ہے تو سب سے زیادہ حسین عورت جو پسند ہو ، وہ ہم لا دیتے ہیں ، اگر بادشاہت چاہتے ہو تو ہم اپنا بادشاہ بھی تم کو بنا

نے کو تیار ہیں۔ اس وقت وہ ان سب چیزوں کو لات مارتا ہے۔ بڑا ہی وسیع الحوصلہ وہ انسان ہے، جو فقیری کے اندر بادشاہت کا رنگ رکھتا ہے۔ وہ بادشاہ ہو کر اس کی کیا پروا رکھتا ہے۔ کیوں وہ بادشاہ ہو کر فقیری کا نمونہ نہ دکھائے۔

کیا نقشہ تھا آپؐ کے گھر کا۔ جب آپؐ کے بادشاہ ہونے کے بعد حضرت عمرؓ آپ کے گھر میں جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ گھر میں سوائے ایک پانی کی ٹھلیا اور بوریئے کے، جس کے اوپر آپ لیٹے ہوئے ہیں، جس کے نشان آپ کی پیٹھ پر نمایاں ہیں اور کچھ نہیں۔ یہ آپ کی بادشاہت کا زمانہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شادیاں کرتے ہیں۔ ان کی شادیوں کے ولیمے کی حالتوں کو پڑھو اور اپنی دعوتوں کی فضولیات کا ان سے مقابلہ کرو۔ خیبر آپؐ فتح کر کے آتے ہیں، رستہ میں صفیہ سے شادی کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہم ولیمہ کرنا چاہتے ہیں۔ سب اپنے اپنے گھر سے کھانا لے آؤ اور یہاں اکٹھے بیٹھ کر کھاؤ۔ یہ ہے آپؐ کی دعوت ولیمہ۔ لیکن آج دعوتوں پر ہی اپنا سب کچھ اجاڑ دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

اس لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کرتے ہو۔ تمہارے دل گواہی دیتے ہیں کہ یہ عزت جو تم کرتے ہو، مال کی عزت نہیں۔ یہ مال کیا ہے؟ ایک کام دینے والی چیز ہے۔ اور بیشک اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن کوئی انسان نہیں، جس کی عزت آج تک مال کی وجہ سے کسی نے کی ہو۔ جس کی عزت ہوئی ہے، کام کی وجہ سے ہوئی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ تم جائیدادیں نہ بناؤ۔ لیکن ایک فرق چھوٹا سا بتا دیتا ہوں اِنۡ كَانَ اٰبَآءُ كُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ ۨاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ. (24:9) بیشک تمہارے باپ اور بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے یہ سب ضروری ہیں۔ تمہارے پاس مال بھی بیشک ہوں۔ صحابہؓ کے پاس بھی بڑے مال تھے۔ ورنہ وہ اس قدر جائیدادیں خدا کی راہ میں کس طرح دیتے۔ پھر تجارت تمہاری ایسی گرم ہو۔ اس پر ایسی توجہ کی ضرورت ہو کہ ذرا بھی توجہ ہٹانے سے اس کے سرد پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔ پھر تمہارے پاس بڑے بڑے مکان بھی ہوں۔ جنہیں تم دیکھ کر خوش ہوتے ہو۔ یہ سب کچھ تمہارے پاس ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر یہ چیزیں

خدا اور رسولؐ کی راہ میں تمہیں زیادہ عزیز ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد سے تمہیں روکتی ہیں۔ فَتَرَبَّصُوْا (24:9) ٹھہر جاؤ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (24:9) یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے، لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ. (24:9) اور اللہ فاسقوں کی قوم کو ہدایت نہیں کرتا، اللہ کا حکم یہی ہے کہ اللہ کی سزا ان پر آئے۔

اس لیے میں تمہیں توجہ دلاتا ہوں کہ یہاں سے گھروں کو جاؤ تو اس خیال کو ساتھ لے کر جاؤ اور کچھ کام کرو۔ تم یہاں اقرار کرتے ہو اور کہتے ہو کہ قَالَ اللّٰهُ اور قَالَ الرَّسُوْلُ پر عمل کریں گے۔ قَالَ اللّٰهُ اور قَالَ الرَّسُوْلُ میں باجماعت نماز بھی ہے۔ اگر نماز باجماعت میسر آ سکتی ہے اور تم ادا نہیں کرتے، تو تم نے اس اقرار کو پورا نہیں کیا۔ پھر تمہارے آپس کے تعلقات برادرانہ ہیں۔ صحابہؓ نے ان برادرانہ تعلقات میں یہاں تک ترقی کی کہ اللہ تعالیٰ کو حکم نازل کرنا پڑا کہ ورثہ کے وہ حق دار نہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے لوگ ہجرت کر کے آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارؓ کے ساتھ ان کا عقد مواخات قائم کر دیا۔ جس کو انہوں نے یہاں تک ترقی دی کہ ایک شخص نے اپنے ساتھی مہاجر کو کہا کہ میری دو بیبیاں ہیں۔ میں ایک کو، جسے تم پسند کرو طلاق دے دوں؟

یہ روش ہمدردی کی آپس میں پیدا کرنی چاہیئے۔ اسی لیے حضرت صاحب نے حکم دیا تھا کہ تم آپس میں رشتے کیا کرو۔ وہاں کوئی اپنی لڑکی دوسروں کو نہ دینے، اور ان کی لڑکی لے لینے کا حکم نہیں دیا نہ اسے ناجائز ٹھہرایا۔ بلکہ جس طرح اپنی لڑکیاں دینے سے روکا، ویسے ہی لڑکوں کے رشتے بھی کرنے سے منع کیا اور اتحاد بڑھانے کے لیے حتی الوسع آپس میں رشتے کرنے کا حکم دیا۔ اس لیے آپس کا اتحاد بڑھانے کے لیے آپس میں رشتے کرو۔

پھر میں تمہارے اخلاق میں ایک بات چاہتا ہوں۔ ہر ایک شخص یہ اپنے دل میں عہد کر لے کہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ جھوٹ انسان کے ایمان کو برباد کرنے والی چیز ہے۔ سچائی اس صالح خون کی طرح ہے جو انسان کی صحت کو قائم رکھتا ہے۔ جس طرح صحت جسمانی کے لیے صالح خون کی ضرورت ہے، اسی طرح روحانی صحت کے لیے سچائی کی ضرورت ہے۔ یہ صداقت ہی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی صداقت کا سب سے بڑا نشان ہے۔

یہ سچائی وہ نشان تھا کہ آپؐ نے اپنے مخالفوں کو ایک دن پہاڑ کے اوپر کھڑے ہو کر پکارا۔ جب وہ سب

جمع ہوئے تو آپؐ نے پوچھا کہ کیا میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے پوچھا۔ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑی فوج ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والی ہے۔ تو کیا تم مانو گے؟ وہ کہنے لگے چونکہ آج تک تم نے کوئی جھوٹ نہیں بولا، اس لیے اگر تم ایسا کہو تو ہم مانیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: پھر میں کہتا ہوں کہ آنے والے عذاب سے ڈر جاؤ۔

تو تم بھی اپنے آپ کو ایسا صادق بنا کر دکھاؤ کہ تم پر جھوٹ کا اشتباہ نہ ہو سکے۔ دنیا میں اپنے نمونہ سے دکھاؤ کہ تم جھوٹ بولنے والے نہیں۔ تم ہزار وعظ کرو، اس کا اتنا اثر نہیں جتنا کہ نمونہ کا ہے۔ اگر نمونہ انسان کا اچھا ہو تو کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ نیکی بڑی چیز ہے۔ نیکی کے اندر اتنی قوت ہے کہ کسی وعظ کے اندر اتنی نہیں۔ تم اگر نیکی اور حق کے اوپر قائم ہو جاؤ تو کوئی بات تمہارے رستہ میں رہ سکتی ہی نہیں۔

ایک اور بات، جس کی طرف بعض دوستوں نے توجہ دلائی ہے، وہ طریق تبلیغ ہے۔ ہمیں دوسروں کو ہمیشہ ملائمیت سے سمجھانا چاہیئے۔ مسلمان اگر ایک بت کو بھی گالی نہیں دے سکتے ہیں۔ تو کسی بزرگ انسان کو، جو کسی قوم کا پیشوا ہو، وہ کس طرح گالی دے سکتے یا سخت لفظ اس کے متعلق استعمال کر سکتے ہیں! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دوسروں کو برا نہیں کہا۔ اسی طرح تم بھی دوسروں کو بلاؤ تو بڑی ملائمیت کے ساتھ بلاؤ۔ ہمیں بڑی بحثوں کی ضرورت نہیں، اپنا نیک نمونہ ہونا چاہیئے۔ دوسرے مسلمانوں میں سے، جس کے اندر جوش اور غیرت ہو گی، خود بخود ساتھ ہو جائے گا۔ لوگوں کو اپنے نمونہ سے یہ بتا دو کہ ہم اس کام میں لگے ہوئے ہیں، پھر وہ خود بخود ساتھ مل جائیں گے۔ کوئی کسی سے سختی سے پیش آنے کی ضرورت نہیں۔ وہ مذہب، جس نے اپنی جڑ ہی اس پر رکھ دی کہ تمام مذاہب کے بزرگوں کو مان لو، وہ ان کو برا کہنا کیونکر جائز رکھ سکتا ہے؟ اس لیے تم نرمی اور ملائمت سے سمجھاؤ۔ اور اپنے نیک نمونہ سے دوسروں پر فتح پاؤ۔

23 فروری 1919ء

میاں صاحب کا تبادلہ خیالات سے گریز

گذشتہ دسمبر 1918ء میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے میاں محمود احمد صاحب کو اپنے جلسہ سالانہ پر آنے کے لیے جب دعوت دی اور تبادلہ خیالات کے لیے لکھا، تو انہوں نے یہ عذر کیے کہ:

☆ میں بیمار ہوں اور اس وجہ سے زیادہ بول نہیں سکتا۔

☆ میرے آنے سے میرے تمام مرید بھی لاہور آئیں گے جس سے:

الف: قادیان کے جلسہ میں انہیں آنا دشوار ہوگا۔ کیونکہ گرانی ہے اور انفلوانزا نے پہلے ہی ان کا بہت کچھ خرچ کر دیا۔

ب: کثرت اژدہام سے پھر انفلوانزا کے رونما ہو جانے کا خطرہ ہے۔

ان عذرات کے علاوہ میاں صاحب نے اور بھی بہت کچھ طعنہ زنی سے کام لیا۔ اور بڑے متکبرانہ لہجہ میں یہ لکھا کہ تمہارا منشا ہمیں بلانے سے صرف اپنے جلسہ کو رونق دینا ہے۔

کیا شانِ ربیّ ہے کہ ان عذرات کو پیش کیے ہوئے ابھی پورے پندرہ دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی کے ذریعہ سے ان کا جھوٹا ہونا ثابت کرنا شروع کیا۔

1۔ 31 دسمبر 1918ء کا الفضل رقمطراز ہے کہ وہی میاں صاحب، جو اس تاریخ سے آٹھ دس دن پہلے ڈیڑھ گھنٹہ تک بولنے سے عاری تھے اور جو اس وجہ سے تبادلۂ خیالات کرنے سے اپنے آپ کو معذور ظاہر کر چکے تھے کہ وہ بیمار ہیں، پورے دو گھنٹہ تک کھڑے ہو کر تقریر کرتے رہے۔ بلکہ اس کے علاوہ قرآن کریم کا درس بھی خود ہی انہوں نے دیا۔

2۔ ابھی اس عذر کو کہ میرے لاہور آنے سے مریدین وہاں آئیں گے اور اس سے قادیان کے جلسہ

میں ان کے آنے میں روک اور انفلوانزا کے بڑھنے کا احتمال ہو جائے گا، پورے دو ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ وہی میاں صاحب نہ صرف خود لاہور آتے ہیں بلکہ قادیان کا پورا سٹاف بھی ان کے ہمرکاب یہاں پہنچتا ہے۔ اور ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے آنے سے ان کے مریدین بھی مختلف جگہوں سے جوق در جوق آئے اور آرہے ہیں۔ قادیان کا جلسہ بھی سر پر ہے۔ 15، 16، 17 مارچ کو اس کے انعقاد کا اعلان ہو چکا ہے۔ خدا نہ کرے کہ مریدین کے یہاں آجانے سے جلسہ کی رونق میں کمی واقعہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو یقیناً میاں صاحب کی پیشگوئی سچی ثابت ہوگی۔ ورنہ بصورت دیگر ان کا عذر ایک عذرِ لنگ قرار پائے گا۔

رہا انفلوانزا۔ سو میاں صاحب نے خود ہی دیکھ لیا ہوگا کہ ان کے مریدین کے ان کے پاس جمع ہونے اور لاہور میں ان کی طرف سے جلسوں کے انعقاد کا اہتمام ہونے کے باوجود کہاں تک اس کا اثر ہوا ہے۔ اور اب تو باوجود بیمار ہونے کے میاں صاحب بفضل خدا تندرست ہیں۔ جو دو دو اور تین تین گھنٹوں تک کھڑے ہو کر تقریریں بھی کرتے ہیں۔

کاش! حالات کے اس عملی تجربہ کے بعد ہی میاں صاحب تبادلہ خیالات کے لیے آمادہ ہوں۔ اور اگر لاہور ہمارے جلسہ میں نہیں آسکے تو کم از کم قادیان کے جلسہ میں آنے کی دعوت حضرت امیر ایدہ اللہ کو ہی دے دیں۔ زیادہ نہیں صرف آدھ گھنٹہ وقت ہی دیں۔ کیا وہ ایسا کریں گے؟

❁❁❁

26فروری1919ء

میاں محمود احمد صاحب لاہور میں

میں نے گذشتہ سالانہ جلسہ سے پہلے جناب میاں صاحب کو یہ سوچ کر کہ جماعت کے اندر ایک دوسرے کے متعلق غلط فہمی کم ہو اور ارتباط بڑھے، یہ لکھا تھا کہ وہ ہمارے سالانہ جلسہ میں شریک ہو کر مسائل اختلافی پر میری تقریر سنیں اور اس پر اعتراض کریں اور اتنا ہی وقت لے کر اپنی تقریر سنائیں اور اس پر اعتراض سنیں اور ایسا ہی موقعہ اپنے جلسہ سالانہ پر قادیان میں مجھے دیں۔ میاں صاحب نے اس تجویز کو اس بنا پر رد کر دیا کہ اس میں میری یہ بدنیتی ہے کہ میں ان کے سالانہ جلسہ کی رونق کو کم کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ان کے اصل الفاظ حسب ذیل ہیں۔

> ''اب ان وجوہ کے اعلان کے باوجود آپ کا یہ لکھنا کہ اس موقعہ پر مبائعین اور میں یا میرا قائمقام لاہور آویں، اگر ایک چالاکی نہیں تو اور کیا ہے۔ آپ بڑی مہربانی سے کھانے کے متعلق تو دعوت دیتے ہیں۔ مگر دوسرے مضرتوں اور اخراجات کا کون ذمہ دار ہوگا۔ پھر اس قحط سالی میں دو دفعہ اخراجات غربا کس طرح برداشت کریں گے۔ اگر لاہور آئیں تو دوبارہ قادیان آنا مشکل ہوگا۔''

افسوس کہ وہ موقعہ جاتا رہا (اگرچہ ابھی جناب میاں صاحب کا قادیان میں سالانہ جلسہ ہونے والا ہے) لیکن اتفاق سے ان دنوں جناب میاں صاحب لاہور تشریف لائے اور ان کے مریدین بھی بہت سے آئے۔ ان میں سے ایک بزرگ مولوی فضل دین صاحب ساکن کھاریاں ایک دن میرے پاس بھی آئے اور یہ تحریک کی کہ جماعت کو موجودہ رنگ تفرقہ سے بڑا نقصان پہنچ رہا ہے، کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ موجودہ اختلاف کے باوجود بھی باہمی نفرت اور بغض دور ہو جائے اور دونوں جماعتوں میں میل ملاپ ہو۔

میں نے اور میرے سب احباب نے اس تجویز کو پسند کیا اور کہا کہ میاں صاحب سے دریافت کریں کہ کیا وہ بھی اس پر راضی ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن صبح مولوی صاحب موصوف اور بابو محمد اشرف صاحب ہیڈ کلرک

آئے اور کہا کہ میاں صاحب بھی اس قسم کی تجویز پر راضی ہیں۔ آپ چند تجاویز لکھا دیں۔ چنانچہ میرے لکھانے پر انہوں نے چند تجاویز لکھ لیں۔ جن کو ان دونوں نے صریح الفاظ میں پسند کیا اور شام کو میاں صاحب کے سامنے پیش کر کے جواب دینے کا وعدہ کیا۔ مگر افسوس ہے کہ مجھے کوئی اطلاع ان کے متعلق نہ ملی کہ ان کا کیا حشر ہوا، اور آج آٹھ دن ان پر گذر گئے۔ یادداشت جہاں تک کام کرتی ہے وہ تجاویز حسب ذیل تھیں:

1۔ فریقین ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ میاں صاحب ایک نماز ہمارے پیچھے پڑھ لیں۔ ہم ان کے پیچھے پڑھ لیں۔

2۔ اپنی اپنی جماعت کو ہدایت کی جائے کہ وہ بلامضائقہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں۔

3۔ اخبارات، رسالوں، کتابوں میں ایک دوسرے پر کوئی ذاتی حملہ نہ ہو۔

4۔ دونوں فریق کا ایک دوسرے سے کھلا میل ملاپ ہو۔

5۔ ایک دوسرے کے جلسوں میں شامل ہوں۔ خواہ وہ جلسے کہیں ہوں۔

6۔ ایک دوسرے کے کام میں رکاوٹ پیدا نہ کریں۔ بلکہ حتی الوسع ایک دوسرے کی اعانت کرنے کے لیے تیار ہوں۔

7۔ کچھ وقت کے لیے اختلافی مسائل پر سوائے میرے اور میاں صاحب کے دوسرے لوگ کچھ نہ لکھیں۔

مجھے امید تھی کہ ان باتوں کو میاں صاحب قبول کر کے جماعت کو موجودہ ابتلا میں سے نکالنے کی کوشش کریں گے۔ مگر افسوس ہے کہ پہلے باوجود اظہار رضامندی کرنے کے انہوں نے کوئی جواب دینا پسند نہ کیا اور آج آٹھ دن گذر گئے۔ اسی اثنا میں اس امید پر کہ اس طرح شاید جلد ملاپ کی صورت پیدا ہو۔ میں نے میاں صاحب کو کھانے کی دعوت بھی دی۔ مگر انہوں نے اسے رد کر دیا۔ اور یہ لکھا کہ:

''اب تو دعوت اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ اس تفرقہ کو مٹا کر وہ افراد بھی جماعت سے مل

کر کام کریں جو اس وقت الگ ہو رہے ہیں۔ ایک سلسلہ کے دو مراکز اور دو حلقہ☆ نہیں ہو سکتے۔ اور جو بھی اختلاف کا بانی ہو وہ خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔"

افسوس کہ جناب میاں صاحب یہ بھی پسند نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھائیں یا ان کے مرید ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھائیں۔ جب تک کہ پہلے دوسرا فریق ان کو خلیفہ تسلیم نہ کر لے۔ جب آپ کے عقائد اس فریق کے ایمان و یقین میں غلط ہوں، تو یہ تو ناممکن ہے۔ اتفاق کی صورت تو یہی تھی کہ دونوں فریق میں باہمی تنفر کم ہوتا۔ ایک دوسرے کی بات سنتے، ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے۔ اس طرح ایک دوسرے پر حسنِ ظن قائم ہو کر خدا چاہتا تو کبھی اتحاد کلی بھی پیدا ہو جاتا۔ مگر میاں صاحب نے میری دوسری چٹھی کا، جس میں مکرر دعوت کے لیے لکھا تھا، کچھ بھی جواب نہ دیا۔ حالانکہ خود بھی میاں صاحب اسی رقعہ میں اسی بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ فتنہ دور کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھنا اور کھانا بھی درست طریق ہے۔ چنانچہ آپ خط کے شروع میں فرماتے ہیں کہ:

"میں نے چاہا تھا کہ جہاں تک ہو سکے فتنہ کو دور کیا جائے۔ آپ عزیز عبدالحئی مرحوم کی وفات پر قادیان تشریف لائے اور مولوی شیر علی صاحب جیسے معزز اور سابق آدمی کو میں نے آپ کی طرف بھیجا کہ آپ ہماری دعوت قبول کریں اور کچھ ناشتہ کر جائیں۔ مگر آپ نے قبول نہ کیا۔"

تعجب ہے کہ جب میاں صاحب بھی رفع فتنہ کے لیے ایک دوسرے کی دعوت قبول کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور جب جلسہ سالانہ پر میں نے دعوت دی تو اس وقت بھی کھانا کھانے سے انکار نہیں کیا، بلکہ اور عذر کیا تو پھر اب خود یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ جب تک فتنہ دور نہ ہو، اس وقت تک دعوت قبول نہیں ہو سکتی۔

میاں صاحب اور ان کے دوست غور کریں کہ یہ گاڑی کو آگے اور گھوڑوں کو پیچھے کرنا ہے۔ جب تک فتنہ دور نہ ہو، مرکز ایک نہ ہو، اس وقت تک آپ دعوت قبول نہیں کر سکتے۔ حالانکہ اسی ارتباط باہمی سے فتنہ دور ہو

☆ حاشیہ: (یہ لفظ کچھ مشکوک ہے۔ بظاہر حلقہ پڑھا جاتا ہے مگر مطلب غالباً "خلیفہ" سے ہے۔ اس لیے حضرت امیر ایدہ اللہ نے اپنے جواب الجواب میں اس لفظ کو خلیفہ کے طور پر لکھا ہے۔ ایڈیٹر)

سکتا ہے۔ اگر فی الواقعہ فتنہ دور کرنے کی خواہش ہو تو اس کی صورت وہی ہے، جس کو خود آپ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ورنہ یہ خواہش کہ جب تک فتنہ دور نہ ہو جائے، دعوت نہیں ہو سکتی۔ ایسی ہی خواہش ہے، جیسے کوئی کہے کہ جب تک تیرنا نہ سیکھ لوں، پانی میں ہرگز داخل نہ ہوں گا۔

میں نے اپنی دوسری چٹھی میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ میں نے قادیان میں میاں صاحب کی دعوت کو اس طرح ردّ نہیں کیا تھا کہ میں اسے ہرگز قبول نہیں کرتا۔ بلکہ مولوی شیر علی صاحب کو یہ کہا تھا کہ اگر مجالست مواکلت کی حرمت کے فتویٰ کو میاں صاحب دور کر دیں، تو میں اسی وقت ان کا کھانا کھا کر جاؤں گا۔ مگر اس کو دور کرنا میاں صاحب نے پسند نہ کیا۔ پھر یہ بھی لکھا تھا کہ میں اب بھی قادیان جا کر آپ کی دعوت کھانے کو تیار ہوں۔ یہ بھی کہا تھا کہ پانچ سال باہمی تنفر و بغض بڑھانے میں صرف ہوئے ہیں، پانچ سال ہی اس کے دور کرنے کی تجاویز پر صرف کر کے نتیجہ دیکھ لیا جائے۔ اور عارضی صلح ہی سہی، مگر افسوس ہے کہ کسی بات پر توجہ نہ ہوئی۔ جس صورت میں قرآن کریم میں طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ (5:5) موجود ہے۔ تو ایک سلسلہ کے اندر اختلاف والوں کا طعام کس طرح ایک دوسرے کے لیے حرام ہو گیا کہ دعوت مسنونہ کو ایسی حقارت سے ردّ کیا گیا!

ان باتوں کا میں نے عام اعلان کر دینا اس لیے ضروری سمجھا ہے کہ تا یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ جس تجویز کو میاں صاحب کی جماعت کے ایک بزرگ نے شروع کیا تھا اور میاں صاحب نے اس پر اظہار رضامندی بھی کیا تھا، اس کو میں یا میرے دوست ردّ کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ میاں صاحب سلسلہ کی مصیبت پر غور نہیں کرتے، اسلام کے مصائب پر غور نہیں کرتے اور اسی بات پر سارا زور صرف ہو رہا ہے کہ جب تک ہماری اطاعت قبول نہ کر لو، ہم تمہارا کھانا کھانا حرام سمجھتے ہیں اور کسی قسم کا ارتباط اور میل جول ہو نہیں سکتا۔

خاکسار

محمد علی

25 فروری 1919ء

(نوٹ۔ دعوت کے متعلق اصل خط و کتابت اگلے صفحات پر۔ مدیر)

26 فروری 1919ء

دعوتی پیغام رسانی

حضرت امیر ایّدہ اللہ کا دعوتی پیغام میاں صاحب کے نام

اس کا جواب اور جواب الجواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرم معظم میاں صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میری یہ خواہش ہے کہ آپ بمعہ اپنے تمام رفقاء کے جو قادیان کے یا بیرونجات سے دیگر مقامات سے بطور مہمان آپ کے پاس آئے ہوئے ہیں، کل شام کا کھانا یہاں تناول فرمائیں۔ امید ہے کہ اس دعوت مسنونہ کو قبول فرما کر مجھے اور میرے سب احباب کو خوشی کا موقعہ دیں گے۔ حضرت مائی صاحبہ اور آپ کے اہل بیت اور اہل بیت حضرت مولوی صاحب مرحوم و دیگر مستورات یا خدام جو آپ کے ساتھ ہیں، وہ بھی سب ساتھ ہوں۔

اگر جواب حامل ہذا کے ہاتھ اسی وقت مرحمت ہو تو انتظام میں سہولت ہو گی۔ بصورت منظوری اندازاً تعداد موجودہ سے بھی مطلع فرمایا جائے۔ اگر کل شام کے لیے کوئی رکاوٹ ہو تو پیر کے دن شام کا کھانا قبول فرمائیں۔ والسلام

محمد علی

21 فروری 1919ء

☆☆☆

میاں صاحب کا جواب

مکرم و معظم مولوی صاحب۔ السلام علیکم!

ابھی ابھی مجھے آپ کا خط بابو منظور الٰہی صاحب کی معرفت ملا۔ اگر حالات وہ نہ ہوتے جو ہیں تو مجھے آپ کی دعوت کے قبول کرنے میں عذر نہ ہوتا۔ مگر افسوس کہ موجودہ حالات مجھے آپ کی دعوت قبول کرنے سے روکتے ہیں۔ میں نے چاہا تھا کہ جہاں تک ہو سکے فتنہ کو دور کیا جائے۔ آپ عزیز عبدالحیٔ صاحب مرحوم کی وفات پر قادیان تشریف لائے اور مولوی شیر علی صاحب جیسے معزز اور سابق آدمی کو میں نے آپ کی طرف بھیجا کہ آپ ہماری دعوت قبول کریں اور کچھ ناشتہ کر جائیں۔ مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ لاہور 1915ء میں آیا تو پھر میری جماعت کے بعض دوستوں نے تحریک کی ایک دعوت پر ہم جمع ہوں اور گفتگو ہو جائے۔ مگر آپ نے اس دعوت کو بھی رد کر دیا۔ قادیان چھوڑتے وقت ڈاکٹر صاحب کو بھیجا کہ میں ہر طرح انتظام کر سکتا ہوں۔ آپ نہ جاویں۔ پھر خود اسی کام کے لیے گیا۔ مگر آپ نے دوسرے لوگوں سے گفتگو شروع کر کے مجھے اس بات کے کرنے کا موقعہ نہ دیا اور میں واپس آ گیا۔ آہ! میں نے چاہا کہ کسی طرح سلسلہ احمدیہ کا کام اسی طرح چلتا جاوے۔ جس طرح پہلے چل رہا تھا۔ مگر آپ نے میری کوششوں کو رد کر دیا اور ایسا تفرقہ پڑا کہ خدا ہی مٹائے تو مٹائے۔ پھر جو جو حملے اب ہو رہے ہیں، وہ کس حد تک پہنچ چکے ہیں۔ دوست تو دوست دشمن حیران وانگشت بدنداں ہیں۔ اب تو دعوت اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ پھر اس تفرقہ کو مٹا کر وہ افراد بھی جماعت سے مل کر کام کریں جو اس وقت الگ ہو رہے ہیں۔ ایک سلسلہ کے دو مرکز اور دو خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ اور جو بھی اختلاف کا بانی ہو وہ خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی اور آپ پر بھی رحم فرمائے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

☆☆☆

حضرت امیر کا جواب الجواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرم معظم میاں صاحب۔ السلام علیکم

میں نے آپ کو دعوت دی۔ آپ نے اس کو بدیں الفاظ رد کیا:

''اب تو دعوت اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اس تفرقہ کو مٹا کر وہ افراد بھی جماعت سے مل کر کام کریں جو اس وقت الگ ہو رہے ہیں۔ ایک سلسلہ کے دو مرکز اور دو خلیفہ نہیں ہو سکتے۔''

مجھے یہ تو علم تھا کہ آپ نے ہمارے ساتھ ملنے جلنے اور ہمارے ساتھ مل کر کھانے پینے کو حرام ٹھہرایا ہوا ہے۔ جس کے متعلق کم از کم دو دفعہ براہ راست درخواست بھی کر چکا کہ آپ اس فتویٰ کو دور کر دیں۔ اس سے جماعت میں تباغض وتحاسد کی ترقی کے سوائے اور کوئی فائدہ نہیں۔ مگر بعض واقعات سے مجھے یہ خیال گذرا کہ شاید عملاً اب آپ اس فتویٰ میں نرم ہو گئے ہیں۔ کیونکہ بمبئی میں آپ نے سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب کی دعوت کو قبول کیا، جو آپ کو ''علی وجہ البصیرت غلطی پر'' سمجھتے ہیں۔ ڈلہوزی میں چودھری محمد اسمٰعیل صاحب سے آپ کا کھلا ملا میل، جو ل کھانا پینا سب کچھ رہا۔ جو شروع سے ہی اس دوسرے مرکز کے انصار میں سے ہیں۔

اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ میں نے سنا تھا کہ لاہور میں آپ ان لوگوں کی دعوت بھی قبول کر چکے ہیں جن کو آپ عقیدۃً کافر سمجھتے ہیں اور جو نہ کبھی آپ کے مرکز کے کبھی قائل ہوئے، نہ مسیح موعود کو انہوں نے مانا۔ مزید براں یہ ہوا کہ تین چار روز ہوئے ہیں آپ کی جماعت میں سے مولوی فضل الدین صاحب کھاریاں والے، جو ذی علم اور سابقون میں سے ہیں، تشریف لائے تو انہوں نے یہ تحریک کی کہ جماعت کا باہمی بغض وحسد کسی طرح دور ہونا چاہیئے۔ جس کو میں نے اور میرے سب احباب نے پسند کیا اور ان سے کہا کہ اول وہ آپ سے دریافت کریں کہ کیا آپ بھی اسے پسند کرتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہا کہ ایک وقت وہ تھا کہ ہم نے میاں صاحب کو یہاں تک بھی کہا تھا کہ اگر وہ اپنی بیعت نہ کرنے والوں کو فاسق نہ کہیں اور انجمن کا نظام جس طرح حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم کے وقت میں رہا ہے، اسی طرح برقرار رہنے دیں، تو ہم ان کو امیر بھی مان لیں گے اور ساتھ ہی مل کر کام کریں گے۔

لیکن میاں صاحب نے اس بات کو نہایت حقارت سے رد کیا اور اس وفد کی بات کو بھی سننا گوارا نہ کیا، جو اس امر کے متعلق کچھ ان سے کہنا چاہتے۔ اب میاں صاحب کے عقائد کی غلطی اور ان پر اصرار واضح ہو چکا ہے۔ اس لیے اب صورت صرف یہی ہے کہ دونوں فریق الگ الگ کام کریں۔ مگر ایک دوسرے سے دوستانہ تعلقات رہیں۔ اگر نماز کو ہمارے پیچھے جائز سمجھتے ہیں تو اصلاح بین الناس جیسے نیک کام کے لیے ایک وقت کی نماز ہمارے پیچھے پڑھ لیں۔ اور ہم ان کے پیچھے پڑھ لیں گے۔

مولوی فضل الدین صاحب نے ان باتوں کو پسند کیا اور کہا کہ میرا منشاء بھی صلح کی تحریک سے یہ نہیں کہ کوئی فریق اپنے عقائد کو چھوڑ دے یا دوسرے کی بیعت کر لے۔ بلکہ کسی طرح باہم میل جول ہو اور منافرت باہمی دور ہو۔ اگلے ہی دن مولوی صاحب موصوف مع بابو محمد اشرف صاحب میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میاں صاحب بھی راضی ہیں کہ کوئی تجویز باہمی منافرت کو دور کرنے کی کی جائے۔ اور ہم اس غرض کے لیے آئے ہیں کہ آپ اپنی تجاویز بتائیں۔ چنانچہ میں نے ان کو چند تجاویز لکھا دیں۔ وہ اصل تحریر جو بابو محمد اشرف صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھی غالباً آپ کے پاس پہنچ چکی ہے۔ یہ بدھ 19 فروری کا واقعہ ہے اور آج 22 فروری تک مجھے اس کا جواب نہیں ملا۔ مگر سنا تھا کہ وہ تجاویز آپ کے زیر غور ہیں آپ نے انہیں رد نہیں کیا۔ اور مولوی فضل الدین صاحب اور بابو محمد اشرف صاحب سے میں نے بھی کہا تھا کہ اگر ان میں سے آپ دونوں صاحبوں کو کوئی بات درست معلوم نہ ہوتی ہو تو آپ ابھی فرما دیں، اس کو میں یہیں کاٹ دوں۔ مگر ان دونوں صاحبوں نے فرمایا کہ یہ باتیں بالکل درست ہیں اور سلسلہ اس قدر بدنام ہو رہا ہے کہ اس تباغض وتحاسد کو بہت جلد دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اور امید ہے کہ میاں صاحب انہیں پسند فرمائیں گے۔

غرض ان واقعات سے کل شام کو مجھے یہ جرأت ہوئی کہ میں آپ کی یہاں کی موجودگی سے یہ فائدہ بھی اٹھاؤں کہ آپ کو دعوت دوں۔ تا کہ جو تجویز اس وقت ہو رہی ہے، اس میں یہ بھی ایک قدم معاون ثابت ہو اور کسی طرح ہماری ہر دو فریق کی کوششیں، جو اشاعتِ اسلام اور تبلیغ احمدیت کے لیے ہیں، بجائے ایک دوسرے کی راہ میں روک ہونے کے ایک دوسرے کی اعانت کا رنگ اختیار کریں۔ کاش! آپ اسلام کے موجودہ مصائب پر نگاہ کر کے ذاتی رنجشوں کو کم وقعت دیتے۔

میاں صاحب مکرم! میں اس بات کو کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ آپ کی طرف سے اور آپ کی جماعت کی طرف سے مجھے کس قدر رنج پہنچ چکا ہے۔لیکن کوئی وقت ایسا بھی آنا چاہئیے کہ انسان ایک بڑی مصیبت کی خاطر ذاتی رنجشوں اور کدورتوں کو دل سے نکال دے اور آئندہ کے لیے کوئی ایسی صورت اختیار کرے جس میں باہمی اختلافات جس قدر رہیں، وہ رہ کر بھی ایک اتفاق کی صورت نمودار ہو۔اور شاید یہی چھوٹی سی بنیاد آئندہ بہت سی غلط فہمیوں کے رفع کا موجب ہو کر دونوں فریق کو بالکل ایک ہی کر دے!

اگر جماعت کا اتحاد، اس طرح پر کہ دونوں فریق ایک ہو جائیں، کوئی چیز ہے تو آخر اس کے لیے کوئی قدم اٹھانے کا کبھی وقت آئے گا یا نہیں۔آپ اس بات پر غور فرمائیں اور سوچیں کہ اب اتفاق کی صورت معاً تو وہ نہیں ہوسکتی جو پہلے ہوسکتی تھی۔اس وقت بھی آپ نے ایک غلط خیال کے ماتحت ہماری تجویز کو رد کیا۔اب ایک اور موقعہ ہے۔باہم اختلاط سے، باہم حسد ورنج کم ہونے سے، باہم ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھنے سے ہی باہمی کدورتیں دور ہوں گی اور ایک دوسرے پر حسن ظن بڑھا کر اس کے اصل خیالات کو موازنہ کرنے کا موقع ملے گا۔اور یہ قدم یقیناً اتحاد کی طرف ہوگا۔

یہ درد دل سے نکلی ہوئی بات ہے۔آپ اسے جلدی سے ردّ نہ کریں۔آپ کی جماعت کے بھی بعض درد دل رکھنے والے اصحاب اس کے خواہاں ہیں۔جو کچھ آپ نے اور آپ کی جماعت نے مجھے اور میرے احباب کو کہا، اسے ہم بھول جائیں۔جو کچھ میں نے اور میرے احباب نے آپ کو اور آپ کے احباب کو کہا اسے آپ بھول جائیں۔پانچ سال ایک تجربہ کیا ہے۔اب زیادہ نہیں، پانچ سال کے لیے ہی یہ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔سال گزرتے دیر نہیں لگتی۔

اگر آپ کو یہ رنج ہے کہ میں نے آپ کی دعوت قبول نہ کی تھی، تو مولوی شیر علی صاحب سے آپ حلفیہ شہادت لیں۔میں نے ان کو یہ نہیں کہا کہ میں اس دعوت کو قبول نہیں کر سکتا۔صرف یہ کہا تھا کہ میاں صاحب اس فتویٰ کے متعلق، جو ہمارے ساتھ مواکلت مجالست کی حرمت پر اخبار میں شائع ہو چکا ہے، صرف آپ کی زبانی یہ کہلا بھیجیں کہ میں اس سے متفق نہیں، تو میں اور میرے احباب ان کی دعوت کھا کر جائیں گے۔مگر مولوی صاحب موصوف واپس نہ آئے۔حالانکہ ہم ان کے بعد قریباً دو گھنٹے قادیان میں رہے۔مگر اس کو بھی جانے دیجئے۔اب

آپ دعوت قبول کریں اور پھر جب آپ قادیان پہنچیں تو مجھے اور میرے احباب کو، جس قدر افراد کو آپ چاہیں، دعوت دیں۔ ہم وہاں حاضر ہو جائیں گے۔ اور ایسا ہی نماز کے متعلق بھی آپ ایک دفعہ ہمارے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ ہم یہاں بھی اور وہاں حاضر ہو کر بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے۔

میاں صاحب مکرم! اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ گنوائیں۔ اس بنا پر میں باوجود آپ کے انکار کے ایک مسلمان ہونے کی حیثیت میں، آپ کا احمدی بھائی ہونے کی حیثیت میں آپ کو پھر دعوت مسنونہ دیتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ آپ اسے قبول کر لیں گے۔ آپ کے خط میں جو یہ اشارہ ہے کہ بانیٔ فتنہ کون ہے، میں اس کو اس وقت نہیں چھیڑتا۔ اور اگر آپ اس طریق پر اتفاق کی طرف قدم اٹھائیں، تو ان سب سوالات کو آئندہ کے لیے دفن کر دیا جائے گا۔ مواخذہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ یئے۔ اگر میں بد نیتی سے کچھ کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے حضور بلاشبہ جواب دہ ہوں۔ مکرر غور پر اگر آپ منظور فرمائیں تو پیر کے دن شام کی دعوت قبول فرمائیں کیونکہ کل مجھے امرتسر جانا ہے۔ اس رقعہ کا جواب آج بہت جلد بھجوا دیں۔ ممنون ہوں گا۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

22 فروری 1919ء

❁❁❁

19 مارچ 1919ء

مباحثہ مابین حضرت امیر و میاں صاحب کے متعلق گفتگو

میاں صاحب کے ساتھ مباحثہ کرنے کے لیے بسا اوقات کوششیں ہوئیں۔ انہیں دعوتیں بھی دی گئیں۔لیکن بات درمیان ہی میں رہ گئی۔اب پھر خان محمد سلیم خان صاحب آف ٹیری نے مزید میاں صاحب کے ساتھ بعض شرائط کا فیصلہ کیا ہے۔جس کا حال ذیل کی خط و کتابت سے معلوم ہوسکتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

بخدمت جناب امیر المومنین السلام علیکم۔

ساتھ کی دستخط شدہ درخواست حضور کی خدمت میں بھیجی جاتی ہے۔خان بہادر سعد اللہ خان صاحب خوشحال گڑھ سے معہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب قادیان یہاں تشریف لائے تھے۔مباحثہ کے بارے میں ایک شرائط نامہ تجویز ہوا، جو کہ خان صاحب محمد شریف خان لاچی نے حضور کی خدمت میں روانہ کیا تھا اور جس کا جواب بھی حضور کی طرف سے موصول ہو گیا ہے۔

ایک اور شرائط نامہ، جو مابین خان صاحب محمد سلیم خان صاحب حال لاچی اور خان بہادر سعد اللہ خان صاحب ہوا ہے،حضور کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔اس کی ایک نقل مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو دی گئی ہے اور وہ اسے قادیان لے گئے ہیں۔امید ہے کہ وہ اسے الفضل میں چھپوائیں گے۔حضور بھی اپنی رائے سے مطلع فرما دیں۔والسلام۔راقم عبد الحمید خان قریشی از لاچی ضلع کوہاٹ

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

احمدی قوم کی طرف سے بہ ادب مگر پُر زور درخواست

بخدمت جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ احمدیہ بلڈنگس، لاہور اور

جناب صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ قادیان

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ،

1۔ آپ ہر دو صاحبان بالمقابل ایک جگہ بیٹھ کر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کی رو سے مسئلہ نبوت حضرت مسیح موعود پر روشنی ڈال کر اس اختلاف کا تصفیہ کریں۔ جو اس بارہ میں باہم واقع ہو کر تباہی کا موجب ہو رہا ہے۔

2۔ ہم درخواست کنندگان کی تجویز اس اجتماع کے متعلق یہ ہے۔

ا:۔ اس مجلس تصفیہ اختلاف میں صرف احمدی احباب شامل ہوں۔ غیر احمدی یا غیر مسلم کوئی نہ ہو۔

ب:۔ جو احباب اس مجلس میں شامل ہونا چاہئیں، ان ہر ایک سے یہ حلفیہ اقرار لیا جائے کہ وہ جنبہ داری کو بالکل بالائے طاق رکھ کر صفائی دل کے ساتھ فریقین کے بیانات کو سنے اور ان پر غور کرے گا۔ اور پھر جس طرف اسے حق نظر آئے گا، وہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار اور اس کے اظہار پر کمر بستہ ہوگا۔ اور اگر وہ عمداً اس کے خلاف کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

ج:۔ آپ ہر دو صاحبان اپنے اپنے ہر ایک پرچہ کے شروع کرتے وقت اولاً اس پرچہ میں یہ الفاظ لکھیں کہ میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اور اس کی قسم کھا کر کھلا اقرار کرتا ہوں کہ میں اس پرچہ میں کوئی ایسی بات نہیں لکھوں گا جو خود میرے نزدیک غلط یا شکی بات ہو۔ بلکہ وہی کچھ لکھوں گا جو میرے نزدیک صحیح اور درست بات ہو۔ اور اگر میں عمداً اس کے خلاف کروں، تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اور پھر ہر ایک پرچہ کے اختتام پر بھی ایسی ہی قسم مؤکد بہ دعائے **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ** کے ساتھ لکھیں کہ میں نے اس پرچہ میں ایسی کوئی بات نہیں لکھی جو خود میرے نزدیک غلط ہو اور نہ میں نے عمداً کوئی مغالطہ پیدا کرنے اور حق کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ جو کچھ لکھا ہے، درستی کے ساتھ لکھا ہے۔

د:۔تفصیلی شرائط ہر دو فریق خود تجویز کریں۔لیکن ایک فریق کی مجوزہ شرائط دوسرے فریق کے سامنے، اور اسی طریق پر دوسرے فریق کی مجوزہ شرائط اس پہلے فریق کے سامنے ہم درخواست کنندگان کی وساطت سے لائی جائے گی اور ان کے متعلق تصفیہ ہماری وساطت سے ہو۔ جو بہر حال 15 اپریل 1919ء تک ہو چکے۔تا کہ اگر بالفرض معاملہ طول پکڑنے لگے تو ہم اس میں خاص طور پر حصہ لے کر اس مقررہ تاریخ کے اندر بتوفیقہ تعالیٰ تصفیہ کرادیں اور آسانی سے بات طے ہو جائے۔

ھ:۔تعین تواریخ مباحثہ تو تفصیلی شرائط کے ضمن میں ہو۔مگر 15 مئی 1919ء تک مباحثہ ہو چکے۔

3۔آپ صاحبان کی عظمت، شان اور احترام کو دل میں رکھتے ہوئے جس طرح ہم نے آپ سے حلفیہ بیان کی درخواست کی ہے، اسی طرح ہم درخواست کنندگان خود بھی اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے یہ درخواست خلوص نیت سے اور سلسلہ حقہ احمدیہ کی ہمدردی جوش سے کی ہے۔وَلَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ۔

درخواست کنندگان

☆سلیم وکیل احمدیان افغانستان تابعان امیر المؤمنین

☆سعد اللہ مبائع حضرت میاں صاحب خلیفۃ المسیح

☆☆☆

حضرت امیر ایّدہ اللہ کا جواب

مکرم معظم خان صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ،

آپ کا خط پہنچا جو کچھ اخی المکرّم محمد سلیم خان صاحب نے خان بہادر سعد اللہ خان صاحب کے ساتھ معاہدہ کیا ہے، میں انشاء اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح پورا کرنے کو تیار ہوں، جس طرح خان صاحب خود اس کے پابند ہیں۔میری طرف سے اطمینان رکھیں۔گو میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جلسہ عام ہو۔مگر اب جو کچھ خان صاحب اقرار کر چکے ہیں، میں اس پر قائم رہوں گا۔بشرطیکہ فریق ثانی بھی جس قدر امور اس معاہدہ کے اندر

آ چکے ہیں، ان کا پورے طور پر پابند ہو۔ اور مزید شرائط سے معاہدہ کی طے شدہ شرائط پر کوئی اثر نہ پڑے۔

مقام وغیرہ بقیہ شرائط کو طے کرنے کے لیے بھی اگر خان صاحب اور خان بہادر خود ہی کوشش کریں، تو شاید زیادہ آسانی سے طے ہو جائیں گی۔ والسلام

دستخط

محمد علی

❁❁❁

30مارچ1919ء

مراسلات

ظلّی نبوت

ایک خط کا جواب

مکرم میر مدثر شاہ صاحب نے حضرت امیر ایدہ کے ارشاد سے ایک خط کا جواب لکھا ہے۔ جو برائے افادہ قارئین کرام درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اخی المکرّم۔سلمہ ربہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط، جس میں چند امور درج تھے، حضرت امیر ایدہ کی خدمت میں پہنچا۔ حضور نے اسی وقت جواب لکھنے کا ارشاد دیا۔ مگر چونکہ چند رسائل چھپ رہے تھے۔ جن میں ظلّی نبوت اور دیگر عقائد متنازعہ فیہ کے متعلق بحث تھی، اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ کہ جواب کے ساتھ ان رسائل کو بھی ارسال خدمت کیا جائے۔ چنانچہ وہ رسائل بھی ارسال ہیں۔ آپ کا سوال یہ ہے:

1۔ اگر ظلی نبوت بھی نبوت کی اقسام میں سے کوئی قسم ہے تو اس کے لیے ماموریت ضروری ہے یا نہیں

جواب۔ ظلی نبوت نبوت کی قسم نہیں۔ اگر ظلی نبوت نبوت کی قسم ہو، تو پھر ظلی الوہیت۔ الوہیت کی قسم ہونی چاہئیے۔ ظلی الوہیت کی نسبت ''تحفہ گولڑویہ'' کے شروع میں ایک فارسی نظم ہے، جس کا ایک شعر نقل کیا جاتا ہے۔

صفاتِ او ہمہ ظلِ صفاتِ حق باشد ہم استقامت او ہمچو انبیاء باشد

یعنی اولیاء کے اندر تمام صفات الٰہی ظلی طور پر آجاتی ہیں۔ مگر باوجود اس کے کسی ادنیٰ کی ولایت کو

الوہیت کی قسم نہیں کہہ سکتے۔اسی طرح بادشاہ کوظل اللہ کہا گیا ہے۔مگر بادشاہ کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا کی قسم میں سے ہے۔ایک جگہ پرحضرت صاحب ظلی الوہیت کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔

''مگرتاہم وہ لوگ جو اپنی نفسانی حیات سے مرکر خدا تعالیٰ کی ذات کا مظہراتم ہوجاتے ہیں اورظلی طور پر خدا تعالیٰ ان کے اندر داخل ہوجاتا ہے،ان کی حالت سب سے الگ ہے۔''
(حقیقۃ الوحی صفحہ 24)

''پس روحانی طور پر انسان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں کہ وہ اس قدر صفائی حاصل کرے کہ خدا تعالیٰ کی تصویر اس میں کھینچی جائے۔''(حقیقۃ الوحی صفحہ 25)

پس ظلی الوہیّت کی قسم نہیں ہے۔اسی طرح ظلی نبوت نبوت کی قسم نہیں ہے۔آپ مہربانی کر کے حقیقۃ الوحی کے صفحات 23 تا25، 63 کومطالعہ فرماویں۔

ظلی نبوت کے معنی کو سمجھنے کے لیے آپ عبارت ذیل کوغور سے پڑھیں:

☆''مگر ظلی نبوت،جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا، وہ قیامت تک باقی رہے گی۔تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہواورتا یہ نشان دنیا سے مٹ نہ جائے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت نے قیامت تک چاہا ہے کہ مکالمات اورمخاطبہ الٰہیہ کے دروازے کھلے رہیں اورمعرفت الٰہیہ جو مدارنجات ہے مفقود نہ ہوجائے۔
(حقیقۃ الوحی صفحہ 28)

عبارت بالا سے ثابت ہے کہ ظلی نبوت کے معنی فیض محمدی سے وحی پانا ہے یا مکالمات ومخاطبات الٰہیہ سے شرف ہونا ہے۔پس مکالمہ ومخاطبہ کا پانا یا وحی کا پانا نبوت کی جزوتو ہے، مگر نبوت کی قسم نہیں ہے۔''مبشرات اورمنذرات نبوت تامہ کی جزو ہے۔''
(توضیح مرام صفحہ 10)

حضرت صاحب نے ظلی نبوت کو عام قرار دیا ہے۔

''پس اگر ہماری فطرت کو وہ قوتیں نہ دی جاتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات کو ظلی طور پر حاصل کرسکتیں۔تو یہ حکم ہمیں ہرگز نہ ہوتا کہ اس بزرگ نبیؐ کی پیروی کرو۔(حقیقۃ الوحی صفحہ 152)

اس حوالہ سے ثابت ہوا کہ ہر کامل پیرو ظلی نبوت اپنے اندر رکھتا ہے۔گویا ظلی نبوت عام ہے۔اور یہ ضروری نہیں کہ جو ظلی نبوت رکھتا ہو،اس کو مامور بھی کہا جائے۔لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر مامور ظلی نبوت اپنے اندر رکھتا ہے۔جیسے کہ ہر مجدد انسان ہے۔مگر ہر انسان مجدد نہیں۔نبوت کی صرف ایک ہی قسم ہے۔اور وہ یہ کہ وہ خدا تعالیٰ سے براہ راست فیضان اور تعلیم حاصل کرتا ہے۔

''نبوت ایک فطرتی وہبی امر ہے،کسبی نہیں۔براہ راست نبی ہونا اور مستقل نبی ہونا ایک ہی بات ہے۔ظلی نبی محدث ہوتا ہے۔''(نشان آسمانی صفحہ 28)

''ظلی نبی ولی ہوتا ہے۔''(کرامات الصادقین صفحہ 85)

سوال 2: محدث کے لیے مامور ہونا ضروری ہے یا نہیں۔کیا ہر ایک محدث مامور ہوتا ہے۔یا بعض مامور ہوتے ہیں اور بعض مامور نہیں ہوتے۔

جواب: ہر محدث کے لیے مامور ہونا ضروری نہیں۔لیکن مامور، جو امت میں ہیں، ان کے لیے محدث ہونا ضروری ہے۔کیونکہ جس کے ساتھ مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ ہو۔وہ اصطلاحِ اسلام کی رو سے محدث کہلاتا ہے۔حضرت صاحب لکھتے ہیں:

''جس حالت میں ابتدا سے میری نیت میں،جس کو اللہ تعالیٰ جلشانہ خوب جانتا ہے،اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے۔بلکہ صرف محدث مراد ہے۔جس کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکلم کیے ہیں۔یعنی محدثوں کی نسبت فرمایا ہے عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِّنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ رِجَالٌ یُکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْآ اَنْبِیَآءَ فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْ اُمَّتِیْ

مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِّنْ نَّبِيٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ. (صحیح بخاری جلد اول صفحہ 521 پارہ 14 باب مناقب عمرؓ (مجموعہ اشتہارات حصہ اول صفحہ 97)

ترجمہ: اس سے ماقبل حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہے۔

حوالہ بالا سے محدث کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ یعنی جو ہمکلامی کا شرف رکھتا ہو وہ محدث کہلاتا ہے۔ اور محدث مامور بھی ہوتا ہے اور غیر مامور بھی۔ مثلاً حضرت عمرؓ کہ مامور نہیں۔ حضرت صاحب کہ مامور ہیں۔ جیسا کہ حضرت صاحب لکھتے ہیں:

☆ ''اما الجواب۔ نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے۔......اس کو اگر مجازی نبوت قرار دیا جائے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا جائے تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آ گیا۔'' (ازالہ اوہام صفحہ 422)

☆ ''چنانچہ اس کے مطابق آنے والا مسیح محدث ہونے کی وجہ سے مجازاً نبی بھی ہے۔'' (ازالہ اوہام صفحہ 349)

غرض محدث کو مجازی طور سے نبی کہہ سکتے ہیں۔ نہ حقیقی طور سے۔ حقیقۃ الوحی میں بھی حضرت صاحب نے مجازی نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور حقیقی نبوت سے انکار کیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ 64)

ظلیت کو سمجھنے کے لیے حوالہ ذیل بھی غور طلب ہے:

''یہ نقطہ محمدیہ ظلی طور پر مستجمع جمیع مراتب الوہیت ہے۔'' (سرمہ چشم آریہ صفحہ 164 و 165 حاشیہ)

لیکن کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ خدا کہہ سکتے ہیں ۔ اسی طرح ظلی نبی کو فی الواقعہ اور دراصل نبی نہیں کہہ سکتے ۔ چنانچہ حضرت صاحب نے جا بجا اپنی کتابوں میں حقیقی اور اصلی نبی ہونے سے انکار کیا ہے ۔ آپ لکھتے ہیں :

''میری نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظل ہے نہ کہ اصلی نبوت ۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ 150 حاشیہ)

بلاشک ظلی نبی نبوت کے رنگ سے رنگین ہوتا ہے ۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں :

''خدا تعالیٰ کی کتابیں اور خدا تعالیٰ کے نبی اس غرض سے اور مدعا سے آیا کرتے ہیں تا کہ وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نمونہ کی طرح ہو کر ان کو یہ تحریک وترغیب دیں کہ جو شخص ان کے نقش قدم پر چلے اور ان کے طریق میں محو ہو جاوے ۔ وہ آخر انہیں کا روپ ہو جائے گا اور انہیں کے رنگ میں آ جائے گا ۔'' (سرمہ چشم آریہ صفحہ 147)

میرے خیال میں پرانی کتاب یا نئی کتاب کی بحث اٹھانا معقول نہیں ۔ لیکن باوجود اس کے ایک آخری کتاب سے حوالہ نقل کیا جاتا ہے :

''کسی شخص کو آں جناب کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرت مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ بخشے کہ جو اس کے وجود میں عکسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کرے......اور ظلی طور پر نہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا ۔'' (حاشیہ چشمہ معرفت صفحہ 324)

☆'' وخدارا مکالمات ومخاطبات است باولیائے خود دریں امت وایشاں را رنگ انبیاء دادہ می شود ودر حقیقت انبیاء نیستند زیرا کہ قرآن حاجت شریعت را بکمال رسانید ۔'' (مواہب الرحمٰن صفحہ 66 تا 67)

الغرض نبی ہونا اور بات ہے اور نبوت کے رنگ سے رنگین ہونا اور بات ہے ۔ رسالہ پیغام صلح 1908ء صفحہ 5 پر حضرت اقدس نے سری کرشن جی کو اوتار یعنی نبیٔ وقت مانا ہے ۔ اور اسی رسالہ کے صفحہ 6 پر گرو نانک

صاحب کو بھی اوتار مانا ہے۔اور صاف الفاظ میں یہ تحریر فرمایا ہے:

☆''اور بلا شبہ یہ بات ثابت ہے کہ ان سے کرامات اور نشانات بھی صادر ہوئے ہیں۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ باوا نانک ایک نیک اور برگزیدہ انسان تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جن کو خدائے عزوجل اپنی محبت کا شربت پلاتا ہے۔'' (رسالہ پیغام صلح،ص5)

اس رسالہ میں باوا نانک صاحب کے ساتھ مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ کا ہونا حضرت صاحب نے کھلے الفاظ میں مانا ہے۔اسی قسم کے لوگوں کی شان میں حضرت صاحب لکھتے ہیں:

☆''اور ایک لذیذ محبت الٰہی جو لذتِ وصال سے پرورش یاب ہے، ان کے دلوں میں رکھی جاتی ہے۔ اگر ان کے وجودوں کو ہاون مصائب میں پیسا جائے اور سخت شکنجوں میں دے کر نچوڑا جائے تو ان کا عرق بجز حُبِ اِلٰہی کے اور کچھ نہیں۔'' (سرمہ چشم آریہ صفحہ 23)

تقریر حجۃ اللہ 1908ء کے صفحات 2، 3، 4 کو بھی ملاحظہ فرماویں۔جن میں تسلیم کیا گیا ہے کہ اسلام میں ہمیشہ ایسے لوگوں کا وجود رہا ہے۔ج سے مکالمہ مخاطبہ ہوتا رہا اور ان کو زبردست پیشگوئیاں اور نشانات، جو غیب پر مشتمل تھے، دیئے گے۔اور پھر آیت قرآنی یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَايَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ (30:36) کو لکھ کر حضرت سید عبدالقادر جیلانی کو بطور مثال پیش فرمایا ہے۔حضرت صاحب نے ہمیشہ شروع سے لے کر اخیر تک اپنی نبوت کو مبشرات والی نبوت مانا ہے۔چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''ہم سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ شریعت قرآن شریف پر ختم ہوگئی ہے۔صرف مبشرات یعنی پیشگوئیاں باقی ہیں۔''(چشمہ معرفت صفحہ 180و181)

اور مبشرات والی نبوت کو جزئی نبوت قرار دیا ہے۔(توضیح مرام صفحہ 9 و 10)اور جزوی نبوت کو محدثیت کے اسم سے موسوم کیا ہے۔حضرت مسیح موعود کی زندگی میں اسی معنی سے یہ لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔چنانچہ

مولوی عمرالدین صاحب شملوی کی کتاب ''ختم نبوت کی حقیقت'' (صفحہ 21، 1914ء) ملاحظہ ہو:

☆''اور محدث کو جب نبی کہیں تو بلحاظ کمالات کے ہی کہیں گے۔ اور حضرت مرزا صاحب نے بھی انہی معنوں میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔''

افسوس کہ حضرت اقدس کی وفات کے بعد کہا جاتا ہے کہ حضرت صاحب کا عقیدہ نبوت تبدیل ہو گیا تھا۔ پہلے کچھ عقیدہ تھا اور بعد میں کچھ۔ تبدیلی عقیدہ کا علم ہمیں حضرت صاحب کی زندگی میں نہیں ہوا۔ ہاں! وفات کے بعد ہوا۔ پہلے مسیحؑ کے مخالفوں نے بھی بوجہ عناد یہ الزام لگایا تھا کہ تُو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو ان کی تائید میں حضرت مسیح کے پیروؤں کے حصہ کثیر نے بھی کہہ دیا کہ واقعی حضرت مسیحؑ خدائی کا مدعی تھا۔ اسی طرح مسیح موعود کے مخالفوں نے آپ پر یہ الزام لگایا تھا کہ تُو نبوت کا مدعی ہے۔ مگر آج حضرت مسیح موعود کے کثیر مریدوں نے کہہ دیا کہ واقعی آپ مدعی نبوت تھے۔ والسلام

خاکسار

میر مدثر شاہ

بہ ارشاد حضرت امیر جماعت احمدیہ لاہور

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

22 مارچ 1919ء

9اپریل1919ء

اداریہ

تجویز مصالحت کا جواب میاں صاحب کی طرف سے

جناب میاں محمود احمد صاحب اپنی طرز کے واحد انسان ہیں۔ان کی تحریرات، تقاریر، مکالمات وغیرہ، جس بات کو بھی دیکھو، ایک نرالی ہی شان اپنے اندر رکھتی ہے۔جس کا اظہار ان کالموں میں بارہا ہو چکا ہے۔

اسی قسم کی ان کی ایک تازہ تقریر بھی ہے۔ جو قادیان کے جلسہ سالانہ پر ہمارے واپس چلے آنے کے بعد انہوں نے کی۔ہم ان سے پیشتر لکھ چکے ہیں کہ لاہور سے ایک تیس آدمیوں کا وفد صلح کی (جس کے محرک خود میاں صاحب کی جماعت کے ''بعض افراد'' تھے) چند تجاویز لے کر میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اس نے سلسلہ کی موجودہ قابل رحم حالت کی طرف توجہ دلا کر دونوں جماعتوں (مریدین میاں صاحب اور ہم) میں سے باہمی تباغض وتحاسد کو دور کرنے پر زور دیا تھا۔جس سے میاں صاحب کو بھی اتفاق تھا۔البتہ تفصیلی شرائط میں ان کو بعض باتوں میں اختلاف تھا۔لیکن جہاں تک جماعت کے باہمی میل جول اور تعلقات کا سوال ہے، وہ اس سے پورے طور پر متفق تھے۔اور بطور مثال انہوں نے ایک دوسرے کو پیغامی اور محمودی کے القاب سے یاد کرنا بھی بُرا اور واجب الترک تسلیم کیا تھا۔

لیکن یہ تو ہماری موجودگی اور حاضری کی باتیں تھیں۔(اگرچہ تحریراً ہمارے خط کا، جس میں انہی شرائط صلح کا ذکر تھا، کوئی جواب انہوں نے نہیں دیا) لیکن پیچھے عام جلسہ میں آکر، وہ بھی ہمارے واپس چلے آنے کے بعد، جو کچھ گوہرافشانی انہوں نے فرمائی وہ اخبار ''الفضل'' کے یکم اپریل 1919ء کے پرچہ میں پڑھنے کے قابل ہے۔فرماتے ہیں:

> ''اب میں ایک اور بات بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ پیغامیوں ☆ کی طرف سے صلح کا پیغام دیا گیا ہے۔حیرت ہے وہ لوگ جو جنگ کے بانی تھے، صلح کا پیغام دیتے ہیں۔لیکن یہ

☆ یہ پیغامیوں کا لفظ قابل غور ہے کیونکہ میاں صاحب نے خود ہی لفظ کو ناپسند کیا تھا۔ایڈیٹر

کوئی عجیب بات نہیں۔ کیونکہ بعض دفعہ شیطان بھی فرشتہ کے لباس میں آجایا کرتا ہے۔ ان کی پیش کردہ شرائط بظاہر تو نہایت نرم اور آسان معلوم ہوں گی۔ لیکن ان کی اصلیت اور حقیقت پر غور کیا جائے اور انہیں کھول کر دیکھا جائے تو ثابت ہوگا کہ ہر طرح ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ جنہوں نے سلسلۂ حق سے بغاوت اختیار کی ہے، ان سے صلح کیسے ہو سکتی ہے۔ جب تک کہ وہ بغاوت نہ چھوڑیں۔ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں جھگڑا تھا۔ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے خواہش ظاہر کی کہ میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تُو میرے پاس اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک تلوار ہم میں اور تم میں فیصلہ نہ کر دے۔ بات یہ ہے صلح غیروں کے ساتھ ہوسکتی ہے۔ مگر جو اپنے کہلا کر بغاوت کریں، وہ جب تک بغاوت سے باز نہ آئیں، ان سے صلح نہیں ہوسکتی۔ اس دفعہ انہوں نے کوشش کی کہ جلسہ میں ان کو اپنے شبہات کے پیش کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ میں نے بعض مصالح کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ وہ بالکل ہی مایوس نہ ہو جائیں، اجازت دے دی۔ یہ اجازت صرف اس دفعہ سے مخصوص تھی۔ جو آئندہ کے واسطے سند نہیں ہوسکتی۔ ہمارا جلسہ مناظرہ کے لیے نہیں ہوتا۔ بلکہ تعلیم کے لیے ہوتا ہے۔ یہ حضرت اقدس مسیح موعود کا مقدس سٹیج ہے۔ اس پر باغیوں کے لیے جگہ نہیں۔ ہمارے اور ان کے بحث ومباحثہ بہت ہو چکے۔ اب کسی فیصلہ کی طرف آنا چاہیئے۔ میں تو ان کے نزدیک بچہ ہوں، جاہل ہوں، نادان ہوں، خوشامدیوں میں گھرا ہوا ہوں، خدا کی مخلوق کو گمراہ کرتا ہوں، دینِ حق سے ہٹ چکا ہوں۔ اور وہ بڑے اہل الرائے ہیں، صاحبِ علم ہیں، تجربہ کار ہیں اور دین پر قائم ہیں۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ وہ خدا جو سچوں کا حامی ہوتا ہے۔ وہ ہر رنگ میں میری تائید کرتا اور مجھے ہی علوم دیتا ہے اور وہ لوگ علوم سے محروم ہیں۔ یہ بات میں اپنی بڑائی کے لیے نہیں کہتا۔ بلکہ اس لیے کہتا ہوں کہ خدا نے مجھے مسیح موعود کی خلافت کے منصب پر قائم

کیا ہے۔ اس سے اس منصب کا احترام اور صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ ورنہ میں تو کسی بات کا مدعی نہیں۔

پس کیوں وہ لوگ گیدڑوں اور لومڑیوں کی طرح چھپ چھپ کے حملے کرتے ہیں۔ کیوں نہیں میدان میں آتے اور فیصلہ کر لیتے۔ میں نے ان کو کہا کہ آؤ قرآن کریم کی بالمقابل تفسیر لکھو اور دیکھو خدا کس کی تائید معارف اور علوم کے ذریعہ کرتا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ آؤ خدا سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہے، وہ ہلاک ہو۔ اس کے لیے بھی وہ تیار نہ ہوئے۔ اب ان کے غلطی پر ہونے میں کیا شک رہ گیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر رنگ میں اور ہر طرح میری تائید فرما رہا ہے اور ان کی کچھ تائید نہیں کرتا۔ یہی ان کے بے راہ ہونے کی خدائی شہادت ہے۔

وہ یاد رکھیں یہ زمانہ بدلہ لینے کا ہے۔ پہلے یوسفؑ کو یوسفؑ کے بھائیوں نے کنعان سے نکالا تھا۔ لیکن خدا نے اس یوسف کو اس لیے بھیجا ہے کہ یہ اپنے دشمن بھائیوں کے قادیان سے نکلنے کا موجب ہو جائے۔ مجھ کو کہتے ہیں کہ عثمان ہے۔ میں کہتا ہوں ہاں عثمان ہوں۔ مگر وہ عثمان تو دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ اور میں وہ عثمان ہوں کہ میرے مخالف ناکام رہیں گے اور ناکام رہے ہیں۔''

یہ ہے وہ جواب جو میاں صاحب کی طرف سے تجویز صلح کا ہمارے واپس چلے آنے کے بعد دیا گیا۔ تعجب ہے سامنے انہوں نے کیوں یہی بات نہ کہہ دی۔ اور جب جانتے تھے کہ یہ جو صلح کا پیغام لے کر آئے ہیں ''یہ شیطان ہیں'' جو فرشتہ کے لباس میں آئے ہیں۔ تو اسی وقت کیوں نہ انہیں صاف طور پر جواب دے دیا۔ کیوں اس وقت شیطان کی بات ماننے کو تیار ہو گئے اور اس بات پر راضی ہو گئے کہ تم بھی ہمیں بُرا نہ کہو اور ہم بھی تمہیں بُرا نہ کہیں گے۔ اور ایک دوسرے کا عزت کے ساتھ ذکر کریں گے۔ شیطان کو بُرائی نہیں بلکہ عزت کے ساتھ یاد کرنے کا اقرار کرنا اور پھر خود ہی اس اقرار پر دوسرے ہی دن تقریر منقولہ بالا کے ذریعہ پانی پھیرنا، بلکہ خود خلافت مآب اور ان کے بڑے بڑے اراکین کا انہی مزعومہ'' شیطانوں'' کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا اور رشتہ

مواکلت ومجالست قائم کرنا یہ میاں صاحب ہی کی شان خلافت کے مقتضی ہے!

میاں صاحب کو فخر ہے کہ انہیں علوم دیئے گئے ہیں اور ہمیں وہ علوم سے محروم بتاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ نت نئے عقائد اختراع کرنے اور ''خواب مرکب'' اور ''خواب مفرد'' کی نئی اصطلاحات بنانے اور گناہوں وغیرہ کا علاج ڈاکٹری طریقہ پر کرنے کے علوم سے (اگر انہیں علوم کہنا جائز ہے اور پریشان خیالی کا یہ نتیجہ تو نہیں) ہم بے شک محروم ہیں۔ اور نہ صرف ہم ہی بلکہ تمام امت محمدیہ حتی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود بھی محروم ہی رہے۔ یہ اب آکر میاں صاحب ہی پر کھلے ہیں۔ اس لیے وہ ان پر جس قدر فخر کریں بجا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ان علوم سے دنیا کو کیا فائدہ ہوا۔ اسلام کو اس سے کیا تقویت ملی اور سلسلہ احمدیہ نے کونسا معتد بہ نفع اس سے اٹھایا۔ کیا مسئلہ نبوت مسیح موعود نے سلسلہ کو کوئی فائدہ پہنچایا۔ کیا کفر واسلام کے مسئلہ نے اسلام کا کچھ باقی رکھا۔ یا اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ کا مصداق حقیقی مسیح موعود کو قرار دینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی اضافہ ہو گیا۔ ایسا ہی خواب مرکب اور خواب مفرد کی تقسیم نے دنیا کو کون سے صراط مستقیم یا مقام عالیہ پر لا کھڑا کیا۔ یہ تو ان کے علوم کا ذکر ہے جن کو بیان کیے ہوئے انہیں بہت زیادہ عرصہ ہو گیا ہے، اور گناہوں کے ڈاکٹری علاج سے تو ابھی خود ان کو بھی بقول خود پوری واقفیت حاصل نہیں ہوئی۔ جب ہو گی دیکھا جائے گا کہ دنیا اس سے کہاں تک متمتع ہو سکتی ہے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

ہاں! وہ بڑے زور سے ہمیں فیصلہ کی طرف آنے کے لیے بلاتے ہیں۔ اور ہماری فیصلہ کے لیے بحث اور تبادلۂ خیالات کی دعوتوں کو (جن کو میاں صاحب نے کبھی قبول نہیں کیا) نظر انداز کر کے بالمقابل تفسیر نویسی یا بد دعا پر زور دیتے ہیں۔ مگر کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہماری طرف سے تو حضرت امیر ایدہ اللہ ایک دو آیتوں یا رکوع کو چھوڑ سارے قرآن کی تفسیر لکھ کر شائع کر چکے ہیں۔ وہ بھی کسی مولویوں وغیرہ کی کمیٹی یا بورڈ کی مدد سے نہیں۔ بلکہ اکیلے اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ نے لکھی ہے۔ اب اگر بالمقابل تفسیر لکھنا اور اس میں علوم ومعارف کے دریا بہانا یہ عقائد کی صحت کا معیار ہو سکتا ہے۔ تو اب میاں صاحب کا یہ کام ہے کہ وہ ایسی تفسیر لکھیں۔ تا کہ دنیا کو معلوم ہو

جائے کہ کس کی تفسیر بلند پایہ اور مرتبہ رکھتی ہے۔

باقی بد دعاؤں میں پہلے ان کی طرف سے کون سی کسر رہ گئی ہے کہ اب بالمقابل کھڑے ہو کر بد دعا کرنے کی ضرورت ہے۔ان کی پہلی بد دعاؤں نے، جو ہر روز نماز مغرب میں سورہ الفیل کی تلاوت کے رنگ میں اور کھلے طور پر بھی کی جاتی ہیں، کون سا اثر دکھایا۔ وہ تین سال کی پیشگوئی، جو ہماری ہلاکت کے متعلق کی گئی تھی، اور ایک بہت بڑے نشان کی بھی خبر انہوں نے اپنے ایک معزز لاہوری مرید کو دی تھی، کیا ہوئی؟ اور کیا اثر ان بد دعاؤں نے اب تک دکھایا کہ اب بالمقابل بد دعا سے کسی اثر کی امید ہو سکے!

بہر حال ہمیں ضرورت نہیں کہ ان کے لیے بد دعا کریں۔ان کے نزدیک اگر یہی راہ اپنی صداقت کو ثابت کرنے کی ہے، تو بیشک کرتے جائیں۔آگے پانچ سال میں کون سی کسر باقی چھوڑی ہے کہ اب اس کو کوئی نئی بات قرار دیا جائے۔غرض اگر یہی راہ فیصلہ کی ہے جو میاں صاحب نے تجویز کی ہے۔تو بھی گذشتہ تجربہ ہمارے ہی حق میں فیصلہ دیتا ہے۔

☆ ہماری طرف سے تفسیر شائع ہوئی۔ جو عام طور پر پسند کی گئی۔میاں صاحب کو کسی ایسی تفسیر کی اشاعت کی توفیق بھی نہ ملی۔

☆ ہمارے یہاں حضرت امیر ایدہ اللہ درس قرآن وحدیث باقاعدہ دیتے اور علوم و معارف سے سننے والوں کو سیراب کرتے ہیں۔میاں صاحب اس سے بھی عاری ہیں۔

☆ ہمارے لیے میاں صاحب نے گذشتہ پانچ سالوں میں باقاعدہ اور متواتر بد دعائیں کیں۔ ہماری ہلاکت کی پیشگوئیاں شائع کیں۔لیکن ایک بھی ان میں سے ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔

پس انہی کے معیار کے مطابق حق پر ہم ثابت ہوتے ہیں، نہ کہ وہ۔ رہا یہ کہ ہم ان کو خوشامدیوں سے گھرا ہوا قرار دیتے ہیں۔ یہ ہم ہی نہیں کہتے۔اخبار فاروق کے ایڈیٹر سے جا کر پوچھو جس نے ملکہ وکٹوریہ کے یہ لفظ اخبار میں نقل کیے ہیں کہ:

”میں خوش ہوں کہ میری سلطنت میں کم از کم ایک آواز ایسی بھی ہے کہ جو اس خیال کے

ظاہر کرنے سے خوف نہیں کھاتی۔ جو اس کا میری نسبت ہے۔''

اور لکھا ہے کہ:

''ملکہ معظّمہ کے یہ فقرات نہایت ہی قابل قدر ہیں۔ ان امراء اور بڑے آدمیوں کے لیے جن کے ارد گرد قوم کی بدقسمتی سے ایسے خوشامدی جمع ہو جاتے ہیں، جو ان کی ہر حرکت وسکون پر ''بجا فرمایا'' ''بالکل درست'' کے نعرے بلند کر کے اس بڑے آدمی کو غلط فہمی میں ڈالتے ہیں۔ یہ بدقماش دراصل دشمن ہوتے ہیں۔ کیونکہ کسی غلطی پر متنبہ نہیں ہونے دیتے نہ اصلاح کی طرف توجہ کرنے دیتے ہیں۔ بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس بڑے آدمی کو بعض دفعہ خبر بھی نہیں ہوتی، جو اس کی تباہی آ جاتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے محکوم سب میرے جانثار ہیں اور مجھ سے ان کو کوئی شکایت نہیں۔ لیکن دراصل اندر ہی اندر شکایتوں کا ایک انبار جمع ہوتا رہتا ہے۔ یہ مادہ جب آتش فشاں پہاڑ کی مانند پھوٹتا ہے، تو پھر حشر ہی برپا ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایسی آوازوں کی قدر کی جائے۔ جو ان خیالات کو ظاہر کریں جو فی الواقع بغیر کسی ذاتی غرض اور خوشامد کے بلند کی جائیں۔ بلکہ خود موقع دینا چاہیئے کہ صحیح خیالات کا اظہار اس کے روبرو ہو۔'' (فاروق 27 فروری 1919ء)

یہ ان مریدوں کی شہادت ہے۔ جو ان کے معتمد علیہ اور درباری ہونے کے علاوہ ہم پر سختی اور بدزبانی کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ خود میاں صاحب ہی نے فرمایا ہے کہ مجھے عثمان کہتے ہیں۔ ہم تو حضرت عثمان کو ایسی باتوں اور حرکات سے پاک سمجھتے ہیں۔ لیکن میاں صاحب کو خلافت فضل عمری سے اتار کر خود مریدین ہی کا عثمان قرار دینا آخر کچھ معنی رکھتا ہے!

باقی دنیا جہان سے صلح ہو سکنے اور باغیوں سے نہ ہو سکنے کا جو ارشاد انہوں نے فرمایا ہے، وہ سر آنکھوں پر۔ لیکن اس کو یوں کہہ دیتے تو شاید زیادہ تصریح ممکن تھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغیوں سے صلح ممکن ہے۔ مسیح موعود سے بغاوت اور مخالفت رکھنے والوں سے مصالحت جائز۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین مسیح موعود کو ماننے والوں اور میاں محمود صاحب کے نہ ماننے والوں سے صلح ممکن اور جائز نہیں۔ تِلۡکَ اِذًا

قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (22:53)

☆☆☆

9اپریل1919ء

انگریزی ترجمۃ القرآن نے ایک عیسائی کو مسلمان کر دیا

آج کی اشاعت میں ناظرین کرام اس ریویو کو ملاحظہ فرمائیں گے جو معزز معاصر ''وکیل'' نے اپنی 5 اپریل کی اشاعت میں ترجمۃ القرآن انگریزی پر کیا ہے۔ یہ ریویو اور ایسا ہی متعدد انگریزوں اور اینگلوانڈین اخبارات کے تحسین آمیز کلمات جو انہوں نے اس ترجمہ کے متعلق لکھے ہیں۔ اس ترجمہ کے حسن وخوبی کی علی الاعلان شہادت دے رہے ہیں۔لیکن اس کی خوبی کی اس سے بڑھ کر شہادت یہ بھی ہے کہ اس کو پڑھ کر عیسائی مسلمان ہونے لگے ہیں۔ چنانچہ ایک چٹھی اس وقت ہمارے سامنے ہے جو سنگاپور کے سلطان برادرز اینڈ کمپنی نے دفتر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کو لکھی ہے اور اس میں قرآن کریم کی 5 مجلدات کی رسید دیتے ہوئے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ ایک عیسائی نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔جس کی وجہ قرآن کریم کا یہ انگریزی ترجمہ ہے جس کو مطالعہ کرنے سے اس پر اسلام کی حقانیت منکشف ہوئی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ہوئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے استقامت بخشے اور دین حق پر قائم اور ثابت قدم رکھے۔

9اپریل1919ء

کتاب مبین کا انگریزی ترجمہ

ایک زرین وکامیاب کوشش

معاصر ''وکیل'' کی رائے

امرتسر کے معزز ہمعصر ''وکیل'' نے اپنی 5اپریل1919ء کی اشاعت میں عنوان بالا سے ایک افتتاحیہ حضرت امیر مولٰینا مولوی محمد علی ایدہ اللہ کے انگریزی ترجمۃ القرآن پر لکھا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

تین چار سال پیشتر ان کالموں میں تراجم قرآن کا ذکر کیا گیا تھا۔ جو مختلف ازمنہ میں دنیا کی مختلف زبانوں میں کیے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان تراجم کا بھی حوالہ دیا گیا تھا۔ جو خود مسلمانوں نے علاوہ مشرقی زبانوں کے مغربی اور بالخصوص انگریزی زبان میں کیے۔ 1905ء میں ڈاکٹر محمد عبدالحکیم خاں نے ایک انگریزی ترجمہ انگلستان (یہ انگلستان میں نہیں بلکہ ہندوستان میں چھپوایا تھا۔ ایڈیٹر) میں چھپوایا تھا۔ 1911ء میں اصغر اینڈ کمپنی الٰہ آباد نے عربی متن معہ انگریزی ترجمہ کے شائع کیا۔ یہ ترجمہ مرزا ابوالفضل نے کیا تھا اور اس کی بڑی تعریف یہ ہے کہ اس کی تعریف پادری زویمر نے کی ہے۔ جن کی ایک تالیف ''اسلام مذہب کو چیلنج'' حال ہی میں ہندوستان میں ضبط کی گئی ہے۔

قرآن کریم کا ایک انگریزی ترجمہ علامہ شبلی نعمانی مرحوم کی تحریک سے نواب عباد الملوک بہادر نے شروع کیا تھا۔ لیکن یہ ترجمہ تکمیل پذیر نہیں ہوا۔ ایک انگریزی ترجمہ انجمن ترقی اسلام قادیان نے 1915ء میں علیحدہ علیحدہ پاروں میں شائع کیا تھا (اس کا صرف ایک ہی پارہ شائع ہوا ہے اور باقی سپاروں کا ترجمہ اب تک نہیں چھپا۔ ایڈیٹر)، اس میں اصل عربی متن صفحہ کے بالائی حصہ میں دیا گیا ہے۔ اور ترجمہ وتفسیر زیریں حصہ میں دیئے گئے ہیں۔ ترجمہ وتفسیر دونوں عمدہ ہیں۔ مگر فرقہ بندی کی روح جا بجا نمایاں ہے۔

ان سب سے زیادہ مکمل وہ انگریزی ترجمہ ہے جو مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی صدر

احمد یہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے شائع کیا ہے۔ یہ ترجمہ ظاہری اور معنوی خوبیوں سے لبریز ہے۔ اس کی مراکشی چمڑے کی سیاہی مائل سبز جلد جونرمی اور پائیداری کے دوگونہ اوصاف رکھتی ہے۔ معہ اپنے زرین طغرا کے نہایت دلفریب معلوم ہوتی ہے۔ خود متن، ترجمہ اور تفسیر اعلیٰ پایہ کے انڈیا پیپر پر شائع ہوئی ہے۔ انڈیا پیپر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہلکا، مہین، سفید اور مضبوط ہوتا ہے اور اگر ایسا کاغذ کسی تحریر سے مزین ہونے کا حق رکھتا ہے، تو وہ خدا کے پاک کلام کی تحریر ہے۔ انڈیا پیپر پر کلام اللہ کا نقش دیکھنے والے کے دل میں روحانیت کا غیر معمولی جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور انسانی فطرت اس کے حسن سے مسحور ہو کر سربسجود ہونے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہ حالت ہم پر طاری ہوئی جب ہم نے نسخہ زیر نظر کی تلاوت شروع کی۔ یہ نہیں کہ روحانیت کا جذبہ حسن ظاہری کا محتاج ہے لیکن کیا اس میں شک ہے کہ حسن ظاہری حسن معنوی میں چار چاند لگا دیتا ہے۔ پڑھنے والے کی نظر ان ظاہری اوصاف سے گزر کر سب سے پہلے ترتیب مطالب پر پڑتی ہے۔ مقدمہ جو 95 صفحات پر پھیلا ہوا ہے دو حصوں میں منقسم ہے۔ 1۔ تعلیمات قرآن 2۔ جمع و ترتیب قرآن۔ ان مطالب کی تشریح و توضیح میں فاضل مترجم نے تعلیمات قرآن کو گویا ''دریا بہ کوزہ'' کر دیا ہے۔ ہماری یہ رائے ہے اور اس میں کسی قسم کی عقیدتمندی کو مطلق دخل نہیں ہے کہ اگر غیر مذاہب کے لوگ ان صفحات کو تعصب کی آلائشوں سے پاک ہو کر پڑھیں تو مذہبی دنیا کے خیالات میں بہت کچھ تغیر واقع ہو جائے۔

تشریح طلب الفاظ کی فہرست اور فہرست مطالب بترتیب حروف تہجی نے قرآن کے مطالب تک رسائی کو بالکل آسان بنا دیا ہے۔ ہر سورہ کے شروع میں تمہیدی نوٹ دیئے گئے ہیں۔ ہر سورہ کے بالمقابل انگریزی ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور ذیلی حواشی میں ان کی تفسیر دی گئی ہے۔ ان سب کی ترتیب قابل تعریف ہے۔ ترجمہ کو ہم نے جا بجا بہ نظر امعان دیکھا ہے اور اس پر کامل غور کے بعد ہمیں یہ کہنے میں سلاست تامل نہیں ہے کہ اس کی سادگی، سلاست روانی اور صحت قابل رشک ہے۔ تفسیر کو حیرت انگیز بے طرفداری کے ساتھ فرقہ بندی کی الجھنوں سے پاک رکھ کر عام اور مستند اسلامی خیالات کو اس میں فراہم کیا گیا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے میں جدید آلاتِ مدافعت سے کام لے کر صواب اندیشی و مصلحت بینی کا ثبوت دیا گیا ہے۔

❁❁❁

23اپریل1919ء

حضرت امیر ایدہ اللہ کا ترجمۃ القرآن۔ایک نشان

جولوگ حق وانصاف کے حامی ہیں وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ ترجمۃ القرآن انگریزی، جو حضرت امیر کے قلم سے نکلا اور احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے زیر اہتمام لنڈن میں چھپ کر شائع ہوا، حضرت مسیح موعود کی صداقت اور ہمارے حق بجانب ہونے پر ایک عظیم الشان نشان ہے۔سب سے پہلے حضرت مسیح موعود کی ابتدائی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں حضرت صاحب اس قسم کے ترجمہ اور تفسیر کا ذکر کرتے ہوئے ایک پیشگوئی کے رنگ میں فرماتے ہیں:

> ''میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں داخل ہے۔''(ازالہ اوہام صفحہ 773)

ان الفاظ پر غور کرو۔ان سے جہاں یہ صاف مترشح ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے دل میں تبلیغِ اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کا کیسا جوش تھا۔اور اس کے لیے کیسی اہم تجاویز آپ کے سامنے تھیں، وہاں یہ بھی پتہ لگتا ہے جو شخص انگریزی میں تفسیر شائع کرے گا وہ حضرت مسیح موعود کے وجود باجود میں داخل ہوگا۔جس طرح شاخ درخت میں داخل ہوتی ہے۔ اللہ ! اللہ ! ایک طرف ان دریدہ دہنوں کی ان باتوں کو دیکھو جو کہتے پھرتے ہیں کہ میاں صاحب نے ان چند آدمیوں کو سلسلہ احمدیہ سے نکال دیا ہے۔اور ادھر حضرت مسیح موعود کی اس اعجازی تحریر کو دیکھو جس میں حضور نے اپنے خاص خدام کی ایک ایسی علامت بیان فرمادی جس سے آج ان کے دشمن بے نصیب ہیں۔اور باوجود کوشش کے مشیت ایزدی نے ان کو محروم رکھا ہے۔

اس میں بھید یہی ہے کہ خدا کی غیرت نہیں چاہتی کہ جس گروہ نے حضرت مسیح موعود پر غلو کر کے افتراء کرنا شروع کیا، وہ بھی اپنی کوششوں سے حضرت مسیح موعود کی منقولہ بالا تحریر کا مصداق ہوجائے اور آپ کے وجود

کے اندر شامل ہو جائے۔

حضرت امیر کا وجود تو اس تحریر کے بموجب حضرت مسیح موعود کے وجود میں داخل ہے۔لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ میاں صاحب کو بھی یہ فخر حاصل ہوا۔ان کے پاس لے دے کے ایک جسمانی فرزندیت کا طغرا ہے۔مگر اہل معنی جانتے ہیں اور حضرت مسیح موعود نے بھی لکھا ہے کہ جو شخص محض رشتہ کے تعلق پر گھمنڈ کرتا ہے، وہ زنانہ فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔تحریر منقولہ بالا کے علاوہ آج حسن اتفاق سے حضرت صاحب کا ایک کشف سامنے آیا ہے جو ستمبر 1906ء کے ریویو آف ریلیجنز میں شائع ہو چکا ہے۔ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

> ''فرمایا: آج ہی خواب میں دیکھا ہے کہ ایک چوغہ زرین، جس پر بہت سنہری کام کیا ہوا ہے، مجھے غیب سے دیا گیا ہے۔ایک چور اس چوغہ کو لے کر بھاگا۔اس چور کے پیچھے کوئی آدمی بھاگا۔جس نے چور کو پکڑ لیا اور چوغہ واپس لے لیا۔بعد اس کے یہ چوغہ کتاب کی شکل میں ہو گیا۔جس کو تفسیر کبیر کہتے ہیں۔اور معلوم ہوا کہ چور اس کو اس غرض سے لے بھاگا تھا کہ اس تفسیر کو لے کر نابود کر دے۔''

ایک طرف ترجمۃ القرآن انگریزی کو رکھو اور دوسری طرف اس رؤیا کے الفاظ کو پڑھو۔تو خود بخود تعبیر معلوم ہو جائے گی۔اگر خواب میں ''سنہری کام'' دکھایا گیا ہے۔تو یہ سنہری کام اس قرآن شریف پر بھی موجود ہے۔اگر خواب میں یہ چوغہ ''تفسیر کبیر'' بن جاتا ہے۔تو یہ ترجمۃ القرآن بھی قرآن شریف کی ایک لطیف تفسیر ہے جس میں حضرت مسیح موعود کے علم کلام سے کام لیا گیا ہے۔اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اس تفسیر کبیر کو نابود کرنے والے وجود بھی دنیا میں پیدا ہو جاتے ہیں، جو چاہتے ہیں اس کو مٹا کر چھوڑیں۔مگر آخر کار وہ خائب و خاسر رہتے ہیں۔

کیا ہمارے وہ دوست، جو میاں صاحب کی اندھی محبت کے اسیر ہیں، ٹھنڈے دل سے غور کریں گے کہ جس کو وہ راندہ درگاہ سمجھ رہے ہیں۔ان پر تو حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیاں اور کشوف صادق آ رہے ہیں۔اور خود حضرت مسیح موعود اس کو اپنے وجود میں داخل کرتے ہیں!

14 مئی 1919ء

احمدیہ جماعت اور گورنمنٹ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ. مِنۡ شَرِّ مَاخَلَقَ. وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ. وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ. وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ. (113:1-5)

جماعت احمدیہ کا مسلک ابتدا سے ہی اسلام کے احکام کے بموجب حاکم وقت کی فرمانبرداری اور ہر ایک بغاوت کے طریق سے علیحدگی کا رہا ہے۔ اور یہی وہ تعلیم ہے کہ جس پر حضرت مسیح موعود ابتدا سے زور دیتے رہے ہیں۔ اور اس تعلیم پر اس وقت تک حضرت صاحب کی جماعت کاربند ہے۔

اخبار الفضل کا جماعت لاہور پر ایسے حملے کرنا کہ یہ جماعت گورنمنٹ کی باغی ہے، ایک ایسی بُری حرکت ہے کہ جس کا جواب بھی دینے کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے۔ اور صرف اپنے احباب کو یہ نصیحت کریں گے کہ وہ اس دعا کو، جو قرآن کریم نے حاسدوں کے شر سے بچنے کے لیے سکھائی ہے، پڑھیں۔

آج میاں صاحب اور ان کے مرید جماعت لاہور کے خلاف وہ حرکات کر رہے ہیں جو کسی زمانہ میں حضرت مسیح موعود کے سخت ترین دشمن آپ کے خلاف کیا کرتے تھے۔ اور جیسے کہ ان کی کوششیں حضرت مسیح موعود کو گورنمنٹ کے خلاف ثابت کرنے میں پہلے خفیہ تھیں، پھر علانیہ ہوئیں، ویسے ہی آج میاں صاحب کی جماعت کا حال ہے۔ اور جیسے کہ حضرت مسیح موعود کی بریّت گورنمنٹ کے متعلق ان تمام گندے الزامات سے اللہ تعالیٰ نے کر دی تھی، ویسے ہی انشاء اللہ تعالیٰ جماعت لاہور کی بریّت بھی کر دے گا۔ یہ پرانا طریق چلا آتا ہے کہ جب کبھی کسی عقیدہ حقہ کو اس قدر طاقتور سمجھا جاتا ہے کہ اس کی مخالفت اور طریق سے مفید نہیں ہوتی، تو کوتاہ اور کمینہ ہتھیاروں سے کام لیا جاتا ہے۔ جس طرح حضرت مسیح موعود کے دشمنوں نے آپ کو گورنمنٹ انگریزی کا باغی ثابت کرنا چاہا۔ اسی طرح سے یہودیوں نے پہلے حضرت مسیحؑ کو رومی گورنمنٹ کا باغی ثابت کرنا چاہا تھا۔

یہ امر ہر ایک اہل بصیرت پر روشن ہے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کی وفات پر جماعت احمدیہ بعض اصولوں کی بنیاد پر دو فریق میں منقسم ہوئی۔ یعنی ایک فریق کے نزدیک تمام دنیا کے مسلمان کافر ہیں، دوسرے کے نزدیک نہیں۔ ایک کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مسیح موعود حقیقی نبی ہیں، دوسرے کے نزدیک حقیقی نبوت کا دروازہ اب بند ہے۔ اور قیامت تک سب لوگ اب ایک ہی نبیؐ کے ماتحت ہوں گے۔ ہاں! اولیائے امت مجازی طور پر نبی کہلاتے ہیں۔ اور اس وقت تک یہی اختلاف چلا جاتا ہے۔ جس پر ہزارہا صفحات کا لٹریچر دونوں فریقوں کی طرف سے لکھا جا چکا ہے۔ مگر میاں محمود احمد صاحب اور ان کے بعض ساتھی علاوہ دیگر کھلی مخالفت کے ابتدا سے ہی لاہور کی جماعت کو نقصان پہنچانے کے لیے اور اپنی مطلب براری کے لیے پولیٹکل رنگ دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

ان کی یہ کوشش پہلے تو خفیہ تھی مگر اب علانیہ ہوگئی۔ اور جیسا کہ دنیا میں عام لوگ، جن کو خدا کا خوف کچھ نہ ہو، موقعہ پا کر اپنی مخالفت کا بدلہ جھوٹ وافترا سے لیا کرتے ہیں، ویسے ہی اس وقت میاں صاحب کی جماعت نے کیا ہے۔ اور محض ایک چھوٹے سے نیک نیتی کے فعل کو لے کر اس پر اس قدر جھوٹ کی بنیاد رکھی ہے کہ اپنی طرف سے آخری ہتھیار ہم کو تباہ کرنے کے لیے چلا دیا ہے اور لیُمَزِّقَنَّهُمْ کی پیشگوئی کی، جو شروع میں ہی کی تھی، پورا ہونے کے انتظار میں بیٹھے شاید گھڑیاں گن رہے ہیں۔ لیکن ہم ان کو یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ اگر جماعت کے بعض افراد کے فعل سے کل جماعت کے متعلق رائے لگائی جا سکتی ہے، تو میاں صاحب کے مرید بھی اس سے خالی نہیں۔ اگر میاں صاحب زیادہ ضرورت سمجھیں تو ہم ان کو پتہ بتا دیں گے۔ مگر چونکہ چغل خوری ایک نہایت ہی ذلیل حرکت ہے۔ اس لیے ہم اس سے، باوجود اس حملہ کے جو انہوں نے کیا ہے، مجتنب رہتے ہیں اور ہم کو اتنا بھی مجبوراً لکھنا پڑا۔ ورنہ یہ ہمارا مسلک نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہماری جماعت کے ساتھ تو میاں صاحب اور ان کے بعض مریدین کی عداوت کمال کو پہنچ چکی ہے اور قرآن مجید کی آیت ان پر صادق آتی ہے کہ قَدْبَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَاتُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ (118:3) (یعنی دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہوگئی۔ اور جو کچھ کہ ان کے سینوں میں ہے۔ وہ اس سے بڑھ کر ہے) بہرحال یہ مسلک حضرت مسیح موعود کا نہ تھا۔ وہ تو تمام دنیا کی اقوام کے

لیے موجبِ رحمت وصلح ومحبت کا تھے، اور یہ اپنے بھائیوں کے لیے مارآستین بنے ہوئے ہیں۔ اور کسی نے کیا سچ کہا ہے کہ ؎

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی   بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر

بہرحال اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ہم کو پوری امید ہے کہ وہ حق کو غالب کردے گا اور حاسد کبھی کامیاب نہ ہوں گے اور گورنمنٹ پر بھی یہ عناد وتعصب ظاہر ہوجائے گا۔ جس کی وجہ سے یہ سب افتراء ہورہا ہے۔ اور ایک مذہبی تحریک کو پولیٹکل بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَاتَصِفُوْنَ (18:12) وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

❁❁❁

11 جون 1919ء

اداریہ

چودھویں صدی کا مجدد

گذشتہ سال حضرت امیر ایّدہ اللہ نے ''برادرانِ اسلام کی خدمت میں ضروری التماس'' کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا تھا۔ جس میں ''چند ضروری سوالات'' آپ نے کیے تھے۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ:

> ''اگر سوائے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے اور ایک بھی شخص نے روئے زمین پر یہ دعویٰ نہیں کیا اور حضرت موصوف کو اللہ تعالیٰ نے اس دعویٰ کے بعد ایک نیا زمانہ خدمتِ اسلام کا بھی دیا۔ اور آپ نے نہ صرف خود کامیابی کے ساتھ ہی خدمتِ اسلام کی، جس کا اعتراف آپ کے دشمنوں تک کو بھی ہے، بلکہ آپ ایک جماعت کے اندر خدمتِ اسلام کا جوش پیدا کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے۔ تو کیا یہ قرین انصاف نہیں کہ اس بات کا صاف طور پر اعتراف کیا جائے۔ اور کیا یہ حق پسندی ہے کہ جو شخص دعویٰ کرتا ہے اسے کذّاب اور دجّال کہا جائے یا یہ کہا جائے کہ مدعی تو جھوٹا ہے اور مجدد کوئی اور ہو گا۔ جس کا ہم کو علم نہیں۔''

اس اور ایسے ہی دیگر تمام سوالات کے جواب میں پورے ایک سال تک خاموشی اختیار کرنے کے بعد اب لاہور کے میاں پیر بخش صاحب نے ایک رسالہ شائع کیا ہے۔ جس کا نام ہے ''مرزائیوں کے بیس سوالات کا جواب'' اس تمام رسالہ پر ہم علیحدہ ہینڈ بلوں کی صورت میں مفصل ریویو کرنے کا انشاء اللہ ارادہ رکھتے ہیں۔ فی الحال اس جگہ ہم میاں پیر بخش صاحب کے اس جواب پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ جو مندرجہ بالا سوال کا انہوں نے دیا ہے۔

حضرت امیر ایّدہ اللہ کے سوال کی دو شقیں تھیں۔

1۔ چودھویں صدی پر سوائے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے کوئی بھی مدعی مجددیت نہیں ہوا۔

2۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے، جنہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے، اپنی خدمات اسلام سے اس کا عملی ثبوت بھی پیش کیا ہے۔ جس کا اعتراف دشمنوں کو بھی ہے۔ آپ نے ایک جماعت بنائی ہے، جو خدمتِ اسلام کا جوش رکھتی ہے۔

میاں پیر بخش صاحب بجائے اس کے کہ ٹھنڈے دل کے ساتھ ان دونوں باتوں پر غور کر کے اول الذکر کے جواب میں کسی ایسے مدعیٔ نبوت کا نام لیتے جس کو وہ خود بھی مجدد مانتے ہوں اور حضرت مولٰینا سے ان خدماتِ اسلام کو دریافت کرتے جو حضرت مسیح موعود نے کی ہیں اور جن کا دشمنوں تک کو بھی اعتراف ہے۔ الٹا آپ کے الہامات پر، جو متشابہات میں سے ہونے کے باعث قابل تاویل ہیں، جرح وقدح شروع کر دی اور اپنی طرف سے بعض ایسے آدمیوں کے نام لے دیئے جو نہ خود مدعیٔ مجددیت ہیں اور نہ میاں پیر بخش صاحب ہی ان میں سے ایک کو بھی مجدد مانتے ہیں۔ بلکہ اگر ان سے ان لوگوں کے متعلق فتویٰ پوچھا جائے۔ تو سوائے ایک نواب صدیق حسن خان صاحب کے باقی سب کو کافر کے خطاب سے یاد کریں۔

اس وقت ہم ان غلط بیانیوں کا جواب دینا نہیں چاہتے جو حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات کے غلط معنی کر کے آپ کے عقائد کے متعلق میاں پیر بخش صاحب نے کی ہیں۔ بلکہ صرف ان لوگوں کے متعلق جن کو انہوں نے مدعی ومہدّ دیت ومجدّ دیت قرار دیا ہے، ان سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ خود ان لوگوں یا ان میں سے بعض کی مجدّ دیت کے کہاں تک قائل ہیں۔ آیا وہ محمد احمد سوڈانی، ملائے شمالی لینڈ امام یحیٰی، شیخ ادریسی اور یحیٰی عین اللہ وغیرھم میں سے کسی ایک کو بھی مجدد مانتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں اور ہرگز نہیں جیسا کہ آگے چل کر خود ہی لکھ دیا ہے کہ:

> ''یہ غلط ہے کہ چونکہ مرزا صاحب کے سوائے کوئی مدعی نہیں۔ اس واسطے مرزا صاحب کو ہی مجدد مان لو۔ شیخ سعدیؒ کا یہ مقولہ انہیں بھولنا نہیں چاہیئے کہ ''محال است کہ ہنرمندان بمیرند۔ وبے ہنراں جائے ایشاں گیرند'' یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ اگر کوئی لائق نہ ہو تو خواہ

مخواہ کسی نالائق کو ہی مجدد مان لو۔ حالانکہ وہ بجائے اصلاحِ دین کے دین کی خرابی کرتا ہو۔''

تعجب ہے کہ میاں پیر بخش صاحب کی نظر میں لائق کوئی ہے بھی نہیں۔ اور جب پوچھا جاتا ہے کہ چودھویں صدی کا مجدد دکھاؤ۔ تو جواب میں انہی لوگوں کے نام لکھ دیتے ہیں جن کو خود ہی نالائق سمجھتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں جب تم خود ان لوگوں کو مجدد اور مہدی نہیں مانتے۔ جب خود ہی ان سب کو کذابین کی فہرست میں داخل کرتے ہو۔ تو پھر ان کو پیش کرنے کے کیا معنی؟ یہ کس نے تمہیں کہہ دیا کہ مرزا صاحب کے علاوہ اور کسی شخص نے مہدّ دیت وغیرہ کا جھوٹا دعویٰ بھی نہیں کیا۔ بلکہ حضرت امیر نے تو اپنے پہلے ہی سوال میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ پوچھا ہے کہ:

''کیا ہمارے علماء حدیثِ مجدّ د کو موضوع اور حضرت شاہ ولیؒ اللہ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسے بزرگوں کو، جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے الہام پا کر دعویٰ مجددیت کیا، نعوذ باللہ مفتری سمجھتے ہیں۔ یا اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اگر صحیح سمجھتے ہیں تو کیا وہ اس شخص کا نام لے سکتے ہیں۔ جس نے عین صدی کے سر پر یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے الہام سے مشرف فرما کر اس صدی کا مجدد مقرر کیا ہے۔''

ان آخری خط کشیدہ الفاظ کو پڑھو اور کسی ایک ایسے انسان کا نام لو جس نے اس صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ الہام مجدد مقرر کیے جانے کا دعویٰ کیا ہو۔ حدیث کے صاف الفاظ ہیں۔ **اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ الخ** اللہ تعالیٰ اسے مبعوث کرے گا۔ لیکن میاں پیر بخش صاحب کے پیش کردہ اشخاص میں سے ایک کا بھی یہ دعویٰ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ اپنے الہام کے منصبِ مجددیت پر کھڑا کیا ہے۔ تو میاں پیر بخش صاحب کا خواہ مخواہ ان کو پیش کر دینا ایک لایعنی امر ہے۔ حالانکہ وہ خود بھی ان کی صداقت کے قائل نہیں۔

پس یا تو کسی ایسے شخص کا نام لو جس نے الہام الٰہی سے مجدّ دیت پر کھڑا ہونے کا اعلان کیا ہو۔ اور اگر کوئی ایسا نہیں تو بتاؤ کہ حدیث مجدّ د کیا ہوئی، جو ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کا وعدہ دلاتی ہے۔ اور سابقہ مجدّ دین بالخصوص حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کو کیا کہا جائے گا۔ جن کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے

منصب مجدّدیت پر مامور کیے جانے کے متعلق صاف اور کھلے الفاظ موجود ہیں۔تعجب ہے! نہ تو کسی ایسے مدعی کو پیش کرتے ہیں جو الہامِ الٰہی سے اس صدی کا مجدد بنائے جانے کا دعویدار ہو اور خود بھی اس کو مجدّد مانتے ہوں اور نہ اپنی مسلّمہ حدیث کو جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔ اور کیونکر کہیں، جبکہ سابقہ بزرگان دین کے ایسے دعاوی موجود ہیں۔ جو حدیث کی صداقت پر ایک زبردست شاہد کا کام دیتے ہیں۔ مدعیٔ مجدّدیت پر اعتراض ہے کہ وہ خادم دین نہیں، دین کو اس نے بگاڑ دیا اور خود کسی خادمِ دین اور دین کو سنوارنے والے کو پیش نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں مرزا صاحب کو مجدد نہیں مانتے نہ مانو۔لیکن خود بھی تو کوئی ایک ایسا شخص پیش کرو جو حدیث نبویؐ سچا کرنے والا ہو۔ یہ کہہ دینا کہ:

''جائز مجدد مخبّرِ صادق کے فرمان کے مطابق ضرور کوئی نہ کوئی ہوگا۔ اگر آپ کو اس کا علم نہ ہو تو یہ عدم مجدد کی دلیل نہیں۔ کیونکہ عدم علم شے عدم وجود شے کی دلیل نہیں۔''

حدیث نبویؐ کا صریحاً استخفاف ہے۔ کیا حدیث کا یہ مطلب ہے کہ مجدد دنیا کے کسی گوشہ میں چھپ کر بیٹھ رہے گا اور لوگوں کو اس کا علم تک نہ ہوگا؟ موجودہ زمانہ میں جبکہ دنیا کے ایک ایک گوشہ کے ذرا ذرا حالات کا علم دوسرے کناروں تک پہنچ جاتا ہے۔ جبکہ میاں پیر بخش صاحب کو محمد احمد سوڈانی اور ملائے شمالی لینڈ تک کے حالات معلوم ہو گئے اور ان کے دعووں کا پتہ لگ گیا۔ باوجود یہ کہ وہ بہت دور دراز جگہوں کے رہنے والے ہیں۔ تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجدد ہونے کا دعویٰ کرے اور ہمیں اس کا علم تک نہ ہو۔ کیا میاں پیر بخش کو معلوم نہیں کہ حضرت مرزا صاحب، باوجود یہ کہ آپ پر کفر کے فتویٰ لگائے گئے، دعویٰ مجددیت کے بعد کل دنیا میں مشہور ہو گئے۔ یہاں تک کہ امریکہ تک کے اخبارات میں آپ کے حالات شائع ہوئے اور کل بلاد اسلامیہ میں آپ کا چرچا ہوا۔ جب ایک (نعوذ باللہ) جھوٹے مدعی کی یہاں تک شہرت اور کامیابی ممکن ہے۔ تو کیا ایک سچے مجدد کو اللہ تعالیٰ یوں ہی گمنامی کی حالت میں ناکام چھوڑ سکتا ہے!

ہاں! میاں پیر بخش صاحب نے ہندوستان میں بھی بعض مجدد دین کے ہونے کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً نواب صدیق حسن خان صاحب سابق والیٔ بھوپال، مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اور مولوی محمد علی صاحب مونگیری۔ لیکن یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے۔ آیا ان ہرسہ نے الہامِ الٰہی سے منصب مجددیت پر مامور ہونے

کا دعویٰ کیا۔ آیا نواب صدیق حسن خان صاحب نے خود بھی اپنے آپ کو مجدد کہا اور کہتے تو کیسے۔ وہ تو چودھویں صدی کے شروع ہونے سے قبل ہی فوت ہو گئے۔ پھر ان کو چودھویں صدی کا مجدد کہنا کس قدر نا سمجھی اور بیوقوفی پر دلیل ہے۔

غرض جہاں تک تحقیق اور تلاش سے کام لو۔ اس صدی کا مجدد سوائے حضرت مسیح موعود جناب مرزا غلام احمد کے اور کوئی ثابت نہیں ہوتا۔ نہ کسی نے الہام الٰہی سے مجددیت کا دعویٰ ہی کیا ہے۔ اس لیے میاں پیر بخش اور ان کے تمام ہم نواؤں کا فرض ہے کہ یا تو آپ کو مجدد تسلیم کر کے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کی صداقت کو تسلیم کریں۔ ورنہ بصورت انکار نہ صرف اس پیشگوئی پر ہی حرف آتا ہے، بلکہ سابقہ مجددین امت پر بھی افترا اور بناوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے۔

3 اگست 1919ء

مکتوب امیر

احباب کو ضروری نصیحت

اس وقت میں اِن سطور کے ذریعہ سے اُن احباب کو، جو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور سے تعلق رکھتے ہیں، ایک اہم امر کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ اشاعتِ اسلام کا کام، جو ہم اس وقت کر رہے ہیں، وہی کام ہے جس کو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو کر اور اس زمانہ کے مجدد کے ہاتھ پر اقرار کر کے ہم نے اپنی زندگیوں کا نصب العین قرار دیا۔ اور اس مقصد کو ہاتھ میں لے کر ہم نے مئی 1914ء میں اس انجمن کی بنیاد رکھی۔ اس کام میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے احباب نے گذشتہ پانچ سال میں جس قدر کوشش کی ہے، وہ خود اپنے نتائج سے ظاہر ہے۔ جن نتائج کو نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی پبلک بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہے اور جس کا اعتراف سارے مسلمانوں کو یہاں تک ہے کہ وہ خود بھی ہمارے ساتھ مل کر اس کام میں حصہ لے رہے ہیں۔ میری منشاء اس وقت اس کام پر نظر کرنا نہیں، بلکہ اپنے احباب کو یہ توجہ دلانا ہے کہ اس وقت اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم پہلے سے بڑھ کر اس کام کے لیے کوشش کریں اور ہماری توجہ ہمہ تن اس کام کی طرف ہو۔

دنیا میں وہ حالات پیدا ہو گئے ہیں جو اسلام کی اشاعت کے مؤید ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ان انقلابات سے، جو اس جنگ کے نتائج کے طور پر ظہور پذیر ہوئے ہیں، عام طور پر طبائع انسانی میں بھی ایک ہیجان پیدا ہوا ہے۔ پس اگر ایک طرف ہم کو اس لیے خالصتًا اس کام پر جس قدر ممکن ہے کوشش کرنی چاہئے کہ ہم ان اسباب موافقہ سے فائدہ اُٹھا کر اس انجمن کے قیام کی اصل غرض کو پورا کر سکیں، تو دوسری طرف اس لیے بھی ضرورت ہے کہ ان خیالات سے، جو عام طور پر طبائع میں ملکی ترقی کے لیے موجزن ہو رہے ہیں، ہماری جماعت کے کوئی افراد متاثر ہو کر اپنی اصل غرض سے علیحدہ نہ ہو جائیں۔ قومی بہبود کا کوئی کام ہو، جب تک جائز حدود کے اندر ہو، ایک نیک کام ہے۔ مگر مجھے اگر یہ ضرورت پیش آئی ہے کہ اپنے احباب کو اس وقت معاملات ملکی میں پڑنے سے روکوں، تو صرف اس لیے کہ اس طرح ہماری قومی توجہ منتشر ہو جائے گی۔ اور ہم اپنی اصل غرض کے

دائرہ سے باہر نکل کر اشاعتِ اسلام کی تحریک کو، جو ہمارا اصل مقصد ہے، کمزور کرنے کا موجب ہوں گے۔

حضرت مسیح موعود نے ایک مرتبہ نہیں، بلکہ بارہا اس بات کا اعلان کیا کہ میرے بھیجے جانے کی اصل غرض اشاعتِ اسلام ہے۔ اور اسی ایک کام کے لیے ہی آپ نے اس جماعت کو تیار کیا۔ اور درحقیقت یہ اس حکمِ قرآنی کی تعمیل میں تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صراحت سے حکم دیا ہے وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (104:3) یعنی اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک ایسا گروہ ہو جو اَلۡخَیۡرُ یعنی قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دیں، اور بھلی باتوں کے کرنے کا حکم دیں، اور بُری باتوں سے روکیں اور یہی کامیاب ہوں گے۔

پس قرآن کی یہ کھلی کھلی تعلیم ہے کہ مسلمانوں میں ہر زمانہ میں ایک ایسا گروہ رہے جس کا کام ہی تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام ہو۔ اس لیے جب اس زمانہ میں اس کام کی طرف مسلمانوں کی توجہ کم ہوگئی اور گو اپنے طور پر بعض لوگ اس نیک کام کو اپنی ہمت کے مطابق کرتے رہے ہیں، مگر عام طور پر مسلمانوں میں کوئی جماعت نہ رہی جو اس حکمِ قرآنی کی تعمیل کرتی۔ اور دوسری طرف دنیا میں اشاعتِ اسلام کی ضرورت پہلے زمانہ سے بڑھ کر پیدا ہوگئی۔ کیونکہ دنیا میں علمی اور ذہنی ترقی سے خود وہ ہوا چل گئی، جس نے غلط عقائد کا بطلان کر کے اسلام کی ترقی کی راہ کھول دی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے سر پر جو مجدد بھیجا، اس کو خاص طور پر اس کام کے لیے مامور کیا اور اس کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک جماعت تیار کرے، جو اس غرض کو اپنے سامنے رکھے۔

پس ہمارا وجود بحیثیت ایک انجمن اور جماعت کے، محض اسی غرض اشاعتِ اسلام کے لیے ہے اور جس قدر ہم اس پر صرف توجہ کریں گے، لازماً اسی قدر اصل کام میں سستی واقع نہ ہوگی۔ اور اس لیے ہمارا یہ فرض بھی ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنی حالت پر غور کرتے رہیں اور دیکھتے رہیں کہ اصل مقصد سے ہمارا قدم اِدھر اُدھر تو نہیں ہو گیا۔ اور اگر کہیں ہمارے افراد میں اس اصل مقصد سے توجہ ہٹ کر دوسری طرف جاتی ہوئی نظر آتی ہو، تو اُس کی اصلاح اور اُس کا علاج فوراً کریں اور ازسرِ نو اپنی تمام تر توجہ کو اشاعتِ اسلام پر لگا دیں۔ اور دوسرے پہلو، خواہ وہ کتنے ہی خوش نما بلکہ فی الواقع مفید ہی کیوں نہ ہوں، ان میں پڑنے سے اپنے آپ کو روکیں تاکہ اصل کام کو نقصان نہ پہنچے۔ اور بھی بہتیرے نیک کام ہیں، مگر ہم ایک خاص عہد کے ذریعہ سے صرف ایک خاص کام کے لیے کھڑے

کیے گئے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تمام نیکی کے کاموں میں یہ سب سے بڑھ کر نیکی کا کام ہے۔ دنیا کی ساری قوموں کو خیر کی طرف بلانا، اچھی باتوں کی سب کو نصیحت کرنا، بُری باتوں سے روکنا، اس سے افضل کوئی کام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کام کے لیے قرآن شریف نے یہ ضروری ٹھہرایا کہ ہر وقت اہلِ اسلام میں ایک گروہ ایسا ہو، جس کے مدنظر یہ مقصد ہو۔ پس اتنی اہم غرض کو نقصان پہنچنے سے بچانا ہمارا کس قدر ضروری فرض ہے۔

اس لیے میں آپ سب احباب سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ ان حالات میں، جو اس وقت دُنیا میں پیش آرہے ہیں، اپنی اپنی زندگیوں پر غور کریں۔ اور خوب غور کر کے دیکھیں کہ کیا ان کی توجہ کا کچھ حصہ اور کاموں پر تو صرف نہیں ہو رہا۔ ہماری قوم کا ہر فرد جب تک اس ہماری قومی شخصیت کے رنگ میں رنگین نہ ہوگا، یعنی صرف ایک اشاعتِ اسلام کا درد اس کے دل میں موجزن نہ ہوگا اور دوسری تمام کششوں سے اس کا دل ٹھنڈا نہ ہوگا، اس وقت تک ہمیں اس مقصد کے حصول میں بڑی کامیابی کبھی نہیں ہوسکتی۔ ہمارا تعداد میں تھوڑا ہونا ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مگر ہمارے افراد کی توجہ میں، جو اس کام کے لیے مخصوص ہو، تشتّت کا واقع ہونا اور دوسری اطراف میں خیالات کا چلا جانا ہمارے لیے موجب نقصان ہے۔ کیا یہ خدا کا احسان نہیں کہ دنیا میں اس قدر انقلابات کے باوجود کہ سلطنتوں کی سلطنتیں مٹ گئیں اور نئی سلطنتیں کھڑی ہوگئیں، اشاعتِ اسلام کے کام میں نہ صرف کوئی رُکاوٹ ہی پیدا نہیں ہوئی، بلکہ اس کے لیے مؤید اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔

ایک طرف اگر خود اصولِ اسلامی دُنیا میں روز بروز زیادہ قبول ہوتے جارہے ہیں، تو دوسری طرف کیا یہ سچ نہیں کہ اس عالمگیر جنگ میں مختلف اقوام کی باہم میل ملاپ سے ایک دوسرے کو بہتر سمجھنے کی کوشش ہونے لگی ہے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عام طور پر جو یورپ میں اسلام کے خلاف تعصب ہے، وہ آہستہ آہستہ دلوں سے دور ہوتا جائے گا۔ پھر اس کے ساتھ ہی ایک عالمگیر صلح اس بات کی اُمید دلاتی ہے کہ اسلام کی ترقی کے لیے خاص سامان پیدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ اسلام نے صلح کے زمانہ میں ہی ہمیشہ بڑی بڑی ترقیات کی ہیں۔ پس جب اس قدر سامان اشاعتِ اسلام کے لیے موافق نظر آتے ہیں، تو کیا اس وقت ہمارا کسی دوسری بحث میں پڑنا اور کسی اور مقصد کو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے سامنے لانا، اللہ تعالیٰ کی ناشکر گزاری نہیں؟

میں پھر اپنے دوستوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس عظیم الشان مقصد کی راہ میں کسی بات کو

حائل نہ ہونے دیں اور اپنی ساری توجہ صرف اسی ایک کام پر لگائیں اور معاملات ملکی سے بالخصوص اپنے آپ کو کلیۃً علیحدہ رکھیں۔ کیونکہ جو شخص ان میں پڑے گا، اس کی توجہ بھی پھر زیادہ تر اسی طرف چلی جائے گی اور وہ اپنے اصل مقصد سے بالکل الگ ہو جائے گا۔ ایسا شخص بانئ سلسلہ کی اغراض میں معاون نہیں کہلا سکتا، بلکہ وہ اصل مقصد کو اپنے وجود سے نقصان پہنچاتا ہے۔

یہ تو بالکل صحیح ہے کہ اسلام ایک ایسا جامع مذہب ہے، جو فطرتِ انسانی کی تمام شاخوں کی تربیت پر حاوی ہے، اور وہ دینی اور دُنیوی دونوں قسم کی بہبود کے سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور انسانی معاملات کے کسی حصہ کو اس کی تعلیم سے باہر نہیں رکھا جا سکتا۔ بلکہ تمام معاملات میں وہ ایک سیدھی اور صواب کی راہ بتاتا ہے، مگر میرا مقصد اس وقت صرف اسی قدر ہے کہ ہماری جماعت کے افراد اگر معاملات ملکی میں پڑیں، تو وہ اپنے اصل کام کو نقصان پہنچانے کا موجب ہوں گے۔ وہ جو عہد کر کے اس جماعت میں شامل ہوئے ہیں، اس عہد کو مدنظر رکھیں۔ یہ سب سے اشرف اور اعلیٰ کام ہے اور دوسرا جو کام ہے، وہ سب اس سے نیچے ہے۔

رہا یہ سوال کہ ہر قوم کو اپنے تعلقات کو، جو حاکم و محکوم میں ہیں، کھول کر بیان کرنا ضروری ہے، تاکہ اس معاملہ میں اس کا کوئی فرد ٹھوکر نہ کھائے۔ سو خدا کے فضل سے یہ حصہ بھی ایسا ہے کہ اس میں حضرت مسیح موعود کی تعلیم ہمارے لیے پہلے سے بھی ہادئ راہ ہے۔ اور یہ خوشی کی بات ہے کہ ہماری جماعت نے بحیثیت ایک جماعت کے اس معاملہ میں ہمیشہ اسی صحیح راہ پر قدم مارا ہے، جس راہ پر بانئ سلسلہ نے ان کو چلایا۔ آپ کی اَسّی کے قریب کتابوں میں کمتر ہی کوئی تحریر ایسی ہوگی، جس میں آپ نے ان تعلقات کو واضح کر کے بیان نہیں کر دیا۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ حاکمِ وقت کے ساتھ وفاداری سے رہنا ہمارے اُصول میں سے ہے اور یہی تعلیم قرآن شریف کی بھی ہے۔ پس اس کھلی کھلی تعلیم کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ یہی ہماری تعلیم ہے اور اسی کا دنیا میں بار بار اعلان ہو چکا ہے۔ جو شخص اس کے خلاف کچھ سمجھتا ہے، یا جو محض عناد کی وجہ سے اس کے خلاف ہماری طرف منسوب کرتا ہے، یہ دونوں غلطی پر ہیں۔ ہم اس موجودہ گورنمنٹ کے ماتحت رہ کر اپنی اصل غرض کو، جو اشاعتِ اسلام ہے، ہر طرح سے پورا کر سکتے ہیں اور اس لیے ہم اس کے مشکور بھی ہیں۔ اسلام کی تعلیم کوئی ایسی چیز نہیں کہ جب تک اس کے ساتھ بادشاہت نہ ہو، وہ دنیا میں مقبول نہ ہوگا، بلکہ اس کی کشش اس قدر زبردست

ہے کہ اس نے پہلے بھی دنیا میں یہ نظارہ دکھایا ہے، اور اب بھی وہ نظارہ ایک حد تک ہم دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح باوجود مسلمانوں کے محکوم ہونے کے، اس نے حکّام کے دل میں گھر کرلیا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں نجاشی شاہ حبش چند مسلمانوں کے وہاں اپنے ماتحت پناہ گزین ہونے سے اسلام کا شیدا ہو جاتا ہے، تو کیا آج اسلام میں وہی کشش باقی نہیں؟ یقیناً ہے۔

پس تعلقاتِ ملکی میں ہمارا اُصول حاکمِ وقت کی فرمانبرداری اور اُس کے ساتھ وفاداری ہے۔ جو کوئی شخص حکّام وقت کے خلاف خُفیہ منصوبے کرتا ہو، یا علی الاعلان بغاوت کا اظہار کرتا ہو، ہمارا اُس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ امر قرآن کریم کے خلاف ہے۔ جو شخص ایسے لوگوں سے تعلق رکھتا ہے، میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ ایسے شخص کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور باوجود ہمارے کھلے اعلان کے، جو پہلے بھی کئی دفعہ ہو چکا ہے، جو شخص ہماری طرف ایسی باتیں منسوب کرتا ہے کہ ہماری جماعت کوئی تعلق ایسے لوگوں سے رکھتی ہے، وہ محض شرارت کے طور پر ہم کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے جیسا کہ اس وقت بھی ہمارے ایک فریق مخالف نے اس قسم کی کوشش کی ہے، مگر وہ بیچارے معذور ہیں۔ جب وہ علی الاعلان قتل کا فتویٰ دے چکے ہیں اور صرف اس گورنمنٹ سے خوف کا اظہار کیا ہے کہ پکڑے جائیں گے تو مارے جائیں گے۔ پس (دیکھو تشحیذ الاذہان بابت جون 1919ء صفحہ 38 خلیفہ ہو تو پہلا ہو، اس کی بیعت کرو۔ جو بعد میں دوسرا پہلے کے مقابل پر کھڑا ہو جائے، جیسے لاہور میں ہے، تو اسے قتل کردو۔ مگر یہ قتل کا حکم تب ہے، جب سلطنت اپنی ہو۔ اب اس حکومت میں ہم ایسا نہیں کرسکتے) وہ اگر گورنمنٹ کی نظر سے بچ کر ہم کو ناجائز طور پر کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کریں، تو یہ کوئی مستبعد امر نہیں۔

ہمیں خود ہی چاہئے کہ اپنے آپ کو تہمت کے موقعوں سے بچانے کی کوشش کریں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ تہمت کے موقعوں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ یعنی ایک تو یہ ہوتا ہے کہ انسان بعض وقت فی الواقع کسی بُرے کام میں مبتلا ہو جاتا ہے، مگر بعض وقت وہ ہوتا تو بری الذمہ ہے، مگر اس کے کسی فعل کی وجہ سے دوسروں کو اس پر تہمت لگانے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اپنے آپ کو ایسے موقعوں سے بھی بچانا چاہئے۔ پس میں اپنے احباب سے یہ درخواست کروں گا کہ اگر اُن کے کسی فعل سے، جو انفرادی طور پر وہ کریں، قوم پر تہمت لگتی ہو، تو اُن کا اور بھی ضروری فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے افعال سے بالکل اجتناب اختیار کریں۔

گذشتہ شورش میں، جو پنجاب میں ہوئی، میں یہ دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ ہماری جماعت من حیثیت الجماعت نہ صرف مجتنب رہی ہے بلکہ حتی الوسع اس شورش کے خلاف بھی کوشش کرتی رہی ہے، جس کا دل چاہے، جہاں جہاں اس جماعت کے مقتدر افراد ہیں، دریافت کر لے۔ مثلاً پشاور، راولپنڈی، ایبٹ آباد، سیالکوٹ، وزیر آباد، جہلم، گوجرانوالہ، لائل پور، ڈیرہ غازی خان، فیروز پور، لاہور وغیرہ۔ اگر جماعت کا رویہ حضرت مسیح موعود کی تعلیم کے خلاف ہوتا تو اُن مقامات میں سے کسی مقام پر اس کا اظہار ہوتا۔ لیکن اگر کسی مقام پر ایک آدھ فرد جماعت کا کوئی فعل، جو غلطی یا غلط فہمی سے پیدا ہوا ہو، جو محل اعتراض ہوا ہو، تو اس سے جماعت کے عام رویہ پر اشتباہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا، جو اس وقت ہمارے فریق مخالف کی ہے، محض عناد کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ ایک دو افراد اِن کی جماعت میں سے بھی اسی طرح زیر الزام آ چکے ہیں۔ لیکن میں باایں ہمہ اپنے دوستوں کو یہی کہوں گا کہ اُن کو دوسرے لوگوں کو یہ موقع ہی نہیں دینا چاہئے کہ وہ ایک فرد پر تہمت لگا کر قوم کو بدنام کر سکیں۔ اس لیے آئندہ ہمارے سب کے سب احباب اپنے رویہ میں اور بھی زیادہ محتاط ہو جائیں۔ اور اپنی مذہبی غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے ملکی معاملات سے کلی طور پر اجتناب کریں۔

اس وقت ہمیں یہ بھی ضرورت ہے کہ ہم عام اہلِ اسلام کو بھی حالات پیش آمدہ میں صحیح راہ پر لگائیں۔ اور اُن کو یہ بتلائیں کہ دُنیا میں بعض وقت قوموں پر بڑے بڑے ابتلا آ جاتے ہیں۔ ایسے اوقات میں بہترین راہ انسان کے لیے یہ ہوتی ہے کہ حالات پیش آمدہ کو نظر انداز نہ کرے۔ دُکھ اور سُکھ میں رہ کر یکساں غور و فکر سے کام لینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے فعل سے یہ بتا دیا ہے کہ اسلام کے لیے کامیابی جنگ سے نہیں، بلکہ پر امن طریقوں کے اختیار کرنے سے ہے۔ اور وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اسلام صرف اس حالت میں دُنیا میں کامیاب نہیں ہوا، جب ایک ضرورت کے لیے دنیا کے ایک بڑے حصے کی بادشاہت اس کے ہاتھ دے دی گئی تھی، بلکہ وہ اس حالت میں بھی کامیاب ہوسکتا ہے، جب دنیا کے اکثر حصہ میں مسلمانوں کے لیے مصلحت الٰہی یہی ہوئی ہے کہ وہ دوسرے حکّام کے ماتحت رہیں۔

اس پہلے زمانہ میں اگر اسلام کو بادشاہت نہ دی جاتی، تو نہ صرف اس کی اشاعت کا کوئی سامان ہی دنیا میں نہ تھا بلکہ اس کو تباہ کرنے کی چاروں طرف سے کوششیں جاری تھیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ حق دنیا میں

پھیلے، اس لیے اس نے تمام کوششوں کو، جو اسلام کے خلاف کی گئیں، نابود کر کے مسلمانوں کو دنیا کے بڑے حصہ پر مسلّط کر دیا۔ اور اب جو اس کی مصلحت کا یہ تقاضا ہوا ہے کہ مسلمان دوسرے حکام کے ماتحت ہوں، تو اشاعتِ اسلام کے سامان خود اُس نے دنیا میں پیدا کر دیئے ہیں۔ اور کوئی شخص تلوار کے ساتھ اسلام قبول کرنے سے نہیں روکا جاتا۔

پس یہ اس کا فضل ہے کہ حکومت جاتے رہنے کے باوجود بھی اشاعتِ اسلام کے کام کو ہم پورے زور سے جاری رکھ سکتے ہیں۔ اسلام کی کشش اور اس کا جذب دنیوی انقلابات سے بالاتر ہے۔ پس جس حالت میں ہمیں مصلحت الٰہی نے رکھا ہے، اسی حالت میں نہایت دیانتداری سے اور حکام وقت کے ساتھ وفاداری کا طریق اختیار کرتے ہوئے اپنی بہتری کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور اپنے آپ کو اور کاموں میں لگانے کی بجائے سب سے زیادہ زور اشاعتِ اسلام کے کام پر دینا چاہیئے۔ اس میں اسلام کی کامیابی ہے اور یہی راہ مسلمانوں کی بہتری کی ہے۔ میں اس وقت اس مضمون پر لکھ کر اس اعلان کو طول نہیں دینا چاہتا۔ اس پر انشاءاللہ کبھی آئندہ تفصیل سے لکھا جائے گا۔

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور

ہری وِلا، چھوٹا شملہ، 27 جولائی 1919ء

10-6-3 اگست 1919ء

مراسلات

میں احمدی کیوں ہوا!

(حافظ محمد حسن صاحب بی۔اے کے قلم سے)

اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ

خدا پر ایمان رکھنے والے اور نظامِ عالم میں ایک مکمل نظم ونسق کے قائل کائنات کے ایک ایک ذرہ کی کوئی نہ کوئی وجہ آفرینش تسلیم کرتے ہیں۔ ہر ایک شے کی تخلیق کسی غرض اور مقصد پر مبنی ہوتی ہے۔ اگر چہ ہماری آنکھیں اس غرض کو نہ دیکھ سکیں اور ہماری عقل کو اس کی کُنہ نہ معلوم ہو۔

ایک چیز مدت تک حالت سکون میں رہتی ہے۔ وہ غرض، جو اُس کی پیدائش میں مضمر ہے، کوئی ممکن الظہور شکل وصورت اختیار نہیں کرتی۔ وہ تمام ذرائع، جو اس غرض کو پورا کرنے کے لیے قدرت نے پہلے ہی سے پیدا کر رکھے ہیں، بیکار پڑے اونگھ رہے ہوتے ہیں۔ اچانک اس ساکن چیز میں حرکت ہوتی ہے اور حرکت کے ساتھ اُس کی عِلت غائی عیاں ہونے لگتی ہے۔ اور وہ تمام اسباب، جو اس عِلت غائی کو پورا کرنے کے لیے پہلے سے موجود تھے، اپنا کام کرنا شروع کرتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں عظیم الشان انقلابات آجاتے ہیں۔ بھاپ کے وہ تمام خواص، جو آج سائنس دانوں کی نظر دیکھ رہی ہے، ابتدائے آفرینش سے اس میں موجود تھے۔ وہ تمام ذرائع، جو اس بھاپ کی خصوصیات سے آج حیرت انگیز نتائج مترتب کر رہے ہیں، شروع ہی سے ایسی اہلیت رکھتے تھے۔ مگر ایک طویل مدت تک بھاپ کی وہ غرض، جو آج ہزاروں میلوں کے سفر دنوں میں طے کرانے میں پوری ہو رہی ہے، اخفا میں رہی۔ وہ تمام ذرائع، جو بھاپ کی اس عِلت غائی کو آج بذریعہ سٹیم انجن پورا کر رہے ہیں، ایک مدت تک خواب غفلت میں پڑے سوتے رہے۔ حتی کہ دنیا میں جارج سٹیفن پیدا ہوا اور اُس کی نکتہ رس آنکھیں اس مقصد کو تاڑ گئیں اور دنیا کے آرام وراحت میں ایک زبردست اضافہ ہوا۔ وہ تمام مفردات، جن کی

کیمیائی ترکیب بارود کہلاتی ہے، صدیوں تک بیکار اور مہمل چیزیں تصور ہوتی رہیں۔مگر آج جنگ یورپ میں اس کی حیرت انگیز کارستانیاں اس کو ملک الموت کا زبردست معین و مددگار قرار دیتی ہیں۔

تخلیقِ انسانی کی غرض

بعینہٖ یہی حال تخلیق انسانی کا ہے۔ ہر ایک انسان کی پیدائش کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے، اگرچہ وہ اس سے کچھ وقت کے لیے ناواقف رہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس سے ہمیشہ کے لیے لاعلم رہے اور اپنی تخلیق کی عِلت غائی کو پورا نہ کر سکے۔کسی کو کیا معلوم تھا کہ وہ شاہزادہ، جو ایک میّت کو دیکھ کر اور ایک اپاہج کی صورت سے متاثر ہو کر اپنا راج پاٹ چھوڑ عیش وعشرت کو الوداع کہہ جنگل کا منہ کر رہا ہے، کسی دن ایک ایسا زبردست انسان ہوگا کہ اُس کو ماننے والے چین، جاپان اور ہندوستان میں کروڑوں انسان ہوں گے۔

اس بچہ کی مائیؑ ،جس کو قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا(19:19) کی بشارت نے حیرت زدہ کر دیا تھا، یہ بات کب جانتی تھی کہ اس کا بچہ ایک دن اپنے زمانہ میں بہترین اخلاقی نمونہ ہوگا اور خدا کا پیغام دُنیا کو سُنا کر فرضِ رسالت سے سبکدوش ہوگا۔اور خود اس اولوا العزم پیغمبر کو کیا خبر تھی کہ اس کی تقدیس کرنے والے کبھی اس کو آسمانوں پر لے جا کر خدا کے پاس جا بٹھائیں گے اور اس کو خدا کا اکلوتا بیٹا قرار دیں گے! مائی حلیمہؓ کی گود میں کھیلنے والے معصوم عرب لڑکے (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیا معلوم تھا کہ وہ کسی دن تمام بنی نوع انسان کو ایک اُخوت کے رنگ میں رنگ دے گا۔

جب میں موجوداتِ عالم کو ان طلسم کاریوں اور قدرتِ کردگار کی ان حکمت آفرینیوں پر غور کرتا ہوں، تو مجھے اپنی ہستی کی حقیقت اور کُنہ معلوم کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ خالق کون ومکان نے میرے وجود کی علت غائی کیا قرار دی ہے؟ اور اس علت غائی کو پورا کرنے کے لیے مجھ میں کیا کیا طاقتیں ودیعت کر رکھی ہیں۔کھانے، پینے، سونے، جاگنے، اُٹھنے، بیٹھنے اور تعلقاتِ زوجیت سے بہرہ اندوز ہونے کا کام تو حیوان بھی کر رہے ہیں۔ یہ کوئی اعلیٰ درجہ کے کمال نہیں اور نہ ہی یہ کوئی قابلِ قدر بات ہے کہ انسان دن بھر اپنی عنانِ توجہ ان اصولوں کی طرف مبذول رکھے، جن کے زیرِ اثر روپیہ جمع کرنے کا کام سہل اور بکثرت ہو سکے۔

کسی نے دفتروں میں اوراق گردانی سے روزی کمائی، کسی نے چراگاہ میں چر کر اپنا پیٹ بھر لیا۔ مجھے تو ان دونوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ مَآ اُرِیۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَآ اُرِیۡدُ اَنۡ یُّطۡعِمُوۡنَ (57:51) انسان کی انسانیت کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ وہ کسی ایسے اعلیٰ درجہ کے کام کو اپنا نصب العین قرار دے، جو اس میں اور حیوانوں میں مابہ الامتیاز ہونے کے علاوہ اس کے قوائے عقلیہ اور کمالات روحانی کو ترقی دے۔ میں نے جب قرآن کریم میں غور کیا تو حقیقت انسانی کی علت غائی مجھے اس آیت کریمہ میں نظر آئی وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (56:51) یعنی انسان کی پیدائش کی غرض اوامر الٰہی اور قوانین قدرت کی معرفت اور ان کی پوری اطاعت ہے۔ اور پھر ان اوامر اور قوانین سے مخلوق کو آگاہ کرنا اور ان کو ویسی ہی اطاعت کی ترغیب دینا ہے۔

کچھ اپنی نسبت

جب عبودیّت کا حقیقی مفہوم میرے دماغ میں اس رنگ میں آ گیا، تو میں اپنی گذشتہ غفلت شعاریوں اور سہل انگاریوں پر پچھتایا۔ اور مجھے اپنی گذشتہ عمر بیہودگیوں میں گذارنے کا سخت قلق ہوا۔ پھر میں نے عزم کیا کہ میں اسلام کی کوئی ایسی خدمت کروں جس سے اپنی تلافی مافات کر سکوں۔ اس عزم کے قائم کرتے ہی میں مسلمانوں کے تنزل و انحطاط کے اسباب سوچنے لگا۔ بہت سے اسباب میرے ذہن میں آئے۔ مگر حقیقت میں وہ سب ایک ہی اصل کی فروعات تھے۔ خدا نے انسانی تنزل کا ایک ہی بڑا سبب بیان کیا ہے اور اس سے آگے فروعی طور پر اور کئی ایک اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَآ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَالۡهُدٰی مِنۡ م بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الۡکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ (159:2) یعنی دنیا کی نظروں میں انسانوں کی خفت اور سبکی اور درگاہِ ایزدی سے ان کی دوری اور بُعد اس وجہ سے ہوا کرتا ہے کہ وہ کتمان ہدایت کرتے ہیں۔ حالانکہ خدا سے اُن کو وہ ہدایت بیّن طور پر مل چکی ہوتی ہے۔

اسی مضمون کو پھر اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ یوں فرماتا ہے: اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ . اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ (103:2-3) یعنی خسرانی انسان کی وجہ اُن کے ایمان اور عمل میں خلل ہے۔ اور وہ خلل اس وقت پیدا ہوتا ہے، جبکہ وہ حق کی اشاعت اور اس حق پر قائم رہنے کے

طریقوں یعنی صبر کی تلقین چھوڑ دیتا ہے۔ اب ایک طرف قرآن کے الفاظ، جن میں قومی تنزل کے وجوہ بیان کیے گئے ہیں، میرے پیش نظر تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کے تنزل کو میں عیاں طور پر دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے اپنے طور پر مسلمانوں کی اندرونی امراض کو دیکھنا شروع کیا اور مجھے بڑا تعجب ہوا جبکہ ہر ایک مرض کی وجہ وہی نظر آئی جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی۔

مسلمانوں کی اندرونی امراض اور امراض کو دور کرنے والے ڈاکٹروں کا طریقۂ علاج

1۔ میں نے مسلمانوں کے متعدد فرقوں کے پیروؤں کا طریقہ عمل دیکھا، تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ کسی کو میں نے مُردوں کی قبروں پر بیٹھے استمداد کرتے دیکھا، کوئی جوش جنون میں مٹی کے ٹیلوں پر جبہ فرسائی کرتے دکھائی دیا، کوئی قبروں کے غلافوں کو بوسہ دے رہے ہیں، کوئی نہایت دردناک آواز سے خواب استمرار میں سونے والوں میں اپنے حالات سے آگاہ کرنے کی عبث سعی کر رہا ہے۔ جب مسلمانوں کی زندگیوں پر میں نے مردوں کا اتنا اثر دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ ان کی قومی زندگی میں روزانہ رنگ مردنی کا پیدا ہونا مردوں کے تاثرات موت کی وجہ سے ہے۔ مجھے پھر خیال ہوا کہ ان دائم المریضوں کا کہیں کوئی معالج بھی ہے یا نہیں۔ بڑی مشکل سے چند ایک طبیب نظر آئے جو مریضوں کی نبضوں پر ہاتھ رکھ کر ان کے حلقوں میں ''زندوں سے عالم موتی کی بےتعلقی'' کے تلخ گھونٹ ڈال رہے تھے۔ بعض تو پینے سے مطلق انکاری تھے اور درازی مرض پر برابر مصر تھے۔ اور بعض بصد دشواری پی تو لیتے تھے۔ مگر بعد میں بڑا جھنجلاتے تھے۔ اگرچہ تھوڑی دیر کے بعد بالکل صحت یاب ہو جاتے تھے۔ میں نے ڈاکٹروں کی ثابت قدمی دیکھ کر مرحبا کہا اور انہیں مریضوں کی اس کثرت اور خطرناک حالت کے باوجود اپنے حوصلوں کو پست نہ ہونے دینے کے لیے مبارک باد دی۔ یہ ڈاکٹر اپنے آپ کو احمدی کہلاتے تھے۔ اس کی وجہ تسمیہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ روحانی طب کا وہ طبیبِ اکبر اور خاتم الاطباء جو سرزمین عرب سے پیدا ہو کر تمام دنیا کے امراض کی دوائی لایا تھا، ان کا استاد ہے اور اسی کے سلسلہ تدریس میں انہوں نے طب کا کورس ختم کیا ہے۔ ان کی دوائی سریع التاثیر ہے۔ جس مریض نے علاج کرایا یقیناً صحت یاب ہوا۔ بلکہ اکثروں کو تو وہ زبردستی پکڑ لیتے تھے اور تندرست ہی کر کے چھوڑتے تھے۔

2 ۔ اچانک میری توجہ جسم اسلامی کی دوسری امراض کی طرف گئی تو مجھے ایک اور ہی خوفناک منظر

پیش آیا۔ میں نے چند ایک دراز ریش لحیم الجثہ، کبیر البطن انسان نرم نرم گدیلوں پر بیٹھے تکیوں پر سر رکھے نظر آئے ان کے گرد ہزاروں انسانوں نے حلقہ باندھ رکھا تھا اور ان کی روحوں اور جسموں پر عجیب عالم طاری تھا۔ کوئی رعب عظمت سے کانپ رہا ہے، کوئی خوف تقدیس سے لرز رہا ہے، کوئی دہلیز پر سر رکھے آستاں بوسی کر رہا ہے، کوئی آں تقدس مآب خوف و ہراس کے مجسموں کے قدموں پر گر رہا ہے۔ جب ان باجبروت انسانوں کے لب کی ایک جنبش ہوتی ہے تو حلقۂ پرستاروں میں کہرام مچ جاتا ہے۔ میں نے حقیقت حال دریافت کی تو معلوم ہوا کہ یہ سب پیر پرستی کے روگ ہیں اور ان کی یہ تمام حرکات اضطراری عوارض کی وجہ سے ہے۔ اس نظارہ جانکاہ نے مجھے بے حواس سا کر دیا اور میں لگا معالجوں کی تلاش کرنے۔ اچانک میرے کانوں میں یہ آواز آئی وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا يُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (165:2) قریب جا کر دیکھا۔ تو اسی طبیب اکبر کے شاگرد، جن کا اوپر ذکر ہوا ہے، طبِ روحانی یعنی قرآن کریم سے امراض روحانی کے نسخے ان لوگوں کو بتا رہے ہیں، ہر ایک مریض کو ایک ایک توحید کی پُڑ یا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ امراضِ شرک، بُت پرستی، انسان نوازی اور پیر پروری کے لیے یہ سفوف تریاق ہے۔ وہ گدیلوں پر بیٹھی ہوئی تقدس کی صورتیں ان ڈاکٹروں کی آمد سے سخت گھبرائیں اور جھنجھلائیں اور گالی گلوچ کے ایسے تیر برسائے کہ اگر ڈاکٹر مرہم صبر سے اپنے زخموں کا علاج نہ کر لیتے، تو یقیناً جاں بحق ہوتے۔

3۔ اس خونی منظر سے میں نے چشم تصور کو ہٹایا تو ایک اور ہی نظارہ آنکھوں کے سامنے آیا۔ میں نے دیکھا کہ چند ایک انسان لوگوں کے ایک عظیم الشان ہجوم میں پھنسے ہوئے ہیں اور ان کو لوگ بے طرح عذاب دے رہے ہیں۔ عجیب کش مکش ہے، شور اور غوغا اٹھ رہا ہے۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ چند ایک نفوس ایک کتاب کو کھولے اس کے مضامین لوگوں کو سنا رہے ہیں اور لوگ بجائے اس کے کہ ان مضامین کو غور سے سنیں، اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح اس کتاب کو ان کے ہاتھوں سے چھینیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں نہایت خوبصورت ریشمی غلاف ہے اور چاہتا ہے کہ اس کتاب کو اس میں بند کر کے کہیں ادب سے کسی بلند طاق پر رکھ دے۔ وہ انسانی پُر عیب ہاتھوں سے اس کتاب کو چھوا جانا پسند نہیں کرتے۔ اس تمام فساد اور تنازع کے باوجود وہ لوگ برابر بلند آواز سے اس کتاب کو پڑھتے ہیں اور جس جس کان میں اُن کی سریلی آواز جاتی ہے، اس کی اضطرابی حرکات کو ساکن کر

دیتی ہے۔لوگ تو اس کتاب کو صندوقوں میں مقفل کرنا چاہتے ہیں۔مگر وہ اس کتاب سے ان لوگوں کے دلوں کے اقفال کو دور کرنا چاہتے ہیں۔اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا (24:47) کی آواز نے مجھے چوکنّا کر دیا۔ کیونکہ یہ آواز تو کسی ایسے ڈاکٹر کی تھی جو پہلے بھی پیر پرستی کے روگوں کی نصیحتیں کر رہا تھا۔ میں نے اچھی طرح جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ احمدی ٹولہ اپنے مریضوں کو طب کے اصول سکھا رہا ہے۔ مجھے مسلمانوں کی ان خوفناک امراض سے جس قدر مایوسی ہوئی، ان ڈاکٹروں کی موجودگی سے اتنی ہی امید بھی دل میں پیدا ہوگئی۔ پھر میں نے خیال کیا کہ اندرونی امراض کو تو شاید یہ ڈاکٹر درست کر دیں، مگر جسم اسلامی پر آج بیرونی حملے بھی تو شدت سے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ان کا علاج کیا ہوگا میں نے اسلام کے بیرونی دشمنوں کی طرف توجہ کی تو حسب ذیل انکشاف ہوئے۔

اسلام کے بیرونی دشمن

میری نظر چاردانگ عالم میں اسلامی دشمنوں کی کاوش میں دوڑنے لگی۔مگر کلیساؤں کی عظیم الشان عمارتوں اور گرجوں کی نشاط انگیز نشست گاہوں کے پرے نہ جاسکی۔ مجھے عیسائی معبودوں کی اینٹوں سے معترضین اسلام کے نغمے سنائی دیئے، گرجوں کے گھنٹوں اور پادریوں کے حلقوں کی چیخ وپکار نے مجھ پر ثابت کیا کہ اسلام پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہے۔

عیسائی کی جیبیں زر کی چھنکار سے نادار اور مفلس مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہیں۔ دنیاوی عظمت وشوکت ان نادار تشنہ کاموں کو ترسا رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر میں آگے بڑھا تو اسلام کے تمام مسلمانوں کی حالت دیکھی۔ یہاں حالت ہی دگرگوں نظر آئی۔مسلمانوں کی بے اعتنائی اور آنے والے خطرہ سے مطلق لاپرواہی نے مجھے حیران کر دیا۔کوئی مسجدوں کے کونوں میں بیٹھا تسبیح کے دانوں کے شمار میں لگا ہے، کوئی ارباب ذوق کی تفریح طبع کے لیے تکفیرنامے علیٰ روس الاشہاد تقسیم کر رہا ہے، کوئی اپنی علمی فضیلت اور قابلیت کی داد چاہنے کے لیے اہلسنت والجماعت کا جامع مانع تعریف پوچھ رہا ہے، کوئی اہلحدیث کو مسلمانوں میں تفنن پیدا کرنے کا ذمہ دار گردان رہا ہے، کوئی تیرہ سو برس قبل کے واقعات کو اس طرح تازہ کر کے دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے کہ ارضِ کربلا قربان ہوہو جاتی ہے۔الغرض میں نے اہل قبلہ کو ایسا مشغول پایا کہ اُنہیں دشمنوں کے استقبال کی بھی فرصت

نہیں۔

میری مایوسی بڑھنے لگی اور گھبراہٹ نے دل کو پکڑ لیا۔ اتنے میں میری آنکھ نے ووکنگ میں بیٹھے ہوئے ایک انسان کو دیکھا۔ جو سفید گالوں پر آہستہ آہستہ نہایت تہذیب، متانت اور سنجیدگی سے تھپڑ لگا رہا تھا اور جب ایک گال سرخ کر لیتا تھا، تو دوسری سامنے خود بخود آ جاتی تھی۔ مجھے یہ نظارہ نہایت دلکش نظر آیا اور میں نے اس عارض گلگوں سے کھیلنے والے انسان سے اس کے اس طرفہ فعل کے متعلق سوال کیے۔ اس نے مسکرا کر فرمایا کہ صداقت کے تھپڑوں سے عارضِ عقائد کی سیاہی کو دور کر رہا ہوں۔ اور جب عقائد درست ہو جاتے ہیں تو عملیات کا رخسار اصلاح کے لیے سامنے آ جاتا ہے۔

اس خوش کن نظارہ سے لطف خیز ہو کر میری آنکھ ایک اور انسان پر پڑی جو لاہور میں بیٹھا کئی ایک سیاہ طیور کو صلیب پر چڑھا رہا تھا۔ اور وہ جس جس کو صلیب پر چڑھاتا، وہ جھٹ پرواز کر کے سوئے فلک اڑ جاتا۔ میں نے آگے بڑھ کر اُس سے سوال کیا کہ یہ کیا حرکت ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بطنِ تثلیث سے کئی ایک غلط اور سیاہ عقائد پیدا ہو گئے ہیں۔ ظاہراً بڑے مدلل اور عظیم الشان نظر آتے ہیں۔ مگر جب تدبر کی صلیب پر چڑھائے جاتے ہیں تو خود بخود دنیا سے ناپید ہو جاتے ہیں۔ الغرض ان دونوں انسانوں کے ان افعال سے مجھے دشمنانِ اسلام کی اندرونی طاقتوں کا پتہ لگ گیا اور میری ناامیدی اور مایوسی امید و رجا میں تبدیل ہو گئی۔ میری امید نے پھر نشاط کی صورت اختیار کی جبکہ میں نے ان دونوں انسانوں کو اسی جماعت کے ارکان پایا جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہیں۔

ان حالات کو دیکھ کر پھر مجھے خلقت انسانی کی علت غائی اور اپنے کسی اہم کام کو سرانجام دینے کے عزم کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں بھی جماعت احمدیہ میں شامل ہو کر امراض اسلام کی اصلاح کے لیے ایک اعلیٰ درجہ کے نباض کی حیثیت سے اسی روحانی طب سے، جسے قرآن کہتے ہیں، اعلیٰ اعلیٰ نسخے معلوم کروں اور پھر دشمنانِ اسلام کے حملوں کو روکنے کے لیے سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤں گا۔

مسلمانوں سے اپیل

آخر میں میں عام مسلمانوں کے جذبات مذہبی کو اکسا کر ان سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ برادرانِ اسلام! اگر آپ کو اسلام کی عزت اور پاس کا کچھ خیال ہے، اگر تم قومی زندگی کو پھر دنیا میں باوقعت بنانا چاہتے ہو، اگر تمہیں اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں کی ترقی کی آرزو ہے۔ تو خدارا چھوڑ دو باہمی تنازعوں اور جھگڑوں کو۔ یہ اس وقت کے لیے تھے جب تم دنیا پر مسلط تھے اور بیکاری کی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ جب تمہارے آرام و آسائش کے تمام اسباب موجود تھے اور تم تفریح طبع کے لیے بجائے شطرنج بازی کے رفع یدین کے مسائل حل کر سکتے تھے۔ مگر اب زمانہ اور ہے۔ تم گردابِ تنزل میں بے حرمتی کی تھپیڑیں کھا رہے ہو۔ اب وقت ہے کہ تم لغویات سے باز آجاؤ اور بیہودگیوں سے قطع تعلق کر لو، اٹھو اور کسی کام پر لگو۔

اسلام تم میں جذبۂ حب الوطنی اور حب القومی سے بڑھ کر جذبۂ حُبِ اِلٰہی پیدا کرتا ہے۔ دیکھو! قومیں سوزِ وطن سے بریاں ہو کر دنیا میں کیا آتش فشانیاں کر رہی ہیں۔ لوگ محبتِ قوم سے سرشار ہو کر میدان جہان میں کیا تلاطم پیدا کر رہے ہیں۔ تم بھی ذرا جذبۂ حب الٰہی سے گرم خیز ہو کر اٹھو اور بنی نوع انسان کو اخوت کے رنگ میں رنگ دو اور دنیا کے خیالات میں انقلاب پیدا کر دو۔ تمہارا مذہب رنگ، ذات، قوم اور پیشہ کا امتیاز مٹا کر ہر کلمہ گو کو ایک دوسرے کا بھائی کہتا ہے۔ تمہارا اسلام ملکی امتیازات دور کر کے ایک ہندوستانی مسلم کو ایک ایرانی مسلم کا انہیں معنوں میں برادر قرار دیتا ہے، جن معنوں میں ہندوستان کا مسلمان دوسرے ہندوستانی مسلمان کو سمجھتا ہے۔ جب تمہاری وسعت خیالی کا یہ حال ہے تو تمہارا دائرہ عمل کیوں تنگ ہے؟

دیکھو! جب تم دنیا میں ترقی کرو گے، مذہب ہی کے ذریعہ سے کرو گے اور جب تم نے پہلے کبھی ترقی کی۔ وہ مذہب ہی کے طفیل ہوئی۔ دنیا کو اپنا ہم خیال بنا دو۔ اور کلمۃ الحق کو ہر سو اور ہر سمت پھیلا دو۔ تمہاری ترقی کا راز صرف حرفِ ''تبلیغ'' میں ہے۔ آج تم بے شک جماعت احمدیہ کی مخالفت کرتے ہو، انہیں بُرا بھلا کہتے ہو۔ مگر زمانہ کی ٹھوکر اور اہل زمانہ تمہاری طرف طرزِ سلوک اور طریق عمل تمہیں بہت جلد بتانے والا ہے کہ جو کام یہ احمدی کرتے ہیں وہی اصل میں کلیدِ کامیابی ہے۔ خدارا اٹھو! اور غفلت کی نیند کو چھوڑ کر ان کارکن لوگوں کے ساتھ مل کر اسلام کی تقویت کرو اور لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی اشاعت عام کر دو۔ بعد میں تمہیں زید اور بکر کے انسانوں کو دُہرانے کا کافی وقت مل رہے گا۔ وَمَاعَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

24-20 اگست 1919ء

اداریہ

ایک افسوس ناک حالت

ماہ جون کے ''تشحیذ الاذہان'' میں جو فتویٰ قتل حضرت امیر ایدّہ اللہ کے خلاف درس حدیث کے نوٹوں کی ذیل میں شائع ہوا، اُسے ہم دو مرتبہ اس اخبار میں درج کر چکے ہیں۔ پھر جو توجیہہ اب اس فتویٰ قتل کے متعلق ایڈیٹر الفضل اور ایڈیٹر تشحیذ نے کی ہے، اُس کا ذکر بھی گذشتہ اشاعت میں ہو چکا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ 16 اگست کے الفضل میں خود میاں صاحب کے قلم سے ایک مضمون اس بحث پر شائع ہوا ہے، جس نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم بھی پھر اس پر قلم اُٹھائیں۔ ہمارا اپنا اِرادہ یہی تھا کہ اب اس بحث کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ کیونکہ ہم اس قسم کے دِل آزار فقرے پہلے بھی سن چکے ہیں اور ہمیں اس سے کوئی خاص تعجب نہیں ہوا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ میاں صاحب نے اپنے قلم سے پورے نو کالم کا مضمون لکھ کر ہمیں پھر اس موضوع پر لکھنے کا موقعہ دیا۔ اور اگر میاں صاحب اپنے مضمون میں افسوس ناک غلط بیانیوں سے کام نہ لیتے، تو شاید ہم پھر بھی خاموش ہی رہتے۔

میاں صاحب کی پہلی غلط بیانی

میاں صاحب نے اپنے مضمون کا عنوان رکھا ہے ''مولوی محمد علی اور ان کے رفقاء کی عادتِ تحریف'' اور پھر آگے چل کر مضمون یوں شروع کرتے ہیں:

> ''ماہ جون 1919ء میں تشحیذ الاذہان میں میرے درس حدیث کے نوٹ شائع ہوئے ہیں۔ اُن میں ایک حدیث کو توڑ مروڑ کر مولوی محمد علی صاحب اور اُن کے رفقاء شور مچا رہے ہیں کہ اُس میں اُن کے قتل کا فتویٰ دیا گیا ہے۔''

اب اِن تین چار سطروں میں میاں صاحب، حضرت امیر ایدہ اللہ پر (دو رفقاء کا ذکر ہم بعد میں کریں گے) ایسے الزام لگا رہے ہیں، جن میں صداقت کا شمّہ تک نہیں۔ پہلا الزام یہ ہے کہ حضرت امیر میں ''تحریف کی

عادت ہے'' اور دوسرا الزام یہ ہے کہ وہ فتویٰ قتل کے متعلق ''شور مچا رہے ہیں۔''

اب واقعات یہ ہیں کہ فتویٰ قتل کے متعلق آج 18 اگست تک کوئی مضمون حضرت امیر کی طرف سے شائع نہیں ہوا۔ سب سے پہلا مضمون، جو اس کے متعلق شائع ہوا ہے، وہ 16 جولائی کے پیغام صلح میں ایک چھوٹا سا ایڈیٹوریل نوٹ تھا۔ اس کے بعد 20، 23 کی ڈبل اشاعت میں اخویم مکرم حضرت سیٹھ اسماعیل آدم صاحب کی ایک کالم کی مراسلت تھی، جو ایڈیٹر تشحیذ الاذہان کی اُس لایعنی توجیہہ کے جواب میں تھی، جو اُس نے اصل فتویٰ قتل کے متعلق جولائی کے تشحیذ میں شائع کی۔ اس کے بعد 10 اگست کے اخبار پیغام صلح میں ایک ایڈیٹوریل نوٹ اس توجیہہ کی تردید میں شائع ہوا۔ اب ان تین نوٹوں میں ایک مضمون بھی حضرت امیر کی طرف سے نہیں۔ اور ان تینوں کی ضخامت بھی تین کالم سے کسی صورت میں زیادہ نہیں۔ اس پر میاں صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت امیر ''شور مچا رہے ہیں'' صریح طور پر غلط بیانی نہیں تو اور کیا ہے؟

غور کا مقام ہے کہ خود میاں صاحب اور اُن کے رفقاء تو کالموں کے کالم سیاہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ میاں صاحب کا مضمون زیر جواب بھی پورے نو کالم پر ختم ہوا ہے۔ اور اس کے بعد پھر قلت گنجائش کی وجہ سے حاشیہ پُر کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے الفضل کا ایڈیٹر لمبا چوڑا مضمون لکھ چکا ہے لیکن الزام دوسروں پر ہے کہ ''شور مچا رہے ہیں''۔ کاش میاں صاحب'' کی آنکھیں اگر لکھتے وقت تعصب سے اندھی نہ ہوتیں'' تو وہ محض غیض وغضب کا شکار ہو کر اس قدر غلط بیانی سے کام نہ لیتے۔ جب حضرت امیر نے فتویٰ قتل کے متعلق کوئی مضمون ہی نہیں لکھا (حضرت امیر نے ایک اشتہار اپنے احباب کو ایک ضروری نصیحت میں اشارۃً اس فتویٰ قتل کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس اشتہار کا موضوع بالکل الگ ہے۔ اس لیے وہ ذکر ضمناً محض بطور اشارہ آ گیا ہے۔ میاں صاحب کے الفاظ ''شور مچا رہے ہیں'' کا مؤید نہیں ہوسکتا) تو پھر اُن کی طرف تحریف کی عادت منسوب کرنا اگر ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ غرض ان چار سطروں میں میاں صاحب نے دو غلط بیانیاں کی ہیں۔

میاں صاحب کی دوسری غلط بیانی

اس سے آگے چل کر پھر میاں صاحب ایک اور نہایت ہی ناپاک غلط بیانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور

ہمیں زیادہ افسوس اس کے متعلق اس لیے ہے کہ ہمیں یہ حسن ظن تھا کہ میاں صاحب ایسی ہلکی اور گری ہوئی باتیں ہرگز نہیں کرتے ، بلکہ اُن کے مرید کرتے ہیں اور انہیں ان کی اطلاع نہیں ہوتی ، ورنہ وہ روک دیں ۔ چنانچہ پچھلے دِنوں شورش میں جب الفضل نے بکرّات ومرّات یہ بالکل جھوٹی خبریں شائع کیں کہ مرزا یعقوب بیگ اور مولوی صدرالدین ننگے سر پھر کر ہڑتال کراتے پھرے۔اور پھر الفضل نے یہ بیان شائع کیا کہ حضرت امیر بھی فوجی بھرتی سے لوگوں کو روکتے رہے، ایسی جھوٹی خبروں کی تردید ہم نے دوتین دفعہ اور ایک مرتبہ میاں صاحب کے متعلق حسن ظن سے کام لیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ:

میاں صاحب سے بھی التماس ہے کہ آخر آپ قوم کے لیڈر ہونے کے مدعی ہیں۔آپ کا فرض ہے کہ آپ ان کو اس قسم کی باتوں سے روکیں، جو اُن کے لیے عالم آخرت میں مضر ثابت ہوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَاسَمِعَ اور آپ کے مسکن سے جو اخبار آپ کے سلسلہ کا نکلتا ہے گذشتہ دو ماہ سے اس کا عمل اس وصیت نبویؐ کے خلاف رہا ہے۔کیا آپ ان کو سمجھانا ضروری نہیں سمجھتے ؟

لیکن اب مضمون زیرِ جواب نے ہماری آنکھیں کھول دیں اور ہمیں میاں صاحب کے متعلق نہایت حسرت سے یہ اعتراف کرنا پڑا ؂

خود غلط بود آنچہ ماپند اشتیم

کیونکہ میاں صاحب نے بھی اسی جھوٹی خبر کو اپنے قلم سے لکھا ہے:(مرزا یعقوب بیگ صاحب) ’’ننگے سر جلوس کے ساتھ بھی نکلے تھے‘‘ اللہ اکبر! کس قدر جرأت ہے کہ ایک خلاف واقعہ امر کو اس طرح بیان کررہے ہیں، جس طرح خود دیکھ کر آتے ہیں۔کیا ہم میاں صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ یہ لکھتے ہوئے اُنہیں کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَاسَمِعَ کے فرمان نبویؐ پر نظر تھی یا محض تعصب کی وجہ سے جو کچھ سنا وہ لکھ دیا۔اور زیادہ تر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اس جھوٹ کی تردید بکرات ومرات کر چکے ہیں۔اور خود میاں صاحب کے متعلق حسن ظن رکھتے ہوئے یہ اُمید ظاہر کر چکے ہیں کہ وہ الفضل کے ایڈیٹر کو سمجھائیں کہ وہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل پیرا نہ ہو۔لیکن آج خود وہ شخص جو قوم کا لیڈر رہے، جو ناصح ہے، جو لوگوں کی ذمہ

داریاں اپنی ذات پر لینے کا عادی ہے، اس جھوٹ کو اپنے قلم سے لکھتا ہے۔ مُژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے۔ اب اس واقعہ کے بعد اگر ہم میاں صاحب کی خدمت میں اُن کے مریدوں کی بدعنوانیاں عرض کریں، تو کس حوصلہ پر کریں۔ وہ خود اپنے آپ کو مریدوں کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اُن کی ہاں میں ہاں ملائے دیتے ہیں۔ خواہ وہ کس قدر جھوٹ ہی کیوں نہ ہو۔ تقویٰ اور خشیۃ اللہ کا مقام یہ تھا کہ جس صورت میں ہماری طرف سے اس جھوٹ خبر کی تردید ہو چکی تھی، تو آپ اس کا نام تک نہ لیتے۔ بلکہ ایڈیٹر الفضل کو فہمائش کرتے کہ وہ محض جھوٹی خبر کو کیوں اس وثوق سے لکھ رہا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آپ خود بھی اس مرض میں مبتلا ہیں!

اگر تقویٰ سے نہیں تو کم از کم عقل سے کام لیا ہوتا۔ ''جلوس میں ننگے سر پھرنا'' یہ میرزا صاحب کی حیثیت، عمر اور فہیم انسان کے متعلق بالکل قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ ہم تو کسی جلوس میں نہیں گئے۔ لیکن اخبارات میں اور سرکاری رپورٹوں میں جو کچھ ہم نے پڑھا ہے، اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جلوس میں ننگے سر پھرنے والے نوجوان طالب علم اور جاہل بازاری لوگ ہی تھے۔ کوئی معقول آدمی ننگے سر جلوس میں نہیں پھرا۔ جو لوگ اس شورش کے سرغنہ سمجھے گئے ہیں، وہ بھی تو (جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے) ننگے سر جلوس میں نہیں پھرتے رہے، تو میرزا صاحب، جنہوں نے اپنی دُکان ہڑتال کے ایام میں کھولی رکھی، ایسی لغو حرکت کیونکر کر سکتے تھے!

غرض ہمیں افسوس ہے کہ میاں صاحب نے ایک ایسے جھوٹ کو اپنے قلم سے شائع کیا، جس کی نہ صرف ہم بکرات و مرات تردید کر رہے ہیں، بلکہ جس کے بطلان پر خود عقل انسانی بھی شاہد ہے۔

میاں صاحب کی تیسری غلط بیانی

تیسری غلط بیانی میاں صاحب نے اس مضمون میں یہ کی ہے کہ الفضل نے ایامِ شورش میں جو فتنہ انگیز مضمون ہمارے برخلاف لکھے تھے اُن کی غرض یہ تھی کہ ''بعض لوگوں کا شورش پسندوں سے ہمدردی رکھنا اُن کا ذاتی فعل تھا۔ نہ سلسلہ احمدیہ کے پسندیدہ عمل۔''

حالانکہ جن لوگوں نے اِن مضمونوں کو پڑھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس میں ہماری جماعت کو من

حیث القوم اور حضرت امیر کو بحیثیت قوم کے لیڈر کے بدنام کرنے کی پوری مگرنا کام کوشش کی گئی تھی۔اور اس سے ان کی غرض صرف یہ تھی کہ اس طرح ہم گورنمنٹ کو دھوکا دے کر ان لوگوں کو معتوب کرائیں،لیکن اُنہیں یہ علم نہیں تھا کہ ہمارے ان حالات کو گورنمنٹ خوب جانتی ہے اور حکومت کا نظام قادیان کی گدی کے نظام سے کہیں بڑھ کر محکم اور ابلغ ہے۔مگر جس طرح ضرب المثل (یہ مثل میاں صاحب نے اپنے مضمون میں ہمارے متعلق پیش کی ہے) والی لومڑی اپنے آپ کو اونٹ سمجھ کر بدحواس پھرتی تھی کہ کہیں اونٹوں میں مَیں بھی نہ پکڑی جاؤں،اسی طرح الفضل یہ سمجھتا تھا کہ جو سلسلہ سراغ رسانی ہمارے ہاتھ میں ہے وہ گورنمنٹ کے صیغہ سی۔آئی۔ڈی کو بھی میسر نہیں۔اور اس لیے اُس نے گورنمنٹ کی انتظامی قابلیت پر بھروسہ نہ کرکے ہمارے خلاف نہایت سرگرمی سے طوفانِ بدتمیزی بپا کر دیا اور دشمنی اور عناد کے جوش میں معقولیت اور غیر معقولیت کی کچھ پرواہ نہیں کی۔

چنانچہ ہمارا خیال ہے کہ الفضل کی روش خود میاں صاحب کے بعض نیک طبع اور سلیم الفطرت مریدین کو بھی بُری معلوم ہوئی۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہماری جماعت کے ممبروں نے میاں صاحب کے مبائعین سے، جہاں کہیں وہ اس شورش میں ماخوذ ہوئے ہیں،تو نہایت ہمدردی سے سلوک کیا۔چنانچہ مولوی غلام رسول صاحب وزیر آبادی جب پکڑے گئے تو ہمارے وزیر آبادی احباب نے نہایت دلسوزی سے اُن کی ہمدردی میں حصہ لیا۔ اس کے علاوہ دوسرے مسلمانوں نے بھی الفضل کی اس حرکت پر نفرین کی۔اور ہمیں یقین ہے کہ خود حکومت عالیہ کے حکام نے بھی الفضل کی تحریروں سے یہی نتیجہ نکالا ہوگا کہ سب کی سب جماعت دشمنی اور عناد کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں اور اختلاف عقائد کا بدلہ نہایت دلیری سے غلط اتہامات کی صورت میں لیا جارہا ہے۔لیکن آفرین ہے میاں صاحب کی ہمت پر کہ اُنہوں نے آج اس بیہودگی کی یہ توجیہہ نکالی ہے کہ الفضل کی نیت سلسلہ احمدیہ کی پوزیشن کو صاف کرنا تھا۔حالانکہ اگر یہی نیت ہوتی تو اس کے لیے اور طریق اور انداز بیان چاہئے تھا،نہ کہ وہ جو الفضل نے اختیار کیا۔مگر جب میاں صاحب ایک غلط بیانی کے مرتکب ہوئے،تو لازماً بات بنانے کے لیے اور غلط بیانیاں تراشنا پڑیں اور الفضل کی حمایت میں یہ غلط بیانی بھی کرنا پڑی کہ اس کی نیت نیک تھی۔

میاں صاحب کی چوتھی غلط بیانی

اس مضمون میں میاں صاحب اس عذر نا معقول کا ذکر بھی کرتے ہیں،جو ایڈیٹر تشحیذ نے ماہ جولائی کے

پرچہ میں فتویٰ قتل کے متعلق شائع کیا۔ اور پھر ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں :۔ ''گو بعض خاص مطالب کے ماتحت مولوی محمد علی صاحب کے رفقاء نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر چھوڑی ہیں۔'' اس فقرے میں یہ غلط بیانی کی گئی ہے کہ ہم نے اس نوٹ کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں، جو تشحیذ ماہ جولائی میں بطور تشریح شائع ہوا۔ مگر یہ سراسر غلط ہے۔ ہمارے مخدوم مکرم دوست سیٹھ اسماعیل آدم اپنی مراسلت میں جو 23 جولائی کے پیغام صلح میں شائع ہوئی ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کے عنوان سے، اس توجیہہ کی دھجیاں اُڑا چکے ہیں۔ خود ہم نے گذشتہ اشاعت میں اس پر ایک نوٹ لکھا تھا اور ثابت کیا تھا کہ یہ توجیہہ غلط ہے کہ ''جیسے لاہور میں ہے'' کا فقرہ ایک طالب علم کا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں لکھتے ہوئے ہم نے یہ بھی لکھا تھا کہ: ''اُس لڑکے کا نابالغ ہونا بھی الفضل کو ضرور شائع کرنا چاہیئے کہ کہیں قانون کی زد میں وہ لڑکا نہ آ جائے۔'' (پیغام صلح 10 اگست) اور ہمارے اس لکھنے اور شائع کرنے کے بعد اب آپ اپنے اس مضمون میں فرماتے ہیں:

> ''ان نوٹوں کا لکھنے والا ایک طالب علم ہے۔ جس کی عمر اس وقت سترہ اٹھارہ سال یا اس سے بھی کم تھی اور بوجہ کم علمی کے کچھ کا کچھ لکھ دیا کرتا تھا۔''

دیکھا میاں صاحب مکرم! ہماری آنکھیں بند نہیں، بلکہ وہ اس قدر تیز ہیں کہ جو بات آپ کے دل میں ہے، وہ ہم ان آنکھوں کی روشنی سے (جنہیں خدا نے نور بصیرت دیا ہوا ہے) دیکھ لیتے ہیں۔ ہم نے لکھا تھا کہ الفضل کو اب اُس لڑکے کو نابالغ بنانا چاہیئے۔ چنانچہ اب آپ نے اس مضمون میں اس کو نابالغ اور کم علم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش　　من اندازِ قدت را مے شناسم

اور سچ پوچھیئے تو یہ لڑکے کی توجیہہ کا خیال بھی ''جناب والا'' کو سیٹھ اسماعیل آدم صاحب کے خط سے ہی آیا ہے۔ جس کا جواب آپ نے اُن کو نہ دیا۔ لیکن ایڈیٹر تشحیذ کو فتویٰ قتل کا الزام اُس لڑکے کے سر تھوپنے کو کہہ دیا۔ چنانچہ اس کا ذکر سیٹھ صاحب نے محولہ بالا مراسلت میں مفصل کیا ہے۔ ان حالات کے ماتحت جناب والا کا یہ کہنا کہ ہم نے اس نوٹ کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں، اگر ایک طرف صریح غلط بیانی ہے، تو دوسری طرف ہمیں آپ کے ہی لفظوں میں ''سخن فہمی عالمِ بالا معلوم شد نہ سہی تو سخن فہمی جناب والا معلوم شد'' کہنے پر مجبور کرتا ہے۔

اصل معاملہ

اب ہم اصل معاملہ پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ میاں صاحب کا بیان ہے کہ اس فقرہ میں :

''اور فرمایا (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ خلیفہ ہو تو جو پہلے ہو، اس کی بیعت کرو اور بعد میں جو دوسرا پہلے کے مقابل کھڑا ہو جائے، جیسے لاہور میں ہے، تو اُسے قتل کر دو۔ مگر یہ قتل کا حکم تب ہے جب سلطنت اپنی ہو۔ اب اس حکومت میں ہم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''جیسے لاہور میں ہے'' کے الفاظ اس طالب علم کے ہیں، جس کی عمر سترہ اٹھارہ سال سے بھی کم تھی، جو بے علم تھا اور اپنی بے علمی کی وجہ سے کچھ کا کچھ لکھ دیا کرتا تھا، چنانچہ درس حدیث کے نوٹوں میں نہایت مضحکہ انگیز باتیں چھپ گئی ہیں۔''

سرِ دست ہم اس سوال کو نہیں چھیڑتے کہ اس دودھ دانت والے لڑکے کو یہ اہم کام کیوں سپرد کیا گیا کہ نوٹ لیا کرے! اور پھر اگر وہ بے علم اور نو عمر تھا، تو ایڈیٹر تشحیذ ہی اس کی اصلاح کر لیتا۔ کیونکہ آخر ایڈیٹر کا کام یہی ہے کہ وہ مضامین کی اصلاح کر کے شائع کیا کرے۔ اور جو توجیہات آج ''عالم بالا'' سے القاء ہو رہی ہیں، وہ پانچ سال کے عرصہ میں کیوں نہ ہوئیں (بشرطیکہ یہ بیان میاں صاحب کا تسلیم کیا جائے کہ یہ درس حدیث کے نوٹ 1914ء کے ہیں) مگر ان سب باتوں سے قطع نظر ہم کہتے ہیں کہ پھر بھی سیاق وسباق عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ الفاظ کہ: ''جیسے لاہور میں ہے'' میاں صاحب کے منہ سے نکلے ہیں۔ اور اس پر اس کا اگلا فقرہ روشنی ڈالتا ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں: ''مگر یہ قتل کا حکم تب ہے جب سلطنت اپنی ہو۔ اب اس حکومت میں ہم ایسا نہیں کر سکتے۔'' اس فقرہ ''ہم ایسا نہیں کر سکتے'' میں صاف احمدی قوم کے ممبر ہی مراد ہیں۔ اور میاں صاحب خلافت کے مدعی بھی ہیں۔ تو اس سیاق وسباق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت احمدی قوم اس پر عمل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ حکومت اپنی نہیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ ''جیسے لاہور میں ہے'' کے الفاظ بھی اسی شخص کے ہیں، جس نے یہ دوسرے الفاظ بولے کہ ''ہم ایسا نہیں کر سکتے''۔

اوراس فقرہ کے متعلق میاں صاحب کا خود اقرار ہے کہ یہ الفاظ اُن کے ہیں۔ پس اگر یہ الفاظ ان کے ہیں تو پہلے الفاظ، جن کی تردید میں یہ کہے گئے، وہ بھی اُن کے ہی ہیں۔ سیاق وسباق عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ''ہم ایسا نہیں کرسکتے'' اور ''جیسے لاہور میں ہے'' کا باہم ایک خاص تعلق ہے۔ اور جس کے منہ سے یہ لفظ نکلے ہیں کہ ''ہم ایسا نہیں کرسکتے'' اسی نے ''جیسے لاہور میں ہے'' کا فقرہ بولا ہے۔

میاں صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت امیر تو خلافت کے مدعی نہیں۔ حالانکہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر اُن کا یہ کہنا کہ ''ہم ایسا نہیں کرسکتے'' بالکل بے محل ہے۔ کیونکہ جس صورت میں اُن کے مقابل ہی کوئی نہیں، تو پھر کرسکتے اور نہ کرسکتے کا کیا محل اور کیا موقع ہے؟

بالآخر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اگرچہ ہم حسن ظن کے لیے مامور ہیں، مگر اس مضمون میں جب میاں صاحب نے اتنی غلط بیانیاں کی ہیں اور بعض اُن میں سے ایسی ہیں کہ ہماری طرف سے اُن کی تردید بکرات و مرات ہوچکی ہے، مگر پھر بھی میاں صاحب نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ اور ہماری طرف وہی جھوٹی بات منسوب کردی، جو اُن کے مرید کہتے آئے ہیں، تو ہم کس حوصلہ پر یہ یقین کرنے کی جرأت کرسکتے ہیں کہ میاں صاحب نے جو یہ الزام ایک نابالغ اور کم علم لڑکے کے سر تھوپا ہے، وہ بالکل صحیح ہے اور وہ خود اس سے بری الذمہ ہیں! لیکن باایں ہمہ ہم کسی صاحب کی طرف ''جھوٹ بولنے کی عادت'' منسوب نہیں کرتے۔ جس طرح میاں صاحب نے محض فرضی تحریف کے وہم میں حضرت امیر ایدہ اللہ اور ہماری طرف ''تحریف کی عادت'' منسوب کردی۔ مگر ہم صرف یہی کہتے ہیں کہ ؎

بدم گفتی وخورسندم عفاک اللہ نکو گفتی　　جوابِ تلخ مے زیبد لب لعلِ شکر خارا

10 ستمبر 1919ء

مراسلات

مجددِّ وقت

آج وہ زمانہ ہے کہ مُسلم دنیا پر گردش چھائی ہوئی ہے اور میرے مسلم بھائی اپنا دین چھوڑ کر اپنی دنیاوی خواہشات کی طرف راغب ہیں۔ خدا کی یاد تو درکنار، خانہ ہائے خدا میں جانے اور اُن کی حفاظت کرنے سے بھی جی چُراتے ہیں۔ اُن کے دلوں سے ایمان اُٹھ گیا، غربا و مساکین کا خیال چھوڑ دیا، علمائے دین میں اختلاف پیدا ہوگیا، قحط اور گرانی نے اپنا سِکہ جما دیا، خلقت کے دلوں سے مذہبی محبت جاتی رہی، مخلوقِ خدا سے ہمدردی کم ہوگئی، چھوٹے بڑے کی تمیز نہ رہی، خدمتِ اسلام کی طرف توجہ نہ رہی، لوگ احکامِ شرعی سے لاپرواہ ہوگئے، غیر مذاہب سے اسلام پر حملے ہونے لگے اور ہر گوشہ دنیا میں جنگ و جدال برپا ہونے لگے، بلائیں اور وبائیں خلقت پر اکثر آنے لگیں۔ غرض اس وقت دنیا میں کوئی بات باقی نہیں رہی جو آفات و آرام میں سے نہ ہو۔

ایسی حالت میں کیا کوئی دنیاوی طاقت اب ہے، جو ان سب باتوں کا انسداد کر سکے۔ جواب یہی ہوسکتا ہے کہ نہیں۔ حدیث شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان باتوں کا دافع کوئی ہوسکتا ہے، تو وہ روحانی رہنما ہوسکتا ہے۔ جس کے متعلق حدیثوں میں کھلے طور سے ذکر ہے کہ ہر صدی کے سر پر تجدید دین کے لیے خدا کی طرف سے ایک مجدد ہوا کرے گا۔ چنانچہ تیرہ سو سال میں متواتر مجدد ہر صدی کے بعد آتے رہے ہیں۔ لیکن اب یہ دیکھنا قابل غور ہے کہ اس صدی کا مجدد کون ہے۔ اور کیا اس وقت کسی نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا بھی ہے یا نہیں۔ اور اگر کسی نے کیا ہے، تو کیا اس کے افعال و اقوال احکامِ شرعی کے ماتحت بھی ہیں، اور کیا اس کے مقاصد دنیاوی ہیں یا دینی۔ اور کیا اُس کی غرض خدمت اسلام ہے یا کچھ اور؟ اگر اُس میں وہ تمام صفات پائی جاتی ہوں، جو ایک مجدد میں ہونی لازمی ہیں، تو ایسے شخص کو مجدد ماننے میں ہرگز کوئی عذر نہیں ہونا چاہئے۔ بشرطیکہ اُس کا دعویٰ صرف مجددیت یا محدثیت تک کا ہو۔ کیونکہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کامل اور صاحب شریعت نبیوں کا سلسلہ قطعاً مسدود ہوگیا ہوا ہے۔ ڈھونڈنے اور تلاش کرنے پر پتہ لگا کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

صرف اس وقت مجدد ہونے کے دعویدار ہیں۔ مگر اب یہ دیکھنے کی ضرورت پڑی کہ کیا جو باتیں مجدد میں ہونی لازمی ہیں وہ مرزا صاحب میں پائی جاتی ہیں، یا نہیں۔ اُن کی تصنیفات کا مطالعہ کرنے پر اور اُن کی دنیاوی زندگی کی بابت چھان بین کرنے سے معلوم ہوا کہ سب نشانات اُن میں موجود ہیں اور اُن کی دنیاوی زندگی بھی ایک نمونہ ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ میرزا غلام احمد صاحب کو وقت کا مجدد نہ مانا جائے! میرے خدا کا مجھ پر نہایت احسان ہے کہ مجھ کو صراط مستقیم پر آنے اور چلنے کا موقع ملا۔ اور چنانچہ میں مولوی محمد علی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے جماعت میں 31 اگست 1919ء کو شامل ہو گیا ہوں۔

عام طور پر لوگوں میں یہ بدگمانی ہو رہی ہے کہ مرزا صاحب نے مجدد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ نبوت کا وہ دعویدار ہے۔ جہاں تک میرزا صاحب مرحوم و مغفور کی تصنیفات سے ظاہر ہوتا ہے، اُن کا دعویٰ محض مجددیت کا ہے۔ علمائے وقت نے مصلحتاً مرزا صاحب کے رتبہ کے متعلق غلط بیانی سے لوگوں کو ورغلانے کی از حد کوشش کی اور اُن پر کفر کا فتویٰ بھی لگانے سے باز نہ رہے۔ لیکن یہ تو مدعی سست اور گواہ چست والا معاملہ ہے۔ دعویدار تو کہتا ہے کہ میں صرف مجدد یا محدث کی حیثیت میں ہوں، لیکن مخالفین کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نبوت کا دعویدار ہے۔ خاص کر گدی نشینوں نے تو خوب ہی دم توڑ توڑ کر مجدد وقت کی مخالفت کی اور اب تک بھی کر رہے ہیں۔ کیونکہ اُن کو اندیشہ ہے کہ شاید مرزا صاحب کی تعلیم لوگوں کے دلوں سے پیر پرستی کا خیال نہ اُڑا دیوے اور اُن کی اس طرح روزی ہی بند نہ ہو جائے۔ لیکن ایسے خام خیالات کی بنا پر مجددِ وقت کے اُس عظیم الشان مشن یعنی خدمتِ اسلام میں اُن کا رخنہ انداز ہونا کس قدر قابلِ گرفت اور خلافِ شرع بات ہے۔ خیر وہ قول و فعل کے خود ذمہ دار ہیں اور کیا خدا اُن سے ان باتوں کی پرسش نہیں کرے گا؟ ضرور کرے گا! مجدد خدا کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں اور اُن کے سپرد تجدیدِ دین کا کام خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ جو لوگ خدائی کاموں میں مخل ہوتے ہیں، یاد رہے وہ ضرور سزاوار ہوتے ہیں۔ خدا مجھے توفیق دے کہ اسلام کی خدمت کروں اور اللہ تعالیٰ مجدد کے مشن کو زیادہ ترقی دے۔ آمین۔

خاکسار

محمد امیر علی

از شملہ

28 ستمبر 1919ء

مکتوب گرامی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علی رسولہِ الکریم

اخی مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب کا نوازش نامہ باعث مشکور ہوا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں۔ میاں محمود احمد اور عبدالقادر صاحبان کا لکھنا کہ جناب پر یہ مصیبت اس لیے آئی کہ آپ نے ان کی مخالفت کی، خلاف اصولِ اسلام ہے۔ کسی قوم یا فرد واحد پر کسی شخص کی مخالفت کی وجہ سے عذاب تب آتا ہے، جبکہ اول تو وہ شخص اپنے دعوے میں سچا ہو اور اُس نے اپنے فریقِ مخالف پر کافی طور سے حجت تمام کی ہو۔ اور پھر بھی وہ شخص دیدہ ودانستہ جان بوجھ کر اپنے کسی نفسانی جذبہ یا خواہش کے ماتحت اُس کی مخالفت کرے یا اُسے گالیاں دے۔ لیکن ایسی حالتوں میں بھی حضرت یونس علیہ السلام کے واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ رحم کو زیادہ کام میں لاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے سردار سرور کائنات بادشاہ دو جہاں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو سوائے معدودے چند اللہ تعالیٰ نے تباہ نہ کیا، بلکہ بجائے غضب کے اُن پر رحمت کی اور انہیں مسلمان ہونے کی توفیق عطا کی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہوکر آئے تھے۔ پھر حضرت مسیح موعود کے بہت سے خاص دشمنوں کو ہمارے سامنے اب تک کوئی سزا نہ دی۔

پس خان صاحب! اپنے قانون میں کسی کو سزا دینا یا انعام دینا اللہ تعالیٰ کا اپنا فعل ہے۔ زید یا بکر کے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کو یہ حکم کریں کہ ہمارے فلاں مخالف کو سزا دے دو اور وہ دے دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں بہت بڑی گستاخی ہے جو ایسا کہا گیا ہے۔ جو شخص سوائے انبیاء اور مامورین کے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں کام اُس کی بددعا سے ہوگیا، یا یہ کہتا ہے کہ کسی کو سزا اُس کے انکار اور کفر کی وجہ سے ملی ہے، وہ خود دعویٰ خدائی کرتا ہے۔ انبیاء بھی ایسا اگر کبھی کہتے ہیں، تو اللہ کے اذن سے۔ ورنہ اُن کو بھی مجال نہیں کہ ایسا دعویٰ کرسکیں۔ کیونکہ اس میں ذات پاک باری تعالیٰ کی ہتک ہے اور یہ شرک ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب اور

مصیبت، جو کسی انسان پر آتی ہے، اُس کی دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں

اوّل: قانونِ الٰہی کی نافرمانی سے انسان جسمانی، روحانی اور اخلاقی تکالیف میں گرفتار ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ . وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (2:38-39) الٰہی آیات کے انکار اور تکذیب سے مراد قوانینِ الٰہی کا توڑنا ہے۔ جو تکلیف کا موجب ہوتا ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (2:57) یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ رحیم و کریم ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ انسان خود قوانینِ الٰہی کو توڑتے اور سزا پاتے ہیں۔ لہٰذا اس طرح اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔

دوسری وجہ، جس سے انسان کو دُکھ پہنچتا ہے اور جو مومنین کے لیے خاص ہے، وہ ہے ابتلا فی سبیل اللہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ. الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ (2:155-156) یعنی اور اللہ تعالیٰ مومنین کو خوف میں ڈال کر یا بھوک دے کر یا نقصان مال، جان اور اولاد اور پھل کر کے آزماتا ہے، تاکہ وہ خود بھی دیکھیں کہ کہاں تک ان کے زبانی دعویٰ کی اُن کے افعال تصدیق کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جب جنگ اُحد سے بعض لوگ بھاگ آئے، واپس آ کر نہ صرف اُنہیں کوئی سزا ہی نہ دی، بلکہ کبھی اشارۃً وکنایۃً نہیں بتایا کہ اُنہوں نے کوئی بُرا فعل کیا ہے۔ پھر طائف کے لوگوں نے جب آپ کو سخت زخمی کیا اور آپ کی تکذیب ہی نہ کی، بلکہ آپ کی جان پر حملہ کیا، تو اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکا اور فرشتے نے آ کر عرض کی کہ ارشاد ہو تو اس بستی کو اُلٹ دوں، تو رحمۃ للعالمین نے فرمایا کہ اے خدا! تو انہیں میری شناخت عطا کر اور سمجھ دے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اولوالعزم نبی کا یہ اسوۂ حسنہ تھا اور قرآن کہتا ہے وَلَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یہ وہ نمونہ ہے جو ایک دشمن کے ساتھ ایک مومن کو رکھنا چاہئے۔ پس ان ہر دو اصحاب کا یہ لکھنا کہ آپ پر مصیبت ان کی مخالفت کی وجہ سے آئی، خلاف اسوۂ حسنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

ہاں! ان پیروں اور گدی نشینوں کی پیروی ضرور ہے، جو آج کل لوگوں کو اپنی گیدڑ بھبکیوں سے ڈرا کر انسانی فطرت کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر اُن کے مالوں کو حرام طور پر کھا رہے ہیں۔ ان مدعیان خداوندی کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ اسلام کے کوچہ سے صرف نااہل ہی نہیں، بلکہ نفس پرست اور تکبر کا کیڑا ان کے نفس کو لگ چکا ہے۔ جو کہ اُن کو اندر ہی اندر کھا رہا ہے۔ اللہ ان پر رحم کرے۔

اتنا عرض کروں گا کہ ان مصائب میں انسان کے اپنے نفس کے لیے بہت بہت سبق ہوتے ہیں۔ وہ خوب جانتا ہے کہ اُس نے کون سا قانون توڑا اس لیے آئندہ اُس سے باز رہتا ہے۔ پھر وہ خوب جانتا ہے کہ اُس نے اپنے منہ سے کیا کیا دعوے کیے اور اُن کو کہاں کہاں تک نبھایا یا کہاں تک اُن میں کوتاہی کی۔ ان سے اپنی اصلاح کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب کہا کہ ہم موسیٰ کی قوم کی طرح نہیں کہ آپ کو کہیں فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (24:5) (جا تو اور تیرا رب لڑو، ہم تو بیٹھے ہیں) بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں، سامنے اور پیچھے سے ہو کر لڑیں گے، تو پھر اُنھوں نے جو زبان سے کہا اُسے پورا کر کے دکھایا۔ باوجود اس کے زخمی بھی ہوئے، اسیر ہوئے، شہید ہوئے، تو پھر کیا کوئی مردود کہہ سکتا ہے کہ وہ ابوجہل کی بددعا یا مخالفت کا نتیجہ تھا۔

مکرمی! یہ مصائب اور تکلیفیں الٰہی راز ہیں، ان میں دخل دینا بڑی بھاری بے باکی ہے۔ جو مومن کی شان کے خلاف ہے اور ایسی باتوں سے ڈرنا یہ بھی خلاف شان مومن ہے۔ عام عشقِ مجازی کی راہ میں ہزاروں مصیبتیں اور کانٹے ہوتے ہیں، تو پھر کیا عشقِ حقیقی کی راہ بھی ان سے پاک ہو سکتی ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ، جو اس کو سمجھیں اور استقلال اور صبر سے کام لیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں مبعوث ہوئے تو آپ پر کم مصیبت کے پہاڑ نازل ہوئے تھے؟ پھر کس کی مدد ہی سے آپ خدائے پاک کے پیغام کو دنیا میں لے کر آئے؟ اور ایسی صور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب میں نفخ کی کہ اس برقی رَو نے نصف صدی کے عرصہ میں نعرہ توحید اللہ اکبر کو نصف حصہ دنیا میں پھیلا دیا۔ بڑی بڑی جانکاہ مصیبتیں ان لوگوں کو اس کے لیے اُٹھانی پڑیں۔ لیکن انجام کیسا ہوا؟ اُن کا نصب العین یعنی اشاعتِ اسلام دنیا میں کامیاب ہو گیا۔ اور ان کا نام نامی عزت کے ساتھ ہمیشہ کے لیے دنیا میں زندہ کر دیا

گیا۔اُن کی راہ میں آنے والے اور روڑے اٹکانے والے اگرچہ بعض اپنی چندروزہ زندگی امن سے بسر کر گئے، لیکن آخر بے نام ونشان ہوگئے اور اُن کی آئندہ نسلیں مسلمان ہوگئیں۔ وہ، جو حق کے حامی تھے، کامیاب اور بامراد ہوئے۔اُن کی بعداز وصال اس دنیا میں زندگی ثابت کرتی ہے کہ قیامت میں بھی وہ کامیاب اُٹھیں گے۔

اس جگہ میں جناب کی خدمت میں اتنا عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پیغام الٰہی کو لے کر دنیا میں نکلے تو آپ کا ہرگز ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ وہ کہیں بادشاہ بنائے جائیں یا دولتمند کیے جائیں۔ دنیا میں فلاح اور کامیابی حاصل کرنے کی خواہش ہر ایک انسان کو ہوتی ہے اور یہی خواہش انہیں بھی تھی۔ چونکہ ایسی فلاح اور کامیابی جس پر انسانی دل کا اطمینان منحصر ہو، بادشاہت اور دولت سے نہیں مل سکتی تھی۔ اور مشاہدہ اور تجربہ انسانی گواہ ہے کہ عبادتِ الٰہی ہی ایک وہ طریق ہے، جس سے انسان ایسی نعمت سے بہرہ ور ہوسکتا ہے۔ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (89:29-30) میں یہی راز اللہ تبارک وتعالیٰ نے تعلیم کیا ہے۔ اسی لیے ان کی زندگی کا اولین مقصد اسلام کی اطاعت اور اس کی دنیا میں اشاعت تھا۔ وہ اپنے لیے اور اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے لیے عارضی اکرام وراحت کی بجائے دائمی سکھ کے خواہشمند تھے۔اس لیے اسی میں اپنی اور دنیا و مافیہا کے لوگوں کی کامیابی اور بہتری یقین کرتے تھے۔ چنانچہ اس راہ میں انہوں نے اپنی تجارتوں کو چھوڑا، دولتوں کو خیر باد کہا، عزیز واقربا کو دشمن بنالیا، گھر سے بے گھر ہوگئے، عیسائیوں کی حکومت میں جا کر امن لینا پسند کیا۔ اگر اُن کو سلطنتوں اور دولتوں کی خواہش ہوتی تو وہ کبھی ایسا نہ کرسکتے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے کہا کہ اگر تم بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمہیں بادشاہ عرب ماننے کو تیار ہیں، اگر تم خوبصورت عورتیں چاہتے ہو تو ہم تمہیں حسین ترین لڑکیاں مہیا کرسکتے ہیں۔لیکن تم ہمارے بتوں کے خلاف وعظ کرنا چھوڑ دو، وغیرہ وغیرہ۔لیکن آپ جانتے ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کیا جواب دیا؟ کہ اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دو اور چاند کو بائیں ہاتھ،تو پھر بھی میں اپنے نصب العین اور مقصد اعلیٰ یعنی توحید الٰہی کے وعظ کو نہیں چھوڑ سکتا۔جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضور کا نصب العین بادشاہت حاصل کرنا نہ تھا، بلکہ اشاعتِ توحید اور اشاعتِ اسلام تھا۔جس کے لیے قرآن کریم میں حکم آیا ہے: بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ (67:5) اسلام کو، جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے، پہنچا دو۔ پھر فرمایا: وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَاکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (143:2) ہم نے تم کو اعلیٰ ترین اُمت بنایا ہے کہ تم رسول اللہ کے اسوہ حسنہ سے سبق حاصل کرو اور خود اپنے کلام سے اور اپنے اعلیٰ نمونہ سے اس کا وعظ دنیا میں کرو۔

الغرض مکرمی! جھوٹے ہیں وہ، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر عورتوں کی خواہش اور آرزو کے وارد ہونے کا الزام دیتے ہیں۔ آپ کو سلطنت اور بادشاہت کا حریص بتاتے ہیں۔ آپ کا نصب العین بادشاہ بننا نہیں تھا، بلکہ سچا مسلم بننا اور لوگوں کو سچا مسلمان بنانا۔ کیونکہ اس میں ہی جنت ہے۔

ہاں! چونکہ اسلام اور اشاعتِ اسلام، جو کہ ان کا اور صحابہ کرام کا نصب العین تھا، اس کو تباہ کرنے کے لیے تلوار سے حملہ کیا گیا۔ آپؐ نے اپنی عزیز ترین جان سے پیاری چیز کے لیے تلوار میان سے نکالی اور اپنی جان کو شہید ہونے کے لیے خدا تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا۔ اور سخت جدوجہد اس مجسمِ رحمت الٰہی نے اسلام کی حفاظت کے لیے کی۔ بڑی بڑی سحری دعائیں اس کی کامیابی کے لیے مانگیں اور اس طرح یہ برقی روایسی چلی کہ نصف صدی کے اندر اندر حضور علیہ السلام کی پاک دلی خواہشوں اور ارادوں نے نصف حصہ دنیا میں عملی جامہ پہن لیا۔ یعنی اسلام کا شجر کل ایشیاء، اکثر حصہ افریقہ اور یورپ میں نہایت مضبوطی سے قائم ہو گیا۔ چونکہ اس وقت اسلام کی اشاعت نہ ہو سکتی تھی جب تک کہ بادشاہت نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اشاعتِ اسلام کی راہ سے ہر ایک روڑے کو ہٹانے کے لیے مسلمان سلطنتیں دنیا میں کھڑی کر دیں۔ لیکن افسوس کہ بعد میں مسلمانوں نے اپنے نصب العین کو چھوڑ دیا اور اشاعتِ اسلام کے کام سے بالکل غفلت اختیار کی اور بادشاہتوں اور سلطنتوں کے پیچھے پڑ گئے۔ دولت اور امارت کو اپنی زندگیوں کا مقصد قرار دیا۔ اصل بنیاد کو چھوڑ کر فروع کے پیچھے لگ گئے۔ نتیجہ جو ہونا تھا سو ہوا کہ ۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم　　نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

گویا خدا کو دنیا کی محبت میں بھول ہی گئے تھے۔ دنیا بھی ہاتھ سے جاتی رہی۔ جہاد بذریعہ تلوار، جو خدائے تعالیٰ نے ضرورت کے لیے اور اشاعتِ اسلام کی حفاظت کے لیے فرض کیا تھا، اس کو اپنی سلطنتوں کی حفاظت کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نصرت جو اس جہاد کے لیے تھی، جو اشاعتِ اسلام کے

لیے ہونا تھی، وہ اللہ تعالیٰ نے اُٹھا لی اور ہر طرف مسلمانوں کو شکستوں اور ہزیمتوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور آج مسلمان ہیں کہ دنیا میں ان سے زیادہ ذلیل وخوار کوئی نظر نہیں آتا!

الغرض جو برقی رو اشاعتِ اسلام اور اشاعتِ توحید الٰہی کی نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ سے چلی تھی اور جس میں حفاظت کے لیے مسلمانوں کو تلوار اُٹھانی پڑی، وہ ختم نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ نصف دنیا مسلمان ہوگئی۔ اور دنیا میں مذہبی آزادی کا جھنڈا مضبوطی سے کھڑا ہوگیا۔

آپ غور کر کے دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام سے پہلے دنیا میں مذہبی آزادی ہرگز نہ تھی۔ اور دیگر مذاہب کی اشاعت کو زور اور جبر سے روکا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اسلام، جو رحمت ہی رحمت ہے، جب دنیا میں پھیلانا منظور ہوا، تو اُس نے اس کی حفاظت کے لیے مسلمان سلطنتیں قائم کر دیں۔ جن کے ذریعہ مختلف بلاد میں لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (256:2) کے ارشاد ربانی کے ماتحت مذہبی آزادی قائم کی گئی۔ یہود و نصاریٰ، مجوسی اور آتش پرست، ہندو اور بُت پرست سب مسلمان سلطنتوں کے ماتحت اپنے اپنے رنگ میں پرستش کرنے کے مجاز رہے۔ اور اس طرح دنیا میں مذہبی آزادی کے قائم کرنے کا سہرا اسلام کے سر رہا۔ ہاں! اسلام کے دشمنوں نے اس پر الزام لگائے اور وہ بھی غلط فہمی سے، بالفرض جاہل مسلمانوں کی اپنی غلطی سے کہ اسلام دنیا میں جبر واکراہ سے پھیلایا گیا ہے۔ حالانکہ مسلمان ممالک میں غیر مذاہب کے لوگوں کی کثرت اور ان کی معبدوں کے موجودگی اس امر کا سراسر ابطال کرتی ہے۔ لیکن اس میں اب کوئی کلام نہیں کہ الزام اسلام پر لگایا گیا اور دنیا کے کثیر حصہ نے بغیر تحقیق کے اسے قبول کرلیا۔ اور آج جو مخالفت اسلام کی دنیا میں ہو رہی ہے، اس کا بڑا بھاری سبب یہی غلط الزام ہے۔ لیکن باوجود اس کے اسلام میں مذہبی آزادی کا تعلیم کردہ اصول آج کل دنیا میں مانا جا چکا ہے اور کسی مذہب کو اپنی اشاعت اور حفاظت کے لیے اپنی سلطنت اور حکومت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش اور ارادوں کو، جو اشاعتِ اسلام کے متعلق تھے، پورا کرنے کے لیے اس برقی رو کو، جو پہلے جلالی رنگ میں بوجہ ضرورت زمانہ کے حمایت اسلام کر رہی تھی، بدل دیا۔ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے غلاموں میں سے ایک کو کھڑا کر کے اپنے ارادوں کے اظہار کا نزول گاہ بنایا۔ اور اُسے بتایا کہ چونکہ اسلام پر بذریعہ تلوار پھیلانے کا الزام لگایا گیا ہے اور مسلمانوں نے

اشاعتِ اسلام سے بالکل غفلت اختیار کی ہے اور دنیا کی محبت میں خدا کو بالکل چھوڑ بیٹھے ہیں۔تُو اول اشاعتِ اسلام کی تحریک کو از سرِ نو حرکت دے تا کہ اس پاک انسان کامل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دلی ارادے پورے ہوں۔اور باقی نصف حصہ دنیا کو اسلام کے چشمہ سے سیراب کیا جائے۔ ؎

نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگاہ زندہ وار آرہا ہے اس طرف احرار یورپ کا مزاج

نصف حصہ دنیا تو اس قوت قدسی کے اثر سے مسلمان ہوگئی، جو صحابہ کرامؓ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفخ فرمائی اور جس کے لیے ضرورت زمانہ کے مطابق آپ کی صفتِ جلالیت کا اظہار ہونا ضروری تھا۔لیکن جب اسلام کی اشاعت کے لیے جلال اور شان وشوکت کی ضرورت نہ رہی، تو پھر آپ کی تزکیہ کرنے والی دعاؤں کے اثر کا حضرت مسیح موعود کے اندر نزول ہوا اور آپ حضور علیہ السلام کی صفت جمال کے مظہر ہوئے اور دنیا میں از سرِنو اشاعتِ اسلام کی بنیاد ڈالی اور ایک جماعت تیار کی، جن کا نصب العین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح اشاعتِ اسلام ہے۔اب نصف حصہ دنیا کو، جو اسلام کے نور سے محروم ہے، یہ گروہ جو حضور علیہ السلام کی صفت جمال کا مظہر ہوگا، مسلمان کرے گا۔جس کے آثار چند روز تک انگلینڈ میں کام کرنے سے تم پر ظاہر ہو رہے ہیں۔اب مسلمانوں کو سلطنتوں کی ضرورت نہیں۔تجربہ نے ثابت کر دیا کہ فی زمانہ سلطنتوں نے انہیں غافل کر دیا۔

اب مذہبی آزادی دنیا کا مسلّمہ اصول ہوگئی ہے اور ایک مسلمان ہر ملک اور ہر قریہ میں بغیر کسی رُکاوٹ کے اشاعتِ اسلام کر سکتا ہے۔ہمارا نصب العین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اشاعتِ اسلام ہے، نہ کہ سلطنتیں بنانا۔کیونکہ اسلام ایک رحمت ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی۔اور ہر ایک بہی خواہ نوعِ انسانی کا فرض ہے کہ وہ اس رحمت کو ہر ایک بشر تک پہنچائے۔ہمارا کام اس رحمت کو دنیا میں پہنچانا اور قلوبِ انسانی کی اس سے آب پاشی کرنا ہے۔سلطنتیں اسلام کی ممنون احسان ہیں، اسلام کسی سلطنت کا ممنون احسان نہیں۔اسلام کا نتیجہ سلطنتیں ہوئی ہیں، اسلام کسی سلطنت کا نتیجہ نہیں۔اسلام کی اشاعت اس کے حصولِ حقّہ پر منحصر ہے، کسی سلطنت اور طاقت کی موجودگی پر نہیں۔

پس مکرمی! احمدیوں کا نصب العین وہی ہے جو اسوہ حسنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا جاتا ہے اور جو ہر مسلم کا ہونا چاہیئے۔اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، وہ حفاظت اور اشاعتِ اسلام ہے۔پہلے زمانوں میں چونکہ

دنیا میں مذہبی آزادی نہ تھی۔ضرورت تھی کہ سلطنت کسی ایسے مذہب کی جو مذہبی آزادی کا حامی ہواور جوسوائے اسلام کے دنیا میں اور کوئی نہ تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت اور اشاعتِ اسلام میں آسانی پیدا کرنے کے لیے مسلمانوں کو سلطنتیں عطا کردیں۔اور مسلمانوں نے جہاں کہیں اس کے لیے قدم اُٹھایا وہ کامیاب ہوگئے۔

آج چونکہ مذہبی آزادی کل دنیا کے ممالک میں پائی جاتی ہے، اس لیے اشاعتِ دین کے لیے کسی سلطنت کی ضرورت نہیں۔ضرورت ہے تو صرف یہ کہ مسلمان خود اسلام پر چلیں اور قرآنی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ دکھائیں اور دنیا میں جاکر اسلام کی صداقت اور حقّانیت کو پیش کریں۔ پس آج بجائے سلطنت کے مسلمانوں کو مضبوط ایمان کی ضرورت ہے۔جس کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مسیح موعودکو الہامات اور مبشرات دے کر بھیجا۔اور ایک جماعت قائم ہوگئی، جس کے دل میں تازہ ایمان موجود ہے، تا وہ اشاعتِ اسلام کا فرض کما حقہ ادا کرسکے۔

آپ غور کرکے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج کسی سلطنت کا یہ مقصد نہیں کہ وہ اسلام کو نیست و نابود کرے۔اگر کوئی دشمن ہے، تو وہ مسلمانوں کی اس تہذیب کا ہے، جو کہ خلافِ اسلام دنیا میں پیش کررہے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، ان سرحدی ڈاکوؤں کو ہی دیکھئے کہ وہ مسلمان کہلا کر کیا کچھ کررہے ہیں؟ کیا یہ اسلام کے لیے جائے شرم وعار نہیں ہیں۔ جو نمونہ یہ سرحدی پٹھان پیش کررہے ہے، کسی مہذّب دنیا میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا نہیں جاسکتا۔اور اسلام تو اس کو دور سے ہی نفرین کہتا ہے۔اور اگر کوئی اس تہذیب کا دشمن ہو، جو کہ اسلام نہیں، تو اس کا کیا قصور ہے! مسلمانوں نے ترکی میں، ایشیاء میں جو نمونہ فی زمانہ دکھایا ہے، وہ قابلِ قدر نہیں ہے، وہ اسلام نہیں ہے، بلکہ اسلام کے خلاف خواہشات نفسی کی غلامی کی حرکات کا مجموعہ ہے۔غیر لوگ کیا جانیں قرآن میں کیا نور بھرا پڑا ہے! وہ تو اس نمونہ کو اسلام سمجھتے ہیں، جو یہ برائے نام اسلام کے نام لیوا پیش کرتے ہیں۔ وہ اس تہذیب کے دشمن ہیں اور ہونے چاہئیں۔بس مکرمی! دنیا میں آج اسلام کا کوئی دشمن نہیں۔حقیقتاً اگر ہیں تو خود ہم مسلمان ہیں۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم　　کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

پس ہم میں سے جو سمجھدار ہیں اور اسلام کی حقّانیت کے نور سے منور ہوچکے ہیں، اُن کا فرض ہے کہ وہ

غیر ممالک میں نکل جائیں اور غیر مذاہب والوں کو بتائیں کہ اسلام کیا ہے؟ نہ صرف اپنے قول سے بلکہ اپنے پاک نمونہ سے۔ پھر کوئی نہیں کہ وہ اسلام سے، بجائے دشمنی کے، محبت نہ کرے اور بجائے اسلام کو تباہ کرنے کی کوشش کرنے کے اس کا معاون نہ بن جائے! اس کے ساتھ ہی ہمارا فرض ہے کہ ان مسلمانوں کو بھی بتائیں کہ جس راہ پر تم چل رہے ہو، وہ اسلام نہیں، بلکہ تمہارے اپنے نفس کی اختراع ہے۔ قرآن کو پڑھو اور اس میں غور کرو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کا الہام ہے۔

چو دورِ خسروی آغاز کردند　　　مسلماں را مسلماں باز کردند

الغرض جھوٹا اور بیباک ہے وہ، جو مسلمانوں کو کافر کہتا ہے۔ جب مسیح موعود خود مسلمان کہے۔ مکرمی! جو برقی روح حضور علیہ السلام کی قوت قدسی کی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذریعہ نہایت طاقت اور جبروت کے ساتھ نکلی اور نصف حصہ دنیا پر رحمۃ للعالمین ہو کر پھیلی، وہ اب جمالی رنگ میں حضرت مسیح موعود کے ذریعہ سے دنیا میں نازل ہوئی ہے۔ اور باقی حصہ دنیا کو بھی الٰہی رحمت کے چشمہ سے سیراب کرے گی۔ خوش قسمت ہیں وہ جو کہ اس میں حصہ لیں وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (3:62) میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس میں یہی بتایا گیا ہے کہ ایک اور گروہ جماعت کے رنگ میں ہوگا، جن کا نصب العین اشاعتِ اسلام ہوگا اور باقی نصف دنیا کو مسلمان کرے گا۔

پس آج مسلمانوں کی بہبود اسی میں ہے کہ وہ سب راستوں کو چھوڑ دیں اور پولیٹکل معاملات سے خصوصاً اجتناب اختیار کریں۔ تا اسلام پر جو الزام تلوار کا ہے وہ دور ہو جائے۔ سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے اصل نصب العین کی طرف متوجہ ہوں، جو اسوۂ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے اور جو کہ اشاعت کلمہ توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ چونکہ ہمارے اس کام میں سلطنت برطانیہ کا رسوخ ممد و معاون ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس سلطنت کے ذریعہ جو امن قائم ہوا ہے، اُس میں خلل پیدا نہ کریں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس نے اس سلطنت کو اپنے مشن کے لیے ایک بڑی بھاری نعمت قرار دیا ہے۔

بالآخر عرض ہے کہ مصائب انسان کو اپنے شامتِ اعمال کی وجہ سے ہی آتے ہیں۔ انسان اپنے مقاصد کو چھوڑ کر، اور ادھر اُدھر اور راہوں پر قدم مارنا چاہتا ہے، وعدوں کے ایفا میں سستی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بے

نیاز ہے۔ وہ گرفت کر لیتا ہے، تا اس کی اصلاح ہو جائے اور اس کے لیے مصائب آزمائش کے لیے آتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (124:2) اس سے ترقی درجات مقصود ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں ڈالا گیا۔ پھر کیا کیا انعام ان کو اس کے عوض میں ملے! پس انسان بجائے اس کے کہ کسی دوسرے خدائی دعویٰ کرنے والے یا کسی غیر سے اس کے سبب کو دریافت کرے، اپنا محاسبہ خود آپ کر سکتا ہے۔

28 ستمبر 1919ء

مراسلات

بنام حکیم محمد دین صاحب گوجرانوالہ

مکرم و معظم جناب حکیم صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کی ہمدردی کا نوازش نامہ موصول ہوا۔ یادآوری کا نہایت مشکور ہوں۔ میں الفضل کا خریدار ہوں اور جناب کے ارشاد سے پیشتر ہی اس مضمون کو، جس کی بابت آپ نے حکم دیا ہے، پڑھ چکا تھا۔ دوبارہ اب آپ کے ارشاد کے مطابق پڑھا۔ میں نے آپ کی ہمراہی میں (اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس وقت میں نے، مولوی عبدالکریم صاحب اور سید حامد شاہ صاحب نے، اکٹھی بیعت کی تھی) اُس وقت حضرت مرزا صاحب کو حکم و عدل اور حدیث نبوی ''اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ''، یعنی اے اُمتی لوگو! تم میں سے تمہارا امام ہوگا، کے ماتحت مسیح موعود مانا۔ اور اب تک میرا یہی ایمان ہے کہ حضرت مرزا صاحب حکم وعدلِ مسیح موعود و مہدی معہود ہیں۔ جب میں نے مذکورہ مضمون پڑھا، تو اس میں جابجا مولوی محمد علی صاحب کو سخت سست کہا ہوا پایا۔ اس وجہ سے کہ مولوی صاحب نے کہیں یہ لکھا ہے کہ قرآن شریف سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ مسیحؑ بغیر باپ تھا۔ اس سے میں نے سمجھا کہ یہ مولوی عبدالکریم صاحب کو بھی کوسیں گے۔ کیونکہ مولوی صاحب کا مدت العمر یہی اعتقاد رہا کہ مسیحؑ باباپ تھا۔ مگر چونکہ وہ صرف مولوی محمد علی صاحب کے ہی خون کے پیاسے ہیں، اس لیے اُنہوں نے ادھر کا خیال چھوڑ کر مولوی محمد علی صاحب کو ہی کوسنا چاہا۔ میں آپ کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں (جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے) کہ جب مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کا یہی اعتقاد رہا، تو آپ نے یا ایڈیٹر الفضل نے کبھی اُن کو دہریہ یا قرآن کے خلاف سمجھا تھا؟ کیا یہ سب دُنیا کے بہتان مولوی محمد علی صاحب پر ہی لگانا جائز ہیں؟ اگر کوئی شخص کہے کہ میرزا صاحب قرآن کے ماتحت حکم وعدل ہیں، اگر قرآن کے خلاف وہ کہیں تو ہم ماننے کے لیے تیار نہیں، تو کیا یہ گناہ بھی مولوی محمد علی صاحب کا ہی ہوگا۔ کیا آپ نے یہ کبھی نہیں پڑھا جو حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ ''میرا الہام اگر قرآن کے خلاف ہو تو اس کو کھنگار کی طرح پھینک دو''۔ کیا حضرت صاحب کا لدھیانہ کا مباحثہ، جس میں اُن کو

محمد حسین نے صحیح بخاری پیش کر کے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ آپ اس کو مانتے ہیں یا نہیں؟ تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ جو قرآن شریف کے خلاف ہوگی، میں اس کو نہیں مانوں گا۔ کیا آپ کو یاد نہیں کہ حکم وعدل نے بڑی تحدّی سے لکھا ہے کہ ''صاحب نبوت تامہ ہرگز اُمتی نہیں ہوسکتا۔ اور جو کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے، وہ کامل طور پر دوسرے نبی کا تابع نہیں ہوتا۔ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (64:4) یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے نبی کا مطیع اور تابع ہو۔'' یہ حکم وعدل کی تحریر ہے۔

اب دیکھئے اسی آیت کے متعلق جناب میاں صاحب فرماتے ہیں کہ ''بعض نادان یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ نبی، نبی کا تابعدار نہیں ہوتا اور یہی آیت پیش کرتے ہیں وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (64:4)۔ دیکھئے! اور خدارا انصاف کریں کہ حکم وعدل کی تحریر کو کس طرح رد کیا ہے۔ اور کیسے الفاظ اس شخص کی نسبت استعمال کیے ہیں جو یہ کہے کہ نبی، نبی کا تابعدار نہیں ہوتا۔ یعنی حضرت مرزا صاحب کی نسبت ایسا بُرا لفظ استعمال کر کے اس کی تردید کریں کہ یہ قرآن کے خلاف اعتقاد ہے اور باوجود یاد دہانی کے کوئی پوچھتا تک نہیں کہ یہ آپ نے کیا لکھا ہے۔ اور ادھر عداوت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ کوئی شخص مولوی محمد علی صاحب سے تعلق رکھنے والا اگر جائز طور پر اور حضرت صاحب کے فرمودہ کے ماتحت یہ کہے کہ حضرت مسیح موعود کی بات اگر قرآن کے خلاف ہو، تو ہم ماننے کو تیار نہیں، تو وہ گردن زدنی کے قابل ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ ہے۔ ادھر ایسے حکم وعدل مسیح موعود کی اس قدر ہتک اور کسر شان کی جاتی ہے۔ اور ایسے صاف اور صریح ارشادات مسیح موعود کی صاف اور بین الفاظ میں ہتک اور تردید کی جاتی ہے۔ اور کسی کو باوجود بار بار یاد کرانے کے کوئی پوچھتا تک نہیں۔ کیا انصاف یہی چاہتا ہے؟

اور دیکھئے اسی بات کے متعلق، جس پر مولوی محمد علی صاحب کو بُرا بھلا کہا ہے، اسی مسئلہ کے متعلق مولوی نورالدین صاحب کا اعتقاد سنئے۔ دھرمپال نے سوال کیے ہیں جن کا جواب مولوی صاحب نے اپنی کتاب ''نور الدین'' کے صفحہ 158 میں دیا ہے۔ جو کہ حضرت صاحب کے حکم سے لکھی گئی اور حضرت صاحب نے دیکھی اور پسند فرمائی۔

سوال: عورت مرد کا چہرہ نہ دیکھے تو بچہ جن سکتی ہے؟ جیسے مسیح علیہ السلام کی پیدائش میں دکھایا گیا ہے۔

الجواب: جو اسلام قرآن کریم کے صحیفہ فطرت نے ہم کو سکھایا ہے، اُس میں تو کہیں نہیں لکھا کہ تم ایمان لاؤ کہ مسیحؑ بے باپ تھا۔ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ اسلام میں یہ بھی ہے کہ تم مان لو کہ مسیحؑ بے پدر تھا۔ ہمارے پیارے صحابہ کرامؓ اور ہمارے آئمہ اربعہ، فقہاء اور دیگر آئمہ عظام نے ہمیں کہیں ہدایت نہیں کی کہ اسلامی ضروریات سے ہے یہ مان لینا کہ مسیحؑ بے پدر تھا۔ ہم کو ہمارے صوفیاء نے اپنی تعلیمات میں کہیں تاکید نہیں فرمائی کہ اسلام میں قرب الٰہی کے مدارج و مسالک اصلاح نفس وحصول اخلاق فاضلہ کے لیے لابُد ہے کہ مسیحؑ کو بے باپ پیش کر لیا جاوے۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اسلام کا جزو نہیں۔ خود جناب میاں صاحب نے اسی مسئلہ کے متعلق حضرت مسیح موعود کے عقیدہ کے خلاف حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے متعلق اپنے ایک مرید کو پٹیالہ میں خط لکھا کہ قرآن شریف سے حضرت عیسیٰ کے بے باپ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اور یہ اخبار میں چھپ چکا ہے۔ اور اس کے متعلق ایڈیٹر الفضل یا جناب میاں صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ نوٹ کسی نابالغ لڑکے کے ہیں۔ جیسا کہ قتل کے فتویٰ میں جناب میاں صاحب نے اور اخبار الفضل نے کہہ دیا کہ کسی نابالغ بچہ کے نوٹ ہیں۔ اسی طرح پہلے بھی ایک مطالبہ 30 اپریل 1914ء کے پیغام صلح میں کیا گیا تھا کہ حضرت صاحب باوجود الہام اِنَّا جَعَلْنَاکَ اَلْمَسِیْحَ اِبْنَ مَرْیَمَ کے، یہ کہاں لکھتے ہیں کہ مسیحؑ زندہ آسمان پر ہے۔ یا یہ کہاں لکھا کہ میں نے پہلے لکھا کہ میں نبی نہیں ہوں، لیکن جب خدا کی وحی بارش کی طرح نازل ہوئی تو لکھا کہ ''میں نبی ہوں''۔ اور یہ بھی پوچھنا تھا کہ اِنَّا جَعَلْنَاکَ اَلْمَسِیْحَ اِبْنَ مَرْیَمَ ''براہین احمدیہ'' میں نہیں ہے، تو اس وقت ایڈیٹر الفضل نے اپنے 4 مئی 1914ء کی اشاعت میں عذر گناہ بدتر از گناہ، یہ تراشا کہ دراصل حضرت میاں صاحب نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ آپ پہلے آسمان پر مسیحؑ کا ہونا لکھتے رہے۔ حالانکہ بعض الہام بھی ایسے موجود تھے۔ اس آخری فقرہ کو زیرِ نظر رکھتے ہوئے درس قلمبند کرنے والے نے اِنَّا جَعَلْنَاکَ اَلْمَسِیْحَ اِبْنَ مَرْیَمَ لکھ دیا۔ یہ اُس کی اپنی لغزش تھی۔ مگر پیغام صلح کے اس مطالبہ کا جواب خاک بھی نہ دیا، جو یہ تھا کہ حضرت صاحب نے یہ کہاں لکھا ہے کہ پہلے میں لکھتا رہا میں نبی نہیں ہوں، میں نبی نہیں ہوں، لیکن جب خدا کی وحی بارش کی طرح ہوئی تو میں نے لکھا کہ میں نبی

ہوں۔اور یقیناً نبی ہوں!

دیکھئے مکرم حکیم صاحب! درس حدیث کا لکھنے والا نابالغ لڑکا نکلا اور درس قرآن کے لکھنے والے کی اپنی لغزش۔ میرے مکرم مولوی نورالدین صاحب کی تحریر اور مولوی عبدالکریم صاحب کا مدت العمر کا اعتقاد کہ مسیحؑ کا باپ تھا اور مولوی محمد علی صاحب کا خط جو اُنہوں نے کسی کے جواب میں لکھا ہوگا، اور جناب میاں صاحب کا خط، جو اُنہوں نے اپنے مرید کو پٹیالہ میں لکھا، اور حکم وعدل کا وہ فتویٰ کہ نبی نبی کا تابع نہیں ہوتا، جس کو جناب میاں صاحب نے قرآن کے خلاف سمجھ کر توڑ دیا ہے، کس کو دہریہ اور کس کو گردن زدنی کا حکم دیں گے۔ ان چاروں بزرگوں کی نسبت جو فتویٰ آپ دیویں، مجھے تحریر کریں۔ تاکہ اُس پر غور کیا جاوے۔

باقی رہا یہ کہ آپ نے مجھ کو میرے محسن اور مربی مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی یاد دلائی ہے، جس کا میں مشکور رہوں۔ میں مولوی عبدالکریم صاحب کو نہایت متقی اور پرہیزگار سمجھتا ہوں اور انشاء اللہ سمجھتا رہوں گا۔ مرحوم مولوی صاحب میرے سچے دوست تھے۔ آپ کو ایک دوست کا، جو کہ جناب میاں صاحب کے مرید ہیں، ذکر سناتا ہوں۔ میں قادیان کے جلسہ سے واپس آیا، تو میرے دوست نے مجھ سے سوال کیا کہ حافظ صاحب نے ختم نبوت پر کیا بحث کی ہے؟ میں نے کہا بیشک بڑی دلیری سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو توڑا ہے! اور قرآن وحدیث اور حضرت صاحب کی تحریروں کے خلاف بڑے زور اور دلیری سے ناجائز کوشش کی ہے۔ اُنہوں نے بڑے رنج اور جوش میں آکر کہا کہ تمام جماعت کے رکنوں کا یہی اعتقاد تھا۔ چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب کا نام لیا۔ اور میں نے حضرت میرزا صاحب کی کتاب ''ایام الصلح'' نکالی اور یہ پڑھ کر سنایا۔ جو اُنہوں نے لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے معنے کیے ہیں کہ قرآن شریف اور حدیث اس تفرقہ اور تمیز سے خاموش ہے۔ اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ نفی جنس نبوت اور نفی عام کرتی ہے اور نئے اور پُرانے تمام قسم کے نبیوں کے جمیع افراد شامل ہیں، تو اُنہوں نے جھٹ کہہ دیا کہ یہ تو میرزا صاحب کی کتاب ہے۔ تو میں نے کہا۔ کتاب تو میرزا صاحب کی ہے۔ ترجمہ مولوی عبدالکریم صاحب نے کیا ہوا ہے۔ تو پھر جھٹ جھنجلا کر کہا کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی یہ عادت تھی کہ وہ بہت مبالغہ کیا کرتے تھے اور بات کا بتنگڑ بنایا کرتے تھے۔ میں نے کہا سبحان اللہ ابھی آپ اُن کی تعریف کر رہے تھے، ابھی تھوڑا سا اختلاف اپنے اعتقاد سے نظر آیا ہے، تو جھٹ اُن کے برخلاف ہوگئے۔

حکیم صاحب! میرا یہ اصول نہیں ہے، میں کسی نیک آدمی کو ذرا سے اختلاف پر بُرا بھلا نہیں کہہ سکتا، میں اُن کو ابتدا متقی و پرہیز گار سمجھتا ہوں۔ باوجودیکہ آپ کا اور میرا بڑا بھاری اختلاف ہے، میں میرزا صاحب کو مسیح موعود، مہدی معہود، مجدد اور محدث مانتا ہوں، کامل نبی میں نہیں مانتا، حقیقی نبی میں نہیں مانتا، مستقل نبی میں نہیں مانتا اور اصلی نبی میں نہیں مانتا۔ اس واسطے کہ میرزا صاحب نے یہ لفظ ہر ایک کتاب میں کثرت سے لکھے ہیں۔ حقیقت کے مقابلے میں اپنے آپ کو مجازی کہا ہے۔ اصلی نبوت کے مقابلے میں ظلّی کہا ہے۔ اور کامل نبی کے مقابلے میں ناقص کہا ہے۔ اور مستقل نبی کے مقابلہ میں غیر مستقل کہا ہے۔ نبوت مجازی، نبوت ظلّی، نبوت ناقصہ، نبوت غیر مستقل، نبوت جزوی، یہ سارے نام محدث کے لکھے ہیں۔ اس لیے میں میرزا صاحب کو محدث اور مجدد ہی مانتا ہوں۔ کیونکہ حضرت میرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت اور جلال کی قسم ہے، ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔

پیارے حکیم صاحب! میں اس تحریر سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ افتراء کرنے والا میں ہی نہ ہو جاؤں اور حضرت میرزا صاحب کی قسم جھوٹی نہ ٹھہرے۔ اس لیے میں حضرت میرزا صاحب کو حقیقی نبی نہیں مانتا۔ ایک آدھ حکم وعدل کی اور تحریر پیش کرتا ہوں۔ انوار الاسلام صفحہ 34 میں مسلمانوں کو کافر کہنے والوں کی نسبت فرماتے ہیں کہ:

> ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ لڑنے سے بھی نہیں ڈرتے۔ عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے جو السلام علیکم کہے، اس کو کافر مت سمجھو۔''

آپ مہربانی کر کے الفضل سے دریافت کریں کہ اس کو حکم وعدل کی تحریر سمجھتے ہیں کہ نہیں؟ یا اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں۔ ایک اور فتویٰ حکم وعدل کا پیش کرتا ہوں۔ کیا حکم وعدل نے یہ نہیں فرمایا کہ ''غیر احمدیوں کا جنازہ اپنا امام کھڑا کر کے پڑھ لیا کریں'' آپ نے فتاویٰ احمدیہ اور ڈائریوں میں پڑھا ہے یا نہیں؟ جو اخباروں میں بھی چھپ چکے ہیں۔ آپ نے ضرور پڑھ لیے ہوں گے۔ اب اس پر جناب میاں صاحب اپنی ''انوارِ خلافت'' صفحہ 91 میں بڑی موٹی قلم سے لکھتے ہیں۔ غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا شروع اس طرح کرتے ہیں:

> ''پھر ایک سوال غیر احمدی کے جنازہ پڑھنے کے متعلق کیا جاتا ہے۔ اس میں ایک یہ مشکل

پیش کی جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعود نے بعض صورتوں میں جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ بعض حوالے ایسے ہیں، جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ اور ایک خط بھی ملا ہے، جس پر غور کی جاوے گی۔''

لیکن حضرت مسیح موعود کا عمل اس کے برخلاف ہے۔ استغفر اللہ! استغفر اللہ!

میرے مکرم حکیم صاحب! دیکھئے! میرزا صاحب کی تحریر میاں صاحب کو مل گئی ہے۔ اور بعض حوالے بھی مل گئے ہیں، جن سے جنازہ پڑھنا جائز قرار دیا ہے۔ اور ایک خط بھی ملا ہے، جو سید حامد شاہ صاحب نے اُن کو دیا۔ یہ وہ خط ہے جو سید حامد شاہ صاحب کو حضرت صاحب نے اپنے قلم سے لکھا۔ اور جس پر تمام سیالکوٹ کی جماعت سید حامد شاہ صاحب کے فوت ہونے تک عمل کرتی رہی۔ اور سید حامد شاہ صاحب نے خود اپنی موت کے آٹھ روز پہلے ایک غیر احمدی کا جنازہ اسی خط کے ماتحت پڑھا، جو موافق اور مخالف گواہوں کے ساتھ پیغام صلح میں شائع ہو چکا ہے۔ اور میاں صاحب حضرت صاحب کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ کا عمل اس کے برخلاف تھا۔ سبحان اللہ! کیا حکم وعدل ہے کہ تحریر میں تو فتویٰ دیتے ہیں کہ جنازہ پڑھ لیا کرو، مگر اپنا عمل اس کے برخلاف کرتے تھے! مکرم حکیم صاحب! اب آپ فرمائیں کہ جو شخص میرزا صاحب کو حکم وعدل مانتا ہو، وہ اُن کی تحریر پر عمل کرے یا ان کی تحریر کے خلاف عمل کرے۔ جناب میاں صاحب نے حضرت صاحب کی تحریریں دیکھ کر اور سید حامد شاہ صاحب والا خط بھی پڑھ کر فتویٰ اس کے خلاف دے دیا اور کہہ دیا کہ اس پر غور کی جائے گی۔ اور فتویٰ غور کرنے سے پہلے دے دیا۔

مکرم! مضمون بہت طوالت پکڑ گیا ہے۔ اس لیے ایک تحریر حکم وعدل کی اور پیش کر کے ختم کرتا ہوں۔

تحریر حضرت صاحب	تحریر میاں صاحب
(کتاب البریہ صفحہ 184)	(انوار خلافت صفحہ 65)
''آنحضرتؐ نے بار بار فرما دیا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ	''لیکن اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جاوے۔ اور مجھے کہا جاوے کہ تم یہ

ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اُس کی صحت میں کلام نہ تھا۔ اور قرآن شریف کا لفظ لفظ قطعی ہے۔ اپنی آیت کریمہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ سے بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ فی الحقیقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ کوئی بھی نبوت کے حقیقی معنوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریف لاوے۔ اس سے تو تمام تار و پود اسلام کا درہم برہم ہو جاتا ہے۔''

کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، تو میں کہوں گا تو جھوٹا ہے، کذّاب ہے۔ آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آسکتے ہیں۔

دیکھئے حکیم صاحب! حکم و عدل کی تحریر کو کس طرح توڑا جاتا ہے! اور کہا جاتا ہے کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، تو میں اُس کو کہوں گا کہ تو جھوٹا ہے، کذّاب ہے۔ یہ جھوٹا اور کذّاب کس کو کہا گیا ہے! کیونکہ حکم و عدل تو فرماتے ہیں کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مجھ کو یہ بھی جواب دیں کہ میاں صاحب کس کو جھوٹا اور کذّاب کہتے ہیں۔ اگر میں نے کوئی غلطی کی ہو تو آپ معاف فرماویں اور اس کی اصلاح فرماویں۔ اور اس کے جواب سے سرفراز فرماویں۔ مکرم حکیم صاحب! میں ڈر کے مارے زیادہ نہیں لکھتا کہ کہیں آپ بھی میرے بعض دوستوں کی طرح مجھ پر ناراض نہ ہو جاویں، نہیں تو میں اور بھی لکھتا۔ چونکہ میں آپ کو اپنا پرانا دوست اور مرّبی، محسن وسیع القلب انسان سمجھتا ہوں، اس واسطے میں نے جرأت کر کے آپ کو آپ کے نوازش نامہ کا جواب تحریر کر دیا ہے۔ اگر کوئی اور صاحب مجھے لکھتے، تو میں ڈر کر اُن کو جواب بھی نہ دیتا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں: ''ہم اپنی اجتہادی باتوں کو خطا سے معصوم نہیں سمجھتے'' (تریاق القلوب صفحہ 14) پھر فرماتے ہیں: ''کہ کسی ایسی تاویل کی پروا نہ کریں اور اس کو

اجتہادی غلطی سمجھ لیں۔'' (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 73)

آپ کا پرانا دوست

خاکسار مولا بخش

از سیالکوٹ

12 اکتوبر 1919ء

مراسلات۔قسط اول

قادیان کے دو خط اور اُن کا جواب

تَحۡسَبُهُمۡ جَمِیۡعًا وَّ قُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰی. (14:59)

تُو اُن کو اکٹھا تصور کرتا ہے، حالانکہ دل اُن کے جدا جدا ہیں۔

کیا مبائعین میاں صاحب خود میاں صاحب کے کلام کو بھی نہیں سمجھتے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مورخہ 13 ہاڑ 76 کو اس جگہ پونچھ میں ماسٹر نعمت اللہ صاحب گوہر، جو اسی ششماہی میں قادیان سے یہاں اسلامیہ سکول پونچھ میں سیکنڈ ماسٹری پر آئے ہیں اور خاکسار کے درمیان کچھ عرصہ تک سلسلہ کے اختلافی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی، لیکن آخر کار میں نے اُن کی مُتلَوّن مزاجی کا سلسلہ قطع کرتے ہوئے اُن سے کہا کہ ہم تو حضرت صاحب کو قرآن وحدیث کی رو سے اور خود اُن کی اپنی بیشمار تحریرات کی رُو سے ظلی نبی سے بڑھ کر کچھ تسلیم نہیں کر سکتے، جس سے میری یہ مراد تھی کہ بوجہ اُمتی ہونے کے، جیسا کہ اُنہوں نے خود لکھا ہے کہ اُمتی اور نبی کا مفہوم بالکل متبائن ہے، وہ درحقیقت اصطلاح اسلام کی رُو سے نبی نہیں ہیں، مگر فی زمانہ بوجہ سب سے بڑھ کر متبع شریعت محمدیہ ہونے کے مثل دیگر اپنے ہم جنس مجددین وکاملین اُمت نبوت کے رنگ میں رنگین یعنی مشابہ انبیاء تھے۔ گو مدارج تقرب الی اللہ میں وہ پچھلے سب مجدّدین سے اعلیٰ وافضل ہی کیوں نہ ہوں، اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ پھر بھی وہ ہیں اُنہی کی ہم جنس اور قسم کے۔ اُن سے باہر نکل کر وہ انبیاء کی لائن میں شمار نہیں ہو سکتے۔ اس پر اُنہوں نے کہا کہ ہم بھی تو حضرت صاحب کو اسی قدر مانتے ہیں نہ کہ حقیقی نبی۔ اور صاحبزادہ صاحب بھی اس سے زیادہ اُن کو کچھ نہیں منواتے۔ لہٰذا آپ صاحبزادہ صاحب کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے؟ تو میں نے کہا کہ نہیں وہ ظلی نبی کے وہ معنی نہیں کرتے، جو ہم کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اُن کو ظلی نبی مان کر بھی انبیاء سابقہ کی جنس کا ہی ایک نبی تصور کرتے ہیں، اور یہ بدیہی بطلان ہے۔ کیونکہ اگر حضرت صاحب واقعی انبیائے سابقہ کی جنس کے ہی نبی تسلیم کیے جائیں، تو کوئی وجہ

نہیں کہ اُن کے آنے سے انبیاء کے نمبر شمار میں اضافہ نہ ہو۔ حالانکہ یہ نص صریح یعنی آیت خاتم النبیین اور حدیث لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وغیرہ کے بالکل برخلاف ہے۔ تو ماسٹر صاحب نے جھٹ کہہ دیا کہ اس طرح نمبر شمار کا بڑھنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم بھی نہیں مانتے اور نہ صاحبزادہ صاحب ہی ایسا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر یہی سچ ہے تو صاحبزادہ صاحب نے اپنے رسائل میں اس کے سراسر برعکس حضرت صاحب کو اصطلاح اسلام کی رو سے درحقیقت نبی ثابت کرنے میں کیوں بیشمار زور لگایا۔ تو کہنے لگے، نہیں نہیں، یہ محض آپ لوگوں کی غلط فہمی ہے، ورنہ درحقیقت اُن کا مدعا بھی اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہ حضرت صاحب محض ایک ظلی نبی ہیں اور وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اُن کی آمد سے انبیاء کے نمبر شمار میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ جو کہ بالکل آپ کے اعتقاد کے مطابق ہے۔ لہٰذا آپ کو اُن کی بیعت میں شامل ہو کر تفرقہ کو دور کر دینا چاہئے۔ میں نے کہا جدید بیعت کی تو اب کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر اُن کے اعتقادات بھی ویسے ہی ہیں، جیسے ہم لوگ حضرت صاحب کو تسلیم کرتے ہیں، تو اُن کو خلیفۃ المسیح یا امیر جماعت احمدیہ تسلیم کر لینے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں، بشرطیکہ اس خلافت کو آیت استخلاف کے ماتحت نہ منوایا جائے۔ اس پر ماسٹر صاحب نے کہا کہ اچھا تو اب آپ اپنے اقرار کو مجھے لکھ کر دے دیں۔ میں نے فوراً حسب ذیل تحریر اُن کو لکھ دی کہ:

> ’’اگر صاحبزادہ صاحب حضرت مسیح موعود کو انبیاء سابقہ کی قسم یا جنس کا نبی تسلیم نہیں کرواتے، بلکہ اُن کو دیگر مجددین کی لائن میں ہی شمار فرماتے ہیں، تو مجھے صاحبزادہ صاحب کو امیر جماعت احمدیہ یا خلیفۃ المسیح تسلیم کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور میں نہ صرف آج سے بلکہ ابتدا سے حضرت صاحب کو کامل ظلی نبی تسلیم کرتا ہوں اور اب بھی میرا یہی عقیدہ ہے۔ لیکن اُن کو انبیاء سابقہ کی جنس کا نبی کسی طرح بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ ہاں بلحاظ اپنے کارناموں کے سب انبیاء کا مثیل تسلیم کرتا ہوں۔‘‘ خاکسار عبدالکریم تاجر

جب میں یہ تحریر لکھ کر اُن کو دے چکا، تو اُنہوں نے مکرمی اخویم میاں عبداللہ صاحب احمدی سے بھی، جو کہ ہمارے ہی ہم خیال ہیں، اس پر دستخط بطور تصدیق کروا لیے۔ چنانچہ اُنہوں نے ساتھ ہی یہ بھی تصدیق کر دی کہ مجھے بھی اس تحریر سے اتفاق ہے اور میرا ابھی یہی اعتقاد ہے۔ اس پر جناب ماسٹر صاحب بہت خوش ہو کر کہنے

لگے کہ اب تو کوئی جھگڑا ہی نہ رہا۔ اب میں اس تحریر کو میاں صاحب کی خدمت میں بھیج کر فوراً، جس طرح آپ چاہتے ہیں، جواب منگوائے دیتا ہوں۔ مگر ایسا نہ ہو کہ آپ پھسل جائیں۔ میں نے کہا مومن کا یہ کام نہیں۔ ہماری نیتوں کو وہ اَحکم الحاکمین خوب جانتا ہے۔ انشاء اللہ اگر واقعی، جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے، صاحبزادہ صاحب کا ہماری اس تحریر سے اتفاق ثابت ہوا، تو ہم بالضرور اپنے اقرار کے مطابق اُن کو امیر جماعت احمدیہ اور خلیفۃ المسیح تسلیم کرلیں گے۔ مگر مجھ کو اور بھائی صاحب میاں عبداللہ کو اُن کی اس فہمید پر کمال حیرت اور تعجب ہو رہا تھا کہ یہ خواب دیکھ رہے ہیں یا کیا معاملہ ہے کہ یہ ہماری ایسی واضح تحریر کو بھی، جو کہ سراسر میاں صاحب کے معتقدات کے خلاف ہے، اُن کے موافق تصور کر کے شرطیں باندھ رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے اُسی وقت اُن سے کہہ دیا تھا کہ یہ آپ کا خیال ہی غلط ہے کہ صاحبزادہ صاحب کو ہماری اس تحریر سے اتفاق ہوگا یا اُن کا بھی وہی اعتقاد ہے جو ہم لوگوں کا ہے۔ بلکہ غالب اُمید ہے کہ میاں صاحب اس کا جواب ہی نہ دیں۔ مگر وہ کب ماننے والے تھے! جس سے صاف ثابت ہوگیا کہ خود بدولت اور ایسے ہی دیگر اکثر مبائعین بھی حضرت صاحب کی تحریرات کو تو کجا اپنے میاں صاحب کی تحریرات کا مطلب بھی ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں سکتے یا ہماری تحریرات کو نہیں سمجھتے۔ ورنہ وہ ہرگز ایسا خیال نہ کرتے کہ فریقین کے اعتقادات میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔

چنانچہ اُنہوں نے اسے اپنے ہی خیال پر مصر ہو کر بڑے فخر کے ساتھ ہماری مذکورہ بالا تحریر کو جناب میاں صاحب کی خدمت میں جواب کی غرض سے بھیج دیا۔ لیکن پندرہ بیس روز تک، جب تک وہ یہیں رہے۔ قادیان سے اُن کا کوئی جواب نہ آیا۔ آخر موسمی تعطیلات کے موقع پر جب ماسٹر صاحب خود قادیان تشریف لے گئے تو ہماری اس تحریر اور اُس کے جواب کے متلاشی ہوئے، تو ہماری تحریر کو ہی گم شدہ پایا۔ مگر قارئین حیران ہوں گے کہ بڑی تلاش کے بعد بھی جو جواب اُنہوں نے جناب میاں صاحب سے لے کے مجھے روانہ کیا ہے، باوجودیکہ وہ ایک ایسا گول مول اور ہماری تحریر اور عقیدہ کے برخلاف ہے کہ ایک بچہ بھی اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے۔ پھر بھی ماسٹر صاحب اُس پر اپنا حاشیہ چڑھا کر اُس کا مطلب ہم کو کچھ اور ہی سنا رہے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ اُس پر الحمد کے شکرانے بجالا کر اپنے دعویٰ میں کامیابی جتلا رہے ہیں، اور باوجود ہماری تحریر اور جناب میاں صاحب کے جواب میں اظہر من الشّمس اختلاف ہونے کے مطابقت دکھلا رہے ہیں۔ اگر یہی حال جناب

میاں صاحب کے باقی مریدین کے فہم رسا کا بھی ہے تو سخن فہمی عالم بالا معلوم شد!

اب میں ان ہر دو خطوط کو، جو جناب میاں صاحب اور ماسٹر نعمت اللہ صاحب کی طرف سے مجھے موصول ہوئے ہیں قارئین کرام کے تفنّن طبع اور انصاف کے لیے معہ جواب درج ذیل کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ قارئین کرام بہت محظوظ ہوں گے۔ اول میاں صاحب فرماتے ہیں کہ:

> ''السلام علیکم! ہم بھی حضرت صاحب کو ظلی نبی ہی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ پہلے مجددین میں سے کسی کو ظلّی نبوت ملی ہے۔ ہاں حضرت صاحب اور پہلے نبیوں میں فرق ہے۔ حضرت صاحب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے نبوت ملی ہے اور پہلے انبیاء کو بلا واسطہ۔ باقی ہمارا مذہب کتابوں میں شائع ہے۔ آپ اُن کو پڑھیں۔ ہم کسی امر کو پوشیدہ رکھنا پسند نہیں کرتے۔ والسلام۔''
>
> خاکسار مرزا محمود احمد

☆☆☆

اب کیا کوئی عقلمند یہ کہہ سکتا ہے کہ ہماری اُس مذکورہ بالا تحریر سے جناب میاں صاحب کے اس جواب کو کوئی بھی نسبت مطابقت ہے! مگر ہمارے بھولے بھالے ماسٹر صاحب پھر بھی بڑے فخر سے تحریر فرماتے ہیں کہ میرے دعویٰ کی تصدیق ہوگئی۔ کیا خوب ؎

چہ خوش گفت است درز لیخا! اَلَا یَآاَیُّھَا السَّاقِیُ اَدُرِ کَاسًا وَناوِلُھَا

مگر جناب میاں صاحب کے جواب کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں نہ صرف اپنی طرف سے، بلکہ خود حضرت مسیح موعود کی اصل تحریرات کو، جو میاں صاحب کے دعویٰ کے ابطال کے لیے کافی سے بڑھ کر ایک حربہ ہیں، مقابلۃً پیش کر دوں۔ تاکہ اُن کو بھی اگر خدا تعالیٰ چاہے نقش بر دیوار ہونے سے بڑھ کر دینی مسائل کے سمجھنے کی توفیق ملے۔ صرف انصاف شرط ہے۔

تفصیل دعاوی از جانب میاں صاحب معہ اصل الفاظ:

(الف) ''مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ پہلے مجددین میں سے کسی کو ظلی نبوت ملی ہے۔''

(ب) ''حضرت صاحب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے نبوت ملی ہے اور پہلے انبیاء کو بلا واسطہ'' یعنی نفس نبوت میں کوئی فرق نہیں۔صرف حصول نبوت میں فرق ہے۔

جواب از جانب حضرت مسیح موعود (آپ کے اصل الفاظ میں)

(الف) 1۔''ظلی نبوت، جس کے معنے ہیں محض فیض محمدی سے وحی پانا، وہ قیامت تک باقی رہے گی۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ 28)

2۔''اس کثرت مکالمہ مخاطبہ سے جو نبوت کا مرتبہ اُمت محمدیہ کو حاصل ہوتا ہے اس سے صاحب الہام کی شرف و بزرگی کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال عزت وعظمت ثابت ہوتی ہے۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ 197)

معلوم ہوا کہ یہ ظلی نبوت ہمیشہ اُمت محمدیہ میں افراد اُمت کو ملتی رہتی ہے اور اس کے دروازے قیامت تک کھلے رہیں گے۔مسیح موعود کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں۔کیونکہ ظلی نبوت سے مراد محض فیض محمدی سے وحی پانا ہے نہ کچھ اور۔

3۔''تمام نبیوں کی وحی منقطع ہوگئی......مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی منقطع نہیں ہوئی۔اور نہ معجزات منقطع ہوئے ہیں، بلکہ ہمیشہ بذریعہ کاملین امت جو شرف اتباع سے مشرف ہیں ظہور میں آتے ہیں۔اسی وجہ سے مذہب اسلام ایک زندہ مذہب ہے...... چنانچہ اس زمانہ میں بھی اس شہادت کے پیش کرنے کے لیے یہی بندہ حضرت عزت موجود ہے۔'' (چشمہ مسیحی صفحہ 11)

اب بتایئے میاں صاحب! ظلّی نبوت اوروں کو بھی ملی اور حضرت صاحب سے پہلے زمانوں میں ملتی رہی یا نہیں۔اور حضرت صاحب بھی انہی میں سے ایک فرد اس زمانہ میں ہوئے ہیں یا نہیں۔دیکھ لیجئے بلا تخصیص اپنی انہوں نے یکساں طور پر سب کاملین امت کی وحی اور معجزات کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور

وحی شمار کیا ہے۔

4۔ ’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے ہزار ہا انسانوں کو نبوت کا درجہ ملا۔‘‘
(ڈائری حضرت صاحب مندرجہ پیغام صلح نمبر 10,9 بابت 13/17 اگست 1919ء)

(ب) حضرت صاحب نے خود کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میری نبوت میں نفس نبوت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، صرف ذریعہ حصول کا فرق ہے۔ جیسا کہ میاں صاحب کا دعویٰ ہے۔ لہٰذا میاں صاحب کا یہ دعویٰ محض باطل ہے، بلکہ برعکس اس کے حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ:

’’بہت لوگ میرے دعویٰ میں نبی کا نام پا کر دھوکا کھاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں (جیسا کہ میاں صاحب کا خیال ہے۔ راقم) کہ گویا میں نے اُس نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو پہلے زمانوں میں براہِ راست نبیوں کو ملی ہے۔ وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔‘‘

(حقیقۃ الوحی صفحہ 150)

جس سے صاف ثابت ہے کہ حضرت صاحب کی وہ نوع نبوت ہی نہیں، جو انبیاء سابقہ کو ملی۔ چنانچہ ایک اور مقام پر فرمایا:

’’اُس کا نام نبی رکھنا (یعنی مسیح موعود کا) اُن معنوں سے نہیں ہے، جو ایک مستقل نبی کے لیے مستعمل ہوتے ہیں۔‘‘ (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 182)

اب خواہ مخواہ حضرت صاحب کی نبوت کے وہ معنے کرنا، جو خود اُن کو مسلّم نہیں (بلکہ بڑے زور سے ان معنوں کی تردید فرماتے ہیں) یہ حضرت صاحب پر سراسر بہتان اور افتراء نہیں تو اور کیا ہے! اور یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ جس نبوت کے ملنے کے حضرت صاحب کاملین اُمت محمدیہ میں عام طور پر قائل تھے، حضرت صاحب نے اپنی نوعِ نبوت کو اُن کی نوعِ نبوت سے الگ کسی اور قسم کی یا انبیاء سابقہ کی قسم کی نبوت تسلیم کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ بس نبوت کاملہ تامہ بھی یہی کچھ ہے، تو میں نہ صرف اپنے عقیدہ سے توبہ کر لوں گا، ایسا ثابت کرنے والے کو مبلغ پانچ سو روپے انعام بھی دوں گا۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ (24:2)۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت صاحب نے یہ لکھا ہو کہ اپنی پیشگوئیوں اور مکالمہ مخاطبہ کی وجہ سے انبیائے سابقہ بھی نبی کہلاتے ہیں۔ کیونکہ آخر یہ چیزیں بھی تو اجزاء نبوت ہی ہیں، نہ عین تامہ نبوت۔ (جاری)

خاکسار

مرزا عبدالکریم

تاجر، پونچھ۔ کشمیر

❖❖❖

15اکتوبر1919ء

مراسلات قسط دوم

قادیان کے دوخط

باقی رہا صاحب زادہ صاحب کا یہ فرمان کہ میں اُن کی تحریرات کا مطالعہ کروں اور وہ کسی امر کو پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتے ،سوعرض ہے کہ خاکسار نے تو آنمکرم کی اکثر معرکۃ الآراتحریرات اول سے آخر تک معہ آپ کے وکلاء کی تحریرات کے خوب اچھی طرح دیکھی بھالی ہوئی ہیں۔مگر کیا کریں، یہ آپ کے ماسٹر صاحب ہی نہیں مانتے اور کچھ اور ہی سمجھ کر ہم کو آپ کا ہم عقیدہ تصور کر بیٹھے ہیں۔ باقی کسی امر کے پوشیدہ رکھنے کی طرح تو خدا کے فضل سے ہم میں سے ابتدا سے ہی کسی نے نہیں ڈالی، نہ کبھی ایسی کوئی درخواست جناب سے ہوئی۔اس قسم کی منافقت سے تو ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں۔دین کی بنا ظاہر پر ہے۔ یہاں پوشیدہ رازداری کیا مطلب۔مگر آنجناب ذرا اپنی چارپائی کے نیچے بھی پہلے لاٹھی گھما کر دیکھ لیتے تو غالباً ایسا ارشاد نہ فرماتے !اب میں جناب ماسٹر نعمت اللہ صاحب گوہر کی گوہر افشانی درج ذیل کرتا ہوں۔آپ فرماتے ہیں:

> ’’برادرم مکرم میرزا صاحب !السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔آخر بڑی تلاش سے آپ کے خط کا جواب، جو ردّی کاغذات میں گم ہوگیا تھا،کل ملا۔اور حضرت خلیفۃ المسیح کی نظر ثانی اور دستخط کے بعد مولوی رحیم بخش صاحب ایم اے نے مجھے دیا تا آپ کی خدمت میں ارسال کردوں...... آپ نے مختصر الفاظ میں ہی جواب دینا کافی سمجھا۔کیونکہ آپ کی طبیعت ناساز ہے ۔
>
> بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش   من اندازِ قدرت را مے شناسم
>
> اور زیادہ نہیں لکھ سکتے۔‘‘

ٹھیک !آمَنَّا وَ صَدَقْنَا۔مگر یہ فرمایئے کہ حضرت مولوی محمد علی صاحب کے ٹریکٹ کے جواب میں قریباً

چوبیس صفحہ کا جواب، جو حال ہی میں جناب میاں صاحب کی طرف سے ریویو 7 جلد 18 میں شائع ہوا ہے، وہ کیسے لکھا گیا!

''بہر حال یہ جواب بھجوا کر میں خوش تھا کہ میرے دعویٰ کی تصدیق ہوگئی'' (کیا خوب تصدیق ہوئی۔ قارئین! ذرا پڑھتے جائیں۔ راقم) میں نے آپ سے ہمیشہ یہی کہا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح (یعنی میاں صاحب۔ راقم) حضرت صاحب کو مستقل نبی نہیں مانتے۔ (تو پھر یہ کیوں کہتے ہیں کہ نفس نبوت کے لحاظ سے حضرت صاحب میں اور دیگر انبیاء سابقہ میں کوئی فرق نہیں۔ دیکھو۔ القول الفصل وحقیقۃ النبوت۔ راقم) بلکہ آپ کی طرح ظلی نبی ہی مانتے ہیں۔ سو **الحمد لِلّٰہ** کہ حضرت میاں صاحب نے بھی یہی تحریر فرما دیا ہے۔''

مہربان! میری طرح ظلی نبی کس طرح ہوا۔ جبکہ تحریر فرماتے ہیں:

''ہم یہ نہیں مانتے کہ پہلے مجددین میں سے کسی کو ظلی نبوت ملی ہے۔''

حالانکہ حضرت صاحب اس کے سراسر برخلاف ہزاروں دفعہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ظلی نبوت سے مراد صرف مکالمہ مخاطبہ جو مجددین مخصوصین تو کیا عام طور پر دیگر کاملین اُمت محمدیہ کو بھی ہمیشہ نصیب ہوتا رہا ہے۔ اور ہزاروں ہی ہیں جن کو ہمیشہ اس اُمت میں یہ نعمت ملتی رہی ہے اور وہ درجہ نبوت کو پاتے رہے ہیں۔''

چنانچہ فرمایا:

''اگر غور سے دیکھا جاوے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بعد کسی دوسرے کے نبی نہ کہلانے سے شوکت ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کے بعد اور لوگوں کے بھی نبی کہلانے سے اُن کی کسر شان ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ بھی ایک نبی تھے اور اُن کے بعد ہزاروں اور بھی نبی آئے۔ تو اُن کی نبوت کی خصوصیت اور عظمت ثابت نہیں ہوتی۔ برعکس اس کے

آنحضرت کی ایک عظمت اور آپ کی نبوت کے لفظ کا پاس اورادب کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کو اس نام سے کسی طرح بھی شریک نہ کیا گیا۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں بھی ہزاروں بزرگ نبوت کے نور سے منور تھے۔ اور ہزاروں کو انوار نبوت کا حصہ عطا ہوتا رہا ہے اور اب بھی عطا ہوتا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام چونکہ خاتم الانبیاء رکھا گیا تھا، اس لیے خدا نے نہ چاہا کہ کسی دوسرے کو بھی یہ نام دے کر آپ کی کسر شان کی جاوے۔''

کیوں جناب میاں صاحب اور ماسٹر صاحب! آپ لوگ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر بڑھوتی شان وعظمت کہا کرتے ہیں۔ لیکن حضرت صاحب اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان فرماتے ہیں۔ اب وہ، جو مسیح موعود ہے، وہ سچ کہتا ہے یا آپ! بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے ہزار ہا انسانوں کو نبوت کا درجہ ملا اور نبوت کے آثار اور برکات اُن کے اندر موجزن تھے۔ مگر نبی کا نام اُن پر صرف شان نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سد باب نبوت کی خاطر اُن کو ظاہراً اس نام سے ملقب نہ کیا گیا۔ دیکھو پیغام 17 اگست 1919ء (پر ثابت ہوا کہ آپ کا یہ تحریر فرمانا کہ حضرت خلیفۃ المسیح حضرت صاحب کو مستقل نبی نہیں مانتے بلکہ آپ کی طرح ظلی نبی ہی مانتے ہیں۔ راقم) اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ ''یہ نبوت پہلے انبیاء کی سی نہیں۔''

ماسٹر صاحب! یہ اُنہوں نے کہاں فرمایا ہے کہ یہ نبوت پہلے انبیاء کی سی نہیں۔ افسوس ہے کہ ان دو تین سطر میاں صاحب کے خط کے سمجھنے میں بھی آپ کو اس قدر مغالطہ لگ رہا ہے کہ آپ تو زمین کا آسمان اور آسمان کا زمین بنانے لگ گئے ہیں۔ کیسی افسوس کی بات ہے۔ یہ ذرا سوچیں اور اس لچر بازی کی عادت سے توبہ کریں۔ کیونکہ ہر موقع پر اس من گھڑت لچر بازی نے آپ لوگوں کو راہ راست سے بہکا دیا ہے اور اسی وجہ سے حضرت صاحب اور ہم لوگوں کی تحریرات کو آپ لوگ، معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اُلٹا ہی سمجھ لیتے ہیں۔ **فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔**

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے بڑھ کر غیر مبائعین اور کیا منوانا چاہتے ہیں۔ آپ نے جو تحریر

لکھ کردی تھی، اس کا کافی وشافی آپ کی منشاء کے موافق جواب مل گیا ہے۔''

ماسٹر صاحب! یہ کافی وشافی جواب تو صرف آپ کے الفاظ ہی الفاظ ہیں، جن کے اندر حقیقت کی رو سے کوئی روح نہیں معلوم ہوتی، بلکہ ان پر وہی مثل صادق آتی ہے کہ ۔

من چہ سرائم و طنبور من چہ سراید

کیونکہ اول تو میاں صاحب حضرت صاحب کی نبوت کو بھی اُسی قسم کی نبوت تصور کرتے ہیں، جو پہلے انبیاء کو ملی اور فرق بھی تسلیم کرتے ہیں تو فقط ذریعہ حصول نبوۃ کا کہ ان کو نبوت براہ راست ملی تھی اور حضرت کو بالواسطہ۔ حالانکہ ہمارا اور حضرت صاحب کا اس کے برعکس یہ عقیدہ ہے کہ پہلے انبیاء کی نبوت تامہ کاملہ تھی۔ جس کا سلسلہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ختم ہو گیا ہے۔ اب اُن معنوں میں کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قطعاً آنہیں سکتا، جن معنوں میں کہ پہلے انبیاء آتے تھے۔ جیسا کہ حضرت صاحب نے اپنی نبوت کی تشریح میں حقیقۃ الوحی صفحہ 150 اور براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 182 پر فرما دیا ہے کہ نہ یہ وہ نبوت ہے جو پہلے انبیاء کو براہِ راست ملتی رہی، اور نہ اس نبوت کے وہ معنے ہیں جو مستقل انبیاء کی نبوت کے لیے مستعمل ہوتے ہیں۔ مگر میاں صاحب کہتے ہیں کہ نفس نبوت کے لحاظ سے حضرت صاحب میں اور انبیاء سابقہ میں کوئی بھی فرق نہیں۔

پھر سن لیجئے کہ ہم تو کہتے ہیں کہ حضرت صاحب کی نبوت اُس نوع کی نبوت ہی نہیں جو پہلے انبیاء کو براہ راست ملتی رہی، بلکہ یہ صرف مبشرات ہیں، جو عین نبوت نہیں، بلکہ جزو نبوت ہیں۔ اور گو یہ مبشرات اپنی کمیّت و کیفیّت کے لحاظ سے کیسے ہی اعلیٰ اور اصفٰی اور کثیر در کثیر کیوں نہ ہوں، پھر بھی اپنی نوع کے لحاظ سے نبوت تامہ کاملہ، جو پہلے انبیاء کو براہِ راست ملتی رہی ہے، نہیں کہلا سکتی۔ اس لیے حضرت صاحب نے بھی صاف لکھا ہے کہ: اَمَّا النُّبُوَّۃُ الَّتِیۡ تَامَۃٌ کَامِلَۃٌ لِجَمِیۡعِ کَمَالَاتِ الۡوَحِیۡ فَقَدۡ اٰمَنَّا بِانۡقِطَاعِھَا (دیکھو توضیح مرام) تو پھر اب آپ ہی انصاف کریں کہ ہم کیا کہتے ہیں اور وہ کیا کہتے ہیں؟ اور پھر آپ کس طرح کہتے ہیں کہ اس بارہ میں ہمارا اور اُن کا گویا اتحاد ہو گیا؟

''رہی تیسری بات یعنی مجددین سابقہ کی جنس، اس کا تو کوئی عقلمند، جس کو سلاسل اربعہ سے کچھ بھی واقفیت ہے، یا تاریخ دانی سے بے بہرہ نہیں ہے، ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کرے گا کہ وہ بھی نبوت کے درجہ پر پہنچ گئے تھے۔''

میں کہتا ہوں کہ اگر واقعی یہ بات کہ حضرت صاحب بھی مثل دیگر مجددین و کاملین اُمت محمدیہ کے تھے یا اُنہی کی جنس کے ظلی نبی تھے جیسے کہ وہ بھی تھے، سلاسل اربعہ کی مسلمات کے رو سے یا تاریخ کی رو سے خلاف واقعہ ہے، تو ماسٹر صاحب نے کسی کتاب کا حوالہ کیوں نہ درج کر دیا؟ ورنہ ان مفت کی لن ترانیوں کا کون قائل ہوسکتا ہے؟ پھر اگر یہی سچ ہے کہ حضرت صاحب کے سوا کاملین اُمت محمدیہ میں سے ان سے پہلے کسی کو اس ظلی نبوت کا درجہ نہیں ملا، تو خود حضرت مسیح موعود نے کس بنا پر فرمایا کہ:

''آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے ہزار ہا انسانوں کو نبوت کا درجہ ملا اور اس ظلی نبوت کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔''

ذرا چشمہ مسیحی صفحہ 11 کے حوالہ کو، جسے میں نے میاں صاحب کے جواب میں اسی مضمون میں کسی دوسری جگہ درج کر دیا ہے، غور سے مطالعہ فرمائیں۔ جس میں حضرت صاحب نے نہ صرف دیگر کاملین اُمت کی نبوت کا اقرار کیا ہے، بلکہ یہاں تک لکھ دیا ہے کہ گویا اُن کی وحی خود آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی تھی۔ اور اُن کے معجزات بھی خود آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے معجزات تھے۔ اور اُنہی میں سے آخر کار اپنے آپ کو بھی بحیثیت ایک فرد شاہد کے پیش کیا ہے۔ لیکن آپ ہمیں اپنی سلاسل اربعہ کی انوکھی واقفیت اور اپنی تاریخ دانی کا ڈراوا دے کر خواہ مخواہ اپنے زعم باطل کا قائل کرنا چاہتے ہیں ؎

نہیں راہ اس کی عالی بارگاہ تک خود پسندوں کو

اب آپ خود ہی حضرت کی تحریرات کے بالمقابل اپنی سلاسل اربعہ کی واقفیت اور تاریخ دانی کا جائزہ لے لیں۔ مجھے اس بارہ میں کچھ مزید عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ **اَلْعَاقِلُ تَكْفِيْهِ الْاِشَارَةُ**.

''حضرت خلیفۃ المسیح نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ باقی مجددین کو ظلی نبوت نہیں ملی تو آپ کا

مطلب اس سے بجز اس کے کچھ نہیں کہ اُس اعلیٰ مقام اور درجے تک، جو تقرب الی اللہ کے لحاظ سے ہے، نہیں پہنچے۔''

واہ سبحان اللہ! کیا حافظہ ہے۔ حضرت! یہی بات تو خود آپ نے بھی ابھی تحریر کی ہے کہ اُن کو نبوت کا ملنا کوئی عقلمند قبول نہیں کرسکتا۔ ذرا اس سے اپنا پچھلا فقرہ تو پڑھیے، جو اپنی تیسری بات سے شروع ہوتا ہے۔ پھر اگر میاں صاحب نے بھی یہی لکھ دیا تو آپ **مُفَسِّرٌ مَالَا یَرْضٰی بِهِ الْقَائِلُ** کے مصداق خواہ مخواہ کیوں بنتے ہیں۔

اوّل: تو آپ نے بھی تو خود اسی طرح لکھا جس طرح میاں صاحب نے۔

دوم: جو مفہوم آپ بیان کرتے ہیں وہ کسی طرح میاں صاحب کی تحریر سے مترشح نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تو صاف لکھتے ہیں کہ:

''ہم یہ نہیں مانتے کہ پہلے مجددوں میں سے کسی کو ظلی نبوت ملی ہے۔''

اور میں بفضلِ خدا اس کی تردید بھی کافی طور پر کر چکا ہوں۔ تو اب اس پر آپ کا اپنا مسالہ لگا کر اس کا مطلب کچھ اور بیان کرنا محض بے سود ہے۔

سوم: بفرضِ محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ میاں صاحب کے اس فقرہ کا یہی مطلب ہے جو آپ بیان کرتے ہیں، تو یہاں ہمارے درمیان مسیح موعود کے تقرب الی اللہ میں کمی بیشی پر کوئی بحث نہیں۔ یہ معاملہ حوالہ بخدا ہے، اس کے آپ یا ہم ٹھیکیدار نہیں ہیں۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ کون کس قدر اُس سے تقرب رکھتا ہے۔ اخیر پر میں آپ کے تقویٰ اللہ والی نصیحت کا تہِ دل سے مشکور ہوں۔ خدا تعالیٰ مجھے اور آپ کو صراطِ مستقیم کی ہدایت بخشے۔ **وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ**

خاکسار

مرزا عبدالکریم، تاجر

از پونچھ۔ کشمیر

26اکتوبر1919ء

فکرِ حضرت امیر۔1

ترکوں کا مستقبل اور میاں محمود احمد صاحب

سلطنت ٹرکی کے مستقبل سے متعلق جس قدر تمام دنیا کے اور بالخصوص ہندوستان کے مسلمان پریشان ہیں، وہ کوئی مخفی امر نہیں ۔ یہاں تک کہ میاں محمود احمد صاحب نے بھی اس پر ایک رسالہ کے ذریعہ سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور اُس کو کُل مسلمانانِ ہند کی کانفرنس میں، جو لکھنؤ میں منعقد ہوئی تھی، پیش کیا ہے۔ جہاں اپنی جماعت کے چار نمائندے بھی اُنہوں نے بھیجے تھے۔ اگرچہ شمولیت جلسہ کی غرض سے نہیں۔ ہم اس مضمون کے بعض حصص سے اختلاف رکھتے ہوئے اس بات پر خوش ہیں کہ جناب میاں صاحب نے اس میں مسلمانوں کی عامہ ہمدردی بین المسلمین کے اصول کے قیام کی ضرورت سمجھی ہے۔ درحقیقت یہ اسلام کا نسل انسانی پر ایک عظیم الشان احسان ہے کہ تمام ملکی اور قومی حد بندیوں کو توڑ کر ایک ایسی اخوتِ عامہ کی بنیاد رکھی کہ جو چوٹ مشرق میں ایک مسلمان کے دل پر پڑی، مغرب میں ایک مسلمان بھائی کے دل پر اس کے صدمہ کا اثر محسوس ہوا۔ اور یوں اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ کی توحید کے اصول کو قائم کیا، تو دوسری طرف اس اصول کا عملی رنگ نسل انسانی کی وحدت میں دکھایا۔ اور آخر کار دنیا دیکھ لے گی کہ سوائے اس اسلامی اصول پر قائم ہونے کے، جو تمام ملکی اور قومی قیود سے انسانوں کو آزاد کرتا ہے، کوئی راہ دنیا کی نجات کی نہیں ۔قومیت کی حد بندیاں جس قدر مضبوط ہوتی جاتی ہیں، اسی قدر باہم منافرت اور بغض وحسد ترقی کررہے ہیں اور ان کا آخری علاج ایک ہی ہے۔ اور وہ ہے کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اگر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو بیان کیا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وحدت نسل انسانی کو قائم کر دیا اور بتا دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری رسالت کے تسلیم کرنے سے ہی انسان بھائی بھائی بن سکتے ہیں۔

اس اخوتِ اسلامی کو نقصان پہنچانے والے وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اسلام میں تکفیر کی بنیاد رکھی اور وہ جنہوں نے بغیر سوچے سمجھے اس راہ پر قدم مارا۔ جب قومیت اور ملک کی قید کو توڑ کر کالے اور گورے، شرقی اور

غربی کو بھائی بنا دیا گیا، تو تفرقہ پیدا کرنے والوں نے ایک اور راہ نکالی اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو کافر بنا کر اُن کو اسلام کی اس اخوتِ عامہ سے باہر نکال دیا جائے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ خبر دے دی تھی کہ وحدتِ اسلامی میں کسی رنگ میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس لیے بانیٔ اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان مبارک سے یہ لفظ نکلوا دیئے کہ لَا تُكَفِّرُوْا اَهْلَ قِبْلَتِكُمْ جس شخص میں صرف یہ ظاہری علامت پائی جاتی ہے کہ وہ اہلِ قبلہ ہے، اُس کو تم کافر مت کہو۔ اور قرآن کریم نے اس سے بھی بین نشان صرف السلام علیکم کا کہہ دینا کافی قرار دیا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا(94:4)۔ اور پھر کافر کہنے والوں کو ایسی سخت سزا کا حکم دیا کہ جو اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے وہ اُسی پر لوٹ کر آتا ہے۔ مگر اس سخت وعید کے ہوتے ہوئے بھی ایک گروہ نے اسلام میں تکفیر کی بنیاد رکھی، اور یہ گروہ خوارج کا تھا جو اسلام کی ابتدا میں ہی پیدا ہو گیا۔ یہ لوگ اول اول حضرت علیؓ کے معاون تھے، مگر اس مقدس انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کامل عطا فرمایا تھا۔ اس لیے جب ان لوگوں نے اہلِ قبلہ کو کافر کہنا شروع کیا، تو آپ نے ملکی طور پر اپنے دشمنوں کے مقابل میں ان برائے نام ساتھیوں کی پرواہ نہ کی اور صاف کہہ دیا کہ معاویہؓ اور اُس کے ساتھی ہمارے بھائی ہیں۔ انہوں نے ملکی رنگ میں ہماری بغاوت کی ہے، ہم اُن کو کافر اور فاسق نہیں کہتے۔ اور یوں بہت سے ساتھیوں کو چھوڑ کر ان کو اپنا دشمن بنا لیا، مگر حق کو نہ چھوڑا۔ تاہم یہ مرض جو اسلام میں خوارج کے ذریعہ سے پیدا ہوئی بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ہمارے اس زمانہ میں ادنیٰ بات پر کفر کا فتویٰ لگایا جاتا ہے اور یوں اس اخوتِ اسلامی کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا احسان نسلِ انسانی پر تھا۔ کاش! اب بھی مسلمان سمجھیں کہ اس مرض ہی نے اُن کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں اور اسلام کی سقفِ عمارت ہی اس کفر بازی سے گر جاتی ہے۔

پس جہاں ہمیں خوشی ہے کہ میاں صاحب نے اخوتِ عامہ اسلامی کے اصول کو اپنے اس عمل سے قائم کرنا چاہا ہے، وہیں ہمیں اس بات میں ان کے ساتھ اختلاف بھی ہے کہ ایک دوسرے کو کافر کہتے اور سمجھتے ہوئے بھی مسلمانوں میں یہ عامہ ہمدردی اور یہ وسیع سلسلہ اخوت قائم رہ سکتا ہے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ میاں صاحب اس پر مزید غور کرتے ہوئے اس خیال کو واپس لے لیں گے، جس کا اظہار اُنہوں نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''میرے نزدیک اس جلسہ کی بنیاد صرف یہ ہونی چاہیے کہ ایک مسلمان کہلانے والی سلطنت کو، جس کے سلطان کو مسلمانوں کا ایک حصہ خلیفہ بھی تسلیم کرتا ہے، مٹا دینا یا ریاستوں کی حیثیت دنیا، ایک ایسا فعل ہے جسے ہر ایک فرقہ، جو مسلمان کہلاتا ہے، ناپسند کرتا ہے اور اس کا خیال بھی اس پر گراں گذرتا ہے۔ اس صورت میں تمام فرقہ ہائے اسلام اس تحریک میں شامل ہو سکتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ خلافت عثمانیہ کے قائل نہ ہوں بلکہ باوجود اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر کہتے اور سمجھتے ہوں، اس اصل پر متحد ہو کر، یک زبان ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ کیونکہ گو ایک فریق دوسرے کو کافر سمجھتا ہو مگر کیا اس میں کوئی شک ہے کہ دنیا کی نظر میں اسلام کے نام میں سب فرقے شریک ہیں۔''

اب یہاں جناب میاں صاحب مسئلہ تکفیر کے مؤید ہوتے ہوئے پھر اخوت اسلامی کی ہمدردی کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ دوسرا حصہ تو صحیح ہے، مگر پہلا حصہ غلط ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ اگر تو مسئلہ تکفیر درست ہے کہ اپنے بھائیوں کو کافر کہتے اور سمجھتے رہو، تو پھر ان میں اخوت کا تعلق باقی نہیں رہ سکتا۔ اور اگر تعلق اخوت باقی رکھنا مقصود ہے، اور اس میں شک نہیں کہ جناب میاں صاحب نیک نیتی سے اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، تو پھر مسئلہ تکفیر یقیناً غلط ہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو صرف مسلمانوں کے درمیان ہی ہمدردی نہیں سکھاتا، بلکہ اس سے بڑھ کر تمام بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی کا سبق دیتا ہے۔ بلکہ اس کا دائرہ ہمدردی اس سے بھی وسیع ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی مخلوق سے ہمدردی کی تعلیم دیتا ہے۔ ہاں! فرق یہ ہے کہ عام مخلوق کی ہمدردی سے عام ہمدردی انسانی بڑھ کر ہے اور عام ہمدردئ انسانی سے مسلمانوں کی ہمدردی بڑھ کر ہے۔ اس لیے جب ہم ایک شخص کو کافر کہیں گے یا سمجھیں گے، تو لازمی بات ہے کہ ہماری وہ ہمدردی اس سے باقی نہ رہے گی، جو دو مسلمانوں کے درمیان ہونی چاہئے، بلکہ وہ صرف عام ہمدردئ انسانی کی حد تک محدود ہوگی۔ اسلام کے واسطہ سے جو تعلق ہمارے درمیان تھا وہ کٹ گیا۔ اور محض یہ امر کہ دوسرے لوگ تو ہم کو مسلمان سمجھتے ہیں، اس تعلق کو قائم نہیں کر سکتا،

جیسا کہ میاں صاحب نے خیال کرلیا ہے۔ جب فی الواقع ہمارا دل شہادت دے رہا ہے کہ تعلقِ اسلامی ہم میں اور اس گروہ میں کٹ گیا، جس کو ہم کافر کہتے ہیں، تو دوسروں کے کہنے سے وہ ہمدردی کہاں پیدا ہوسکتی ہے؟ ان دوسروں کو تو ہم بیوقوف سمجھتے ہیں جب ہم جانتے ہیں کہ دوسروں کا یہ خیال غلط ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں۔ تو اس غلط خیال کا ہمارے دل پر خاک اثر ہوگا؟ غرض تکفیر کا مسئلہ بین المسلمین ہمدردی کی جڑ کاٹتا ہے۔ اور ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ دن رات ایک دوسرے کو کافر کہتے رہو اور ایمان رکھو کہ سب کافر ہیں، مگر اُن سے ہمدردی وہ کرو جو مسلمانوں سے کرنی چاہئے، کیونکہ دوسرے لوگ غلطی سے اُن کو مسلمان سمجھ رہے ہیں۔

جناب میاں صاحب کو یہ دو نقیض امر کیوں جمع کرنے پڑے؟ اس لیے کہ غلطی سے وہ اس خیال میں پڑ گئے ہیں کہ اُن کی جماعت کے سوائے کُل دنیا کے مسلمان پکے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور ہمدردی کی آواز، جو اُن کے منہ سے نکلی ہے، درحقیقت دل پر اس گہرے نقش کا اثر ہے، جو اسلام نے کر رکھا ہے کہ فی الحقیقت ہم سب بھائی ہیں اور ایک غلط عقیدہ بھی اس گہرے اثر کو زائل نہیں کرسکا۔ جس طرح عیسائیوں کے دلوں پر ایک طرف تو خدا تعالیٰ کی توحید کا گہرا نقش رہا، دوسری طرف ایک باطل مسئلہ تثلیث کا ایجاد کرلیا اور اب ان دونوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں کہ توحید بھی رہے اور تثلیث بھی۔ فطرت ملزم کرتی ہے تو توحید کے قائل ہوجاتے ہیں، باطل عقیدہ درمیان میں آجاتا ہے تو تثلیث کے قائل ہوجاتے ہیں۔ شاید اسی لیے اُن کے لیے حضرت عیسیٰ کے منہ سے بھی وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ (118:5) نکلا۔ بہرحال ہمیں اُمید ہے کہ میاں صاحب اخوت اسلامی کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے اب اس عقیدہ سے بھی رجوع کریں کہ سوائے اُن کی جماعت کے دنیا کے چالیس کروڑ مسلمان سب کافر ہی کافر ہیں!

محمد علی

از شملہ

26 اکتوبر 1919ء

مکتوب خواجہ صاحب

پیغام صلح کے قارئین کے نام

برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

گذشتہ تین سال سے ''پیغام صلح'' کے کالموں کا بہت سا حصہ اس ردو کد کے لیے وقف ہو رہا ہے جس کے ذمہ دار ''اخبار اہلحدیث'' اور ''الفضل'' کے بعض مضامین ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان ہر دو اخبارات کے مالک و مدیران کے مفاد اس قسم کے مضامین لکھے جانے میں ہوں۔ لیکن جو اس وقت اسلام کو ضرورت ہے، اس کا علاج پیغام صلح کے ان کالموں میں نظر نہیں آتا جو ان ہر دو اخبارات کے جواب میں وقف ہو رہے ہیں۔

موجودہ جنگ نے اگر بلا شک وشبہ مذہب عیسائیت کی موجودہ شکل کا قریب قریب خاتمہ کر دیا ہے اور کلیسائی مذہب چند دن کا مہمان ہے، تو بالمقابل اسلام کو بھی کچھ کم نقصان اس وقت مذہبی رنگ میں نہیں پہنچا۔ ایک طرف تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک کثیر گروہ اسلام اور خدائے اسلام کے متعلق متشکک ہو رہا ہے، دوسری طرف شیعانِ اسلام سے یہ مطالبہ ہو رہا ہے کہ اگر اسلام ہی دینی دُنیوی برکات کا موجب ہوسکتا ہے تو آج اسلامی سلطنتوں کا کیا حشر ہوا؟ یہ ایک سوال ہے جس کا مختلف پہلوؤں سے حل کرنا متکلمین اسلام کے ذمہ ہے۔ ''اہلحدیث'' اور ''الفضل'' کی وہ باتیں جن کی تردید ''پیغام صلح'' کے بعض کالم کرتے ہیں، جہاں تک اخبار اس مقصد کو پورا کرتا ہے، وہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔ اگر فی الواقع وہ مقصد پورا ہو رہا ہے، تو اس روش کو جاری رکھا جاوے۔ وَاِلَّا اس کا خاتمہ کیا جاوے اور پیغامِ صلح کو اس سے بہتر مصرف میں لایا جاوے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض وقت بعض قسم کے افتراء و بہتان سے ہمارے معاندین کام لیتے ہیں، ان کا دفعیہ لازمی ہے۔

رہا حضرت مسیح موعود کا مقام، اور اُن کی پوزیشن، جو خدا کے نزدیک حقیقی ہے، اس کے قائم ہونے کے آثار چاروں طرف پیدا ہو چکے ہیں۔ جس طرح وفات مسیح کے مسئلہ کا مانا جانا تقاضائے زمانہ کے ماتحت تھا۔

چنانچہ بہت حد تک یہ مسئلہ آج مانا گیا۔ اسی طرح حضرت اقدس کے دعاوی کی حقیقت ہے۔ جس شخصیت پرستی کے مدعی قادیان جدید کی تحریریں ہیں، زمانہ اس کو دھکے دے کر ختم کر دے گا۔ Individualisim (انفرادیت) آج ایک لعنت سمجھی گئی ہے اور وہ نہیں چل سکتی۔ نبی کی حقیقت شریعت میں جو ہے، اس کے مصداق نہ حضرت صاحب ہیں اور نہ کسی کی لفاظی اس حقیقت پر خاک ڈال سکتی ہے۔ بالمقابل حضرت اقدس کا ایک مجدد عظیم ہونا وہ زمانہ کی ضرورت گلا پھاڑ پھاڑ کر پکار رہی ہے۔ اگر یہ لوگ ٹھنڈے دل سے ان ضروریات پر ہی غور کرتے جو اسلام کی اس وقت ہیں اور پھر دیکھتے کہ ان کا علاج وہ عظیم الشان انسان کر گیا ہے یا نہیں، تو پھر اُن کو مجدد کی حقیقت بھی سمجھ آ جاتی اور یہ بھی سمجھ آ جاتی کہ اس کا مصداق کون ہے۔ اگر مجدد کا کام بڑا یہ ہے کہ وہ تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے بہترین وسائل و تدابیر سوچے، اور اس کی ربانی نگاہ ان دقتوں کو دیکھ لے کہ جو اشاعتِ اسلام میں یا مسلمانوں کی بہتری میں حائل ہو سکتی ہیں یا ہوں گی، اور پھر ان سے اپنی قوم کو متنبہ کرے، تو میرے نزدیک یہی ایک بڑا کام ہے، جس کے لیے کسی مجدد کے آنے کی ضرورت ہے۔

میری موجودہ صحت اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ میں اس مضمون کو کچھ تفصیل سے لکھوں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان کہ اُس نے مجھے چھ ماہ کے بعد اس قابل کیا کہ میں چار ہفتہ سے جمعہ کا خطبہ پڑھتا ہوں۔ انشاءاللہ تعالیٰ زیادہ طاقت آنے پر میں کبھی اس امر کو مفصل لکھوں گا۔ لیکن ایک امر میں یہاں ذکر کر دیتا ہوں جو میرے نزدیک اس زمانہ کے مجدد کے ذمہ تھا۔ آج زمانہ نے نئے حالات کے ماتحت ہم پر یہ امر متحقق کر دیا کہ اسلام کے حق میں تلوار مفید نہیں۔ اسلام کی طاقت و عزت کا قیام صرف اسی صورت میں ہے کہ اسلامی خوبیوں کو براہین و دلائل کے ساتھ امن کی راہوں تلے، نئی دنیا تک پہنچا دیا جاوے۔ اگر واقعات کی روشنی میں ترقیٔ اسلام اور اس کے وسائل کے مسئلہ پر غور کریں تو اس طریق بالا کے کوئی اور طریق ہے، جو ہمیں کوئی شخص بتا سکتا ہے؟ کیا آج کل جو اسلامی دنیا میں ایک افغانستان اور ایران بچا ہوا ہے، اس کا باعث فقط ایک امر تھا کہ یہ دونوں طاقتیں یورپ کے اس فتنہ عظیم میں غیر جانبداری کا پہلو لیتی رہیں۔ ترکوں کا شمولیت جنگ اور اس کے جواز پر اس وقت بحث کرنا ایک لاحاصل امر ہے۔ میں مان لیتا ہوں کہ ترکوں نے اپنی سمجھ کے مطابق جو کچھ کیا صحیح کیا۔ لیکن آج واقعات یہ پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ان کا غیر جانبدار رہنا اور اُن کا تلوار نہ اُٹھانا ہی باعث رحمت ہوتا۔ اب حقیقت یہی ہے کہ

آئندہ اسلامی ترقی تلوار کے چھوڑنے اور اسلامی خوبیوں کو براہین ودلائل کے ذریعہ دنیا میں اشاعت دینے پر منحصر ہے۔

یہ ایک راز ہے جو اس وقت کے مجدد کا فرض تھا کہ دنیا پر ظاہر کردے۔ کیا آج سے تیس سال پہلے یہ نکتہ کسی کے ذہن میں آسکتا تھا۔ کیا یہ شعر جو مجددِ وقت نے آج سے تیس پینتیس سال پہلے لکھا، اس کی مجدّدیت کا ان معنوں میں، جو میں بیان کررہا ہوں، یہ صحیح ثبوت نہیں۔ یہ دو شعر میں نے حضرت اقدس کی اُس نظم کے لیے ہیں، جو آپ نے جہاد کو چھوڑنے کے متعلق لکھے۔ اس میں وجہ بھی بتادی تھی کہ کیوں اس وقت مسلمانوں کو سیفی جہاد چھوڑ دینا چاہئے۔ اور وہ خاتمہ پر لکھتے ہیں۔

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا وہ کافروں سے سخت ہزیمت اُٹھائے گا

یہ معجزہ کے طور پر اِک پیشگوئی ہے کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

کیا یہ باتیں لفظاً لفظاً پوری نہیں ہوئیں؟ ترک کافروں سے لڑائی کو اُٹھے، وہ ہزیمت یاب ہوئے۔ افغان اور ایرانی جنگ سے الگ رہے، وہ بچے رہے۔ ایک طرف اس امر پر غور کرو کہ اس نظم کی تحریر پر دنیا کے واقعات کیا تھے؟ اور کیا ایسی باتیں کوئی قیاسی طور پر لکھ سکتا ہے۔ اور دوسری طرف آج دیکھ لو کہ یہ باتیں لفظاً لفظاً پوری ہورہی ہیں۔ یہ امر ایک امر غیر متعلق ہے کہ کیا ایرانیوں اور افغانوں نے مجدد وقت کی باتیں سُن کر یہ عمل اختیار کیا اور ترکوں نے حکیمِ امت کے علاج سے انحراف کیا اور اس لیے یہ نتائج مرتب ہوئے۔ سوال صرف یہ ہے کہ ایک شخص، تیس سال ہوئے، مجددیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ چند مسئلوں پر روشنی ڈال دینا ہی مجددیت کے فرائض کو ختم نہیں کردیتا، بلکہ بڑی بات یہ ہے کہ اُس کی دوربین نگاہ، ان مشکلات اور دقتوں کو سمجھ لے، جو ترقی اسلام کی راہ میں حائل ہونے والی ہیں اور پھر اُس کا علاج بھی بتائے۔

ایک طرف تو کُل زمانہ سیف سیف پکار رہا ہو۔ اور ایسے وقت جب اسلام کی اس موجودہ مصیبت کے کوئی اسباب بھی پیدا نہ ہوئے ہوں۔ اور دوسری طرف ایک شخص سیف کو چھوڑنے کے لیے کہہ رہا ہو اور اسلامی ترقی کی دوسری راہ اختیار کرے، اور وہ آخر کار سچا ثابت ہو۔ مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ اگر صرف یہ ایک امر اپنی

مجددیت کے لیے صاف اور سیدھی راہ اس سوال مجددیت اور نبوت کے فیصلہ کرنے کی ہے، ان دونوں کے فرائض کی تعین کی جاوے اور دیکھ لیا جاوے کہ وہ فرائض اس شخص نے پورے کیے یا نہیں۔ میرے نزدیک حضرت مرشدنا نبی نہیں ہو سکتے اور وہ ایک مجددِ اعظم تھے۔ وہ اس صدی کا علاج بتا گئے۔ آج صدی پر پینتیس سال گذر گئے۔ اور ایک شخص اس وقت مؤرخانہ پیشگوئی کر سکتا ہے کہ یہی مختم علاج اس صدی کا ہے۔ والسلام۔ خواجہ کمال الدین۔

مکرر آنکہ ہمارے دوست ایڈیٹر صاحب کو اطلاع دیں کہ میرے اس مسئلہ کو پسند فرماتے ہیں۔ اگر اُن کی یہی رائے ہے کہ اہلحدیث اور الفضل کے ہر ایک امر کا جواب دیا جاوے، تو بسم اللہ۔ میرے نزدیک سب وشتم کے جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی امر خلافِ واقعہ لکھا جاوے تو چند لفظوں میں اُن کی تردید کر دی جاوے۔ باقی رہے اختلافی مسائل، اس کے لیے اخبار کے کالموں کو صاف کیا جاوے اور پمفلٹ سے کام لیا جاوے۔ نبوت کے مسئلہ پر ممکن ہے، میں کسی خطبہ میں بیان کروں۔

خواجہ کمال الدین

26 اکتوبر 1919ء

رودیداد

لارڈ ہیڈلے بالقابہ کا لیکچر مسجد ووکنگ میں

برادران اسلام یہ سُن کر خوش ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس ہفتہ ایک اور انگریز خاتون نے قبول اسلام کا اقرار نامہ لکھ کر دیا۔ اُس کا انگریزی نام مس ڈیزی ہے، اسلامی نام برکت رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ اُسے اسلام پر چلنے کی توفیق دے۔ علاوہ ازیں اس اتوار کو مسجد ووکنگ میں رائیٹ آنریبل لارڈ ہیڈلے بالقابہ بھی بمعہ صاحبزادگان مسجد ووکنگ میں تشریف فرما ہوئے۔ اور انہوں نے اپنے جوش اسلامی کی وجہ سے مولانا مولوی صدر الدین صاحب کے لیکچر سے پہلے ایک اخلاص بھری دعا اللہ تعالیٰ کے حضور کی اور ساتھ ہی انگریزوں کے اندر اسلام کے پھیلنے اور اُن کے سمجھدار طبقہ کے آئے دن اسلام قبول کرتے چلے جانے کا اعلان غیر مسلم و نومسلم انگریز حاضرین میں کیا اور انہیں بتایا کہ اسلام بالکل سادہ مذہب ہے۔ ایک خدا اور سارے نبیوںؑ کو ماننا اور سب انسانوں کا بھائی بھائی ہونا، لیکن اس کے برخلاف تثلیث کو ماننے میں الجھن اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

لارڈ صاحب موصوف نے دوران تقریر ایک انگریز لیفٹیننٹ کی چٹھی بھی پڑھ کر سنائی، جو عراق عرب میں فوجی ملازمت کے اندر مسلمان ہوئے اور پونا میں مقیم ہیں۔ ان کا اسلامی نام جوزف عبداللہ ہے۔ اپنا اصلی نام فی الحال ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اُن کا خیال ہے کہ واپس انگلستان پہنچ کر خود اپنے رشتہ داروں کے سامنے قبولِ اسلام کا اعلان کریں گے۔ اُنہوں نے ایک کتاب بھی اسلام کی ان شاندار خصوصیات پر لکھی ہے، جو اُن کے قبولِ اسلام کی باعث ہوئیں۔ ان کی اپنی چٹھی اسلامک ریویو اکتوبر نمبر میں شائع ہوگی۔

لارڈ صاحب موصوف کے بعد مولانا مولوی صدر الدین صاحب نے لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ (2:177) پر تقریر کی اور بتایا کہ قرآن کریم نے کوئی قومی یا ملی امتیاز انسانوں کے اندر روا نہیں رکھا، جیسا کہ عام طور پر قوموں اور مذاہب میں پایا جاتا ہے، بلکہ بلا امتیاز سب کے ساتھ نیکی کرنے اور عمدہ سلوک سے

پیش آنے کو ہی بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لیکچروں کو بیش از بیش کامیابی عطا کرے۔ آمین! والسلام

دوست محمد

از ووکنگ، انگلستان

۞۞۞

12 نومبر 1919ء

استفتاء

سوال: میرا عمل برائے ادائے نماز یہ ہے وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتۡ بِهَا وَابۡتَغِ بَيۡنَ ذٰلِکَ سَبِيۡلًا. (110:17) میں اتنی آواز سے نماز ادا کرتا ہوں کہ پاس والا آواز سن سکے۔ کیا یہ عمل درست ہے؟

سائل۔ قاضی نور احمد، پٹواری از بکھو بھٹی، ڈاکخانہ پھلورہ، تحصیل ظفروال، ضلع سیالکوٹ۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط پہنچا۔ اگر آپ گھر میں تنہائی میں نماز کو اس طرح پڑھتے ہیں، تو حرج نہیں۔ لیکن اگر مسجد میں امام یا مقتدی ہو کر اس طرح پڑھتے ہیں، تو امام ہونے کی صورت میں مقتدی آپ کی قرأت کو نہیں سُن سکتے اور مقتدی ہونے کی حالت میں دوسرے مقتدیوں کی نماز میں مخل ہوں گے۔

رہے آیت شریفہ کے معنے۔ سو وہ آیت یوں ہے قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ اَيًّامَّا تَدۡعُوۡا فَلَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتۡ بِهَا وَابۡتَغِ بَيۡنَ ذٰلِکَ سَبِيۡلًا (110:17) کہو اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو۔ جس نام سے پکارو، تو اُس کے سب نام اچھے ہیں۔ اور اپنی صلوٰۃ کو بہت بلند آواز سے نہ ادا کرو اور نہ اُس کو چھپا رکھو۔ اور اس کے درمیانی راستہ اختیار کرو۔

آیت کا مضمون صاف ہے، یہاں دعا اور پکار کا ذکر ہے۔ اور صلوۃ کا لفظ یہاں صاف دعا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ یہ لفظ لغت میں بھی اسی معنے میں آتا ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی دوسری جگہ دعا کے معنے میں آیا ہے مثلاً وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمۡ (103:9) اور تو اُن کے لیے دعا کر۔ تیری

دعا اُن کے لیے تسکین کا موجب ہے۔ پس مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، تو نہ تو بہت بلند آواز سے مانگو اور نہ اس طرح ہی کہ بالکل ہی آواز نہ نکلے۔ بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرو۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں دونوں قسم کے لوگ ہیں۔ بعض جب دعا کرنے لگتے ہیں تو بہت شور کرتے ہیں۔ اور بعض سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دل کی بات کو تو جانتا ہی ہے، منہ سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ مسلمان کو سمجھایا کہ درمیانی راہ اختیار کرو۔ والسلام خاکسار محمد علی، احمدیہ بلڈنگس، لاہور۔

☆☆☆

سوال اوّل: تفسیر مظہری میں ایک حدیث اس طرح پر آئی ہے۔ احمد نے عبداللہ بن مغفّل سے روایت کی کہ مجھ کو میرے باپ نے نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ . اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ. (1:1) بلند آواز سے پڑھتے سُنا اور بعد فراغ یہ کہا کہ صاحبزادے! اسلام میں بدعت اور نئی بات پید اکرنے سے احتراز کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ وہ تو قرأت کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے شروع نہ کرتے تھے اور میں نے نہیں دیکھا کہ اُن سے زیادہ کوئی بدعت کا دشمن ہو وغیرہ۔ جبکہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ. اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ.(1:1) بلند آواز سے نماز میں پڑھنے کو بدعت قرار دیا ہے، تو جناب میرزا صاحب نے اپنے لیے اُمتی نبی کا استعمال کس طرح جائز قرار دے دیا ہے؟ مانا کہ آپ کے نزدیک اور جناب میرزا صاحب کے نزدیک اُمتی نبی کے معنی محدث کے ہیں۔ اور پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ محدث تھے۔ اور اُن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اُمتی نبی کا استعمال ثابت نہیں ہوتا۔ اور جب آپ کے نزدیک نبوتِ تشریعی و غیر تشریعی بند ہیں۔ (جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کبارؓ کا اتباع ہم ہر ایک مسلمان اور مومن پر واجب ہے۔ (وَمَا اَنَا عَلَیۡہِ وَاَصۡحَابِیۡ)

دوم: زانی مرد اور عورت کی سزا قرآن مجید اور احادیث وسنت (عمل) سے کیا ہے۔ اور آپ کی کیا رائے ہے۔ جبکہ مرد بھی اپنے نکاح میں عورت رکھتا تھا اور عورت بھی ایک مرد کی منکوحہ تھی۔

سوم: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ محدثین نے مانا ہے۔ اور اُن سے اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کبارؓ نے مانا ہے یا کہ صرف متکلمین و مجادلین ہی مانتے ہیں؟ براہ مہربانی اپنے قلم سے جواب سے مطلع

فرماویں۔ والسلام۔ نیازمند۔ حکیم محمد سیف الدین، محلّہ ٹاہلی والہ۔ فیروز پور۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا خط پہنچا۔ جواباً عرض ہے۔

اوّل: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا سورہ الفاتحہ کے پہلے بلند آواز سے پڑھنے میں اختلاف ہے۔ اس لیے محض ایک صحابیؓ کے قول پر اس کو بھی بدعت نہیں کہہ سکتے۔ پھر بدعت کسی مسئلہ کو دین میں داخل کرنے کا نام ہے، جس کی اصلیت نہ ہو۔ ایک خیال کو ایک لفظ سے ادا کرنے یا دوسرے لفظ سے ادا کر لینے سے مسئلہ نیا نہیں پیدا ہو جاتا۔ اگر جو کچھ حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے، وہ کوئی مسئلہ نیا ہے، تو اُس کا نام بدعت رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر مسئلہ تو وہی ہے، اس کو کسی اور لفظ سے ادا کیا ہے، تو یہ بدعت نہیں۔ ایسا ہی مجازی طور پر کسی لفظ کے استعمال کر لینے سے بھی بدعت پیدا نہیں ہوتی۔ اُمتی نبی کا مفہوم حضرت صاحب نے خود کھول کر ''ازالہ اوہام'' میں بیان فرما دیا ہے کہ اس سے مراد محدث ہے۔ اور محدث کا لفظ خود حدیث میں موجود ہے:

> ''سو یہ بات کہ اس کو اُمتی بھی کہا اور نبی بھی، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شانیں امتیّت اور نبوّت کی اس میں پائی جائیں گی۔ جیسا کہ محدث میں ان دونوں شانوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن صاحب نبوت تامہ تو صرف ایک شان نبوت ہی رکھتا ہے۔''
> (صفحہ 533)

> ''محدث، جو مرسلین میں ہے، اُمتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی۔''

پس اس وضاحت کے ہوتے ہوئے اس لفظ کے استعمال پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں اس ترکیب کو بھی آپ نے احادیث سے ہی اخذ کیا ہے۔ جیسا کہ کھول کر بتایا:

> ''سو یہ بات کہ اس کو اُمتی بھی کہا اور ناقص طور پر نبی بھی۔''

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں ناموں سے اس کو یاد کیا ہے۔ پس اُمتی نبی کا لفظ آپ نے خود حدیث سے اجتہاداً اخذ کیا ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس سے مراد محدث ہے۔ اس کے خلاف کہیں نہیں لکھا کہ اُمتی نبی سے مراد فی الواقع نبی ہوتا ہے۔

دوم: زانی مرد اور عورت کی سزا تعامل میں رجم ہی چلی آتی ہے۔ قرآن شریف میں رجم کا ذکر نہیں۔ اردو ترجمہ قرآن میں اس موقعہ پر پہنچ کر اپنی رائے کا اظہار، اگر ہو سکا تو انشاءاللہ تعالیٰ کروں گا۔

سوم: یہ مجھے تحقیقاً معلوم نہیں ۔ ہاں! کسی حدیث میں مسیحؑ کے بن باپ ہونے کا ذکر نہیں۔ میرے نزدیک یہ کوئی اتنا دقیق مسئلہ نہیں، جس پر اس قدر زور دیا جائے، جس طرح قرآن شریف سے کسی شخص کی سمجھ میں آئے، مان لے۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

16 نومبر 1919ء

تبصرہ

میاں صاحب کی نئی تصنیف اور مماثلتِ نصاریٰ سے انکار واقرار

اگست کے ریویو آف ریلیجنز سے معلوم ہوا کہ میاں محمود احمد صاحب نے میرے رسالہ انگریزی کا جو Split (اختلاف) کے نام سے لکھا گیا تھا، جواب لکھا ہے۔ اس میں سے ایک حصہ اسی ریویو کے پرچہ میں شائع ہوا ہے۔ اب جو میاں صاحب نے اختلافی مسائل پر قلم اُٹھائی ہے، مجھے اُمید ہے کہ ''النبوۃ فی الاسلام'' کے جواب میں بھی کچھ لکھا ہوگا۔ اور پھر بالخصوص ان قریباً تیس مطالبات کا کچھ جواب دیا ہوگا، جو ''مراۃ الحقیقت'' میں آپ سے کیے گئے تھے۔ ان باتوں کا پتہ تو کتاب کے شائع ہونے پر ہی لگے گا۔ لیکن اس قدر میں اب بھی میاں صاحب سے ضرور کہوں گا کہ اگر وہ جماعت کی توجہ کو بہتر کام پر لگانا چاہتے اور ان مباحث کو ختم کرنا چاہتے ہیں، تو خود مسائل مختلفہ فیہ پر قلم اُٹھا کر صفائی کے ساتھ ان باتوں کا جواب دیں، جو ان کے ذمہ ہیں اور جماعت کو ابتلا سے باہر نکلنے دیں۔ اس رسالہ میں جو کچھ شائع ہوا ہے، اس میں کچھ تو سلسلہ مسیح موعود کے سلسلہ مسیح اسرائیلی سے مشابہت کا ذکر ہے اور کچھ ذاتی حملے ہیں۔ اول الذکر پر میں کچھ لکھوں گا، موخر الذکر میاں صاحب اور ان کی جماعت کو مبارک رہے۔

میری اصل بات، جس کا آپ نے جواب دینے کی کوشش کی ہے، وہ یہ ہے کہ کیا یہ ضروری تھا یا نہیں کہ جس طرح مسیح اول کے حق میں اگر ایک گروہ نے تفریط سے کام لیا، اسے ناحق بُرا کہا، لعنتیں بھیجیں تو دوسرے گروہ نے اس کے حق میں غلو کیا۔ وہ اپنے آپ کو خدا کا رسول کہتا تھا۔ اُنہوں نے اسے بڑھا کر خدا بنا دیا۔ اسی طرح مسیح ثانی کے حق میں بھی اگر ایک گروہ تفریط سے کام لے کر اس کی ساری خدمات اسلامی، اس کے عظیم علم کلام پر پانی پھیر دیتا اور اسے بُرا کہتا، دجال قرار دیتا، گالیوں سے یاد کرتا، تو اس کے بالمقابل دوسرا گروہ اس کے اصل مرتبہ سے، جو مجددیت اور محدثیت کا ہے، بڑھا کر نبی اور رسول بنا دیتا، اس کا جواب آپ نے دو طرح پر دیا ہے۔ اوّل یوں کہ:

''جہاں سلسلہ موسویہ اور محمدیہ میں ایک عجیب مشابہت ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور اس کی تائیدوں کے لحاظ سے ایک بیّن امتیاز بھی ہے۔ پس صرف اس وجہ سے کہ دونوں سلسلہ مشابہ میں یہ کہہ دینا کہ اس لیے حضرت مسیح موعود کی جماعت ضرور غلو کرنے والی ہے، درست نہیں ہوسکتا۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب کے نزدیک مسیح ثانی کے حق میں غلو مقدر ہی نہیں۔ اور دوسری جگہ اس کے خلاف یوں لکھتے ہیں:

''پس حضرت مسیح ناصری کے ان متبعین سے مشابہت، جنہوں نے ان کے درجہ میں ان کی وفات کے بعد غلو کیا، ہمیں نہیں ...... وہی لوگ ان مسیحیوں سے مشابہت رکھتے ہیں جو کہ حضرت مسیح موعود کو ان معنوں کے رو سے نبی کہتے ہیں کہ آپ صاحب شریعت تھے...... جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں، یہ مشابہت ہمیں نہیں بلکہ ان کو حاصل ہے جو حضرت مسیح موعود کو تشریعی نبی کہتے ہیں اور ان کے نام کا کلمہ پڑھنا جائز سمجھتے ہیں، نہ ہمیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مشابہت تو مسیح موسوی اور مسیح محمدی میں غلو کرنے والوں کے لحاظ سے بھی ہے۔ مگر میاں صاحب کہتے ہیں ہم اس کے مصداق نہیں بلکہ کوئی اور لوگ اس کے مصداق ہیں۔ یعنی مولوی ظہیر الدین اور اس کے پیرو۔

اور تیسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں:

''حضرت مسیح کے جانے کے بعد ان کے حواریوں سے سب سے پہلے غلطی یہ نہیں ہوئی کہ انہوں نے ان کو خدا بنا دیا یا خدا کا بیٹا قرار دیا، بلکہ انجیل اس جھگڑے سے بالکل پاک ہے۔ یہ خیال تین سو سال بعد جا کر پیدا ہوا اور حکومت اٹلی کے عیسائی ہو جانے کا نتیجہ ہے۔''

یہاں تاریخ کو خیر باد کہہ کر یہ تھیوری قائم کی ہے کہ تین سو سال تک حضرت مسیح اول کے حق میں کوئی غلو

نہیں ہوا، پھر مسیح محمدی کی یہ خوب فضیلت رہی کہ اس کے بعد بقول میاں صاحب فوراً غلو شروع ہو گیا۔ کیونکہ مولوی ظہیر الدین کا مذہب 1911ء سے چلتا ہے۔ اس کی غرض صرف پولوس کو غلو کے الزام سے بچانا ہے۔ حالانکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ مسیحؑ کی خدائی کا عقیدہ پولوس سے چلتا ہے۔ یہ حمایت بے معنی نہیں!

میاں صاحب کی تحریر کا یہ کمال ہے کہ اول تو ثابت کرتے ہیں کہ مسیح محمدی کے حق میں غلو ہونا نہیں چاہیئے۔ اور پھر ثابت کرتے ہیں کہ وہ غلو ہوا، اور اس قدر جلد ہوا کہ مسیح اسرائیلی کے حق میں تو غلو تین سو سال بعد شروع ہوا اور مسیح محمدی کے حق میں صرف وفات سے تین سال بعد شروع ہو گیا۔ یہ متضاد دعاوی ہی ثابت کر رہے ہیں کہ میاں صاحب کو ان کے غلط عقائد نے کن مشکلات میں ڈال رکھا ہے۔

لیکن اصل سوال پر غور کرو۔ جب میاں صاحب نے مسیح ثانی کے پیرووٴں کی مسیح اول کے پیرووٴں سے مماثلت مان لی۔ اگرچہ انکار کے بعد ہی سہی، تو اب یہ تو صاف بات ہے کہ وہ مماثلت غلو میں ہے، اور میاں صاحب کے نزدیک غلو کرنے والا گروہ یہاں بھی موجود ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کے بعد پیرووٴں کے د وہی گروہ نظر آتے ہیں۔ ایک غلو کرنے والا، ایک صحیح راہ پر رہنے والا۔ لیکن میاں صاحب نے حضرت مسیح موعود کے بعد تین گروہ بنا دیئے۔ ایک غلو کرنے والا، ایک صحیح راہ پر قدم مارنے والا اور ایک مرتبہ گھٹانے والا۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ میاں صاحب غلطی کر گئے۔ کیونکہ مماثلت صرف دو گروہوں کو چاہتی ہے۔ ایک صراط مستقیم کا پیرو، اور مرتبہ گھٹانے والا۔ تفریط کرنے والا گروہ مخالفین اور دشمنوں کا ہے۔

پس یہ امر دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ ہم کو غالیوں کے اندر شامل کریں یا اپنے آپ کو۔ ہمیں تو انہوں نے پہلے ہی مرتبہ کم کرنے والا کہہ کر غالیوں سے بالکل الگ کر دیا اور خود ہی ہماری بریت کر دی۔ اب لازماً انہیں اپنے آپ کو خود اس غلو کرنے والے گروہ میں شامل کرنا ہوگا۔ اور اگر صرف یہ مشکل درپیش ہے کہ ظہیر الدین ان سے بڑھ کر غلو کرنے والا ہے، اس لیے وہ غالی نہیں کہلا سکتے، ظہیر الدین ہی کہلائے گا۔ تو یہ تو محض غلو کے مدارج ہیں۔ علاوہ ازیں خود آپ کے نزدیک غیر صاحب شریعت نبی، صاحب شریعت سے بڑا نہیں ہوتا۔ پس غیر نبی کو نبی صاحب شریعت کہیں یا غیر صاحب شریعت، غلو میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا۔

میاں صاحب نے مولوی ظہیر الدین کے غلو کی بنیاد دو باتوں کو قرار دیا ہے۔ اول اس کا یہ قول کہ ''اب

لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اَحْمَدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنا چاہیئے۔'' دوسرا یہ کہ وہ حضرت مسیح موعود کو ان معنوں کے رو سے نبی کہتا ہے، جن معنوں کے رو سے دشمن آپ پر اعتراض کرتے تھے۔ اب آؤ غور کریں کہ یہ دونوں باتیں میاں صاحب پر صادق آتی ہیں یا نہیں!

میاں صاحب اپنے بھولے بھالے مریدوں کو یہ کہہ کر خوش کر دیا کرتے ہیں کہ ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَحْمَدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (نقل کفر کفر نہ باشد) کہنا جائز نہیں سمجھتے۔ حالانکہ وہ کھلے الفاظ میں اور بار بار یہ کہہ چکے ہیں کہ کوئی شخص اب مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ حضرت مسیح موعود کو خدا کا رسول نہ مانے۔ اور انہوں نے ایک جگہ اپنی ایک خطرناک بیماری کی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے، جس میں ان کو موت کا یقین ہو چکا تھا، یہ لکھا ہے کہ اس آخری وقت میں میری زبان پر یہ لفظ تھے اٰمَنْتُ بِنَبِيِّكَ یعنی میں تیرے نبی مسیح موعود پر ایمان لاتا ہوں۔ جو شخص حالت نزع میں مسیح موعود پر ایمان کا ورد کرتا ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس کی زبان پر نہیں آتا، اس کا یہ کہنا، کہ وہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اَحْمَدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو ناجائز سمجھتا ہے، حیرت کا مقام ہے۔ بہر حال حضرت مسیح موعود پر ایمان لائے بغیر ان کے نزدیک کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ ان کا مسلّم اور مشہور مذہب ہے۔ اور میاں بشیر احمد صاحب نے اپنی کتاب کلمۃ الفصل کے بیسیویں صفحہ پر صاف لکھ دیا ہے کہ:

''ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا، یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمدؐ کو نہیں مانتا، اور یا محمدؐ کو مانتا ہے پر مسیح موعود کو نہیں مانتا، وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔''

پس جس طرح حضرت عیسیٰ کے بعد جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے تو حضرت عیسیٰ پر ایمان کافی نہ رہا، جب تک کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک شخص ایمان نہ لائے۔ اسی طرح میاں صاحب کے نزدیک جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مسیح موعود آ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کافی نہ رہا، جب تک کہ حضرت مسیح موعود پر ایمان نہ لائے۔ جس کو خلاصۃً دوسرے الفاظ میں یوں کہیں گے کہ حضرت عیسیٰ کے نام کا کلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر منسوخ ہو گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے نام کا کلمہ مسیح موعود کے آنے پر منسوخ ہوگیا۔ یا یوں کہیے کہ حضرت عیسیٰ کے آنے پر عیسیٰ کے نام کا کلمہ جاری ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر آپ کے نام کا کلمہ جاری ہوگیا۔ اور حضرت مسیح موعود کے آنے پر ان کے نام کا کلمہ جاری ہوگیا۔

کلمہ کے لفظ کو میاں صاحب نے اپنا عقیدہ چھپانے کے لیے آڑ بنالیا ہے۔ کلمہ سے مراد کیا ہے۔ صرف یہی کہ خدا تعالیٰ کی توحید کے ساتھ اب فلاں نبی کی نبوت کا اقرار ضروری ہے۔ پس جس کی نبوت کا اقرار ضروری ہے، اسی کا کلمہ ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ دو اقراروں کا مجموعہ ہے۔ خدا ایک ہے، محمد اس کے رسول ہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اَحْمَدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ دو اقراروں کا مجموعہ ہے۔ خدا ایک ہے، مرزا غلام احمد اس کے رسول ہیں۔ اگر میاں صاحب کے نزدیک یہ دونوں مؤخر الذکر اقرار صحیح ہیں تو ان دونوں کا مجموعہ بھی صحیح ہے۔ اور دونوں کا مجموعہ ہی وہ کلمہ ہے، جس کے مقر مولوی ظہیر الدین ہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اَحْمَدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ان دونوں حصوں میں سے کسی حصہ کو چھوڑنا ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا اور نجات سے محروم کر دیتا ہے۔ اس کے باوجود عوام کو دھوکہ دینے کے لیے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ مولوی ظہیر الدین تو غلو کا مرتکب ہو کر نصاریٰ سے مشابہ ہوگیا۔ کیونکہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اَحْمَدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو جائز سمجھتا ہے اور ہم غالی نہیں۔ کیونکہ ہم اس کلمہ کا پڑھنا جائز نہیں سمجھتے۔ گو دل میں اس بات پر ایمان رکھتے ہوں۔ یہ بھی عجیب ایمان ہے کہ دل میں ایک بات رکھنا جائز ہے۔ مگر منہ سے اس کا اقرار ناجائز ہے۔ میاں صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا نام اصطلاحِ شرعی میں نفاق ہے، ایمان نہیں۔

جناب میاں صاحب! اگر آپ یوں فرماتے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب فی الواقع رسول نہیں (استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ان پر یہ لفظ بولا جا سکتا ہے نہ حقیقت میں) اور ان کی رسالت پر ایمان لانے کے بغیر انسان دائرہ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے، تو آپ کے نزدیک لَآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اَحْمَدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار ناجائز ہوتا۔ مگر جب آپ کا ایمان ان دونوں باتوں کے خلاف ہے اور عملاً آپ حضرت مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلحاظ ایمان وہی مرتبہ دیتے ہیں، جو مرتبہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عیسیٰ کے بعد حاصل ہے، تو آپ کا اب اس مماثلت سے بچنے کے لیے، جس کی آپ کے اقراروں اور فعلوں سے صاف

شہادت ملتی ہے، یہ عذر بنانا کہ ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اَحْمَدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو ناجائز سمجھتے ہیں، اپنے آپ کو اور اپنی ساری جماعت کو دھوکہ دینا ہے۔ حقیقت میں آپ اور مولوی ظہیر الدین ایک مقام پر ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اس میں جرأت ہے کہ وہ اپنے عقائد کا علی الاعلان اظہار کرتا ہے۔ آپ ڈرتے ہیں کہ مسیح موعود کی جماعت ابھی اس حد تک غلطی میں مبتلا نہیں ہوئی۔ اس لیے ڈرتے ڈرتے کبھی اقرار کبھی انکار سے کام لیتے ہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اَحْمَدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے دونوں حصوں پر ایمان بھی رکھتے ہیں، بلکہ دونوں حصوں میں سے کسی ایک حصہ کے ترک کرنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج بھی قرار دیتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے چلے جاتے ہیں کہ یہ کلمہ تو ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ آہ! افسوس اس قوم پر، جس نے اپنی آنکھوں پر اس طرح پٹی باندھ لی ہے کہ اس صریح تضاد کو دیکھ کر بھی سوال نہیں کرتے کہ آپ ایک بات کہیں۔ احمد رسول اللہ پر ایمان کو چھوڑیں یا احمد رسول اللہ کے قائل ہوں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ کے تو آپ قائل ہیں ہی۔ اب جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اَحْمَدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا دل سے قائل ہے، اگر وہ جماعت کے الگ ہو جانے کے خوف سے یہ بھی کہتا رہے کہ میرے نزدیک یہ دل میں ماننا تو ضروری ہے، مگر منہ سے کہنا جائز نہیں، تو کسی عقلمند کے نزدیک ان میں اور مولوی ظہیر الدین میں ایک ذرّہ بھر بھی فرق نہیں!

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا آپ وہ نبوت تو حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب نہیں کرتے، جس کا الزام مخالفین نے حضرت پر لگایا تھا۔ اگر کرتے ہیں تو اپنے ہی اقرار کے رو سے آپ غالی ہیں اور نصارٰی سے اپنی مشابہت کا الزام آپ نے قبول کر لیا۔ آپ کہتے ہیں:

> ''پس حضرت مسیح ناصری کے ان متبعین سے مشابہت، جنہوں نے اس کے درجہ میں ان کی وفات کے بعد غلو کیا، ہمیں نہیں۔ کیونکہ ہم تو ہرگز ان معنوں کے رو سے حضرت مسیح موعود کو نبی نہیں کہتے، جن معنوں کے رو سے عموماً آپ کے دشمن آپ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ اور جن معنوں کے رو سے حضرت مسیح موعود اپنے نبی ہونے کا انکار کیا کرتے تھے۔ وہی لوگ ان مسیحیوں سے مشابہت رکھتے ہیں جو کہ حضرت مسیح موعود کو ان معنوں کے رو سے نبی کہتے ہیں کہ آپ صاحب شریعت تھے۔''

اب الزام سے برّیت کے لیے آپ کا یہ فرض تھا کہ آپ فتویٰ کفر میں سے یہ الفاظ دکھاتے کہ مولوی صاحبان نے یہ لکھا ہے کہ یہ شخص تشریعی نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یا جب حضرت صاحب نے اس فتویٰ کے الزامات سے انکار کیا تھا تو اس انکار میں یہ الفاظ دکھاتے کہ حضرت صاحب کہتے ہیں کہ مجھ پر تشریعی نبوت کا الزام لگاتے ہیں۔ حالانکہ میں نبوت غیر تشریعی کا مدعی ہوں۔ لیکن آپ قیامت تک بھی ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں دکھا سکتے۔ جس طرح مردِ میدان بن کر آپ نے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ آپ نے مخالفین کے اعتراض والی نبوت آپ کی طرف منسوب نہیں کی، نہ وہ، جس کا آپ نے خود انکار کیا۔ اسی طرح مردِ میدان بن کر اب فتویٰ کفر میں سے تشریعی نبوت کا الزام آپ پرؔ دکھایئے۔ یا مسیح موعود نے جو فتویٰ کفر کے الزامات کا جواب دیا ہے، اس میں سے دکھایئے کہ انکارِ نبوت تشریعی کا ہے نہ کہ غیر تشریعی کا۔ اگر آپ یہ دکھا دیں تو آپ کی بریّت اس الزام سے اس پہلو سے ہوگئی۔ اور اگر نہ دکھا سکیں تو اپنے منہ سے اقرار کیجئے کہ آپ مسیح ناصری کے غالی متبعین سے مشابہت رکھتے ہیں۔

اس کے خلاف میں آپ کو دکھاتا ہوں کہ فتویٰ کفر میں محض نبوت کا مدعی ہونے کا الزام ہے، نہ کچھ اور۔ اور تشریعی اور غیر تشریعی کا کوئی ذکر فتویٰ کفر میں نہیں۔ اور حضرت صاحب نے جو جواب فتویٰ کفر کا دیا ہے، اس میں بھی یہ تفریق موجود نہیں، بلکہ صاف طور پر محض نبوت سے انکار ہے۔ جس میں آپ کے مزعومہ تشریعی اور غیر تشریعی دونوں نبوتیں آ جاتی ہیں۔ اس کے لیے میں آپ کو حضرت صاحب کے اس اعلان کی طرف توجہ دلاتا ہوں، جو 2 اکتوبر 1899ء کو حضرت نے شائع کیا۔ اور جس کو آپ کے مرید میر قاسم علی نے دین الحق میں 1911ء میں شائع کر کے بتا دیا کہ حضرت صاحب کی ابتدائی تحریریں دربارہ انکار نبوت، کسی شخص نے 1910ء تک منسوخ نہ سمجھی تھیں۔ ہاں! جب آپ نے یہ لفظ منہ سے نکال دیئے تو پیر پرستی کے رنگ میں رنگین ہو کر جماعت نے بغیر کسی غور و فکر کے کورانہ تقلید کا رنگ اختیار کر کے اپنے آپ کو ایک ایسے چاہ ضلالت میں گرا دیا، جس سے ان کا نکلنا اب مشکل ہو رہا ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

> ''اس عاجز نے سنا ہے کہ اس شہر کے بعض اکابر علماء میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی، ملائک کا منکر، بہشت و دوزخ کا انکاری اور ایسا ہی وجود جبریل

اور لیلۃ القدر اور معجزات اور معراج نبیؐ سے بکلّی منکر ہے۔ لہٰذا میں اظہاراً للحق عام و خاص اور تمام بزرگوں کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افتراء ہے۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر، بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں۔ اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کے رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولٰینا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت و رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔''

وحی رسالت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوجانا یہ حضرت صاحب اپنا یقین و ایمان ظاہر کرتے ہیں۔ مگر آپ کے نزدیک حضرت مسیح موعود کو وحیٔ رسالت ہوتی تھی۔ اب فرمائیے! جس بات کا انکار حضرت صاحب نے کیا ہے، وہی آپ ان کی طرف منسوب کررہے ہیں یا نہیں؟ مدعی نبوت ہونے کا وہ انکار کرتے ہیں۔ آپ ان کو مدعی نبوت بتاتے ہیں۔ الزام بھی دعویٰ نبوت کا ہے۔ انکار بھی دعویٰ نبوت کا ہے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ جس بات کا الزام تھا، وہ حضرت صاحب کی طرف منسوب کرکے اور جس سے آپ نے خود انکار کیا تھا، اسی کا آپ کو مدعی ٹھہرا کر، آپ اپنے منہ سے غالی بنے یا نہیں! اور حضرت مسیح کے غلو کرنے والے متبعین سے اپنی مشابہت کا آپ کی اپنی زبان سے اقرار ثابت ہوگیا یا نہیں۔ مگر اس سے بھی آگے چلیے۔ حضرت صاحب نے خود صاف کردیا ہے کہ کس چیز کا الزام ہے اور کس چیز کا انکار رہے۔

''ازالہ اوہام''، جس کے متعلق میر قاسم علی صاحب 1910ء میں اپنی کتاب ''دین الحق'' میں لکھتے ہیں ''مرزا صاحب کے دعویٰ کو سمجھنے کے لیے اور ان سے واقف ہونے کے واسطے ہر ایک دیندار خدا ترس کا فرض ہے کہ وہ اس کتاب کو مطالعہ کرے۔'' یہ دینداری اور خدا ترسی آپ کی جماعت میں اب بھی موجود ہونی چاہئے۔ جس کی طرف 1910ء میں دوسرے لوگوں کو بلایا جاتا تھا۔ اس کتاب یعنی ازالہ اوہام کے صفحہ 421 تا 422 پر ذیل کی عبارت موجود ہے:

''(11) سوال: رسالہ فتح اسلام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

اما الجواب: نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے، جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔''

اب غور کا مقام ہے کہ یہاں الزام بھی نقل کر دیا ہے۔ اور وہ الزام یہ ہے کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور جواب بھی دے دیا ہے کہ نبوت کا دعویٰ نہیں، بلکہ محدثیت کا ہے۔ اب آپ کی تشریح کہ نبوت سے آپ کی مراد نبوت تشریعی تھی، اور اسی کا انکار ہے۔ اور نبوت غیر تشریعی کا انکار نہیں کیا، باطل ہوگئی۔ اس لیے کہ خود بتا دیا کہ دعویٰ نہ نبوت تشریعی کا ہے، نہ نبوت غیر تشریعی کا، بلکہ محدثیت کا ہے۔ مگر اب آپ محدثیت کو حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کرنا اپنی ہتک قرار دیتے ہیں۔ پس آپ وہ بات حضرت صاحب کی طرف منسوب کر رہے ہیں، جس کا حضرت صاحب نے صاف لفظوں میں انکار کیا ہے۔ اس لیے آپ کا یہ اقرار، کہ جو حضرت صاحب کی طرف وہ بات منسوب کرے، جس کا آپ نے انکار کیا ہے، وہ غالی ہے، آپ پر ایسی صراحت سے صادق آتا ہے کہ اس کے بعد اس سے آپ کو انکار کرنا زیبا نہیں۔ اگرچہ آپ کو ملزم ثابت کرنے کے لیے صرف اسی قدر دکھا دینا کافی تھا کہ حضرت صاحب نے اس نبوت کا انکار کیا ہے، جو محدثیت سے بالاتر ہو۔ تاہم یہاں ساتھ کچھ اور بھی لفظ ہیں کہ ایسا ''خدا تعالیٰ کے حکم'' سے کیا گیا ہے۔ ان کی طرف آپ کی توجہ اس لیے بکار ہے کہ آپ یہ عذر کر دیا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنے خیال سے اس کا نام محدثیت رکھ لیا تھا، حالانکہ یہاں صراحت سے ''خدا تعالیٰ کے حکم'' کے الفاظ موجود ہیں۔ ہاں! ایک عذر آپ کا یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ مسیح موعود کی بے سمجھی کا زمانہ تھا۔ اس وقت خدا کچھ کہتا تھا، وہ کچھ سمجھتے تھے۔ اس سے اگرچہ مجھے بحث نہیں، اس لیے کہ دکھانا صرف اس قدر تھا کہ جس بات کا الزام مخالفین نے دیا، جس کا انکار حضرت صاحب نے کیا، خواہ آپ کے خیال میں بے سمجھی سے ہی ایسا کیا ہو، وہی آپ حضرت صاحب کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ مگر اتمام حجت کے لیے میں یہ بھی دکھاتا ہوں کہ حضرت صاحب نے اس علم کو بھی، جس میں انکار نبوت اور اقرار محدثیت پایا جاتا ہے، خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''جھوٹے الزام مجھ پر مت لگاؤ کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں پڑھا

کہ محدث بھی ایک مرسل ہوتا ہے...... بلکہ جو مامور کیا جاتا ہے، وہ مرسل ہی ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ الہام، جو خدا نے اپنے اس بندہ پر نازل فرمایا، اس میں اس بندہ کی نسبت نبی اور رسول اور مرسل کے لفظ بکثرت موجود ہیں۔ سو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ وَلِکُلٍّ اَنْ یَّصْطلحَ سو خدا کی یہ اصطلاح ہے۔ جو اس نے ایسے لفظ استعمال کیے...... مجازی معنوں کے رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے...... یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے۔'' (سراج منیر)

میاں صاحب! خدارا غور فرمائیے کہ خدا نے حکم دیا۔ نبوت کا دعویٰ مت کرو، محدثیت کا کرو۔ خدا نے علم دیا کہ تمہارے الہامات میں لفظ نبی و رسول سے مراد محدث ہے نہ کہ نبی۔ مگر باوجود اس کے آپ حضرت صاحب کی طرف محدثیت نہیں، بلکہ اس سے بالاتر مرتبہ نبوت کا منسوب کرتے ہیں۔ اور اپنے فتویٰ کے رو سے کہ اگر ہم وہ بات حضرت صاحب کی طرف منسوب کریں جس سے وہ انکار کرتے ہیں، تو ہم غالی متبعین مسیح سے مشابہ ہوں گے، آپ نے اپنی مماثلت عیسائیوں سے قائم کر لی! پھر خدارا غور کرو کہ کیا حضرت صاحب نے مجازی نبی محدث کو نہیں کہا؟ امتی نبی محدث کو نہیں کہا؟ اور آخر تک اپنے آپ کو مجازی نبی اور امتی نبی نہیں لکھتے رہے؟ اس صراحت کے ہوتے ہوئے آپ کس طرح لوگوں کو غلط راہ پر ڈال رہے ہیں۔ اسی ''ازالہ اوہام'' میں ہے:

''محدثیت، جو قرآن مجید میں نبوت کے ساتھ اور رسالت کے ہم پہلو بیان کی گئی ہے، جس کے لیے صحیح بخاری میں حدیث بھی موجود ہے، اس کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے، یا شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا جائے، تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آ گیا۔''

پھر اسی ازالہ اوہام میں ہے:

''سو یہ بات کہ اس کو اُمتی بھی کہا اور نبی بھی، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شانیں امتیت اور نبوت کی اس میں پائی جائیں گی۔ جیسا کہ محدث میں ان دونوں شانوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن صاحب نبوت تامہ تو صرف ایک شان نبوت ہی رکھتا

ہے۔غرض محدثیت دونوں رنگوں سے رنگین ہوتی ہے۔اس لیے خدا تعالیٰ نے ''براہین احمدیہ'' میں بھی اس عاجز کا نام اُمتی بھی رکھا اور نبی بھی۔''(صفحہ 522-523)

اب جب آخر عمر تک حضرت صاحب کی یہ عبارات موجود ہیں کہ میرا نام مجازی طور پر نبی رکھا گیا نہ حقیقی طور پر۔اور یہ کہ میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا، بلکہ اُمتی نبی کہلا سکتا ہوں،تو جو شخص یہ کہتا ہے کہ آپ محدث سے بالاتر ہیں، کیا اس کا یہ دعویٰ نہیں کہ آپ اُمتی نبی اور مجازی نبی سے بڑھ کر ہیں اور کیا وہ حضرت صاحب کی طرف وہ بات غلو کے رنگ میں منسوب نہیں کرتا،جس سے حضرت صاحب خود صریح طور پر انکاری ہیں!

30 نومبر/3 دسمبر 1919ء

روئیداد

مسجد ووکنگ میں ایک لیکچر

اس اتوار مورخہ 26 اکتوبر 1919ء کو مسجد ووکنگ میں انگریز نومسلم و غیر مسلم مردوں اور خواتین کے مجمع میں مولٰینا مولوی صدر الدین صاحب نے انسان کے فطرتاً گنہگار ہونے کے عیسائی عقیدہ کے خلاف ایک مؤثر تقریر فرمائی۔ اور شہادت میں نہ صرف قرآن کریم کی آیت فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا (30:30) کو ہی پیش کیا اور بتایا کہ انسانی فطرت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی فطرت کے مطابق پاک بنایا ہے، بلکہ خود انجیل کے متی 18 باب کی شروع کی چند آیات پڑھیں، جو اس پاک تعلیم کے عین مطابق ہیں۔ مثلاً یہ کہ:

> ''اس وقت شاگرد یسوع کے پاس آ کر کہنے لگے۔ پس آسمان کی بادشاہی میں بڑا کون ہے؟ اُس نے ایک بچے کو اپنے پاس بُلا کر اُسے اُن کے بیچ میں کھڑا کیا۔ اور کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم توبہ نہ کرو اور بچوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہو گے۔ پس جو کوئی اپنے آپ کو اُس بچے کی مانند چھوٹا بنائے گا وہی آسمان کی بادشاہی میں بڑا ہو گا۔'' (متی 18:1-4)

آپ نے بتایا کہ اِن آیات میں حضرت مسیحؑ نے آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونے اور بڑا بننے کے لیے بچے کی مانند بننے کا ارشاد فرمایا ہے۔ حالانکہ اگر آپ انسان کو فطرتاً گنہگار سمجھتے، تو آپ کو کہنا چاہئے تھا کہ میرے خون پر ایمان لاؤ، تو آسمان کی بادشاہت میں بڑے بن جاؤ گے۔ لیکن بچہ کی مانند بننے کا ارشاد صاف بتاتا ہے کہ آپ انسان کو فطرتاً گنہگار نہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ انسان کے فطرتاً گنہگار ہونے میں تو بچہ اور بڑا سب عیسائی معتقدات کے مطابق شریک ہیں۔ بلکہ آج کل کے عیسائی عقائد کی رو سے تو ایک بچہ اگر بپتسمہ لیے بغیر مر جائے تو وہ جہنمی ہے۔ اور پادری صاحب اس کا جنازہ بھی پڑھنے سے انکار کر دیتے ہیں اور اس کو قبرستان میں بھی دفن

ہونے نہیں دیتے، بلکہ علیحدہ جگہ اُس کو گاڑ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اُن کا خیال ہے کہ وہ تمام بچے، جو بپتسمہ لیے بغیر مر جائیں وہ دوزخ کی سطح پر رینگتے ہیں۔ انجیل کی مندرجہ بالا آیات اس کے خلاف ایک کھلی شہادت ہیں۔ اور ان سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت مسیحؑ ایک بچہ کو کم از کم معصوم سمجھتے تھے۔ اور انسان کے فطرتاً گنہگار ہونے کے قائل نہ تھے۔

ایسا ہی آپ نے بتایا کہ حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ:

''اگر تیرا ہاتھ یا تیرا پاؤں تجھے ٹھوکر کھلائے تو اُسے کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے۔''

اگر آپ انسان کو فطرتاً گنہگار سمجھتے تو کسی چیز سے ٹھوکر لگنے کا خیال ہی غلط ہے۔ اور اس کو الگ کر دینے سے انسان پاک نہیں ہوسکتا۔ ٹھوکر سے بچنے یا پاک ہونے کے لیے تو موجودہ مسیحی معتقدات کے مطابق انہیں اپنے خون پر ایمان لانے کا حکم دو چار دینا چاہئے تھا۔ اس کے خلاف ٹھوکر کی چیز کو الگ کر دینے کا ارشاد بتاتا ہے کہ جناب مسیحؑ انسان کے نیک عملوں کو ہی پاکیزگی کا موجب سمجھتے تھے اور کسی کفارہ کے قائل نہ تھے، غرض اس بارہ میں جناب مسیحؑ کا کلام قرآن کریم کے عین مطابق ہے۔ ایک انگریز نومسلم مسٹر سلمان شلائچ نے آپ کے پیش کردہ استدلال کی بڑے زور سے تائید کی۔

خاکسار

دوست محمد

از ووکنگ، انگلستان

30 نومبر۔3 دسمبر 1919ء

مراسلات

میاں محمود کے دعویٰ اور محمودیوں کی حالت پر ایک نظر

ہمارے احباب کو معلوم ہوگا کہ مولانا محمد علی ایدہ اللہ بنصرہ نے اپنے رسالہ ''شناخت مامورین'' میں کہیں یہ لکھ دیا کہ میاں محمود صاحب کے مرید اُنہیں مامورین مِن اللہ کے مقام پر سمجھتے ہیں۔ اس پر ہمارے مہربان مولوی فضل دین صاحب نونی کو سخت طیش آیا اور غصہ اور غضب کی حالت میں بلا دور اندیشی کے اُنہوں نے حضرت امیر کو چیلنج دیا کہ وہ دکھائیں کہ کب میاں صاحب نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اُن کے مرید کہاں اُنہیں مامور من اللہ مانتے ہیں؟ یہ افتراء ہے، یہ بہتان ہے، وغیرہ وغیرہ۔ میں ان کی مذبوحی حرکات دیکھ کر حیران تھا۔ کیونکہ خود میرا تجربہ بھی یہی ہے کہ میاں صاحب کے مرید انہیں مامور من اللہ تو کیا، سب کچھ ہی مانتے ہیں۔ نہ خدا سے اُنہیں کوئی مطلب، نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سروکار، نہ مسیح موعود سے کوئی تعلق۔ ان کے لیے تو جو کچھ ہے میاں صاحب ہے۔ میاں صاحب کا دعویٰ بھی کوئی نہیں، اور ہے بھی سب کچھ۔ محض مریدوں اور غیر مریدوں کا فرق ہے۔ آمنا وصدقنا کہنے والے ہوئے، تو آپ ہر قسم کا دعویٰ کرنے والے ہو جاتے ہیں۔ کوئی مقابلہ کے لیے طلب کرے، تو آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرا تو ذاتی کوئی دعویٰ ہے ہی نہیں۔

غرض جب تک میاں صاحب اپنے مریدوں میں پراسرار ہستی بنے ہوئے ہیں، محض اسی وقت تک یہ محمودی تحریک سسکتی رہے گی۔ اور جب میاں صاحب کی عظمت کا راز مریدوں کو معلوم ہو جائے گا، اور وہ تعصب کی عینک آنکھوں سے اُتار کر میاں صاحب کو اُن کی اصلی رنگت میں دیکھیں گے تو یہ محمودیت کی عمارت یکدم منہدم اور معدوم ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ تحریک کسی اصول پر مبنی نہیں، بلکہ ایک ایسے انسان کی شخصیت سے وابستہ ہے، جسے بعض لوگوں نے اپنے مفاد اور خودغرضی کے لیے بُت بنا رکھا ہے۔ اور گردوپیش کے حالات اور مریدوں کی جہالت نے اُسے بھی حوصلہ دلا دیا ہے کہ وہ ہر قسم کا تکبر اور انانیت اپنے لیے جائز سمجھے۔

اللہ! اللہ! ضعیف ونحیف کمزور خا کی پُتلا۔ اگر اس کی دعا سے کسی خاص علاقے پر زیادہ مینہ نہ برسے، تو وہ نازوں کا پالا اپنے پیدا کرنے والے کی ہستی سے بھی انکار کردے۔ پھر قرآن ہستی باری تعالیٰ پر سو دلائل دیا کرے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے، جو اللہ تعالیٰ کی ہستی کا مظہر اعظم ہے، اسے ہزار ثبوت خدا کے حیّ و قیوم ہونے کے ملیں، اُس کے نزدیک ہیچ ہیں۔ کیونکہ اس لاڈلے کی دعا، جو اللہ تعالیٰ پر قبول کرنی فرض تھی، کسی وجہ سے اس بے نیاز ذات نے قبول نہیں فرمائی۔ میں تو حیران ہوتا ہوں کہ کس کس قسم کے دعاوی اس شخص نے محض اس حیثیت سے کر دیئے ہیں، کہ اُسے چند ہزار لوگوں نے اپنا خلیفہ منتخب کر لیا ہے۔ ورنہ اپنی کمزوریوں سے وہ ناواقف نہیں۔

انصاف پسند اور خدا ترس دوستو! غور کرو اس دعویٰ پر کہ اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہو یا اُسے کوئی تکلیف ہو، تو وہ ایک پیسہ کا کارڈ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اور عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرَ میاں صاحب کی خدمت میں لکھ کر لیٹر بکس میں ڈال دے۔ اور ابھی وہ خط میاں صاحب کی خدمت میں پہنچا بھی نہ ہوگا کہ اس کی تکلیف و مصیبت دور ہو جائے گی۔ ہمیں مسیح موعود کی زندگی میں تو ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بلکہ مسیح موعود تو کیا موسیٰؑ وعیسیٰؑ حتّٰی کہ فخر بنی آدم سید الرسل حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شان میں ہے لَوْ لَاکَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ، کی سوانح میں بھی کوئی ایسی نظیر دکھائی نہیں دیتی۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں تو یہی دیکھتے ہیں کہ وہ خشوع اور خضوع سے دعائیں کرتا ہے۔ غاروں میں دعا کے لیے جاتا ہے۔ راتوں کو جب تمام خواب راحت میں ہوتے ہیں، وہ بنی آدم کا سچا ہمدرد اور محسن بستر کو چھوڑ دیتا ہے، ہاتھ باندھ کر اپنے قادر مطلق کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے، کبھی جھکتا ہے کبھی سربسجود ہوتا ہے اور اپنی عاجزی اور بے کسی کا خیال کر کے گڑگڑاتا ہے۔ اس کی ان عاجزیوں پر رحیم و کریم مولا کی رحمت جوش میں آتی ہے اور پاک نفس اور محبوب بندے سے وہ اس کی کامیابی کا وعدہ کرتا ہے اور وعدہ بھی نہایت صاف لفظوں میں۔ مگر وہ نیک اور پاک نفس رسولؐ، جس کا دل نور ایمان اور یقین سے لبریز ہے۔ جس کے قلبِ صافی میں مکر و شیخی کا شائبہ نہیں، پھر عاجزی اور فروتنی سے اپنے مولا اور کارساز کے سامنے گر جاتا ہے۔ خشوع و خضوع کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اس کے اصحابؓ بھی اُس کی حالت کو دیکھ کر رحم سے بھر جاتے ہیں۔ اور اُسے خدا کا وعدہ یاد دلاتے ہیں۔ مگر وہ ان کو یہی جواب دیتا ہے کہ میں خدا کی

بے نیازی سے ڈرتا ہوں۔

کہاں تو وہ عظیم الشان رسول اور یہ انکساری، اور کہاں یہ چودھویں صدی کا نوجوان گدی نشین، اور یہ تکبر وانانیت! طرح طرح کے بے معنی دعووں سے سادہ لوح اور جاہل لوگوں کے دلوں پر رعب طاری کیا جاتا ہے۔ تاکہ اسلامی سادگی اور حریت اُن کے دلوں سے محو ہو جائے اور وہ طرح طرح کے وسوسوں اور وہموں میں مبتلا ہو جائیں اور آستانِ خلافت سے علیحدگی اختیار نہ کر لیں۔ جب کسی مرید کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو وہ ایک کارڈ میاں صاحب کی خدمت میں لکھ دیتا ہے۔ اور اگر کسی اتفاق سے وہ شخص مصیبت یا بیماری سے نجات پا جائے تو جھٹ میاں صاحب کا تقدس ظاہر کرنے کے لیے اُسے میاں صاحب کی کرامت بنا لیا جاتا ہے۔

ایڈیٹر پیغام صلح اس غریب سادہ طبع مرید کو موردِ طعن و تشنیع بناتے ہیں اور اس تکبر وانانیت کے پُتلے کو نہیں دیکھتے، جس نے اُنہیں مردم پرستی کی تعلیم دی ہے۔ اور ابھی بعض ضدی لوگوں کو اصرار ہے کہ میاں صاحب کے مرید اُنہیں مامور من اللہ کے مقام پر نہیں سمجھتے۔ میں ابھی بتلاؤں گا کہ خود میاں صاحب کیا کیا بنتے ہیں اور اُن کے مرید اُنہیں کیا کیا سمجھتے ہیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ میاں صاحب! یہ دعاوی کس اُصول پر مبنی ہیں۔ کیا آپ عالم الغیب خداوند خدا ہیں کہ مرید نے آپ کی خدمت میں خط لکھا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ مرید مصیبت میں مبتلا ہے اور اُس نے ''ہز ہولی نس'' کو مشکل کشائی کے لیے پکارا ہے۔ پھر آپ کیا قادر مطلق مَالِکُ السّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خدا ہیں کہ کسی مرید کی تکلیف کا حال معلوم ہوا اور آپ نے مشکل آسان کر دی۔ یا آپ کو کوئی ایسی طاقتیں حاصل ہیں کہ خداوند خدا باوجود جاہ وجلال آپ سے دبتا ہے۔ اور کیا آپ اپنے مرید میاں محمد ظفر صاحب سامانوی سے دریافت کر کے اطلاع دیں گے کہ جب اُس نے آپ کی ان کرامات کی تصدیق کی تھی، تو وہ آپ کو کیا سمجھتا تھا کہ اُس نے خط لیٹر بکس میں ڈالا اور اُس کی مصیبت دور ہو گئی اور یہ میاں صاحب کی کرامت تھی۔ پھر ایڈیٹر ریویو اور ایڈیٹر الفضل، جنہوں نے اس دعویٰ اور تصدیق کو شائع کیا تھا، وہ آپ کو کیا سمجھتے تھے، اور جماعت جس نے اپنی خاموشی سے آپ کی تائید کی، وہ آپ کی کیا حیثیت سمجھتی تھی۔ سچ ہے ؂

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلاں کارِ طفلاں تمام خواہد شُد

اسی پر کیا بس ہے۔ ابھی میں اور دکھاؤں گا کہ میاں صاحب کے مرید انہیں کیا سمجھتے ہیں۔ یہ

جمہورِ اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایسی ہستی ہے کہ جو کسی امر کو حلال یا حرام قرار دے سکتی ہے۔ یا اس سے تنزل کر کے یوں کر سکتے ہیں کہ شارع اسلام، جو خدا کی ذات کا زمین پر مظہر ہے، کسی امر کی نسبت قرار دے سکتا ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا میں کسی فرد کی مجال نہیں کہ حلال وحرام کی نسبت کوئی نیا فتویٰ دے۔ خود مسیح موعود کے عمل کو دیکھ لو۔ جسے میاں صاحب نبی بتاتے ہیں۔ وہ باوجود نبی ہونے کے بھی حقہ نوشی حرام نہ کر سکا۔ اگرچہ آپ اسے سخت ناپسند فرماتے تھے۔ وجہ کیا ہے؟ اس فتویٰ پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ثبت نہیں تھی۔ لیکن میاں صاحب کے مرید انہیں مامور من اللہ کی حیثیت سے بڑھ کر اسے شارع کی حیثیت دیتے اور شریعت میں تغیر وتبدل کرنے کا مجاز اور حق دار سمجھتے ہیں۔ چنانچہ 8 نومبر کے الفضل میں ڈاکٹر سید غلام حسین صاحب کیٹل فارم حصار کے ایک بسیط مضمون ''احمدی لڑکیوں کی کہانی'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ جس کی چند سطور ہمارے احباب کی دلچسپی کا موجب ہوں گی۔ اور وہ شکر کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں پیر پرستی کی لعنت سے بچالیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

> ''بعض دفعہ لمبی سوچ بچار کے بعد دل میں جوش اُٹھتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ وبنصرہٖ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک فتویٰ طلب کروں کہ حضور غیر احمدی لڑکی سے احمدی لڑکے کا نکاح حرام قرار دیں۔''

لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ (18:11) یہ الفاظ ایک تعلیم یافتہ ڈاکٹر کی لمبی سوچ بچار اور غور وفکر کا نتیجہ ہیں، تو پھر ان میں کے جہلا کا تو خدا ہی حافظ ہے۔ جن میں نہ سوچنے کا مادہ، نہ سمجھنے کی قابلیت۔ 1915ء کے سالانہ جلسہ میں ایک شخص نے میاں صاحب کو ''السلام علیکم یا رسول اللہ'' کہہ ہی دیا تھا اور شاید اُس دن سے میاں صاحب نبوت ورسالت کا دعویٰ کرنے کی ترکیبیں سوچ بھی رہے ہوں گے۔ باب نبوت، جو تیرہ سو سال سے بند تھا، وہ تو میاں صاحب نے کسی نہ کسی طرح سے توڑ ہی لیا ہے۔ اور اس میں اب ہزار ہا نبیوں کی گنجائش بھی پیدا ہوگئی ہے۔ پھر کیا حرج ہے اگر میاں صاحب بھی نبی بن جائیں اور ایک بوڑھے کا ''السلام علیکم یا رسول اللہ'' کہنا ایک پیشگوئی بن جائے۔ اور وہ غریب بوڑھا یہ کہنے میں مفتی صاحب اور میاں عبدالعزیز صاحب لاہوری کا ہم پایہ ہو جائے کہ میں نے مدت پہلے اپنی فراست سے تاڑ لیا تھا کہ ہو نہ ہو یہ نبی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اس وقت

کہیں بہت سے محمودی یکدم ہی نبی نہ بن جائیں۔ کیونکہ نبوت انسانیت کے اعلیٰ مرتبہ کا نام ہے۔ اور قرآن نے اس کے حصول کے طریقے بتا دیئے ہیں۔ محمودیوں کے لیے بڑی مشکلات کا سامنا ہے۔ مختصر سی جماعت کس کس کی اطاعت کرے گی! شاید مباہلہ پر فیصلہ ہو۔ اور اس کے لیے تو ہم بھی پیشگوئی کیے دیتے ہیں کہ میاں صاحب جیتیں گے۔ کیونکہ شاید دوسرے مدعیان نبوت میں سے ہر ایک کے پاس پانچ پانچ ہزار روپیہ بینک میں رکھنے اور ہزار ہزار آدمی مباہلہ کے میدان میں جانے کی استطاعت نہ ہو۔ اور اس طرح سے دوسروں کے فرار کا الفضل میں اعلان کرنے کی گنجائش نکل سکے۔ لیکن پھر اور بھی خدشہ ہے کہ کوئی احمدی ''حقیقۃ الوحی'' کا 391 صفحہ پیش نہ کر دے کہ اُمت محمد یہ میں نبی کا نام پانے کے لیے محض مرزا صاحب مخصوص ہیں۔ مگر یہ چنداں مشکل نہیں۔ اگر محمودیوں کی یہی روش رہی تو تھوڑے عرصے میں مرزا صاحب کی اُمت بھی بن جائے گی اور یہ تاویل موزوں ہو جائے گی کہ اُمت محمد یہ میں مرزا صاحب مخصوص ہیں۔ لیکن اب تو مرزا صاحب کی اُمت ہے۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ پانچ سال میں مسیح موعود غلام احمد سے احمد رسول بنا لیا گیا۔ اسے مجدد و محدث سے صاحب کتاب نبی کے درجے پر ترقی دے دی گئی۔ اب اُس کی اُمت بن جانا کیا بڑی بات ہے!

مسئلہ ارتقاء تو ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارج بھی تو ہر آن بڑھتے ہیں، تو مسیح موعود کے کیوں نہیں بڑھتے ہوں گے! اُمت کے بغیر تو نبی کچھ نہیں۔ اور اکثر تم سے لوگ یہ سوال بھی کرتے رہتے ہیں کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہو یا مرزا صاحب کی۔ اور اس زمانہ کا نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا مرزا صاحب؟ اور اگر یہ صورت بھی نہ ہو سکی، تو پھر تمہارے پاس ایک اور آسان ترکیب ہے۔ اسے الزامی جواب کہہ دینا یا اس 391 صفحہ کو بھی منسوخ کر دینا۔ کیونکہ یہ تو اس وقت مطلب کے موافق یا لوگوں کو دھوکے میں رکھنے کے لیے کافی ہے۔ پھر تو یہی صفحہ سدِ راہ ہو جائے گا۔ اس لیے ابھی سے کوئی خاص انجمن قائم کر کے اس کے برخلاف آہستہ آہستہ دبی آواز اُٹھاؤ۔ مگر اس دفعہ ذرا احتیاط زیادہ ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ان خفیہ سازشوں سے واقف ہو کر پھر ''ایک ضروری اعلان شائع کر دے۔''

اب میں اصل مقصد کی طرف رجوع کر کے پوچھتا ہوں کہ کیا میاں صاحب اس قسم کا فتویٰ دینے کے مجاز ہیں۔ اگر نہیں تو ایڈیٹر الفضل نے کیوں اس قسم کی لچر بات کو اخبار میں شائع کیا۔ یا اس پر کیوں کوئی نوٹ نہ

دیا۔ اور میاں صاحب نے کیوں اس پر ناپسندیدگی کا اعلان نہ کیا اور جماعت اس پر کیوں خاموش رہی۔ کہتے ہیں کہ جب آیت کریمہ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (64:3) نازل ہوئی، تو یہود کا ایک مجمع کثیر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ قرآن نے ہم پر غلط الزام لگایا ہے۔ ہم کہاں غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں؟ تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس امر کو تمہارے راہب اور پیر حرام قرار دیتے ہیں، کیا تم اُسے حرام نہیں سمجھ لیتے؟ اور جس چیز کو تمہارے گدی نشین حلال قرار دیتے ہیں، اُسے تم حلال نہیں سمجھتے؟ یہی پیر پرستی اور یہی شرک ہے یہودی خاموش ہو گئے۔ لیکن محمودیوں اور یہودیوں کی حالت میں ایک نمایاں فرق ہے۔ یہودیوں کے پیر فتویٰ دیتے تھے اور وہ اُسے خاموشی سے قبول کر لیتے تھے۔ محمودی اپنے پیر سے التجا کرتے ہیں کہ تم نئے نئے فتویٰ دیا کرو، ہم مان لیا کریں گے۔ پہلے جنازہ غیر از جماعت اشخاص کے لیے میاں صاحب نیا فتویٰ دے ہی چکے تھے، تو جب مریدوں نے دیکھا کہ گلے پڑا ڈھول بجانا ہی پڑتا ہے، تو اب وہ میاں صاحب کو نئے فتویٰ دینے کا مجاز اور جائز حق دار ہی بنا لینا چاہتے ہیں۔ چلو چُھٹی ہوئی، روز روز کا جھگڑا ختم ہوا۔ اور ہماری جماعت کے لوگ مسیح موعود کے فتوے دکھا کر اب اُنہیں دق تو نہیں کیا کریں گے۔

اِن واقعات کو بیان کر کے میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ میاں صاحب خود کیا بنتے ہیں اور اُن کے مرید اُنہیں کیا سمجھتے ہیں۔ واقعات ہم نے پیش کر دیئے ہیں۔ اب مولوی فضل دین صاحب نونی اور ایڈیٹر الفضل ان واقعات کی بنا پر میاں صاحب کے دعویٰ کی تعین کریں اور لکھیں کہ میاں صاحب کے مرید انہیں کیا سمجھتے ہیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْمُرْسَلِیْنَ.

خاکسار

صادق علی

پٹیالہ

14دسمبر1919ء

سیرت نبویؐ کا ایک ورق

حضرت امیر ایّدہ اللہ بنصرہٖ کا لیکچر جو آپ نے 6 دسمبر 1919ء کو حبیبیہ ہال واقعہ اسلامیہ کالج لاہور میں دیا تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولٰینا نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا. مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۟ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا. (29-28:48)

اور فرمایا:

حضرات سامعین! آج کا دن اُس انسان کے وصال کا دن ہے، جس کی مدح میں ابھی آپ کے سامنے نعتیہ اشعار پڑھے گئے ہیں۔ وہ اشعار بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کو کس قدر تعلق اور محبت ہے اُس انسان کے ساتھ، اور وہ اُس کو کس قدر اپنا عزیز اور محبوب سمجھتے ہیں۔ اور کیوں نہ سمجھیں جبکہ خود ارشاد نبویؐ ہی اس طرح پر ہے کہ **لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ.**

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارا ایمان ہے۔ ہاں! سوال ہوسکتا ہے کہ کیا یہ محبت اسی طرح کی محبت ہے، جس طرح کہ بعض لوگ دنیا میں کسی جذبہ کے ماتحت کسی چیز سے محبت کر لیتے ہیں۔ ایک بُت پرست بھی

اپنے بتوں سے محبت کرتا ہے اور بہت کرتا ہے۔لیکن کیا ہماری محبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی جذبہ کے ماتحت ہے یا واقعات پر مبنی ہے۔اگر واقعات پر مبنی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ محض ہمارے ہی دلوں میں اس کی محبت ہو اور دوسروں کے دلوں میں وہی محبت ہم پیدا نہ کر سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ، اخلاق اور عادات جس کسی قوم کے سامنے رکھے گئے، اور جس کسی نے اُن کا مطالعہ کیا، وہ آپؐ سے محبت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ جو مذہب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، اُن کے سامنے بھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پیش کیے گئے، تو وہ بھی آپ کے گرویدہ و مفتون ہو گئے۔ وہ واقعات کیا ہیں، جنہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری اور غیروں کی آنکھوں میں اس قدر محبوب بنا دیا ہے۔ میں آج ان واقعات کا ہی ذکر کروں گا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تین حصے

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تین حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔ایک حصہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مبعوث ہونے سے پیشتر کا، دوسرا مکی اور تیسرا مدنی۔ پہلا حصہ چالیس سال کا ہے۔دوسرا تیرہ سال اور تیسرا دس سال کا۔

دنیا کی حالت قبل از بعثت

قبل اس کے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کے حالات بیان کروں، میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اُس وقت دنیا کی کیا حالت تھی۔اس زمانہ کی حالت کا نقشہ خود قرآن مجید نے کھینچ دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (41:30) یعنی خشکی اور تری میں یا براعظموں میں اور جزائر میں فساد ہی فساد پھیل گیا۔ یا یہ کہ کیا عوام الناس اور کیا خواص، کیا جہلا اور کیا علماء، سب کی حالت خراب ہو گئی۔ یہ تو قرآن شریف کے الفاظ ہیں۔لیکن تاریخ بھی شاہد ہے کہ اُس وقت کوئی ملک اس حالت میں نہیں تھا کہ جس میں وہ حقیقی روشنی پائی جائے کہ جس سے انسان انسان کہلانے کا جائز مستحق ہو سکتا ہے۔تمام ملکوں میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔عقائد کی رو سے بھی اور اعمال کی رو سے بھی۔ہم یہ نہیں کہتے کہ فی الواقع اُس وقت کوئی بھی نیک نہیں تھا، مگر فتویٰ کثرت پر دیا جاتا ہے۔الغرض جس ملک کا ہم نقشہ دیکھیں، وہی تاریک نظر آتا ہے۔

عیسائی مذہب کی حالت

عیسائی مذہب اُس وقت جدید ترین مذہب تھا۔ اور جتنا کوئی مذہب نیا ہوتا ہے، اُسی قدر اُس کا اثر تازہ ہوتا ہے۔ پس اگر اس مذہب میں بھی زوال آ گیا ہو، تو دوسرے مذاہب، جو بہت پہلے کے تھے، اُن کا کیا حال ہوگا۔ شاید ہمارا اپنا بیان عیسائیت کے متعلق قابلِ وثوق نہ سمجھا جائے، لیکن اس زمانہ کے عیسائی لوگ، جو ہمارے مخالف ہیں، کہتے ہیں کہ عیسائیت میں سخت ضعف واقع ہو چکا تھا۔ اُس وقت اُن کے اندر اور تو کچھ نہیں تھا، چند جھگڑے تھے، جو بالکل بے معنی تھے۔ سکندریہ کے کتب خانہ کے جلائے جانے کے متعلق مخالفین اسلام بہت کچھ اعتراض کرتے ہیں، لیکن گبن کہتا ہے کہ اگر یہ صحیح بھی مان لیا جائے کہ واقعی اس کتب خانہ کو حضرت عمرؓ نے جلا دیا تھا، تو بھی اُس سے کوئی علمی نقصان متصور نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جو کتب اس کے اندر تھیں، اُن میں سوائے ایک تین کے جھگڑے کے اور کچھ نہیں تھا۔ اور اس وجہ سے اُن کا بہترین مصرف یہی تھا کہ حماموں میں پانی گرم کرنے کے لیے جلائی جاتیں۔ اُن کے اعمال کی حالت بھی نہایت ردّی تھی۔ شراب خوری بہت کثرت سے پھیلی ہوئی تھی۔ مورخین متفق ہیں کہ عیسائیت نے جہاں کہیں قدم رکھا، شراب خوری کو رواج دیا۔ اُس وقت عرب کا بھی ایک حصہ عیسائی ہوگیا تھا۔ اس کے متعلق ہی حضرت علیؓ نے ایک دفعہ بیان کیا تھا کہ عیسائیت سے اس قوم نے کچھ نہیں سیکھا، سوائے شراب خوری کے۔ غرض یہ تو حالت تھی عیسائیوں کی، یہود کی حالت اس سے بدتر تھی۔ یورپ تو وحشیانہ حالت میں تھا ہی، ہندوستان پرانی تہذیب کا مرکز تھا۔ لیکن اُس زمانہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کے نہایت نیک لوگوں کی طرف بھی نہایت فحش باتیں منسوب کی جاتی تھیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت اس ملک کی روحانی حالت اس درجہ گندی تھی کہ فحش کو فحش نہیں سمجھا جاتا تھا۔ غرض اسی قسم کا نظارہ سب طرف نظر آتا تھا۔

عرب کی حالت

خود ملک عرب، جس کے اندر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا، اس کی کیا حالت تھی۔ اعتقاد کے لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ سارا ملک بُت پرستی میں غرق ہے۔ محض بُت پرستی میں ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہر چیز کی پرستش کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ جب یہ لوگ جنگل میں سفر کرتے اور پتھر نہ ملتا، تو ریت اکٹھی کر کے اُس

پر اونٹنی کا دودھ دوھ کر اُس کی پرستش کر لیتے۔ جس پتھر پر روٹی پکاتے اُس کو بھی پوجنے لگ جاتے۔ اسی طرح مختلف درختوں کی پرستش بھی کی جاتی تھی۔ ایک طرف وہ لوگ خدا تعالیٰ کی توحید کے قائل تھے، دوسری طرف اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ خدا نے سب کام بتوں کے سپرد کر دیئے ہیں۔ خود کعبہ میں بُت موجود تھے۔ ہر ایک قبیلہ کا الگ الگ بت تھا۔ اعمال کے لحاظ سے جو کچھ اُن کی حالت تھی وہ بھی ناگفتہ بہ تھی۔ شراب خوری، قمار بازی اور زنا تین سخت برائیاں اُن میں زور شور سے رائج تھیں۔ بے حیائی، بے شرمی کی کچھ انتہا نہ تھی۔ حتیٰ کہ نہایت فحش شعر بطور فخر خانہ کعبہ پر لٹکائے جاتے تھے۔ ہاں! بعض چھوٹی چھوٹی خوبیاں بھی اُن کے اندر تھیں مثلاً جوانمردی وغیرہ۔ لیکن یہ خوبیاں اُن سخت بدیوں کا توازن نہیں کر سکتیں۔

غرض عرب کی حالت کیا بلحاظ عقائد اور کیا بلحاظ اعمال غایت درجہ گری ہوئی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اس بات کے کہ ایک شخص خواہ کیسے بُرے مذہب کے ماننے والا ہو، وہ اُس مذہب کو اگر صحیح مانتا ہے، تو اُس کی عزت و احترام کرتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عرب بعض وقت باوجود اس بات کے کہ بت پرستی اُن کا مذہب تھا، بتوں سے استہزاء بھی کر لیتے تھے۔ اُن کے ہاں دستور تھا کہ جب کوئی نیا کام کرنے لگتے، تو تیروں سے فال نکلواتے۔ اُن کے ہاں تین تیر تھے۔ لَا، نَعَمْ اور ایک خالی۔ ایک شاعر کا باپ مر گیا۔ وہ کاہن کے پاس فال نکلوانے گیا۔ پہلی دفعہ لَا نکلا، دوسری دفعہ بھی لَا اور تیسری دفعہ بھی لَا ہی نکلا۔ آخر جوش میں آ کر اُس شاعر نے اُس بت کو یوں خطاب کیا۔ کم بخت اگر تیرا باپ مارا جاتا تو تُو ایسا نہ کرتا!

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور ایک معجزہ

غرض یہ حالت تھی ملک عرب کی، جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم 571ء میں پیدا ہوئے۔ ہر ایک نبی کی پیدائش کے ساتھ کچھ معجزات بیان کیے گئے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ میں بھی لوگوں نے کئی ایک معجزات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن میں صرف ایک معجزہ کا ذکر کروں گا۔ جو درحقیقت اسلام کی صداقت کا ایک بڑا نشان ہے۔ جس سال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ عین اُسی سال یمن کے گورنر نے، جو شاہ حبش کا مقرر کردہ تھا، ایک عظیم الشان چرچ قائم کیا۔ عیسائی چاہتے تھے کہ کسی طرح خانہ کعبہ سے ہٹ کر لوگوں کا رجوع اس چرچ کی طرف ہو جائے اور لوگ بجائے خانہ کعبہ کی زیارت کے اس چرچ کی زیارت کے لیے

آئیں۔لیکن باوجود اِن مساعی کے اُن کو کامیابی نہ ہوئی۔آخر ابرہہ نے خانہ کعبہ کے گرانے کا عزم کرلیا اور اس غرض سے کعبہ پر چڑھائی کردی۔اس وقت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب ابرہہ کے سامنے پیش ہوئے ،اور چونکہ عبدالمطلب بہت خوبصورت اور جمیل انسان تھے۔ابرہہ ان کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا۔جناب عبدالمطلب نے جاتے ہی ابرہہ سے کہا کہ تمہاری فوج نے ہمارے کچھ اونٹ پکڑ لیے ہیں، وہ دے دو۔ابرہہ نے جواب دیا کہ خانہ کعبہ کے متعلق سوال ہے اور تم اونٹوں کی بابت پوچھتے ہو۔اُنہوں نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں، مجھے اونٹوں کی فکر ہے۔اُس گھر کا جو مالک ہے اُس کی حفاظت وہ خود کرے گا۔چنانچہ کہتے ہیں کہ جب حملہ کی خبر مکہ میں پہنچی ،تو مکہ کے لوگ گھروں سے نکل کر پہاڑیوں پر چلے گئے۔ ادھر حملہ آوروں میں ایسی مہلک وبا پھیلی کہ وہ وہیں منتشر ہوگئے۔یہ واقعہ بطور ایک نشان کے تھا کہ اس گھر کو اللہ تعالیٰ برباد نہیں ہونے دے گا۔

ابتدائی حالت

آپ کے پیدا ہونے سے پیشتر ہی آپ کے والد عبداللہ کا انتقال ہوگیا تھا۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ بھی انتقال کرگئیں۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم باپ اور ماں دونوں کی طرف سے یتیم رہ گئے۔اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب بھی فوت ہوگئے۔اور اس کے بعد ابوطالب آپ کے چچا آپ کے کفیل ہوئے۔اور اُن کی کفالت میں ہی آپ کو منصب پیغمبری عطا ہوا۔یہ ایک عجیب بات ہے کہ باوجودیکہ جناب ابوطالب نے اسلام قبول نہیں کیا، لیکن اُنہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت حمایت کی۔

درحقیقت جناب ابوطالب آپ سے بہت محبت رکھتے تھے۔اور اُن کو آپؐ کی جدائی گوارا نہیں ہوتی تھی۔ایک دفعہ جب ابوطالب کو سفر پیش آیا،تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ساتھ لے گئے۔باوجود اس بات کے قریش نے بعثت نبوت کے بعد جناب ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف بہت کچھ بھڑکایا۔ لیکن اُنہوں نے پرواہ تک نہیں کی۔بلکہ ایک دفعہ اُن سے کہا کہ اے لوگو! کیا تم یہ کہتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ دوں۔کیا کبھی سردار کو بھی قوم چھوڑ دیتی ہے۔وہ سردار کیسا سردار ہے؟ وہ ایسا ہے کہ کسی کا نقصان نہیں

کرتا، وہ کسی کا مال نہیں کھاتا، وہ ایسے پر رونق اور سفید چہرے والا ہے کہ اُس کے چہرے کے سامنے اگر بارش مانگی جائے تو بارش ہو جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ دراصل جناب ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ خوبیاں دیکھی تھیں، جو دوسروں میں مفقود تھیں، اس لیے وہ آپ سے شدید محبت رکھتے تھے۔

جس سے آپ کا تعلق ہوتا وہ آپ سے محبت کرنے پر مجبور ہو جاتا

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کا تعلق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بچپن میں ہوا وہ تمام عمر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق ہو گئے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ ان کو بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہجرت میں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گا یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ الحمد للہ میری زندگی کا مقصد مل گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی یہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نئے تعلق کی بنا پر نہ تھی، بلکہ آپ کو بچپن سے ہی بوجہ آپ کے حسن اخلاق و عادات آپ سے اُلفت اور محبت تھی۔

پھر دوسری مثال حضرت خدیجہؓ کی ہمارے سامنے ہے۔ حضرت خدیجہؓ کو اس قدر محبت آپ سے کیوں تھی؟ محض اس لیے کہ اُس نے آپ کی راستبازی، تدیّن اور اخلاق فاضلہ کو بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ ابتدا میں اُس نے اپنی تجارت کا کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا اور جب آپ کو نہایت درجہ امین اور صادق پایا، تو آپ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام نکاح بھیجا۔ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 25 سال کی اور خدیجہؓ کی چالیس سال کی تھی۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ خدیجہؓ، جو اس قدر مالدار ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مال اور دولت نہ رکھتے تھے پیغام نکاح کرتی ہے۔

درحقیقت وہ آپ کے اخلاق پر فریفتہ تھی۔ اور یہ امر اُس وقت زیادہ وضاحت سے ظاہر ہوتا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے۔ اور اُس وقت اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا کہ خدا کی قسم! خدا تجھ کو ضائع نہیں کرے گا، تو غریبوں کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے اور مفلسوں، بیکسوں کی خبر گیری کرتا ہے۔ دراصل حضرت

خدیجہؓ خوب جانتی تھیں کہ اس قدر بلند اخلاق کا شخص رسوانہیں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں حضرت خدیجہؓ کے دل پر نقش ہوگئی تھیں اور یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا کوئی دوسرا زیادہ واقف نہیں ہوسکتا۔ گھر کے اندر انسان کے اصلی اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے بیوی کی شہادت سے بڑھ کر کوئی شہادت نہیں ہوسکتی۔ پھر تیسری مثال زیدؓ غلام کی ہمارے سامنے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ کیا آزاد ہونے کو اُس نے غنیمت سمجھا؟ نہیں بلکہ وہ پہلے سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کا گرویدہ ہوگیا۔ اُس کے باپ کو جب معلوم ہوا کہ میرا بیٹا مکہ میں ہے، تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا۔ کیا میرا بیٹا یہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ میں نے اُس کو آزاد کر دیا ہے۔ اُس نے کہا کہ مجھ کو اجازت ہے کہ میں اُس کو واپس لے جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ میری طرف سے اجازت ہے۔ وہ زیدؓ کے پاس آیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو اجازت دے دی ہے۔ زیدؓ نے کہا کہ میں تو محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے پاس ہی رہوں گا۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ آزاد تو بے شک وہ ہو چکا تھا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق نے اُس کو غلام بنا لیا تھا۔ اور یہی وہ اخلاق تھے، جن سے تمام اصحابؓ آپ کے گرویدہ ہوگئے تھے۔ اسی قسم کی اور کئی مثالیں ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا تعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا، پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ زار ہوگئے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جتنے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والے تھے، وہ خود بڑے صاحب اخلاق لوگ تھے۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت خدیجہؓ، جناب ابوطالب وغیرہ وغیرہ۔ وہ جوہر فطرتی طور پر خدا تعالیٰ نے آپ میں ودیعت فرما دیا تھا۔ اُس جوہر نے قبل از بعثت ہی ان تمام لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اور جس کسی نے آپ سے تعلق باندھا، وہ خود صاحب اخلاق عظیم بن گیا۔ یہ چالیس سال کی عمر کا ایک چھوٹا سا نقشہ ہے۔ اس حصہ عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت، امانت اور دیگر اخلاق و عادات کی اس قدر شہرت تھی کہ بطور ضرب المثل بیان کی جاتی تھی۔ دراصل آپ کے دو نام محمد اور احمد بتاتے ہیں کہ کیا کیا خوبیاں آپ کے اندر موجود تھیں۔ یہ دونوں نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدائش کے وقت ملے اور ایک خطاب آپ کو قوم کی طرف سے ملا۔ وہ خطاب کیا تھا؟ وہ امین تھا۔ ملک میں جب کوئی اہم کام پیش آتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

فیصلہ پر لوگوں کو اطمینان ہوتا تھا۔ چنانچہ جب حجر الاسود کے نصب کے متعلق اختلاف ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اس امر کے انفصال کے لیے تجویز کیا گیا۔ اور آپ کے فیصلہ کو سب نے بطیّب خاطر منظور کیا اور کسی کو کچھ شکایت پیدا نہ ہوئی۔

غرض آپ ملک اور قوم میں غایت درجہ کی عزت ومحبت سے دیکھے جاتے تھے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ آپ کو امین کے اعلیٰ خطاب سے پکارا جاتا تھا۔ امین کے معنے صرف دیانتدار کے ہی نہیں بلکہ امین کے معنے ہیں تمام اخلاق فاضلہ اور تمام خوبیوں کا مالک اور اپنے تمام فرائض کو نہایت ایمانداری اور دیانتداری سے سرانجام دینے والا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مساکین و یتامیٰ سے ہمدردی

شروع سے ہی آپ غریبوں وبیکسوں اور یتیموں کے ملجاو ماویٰ تھے اور خلقِ خدا کی ہمدردی آپ کی فطرت میں مرکوز تھی۔ چنانچہ وہ معاہدہ جو چند لوگوں نے مل کے کیا تھا کہ عرب میں جس مظلوم کا کوئی ہمدرد اور فریاد رس نہ ہو، اُس کی فریاد رسی ہم کریں گے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ غرض بیکسوں کی ہمدردی کا جذبہ آپ کے اندر ہمیشہ موجزن رہتا تھا۔ قرآن شریف میں مساکین اور یتامیٰ کی خبر گیری اور ہمدردی خلق خدا کی تعلیم میں درحقیقت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی گویا اُن ایام کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ وحی ایک خارجی چیز ہے۔ لیکن قلبِ صافی اس کو اس وقت پاسکتا ہے کہ جب اس کے اندر وہ قوت اور استعداد موجود ہو۔ ہاں! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب صافی اس قسم کا تھا کہ جس کے اندر یتامیٰ اور مساکین اور بیکسوں کی ہمدردی کا جذبہ جوش مارتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ اَرَءَ یْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ. فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُ عُّ الْیَتِیْمَ. وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (107:1-3) آیات قرآن مجید میں نازل ہوئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یتامیٰ کے متعلق

ہم منہ سے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ لیکن وہ محبت کیا ہے کہ جب تک ہماری یہ خواہش نہ ہو کہ ہم اپنے اُس محبوب کے پاس پہنچ جائیں۔ وہ فرماتا ہے کہ: اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ کَھَا تَیْنِ

وَاَشَارَ اِلٰی اِصْبَعَیْہِ یعنی میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا بہشت میں ایسے ہوں گے جیسا کہ دو انگلیاں، جو آپس میں ملی ہوئی ہوں۔ لیکن آج ہم مسلمانوں کی حالت کیا ہے؟ ہم اپنے آرام و آسائش میں پڑے ہوئے ہیں اور غرباء کی خبر گیری کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ غرباء ہماری قوم کا ایک عمدہ اور ایک مفید جزو بن سکتے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں ہماری قوم کے اندر ایسے لوگ ہیں، جو بوجہ غربت اور مفلسی اپنے خدا داد قویٰ کی تربیت نہیں کر سکتے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

غرض خلقِ خدا کی ہمدردی کا جوش آپ کے اندر بعثت سے پہلے بھی موجزن تھا۔ اور آخر یہی ہمدردی تھی، جس نے وحیِ الٰہی کو جذب کر لیا۔ آپ کی سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بڑھتی گئی، یہ ہمدردی کا جذبہ بھی ساتھ ساتھ ہی بڑھتا گیا۔ اور آخر ہمدردی خلقِ خدا کا ہی جذبہ تھا جو کہ آپ کو غار ثور میں لے گیا۔ جہاں خدا جانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے لیے کیا کیا دعائیں مانگیں اور کس دردِ دل سے آپ نے ذات باری میں گریہ وزاری کی کہ اے خدا! تو میری قوم کو ضلالت سے نکال کر راہِ راست پر لا۔ اور آخر اسی حالت میں، کہ آپ خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں دستِ عجز پھیلائے ہوئے اپنی قوم کی بھلائی کی راہ ڈھونڈ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیغامِ خداوندی نازل ہوا۔ سب سے پہلی وحی آپ پر نازل ہوئی۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ. (96 :1-5) اس پہلی وحی سے صاف پتہ لگ جاتا ہے کہ کیا یہ کلام اُس اعلیٰ اور برتر ہستی کا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دل سے ہے؟ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو محض اُمّیْ اور لکھنے پڑھنے سے بالکل ناآشنا تھے۔ ایسے شخص کے دل و دماغ میں قلم کا تو کوئی وہم بھی نہیں گذر سکتا۔ غرض یہ وحی ثابت کرتی ہے کہ اس علیم و قدیر کی طرف سے ہے اور کسی انسانی تخیلات کا نتیجہ نہیں۔

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی

آخر وہ راستہ، جس کی تلاش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لگے ہوئے تھے، آپ کو مل گیا۔ وہ کیا راستہ تھا؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی (7:93) کیا معنے؟ کیا وہ نعوذ باللہ بت پرستی کرتے تھے؟ کیا وہ نعوذ باللہ جھوٹ بولتے تھے؟ کیا نعوذ باللہ اُن کے اندر کوئی اور گمراہی تھی؟ کیا ضال کے معنے گمراہ کے ہیں؟ نہیں!

اس کے یہ معنے ہیں کہ تیرے دل میں اس قدر درد تھا جس نے تجھ کو بے قرار کر رکھا تھا۔ آخر اُس درد کے دفعیہ کا رستہ ہم ہی جانتے تھے۔ فَهَدٰى پس ہم نے وہ راستہ دکھا دیا۔ غرض وحی الٰہی کے ماتحت آپ سمجھ گئے کہ اب وہ خود میری دستگیری فرمانا چاہتا ہے اور یہ کہ میں مخلوق کو چاہِ ضلالت سے باہر نکالوں۔

نزول وحی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ

مگر یہ ایک بڑا مشکل کام تھا جو آپ کے سپرد کیا گیا۔ اس لیے اس پیغام کے سنتے ہی آپ گھبرا گئے۔ اور آپ کا گھبرانا کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ بلکہ دوسرے انبیاءؑ کے حالات میں ہم ایسا ہی دیکھتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کو جب منصب پیغمبری ملا تو آپ نے کہا تھا وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ. هٰرُوْنَ اَخِي. اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ. وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ (32-29:20) یعنی ہارونؑ کو میرے ساتھ کیجئے تا کہ اس سے مجھے اپنے کام میں تقویت ہو۔

ایک بنی اسرائیل کی قوم کے بوجھ کو حضرت موسیٰ نہیں اُٹھا سکتے، تو پھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو تمام دنیا کی طرف مبعوث ہو کر آئے، وہ اس عظیم الشان کام کے بار اُٹھاتے ہوئے اگر گھبراہٹ ظاہر کریں، تو چنداں بعید نہیں۔ اس حالت میں حضرت خدیجہؓ کی طرف سے تسلی ملی۔ کس قدر یقین اور ایمان تھا حضرت خدیجہؓ کا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عین گھبراہٹ میں اُن کے پاس آئے، آپ بول اُٹھیں کہ خدا تجھ کو ضائع نہیں کرے گا۔ کیونکہ تیرے اندر صفات ایسی ہیں کہ جو اِن صفات کا حامل ہو، خدا اُس کو تباہ نہیں کرتا۔ ایسے قریبی رشتہ داروں کا ایمان بہت مشکل ہوتا ہے۔ باہر والوں کو پکڑ کے منوا لینا آسان بات ہوتی ہے، لیکن خاص گھر میں رہنے والوں کا ماننا بہت مشکل امر ہوتا ہے۔ تاہم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو یہ کیفیت ہے کہ جتنا کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق زیادہ ہے، اسی قدر اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان زیادہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ لو! کیا اُنہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ مانگا! نہیں، بلکہ خود سمجھ گئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی انسانوں پر جھوٹ نہیں بولا۔ وہ خدا پر کیونکر جھوٹ بولے گا۔ اس کے بعد پھر دوسرے لوگ آپ پر ایمان لائے۔ مثلاً حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، طلحہؓ، زبیرؓ۔ یہ اعلیٰ طبقہ میں سے عظیم الشان شخص تھے۔ چھوٹے طبقہ میں سے حضرت بلالؓ اور کئی ایک اور آپ پر ایمان لائے۔ جو باوجود اس بات کے کہ چھوٹے تھے لیکن اسلام کی بدولت خدا نے اُن کو باعزت بنا دیا۔ بھلا بلالؓ کیا

تھے؟ ایک حبشی غلام! مگر ایمان لائے اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں اس کی وہ عزت تھی کہ بڑے بڑے سرداروں کو عزت حاصل نہیں تھی۔ اسی طرح کچھ امراء کچھ غرباء اور کچھ متوسط درجہ کے لوگوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصائب بھی بڑھتی گئیں۔ دشمنوں نے آپ کی اذیت اور تکلیف دہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ یہ آپ کا نہایت سخت مصائب کا زمانہ تھا۔ آپ کے اقرباء کو الگ تکلیفیں پہنچائی گئیں۔

صحابہؓ کے مصائب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو الگ ظلم کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ یاسرؓ، عمارؓ کی تکالیف کس کو معلوم نہیں۔ بلالؓ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا سب کو معلوم ہے۔ کافرِان کو دوپہر کے وقت تپتے سنگریزوں پر لٹاتے تھے اور اِن کو کہا جاتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرو اور بتوں کا اقرار کرو۔ لیکن بلالؓ کی زبان سے اَحَدٌ اَحَدٌ نکلتا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنی لونڈی کو اس قدر مارا کہ آپ مارتے مارتے تھک گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی دشمنوں کے ظلم وستم سے نہ بچ سکے۔ غرض یہ سخت مصائب کا زمانہ تھا۔

ہجرت حبش

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کی اس دردناک حالت کو نہ دیکھ سکے تو آپ نے اُن کو حبش کی ہجرت کا حکم دیا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ چند آدمیوں کا جتھہ، جو اس قدر مشکلات کے بعد تیار ہوا، اُس کو آپ دوسرے ملک میں بھیج دیتے ہیں۔ اور ذرا پروا نہیں کرتے تھے کہ دشمنوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کون کرے گا۔ مگر آپ کو اپنے آرام کی نسبت اُن کی تکالیف کا زیادہ احساس تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے مصائب پر رو پڑتے۔ ایک دفعہ ایک صحابیؓ سے فرمایا کہ سورہ النساء پڑھو۔ پڑھتے پڑھتے جب وہ اس مقام پر پہنچا کہ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (41:4) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا: یہ لوگ جو میرے سامنے ہیں ان کی شہادت تو میں دے سکتا ہوں، لیکن جو میرے بعد ہوں گے اُن کی حالت کیا ہوگی!

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنے ساتھیوں کی تکالیف کا سخت درد تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حبشہ میں چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ چلے گئے۔ مکہ والوں نے اس کے بعد ہی ایک وفد تیار کیا۔ بادشاہ کے لیے بہت سے تحائف ہمراہ لے کر پادریوں سے گانٹھ کر بادشاہ تک پہنچے اور کہا کہ یہ مسلمان دشمنانِ دین ہیں، ان کو اپنے ملک سے نکلوا دو۔ بادشاہ نے کہا ان کی یعنی مسلمانوں کی بات بھی سُن لیں۔ جعفر طیارؓ پیش ہوئے اور اُنہوں نے ایک نہایت برجستہ تقریر فرمائی اور بیان کیا کہ اے بادشاہ! ہم قوم وحشی اور جاہل تھے، مردار کھاتے اور سب بدیاں ہمارے اندر موجود تھیں۔ ہم نے ایک ایسے شخص کو قبول کیا ہے، جو نیکی اور تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے اور ہر ایک بدی سے روکتا ہے۔ اِن باتوں کا بادشاہ کے دل پر بہت اثر ہوا اور اُس نے کہا کہ میں ایسے لوگوں کو اپنے ملک سے نہیں نکالنا چاہتا۔ پھر کفار نے بادشاہ کو اس طرح سے بھڑکانا چاہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ اور اُس کی والدہ کو گالیاں دیتے ہیں۔ بادشاہ نے پھر اِن سے دریافت کیا۔ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم نہایت خوش الحانی سے پڑھی۔ شاہِ حبش نے کہا کہ خدا کی قسم! حضرت عیسیٰؑ ایک تنکے سے بھی بڑھ کر نہیں، اس سے جو انہوں نے بیان کیا۔

14دسمبر 1919ء

مکتوب بلادِ غیر

ایک پادری اور اسلام

برادرانِ اسلام غالباً اس سے واقف ہوں گے کہ عیسائیت، جو عام طور پر الوہیت مسیحؑ کو ماننے یا تثلیث پر ایمان لانے کے مترادف سمجھی جاتی ہے، جس کے واعظ اور مشنری اس وقت دنیا کے چپہ چپہ میں توحیدِ الٰہی کے فطری احساس کو مٹانے اور صلیب کے آگے سب کو سرنگوں کرانے میں کوشاں ہیں، اسی تین خداؤں کے مذہب میں بعض وہ لوگ بھی موجود ہیں، جو فطرت صحیح کو کچلنے کے بجائے اس کے ہم آواز ہیں اور تثلیث کی بجائے توحید کے قائل ان لوگوں کا ایک خاص فرقہ ہے، جس کے افراد یورپ و امریکہ میں بکثرت موجود ہیں۔ اس فرقہ کا نام یونیٹیرین (UNITARIAN) یا فرقہ مؤحدین ہے۔

یہ لوگ اسلام سے کس قدر قریب ہیں اور اس کو کیا سمجھتے ہیں، اس کے متعلق میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس ہفتہ ایک پادری صاحب، جو اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور امریکن، برٹش اور دیگر یورپین مجالس کی طرف سے بطور ڈیلیگیٹ اسلامی ممالک میں اس فرقہ کا تعارف کرانے اور اسلام اور یونیٹیرزم کے مشترکہ پلیٹ فارم پر مسلمانوں کو کھڑا کرنے کے لیے ارادہ رکھتے ہیں، یہاں ووکنگ میں تشریف لائے اور بہت دیر تک مولٰنا مولوی صدرالدین صاحب سے گفتگو کرتے رہے۔ دوران گفتگو اُنہوں نے نہ صرف اس حقیقت ہی کا اعتراف کیا کہ اسلام سے بڑھ کر کوئی توحید کو ماننے اور پھیلانے والا مذہب نہیں، بلکہ یہ بھی ظاہر کیا کہ ان کے مشن کی اصل غرض مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنا نہیں۔ کیونکہ وہ تو پہلے سے توحید کے قائل اور ایک خدا کو ماننے والے ہیں، بلکہ مقصد اصلی یہی ہے کہ اس پاک عقیدہ کے پھیلانے اور مذاہب میں اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کے لیے اُنہیں ایک پلیٹ فارم پر لایا جائے۔ صرف زبانی ہی نہیں، بلکہ ابھی ایک مضمون بھی اُنہوں نے لکھ کر بھیجا ہے، جس سے اسلام کے تمام اصولوں کی صداقت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''توحید الٰہی کا عقیدہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا اصل الاصول ہے۔قرآن کریم نے بےشمار مرتبہ اس کو دہرایا اور یاد دلایا ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی معبود نہیں۔کیا یہی ایک بات ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لیے کافی نہیں؟ یہی عقیدہ یونیٹیرین مذہب کا بھی ہے،جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے۔''

صرف توحید الٰہی ہی نہیں بلکہ پادری صاحب تمام کتابوں اور اصولوں پر بھی یونیٹیرین مذہب والوں کا ایمان ظاہر کرتے اور لکھتے ہیں:

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مذہبی معلّم ہیں،جنھوں نے یہ عقیدہ دنیا میں رائج کیا اور اپنے وقت کی ان تمام کتب مقدّسہ کو،جو کم وبیش خاص خاص اقوام کے ساتھ متعلق ہیں،ایک ہی نظر سے دیکھا اور عزت وادب کو ملحوظ رکھا۔کسی نے بھی اس سے پیشتر اللہ تعالیٰ کے ان پاک صحائف کو،جو دیگر مذاہب اور قدیم زمانوں کے مذہبی لٹریچر میں شمار ہوئے ہیں،کبھی یہ عزت نہیں دی۔مذاہبِ عالم میں وہی سب سے پہلا انسان ہے،جس نے اس حقیقت نفس الامری کی علیٰ رؤس الاشہاد تلقین کی کہ وہ تمام صحائف،جو شرک کی تعلیم سے آلودہ نہیں اور صرف خدائے واحد کو ماننے اور پاک زندگی اختیار کرنے کی تعلیم دیتے ہیں،وہ پاک اور مقدس ہیں اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔''

اس سے آگے لکھا ہے:

''آج بعض آزاد خیال عیسائی ان سے،جو مختلف مذاہب میں تحمل و بردباری اور ایک دوسرے کی عزت کا مادہ پیدا کرتے ہیں اور اُنھیں امن کی شاہراہ پر کھڑا کرنے والے ہیں، اپنے گلے کی مالا پروانا چاہتے ہیں۔اور اُن کے حصول کے لیے غور اور بحث میں مشغول، لیکن اس کا اعزاز انھی موحدین کو حاصل ہے،جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہمارے زمانہ کے اونگ فیلو اور ایمرسن تک ہو گذرے ہیں۔''

اس سے آگے زندگی بعد الموت کے عقیدہ میں بھی پادری صاحب نے اسلام اور یونیٹیرین مذہب کو متحد بتایا ہے۔ یہ وہ خیالات ہیں جو ایک عیسائی پادری کی طرف سے اعلانیہ رسالہ اسلامک ریویو کے صفحات پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ اسلام کی معقولیت اور صداقت کا اعتراف اور کیا ہوسکتا ہے! تمام وہ باتیں جو ہمارے ایمانیات میں داخل ہیں، عیسائیوں کا ایک گروہ نہ صرف اُن کا قائل ہے، بلکہ اعلانیہ اُن کے لیڈران عقائد کا اول ترین منبع اسلام کو قرار دیتے ہیں۔ صرف اُن کے مسلمان کہلانے ہی کی کسر ہے۔ گویا خدا کے ایک پاک بندہ نے جس بات کو اللہ تعالیٰ سے علم پا کر آج سے بارہ تیرہ سال پیشتر دیکھا اور فرمایا تھا۔

نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگاہ زندہ وار　　آرہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج

وہ اس وقت ہمارے سامنے ایک حقیقت نفس الامری بن چکی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ اور بھی دل خوش کن بات ہے کہ پادری صاحب نے مولٰینا مولوی صدرالدین صاحب کو ان پاک خیالات پر لیکچروں کی دعوت دی ہے، جس کو آپ نے منظور بھی فرمالیا ہے اور وہ عنقریب آپ کے لیے لیکچروں کا انتظام کرنے والے ہیں۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔**

خاکسار

دوست محمد

ووکنگ، انگلستان

مورخہ 12 اکتوبر 1919ء

17 دسمبر 1919ء

اداریہ

نصیحت حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

قوم کی فلاح و بہبودی کا خیال، قوم میں تہذیب، اخلاق کی اشاعت اور قوم میں علم و عمل کی روح پھونکنے کی تڑپ جو ہمارے امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کے گوشۂ دل میں ہے، اُس کا کسی قدر اندازہ وہی اصحاب لگا سکتے ہیں، جن کو آپ کی صحبت سے بہرہ اندوزی اور آپ کے مواعِظ حسنہ سے مستفید ہونے کا موقعہ ملتا رہتا ہے۔ یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے کہ آپ قوم کی عملی حالت میں ایک نمایاں تغیر اور ایک امتیازی خصوصیت پیدا کرنے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ آپ متمنی ہیں اس امر کے کہ ہم محض نام کے مسلمان نہ ہوں، بلکہ میدانِ عمل میں گامزن ہوں۔ اِسی غرض کے لیے آپ مختلف رنگوں اور مختلف طریقوں سے جماعت کو نصیحت فرماتے رہتے ہیں۔ اور آپ کی دلی خواہش ہے کہ جہاں ایک طرف ہمارے اعتقاد نہایت صحیح اور درست ہوں، وہیں دوسری طرف ہماری عملی حالت بھی تمام نقائص و عیوب سے پاک ہو۔

درسِ قرآن اور حدیث کے علاوہ خطبات جمعہ میں آپ جن بیش بہا پند و نصائح سے حاضرین کو بہرہ اندوز فرماتے ہیں، وہ درحقیقت مغتنمات کا حکم رکھتی ہیں۔ قطع نظر دوسرے اُمور کے جو خطبہ آپ نے 12 دسمبر 1919ء کو بیان فرمایا، وہ اس قابل ہے کہ تمام جماعت اس کو غور سے پڑھے۔ اور نہ صرف پڑھے ہی، بلکہ آپ کے ارشاد کو، جو فی الحقیقت حضرت رسول مقبول محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی ترجمانی ہے، لبیک کہتی ہوئی آنکھوں پر رکھے اور اس پر کاربند ہونے کی پوری پوری کوشش کرے۔ اس دہریت اور مادیت کے زمانہ میں بے عملی کی ہوا زور شور سے چل رہی ہے۔ کوئی گھر ہی ہوگا جو اس آفت میں مبتلا نہ ہو، اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ۔ ورنہ جدھر نگاہ ڈالو اور جہاں دیکھو شعارِ اسلام کی پابندی نظر نہیں آتی۔

ان حالات میں مسلمانوں کو خالص عمل کی کس قدر ضرورت ہے، اربابِ فہم و ذکا پر مخفی نہیں۔ مگر اس

ساری شامت کی اصل بنا یہی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ابتدا سے ہی دینی تعلیم کے زیور سے مزین نہیں کرتے اور اُن کو بچپن سے ہی شعار و احکام اسلام کی پابندی کے لیے تاکید نہیں کرتے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے بچے بڑے ہو کر بھی دین کی طرف سے ایسے ہی بے پرواہ اور غافل رہتے ہیں، جیسا کہ عہدِ طفولیت میں۔ اس موقعہ پر نواب محسن الملک مرحوم کا ایک فقرہ بیان کر دینا ناموزوں نہ ہوگا، جو آپ نے علی گڑھ کالج کے بعض طلباء کے شعار اسلامی کی بجا آوری میں کوتاہی اور غفلت کی شکایت پر ایک معترض کے جواب میں فرمایا تھا کہ:

''میں ان کی دینی تعلیم کا کہاں تک اہتمام کروں؟ مشکل تو یہ ہے کہ یہ گھروں سے محض کورے آتے ہیں اور والدین ان کو معمولی مذہبی تعلیم بھی نہیں دیتے۔''

حضرت نواب صاحب مرحوم کا یہ ارشاد بالکل بجا اور درست تھا۔ جوانی میں نماز کا عادی نہ ہونا درحقیقت بچپن میں ہی نماز کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اسی بنا پر حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس حدیث کو یاد دلاتے ہوئے کہ 7 سال کی عمر میں بچوں کو نماز پڑھنے کے لیے حکم دینا چاہیے، آپ نے تمام جماعت کو نصیحت فرمائی:

''میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ بچوں کو چھوٹی عمر میں نماز کے لیے تاکید کریں۔ تا کہ ان میں آج سے ہی نماز کی پختہ عادت ہو جائے۔ دیکھو زمانہ کی موجودہ حالت کیسی ہے۔ کس قدر بے عملی پھیلی ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں میں سے ایک ایسی جماعت پیدا ہو جائے جو شعارِ اسلام کی پابند ہو۔''

اُس سارے خطبہ کا مقصد و مفہوم یہی ہے کہ ہمارے بچے کم سنی سے ہی شعار اسلام کی پابندی کے خوگر ہوں۔ تا کہ یہ عادت اُن میں ایک فطرت ثانیہ بن جائے۔ اور اس طرح سے اسلام کے اندر ایک ایسی جماعت پیدا ہو جائے، جو دوسروں کے لیے نمونہ کا کام دے اور اس کے اندر اسلامی خصوصیات کی جھلک نظر آئے۔ اُسی خطبہ میں آپ فرماتے ہیں کہ:

''مجھے اس بات سے سخت رنج پہنچتا ہے، جب میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے بچے قرآن سے

بے خبر ہیں۔ یہی رونا مسیح موعود کو رونا پڑا اور یہی رونا ہمیں رونا پڑتا ہے۔ آہ! قرآن جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ میرے دوستو! محض احمدی بننے سے تو تم ان الٰہی علوم کو نہیں سیکھ سکتے، جو قرآن مجید کے اندر ہیں، جب تک کہ تم اُن کو سیکھنے کی کوشش نہ کرو۔''

غرض حضرت امیر کا یہ فرمان نہیں، بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہمارے تمام احباب کے لیے واجب العمل ہے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ جس طرح یہاں کی جماعت نے خوردسال بچوں کی نماز وغیرہ کے اہتمام کا عزمِ مصمم کیا ہے۔ اس غرض کے لیے اُن تمام بچوں کے نام قلمبند کر لیے ہیں، ہمارے بیرونی احباب، جن کو حضرت مسیح موعود کی جماعت میں داخل ہونے کی وجہ سے میدانِ عمل میں سب سے بڑھ کر قدم مارنے کا ادعا ہے، اس ضروری ہدایت کو گوشِ ہوش سے سُن کر اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں گے ۔

من از رہِ ہمدردیّت گفتم تو خود ہم فکر کُن بارے

31 دسمبر 1919ء

روئیداد

اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کے دن

ہمارا سالانہ جلسہ

خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارا سالانہ جلسہ 25 دسمبر کی صبح کو شروع ہو کر 27 کی شام کو خیر و خوبی سے ختم ہوا۔ جلسہ کیا بلحاظ کثرت مہمانان، کیا بلحاظ تقاریر اور کیا بلحاظ چندہ، ایک نہایت کامیاب جلسہ تھا۔ اور باوجود مخالف تحریکات کے اس کامیابی پر ہم جس قدر بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کریں، کم ہے۔ یہ ہمارا سالانہ جلسہ تھا اور ہم نہایت خوشی سے اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ جلسہ گذشتہ تمام جلسوں سے زیادہ پُر رونق اور زیادہ کامیاب تھا۔ اور خداوند کریم کی نصرت اور تائید سے اور محض اُس کے فضل سے اُمید ہے کہ آئندہ اجلاس اس سے بھی زیادہ بارونق اور کامیاب ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آمدِ مہمانان

سب سے پہلے مہمان، جیسا کہ کسی گذشتہ اشاعت میں لکھا گیا تھا، ہم سب کے واجب التعظیم بزرگ اور حضرت مسیح موعود کے باز و حضرت علامہ زمن سید محمد احسن صاحب امروہی تھے۔ جو باوجود اس عالم پیری کے اور باوجود انتہائی ضعف و نقاہت کے اور باوجود طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہونے کے، محض شرکتِ جلسہ کی غرض سے اس سردی کے موسم میں امروہہ جیسے دور دراز مقام سے 14 دسمبر کو تشریف فرما لاہور ہوئے۔ جیسا کہ ہمارے امیر نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا، ہماری قوم کے نوجوانوں کو اس پیر جواں ہمت کے نمونہ سے ایک سبق حاصل کرنا چاہئے کہ کس طرح باوجود صدہا دقتوں اور تکلیفوں کے وہ دینی کاموں میں اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کا مصداق بنتے ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو صحت بخشے۔ اس کے بعد دوسرے مہمانوں کی آمد 22 دسمبر سے شروع ہوگئی تھی اور 24 کی شام تک کثرت سے مہمان تمام اطراف پنجاب سے تشریف لے آئے تھے۔ چنانچہ پشاور،

کوہاٹ، بنوں، ہزارہ، داتہ، جموں کشمیر، ڈیرہ غازی خاں، ملتان، منٹگمری، ایبٹ آباد، سیالکوٹ، گوجرانوالا، وزیر آباد، لویریوالا، بدوملہی، اوکاڑہ، راولپنڈی، گجرات، شملہ، پٹیالہ، سامانہ، لائل پور، فیروز پور، جہلم، ملکوال، گوجرہ، منارا اور دہلی سے بکثرت مہمان شریکِ جلسہ ہوئے۔

پہلا دن 25 دسمبر 1919ء

صدر جلسہ خان محمد عجب خان صاحب تحصیلدار نوشہرہ۔ تلاوت قرآن مجید اور درثمین کی ایک نظم کے بعد کارروائی جلسہ شروع ہوئی۔

میر مدثر شاہ صاحب کی تقریر

میر مدثر شاہ صاحب نے حضرت مسیح موعود کے مذہب پر تقریر فرمائی۔ پہلے آپ نے میاں صاحب اور اُن کے مریدین کے اعتقادات بیان کیے۔ بعد ازاں حضرت مسیح موعود کی کتب سے اُن کا مقابلہ کر کے ثابت کیا کہ میاں محمود احمد صاحب کے اعتقادات در بارہ ختم نبوت حضرت مسیح موعود کے اعتقادات کے خلاف واقع ہوئے ہیں۔ آپ نے بیان کیا کہ مریدین میاں صاحب کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر انقطاع نبوت اور بابِ رسالت مسدود ہونا ایک فرعونی عقیدہ ہے۔ (دیکھو چیلنج صدر وپیہ صفحہ 7) لیکن حضرت مسیح موعود نے اپنی کتب توضیح المرام صفحہ 10، حاشیہ کتاب البریہ صفحہ 184، ایام الصلح صفحہ 47، حمامۃ البشریٰ صفحہ 30، رازِ حقیقت صفحہ 16 اور نیز دوسری کتب میں صاف طور پر فرمایا ہے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد محض جزوی نبوت، جو محدثیت کی مترادف ہے، جاری ہے۔ اور ''حقیقۃ الوحی'' جو آپ کی آخری کتاب ہے۔ اُس میں بھی آپ نے کھلے الفاظ میں تحریر فرمایا ہے کہ وَالنُّبُوَّةُ قَدْ اِنْقَطَعَتْ بَعْدَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... وَاَنَّ رَسُوْلَنَا خَاتَمَ النَّبِيِّنَ عَلَيْهِ اِنْقَطَعَتْ سِلْسِلَةُ الْمُرْسَلِيْنَ (ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص 64) وغیرہ۔ یہ تمام تقریر ہم کسی آئندہ اشاعت میں ہدیہ قارئین کرام کریں گے۔

ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب کی تقریر

اس کے بعد حسب تصریح پروگرام جناب مولوی مصطفیٰ خان صاحب بی۔ اے کا وقت تھا۔ لیکن وہ کسی

رُکاوٹ کی وجہ سے آ نہ سکے۔ اور اُن کا وقت ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب سپرنٹنڈنٹ کوٹ موکھل کو دیا گیا۔ سیکرٹری صاحب نے ڈاکٹر صاحب موصوف کا حاضرین جلسہ سے تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہی ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب ہیں، جنہوں نے رام مورتی کا مقابلہ کیا تھا۔ پہلے یہ پہلوانی کرتے تھے۔ لیکن اب یہ ہمارے سلسلہ کے پہلوان ہیں اور انجمن کی طرف سے کوٹ موکھل میں پکھیوارہ قوم کی اصلاح پر مامور ہیں۔ جہاں اُنہوں نے بفضل خدا حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے۔ تقریباً سارا گاؤں بیعت توبہ کر کے حلقہ بگوش احمدیت ہو گیا ہے۔ درحقیقت یہ ڈاکٹر صاحب ممدوح الصدر کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔

سیکرٹری صاحب کے ان تمہیدی الفاظ کے بعد ڈاکٹر صاحب سٹیج پر آئے۔ اور آپ نے اپنی تقریر شروع فرمائی۔ آپ نے بیان کیا کہ ابتدا میں میرا خیال تھا کہ تمام مذاہب محض ہٹ دھرمی سے اپنے اپنے مذہب کو سچا مانتے ہیں۔ ورنہ کوئی بھی سچا مذہب دنیا میں نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد میں نے ’’براہین احمدیہ‘‘ کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور اس کے مطالعہ سے ہی میں اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ میرا پہلا خیال درست نہیں تھا۔ کم از کم ایک مذہب دنیا میں ایسا ہے، جو اپنے پاس صداقت کے دلائل رکھتا ہے۔ اور ان دلائل کی پختگی اور سچائی کو دیکھ کر میں سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے بیان فرمایا کہ اسلام میں یہ ایک بڑی خوبی ہے کہ جو قرآن مجید نے ایک اصول باندھ دیا ہے، پھر اس سے اختلاف نہیں کیا۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (82:4) یہ ایک نہایت صحیح اصول ہے۔ اور اسی اصول سے ہی دوسرے مذاہب کا بطلان ہو سکتا ہے۔ اور اسلام کے اندر جتنے فرقے اس وقت ہیں، ان سب میں اسی ایک اصول سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

حکیم مرہم عیسیٰ صاحب کی تقریر

ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد حکیم صاحب مرہم عیسیٰ سٹیج پر آئے اور مسئلہ ختم نبوت پر آپ نے ایک مختصر مگر جامع تقریر فرمائی۔ آپ نے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود نے 1905ء میں ایک کتاب ’’تجلیات الٰہیہ‘‘ تصنیف فرمائی ہے۔ اس میں آپ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے لفظ کا اطلاق بھی کسی پر جائز نہیں۔ لیکن میاں صاحب اور اُن کے مریدین نہ صرف آپ کی نسبت یہ لفظ استعمال ہی کرتے ہیں، بلکہ آپ کو اسلام کی اصطلاح میں ایک حقیقی اور مستقل نبی مانتے ہیں۔ پھر بیان کیا کہ درحقیقت آج جو کچھ جناب میاں صاحب حضرت

مسیح موعود کی طرف منسوب کر رہے ہیں، یہی کچھ مخالفین حضرات آپ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ پس میاں صاحب کا یہ فعل مخالفینِ مسیح موعود کا فعل ہے، وغیرہ وغیرہ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حضرت اقدس نے کئی جگہ لکھا ہے کہ نبی اور اُمتی کا مفہوم متناقض اور متبائن ہے۔لیکن آپ اپنے آپ کو ہمیشہ اُمتی لکھتے رہے۔ اصل بات یہی ہے کہ نبوت کی حقیقت محض انبیاء میں ہی پائی جاتی ہے۔ اور نبوت اور اُمتیت دونوں صفتیں محدث میں ہوتی ہیں۔

حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کی معرکۃ الآراء تقریر

اس کے بعد امیر قوم ایدہ اللہ بنصرہٖ کی تقریر تھی۔ آپ کی تقریر کا مضمون مسلمانوں کی کامیابی کی راہ۔ یہ مضمون جس قدر اہم اور ضروری ہے، وہ اہل بصیرت و بصارت پر مخفی نہیں۔ مسلمان قوم جس حالت درماندگی اور افسردگی میں اس وقت پڑی سسک رہی ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ہمدردانِ ملت اور بہی خوان قوم جس دلسوزی سے اسلام کی ڈوبتی ناؤ کو پار لگانے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ اظہر من الشّمس ہے۔ اسی مطلب و مقصد کے لیے لیگیں بنائی جاتی ہیں، یونیورسٹیاں کھولنے کی تجویزیں کی جاتی ہیں، کانفرنسیں اور اجلاس منعقد کیے جاتے ہیں، قیام خلافت کے لیے زور لگایا جاتا ہے۔لیکن قوم کی کامیابی کا اصل راز کیا ہے؟ یہ وہ بات تھی جو حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ نے اپنی تقریر میں فرمائی۔ آپ نے الٓمّٓ. ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ. الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ. وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ وَبِالۡاٰخِرَۃِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ. اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ. (2:1-5) سے استدلال فرماتے ہوئے قوم کی کامیابی اور فلاح کی حقیقی اور سچی راہ بتائی۔ آپ کا لیکچر ایک بحرِ زخار تھا، جو دلائل کی موجوں سے ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمان اس وقت کیوں کامیاب نہیں؟ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ مسلمانوں میں ایمان نہیں رہا، ایثار نہیں رہا، ہمت نہیں رہی، عزم نہیں رہا اور وہ تمام خوبیاں، جو ایک انسان کو انسانیت کا مستحق بنا سکتی ہیں، مفقود ہو چکی ہیں۔ قرآن مجید انسان کو اس راہ پر چلاتا ہے، جو اس کو کامیابی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ خیال نہ کرو کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں سلطنتیں ہیں، وہ مفلح ہیں۔ محض دولت اور تجارت سے کوئی قوم مفلح نہیں ہو سکتی۔ جب خدا کو ایک قوم کو نمونہ بنانا منظور ہوا تو کیا اُن کو فوراً بادشاہت دے دی؟ نہیں۔ بلکہ اُس کے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا کر دیں، جو عزت کی مستحق ہو سکتی ہیں۔ آپ نے

تقریباً دواڑھائی گھنٹے تک سامعین کو اپنی معجز بیانی سے محوِ حیرت بنائے رکھا۔ اس تمام تقریر کو ہم کسی آئندہ اشاعت میں ہدیہ قارئین کرام کریں گے۔

حضرت خواجہ صاحب کی پہلی تقریر

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب سٹیج پر آئے۔ آپ نے فلسفیانہ رنگ میں ''حقیقت الہام''، ''ضرورت الہام''، ''الہام خارجی چیز ہے یا داخلی'' ان تمام موضوعات پر شرح وبسط سے تقریر فرمائی اور سامعین سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔

انگریزی تقریریں

نماز مغرب کے بعد محمد یعقوب خان صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی، مولوی فضل کریم خان صاحب بی۔اے، چوہدری ظہور احمد صاحب بی۔اے، چوہدری محمد اقبال صاحب بی۔اے کے انگریزی لیکچر ہوئے۔ ان لیکچروں کا مضمون تھا A Trumpet Call to Muslims یعنی مسلمانوں کو پیغامِ عمل۔ ان مقررین نے اپنی تقاریر میں فرمایا کہ اس زمانہ میں ہمیں اشاعتِ اسلام کے لیے محض مال اور وقت صرف کرنا پڑتا ہے لیکن ہمارے اباؤ اجداد کو اس راہ میں خون بہانا پڑتا تھا۔ اور یہ کہ حضرت مسیح موعود نے اس وقت، جبکہ سر سید زندہ ہی تھے اور کانگریس بھی وجود میں آ چکی تھی، مسلمانوں کے مرض کی تشخیص کی تھی۔ پس ہمارا کام اشاعتِ اسلام ہے اور فرمایا کہ درحقیقت یہی وقت اسلام کے غلبہ کا ہے اور یہ ہو کر رہے گا۔

دوسرا دن۔26 دسمبر 1919ء

صدر جلسہ صاحبزادہ سید محمد عبدالجبار شاہ صاحب سابق شاہ سوات

مولوی مبارک علی صاحب کی تقریر اور نظم

آج صبح کا وقت مولوی غلام حسن صاحب پشاوری کا تھا۔ لیکن وہ تشریف نہ لا سکے۔ اُن کا وقت مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی کو دیا گیا۔ آپ نے آیت **تَبٰرَکَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ جَعَلَ**

فِیۡھَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیۡرًا (61:25) کی مختصر تفسیر فرمائی۔ اس کے بعد ایک نعت اردو میں اور ایک قصیدہ عربی میں عقائد محمودیہ کی تردید میں پڑھا۔ جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ مولوی صاحب موصوف کی دونوں نظمیں آئندہ اشاعت میں درج اخبار کریں گے۔

حضرت فاضل امروہہ کی پہلی تقریر

اس کے بعد حضرت مولٰینا مولوی سید محمد احسن صاحب فاضل امروہہ نے اپنا فاضلانہ لیکچر انفاق فی سبیل اللہ پر شروع فرمایا اور مسئلہ زکوٰۃ کی فضیلت اور اہمیت کو قرآن کریم و احادیث صحیحہ سے ثابت کیا۔ اور مسلمانوں کو آیت وَالَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّھَبَ وَالۡفِضَّۃَ وَلَا یُنۡفِقُوۡنَھَا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (34:9) کی سخت وعید سے متنبہ فرمایا۔

حضرت خواجہ صاحب کی دوسری تقریر

اس کے بعد خواجہ صاحب نے ایک تقریر فرمائی۔ جس میں جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو، جو دین کو دنیا کے دور دراز کونوں تک پہنچائے۔ فرمایا دین پر مختلف زمانوں میں مختلف مصیبتیں پڑتی رہتی ہیں، اس لیے خدا تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد بھیجتا ہے۔ جاؤ دیکھو! جب کبھی کوئی جماعت خدمتِ دین کے لیے اُٹھی، اس کے سر پر ضرور ایک مجدد ہوا ہے۔ امرتسر میں کس قدر سرگرمیاں ہو رہی ہیں۔ کانگریس، مسلم لیگ، خلافت کمیٹی حتیٰ کہ غیر ممالک کی توجہ بھی امرتسر کی طرف کھنچی ہوئی ہے۔ مگر کیا وہ وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡھَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ. (104:3) کے مصداق ہو سکتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

رپورٹ سیکرٹری صاحب

بعد ازاں ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب آنریری جنرل سیکرٹری نے سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ اخبار پیغام صلح کے متعلق فرمایا کہ اس کی خریداری بہت کم ہے۔ اور اس وجہ سے انجمن زیر بار ہو رہی ہے۔ اس لیے میں

اپنے احباب سے التماس کرتا ہوں کہ اخبار کی توسیع اشاعت کی طرف ضرور توجہ فرمائیں۔

نماز جمعہ

اس کے بعد نماز جمعہ ادا کی گئی۔ حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ نے دوران خطبہ قوم کو ایثار اور قربانی کی ہدایت فرمائی۔ اور قوم کو غیرت دلائی کہ کیا ہم بھی قوم کہلانے کے مستحق ہیں، جبکہ ہماری انجمن کے دفتر کا مکان بھی اپنا نہیں، بلکہ کرایہ پر ہے۔ یہ نہایت پُر درد الفاظ تھے۔ اور چونکہ درددل سے کہے گئے تھے، اس لیے اثر کیے بغیر نہ رہے۔ چنانچہ حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب نے اپنا نصف مکان، جس میں پہلے ہی صدر انجمن کے دفاتر ہیں، حوالہ انجمن کر دیا۔ مکان کی مالیت ہمارے خیال میں دس بارہ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ ایثار قابل رشک ہے۔ **ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ** (54:5)

چندہ

رپورٹ کے بعد چندہ جمع ہوا۔ اور خوشی کی بات ہے کہ پہلے دن ہی چودہ ہزار کی رقم جمع ہوگئی۔ اس کے بعد دوسرے دن جو آٹھ نو ہزار چندہ ہوا وہ اس رقم کے علاوہ ہے۔ **فَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ**

احمدیہ کانفرنس

مغرب کی نماز کے بعد احمدیہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں تمام جماعتوں کے نمائندے موجود تھے۔ کانفرنس میں مفصلہ ذیل ریزولیوشن پیش ہو کر پاس ہوئے۔

☆ جس جگہ تین سے زیادہ اور سات سے کم احمدی ہوں، وہاں انجمن کھولی جائے۔ اور محض ایک کارکن تمام کام کرے۔

☆ زکوٰۃ کا 1/3 حصہ مقامی یتامیٰ مساکین پر خرچ کیا جا سکتا ہے، لیکن باقی 2/3 حصہ بیت المال میں بھیجا جائے۔

☆ ہر ایک احمدی ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے چندہ ادا کرے۔

تیسرا دن 27 دسمبر 1919ء

صدر جلسہ: خان غلام حیدر خان صاحب رئیس کلا بٹ

سب سے پہلے سید مسعود شاہ صاحب نے ایک نظم پڑھی۔ جس میں مسلمانوں کی موجودہ حالت کا نقشہ کھینچا گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب نے اپنا باقی ماندہ لیکچر زکوٰۃ کے متعلق ختم کیا۔ آپ نے بیان فرمایا کہ صحابہؓ کے وقت میں زکوٰۃ بیت المال میں ہی جمع ہوتی تھی۔ اور حضرت ابوبکرؓ سے بعض قبائل کے قتال کرنے کی اصل وجہ یہی تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم مال زکوٰۃ بیت المال میں ادا نہیں کرتے، بلکہ اپنے طور پر مستحقین پر خرچ کریں گے۔ حضرت مولانا نے زکوٰۃ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جو اُمید ہے کہ جلد اشاعت پذیر ہو سکے گا۔

حضرت خواجہ صاحب کی تیسری تقریر

اس کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے نبوت مسیح موعود کے مسئلہ پر ایک فیصلہ کن تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ کسی زبان میں جو لفظ ہوتا ہے، اُس کے معنے بدلنے کا کسی کو حق نہیں۔ پھر کیا ہمارے حضرت مرزا صاحب ایسے تھے کہ وہ لکھتے کچھ اور تھے اور معنے اُس کے کچھ اور لیتے تھے۔ نہیں۔ میرا مرشد ان باتوں سے بہت ارفع تھا۔ یہ سب ان لوگوں کی نافہمی ہے، جو کہتے ہیں کہ حقیقی سے آپ یہ مراد لیتے تھے اور مجازی سے یہ۔ آپ ہرگز کوئی اور معنے نہیں لیتے تھے، سوائے اس کے جو اہل زبان کے نزدیک مسلّم اور صحیح ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ وہ کیا ضروریات تھیں، جن کے ماتحت حضرت مسیح موعود نے اپنے لیے لفظ نبی استعمال فرمایا۔ یہ تمام تقریر انشاء اللہ ہم کسی آئندہ اشاعت میں ہدیہ ناظرین کرام کریں گے۔

چندہ

حضرت خواجہ صاحب کی تحریک پر پھر چندہ جمع ہونا شروع ہوا۔ خود حضرت خواجہ صاحب نے چار ہزار روپیہ اشاعتِ اسلام کے لیے مرحمت فرمایا۔ ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب نے ایک ہزار اور آپ کی زوجہ محترمہ نے

تیس روپے اور آپ کی صاحبزادی نے پندرہ روپے عطا فرمائے۔ **فجزاھم اللّٰہ احسن الجزا۔** مجموعی رقم چندہ کی بائیس ہزار سے متجاوز بیان کی جاتی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ دوسرے بزرگان قوم نے جو رقوم مرحمت فرمائیں، اُن کے نام الگ کسی جگہ درج کیے جائیں گے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ کی دوسری تقریر

اس کے بعد حضرت امیر قوم ایدہ اللہ بنصرہٖ کی دوسری تقریر تجدید عہد ایفاء عہد پر شروع ہوئی۔ سورہ الاحزاب کی آیات تلاوت فرما کر آپ نے استدلال فرمایا کہ جہاں ایک طرف حضرت مسیح موعود کی جماعت ہونے کے لحاظ سے دوسرے مسلمانوں کے اندر ہمارا مقام بلند ہے، وہاں دوسری طرف ہماری ذمہ داری بھی بڑی ہے۔ کیونکہ ہماری غلطی سے ایک قوم کو غلطی لگنے کا احتمال ہوسکتا ہے۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ دوسروں کے لیے نمونہ کا کام دے۔ فرمایا ہم لفظوں سے کسی کو قائل نہیں کر سکتے۔ ہاں! اپنا نیک نمونہ پیش کرو۔ لوگ خود بخود تمہاری عزت کے قائل ہو جائیں گے۔ اس قسم کے بیش بہا نصائح کے بعد آپ نے تمام حاضرین جلسہ سے چند عہد لیے۔ اور ہر ایک عہد پر کھڑے ہو کر اقرار کروایا۔ جو عہد لیے وہ حسب ذیل ہیں:

☆ نماز با جماعت کے پابند ہوں گے۔

☆ ہم خود قرآن با ترجمہ پڑھ کر اُس پر عملدرآمد کریں گے۔ اور اپنے بچوں اور اہل وعیال کو بھی قرآن مجید پر عملدرآمد کرنے اور نماز کا عادی بنانے کی پوری کوشش کریں گے۔

☆ ہم زکوٰۃ حسب شرح شریعت ادا کریں گے۔ اور دوسرے صدقات چندہ وغیرہ بھی دیں گے۔

☆ ہم امر بالمعروف میں اپنے امیر کی اطاعت کریں گے۔ ہاں اگر کوئی ایسا حکم ہو جو خلاف شریعت ہو، تو ہم اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔

☆ اور آخری اقرار یہ کہ ہم ان تمام باتوں کو اپنے دوسرے احباب تک حتیٰ الامکان پہنچا دیں گے۔

اس کے بعد آپ نے نصیحت فرمائی کہ ہر ایک احمدی کو ایک مبلغ اور مشنری کا کام کرنا چاہیئے۔ اور

جماعت میں ترقی کے لیے ہر وقت کوشاں رہنا چاہئے۔ بعض دوسرے نصائح پر آپ نے اپنے لیکچر کو ختم کیا۔ یہ تمام لیکچر ہم اشاعت آئندہ میں انشاءاللہ ہدیہ قارئین کرام کریں گے۔

۞۞۞

14 جنوری 1920ء

اداریہ

سال نو اور مسلمانوں کا فرض

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (16:57)

برادران اسلام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

وزیراعظم سلطنت برطانیہ مسٹر لائیڈ جارج و دیگر وزرائے نو آبادیات کی طرف سے پیغام سالِ نو بدیں الفاظ پہنچایا گیا ہے۔

> ''بنی نوع انسان کی منظّم اور یک جہتی کی زندگی کی از سرِ نو تعمیر میں وہی اصول انجام کار بنیاد پائے جائیں گے، جن کا مرکز عیسائیت ہے۔ یعنی یہ کہ خدا کو سب کا باپ اور جہان کے لیے منشائے الٰہی تسلیم کیا جائے۔ چونکہ یہ تسلیم کرنا ہر جگہ فرد واحد کی آزادانہ رضامندی کا نتیجہ ہو سکتا ہے، اس لیے یہ پیغام نیک دل لوگوں سے اپیل کرتا ہے کہ ان روحانی طاقتوں کی ابدی صداقتوں پر غور کریں، جو اس جہان کی مستقل بنیاد کی اکیلی اُمید گاہ ہیں۔''

اس پیغام کے دینے والے وہ بڑے انسان ہیں، جن کے ہاتھ میں اس وقت تمام سلطنت برطانیہ کی حکومت کی باگ ہے اور جن کی آواز آج قریباً کُل دنیا میں اتنا وزن رکھتی ہے کہ کم و بیش سب لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی ہے۔ موافقانہ نقطۂ نگاہ سے ہو یا مخالفانہ سے، اور اس کے مخاطب تمام سلطنت برطانیہ کے شہری ہیں، جن میں مسلمان بھی شامل ہیں۔ اور اس حیثیت سے کہ اسلام اور عیسائیت وہ عظیم الشان مذاہب ہیں جو دنیا پر اپنے خیالات کا اثر ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کے بالمقابل کوشش کر رہے ہیں۔ اور پھر اس بات کو مدنظر رکھتے

ہوئے کہ ہمارے خدا نے دین اسلام کو کل دینوں پر غالب کرنے کا وعدہ دیا ہے، مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس پیغام کی طرف خصوصیت سے توجہ کریں۔ بلحاظ اختلاف طبائع بعض لوگوں کی توجہ کو تو یہ پیغام اس رنگ میں اپنی طرف کھینچے گا کہ ایک ایسی سلطنت کے وزیراعظم کا، جس میں عیسائیوں سے غیر عیسائیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، حکومت برطانیہ کے امور مذہبی میں گذشتہ غیر جانبدارانہ پالیسی کو مدنظر رکھ کر یہ منصب کہاں تک ہے کہ وہ عیسائیت کی تبلیغ کو اپنے فرائض میں داخل کریں اور مشنری بننے کی کوشش کریں۔ مگر اس بحث میں پڑنا بے سود ہے۔ ایسا ہی اگر اس پیغام پر تنقید کی نگاہ ڈالی جائے تو ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ اس مسیحیت کو جو جرمن قوم اور قیصر جیسے لوگ دنیا میں پیدا کرسکتی ہے، جو آج کل مہذب دنیا کی نگاہ میں گذشتہ پانچ سال کے سارے فسادات اور ان کے اُن خطرناک نتائج کے ذمہ دار ہیں، جو اب بھی دنیا بھگت رہی ہے۔ اور پھر اس مسیحیت کو، جس نے بولشوزم جیسی بلا پیدا کی ہے۔ جس کے آنے والے خطرات کے سامنے مہذب دنیا تھرتھرا رہی ہے،''اس جہان کی مستقل بنیاد کی اکیلی اُمید گاہ'' قرار دینا واقعات سے آنکھیں بند کرنا ہے۔ لیکن اس قسم کی نکتہ چینی سے بھی کوئی بڑا مفید نتیجہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ تاہم اس پیغام پر اس پہلو سے غور کرنا چاہئے جو اسلام کے لیے مفید اور نتیجہ خیز ہو۔

اس پیغام کا کچھ ہی منشاء ہو۔ عیسائیت کو جو سیاسی طاقت کُل دنیا پر حاصل ہوگئی ہے، وہ مختلف رنگوں میں اس کی تبلیغ میں لازماً معاون ہوگی۔ اور ایک عیسائیت سے یہ بات خاص نہیں۔ حاکم قوم کا اثر محکوم قوم پر ہوتا ہی ہے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیۡنِ مَلُوۡکِھِمۡ مشہور مثل ہے۔ اس لیے اس اعلان سے ہم میں کوئی نیا خوف بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ ہم کو جگانے کے لیے ایک تازیانہ ہے۔ ہم بادشاہت اور حکومت کے جاتے رہنے پر روتے ہیں۔ اور کون قوم ہے جو ایسے حالات کے پیش ہونے پر نہ روئے گی۔ مگر ایک قوم، جو دنیا پر حکومت اور بادشاہت حاصل کرچکی ہے اور دُنیوی طاقت کے اعلیٰ سے اعلیٰ معراج پر پہنچ چکی ہے، وہ بھی دیکھتی ہے کہ ہماری زندگی کا سامان کس بات میں ہے۔ بادشاہت اور حکومت طاقت سے آتی ہے اور طاقت سے قائم رہتی ہے اور طاقت زندگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہمارے اندر زندگی ہی نہیں تو حکومت ہم کو کیا فائدہ دے گی۔ پھر میں کہتا ہوں کہ مذہب کی اشاعت اور اسلام کے اصول کے پھیلانے سے ہماری سیاسی اغراض بھی حاصل ہوتی ہیں۔ کیا اس وقت مسلمانوں کی سیاسی اغراض اس بات سے وابستہ نہیں کہ دنیا کو اسلام کا اور مسلمانوں کا صحیح علم ہو۔ اور کیا اگر ایک

ہندو ہم وطن نے ہم کو یہ بتایا ہے کہ جس قدر غلط فہمی دنیا میں اسلام کے متعلق ہے کسی قوم کے متعلق نہیں۔ تو دوسری طرف یہ وزراء کا پیغام خود اس امر کا شاہد نہیں کہ اُن کو اسلام کے متعلق کس قدر غلط فہمی ہے۔ اور یہ غلط فہمی اگر عیسائی مشنری عمداً بھی پھیلا رہے ہیں، تاہم قوم انگریزی بلکہ عموماً یورپین اقوام محض ناواقفیت کی وجہ سے اس غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہیں۔ پھر کیا ہر ایک یورپین ملک میں کچھ لوگوں کا مسلمان ہو جانا ہمارے سیاسی اغراض کے لیے انتہا درجہ کا مفید نہیں۔ اور وہی لوگ آہستہ آہستہ ان ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کے حقوق کے محافظ نہ ہو جائیں گے؟ اور مسلمانوں کو جو یورپین اقوام کے جوڑ توڑ اور تدابیر وحیل سے آئے دن نقصان پہنچتا رہتا ہے، اس سے حفاظت کا یہ سامان نہ ہو جائے گا؟ خوب یاد رکھو کہ دوسری قوموں کی سیاست بھی اپنے اپنے ملکوں تک محدود نہیں۔ چہ جائیکہ مسلمانوں کی سیاست، جن کی قومیت تمام دنیا پر پھیلی ہوئی ہے، ایک ملک کے تنگ دائرہ کے اندر آ سکے۔ مسلمانوں کی سیاست کا اظہار بہت کچھ باہر کے ممالک میں اُن کے اثر و اقتدار پر ہے۔ اور پھر بالخصوص اس اثر و اقتدار پر، جو انگلستان اور برٹش مقبوضات میں وہ پیدا کر سکیں، اور اُس کے پیدا کرنے کے لیے اشاعتِ اسلام نہ صرف بہترین بلکہ اکیلی راہ ہے، پھر کیا یہ سچ نہیں کہ اگر مسلمانوں پر فی الواقع یورپین اقوام کو کوئی بدظنی ہے تو اس کے دور کرنے کا بھی یہی ذریعہ ہے کہ وہ لوگ خود اسلام کے اندر داخل ہو کر دیکھ لیں کہ اسلام دنیا میں امن کی راہ بتاتا ہے یا اس کی تعلیم خونریزی اور فساد کی ہے۔ اور بھی بہت سے پہلو ہیں جن پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس وقت اشاعتِ اسلام کا کام نہ صرف مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ امن کا کام اور سب سے زیادہ اُن کی فلاح کا موجب ہے، بلکہ یہی وہ کام ہے جس کو مقدم کرنے سے اس وقت مسلمان قوم زندہ رہ سکتی ہے۔

پھر غور کرو کہ قرآن کریم نے جہاد کو مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا ہے۔ مگر جہاد بالسیف کے لیے یہ صاف شرط لگا دی ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو، جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ لیکن دنیا میں ہر وقت مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے والے لوگوں کا ہونا تو ضروری نہیں، حالانکہ جہاد کا حکم ہر وقت ہے۔ ہاں یہ دوسرا جہاد، جس کو خود قرآن کریم نے جہادِ کبیر کے نام سے موسوم فرمایا وَجَاهِدْهُمْ جِهَادًا كَبِيرًا (52:25) یہ ہر وقت ہو سکتا ہے۔ یعنی قرآن کو ہاتھ میں لے کر جہاد کرنا۔ یہ جب تک دنیا ہے تب تک ہوتا رہے گا۔ پس جب جہاد کرنے کی ایک صورت موجود ہے اور فی الحقیقت یہی جہاد ہے جس سے اسلام نے قلوب کو مسخر

کیا اور جس سے وہ آئندہ دُنیا کو مغلوب کرے گا۔ اور جہاد بالسیف محض اسلام کی راہ سے رُکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے تھا، تو کیا یہ وقت نہیں کہ جب اہل حکومت بھی دینی جہاد کو آئندہ کی ضرورت قرار دیتے ہیں، تو مسلمان بھی اس جہاد میں لگ جائیں۔ ہمارے لیے باوجود حکومت وشوکت کے جاتے رہنے کے، نہ صرف مایوسی کی ہی کوئی وجہ نہیں، بلکہ یہ بالکل صحیح ہے کہ جس تیزی کے ساتھ اسلامی حکومتیں گرتی جارہی ہیں، اُسی تیزی سے یا اُس سے بھی بڑھ کر تیزی سے اصول اسلامی دنیا میں غالب آرہے ہیں اور مسیحیت کی عمارت پاش پاش ہورہی ہے۔ مسیحیت کے تمام اصول باوجود اُس کے ملکی غلبہ کے اس طرح عقلمند انسانوں کی نظروں میں گرتے چلے جاتے ہیں کہ وہ دن قریب ہے کہ بڑی سے بڑی طاقت بھی سارا زور صرف کر کے اُن کو زندہ نہ رکھ سکے گی۔ اور اسلام کی بظاہر شکست میں اُس کی فتح نمودار ہوگی۔

آج سے تیس سال پیشتر ایک جگانے والے نے ہم کو جگایا اور ہمیں بتایا کہ اسلام کی کامیابی کی اب یہی راہ ہے کہ مسلمان دین اسلام کو دنیا کی قوموں میں پھیلا دیں۔ اس نے ہمیں ایک نئے علم کلام کے رنگ میں وہ ہتھیار بھی دیئے جو اس جہاد میں ہمارے لیے موجب قوت تھے۔ اور یہی وہ تجدید کا عظیم الشان کام تھا جو اس زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے ہونا چاہئے تھا۔ وہ مردہ دلوں کے بارہ میں ایک مسیح کا حکم بھی رکھتا تھا۔ مگر غلطی سے، جیسا کہ پیشتر خدا کے بندوں کے ساتھ دنیا کی عادت رہی ہے، لوگوں نے اُسے بُرا کہا اور دشمنِ اسلام سمجھا۔ آج واقعات اس کی باتوں کی پُر زور تائید کررہے ہیں۔ اور مسلمانوں کے لیے یہ وقت ہے کہ وہ اب بھی تیس سال کے کھوئے ہوئے زمانہ کی تلافی کریں اور پورے زور اور مستعدی سے اس کام میں لگ جائیں۔ جس میں لگ جانے میں اُن کی فلاح ہے۔ جوش وہی اچھا ہے جو کسی کام پر لگ جائے۔ اور کام پر لگنے سے ہی اس میں استقلال پیدا ہوتا ہے۔ پس اے برادران اسلام! میں آپ کو محض اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دعوت دیتا ہوں کہ ہمارے حالات کو خوب غور سے دیکھو! اگر ہمارے اندر کوئی خود غرضی پاؤ اور ہمارے اندر داخل ہو کر تم کو یہ پتہ لگ جائے کہ ہم اسلام کے دشمن ہیں، تو ایک چھوٹی سی جماعت کی بیخ کنی تمہارے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔ اور اگر ہمارے اندر آکر تم کو یہ معلوم ہو کہ ہم اسلام کے لیے درد رکھتے ہیں اور مسلمانوں کی فلاح کے سوا اور کچھ ہمارے مدنظر نہیں تو پھر خدا کے لیے آؤ اور ہمارے ساتھ شامل ہو کر اس کام میں لگ جاؤ، جس کے سوائے

اب دنیائے اسلام کی فلاح کی کوئی راہ نہیں رہی۔

خوب یاد رکھو! کہ اگر تمہاری حکومتیں بھی دنیا میں ہوں، تب بھی تم اسلام کو دنیا میں پھیلائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ چہ جائیکہ موجودہ حالات میں، جب دنیا کی جسمانی حکومت میں تمہارا حصہ قریباً معدوم ہو چکا، کیا ان مصائب سے، جو اسلام پر آ چکیں، بڑھ کر کس مصیبت کی انتظار ہے، جس سے ہم سبق حاصل کریں گے؟ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. (286:2) حضرت موسیٰؑ جب فرعون کے یہ الفاظ سنتے ہیں اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ. (127:7) ہم ان پر غالب ہیں اور اپنی قوم کو اُن کے مقابلہ میں کمزور پاتے ہیں، تو اُن کو نصیحت کرتے ہیں اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا (128:7) کسی حکومت کے آگے اور کسی قوم کے آگے ہاتھ مت پھیلاؤ۔ ایک خدا سے مدد چاہو، کسی پر بھروسہ مت کرو، ایک خدا پر بھروسہ کرو۔ ہاں صبر سے کام لو۔ مسلمانوں کو بھی قرآن نے حکم دیا ہے وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ. (3:103) جس کا ماحصل یہ ہے کہ دُکھ اُٹھاؤ اور حق کو دنیا میں پہنچاؤ۔ تمہارا بہترین جہاد اور بہترین ہجرتیں وہ ہیں جو اسلام کو دنیا میں پھیلانے کے لیے ہوں۔ عیسائیت کو یورپ اور امریکہ کے سارے جمع شدہ خزانوں سے اور وہم وگمان سے بڑھی ہوئی طاقت سے فروغ حاصل نہیں ہوسکتا، جس کے لیے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا. اَنْ دَعَوْالِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا. (91-90:19) کا فرمان بارگاہ ایزدی سے صادر ہو چکا۔ مگر اسلام ایک محکوم قوم کی کوشش سے بھی لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (28:48) کا مصداق ہوسکتا ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

جنوری 1920ء

14جنوری1920ء

قسط اول

ایک مبلغِ اسلام کلیسا میں

30 نومبر 1919ء یعنی اتوار کا دن مسیحیت کی تاریخ میں خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جبکہ ایک مسیحی چرچ میں مولٰینا صدرالدین صاحب مبلغ اسلام کا لیکچر اسلام کے عالم گیر مذہب ہونے پر ہوا۔ یہ کلیسا اگرچہ عیسائیوں کے اس فرقہ سے تعلق رکھتا ہے، جو یونیٹیرین (مؤحدین) کے نام سے موسوم ہے۔ اگرچہ دوسرے تمام فرقوں سے وہ بہت آزاد خیال اور غیر متعصب واقع ہوا ہے، لیکن پھر بھی عیسائی ہے اور حضرت مسیحؑ کی الوہیت تو نہیں، لیکن اُن کے خدا کا بیٹا ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ اِن حالات میں ایک مسلم مبلغ کا کسی خدا کا بیٹا ماننے والے کلیسا کے پلیٹ فارم پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور کارناموں کو بیان کرنا تاریخ کے صفحات پر کس قدر عظمت کی نگاہ سے دیکھا جانے کے قابل ہے۔ مولٰینا موصوف کو اس لیکچر بلکہ سرمن (خطبہ) کے لیے قریباً ایک مہینہ قبل دعوت آ چکی تھی۔ جس کا پتہ لندن کے نومسلم انگریزوں اور ہندوستانی طلباء کو بھی لگ گیا۔ بہت سے لوگ وقت پر گرجا میں پہنچ گئے۔

سب سے پہلے گرجا کے پادری ڈاکٹر والٹر واش نے قرآن کریم کے ایک دو مقامات میں سے بعض آیات، جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید وعظمت کا ذکر ہے، (مثلاً آیت الکرسی) کا انگریزی ترجمہ پڑھا۔ اور پھر ایک لمبی دعا کی اور اُس میں مذاہبِ عالم کے باہمی تعصب کو دور کرنے اور اُن میں اتحاد اور ہمدردانہ جذبات کے نشوونما کی التجا جناب باری سے کی۔ اور حاضرین کو اپنے مشن کی اغراض کا پتہ دیتے ہوئے یہ بتایا کہ اس چرچ والوں کے نزدیک تمام مذاہب کو ماننے والے، خواہ وہ مشرق سے ہوں یا مغرب سے اور تمام مختلف دنیا کے انسان، آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان سب میں ایک دوسرے کے لیے ہمدردی پیدا کرنا اور سب مذاہب کو ایک سٹیج پر لانا اُن کے اغراض میں سے ہے۔

ان کے بعد مولینا صدر الدین صاحب کو سرمن (خطبہ) کے لیے کہا گیا۔ آپ نے سب سے پہلے اس زمانہ کی حالت بالتفصیل بیان کی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کا نور اور روشنی لے کر دنیا میں آئے، اس وقت عرب کی جو کچھ حالت تھی، جن اخلاق رذیلہ اور کمینہ عادات نے دُنیا پر اپنا قبضہ جما رکھا تھا۔ نہ صرف عرب بلکہ آریہ مت اور یورپ کے مہذب طبقہ کے آبا وَ اجداد بھی ان Dark Ages کے تاریک ترین اوقات میں جن ہولناک واقعات و حالات کے اندر ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے، ان سب کو آپ نے بالتفصیل بیان کیا۔ اور بتایا کہ ایسے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں نزول فرما ہوئے۔ جو باوجود اَن پڑھ اور انہی عربوں میں سے ہونے کے، نہایت اعلیٰ اخلاقِ انسانی کے مجسمہ تھے۔ آپ اس الٰہی پیغام کو دنیا میں لے کر آئے، جس کی سب سے پہلی آیت اللہ تعالیٰ کے ربّ العٰلمین ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ گویا اس زمانہ میں، جبکہ یورپ میں مسیحیت اور اس کے بھی خاص معتقدین (پوپ کے حامیوں) کے سوائے باقی سب کو انسانی برادری سے خارج سمجھا جاتا اور ہر قسم کا بغض ان سے روا رکھا جاتا تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ایک خدا کی مخلوق اور آپس میں بھائی بھائی قرار دیا۔ یہ وہ بات ہے جس کے ہوتے ہوئے یعنی اللہ تعالیٰ کو رب العٰلمین مانتے ہوئے ایک مسلمان دوسروں کا بحیثیت انسان بھائی ہونے سے انکار نہیں کرسکتا۔

آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم کے عالمگیر کتاب ہونے اور عالمگیر مذہب کی تعلیم دینے کے متعلق ایک سب سے دلچسپ ریمارک جو میں کرسکتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو کسی ایک طبقۂ عالم کا خدا قرار نہیں دیا، بلکہ مشرق اور مغرب تمام جہان کا رب بتایا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فرمایا رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (17:55) دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب۔ کیونکہ جس وقت کرہ ارض پر جہاں ہم آباد ہیں سورج غروب ہوتا ہے تو ایک دوسرے کرّہ (مثلاً امریکہ) پر وہ چڑھتا ہے۔ اس لیے وہ جگہ جو ہمارے لیے مغرب ہے، وہ اس دوسرے کرّہ کا مشرق ہے۔ ایسا ہی جب اُس دوسرے کرۂ پر سورج غروب ہوتا ہے تو ہم پر وہ طلوع ہوتا ہے۔ گویا اُن کا مغرب ہمارا مشرق ہے۔ اس حساب سے دو مشرق ہیں اور دو مغرب۔ تو فرمایا کہ صرف ایک ہی کرّہ ارض کا میں رب نہیں، بلکہ دونوں کرّوں کا رب میں ہی ہوں۔ پھر اس سے بڑھ کر اس کو وسیع کیا۔ اور فرمایا رَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ (40:70) دو ہی نہیں، بلکہ بہت سے مشرقوں اور بہت سے مغربوں کا وہ رب ہے۔ یہ

اُس نظامِ شمسی کی طرف اشارہ ہے کہ ایک جگہ مثلاً ہندوستان کے شمال مغرب میں جس وقت سورج غروب ہوتا ہے تو انگلستان میں اُس وقت چڑھتا ہے۔اوراس کے ایک گھنٹہ بعداس سے ذرااورمغرب میں غروب ہوتا ہےاورکسی اورجگہ چڑھتا ہے۔علیٰ ہذاالقیاس! دنیا کے بہت سے مقامات ایک ہی وقت میں دنیا کے ایک حصہ کے لیے اگر مشرق کا کام دیتے ہیں،تو دوسرے کے لیے وہی مغرب ہوتے ہیں۔اس لحاظ سے دنیا کے بہت سے مشرق ہیں اور بہت سے مغرب۔تو بتایا کہ اس تمام چپہ چپہ عالم کا بھی میں ہی اکیلا رب ہوں۔اور یہ سب حصصِ عالم میری ہی پرورش اورربوبیت کے ماتحت ہیں۔

پھرفرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (22:30) یہ تمہاری پیدائش،تمہاری زبانوں اوررنگوں کا اختلاف، یہ بھی اس رب العلمین ہی کی ربوبیت میں ہیں اوراس کا ایک چمکتا ہوانشان۔اس سے بھی زیادہ وسیع کیااورفرمایارَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (8:44) وہ تمہارا بھی رب ہےاورتم سے پہلے تمہارے آباؤ اجداد کا بھی وہی رب تھا۔گویا کوئی کسی قسم کی بھی حد بندی قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر قائم نہیں کی۔پس جو کتاب جسمانی ربوبیت سب کی ایک ہی جیسی اللہ تعالیٰ کی طرف سے منواتی ہے، وہ اس کی روحانی ربوبیت کے دائرہ سے کسی ایک قوم کو کیونکر خارج کرسکتی ہے! جسمانی ربوبیت کے ساتھ روحانی ربوبیت میں بھی سب کواگر شریک نہ سمجھا جائے،تو یہ سلسلہ بالکل بے ربط ہوجاتا ہے۔اس لیےفرمایا اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَافِيْهَا نَذِيْرٌ (24:35) کوئی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی نذیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ اگر یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو منواتی ،تو یہ اس کی عالمگیر ربوبیت کی تعلیم کی قطعاً منافی تھا۔اگرآپ سے پہلے بھی خدا تھا۔یہ ماننا پڑے گا کہ اُن پہلوں کے لیے بھی نجات کا دروازہ اسی طرح کھلا تھا، جیسے آج ہمارے لیے کھلا ہے۔خدا کی محبت یہ نہیں کہ وہ مسیحؑ کے ساتھ لوگوں کی نجات کا دروازہ کھولے، اوراس سے پہلے کی تمام قومیں چاہِ ضلالت میں گرکر جہنم واصل ہوں۔اللہ تعالیٰ کی جسمانی ربوبیت کا دروازہ اگر پہلوں کے لیے کھلا تھا،تو روحانی ربوبیت کا دروازہ ان کے لیے کیونکر بند ہوسکتا ہے۔ ہماری نجات کیا ہے؟ ہمیں کچھ استعدادیں دی گئی ہیں۔ان کو بڑھانا اورترقی دینا یہ ہمارے ذمہ فرض ہے۔کتاب الٰہی ہمیں وہ اصول بتاتی ہے،جن پر کاربند ہوکر ہم اس نصب العین کو پاسکتے ہیں اوراُس انتہا پر کہاں تک پہنچ سکتے ہیں جو انسانی ترقی کا آخری نقطہ ہے۔اسی کا نام

نجات ہے۔ مسیح کی صلیب تک اگر ہماری نجات محدود ہوتی، تو یہ ایک بالکل نا کارہ بات ہوتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ادنیٰ ترین محبت کا بھی نمونہ نہ ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی ہی نجات کا دروازہ کھلا نہیں بتایا بلکہ فرمایا کہ ابراہیمؑ بھی اس مذہب پر تھے، جس پر میں ہوں۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے بھی اسی ایک مذہب کی تلقین کی، جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ جہاں انسان ہے، وہیں اسلام کی روشنی جلوہ نما ہے۔ فطرت سب کی ایک ہے۔ اور سب کو ایک ہی مذہب کی طرف لے جاتی ہے۔ اگر چہ کتابوں کی تعلیموں میں اختلاف ہے۔ کوئی کتاب اس بات کو پیدا نہیں کرسکتی، جو انسان کی فطرت میں موجود نہیں۔ اسی طرف قرآن حکیم نے اشارہ کیا ہے فرمایا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (30:30) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ گناہ کیا ہے، تو آپ نے فطرت ہی کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ جس کام کو تم کرو اور تمہارا دل اُس سے دھڑکتا ہو اور تم نہ چاہو کہ کوئی اُسے دیکھے، وہ گناہ ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کا خلاصہ دو نہایت ہی مختصر جملوں میں بیان کیا۔

اَلْعَظْمَةُ لِاَ مْرِ اللّٰهِ وَالْشَفْقَةُ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ۔ احکام الٰہی کی تعظیم اور مخلوق الٰہی پر شفقت۔ کیا ہی دو مختصر جملوں میں مذہب کی تعریف کی ہے جو فطرت صحیحہ کا ہو بہو نقشہ ہے۔ پھر یہ نہیں کہ صرف اپنے آپ ہی کو منوایا ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تعلیم دی کہ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآاُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. (136:2) کہہ دو ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی طرف اُترا۔ یہیں تک محدود نہیں کیا ایک اور سلسلہ چلایا۔ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى (136:2) موسیٰؑ اور عیسیٰ کو دیا گیا۔ اسے بھی ہم مانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں تمام انبیاءؑ کی فہرست دینی تو مشکل تھی، اس لیے فرمایا وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ (136:2) انبیاؑء کو جو کچھ دیا گیا اس سب پر ہم ایمان لاتے ہیں۔ اس طرح سے ایک مسلمان کو قرآن کریم نے تمام انبیاؑء پر ایمان لانے کی تعلیم دی ہے۔ اور ایک منٹ کے لیے بھی میں مسلمان نہیں رہ سکتا، اگر اپنے معتقدات کو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک محدود کرلوں۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور سب انبیاؑء کو مجھے اپنا نبی ماننا چاہیئے۔ یہ وہ بات ہے جو خود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کے مجمعوں میں بیان کی اور خود اس کتابِ حکیم کی تعلیم دنیا کو دی ہے جس کا نام قرآن کریم ہے۔ اگر یہ کتاب خود اس کو بیان نہ کرتی تو میرا اس کی طرف سے وکالت کرنا ایک بالکل فضول بات تھی۔ اگر وہ یہ تعلیم دیتی کہ میں اس خدا کی طرف سے ہوں، جو صرف مسلمانوں ہی کا خدا ہے تو اُس کی وکالت تو کجا، میں تو ایک منٹ کے لیے بھی اُس کو نہ مانتا۔ لیکن میں خوش ہوں۔ بلکہ وہ کیا ہی عجیب الہام الٰہی ہے جو تیرہ سو برس سے بھی زائد عرصہ ہوا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ بڑا ہی زور اس لیے اس بات پر دیا ہے کہ دوسرے انبیاؑء پر بھی ہمیں ایمان لانا اور سب کی تعظیم کرنی چاہیئے۔ دوسرے مذاہب اور تمام انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ ایک مسلمان کا شیوہ خاص ہونا چاہئے۔ میری نماز اور روزے اور تمام عبادات اللہ تعالیٰ کی جناب میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، اگر دوسروں کے ساتھ میرا اچھا برتاؤ نہیں۔ یہ تمام باتیں جو میں کہہ رہا ہوں، ان کے حوالے اس کتاب میں سے میں بشرط ضرورت دے سکتا ہوں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلمان کا دل اس قدر وسیع کرنا چاہتے ہیں، جتنی کہ مشرق اور مغرب کی وسعت ہے، بلکہ اس سے بھی بہت بڑھ کر ہمارا نصب العین اس قدر بلند اور اتنا وسیع ہے کہ کوئی زمانہ اور کرہ ارض کی حدود اس پر حاوی نہیں ہوسکتیں۔ اس نصب العین پر لوگ پہنچے ہیں اور مذہب کی اس حقیقت پر اُنہوں نے عمل کر کے دکھایا ہے۔ اس خیالی بات کی طرح نہیں جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے کہ مسیح علیہ السلام انسانوں کے گناہ اُٹھانے کے لیے آئے۔ وہ گناہ دنیا سے کہاں اُٹھائے گئے۔ بلکہ کل عالم کے گناہوں کو اُٹھانا تو ایک طرف، آج خود مسیحی دنیا کا کیا حال ہے اور کس قدر خطرناک گناہوں کا زور عالم مسیحیت میں بالخصوص پایا جاتا ہے۔ بالمقابل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نری باتیں ہی نہیں کیں، بلکہ فرمایا اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (163:6) سب سے پہلا اور سب سے بڑھ کر مسلم میں ہوں۔ خود ان تمام اصولوں پر عمل کر کے دکھایا۔ جن کی دنیا کو تلقین کی۔ یہ نہیں کہ کسی پادری کی طرح یہ کہہ دیا ہو "Do as I tell you, do not do as I do." یعنی وہ کرو جو میں کہتا ہوں اور وہ نہ کرو، جو میں کرتا ہوں۔ بلکہ تمام تعلیمات میں خود نمونہ بن کر دکھایا۔ تمام رنگوں اور ذاتوں کے اختلاف کے باوجود، نہ صرف اپنے پیروؤں کو ہی سب انبیاؑء پر ایمان لانے اور تمام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی تعلیم دی، بلکہ خود بھی اس پر عمل کیا اور سب سے بڑھ کر عمل کر کے دکھایا۔

آج یورپین لوگ ذاتوں کے امتیاز کو، جو مثلاً ہندو قوم کے اندر پایا جاتا ہے، کس قدر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن یہاں کا کیا حال ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر تفرقہ اور امتیازات عیسائیوں میں موجود نہیں؟ غیریت اور ناواقفیت کا یہ حال ہے کہ یہاں میں 99 فیصد ایسے لوگ دیکھتا ہوں، جو اپنی ناواقفیت کی وجہ سے مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم محمڈن ہو؟ میں کہتا ہوں نہیں میں محمڈن نہیں، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام ہمیں نہیں دیا۔ اگر دیتے تو یہ اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کے خلاف تھا۔ تاہم ناواقفیت یہاں اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ بہت لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مسیحؑ کن لوگوں میں سے تھے۔ مسیح علیہ السلام اور اُن کی والدہ کی تصاویر اور اُن کے خدوخال انگریزوں ہی کی طرز کے بنائے جاتے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ انگریز ہی تھے۔ یعنی ایسے لوگ دیکھے ہیں، جنہوں نے مجھے کہا کہ وہ دونوں یہیں پیدا ہوئے تھے۔ ایک طرف اس قدر ناواقفیت میں لوگوں کو رکھا جاتا ہے اور دوسری طرف ایک پادری صاحب جب یہاں سے ڈگری لے کر باہر جاتا ہے، تو لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لیے ایسی ایسی راہیں اختیار کرتا ہے، جو اُس کے اپنے مذہب کے خلاف ہیں۔ میں جب کالج میں پڑھتا تھا تو ایک اشتہار میں نے ایک پادری کی طرف سے دیکھا۔ جس میں ایک خدا کی تلقین کرنے کا ادعا کیا تھا۔ حالانکہ درحقیقت وہ تین خدا مانتا ہے، ایک نہیں۔ لیکن لوگوں کو چونکہ کوئی ترغیب دے کر بلانا مقصود ہوتا ہے، اس لیے ایسی راہیں اختیار کر لی جاتی ہیں۔

ایک مسلمان ایسا نہیں کرسکتا۔ وہ ایک خدا کی پرستش اور صرف اسی ایک کو ماننے اور منوانے پر بڑا ہی باغیرت ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بعض لوگ آ کر سربسجود ہو جاتے تھے لیکن آپ نے انہیں منع کیا اور فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ (110:18) میں خدا نہیں۔ تمہارے جیسا ایک بندہ ہوں۔ یہی ایک بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول ہے کہ انسان دیانت و امانت کو ہاتھ سے نہ دے۔ دیانت سے روٹی کمانا یا اپنے فائدہ اور بڑا بننے کے لیے دیانت کو نہ چھوڑنا، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام عبادات سے بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ ان پڑھ تھے، لیکن نہایت ہی اعلیٰ اخلاقِ انسانی کے آپ گویا مجسمہ تھے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے تمام قبیلہ والوں کو جمع کیا اور اُن سے کہا فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ (16:10) ایک عمر میں نے تم میں گذاری ہے۔ اس میری چالیس سالہ زندگی میں جو گذر چکی ہے کیا تم میرے اوپر کوئی حرف رکھ سکتے

ہو؟ آپ کے خطرناک دشمنوں نے اس وقت شہادت دی کہ ہرگز نہیں۔ آپ کی اس چالیس سالہ زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی، جو نکتہ چینی کے قابل ہو۔ ایسا ہی آپ کی سپاہیانہ زندگی کو دیکھو جنگ کے اندر اس قدر اعلیٰ اخلاق کا ظہور آپ سے ہوتا ہے کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ (جاری بر اشاعت 18 جنوری 1920ء)

خاکسار

دوست محمد

از ووکنگ، انگلستان

18 جنوری 1920ء

قسط اول

تجدیدِ عہد ایفاءِ عہد

حضرت امیر ایّدہ اللہ کی دوسری تقریر جو آپ نے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر 27 دسمبر 1919ء کو فرمائی

(ذیل میں ہم حضرت مولٰنا محمد علی صاحب کی دوسری تقریر کا ایک حصہ درج کرتے ہیں۔ باقی حصہ انشاءاللہ دوسری اشاعت میں ہدیۂ قارئین کرام کریں گے۔ اگرچہ اس تقریر کو بالاقساط طبع کرنے سے لُطف کھویا جائے گا، لیکن بعض ناگزیر واقعات کے پیش آجانے سے میں چند دنوں سے اپنے فرائض کی ادائیگی سے معذور رہا، اور اس وجہ سے حضرت امیر اور دوسرے بزرگانِ جماعت کی تقاریر وقت پر شائع نہ کر سکا، اُمید ہے قارئین کرام میری مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس فروگذاشت کو معاف فرمائیں گے۔ مدیر)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولٰناؒ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِکَ اِنۡ کُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا وَزِیۡنَتَهَا فَتَعَالَیۡنَ اُمَتِّعۡکُنَّ وَاُسَرِّحۡکُنَّ سَرَاحًا جَمِیۡلًا. وَاِنۡ کُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالدَّارَ الۡاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنٰتِ مِنۡکُنَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا. یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنۡ یَّاۡتِ مِنۡکُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفۡ لَهَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَیۡنِ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرًا. وَمَنۡ یَّقۡنُتۡ مِنۡکُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتَعۡمَلۡ صَالِحًا نُّؤۡتِهَاۤ اَجۡرَهَا مَرَّتَیۡنِ وَاَعۡتَدۡنَا لَهَا رِزۡقًا کَرِیۡمًا. یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا. وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِیَّةِ الۡاُوۡلٰی وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیۡنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ

الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. وَاذْكُرْنَ مَايُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا. (33:28-34)

ترجمہ: ''اے نبیؐ کہہ دے اپنی عورتوں کو اگر تم چاہتی ہو دنیا کا جینا اور یہاں کی زینت تو آؤ کچھ فائدہ دوں تم کو اور رخصت کروں اچھی طرح سے رخصت۔ اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اُس کے رسولؐ کو اور پچھلے گھر کو، تو اللہ نے رکھ چھوڑا ہے اُن کو جو تم میں نیکی پر ہیں اجر بڑا۔ نبی کی عورتو! جو کوئی کرے تم میں سے کام بے حیائی کا صریح طور پر اس کو دُگنا عذاب دیا جائے گا۔ ہے یہ اللہ پر آسان اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کی اور نیک عمل کرے دیں گے ہم اُن کو اُس کا اجر دوگنا۔ اور رکھی ہے ہم نے اس کی واسطے روزی عزت کی۔ اے نبی کی عورتو! تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں۔ اگر تم ڈرو سو تم دب کر نہ کرو بات۔ پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں مرض ہے اور کہو بات معقول اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھاتی نہ پھرو۔ جیسا دکھانا دستور پہلے وقت نادانی کے اور کھڑی رکھو نماز اور دیتی رہو زکوٰۃ اور اطاعت میں رہو اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کی۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اس گھر والوں سے اور پاک کرے تم کو پاک کرنا اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی باتیں اور حکمت کی باتیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ باریک سے باریک بات جانتا ہے۔''

اور پھر آپ نے فرمایا کہ ان آیات میں جو میں نے تلاوت کی ہیں اللہ تعالیٰ نے بعض اُمور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں۔ بعض کم فہموں نے اعتراض کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر ازواج نکاح میں لانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ ایک شہوانی انسان تھے۔ لیکن یہ معترضین کی قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے۔ وہ کیا مصالح تھے جن کی بنا پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر شادیاں کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ یہ ایک لمبی بات ہے۔ لیکن اِنہی آیات سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان نکاحوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محض دینی غرض وابستہ تھی۔

حکم ہوتا ہے، اے نبی! اپنی بیبیوں سے کہہ دے کہ اگر تمہارے دل میں کسی دنیوی زیب و زینت کا خیال ہے تو آؤ میں تم کو اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔ تم اس غرض سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں نہیں لائی گئی ہو کہ تم دنیوی مال و متاع اور دنیوی سامانِ عیش سے فائدہ اُٹھاؤ۔ بلکہ وہ اور ہی اغراض ہیں، جن کے لیے تم کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں لایا گیا ہے۔ اور پھر اس غرض کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ یعنی اگر تم اللہ اور اُس کے رسولؐ اور آخرۃ کے گھر کو چاہتی ہو۔ گویا تمہاری غرض دنیا نہیں بلکہ دین ہے۔ تو پھر تمہارے لیے اجر عظیم ہے۔ اور پھر فرمایا وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ یعنی جو کوئی تم میں سے اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبردار ہو گی اور اچھے عمل کرے گی اللہ تعالیٰ اُس کو دو چند اجر دے گا۔ پھر اور بھی صفائی سے بیان فرمایا وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر جو حق و حکمت کی باتیں تمہارے کانوں میں پڑیں، اُن کو یاد رکھو اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا اللہ بیشک لطیف باتوں سے آگاہ ہے۔ اُس کو خوب علم ہے کہ دین اسلام جو تمام دینوں کا خاتم ہے، وہ محض بیرونی دنیا کے لیے ہی نہیں بنایا گیا، بلکہ وہ گھر کی اندرونی زندگی کے لیے بھی بنایا گیا ہے۔

پس آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں اس قدر بیبیاں لانے کی بڑی عظیم الشان غرض اللہ تعالیٰ کی یہ تھی کہ وہ اس حصہ دین کو یاد رکھیں، جو خانگی اُمور سے وابستہ ہے۔ اور بہت سے مسائل کو، جو عورتوں سے تعلق رکھتے ہیں، دنیا میں پہنچائیں اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کے اُس حصہ کی گواہ ہو جائیں، جن کا ظہور گھر کے اندر ہوتا تھا۔ اور تا کہ اس طرح سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلو محفوظ رہ جائیں۔ اور اُمت کے لیے اُسوۂ حسنہ کا کام دیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ احادیثِ نبوی کا ایک بڑا حصہ اِنہی ازواج مطہراتؓ سے مروی ہے۔

انہی آیات میں اللہ تعالیٰ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ یعنی اے ازواجِ نبی! اگر تم سے کوئی ایک غلطی یا گناہ کی مرتکب ہو گی تو اُس کو عام لوگوں کی نسبت دو چند عذاب دیا جائے گا۔ پھر ساتھ ہی فرمایا کہ

وَ كَانَ ذٰلِکَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا یہ عذاب دینا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اگرچہ بظاہراً کوئی خوبی کی بات معلوم نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ عذاب دینا آسان امر ہے۔ لیکن یہ اس لیے فرمایا ہے کہ یہ خیال مت کرنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے کی وجہ سے اور اس طرح گویا اس کا ایک حصہ جزو ہو جانے سے، خدا تم کو چھوڑ دے گا۔ نہیں، بلکہ وہ دو چند عذاب دے گا۔

پھر فرمایا لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ یعنی تم کوئی معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ بلکہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کی وجہ سے دُنیا کے لیے ایک نمونہ ہو۔ اگر تم سے غلطی کا ارتکاب ہوا تو اس سے دوسرے لوگوں کو غلطی لگنے کا اندیشہ ہے۔ اگر تم نے ٹھوکر کھائی، تو اس سے ایک دنیا کو ٹھوکر لگے گی۔ اور اس وجہ سے تم ایک دنیا کے لیے باعثِ گمراہی ہوگی، اس لیے خدا تم کو دو چند عذاب دے گا۔ میں نے ایک طرف تو تم کو ایک عظیم الشان مقام پر کھڑا کیا ہے کہ تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان انسان کی زوجیت کا فخر بخشا ہے، تو دوسری طرف تمہارے لیے ایک سخت مقام بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر تم نے دوسرے لوگوں کی طرح کوئی غلطی کی تو تمہاری سزا معمولی لوگوں کی طرح نہیں ہوگی، بلکہ اُن سے کہیں زیادہ ہوگی۔ کیونکہ تمہاری غلطی سے ایک دنیا کا غلطی میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ گویا ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اس لیے لائی گئی ہو تا کہ دنیا کی عورتوں کے لیے بطور نمونہ کے کام دو۔

دراصل یہ آیات اُس وقت نازل ہوئی تھیں جب مسلمانوں کے ہاتھ کچھ مال غنیمت آنا شروع ہو گیا تھا۔ اور بعض بیبیوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ ان اموال میں سے ہم کو بھی حصہ ملنا چاہئے۔ قرآن مجید میں آیت اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ (41:8) پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اس لیے اُنہوں نے خیال کیا کہ جب خدا ہم کو پانچواں حصہ دیتا ہے تو ہم کیوں نہ مانگیں۔ لیکن دوسری طرف سے کیا جواب ملتا ہے؟ کہ تم کو اس غرض کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں نہیں لایا گیا کہ تم دنیا کے اموال سے فائدہ اٹھاؤ، بلکہ تم کو اس غرض کے لیے لایا گیا ہے کہ تم دنیا کے لیے نیکی اور اخلاق کا نمونہ بنو۔ اور خدا کا دین دوسروں تک پہنچاؤ۔ اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ کیا یہ کام اُس شخص کا ہو سکتا ہے جو شہوانی خواہشات رکھتا ہو (نعوذ باللہ)۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانچواں حصہ لے کر اپنی ازواج کو دے بھی دیں، تو کیا کوئی عقیدتمند

اعتراض کرسکتا تھا۔لیکن کس صفائی سے آپ نے فرمادیا کہ تم میرے گھر میں دنیوی مال ومتاع کے حاصل کرنے کے لیے تو نہیں لائی گئی ہو، بلکہ تمہارے یہاں آنے کی غرض تو یہ ہے کہ تم دنیا کے لیے ایک اسوۂ حسنہ قائم کرو۔اور اگر تم ایسا نہیں کرسکتیں تو پھر یاد رکھو کہ خدا تم کو معمولی لوگوں سے بڑھ کر عذاب دے گا۔مگر کیا یہ آیات محض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے لیے ہی ہیں اور بس؟

یاد رکھو کہ قرآن مجید کی تعلیم قیامت کے دن تک کے لیے ہے۔ان میں ایک گونہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو خطاب ہے۔ نبی کا تعلق اُمت سے ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ خاوند کا بیوی سے۔ایک میں قوت فاعلی کام کرتی اور دوسرے کے اندر قوت انفعالی۔ایک میں اثر ڈالنے کی قوت ہے اور دوسرے میں اثر قبول کرنے کی۔اس لیے مومن مرد کی مثال بھی اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے دی ہے۔جیسا کہ فرمایا وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ (11:66)

غرض جہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کو یہ حکم ہے، وہاں آپ کی اُمت کو بھی اشارہ ہے کہ دیکھو ہم نے تم کو دوسروں کے لیے بطور نمونہ بنایا ہے۔یعنی جہاں ایک طرف تم کو خَيْرَ اُمَّةٍ بنایا ہے، وہاں دوسری طرف تمہاری ذمہ داری اور بھی بہت بڑی رکھی گئی ہے۔آج کل کہا جاتا ہے کہ اسلام ذلیل ہو گیا ہے۔لیکن اسلام کے ذلیل ہونے کی اصل وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں کے اعمال خراب ہو گئے ہیں۔خود مسلمان اسلام کے لیے ننگ و عار کا باعث ہو رہے ہیں۔اپنے طرز عمل سے اسلام کا نام بدنام کر رہے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے اسلام کی ہتک کر رہے ہیں۔

کاش! مسلمانوں کے اندر اسلام ہوتا۔کاش! وہ اپنا نیک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرتے۔مسلمان دوسرے ممالک میں گئے۔کیا وہاں جا کر انھوں نے اپنا اسلامی نمونہ پیش کیا۔ ہرگز نہیں۔نمونہ پیش کرنے کی بجائے وہ خود اُن بدیوں میں گرفتار ہو گئے،جن میں وہ لوگ مبتلا تھے۔اس طرح ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص گروہ کو خطاب فرمایا ہے۔اسی طرح مَیں ان آیات کے ذریعہ سے آپ لوگوں کو خطاب کرتا ہوں۔

آج ہماری احمدی جماعت مسلمانوں کے اندر خاص گروہ کا حکم رکھتی ہے۔کیونکہ اُسے ایک مجدد کے ذریعہ سے ایک خاص مقصد کے لیے دنیا میں کھڑا کیا گیا ہے۔تم کو خدا نے ایک عزت کے مقام پر کھڑا کیا ہے۔

اور دنیا کے تمام لوگ تم کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ ہیں، جنھوں نے اشاعتِ اسلام کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہے اور واقعی ٹھیک ہے کہ تم ہی وہ گروہ ہو جس نے اشاعتِ اسلام کے پاک مقصد کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اُٹھائی ہے۔تو یاد رکھو کہ تم معمولی لوگوں کی طرح نہیں ہو۔اگر تم عزت کے مقام پر کھڑے کیے گئے ہو تو ساتھ ہی تمہاری ذمہ داری بھی بہت بڑی رکھی گئی ہے۔اگر تم اس جماعت میں شامل نہ ہوتے تو بے شک تم پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہو سکتی تھی۔لیکن جبکہ تم اس جماعت میں شامل ہو گئے ہو تو تمہاری ذمہ داری معمولی لوگوں کی سی نہیں رہی۔ اگر تم اس ذمہ داری کو پورے طور سے ادا نہیں کرو گے تو يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ (30:33) کے محل و مورد قرار دیئے جاؤ گے۔ ہاں اگر تم اپنی ذمہ داری کا احساس کرو گے تو خدا تم کو اجر بھی دو چند دے گا۔لہٰذا تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے کہ اپنے آپ کو ایسی ٹھوکر سے بچائے، جو دوسروں کے لیے گمراہی اور ضلالت کا موجب ہو۔ یاد رکھو اگر تم خود نمونہ نہیں بنو گے تو تمہاری تبلیغ کچھ حقیقت نہیں رکھے گی۔تم لفظوں سے لوگوں کو قائل نہیں کر سکتے۔تمہارے لفظوں کی کوئی شخص پرواہ نہیں کرے گا۔ ہاں اگر تمہارا نمونہ نیک ہوگا تو پھر لوگ خود بخود تمہاری طرف مائل ہوں گے۔ ملک کے اندر ایک تو عام لوگ ہوتے ہیں، لیکن تمہاری حیثیت ایک محافظ فوج کی سی ہے۔

دیکھو! افسرِ فوج کی کس قدر عزت و توقیر کی جاتی ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی ذمہ داری کیسی سخت اور خطرناک ہوتی ہے۔ ایک معمولی انسان خوف کے مقام پر جانے سے عذر کر سکتا ہے۔لیکن فوج کا ایک سپاہی یہ عذر نہیں کر سکتا۔ وہ بھوک برداشت کرتا ہے۔ پیاس کی تکلیف اُٹھاتا ہے۔اور جہاں بارش کی طرح گولی برستی ہے، وہاں سینہ سپر ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ایک معمولی آدمی کے لیے خطرے کے مقام سے بھاگنا جائز ہے، مگر ایک سپاہی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ خطرات کے مقام پر اپنے آپ کو لے جائے۔ پھر تم آج اپنی حیثیت کو اچھی طرح سے سمجھ لو۔تم میں سے کوئی شخص جب کوئی فعل کرتا ہے، تو وہ اُس کا ذاتی فعل نہیں رہتا، بلکہ وہ فعل تمام قوم کا ہو جاتا ہے۔ جانتے ہو کہ اگر تم غلطی کرو گے تو اُس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ لوگ کہیں گے کہ احمدی ایسے ہوتے ہیں۔ یہ فی الحقیقت احمدیت پر اعتراض ہوگا۔ تمہاری حیثیت پرائیویٹ نہیں، بلکہ پبلک ہے۔ اگر تمہاری وجہ سے احمدیت اور اسلام پر الزام آئے گا تو یہ مت سمجھو کہ خدا تم کو تھوڑی سزا دے گا۔ یا تم کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ ہر

گزنہیں۔خوب یادرکھو کہ تم معاف نہیں کیے جاؤ گے۔کیونکہ تمہاری غلطی تم تک محدود نہیں رہی۔بلکہ تمہاری وجہ سے سینکڑوں لوگ گمراہ ہوں گے اور تمہاری غلطی سے ہزاروں غلطی میں پڑیں گے۔اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے۔ وہ غلطیوں اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور درگذر فرماتا ہے۔مگر جب ایسی غلطیاں ہوں،جن کی وجہ سے اُس کی کثیر مخلوق گمراہ ہوتی ہو،تو پھر وہ قابل درگذر نہیں رہتیں۔(باقی دراشاعت یکم فروری1920ء)

18 جنوری 1920ء

قسط دوم و آخر

ایک مبلغِ اسلام کلیسا میں

(بہ اشاعت 14 جنوری 1920ء)

فتح مکہ

جس وقت مکہ فتح ہوتا ہے تو آپ کے لیے وہ ایک موقعہ ہے کہ اپنی تمام گذشتہ تکالیف کے صلہ میں اپنے دشمنوں کا، جو اُس وقت آپ کے قبضہ میں ہیں، استیصال کر دیں۔ لیکن نہیں۔ آپ اُن سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا سلوک تم سے ہوگا۔ اُنہوں نے کہا تو کریم ابن کریم ہے۔ ہم تجھ سے بجز نیکی اور کرم کے اور کچھ توقع نہیں کرتے۔ فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ آج تم پر کوئی سزا نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جن سے سخت ترین ایذائیں آپ کو پہنچ چکی ہیں۔ حضرت حمزہؓ آپ کے چچا کا واقعہ کس قدر خوفناک تھا۔ جب آپ کے میدان جنگ میں شہید ہونے پر ایک عورت ہندہ نے آپ کا کلیجہ نکال کر دانتوں کے نیچے چبایا!

اسلام ایک تاریخی مذہب ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام واقعات من وعن طور پر لکھے ہوئے موجود ہیں۔ لکھا ہے کہ اس عورت کے اس بُرے طریقِ عمل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے قسم کھائی کہ میں اس کے معاوضہ میں اُن کے ستر آدمی قتل کروں گا۔ لیکن جب یہ موقعہ پیش آتا ہے تو بجائے انتقام کے بالکل ہی اُنہیں معاف کر دیتے ہیں۔ اُس وقت وہی عورت ہندہ سامنے آتی ہے اور آپ اُس سے بیعت لیتے ہیں کہ کہو میں کبھی بتوں کی پوجا نہیں کروں گی۔ وہ عورت کہتی ہے یا رسول اللہ! تمام عرب آپ کے مقابلہ میں اُن بتوں کی حمایت اور مدد کے لیے کھڑا ہوا، لیکن کچھ بھی بنا نہ سکا۔ اگر ان بتوں میں کچھ تھوڑی سی بھی طاقت ہوتی اور تھوڑی سی

بھی مدد ہمیں دے سکتے ،تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ پھرایسی حالت میں یہ کیونکرقابل پرستش ہو سکتے ہیں۔ پھر آپ نے کہا اقرار کرو کہ کبھی زنا نہ کروں گی۔ وہ کہنے لگی بھلا شریف عورتیں بھی ایسا کرسکتی ہیں؟ پھر آپ نے کہا کہ یہ عہد کرو کہ کبھی بچوں کو قتل نہ کروں گی۔ جواب دیا یارسول اللہ! آپ جانتے ہیں میں بڑی بڑ بولی عورت ہوں، ہم بھلا بچوں کو کہاں قتل کرتی ہیں، ہم نے اُنہیں چھوٹے سے پرورش کر کے بڑا کیا اور آپ کے آدمیوں نے اُنہیں میدان جنگ میں قتل کیا۔ یہ وہ عورت تھی جس کے باوجود ان سب باتوں اور باوجود اس دُکھ دہی کے، جو وہ پہلے پہنچا چکی تھی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ساتھ معافی سے کام لے کر اس قدر اعلیٰ اخلاق کا نمونہ دکھایا کہ جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ باوجود اَن پڑھ ہونے کے یہ اخلاق دکھانا آپ ہی کا کام تھا!

آپ کی بادشاہت کے زمانہ میں عیسائیوں کے وفد آپ کی خدمت میں آتے ہیں۔ اُس زمانہ میں رومن کیتھولک عیسائی، جو بُت پرستی میں تمام عیسائی فرقوں پر سبقت رکھتے ہیں، عرب کے بعض حصص میں تھے۔ اُن کا ایک وفد (وفد نجران) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اسے خدا کے گھر (مسجد) میں اُتارا۔ جس کی تعمیر میں آپ نے خود اپنے صحابہؓ کے ساتھ حصہ لیا اور اینٹ اور پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے۔ اس خدا کے گھر میں آپ نے ان عیسائیوں کو جگہ دی، جو مسیحؑ اور مریمؑ کی الوہیت پر ایمان رکھتے ہیں اور اُن کو پوجتے ہیں۔ ایک طرف یہ دریا دلی اور فراخ حوصلگی اور دوسری طرف ہماری حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہم پادری اور مولوی لوگ ایک دوسرے کے مذہب میں تعصب اور تنگدلی کا موجب ہوتے ہیں۔ اس پلیٹ فارم پر کھڑے ہوکر، جس کا مجھے فخر ہے کہ مجھے اس پر جگہ دی گئی، پادری لوگ ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنے مذہب کو ماننے والوں کے سوائے باقی سب کو حلقۂ انسانیت سے خارج سمجھیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عیسائیوں کو نہ صرف مسجد میں اُتارتے ہیں، بلکہ اتوار کا دن آتا ہے تو اُن کو گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے کہ گرجا کہاں کریں! وہ نبّاض انسان اپنی فراست سے اُن کی اس گھبراہٹ اور بے چینی کو تاڑ جاتا ہے اور کس قدر فراخدلی کے ساتھ انہیں کہتا ہے کہ یہ مسجد، جس میں تم اُترے ہوئے ہو، یہ اُس خدا کا گھر ہے، جس کی ہم سب مخلوق ہیں۔ اس سے بہتر اور کونسی جگہ ہوسکتی ہے! بیشک اس میں تم اپنی عبادت بجالاؤ۔ کوئی روک تمہیں نہیں۔ چنانچہ اُس مسجد نبوی کے اندر وہ گرجا کرتے ہیں۔ پھر آپ اُن عیسائیوں کو ایک چارٹر لکھ کر دیتے ہیں۔ جس میں اپنے پیروؤں کے نام یہ حکم ہے کہ اُن کے

گرجوں کی مرمت میں اُن کی امداد دیں اور ہر طرح کی سہولیت بہم پہنچائیں۔

یہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے ساتھ ہمیشہ عیسائی دنیا نے تعصب روا رکھا اور اس سے اجنبیت و ناواقفیت میں لوگوں کو ڈالا ہے۔ اس قدر اجنبیت و ناواقفیت عیسائی دنیا کو ہے کہ اس علمیت اور روشنی کے زمانہ میں بھی عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت اور پوجا کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خدا کا برگزیدہ ایک ہی رب العلمین کی تعلیم دنیا کو دینے آیا اور اُسی پر سب کو کاربند کیا۔

باوجود بادشاہ ہونے کے کس قدر سادگی آپ کی طبیعت میں تھی کہ اپنی مرض الموت میں یہ اعلان فرماتے ہیں کہ میرے ذمہ جو کچھ کسی کا ہو وہ مجھے بتائے۔ کیونکہ اس دُنیا میں اس کا ادا کر دینا آخرت کی تکلیف اُٹھانے سے بہتر ہے۔ اس پر ایک یہودی اس بادشاہ وقت کے محل پر آتا ہے۔ محل تو اُسے کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ وہ تو نہایت ہی سادہ اور غریبانہ طرز کی کٹیا تھی، جس میں آپ رہتے تھے۔ وہ یہودی آتا ہے اور اس سختی کے ساتھ آپ سے مخاطب ہو کر کلام کرتا ہے، جو کسی معمولی انسان کے لیے بھی روا نہیں۔ نہایت کرخت لہجہ میں وہ کہتا ہے۔ محمد! تم قریش بھی عجیب قوم ہو۔ جب کسی سے قرض لیتے ہو تو پھر دینے کا نام نہیں لیتے۔ اس پر حضرت عمرؓ کو غصہ آیا اور انہوں نے بھی اس سے سخت کلامی شروع کی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو روکا اور کہا کہ تمہیں چاہئے تھا کہ اُسے نرمی کے ساتھ کہتے اِتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ نیکی اور شرافت کے ساتھ مطالبہ کرنا چاہئے۔ اور مجھے نصیحت کرتے کہ اَدَاءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ نیکی کے ساتھ اس کا قرضہ ادا کر دو۔

یہ ہے وہ بادشاہ، جو یورپ کی نظروں میں جنگجو انسان سے بڑھ کر نہیں۔ اس کی تہذیب کا یہ حال ہے کہ مجلس میں جب آپ بیٹھتے ہیں تو آپ کے زانو مجال نہیں کہ دوسروں سے آگے بڑھے ہوئے ہوں۔ غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مذہب دنیا میں لے کر آیا، جو اُس نے اپنے پیرووٗں کو تلقین کی اور جن اخلاق کریمانہ کا نمونہ اُن کے سامنے رکھا، وہ دنیا کے تمام مذاہب، تمام انسانوں اور کُل دنیا میں ایک رابطہ واتحاد پیدا کرنے والا ہے۔ اور اس عالم گیر مذہب پر کاربند ہو کر ہی ہم عالمگیر محبت واخوت کے وارث ہو سکتے ہیں۔

یہ سرمن، جس کو میں نے مختصراً اپنے الفاظ میں قلم بند کیا ہے، حاضرین میں جس شوق اور دلچسپی کا موجب ہوا، وہ ان نعرہ ہائے تحسین سے ظاہر ہوتا تھا، جو لیکچر کے دوران متعدد موقعوں پر بے اختیار لوگوں کے

مونہوں سے نکلتے تھے۔افسوس کہ وقت نے کفایت نہ کی۔ کیونکہ جو وقت آپ کے لیے مقرر تھا، وہ صرف چالیس منٹ تھے،لیکن آپ ایک گھنٹہ تک لگا تار بولتے چلے گئے۔اس لیے لیکچر کو درمیان میں ہی بند کرنا پڑا۔ ورنہ ممکن تھا کہ ابھی بہت دیر تک آپ اس ذکر حبیبؐ سے اہل کلیسا کو فائدہ پہنچاتے۔ بہرحال اس سرمن کا یہ ایک خاص فائدہ ہوا کہ جونہی آپ پلیٹ فارم سے اترے، حاضرین کا جمگھٹا آپ کے گرد ہو گیا اور اسلام پر کتابیں وغیرہ بھیجنے کے لیے آپ کو اپنے پتے دینے شروع کیے۔ کیونکہ اس وقت آپ نے یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ جن لوگوں کو اسلام کے متعلق واقفیت حاصل کرنی ہو، وہ مسجد ووکنگ کے پتہ سے ہم سے کتابیں منگوا سکتا ہے اور مسجد میں ہر اتوار کو سوا تین بجے لیکچر بھی ہوتا ہے، جہاں ہر کوئی آ سکتا ہے اور لیکچر کے بعد اپنی تسلی کے لیے سوالات بھی پوچھ سکتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس وقت اپنے پتے دیئے۔جن میں جنوبی افریقہ کے ایک پادری صاحب نے بھی اپنا نام دیا۔ جو بہت سی مسیحی مجالس کے پریذیڈنٹ ہیں اور روڈیسیا کی طرف سے بطور ڈیلیگیٹ تین اور آدمیوں کے ساتھ انگلستان آئے ہوئے ہیں۔افسوس ہے جیسا کہ لنڈن کے اخبار ڈیلی ہیرلڈ سے معلوم ہوا ہے،ان پادری صاحب کو اپنے تینوں ساتھیوں سمیت (جن کی اکٹھی تصویر بھی اس نے شائع کی ہے) کیمبرج کیسل سے محض کالے آدمی ہونے کی وجہ سے خارج کر دیا گیا ہے اور وہ اب بے نیل ومرام جُوں کے توں واپس گھر کو جا رہے ہیں۔افسوس جب خود مسیحی پادریوں کے ساتھ اس قدر تعصب عیسائیوں میں ابھی تک موجود ہے،تو دوسروں کے متعلق اُن سے کیا کچھ امید ہو سکتی ہے۔شاید اس کالے رنگ کی وجہ سے یہاں کے لوگ انہیں عیسائی بھی نہ سمجھتے ہوں۔اور وہ بے چارے یوں ہی پادری اور کئی ایک مسیحی مجالس کے پریذیڈنٹ بنے پھرتے ہوں! ہندوستانی مسیحی حضرات اس عبرت انگیز واقعہ سے متنبہ ہوں۔اس لیکچر کے ختم ہونے پر مولینا موصوف اسی وقت ووکنگ واپس آئے اور آتے ہی مسجد ووکنگ میں حسبِ دستور ایک گھنٹہ تک اسلام پر تقریر کی۔اس سرمن میں چند غیر مسلم انگریز مرد اور عورتیں موجود تھے۔

خاکسار

دوست محمد

ووکنگ۔انگلستان

21 جنوری 1920ء

حضرت مولٰینا نورالدین بنام حضرت خواجہ کمال الدینؒ

ذیل میں ہم حضرت مولٰینا حکیم نورالدین مرحوم و مغفور کے ایک مکتوب گرامی کی نقل شائع کرتے ہیں۔(جس کا عکس ملاحظہ ہو متعلقہ شمارے میں) جو آں مخدوم نے حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے نام لندن میں 19 دسمبر 1913ء کو یعنی اپنی وفات سے محض تین چار ماہ پیشتر ارسال فرمایا۔ ہمارے قارئین بالخصوص ہمارے مبائعین بھائی اس مکتوب کو غور سے پڑھیں۔کیونکہ یہ ایک دستاویز ہے، جو اُن کے پیر و مرشد اور اُن کے خلیفہ مفرض الطاعۃ کے استاد مکرم نے حضرت خواجہ صاحب کے متعلق خود اپنے ہاتھوں سے دی ہے۔ یہ خط ظاہر کرتا ہے کہ حضرت مغفور کو حضرت خواجہ صاحب سے کس قدر تعلق تھا۔کس قدر آپ اُن کی کوششوں کو بنظرِ استحسان دیکھتے تھے۔اور کس دلی تڑپ سے آپ اُن کی کامیابی کے لیے دعائیں کرتے تھے۔

اس مکتوب میں حضرت مغفور نے اپنی مومنانہ فراست سے حضرت خواجہ صاحب کی کامیابی کی پیشگوئی بھی فرمائی ہے کہ ''آپ انشاءاللہ جیتے'' اور آخر میں تحریر فرمایا کہ ''خاکسار کا روم روم تم پر راضی ہے۔اور آپ کے لیے دست بدعا ہے'' حضرت مولانا مرحوم و مغفور کا حضرت خواجہ صاحب پر ''روم روم راضی ہونا'' یہ اس قدر فخر و مباہات کا باعث ہے کہ اس پر حضرت خواجہ صاحب جس قدر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر کریں، کم ہے۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

نقل مکتوب درج ذیل ہے:

خواجہ صاحب مکرم معظم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بارک اللّٰہ تعالیٰ فی سعیک۔

میرا محمدؐ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم الانبیاء ہے۔فداہ ابی و امی۔

اور آپ کا مقدمہ اب لنڈن میں ہے۔ آپ انشاءاللہ جیتے۔ فالحمدللہ رب العٰلمین۔

خاکسار کا روم روم تم پر راضی ہے اور آپ کے لیے دست بہ دعا ہے۔ نورالدین۔ 19 دسمبر 1913ء

عکس مکتوب

found.

29 جنوری 1920ء

قسط دوم و آخر

تجدید عہد ایفاءِ عہد

(بسلسہ اشاعت 18 جنوری 1920ء)

میری آج کی تقریر کا مضمون ہے ’’تجدید عہد ایفاءِ عہد‘‘۔ اس سے کیا مراد ہے؟ کیا آپ نے کوئی عہد کیا تھا، جس کا ایفاء آپ کے ذمہ تھا؟ ہاں! جب آپ اس سلسلہ میں داخل ہوئے، آپ نے یہ عہد کیا تھا کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے۔ ہم اپنے معاملات دینی اور دُنیوی میں قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ کے پابند ہوں گے۔ اور اتباعِ رسم و رواج و ہوا و ہوس سے کنارہ کش ہو کر قرآن مجید اور سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کریں گے۔ یہ وہ عہد ہے جو آپ نے احمدی ہو کر کیا۔ لیکن باوجود اس عہد کے ہماری کوتاہی پر یہ شہادت ہے کہ گذشتہ سال جلسہ کے موقعہ پر اس عہد کی تجدید کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ ایک تحریر لکھی گئی، جس پر آپ صاحبان نے دستخط ثبت کیے اور اقرار کیا کہ ہم ہر امر میں قرآن و سنت کی اتباع کریں گے۔ یہ اُس پُرانے عہد کی تجدید تھی۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ برائے خدا اپنے دلوں میں غور کر کے دیکھو کہ کیا اس اقرار کے بعد، اس تجدید عہد کے بعد، تمہارے اندر کیا تبدیلی واقع ہوئی؟ کیا تم نے اپنے تمام معاملات میں قرآن مجید کے احکام سنت رسولؐ کے مطابق عمل کیا۔ کیا تم نے رسم و رواج کے مقابلہ میں احکامِ خداوندی اور سنت نبوی کو مقدم سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی؟ جس نے ایسا نہیں کیا وہ خوب یاد رکھے کہ اُس کی حالت اُن لوگوں کی سی ہے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (21:8) جو عہد کر کے اُسے توڑ دیتے ہیں۔ جن کی زبانیں تیز ہیں، مگر دل مُردہ۔ اگر تم قوم کی قوم اس عہد کو پورا نہ کرو، تو بتاؤ! کہ پھر تمہاری خصوصیت کیا ہوئی؟ اور عام مسلمانوں اور تمہارے درمیان ما بہ الامتیاز کیا ہوا؟ اور تم نے احمدی بن کر اور ایک امام وقت کی بیعت کر کے کیا

فائدہ حاصل کیا؟ یاد رکھو! کہ اگر تم نے احمدی ہو کر بھی اپنی طبیعتوں کے اندر کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا تو تم نے احمدیت سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ جب تک تم اُس اقرار کو، جو تم نے احمدی ہو کر کیا، پورا نہیں کرو گے۔ اور اس قرآن کو اپنا دستور العمل نہیں بناؤ گے، اس وقت تک تمہاری زندگیوں میں کوئی نمایاں خصوصیت پیدا نہیں ہوگی اور ہرگز نہیں ہوگی۔ میں جانتا ہوں کہ تم میں سے بعض افراد ایسے ہیں جو قرآن مجید پر عمل کرنے اور اسلامی احکام پر دل و جان سے فدا ہیں، لیکن یاد رکھو! کہ محض بعض افراد کی استثنا کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ جب تک کہ کُل جماعت کی جماعت اس راہ پر قدم نہ مارے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ میں آج پھر اُس عہد کی تجدید کراؤں اور اس عہد کو از سر نو لوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں اس قدر بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ابھی ہمارے سامنے حضرت مولٰینا سید محمد احسن صاحب نے حضرت صدیق اکبرؓ کا ایک قول بیان کیا ہے کہ اِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ میں بھی اس وقت یہی کہتا ہوں کہ کوئی امر خلاف خدا اور رسولؐ ہو، تو مجھے سیدھا کرو۔ تم اُس عورت کو جانتے ہو، جس نے حضرت عمرؓ ایسے صاحب شکوہ خلیفہ سے جب ایک مسئلہ سنا تو برملا فوراً تردید کر دی۔ لہٰذا میں تم سب سے یہ کہتا ہوں کہ تم خدا کے لیے اپنے اندر جرأت پیدا کرو۔ اور اگر میں کوئی غلط بات کہوں تو بلا خوف میری تردید کر دو۔ لیکن اگر غلط نہ ہو تو پھر خدا کے لیے اقرار کرو اور اس عہد پر قائم ہو جاؤ، جس پر حضرت مسیح موعود نے آپ کو قائم کیا تھا۔

یاد رکھو کہ بدترین انسان وہ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں، اور کرتے نہیں یا کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔ ایک دہریہ جو اخلاص رکھتا ہے بہتر ہے اس مسلمان سے، جو منہ سے سب کچھ مانتا ہے مگر عمل کچھ نہیں کرتا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (8:2) اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں مگر حقیقتاً عمل میں ایسے ثابت نہیں ہوتے۔ پس اگر تم بھی منہ سے تو کہتے ہو کہ ہمارا اس قرآن پر ایمان ہے، لیکن عمل نہیں کرتے تو پھر اس آیت کے، جو میں نے پڑھی ہے، مصداق تم ہی ہو۔ اور اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (145:4) کے وعید کو نہ بھلا دو۔

افسوس ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کا مطالعہ نہیں کرتے۔ ہم اپنے اعمال کا محاسبہ نہیں کرتے۔ اپنے دُنیوی کاروبار میں منہمک رہتے ہیں اور غور نہیں کرتے کہ ہمارا قدم کس طرف جا رہا ہے۔ اور جب تک ہم ایسا نہیں

کرتے ہمارا ایمان کا دعویٰ ہمیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ پس میں آپ صاحبان سے، جو یہاں موجود ہیں، پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کا اس قرآن پر ایمان ہے؟ کیا آپ اس کو کلامِ الٰہی یقین کرتے ہیں؟ (ہاں ہاں کی آوازیں) اگر اس پر آپ کا ایمان ہے اور اس کو آپ کلامِ الٰہی یقین کرتے ہیں، تو میں آپ سے کھڑے ہو کر یہ عہد لینا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس قرآن کو اپنا دستور العمل بنائیں گے؟ کیا تمام رسوم و رواج کو اس قرآن کے احکام کے بالمقابل ردی کی طرح پھینک دیں گے؟ اور اپنی تمام عادات، اخلاق و خصائل اس قرآن کی تعلیم کے مطابق بنانے کی کوشش کریں گے؟ (ہاں ہاں کی آوازیں) یہ قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ تم اس کو گھروں کے اندر الماریوں میں بند کر رکھو۔ یہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ اس پر عمل کرو۔ افسوس کہ قرآن مجید پر عمل اُٹھ گیا! اگر قرآن ہمارے گھروں میں پڑھایا جاتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اس پر عمل کیا جائے، بلکہ اس لیے کہ ثواب حاصل ہو۔ یہ کیفیت محض ہمارے گھروں کی ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی یہی حالت ہے۔ مسلمانوں کے بچے ہو کر قرآن سے ایسے ناواقف ہوتے ہیں کہ رونا آتا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کے لیے کیا کیا نصائح ہیں۔ اور اُن کو کن کن احکام کی پابندی ضروری ہے۔ اس لیے میں نے جہاں آپ سے قرآن پر عمل کرنے کا اقرار لیا ہے، وہاں ایک اور اقرار آپ کے بچوں کے متعلق لیتا ہوں کہ کیا آپ اپنے نابالغ بچوں، لڑکیوں اور لڑکوں کو قرآن باترجمہ پڑھائیں گے؟ کیا اُن کو قرآن مجید کے احکام سے باخبر کر کے اُن نصائح پر عملدرآمد کرانے کی کوشش کریں گے، جو قرآن کے اندر ہیں؟ (ہاں! ہاں! ضرور! ضرور!)

میرے ان لفظوں کو پھر سُن لو اور غور سے سُن لو کہ آج آپ نے وعدہ کیا ہے کہ آپ اپنے اخلاق و عادات اور اپنے تمام معاملات میں، جو آپ کو اپنے دوستوں، دشمنوں، افسروں اور ماتحتوں، ماں باپ بہن بھائی اور رشتہ داروں کے ساتھ پیش آئیں، آپ اس قرآن کو دستور العمل بنائیں گے۔ اور اپنے بچوں کو بھی اس قرآن کا ترجمہ پڑھا کر اُن کو اسلامی تعلیم سے واقف کریں گے۔ یہ عہد آج پھر آپ نے کیا ہے۔ خداوند تعالیٰ آپ کو اس عہد پر قائم رکھے۔ (آمین آمین کی آوازیں) میں پھر دعا کرتا ہوں کہ جس خلوص سے تم نے یہ عہد باندھا ہے، خدا تم کو اس عہد کو پورا کرنے کی بھی توفیق بخشے۔ (آمین آمین کی آوازیں) میں آپ سب کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ اس قرآن پر عمل کریں گے، تو یہی ایک بات آپ کو تمام دنیا کا مرکز بنا دے گی۔ اور صحابہؓ کی طرح تم تمام

دنیا کے محبوب بن جاؤ گے۔

دیکھو! ہمارے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بے کس انسان تھے۔ جن کے پاس کوئی طاقت نہیں تھی۔ آپ نے ان عربوں کو کیا سے کیا بنا دیا! وہی اونٹوں کے چرواہے عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے دنیا کے ہادی و رہنما بن گئے۔ غرض تم اپنے اندر کمالات پیدا کرو۔ پھر کسی چیز کے ملنے کی توقع کرو۔ یہ قرآن مجید صرف آخرۃ کے وعدے ہی نہیں دیتا، بلکہ یہ دنیا کے حسنات بھی دیتا ہے۔ پس اگر تم اپنے اس عہد کو پورا کرو گے۔ اور قرآن مجید کو اپنا دستور العمل بناؤ گے، تو خدا تم کو دونوں قسم کے حسنات سے متمتع فرمائے گا۔ دینی بھی اور دُنیوی بھی۔

اب میں چند ایک اور موٹے موٹے وعدے آپ سے لینا چاہتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں نماز کی کس قدر تاکید ہے۔ اس حکم کو بار بار دُہرایا گیا۔ اور کسی حالت میں بھی نماز ترک کرنے کی اجازت نہیں دی۔ حتیٰ کہ حکم ہے اگر تم دشمن سے برسرِ جنگ ہو، تو نصف نصف کر کے نماز ادا کر لو۔ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دیکھو کہ کسی حالت میں بھی آپ نے نماز ترک نہیں کی۔ غرض نماز اسلام کا ایک نہایت ضروری رُکن ہے۔ اور سفر، حضر، بیماری، مصیبت اور جنگ کی حالت میں بھی اس کے چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ مگر ہاں! اس حکم میں آسانیاں ضروری رکھی گئی ہیں۔ اگر تم کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے، تو بیٹھ کر ہی پڑھ لو۔ جب تک تمہارے ہوش و حواس قائم ہیں، تم کو کسی طرح سے نماز سے رہائی نہیں مل سکتی۔ یاد رکھو کہ نماز کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ نماز مسلمانوں کی کامیابی کی جڑ ہے۔ کیا پُرحکمت الفاظ ہیں اذان کے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ یعنی نماز کی طرف آؤ۔ نماز ہی تمہاری کامیابی کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ غرض جب تک تم نماز پر کاربند نہیں ہو گے، تم کو کوئی نیکی نہیں مل سکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی راحت نماز میں ہی دیکھتے تھے۔ حضرت بلال کو جب اذان کا حکم دیتے تو فرماتے اَرِحْنَا یَا بِلَالُ اے بلالؓ! ہمیں راحت پہنچاؤ۔ تو کیا تمہارے قلوب کو اس بات سے راحت نہیں پہنچتی، جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو راحت پہنچتی تھی۔

میں بار بار تاکید کرتا ہوں کہ نماز کو وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرو۔ پہلے پہل بعض کام بطور تکلیف

کرنے پڑتے ہیں۔عقیدہ اور عمل دو الگ الگ چیزیں ہیں۔اول الذکر کے لیے دلائل اور شرح صدر کی ضرورت ہے۔اور موخرۃ الذکر کے لیے تکلیف اور مشقت کی حاجت ہے۔کسی کام پر عمل پیرا ہونے پر پہلے پہل ضرور تکلیف محسوس ہوتی ہے۔لیکن پھر مداومت سے یہ تکلیف مبدّل براحت ہوجاتی ہے۔دیکھو آپ کے ایک لڑکے کو جب تعلیم پر لگایا جاتا ہے تو کسی قدر اس کو تکلیف ہوتی ہے۔لیکن پھر عادت ہوجانے سے وہ تکلیف جاتی رہتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔اور بارہ سال کی عمر میں سختی سے کام لینے کا ارشاد فرمایا ہے۔نیک عمل پر مجبور کرنا بُری بات نہیں۔پس میں جہاں ایک طرف خود آپ کو نماز باقاعدہ وقت پر اور باجماعت ادا کرنے کی ہدایت کرتا ہوں، وہاں ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کرتا ہوں کہ آپ اپنے بچوں کو نماز پڑھانے کی طرف متوجہ ہوں۔میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ آپ کھڑے ہوکر یہ اقرار کریں کہ آپ خود وقت پر باقاعدہ باجماعت نماز ادا کریں گے اور اپنے بچوں کو بھی نماز پڑھائیں گے (اس پر تمام حاضرین کھڑے ہوگئے اور سب نے بآواز بلند اس عہد پر کاربند ہونے کا وعدہ کیا)۔

نماز کے بعد اسلام کا دوسرا عظیم الشان رُکن زکوٰۃ ہے۔تمام اموال مقبوضہ جو جمع ہوں یا ذخیرہ یا تجارت کے رنگ میں ہوں، اُن پر زکوٰۃ کا حکم ہے۔ہاں روزمرہ کے استعمال کے زیور کے متعلق اختلاف ہے۔لیکن حضرت مسیح موعود کا عمل یہی تھا کہ آپ ایسے زیور کی بھی زکوۃ دیتے تھے۔زکوٰۃ کے متعلق حضرت مولٰینا سید محمد احسن صاحب نے قرآنی حکم شرح و بسط سے بیان فرمادیا ہے کہ جو لوگ مال جمع کرتے ہیں اور زکوٰۃ نہیں دیتے فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ (35:9) اُسی مال سے اُن کی پیشانیوں اور اُن کی پسلیوں اور اُن کی پیٹھوں کو داغ دیا جائے گا۔یہ ایک نہایت سخت وعید ہے جس سے تمام مسلمانوں کو ڈرنا چاہئے۔اور جو اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، وہ مسلمان، مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں۔

رات کے مجمع کانفرنس میں یہ مسئلہ زیر بحث ہوا ہے کہ یہ مالِ زکوٰۃ کس طرح سے خرچ کرنا چاہئے۔کیا اپنے طور پر مقامی مساکین، یتامٰی وغیرہ میں تقسیم کرنا چاہئے یا کہ بیت المال میں جمع ہوکر ایک نظام کے ماتحت خرچ کرنا چاہئے۔اور آخر ہم اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اپنے طور پر خرچ کردینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی۔جیسا کہ حضرت مولٰینا سید محمد احسن صاحب نے بیان فرمایا ہے۔یہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مذہب تھا۔اور حضرت

صدیقؓ نے جو بعض قبائل عرب سے جہاد کیا تھا، اُس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم مال زکوٰۃ اپنی اپنی جگہ مستحقین میں تقسیم کریں گے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کہتے تھے کہ یہ مال بیت المال میں جمع ہو کر ایک نظام کے ماتحت خرچ ہونا چاہئے۔ اور اس قدر مصر تھے کہ فرماتے تھے کہ میں اونٹ کی ایک رسی پر بھی جہاد کروں گا۔

افسوس کہ اس زمانہ میں زکوٰۃ جمع کرنے اور اُس کو صحیح اور حقیقی مصارف پر خرچ کرنے کا کوئی نظام نہیں۔ جہاں کہیں اسلامی حکومتیں ہیں، وہاں بھی کوئی نظام نظر نہیں آتا۔ یہ مسلمانوں کی کمال بدنصیبی اور بدبختی کی بات ہے کہ ایسی ضروری چیز کے نظام کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اگر زکوٰۃ کو ایک نظام کے ماتحت لا کر خرچ کیا جاتا تو آج قوم میں اس قدر نادار، جو تم دیکھ رہے ہو، اُن کا وجود نظر نہ آتا۔ زکوٰۃ کا کیا مطلب ہے؟ دولت مند سے مال لے کر مفلسوں کو دینا اور اُن کو کسی قابل بنانا۔ اگر مسلمانوں کا اس پر عملدرآمد ہوتا تو کروڑوں روپیہ جمع ہو جاتا اور اس سے کروڑوں غریب نادار مسلمانوں کی تعلیم و تربیت ہو سکتی، اسلام کی کئی مصیبتیں رفع ہو جاتیں۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان اس طرف توجہ نہیں کرتے اور اُن کے ہاں کوئی ایسا نظام نہیں۔ لیکن تمہارے ہاں ایک نظام موجود ہے اور وہ تمہارا مجوزہ بیت المال ہے۔

قرآن کریم، اسوۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے عمل کے مطابق مالِ زکوٰۃ ایک بیت المال میں ہی جمع ہو کر مستحقین میں تقسیم ہونا چاہئے۔ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ **خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ** (103:9) یہ نہیں فرمایا کہ لوگ اپنے اپنے طور پر مالِ زکوٰۃ تقسیم کر دیا کریں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ تو ان کے مال سے صدقہ یعنی زکوٰۃ لے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عمل اور آپ کا قبائل سے جہاد کرنا میں اوپر بتا چکا ہوں۔ پس مالِ زکوٰۃ کا ایک نظام کے ماتحت ہی تقسیم کیا جانا ضروری ہے۔

گذشتہ شب کانفرنس میں جو امر طے ہوا تھا، اُس کے فیصلہ کے مطابق بیت المال کی طرف سے اس قدر اختیار دیا جاتا ہے کہ انجمنیں یا زکوٰۃ دینے والے اس مال کا 1/3 حصہ اپنے طور پر مستحقین میں خرچ کر لیں۔ لیکن باقی 2/3 بیت المال میں آنا چاہئے۔ اب اس کے بعد زکوٰۃ کے متعلق آپ سے عہد لینا چاہتا ہوں کہ کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ حسب شرح شریعت اپنے مال کو صحیح صحیح اندازہ کر کے زکوٰۃ ادا کیا کریں گے اور اس کو تجویز

مذکورہ کے مطابق بیت المال میں ادا کرتے رہیں گے۔ (ہاں ہاں کی آوازیں) میں بالخصوص اُن لوگوں کی آوازیں سننا چاہتا ہوں جو مالدار ہیں۔ ایک غریب آدمی، جس کے پاس تھوڑا سا مال ہو، اُس کی زکوٰۃ کا ادا کرنا چنداں دشوار نہیں۔ لیکن جو بہت مالدار ہیں، اُن کو زکوٰۃ کا دینا فی الواقع ایک مشکل بات ہے۔ لیکن بہادر لوگ مشکلات کی پروا نہیں کیا کرتے۔ میں ایک اور اقرار آپ سے لینا چاہتا ہوں اور وہ آپ کی بیبیوں کے متعلق ہے۔ آپ اپنی بیبیوں کو سمجھائیں کہ زکوٰۃ اسلام کا ایک ضروری رُکن ہے اور اُس کی عدم ادائیگی پر سخت وعید ہے۔ پس کیا آپ اقرار کرتے ہیں کہ آپ اپنی بیبیوں کو اس فرض کے ادا کرنے کی ترغیب دیں گے؟ (ہاں ہاں کی آوازیں)

اس کے بعد میں ایک بات کھول کر بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ میں اِس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ لوگ چندہ دینے میں بہت سخی ہیں۔ یہاں ہمارے سامنے ہی ایک عظیم الشان پنڈال بنا کرتا ہے اور بکثرت لوگ اُس میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن وہاں چندہ کی رقم عموماً پندرہ بیس ہزار ہوتی ہے۔ میں آپ کی ہمتوں پر آفرین کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کی قلیل جماعت نے بائیس ہزار کی ایک کثیر رقم آناً فاناً کچھ اپنے پاس سے اور کچھ اپنے دوستوں سے لے کر جمع کر دی۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ہمتوں میں اور بھی برکت ڈالے اور تم کو دینی کاموں کے کرنے کی اس سے بھی زیادہ توفیق بخشے۔

لیکن پھر بھی لوگوں کو ایک غلطی فہمی لگی ہوئی ہے اور اس کا رفع ہونا ضروری ہے۔ ہماری جماعت کے بعض اصحاب، جو چندہ دینے والے ہیں، یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ چندہ دینے کے بعد زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن یہ ایک سخت غلطی ہے۔ اور ایسا ہی بعض کو یہ غلطی لگی ہے کہ زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو اور چندہ دینے کی ضرورت نہیں۔ مگر زکوٰۃ الگ چیز ہے اور چندہ الگ۔ قرآن کریم میں بالصراحت دونوں حکم موجود ہیں۔ ایک زکوٰۃ اور دوسرا جہاد کے متعلق۔ جس طرح نماز کے ادا کرنے سے جہاد کا حکم ادا نہیں ہو جاتا، اسی طرح سے زکوٰۃ کے دے دینے سے جہاد کا حکم ادا نہیں ہو سکتا۔ زکوٰۃ ایک الگ فریضہ ہے، اُس کے اغراض اور ہیں اور جہاد (بالمال) ایک الگ چیز ہے اور اس کے اغراض اور۔

اس وقت ہم کو جہاد کی کس قدر ضرورت ہے یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ صاحبان عقل خود جانتے

ہیں۔ دیکھتے ہو کہ اسلام کے خلاف کس جدوجہد سے مشنری تیار کیے جاتے ہیں۔ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں عیسائی اکناف عالم میں اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں اور طرح طرح سے دین اسلام کو مٹانے کی کوشش کرنے میں مصروف ہیں۔ کیا اس کے بالمقابل تمہارا فرض نہیں؟ کہ تم بھی اپنی پوری طاقت وقوت سے کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (52:25) بِهٖ کی ضمیر قرآن کی طرف جاتی ہے۔ اسی جہاد بالقرآن کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے خداوند کریم نے حضرت مرزا غلام احمد کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ (104:3) کے ماتحت ایک جماعت جہاد بالقرآن کرنے کے لیے تیار کی اور وہ تم ہو۔ پس جب تم ایک جہاد میں حصہ لینے والے ہو تو چندہ دینے میں انقباض نہ دکھاؤ۔ میں اس امر کو جانتا ہوں کہ جس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی اغنیاء کو مشکل ہے، چندہ دینا بھی انہی کو مشکل ہے۔ کیونکہ ایک بہت بڑی رقم ایثار کرنی پڑتی ہے۔ مگر جب تم کو یقین ہے کہ تمہارا روپیہ خدا کے راستہ میں جارہا ہے تو پھر یہ خیال تمہیں کیوں دامن گیر ہو جاتا ہے کہ تمہارا مال اس طرح کم ہو رہا ہے اور غربت کی حالت کی طرف جارہے ہو، یہ بُخل ہے جو ایک بُری بیماری ہے جس کا علاج کرنا چاہئے۔ دیکھتے ہو کہ جب تم یا تمہارے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہو جاتا ہے، تو تم اپنے پورے زور سے مرض کے دفعیہ کی کوشش کرتے ہو۔ اسی طرح اس روحانی مرض کو اپنے اندر سے نکالنے کی بھی پوری پوری کوشش کرو۔ میں خود بعض مقامات پر گیا ہوں اور وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا ہے کہ جن لوگوں نے دو دو سال تک چندہ نہیں دیا کیا وہ امیر بن گئے ہیں یا پہلے کی نسبت وہ آسودہ حال ہو گئے ہیں! ہرگز نہیں! جب تم جانتے ہو کہ چند پیسوں سے انسان غریب نہیں ہو جاتا، تو پھر خدا کی راہ میں یہ بُخل چھوڑ دو۔ اور جس قدر تمہاری حیثیت اجازت دیتی ہے، اس کے مطابق چندہ دو۔ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ (236:2) صاحبانِ وُسعت اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی وسعت کے موافق دیں۔

جماعت میں اس وقت ایسے اصحاب بھی ہیں جو ابتدا سے اپنی آمدنیوں کا دسواں حصہ دے رہے ہیں۔ آپ بھی ہمت کریں۔ خدا دینے والا ہے۔ تنگی اور بُخل نہ کریں۔ خدا کا دیا ہوا مال اگر خدا کی راہ میں خرچ ہوتا ہے تو ہونے دو۔ یاد رکھو کہ تم اپنے مالوں کے محض امین ہو، مالک نہیں ہو۔ مالک حقیقی وہی ہے جو تم کو دیتا ہے۔ تم مالوں

کو خدا کی راہ میں اس طرح خرچ کر کے دکھاؤ، جس طرح صحابہؓ نے کیا تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم اپنے پر یا اپنے بال بچوں پر خرچ نہ کرو۔ بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ تم خدا کی راہ میں بھی دل کھول کر دو۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میرے جیسے عاجز انسان کی آواز بے اثر نہیں جاتی۔ یہ شاید اس لیے کہ میرے الفاظ دل سے نکلے تھے۔ کل میں نے بیان کیا تھا کہ ہماری جماعت، جماعت کہلانے کی مستحق نہیں، جبکہ اُس کے پاس دفتر کا مکان بھی اپنا نہیں۔ اس بات سے متاثر ہو کر ہمارے دوست ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ہمیں یہ تحریر دی ہے جس کی رو سے آپ وہ نصف مکان، جس میں پہلے ہی انجمن کے دفاتر ہیں، حوالہ انجمن کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ وہ ایثار ہیں، جن سے قومیں بن جاتی ہیں۔ اور یہ ایک اصول ہے کہ قومیں اُسی وقت بنتی ہیں، جب اغنیاء سخی بنتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تمہارے صاحب الامر شریر ہو جائیں اور تمہارے دولت مند بخیل ہو جائیں تو تمہارا زمین کے اندر رہنا بہتر ہے، بہ نسبت اوپر رہنے کے۔ یعنی تمہاری زندگی موت سے بدتر ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ خدا کی راہ میں دینے سے انسان غریب نہیں ہو جاتا ہے۔ تم وہ جماعت ہو جس نے جہاد کا اہم فرض اپنے سر پر اُٹھایا ہے۔ پس آپ سب اقرار کریں کہ آپ میں سے ہر ایک اس جہاد میں حصہ لے گا۔ (ہاں ہاں کی آوازیں)

قرآن مجید میں جہاں جہاد کا ذکر ہے، وہاں جہاد سے رُکنے والوں کا نام اللہ تعالیٰ نے قاعدین رکھا ہے۔ اس لیے میں بیٹھے ہوؤں سے اقرار نہیں لیتا، آپ اُٹھ کر اقرار کریں۔ (اُٹھ کر اقرار کیا گیا) ایک اور اقرار میں آپ سے لینا چاہتا ہوں اور وہ میرے متعلق ہے۔ مثل مشہور ہے کہ مار گزیدہ از ریسمان می ترسد۔ آپ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے وہ نظارہ دیکھا ہے کہ کس طرح ایک موحد قوم پیر پرستی کے گڑھے میں گر گئی۔ اس لیے اگر آپ میرے معاملہ میں خائف ہوں تو بعید نہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری مثال ایک جلی ہوئی رسی کی سی ہے۔ آپ لوگوں میں سے اکثر جانتے ہوں گے کہ میں گوشۂ تنہائی کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ میرے دل میں امارت یا امامت یا بڑا بننے کی کوئی خواہش نہیں۔ لیکن جب کسی کو امیر مقرر کیا جاتا ہے تو اُس کی اطاعت امور معروفہ میں ضروری ہے۔ خواہ تین یا چار آدمیوں میں وہ امیر ہو یا زیادہ میں۔ یہی قرآن مجید کا حکم ہے اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لیکن جو امر خلافِ شریعت ہو، اُس میں اطاعت نہیں چاہئے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند شخصوں پر ایک امیر مقرر کیا۔ راستہ میں کسی بات سے اُن پر خفا ہو گیا تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ

آگ جلاؤ۔ اُنہوں نے آگ جلائی۔ اُس نے کہا کہ اس میں کود پڑو۔ انہوں نے خیال کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہم کو آگ سے نکالنے آئے ہیں، نہ کہ آگ میں ڈالنے۔ اُنہوں نے اُس کی تعمیل نہ کی۔ واپس آکر یہ قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا۔ آپ نے پسند فرمایا اور فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا کہ اس امیر کی بات کو نہ مانا۔ پس میں تم کو کہتا ہوں کہ شریعت کے خلاف کسی کا حکم نہ مانو۔ ہاں جو قول شریعت کے مطابق ہو، اُس کا ماننا ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود کی بیعت میں بھی اطاعت بالمعروف کی شرط تھی۔ اور میں بھی آپ سے یہی کہتا ہوں کہ اِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ اگر میں کوئی کجی کی بات کروں تو مجھے سیدھا کردو۔ لیکن فَاِذَا اَحْسَنْتُ فَاَعِیْنُوْنِیْ اگر میں نیکی کی بات کروں تو تم میری امداد کرو۔

تمہاری قوم نے چند آدمیوں کو منتخب کیا ہوا ہے۔ وہ تمہارے ٹرسٹی یا معتمد ہیں۔ تمام انتظام مالی وغیرہ اُن کے ہاتھوں میں ہے۔ میں اگر قوم کی منشا کے خلاف کروں یا انتظامی کمیٹی کی منشا کے خلاف کروں، تو بیشک تمہارا حق اعتراض کا ہے، لیکن میں ہر اہم معاملہ میں شوریٰ کا پابند ہوں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوریٰ کی نظیر خود قائم کی ہے اور میں اس اصول کا پابند ہوں۔ پس گو میں قرآن وحدیث کے خلاف کوئی بات کہوں یا شوریٰ کے خلاف کوئی بات کہوں یا قوم کی منشاء کے خلاف کہوں تو وہ امر بالمعروف میں داخل نہیں۔ مگر اس کے سوائے جو امر میں قوم کی بہبودی کے لیے کہوں یا دینِ اسلام کی خدمت کا کوئی کام بتاؤں، تو وہ امر بالمعروف میں داخل ہے۔ اس لیے یہ آخری عہد ہے جو میں آپ سے لینا چاہتا ہوں کہ کیا آپ امر بالمعروف میں میری اطاعت کریں گے؟ (ہاں ہاں کی آوازیں) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آج میرے دل کو کس قدر خوشی ہے۔ میں تصنع سے نہیں کہتا بلکہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ میں کس قدر تڑپ تڑپ کر خدا سے التجا کرتا ہوں کہ اے خدا اس قوم میں وہ لوگ پیدا کر، جو دینِ اسلام کے سچے عاشق اور جان نثار ہوں اور جو خدا کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کردینے والے ہوں۔ اور اب بھی میں دعا کرتا ہوں کہ اے خدا ہمارے دلوں کو اُس روشنی سے منور فرما جس سے صحابہؓ کے دلوں کو منور فرمایا تھا۔

آخر میں مَیں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں میں سے ہر ایک کو ایک مشنری اور مبلغ کا کام کرنا چاہیئے۔ جانتے ہو ہمارے حضرت مسیح موعود کی جماعت کیونکر بڑھی؟ حالانکہ کوئی تنخواہ پانے والا

مبلغ بھی نہیں تھا۔ ہر ایک شخص مبلغ کا کام کرتا تھا اور بطور خود تبلیغ کرتا تھا۔ درحقیقت ہمارے اندر سے وہ لوگ مر گئے اور اُن کی جگہ لینے والا کوئی نہیں۔ ہم جماعت کو بڑھانے کی فکر سے غافل ہیں۔ ورنہ اگر کچھ کوشش کریں تو خدا کامیابی دینے والا ہے۔ یہ ہمارے میاں غلام رسول خان صاحب ہمارے جیسے ہی انسان ہیں۔ مگر کس قدر خلوص ہے ان کے اندر اور کس قدر تڑپ خدمتِ دین کی ہے۔ ایک قلیل عرصہ کے اندر ایک ایسی جگہ پر، جہاں ہماری جماعت کا ایک متنفس بھی نہ تھا، اب ایک جماعت اُنہوں نے تیار کر لی ہے۔ اور یہ سب لوگ اُن کے نیک نمونہ کو دیکھ کر ہی ہماری طرف آئے ہیں۔ پس اگر انسان ہمت کرے تو کیا نہیں کر سکتا۔ آپ لوگ بھی ہمت کریں اور اپنی جماعت کو بڑھانے کی کوشش کریں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

18فروری1920ء

بخدمت حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

بخدمت مخدوم ومکرم حضرت مولٰینا محمد علی صاحب ایم۔اے، امیر جماعت احمدیہ

بعد از سلام معروض آنکہ میرے واقعات جناب سے مخفی نہیں ہوں گے۔ خیال کرتا ہوں سمعِ مبارک تک تھوڑے یا بہت ضرور پہنچے ہوں گے۔ مخالفانہ سازشیں، آئے دن کی خصومتیں، جن کا تذکرہ بہت لمبا چوڑا ہے، آخر اپنا کام کر گئیں اور مجھے ملازمت سے دستکش ہونا پڑا۔ ترکِ ملازمت کے بعد ہی سے میں آرام سے کہیں نہیں بیٹھا، لگا تار سیر وسیاحت میں مصروف رہا۔ گو ریاست پٹیالہ میں مجھے پہلے سے اچھی ملازمت بلا تلاش وتفحص مل گئی تھی، مگر میری جنون زدہ طبیعت نے اُسے قبول نہ کیا۔ دل کام کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور میں نے اُسے چھوڑ دیا، سیر و سیاحت کا مشغلہ قائم رکھا۔ اس طویل مدت میں ہندوستان کے اکثر مشہور شہر دیکھنے میں آئے۔ مگر میرے مدنظر بازاروں، کوچوں اور گلیوں کی سیر نہ تھی۔ میں نئی نئی عمارتوں اور صنّاعیوں کے دیکھنے کا آرزومند نہ تھا۔ پرانے آثاروں اور کہنہ کھنڈروں کے ساتھ بھی کچھ ایسی وابستگی نہ تھی کہ میں دوربین نگاہ لے کر جاتا۔ ایک ایک اینٹ اور ایک ایک پتھر کی زبانِ حال سے عجیب وغریب داستانیں سُنتا۔ اور عبرت کا سبق آموز سرمایہ جمع کر لاتا۔ میرے زیرِ نظر تو اور ہی چیز تھی۔ اور میں اُسی چیز کی تلاش میں آوارہ ہوا تھا اور لمبا سفر اختیار کیا تھا۔ گو اثنائے سفر میں بڑی بڑی دقتیں اور صعوبتیں پیش آئیں، مگر ہنسی خوشی ٹال گیا اور کچھ محسوس نہ کیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ہندوستان میں کوئی ایسی سوسائٹی یا انجمن بھی ہے، جو ٹھیک معنوں میں تبلیغ واشاعتِ اسلام کی خدمت انجام دیتی ہو۔ اور اُس کے اراکین پورے طور پر اصلی رنگ میں اس پاک مذہب کی مقدس تعلیم کا نمونہ بنے ہوئے ہوں۔ تاکہ میں بھی اپنی بیکاری کا زمانہ اُس انجمن کی خدمت میں صرف کر دوں۔ تاکہ میرے لیے دنیا وآخرت کی بھلائی کا موجب ہو سکے۔

میں یہ غرض لے کر بڑی بڑی مقتدر انجمنوں میں گیا، اراکین سے ملا، تبادلۂ خیالات کیا، اپنے مقصد کو ٹٹولا، پر نہ پایا جسے دیکھا۔ اپنے مطلب کا یار معلوم ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ انجمنوں میں اسلام اور اس کی اشاعت کا نام تو موجود ہے، مگر کام سے کام نہیں، کہیں لیڈر بننے کی تمنا ہے، کہیں مشہور ہونے کی آرزو، کہیں روپیہ کمانے سے

مطلب ہے، کہیں اپنا کام چلانے سے کام۔ مقلد، غیر مقلد، سُنی، شیعہ وغیرہ وغیرہ کوئی اس کلیہ سے مستثنیٰ نظر نہ آیا۔ شیعوں کی مجلسیں، سُنیوں کے جلسے، صوفیوں کے حلقے سب اسلام کا نام لے کر اپنا کام چلانے والے ثابت ہوئے اور بس!

اس کہانی کو اگر طول دوں اور تفصیل سے تحریر کروں تو اچھی خاصی کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ مگر مختصر سے خط میں اس قدر گنجائش نہیں کہ میں تفصیل دے سکوں۔ ایسی حالت اور ایسے عالم میں کہ تمام انجمنیں، مجلسیں، حلقے نفسانفسی میں پھنس کر اسلام اور اُس کی تبلیغ سے بے فکر ہورہے ہیں۔ انجمنِ احمدیہ اشاعتِ اسلام کا، جس کی بنیاد جناب کے ہاتھوں سے قائم ہوئی ہے، اسلام کی حقیقی معنوں میں تبلیغ کرنا اور اس کام میں مقدور بھر نمایاں کوشش سے غافل نہ ہونا، اور عیسائیوں تک کے ملک میں جا کر اسلام کے جھنڈے گاڑنا، حقیقت میں ایک قسم کا معجزہ ہے۔ جس کا دکھایا جانا جناب کے زمانہ میں ودیعت ہو چکا تھا۔ آج جبکہ اسلام کا لہلہاتا ہوا باغ نفسانیت کی خزاں کے ہاتھوں پامال ہورہا ہے، یہ انجمن پھر اُسے حقانیت کا پانی دے دے کر سرسبز و تازہ بنارہی ہے۔ اور انجمنیں تو بیرونی واندرونی حملوں کی زد سے بے پرواہ ہورہی ہیں، مگر یہ انجمن معجزانہ طریقے سے ہر حملے کی مدافعت کررہی ہے۔ فی زمانہ جس قسم کی تحریروں اور تقریروں کی ضرورت ہے اور انجمنیں تو اس سے غافل ہیں، مگر یہ انجمن اس ضرورت کو واقعی ضرورت سمجھ کر انجام دے رہی ہے۔ اس انجمن کا ایک ایک فرد اسلامی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور اسلام کو اصلی معنوں میں پبلک کے سامنے لانا چاہتا ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ اپنی خدمات جناب کو پیش کر کے حلقہ بگوشوں میں شمولیت حاصل کروں۔ کیا جناب والا میری اس آرزو کو قبول فرمائیں گے۔ جواب سے واپسی مشکور فرمایا جاوے۔

میں اپنے مشاہدات کی روئیداد وقتاً فوقتاً افراد کو آگاہ کرنے کے لیے مختلف اخبارات میں شائع کراتا رہا ہوں۔ اور جہاں جہاں تقریر کرنے کا موقعہ ملا، بلاخوف لومۃ لائم اصلی حالات کا اظہار کرتا رہا۔ جن اخباروں میں میرے حالاتِ سفر شائع ہوئے، اُن میں سے ''البشر'' اس وقت میرے پاس موجود ہے، ملاحظہ کے لیے ارسال کرتا ہوں۔ اس اخبار میں انجمنِ احمدیہ کے متعلق ایک دوسطریں ہیں۔ میں نے اُن پر سیاہی سے خط کھینچ دیا ہے۔

خاکسار **محمد عصمت اللہ** سابق سب انسپکٹر کوآپریٹو سوسائٹی، حال وارد شہر دلی (دہلی)

18فروری1920ء

مراسلات

ایک فیصلہ کن بات

دروغ گو را تا بخانہ اش باید رسانید

قارئین کومعلوم ہوگا کہ قاضی محمد یوسف صاحب محمودی پشاوری نے آٹھ ورق کا ایک چیلنج شائع کیا ہے۔ جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم نہیں ہوئی اور ختم نبوت کا اعتقاد ایک فرعونی اور کافران قدیم کا اعتقاد ہے۔ختم نبوت کا قائل مومن نہیں کہلا سکتا اور اپنے اس دعویٰ پر بڑی دلیل یہ دی ہے کہ آیت خاتم النبیّن کی ت بالفتح ہے۔جس کے معنے مُہر کے ہیں، نہ ختم نبوت کے۔اور بالفرض اگر خاتم کی ت بالکسر بھی ہوتو بھی اُس کے معنے اجراء نبوت کے ہیں وغیرہ وغیرہ۔اوراس آیت کریمہ کے غلط بلکہ اغلط ترجمہ کی بنا پر قائلین ختم نبوت سے دس سوال کیے ہیں۔اور آخر پر لکھتے ہیں کہ جوکوئی بھی صرف قرآن شریف سے یہ ثابت کردے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم ہے تو ایسے مجیب کومبلغ ایک سوروپیہ بطورانعام دینے کو تیارہوں۔اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ (78:11)

اس کے جواب میں مَیں نے اخبار''پیغام صلح'' میں یہ اعلان دیا تھا کہ کوئی ذی علم شخص قاضی محمد یوسف صاحب کے اس چیلنج کا جواب نہ دے، جب تک کہ اُن کا اور میرا فیصلہ نہ ہولے۔اور پھر میں نے اس کے بعد فرصت کے وقت قاضی صاحب کے اس چیلنج یا بالفاظ دیگر قاضی صاحب کے نام اخبار پیغام صلح لاہور میں کھلی چٹھی کے عنوان سے یہ شائع کرادیا کہ آپ کا جواب تیار ہے۔مقام ایبٹ آباد مانسہرہ یا داتہ میں جہاں آپ کی مرضی ہو ایک سوروپیہ موعودہ ساتھ لے کرتشریف لے آئیں۔ یہاں پرکوئی جید عالم فریقین حکم مقرر کرلیں گے۔وہ پہلے آپ کا چیلنج اور پھر میرا جواب جلسہ عام میں سُنا کر اپنا فیصلہ مؤکد بعذاب حلف لکھ دیں گے۔اگر فیصلہ میرے حق میں ہوا،توروپیہ موعودہ جو پہلے سے ہی اس حکم کے پاس بطورامانت ہوگا، وہ میں لے لوں گا۔ورنہ آپ اپنا روپیہ

واپس لے کر تشریف لے جائیں گے۔اس کے بعد قاضی جی بالکل خاموش ہیں۔لیکن اُن کی جگہ اُن کے ایک چیلے نے (جو بی۔اے ہیں) خود بخود ان کے وکیل بن کر مجھے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''اس فیصلہ کے لیے جو شرائط مولوی ثناء اللہ کے لیے الفضل میں لکھی گئی ہیں، اُنہیں شرائط کی پابندی سے آپ کے ساتھ بھی فیصلہ ہوگا اور وہ شرائط یہ ہیں کہ مولٰینا خان صاحب غلام حسن خان سب رجسٹرار پشاور، مولوی عبدالعلی صاحب لاہوری، حضرت امیر مولٰینا محمد علی صاحب مؤکد بعذاب قسموں کے ساتھ اگر مجیب کے حق میں فیصلہ دیں گے تو پھر میں وہ رقم ایک سو روپیہ کی کسی بنک میں داخل کروں گا۔اگر سال تک ان بزرگان قوم پر کوئی عذاب زکام وغیرہ نازل نہ ہوا، تو پھر مجیب روپیہ مذکورہ لینے کا حق دار ہوگا۔''

اس کا پہلا جواب یہ ہے:''مشتے کہ بعد از جنگ یاد آئید۔ بر کلہ خود باید زد''۔جب پہلے آپ نے بلا تعین یہ لکھ دیا ہے کہ مجیب کو ایک سو روپیہ نقد دینے کو تیار ہوں، تو اب یہ ایزادی شرائط اگر دلیل گریز نہیں تو اور کیا ہے!

دوسرا جواب یہ ہے کہ جب خود میں نے لکھ دیا ہے کہ ایک جید عالم موکد بعذاب حلف، فیصلہ تحریری دے دے، وہ بلا چون چرا فریقین کو تسلیم کرنا پڑے گا۔تو پھر جب تک آپ میری اس جائز اور صحیح شرط کو غلط ثابت نہ کر دیں، تب تک اس سے انکار اگر آپ کی گریز کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے!

تیسرا جواب یہ ہے کہ اے ایاز قدرِ خود بشناس سچ سچ کہو۔کیا آپ کی ذاتی یا علمی حیثیت اس قابل ہے کہ آپ بزرگانِ مذکورہ بالا کی مجالس میں بلا اجازت جا بھی سکیں۔ ہرگز نہیں! اور کیا آپ کا اتنا مقدور ہے کہ ان بزرگان قوم میں سے کسی کو یہ کہہ سکیں کہ موکد بعذاب قسم کھا کر یہ کہہ دیں کہ حضرت علامہ بحر العلوم قاضی یوسف نے جو عقیدہ ختم نبوت کو کافرانہ اعتقاد قرار دیا ہے، صحیح ہے!

بالفرض اگر آپ دیوانہ بن کر اپنے آپ کو مرفوع القلم بھلے مانسوں کے زمرہ میں شامل قرار دے کر ان بزرگان قوم کو یہ کہہ بھی دیں تو کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ آپ کی اس گپ کو پر کاہ سے کچھ زیادہ وقعت دیں گے۔ ہرگز نہیں! قاضی صاحب! سچ یہ ہے کہ اپنی غریبانہ گودڑی سے پاؤں بڑھانا بہت ہی قابل شرم بات ہے۔جس دلی

سوزش کی وجہ سے آپ مولنٰنا غلام حسن خان صاحب وغیرہ بزرگانِ سلسلہ کو اپنی نامعقول تحریرات میں وقتاً فوقتاً یاد کرتے رہتے ہیں، اور بہ خیال خود آپ اُن کی گویا ہتک کرنا چاہتے ہیں، وہ مجھے معلوم ہے۔مگر گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔آپ کسی معزز کی ہتک کرنے سے معزز نہیں بن سکتے، بلکہ پہلے سے بھی حقیر سمجھے جائیں گے۔

بالآخر میں بمصداق ''دروغ گو را تا بخانہ اش باید رسانید'' یہ شرط بھی آپ کی مان لیتا ہوں۔ جاؤ ان بزرگانِ قوم کو کسی موقع پر جمع کر کے مجھے بذریعہ تار اطلاع دو، میں حاضر ہو جاؤں گا۔اگر آپ کے ان منصفوں نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا تو پھر آپ روپیہ کسی بنک میں داخل کر دیں اور تھرمامیٹر خرید کر ان بزرگان قوم کے ساتھ ساتھ پھرتے رہیں۔اگر ماہ جون و جولائی میں کسی کو معمول سے زیادہ حرارت ہو جائے، تو روپیہ بنک سے واپس لے لینا۔ میں پھر مکرر لکھتا ہوں کہ میری مقرر کردہ شرطِ فیصلہ کو ناجائز اور غلط ثابت کر کے فوراً اپنے مقرر کردہ منصفوں کو کسی جگہ جمع کر کے مجھے اطلاع دیں۔

اگر اب بھی آپ تاخیر کریں اور یا یہ عذر کریں کہ ان منصفین کے دربان بھی مجھے تھپڑ مارتے ہیں، اور ان کے پاس بھی جانے نہیں دیتے اور یا یہ عذر کریں کہ وہ میری اس درخواست کو پر کاہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے، تو پھر سیدھے قادیان چلے جائیں اور مرزا محمود احمد صاحب کو اس فیصلہ کے لیے آمادہ کر کے لاہور یا راولپنڈی لے آویں۔اور یہاں جلسہ عام میں پہلے جناب میاں صاحب آپ کا چیلنج سناویں اور پھر میرا جواب۔اس کے بعد موکد بعذاب قسم کے ساتھ جو فیصلہ تحریر فرماویں گے، وہی آپ مان لیں۔اگر میاں صاحب نے میرے مطلوبہ موکد بعذاب حلف سے انکار کیا، تو ان کا فیصلہ کالعدم تصور ہوگا۔ بقول آپ کے میاں صاحب تو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔جیسا کہ رسالہ القول الفصل کے صفحہ 57 پر میاں صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے بار بار بتایا ہے کہ میں خلیفہ ہوں۔اور میرے ساتھ مقابلہ کرنا پہاڑ سے سر ٹکرانا ہے۔'' اس وجہ سے میاں صاحب کی نسبت نزول عذاب کا انتظار کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ خلیفۃ اللہ کی نسبت کذب کا احتمال نہیں ہو سکتا۔اب اس مضمون کی اشاعت کے بعد ایک ماہ تک میں آپ کے فیصلہ کن جواب کا انتظار کروں گا۔اگر اس عرصہ میں آپ میری شرط مذکورہ کے مطابق فیصلہ کے لیے نہ آئے اور یا مجھے شہر پشاور میں نہ بلایا تو میں یہ یقین کروں گا کہ آپ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں اور محض عوام میں اپنے آپ کو ہمچو ما دیگرے نیست کا مصداق مشہور کرنا چاہتے ہیں۔اور تحقیقِ حق

سے آپ کو کوئی مطلب نہیں ہے۔ محض خود بخود بڑا بننے کا شوق دامن گیر ہے۔ جیسا کہ آپ کے اس ٹریکٹ سے ظاہر ہے کہ پہلے صفحہ پر اپنے نام سے سیکرٹری لکھ دیا ہے۔ اور دوسرے صفحہ پر عبدالمجید صاحب سیکرٹری بنتے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اڑھائی نفری کے دو سیکرٹری بن کر کیا نیا کام کرتے ہوں گے۔

المنتظر الجواب باصواب۔

کمترین محمد یمین احمدی

داتہ، ایبٹ آباد ہزارہ

22 فروری 1920ء

اداریہ

ہندستان میں مذہبی کانفرنس کی تجویز

اس وقت جبکہ ہندوستان کی دوعظیم الشان قومیں یعنی ہندومسلم آپس میں شیروشکر ہوتی نظر آتی ہیں، ہر بہی خواہِ قوم وملک کا فرض ہے کہ وہ اُن وسائل وذرائع پرغور کریں جن سے اس ہندومسلم اتحاد کی بنیاد ایسی مستحکم اور مضبوط ہوجائے کہ جوعمارت اس پر کھڑی کی جائے، حوادث ونوائب زمانہ اس کومنہدم نہ کرسکیں۔ اس وقت ہندو مسلم اتحاد کی برکات، اس کی ضروریات اوراہمیت کی بحث میں پڑنا محض تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے کہ ملک وقوم کی بہتری کے لیےان دونوں قوموں کا آپس میں متحد ومتفق ہونا ازبس ضروری ہے۔ اور ہرایک خیرخواہِ ملک وقوم چاہتا ہے کہ اِن دونوں قوموں کے درمیان ایک قوی اور مضبوط رابطہ اتحاد قائم ہوجائے۔

ہم بحثیت جماعت ہندومسلم اتحاد کے حامی ہیں۔ نہ آج سے، بلکہ تقریباً 12 سال کا عرصہ ہوا کہ ہمارے سلسلہ کے بانی نے اسی مقصد یعنی ہندومسلم میں مصالحت کرانے کی غرض سے ''پیغام صلح'' لکھا، جو 21 جون 1908ء کو ہندومسلمانوں کے ایک عظیم الشان جلسہ میں پڑھا گیا۔ حضرت بانی سلسلہ کی زندگی کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے، جو آپ کی سوانح میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اوراسی پیغام کی یادگاراوراسی تحریک کی احیاء میں ہی ''پیغام صلح'' اخبار جاری کیا گیا۔ گو بعد میں بعض ضروری پیش آمدہ واقعات کی بنا پراس اخبار کو بعض دوسرے اُمور کی طرف توجہ دینی پڑی، لیکن اس کے اجراء کی اصل عِلت غائی وہی تھی، جو حضرت مغفور بانی سلسلہ نے ''پیغام صلح'' میں واضح فرمائی تھی۔ یعنی اہالیانِ ملک میں مصالحت۔

الغرض ہندومسلم اتحاد ہمارا نصب العین ہے اوراس تحریک کی کامیابی ہماری عین مراد۔ اور ہم دل سے چاہتے ہیں اورہمیں یقین ہے کہ ہر خیرخواہِ وطن یہی چاہتا ہے کہ یہ اتحاد محض ایک وقتی اُمنگ اورصرف ایک آنی

جذبہ نہ ہو، بلکہ مستقل اور دیرپا ہو۔ اور ہماری خواہش ہے کہ اس اتحاد کی بنیاد ریت پر نہ ہو۔ اور اس کا وجود محض نقش برآب کا ہی مصداق نہ ہو۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے ہم نے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کا سبز باغ الہ دین کے چراغ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ اور اگر محض گاؤکشی کے ترک کر دینے سے ہی اتحاد پیدا ہوسکتا ہے، تو چشمِ ماروشن دل ماشاد۔ ہم ایسے اتحاد کو لبیک کہنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ لیکن معاملہ یہاں تک محدود نہیں رہ سکتا، بلکہ ہندو مسلم اتحاد کی بنیادوں میں ایسی بارود بھری ہوئی ہے کہ ذرا سی چنگاری اس اتحاد کی عمارت کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔ اور اس بارود سے مراد وہ مذہبی حملے ہیں، جو زید نے بکر پر اور بکر نے زید پر اپنے مذہبی لٹریچر میں کیے ہیں۔ اگر یہی الفاظ نہیں تو تقریباً اسی مفہوم کو جناب مہاتما گاندھی نے بھی اپنی تقریر میں، جو آپ نے مدراس میں فرمائی، ادا فرمایا ہے۔ اور آپ نے صریح الفاظ میں قوم کی توجہ اس طرف منعطف کی ہے کہ دھرم سے خالی سیاسیات محض بےمعنی ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''دھرم بھاؤ سے خالی راج نیتی (سیاسیات) کے کوئی معنے نہیں ہوتے۔'' اس وقت ہمیں جناب مہاتما گاندھی جیسے مبصر کی نصیحت کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے۔ اور جس خطرہ سے ہمارے ایک ہمعصر نے ڈرایا ہے اس سے آنکھیں بند نہیں کر لینی چاہئیں۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش　　　　گر نبشت است پند بر دیوار

اس لیے اتحاد کے قائم کرنے اور اس کو مستقل اور دیرپا بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے راستہ کو تمام خس و خاشاک سے پاک وصاف کر دیں۔ اور اس غرض کے لیے ہم چاہتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد کی تہہ میں محض ملکی اغراض اور سیاسی مقاصد ہی نہ ہوں، بلکہ وہ مقاصد عالیہ بھی ہوں، جن کا تعلق انسان کے جسم سے نہیں بلکہ روح سے ہے۔ اور کوئی ایسی احسن تجویز کی جائے جس سے آپس کے مذہبی جھگڑے، مذہبی مناقشات اور تنازعات یک قلم موقوف ہو جائیں۔ اور اخبارات ورسائل میں آئے دن جو ایک دوسرے کے مذہب پر نکتہ چینی کی جاتی ہے، اس کا سدّ باب ہو جائے۔

یہ امر بدیہات سے ہے کہ مذہب یا عقیدہ کا اختلاف اقوام عالم کے درمیان افتراق ونفاق کا ایک بڑا باعث رہا ہے۔ اور جب یہ مذہبی اختلاف حد اعتدال سے تجاوز کر جائے، تو اس بین الاقوامی افتراق کی خلیج اور بھی زیادہ وسیع ہو جاتی ہے۔ برعکس اس کے اگر مختلف مذاہب کے پیرو آپس میں سمجھوتہ کر کے اتحاد کی ایک صورت پید

اکر لیں ،تو وہی لوگ ایک دوسرے کے مذہب کو عزت وتکریم کی نظر سے دیکھنے لگ جائیں گے۔ ہر ایک مذہب کا منبع اور سر چشمہ ایک ہے۔ اور اس وجہ سے ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ ہر ایک مذہب کے اندر کچھ نہ کچھ صداقت ضرور موجود ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ صداقت کا عنصر غالب ہو۔ مگر جب ہم ایک دوسرے سے برسرِ پرخاش ہوں اور جب ہمارے ذہنوں میں دوسرے مذاہب کے متعلق غلط فہمیاں بھری ہوئی ہوں ،تو ظاہر ہے کہ ہم کسی دوسرے مذہب کی کسی بات کو، جو خواہ کیسی ہی قابل قدر ہو، اور کیسی ہی حق وحقیقت پر مبنی ہو، ہم حقارت سے ہی دیکھیں گے۔ ع

ہُنر بچشمِ عدوّ بزرگ تر عیب ست

لیکن اگر ہم دشمنی اور مخالفت کے تمام خیالات سے خالی الذہن ہو کر برادرانہ تعلقات کے ساتھ ایک ہی پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں ،تو اُس کا نتیجہ جو کچھ ہوسکتا ہے وہ ارباب فہم وذکا پر مخفی نہیں۔ ہم دوسرے مذاہب کے محاسن سے واقف ہو کر بجائے حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھنے کے، اُس کو اُس عزت وتکریم کی نظر سے دیکھنے لگ جائیں گے، جس کے وہ مستحق ہیں اور اُس کی جائز وقعت ہمارے دل میں ہو جائے گی۔ اور اس طرح سے ایک بین الاقوامی اتحاد فی المذاہب قائم ہو جائے گا۔

تقریباً چوبیس، پچیس برس کا عرصہ ہوا کہ بعض اہل الرائے کے مشورہ اور تجویز سے پنجاب کے دار الخلافہ لاہور میں ایک عظیم الشان جلسہ مذاہب منعقد ہوا۔ جو عام طور سے جلسۂ مذاہب کے نام سے مشہور رہے۔ اس جلسہ میں مختلف مذاہب کے پیروؤں نے اپنے اپنے مذہب وعقیدہ کے مطابق چند ایک سوالوں پر، جو مشورہ سے پہلے قرار پا چکے تھے، روشنی ڈالی۔ اس میں نہ کسی مذہب کے بانی پر اور نہ کسی کے بزرگ یا پیشوا پر حملہ کیا گیا، بلکہ نہایت شائستگی اور متانت سے تمام مقررین نے اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کیں۔ بین الاقوامی اتحاد کی یہ ایک نہایت احسن صورت تھی ،جس سے تمام مذہبی مناقشات مٹ جانا یقینی تھے۔ لیکن افسوس کہ مستقل طور پر اس کے قیام کا انتظام نہ کیا گیا۔ تاہم اب جبکہ ہندوستان کی اقوام آپس میں بغل گیر ہوا چاہتی ہیں ،تو ہم اتحاد کے مقصد کو زیادہ مستحکم ومضبوط بنانے کے لیے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ اس قسم کی ایک مستقل مذہبی کانفرنس کی طرح ڈالی جائے۔ جس میں تمام مذاہب کے پیرو اپنے اپنے مذہب کے محاسن اور خوبیاں بیان کرنے کے لیے جمع ہوں۔ اور

جس طرح جلسہ اعظم مذاہب میں پہلے چند ایک سوال اتفاق رائے سے مقرر کیے گئے تھے، اب بھی چند ایک سوال مقرر کر لیے جائیں، جن پر متانت اور شائستگی سے روشنی ڈالی جائے۔ لیکن چونکہ کانفرنس کی غرض اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنا ہے، اس لیے یہ امر ضروری طور پر یاد رکھنا چاہئے کہ ہر ایک مذہب کا پیرو جو کچھ بیان کرے، وہ اس کتاب میں سے ہو، جس کو وہ الہامی یا آسمانی مانتا ہے۔ اور مقررہ سوالوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اس سے باہر نہ جائے۔ ہاں اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ وہ کسی الہامی کتاب کو نہیں مانتا، تو وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ سمجھا جا سکتا ہے۔

ہمیں کامل اُمید ہے کہ ملک کے زیرک اصحاب اور ہمارے معاصرین کرام اس قسم کی مذہبی کانفرنس کی ضرورت و اہمیت محسوس کرتے ہوئے ہم سے اتفاق رائے ظاہر کریں گے۔ اور اپنے اپنے جرائد میں بھی اس کا ذکر کر کے اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں گے۔ کانفرنس کے انعقاد کے لیے وقت کا تصفیہ بعد ازاں ہوسکتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس کے لیے دُسہرہ کے ایام بہت موزوں ہوں گے۔

22 فروری 1920ء

قسط اول

ٹرکی خلافت۔ الفضل اور ہم

مُشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے   آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

اخبار الفضل نے 9 فروری 1920ء کی اشاعت میں ایک طول طویل مگر بے معنی آرٹیکل دھر گھسیٹا ہے۔ جس کا ماحصل سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ مولوی محمد علی صاحب نے سلطان ٹرکی کو خلیفہ مان لیا اور وہ مسیح موعود کو چھوڑ کر عام مسلمانوں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ الفضل بے چارہ بھی سچا ہے۔ اگر اس قسم کی باتیں شائع کر کے بسم اللہ کے گنبد میں رہنے والے مریدوں کو طفل تسلیاں نہ دیتا رہے، تو اور کیا کرے؟ آخر انہی باتوں کے بل بوتے پر تو جناب الفضل کے کارخانہ کی کل چل رہی ہے۔ ورنہ اگر حق وحقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے جناب الفضل ہم سے کوئی فیصلہ کرنا چاہیں تو پھر اختلاف ہی کا ہے کو رہ جائے! ابتدا سے یہ ایک ہی تیر اُن کے ترکش میں ہے۔ جس کو وہ ہمارے خلاف چلاتے ہیں۔ اور برعکس نہند نام زنگی کافور کی ضرب المثل کو زندہ کرتے ہوئے، ہمیشہ ہماری نسبت یہ مشہور کرتے رہتے ہیں کہ ہم نے حضرت مسیح موعود اور آپ کی تعلیم کو ترک کر دیا ہے۔ لیکن صاحبانِ عقل خوب جانتے ہیں کہ کس فریق نے حضرت مسیح موعود اور آپ کی تعلیم کو ترک کر دیا ہے اور کونسا فریق آپ کے ساتھ اور آپ کی تعلیم پر کاربند ہے۔

الفضل کی کذب بیانی

اس مضمون میں سب سے پہلا اور سب سے زیادہ شرمناک جھوٹ، جو الفضل نے بولا ہے، وہ یہ ہے کہ دہلی میں پیش ہونے والے ایڈریس پر دستخط کرتے ہوئے حضرت مولوی محمد علی صاحب نے اپنے نام کے ساتھ لفظ قادیانی لکھا ہے۔ تاکہ گورنمنٹ اور عام مسلمانوں پر ظاہر کیا جائے کہ وہ اُس جماعت احمدیہ کے نمائندہ ہونے کی حیثیت میں پیش ہو رہے ہیں، جس کا مرکز قادیان ہے۔

قارئین! غور فرمائیں کیا یہ بات وہ شخص کہہ سکتا ہے جس کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل ہو اور کیا کوئی صاحبِ عقل جناب الفضل کے اس قول کو باور کر سکتا ہے (گومیاں الفضل کے مرید تو چشم بد دور اسی عقل کے مالک ہیں کہ وہ جھٹ میاں الفضل کی اس بڑ کو آیت اللہ سمجھ کر اٰمنّا و صدقْنا پکار اُٹھیں گے)

جناب بندہ! مولوی محمد علی صاحب کو کیا ضرورت تھی کہ آپ کی جماعت کی نمائندگی کا اظہار کرنے کے لیے اپنے نام کے ساتھ قادیانی کا لفظ لکھتے۔ وہ تو آپ کی جماعت سے اپنے آپ کو نسبت دینا بھی اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ چہ جائیکہ اپنے نام کے ساتھ ''قادیانی'' کا لفظ لکھ کر آپ جیسے لوگوں کی نمائندگی کی حیثیت میں اپنے آپ کو پیش کریں۔ تعجب ہے یہ لوگ بات کہتے ہوئے شرماتے بھی نہیں۔ کیا وہی ''محمد علی'' جس نے ڈنکے کی چوٹ کے ساتھ تم سے قطع تعلق کیا۔ وہی ''محمد علی'' جس نے علی الاعلان تمہارے عقائد فاسدہ کے خلاف آواز اُٹھائی۔ کیا وہی ''محمد علی'' آج اپنے نام کے ساتھ قادیانی لکھ کر تمہاری نمائندگی کرنے لگا تھا۔ اور پھر کیا یہ معاملہ کوئی چھپا ہوا ہے، جس کی دنیا کو خبر نہیں۔ کیا گورنمنٹ نہیں جانتی کہ حضرت مولوی صاحب اپنی جگہ الگ امیرِ جماعت ہیں اور آپ کا مرکز لاہور ہے، قادیان نہیں۔ اور کیا پبلک نہیں جانتی کہ ہمارا اور آپ کا مدت سے مذہبی عقائد کی بنا پر اختلاف ہے۔ پھر آپ نے کیونکر لکھ دیا کہ مولوی محمد علی نے قادیانی کا لفظ اس غرض سے لکھا ہے تاکہ وہ قادیانی جماعت کے نمائندہ کی حیثیت میں پیش ہوں۔ اے عقل و ہوش سے کام نہ لینے والو! غور تو کرو۔ ''محمد علی'' وہ ''محمد علی'' ہے کہ جب آپ کی طرف سے ایک وفد احمدیہ جماعت کے نام سے جناب لیفٹیننٹ گورنر کی خدمت میں پیش ہوا، تو آپ نے اعلان کر دیا کہ یہ وفد قادیانی جماعت کی طرف سے ہے، لاہوری جماعت کی طرف سے نہیں ہے۔

پس ایسے راستباز انسان سے، جو ذرا سے اشتباہ کو بھی جائز نہیں سمجھتا، کہاں ہوسکتا تھا کہ وہ اپنے نام کے ساتھ قادیانی کا لفظ لکھ کر تمہاری نمائندگی کی حیثیت میں پیش ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ نے اپنے نام کے ساتھ کوئی ایسا لفظ نہیں لکھا اور نہ آپ کی یہ عادت ہے جس کا الفضل کو بھی اعتراف ہے۔ بلکہ بعض اخبار نویسوں نے دوسرے محمد علی صاحب (برادر شوکت علی صاحب) سے تمیز کے لیے ''قادیانی'' کا لفظ اپنی طرف سے لکھ دیا۔ اور بعض نے غلطی سے اُس کو فاروقی یا کچھ اور لکھ دیا۔ پس الفضل کا یہ لکھنا کہ حضرت امیر ایدہ اللہ نے اپنے نام کے ساتھ ''قادیانی'' کا لفظ لکھ کر لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے، صریح کذب بیانی

ہے۔

سلسلہ میں اختلاف کس نے ڈالا

اس کے بعد جناب الفضل نے اُس ٹریکٹ کا رونا رویا ہے جو حضرت امیر ایدہ اللہ نے حضرت مولٰینا نورالدین خلیفۃ المسیح کی وفات پر شائع کیا تھا اور اُس کو بنائے فساد اور اختلاف قرار دیا ہے۔ اس کا جواب تو ہم ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، بلکہ بیسیوں اور سینکڑوں دفعہ دے چکے ہیں کہ یہ ایک امر حق تھا کہ جس کا پہنچانا حضرت امیر نے اپنا فرض سمجھا۔ تم اس کو اختلاف کی بنیاد کہو تمہاری مرضی۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ اُسی ٹریکٹ نے جماعت کے ایک حصہ کو پیر پرستی کے گڑھے میں گرنے سے بچالیا اور جماعت کی عین موقعہ پر دستگیری کی۔ مگر یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی مردِ خدا امر حق لے کر کھڑا ہوتا ہے، دنیا کے لوگ اُس کی نسبت یہی کہا کرتے ہیں کہ یہ اختلاف ڈالتا ہے۔ کیا حضرت مسیح موعود کی نسبت لوگ نہیں کہتے تھے کہ آپ نے دعویٰ کر کے مسلمانوں کے اندر اختلاف ڈال دیا ہے۔ پس تمہارا یہ کہنا کہ مولوی محمد علی صاحب نے ٹریکٹ لکھ کر جماعت میں اختلاف ڈالا، تمہارے حق وحقیقت سے بے بہرہ ہونے کی دلیل ہے۔

ہاں اگر سچ پوچھو، تو اختلاف کے اصل بانی جناب میاں صاحب اور اُن کی جماعت انصار اللہ کے نوجوان اور ناتجربہ کار ممبر ہیں، جن کی ریشہ دوانیوں نے اندر ہی اندر جماعت میں اختلاف کا بیج بویا، اور نئے عقائد ایجاد کر کے جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔

خلافتِ محمود اور خلافتِ ترکی

اس کے بعد جناب الفضل یہ رونا روتے ہیں کہ حضرت امیر نے میاں محمود احمد صاحب کو تو خلیفہ نہ مانا، لیکن ترکوں کو خلیفہ مان لیا۔ اس کی نسبت ہماری یہ عرض ہے کہ میاں صاحب کی خلافت واقعی اس قابل ہے کہ اُس کو نہ مانا جائے اور تم جو گلا پھاڑ پھاڑ کر میاں صاحب کو ''خلیفہ خلیفہ'' پکارتے ہو، کیا اس پر تمہارے پاس کوئی قرآنی دلیل ہے؟ کیا کوئی صحیح حدیث اس کی تائید میں پیش کر سکتے ہو! پس یہ خلافت، جس کا تم ڈھنڈورا پیٹ رہے ہو، کچھ ہستی اور حقیقت نہیں رکھتی۔ ہاں سلطان ٹرکی کی جس قسم کی خلافت کا اقرار حضرت امیر ایدہ اللہ فرماتے ہیں، وہ

بالکل بجا اور دُرست ہے۔ترُک بوجہ اس سلطنت پر قابض ہونے کے،جس پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قابض اور متصرف تھے،ضرور حق دار خلافت ہیں۔لیکن وہ ہمارے روحانی خلیفہ نہیں ہیں، بلکہ ہمارا روحانی خلیفہ تو وہی ہے جس کا دعویٰ ہے کہ ۔

منم مسیح ببانگ بلند مے گویم　　　منم خلیفۂ شاہے کہ برسما باشد

ترُکوں کی خلافت سے تو محض اماکن مقدسہ کی بادشاہت مراد ہے۔اور ہمارے واجب الاطاعت روحانی خلیفہ ہمارے مسیح موعود ہی ہیں۔لیکن آپ کہیں کہ یہ آپ کی خلافت کیسی ہے! کیا آپ کے میاں صاحب کے زیرِ نگین ملک ہے، جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ نگین تھا۔اور اگر یہ نہیں تو کیا میاں صاحب ایک مامور من اللہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ظاہر ہے کہ اِن دونوں شقوں میں سے ایک بھی نہیں ۔نہ وہ بادشاہ ہیں اور نہ وہ مامور من اللہ۔تو بتاؤ کہ یہ آپ کی خلافت کیا ہوئی اور تم ہم سے منواتے کیا ہو؟ اور تم نے کس حوصلہ پر اور کس ایمان پر اور کس دیانت پر یہ لکھ دیا کہ:''ہمارے خلیفہ کی خلافت ہمارے نزدیک وہی ہے جو سیدنا حضرت ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ،سیدنا عثمانؓ غنی اور سیدنا علی ابن ابی طالب کی خلافت ہے۔'' (الفضل 5 فروری 1920ء) کوئی پوچھے کہ اس پر دلیل کیا؟ کچھ بھی نہیں ۔

ندارد کسے باتو ناگفتہ کار　　　ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

آپ خوب یاد رکھیں ''میاں محمود'' کی خلافت آپ کبھی بھی ازروئے قرآن وحدیث ثابت نہیں کر سکتے اور قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے۔ترکوں کے اندر ایک شق خلافت کی جو بادشاہت ہے ضرور موجود ہے۔لیکن میاں صاحب کے اندر تو ایک شق بھی نہیں۔پس آپ کیوں ایسا دعویٰ کرتے ہیں،جس کی دلیل آپ کے پلّے نہیں۔اور پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہارا اس طرح سے لوگوں کو بھڑکانا کہ یہ مسیح موعود کے خلیفہ کو چھوڑ کر، سلطان ٹرکی کو خلیفہ مانتے ہیں، بددیانتی سے خالی نہیں؟ کیا ہم سلطان ٹرکی کو اپنا خلیفہ روحانی مانتے ہیں؟ کیا ہم سلطان ٹرکی کو اسی قسم کا خلیفہ مانتے ہیں،جس قسم کا خلیفہ آپ ہمیں میاں صاحب کے ماننے پر مجبور کرتے ہیں۔تو پھر آپ کا یہ کہنا کہ ہم حضرت مسیح موعود کے خلیفہ کو چھوڑ کر سلطان ٹرکی کو خلیفہ مانتے ہیں، جذبات کو ہمارے خلاف بھڑکانا نہیں تو اور کیا ہے! حضرت امیر نے اپنے خطبوں میں اِس مسئلہ پر خوب روشنی ڈالی ہے۔اور یہ دونوں خطبے اخبار پیغام صلح میں

چھپ بھی گئے ہیں۔ آپ اُن کو پھر بغور پڑھیں اور دیکھیں کہ آپ کس قسم کا خلیفہ ترکوں کو مانتے ہیں۔ کیا اس قسم کا، جس قسم کا خلیفہ بننے کا ہمارے میاں صاحب کو دعویٰ ہے۔ اور جس قسم کا وہ لوگوں سے منوانا چاہتے ہیں۔ یا کسی اور قسم کا؟

ہم پھر کھول کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم تُرکوں کو روحانی خلیفہ ہرگز نہیں مانتے اور نہ اُن کو اپنا مذہبی پیشوا یا دینی رہنما سمجھتے ہیں۔ ہاں! دوسری قسم کی خلافت، جس سے مراد اماکن مقدسہ کی بادشاہت ہے، وہ اس وقت ترکوں کے اندر ہے۔ اور کوئی زیرک شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ دوسرے مسلمان سلطان ٹرکی کو اگر مذہبی پیشوا یا روحانی خلیفہ تسلیم کرتے ہیں تو کریں، ہم اُن کو ہرگز یہ حیثیت نہیں دیتے۔ اور اسی امر کا اظہار جناب امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ نے دہلی میں ارکان وفد کے سامنے کیا۔ اور یہی آپ نے خطبات میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ 16 جنوری 1920ء کے خطبہ میں، جو 25 جنوری 1920ء کے پیغام صلح میں چھپ گیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ:

’’ترکوں کی خلافت روحانی نہیں۔ وہ محض بادشاہت کے رنگ کی خلافت ہے۔ اور روحانی خلافت سے اس کا کچھ واسطہ نہیں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق تُرک اس حصہ خلافت کے ضرور مالک ہیں، جو بادشاہت سے تعلق رکھتا ہے۔‘‘

پھر 23 جنوری 1920ء کے خطبہ میں، جو یکم فروری 1920ء کے پیغام صلح میں شائع ہوا، آپ فرماتے ہیں کہ:

’’مسلمانوں کے اندر روحانی حکومت مجددین کے سپرد ہے۔ جو خدا سے ہم کلامی کا شرف رکھتے ہیں...... ہاں جسمانی خلافت، جس سے مراد ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت کا مالک ہونا اور جو سلطنت آپ کے زیرِ نگین تھی اُس پر قابض ہونا اور جو قیامت تک رہے گی، اس کے حق دار اس زمانہ میں تُرک ہیں۔‘‘

اگر جناب الفضل کو مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو وہ حضرت امیر کے تازہ ٹریکٹ ’’خلافت اسلامیہ بروئے قرآن وحدیث‘‘ کو مطالعہ کریں۔ اور اگر حوصلہ ہے تو قرآن وحدیث سے

اس کی تردید کر کے دکھائیں۔

حضرت مسیح موعود کی تحریریں اور سلطان ٹرکی

اس کے بعد الفضل نے حضرت مسیح موعود کی بعض تحریریں، جن میں سلطان ٹرکی کے متعلق ذکر ہے، بیان کرنے کی بے فائدہ تکلیف اُٹھائی ہے۔ ہم عندالضرورت ان تحریروں پر بحث کرنے کے لیے تیار ہیں۔مگر جتنی تحریریں پیش کی گئی ہیں، اُن میں سے ایک تحریر بھی جناب الفضل کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔لیکن اگر ان تحریروں کا یہی مطلب ہے کہ ترکوں سے ہمدردی نہ کی جائے اور اُن کو اُن کی حکومت سے محروم کر دیا جائے اور اس طرح سے اسلام کے استحکام کو اور اُس کی شان وشوکت کو صدمہ پہنچایا جائے ،تو ہم جناب الفضل کی خدمت میں باادب عرض کرتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت مسیح موعود کی تحریروں کے منکر تم ہی ہو۔اور تم ہی وہ ہو، جنہوں نے سب سے پہلے تحریروں کی خلاف ورزی کر کے آپ کی تعلیم سے اِنحراف کیا۔ کیونکہ ہم نے تو تُرکوں کی حمایت پر بعد میں آواز اُٹھائی، سب سے پہلے تم نے ہی ہزآنر نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر کو ایڈریس کرتے ہوئے ہزآنر کی خدمت میں عرض کیا تھا:

> ’’تُرکی حکومت سے ہماری ہمدردی اس بنا پر ہے کہ وہ اسلام کے نام میں ہمارے شریک ہیں۔ اور اُن کی حکومت کا زوال اسلام کی ظاہری شان وشوکت کے لیے ایک صدمہ ہے۔‘‘ (الفضل 5 فروری 1920ء)

اگرچہ تمہارے اس فقرہ کے متعلق کئی پہلوؤں سے جرح کی جا سکتی ہے، لیکن جہاں تک ترکوں سے ہمدردی اور اسلام کی شان وشوکت اور استحکام کا سوال ہے، اس لحاظ سے بتا سکتے ہو کہ مسیح موعود کی تحریروں کے خلاف تم نے سب سے پہلے قدم اُٹھایا، یا ہم نے! پس فرمایئے! تمہارا اعتراض تم ہی پر اُلٹ پڑا یا نہ۔ یہ عجیب بات ہے اگر آپ ایک بات کہیں تو وہ عین حضرت مسیح موعود کے مطابق ہوتی ہے، لیکن اگر وہی بات ہم کہیں تو یہ آپ کی تعلیم کے برخلاف ہو جاتی ہے تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی (22:53)

ہم جو چُپ ہوں تو بنیں سودائی   شیخ جب چپ ہو تو توکل ٹھہرے

جس صورت میں تُرکی خلافت ایسی ہی نا کارہ اور بے سود قابلِ نفرین ہے، تو تم کیوں اُن کے ساتھ ہمدردی کا دم بھرتے ہو؟ الفضل کا سب سے بڑا اور قابلِ فخر حوالہ، جو اُس نے حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے دیا ہے، وہ حسبِ ذیل ہے:

> ''سلطان کا خلیفۃ المومنین ہونے کا دعویٰ صرف اپنے منہ کا دعویٰ ہے۔ لیکن وہ خلافت، جس کا آج سے تیرہ برس پہلے براہین احمدیہ نیز ازالہ اوہام میں ذکر ہے، حقیقی خلافت وہی ہے۔ کیا وہ الہام یاد نہیں اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ خَلِیْفَةَ اللّٰہِ۔ ہاں ہماری روحانی خلافت ہے اور آسمانی ہے، زمینی نہیں۔''

ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے کہ روحانی خلافت اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود کی تھی اور سلطان ٹرکی کی خلافت محض زمینی ہے۔ اور اگر ایسا خلیفۃ المومنین، جس کا ذکر حضرت اقدس نے فرمایا ہے، بننے کا دعویٰ سلطان کو ہے یا دوسرے مسلمان اس کو ایسا خلیفہ مانتے ہیں، جس کا مطلب جماعت مومنین پر مذہبی رنگ میں واجب الطاعت خلیفہ ہونے کے ہیں، تو ہم نہیں مانتے۔ حضرت اقدس کے اس حوالے کا یہی مفہوم ہے کہ سلطان ٹرکی روحانی خلیفہ نہیں ہے، بلکہ روحانی خلیفہ خود آپ ہیں۔ ہاں! سلطان ٹرکی زمینی خلیفہ اور اس کے بادشاہ ہونے سے آپ نے انکار نہیں فرمایا۔ اور یہی وہ بات ہے جو ہم کہتے ہیں۔ پس تمہارا اعتراض کیا ہوا؟ زمینی کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ کوئی زمینی خلافت بھی ہے۔ اخیر میں جناب الفضل نے تان اس پر توڑی ہے کہ:

> ''مولوی محمد علی صاحب نے حضرت مسیح موعود کی تعلیم سے بالکل خلاف سلطان ٹرکی کو اپنا خلیفہ تسلیم کر کے جو سخت غلطی کی ہے، اس کی وجہ سے اُن کو اور بھی خطرناک قدم اُٹھانا پڑا ہے اور وہ اُن کا سلطنت ٹرکی کی خاطر گورنمنٹ انگریزی کی اطاعت اور وفاداری پر قائم نہ رہنے کا اعلان ہے۔''

گورنمنٹ کی وفاداری پر قائم نہ رہنے کے اعلان کا بارِ ثبوت الفضل کے ذمہ ہے اور انشاء اللہ وہ قیامت تک اس سے سبکدوش نہیں ہو سکے گا۔ باقی رہا وائسرائے کے جواب میں ارکان وفد کے اعلان کے حوالے حضرت امیر کی غیر وفادارانہ روش کا ثبوت دینا یہ تمہاری اپنی خوش فہمی ہے............لیکن آپ اگر اس سے بھی زیادہ

تسلی بخش جواب چاہتے ہیں تو آپ حضرت امیر کا وہ خطبہ پڑھنے کی تکلیف گوارا فرمائیں، جو آپ نے 23 جنوری 1920ء کو فرمایا اور جو یکم فروری 1920ء کے پیغام صلح میں شائع ہوا ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں:

''اور معترض اعتراض کریں گے کہ ہمارا اس خلافت کی تحریک سے کیا تعلق تھا؟ اور اس میں ہمارے شامل ہونے کے کیا معنے؟ اور ایک فریق تو اس قسم کے اعتراضوں کے لیے تُلا بیٹھا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اصلاحات کے متعلق وزیر ہند اور وائسرائے کی خدمت میں میموریل اور وفد بھیجنا، کیا یہ سیاسی اُمور میں دخل دینا نہ تھا۔ پس جب ایک مذہبی گروہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اُمور سیاسی کو بطور میموریل یا وفد لے جا کر حکام کے سامنے پیش کرے، تو یہ کیوں جائز نہیں کہ ایک دینی امر کو، جس کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے، اسی طرح بذریعہ میموریل پیش کیا جائے۔ اور اگر بالفرض اسے سیاسی امر بھی قرار دیا جائے، تو بھی میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسے امر کے متعلق، جس کا تمام اسلامی دنیا سے تعلق ہے اور جس میں روئے زمین کے مسلمانوں کی بہتری ہے، کیوں ہم کو خاموش رہنا چاہئے اور یا حکام کی ہاں میں ہاں ملانی چاہئے۔

ہاں ہمارا فرض محض اتنا ہے کہ ہم ایک امرِ حق کو گورنمنٹ کے سامنے کھول کر پیش کر دیں۔ لیکن اس کے بعد شورش بپا کرنا یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا اصلی کام اشاعتِ اسلام ہے اور یہ مناسب نہیں کہ ہم اپنی طاقت کو دوسری طرف صرف کریں۔ کیونکہ ہمارے سامنے جو کام ہے وہ بہتر اور زیادہ اہم ہے۔...... اپنی جماعت کو بحیثیت ایک مذہبی جماعت ہونے کے، جس نے اپنی اغراض اور مقاصد کو اشاعتِ اسلام کے بابرکت کام پر محدود کر دیا ہے، میں یہی نصیحت دوں گا کہ ایسی شورشوں میں اُن کو حصہ لینا نہیں چاہئے۔ کیونکہ جس قدر طاقت وہ اُدھر صرف کریں گے، اُسی قدر اُن کا اصل کام اشاعتِ اسلام کا کمزور ہوگا۔''

اب ان صاف اور صریح الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی جو شخص حضرت امیر پر غیر وفادارانہ روش کا الزام

لگائے، عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کہاں تک صداقت کا پابند ہے اور اُس کا قول کہاں تک قابلِ اعتبار ہے۔ ہم الفضل سے بکمال ادب عرض کرتے ہیں کہ وہ اس قسم کے چھچھورے حملے کرنا چھوڑ دے اور صداقت اور راستی کو اپنا شعار بنائے۔ جو اسلام اور احمدیت کی اصل غرض ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے، دفاعی طور پر لکھا ہے۔ اور اگر مناسب ہوا تو انشاءاللہ پھر بھی کسی وقت اس کے متعلق ہم لکھیں گے۔ (جاری)

22فروری1920ء

کلامِ امجد

سمجھ جاؤ اگر تم کو خیالِ دین و ملت ہے
تمہاری غفلتوں سے تم پہ نازل رنج وکلفت ہے

اُٹھو، اب دیں کی خدمت کے لیے اپنی کمر باندھو
اگر کچھ حق سے اُلفت ہے، اگر دیں سے محبت ہے

تن آسانی کو چھوڑو، لو خبر اسلام کی، اُٹھو
مصیبت میں کہاں جائز خیالِ عیش وعشرت ہے

یہ اغیاروں کی کوشش ہے، مٹے توحید دنیا سے
محبت شرک سے، توحید سے بغض وعداوت ہے

نہ غالب ہوگا تم پہ کوئی، حضرت نے یہ فرمایا
مگر جب تک خیالِ وحدت و دینی اخوت ہے

یہی ہے وقت او مسلم! تیرے بیدار ہونے کا
نہ گر اِس وقت تُو جاگا، تو یہ تیری حماقت ہے

نکل حجرے سے او زاہد! بجا توحید کا ڈنکا
خدا دے گر سمجھ تجھ کو، تو یہ سچی ریاضت ہے

منادی حق کی کرنا اور باطل کو مٹا دینا
رسولؐ اللہ کی یہی تم کو نصیحت ہے

25فروری1920ء

قسط دوم وآخر

ترُکی خلافت ۔الفضل اور ہم

معزز ہمعصر ’’الفضل‘‘، جو ہمیشہ ہماری مخالفت پر تُلا رہتا ہے،اُس نے حضرت مولوی محمد علی صاحب کی تحریرات دربارہ خلافت پر اپنے 9فروری کے کالموں میں جو زہراُ گلا ہے،اس کی نسبت ہم پہلے بھی کچھ لکھ چکے ہیں اوراب بھی کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔کیونکہ 16فروری کے پرچہ الفضل میں بھی یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت مولوی صاحب ممدوح کا مسلک حضرت مرزا صاحب کے خلاف ہے۔اگرچہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ اس طرح کی باہم مَیں مَیں تُو تُو ہو،مگر کیا کیا جائے ، یہ لوگ آئے دن ایک نہ ایک اتہام لگانے کے عادی ہوگئے ہیں۔چنانچہ اُنہوں نے ان مضامین میں بڑا زوراس بات پر دیا ہے کہ حضرت مولوی صاحب نے تُرکوں کے معاملہ میں حضرت مسیح موعود کی تعلیم کے خلاف لکھا ہے۔

چونکہ اُن کوحضرت صاحب کے لٹریچراورقرآن وحدیث سے گونہ بیگانگی ہے،اس واسطے یہ بیچارے جو کچھ لکھتے ہیں،اُس میں اکثر اپنی غلط رائے کا بہت کچھ حصہ ہوتا ہے۔ترکوں کی خلافت کا معاملہ بالکل صاف تھا۔اورجیسا کہ حضرت مولوی صاحب نے قرآن شریف وحدیث سے استدلال کیا تھا اگر یہ بھی اس کی تردید قرآن و حدیث سے کرتے ،اور پھر حضرت صاحب کے مسلک کا بھی حوالہ دیتے ،تو بات صاف ہوجاتی۔مگر ایسا کیوں کرنا تھا؟ قرآن وحدیث سے بیگانگی اور حضرت صاحب کے لٹریچر سے عدم واقفیت کی بناپر ایسا ہی ہونا چاہئے تھا،جیسا کہ ہوا۔اس واسطے مجبوراً ہم کولکھنا پڑا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے ایک غلط خیال کی بنا پر خلافت کے مسئلہ کواپنے ذہن میں رکھتے ہیں۔اوراُس غلط خیال کی کٹھالی میں قرآن وحدیث اور حضرت صاحب کے مسلک کوڈھالنا چاہتے ہیں،اورجس طرح کہ مسئلہ نبوۃ میں ایک غلط خیال پر قائم ہوکراُن کی بنیاداُٹھائی تھی،اوراُس کے ثبوت کے درپے ہوکرختم نبوت کو

مشتبہ کرنا چاہا تھا، جس میں اُن کو سخت ناکامی ہوئی، اسی طرح اب مسئلہ خلافت کو بھی نہ سمجھ کر یہ لوگ ایک غلط خیال کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ وہ اِس مسئلہ میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں۔ حضرت مولوی محمد علی صاحب نے تو اپنا فرض ادا کر دیا اور قرآن وحدیث سے اس مسئلہ پر کما حقہ روشنی ڈال دی۔ باقی رہا حضرت مسیح موعود کا مسلک و مذہب، سوانشاء اللہ ہم دکھائیں گے کہ حضرت مولوی صاحب نے ایک سرمو بھی اس سے تخالف نہیں کیا، بلکہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے، وہ عین حضرت مسیح موعود کے مذہب اور آپ کی تعلیم کے مطابق اور موافق ہے۔

حضرت مسیح موعود خدا کی طرف سے حکم تھے۔ اور آپ قرآن وحدیث کے ماتحت ہی اس عہدہ پر مامور و ممتاز ہوئے تھے۔ اس واسطے آپ کے اقوال، افعال اور خیالات کسی حالت میں بھی قرآن وحدیث اور واقعات کے خلاف نہیں ہو سکتے۔ پس جو کچھ آپ نے ترکوں کی نسبت فرمایا، وہ قرآن وحدیث کے ماتحت ہونا چاہئے اور ہے بھی اسی طرح۔ اور حضرت مولوی صاحب چونکہ حضرت مسیح موعود کے روحانی فرزند اور آپ کی فیض تربیت سے مستفیض ہیں، اس واسطے اُن کی تحقیقات بھی قرآن وحدیث اور حضرت مسیح موعود کے مطابق ہونی چاہئے۔ خواہ اُنہوں نے حضرت کے اقوال سے استدلال کیا یا نہ کیا۔ بہرحال اس اصول کے ماتحت جب ہم حضرت مولوی صاحب کی تحریرات پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ کو اس معاملہ میں حق بجانب پاتے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب نے خلافتِ اسلامی کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ ایک ظاہری اور دوسری روحانی۔ چنانچہ آپ اپنے رسالہ ''خلافت اسلامیہ'' کے صفحہ 13 پر فرماتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت پہلے چار خلفاء کے بعد دو شاخوں پر تقسیم ہوگئی۔ حکومت دنیوی کے علم بردار تو بادشاہ ہوئے اور منصب روحانیت کو آئمہ دین اور بڑے بڑے مصلحین نے سنبھالا۔ ہاں! کبھی یہ دونوں منصب پھر بھی یکجا جمع ہوتے ہوئے نظر آجاتے ہیں۔ جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز کہ بادشاہِ وقت بھی تھے اور پہلی صدی کے مجدد بھی تسلیم کیے گئے۔ اس بنا پر خلفاء کی خلافت کو خلافتِ راشدہ سے تمیز کرنے کے لیے احادیث میں ملک یعنی بادشاہت کے نام سے یاد کیا ہے۔...... پس موجودہ حالات میں

خلافت محض بادشاہت ہے یعنی ایک امر دنیوی۔ اور روحانی صرف انہی معنوں میں کہا جاسکتا ہے کہ اس امر دنیاوی کو دین اسلام کی ایک ضرورت ٹھہرایا گیا ہے۔''

اب ہم جب حضرت صاحب کی تحریروں کو دیکھتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی خلافت کو دو حصوں میں ہی تقسیم کیا ہے۔ چنانچہ شہادت القرآن صفحہ 29 پر آیت استخلاف کی تفسیر بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ:

''اب غور سے دیکھو کہ اس آیت میں بھی مماثلت کی طرف صریح اشارہ ہے۔ اور اگر اس مماثلت سے مماثلت تام مراد نہیں، تو کلام عبث ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شریعت موسوی میں چودہ سو برس تک خلافت کا سلسلہ ممتد رہا اور نہ صرف تیس برس تک اور صدہا خلیفے روحانی اور ظاہری طور پر ہوئے۔ نہ صرف چار اور پھر ہمیشہ کے لیے خاتمہ۔''

اب ہم اپنے ہمعصر سے پوچھتے ہیں کہ کیا ظاہری اور روحانی دونوں قسم کے خلیفے حضرت مسیح موعود نے حسب منشاء آیت استخلاف اُمت محمدیہ کے لیے ضروری ٹھہرائے ہیں یا نہیں؟ اور کیا یہ تقسیم حضرت صاحب نے خود قرآن مجید کی آیت استخلاف کے ماتحت کی ہے یا نہیں۔ پس آپ کا یہ اعتراض، کہ آیت استخلاف سے دونوں خلافتیں نہیں نکل سکتیں، خود حضرت اقدس کی تفسیر کے خلاف ہے .... اور حضرت مولوی محمد علی صاحب کا استدلال عین حضرت مسیح موعود کی تعلیم اور آپ کی تفسیر کے مطابق ہے .... اس میں حضرت اقدس موسوی شریعت میں روحانی اور ظاہری سلسلہ خلافت کو چودہ سو سال تک ممتد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مماثلت تامہ اس امر کی مقتضی ہے کہ اُمت محمدیہ میں بھی یہ سلسلہ ظاہری اور روحانی خلفاء کا ہمیشہ کے لیے قائم رہے۔ او ریہی وہ بات ہے جو حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ نے اپنے ایک خطبہ میں بیان فرمائی تھی کہ:

''سوال ہوسکتا ہے کہ یہ خلافت (روحانی وجسمانی) کا سلسلہ کب تک قائم رہے گا۔ ظاہر ہے کہ جب تک دین اسلام صفحۂ ہستی پر قائم ہے، خلافت کا سلسلہ بھی جاری وساری رہے گا۔ ہاں! اگر اسلام کے بعد کوئی اور دین ہوتا تو پھر یہ خلافت کا سلسلہ بھی ختم ہوجاتا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔''

اب ہم حضرت مسیح موعود کے ایک اور حوالے کی طرف معزز ہمعصر الفضل کی توجہ منعطف کرنا چاہتے ہیں، جس سے ترکوں کے متعلق، جو حضرت اقدس کا مذہب ہے، صاف معلوم ہوسکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

''اگرچہ ہمارے نزدیک اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ (13:49) ہی ہے اور ہمیں خواہ مخواہ ضروری نہیں کہ تُرکوں کی تعریف کریں یا کسی اور کی۔ مگر سچی اور حقیقی بات کے اظہار سے ہم رُک نہیں سکتے۔ ترکوں کے ذریعہ سے اسلام کو بہت بڑی قوت حاصل ہوئی ہے۔ یہ کہنا کہ وہ پہلے کافر تھے، یہ طعن درست نہیں۔ کوئی دوسو برس پہلے کافر ہوا۔ کوئی چارسو برس پہلے۔ یہ کیا ہے؟ آخر آج سید کہلاتے ہیں، کیا اُن کے آباؤاجداد پر کوئی وقت کفر کی حالت کا نہیں گذرا۔ پھر ایسے اعتراض کرنا دانشمندی نہیں ہے۔

ہندوستان میں جب یہ مغل آئے تو اُنہوں نے مسجدیں بنوائیں اور اپنا قیام کیا۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیۡنِ مُلُوۡکِھِمۡ کے اثر سے اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ اور اب تک بھی حرمین شریفین ترکوں کی ہی حفاظت کے نیچے خدا نے رکھی ہوئی ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں خدا تعالیٰ نے دوہی گروہ رکھے ہوئے ہیں۔ ایک تُرک اور دوسرے سادات۔ ترک ظاہری حکومت اور ریاست کے حق دار ہوئے اور سادات کو فقر کا مبدا قرار دیا گیا۔ چنانچہ صوفیوں نے فقر اور روحانی فیوض کا مبدا سادات کو ہی ٹھہرایا ہے اور میں نے بھی اپنے کشوف میں ایسا ہی پایا ہے۔ دنیا کا عروج ترکوں کو ملا ہے۔'' (تقریر حضرت مسیح موعود 17 نومبر 1901ء)

لیجئے حضرت! جناب مسیح موعود نے یہاں اور بھی معاملہ صاف کردیا۔ آپ اپنی زبان مبارک سے فرماتے ہیں کہ ''ترکوں کے ذریعہ سے اسلام کو بہت بڑی قوت حاصل ہوئی۔'' اب حضرت صاحب کے ان الفاظ کو دیکھئے اور قرآن مجید کے الفاظ آیت استخلاف وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمۡ دِیۡنَھُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَھُمۡ (55:24) کے الفاظ کو پڑھیے۔ تمکین دین بالفاظ مسیح موعود انہی ترکوں کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے یا نہیں؟ تو پھر آپ کا یہ کہنا کیا حضرت مسیح موعود کی تعلیم کے خلاف ہے یا نہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ دین حقہ اُن کے ذریعہ قائم نہیں ہوا، بلکہ اُن کے باعث دن بدن ضعیف ہوتا گیا۔ اور جب سے اُنہوں نے خلافت کا ادعا کیا، ایک منٹ بھی ایسا نہیں آیا کہ دین کی عزت اُن کے ذریعہ بڑھی ہو۔'' الفضل 16 فروری 1920ء الخ'' اب آپ انصاف فرمائیں کہ ہم حضرت مسیح موعود کی تحریر کو مانیں کہ: ''ترکوں کے ذریعہ سے اسلام کو بہت بڑی قوت حاصل ہوئی ہے۔'' یا آپ کی کہ: ''ان کے باعث (دین) دن بدن ضعیف ہوتا گیا۔ ایک منٹ بھی ایسا نہیں آیا کہ دین کی عزت اُن کے ذریعے بڑھی ہو۔'' ؎

ببیں تفاوتِ راہ از کجا ست تا بکجا

حضرت مسیح موعود کی صریح تحریروں سے انحراف آپ خود کرتے ہیں اور الزام آپ حضرت امیر مولوی صاحب پر لگاتے ہیں۔ العجب۔ ثم العجب! حوالہ مندرجہ بالا میں ہی حضرت صاحب فرماتے ہیں: ''دنیا میں خدا نے دو ہی گروہ رکھے ہوئے ہیں۔ ایک ترک، دوسرے سادات۔ ترک ظاہری حکومت اور ریاست کے حق دار ہوئے۔'' حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں:

> ''پس روحانی خلافت انہیں لوگوں کی ہوتی ہے (یعنی مجدّدِ دین و مصلحینِ اُمت کی۔ ایڈیٹر) ہاں! جسمانی خلافت جس سے مراد ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت کا مالک ہونا، اور جو سلطنت آپ کے زیرِ نگین تھی اُس پر قابض ہونا، جو قیامت تک قائم رہے گی، اس کے حق دار اس زمانہ میں ترک ہیں۔''

کیوں معزز ایڈیٹر صاحب الفضل! حضرت مولوی صاحب نے وہی بات بیان کی ہے یا نہیں، جو حضرت اقدس نے فرمائی تھی۔ پس آپ نے کیونکر یہ لکھ دیا کہ مولوی محمد علی صاحب کا مسلک حضرت مسیح موعود کے مسلک کے خلاف ہے۔ پھر اسی عبارت میں حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ: ''اب تک حرمین شریفین ترکوں کی ہی حفاظت کے نیچے خدا نے رکھی ہوئی ہیں۔'' اس فقرہ میں حضرت صاحب اللہ جلشانہ کو فاعل ٹھہرا کر گویا تُرکوں کو لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ (24:55) کے ماتحت جگہ دے رہے ہیں اور حرمین کا ترکوں کے ماتحت اور حفاظت میں ہونا گویا مشیت ایزدی کے مطابق وموافق ظاہر کر رہے ہیں۔ اور اس کو ایک خدائی فعل بتلا رہے ہیں کہ خدا کے ہاتھوں نے ترکوں کو اس ارض مقدسہ کی حفاظت سپرد کی ہوئی ہے۔ اور جو اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ گویا خدائے اسلام کے

ایک فعل پر ناراض اور اس کی مشیت کے خلاف چلنے والے ہیں۔ **فتدبروا یا اولی الابصار.** بالآخر ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت اقدس نے اپنے اس کلام (مندرجہ بالا) کو صرف اپنے اجتہاد پر ہی نہیں فرمایا، بلکہ اس کو اپنے کشوف کا ماحصل اور اس کو تفہیم الٰہی کا موکد فرمایا ہے۔

مضمون بالا میں ہم نے حضرت مسیح موعود کی تحریروں کی بنا پر ظاہر کر دیا ہے کہ حضرت مولوی محمد علی صاحب نے کوئی ایسی بات نہیں کہی، جو حضرت مسیح موعود کے مذہب یا آپ کی تعلیم کے خلاف ہو۔ اور خلافت کی جس تقسیم کا مطالبہ الفضل نے کیا تھا، اس کا جواب بھی ہم نے حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے دے دیا ہے۔ جیسا کہ آیت استخلاف کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے شہادت القرآن کے صفحہ 28 و 29 میں فرمایا ہے۔ اور الفضل کے دوسرے اعتراضات کا جواب بھی، جو اُنہوں نے 16 فروری کے پرچہ میں کیے ہیں، ہم نے حضرت صاحب کی تحریروں سے پیش کر دیئے ہیں۔ ہم اپنے مضمون کو لمبا کرنا پسند نہیں کرتے۔ اور اُمید ہے کہ صاحبان عقل وفہم کے لیے اس قدر لکھنا ہی کافی ہوگا۔ اگر ضرورت پڑی تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر بھی کبھی کچھ لکھیں گے۔ اور حضرت صاحب کے دوسرے حوالوں سے ظاہر کریں گے کہ حضرت امیر نے جو کچھ لکھا ہے، وہ عین حضرت مسیح موعود کی تعلیم کے مطابق وموافق ہے۔

18مارچ1920ء

نامۂ ووکنگ

ترکوں کے فرضی مظالم کی داستان ایک فلم کی صورت میں

جنگ یورپ کے گذشتہ ہولناک واقعات نے مادیت اور تہذیب جدید کا جو بھیانک نظارہ دنیا کو دکھایا ہے، سائنس اور علوم کے زیرِ سایہ دنیا کو متواتر پانچ سال تک تباہی و بربادی کا جو نقشہ دیکھنا پڑا ہے, تاریخ انسانی کا وہ ایک ایسا تاریک ترین صفحہ ہے کہ جس کی سیاہی بیسویں صدی کی عیسائیت کی تہذیب کے چہرہ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک کلنک کا ٹیکا بنی رہے گی۔

لوگ کہتے ہیں کہ جنگ ختم ہوگئی اور تہذیبِ جدید کے یہ تاریک صفحات اپنی بھیانک شکل وصورت کے ساتھ پلٹائے جاچکے۔اب امن کا دور دورہ ہے اور لیگ اقوام کی پری رُخ دیوی فرشتۂ امن بن کر امن واتحاد کے جان آفرین مژدہ سے دنیا کو دوبارہ زندہ کرنے آئی ہے۔لیکن میں کہتا ہوں نہیں۔تلواروں کی جھنجھناہٹ،توپوں او رہوائی جہازوں کی گولہ باری، انسانوں کا قتل وغارت اور بیشمار بچوں کا بے باپ اور عورتوں کا بے خاوند ہونا اگرچہ موقوف ہوگیا، لیکن اس کا ایک تتمہ ابھی باقی ہے، جس کا نظارہ اگر کرنا ہوتو لندن کے البرٹ ہال کی تاریکی تمہیں اس کا پتہ دے گی۔

''آکشن آف سولز'' یعنی ''روحوں کا نیلام'' اس فلم کا نام ہے، جو اس ہال کے اندر ہر روز رات کے وقت متحرک تصاویر کی شکل میں دکھایا جاتا ہے۔ یہ فلم کیا ہے؟ لیگ اقوام کا ایک تاریک ترین مرقع۔ وہ لیگ اقوام جس کو قوموں کے باہمی اتحاد کی بلند چٹان پر کھڑا کیا گیا۔جس کے قیام کی سب سے پہلی غرض یہ بتائی گئی کہ اخوتِ انسانی کے زرین اصول کو اس کے ذریعہ سے ترقی دی جائے۔آج وہی لیگ اقوام کم ازکم اس کی وہ ماتحت کمیٹی (لیگ آف نیشنز یونین) جو لندن میں وزرائے برطانیہ اور دیگر اولوالعزم انسانوں کے زیرسایہ قائم ہے، البرٹ ہال میں اس فلم کے ذریعہ سے اس اخوتِ انسانی کو علی الاعلان ٹھیس لگاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ امریکہ نے دوران جنگ کوئی سفارت قسطنطنیہ میں اس غرض سے بھیجی کہ وہ سلطان المعظم سے آرمینیوں کی آزادی کی درخواست کرے۔ اس سفارت نے وہاں جا کر کیا کیا؟ اسے کس طرح سے دوٹوک جواب دربار خلافت سے دیا گیا کہ ٹرکی اپنے انتظامات اور رعایا کی آپ ذمہ دار ہے۔ اور وہ وہی کرے گی، جس کو وہ اپنے نزدیک بہترین سمجھے۔ اس میں کسی کو مداخلت کی ضرورت نہیں۔ کس بے باکی سے ان ارکان سفارت نے اس پر علیحدہ سازش کی کہ ہمیں اپنی افواج کو روس کے ساتھ ملا کر ٹرکی پر حملہ آور ہونا چاہئے۔ جس کو ارباب عالی کے کسی خادم نے بھی کان لگا کر سنا اور اس کا نتیجہ نہ صرف ان ارکان سفارت کی قید کی صورت میں ظاہر ہوا، بلکہ آرمینی ولایت کے گورنر کو بلا کر یہ حکم نامہ بھی اُسے دیا گیا کہ آرمینیوں کا استیصال اور اُنہیں خارج البلد کر دیا جائے۔ اور آرمینی افواج سے اسلحہ لے لیا جائے۔

اس حکم کا ملنا تھا کہ گویا ترک سپاہیوں اور افسروں کی وحشت و بربریت اپنا پورا رنگ دکھانے لگی۔ نہ صرف ننھے ننھے بچوں کو قتل و غارت، عورتوں کو بے خانماں اور مردوں کو نشانہ بندوق بنا کر ہی اُنہوں نے اچھی خاصی انسانی قربان گاہ قائم کر دی، نہ صرف عورتوں اور بچوں کے جم غفیر ہی گھروں سے نکال نکال کر کئی دن کے بھوکے اور پیاسے ریتلے میدانوں میں اس طرح لے جا بٹھائے کہ گویا میدان حشر اُن کے لیے قائم ہے، بلکہ اِنہی ترک افسروں نے خوبصورت آرمینی لڑکیوں کو ان کے خاندان کی حفاظت کے وعدہ پر اُن کے والدین سے لینا چاہا، لیکن ''باغیرت'' آرمینی والدین اس پر راضی نہ ہوئے اور اپنے ہم قوموں کے ساتھ جلا وطن اور قتل و غارت کی سختیوں ہی کو ترجیح دی۔ تاہم ناول کے ہیرو ترک کے شہوانی خیالات کہاں دب سکتے تھے، مگر وہ خود با ایں ہمہ ساز وسامان اور جبر و تعدی کے، باغیرت آرمینی کی لخت جگر پر قابض نہ ہوسکا، تو دوراں جلا وطنی کسی کُرد کے ہی وہ ہاتھ پڑ گئی اور اُس نے روپیہ کی لالچ میں اور اس وجہ سے بھی کہ اس کا اسلام اُسے کافروں کے ساتھ اس طرح سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے، زبردستی وہاں سے لے جا کر اپنے آقائے ولی نعمت موسیٰ پاشا تک پہنچایا۔ اور وہاں سے پھر اُسے جودت پاشا گورنر آرمینیا کے محل میں پہنچایا گیا، کہ وہی اس ناول کا اصلی ہیرو اور لڑکی کا خواہش مند تھا۔ اس جگہ اس لڑکی سے درخواست ہوتی ہے کہ وہ ہمارے ہیرو کی حرموں میں شامل ہو جائے۔ جس کو وہ بصد مجبوری اس شرط پر منظور کرتی ہے کہ اُس کے خاندان کی حفاظت کی جائے۔ اسے اس کا وعدہ دیا جاتا ہے، لیکن جھوٹا۔ اس

میں اس کا ایک دوسرا آرمینی عاشق آتا ہے اور اُسے وہاں سے نکال لے جاتا ہے۔

ایک اور موقعہ پر ان سب آرمینی عورتوں اور بچوں کو کشتیوں میں بھر کر دریا میں لے جاتا ہے۔ کشتیاں بھر جاتی ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ بچوں کو نکال کر دریا میں پھینک دو۔ حکم کی تعمیل نہایت شدت کے ساتھ کی جاتی ہے اور غریب الوطن ماؤں کی گود کو، باوجود ان کے چیخنے چلانے کے خالی کر کے بچوں کو دریا میں پھینک دیا جاتا ہے کہیں عورتوں اور بچوں کو آگ لگا دی جاتی ہے۔

یہ اور اسی قسم کے بہت سے ہولناک نظارے اس فلم میں، جو امریکہ کی ایجاد ہے اور نام نہاد امریکن سفارت کے افسر کی بیان کردہ داستان کی بنا پر بنائی گئی ہے، دکھائے جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ اس پرانے خیال پر اور پختہ ہو جائیں کہ مذہب اسلام انسان میں وحشیانہ اخلاق پیدا کرتا ہے اور یوں اسلام کے ساتھ دلوں میں نفرت بڑھے۔ تاکہ انگلستان کے لوگوں کی رائے اگر تھوڑی بہت بھی ترکوں کے حق میں ہو، اگر کوئی حق پسند انسان پریذیڈنٹ ولسن کے نام نہاد چودہ اصولوں میں سے ایک کوٹرکی کی سلامتی کی ضمانت قرار دے، اور سب سے بڑھ کر خود برطانیہ عظمٰی کے وزیر اعظم کے اس حتمی وعدہ کو، جو 5 جنوری 1918ء کو دیا گیا تھا، برطانوی قوم کی قومی رواداری اور اصول انصاف کا معیار ٹھہرالے، تو ترکوں کے فرضی مظالم کی یہ ہولناک تصویر اس کے خیالات کو بدل کر ان کے اخراج کا اسے زبردست حامی بنا دے۔

اس حقیقت کا ایک اور ناگوار پہلو بھی ہے۔ جس وقت اس فلم کا اعلان اخبارات میں ہوا۔ مولٰینا صدر الدین صاحب امام مسجد ووکنگ نے اُسی وقت ایک چٹھی بطور پروٹسٹ برطانوی مسلمانوں کی نیابت میں ہوم سیکرٹری کو لکھی۔ ایک اور پروٹسٹ مسٹر ایم ایچ اصفہانی نے بھی مسلم لیگوں کی طرف سے اس کے پریزیڈنٹ ہونے کی حیثیت میں کیا، لیکن بے فائدہ! یہ ہے لیگ اقوام کی اقوام پرستی، جس کو پورا کرنے کے لیے امن واتحاد کے پیغامات دنیا کو سنائے گئے۔ اور ایسے ایسے عظیم الشان اتحادی قلعے خیالات کی بلند آفرینیوں میں تعمیر کیے گئے، جن کو کوئی قومی بغض وتعصب مسمار نہ کر سکے۔ لیکن ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

تُرک جن کی شرافت کا اعتراف اورتو اورخود برطانوی افواج کوبھی درّہ دانیال کی عظیم الشان مہم میں کرنا پڑا۔اورعین ان دِنوں میں جبکہ خود اپنے ہم مذہب دشمن پر بھی ہسپانوی جہازوں کی غرقابی کا الزام عائد کر کے اُس پرنفریں بھیجی جاتی تھی، انگلستان کے اخبارات نے ببانگِ دہل ’’شریف ترک‘‘ کے ان اخلاق کی تعریف کی، جو میدان جنگ میں ان سے ظاہر ہوئی ہیں۔ وہ ترک، جس نے جنگ بلقان کے موقعہ پر ایڈریانوپل کے محاصرہ کے دوران جب دیکھا کہ محصورین کے پاس سامان ختم ہو چکا ہے،توباوجودیکہ مارشل لاء کے ماتحت، رعایا شہر کے غیر مسلم اور مسلمان طبقے اپنے بچے کھچے سامان خورونوش کو، اُن لوگوں کے ساتھ، جن کے پاس کچھ نہ تھا، بانٹ کر کھانے کے ذمہ وار تھے،لیکن شیخ الاسلام کے حکم کے ماتحت غیر مسلم آبادی کو اس حکم سے آزاد کر کے صرف مسلمانوں ہی پر یہ پابندی ڈالی کہ وہ اپنے ہم وطن غیر مسلموں کو اپنے سامان سے مدد دیں، کیونکہ اسلامی قواعد جنگ اسی کے متقاضی ہیں، اس ایسے شریف ترک کا یہ نقشہ جو امریکہ میں ڈھل کر لیگ اقوام کی یونین کے ذریعہ سے دنیا میں پیش ہوا،مغربی تہذیب کے لیے باعث ننگ ہے۔سمرنا میں یونانیوں نے دس ہزار ترکوں کو تہ تیغ کیا اور ایک لاکھ کو بے خانماں،تو اس کا کوئی ذکر نہیں کرتا اور نہ اس کے خلاف عیسائی دنیا میں کوئی صدائے احتجاج بلند ہوتی ہے،مگر ترکوں کے فرضی مظالم اور مسلمانوں کے فرضی وحشیانہ پن کی کیا کیا داستانیں ایجاد ہوتی ہیں! خدا کی زمین کذب و بہتان، مکروفریب اور بیگناہوں اور محسنوں پرظلم وستم سے بھر چکی ہے۔اور ڈر ہے کہ یہ پیمانہ اب چھلک کر کوئی ایسا طوفان بے تمیزی کھڑا نہ کر دے، جو مغربی تہذیب کے ان بدنام کنندہ نکونامے چند کو گیہوں اور گھن کا مصداق بنادے۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن　　　اجابت از درِحق بہر استقبال مے آید

خاکسار

دوست محمد

از ووکنگ، انگلستان

⚝⚝⚝

18مارچ1920ء

قرآن مجید کا ترجمہ تلنگوئی زبان میں

ذیل میں ہم ایک خط کا اقتباس، جو ہمیں علاقہ مدراس کے ایک علم دوست ہندو جنٹلمین کی طرف سے موصول ہوا، درج کرتے ہیں۔ جیسا کہ اُس خط سے معلوم ہوتا ہے، صاحب موصوف نے قرآن مجید کا تلگوی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

''بخدمت جناب خواجہ کمال الدین صاحب، جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے، مسلم مشنری۔ پیارے صاحبان! میں آپ کو قرآن مجید نمبر 1 کے تلنگوئی ترجمہ کی چار جلدیں بھیجتا ہوں۔ جو میں نے ابھی ابھی شائع کیا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ اُن کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ مجھے اس ترجمہ کی اشاعت کی کئی برسوں سے خواہش تھی۔ اور اس لیے میں نے سیل، راڈویل، پامراور نیز مرزا فضل الٰہ آبادی اور ڈاکٹر حکیم خان کرنالی کے تراجم مطالعہ کیے۔

حال ہی میں مجھے آپ کا ترجمہ مسٹر ایم بادشاہ صاحب بی۔اے۔ سیکنڈ لائن، بیچ مدراس سے دستیاب ہوا ہے۔ میں نے آپ کے ترجمہ کو اُن سب میں سے اعلیٰ پایا۔ اور آپ کے نوٹ بھی نہایت قیمتی اور قابل قدر ہیں۔ انہی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، جو اسلام سکھاتا ہے، میں نے قرآن مجید کا ترجمہ تلنگوئی زبان میں بطور نمونہ کیا ہے۔ اور دیکھنا چاہتا ہوں کہ پبلک اس کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے۔

میں خوشی سے کہتا ہوں کہ ایک ہندو جنٹلمین نے اور ایک تلنگوئی دان مسلمان نے لکھا ہے کہ وہ میرے اس کام کو بہت وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔''

آپ کا صادق

Mr. Venkata Ratnan

20فروری1920ء

18مارچ1920ء

مراسلات

مسلمان کی جامع تعریف

اس وقت مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے اخبارات و رسائل شائع ہو رہے ہیں۔ جن میں قریباً ہر فرقہ اپنے آپ کو مسلمان و نیز اہل سنت والجماعت سمجھتا ہے۔ اور باقی فرقوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کسی شخص نے ہندو مذہب کی جامع و مانع تعریف بذریعہ اخبارات دریافت کی تھی۔ جس پر ہمارے مسلمان اخبارات کو خوب مضحکہ کی سوجھی تھی۔ مگر خود اُن کی اپنی روش کا یہ حال ہے کہ اُن کے خود ساختہ دائرہ اسلام کی حقیقت ایک معمہ ہو رہی ہے۔ شیعوں کے نزدیک اہل سنت والجماعت کافر، موخر الذکر کے نزدیک اول الذکر، پھر وہابی حنفی ایک دوسرے کو کافر اور مشرک قرار دیتے ہیں۔ ایک بے تعصب شخص اگر مسلمان کی جامع تعریف، جسے ہر فرقہ تسلیم کرے، دریافت کرنا چاہے تو یہ سخت دشوار ہے۔ مسلمان کی تعریف کے علاوہ اہل سنت والجماعت کا ایک اور معمہ اسلام میں آج کل علماء نے پیدا کر رکھا ہے۔ اہل حدیث اور احمدی بھی اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت میں داخل کرتے ہیں۔ مگر اُن کے مخالف مسلمان کہتے ہیں کہ نہیں تم باہر ہو۔ ہم ہی اس نام کے مستحق ہیں۔ اس لیے مسلمان فرقوں کے جملہ اخبارات و رسالہ جات کے ایڈیٹران سے التماس ہے کہ:

☆ وہ مسلمان کی ایسی جامع تعریف کریں، جس تعریف کے ماتحت ہر ایک فرقہ اُس شخص کو مسلمان سمجھے، جس پر وہ تعریف صادق آئے۔

☆ اہل سنت والجماعت کی جامع تعریف کی جائے۔ جس تعریف کے ماتحت اُس شخص کو اہل سنت والجماعت سمجھا جائے، جس پر وہ تعریف صادق آئے۔

اخبار ''اہل حدیث''، ''الفقیہہ''، ''اہل سنت والجماعت''، ''ذوالفقار''، ''اصلاح'' و دیگر مسلمان مذہبی پرچے خصوصاً مخاطب ہیں۔ منظور الٰہی

مَلاں آں باشد کہ چُپ نشود

جناب ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم۔ کل میری نظر سے ایک پرچہ ''الفضل'' کا گذرا۔ اس میں لفظ ''قادیانی'' مولوی محمد علی صاحب کے نام کے ساتھ کسی اخبار میں چھپا ہے۔ اس پر الفضل بہت کچھ گھبرا رہا ہے۔ بیچارا الفضل بھی اپنی نیش عقرب والی عادت سے مجبور ہے۔ کوئی بہانہ چاہئے، پھر مریدان باصفا کے لیے کوئی نہ کوئی مشغلہ بنالیتا ہے۔ ماشاء اللہ! دنیا جہاں کی آپ کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ہندوستان کے دیگر صوبہ جات کے لوگ قادیانی کو احمدی کا مترادف جانتے ہیں۔ جیسے پنجابی لوگ احمدیوں کو مرزائی کہہ دیا کرتے ہیں۔ مخالفوں کے اشتہار و کتب دیکھ جایئے۔ ان میں احمدی یا مرزائی کی بجائے جا بجا قادیانی مذہب پاؤ گے۔ اگر الفضل اپنے کسی ہندوستانی خریدار سے دریافت کرے، تو اُسے اپنی غلطی کہو یا حد سے بڑھی ہوئی عقلمندی کا ثبوت مل جائے گا۔ اگر ایک پنجابی کسی احمدی کو مرزائی کہے تو کون عقلمند یہ خیال کرے گا کہ وہ احمدی ذات سے مغل ہے۔ اسی طرح احمدیوں کو قادیانی یعنی قادیان کے رہنے والے کے متبع کہنا، انہیں قادیان کا باشندہ نہیں بنا دیتا۔ جن معنوں سے مخالف ہمیں مرزائی یا قادیانی کہتا ہے، یا بعض دفعہ خود ہمارے بھائی اپنے آپ کو مرزائی کہہ دیتے ہیں، ان معنوں کی رُو سے ہر ایک احمدی مرزائی اور قادیانی ہے۔ عنقریب ہم الفضل کے پرچوں سے حوالہ جات پیش کریں گے، جہاں قادیانی کا لفظ احمدیت کا مترادف استعمال کیا ہوا ہے۔ ٹرکی خلافت کے بارہ میں ہم حضرت صاحب کے حوالہ جات سے روشنی ڈال چکے ہیں۔ اگر الفضل میں کچھ دیانت باقی ہے، تو وہ سارا مضمون نقل کر کے جرح کرے۔

منظور الٰہی

18مارچ1920ء

قسط اول

میں پہلے کون تھا؟

(مبلغ اسلام حضرت مولٰینا محمد یوسف گرنتھی کے قلم سے)

میں ریاست نابھہ کا پیدائشی ہوں اور جنم ایک سکھ خاندان کا ہے۔ میرے پڑ دادے کا نام چین سنگھ تھا، میرے دادے کا نام کھڑک سنگھ اور میرے والد ماجد کا نام شام سنگھ تھا۔ میرے والد گورمکھی کے بڑے ماہر تھے۔ لیکن علم کا رُخ اور طرف ہو گیا اور میرے والد بجائے ایک سنگھ رہنے کے ایک سادھو گلاب داس نامی کے (جو آپ کا ہمعصر تھا۔ اور جس کی کتاب ''گلاب چمن'' نامی اب تک موجود ہے) چیلے ہو گئے اور وچار ساگر بھرتی پر بھاکر وغیرہ کتب پڑھ کر پکے ویدانتی (ہمہ اوست) ہو گئے اور بجائے شام سنگھ کے باوا شام داس کے نام سے مشہو رہوئے اور میرا نام بھی تبدیل کر دیا۔ یعنی میرا سکھ نام جو پیارا سنگھ تھا، اس کی بجائے پیارے لال کر دیا گیا۔ اور اُن کی حیات تک میرا یہی نام رہا۔

اسی سادھو پنے میں بہت عرصہ پھرتے پھرتے میرے والد پٹیالہ جا پہنچے۔ وہاں اُن دِنوں عیسائیوں کا نیا نیا چرچ تھا۔ اُن سے مڈبھیڑ ہوئی۔ لیکن چونکہ عیسائی بحث مباحثہ میں کھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک ''ہمہ اوست'' کو جیت لینا اُن کو بہت آسان ہے۔ نہیں جیت سکتے، تو ایک مواحد ہی کو۔ اور ''ہمہ اوست'' کا قائل تو ایک مسیحؑ ہی کو نہیں، بلکہ تمام کائنات کو ہی مجسم خدا مانتا ہے۔ پس اتفاق ایسا ہوا کہ میرے والد اُن سے ہار گئے۔ اور بجائے ویدانتی کے مسیحی ہو گئے اور مرتے دم تک مسیحی رہے۔ آپ نے ریفارم پریسبیٹیرینّ مشن میں ڈاکٹر چارلی سکاٹ صاحب کے ہاتھ سے بپتسمہ لیا۔ اُن دنوں ڈاکٹر صاحب مرحوم کی ریاست پٹیالہ میں جو قدر و منزلت تھی، وہ ارباب پٹیالہ پر مخفی نہیں ہے۔ زمانہ کے انقلاب کو دیکھو۔ ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادہ مسٹر ونسنٹ سیموئیل سکاٹ آج کل پٹیالہ میں عجب کسمپرسی کی حالت میں ہیں۔

قصہ کوتاہ میرے والد کی تنخواہ مقرر کر کے سنام کا علاقہ تبلیغ کے لیے دیا گیا۔ مجھ کو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے پاس رکھا اور میرا نام جان کلبرٹ سن رکھا۔ (ڈاکٹر صاحب جب ولایت گئے تھے وہاں اُن کا ایک دوست تھا۔ اُس کا یہ نام تھا۔ اُس کی یاد میں آپ نے میرا یہ نام رکھا) آپ مجھ کو بہت پیار کیا کرتے تھے۔ اور اکثر مجھ کو اور اپنے لڑکے ونسنٹ کو گود میں اُٹھایا کرتے تھے۔ اور آپ کی زوجہ ہم کو انگریزی پڑھایا کرتی تھیں۔ لیکن سب سے پہلا علم، جو مجھ کو پڑھایا گیا تھا، وہ گورمکھی تھا۔ جو میرے والد نے گھر پر پڑھایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد جب مشن پر اور خصوصاً اس خاندان پر زوال کا دور شروع ہوا، تو مجھ کو اور میرے ایک بھائی کو (جو اس عیسائیت میں ہی پیدا ہوا تھا) آر پی مشن سکول رُڑکی میں تعلیم کے لیے بھیج دیا گیا۔ وہاں گورنمنٹ سکول میں انگریزی مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ قضاء الٰہی انہی دنوں میرے والد کو ایک عارضہ لاحق ہوا، جس میں کئی سال تک مبتلا رہے اور آخر اسی میں فوت ہوئے۔ جب بیماری شروع ہوئی اور ایک دو ماہ تک تبلیغ بند رہی، تو مشن والوں نے (جو ڈاکٹر صاحب کے جانشین تھے) نہایت بے دردانہ سلوک کیا۔ وہ یہ کہ میرے والد کی تنخواہ بند کر دی۔ اب لاچار گھر کا سنبھالنا میرے سر آن پڑا۔ مجبوراً میں نے سلسلہ تعلیم کو منقطع کر کے بھٹنڈہ ریلوے انسٹیٹیوٹ میں ملازمت کر لی۔ قریباً دو تین سال کے بعد میری تبدیلی بہاول نگر ہو گئی۔ اور اسی اثنا میں میرے والد ماجد راہی ملک بقا ہوئے۔ ہم اس وقت آپ کی اولاد سے تین بھائی تھے (جو بفضلہٖ تعالیٰ اب تک ہیں) لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ وفات کے موقعہ پر ہم دنوں بڑے بھائیوں میں سے کوئی گھر پر نہ تھا۔ چھوٹا بھائی، جو گھر پر تھا، وہ بالکل بچہ تھا۔ میتھوڈسٹ مشن کی طرف کا ایک اور عیسائی گینڈل لال نامی بھی سنام میں تھا۔ لیکن ہم سے قریب ڈیڑھ میل کے فاصلے پر، یعنی شہر کے دوسرے سرے رہتا تھا۔ کسی کو کہہ سن کر لاش کے پاس بٹھا کر میری والدہ دو مرتبہ اُس عیسائی کی طرف گئی، لیکن وہ ایسا ہمدرد نکلا کہ پاس آ کر نہ پھٹکا۔ ایک دن رات لاش گھر میں پڑی رہی۔ آخر شہر کے ڈاکٹر نے کہا کہ اگر کوئی انتظام لاش کے باہر لے جانے کا نہیں ہوسکتا تو ہم سرکاری طور سے انتظام کر دیتے ہیں (اس سرکاری انتظام کو آپ سمجھ لیں کہ کیسا ہوتا ہے)

اُس وقت محلّہ کے مسلمانوں نے کچھ خوف خدا کر کے کہا کہ آخر ہم اہل کتاب ہیں۔ اس کی تجہیز و تکفین ہم کریں گے۔ لہٰذا اپنے طریق سے اُنہوں نے لاش کو لے جا کر دفن کیا۔ ایسی مصیبت کی حالت میں مسلمانوں

کے ان اخلاق کو دیکھ کر میری والدہ تو اپنے دل سے اُسی وقت مسلمان ہوگئی۔ گو اُس نے کسی سے ظاہر نہ کیا۔ دو روز بعد میں بھی گھر پہنچا اور دو تین روز ٹھہر کر پھر اپنے کام پر واپس چلا گیا۔ اس واقعہ نے میری والدہ کے دل پر اسلامی اخلاق اور ہمدردی کا گہرا اثر ڈال دیا اور ساتھ ہی عیسائیت کی طرف سے انقباض پیدا کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ کے بعد مجھے خبر پہنچی کہ تیری والدہ اور اس کے ساتھ میرے دونوں بھائی مسلمان ہو گئے۔ اس خبر کا پڑھنا تھا کہ میرے دل کو پژمردگی ہوگئی۔ اور تین روز برابر یہ حالت رہی کہ نہ کام کی سُدھ، نہ بھوک کا احساس۔ شب و روز روتا تھا اور جناب مسیحؑ سے دعا کرتا تھا کہ اے خداوند مسیح! یہ کیا ہوگیا۔ اے خداوند مسیح یہ کیا ہوگیا!! اس وقت یسوع مسیحؑ پر میرا ایمان نہایت پختہ تھا۔ لیکن کیا ایمان تھا کہ مسیحؑ کی محبت میں ایسا سرشار ہوا کہ اُس کو انسان سے خدا بنا بیٹھا۔ خیر اس صدمہ عظیم کے سبب سے دل ایسا اُچاٹ ہوا کہ یکدم ملازمت چھوڑ کر گھر پہنچا۔ والدہ اور بھائیوں سے ملا۔ لیکن اس ملنے نے تفریق کا خیال اور بھی زیادہ کر دیا۔ آخر سب کو فی امان اللہ کہہ کر شہر سے باہر ہوا۔ دل کی یہ حالت تھی کہ کسی طرح بھی تسلی نہ پکڑتا تھا۔ نہ ملازمت کو دل چاہتا تھا اور نہ کسی طرف طبیعت لگتی تھی۔ آخر دل میں خیال آیا کہ نابھہ کو چلا جاؤں۔ وہاں میرے رشتہ دار، جو ابھی تک سکھ تھے، موجود تھے۔ چنانچہ میں وہاں گیا اور بھائیوں اور دیگر سن رسیدہ رشتہ داروں سے ملا، باپ دادا کا نام بتایا، وہ سب نہایت اخلاص اور مہربانی سے پیش آ گئے۔ گورمکھی تو جانتا ہی تھا۔ اُن سب نے مجھ کو مجبور کیا کہ تم ذرا گرنتھ پڑھو تو سہی۔ اُن کے کہنے پر میں نے گرنتھ صاحب کو پڑھنا شروع کیا اور ایک نیک استاد سے بہت سا حصہ بامعنی پڑھا۔ ایک گونہ تسلی حاصل ہوئی۔ توحید کی تعلیم سے ایسا مزہ آیا کہ تثلیث سے بکلی بیزاری ہوگئی۔ آخر امرت چکھ کر از سرنو جان کلبرٹ سن سے پیارا سنگھ بن گیا۔ بہت عرصہ تک سکھوں کا گرنتھی رہا۔ بہت پاٹھ کیے اور بہت آنند پڑھائے۔ لیکن جُوں جُوں گرنتھ میں زیادہ ملکہ ہوتا گیا، اور نیز سکھوں سے سابقہ پڑتا گیا، تُوں تُوں توحید کا وہ خاص مزہ جو پہلے آیا تھا، اب کچھ کڑواہٹ آمیز (جس کا ذکر پھر کسی وقت کروں گا) معلوم دینے لگا۔ حتّٰی کہ دل میں ایک امتلا پیدا ہوگیا اور طبیعت مجبور کرنے لگی کہ اب اسے اُلٹ دیا جائے تو ہی اچھا ہے۔ (جاری)

22مارچ1920ء

مراسلات

ولایت ونبوت اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ

مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ اَسَتَ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ فَکَیْفَ سَائِرُ بَشَر وَحَضَرَۃُ عِیْسٰی و مُوْسٰی را عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃَ وَالَتَسْلِیْمَاتُ اگرچہ از مقام تجلی ذات نصیب علی قدر المرتبۃ والاستعداد. قال اللّٰہ سبحانہ تعالیٰ خطابًا لموسٰی واصطفیتک لنفسی ای لذاتی وحضرۃ عیسٰی روح اللّٰہ است وکلمۂ اواست. سبحانہ وکثیر المناسبت است بآں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام. اما حضرت ابراھیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام باوجود آنکہ در مقام تجلی صفات است اما حدید البصراست. شان خاص کہ پیغمبر مارا در مقام تجلی ذات میسر شدہ است. حضرت ابراھیم، را درمقام تجلی صفات حاصل گشتہ است مع التفاوت والاستعداد مے بینھما. پس بایں اعتبار اواز حضرت عیسٰی وموسٰی افضل است وحضرت عیسیٰ از حضرت موسٰی افضل است. ورتبہ اوفوق حضرت موسٰی است وحدید البصراست وناقد النظر. بعد از ایشاں حضرت نوح است ومقام حضرت نوح درمقام صفات ھر چند بالاتراز مقام ابراھیم است. اما حضرت ابراھیم را درآں مقام شان خاص است وحدت بصراستکہ دیگرے رانیست لیکن اولاد کرام ایشاں را از آں مقام نیز نصیب است بہ تبعیت وفرعیت وحضرت آدم بعد از حضرت

نوح است علی نبینا وعلی جمیعھم الصّلوٰۃ والتسلیمات. ھذا ممّاعلمنی ربی والھمنی بفضلہ وکرمہ والعلم عند اللہ سبحانہٗ. (صفحہ 50 مبدا معاد)

مجددین اور ملہمین کی تحقیقات میں بھی اختلاف اور فرق ہوتا ہے۔ جس قسم کی تجلی خود مجدد پر نازل ہو اور جس رنگ میں وہ خود رنگین ہو، اسی آئینہ میں اس کو مراتب انبیاء کا انعکاس ہوتا ہے۔ امام ربانی خود جمالی کیفیات سے مصبوغ تھے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جمال اصل اور حقیقی ہے۔ جلال مستعار اور ضرورت داعیہ پر ظہور کرتا ہے۔

وَسِعَتْ رَحْمَتِی عَلٰی کُلِّ شَیءٍ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ۔ امام مجدد حضرت عیسٰی کو حضرت موسٰیؑ پر افضل قرار دیتے ہیں اور حضرت عیسٰی جمالی نبی تھا۔ اور آخر میں اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کو ببرکت اتباع جمال وجلال ملتا رہتا ہے اور یہ اس فیض کے وارث اتباعاً ہو جاتے ہیں۔ اور امت محمدیہ میں بوجہ ختم نبوت مثیل انبیاء آتے رہتے ہیں، جو مظاہر جمال وجلال ہوتے ہیں۔ اور صحابہ کرام اسم محمد کے مظاہر تھے، جو جلالی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اور اس سے بعد بھی جلال محمدی کا ظہور کثرت سے رہا۔ اس لیے ضروری تھا کہ اسم احمد کے ماتحت مظہر جمال خلفائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آویں، جو اُن انبیاء بنی اسرائیل کے مثیل ہوں، جو جمالی انبیاء تھے۔ چنانچہ یہ حدیث **علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل** اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پس اس زمانہ میں بھی ایک مجدد تشریف لایا جو اسم احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت مظہر جمال تھا اور حضرت عیسٰیؑ کا مثیل تھا، جو ایک جمالی نبی تھے۔ مگر ابنائے دنیا نے اس کی آواز پر لبیک نہ کی۔ اگر ایک طرف اس کی منادی پر کسی نے کان نہیں دھرا، تو دوسری طرف خود اس کے ماننے والوں نے غلو سے کام لیا اور اس کو اصلی نبی ثابت کرنے کی بے سود کوشش کی۔

مجھ کو میاں صاحب اور ان کے مریدوں پر اس لیے تعجب آتا ہے کہ وہ جناب مسیح موعود کے نبی ثابت کرنے میں جب مدعی کی اپنی کتابوں میں کامیابی نہیں دیکھتے، تو کہتے ہیں ہم قرآن سے ثابت کرتے ہیں۔ اس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہیں کہ مدعی کو وہ دلائلِ قرآن مستحضر نہ تھے، جو اگرچہ ہم کو بھی اس وقت تو معلوم نہ

تھے۔ مگر اس کی وفات کے بعد ہم نے قرآن میں تدبر کرنے سے وہ دلائل نکالے ہیں۔ اب یہ ایسی نامعقول بات ہے، جس کے بیہودہ ہونے پر عقل و نقل شاہد ہے۔ جو شخص جس دعوے کا مدعی ہو اور خود ملہم ہو خدا سے علمِ لدُنّی پانے والا ہو، اس کو قرآن سے وہ دلائل نہ خود معلوم ہوں، نہ خدا اس کو وہ دلائل قرآنی بتلاوے۔ بلکہ بقول شخص اس مثل کا مصداق ہو ''پیراں نمی پَرَند مریداں مے پرانند''۔

ہمارے استاد ایک قصہ پیر اور مرید کا بیان فرماتے تھے کہ ایک پیر تھا اور اس کا ایک مرید تھا۔ کوئی شخص صاحبِ غرض پیر صاحب کی ملاقات کے لیے آیا۔ اتفاقاً اس شخص کی ملاقات اول اس مرید سے ہوگئی۔ مرید نے پیر صاحب کی بہت سی کرامات اور خوارق اس نو وارد شخص کے آگے بیان کیے۔ منجملہ اس کے کہا کہ رات کے وقت ہمارے پیر صاحب عرش معلیٰ پر جا کر خواب کرتے ہیں۔ غرض کہ وہ شخص پیر صاحب سے ملاقاتی ہوا اور دوران گفتگو میں کہا کہ جناب ہر رات عرش معلیٰ پر جا کر سوتے ہیں۔ پیر نے کہا ہرگز نہیں۔ میں ایک عاجز بندہ اور انسان ہوں۔ عرش معلیٰ پر کس طرح جا کر سوتا ہوں اور یہ اتہام ہے، جو میری طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس شخص نے واپسی کے وقت مرید صاحب سے آکر کہہ دیا کہ حضور پیر صاحب تو اس سے انکار کرتے ہیں، جو آپ کہتے ہیں۔ چالاک اور چلتے پرزے مرید بول اٹھے۔ ''پیر صاحب کسر نفسی میکند۔''

پس میاں صاحب کا یہ فرمانا کہ حضرت صاحب نبوت کے مدعی تھے اور وہ جانتے تھے کہ واقعی میں نبی ہوں، مگر وہ ابتدا میں اس کی تاویل کر دیتے تھے۔ اور اس کو کبھی بروزی اور ظلی اور محدثیت سے تعبیر کرتے تھے۔ اور میاں صاحب اس وقت اور اب بھی اس راز کو سمجھتے تھے کہ حضرت صاحب کسر نفسی کر رہے ہیں۔ میاں صاحب کا یہ کہنا اور پیر صاحب کے اس مرید کا یہ کہنا بالکل باہم مشابہ ہے۔ مگر اہل حق جانتے ہیں کہ نہ وہ مرید سچا اور نہ میاں صاحب سچے۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ یہ انکشاف اب بعد وفات حضرت مسیح موعود میاں صاحب کو ہوا ہے۔ مگر افسوس جو بات غیر احمدی اس وقت سمجھ گئے تھے اور کہتے تھے کہ خبردار اے لوگو! یہ شخص مدعی نبوت ہے اور تاویل کے ذریعہ اصل بات اور دعویٰ پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ وہی بات میاں صاحب نے اب سمجھی یا اب کہہ دی۔ گویا جس بات کا گمان غیر احمدی جناب مرزا صاحب کے متعلق رکھتے تھے، میاں صاحب نے اُن کے گمان کی تصدیق کر دی کہ واقعی تمہارا گمان سچا ہے۔ **ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الّا فریقًا من**

المؤمنین. ذالک ظن الذین کفروا. وماظن الذین یفترون علی اللّٰہ الکذب یظنون باللہ غیر الحق ان تتبعون الا الظن. وان بعض الظن اثم.

الغرض اب جومیاں صاحب یا ان کے مرید قرآن کے حوالے دیتے اور تمام احادیث صحاح اور ثابتہ سے اغماز نظر کرتے ہیں، یہ صرف چالبازی اور مخدوعہ کاروائی ہے، ورنہ وہ احادیث جو بارہ سو سال سے لکھوکھا وکروڑہا علمائے ربانی کی نظر میں اگر صحیح اور متواتر ثابت ہیں، کس طرح قابل ترک اور رد ٹھہر سکتی ہیں۔ ہماری طرف سے ایسے لوگوں کے لیے وہی فتویٰ ہے، جو خود مسیح موعود فرماتے ہیں۔

کیوں چھوڑتے ہو یارو نبی کی حدیث کو　　　جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو

درحقیقت قرآن کریم کو موم کا ناک بنا کر سیاق وسباق کو کاٹ کر جو معانی کرتے ہیں، اس میں بھی یہ کامیاب ہرگز نہیں۔ صرف ظاہر پرست اور کم علم فرومایہ اشخاص کو دھوکہ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ جن کو علم دین پر کافی اور پورا احاطہ نہیں، ورنہ وہی آیتیں جو یہ پیش کرتے ہیں، علاوہ علمی مباحث کے جوان پر ہو سکتے ہیں، خود ان کے مسلمات سے ان پر حجت ہیں۔ ورنہ جس دلیل کے مقدمات ناتمام ہوں اور باہم متناقض ہوں، وہ حجت کس طرح ہو سکتی ہے۔

میں ایک مثال پیش کر کے سمجھاتا ہوں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں یہ آیت یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ (35:7) فرضاً بموجب اُن کے استدلال کے اس سے اجراءِ نبوت ثابت ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ ان کو مسلم ہے کہ نبوت غیر تشریعی جاری ہے اور نبوت تشریعی ختم اور بند ہے۔ اور آیت پیش کردہ سے اس پر دلالت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور بایدکہ ختم نبوت تشریعی پر قرآن سے دلیل پیش کریں۔ ورنہ آیت اپنی منطوق میں تشریعی اور غیر تشریعی پر مفصل اور ممیز نہیں۔ اگر اس سے جاری ہونا نبوت کا مراد لیا جائے گا تو ضرور اس کے ہمراہ شریعت کا جاری ہونا بھی سمجھا جائے گا۔ اور یہ خود فریق مخالفت کو مسلّم نہیں۔ پس اس سے حجت لانا ناتمام دلیل ہے اور تناقض ہے خود مسلمات خصم میں۔ پس جب تک جرح مرفوع نہ ہو، دلیل مستحکم نہیں۔ یہی حال ہے اور تمام آیات قرآنی کا، جو وہ پیش کرتے ہیں۔

پھر اگر ہم احادیث کو بالکل ترک کر دیں تو مسیح موعود کا دعویٰ اور ثبوت کسی کی بھی ضرورت نہیں رہتی ۔ کیونکہ قرآن کسی مسیح کے آنے کی خبر نہیں دیتا اور نہ اس کا ماننا ضرور قراری دیتا ہے۔ اگر قرآن ہی سے دلیل پیش کرنی ہے تو ہمارا مطالبہ ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب کی نبوت قرآن سے ثابت کرو۔ کسی آیت قطعی الدلالت سے جو اپنی منطوق میں اور کسی چیز کی محتاج ہو۔ ورنہ جرح اور احکام میدان وسیع ہے۔ پھر دیکھا جاتا ہے کہ جس قدر عربی رسالہ جات مصر، شام، افریقہ، عرب وغیرہ ممالک میں تبلیغ کے لیے ارسال ہوئے، ان میں محدثیت کا دعویٰ پیش کیا گیا ہے اور اس سے بعد کوئی تردید اس کی عربی رسائل کے ذریعہ نہیں کی گئی اور نہ دعویٰ نبوت مستقلہ پیش کیا گیا۔ کسی نے کہا الاستفتاء پیش کیا گیا ہے۔ میں نے کہا اسی پر فیصلہ کرلو۔ اس میں تو وہی نبوت جزئی اور مجازی کا دعویٰ ہے جو پہلے پیش کیا گیا ہے۔ وَسُمِّيْتُ نَبِيًّا مِنَ اللّٰهِ عَلٰى طَرِيْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰى وَجْهِ الْحَقِيْقَةِ. یہ تو تردید نہیں، بلکہ تائید ہے سابقہ دعویٰ کی۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ ۔

خاکسار

نذر علی از پشاور

22مارچ1920ء

قسط دوم

میں پہلے کون تھا

سکھی کی حالت میں مَیں بہت اچھی حالت میں تھا۔ جہاں کہیں جاتا بحیثیت ایک گرنتھی سنگھ ہونے کے سکھ صاحبان میری بڑی مان پرتشھا د (تعظیم وتکریم) کرتے تھے۔ اچھے سے اچھے کھانوں سے میری دعوتیں کی جاتی تھیں۔ اکثر پاٹھوں پر علاوہ اناج وکپڑا وغیرہ کے (جو گرنتھ صاحب کی بھینٹ چڑھتی تھی) ایک معقول رقم بھی ہاتھ آتی تھی۔ اور ٹکنے چھکنے کی تو ہمیشہ ہی موج رہتی تھی۔ میرے رشتہ دار میرے پر نہایت مہربان تھے۔ بایں ہمہ مجھے اطمینان قلب حاصل نہ تھا۔ میری چِتا جس دستو کے پراپت کرنے کی تھی، وہ وہاں مفقود تھی۔ یعنی وہ توحید جو ایک ''اونکار'' کے شبد میں کچھ جھلک مارتی تھی۔ اس کا عملی ثبوت سکھوں میں بالکل موجود نہ تھا۔

یہاں اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر سکھ کوئی عمل خلاف تعلیم گرنتھ صاحب کرتے تھے تو پڑے کرتے، تم نے اس تعلیم کو کیوں چھوڑا۔ سو واضح ہو کہ اول تو یہ بات ہی ناممکن تھی کہ میں سکھ رہوں اور ان کی طرح گرنتھ صاحب کو سجدہ نہ کروں کیونکہ خود گرنتھی ہوکر اگر گرنتھ صاحب کو سجدہ نہ کرتا، تو کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ وہ مجھ کو اپنے میں شامل رہنے دیتے۔ وہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ میں سکھ رہوں اور گرنتھ کو سجدہ نہ کروں۔ دوسرے گرنتھ صاحب میں بعض مقامات پر توحید کے خلاف تعلیم دیکھی۔ جس کا ذکر انشاءاللہ آگے آئے گا۔

اپنی ابھلاکھاد (خواہش) کو پورا ہوتا نہ دیکھ کر سکھی کو بھی ترک کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اور اب کسی سچے مذہب کی تلاش کا خیال پیدا ہوا۔ عیسائیت سے تو پہلے ہی دل بیزار ہو چکا تھا۔ خیال آیا کہ اب اسلام کو کیوں نہ دیکھا جائے۔ شاید یہی وہ جہاز ہو، جو سنسار ساگر سے پار اتار کر شہنشاہ عالم کے دیس میں جا داخل کرے۔ لیکن اسی اثنا میں یہ تجربہ بھی ہو گیا تھا کہ کسی مذہب کی اصلیت کو اس کی دھرم پشتک میں دیکھنا چاہئے۔ اس لیے قرآن شریف کو پڑھنے کا عزم کیا۔ لیکن چونکہ عربی سے بے بہرہ تھا، اس لیے کسی مولوی کے قدم پکڑنے چاہے اور اس

خیال سے اکثر علمائے اسلام اور فقراء کرام سے ملنے جلنے لگا۔لیکن غرض پوری ہوتی نہ دیکھی۔جس سے ملتا وہ یہی ہدایت کرتا کہ مسلمان ہوکر قرآن کریم کو پڑھو۔اگر پھر بھی اس کی تعلیم کو اپنی غرض کے خلاف پاؤ، تو آپ کو اختیار ہے کہ چھوڑ دو۔اور ساتھ ہی انہوں نے اسلام کے موٹے موٹے اصول بھی مجھے سمجھائے۔قصہ کوتاہ مالیر کوٹلہ جا کر مشرف باسلام ہوا۔وہاں سے مفتی صاحب نے دو کتابیں نماز کے متعلق عنایت فرمائیں۔ان کو خوب پڑھا اور نماز پنجگانہ کا پابند ہوا۔قرآن کریم کے پڑھنے کا کئی بار مختلف اشخاص سے پربندھ کیا،لیکن اکثر ان کی عدیم الفرصتی کی وجہ سے محروم ہی رہا۔ان میں سے مولٰینا عبداللہ صاحب سنامی اور مولوی اکبر شاہ صاحب سنامی اور مولوی نور احمد صاحب سنامی اور صوفی فضل حق بیگ صاحب سامانوی میرے ان استادوں میں سے خاص ہیں۔اور مولوی نور احمد اور صوفی فضل حق صاحب کے ساتھ تو میں بہت عرصہ رہا ہوں۔ان ہر دو اصحاب کے ساتھ اکثر مزاروں پر جانے اور قوالی وغیرہ سننے کا اتفاق ہوا اور مجھے کھٹکا ہو گیا تھا کہ مبادا یہ مذہب بھی ترک کرنا پڑے۔کیونکہ اس مزار یا قبر پرستی کو میں شرک سمجھتا تھا۔اور اسی اثنا میں قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنے سے بھی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ قبر پرستی خلاف تعلیم قرآن پاک ہے۔لیکن کھٹکا اس کا تھا کہ کہیں سکھوں کی طرح ان رسوم کی غیر ادائیگی میں مسلمانوں کی نظروں میں ذلیل ہوکر اسلام سے خارج نہ کر دیا جاؤں۔لیکن چند ہی دنوں میں یہ اندیشہ یوں دور ہوا کہ اکثر عالم قبر پرستی کے خلاف ہی تھے۔مولوی صاحب اور صوفی صاحب کے بعد مولوی عبداللہ صاحب کی خدمت شروع کی وہ اچھے عالم شخص تھے اور اکثر مولود شریف کیا کرتے تھے۔مجھے گانے کا شوق تو شروع ہی سے تھا۔عیسائیوں میں رہا تو وہاں بھی گانا۔سکھوں میں رہا، وہاں بھی گانا۔اب مسلمانوں میں جو آیا، تو وہاں بھی قوالی اور نعت خوانی کا چرچا۔مگر قوالیوں سے چونکہ نعتیں کسی قدر اچھی تھیں، اس لیے مولٰینا عبداللہ صاحب کے ساتھ جا کر جہاں کہیں مولود ہوتا نعتیں پڑھا کرتا۔لیکن یہاں بھی کچھ دال میں کالا دیکھا۔یعنی ایک تو یہ لوگ نعتیں ایسی پڑھتے تھے، جو سرتا پا مشرکانہ ہوتی تھیں۔اور دوسرے ولادت نبی کریمؐ کے ذکر کے وقت یہ سمجھ کر کہ حضرت کی روح یہاں تشریف لاتی ہے، کھڑے ہو جاتے تھے۔مجھے یہ امر نہایت ناگوار معلوم دیا کہ اک دیشی کو سرب دیاپی مانتے ہیں۔کچھ دن تو خاموش رہا آخر نہ رہا گیا۔مولوی عبداللہ صاحب سے کہا کہ یہ امر مطابق شریعت ہے یا خلافِ شریعت۔فرمایا اس میں مَیں اپنی رائے دیتا ہوا شرماتا ہوں۔اور مجھے ایک کتاب دے کر کہا کہ اگر آپ اس کتاب کو پڑھیں، تو آپ کو خود ہی خبر ہو جائے گی کہ اسلام کی خالص تعلیم کیا ہے۔لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی یاد رکھیں کہ اس کتاب

کے مصنف پر کفر کا فتویٰ لگ چکا ہے۔اس جملہ نے اور بھی اشتیاق پیدا کیا کہ میں اس کو پڑھوں اور دیکھ لوں کہ ایک حامی اسلام کو کافر کیوں کہا جاتا ہے۔ کتاب ہاتھ میں لی، نام دیکھا تو تقویۃ الایمان مؤلفہ مولوی اسمٰعیل صاحب لکھا تھا۔خیر مولوی صاحب کی فرمائش پر اور شوقِ تلاشِ حقیقت اسلام سے کتاب کو خوب پڑھا۔اس میں ان تمام رسومات مثلاً مولود، قبر پرستی، شادی کے موقعہ پر نا جائز رسوم وغیرہ کو بدعت کے نام سے موسوم کیا ہے اور توحید کو اتنا واضح کیا ہے کہ پیر بخش یا سالار بخش یا محمد بخش وغیرہ ناموں کا رکھنا بھی خلافِ شریعت بتلایا ہے۔حتیٰ کہ حضرت اقدس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک کو ذات باری کی شان سے مقابلہ کرتے ہوئے ٹھیک وہی درجہ دیا ہے، جس کے وہ ذات باری کے مقابلہ میں مستحق تھے اور یہی ایک وجہ تھی کہ جس پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔لیکن جہاں تک میں نے اس کتاب کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ پکے مواحد اور سچے مسلمان اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا سے بڑھ کر مرتبہ دینے والوں میں سے ایک تھے۔اس کا ثبوت آپ کی کتاب مذکورہ کے دوسرے پہلو یعنی کلمہ طیّبہ کے حصہ ثانی سے بخوبی ظاہر ہے۔(باقی دارد)

۞۞۞

22 مارچ 1920ء

کلام مسعود

(از جناب سید مسعود شاہ مسعود۔ جموں)

سچ بتا تم میں ذرا وہم وگماں ہے کہ نہیں
ظلمتِ جور وستم تجھ پہ عیاں ہے کہ نہیں

تیرے منہ پر یہ سدا رہتی ہیں ابلق زلفیں
تجھ کو ان کوڑیا سانپوں سے اماں ہے کہ نہیں

تجھ کو غیروں کے صنم دیکھ کے کیوں ہے حسرت
تیرے دل میں بھی صنم کوئی نہاں ہے کہ نہیں

دیکھ اے فصلِ بہار اپنی پہ نازاں غافل
تیری امید کے گلشن میں خزاں ہے کہ نہیں

بحر توحید جو آقا نے تجھے تھا بخشا
تیری کھیتی میں بتا اب بھی رواں ہے کہ نہیں

تو نے گرنا ہی ہے سیکھا کہ سنبھلنا بھی کچھ
اس سنبھلنے کے لیے تجھ میں وہ جاں ہے کہ نہیں

ناوک انداز بنا جس کے ذریعے سے تو
دل میں اب بھی وہ تیرے آہ وفغاں ہے کہ نہیں

درد مندی تجھے جس شعلے نے سکھلائی تھی
آج بھی سینے میں کچھ اس کا دھواں ہے کہ نہیں

☆☆☆

جسم تیرے میں وہ اب پہلی سی جاں ہے کہ نہیں
اس ضعیفی میں بھی کچھ تاب وتواں ہے کہ نہیں

اس تجارت میں جو تو کرتا ہے کچھ سوچ کے دیکھ
آج کی سود میں کل تجھ کو زیاں ہے کہ نہیں

یاد ہے تجھ کو پھٹے کپڑوں میں اپنی شوکت
اس نئے سوٹ میں بھی اس کا نشاں ہے کہ نہیں

دیکھ کر کملی تیری سارا جہاں تھا عاشق
کوئی اب شال کے پیچھے بھی دواں ہے کہ نہیں

وجد میں ارض و فلک آتے تھے جس سے یکدم　　جوش زن اب بھی تیری صوت اذاں ہے کہ نہیں
جس سے حیراں فصیحان عرب تھے ہوتے　　وہ فصاحت تیری اورحسن بیاں ہے کہ نہیں

جس امانت کے تیری بوڑھے تھے حاملِ مسعوؔد
کوئی اب اس کے اٹھانے کو جواں ہے کہ نہیں

۞۞۞

31مارچ1920ء

مراسلات

احوالِ مدراس

حضرت امیر اور حضرت خواجہ صاحبان مدراس میں

(ہمارے خاص مدراسی نامہ نگار کی قلم سے)

کئی دنوں سے مدراس اور جنوبی ہند کے اخباروں، پرچوں اور رسالوں کے ذریعہ مسلم پبلک کو بالخصوص اور عوام کو بالعموم یہ جانفزا مژدہ سنایا جارہا تھا کہ شمالی ہند کے دو بزرگ، جن کی قلم اور زبان نے دنیائے مذہب میں ایک تلاطم برپا کر رکھا ہے، اور جو اسلام کی اصلی اور حقیقی تعلیم کو ہر جگہ آشکار کررہے ہیں، مدراس میں رونق افروز ہوں گے۔ اور اپنے معرکتہ الآرا لیکچروں سے تشنگانِ حق کی پیاس بجھائیں گے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی کی شخصیت مدت سے قرآن کریم کے انگریزی مترجم اور ایک اعلیٰ درجہ کے عالم کی حیثیت سے مشہور اور معروف ہورہی ہے۔ اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بھی ایک زمانہ سے یورپ کے مذہبی، اخلاقی اور روحانی اُستاد کی شکل میں اُفق شہرت پر تابندہ ستارہ کی طرح چمک رہے ہیں۔ یہ دو ہستیاں مسلمانانِ جہان کے لیے مایہ ناز ہیں۔ اگر مسلمانانِ مدراس اور دیگر اہالیان شہران ہر دو بزرگواروں کی زیارت کے لیے مضطرب اور بےقرار ہورہے تھے، تو وہ حق بجانب تھے۔ جس طرح گلِ رعنا کی شان دلربائی کو بڑھانے کے لیے زمین سے نوکِ خار بھی پھوٹ آتی ہے۔ اور گُل چین کے ہاتھوں کو زیبائش گل سے مستفیض ہونے سے پہلے کانٹا بھی اپنی دِلخراش ہستی کا ثبوت دے لیتا ہے، اسی طرح جہان انتہائے شوق دید میں اتنی آنکھیں منت کش انتظار ہورہی تھیں، وہاں چند ایک انسان منہ چڑھائے، ماتھے پر بل ڈالے، ابرو پرچین کیے، غم اور حزن میں پڑے سسک بھی رہے تھے۔ اور اپنے اندرونی بغض، عناد اور دشمنی کو قرطاسِ بیاض پر لاکر اپنے اندرونی سفلی جذبات کو ابدی رنگ دے کر ہر ایک کے ہاتھوں تک پہنچا چکے تھے۔

الغرض مخالفت بھی کچھ کم نہ تھی۔ تاہم 17 فروری کا دن مدراس پبلک کے لیے ایک خاص دن تھا۔ تمام شہر کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں اگر کوئی تذکرہ تھا تو یہی تھا۔ قہوہ خانوں، ہوٹلوں اور دیگر نشست گاہوں اور مجلسوں میں کوئی داستان چھڑ رہی تھی، تو اِنہی دونوں بزرگوں کی آمد کا قصہ تھا۔ دس بجے کے قریب گاڑی نے سنٹرل سٹیشن پر پہنچنا تھا، مگر لوگ پہلے ہی سے ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔ جن سے تمام پلیٹ فارم پُر ہو گیا اور تل رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ اس وقت لوگوں کے دلوں میں کیا جوش تھا، کیا کیا ولولے تھے، کس اخلاص اور محبت نے اُنہیں بے خود کر رکھا تھا۔ اگر یہ باتیں کسی کو معلوم کرنا ہوتیں تو صرف ان متجسس نگاہوں کو دیکھتا، جو بار بار اُٹھتی تھیں اور دور سے آنے والی گاڑی کے دھوئیں کو دیکھنے کے لیے بے صبر ہو رہی تھیں۔ آخر گاڑی آئی اور ٹھہر گئی۔ تمام لوگ دوڑ کر ان دو پیاری اور محبوب شکلوں کے استقبال کے لیے بڑھے، جو آہستگی سے گاڑی سے اُتر کر نہایت خندہ پیشانی سے ہر ایک سے مصافحہ کرنے لگے اور بغلگیر ہو کر اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ (10:49) کا ثبوت دینے لگے۔ بڑی شان اور تزک سے استقبال ہوا۔ بڑے اعلیٰ اور بلند اخلاق کا اظہار ہوا۔ محبت اور یگانگت کے حیرت کن تاثرات کے نہایت شاندار اور دلفریب نظارے ہوئے۔ سب بھائیوں سے مل کر ہمارے دونوں بزرگ مع اپنے رفقاء کے موٹروں پر سوار ہو کر یہاں کے رئیس اعظم جناب ملنگ احمد بادشاہ صاحب بی۔ اے کے دولت کدہ پر تشریف لے آئے۔ یہاں بادشاہ موصوف نے اپنے مسلم بھائیوں کے لیے اپنی شاندار کوٹھی کو نہایت خوبی اور عمدگی سے سجایا ہوا تھا۔ وہاں اُنہیں اُتارا اور شکر ایزدی بجالائے کہ خدا نے اس بنگلہ کو مبلغین اسلام کی موجودگی سے بقعۂ نور بنا دیا ہے اور اہل خانہ کو میزبانی کا فخر عنایت کیا ہے۔

دوسرے دن جناب مولوی صاحب عارضۂ بخار میں مبتلا ہو گئے، اس لیے سلسلۂ تقاریر کی ترتیب میں دیر ہو گئی۔ تاہم 20 فروری بروز جمعہ کو حضرت خواجہ صاحب کا لیکچر لال ہال مدراس میں مشتہر کر دیا گیا۔ تمام لوکل پرچوں کے ذریعے پبلک کو مطلع کر دیا گیا۔ لیکچر کا وقت 5 بجے مقرر ہوا اور صدر جلسہ عالی جناب جسٹس عبدالرحیم صاحب مقرر ہوئے۔ لوگوں کا شوق دن بدن بڑھ رہا تھا۔ اور رات دن بنگلہ پر، جو شہر سے دو تین میل کے فاصلے پر واقع ہے، ہجوم رہتا تھا۔ آخر 20 فروری آئی اور لوگوں کا اشتیاق اور بھی تیز ہونے لگا۔ لیکچر کا مضمون ''دین فطرت'' تھا۔

ہال 3 بجے ہی لوگوں سے بھرنا شروع ہو گیا۔ اور 4 بجے تک اِتنا ہجوم ہو گیا کہ خود منتظمین کے لیے جائے نشست نہ تھی۔ بہت سے لوگ سیڑھیوں پر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں کے کثیر اجتماع سے خوب شور ہونے لگا۔ بہت سے جلیل القدر اصحاب تو پہلے ہی سے پہنچ چکے تھے۔ طالب علم، تجار، وکیل، بیرسٹر، ایڈیٹر وغیرہ سب ہی قسم کے لوگ تھے۔ مگر جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے احباب کو مایوس واپس جانا پڑا۔ ٹھیک 5 بجے جناب جسٹس عبدالرحیم صاحب، حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اور ملنگ احمد بادشاہ صاحب مع چند اور احباب کے ہال میں وارد ہوئے۔ بلند چیئرز سے ہال گونج اُٹھا اور سب اِیستادہ ہو کر آداب بجالائے۔ صدر جلسہ نے مختصر مگر نہایت مدلل اور عمدہ پیرایہ میں ووکنگ مشن اور اُس کے عظیم الشان کاموں کا تذکرہ کیا۔ خواجہ صاحب کی دینی خدمات بیان کیں اور اسلام کے متعلق جو یورپ اور دیگر ممالک میں غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، اُن کے بدنتائج سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ اس کے بعد خواجہ صاحب کھڑے ہوئے۔ جس پر ایک اور زبردست چیئرز ہوئی۔ آپ نے قرآن شریف کی آیات تلاوت فرما کر انگریزی میں لیکچر دینا شروع کیا۔ لیکچر کے شروع ہوتے ہی ایک خاموشی کا عالم چھا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہال میں سوائے خواجہ صاحب کے دوسرا کوئی انسان موجود نہیں ہے۔

آپ نے ''دین فطرت'' پر ایک عجیب ڈھنگ سے بحث کی اور اسلام کے تقدس اور رعب کو ایسا دلوں پر مستولی کر دیا کہ حیران ہوں کہ اُس کو کس طرح ظاہر کروں۔ پہلے آپ نے حاضرین کی صحیفۂ قدرت کی طرف توجہ مبذول کی اور بتایا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہر وقت اور ہر آن شاہراہ ترقی پر گامزن ہو رہا ہے۔ مادہ گونا گون مدارج ترقی طے کرتا ہوا رنگا رنگ کی اشکال میں فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ (14:23) کا راگ الاپ رہا ہے۔ مگر موالیدِ قدرت کی یہ سب ترقیاں ایک سلسلہ قانون کی مرہون ہیں۔ جو ایک نظام اور ترتیب کے ماتحت رکھ کر ان کی نشو و نما کر رہا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز نہیں جو ترقی نہ کر رہی ہو، اور دنیا کی کوئی ترقی ایسی نہیں جو کسی قانون کے ماتحت نہ ہو رہی ہو۔ پس ہر ایک کائناتی ذرہ کی ترقی کا راز اطاعت ضوابط میں مضمر ہے۔ یعنی قدرت کی ہر ایک شے کا مذہب یا اُس کی ترقی کی راہ پابندی قانون پر ہے۔ اسی کو عربی میں لفظ اسلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسلام کہتے ہیں قانون کی اطاعت اور فرماں برداری کو۔ لہٰذا ہر شجر و حجر، ہر لعل و گوہر، ہر پرند و چرند۔ غرضیکہ تمام مخلوقاتِ خداوندی کا مذہب، مذہب اسلام ہے۔ اس مفہوم کو قرآن کریم اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَاللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ

(19:3) کے الفاظ سے ادا کرتا ہے۔ انسان بھی چونکہ قدرت کا ایک جزو ہے، لہٰذا اس کا مذہب بھی اسلام ہی ہوسکتا ہے۔ پہلے اس کی حیوانی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا وہ حصہ، جس کا تعلق ارادہ اور تعقل سے نہیں، اپنا وہی مذہب رکھتا ہے جو نیچر کی دوسری مخلوقات کا ہے۔ یعنی قانون کی پابندی۔ انسان کی جسمانی زندگی شروع سے اسی طرح ظہور پذیر ہورہی ہے، جس طرح درخت اور پہاڑ وغیرہ سے۔ مثلاً آنکھ دیکھنے سے، کان سننے سے، زبان چکھنے سے اور ہاتھ چھونے سے کبھی بیزار نہیں ہوتے۔ اور اپنے اپنے حلقۂ کار میں خوب مصروف ہیں۔ اب انسان کی اخلاقی اور روحانی زندگی کو زیرفرمان قانون ماننے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، کیونکہ یہاں انسان کا عقل اور ارادہ بھی کام کرتا ہے۔ اور چونکہ عقلِ انسانی میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے خداوند تعالیٰ سے کوئی دستورالعمل مقرر ہوتا ہے، جو انسان کی اخلاقیات اور روحانیات کی اصلاح کرتا رہتا ہے۔ یہ دستور العمل ہر زمانہ میں ہر قوم کے پاس حسب حالات اور ضروریات آیا اور اس کو لانے والے خدا کے برگزیدہ نبی ہوئے۔ جو کبھی آدمؑ کی شکل میں ظاہر ہوئے، کبھی موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بن کر آئے۔ کبھی کرشن جی اور بدھ مہاراج جیسے مقدس ناموں سے موسوم ہوئے۔ اور بالآخر تمام نسل انسانی میں وحدت قائم کرنے اور شریعت کو مکمل اور اتم بنانے کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار شخصیت میں ظہور پذیر ہوئے۔ جن کے بعد نہ کسی شریعت کی ضرورت رہی اور نہ کسی نبوت کی۔

الغرض خواجہ صاحب کا لیکچر ایک جادو تھا۔ جو برق کی طرح طبیعتوں میں جذب ہورہا تھا۔ حاضرین خوشی اور جوش سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ انگریزی لیکچر کے بعد بعض احباب کی تحریک پر خواجہ صاحب نے اس کا اردو ترجمہ بھی سنادیا۔ جس سے حاضرین اور بھی زیادہ محظوظ ہوئے۔ لیکچر کے ختم ہونے کے بعد انگریزی اخبار ''ہندو'' کے ایڈیٹر نے نہایت پُر زور الفاظ میں لیکچر کی تعریف کی اور خواجہ صاحب کا شکریہ ادا کیا اور اسلام کی وسعت اور رفعت کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ حاضرین کی لیکچر کے بعد یہ حالت تھی کہ سب کے سب سراسیمہ وار خواجہ صاحب کی طرف دوڑے آئے، مصافحے کرنے لگے اور ہر طرف سے تعریف کی آوازیں آنے لگیں۔ لوگ ان مولویوں سے اپنی بیزاری ظاہر کرنے لگے۔ جو ہر نیک تحریک اور ہر نیک کام اور ہر نیک شخص کی مخالفت اپنا فرض جانتے ہیں۔ اب اتوار کو وکٹوریہ ہال میں جو لال ہال سے بھی بہت بڑا ہے خواجہ

صاحب کا دوسرا لیکچر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ جس کی تفصیلی کیفیت آئندہ سپرد قلم کی جائے گی۔ آخر میں تمام قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ جناب مولانا محمد علی صاحب کی فوری صحت کے لیے داعی بدرگاہ الٰہی ہوں۔ کیونکہ اُن کے لیکچر کے لیے بھی یہاں کے لوگ بہت شائق ہو رہے ہیں۔ والسلام والا کرام

31مارچ1920ء

قسط سوم وآخر

میں پہلے کون تھا؟

اُنہی دِنوں میں سنام میں آریہ پنتھ کا دن شروع ہوا۔ یہ لوگ خواہ مخواہ ہر ایک کو چھیڑتے چھاڑتے تھے۔ مجھے بھی اُن کے مذہب کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ ستیارتھ پرکاش گورمکھی کا دیکھا۔ قریباً سب مذہبوں پر حملے کیے ہوئے پائے۔ لیکن یہ کوئی ایسی بُری بات مجھ کو معلوم نہیں ہوئی۔ کیونکہ ہر ایک شخص اپنے مذہب کی صداقت بیان کرتے وقت دوسرے مذاہب کے نقائص بیان کرتا ہے۔ لیکن بُری اگر تھی تو یہ بات تھی کہ بعض مذاہب پر بے جا حملے کیے ہیں۔ سب مذاہب سے تو مجھ کو گو کما حقہ واقفیت حاصل نہ تھی، تاہم جن مذاہب سے کچھ واقفیت تھی، اُن کے بارے میں کم از کم اتنا اندازہ تو میں ضرور لگا سکتا تھا کہ فلاں اعتراض ان پر عائد ہوسکتا ہے یا کہ نہیں۔ مثلاً سکھ مذہب کے بارہ میں سوامی جی لکھتے ہیں کہ گورونانک جی سنسکرت نہ جانتے تھے۔ یہ تو مجھے بھی علم نہ تھا (اور نہ اب تک ہے) کہ گورونانک جی سنسکرت جانتے تھے یا نہیں۔ لیکن اس دعویٰ کی جو دلیل بیان فرمائی ہے کہ اگر گورو صاحب سنسکرت جانتے ہوتے تو ''بھے'' لفظ کو ''بھؤ'' کیوں لکھتے۔ اسی سے ہی ثابت ہوگیا کہ سوامی جی نے گرنتھ کو غور سے نہیں پڑھا۔ کیونکہ جپجی میں تو محض ایک مرتبہ یہ لفظ آیا ہے، لیکن آسا کی وار میں جہاں کئی مرتبہ یہ لفظ آیا ہے، وہاں ''بھے'' اور ''بھؤ'' دونوں صورتوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور وہ یوں ہے ؎

شلوک

بھے وچہ پون وہے صدواؤ　　　بھے وچ چلہہ لکھ دریاؤ

بھے وچ اگن کڈھِ ویگار　　　بھے وچ دھرتی دبی بہار

بھے وچ اند پھرے سر بھار　　　بھے وچ راجا دھرم دوار

بھے وچ سورج بھے وچ چند　　　کوہ کروڑی چلت نہ انت

بھے وچ سُدھ بُدھ سُرناتھ   بھے وچ آڈا نے آکاس

بھے وچ جودھ مہابل سور   بھے وچ اوہ جادو پور

سگلیا بھو لکھیا سرلیکھ   نانک نربھو نرنکار سچ ایک

نانک نربھونرنکار ہو لیتے رام روال

اس شبد سے معلوم ہوا کہ گوروصاحب کو''بھے''اور''بھو'' دونوں شبد آتے تھے۔ پھر سوامی جی نے لکھا ہے کہ گرنتھ میں یہ تُک لکھی ہے کہ۔

ویدپڑھت برھمامرے چاروں ویدکہانی   سنت کی مہاویدنہ جانے برہم گیان آپ پرمیشور

پھر اس پر اعتراض کیا ہے کہ اگر برہما مر گیا، تو کیا گورونانک زندہ رہے وغیرہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گورونانک جی نے ویدوں کی بالکل تردید کی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا مذکورہ بالا اشعار گورونانک جی کے اچارے ہیں یا نہیں۔ سو واضح ہو کہ پہلا شعر (ویدپڑھت برہما مرے چاروں ویدکہانی) یہ تو تمام گرنتھ ہی میں مجھ کو نہیں ملا۔ ممکن ہے کسی اور سکھ یا آریہ بھائی کو ملا ہو۔ اور باقی کے دوشعر بھی سری گورو ارجن کی کلام ہے، نہ کہ نانک جی کی۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اس پرکار کے لغو اعتراضات پڑھ کر ستیارتھ پرکاش اور آریہ سماج کی نسبت کیا گمان کرسکتا تھا۔ یہی نا کہ جس مذہب کا گورو جھوٹا، وہ مذہب بھی جھوٹا۔ لیکن تاہم اسلام کے متعلق جو اعتراضات تھے، اُن کے جوابات کو بہ کلی جاننا اپنا فرض سمجھا۔ اور اسی دھن میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے کتب تردید آریہ مثل ''ترک اسلام''، ''حق پرکاش'' بجواب ستیارتھ پرکاش، تبر اسلام، تغلیب الاسلام، حدث مادہ، حدث وید، تناسخ چکر، دیانند کا علم وعقل وغیرہ منگوائیں۔ اور نیز ایک رسالہ اہل حدیث کا مذہب بھی منگوایا اور''اہل حدیث'' بھی اپنے نام جاری کروالیا۔ پھر کیا تھا ایک کافی سٹاک اسلام کی تائید اور ہنود کی تردید کا میرے پاس ہوگیا۔ کتاب اہل حدیث کا مذہب پڑھ کر تقویۃ الایمان سے جو تقویت ایمان کو پہنچی تھی۔ اس کی محکم بنیاد دل میں مستقیم ہوگئی۔ پھر کیا تھا، اپنے اُستاد مولوی عبداللہ صاحب کو صاف کہہ دیا کہ اگر آپ بروئے شریعت قیام مولود

کو بدعت سمجھتے ہیں، پھر کیوں اُس کو ترک نہیں کرتے۔ کچھ شرما کے جواب دیا کہ میں اب تو روپیہ کے لالچ میں ایسا کرتا رہا ہوں، لیکن اب میں متوکل علی اللہ ہو کر اپنے ایمان کے بدلہ دنیا کی ثَمَنًا قَلِيْلًا (41:2) کو نہ خریدوں گا۔ اور ایسا اتفاق ہوا کہ اسی روز ایک جگہ سے مولود کی دعوت آئی۔ ہم دونوں مولود پڑھنے گئے۔ مولوی صاحب نے مولود پڑھا، میں نے نعت پڑھی۔ اور جب درود کا وقت آیا تو سب اہل محفل کھڑے ہو گئے، سوائے ہم دونوں کے۔ اُس روز کے بعد پھر کسی نے ہم کو نہیں بلایا۔ مولوی صاحب کا تو روپیہ گیا اور میری نعت خوانی گئی۔ شہر کے اکثر مسلمان ہم کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ جب کبھی ہم بازار کو نکلتے، تو صوفی لوگ (قبر پرست جن کا سنام میں بہت چرچا ہے) ہمیں چڑانے کو ہمارے سامنے زور زور سے یا رسول اللہ، یا رسول اللہ کے آوازے کستے۔

کچھ روز بعد دانہ پانی نے زور کیا تو میں معہ اپنی والدہ اور ہر دو بھائیوں کے موضع بدلادہ میں جا رہا۔ یہاں آریوں کی ابھی سنگا سلگی ہی تھی۔ چند روز بعد یہاں آریوں کا پہلا سالانہ جلسہ ہونا قرار پایا۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کو چیلنج دیئے گئے۔ اُن دنوں بدلادہ میں مولوی عبدالرزاق صاحب احمدی سٹیشن ماسٹر تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ آریوں کے مقابلہ کے لیے مولوی عبدالحق صاحب ودیارتھی کو لاہور سے بلایا جاوے تو اچھا ہو گا۔ میں تو آپ کی ذات سے واقف نہ تھا، آخر مشورہ یہ قرار پایا کہ مولوی عبدالحق صاحب ہی کو بلایا جائے۔ بات کیا تھی؟ مولوی عبدالحق صاحب تشریف لے گئے۔ آریوں سے مباحثہ ہوا اور خدا کی مدد سے اسلام کو فتح حاصل ہوئی۔ جناب مولوی صاحب موصوف سے معلوم ہوا کہ آپ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے ممبر ہیں۔ انجمن کی کارگزاریاں سن کر میں نے بھی اپنے ایام زندگی کو خدمت اسلام میں صرف کرنا مناسب سمجھا۔ اور اب قریباً ایک سال سے انجمن مذکور کے کارگزاروں میں ہوں۔ یہ میری مختصر سوانح تھی، جو پوری ہوئی۔ اب آئندہ پرچے سے سکھ مذہب کے حالات لکھے جائیں گے۔ انشاءاللہ

خاکسار
محمد یوسف
ضلع لاہور

31مارچ1920ء

مکتوب امروہہ

مورخہ 22 فروری 1920ء کو مولوی عصمت اللہ صاحب امروہہ میں تشریف لائے۔ چونکہ مولوی صاحب ممدوح اس سے قبل سال گذشتہ میں امروہہ میں آچکے تھے اور یہاں کے باشندگان کو اپنے مواعظ حسنہ سے اور ردّ آریہ سے مستفیض کر چکے تھے۔ اور پبلک کو آپ کے مواعظ سننے کا از حد اشتیاق تھا اور پہلے سے یہ معلوم تھا کہ مولوی صاحب تشریف لانے والے ہیں۔ چنانچہ 22 فروری کی شام کو ہی پبلک کی طرف سے یہ اصرار ہوا کہ آپ اپنے مواعظ حسنہ سے ہم کو پھر فیضیاب کریں۔

مولوی صاحب بڑے مستعد آدمی ہیں۔ حالانکہ تکانِ سفر تھا، مگر آپ نے ان کی درخواست کو رد نہ کیا۔ اور منظور کرلیا اور بوقت شب قریب 8 بجے آپ کا لیکچر شروع ہوا۔ اُس میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق شریفہ اور اوصاف حمیدہ قرآن و حدیث سے بیان کیے۔ یہ لیکچر آپ کا 11 بجے ختم ہوا۔ 23 فروری کی شب کو اسی جگہ کے لیے اعلان کردیا گیا۔ آپ کا دوسرا لیکچر بھی 8 بجے شروع ہوا۔ جس میں آپ نے دوزخ و جنت کی فلاسفی بیان کی کہ جنت کیا ہے اور دوزخ کیا ہے۔ اور پھر آپ نے نماز کی فلاسفی پر روشنی ڈالی۔ یہ لیکچر بھی 12 بجے شب ختم ہوا۔ 24 فروری کے لیے پھر اعلان کردیا گیا۔ آپ کا تیسرا لیکچر محلّہ پیرزادگان میں ثروت حسن صاحب کے مکان میں ہوا۔ جس میں خلافت کے مسئلہ پر روشنی ڈالی۔ قریب 12 بجے لیکچر ختم ہوا۔ 25 فروری کے لیے ڈاکٹر اظہرالدین صاحب نے اپنے مکان میں لیکچر ہونے کا اعلان کیا۔ چنانچہ 25 کی شب آپ کا چوتھا لیکچر شروع ہوا۔ جس میں اس مسئلہ پر کہ اللہ تعالیٰ اور شیطان میں کیا فرق ہے اور شیطان کس کو کہتے ہیں، روشنی ڈالی۔ یہ لیکچر بھی قریب ایک بجے ختم ہوا۔ اس درمیان میں شیعہ صاحبان کو اشتیاق ہوا کہ آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوں۔ چنانچہ اُن کے اصرار سے یہ درخواست مولوی صاحب نے منظور کرلی۔ اور 26 فروری کی شب کے لیے محلّہ شفاعت لونہ کے امام باڑہ کے لیے اعلان کیا گیا۔ پانچواں لیکچر آپ کا وہاں ہوا۔ جس میں قریب قریب دو ہزار کا مجمع تھا۔ آپ نے آیت مباہلہ سے فلسفہ شہادت بیان کیا۔ سامعین اس قدر محظوظ ہوئے کہ باوجود

زیادہ ہو جانے شب کے یہی اصرار تھا کہ ابھی اور بیان کریں مگر لیکچر ناتمام چھوڑا گیا۔ اور 28 کے لیے پھر اُسی جگہ کا اعلان کر دیا گیا اور اُسی مضمون پر آپ نے مزید روشنی ڈالی۔ یکم مارچ تک آپ کے لیکچر اس جگہ پر فلسفہ شہادت پر ہوتے رہے۔ بالاتفاق شیعہ صاحبان نے کہا کہ ایسے نکات و فلسفہ ہم نے اپنے ذاکرین و مجتہدین سے اب تک نہیں سنے تھے۔

مورخہ 2 مارچ کو آپ کا ایک لیکچر بوقت 3 بجے شام محلّہ گذری کے امام باڑہ میں ہوا۔ جس میں فلسفہ شہادت کا بقیہ بیان کیا۔ اور اسی شب کو بوقت 9 بجے محلّہ لکڑہ میں مسئلہ تصوف پر آپ نے لیکچر دیا۔ جو ایک بجے ختم ہوا۔ 3 مارچ کو پھر شفاعت پوتہ کے امام باڑہ میں آپ کا لیکچر ہوا۔ 4 مارچ کو میرے غریب خانہ پر آپ کا لیکچر ہوا۔ جس میں آپ نے بمقابلہ آریوں کے مسئلہ تقدیر کو خوب واضح طور پر بیان کیا۔ سامعین بہت محظوظ ہوئے۔ 5 مارچ کو آپ کا لیکچر مولوی عبدالعزیز صاحب کے مکان پر عصمت انبیاء پر ہوا، اور اس مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ 6 مارچ کو آپ کا لیکچر محلّہ مٹھی کے امام باڑہ میں اسی مسئلہ پر ہوا۔ کل جو لیکچر بوقت زیادہ ہو جانے وقت کے ناتمام رہ گیا تھا، اُس کو پورا کیا۔ 7 مارچ کو آپ کا لیکچر محلّہ مٹھی کے امام باڑہ میں ہوا جو بہت پسند کیا گیا۔ یہ لیکچر مسئلہ دعا پر تھا۔ کیونکہ مولوی صاحب کو متواتر لیکچروں کی وجہ سے کسی قدر ضعف دماغ ہو گیا، اس لیے تین دن کا توقف کیا گیا۔ 10 مارچ کو محلّہ دانشمندوں کے امام باڑہ میں وید اور قرآن شریف کی تعلیم پر ایک لیکچر ہوا۔ جو سامعین نے بہت دلچسپی سے سنا۔

ہم لوگ آپ کے بہت مشکور ہیں کہ امروہہ میں ایک منافرت، جو مابین شیعہ و سنی سال گذشتہ سے چلی آتی تھی، وہ مولوی صاحب کے لیکچروں سے دور ہو گئی۔ ہر لیکچر میں مولوی صاحب نے اتحاد و اتفاق کا بیان کیا اور اتحاد و اتفاق کی خوبیاں اور منافرت کی بُرائیاں بھی آپ نے خوب بیان کیں۔ جس سے امروہہ کی پبلک پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کمیٹی، جو 14 مارچ کو ہوئی، اُس میں اہل تشیع و سُنی ہر دو فریق شامل ہوئے اور وہ سلسلہ منافرت، جو مابین احمدیوں اور غیر احمدیوں کے پھیل گیا تھا، دور ہو گیا۔ مگر اکثر سنی اتفاق شیعہ سنی سے ناراض ہو گئے ہیں۔ تاہم مولوی صاحب کے لیکچروں میں شیعہ و سنی ہر دو شریک ہوتے رہے ہیں اور ہر جلسہ میں ہزار ڈیڑھ ہزار کا مجمع ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ یہ سلسلہ لیکچروں کا بہت اچھی طرح انجام پذیر ہوا اور 14 مارچ کی شام کی

گاڑی سے مولوی صاحب ممدوح لکھنؤ تشریف لے گئے۔

خاکسار **محمد یعقوب** از امروہہ

۞۞۞

11 اپریل 1920ء

روئیداد

مسٹر پکتھال کی اہلیہ کا قبول اسلام

برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس ہفتہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک اور انگریز خاتون داخل حلقہ اسلام ہوئیں۔ یہ خاتون مسٹر مارمڈیوک پکتھال کی اہلیہ ہیں۔ مسٹر مارمڈیوک کو تو اسلام قبول کیے کوئی دو سال کا عرصہ ہوگیا اور اس عرصہ میں اُنہوں نے اسلام کی جو خدمات کی ہیں، مسائل اسلامیہ بالخصوص ٹرکی کے مسئلہ میں اُنہوں نے تحریری وتقریری جو کچھ جدوجہد کی ہے، اس سے ہندوستان کے اکثر مسلمان واقف ہیں۔ آج کل بھی وہ ان اسلامی کاموں ہی میں اپنے وقت کا کثیر حصہ صرف کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا مکرمی ومخدومی خواجہ کمال الدین صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد وہ لندن مسلم ہاؤس میں جمعہ کی امامت بھی کراتے رہے ہیں۔ لیکن خاوند کی ان اسلامی خدمات اور سرگرمیوں کے باوجود اس آزاد ملک میں بیوی کا بھی اس کا ہم خیال اور ہم عقیدہ ہونا ضروری نہیں۔ نہ ہی یہ ہوتا ہے کہ کسی مرد کے مسلمان نہ ہونے سے اُس کی عورت کو قبول اسلام کی جرأت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسٹر پکتھال کی اہلیہ صاحبہ کے قبول اسلام کے اعلان کی مسرت آج ہمیں حاصل ہوئی ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ ووکنگ مسلم مشن کے نومسلمین کس قدر کافی عرصہ تک تحقیقات اور غور وفکر کرنے کے بعد مسلمان ہوتے ہیں اور اُن کے دلوں پر اسلام کا کس قدر زبردست اثر قائم رہ سکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاتون موصوفہ کو اپنے خاوند کی طرح خادمہ دین اسلام بنائے اور وہ دوسروں کے لیے نیک نمونہ ثابت ہو۔ آمین۔

21اپریل1920ء

اداریہ

حضرت امیر اور مولٰینا نذر علی صاحب میں کوئی اختلاف نہیں

انسان کے اندر متعدد اعضائے حساسہ ہیں، جن کے بل بوتے پر ہم زندگی کے ہر ایک لمحے مختلف اشیائے عالم پر حکم لگاتے رہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کے لیے کسی شے کی حقیقت ماہیت اور اصلیت تک پہنچنے کے لیے ان حساسہ متعددہ کی برقی لہروں کے سوا اور کچھ نہیں دیا گیا۔ وہ جو کچھ معلوم اور محسوس کرتا ہے، انہی کے ذخیرہ تعلیمات سے اخذ کرتا ہے۔ دنیا نے جس قدر ترقی کی اور آئندہ جن ارتقائی منازل پر پہنچے گی، اُس کا زینہ انہی اعضائے حساسہ سے مربوط ہے۔ انہی کے صحیح طرزِ استعمال سے انسان جنت کا وارث ہوگا۔ اور اِنہی کے فساد پذیر ہونے سے دنیا دوزخ کے بلند اور عظیم شعلوں کے باعث تاریکی میں ہوگی۔ **وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ**. (10:67) پھر انسان اخلاقی اور تشریحی حیثیت سے باہم مختلف ہیں۔ اور اس نسبت سے ان کے اعضائے حساسہ بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی انسان ایک ہی شے کو بیماری، غم و غصہ، پیری اور ضعف کی وجہ سے مختلف طور پر محسوس کرتا ہے۔ ایک مریض کو، جس کے منہ کا ذائقہ بگڑ چکا ہے، شیریں اور خوشگوار پانی بھی کڑوا محسوس کرتا ہے۔ ایک ضعفِ بصر اور مائی اوپیا کا شکار دور سے ایک انسان کو حیوان سمجھ سکتا ہے۔ ایک گرانئ سماعت کا بیمار ایک دل نواز نغمہ کو کریہہ گالی سمجھ سکتا ہے۔ تاہم ان لوگوں کا تعصب اور فقدانِ احساس اس قدر قابل ملامت اور جائے طعن و تشنیع نہیں کہ جس قدر اس بے بصیرت انسان کا کہ جس کو اللہ تعالٰی نے آنکھیں دیں، پر وہ دیکھتا نہیں، کان دیئے پر وہ سنتا نہیں، دل دیا پر وہ سوچتا نہیں۔ **لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ * بَلْ هُمْ اَضَلُّ** (179:7)

---

* اللہ تعالٰی کا کلام ایسے لوگوں پر لفظ انسانیت کا اطلاق جائز نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالٰی کے ہاں تعصب اور بخل نہیں۔ خداوند عالم کے ان کو انسان کہہ دینے سے کچھ کمی واقع نہیں ہوتی۔ ایک نکتہ چین کہہ سکتا ہے کہ یہ تہذیب سے گری ہوئی بات ہے۔

ہمارے دوست ایڈیٹر الفضل کی حالت بھی مرضِ تعصب نے قریباً قریباً اسی حد تک پہنچا دی ہے۔ کسی نوٹ میں مَیں نے دکھایا ہے کہ اُن کے حاسہ شعور یہ میں اس قدر فتور واقع ہو گیا ہے کہ ان کو سراسیمگی، حواس باختگی اور ہوشیاری و چالاکی میں قطعاً تمیز نہیں رہی۔ آج اُن کے ایک تازہ پرچہ سے یہ معلوم کر کے اور بھی افسوس ہوا کہ آپ کو کسی چیز میں اتحاد و اتفاق اور اتصال کی بجائے افتراق وانشقاق نظر آنے لگ گیا ہے۔ جو نابینائی کی شروعات میں سے ہے۔ آپ نے الفضل کی دو متواتر اشاعتوں میں اس پر بہت زور مارا ہے کہ حضرت امیر اور مولانا نذر علی صاحب میں اختلاف ثابت کیا جائے۔ لیکن سوائے اس کے کہ اختلاف آپ کی نظر میں رہا، مضمون میں قطعاً سرمو اختلاف ثابت نہیں کیا جا سکا۔ کس قدر شرم اور ڈوب مرنے کی جا ہے ان لوگوں کے لیے کہ جو میاں محمود احمد صاحب کی ''نورانی شمع'' کے نیچے بیٹھ کر جھوٹ بولنے سے نہیں جھجکتے۔ ایڈیٹر الفضل اخبار مورخہ 29 مارچ کے صفحہ 6 پر لکھتے ہیں کہ:

> ''مرزا نذر علی صاحب مولوی محمد علی صاحب کے پیش کردہ دلائل کو سامنے رکھ کر لکھتے ہیں کہ میں ان توجیہات باطلہ وتاویلات بعیدہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ کیا امیر المومنین کی رائے اور اُن کے دلائل و براہین اور علم وتفقہ کا یہی اثر ہے کہ اُن کے ساتھی اُن کے دلائل کو تاویلات بعیدہ قرار دے کر صاف الفاظ میں کہہ رہے ہیں کہ ترکوں کی خلافت ہرگز آیت استخلاف کے ماتحت نہیں''۔

میں چیلنج دیتا ہوں ایڈیٹر الفضل اور اُن کے شہداء کو، وہ ثابت کریں کہ مولانا نذر علی صاحب نے یہ فقرہ کہ: ''میں ان توجیہات وتاویلات بعیدہ کو تسلیم نہیں کرتا۔'' حضرت امیر کے دلائل کی نسبت لکھا ہے اور بتلائیں کہ کیا حرف ''اُن'' کا مشارالیہ کہاں حضرت امیر کے دلائل کو قرار دیا گیا ہے۔ سُنو اور کان کھول کر سُن لو کہ مولانا نذر علی صاحب نے یہ فقرہ ''اُن'' توجیہات باطلہ اور تاویلات بعیدہ کے لیے استعمال کیا ہے کہ جو محمودی اور شیعہ حضرات خلافت فاسدہ کو ثابت کرنے کے لیے آیت استخلاف کی بنا پر پیش کرتے ہیں اور جن کا ذکر اس فقرہ کے

(بقیہ حاشیہ) پر اس نادان کو خبر نہیں کہ اس میں فی الواقع خدا پر حرف نہیں آ سکتا۔ ایسے لوگوں پر انسانیت کا اطلاق درحقیقت شرفِ انسانیت کا فقدان اور تکریم نسل انسانی کی تذلیل ہے۔

اوپر مذکور ہے۔ الفضل نے یہاں تحریف میں علمائے یہود کے کان کاٹ لیے کہ مولانا نذر علی صاحب نے جو فقرہ شیعانِ اولیٰ اور شیعانِ اُخریٰ کے متعلق لکھا تھا، اس کو حضرت امیر کے دلائل کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ یَکۡتُبُوۡنَ الۡکِتٰبَ بِاَیۡدِیۡہِمۡ ثُمَّ یَقُوۡلُوۡنَ ہٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ لِیَشۡتَرُوۡا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا فَوَیۡلٌ لَّہُمۡ مِّمَّا کَتَبَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ وَوَیۡلٌ لَّہُمۡ مِّمَّا یَکۡسِبُوۡنَ. (79:2) مولانا نذر علی صاحب نے اگر یہاں آیت استخلاف کے ماتحت خلافت ٹرکی کا انکار کیا ہے، تو روحانی خلافت کا انکار کیا ہے، نہ سلطنت کی خلافت کا اور خادم الحرمین الشریفین ہونے کا۔ یہ یاد رہے کہ مولانا نذر علی صاحب حضرت امیر کے خیالات سے متفق ہیں کہ آیت استخلاف کی خلافت مدت سے دو حصوں میں منقسم چلی آ رہی ہے۔ اس خلافت کا ایک حصہ روحانی (مجددین اور محدثین) ہے اور دوسرا بادشاہت اسلامیہ محافظ حرمین الشریفین۔ چنانچہ اس مضمون کے شروع میں مولانا خود صاف صاف فرماتے ہیں کہ:

''حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہٖ کا مضمون پڑھ کر میں نہایت ہی مسرور ہوا۔ اور اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ جیسا کہ میری تحقیقات تھی بالکل وہی خیال امیر المومنین کا بھی ہے۔ یہ بالکل صحیح نقل وعقل ہر دو سے ثابت ہے کہ امیر شام کے عہد سے، جبکہ امام حسین علیہ السلام نے خلع از خلافت کر لیا تھا، خلافت دو شعبوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ روحانی خلافت اور جسمانی یا دُنیوی خلافت۔''

اور آخر میں آپ فرماتے ہیں:

''ہماری رائے امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہٖ کی رائے کے متفق ہے'' ان صاف الفاظ اور تصریحات کے ہوتے ہوئے ایڈیٹر الفضل کی ہرزہ اور بیہودہ سرائی نہ صرف قابل افسوس، بلکہ لعنت کی مستحق ہے۔

دوسرے مضمون میں ایڈیٹر الفضل نے یہ لکھا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب تو یہ کہتے ہیں کہ محمودی مناظروں میں قرآن شریف کی رو سے بحث کرنے سے بھاگتے ہیں اور میرزا نذر علی صاحب یہ کہتے ہیں کہ محمودی حضرت (مرزا) صاحب کی کتابوں کی بنا پر بحث کرنے سے بھاگتے ہیں۔ یہ دونوں میں اختلاف ہے۔ سمجھ میں

نہیں آتا کہ ایڈیٹر الفضل کو اختلاف کی کونسی بات اس میں نظر آئی۔ اجی بھگوڑے ہمیشہ بھاگا ہی کرتے ہیں۔ جب قرآن کریم کی رو سے بحث کے لیے بلایا جاتا ہے، تو کہتے ہیں ہم حضرت صاحب کی کتابوں کی رو سے بحث کریں گے کیونکہ وہ حکم عدل ہیں۔ کیا وہ قرآن نہیں جانتے تھے، جو ہم اُن کی کتابوں کو چھوڑ کر بحث کریں۔ اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ اس متنازعہ فیہ مسئلہ کا فیصلہ حضرت صاحب کی کتابوں کی رو سے کرلو، تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف قرآن کریم کی رو سے مسئلہ کو طے کریں گے۔ اور جو کبھی ہمارے جیسے مل گئے اور کہہ دیا کہ آؤ دونوں کی رو سے کرلو، تو کہیں گے، نہ قرآن، نہ حدیث، ہم تو جنم ساکھی بھائی بالا کی رو سے نبوت مسیح موعود پر بحث کریں گے۔ اور اگر ہم نے اس نامعقول بات سے انکار کر دیا تو میاں محمود صاحب کی جے بولنے لگ جائیں گے۔

اِنَّمَا الْاُ مَّةُ بِا لْاَ خْلَاقِ مَابَقِيَتْ بَقَوْا وَاِنْ ذَهَبَتْ اَخْلَاقُهَا ذَهَبُوْا

طعن وتعریض اور خوردہ گیری کا مادہ جب اپنی معتدل حد تفہم سے بڑھ جاتا ہے، تو انسانی علم وعقل کی قسطاس مستقیم ایک خسیس بنیے کی ترازوئے واژگون کی طرح کسی جنس کے صحیح وزن کرنے کے قطعاً ناقابل ہو جاتی ہے۔ نادان بنیا اپنے ہاتھ کی چالاکی، زبان کی لسانی اور عیارانہ قابلیت سے ایک شریف انسان کو دھوکا دے کر اُس کو کسی قدر جنس کم دے دیتا ہے۔ اور اپنی اس کامیابی پر دل میں خوش ہوتا ہے۔ لیکن وہ قدرت کے اُس اٹل اور فطری قانون سے قطعاً ناواقف ہے کہ اُس کی اس کمینہ حرکت نے اس کے دل ودماغ کی اُس خداداد میزان کو ابدالآباد کے لیے کج کر دیا۔ **فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ** (5:61) نادان اس پر پھولا نہیں سماتا کہ اُس نے اپنی ناکردنی کرتوت سے بہت بڑا مادی فائدہ اُٹھالیا۔

کاش! اس کو اس حقیقت کا علم ہوتا کہ اُس نے اس فائدہ قلیلہ کی خاطر اپنی روح کی کس قدر گرانمایہ جنس کو کھو دیا۔ ہر ایک وہ انسان کہ جس کو عقل سلیم کا کچھ حصہ ملا ہے، بدبخت بنیئے کی اس پاجیانہ حرکت پر اظہار نفرت کرے گا۔ لیکن کس قدر رنج اور افسوس کا مقام ہے کہ مذہب، ہاں! روح انسانی کے حقیقی ماء الحیات کی اکتال اور میزان میں اس اخس اور اخبث فعل کو قطعاً قابل ملامت نہیں سمجھا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ، جنہیں کسی نورانی شمع کی روشنی میں بیٹھنے کا ادعا اور فخر حاصل ہے، اور وہ لوگ کہ جن کو **عَسٰٓی اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا** (79:17) کی نام نہاد بعثت ثانیہ کے حلقہ بگوش ہونے کا مرتبہ حاصل ہے اور پھر وہ لوگ جو ساکنانِ حرم

مقدس (کیونکہ حج کی اصل غرض اب بقول محمود قادیان میں حاصل ہوتی ہے) کہلانے کے مدعی ہیں۔ان لوگوں کی ہفت سالہ تحریروں، تقریروں اور تمام تر کوششوں کا حاصل میاں محمود کی جے جے کار اور مولوی محمد علی کی طعن و تعریض اور خوردہ گیری کے سوا اور کچھ نہیں۔ان ہفت سالہ اخبارات کے انبار کو ایک ایک کر کے دیکھو۔ان دونوں مضمونوں کے سوا اور کوئی مستقل مضمون نہیں دیکھو گے۔اس میں شک نہیں کہ یہ اُن کا لازمی، ضروری اور طبعی فرض تھا کہ جس گدی کو وہ قائم کرنا چاہتے تھے، اُس کے قیام کے لیے ہر ممکن کوشش وہ کرتے۔لیکن دنیا کے نابینا گروہ نے آگے بڑھنے کے لیے ابھی تک سوائے اس کے کچھ نہیں سیکھا کہ وہ دوسروں کو ہر ممکن ذریعہ سے گرانے کی کوشش کرے۔ باہمی بحث ومناظرے کسی امر کے تصفیہ کے لیے بلا شبہ نہایت مفید اور ضروری ہیں، لیکن جب مقصد کسی امر کو سمجھانا مقصود نہ ہو، بلکہ محض بغض وعناد اور غیرت کا اظہار کرنا ہو، تو سوائے اس کے کہ باہمی انشقاق اور افتراق کو وسیع کیا جائے، اور کوئی مفید نتیجہ ان سے پیدا نہیں ہوتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ بد قسمتی سے ہمارے محمودی دوست خوردہ گیری کے فن میں ماشاءاللہ بہت حد تک مشاق ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں۔

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

اور

تحریرات بزرگانِ جماعت

چھٹی جلد

انتخاب از رسالہ پیغام صلح جولائی 1920ء تا جون 1922ء

احمدیہ انجمن لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ

نے ادا کیئے ہیں

قرآنِ کریم کے عشق اور انسانی ہمدردی سے مخمور، جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور، جماعتِ احمدیہ لاہور کے احباب میں اپنے روح پرور درُوسِ قرآن کے حوالے سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ یہ درُوس وہ عمر بھر اپنی رہائش گاہ یا جماعت کے مراکز میں دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان کی اہلیہ محترمہ سلیمہ فاروقی مرحومہ مغفورہ کا جذبہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان دونوں نے اپنے پیچھے ایک ایسا ورثہ چھوڑ نے کا فیصلہ کیا جس سے جماعت کو اسلام کا پیغام دنیا کے دور دراز کونوں تک پہنچانے کے کام میں مسلسل امداد ملتی رہے۔ اس مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فاروقی صاحب نے اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد وقف کر کے فاروقی سلیمہ ٹرسٹ کی بنیاد رکھی اور اسے احمدیہ انجمن لاہور کی نگرانی میں دیا تا کہ اس کے فلاحی اور دینی کاموں، خاص طور پر قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتب کی طباعت، کے لیے مسلسل سرمایہ فراہم ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اس نیک کام کا اجر دے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

(غیر کاروباری مقاصد اور مفت تقسیم کے لیئے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس وقمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر
محمد اعظم علوی

حرفِ اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی چھٹی جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔ اس میں اخبار پیغام صلح 4 جولائی 1920ء تا 25 اکتوبر 1922ء سے انتخاب شامل ہے۔ عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔ حسب ضرورت قرآنی آیات کا اردو ترجمہ اور تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔

مسودہ کی تلاش و انتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کر رہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فروگذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہو گی۔

خاکسار محمد ارشد علوی

انچارج

شعبہ تالیف وتصنیف

<u>شخصیّت</u>

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لیے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؓ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمۃ القرآن جس کی ابتدا 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوا اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ و تفسیر 1922ء میں شائع ہوا۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی)

1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ و حواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجن آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اور اسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰنا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسّی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے، یعنی ''عشقِ قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کیے جائیں۔ اس غرض کے لیے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لیے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی، تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعتِ اسلام کے فروغ اور علومِ قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لیے بھی وسائل جمع کیے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظرِ ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لیے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولٰی کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلَہٗ وَ ارۡفَعۡ دَرَجَاتِہٖ۔

خاکسار

عامر عزیز الازھری بن عبدالعزیز

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

فہرست

11 جولائی 1920ء

مراسلات

قساوت قلبی

حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ نے ایک مضمون خلافتِ اسلامی کے متعلق 20 فروری 1920ء کو شائع کیا تھا۔ جس میں مولانا موصوف نے جزیرۃ العرب ومقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کو جزو خلافت تحریر فرمایا ہے۔ اور آیات قرآنیہ سے استدلال کر کے اپنے مفہوم کے پایۂ ثبوت کو مستحکم کیا ہے۔ نیز قرآن وحدیث سے یہ مستنبط فرمایا ہے کہ خلافت اسلامی کے قیام کی اسلامی دنیا کو اشد ضرورت ہے اور اس کا قیام، قیام اسلام ہے۔ بنا برین مدبرین برطانیہ کا یہ فرض ہے کہ اسلامی دنیا کی صدائے متحدہ کو بعد سماعت نظر انداز نہ فرماویں۔ کیونکہ اہل اسلام ترکوں کی خلافت کے سوا کسی اور قوم کی خلافت کی خواہشمند نہیں اور نہ ان کی استدعا ہے کہ خلافت ترکی سے چھین کر دوسری قوم کو دی جائے۔

خلیفہ کی معزولی و بحالی اہلِ اسلام کی متفقہ رائے پر موقوف ہے۔ غیر مسلم اقوام کو استحقاق نہیں کہ وہ اپنی رائے سے کوئی خلیفہ (بحال یا معزول) تجویز کر سکے۔ کیونکہ اوائل اسلام سے تا ایں دم متواتر یہی سلسلہ رہا ہے۔ اور نیز ہمارے ہادی ومولیٰ فداہ ابی وامی ﷺ کی طرف سے بھی اسی کی ہدایت ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ بخاری و مسلم بھی اسی کی مؤید ہیں۔ اور ان سے بین طور پر ثابت ہوتا ہے کہ خلافت اسلامیہ میں خلیفہ کے زیر اقتدار مقامات مقدسہ کی حفاظت و جزیرۃ العرب کی حکومت کا ہونا جزو لاینفک ہے۔ آیت فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (28:9) بھی اسی کی مؤید ہے۔ بنا بریں وجود خلافت زیر اقتدار مسلم خلیفہ سیاسی لابدی ہے۔ مگر حضرت امیر جماعت احمدیہ لاہور اور ان کے رفقاء کے دشمن قلبی ایڈیٹر الفضل اپنی قساوت قلبی کا فوٹو الفضل کے کالموں میں اس طرح کھینچتے ہیں کہ:

’’مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ساتھی خلافت ٹرکی کے لیے کیا کر رہے ہیں۔‘‘

الفضل کے کالم قبل اس کے بھی ایسے فضول مضامین سے ہمیشہ پُر ہوا کرتے ہیں۔ جیسا کہ بارہا مولٰینا ممدوح کو مخاطب کیا گیا۔ مگر حضرت موصوف نے ایسی لغو اور پوچ تحریر کے بالمقابل قلم اٹھانا خلاف شان تصور فرما کر اپنی مقدس ذات کو تضیع اوقات سے بچایا۔ مگر ایڈیٹر صاحب جام عداوت سے سرشار کب اپنی ذاتی عداوت سے باز رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ 21 جون 1920ء کے صفحہ 6 پر مولوی صاحب اور ان کے رفقاء کی نسبت دریافت کرتے ہیں کہ:

''خلافت ٹرکی کے لیے کیا کر رہے ہیں۔''

اب ہم ایڈیٹر صاحب سے اول یہ دریافت کرتے ہیں کہ احکامِ قرآنی آپ کے مسلمات میں سے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ کے مسلمات سے ہیں۔ تو یہ صریح انکار کیسا؟ اور اگر آپ قرآنی احکام کے منکرین میں سے ہیں تو معاف فرمائیں۔ نہ آپ کو اسلام سے تعلق اور نہ آپ کو احکامِ اسلامی سے واسطہ۔ پھر اس فضول مداخلت سے کیا حاصل! اب آپ اس بات کا جواب دیں کہ حدودِ سلطنت عثمانیہ کے اندر رہنے والا مسلمان بفحوائے آیہ کریمہ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ (59:4) ٹرکی کو اولی الامر ماننے کے لیے مجبور ہے یا نہیں؟ نیز ٹرکی حدود کا مسلم باشندہ بوجہ بغاوت منحرف اطاعت ہو کر خدا کے کس حکم کا مورد ہو سکتا ہے؟ اگر آپ کو دعویٰ اسلام ہے تو اس کا جواب دیں، ورنہ فضولیات سے باز آئیں۔

ایڈیٹر صاحب کے سارے مضمون سے مترشح ہے اور ہر مبصّر بھی صاف طور پر یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ ایڈیٹر صاحب بوجہ اپنی قساوت قلبی کے حضرت امیر کے خلاف گورنمنٹ برطانیہ کو اکسانا چاہتے ہیں۔ ورنہ آپ کے قلوب اس مسئلہ اسلامی کی صحت کے معترف ہیں۔ مگر بوجہ دشمنی لَیَکۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَھُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ. (146:2) کے دائرہ میں کھڑے ہو کر اپنی قساوت قلبی کا اظہار کر رہے ہیں۔ خدا ہدایت کرے۔

اب رہا یہ امر کہ جماعت احمدیہ کا متعلق مسئلہ خلافت کیا طرز عمل ہونا چاہیے۔ تو اس کے لیے فیصلہ ناطق خود حضرت امام الزمان کا کافی ہے۔ آپ اپنی تحریرات میں فرماتے ہیں کہ

''میں روحانی خلیفہ یا امام ہوں نہ سیاسی خلیفہ وحکمران۔''

جبکہ امام الوقت کا فتویٰ موجود ہے۔ جو ایڈیٹر صاحب کے مسلمات میں سے ہے۔ امام الوقت نے شاہ برطانیہ کو رعایا کے لیے اپنے بادشاہ یعنی شاہ برطانیہ کی اطاعت اولی الامر کی ذیل میں قلمبند فرمائی ہے۔

مقام غور ہے۔ جبکہ امام الوقت نے نصرانی بادشاہ کی اطاعت کو اطاعت اولوالامر تصور فرمایا ہے۔ اور خود کو معہ جماعت خود بھجوائے آیہ کریمہ بادشاہ نصاریٰ کی رعایا ہونے کی حیثیت سے مطیع گردانا ہے تو مسلم بادشاہ کی مسلم رعایا اپنے بادشاہ کو اولوالامر کیوں نہ گردانے۔

باوجود یہ کہ امام الوقت کا کھلا فتویٰ موجود ہو اور خود ایڈیٹر صاحب کی نظر سے بھی گزر چکا ہوگا۔ تو اب ایڈیٹر صاحب کو کس تعصب کی بنیاد پر یہ فضول ضرورت لاحق ہوئی کہ وہ اخبار میں یہ فقرہ درج کر کے حضرت مولوی صاحب اور ان کے رفقاء سے یہ دریافت فرما دیں کہ ''مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ساتھی خلافت ٹرکی کے لیے کیا کر رہے ہیں۔''

اخی المکرّم ارشدک اللہ! مولوی صاحب نے کتمانِ حق سے کام نہیں لیا۔ بلکہ عین ضرورت کے وقت اظہارِ حق کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہوئے۔ مگر

چشم بداندیش کہ برکند باد   عیب نماید ہنرش در نظر

احقر ابوالخلیل۔ مسلم مشنری۔ مسلم یونین۔ بمبئی

❁❁❁

11 جولائی 1920ء

احباب کا شکریہ

جن احباب نے بچہ کی پیدائش پر مجھے مبارکباد کے خطوط لکھے ہیں، ان سب کا علیحدہ علیحدہ جواب دینا بہت سا وقت چاہتا ہے، جو خدا چاہے تو کسی بہتر کام میں لگ سکتا ہے۔ لہٰذا یکجائی طور پر میں ان سب احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جو بات بالخصوص ان خطوط میں میرے لیے موجبِ خوشی ہے، وہ ان میں احباب کی خاص دعائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بچہ کو دین کا خادم بنائے یہی میرے دل کی بھی تڑپ ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ میرے احباب ان دعاؤں کو جاری رکھیں گے، بلکہ ان کو اور بھی عام کر کے جناب باری سے التجائیں کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے ہر نومولود کو اپنے دین کا سچا خادم بنائے تا کہ جب پہلے لوگ رخصت ہوں، تو ان کی جگہ لینے والے موجود ہوں۔ آمین۔

بچہ کا نام محمد احمد رکھا گیا ہے۔

محمد علی

❁❁❁

11 جولائی 1920ء

مبارک بصد تبارک

صد ہزاراں شکر ومنت ایزدِ باری تعال		کے تواند بندہ بیکس ثنائے ذوالجلال

لطف او مفتاح گنج وکرمِ او عقدہ کشا		چوں بجو شد رحم اوحل میشود عقدہ محال

پس بحمد اللہ کہ افضل وعنایات کریم		شد تولد پسر درخانہ امیر ذوالکمال

عمرِ خضرش طول بادا! علم حقانی نصیب		حشمتِ دارین حاصل بیکراں مال ومنال

خادم اسلام بادا! باکراماتِ عظیم		عامل قرآں حمید و ذاکرِ شیریں مقال

صد مبارک از حقیرے ناتواں عبدالحکیم		درحضورِفیض گنجورے امیرے خوش خصال

۞۞۞

یکم اگست 1920ء

مبارک باد

از نور محمد نائب ضلعدار نہر، کوٹ مٹھن، ڈیرہ غازیخان

شکر ہے خداوند باری تعال کہ قادر توانا ہے وہ ذوالجلال

سنا ہے بہ کاشانہ حضرت امیر دیا حق نے بچہ بفضلِ کبیر

مبارک ہو حضرت کو یہ پاک لال خرد مند، خوش خو، مبارک خصال

بمثل پدر، اے خدا یہ پسر محمدؐ کا خادم بنے سر بسر

ہو افضال ایزد سے معمور یہ اور انوارِ دیں سے ہو پُرنور یہ

یہی آرزو میری ہے اے خدا کہ تو اس کا ہو پاسباں اے الٰہ

بڑی عمر والا ہو یہ نونہال

مسلمان ہو، دیندار اور باکمال

یکم اگست 1920ء

مراسلات

حضرت امیر ایدہ اللہ کی تقریر شملہ میں

کل اتوار مورخہ 18 جولائی 1920ء بوقت 3 بجے دوپہر کو جین سبھا ہال میں حضرت امیر کی تقریر ''مسلمانوں کی ترقی اور تنزل کے اسباب'' پر ہوئی۔ ہال، جس میں کہ دو ہزار سے زائد آدمی بیٹھ سکتے ہیں، کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اور احباب کا وہ ہجوم تھا کہ تِل دھرنے کو بھی جگہ نہ تھی۔ یہاں تک کہ دروازے کے باہر اور کھڑکیوں کے اردگرد بھی پبلک دیوانہ وار جمع ہو رہی تھی۔

بمطابق پروگرام سب سے اول سیکرٹری صاحب نے اس تجویز کو پیش کیا کہ مولوی غلام محمد صاحب وکیل ندوۃ العلماء اس جلسہ کے صدر ہوں۔ اور حاضرین جلسہ کی کثرت رائے سے وہی صدر منتخب ہوئے۔ جنہوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں حضرت امیر کی خدماتِ اسلام پر ایک نہایت مختصر لیکن نہایت دلچسپ تذکرہ کیا۔ اور اہل اسلام کی طرف سے ''ترجمہ قرآن کریم انگریزی'' کا تہ دل سے شکر گزار ہوئے۔

سب سے اول جناب صوفی شمس الدین صاحب کے فرزند رشید عزیز محمد عیسیٰ ابن مریم نے جن کا سنہٗ کوئی آٹھ سال کے قریب ہوگا۔ قرآن کریم کا ایک رکوع نہایت ہی دلسوز اور خوش الحالی سے پڑھا۔ بہت احباب حیران تھے کہ ایک چھوٹا سا بچہ قرآن کریم کو کس خوش اسلوبی اور حسنِ آواز سے پڑھ سکتا ہے! ان کے بعد ہمارے نوجوان مولوی اور ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب نے ایک زبردست نظم مبنی بر اتفاق بین المسلمین پڑھی۔ بعض اشعار حاضرین پر رقت طاری کر دیتے تھے۔ الغرض انہوں نے اس مضمون کو کہ جب موجودہ حالات میں ہندو مسلمانوں کا ساتھ دے رہے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ایسے نازک وقت میں مسلمان کہلانے والے اپنے نفع ونقصان کو سوچ کر کہ محض اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے فروعی اختلاف کو خیر باد کہہ کر رسولِ خدا ﷺ کی شان احمدی کو پورا نہیں کرتے۔

ان کے بعد صاحب صدر دوبارہ اٹھے۔ اور حضرت مولٰینا کی خدمت میں استدعا کی کہ وہ اپنی وسیع معلومات سے پبلک کو بہرہ اندوز فرمائیں، حضور نے سورہ البقرہ کی سب سے اول ابتدائی آیات کی تلاوت فرما کر اصول اسلامی کی طرف توجہ دلائی۔ مسلمانوں کی موجودہ وقت کی حالت کی نہایت رقت، درد اور سوز سے نقشہ کھینچا۔ کون درد والا مسلمان ایسا ہوگا۔ جو حضرت کے دل سے نکلے ہوئے الفاظ کو قدر و منزلت سے نہ دیکھتا ہوگا پھر حضرت نے مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے کی نصیحت فرمائی اور بتلایا کہ اب بھی اگر تم زندہ قوم بن سکتے ہو تو صرف ان کی سادگی اور طرز زندگی پر عمل کرنے سے ہی زندہ رہ سکتے ہو۔ جب تک الفاظ کے ساتھ عمل نہیں کیا جاتا، اس وقت تک ہرگز ہرگز ترقی نہیں ہوسکتی۔

متعدد قرآن کریم کی آیات اور کئی احادیث صحیحہ حضرت نے اپنے اسی قول کی تائید میں پیش کیں۔ اور تنزل کی بہت سی وجوہات میں سے زبردست وجہ یہ بیان فرمائی کہ پہلے ہر ایک مسلمان اپنے آپ کو داعی الی اسلام سمجھتا تھا۔ اور اسلام کے لیے اتنا درد رکھتا تھا کہ دنیا کی خواہشات اور موت کو بالکل ہیچ سمجھتا تھا۔ محبوب ترین فعل ان کے لیے اگر تھا تو یہی کہ محبت واخوت سے اخلاقاً لوگوں کے دلوں پر فتح پالینا۔ الغرض ان کی قوت قدسی کی بدولت لاکھوں انسان اسلام کے جھنڈے تلے داخل ہوئے۔

بدقسمتی سے موجودہ زمانہ میں ہم مسلمان اسلام کے لیے کوئی درد دل میں نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی اس کی اشاعت میں کوئی حصہ لیا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص خدمت اسلام کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ تو اس کے رستہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔

دوسری زبردست وجہ حضرت نے مسلمانوں کے باہمی بغض وکینہ کو اسلام کے تنزل کا سبب گردانا۔ اور حاضرین جلسہ پر ثابت کیا کہ مسلمانوں کو جب کبھی تکلیف کا سامنا دیکھنا پڑا تو محض خانگی عداوت کے باعث، واِلّا مسلمان ایسے کمزور ہرگز ہرگز نہیں کہ کسی دیگر قوم سے دب جائیں۔

یورپین اقوام جو بالخصوص عیسائی ہیں، انہوں نے اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ہمیشہ اسی باہمی تفرقے سے ہی فائدہ اٹھایا۔ پس مسلمانوں کو داعی الی الاسلام کی دعوت دیتے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے کہ باہمی بغض وکینہ اور فروعی اختلاف کو چھوڑ دو۔ اور بزور دلائل مسلمانوں پر ثابت کرتے ہوئے کہ جب قرآن کریم

یہ فرماتا ہے کہ تم بتوں اور جھوٹے معبودوں کی بھی بے جا طعن و تشنیع نہ کرو۔ اور جب ہندو اس وقت تمہارے ساتھ تمہاری تکلیف میں متحد اور مدد ہیں۔ تو پھر تم بھی مسلمانوں میں سے کسی فریق کے بزرگ کو بُرا یا کافر نہ کہو۔ کیونکہ نفرت پیدا ہوتی ہے یا تو کفر کے فتوؤں سے یا کسی فریق کے بزرگ کو بُرا کہنے سے وغیرہ۔ آخر پر ارشاد فرمایا: اور نہایت زبردست مؤثر طریقہ سے ثابت کیا کہ اگر مسلمان صرف ''زکوۃ'' کے نظام کو اپنے ہاتھ میں لے لیں تو بہت جلدی خدا نے جو ہوم رول "Home Rule" مسلمانوں کو عطا فرمائے ہوئے تھے ان کو وہ لے لیں اور کروڑوں روپے کے مالک بن جائیں۔ ایک طاقت ان کے ساتھ ہو جائے۔ قوم کے یتیم اور مسکین سب اس سے پرورش پائیں۔ اور آئے دن جو مسلمانوں کو اپنی قومی ضروریات کے لیے فنڈوں کی ضرورت ہوتی ہے، سب کی ضرورت اسی سے پوری ہو جائیں۔

الغرض اسی قسم کے پر معارف کلمات سے حاضرین جلسہ کو کوئی دو اڑھائی گھنٹہ تک محظوظ فرمایا۔ دشمن سے دشمن کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت مولٰینا مولوی صاحب ایک نہایت ہی زبردست شخصیت کے عالم ہیں۔ اور فی الحقیقت جو کچھ بھی انہوں نے بیان فرمایا ہے۔ اگر مسلمان اس پر عملدرآمد کریں تو بہت جلد مسلمان ایک کامیاب قوم بن سکتی ہے۔

تقریر کے خاتمہ پر مولوی غلام محمد صاحب نے حضرت مولٰینا کی تقریر کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے نہایت ہی فیاضی سے مسلمانوں کو نہایت ہی قیمتی نصائح سے متمتع کیا اور مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ ضرور بے غرض، بے نفس اور عالم باعمل فاضل مولٰینا کی نصائح پر عملدرآمد کریں۔ اور محبت کے جوش میں انہوں نے نماز ''عدم جواز غیر احمدی'' پر افسوس ظاہر کیا۔ جس پر حضرت مسیح موعود کی شرائط کو پیش کیا گیا کہ ان شرائط کو پورا کرو۔ اور آج ہی اس مسئلہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ مولٰینا غلام محمد صاحب نے میاں محمود احمد صاحب کی روش سے پناہ مانگی۔ لیکن جب اس کا شافی جواب دیا گیا۔ تو مولٰینا صاحب نے کسی آئندہ جلسہ کے لیے ان امور کا تصفیہ کرنے کے متعلق کہا۔ جس پر حضرت مولٰینا صاحب نے جواب میں کہا کہ اب یا آئندہ ہم تو ہر وقت حاضر ہیں۔ الغرض جلسہ نہایت کامیابی سے ختم ہوا۔ اور سب کے سب مسلم بھائی حضرت مولٰینا کی پر معارف تقریر سے مستفید ہوئے۔ آخیر پر میں اپنے آریہ سماجی بھائیوں کا عموماً اور لالہ گنگا رام جی کا خصوصاً تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے اپنے سماج کی

تمام اشیاء کو ہمارے سپرد کر دیا۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو حقیقی رشد و ہدایت سے مالا مال کرے۔ والسلام

شیخ عبدالحق۔ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام۔ شملہ

4اگست1920ء

میاں صاحب اوران کے متبعین لِللہ غور کریں

کشمیر براہ جموں جاتے ہوئے مجھے اس لیکچر کے بعض کوائف سننے کا اتفاق ہوا۔ جو گذشتہ مئی میں صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب قادیانی نے سیالکوٹ میں دیا۔ جس کا مضمون اعلان کردہ ''دعاوی حضرت مسیح موعودؑ'' تھا۔ یہ سن کر بظاہر خوشی ہوئی ہے کہ میاں صاحب نے اپنے لیکچر میں ان مزعومہ دعاوی کا ذکر نہیں کیا جو 1914ء کے بعد قادیان سے نکلے نہ حضرت مسیح موعود کی نبوت کا ذکر کیا گیا۔ نہ یہ ظاہر کیا گیا کہ وہ آیت اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کے حقیقی مصداق ہیں، نہ تکفیر برانکار دعاوی حضرت مسیح موعود پرزور دیا گیا۔

اگرچہ سامعین اعلان کردہ مضمون پر کسی اور امر کے منتظر تھے۔ میاں صاحب نے نہ صرف نبوت کی طرف تلمیحاً بھی کوئی اشارہ نہ کیا۔ بلکہ جب ان کے ایک جوشیلے مرید نے یاد دلایا کہ خاندان نبوت کے لیے دعا کی جائے تو آپ نے بڑے جوش کے ساتھ دخل درمعقولات سے ڈانٹا۔ اور ایک مرید نے آپ کی تائید میں کہا کہ کیسا شخص ہے، جو بنے بنائے کام کو بگاڑتا ہے۔

میں نے ان باتوں پر کسی ریویو کرنے کے ارادہ سے قلم نہیں اٹھایا۔ بلکہ میں یہ خیال کرنا میاں صاحب کی شان کے مناسب نہیں سمجھتا کہ انہوں نے کس پالیسی کو مدنظر رکھ کر دعاوی مسیح موعود کے لیکچر میں اپنے عقائد کو ایک طرف کر کے صرف اس بات پر زور دیا کہ حضرت اعلیٰ مرزا صاحب مجدد تھے۔ اور حضرت خاتم النبیین ﷺ کے ایک غلام تھے۔

اس میں شک نہیں کہ میاں صاحب کا گذشتہ طریق عمل غیر احمدی دنیا کے خطاب میں الگ ہی رہا ہے۔ جو اشتہار آپ نے سندھی میں تبلیغ احمدیت کے لیے 1914-1915ء میں شائع کیا اور ایسا ہی جب ایک کتاب ''تحفۃ الملوک'' آپ نے لکھی۔ تو ان سب میں ہر ایک کلمہ گو کو مسلمان بھائی کر کے پکارا اور حضرت صاحب کو مجدد کے طور پر پیش کیا۔

میری رائے میں میاں صاحب نے خوب سمجھ لیا ہے کہ وہ غلطی پر ہیں۔ مسئلہ نبوت حضرت مرزا صاحب بھی غلط ہے۔ اور صرف حضرت صاحب کے نہ ماننے سے کوئی کافر بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ اب انہیں یہ بھی سمجھ آ گئی ہو گی کہ وہ ان کا جوش کہ جب تک ہم غیر احمدیوں کو کافر نہ کہیں وہ جاگ نہیں سکتے اور انہیں اور ان کے متبعین کو غیر احمدی مسلمانوں سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ آج وہ سیالکوٹ میں جا کر اور نہایت عجز والحاح سے غیر احمدی پبلک کو ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کی استدعا کرتے ہیں۔

اسی طرح ترکوں کے متعلق اپنے ایک پمفلٹ میں، جو کہ انہوں نے لکھنو کے جلسہ میں تقسیم کیا غیر احمدی دنیا کے ساتھ مل کر امریکہ میں اسلام پھیلانا چاہتے ہیں۔

یہ واقعات ہیں جن سے نہ میاں صاحب اور نہ ان کے مرید انکار کر سکتے ہیں۔ اب اگر یہ تبدیلی طریق عمل جدا نہیں ہوئی اور کسی خیال یا حکمت عملی پر مبنی نہیں، تو میں میاں صاحب کی خدمت میں باادب عرض کرتا ہوں کہ آخر کون سی بات ہے، جس کے لیے ہم آپ کی جناب میں مقہور ہیں؟ آخر ہم بھی تو حضرت مرزا صاحب کو اسی طرح پیش کرتے ہیں۔ اور یہی ایمان بھی رکھتے ہیں۔

ہم اگر اشاعتِ اسلام کے لیے غیر احمدی بھائیوں سے مل کر کام کرتے ہیں۔ جس کے لیے ہمیں بُرے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ حالانکہ جو کچھ ہوا حضرت قبلہ مولوی نور الدین صاحبؓ کے حکم سے ہوا۔ اور عین مطابق اسلام ہوا ہے۔ تو پھر آپ کو بھی خدا تعالیٰ نے سمجھ دے دی کہ یہی صحیح طریقہ ہے۔ البتہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو اس بات پر قائم رکھے۔

ہم پر جو یہ الزام تھا کہ یہ حضرت مسیح موعود کے دعاوی کو پیش نہیں کرتے۔ جن دعاوی پر ہمارا ایمان ہے۔ ان کا ذکر کر دینے سے تو ہمیں کبھی تامل نہیں ہوا۔ لیکن جو دعاوی آپ نے متعلق نبوت حضرت مرزا صاحب پیش کیے ہیں اور جن کا ذکر کرنا ہی آپ اور آپ کے مریدین کے نزدیک جزو ایمان کے برابر ہے، وہ کس طرح آپ کر سکیں گے؟ میں آپ کو ان چند سطور کی طرف متوجہ کرتا ہوں جو مفتی محمد صادق صاحب نے امریکہ میں شائع کیے ہیں۔ جن کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

’’وہی ایک خدا ہے جو تمام قوموں کا اور ملکوں کا اور وقتوں کا خدا ہے۔ جس نے اپنے فضل وکرم سے پیغمبر مقدس ہادی اور پاک مصلح بھیجے۔ انہیں سے حضرت زرتشت ایران سے، کنفیوشس چین سے، کرشنا اور بدھ ہندوستان سے، ابراہیم، موسیٰ، داوٗد اور مسیح فلسطین سے، نبیوں کے سردار محمدؐ عرب سے اور احمد رسول آخر الزمان قادیان سے۔ خدا کی صلوٰۃ اور سلام ان سب پر ہو۔ ہمیں سب کی عزت یکساں کرنا اور ان سب کو خدا کے میسنجر (پیغام لانے والے) ماننا ہے۔‘‘

عقیدہ کو پیش کرنے کے لیے آپ کیا غیر احمدیوں کو اپنے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ اور پھر میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا یہی آپ کا عقیدہ ہے؟ کیونکہ جو کچھ مفتی صاحب نے اسلام میں شامل ہونے کی شرائط بالا رکھی ہیں۔ وہ وہ عقیدہ ہے جو کبھی مولوی ظہیر الدین صاحب کا تھا۔ اور جس سے اب انہوں نے رجوع کیا ہے۔ مفتی صاحب موصوف مرزا صاحب کو پہلے انگلستان میں بطور پرافٹ (پیغمبر اور پیشگوئی کرنے والا) پیش کرتے رہے۔ لفظ پرافٹ انگریزی زبان میں ایک ایسا وسیع لفظ ہے۔ جو خدا کے ایک ایسے نبی پر، جس پر کوئی کتاب نازل ہو، آتا ہے۔ اور ایسا ہی ایک پیشگوئی کرنے والے پر خواہ منجم ہی کیوں نہ ہو۔ ایک مصلح اور ایک ریفارمر پر بلکہ کوئی نیا اور اہم امر پیش کرنے والے پر آجاتا ہے۔

لیکن اس تحریر میں، جو امریکہ میں شائع ہوئی ہے، مفتی صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے نام کے ساتھ لفظ میسنجر (Messenger) استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ وہ ہے جو کلمہ طیبہ کا ترجمہ کرتے ہوئے لفظ رسول اللہ کے قائم مقام انگریزی میں آتا ہے۔ پھر خدا کے میسنجر (Messengers) سے مراد ہی مرسلین ہیں۔ جو خدا سے صحائف لائے۔

کیا آپ کا یہ اعتقاد ہے کہ مرزا صاحب اس جماعت میں داخل تھے۔؟ کیا عجیب بات ہے کہ خود یہ شخص یعنی مفتی صاحب جب فہرست انبیاءؑ دیتے ہیں تو ان میں وہی نام درج کرتے ہیں جن پر مقدس صحیفے نازل ہونے تسلیم کیے جاتے ہیں۔

ہاں! اگر اس جماعت میں کوئی صحیفہ سے خالی ہے تو مرزا صاحب ہیں۔ میاں صاحب! خدا کے لیے

سوچو یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ ایک نیا ظلم اسلام پر ہونے لگا ہے۔ جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس پر خطرناک حملہ ہے۔ اس پر اصرار نہ کرو۔ اور مفتی صاحب کی اس تحریر کی تردید کرو۔ اور اس کو لکھو کہ وہ لفظ میسنجر (Messenger) تحریر سے نکال دے۔ وَاِلَّا ایک دن آپ خود بھی انہی امور کے مدعی ہو جاؤ گے اور جماعت بھی آپ کے ساتھ اس ورطہ ضلالت میں پڑ جائے گی۔

مثال کے طور پر میں آپ کو آپ کا وہ خط یاد دلاتا ہوں جو آپ نے ڈاکٹر محمد عمر کے بھائی محمد عثمان کو لکھا۔ اور اسی میں ذیل کے الفاظ لکھے تھے:

''نبوت کے متعلق میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ سب احمدی حضرت مسیح موعود کو نبی ظلی ہی مانتے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت صاحب کے درجہ کو اس وقت بہت گھٹا کر لکھا جاتا ہے۔ اس لیے مصلحت وقت مجبور کرتی ہے کہ آپ کے اصل درجہ سے جماعت کو آگاہ کیا جائے۔ ورنہ اس طرح لفظ نبی کے استعمال کو میں خود بھی پسند نہیں کرتا۔ اس لیے کہ آپ نبی نہیں تھے۔ بلکہ اس لیے کہ ایسا نہ ہو کچھ مدت بعد لوگ اس سے نبوت مستقلہ کا مفہوم نکال لیں۔ مگر یہ صرف چند روزہ بات ہے۔ اور بطور علاج کے ہے۔'' (پیغام صلح 4 اگست 1914ء)

میں یہ نہیں گمان کرتا کہ یہ خط آپ نے کس حکمت سے لکھا ہو؟ اس وقت آپ کا یہی ایمان تھا۔ آپ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی شخص کے نام پر نبی کا لفظ استعمال کرنا واقعی مکروہ سمجھتے ہوں گے۔ لیکن یہی لفظ شیر مادر ہو گیا ہے۔

مفتی صاحب جس نے مرحوم شبلی کے سامنے یہ کہا کہ ہمارا کام مرزا صاحب کی نبوت کی اشاعت نہیں۔ جیسے کہ بدر 27 اکتوبر 1910ء کالم 3 میں لکھا ہے:

''(مولوی شبلی صاحب نے) دریافت فرمایا کہ کیا ہم لوگ مرزا صاحب مرحوم کو نبی مانتے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ ہمارا عقیدہ دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ نہ نیا نہ پرانا۔ ہاں مکالمات

الہٰیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔اور وہ بھی آنحضرت ﷺ کی طفیل۔آپ سے فیض حاصل کر کے اس امت میں ایسے آدمی ہوتے رہے جن کو الہام الٰہی سے مشرف کیا گیا۔اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے۔اور الہام کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ سے بہت سی آئندہ کی خبریں بھی بطور پیشگوئی کے بتلائی جاتی تھیں جو پوری ہوتی رہیں۔اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے۔اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں۔اور احادیث میں بھی آنے والے مسیح موعود کا نام (انہی معنوں میں) نبی رکھا۔اس پر مولوی شبلی صاحب نے فرمایا کہ بیشک لغوی معنوں کے لحاظ سے یہ ہوسکتا ہے اور عربی لغت میں اس کے یہی معنی ہیں۔لیکن عوام اس مفہوم کو نہ پانے کے سبب گھبراتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ مرزا صاحب کی نبوت کا مسئلہ ہمارے ہاں ایسا نہیں کہ شرائط بیعت میں داخل ہو۔ یا بیعت کے وقت اس کا اقرار لیا جاتا ہو۔ یا اس کا ہم وعظ کرتے پھرتے ہوں۔ہاں جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے ایسا ہی ہمارا عقیدہ ہے۔“

یہ خدا کا فیصلہ ہے کہ وہی شخص اپنے لکھے کے مخالف مرزا صاحب کی نبوت کی مغرب میں اشاعت کے لیے جاتا ہے۔یوں خدا تعالیٰ لوگوں کے اندرونے ان کے افعال سے ظاہر کر دیتا ہے۔

ایک وقت آپ نے لوگوں کو کہا کہ اختلافِ عقیدہ سے میری بیعت کر لیں۔آج آپ کی ہم عقیدگی آپ کے مریدین کے لیے لازمی ہوگئی۔خود غور کرو کہ ان پانچ چھ سالوں میں کس قدر نئے سے نئے رنگ بدلے جاتے ہیں۔جو ایک دن بات کہی جاتی ہے، دوسرے دن اس کے خلاف کیا جاتا ہے۔

اسی مسئلہ خلافت میں اپنے طریق عمل پر غور کرو۔اگر ترکوں کے ساتھ صلح ہونے پر آپ کے حکم سے قادیان کا مدرسہ خوشی میں بند کیا جاتا ہے۔اور قادیان میں چراغاں کی جاتی ہے۔پھر لکھنؤ کے مریدین آپ کے حکم کے ماتحت خلافت عثمانیہ سے پبلک جلسہ میں انکار کر کے اس مضمون کی ریزولیوشن سول اور پایونیر میں چھاپنے کے لیے بھیجتے ہیں۔اور ان باتوں کا اعادہ انہی دنوں میں آپ کی چٹھیوں کے ذریعہ آپ کے ایجنٹ لنڈن میں کرتے

ہیں۔تو پھر آپ کس اصول پر یہاں کے خلافتی جلسوں میں شامل ہوتے ہیں؟

ماہ جنوری میں حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب کی شمولیت ڈیپوٹیشن وائسرائے متعلقہ خلافت میں آپ کی طرف سے اس قسم کی لے دے اخبارات میں کی جاتی ہے۔ بلکہ حضرت مولانا کے اس فعل کو ان کے احمدیت سے خارج ہونے کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔اور اگر یہ صحیح اصول پر کیا جاتا ہے تو پھر کون سی نئی جوازیت پیدا ہوگئی ہے۔جس کے ماتحت آپ کے تین ایجنٹ جون میں الہ آباد میں جلسۂ خلافت میں شرکت کے لیے آپ کے حکم سے جاتے ہیں۔آپ کا وہ مسئلہ کیا ہوا؟ جس کے ماتحت آپ اعلان کرتے تھے کہ ہم تشدد سے اپنی احمدیت منوائیں گے۔

الغرض وہ کون سی بات ہے جس میں آخر کار آپ کو ہمارے نقش قدم پر چلنا نہیں پڑا؟ جب ہم روح وراستی کے ساتھ ایک امر کرتے ہیں تو آپ کے کارندوں نے آپ کی کامیابی اسی میں سمجھ رکھی ہے کہ اس امر کی مخالفت کر دی جائے۔آپ کی طرف سے ایسے ہمارے افعال بمنزلہ ارتداد و منافقت قرار دیئے جاتے ہیں۔لیکن یہ خدا کا احسان ہم پر ہے کہ خود آپ کو مجبوراً وہی کام کرنا پڑتا ہے۔

اس خواب سے ڈرو، جو آپ نے سیالکوٹ میں لیکچر دینے سے پہلے دیکھا کہ جس کا ذکر آپ نے وزیرآباد میں کیا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب کو آپ نے آسمان سے کشتی میں بیٹھے ہوئے اترتے دیکھا۔ان کی ناراضگی،ان کا آپ کو نہ ملنا،ان کا یہ کہنا کہ جماعت ایک شخص کو سجدہ کر رہی ہے۔پھر آپ کا گھبرائے ہوئے ان کی تلاش کرنا،حضرت مائی صاحبہ کے پاس جانا اور اس میں ناکام رہنا۔سوچو! یہ خواب کیا کہہ رہا ہے۔

وہ جماعت جو بہ تعلیم حضرت اقدس تفقہ اور مذہبی امور میں خود محاکمہ کرنے کے قابل ہوگئی تھی۔اور دوسروں کی تقلید کو ایک غیر مستحسن فعل سمجھتی تھی۔اب یہی وہ امر ہے۔جو شان امتیاز انسانیت ہے۔اور اسی کا نام اسلامی حریت ہے۔آج وہی جماعت آپ کی شکل میں ایک انسان کو پوج رہی ہے۔مرغ بادنما کی طرح سے آپ کے الفاظ ان کے رخ کو پھیر دیتے ہیں سمجھ نہیں آتی کہ وہی لوگ جو کل حضرت مولانا محمد علی صاحب کی شمولیت ڈیپوٹیشن خلافت پر خطرناک طرز سے نکتہ چین تھے، وہی جو کل خلافت ٹرکی سے انکار کر رہے تھے، وہ کس طرح آپ کے اس فعل پر راضی ہو جائیں گے؟ جس کے ماتحت چوہدری ظفراللہ خان صاحب،مولوی سرور شاہ صاحب

،سید ولی اللہ شاہ صاحب الہ آباد میں شرکت جلسہ خلافت کے لیے جاتے ہیں۔ اس کا یہ جواب نہیں ہوسکتا کہ خلافت کمیٹی نے کل مسلمانوں کو جہاں دعوت دی۔ اس میں آپ کو بھی بلایا۔ جب لنڈن میں پنجاب، گورنمنٹ میں، انگریزی اخبارات میں آپ نے اس خلافت سے قطع تعلق کیا تو پھر آپ کا یہ فعل کیا معنی رکھتا ہے۔ یہی وہ انسان پرستی ہے جس سے آپ کو بذریعہ خواب ڈرایا گیا ہے۔

> ''فرمایا: میں نے دیکھا کہ ایک مکان ہے جو شرقاً غرباً بنا ہوا ہے۔ اس میں کچھ لوگ ہماری جماعت کے ہیں۔ اور وہ زمین پر سر رکھے ہوئے ہیں۔ ایک اور آدمی بھی ہے۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ اس کو سجدہ کر رہے ہیں۔''

ہمیں بار بار حیرت ہوتی ہے کہ آخر کس غرض کے لیے آپ نے جماعت کو دو ٹکڑے کر دیا؟ جن اعتقادات یا جس ہمارے طریق عمل سے آپ کو اختلاف تھا، وہی آخر آپ نے کیا۔

مفتی صاحب کی مشتہرہ سطور میں ایک اور نئی بات ہے۔ جو ایک خدا ترس انسان کو کیا کیا دیتی ہے۔ کیا واقعی آپ صاحب الہام ہیں؟ کیا واقعی آپ خدا کے مرسل ہیں؟ کیا واقعی خدا تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوتا ہے؟ اگر نہیں، اور ایسا خیال کرنا آپ کے متعلق افتراء علی اللہ ہے تو پھر ذیل کے الفاظ پر غور کرو جو مفتی صاحب نے امریکہ میں شائع کیے ہیں۔ اور جن کا بیان مفتی صاحب نے اسلام میں داخل ہونے کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔ وہ سطریں یہ ہیں:

> ''جیسا کہ خدا زمانہ قدیم میں اپنے بندوں سے بولتا تھا۔ اسی طرح وہ اب بھی بولتا ہے۔ اور اس کی زندہ مثال محمود کے مقدس وجود میں ہے۔ جو مسیح موعود کا جانشین اور اسلام فی الاحمدیت ہیں۔ مرسل یزدانی اور راہ نما ہے۔ فقط آپ ہی اس برگزیدہ امت کے مامور من اللہ سردار ہیں۔ جس کی اطاعت ہر ایک مومن پر فرض ہے۔''

کیا یہ واقعی آپ کا دعویٰ ہے؟ اگر آپ میں جو بات نہیں تو آپ کا یہ جواب دینا کہ میں نے تو ایسا نہیں لکھا اور آپ کا اس کی تردید نہ کرنا۔ اعانت افتراء علی اللہ نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت اقدس کی اس بار بار کی تعلیم کو خوب یاد رکھو کہ کسی شخص کے چند خواب دیکھ لینے یا کوئی الہام پا لینے سے اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مکالمہ الٰہیہ کا مدعی ہو۔

آج جو نفرت احمدیوں کے ساتھ ہندوستان میں پیدا ہوگئی ہے۔ خدا کے لیے بتلاؤ، اس کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا یہ سب تکلیف جو احمدیوں کو پہنچ رہی ہے، اس کے جواب دہ آپ نہیں؟ خیر! آج آپ کو سمجھ تو آ گئی کہ سختی اور نرمی کے معاملہ میں بھی آپ سراسر غلطی پر تھے۔ محض جو کچھ ہوا آپ کے نوعمرانہ جوش کا نتیجہ تھا۔ اور آج آپ کو زمانہ کے تھپیڑوں نے سمجھا دیا کہ محبت اور نرمی سے دنیا میں حق پھیلا کرتا ہے۔ اور صحیح عقائد ہی آخر کار دنیا میں فتح پاتے ہیں۔

میں نے یہ چند الفاظ نہایت درد دل سے لکھے ہیں۔ صرف اس لیے کہ یہ تبدیلی طریق عمل و عقائد جو آپ نے آہستہ آہستہ اختیار کی ہے، ممکن ہے کہ کسی صحیح سوچ بچار کا نتیجہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایک دن راہِ راست پر لے آئے۔

میں یہاں اپنے سے بچھڑے ہوئے بھائیوں کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ وہ ان باتوں پر غور کریں۔ ہم نے حضرت مرزا صاحب کو مجدد وقت اور خاتم الاولیاء قبول کیا اور اسی شان سے حضرت مسیح موعود کو دنیا میں پیش کیا۔ ہم نے مسئلہ نبوت میں ظلی نبوت سے آگے بڑھنا حضرت مرزا صاحب پر ہمیشہ افتراء سمجھا۔ ہم نے اسلام کی اشاعت میں حضرت قبلہ حکیم الامۃ مولانا نورالدین صاحب کے حکم کے ماتحت غیر احمدیوں کے ساتھ مل کر کام کرنا اپنا فرض سمجھا۔ مسئلہ خلافت میں ہم نے قرآن وحدیث پر عمل کر کے خلافت کمیٹی کا ساتھ دیا۔ ان ساری باتوں سے میاں صاحب نے ایک وقت سخت مخالفت کی۔ اور آج وہ مجبوراً اس طرز عمل کو اختیار کر رہے ہیں۔ جس خواجہ کمال الدین کو مطعون کر رہے تھے۔ آج سیالکوٹ میں کہا جاتا ہے کہ وہ ہمارا ہے اور ووکنگ مشن بھی ہمارا ہے۔

اس موقعہ پر میں اس افتراء کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ جو خواجہ صاحب پر میاں صاحب کے خاص مریدین نے تراشا۔ اور میاں صاحب نے ہمیشہ اس پر اغماض کیا۔ یہ بڑی دفعہ قادیانی اخباروں میں لکھا گیا اور میاں صاحب کے خاص ایجنٹوں نے اس کی اشاعت میں اپنی کامیابی دیکھی کہ خواجہ صاحب اشاعت احمدیہ کو

سم قاتل سمجھتے ہیں۔ یہ سراسر جھوٹ اور افتراء ہے۔ اور میاں صاحب کو بھی علم ہے کہ یہ افترا ہے۔ لیکن میاں صاحب نے اپنے اس فرض کو اپنے سر سے نہیں اتارا کہ جو افتراء ایک بے گناہ پر ان کی جماعت باندھ رہی ہے، اس سے اپنی جماعت کو روکے۔

خواجہ صاحب نے اپنی ایک چٹھی میں، جو حضرت مولوی نور الدین صاحب مرحوم کی زندگی میں حکیم اجمل خان صاحب کے جواب میں لکھی، یہ تحریر کیا:

''میں یہاں کسی فرقہ کی تعلیم کو پیش نہیں کرتا۔ میں یہاں جماعت، فرقہ کو اسلام کے لیے سم قاتل سمجھتا ہوں۔ میں اس اسلام کو پیش کرتا ہوں۔ جو آپ اسلامک ریویو میں دیکھ سکتے ہیں۔ اور جس کے ساتھ ہر ایک فرقہ کا اتفاق ہے۔ اور یہ وہ اسلام ہے جو میں نے حضرت مرزا صاحب سے سیکھا۔''

ایک خدا ترس انسان کا فرض تھا کہ وہ خواجہ صاحب کے اصل الفاظ کو جماعت کے سامنے پیش کر دے۔ اور اگر وہ غلط ہیں تو ان پر جرح وقدح کر دے۔ نہ یہ کہ ان پر افتراء باندھا جائے۔

کیا ان تقریروں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ احمدیت کی تبلیغ کرتے ہیں؟ یعنی اسی اسلام کی جو انہوں نے مرزا صاحب سے سیکھا پڑھا۔ ہاں! وہ اسلام میں فرقہ جات کی بحث لانا غیر مسلم دنیا میں اسلام کے لیے سمِ قاتل سمجھتے ہیں۔ جب ایک شخص اسلام میں کسی فرقہ کا قائل ہی نہیں، اور یہ وہ امر ہے جو حضرت مرزا صاحب نے خود تسلیم کیا ہے، تو پھر وہ کسی فرقہ کی طرف اشارہ کر کے اپنے عقیدہ کے خلاف کیوں کرے؟ اور وہ اشاعت فرقہ کو کیوں اسلام کے لیے سمِ قاتل نہ سمجھے؟ جب نہ صرف اسلام کو اس فرقہ بندی ہی نے تباہ کیا اور آج مغرب میں عیسائیت کے لیے یہ ہی فرقہ بندی ایک بڑی لعنت سمجھی گئی۔ کیا وہ اس دنیا کو یہ کہے کہ جس بات کو تم نے اپنے مذہب میں لعنت سمجھا وہ ہمارے مذہب میں بھی موجود ہے؟ اخیر میں ایک فیصلہ کن حوالہ عرض کرتا ہوں۔ اخبار الحکم مورخہ 17-24 دسمبر 1904ء بعنوان ''سٹیشن وزیرآباد اور پادری سکاٹ'' رقمطراز ہے:

’’پادری سکاٹ: آپ لوگوں میں تو بہت سے فرقے ہیں۔حضرت اقدس! مجھے تعجب ہے کہ آپ اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عیسائیوں میں کس قدر فرقے ہیں؟ جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور اصولوں میں بھی متفق نہیں۔مسلمانوں کے فرقوں میں اگر کوئی اختلاف ہے،تو فروعات اور جزئیات میں ہے۔اصول سب کے ایک ہی ہیں۔‘‘

۞۞۞

11 اگست 1920ء

مراسلات

ہجرت اور ہمارا سلسلہ

(ہماری جماعت کو اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے بطور داعی الی الخیر کے مختص فرمایا ہوا ہے۔ چونکہ آج بھی مسئلہ خلافت ہجرت اور ترکِ موالات وغیرہ کا بہت چرچا ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ حضرت امیر ایدہ اللہ اس بارہ میں اپنی رائے سے قوم کو اطلاع دے دیتے۔ چنانچہ ذیل کا مضمون ہجرت کے بارہ میں اپنی جماعت کی رہنمائی کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔ مضمون کی تعریف کے لیے تو اسی قدر کافی ہے کہ وہ حضرت امیر جماعت کا مضمون ہے۔ البتہ قوم کو توجہ دلانے کے لیے بعض الفاظ کو میں نے جلی کروا دیا ہے۔ احباب کو چاہئیے کہ وہ خوب غور اور تدبر سے مضمون کو پڑھیں۔

ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی ہجرت کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنی جماعت کو رشک دلاتے ہیں کہ جس کام پر وہ مامور ہیں۔ اس میں وہ بھی دوسروں سے سبق حاصل کر کے قربانی کرنا سیکھیں۔ لیکن اہل اسلام کی اصل بہتری اور بہبودی ہم اشاعتِ اسلام میں سمجھتے ہیں۔ ہجرت میں نہیں سمجھتے۔ اسلامی جسم میں ہجرت اگر بطور پاؤں کے سمجھی جائے، تو اشاعتِ اسلام کا کام بمنزلہ آنکھ اور دل کے ہے۔ جسم کی سلامتی اسی میں ہے کہ تمام اعضاء اپنے اپنے رنگ میں امور مفوضہ کو سرانجام دیتے رہیں۔

جو مسلمان کابل میں جا کر بہ نسبت ہند میں رہنے کے زیادہ خدمت اسلام کر سکتے ہوں۔ ان کا ترک وطن تو بھلا ایک بات ہے۔ لیکن بھیڑ چال کے طور پر کوئی کام کرنا اہل دانش کا شیوہ نہیں۔

بہرصورت جماعت احمدیہ کی ہجرت کے بارہ میں جو رائے ہے۔ وہ حضرت امیر جماعت کے اس مضمون سے ظاہر ہے۔ ایڈیٹر)

بعض احباب نے، اس ہجرت کے متعلق جو آج کل ہو رہی ہے، میری رائے دریافت کی ہے۔ اس

سوال کے دو پہلو ہیں۔ایک پہلو جو خالص ہمارے سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے۔اس کے متعلق میں اس سے پیشتر اسی وقت اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں۔ جب خلافت اسلامیہ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ جمعہ کے متعدد خطبوں میں میں نے احباب کو آگاہ کر دیا تھا کہ ہمیں اس معاملہ میں، جو پیش آنے والا ہے۔کیا روش اختیار کرنی چاہیئے۔

اسلام کی عظمت وشوکت دوبارہ دنیا میں قائم ہو۔اس کے لئے، جس مسلمان کا دل نہیں تڑپتا، وہ مسلمان نہیں، مگر خالی دل کا تڑپنا بے معنی ہے، جب تک کہ اس کے لیے کوئی راہ اختیار نہ کی جائے اور کوئی عملی حالت پیدا نہ ہو۔اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس صدی کے مجدد نے آج سے تیس سال پیشتر اسلام کی پیش آمدہ مصائب کو دیکھ کر ہمیں ایک طریق پر لگا دیا۔اور وہ طریق عمل اشاعتِ اسلام ہے۔بہت لوگ اس کو خیال میں نہیں لاتے۔اور یہ موقعہ تفصیل کا نہیں۔اس پر میں انشاء اللہ تعالیٰ علیحدہ رسالہ لکھوں گا۔مگر جو بات ایک معالج روحانی نے آج سے تیس سال پیشتر کہی تھی آج خدا کے فضل سے ہر طرف سے وہی آواز آرہی ہے کہ مسلمانوں کو اگر اپنی عزت کی زندگی دنیا میں باقی رکھنا ہے تو اسلام کی صحیح تصویر دنیا کو دکھائیں۔کیونکہ جس قدر غلط فہمی اور غلط بیانی دنیائے مغرب میں اسلام کے متعلق ہو رہی ہے، وہ اور کسی قوم یا کسی مذہب کے متعلق نہیں۔مگر میں کہتا ہوں کہ یہ اشاعتِ اسلام کا ایک پہلو ہے کہ ہم ان غلط فہمیوں کو دور کریں۔جو اسلام کے متعلق پھیل رہی ہیں۔

دوسرا اور بڑا بھاری پہلو لوگوں کو اسلام میں داخل کرنا ہے۔اسلام میں یہ طاقت ہے کہ وہ سرکش سے سرکش انسانوں کو اپنے سامنے جھکا لیتا ہے۔مگر آج جب دنیا معقولیت کے آگے سر جھکانے کی طرف مائل ہے اور عیسائیت کا وہ طلسم ٹوٹ گیا ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔اگر کوئی نقص ہے تو صرف یہ کہ لوگوں کو علم نہیں کہ اسلام کیا ہے۔اور مسلمان اس کام کی طرف سے سخت غفلت کی حالت میں ہیں یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو اس کام کے لیے کھڑا کیا کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (104:3) کے ارشاد کی تعمیل کے لیے اپنی آواز کو بلند کرے۔اور جو لوگ اس آواز پر لبیک کہیں ان کی ایک جماعت تیار کرے۔

ہم چند لوگ ہیں جنہوں نے اس داعی کی آواز کو قبول کیا۔اور اس مجدد کے ہاتھ پر اس اقرار کے ساتھ بیعت کی کہ ہم اشاعتِ اسلام کو اپنی زندگیوں کا نصب العین بنائیں گے۔اور اس کام پر اپنی ساری طاقت اور توجہ

صرف کریں گے۔ پس یہ کام ہم نے خود اپنی رائے سے اختیار نہیں کیا۔ بلکہ اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حکمِ یقین کر کے اختیار کیا ہے۔ اور جب قرآن کریم میں صراحت سے یہ حکم موجود ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہئیے جو لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتی رہے۔ تو اس مجدد کی آواز پر شبہ ہی کیا باقی رہ سکتا ہے؟! ہاں یہ سچ ہے کہ ہم بہت تھوڑے ہیں۔ اور باوجود اس کے سب کے سب یکساں جوش بھی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اس لیے ہماری کوشش کے نتائج کسی وسیع پیمانہ پر نظر نہیں آ سکتے۔ لیکن اگر مسلمان ایک قوم کی حیثیت میں اس مجدد کی آواز پر لبیک کہنے والے ہوتے تو آج ہمارے ایک مشن کی بجائے ایک ہزار مشن بھی قائم ہو جاتے اور یورپ میں بجائے تین چار ماہوار نومسلموں کے اضافہ کے تین چار ہزار ماہوار کا اضافہ نظر آتا۔ اور یہ کوئی چھوٹی سی کامیابی نہ ہوتی۔ مگر کام کرنا ہے خواہ دو ہی آدمی ہوں اور خواہ کروڑوں مشکلات ہوں۔ کام کرنا ہے۔

ہاں! یہ میں ضرور کہوں گا کہ ہماری جماعت کی توجہ اس اپنے اصل کام کو چھوڑ کر، جس کا اقرار ہم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک داعی کی آواز کے جواب میں کیا ہے۔ جس پر اگر کوشش صرف کی جائے تو کامیابی یقینی ہے، کسی دوسری طرف نہیں لگنی چاہئیے۔ نیکی کے کام بہت ہیں۔ کامیابی کے لیے مختلف وسائل کو کام میں لانے کی ضرورت ہے۔ لیکن جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ کامیابی کی جڑ ہے۔ یہ ایک عظیم الشان جہاد ہے۔ جس کو ہر حال میں ہم ہر وقت کر سکتے ہیں۔ جس پر وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (104:3) کا وعدہ خدا کی طرف سے ہے۔ یعنی جو لوگ دعوت الی الاسلام کے کام کو کریں گے۔ وہ یقیناً یقیناً کامیاب ہوں گے۔ اگر ایک گروہ اس میں اپنے مال سے اور اپنی قوتوں سے جہاد میں لگا رہے گا تو ایک اور گروہ کی بھی ضرورت ہے، جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنے عزیز و اقارب کو اپنے ملک و وطن کو چھوڑ دے اور جہاد کے ساتھ ہجرت بھی کرے۔

پس اگر آج مسلمانوں کے دلوں میں ایک ولولہ ہجرت کے لیے اٹھا ہے تو کیا اس مصالح روحانی نے ہماری ہجرتوں کے لیے پہلے سے سامان نہیں کر رکھا۔ سب سے بڑی ہجرت تبلیغ دین کی ہجرت ہے۔ اور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی ہجرت کا اصل منشاء بھی صرف یہی تھا کہ تبلیغ اسلام آزادی سے کر سکیں۔ مکہ میں چونکہ تبلیغ سے روکا جاتا تھا۔ مسلمان نہ ہونے دیا جاتا تھا۔ بجبر بت پرستی کرائی جاتی تھی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی ہجرت کی اصل غرض تبلیغ دین کو آزادی کے ساتھ قائم کرنا تھا۔

جنگ ایک اتفاقی امر ہے۔ جو بعد میں پیش آ گیا۔ پس ہجرت نبویؐ کے نقشِ قدم پر ہجرت کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود نے ہمیں ایک ایسا موقعہ دیا ہے۔ جو دوسری ہجرتوں سے افضل ہے، سوال صرف کرنے کا ہے۔ اگر عمل کی طاقت ہے تو پہلے اپنے مالوں کو قربان کر کے دکھاؤ کہ کوئی ہجرت بغیر مالی قربانی کے کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اور پھر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہجرتیں اختیار کرو۔ صرف ترک وطن کا نام ہجرت نہیں۔ جوش کے ماتحت انسان بہت کام کر لیتا ہے، مگر وہی جوش صحیح ہوتا ہے جو نتائج کو سوچ سمجھ کر دکھایا جائے۔ کیونکہ اس پر انسان کا قدم مضبوط ہوتا ہے۔ ورنہ بسا اوقات وقتی جوش عمل کی مشکلات کو دیکھ کر ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔

پس اے برادرانِ سلسلہ! اپنی توجہ کو منتشر کر کے اصل کام کو نہ بگاڑو۔ ہاں! ان مصائب میں جہاں تم دوسرے لوگوں میں بھی دینِ اسلام کے لیے درد اور تڑپ کا جوش دیکھتے ہو اپنے قدم کو تیز کرو۔ اور اپنی پہلی قربانیوں کو ناکافی سمجھ کر پہلے سے دہ چند قربانیاں کر کے دکھاؤ۔ اور یقین کے ساتھ جان لو کہ جس قدر کام میں کمی اور نقص ہے وہ اصل میں ایثار کی کمی سے ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ اگر اپنی توجہ کو دوسرے کاموں کی طرف، خواہ وہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں، منتشر کر کے تم نے اصل کام کو نقصان پہنچایا، تو نہ تم صرف خلاف ورزی عہد کے ہی مرتکب ہو گے، اور یوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ الزام ٹھہرو گے، بلکہ خود دنیا بھی تمہارے اس کام کو پسند نہیں کرے گی۔ اور تم اسلام کے ایک کام کو، جو کامیابی کے ساتھ ہو رہا ہے، نقصان پہنچانے کے الزام کے نیچے ہو گے۔ رہا دوسرا پہلو کہ فی نفسہٖ یہ کیسا فعل ہے۔ سو اگرچہ یہ سچ ہے کہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان اور دوسری غیر مسلم حکومتوں کے کروڑوں مسلمان اسے اختیار نہیں کر سکتے۔ اور یوں عملی رنگ میں بھی یہ ایک ناممکن العمل فعل ہے۔ اس لیے دارومدار فلاح کیونکر ہوسکتا ہے۔ اور گو یہ بھی سچ ہے کہ صحیح راہ کامیابی کی وہی ہوسکتی ہے، جس پر سب کے سب عمل پیرا ہوسکیں۔ اور اس لحاظ سے بھی چند آدمیوں کا محض ہندوستان کو چھوڑ دینا ہماری کامیابی کی اصل راہ نہیں۔ نہ ان کا محض افغانستان میں چلے جانا ہی کامیابی کی منزلِ مقصود تک ہمیں پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ خود افغانستان کے لوگ بھی مشکلات سے آزاد نہیں۔ اور گو یہ بھی سچ ہے کہ اس ہجرت کے نتائج کے متعلق ابھی کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آخر یہ تحریک کہاں تک پہنچے گی اور اس سے کیا فوائد ہوں گے۔ سرِ دست کوئی ظنی واقعات بھی ایسے نہیں، جن کی بناء پر کوئی نتیجہ مترتب کیا جا سکے۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں۔ اور نہ ہوسکتا

ہے کہ ایک قوم میں، جس کو بالکل بے حس وحرکت سمجھا جاتا ہے، ایسے آدمیوں کا موجود ہونا، جو دین کی خاطر ہر قسم کا دکھ اٹھانے کے لیے تیار ہیں، قوم کی زندگی کے متعلق ایک نہایت امید افزاء امر ہے۔ اور جن لوگوں نے محض **ابتغاء لمرضات اللّٰہ** اس ترک وطن کو اختیار کیا ہے، ان کے اس فعل کو ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ ہاں! اگرچہ سات کروڑ میں سے سات ہزار کچھ بھی نہ ہوں، مگر فی نفسہٖ یہ تعداد اتنی بڑی ہے کہ جس سے مسلمانوں کے دلوں کے اس رنج کا احساس دنیا کی سخت سے سخت دل قوموں کو ہوسکتا ہے، جو آج ان کو اسلام کی مرکزی سلطنت یعنی خلافت اسلامیہ کو توڑ دینے اور پاش پاش کر دینے سے پہنچا ہے۔ یہ اس قومی صدمہ کا ظاہری نشان ہے۔ جو اپنا اثر کسی نہ کسی رنگ میں ضرور دکھائے گا۔ اور اپنے اخلاقی اثر سے ضرور مدبرِ ین یورپ کے اس فعل کو جو انہوں نے شوکت اسلام کو توڑنے کا کیا ہے، دنیا کی نظروں میں آج نہیں تو چند سال بعد ایک قابل نفریں فعل ٹھہرے گا۔

محمد علی

ہری والا۔ شملہ ایسٹ

❀❀❀

11 اگست 1920ء

اشاعتِ اسلام

اے احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام تجھ پر ہوا ہے فضل خدا وند ذوالکرام
تو تھی قلیل، نصرت غیبی تھی ہاں! کثیر تجھ کو ملا خدا سے ہے، یہ جاہ و احترام
تیرے مخالفیں جو تھے دنیا میں صد ہزار سب خائب و خاسر ہوئے از کارِ بد نظام
تجھ کو ہی خیر امّۃ کا ہے ملا خطاب دشمن کو ہے یہودی لقب کا ملا اِنعام
ہیں انجمنیں سینکڑوں موجود ہند میں جنہیں وصولِ زر ہی کا ہے فکر صبح شام
جن کے مبلغین بھی پھرتے ہیں در بدر خاصے بٹورتے بھی ہیں لوگوں سے درہم و دام
نعت اور قصہ خوانی میں ماہر ہیں اس قدر سنتے ہیں لوگ شوق سے لے کر بھی قرضِ دوام
لاتے ہیں بھر کے جیبیں زرو مال سے وہ خوب ہیں آرزوئیں ان کی بھی حاصلِ کلام
دیتے ہیں انجمن کو وہ کچھ حصہ قلیل سرمایہ خاص ان کا ہے اندوختہ تمام
اپنے پسینوں ہی کی کمائی ہے ان کی خاص لے لے مزے وہ کھاتے ہیں مطلق نہیں حرام
لیکن ہے تو مسیحِ زمان کی وہ انجمن ماموِرحق کے ہاتھ سے جس کا ہے اہتمام
آیا تھا وہ اشاعتِ اسلام کے لیے مخلوق کو پہنچا دیا اللہ کا یہ پیام
پرواہ ولے نہ کی کسی نے اس پیام کی رہبر تھے ان کے مولوی نااہل وعقل خام
ہمدرد و خیر خواہ کی مطلق نہ کی تمیز ناچار خوار ہو گئے ناکام بدکلام

اے قوم احمدی، رہو بستہ کمر تیار ہشیار باش در رہِ اشاعتِ اسلام
دیں کو کرو مقدم دنیا پہ دوستو تم تم نے کیا جو وعدہ ہے درحضرتِ امام
تم سب کے سب مبلغِ دینِ متین کے ہو دنیا کے چاروں کونوں میں پھر جاؤ بس تمام
تا محرمان دین کے اوہام باطلہ ہو جائیں دور از بیانِ صادقہ کلام
تن من سے اور دھن سے، سعیٔ بلیغ سے عالم پہ آشکارا کرو دین کا مقام
کب تک رہو گے غافل، اے عاشقانِ دیں دشمن نے راہِ دیں میں بچھا دیا ہے دام
دیجیو بکھیر تاروپود دام کی ادھیڑ ہو پاش پاش دام ان کے مکر کا وہ فام
قرآن اور حدیث کے ہیں فطرتی اصول قائم رہیں گے تا ابد بالذاتِ ذوالکرام

(از خلیفہ عبدالحکیم کاتب عفی اللہ عنہ)

۞۞۞

29اگست1920ء

قسط اول

موجودہ مشکلات میں مسلمانوں کا طرزعمل

حضرت امیر ایدہ اللہ کی وہ تقریر جو شملہ جین سبھا ہال میں مورخہ 8 اگست کو کی گئی ۔سبھا کا ہال، جو کم وبیش ڈیڑھ ہزار نفوس کو اپنے آغوش میں لے سکتا ہے، کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

سیکریٹری صاحب انجمن احمدیہ شملہ کی تحریک اور شیخ میاں محمد صاحب لائل پوری کی تائید سے مولانا مولوی حاجی شیخ کریم بخش صاحب، کے۔سی۔ایس۔آئی صدر قرار پائے۔صاحب صدر نے مختصر سی تمہیدی تقریر میں حضرت امیر کی خدماتِ اسلام کا اعتراف فرمایا اور تقریر کو شروع کرنے کی درخواست کی۔ دورانِ تقریر باوجود ہجومِ خلق کے، تمام مجمع پر ایک سکوت اور محویت کا عالم طاری تھا۔اور ہر متنفس قابل خطیب کے حقیقت افزاء کلام کا دل وجان سے معترف تھا۔

اس بے نظیر تقریر کو کاغذ کے گھاٹ اتارنے میں اگرچہ سعی بلیغ کی گئی، تاہم اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس خطبہ کو اپنے اصلی انداز میں قائم رکھنے سے ہم قطعاً قاصر رہے ہیں۔مقررانہ جوش اور جان بخش طرزِ ادا تو زبانِ قلم سے قطعاً ادا نہیں ہو سکتے۔باقی جو کچھ اس مائدہ روحانی سے ہاتھ آ سکا ہے، وہ ہدیہ قارئین ہے۔

عبدالحق 12اگست 1920ء۔شملہ

تشہد وتعوذ کے بعد آپ نے سورہ الفاتحہ پڑھ کر فرمایا:

حضرات! کسی مضمون کو بیان کرنے کے لیے اس کے جملہ پہلوؤں پر نظر ڈالنا ضروری ہوتا ہے۔ بہت سی باتیں ہیں کہ ان کے متعلق ایک تاریک سا خیال لوگوں کو ہوتا ہے۔لیکن اس پر پوری روشنی نہیں پڑی ہوتی. کوئی مسئلہ فی الحقیقت صحیح طور پر اسی وقت سمجھ میں آتا ہے کہ جب اس کے کل کے کل پہلوؤں کو روشن کر دیا جائے۔ بالخصوص وہ مسائل کہ جن پر قوم کی حیات وممات کا دارومدار ہو۔اور پھر ایک ایسی قوم کہ جس سے دنیا کا کوئی ملک

خالی نہیں۔قرآن کریم جو ہماری رشد و ہدایت کے لیے نازل کیا گیا۔کیا اس میں ہماری مشکلات کا حل نہیں بتایا گیا؟ حالانکہ قرآن مجید تو آنحضرت ﷺ کی بعثت کی غرض ہی یہ بتاتا ہے لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (1:14) تا کہ تمام قسم کی تاریکیوں اور مشکلات سے لوگوں کو نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ہر ایک مسئلہ کو روشن اور بین کر دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ پہلی کتابوں نے بھی بعض بعض تاریکیوں کو روشن کیا ہے۔مگر ان میں بہت سے مسائل بوجہ ابتدائی حالات ......تاریکی کی حالت میں ہیں۔تاہم پہلی کتابوں میں تمام مسائل پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔صرف چند ایک پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔مگر قرآن کریم تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔فرماتا ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (257:2) اللہ مؤمنوں کا ولی ہے اور وہ ان کو تمام تر تاریکیوں سے نور کی طرف لاتا ہے۔پھر خود نبی کریم ﷺ کو اس امر کا کامل یقین تھا کہ جس راہ پر چلنے کی وہ دنیا کو دعوت دے رہے ہیں، وہ روشنی اور بصیرت کی راہ ہے۔فرمایا قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا (108:12) کہہ دے کہ میرا طریق تو یہ ہے کہ میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔اور میں ایک بصیرت عظیم پر قائم ہوں۔اس میں کوئی تاریکی اور شبہ نہیں۔پھر اس کو اسی پر ختم نہیں کر دیا بلکہ فرمایا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ نہ صرف میں بلکہ وہ جو میری راہ پر چلتے ہیں، وہ بھی ایک بصیرۃ اور روشنی پر قائم ہیں۔وہ روشنی کس کام کی ہے، جو دوسروں کی راہنمائی نہیں کر سکتی۔پس قرآن کریم ایک روشنی اور نور ہے کہ جو ہماری تمام تاریکیوں کو دور کر سکتا ہے۔

زوالِ خلافتِ اسلامیہ کی وجوہات

اگر موجودہ حالات میں ہم نے اپنی مشکلات کا حل سوچنا ہے۔تو چاہیئے کہ ہم علیٰ وجہ البصیرۃ ان مشکلات اور مصائب پر غور کریں۔سب سے پہلی بات جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے کیا کرنا ہے؟ کیا کام ہے جو ہمارے در پیش ہے۔پھر اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس کے کرنے میں کون کون سی مشکلات موجود ہیں۔آج اس سوال کا جواب شرح وبسط کے ساتھ دینے کی ضرورت نہیں رہی۔وہ تمام مشکلات جو کبھی اخفاء کا پردہ اپنے اوپر رکھتی تھیں۔آج ان پر سے پردہ خود بخود اٹھ گیا ہے۔موٹے لفظوں میں یوں کہا جائے گا کہ ان

مشکلات میں سے بڑا مسئلہ زوالِ خلافتِ اسلامیہ ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو کہ شان وشوکت اسلام کی آخری تباہی۔ میرے نزدیک زوالِ خلافتِ اسلامیہ اور شوکتِ اسلامی کی تباہی دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ مگر یہ ادبارِ خلافت ہمیں آج کھل کر نظر آیا ہے۔ اس کے آثار آج سے مدتوں پہلے پیدا ہو چکے تھے۔

جس طرح ایک درخت کے پتے اور شاخیں پہلے خشک ہوتی ہیں۔ اور آخر میں تنا خشک ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح وہ اسلامی سلطنت، کہ جو کسی وقت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی، امتدادِ زمانہ سے اس کی تمام شاخیں ایک ایک کر کے خشک ہو کر درخت سے قطع ہو گئیں۔ اور آج اس کا تنا بھی خشک ہونے لگا۔ اگر غور کرو تو صرف اتنے سے ہماری مشکلات معلوم نہیں ہو جاتیں۔ یہ ادبارِ خلافت اور تباہی شوکت اسلام صرف نتیجہ ہے۔ جس کے اسباب اور علائم کوئی اور ہیں۔ ہمیں اس نتیجہ کو اپنی واقعی مشکل عظیم نہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ اس پر غور کرنا چاہیے کہ اس کے خشک ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ اور ہماری اصل مشکلات کا پتہ ان اسباب سے ملے گا۔ جن کی وجہ سے یہ بربادی بخش نتیجہ پیدا ہوا۔ اسلامی سلطنت کوئی چھوٹی سی سلطنت نہ تھی کہ جو بادِ مخالف کے ہلکے جھونکوں سے زمین پر آ رہتی۔ وہ اس قدر مضبوط اور وسیع تھی کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کو ہلا نہ سکتی تھی۔ اس کا رعب اور دبدبہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کے دلوں پر تھا۔ یورپ کے مغرب میں ہسپانیہ کے اندر جب خلیفہ کا قاصد پیغام لے کر پہنچ گیا۔ تو لڑنے والے فریقوں نے فوراً خوف زدہ ہو کر ہتھیار رکھ دیئے۔ اتنی بڑی بارعب سلطنت کیونکر گر سکتی تھی۔ اگر خود اس کے اندر کمزوری نہ پیدا ہو جاتی۔ جس چیز کے اندر زبردست زندگی موجود ہو، اس کو بیرونی دشمن کیونکر تباہ کر سکتے ہیں۔ پس ہمیں غیروں کو مطعون کرنے کے بجائے اصل جڑ بیماری کی معلوم کرنی چاہئیے۔ ہمیں ظاہری بیماری کو نہیں دیکھنا بلکہ اس کے اسباب کی طرف نظر کرنا ہے۔

تاریخ اسلامی کا بغور مطالعہ کرو تو تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اس شان وشوکت اسلامی کی تباہی کا موجب ہمیشہ مسلمانوں کے باہمی مناقشات رہے ہیں۔ اور آج بھی یہی وجہ ہماری تباہی کی ہوئی ہے۔ ہم میں سے اجتماعی قوت، ایثار اور قربانی کی روح رخصت ہوئی اور یہی وہ چیز ہے کہ جس کے ساتھ شوکت اور سلطنت حاصل ہوتی ہے۔ ان اخلاق کا ہم میں سے رخصت ہونا تھا کہ سلطنت اسلامیہ مرجھانے لگ گئی اور آج اس کی یہ حالت ہے کہ جو ہمارے سامنے ہے۔

شوکت اسلام دوبارہ کیونکر قائم ہوسکتی ہے؟

اگر ہم دوبارہ اس کو بحال کرنا چاہتے ہیں تو ہماری توجہ ان اسباب کی طرف ہونی چاہیے کہ جن کے رونما ہونے سے ہم سے یہ چھنتی چلی جارہی ہے۔ جب تک ان کی طرف توجہ نہ ہوگی، ہم کامیاب نہیں ہوسکتے۔ صرف موجودہ حالت ہی ہمارے لیے کافی نہیں بلکہ اسباب کو معلوم کرنا چاہیے کہ جو تباہی کا موجب ہوئے۔ اور وہ اتفاق، اتحاد، اور قربانی کی روح ہے جو ہم سے نکل گئی۔ کوئی وقت تھا کہ یورپ میں ترکوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور ان کو ہوّا سمجھ کر ڈرتے تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ کہ مجھے ایک مہینے کی مسافت پر رعب عطا کیا گیا ہے۔ وہ سلطنت جو دشمنوں پر اس قدر رعب رکھتی تھی، اس زمانے میں کیونکر بیمار سلطنت کہلانے لگ گئی۔ اور کیوں ان کا تمام رعب جاتا رہا؟ اس سوال کا حل ہماری مشکلات کو حل کردیتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ دوسری قومیں شوکتِ اسلام کو مٹانا چاہتی ہیں۔ یہ ایک امر حق ہے اور اس کے اعلان کرنے میں ہمیں کوئی تامل نہیں۔ وہ نہ صرف ہمیں مٹانا چاہتی ہیں بلکہ اب تو یوں کہنا چاہیے کہ وہ ایک حد تک مٹا چکی ہیں۔ وہ اسلام کی دشمن ہیں، اس لیے کہ ان کا خیال یہ ہے کہ اسلام سے دنیا میں جہالت اور وحشت پھیلتی ہے۔ اس کو ایک وحشی جنگجو قوم خیال کیا جاتا ہے کہ جس کے سبب دنیا میں امن قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ ان کی کوششیں اسلام کے خلاف ایک حد تک کامیاب بھی ہوگئی ہیں۔ لیکن یہ اصل وجہ ہماری تباہی کی نہیں۔ ہماری تباہی کے آثار ہمارے اندر سے پیدا ہوئے ہیں۔ پس جب تک ہم اپنے اندرونی نظم کو درست نہیں کریں گے۔ تب تک کامیابی مشکل ہے۔ اور سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ بعض باتیں جو ہمارے اندر پیدا کی گئی تھیں، نہ صرف ہمارے اندر موجود ہی نہیں رہیں، بلکہ ان کا احساس تک بھی ہمیں نہیں رہا۔

اس وقت ہماری مشکلات کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو اپنی قوم کے ساتھ معاملہ ہے اور دوسرا غیر لوگوں کے ساتھ ہمارا طریق عمل کیا ہونا چاہیے؟ ان دو پہلوؤں پر غور کرنے سے پیشتر دیکھنا یہ ہے کہ اس دنیا میں ہماری اصلی غرض و غایت کیا ہے؟ مسلمان کون ہیں؟ اور ان کے مسلمان بنانے سے غرض کیا ہے؟ اور ان کی تاسیس جماعت اسلامیہ کی اصل غرض و غائت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب خود قرآن کریم نے صاف الفاظ میں دیا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (3:110) یعنی تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدہ کے لیے پیدا کیے

گئے ہو۔تمہارے بہترین ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اورتم دوسرے لوگوں کے حقیقی فائدے کی خاطر کیونکر مفید ہو سکتے ہو؟ تَاْمُرُوْن بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (110:3) لوگوں کو نیکی کی بابت حکم کرتے ہو۔اور برائیوں سے لوگوں کو روکتے ہو۔بھلی باتوں کا حکم اور بُری باتوں سے دنیا کو روکنا۔یہ تمہاری تاسیس کی اصل غرض ہے۔دنیا میں لوگ ظلم وستم اور بدیوں کو پھیلاتے ہیں اور کثرت سے پھیلاتے ہیں۔تم ان کوان افعال بد سے روکو اور نیکی کی تلقین کرو۔ اس لیے دوسری جگہ فرمایا۔وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (143:2) ہم نے تم کو میانہ رَو یا اعلیٰ درجہ کی امت بنایا ہے۔تا کہ تم لوگوں کے لیے شہید بن جاؤ۔

شہید کے معنی ایک تو گواہ کے ہیں۔تم کسی کے گواہ بن جاؤ۔خدا تعالیٰ کی ہستی کے اور نیکی اور صداقت کے گواہ بن جاؤ۔شہید کے دوسرے معنی کے لحاظ سے، کہ جو عام طور پر مشہور ہیں، ہر مومن کی زندگی خدا تعالیٰ کی ہستی کی گواہی پر ختم ہوتی ہے۔اور وہ اپنی موت سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر گواہ ہو جاتے ہیں۔اس کے بعد فرمایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہو۔محمد رسول اللہ ﷺ کا گواہ ہونا ان کا مزّ کی اور پاک کرنے والا ہونا ہے۔اور وہ تم پر خدا تعالیٰ کی ہستی کا گواہ ہے۔تم نے اس کے ذریعہ خدا تعالیٰ کو پہچانا ہے۔اور جس طرح سے رسول نیکی کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر تمہارا پیشوا ہو گیا ہے، اسی طرح سے تم اس کی پیروی کر کے لوگوں کے پیشرو بن جاؤ۔

یہ کوئی محض دل خوش کن بات نہیں، بلکہ اس کی نظیر صحابہ کرامؓ کی زندگی میں موجود ہے۔تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ اسی اصول پر چل کر لوگوں کے پیشرو اور امام بنے۔ان کے پیشرو اور امام بنتے ہی بادشاہت اور حکومت خود ان کے ہاتھوں میں آ گئی۔ان کی غرض دنیا میں حکومت وسلطنت حاصل کرنا نہیں تھی۔وہ صرف دنیا کو نیکی سکھانے کے لیے نکلے۔مگر بادشاہت وسلطنت خود ان کے سامنے سر جھکا دیتی ہے۔

دیگر مذاہب کے بالمقابل اسلام کی شانِ امتیازی

دنیا میں بعض قومیں اپنی ہی قوم کے لیے مفاد حاصل کرنے کی کوششیں کرتی ہیں اور اس کے لیے بڑی بڑی قربانیاں کرتی ہیں۔مگر مسلمانوں کی غرض صرف اپنی قوم کے لیے مفاد حاصل کرنا نہیں بلکہ ان کی غرض تمام قوموں کے پیشرو بننا ہے۔اور تمام لوگوں کو نیکی سکھانا ہے۔اور اس کے حصول کا ذریعہ صرف دنیا کو نیکی اور ہدایت

کی دعوت ہے۔

اپنی شوکت کو قائم کرنے کے لیے ہم میں سے بعض لوگ دوسری قوموں کی نظیریں اور مثالیں خواہ مخواہ اپنے لیے تلاش کرتے ہیں۔ اس پر غور نہیں کرتے کہ جس قوم نے دوسری تمام اقوام کی پیشرو بننا ہو۔ وہ انہی قوموں کی پیروی کرکے کیونکر کامیاب ہوسکتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم اپنی طاقت کو بھول گئے ہیں اور غلطی سے دوسری قوموں کی اتباع کو اپنی کامیابی کی راہ سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہمارا کام صرف دعوت الی الاسلام مقرر کیا ہے۔ جس قوم نے دنیا کے اندر نیکی کو پھیلانا ہو، دوسروں کی تقلید سے کیونکر کامیاب ہو سکتی ہے نیکی کی تعلیم دنیا کو دینا کوئی چھوٹا سا کام نہیں۔ بہت بڑی بڑی قربانیوں، دکھوں اور مصیبتوں کا کام ہے۔

مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟

قرآن کریم نے اس کے لیے ایک دعا سکھائی ہے وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ (45:2) صبر اور دعا کے ساتھ استعانت طلب کرو۔ بغیر دکھ اور تکلیف اٹھانے کے کسی کام میں فائدہ نہیں ہوسکتا۔ نیکی کے پھیلانے میں جس قدر مصیبتوں میں سے گزرنا پڑے ان کو صبر کے ساتھ برداشت کرے۔ اور اللہ تعالیٰ سے کامیابی کے لیے دعا مانگے۔ اسی بات کو قرآن کریم نے ایک چھوٹی سی سورۃ میں بیان کیا ہے۔ وَالۡعَصۡرِ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ (103:1-3) یعنی انسان ہر آن ایک خسارہ عظیم میں پڑا ہوا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایماندار اور اعمال صالحہ بجالانے والے ہیں اور وہ دنیا میں حق کی اشاعت کرتے ہیں۔ اور اس اشاعت حق میں جو تکالیف ان پر پڑتی ہیں، ان کو صبر وسکون کے ساتھ برداشت کرتے اور دوسروں کو برداشت کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ نیکی پھیلانے کے لیے دکھوں کا آنا لازمی امر ہے۔ پس مومن وہ ہیں، جو ان مصیبتوں اور دکھوں کو دیکھ کر ہمت نہیں ہار دیتے، بلکہ صبر کے ساتھ برداشت کر کے آگے بڑھتے ہیں۔

حضرت مسیحؑ کی نرمی اور صبر کی تعلیم بھی اسی غرض کے لیے تھی کہ تمہاری ایک گال پر اگر کوئی تھپڑ مارے تو اس کی طرف دوسری بھی پھیر دو۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ نیکی کی تعلیم کے لیے حد درجہ کی نرمی اور برداشت سے

کام لو۔ جب تک تم صبر کی عادت نہ ڈالو گے، تم دنیا میں نیکی نہیں پھیلا سکتے۔ یہ یاد رکھو کہ تم مسلمان ہو اور تمہاری پیدائش کی غرض صرف یہ ہے کہ تم نیکی کو پھیلاؤ۔ پس تمہیں کسی قسم کی مصیبتوں سے نہیں گھبرانا چاہیئے۔

ہماری سرکار کے وزیرِاعظم مسٹر لائیڈ جارج نے ایک اعلان ''دنیا کے امن وامان کی ضامن عیسائیت ہے یا اسلام'' شائع کیا ہے۔ اور اس پر دوسرے وزرائے نوآبادیات کے بھی دستخط ہیں اس میں یہ لکھا گیا ہے کہ صرف عیسائیت ہی دنیا کے امن وامان کی ضمانت ہوسکتی ہے۔ مگر کیا گزشتہ چار سال ہولناک اور تمام دنیا کے امن وامان کو تباہ کر دینے والی جنگ خود عیسائی ہاتھوں سے لگائی ہوئی نہ تھی؟ عیسائی پادریوں کا خیال ہے کہ اسلام کی حکومت ظاہری یا اس کی شان وشوکت کے مٹنے سے اسلام زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور آج کل اسی لیے پادری لوگ خوش ہیں کہ اسلام کی دنیوی شوکت دنیا سے رخصت ہو رہی ہے۔ مگر اسلام اپنی دنیوی شان وشوکت کو کھو کر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ اور دنیا کو اپنی صداقت کا لوہا منوا سکتا ہے۔ وہی لائڈ جارج کہ جو عیسائیت کو امن کا گہوارہ قرار دیتے ہوئے اسلام پر طعنہ زنی کرتے ہیں، انہوں نے اپنی موجودہ روش سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر وہ پچاس سال تک بھی عیسائیت کو پھیلاتے رہیں، تو وہ دنیا میں نیکی کو قائم نہیں کر سکتے۔ دعویٰ تو یہ کیا گیا کہ عیسائیت ہی امن کا مذہب ہے۔ مگر اپنے طرزِ عمل سے چند دن کے اندر ہی بتلا دیا کہ دنیا کو ان سے انصاف اور وعدہ وفائی کی امید رکھنا فضول ہے۔ اور وہ اپنی عملی حالت سے عیسائیت کی امن پسندی کا ثبوت نہیں دے سکے۔

مسلمانوں کو بھی ان مشکلات کے اندر کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے کہ جس سے اسلام کی بدنامی اور ذلت ہو اور اس طرح ہمارے نصب العین ''اشاعتِ اسلام'' کو صدمہ پہنچے۔ مجھے مولانا مولوی محمد علی (جوہر) صاحب کے ایک فقرہ نے ان کا عاشق بنا دیا کہ انہوں نے ایوانِ حکومت میں کھڑے ہو کر صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر ترک واقعی ایسے ہی ظالم اور خونخوار ہیں، جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے، تو ہمیں ان سے قطعاً کوئی واسطہ اور تعلق نہیں۔ ہم اسلام کی عزت کی خاطر ترکوں سے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ اس زمانہ میں اسلام کے ذمہ ایک بدنامی لگی ہوئی ہے کہ وہ خونخواری کا مذہب ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جب کوئی کام کریں، تو اس بدنامی کو دور کرنے والا کریں۔ اسلام قطعاً خونخواری کا مذہب نہیں۔ وہ سراسر سلامتی کا مذہب ہے۔ اس کا نام ہی اس کی کافی ضمانت ہے۔ اسلام کے مفہوم میں سلامتی موجود ہے۔ ان کی آپس کی ملاقات کے وقت السلام علیکم کہا جاتا ہے۔

گڈ مارننگ، گڈ ایوننگ وغیرہ نہیں کہا جاتا۔ اسلام کی جنت کا نام دارالسلام (سلامتی کا گھر ہے) ان کے خدا کا نام السلام ہے۔ وہ دنیا میں صرف امن وسلامتی کا خواہاں ہے۔ ایسے مذہب کو خونخواری کا مذہب کہنا ظلم ہے۔ خود یورپ کی ہوسِ ملک گیری نے دنیا کے امن کو تہ و بالا کر رکھا ہے۔

مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر نہیں چلنا چاہئے کہ منہ سے تو یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ عیسائیت امن اور سلامتی کا مذہب ہے اور محبت محبت پکارتے رہتے ہیں۔ مگر عمل اس کے بالکل برخلاف ہے۔ ہمارا نصب العین ملک گیری نہیں، بلکہ اشاعتِ اسلام ہے۔ پس ہمیں کوئی ایسا فعل نہیں کرنا چاہئے کہ جس سے ہمارے نصب العین کو کوئی صدمہ پہنچے۔ تم اپنی عملی حالت کو درست کرو۔ اور اسلام کی تعلیم کا نمونہ بن کر دکھاؤ۔ اور اسی کی تاکید تم کو قرآن کریم کرتا ہے۔ وہ تم کو لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (143:2) بنانا چاہتا ہے لِتَكُونُوا مَلُوكًا نہیں فرماتا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ بادشاہت کے لیے ہمیں کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ بادشاہت بلاشبہ قومی زندگی کی حیات میں سے ایک ہے۔ اس کو حاصل کرنا بڑی اچھی بات ہے۔ اور اس کے حصول میں کوئی عیب نہیں۔

حصول سلطنت کے دو طریق

یہ بادشاہت دنیا میں دو طرح پر حاصل ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک طریق کا ذکر تو انجیل میں ہے۔ اور دوسرا طریق قرآن مجید میں ہے۔ متی کی انجیل کے چوتھے باب میں لکھا ہے کہ

> ''اس وقت روح یسوع کو جنگل میں لے گیا تاکہ ابلیس سے آزمایا جائے اور چالیس دن اور چالیس رات فاقہ کر کے آخر کو اسے بھوک لگی اور آزمانے والے نے پاس آکر اس سے کہا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو فرما کہ یہ پتھر روٹیاں بن جائیں۔ اس نے جواب میں کہا لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا بلکہ ہر بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے۔ تب ابلیس اسے مقدس شہر میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرا دے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھا لیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس

لگے۔ یسوع نے اس سے کہا یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر۔ پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان وشوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا اے شیطان! دور ہو۔ کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا۔ اور دیکھو فرشتے آکر اس کی خدمت کرنے لگے (متی 4:1-11)

پس ایک طریق تو بادشاہت کے حصول کا یہ ہے جو انجیل میں مذکور ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مسیح نے اپنی امت کو بادشاہت کے حصول کا یہ طریق سکھایا تھا۔ بلکہ لکھا ہے کہ جب ان کو شیطان نے پہاڑ پر لے جا کر یہ کہا۔ تو انہوں نے کہا کہ اے شیطان دور ہو جا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ تو خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کر۔ کاش! یہ نمونہ مسیحی مذہب میں پایا جاتا۔ اور وہ خدا کی عبادت کو معمولی مملکت پر مقدم رکھتے۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ شیطان کو سجدہ کرنے سے بادشاہت مل سکتی ہے۔

دنیا میں تمام چیزوں کے حصول کے صرف دو ہی طریق ہیں۔ خواہ وہ دولت ہو یا عزت ہو۔ یا حکومت وسرداری، اور خواہ خطاب اور نام کی شہرت ہو۔ ایک تو شیطان کو سجدہ کر کے اور دوسرے خدا کو سجدہ کر کے۔ آج کل لوگ خطاب یافتہ لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مگر سب کے سب خطاب یافتہ بیجا خوشامد اور قوم فروشی سے ہی خطاب حاصل نہیں کرتے، بلکہ ان میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ جنہوں نے واقعی ایمانداری اور اچھے کاموں کی وجہ سے ان کو حاصل کیا ہے۔ جبکہ اکثر ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے دین فروشی، قوم فروشی اور تقویٰ کو کھو کر ان کو حاصل کیا۔

غرض دنیا میں حصولِ دولت وعزت اور حکومت کے دو ہی طریق ہیں۔ ایک تو شیطان کو سجدہ کر کے۔ شیطان کے اصل معنی ہیں ''دور ہوا۔'' یعنی خدا سے دور ہوا۔

دونوں طریق میں سے یورپ نے کس کو اختیار کر رکھا ہے؟

فی الحقیقت جب کوئی شخص خدا سے دور ہو تو وہ شیطان کا پرستار ہی ہوتا ہے۔ اور اسی کو سجدہ کرنے والا کہلاتا ہے۔ یورپین تہذیب میں ٹیبل پر خدا کا نام لینا اور مجلسوں میں اس کا ذکر کرنا خلافِ تہذیب سمجھا جاتا ہے۔

پارلیمنٹ کے ایوانوں اور عام مجالس میں خدا کا نام لینا جائز نہیں سمجھا جاتا۔ ہاں یہ الگ امر ہے کہ جنگ کی شدت میں چند دنوں کے لیے لیا گیا۔ مگر مصیبت کے وقت تو دہریوں کے منہ سے بھی خدا کا نام نکل جاتا ہے۔ ایک بہت بڑا جہاز ٹائی ٹینک نامی تیار ہوا تھا۔ اور بڑے بڑے اعلیٰ درجے کے ناموں کے ساتھ تیار ہوا تھا۔ اس کی نسبت فخریہ لہجہ میں بہت کچھ کہا گیا تھا۔ جب اس کو سمندر میں چلایا گیا۔ تو برف کے ایک تودہ نے ایسے عظیم الشان جہاز کو توڑ دیا۔ اور جب جہاز غرق ہونا شروع ہو گیا۔ تو اس بیچارگی کے عالم میں ان معذور اور دہریت سرشت لوگوں نے بھی خداوند کے حضور جانے کے گیت گانے شروع کیئے۔ مگر یہ بالکل سچ ہے کہ عیسائیت کے تمام دعووں کے باوجود یورپ اور امریکہ میں سے خدا کا نام غائب ہوتا جاتا ہے۔ وہ انشاءاللہ اور ماشاءاللہ کہنے والوں پر ہنستے ہیں۔ یہی خدا سے دوری ہے اور یہی شیطان کو سجدہ ہے۔ اور نتیجہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لوگ اب خدا کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ بلکہ جو کچھ کرتے ہیں، دولت کو بڑھانے کے لئے، حکومت کو ترقی دینے کے لئے۔ ان کا معبود، رب زر ہے۔ اور یہی وہ شیطان ہے جس نے انہیں خدا سے دور کر دیا ہے۔

حصول سلطنت کا اسلام نے کون سا طریق سکھایا ہے؟

دوسرا طریق حصول حکومت کا وہ ہے جو قرآن کریم نے سکھایا ہے۔ فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (55:24) اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے ان لوگوں سے کہ تم میں سے جو ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ اور حاکم بنائے گا۔ پس یہ دوسرا طریق اعمال صالحہ نیک کاموں سے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے حکومت کے حاصل کرنے کا ہے۔ ایک طریق تو شیطان کو اور مال و دولت کو معبود بنا کر حصول بادشاہت ہے۔ اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے۔ اب اگر مسلمانوں کے دلوں میں بادشاہت کی خواہش ہے۔ اور ضرور ہر ایک مسلمان کے دل میں ہونی چاہیے۔ اور یہ ایک جائز خواہش ہے۔ تو کیا تم اس طریق کو اختیار کرو گے؟ جو یورپ نے اختیار کیا۔ یا اس کو جو قرآن کریم نے بتایا ہے۔ پھر اگر تم ایمان اور اعمال صالحہ سے حکومت کو حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو یورپ کے طریقوں کی نقل مت

کرو۔

شور ڈال کر اور قتل، خونریزی اور بے معنی جوش کا اظہار کر کے کچھ حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ پہلے تم خود اعمال صالحہ کے ساتھ اپنی اصلاح کرو۔ اپنے اندر اصل چیز اور روح پیدا کرو۔ ورنہ اگر ان بد اعمالیوں میں گرفتار ہونے کے باوجود تم کو سلطنت مل بھی جائے تو میں اس کو مسلمانوں کے لیے قطعاً مفید نہیں سمجھتا۔ وہ تمہاری تباہی اور بربادی کی موجب ثابت ہوگی۔ پس تم پیشتر اس کے کہ حکومت دیئے جاؤ۔ تم اپنے اندر اس کے لیے اہلیت پیدا کرو۔ تم دوسروں کے نقش قدم پر چل کر قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تمہارے لیے کامیابی کی راہ صرف وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (104:3) قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔

اگر تمہارے اندر حکومت کی خواہش ہے تو اس کو دوسرا درجہ دو اور دعوت الی الاسلام کو مقدم کرو۔ اور یاد رکھو کہ تمہارے لیے حصول حکومت و بادشاہت کا یہی پہلا زینہ ہے۔

مایوسی کل ناکامیوں کی اصل ہے

اس وقت مسلمانوں پر مصائب اور دکھوں کا زمانہ ہے۔ اور بہت سے لوگ تو دکھوں اور مصائب کے وقت مایوس ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے دیوانہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ جو مصائب اس وقت اسلام اور مسلمانوں پر پڑے ہیں، وہ بہت سے دلوں کو مایوس اور دیوانہ کر سکتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ مایوسی کی حالت میں ہمت ہار دیتے ہیں۔ اور بہت سے دیوانہ ہو کر ناجائز حرکات کا اظہار شروع کر دیتے ہیں۔

نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ کبھی مایوس نہیں ہوئے

اس کے بارے میں پہلی بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ لَاتَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ(87:12) تم کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ یہ کفار کی شان ہے۔ مسلمان کی شان مایوسی سے بہت بلند ہے۔ صحابہ کرامؓ اور نبی کریم ﷺ سخت سے سخت مصائب اور دکھوں کے دنوں میں بھی مایوس نہیں ہوئے۔ غار میں جب آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ انتہا درجے کی روح فرسا مصیبت میں مبتلا تھے۔ اور کفار آپؐ کی تلاش میں غار کے منہ تک

پہنچ چکے تھے اور بظاہر تمام قسم کی امیدیں منقطع ہو چکی معلوم ہوتی تھیں۔ اور اسی کا اثر تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے چہرہ پر ملال اور خوف کے آثار ظاہر ہو چکے تھے۔ تو آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (40:9) فرمایا۔ کیا ہمت اور ایمان ہے؟ کہ انتہائی یاس کی حالت میں بھی آپؐ مایوس نہیں ہوتے۔ صرف ایک ہی موقعہ پر نہیں۔ بیسیوں موقعہ پر ایسے حالات پیش آئے۔ اور آپؐ کے دل پر مایوسی کا وہم تک نہیں گزرا۔ خود صحابہ کرامؓ بھی بڑے سے بڑے مصائب میں مایوس نہیں ہوتے تھے۔ ان پر نبی کریم ﷺ کی وفات سے بڑھ کر اور کون سا مایوسی کا موقع ہوسکتا تھا؟ جنگ احد میں دشمن نے یہ خبر مشہور کر دی کہ آنحضرت ﷺ قتل ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ پر اس سے بڑھ کر اور کونسا حادثہ زیادہ اندوہناک اور مایوس کن ہوسکتا تھا؟ کیونکہ جب فوج کا جرنیل مارا جائے۔ اور پھر ایسا جرنیل جو ان کی تمام تر امیدوں کا سہارا تھا۔ تو اس کا اثر فوج پر لازماً مایوس کن پڑنا چاہئے تھا۔ مگر لکھا ہے کہ جب ایک صحابیؓ نے اپنے ایک ساتھی کو سست دیکھا تو آگے بڑھ کر کہا اِنْ کَانَ مُحَمَّدٌ قَدْ قُتِلَ فَرَبُّ مُحَمَّدٍ مَا قُتِلَ فَقَاتِلُوْا عَلٰی مَا قَتَلَ عَلَیْہِ. محمد ﷺ اگر قتل ہو گئے ہیں تو رب محمد ﷺ قتل نہیں ہوا۔ جس غرض کے لیے لڑتے تھے تم بھی لڑو۔ یہ کہہ کر دشمن کی فوج میں گھس گئے۔ مسلمانوں کے لیے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ صحابہؓ اس لیے مایوس نہ ہوتے تھے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور فتح اور غلبہ کے وعدے تھے۔

یہ بات بلاشبہ سچ ہے۔ مگر کیا اللہ تعالیٰ کے تمہارے ساتھ وعدے نہیں۔ جو وعدے اسلام کے غلبہ اور کامیابی کے ان کے ساتھ تھے۔ وہ تمہارے ساتھ بھی ہیں۔ بلکہ تمہاری تمام تر حالت کا نقشہ احادیث میں کھینچ کر بتا دیا ہے۔ اور جا بجا اخبار حدیثیہ میں اسلام کی کمزوری کے وقت غلبہ کے وعدے اور غلبہ کے وقت کمزوری کے وعید بیان کیے گئے ہیں۔

اسلام کل ادیان پر غالب آ کر رہے گا

پھر تمہارے لیے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیا خود قرآن کریم میں لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (33:9) کہ کل دینوں پر اسلام کو ''غلبہ دیا جائے گا'' کا وعدہ موجود نہیں۔ پس اسلام یقیناً بموجب وعدہ الٰہی کل ادیان پر غالب آنے والا ہے۔ یہ خدا کا وعدہ ہے اور ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

خصوصیت سے ایک حدیث شریف میں آتا ہے: اِنَّ رِبِّیْ ذوی لِیَ الْاَرْضَ حتّٰی رَأَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا فرمایا کہ میرے سامنے زمین کو میرے رب نے سکیڑ کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ مجھے اس کی مشرقی اور مغربی سرزمینیں دکھائی گئیں۔ پھر فرمایا میری امت کا ان پر تصرف اور قبضہ ہو جائے گا۔ کیا مسلمانوں کی عالمگیر حکومت نے اس حدیث کی صداقت پر مہر نہیں لگا دی۔

رسول کریمؐ کو اسود اور احمر دو خزانے ملنے کا وعدہ ہے

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں اُعْطِیْتُ اَلْکَنْزَیْنِ الْاَحْمَر وَالْاَبْیَض مجھے سرخ اور سفید دو خزانے دیئے گئے۔ سرخ خزانہ تو یہی ہے کہ ہمارے سامنے بیٹھا ہے۔ اور سفید خزانہ یورپ ہے جو اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی تلے آنے والا ہے۔ اور جس طرح سرخ خزانہ آ چکا۔ اور یقیناً داخل اسلام ہونے والا ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ تم اس سفید خزانہ کو تلوار کے زور سے حاصل نہیں کر سکتے۔ بلکہ حق اور صداقت کی تلوار سے تم اس کو یقیناً فتح کر سکتے ہو۔ اس بات کا فکر مت کرو کہ تمہارے اندر آج بہت طاقت و دولت اور علوم نہیں رہے کہ جن کے زور پر تم ان کو فتح کر سکو۔ بلکہ یاد رکھو کہ پہلے بھی اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ حق اور صداقت کے زور سے ہی غالب آیا تھا۔ اگر اس وقت اس نے بے سرو سامان اونٹ چرانے والوں کو دنیا کے حاکم اور بادشاہ بنا دیا۔ جیسا کہ کسی نے کہا کہ:

ز شیرِ شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسید است کار
کہ تختِ کیاں را کنند آرزو تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو

اسلام اگر یہ نمونہ دکھا سکتا ہے کہ وہ اپنے ادنیٰ خادموں کو دنیا کے بادشاہ بنا سکتا ہے۔ تو یقیناً دوسرا نمونہ بھی دکھا سکتا ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کا ادنیٰ خادم بنا دے۔ پس تم مایوس مت ہو کہ تمہارے پیشرو صحابہؓ نے کبھی مایوسی نہیں دکھائی۔ اور نہ خود حضرت نبی کریم ﷺ نے دکھائی ہے۔

جوش کے وقت دیوانگی کے ساتھ فرزانگی کو بھی جمع کرو

اگر تم دنیا میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو مایوسی کو اپنے قریب مت پھٹکنے دو۔ یہ کام کی پہلی شرط ہے۔ اور

دوسری شرط یہ ہے کہ تم مصائب کے وقت دیوانگی کا طریق اختیار نہ کرو۔ بلاشبہ مصائب قوموں کو دیوانہ بنا دیتی ہیں اور اکثر لوگ جوش میں آ کر اپنے ہوش وحواس کو کھو دیتے ہیں۔ مگر تمہارے اندر جوش محض دیوانگی کے رنگ میں نہیں ہونا چاہئے بلکہ اپنے اندر دیوانگی کے ساتھ فرزانگی کو بھی جمع کرو۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دو متضاد صفات دیوانگی اور فرزانگی کو کیسے جمع کیا جا سکتا ہے؟ مگر صحابہ کرامؓ کی زندگی کو دیکھو تو تمہیں یہ اجتماع ضدین ان کے اندر موجود ملے گا۔ وہ اگر راہِ حق کے دیوانہ تھے تو باقی تمام حالات میں نہایت ہوشیاری اور فرزانگی کا ثبوت بھی رکھتے تھے۔ اور ضرورت کے وقت تمام ضروری سامان سے غفلت نہ رکھتے تھے۔ اسلام کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ متضاد باتوں کو اپنے پیروؤں کے اندر جمع کر دیتا ہے۔ آج مسلمان صرف توکل کا سبق رٹتے ہیں اور سعی اور جدوجہد اور سامان کی طرف سے قطعاً غافل ہو گئے ہیں۔ مگر اسلام نے مسلمانوں کو جہاں کامل توکل کی تعلیم دی ہے، وہاں سعی اور جدوجہد کی تاکید کی ہے۔ اور صاف فرمایا ہے کہ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (39:53) انسان کے لیے سعی عمل کی جزاء کے سوا اور کچھ نہیں۔

پھر قرآن کریم نے ایمان اور عمل دونوں کی تعلیم ایک ساتھ دی ہے۔ پس تم ایمان اور اعمال دونوں کو اختیار کرو۔ اور عیسائی مذہب کی تقلید مت کرو کہ جب ایمان کا وقت تھا تو عمل سے چھٹی تھی اور جب عمل کا وقت آیا تو ایمان کو رخصت کر دیا۔ شروع زمانے میں تو دین پر اس قدر زور تھا کہ دنیا سے علیحدہ رہبانیت پر زور دے کر دنیا کو بالکل ترک کر دیا۔ آج دنیا پر اس قدر زور ہے کہ دینداری کا نام ونشان تک مٹ رہا ہے۔ انہیں کی بابت قرآن کریم میں اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (104:18) کہا گیا ہے۔ مگر اسلام اس کے خلاف ایمان اور اعمال دونوں کو جمع کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے ایمان اور عمل دونوں کو ہمیشہ ہر معاملے میں جمع کیا ہے۔ اس طرح سے قرآن کریم مسلمانوں کو اپنے اندر دو اور متضاد صفات کے جمع کرنے کا حکم دیتا ہے۔ عدل اور رحم۔

عیسائیوں نے تو خدا ہی ایسا مانا ہے جس کے اندر یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتیں، مگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ان کے جمع کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ صفات جو عیسائیوں کے خدا میں جمع نہیں ہو سکتے، صحابہ کرامؓ اور محمد رسول اللہ ﷺ نے ان دو متضاد صفات کو اپنے اندر جمع کر کے دکھا دیا۔ رحم کے موقعہ پر رحم بھی کمال کا دکھایا۔ اور عدل کے

موقعہ پر عدل کو بھی کام میں لائے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ایک طرف تو فرمایا کہ یہ مال واولاد سب دنیا کی زینت کی چیزیں ہیں۔ اور دنیا کے مال ودولت کو کوئی بڑا مرتبہ نہیں دیا۔ اوراس لہوولعب میں پڑنے سے بار بار روکا ہے۔ پھر دوسروں طرف مال کی حفاظت کے تمام طریق بھی بیان کیے ہیں۔ فی الحقیقت اس سے مقصد یہ ہے کہ نہ تو مال ودولت کو معبود بنالو۔ اور نہ اس سے مطلقاً رہبانیت اختیار کرلو۔ غرض قرآن کریم میانہ روی اوراعتدال کی راہ ہرمعاملہ میں سکھاتا ہے۔ پس اگر تمہارے اندر کوئی جوش پیدا ہواور خدا کی راہ میں ضرور جوش ہونا چاہئے تو اس کو حد سے مت بڑھنے دو۔

دنیا کو اپنا معبود مت بنالو بلکہ خدا کی محبت میں سخت ہو جاؤ

اوران دنیوی چیزوں سے اس قدر محبت نہ کرو کہ تم اس کو معبود ہی بنالو۔ چنانچہ ایک جگہ قرآن کریم فرماتا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (165:2) بہت سے لوگ غیراللہ کے لیے اس طرح محبت کرتے ہیں کہ جیسی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنی چاہئے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت بڑھ کر ہیں۔ پس تم دنیا اوراس کی چیزوں کو معبود مت بنالو بلکہ اللہ تعالیٰ سے محبت میں سخت ہو جاؤ۔ پھر محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت کرو۔ جس کی محبت مدارِ ایمان ہے اوراس کے دین کا درد تمہارے دلوں میں ہو۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَايُؤْمِنُ اَحَدُ كُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ تم میں سے کوئی ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والد اور ولد سے بڑھ کر محبت نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت کے یہ معنی ہیں کہ تم ان کے نقشِ قدم پر چلو۔

پس دینِ حق کے لیے اپنے اندر جوش پیدا کرو۔ مگر جوش میں آکر اس کے دین کو بدنام مت کرو۔ تمہارے اندر ہر کام کے اندر جوش اور فرزانگی ملی ہوئی ہونی چاہیے اور ہر کام کے کرنے سے پیشتر یہ دیکھ لو کہ وہ تم کو کیا فائدہ دے گا اور راستہ اختیار کرنے سے پیشتر سوچو کہ وہ تم کو کہاں پہنچائے گا۔ قرآن کریم کو اپنا دستور العمل بناؤ کہ وہ تمہاری ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (154:6) فرمایا ہے۔

صبر وصلوٰۃ کل کامیابیوں کی اصل ہے

وہ تمہاری ہر مصیبت اور دکھ کے وقت میں تمہاری رہنمائی کرنے والا ہے۔ مصائب کے وقت میں اس کی تعلیم یہ ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ(153:2) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر اور دعا کے ساتھ استعانت طلب کرو۔ فی الحقیقت اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس آیت کے اندر گویا مصیبتوں کے ذریعہ سے مصیبتوں سے نکلنے کی راہ بتلائی گئی ہے۔

صبر کے اصلی معنی ہیں تنگی کے اندر اپنے آپ کو روک رکھنا۔ مصائب کے وقت اپنے آپ کو روکنا خود ایک بڑی مصیبت ہے۔ آئمہ لغت کہتے ہیں کہ صبر اپنے آپ کو روک رکھنے کا نام ہے۔ اس بات پر، جس کا عقل صحیح اور شریعت اقتضاء کرتی ہیں اور جن سے وہ منع کرتی ہیں، ان سے منع ہو جانا۔ گویا جب عقل اور شریعت ایک بات کے کرنے کو چاہتی ہیں تو خواہ کچھ بھی مشکلات سامنے ہیں ان کو کر کے دکھائے اور جب وہ ایک بات کے نہ کرنے کو چاہتی ہیں تو خواہ کتنے ہی فوائد اس میں نظر آئیں، اس کی طرف قدم نہ اٹھائے۔ گویا اصول پر قائم ہوا اور ایسے عزم واستقلال کے ساتھ قائم ہو کہ اس سے کوئی چیز اسے پھیر نہ سکے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں کیریکٹر (Character) کہا جاسکتا ہے۔ جب اصول کو قبول کر لے تو پھر کبھی اس سے متزلزل نہ ہو۔ اور کوئی طاقت اس کو اس سے مٹا نہ سکے۔

مگر یہ خیال اور عزم انسان کو فرعون بھی بنا سکتا ہے کہ اس کو جس بات کا اس نے عزم کر لیا ہے اس سے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں ہٹا سکتی۔ اور جس بات کو اس نے اختیار کیا ہے، اس کے بالمقابل اس نے کسی چیز اور طاقت کی پرواہ نہیں کی۔ تو اس سے چونکہ انسان کے اندر کبر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کے علاج کے لیے آگے صلوٰۃ کا حکم دیا۔ جو کہ سراسر اپنے آپ کو گرا دینے کا نام ہے۔ اور جس کے معنی ہی عاجزی اختیار کرنا ہے۔ صبر سے جس قدر غرور، تکبر اور خودی پیدا ہو جانے کا احتمال تھا، اس کو خدا کے حضور گرنے کی تعلیم دے کر رحم اور نرمی میں بدل دیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو دیکھو۔ آپ کو کوئی بڑی سے بڑی سختی اور لالچ اپنے نصب العین سے نہیں پھیر سکا۔ کفار مکہ نے آپؐ پر طرح طرح کی سختیاں کیں۔ مگر آپؐ کے عزم میں اس سے کمی یا تزلزل واقع نہیں ہوا۔ ایک موقعہ پر جب سرداران کفار نے آپؐ کے پاس اپنے نمائندوں کو اس غرض کے لیے بھیجا

کہ وہ آپؒ کے سامنے ان تجاویز کو پیش کرے کہ جو ان کی مجلس میں طے ہوئی تھیں۔ دولت، سلطنت، حکومت اور خوبصورت سے خوبصورت بی بی کا آپؐ کو لالچ دیا گیا۔ مگر آپ کا قدم جس طرح مصائب میں نہیں ڈگمگایا، اسی طرح لالچ کے وقت بھی ویسا ہی مضبوط رہا۔ اور ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند کو رکھ دو۔ تو بھی میں اپنے فرضِ منصبی کو ترک نہیں کر سکتا۔ اور نہ کلمۂ حق کے کہنے سے رک سکتا ہوں۔

۞۞۞

یکم ستمبر 1920ء

قسط دوم

موجودہ مشکلات میں مسلمانوں کا طرزِ عمل

(تقریر حضرت امیر ایدہ اللہ بسلسلہ اشاعت 29 اگست 1920ء)

غرض قرآن کریم نے جو صبر اور صلوٰۃ کی تعلیم دی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جب تم کسی اصول پر قائم ہو تو مصائب کے پہاڑ بھی تم کو نہ ہٹا سکیں اور جب گرو تو خدا کے حضور گرو۔ اور پھر تم سے بڑھ کر گرنے والی اور کوئی چیز نہ ہو۔ مگر کبھی کسی انسانی طاقت کے سامنے مت گرو۔ اور نہ انسانوں کے سامنے ذلت اختیار کرو۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ جنگوں اور مصائب کے وقت ایک آہنی دیوار کی طرح مضبوط ہو جاتے تھے۔ مگر دوسرے موقع پر ان کے دل ہر ایک یتیم اور مسکین کے لیے پگھل جاتے تھے۔ وہ صبر کا نتیجہ تھا تو یہ صلوٰۃ کا اثر۔ غرض مشکلات اور مصائب میں ان دو اصولوں کو مشعلِ راہ بنانے کی قرآن کریم نے تعلیم دی ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ اور حقیقتِ نماز

اب میں آپ کو ایک اصل الاصول کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ تمام کاموں کا دارومدار اصولوں پر ہوتا ہے۔ پس اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو۔ تو قرآن کریم کے اصل الاصول پر کاربند ہو جاؤ۔ قرآن کریم نے ایک اصول زندگی ہر مومن کے لیے مقرر کر دیا ہے۔ جس کے سامنے نماز بھی ایک فرع ہے۔ نماز پڑھنے والے اب بھی بہت ہیں۔ مگر اس اصول پر کاربند نہیں۔ صحابہؓ کی فضیلت کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ حقیقتِ نماز پر کاربند تھے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جب خرچ کرنے کا موقع آتا تھا تو وہ کُل کا کُل دے دینے سے بھی پس و پیش نہ کرتے تھے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ** (9:111) اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جان اور مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ اب غور کرو تو جان و مال تو فی

الحقیقت خدا ہی کی چیزیں ہیں۔ اپنی ہی چیز کو خریدنے کے کیا معنی۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان کی سعی اور کسب کو ایک چیز میں دخل ہو جاتا ہے۔ تو ایک مجازی ملکیت ان چیزوں پر اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس مجازی ملکیت کے خیال کو بھی دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مومنوں سے ہم نے وہ چیزیں خرید لی ہیں۔ اب یہ چیزیں مومن کہلانے کے بعد تمہاری اپنی نہیں ہیں۔ تم اپنی جان و مال کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہو۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال کے دینے میں کیونکر عذر ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے۔ وہ مومن ہیں اور وہی يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (111:9) پر عمل کرتے ہیں، خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور حق کے خلاف لڑنے والوں سے لڑتے ہیں۔ اور اپنی جان خدا کی راہ میں دے دیتے ہیں۔

جنگ کا ذکر اس لیے کیا کہ اس میں جان و مال کلیۃً فدا کرنے پڑتے ہیں۔ اور یہ قربانی کا نہایت اعلیٰ درجہ کا مقام ہے۔ اب اگر تم مومن ہو تو غور کرو کہ کیا تم نے اپنی جان و مال کو خدا کا سمجھا ہوا ہے؟ تم اپنے جلسوں میں تو بڑے بڑے جوش و خروش کا اظہار کرتے ہو۔ مگر جب خدا کے لیے کچھ دینے کا سوال ہوتا ہے تو تم کچھ نہیں کرتے۔ جب تم اپنے لیے خرچ کرتے ہو، تو تمہاری حالت اور ہوتی ہے اور تم جائیدادیں بیچ کر، قرضے لے کر بھی دل کھول کر خرچ کرتے ہو۔ اور باوجود اس کے خوش ہوتے ہو۔ پر جب خدا کے لیے خرچ کرنے کا سوال ہوتا ہے۔ تو تمہاری حالت اور ہوتی ہے۔ تمہارا دل گھٹتا ہے۔ اور طرح طرح کے بہانے نہ دینے کے لیے تلاش کرتے ہو۔ اور اگر تمہارے ہاتھ سے کچھ نہیں نکلا تو خوش ہوتے ہو کہ بچ گئے۔ حالانکہ فی الحقیقت تم نے ذلت و موت کی راہ اختیار کی ہوتی ہے۔

یاد رکھو کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ یہ صرف ظاہری نشان اور بمنزلہ جسم کے ہیں۔ اصل روح اور حقیقت اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (111:9) ہے۔

پس تم اس حقیقت پر قائم ہونے کے لیے صبر اور صلوٰۃ سے استعانت کرو۔ تم میں سے کتنے ہیں کہ جو صلوٰۃ کو پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کی قریباً قریباً وہی حالت ہو گئی ہے کہ جو قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (88:2) کہنے والوں کی تھی کہ ہمارے دل علوم سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ تم خدا کو چھوڑے ہوئے ہو۔ نمازوں میں اس کے حضور گڑگڑاتے نہیں۔ اس لیے خدا

نے بھی تم کو چھوڑ دیا ہے۔

مصائب اور مشکلات کے دور کرنے کے تین اصول

مصائب اور مشکلات کو دور کرنے کے لیے جو اصول تمہیں بتائے گئے ہیں تم ان کی پابندی نہیں کرتے۔قرآن کریم نے ان حالات میں ایک اصول تو صبر اور صلوٰۃ کا بتایا کہ اس سے استعانت حاصل کرو۔اور دوسرا خدا کی راہ میں اپنے تمام جان و مال کو قربان کرنے کے لیے تیار رہو۔

تیسرا اصول مشکلات کو دور کرنے کا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا (103:3) ہے۔جس کام کو کرو۔تمام کے تمام مسلمان اکٹھے ہو کر کرو۔ جب تک تم مجموعی طاقت نہ پیدا کرو گے کچھ نہیں ہو سکے گا۔قوموں کے مصائب اور قومی مشکلات ہمیشہ مل کر کام کرنے سے دور ہوا کرتے ہیں۔ اس اجتماعی قوت کو پیدا کرنے اور باہمی اتفاق اور اتحاد کی بنیاد ڈالنے کے لیے سب سے ضروری اور بنیادی کام یہ ہے کہ تم آپس میں نہ صرف ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کرو۔ بلکہ آپس میں بھی ایک دوسرے کی عزت کرو۔ یہ قوم کے ایک ہونے کی پہلی منزل ہے۔ اس پر جب تک عمل نہیں کرو گے۔ باہمی اتفاق نہیں ہوسکتا۔ تمام مسلمانوں کے اندر رشتۂ اخوت مضبوط ہونا چاہیے۔اور تمام افراد کے اندر قومی مصیبت کا یکساں احساس ہونا چاہیے۔ایسا نہ ہو کہ کوئی بات تمہیں آپس میں لڑوا کر تمہارا خاتمہ کر دے۔

اپنے اعمال اور افعال میں یہود سے مت مشابہت پیدا کرو

قرآن کریم میں تمہاری ہجرت کے لیے یہود کا تذکرہ موجود ہے۔فرمایا: وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَاتَسْفِکُوْنَ دِمَآءَ کُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ. ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (85-84:2) یہود سے یہ اقرار لیا گیا کہ تم آپس میں خونریزی مت کرو اور اپنے لوگوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو۔مگر انہوں نے اس اقرار کو پورا نہ کیا اور اپنے لوگوں کو قتل کرنے لگ گئے۔اور ایک فریق نے دوسرے فریق کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔ مدینہ میں یہودیوں کے دو قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ تھے اور ادھر اوس وخزرج دو

قبیلے تھے، جو باہم لڑتے رہتے تھے۔ یہود کا ایک فریق ایک قبیلے کے ساتھ مل جاتا تھا اور دوسرا دوسرے کے ساتھ۔ اور اس طرح سے یہ لوگ آپس میں اپنے ہی بھائیوں کو تباہ اور برباد کرتے تھے۔ اور پھر جب ایک فریق مغلوب ہو جاتا اور اس کے آدمی قید ہو جاتے تو یہودیوں کی دونوں قومیں یعنی فاتح اور مفتوح مل کر چندہ کرتے کہ ان قیدیوں کو چھڑائیں۔ مسلمانوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے یہی اقرار لیا ہے کہ ان کے اموال اور خون آپس میں حرام ہیں۔

قرآن کریم میں گزشتہ اقوام کے حالات یونہی قصہ کے طور پر بیان نہیں کئے۔ اگر غور کرو تو یہ آیت بھی مسلمانوں پر صادق آتی ہے۔ پہلے خود ہی جا کر اپنے ممالک کو غیروں کے لیے فتح کر دیا اپنے بھائیوں کو قتل کیا اور ان کو غیروں کے ہاتھ قید کروا دیا۔ اور اب خلافت اور ملک کی واپسی کے لیے جوش وخروش کا اظہار کرتے ہیں۔

کوئی بیرونی دشمن مسلمانوں کو تباہ نہیں کر سکتا

مسلمانوں پر جب کبھی تباہی و بربادی آئی ہے۔ صرف اپنے بھائیوں کے ہاتھوں آئی ہے۔ ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بیرونی دشمن مسلمانوں کو ایسا تباہ نہیں کر سکے گا کہ وہ بالکل برباد ہو جائیں۔ جب تک کہ مسلمان آپس میں پھٹ کر ایک دوسرے کو تباہ نہ کر دیں۔ اور یہ بلاشبہ صحیح ہے کہ آج تک جب کبھی مسلمان تباہ ہوئے ہیں، آپس کی بے اتفاقی سے ہوئے ہیں۔ اب اس وقت بھی جس قدر مشکلات اور مصائب کا مسلمانوں کو سامنا ہے وہ سب کی سب ہماری اپنے ہاتھوں کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کو محض جوش وخروش سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ اس کا وقت اب گزر گیا ہے۔ اب ہم اپنے لیے جو طریق عمل مقرر کریں سب کو اس پر کاربند ہونا چاہیئے۔

دنیا میں اس وقت کوئی مسلمان نہیں کہ جس کا دل شوکت اسلام کی تباہی سے پھٹا ہوا نہیں اور کوئی آنکھ نہیں کہ جو اس صدمہ سے پرنم نہیں۔ مسلمانوں کو اس وقت اس قدر ذلیل سمجھا گیا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی ذلت نہیں ہو سکتی۔ یہود کی آج وہ عزت ہے کہ جو مسلمانوں کی نہیں۔ فلسطین کا علاقہ جو اسلامی علاقہ ہے وہاں یہودیوں کی آبادی کا فکر ہوتا ہے اور یہودی وہاں کا حاکم مقرر ہوتا ہے۔ مگر مسلمان جو وہاں کثرت سے آباد ہیں۔ مسلمان جو وہاں حاکم تھے، مسلمان جنہوں نے اس کے فتح کرنے میں مدد دی وہ محروم کیے جاتے ہیں۔

مسلمان اس انتہائی ذلت سے کیونکر نجات پا سکتے ہیں

پس جبکہ ذلت کی حالت انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ تو اس حالت سے نکلنے کے لیے بہت بڑی مدت کی متواتر جدوجہد بکار ہے۔ یہ چند دنوں مہینوں اور سالوں کا کام نہیں۔ بلکہ ایک لمبے عرصے تک ہمیں صحیح اصولوں پر کوشش کرنی چاہیے وہ وقت دوبارہ نہیں مل سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کے وقت میں صدیوں کے کام چند سالوں میں ظہور پذیر ہو گئے تھے۔ وہ نظارہ محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے ہی خاص کیا گیا۔ آج وہ زمانہ میسر نہیں آ سکتا۔ آج اگر تم نے قوم کو بنانا ہے، تو یہ صدیوں کا کام ہے۔ ایسے کاموں میں فوری جوش کوئی کام نہیں دے سکتا۔ تمہارے ممالک اور اموال کو اگر غیروں نے فتح کر لیا ہے۔ تو تم اٹھو اور ان کے دلوں کو فتح کرنے کا فکر کرو۔ ان کے اندر اگر تم نے اسلام کی تعلیم کو پھیلا دیا تو ایک تو تم نے اسلام کو پھیلا دیا۔ اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں سے اسلام کے بغض کو نکال دیا۔ اور اس طرح سے تمہارے ساتھ ایک عالمگیر ہمدردی پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر اشاعت و ترویج اسلام کے لیے بہت بڑی قربانی کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لیے ضرورت ہے روپیہ کی۔ اور ضرورت ہے اپنے آپ کو وقف کرنے کی۔ جب تک تم اس طرح کی قربانی کے لیے تیار نہ ہو۔ تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ہندو مسلم اتحاد کیونکر کامیاب ہو سکتا ہے

مسلمانوں میں آج کل یہ ایک مرض ہے کہ جلسوں اور سٹیجوں پر تو بڑا جوش و خروش ظاہر کیا جاتا ہے۔ مگر جب روپیہ دینے اور کام کرنے کا وقت آتا ہے تو کچھ نہیں کرتے اور یہی بات ہے کہ مسلمانوں کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہوتی۔ تم اپنے اندر ایک قوت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ تم دنیا میں چالیس کروڑ ہو، اگر کام کرو اور مل کر کرو، تو تم کسی کی مدد کے محتاج نہیں اور نہ کسی دوسرے کی دست نگری کی تم کو ضرورت ہے۔ میں ہندو مسلم اتحاد کا مخالف نہیں بلکہ اسے دل سے چاہتا ہوں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس اتحاد کو بھی تم اپنے پاؤں پر مضبوط کھڑے ہو کر کرو۔ مہاتما گاندھی نے جب خلافت میں اپنی امداد کو پیش کیا۔ تو صاف کہہ دیا تھا کہ اگر تم تلوار اٹھانا چاہتے ہو تو میں تم سے الگ ہوں۔ یہ ایک قوت کی بات تھی۔ تم بھی اسی طرح مضبوط ہو کر اس اتحاد کی طرف قدم اٹھاؤ۔ اور

جہاں تک تم اس اتحاد کے لیے قربانی کر سکتے ہو وہ کھول کر بتا دو اور مردانہ وار کہہ دو کہ ہم اس حد تک اپنے ہندو بھائیوں کے لیے قربانی کر سکتے ہیں۔ یہ اتحاد ایک دن کی بات نہیں نہ لیکچراروں کے لفظوں سے یہ اتحاد پیدا ہوگا۔ بلکہ یہ بہت سالوں کی جدوجہد کو چاہتا ہے۔ عملی زندگی میں اس کا ثبوت ملنا چاہئے اور برادران اہل ہنود کو بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر مسلمان قوم میں قوت پیدا نہ ہوگی تو اس اتحاد میں وہ ان کے معاون نہیں ہوسکیں گے۔ اس لیے انہیں بھی چاہئے کہ مسلمانوں کے اٹھانے میں ساعی ہوں۔ حصول تعلیم میں، تجارت میں صنعت وحرفت میں ان کا قدم آگے بڑھانے کی کوشش کریں۔ اور مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس اتحاد میں دوسرے کے سہارے کا محتاج اپنے آپ کو نہ بنائیں۔ بلکہ خود اپنے اندر اس قدر قوت پیدا کریں کہ دوسروں کے سہارے کا موجب بنیں۔ زیرِ احسان ہونے سے احسان کرنا بہتر مقام ہے۔ اس کے حصول کی کوشش کرو۔

ہجرت اور ترکِ موالات کی بہترین صورت

کہا جا سکتا ہے کہ میں نے سوالات پیش آمدہ کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ اس وقت مسلمانوں کے سامنے ہجرت و ترک موالات یا عدم تعاون عمل کے سوالات درپیش ہیں۔ ترک موالات اور ہجرت کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے۔ مسلمانوں کو ہجرت اور ترک موالات کی ضرورت پیش آئی۔ اور انہوں نے اس پر عمل کیا۔ اب بھی ضرورت پڑنے پر اس پر عمل ہوسکتا ہے۔ خود حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے ہجرت کی۔ ہجرت وطن کے چھوڑ دینے کو کہتے ہیں۔ لیکن بغور دیکھا جائے تو اس کی غایت صرف ترکِ وطن نہیں۔ حدیث شریعت میں اعلیٰ درجہ کی اور بڑی ہجرت مَنْ هَاجَرَ مَانَهَى اللّٰهُ عَنْهُ کو قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، ان کو ترک کر دینا۔ سب سے پہلے تو مسلمانوں کو اس ہجرت کو اختیار کرنا چاہیے کہ وہ منہیاتِ الٰہی کو ترک کریں۔ اسلامی تعلیم اور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کریں۔ ترکِ وطن کی ہجرت بلاشبہ بہت بڑا اور مشکل کام ہے۔ جن چھ سات ہزار لوگوں نے اس کو اختیار کیا ہے۔ ان کے اس فعل کی ہم کو عزت کرنی چاہئیے۔ مگر جب لوگ خدا کی راہ میں صرف چند روپے تک نہیں دے سکتے۔ تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چل دینا نہایت مشکل اور بڑے حوصلہ کا کام ہے۔ مگر ہجرت کے متعلق پہلا سوال جو غور طلب ہے یہ ہے کہ آیا ہندوستان کے چھ سات کروڑ مسلمان اس کو اختیار کر سکتے ہیں؟ پھر کیا افغانستان اس قدر وسیع ملک ہے کہ اس کے اندر سات کروڑ مسلمان جا کر گزارہ کر

سکیں؟ پھر یہ مصیبت صرف ہندوستان کے مسلمانوں سے خاص نہیں۔ ساری دنیا کے چالیس کروڑ مسلمانوں کے لیے یہ یکساں مصیبت ہے۔ تو سوچنا چاہیے کہ یہ چالیس کروڑ مسلمان کس طرح اور کس جگہ ہجرت کر سکتے ہیں؟ افغانستان اور کچھ دوسرے خودمختار علاقوں کی آبادی کو چھوڑ کر باقی 35 کروڑ مسلمان غیر مسلموں کے ماتحت رہتے ہیں۔ جو سب کے سب عیسائی حکمران ہیں۔ یہ 35 کروڑ کی آبادی کس ملک میں سما سکتی ہے؟

قرآن کریم فکر و فہم کی ہمیں تعلیم دیتا ہے

کسی کام کے کرنے سے پیشتر ہمیں اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے۔ اتنے کروڑ مسلمانوں کا ہجرت کر جانا قطعاً ناممکن ہے۔ جو بات ہمارے امکان میں نہیں وہ ہماری فلاح کا موجب کیسے ہوسکتی ہے؟ البتہ جن لوگوں نے اپنے وطن کو چھوڑا ہے۔ اور نیک نیتی سے چھوڑا ہے۔ وہ اپنی نیت کا ثواب ضرور پالیں گے۔ ہزار در ہزار آدمیوں کا اپنے وطن اور عزیز و اقارب، مال و منال اور گھروں کو چھوڑ کر جانا بھی ثابت کرتا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کو اس قدر رنج اور دکھ پہنچا ہے۔ اور یہ واقعات آج نہیں تو کل کو ضرور انصاف پسند مدبران ملک کو شرمندہ کریں گے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کا اثر غیر ممالک کے منفعت شعار لوگوں پر ضرور پڑے گا۔

ہجرت کن حالات میں فرض ہوسکتی ہے؟

مگر حقیقت یہ ہے کہ ہجرت صرف انہی حالات میں فرض ہوتی ہے کہ جن حالات میں حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ پر فرض ہوئی۔ تاریخ کو پڑھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ کن کن مصائب اور مشکلات کے ماتحت خود حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے مکہ معظّمہ کے اندر رہ کر تبلیغ کی ہے اور پھر انتہائی مصیبت کے دنوں میں ہجرت پر مجبور ہوئے ہیں۔ اسلام نے قطع تعلق کو اس قدر وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ بلکہ انسانی کمال اس میں بتایا ہے کہ تعلقات کو رکھتے ہوئے پھر ان سے بے تعلق رہو۔ دنیا کے اندر رہتے ہوئے دنیا سے الگ رہو۔ جس طرح کہ محمد رسول اللہ ﷺ باوجود اس کے کہ بادشاہ تھے مگر پھر بھی بادشاہت سے قطع تعلق تھا۔

اب تمہاری حالت یہ ہے کہ ایک تو وہ لوگ ہیں کہ جو لاکھوں کی جائیدادیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اور ایک تم ہو کہ تمہارے دل اس قدر سخت ہوگئے ہیں کہ تم خدا کی راہ میں مال تک علیحدہ نہیں کر سکتے۔ جو مال تم نے جمع کر

رکھا ہے۔ اس کو تم اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں دے سکتے۔ یاد رکھو کہ تم کبھی کامیابی کو حاصل نہیں کر سکتے کہ جب تک تم اپنے مالوں کو خدا کا مال نہ سمجھو۔ اور جس وقت خدا کی راہ میں ضرورت پڑے اس کے دینے میں تمہارے اندر قبض واقع نہ ہو۔ پس میں کہتا ہوں کہ تم سب مسلمان جو ہجرت کر سکتے ہو۔ وہ یہی ہجرت ہے کہ **مَانَھَی اللّٰہُ عَنۡہُ** کو چھوڑ دو۔ اور اپنے اموال کو خدا کی راہ میں لگا دو۔ پھر دیکھو کہ کامیابی کس طرح تمہاری طرف آتی ہے۔

ترکِ موالات کے بعض مفید پہلو

دوسرا سوال ترک موالات کا سوال ہے۔ اس کے بعض پہلو مجھے نہایت پسند ہیں۔ سودیشی کی تحریک یا غیر ممالک کے مصنوعات کا ترک استعمال بھی افراط وتفریط سے خالی نہیں۔ مگر یہ ایک پسندیدہ امر ہے۔ اس میں اس قدر فائدہ ضرور ہے کہ اس سے ہمارے لباس اور خوراک میں سادگی آسکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کا لباس اور خوراک بہت سادہ تھی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم ان معاملات میں سادگی اختیار کرو۔ تمہارے لباس اور خوراک بالکل سادہ ہونا چاہئے۔ تم اپنے ذلیل نفس کو فتح کرو اور اسراف کو چھوڑ دو۔ بہت سے دفتروں کے کلرک ایسے ہیں کہ کھانے پینے تک میں تنگی اور اپنے بال بچوں پر سختی گوارا کر لیتے ہیں۔ مگر کالر اور نکٹائی کے بغیر ان کا گزارا مشکل ہو جاتا ہے۔ پس میں اس بات کا مؤید ہوں کہ تم اپنے ملک کی چیزیں استعمال کرو۔ اس سے ایک تو تم اپنے مال اور پیسہ کو بچاؤ گے۔ دوسرے یورپ کے معبود کو نقصان پہنچاؤ گے کہ جنہوں نے مال و دولت کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے۔ مگر اس میں اس قدر افراط نہ کرو کہ تم اپنے فائدہ کی چیزوں کو بھی چھوڑ دو اور یہ کہو کہ آج ہم ریل پر سوار نہیں ہوتے اور ہسپتال کی دوائیوں کو چھوڑتے ہیں۔ خواہ ہماری جان چلی جائے پر ہم ان کو استعمال نہیں کریں گے۔ اسی طرح کہیں ایسا نہ کرو کہ ہم ڈاک خانہ سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے اور ریل کی بجائے اب ہم وہی پرانا یکہ بنا کر سفر کریں گے۔ البتہ فضول تکلفات کو ترک کرو اور سادگی اختیار کرو۔ ترکِ موالات کرو تو فائدہ اور نقصان کو مدنظر رکھ کر کرو۔

ترکِ موالات کی ایک اور دفعہ ترکِ ملازمت ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ ہماری حالت ملازمت میں ایک غلامی کی حالت ہے۔ مگر وہ بغیر ملازمت کے بھی غلامی ہی حالت ہے۔ لیکن فی الحقیقت ملازمت حکومت، حکومت میں شرکت بھی ہے۔ اور یہ بڑی فائدہ کی چیز ہے۔ اسی سے حکومت کی اہلیت پیدا ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ تم اپنے آپ

کو غلام نہ سمجھو اور اپنے نفس کی حالت کو بلند بناؤ۔ تمہارا ملازمت کو چھوڑنا کسی طرح مفید نہیں۔ بلکہ یہ خود حکومت کے اس حصہ کو جو ہمارے ہاتھ میں سے کھونا ہے۔ نہ میں کسی ڈر اور خوف کے خیال سے کوئی بات کہتا ہوں۔ اور نہ کسی کے خوف سے اس کے لکھنے سے رکتا ہوں۔ یہ اس شخص کا احسان ہے۔ جس کی بدولت کافر کہلانے کو ہر قسم کے خوف وغم سے آزاد کر دیا ہے۔ پس تم ترکِ موالات میں بھی عقل سے کام لو اور اپنا قدم سوچ سمجھ کر اٹھاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم فائدہ کی بجائے نقصان اٹھاؤ۔ ترک ملازمت مسلمان کر نہیں سکتے۔ اور نہ ان کو کرنی چاہیے۔ جب تک کہ ان کے ساتھ ہندو بھائی بھی شامل نہ ہوں۔ اور ان سب کا اس میں شامل ہونا ایک نہایت ہی مشکل کام ہے۔ جو اگر ہو بھی تو بہت سالوں کی جدوجہد کو چاہتا ہے۔ مگر سردست یہ قدم اٹھانے کے قابل نہیں۔ پس یہ کسی صورت میں تمہارے لیے مفید نہیں ہو سکتا۔ ترکِ موالات اور ترکِ مفاد میں فرق کرنا ضروری ہے۔ جنگ کی حالت پر اس کا قیاس مت کرو۔ تمہارا ہر ایک کام غور اور فکر کے ساتھ شروع ہونا چاہئے۔ اور تمہاری نگاہ پہلے سے ہی ہر ایک کام کے انجام پر ہونی چاہئے۔ اندھا دھند جوش میں آکر کسی کام کا کر بیٹھنا مفید نہیں۔ تمام امور میں صبر وتحمل اور عقل سے کام لو۔ یہ میری آخری نصیحت ہے۔

۞۞۞

22 ستمبر 1920ء

مراسلات

مولانا ابوالکلام آزاد اور نظام شرعی

(رشحات قلم جناب محمد یعقوب خان صاحب بی اے بی ٹی)

مولانا ابوالکلام آزاد کو جو رتبہ کیا بلحاظ علم وفضل، کیا بلحاظ وسعتِ اخلاق اور کیا بلحاظ صحت رائے اسلامی ہندوستان میں حاصل ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ ہندوستان کے طول وعرض میں مولانا کا نام نامی ایک عالمگیر شہرت رکھتا ہے۔ کون ہے جس کا دل قوم کی موجودہ حالت زار سے درد آشنا ہو چکا ہے اور مولانا کے محاسن وخدمات سے ناواقف ہے۔ اسلام کا سچا درد رکھنے والا نام نہاد ملاؤں، پیروں اور لیڈروں کی گندم نما جوفروشی سے بیزار، نبض شناسیِ ملت میں یدطولیٰ رکھنے والا، افراط وتفریط کی ہر ایک غلط راہ سے احتراز کرنے والا، اور راسخ ایمانی جرأت والا مولانا ممدوح ایک قابل عزت ورشک شخصیت کا مالک ہے۔ موجودہ مشکلات ملت کی عقدہ کشائی میں مولانا کی ناخن آزمائی نے ایک معتدبہ حصہ لیا ہے۔

حال ہی میں مولانا نے اپنے متعدد مواعظ ومذاکر میں جن اعلیٰ وپختہ خیالات کا اظہار کیا، وہ ایک عرصہ دراز تک سرزمین پنجاب کی فضاء میں گشت لگاتے رہیں گے۔ جس اصول حقہ کی طرف مولانا نے دورہ پنجاب کے دوران میں مسلمانوں کو توجہ دلائی، وہ وہ اٹل قانون قدرت ہے، جس کو نظر انداز کرتے ہوئے کسی قسم کی کامیابی کا خواب دیکھنا ایک خیال خام وسودا باطل سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ ہر ایک کامیابی کا گر، ہر ایک ظفرمندی کا راز زندگی کے اس دستور العمل میں مضمر ہے، جو آج سے تیرہ سو سال قبل سرچشمہ رسالتؐ سے نکلا۔ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس پُرحکمت حدیث نبویؐ کے حوالہ سے مولانا نے ہر خاص وعام کے ذہن نشین کیا کہ اسلام نے انفرادی زندگی کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا۔ اسلام کے نزدیک زندگی جماعتی زندگی کا نام ہے۔ اور ہر ایک کامیابی کی پہلی پوہڑی قیام جماعت ہے۔ اس قسم کی جماعت

جس کا ایک معلم حق ہو جو صدق وصواب کی راہوں کی طرف اس کو بلا وے۔ وہ معلم حق یا امام قوم ان تمام اوصاف سے متصف ہو، جو مقتضیات زمانہ کے لحاظ سے کشتی اسلام کی ناخدائی کے لیے ضروری ہوں۔ جماعت کی یہ حالت ہو کہ ادھر امام سے دعوتِ حق سنی اور ادھر کمال اطاعت وفرمانبرداری سے اس کے احکام کی بجا آوری میں مصروفِ کار ہو۔ان ابتدائی منازل کے طے کرنے کے بعد ہی کوئی قوم اس قابل ہوتی ہے کہ ہجرت و جہاد کے بلند مقامات کی طرف قدم اٹھائے۔ اس ترتیب شرعی کو نظر انداز کرتے ہوئے ابتدائی لوازمات کو چھوڑ کر انتہائی مدارج کی طرف وسعتِ عمل بڑھانا، خواہ کیسے ہی خلوص نیت کا نتیجہ کیوں نہ ہو، ایک ایسی چھلانگ لگانے کی کوشش کرنا ہے، جس کا انجام شاید گردن شکنی کے سوا کچھ نہ ہو۔ نظام شرعی سے الگ ہو کر مسلمان لاکھ ہاتھ پاؤں ماریں۔ مگر جس دروازے پر بھی جبین فرسائی کریں گے، ناکامی، نامرادی، مایوسی اور بدبختی ان کے استقبال کے لیے تیار ہوگی۔

الغرض جس قدر جواہر ریزے مولانا کی زبان حقیقت ترجمان سے نکلے، ان کا لب لباب اور نچوڑ یہ تھا کہ اگر مسلمان کامیابی کا منہ دیکھنا چاہتے ہیں، تو ان صحیح راہوں سے ان کے حصول کی کوشش کریں، جن کے ساتھ حکمتِ الٰہی نے اس کو وابستہ کر رکھا ہے۔ آسمان کی اس نیلی چھت کے نیچے قضاء وقدر نے بعض نتائج کو بعض اسباب کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔ اور جب تک ان اسباب کی ایک ایک کڑی بہم نہ پہنچائی جائے، محض خلوص نیت و پاکی ارادہ، حصول مقصد کے لیے ہرگز کفایت نہیں کر سکتے۔ جماعت کا قیام سب سے بڑی کڑی ہے، جس کی مضبوطی کی طرف سب سے پہلے متوجہ ہونا چاہئے۔

نظام شرعی کے مطابق جماعتی زندگی کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے، ہم نہایت ادب سے مولانا کی خدمت میں اسی مسئلہ کا ایک ضروری پہلو پیش کرتے ہیں۔ قیامِ جماعت کے لیے ایک امام یا بقول مولانا ایک ''معلّم حق'' کا وجود ایک جز ولاینفک ہے۔ امام کا ہی وجود عالم انتشار سے ایک منتظم جماعت کی شکل پیدا کرتا ہے۔ افراد کی پراگندگی واختلاف کی شیرازہ بندی کے لیے امام کا وجود بمنزلہ روح کے ہے۔ اور اسی واسطے ایک حدیث نبویؐ میں بیعتِ امام پر زور دیا گیا ہے کہ مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مَيْتَةَ الْجَاهِلِيَّةِ جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ امام، وہ معلم حق، وہ مطاع مسلمین کون ہو سکتا ہے، جس کی ذات کے بغیر برکت کے دروازے مسلمانوں پر نہیں کھولے جاتے۔ کیا

شریعت بیضاء محمدی نے ایسے مہتم بالشان وجود کے تعین کے لیے ہماری کوئی رہنمائی کی ہے یا محض اپنے عقل وفہم یا جذبات کے جھونکوں پر اس کا انحصار رکھا ہے! یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ کامیابی کا اصل الاصول بتلا کر اس وجود کے متعلق، جو اس اصول کے لیے بھی بمنزلہ روح رواں کے ہے، نبی آخرالزمان ﷺ کی کامل شریعت خاموشی اختیار کرے۔ تعیّن امام کے لیے بھی ویسے ہی ایک حکم شرعی موجود ہے، جیسے قیام جماعت کے لیے۔ **اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا** یہ ہے وہ ارشاد نبویؐ جس کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لیے ایک شخص کھڑا کرے گا، جو دین میں از سرِ نو روح پھونکے گا۔ جماعت کا شرعی مفہوم مکمل نہیں ہوسکتا۔ جب تک جماعت کے روحِ رواں کا تعین اس اصول شرعی کے مطابق نہ ہو۔ کوئی جماعت حقیقی معنوں میں شرعی جماعت کہلانے کی مستحق کیونکر ہوسکتی ہے، جب اس کے سب سے ضروری عنصر کی تعین غیر شرعی طریق سے ہو۔

مولانا نے جو اصول قائم فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ نظام شرعی سے الگ ہوکر مسلمان کسی تدبیر سے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ جماعت کا قیام نظام شرعی کے مطابق کامیابی کی پہلی پوڑی ہے۔ اس واسطے جب تک مسلمان شرعی جماعت قائم نہیں کریں گے، کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیا مولانا کے اس طرزِ استدلال کے عین مطابق ہم وجود امام کے متعلق اس نتیجہ پر نہیں پہنچتے کہ شرعی جماعت قائم کیے بغیر کوئی کامیابی ناممکن الحصول ہے! لیکن کوئی جماعت شرعی نہیں کہلا سکتی جب تک اس کے ''معلم حق'' یا امام کی تعیین نظام شرعی کے مطابق نہ ہو۔ لہٰذا جس جماعت کے امام کا وجود کسی غیر شرعی طرزِ عمل کا نتیجہ ہو، وہ جماعت کامیاب نہیں ہوسکتی۔ حدیثِ مجدد تعیین امام کے لیے ایک شرعی قانون ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس کی صداقت پر مختلف صدیوں میں وجود مجددین نے مہر تصدیق لگا دی ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا اسم گرامی تو ہندوستان میں زبان زد عوام الناس ہے۔

چودھویں صدی کا ایک حصہ گزر چکا ہے۔ مگر یہ ایسی منحوس صدی ہے کہ اس میں اس حدیث کی صداقت پر کوئی مہر لگانے والا پیدا نہیں ہوا! کیا نعوذ باللہ اب اس حدیث کی صداقت میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش پیدا ہوگئی ہے؟ اگر نہیں، تو جہاں مولانا اصول نظام شرعی کے رو سے جماعت کے قیام کو ایک حدیث نبویؐ کی بنا پر مسلمانوں کی کامیابی کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں، تو تعیین امام کے بارے میں بھی نظام شرعی کو مدنظر رکھ کر اس حدیث

مجدد کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ کیا حدیث میں کسی قسم کا ضعف ہے۔ یا کیا ابھی ہمیں کسی مجدد کے ظہور کا انتظار کرنا چاہیئے؟ مولانا کی وسعتِ اخلاق سے ہمیں پوری توقع ہے کہ مسئلہ قیامِ جماعت کے اس اہم پہلو پر روشنی ڈال کر اپنے فیوض کی فہرست میں ایک گراں قدر اضافہ فرمائیں گے۔

یکم دسمبر 1920ء

سیرتِ خیر البشرؐ کا ایک ورق

(تالیف از حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (107:21)

دنیا میں بہت مصلح آئے، ہر ملک اور ہر زمانہ میں آئے۔لیکن کئی ایک امور ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ان سب پر ممتاز کرتے ہیں۔ ان امور میں سب سے پہلی بات آپ کی حیرت ناک کامیابی ہے۔ جس کا اعتراف دشمن و دوست کو یکساں ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا بری ٹینکا میں ''قرآن'' کے عنوان پر جو مضمون ہے۔ اس میں ذیل کے صاف الفاظ میں یہ اعتراف آنحضرت ﷺ کے متعلق موجود ہے کہ ''آپ دنیا کے تمام انبیاء اور مذہبی اشخاص میں سب سے زیادہ کامیاب انسان ہیں۔'' یہ اعتراف بلا وجہ نہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ دنیا میں کوئی مصلح نہیں آیا جس نے اپنی قوم کو اس گری ہوئی حالت میں پایا ہو۔جس میں آنحضرت ﷺ نے ملک عرب کو پایا۔ یہ لوگ نہ مذہب کے صحیح اصول سے واقف تھے، نہ سیاست کے، نہ تمدن کے، نہ معاشرت کے، نہ ہی علم ان کے اندر تھا، نہ ان کے تعلقات بیرونی لوگوں سے کچھ تھے، نہ ان میں کوئی اتفاق واتحاد تھا، نہ ایک قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔غرض ہر پہلو سے یہ قوم اصلاح طلب تھی۔ اور خطرناک جہالت میں مبتلا تھی۔صرف یہی نہیں بلکہ یہودی اپنا پورا زور ان کی اصلاح پر صرف کر چکے، عیسائی پورا زور لگا چکے۔اور دونوں ایسے ناکام ہوئے کہ کسی ایک امر میں بھی ملک کے اندر اصلاح پیدا نہ کر سکے۔حنیفیت کی اندرونی تحریک بھی پیدا ہو کر ختم ہو چکی تب آنحضرت ﷺ کا ظہور ہوا۔ اور چند ہی سال کے عرصہ میں ایک ایسا انقلاب پیدا کر کے دکھایا کہ ملک عرب کی زمین و آسمان بدل گئے۔ ذلیل سے ذلیل بت پرستی اور توہم پرستی سے نکال کر توحید کے اس بلند سے بلند مقام پر پہنچا دیا جس پر نہ اس سے پہلے کوئی قوم پہنچی نہ بعد میں پہنچ سکے گی۔ پھر اس توحید کے لیے ایسا جوش کہ دنیا کے ممالک میں چاروں طرف نکل گئے۔ اور دور دور تک ندائے حق کو بلند کیا۔ خدا کی عبادت میں ان لوگوں کا مقام تمام راہبوں اور دنیا سے

کنارہ کشی کر لینے والوں سے بڑھ کر تھا۔ اس لیے کہ وہ دن کو کاروبار میں گزارتے ہوئے۔ اللہ اکبر کی نداسن کر دیوانہ وار خدا کے حضور جا کھڑے ہوتے تو راتوں کو بیداری میں گزارتے ہوئے عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے۔ وہ دنیا میں ہونے کے باوجود دنیا سے قطع تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے جو لذت اور جو خضوع وخشوع ان کو عبادت میں حاصل ہوتا تھا۔ وہ کسی گوشہ نشین زاہد کو نہیں حاصل ہوسکتا۔ پھر اگر روحانیت کے لحاظ سے عبادت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر کھڑے تھے تو دنیوی نقطہ نگاہ سے بھی اس اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے تھے۔ جس پر انسان پہنچ سکتا ہے۔ یعنی وہ دنیا کے عظیم الشان فاتح بنے۔ بڑی سے بڑی سلطنتیں ان کے سامنے یوں گرتی چلی گئیں کہ گویا ان کی کچھ حقیقت ہی نہ تھی۔ پھر وہ صرف فاتح ہی نہ تھے۔ بلکہ فتح کے بعد ہر ملک میں ایسا انتظام قائم کیا کہ پچھلے لوگوں کی غفلت کے باوجود بارہ صدیوں تک اس سلطنت کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ غرض وہ زاہدوں میں سب سے بڑے زاہد اور فاتحوں میں سب سے بڑے فاتح ہوئے۔ اور ان دونوں باتوں کے باوجود تیسری بات جس میں انہوں نے کمال کر دکھایا وہ علم تھا۔ انہوں نے زہد اور فتوحات کے ساتھ ساتھ علم کو ایسا کمال پر پہنچایا کہ آج انہی کی بدولت دنیا علم کے نور سے منور ہے۔ غرض حضرت نبی کریم ﷺ نے ملک عرب کو ایسی حالت میں پایا۔ جس سے بڑھ کر گری ہوئی حالت کسی ملک کی متصور نہیں ہوسکتی۔ اور دنیوی اور روحانی ترقی کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچایا۔ جس کے آگے کوئی مقام نہیں اور یہ سب کچھ بیس برس کے عرصہ میں ہوگیا۔ اس میں یہ بھی دکھانا مقصود تھا کہ آپ کی تعلیم قوائے انسانی کی کل شاخوں پر مشتمل ہے اور دنیا کی کوئی بیماری نہیں جس کا علاج آپ کی تعلیم میں نہیں۔ جس طرح سب سے بڑا طبیب وہ نہیں جو سب سے بڑھ کر دعویٰ کرے۔ بلکہ وہ ہے جو سب سے زیادہ بیماریوں کو اچھا کرے۔ اسی طرح مصلحین عالم میں سب سے بڑا وہ نہیں۔ جیسا بعض کا خیال ہے جو سب سے بڑھ کر دعویٰ کرے۔ بلکہ وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اصلاح کرے۔ اور یہ وہ بات ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کو دنیا کے کل انبیا اور کل مصلحین کا سرتاج بناتی ہے۔

دنیا میں ہر ایک نبی ایک قوم کی اصلاح کے لیے آیا۔ وہ نور اور ہدایت لایا مگر صرف ایک خاص قوم اور خاص ملک کے لیے اس کے دنیا میں آنے کی غرض انسانوں کا تزکیہ نفس تھا۔ مگر انہی کا، جن کی طرف وہ بھیجا گیا۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کل دنیا کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے۔ وہ نور اور ہدایت جو آپ کو دیا گیا۔ ایک قوم کے

لیے نہ تھا بلکہ دنیا کی کل قوموں کے لئے۔ تزکیہ نفوس کے لیے آپ کی عقدِ ہمت کا دائرہ اس قدر وسیع ہوا کہ تمام دنیا کو اپنے اندر شامل کرلیا۔ یہی وہ بات ہے جس کی طرف آیت مندرجہ عنوان میں توجہ دلائی گئی ہے۔ اسی قسم کی اور آیات سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (1:25) اور فرمایا اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ (104:12) پھر فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ (28:34) پھر فرمایا قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (158:7) مصلحت الٰہی کا یوں تقاضا ہوا کہ جس وقت نسل انسانی مختلف ملکوں میں علیحدہ علیحدہ پڑی ہوئی تھی۔ اور قوموں کے باہمی میل جول کے ذرائع بہت کم تھے۔ ان کی ضروریات اور ان کے خیالات بھی محدود تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی اصلاح کے لیے ایک نبی بھیج دیا۔ بعض قوموں میں کئی کئی نبی بھی بھیج دیئے۔ ان انبیاء نے اپنے اپنے زمانہ کے مطابق ان قوموں کی اصلاح کی۔ مگر جس طرح وہ قوم محدود تھی اسی طرح ان کا عقد ہمت بھی اسی دائرہ کے اندر تھا۔ اور نہ صرف مکان کے لحاظ سے بلکہ زمانہ کے لحاظ سے بھی ان کی قوت قدسی کا دائرہ ایک جگہ آ کر ختم ہو جاتا۔ جہاں یا جب دوسرے نبی کی ضرورت پیش آتی۔ لیکن جہاں اس طریق سے اللہ تعالیٰ نے کل عالم کی ربوبیت روحانی کا سامان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انسانوں کی تنگ ظرفی کی وجہ سے ہر قوم میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں خاص قوم کو ہی اپنی مہربانیوں کے لیے چن لیا ہے۔ اور دوسری کسی قوم کو اس نعمت سے حصہ نہیں ملا۔ پس ایک خطرناک قومی تفریق پیدا ہو گئی۔ اور ملکی حد بندیوں نے تعلقات انسانی کے اندر ایسی قیود پیدا کر دیں کہ ہر ایک قوم اپنی سوائے دوسروں کو ہیچ سمجھنے لگی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یوں مقدر فرمایا کہ تمام انبیاء کے آخر پر ایک ایسا نبی بھیجے جو کل قوموں کی طرف مبعوث ہو۔ اور جس کی قوتِ قدسی جس طرح مکان کے لحاظ سے ساری زمین پر محیط ہو، اسی طرح زمانہ کے لحاظ سے اس کا دائرہ قیامت تک وسیع ہو۔ اس لیے جو قومی نبیوں کا دائرہ حضرت عیسیٰؑ پر منتہی ہو گیا۔ اور حضرت عیسیٰ کو بھی یہی کہنا پڑا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوائے اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ تو رحمۃ للعالمین کا ظہور دنیا میں ہوا۔ انبیائے سابقین کی مثال ایسی تھی۔ جیسے ایک اندھیری رات میں مختلف مکانات میں مختلف چراغوں کی روشنی ہو۔ ان کا وجود تاریکی کے اندر ایک شمع نور افگن تھا۔ مگر جس طرح چراغ ایک کمرہ کے اندر ہی روشنی دے سکتا ہے۔ اسی طرح ان کے نور ان کی ہدایت اور ان کی قوت قدسی کا دائرہ بھی اس قوم کے اندر محدود تھا۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور آفتاب عالمتاب کا طلوع ہے۔ جس کے ساتھ دنیا کے چاروں کناروں میں روشنی پہنچ جاتی ہے۔ جس کی شعاعیں زمین کے ہر کونہ کو منور کر دیتی

ہیں۔انبیائے عالم سب روشن چراغ تھے۔مگر محمد رسول اللہ ﷺ آفتابِ عالمتاب تھے۔ چراغ کی روشنی ایک مکان کے اندر محدود ہوتی ہے۔اور ایک وقت کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہے۔یہی حالت ان انبیاء کی تعلیم کی تھی۔آفتاب کل عالم کو روشن کرتا ہے۔اور اس کی روشنی قیامت تک اس عالم کو منور کرتی رہے گی۔یہی کیفیت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی ہے۔پس یہ دوسری بات ہے جو آپ کو مصلحین عالم میں ممتاز کرتی ہے۔

دنیا میں کوئی ترقی بغیر ایک قید لگانے کے ممکن نہیں۔اس لیے ہر قوم نے اپنی قوم کی ترقی کو ہی اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔لیکن اگر محمد رسول اللہ ﷺ انہی لوگوں کا اتباع کرتے تو آپ کے آنے کی اصل غرض ہی پوری نہ ہوتی تھی۔آپ کے آنے کی بہت سی اغراض میں سے ایک غرض قومی اور ملکی قیود کو توڑ کر ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد رکھنا تھا اور ایک عالمگیر اخوت کا سلسلہ قائم کرنا تھا۔اگر غور کیا جائے تو قومی اور ملکی قیود مصنوعی قیود ہیں۔پس ایک فطری مذہب مصنوعی قیود کو قائم نہ رکھ سکتا تھا۔اگر اور مذاہب کی غرض افراد کو اکٹھا کر کے ایک قوم بنانا تھا۔تو اسلام کی غرض قوموں کو اکٹھا کر کے نسلِ انسانی کا ایک اتحاد پیدا کرنا تھا۔اس لیے اسلام کی تعلیم نے قومی قیود کو اسی طرح توڑ کر نسلِ انسانی کی وحدت کی بنیاد ڈالی ہے۔جس طرح مختلف مذاہب نے شخصیت کی قیود کو توڑ کر قومی وحدت کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ بھی ایک بڑا کام تھا۔ جو پہلے انبیاء کے سپرد کیا گیا۔مگر یہ کام اس سے بدرجہا بڑا ہے اس کی مشکلات کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا۔بلاشبہ شخصیت کی قیود کو توڑ کر قومی وحدت کا پیدا کرنا ایک بڑا کام ہے۔مگر قومی تفریقوں کو دور کر کے نسل انسانی کی وحدت کے پیدا کرنے کے سامنے ہیچ ہے۔ یہ تیسری خصوصیت ہے جو نبی کریم ﷺ کو تمام انبیاء میں ممتاز کرتی ہے کہ وہ قومی وحدت وقومی ترقی کا راز سکھانے آئے۔آپ نسلِ انسانی کی وحدت ونسل انسانی کی ترقی کے عظیم الشان راز کے انکشاف کے لیے ظاہر ہوئے۔

چوتھی خصوصیت، جو آپ کو تمام مصلحین پر ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ جہاں ہر ایک نبی فطرت انسانی کی ایک خاص شاخ کے نشو ونما کے لیے آیا اور اس کے وجود میں اخلاق انسانی کا ایک خاص پہلو ظہور پذیر ہوا۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے فطرتِ انسانی کی ساری شاخوں کی ایسی کامل تربیت کی اور آپ کے وجود مبارک میں اخلاق انسانی کے سارے پہلو ایسے روشن ہوئے کہ آپ کے بعد کسی نبی کی حاجت دنیا میں نہ رہی۔ سلسلہ بنی اسرائیل میں کتنے نبی آتے ہیں۔مگر ہر ایک فطرتِ انسانی کی ایک خاص شاخ کے نشو ونما کے لئے۔ انسانی

زندگی کے لیے ایک خاص پہلو میں نمونہ بن کر۔ مگر امتّ محمد یہ میں ایک ہی آتا ہے اور وہ ان پہلوؤں سے بڑھ کر ہر ایک پہلو میں خود ہی نمونہ ہے۔ وہ موسیٰؑ کی جواں مردی، ہارونؑ کی نرمی، یشوعؑ کی جرنیلی، ایوبؑ کے صبر، داؤدؑ کی سپاہ گری، سلیمانؑ کی شان وشوکت، یحیٰؑ کی سادگی، مسیحؑ کی فروتنی اور حلیمی سب کو، مگر ہر ایک سے بڑھ کر اپنے اندر جمع رکھتا ہے۔ اگر سلسلہ موسوی کے سرتاج حضرت موسیٰ مظہرؑ جلال ہیں اور ان کے آخری نبی حضرت عیسیٰؑ مظہر جمال ہیں۔ تو محمد رسول اللہ ﷺ ان دونوں سے بڑھ کر کمال کو لیے ہوئے جامع جمال وجلال ہیں۔ اگر آپ وحشیوں اور اخلاق سے عاری قوموں کو متمدن اور با اخلاق انسان بنا سکتے ہیں۔ تو متمدن اور با اخلاق انسانوں کو باخدا بنا سکتے ہیں۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ جہاں ہر ایک صاحب کمال کا کمال فطرت یا حالات انسانی کے کسی خاص حصہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے کمالات فطرتِ انسانی اور حالات انسانی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں۔

اگر کوئی شخص دنیا میں اس لیے بڑا کہلاتا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو پستی سے نکال کر بلندی پر پہنچا دیا تو یہ بڑائی سب سے زیادہ اس شخص میں پائی جاتی ہے جس نے ایک نہایت گری ہوئی قوم کو جو نہ کبھی اپنے ملک سے باہر نکلی تھی نہ تہذیب اور علم ہی کا اس میں کوئی چرچا تھا۔ چند سال کے اندر نہ صرف دنیا کے ایک بڑے حصہ کا فاتح بلکہ فتوحات کے ساتھ ساتھ تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کی روشنی کو تاریک سے تاریک کونوں تک پہنچانے والا بنا دیا۔

۞۞۞

یکم جنوری 1921ء

مسلمانوں کی موجودہ مشکلات اوران کا حل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اس سال کے شروع میں ''خلافتِ اسلامیہ'' پر بروئے قرآن وحدیث ایک چھوٹا سا رسالہ لکھتے ہوئے میں نے اس کوان الفاظ پر ختم کیا تھا:

''اگرجیسا کہ ذمہ دار ارا کین سلطنت کی طرف سے ایک سے زیادہ دفعہ یقین دلایا جا چکا ہے۔ مسئلہ خلافت کا تعلق صرف اہل اسلام سے ہے۔ اور وہ (یعنی مسلمان) ترکی کے سوائے کسی اور کو خلافت کا جائز مالک تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں، تو پھر سلطنت عثمانیہ کا آزادانہ اور طاقتور قیام اور عرب کے لیے اسی سلطنت کا ایک جزو ہونا بھی ایک مذہبی مسئلہ ہے۔ اور ٹرکی کا کسی سلطنت کے زیر اقتدار رکھا جانا، یا اس کا عرب یعنی خلافت کے جزو ضروری سے محروم کر دینا، یا اس کو خارجی پابندیوں میں جکڑ کر اس کی قوت مدافعت کو زائل کر دینا ہر سچے مسلمان کے لیے اس دردناک احساس کا موجب ہوگا کہ دنیا کی عیسائی سلطنتوں نے خود مذہب اسلام پر حملہ کیا ہے۔''

اور ایسا ہی ان تجاویز کا ذکر کرتے ہوئے جو سلطنت ٹرکی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے اس وقت کی جارہی تھیں یہ بھی لکھا تھا:

''موجودہ خطرہ اگر فی الواقع پیدا ہو گیا تو اگرچہ مذہب اسلام کی صداقت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا مگر اس کے یہ معنی تو ضرور ہوں گے کہ یہ استحکام مذہب پر ایک خطرناک حملہ ہے اور مسلمانوں کا حقیقی امن سلب ہو جائے گا۔ یہی ایک بات ہے جس نے ہر ایک مسلم قلب کو بے چین کر رکھا ہے۔''

افسوس ہے کہ مدبرین یورپ اور بالخصوص مدبرین سلطنت برطانیہ نے آخر اسی راہ پر قدم مارنا مناسب سمجھا اور خلافتِ اسلامیہ یعنی اسلام کی مرکزی حکومت کو پاش پاش کر کے اس بات کو ثابت کر دیا کہ ان کا مذہبی آزادی دینے کے دعویٰ کا ظاہر و باطن ایک نہیں۔ اور جب اسلام کو کمزور کرنے کا ایک موقع ان کو ملا تو نہ صرف مسلمانوں کی مذہبی آزادی کی ہی کوئی پروا نہیں کی بلکہ اپنے قول وقرار کی پابندی کو بھی بھول گئے۔ عیسائیت کو جو خوف اسلام کے غلبہ کا ہمیشہ سے رہا ہے، وہ پادریوں کے دلوں تک محدود نہیں بلکہ بڑے بڑے مدبرین سلطنت کے دل بھی اسی اثر کے نیچے رہے ہیں۔ اور اس لیے ایک عرصہ دراز سے مسلمان سلطنتوں کو کمزور پا کر وہ اس جوڑ توڑ میں لگے رہے ہیں کہ کس طرح مسلمانوں کی ظاہری قوت کا خاتمہ ہو؟ اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت ان لوگوں نے جن کے ہاتھ میں جسمانی طاقت ہے اس طاقت کو خلافت اسلامی یعنی اسلام کی شوکت کے آخری نشان کو توڑنے پر صرف کیا ہے۔ اور ان کھلے اور صاف وعدوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی گئی کہ خلافت ایک مذہبی سوال ہے، جو صرف مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے صاف معنی یہ تھے کہ اس میں کوئی حکومت کسی قسم کا دخل نہیں دے گی۔

جائے غور ہے کہ اگر خلافت مذہبی سوال ہے تو یہ فیصلہ کرنا کہ مقامات مقدسہ اور عرب پر کس کا اقتدار ہو؟ کسی عیسائی حکومت کا کام نہیں بلکہ اس کو مسلمانوں سے دریافت کرنا چاہیئے تھا۔ بجائے اس کے مسلمانوں کی سارے شور و پکار کی کچھ پروا نہ کی گئی۔ تمام اہل اسلام نے بالآخر یہ مطالبہ کیا کہ ٹرکی کا اقتدار عرب پر رہے اور خلافت کا اہل ٹرکی کو قرار دیا۔ مگر خلافت کو مذہبی سوال نہ ماننے والوں نے کچھ پرواہ نہ کی اور عملاً ایک ایسے شخص کے سپرد خلافت کو کر دیا جو خود خلیفۃ المسلمین کا باغی تھا اور اس قدر کمزور ہے کہ کمزور سے کمزور دشمن سے بھی مقامات مقدسہ کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ جو عیسائیوں کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی کی طرح کام کرتا ہوا اسلامی شوکت کی تخریب کے درپے رہا ہے۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کیا کہ دارالخلافت یعنی قسطنطنیہ پر عرب کے بعض حصص پر مقامات مقدسہ پر اقتدار یا قبضہ جما لیا۔ اور خلیفہ کو بے دست و پا کر کے ہر قسم کے اصلی اختیارات حکومت بھی اس کے ہاتھ سے نکال لیے اور انہیں اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی حکومت، جو اس کے پاس چھوڑی گئی تھی، اس پر غیور مسلمانوں کے ایک گروہ نے آزاد سلطنت قائم کر لی۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ خلیفہ کے نام سے

عیسائی حکومتیں اپنا اقتدار وہاں بھی قائم کرنا چاہتی ہیں اور یوں جسے مسلمانوں کا آج خلیفہ کہا جاتا ہے اس کی آزادانہ حکومت اپنے محل کی چار دیواری تک بھی نہیں۔ ان مصائبِ اسلام پر اور یورپ کے اسلام کے ساتھ اس سلوک پر چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے ایک بھی نہیں جس کی آنکھیں خون کے آنسو نہ بہاتی ہوں۔

مگر افسوس یہ ہے کہ یورپ نے اس طرح اسلام کی قوت کو توڑنے سے جو فائدہ حاصل کرنا چاہا تھا وہ بھی اس کو نہ ملا۔ اگر یورپ کی ملک گیری کی ہوس اور حکومت کی توسیع اس کی وجہ تھی تو اس کے اس رویہ نے، جو اس جنگِ عظیم کے بعد اختیار کیا گیا ہے، حکومت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا ہے۔ اگرچہ اس میں ظاہر طور پر کچھ ملکی اضافہ بھی نظر آتا ہو۔ حکومت بغیر استحکام کے لاشئ ہی نہیں بلکہ آئے دن کی مشکلات کا موجب ہے۔ اور استحکام حکومت کی بنیاد حاکم و محکوم کے تعلقات محبت ہیں۔ انہی تعلقات کو مدبرین برطانیہ کی خطرناک غلطی نے پاش پاش کر دیا اور جہاں محبت موجزن تھی، وہاں نفرت کا سمندر اب لہرا رہا ہے۔ یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے، جس سے اگر حکومت اپنی آنکھیں بند کرتی ہے تو اپنی جڑوں کو آپ کاٹتی ہے۔ اور جس کا اگر آج کوئی مسلمان کہلانے والا انکار کرتا ہے تو وہ نہ صرف دین فروشی کرتا ہے اور اپنی قوم کا دشمن ہے، بلکہ وہ دوسری قوم کو بھی دھوکہ دے کر اس سے بھی دشمنی کر رہا ہے۔ اور اگر یورپ کے واقعی مدبر نما مسیحی مشنریوں کا یہ خیال تھا کہ اس طرح اسلام کی قوت ٹوٹ کر آخر کار عیسائیت دنیا میں پھیل جائے گی، تو یہ پہلی بات سے بھی بڑھ کر یقینی امر ہے کہ عیسائیت بر رنگ مذہب اب دنیا میں ہمیشہ کے لیے ناکام ہو چکی۔ اور کوئی دلیل اس دھبہ کو نہیں دھو سکتی، جو اس کے عمل نے پیدا کر دیا ہے۔ ایک لمبے زمانہ میں عیسائیت نے اپنے ظاہری اخلاق کی نمائش سے بہت کچھ کامیابی حاصل کی۔ مگر عظیم جنگ یورپ اور اس کے نتائج نے اس ظاہری نمائش اخلاق کے پردہ کو اٹھا دیا ہے اور اس کے باطن کی تصویر دکھا دی ہے۔ اگر یورپ اس جنگ کے بعد فتح کے نشہ میں حد سے زیادہ مست نہ ہو جاتا، تو شاید اب بھی وہ اپنی اس پرانی نمائش کو قائم رکھ سکتا۔ اور یہ امر اسلام کے لیے اور مسلمانوں کے لیے اندر ہی اندر نقصان کا موجب تھا۔ مگر وہ خدا جو اب اپنے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کے وعدہ کی صداقت کو دنیا میں روشن کرنا چاہتا تھا اس نے اپنے فضل سے ہی وہ سب پردے اٹھا دیئے جن کی آڑ میں عیسائیت ترقی کر رہی تھی۔ پھر کیا یہ سچ نہیں کہ آج یورپ نے اپنے وعدوں کی پروا نہ کر کے، کیونکہ وہ غالب ہے اور الفاظ کے جو معنی چاہے کر سکتا ہے، اپنا اعتماد دکھو دیا ہے، اور اس

کے وعدوں کی اب کوئی وقعت نہیں رہی۔ یہاں تک کہ خود امیر فیصل اور باغی شاہ حجاز، جو تین سال تک اتحادیوں کے پہلو بہ پہلو اسلام کی قوت توڑنے کے لیے لڑتے رہے۔ آج یہی رونا رو رہے ہیں کہ جو کچھ ہمارے ساتھ وعدے کیے گئے تھے، ان کی اب کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ غرض اگر غور کیا جائے تو مدبرین یورپ اور بالخصوص مدبرین سلطنت برطانیہ نے موجودہ صورت حالات پیدا کر کے خود اپنے ساتھ دشمنی کی ہے۔ اور آج تو نہیں۔ کیونکہ آج طاقت کا نشہ ہے۔ مگر آنے والی نسلیں ان مدبرین کے اس رویہ پر اظہار افسوس کریں گی۔ اور شاید روئیں گی بھی!

مسلمانوں کے لیے اب یہ سوال ہے کہ ان کو ان حالات میں اسلام کی شوکت کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے کس راہ پر چلنا چاہیے؟ قبل اس کے کہ اس پر میں اپنے خیالات کا اظہار کروں، یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی حالت میں بھی ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا جائز نہیں۔ اسلام نے کفارہ کی تعلیم کو باطل قرار دے کر جدوجہد کی راہ سکھائی ہے۔ حتی کہ انسانی ہستی کی آخری منزل مقصود خدا کو پانے کے لیے بھی جدوجہد کا رستہ ہی بتایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (69:29) جس کام کو ہم دنیا میں کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے ہمیں پورا زور صرف کرنا چاہئے۔ یہ کہہ دینا کہ جو کچھ خدا کو منظور تھا وہ ہو گیا۔ گو یہ ایک رنگ میں صحیح بھی ہے مگر دنیا میں جو کوئی غلطی ہو، جو کوئی ظلم ہو، جو کوئی حق تلفی ہو، جو کوئی کمزوری ہو، اس کو دور کرنے کا حکم بھی خدا تعالیٰ نے ہی دیا ہے اور اس کے دور کرنے کی راہیں بھی اس نے بتائی ہیں۔

یہ سب سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا، پس اگر یہ مسلمانوں کے اعمال کی سزا ہے اور بلا شبہ ہے، تو بھی اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کو درست کرنے کے طریق بھی ہم کو بتا دیئے ہیں۔ پس اس حالت میں رہ کر اس پر قانع ہو جانا نہیں، بلکہ اس سے نکلنے کی کوشش خدائی منشا کو پورا کرتی ہے۔ اسلام پر ایسے زمانے پہلے بھی آئے ہیں۔ ایک زمانہ میں خلافت اسلامیہ کو، جو اس وقت عباسیوں کے پاس تھی، انہی ترکوں نے پاش پاش کر دیا، جو آج خود لوائے خلافت کے حامل ہیں اور سلطنت اسلامی کا گویا دور ہی دنیا سے ختم کر دیا، مگر مسلمانوں نے ہمت نہیں ہاری اور وہی ترک مسلمان ہو کر اسلام کی قوت کا موجب بن گئے۔ اور یوں یہ رنگ اسلام کی شوکت کے دوبارہ پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر قائم ہونے کا موجب ہو گیا۔ دوسرے وقت میں یورپ نے متفق ہو کر صلیبی جنگوں میں اسلام

کی شوکت کو توڑنا چاہا۔ اور ایک صدی کے قریب قریب بیت المقدس پر قبضہ رکھا۔ مگر پھر خدا تعالیٰ نے صلاح الدین ایوبی جیسا ایک انسان پیدا کر دیا جس نے اسلام کی منتشر قوت کو جمع کیا۔ تو پھر دوبارہ شوکت اسلامی کا پرچم بیت المقدس پر لہرایا۔

پس مسلمانوں کو اس موجودہ مغلوبیت کے وقت بھی ہمت ہار کر کوشش کو چھوڑ نا نہیں چاہئے۔ بلکہ حصول مقصد کے لیے جدوجہد میں لگے رہنا، سب سے مقدم امر ہے اور جدوجہد کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس ظلم کا، جو اس وقت اسلام پر ہوا ہے، احساس بھی مسلمان قوم کے اندر پورے زور سے موجود رہے کیونکہ بغیر اس احساس کے جدوجہد باقی نہیں رہ سکتی، اور احساس کو زندہ رکھنے اور جہاں موجود نہیں وہاں پیدا کرنے کے لیے ان باتوں کی طرف بار بار توجہ دلاتے رہنا اور حصول مقصود کے لیے راہیں سوچتے رہنا اولین ضرورت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس جدوجہد کے لیے کون سی راہ اختیار کرنی چاہئے؟ سب سے پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ اس جدوجہد میں اجتماع کا رنگ ہونا چاہئے۔ اگر ہم ایک چھوٹا سا قدم اٹھائیں اور سب مل کر اٹھائیں تو وہ بہت زیادہ مفید ہوگا، بہ نسبت اس کے، کہ ہم میں سے چند آدمی منتشر طور پر آگ میں کود پڑیں۔ اجتماع واتحاد کے برابر کوئی طاقت نہیں۔ جس قدر اور جب اسلام کو نقصان پہنچا ہے، تو اکثر حالات میں یہی معلوم ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی باہمی تفریق سے پہنچا ہے۔ اسی لیے مخالفینِ اسلام بھی اسلام کے خلاف جب کوئی ہتھیار چلانا چاہتے ہیں تو پہلے اس میں تفرقہ پیدا کر دیتے ہیں اور ایسی صورت میں اپنا مقصد آسانی سے حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کے بالمقابل مسلمانوں کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ آپس کے اتفاق واتحاد کو اپنے مقاصد میں کامیابی کا سب سے پہلا ذریعہ بنائیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس اتحاد کو ہی کامیابیوں کی جڑ بنایا ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (103:3) اور وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (103:3) یعنی اختلاف اور تفرقہ کی آگ کے گڑھے کے کنارے پر تم تھے۔ اور اس میں گر کر بھسم ہی ہوا چاہتے تھے کہ خدا نے تمہیں اس حالت سے بچالیا۔

جو کچھ قرآن کریم نے عرب کی پہلی حالت کا نقشہ کھینچا ہے وہی آج بعینہٖ خود مسلمانوں میں حالت نظر آتی ہے کہ باہم فساد اور تفرقہ کی آگ قریب ہے کہ ان کو بھسم کر دے۔ اس لیے ان کی سب سے پہلی ضرورت بھی

اس تفرقہ کا دور کرنا اور مسلمان دنیا میں ایک اتحاد کی لہر پیدا کرنا ہے۔ دنیا میں چالیس کروڑ مسلمانوں کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ ان تمام کے اندر اگر یہ بیداری پیدا ہو جائے کہ اس وقت اسلام کس مصیبت کی حالت میں ہے۔ اور ہم کو اس مصیبت کا کیا علاج کرنا چاہیے، تو ہماری جدوجہد چند سالوں میں وہ نتائج پیدا کرسکتی ہے، جو ہماری متفرق کوششیں ایک صدی میں بھی نہیں کرسکتیں۔ مگر میدان عمل کی مشکلات بہت ہیں۔ ان کے لیے ضرورت ہے بہت صبر وسکون کے ساتھ کام کرنے کی۔ اور ایک خیال پر تمام یا بہت بڑے حصہ کو اکٹھا کر لینا خود ایک عظیم الشان کامیابی ہوگی۔ پس یہ خیال دل میں نہیں لانا چاہئے کہ اس کام میں بہت سال لگ جائیں گے۔ بڑے بڑے کاموں میں سالوں کو دن سمجھنا چاہئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ خود اس جدوجہد میں ہزارہا مشکلات کا سامنا ہوگا اور بالمقابل تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش ہوگی۔ اور کام کرنے والوں کی راہ میں روڑے بھی اٹکائے جائیں گے، مگر صبر واستقلال کے سامنے مشکلات کے پہاڑ بھی ہوں تو ٹل جائیں گے۔ چالیس کروڑ مسلمانوں کا اتحاد دنیا میں ایک ایسی طاقت ہوگی جس کے سامنے اعدائے اسلام کا کوئی منصوبہ کارگر نہ ہو سکے گا۔

ابھی تک دنیا کے بیشتر حصوں کے مسلمانوں کا بہت سا حصہ اس بات سے غافل ہے کہ ان کی کمزوری کی اصل وجہ کیا ہے۔ وہ ان کا باہم تفرقہ ہے۔ اور اگر ایک دفعہ مسلمان قوم میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ چینی، ہندی، افغان، عرب، ترک، افریقی یہ سب بھائی ہیں۔ دنیا میں کہیں بھی ہوں اور ایک بھائی کے دوسرے بھائی پر کچھ حقوق ہیں، تو اسلام کے مصائب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور بغیر اس اتحاد کو پیدا کرنے کے اسلام کی اصل غرض بھی پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ مذہب اسلام کے دو ہی بڑے کام ہیں ایک خدا تعالیٰ کی توحید کا دنیا میں قائم کرنا، اور دوسرا ملکی اور قومی حدود کو مٹا کر نسل انسانی کے اندر وحدت پیدا کرنا۔ اس اتحاد کی بنیاد کیا ہو؟ حجۃ الوداع میں جب نبی کریم ﷺ نے عرب کے چاروں کناروں سے مسلمانوں کو جمع دیکھا، تو ان کو ایک خاص نصیحت بڑے پُر زور الفاظ میں فرمائی۔ پہلے آپ نے پوچھا کونسا دن ہے، کونسا مہینہ ہے، کونسا مقام ہے؟ کیا حرمت کا دن، حرمت کا مہینہ اور حرمت کا مقام نہیں؟ تب ارشاد ہوا اَلَا اِنَّ دِمَائَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ حَرَامٌ بَیْنَکُمْ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا خبردار رہو تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں یہ آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ اور اس کی حرمت کو ویسا ہی سخت جانو، جس طرح حرمت

والے مہینہ میں، حرمت والے شہر میں، حرمت والے دن کی عزت تمہارے دلوں میں ہے۔اور جس طرح اس حرمت کو کوئی چیز نہیں توڑ سکتی، اسی طرح اس حرمت کو بھی کوئی چیز توڑنے والی نہ ہو۔ پس آپ نے اخوت اہل اسلام کی بنیاد تین باتوں پر رکھی ہے۔

اوّل۔ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خون نہ گرائے۔ایک حدیث میں یہاں تک وعید ہے کہ جب دومسلمان تلواریں کھینچ کرایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے ہیں تو دونوں کا ٹھکانا آگ ہے۔پس جب ایک مسلمان فرد کے خون گرانے کے ارادہ اورعزم پر بھی اس قدر تہدید ہے، تو مسلمان قوموں کا ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرنا اور ایک دوسرے کوسرے سے نیست و نابود کرنے کے درپے ہونا کس قدر بڑا گناہ ہے؟ اوراسی گناہ کی سزا آج ہم یہاں دنیا میں بھی بھگت رہے ہیں۔پس اتحاد اسلام کی بنیاد کی پہلی اینٹ یہی ہے کہ مسلمان مسلمانوں کے خلافت جنگ نہ کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسری حدیث میں فرماتے ہیں کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔

دوم۔ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا مال نہ لے۔ مال میں روپیہ جائیداد، مِلک ومقبوضات سب کچھ داخل ہے۔ پس کسی مسلمان فرد یا قوم کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ دوسرے مسلمانوں کے مِلک ومقبوضات کے چھیننے میں کسی قسم کی کوشش میں شریک ہو۔اور یہ اتحاد اسلامی کی بنیاد کی دوسری اینٹ ہے۔

سوم۔ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت پر حملہ نہ کرے۔گویا مسلمان ایک دوسرے کی تحقیر کرنے والے بھی نہ ہوں۔اسی میں یہ بھی آجاتا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کی تکفیر نہ کریں۔ کیونکہ مسلمان کو کافر قرار دینا سب سے بڑا حملہ ہے، جو اس کی عزت پر کیا جاسکتا ہے۔ایک دوسرے کے خلاف مسلمانوں نے اس قدر زبان کھولی ہے کہ غیر تو ان کی زبان سے بچ بھی جائیں، مگر اپنے ہی مسلمان بھائی نہیں بچتے۔اور ہر ایک ممکن طریق پر بجائے اپنوں کے حامی ہونے کے انہی کی تذلیل وتکفیر کے درپے رہتے ہیں۔پس مسلمانوں کی تذلیل وتکفیر سے بچنا یہ اتحادِ اسلامی کی تیسری بنیادی اینٹ ہے۔

ان تین باتوں کا اجتماع فی الحقیقت اتحاد کو اپنے کمال کو پہنچا دیتا ہے۔اور یہ ایک ہی بات فیصلہ کرنے کے لیے کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتیں خدا کی وحی سے ہی تھیں۔آج اگر کوئی شخص ساری دنیا

کے تجربوں کو اکٹھا کر کے اتحاد کی بنیاد رکھنا چاہے، تو اس سے بہتر سنگ بنیاد تجویز نہیں کر سکتا۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اخوتِ اسلامی میں کچھ حقوق بھی مسلمانوں کے ایک دوسرے پر ہیں، جن کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ یہ صرف وہ باتیں ہیں جو اتحاد کو پیدا کرتی ہیں یا پیدا شدہ اتحاد کو تباہ ہونے سے بچاتی ہیں۔

اس سے یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں کے لیے دوسری قوموں کا قتل، ان کا مال لینا اور ان کی عزت پر حملہ کرنا جائز ہے۔ اور صرف مسلمانوں کے متعلق ان امور کا ارتکاب نہیں ہونا چاہیے۔ کسی کا بھی ناحق خون گرانا، کسی کا بھی بالباطل مال لینا، کسی کی بھی تحقیر و تذلیل کرنا جائز نہیں۔ مگر مسلمانوں کی باہمی اخوت میں ان امور پر زیادہ زور اس لیے دیا گیا ہے کہ انہی امور کو مدنظر نہ رکھنے کی وجہ سے اس قوم نے دنیا میں آخر اس بربادی کی حالت کو پہنچنا تھا۔ علاوہ ازیں مسلمان دنیا کے ایک ملک یا دنیا کی ایک قوم تک محدود رہنے والے نہ تھے۔ پس یوں بھی خصوصیت سے ان کو اس طرف توجہ دلانا مقصود تھا کہ مختلف ملکوں میں پھیل کر مختلف قوموں میں سے ہونے کی وجہ سے مختلف فرقوں میں تقسیم ہو کر ایسا نہ ہو کہ اخوت اسلامی کی یہ بنیاد ہی تمہارے ہاتھوں سے متزلزل ہو جائے۔ اور کیا یہ سچ نہیں کہ آج مسلمانوں کی مصائب کی اصل وجہ صرف ان کا آپس میں ایک دوسرے پر تلوار اٹھانا اور آپس میں ایک دوسرے کو برباد کرنے کی کوشش کرنا اور ایک دوسرے کی تکفیر کے درپے رہنا ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مسلمان کفر کی ترقی اور اسلام کی کمزوری کا موجب ہو رہے ہیں۔ ایک ہو کر وہ اسلام کی قوت اور کفر کے کمزور کرنے کا ذریعہ بن جائیں گے۔ حدیثِ نبویؐ میں صاف لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں مسلمانوں پر کوئی دشمن ایسا مسلّط نہ کروں گا کہ جو ان کو نیست و نابود کر دے۔ اگرچہ دنیا کے چاروں اطراف سے دشمن ان پر جمع ہو جائیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کا ہی ایک گروہ دوسرے کو ہلاک کرنا شروع نہ کر دے۔ اور یہاں تک کہ وہ خود ایک دوسرے کی آزادی چھین کر ان کو قید غلامی میں نہ ڈالیں۔ مخبر صادق کا کون سا قول سچا نہیں نکلا جو مسلمانوں کو یہ مصیبت کا دن نہ دیکھنا پڑتا۔ مگر خوب یاد رکھو کہ انہی الفاظ میں مسلمانوں کے دکھوں کا علاج بھی موجود ہے۔ ایک دوسرے کو قتل کرنا چھوڑ دو، ایک دوسرے کو غلام بنانا چھوڑ دو، ایک دوسرے کی تذلیل و تکفیر چھوڑ دو اور رسول عربیؐ کے اس ارشاد کو سارے مسلمانوں تک پہنچا دو۔ اگر یہ نہیں کرتے تو ہزار تدبیریں کرو، تم ان مصائب میں سے نکل نہیں سکتے۔ یہ پہلا قدم ہے اس کے بغیر سب تدبیریں ہیچ ہیں۔

کُل دنیا کا اتحادِ اسلامی ایک بڑا عظیم الشان کام ہے۔اور یہ ریزولیوشنوں یا لفظوں کا کام نہیں، بلکہ سخت درجہ کی سعی بکار ہے۔اس پر بالآخر سب قوموں کی ہمت جب تک صرف نہ ہوگی اس کا تکمیل کو پہنچنا ناممکن ہے۔مگر ابتدا کہیں سے ہونی چاہئے۔اور ہندوستان سے زیادہ موزوں جہاں سات کروڑ مسلمان جمع ہیں، اور کوئی مقام نہیں۔خود ہندوستان کے مسلمانوں میں ایسا اتحاد قائم ہو جانا یوں بھی سہل ہے۔اور جب ایک چھٹا یا پانچواں حصہ عالم اسلامی کا ایک اصول پر قائم ہوگیا تو مسلمانان عالم کا اس کا اتباع کرنا بھی ایک سہل امر ہو جائے گا۔بلکہ پہلے اگر برٹش امپائر کے مسلمانوں کا ہی اس پر اتفاق ہو جائے تو ایک چوتھائی مسلمانان عالم نے گویا اس اصول کو قبول کر لیا اور ایک بھاری منزل اس سفر کے طے ہوگئی۔اور یہاں صرف ضرورت بھی اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ وہ ایک دوسرے کی تذلیل وتکفیر کو چھوڑ دیں اور اپنی قوت کو مخالفین اسلام کے بالمقابل خرچ کریں۔میں حیران ہوں کہ ہم ہندوؤں کے ساتھ اتحاد پیدا کرنے کے لیے ایک حلال چیز گائے کے ذبیحہ کو ترک کر سکتے ہیں۔مگر اس سے بہت بڑھ کر جو اتحاد مفید ہے، یعنی مسلمانان عالم کا اتحاد، اس کی خاطر ہم ایک دوسرے کی تکفیر نہیں چھوڑ سکتے۔حالانکہ تکفیر ایک نہایت معیوب امر ہے۔صحابہؓ نے تو ایک دوسرے سے جنگ کرنے کے باوجود، ایک دوسرے کی تکفیر سے انکار کیا۔مگر ہم کسی جنگ کے نہ ہوتے ہوئے، ایک دوسرے کی تکفیر کو ترک نہیں کر سکتے۔ہم حق پر ہیں، اس لیے دوسرے مسلمان بھائی کی ہم کو کوئی پروا نہیں۔یہ ایک غلط اصول ہے جس نے مسلمانوں کو برباد کیا ہے۔دوسرے بھائی پر بھی جب تک وہ کھلے طور پر اصول اسلامی کا قائل ہے اور شعار اسلامی کی بےحرمتی کرنے والا نہیں، حسن ظن سے کام لینا چاہئے۔ہاں یہ مرض تکفیر دور نہیں ہوسکتی، جب تک کہ اس کا وہ علاج نہ کیا جائے، جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔اور وہ ایک قصاص کا رنگ اپنے اندر رکھتا ہے۔یعنی جس طرح جو انسان دوسرے کو قتل کرتا ہے، اسے واجب القتل سمجھا جاتا ہے اسی طرح جو شخص اپنے مسلمان بھائی جو علی الاعلان ان موٹے اصولِ اسلامی کا قائل ہے جن کے قبول کرنے سے ایک کافر بھی اسلام میں داخل ہوسکتا ہے، کافر کہے، اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا نہیں بلکہ کفار کا سلوک کیا جائے۔

غرض یہاں سے ابتدا کر کے اس اتحاد کی لہر کو تمام دنیا میں پھیلایا جائے اور اس کام کے کرنے والا ایک خاص گروہ ہو، جس کی ساری توجہ اس کام پر ہو۔ہمارے اکثر کام اس لیے تکمیل کو نہیں پہنچتے کہ ایک سر اور ہزار سودا

کا مصداق ہوتے ہیں۔ ہر عظیم الشان کام پر جب تک ایک خاص گروہ متعین نہ ہو، جو دن رات اسی کام میں منہمک ہو، اس وقت تک کامیابی کا منہ دیکھنا مشکل ہے۔ اتحاد اسلامی اتنا بڑا کام ہے کہ جن لوگوں کے ذمے اور ہزار ہا قسم کے کام ہیں، وہ اس کو سرانجام نہیں دے سکتے۔

پس عملی قدم اٹھانے کے لیے وہ لوگ بصورت ایک انجمن کے الگ ہو جائیں، جن کا یہ کام ہو۔ الگ ہونے سے صرف یہ مراد ہے کہ وہ اپنی ساری توجہ اس کام پر صرف کریں۔ یوں بیشک ایک ہی نظم کے ماتحت ہوں جس کے دوسرے شعبوں میں دوسرے کام سرانجام پاتے ہوں۔ اس اتحاد کا تھوڑے دنوں میں اتنا تو کھلا نتیجہ نظر آ جائے گا کہ آج خود ہندوستان میں جو مسلمانوں کی طاقت ایک دوسرے کو کمزور کرنے پر اور نتیجتاً خود اسلام کو نقصان پہنچانے پر صرف ہو رہی ہے، وہ خدمت اسلام میں صرف ہوگی۔ بہت سے لوگوں کا وقت اسلام کی خدمت کے لیے نکل آئے گا۔ ہزار ہا اوراق اخبار کے اشاعتِ اسلام کا کام دینے لگیں گے۔ سینکڑوں کتب اسلام کی صداقت کو ظاہر کرنے والی اور مسلمانوں کو مفید راہ پر لگانے والی شائع ہونے لگیں گی اور لاکھوں روپیہ خود بخود اسلام کی اشاعت پر صرف ہونے لگے گا۔ یہ قدم اٹھانے میں جتنی دیر لگ رہی ہے، اسی قدر اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ کل تک ہندوؤں کے ساتھ اتحاد ایک ناممکن امر نظر آتا تھا۔ اشتراک مصائب اور تھوڑی سی قربانی نے اس کو ممکن کر دیا۔ کیا مسلمانوں کے اندر باہمی اتحاد پیدا ہونے کے لیے ابھی کچھ اور مصائب کی ضرورت ہے، جو ہم اس طرف قدم نہیں اٹھاتے؟ کیا اسلام کی شوکت کے زندہ ہونے میں مسلمانوں کا باہمی اتحاد اس سے زیادہ زبردست طاقت نہیں؟ مگر اس کی طرف اب تک ان کی توجہ بھی نہیں ہوئی۔ اگر ہندوؤں کے ساتھ اتحاد سے ہندوستان کے مسلمانوں کو سلف گورنمنٹ میں تھوڑا سا حصہ ملتا ہے، تو مسلمانانِ عالم کے اتحاد میں خود اسلام کی زندگی ہے۔

دوسرا کام مسلمانوں میں ان باتوں کا پیدا کرنا ہے، جن پر اسلام کی بنیاد ہے یا مسلمانوں کی اصلاح کا کام۔ یہ کام بھی سب دوسرے کاموں پر مقدم ہے۔ اس وقت سب سے بڑا ہتھیار، جس کو مسلمان عمل میں لانا چاہتے ہیں، ترکِ موالات ہے، مگر ہتھیار کو چلانے کے لیے خود ہاتھ میں قوت کی ضرورت ہے۔ کوئی قوم دنیا میں اسباب کی مخالفت کا مقابلہ نہیں کر سکتی، جب تک اس کے اندر طاقت موجود نہ ہو۔ اور قوم کے اندر قوت اعلیٰ

صفات کے ہونے سے پیدا ہوسکتی ہے۔اس لیے اندرونی اصلاح کوترک موالات پر بلحاظ مرتبہ بہر حال تقدم حاصل ہے۔خود نبی کریم ﷺ نے قوم کواس راہ پر چلایا۔اوراللہ تعالیٰ نے مقابلہ کاحکم اس وقت دیا، جب آپ ایک ایسی قوم تیار کر چکے تھے۔گووہ تعداد میں بہت ہی تھوڑی تھی۔جواعلیٰ درجہ کی صفات ایثار واتحاد،عزم واستقلال، صبر واستقامت باللہ کواپنے اندر لیے ہوئے تھی۔پس اپنی قوم کی اصلاح کی طرف،ان کے اندراعلیٰ درجہ کے جوہر پیدا کرنے کی طرف، دوسرے امور سے جوترک موالات میں داخل ہیں، سردست زیادہ توجہ بکار ہے۔اس لیے کہ اس وقت قوم کی حالت ایسی بگڑی ہوئی ہے کہ وہ کسی وسیع پیمانہ پر چھوٹے سے چھوٹے کام کی اہلیت بھی اپنے اندرنہیں رکھتی۔ بلکہ اگرغور کیا جائے تو خود خلافت اسلامیہ کا زوال نتیجہ ہے ہماری قوم کے بگڑنے کا۔اگرقوم اندر سے بگڑ نہ جاتی،تو جتنی بڑی سلطنت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کودی تھی، اس کوکوئی بیرونی دشمن تباہ نہ کرسکتا تھا۔اور مخبرصادق نے تو یہ بھی بتادیا تھا۔حَتّٰی یَکُوْنَ بَعْضُهُمْ یهْلِکَ بَعْضًا اور جب ہماری بیماری اس حدتک پہنچ چکی ہے کہ ہم ایک عظیم الشان بنی بنائی سلطنت کوقائم نہیں رکھ سکے،تو ایسی حالت کے ہوتے ہوئے ہم دوبارہ کھوئی ہوئی عظمت وشوکت کوکیونکر حاصل کر سکتے ہیں؟ یا بالفرض اگرکوئی غیرمعمولی اسباب ایسے پیدا بھی ہوجائیں،جن سے وہ حاصل ہوجائے،تو پھراس کے اسی طرح جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔پس اندرونی اصلاح کا سوال بیرونی معاملہ سے بھی بڑھ کراہمیت رکھتا ہے۔اوراس اصلاح کے کام میں سب سے بڑا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کوعمل بالقرآن کی طرف توجہ دلائی جائے۔قرآن کریم کاعلم ہرایک مسلمان بچہ کودیا جائے۔اور سیرتؐ اورتاریخ اسلام کے وہ پاک نمونے قوم کی ہدایت کے لیے اس کے سامنے لائے جائیں،جن سے مسلمانوں کے اندراسلامی سادگی،خدمت اسلام کی تڑپ، مال وجان کی قربانی،عزم صبرواستقلال،انابت اوررجوع الی اللہ کی پاک صفات پیدا ہوں۔

تیسری ضرورت ہرملک کے اندر،خواہ وہاں حکومت اسلامی ہو یا نہ ہو،ایک بیت المال کا قیام ہے۔ کیونکہ کوئی کام چل نہیں سکتا جب تک کہ اس کے پیچھے مالی طاقت موجود نہ ہو۔اس کی ابتدار یزولیوشن کے رنگ میں ہوچکی ہے۔مگرخوف ہے کہ قوت کا انتشار دوسری اطراف میں ہوکراصلی کام نہ رہ جائے۔ بیت المال کا قیام نہ صرف روپے کےفراہم کرنے کا ذریعہ ہوگا،اور یوں مالی طاقت کے پیدا ہونے سے ہمارے کام کامیابی کا منہ

دیکھنے کے قابل ہوں گے، بلکہ ہزار ہا آدمیوں کے لئے، جو اب ذلیل ملازمتوں پر گذارہ کرتے ہیں، یہ ذریعہ معاش ہو جائے گا۔ یہ لوگ زکوٰۃ کے وصول کرنے والے بھی ہوں گے اور قوم میں صحیح خیالات کے پھیلانے کا موجب بھی ہو جائیں گے۔ اور بیت المال کے ذریعہ سے مسلمان اپنی قوت کو جس طرح چاہیں گے لگا سکیں گے۔

ان تین ابتدائی مراحل کے بعد جو ہم کو ہر حال میں اختیار کرنے چاہئیں خواہ ہمارے مطالبات معاملہ خلافت میں تسلیم بھی کر لیے جائیں، میں ان امور کی طرف آتا ہوں، جو ''ترکِ موالات'' کے ماتحت آتے ہیں۔ ترک موالات ایک شرعی مسئلہ ہے، جس سے کسی مسلمان کو اس لیے انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم میں صراحت سے اس کا ذکر موجود ہے۔ اور اس سے بھی کسی مسلمان کو انکار نہیں کہ باوجود ترک موالات کے حکم کے جس کی رو سے کفار سے نصرت لینا یا ان کو نصرت دینا دونوں ناجائز ہیں۔ خود نبی کریم ﷺ نے کفار کے ساتھ معاہدات نصرت کیے بھی ہیں۔ اس مسئلہ پر اگر ضرورت محسوس ہوئی، تو میں علیحدہ روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن جس صورت میں کہ علمائے ہند کا فتویٰ شائع ہو چکا ہے، اس کے رو سے بھی صاف عیاں ہے کہ گو ترک موالات حکم شرعی ہے، مگر یہ امر کہ اس میں کون کون سے امور داخل ہیں؟ اجتہادی امر ہے۔ یعنی ترکِ موالات کی موجودہ حالات کے ماتحت تفصیلات کو قائم کرنا قیاس سے ہے اس بارہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کا عمل یا ارشاد ایک قطعی فیصلہ ہے۔ جس کے سامنے ہر مسلم کی گردن جھکنی چاہئے۔ مگر جب حالات میں اختلاف واقع ہو جائے تو پھر اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور قیاس کرنا پڑتا ہے کہ ہم کو کس حد تک ایک یا دوسرے طریق کو اختیار کرنا چاہئے۔ اب ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ پہلے تیرہ سال تک مکہ معظّمہ میں ہر طرح کے دکھ کفار کے ہاتھ سے اٹھاتے رہے۔ مسلمانوں کو خطرناک دکھ دیئے جاتے تھے، جان سے مارا جاتا تھا، وہ کھلے طور پر نماز تک نہ پڑھ سکتے تھے، تبلیغ میں بھی سخت رکاوٹیں تھیں۔ جب یہ دکھ انتہا کو پہنچ گئے تو ہجرت کا حکم ہوا۔ جس کے ساتھ ان دشمنان اسلام سے، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی جان کو لینے کا بھی اب عزم کر لیا تھا، خود بخود قطع تعلق ہو گیا اور مدینہ میں نبی کریم ﷺ نے ایک آزاد حکومت قائم کر لی۔ جس میں وہاں کے مشرکین اور یہودیوں کے ساتھ معاہدات تھے۔ مگر یہ حکومت ہر پہلو سے آزاد تھی۔

اس کے بالمقابل جب ہم اپنے حالات کو دیکھتے ہیں تو کسی قدر فرق پاتے ہیں۔ ہم مسلمانان ہند اپنی

کوئی آزاد حکومت نہیں رکھتے۔ بلکہ اسی قوم کے ماتحت ایک محکوم کی حیثیت میں ہیں۔ جس قوم کے ساتھ ترکِ موالات کا سوال پیش آیا ہے۔ اور یہ حاکم ومحکوم کا تعلق ہمارے اختیار سے نہیں، بلکہ دوسری قوم فاتح ہونے کی حیثیت میں ہم پر حکمران ہے۔ اور ہم میں نہ تو ان کے ساتھ مقابلہ کی طاقت ہے اور نہ ہی ہم ہجرت کر کے کہیں جا سکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی مدنی زندگی کے ساتھ تشابہ اس وقت پیدا ہوسکتا ہے، جب ہماری اپنی آزاد حکومت ہو۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ ہماری اپنی آزاد حکومت ہندوستان میں اس وقت بھی نہ ہوگی، جب ہندوستان کو سلف گورنمنٹ مل جائے۔ کیونکہ اگر وہ سلف گورنمنٹ لفظی معنی میں بھی صحیح ہو، تو بھی اس میں غالب حصہ بلحاظ زیادتی کے ہمارے ہندو اہل وطن کا ہوگا۔ اور اگر ہم تعلیم میں، تجارت میں، صنعت وحرفت میں، ان کے برابر بھی کبھی ہو جائیں، تو بھی ایک چوتھائی سے زیادہ اثر حکومت پر ہمارا نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ کثرت رائے کے فیصلہ جات میں اصل فیصلہ ہر معاملہ کا، قریباً قریباً پھر ہندوؤں کے ہاتھ میں ہی ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سات کروڑ مسلمانوں کی ہجرت کے لیے نہ کوئی جگہ ہے اور نہ ہی یہ بات عمل میں آسکتی ہے۔ پس ہماری حالت ہر حال میں قریباً قریباً یوں ہی سمجھنی جائے کہ ہم ایک محکوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اس وقت تو بہرحال ہی اس بات کو کسی طرح نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہم دوسرے لوگوں کے ماتحت ہیں اور وہ ہم پر حاکم ہیں۔ اور حکومت خود ایک ولایت ہے۔ جس طرح ایک نابالغ یا کمزور کی جائیداد پر جس شخص کو تصرف حاصل ہو، وہ ولی کہلاتا ہے، اسی طرح جو ہم پر حاکم ہوں، خواہ ہماری مرضی سے ہوں یا ہماری مرضی کے خلاف ہوں، ان کو ایک گونہ ولایت ہم پر حاصل ہے۔ جس کو ہم اپنے اختیار سے کسی صورت میں ترک نہیں کر سکتے۔ پس ہمارے ترک موالات پر نبی کریم ﷺ کے حالات سے پورا تشابہ نہ ہونے کی وجہ سے پہلی پابندی یہ عائد ہے کہ بعض امور میں ہم مجبور ہیں اور ترکِ موالات صرف انہی امور میں ہے، جن میں باوجود محکوم ہونے کے ہم کو ایک اختیار حاصل ہے کہ ہم ایسا کریں یا نہ کریں۔

دوسری بات، جو کسی صورت میں نظرانداز کرنے کے قابل نہیں، اور وہ بھی ایک اصولی بات ہے، یہ ہے کہ ترک موالات اسلام اور مسلمانوں کے فائدہ کے لیے ہے، یعنی جس امر کو اختیار کرنے سے ہم کو کسی فائدہ کے پہنچنے کی توقع ہی نہیں، وہ ترک موالات کے ماتحت اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ مثلاً اس خیال سے کہ گورنمنٹ کو ہمارے پیسوں سے امداد پہنچتی ہے، ہم ریل پر سفر نہ کریں۔ یا ڈاک میں خط نہ ڈالیں، یا تار سے کام نہ لیں، تو یہ

ترک موالات میں داخل نہیں ۔ یہ ترک مفاد میں داخل ہے۔اور یہ بھی درحقیقت ہماری محکومیت کی حیثیت کی وجہ سے ہے۔ اگر جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی حالت میں تھا کہ آپ کی حکومت علیحدہ بالکل آزاد تھی۔ اور دشمن بالمقابل میدان جنگ میں تھا، تو وہاں اتنا تعلق بھی جائز نہ تھا کہ ان کے کسی ایسے انتظام سے مدد لی جائے۔ مگر یہاں چونکہ ہمارا تعلق محکومیت کا ہے، اس لیے اگر ہم ریل، ڈاک وغیرہ کو چھوڑیں تو دوسرے کو نقصان پہنچانے سے بڑھ کر اپنے آپ کو نقصان پہنچا لیتے ہیں۔ اس لیے ترک موالات کی تجاویز یا تفاصیل پر غور کرتے وقت اس امر کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا کہ کیا اس میں مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے یا وہ امر سراسر ان کے نقصان کا موجب ہے؟ اب ان ابتدائی امور کے بعد میں ان تجاویز کو لیتا ہوں جو ترکِ موالات کے ماتحت عمل کے لیے پیش کی گئی ہیں:

اول: ترکِ اعزازات ہے

یعنی سرکاری خطابات اور اعزازی عہدوں کا ترک کرنا۔ اور جو جلسے وغیرہ حکام کے اعزاز میں دیئے جائیں، ان سے اجتناب کرنا۔ خطاب یا اعزازی عہدہ یا اعزازی جلسہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس میں ہم قطعاً مجبور نہیں، نہ گورنمنٹ زبردستی یہ چیزیں ہم کو دیتی ہے۔ بلکہ عموماً لوگ سخت درجہ کی ذلّت اختیار کر کے اور حکام کی خوشامد سے اور بعض وقت ایمان فروشی اور قوم فروشی سے ان چیزوں کو حاصل کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض امور میں سرکاری ملازمین بیشک مجبور ہو سکتے ہیں، مگر جو ملازمت کا طوق اپنی گردن میں نہیں رکھتے، وہ پورے آزاد ہیں۔ اس لیے پہلی شرط کے ماتحت یہ امر ترکِ موالات میں آ سکتا ہے۔ دوسری شرط یعنی یہ کہ اس میں مسلمانوں کا مفاد ہے یا نہیں۔ سو وہ بھی ایک کھلی بات ہے۔ خطابات کی خواہش لوگوں سے ذلیل ترین کام کرا لیتی ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمان قوم کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ مسلمانوں میں بہت لوگ ایسے ہیں جو محض ایک خطاب کے لیے دین و ایمان تک کی پروا نہیں کرتے۔ جو مسلمان خطاب یا عزت یا جاگیر کے لیے حکام کے دروازوں پر جا کر ذلیل حرکات کرتا ہے، وہ اسلام کے لیے کمزوری اور ننگ کا موجب ہے۔ مسلمان کا کام تو یہ ہے کہ عزت صرف خدا سے چاہے، مال کو خدا کے فضل کے رنگ میں تلاش کرے۔ یعنی اپنی قوت بازو سے کام لیتا ہوا ان اسباب سے کام لے، جو اللہ تعالیٰ نے حصول معاش کے لیے پیدا کر رکھے ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں عزت وجاہ کی خواہش ایک شرک ہے۔ جس کا مرتکب مسلمانوں کو نہیں ہونا چاہیئے۔ خطاب کی خواہش کو دل سے نکالنا ترکِ موالات ہی نہیں

بلکہ اصولِ باطلہ کا ترک ہے۔ اور وہ مقام، جس پر قرآن کریم مسلمان کو پہنچانا چاہتا ہے، حاصل نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ اس قسم کی ذلیل خواہشات بھی دل میں موجود ہوں۔ پس ترکِ اعزازات مسلمان قوم کو دنیا پرستی کی ذلت سے نکال کر خدا پرستی کے مقام پر کھڑا کرنے والی چیز ہے۔ اور یوں مسلمانوں کے مفاد کا موجب ہے۔

دوم: سرکاری عدالتوں میں مقدمات کا نہ لے جانا

ظاہر ہے کہ بعض مقدمات تو ایسے ہوں گے کہ ان کا عدالتوں میں لے جانا ہمارے اختیار کی بات ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ وہ ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ مثلاً ایک چور کو ہم سزا نہیں دے سکتے۔ وہ حکومت وقت ہی دے گی۔ صرف آپس کے جھگڑے باقی رہ جاتے ہیں۔ سو یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس قوم کو، جو قرآن وحدیث پر عمل کا دعویٰ کرتی ہے، آج سے مدت بیشتر اختیار کرنی چاہئے تھی۔ مگر اس میں مشکل یہ ہے کہ ان فیصلوں کے اجراء کے لیے ان کے پیچھے کوئی طاقت نہیں! اس طاقت کے قائمقام صرف افراد کی اپنی رضا مندی ہو گی کہ ہم قرآن وحدیث کے فیصلے کو تسلیم کریں گے۔ اور اگر اس قدر مصائب کے باوجود مسلمان اس قدر عہد کی ہمت بھی اپنے اندر نہیں پاتے، تو اس قوم کے اٹھنے کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ پس اس بارہ میں ہر مسلمان فرد جب تک عہد نہ کرے یہ توقع مشکل ہے کہ وہ قرآن کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گا۔ ہاں! محض اس بنا پر اس کو چھوڑ بھی نہیں دینا چاہئے۔ اگر ابتدا میں دس فیصد بھی مسلمان ویسے نکل آئیں تو ایک بڑی بھاری کامیابی ہے۔ اور اس میں دو فوائد ہیں۔ اول یہ کہ عمل بالشریعۃ سے قوم کے اندر قوت پیدا ہو گی۔ دوسرے جو لاکھوں روپے مقدمات پر تباہ ہوتے ہیں، وہ بچ کر مسلمانوں کی قوت کا موجب ہوں گے۔

سوم: باہر کی بنی ہوئی اشیاء کا ترک کرنا

یہ ترکِ موالات کے پروگرام میں سب سے زیادہ زبردست ہتھیار ہے اور سب سے بڑھ کر توجہ کا محتاج ہے۔ اور جس قدر جلد ہی اس کے اختیار کرنے سے اچھے نتائج پیدا ہو سکتے ہیں، اس قدر جلد دوسرے ذرائع سے امید نہیں کی جاسکتی۔ یہ ہمیشہ ہمارے اختیار کی بات ہے، بجز اس کے کہ جو اشیاء قومی مفاد کا موجب ہیں ان کو ترک کرنا ترکِ موالات نہیں، بلکہ ترکِ مفاد میں داخل ہوگا۔ مثلاً مشینری، علاج کی ضروریات وغیرہ ان کو چھوڑ کر اگر

غور کیا جائے تو کثیر اشیاء کا محتاج ہم کو یورپ کی نقل یا خود اختیار کردہ غلامی نے بنایا ہوا ہے۔ سادہ لباس، سادہ خوراک، سادہ رہائش کے اختیار کرنے سے نہ صرف مسلمانوں کا بہت سارو پیہ بچ کر نیک کاموں میں صرف ہوگا، اور یوں ان کی قوت کا موجب ہوگا، بلکہ دوسری طرف یورپ کی تجارت کو جو نقصان اس سے پہنچے گا، جب چالیس کروڑ مسلمان اور پچیس کروڑ ہندو اپنی اس احتیاج کو کم سے کم کردیں تو یہ خود کبر کے قلعہ کو توڑ دے گا۔ اور یورپ، جس کی ساری ترقی کا مدار اس کی تجارت ہے، سمجھ لے گا کہ ساری طاقت صرف ہتھیاروں سے نہیں بلکہ اور بھی دنیا میں طاقتیں ہیں جو کمزوروں کے حقوق کو قابل توجہ کردیتی ہیں۔ اور ان کی طرف سے لاپروائی برتنا انجام کار اچھا نہیں۔

چہارم: ریفارم سکیم کے ماتحت کونسلوں کا ترک کرنا

یہ مرحلہ اب گزر چکا ہے۔ اس لیے اس پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی ہے تو اپنے اختیار کی بات، مگر اس کے اختیار کرنے میں صرف اظہار ناراضگی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ رہا یہ کہ اصلاحی تجاویز سے جو فوائد حاصل ہو سکتے تھے، وہ ہاتھ سے جاتے رہے۔ سو اس قدر تو اب بھی کہا جا سکتا ہے۔ گو اصل حقیقت کو آئندہ واقعات ہی آشکار کریں گے کہ ان تجاویز میں نمائش کا حصہ زیادہ ہے۔ اور اہل ملک کے لیے حقیقی فوائد اس قدر نہیں جس قدر خیال کیا گیا ہے۔

پنجم: گورنمنٹ کالجوں اور سکولوں اور ان کالجوں اور سکولوں کا ترک کرنا

جنہیں گورنمنٹ سے امداد ملتی ہے یا جن کا الحاق سرکاری یونیورسٹیوں سے ہے۔ اس میں اختیار تو ظاہر ہے۔ گورنمنٹ اپنے کالجوں یا سکولوں یا دوسرے کالجوں اور سکولوں میں تعلیم کے لیے مجبور نہیں کرتی۔ لیکن مفاد کا سوال زیادہ قابل غور ہے۔ اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ ہماری اصل غرض یہی ہے کہ ہماری تعلیم کا انتظام ہمارے ہاتھ میں ہو۔ اور یہی صورت افضل ہے۔ تاکہ مسلمان بچوں میں سچا اسلامی رنگ پیدا ہو سکے۔ گورنمنٹ جو تعلیم دیتی ہے اس کی زیادہ تر غرض اپنا کام لینے کے قابل بنانا ہے۔ اور اس بات سے گورنمنٹ کو کوئی تعلق نہیں کہ لوگ مسلمان رہیں یا نہ رہیں۔ اور لوگ بھی یہی سمجھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں کہ اس ذریعہ سے گورنمنٹ کی ملازمت

یا کسی اور رنگ میں ان کے معاش کی صورت ہو جائے۔ پس آزاد تعلیم مسلمانوں کو مسلمان بنانے کے لیے ایک سخت ضروری چیز ہے۔

اب اس غرض کو حاصل کرنے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ تدریجاً اس تعلیم کو سرکاری اثر سے آزاد کیا جائے۔ اور دوسرے یہ کہ فوراً اس کو آزاد کیا جائے۔ جو لوگ فوراً آزاد کرنے کے حامی ہیں ان کو غور کرنا چاہئے کہ ترکِ موالات کے پروگرام میں جتنی تجاویز ہیں قریباً ان سب پر ہی وہ تدریجاً عملدرآمد کے قائل ہیں۔ ایک دن میں لوگ خطاب نہیں چھوڑ دیں گے۔ ایک دن میں عدالتوں میں مقدمات جانے بند نہیں ہو جائیں گے۔ ایک دن میں بیرونی اشیاء کی خرید نہیں رک جائے گی۔ اور نہ ہی اتنی بڑی قوم کی تعلیم کی صورت ایک دن میں بدلی جاسکتی ہے۔ اور فوراً بدلنے کی کوشش سوائے نقصان کے کچھ نتیجہ پیدا نہیں کرے گی۔ جیسا کہ آج تک بھی اس کوشش سے سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اکتیس کروڑ کی قوم کو (یا سات کروڑ ہی سہی) ایک راہ پر چلانے کے لیے کئی سال بکار ہیں۔ تدریج کا پہلو کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟ خود کانگرس کے ریزولیوشن میں اور باتوں میں نہیں، مگر تعلیم کے معاملہ میں تدریج کا لفظ موجود ہے۔ یعنی یہ کام آہستہ آہستہ کیا جائے اور مسلم لیگ نے بھی اسی کا تتبع کیا ہے۔ اور سچ بھی ہے کہ باقی باتیں جلدی ہوسکتی ہیں۔ لیکن تعلیم کی صورت جلدی تبدیل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ خود نئی تعلیم کی صورت قائم کرنے میں ایک وقت لگے گا۔ بڑے بڑے قابل دماغ اس پر بہت سا وقت خرچ کریں گے۔ بڑے بڑے پر اثر لوگ ایثار اور قربانی کرانے کے لیے نکل پڑیں گے۔ تب اس کی صورت قائم ہوگی۔

علاوہ بریں فوراً آزاد کرنے کی جو صورت تجویز ہوئی ہے۔ یعنی یہ کہ گورنمنٹ سکولوں وغیرہ کے طالب علموں کو تو کچھ کہا نہیں جاتا۔ سارا زور صرف قومی کالجوں اور سکولوں پر صرف ہو رہا ہے کہ وہ یونیورسٹی سے الحاق نہ رکھیں۔ قطع نظر اور باتوں کے اس میں بڑا بھاری نقص خود قوم کے اندر سخت اختلاف کا پیدا ہو جانا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ قومی کالج بند ہیں یا بہت کمزور حالت میں ہو گئے ہیں۔ مانا کہ یہ تجویز بھی پسندیدہ تھی کہ انہی موجودہ کالجوں کو فوراً نئے کالجوں میں تبدیل کر دیا جاتا، جن کا الحاق آزاد یونیورسٹی کے ساتھ ہو۔ مگر یہ اس صورت میں ہوسکتا تھا، جب ساری قوم اس کے لیے تیار ہو۔ اگر اس چھوٹے سے کام کے کرنے میں بھی ہم نے پھر تفرقہ

پیدا کر دیا تو نتیجہ پھر وہی ہے کہ قوم کی ہمت اپنے ہی خلاف صرف ہوگی۔ جیسا کہ اب ہو رہا ہے کہ اپنی بہتری کے لیے نہیں بلکہ اپنی ہی قوم کے نقصان کے لیے سارا زور خرچ ہو رہا ہے۔

اتفاق بدون اس کے قائم نہیں رہ سکتا کہ ایک اصول پر سب مسلمان عمل پیرا ہوں اور وہ اصول کثرت رائے کا ہے۔ جب کثرت رائے سے ایک فیصلہ ہو جائے، تو اتحاد کی خاطر ذاتی رائے کا قربان کر دینا انجام کار زیادہ مفید ہوتا ہے۔ پس اس وقت بھی ان احباب کو، جن کی رائے یہی تھی کہ انہی کالجوں کو نئے کالجوں میں تبدیل کیا جائے نظام موجودہ کی کثرت رائے کے سامنے سر جھکا دینا چاہئے۔ ورنہ قوم کی بہتری کا جب بنیادی پتھر یعنی اتحاد ہی باقی نہ رہا، تو اس قوم کے دو گروہوں میں شب و روز کی کشمکش کا نتیجہ سوائے اس کے کیا ہوگا کہ کام کی قوت آپس کے جھگڑے میں ضائع ہو کر نہ پچھلا کام چلے گا نہ آئندہ نیا کام ہوگا۔اس سے بدر جہا بہتر ہے کہ ایک فریق اس معاملہ میں شکست مان کر نئے کام میں لگ جائے۔ اور نئے آزاد سکولوں اور کالجوں کے جاری کرنے میں کسی مسلمان کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ جمعیۃ العلماء کے فتوے کو قبول کر کے بھی آخر منتظمین نے دیکھنا ہے کہ اس کو عملدر آمد میں لانے کے لیے بہترین اور مفید صورت کونسی ہے؟

بیرونی اشیاء کے استعمال کو ترک کرنے کے معنی یہ نہیں کہ کروڑوں روپے کا مال جو تاجروں اور دوسرے لوگوں کے گھروں میں پڑا ہے، اس کو آگ لگا کر اپنی ہی قوم کا نقصان کیا جائے۔ پس تعلیم کے معاملہ میں بھی اسی تدریج اور دور اندیشی سے کام لینا چاہئے۔ اور خود علماء کو بھی واقعات کی روشنی میں اپنے فتوے پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ کیونکہ ایک اجتہادی امر کی بنیاد پر کہ کیا اس تعلیم کی طرز کو ترک کرنا ترک موالات میں داخل ہے یا نہیں، کفر و اسلام کی تفریق مسلمانوں میں قائم کر دینا جائز نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ پہلے اور قسم کے فروعی مسائل پر کفر کے فتوے لگتے تھے، اب اس بنا پر لگنے شروع ہو جائیں گے۔ اور قوم کے اندر جو تفریق موجود تھی، وہ ایک نئی صورت اختیار کر کے اور بھی زیادہ قوت پکڑ جائے گی۔ اور اتحاد محض ایک خیال ہی خیال رہ جائے گا۔ جس کی طرف عین موقعہ پر بھی کوئی توجہ نہ ہوئی۔

مزید برآں جس طرح مسلمان ترکِ موالات کے نیچے تعلیم میں آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں، اسی طرح ہندو بھی عدم تعاون کے ماتحت اسی اصول کے قائل ہیں۔ مگر انہوں نے وہ طریق اختیار نہیں کیا جو مسلمانوں

نے کیا ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہندوؤں کی بزدلی ہے اور مسلمانوں نے بہادری دکھائی ہے۔مگر حقیقت یہ نہیں۔ جو امر انہوں نے جس طرح ٹھیک سمجھا ہے، اسی طرح کیا ہے۔ جب باقی امور عدم تعاون میں وہ مسلمانوں کے دوش بدوش کام کررہے ہیں، تو اس میں ان پر بزدلی کا الزام نہیں دیا جاسکتا، بلکہ قریباً کل قوم ہی اسی نتیجہ پر پہنچی ہے کہ تعلیم کی صورت تبدیل کرنے میں تدریج کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اور وہ بھی اس صورت میں کہ موجودہ کالجوں اور سکولوں کو اسی حیثیت میں رہنے دیا جائے اور نئے صنعتی کالج سکول کھولے جائیں۔ یہ نتیجہ پرلے درجہ کی دور اندیشی پر مبنی ہے اور یہ غلط خیال ہے کہ ایثار میں دور اندیشی کیسی؟ دور اندیشی ایثار کو روکتی نہیں بلکہ اس کی قوت کو بڑھاتی ہے۔ یہ دور اندیشی کس خیال پر مبنی ہے؟

ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کی ملازمتیں خواہ ان میں کتنے بھی نقص ہوں، بہت سے لوگوں کے لیے ذریعہ معاش ہونے کے علاوہ حکومت میں ایک گونہ شرکت ہے۔ اور جو قوم سوراج کے لیے کوشش کررہی ہے، وہ سمجھتی ہے کہ ملازمتوں کا ترک کرنا اس آخری غرض کے حصول کے لیے معاون نہیں، بلکہ اس میں روک پیدا کرنے والا ہے۔ اس لیے ان ملازمتوں کا، جو پہلے سے ایک بڑا حصہ اہل ہنود کے حصہ میں آیا ہے، وہ اس کو ترک کرنے کی بجائے اس کو اور ترقی دینے میں ساعی ہیں۔ اور ان کی قوم اس بات پر کبھی رضامند نہیں ہوسکتی کہ وہ اس سلسلہ تعلیم کو بکلی بند کردیں، جس سے وہ اعلیٰ سرکاری عہدے حاصل کررہے ہیں۔ اور دوسرے وہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تعلیم جیسی چیز میں کبھی بھی اس طرح انقلاب پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ نئی تجاویز کا کرنا بڑے غور اور بڑے وقت کو چاہتا ہے۔ پس ان حالات میں مسلمانوں کو بھی کوئی ایسا ہی طریق اختیار کرنا چاہئے، جس سے قوم آئندہ کے نقصان سے بچ جائے۔ ورنہ اگر آج مسلمان اپنے سارے سکولوں اور کالجوں کا سرکاری یونیورسٹی سے الحاق توڑنے میں کامیاب بھی ہوجائیں، تو نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ مسلمانوں کا حصہ سرکاری ملازمتوں میں، جو پہلے سے بوجہ کمی تعلیم کم ہے، آہستہ آہستہ معدوم ہونا شروع ہوجائے گا۔ اور اگر آج سے دس یا بیس سال بعد بھی ہندوستانیوں کی حکومت ہندوستان میں قائم ہوتو اس وقت جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کے کاروبار ہوں گے، وہ یہ نہیں کریں گے کہ مسلمانوں کی خاطر تمام ملازمتوں کو خالی کرکے الگ ہوجائیں گے۔ بلکہ اس نقصان کی تلافی پچاس سال میں بھی نہ ہوسکے گی۔ جس طرح آج بھی مسلمانوں کی گذشتہ کمی تعلیم کی تلافی پچاس سال میں بھی نہیں ہو

سکی۔

پس اگر اور کوئی وجہ نہیں، تو اپنے ہندو برادران وطن کے طریق عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی اور قوم کی آئندہ بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے جب ہندوستان میں سلف گورنمنٹ ہو، مسلمانوں کو وہ رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے ان کی قوم کا جس قدر حصہ سرکاری ملازمتوں میں ہے وہ نابود ہو جائے۔ ہاں حتی الوسیع ان موجودہ کالجوں اور سکولوں میں بھی تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور ان میں مذہبی تعلیم کا عنصر غالب کر کے اس کو لازمی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور موجودہ الحاق کو توڑنے کی بجائے نئے آزاد کالج اور سکول قائم کرنے چاہئیں۔ جن کی اعانت نئی یونیورسٹی کے ذمہ اسی طرح ہو، جس طرح گورنمنٹ سرکاری یونیورسٹیوں کے ملحقہ کالجوں اور سکولوں کی اعانت کرتی ہے۔ اور اس کے لیے فنڈ کا فکر ہونا چاہئے۔ اور کوشش یہ ہونی چاہئے کہ مسلمان طالب علم سوائے خاص شاخوں کے، جیسے میڈیکل، انجینئرنگ وغیرہ، بجائے گورنمنٹ اور مشن سکولوں اور کالجوں کے، اپنے سکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کریں۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں قوم کی رہنمائی کی باگ ہے، ان کو چاہیے کہ مدبرانہ رنگ اختیار کرتے ہوئے قوم کے ایثار کو اچھے سے اچھے موقع پر لگانے کی کوشش کریں اور ان باتوں سے بچیں جو قوم کے لیے نقصان کا موجب ہوں۔

ہندو قوم کے ساتھ بیشک اتحاد بھی رہے۔ مگر اس بات کو نظر انداز نہ کیا جائے کہ ہمارا ان کے ساتھ ایک دوستانہ مقابلہ بھی ہے۔ نہ مسلمانوں کی قومیت نابود ہو سکتی ہے۔ نہ ہندو اپنی قومیت کو ترک کر سکتے ہیں۔ پس اس دوستانہ مقابلہ میں جو امور کل کو ہمارے لیے نقصان دہ ہو سکتے ہیں ان کی فکر آج سے کرنی چاہئے۔

ان سب باتوں کے ساتھ میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ جس قدر باتیں اوپر لکھی گئی ہیں۔ ان سب کا اثر زیادہ سے زیادہ صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں کو کھوئی ہوئی شوکت واپس مل جائے۔ خلافت کا استحکام ہو جائے۔ جہاں جہاں مسلمان موجود ہیں، وہ اپنے حقوق کو پالیں۔ لیکن اگر ہم اپنی نظر کو اس حد تک محدود کر لیں، تو گویا قرآن کریم کے ارشاد کی اور خدائی وعدوں کی ہم نے کوئی قدر نہ کی۔ کیونکہ ہمارے لیے تو یہ وعدہ ہے کہ یہ دین کل ادیان پر غالب آ جائے گا۔ کیا اس کے لیے بھی کوئی کوشش مسلمانوں کو کرنی چاہئے یا نہیں۔ یوں کہنا چاہئے کہ یہ سب طریق اپنی قوم کو دوسروں کے حملوں سے بچانے کے ہیں۔ کیا کوئی طریق ان پر حملہ کرنے کا بھی

ہے یا نہیں۔ جوفوج صرف اسی بات پر اتر آتی ہے کہ اپنی ہی حفاظت کرتی ہے اور دشمن پر حملہ کرنے کا کوئی فکر نہیں کرتی یا اس کی ہمت اور طاقت روز بروز کم ہو جاتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ قتال کی مسلمانوں میں طاقت نہیں، حتیٰ کہ جو کچھ مسلمان سلطنتیں باقی رہ گئی ہیں، ان میں بھی کفار کے ساتھ قتال کی طاقت نہیں۔ بلکہ ان کے معاہدات ان کے ساتھ ہیں یا ہو رہے ہیں۔ اور وہ بھی زیادہ تر ایک مغلوب فریق کی حیثیت میں۔ اور قتال کی طاقت نہ ہونا ایک ایسا امر ہے جس کا آج متفقہ طور پر سب مسلمانوں کو اقرار ہے۔ قتال کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے ہی اس کی جگہ ترکِ موالات کو اختیار کیا گیا ہے۔ ہجرت اگر مسلمان کریں تو چالیس کروڑ نہ سہی، پندرہ بیس کروڑ، جو اس وقت یورپ کے اثر کے نیچے ہیں، کہاں جائیں۔ پس اس کی بھی استطاعت نہیں۔ ترک موالات کی غرض اب صرف ہندوستان کے لیے سلف گورنمنٹ کا حصول ہے۔ اور جب یہ مل جائے تو اس کا اثر خلافت پر پڑنے کی امید کی جاتی ہے۔ مگر یہ امید ابھی دور کی ہے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جس طرح پہلے مسلمانوں نے دوسری قوموں پر بھروسہ کر کے نقصان اٹھایا، آج پھر وہ اسی طریق کو اختیار کر کے کل کو نقصان نہیں اٹھائیں گے!

اس لیے میں اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں یہ التماس کرتا ہوں کہ ان حالات میں اگر اسلام نے غالب آنا ہے تو کیا دوسری راہ اس کے غلبہ کی ابھی کھلی نہیں؟ اور کیوں ہم اس پر کوئی زور صرف نہیں کرتے ترکوں نے خلافت کو تباہ کیا، مگر تھوڑے عرصہ بعد خود اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً (7:60) تاریخ اسلامی میں اس کی بہت سی نظریں ہیں۔ جو ایک وقت دشمن تھے، وہ دوسرے وقت خادم دین بن گئے۔ مگر اس کے لیے بھی کوشش بکار ہے۔ بغیر جد و جہد کے تو کوئی مقام نہیں ملتا۔

اگر اسلام صلح کے مترادف ہے۔ اگر اسلام قومیت اور ملک کی قیدوں اور روکوں کو دور کر کے نسل انسانی میں مساوات قائم کرتا ہے، تو کیا یہ دنیا کے لیے عظیم الشان رحمت نہیں، کہ ان کو اس مقام پر پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ تا جس طرح ہم ایک ملک کے اندر اور ایک قوم کے افراد ہو کر بھائی بھائی بن کر رہ سکتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے فوائد میں معاون ہوتے ہیں، اسی طرح کل نسل انسانی بھائی بھائی بن جائے۔ دنیا میں جتنے بھی نسل انسانی کی بہبودی کے کام کیے جاتے ہیں، وہ سب اپنی قومیت اور ملک تک محدود ہو کر دوسروں کی حق تلفی کا موجب

ہو جاتے ہیں۔اور یوں حقیقی طور پر نسل انسانی کی بھلائی نہیں، بلکہ نقصان کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔پس نسلِ انسانی کی خیر خواہی اس امر کی مقتضی ہے کہ اس اصول کو دنیا میں پھیلایا جائے۔

نسلِ انسانی کی فرداً فرداً بہتری اسلام کے اصول توحید میں ہے اور بحثیت مجموعی اس کی بہتری مساواتِ نسلِ انسانی میں ہے۔اور یہی اسلام کے دو اصل الاصول ہیں۔پس گو اپنی قوم کی بہتری کی فکر بھی ایک اعلیٰ درجہ کی چیز ہے،مگر ایک مسلمان کا یہ مطمع نظر نہیں ہونا چاہیے۔اس میں پھر بھی ایک خودغرضی کا رنگ باقی رہ جاتا ہے اور ایثارِ کامل کا نمونہ بغیر اس کے نہیں دکھایا جا سکتا کہ ہم حقیقی امن کی راہوں کو دنیا میں پھیلائیں۔

پھر خدا کے کلام پر ہمارا ایمان ہے۔جس نے ہمیں یہ وعدہ دیا ہے کہ دین اسلام کل دنیا پر غالب آ جائے گا۔اس کے لیے بھی ہماری کوششوں میں کوئی حصہ ہونا چاہئے یا نہیں؟ بلکہ مقدم حصہ وہی ہونا چاہئے۔اور اس بات کو چھوڑ کر کہ وہ کامیابی کا دن کب ہوگا۔جب گروہ در گروہ اسلام کے اندر دوسرے لوگ داخل ہوں گے۔جیسا رسول اللہ ﷺ کے وقت میں بھی سارے مصائب کے بعد وہ زمانہ آ گیا تھا۔وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا (2:110) تھوڑی تھوڑی کامیابی جو اس مقصد میں حاصل ہوتی رہے، وہ مسلمان قوم کی بہتری کی تجاویز میں خود ایک نہایت بلند مرتبہ رکھتی ہے کہ ہر جگہ ان قوموں کے اندر، جو اسلام کے ساتھ اس وقت مخالفانہ رویہ رکھتی ہیں، وہ لوگ پیدا ہو جائیں گے، جو اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ اور ہمدرد ہوں گے اور اپنی قوم کو بہت سی غلط فہمیوں سے نکال سکیں گے۔اور قرآن کریم اور احادیث کی پیشگوئیاں صاف طور پر بتاتی ہیں کہ اسلام کا غلبہ اسی طرح ہوگا کہ کل دنیا پر اسلام پھیل جائے گا۔مگر بغیر جدوجہد کے کوئی کام دنیا میں نہیں ہوتا۔اور مسلمانوں کے لیے یہ وقت ہے کہ وہ کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جائیں۔اور ساری دنیا کو رحمۃ للعالمین کی رحمت کے جھنڈے کے نیچے جمع کرنے کی فکر کریں۔اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر اور قومیں اپنی بہتری کا ہر ایک ہتھیار استعمال کرنے میں آزاد ہیں، جس سے وقت پر کام نکل آئے، تو کم از کم ایک مسلمان اس قدر آزاد نہیں، اور اسے ہر حال میں یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ وہ کوئی ایسا ہتھیار استعمال نہ کرے، جس سے اسلام کے خلاف دنیا میں نفرت بڑھے۔کیونکہ اس کا کام اسلام کی طرف لوگوں کو بلانا ہے۔اور وہ بدوں اس کے نہیں ہو سکتا کہ اسلام کے ساتھ محبت اور ہمدردی پہلے پیدا ہو۔جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے۔ایک مسلمان کے لیے یہی کافی ہے کہ

قرآن وحدیث میں صریح پیشگوئیاں اسلام کے آخری غلبہ کی ہیں، اور حقیقی غلبہ اسلام کا پہلے بھی بذریعہ اشاعت ہی ہوا اور آئندہ بھی بذریعہ اشاعت ہی ہوسکتا ہے، تاہم اس قدر بڑھا دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ یہ طریق فی الواقع بھی نہایت کامیاب ثابت ہوا ہے۔ اور اگر کوئی نقص ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ اس پر کافی طاقت اور توجہ صرف نہیں کی جاتی۔

اسلام کی اس عظیم الشان کامیابی کی ایک جھلک اس چھوٹی سی کوشش میں صاف نظر آتی ہے، جو خواجہ کمال الدین صاحب نے ولایت میں حاصل کی ہے کہ چندسال کے عرصہ میں تین سو اور چار سو کے درمیان انگریز مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور ان میں بڑے بڑے اعلیٰ طبقے کے لوگ ہیں۔ جیسے لارڈ اور کپتان اور ایڈیٹر، مصنف۔ انہی انگریز نومسلموں میں سے ہی ایک مسٹر مارمیڈیوک پکتھال ہیں، جو حال میں ہی بمبئی کرانیکل کے ایڈیٹر ہوکر آئے ہیں۔ اس قابلیت کے لوگوں کو بھی حلقہ بگوش اسلام بنالینا بتاتا ہے کہ اسلام کے اندر کس قدر روحانی طاقت لوگوں کو اپنے سامنے جھکا دیتی ہے۔ اس وقت مسلمان قریباً ہر جگہ محکومیت کی حالت میں ہیں۔ اور اس محکوم قوم کا ایک انسان حاکم قوم بلکہ ساری دنیا پر اقتدار رکھنے والی قوم کے مرکز میں جا کر اسلام کا جھنڈا کامیابی کے ساتھ کھڑا کرتا ہے۔ یہ کوئی آسان بات نہ تھی۔ بالخصوص اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اس وقت حاکم قوم اسلام کے متعلق کیسی کیسی خطرناک غلط فہمیوں میں مبتلا تھی۔ اور اس کے ساتھ صدیوں سے اسلام کی کیسی تاریک تصویر کھینچی چلی آتی تھی۔ پھر اگر ہم اس کوشش کو سوگنا کر دیں تو کیا سوگنا نتائج کے امیدوار نہیں ہو سکتے؟ یقیناً اس سے بھی بڑھ کر نتائج دیکھ سکتے ہیں۔ اور تیس چالیس انسان اگر آٹھ دس سال میں برطانیہ میں مسلمان ہو جائیں، تو کیا یہ امر اسلام کی شوکت کا چھوٹا سا ذریعہ ہے؟ یہ کام ہو جانے کا ہے اور ہو کر رہے گا۔ مگر صرف توجہ بکار ہے۔

اشاعتِ اسلام کے اس کام کو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کر رہی ہے۔ اور یہی کامیابی کا اصول ہے کہ ایک عظیم الشان کام پر ایک جماعت کی ساری توجہ صرف ہو۔ مثلاً اگر مسلمانان عالم میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ایک جماعت کھڑی ہو جائے۔ تعلیم اسلامی کے قائم کرنے کے لیے ایک دوسری جماعت کھڑی ہو جائے۔ مقدمات کا فیصلہ بروئے قرآن وحدیث کرانے میں ساعی ایک تیسری جماعت ہو جائے۔ بیت المال کے قیام اور زکوٰۃ کی وصولی کے لیے ایک چوتھی جماعت کھڑی ہو جائے اوران جماعتوں کی کلی توجہ صرف ایک کام پر ہی صرف

ہو۔ ہاں! سب مسلمان ان کی اعانت کرنے والے ہوں، تو ان میں سے ہر ایک کام میں کامیابی کی راہ کھل سکتی ہے۔ لیکن اگر ایک ہی جماعت کی توجہ سب امور کی طرف ہو، تو سارے کام ہی ادھورے رہیں گے۔

یہی وجہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی کامیابی کی ہے کہ اس نے اپنی توجہ کو صرف ایک کام تک محدود کیا ہے۔ یعنی اشاعتِ اسلام کا کام۔ اس کے لیے جس قدر انگریزی میں مذہبی لٹریچر اس تھوڑے سے عرصہ ہی میں اس ایک جماعت نے پیدا کر دکھایا ہے، وہ اپنی جگہ بے نظیر ہے۔ اور علاوہ اس کے تبلیغ کا کام بھی بیرون جات میں برابر جاری ہو رہا ہے۔ انگلستان میں یہ کام خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے ان معاونین کی معرفت ہو رہا ہے جنہیں انجمن وقتاً فوقتاً بھیجتی رہتی ہے۔ ٹرینیڈاڈ میں بھی ایک مبلغ پہنچ گیا ہے۔ اور اگر مسلمان توجہ کریں تو خدا کے فضل سے ہم اس قابل ہیں کہ دو تین مشن سالانہ قائم کرتے چلے جائیں۔ مگر یہ سارا سوال روپے کا ہے اور کام کا بہت آہستگی سے چلنا بھی اس وجہ سے ہے کہ مسلمان قوم نے اب تک اس بات کو اچھی طرح نہیں سمجھا کہ یہ راہ اسلام کی عظیم الشان کامیابی کی راہ ہے۔

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس لاہور

29 دسمبر 1920ء

16 جنوری 1921ء

اظہارِ دین

(تقریر حضرت امیر ایّدہ اللہ مورخہ 25 دسمبر 1920ء بتقریب سالانہ جلسہ)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولٰینا نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْ يَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُ وْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا. هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا. مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰةِ وَ مَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (48:27-29)

اور فرمایا کہ میں نے قرآن کریم کی یہ آیات پڑھی ہیں۔ ان میں ایک عظیم الشان وعدہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے: **هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** (48:28) اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ تا کہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دکھائے۔ **لِيُظْهِرَهٗ** میں لام عاقبت کا لام ہے۔ یعنی آخر کار یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو باقی دینوں پر غالب کر دے گا۔ اس کے بعد **وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا** (48:28) میں اس کی صداقت کے ثبوت میں اپنی شہادت پیش کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی شہادت اس پر کافی شہادت ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ شہادت دے وہ کوئی عظیم الشان امر ہوتا ہے کہ جس کے لیے خدا

کوشہادت کی ضرورت پیش آتی ہے۔اس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں واقعات حاضرہ اس کے خلاف نظر آتے ہیں، کامیابی کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی، اس یاس انگیز حالت میں اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔

اسلام کی زندگی غربت اور شوکت کے لحاظ سے چار حصوں پر تقسیم کی جاسکتی ہے۔جن میں سے پہلا مرتبہ وہ ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے اس دین حق کی تبلیغ شروع کی، تو آپ پر ایک نہایت بیکسی کا زمانہ آیا۔اور اس کی شدت اس انتہاء کو پہنچ گئی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرنی پڑی اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَحِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ اے میرے اللہ! میں اپنی طاقت کے ضعف اور اپنی تدبیر کی کمی اور لوگوں کی عدم توجہی کی تیری طرف ہی شکایت کرتا ہوں، اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو ہی کمزوروں کا رب ہے۔

غرض ایک وہ زمانہ تھا کہ جب آپ نے دین الٰہی کی تبلیغ شروع کی تو لوگوں کی طرف سے اس قدر شدید مخالفت کی گئی کہ بظاہر اس دعوت میں کوئی کامیابی کی شکل نظر نہ آتی تھی۔انتہا درجہ کی بیکسی کا زمانہ تھا۔مگر اس دعا کے آخری الفاظ بڑے ہی پیارے الفاظ ہیں۔ان الفاظ میں ان لوگوں کے لیے انتہائی مایوسی کے عالم میں شوکتِ اسلام کی پیشگوئی، جو چاروں طرف سے دکھوں میں گھرے ہوئے ہوں، ایک سبق ہے کہ جب اس قدر بیچارگی کا زمانہ قوم پر آجائے تو اس کو کیا کرنا چاہیے۔ اِنْ لَّمْ تَکُنْ غَضْبَانًا عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ غَیْرَاَنَّ عَافِیَتَکَ اَوْسَعُ لِیْ اگر تیری ناراضگی مجھ پر نہیں تو ان تمام باتوں کی مجھے کچھ پرواہ نہیں۔لیکن تیری حفاظت میرے لیے بہت وسیع ہے۔دکھوں اور تکلیف کی یہ حد سے بڑھی ہوئی کثرت اور ادھر محمد رسول اللہ ﷺ کی بیکسی اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ کسی انسان کا کام نہیں ہوسکتا کہ وہ ان انتہائی مصائب اور بیکسی کی حالت میں اس قدر عظیم الشان کامیابی کا خواب بھی دیکھ سکے۔ان حالات میں آپ سے یہ پیشگوئی کرائی گئی۔قرآن کریم کی آیات اور احادیث دونوں اس پر شاہد ہیں کہ مصائب کی شدت اور تکالیف کی کثرت کے دنوں میں اکثر اسلام کی کامیابی اور فلاح کی پیشگوئیاں آپ سے کرادی گئی ہیں۔

ایک وقت کا ذکر ہے کہ مسلمان بظاہر نہایت ہی ناکامی سے دوچار ہو رہے تھے۔اور دشمن کی کثرت اور

غلبہ نے اس مٹھی بھر جماعت کو اپنا آپ بچانے کے لیے ایک خندق کھودنے پر مجبور کر دیا قرآن کریم نے اس وقت کی مسلمانوں کی حالت کو خود سورہ احزاب میں بیان کیا ہے: اِذْ جَآءُ وْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا. هُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا. (33:10-11) جبکہ دشمن تمہارے اوپر کی طرف سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے چڑھ آیا اور جبکہ آنکھیں پلٹ گئیں اور دل گلے تک پہنچ گئے اور بعض تم میں سے اللہ تعالیٰ پر ہی ظن کرنے لگ گئے۔ اس انتہائی مصیبت کے دوران مومن آزمائے گئے۔ اور نہایت سخت زلزلہ سے ہلا دیئے گئے۔ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا. (33:10) سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ تھے جو اس ظن فاسد کا شکار ہوئے۔ اور اس پر قرآن کریم کی دوسری آیت شاہد ہے: وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْماً. (33:22) جب مومنوں نے کفار کے اتحادی لشکروں کو دیکھا تو کہا کہ یہ تو وہ بات ہے کہ جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہمیں دیا تھا۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ فرمایا تھا۔ اور اس اتحادی نظارہ نے ان میں ایمان اور تسلیم کے سوا کوئی چیز نہ بڑھائی۔ یہ مقابلہ بڑا شدید تھا اور مسلمانوں کے بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس وقت آپ کو عظیم الشان بشارتیں دی جاتی ہیں۔ کیا عجب بات ہے کہ مٹھی بھر جماعت کی زندگی تو خطرے میں پڑی ہوئی ہے۔ اور اس کی آخری بچاؤ کی تدبیر سوائے اس کے نظر نہیں آتی کہ یہ لوگ اپنے اردگرد ایک خندق کھود کر محصور ہو جائیں اس وقت جبکہ یہ ادنیٰ سی بچاؤ کی صورت بھی رونما ہوتی نظر نہ آتی تھی۔ خندق کی کھدائی میں ایک سنگِ عظیم حائل ہو رہا تھا۔ اور صحابہؓ کی متفقہ طاقت بھی اس کو اکھاڑ نہ سکی۔ آپ کو اس بے بسی کی حالت میں اطلاع دی جاتی ہے آپ اس پتھر پر کدال مارتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھ کو قیصر و کسریٰ کے محل دکھائے گئے ہیں۔ اور یہ دکھایا گیا ہے کہ اِنَّ اُمَّتِیْ ظَاهِرَةٌ عَلَیْهِمْ میری امت بالضرور ان پر قابض ہو کر رہے گی۔ ایسی مصیبت میں یہ عظیم الشان پیشگوئیاں عجائبات اسلام میں سے ہیں۔ یہ کامیابی اور فتح کی پیشگوئیاں اس وقت کی جاتی ہیں کہ جب خود ان کی اپنی زندگی معرضِ ہلاکت میں ہوتی ہے۔

اسلام کے انتہائی غلبہ کے وقت اس کی غربت کی پیشگوئی:

مگر اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ جب اسلام اپنے دشمنوں پر غالب ہو جاتا ہے۔ کفار کے مضبوط مقامات کو فتح کر لیتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی قبول اسلام کے نظارے نظر آتے ہیں۔ اس وقت پیشگوئی کی جاتی ہے کہ بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَّ سَیَعُوْدُ غَرِیْبًا اسلام کی ابتدا غربت سے ہوئی اور پھر وہ غریب ہو جائے گا۔ اس قوت و شوکت اور فتوحات کے وقت اس کی غربت کی پیشگوئی کی جاتی ہے۔ ایسی حکومت اور غلبہ کے دنوں میں ہمارے فقہاء کو اسلام کی دوبارہ غربت کا خیال بھی کہاں آ سکتا تھا۔ انہوں نے استخراج مسائل کے وقت صرف اسلامی حکومت کو پیش نظر رکھا ہے۔ ان کو یہ خیال کس طرح آ سکتا تھا کہ ایک دن اسلام پھر غریب ہو جائے گا۔ یہ صرف قرآن ہی کا کام تھا کہ وہ انتہائی مصائب کی گھڑیوں میں کمال درجہ کی کامیابی اور انتہائی شوکت وغلبہ کے ایام میں مصائب اور غربت کی پیشگوئی کرتا۔ اگر ابتدائے اسلام میں اسلام اپنی قلت کی وجہ سے غریب تھا تو آج چالیس کروڑ کی تعداد کے باوجود اس سے بڑھ کر غریب ہے۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ اب اس غربت کے بعد اسلام کے لیے کوئی خوش خبری نہیں۔ اس غربت اور مصائب کے بعد پھر ایک کامیابی کا وعدہ موجود ہے کہ اسلام تمام ادیان پر بالآخر ضرور غالب ہوگا۔ اس کا ذکر اسی لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ کُلِّهٖ (24:48) میں موجود ہے کہ اسلام کُل مذاہب پر غالب ہوگا۔ تمام علماء امت کا اس وقت اس پر اتفاق رہا ہے کہ جب اسلام پر ایسے حالات وارد ہوں گے۔ تو اس کے بعد پھر اسلام غالب ہوگا۔ مسلمانوں کا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ آخری زمانے میں دو عظیم الشان شخص پیدا ہونے والے ہیں کہ جو اسلام کو تمام دنیا پر غالب کر کے کفر کو دنیا سے مٹا دیں گے۔ ان میں سے ایک مہدی ہے کہ جو تلوار سے دشمنانِ اسلام کو نابود کرے گا۔ دوسرا عیسیٰ بن مریم ہے کہ جس کے دم سے کافر فنا ہوں گے۔

یہ پیشگوئیاں اسلام کی غربت کے بعد پوری ہونے والی ہیں۔ لیکن ان پیشگوئیوں پر ایمان اس وقت تک پختہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ان پر اس وقت تک لوگ مطمئن ہو سکتے ہیں کہ جب تک وہ اس کامیابی کے آثار نہ دیکھ لیں۔ لوگ اس شخص کو قبول نہیں کرتے کہ جو صرف دعویٰ کر دے۔ پیشگوئیاں تو اور لوگ بھی کر دیتے ہیں۔ محض کسی کا پیشگوئی کر دینا اس کے سچا ہونے کا ثبوت نہیں۔ محض دعاوی اور پیشگوئیاں قابلِ قبول نہیں ہوتی ہیں کہ جب تک ان کے ساتھ وجوہات اور امید کی جھلک نہ ہو۔

مذہب کا غلبہ تلوار کے زور سے نہیں ہوسکتا

لیکن اصل سوال اسلام کے ظاہری غلبہ کا نہیں بلکہ قابل غور یہ امر ہے کہ آیا اسلام تلوار کے زور سے پھیل سکتا ہے۔ مذہب ایک خالص روحانی طاقت ہے۔ وہ تلوار کے زور سے نہیں بلکہ دلوں پر کامل تصرف کے زور سے اپنی طاقت دکھاتا ہے۔ کسی مذہب کی صداقت کا معیار اس کی تلوار اور عالمگیر حکومت نہیں ہوسکتی۔ ہمارے سامنے اس وقت کتنی اقوام ہیں کہ جنہوں نے تلوار کے زور سے ملکوں پر حکومت حاصل کی ہے۔ لیکن ان کی حکومت دلوں پر غلبہ حاصل نہیں کرسکی۔ وہ مسلمان کہ جس کو تلوار کے خوف سے کلمہ پڑھایا، کس کام کا مسلمان ہے۔ تلوار اور جبر کے زور سے بنا ہوا مسلمان کسی کام کے قابل نہیں ہوسکتا۔ وہ اندر سے خود اسلام کا دشمن ہوگا۔ اور اس کو نیست و نابود کرنے کی کوشش میں لگا رہے گا۔ وہ چالیس کروڑ مسلمان کہ جو فی الحقیقت دل سے مسلمان ہیں جب کچھ نہیں کرسکتے، تو تلوار کے زور سے ہوئے ہوئے مسلمان کیا کریں گے؟ ایسے لوگ اسلام کی بیخ کنی کریں گے یا اسلام کی قوت کا موجب ہوں گے؟ مسلمان وہی ہے کہ جس کے دل پر اسلام کی حکومت ہے۔

اسلام کا غلبہ دلوں کی تسخیر سے ہوسکتا ہے

پس یاد رکھو کہ اسلام کل ادیان پر یقیناً غالب آنے والا ہے۔ اور اس پیشگوئی میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ وہ پوری ہو کر رہے گی۔ لیکن اس وقت جبکہ مسلمان چاروں طرف سے ناکامیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ وہ اس وقت اس کو سمجھ نہیں سکتے کہ اسلام کی کامیابی کس راہ سے ظہور پذیر ہونے والی ہے؟ اور وہ کونسا طریق عمل ہے کہ جس پر چل کر مسلمان غالب ہوسکتے ہیں؟

اس کامیابی کی راہ پر اطلاع پانے کے لیے تاریخ کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ اسلامی تاریخ کو پڑھو اور دیکھو کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں اسلام کس طرح پھیلا؟ اسلام کے پھیلنے اور باقی ادیان پر غالب آنے کی ایک ہی راہ ہے۔ جس طریق سے وہ پہلے پھیلایا گیا اسی طرح سے اب بھی پھیلایا جاسکتا ہے۔ اگر صدر اسلام میں اسلام تلوار کے زور سے غالب کیا گیا ہے۔ تو آج بھی وہ بلاشبہ تلوار کے زور سے پھیلایا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر اس وقت اس کی فتح دلوں پر فتح تھی تو آج بھی دلوں پر فتح حاصل کر کے ہی اسلام غالب آسکتا ہے۔

غور سے اسلامی تاریخ کو پڑھو تو آسانی سے پتہ لگ جاتا ہے کہ جن دنوں میں مسلمانوں کو جنگیں درپیش تھیں۔ ان دنوں میں اسلام اس کثرت سے نہیں پھیلا بلکہ جنگوں کے بعد، امن کی حالت میں ہی اسلام لوگوں کے دلوں پر قابض ہوا تھا۔ تلوار کا کام صرف اسی قدر تھا کہ وہ مذہب کے قبول کرنے میں ظلم و جبر کو روک دے۔ اور ملک میں مذہبی آزادی کا قیام ہو جائے۔ اس کے بعد مذہب کی روحانی طاقت کے سامنے دنیا کے سر خود بخود جھک جائیں گے۔

اشاعتِ اسلام کے لیے کبھی تلوار نہیں اٹھائی گئی

اسلام کو جبر سے پھیلانے کا الزام مسلمانوں پر پادریوں کی طرف سے لگایا گیا ہے۔ مگر یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے کہ جو اسلام پر لگایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے کا کوئی شخص ایک بھی واقعہ پیش نہیں کر سکتا کہ کسی فرد واحد کو تلوار کے ذریعہ سے جبراً مسلمان بنایا گیا ہو۔ وہ لوگ جو خود اس قسم کی تصویریں کھینچتے ہیں کہ تم تلوار سے یا قلم سے حکومت کیے جاؤ گے، اس کی نظیر صدرِ اسلام میں پیش نہیں کر سکتے۔ گو وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تصویر یونہی کھینچیں کہ ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور ایک میں قرآن۔ فتح مکہ کے وقت جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے کفار پر کامل فتح حاصل کر لی اور اپنے دیرینہ دشمنوں پر ہر قسم کا غلبہ پا لیا۔ تو یہ ایک ایسا موقع تھا کہ اس وقت یہ اعلان کر دیا جاتا کہ جو مسلمان ہو جائے گا، اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور باقی لوگوں کو سزا دی جائے گی۔ اس وقت تو یہ اعلان کیا گیا کہ جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا، اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امن میں ہو گا۔ جو شخص کعبہ میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہو گا۔

مخالفینِ اسلام کی شہادت

اس موقع پر میئور کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے نہایت وسعت قلبی کا ثبوت دیا ہے اور ان لوگوں کو جو آپ کی جان کے لاگو ہو رہے تھے بالکل معاف کر دیا۔ ایسے موقع پر جس شخص نے اپنا مذہب بجبر منوانا ہو سب کچھ کر سکتا ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے عین اس وقت جب آپ کا حق تھا کہ مسلمان ہونے کی شرط پر معاف کرتے یہ شرط ہی نہیں لگائی اور لوگ خود بخود اسلام لاتے رہے۔ یہاں تک کہ سارے مکہ کے مسلمان ہونے

میں ایک مدت لگ گئی۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی اطراف عرب کے لوگ مسلمان ہونا شروع ہوئے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حج کے موقع پر جب عرب کے چاروں کناروں سے لوگ جمع ہوتے تھے۔تو نبی کریم ﷺ کھول کھول کر اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔اور یوں یہ پیغام عرب کے چاروں کناروں میں پہنچ چکا تھا۔

مگر لوگ قریش کی مخالفت کا انتظار کر رہے تھے کہ شاید دین اسلام مٹ ہی جائے۔لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ قریش کی زبردست طاقت ایک اکیلے آدمی کے مقابلہ میں کس طرح ناکام ہوئی ہے تو ان کے دل بول اٹھے کہ خدا اس کی تائید میں ہے۔ رسول کی صداقت کے وہ پہلے ہی قائل تھے۔ تائید الٰہی نے ان کی گردنوں کو بالکل جھکا دیا۔ پس فی الحقیقت ان اشد ترین دشمنان اسلام کو مسلمان بنانے والی چیز تلوار نہ تھی۔ بلکہ وہ دلائل اور اخلاق کی تعلیم تھی کہ جس کے سامنے ان لوگوں کے سر جھک گئے۔

اسلام کے سامنے سر جھکا دینے والی کونسی چیز ہے؟

یہ قرآن کریم کی تعلیم کا ہی اثر تھا کہ بڑے بڑے سخت دل لوگ اس کے سامنے جھکتے جاتے تھے۔اسی لیے تو فرمایا: **لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ.** (21:59) اگر یہ قرآن پہاڑ پر بھی نازل کیا جاتا تو اے مخاطب تو دیکھتا کہ وہ الٰہی خشیت سے ریزہ ریزہ ہو جاتا اور یہ ایک مثال ہے کہ تا لوگ فکر کریں۔مثال یہی تھی کہ پہاڑوں کی طرح مضبوط انسان آخر اس کے سامنے گر جائیں گے اور اسلام قبول کر لیں گے۔ یہ وہ تعلیم ہے کہ اس کے سامنے سخت سے سخت دشمنوں کے دل جھک جاتے تھے۔افسوس کہ مسلمانوں نے اس دلوں کو فتح کرنے والے علم کو چھوڑ دیا۔ یاد رکھو کہ صرف یہی ایک چیز ہے کہ جس کے ساتھ تم دلوں کو فتح کر سکتے ہو۔قرآن کریم اور محمد رسول اللہ ﷺ دو زبردست طاقتیں ہیں۔ یہ علم اور تعلیم ہے۔تو وہ اس کی عملی تفسیر۔ان دونوں کو پیش کر کے تم تمام دنیا کو فتح کر سکتے ہو۔اسی تعلیم کا اثر تھا کہ صحابہؓ نے **اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ. وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا.** (2-1:110) کا نظارہ دیکھا اور لوگ اسلام میں کثرت کے ساتھ داخل ہوئے۔اب بھی اگر قرآن کریم کی قوت اور طاقت سے کام لیا جائے تو وہی شاندار نظارہ نظر آ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر توبہ کا دروازہ کبھی بند نہیں کرتا. پس قرآن کا غالب آنا ایک یقینی بات ہے۔مگر اس کے لئے ، اسلام کے غلبہ کے لئے ،

مسلمانوں کی متفقہ کوشش بکار ہے۔

ایک وقت تھا کہ یورپ پین اسلام ازم کے نام سے کانپ اٹھتا تھا۔ یہ رعب صرف اسی وقت تک رہ سکتا ہے کہ جب مسلمانوں میں قرآن کی روح موجود ہو۔ مسلمانوں میں اب قوت اور طاقت نہیں رہی۔ اوران کا رعب لوگوں کے دلوں سے بالکل اٹھ گیا ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں کہ مسلمانوں میں اب طاقت اور شوکت پیدا ہو جائے گی، تو لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ مگر اسلام اس قسم کے مسلمان، جو اَلنَّاسُ عَلٰی دِیۡنِ مَلُوۡکِھِمۡ کے مصداق ہوں، نہیں چاہتا۔ ایسے لوگ قوم اور ملت کے لیے قطعاً مفید نہیں ہو سکتے۔

مسلمانوں کی ایک عالمگیر غلط فہمی

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں اب تک یہ خیال موجود رہا ہے کہ اسلام کا آخری غلبہ اس کی جسمانی قوت اور طاقت پر منحصر ہے۔ اوراس کی وجہ مہدی اور عیسٰی بن مریم کی آمد کی پیشگوئیاں ہیں۔ یہ دونوں پیشگوئیاں اپنے اندر استعارہ اور مجاز کا رنگ رکھتی ہیں۔ خود حضرت مسیح کے متعلق یہود کا بھی یہ خیال تھا کہ وہ یہودیت کے دشمنوں کو تباہ کرے گا۔ اور تلوار کے زور سے دین یہود کی صداقت ظاہر کر دے گا۔ پس جب کوئی عقلمند اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی سے زبردستی اپنا مذہب منوایا جائے تو پھر مہدی اور عیسٰی سے یہ امید کیونکر رکھ سکتے ہو کہ وہ تلوار کے زور سے اسلام کو پھیلائیں گے۔

پیشگوئیوں کی صحتِ تفہم کے لیے ایک اصول

کسی پیشگوئی کی تعبیر کو قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف مت مانو۔ جب قرآن کریم خود فرماتا ہے: لَآ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ (256:2) دین میں جبر قطعاً ناجائز ہے۔ تو پھر ان آخری مصلحین سے خلافِ قرآن کی امید کیوں رکھتے ہو۔ ان پیشگوئیوں میں بلا شبہ استعارہ کا رنگ ہے۔ اور پیشگوئیوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ مگر تمہارے سامنے تو قرآن کریم نے اصول مقرر کر رکھے ہیں۔ ان تمام پیشگوئیوں کو ان اصولوں کے ماتحت کرو۔ جبکہ خود قرآن کریم اپنی نسبت فرماتا ہے: مِنۡہُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَاتَشَابَہَ مِنۡہُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِہٖ وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (7:3) اس قران کریم میں کچھ اصول ہیں اور باقی تمام باتیں ان کے لیے بطور فروع ہیں اور یہ متشابہات کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ ان کے حل کی ترکیب یہی ہے کہ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (7:3) ان تمام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقین کر کے اٰمَنَّا بِهٖ (7:3) کہتے ہیں جولوگ اصول دین کے واقف ہوتے ہیں۔ وہ ان متشابہات کو ان کے ماتحت کرتے ہیں۔ اور لفظ پرستی کے پیچھے نہیں پڑتے۔ قومیں ہمیشہ لفظ پرستی سے تباہ اور برباد ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کا درد ہے۔ اور ان کا طریق عمل ان کے اس درد کی شہادت دے رہا ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ صرف لفظ پرست رہ گئے ہیں۔ اس لفظ پرستی نے ہی ان کو حق وصداقت کی تائید میں شامل ہونے سے روک رکھا ہے۔ خدا کو کیا ضرورت تھی کہ وہ قرآن کریم میں محکمات اور متشابہات کو بیان کرتا۔ اس کی اصلی غرض یہ تھی کہ تم لفظ پرستی کو چھوڑ کر اصل تہ تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ کیا امام مہدی کی آمد سے لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (256:2) کی آیت منسوخ ہوجائے گی؟ کیا وہ اس اسلامی اصول کو باطل ٹھہرادیں گے؟

نزول مسیحؑ والی پیشگوئی کا حل

غرض ان پیشگوئیوں کے اندر مجاز اور استعارہ موجود ہوتا ہے۔ وہ اپنے ظاہری الفاظ میں پوری نہیں ہوتیں۔ اب اس پیشگوئی کے الفاظ کہ یَكْسِرُ الصَّلِیْبَ پرغور کرو کہ کیا مسیحؑ سیڑھیاں لگا لگا کر گرجوں کی صلیبیں توڑتا پھرے گا یا لوگوں کی جیبوں سے نکال نکال کر توڑے گا۔ جہاں کہیں صلیب دیکھی مٹادی۔ لکڑی اور چاندی اور سونے کی صلیبوں کو توڑنے کے لیے تلاش کرتے پھرنا یہ کسی مصلح قوم کا کام نہیں ہوسکتا۔ اس کا اصل کام تو دلوں سے صلیب کو نکالنا ہے۔ اور صلیب پرستی کو دنیا سے اڑانا ہے۔ اسی طرح وَیَقْتُلُ الْخَنْزِیْرَ کے یہ معنی صحیح نہیں کہ وہ جنگلوں میں خنزیروں کو قتل کرتے پھریں گے۔ اور رات دن اس حیرانی اور سرگردانی میں پھرا کریں گے۔ اور نہ یہ امر اپنے ظاہر الفاظ میں پورا ہوسکتا ہے کہ جہاں تک اس کا دم پہنچے گا۔ کافر ہلاک ہوتے چلے جائیں گے۔ ہر شخص کو غور کرنا چاہئے کہ ہم اپنا مذہب کیا بنا رہے ہیں۔ اگر مسیح نے گرجوں کی صلیبوں کو توڑ دیا تو کیا کام کیا۔ جبکہ صلیب پرستی کی محبت دلوں سے باہر نہ نکلی۔ پھر ایک پیشگوئی میں ہے کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے۔ اگر اس کا ظاہر الفاظ پر محمول ہونا مانو تو اس کے یہ معنی ہوں گی کہ جانور اپنا اپنا خاصہ چھوڑ دیں گے۔ حالانکہ یہ بات کوئی

معقول بات نہیں۔

مسیح موعود اسلام کو باقی اَدیان پر کس طرح غالب کرے گا؟

کُل کی کُل پیشگوئی اپنے ظاہر الفاظ پر محمول نہیں ہے۔ اس کا ایک لفظ بھی استعارہ سے خالی نہیں۔ مہدی کا اسلام کو کل ادیان پر غالب کر دکھانا تلوار کے زور سے نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کبھی اسلام تلوار کے زور سے غالب ہوا۔ اس کا پہلا غلبہ بھی دلائل کا غلبہ تھا۔ اور اب بھی اس کا غلبہ دلائل اور بَراہین کا ہی ہے۔ اس اصول کے ماتحت ہم کو اس پیشگوئی کی تاویل کرنی پڑے گی۔ اسلام کا غلبہ صرف دلائل اور حُجج کی بنا پر ہو گا۔

اس زمانہ میں اس بات کو سب سے پہلے جس شخص نے کہا وہ وہی شخص ہے کہ جو سب سے بڑھ کر بدنام ہے۔ اچھے کاموں کی خاطر لوگ ہندوؤں تک سے مل جاتے ہیں۔ مگر وہ وہ شخص ہے کہ جس کے کام کو اچھا سمجھتے ہوئے کبھی اس کے ساتھ شامل نہیں ہوتے۔ اس نے آج سے تیس سال پیشتر یہ بات کہی کہ اسلام کا غلبہ صرف حجج اور براہین کی بنا پر ہو گا۔ نہ کہ تلوار کے زور سے۔ اس وقت کہا گیا کہ تم تلوار چلانے کے قابل نہیں ہو۔ جب ابھی مسلمانوں میں تلوار چلانے کی طاقت نظر آتی تھی۔ مگر آج حالت دگرگوں ہے۔ آج افغانستان، ٹرکی اور وسط ایشیا کی آزاد مسلمان سلطنتیں تلوار کے ذریعہ سے کچھ نہیں کر سکتیں۔ تو ہندوستان کے محکوم مسلمان جسمانی طاقت کے ساتھ کیا کر سکتے ہیں؟ اور آج ترکِ موالات کے پروگرام کو اختیار کر کے تم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اب تم میں تلوار چلانے کی طاقت نہیں رہی۔

مسلمانوں کی فلاح تلوار پر منحصر نہیں

اب یہ علیحدہ سوال ہے کہ آیا اسلام کی کامیابی کی راہ ترکِ موالات ہے یا اشاعتِ اسلام؟ لیکن یہ تو ثابت ہو گیا کہ تمام مسلمان اب جنگ کو اپنی کامیابی کی راہ خیال نہیں کرتے۔ اور نہ مسلمانوں کی فلاح اب تلوار چلانے پر منحصر ہے۔ اور یہی بات ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی کہ **لَایَدَانِ لِاَحَدٍ لِقِتَالِھِمْ** کہ آخری زمانہ میں کچھ ایسی قومیں پیدا ہو جائیں گی کہ ان کے ساتھ جنگ کی کسی کو طاقت نہ ہو گی۔ آج سے تیس سال پہلے ایک شخص یہی بات کہتا ہے کہ اسلام کی تمام تر کامیابی جنگ پر منحصر نہیں بلکہ اشاعتِ اسلام پر ہے۔ اور آج تیس سال

کے بعد وہی بات سچی ثابت ہوتی ہے۔اور تیس سال کے عرصے میں وہ خود اس کی صداقت پر شہادت دیں گے۔ اور اس کی نصرت میں کوشش کریں گے۔اور کون نیک انسان نہیں ہوا کہ جس کی نصرت نہیں کی گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (96:19) اب مرزا صاحب کی محبت لوگوں کے دلوں میں بڑھ رہی ہے۔اس پر اور ترقی کریں گے تو کہیں گے کہ مرزا صاحب نے سچ کہا تھا۔دنیا میں قومیں دو ہی طرح غالب ہوتی ہیں ایک تو تلوار سے۔دوسری دلائل سے۔مگر اسلام کا غلبہ دنیا میں دلائل سے ہی مقدر ہے۔یہ بات تجربہ سے سچی معلوم ہوئی ہے۔پس اسلام غالب ہوگا۔اور دلائل سے ہوگا کہ جس طرح مرزا صاحب نے کہا ہے۔

محض ترکِ موالات بھی کامیابی کی راہ نہیں

رہا ترکِ موالات کا سوال سو اس کی اصل اور آخری غرض سوراج یا ہندوستان میں ہندوستانیوں کی حکومت کا حاصل کرنا ہے جس میں بجسد حصہ رسدی مسلمانوں کو یہی کچھ مل جائے گا۔اور وہ حصہ آخر کار آبادی کے تناسب سے ہی رہے گا۔اس سے تو خود ہندوستان میں ہی اسلام کا غلبہ دوسرے ادیان پر نہیں ہوسکتا۔چہ جائیکہ تمام عالم میں ہو سکے۔اور اگر ہر ملک میں بھی یہ اصول اپنی آخری غرض کو حاصل کر لے تو اس سے بھی سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ جہاں مسلمان آباد ہیں وہاں ان کی حکومت ہو۔دین اسلام کا وہ غلبہ، جو قرآنی پیشگوئیوں کا اصل منشا ہے، وہ اس طریق سے حاصل نہیں ہوسکتا۔بلکہ اس کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہے۔اور وہ ہے اشاعت دین اسلام۔

اس کے بعد بات صرف ایک شخص پر آرہتی ہے۔وہ ایک بات بتا کر ایک طریق عمل قائم کرتا ہے۔وہ یہ نہیں کہتا کہ تم اور راہوں کو چھوڑ دو۔تو جسمانی طاقتوں کو ضائع کر دو۔بلکہ وہ ایک پیشگوئی کرتا ہے کہ اب اسلام کے غلبہ کی راہ صرف دلائل اور حجج سے ہی ہوگی۔اور یہ بات تیس سال کے تجربہ سے ثابت ہوتی ہے۔

قبول مسیح موعود میں فی الحقیقت کوئی روک نہیں

اب اس کے بعد عذر صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اس کے دعویٰ کے قبول کرنے میں بہت سی مشکلات ہیں۔

لیکن اصل سوال اسلام کی کامیابی اور اس کی اشاعت کا ہے۔ آیا وہ راہ، جو وہ شخص بتلاتا ہے، اس کے حاصل کرنے کے لیے صحیح راہ ہے یا نہیں؟ مرزا صاحب کو لوگ مجدد اور محدث ماننے کے لیے تیار ہیں۔ صرف ان کو بتا دینا ہی کافی ہے۔ مجددیت کا دعویٰ کوئی نیا دعویٰ نہیں۔ ہمیشہ اسلام میں مجدد ہوتے رہے ہیں۔ اور اس نام نے اس قدر شہرت حاصل کر لی ہے کہ ایک مجدد کا نام ہی مجدد الف ثانی مشہور ہے۔ حضرت مرزا صاحب کو لوگ مجدد ماننے کے لیے تیار تھے۔ خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت مرزا صاحب کی اسلامی خدمات کا بڑے زور سے اعتراف کیا اور اسی حدیث مجدد سے آپ کی تصدیق کی ہے۔ اور صاف لکھا ہے کہ ''براہین احمدیہ'' لکھ کر اس شخص نے ایسی خدمتِ اسلام کی ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور تیرہ سو سال کے عرصہ میں ایسی لاجواب کتاب نہیں لکھی گئی۔ پھر کیا وہ جو اس قدر خدمتِ اسلام کرتا ہے کیا وہ مفتری بھی ہو سکتا ہے؟ کیا اسلام کی بینظیر خدمت کا یہی صلہ آخر اس کو ملنا تھا کہ وہ خدا پر جھوٹ بولنے لگ جائے؟ جب اس قدر خدمت آپ کی دشمنوں کو بھی مسلّم ہے۔ اور اس کی بنا پر ایک دنیا اس کو مجدد تسلیم کرنے پر رضامند تھی۔ تو پھر اگر وہ شہرت اور عزت کے طالب ہوتے یا دنیا طلبی ان کی غرض ہوتی تو پھر ان کو کیا ضرورت تھی کہ وہ عیسیٰ کا دعویٰ کر کے خواہ مخواہ لوگوں کی نظروں میں اپنے آپ کو حقیر بناتے۔ غور تو کرو کہ ان کو عیسیٰ کا دعویٰ کرنے سے کیا حاصل ہوا؟ مال و دولت عزت تو ان کو پہلے ہی میسر ہو چکی تھی۔ عیسیٰ کا دعویٰ کرنے سے نقصان ہی نقصان نظر آتا تھا۔

ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایک دنیا طلب شخص لوگوں میں اپنی عزت بڑھانے کی بجائے کبھی نفرت بڑھانا نہیں چاہتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کو عزت و شہرت کی خواہش نہ تھی۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو اس مقام سے کہ جو ان کو دنیا کی نگاہ میں حاصل ہو چکا تھا، نیچے گراتے ہیں۔ رہا عیسیٰ بن مریم کا دعویٰ کرنا۔ اس میں ضروری بات صرف اس قدر ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں۔ اور یہ ایک یقینی اور قطعی بات ہے اور کسی عقلمند کو اس کے ماننے کے سوا چارہ نہیں تو پھر یقیناً مرزا صاحب اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ خواہ ان کو آج مانو کل مانو یا سو سال کو مانو۔ اور مسیحؑ کی وفات کے متعلق تو مجمع البحار میں امام مالک کا قول درج ہے کہ قَالَ مَالِکٌ مَاتَ کہ مالک کا مذہب وفات مسیحؑ کے بارے میں یہی ہے کہ فوت ہو گئے۔ اور باقی اماموں سے اس کی تردید یا اس کے خلاف کوئی تحریر ثابت نہیں۔ تو اب جبکہ یہاں ثابت ہو گئی کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے تو اب ان احادیث کو لیجیے کہ جن میں

ابن مریمؑ کی آمد کی پیشگوئیاں ہیں۔ اور سب احادیث کو الگ رکھ کر بخاری، جو قرآن کریم کے بعد اصح الکتاب کہلانے کی مستحق ہے، اس میں نزول ابن مریمؑ کی صاف اور صریح احادیث موجود ہیں۔ مہدی کے متعلق کوئی حدیث اس میں موجود نہیں۔

نزول ابن مریم کی پیشگوئی بالکل سچی ہے

اس کے علاوہ صحیح مسلم میں عیسیٰ کی آمد دجال اور یاجوج ماجوج کے خروج کی پیشگوئیاں موجود ہیں۔ کس مسلمان کی غیرت اس امر کو قبول کرے گی کہ وہ ان احادیث کو استخفاف کی نظر سے دیکھے اور یہ کہے کہ یہ احادیث جھوٹی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض نے یہ جرأت بھی کی ہے۔ اور ان احادیث کا انکار کیا ہے۔ مگر کسی سچے مسلمان کا قلب اس کو برداشت نہیں کر سکتا کہ یہ احادیث کا اتنا بڑا مجموعہ، جس سے صحیح کتب احادیث بھری پڑی ہیں، سب افتراؤں اور اباطیل کا مجموعہ ہے۔ اس سے حدیث کی صحت پر کچھ بھی اعتماد باقی نہیں رہ جاتا۔ اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ ان احادیث کو تسلیم کر لیا جائے۔ یہ پیشگوئیاں صحیح ہیں۔ اور واقعات زمانہ نے بتلا دیا ہے کہ جس طرح مرزا صاحب نے ان کی تعبیر کی ہے، انہی معنوں میں یہ سب پوری ہوگئی ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ احادیث موجود ہوں اور امت کا ایک فرد ان کو پورا کرنے والا بھی موجود ہو اور پھر لوگوں کو اس کی سمجھ نہ آئے؟ غلطی صرف ان احادیث کو ظاہر الفاظ پر مبنی سمجھنے سے واقع ہوتی ہے۔ احادیث نہایت صحیح ہیں۔ اور ان کی وہ تعبیر بھی جو مرزا صاحب نے کی ہے پوری ہوگئی اور اس تعبیر کو بھی لوگوں نے سچا سمجھا ہے۔ تو پھر کیا وہ مسیحؑ، جو ان کے زعم میں ابھی آنے والا ہے، آئے گا، تو لوگوں کو یہ کہے گا کہ ان احادیث کی تعبیر تو وہی سچی ہے جو مرزا صاحب نے بتائی تھی۔ مگر وہ خود جھوٹا تھا اور میں سچا ہوں۔

مسیحیت کے دعویٰ میں مرزا صاحب کیوں سچے ہیں؟

جہاں تک مسیحیت کے دعویٰ کا سوال ہے کہ اگر مسیح فی الواقع فوت ہو گئے ہیں۔ تو پھر سوائے اس کے چارہ نہیں کہ ان احادیث کی اسی تعبیر کو سچا سمجھا جائے جو مرزا صاحب نے کی ہے۔ اور اگر وہ تعبیر صحیح ہے تو پھر مرزا صاحب بھی سچے ہیں۔ کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مدعی تو بعد میں ہو اور جھوٹا تعبیر کرنے والا پہلے ہو۔ اس کے

ساتھ ہی یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ مدعی کی زندگی کیا اس کے راستباز ہونے پر شہادت دیتی ہے یا نہیں۔ خود قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے ثبوت میں فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا (16:10) پیش کرتا ہے۔ یعنی میں نے تم میں اپنی عمر کا ایک حصہ بسر کیا۔ کیا میرا چال چلن، جس سے تم خوب واقف ہو، میری راستبازی کی شہادت نہیں دیتا۔ اور فی الحقیقت یہ بہت ہی بڑی شہادت ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی یہی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دی ہے کہ جس نے دنیا کے معاملہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولا وہ شخص خدا پر کیسے افترا کر سکتا ہے؟ اس دلیل سے حضرت مرزا صاحب کو آزما دیکھو۔ ان کے متعلق دوستوں ہی سے نہیں بلکہ مخالفوں سے تصدیق کراؤ اور شہادت لو۔ اس سے فیصلہ ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب جھوٹے نہیں ہو سکتے۔

پیشگوئیوں پر مجموعی حیثیت سے غور کرنا چاہیے

حضرت مسیح موعود کو قبول کرنے میں لوگوں کو عذر صرف پیشگوئیوں میں ہو سکتا ہے اور ان میں سب سے بڑی پیشگوئی نکاح والی پیشگوئی ہے۔ میں اس کو اس وقت لیتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ مرزا صاحب نے کہا تھا کہ نکاح ہوگا اور یہ بھی سچ ہے کہ نہیں ہوا۔ اس کے متعلق میں یہ کہتا ہوں کہ ایک ہی بات کو لے کر باقی سب باتوں کو چھوڑ دینا ٹھیک نہیں۔ کسی امر کا فیصلہ مجموعی طور پر کرنا چاہیئے۔ جب تک سب کو نہ لیا جائے، ہم اس کے نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ صرف ایک پیشگوئی کو لے کر بیٹھ جانا اور باقی پیشگوئیوں کو چھوڑ دینا کہ جن کی صداقت پر ہزاروں گواہیاں موجود ہیں یہ طریق انصاف وراہ صواب نہیں۔ صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لیے یہ دیکھنا چاہیئے کہ تمام پیشگوئیاں پوری ہوئی یا نہیں۔ اگر صرف ایک پیشگوئی کو لیا جائے تو غور کرو کہ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (27:48) یہ بھی ایک پیشگوئی تھی۔ اسی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا اور کعبہ کو چل دیئے۔ مگر آپ کو کفار نے روک دیا۔ اب ایک نادان معترض اس پر بھی اعتراض کر سکتا ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ ناکام واپس لوٹنے پر خود صحابہؓ کو بھی اس پر شبہ گزرا۔

غرض ایک شخص کی ایک بات کو لے کر تم اس کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتے۔ بحثیت مجموعی اس کی ساری باتوں پر غور کرو۔ پیشگوئیاں کو دیکھنا ہے تو اس کی ساری پیشگوئیوں کو دیکھو۔ پھر ان کے کام کو دیکھو۔ اس کے اندر جو تڑپ کام کر رہی تھی اس کو دیکھو۔

مسیح موعود کی صداقت کی ایک بیّن دلیل

یہ لوگ جو اس وقت یہاں بیٹھے ہیں، انہیں کس طرح اسلام کی کامیابی کا یقین ہے کہ اپنی جائدادیں تک اس کی راہ میں فدا کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ یہ یقین اور ایمان مرزا صاحب نے اگر ان کے دلوں میں پیدا نہیں کیا تو پھر دوسرے لوگ کیوں اس طرح اشاعتِ اسلام کے لیے قربانیاں نہیں کرتے۔ کیا انہیں خدا کے کلام پر یقین نہیں۔ کیا وہ اشاعتِ اسلام کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے دلوں میں اس کا جوش پیدا نہیں ہوتا۔ جب تم یقین رکھتے ہو کہ اسلام کی کامیابی کی صرف یہی ایک راہ ہے۔ جس شخص نے اس علاج کو تجویز کیا اس کو تم نے دھکا دے دیا۔ اور خود تم اس کے نسخہ کے علاوہ اور کوئی نسخہ تجویز نہیں کر سکتے۔ محض اس کی ایک پیشگوئی کی وجہ سے تم اس کو چھوڑ رہے ہو۔ حالانکہ اس کے علاوہ اس نے اور بیسیوں پیشگوئیاں کی ہیں کہ جن کے تم خود مصدق ہو۔ باقی سب باتوں کو چھوڑ کر صرف ایک بات کو لے لینا یہ فیصلہ کا طریق نہیں۔

تعدد ازدواج کی بنا پر نبی کریم ﷺ پر اعتراض کا جواب

عیسائی بھی اسی طرح جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پیش کی جاتی ہے۔ تو وہ کل خوبیوں کو نظر انداز کر کے یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی شادیاں کی ہیں۔ مگر وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ ایک شخص جو شہوت کا غلام ہے وہ بھی شادیاں کرتا ہے۔ اور ایک وہ بھی ہے کہ جو اس پر حکمران ہے، وہ بھی کرتا ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ آیا شادی کرنے والا شہوت کا غلام ہے یا وہ اس پر حکمران ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی نسبت اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ آپ شہوت کے غلام تھے، تو ہم ان کے اس تعدد ازدواج کو خود بُری نگاہ سے دیکھیں گے۔

عرب جیسے گرم ملک میں جہاں انسان بلوغت کو بہت جلد پہنچ جاتا ہے۔ آپ 25 برس تک تجرد کی حالت میں رہے اور اس جوش شباب کے عہد میں یہ شخص امین ہے، عفیف ہے اور اس پر اس کی قوم کوئی دھبا نہیں لگا سکی۔ اگر یہ شخص شہوت کا غلام ہوتا تو ایسے جذبات کے ہیجان کے اوقات میں ضرور کہیں نہ کہیں مبتلا ہو جاتا۔ اس کے بعد یہی 25 سالہ جوان ایک چالیس سال کی معمر عورت کے ساتھ شادی کرتا ہے۔ اور اس معمر عورت کے ساتھ اپنی

جوانی کے 25 سال بسر کر دینا یہ بتلاتا ہے کہ آپ کو اپنے جذبات پر کس قدر حکومت حاصل تھی۔ آپ جذبات کے غلام نہ تھے بلکہ ان پر ایک زبردست حکمران تھے۔ اس کے بعد 52 سال کی عمر میں اس بیوی کے فوت ہو جانے کے بعد آپ نے اور شادیاں کی ہیں۔ اور ان کی تعداد دس تک پہنچ جاتی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ دکھلا دینا تھا کہ وہ شخص جو بڑھاپے کی حالت میں دس بیویوں کے حقوق ادا کر سکتا ہے وہ اگر اپنے جذبات پر زبردست حکمران نہ ہوتو جوانی میں کیونکر ایک ہی بیوی پر بس کر سکتا ہے۔ قوت تو اس قدر ہے کہ دس بیویاں رکھ سکتا ہے۔ اور جذبات پر حکومت اس قدر کہ عالم شباب میں صرف ایک ہی معمر بیوی پر اکتفا کرتا ہے۔ ایک راہب یا ایک جنگل میں زندگی بسر کرنے والا مجرد انسان کہ جس کے سامنے اس کے دل کو اکسانے والے سامان موجود نہیں ہوتے، نامردی کی حالت میں مجرد رہ سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے دس بیویوں سے شادی کر لینے سے یہ دکھا دیا کہ وہ نامرد بھی نہیں۔ بلکہ ایک زبردست جذبات کا مالک ہے۔ اور وہ اس پر ایک زبردست حکمران ہے۔

پھر جو شخص شہوت کا غلام ہو وہ تو اپنی عورتوں کی خاطر سب کچھ کرتا ہے۔ مال و دولت جو کچھ اس کے قبضہ میں آتا ان کو خوش رکھنے کے لیے سب ان کو دے دیتا ہے۔ مگر اس کے برخلاف جب آپؐ کے پاس مال و دولت آیا اور ان عورتوں کا دل بھی اس کو دیکھ کر للچایا تو آپ کو حکم ہوتا ہے اور آپ ان عورتوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: يَآَيُّهَا النَبِيُّ قُلْ لِّآ زْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا (28:33)۔ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت کو دوست رکھتی ہو تو پھر تم کو سب کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے رخصت کر دیا جائے۔ کیا یہ شخص شہوت کا غلام معلوم ہوتا ہے کہ جو مال و دولت غیروں کو تقسیم کرتا ہے اور اپنی بیویوں کو صاف جواب دے دیتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی شناخت کا ایک معیار

اسی اصول کی رو سے مرزا صاحب کی زندگی پر بھی بحث کر لو کہ کیا اس کی زندگی اس کے عفیف ہونے پر شاہد ہے یا نہیں۔ اس نے کبھی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ بلکہ قدرت نے اس کی آنکھ نیچی بنائی تھی۔ یہ بات مشہور ہے کہ ایک عورت آپ کے سامنے سے کس قدر بے حجابی کی حالت میں گزر رہی تھی تو کسی دوسری عورت نے کہا کہ مرزا صاحب سامنے بیٹھے ہیں۔ تو اس نے جواب دیا کہ اس کو بھی کچھ نظر آتا ہے؟ کیا شہوت کے غلام

اسی قسم کے لوگ ہوتے ہیں کہ جن کی نظر کسی طرف نہ اٹھتی ہو!

رؤیا کی تعبیر میں غلطی انبیاء سے بھی ہوسکتی ہے

اصل بات یہ ہے کہ پیشگوئیوں میں غلطی کا احتمال ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اور رؤیا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ انبیاء کو یہ دونوں چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ مگر اس امت کے اولیاء کے لیے جو کچھ باقی ہے اس کی حقیقت رؤیا سے بڑھ کر نہیں۔ لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ نبوت میں سے سوائے مبشرات کے کچھ باقی نہیں رہا۔ اور وہ مبشرات رؤیا صالحہ ہیں۔ اور تعبیر رؤیا میں غلطی کا لگ جانا ایک یقینی امر ہے۔ رسول اللہ ﷺ شریعت کے معاملہ میں ایک بال برابر بھی غلطی نہیں کرتے تھے۔ مگر رؤیا کے معاملہ میں آپ سے بھی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی کسرِ شان نہیں۔ بلکہ اس میں آپ کے بعد آنے والے اولیاء امت کے متعلق ایک سبق رکھا گیا ہے کہ لوگ ان کی اجتہادی غلطی سے ٹھوکر کھا کر ان پر بدظن نہ ہوں۔ کیا آپ نے اسی آیت لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْ یَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُ وْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِیْبًا (27:48). کی بنا پر حج کی نیت سے سفر نہیں کیا۔ کیا اس کے اس وقت پورا نہ ہونے پر حضرت عمرؓ نے اعتراض نہیں کیا؟ حضرت عمرؓ کا اعتراض کرنا ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ سب لوگوں کو ساتھ لے کر کس نیت سے تشریف لائے تھے؟ کیا ہجرت کی زمین کے متعلق آپ کو غلطی نہیں لگی اور اسی غلطی کی وجہ سے طائف سے مار کھا کر واپس آنا پڑا۔ کیا وہ حدیث بھی یاد نہیں جس میں آپ نے فرمایا تھا اَطْوَلُكُنَّ یَدًا مجھ سے جلد وہ عورت ملے گی کہ جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔ اور اسی کی بنا پر آپ کے سامنے آپ کی بیویوں نے اپنے ہاتھ ناپے اور آخر یہ ثابت ہوا کہ كَانَتْ طُوْلُ یَدِهَا الصَّدَقَةُ سے مراد ہاتھ کی لمبائی نہیں بلکہ سخاوت مراد ہے۔ (بخاری۔ باب الزکوٰۃ) میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم میں سے کونسی آپ سے جلدی ملے گی۔ فرمایا تم میں سے جس کا ہاتھ لمبا ہے۔ تو ایک چھڑی لے کر وہ ناپنے لگیں۔ تو سب میں سے حضرت سودہؓ کا ہاتھ لمبا تھا۔ بعد میں (جب حضرت زینبؓ فوت ہوگئیں) تو ہمیں معلوم ہوا کہ ان کے ہاتھ کی لمبائی سے مراد صدقہ دینا تھا۔ اور وہ ہم میں سے سب سے پہلے آنحضرت ﷺ سے ملیں۔ اور وہ صدقہ دینے سے

بہت محبت رکھتی تھیں۔ مرتب) غرض پیشگوئی میں غلطی کا لگ جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ انبیاءؑ سے شریعت کی تفصیلات میں غلطی قطعاً نہیں ہوسکتی۔ مگر رؤیا کی تعبیر میں غلطی ہوسکتی ہے۔

نبی شریعت کی تفصیلات میں غلطی نہیں کرسکتا

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آخر نبی بھی ایک بشر ہی ہوتا ہے کہ جو باقی لوگوں کی طرح غلطی کرسکتا ہے۔ مگر شریعت میں ایک بال برابر غلطی نہیں کرتا۔ نبی کریم ﷺ پر بعض اوقات بیس بیس رکوع کی سورتیں ایک دم نازل ہوجاتی تھیں۔ جبرا صرف ایک مرتبہ پڑھا دیتے تھے۔ پھر کس قدر کمال تھا کہ اتنی لمبی سورتوں کا ایک لفظ بھی ادھر ادھر نہ ہوتا۔ صحابہؓ تو لکھ کر اس کو یاد کرتے تھے مگر آپؐ بغیر لکھنے کے ہی یاد رکھتے تھے۔ اور صحابہؓ کے لکھے ہوئے اور آپ کے حافظہ میں سرمو تفاوت نہ ہوتا تھا۔ مگر اس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ اس کلام پر خدا کی حفاظت تھی۔ ایک دفعہ آپ نے صرف دو ہی رکعت پر سلام پھیر دیا اور مسجد سے باہر نکل آئے تو ایک صحابیؓ نے عرض کیا اَقُصِرَتِ الصَّلٰوۃُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اے اللہ کے رسول! کیا نماز اب چھوٹی ہوگئی؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اور پھر آپ نے دوبارہ نماز پڑھی۔ اسی لیے قرآن کریم میں سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی اِلَّا مَاشَآ ءَ اللّٰہُ (7-6:87) آتا ہے۔ ہم تجھے پڑھائیں گے۔ پھر تو اس کو نہ بھول سکے گا۔ مگر وہ باتیں جو وحی الٰہی سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ بشریت سے تعلق رکھتی ہیں وہ تو بھول بھی جائے گا۔ ورنہ اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ ہم تجھے پڑھائیں گے تو اس کو نہ بھولے گا۔ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے گا بھول بھی جائے گا۔ تو ترجمہ اور مطلب بے معنی ہے۔ بلکہ اس سے مقصد یہ ہے کہ وحی الٰہی کا محفوظ کر دینا ہمارا کام ہے۔ تمہارے حافظہ کا کمال نہیں۔ تم خود تو بھول جاتے ہو۔ ایسا ہی اگر شریعت کے کلام الٰہی میں غلطی ہوجائے تو اس سے تو امت ہی تباہ ہوجائے۔ مگر جن باتوں کا تعلق شریعت سے نہیں ان میں غلطی بھی ہوئی ہے تا کہ اس میں امت کے لیے یہ سبق ہو کہ وہ اولیاء اللہ کے بارے میں ٹھوکر نہ کھائیں۔

نکاح والی پیشگوئی کا دوسرا جواب

اس پیشگوئی کے متعلق دوسرا جواب یہ ہے کہ خود حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ خدا نے اس کو منسوخ کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو مرزا صاحب شہوانی انسان تھے۔ اور نہ یہ رؤیا اس قسم کی وحی تھی کہ جس میں تعبیر کی غلطی

کا احتمال نہ ہو۔ اور تیسرے یہ کہ انذاری پیشگوئیاں ٹل بھی جاتی ہیں۔ انذار کا مطلب ہی اصلاح ہوتا ہے۔ اور اس انذاری پیشگوئی کی غرض یہی ہوتی ہے کہ جن لوگوں کے متعلق کی گئی ہے ان کی اصلاح ہو جائے۔ اس کا مقصد صرف رجوع ہوتا ہے۔ پس جب مقصد حل ہو جائے تو وہ پیشگوئی ٹل بھی جاتی ہے۔ پس اس پیشگوئی کا جو مقصد تھا وہ حل ہو گیا اور ان لوگوں نے ڈر کر توبہ کر لی۔ تو پھر یہ پیشگوئی بھی ٹل گئی۔

حضرت مرزا صاحب کی عظیم الشان خدمات

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ طریقِ فیصلہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لیے درست نہیں کہ کسی ایک بات کو لے کر بحث کی جائے۔ اصل فیصلہ کی راہ یہ ہے کہ ایک طرف تم ان باتوں کو رکھو جن کو مرزا صاحب کی کمزوریاں سمجھتے ہو۔ اور دوسری طرف ان کی خوبیوں کو رکھو۔ ان کی خدمات اور دین اسلام کی صداقت کے دلائل، جو انہوں نے بیان کیے ہیں، ان کو رکھو۔ اور پھر مجموعی حیثیت سے اس پر غور کرو۔ کیا عدالت میں کسی ایک بات کے بدلے میں سب وزنی شہادتوں کو رد کر دیا جاتا ہے؟ یا فیصلہ میں ان کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ کیا اس کی یہ بات قابل قدر نہیں کہ اس کا کام عظیم الشان کام ہے اور وہ تمہیں اس راہ پر چلاتا ہے کہ جس پر چل کر اسلام کی فلاح اور کامیابی منحصر ہے۔

ترکِ موالات سے مسلمانوں کا فائدہ

اس کے بالمقابل جو طریق عمل اختیار کیا جاتا ہے وہ اصل مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یقینی نہیں کہ ترکِ موالات کا آخری مطلب سوراجیہ ہے اور یہی بڑے سے بڑا نتیجہ ہے جو ہو سکتا ہے، گو یہ بھی یقینی نہیں۔ کیونکہ آئر لینڈ والوں نے جس شدت سے اس ترکِ موالات کو اختیار کیا ہے، اس کی امید اس ہندوستان سے نہیں ہو سکتی۔ مگر کیا ان کو اس سے سوراجیہ مل گیا۔ اور بالفرض ہندوستان میں اگر یہ سوراجیہ ہم کو حاصل ہو بھی جائے، تو مسلمانوں کو اس سے معتدبہ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہندوستان کے اکتیس کروڑ باشندوں کے بالمقابل سات کروڑ مسلمانوں کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے؟

یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ پنجاب میں مسلمانوں کی کثرت ہے اس لیے اس کا اثر پڑ سکتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ تمہاری تعلیمی پستی کی وجہ سے اس جگہ بھی تمہاری کثرت فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ پس اگر تم کامیاب ہونا

چاہتے ہو، تو تمہارے لیے صرف ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ یہ کہ تم اشاعتِ اسلام کرو۔ (مسلمانوں کی یقینی کامیابی صرف اشاعتِ اسلام پر منحصر ہے) ہندوؤں اور اپنی ہمسایہ قوموں کو مسلمان بناؤ۔ اور یہ کہنا کہ ہندوؤں کو مسلمان بناؤ، کوئی بُری بات نہیں، کیونکہ اسلام کی تعلیم کے دو حصے ہیں یا دو اصول ہیں۔ ایک خدا کی توحید اور دوسری نسل انسانی کی وحدت۔

قومی حد بندیاں دنیا کی مصیبت کا اصل باعث ہیں

دنیا کی تمام مصیبتیں اور جنگ صرف اسی وقت بند ہو سکتی ہیں کہ جب قومی حدود کو توڑ دیا جائے۔ قومیں جب تک ملکی اور نسلی امتیازات کو ترک نہیں کرتیں، وحدت نسل انسانی قائم نہیں ہو سکتی۔ اور یہ وحدت نسل انسانی ایک ایسی چیز ہے کہ جو صرف اسلام اپنے ساتھ لایا۔ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى (13:49) ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ تمام دنیا کے انسان بلحاظ نسل اور ولادت کے کوئی امتیاز نہیں رکھتے۔ پیدائش کے لحاظ سے کسی انسان کو دوسرے پر فضیلت نہیں۔

قومی حدود کو صرف اسلام ہی توڑ سکتا ہے

یورپ میں اس جنگ عظیم کے بپا ہونے کی وجہ صرف یہی تھی کہ تمام قومیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے کی فکر میں تھیں۔ قومی تعصّبات اور وطن پرستیوں نے ایک قوم کو دوسرے کا دشمن بنا دیا تھا۔ اسلام ان تمام قسم کی قومیتوں اور اختلاف رنگ کے امتیازات کو مٹانے کے لیے آیا۔ اسلام کے ان اصولوں نے دنیا کو فتح کر لیا ہے۔ ہندوؤں کو یہ خوش خبری پہنچا دو کہ اگر تم ذات پات کی بندھنوں سے آزادی چاہتے ہو تو اس آزادی کا مبشر صرف اسلام ہے۔ ترکِ موالات مسلمانوں کو اس جگہ نہیں پہنچا سکتا کہ جہاں اشاعتِ اسلام پہنچا سکتی ہے کہا یہ جاتا ہے کہ ترکِ موالات سے سوراجیہ حاصل ہوگا اور پھر خلافت کے معاملہ میں زور دیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک مہمل سی بات اور مبہم سی امید ہے۔ جس خدا نے ترکوں جیسے دشمنان اسلام کو حلقہ بگوش اسلام بنا دیا۔ اور پھر ان کو خلافت عطا کی۔ تو کیا وہ ان لوگوں کو، جو آج دشمنان اسلام وخلافت اسلامیہ ہیں، کیا ان کو خدا اسلام کی دولت نہیں دے سکتا؟ یاد رکھو کہ قومیں ہمیشہ بنتی اور بگڑتی اور مرتی اور زندہ ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اسلام نہیں مر سکتا۔ وہ قومیتوں کو توڑتا اور دنیا

کو وحدتِ نسل انسانی کی دعوت دیتا ہے۔

اشاعتِ اسلام سے کس قدر کامیابی کی امید ہے؟

مسلمانوں کو کامیاب بنانے والی چیز صرف اشاعتِ اسلام ہی ہے۔ ایک چھوٹی سی جماعت نے ولایت (انگلستان) میں کس قدر عظیم الشان کام کر دکھایا۔ اگر ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان اس کی طرف توجہ کریں۔ تو کیا ایک مشن کی بجائے وہاں سو مشن نہیں بنا سکتے؟ اور ان کی کوشش سے تیس چالیس ہزار مسلمان نہیں ہو سکتے؟ اور کیا اسی طرح تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کو حکومت میں شرکت حاصل نہیں ہوسکتی؟ اسلامی کامیابی کے لیے مرزا صاحب نے ہم کو اسی راہ پر چلایا ہے۔ اور یقیناً یہی ایک کامیابی کی راہ ہے۔ اگر ویسے آپ لوگ اس جماعت میں، جو صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے بنائی گئی ہے، شامل نہیں ہو سکتے تو کچھ عرصہ کے لیے تجربتہً شامل ہو کر دیکھ لو۔ اور خوب غور سے ہمارے طرزِ عمل کو دیکھو کہ کیا ہم اپنی ذاتی اغراض کے لیے اس قدر جدوجہد کرتے ہیں یا صرف اسلام کی اشاعت اور خدا کے لیے کرتے ہیں؟ ہمارے اندرونی مشوروں میں شامل ہو کر دیکھو۔ کیونکہ بغیر شمولیت کے تم ہمارے ارادوں اور کاموں سے واقف نہیں ہو سکتے۔ پھر اگر ہمارا عمل خلافِ اسلام اور خودغرضی پر مبنی دیکھو، تو نہ صرف خود علیحدہ ہو جاؤ۔ بلکہ دنیا کو بھی اشتہار دے دو کہ یہ لوگ خودغرض ہیں۔ اور اگر تمہارے دل گواہی دیں کہ یہ جماعت اسلام کی خدمت میں دیوانہ وار لگی ہوئی ہے تو بتلاؤ کہ یہ درد اور اسلام کی تڑپ ان کے دل میں کہاں سے آئی؟ اگر مرزا صاحب سے نہیں ملی تو پھر دوسری جماعتوں میں یہ تڑپ کیوں نہیں؟ جس میں یہ طاقت ہے کہ وہ ایک قوم کے اندر اسلام کا عشق پیدا کر سکتا ہے۔ کیا وہ جھوٹا ہوسکتا ہے۔ اسلام کی مصیبت پر غور کرو۔ اور خدارا اس راہ کو اختیار کرو کہ جو اسلام کو تمام مصیبتوں سے نکالنے والی ہے۔ میں نے تو بارہا اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر تم ہمارے ساتھ شامل نہیں ہو سکتے۔ تو اپنے طور پر ہی اس راہ کو اختیار کرو۔ یہ اشاعتِ اسلام دس سال میں وہ کامیابی دکھا سکتی ہے جو دوسرے ہتھیار سو سال میں بھی نہیں دکھا سکتے۔ اگر تمہیں اس کی صداقت اور اس کے مفید ہونے میں شبہ ہو۔ تو صحابہ کرامؓ اور نبی کریم ﷺ کی مثال سے فائدہ اٹھاؤ۔ اس سے تم دنیا کے دلوں کو فتح کر سکتے ہو۔ اس طریق کو اختیار کرو کہ اس سے اسلام کا غلبہ باقی دینوں پر ہوسکتا ہے۔ اور یہ خدا کا وعدہ ہے جو ہو کر رہے گا۔

19 جنوری 1921ء

جماعت کا مقام

(حضرت امیر ایدہ اللہ کی دوسری تقریر بتقریب سالانہ جلسہ مورخہ 26 دسمبر 1920ء)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولٰنا نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ط وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (111:9)

اور فرمایا کہ سننے کو تو آپ نے ان دو دن کے عرصے میں بہت سے باتیں سن لی ہیں اور غالباً وہ باتیں بہت سے دلوں میں موجود ہوں گی۔ جو ان باتوں میں عمل کے پہلو ہیں۔ ان پر عمل کو مدنظر رکھو۔ میں ایک بات سنانے کے لیے اس وقت کھڑا ہوا ہوں۔ ایک ہی بات۔ مطلب یہ نہیں کہ وہ ایک ہی فقرہ میں ختم ہو جائے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جہاں بہت سی باتیں ہم تقریروں اور وعظوں میں سنتے ہیں وہاں کم از کم ایک بات پر ہر سال عمل کا عہد کر لیں۔ اس لیے میں اس سال ایک بات خاص عمل کے لیے کہنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ وہ ایک ایسی بات ہے کہ جو درحقیقت ہماری زندگی کے مقصد کو بیان کرنے والی ہے۔ وہ خدا کی بات ہے۔ اور اثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور اگر آپ کے دلوں پر اثر نہ ہو تو یہ میری بدقسمتی ہوگی کہ خدا کے پاک لفظ ایسے منہ سے نکلے کہ اثر پیدا نہ کر سکے۔ خدا کے کلام میں اثر ضرور ہے۔ اس لیے کہ جب وہ بات خدا کے رسولؐ کے منہ سے نکلتی تھی تو اثر کیے بغیر نہ رہتی تھی۔ بلکہ ایک بات جو قرآن کے اندر مذکور ہے۔ اس نے دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر کے دکھایا تھا۔ اور صحابہؓ ہر وقت منتظر رہتے تھے کہ کونسا حکم نازل ہوتا ہے۔ تا کہ اس کی تعمیل کریں۔

پھر اگر آج میری زبان سے آپ لوگوں کے دلوں پر اثر نہ ہو، تو اس بات کی تاثیر میں نہیں، بلکہ مجھ میں

نقص ہوگا۔ اثر سے میری مراد اس جگہ دل میں ایک خاص کیفیت کا پیدا ہونا نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بات عمل میں آجائے۔ گزشتہ سال بھی میں نے آپ لوگوں کے سامنے ایک امر پیش کیا تھا۔ اور اس کی چند ایک شاخیں تھیں۔ نماز کا پڑھنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا اسلام کے دو بڑے رکن ہیں۔ دو بڑے شعار ہیں اور دو دیواریں ہیں کہ جن پر اسلام کی چھت قائم ہے۔ ان پر میں نے عہد لیا تھا کہ نماز قائم کریں گے۔ اور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ اور عہد ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر اقرار لیا تھا۔ تا کہ ان کی طرف زیادہ توجہ ہو جائے۔ جہاں تک زکوٰۃ کا سوال ہے، بہت سے دوستوں نے اس پر عمل کیا اور بہت سے ایسے بھی ہوں گے کہ جنہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ یہ کوئی مایوسی کی بات نہیں۔ جس زمانے میں ہم ہیں اگر دس فیصد بھی عمل کرنے والے ہوں تو یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔ ایک بات پر عمل کرانا درحقیقت اور لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ اکثر لوگوں کو یاد دہانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے تو خود ارادہ کیا تھا کہ میں خود سفر کر کے دوستوں کے گھروں پر پہنچتا اور زکوٰۃ وصول کرتا اور میں اس فخر کو حاصل کرتا کہ جو ایک رسول اللہ ﷺ کا محصّل کرسکتا ہے۔ چونکہ آپ لوگوں نے اپنے اختیار اور ارادہ سے مجھے اس مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔ اس لیے مجھ سے آپ کو یہی توقع رکھنی چاہیے۔ اور میرا دل خود بھی چاہتا ہے کہ آپ کو اچھی راہ پر چلاؤں۔ اور جس کو میں تباہی کی راہ سمجھوں اس سے بچنے کی تاکید کروں۔ میرا ارادہ تھا کہ آپ لوگوں کے دروازوں پر پہنچتا اور زکوٰۃ وصول کرتا۔ میری اس میں کوئی ذلت اور ہتک نہیں۔ میرے لیے یہ ایک عزت کا مقام ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا محصّل ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ہی اپنے مصالح بہتر جانتا ہے۔ مجھے ایک ایسا ابتلا پیش آ گیا کہ جس کی وجہ سے گھر چھوڑنا مشکل ہو گیا۔ اب بھی میرا ارادہ ہے میں اس کو بھولوں گا نہیں۔ ایک ایک دوست، جو مجھ سے واقف ہے اور جو جماعت سے کچھ بھی تعلق رکھتا ہے، اس کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ نماز اور زکوٰۃ کے بغیر نہ دنیا کی اور نہ آخرت کی فلاح حاصل ہوسکتی ہے۔

اسلام پر یہ ایک مصائب اور مشکلات کا زمانہ ہے

اس وقت ان دونوں کے بغیر اسلام کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اور نہ یہ مصائب دور ہوسکتی ہیں۔ اسی کی طرف میں نے گزشتہ سال توجہ دلائی تھی۔ اس وقت بھی ایک موقعہ ہے۔ بہت سے لوگ دور دور سے آئے ہوئے

ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو نہیں آ سکے۔ اس لیے ضروری ہے کہ میں ان کے سامنے ایک بات پیش کروں۔ اگر ہر سال ایک ایک بات پر عمل ہوتا جائے۔ تو بھی اچھا ہے۔ عزم اور عہد کر کے اس کو پورا کرنا آپ کا فرض ہو گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایک ایک بات کو بھی ہر سال عمل میں لاتے رہیں تو جلد ہی اسلام کے سب اصول اس جماعت کے اندر زندہ ہو جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ پر قرآن 23 سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ صحابہ کرامؓ کو اس سے عشق تھا اور وہ منتظر رہتے تھے کہ کوئی نیا حکم نازل ہو۔ اور ہم اس پر عمل کر کے دکھائیں۔ اسی طرح ہمیں بھی صحابہ کرامؓ سے ایک نسبت پیدا ہو سکتی ہے کہ ہم بھی سال کے بعد ایک نئے حکم پر عمل کرنے کے لیے پورا زور لگائیں اور یہ ہمارا قومی عہد ہو۔ انسان جب اپنے طور پر ایک عہد کرتا ہے تو بسا اوقات اس کے پورا کرنے میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ لیکن وہی عہد اگر اجتماع کے رنگ میں ہو تو انسان کے عزم کی پختگی پر اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔

آپ کے سامنے جس آیت کو میں نے تلاوت کیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (111:9) اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے جنت کے بدلے میں۔

اللہ تعالیٰ اور مومنوں میں ایک سودا ہوا ہے

ایک تجارت ہوئی ہے۔ ایک طرف مومن ہے اور دوسری طرف خدا ہے۔ اللہ اور اس کے بندوں میں ایک سودا ہے۔ ایک طاقتور اور مقتدر ذات اور ایک ناکارہ ہستی کے مابین بائع اور مشتری کا تعلق پیدا ہوا ہے۔ ان دونوں ہستیوں میں ایک معاہدہ ہوا ہے۔ اور معاہدے تو پہلی قوموں سے بھی ہوتے رہے کہ جن کو توڑنے کے سبب وہ لوگ ذلیل اور خوار ہو گئے۔ جیسا کہ قرآن کریم ان کے تذکرے سے بھرا پڑا ہے۔ میثاق اور عہد کا توڑنا کوئی چھوٹی سی بات نہیں۔ ایک معمولی حاکم کے ساتھ بھی عہد کا توڑنا اچھا نہیں سمجھا جاتا اور اس پر سخت گرفت ہوتی ہے۔ پھر ایک احکم الحاکمین کے ساتھ عہد ہو اور اس پر عمل نہ ہو تو یہ کس قدر خوف اور خطرے کا مقام ہے۔

خدا کے ساتھ عہد شرط سے مشروط ہوتا ہے

جب عہد ہی پورا نہ ہو تو اس کی جزا اور اجر بھی نہیں ہوتا۔ مومنوں اور خدا میں جو معاہدہ ہوا ہے۔ تو جانوں اور مالوں کے عوض اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہوا ہے۔ یہ جنت کوئی وہمی جنت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی نظیر اس دنیا میں بھی دکھا دیتا ہے۔ جب مسلمان اس عہد پر عمل پیرا تھے تو اس دنیا میں بھی ان کو ایک جنت کی زندگی میسر تھی۔ اور جب انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا تو اس دنیا میں ہی ان کے لیے ایک نار اور دوزخ تیار کر دی گئی۔ اور یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ انہوں نے خدا کے عہد کو پورا نہ کیا۔ اب اس سودے کی حقیقت پر غور کرو۔ جب آپ کسی سے سودا کرتے ہیں تو پھر اس چیز پر آپ کا تصرف اور اختیار باقی نہیں رہتا۔ اور نہ یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ اس چیز کو اپنا سمجھا جائے۔ جب ایک چیز میں نے بیچ دی۔ وہ میرے قبضہ اور اختیار سے نکل کر دوسرے کے قبضہ اور اختیار میں چلی گئی۔ اس لیے اگر تم مومن مسلمان ہو اور تمہیں خدا کی کتاب پر ایمان ہے، تو تم صرف اسی صورت میں مومن رہ سکتے ہو کہ جب تمہاری جانوں اور مالوں پر تمہارا اختیار نہ رہے۔ کیونکہ ان کو خدا نے تم سے خرید لیا ہے۔ غور تو کرو کہ خدا کو کسی چیز کو خریدنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہر قسم کی احتیاجوں سے بری ہے۔ بلکہ ہر ایک چیز کا داتا ہے۔ اس لیے وہ تم سے جان اور مال خرید کر لینے کے باوجود تم سے ان کو چھین ہی نہیں لیتا۔ بلکہ خرید کر تمہیں ہی واپس کر دیتا ہے۔

مولوی احمد صاحب نے کل کے وعظ میں ایک لطیف بات کہی ہے کہ خدا کے عہد تین قسم کے عہد ہیں۔ ایک تو تمہاری فطرت کا عہد ہے کہ وہ تمہارا اور تمہاری ہر ایک چیز کا مالک اور رب ہے۔ اور تم اس کی مِلک بندے ہو۔ اور دوسرا عہد قرآن کریم کا ہے کہ جب تم مسلمان ہو تو جو کچھ تمہیں حکم دیئے گئے ہیں تم ان کے پابند ہو۔ اور تیسرا عہد تم نے اس زمانے کے مجدد کے ہاتھ پر کیا ہے کہ تم دین کو دنیا پر مقدم رکھو گے۔ تم لوگ جو احمدی کہلاتے ہو باقی لوگوں کی نسبت زیادہ پابندی عہد کے ذمہ دار ہو۔ غرض جب تم نے مومن ہونے کا اقرار کر لیا تو خدا تعالیٰ تمہاری جانوں اور تمہارے مالوں کا مالک ہو گیا۔ اور ہم نے ہر ایک چیز اس کے ہاتھ میں بیچ دی۔ یہ جان و مال اب تمہارے نہیں بلکہ اس خرید و فروخت کے معاہدے کی رو سے اب خدا کی راہ میں خرچ ہوں گے۔ مومن اور خدا کے اس باہمی سودے پر لکھا ہے کہ وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا فِي التَّوۡرٰىةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ (111:9) یہ وعدہ توراۃ

اور انجیل والوں سے بھی لیا گیا تھا کہ لوگ جب مومن بنتے ہیں تو پھر جان و مال کو خدا کے سپرد کر دینا ہوگا۔ پھر تم ان کی عہد شکنی سے عبرت پکڑ و اس کے بعد فرمایا فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ط وَ ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. (111:9) اس سودے کو خسارے اور گھاٹے کا سودا نہ سمجھو بلکہ یہ ایک اعلیٰ درجہ کا سودا ہے۔ اور یہی ایک عظیم الشان کامیابی ہے۔ تم نے خدا سے عہد کیا ہے۔ مال و جان تمہارے نہیں بلکہ خدا کے ہیں۔ اس جگہ یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ پھر ہم اس کو کس طرح خرچ کر سکتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا سب کچھ خرید تو لیا ہے۔ مگر اس کو تم سے چھینا نہیں۔ اگر وہ سب کچھ چھین لیتا تو اس سے یہ ثابت ہوتا کہ وہ تم کو اس پر متصرف نہیں رکھنا چاہتا۔ مگر یہ اس کا احسان ہے کہ باوجود خرید لینے کے پھر تمہیں ہی واپس دے دیا ہے۔ اس نے تم پر اعتبار کر لیا ہے کہ تم اس کی امانت میں خیانت نہیں کرو گے۔ اس لیے تم کو ہی اس پر امین بنا دیا ہے تا کہ تم اس کے حکم کے مطابق خرچ کرو۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ مومن کے سب کام خدا کے لیے ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنے اہل کے منہ میں لقمہ بھی ڈالتا ہے تو وہ بھی انفاق فی سبیل اللہ ہی ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ چیزیں میری نہیں بلکہ خدا کی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے منہ سے اس حالت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. (162:6) کہہ دو کہ میری نماز میری قربانی میری زندگی اور موت سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جو رب العٰلمین ہے۔ لیکن کیا عجیب بات ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی نماز کے شروع کرنے سے پیشتر انہی الفاظ میں نیت کرتا ہے: اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. (162:6) وہ الفاظ ہر ایک مسلمان کے منہ سے اسی لیے کہلوائے ہیں۔ کیونکہ اسلام فی الحقیقت ہر ایک مسلمان کو اپنے مقام پر پہنچانا چاہتا ہے۔ صرف نیت کر لینا ہے۔ اور ایک قسم کا من سمجھوتہ اور ارادہ کر لینا ہے کہ یہ سب کچھ ہمارا نہیں بلکہ خدا کا ہے۔

جب نیت اور ارادہ ہو جائے گا۔ تو پھر اس جان اور مال پر قبضہ بحیثیت امین سمجھا جائے گا۔ اور جہاں کہیں موقع ہوگا، اس کا عملی ثبوت دے دینا ہوگا۔ اگر موقع پر عملی ثبوت نہ دیا۔ تو پھر تم خیانت کرنے والے ہو۔ اور کوئی شخص خدا کے مال کے اندر خیانت کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن دنیا کی محبت کشاں کشاں دوسری طرف لے جاتی

ہے۔اور کسی کا خیال بھی اس خیانت کی طرف نہیں جاتا۔ مال اور دولت ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی محبت انسان کو تباہ کر دیتی ہے اور روحانیت کا ستیا ناس کر دیتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے اس کا علاج، کہ اس کی محبت کو کم کیا جائے، سب سے پہلے کرنا چاہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے دو بڑے حصے ہیں۔ایک مکی زندگی کہلاتی ہے اور دوسری مدنی زندگی۔ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں جس قدر تعلیم نازل کی گئی ہے، وہ بنیاد ہے۔اور مدینہ کی نازل شدہ تعلیم بطور عمارت کے ہے۔ مکی زندگی میں جس قدر قرآن نازل کیا گیا۔اس میں زیادہ دو باتیں ہیں۔ایک تو خدا کی توحید ہے۔اور دوسری بات سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔توحید کے علاوہ ان سورتوں میں مال کی محبت کو کم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ایک طرف خدا کی توحید اور دوسری طرف مال کی محبت کو کم کرنا ان دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے۔خدا کی توحید کامل نہیں ہوسکتی۔جب تک کہ مال کی محبت کو کم کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔لوگ پتھر اور مظاہر قدرت کو معبود جانتے ہیں۔

لیکن سب سے بڑا معبود باطل دنیا کا مال ہے۔ جو اس بت کو دل سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا، وہ خدا کی توحید پر قائم ہوگیا۔قرآن کریم نے مال کی حفاظت کے طریق بتلائے ہیں۔مگر مال کے کمانے کے طریق نہیں سکھائے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مال کمانے کی خواہش خود انسان کے دل کو لگی ہوئی ہے۔اس لیے ہر شخص اس کو کمانے کی فکر میں حصول کے طریق خود دریافت کر لیتا ہے۔اس کی صرف حفاظت کرنے کی ضرورت ہے۔اسلام نے صرف دنیا کے مال کی محبت سے روکا ہے۔مال کے کمانے سے کہیں منع نہیں کیا۔اور نہ اس کی حفاظت سے روکا ہے۔بلکہ اس کی حفاظت کے طریق سکھائے ہیں۔

انسان کی عادت ہے کہ وہ کسی معاملہ کے متعلق اعتدال اور میانہ روی کو قائم نہیں رکھتا۔ مال دنیا کے معاملے میں عیسائیت پر دو زمانے آئے ہیں۔ایک وقت تو انہوں نے رہبانیت میں اس قدر غلو کیا کہ تمام قسم کے مال منال اور دنیوی چیزوں سے قطع تعلق کر لیا۔اور یا اب یہ زمانہ ہے کہ مال کی محبت نے ان کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ اور دنیا بھر کے مال کو ایک جگہ اکٹھا کرنا چاہتے ہیں۔لیکن اسلام اور قرآن کریم کی تعلیم کی خوبی یہ ہے کہ وہ مال کے کمانے اور رکھنے سے نہیں روکتا مگر اس کے ساتھ ہی اس کی محبت کو کم کرنے کا حکم دیتا ہے۔جس طرح کہ ایک شخص تو وہ ہے کہ جو بندوق رکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا اور ایک وہ ہے کہ جو رکھنے کے باوجود اس پر ضبط رکھتا ہے اور

ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتا۔قرآن کریم مال کی محبت کو کم کرنے کی تعلیم سے بھرا پڑا ہے جہاں کہیں بھی دیکھو گے۔وہ اس قسم کے اصول بتلاتا ہے کہ مال کی حفاظت کر کے اس کا جائز استعمال کیا جائے۔مثلاً کہیں فرمایا: اَرَءَ یْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ. فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ. (2-1:107) اس شخص کو تو دیکھو کہ جو دین کو جھٹلاتا ہے یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔اس کی نماز نہیں بلکہ ریا کاری ہے۔چھوٹی چھوٹی چیزیں خدا کی راہ میں دے دینے سے گھبراتا ہے۔پھر دوسری جگہ فرمایا اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ. یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ. (3-2:104) مال کی محبت کے سبب اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ رہے گا۔پھر فرمایا وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ (10:90) ہم نے اس کے لیے دو راستوں کو مقرر کر دیا ہے۔فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ. وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ. فَکُّ رَقَبَةٍ (13-11:90) وہ اس عظیم الشان گھاٹی پر چڑھنے کی کوشش نہیں کرتا اور مشکل گھاٹی گردن آزاد کرنے کے لیے مال کا خرچ کرنا ہے۔مال کو خرچ کرنے کے بغیر انسان اس بلند مقام پر نہیں چڑھ سکتا۔

اسی طرح سورہ الدھر میں اس انفاق مال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا. اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَانُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا. (9-8:76) اور مومن مسکینوں کو یتیموں کو اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کھلاتے ہیں اور تم سے کسی جزا اور شکرگزاری کی امید نہیں رکھتے۔ایک جگہ دنیا اور دنیا کے مال کی بابت فرمایا: اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ (36:47) دنیا کی محبت انسان کو اصل مقصد سے دور رکھنے والی ہے: وَّ لَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَ تَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا (20:57) یعنی کچھ زینت کا سامان، کچھ ایک دوسرے پر فخر کرنے کا ذریعہ، کچھ مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھنا۔

اس دنیا کی مثال ایک بارش کی مثال ہے۔کسان اس کو نہایت پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہے۔کھیتی اس کے ساتھ زور سے بڑھتی ہے اور پھر اس کے بعد زرد ہوتی ہے اور بالآخر چورا چورا ہو جاتی ہے۔مال دنیا کی ایک اور مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا. (45:18) دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے کہ پانی جو ہم نے آسمان سے اتارا۔ پھر اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی خوب ترقی کر گئی۔ اور بالآخر وہ چورا چورا ہو گئی کہ جس کو ہوا اڑاتی پھرتی ہے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (46:18) یہ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا. (46:18) تیرے رب کے نزدیک صرف اعمال صالحہ ہی بہترین باقی رہنے والی چیز ہیں۔ یہ مال اور دولت روئیدگی کی طرح پیدا ہوتے ہیں اور پھر اڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح تمہارے بیٹے پیدا ہوتے ہیں۔ اور آخر کار وہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ دنیا کا کوئی خاندان ہمیشہ کے لیے قائم نہیں رہتا۔ مال ددولت روئیدگی کی طرح ایک دن اگتا بڑھتا ہے اور خشک ہو جاتا ہے۔

ایک جگہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (34:9) وہ لوگ جو سونے اور چاندی کو جمع کرتے رہتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مال ودولت کا جمع کرنا تو بُرا نہیں مگر جب خرچ کا موقع آئے تو اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنا یہ وعید کا موجب ہے۔ یہ عذاب الیم آخرت میں ہی نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔ آخر وقت آ جاتا ہے کہ وہ روپیہ کسی نہ کسی راہ سے نکل جاتا ہے۔ اور وہ لوگ جن کے دل میں اس کی حد درجہ کی محبت ہوتی ہے پاگل اور دیوانہ ہو جاتے ہیں۔ ایک جگہ ان کی حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِیْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (275:2) ایسے لوگ مخبوط الحواس ہو جاتے ہیں۔ صاحب مال کو جتنی مال کی محبت کم ہوگی۔ اتنا ہی اس کے خرچ ہو جانے پر اثر کم ہوگا۔ جتنی محبت زیادہ ہوگی، اتنا ہی عذاب دردناک ہوگا۔ وہ عذاب دردناک کیا ہے: يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ. (35:9) جہنم کی آگ میں ان کو گرم کر کے ان کے چہرے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغ دی جائیں گی۔ اور وہی مال سانپ اور بچھو ہو کر ان کو کاٹیں گے۔ آخرت میں ہی نہیں بلکہ یہ مال کی محبت کا ناگ اس دنیا میں بھی ڈس جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ (35:9) یہ ہے وہ جو تم نے اپنی جانوں کے لیے جمع کر رکھا ہے!

خدا تعالیٰ تم کو راہب نہیں بنانا چاہتا اور نہ یہ حکم دیتا ہے کہ تم دنیا سے قطع تعلق کر لو۔ وہ صرف مال و دولت کو معبود بنا لینے سے تمہیں روکتا ہے۔ دنیا میں یہود کس قدر مالدار اور روپیہ رکھنے والی قوم ہے۔ مگر مال کی محبت نے اس کو کس قدر ذلیل کر دیا ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل مسلمانوں کا بہت سا روپیہ فضول رسم و رواج اور دنیا کی نمود میں خرچ ہوتا ہے۔ اگر نہیں ہوتا تو خدا کی راہ میں خرچ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس ذلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ تو تم مال اور دولت کو اپنے نفسوں کے لیے جمع نہ کرو۔ بلکہ خدا کے لیے جمع کرو تا کہ اگر وہ تم سے کھویا بھی جائے۔ تو تم هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ (35:9) کے مصداق نہ بنو۔ اگر تمہاری یہ نیت ہو جائے کہ ہم یہ سب کچھ خدا کے لیے کرتے ہیں۔ تو پھر خدا کی راہ میں مفلس ہو جانے سے تمہارے دل تنگ نہ ہوں گے۔ یہی حقیقی ولایت، ابدالیت اور قطبیت ہے کہ تم اپنے مالوں کو، جانوں کو اور ہر ایک چیز کو جو تمہیں دی گئی ہے، اپنی نہ سمجھو۔ بلکہ اس کو خدا کی سمجھ کر اسی کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے تیار رہو، لوگ خیال تو کرتے ہیں کہ یہ سب مال و دولت خدا کا مال ہے۔ مگر جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو اس وقت اس کا عملی ثبوت نہیں دیا جاتا۔ دنیا کے لیے اور جنگوں اور خونریزیوں میں امداد کے لیے کس قدر روپیہ دنیا دار لوگ خرچ کرتے ہیں۔ لیکن جب خدا کی راہ میں دینے کا سوال آتا ہے۔ تو اس وقت دلوں میں قبض اور تنگی آ جاتی ہے۔ اور یہ خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہم اس طرح روپیہ دے کر مفلس ہو جائیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ. (268:2) شیطان خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے وقت فقر اور محتاجی کے وعید سناتا ہے۔ حالانکہ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (268:2) اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی راہ میں خرچ کرنے سے غفر اور فضل و مال کا وعدہ دیتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو کہ جنہوں نے اپنے تمام مال و جان خدا کی راہ میں دے دیئے تھے، مفلس کر دیا؟ نہیں بلکہ غور کرو کہ ان کو اس دنیا میں ہی کس قدر فضل اور مال اس کے عوض میں ملا۔ یہ تو ان کی خوش قسمتی تھی کہ خدا کی راہ میں انہوں نے سب کچھ لٹا دیا۔ اور ان کو جان و مال دونوں کی قربانی کا موقعہ میسر آیا۔ انسان جب ایک نیکی کے لیے قدم اٹھاتا ہے۔ تو دوسرے کے لیے اس کا قدم خود بخود اٹھتا ہے۔ ان کے زمانے میں آئے دن جنگیں ہوتی تھیں۔ غور کرو کہ جنگ پر کس قدر روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ پھر اِن تمام اخراجات کو

برداشت کرنے والی کون سی قوم تھی۔ اس کی جمعیت کتنی تھی۔ مگر وہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے کوئی غریب نہیں ہوتا۔ جس قدر انہوں نے خرچ کیا، اس سے کئی گنا ان کو واپس ملا۔ بیاہ شادیوں کے موقع پر لوگوں کے دیوالیے نکل جاتے ہیں۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا وقت آئے تو تنگ دلی کا خیال دامن گیر ہو جاتا ہے کہ اس قدر روپیہ دے کر ہم کیا کریں گے؟ کھانے پینے اور جسمانی آسائش کا تو اس قدر فکر ہے لیکن اپنی روح کی تڑپ اور ضرورت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اس کی وجہ درحقیقت دنیا کی محبت اور تفاخر بین الناس ہے۔ دل کے اندر ایک تڑپ اور آگ ہے کہ جس کی وجہ سے هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (30:50) کا نعرہ بلند ہوتا رہتا ہے۔ جس قدر مال بڑھتا جاتا ہے اسی قدر آگ اور بھڑکتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس پر غور نہیں کیا جاتا کہ ہماری روح کی اصل تڑپ کیا ہے؟

کیا انسانی روح کی اصل غرض مال کی خواہش ہے یا اور کچھ۔ اگر مال کی خواہش انسانی روح کی تڑپ ہے تو پھر کیا مال داروں کی محض ان کے مال کی وجہ سے ہم عزت کرتے ہیں۔ یا کوئی ایسا بھی مالدار شخص ہوا ہے کہ جس کی عزت آج دنیا اس کے مال کی وجہ سے کرتی ہو۔ دنیا میں کسی کا نام کثرت مال کی وجہ سے یادگار نہیں رہا۔ کیا تم ان لوگوں کی عزت کرتے ہو کہ جو بڑے مالدار لوگ گزرے ہیں یا ان لوگوں کی کہ جنہوں نے سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیا ہے۔ کیا تم موسیٰ علیہ السلام کی عزت کرتے ہو یا قارون کی۔ کیا نبی کریم ﷺ کی اور صحابہؓ کی عزت کرتے ہو یا بادشاہوں اور مالداروں کی؟

یہ فطرت کی شہادت ہے کہ یہ چیز انسانی روح کی اصل خواہش اور تڑپ نہیں۔ بُری اور اچھی چیزوں کا معیار انسانی فطرت ہے۔ چوروں کے جتھے میں بھی کہ جن کا کام اور پیشہ ہی چوری کرنا ہے، اگر کوئی دوسرے کی چیز چرالے تو اس کو کس قدر بُرا سمجھا جاتا ہے۔ یہ فطرت کی شہادت ہے کہ چوری اچھی چیز نہیں۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا پاک اصول سکھایا ہے: لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ تم میں سے کوئی ایماندار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز نہ پسند کرے کہ جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جس بات کی پرکھ کرنی ہو اس کو اپنے آپ پر وارد کر کے پرکھ لو۔ تو کسی شخص کی عزت مال دنیا کی وجہ سے نہیں جب تک کہ وہ اس مال کو بنی نوع انسان کی ہمدردی میں خرچ کرنے والا نہ ہو۔ پس کسی کی

عزت اس کے محض مالدار ہونے کے سبب نہیں، اور نہ کسی شخص کو افلاس کی وجہ سے ذلیل کہا جا سکتا ہے۔ پس نہ دولت کی وجہ سے عزت ہے اور نہ افلاس کی وجہ سے ذلت ہے۔ اس لیے دولت اور مال کو روح کی حقیقی تڑپ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ تمہیں جو دعا سکھائی گئی ہے۔ اس میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (6-5:1) سکھایا گیا ہے یعنی ہم کو ان لوگوں کا راستہ دکھا اور اس صراط مستقیم پر چلا جو منعم علیہ لوگوں کا راستہ ہے۔ رستہ ان لوگوں کا کہ جن پر انعام ہوا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اچھے سے اچھا کھانا عمدہ سے عمدہ لباس اور اعلیٰ درجے کے مکانات اور آسائش کی چیزیں بھی نعمتیں ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا اس جگہ بھی مراد یہی انعام اور ان کے منعم علیہم مراد ہیں یا کوئی اور؟ کیا یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ ہمیں اچھے اچھے کھانے دے اور عمدہ عمدہ لباس عطا کر اور آرام و آسائش کے سامان عطا کر؟ ایسا ہرگز نہیں، کیونکہ یہ چیزیں تو دہریوں اور کفار کو بھی حاصل ہیں۔ تو پھر کیا تم ان کی راہ پر چلنے کی دعا کرتے ہو۔

قرآن کریم نے اس کی تشریح خود دوسری جگہ کر دی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (69:4) پس وہ منعم علیہ گروہ کہ جن کے نقشِ قدم پر چلنے کی تمہیں دعا سکھائی گئی ہے وہ نبیوں، صدیقوں، شہدا اور صالحین کی راہ ہے۔ وہ دنیا داروں اور دولتمندوں کی راہ نہیں۔ پس ایک مسلمان کی روح کی تڑپ یہ ہے کہ مجھے ان مقدس لوگوں کی راہ پر چلا۔ مال کی محبت تو طبعاً ہر ایک شخص کے اندر موجود ہے۔ اس لیے اس کی دعا کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ اس کے لیے دعا سکھائی گئی. بلکہ ان لوگوں کی راہ پر چلنے کی دعا سکھائی گئی ہے کہ جو نبی، صدیق، شہدا اور صالح لوگوں کی راہ ہے۔ اور ان چاروں میں مشترک امر یہ ہے کہ ان کا سب کچھ خدا کے لیے ہوتا ہے۔ غرض تمہیں دعا تو یہ سکھائی گئی ہے کہ ان لوگوں کی راہ پر چلا کہ جنہوں نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیا تھا۔ دعا تو تمہاری یہ ہے کہ ہمیں ان لوگوں میں شامل کر۔ مگر تم نے کوشش نہ کی تو پھر دعا کا کیا فائدہ۔ اس منعم علیہ گروہ کے عملی نمونوں کو تلاش کرو اور ان پر چلنے کی کوشش کرو۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہی تمہارے لیے کافی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اَنَا كَرَاجِلٍ الخ یعنی میری مثال ایک مسافر کی مثال ہے کہ جو تھوڑی دیر

درخت کے نیچے ستانے کے لیے ٹھہر جاتا ہے اور پھر چل دیتا ہے۔ یہ اس عظیم الشان انسان کی حالت ہے کہ جس کی عزت دنیا کا کثیر حصہ کرتا ہے۔

غرض دنیا کا مال انسان کی عزت کو نہیں بڑھاتا۔ اس دنیا کے مال و دولت کی مثال روئیدگی کی مثال ہے۔ جو ایک وقت بڑھتا ہے اور پھر چورا چورا ہو جاتا ہے۔ خسارہ آتا ہے اور ناکامی ہو جاتی ہے۔ تو تمہیں غور کرنا چاہئے کہ تم کس گروہ میں شامل ہونے کے لیے دعا مانگتے ہو۔ اور قیامت کے دن اصحاب یمین کی صف میں کھڑا ہونا چاہتے ہو یا اصحاب شمال کی صف میں۔ اگر تم سمجھو تو اصحاب یمین اور اصحاب شمال کا فیصلہ بھی اس دنیا میں ہو جاتا ہے۔ جس گروہ میں تم شامل ہونا چاہتے ہو اور جس کے لیے دعا کرتے ہو تو پھر اسی میں شامل ہونے کی کوشش بھی کرو۔ اگر دعا تو اصحاب یمین میں شامل ہونے کی کرتے ہو اور اپنے اعمال سے اصحاب شمال میں شامل ہونے کی کوشش کرتے ہو تو پھر اس دعا کا کیا فائدہ۔ قرآن کریم نے تو عام اعتبار سے تمہیں اختیار دیا ہے۔ جس گروہ میں تم شامل ہونا چاہو، ہو سکتے ہو۔

میں تم سے کہتا ہوں کہ عام مسلمانوں کی نسبت ہمارا ایک خاص مقام ہے۔ پس اس لیے ضرورت ہے کہ ہم دوسروں کے لیے اچھا نمونہ پیش کریں۔ کیونکہ ہم اپنی جماعت کی غرض اشاعتِ دین بتاتے ہیں اور ہم دوسرے لوگوں کو اپنے حق پر ہونے کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے ہماری زندگیوں کے اندر کس قدر انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اگر وہ جھوٹا تھا تو جماعت کے اندر یہ عشق کی آگ کون لگا گیا۔ اور فی الحقیقت دعاوی اور پیشگوئیوں کی بحثیں اس دلیل کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ اصل دلیل جو غیروں کو کھا جانے والی ہے وہ یہی ہے کہ مرزا صاحب نے ایک جماعت کے دلوں کے اندر باقی مسلمانوں کی نسبت ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اور یہی بات ہے جو ہم سب کو ممتاز کرنے والی ہے۔ تو پھر اگر ہم دنیا سے علیحدہ نہ ہوئے اور مال و دولت کی محبت میں ویسے ہی پھنسے رہے تو پھر کس طرح تم دوسروں کو کہہ سکتے ہو کہ مرزا صاحب حق پر تھے۔ جب تک تم اپنی زندگیوں کے اندر اس کے پیدا کردہ انقلاب کو قبول نہیں کرتے تو پھر مرزا صاحب کو قبول کرنے کا کیا فائدہ؟ حضرت مرزا صاحب نے تم سے ایک اقرار لیا تھا کہ تم دین کو دنیا پر مقدم رکھو گے۔ یعنی دین کو اصل اور دنیا کو اس کا خادم قرار دو گے۔ جب تم اس ایک ہی اقرار کو پورا نہیں کرتے ہو تو پھر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دینے کا کیا فائدہ؟

دین کی تائید کے لیے مال کی ضرورت ہے

تسبیح اور وظائف سے دین کی تائید نہیں ہوسکتی۔ جب تک تم دوسرے کاموں کی نسبت اس میں حصہ نہ لو گے۔ تو تم دین کی تائید نہیں کر سکتے۔ جب تم سے مرزا صاحب نے یہ اقرار لیا تھا کہ دین کو اصل اور مال کو اس کا خادم سمجھو گے تو پھر تم اس مقام میں کیوں کھڑے نہیں ہوتے!

دین کی اشاعت میں اس وقت کس قدر مشکلات ہیں؟ ایک طرف خود حضرت صاحب کی جماعت کا ایک گروہ غلو میں مبتلا ہو کر دور نکل گیا۔ اور وہ اسلام جس کی خدمت کے لیے مسیح موعود آیا تھا۔ اسی اسلام میں ایک خطرناک تفریق اس گروہ نے پیدا کر دی کہ مسیح موعود کو ماننے والا مسلمان اور باقی سب دنیا کافر! اس گروہ کے غلو سے ساری جماعت بدنام ہوئی اور ہو رہی ہے۔ عام لوگ امتیاز نہیں کر سکتے۔ اور سلسلہ کی مخالفت ترقی کر رہی ہے۔ بیشک ابتداء میں بھی سلسلہ کی مخالفت ہوئی۔ لیکن وہ مخالفت اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون کے ماتحت محبت میں تبدیل ہوتی جاتی ہے کہ میاں صاحب کے غالیانہ عقائد نے جہاں جماعت کو گمراہی میں ڈبویا، وہاں سلسلہ کی مخالفت کی آگ بھی بھڑکا دی۔ پہلے مخالفت کرنے والے ناحق پر تھے کہ وہ حضرت صاحب کو اور آپ کے مریدوں کو کافر کہتے تھے۔ اب کافر کہنے کی ابتدا خود میاں صاحب نے کی ہے۔

اس وقت بہت سے لوگ باوجود مخالفت کے مرزا صاحب کے ساتھ تھے۔ پس حضرت صاحب کا دعویٰ لوگوں سے بنا مخاصمت نہیں۔ کیونکہ دعویٰ تو اس وقت بھی موجود تھا۔ اور لوگ باوجود مخالفت، آپ کی خدمات کے معترف اور آپ کے ساتھ تھے۔ لیکن ان لوگوں کے ساتھ نہیں ہو سکتے کہ جو چالیس کروڑ مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔

اسلام کی غرض تمام دنیا کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کرنا تھا۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت، جبکہ تمام دنیا تاریکی میں پڑی ہوئی تھی، اور کل قومیں گمراہ ہو چکی تھیں، تو کیا وہ خدا ہمیشہ کی عادت کے مطابق تمام ممالک میں الگ الگ نبی نہ بھیج سکتا تھا۔ جبکہ اس نے عرب میں ایک نبی کو بھیجا تو کیا وہ اسی وقت ہندوستان میں بھی نبی مبعوث نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس خدا نے پسند نہیں کیا کہ دنیا کو مختلف جھنڈوں کے نیچے جمع

کیا جائے۔ اس کے مذہب کی اشاعت اور تبلیغ میں خواہ تیرہ سو برس لگ جائیں۔ یا دو ہزار سال، مگر وحدت نسلِ انسانی کو قائم کرنے کے لیے ایک ہی شخص کو قرآن دیا اور اسی ایک ہی کو کُل قوموں کے لیے ہادی بنایا۔لیکن یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ اس وحدت کو زید و بکر کے پیروؤں نے توڑ دیا اور اس عالمگیر نبوت کو چھوڑ کر اب اس کو ایک تنگ دائرہ کے اندر محدود کر دیا ہے۔

آج میاں صاحب کی جماعت میں سے ایک شخص نبی بخش نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔میاں صاحب کے معیار نبوت کی رو سے اس کی نبوت میں کوئی کسر نہیں۔ پھر اس کے دعویٰ کو کیوں قبول نہیں کیا جاتا۔مگر میاں صاحب کو اور مشکل پڑی ہے۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ خدا کا مقرر کردہ خلیفہ تو نبی نہ بنے اور اس کے مرید نبی ہو جائیں؟

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب اگر کوئی نبی ہوگا۔تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ اسلام میں ٹولیاں بنتی چلی جائیں گی۔میاں صاحب نے ختم نبوت کے بعد اجرائے نبوت کے دعویٰ کا اعلان کر کے اسلام کے اندر تفرقہ پیدا کر دیا ہے کہ جس کی وجہ سے اہل حق اس سلسلہ سے متنفر ہو گئے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فتنہ کوئی چھوٹا سا فتنہ نہیں۔مگر اس کی بنا پر بعض لوگ جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کیا آئے۔الٹا اختلاف پیدا کر دیا۔

اُن کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس نام کا ایک شخص پہلے بھی آیا تھا یعنی حضرت مسیحؑ اسرائیلی۔ان کے پیروؤں میں بھی اختلاف پڑ گیا تھا۔مگر ان کے پیروؤں کے اس گروہ نے، جو حق پر تھا، کوشش نہ کی۔اور نہ ہمت سے کام لیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باطل پھیل گیا۔اس لیے تمہیں آج ہی فکر کرنی چاہئے کہ اس غلو کو توڑ دینے کے لیے کمر بستہ رہو۔لیکن اگر پیروؤں کے اختلاف کی وجہ سے مدعی کو جھوٹا کہتے ہو۔تو پھر اس کو کیا کہو گے کہ جس کی تصدیق قرآن کریم کرتا ہے۔اور اس کے پیروؤں میں اختلاف کا ذکر بھی کرتا ہے۔پس کسی کے پیروؤں کا اختلاف بانی سلسلہ کے جھوٹے ہونے کی دلیل نہیں۔اور نہ سمجھ دار لوگ ان باتوں کی طرف خیال کرتے ہیں۔

لوگ مرزا صاحب کو ماننے کے لیے تیار ہیں۔اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔یہ ایک ہی دلیل کھا جانے والی دلیل ہے کہ مرزا صاحب نے جو اسلام کی کامیابی کی راہ، آج سے نصف صدی پیشتر بتائی ہے، مجبوراً وہی راہ مسلمانوں کو اختیار کرنے پڑے گی۔اور مرزا صاحب کی کون سی بات ہے کہ جس کو سمجھدار لوگ آج ماننے کے لیے

تیار نہیں؟ کیا وفات مسیحؑ کو کُل مسلمانوں کے دل مان گئے ہیں یا نہیں۔ پس اس لحاظ سے کون کہہ سکتا ہے کہ مرزا ناکام مرا۔ کیا اس شخص کو ناکام کہا جا سکتا ہے کہ جس کی سخت سے سخت مخالفتوں کے باوجود دنیا اس کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے مجبور ہو۔

دوسری بات اشاعتِ اسلام ہے اور مسلمانوں کی کامیابی کی یہی ایک راہ ہے۔ صحیح تعلیم کا پھیلانا تمہارا کام ہے۔ اس کام کی ضرورت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ راہ بھی مرزا صاحب نے بتائی اور اپنی جماعت کو اس پر قائم کیا۔ کُل دنیا کے مسلمان اس کی ضرورت کے مقر ہیں۔ پس ہم میں اور دوسرے مسلمانوں میں ایک ہی بڑا فرق ہے۔ اور وہ وفات مسیحؑ ہے۔ وفات مسیحؑ کا ماننا اگر اسلام کے لیے مفید نہ ہوتا۔ یا کم از کم اس کے نہ ماننے سے نقصان بھی نہ ہوتا۔ تو ہم اس کو بھی غیر ضروری سمجھ کر اس پر اس قدر زور نہ دیتے۔ حیات مسیحؑ کا عقیدہ اس لیے خطرناک ہے کہ یہ ایک آلہ ہے۔ مخالفین اسلام کے ہاتھوں میں کہ جس کے ذریعہ سے وہ اسلام پر حملہ کرتے ہیں۔ ورنہ خضرؑ اور الیاس کو بھی لوگ ماننے کو تو زندہ مانتے ہیں۔ مگر چونکہ ان کی حیات کا اثر اسلام پر کچھ نہیں ہوتا، اور نہ اس کو اسلام پر حملہ کا ہتھیار بنایا گیا ہے۔ مگر حیات مسیح ایک خطرناک آلہ ہے، جسے عیسائی ہر ایک جگہ مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اور کھلے بندوں کہتے ہیں کہ کل انبیاء **وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا يَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوۡا خٰلِدِيۡنَ** (8:21) کے مصداق تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے جسم ایسے نہ بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور تغیر پذیر نہ ہوں۔

خالد کے معنی تغیر پذیر کے ہیں اور تمہارے اپنے اعتقاد کے مطابق صرف مسیحؑ ہی ایک ہیں کہ جو اس تغیر سے محفوظ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خالق اور بشر میں امتیاز یہی ہے کہ خالق تغیر سے پاک ہے اور مخلوق تغیر پذیر ہے۔ پس ایک طرف غیر متغیر اور کھانے پینے سے بری ایک ہستی ہے۔ اور دوسری طرف کھانے پینے کی محتاج اور تغیر پذیر مخلوق ہے۔ پس تم اپنے ہی اعتقاد کے رو سے مسیحؑ کو کس میں رکھو گے۔ خالق میں یا مخلوق میں۔

وہ مسلمانوں میں کام کرنے والے منادوں کو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ تم تثلیث کی بحث کے جھگڑوں میں نہ پڑو۔ بلکہ تم صرف مسیحؑ کی زندگی سے مسلمانوں کو فتح کر سکتے ہو۔ پس تم ان کو صرف حیات مسیحؑ کی طرف دعوت دے سکتے ہو۔ اور اسی کے دلائل ان کے سامنے پیش کرو۔ پس وفات مسیح پر ہم اس لیے زور دیتے ہیں کہ اس سے

اسلام پر زد پڑتی ہے۔ اور یہی ایک خطرناک ہتھیار ہے کہ جو اسلام کے خلاف چلایا جاتا ہے۔ ورنہ یہ مسئلہ بھی فی الحقیقت کوئی ایسا اہم مسئلہ نہ تھا۔ اور آج تک امت میں مختلف فیہ چلا آیا ہے۔ مجمع البحار میں صاف لکھا ہے: اَلْاَکْثَرُوْنَ عَلٰی اَنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَقَالَ مَالِکٌ مَاتَ اکثر لوگوں کا مذہب یہی ہے کہ عیسیٰؑ نہیں مرے۔ مگر امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مر گئے۔ تو اس زمانے تک اکثر افراد امت کا مذہب یہی رہا ہے کہ عیسیٰؑ نہیں مرے، مگر جب تک وہ بطور ہتھیار اسلام پر نہیں چلا۔ اور نہ عیسائیوں نے اس کو استعمال کیا۔ اس وقت تک اس کی پرواہ نہیں کی گئی۔ مگر آج عیسائیوں نے اس کو اسلام کے خلاف سب سے زبردست ہتھیار کے طور پر استعمال کیا تو خدا نے ایک مجدد کے ذریعہ اس کا جواب بھی دے دیا۔ اس لیے وفاتِ مسیحؑ اسلام کی ایک زبردست ضرورت بن گئی ہے۔

یورپ میں اگر اس تعلیم کو پیش کیا جائے کہ مسیحؑ آسمان چہارم پر زندہ ہے تو وہ مسلمان کبھی نہیں ہو سکتے۔ اور نہ کبھی اس کے بغیر کسرِ صلیب ہوسکتی ہے۔ یہ ایک ایسا حربہ ہے کہ جو اس زمانے کے مسیح نے ہمیں دیا کہ جس سے عیسائیت فنا ہوگی۔ بس اس کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے کہ مرزا ناکام رہا؟ کیا اس شخص کو ناکام کہا جا سکتا ہے کہ جو اپنے دشمنوں کی بیخ پر ایسا تبر رکھدے کہ جو اس کو نیست و نابود کرنے والا ہو۔ اس نے ہمیں ایسا زبردست ہتھیار دیا ہے کہ جس کے ذریعہ سے اسلام کی کامیابی اور دشمن کی شکست یقینی ہے۔ پھر اگر اس میں کامیابی نہ ہو۔ تو اس میں اس کا قصور نہیں بلکہ ہماری کم ہمتی ہے۔ اور یہ بزدلی اسی قسم کی ہے کہ جس طرح ایک بہت بڑی قوم نے اپنی نامردی کی وجہ سے اپنے نبی کو کہہ دیا۔ فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ (24:5) کہ تم اور تمہارا خدا، جو کامیابی اور فتح کے وعدے دیتا ہے، دونوں جا کر جنگ کرو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ مرزا ناکام نہیں بلکہ ہماری کم ہمتی اس کو ناکام کر سکتی ہے۔

پس یاد رکھو کہ تمہارے مرشد کی اور تمہاری اپنی کامیابی اسی میں ہے کہ تم اس پر تیار ہو جاؤ کہ خدا کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کو لگا دو۔ اگر تمہارا ایمان قرآن پر ہے تو آج سے تم پکے عہد کر کے جاؤ کہ ہم ضرورت دینی کے وقت اپنے مالوں کو ضرور خدا کی راہ میں دے دیں گے۔ خواہ ہم اجڑ جائیں لٹ جائیں، خواہ کچھ ہو جائے۔ مگر ہم اپنے اس عہد پر قائم رہیں گے۔

میں تو ہمیشہ مسلمانوں کو توجہ دلاتا رہتا ہوں کہ وہ کیوں اپنا بیت المال نہیں بناتے۔ لیکن اس کے لیے

بہت بڑی کوشش بکار ہے۔ جب تک بڑے بڑے لوگ توجہ نہ کریں، اس کو قائم نہیں کر سکتے۔

تم اشاعت دین کے مدعی ہو۔ اور تمہارے قیام کی غرض قرآن کریم میں لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (143:2) قرار دی گئی ہے۔ اس لیے تمہیں تمام مسلمانوں کے پیشرو اور امام ہونے کی حیثیت میں وہ کام کرنے چاہئیں کہ جو دوسروں کے لیے قابل نمونہ ہوں۔ اور لوگ اگر سستی بھی کریں تو کریں، مگر تم قابل معافی نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ تمہارا مقام ایک نازک مقام ہے۔ تمہیں اس پر قائم رہنے کے لیے قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ اگر تمہارے اندر یہ قربانی کی روح نہیں۔ تو اس کو تمہیں اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے۔ اس لیے میں تم کو پھر سناتا ہوں اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (111:9) اللہ تعالیٰ نے اگر تم مومن ہو تو تمہارے جانوں اور مالوں کو تم سے جنت کے عوض خرید کر لیا ہے۔ اب تم اس کو اور اغراض میں خرچ نہیں کر سکتے۔ اس پر اگر عہد کر لو تو کوئی مشکل کام نہیں رہ جاتا۔ ہمارا کام صرف صحیح تعلیم اسلام کو دنیا میں پھیلانا ہے۔ اس غرض کو پورا کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک مبلغین کا پیدا کرنا، دوسری لٹریچر کا تقسیم کرنا۔

اسلام کی صحیح تعلیم کا لٹریچر اس قدر کم ہے کہ اپنی تعلیم کو پیش کرنے کے لیے سیل اور راڈویل کے ترجمہ قرآن اور سیرت میں سید امیر علی کی کتاب کے سوا اور کوئی کتابیں نہیں ملتیں۔ ان دونوں کاموں کے لیے ضرورت ہے مال کی۔ اور کام کرنے والے آدمیوں کی۔ مشنریوں کی کوششوں پر غور کرو کہ وہ کس قدر روپیہ اشاعت پر خرچ کرتے ہیں۔ جو لوگ بی اے کا امتحان پاس کرتے ہیں۔ ان کو ایک ایک اعلیٰ درجہ کی سنہری جلد کی بائبل انعام دی جاتی ہے۔

کیا تمہارے اندر یہ تڑپ نہیں پیدا ہوتی ؟ کہ تم بھی ان لوگوں کو خوبصورت قرآن تحفہ دے سکو۔ میں اس وقت ضرور اپنی جماعت کو خطاب کرتا ہوں کہ تم نے اشاعت دین کا کام اپنے سر پر لیا ہے۔ یہ کوئی چھوٹا سا کام نہیں۔ اس کے لیے ہزاروں کی نہیں، بلکہ لاکھوں روپوں کی ضرورت ہے۔ جس قدر کوشش تم کرو گے اسی قدر جلد کامیابی کی امید ہے۔ اور اسی قدر تمہاری محبت لوگوں کے دلوں میں بڑھتی جائے گی۔

چند احباب کو اس کی طرف توجہ دلائی تھی کہ ہمارا کام اب تک ادھورا اور نکما ہے۔ جب تک ہمارے ہاتھ میں کافی تعداد روپیہ کی نہ ہو۔ کام نہیں چل سکتا۔ اس پر بعض دوستوں نے جو جواب دیا ہے وہ ہمت افزا ہے۔

اور انہوں نے امید سے بڑھ کر لبیک کہا ہے۔اس وقت باقی جماعت بھی ان کے نقشِ قدم پر چل کر کام میں حصہ لے سکتی ہے۔صرف امیر ہی نہیں،غریب بھی حصہ لے سکتے ہیں: عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ (236:2)

غریب اپنی بساط کے مطابق اس میں شریک ہوں اور امیر اپنی وسعت کے مطابق۔تحریک یہ تھی کہ اس وقت اشاعتِ اسلام کے لیے ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے۔ یہ چند دوست ہیں کہ جن کے نام مَیں آپ لوگوں کو سناتا ہوں۔ان میں سے ایک تو شیخ رحمت اللہ صاحب ہیں کہ ان کا نام میں سب سے پہلے اس لیے نہیں لیتا ہوں کہ انہوں نے سب سے بڑھ کر رقم دی۔ بلکہ اس لیے کہ جس قدر ان کا روپیہ خدمت اسلام میں خرچ ہوا ہے، ہماری جماعت میں سے اور کسی کا نہیں ہوا۔انہوں نے ایک لاکھ کا دسواں حصہ یعنی دس ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔دوسرے سید محمد حسین شاہ صاحب ہیں۔انہوں نے اس تحریک پر ایک مکان بیس ہزار روپے کا دیا ہے۔اور اپنی ہر ماہ کی آمد کا ایک چوتھائی حصہ مستقل طور پر دینے کا وعدہ کیا ہے۔اسی طرح ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ہیں کہ جو اس تحریک پر لبیک کہنے والوں میں سے سابقین میں سے ہیں۔گزشتہ سال ہی انہوں نے ایک مکان انجمن کو دیا تھا اور کچھ زمین بھی دی ہے۔اور مستقل طور پر سو روپیہ ماہوار دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔

پھر ہمارے مکرم لائل پور والے دوست شیخ محمد اسمٰعیل و میاں مولا بخش اور میاں محمد صاحبان ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مال سے حصہ دیا ہے۔اسی طرح تقویٰ سے بھی ان کو وافر حصہ ملا ہے۔اور علم دین کو خوب سمجھتے ہیں۔ یہ میں ان کی مدح کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کو اس نیک نمونہ کی پیروی کے لیے کہتا ہوں۔انہوں نے بھی پندرہ ہزار روپیہ دیا ہے۔اسی طرح ملک غلام محمد صاحب نے بھی ایک مربع زمین دیا ہے کہ جو بیس پچیس ہزار روپیہ کی مالیّت کا ہے۔خان عجب خان صاحب نے بھی اپنی جائداد کا ایک حصہ، جو دس ہزار کی مالیت ہے، دے دیا ہے۔ایک ہمارے دور کے دوست ہیں جو ابھی نئے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے جماعت میں داخل کیا ہے۔جن کا نام احمد بادشاہ صاحب ہے۔اور مدراس کے ایک اعلیٰ حیثیت کے شخص ہیں۔انہوں نے گزشتہ فروری میں خواجہ صاحب کو پانچ ہزار روپیہ اشاعتِ اسلام کے لیے دیا ہے۔اور اب اس تحریک پر بھی پانچ ہزار روپیہ دیتے ہیں۔دو اور دوست ہیں کہ ایک نے تین ہزار کی زمین دی ہے۔اور ایک نے تین ہزار سات سو پچاس روپیہ

دیا ہے۔ ایک ہمارے نوجوان ہیں جن کا نام غلام محمد صاحب ہے۔ انجمن میں ایک قلیل تنخواہ پر ملازم ہیں۔ ان کو، شہر میں جو لوگ کمیٹیاں وغیرہ ڈالتے ہیں، اس سے سو روپیہ ملنے والا ہے، وہ بھی سب کا سب انجمن کو دیتے ہیں۔ میری ایک لڑکی جو بستر مرگ پر پڑی ہے، اور اس کی زندگی کی کوئی امید نہیں، اس نے اپنی والدہ کے گلے میں ایک گلوبند دیکھ کر طلب کیا۔ جو اس کو دے دیا گیا، اس نے بھی اس کو اسی راہ میں دے دیا ہے۔

یہ کام، جو میں نے آپ لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے، نقد روپیہ کو چاہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس قدر روپیہ کی تحریک کی گئی تھی، وہ قریباً قریباً وصول ہو گیا ہے۔ مگر اس میں اکثر حصہ جائیدادوں کا ہے اور کام نقد روپیہ کو چاہتا ہے۔ اس وقت فیصلہ یہی ہوا ہے کہ ان جائیدادوں کی فروخت سے نہیں بلکہ ان کی آمد سے کام چلانا چاہئے۔

اب میں اس کے بعد مشتاق ہوں کہ باقی دوست، جو ابھی اس میں شریک نہیں ہوئے، کس قدر روپیہ دینا چاہتے ہیں؟ پہلے بڑی بڑی رقموں والے کھڑے ہونے چاہئیں اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ میرے ان لفظوں کو معمولی نظر سے نہ دیکھیں گے۔ یہ کس قدر خوشی کی بات ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے ایک ایسی جماعت کو پیدا کیا ہے کہ جن کے اندر خدمتِ اسلام کی تڑپ ہے کہ اتنی چھوٹی سی جماعت اس جلسہ میں لاکھ روپیہ جمع کر دیتی ہے۔ اس کے اندر وہ قربانی کی روح ہے کہ جس کو اسلام کی محبت نے ان کے اندر پیدا کر دیا ہے۔ یہ نمونہ دلوں میں جوش ایمان اور یقین پیدا کر دیتا ہے کہ فی الواقعی حضرت مرزا صاحب سچے اور صادق انسان تھے۔

۞۞۞

30 مارچ 1921ء

مراسلات

ایک اعلان

بخدمت حضرت امیر جماعت سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

عریضہ ذیل مَیں نے جناب مرزا محمود احمد کی خدمت میں ارسال کیا ہے۔ اور چونکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جناب میاں صاحب اس کو اخبار میں شائع نہیں کریں گے۔ اور میں اپنے اعتقادات کو ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، اس واسطے بمنت عرض کرتا ہوں کہ برائے نوازش اس عریضہ کو بعینہٖ اخبار پیغام صلح میں شائع کرا کر مشکور فرما دیں۔ نقل ذیل ہے۔ والسلام

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرم و معظم حضرت صاحبزادہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

میں اور میرے ایک عزیز دوست اپنی تجارت کے کام کے واسطے یہاں سیالکوٹ میں وارد ہیں۔ اور شیخ مولا بخش صاحب احمدی سیالکوٹ کے ساتھ تبادلہ خیالات اچھی طرح کرنے اور حضرت صاحب کی تصانیف کو دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب محدث اور مجدد ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں ظلی بروزی نبی ہیں اور بس۔ ایسے نبی ہرگز نہیں ہیں، جن کے انکار سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ’’ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔‘‘

برخلاف اس کے آپ (میاں محمود احمد صاحب) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے نہ ماننے سے کافر ہو جاتا ہے۔ اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ہمارا دونوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حضرت صاحب کے اعتقاد اور فرمودہ کے خلاف ہے۔ بشارت اِسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کے متعلق بھی ہمارا ایمان ہے کہ جیسا حضرت مرزا صاحب نے ''آئینہ کمالات اسلام'' صفحہ 42 پر فرمایا ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت محمد ﷺ ہی ہیں۔ مگر جناب (میاں محمود احمد صاحب) اس کے برخلاف فرماتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا صاحب ہیں۔ اس سے چونکہ ہمارے اور جناب کے اعتقاد میں بہت فرق ہے۔ اس خط کی ایک نقل اخبار پیغام صلح میں شائع ہونے کے واسطے بھیج دی گئی ہے۔ اور ایک آپ کی خدمت میں ارسال ہے۔ تا کہ برائے نوازش اس کو اخبار الفضل میں شائع فرما دیں بمعہ اس کے جواب کے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہمارے اعتقادات یہ ہیں۔ جو ہم نے اوپر تحریر کیے ہیں۔

کیا ہم یہ اعتقادات رکھ کر، جو کہ آپ کے اعتقادات کے خلاف ہیں، آپ کی بیعت میں رہ سکتے ہیں یا کہ تنسیخ بیعت کرنے کی ضرورت ہے؟ میرے دوسرے دوست، جو میرے ہمراہ ہیں، ان کے اعتقادات بھی یہی ہیں۔ مگر وہ اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے۔ برائے نوازش اس کو اخبار الفضل میں مع جواب شائع کر دیں۔ اگر آپ نے شائع نہ کیا، تو اخبار پیغام صلح کا شائع کردہ کافی سمجھا جائے گا۔ والسلام

المعلن عبد الحمید ولد شیخ الٰہی بخش احمدی

چنیوٹ شہر، ضلع جھنگ

۞۞۞

30مارچ1921ء

قرآن کریم کے متعلق مشاہیر یورپ کی آراء

قرآن کی حیرت انگیز تاثیرات

ریورنڈ سٹیفن عرب کی ذلت اوراس کے عروج کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

’’محمد (ﷺ) کے زمانے میں جو فسادات نہایت کثرت سے پھیلے ہوئے تھے۔ اور جن کی تردید قرآن نے پر زور الفاظ میں کی اور مطلق طور پر منع فرمایا، وہ یہ ہیں۔ شرابخوری، کثرت ازدواج، بے حد یار بازی، لڑکیوں کا مار ڈالنا، بربادکن جوئے بازی، توہم پرستی، فال اور شگون دیکھنا، سحر۔ ان میں سے بعض بدرسومات تو مطلق موقوف ہوگئیں اور بعض کم ہوگئیں۔ یہ عرب کی اخلاقی حالت میں ایک عظیم الشان ترقی تھی۔ اور مصلح کے جوش اور تاثیرات کے ثبوت میں ایک حیرت انگیز اور عظیم الشان شہادت ہے۔ آپ کی کوششوں نے جو بڑی نمایاں فتح حاصل کی وہ بچہ کشی اور شراب نوشی کا کامل انسداد ہے۔‘‘

قرآن جامع کمالات کبریٰ ہے:

مسٹر باسورتھ سمتھ۔ تاریخ محمد (ﷺ) میں لکھتے ہیں:

’’ایک عجیب اتفاق ہے جو تاریخ عالم میں مطلقاً کوئی نظیر نہیں رکھتا۔ محمد (ﷺ) تین قسم کا بانی ہوا۔ سلطنت اور مذہب کا۔ خود ناخواندہ کہ پڑھنے یا لکھنے کی کچھ بھی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ باوجود اس کے ایک ایسی کتاب کا مصنف ہو، جو نظم بھی ہے، مجموعہ قوانین بھی ہے، عام دعا کی کتاب بھی ہے اور بائبل بھی ہے۔ اور اس وقت تک دنیا کا چھٹا حصہ اس کو فصاحت و بلاغت۔ حکمت اور حقیقت کے لحاظ سے معجزہ مانتا ہے۔ یہ ایک معجزہ ہے، جس کا

دعویٰ محمد (ﷺ) نے کیا۔ آپ نے اس کا نام مستقل معجزہ رکھا اور بے شک یہ ایک معجزہ ہی ہے۔''

قرآن کا اثر بائبل کی نسبت زیادہ گہرا ہے:

ڈین سٹینلے ''ایسٹرن چرچ'' کے صفحہ 279 پر لکھتے ہیں:

''ایک محدود دائرہ کے اندر قرآن بلا شبہ زیادہ گہرا اثر کرتا ہے، بہ نسبت اس کے جو قانون بائبل نے عیسائیوں پر کیا ہے۔ عجیب و غریب اصلاحیں اور حیرتناک کامیابیاں، جو اسلام نے حاصل کیں، وہ گذشتہ قصہ ہی نہیں، بلکہ فی زمانہ افریقہ میں اس کی بدولت ویسا ہی ہو رہا ہے۔''

قرآن نے حبشیوں سے بھی شراب چھڑوادی:

مسٹر جنگو پارک لکھتے ہیں:

''کہ بہُت حبشیوں کا نوش جان عموماً شراب ہے۔ جو جَو یا خمیر سے تیار کی جاتی ہے۔ جس کو وہ حد سے زیادہ پیتے رہتے ہیں۔ مگر مسلمان شدہ حبشیوں کا نوش جان سوائے پانی کے اور کچھ نہیں رہتا۔''

قرآن حد درجہ کی پارسائی اور پرہیز گاری پیدا کرتا ہے:

ریورنڈ بلائی ڈن لکھتے ہیں کہ:

''یہ عیسائی، جنہوں نے اسلام کے بدنام کرنے اور الزام لگانے میں کوئی حد نہیں رکھی، اگر مغربی افریقہ کے وسط میں سیر کر کے دیکھیں، جیسا کہ میں نے دیکھا ہے، تو ان کو معلوم ہو جائے، کہ بت پرست اور اسلامی جماعتوں میں کس قدر بڑا تفاوت ہو جاتا ہے۔ ایک تو ہمیشہ کے واسطے غافل اور روز بروز خراب ہے۔ اور دوسرا جسمانی اور دماغی صورت میں

چست اور ترقی کرنے والا ہے۔ایک میں قانون ندارد ہے یا محض تلون طبع اور وہم قانون ہے۔ دوسرا خاص قواعد وضوابط کا پابند ہے۔ ایک میں تیز شرابوں کی کثرت ہوتی جاتی ہے۔ دوسری میں سخت درجہ کی پارسائی اور مستقل پرہیز گاری ہے۔اگر وہ ایسا کریں تو پھر اسلام کی نسبت یہ نہ کہیں کہ وسط افریقہ میں اسلام ایک لاقابلِ علاج فساد ہے۔''

ترقیٔ اسلام کے کوائف:

ڈاکٹر بارتھ ترقیٔ اسلام کی نسبت لکھتے ہیں:

''ایک وقت بیابان کے بربریوں کا اکثر حصہ عیسائی تھا اور بعد وہ تبدیل مذہب کر کے مسلمان ہوگئے۔''

12 ذوالحجہ 1339ھ

قسط اول

ترجمۃ القرآن انگریزی اور اخبار اہلحدیث

آج سے چند ماہ پیشتر اخبار اہلحدیث میں ماسٹر غلام حیدر صاحب پینشنر نے حضرت امیر کے ترجمۃ القرآن انگریزی پر کچھ اعتراضات شائع کرائے تھے، جن کا جواب ان ہی دنوں ''اہلحدیث اور علمِ حدیث'' کے زیر عنوان دے دیا گیا تھا۔ اسی کے ضمن میں ثنائی تفسیر اور ان کے علم و عقل کے بخیے بھی ادھیڑ دیئے گئے تھے۔ اس سلسلہ مضامین کو پڑھ کر مولوی صاحب کو تو گویا سانپ ہی سونگھ گیا۔ آج تک اس طرف رخ نہیں کیا۔ اس کے بعد الٹی آنتیں گلے پڑتی دیکھ کر خاکش بدہن کذبات مرزا کا بے سرا راگ شروع کر دیا، جس کا جواب ترکی بہ ترکی دیا گیا۔ اور آج چھ ماہ تک اس کا قرضہ مولوی صاحب سے اتر نہیں سکا۔ حضرت مسیح موعود کی ایک سو بیس عمر کے متعلق جو مفصل بحث اخبار میں کی گئی تھی، اس نے مولوی صاحب کے دانت کچھ ایسے کھٹے کر دیئے ہیں کہ چار ماہ کے متواتر وعدوں کے باوجود اس مضمون کا کوئی جواب نہیں بن آیا۔ اور قریباً ہر اشاعت میں ادھر اُدھر کی باتیں بنانے کے بعد لکھ دیا جاتا رہا ہے کہ اس کا جواب آئندہ اشاعت میں دیں گے۔ یہ آئندہ اشاعت کوئی قیامت کی اشاعت ہو تو ہو، اس دنیا میں تو مولوی صاحب جواب دینے سے رہے!

یہ چند سطور لکھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ مولوی ثناء اللہ نے کسی شخص کی ایک مراسلت شائع کی ہے، جس کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ مولوی ثناء اللہ کے اعتراضات کے جواب دینے کی ہم احمدیوں میں طاقت نہیں۔ اس مراسلت کو درج کرنے کے بعد ثناء اللہ نے بھی بڑے دون کی لی ہے۔ ان لغویات سے اعراض کر کے ہم مراسلہ نگار اور ثناء اللہ کے باقی افترایات اور سب وشتم کو حوالہ بخدا کرتے ہیں۔ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (137:2) اخبار اہلحدیث مورخہ 5 اگست میں وہی ماسٹر قریباً سال بھر کی خاموشی کے بعد پھر فغاں سنج ہوا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کا ترجمۃ القرآن مسلمانوں نے چار ہزار کی تعداد میں خرید لیا ہے۔ اور اب آپ نے دس ہزار کا انڈنٹ ولایت میں بھیجا ہوا ہے۔ اس کے جواب میں اس صاحب کو قُلْ مُوْتُوْا

بَغَیُضِکُمُ (119:3) کے سوااور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اَوُ کَالَّذِیُ مَرَّعَلٰی قَرُیَۃٍ وَّھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوُشِھَاقَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعُدَ مَوُتِھَا (259:2) پراعتراض کرنے سے پہلے آپ نے تمہید یہ اٹھائی ہے کہ احمدی دراصل احادیث کونہیں مانتے۔ یوں ہی منہ سے دعوے کرتے ہیں کہ وہ حدیث کو مانتے ہیں۔مگر خود ماسٹر صاحب نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ایک بھی حدیث پیش نہیں کی۔ہم ماسٹر صاحب اور مولوی ثناء اللہ کوچیلنج کرتے ہیں کہ وہ ان دونوں آیتوں کے ترجمہ کے خلاف، جوحضرت امیر نے کیا ہے،کوئی حدیث پیش کریں۔ ماسٹر صاحب نے توبقول کھسیانی بلی کھمبا نوچے، یہ لکھ کر پیچھا چھڑانا چاہا ہے کہ بندہ حدیث کے نقل کرنے سے معذور ہے۔ یہ عذر نامعقول قابل قبول نہیں۔ جب آپ نے اعتراض کیا ہے تواس کا ثبوت بھی لائیے۔

آیت اَوُ کَالَّذِیُ مَرَّعَلٰی قَرُیَۃٍ .... الخ (259:2) کی تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بہت سے قصے نقل کیے ہیں۔اور پھران قصص میں اس قدر اختلاف ہے کہ ''شد پریشان خواب من از کثرتِ تعبیر ہا'' کی مثل اس پر صادق آتی ہے۔سب سے پہلے اس امر میں ہی اختلاف ہے کہ اس آیت میں کس شخص کا تذکرہ ہے،بعض مفسرین کے نزدیک وہ نبی ہے۔بعض کے نزدیک بنی اسرائیل کا ایک معمولی فرد۔اوربعض کے نزدیک وہ معمولی مومن بھی نہیں بلکہ کافر ہے کہ جس کو قیامت اور خدا کی قدرت پر یقین ہی نہیں کہ وہ اَنّٰی یُحۡیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعُدَ مَوُتِھَا (259:2) یعنی اس بستی کو خدا تعالیٰ کیسے زندہ کرے گا۔ گویا خدا میں موت کے بعد زندہ کر دینے کی طاقت ہی نہیں۔ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ (259:2) سے بھی ثابت ہے کہ اس کو خدا کی قدرت پر پہلے یقین ہی نہیں تھا۔اور اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیُرٌ (259:2) سے تو تصریحًا ظاہر ہے کہ وہ خدا کو اس پر قادر نہیں سمجھتا۔اس کے بعد اس امر میں اختلاف ہے کہ اس کا نام کیا تھا۔بعض حضرت عزیر بعض یرمیا بعض اشعیا اور بعض حضرت خضرؑ اور بعض حضرت لوطؑ کا ایک غلام بتلاتے ہیں (دیکھو تفسیر کبیر جلد 2 اور ابن جریر جزوسوم)۔اس کے بعد اس بستی کی تعیین میں اختلاف ہے کہ وہ کونسی بستی تھی۔بعض کے نزدیک وہ بیت المقدس اور بعض کے نزدیک وہ بستی ہے کہ جس کی نسبت قرآن کریم میں وارد ہے کہ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِھِمۡ وَھُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ (243:2) اور بعض اس کا نام دیرسا آباد یا دیرسلماباد

بتلاتے ہیں۔بعض کے نزدیک دیر ہرقل اور بعض کے نزدیک اصحاب مؤتفکہ کی بستی ہے۔ پھر اس بستی کی حالت پر اختلاف ہے کہ وہ بستی صرف گری ہوئی تھی یا ویسے خالی اور سنسان پڑی ہوئی تھی۔ مکانات موجود تھے اور باغ ہرے بھرے تھے۔اور بعض کے نزدیک وہ بالکل تباہ ہوکر ایک ٹیلہ سارہ گیا تھا۔(تفسیر ابی حیان جلد 2 صفحہ 291)۔غرض اس قسم کے بیسیوں اختلافات ہیں کہ جو اس قصہ کی نسبت مفسرین میں موجود ہیں اور کم وبیش ان سب کی بنیاد اسرائیلی روایات پر ہی ہے۔الّا ماشاءاللہ۔مفسرین کے ان تمام اختلافات سے یہ امر ثابت ہے کہ یہ قصہ کوئی امر واقع نہیں، اور نہ کوئی تاریخی تواتر رکھتا ہے۔ اتنا بڑا تو واقعہ ہو کہ سو سال کے بعد ایک شخص ایسے معجزانہ طور پر زندہ ہو جائے، مگر اس کی تاریخی حیثیت کا یہ حال ہو کہ اس کے نام، مقام اور وقت کا ہی پتہ نہ چلے۔ نہ تو یہودیوں کی کتب مقدسہ ہی اس قصہ کو بیان کریں اور نہ کوئی اور معتبر تاریخی شہادت اس کی نسبت موجود ہو۔

حضرت عزیرؑ کا فرضی قصہ

سب سے مشہور قصہ، جس کو باختلاف قلیل مفسرین نے بیان کیا ہے، یہ ہے کہ حضرت عزیرؑ جب اس گری ہوئی بستی پر سے گزرے تو اس نے تعجب کے طور پر کہا کہ اللہ کب اس کو زندہ کرے گا؟ تو اللہ نے اس کو ماردیا اور اس کی لاش کو درندوں، پرندوں اور لوگوں کی نظروں سے محفوظ کردیا، یہاں تک کہ جب اس کے مرنے کے بعد ستر سال گزر گئے تو خداوند کریم نے فارس کے ایک بادشاہ کوشک نام کی طرف فرشتہ بھیجا اور اس کو یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے حکم دیتا ہے کہ تو اپنے لوگ لے جا کر اس شہر اور اس کے اردگرد کی زمین کو خوب آباد کر۔تب وہ تین ہزار داروغہ ساتھ لے کر چلا اور ہر ایک داروغہ کے ماتحت ہزار آدمی تھے۔اور وہاں جا کر اس ملک کو خوب آباد کیا۔

اس طرح وہ ظالم بادشاہ بھی ہلاک ہو گیا کہ جس نے اس شہر کو غیر آباد کیا تھا۔جس کی وجہ سے بنی اسرائیل جلاوطن ہو گئے تھے۔تو اس ظالم کے مرنے کے باعث بنی اسرائیل پھر اس ملک اور شہر میں آ کر آباد ہو گئے۔اور جب پہلے ستر سال پر تیس سال اور گزر گئے۔اور پوری صدی ہو گئی اور اس عرصہ میں بنی اسرائیل بھی بہت سے بڑھ گئے اور بہت اچھی حالت ہو گئی، تو پھر خداوند حکیم نے اس شخص کو زندہ کردیا۔اور زندہ کرکے سوال کیا کہ تم کتنی مدت پڑے رہے ہو؟ یعنی مرے رہے ہو، تو تخمینے کے طور پر یا مدت کی کمی بیان کرنے کے لیے یا اس وجہ سے کہ وہ چاشت کے وقت مرا تھا، اور مغرب کے وقت زندہ ہوا تھا، اس نے اسی دن کی مغرب یا دوسرے دن

کی مغرب خیال کر کے کہا کہ میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں۔تو خداوندعلیم نے فرمایا،نہیں، بلکہ تم ایک سو سال ٹھہرے رہے ہو۔(چونکہ انسان کا سو سال تک اس طور پر بدوں تغیر جسم کے ٹھہرے رہنا بظاہر بعید از فہم تھا،اس لیے اس سے بھی بڑھ کر تعجب انگیز امر اس کو بتایا) کہ تم اپنے کھانے (جو کہ انگور اور انجیر تھا) اور پینے (نبیذ یا دودھ تھا) کو دیکھو کہ وہ بالکل نہیں بگڑا اور نہ وہ باسی اور متغیر ہوا ہے۔(تو اس سے چونکہ مدت میں شک پڑتا تھا،اس لیے اس کو کہا) کہ تم اپنے گدھے کی طرف دیکھو کہ وہ کس طرح مر کر بوسیدہ ہڈیاں ہو گیا ہے۔

تب خداوند کریم نے اس کو فرمایا کہ یہ سب کچھ ہم نے اس لیے کیا ہے تاکہ اول تو تجھے اپنی قدرت دکھائیں۔اور دوم اس لیے کہ تجھے لوگوں کے لیے ایک عجیب نشان اپنی قدرت کا بنائیں۔پھر فرمایا کہ اب تو اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ (اور بعض کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کی اور اس شہر کے مردہ لوگوں کی ہڈیوں کو دیکھا کہ کس طرح ہم ان کو اپنے اپنے محل پر لگاتے ہیں؟ اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔پس خداوند کریم نے فوراً ایسا ہی کر دیا۔تو جب یہ سب کچھ اس پر کھل چکا تو وہ بولا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر ایک چاہے ہوئے کام پر قادر ہے۔اور عزیرؑ کے قائلوں نے اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ پھر وہ اٹھا اپنے گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلّہ میں آیا،تو اس کو وہ مکان اور لوگ سب ناآشنا معلوم ہونے لگے۔پھر وہ حیران ہو کر اپنے مکان پر گیا،تو دیکھا ایک اندھی اپاہج بڑھیا اس مکان میں بیٹھی ہوئی ہے۔جو کہ ایک سو بیس سال کی عمر کی ہے اور یہ عزیرؑ کی لونڈی تھی۔جو اس کی موجودگی میں بیس سالہ تھی۔تو عزیرؑ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا یہ عزیرؑ کا مکان ہے؟ تو اس نے کہا ہاں اور رونے لگی۔اور کہا کہ سو سال ہو گیا ہے کوئی اس کا نام بھی نہیں لیتا۔اور لوگ اسے بالکل بھول گئے ہیں۔تب عزیر نے کہا کہ میں عزیر ہوں۔بڑھیا نے کہا سبحان اللہ! عزیر کو تو کھوئے ہوئے سو سال گزر گیا ہے۔اور اب تک اس کا کوئی پتہ نہیں لگا۔تب عزیر نے کہا۔عزیر میں ہوں۔اور خداوند تعالیٰ نے مجھے سو سال مار رکھا تھا۔اور اب زندہ کیا ہے۔تب اس نے کہا وہ تو مستجاب الدعوات تھا۔اور اس کی دعاؤں سے بیمار اچھے ہوا کرتے تھے۔پس تم میرے لیے دعا کرو۔تاکہ میں تم کو دیکھوں۔عزیر نے دعا کی۔جس سے وہ دیکھنے اور چلنے پھرنے لگی۔اور اس کو یقین ہو گیا کہ بے شک عزیر یہی ہے۔

تب وہ شہر میں پھر کر لوگوں کو بتانے لگی کہ عزیر آ گیا ہے۔اور عزیر کا ایک بیٹا بھی اس وقت موجود تھا

جس کی عمر اس وقت ایک سو اٹھارہ سال کی تھی۔ اس نے کہا میرے باپ کے شانوں پر ایک سیاہ نشان تھا۔ جب دیکھا تو وہ موجود تھا۔ اور بنی اسرائیل نے کہا ہم نے سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے سوائے عزیر کے اور کسی کو توریت یاد نہیں ہوئی۔ اور بخت نصر نے توریت جلا دی تھی۔ تم اگر عزیر ہو تو ہمیں توریت لکھا دو۔ عزیر نے توریت لکھائی۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ عزیر کے باپ نے بخت نصر کے زمانہ میں کسی جگہ توریت دفن کر دی تھی اور وہ جگہ سوائے عزیر کے اور کسی کو معلوم نہ تھی۔ تب عزیر ان سب کو ساتھ لے کر وہاں گیا اور توریت نکال دی۔ اور بعض میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب عزیر توریت لکھا چکے، تو ایک شخص آیا اور اس نے بتایا کہ مجھے اس قدر معلوم ہے کہ میرے دادا نے اپنے انگور کے باغ میں توریت دفن کی تھی۔ لیکن مجھے وہ باغ معلوم نہیں۔ اگر تم وہ باغ مجھے بتا دو، تو میں وہ تم کو نکال دوں۔ تو لوگوں نے اس کو وہ باغ بتایا اور اس نے وہ نکالی۔ تب عزیر کی لکھائی توریت کا مقابلہ اس کے ساتھ کیا گیا اور حرف بحرف مطابق پائی گئی (حاشیہ تفسیر جلالین وغیرہ)

اس فرضی قصہ پر ایک اُچٹتی نظر

قطع نظر اس سے کہ جس غرض کو مدنظر رکھ کر یہ قصہ ترتیب دیا گیا ہے، وہ اس سے پوری بھی ہوتی ہے یا نہیں، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سائل کا سوال تو یہ تھا کہ کس طرح اس ویران بستی کو اللہ تعالیٰ آباد کر دے گا؟ اس کا جواب اس لمبے چوڑے قصے نے کیا دیا؟ اس کا جواب تو صرف اسی قدر کافی تھا کہ ویران شہر کو آباد کر کے دکھا دیا جاتا۔ سو سال تک اس کو مارے رکھنے، رات دن فرشتوں کے پہرہ دینے کہ اس لاش کو کوئی درندہ وغیرہ کھا نہ جائے، اور لوگوں کی نظروں سے بچانے کے لئے، جو شخص اس راہ سے گزرنا چاہتا ہوگا، اس کو فرشتے پکڑ کر دوسری راہ پر لگا آتے ہوں گے۔ اس کے عزیز اور رشتہ دار اور خصوصاً وہ بڑھیا عورت خواہ مخواہ اس شعبدہ بازی کی خاطر مصیبت میں سو سال تک مارے مارے پھرتے رہے۔ تین ہزار فرشتے الگ بیت المقدس کی ارد گرد کی زمین میں متمثل ہو کر اینٹیں اور پتھر جمع کرتے اور شہر آباد کرتے رہے۔ اور یہ سب کام ایسی خاموشی کے ساتھ ہوا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی!

مگر اس ساری کی ساری دردسری کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اس شخص کو سو سال کے بعد زندہ کیا گیا تو پھر بھی اس کو خدا کے مردے زندہ کر دینے کا یقین نہ آیا (بقول ثناء اللہ اپنے مرنے سے بے خبر ہی رہا) اور اس نے برملا

یہی کہہ دیا کہ میں ایک یا اس کا کچھ حصہ ہی اس حالت میں رہا ہوں۔ سو سال کے بعد زندہ کرنے کا اس کو پھر بھی یقین نہ ہوا۔ بلکہ خود خدا کو اس کی غلطی ظاہر کرنی پڑی۔ اور نئے سرے سے اس کو احیاء موتی کا یقین دلانے کے لیے گدھے کی ہڈیوں کو جمع کرنے اور اس کے ڈھچر پر گوشت پوست چڑھانا پڑا۔ مگر پھر بھی اس بستی کو آباد کر دینے کے بغیر اس کا سوال حل نہ ہوا۔ اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر اس کو احیاء موتی یا اس بستی کی حیات ثانیہ کا ہی یقین دلانا تھا، تو اس کو سو سال تک مارے رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ ایک دن یا دن کا کوئی حصہ یا زیادہ سے زیادہ ہفتہ بھر اس کو مار کر جلا دینا کیوں کافی نہ ہوا۔ اور سو سال تک ہزاروں فرشتوں کی خدمات کو اس کے لیے وقف کرنا پڑا۔ مگر غور کرو۔ عقل کو جواب دے کر اس سارے قصہ کو قبول کر لینے کے بعد بھی اگر کچھ ثابت ہوا تو کیا ہوا کہ ''اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بعض مردوں کی ارواح کو واپس بھیج کر ان کو زندہ کر دیا کرتا ہے۔'' جو قرآن کریم کے اصول مسلمہ کے صریح خلاف ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے فعل نے اپنے ہی کلام کی تردید کر دی۔ اور قرآن کریم کو (نعوذ باللہ) جھوٹا ثابت کر دیا۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں مردوں کو واپس نہیں کرتا

1: اللہ تعالیٰ قرآن کی سورہ الزمر کے صریح الفاظ میں ایک اصول قائم کرتا ہے: **اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا وَالَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہَا الۡمَوۡتَ وَیُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ.** (42:39) اللہ تعالیٰ موت اور خواب دونوں وقت قبض ارواح کرتا ہے۔ جن پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ ان کی ارواح کو واپس نہیں بھیجتا۔ مگر جو سوئے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی روح کو واپس کر دیتا ہے۔ یہ اصول ہے جو قرآن کریم نے مقرر کر دیا ہے کہ جس میں کسی قسم کی استثنا بیان نہیں فرمائی۔ روح واپس اسی کی ہوتی ہے جو سویا ہوا ہو۔ جس پر موت وارد ہو گئی، اس کی روح واپس نہیں ہو سکتی۔

2: ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **حَرٰمٌ عَلٰی قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَاۤ اَنَّہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ** (95:21) کسی بستی کے رہنے والے جن کو ہم ہلاک کر چکے ہوں ان پر حرام ہے کہ دنیا میں واپس آئیں۔ تفسیر ابن جریر میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: **عَنۡ عِکۡرِمَۃَ قَالَ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَاۤ اَنَّہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ**

قَالَ لَمْ یَکُنْ لِّیَرْجِعُ مِنْھُمْ رَاجِعٌ حَرٰمٌ عَلَیْھِمْ ذٰلِکَ۔ جو مر گئے ہیں ان کی رجعت اس دنیا میں حرام ہے۔ پس مردے اس دنیا میں واپس نہیں آ سکتے۔

3: سورہ المُؤْمِنُوْنَ میں ہے: حَتّٰی اِذَاجَآءَ اَحَدَ ھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ. لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ. (100-99:23) یہاں تک کہ جب کسی پر موت آ جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے واپس بھیج تاکہ میں وہ اعمال صالحہ بجالاؤں، جو میں چھوڑ آیا ہوں۔ یہ تو صرف ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور ان سے ورے تو قیامت تک عالم برزخ ہے۔

4: سورہ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَایَرْجِعُوْنَ. (31:36) کیا وہ نہیں غور کرتے کہ ان سے پیشتر کتنی بستیاں تھیں جو ہم نے ہلاک کر دیں۔ ان میں سے کوئی واپس نہیں آیا۔

5: سورہ المُؤْمِنُوْنَ رکوع اول اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ. ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تُبْعَثُوْنَ. (16-15:23) عام خلقتِ انسانی کو بیان کرتے ہوئے کل بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ پھر اس کے بعد تم یقیناً مرنے والے ہو۔ اور پھر یقیناً قیامت کے دن اٹھائے جانے والے ہو۔ تمام بنی نوع انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی عام قانون چلتا ہے کہ موت کے بعد پھر دنیا میں کوئی واپس نہیں آتا۔ اور نہ قیامت سے پہلے کسی کی بعثت ہوگی۔ غرض قرآن کریم کی صریح آیات سے یہ امر ثابت ہے کہ مردے دنیا میں واپس نہیں آیا کرتے۔

احادیث کی شہادت

یہ ایک محکم اصول ہے جس کی تائید احادیث نبویؐ سے بھی ہوتی ہے۔

1: صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اِنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقتَلُ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ

تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔اس حدیث پر فتح الباری کتاب الجہاد والسیر میں لکھا ہے: وَفِیْهِ جَوَازُ تَمَنِّیْ مَا فِی الْعَادَةِ اس حدیث سے ثابت ہے کہ محال عادی کے لیے بھی تمنا کرنا جائز ہے یعنی مر کر اس دنیا میں زندہ ہونا محال عادی ہے۔

2: صحیح ترمذی میں ہے: عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُکَ مَاقَالَ اللّٰهُ لِاَبِیْکَ قَالَ یَاعَبْدَ اللّٰهِ تَمَنَّ عَلَیَّ اَعْطِکَ قَالَ یَارَبِّ تُحْیِیْنِیْ اُجَاهِدُ فِیْکَ ثَانِیَةً. قَالَ اِنَّهٗ سَبَقَ مِنِّیْ اِنَّهُمْ لَایَرْجِعُوْنَ ۔ یہ حدیث باختلاف چند الفاظ ترمذی، مسند امام احمد بن حنبل، طبرانی، حاکم وغیرہ سب کتب میں آئی ہے۔یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ کو فرمایا کہ کیا میں تجھے خبر دوں کہ تیرے باپ کو اللہ تعالیٰ نے کیا کہا؟ کہا اے عبداللہ! کچھ مجھ سے مانگو۔تم کو عطا کروں گا۔اس نے کہا اے اللہ مجھے دوبارہ زندگی عطا کرتا کہ میں پھر تیری راہ میں شہادت پاؤں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تو میری طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے یا سنت مقرر ہو چکی ہے کہ مردوں کو واپس نہیں بھیجا جائے گا۔

اس مضمون کو ہم اس ایک آخری شہادت پر ختم کرتے ہیں جو سلسلہ احمدیہ کے اشد مخالف مولوی ثناء اللہ کی شہادت ہے۔مولوی صاحب اپنی تفسیر عربی میں وَمِنْ وَّرَآءِ هِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (100:23) کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں: وَمِنْ وَرَاءِ هِمْ بَرْزَخٌ حَاجِزٌ مَانِعٌ مِنَ الرَّجُوْعِ اِلَی الدُّنْیَا بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی (فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی(42:39) اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ یعنی مردوں کے پیچھے ایک روک ہوتی ہے، جو دنیا کی طرف ان کے رجوع کو منع کرتی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس پر موت وارد ہوتی ہے، اس کی روح کو روکا جاتا ہے۔اور جو خواب میں ہو، اس کی روح کو واپس کیا جاتا ہے۔اور یہ امساکِ روح قیامت تک ہوتا ہے۔یعنی قیامت تک مردہ کی روح دنیا میں واپس نہیں کی جاتی۔غرض اس دنیا میں عدم رجوع موتی قرآن کریم کی ایک مسلمہ اصل ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں۔

قرآن کریم کی تفسیر میں ایک ضروری اصول

قرآن کریم کے مطالب کو سمجھنے کے لیے اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے ایک اصول کا یاد رکھنا نہایت

ضروری ہے۔اور وہ یہ کہ قرآن کریم جن گذشتہ شخصیتوں کا تذکرہ کرتا ہے،ان کے متعلق اس کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جو تذکرے دیگر کتب مقدسہ (توریت اور انا جیل وغیرہ) میں مفصلاً مذکور ہیں یا جو اہل کتاب کے تواتر سے ثابت ہیں،ان کو مجمل طور پر بیان کرتا ہے اور صرف ان کی اغلاط کی تصحیح پر کفایت کرتا ہے۔مگر جو باتیں ان میں مجمل اور مشتبہ طور پر پائی جاتی ہیں،ان کو کھول کر اور تفصیل سے بیان کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے مفسرین نے اسی اصول کی بنا پر تفسیریں لکھی ہیں۔مگر غلطی یہ ہوئی ہے کہ اکثر کتب مقدسہ کا مطالعہ ہمارے مفسرین نے خود نہیں کیا۔بلکہ اہل کتاب کی اکثر زبانی روایت اور قصص باطلہ کو قرآن کریم کی آیات پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کی نیک نیتی میں شک نہیں۔مگر واقعات کی تحقیق کے لیے صرف اسی قدر کافی نہیں کہ جو بھی قصہ ہمارے کان تک پہنچے،ہم اس کو بلا تحقیق قبول کر لیں۔اور قرآن کریم جیسی مقدس اور مطہر کتاب کی آیات کی تعبیر ان کی بنا پر کرنا شروع کر دیں۔تاہم ہمارے مفسرین کے اس طرز عمل سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم کے گذشتہ شخصیتوں کے تذکروں کو سمجھنے کے لیے اہل کتاب کی کتب مقدسہ سے مدد لینا حرام نہیں،بلکہ نہایت ضروری ہے اور حدیث صحیحہ سے ثابت ہے۔اسی زیر بحث آیت میں اس بستی یا بستی پر گزرنے والے شخص کا کوئی ذکر رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ ہر ایک عن ابن عباسؓ اور عن علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں۔اور محققین کا اس امر میں اتفاق ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر سوائے اس کے جو بخاری میں درج ہو چکی ہے،اور کوئی علیحدہ تفسیر نہیں۔اور ایک تفسیر جو تفسیر عباسی کے نام سے مشہور ہے وہ قطعاً آپ کی تفسیر نہیں۔

مجموعہ احادیث موضوعہ مصنفہ امام شوکانی میں لکھا ہے: **وَمِنْ جُمْلَةِ التَّفَاسِيرِ الَّتِیْ لَايُوْثَقُ بِهَا تَفْسِيْرُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنَّهٗ مَرْوِیٌّ مِنْ طَرِيْقِ الْكَذَّابِيْنَ كَالْكِلْبِیّ وَالسُّدِیّ وَمقتلِ** یعنی تمام تفسیروں میں سے جو نا قابل اعتماد ہیں،تفسیر ابن عباس بھی ہے۔کیونکہ وہ کلبی اور سدی اور مقتل جیسے کذابوں کے طریق پر مروی ہے۔صاحب مجمع البحار اور تفسیر اتقان کی بھی یہی رائے ہے۔پس جہاں تک ہم نے تحقیق کیا ہے اس آیت کی تفسیر میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں،اسی لیے محقق مفسرین نے اہل کتاب کی روایات کو اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔پس اس آیت کی تفسیر کے لیے ان تین باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ:

1۔ اس دنیا میں عدم رجوع موتی قرآن کریم کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔

2۔ اس کی تفسیر میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔

3۔ قرآن کریم کے گذشتہ شخصیتوں کے تذکروں کے سمجھنے کے لیے کسی حدیث صحیحہ کے نہ ملنے کی صورت میں اہل کتاب کی کتب مقدسہ سے استصواب ضروری ہے۔آیت زیر بحث کے متعلق باقی بحث انشاءاللہ آئندہ اشاعت میں کی جائے گی۔(باقی درسلسلہ اشاعت 19 ذوالحجہ 1339ھ)

19 ذوالحجہ 1339ھ

قسط دوم

ترجمۃ القرآن انگریزی اور اخبار اہلحدیث

قَالَ اللّٰه تَعالٰی! اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّعَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا....
الخ(259:2)

مفسرین نے اس گزرنے والے شخص کے جو نام لکھے ہیں، ان میں ایک نام حزقیل ہے
(دیکھو حاشیہ تفسیر جلالین)

1: پس ہمارا یہ کہنا کہ تذکرے کا ہیرو حزقیل ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔

2: اس نام کے اختیار کرنے کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ اہلِ کتاب کی کتبِ مقدسہ سے اس کی تصدیق ثابت ہے۔ باقی کسی نام اوراس کے متعلق اس قسم کے قصہ کی تصدیق ان کتب سے ثابت نہیں۔

3: اس آیت میں جس شخص کا ذکر ہے اس کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ پس فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِاِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ.(43:16) کے آپ ہی کے ترجمہ اور تفاسیر کے لحاظ سے اہلِ کتاب کا فیصلہ مسلّم ہونا چاہئے۔

4: خود قرآن کریم جن گذشتہ شخصیتوں کا تذکرہ مجملاً کرتا ہے، وہ وہی ہوتی ہیں جن کا ذکر سابقہ کتب مقدسہ میں مفصل طور پر موجود ہوتا ہے یا مشہور خلائق ہوتی ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو بتایا جائے کہ ان کی تفسیر کا کیا ذریعہ ہے۔ اس تذکرہ کے متعلق جو حدیث بیان کی جاتی ہے، اس کا ضعف مجاہد، ابن عباسؓ، وہب بن منبہ کے اختلاف تفاسیر سے خود ظاہر ہے۔ اس نام کی تعیین ہو جانے کے بعد ہم اہل کتاب کی کتب مقدسہ کو دیکھتے ہیں، تو حزقیل نبی کی کتاب میں اس تذکرہ کو اس طرح سے لکھا ہوا پاتے ہیں۔

حزقیل باب 37: خدا کا ہاتھ مجھ پر تھا۔ اور اس نے مجھے خداوند کی روح میں اٹھا لیا (یعنی رؤیا میں) دیکھو اس کتاب کا باب 11 آیت 24۔ اس وادی میں، جو ہڈیوں سے بھرپور تھی، مجھے اتار دیا۔ اور مجھے ان کے آس پاس چوگرد پھرایا۔ اور دیکھ کہ وادی کے میدان میں وے بہت تھیں اور دیکھ وے نہایت سوکھی تھیں۔ اور اس نے مجھے کہا کہ اے آدم زاد! کیا یہ ہڈیاں جی سکتی ہیں۔ میں نے جواب میں کہا کہ اے خداوند یہوداہ! تو ہی جانتا ہے۔ پھر اس نے مجھے کہا کہ تو ان ہڈیوں کے اوپر نبوت کر۔ اور ان سے کہو کہ اے سوکھی ہڈیو! تم خداوند کا کلام سنو۔ خداوند یہوداہ ان ہڈیوں کو یوں فرماتا ہے کہ دیکھو میں تمہارے اندر میں روح داخل کروں گا۔ اور تم جیو گے اور تم پر نسیں بٹھلاؤں گا۔ اور گوشت چڑھاؤں گا۔ اور تمہیں چمڑے سے مڑھوں گا۔ سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی۔ اور جب میں نبوت کرتا تھا تو ایک شور ہوا۔ اور دیکھ ایک جنبش اور ہڈیاں آپس میں مل گئیں ہر ایک ہڈی اپنی ہڈی سے، اور جو میں نے نگاہ کی تو دیکھا نسیں اور گوشت ان پر چڑھ آئے۔ اور چمڑے کی ان پر پوشش ہوگئی۔ پر ان میں روح نہ تھی۔ تب اس نے مجھے کہا کہ تو ہوا سے نبوت کر اے آدم زاد اور ہوا سے کہو کہ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ اے سانس تو چاروں ہواؤں میں سے اور ان مقتولوں پر پھونک کہ وے جیئیں۔ سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور ان میں روح آئی۔ اور وے جی اٹھے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ایک نہایت بڑا لشکر۔''

اب غور کیجئے کہ بائبل میں تو حزقیل کہتا ہے کہ ''مجھے خدا کی روح میں اٹھالیا'' اور اس سے مراد رؤیا لیتا ہے اور قرآن کریم انہی الفاظ کو فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَه .(2:259) سے بیان کرتا ہے۔

پس کتبِ مقدسہ سابقہ سے یہ امر ثابت ہو گیا اور اس کی صحیح تفسیر معلوم ہوگئی کہ یہ سارے کا سارا واقعہ رؤیا کا ہے۔ اب رہا ماسٹر غلام حیدر صاحب کا یہ اعتراض ہے کہ چونکہ یہاں نوم یا خواب کا ذکر نہیں، اس لیے اس سے رؤیا مراد نہیں لی جاسکتی۔ حضرت امیر نے لکھا ہے کہ رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے نوم یا رؤیا کا لفظ لانا ضروری نہیں۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ فرماتے ہیں: اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ(12:4) یعنی میں نے گیارہ ستاروں سورج اور چاند کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو یہاں نوم اور رؤیا کا کوئی ذکر نہیں۔ ماسٹر صاحب اس پر اپنی سمجھ اور عقل کا یوں ثبوت دیتے ہیں کہ یہ نابالغ کا کلام ہے۔ اب یہ تو ظاہر

ہے کہ حضرت یوسفؑ کی زبان عربی نہ تھی۔ انہوں نے اپنی شامی زبان میں یہ فقرہ کہا۔ مگر خدا نے بھی اس نابالغ کا کلام بغیر اصلاح ہی درج کر دیا، جو ماسٹر صاحب کی سمجھ میں غلط ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں کفار اور دوسرے لوگوں کی زبان سے بہت سا حصہ بیان کیا گیا ہے۔

پس عربی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے وہ حصہ کلام ماسٹر صاحب کی سمجھ میں یقیناً غلط ہوگا۔ جب ایک نبی کا نابالغی کے سبب غلط فقرہ اسی طرح قرآن میں درج ہوسکتا ہے، تو کفار کا تو بدرجہ اولیٰ غلط ہوگا۔ اب ماسٹر صاحب برائے مہربانی ہمیں بتلائیں کہ کیا وہ اس نتیجہ کے ماننے کے لئے، جو انہی کی مسلمہ اصل سے ثابت ہے، تیار ہیں یا نہیں کہ قرآن کریم کا بہت سا حصہ محاورہ عرب کے خلاف ہے۔ دوسری دلیل ماسٹر صاحب نے یہ دی ہے کہ اس کی تشریح تو بعد میں کر دی گئی ہے کہ وہ رؤیا تھا، مگر سیدھے سادھے ماسٹر صاحب کو یہ پتہ نہیں کہ اسی سے تو ثابت ہوا کہ بغیر نوم یا رؤیا کا لفظ لانے کے بھی، جہاں کسی اصول مسلمہ اور قرآن کریم کی صریح نص کی مخالفت ہوتی ہو، رؤیا مراد لی جاسکتی ہے۔ اگر یوسفؑ کے اس خواب کے متعلق دوسری جگہ رؤیا یا نوم کا استعمال نہ ہوتا تو آپ جیسے بھول بھکڑ اس کے متعلق بھی یہی کچھ لیتے کہ سچ مچ گیارہ ستارے سورج اور چاند آسمان سے اتر کر ان کو سجدہ کرنے آئے تھے۔

غیر احمدی علماء کی شہادت:

اس آیت کی تفسیر میں اس واقعہ کو رؤیا کا واقعہ سمجھنے میں بھی ہم منفرد نہیں۔ مولوی محمد حسن صاحب امروہی مصنف تفسیر غایۃ البرہان اپنی تاریخ تلخیص التواریخ میں لکھتے ہیں کہ بخت نصر نے یروشلم کو تباہ کر دیا تھا۔ اور قوم بنی اسرائیل جنگلوں اور بیابانوں میں ماری ماری پھرتی رہی۔ جس کی وجہ سے وہ بالکل تباہ ہوگئی۔ اور قرآن شریف میں ان کو ہڈیوں سے نامزد کیا گیا ہے۔ (اوران کے گوشت و پوست بالکل نہیں رہے تھے۔ صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں) یعنی وہ شریعت سے محروم اور تمدنی زندگی سے بالکل عاری تھے۔

حضرت محی الدین ابن عربی کی شہادت:

اگر آپ کو یہ رنج ہے کہ ان معنوں کی رو سے آیت میں معجزہ نہیں رہتا۔ اور آپ نے یہی الزام ہم پر لگایا

ہے۔حالانکہ ہم حاشاوکلامعجزات کے منکرنہیں،مگرخواہ مخواہ معمولی واقعات کومعجزات بنانے کے شائق بھی نہیں۔ حضرت مسیح موعودخودفرماتے ہیں۔

معجزاتِ او ہمہ حق اندرواست منکر آں مورد لعنِ خداست

اگرصرف یہی رنج ہےتو سنوحضرت محی الدین ابن عربی بھی اس جرم کا مجرم ہے۔ان کی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر یوں کی گئی ہے۔

جب وہ اس خرابہ بستی پر گزرا۔اوراس کی حالت پر متاسف ہوکر اَنّٰی یُحْیِ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا (259:2) کہا توفَاَمَاتَهُ اللّٰهُ اَتِیُ فَابْقَاهُ عَلٰی مَوْتِ الْجَهْلِ (قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ (11:40) عَلٰی قَوْلٍ وَقَالَ (وَ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ) (28:2)یعنی اس پر جہالت کی موت سوسال تک طاری کردی۔کیونکہ موت درحقیقت ایک ہی دفعہ ہے۔دوسری موت سے مراد جہالت کی موت ہے۔جیسا کہ آیات اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ (11:40) اور وَ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ (28:2) سے ثابت ہےاورحضرت عزیر کے گدھے کی بابت جولکھا جاتا ہے کہ اس کی ہڈیاں رہ گئی تھیں۔اس کا ترجمہ آپ کرتے ہیں وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ (259:2) اَیْ بَدَنِکَ بِحَالِهٖ عَلَی الْوَجْهِ الْاَوَّلِ یعنی حمار سے مراداس کا اپنا ہی جسم ہے۔اس سرتاج اولیاء نے بات کس قدر صاف لکھی ہے کہ قرآن کریم سے موت صرف ایک ہی ثابت ہے۔اور عام طور پر ہرایک کلمہ گو کی زبان سے بطورایک قطعی اور یقینی فیصلہ کے یہ الفاظ اکثر نکلا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مارے گا۔مار کے جلاوے گا۔اور پھر کبھی نہیں مارے گا۔پس جوشخص ایک دفع مر چکا اور پھر زندہ ہو چکا،اس پر دوسری موت کبھی وارد نہ ہوگی۔اوراس کو ہمیشہ کے لیے زندہ رہنا چاہئے۔تو اللہ تعالیٰ کی سنت اور عادت کے خلاف حضرت عزیر پر کس طرح دو موتیں وارد ہوسکتی ہیں۔(باقی بسلسلہ اشاعت26ذی الحجہ 1339ھ)

۞۞۞

19 ذی الحجہ 1339ھ

مسائل حاضرہ پر حضرت امیر کا ایک خط

اخویم قاضی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط پہنچا۔ آپ نے اپنی جماعت کے رویہ کے متعلق سوال کیا ہے۔ اس کا جواب بارہا ہو چکا ہے اور اسی نومبر گذشتہ میں خاص طور پر اس کے متعلق پھر اعلان تازہ ہو چکا ہے کہ ہمارا اصل کام اشاعتِ اسلام ہے۔ اور کوئی جماعت ایک ہی وقت میں مختلف قسم کے کام اگر کرنے لگے، تو اس کے سارے ہی کام ادھورے رہ جائیں گے اور کچھ نتیجہ نہ ہوگا۔ اشاعتِ اسلام کا کام بھی فی الحقیقت سب کاموں پر مقدم ہے اور اس زمانہ میں اور ان حالات کے ماتحت، جن میں ہم ہیں، مسلمانوں کی بہتری اور اسلام کی خدمت کا اس سے بہتر کوئی کام نہیں۔ ہم جس حالت میں ہیں، اس کام کو کر سکتے ہیں۔ دوسری راہوں پر چل کر ہماری کامیابی یقینی نہیں۔ مگر اشاعتِ اسلام کے ذریعہ سے یہ کامیابی یقینی ہے۔ حصولِ بادشاہت کے لیے جدوجہد قومی نقطہ نگاہ سے سب سے بڑی چیز ہے۔ مگر قرآن وحدیث کی رو سے یا اسلامی نقطہ نگاہ سے دعوت الی الاسلام ہی ایک مسلمان کی زندگی کا نصب العین ہونا چاہیئے۔ حق اور نیکی کا دنیا میں پھیلانا یہی اصل کام انبیاءؑ کا تھا، جو ان کو دوسرے سب انسانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ حصولِ بادشاہت اس کے مقابل میں ایک ادنیٰ چیز ہے۔ گو بجائے خود یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کی تحقیر کی جائے۔ ہم اگر اس کوشش میں شریک ہوں گے، تو یہ ظاہر ہے کہ ہماری طاقت بھی اس پر صرف ہوگی۔ اور ایک مٹھی بھر آدمی، جو اس وقت دعوت الی الاسلام کے کام پر لگے ہوئے ہیں، ان کی توجہ اپنے اصل کام سے ہٹ جائے گی۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اس دوسری جدوجہد میں تو چند افراد کی شرکت سے کوئی تقویت پیدا نہ ہوگی، مگر دعوت الی الاسلام کا کام بالکل برباد ہو جائے گا۔ اور عنداللہ اور عندالناس ہم جواب دہ ہوں گے کہ ہم نے اس کام کو، جس پر اللہ تعالیٰ کے ایک مامور کے ساتھ اقرار کر کے ہم لگے تھے، اس طرح تباہ کر دیا!

یہ سچ ہے کہ سیاسی خیالات کی رَو بہت تیز ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس کا نفع عاجل ہوتا ہے۔ یعنی اس سے فوری فوائد کی امید ہوتی ہے۔ مگر بجائے اس کے کہ ہم اس میں بہہ جائیں، یہ وقت ہے کہ ہم اپنے مسلمان

بھائیوں کو یہی سمجھائیں کہ اسلام کی کامیابی اس وقت صرف دعوت الی اسلام کے کام کو زندہ کرنے اور اس پر زور دینے میں ہے۔ جس قدر قوت ہندوستان کے مسلمانوں کی گذشتہ سال میں حصول بادشاہت کے لیے صرف ہوئی ہے، اگر اس کا دسواں حصہ بھی دعوت الی الاسلام کے کام پر صرف ہوتا، تو اس سے دہ چند سے بھی زیادہ مفید نتائج پیدا ہوتے۔ صرف اشاعتِ اسلام کے ذریعہ سے ہی مسلمان اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اور یہی آج اسلام کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ احتیاج ایک قوم کی ہو یا دوسری کی، آخر کار کسی اچھے نتیجہ پر نہیں پہنچاتی۔ گو یہ راہ سہل ضرور ہوتی ہے۔

مہاتما گاندھی بڑے انسان ہیں، اخلاص سے کام کرتے ہیں، سیاسی تحریک میں ان کی رہنمائی سے ملک کو بڑا فائدہ ہوا ہے۔ مگر ہم مسلمانوں کے لیے ایک ایسا رہنما موجود ہے، جس کی عظمت کا اعتراف مہاتما گاندھی کو بھی ہے۔ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ کاش! مسلمان ہر ایک مسئلہ کو قرآن وحدیث سے لیتے۔ ان کی تمام مشکلات کا حل وہاں موجود ہے۔ اور یوں سیاسی تحریک میں سب اپنی جگہ کھڑے ہو کر اور اپنی ہستی کو قائم رکھ کر مہاتما گاندھی کے معاون ہوتے، تو بہت سی غلطیوں سے بچ جاتے۔ کیا اسلام یہ نہیں سکھاتا کہ دنیا کے لوگوں سے عزت مت طلب کرو۔ کیا قرآن کریم میں بالوضاحت یہ لفظ موجود نہیں اَيَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا. (139:4) یہ ان سے یعنی کفار سے عزت کے طالب ہوتے ہیں۔ عزت سب اللہ کے لیے ہی ہے۔ تو اس ہدایت کی رہنمائی کے ماتحت ہم خطابات کی خواہش کو اپنے دل سے نکال دیتے۔ ہاں! اگر بغیر اس خواہش کے دل میں آنے کے کسی کو مل جائے، تو اس کو برا کہنا بھی ہمارا شیوہ نہ ہوتا۔ کیا اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا کہ ہم قرآن وحدیث کے مطابق اپنے فیصلے کریں۔ تو اس تعلیم کے مطابق ہم مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرتے کہ قرآن شریف وحدیث پر وہ عامل ہوں۔ کیا اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا کہ ہم اپنی خوراک میں، لباس میں، رہائش میں سادگی کا طریق اختیار کریں، مگر ساتھ ہی وہ یہ کہہ کر تفریط سے بھی بچاتا ہے مَنۡ حَرَّمَ زِيۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ (32:7) اچھا لباس اچھی خوراک حرام نہیں، ہاں مسلمانوں کو سب سے بڑھ کر ضرورت ہے کہ وہ سادگی کو اختیار کر کے اپنی آمدنی سے بچے ہوئے روپے کو اعلاء کلمۃ الحق اور قوم کی بہتری پر خرچ کریں۔ مگر ہدایت قرآن وحدیث سے ہی طلب کریں۔ نمونہ رسول اللہ ﷺ کو ہی سمجھیں۔ ہمیں وہ لباس کی سادگی بکار نہیں، جس سے بادشاہت مل جائے۔ اور پھر

ہم اس سے آزاد ہوں۔ بلکہ وہ سادگی بکار ہے جس پر بادشاہت کی حالت میں بھی ہم قائم رہ سکیں۔ کسی خاص کھانے کا کھانا، کسی خاص کپڑے ہی کا پہننا، اسلام کی تعلیم میں داخل نہیں۔ لیکن ملکی یا قومی فائدہ کے لیے ہم اگر ملکی کپڑا ہی استعمال کریں، تو یہ اسلام کی تعلیم کے خلاف بھی نہیں اور ملک یا قوم کے فائدہ کا کام کرنا ہے اور ایک متوطن ملک یا فردِ قوم کا فرض بھی ہے۔

باقی رہے حکومت کے اور ہمارے تعلقات، سو ہم اس مسلک پر قائم ہیں کہ جب تک اس حکومت کے ماتحت ہیں، اس کے قوانین کی فوجداری ہوں یا دیوانی، ہم پر پابندی لازم ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی قانون ہمیں قرآن وحدیث کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کرے، جس کا تعلق ہماری ذات سے ہو اور اس صورت میں بھی ہمیں ہجرت کرنی چاہیے۔ مگر وہ حالات اس ملک میں پیدا نہیں ہوئے، جن کے پیدا ہونے پر ہجرت ضروری ہو جاتی ہے۔ رہا یہ کہ حکومت کی طرف سے بعض افعال ایسے ہوتے ہیں، جو ہمیں ناپسند ہیں، یہ صحیح ہے، مگر یہ ناگزیر ہے۔ والسلام۔

۞۞۞

غیر از جماعت امام کی اقتدا نماز پر حضرت امیر کا ایک مکتوب

لفظ ''غیر احمدی'' کے استعمال پر اور نماز دوسروں کے پیچھے نہ پڑھنے پر آپ نے ہمارے طریق عمل کو صحیح قرار نہ دے کر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ گویا عملاً ہم دوسروں کو خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔ اس کے متعلق میں اب کچھ لکھوں، تو اس قدر تفصیل بکار ہے کہ لمبا خط ہو جائے گا۔ میں خود کل صبح لاہور پہنچوں گا۔ پیر کے دن آپ کوئی وقت نکال سکیں، تو ان معاملات پر گفتگو سے زیادہ روشنی پڑے گی۔ یہ تو آپ کو علم ہے کہ ''غیر احمدی'' لفظ کو ترک کرنے کے لیے کوشش کی گئی تھی۔ یہ بھی آپ کو علم ہے کہ حضرت مسیح موعود نے یہ اصطلاح قائم نہیں کی، بلکہ خود بخود قائم ہو گئی۔ لوگ محض سہولت کے لیے اس لفظ کو استعمال کر لیتے ہیں۔ مسلم، مسلمان، محمدی۔ یہ تین لفظ ہیں، جو مسلمانوں یا غیر مسلموں نے بطور نام مسلمانوں کے لیے استعمال کیے ہیں۔ اس لیے ''غیر مسلم''، ''غیر مسلمان''، ''غیر محمدی'' الفاظ سے تو بیشک یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ دوسروں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جاتا ہے۔ مگر ''احمدی'' نام آج تک نہ کسی مسلمان نے اور نہ ہی کسی غیر مسلم نے مسلمانوں کے لیے استعمال نہیں کیا۔ اس لیے ''غیر احمدی'' سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ''احمد'' آنحضرت ﷺ کا ہی اسم مبارک ہے۔ مگر ''احمدی'' لفظ کبھی بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ اور ''محمدی'' کی طرح یہ ''مسلم'' کے قائمقام نہیں سمجھا گیا۔ اس لیے جب حضرت مرزا صاحب نے ''احمدی'' لفظ کو خصوصیت سے اپنی جماعت کے لیے اختیار کیا، تو ''غیر احمدی'' سے بھی مراد سوائے ''غیر جماعت احمدی'' اور کچھ نہیں۔ اگر اب بھی مسلمان ''احمدی'' لفظ کو عام طور پر اپنے لیے استعمال کرنا شروع کر دیں، تو بلا شبہ میں کہوں گا کہ کسی احمدی کے لیے ''غیر احمدی'' کا استعمال غیر جماعت احمدی پر بالکل ناجائز ہوگا۔ پس مغالطہ اور عدم جواز کا سوال تو اٹھ جاتا ہے، البتہ یہ میں خود بھی پسند کرتا ہوں کہ ''غیر احمدی'' کا لفظ ترک کیا جائے۔ دقت یہ ہے کہ عام بول چال میں جب ایک لفظ آ جائے، تو اس کا ترک آسان نہیں ہوتا۔

دوسرا سوال نماز کا ہے۔ گو اس بات سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ بعض مسلمان فرقے ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ حالانکہ ایک دوسرے کو کافر یا خارج از اسلام بھی قرار نہیں دیتے۔ تاہم حضرت مسیح موعود

نے اس بنا پر نماز کو الگ نہ کیا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ علماء کا فتویٰ کفر پر اصرار تھا۔ اس لیے (اور یہ بات بھی آپ کے علم میں غالبًا ہو گی) حضرت مولوی نور الدین صاحب نے ہی یہ فتویٰ دیا تھا کہ ہندوستان سے باہر چونکہ ہم پر کفر کا فتویٰ نہیں، اس لیے وہاں نماز دوسروں کے پیچھے پڑھ لی جائے اور ہندوستان میں بھی حضرت مسیح موعود کی تحریر موجود ہے کہ ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے، جو کفر کا فتویٰ دینے والوں سے علیحدگی کا اعلان کریں۔ اور حضرت مولوی نور الدین صاحب نے اس بنا پر ایسے لوگوں کے پیچھے بھی نماز کے ادا کرنے کی اجازت دی، جو سلسلہ سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ اب اصل میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف ان لوگوں کی طرف سے، جو درمیانی حالت میں ہو کر فتویٰ کفر کو اٹھوا سکتے ہیں اور کوشش نہیں کرتے۔ ورنہ سارا معاملہ صاف ہو جائے۔

آخر میں یہ کہوں گا کہ گو جو شخص مرزا صاحب کے مخالفین مکفرین کو کافر نہیں کہتا، اسے کافر کہنا ناجائز ہے، تاہم وہ بھی، جو مرزا صاحب پر کفر کے فتوے کو نظرِ استحسان سے دیکھتا ہے، اس قابل نہیں کہ ہم اس کے پیچھے نماز ادا کریں۔ یہ غیرت کا سوال ہے۔ والسلام۔

۞۞۞

اختلافی مسائل پر حضرت امیر کا ایک دوست کے نام خط

اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا رجسٹری شدہ خط اور اس کے بعد کارڈ ملا۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہ آپ کا اطمینان ہوگیا۔ اگر یہ جھگڑا محض خلافت کا ہوتا، تو اس پر ہماری طرف سے کبھی کوئی اختلاف نہ ہوتا، لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد حقیقی نبی قائم کرنا، جیسے میاں صاحب کر رہے ہیں، اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج مانتے ہیں، یہ دونوں ایسے گھناؤنے عقیدے ہیں کہ ان کو دور کرنے کی کوشش نہ کرنا ایک عظیم الشان فتنہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے پھیلتا دیکھ کر خاموش ہو رہنا ہے، جو گناہ ہے۔ آج اگر میاں صاحب ان غلط عقائد سے توبہ کر لیں۔ اور حضرت صاحب کی نبوت کو محض ظلی، بروزی، لغوی، مجازی نبوت مانیں، جس کا دوسرا نام محدثیت ہے، جس کا اقرار خود حضرت صاحب نے فرمایا کہ جن لوگوں کو یہ لفظ گراں گزرتے ہیں، اس کی جگہ لفظ محدث سمجھ لیں، میری مراد سوائے اس کے کچھ نہیں، تو سلسلہ کا اختلاف دور ہوسکتا ہے۔ لیکن میاں صاحب نے صاف الفاظ میں حقیقی نبوت کو حضرت صاحب کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور حضرت صاحب کے نام سے بے خبر لوگوں کو حتیٰ کہ آپ سے حسن ظن رکھنے والوں کو بھی کافر قرار دیا ہے۔ گویا کلمہ **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ** سے اب کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ جس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ یہ کلمہ آج اسی طرح منسوخ ہے جس طرح حضرت عیسیٰؑ کا کلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور پر منسوخ ہوگیا تھا۔ گویا دین بدل گیا!

رہا یہ کہ ہم بھی لفظ نبی اور رسول کا لکھتے رہے ہیں۔ اور حضرت صاحب خود بھی لکھتے رہے ہیں۔ اس سے ہمیں انکار نہیں۔ انکار ہمیں صرف یہ ہے کہ حضرت صاحب اس سے مراد جزوی نبوت یا مجازی نبوت لیتے تھے۔ جیسا کہ ''حقیقت الوحی'' میں بھی موجود ہے: **سُمِّیۡتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیۡقِ الۡمَجَازِ لَا عَلٰی وَجۡہِ الۡحَقِیۡقَۃِ** یعنی میرا نام اللہ کی طرف سے مجاز کے طور پر نبی رکھا گیا، نہ حقیقت کے طور پر۔ حضرت صاحب تو بار بار لکھتے ہیں کہ میری تحریر میں لفظ نبی سے دھوکا نہ کھانا۔ اس سے مراد محض مجازی معنی ہیں۔ اور اب بانگ دہل یہ

اعلان ہو رہا ہے کہ حضرت صاحب حقیقی نبی ہیں۔ میری تحریر میں لفظ نبی اگر آیا ہے، تو اس سے وہی مراد لے کر آیا ہے، جو حضرت صاحب نے مفہوم قرار دیا تھا۔ اب انکار اس مفہوم سے ہے جو میاں صاحب قرار دیتے ہیں۔ جس کے لیے انہیں یہ کہنا پڑا کہ 1901ء سے پہلی کی تحریریں منسوخ ہیں۔ کاش! ان کی ساری جماعت میں سے ایک متقی اہل علم قسم کھا کر کہتا کہ حضرت صاحب کی زندگی میں بھی وہ 1901ء سے پہلے کی تحریروں کو منسوخ سمجھتا تھا، تو ایک ادنیٰ سا عذر اس کے ہاتھ میں ہوتا۔ مگر جس بات پر اتنی شہادت بھی نہیں، اسے کون عقلمند قابل قبول قرار دے سکتا ہے؟ پھر یہ عقیدہ بنانا پڑا کہ حضرت صاحب بارہ سال تک اپنے دعویٰ کو نہیں سمجھے۔ پھر اس سے ترقی کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی چھ سال تک اپنے دعوے کو نہ سمجھے تھے اور اپنی نبوت کا انکار کر دیا کرتے تھے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اَلَیۡهِ رَاجِعُوۡنَ (156:2)۔ باقی نبی تو شاید ساری عمر میں نہ سمجھے ہوں گے!

پھر میں کہتا ہوں کہ لفظ نبی کا استعمال اگر ہماری تحریروں میں ہے، تو دوسری طرف ان لوگوں کی طرف سے، جنہیں مخالفین کے جواب دینے پڑتے تھے، 1912ء تک یہ صاف تحریر بھی تو موجود ہے کہ حضرت صاحب کا دعویٰ نبوت کا نہیں، بلکہ محدثیت کا ہے۔ اور آپ نے صرف لغوی معنی میں لفظ نبی کا اطلاق اپنے اوپر کیا۔ یعنی پیشگوئی کرنے والے کے معنے ہیں۔ مفتی محمد صادق کی 1910ء یا 1911ء کی یہ تحریر ہے۔ مولوی سرور شاہ کی اس زمانہ کی ایسی ہی تحریر ہے۔ مولوی محمد سعید حیدر آبادی کی 1904ء کی ''کتاب انوار اللہ'' میں صاف لفظ ہیں کہ حضرت صاحب کا دعویٰ نبوت کا نہیں، محدثیت کا ہے۔ ایسا ہی جس قدر مصنفین سلسلہ احمدیہ میں ہیں، ان سب نے، جب مخالفین کے مقابل پر لفظ نبی کی تشریح کی، تو صاف اقرار کیا کہ اس سے مراد محدثیت ہے۔ میں نے ابھی ایک ٹریکٹ لکھا ہے۔ جس میں چھ ایسے مصنفین کی تحریریں نقل کی ہیں۔ ایک دو ہفتہ میں وہ بھی آپ دیکھ لیں گے۔ مطبع میں ہے۔ مجھے اس بات سے قطعاً رنج نہیں ہوتا کہ ہمارے احباب جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے دریافت کر لیں۔ بلکہ اس سے خوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص اپنے عقیدہ کا ذمہ دار ہے۔ اس لیے اسے خود غور کرنا اور سمجھ لینا چاہیئے۔ ہاں! اپنی مشکلات کو مناسب طور پر پیش کر دینا چاہیئے۔ دل میں رکھنا بہت بُرا ہے۔ اس لیے اگر دریافت کیا، تو اچھا کیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حکیم صاحب سے گفتگو سے بات صاف بھی ہوگئی۔ اگر کبھی کوئی دقت پیدا ہو تو بیشک آپ اسے صاف کر لیا کریں۔ ہم اللہ کے فضل سے وہ بات منواتے ہیں جس کے کھلے دلائل

اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ اور ہمیں اگر افسوس ہے تو یہ کہ میاں صاحب نے اپنے مریدین کو ہماری تحریریں پڑھنے سے روکا ہوا ہے۔ ورنہ یہ مسئلہ کبھی کا صاف ہو گیا ہوتا۔

❁❁❁

26 ذی الحجہ 1339ھ

قسط سوم

ترجمۃ القرآن انگریزی اور اخبار اہلحدیث

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّعَلٰی قَرْیَۃٍ وَّھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ قَالَ کَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانْظُرْاِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّہْ وَانْظُرْاِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجْعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْاِلَی الْعِظَامِ کَیْفَ نُنْشِزُھَا ثُمَّ نَکْسُوْھَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (259:2)

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر خازن اور معالم دونوں میں وہب بن منبہ کی روایت کی بنا پر مذکورر ہے: ’’وَاَلقٰی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ النَّوْمَ فَلَمَّا نَامَ نَزَعَ اللّٰہُ مِنْہُ الرُّوْحَ فَمَاتَ مِائَۃَ عَامٍ‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پر نیند طاری کر دی۔ پس جبکہ وہ سو گیا تو اس کی روح کو اللہ تعالیٰ نے کھینچ لیا۔ پس وہ سو سال مرا رہا۔ اس روایت پر ادنیٰ غور و تامل کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ایک خواب کا واقعہ ہے۔ اور ماسٹر غلام حیدر صاحب کا یہ کہنا کہ یہاں نوم اور رؤیا کا کوئی ذکر نہیں، اس لیے اس واقعہ کو نیند کا واقعہ نہیں کہا جا سکتا، غلط محض ہے۔ کیونکہ ان کے مسلمہ مفسرین خود اس واقعہ سے پہلے اس پر نیند کا طاری ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ فَلَمَّا نَامَ نَزَعَ اللّٰہُ مِنْہُ الرُّوْحَ فَمَاتَ مِائَۃَ عَامٍ (معالم اور خازن) یعنی جب سو گیا اور عالم رؤیا میں چلا گیا تو اس عالم میں اس پر سو سال کی موت طاری ہوئی رہی۔ اور یہ کون نہیں جانتا کہ رؤیا یا خواب میں صدیوں کا عرصہ چند منٹوں میں بھی گزر جایا کرتا ہے۔

پس اصل حقیقت صرف اس قدر ہے کہ حضرت حزقیل نے بیت المقدس کی تباہی اور بربادی پر افسوس

کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس ویران شدہ اور مردہ ہڈیوں کی بستی کو کب یا کیسے زندہ کرے گا؟

ایک نکتہ: حضرت حزقیل کے اس سوال یعنی اَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا (259:2) میں لفظ اَنّٰی کے معنی اردو میں کب اور کیسے دونوں ہو سکتے ہیں۔ ان کی مراد یہ بھی ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو کب یعنی کتنے عرصہ کے بعد زندہ کرے گا اور یہ بھی کہ ایسے گئے گزرے لوگوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ (بطور تعجب کے کہا) اللہ تعالیٰ نے دونوں باتوں کا جواب دے دیا۔ اس کو یہ بھی بتا دیا کہ سو سال کے بعد آباد کر دے گا۔ اور اس نیند کے بعد اٹھنے کی طرف اشارہ کر کے عقلی دلیل بھی دے دی کہ نیند فی الحقیقت بعثت بعد الموت کے لیے ایک بیّن دلیل ہے۔

نینداور موت میں اشد مشابہت

نیند موت کے ساتھ ایک اشد مشابہت رکھتی ہے۔ یہ امر قرآن کریم کی نص صریح اَللّٰہُ یَتَوَ فَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا (42:39) سے ثابت ہے اور حدیث نبوی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا'' سے بھی یہی ظاہر ہے۔ اور اس حدیث نے تو یہ بھی فیصلہ کر دیا کہ لفظ موت نوم کا لفظ لائے بغیر بھی نیند پر دلالت کر سکتا ہے۔ کیا اس دعا میں کہیں نوم ونعاس کا ذکر ہے؟ تاہم معنی نیند کے ہی ہیں۔ کیا ماسٹر غلام حیدر صاحب اس کے معنی بھی یہی کریں گے کہ ہر شخص فی الواقعی ہر رات کو مر کر صبح زندہ ہوتا ہے۔ یا یہ کہ اس دعا میں موت کے معنی نیند ہیں۔

الغرض نیند اور موت میں باہم ایک مشابہت ہے۔ اور یہ ایسی شدید مشابہت ہے کہ اس نے دونوں لفظوں میں مشارکت معنوی بھی پیدا کر دی ہے۔ اور یہ امر کہ نیند یا نوم بعث بعد الموت کے لیے ایک عقلی دلیل ہے، اس آیت ''اَللّٰہُ یَتَوَ فَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا... الخ 42:39) سے ثابت ہے۔ کیونکہ اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ. (3:13) اس کے ماتحت تفسیر خازن میں لکھا ہے: وَذٰلِکَ ان توفی النفس النائم و ارسالھا بعد التوفی دلیل علی البعث ۔روح کا نیند میں قبض ہونا اور جاگنے پر واپس آنا بعث بعد الموت کے لیے بطور دلیل کے ہے۔ تفسیر کبیر میں علامہ رازی اسی آیت کے ماتحت لکھتے ہیں: ان الموت والنوم من جنس واحد اِلَّا ان الموت انقطاع تام کامل والنوم انقطاع

ناقص من بعض الوجوہ۔موت اور نیند ایک ہی جنس سے ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ موت انقطاع تام اور کامل کا نام ہے۔اورنوم بعض وجوہات سے انقطاع ناقص کا۔اسی لیے عرب النوم اخ الموت یعنی نیندکوموت کا بھائی کہتے ہیں۔

یہ ایک عالمِ رؤیا کا واقعہ ہے

پس اس لیے یہ کہنا کہ اس شخص پر سو سال کی موت ہی وارد کر دی گئی تھی، چنداں مفید مطلب نہیں۔ خصوصًا اس صورت میں کہ سو سال کی موت کے بعد بھی ''اپنے مرنے سے بے خبر ہی رہا'' (تفسیر ثنائی) اور اس کا یقین دلانے کے لیے مردہ گدھے کو زندہ کرنا پڑا۔اور سچ تو یہ ہے کہ کسی مردہ اور سوئے ہوئے کو اپنی موت اور نیند کا اس حالت میں احساس ہو ہی نہیں سکتا۔اور نہ اس حالت سے نکل آنے کے بعد ہی پتہ چل سکتا ہے کہ آیا وہ سویا ہوا تھا یا مرا ہوا۔پس کسی کو مار کر زندہ کر دینا، یا سلا کر جگا دینا خود اس شخص کے لیے ایک ہی بات ہے۔کیونکہ قوائے شعور یہ دونوں صورتوں میں باطل رہتے ہیں۔پھر سو سال کی موت، اور ایک دن یا دن کے کچھ حصہ کی موت، مرنے والے کے لیے دونوں برابر ہیں۔اس کو تو اپنی موت کے نہ سو سال کا پتہ لگ سکتا ہے اور نہ ایک دن کا۔ جب تک کہ اس کے لیے کوئی اور دلیل نہ دی جائے کہ وہ فی الواقعی سو سال ہی مرا رہا ہے۔

پس! ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کو اپنی سنت جاریہ اور کلام الٰہی کی خلاف ورزی سے فائدہ ہی کیا ہوا؟ پس اصل واقعہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر نیند طاری کر دی۔اور عالم رؤیا میں اس پر سو سال بھی گزار دیئے۔ خواب میں تو بعض اوقات انسان صدیاں گزرتی ہوئی دیکھ لیتا ہے۔اس کے بعد جب اس کو اٹھایا تو اس سے دریافت کیا کہ تو اس عالم رؤیا میں کتنی دیر رہا۔اللہ تعالیٰ کا اس سے یہ سوال کرنا ہی بتلاتا ہے کہ اس کو اس حالت میں بھی ایک شعور حاصل تھا۔اگر وہ مرا ہی رہا تھا کہ جس سے شعور کلی طور پر باطل ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کا اس سے یہ سوال ہی کرنا لغو معلوم ہوتا ہے۔اس کو تو سرے سے مرنے کی ہی خبر نہیں۔اور یہاں موت کی میعاد کا سوال ہو رہا ہے۔پس! اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اسے اس حالت میں بھی ایک شعور حاصل رہا ہے، تو ہی اس نے اس کی مدت کا بھی سوال کیا۔ورنہ یہ ایک لغو بات ہے کہ اس کو اپنی موت کا ہی یقین نہیں۔اور یہاں موت کی مدت کا سوال ہو رہا ہے۔غرض اس بحث سے یہ ظاہر ہے کہ وہ ایک ایسی حالت میں رہا ہے کہ جس میں ایک قسم کا شعور حاصل ہوتا

ہے۔اور وہ یقیناً عالم رؤیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اس امر کے ثابت ہو جانے کے بعد کہ یہ واقعہ عالم رؤیا کا واقعہ ہے، ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو اس حالت میں کتنی دیر رہا۔ تو اس نے جواب دیا لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ یعنی میں تو اس حالت میں ایک دن بلکہ دن کا کچھ حصہ ہی رہا ہوں۔ اب اگر یہ عالمِ رؤیا کا ہی تذکرہ تھا، تو اللہ تعالیٰ نے بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ (259:2) کیوں فرمایا کہ جس سے بظاہر اس بات کی تردید کر کے اس کے لَبِثْتَ کی میعاد سو سال بتلائی ہے۔ مگر یہ شبہ حرف بَلْ کے معنوں میں غلطی کھا جانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ بلاشبہ حرف بَلْ حرف اضراب ہے۔ مگر یہ صرف پہلے جملہ کی تردید کے لیے نہیں آتا۔ خصوصاً اس صورت میں جب کہ اس کے ساتھ کوئی اور حرف نفی موجود نہ ہو۔ قرآن کریم میں آتا ہے: وَلَدَیْنَا کِتٰبٌ یَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ. بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا (63-62:23) ''ہمارے ہاں سچ سچ بتلا دینے والی کتاب ہے۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ مگر ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں۔'' ایک دوسری جگہ فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی. وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی. بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا. (16-14:87) ''جس نے پاکیزگی اختیار کی وہ فلاح پا گیا اور اپنے رب کا ذکر کیا پھر نماز پڑھی۔ مگر وہ تو دنیا کی زندگی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔'' ان آیات میں حرف بَلْ صرف ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف منتقل ہونے کے لیے آیا ہے۔ بلکہ شرح کافیہ ابن مالک میں یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم میں بَلْ صرف انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور حرف نفی کے بغیر اکثر اس کے معنی حرف عطف کے ہی ہوتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے یہاں بَلْ کے معنی صرف اور کے ہوں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے مدت لبث کی بابت پوچھا تو اس نے کہا کہ دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حرف نفی لا کر اس کے قول کی تردید نہیں کی، بلکہ حرف بَلْ لا کر یہ بتلایا کہ یہ ٹھیک ہے کہ تو دن یا اس کا کچھ حصہ ہی اس حالت میں رہا ہے، مگر ایک حیثیت سے (یعنی عالم رؤیا میں) سو برس بھی تو رہا ہے۔ اور ہمارے پوچھنے کا مطلب یہی ہے کہ جس کے اندر اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا (259:2) کا جواب ہے۔ یعنی سو سال کے بعد یہ شہر پھر آباد ہو جائے گا۔

صد سالہ موت کے خلاف اور زبردست دلیل

فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمۡ یَتَسَنَّہۡ وَانۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِکَ (259:2) اپنے کھانے پینے کی چیز اور گدھے کو دیکھو۔ ان پر تو کوئی سن وسال گزرا ہی نہیں۔ آیت کے اس ٹکڑے میں ایک لفظ یَتَسَنَّہۡ بڑا قابل غور ہے۔ تفسیر کبیر میں اس لفظ کے مادہ اور ماخذ پر بحث کرنے کے بعد آخر کنہائی (مشہور قاری) کے معنوں کو ترجیح دی گئی ہے اور لکھا ہے کہ و **اصل معنی لَمۡ یَتَسَنَّہۡ اَیۡ لَمۡ یَأتِ عَلَیۡہِ السُّنُوۡن** یعنی اس پر سال نہیں گزرے۔ اب بہ ادنیٰ تامل یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ آیت کا یہ ٹکڑا صد سالہ موت کے فرضی قصہ کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیتا ہے۔ خواہ لَمۡ یَتَسَنَّہۡ کے معنی چیزوں کے سڑنے اور متغیر ہو جانے کے لیے جائیں یا سال گزرنے کے۔ اب اگر بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَۃَ عَامٍ میں اس کے ایک آدھ دن ہی رہنے کی تردید کی گئی تھی اور سو سال مرے رہنا بیان کیا تھا، تو ثبوت سو سال گزرنے کا دینا چاہیئے تھا، نہ کہ اس کے خلاف ایسی بات کی طرف اشارہ کرنا، کہ جس سے سال گزرنے کی الٹی تردید ہوتی ہو۔ اور اسی شخص کے قول کی تائید ہوتی ہو کہ میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہی اس حالت میں رہا ہوں۔ ان معنوں میں کل مفسرین کا اتفاق ہے۔ اور اسی سے صد سالہ موت کی تردید ہوتی ہے۔ ان چیزوں کی طرف، جو ظاہری دنیا کی چیزیں ہیں، اشارہ کرنا اور یہ کہنا کہ ان پر سال نہیں گزرا۔ اور ادھر اس کو سو سال کا لبث بتانا صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ ظاہر دنیا میں تو اس پر ایک آدھ دن ہی گزرا ہے۔ مگر اس ظاہری عالم کے علاوہ ایک اور عالم ہے کہ جس کے لحاظ سے سو سال گزرا ہے۔ اور وہ عالم رؤیا کے سوا اور کوئی عالم ہو نہیں ہوسکتا۔ اور اس کو اس سے یہ بھی بتلانا مقصود ہے کہ قومی زندگی کا ایک آدھ دن بھی سو سال کا دن ہوتا ہے۔ کوئی قوم ایک دن میں ترقی نہیں کرسکتی۔ اس کے لیے سو سال کی لگاتار جدوجہد بکار ہوتی ہے۔

گدھے کا قصہ

اس سارے فرضی قصے کی جان ایک گدھا ہے۔ جس کی ہڈیوں کے اکٹھا ہو جانے اور اس پر گوشت و پوست چڑھ جانے کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی حضرت عزیر کو اللہ تعالیٰ نے اس کے مر کر زندہ ہو جانے کی دلیل یہ دی کہ ایک گدھا جو سو سال سے مرا پڑا تھا اور اس کی ہڈیاں امتداد زمانہ کے سبب سفید ہو چکی تھیں۔ ان ہڈیوں کو جمع کر کے اور اس کا ڈھچر ٹھیک بنا کر اس پر گوشت اور پوست کی پوشش پہنا دی۔ اور یہ گدھا

گویا خود اس کے مر کر جی اٹھنے کا ثبوت ہو گیا۔ اس قصے کی لغویت بہ ادنیٰ غور خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔

یہ تو ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس کو اپنی موت کا اور خصوصاً صد سالہ موت کا، احساس کسی صورت ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اور نہ وہ اپنی اس حالت میں نیند اور موت کے فرق کو سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ اس حالت سے نکل آنے پر اس نے خود اپنی موت سے لاعلمی ظاہر کی۔ اب مصیبت یہ آ پڑی کہ جس بات کو سمجھانے کے لیے یہ صد سالہ شعبدہ دکھایا گیا، وہ بات تو اس کی سمجھ میں آنے سے رہی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ خدا نے جب اس کو یہ کہہ دیا کہ ہم نے تجھ کو سو سال مارے رکھا ہے اور اب زندہ کیا ہے، تو وہ نبی ہو کر اس کا انکار کیونکر کر سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو پہلے ہی کہہ دیتا کہ وہ اس بستی کو سو سال کے بعد آباد کر دے گا، تو کیا اس نبی کو یقین نہ آ جاتا۔ سو سال تک اس طرح مارے رکھنے سے فائدہ کیا ہوا کہ جس سے اس کو اپنی موت اور بعثت کا علم تک نہ ہوا۔ ثانیاً یہ کہ پہلے تو صرف اس کا ایک سوال تھا۔ یعنی اس بستی کو اللہ تعالیٰ کب یا کیسے آباد کرے گا؟ اب دوسرا سوال اور پیدا ہو گیا کہ کیا میں بھی مر کر اٹھا ہوں یا نہیں، یا مجھے اللہ تعالیٰ نے مار کر کس طرح زندہ کیا ہے؟ اب اس پر ایک تیسری بات بنانا پڑی۔ یا اللہ تعالیٰ کو بھی گویا اپنی غلطی معلوم ہو گئی کہ اس کے سوال کا جواب دینے کے لیے اس کو مارنے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اس کے سامنے کسی اور کو مارنا اور زندہ کر کے دکھانا چاہیے تھا، تو اس پر خداوند عالم نے اس کے گدھے کی ہڈیوں کو اکٹھا کر کے اس پر گوشت پوست چڑھا دیا۔ اور اس طرح سے اس گدھے کی دوبارہ زندگی گویا اس بستی اور اس شخص کے مر کر زندہ ہو جانے کا ایک ثبوت ہو گیا۔ مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کو مارنے کی بجائے پہلے ہی گدھے کو مار کر کیوں نہ دکھا دیا۔ تا کہ اس ایک ہی دلیل سے اس بستی کا آباد ہو جانا اور اللہ تعالیٰ کا اس شخص کو مار کر زندہ کر سکنا بھی ثابت ہو جاتا۔ خیر یہ تو معارضات عقلی ہیں، جن پر غور کرنا بھی شاید ماسٹر صاحب پسند نہ کریں۔ اس لیے اب ہم آیت پر ہی غور کرتے ہیں کہ کیا اس سے گدھے کا مر کر زندہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ آیت زیر بحث میں الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں: **فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّہْ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجْعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ کَیْفَ نُنْشِزُھَا ثُمَّ نَکْسُوْھَا لَحْمًا** (2:259) اس ترتیب عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ **وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ** کا تعلق **لَمْ یَتَسَنَّہْ** والے جملہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ **حِمَارِکَ** کے آگے وقف پڑا ہوا ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا تعلق کسی اگلے

جملے سے نہیں، بلکہ ایک بات یہاں ختم ہوگئی ہے۔ اس لیے آیت کے اس ٹکڑے کا ترجمہ سوائے اس کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ نہ تو کھانے اور پینے کی چیز پر سال گزرا ہے اور نہ اس کی سواری کی چیز پر۔ کیونکہ اس پر سو سال گزرے ہوتے، تو نہ کھانے اور پینے کی چیز رہتی اور نہ گدھے کا نام ونشان ہوتا۔ پس وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ کہنا ہی سو سال کی میعاد کی تردید کرتا ہے۔

2: اور اگر فی الواقع سو سال اس پر گزر گئے تھے اور گدھے کی ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں (حالانکہ سو سال میں مٹی نے ہڈیوں کو بھی مٹا ڈالا ہوتا) تو آیت کی عبارت یوں ہونی چاہئے تھی کہ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھو۔

3: وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ کا مابعد بھی اس کا تعلق لَمْ یَتَسَنَّهْ والے جملہ سے ہی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ کے بعد آتا ہے۔ وَلِنَجْعَلَکَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لیے نشان بنا دیں۔ پس! وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ کا ماقبل اور مابعد دونوں اس بابت پر دلالت کرتے ہیں کہ گدھا مر کر زندہ نہیں ہوا، بلکہ کھانے کی طرح اس پر بھی زمانہ کا کوئی سال نہیں گزرا تھا۔ وَلِنَجْعَلَکَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ یوں پورا ہوا کہ اس رؤیا کی بنا پر آپ کی پیش گوئی کے سو سال بعد بیت المقدس آباد ہو گیا اور بنی اسرائیل، جو گویا ہڈیاں رہ گئے تھے، دوبارہ ایک زندہ قوم بن گئے۔ اس کے بعد فرمایا: وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ کَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَکْسُوْهَا لَحْمًا (259:2) اس کی تفسیر بائبل نے کیا خوب کر دی ہے۔

> ''پھر اس نے مجھے کہا کہ اے آدم زاد کیا یہ ہڈیاں جی سکتی ہیں...... پھر اس نے مجھے کہا کہ تو ان کے اوپر نبوت کر اور ان سے کہہ کہ اے سوکھی ہڈیو تم خداوند کا کلام سنو۔ خداوند یہوداہ ان ہڈیوں کو یوں فرماتا ہے کہ دیکھو میں تمہارے اندر میں روح داخل کروں گا تم جیو گے۔ تم پر نسیں بٹھاؤں گا اور گوشت چڑھاؤں گا......'' تب اس نے مجھے کہا کہ اے آدم زاد یہ ہڈیاں سارے اہل اسرائیل ہیں۔ دیکھ وے کہتے ہیں کہ ہماری ہڈیاں سوکھ گئیں اور ہماری امید جاتی رہی۔ ہم تو بالکل فنا ہو گئے۔''

گدھے کی ہڈیوں سے مراد بھی بنی اسرائیل کی ہڈیاں ہی ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ سورہ الجمعہ میں انہی

یہودیوں کی مثال گدھے سے دی ہے۔فرمایا:مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا(5:62)الغرض اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی سو سال کی پیش گوئی کے مطابق بنی اسرائیل کی ہڈیوں پر گوشت اور پوست چڑھا کر اس کو زندہ قوم بنا دیا اور ان کی اس بستی کو آباد کر دیا۔ چونکہ اس آیت زیر بحث پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث متواتر تین اشاعتوں میں ہو چکی ہے،جس کا اکثر حصہ شاید قارئین کرام کو یاد نہ رہا ہو۔ یا بعض نازک طبائع کو طوالت کے سبب پڑھنے کا موقع نہ ملا ہو،اس لیے اس ساری بحث کا خلاصہ مختصر الفاظ میں درج ذیل ہے۔

1۔اس آیت کی تفسیر میں کس شخص کا تذکرہ ہے؟ وہ بستی کونسی بستی تھی اور اس کی کیا حالت تھی؟ مفسرین کا شدید اختلاف ہے۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ عزیر کے مشہور قصہ کی بنیاد کسی صحیح حدیث اور تواریخی واقعہ پر نہیں۔

2۔اس قصے کے قبول کرنے میں بہت سے معارضات عقلی ہیں۔

3۔قرآن کریم کی آیات۔

☆اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (42:39)

☆حَرٰمٌ علٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَآ اَنَّھُمْ لَایَرْجِعُوْنَ (95:21)

☆ حَتّٰٓی اِذَاجَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ. لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ.

(100-99:23)

☆اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَایَرْجِعُوْنَ.(31:36)

☆اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ.ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تُبْعَثُوْنَ .(16-15:23) سے

اور حدیث جابر اور تفسیر ثنائی سے رجوع موتی اس دنیا میں منع ثابت کیا گیا ہے۔

4۔ جس تذکرہ کی تفسیر میں کوئی صحیح حدیث نہ مل سکے اس کی تفسیر اہل کتاب کی کتب کی بنا پر کرنی اولیٰ ہے۔

5۔ گذشتہ کتب مقدسہ میں اس تذکرہ کو حزقیل نبی کا واقعہ بتلایا ہے۔ دیکھو حزقیل، باب 37

6۔ اس تذکرہ کے متعلق حضرت محی الدین ابن عربی اور فاضل محمد حسن صاحب مفسر تفسیر **غایۃ البرھان** کی شہادت موجود ہے۔

7۔ خدا تعالیٰ کسی پر دو موتیں وارد نہیں کرتا۔ حضرت عزیر پر دوسری موت نہیں آنی چاہئے تھی۔

8۔ تفاسیر میں بعض روایات کی بنا پر حضرت عزیر پر نیند کا طاری ہونا ثابت ہے۔ جس سے اس واقعہ کا رؤیا میں ہونا قرین قیاس ہے۔

9۔ قرآن کریم اور حدیث میں موت کے معنی نیند کے بغیر کسی قرینہ کے بھی لیئے گئے ہیں۔

10۔ نیند کے بعد بیداری موت کے بعد زندگی کی دلیل ہے۔

11۔ کوئی شخص موت اور نیند کا احساس موت اور نیند کی حالت میں نہیں کرسکتا۔ اس لیے اپنی موت اور حیات کا شاہد بھی وہ نہیں ہوسکتا۔ پس کسی کو مار کر زندہ کر دینا خود اس کے لیے دلیل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ خود حضرت عزیر کو اپنی صد سالہ موت کا علم نہیں ہوا۔ گویا جس شخص کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ سو سال مرا رہا، اسی کی شہادت موجود ہے کہ وہ اس حالت میں صرف ایک آدھ دن رہا ہے۔

12۔ اللہ تعالیٰ کا بیداری کے بعد مدت لبث کی بابت سوال کرنا بتلاتا ہے کہ اس کو اس حالت میں بھی ایک شعور حاصل تھا، ورنہ سوال ہی بے معنی ٹھہرتا ہے۔

13۔ کھانے اور پینے کی چیز اور گدھے کا صحیح سالم رہنا ثابت کرتا ہے کہ وہ سو سال مرا نہیں رہا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے کہ اس پر سال نہیں گزرے۔

14۔ آیت کی ترتیب اور الفاظ سے ثابت ہے کہ گدھا صحیح سالم تھا۔

15۔ ہڈیوں کے نشوز اور ان پر اکساءِ لحم سے مراد بنی اسرائیل کا زندہ ہونا ہے۔ اس پر حزقیل باب 37 شاہد ہے۔ اب اس آیت پر بحث کے بعد ہم ماسٹر غلام حیدر کے دوسرے اعتراض پر، جو حضرت موسیٰؑ کی مچھلی کے متعلق ہے، انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بحث کریں گے۔

ملائکہ کا متمثل ہونا

ماسٹر غلام حیدر صاحب نے ایک اعتراض حضرت امیر پر یہ بھی کیا ہے کہ مولوی صاحب ملائکہ کا متمثل ہونا یعنی انسانی جسم وغیرہ میں آجانا نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ احادیث سے ثابت ہے۔ ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ بعض احادیث میں حضرت جبریل کا دحیہ کلبی یا کسی اور آدمی کی صورت میں آجانے کا ذکر ہے۔ مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فرشتے، جن کا مقام آسمان ہے، وہ اپنے مکان کو چھوڑ کر زمین پر آجاتے ہیں۔ اس موضوع پر ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سرِ دست اس کے متعلق چند اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک ملائکہ کا متمثل ہو کر نظر آنا ایک کشفی نظارہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ بعض اوقات یہ مکاشفہ ایسا زبردست ہوتا ہے کہ دوسرے قریب کے لوگ بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بھی گویا بیداری میں ہی اس فرشتے کے وجود کو دیکھ لیتے ہیں۔

امام غزالیؒ کا مذہب

اس کے متعلق امام غزالیؒ اپنی کتاب فیصل التفرقہ میں لکھتے ہیں کہ اشیاء کے وجود کی پانچ قسمیں ہیں: 1۔ وجود ذاتی 2۔ وجود حسی 3۔ وجود خیالی 4۔ وجود عقلی 5۔ وجود شبہی۔ ان وجود خمسہ میں سے صرف پہلے دو وجود سے ہمیں اس وقت بحث ہے۔ پہلی قسم وجود ذاتی ہے۔ اور اس سے مراد ہر ایک چیز کا وجود اصلی ہے کہ جو ہر ایک صاحب بصارت کو نظر آتا ہے۔ دوسرا وجود حسی ہے۔ یعنی وہ وجود جو صرف کسی صاحب حس کے ساتھ خاص ہے۔ مثلاً خواب کے واقعات یا انبیاءؑ کو ملائکہ کی جو جو صورتیں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

''بل قد یتمثل للا نبیاء والاولیاء فی الیقظة والصحة صور جمیلة محاکیة لجواهر الملائکة وینتهی الیهم الوحی والالهام بواسطتها فیتلقون من امر الغیب ما یتلقاه غیرهم فی النوم وذٰلک لشدة صفاء باطنهم کما قال اللّٰه تعالٰی فتمثّل لها بشرًا سَوِیًّا وکما انّه صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رٰی جبریل کثیرا. یعنی کبھی انبیاء اور اولیاء کو بیداری اور صحت میں خوبصورت صورتیں نظر آتی ہیں، جو جواہر ملائکہ کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اپنی صورتوں کے ذریعہ سے انبیاء اور اولیاء کو وحی اور الہام ہوتا ہے، تو غیب کے امور، جو اوروں کو خواب میں معلوم ہوتے ہیں، انبیاء اور اولیاء کو صفائی باطن کی وجہ سے بیداری میں معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ خدا نے کہا ہے کہ مریمؑ کے سامنے فرشتہ ٹھیک آدمی کی صورت بن کر آیا اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبریل کو اکثر دفعہ دیکھا۔ پس! اس حوالہ سے امام صاحب کا مذہب صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس وجود کو، جو انبیاء کو فرشتوں کا نظر آتا ہے، ان کا وجود ذاتی نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وجود حسی سمجھتے تھے کہ جو اوروں کو خواب میں نظر آیا کرتا ہے، اور یہ وجود صرف خاص شخص کے حاسہ سے تعلق رکھتا ہے۔''

اس طرح سے آپ اپنی ایک دوسری کتاب ''مفنون به علی غیر اهله'' میں لکھتے ہیں:

''ان لسان الحال یصیر مشاهدًا محسوسًا علی سبیل التمثیل وهذهٖ خاصة الانبیاء والرسل علیهم الصّلٰوة والسلام کما ان لسان الحال یتمثله فی المنام تصیر الانبیاء ویسمعون صوتًا وکلامًا فالانبیاء علیهم الصّلٰوة والسلام یرون ذٰلک فی الیقظة وتخاطبهم هذهِ الاشیاء فی الیقظة. یعنی زبان حال بطور تمثیل کے مشاہد اور محسوس بن جاتی ہے۔ اور یہ انبیاء اور رسل کا خاصہ ہے۔ جس طرح کہ خواب کی حالت میں زبان حال عام لوگوں کے لیے متمثل ہو

جاتی ہے، تو وہ لوگ آوازیں اور باتیں سنتے ہیں۔ تو انبیاءؑ بیداری میں دیکھتے ہیں اور یہ چیزیں ان سے بیداری کی حالت میں خطاب کرتی ہیں۔''

اس حوالے سے بھی صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب ملائکہ کے متمثل وجود کو ان کا وجود ذاتی نہیں سمجھتے بلکہ انبیاء کو یہ وجود صرف مکاشفہ میں نظر آتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا مذہب

شاہ صاحب موصوف اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں عالم مثال کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:

''**فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرًا سویًّا واستفاد فی الحدیث ان جبریل کان یظھر لِلنَّبِیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم ویترایٰ لہ فیکلمہ ولا یراہٗ سائر الناس وان القبر یفتَح سبعین ذراعًا فی سبعین .... الخ والناظر فی ھذہ الاحادیث بین احدی ثلث اما ان یقر بظاھرھا فیضطرالی اثبات عالم ذکر نا شانہ وھذہ ھی التی یقتضیھا قاعدۃ اھل الحدیث نبہ علیٰ ذٰلک السیوطی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ وبھا اقول.** یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو بھیجا اور وہ مریمؑ کے روبرو بعینہٖ ایک بشر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے سامنے ظاہر ہوا کرتے تھے۔ آپ ان کو دیکھتے اور ان سے گفتگو کرتے۔ لیکن اور لوگوں کو وہ نظر نہیں آتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ قبر ستر در ستر گز پھیل کر ایسی سمٹ جاتی ہے کہ مردہ کی پسلیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ (اس قسم کی بہت سی احادیث لکھنے کے بعد آپ لکھتے ہیں) کہ ان احادیث پر غور کرنے والا تین حالتوں میں سے ایک نہ ایک اختیار کر لیتا ہے۔ یا تو وہ ان حدیثوں کے ظاہری معنوں کا اقرار کرتا ہے، تو لامحالہ وہ ایسے عالم (عالم مثال) کے ماننے پر مجبور ہوتا ہے، جس کا ہم نے ذکر کیا۔ اور اسی کو اہلحدیث کا

قاعدہ مقتضی ہے۔ اور سیوطی علیہ الرحمۃ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میں بھی اسی کا قائل ہوں اور یہی میرا مذہب ہے۔''

اب ان دو بزرگوں کے اقوال سے ظاہر ہے کہ فرشتوں کا متمثل ہو کر نظر آنا ایک خاص حاسہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور خارج میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر خارج میں بھی اس کا وجود موجود ہو، تو پھر بعض لوگوں کو نظر آنے اور بعض کو نہ آنے کے کیا معنی؟ جس طرح سے خواب دیکھنے والے کو بعض چیزیں نظر آتی ہیں، اور دوسرے لوگ، جو اس کے پاس ہی بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، ان چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہوتی۔ صرف اس خاص شخص کی حس میں موجود ہوتی ہے۔ یہ امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مذہب ہے۔

شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ کا مذہب

شیخ صاحب موصوف اپنی تصنیف ''مدارج النبوۃ'' کے صفحہ 25 پر لکھتے ہیں کہ

''نزول جبریل، جو بعض اوقات دحیہ کلبی کی صورت میں یا کسی اور انسان کی صورت میں ہوتا تھا، اس میں اہل نظر کو اشکال ہے۔ اور یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر درحقیقت جبریل علیہ السلام ایک نیا جسم اپنے لیے مشابہ جسم دحیہ کلبی حاصل کر کے اس میں اپنی روح داخل کر دیتے تھے، تو پھر وہ اصلی جسم کا، جس کے تین سو جناح ہیں، کس حالت میں ہوتا تھا؟ کیا وہ جسد بے روح پڑا رہتا تھا؟''

اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''اہل تحقیق کے نزدیک یہ تمثل نزول ہے، نہ حقیقی۔ تا حقیقتاً ایک جسم کو چھوڑنا اور دوسرے جسم میں داخل ہونا لازم آوے۔''

پھر لکھتے ہیں:

’’بات یہ ہے کہ جبریل کے ذہن میں جو دحیہ کلبی کی صورت علمیہ تھی ۔تو حضرت جبریل بوجہ قدرت کاملہ وارادات شاملہ اپنی کے اس صورت پر اپنے وجود کا اضافہ مع جمیع صفات کاملہ اپنا کے تمثل کے طور پر اس میں اپنے تئیں ظاہر کر دیتے تھے ۔یعنی دحیہ کلبی کی صورت میں بطور تمثل اپنے تئیں دکھلا دیتے تھے ۔اور اس صورت علمیہ کو اپنی صفات سے متلبس کر کے نبی پر تمثلاً ظاہر کر دیتے تھے۔ یہ نہیں کہ جبریلؑ آپ اپنے اصلی وجود کے ساتھ آسمان سے اترتا تھا، بلکہ جبریلؑ اپنے مقام پر آسمان میں ثابت وقائم رہتا تھا۔اور یہ جبریلؑ اس حقیقی جبریلؑ کی ایک مثال تھی ۔یعنی اس کا ایک ظل تھا۔اس کا عین نہیں تھا۔ کیونکہ عین جبریلؑ تو وہ ہے کہ جو اپنی صفات خاصہ کے ساتھ آسمان پر موجود ہے ۔‘‘

ماسٹر صاحب اگر ان بزرگوں کے اقوال پر غور کریں تو یہی ہمارا مذہب ہے۔ کیا یہ بزرگ بھی یہ عقیدہ رکھنے کے سبب حدیث کے منکر کہلا سکتے ہیں؟ امید ہے کہ ماسٹر غلام حیدر صاحب سوچ سمجھ کر جواب دیں گے ۔(جاری)

❁❁❁

4 محرم الحرام 1340ھ

قسط چہارم

ترجمۃ القرآن انگریزی اور اخبار اہلحدیث

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَیۡنِہِمَا نَسِیَا حُوۡتَہُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَہٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا. (61:18)

ماسٹر غلام حیدر نے حضرت امیر ایدہ اللہ وبنصرہٖ کے ترجمۃ القرآن پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ آپ نے حضرت موسٰیؑ کی بھنی مچھلی کے زندہ ہو جانے والے معجزہ سے انکار کیا ہے۔ اس موضوع کے ذیل میں جو کچھ آپ نے خامہ فرسائی کی ہے، اس کا مفاد صرف اس قدر ہے کہ:

1۔ مولوی صاحب مع قادیانی جماعت کے معجزہ کے منکر ہیں۔

2۔ مولوی صاحب نے آیت زیر بحث کے ترجمہ میں تحریف سے کام لیا ہے۔

3۔ مچھلی کے عجیب طرح سے سمندر کے چلے جانے پر بخاری کا باب 13 شاہد ہے۔ اس کا انکار کرنے سے مولوی صاحب کی حدیث دانی پر سخت دھبا لگتا ہے۔

4۔ بخاری کا حوالہ دینے میں مولوی صاحب نے دیانتداری سے کام نہیں لیا۔

5۔ مولوی صاحب کا یہ فرمانا کہ قرآن سے ثابت نہیں کہ یہ مچھلی بھنی ہوئی تھی۔ قارئین مولوی صاحب کی قرآن فہمی پر ضرور ہنس کر کہیں گے کہ جب موسٰیؑ نے اپنے رفیق سے ناشتہ طلب کیا تو وہ گم شدہ مچھلی ناشتہ کا کیونکر ایک جزو نہ تھی۔ کیا کھانے کے ساتھ زندہ مچھلی رکھ لی؟

6۔ اور بالفرض محال زندہ رکھ لی تھی۔ تب بھی اتنا عرصہ بدون پانی کے وہ کیونکر زندہ رہ سکتی تھی؟

7۔ قرآن شریف سے مچھلی کا زندہ ہو جانا بہرصورت ثابت ہے۔ اور مولوی صاحب کی تفسیر بالرائے

باطل ہے۔

نمبر اوّل ۔ کے متعلق تو لَعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ (61:3) کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جب کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت علی الاعلان روز اوّل سے ہی پکار رہی ہے کہ:

معجزات او ہمہ حق اند وراست منکر آں مورد لعنِ خداست

نمبر 2۔ کے متعلق ہم ماسٹر غلام حیدر اور مولوی ثناء اللہ دونوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ قرآن کریم سے مچھلی کا بھنا ہوا ہونا، پھر زندہ ہو جانا اور حضرت مولوی صاحب کے ترجمہ میں تحریف ثابت کریں۔ ورنہ اس دروغ بیانی اور بطالت پروری سے شرمائیں۔

نمبر 3، 4۔ نہ صرف بخاری بلکہ صحاح کی کسی صحیح حدیث سے مچھلی کا بھنی ہوئی ہونا ثابت نہیں۔ اگر مرد میدان ہو تو اس حدیث کو پیش کرو۔

نمبر 5۔ مچھلی کھانے کا کوئی جز و نہ تھی۔ بلکہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے پیشتر سے موسیٰؑ کو بتلایا ہوا تھا کہ وہ گم ہو جائے گی۔ اور جہاں گم ہوگی، وہیں وہ شخص ان کو ملے گا کہ جس کو ملنے کے لیے حضرت موسیٰؑ گھر سے نکلے تھے۔ آپ کی اس قرآن فہمی پر بھی لوگ ہنستے ہی ہوں گے کہ ان کو بتلایا تو یہ گیا تھا کہ اس مچھلی کا گم ہونا منزل مقصود کا الارم ہے۔ مگر آپ اس کو کھانے کا جز و بنا رہے ہیں!

نمبر 6۔ ہم کب کہتے ہیں کہ وہ مچھلی اتنا عرصہ بغیر پانی کے زندہ رہی۔ کیونکہ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ انہوں نے مچھلی کو بغیر پانی کے رکھا ہوا تھا۔

نمبر 7۔ اس کے جواب میں ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ ثابت کرنے کو تیار ہیں کہ قرآن کریم اور کسی صحیح حدیث میں مچھلی کا بھنا ہوا ہونا ثابت نہیں۔ آپ کے سوالات پر اس اجمالی نظر کے بعد ہم اس آیت کی تفسیر کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔

صحیح بخاری کی بنا پر اس آیت کی تفسیر: قرآن کریم کی تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن (یعنی وہ تفسیر جو قرآن کریم خود

اپنی ایک آیت کی تفسیر کسی دوسری آیت کے ساتھ کرتا ہے) کے بعد سب سے بہترین تفسیر وہ ہے جو کسی صحیح حدیث کی بنا پر کی جائے۔ صحاح کے مجموعہ میں بخاری کا اصح الکتب ہونا اہل سنت والجماعت کے تمام فرقوں کو مسلم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم احمدیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں دو احادیث بخاری کی کتاب العلم اور کتاب الانبیاء میں مذکور ہیں۔ ایک حدیث کے الفاظ اس طرح پر ہیں:

سمعت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم یقول بینما موسٰی فی ملا من بنی اسرائیل جاء ہ رجل فقال ھل تعلم احدًا اعلم منک قال لا فاوحی اللّٰہ الی موسٰی بلٰی عبدنا خضرفسال موسی السبیل الیہ فجعل لہ الحوت اٰیۃ وقیل لہ اذا فقدت الحوت فارجع فانک ستلقاہ فکان یتبع الحوت فی البحر فقال لموسٰی فتاہٗ ارأیت اذ اوینا الی الصخرۃ فانی نسیت الحوت وما انسانیہ الا الشیطان ان اذکرہ فقال موسٰی ذلک ما کنا نبع فارتدا علیٰ آثار ھما قصصا فوجدا خضرا فکان من شانھما الذی قص اللّٰہ فی کتابہ.

یعنی ابی ابن کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص آیا اور کہا کہ تو اپنے سے بڑے کسی عالم کو جانتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ نہیں مجھے معلوم نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسٰیؑ کی طرف وحی بھیجی کہ ہاں ہمارا ایک بندہ خضر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا پتہ پوچھا تو ان کے لیے ایک مچھلی کا نشان بتا دیا گیا کہ جب وہ مچھلی گم ہو جائے تو سمجھ لو کہ خضر وہیں ملیں گے۔ موسٰیؑ دریا میں مچھلی کے نشان کا انتظار کرتے ہوئے چلتے گئے۔ یہاں تک کہ ان کے غلام نے ان کو توجہ دلائی کہ جب ہم چٹان پر آرام کر رہے تھے تو میں مچھلی کو وہیں بھول آیا ہوں۔ اور شیطان نے اس امر کا ذکر کرنا بھی مجھے بھلا دیا۔ موسٰیؑ نے کہا یہی تو نشان ہے کہ جس کی ہمیں تلاش تھی۔ وہ اپنے قدموں پر واپس لوٹے۔ پس انہوں نے وہاں خضر کو پالیا اور وہ معاملہ گزرا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں کسی بھنی ہوئی مچھلی کا ذکر نہیں گذرا اور نہ کسی مردہ مچھلی کے زندہ ہونے کا کوئی تذکرہ ہے۔ اگر مردہ مچھلی کا زندہ ہو جانا نشان بتلایا گیا تھا تو حدیث کے الفاظ، **فقدت**

الحوت یعنی مچھلی گم ہو جائے گی، نہیں ہونے چاہئے تھے۔ بلکہ فاذا حی الحوت یعنی جب مچھلی زندہ ہو جائے، ہونا چاہئے تھا۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس حدیث میں مچھلی کے مردہ ہوکر زندہ ہونے کی طرف کنایہ اور اشارہ تک بھی موجود نہیں۔

دوسری حدیث کے الفاظ اس طرح پر ہیں: **عن النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ان موسٰی قام خطیبًا فی بنی اسرائیل فسئل أی الناس اعلم فقال انا فقال فعتب اللّٰہ علیہ اذ لم یرد العلم الیہ فقال لہ بلٰی لی عبد بمجمع البحرین ھو اعلم منک قال اٰی رب ومن لی بہ وربما قال سفیان اٰی رب وکیف لی بہ قال تاخذ حوتا فتجعلہ فی مکتل حیثما فقدت الحوت فھم ثم وربما قال فھو ثم واخذ حوتا فجعلہ فی مکتل ثم انطلق ھو وفتاہ یوشع بن نون حتّٰی اذا اتیا الصخرہ وضعا رء وسھما فرقد موسٰی واضطرب الحوت فخرج فسقط فی البحر فاتخذ سبیلہ فی البحر سربا فامسک اللّٰہ عن الحوت جریۃ الماء فصار مثل الطاق واتخذ سبیلہ فی البحر عجبا فکان للحوت سربا ولھما عجبا.... الخ**

یہ حدیث بہت لمبی ہے۔ اس لیے اس کے صرف اس حصہ کے نقل کر دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ جو حصہ اس وقت زیر بحث ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ موسٰیؑ بنی اسرائیل کی ایک مجلس میں خطبہ فرما رہے تھے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سے کون سب سے بڑھ کر عالم ہے۔ حضرت موسٰیؑ نے کہا کہ میں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کہ انہوں نے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ کیوں نہیں کہا کہ سب سے بڑا علم والا کون ہے، اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ پس! آپ کو بتایا گیا کہ میرا ایک بندہ مجمع بحرین کے مقام میں ہے۔ وہ تجھ سے بڑھ کر علم والا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! اس تک میری کیسے رسائی ہو؟ فرمایا ایک مچھلی لے لو۔ اور اس کو ایک برتن (زنبیل) میں رکھ لو۔ جہاں یہ مچھلی گم ہو جائے۔ پس وہی جگہ ہے۔ موسٰیؑ نے مچھلی پکڑی اور اس کو برتن میں رکھ لیا۔ پھر وہ اور اس کا غلام یوشع بن نون روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ ایک چٹان پر پہنچے۔ اس کو تکیہ بنا کر دونوں لیٹ گئے۔ موسٰیؑ سو گئے اور مچھلی تڑپ کر برتن سے نکل دریا کے کنارے پر گری، مگر اللہ تعالیٰ نے پانی کی رو کو مچھلی سے روک لیا۔ اور وہ اس کے اوپر طاق کی طرح بن کر رہ گئی۔ (یعنی اس

مچھلی کو بہا کر نہیں لے گئی)۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا ساتھی باقی حصہ رات کا چلتے گئے اور کچھ حصہ دن کا بھی گزر گیا۔دوسرے دن چاشت کے وقت انہوں نے اپنے غلام کو کھانا لانے کے لیے کہا۔اور یہ بھی کہا کہ ہمیں تو اس سفر سے بہت تھکان محسوس ہوئی ہے۔آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کی تھکان اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نشان سے تجاوز کر جانے کے بعد ہی محسوس ہوئی۔غلام نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ جب ہم اس چٹان پر آرام کر رہے تھے تو میں مچھلی کو وہیں بھول آیا۔اور اس کا یاد رکھنا شیطان نے مجھے بھلا دیا۔اس نے دریا کا رستہ لیا۔مچھلی تو دریا میں چلی گئی اور وہ دونوں متعجب تھے۔

اس حدیث میں بھی مچھلی کے بھنی ہوئی ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ اس حدیث نے ماسٹر غلام حیدر صاحب کی بڑی مضبوط دلیل کی کمر توڑ دی کہ **واتخذ سبیله فی البحر عجبا** کے معنی یہ ہیں کہ مچھلی نے دریا یا سمندر میں عجیب طور پر رستہ بنا لیا۔حالانکہ حدیث صاف الفاظ میں حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کے ترجمہ کی تائید کرتی ہے۔**فکان للحوت سربا ولهما عجبا.** **سرب** کے معنی مطلق چلے جانے کے ہیں۔دوسری جگہ قرآن کریم خود فرماتا ہے۔وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ (10:13) (اور جو دن کو چلتا ہے) پس مچھلی نے تو سمندر کی راہ لی۔ مگر موسیٰؑ اور یوشع اس واقعہ سے متعجب تھے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت ایک بات بتلا دی۔اور وہ اس طرح پوری ہوگئی۔حضرت موسیٰؑ کا کھانا طلب کرنا اور یوشع کا مچھلی کا ذکر کرنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ مچھلی کھانے کا جزو تھی۔ یہ تو ایک بات میں بات یاد آ جانے کی بات ہے۔اور یہ ایسی بودی دلیل ہے کہ مولوی ثناء اللہ بھی اس کو لغو سمجھتا ہے۔

مولوی ثناءاللہ اور بھنی مچھلی کا قصہ

قرآن کریم کی اس آیت پر زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ہم صرف مولوی ثناءاللہ کی بے ایمانی اور بطالت پروری کی ایک بے نظیر مثال اس موقعہ پر پیش کر کے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔مولوی ثناءاللہ خود اس مچھلی کا بھنی مچھلی ہونا تسلیم نہیں کرتا۔مگر اس وقت صداقت کی گواہی دینے سے پہلوتہی کرتا ہے۔اور صرف ہمارے حسد کی آگ کی وجہ سے اپنے مذہب کے خلاف اس مضمون کو اپنے اخبار میں جگہ دیتا ہے۔ چنانچہ تغلیب الاسلام جلد چہارم کے صفحہ 36 پر خود ہی لکھتا ہے کہ ’’قرآن شریف سے تو مچھلی کا بھنا ہونا

ثابت نہیں۔'' ماسٹر صاحب نے اس مضمون میں مچھلی کے بھنا ہوا ہونے پر جو دلیل دی ہے، وہی دلیل ماسٹر دھرمپال نے ''تہذیب الاسلام'' میں دی تھی۔اس کا جواب مولوی ثناءاللہ یہ دیتا ہے:

''اب ذرا اپنی دلیل کا جواب بھی سنو۔تمہاری اس دلیل سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بس اسی قدر جو کسی خبطی نے کہا تھا کہ ''زمین گول ہے۔کیونکہ چاول سفید ہوتے ہیں۔'' کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت موسیٰؑ نے جب اپنے خادم سے کہا کہ کھانا لاؤ۔اس نے باتوں باتوں میں یہ تذکرہ بھی کر دیا کہ جس مچھلی کو ہم لے کر چلے تھے اس سے یہ یہ واقع پیش آیا۔ ہم ہر روز اپنے کاروبار کو دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات ہم اپنے کسی خادم کو کہتے ہیں یا ہم کو کوئی شخص کام کہتا ہے تو اس کام کے اثناء میں کوئی واقعہ ہمیں یاد آجائے تو ہم اس کا ذکر بھی کر دیتے ہیں۔ہم نے دیکھا اور غالباً آریہ سماجی ممبران نے بھی تجربہ کیا ہوگا کہ کوئی وکیل صاحب اپنے خادم سے کہتے ہیں کہ حقہ لاؤ،تو وہ حقہ لانے سے پہلے یاد دلاتے ہوئے کہہ دیتا ہے کہ حضور فلاں شخص آیا تھا۔سلام کہہ گیا۔بتلاؤ اس کلام کا کیا مطلب ہے۔کیا وہ شخص حقہ تھا یا وہ حقہ اٹھا کر لے گیا تھا۔آخر بات کیا تھی کہ حقہ کے ذکر میں اس نے فلاں شخص کا نام بھی لے دیا؟ یہی بات ہے کہ اس کو یاد آیا اور خوف کیا کہ میں کہیں بھول نہ جاؤں۔اسی طرح یوشع (خادم موسیٰؑ) کا واقع ہو تو کیا حرج ہے؟

سماجیو! دیکھتے ہو تمہارا مہاشہ قرآن کی ضد میں کیسے ہاتھ پیر مار رہا ہے۔مگر افسوس کہ کامیابی پھر بھی نہیں۔پیارے پال! یہی تمہاری زبردست دلیل تھی نہ؟ باقی باتیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مَرا

ہاں ہم مانتے ہیں کہ بعض روایتوں میں نمکین مچھلی کا لفظ آیا ہے۔اسی بنا پر بنا کر کے مفسرین نے ایسا لکھا ہے اور حاشیہ افترائی کری ہے۔مگر تم کو شرم چاہئے کہ نہ دعویٰ تو یہ کرو کہ قرآن کریم کی تعلیم ہے مگر جب دکھاؤ تو مفسرین کے اقوال دکھاؤ۔شیم! شیم! شیم!!!''

مولوی ثناء اللہ کا یہ جواب ہم ماسٹر غلام حیدر صاحب کے لیے بھی کافی سمجھتے ہیں۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب ماسٹر غلام حیدر کا مضمون شائع کرنے سے پہلے گھر میں نپٹ لیتے۔ مگر اس امرتسری کو حق پژوہی سے کیا مطلب۔ اس نے تو سمجھا ہوگا کہ میری تصنیفات کو پڑھتا ہی کون ہے؟ میرے مذہب کی تردید ہو جائے تو ہو جائے، مگر مولوی محمد علی کے ترجمۃ القرآن پر اعتراض ضرور شائع کر دیئے جائیں۔ یہ ان کی دیانت اور امانت کا حال ہے۔ ان ہی کی شان میں کہا گیا ہے ؎

باید فروخت سبحہ گرکس خرد ہیچ باید خرید بادہ گرکس دہد بوام

❁ ❁ ❁

11 محرم الحرام 1340ھ

مسائل حاضرہ پر چند اعتراضات کے جواب

از حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

میری ایک چٹھی اخبار پیغام صلح میں مسائل حاضرہ کے عنوان سے چھپی تھی۔ جس پر دو قسم کے اعتراضات میرے پاس آئے ہیں۔ ان کا جواب سب احباب کی اطلاع کے لیے شائع کرنا مناسب ہے۔ گو ان میں سے اکثر باتوں کو جواب رسالہ ''خلافت اسلامیہ'' میں اور بعد کی تحریروں میں ہو چکا ہے۔ مگر چونکہ قوم کی بد قسمتی سے مسلمانوں میں غور اور فکر کی عادت بہت کم ہے، اور افراط وتفریط کی راہیں آسان نظر آتی ہیں، اس لیے مجھے کہا جاتا ہے کہ یا تو یہ لکھ دو کہ خلافت مذہبی مسئلہ ہی نہیں، ورنہ اشاعتِ اسلام کے کام کو چھوڑ کر پہلے بادشاہت کے حصول کی فکر کرو اور مہاتما گاندھی کی اتباع کرو۔

خلافت مذہبی مسئلہ ہے

پہلا سوال یہ ہے کہ خلافت اسلامیہ ایک مذہبی مسئلہ ہے یا نہیں۔ اس سوال کے کرنے والے نے اپنے خیالات کو بالفاظ ذیل ادا کیا ہے۔

> ''میرے اپنے خیال میں مذہبی مسئلہ تو اس لیے نہیں ہو سکتا کہ سلطان روم وہ خلیفہ تو نہیں، جو اصلاح دین کے لیے آیا کرتا ہے......اور نہ ہی وہ سیاسی طور پر جسمانی خلیفہ ہیں۔ کیونکہ اس کے صادر کردہ احکام ہمارے لیے واجب التعمیل نہیں۔''

اگر یہ سوال کرنے سے پہلے میرے رسالہ ''خلافتِ اسلامیہ'' کو پڑھ لیا ہوتا، تو یہ سوال پیدا نہ ہوتا۔ میں نے اس رسالہ میں قرآن وحدیث سے اس مسئلہ کا مذہبی مسئلہ ہونا ثابت کیا ہے۔ مگر نہ اس وجہ پر کہ میں سلطانِ روم کو مجدد یا مامور من اللہ مانتا ہوں، نہ ہی سلطان روم کو یہ دعویٰ ہے، اور نہ ہی اس بنا کہ میں سلطانِ روم کو ہندوستان کا بادشاہ مانتا ہوں، اس لیے کہ یہ بھی اسے دعویٰ نہیں۔ ہمارے مذہبی مسائل وہ ہیں جو قرآن وحدیث

سے ثابت ہوں۔ میں نے اپنے رسالہ میں یہ دکھایا تھا کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سیادت روحانی کے ساتھ جسمانی طور پر بھی بادشاہت عطا فرمائی تھی۔ اور وہ جسمانی بادشاہت ملک عرب کی تھی۔ جس میں اسلام کے وہ مقامات مقدسہ واقع ہیں، جو دونوں حرم کے نام سے موسوم ہیں۔ یعنی مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ۔ پس آپؐ کی جانشینی، جسے دوسرے لفظوں میں ہم خلافت کے نام سے موسوم کرتے ہیں، دونوں رنگ کی ہے۔ یعنی روحانی بھی اور جسمانی بھی۔ اور جسمانی خلافت گو خلفائے راشدینؓ کے ماتحت دنیا کے اندر ایک بڑے حصہ پر پھیل گئی، مگر اس کا مرکز اصلی وہی مقامات مقدسہ اور ملک عرب ہیں۔

قرآن مجید کی آیت لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (55:24) میں دونوں وعدے شامل ہیں۔ یعنی روحانی اور جسمانی خلافت۔ قرآن مجید کے صریح الفاظ اور احادیث کو جواب دینے کے سوائے آنحضرت ﷺ خلافتِ جسمانی سے انکار نہیں ہوسکتا۔ میاں محمود احمد صاحب نے بھی، جنہیں بالمقابل خلافت کا دعویٰ ہے، آج تک آنحضرت ﷺ کی اس خلافت جسمانی کی تردید نہ کی اور نہ بتایا کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کے وعدہ سے خلافت جسمانی کیونکر خارج ہے؟ ہمارا مذہب زید وبکر کا قول نہیں۔ قرآن وحدیث ہے۔ جس چیز کی قرآن وحدیث میں صراحت موجود ہو، اس کا انکار کرنا مسلمان کا کام نہیں۔ پس میں قرآن وحدیث کی بنیاد پر خلافت کو مذہبی مسئلہ سمجھتا ہوں۔ اور یہی میرا مسلک ابتدا سے ہے۔ چنانچہ خلافت کا مسئلہ چھڑنے سے مدت پیشتر قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ میں اس رکوع کا، جس میں استخلاف کا ذکر ہے، خلاصہ ہی میں نے ''حکومت اسلامی کا قیام'' دیا ہے۔ اور اس آیت کے نیچے نوٹ میں صاف بتایا ہے کہ اس کے اندر جسمانی اور روحانی خلافت کے وعدے ہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ خلافت جسمانی ہمیشہ کے لیے قائم کی گئی ہے۔

اور اس پر یہ دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلافت کا کیا کام ہے۔ خلافت روحانی کا کام دین پاک کو ہر قسم کے باطل کی آمیزش سے پاک رکھنا ہے۔ اسی کا دوسرا نام تجدید دین ہے۔ جب اندرونی طور پر مذہب میں فساد پیدا ہو یا بیرونی طور پر مذہب اسلام پر کوئی خطرناک حملہ ہو تو اس کا دفعیہ خلافت روحانی سے ہوگا۔ یعنی محدثین اور مجددین یا آئمہ دین کے ذریعہ سے، اور خلافت جسمانی چونکہ بادشاہت اور حکومت کا نام ہے، اور وہ بادشاہت اور حکومت قلبِ اسلام یعنی مکہ اور مدینہ اور عرب پر ہے، اس لیے اس کا کام بھی دین اسلام کی تمکین اور مضبوطی اور

دشمنان اسلام کے حملوں سے ان مقامات مقدسہ کو بچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تعلیم اسلام کی عظمت کا یہ ظاہری نشان رکھا ہے کہ اس کے مقاماتِ مقدسہ کبھی اس کے دشمنوں کے قبضہ میں نہ جائیں گے۔ اور مکہ معظّمہ کو تو یہ عزت، جب سے دنیا کی تاریخ چلتی ہے، اس وقت سے ہے کہ یہ کبھی اس کے دشمنوں کے قبضہ میں نہیں گیا۔ دنیا میں اور کسی مذہبی جائے عبادت کو یہ فخر حاصل نہیں ہوا کہ وہ کبھی اپنے دشمنوں کے ہاتھ میں نہ گئی ہو۔ صرف ایک مکہ کو یہ عزت حاصل رہی ہے۔ یہاں تک کہ جب اسلام سے پیشتر ایک عیسائی بادشاہ نے خانہ کعبہ کو برباد کرنے کی نیت سے مکہ معظّمہ پر حملہ کیا اور اس وقت اس کے محافظ اس بادشاہ کی افواج کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے کوئی سبب سماوی ایسا پیدا کر دیا کہ دشمن کامیاب نہ ہوسکا اور تباہ ہو گیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے مکہ کو تمام لوگوں کا مرجع بنایا، تو ساتھ ہی یہ بھی وعدہ دیا کہ یہ مقام امن رہے گا۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (125:2) پس اسی وعدہ دوامی کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بھی یہ وعدہ دیا کہ یہ مقام ہمیشہ مسلمانوں کے پاس رہے گا۔ اسی لیے مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیا کہ جزیرہ عرب کو کفار کے دستبرد سے بچائیں۔ اور ان کو اس پاک سرزمین میں نہ آنے دیں۔ تاکہ وہ اپنے ناپاک منصوبوں سے اس ابدی امن کے مقام میں فساد پیدا نہ کریں۔ اسی غرض کے لیے خلافت اسلامیہ کا قیام ضروری ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ دین اسلام بادشاہت کے بغیر ناقص ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بادشاہت کے ساتھ تمکین دین ہوتی ہے۔ جیسا کہ خود قرآن مجید نے فرمایا: وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ (55:24) تاہم خلافت کے ذریعہ سے دین اسلام کی تمکین کریں اور اسے مضبوط کریں۔ اسی سلسلہ میں یہ سوال کیا گیا ہے کہ اس ملکی خلافت کا حقدار کون ہے۔ اس کا جواب بھی رسالہ ''خلافت اسلامیہ'' میں موجود ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اگر آج عرب اس کے مالک ہو جاتے ہیں، تو اس پر مسلمان کیوں روتے ہیں۔ یہ میں لکھ چکا ہوں کہ اگر عرب اپنی طاقت سے ترکوں کو نکال کر خلافت کے مالک ہو جاتے تو بلا شبہ ترک حقدار خلافت نہ ہوتے۔ لیکن یہ سب کچھ عیسائی طاقتوں کی تجاویز ہیں کہ وہ مسلمانوں کی ملکی طاقت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کمزور کرنا چاہتی ہیں۔ اور مرکز اسلام کو ایک شخص کے ہاتھ میں دیا ہے جس کی حکومت اور بادشاہت برائے نام ہے۔ اور اس کی حیثیت بعض ہمارے ملک کے نوابوں سے بھی کم ہے۔ گو وہ برائے نام آزاد ہے۔ یہ کہنا کہ اگر مکہ معظّمہ پر

عربوں کا تسلط ہوا تو کیا اور ترکوں کا ہوا تو کیا؟ واقعات کی طرف سے آنکھیں بند کرنا ہے۔ اسلام کو اس سخت کمزوری کی حالت پر پہنچا ہوا دیکھ کر مطمئن ہو جانا اور اسی حالت پر راضی ہو جانا ایمان اور غیرتِ اسلامی کے خلاف ہے۔ یہ محض اسلامی ہمدردی کا سوال نہیں۔ اگر دوسری سلطنتیں بمنزلہ اعضاء کے ہیں تو خلافت بمنزلہ قلب کے ہے۔ اور اعضاء اور قلب کی کمزوری میں جس قدر فرق ہے، اسی قدر فرق بخارا، افغانستان، ایران میں ایک طرف اور سلطنت ٹرکی میں دوسری طرف ہے۔

یہ آواز مسلمانوں میں سب سے پہلے میاں محمود احمد صاحب نے اٹھائی تھی کہ حجاز کو ترکوں کے ماتحت نہیں رکھنا چاہئے اور عربوں کو آزاد کرنا چاہئے۔ یہ اگر خوشامدانہ الفاظ نہ تھے تو عدم تدبر کا نتیجہ ضرور تھے اور اس لیے آج انہیں خود یہ تجویز اپنے میموریل میں پیش کرنی پڑی کہ حجاز پر ترکی قیادت قائم ہو۔ یہ ایک ہی بات ان کے میموریل میں ایسی تھی جو اس کے پیش کرنے میں کسی قدر کفارہ کا کام دے سکتی تھی۔ مگر اس کا جواب تک وائسرائے نے نہ دیا اور اپنی خاموشی سے یہ بتا دیا کہ حکومت کی پالیسی مسلمانوں کے احساسات مذہبی کو کیا وزن دیتی ہے؟ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر ترکوں کے ہاتھ بھی آج پھر حجاز کی سیادت آ جائے تو یہ بھی مانگی ہوئی خلافت ہوگی۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ جو لوگ ترکوں کی حمایت میں آواز اٹھاتے ہیں وہ یہ سمجھ کر اٹھاتے ہیں کہ اگر مسلمانوں میں کوئی قوم اس وقت اس بات کی اہل ہے کہ دشمنوں کے مقابل پر مقامات مقدسہ کی حفاظت کر سکے، تو وہ صرف ترکی قوم ہے۔ اور خلافت ملکی اسی قوم کا حق ہے، جو ملکی طاقت رکھتی ہو۔ شاہ حجاز کو چند ہزار پونڈ سے خریدا جا سکتا ہے یا چند سو سپاہیوں سے اس کا وہی حشر ہو سکتا ہے، جو امیر فیصل کا سیریا میں فرانسیسیوں کے ہاتھوں ہوا تھا۔ مگر ترکی قوم باوجود اپنی اس کمزوری کے، جس تک وہ پہنچ چکی ہے، اب بھی ایک قوت رکھتی ہے، جس کے ساتھ کوئی سلطنت جنگ کرنے کے لیے گھر میں سوچ کر باہر نکلے گی۔ آج بھی مصطفیٰ کمال اپنی ساری بے سروسامانی کے باوجود ایک طاقت ہے۔ جس کے ساتھ بڑی بڑی سلطنتیں معاہدات کرنے کے لیے پیش قدمی کرتی ہیں۔ مگر بیچارے شاہ حجاز کو کون پوچھتا ہے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ اگر ٹرکی میں کچھ طاقت تھی تو اس جنگ میں کیوں یہ مقامات اس کے ہاتھ سے نکل گئے، تو یہ مسلمانوں اور خود عربوں کی ہی غداری کا نتیجہ ہے، جنہوں نے چند پیسوں کے لیے ایمان بیچ دیا اور اسلام کی قوت کو مخالفین کے مقابل پر خود پاش پاش کروایا!

اس بحث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ پھر حصول خلافت کے لیے جدوجہد پر سارا زور کیوں صرف نہ کیا جائے اور اشاعتِ اسلام کے کام کے ساتھ ساتھ یا اس کام کو چھوڑ کر کیوں احمدی حصولِ خلافت کی کوشش میں نہ لگ جائیں؟ اور یہ وہ سوال ہے جو دونوں خیال کے لوگوں کی طرف سے ہوا ہے جب سے میں نے مسئلہ خلافت کے متعلق کچھ کہا یا لکھا ہے، اسی وقت سے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ بھی کہتا چلا آیا ہوں کہ ہم نے جو کام اشاعتِ اسلام کا اختیار کیا ہے، اسے ہم کسی طرح کمزور نہیں کر سکتے اور نہ چھوڑ سکتے ہیں۔ کیا یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔؟ ایک طرف یہ کہنا کہ قلب اسلام پر حملہ ہے اور دوسری طرف یہ کہنا کہ ہم اپنے کام کو چھوڑ کر دوسری طرف توجہ نہیں کریں گے، کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ قلب اسلام پر حملہ ہوتا ہوتو ہو، وہ کمزور ہوتا ہوتو ہو، ہمیں اس کی کچھ پرواہ نہیں؟ یہ اعتراض بار ہا ہوا ہے، اور میں پھر کہوں گا کہ بدقسمتی سے اسی عدم تدبر کا نتیجہ یہ اعتراض ہے جس میں آج ہماری مسلمان قوم عام طور پر مبتلا ہے۔ جن کے لیے بات بات میں تدبر اور تفکر کا حکم تھا، وہ آج قوم کی زندگی اور موت کے سوال پر بھی تدبر سے کام نہیں لیتے اور آنکھیں بند کر کے ایک یا دوسری طرف کودنا چاہتے ہیں۔ حصول خلافت کی جدوجہد کے کون سے پہلو ہیں؟ جن میں اپنی جماعت کو میں شمولیت سے روکتا ہوں تا کہ اشاعتِ اسلام کے کام کو، جو ایک چھوٹی سی جماعت کر رہی ہے، نقصان نہ پہنچے۔ اب تک جو کچھ کوشش ہوئی، اس کا خلاصہ ذیل کی دو باتوں میں آ سکتا ہے:

اوّل: گورنمنٹ ہند اور گورنمنٹ برطانیہ کی اطلاع میں اس امر کا لانا کہ خلافت مسلمانوں کا ایک مذہبی مسئلہ ہے۔ اس میموریل میں ہم بھی شامل تھے۔

دوم: جب اس میں ہمیں کوئی کامیابی نہ ہوئی تو دوسرا ذریعہ اسی مقصد کو حاصل کرنے کا مہاتما گاندھی کی لیڈری میں یہ خیال کیا گیا کہ ہمیں اول سوراج کے حاصل کرنے کے لیے پورا زور صرف کرنا چاہئے۔ جب ہمیں سوراج مل جائے گا تو کھوئی ہوئی خلافت بھی دوبارہ آ جائے گی۔ اور اب جس قدر کوشش ہے، وہ حصول خلافت کے لیے نہیں، بلکہ حصول سوراج کے لیے ہے، اور یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ اس سے خلافت بھی حاصل ہو جائے گی۔ یہی وہ مسئلہ خلافت کا سیاسی پہلو ہے، جس کی طرف جھک جانے سے میں نے اپنے احباب کو روکا ہے۔ اور اس کی میرے پاس وجوہ ہیں۔ اسی ذیل میں سب سے پہلے

یہ سوال ہمارے سامنے آتا ہے کہ کیا ہند میں سوراج مسئلہ خلافت کو حل کر دے گا؟

افغانستان میں اس وقت مسلمانوں کی حکومت ہے۔ ایران میں بھی مسلمانوں کی حکومت ہے۔ اور بھی بعض ممالک میں مسلمانوں کو کم وبیش سوراج حاصل ہے۔ اگر یہ سب سوراج مسئلہ خلافت کو حل نہیں کر سکے، تو ہندوستان میں سوراج کس طرح مسئلہ خلافت کو حل کر دے گا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ٹرکی جیسی طاقت ور اسلامی حکومت خلافت کو قائم نہ رکھ سکی، تو ہندوستان میں سوراج مسئلہ خلافت کس طرح حل کر دے گا؟ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی فوجوں کے جانے سے ہی خلافت کو نقصان پہنچا ہے۔ جب ہندوستان میں سوراج ہوگا، تو یہ فوجیں باہر نہ جائیں گی۔ اس بات کو ایک حد تک درست مان کر میں یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا عرب کی غداری سے کم نقصان خلافت کو پہنچا ہے؟ اگر ہندوستان کی فوجیں سارا زور لگاتیں، مگر عرب خلافت کے خلاف بغاوت نہ کر دیتے، تو یقیناً سلطنت ٹرکی اس حالت کو کبھی نہ پہنچتی۔ اور اگر کچھ طاقت اس کی کمزور ہو بھی جاتی، تاہم اس کی سیادت عرب پر قائم رہتی۔

اگر ادنیٰ تدبر سے بھی کام لیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ خلافت کے اہم سوال کو جس قدر عربوں اور ترکوں کے تعلقات آسانی سے حل کر سکتے ہیں، اور کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ اور ہندوستان کے سوراج پر مسئلہ خلافت کا اعتبار رکھنا ایک موہوم امید پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھنا ہے۔ جن اسلامی ممالک میں آزاد حکومت ہے، وہ تو کچھ مسئلہ خلافت کے حل کرنے میں مدد نہ دے سکے۔ ہندوستان کے مسلمان، جو سوراج کے بعد نہ صرف تعداد کے لحاظ سے مغلوب فریق کی حیثیت رکھتے ہوں گے، بلکہ مال و دولت اور علم کے لحاظ سے اور بھی زیادہ مغلوب ہوں گے۔ اور ایثار اور قربانی کے لحاظ سے، جو حکومت کے اصل جوہر ہیں، بہت ہی پیچھے ہوں گے۔ وہ مسئلہ خلافت میں اسی قدر معاون ہو سکیں گے جس قدر آج وہ برٹش امپائر میں ایک مغلوب فریق کی حیثیت میں ہیں۔ ان سے کام لیا جاتا ہے، مگر ان کی آواز کی بعد میں چنداں پرواہ نہیں رہتی۔ سوراج کے بعد ان کی ہندوستان میں یہی حالت ہوگی۔ یعنی ان سے کام لے لیا جائے گا، مگر ان کے فوائد کے وقت وہ ایک مغلوب فریق ہوں گے۔ اور ان سے وہی سلوک ہوگا، جو مغلوب فریق سے ہوا کرتا ہے۔ جو قوم اپنی مشکلات کا حل دوسری قوموں کے سہارے کو سمجھتی ہے، وہ جس طرح آج ان مشکلات کے حل ہونے میں ناکام ہے، اسی طرح کل کو بھی ہوگی۔ سارا انحصار دوسروں کی

طاقت پر رکھنا اور اپنی کمزوری کا علاج نہ کرنا، وہ غلط راہ ہے، جس پر قوموں نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے اور ہمیشہ کھاتی رہیں گی۔ پس ہندوستان میں سوراج محض ایک سیاسی مسئلہ رہ جاتا ہے۔ جس کو مسئلہ خلافت کے حل سے چنداں تعلق نہیں۔ ہاں بجائے خود حصول سوراج ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے لیے کوشش کرنا قومی بہتری اور بہبودی سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن اسی جگہ آ کر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم اپنے اصل کام اشاعتِ اسلام کو حصول سوراج کے لئے، جو ایک سیاسی مسئلہ ہے، نہ چھوڑ سکتے نہ کمزور کر سکتے ہیں۔

دوسرے ذرائع، جنہیں مسئلہ خلافت کے حل کرنے میں معاون سمجھا جا سکتا ہے، ان پر بھی ایک نظر ڈال لینا مفید ہوگا۔ عدم تعاون یا ترک موالات کی تحریک نے اس بات کا فیصلہ کر لیا ہے کہ موجودہ حالات میں مسلمان ہتھیار اٹھانے کے خیالات کو ترک کر چکے ہیں، اس لیے اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور محکوم ہو کر حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھانا یوں بھی قرآن کریم اور سنت نبی کریم ﷺ کے خلاف ہے۔ اور ویسے بھی جو شخص کچھ غور و فکر سے کام لے گا، وہ دیکھ سکتا ہے کہ کسی شخص کا مسلمانوں کو یہ مشورہ دینا ان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے کی تعلیم دینا ہے۔ جس چیز کا سامان ہی نہیں، اور واقعات عالم نے جس سامان سے یہاں مسلمانوں کو محروم کر دیا ہے، ان کا نام لینا قومی گناہ بھی ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ سوائے قوم کی بربادی کے کچھ نہیں۔ ہاں! ایک ہی صورت شرعاً تھی کہ یہاں سے ہجرت کی جائے۔ اور اس حکومت کے جوئے کو گلے سے اتار کر پھر آزادی سے کام کیا جائے۔ وہی صورت سامان کے میسر آنے کی بھی تھی۔ مگر سال گذشتہ کا تلخ تجربہ اس بات کے ظاہر کرنے کے لیے بھی کافی ہے کہ ہجرت کے لیے بھی جگہ نہیں۔ اگر ہجرت آج ہماری مشکلات کا علاج ہوتا، تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے لیے وہ سامان بھی زمین میں پیدا کر دیتا، جس طرح کہ اس نے اپنے نبیؐ کے لیے کر دیئے تھے اور اس کا وعدہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ... الخ (100:4) وہ وعدہ غلط نہیں ہو سکتا۔

پس! معلوم ہوا کہ موجودہ حالات عالم ایسے ہیں کہ جن کے اندر قومی طور پر ہجرت کرنا مسلمانوں کے لیے چارہ کار نہیں۔ اور ان لوگوں نے غلطی کی جنہوں نے سال گذشتہ مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ اب چارہ کار ہجرت اور صرف ہجرت ہے۔ ہجرت بلاشبہ ایک ایسا فعل ہے جو اگر صحیح حالات کے اندر ہو تو کامیابی کی کنجی بن سکتی

ہے۔اور جن لوگوں نے ہجرت کی، واقعی ان کا وہ فعل بھی قابل عزت ہے، مگر غلطی ان لوگوں کی ہے جو اس تحریک کے سر پرست تھے، جنہوں نے بغیر سوچے سمجھے ہجرت کا فتویٰ دے دیا اور یہ نہ سوچا کہ یہ لوگ کہاں جا کر رہیں گے؟

خلافت کی امداد روپے سے ایک بہت مفید صورت ہے۔مگر چونکہ مسلمانوں میں ایثار کی صفت برائے نام رہ گئی ہے، اس لیے اس طرف کوئی توجہ نہیں۔سال گذشتہ بیت المال کا ریزولیوشن جمعیۃ العلماء میں پاس ہو گیا۔مگر ہمارے علماء کے ریزولیوشن ہماری کانفرنسوں کے ریزولیوشنوں سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتے۔یعنی وہ نرالفظوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ان پر عمل درآمد کی کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی فکر نہیں کی جاتی۔ بیت المال کا ریزولیوشن پاس ہوا۔کیا آج تک اس میں ایک پائی بھی جمع ہوئی ہے؟ کیا اس کے کوئی قواعد بھی بنے کہ جن سے پبلک کو اطمینان ہو کہ ان کا روپیہ محفوظ ہوگا اور ٹھیک موقع پر خرچ ہوگا؟ ہماری بیماری تو یہی ہے کہ قوم میں قوتِ عمل نہیں اور اب تک قوم اور اس کے رہنماؤں کی توجہ اس بیماری کے علاج کی طرف کوئی نہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمان جس خلافت کے لیے اس قدر جوش دکھلاتے ہیں، اس میں کروڑوں روپیہ جمع کر کے فوراً بھیج دیتے۔اس کے لیے کس نے تحریک کی؟ اور کس کو فکر ہے؟

جو کام کرنے کا ہے اس کی طرف قوم کی توجہ نہیں۔آج اگر بیت المال کا قیام ہی ہو گیا ہوتا تو کیا اس میں ایک کروڑ روپیہ بھی جمع نہ ہو جاتا۔مسلمانوں میں کہنے والے بہت ہیں، کرنے والے نہیں۔ یہی بیماری ہے۔ پھر ہمیں کہا جاتا ہے کہ تم خلافت کے لیے کچھ نہیں کرتے۔اگر ہمارے چند ہزار روپیہ سے، جو اس وقت بہترین مصرف پر خرچ ہو رہا ہے، خلافت کا کچھ بن سکتا ہے، تو ہم تو اسے بھی قربان کر دیں۔مگر نتیجہ کیا ہوگا کہ یہ کام بھی نہ رہے گا۔ جو لوگ ہمیں یہ مشورہ دینے کے لیے تیار ہیں کہ ہم اشاعتِ اسلام کے کام کو ترک کر دیں، اور کسی دوسرے کام میں لگ جائیں، وہ جائیں اور پہلے ان لوگوں سے ہی دریافت کریں، جو تحریک خلافت کے سر پرست ہیں کہ کیا وہ ہمیں یہ مشورہ دیتے ہیں یا اسے قوم اور دین کے لیے بجائے مفید ہونے کے نقصان رساں سمجھتے ہیں۔ترکی قوم کے نمایندے خود ووکنگ میں گئے۔قرآن کریم کے ترجمہ انگریزی کو بھی انہوں نے دیکھا۔ اور انہوں نے اس بات کا عتراف کیا کہ یہ مفید ترین کام ہے، جو اسلام کے لیے ہوسکتا ہے۔اور اسی کام میں آج

مسلمانوں کی کامیابی کا راز ہے۔ اور ہمارے بھولے بھالے بھائی بے سوچے سمجھے ہمیں یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اشاعتِ اسلام کے کام کو ترک کر کے تحریک خلافت میں شامل ہو جاؤ۔ میں کہتا ہوں کہ تحریک خلافت کیا چیز ہے؟ اسلام کی کمزوری کو دور کرنے کا کوئی سامان ہے؟ اصل بات اس میں یہی خدمت اسلام ہے۔ پھر یہ سچ نہیں کہ کوئی سے بھی حالات ہوں، اشاعتِ اسلام سے بڑھ کر اور کوئی خدمت، خدمت اسلام نہیں۔ اگر اشاعتِ اسلام بھی ایک خدمت اسلام ہوتی تو بھی ایک خدمت کے کام کو، جو کامیابی سے ہو رہا ہے، چھوڑ کر دوسری طرف از سر نو کام میں لگنا کوئی مفید بات نہ ہوتی۔ لیکن حق یہ ہے کہ اشاعتِ اسلام سے بڑھ کر نہ کوئی اسلام کی خدمت کا کام ہے اور نہ تحریک خلافت میں اس سے مفید تر کوئی کام اس وقت ہو رہا ہے۔ اور نہ ہی آئندہ اس سے مفید تر کام کی امید ہے، جسے ہم کر سکتے ہوں۔ قرآن کریم اشاعتِ اسلام کے کام کو مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت بتاتا ہے۔ اپنی تاریخ کو ہی اگر دیکھا جائے تو جو کام اشاعتِ اسلام نے کیا وہ تلوار کبھی نہیں کر سکی۔ عرب آنحضرت ﷺ کے زیر فرمان جنگ کے ختم ہونے پر اور اشاعتِ اسلام سے ہوا۔ جب خلافت بغداد ہی ترکوں کے ہاتھ سے، کہ اس وقت یہ کافر تھے، تباہ ہوگئی اور مسلمانوں کی حالت، جہاں تک سوال خلافت ہے، آج کی طرح ہی ہوگئی، تو کوئی تلوار اس خلافت کو واپس نہ لائی، انہی ترکوں کی گردنیں اسلام کے آگے جھک گئیں۔ اور وہ جو اس کے دشمن تھے، جن کے ہاتھ سے اسلام تباہ ہوا تھا، وہی اسلام کے خادم ہی بنے، بلکہ اسلام کی پہلے سے دو چند شوکت کا موجب بن گئے۔ افسوس کہ ہم میں آج اس قدر ایمان بھی نہیں رہا، اور ہم ان لوگوں کو جو اس وقت اسلام کے دشمن نظر آتے ہیں، مسلمان کرنے کی ہمت ہار بیٹھے ہیں۔ ہم، جنہیں وعدہ دیا گیا تھا لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (28:48) کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو سب دینوں پر غالب کرے گا۔

آج دینی غلبہ سے مایوس ہو کر سارا زور دوسرے اسباب پر صرف کرنے کی طرف متوجہ ہیں۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً (7:60) اسلام کی تاریخ میں بارہا صحیح ثابت ہو چکا ہے۔ اور آج پھر اسی کی صداقت روشن ہونے والی ہے۔ ہم دو طرح دنیا میں معزز ہو سکتے ہیں۔ تلوار کا مقابلہ تلوار سے کر کے اپنی قوم کی عزت بچا لیں۔ مگر کون دل آج شہادت نہیں دیتا کہ ہم میں اس کی طاقت نہیں۔ دنیا کے سامان آج اور لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اور اگر ہم ایسا کر بھی لیں، تو بھی ہم دوسروں پر غالب نہ ہوں گے۔ صرف اپنی مغلوبیت کی حالت سے نکل جائیں گے۔ یہ چھوٹا مقصد ہے۔ اس سے بلند تر مقصد یہ ہے کہ ہم تلوار کا

مقابلہ روحانیت سے کریں۔ اور جو ہمیں زور بازو سے مغلوب کر رہے ہیں، ہم انہیں قوت روحانیت سے مغلوب کریں۔ اس کے سامان ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ اور یقیناً ایسے زبردست سامان ہیں کہ ان کے سامنے گردنیں جھک جائیں۔ مگر ان سامانوں کو ہم استعمال نہیں کر رہے۔ اس سے بڑھ کر قوم کی بدقسمتی کیا ہوگی کہ ہمارے ولولے اس چیز کے لیے ہیں، جس کا سامان ہمارے پاس نہیں۔ اور جس قسم کا سامان موجود ہے، اس کی طرف توجہ نہیں۔ بلکہ اسے آج حقیر شے سمجھا جاتا ہے۔ اشاعتِ اسلام کا کام آج مسلمانوں کے دلوں میں کوئی ولولہ پیدا نہیں کرتا۔ یہ سب سے پیچھے رکھا ہوا کام ہے۔ حالانکہ اسلام کو جو حالت پیش آئی ہے، اس میں بھی ایک ذریعہ اب اسلام کی شوکت کو زندہ کرنے کا باقی رہ گیا ہے۔ ہاں! اسے اختیار کرنے کے لیے جس قوت ایمانی کی ضرورت ہے، وہ مفقود ہے۔ وہ قوت ایمانی موجود ہوتی تو ہم اشاعتِ اسلام کے کرشموں کو دیکھ لیتے!

میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اشاعتِ اسلام نہ صرف تحریک خلافت کو زندہ کرسکتی ہے، نہ صرف مسئلہ خلافت کا حل ثابت ہوسکتی ہے، بلکہ یہ وہ طریق ہے، جس پر چل کر خلافت پہلے سے دو چند شوکت سے قائم ہوسکتی ہے۔ مگر اس کے لیے قوتِ ایمانی پہاڑ سے زیادہ مضبوط بکار ہے۔ ہاں! پہلے یہ ہو چکا ہے اور دوبارہ یہ ہو کر رہے گا۔ اسلام کی فتوحاتِ روحانی ہمیشہ اس کی فتوحات ملکی سے زیادہ مفید ثابت ہوئی ہیں۔ ترکوں کو مسلمان بغداد سے مار کر نکال دیتے اور خلافت کو دوبارہ قائم کر لیتے، وہ ان کے لیے اتنا مفید نہ ہوتا، جس قدر ترکوں کا بغداد میں رہ جانا اور مسلمانوں سے میل جول مفید ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جو مسلمانوں پر قوت بازو سے غالب آئے تھے، مسلمان ان پر قوت روحانیت سے غالب آئے۔ اور اسلام کی شوکت دوبالا ہو کر چمکی۔

آج وہی حالات ہیں اور مسلمانوں کی ہی مغلوبیت ایک چھپی ہوئی فتح ہے۔ یاد رکھو کہ اسلام کی مغلوبیت اس کے غلبہ کا اصلی راز ہے۔ جب کبھی یہ مغلوب نظر آیا، وہی وقت اس کے غالب آنے کا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا مکہ سے بھاگنا کس قدر مایوس کن نظارہ تھا کہ داعی اسلام آخر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگتا ہے، مگر مسلمانوں کے دل گواہی دیتے تھے کہ اسی وقت ہی اسلام کو زندگی ملی۔ اس لیے انہوں نے اپنا سنہ ہی اس وقت سے شروع کیا۔ یہ سب سے پہلی شہادت تھی کہ اسلام کی جسمانی مغلوبیت اس کے اصل غلبہ کا وقت ہے۔ صلح حدیبیہ میں پھر ایک ایسی ہی شہادت ملی۔ کفار نے شرائط صلح میں مسلمانوں کو خوب دبایا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ

جیسے انسان کے منہ سے یہ لفظ نکل گئے ۔ یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں دین کے معاملہ میں اس قدر ذلت کی شرائط کیوں قبول کرائی جاتی ہیں؟ ایک شخص پا بہ زنجیر آتا ہے ۔ وہ اپنی پیٹھ پر کوڑوں کے نشان دکھاتا ہے کہ محض مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ مصائب اس پر وارد ہو رہے ہیں ۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم شرائط صلح کے ماتحت تمہیں نہیں چھڑا سکتے ۔ یہ تو آثارِ مغلوبیت تھے جو زمین پر نظر آرہے تھے ۔ مگر ایمان کی آوازیوں گویا ہوئی: اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا . (1:48) یہ مغلوبیت نہیں ۔ یہ عظیم الشان اور کھلی فتح ہے، جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہے ۔ اور ایک ڈیڑھ سال کے عرصہ میں تبلیغ اسلام نے وہ کام کر دکھایا جو کسی فتح سے حاصل نہ ہوسکتا تھا ۔ خود فتح مکہ جو اسلام کی سب سے زبردست فتح ہے وہ بھی فتح کہلانے کی اس لیے مستحق نہیں کہ اس دن اسلام کی قوت بازو نے کفار کو مغلوب کر لیا، بلکہ اس لیے کہ اس دن آنحضرت ﷺ کے خلق عظیم نے کفار کے دلوں کو مسخر کر لیا ۔ اور وہ دشمنان اسلام شیدائے اسلام بن گئے ۔ اگر انہی لوگوں کو تلوار کے ذریعہ سے مسلمان کیا جاتا، تو وہ جان نثاریاں وہ کب دکھلا سکتے تھے، جو بعد میں انہوں نے دکھائیں ۔ ہاں! خود اس وقت جب اسلام کی حالت سخت ہی بیکسی کی نظر آتی تھی، جب کفار قرآن کریم کی ان پیشگوئیوں پر، کہ آخر اسلام کامیاب ہوگا، ہنسا کرتے تھے، یہی دلیل قرآن کریم نے دی ہے کہ غلبہ دلوں کے فتح کرنے سے ہے، نہ جسموں کے ۔ جب جسمانی طور پر کفر غالب تھا تو فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (41:13) یہ اسلام کے غلبہ کی پیشگوئیوں پر اتنا تعجب کیوں کرتے ہیں ۔ ان کو یہ بات بعید کیوں معلوم ہوتی ہے کہ کفر آخر کار مغلوب ہوگا ۔ یہ دیکھتے نہیں کہ زمین تو گھٹتی چلی جارہی ہے اور ان کے بڑے بڑے لوگ اسلام میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں ۔ ان کا جسمانی غلبہ ان کے حقیقی غلبہ کی دلیل نہیں بلکہ اسلام کا روحانی غلبہ اس کے آخر کار غالب آنے کی دلیل ہے ۔ غلبہ تو یہ ہے کہ وہ لوگ، جو جسمانی طور پر غالب ہیں، ان کے دل اسلام کی صداقت سے کھائے جارہے ہیں ۔ اس کے بڑے بڑے دشمن اس کے آگے سر جھکاتے چلے جاتے ہیں ۔ یہ کیسی پیاری اور سچی دلیل ہے کہ غلبہ جسمانیت سے نہیں بلکہ روحانیت سے ہے ۔ غالب آنے کا نشان یہ ہے کہ وہ بات دل کو کھا جائے ۔ ظاہری غلبہ کیا شے ہے؟ جس کے متعلق ایک جگہ یوں فرمایا: وَتِلْکَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (140:3) کبھی ایک قوم غالب ہوتی ہے تو کبھی دوسری ۔ اس سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا ۔

جھوٹے ہیں وہ عیسائی، جو آج عیسائی قوموں کے غلبہ سے اور مسلمانوں کی مغلوبیت سے عیسائیت کی

صداقت اور اسلام کی غلطی کی دلیل لیتے ہیں۔ کیا جب تین سو سال تک عیسائیت رومن امپائر میں مغلوبیت کی حیثیت میں تھی، اس وقت وہ مذہب جھوٹا تھا۔ اور آج اپنے دنیوی اقتدار سے یہ سچا ہو گیا! صداقت کا نشان یہ ہے کہ اسلام کے خلاف اس قدر زہر پھیلا ہوا ہونے کے باوجود، اور مسلمانوں کی موجودہ مغلوبیت کے باوجود قرآن پاک کی صداقت اور نبی کریم ﷺ کی سیرت کے پاک اور دلکش نقوش دلوں کو کھاتے چلے جا رہے ہیں۔ اور عیسائیت کے سارے اقتدار کے باوجود، اس کی ساری فتوحاتِ ملکی کے باوجود، اس کے سارے مال و دولت کے صرف کے باوجود، اس کے سارے لٹریچر کی اشاعت کے باوجود، دلوں پر اس کا تصرف نہیں ہونے پاتا۔ ایک مذہب اپنی مغلوبیت کے باوجود اپنے فاتحین کے دلوں کو کھاتا چلا جا رہا ہے۔ اور دوسرا مذہب اپنی فتوحات ظاہری کے باوجود اپنے پیروؤں کے دلوں کے اندر سے بھی اپنی حکومت کو کھو رہا ہے۔ اور مفتوح قوموں کے دلوں پر بھی اس کا اثر نہیں۔

کاش! مسلمان تھوڑا سا زور اشاعتِ اسلام پر لگا کر دیکھتے کہ اس سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اسلام فاتحین کے دلوں کو، ہاں! مخالفین کے دلوں کو کھانا شروع نہ کر دیتا، تو پھر اشاعت کی طرف سے مایوس ہو کر اور راہ اختیار کر لیتے۔ مگر یہ کیسی بدقسمتی ہے کہ نہ صرف خود توجہ نہیں کرتے بلکہ جب ایک مجدد وقت نے ایک جماعت کو اس کام کے لیے تیار کیا اور اس کام پر لگایا، اور صرف اشاعتِ اسلام کے لیے ایک جماعت بنائی، تو اس کی راہ میں بھی روڑے اٹکائے جا رہے ہیں۔ مجذوبوں اور مجنونوں کے پیچھے لوگ لگیں، کوئی انہیں بُرا نہیں کہتا، مگر مجددِ وقت کے پیچھے لگ کر اشاعتِ اسلام کو اپنا نصب العین نہ بنانا اتنا بڑا جرم ہے کہ عیسائی ہو جانا بھی اس کے برابر جرم نہیں۔ پھر ایک چھوٹی سی قوم، جو اس غرض کے لیے تیار ہوئی، جن کو اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر ایک شخص نے بتایا کہ اسلام کی کامیابی کا راز صرف اشاعتِ اسلام میں مضمر ہے، اس میں ہو کر بھی اگر کوئی شخص اپنی پوری توجہ اس پر صرف نہ کرے اور ادھر اُدھر جھانکنا شروع کر دے کہ شاید فلاں راہ سے اسلام غالب آئے گا، اور فلاں کام کر کے ہم بادشاہ بن جائیں گے، تو سوائے اسلام کی حالت پر رونے کے اور کیا کیا جائے۔ ہمیں تو ہر ایک اس کام سے ہمدردی ہے اور یقیناً ہے جس میں اسلام اور مسلمانوں کی کچھ بھی بھلائی نظر آتی ہے۔ خواہ وہ تھوڑی ہی بھلائی ہو۔ اسی لیے ہماری انجمن نے جب یہ اعلان کیا کہ ہم اشاعتِ اسلام کے کام کو ہی مقدم سمجھتے ہیں۔ اور اس کو کسی دوسرے کام کی خاطر نہ چھوڑ سکتے ہیں، نہ کمزور کر سکتے ہیں، تو یہ بھی ساتھ ہی اعلان تھا کہ ہمیں ترکِ موالات کے

بعض پہلوؤں سے بھی ہمدردی ہے۔ اس لیے کہ ان میں اسلام کا فائدہ تھا۔ اور مسلمان قوم میں کچھ اخلاقِ فاضلہ کی طرف قدم اٹھتا نظر آتا تھا۔ مثلاً یہ کہ جھوٹی عزت کی خواہش دل سے نکل جائے، جسے ہم حکام کے دروازوں پر جا کر طلب کرتے ہیں۔ اور اس جھوٹی عزت کی خاطر اپنا دین وایمان تک بیچنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

ہم نے عزت اس کو سمجھا ہوا ہے جو حکام کے دروازوں پر ذلت اٹھانے سے ملتی ہے۔ حالانکہ ہماری پاک کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ عزت صرف خدا کے آگے جھکنے سے ملتی ہے۔ یا مثلاً یہ کہ اگر ہم اپنے مقدمات کا فیصلہ قرآن وحدیث سے کر سکتے، تو کس قدر خوشی کا مقام تھا! ہمارا روپیہ بھی برباد ہونے سے بچتا اور ہم عملاً قرآن وحدیث پر چلنے والے بھی ہوتے۔ یا مثلاً یہ کہ ہم اپنی خوراک میں، لباس میں، رہائش میں اپنے پیغمبرؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے سادگی اختیار کرتے، اور ان غیر ملکی اشیاء کو، جن کے استعمال نے مسلمان قوم کو اسراف میں ڈال کر تباہ کر دیا ہے، ترک کرتے۔ ہاں! ترکِ موالات کے جو پہلو نقصان دہ نظر آئے، ان میں اختلاف بھی کیا اور علی الاعلان کیا۔ مثلاً تعلیم کے معاملہ میں جہاں خود اپنی قوم کو نقصان پہنچتا نظر آتا تھا اور نقصان پہنچا، ہم نے اپنی آواز اٹھائی۔ یا مثلاً اس معاملہ میں کہ ہمسایہ قوم سے تعلق محبت اور اتحاد پیدا کرتے ہوئے آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے ہو لیں۔ کیونکہ اسی طرح دوسری قوموں کا سہارا تلاش کرنے کی عادت نے ہمیں پہلے بھی تباہ کیا اور پھر بھی تباہ کرے گی۔

دوسری قوموں سے تعلق محبت پیدا کرنا عین اسلام کی تعلیم ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے مذہب کا اصول یہ بنا دیا گیا ہے کہ ہر قوم کے بزرگوں کی عزت کریں۔ مگر مسلمانوں کی نجات صرف ایک ہی طرح ہے کہ وہ اپنی قوم کو مضبوط کریں۔ جہاں دوسروں سے محبت پیدا کرتے ہیں، اپنوں میں محبت پیدا کرنے پر اس سے بھی دہ چند زور لگائیں اور اتحاد اسلامی کی بنیاد کو سب سے بڑھ کر مضبوط کریں۔ ایسا ہی جب ہجرت کی تحریک شروع ہوئی تو ہم نے اس وقت بھی یہی کہا تھا کہ ہجرت خود ایک قابل عزت فعل ہے۔ مگر حالات موجودہ میں ہجرت کرنے کا فتویٰ درست نہیں کہ عملاً یہ بات ناممکن ہے۔ ایسی میانہ روی کے اختیار کرنے کی وجہ سے کوئی ہمیں یہ الزام دیتا ہے کہ مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے ہم یہ کچھ کر رہے ہیں۔ اور کوئی یہ الزام دیتا ہے کہ ہم گورنمنٹ کو خوش کرنے کے لیے فلاں راہ اختیار کر رہے ہیں۔ لوگوں کی زبان سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اپنے بھائیوں کی نیت پر حملہ کرنا

مسلمانوں کا کام نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء مدنظر ہے۔ جس کام میں ہم اسلام کی بھلائی دیکھتے اور یقین کرتے ہیں، جس طرح اس کی حمایت میں آواز اٹھانے سے گورنمنٹ کا خوف نہیں کرتے، اسی طرح جس کام میں اسلام اور مسلمانوں کا نقصان دیکھتے ہیں، اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں، اپنے بھائیوں کی ناراضگی کی پرواہ نہیں۔

ہاں! ہمارا یہ ایمان ہے کہ اصل کامیابی اسی راہ میں ہے جو حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے مقابلہ پر بتائی گئی تھی۔ فرعون اور موسیٰؑ کے حالات کو موجودہ حالات پر چسپاں کرنے والے تو بہت ہیں۔ مگر ان حالات سے جو سبق ملتا ہے، اس کی طرف توجہ نہیں۔ جب فرعون نے حکم دیا: قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَ ھُمۡ وَنَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَ ھُمۡ وَاِنَّا فَوۡقَھُمۡ قٰھِرُوۡنَ. (127:7) ہم بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے۔ اور ہم ان پر غالب ہیں، تو حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے کیا علاج بتایا۔ کیا یہ کہا تھا کہ فرعون کے ساتھ جنگ کرو۔ یا اس سے بغاوت کرو، بلکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو یوں ہدایت فرمائی: قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهِ اسۡتَعِیۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا (128:7) یعنی تمہارے لیے ایک ہی کامیابی کی راہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر جھک جاؤ۔ اس سے مدد مانگو۔ اور جو مصائب انہیں آئیں، صبر سے برداشت کرو۔ یہی راہ اپنی قوم میں قوت پیدا کرنے کی ہے۔ کیوں آج ہمارے بھائی اس راہ کو دوسری سب راہوں پر مقدم نہیں کرتے؟ کیوں اپنی قوم کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور سارا زور دوسری قوم کا سہارا تلاش کرنے پر ہے۔ جب اپنے اندر طاقت پیدا کرنے کی ہی فکر نہیں، تو دوسری قوم کے مقابل زور خاک لگا سکتے ہیں!

یہی وجہ ہے کہ ہماری تجاویز میں سے اکثر کا انجام ناکامی ہے۔ غیر اللہ کا خوف اور غیر اللہ کی خوشی حاصل کرنے کی کوشش یکساں گناہ ہے۔ خواہ وہ غیر اللہ حکّام وقت ہوں اور خواہ اپنے مسلمان بھائی ہوں۔ کلمۂ حق بلا خوف لومۃ لائم کہنا یہ اصل ضرورت ہے۔ مگر ہم ایک بات کے ترک کرنے کی طرف قدم اٹھانے کے باوجود دوسری کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتے۔ ہم میں سے جس طرح بہت لوگ ایسے ہیں، جو عزت کی خاطر حکّام وقت کی خوشامد کرتے ہیں، اسی طرح بہت ہیں جو صرف پبلک کی خوشامد کو اپنا اصول بنائے ہوئے ہیں۔ میانہ روی سے جو اسلام کی تعلیم ہے، یہ دونوں راہیں دور ہیں۔ اپنی قوم سے ہمدردی کا، دوسری قوم سے سلوک کا، خواہ وہ دشمن قوم

ہو، کیا اصول قرآن کریم نے سکھایا: وَلَایَجْرِ مَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (2:5) یعنی کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تمہیں خانہ کعبہ سے روکا، تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے خلاف زیادتی کرو۔ اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مددمت کرو۔ اب دیکھو مسلمانوں کی دشمنی میں جو قوم کوئی سخت سے سخت کام کرسکتی ہے، وہ خانہ کعبہ سے ان کا روکنا یا اس پاک گھر کے متعلق انہیں صدمہ پہنچانا ہے۔ مگر ایسی قوم کا ذکر کر کے بھی فرمایا کہ انصاف کو ان کے مقابلہ میں ہاتھ سے نہ جانے دو۔ ان کے خلاف بھی زیادتی مت کرو۔ یہ وہ پاک تعلیم ہے جس پر قرآن مجید چاہتا ہے کہ ہم قائم ہوں۔ مگر ہم جس طرح خوشامد میں ایک وقت حد سے نکل جاتے ہیں، دوسرے وقت اعتدا کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم کی اصل غرض چونکہ انسانوں کی اصلاح ہے، اس لیے اعلیٰ درجہ کی میانہ روی کا اصول سکھایا ہے۔ یہی وہ اخلاق ہیں جو اگر مسلمانوں سے ظاہر ہوں، تو دوسری قوموں کی گردنیں ان کے اخلاق کے سامنے جھک جائیں۔ مگر ان اخلاق پر قائم ہونا اور دوسروں کو قائم کرنا ایک مشکل راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان بھائیوں کو اسی میانہ روی پر چلنے کی توفیق دے۔

بالآخر میں یہ کہوں گا کہ جب خلافتِ جسمانی اس کمزوری کی حد کو پہنچ گئی تھی تو مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ خلافتِ روحانی کی طرف متوجہ ہوتے۔ مگر انہوں نے اس دوسرے سلسلہ کو، ہاں خدا کے قائم کردہ سلسلہ کو، لغو قرار دے کر اپنی توجہ کو اس طرف سے ہٹا لیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی، جو انسانوں کے اعمال کے مطابق ان کو پاداش دیتا ہے، ان کو اسی حالت میں چھوڑ دیا ہے، جس میں وہ خود داخل ہو گئے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ.

خاکسار

محمد علی

از شملہ، ہری والا

مورخہ یکم ستمبر 1921ء

11 محرم الحرام 1340 ھ/2 ستمبر 1921ء

خطبہ جمعہ فرمودۂ حضرت ملنگ احمد بادشاہ صاحب

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعَد فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْکَ کَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا. وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰـهُمْ عَلَيْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْکَ وَکَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَکْلِيْمًا. (164-163:4)

آپ نے فرمایا: یہ آیات جو اس وقت تلاوت کی گئی ہیں بتلاتی ہیں کہ نجات کی خواہش کس طرح نسل انسانی میں عام ہے اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے عالمگیر وحی کو بطور علاج ہر ایک قوم میں اتار کر اس کی تربیت کے لیے سامان مہیا کیے ہیں۔ انسان کے تجربہ کے اندر دکھ سکھ نظر آتے ہیں۔ دنیا میں مذہب کی اشاعت وضرورت کے لیے یہ خواہش ذمہ دار رہی ہے کہ انسان زندگی کے اندر کئی مواقع فکر وخوشحالی کے دیکھ کر یہ تجویز کرتا ہے کہ میں کس طرح فکر وغم سے آزاد ہو جاؤں۔ یہی تو مسئلہ تھا جس نے نسل انسانی کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ سمجھدار لوگ اسی ٹوہ میں لگے رہے کہ کیا ذریعہ ہے، جس سے ہم ان مشکلات زندگی کو رفع کر سکتے ہیں؟

یہی پہلی خواہش ہے جو مذہب کی بنیاد تھی۔ اس کی بہت تشریحات ہوتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس دنیوی زندگی میں ایسی زندگی کس طرح حاصل کریں جو دکھ کو رفع کرے۔ لوگوں نے اس خواہش کو بڑھا چڑھا کر کہا کہ انسان کو دنیا میں ایسی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں ہمیشہ دکھ سے ہی گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ خوشی کی زندگی بعد موت ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ گویا سکھ بعد موت حاصل ہوتا ہے اور دکھ اس زندگی میں۔ جس خواہش نے مذہب

کی ضرورت پیدا کی تھی، وہ یہ تھی کہ اس زندگی میں جو کمزوریاں حاصل ہوتی ہیں، انہیں کس طرح دور کریں؟ وہ مذہب کیا ہوگا جو دنیا میں ہدایت کا راستہ نہ دکھائے۔ ایسا مذہب مذہب نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کرتا۔ اس لیے کہ فطرت انسانی میں یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کیا چیز ہے جو دکھ کو گھٹا کر نسل انسانی کو سکھ سے بہرہ یاب کرے؟ اس سوال کو ہندوستان کے ایک بہت بڑے انسان نے حل کرنا چاہا۔ گوتم بدھ نے یہ دیکھ کر، کہ دنیا میں کئی دکھ ہیں، جو انسان کو مجبور کیئے رکھتے ہیں، یہ خیال کیا کہ وہ کیا چیز ہے جو انسان کو اس شیطان سے رہائی دلاسکتی ہے۔ یہی خواہش تھی جو دین کی بنیاد تھی۔ اس سوال کو بدھا نے اپنے آپ پر پیش کیا۔ اور اس کے علاج کے لیے بہت دور گھر چھوڑ کر نکلا۔ اور بعد میں کہا کہ میں نے ایسا راستہ نکالا ہے جو سارے دکھوں کو نکال دیتا ہے۔ آپ پہلے تشریح کرتے ہیں کہ کیسے حالات میں انسان دکھ محسوس کرتا ہے۔ اور پھر خوشی کے راستوں کی تشریح کرتے ہوئے جو راستہ نجات کا بتاتے ہیں، اس کا نام نروان رکھتے ہیں۔ انسان ان خواہشات کو، جو فطرت انسان میں رکھی گئی ہیں، پورا ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے، ورنہ دکھ محسوس کرتا ہے۔ جناب بدھ فرماتے ہیں۔ ان خواہشات کو مٹا دو۔ جب بغیر کسی خواہش کے ہو جاؤ گے تو تم کو فکر بھی نہ رہے گی۔ ان قویٰ کو مار ڈالو، ان کی بیخ کنی کر ڈالو۔ قویٰ انسان کی تربیت میں نہیں، بلکہ انہیں مار دینے میں انہوں نے فلاح دیکھی۔

ایک صاحب، جو بدھ مذہب سے گہرا تعلق رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ہر ایک شخص نکاح کرنے سے باز رہے تو نسل انسانی اٹھ جائے گی۔ یہ بہتر ہے کہ نسل انسانی دنیا سے مٹ جائے، بجائے اس کے کہ ہزارہا لوگ جنگ پلیگ وانفلوئنزا میں مبتلا ہو کر مریں۔ غرض جو بات اپنے لیے بطور اصول کے لی تھی، اس کا کوئی علاج نہیں کیا، بجز اس کے کہ نسل انسانی کو مٹا دے۔

انسان کیا چیز ہے؟ چند فطرتی طاقتوں وخواہشات کا مجموعہ۔ جن کی وجہ سے وہ مجبور ہے کہ کوئی کام کرے یا نہ کرے۔ بدھ مذہب کہتا ہے فطرت کے فنا ہونے میں کامیابی ہے۔ اس کے برخلاف اسلام کہتا ہے ان خواہشات کو کاٹ نہیں سکتے۔ وہ ہو کر ہی رہیں گی۔ بلکہ ان کی تربیت کرو۔ خواہشات کو مار ڈالنا علاج نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم ان خواہشات کے ہوتے ہوئے کس طرح فلاح پائیں؟ فلاح کیا ہے؟ فطرتِ انسانی ایک ایسا امر ہے، جس میں قوتیں واستعدادیں دبی پڑی ہیں۔ ان قوتوں کو ایسی مکمل صورت میں لے آنا چاہئے کہ وہ سب مل کر

ایک ابدی خوشی حاصل کریں۔خواہشات کے ہونے میں برائی نہیں، بلکہ ایک خواہش کے خلاف دوسری خواہش کا ہونا برائی ہے۔اسلام کہتا ہے تمہاری خواہشات ایسے مقررہ انداز پر بنائی جائیں گی کہ ایک خواہش دوسرے سے ٹکرا نہیں سکے گی۔یعنی تمام خواہشات مل کر ایک مجموعی حالت پیدا کرلیں گی۔

خدا کو پانا بھی ایک خواہش انسانی ہے۔ بچہ پیدا کرنا بھی ایک خواہش انسانی ہے۔ یہ دونوں خواہشات پیدائش سے انسان میں رکھی گئی ہیں۔ یہ فطرت انسانی پر ظلم نہیں بلکہ احسان ہے کہ تمام خواہشات کا لحاظ رکھ کر ان کی تربیت کے لیے سامان رکھا۔اس لیے اس کا نام فطرتی مذہب ہے۔فطرتی مذہب کے معنی یہ نہیں کہ پیدا ہوتے ہی خدا ایک اور رسول ایک مان لیں۔اس کے معنی یہی ہیں کہ فطرتِ انسانی کے اندر ایمان کا بیج ڈال کر اس اصول کی آبیاری کریں۔اسلام بھی ایک طرح کا اپنے آپ کو مٹانا ہے مگر کس طرح؟ ایک اور بقا کے لئے۔ستار اور ہار مونیم کے ماہر جانتے ہیں کہ ہر ایک سُر اپنے اپنے مقام پر ہوتا ہے۔آوازیں مختلف ہوتی ہیں۔اگر سب کو دبایا جائے تو بری آوازیں نکلتی ہیں۔ جو شخص بجانا جانتا ہے، وہ ہر ایک سر کو موقع دے کر چند سروں کو جمع کر کے ایک خوشنما آواز نکالتا ہے۔ان خواہشات کو سروں کے مقام پر رکھو۔اور تم اس فطرتِ انسان پر ایسے کمال کرو کہ ساری خواہشات مل کر ایک مجموعی آواز نکالیں۔ یہ مذہب ساری خواہشات کو موقع دے کر مجموعی طور پر ایک ایسا راگ نکالتا ہے،جس کو روحانی زندگی کہتے ہیں۔

ہر ایک مذہب کی یہ خواہش ہے کہ ہم نجات حاصل کریں،سُکھ حاصل کریں۔خواہش کے ساتھ مختلف مذاہب کے مختلف راستے نکلتے ہیں۔اگر غور سے دیکھا جائے تو فطرتِ انسانی کی تربیت کرنے میں ہر ایک مذہب کسی نہ کسی طرح سے فطرت کو مارنے یعنی اپنے آپ کو مارنے کا کسی نہ کسی طرح سے سبق دیتا ہے۔اپنے آپ کو مٹانے کے یہ معنی ہیں کہ مجموعی طور پر اپنے اندر سارے متضاد جذبات کا اتفاق پیدا کریں۔اور صحیح انداز ہ سے ان میں اعتدال قائم کریں۔

ہندو مذہب اور مسیحی مذہب میں خواہشاتِ فطرت اور جذبات میں فرق کیا گیا ہے۔ یہ مذہب کہتے ہیں کہ فلاں جذبہ اچھا ہے، فلاں بُرا، رحم اچھا ہے غصہ بُرا۔اسلام کہتا ہے کہ غصہ انسان کے ساتھ کرنا رحم کا ایک پہلو ہے۔نیکوں کے ساتھ محبت اور مظلوموں کے ساتھ رحم کا نتیجہ ظالموں کے ساتھ غصہ ہے کہتے ہیں غصہ کو مٹادو، بیل

بن جاؤ۔ مگر بیل کو بھی آخر غصہ آتا ہے۔ یہ غلط تعلیم تھی۔ ان لوگوں نے کہا۔ بیوی کرنا بری خواہش ہے۔ مگر یہ فعل فطرت میں کیا مقام رکھتا ہے انہوں نے نہیں سمجھا۔ اسلام نے اس نکتہ کو سمجھایا ہے کہ کوئی فطرتی خواہش اپنے مقام پر بُری نہیں۔ بلکہ کسی خواہش کا اچھا و بُرا اس کے صحیح طریق و اندازہ سے مشروط ہے۔ جو چیزیں ہمارے مقصد کے ماتحت ہوتی ہیں، وہ ایک طرح سے فنا ہونے والی ہیں۔ مگر دوسری طرف سے اس مقصد میں زندہ رہتی ہیں۔

اب دیکھو ان باتوں کی تائید میں آیات قرآنی پیش کرتا ہوں۔ میں نے کہا تھا ہر ایک مذہب میں خواہش یہ رہی ہے کہ ابدی زندگی حاصل کریں۔ دوسرے الفاظ میں یہاں خدا کا ذکر کرنا ہے۔ یہود اور نصارٰی کہتے ہیں ہمارے سوائے کوئی بھی جنت میں داخل ہو نہیں سکتا۔ یہ ان کی بے جا خواہشات ہیں۔ کیونکہ اگر وہ سچے ہیں تو پھر کیا دلائل ہیں۔ خدا کہتا ہے کہ وہ جو اپنے آپ کو خدا کا کامل فرمانبردار بنا چکا ہے، یعنی کسی مقصد اعلیٰ کے ماتحت کر دیا ہے، اور نیک کام کرنے والا ہو چکا ہے، اس کے لیے کوئی خوف نہیں۔ یہود اور نصارٰی کہتے ہیں۔ جنت ہماری ہے۔ جنت کسی خاص فرقہ کے لیے نہیں، مگر وہ جو اپنے آپ کو کامل فرمانبردار بنا چکے ہیں۔ اسی حالت انسانی کو، جس میں خوف نہیں ہم جنت کہتے ہیں۔ فطرتِ انسانی میں یہ خواہش مرکوز ہے کہ وہ کوشش کرتا ہے کہ بغیر کسی فکر کے رہے۔ اسی حالت کے متعلق قرآن فرماتا ہے: **لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ** (62:10) اسی حالت کو ہم جنتی زندگی کہتے ہیں۔ اس کے معنی کیا ہیں **بَلٰى مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ** (112:2) بے شک وہ جو اپنے آپ کو ایک اعلیٰ ذات کے لیے فنا کر چکا ہے اور نیک عمل کرتا ہے، اس کے لیے خوف نہیں، اسلام اس حالت کو کہتا ہے، جس میں وہ ڈر سے محفوظ رہتا ہے۔ ہم اس کو امن کہتے ہیں۔ اسلام کے لفظ سے یہ وعدہ دیا جاتا ہے کہ تم کو امن دیا جائے گا۔ غرض: **وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ** تمہارا گول (Goal) ہے تمہارا ہاربر (Harbour) ہے۔ وہ حالت دل، جس میں خوف نہیں، کیا ہوتی ہے؟ اس کی تشریح کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے: **يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ. ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً. فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ. وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ** (89:27-30) یعنی اے نفس مطمئنہ! رجوع کر اپنے رب کی طرف۔ وہ تجھ سے راضی تو اس سے راضی۔ پس داخل ہو اس کے بندوں میں اور اس کی جنت میں۔ وہ چاہتا ہے کہ تم اس کے ساتھ راضی ہو جاؤ۔ اس کے معنی کیا ہیں؟ ہم نیک کام

کریں تو وہ راضی ہو جاتا ہے۔مگر وہ تمہاری رضا کو کیوں چاہتا ہے۔انسان جب خوشی کی زندگی بسر کرتا ہے، تو اس کے لیے آسان ہے کہ خدا سے راضی ہو جائے۔لیکن جب مصائب و آزمائشوں میں پڑتا ہے تو خدا کے ساتھ راضی ہونا دشوار ہے۔لوگ دہریہ اور منکر بن جاتے ہیں۔مگر وہ چاہتا ہے کہ تم پورے فنا ہو جاؤ۔ایسا کہ جو کچھ بھی اس کی طرف سے بلا آئے، تم اس پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہو۔یہ نہیں کہنا چاہئے کہ یہ میٹھا ہے یہ کڑوا۔کیونکہ ایسی زندگی میں تو ہم میٹھا اور کڑوا سے بالا ہو گئے۔میٹھا بھی ملا تو اپنے یار سے کڑوا بھی ملا تو اپنے یار سے۔غرض جو کچھ بھی ملا اپنے یار سے ملا۔صرف چار رکعت نماز پڑھ لی تو تابعداری نہیں۔تابعداری یہی ہے کہ اسی کی محبت میں مریں مٹیں۔خدا کی رضامندی میں ہی تمہاری زندگی ہے۔کیا اعلیٰ خیال اسلام میں موجود ہے! کیسے اعلیٰ اصول جمع کیے گئے ہیں! ہمارے دل میں کوئی خوف نہیں، کوئی غم نہیں، اس حالت دل کو ہم نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔اسی حالت کو بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (112:2) کہا گیا ہے۔غرض رضاء الٰہی ہمارا نقطہ ہے، تو اس کے معنی یہی ہیں کہ پورے پورے طور پر تابعدار ہو کر ساری چیزوں کی محبت سے کٹ کر ایسی ہستی کے سامنے مٹ جانا، جس میں اصل بقا اور سکھ ہے۔اسی کو ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں۔یہ وہ مقامِ توحید ہے، جس کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (112:2)

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس رضاء الٰہی کو ہم کسی طرح معلوم کریں؟ رضاء الٰہی کو علانیہ طور پر انسان کو معلوم کرانے والے کو ہم نبی کہتے ہیں۔یہ دوسرا حصہ مذہب کا ہے یعنی رسالت۔خوشی کس طرح حاصل کریں؟ دکھ سے کیسے باز رہیں؟ یہ خواہش نسل انسانی کے لیے عام ہے۔اگر یہ صرف عربوں کی خواہش تھی تو محمد ﷺ ان کے لیے کافی تھے۔لیکن سب انسانوں کی خواہش یہی ہے اور خدا رب العالمین! اس لیے خدائے پاک نے تمام انسانوں کے لیے ہدایت کے راستے مہیا کیے ہیں۔اس عالمگیر اصول کو مانتے ہوئے وسعت دلی سے محمد ﷺ کی ہی زبان سے یہ وحی ہوئی ہے کہ دیکھو مسلمانوں! کہیں یہود و نصاریٰ کی طرح یہ نہ سمجھنا کہ نجات ہماری مناپلی (Monopoly) یعنی اجارہ داری ہے۔دیکھو کہیں تم گھمنڈ میں نہ آ جانا کہ جنت ہمارے باپ کی مِلک ہے، ہم جنت میں جائیں گے۔خدا کی صفتِ ربوبیت کا یہی تقاضا ہے کہ وہ ہر ایک کو آغوش رحمت میں لائے۔اس تعلیم کو

سمجھانے کے لئے کہ ہر ایک کی تربیت کا بوجھ اپنے ذمہ ہے، یہ آیت اتاری گئی۔ جہاں کہیں نیک عمل و کامل تابعداری ہے، وہاں نجات ہے۔ یہ نہیں کہ نام مسلمان ہونے سے نجات ہے۔ یہ نہیں کہ تمہارے اندر نبی کے آنے سے نجات کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔ ایسا تو ساری قوموں میں نبی چلے آتے ہیں۔ فرمایا: اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَاَوۡحَیۡنَآ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِیۡسٰی وَاَیُّوۡبَ وَیُوۡنُسَ وَہٰرُوۡنَ وَسُلَیۡمٰنَ وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا. (163:4) تحقیق ہم نے وحی بھیجی طرف تیرے، جیسے وحی بھیجی ہم نے طرف نوحؑ کے اور پیغمبروں کے، پیچھے اس سے اور وحی بھیجی ہم نے طرف ابراہیمؑ کے اور اسماعیلؑ کے اور اسحاقؑ کے اور یعقوبؑ کے اور اولاد اس کی کے اور عیسیٰؑ کے اور ایوبؑ کے اور یونسؑ کے اور ہارونؑ کے اور اسمٰعیلؑ کے اور دی ہم نے داوٗدؑ کو زبور۔''

ایسی وسعت قلبی دنیا کی ساری کتابوں میں کہاں پاؤ گے؟ مذہب عیسوی نے ہر ایک مذہبی کے سر پر ایک گناہ رکھا۔ ان سب کو گنہگار بنا کر آپ (یسوع) معصوم ٹھہرے۔ مقابلۃً اسلام کہتا ہے کہ جس طرح تم پر وحی اتاری، ایک ہی مقام تمام نبیوںؑ کو عہد رسالت میں دے کر کیا غضب کیا کہ لَانُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ (285:2) کہہ کر وسعت دلی پر مہر لگا دی۔ کیا خدا نے صرف انہی نبیوں کا ذکر کیا جو بنی اسرائیل کے تھے؟ آپ کہہ سکتے ہیں ساری قوموں پر نظر شفقت نہیں کی۔ دوسروں کا یہاں ذکر نہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت کافی ہے وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰہُمۡ عَلَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡہُمۡ عَلَیۡکَ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا. (164:4) ''اور بھیجے ہم نے پیغمبر کہ تحقیق یہ بیان کیا ہم نے ان کو اوپر تیرے پہلے اس سے اور پیغمبر کہ نہیں بیان کیا ہم نے ان کو اوپر تیرے اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰؑ سے باتیں کرنا۔'' دیکھو فرماتا ہے ہم نے ایسے رسولؑ بھیجے ہیں، جن کا ذکر ہم نے کیا ہے۔ اور ایسے رسولوں کو بھی بھیجا ہے، جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا۔ لیکن ان کے رسول و نبی ہونے کا علم ہو چکا ہے۔ گو کسی مصلحت سے ان کا نام نہیں لیا گیا۔ قریب کے رسولوں کا نام لے کر بتا دیا کہ کس اصول کے ماتحت رسول بھیجے جاتے ہیں۔ دیکھو کونسی بات چھوٹ گئی۔ کیسی عمدہ تعلیم قرآن میں دی گئی ہے۔ مگر بدقسمتی سے مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جو زیادہ تعصب سے کام لیتی ہے۔

مسلمان کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ سوچ چکے۔ اب ہمارے لیے کچھ نہیں کہ سوچیں۔ خیال کرو کہ وہ

مخالفوں کے خیال کی عزت نہیں کرتے، تو وہ ان کے خیال کی کیسی عزت کریں۔ سنو اور سناؤ۔ اور پھر انصاف سے ایک فیصلہ پر پہنچو۔ مسلمانوں کی حالت کو دیکھ کر دشمن کہتے ہیں کہ یہ محمد ﷺ کا مذہب ہے اور آپؐ پر فنیٹک کا دھبا لگاتے ہیں کہ آپ متعصب انسان تھے۔ آپ کے خیالات محدود تھے اور آپ کسی اور کے خیال کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اس طرح الزامات لگاتے ہیں۔ مگر وہ جو یہ آیت پڑھے گا: اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَاَوۡحَیۡنَآ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِیۡسٰی وَاَیُّوۡبَ وَیُوۡنُسَ وَہٰرُوۡنَ وَسُلَیۡمٰنَ وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا. وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰہُمۡ عَلَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡہُمۡ عَلَیۡکَ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا. (4:163-164) کیا اس کو یہ جرأت ہوگی کہ وہ یہ کہے کہ محمد ﷺ فنیٹک تھے۔ یہ آیت پڑھ کر دوسرے رسولوں کی بھی عزت بڑھادی۔

میری بھی دلی خواہش ہے کہ آپ جہاں تک ہو سکے نہ صرف قرآن کریم کے الفاظ سے فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں، بلکہ خود اس کے مغز سے، جس سے اسلام کا بول بالا ہو، فائدہ اٹھا کر کامیاب ہوں۔ قرآن کریم میں تدبر کرو۔ نجات حاصل کرنا آسان نہیں۔ مسیحؑ فرماتے ہیں۔ نجات کا دروازہ چوڑا ہے، مگر راستہ کٹھن۔ صرف علماء کی باتوں پر نہ جاؤ۔ یعنی اپنی نجات کا ٹھیکہ علماء اور ملاّ پر لگا کر نہ بیٹھو، بلکہ اپنی خداداد طاقت سے غور و تدبر سے کام لے کر اس راہ راست پر پہنچو، جس کے متعلق کہا جائے: لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ (10:62)

المرسل

خاکسار محمد عزیز اللہ

از مدراس۔ مورخہ 3 ستمبر 1921ء

۞۞۞

19 محرم 1340ھ

قسط اوّل

اتمامِ حجت

از حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

مصنفین سلسلہ احمدیہ کا اصل مذہب۔ نبی یا محدث

میں چند ٹریکٹوں کے ذریعہ سے میاں محمود احمد صاحب اور ان کے مریدین پر اس بات کو واضح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ میاں صاحب نے جو نبوت حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کی ہے، وہ ان کی اپنی اختراع ہے۔ حضرت مسیح موعود یا جماعت احمدیہ اس مذہب پر قائم نہ تھے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے میں یہ دکھاؤں گا کہ جو لوگ آج میاں صاحب کی مریدی کی وجہ سے ان کی ہاں میں ہاں ملا کر حضرت مسیح موعود کی نبوت کو محدثیت یا لغوی یا مجازی نبوت سے بالاتر قرار دیتے ہیں، وہ میاں صاحب کی کتاب ''حقیقۃ النبوت'' کے شائع ہونے سے پہلے کیا لکھتے رہے ہیں۔ اتمام حجت کے لیے صرف 1901ء کے بعد کی تحریروں کا حوالہ دیا جائے گا۔

1۔ سب سے پہلے مولوی سرور شاہ صاحب کو لو۔ جنہوں نے قرآن شریف کی تفسیر بھی سات آٹھ پاروں کی لکھی ہے اور جو تھیولاجیکل کالج (مدرسہ احمدیہ) کے پرنسپل ہیں۔ اور میاں صاحب کے استاد ہیں اور میاں صاحب کی عدم موجودگی میں امامت نماز کراتے ہیں۔ 1911ء میں یعنی حضرت مسیح موعود کی وفات سے تین سال بعد تک ان کا مذہب کیا تھا۔ جب کسی مخالف نے لفظ نبی کے استعمال پر اعتراض کیا تو اس وقت مولوی سرور شاہ صاحب نے ذیل کا جواب دیا۔ جس کو اخبار بدر نے ''لفظ نبی یا مجدد کا استعمال'' کا عنوان قائم کر کے شائع کیا:

> ''لفظ نبی کے معنی اپنے مصدروں کے لحاظ سے دو ہیں۔ اوّل: اپنے خدا سے اخبار پانے والا۔ دوم: عالی رتبہ شخص۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ بکثرت شرف مکالمہ سے ممتاز کرے اور

غیب کی خبروں پر مطلع کرے وہ نبی ہے۔اس رنگ میں میرے نزدیک تمام مجددین سابق مختلف مدارج کے انبیاء گزرے ہیں''

(بدر مورخہ 16 فروری 1911ء)

یہاں اوّل تو عنوان نے ہی فیصلہ کر دیا۔لفظ نبی یا مجدد کا استعمال کہ اس وقت جماعت کا مذہب یہ تھا اور یہی اخبار نویسوں کا مذہب تھا کہ لفظ نبی کا استعمال ہم بمعنی مجدد کر رہے ہیں۔ پھر مولوی سرور شاہ صاحب نے تمام مجددین سابق کو مختلف مدارج کے انبیاء قرار دے کر واضح کر دیا کہ جس نبوت کو وہ حضرت مسیح موعود میں مانتے ہیں، وہ وہی ہے، جو محدثین امت میں جاری وساری رہی ہے۔ پس اگر انہوں نے کبھی لفظ نبی کا استعمال کیا، تو صرف اسی معنی میں، یعنی بمعنی محدثیت۔اور ایسا ہی اگر دوسرے کسی نے بھی لفظ نبی کا استعمال کیا، تو وہ بھی بمعنی مجدد ہی تھا۔

2۔دوسرے نمبر پر مفتی محمد صادق صاحب ہیں۔ جو اخبار بدر کے ایڈیٹر تھے۔اور جو میاں صاحب کی جماعت میں رہنمائے تبلیغ ہیں۔مفتی صاحب اپنی قلم سے مولوی شبلی مرحوم سے اپنی ملاقات کا قصہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

''شبلی نے دریافت کیا کہ تم لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارا عقیدہ اس معاملہ میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرتؐ خاتم النبیّین ہیں۔آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ نہ نیا اور نہ پرانا۔ ہاں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔اور وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل آپ سے فیض حاصل کر کے اس امت میں ایسے آدمی ہوتے رہے جن کو الہام الٰہی سے مشرف کیا گیا۔اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے اور الہام الٰہی کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ نے بہت سی آئندہ کی خبریں بطور پیشگوئی کے بتلائی تھیں جو پوری ہوتی رہیں۔اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں۔''(بدر جلد 9 نمبر 51و52)

معلوم ہوا۔اس وقت تک ابھی خاتم النبییّن کے یہ معنی کہ آئندہ نبی آپ کی مہر سے بنا کریں گے،تراشے نہ گئے تھے۔ بلکہ اس کے یہ معنی کیے جاتے تھے کہ نبوت آپؐ پرختم ہوگئی۔اور صرف اصطلاح لغوی میں حضرت صاحب پر نبی کا لفظ استعمال کرتے تھے۔یعنی اس معنی سے کہ آپ پیشگوئی کرنے والے ہیں۔جس معنی میں دوسرے محدثین پر بھی اس لفظ کا استعمال جائز ہے۔کیونکہ پیشگویاں وہ بھی کرتے تھے۔

3۔میر محمد سعید صاحب حیدرآبادی، جو جماعت حیدرآباد دکن کے پیشرو ہیں، ان کو مولوی انوار اللہ صاحب حیدرآبادی کے جواب میں کتاب لکھنی پڑی۔اوراس میں حضرت صاحب کے دعویٰ نبوت پر بحث کرنے کی ضرورت پیش آئی،تو ذیل کا جواب دیا:

''اگر نکتہ چیں صاحب کی مراد یہاں دعویٰ نبوت ورسالت تشریعی ہے تو یہ محض افتراء ہے۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے''توضیح مرام''میں لکھا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا. (40:33) ہاں حضرت مرزا صاحب نے محدث ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور محدث کی تعریف، جو احادیث صحیح بخاری وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے، وہ ایک قسم کی جزوی نبوت اور ظلی اور طفیلی رنگ کی ہوتی ہے۔ جو ہر ایک محدث امتی کو عطا ہوتی ہوتی ہے۔''

(انوار اللہ صفحہ 263)

''غرض حضرت مرزا صاحب نے صرف محدث ہونے کا دعویٰ کیا ہے، نہ نبی حقیقی ہونے کا، جو خاتم النبییّن کے منافی اور لا نبی بعدی کے خلاف ہے جس میں استغراق بہ سبب واقع ہونے نکرہ تحت لائے نفی جنس کے ایسا کامل ہے کہ آج میاں صاحب اوران کے مرید ادنیٰ فکر سے کام لیں تو معلوم ہو کہ خاتم النبیین کے یہی معنے سب احمدی کرتے تھے کہ نبوت آنحضرت ﷺ پرختم ہے۔اگر نبوت میں سے کچھ باقی ہے وہ صرف محدثیت ہے۔

(انوار اللہ صفحہ 269)

1904ء میں وہ ''توضیح مرام'' کا حوالہ دے رہے ہیں۔ جو 1891ء کی تصنیف ہے۔مگر اب میاں صاحب کے ہمنوا ہو کر یوں کہتے ہیں:

''1901ء سے پہلے کے وہ حوالے، جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے، اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔''(حقیقۃ النبوۃ صفحہ 121)

اور 1904ء میں لکھتے ہیں:

''حضرت مرزا صاحب نے صرف محدث ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔''

''اور اب میاں صاحب کے ساتھ دوسرا راگ گاتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے 1901ء میں اعلان کیا کہ میں محدث نہیں بلکہ نبی ہوں''(انوار اللہ صفحہ 130)

4۔ مولوی عمر الدین صاحب شملوی 1914ء میں کتاب ''ختم النبوت کی حقیقت'' لکھتے ہیں۔جس کی اشاعت میاں صاحب کی مریدی اختیار کرنے کے بعد ہوتی ہے۔اس میں ایک لمبی بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں آتا ہے:

''نبی بالفعل اور نبی بالقوہ میں صرف منصب کا فرق ہے۔ ورنہ دونوں میں کمالات کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اور محدث کو جب نبی کہیں گے تو بلحاظ کمالات کے ہی کہیں گے۔ اور حضرت مرزا صاحب نے بھی ان ہی معنوں میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر سدّ باب نبوت نہ ہوتا تو محدث ویسے ہی نبی ہو جانے سے پہلے تشریعی نبی تھے۔ اس تحریر میں سد باب نبوت کے الفاظ بھی قابل غور ہیں۔ جس کو آج یہی لوگ لعنت اور عذاب قرار دے رہے ہیں۔ اس لیے سد باب نبوت کہہ کر دعویٰ نبوت سے انکار کرنا یہی معنی رکھتا ہے کہ میں تشریعی نبوت کا مدعی نہیں ہوں، جو ختم نبوت کے خلاف ہے۔ ہاں محدث ہوں جو بالقوہ نبی ہوتا ہے۔''(ختم نبوت کی حقیقت۔صفحہ 210)

اور ایک اور رسالہ میں، جو وہ بھی 1914ء کا ہے، یوں لکھا ہے:

''یہ تو سچ ہے کہ امت مرحومہ کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی تشریعی نہ ہوگا۔مگر یہ تو کسی زمانہ میں بھی اجماع نہیں ہوا کہ بروزی نبوت کا بھی دروازہ بند ہوگیا۔ بلکہ اس کے برخلاف ہر زمانہ میں ایسے لوگ موجود رہے، جو بروزی نبوت کے خود مظہر تھے۔'' (تکدر النجم صفحہ 8و9)

1914ء تک ان مولوی صاحب کا ایمان بھی دوسرے لوگوں کی طرح یہی تھا کہ حضرت صاحب کی نبوت سے مراد محدثیت ہے۔مگر اب وہ ایمان باقی نہیں رہا۔انہوں نے خود بھی 1914ء میں اختلاف کے بعد اس خطرہ کو محسوس کیا تھا۔اور یوں لکھا تھا:

''جب ہم کھول کھول کر دکھا رہے ہیں کہ حضرت میاں صاحب تو صاف قرآن وحدیث کے خلاف اعتقاد رکھتے ہیں کہ تمام اہل قبلہ جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی بیعت نہیں کی وہ کافر ہیں۔اور اب تو احمدیوں کو بھی فاسق کا خطاب مل رہا ہے گو یہ تو ہمیں نہیں کہا جاتا کہ تم یہ بات مانو،مگر اس میں کیا شک ہے کہ خود میاں صاحب کا عقیدہ یہی ہے۔جو آپ کو امام مانیں گے، لازمی امر ہے کہ وہ ایسے عقیدہ کی طرف جھک پڑیں۔ چنانچہ یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ جن لوگوں نے بیعت کر لی ہے، ان میں سے بہت سے لوگ اس طرف رجحان رکھتے ہیں۔''

مگر آخر خود بھی اوروں کے ساتھ اسی پیر پرستی کا شکار ہوئے اور اسی گڑھے میں گر گئے جس سے دوسروں کو ڈرا رہے تھے۔

5 ۔ میر قاسم علی صاحب، جو ایک سے زیادہ اخباروں کے ایڈیٹر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں، 1911ء میں کتاب ''دین الحق'' نام سے لکھتے ہیں۔جس میں حضرت صاحب کی اپنی تحریریں نقل کر کے پبلک کو یہ یقین دلایا ہے کہ حضرت مسیح موعود کا دعویٰ نبوت کا ہرگز نہ تھا۔ چنانچہ ذیل کے الفاظ اس کتاب میں نقل کیے گئے ہیں:

☆"سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت ورسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم ہوگئی۔" (دین الحق صفحہ 28)

☆"میں جناب خاتم الانبیاء ﷺ کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔" (صفحہ 29)

☆"وراس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آنجناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا۔ ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جلّشانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اور نبوت تامہ کی بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور بلحاظ بعض وجوہ شان نبوت کے رنگ سے رنگین کیے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے میں ایک ہوں۔" (صفحہ 31)

6۔ یہ لوگ تو ہندوستان میں تشریحات پیش کرتے تھے۔ مگر مولوی غلام نبی صاحب نے 1901ء کے بعد اہل مصر کو بھی یہی یقین دلایا کہ حضرت صاحب کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنا محض دشمنوں کا افتراء ہے۔ چنانچہ ان کی کتاب "ہدیہ السعدیہ" میں ذیل کی عبارتیں موجود ہیں:

☆ولکن لاصلاح السلسلة الموسوية فی الدین کانوا انبیآء وفی السلسلة المحمدیة اولیآء وعلمآء (صفحہ 2) یعنی اصلاح سلسلہ موسویہ کے لیے انبیاء آتے تھے اور سلسلہ محمدیہ میں اولیاء اور علماء ہیں۔

☆قال الوھابی امامکم یدعی النبوة لانه یقول اوحی الی قال الاحمدی ذلک ظن فاسد لان القراٰن جاء بلفظ الایحاء فی مواضع کثیرة منها اذ اوحینا الی امک مایوحی واوحی ربک الی النحل فخرج الی قومه فاوحی الیهم ان سبّحوا بکرة وعشیا وغیرذٰلک من المواضع فان

> **الایحاء لایختص بالنبوۃ وقولھم انہ یدعی المسیحیۃ والمسیح کان نبیا قیاسا فاسدا لانک قد سمعت دلائل موتہ ونبینا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الانبیاء لایاتی بعدہ نبی لامن العرب ولا من الیھود ولامن العجم لا جدید ولا قدیم والا فدین البابیۃ حق** (صفحہ 15) یعنی وہابی کہتا ہے کہ تمہارا امام نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میری طرف وحی ہوئی۔ احمدی کہتا ہے کہ یہ ظن فاسد ہے۔ کیونکہ قرآن شریف نے بہت جگہ لفظ وحی استعمال کیا ہے اور آگے مثالیں دی ہیں، جن میں غیر انبیاء کے لیے لفظ وحی قرآن شریف میں آیا ہے۔ پس وحی انبیاء سے مخصوص نہیں ہے۔ اور ان کا یہ کہنا کہ وہ مسیحیت کا دعویٰ کرتا ہے اور مسیح نبی تھا، قیاسِ فاسد ہے۔ کیونکہ تو نے اس کی موت کی دلیلیں سن لی ہیں اور ہمارے نبی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ نہ عرب سے نہ یہود سے نہ عجم سے۔ نہ نیا اور نہ پرانا ورنہ بابیوں کا مذہب سچا قرار پائے گا۔

آج یہ میاں صاحب اسی بابی مذہب کے پیرو ہیں، جس کو یہاں جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ اور وہ آیات اجرائے نبوت پر پیش کرتے ہیں، جو بابی پیش کرتے ہیں اور حضرت مسیح موعود نے پیش نہیں کیں!

یہ صرف میں نے ان چھ مصنفین کے حوالہ جات دیئے ہیں۔ جو میاں صاحب کے حلقہ مریدی میں اب تک شامل ہیں۔ جو نکل چکے ہیں ان کی تحریروں کے حوالہ جات میں نے ضروری نہیں سمجھے۔ ان میں سے قابل ذکر مرزا خدا بخش مصنف عسل مصفٰی ہیں۔ جنہوں نے اول میاں صاحب سے بیعت کر لی۔ مگر جلد ہی بوجہ ان کے عقائد فاسدہ کے ان سے علیحدہ ہو گئے۔ اور مخالفین سلسلہ کا جواب تصنیف کے رنگ میں دینے والوں میں سب سے اوپر حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب ہیں، جن کا شغل خاص 1891ء سے لے کر آج تک یہی رہا ہے۔ جن کی تحریروں میں جا بجا یہ ذکر ہے کہ حضرت صاحب کی نبوت جزوی نبوت یا محدثیت تھی۔ آپ کو جب میاں صاحب کے جدید مذہب کا علم ہوا تو اول میاں صاحب کو خطوط سے، پھر رسالوں سے سمجھانے کی کوشش کی، اور جب انہوں نے کوئی بات نہ سنی، تو آخر ان سے علیحدہ ہوئے۔

جولوگ میری تحریر میں لفظ نبی کے استعمال پر اعتراض کرتے ہیں، کاش وہ کچھ خدا ترسی کو مدنظر رکھ کر یہ غور کرتے کہ جب ایک دو نہیں، نصف درجن مصنفین مخالفوں کو اسی لفظ نبی کے استعمال کا جواب دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد محدثیت ہے، تو میرے اسی لفظ کے استعمال پر یہ تشریح کیوں حرام ہوگئی؟ کیا یہ مصنفین اس وقت مخالفین کو دھوکہ دے رہے تھے۔ یا دو قسم کی تعلیم تھی۔ مخالفوں کو تو یہ جواب دیا جاتا تھا کہ نبوت کا استعمال لغوی معنے کے لحاظ سے ہے۔ اور اس سے مراد محدثیت ہے۔ اور گھر میں بیٹھ کر کوئی اور ورد کیا جاتا تھا۔ کاش ''حقیقۃ النبوۃ'' کی تاریخ سے پہلے ایک تحریر دکھادیں، جس میں اس لفظ نبوت کی تشریح یہ کی گئی ہو کہ اس سے مراد حقیقتاً نبوت ہے، محدثیت نہیں۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

یکم اگست 1921ء

25 محرم الحرام 1340ھ

قسط پنجم

ترجمۃ القرآن انگریزی اور اخبار اہلحدیث

ماسٹر غلام حیدر نے حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ترجمۃ القرآن پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ:

''مولوی صاحب اپنے قرآن کریم کے صفحہ 241 پر بذیل آیت مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ .... وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا (4:157۔مرتب) یہ بیان تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ صَلَبُوْهُ سے مسیحؑ کے صلیبی عذاب کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ نفی صرف صلیبی عذاب سے موت کی ہے۔ اس کے متعلق کچھ اور بیان بھی درج ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ مسیح کو صلیب پر عذاب ضرور دیئے گئے مگر وہاں وہ فوت نہیں ہوئے، بلکہ بعد ازیں قدرتی موت سے مر چکے ہیں۔ مولوی صاحب مسیحؑ کے صلیبی عذاب میں نصاریٰ کے مقلد ہیں اور ان کی قدرتی موت کے وقوعہ میں اپنے خیالات کے پابند ہیں۔ مولوی صاحب نے قرآن کی چار آیات ذیل کو بالکل نظر انداز کر کے قرآن فہمی کے ایک اعلیٰ اصول کو پس پشت ڈال دیا ہے:

ا۔ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (3:45)

ب۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ. (3:54)

ج۔ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ (5:110)

د۔ وَجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ (19:31)

ماسٹر صاحب کا یہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور عدم واقفیت تعلیم قرآن پر مبنی ہے۔ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت نہیں، جس میں یہ لکھا ہو کہ مَا حَمَلُوْهُ عَلَى الصَّلِيْبِ وَمَا رَفَعُوْهُ عَلَيْهِ. اور نہ کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ سے اس بارہ میں ایسی آئی ہے۔ معترض کو تعلیم قرآن وحدیث سے ایسی ناواقفیت اور اجنبیت ہے کہ کچھ بیان

نہیں ہوسکتا۔ مَاصَلَبُوْہُ کے یہ معنی کرنے لغت کے بالکل خلاف ہیں کہ ''نہیں صلیب پر چڑھایا انہوں نے'' لغت کے رو سے اس کے معنی یہ ہیں۔ ''الصلب القتلة المعروفة'' یعنی صلب کے معنی قتل معروف۔ یہاں چڑھانے کی کوئی نفی نہیں، بلکہ وَلٰکِنْ شُبِّهَ سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ وہ صلیب پر مارے تو نہیں گئے، لیکن مرے ہوؤں جیسے ہوگئے تھے۔ پھر کہاں سے ثابت ہوا کہ صلیب پر حضرت مسیحؑ کا چڑھنا بدون فوت ہونے کے عقیدہ نصاریٰ کا ہے، جو ماسٹر غلام حیدر نے تعصب کے اندھاپن سے لکھ دیا کہ ''مولوی صاحب مسیحؑ کے صلیبی عذاب میں نصاریٰ کے مقلد ہیں'' حالانکہ علماء قرآن جانتے ہیں کہ آیت وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (157:4) سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صلیب پر موت واقع نہیں ہوئی اور حضرت مسیحؑ مشابہ بالمصلوب ہوگئے۔ اور عربی جاننے والے جانتے ہیں کہ حرف لٰکِنْ ازالہ وہم کے لیے آتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے مَا قَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ (157:4) سے حضرت عیسیٰؑ کی مصلوبیت ومقتولیت کی نفی کر دی، تو وہم ہوسکتا تھا کہ قتل اور صلیب تو حسی امر ہیں، وہمی اور خیالی نہیں۔ اگر وہ مسیحؑ نہیں تھا تو اور کون تھا؟ سو ضرور تھا کہ اس کا جواب دے کر ازالہ وہم کیا جاتا۔ اسی وَلٰکِنْ شُبِّهَ سے اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دفع کیا اور حقیقت امر کھول دی کہ وہ کوئی اور شخص نہ تھا، بلکہ خود مسیح ہی تھا۔ جو صلیب پر مرے ہوؤں جیسا ہوگیا تھا، آیت وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (157:4) کے یہ معنی کرنا کہ کوئی شخص حضرت مسیحؑ کا ہمشکل بنا دیا گیا تھا، سودائیوں اور وحشیوں کے سے خیالات ہیں۔ ظاہر ہے کہ ساری ضمیریں حضرت مسیحؑ کی طرف جا رہی ہیں۔ اور مسیحؑ ہی مشبہ اور مرجع ہوا، نہ کوئی اور شخص۔ اب کس سے مشبہ اور مرجع ہوا؟ اس پر وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ (157:4) صاف دلالت کرتا ہے کہ مقتول یا مصلوب سے۔ اور معنی صاف ہیں کہ مسیحؑ مقتول یا مصلوب نہیں ہوا۔ ہاں! مقتول یا مصلوب سے ملتی جلتی اس کی حالت ہوگئی۔ اور واقعات صحیحہ بھی ان ہی معنوں کے مؤید ہیں کہ مسیحؑ مصلوب نہیں ہوئے تھے۔ صلیب پر مرے ہوؤں جیسا ہوگیا تھا۔ چنانچہ اناجیل اربعہ بھی اس بات پر گواہ ہیں کہ صلیب پر سے زندہ بچ جانے کے بعد جب حضرت مسیحؑ اپنے حواریوں کو ملے، تو ان کو انہوں نے اپنے وہ صلیبی زخم دکھائے تھے، جو صلیب پر کھینچنے کی وجہ سے ان کو پہنچے تھے۔

معترض نے سراسر جہالت اور سفاہت ظاہر کی ہے، جو مذکورہ چار آیتوں کو اپنے معنی موہوم کے ثبوت

میں پیش کر دیا۔ کیا معمولی سے معمولی شخص بھی ہوش وعقل سے کام لے کر یہ کہہ سکتا ہے کہ ان چار آیتوں سے معترض کے معنی موہوم نکل سکتے ہیں۔ ہاں! جو شخص مطالب قرآن مجید سے مادرزاد اندھا و بہرہ و گونگا ہے اور قرآن مجید کو اپنے باپ دادا کی حکایات سمجھ بیٹھا ہے، وہ البتہ اپنی نادانی وغباوت سے یہ کہہ سکتا ہے کہ ان چار آیات سے یہ معنی موہوم نکل سکتے ہیں۔ مثلاً ملاحظہ فرمایئے آیت اول جو وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (45:3) ہے۔ کیا اس کے یہ معنی نکل سکتے ہیں کہ مسیحؑ صلیب پر نہیں چڑھائے گئے؟ کیا وَجِيْهًا اور مقرب ہونے کی یہ شرط قرآن وحدیث میں کہیں لکھی ہوئی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی قسم کی ایسی اذیت، جو حضرت مسیح کو یہود کے ہاتھ سے پہنچی، اپنے مقربوں تک نہ پہنچنے دے اور دشمنوں کو ان سے ہٹائے رکھے اور ان کے پاس تک نہ پھٹکنے دے؟ کہیں قرآن حدیث میں مقربین اور وجیہین کی محفوظیت کی یہ شرط نہیں لکھی۔ اور بکلمۂ تبغیض ''مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ'' فرما کر جن مقربین میں سے مسیحؑ کو کہا ہے ان مقربین میں حضرت مسیح کے زمانہ کے ہی دو نبی بھی داخل ہیں یعنی یحییٰ اور زکریا علیہما السلام بلکہ ان مقربین میں امت محمدیہ کا ایک گروہ بھی داخل ہے وَالسَّابِقُوْنَ الْسَابِقُوْنَ اُوْلٰئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ (56:10-11) یعنی سابقین اس امت کے مقربین بارگاہ الٰہی ہیں۔ غرض ''مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ'' کا لفظ خود بتاتا ہے کہ مسیحؑ کے علاوہ اور بھی مقرب ہیں۔ پھر کیا سب مقربین کو کوئی اذیت کسی کافر کے ہاتھ سے نہیں پہنچ سکی۔ اور خدا تعالیٰ نے کوئی گزند کسی اپنے مقرب کو دشمن کی طرف سے نہیں پہنچنے دی۔

ماسٹر غلام حیدر اپنی آنکھوں پر سے تعصب و جہالت کی پٹی اتار دیں۔ اور چشمِ حق بین سے دیکھیں کہ کیا یہ آیت وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (45:3) اسی نعمت کی حکایت نہیں کرتی کہ دنیا و آخرت میں باعزت اور اس کے مقرب بندوں میں سے صرف ایک مسیح ہی نہیں، بلکہ کافۂ انبیاء ورسل بھی ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کے تمام نبی اس کے حضور میں وَجِيْهًا (باعزت) اور مقرب نہیں؟ پھر کیا نبیوں کو کفار کی طرف سے اذیتیں نہیں پہنچیں۔ حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈال دیئے گئے۔ حضرت یونسؑ دریا میں غرق کرنے کے لیے دھکیل دیئے گئے۔ کیا ان کے اس طرح اذیتیں اور دکھ دیئے جانے سے ان کی وجاہت میں کوئی فرق آیا؟ اور کیا وہ مقربین سے خارج ہو گئے؟ اگر نہیں تو پھر کیوں صرف حضرت مسیح کے لیے ہی صلیب پر کیل ٹھونکے جانے میں ذلت ہے۔ حالانکہ انبیاءؑ کی سب سے بڑی ذلت یہ ہوتی ہے کہ ان کی نبوت ورسالت اور ان کے منجانب اللہ ہونے پر کوئی

حرف آئے۔ یہ ذلت نہیں کہ کوئی ان کو صلیب پر کھینچ دے!

سچے نبی اگر صلیب پر بھی کھینچے جائیں اور ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے کیل ٹھونکے جائیں اور ان کو کفار سخت سے سخت اذیتیں اور دکھ بھی دیں، تو بھی ان کی سچائی نبوت و رسالت کا حق ہونا کبھی اس سے مشتبہ نہیں ہو سکتا، نہ ان کا سلسلہ پھیلنے سے کبھی رک سکتا ہے۔ نہ کوئی ایسی تکلیفیں اور اذیتیں کفار کے ہاتھ سے اٹھانے میں ان کی کوئی ذلت یا ان کے مقرب اللہ ہونے میں کوئی فرق آتا ہے۔ پھر افسوس ہے کہ تم مجرد صلیب پر کھینچے جانے کو، بغیر اس کے کہ اس پر موت وارد ہو، مسیحؑ کی ذلت خیال کر رہے ہو۔ کیا اگر مسیحؑ صلیب کے نزدیک تک نہیں لائے گئے تھے، تو تمہارے اپنے عقیدہ کے رو سے زکریا اور یحیٰ علیہما السلام وغیرہ نبی بھی قتل نہیں ہوئے؟ ان کو خدا نے کیوں اپنی طرف مع جسم عنصری آسمان پر نہ اٹھا لیا اور قتل ہونے دیا۔ کیا قتل کی اذیت صلیب پر کیل ٹھونکنے سے کم ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس جگہ غیرت الٰہی نے جوش نہ مارا اور مسیحؑ کے لیے جوش مارا۔ کیا صرف حضرت عیسیٰؑ خدا کے مقرب اور وجیہ اور نبی تھے۔ حضرت یحییٰؑ اور زکریاؑ نہ تھے؟ کیا انبیاء اللہ پر مصیبتیں اور تکلیفیں نہیں آئیں اور کفار کی طرف سے اذیتیں نہیں پہنچیں؟ کیا احد کی جنگ میں حضرت نبی کریم ﷺ کا دانت شہید نہیں ہوا؟ اور چہرے پر زخم نہیں آئے؟ وغیرہ وغیرہ۔

پھر حضرت عیسیٰؑ کا یہود کے ہاتھ سے مجرد صلیب پر چڑھایا جانا، بدون اس کے کہ صلیب پر موت وارد ہو، اس میں کونسی آیت قرآن یا حدیث شریف کا خلاف ہو گیا۔ یا آپ کی وجاہت میں فرق آ گیا۔ بلکہ انبیاء کی تکالیف اور مصائب سے ان کی وجاہت اور بھی بڑھ جاتی اور ان کی استقامت اور استقلال اور ظاہر ہوتی ہے اور ایسا ہی حضرت موسیٰؑ کو بھی یہود کی طرف سے اذیت پہنچی، مگر وہ پھر بھی وجیہ ہی رہے۔ غرض چونکہ یہود نے دعویٰ کیا کہ ہم نے مسیحؑ کو قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا کر مار دیا۔ یہ غلط تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی تردید فرما دی اور فرمایا کہ نہ انہوں نے قتل کیا نہ صلیب پر چڑھا کر مارا۔ یہاں صلیب پر چڑھانے کی تردید نہیں، صلیب پر مارنے کی تردید ہے۔ کیونکہ آگے فرمایا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ۔ یقیناً بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسیحؑ کو تو یہود نے مارا۔ مسیحؑ کا ایک ہم شکل اسی وقت بنایا گیا تھا۔ وہ مسیح کی بجائے مارا گیا۔ اول تو اس شخص کا، جو مسیحؑ کی بجائے مصلوب بتایا جاتا ہے، قرآن و حدیث میں ذکر نہیں۔ جب دلیل قرآن کریم کی ہے، تو اس کے اجزاء بھی قرآن

کریم سے ہونے چاہئیں۔ نہ یہ کہ قرآن سے ایک بات بنا کر ثبوت ہم حدیث نبویؐ سے نہیں، بلکہ اسرائیلی روایات اور حکایات سے لائیں۔ اگر مسیحؑ کو خدا نے بچا لیا تھا تو دوسرے کو مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر مسیحؑ آسمان پر اٹھایا گیا تھا تو کہتا کہ میں آسمان پر اٹھایا جا رہا ہوں۔ مجھے پکڑو۔ نبی کے بدلے دوسرے کو پھانسی کے کیا معنی؟ اور پھر آسمان پر جانا کسی کو نظر نہ آیا!

اگر کہو کہ اس آیت وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (45:3) (یعنی صاحب وجاہت ہوگا دنیا اور آخرت میں) میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ کو صفت وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (45:3) سے موصوف کیا، اس لیے آپ مصلوب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مصلوبیت اس عالم دنیوی میں **لحوق ذلت وخزی** کا سبب ہے۔ اور خزی و خذلان منافی وجاہت ہے۔ جیسا کہ سورہ المائدہ میں بعد ذکر تصلیب اللہ تعالیٰ نے **ذٰلِکَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا** (33:5) فرمایا کہ یہ ان کے لیے اس زندگی میں خواری ہے۔ سو یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ آپ مصلوب نہیں ہوئے۔ لیکن کیا کسی نبی کا ظلماً مجرد صلیب پر لٹکایا جانا بدون اس کے کہ صلیب پر موت وارد ہو، کوئی خزی یعنی خواری دنیا و آخرت میں گنی جا سکتی ہے؟ اگر گنی جا سکتی ہے تو تمام نبیوںؑ پر جو سخت سے سخت وقت آئے اور ان کو اذیتیں کفار کی طرف سے پہنچیں، یہاں تک کہ بقول تمہارے عقیدہ کے بعض نبی قتل بھی ہوئے، تو ان تمام نبیوںؑ کی تو کوئی وجاہت اور عزت باقی نہ رہی!

اب ہم دوسری آیت کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ **وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ**. (54:3) اور ماسٹر غلام حیدر نے اعتراض اس پر یہ کیا ہے کہ تمام قرآن مجید میں یہ آیت صرف دو دفعہ آتی ہے۔ اور صرف دو پیغمبروں کے واسطے آئی ہے۔ ایک حضرت عیسٰیؑ کے واسطے اور ایک حضرت نبی کریم ﷺ کے واسطے۔ جب آنحضرت صلی ﷺ کفار کے قبضہ میں بموجب وعدہ الٰہی نہ آ سکے، تو حضرت عیسٰیؑ کیسے یہود کے قبضہ میں آ گئے؟ مگر یہ ان کا قیاس ہی قیاس ہے۔ آیت سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا۔ صرف انہوں نے آنحضرت ﷺ کے واقعات سے یہ قیاس کر لیا کہ جس طرح حضور سرور عالم کفار کے قبضہ میں نہیں آ سکے، اس طرح حضرت عیسٰیؑ بھی نہیں آئے ہوں گے۔ مگر یہ قیاسی باتیں کام نہیں آ سکتیں۔ اس کے متعلق نص حدیثی ہونی چاہئے یا واقعات کی شہادت۔ مگر نہ کوئی نص حدیثی اس کے متعلق ہے، نہ واقعات اس امر کی شہادت دیتے ہیں، بلکہ واقعات تو یہ کہتے

ہیں کہ یہود نے حضرت عیسٰیؑ کو پکڑا، آپ کو قید کیا، آپ کو سولی پر چڑھا دیا۔ آپ کے ہاتھوں میں کیل کانٹے ٹھونک دیئے۔ اور قرآن مجید بھی یہی فرماتا ہے۔ جیسا کہ وَمَا قَاتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ(157:4) کے بیان میں اوپر ذکر آ چکا ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ جب اس آیت کی رو سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محصوریت سے نجات ارضی اسباب اور قدرتی تائیدات سے ہوئی، تو اسی آیت کی رو سے حضرت عیسٰیؑ کی نجات ارضی اسباب اور قدرتی تائیدات سے کیوں نہ ہوئی؟ کیا دیگر انبیاءؑ اللہ تعالیٰ کے مقرب نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اگر دشمنوں سے بچایا تو زمین پر ہی بچایا۔ کسی کو بغرض حفاظت آسمان پر نہیں پہنچایا۔ مگر مسیحؑ کو بچانے کے لیے آسمان تجویز کیا گیا۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ. (54:3) جو مسیح کے حق میں ہے۔ اور یہ آیت وَاِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ. (30:8) (اور جب وہ جو کافر ہوئے تیرے متعلق تدبیریں کرتے تھے تا کہ تجھے قید کریں یا تجھے قتل کریں یا تجھے نکال دیں اور وہ تدبیریں کرتے تھے اور اللہ بھی تدبیر کرتا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے) جو حضرت نبی کریم ﷺ کے حق میں ہے، یہ ثابت نہیں کرتی کہ حضرت مسیحؑ بھی رسول اللہ ﷺ کی طرح زمین پر ہی بچائے گئے۔ بغرض حفاظت آسمان پر نہیں پہنچائے گئے۔ مگر اللہ کے یہ معنی حضرت عیسٰیؑ کے لیے کہاں سے متعین ہو گئے کہ جس وقت حضرت مسیحؑ کو دشمنوں نے پکڑنا چاہا، تو ان کو خدا نے کفار نابکار سے محفوظ رکھنے کے لیے آسمان پر مع جسم اٹھا لیا۔ اول تو یہ قرآن مجید کی دوسری آیات کے صریح خلاف ہے کہ کوئی جسم خاکی آسمان پر جائے۔ کیونکہ قرآن ایک کلی قاعدہ ہر ایک ذی حیات کے لیے باندھتا ہے۔ اور اس قاعدہ کلیہ سے کسی کو مستثنٰی نہیں کرتا۔ جیسا کہ فرماتا ہے: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا. اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا. (77:25-26) کیا ہم نے زمین کو مردوں اور زندوں کو اپنی طرف جذب کرنے والی نہیں بنایا (ضرور بنایا) یعنی اس کی کشش ثقل کسی کو اپنے اندر اور اپنے اوپر لینے اور رکھنے کے سوا چھوڑتی ہی نہیں۔ اگر کوئی مصر متکبر ہٹ دھرمی کو نہ چھوڑے، اور باپ دادا کی روایتوں کو ہی قرآن و حدیث سمجھے، وہ جانے اور اس کی عاقبت۔ ہمارا کام تو اتمام حجت ہے۔ سو ہم نے کر دیا۔ (باقی آئندہ)

❁❁❁

2 صفر المعظم 1340ھ

قسط ششم

ترجمۃ القرآن انگریزی اور اخبار اہلحدیث

ماسٹر غلام حیدر صاحب اپنے خیالات مخترعہ کی تصدیق کے لیے نہ تو کتاب اللہ قرآن مجید کی ضرورت سمجھتے ہیں، نہ رسول اللہ ﷺ کے بیان دانی کی حاجت۔ باپ دادا کا مذہب ہی ان کا قرآن اور یہی ان کی حدیث ہے۔ جب ان کے مولوی مسئلہ حیاتِ مسیحؑ میں کبھی تو موضوع اور منکر روایتیں پیش کر دیتے ہیں اور کبھی قرآن مجید کی آیات میں لفظی ومعنوی تصرف کر کے اپنی رائے اور ہوا سے لوگوں کو دھوکا دے لیتے ہیں، تو ماسٹر صاحب نے تو سنی سنائی ہی باتیں یاد کی ہوئی ہیں۔ اگر ماسٹر غلام حیدر صاحب اس روایت کو ہی پڑھ لیتے جو ''کتاب استیعاب'' سے مدارج النبوۃ میں نقل ہوئی ہے کہ بعد نزول سورہ النساء، جس میں آیت مَاصَلَبُوْہُ (157:4) وارد ہوئی ہے، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ (جو بدری صحابہؓ میں تھے) آنحضرت کے قاصد ہوکر مقوقس والی اسکندریہ کے پاس، جو عیسائی تھا، نامہ مبارک آنحضرت ﷺ کو لے کر گئے تو مقوقس نے ان سے یہ اعتراض کیا کہ اگر تمہارا صاحب نبی ہے، تو اس نے کیوں خدا سے دعا نہ کی کہ اس کو مکہ سے ہجرت نہ کرنی پڑتی؟ اس پر حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تو نبی تھے، انہوں نے کیوں دعا نہ کی کہ دار پر کھینچے نہ جاتے؟ تو یہ کبھی نہ کہتے کہ حضرت علامہ سیدنا محمد علی صاحب ایدہ اللہ بنصرہٖ العزیز مسیحؑ کے صلیب پر کھینچے جانے میں نصاریٰ کے مقلّد ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ دار پر کھینچے ہی نہ گئے تھے، بلکہ آپ نے صلیب کی شکل ہی نہ دیکھی تھی، تو حضرت حاطبؓ جو ایک بدری صحابی نبی اور رسول اللہ ﷺ کے قاصد ہیں، ایک عیسائی بادشاہ کے سامنے یہ کیوں فرماتے کہ ''حضرت عیسیٰؑ نے کیوں دعا نہ کی کہ دار پر کھینچے نہ جاتے''، معلوم ہوا کہ یہی صحیح معنی اس آیت کے ہیں کہ صلیب پر چڑھانے کی یہاں تردید نہیں بلکہ صلیب پر مارنے کی تردید ہے۔

اب ہم ماسٹر صاحب کی تیسری آیت وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْکَ (110:5) کے استدلال پر نظر کرتے ہیں۔ اور اس سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر چڑھائے نہیں گئے تھے۔ وجہ یہ اولاً

کَفَفۡتُ، اِذۡ جِئۡتَهُمۡ (110:5) کے ساتھ مقید ہے۔ جس سے دوام نہیں ثابت ہوتا۔ یعنی تیرے آنے کے وقت ان کو تجھ سے روکا۔ اس سے ہمیشگی کہاں ثابت ہوتی ہے۔ ثانیاً رسول اللہ ﷺ کے متعلق اور مومنین کے متعلق یہی لفظ بعینہٖ موجود ہیں۔ مگر یہ مطلب ماسٹر غلام حیدر والا وہاں بالکل نہیں بنتا۔ حالانکہ دلیل بجمیع مقدمات جاری ہے اور مدعی متخالف ہے۔ وَعَدَ كُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيۡرَةً تَاۡخُذُوۡنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمۡ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيۡدِىَ النَّاسِ عَنۡكُمۡ وَلِتَكُوۡنَ اٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ(20:48)

یعنی اللہ نے لوگوں کے ہاتھ تم سے ہٹائے رکھے۔ کیا کسی صحابیؓ پر لوگوں کے ہاتھ نہ چلے۔ لوگوں کے ہاتھوں نے تو رسول اللہ ﷺ کو بھی ایذا سے سلامت نہیں رکھا۔ ہاں ماسٹر غلام حیدر کا شاید یہی مذہب ہوگا کہ کفار کے ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ کو بیشک اذیت پہنچے، حضور سرور عالم کے دندان مبارک بھی شہید ہوں، چہرے پر زخم بھی لگ جائیں۔ مگر حضرت عیسیٰؑ کو صحیح وسالم بغیر کسی اذیت کے خدا آسمان پر اٹھا لے جائے۔ عیسیٰ علیہ السلام ہوئے جو خدا کے بیٹے! جو بیٹے کو بچانے کے لیے تو یہی تدبیر ہونی چاہئے تھی، مگر نبیوں کو بچانے کے لیے اور طریق ہونے چاہئیں کہ ان کو اذیتیں اور عذاب بھی کفار کی طرف سے پہنچے اور وہ بچ بھی جائیں۔

۞۞۞

2 صفر 1340ھ

مراسلات

حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے مریدوں پر اتمام حجت

بخدمت شریف جناب میاں قادر بخش صاحب خوجہ سکنہ جتوئی ،ضلع مظفر گڑھ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ مولوی عبداللہ صاحب امام مسجد جتوئی کا کارڈ آیا ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''چند شریروں اور فتنہ پردازوں خصوصاً قادر بخش خوجہ نے جو آپ کا سرگروہ ہے میری لاعلمی سے جناب کی خدمت میں خط لکھا ہے کہ مولوی عبداللہ صاحب آپ کی بیعت قبول کرتے ہیں۔ان کو بیعت فرمادیں۔ یہ سراسر ان کی حرکت ہے اور یہ تماشہ بین لوگ ہیں۔کیا مجھ کو اگر خیال ہوتا۔تو میں خود تحریر نہیں کرسکتا تھا۔ بندہ نہ آپ کی بیعت قبول کرتا ہے، نہ عقائد میں آپ کے متفق ہے۔آئندہ اگر آنجناب کی خدمت میں کوئی شخص میرے نام سے تحریر کرے تو ہرگز اعتبار نہ فرماویں۔اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بندہ کو اپنی استعداد کے بموجب علمیت اور تحریر کرنے کی قابلیت عطا فرمائی ہے۔''

پھر کارڈ کے دوسری طرف یہ بھی لکھا ہے کہ:

''لیکن واضح ہو کہ راقم الحروف جناب حضرت میرزا صاحب کو نہ کافر نہ ملعون نہ دجال جانتا ہے۔مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرد متقی اور صالح اور مجدد دین تھے۔اور مجتہد وقت اجتہاد میں بابت دعویٰ مہدیت وعیسویت ان سے ذرا خطا ہوئی۔جیسا کہ حضرت پیر دستگیر ومرشدنا قبلہ خواجہ فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز اپنے ملفوظ شریف اشارات فریدی حصہ سوئم صفحہ 42 میں فرماتے ہیں اور مشہور ومعروف ہے کہ **المجتھد قد**

یخطی ویصیب ۔

آپ سے دریافت طلب ہے کہ کیا یہ بات سچ ہے کہ آپ نے ان کی لاعلمی سے بیعت کا خط لکھ دیا۔ اگر ایسا ہے تو آپ نے غلطی کی ۔ جب تک کوئی شخص خود اپنا منشا نہ ظاہر کرے اور خود درخواست نہ کرے، دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ بیعت کا خط لکھ دے۔ ہم نے آپ کے خط پر بھروسہ کر کے وہ کارڈ حضرت امیر کی خدمت میں بھیج دیا، جنھوں نے بیعت منظور فرمائی تو ہم نے وہ خط بھی اخبار میں شائع کر دیا۔ آپ کو تقویٰ سے کام لینا چاہئے ۔ ایسا شخص جو حضرت میرزا صاحب کو کافر و دجال نہیں جانتا، بلکہ ان کو میرزا صاحب علیہ الرحمۃ لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ ایک مردِ متقی اور صالح اور مجدد دین تھے اور مجتہد وقت ۔ وہ ایک طرح سے احمدی ہی ہے ۔ کیونکہ ہمارا بھی تو یہی عقیدہ حضرت مرزا صاحب کی نسبت ہے۔ ہاں اس کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب سے دعویٰ مہدیت وعیسویت میں خطا ہوئی، اور کہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نے بھی ان کے دعویٰ کے متعلق ایسا لکھا ہے، یہ دونوں باتیں غلط ہیں ۔ مرزا صاحب سے اپنے دعویٰ میں خطا نہیں ہوئی ۔ بلکہ اجتہادی خطا کسی کشف یا الہام کی تعبیر کے متعلق ہوتی ہے ۔ جس کا وقوع میں آنا انبیاء سے بھی ممکن ہے ۔ نہ ہی حضرت خواجہ صاحب مرحوم کا یہ منشا تھا کہ حضرت مرزا صاحب سے دعویٰ میں خطا ہوئی ہے، بلکہ دعویٰ کے متعلق صاف صاف الفاظ میں جا بجا انہوں نے اپنے ملفوظات میں تصدیق و تائید فرمائی ہے۔ خود اس موقعہ پر، جس کا مولوی عبداللہ صاحب نے حوالہ دیا ہے، صفحہ 42 پر ساری عبارت یوں ہے:

> ''بعدازاں در باب مرزا صاحب فرمودند کہ مرزا صاحب مردے نیک وصالح است ونزد من کتابے از ملہمات خود فرستادہ ہست۔ کمال او ازیں کتاب ظاہر است ۔ اندریں اثناء بعضے از علماء ظواہر کہ حاضر خدمت حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ در جوابش فرمودند۔ نے وے مردِ صادق است ۔ مفتری وکاذب نیست ۔ ایں معاملہ جعلی وخود ساخت او نیست ۔ غایۃ مافی الباب او راندک خطا در اجتہاد وخطا در کشف است ۔''

اس میں کئی باتیں، غور طلب ہیں ۔ اول جس کتاب میں الہامات حضرت مرزا صاحب کا کمال خواجہ صاحب بیان فرماتے ہیں ۔ وہ وہی اشتہار دعوت مباہلہ ہے، جس میں پہلے اپنے دعویٰ کو بہ تفصیل بیان کیا ہے ۔ اور

پھر علماء کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ یہ الہامات، جو میں پیش کرتا ہوں، ان پر میرے دعویٰ کی بنا ہے۔ اگر میں اپنے دعویٰ میں سچا نہیں ہوں تو میرے مقابلہ پر مباہلہ کے واسطے نکلو۔ اسی جواب میں تو خواجہ صاحب مرحوم نے وہ خط عربی میں لکھوا کے حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں بھجوایا تھا، جو اس کتاب اشارات فریدی کے اس صفحہ 42 پر نقل کیا گیا ہے۔ اگر خواجہ صاحب مرزا صاحب کو اپنے دعویٰ میں خطا پر سمجھتے، تو خط میں ایسی تعریفیں کیوں لکھتے۔ اور پھر ان الہامات سے، جس پر ان کے دعویٰ کی بنا تھی، آپ کے کمال کا ظاہر ہونا کیوں فرماتے۔ علاوہ ازیں جس شخص نے آپ کے دعویٰ کا ردّ اور انکار کیا۔

خواجہ صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ نہیں نہیں وہ سچا ہے، مفتری اور جھوٹا نہیں ہے۔ یہ معاملہ جعلی اور اس کا اپنا بنایا ہوا نہیں ہے۔ یعنی مطلب یہ کہ اس کا دعویٰ سچا ہے۔ خدا کی طرف سے ہے، نہ اپنی طرف سے۔ اگر خواجہ صاحب کا یہ مطلب ہوتا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ غلط ہے تو کیا وہ صاف طور پر ایسا نہ فرما سکتے تھے۔ اور جس شخص نے ردو انکار کیا تھا اس کے ساتھ تو انہیں اتفاق کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ وہ بھی مرزا صاحب کے دعویٰ کو غلط سمجھتا تھا۔ آپ نے اس کی تردید کیوں کی۔ اور اس کے جواب میں یہ کیوں فرمایا کہ یہ معاملہ اس کا بناوٹی نہیں ہے اور نہ مفتری اور جھوٹا ہے، بلکہ سچا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خواجہ صاحب کے ان الفاظ سے کہ ''اوراندک خطا در اجتہاد و خطا در کشف است'' یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خواجہ صاحب کے نزدیک اس تھوڑی خطا سے مراد یہ تھی کہ آپ کا دعویٰ غلط ہے، تو یہ خوب طرز بیان ہے، جو خواجہ صاحب کی طرف منسوب کیا جائے کہ دراصل نہ تو آپ کے نزدیک معاذ اللہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ ہی سرے سے غلط ہے، لیکن آپ ان کو تھوڑی سی خطا فرماتے ہیں۔ کیا حضرت خواجہ صاحب جیسے صاف گو انسان سے، جو کسی کی رُو رعایت نہ رکھتے تھے، اور حق بات کہنے میں کسی سے نہ دبتے تھے، یہ توقع ہوسکتی ہے کہ وہ ایسے بڑے عظیم الشان دعویٰ کرنے والے کو، جو کہے کہ میں مہدی و مسیح موعود ہوں، یہ کہے کہ ہے تو وہ سچا، لیکن صرف تھوڑی سی خطا اس کے اجتہاد میں ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ دراصل اس دعویٰ کرنے والے کا دعویٰ ہی سرے سے غلط ہے۔ ایسا خیال کرنا خواجہ صاحب کی صاف گوئی پر بھی داغ لگانا ہے۔ لیکن اگر خواجہ صاحب کو اس داغ سے بچانا ہو تو اس کی یہی صورت ہے کہ آپ کے کلام کا یہ مطلب لیا جائے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ تو سچا ہے، لیکن بعض وقت کشف و الہام کی تاویل میں اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ عبداللہ آتھم والی پیشگوئی کے پورا ہونے کی تصدیق خواجہ صاحب نے بایں الفاظ فرمائی ہے کہ:

''اگر چہ عبداللہ آتھم پادری از عدو اندازہ ملت پیشگوئی مرزا غلام احمد قادیانی کہ نسبت موت دے کردہ بود بیروں افتادہ است چنانچہ بعد میعاد پیشگوئی فوت شدہ۔ مگر نبض مرزا صاحب مردہ است (دیکھو صفحہ 15 اشارات فریدی جلد سوم)

پھر اس پر بس نہیں بلکہ اسی کتاب اشاراتِ فریدی حصہ سوم کے دیگر مقامات کو دیکھو کہ کس صفائی سے حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مہدی و مسیح موعود ہونے کی تصدیق و تائید فرمائی ہے۔ مثلاً صفحہ 70 پر فرماتے ہیں کہ

''مرزا صاحب بر مہدویت خود بسیار علامات بیان کردہ مگر ازاں میاں دو علامات کہ در کتاب خود درج ساختہ بیان نمودہ ست برتر و بدرجہ غائت بر دعویٰ مہدویت او گواہ اند۔''

دیکھئے اس جگہ کیسی صفائی سے مرزا صاحب کے دعویٰ مہدویت کی علامات کا ذکر کیا ہے۔ اور پھر ان میں سے دو علامتوں کی نسبت لکھا ہے کہ یہ سب سے بڑھ کر اور نہایت درجہ پر اس کے دعویٰ مہدویت کے گواہ ہیں۔ پھر ان ہر دو علامات کا، جو حدیثوں میں مذکور ہیں، مفصل طور پر ذکر کر کے ان میں کسوف وخسوف والی علامت کے متعلق علمائے وقت کے اعتراض کا بھی جواب دیا ہے۔ اور ان کے اعتراض کو جس نظر سے دیکھا ہے، وہ خواجہ صاحب کے ان الفاظ سے ہی ظاہر ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

''پس مولویاں وقت طفلانہ سوال کردند۔''

اور پھر مرزا صاحب کے جواب کو جو وقعت دی ہے، اس پر بھی آپ کے الفاظ ہی شاہد ہیں کہ آپ فرماتے ہیں:

''سبحان اللہ بشنوید آنچہ مرزا صاحب معنی حدیث شریف مذکور بیان نمودہ و مولویاں منکراں را جواب دادہ است۔''

پھر جواب کا کچھ مفصل ذکر کر کے اخیر پر فیصلہ دیا ہے کہ ''بیشک معنی حدیث شریف ایں چنیں است کہ

مرزا صاحب بیان کردہ۔'' اگر خواجہ مرحوم مرزا صاحب کے دعویٰ کو غلط سمجھتے تھے، تو اس کے متعلق علامات کے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی اور معترضین کے جواب دینے کی کیا حاجت؟

اس قسم کی عبارتیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب مرزا صاحب کو اپنے دعویٰ مہدی و مسیح موعود ہونے میں حق پر سمجھتے تھے، اس کتاب میں جابجا پائی جاتی ہیں، جن کا نقل کرنا موجب طوالت ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب کبھی مرزا صاحب کا ذکر آیا، آپ نے ان کی تعریف ہی کی۔ اور جب کبھی مخالفوں کی مخالفت کا ذکر آپ کے سامنے ہوا تو آپ نے مرزا صاحب کی ہی تائید کی اور مخالفوں کو جھوٹے قرار دیا۔ مثلاً صفحہ 69 پر ہے:

''سخن در ذکر مرزا غلام احمد قادیانی و در بیان ردوقدح وذم منکرین او افتادہ بود دانشمندے حاضر بود وے صفت وثنائے مرزا صاحب کرد۔ حضور خواجہ صاحب بدرجہ غایت خوش ومسرور شدند بعد ازاں فرمودند کہ ہمہ اوقات مرزا صاحب بعبادت خداعزوجل میگذرندیا نماز مے خواند یا تلاوت قرآن شریف میکند۔ یا دیگر شغل اشغال مینماید۔ و برحمایت اسلام ودین چناں کم ہمت بستہ کہ ملکہ زمان لندن رانیز دعوت دیں محمدیؐ کردہ آست۔ و بادشاہ روس وفرانس وغیر ہمارا ہم دعوت اسلام نمودہ است وہمہ سعی۔ کوشش او دریں است کہ عقیدہ تثلیث وصلیب را بہ سراسر کفر است بگذارند۔ بہ توحید خداوند تعالیٰ بگروند علمائے وقت را بہ بیند کہ دیگر گردہ مذہب باطلہ وگذشتہ صرف درپے ایں چنیں نیک مرد کہ از اہل سنت وجماعت است وبرصراط مستقیم است وراہِ ہدایت مینماید افتادہ اند و بروئے حکم تکفیر میسازند۔ کلام عربی او بہ بیند کہ از طاقت بشر یہ خارج است وتمام کلام او مملواز معارف وحقائق وہدایت است واز عقائد اہل سنت وجماعت وضروریات دین ہرگز منکر نیست۔''
(دیکھو صفحہ 69-70 اشارات فریدی)

ایسا ہی صفحہ 75 پر ہے:

''سخن درحال مرزا صاحب قادیانی افتادہ بروشخصے گفت کہ مرزا صاحب عزم کسر عقیدہ تثلیث نصاریٰ داشتہ است وعلمائے زمان اوشاں را مخالف شدہ بروے حکم تکفیر دادہ اند۔

وقصد جدال دارند۔ حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہ فرمودند کہ حق غالب است طرف حق غالب است۔''

پھر صفحہ 91اور 92 پر ملاحظہ ہو:

''اندریں اثناء از طرف مرزا غلام احمد صاحب قادیانی یک خط و چند اوراق در مضامین فتح اسلام جلسہ اعظم مذاہب لاہور بجناب اقدس حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہ وارد گردید۔ اند کے از اں خود بدولت ہم دیدند نگاہ اخوی صاحب مولوی غلام احمد را باز دادند وفرمودند کہ بخواں۔ وے اول مضامین فتح اسلام جلسہ را بخوادند در روئے عجیب اسرار از معانی قرآن شریف درج بودن کہ عقل حیران میشد۔ وحضور خواجہ ابقاہ اللہ بکمال توجہ آز اسماع نے فرسودند۔ وبسوئے حضرت قطب الدین صاحبزادہ صاحب ادام اللہ تعالیٰ بدوامہ نظر فیض اثر کردہ۔ تبسم مینمودند۔ گاہ گاہ بطرف آن دانشمند کہ نسبت بمرزا صاحب گونہ انکار داشت تیز تیز نظر نمودہ نیز تبسم میکردند گویا اشارہ می نمودند۔ بشنو چگونہ کلامیست پر تاثیر و چگونہ فصاحت و بلاغت است واز اسرار معانی قرآن شریف چہ قدر درسفتہ است۔ بعد از اں فرمودند خط را بخواں پس مولوی موصوف آں خط را بخواند۔ حضور بدرجہ غایت مسرور وخورسند شدند و بر چہرہ مبارک حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ از حد زاید آثار بشاشت ومسرت نمایاں بودند۔''

پھر صفحہ 123-124 پر مہدی و مسیح کا ایک ہونا۔ اور علامات کے لوگوں کے خیال کے مطابق پورا نہ ہونے کی وجہ بیان کر کے حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کی تصدیق فرمائی ہے۔ جس کا ذکر عبارت ذیل میں ہے: ''اندریں اثناء حافظ گموں سکنہ حدود گھڑی اختیار خاں بہ نسبت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سقط و ناسزا گفتن آغاز کرو۔ ہمیکہ چہرہ انور حضور خواجہ صاحب متغیر گردید۔ و بر آن حافظ بانگ زدند و زجر نمودند۔ وے عرض کرد کہ قبلہ چوں حالات وصفات حضرت عیسیٰ بن مریمؑ او اوصاف جناب مہدی موعود در

مرزا صاحب یافتہ نمے شوند۔ چگونہ اعتبار کنیم کہ اوست مہدی۔ حضور خواجہ بقاہ اللہ تعالیٰ فرمودند کہ اوصاف مہدی پوشیدہ پنہاں ہستند۔ آنچناں نیستند کہ وہ دلہائے مردم نشستہ امت چہ عجب کہ ہمیں مرزا صاحب غلام احمد قادیانی مہدی باشد۔ چہ درحدیث شریف آمدہ کہ دوازدہ دجال اند۔ پس چنداں مہدی اند۔ درحدے وارد شدہ ہست کہ عیسیٰ ومہدی یکے است۔ بعدازاں فرمودند کہ شرط نیست کہ ہمہ علامات مہدی موافق خیال وفہم مردم کہ دردلہائے خود پنداشتہ اند ظاہر شوند۔ بلکہ حافظ امر دیگر گون است اگر چنین بودے کہ مردم خیال میکنند۔ پس او ہمہ خلق مہدی برحق دانستہ باوایمان آوردے چنانکہ پیغمبراں کرامت ہر نبی چند گروہ شدے بر بعضے کساں کہ حال آں پیغمبر مکشوف کشت پس آنہاں ایمان مے آوردند و بر بعضے کساں حال آں پیغمبر مشتبہ میشد و بر بعضے کساں ہرگز حال آن پیغمبر مکشوف نمے گشت ازیں سبب ہمیں گردوانکار آوردہ کافر شد۔ اگر بر تمام امت ہر پیغمبر حال آں پیغامبر مکشوف شدے ہمہ مسلمانان بودند۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کہ اوصاف وعلامات آنحضرت ﷺ درکتب سماویہ مکتوب ومرقوم بردندو چوں آنحضرت ﷺ ظاہر شدند ومبعوث گردیدند۔ بعض علامات را مطابق پندار وفہم وہم خود ہا نیافتند۔ بس برآں کساں کہ امر آنحضرت مکشوف شد اوشاں ایمان آوردند و برآں گردہ کہ مکشوف شد انکار کردند۔ ہم چنیں است حال مہدی پس اگر مرزا صاحب مہدی باشد کدام امر مانع است۔''

اور بھی کئی ایک مقامات پر اسی کتاب میں اس قسم کا ذکر ہے۔ بالفعل اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ضرورت ہو تو اصل کتاب دیکھ لی جائے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب مرحوم نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مغفور کے دعویٰ مہدی و مسیح ہونے کی تصدیق فرمائی اور ان کی تائید میں مختلف موقعوں پر ذکر کیا اور دلائل پیش کئے، ان کے مخالفوں کے اعتراضوں کی تردید کی، ان کی تعریف سے خوش ہوئے۔ ان کی مذمت کرنے والوں کو زجر کیا۔ ان کو حق پر قرار دے کر ان کے غالب ہونے کی پیشگوئی کی۔ ان کی دینی خدمات وزہد وعبادت کا ذکر کیا اور ان کے مذہب کو بیان کیا کہ اہل سنت والجماعت سے ہیں۔ کسی سچے عقیدہ دین کے منکر نہیں ہیں اور راہ

ہدایت دکھاتے ہیں۔ اور آپ کا کلام حقائق و معارف سے پُر ہے۔ ایک احمدی اس سے بڑھ کر اور کیا کہتا ہے؟

مولوی عبداللہ صاحب خود بھی حضرت مرزا صاحب کو مجدد مانتے ہیں۔ اور احمدی بھی آپ کو مجدد ہی مانتے ہیں۔ مہدی و مسیح موعود بھی ایک مجدد ہی ہوسکتا ہے نہ کہ نبی۔ کیونکہ اگر یہ مانا جائے کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت نہیں ہوئے اور زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور پھر کسی وقت دنیا میں نازل ہوں گے، تو اول تو قرآن کریم کی تیس آیات سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں۔ اور دوبارہ آنے کا کہیں مطلقا کوئی ذکر نہیں۔ دوم ان کا آنا حضرت نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کو توڑتا ہے۔ اور یہ کسی مسلمان کا کام نہیں کہ یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت خاتم النبیین کے بعد کوئی اور نبی آ سکتا ہے۔ اندریں صورت اگر مولوی عبداللہ صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب مجدد تو ہیں، لیکن مہدی و مسیح موعود نہیں ہیں، تو خود ان کے اپنے کلام میں تناقض ہے۔ اور ناحق اسی بات کو اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ غلام فرید صاحب مرحوم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جن کا ہرگز ہرگز ایسا عقیدہ نہ تھا۔ مولوی عبداللہ صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ مہدی و مسیح موعود چودھویں صدی کے مجدد کے ہی دوسرے نام ہیں۔ اور حضرت خواجہ صاحب مرحوم کا بھی یہی مذہب ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ 129 ارشادات فریدی جلد سوم:

''ذکر از حال مرزا صاحب درمیاں آمد۔ حضور خواجہ صاحب از مولوی حامد صاحب شدانونی کہ حاضر نشستہ بود پرسیدند شنیدہ اند کہ مرزا صاحب دعویٰ عیسویت کردہ۔ وے عرض کرد کہ ہر ولی عیسیٰؑ وقت خود است حضور خواجہ صاحب فرمودند آرے۔ ہمہ اولیاء اللہ عیسیٰؑ اند و مہدی اند۔ ہمہ خبر ہستند۔''

اب دیکھئے یہاں حضرت خواجہ صاحب مرحوم نے تمام اولیاء اللہ کا عیسیٰ و مہدی ہونا صرف اس غرض سے بیان فرمایا ہے کہ یہ حضرت مرزا صاحب کے حال کے متعلق ہو جائے۔ یعنی یہ معلوم ہو جائے کہ مرزا صاحب نے جو دعویٰ عیسیٰ یا مسیح و مہدی موعود ہونے کا کیا ہے، وہ درست ہے۔ غرضیکہ حضرت غلام فرید صاحب مرحوم نے حضرت مرزا صاحب مغفور کے مہدی و مسیح موعود ہونے کی ایسی تصدیق و تائید فرمائی ہے کہ کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ اب مریدان خواجہ حضرت غلام فرید صاحب کا اختیار ہے، چاہے اپنے پیرو مرشد کی بات کو مانیں یا رد کریں، اس کے جواب دہ خود ہوں گے۔ خدا تعالیٰ کی حکمت سے اشاراتِ فریدی کے شائع ہونے سے ان پر اتمام حجت

ہوگئی ہے۔اور یہ وہ کتاب ہے جو حضرت خواجہ صاحب مرحوم کے صاحبزادہ خواجہ محمد بخش صاحب مرحوم نے بڑے اہتمام سے عقیدتمندان حضرت خواجہ صاحب مرحوم کے فائدہ اور ہدایت کے واسطے شائع کرائی ہے۔ ملاحظہ ہو مندرجہ صفحہ 187 اشارات فریدی جلد سوم۔جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''میگوئید فقیر محمد بخش سکنہ چاچڑاں کہ چون کتاب اشارات فریدی از ملفوظات سلطان ملت نبوی خواجہ غلام فرید والد ماجد من رضی اللہ عنہ...... یک نسخہ بود و ہمہ مریدان ومعتقدان وجملہ طالبان طریقت وسالکان حقیقت بہر طرف لویاں وجویاں ایں خزینہ معارف بودند۔ پس بصرف زر کثیر باہتمام خان صاحب والا شان محمد عبد العلیم خاں صاحب بہادر سکنہ ریاست ٹونک طبع کنانیدم تادر اطراف واکناف عالم شائع گرد۔ وہر کسے بمطالعہ آں نسخہ متبرکہ۔ بر گمار دو جواہر معارف بدست آرد۔''

آخر میں حضرت امام الزمان مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مرحوم ومغفور کے خط کی طرف توجہ دلاتا ہوں، جو حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں آپ نے بھیجا تھا۔اور جو اس کتاب اشاراتِ فریدی حصہ سوم کے صفحہ 92 یا 104 پر اس غرض سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ معارف وحقائق سے پر ہے اور حضرت خواجہ صاحب مرحوم اس کے سننے سے نہایت ہی خوش ہوئے تھے۔''حتّٰی کہ بر چہرہ مبارک حضور خواجہ صاحب از حد زاید آثار بشاشت ومسرت نمایاں بودند۔''اس میں آپ یہ بھی فرماتے ہیں۔

ہر کہ در عہدم زمن ماند جدا میکند برنفس خود جور و جفا

والسلام

خاکسار عزیز بخش

جائنٹ سیکرٹری

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام، لاہور

8 نومبر 1921ء

مکتوب حضرت امامؑ

(حضرت مسیح موعود کا ایک بہت پرانا خط جو حضور نے مولوی امام دین صاحب

فاتح الکتاب کے نام لکھا۔ جو براہین احمدیہ جلد اول کے چھپنے سے بھی پہلے کا خط ہے)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

میرے دوست جناب مولوی امام دین صاحب۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ افسوس سے لکھتا ہوں کہ بباعث بعض موسمی بیماریوں کے آپ کے خط کا جواب لکھنے سے قاصر ہوں۔ دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور بوجہ ضعف بشریت ایک غلطی جو آپ کے خیال پر غالب آرہی ہے اس کو رفع ودفع فرمادے کہ ہر ایک ہدایت اسی کی طرف سے ہے۔ اور انشاء اللہ میرا ارادہ ہے کہ "براہین احمدیہ" کے کسی محل پر آپ کا جواب الجواب لکھوں۔ نہ بحث کی غرض سے بلکہ اس غرض سے کہ ہادئ مطلق اس کے ذریعہ سے آپ کو راہنمائی کرے۔ مگر میرے نزدیک اس سے پہلے مناسب ہے کہ آپ بائبل کے ان مقامات کی صاف طور پر تشریح کر دیں، جن سے یہ بات قطعاً معلوم ہوتی ہے کہ وہ قصص واحکام خدا تعالیٰ کا کلام نہیں، بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی عقلمند ومتقی ودین دار کا بھی وہ کلام نہیں ہوسکتا۔ بائبل میں بعض بیانات عقل وطبعی کے برخلاف ہیں اور بعض خدا تعالیٰ کے تقدس اور اس کی پاک تعلیم کے برخلاف اور بعض اس کے انبیاء کی شان کے برخلاف اور بعض ایسے امور ہیں جو حال کی تحقیقاتوں سے جھوٹے ثابت ہوگئے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف اجمالی طور پر تمام امور ضروریہ علمی وعملی کا جامع اور تمام معارف وحقائق پر بطور اعجاز واجمال مشتمل ہے۔ اور خود خدا تعالیٰ نے تفصیل کا حوالہ اپنے رسولؐ کی طرف کر دیا ہے، جہاں فرمایا ہے کہ جو کچھ رسولؐ دے وہ لے لو اور جس چیز سے منع کرے، اس سے باز آجاؤ۔ اور اگر فرض کے طور پر خیال کیا جائے کہ بغیر بائبل کے تکمیل قرآن شریف نہیں ہوسکتی، اور اگر بائبل کو قرآن شریف کے ساتھ

پڑھا جائے تو پھر کوئی حکم اور کوئی دینی صداقت باہر نہیں رہے گی ،تو یہ بھی خیال خام اور گمان باطل ہے۔اگر آپ کو سیر احادیث نبویہ ہو کہ کس قدر صدہا جزئیات متعلق حقوق عباد و معاملات وحقوق باری عزاسمہ وغیرہ ان میں مندرج ہیں، اور پھر کس قدر فقہاء نے ان جزئیات کی تشریح کرنے کے وقت اجتہاد سے کام لیا ہے اور کس قدر مسائل پیدا ہو گئے ہیں ،تو آپ کو اقرار کرنا پڑے۔ ہاں بڑے زور سے اقرار کرتا ہے کہ ان ضروری امور سے تمام بائبل خالی ہے۔تو پھر ہم بائبل کی تہی دستی کا شکوہ کہاں لے جائیں؟ اور کس کے پاس جا کر روئیں؟ سچ تو یہ ہے کہ انجیل اور توریت کی حالت کی نسبت یہ آیت نہایت موزوں معلوم ہوتی ہے **وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا** (219:2۔مرتب) انہوں نے اپنی قوم کو جن کے ہاتھ میں صدہا سال سے یہ کتابیں ہیں کیا فائدہ پہنچایا ہے جو آپ کو بھی پہنچائیں گے۔جن کے گندے اور غیر مہذب بیانات کے بڑے فاضل انگریز جان بورٹ دلائل وغیرہ جیسے قائل ہو گئے ہیں، آپ نے ان میں کیا دیکھ لیا کہ آپ قائل نہیں ہوتے۔خدا رحم کرے۔ **ربّ اغفر رب ارحم ولا تھدی نفس الا بفضلک ورحمتک وتوفیقک . والسلام علٰی من اتبع الھدٰی**

خاکسار

غلام احمد

مورخہ 30 ستمبر 1889ء

❁❁❁

22-29 ربیع الاول 1340ھ

اداریہ

تحریکِ مصالحت کے کوائف

شجر احمدیت کے دونوں شاخسانوں میں روز افزوں شقاق اور افتراق کو کم کرنے کے لیے مصالحت باہمی کی طرح بڑی ہی مبارک تحریک تھی، لیکن اس کا کیا علاج کہ تفرقہ اور منافرت باہمی کے بلا خیز طوفان کو ساکن اور صامت کرنے کے لیے سب سے پہلی کوشش ہم احمدیان لاہور ہی کی طرف سے سرزد ہو چکی تھی۔ اس لیے فریق ثانی کو اس تجویز کے رد کر دینے کے لیے یہ خاصہ عذر موجود تھا کہ چونکہ اس تحریک کا منبع احمدیہ بلڈنگس لاہور ہے، اس لیے قابل پذیرائی نہیں۔ اس تحریک کا محرک اول ہونا نہ صرف ہماری کمزوری کی سب سے روشن دلیل سمجھی گئی، بلکہ اس جرمِ عظیم کی پاداش میں خود میاں صاحب نے ہمیں جن خطابات کا سزاوار ٹھہرایا، وہ ان ہی کے الفاظ میں سنیے:

> ''اب میں ایک اور بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ پیغامیوں کی طرف سے صلح کا پیغام دیا گیا ہے۔ حیرت ہے وہ لوگ جو جنگ کے بانی تھے صلح کا پیغام دیتے ہیں۔ لیکن یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ کیونکہ بعض دفعہ شیطان بھی فرشتہ کے لباس میں آجایا کرتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ جنہوں نے سلسلہ حقہ سے بغاوت اختیار کی ہے ان سے صلح کیسے ہو سکتی ہے، جب تک کہ وہ بغاوت نہ چھوڑیں۔ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں جھگڑا تھا۔ ایک دفعہ امیر معاویہ نے خواہش ظاہر کی کہ میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تو میرے پاس اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک تلوار ہم میں اور تم میں فیصلہ نہ کر دے۔ بات یہ ہے صلح غیروں کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ مگر جو اپنے کہلا کر بغاوت کریں، وہ جب تک بغاوت سے باز نہ آئیں، ان سے صلح نہیں ہو سکتی۔ یہ حضرت اقدس مسیح موعود کا مقدس سٹیج ہے۔ اس پر باغیوں کے لیے جگہ نہیں۔ گیدڑوں اور لومڑیوں کی طرح چھپ چھپ کر حملے

کرتے ہیں۔''

ہماری اس تجویز مصالحت کا جن الفاظ میں خیر مقدم کیا گیا، وہ میاں صاحب کی سالانہ جلسہ 1918ء کی تقریر کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے۔آج زمانہ کی تین سال کی شبانہ روز گردش نے اور تفریق بین المسلمین کے خطرناک نتائج کے ظہور نے میاں صاحب موصوف کے خیالات میں کچھ زیادہ تغیر پیدا نہیں کیا۔

چنانچہ اب بھی جبکہ مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب قادیان اس غرض کے لیے تشریف لے گئے، تو اسی پرانی لے میں اس کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ (ثبوت کے لیے ملاحظہ ہو اخبار الفضل مورخہ 24 نومبر کا لیڈنگ آرٹیکل) اس تحریک کے متعلق اب تک جو کچھ ہو چکا ہے، اس کو معلوم کرنے کے لیے باہمی خط و کتابت کا مطالعہ کر لینا کافی ہے۔آئندہ اگر کوئی بہتر نتیجہ اس سے ظاہر ہوا تو وہ بھی احباب تک پہنچا دیا جائے گا۔البتہ یہ امید ہے کہ جس طرح ہماری طرف سے یہ اعلان ہو گیا ہے کہ آئندہ کے لیے اخباروں میں ذاتی حملوں اور دل آزار کلمات سے بکلی اجتناب کیا جائے، جناب میاں صاحب بھی اپنے اخبار نویسوں اور اپنی جماعت کو ایسی ہی ہدایت کریں گے۔ہم اس بات کے کہنے سے رک نہیں سکتے کہ جب تک باہم میل ملاقات کے موقعوں کو بڑھانے کی کوشش نہ کی جائے گی، اس وقت تک کوئی بڑا مفید نتیجہ پیدا نہیں ہوسکتا۔اور اس بات کو پہلے جناب میاں صاحب نے بھی قبول کر لیا تھا جب سید صاحب کی شرائط پیش کردہ کے متعلق یہ لفظ لکھے کہ ''کوئی خدا کا خوف رکھنے والا بندہ ان کا انکار نہیں کرسکتا، اور ان شرائط کی جان ہی اس شرط میں تھی کہ نمازوں میں بوقت حضور شرکت ہو۔اور تقریبات شادی، غمی میں بلا عذر شرکت ہو۔لیکن آخر کار یہی شرط معرض بحث میں آگئی۔جس پر ہمیں بہت افسوس ہے۔**لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا**(1:65)

❁❁❁

22-29 ربیع الاول 1340ھ

نقل خط و کتابت ما بین مولوی سید محمد احسن صاحب، صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب اور حضرت امیر مولانا مولوی محمد علی صاحب، دربارہٗ مصالحت ہر دو فریق جماعت احمدیہ یعنی قادیان و جماعت لاہور

(معلوم ہوتا ہے مولوی سید محمد احسن صاحب نے کوئی خط لاہور سے صاحبزادہ صاحب کو لکھا ہے۔ جس کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ اس کے جواب میں صاحبزادہ صاحب نے 15 ستمبر 1921ء کو مفصلہ ذیل خط مولوی صاحب کو لکھا۔ مدیر)

تاریخ 15 ستمبر 1921ء۔ سری نگر رجسٹری شدہ نمبر 1

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرمی و معظمی جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب کا مکتوب مجھے سری نگر واپسی پر ملا۔ میں اندرون کشمیر گیا ہوا تھا۔ پڑھ کر جناب کے منشا سے اطلاع ہوئی۔ اور دیرینہ یاد پھر تازہ ہوئی۔ جناب کو شاید یاد نہ ہوگا کہ مکرمی جناب نواب صاحب کے مکان پر حضرت خلیفہ اول کی وفات کے دوسرے دن دوران گفتگو میں نے اور بعض دیگر احباب نے جن میں آپ بھی شامل تھے، بار بار مولوی محمد علی صاحب سے یہ کہا تھا کہ جب ہم حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں باوجود اختلاف کے مل کر کام کرتے رہے ہیں، تو اب کیوں مل کر کام نہیں کر سکتے؟ پس میری اور میرے احباب کی اور آپ کی خواہش تو مدت سے یہی رہی ہے کہ اختلاف مٹے۔ مگر کوئی عملی صورت اس وقت تک نہیں نکلی، جس پر کاربند ہوا جائے۔ اگر اب بھی کوئی ایسی صورت نکل آئے جس سے دونوں فریق اپنے عقائد کی حفاظت کرتے ہوئے، بلا مذہبی قربانی کرنے کے صلح واتحاد کی رسی میں جکڑے جائیں، تو اس سے زیادہ خوش کن اور کونسی بات ہو سکتی ہے؟

میں تو اب بھی ان لوگوں کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ناامید نہیں ہوں۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے مجھے بعض لوگوں کی نسبت بتایا بھی ہے کہ وہ انشاء اللہ ادھر رجوع کریں گے۔ اور آپس کے اختلاف کو سلسلہ کے مفاد کی خاطر قربان کر دیں گے۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ میرے گھر سے اس سفر میں سخت بیمار ہو گئی ہے۔ اور ابھی ان کو سخت ضعف ہے۔ حرکت اور مشقت سے بخار ہو جاتا ہے۔ میری درمیانی اہلیہ دختر حضرت خلیفہ اول پہلے سے بیمار ہیں۔ اس صورت میں تمام قافلہ کو چھوڑ کر زیادہ عرصہ کے لیے ٹھہرنا میرے لیے مشکل ہوگا، نہ سب قافلہ کو اُتارا جا سکتا ہے۔ لاہور میں ہیضہ کی بھی شکایت ہے، مگر ادھر میں اس موقع کو بھی جانے نہیں دینا چاہتا۔

اس لیے آپ کی تحریر کے مطابق میں انشاء اللہ ایک دن کے لیے لاہور ٹھہر سکوں گا۔ مگر میں اس احاطہ میں نہیں آ سکتا۔ اگر آپ احمدیہ بلڈنگ کے احاطہ سے باہر کسی اور جگہ پر تشریف رکھتے ہوتے تو میں آنے میں کچھ حرج نہ دیکھتا تھا۔ موجودہ حالات میں میرا وہاں آنا مناسب نہیں ہے۔ پس اگر میری واپسی تک آپ کا قیام وہیں ہو تو پھر اس صورت میں جناب کو ہی تکلیف کرنی ہوگی۔ اور جہاں میں اپنے قیام کا انتظام کروں، وہاں تک جناب کو تشریف لانا ہوگا۔ میں پہنچنے سے پہلے اپنی آمد کی اطلاع آپ کو کر دوں گا اور وہاں پہنچ کر گاڑی بھجوا دوں گا۔ اگر ایک دن سے زیادہ گفتگو کی ضرورت ہو تو پھر آپ جب وطن کی واپسی کا ارادہ کریں، تو اس وقت قادیان ہوتے چلیں۔ اور اگر وہاں آنے میں تکلیف ہو، کیونکہ سڑک خراب ہے، تو میں یہ بھی انتظام کر سکتا ہوں کہ بٹالہ میں مکان کا انتظام ہو جائے اور میں وہاں آپ کی ملاقات کے لیے آ جاؤں۔ امید ہے کہ آپ اپنے منشا سے مجھے فوراً اطلاع فرمائیں گے۔ جواب اس خط کا اس پتہ پر ہو۔ معرفت پوسٹ ماسٹر صاحب، راولپنڈی۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

☆☆☆

صاحبزادہ صاحب کا دوسرا خط بنام مولوی سید محمد احسن صاحب جب وہ امروہہ چلے گئے تھے۔

13 اکتوبر 1921ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرمی ومعظمی مولوی صاحب

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ چونکہ مجھے آپ کا پہلا خط نہ مل سکا۔ میں لاہور آتے ہوئے ٹھہرا تھا۔ جب میرا آدمی احمدیہ بلڈنگس خط لے کر گیا تو معلوم ہوا کہ آپ وہاں سے واپس تشریف لے گئے ہیں۔ گو یہ موقع تو ہاتھ سے جاتا رہا ہے۔ مگر میں آپ کی تجویز کے مطابق انشاءاللہ بہت جلد مولوی شیر علی صاحب کو آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ امید ہے کہ ان کی معرفت گفتگو بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مفید نتیجہ پیدا کر دے۔ جس کی ہر مخلص احمدی کے دل میں تڑپ ہے۔

مجھے اس بات کو معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ آپ کی طبیعت کچھ زیادہ ناساز ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا عطا فرمائے۔ میری اپنی طبیعت بھی ابھی پوری طرح صاف نہیں۔ گو یہاں سے جس حالت میں گیا تھا، اس سے اچھی حالت ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس خط کے پہنچنے کے قریب ہی مولوی شیر علی صاحب وہاں پہنچ جائیں گے۔ سب اہل خانہ کو السلام علیکم۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

☆☆☆

اس کے بعد مولوی صاحب نے اکتوبر کی کسی تاریخ شرائط صلح صاحبزادہ صاحب کو لکھ کر بھیجیں، جس کی ایک نقل اپنے 24 اکتوبر کے خط کے ساتھ حضرت امیر کو بھی بھیجی۔ خط اور شرائط حسب ذیل ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مخدوم ومکرم حضرت امیر جماعت احمدیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جناب من مدت سے جناب کا کوئی عنایت نامہ میرے نام نہیں صادر

ہوا۔ حالانکہ متعدد خطوط جناب کو روانہ کر چکا ہوں۔ موانعش بجز خیر مباد۔ یہ دعا گو آپ کی خیر وعافیت کا طالب اور سب احباب کرام کی عافیت کا طلب گار ہمیشہ دعا کرتا رہتا ہے۔ مجھ کو جو تحریک حضرت اقدس کے الہام کے پورا کرنے کی ہوئی ہے، ماہ اگست 1921ء میں اور بمقام لاہور ہی ہوئی تھی۔ موجبات اس کے کس قدر لکھے گئے ہیں۔ اور دیگر موجبات بھی ہیں۔ اس کی اطلاع احباب کرام کو کی گئی ہے۔ وہ تحریر کر کے آپ کی خدمت والا میں مع شرائط مصالحت مابین الفریقین روانہ کرتا ہوں۔ منظوری غیر منظوری سے مشرف اطلاع بخشی جائے۔ جواب بہت جلد بمشورہ احباب کرام عنایت ہو۔ اور اگر کوئی شرط ترمیم کے لائق ہو، تو اس کو مع ترمیم کے لکھیں۔ آپ کی اور آپ کے متعلقین و برخوردار محمد احمد سلمہ کا طالب خیریت۔ سید محمد احسن امروہہ۔ 24 اکتوبر 1921ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

موجبات مصالحت

حضرت اقدس کا الہام مندرجہ ’’البشریٰ‘‘ **یصالح الناس** یعنی اندرونی طور پر مصالحت کرادے گا۔ **وعلی مشرب الحسن**۔ یہ الہام حضرت اقدس کا ہے۔ اس میں کے بعض الہام تو پورے ہو گئے اور بعض اب تک پورے نہیں ہوئے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا الہام **یصالح الناس وعلی مشرب الحسن**۔ میرے دل میں اس الہام کے پورا ہونے کی تحریک لاہور میں ماہ اگست 1921ء میں ہوئی۔ تحریک کے اسباب کچھ تو خارجی علوم ہیں اور بعض روحانی۔ اگرچہ مجھ میں ضعف بھی بہت تھا اور مرض فالج کا غلبہ۔ لہٰذا ایسی تحریک تھی۔ **وَمَا یَکُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّعُوۡدَ فِیۡہَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡنَا رَبَّنَا افۡتَحۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَقِّ وَاَنۡتَ خَیۡرُ الۡفٰتِحِیۡنَ** (89:7) حتّٰی کہ میں امروہہ سبب اسباب ضروریہ کے پہنچ گیا۔ یہاں بھی وہ تحریک جاری رہی۔ حتّٰی کہ میں اس تحریک کو روکتا بھی تھا۔ کیونکہ مجھ میں کسی طرح کی قوت ہی نہیں تھی۔ اور یہ سبب ایک سخت حملہ مرض فالج کے مجھ میں بالکل طاقت نہ رہی۔ احباب لاہور کو اس حالت کا تار دیا گیا۔ حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے آ کر مجھ کو غافل پایا۔ علاج معالجہ کیا۔ مگر یہ تحریک موقوف نہ ہوئی۔ احبابِ لاہور کو بھی لکھا گیا اور ڈاکٹر صاحب سے بھی اس کا ذکر کیا گیا۔ چونکہ قوت وطاقت بالکل نہیں تھی، اس لیے کچھ ناامیدی بھی ہو گئی اور بحکم **لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ** (53:39) کے کچھ امید

بھی رہی۔اس لیے یہ اقرار نامہ رجسٹری شدہ مع شرائط لکھا جاتا ہے۔

☆☆☆

مضمون اقرار نامہ مصالحت مابین الفریقین لاہور و قادیان

اوّل۔ چونکہ اس قسم کے اختلاف میں طرفین سے نوبت توہین واستہزاء وغیرہ باہمی کی پہنچ جاتی ہے، جو منجر بغیبت ہو جاتی ہے اور غیبت کا حال یہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا فَکَرِھۡتُمُوۡہُ (12:49) اور رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں: اَلۡغِیۡبَۃُ اَشَدَّمِنَ الزنٰی اور یہ غیبت ایسی مروج ہو گئی ہے کہ فریقین کے علماء اس میں ملوث ہیں۔اس لیے یہ اختلاف فریقین کا ایسا رہنا چاہئے جیسا کہ آئمہ اربعہ ومجتہدین اور آئمہ حدیث میں واقع ہے۔فریقین میں سے کوئی شخص خواہ جماعت میں کا ہو یا امیر اور خلیفہ ہو، کلمہ طعن وتشنیع اور ہمز ولمز کا نہ تحریراً اور نہ تقریراً نکالے۔

دوم۔مناظرات بالکل بند۔جن کا اب تک کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوا۔ **صدق رسولہ الکریم ما ضلّ قوم بعد ھدی کا نوا علیہ الا اوتوا الجدال۔(رواہ ترمذی)** ہر ایک فریق کو اپنے اپنے مسلک کا اختیار ہے کہ اول کتاب سنت سے یا دلائل عقلیہ مطابق کتاب وسنت سے بلاطعن وتشنیع ترجیح دیں۔

سوم۔نمازوں جماعت میں بوقت حضور شرکت۔تقریبات شادی وغمی میں بلا عذر شرکت۔کیونکہ بعض احباب کرام کی قادیان میں قرابت بھی ہے، جیسا کہ مولانا غلام حسن صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب وغیرہ۔

چہارم۔معاملات دنیاوی میں، جیسا کہ کچھ اراضیات بعض احباب نے خرید کی ہیں، ان میں اس اقرار نامہ کو کچھ دخل نہ ہوگا۔ہاں تبرعات (تطوع ورغبت) اگر کوئی فریق میں کرنا چاہے تو اس کو اختیار ہے۔علی ہذا جو سامان یا کتب انجمن کا بتولیت مولانا محمد علی صاحب لاہور میں آ گیا۔اور جو سامان انجمن کا قادیان میں رہا، اس میں کوئی فریق جماعت میں کا ہرگز ہرگز کچھ دخل نہ دے گا۔

پنجم ۔ اگر کوئی فریق جماعت میں کا ان شرائط کے خلاف کرے گا، تو اس پر جرمانہ حسب حیثیت جرم جرمانہ کیا جائے گا اور فریق ثانی کے خزانہ میں داخل کیا جائے گا۔

ششم ۔ ایک کمیٹی ان سب امور کی نگرانی کرے گی ۔ اور وہی جرمانہ کرے گی ۔

ہفتم ۔ خلافت وامارت فریقین کو قضائے آسمانی پر چھوڑ دیا گیا۔

ہشتم ۔ پانچ پانچ اراکین سربرآوردہ لوگوں کے اس پر دستخط ہوں گے۔

معلوم ہوتا ہے جس وقت یہ مذکورہ بالا شرائط کی نقل حضرت امیر کو بھیجی گئی ہے اس وقت مولوی شیر علی صاحب مولوی سید محمد احسن صاحب کو قادیان سے لانے کے لیے صاحب زادہ صاحب کی طرف سے امروہہ پہنچ چکے تھے۔ کیونکہ مولوی صاحب موصوف کی زبانی معلوم ہوا کہ مولوی شیر علی صاحب نو دن امروہہ ٹھہر کر مولوی صاحب موصوف کو 30 اکتوبر کو ساتھ لائے ہیں ۔ اس طرح وہ 21 یا 22 اکتوبر کو امروہہ پہنچے ہوں گے ۔ اور حضرت امیر کو 24 تاریخ کو شرائط صلح کی نقل بھیجی گئی ہے۔

مولوی صاحب کو امروہہ سے روانگی سے پہلے صاحبزادہ صاحب کا مفصلہ ذیل خط ملا

مکرمی و معظمی مولوی صاحب!

السلام علیکم ۔ آپ کا خط پہنچا۔ آپ کی مشکلات اور بیماری کا حال معلوم کر کے مجھے بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بیماری اور آپ کے خاندان کی مشکلات کو اپنے فضل سے اور اپنے احسان سے دور فرمائے ۔ مگر باوجود اس افسوسناک خبر کے معلوم ہونے کے کہ کسی دشمن نے آگ لگا کر عزیزی محمد یعقوب کے اسباب کو جلا دیا، اس امر سے دل میں خوشی پیدا ہوئے بغیر نہیں رہی کہ آخر آپ نے قادیان تشریف لانے کا ارادہ پختہ کر لیا ہے۔ مال تو ایک فانی چیز ہے، مگر آپ کی تشریف آوری کے اگر نیک نتائج پیدا ہوئے، تو وہ انشاء اللہ غیر فانی اور ابدی ہوں گے۔

آپ کو اس عسرت کے زمانہ میں سفر کے اخراجات کی فکر نہیں کرنی چاہئے ۔ آپ کا یہ سفر تو اصلاح بین

الناس کی نسبت سے ہے۔اوراس لحاظ سے آپ مامورعلی الخذمت کا درجہ رکھتے ہیں۔پس آپ کے اخراجات سفر بھی مصرف دینی ہی ہیں۔اور مولوی شیرعلی صاحب انشاءاللہ سب اخراجات خود ادا کریں گے۔یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایک تو آپ اس ضعیفی اور بیماری میں اصلاح بین الناس کی خاطر اس قدر مشقت برداشت کریں اور پھر اس زمانہ عسرت میں آپ پر اخراجات سفر کا بھی بارڈالا جائے۔

میرے نزدیک بجائے سیٹس ریزروکروانے کے کمرہ ریزروکرانا زیادہ مناسب ہوگا۔اس صورت میں آپ کے گھر سے بھی آپ کے ساتھ بیٹھ سکیں گے۔اور دوسرے لوگوں کے گاڑی میں آنے سے آپ کو تکلیف بھی نہ ہوگی۔میں نے اس کے متعلق مولوی شیرعلی صاحب کو لکھ دیا ہے۔

صلح کے متعلق جو تجاویز ہیں،ان کا اصل الاصول ایسا ہے کہ کوئی عقلمند خدا کا خوف رکھنے والا بندہ انکار نہیں کرسکتا۔سید عبدالجبار شاہ صاحب بادشاہ سوات کے سامنے میں نے اسی اصول پر کوشش کرنے کے لیے کہا تھا۔مگر افسوس کہ انہوں نے مایوسی کا اظہار کیا۔خدا کرے آپ کی کوششیں بارآور ہوں۔ورنہ حجت ملتزمہ ہونے میں تو کوئی شبہ نہ رہ جائے گا۔والوزر علی من انکر

خاکسار

مرزا محمود احمد

☆☆☆

مذکورہ صدر شرائط صلح کے متعلق کوئی جواب حضرت امیر کی طرف سے ملنے سے پہلے مولوی صاحب قادیان روانہ ہوگئے۔اور وہاں پہنچ کر اپنے صاحبزادہ سید محمد یعقوب کو شرائط صلح کے متعلق زبانی پیغام دے کر حضرت امیر کی خدمت میں بھیجا کہ لاہور سے بھی کچھ احباب قادیان آجائیں۔تا صلح کی تجویز کا تصفیہ ہوجائے۔چنانچہ حضرت امیر نے مفصلّہ ذیل سات احباب کا ایک وفد 7 نومبر کو قادیان بھیجا۔

حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب، جناب خان میاں غلام رسول خان صاحب، جناب مولٰینا مولوی صدرالدین صاحب، جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، جناب ماسٹر فقیر اللہ صاحب، جناب خان شاہ محمد

خان صاحب ریلوے انجینئر، جناب مولوی عبدالستار صاحب سیکریٹری۔ اور مولوی صاحب کی مجوزہ شرائط میں سے بعض کو مختصر اور بعض کو مفصل کر کے حسب ذیل مسودہ وفد کے ہاتھ مولوی صاحب کو بھیجا۔

مضمون اقرارنامہ مصالحت مابین الفریقین جماعت احمدیہ لاہور وقادیان

1۔کوئی فریق دوسرے فریق کی نسبت کسی قسم کا کلمہ تحقیر یا دل آزاری یا بدگوئی یا کافر یا فاسق کا لفظ تقریر یا تحریر میں استعمال نہ کرے گا۔

2۔مناظرات بند ہوں۔ ذاتی یا انفرادی طور پر تبادلہ خیالات پر پابندی شرط اول ہوسکتا ہے۔تحریری مباحثات بھی بند ہوں۔سوائے اس کے کہ بوقت ضرورت فریقین کی طرف سے خلیفہ اور امیر بحث کرنے والے ہوں۔

3۔اپنے اپنے مسلک کو بہ دلائل پیش کرنے اور ترجیح دینے کا ہر ایک شخص کو اختیار ہوگا۔

4۔نماز باجماعت میں بوقت حضور شرکت۔تقریبات شادی وغمی میں اور ایسا ہی جلسوں لیکچروں میں شرکت ہوگی۔

5۔حقوق یا جائداد کے معاملہ میں جو حالت فریقین کی عملی طور پر پیدا ہوچکی ہے، اسے دونوں فریق صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

6۔اگر کوئی فریق جماعت کا ان شرائط کے خلاف کرے گا،تو اس پر جرمانہ حسب حیثیت جرم کیا جائے گا۔اور فریق ثانی کے خزانہ میں داخل کیا جائے گا۔

7۔ایک کمیٹی ان سب امور کی نگرانی کے لیے قائم کی جائے گی۔اسی کو جرمانہ کا اختیار بھی ہوگا۔اس کمیٹی کے لیے ہر فریق کی طرف سے پانچ پانچ ممبر ہوں گے۔جن میں سے تین ممبروں کا انتخاب ہر فریق خود کرے گا۔اور دو ممبروں کا انتخاب ہر فریق سے دوسرا فریق کرے گا۔اس کے اجلاس باری باری قادیان اور لاہور میں ہوں گے۔اور صدر منتخب کرنے کا اختیار بھی ہر فریق کو باری باری ہوگا۔

8۔ خلافت و امامت فریقین کو قضاء آسمانی پر چھوڑا گیا۔

9۔ پانچ پانچ اراکین سر برآوردہ لوگوں کے اس پر دستخط ہوں گے۔

10۔ اس اقرار نامہ کی نقل ہر دو فریق اپنے اپنے اخبارات میں شائع کریں گے۔

اس وفد کو قادیان پہنچ کر معلوم ہوا کہ قبل ازیں شرائط صلح کے متعلق صاحبزادہ صاحب کی ایک تجویز مولوی صاحب کے پاس آئی ہوئی ہے۔ جس کو بظاہر ایسا معلوم ہوا کہ مولوی صاحب بھی پسند نہیں کرتے۔ پس اس ردوبدل کے جھگڑے میں پڑنا ہمارے احباب نے پسند نہ کیا۔ اور مولوی صاحب کی مجوزہ شرائط کے نیچے مفصلہ ذیل تحریر لکھ دی۔

ہم نمائندگان احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور، جو حضرت امیر قوم مولانا مولوی محمد علی صاحب کے حکم کے ماتحت حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، تحریر کر دیتے ہیں کہ ہر دو فریق جماعت احمدیہ کے مابین مصالحت کی جو آٹھ شرائط مندرجہ بالا حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب نے تجویز فرمائی ہیں، وہ ہمیں بسر وچشم لفظ بلفظ منظور و قبول ہیں اور ہماری جماعت ان شرائط پر صلح کرنے کے لیے تیار ہے۔ 8 نومبر 1921ء مقام قادیان

1۔ رحمت اللہ وائس پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور 2۔ غلام رسول تمیم ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس 3۔ صدرالدین پرنسپل مسلم ہائی سکول 4۔ شاہ محمد خاں بقلم خود اگزیکٹو انجینئر محکمہ ریلوے 5۔ مرزا یعقوب بیگ ایل۔ ایم۔ ایس سرجن لاہور 6۔ ماسٹر فقیر اللہ مہتمم تصنیفات وامین (احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور) 7۔ عبدالستار نائب مہتمم تصنیفات بقلم خود

☆☆☆

صاحبزادہ صاحب کی طرف سے جو تجویز شرائط صلح کے متعلق مولوی صاحب کو دی گئی تھی وہ یہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

بہ تحریک جناب مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی جماعت مبایعین وغیر مبایعین کے منتخب شدہ نمائندگان نے بمقام قادیان دارالامان جمع ہوکر آج بتاریخ 1921ء اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ فریقین کی طرف سے مندرجہ ذیل امور کا اعلان کیا جائے۔ اس اعلان میں فریقین کے لفظ سے یہ دو فریق مراد ہیں۔ مبائعین یعنی وہ لوگ کہ جو حضرت مسیح موعود کے بعد سلسلہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو جاری سمجھتے ہیں۔ اور آپ کے خلیفہ کو واجب الاطاعت امیر سمجھ کر اس کی بیعت میں داخل ہیں۔ غیر مبائعین یعنی (نقل میں اس کے آگے کچھ نہیں۔ ایڈیٹر)

اس لیے فریقین کے ممبران کی اطلاع کے لیے اعلان ہذا شائع کیا جاتا ہے۔ تا آئندہ ہر دو فریق کے ممبران امور کو ملحوظ رکھیں۔

امور جن پر فریقین نے اتفاق کیا ہے

اول: (ا۔ فریقین اس بات کا اعلان کر دیں کہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں ایک دوسرے کے متعلق ذاتی حملوں سے بکلی اجتناب کیا جائے۔ بصورت خلاف ورزی اس امر کے اگر مولوی محمد علی صاحب یا ان کے رفقاء میں سے کسی کو شکایت پیدا ہو، تو وہ بوساطت انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور جماعت احمدیہ کے خلیفہ وامام کے سامنے اپنی شکایت تحریرًا پیش کر دے۔ اگر یہ شکایت جماعت احمدیہ کے خلیفہ وامام کی تحقیق سے درست ثابت ہو، تو جس شخص کے خلاف شکایت ہو، وہ اس شخص سے طلب معافی کا اعلان کروائیں۔ اگر جماعت مبایعین سے کسی شخص کو شکایت پیدا ہو تو وہ بوساطت افسر صیغہ ڈاک خلیفہ وامام جماعت احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کو توجہ دلائے۔ اگر یہ شکایت انجمن مذکور کی تحقیق سے درست ثابت ہو، تو جس شخص کے خلاف شکایت ہو، وہ اس شخص سے طلبِ معافی کا اعلان کروائے۔ ایسے اعلانات اخبار الفضل اور پیغام صلح ہر دو میں شائع ہونے ضروری ہوں گے۔

ب۔ اگر کسی فریق کو کسی وقت یہ شکایت پیدا ہو کہ دوسرا فریق شکایت از قسم ضمن (الف) کے تدارک میں کوتاہی کرتا ہے، تو ایسے تین واقعات کے بعد جس میں ان کو شکایت پیدا ہو، وہ اس بات کا مجاز ہوگا کہ یہ اعلان کر دے کہ چونکہ دوسرے فریق نے اپنے اعلان کا پاس نہیں کیا، اس لیے ہم اپنے اعلان کو منسوخ کرتے ہیں۔

امر دوم: جب تک فریقین کا عقائد میں اختلاف ہے، باہم تبادلۂ خیالات اور اپنے اپنے عقائد کی تبلیغ واشاعت تحریراً ہو یا تقریراً، رُک نہیں سکتی۔ مگر فریقین کی طرف سے یہ اعلان کیا جائے کہ مناظرات ومباحثات کا سلسلہ بند کیا جاتا ہے۔ تا ضد دور ہو کر حق کے پہچاننے کی توفیق ملے۔

امر سوم: اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ جس فریق کے ساتھ وہ تعلق رکھتا ہے۔ وہ فریق اس سے اعلان ہذا کے امر اول ودوم کی پابندی نہ کرا سکے تو اس شخص کے متعلق دوسرا فریق آزاد سمجھا جائے گا۔

امر چہارم: فریقین میں سے جن لوگوں کی آپس میں قرابت داری ہے، انہیں ایک دوسرے کی شادی وغمی کی تقریبات پر باہم شمولیت سے ممانعت نہیں ہے۔

امر پنجم: معاملاتِ دنیاوی میں اگر کسی فریق کے کسی فرد کو دوسرے فریق کے کسی فرد کے خلاف کوئی دعویٰ ہو تو وہ اپنا حق جائز طریق سے لے سکتا ہے۔ لیکن تبرعاً اگر وہ اپنا حق چھوڑ دے، تو یہ اور بات ہے۔

امر ششم: اس اعلان کا کوئی حصہ فریقین کے عقائد یا امور مذہبی پر کسی طرح مؤثر نہیں سمجھا جائے گا۔

امر ہفتم: س اعلان کے لیے مبایعین کی طرف سے ان کے خلیفہ وامام کے دستخط کافی ہوں گے۔ اور غیر مبائعین کی طرف سے (نقل میں اس کے آگے کچھ نہیں۔ ایڈیٹر)

امر ہشتم: یہ اعلان ایک سال کے لیے تجربۃً نافذ سمجھا جائے اور اس کی میعاد تاریخ اشاعت سے دس دن کے بعد شروع ہوگی۔

وفد کے لاہور واپس آ جانے پر مولوی صاحب کے مُفصلّہ ذیل خطوط حضرت امیر کے نام لاہور آئے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

محبّ مکرم جناب مولوی محمد علی صاحب فاضل ایم اے۔ امیر جماعت احمدیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت میاں صاحب نے اپنے پہلے عنایت نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ ’’خدا کرے کہ آپ کی کوششیں بار آور ہوں، ورنہ حجت ملتزمہ ہونے میں تو کوئی شبہ نہ رہ جائے گا۔ والوزر علیٰ من انکر‘‘ اوراس سے پہلے تحریر فرماتے ہیں کہ ’’کوئی عقلمند خدا کا خوف رکھنے والا بندہ ان کا انکارنہیں کرسکتا‘‘ جس پر جناب والا کو تکلیف دی گئی۔ چنانچہ سات احباب کرام یہاں پرتشریف لائے۔ دوسرا خط میاں صاحب کا وہی ہے جس کی نقل آپ نے ملاحظہ فرمائی ہوگی۔ یہ معاملہ ابھی پرائیویٹ ہے، ابھی شائع نہ ہو۔ اور نیز جو کچھ تحریرات احباب کرام اپنے ساتھ لے گئے ہیں، جب تک کہ میں حاضر نہ ہوجاؤں، شائع نہ ہوں۔ دوسرے خط کے مضمون کی بناپر میں خاموش رہا۔ آج یا کل میرا ارادہ ہے کہ اس اختلاف مضمون کو پیش کرکر بطور مناسب اتمام حجت کروں۔ دیدہ باید چہ بظہور آید۔ اَلۡغَیۡبُ عِنۡدَ اللّٰہِ وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ (29:81) اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ (57:6)

(اس کے بعد سید صاحب نے اپنی تصنیفات کے شائع کرنے کے متعلق کچھ لکھا ہے۔ ایڈیٹر)

محررہ 19 نومبر 1921ء قادیان ضلع گورداسپور سید محمد احسن عفی اللہ عنہ بقلم خود

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مخدوم ومکرم حضرت امیر ایّدکم اللہ تعالیٰ بنصرہٖ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جناب والا کے ہر دونوازشنامے وصول ہوئے۔ یادآوری کا مشکور ہوں۔ جناب 20 یا 21 کو ماسٹر صاحب کو یا کسی دوسرے شخص کو یہاں بھجوادیں۔ مفصل بروقت ملاقات عرض کیا جائے گا۔ برخوردار محمد یعقوب کو جاڑا بخار آتا ہے اوراس لیے اس کو بہت ضعف ہوگیا ہے۔ اس لیے اس سے قبل روانگی مشکل ہے۔ 10 نومبر 1921ء سید محمد احسن عفی اللہ عنہ بقلم خود

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مخدوم ومکرم حضرت فاضل۔ایم اے۔وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نوازشنامہ نے شرف صدور فرمایا۔مضمون مندرجہ سے مطلع ہوا۔اگر اس وقت ہو سکے تو جو آپ نے لکھا تھا کہ سب وشتم وتوہین وتحقیر باہمی اخباروں میں یا رسالوں میں ہر متنفس تقریراً وتحریراً جماعت احمدیہ کی طرف سے بالکل مسدود ہو جائے ،اس کی نسبت میں کئی روز سے کوشش کر رہا ہوں۔چنانچہ آج ایک مضمون اسی کی نسبت میں نے لکھ کر میاں صاحب کی خدمت میں بھجوا دیا ہے۔اس کا جواب امروز فردا آجائے گا۔تا آنے ماسٹر فقیر اللہ صاحب کے یا کسی دوسرے شخص کے انشاء اللہ تعالیٰ میں فارغ ہو جاؤں گا۔اگر آپ سے ہو سکے تو مضمون مصالحت کا آپ بھی روانہ فرمادیں ،دستخط وغیرہ کر کے ،برخوردار یعقوب کی طبیعت اب بفضلہٖ اچھی ہے۔

والسلام۔سید محمد احسن۔از قادیان۔13 نومبر 1921ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مخدوم ومکرم حضرت فاضل ایم۔اے۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھ کو امید ہے اور ایسی امید پر پہلے بھی لکھا گیا ہے کہ جناب والا عظمت کلام اللہ کو جو **وَالصُّلۡحُ خَیۡرٌ** (128:4۔مرتب) فرماتا ہے،سب خیالات کو ایک طرف رکھ کر اس کو مقدم فرما دیں گے اور **وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ** (128:4) کو جو محل مذمت میں فرمایا گیا ہے اس کو خیال میں نہ لا کر تشریف لے آویں گے۔اور میں نے بھی اسی پر عمل کیا ہے۔اللہ تعالیٰ قبول فرماوے کہ باوجود فالج اور دیگر عوارض لاحقہ کے یہاں پر اسی غرض کے واسطے حاضر ہو گیا ہوں۔ **کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا** اس کا جواب لا ونعم کے ساتھ جو ہو، جلد ہو۔آپ کی تشریف آوری کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ میں بھی آپ کے ہمراہ لاہور کو چلوں گا۔مگر شرط یہ ہے کہ میں صرف ہفتہ عشرہ قیام کر کے انشاء اللہ تعالیٰ امروہہ واپس جاؤں گا۔مجھ کو سخت ضرورتیں امروہہ جانے کی لاحق ہیں۔اور آپ جانتے ہیں کہ **الضرورۃ تبیح المحظورات** دیگر احباب کو تحیۃ وسلام قبول ہو۔اس کا انتظار آج سے 23 نومبر تک حد مؤرخہ 24 تک ہے۔**لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا**. خاکسار کی طرف سے انشاء اللہ تعالیٰ کوئی امر ایسا

واقع نہ ہوگا۔ جواحباب کرام کورنجیدہ ہو۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَدَیْکُمْ مِنَ الْحَاضِرِیْن۔ یہ عریضہ بیرنگ کسی خاص ضرورۃ کے لحاظ سے لکھا گیا ہے۔ اوراس وقت لفافہ بھی نہیں ملا تھا۔ 18 نومبر 1921ء سید محمد احسن عفی اللہ عنہ بقلم خود

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مخدوم مکرم حضرت فاضل۔ ایم اے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھ کوکل پندرہ سولہ دست آ گئے۔ میری تحریر کے جواب میں صاحبزادہ صاحب کا جواب آ گیا ہے، مگر جب تک کہ آپ اس کو ملاحظہ نہ فرمالیں۔ اور کچھ گفتگو جو کچھ ہو نہ کرلیں، تب تک اطمینان نہیں ہوسکتا۔ خاکسار اس وقت بسبب ضعف نہیں آ سکتا۔ آپ تشریف لے آئیں، تو آپ کے اعزاز واکرام میں انشاءاللہ تعالیٰ کوئی فرق نہ ہوگا۔ اور خاکسار ہی کے پاس آپ ٹھہریں۔ خواہ محبی ومکرمی جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب بھی آپ کے ہمراہ ہوں۔ یا کوئی اور دیگر احباب میں سے۔ خاکسار اور جناب آپ کے ہمراہ انشاءاللہ تعالیٰ لاہور چلیں گے۔

والباقی عندالتلاقی۔ قادیان۔ 17 نومبر 1921ء۔ سید محمد احسن عفی اللہ عنہ بقلم خود

اس کے بعد 20 نومبر کو حضرت امیر نے ماسٹر فقیر اللہ صاحب کو ذیل کا خط دے کر مولوی صاحب کے پاس قادیان بھیجا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مخدوم مکرمی حضرت مولانا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں پرسوں باہر گیا ہوا تھا۔ واپسی پر آپ کا کارڈ اوراس کے بعد ہی آپ کا ملفوف بھی مل گیا۔ آپ کے بلانے پر وہاں آنے میں مجھے قطعاً کوئی عذر نہیں، لیکن سب احباب یہ عرض کرتے ہیں کہ جس طرح وہاں قیام فرما

کر آپ نے ایک فریق کے منشا کو معلوم کرلیا ہے۔ اور جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں، اس کا بھی اب انہوں نے آخری فیصلہ کر دیا ہے۔ اسی طرح اب آپ یہاں تشریف لائیں تو آپ کے ساتھ یہاں کے سب احباب مشورہ میں شامل ہو کر ان باتوں کو طے کر سکتے ہیں۔ یوں تو یہ بھی کافی تھا کہ آپ جناب میاں صاحب کے خط کی نقل بھیج دیتے۔ اور ہم سب یہاں مشورہ کر لیتے۔ اور پھر میں خود بھی حاضر ہو جاتا، مگر مشورے کے لیے بھی آپ کی موجودگی زیادہ مفید ہوسکتی ہے، بلکہ آپ کے بغیر ان امور کے طے کرنے میں نقص رہنے کا خطرہ ہے۔ اس لیے سب احباب کی متفقہ رائے یہ ہے کہ آپ یہاں تشریف لے آئیں۔ تاکہ امور پیش آمدہ آپ کی رائے کے ساتھ شوریٰ میں طے ہوسکیں۔ اسی غرض کے لیے حامل ہٰذا کو آپ کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ اگر جناب پسند کریں گے تو دوبارہ میں اور بعض دوسرے دوست آپ کے ساتھ پھر قادیان جاسکتے ہیں یا آپ تکلیف نہ بھی کریں تو ہم خود چلے جائیں گے۔ قادیان جانا ہمارے لیے خوشی کا موجب ہے۔ اس میں کسی قسم کی قبض یا تنگی ہم میں سے کوئی بھی اپنے نفس میں نہیں پاتا۔

اگر کوئی خاص امر آپ کے ابھی تشریف لانے میں مانع ہو تو پھر آپ میاں صاحب کے خط کی نقل حامل ہٰذا کے ہاتھ بھیج دیں۔ اس کے آنے پر میں اس کے متعلق احباب سے مشورہ کر کے بہت جلد حاضر ہو جاؤں گا۔ میں ابھی آجاتا لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ میں اکیلا بغیر مشورے کے کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ اور پھر یہاں واپس آکر ہی کچھ فیصلہ ہو سکے گا۔ غرض اصل مقصد تو اسی طرح پورا ہوسکتا ہے کہ اب آپ یہاں تشریف لے آئیں۔ اور بصورت کسی خاص مانع کے میاں صاحب کے خط کی نقل بھیج دیں۔ آپ نے صلح کے معاملہ میں ارشاد قرآنی کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ میں نے خود آپ کو شروع سے یقین دلایا ہے کہ ہم صلح کے لیے کوئی لمبے چوڑے مباحثات کرنا نہیں چاہتے۔ جو شرطیں پہلے آپ نے لکھی تھیں اور جن کے متعلق فرمایا تھا کہ میاں صاحب نے منظور کر لی ہیں، ہم نے لفظاً لفظاً منظور کر لی تھیں۔ لیکن چونکہ میاں صاحب نے ان میں رد و بدل کیا ہے، اس لیے وہ شرائط رہ گئیں۔ اب بھی آپ ہم میں انشاء اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں بخل نہ پائیں گے۔ آپ کی منشا کو پورا کرنے کے لیے ہم نے تو بغیر کسی شرط کے بھی اعلان کر دیا ہے کہ مباحثات کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہے۔ اور ذاتی حملوں اور دل آزار کلمات سے آئندہ کے لیے قطعاً اجتناب رہے گا۔ ہاں! میل و محبت کے تعلقات پیدا ہونا اس

صورت میں ہوسکتا ہے کہ فریقین کی شادی غمی میں اور نمازوں میں شرکت ہو۔ اور یہ ہر دو فریق کی تیاری کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ ہم ہر طرح تیار ہیں۔

والسلام۔ محمد علی

ماسٹر صاحب کے قادیان پہنچنے سے ایک گھنٹہ پیشتر مولوی صاحب ایک خط مع نقل خط صاحبزادہ صاحب حضرت امیر کے نام لاہور روانہ کر چکے تھے۔ صاحبزادہ صاحب کے نام مولوی صاحب نے جو خط لکھا اور اس کا جو جواب صاحبزادہ صاحب نے دیا، مولوی صاحب کے ذیل کے خط کے بعد بالترتیب درج کیے جاتے ہیں۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

تم نہ آئے تو تو ہی چل رنگین اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

مخدوم ومکرم حضرت امیر فاضل ایم اے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خاکسار کے دو عریضوں کا جواب آج تک کہ 21 نومبر 1921ء ہے صادر نہیں ہوا۔ فکر ہے کہ کیا موجب ہوا؟ اس لیے بعد گفتگو جو عریضہ میں نے خدمت میں حضرت صاحبزادہ صاحب کی روانہ کیا تھا، اس کی نقل اور جو اس کے جواب میں صاحبزادہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے، اس کی بھی نقل بجنسہٖ خدمت والا میں روانہ کرتا ہوں۔ امید ہے کہ بعد ملاحظہ عالی جو کچھ ارشاد ہو مفصل تحریر فرما کر شرف اطلاع بخشی جائے۔ خاکسار کی طبیعت میں ضعف بہت ہے۔ تمام احباب کرام کو تحیۃ وسلام قبول ہو۔ اور نیز آپ کی اہلیہ اور دادی صاحب یعنی والدہ صاحبہ ڈاکٹر مرزا صاحب کو سلام مسنون۔ محمد یعقوب کی طرف سے سلام سنت الاسلام۔ اگر مثیل الخضر حصہ اول طبع ہو گیا ہو تو چند کاپیاں روانہ فرما دی جائیں۔ والسلام

سید محمد احسن عفی اللہ عنہ

بقلم خود 21 نومبر قادیان

☆☆☆

نقل خط مولینا مولوی سید محمد احسن صاحب بنام حضرت صاحبزادہ صاحب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　　　نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ

بخدمت حضرت صاحبزادہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تو برائے وصل کردن آمدی　　　　نے برائے فصل کردن آمدی

خاکسار بغرض مصالحت حاضر ہوا تھا اور آپ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ میں بھی ہمیشہ سے مصالحت کو ہی چاہتا رہا ہوں۔ جو جناب کے خطوط حالیہ میں بھی تحریر ہے۔ اس لیے خاکسار اسی مصالحت شرط سوم کے لیے پھر عرض کرتا ہے۔ اس پر مزید غور فرمالیا جائے۔ اور مجھ کو مطلع کیا جائے۔ لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا اللّٰهَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَ ذَکَرَاللّٰهَ کَثِیۡرًا۔ (21:33) دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَا وَرَبِّکَ لَایُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ لَایَجِدُوۡا فِیۡٓ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَیُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا. (65:4)

چونکہ علم اصول میں یہ قاعدہ بندھا ہوا ہے کہ اَلۡعِبۡرَةُ لِعَمُوۡمِ الۡلَفۡظِ لَا لِخَصُوۡصِ الۡسَبَبِ اگر چہ شان نزول کچھ بھی ہو۔ اس لیے جو اختلاف مسلمانوں میں واقع ہو سب سے فیصلہ کے لیے یہ ہی آیت کافی ہے۔ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ جو بخاری اور مسلم میں ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو جماعت نماز کا بہت ہی بڑا اہتمام تھا۔ ایک حدیث متفق علیہ میں فرماتے ہیں کہ جو مسلمان صحابہ کرامؓ جماعت نماز میں حاضر نہیں ہوتے، ان کے گھروں میں جا کر آگ لگادوں اَوۡ کَمَا قَالَ. قرآن پاک میں ہے کہ وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ(43:2) اور احادیث میں ہے۔ الصلوٰۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم برا کان اوفاجرًا اور الصلوٰۃ واجبۃ علیکم علی کل مسلم براکان اوفاجرًا اور صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ محصور سے جب دریافت کیا کہ

نماز امیر اور امام فتنہ کا پڑھاتا ہے۔ ہم نماز میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ تو آپ نے فتویٰ دیا کہ نماز اَفْضَلُ الْاَعْمَال ہے۔ اور بڑے نیک کاموں میں سے ہے۔ تم نیک کام میں شریک ہو جاؤ۔ فتنہ میں شریک مت ہو کمافی البخاری وغیرہ۔ اور حضرت اقدس نے جو شرکت نماز جماعت سے منع فرمایا ہے، وہ غیر احمدیوں کے لیے حضرت اقدس نے کسی تقریر اور تحریر اور اشتہار میں فیما بین احمدیوں کے نہیں لکھا ہے اور نہ فرمایا کہ جو احمدی لوگ مایجوز به الصلوٰة قرآة وغیرہ پڑھ سکتے ہوں، ان کے پیچھے نماز مت پڑھو۔ اور نہ کوئی اشتہار دیا ہے۔ تمام کتب اور اشتہارات کو ملاحظہ فرما لیا جائے۔ اور میں ان حدیثوں کو بھی جانتا ہوں، جن میں اس قسم کا مضمون ہے۔ جیسا کہ یہ حدیث ہے: **عن ابی مسعود قال قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم یؤم القوم اقرأ هم لکتاب اللّٰه تعالٰی فان کانوافی القرأة سواءً فأعلمهم بالسنة فان کانوا فی السّنة سواءً فأقدمهم هجرة فان کانوافی الهجرة سواءً فأقدمهم سنًا ولا یؤم الرجل الرجل فی سلطانه فلا یقعد فی بیته علی تکرمته الا باذنهٖ. (رواه مسلم)**

اور اس مضمون کو بھی میں جانتا ہوں جو حضرت اقدس نے رسالہ الوصیت کے صفحہ 24 شرط 15 میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ ضروری ہوگا کہ مقام اس انجمن کا ہمیشہ قادیان رہے الخ۔ اور بعض لوگوں احمدیوں نے اپنی کسی مصلحت سے خلاف اس مضمون شرط کے دوسرا مرکز قائم کر لیا ہے۔ جیسا کہ جناب کی جماعت نے امریکہ اور یورپ وغیرہ کو۔ تو جماعت قادیان کی نہیں کہہ سکتی ہے کہ ہم ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ گو وہ آپ کے نافرمان ہیں۔ لیکن چونکہ مصالحت کی ضرورت ہے۔ جس کے لیے خاکسار جفاکشی اختیار کر کے قادیان میں حاضر ہوا ہے۔ اور حضرت اقدس کا الہام بھی ہے کہ **کان من اهل البیت علی مشرب الحسن یصالح بین الناس**. آخر حضرت امام حسن علیہ السلام نے کوئی ضرورت اور حکمت ہی سمجھی ہوگی۔ جو صلح کر لی۔ پس اس مصالحت میں یہ الہام بھی پورا ہو جائے گا۔ جس غرض کے لیے میں حاضر ہوا ہوں وہ بھی پوری ہو جائے گی۔ پس اول مضمون جس میں اسوۂ حسنہ آنحضرت ﷺ کا ہے وہ بھی صحیح ہو جائے گا۔ اور دوسرا مضمون **الاقدم فالاقدم** بھی پورا ہو جائے گا۔ جو جناب کا مسلک ہے۔ اور چونکہ درباره دیگر فضائل تقدیم و تاخیر امامت نماز میں بموجب حدیث مذکور ہو سکتی ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ نماز پنجگانہ وغیرہ ان کے پیچھے ضرور پڑھی جائے۔ اگر اتفاق واقع

ہو۔اور شرکت ہو جائے تو پڑھ لی جائے۔اور نماز کا اعادہ بھی ہوسکتا ہے۔اور پھر یہ باتیں بھی پوری ہوسکتی ہیں۔ بس اس پر غور فرمالیا جائے۔خاکسار کو مطلع فرمایا جائے۔(دستخط مولوی صاحب)

☆☆☆

نقل جواب خط صاحبزادہ صاحب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مکرمی و معظمی مولوی صاحب۔السلام علیکم۔پرسوں ذوالفقار علی خان صاحب نے بیان فرمایا تھا کہ آپ کی طرف سے کوئی رقعہ مجھے بھیجا گیا ہے۔جس کے جواب کا آپ کو انتظار ہے۔مگر مجھے آپ کا بھیجا ہوا خط کل گیارہ بجے ملا۔جس کا جواب آج ارسال کرتا ہوں۔

سب سے پہلے میں اس امر پر خوشی کا اظہار کرتا ہوں کہ اس طریق تبادلہ خیالات سے، جو آپ نے اب اختیار فرمایا ہے، اس کشمکش کے دور ہونے میں، جو جماعت احمدیہ اور مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء میں ہو رہی ہے، خاص مدد حاصل ہوگی۔کیونکہ میرے نزدیک صفائی کے لیے اختلاف کے بواعث کا دریافت کرنا اور ان کا دور کرنا ایک نہایت ضروری امر ہوتا ہے۔جب تک کسی امر کی کنہ دریافت نہ کی جائے، اس وقت تک اس کے ازالہ میں حقیقی کامیابی نہیں ہوسکتی۔اور ایسی صفائی خواہ عارضی ہو، خواہ مستقل، بجائے فائدہ دینے کے نقصان دہ ہو جاتی ہے۔صلح خواہ حقیقی ہو، جس میں مقابلہ کو بکلی ترک کر دیا جاتا ہے۔اور خواہ غیر حقیقی صلح ہو، جس میں صرف بعض طرق مقابلہ کو ترک کر دیا جاتا ہے، تب ہی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکتی ہے، جب اس کے خلاف جو بواعث جمع ہو رہے تھے، ان کا تفحص کیا جائے اور ان کے ازالہ کی فکر کی جائے۔اس کے بعد میں اس امر کی طرف توجہ کرتا ہوں، جس کے متعلق جناب نے اپنے خط میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔یہ بات بالکل سچ ہے۔ اور حق ہے کہ رسول کریم ﷺ کا طریق عمل ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے۔اور آپ کا ہر ایک فرمان ہمارے لیے واجب التعمیل ہے۔اور یہی اصل ہمارے تمام تنازعات کے تصفیہ کے لیے نقطہ مرکزی ہونا چاہئے۔ وہ، جسے خدائے تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجا اور ہم ناچیز اور کمزور لوگوں کا ہاتھ جس کے مقدس ہاتھ میں دیا، اس

کے فیصلہ اور اس کے طریق عمل سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کس کا فیصلہ اور کس کا طریق عمل ہوسکتا ہے؟ میں تو آپ کو نہ صرف نبیوں کا سردار بلکہ نبیوں کا نبی تسلیم کرتا ہوں۔ پس میرے لیے تو آپ کی زبان سے نکلے ہوئے حروف اور آپ کی حرکات اور سکنات تجلیات الٰہیہ سے متغائر نہیں ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول کریم ﷺ اہتمام نماز کا خاص تعاہد فرماتے تھے۔ اور میں تو قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کے طریق عمل اور آپ کے کلمات طیبات پر نظر کرتے ہوئے نماز باجماعت کا ایسا قائل ہوں کہ بارہا اپنے خطبات اور اپنے لیکچروں میں اس امر کا اظہار کر چکا ہوں کہ بلا کسی شرعی یا جسمانی عذر کے نماز باجماعت کا اگر کوئی شخص تارک ہو، تو اس کی نماز نماز ہی نہیں۔ وہ خدائے تعالیٰ کے حضور میں نمازوں میں شمار ہی نہیں کی جائے گی۔ میں اب تک اس یقین پر قائم ہوں کہ کوئی شخص خلافت کا بتاویل منکر ہوکر دائرہ احمدیت سے خارج نہیں ہوسکتا اور اسی وجہ سے بطور فتویٰ یہ امر شائع کر چکا ہوں کہ جو لوگ میری بیعت میں شامل نہیں ہیں اور ہم سے ان کا اختلاف اس سبب سے نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود کے کلام کو رد کرتے ہیں، بلکہ اس سبب سے ہے کہ وہ اس کے اور معنی سمجھتے ہیں اور اپنے اختلاف کا باعث حضرت مسیح موعود کی غلطی نہیں، بلکہ ہماری غلط فہمی کو قرار دیتے ہیں، وہ احمدی ہیں اور بطور فتویٰ میں ایسے اشخاص کے پیچھے نماز پڑھنے کا جواز شائع کر چکا ہوں۔ باوجود اس کے جناب کا ترک سب وشتم کی تحریک کے ساتھ مذکورہ بالا امر کے متعلق بھی زور دینا کہ اسے بھی فریقین کے اعلانات میں شامل کیا جائے، دو امروں سے خالی نہیں۔ یا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اس سے پہلے میرا فتویٰ اس کے خلاف تھا۔ اور اب میں اپنی غلطی کو تسلیم کرتا ہوں۔ اور اس کی اصلاح کرتا ہوں۔ لیکن واقعات اس کے خلاف ہیں۔ یا پھر اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میں مذکورہ بالا فتویٰ سے زائد کسی امر کا اعلان کرتا ہوں۔ اور یہ بات بھی دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو اس کے یہ معنی سمجھے جائیں گے کہ میں فتویٰ سے زیادہ اب قضا کے پہلو پر زور دیتا ہوں۔ یعنی چند شخصی وجودوں کے متعلق اعلان کرتا ہوں کہ ان کے پیچھے نماز جائز ہے۔ اور یا یہ کہ میں اپنی جماعت کو جواز کے فتویٰ سے بڑھ کر یہ تاکید کرتا ہوں کہ وہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز ضرور پڑھ لیا کریں۔ اور یہ دونوں صورتیں نادرست ہیں۔ صورت اول کو میں پیچھے بیان کروں گا۔ صورت دوم کی نسبت پہلے بیان کرتا ہوں کہ یہ اس وجہ سے نادرست ہے کہ یہ انہی احادیث کے خلاف ہے، جن کو امامت کے انتخاب کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ جب ایک شخص کی اپنی جماعت کے لوگ موجود ہوں اور امام حاکم وقت ہیں۔ جیسا کہ بنو امیہ کے وقت میں ہوئے تھے، جن کی امامت کے تصفیہ کے لیے وہ روایات، جن کا

ذکر آپ نے فرمایا ہے، پیش کی جاتی ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ باوجود ایسے امام کی موجودگی کے، جو ایک شخص کے نزدیک تمام احکام اسلام کو مان کر اتقیٰ ہے، دوسرے شخص کے پیچھے نماز ادا کی جائے۔ جو خلافت کا منکر ہو کر شریعت کے ایک سخت فتویٰ کے نیچے آ گیا ہو۔ اور اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی جگہ جہاں تک مجھے علم ہے، ایسی نہیں جہاں غیر مبایعین تو کثیر تعداد میں موجود ہوں، اور مبایع صرف ایک ہو، جسے اپنی جماعت نصیب نہ ہو سکتی ہو، پس اگر مذکورہ بالا صورت لی جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میں ایک موہوم امر کے لیے اپنی جماعت کی حریت فی التفقہ کو قربان کرتا ہوں۔ جو امر کہ روح اسلام کے خلاف ہے۔ اور اگر صورت اول لی جائے کہ میں اس اعلان کے ذریعہ سے فتویٰ کی حد سے گزر کر موجودہ غیر مبایعین کے متعلق قضاء سے کام لیتا ہوں کہ ان لوگوں کے پیچھے نماز جائز ہے۔ اس میں بھی ایک نقص ہے۔ جسے آگے بیان کروں گا۔ پہلے یہ بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ اس قسم کے اعلان سے یہ ہی صورت عام طور پر سمجھی جائے گی۔ اس لیے کہ جب تک کوئی فریق سامنے نہیں رکھا جاتا، اس وقت تک تو فتویٰ کی صورت رہتی ہے۔ لیکن جب خاص آدمی سامنے آجاتے ہیں، اس وقت صورت قضاء کی ہو جاتی ہے۔ اور اب تک اس امر کے متعلق میں جو کچھ شائع کر چکا ہوں چونکہ وہ علمی حد تک محدود تھا، اس کی شکل فتویٰ کی تھی۔ مگر اب جبکہ دونوں فریق کی طرف سے مقابل پر اعلان شائع ہوں گے، تو یہ فتویٰ نہ رہے گا۔ فتویٰ تو ایک دائمی صداقت ہوتی ہے۔ ایسے متقابل اعلانات سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ وہ مستفتی کے جواب میں ہوتا ہے نہ کہ بالمقابل اقرار کے طور پر فتویٰ کو شائع کرنے والا تو اس امر کا مجرم ہوگا کہ وہ احکام شرعیہ کو فروخت کرتا ہے۔

لوگوں سے ڈر کے کسی شرعی حکم کو ترک کر دینا اور ان سے کوئی رعایت حاصل کر کے اس کو جاری کرنا تو خطاءِ عظیم ہے۔ پس یہ اعلان قضا سمجھا جائے گا۔ اور قضاء ہی ہوگا۔ اور اس کا یہ مطلب ہوگا کہ خاص حالات والے اشخاص کے پیچھے نماز جواز کا ہم فتویٰ نہیں دیتے۔ بلکہ قضاء اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ دوسرے فریق کے لوگوں کے پیچھے نماز جائز ہے۔ اور احوال ہمارے مدنظر نہیں، بلکہ اشخاص مدنظر ہیں۔ لیکن اس میں ایک بہت بڑا نقص ہے۔ اور وہ یہ کہ مولوی محمد علی صاحب کا ایک فتویٰ کئی بار شائع ہو چکا ہے کہ غیر احمدیوں میں سے اگر کوئی مکفر یا مکذب نہ ہو، تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لینی جائز ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود کا یہ فتویٰ ہے کہ جو احمدی غیر احمدیوں

کے پیچھے نماز پڑھتا ہے، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ (دیکھو فتاویٰ احمدیہ جلد اول صفحہ 22) اب مشکل یہ پیش آتی ہے کہ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہو کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز جائز ہے۔ ان کے ہر فرد کی نسبت یہ تحقیق کرنا کہ وہ غیروں کے پیچھے نماز نہیں پڑھ چکا ایک تکلیف مالا یطاق ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک شخص کی نسبت یہ خطرہ ہے کہ وہ چونکہ نماز غیر احمدیوں کے پیچھے پڑھنا جائز سمجھتا ہے، وہ حضرت مسیح موعود کے اس فتویٰ کے ماتحت نا قابل امامت ہو چکا ہے۔ یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ جب تم نبوت وغیرہ مسائل کے متعلق تاویل کو جائز سمجھتے ہو، تو اس امر کے متعلق کی تاویلات کو کیوں جائز نہیں سمجھتے؟ اور کیوں مووّل کی غلطی قرار دے کر ان کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ مووّل کو رعایت مسائل اعتقادیہ میں ملتی ہے نہ کہ عملیہ میں۔ جبکہ حضرت مسیح موعود نے فرمادیا کہ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے والے احمدی کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں، تو جو کوئی شخص نماز ان کے پیچھے پڑھتا ہو، خواہ تاویلاً پڑھتا ہے، اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی۔ ہم اس کی تاویل کے سبب سے اس کو احمدیت سے خارج نہیں سمجھیں گے، لیکن اس کے عمل کے سبب سے احکام مسیح موعود علیہ السلام کے ماتحت اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ غرض چونکہ مولوی محمد علی صاحب کا فتویٰ غیر احمدیوں کے پیچھے اقتدائے نماز کے جواز کو بصورت قضا شائع کرنے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہونے کا احتمال ہے۔

دوم۔ یہ بھی بات ہے کہ ان لوگوں میں سے بعض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صریح ہتک کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ ظل کو تو جوتیاں مارنی بھی جائز ہوتی ہیں۔ یا یہ کہ ہم مرزا صاحب کو کسی قسم کا بھی نبی نہیں مانتے۔ اور یہ قول مووّل کی حد سے ان کو باہر نکال دیتا ہے۔ پس ان وجوہات سے اعلانات میں اس امر کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ صورت اس کو فتویٰ کی حد سے نکال کر قضا بنا دیتی ہے۔ اور قضاءً ہم دیکھتے ہیں کہ ان سب لوگوں پر یہ فتویٰ چسپاں نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان میں سے جو جو لوگ نماز غیر احمدیوں کے پیچھے پڑھ چکے ہیں، اور انہوں نے توبہ نہیں کی، ان کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اور اسی طرح جو لوگ حضرت مسیح موعود کو بُرا بھلا کہتے ہیں یا نبوت کے مسئلہ میں مووّلین کی حد سے نکل جاتے ہیں، ان کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں۔ ہاں ایک صورت ہے کہ اگر وہ ہو جائے، تو پھر اس امر کو اعلانات میں شائع کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقا اس امر کا اعلان کر دیں کہ ہم میں سے اگر کسی نے کبھی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھی ہے، تو وہ اس پر ندامت کا اظہار کرتا ہے

اور آئندہ کے لیے ہم سب اقرار کرتے ہیں کہ کبھی کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ اور حضرت مسیح موعود کی ہتک نہیں کریں گے اور ان کی نبوت کی مطلق نفی نہیں کریں گے۔ تب بیشک یہ امر اعلانات میں شرعاً شامل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ تب یہ قضا بن جائے گا۔ اور اس کا یہ مطلب ہوگا کہ مجھے تسلی ہوگئی ہے کہ غیر مبایعین کے پیچھے نماز پڑھنے کا جو فتویٰ میں شائع کر چکا ہوں، اس کا اطلاق مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء پر بھی ہوتا ہے۔ اس لیے ان اشخاص معلومہ کے پیچھے بھی نماز شرعاً جائز ہے۔ جناب نے اپنے خط میں قادیان سے مرکز بدلنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے برخلاف حضرت مسیح موعود کے حکم کے قادیان سے مرکز بدل دیا۔ اس کے متعلق تو مجھے کچھ تحریر کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر جناب کی ایک غلط فہمی کو دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ میری جماعت کے بعض لوگوں نے بھی مرکز بدل دیا۔ اور یورپ اور امریکہ میں مرکز قائم کر دیا۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ انگلستان اور امریکہ میں قادیان سے آزاد ہوئے کسی نے مرکز قائم نہیں کیا۔ بلکہ ان دونوں جگہوں پر میری اطاعت اور میرے حکم کے ماتحت کام کیا جاتا ہے۔ اور انگلستان اور امریکہ میں الگ مرکز نہیں بلکہ قادیان کی شاخیں ہیں۔ اور وہاں کے کارکن اپنے آپ کو میرا مطیع اور فرمانبردار سمجھتے ہیں۔ اور عملاً اسی رنگ میں کام کرتے ہیں۔ تمام احکام قادیان سے ان کو ملتے ہیں اور یہ صورت تبدیلی مرکز کی نہیں کہلاتی۔ اور اگر ایسے مرکز کو بدلنا کہا جائے، تو پھر کسی جگہ بھی مبلغ کا مقرر کرنا جائز نہ رہے گا۔

میں آخر میں پھر اس امید کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس طریق سے تبادلہ خیالات سے انشاء اللہ تعالیٰ وہ بواعث دریافت ہوکر، جو تفرقہ کا موجب ہیں، اصلاح میں ممد ہوں گے۔ اور خدا کرے کہ یہ تفرقہ دور ہو کر پھر جماعت ایک رسی میں باندھی جائے اور خدا کے مامور کے حکم کے ماتحت اپنے قدم اٹھائے اور دنیا میں نور اسلام کو پھیلائے۔ اور ان خطابوں کی مستحق بنے، جن کے عطا کرنے والی وہ ذات بابرکات ہے کہ بادشاہ اس کے سامنے سربسجود ہیں اور جبابرہ اس کے دربار میں ذلیل اور مردود ہیں۔ خاکسار مرزا محمود احمد۔ 15 نومبر 1921ء

☆☆☆

ماسٹر صاحب کو مولوی صاحب نے باصرار فرمایا کہ حضرت امیر خود تشریف لائیں۔ ان کو کچھ باتیں زبانی کہنی ہیں۔ اس وقت میں بوجہ ضعف لاہور نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ماسٹر صاحب رات رہ کر اگلے دن واپس

آ گئے۔ان کے ہاتھ مولوی صاحب نے ذیل کا خط حضرت امیر کے نام بھیجا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مخدوم مکرم حضرت امیر فاضل۔ایم اے۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔سلسل البول کی بیماری، فالج کی ترقی، بڑھاپا نو دسال، دیگر عوارض اَوَلَا یَرَوۡنَ اَنَّھُمۡ یُفۡتَنُوۡنَ فِیۡ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوۡمَرَّتَیۡنَ.(126:9) جیسے کہ میں لاہور سے امروہہ گیا ہوں،تب سے اسہال کی متعدد مرتبہ بیماری ہو چکی ہے۔چنانچہ محبی ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب میرے محبّ خاص امروہہ میں تشریف بھی لائے۔چونکہ وہ بڑے کامی آدمی ہیں۔میری غفلت میں واپس بھی تشریف لے گئے۔کذا وکذا۔اس پر میری یہ حالت ہے کہ فالج چوگنا معلوم ہوتا ہے۔اور کیا عرض کروں۔کمر بند بھی میرے ہاتھوں سے نہیں بندھ سکتا۔اہلیہ کا حوائج ضرور یہ انسانیہ میں محتاج ہوں۔وضو وغیرہ بھی نہیں ہوسکتا۔آپ کی دعاؤں کا محتاج ہوں اور سخت محتاج ہوں۔لیکن عظمت کلام اللہ، الحمد اللہ کہ میرے دل میں ہے۔وَالصُّلۡحُ خَیۡرٌ کوسب باتوں پر مقدم سمجھ کر صاحبزادہ صاحب کو جو تحریک صلح کی گئی تھی، اس پر انہوں نے مولوی شیر علی صاحب کو بھیجا۔وہ بھی 9 دن ٹھہرے رہے۔طوعاً وکرہاً چار و ناچار ان کی رفاقت میں میں یہاں حاضر ہو گیا۔پس آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ میں (نقل مطابق اصل) اس وقت پرسوں 16 یا 17 دست آچکے ہیں۔اور روٹی اور گوشت کی بوٹی نہیں کھاتا۔اس کے سبب سے ضعف نہایت درجہ ہو گیا ہے۔کھڑے ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے، بیٹھنا بھی دشوار۔فالج کی طرف گر پڑتا ہوں۔لہٰذا التماس خدمت والا ہے کہ صرف ایک یوم یا دو یوم کے لیے آپ یہاں تشریف لے آئیں۔شاید آپ کا تشریف لانا موجب برکات ہو۔پوسٹ کندہ احوال اس واسطے عرض کیا کہ میری معروضات پر آپ کا التفات بخوبی ہو جائے۔والسلام خیر مقام علٰی من لدیکم من احباب الکرام واصحاب العظام

(سید محمد احسن بقلم سید محمد یعقوب)

22 نومبر 1921ء

☆☆☆

اس کے ساتھ ہی مولوی صاحب نے ایک اور خط اپنے صاحبزادہ سید محمد یوسف کے ہاتھ، جو ماسٹر صاحب کے ساتھ ہی قادیان سے روانہ ہوا تھا، حضرت امیر کو بھیجا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مخدوم ومکرم حضرت امیر ایدکم اللہ بنصرہٖ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ امید ہے کہ جناب بخیریت ہوں گے۔ ایک خط معرفت ماسٹر صاحب کی روانہ کرتا ہوں۔ اس کو ملاحظہ فرمالیں۔ کام کا خط ہے۔ جناب ایک دو یوم کے لیے ضرور تشریف لے آئیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے ہمراہ ہم روانہ ہو جائیں گے۔ کچھ باتیں ہیں جو زبانی عرض کر دوں گا۔

خاکسار **سید محمد یعقوب**۔ قادیان

22 نومبر 1921ء

☆☆☆

اس پر حضرت امیر نے مولوی صاحب کے نام مفصلہ ذیل چٹھی لکھی اور 23 نومبر کو ذیل کے ان احباب کے ساتھ قادیان روانہ ہو گئے۔ حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب، جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، جناب مولانا مولوی صدرالدین صاحب، جناب مولوی عزیز بخش صاحب، جناب ماسٹر فقیر اللہ صاحب، جناب بابو محمد منظور الٰہی صاحب، جناب ملک غلام محمد صاحب، جناب مولانا مولوی احمد صاحب، قاضی سیف الرحمٰن صاحب، سید محمود صاحب۔ تمام احباب رات بٹالہ رہے۔ اور صبح وہاں سے روانہ ہو کر ساڑھے دس بجے کے قریب قادیان پہنچے۔ حضرت امیر کے ملنے پر پہلے تو مولوی صاحب ان کے ساتھ ہی لاہور آنے کو تیار ہو گئے تھے، مگر بعد میں کسی وجہ سے رک گئے۔ اور حضرت امیر اسی دن 3 بجے کے قریب قادیان سے واپس آ گئے۔

یہ خط مولوی صاحب کو قادیان دستی دینا تھا، مگر جلدی میں ہمارے احباب کے ہاتھ واپس لاہور آ گیا۔ چنانچہ 26 نومبر کو مولوی صاحب کے نام بصیغہ رجسٹری قادیان کے پتہ پر بھیج دیا گیا۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرمی مخدومی مولٰینا صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ ۔صاحبزادہ صاحب کے خط کی نقل آپ نے مجھے ارسال فرمائی ہے۔ میں شرائط مصالحت کے طے کرنے میں ایسی بحثوں کو بے سود سمجھتا ہوں۔اور میرے نزدیک ان طویل بحثوں میں پڑنا اصل مقصد سے بہت دور لے جائے گا۔ بات تو مختصر ہے۔آپ نے کچھ شرائط مصالحت تجویز فرمائیں۔ جو بعنوان ''مضمون اقرار نامہ مصالحت مابین الفریقین لاہوروقادیان'' صاحبزادہ صاحب کو بھی بھیجی گئیں،اور مجھے بھی۔صاحبزادہ صاحب نے ان تجاویز کو بالفاظ ذیل منظور کر کے آپ کو قادیان میں بلا بھیجا۔

''صلح کے متعلق جو تجاویز ہیں ان کا اصل الاصول ایسا ہے کہ کوئی عقلمند خدا کا خوف رکھنے والا بندہ ان کا انکار نہیں کر سکتا۔''

میری طرف سے بھی معزز احباب کا ایک وفد آپ کے قادیان پہنچ جانے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان آٹھ شرائط کو لفظ بلفظ منظور کر آیا۔ اب یہ بحث، کہ نماز ہوسکتی ہے یا نہیں ہوسکتی، بے فائدہ نظر آتی ہے۔اور صاحبزادہ صاحب نے اسی پر سارا زور دیا ہے کہ ان کی نماز ہمارے پیچھے نہیں ہوسکتی۔ میں صرف نمونہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ وہ دلائل، جو صاحبزادہ صاحب نے دیئے ہیں، کیسے کمزور ہیں۔مثلاً یہ دلیل کہ:

''ان میں سے ہر ایک شخص کی نسبت یہ خطرہ ہے کہ وہ چونکہ نماز غیر احمدیوں کے پیچھے پڑھنا جائز سمجھتا ہے، وہ حضرت مسیح موعود کے اسی فتویٰ کے ماتحت نا قابل امامت ہو چکا ہے۔''

اگر یہ دلیل صحیح ہے،تو صاحبزادہ صاحب اور قادیان کی ساری جماعت حضرت مولٰینا مولوی نورالدین مرحوم کے پیچھے کس طرح چھ سال تک نمازیں پڑھتے رہے اور انہیں قابل امامت سمجھتے رہے؟ جن کے نہ صرف صریح فتوے بعض غیر احمدیوں کے پیچھے نماز کے جواز کے موجود ہیں۔مثلاً مولوی فضل الدین صاحب ساکن کھاریاں کے خط کے جواب میں، جو صاحبزادہ صاحب کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں،حضرت مولٰینا مرحوم نے

یہ لکھا:

> ''جو لوگ منافق طبع نہیں اور جو لوگ واقعی حسن ظن رکھتے ہیں۔ وہ کسی قدر معذور ہو سکتے ہیں۔آپ بعد الاستخارہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔''

اور خانہ کعبہ میں حج کو جانے والوں کو وہاں دوسرے امام کے پیچھے نماز پڑھ لینے کا فتویٰ دیا۔ جس پر مستری موسٰی (لاہور) چودھری حاکم علی (چک پنیار) میر ناصر نواب (قادیان) نے عمل کیا۔ بلکہ خود صاحبزادہ صاحب نے بھی ایک نماز اس فتویٰ کے ماتحت وہاں دوسرے امام کے پیچھے پڑھ لی۔ گو بعد میں وہ دوہرالی ہو۔ ہندوستان میں ایک شخص کو جسے نماز دوسروں کے پیچھے نہ پڑھنے کی وجہ سے سخت تکلیفیں پہنچی تھیں، اجازت دی کہ غیر از جماعت مسلمان کے پیچھے نماز پڑھ لے۔خواجہ کمال الدین صاحب کو ولایت میں ایسا ہی جواز کا فتویٰ دیا۔ بہر حال حضرت مولوی صاحب مرحوم غیر از جماعت مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے تھے۔اور ایسے فتوے ان کے کئی ایک ہیں۔ پس اگر ایک شخص، جیسا کہ میاں صاحب نے لکھا ہے، غیر احمدیوں کے پیچھے نماز کو جائز سمجھنے کی وجہ سے نا قابل امامت ہو جاتا ہے، تو حضرت مولوی صاحب مرحوم کس طرح چھ سال تک قابل امامت ہی نہیں، بلکہ جماعت کے خلیفہ بھی رہے؟

ایسا ہی صاحبزادہ صاحب کا یہ اصول کہ مسائل اعتقادیہ میں تاویل ہوسکتی ہے، مگر عملی مسائل میں کسی قول کی تاویل نہیں ہوسکتی، بالکل بے اصل ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ

> ''یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ جب تم نبوت وغیرہ مسائل کے متعلق تاویل کو جائز سمجھتے ہو، تو اس امر کے متعلق دوسرے فریق کی تاویلات کو کیوں صحیح نہیں سمجھتے اور کیوں موؤل کی غلطی قرار دے کر ان کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے ہو۔اس کا جواب یہ ہے کہ موؤل کو رعایت مسائل اعتقادیہ میں ملتی ہے، نہ کہ عملیہ میں۔''

سوال یہ ہے کہ یہ اصول کہاں سے لیا گیا ہے۔اور اس پر قرآن اور حدیث کی کوئی سند ہے۔ یا کچھ اور؟ اور اگر یہ اصول صحیح ہے تو حضرت مسیح موعود کی قلم کا لکھا ہوا فتویٰ نماز کے متعلق ہی حسب ذیل ہے۔ جو 17 مارچ

1908ء کے ایک خط کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اور بدر مورخہ 24، 31 دسمبر 1908ء میں شائع ہوا ہے۔

> ''جواب میں لکھ دیں کہ چونکہ عام طور پر اس ملک کے ملاں لوگوں نے اپنے تعصب کی وجہ سے ہمیں کافر ٹھہرایا ہے اور فتوے لکھے ہیں اور باقی لوگ ان کے پیرو ہیں۔ پس اگر ایسے لوگ ہوں کہ وہ صفائی پیش کرنے کے لیے اشتہار دے دیں کہ ہم ان مکفر مولویوں کے پیرو نہیں ہیں، تو پھر ان کے ساتھ نماز پڑھنا روا ہے۔ ورنہ جو شخص مسلمانوں کو کافر کہے وہ آپ کافر ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے پیچھے نماز کیونکر پڑھیں۔ یہ تو شرع شریف کے رو سے جائز نہیں۔''

اب یہ فتویٰ بھی عمل کے متعلق ہے۔ اس کی تاویل تو ہو سکتی نہیں۔ اور اس کی رو سے بھی غیر جماعت مسلمانوں کے پیچھے نماز جائز ہے۔ ہم بھی اسی حد تک صحیح سمجھتے ہیں، یعنی کافر کہنے والوں کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے۔ اور جو مکفر مولویوں کے پیرو نہیں، ان کے پیچھے جائز سمجھتے ہیں۔ پس کیا وجہ ہے کہ لفظاً لفظاً حضرت صاحب کے فتویٰ کی تعمیل کی وجہ سے ہماری امامت ناجائز ہے۔ کیا حضرت مسیح موعود خود بھی ناقابل امامت تھے؟ پھر اسی فتوے میں صراحت اس قدر ہے کہ جب یہ فتویٰ موجودہ تنازعہ سے پہلے اخبار بدر میں شائع ہوا تو اس پر عنوان یہ قائم کیا کہ ''کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے؟''

کیا اس سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت صاحب کے اس فتوے سے اس وقت بھی یہی سمجھا گیا کہ بعض غیر احمدیوں کے پیچھے حضرت مسیح موعود نے نماز کو جائز قرار دیا ہے۔ آج کل کی تاویل کے مطابق اس سوال کا جواب یوں ہی ہو سکتا ہے کہ ہر احمدی کی غیر احمدی کے پیچھے نماز جائز ہے۔ پھر ایک اور فتویٰ عمل کے متعلق ہی نماز جنازہ کا ہے۔

> ''سوال ہوا کہ جو آدمی اس سلسلہ میں داخل نہیں، اس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود نے فرمایا اگر اس سلسلہ کا مخالف تھا اور ہمیں بُرا کہتا تھا۔ اور بُرا سمجھتا تھا، تو اس کا جنازہ نہ پڑھو۔ اور اگر خاموش تھا اور درمیانی حالت میں تھا تو اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ نماز جنازہ کا امام تم میں سے ہو۔''

اب یہ عمل کے متعلق فتویٰ ہے۔ اور اس کی بھی تاویل نہیں ہوسکتی۔ اور اس کی رو سے بُرا کہنے والوں کو چھوڑ کر باقی مسلمانوں کا، جو سلسلہ میں داخل نہیں، جنازہ جائز قرار دیا ہے۔ اس فتوے کو کیوں پس پشت پھینکا جاتا ہے؟ اور کیوں آج ناقابل عمل قرار دیا جاتا ہے؟ پھر دوسرا فتویٰ مفتی صاحب کے قلم کا لکھا ہوا حسب ذیل ہے۔

''جو مخالف بُرا نہ بولتا ہو اس کا جنازہ جائز ہے۔''

اور تیسرا فتویٰ حضرت صاحب کے اپنے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ جماعت بھڈ یار کے معاہدہ پر ہے۔ جس میں یہ لفظ تھے:

''ہاں معمولی رنگ میں رہنے والے بے شر غیر احمدی رشتہ دار کا جنازہ پڑھ لیں گے۔''

اور اس پر حضرت صاحب نے اپنے قلم سے یہ لفظ لکھے: ''بہت خوب اور مبارک ہے۔''

اب عمل کے متعلق فتویٰ ہونے کی وجہ سے ان فتاوی کی تاویل نہیں ہوسکتی اور فی الحقیقت بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ اس کے خلاف کوئی فتویٰ حضرت مسیح موعود کا موجود ہی نہیں۔

پھر صاحبزادہ صاحب نے عقائد کی بحث چھیڑ دی ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ حضرت مسیح موعود کی ہتک کرتے ہیں۔ ہمیں بدنام کرنے کا یہ طریق صاحبزادہ صاحب کے لیے موزوں نہیں۔ اگر کسی شخص نے ایک غلطی کی ہو تو اسے ساری جماعت کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔ میاں صاحب کی جماعت میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو آنحضرت ﷺ پر حضرت مسیح موعود کو فضیلت دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک بڑے شخص نے ایک مجمع میں یہ کہا کہ مرزا صاحب آنحضرت ﷺ سے ڈبل فورس (طاقت) کے ساتھ آئے ہیں۔ کیونکہ تیرہ سو سال بعد آئے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت عیسیٰؑ سے چھ سو سال بعد آئے۔ گو یہ صریح ہتک آنحضرت ﷺ کی ہے۔ مگر اس کی وجہ سے میں یہ نہیں کہوں گا کہ صاحبزادہ صاحب کی ساری جماعت ہی اس کی تحقیر کی ملزم ہے۔ یہ باتیں مصالحت کی تجویز میں لکھنا کہ ہم یہ اقرار کریں کہ آئندہ حضرت مسیح موعود کی ہتک نہیں کریں گے، ہم پر گویا یہ حملہ ہے کہ ہم پہلے ہتک کرتے رہے ہیں۔ جب اس قسم کی باتوں کو عین تجویز مصالحت کے اندر بھی خود صاحبزادہ صاحب نہیں چھوڑ سکتے تو آئندہ کیا توقع رکھی جائے۔ پھر ایک یہ اقرار ہم سے چاہا گیا ہے کہ آئندہ ہم حضرت مسیح موعود کی نبوت

کی مطلق نفی نہیں کریں گے۔ یہ عقائد کی بحث میں پڑنا ہے، جس کا یہ موقع نہ تھا۔اس کے جواب میں یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ ہم حضرت صاحب کی تشریح کے پابند ہیں۔صاحبزادہ صاحب کے خیالات کے پابند نہیں ہو سکتے۔ حضرت صاحب نے فرمایا سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰهِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْهِ الْحَقِیْقَةِ میرا نام اللہ کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا ہے، نہ حقیقی طور پر۔(حقیقۃ الوحی) پس ہم حضرت صاحب کو صرف مجاز اور استعارہ کے طور پر نبی کہہ سکتے ہیں۔حضرت صاحب نے بارہا اپنی نبوت کو ظلی نبوت کہا ہے۔اور ہم نبوت کے ظل میں اسی طرح کی نبوت مان سکتے ہیں،جس طرح الوہیت کے ظل میں الوہیت مان سکتے ہیں۔نہ ظل اللہ، اللہ ہے نہ ظل نبی، نبی۔اور ہم حضرت صاحب کی ان صراحتوں کے پابند ہیں۔اور مطلق لفظ نبی کا استعمال آپ پر جائز نہیں سمجھتے۔جیسا کہ حضرت صاحب نے خود لکھا ہے۔

''اس لیے میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔''(حقیقۃ الوحی ضمیمہ 150 حاشیہ)

''مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔کیونکہ نبوت کاملہ تامہ محمدیہ کی اس میں ہتک ہے۔''(الوصیۃ صفحہ 11)

''نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لیے صرف خدا تعالیٰ کی یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کامل طور پر شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ حاصل کرے اور تجدید دین کے لیے مامور ہو......اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر نبی کے لفظ کا اطلاق بھی جائز نہیں۔جب تک اس کو امتی بھی نہ کہا جاوے۔''(تجلیات الٰہیہ)

صاحبزادہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہم نے قادیان سے مرکز بدل کر حضرت مسیح موعود کے حکم کی مخالفت کی ہے، جو الوصیت کی شرط 15 میں ہے کہ ''یہ ضروری ہوگا کہ مقام اس انجمن کا ہمیشہ قادیان رہے۔'' سو بات یہ ہے کہ ہم نے صرف فتنہ اور فساد سے بچنے کے لئے ،جس سے سلسلہ کو سخت نقصان پہنچتا، مرکز دوسری جگہ قائم کیا اور اس وقت قائم کیا، جب صاحبزادہ صاحب نے خود حضرت صاحب کی اس تصریح کا خلاف کر کے کہ ''انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔''(الوصیت شرط صفحہ 12) اور حضرت صاحب کی دوسری صریح تحریر کی کہ آپ کے بعد کسی دوسرے شخص کو انجمن کا فیصلہ توڑنے کا حق نہ ہوگا، مخالفت کر کے انجمن کو کالعدم قرار دیا اور اس

لیے ہمیں دوسری انجمن انہی اصول پر قائم کرنی پڑی، جن اصول پر حضرت مسیح موعود نے صدر انجمن احمدیہ کو قائم کیا تھا۔

یہ میں نے مختصر طور پر بعض ان الزامات کا جواب دے دیا ہے، جو میاں صاحب نے شرائط مصالحت کی گفتگو میں ہم پر لگائے ہیں۔ ان امور پر بحث دوسرے وقت ہو سکتی ہے۔ یہ موقع نہیں۔ اب شرائط مصالحت ہی طے ہونی چاہئیں۔

۞۞۞

14 دسمبر 1921ء

مکتوب امیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارا سالانہ اِجتماع

یٰۤاَیُّھَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡامَالَکُمۡ اِذَاقِیۡلَ لَکُمُ انۡفِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَی الۡاَرۡضِ اَرَضِیۡتُمۡ بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا مِنَ الۡاٰخِرَۃِ فَمَا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیۡلٌ۔ (38:9)

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہوا کہ جب تم کو کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکلو، تو تم بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ سو دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں تھوڑا ہی ہے۔''

ان الفاظ کا شان نزول تو ایک عظیم الشان امر کے متعلق ہے۔ یعنی حفاظت خدمت دین اسلام کے لیے اپنی جان خدا کی راہ میں دینے کے لیے نکلنے کی ضرورت تھی۔ جب ایک عظیم الشان عیسائی سلطنت کی طرف سے مٹھی بھر مسلمانوں کو کچل دینے کی تدبیریں ہو رہی تھیں اور اس آواز کی قدر بھی اس قوم نے کی، جو سید الاولین والآخرین کی تربیت کے نیچے گویا خدا کے حضور میں زندگی بسر کرتی تھی۔ اور وہ نمونہ دکھایا کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ یعنی چند منافقوں کو چھوڑ کر، جو دل سے دشمن اسلام تھے، کُل کی کُل قوم جو جنگ کے قابل تھی، نکل پڑی۔ اور تیس ہزار آدمیوں کے مقابل پر صرف تین آدمیوں نے کمزوری دکھائی۔ لیکن آج اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی چھوٹے سے کام کے لیے بھی نکلنے کی ضرورت ہو تو وہی حکم خداوندی اور وہی نمونہ ہمارے سامنے ہونا چاہئے۔ گو اس کام کو اس عظیم الشان کام سے کچھ بھی نسبت نہ ہو۔ ہاں مسلمانو! غرض اس وقت جنگوں میں بھی حفاظت قوم

اور حفاظت ملک نہ تھی۔ ملک گیری تو کیا ہوئی بلکہ حفاظت دین تھی۔ اور اپنی جانیں انہوں نے اس لیے دیں کہ خدا کا نام دنیا سے مٹانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اور آج جو غرض ہمارے مدنظر ہے، وہ بھی یہی ہے کہ دین اسلام کو جو مٹانے کی کوششیں کی جاتی ہیں، ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کا پاک نام پھیلایا جائے۔ اسی غرض اشاعتِ اسلام کے لیے ہماری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام قائم ہے۔ اور اسی غرض کو مدنظر رکھ کر ہم سال میں ایک دفعہ دسمبر کے آخری ایام میں جمع بھی ہوتے ہیں۔

ہم میں سے وہ لوگ بھی ہیں، جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنے کاروبار، اپنے اہل واقارب، اپنے اعزہ واحباب اور اپنے وطنوں کو چھوڑ کر نکل گئے ہیں۔ یہ بھی ایک بڑا کام ہے۔ مگر جس خدمت دینی کے لیے وہ نکلے ہیں اس کے سامان جمع کرنا اور اس کا نظم ونسق کرنا ان سب لوگوں کے ذمے ہے، جو ہماری اس انجمن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ فرض ادا کرنے کا جہاں ایک موقع ہمیں سال بھر برابر ملتا رہتا ہے کہ ہم اپنے اموال سے اس کام میں شریک ہوتے ہیں۔ وہاں یہ سالانہ اجتماع ایک خاص موقع ہے جو سال بھر میں صرف ایک ہی دفعہ میسر آتا ہے۔ مگر بہت سے احباب ایسے ہیں کہ وہ اپنی سستی یا غفلت سے یا یہ کہ اس اجتماع کو وقعت نہ دے کر اس خدمت دینی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ میں جس قدر اس بات پر غور کرتا ہوں یہ بات روز بروز زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے کہ یہ سالانہ اجتماع بہت بڑے برکات کا موجب ہے۔ اور ہماری سال بھر کی ساری کوششیں اس قدرت قوت اور عزم خدمت دین کے لیے پیدا نہیں کر سکتیں، جس قدر یہ ایک اجتماع پیدا کر دیتا ہے۔ مگر اس وجہ سے کہ بہت سے احباب اس میں شامل نہیں ہوتے، ہمارے کام میں بہت بڑی کمزور ہے۔ اس لیے میری اپنے جملہ احباب سے یہ عرض ہے کہ وہ اس تساہل کو آئندہ کے لیے ترک کر دیں۔ اور ایک عظیم الشان خدمت دینی میں اپنے آپ کو ہمارا معاون بنائیں۔ جب چند آدمی ایک کام میں شریک ہوتے ہیں تو گو بعض بہت قوت خرچ کریں اور بعض تھوڑی، وہ سب کے سب اجر میں شریک ہی ہوتے ہیں۔ لیکن جو لوگ شرکت سے بھی الگ رہتے ہیں، وہ جماعت کے لیے عضو معطل کا حکم رکھتے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ سفر میں کس قدر مشکلات ہیں؟ کس قدر آرام اور آسائش کو چھوڑنا پڑتا ہے؟ کس قدر تکلیف اٹھانی پڑتی ہے؟ پھر خطرناک سردی کا موسم ہے۔ بیماریوں کے بھی خطرات ہیں۔ مگر آج ہماری ان صعوبتوں کو ان صعوبتوں سے کیا نسبت ہے، جو پہلوں نے اٹھائیں؟۔

ہاں! ان کے نقش قدم پر چل کر کچھ مماثلت تو ہمیں بھی ان کے ساتھ رہے۔ ہماری غرض اس اجتماع میں کوئی میلہ لگانے کی نہیں، نہ ہم نے اپنی کثرت سے کسی پر رعب ڈالنا ہے۔ اللہ کے فضل سے ہمارے پاس حق کے دلائل ہیں۔ اس لیے کثرت دکھانا ہماری غرض قطعی نہیں۔ لیکن ہمیں یہ ضرورت ہے کہ ہم تھوڑے سے آدمیوں میں سے ہر ایک شخص کے دل میں آگ کی وہ چنگاری ہو، جو اسے خدمت دین کے لیے دیوانہ کر رکھے۔ اور پھر ہم اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کے لیے قوت کا موجب بنیں۔ اور باہم معاملات قومی پر ایک دوسرے کی رائے حاصل کریں۔ ساری قوم کے مشورہ کے بعد جو قدم اٹھانا تجویز ہو، اٹھائیں۔ ہماری قوت میں کس قدر ترقی ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ خدمت دین کی جو تڑپ ہم میں سے ایک کے دل میں ہے وہ اور بھی کتنے دلوں میں ہے۔ ہماری تھوڑی سی تکلیف سے اگر دین کو تقویت پہنچتی ہو، تو کیا ہم اپنے آرام اور آسائش اور چند پیسوں کو قربان نہیں کر سکتے؟

میرے احباب خدا کے لیے ان باتوں پر غور کریں۔ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور سوائے ان کے، جو بیماری سے یا اور خاص حالات سے مجبور ہوں، سب کے سب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے دین کی خدمت کو مدنظر رکھتے ہوئے نکل پڑیں۔ اور تین دن سالم اس کام کے لیے دیں۔ اس کا نتیجہ خدا چاہے گا تو وہ خود بھی دیکھیں گے کہ کس طرح وہ چنگاری، جو ان کے دلوں میں بعض وقت خاکستر کے نیچے دب جاتی ہے، از سر نو روشن ہو جاتی ہے، اور یوں ہر ایک شخص خدمتِ دین کے اس عظیم الشان کام کو جو حضرت مسیح موعود نے ہمارے سپرد کیا ہے، کرنے کے لیے از سر نو اپنے اندر ایک قوت اور عزم پاتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب احباب کو یہ توفیق دے۔

والسلام

محمد علی

20 ربیع الثانی 1340ھ

احبابِ قادیان کی غلط بیانیوں کا جواب

اخبار الفضل کی 15 دسمبر کی ایک سالم اشاعت میں ہمارے ضروری اعلان (مصالحت) پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالتے ہوئے قادیان کے کسی علامہ نے ہم پر اپنی نگاہ ناز کا ایک جلالی گوشہ مبذول کیا ہے۔اور ہماری خطایا اور جرائم کو ناقابل عفو قرار دیتے ہوئے صفحہ 3 کے تینوں کالموں کو اسی شکوہ سنجی کے لیے وقف کر دیا ہے۔اگر ہم نے پیشتر سے یہ اعلان نہ کر دیا ہوتا کہ ہم آئندہ اخبار کے کالموں میں ذاتیات کی بحث کو نہ چھیڑیں گے،تو ہم دکھلا دیتے کہ جس بات کا ان کو ہم سے شکوہ ہے،خود اس کے مرتکب وہ کس حد تک ہوئے ہیں۔ ؎

ایں گناھے است کہ درشہر شما خوب کنند

بہر حال ہم اعلان کر چکے ہیں کہ ہم ان کی گالیوں کا جواب نہ دیں گے۔اب وہ دل کھول کر ہمیں صلواتیں سنا لیں۔اور ساتھ ہی اس کے سخت کلامی کا الزام بھی ہم پر لگاتے جائیں۔اب تمہارے ظلم وستم اور ہمارے صبر کی آزمائش ہے: ؎

ادھر آ پیارے ہنر آزمائیں تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

ہاں!اس الزام کو دور کرنا ہمارا فرض ہے کہ جو ہم پر لگایا گیا ہے کہ ہم نے ان کی دلآزاری کی ہے۔ان کے جگر کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔اور خدا جانے کیا کیا کِیا ہے کہ جس کی شکوہ سنجی اخبار کے طول وعرض میں پورے ایک صفحہ کو گھیرے ہوئی ہے۔چنانچہ آپ خود ہی لکھتے ہیں:

''مگر افسوس کہ آپ نے اسی پر بھی بس نہیں کی بلکہ کھلم کھلا ذاتی حملوں پر اتر آئے اور اپنے اعلان کو پس پشت ڈالتے ہوئے اور اس کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے صریح طور پر ہمارے متعلق سخت رنجیدہ اور دل آزار کلمات کا استعمال کیا۔''

وہ کھلم کھلا ذاتی حملے،سخت رنجیدہ اور دل آزار کلمات کون سے ہیں؟ان کا ثبوت بھی خود ہی آپ نے

پیش کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''چنانچہ اس کے ثبوت کے لیے میں آپ کی وہ عبارت پیش کرتا ہوں جس میں آپ نے ہم پر مسلمانوں کو کافر بنانے کا الزام لگاتے ہوئے کہا ہے کہ یہ رشتہ اسلام کو برباد کرنے والے لوگ ہیں کہ جو مسلمانوں کو کافر بناتے پھرتے ہیں۔''

مجھے یہ عبارت پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ شاید ہمارے قادیانی دوست دوسرے مسلمانوں کو کافر نہ کہتے ہوں گے۔ اور اگر فی الواقع ایسا ہی ہے تو ان پر الزام دینا کہ وہ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، بڑا سنگین الزام ہے اور اس سے بڑھ کر ان کی دلآزاری کے اور کوئی الفاظ ہو نہیں سکتے۔ اور یہ جو کچھ کبھی اخبار الفضل میں مفتیان قادیان کا فتویٰ شائع ہوا کرتا ہے کہ غیر احمدیوں کا کفر بینات سے ہے، یہ یونہی اپریل فول کا مذاق یا غیر ذمہ دار اشخاص کے فتاویٰ ہوں گے۔ مگر سنئے ہمارے قادیانی دوست کس خوبی کے ساتھ اس الزام کو اپنے سر سے دور کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''جناب مولوی صاحب میں آپ ہی کی کانشنس سے اپیل کرتا ہوں۔ اور آپ ہی سے انصافاً پوچھتا ہوں کہ کیا ایک ایسی جماعت، جو اسلام پر دل و جان سے قربان ہو اور اس کے رشتہ کو جوڑنے اور اس کی حقیقت پر لوگوں کو لانے کی سچی تڑپ اپنے اندر رکھتی ہو اور اپنی جانوں اور مالوں سے اس جہاد میں مصروف ہو، اس کے حق میں یہ کہہ دینا کہ وہ رشتہ اسلام کو برباد کرنے والی ہے، اس کے لیے رنجیدہ اور دل آزار نہیں۔''

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں کافر بنانے کے الزام کو صرف یہ دو فقرے کہہ کر دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

الف۔ ہم خود اسلام پر دل و جان سے قربان ہیں۔

ب۔ ہم رشتہ اسلام کو جوڑ رہے ہیں۔

ان دونوں باتوں میں اصل اعتراض اور الزام کا کوئی جواب نہیں۔ آپ اسلام پر دل و جان سے قربان

ہیں یا نہیں ہیں۔آپ رشتۂ اسلام کو جوڑ رہے ہیں یا نہیں جوڑ رہے۔ یہ آپ سے کس نے پوچھا؟ سوال تو توڑنے کی بابت ہے۔ اوراس کو آپ گومگو میں رکھ کر جوڑنے پر پہلے ہی پہنچ گئے۔سنو جس طرح وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (92:16) کی مثل دنیا میں بعض لوگوں پر صادق آتی ہے۔اوراسی طرح دنیا میں بعض ایسے بھی ناعاقبت اندیش ہوا کرتے ہیں کہ جو سارادن اگلے رشتوں کو توڑ کر شام کو جوڑنے بیٹھ جایا کرتے ہیں۔ یوں باتوں میں ہمیں ٹالنا چاہتے ہو۔صاف الفاظ میں ہمیں جواب دو۔اور صاحبزادہ صاحب سے لکھوا دو کہ ہم دوسرے مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے۔تب تمہیں یہ کہنے کا حق ہوگا کہ یہ ہم پر الزام ہے۔اوراس سے ہماری دلآزاری ہوئی ہے۔ پھر اگر یہ فی الواقع تمہارے پر الزام ہیں تو اس الزام کے لگانے والے سب سے پیشتر تمہارے اپنے خلافت مآب ہیں کہ جنہوں نے سالانہ جلسہ میں برملا کہا کہ

> ''ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں۔اوران کا یہ فرض ہے کہ وہ ہم کو مسلمان نہ سمجھیں۔''

امت مسلمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں کا فرض ٹھہرایا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر کہیں۔ سبحان اللہ! کیا اچھا رشتہ اسلام ہے، جو آپ لوگ جوڑ رہے ہیں۔صاحبزادہ صاحب کے اس کلیہ پر ذرا گہری نظر سے غور کیجئے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ امت مسلمہ کا کہیں بھی نام ونشان نہیں۔دونوں طرف کفر کے رشتے ہیں۔ اگر ایک طرف کا رشتہ لمبا ہو گیا تو کیا، اور دوسری طرف کا ہو گیا تو کیا؟ فرض تو دونوں کے ذمہ یہی ہے کہ ایک دوسرے کو مسلمان نہ سمجھیں۔پس جب آپ لوگوں کا یہ فرض ہے کہ آپ دوسرے مسلمانوں کو مسلمان نہ سمجھیں، تو پھر آپ پر الزام کیسا اور دلآزاری کس کی؟ جو شخص یہ لکھتا ہے کہ تم مسلمان کو کافر سمجھتے ہو، اس کا قصور تو صرف اس قدر ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں تمہارے ایک فرض کی طرف توجہ دلاتا ہے۔پس تمہیں اس پر چیں بہ جبیں ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

پھر اسی الزام کا ایک اور جواب بھی سن لو کہ باوجود اس کے کہ ہم کو یہ کہنے کا حق اس وقت تک حاصل ہے کہ تم مسلمان کو کافر کہہ کر رشتہ اسلام کو برباد کر رہے ہو، جب تک کہ تم کھلم کھلا صاف الفاظ میں اس امر کا اقرار نہ کرو کہ ہم مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے۔ہم اس امر کو گومگو اور ٹال مٹول میں نہیں رکھنا چاہتے۔جب آپ لوگوں نے

ہم پر یہ الزام لگایا ہے کہ مسلمانوں کو کافر قرار دینے کا تمہارے اوپر محض الزام ہے، تو صاف الفاظ میں خلافت مآب کے دستخطوں سے اعلان شائع کرو کہ ہم دوسرے مسلمانوں کو کافر نہیں سمجھتے۔ یہ کیا دورنگی چال ہے کہ جو اختیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ غیراز جماعت لوگوں کو کافر کہنا اپنا فرض بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اور پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہم پر الزام ہے۔

دورنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا یا سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

تاہم سنو! حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کے خطبہ جمعہ کے جن الفاظ کی بنا پر آپ نے اس قدر شور وغوغا اور واحسرتا کا مرثیہ پڑھا ہے، وہ الفاظ سرے سے تمہارے متعلق نہیں۔ دیدۂ بینا لے کر اس عبارت کو یہاں سے شروع کرو:

> ''ہمارے دوست اگلے دن ایک بڑے مولانا کے پاس گئے تھے۔ اور ان کو یہ بات سمجھائی گئی کہ مرزا صاحب نے قطعاً نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ ہم ان کو کافر نہ کہیں۔ اگر کفر کا فتویٰ بھی ہم کسی پر نہ دیں تو پھر ہماری ضرورت ہی کیا ہے۔ اور یہ بات سچ بھی ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کو کافر بنانے کے سوا اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔ کافروں کو مسلمان بنانے سے تو یہ رہے۔ مسلمانوں کو کافر نہ بنایں تو کیا کریں؟ یہ رشتہ اسلام کو برباد کرنے والے لوگ ہیں کہ جو مسلمانوں کو کافر بناتے پھرتے ہیں۔''

یہ عبارت صاف طور پر پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہاں کسی غیراز جماعت خاص مولوی کا ذکر کرنے کے بعد ایسے ہی دوسرے مولویوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر گستاخی معاف! آپ کا اس کو اپنی جماعت کے حق میں سمجھ کر اس قدر واویلا اور دہائی مچانا چور کی ڈاڑھی میں تنکا نہیں تو اور کیا ہے۔ خیر یہ تو آپ کے استدلال کے پایہ چوبی کی مضبوطی کا حال ہے۔ آپ نے اس پر چار کالم خواہ مخواہ ضائع کئے۔ میں اگر چاہتا تو اس کا جواب صرف ایک مختصر سے جملہ میں دے سکتا تھا کہ یہ ''فقرہ تمہارے متعلق نہیں''

باقی دل آزار کلمات کا چونکہ آپ نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا، اس لیے عرضی دعویٰ داخل دفتر۔ اور آپ

نے جو ہمارے واجب الاحترام حضرت امیر کی مثال ایک گندے شخص سے دی ہے، اس کی جزاء حوالہ خدا۔ اس کے بعد آپ نے ''مولوی محمد علی صاحب کی خلاف بیانیوں کے عنوان'' سے ان ہی پرانی باتوں کو دہرایا ہے کہ جن کا اخبار کے کالموں میں بارہا جواب دیا جا چکا ہے۔

مثلاً امام ابو حنیفہؒ کا حوالہ کہ جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لیتا ہے پھر خواہ اس سے شرک اور کفر بھی صادر ہو، تو اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔ اس کے حوالے کے لیے حضرت امیر جوابدہ نہیں۔ اس کا جواب علامہ نور الدین مرحوم سے طلب کرنا چاہیے تھا کہ جنہوں نے خود اپنی زندگی میں لکھوایا۔ اور حضرت مولانا مرحوم کی بھتیجی کے متعلق آپ تصریح کریں کہ آپ کس قسم کا ثبوت چاہتے ہیں۔ کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ وہ احمدی تھی یا یہ کہ اس کا جنازہ میاں صاحب نے نہیں پڑھا۔ اگر آپ کو اس کے احمدی ہونے کا یقین ہے، تو ثبوت آپ پیش کیجئے۔ اور اگر میاں صاحب کا جنازہ پڑھنے سے انکار ہے، تو میاں صاحب سے مؤکد بہ قسم اعلان کرائے۔

باقی رہا ''مواہب الرحمٰن'' کا حوالہ۔ حضرت صاحب اس جگہ اپنے عقائد کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ونؤمن بانه خاتم الانبياء لانبى بعده. الاالذى ربىّ من فيضه واظهر وعده. ولله مكالمات و مخاطبات مع اوليائهٖ فى هذه الامة. وانهم يعطون صبغةالانبياء وليسوا بِنَبِيِّيْنَ فى الحقيقة. فان القرآن اكمل وطرالشريعة. ولايعطون الافهم القراٰن ولايزيد ون عليه ولاينقصون منه ومن زاد او نقص فاولٰئک من الشياطين الفجرة.''

جو شخص حضرت صاحب کی اس عبارت کو ادنیٰ غور کے ساتھ بھی دیکھے، وہ فوراً سمجھ لے گا کہ حضرت صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے ہیں۔ اور خاتم الانبیاء کے معنی بھی ہمارے قادیانی دوستوں کی طرح نبی گر نہیں کرتے، بلکہ اس کا ترجمہ صاف اور سیدھے الفاظ میں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کرتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیّین فرمایا ہے۔ اور قرآن کریم میں اس کے ساتھ کوئی استثناء نہیں۔ حدیث اس خاتم النبیّین کا ترجمہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کرتی ہے۔ اور اس حدیث میں بھی کسی کو

مستثنیٰ نہیں ٹھہرایا گیا، بلکہ اس کو قطعی الدلالت بنانے کے لیے اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کو جھوٹے نبی قرار دیا۔ جیسا کہ فرمایا: **وَاِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ دَجَّالُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خاتَمُ النَّبِينَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ**۔ اب اگر خاتم النبیّن کے معنی اپنی مہر سے نبی بنانے والا ہوتے تو **لَانَبِیَّ بَعْدِیْ** جو اس کا ترجمہ آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا ہے، لازماً اس کے معنی بھی نبی گر ہونے چاہئے تھے۔ مگر ہمارے قادیانی دوستوں کی سخن شناسی کو دیکھئے کہ خاتم النبیین کے معنی تو کچھ اور کرتے ہیں اور **لَانَبِیَّ بَعْدِیْ** جو اسی کا ترجمہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، اس کا ترجمہ کچھ اور کرتے ہیں۔ گویا اصل اور اس کے معنی اور۔ معنی در معنی میں سوکنوں کی طرح تضاد ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے کوئی تفاح کے معنی پوچھے تو سیب اور سیب کی بابت دریافت کرو تو انگور بتلا دیا جائے۔ بلاشبہ ایسے لوگ میدانِ مناظرہ میں کبھی اپنی شکست تسلیم نہیں کیا کرتے۔

اب ''مواہب الرحمٰن'' کے حوالے پر غور کیجئے کہ قرآن نے خاتم النبیین میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ حدیث نے نہیں کیا۔ حضرت مرزا صاحب خاتم الانبیاء کا ترجمہ **لَانَبِیَّ بَعْدَهٗ** کرتے ہیں۔ مگر یہاں آکر ہمارے دوست کہہ دیتے ہیں کہ یہاں حضرت صاحب مستثنیٰ ہیں۔ اور یہ بعینہٖ وہی مثال ہے کہ خدا کے سوائے اور کوئی دوسرا نہیں۔ مگر مسیحؑ کی بابت پوچھو تو مسیحی دوست کہتے ہیں کہ وہ اور روح القدس تو اسی میں شامل ہے، وہ علیحدہ خدا نہیں۔ **الاالذی ربی من فیضه و اظهره وعدهٗ لا نبی بعده** کا مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ حدیث ہے۔ اور اصل حدیث میں کوئی مستثنیٰ نہیں۔ اور خود یہ حدیث خاتم النبیّن کا ترجمہ ہے۔ اور اس میں بھی کوئی استثنیٰ نہیں۔ پس جب خاتم النبیین کا استثنیٰ نہیں، اس کے ترجمہ **لَانَبِیَّ بَعْدِیْ** میں کوئی مستثنیٰ نہیں، تو حضرت صاحب اس میں سے کس طرح استثنیٰ نکال سکتے ہیں۔ اس میں استثنیٰ نکالنا گویا قرآن کریم میں کمی بیشی کرنا ہے کہ جس کی نسبت حضرت صاحب خود اسی جگہ فرماتے ہیں **ومن زاد اونقص فاولئک من الشیٰطین الفجرة**۔ کیا خاتم النبیین کے ساتھ استثنیٰ لگا کر حضرت صاحب کو اس فتویٰ کے ماتحت لاتے ہو۔ پس خوب یاد رکھو کہ **اَلَّذِیْ رَبِّیْ مِنْ فَيْضِهٖ وَاظهرهٗ وعده** کا تعلق گذشتہ سے نہیں بلکہ آئندہ سے ہے۔ یعنی **ولِلّٰهِ مکالمات ومخاطبات مع اولیائهٖ فی هذٰهِ الامة** کے ساتھ اور ان اولیاء کے نبی نہ ہونے کی وجہ حضرت صاحب نے

خود فان القراٰن اکمل و طر الشریعۃ دی ہے۔ اب اگر حضرت صاحب نبی ہیں تو کیا ان کی نبوت کے لیے فان القراٰن اکمل و طر الشریعۃ مانع نہیں۔ تعجب ہے۔ اور افسوس ہوتا ہے ان لوگوں کی سمجھ پر کہ اولیاء جو اسی خاتم النبیّن کے فیض سے تربیت پاتے ہیں، تکمیل شریعت ان کے نبی ہونے کے لیے مانع ہے، مگر حضرت مرزا صاحب کے لیے مانع نہیں۔ یہ تو ہم نے آپ کے پرانے اعتراضوں کا جواب دیا۔ آپ بھی:

1۔ یہ تو فرمایئے بخاری کے کس باب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تین سال تک اپنی نبوت میں شک رہا؟ جیسا کہ صاحبزادہ صاحب نے بیان کیا ہے۔

2۔ یادش بخیر میاں صاحب کے اس نکتہ لغویہ کا بھی کسی کتاب سے ثبوت دیجئے کہ شوریٰ اردو لفظ شور سے نکلا ہے۔

3۔ اور یہ بھی بتایئے کہ غلام احمد کی ترکیب ابھی تک صاحبزادہ صاحب کو معلوم ہوئی ہے یا نہیں۔

4۔ اور میاں صاحب کی اس نئی تھیوری کا بھی ثبوت دیجیے کہ ابتدا میں گیارہ گیارہ سال تک تمام نبیوںؑ کو اپنا اپنا دعویٰ سمجھ نہیں آیا۔

5۔ اور مسیح کو اپنا دعویٰ صلیب کے وقت سمجھ آیا۔

6۔ وہ الہام پیش کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے میاں صاحب کو رُو در رُو کہا ہے کہ تو خلیفہ ہے۔

7۔ یہ کہ بقول میاں صاحب جب خدا نے مسیح موعود کو ظلی اور بروزی نبی نہیں کہا، تو آپ اس کو ظلی اور بروزی کہہ کر گنہگار کیوں بنتے ہیں۔ میاں صاحب کے اس قول کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ ہم مرزا صاحب کو ظلی اور بروزی نبی مانتے ہیں، کس قدر غلط بیانی ہے۔

8۔ ہاں یہ بھی بتلایئے کہ میاں صاحب نے ''حقیقۃ النبوۃ'' صفحہ 155 میں کہ:

''بعض نادان کہہ دیا کرتے ہیں کہ نبی دوسرے نبی کا متبع نہیں ہوسکتا۔''

حالانکہ حضرت مسیح موعود نے صاف الفاظ میں آیت وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ

اللّٰہِ (64:4) کی بنا پر صاف لکھا ہے کہ:

''ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ دوسرے کا متبع اور تابع ہو۔ اور یہ کہ صاحب نبوۃ تامہ ہرگز امتی نہیں ہوسکتا۔ اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے ممتنع ہے۔'' (ازالہ اوہام حصہ دوم)

فرمایئے میاں صاحب نے نادان کس کو ٹھہرایا؟

9۔ اور اخبار الفضل 14 مارچ 1915ء میں حضرت مولانا نورالدین مرحوم پر جو یہ افتراء کیا گیا ہے کہ انہوں نے میاں صاحب کو مصلح موعود لکھا ہے، اس کا حوالہ دیجیے کہ کہاں لکھا ہے؟

10۔ القول الفصل کے صفحہ 24 پر میاں صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود معترض کو یہ جواب دیتے ہیں کہ:

''تریاق القلوب کی تحریر تک میرا اور عقیدہ تھا۔ بعد میں متواتر وحی نے اس عقیدہ کو بدل دیا۔''

حضرت مسیح موعود کی اس عبارت کا حوالہ پیش کیا جائے کہ کہاں حضرت صاحب نے ایسا لکھا ہے؟

یہ مشتے نمونہ از خروارے، میاں صاحب کی غلط بیانیوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو اس موضوع پر انشاء اللہ تعالیٰ کبھی مفصل لکھا جائے گا۔ اس کے بعد غلط بیانیوں کے ایک نئے عنوان سے آپ لکھتے ہیں کہ مولوی صاحب اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عقیدہ اور تعلیم کے بالمقابل بعض حضرت صاحب کے پرانے دوستوں کو بھی چھوڑنا پڑا۔ مولانا مولوی محمد احسن صاحب انہی میں سے ہیں۔ مولوی صاحب شروع میں ادھر ہی تھے۔ ہم نے عقیدہ کے بالمقابل اس وقت ان کی بھی پرواہ نہ کی تو بالآخران کو جب قادیان

> سے اس قسم کی تحریریں پہنچیں کہ آپ کا عقیدہ جو فلاں فلاں کتاب میں موجود ہے وہ ہمارے خلاف ہے۔ اور مولوی محمد علی کے موافق ہے۔ آپ اس عقیدہ اور اپنے خیالات میں تغیر کریں تو ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ تب ان پر یہ بات کھلی کہ یہ لوگ عقائد میں کس قدر دور نکل گئے ہیں۔''

میں نے مکرمی مولوی سید محمد احسن صاحب اور سید محمد یعقوب صاحب دونوں سے دریافت کیا ہے کہ کیا قادیان سے آپ کو کوئی اس قسم کی تحریر پہنچی تو دونوں صاحبوں نے انکار کیا۔ پس یہ مولوی صاحب موصوف کی پہلی غلط بیانی ہے۔ اگر مولوی صاحب اس بیان میں حق پر ہیں تو اس کا ثبوت دیں۔ اس کے ثبوت کے لیے ہم سید محمد یعقوب صاحب کی تحریری سند پیش کر کے اخبار پیغام صلح 14 جنوری 1917ء صفحہ 2 کے دوسرے کالم کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ جس میں اس خط کا عکس شائع کیا گیا ہے۔

> ''کارڈ قاضی اکمل صاحب کا بابت تبدیلی عقیدہ مولانا صاحب قبلہ آیا تھا۔ جس کا عکس اخبار پیغام صلح مورخہ 14 جنوری 1917ء شمارہ 77 میں چھپ چکا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ سید محمد یعقوب بقلم خود''

اور خود مولانا سید محمد احسن صاحب اپنے ضروری اعلان مطبوعہ 24 دسمبر 1916ء میں لکھتے ہیں کہ: ''مجھے قادیان سے ایک خط اکمل صاحب کا آیا۔ جس میں اس امر کی طرف توجہ دلا کر آخر پر یہ لکھا گیا ہے کہ تم اپنے عقائد کو تبدیل کرو۔'' ہمارے قادیانی دوستوں کو ان روشن واقعات پر پردہ ڈالتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔ کیا وہ اب بھی اس صریح غلط بیانی کے بعد دنیا کو منہ دکھائیں گے۔ ہم تو اپنے اعلان کی پابندی کرتے ہوئے انہیں کچھ نہیں کہتے، مگر ان کو کیا خدا کا خوف بھی نہیں رہا؟

دوسرے الزام کا ازالہ

آپ لکھتے ہیں:

> ''کیا مولوی محمد علی صاحب ثابت کر سکتے ہیں کہ مولوی سید محمد احسن صاحب مدت تک

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کو لکھتے رہے کہ آپ کے عقائد غلط ہیں، ان کو درست کریں۔''

اس کے جواب کے لیے ہم مولانا موصوف کے ضروری اعلان کے صفحہ 2 اور ''اظہار النصائح'' کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔مولانا لکھتے ہیں:

> ''اس کے بعد قادیان کے اخباروں میں غلو کی ترقی دیکھ کر میں نے اندر ہی اندر اصلاح کی کوشش کی۔مگر میرے خطوط پر کوئی توجہ نہ ہوئی۔ دوسری طرف کچھ سوالات احباب کی طرف سے بکثرت مجھ پر شروع ہو گئے اور رویائے صادقہ کے ذریعہ بھی مجھے ہدایت ہوئی کہ اب علی الاعلان صاحبزادہ کو سمجھانا ضروری ہے۔ چنانچہ اس پر میں نے ''القول الممجد'' نام ایک رسالہ لکھا۔''

''اظہار النصائح'' کے صفحہ 34 پر آپ فرماتے ہیں:

> ''دیگر میں ابھی تک آپ کی بیعت سے علیحدہ نہیں ہوا تھا۔تا ناصحانہ اتمام حجت کرلوں۔''

مولانا موصوف کے ان خطوط کی، جو میاں صاحب کے نام لکھے گئے اور جن میں عقائد کی بحث تھی اگر خود میاں صاحب کی رسید کی ضرورت ہوتو دیکھو اسمهٗ احمد کا آخری صفحہ بعنوان ''مضمون منتخب'' کہ جس میں مولانا موصوف نے میاں صاحب کے ایک اپنے خط کا اقتباس درج کیا ہے۔ چنانچہ میاں صاحب مولوی صاحب کو لکھتے ہیں کہ:

> ''جناب کا دوسرا خط جو حضرت مسیح موعود کے درجہ کے متعلق تھا، اس نے کسی مزید تحریر کی ضرورت نہیں رکھی۔ کیونکہ اس میں آپ کے اور میرے مقامات (یعنی اختلاف) بالکل تبدیل ہو گئے ہیں۔''

اور اسی خط میں دوسری جگہ میاں صاحب لکھتے ہیں کہ:

اِسْمُهٗ اَحْمَدُ تو ایک پیشگوئی ہے۔اور تعین اخبارِ غیبیہ میں اختلاف ہو ہی جاتا ہے۔اسے

تو میں اتنی عظمت نہیں دیتا۔''

اب مولانا موصوف کا میاں صاحب کو عقائد کے بارے میں لکھنا اگر غلط بیانی ہے، تو سوچ سمجھ کر جواب دو کہ اس غلط بیانی کا سب سے پہلے کس نے ارتکاب کیا؟ اسی نے نہ کہ جس نے دوسرے خط کی رسید دی یا حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ نے؟

تیسرے الزام کا دفعیہ

''مولانا سید محمد احسن صاحب قادیان میں عقائد کی تحقیقات نہیں کر رہے۔''

یہ بالکل سچ ہے کہ مولانا قادیان میں عقائد کی تحقیقات نہیں کر رہے۔ اور آپ کا اس کو غلط بیانی کہنا خود غلط ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف اپنے تازہ خط میں لکھتے ہیں کہ ہاں البتہ دنیوی ترقی ضرور کی ہے۔ منارہ، مکانات، مقبرہ بہشتی کی توسیع۔ جیسا کہ عیسائیوں کی نسبت احادیث میں آیا ہے کہ سلطنت تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔ کیا اس پیشگوئی سے حقیقت اُن کی ثابت ہوگئی۔ اور ایک تازہ خط، جو مولانا موصوف نے اخبار میں شائع کرنے کے لیے خصوصیت سے بھیجا ہے، درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

ایھا الاحباب! جماعت احمدیہ خصوصاً محبی جناب ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب و جناب شیخ رحمت اللہ صاحب و جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب و جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے امیر جماعت احمدیہ لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

واضح ہو کہ خاکسار کی نسبت طرح طرح کی باتیں طرفین کے لوگوں میں شائع ہو رہی ہیں۔ جیسا کہ مجھ کو بعض خطوط سے معلوم ہوا ہے۔ اس لیے مجھ کو لکھنا واجب ہوگیا۔ میرے اُن عقائد میں، جو حضرت مسیح موعود **جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء الممجد** کے ابتدائے وقت بعثت سے آخر اُن کی وفات شریف تک تھے، اُن میں ایک ذرہ بھر تغیر اس حالت قیام قادیان میں نہیں آیا۔

1۔ پیشگوئی اسمہٗ احمد کی نسبت میرا وہی عقیدہ ہے جو القول فی المجدد فی تفسیر اسمہٗ احمد میں بموجب مذہب حضرت مسیح موعود لکھا ہوا ہے۔ اور اسمہٗ احمد کی نسبت جو براہین، اس میں خاکسار لکھ چکا ہے، اُس میں ایک ذرہ بھر تفاوت نہیں ہوا۔ صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہے قال صلی اللہ علیہ وسلم انا محمد و احمد۔ اور اس مسئلہ میں مَیں نے ''فک الشک'' و ''تحزیر المومنین'' و ''آیات الرحمان'' میں بھی روشنی ڈالی ہے۔

2۔ مسئلہ نبوت میں میرا وہی عقیدہ ہے جو میری کتاب ستہ ضروریہ میں بموجب مذہب حضرت مسیح موعود لکھا ہوا ہے۔ خاتم النبین خواہ بفتح تا خاتم ہو یا خواہ بکسر تا دونوں کے معنی وہی ہیں جو العاقب کے ہیں۔ و العاقب لیس بعدہٗ نبی۔ دیکھو لسان العرب تاج العروس وغیرہ کو۔ اور اس مسئلہ کو میں نے شرح ایک غلطی کا ازالہ میں بھی خوب واضح لکھا ہے۔

3۔ مسئلہ کفر و اسلام کی نسبت میرا وہی عقیدہ ہے، جو بموجب مذہب حضرت مسیح موعود و موافق کتاب و سنت کے میری کتاب ''تحزیر المومنین عن اکفار المسلمین'' میں، جو مصداق ہے حضرت مسیح موعود کے کشف مندرجہ براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ 253 کی، لکھا ہوا ہے۔ اور اُس کے ٹائٹل پیج پر یہ حدیث متفق علیہ لکھی ہوئی ہے: من صلّی صلٰوتنا و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذٰلک المسلم الذی لہ ذمۃ اللّٰہ و ذمۃ رسولہٖ فلا تخفروا اللّٰہ فی ذمتہٖ۔ اس لیے میں بآواز بلند پکار کر کہتا ہوں کہ میرے ان عقائد میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اور جو مسائل بالاتفاق اجماعی صحابہ و تابعین و مجتہدین و علمائے ربانیین و مجددین تا حضرت مسیح موعود کے ہیں، اُس کے خلاف میں کسی کی ہرگز ہرگز نہیں مان سکتا۔ وَاِنْ قُتِلْتُ و حُرِّقْتُ۔ یہ چند سطریں بقائمی ہوش و حواس و ثبات عقل میں نے لکھوائی ہیں۔ سید محمد احسن عفی اللہ عنہ بقلم خود

☆☆☆

پس مولانا کے ان خطوط سے صاف ظاہر ہے کہ وہ قادیان میں عقائد کی تحقیقات نہیں کر رہے۔ اور یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کا ذکر حضرت امیر نے اپنے خطبہ جمعہ میں کیا۔

چوتھے الزام کی حقیقت

قادیانی علامہ لکھتا ہے کہ:

''چوتھی غلط بیانی مولوی صاحب نے ہمارے متعلق یہ کی ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو حضرت مسیح موعود کے ہم رتبہ سمجھتے ہیں۔ اس پر میں سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے کیا کہوں۔ مولوی صاحب کیا آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی کوئی تحریر ایسی پڑھی ہے جس میں حضور نے حضرت مسیح موعود کو نبی کریم ﷺ کے برابر قرار دیا ہو، اگر کوئی آپ نے دیکھی ہے تو پیش کریں۔''

ہاں صاحب! ہم نے آپ کے خلیفۃ المسیح کی تحریروں میں بے شک یہ پڑھا ہوا ہے کہ مسیح موعود آنحضرت ﷺ کے ہم پلہ اور برابر ہیں۔ سنیے ذکر الٰہی کے صفحہ 19 پر میاں صاحب کیا لکھتے ہیں:

''ہاں یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کچھ رسول کریم ﷺ کے ذریعہ ظاہر ہوا تھا، وہی مسیح موعود نے ہمیں دکھلا دیا۔ اس لحاظ سے برابر بھی کہا جا سکتا ہے............ البتہ حضرت مسیح موعود آپ کی کامل اتباع اور پوری پیروی سے ایسے صاف ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کے کل کمالات اپنے اندر اخذ کیے............ حضرت مسیح موعود کو آنحضرت ﷺ کے تمام کمالات حاصل کرنے کی وجہ سے عین محمد بھی کہہ سکیں گے۔''

کیا اب بھی آپ لوگوں کو یہ شُبہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کو میاں صاحب آنحضرت ﷺ کے ہم رُتبہ اور عین محمد ﷺ نہیں مانتے ہیں؟

پانچویں تہمت کا دفعیہ

قادیانی علامہ نے پانچویں غلط بیانی کے عنوان کے نیچے یہ لکھا ہے کہ:

''مولوی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ ان لوگوں کا یہ باطل عقیدہ ہے کہ گویا اب تک کسی ولی

کے دل کا شیشہ صاف نہیں ہوسکا کہ جس میں نبوت کا انعکاس پڑتا اور ظلی نبی ہوتا۔‘‘

قادیانی علامہ اس کو غلط بیانی قرار دیتا ہے۔اب اگر یہ فی الواقع غلط بیانی ہے تو برائے مہربانی ہمارے محمودی دوست بتلائیں کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اب تک کتنے اولیاء کو ظلی نبی مانتے ہیں۔آپ کا صرف یہ کہہ دینا ہی کافی نہیں کہ یہ ہم پر الزام ہے، جب تک آپ صاف الفاظ میں اس امر کا اقرار نہ کریں کہ حضرت مرزا صاحب کے علاوہ ہم فلاں فلاں ولی کو بھی ظلی نبی مانتے ہیں۔

❁❁❁

20 ربیع الثانی 1340ھ/21 دسمبر 1921ء

فرزندانِ احمدیت سے خطاب

خدا کا وہ برگزیدہ انسان کہ جس کو خداوند عالم نے اُمتِ مسلمہ کی بوسیدہ ہڈیوں کے لیے مسیح موعود بنا کر بھیجا۔ اور وہ جو زندگی بھر اسلام کے فکر میں نیند بھر کر نہ سویا۔ اور وہ جو جب تک جیا دشمنان اسلام کے لیے ایک خوفناک کڑک اور بجلی ہو کر جیا۔ وہ جب دنیا سے اُٹھا تو کفر وشر کے تمام مضبوط قلعوں کا قلع قمع کر کے اُٹھا۔ گو وہ مقدس ہستی آج ہم میں موجود نہیں، تاہم اس کے آلات جنگ، اُس کی بتائی ہوئی فتح و کامیابی کی راہ اور اس کے اپنے ہاتھوں تیار کردہ سپہ سالار اس وقت بھی بِحَمْدِ اللّٰہِ موجود ہیں۔ اور اُنہوں نے اس خدا کے فرستادہ کی نیابت میں اپنی زندگی کا ایک ہی مقصد جہاد فی سبیل اللہ قرار دے رکھا ہے۔ تم اسی خدا کے مسیح کی مقرر کردہ روش پر چلنے کے مدعی ہو۔ اور احمدیت کا حلقہ پہنے ہوئے ہو، تو کیا تمہارا یہ فرض نہیں کہ تم اس سپہ سالار کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاؤ اور اُس کی معیت میں اپنے غیر متزلزل عزم اور ہمت کے ساتھ کفر کے مقابل صف آراء ہو جاؤ۔

اسلام کی کامیابی اور فلاح بلکہ حیات و ممات تمہاری ہمت، مساعی اور جدوجہد سے وابستہ ہے۔ اگر تم نے اس عالم آشوبی کے زمانہ میں اشاعت وتبلیغ اسلام میں جانفروشانہ پیش قدمی نہ کی، تو پھر دنیا میں اور کون ہے کہ جو اس جہاد کبیر میں حصہ لے گا؟ تمہارے پاس آلات جنگ مہیا ہیں۔ تمہارے اندر مسیح موعود کے تیار کردہ سپہ سالار ہیں، جو دنیا میں اپنی خلافت اور عبادت کے قیام کے لیے نہیں، بلکہ اسلام کی خلافت اور خدا کی عبادت کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے اشاعت وترویج اسلام کے لیے تمہیں بلاتے ہیں۔ ان کا ہشت سالہ طرز عمل ان کی نیتوں پر گواہ ہے۔ انہوں نے اس لمبے عرصے میں قوم کے روپیہ سے اپنی ذات کے لیے لاکھوں کی جائیداد پیدا نہیں کی۔ وہ تاجر نہ تھے کہ روپیہ کی فراہمی اور جائیدادوں کی خرید وفروخت میں اپنی کامیابی دیکھتے، بلکہ وہ داعی تھے کہ جنہوں نے اپنی ہر ایک چیز کو مال کو اور اوقات کو نہایت دیانتداری کے ساتھ خدمت اسلام کی نذر کیا۔ پس وہ تمہیں اسی راہ کی طرف بلاتے ہیں کہ جس پر وہ خود قائم ہیں۔

حضرت مسیح موعود نے اپنی وصیت میں یہ لکھ دیا ہے کہ تمہارے لیے وہی نصرت الٰہی ہے کہ جو خدا کے

ماموروں کو ملا کرتی ہے۔ اور آپ کی وفات کے بعد وہ نصرت آئے گی۔ مگر اس کے لیے تمہیں یہی طریق بتایا گیا ہے کہ تم مل کر دعائیں کرو گے تو وہ نصرت الٰہی آئے گی۔ خوب یاد رکھو کہ یہ لفظ بڑے پُر معنی ہیں۔ جماعت پر خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ ایک جگہ جمع ہو کر دعائیں کرنا نصرت الٰہی کو کھینچ کر لایا کرتا ہے۔ اکیلے اکیلے اپنی اپنی جگہ پر کام کرنے سے وہ مقصد اور مدعا کبھی پورا نہیں ہوتا، جن کو اللہ تعالیٰ نے جماعت کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ اور کامیابی اور نصرت کا آنا اِن ہی اُمور میں سے ایک ہے، جس کا تعلق جماعتوں سے ہے، افراد سے نہیں۔ پس کیا سال میں ایک دفعہ بھی تم ایک جگہ اکٹھا نہیں ہو سکتے۔؟ اللہ تعالیٰ تمہیں نصرتیں دینا چاہتا ہے۔ وہ اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ تمہارا ایک قدم اُٹھے تو وہ خود دو قدم اُٹھا کر تمہاری طرف آتا ہے۔ تم چلو تو وہ دوڑ کر آتا ہے۔ پھر خدا کے لیے تم کیوں قدم نہیں اُٹھاتے۔ تا کہ اُس کی بیش از پیش نصرت تمہارے شامل حال ہو۔ یقیناً جب تم اکٹھے ہوتے ہو اور تم سب کے دلوں میں دین اسلام کی کامیابی کی ایک ہی تڑپ ہوتی ہے۔ اور تمہارے سینوں میں ایک ہی آگ جلتی ہے، تو وہ خدا کی نصرت کو اُسی طرح کھینچ لاتی ہے، جس طرح سے بہت تیز گرمی بارانِ رحمت کو لے آتی ہے۔

پس دنیا کی محبت کو اپنے اوپر غالب نہ آنے دو۔ ورنہ تم نے مسیح موعود سے کچھ نہیں سیکھا۔ تمہارا کوئی دوست شادی پر بلاتا ہے، تو کس طرح سارے کاروبار چھوڑ کر اور تکلیف اُٹھا کر بھی چلے جاتے ہو؟ تمہارا کوئی عزیز فوت ہو جاتا ہے، تو کس طرح ساری رکاوٹوں کو بالائے طاق رکھ کر پہنچ جاتے ہو؟ تم بیمار ہوتے تو کس طرح شہر بشہر قابل طبیبوں کی تلاش کرتے ہو؟ اگر دوستوں کی خوشی تمہیں بلا سکتی ہے، تو خدا کی خوشی کو اس سے بڑھ کر اہمیت دو۔ اگر عزیزوں کا غم تمہارے اندر ایک تڑپ پیدا کر دیتا ہے، تو دین کا غم اس سے بڑھ کر تمہیں کیوں نہیں تڑپاتا۔ اگر جسمانی دُکھوں کے لیے تم شہر بشہر پھرتے ہو، تو روحانی فوائد کا جذبہ اس سے بھی زبردست ہونا چاہیئے۔

سوراجیہ کے شیدائیوں کی جان نثاریاں تمہارے سامنے ہیں کہ لوگ سلطنت وحکومت کے سنہری بت اور دنیا کی چندروزہ آزادی کے لیے کس قدر اوقات گرامی اور جان و مال کی قربانیاں کر رہے ہیں۔ آج اِن سب کے بالمقابل تمہاری غیرت اور ایمان کا امتحان ہے کہ ان دنیا کے فرزندوں کے بالمقابل تم خدا کے کلام اور محمد

رسول اللہ ﷺ کے پیغام کے ساتھ کس قدر پیار اور محبت رکھتے ہو۔

اشاعتِ اسلام اور حفاظت اسلام جیسے مقصد پر کہ جس پر مسلمانوں کی حیات و ممات کا دار و مدار ہے، غور کرنے، سال گذشتہ کے کام پر نظر باز گشت ڈالنے اور آئندہ کا نظامِ عمل سوچنے کے لئے، جیسا کہ اعلان کیا جا چکا ہے، دسمبر کی 25-26-27 تاریخ کو ایک خالص دینی اجتماع کا انعقاد ہوگا۔ ہر ایک احمدی فرد اس اجتماع میں شامل ہو اور اپنے سمجھدار بچوں اور متعلقین کو ساتھ لانے کی کوشش کرے۔

۞۞۞

12 جمادی الاول 1340ھ

قسط اوّل

ہمارا نصب العین

(تقریر حضرت امیر ایّدہ اللہ مورخہ 25 دسمبر 1921ء بتقریب جلسہ سالانہ)

تشہد، تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ الفاتحہ تلاوت کر کے فرمایا کہ:

جب اصلاحِ عالم کا کام ہماری سرکار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سپرد کیا گیا تو اس کے لیے سب سے بڑا ہتھیار جو آپ کو دیا گیا وہ یہی آیات قرآنی ہیں جو میں نے پڑھی ہیں۔ جن کو ہم سورہ الفاتحہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ سب سے پہلی وحی کے اندر یہ بتلایا گیا تھا کہ حکم الٰہی کی تبلیغ کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ یعنی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. (1:96) گویا الٰہی احکام کی تبلیغ کا فرض آپ کے ذمہ ڈالا گیا۔ اور اس کے بعد ہی وہ ہتھیار دیا گیا کہ جو اس الٰہی تعلیم کی تبلیغ کے لیے سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ یعنی جو آپ کو کام دیا گیا تھا، اس کی تکمیل کا ذریعہ بتا دیا گیا۔ اور یہ ایک ایسی ضروری اور اہم تعلیم تھی کہ جس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ اسے مسلمانوں کو کم از کم پانچ دفعہ ہر نماز میں دہرانے کا حکم دیا گیا۔ یہ کوئی بے معنی بات نہ تھی کہ جس کے اس قدر دہرانے کا حکم دیا گیا۔ وہ عظیم الشان کام، جو آپ کے سپرد کیا گیا درحقیقت، یہ اس کے لیے بڑا زبردست ہتھیار تھا۔

ان چند آیات کے معنی عام طور پر لوگ جانتے ہیں۔ میں بھی کچھ سنا دیتا ہوں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ جو کل عالموں یا کل مخلوق کی تربیت کرنے والا ہے۔ اس جگہ صرف یہ نہیں کہا کہ وہ کسی خاص چیز کی تربیت کرنے والا ہے۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس کی ربوبیت کل مخلوق پر حاوی ہے۔ اس لفظ رَبٌّ کے معنی، جو اس آیت میں استعمال ہوا ہے، قرآن کریم نے خود دوسری جگہ ان الفاظ میں کر دیئے ہیں رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (50:20) ہمارا رب وہ ہے کہ جس نے ہر ایک چیز کو

پیدا کیا ہے۔اور پھراس کواس کی کامیابی یا کمال تک پہنچنے کی راہ پر لگا دیا ہے۔پس قرآن کریم نے خود بتا دیا کہ رب وہ ہے جو ایک چیز کو پیدا کرتا ہے۔اور پھراس کواس کے کمال تک پہنچا تا ہے۔اور لغت میں بھی اس کے معنی درجہ بدرجہ نشو ونما یا تربیت کر کے اس کے کمال تک پہنچانے کے لیے سامان بہم پہنچانا ہے۔اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ساری حمد کی مستحق صرف ایک ہی ذات ہے، جو سب تعریفوں کی ماویٰ اور ملجا ہے۔اوراسی لیے اس کی پہلی صفت رب العالمین بیان کی گئی ہے۔وہ مجھ کو ہی نہ صرف انسان کو ہی کمال تک نہیں پہنچاتی ، ہر جاندار بلکہ غیر جاندار کو بھی اس کے کمال تک پہنچاتی ہے۔اب اس پر غور کرو کہ جب تم ایک بچہ کی تربیت کرتے ہو اور تمہاری تربیت صرف اس کے جسم تک محدود ہوتی ہے تو پھر اس تھوڑی سی تربیت کی وجہ سے لڑکے کے لیے تم کس قدر تعریف کے مستحق ہو جاتے ہو؟ اور کس قدر عزت کی نگاہ سے وہ اپنے باپ کی طرف دیکھتا ہے؟ تو وہ ہستی، جو تمام مخلوقات کو پیدا کرتی ہے اور ان کی تربیت کر کے ان کے کمال تک ان کو پہنچاتی ہے، وہ کس قدر تعریف کی مستحق ہونی چاہیے؟ ہمارے دل اس کی تعریف سے کس قدر بھر جانے چاہئیں کہ جب ہمارے منہ سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نکلے۔

ان لوگوں کا احسان کہ جن کے ذمہ تمہارا کھانا اور پینا ہوتا ہے، تم کس قدر مانتے ہو۔حالانکہ ان کی ربوبیت صرف جسم تک محدود ہوتی ہے۔اور وہ بھی ایک ناقص رنگ میں۔مگر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت نہ صرف کامل طور پر تمہارے جسموں تک پہنچتی ہے، بلکہ انسان کی روح تک بھی پہنچتی ہے۔اور وہ ایک انسان کی نہیں بلکہ کل عالم کی بلکہ بیشمار عالموں کی تربیت کرنے والا اور ان سب کو ان کے کمال تک پہنچانے والا ہے۔مگر چونکہ اس عالم میں، جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، انسان کا کمال صرف کھانے پینے اور جسم تک محدود نہیں بلکہ حقیقی کمال اس کا اخلاق اور روحانیت سے حاصل ہوتا ہے۔اور اسی غرض کے لیے انبیاءؑ اور بالآخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت ہوئی، اس لیے بعثت نبویؐ کے ساتھ ہی اس فقرہ کی تعلیم کی غرض یہی ہے کہ جس طرح انسان جسمانی طور پر کمال کو حاصل کرتا ہے، وہ روحانی ترقی پا کر بھی اپنے کمال کو حاصل کرے اور دراصل رب العالمین میں اشارہ روحانی کمال کے حاصل کرنے ہی کی طرف ہے۔کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا مقصد کھانے پینے کی چیزوں کی طرف اشارہ کرنا نہ تھا۔اور نہ جسمانی پرورش کے سامان بتلانا تھا۔کیونکہ اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو تو ایک مکھی اور چیونٹی بھی جانتی ہے۔

اور اپنے کھانے پینے اور نہ کھانے کی چیزوں کو خوب پہنچان لیتی ہے۔تو پھر انسان کیوں اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو نہیں جان سکتا۔اصل میں تربیت اور کمال کے سامانوں کو بتانا تھا۔

اس سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کتنا بڑا عظیم الشان انسان تھا کہ جس نے انسانی روح کو اپنے منتہائے کمال تک پہنچانے کی تعلیم دی۔اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی کس قدر حمد کرنے والا تھا کہ جس کے منہ سے سب سے پیشتر یہ جملہ نکلا۔آپ کی اس کثرتِ حمد کی وجہ سے ہی آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد اور احمد دونوں نام ملے اور آپ کا نام احمد ﷺ دراصل محمد ﷺ پر مقدم ہے۔اس لیے کہ احمد کے معنی حمد کرنے والا ہے اور محمد کے معنی حمد کیا گیا ہے۔جب آپؐ نے اللہ کی حمد کی تو اللہ نے آپ کی تعریف مخلوق سے کرائی۔اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حمد الٰہی کے ذریعہ سے ہی آپ نے کمال حاصل کیا۔اور یہ بات کوئی محمد رسول اللہ ﷺ سے ہی خاص نہیں، ہر ایک شخص جو مسلمان کہلاتا ہے، اس کے لیے بھی اسی کمال تک پہنچنے کی راہ بتلا دی گئی ہے۔وہی طاقتیں اور قوتیں کم از کم تمہیں دی گئی ہیں کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کو دی گئی تھیں۔اور اس بات کو محمد رسول اللہ ﷺ کے منہ سے کہلوا دیا ہے۔قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (110:18) بشریت کے لحاظ سے جو طاقتیں اور قوتیں مجھے ملی ہیں وہی تمہیں بھی دی گئی ہیں۔

اور پھر اس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کو اللہ تعالیٰ کا دعا کے طور پر تمہیں سکھانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جس طرح جسمانی طور پر تم ہر ایک کمال کو حاصل کر سکتے ہو، روحانی طور پر بھی حاصل کرنے کے لیے اس کے اندر سامان موجود ہے۔کس قدر احسان ہے دنیا پر محمد رسول اللہ ﷺ کا کہ جس نے یہ تعلیم دی۔تا کہ جس طرح لوگ جسمانی طور پر کمال حاصل کرتے ہیں روحانی طور پر بھی کریں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں درحقیقت یہی تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ کس قدر حمد اور تعریف کا مستحق ہے کہ جو ایسی تعلیم تمہیں دیتا ہے کہ جس کے ذریعہ سے تم ہر ایک روحانی کمال کو حاصل کر سکتے ہو۔اس کے بعد فرمایا وہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے۔الرَّحْمٰنِ کے معنی ہیں بغیر کسی عمل، کوشش اور سعی کے پیشتر سے ہی ضروریات کا مہیا کرنے والا۔اور الرَّحِيْمِ اس لیے ہے کہ جو شخص صفت رحمانیت کے ماتحت خدا کے عطا کردہ سامانوں کو کام میں لائے، اس کو اس کا نتیجہ یا پھل دے دیتا ہے۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی شخص کے اعمال کے زمین کو پیدا

کیا ہے۔ اور پھر بغیر انسانی کوششوں اور جدو جہد کے ہی اس پر آسمان سے پانی برساتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ان سامانوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنی محنت اس پر صرف کرتا ہے۔ پھر وہ اس کو اس کا پھل دیتا ہے۔

پس روح کو اس کے کمال تک پہنچانے کے لیے سامانوں کا عطا کرنا صفتِ رحمانیت کے ماتحت ہے اور رحمٰن کا کام ہے۔ اور یہ سب سامان انسان کی کسی قسم کی محنت اور سعی کے بغیر ہی ملتے ہیں۔ پس وہ الرَّحمٰنِ اسی لیے نہیں کہ اس نے جسمانی پرورش کے سامان ہی انسانی کوشش کے بغیر عطا کیے بلکہ وہ روحانی تربیت کے سامان بھی بغیر انسانی کوشش اور سعی کے ہی عطا کرتا ہے۔ پس جس طرح اس نے جسمانی پرورش کے لیے مٹی، پانی اور ہوا بغیر اعمال کے عطا کی ہے، اسی طرح روح کی غذا کو بھی خود ہی محض اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے۔ تاکہ وہ انسان کی روح کو اس کے کمال تک پہنچا دے۔ اور یہ سب کچھ اس نے انسان کی سعی، کوشش اور دعا کے بغیر ہی عطا کیا ہے۔ اور اس صفت الرَّحمٰنِ کے ماتحت انسانی روح کی غذا قرآن کو بھی عطا کیا ہے اور اسی لیے فرمایا الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (2-1:55) قرآن کو الرَّحْمٰنُ نے تعلیم کیا ہے۔ یا وہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کے ماتحت بغیر کسی کی سعی اور جدو جہد کے عطا کیا گیا ہے۔ اور اس آیت میں صاف طور پر سمجھا دیا ہے کہ نبوت انسان کے اعمال اور کسب کے بغیر ہی عطا ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے سخت غلطی کھائی ہے، جو نبوت کو دعا کا نتیجہ بتاتے ہیں اور یوں اسے انسانی جدو جہد کا پھل سمجھتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ .(5:1) میں حصول نبوت کی دعا ہے۔ اور جو انسان جدو جہد کرے گا، اور اپنی اطاعت کو کمال تک پہنچائے گا، وہ نبی بن جائے گا۔ خدا تو فرماتا ہے کہ الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ یعنی قرآن کا نزول صفت رحمانیت کے ماتحت ہوا ہے۔ پس نبوت بغیر کوشش اور سعی کے ملتی ہے۔

جب جسمانی تربیت کے سامان اس نے انسان کی کوشش اور جدو جہد کے بغیر پیدا کیے ہیں، تو روحانی تربیت کے سامانوں کو وہ کیونکر کسی کی جدو جہد اور دعا پر موقوف رکھ سکتا ہے۔ جو لوگ نبوت کو دعا یا جدو جہد کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، وہ فی الحقیقت خدا کی رحمانیت کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح عالم جسمانی میں خدا کی رحمانیت کام کرتی ہے، اسی طرح روحانی عالم میں بھی اس کی رحمانیت کام کرتی ہے۔ جس طرح بارش کا پانی بغیر کسی کی جدو جہد کے آسمان سے نازل ہوتا ہے، اسی طرح روحانی بارش یا وحی الٰہی بھی بغیر کسی کی دعا یا سعی کے ہی

نازل ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے وحی کی بارش یا پانی سے مثال دی ہے۔فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (2:21-22)اس آیت میں آسمان سے نزول مآء کا ذکر کرنے کے بعد آگے فرمایا وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا (2:23) بارش کے نزول کا ذکر ہو رہا تھا۔مگر اس کے بعد فوراً وحی الٰہی کے نزول کا ذکر شروع کر دیا گیا۔تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں باتوں میں ایک خاص مناسبت ہے۔اور اس سے بتلانا یہ مقصود تھا کہ جس طرح آسمان سے بارش بغیر کسی کی جدوجہد اور دعا کے نازل ہوتی ہے، اسی طرح وحی الٰہی بھی بغیر جدوجہد اور کوشش کے ہی ملتی ہے۔

اس کے بعد خدا کی صفت اَلرَّحِيْمُ لائی گئی ہے۔جس کے معنی اعمال اور محنتوں پر نتائج مرتب کرنے والے کے ہیں۔جس طرح اس نے جسمانی تربیت کے سامان اپنی صفت رحمانیت کے سبب عطا کر دیئے ہیں۔ پھر جب انسان انہیں کام میں لائے اور جس قدر کام میں لائے تو اس کی مقدار عمل کے بموجب ان کے نتائج بھی دیئے جاتے ہیں۔اسی طرح نبوت اور وحی کو صفت رحمانیت کے ماتحت عطا کرتا ہے۔پھر جب انسان اس پر عمل کرتا ہے اور جس قدر عمل کرتا ہے اسی قدر پھل بھی اسے صفت رحیمیت کے ماتحت عطا کیا جاتا ہے۔جس طرح جسمانیات میں ایک شخص خدا کی رحمانیت کے ماتحت پیدا کردہ سامانوں سے کام لیتا ہے۔اسی طرح روحانیات میں بھی الہام الٰہی پر کوئی شخص جس قدر زیادہ عمل کرتا ہے، اسی قدر زیادہ وہ اپنے اعمال کے نتائج بھی حاصل کر لیتا ہے۔

صحابہ کرامؓ نے کیوں اس قدر زیادہ اور جلد فائدہ اٹھایا۔حالانکہ صفت رحمانیت کے ماتحت جو قرآن انہیں ملا تھا، وہی آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے الٰہی تعلیمات پر عمل سب سے زیادہ کیا تھا۔جس طرح جو شخص جسمانیات میں یعنی ظاہری دنیا میں خدا کے عطا کردہ سامانوں سے فائدہ نہیں اٹھاتا، اس کو کوئی فائدہ نہیں ملتا، اس طرح جو شخص الٰہی تعلیمات پر عمل نہیں کرتا، وہ روحانی طور پر بھی کوئی فائدہ

حاصل نہیں کرتا۔

اس لیے اس کے بعد فرمایا کہ وہ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ہے۔یعنی جو لوگ الٰہی احکام یا تعلیمات پر عمل نہیں کرتے، ان کو وہ سزا بھی دیتا ہے۔مسلمانوں نے ایک عرصہ سے اس کی رحمانیت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔اس لیے آج وہ اس کے نتائج سے بھی محروم ہیں۔اس کے بعد اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ فرمایا کہ وہ جو سب قسم کے حصول کمالات کے سامان پیدا کرنے والا، اور پھر ان کو اپنے بندوں تک پہنچانے والا اور پھر ان پر عمل یا عدم عمل کے بموجب نتائج مرتب کرنے والا یعنی اس پر عمل کرنے والوں کو کمال تک پہنچانے والا ہے۔اور وہ جو رب العالمین کہلوانے کا حق دار ہے۔یعنی کل مخلوقات کی پرورش کر کے اس کو کمال تک ترقی دینے والا ہے۔اور جو لوگ اس کی رحمانیت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، ان کو سزا دینے والا ہے۔ایسے ہی خدا کی کہ جس کی بے پایاں نعمتوں کے سبب ہمارے منہ سے خود بخود حمد نکلتی ہے۔اور ہماری روح بے اختیار اِیَّاکَ نَعۡبُدُ پکار اٹھتی ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ یہ بڑا ہی پُر معرفت کلام ہے کہ عبادت کا حق دار صرف ایسا ہی خدا ہوسکتا ہے جس کی ربوبیت کے سامان اور انسان پر احسان اس قدر بے پایاں ہوں۔

بعض لوگوں نے اس پر اعتراض بھی کیا ہے۔اور وہ ہے کہ یہ جملہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔انسان کی زبان سے یہ فخر یہ کلمات کیوں نکلوائے گئے؟ مگر فی الحقیقت یہ کوئی فخر یہ کلمات نہیں۔ بلکہ اگر اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کی بجائے اِیَّاکَ اَعۡبُدُ رکھا جاتا۔یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں کی بجائے یہ ہوتا کہ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں، تو البتہ اس کو فخر یہ کلمات کہا جا سکتا تھا۔

پھر ان الفاظ کے اندر ایک یہ بھی معجزانہ رنگ ہے کہ ان کے اندر ایک عظیم الشان پیشگوئی کو رکھ دیا ہے کہ جس سے محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔یعنی جس وقت سب سے پہلی مرتبہ یہ الفاظ آپ کے منہ سے نکلے تو اس وقت صرف وہ ایک ہی انسان تھا۔مگر سکھانے والے نے یہی الفاظ سکھائے کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ گویا بتا دیا کہ تمہارے ساتھ آخر کار دنیا شامل ہوتی چلی جائے گی اور ان الفاظ میں صرف اپنی عبادت کو ہی پیش نہیں کیا بلکہ سب کی عبادت کو پیش کیا ہے۔اور بتایا ہے کہ اکیلا انسان عاجز ہے۔ایک کی عبادت سے کچھ نہیں بنتا۔ جب تک جماعت نہ ہو۔ یوں نہیں کہلوایا کہ اے مولا! میں تیری خدمت میں لگا ہوا ہوں، بلکہ یوں

کہلوایا ہے کہ اے مولا! ہم لوگ تیری خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ گویا اپنی بجائے دوسروں کی خدمات کو پیش کیا ہے اور پھر اس کے بعد اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہہ کر بھی اس وہم کا ازالہ کر دیا ہے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ فخریہ نہیں۔ یعنی عبادت کرنے میں بھی ہم تیری استعانت چاہتے ہیں۔ جب تک تیرا ہاتھ ہم پر نہ ہو اور ہماری دستگیری نہ کرے، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہماری کوشش کے ساتھ تیرا فضل بھی بکار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو کمال روحانی تک پہنچانے کے لیے سکھایا ہے۔ اس لیے اس کے اس روحانی کمال کو حاصل کرنے کے لیے یہ بھی سکھایا ہے کہ اس کمال کو ہم اس کے فضل اور استعانت کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد فرمایا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت کر۔ یا ہم کو کمال روحانی کے حصول کے لیے سیدھا راستہ دکھا۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ہاں! ان لوگوں کا راستہ کہ جن پر تو نے انعام کیا۔ اس جگہ منعم علیہم لوگوں کا راستہ دکھلانے کی استدعا کی گئی ہے۔ یہ منعم علیہم یا انعام یافتہ لوگ کون تھے۔ اس کا جواب بھی قرآن کریم نے خود ہی دے دیا ہے: وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (69:4) یعنی یہ انعام یافتہ لوگ نبی، صدیق، شہید اور صالح لوگ ہیں۔ اب اس پر غور کرو کہ تم اپنی پنجگانہ نمازوں میں کن کا راستہ مانگتے ہو؟ اور قرآن کریم نے کن کی پیروی کی تلقین کی؟ پھر وہ کون سی نعمت تھی کہ جو ان لوگوں پر کی گئی؟ نعمتوں کا تو شمار نہیں ہو سکتا۔ ہمارے دائیں بائیں سب جگہ نعمتیں ہی موجود ہیں: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (34:14) مگر یہاں کون سی نعمتیں مراد ہیں؟ ان نعمتوں کا پتہ ان لوگوں کی حالت پر غور کرنے سے لگ سکتا ہے۔ جن کو اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کہا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کے راستہ میں کام کرنے والے اور جن کے ذمہ اصلاحِ خلق کا کام ہوتا ہے۔ اور دنیا کی ہدایت و رشد کا کام انہی کے سپرد ہوتا ہے۔ یہ لوگ نبی کہلاتے ہیں۔ اور دوسرا وہ گروہ ہے کہ جو صدیق کہلاتے ہیں۔ اور کامل طور پر خدا کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور اپنے مال و منال اور جان تک کو بھی خدا کی راہ میں لٹا دیتے ہیں۔ ایسے ہی شہید اور صالح ہیں۔

یہ چار گروہ وہی ہیں، جو اپنا سب کچھ خدا کے لیے دے دیتے ہیں۔ یہ اس دعا کا ہی کمال ہے کہ چیز وہ مانگنے کی ہدایت کی کہ جس کی روحانی کمال تک پہنچنے کے لیے سب سے بڑھ کر ضرورت تھی۔ اور پھر لفظ یہ رکھے

ہیں: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. ہم کو سیدھا رستہ دکھا۔ جس پر ہم چلیں۔ یہ نہیں کہا کہ ہمیں یہ بنا دے یا وہ بنا دے۔ ایک راہ پر چلنا ایک جدوجہد ہے۔ اور نبوت جدوجہد سے نہیں ملا کرتی۔ بلکہ اِهْدِنَا سے تو صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ کسی کے نقش قدم پر چلنے کی تڑپ اور آرزو ہے۔ اور وہ راہ، جیسا کہ دوسری جگہ خود ہی فرمایا: انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین کی راہ ہے۔

پس ان آیات میں یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ جس طرح انہوں نے خدا کی راہ میں سب کچھ فدا کر دیا تھا، اور جو تڑپ ان کے دلوں میں اشاعتِ اسلام کی پیدا ہو گئی تھی، اور جس طرح انہوں نے ایک عالم کو حلقہ بگوش اسلام بنا لیا تھا، اسی طرح ہم بھی کریں۔ تاکہ ہم خدا کے نام کو دنیا میں بلند کریں اور اسلام کو پھیلائیں۔

اس کے بعد فرمایا: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ان لوگوں کی راہ نہ دکھلائیو کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور وہ صراط مستقیم سے بھٹک گئے۔ وہ لوگ جو تیرا نام لے کر دنیا میں نکلتے ہیں۔ مگر آخر خود دنیا پر گر جاتے ہیں اور حصولِ مال و دولت کو اپنا مقصد بنا لیتے ہیں۔ ایسی قومیں آخر غضبِ الٰہی کے نیچے آ جاتی ہیں۔ دنیا پر ان کی نظریں پست ہو جاتی ہیں۔ اور وہ دین الٰہی پر دنیوی مال و منال کو ترجیح دے کر دنیا میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ اے خدا ہم ان کی طرح نہ ہوں اور ایسا نہ ہو کہ ہم تیرے دین کی اشاعت میں سست ہو جائیں۔ اور دنیا کی محبت یا خوف سے کتمانِ حق کریں اور اس کی اشاعت نہ کریں۔ ہم ایسے لوگوں میں سے نہ ہوں۔ وَلَا الضَّآلِّيْنَ اور نہ ہم ان لوگوں کی طرح ہوں کہ جو تیرا نام لے کر تو نکلے مگر آگے چل کر غلط راہ پر پڑ گئے۔ ان کے اندر ایک جوش تو رہا کہ تیرے نام کو پھیلائیں، مگر غلط راہ پر پڑ کر حق کی بجائے ضلالت کو پھیلانے لگ گئے۔

جن لوگوں کے سپرد دنیا میں حق اور صداقت کے پھیلانے کا کام ہوا ہے، ان کے لیے یہی دونوں ٹھوکر کے مقام ہیں۔ یا تو اس بلند مقام سے ہٹ کر دنیا میں منہمک ہو جائیں۔ اور یا غلطی میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حمد پھیلانے کی بجائے کسی اور کی عظمت اور حمد پھیلانے میں مصروف ہو جائیں۔ اب اس پر غور کرو کہ جو حدیث نے مغضوب اور ضالین۔ یہود اور نصاریٰ دو گروہوں کو قرار دیا ہے۔ دنیا پر گرنے اور احکام الٰہی کی تبلیغ و اشاعت نہ کرنے کی وجہ سے یہود کو اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کہا اور عیسائی، وہ جو خدا کا نام لے کر تو نکلے، مگر غلط راہ پر پڑ گئے، اور غلو کی راہ اختیار کر لی، اس لیے ضالین کہلائے۔

پس ان دونوں گروہوں میں فرق یہ ہے کہ یہود تو دنیا پر گر گئے ہیں۔ اور دین کی اشاعت سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔ اور عیسائیوں میں گو اپنے مذہب کی تبلیغ کا جوش ہے۔ مگر وہ غلط راہ پر پڑ گئے ہیں۔ اور ان کا یہ جوش بھی گو ان کو دنیا میں فائدہ ضرور پہنچا دیتا ہے، مگر آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ جوش ہی اگر اپنے مقام پر خرچ ہو۔ تو نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ مگر بے جا جوش کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

مسلمانوں کو اس لیے یہ دعا سکھائی گئی تھی کہ ان کے قدم ان دو غلط راہوں پر نہ پڑیں۔ مگر آج وہی نظارہ یہاں بھی نظر آتا ہے۔ اگر ایک طرف وہ لوگ ہیں جو تبلیغ اور اشاعت حق کے لیے جوش نہیں دکھاتے اور قرآن کریم کو دنیا میں پھیلانے کو اپنی زندگیوں کا اصل مقصد قرار نہیں دیتے، تو دوسری طرف وہ بھی ہیں جو اس جوش کو لے کر ایک غلط راہ پر پڑ گئے اور غلو اختیار کر کے یہ مذہب بنا لیا کہ ہم میں سے ہر ایک انسان کوشش اور دعا میں لگا رہنے سے نبی بن سکتا ہے۔

پس خود اس سورۃ الفاتحہ سے یہ معلوم ہوتا کہ خدا کا نام اور اس کی حمد کو دنیا میں پھیلانا وہ نصب العین تھا، جو ان کے سامنے رکھا گیا تھا۔ مگر مسلمانوں کی نظریں اب صرف دنیا کی طرف پست ہو گئی ہیں۔ اور وہ نصب العین، جو قرآن کریم نے ان کے لیے مقرر کیا تھا، وہ انہوں نے اپنی نظروں سے گرا دیا ہے۔

حالانکہ نصب العین کے معنی ہی یہی ہیں کہ جو آنکھ کے سامنے رہے۔ آنکھیں خواہ ہم کسی طرف کیوں نہ پھیریں۔ مگر وہ نظر کے سامنے سے نہ ہٹے اور جدھر نظر ہو اُدھر وہی نظر آئے۔ گویا نظر اس پر نصب یعنی گڑی ہوئی ہو۔ جب ہم کسی طرف سے نظر پھیر لیتے ہیں۔ تو پھر اس طرف کی چیزیں ہماری نظر سے چھپ جاتی ہیں۔ مگر نصب العین وہ ہوتا ہے کہ آنکھیں پھر جائیں، مگر وہ نظر کے سامنے سے نہ ہٹے۔ تو وہ چیز نصب العین کہلاتی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ خواہ تم کچھ بھی کرو اور کہیں رہو، مگر اس کو نہ چھوڑو دین کی اشاعت تمہارے سامنے سے نہ ہٹے۔

قرآن کریم نے قبلہ کے مضمون میں اسی طرف بڑی خوبی کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ فرمایا: وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ (2:150) جہاں کہیں سے بھی تم اے محمدؐ نکلو۔ پس اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ اور جہاں کہیں سے بھی (اے مسلمانو) تم نکلو تم بھی اسی کی طرف منہ کرو۔ تاکہ لوگوں کا تمہارے اوپر

کوئی الزام نہ رہے۔ یہاں صلوٰۃ کا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ اس کو عام رکھا ہے۔ اور پھر اس قبلہ کی طرف منہ کرنے کی تاکید تین دفعہ کی ہے۔ اور اسی طرح عام الفاظ میں کی ہے۔ پہلے خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا ہے اور پھر سب مسلمانوں کو تاکید کی ہے۔ اکیلے ہو یا سب اکٹھے، اور جہاں کہیں بھی ہو، ایک ہی قبلہ کی طرف منہ رکھو۔

قبلہ کی طرف منہ کرنے کی اس قدر تاکید کیوں ہے

اور پھر اس قبلہ کو مسجد حرام کہا ہے۔ اور اس پر اس قدر زور کیوں دیا گیا ہے؟ کیا وہ خدا ہے یا کسی کا معبود ہے؟ کہ اس کی طرف منہ کیے بغیر نماز نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ فی الواقع معبود ہوتا تو خدا کی مصلحت کا تقاضا یہ نہ ہوتا کہ کامل سترہ ماہ تک اس کی طرف پیٹھ کر کے نماز پڑھوا تا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ قبلہ کا مضمون صرف اسی حد تک محدود نہیں کہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھوا دینا ہے۔ اور بس۔ اس قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے لیے اس قدر تاکید آئی ہے کہ بعض اوقات اس سے کم فہم لوگوں کو غلطی بھی لگ جاتی ہے۔ اور اس کی مثال بعینہ ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک اجنبی انسان یا ایک چھوٹے بچہ کو کسی باغ میں لے جاؤ۔ وہ کیا سمجھ سکتا ہے کہ باغ کے قطعات کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کیوں کیا گیا ہے۔ اور یہ تختہ سبزہ یہاں کیوں ہے۔ اور وہاں کیوں نہیں۔ اور اس کی یہ شکل کیوں ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کا حال ہے۔ جو لوگ اس کو اجنبیوں کی طرح دیکھتے ہیں، وہ اس کے نکات و معارف سے واقف نہیں ہو سکتے۔

قرآن چاہتا ہے کہ دن رات اس کو پڑھو اور اس سے محبت پیدا کرو۔ اور جو اس کو کبھی کبھی پڑھتے ہیں، وہ باغ میں داخل ہونے والے ایک اجنبی کی طرح حیران ہو جاتے ہیں۔ اور جو اس کا مطالعہ کثرت سے کرتے ہیں، وہی اس کے مصالح سے واقف ہو سکتے ہیں۔ اور اگر تم اس کو کثرت سے نہیں پڑھتے تو تم اس کے مصالح اور معارف سے واقف نہیں ہو سکتے۔

قبلہ کے مضمون کے متعلق آیات قرآنی پر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک قبلہ کے طرف منہ کرنے سے صرف اسی قدر مراد نہیں کہ نماز کے وقت ایک خاص سمت کی طرف منہ ہو۔ کیونکر اس مضمون کے آخر پر لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (177:2) فرمایا ہے۔ یا تو وہ زور کہ جہاں سے

بھی نکلو اس کی طرف منہ کرو۔ اور جہاں کہیں بھی تم ہو اللہ تعالیٰ تمہیں اسی پر جمع کر دے گا، اور کہاں یہ کہ مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرنا کوئی بڑی نیکی ہی نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اصل غرض اس کی اتنی ہی نہیں کہ اس کی طرف منہ کر لیا جائے، بلکہ اس کی غرض، اگر اس مضمون کو شروع سے پڑھو۔ تو صاف معلوم ہو جاتی ہے۔ فرمایا: سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَاوَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (2:142-143) لوگ فوراً ہی پکار اٹھیں گے کہ کس بات نے ان کو اس قبلہ سے روگردان کر دیا کہ جس پر وہ پیشتر سے تھے۔ ایسے لوگوں سے کہہ دو کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہے۔ جو چاہتا ہے اس کو وہ سیدھے راستہ کی راہ دکھلا دیتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے تجھ کو ایک میانہ رو جماعت بنایا ہے۔ تا کہ تم لوگوں کے سردار بنو۔ اور تمہارا سردار رسولؐ ہو۔

اس شروع کی آیت میں صاف طور پر بتلا دیا ہے کہ اس قبلہ پر قائم کرنے میں ہماری کوئی غرض ہے۔ اور وہ غرض یہ ہے کہ تا تم لوگوں کے پیشوا اور امام بنو۔ اور اس کے بعد دوسرے رکوع کے شروع میں اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوْا الْخَيْرٰتِ (2:148) اور ہر ایک کے لیے ایک قبلہ مقصود ہے کہ جس کی طرف وہ اپنا منہ کرتا ہے۔ پس تم نیکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں، خواہ تم کہیں بھی ہو، اکٹھا کرنا چاہتا ہے۔ وہ تم سب کو ایک ہی مقصد اور غرض واحد پر اکٹھا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُم رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (2:151) یعنی جس طرح ہم نے رسولؐ کو تمہیں ایک ہی مقصد پر جمع کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اور وہ ہماری آیات تمہارے اوپر پڑھتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ تمہیں کتاب اور اس کا فلسفہ بھی سکھاتا ہے۔ اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم اس سے پیشتر جانتے بھی نہیں تھے۔

ان آیات میں مسلمانوں کے قبلہ مقصود اور نصب العین کو کھول کر بیان کر دیا ہے کہ جس طرح ہم نے اپنے دین کی اشاعت کے لیے رسولؐ کو اٹھا کھڑا کیا ہے، اسی طرح تم ہمارے نام کو پھیلاؤ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ. (2:152) پھر اگر تم میرے نام کو دنیا میں بلند کرو گے۔ تو میں بھی تمہارے نام کو بلند

کروں گا۔ میرے شکرگزار بنو اور ناشکری مت کرو۔ پھر اگر ہمارے نام کو پھیلانا چاہتے ہو تو اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (153:2) اس راہ میں تمہیں جس قدر مشکلات کا سامنا ہو، ان میں صبر اور صلوٰۃ سے مدد چاہو۔ جب تم ایک بات پر قائم ہو جاؤ، پھر مردانہ وار اس پر قدم بڑھاؤ اور مشکلات کا مقابلہ صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ کرو۔

اس کے بعد ایک گروہ کا ذکر کیا فرمایا: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. (154:2) اور ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کا نام بلند اور اشاعتِ اسلام کرتے ہوئے مارے جائیں، ان کو مردہ مت کہو۔ وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ مگر تم اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے دیتا ہے، وہ فی الحقیقت زندہ ہے۔ اس کی روح دنیا پرستی کی تاریکی سے نکل کر روشنی اور زندگی حاصل کر لیتی ہے۔ وہ اپنے جان و مال اور ثمرات کے نقصان کی خدا کی راہ میں کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

آگے چل کر فرمایا: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (158:2) یہ صفا اور مروہ بھی خدا کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے والوں کی یادگاریں ہیں۔ پس ان کی زیارت بھی تمہارے سبق کے لیے مقرر کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَابَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ. (159:2) وہ لوگ جو تعلیمات الٰہیہ کی اشاعت نہیں کرتے بلکہ ان کا کتمان کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے ان کو اس کی کھول کر تاکید کی تھی۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جو خدا کی رحمت سے دور اور نیکیوں کے فیض سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی تعلیم کو بھیجتا ہی اس لیے ہے کہ اس کو لوگوں میں پھیلایا جائے۔ مگر ان کے پیرو اس فرض کے بجالانے میں سستی کرتے ہیں۔ خدا اور نیکوں کی جماعت سے محروم اور مردود ٹھہرائے جاتے ہیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے سپرد ایک اور کام کیا ہے۔ اور وہ قبلہ کی حفاظت ہے۔ وہ قبلہ جو خدائے واحد کی سب سے پہلی یادگار ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے خود ہی فرمایا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا (96:3) سب سے پہلا گھر، جو دنیا میں خدا کی عبادت کے لیے بنایا گیا، وہ یہی کعبہ ہے۔ اور آخر میں رسولؐ بھیج کر اس کی حفاظت اس کے سپرد کی ہے۔ دنیا کے سب معبد گر جائیں گے، مگر وہ کبھی نہ گرے گا۔ اس کی حفاظت خدا کے سپرد ہے۔ اس کو کوئی دشمن گرا نہیں سکتا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگرچہ دجال تمام دنیا میں پھر

نکلے گا۔ اوراس گھر کے اردگرد بھی پہنچ جائے گا، تاہم وہ اس کے اندر داخل نہیں ہو سکے گا۔

غرض اس جگہ دو گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک گروہ تو وہ ہے جو خدا کی راہ میں جان دیتے ہیں۔ اوراپنا سب کچھ خدا کے لیے قربان کر دیتے ہیں۔ فرمایا ان کو مردہ مت کہو۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا نام پھیلانے میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ مگر وہ ان کو صبر کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی یادگار صفا اور مروہ ہے۔ فرمایا یہ زندہ گروہ ہے۔

اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ جو اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی (159:2) کا مصداق ہے۔ وہ اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت اور روشنی کے لیے نازل کی ہے، چھپاتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ ایسی قوم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور کُل لوگوں کی لعنت ہوتی ہے۔

یہی کام اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں تمہارے سپرد کیا ہے۔ اوراس پر قرآن کریم نے اس قدر تاکید کی ہے۔ پھر تم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم نے اس فرض کو کہاں تک ادا کیا ہے۔ اور کتنے گھروں، ملکوں اور شہروں میں اسلام کے پیغام کو پہنچایا ہے۔ وہ بات کہ جس کے لیے قرآن کریم نے اس قدر زور دیا ہے۔ اوراس کو مسلمانوں کا قبلہ مقصود قرار دیا ہے۔ بلکہ یہاں تک تاکید کی ہے کہ وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَاکُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ (150:2) جہاں کہیں بھی تم ہو۔ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ کسی شغل میں ہو۔ کوئی پیشہ کرتے ہو۔ تجارت کر رہے ہو یا کوئی اور پیشہ، غرض تم کہیں بھی ہو مگر اس قبلہ کو نہ بھولو۔

یہ تعلیم کس لیے ہے؟ اس لیے کہ تم خدا کے نام کو بلند کرو۔ اوراسی لیے مسلمانوں کے اتحاد کو ہی قبلہ پر رکھا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَاتُکَفِّرُوْا اَھْلَ قِبْلَتِکُمْ۔ یہ نبی کریم ﷺ کے منہ کے الفاظ ہیں۔ آج کل مسلمان ان الفاظ کی پرواہ نہیں کرتے۔ اوراس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی عذر نکلے تو لوگوں کو کافر بنائیں! حالانکہ نبی کریم ﷺ نے اس کو کسی مسلمان کے قتل کے برابر قرار دیا ہے۔ اور ہمارے علماء محققین نے بھی ہر زمانہ میں تکفیر مسلمان کو روکنے کی بڑی بڑی کوششیں کی ہیں۔ اوران کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ کسی طرح کوئی کافر نہ کہے۔

چند دنوں کی بات ہے کہ میاں محمود احمد صاحب کے ایک مرید نے مجھ سے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے تو پھر تو آپ کو مجبوراً اس کو کافر کہنا پڑے گا۔ میں نے کہا کہ میں نے تو قرآن کریم اور حدیث میں یہ کہیں نہیں لکھا ہوا دیکھا کہ مدعی نبوت کو کافر کہنا بھی تمہارا فرض ہے۔ جو شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے، اس کے متعلق میرا یہ فرض قرآن وحدیث نے کہیں نہیں بتلایا کہ میں اس کے لیے کفر کا فتویٰ بھی تیار کروں۔ یہ صرف منہ سے کہہ دینے ہی کی بات نہیں۔ گزشتہ سال ہی میاں صاحب کے مخلص مریدوں میں سے ایک شخص، جو اچھا اور نیک آدمی تھا، اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ انہوں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ جب نبوت کا دروازہ ہی کھل گیا، تو پھر نبی بھی جلد جلد کثرت کے ساتھ آنے چاہئیں، مگر ہم نے تو اس کو بھی کافر نہیں کہا۔ پس میں تو ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑتا ہوں۔ خوب یاد رکھو کہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، تو ہم کون ہیں کہ اس کو کافر کہیں؟ ایک شخص خدا تعالیٰ کے دین میں داخل ہوتا ہوا اور ہم اس کو دین سے خارج کریں؟

چند روز ہوئے ایک خطبہ جمعہ میں میں نے کہا کہ جو لوگ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں، وہ رشتہ اسلام کو برباد کرنے والے ہیں۔ اس پر اخبار الفضل نے ایک شور مچا دیا کہ ہم پر حملہ کر دیا۔ یہ کیا اور وہ کر دیا۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو کافر کہنا برا کام ہے، تو اس سے بیزاری کا اعلان کرواور اس کو چھوڑ دو۔ اور اگر یہ اچھا کام ہے، تو پھر اس اقرار اور انکار کے کیا معنی! مرد بنو اور میدان میں نکل آؤ۔ مگر یاد رکھو کہ مسلمانوں کو کافر کہنا ایک بد ترین کام ہے، جو تم کر سکتے ہو۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی بھر کی محنت اور صحابہ کرامؓ کی کمائی کو، جو انہوں نے اپنی جان و مال کو قربان کر کے حاصل کیا تھا، اس کو تم برباد کرتے ہو۔ پانچ کروڑ کافر اور تم پانچ لاکھ مسلمان کہلانے والے رہ گئے! اس سے بڑھ کر اسلام پر مصیبت کا دن کیا آئے گا کہ 49 کروڑ 95 لاکھ مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے! پس یاد رکھو کہ قرآن کریم نے ہمارا نصب العین کافروں کو مسلمان بنانا مقرر کیا ہے، نہ کہ مسلمانوں کو کافر بنانا۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور اس قرآن کو دنیا میں پھیلانا خود مسلمانوں کے گھروں میں، ان کے کانوں میں، بلکہ دلوں تک پہنچاؤ، تمہارا فرض ہے کہ جو تمہارے سروں پر رکھا گیا ہے۔ جب تک تم اپنے آپ کو اس کام کے لیے خاص نہ کرلو، اور اپنی زندگیوں کا مقصد اسی کو قرار نہ دے لو، اس میں کامیابی نہیں حاصل کر سکتے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں کہیں اشاعت کو فرض ٹھہرایا ہے، وہاں تمام مسلمانوں میں سے

ایک جماعت کو اس کام کے لیے مخصوص کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (104:3) سارے کے سارے مسلمان اس کام پر نہیں لگ سکتے۔ اسی لیے خدا کے پُر حکمت کلام نے کہا کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ جس کا کام ہی یہی ہو۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (122:9) کُل کے کُل مسلمان اس کام کے لیے نہیں نکل سکتے۔ پس ان میں سے ایک تفقہ فی الدین کرنے والا گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لیے نکل کھڑا ہو۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم کے برابر دنیا میں کوئی پر حکمت کلام نہیں۔ جہاں تبلیغ دین کا ذکر کیا تو اس کو کل مسلمانوں کا فرض قرار دے کر اس کو اپنا نصب العین بنانے کی تعلیم دی۔ فرمایا: وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (144:2) کہیں بھی تم ہو تم اسی مسجد حرام کو اپنا نصب العین ٹھہراؤ۔ اور تم سب کا مقصد ایک ہی ہو۔ اور جہاں کہیں دین پھیلانے والوں کا ذکر کیا تو ایک جماعت کو خاص کر دیا۔ جو اپنی زندگیوں کو اسی کام کے لیے وقف کر دے اور ان کا کام سوائے اس کے اور کچھ نہ ہو۔

ہم سب لوگ، جو اس وقت یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، ہم نے اسی نصب العین کو اپنے سامنے رکھا ہے۔ دنیا میں خدا کے نام کو ہم نے بلند کرنا ہے۔ خدا کا پیغام دنیا کو پہنچانا ہے۔ اور دنیا کو مسلمان بنانا ہے۔ اور جس طرح سے ہر ایک مسجد سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی آواز بلند ہوتی ہے، اور دنیا میں اس طرح کسی گرجے یا مندر سے خدا کا نام تو بلند نہیں کیا جاتا۔ دنیا میں ایک ہی آواز ہے جو ہر مسجد سے بلند ہوتی ہے۔ پس جس طرح سے یہ آواز تمام دیوی دیوتاؤں اور جھوٹے معبودوں کی آواز پر غالب اور بلند ہے، اسی طرح ایک دن خدا کے نام نے اور اسلام نے دنیا پر غالب آنا ہے۔ مگر اس میں کامیابی ہو نہیں سکتی، جب تک کہ تم سب مل کر اس کو اپنا نصب العین نہ ٹھہرا لو۔ تمہارے اندر اس کے لیے ایک جوش ہونا چاہئے۔ اور ہر ایک کے دل میں یہی تڑپ ہونی چاہئے کہ میں اس کارِ خیر میں اپنے مال سے، جان سے اور وقت سے معاون ہو جاؤں۔ جب یہ ایک ہی تڑپ تم سب کے اندر پیدا ہو جائے، تو پھر اس میں کامیابی یقینی ہے۔ جب ایک قوم کی قوم کسی مقصد کو اپنے سامنے رکھ لے تو اس سے دنیا میں

بڑے بڑے کام ہو جاتے ہیں۔تم اس طرح سے مل کر دنوں کے اندر دنیا میں انقلاب پیدا کر سکتے ہو۔اس نصب العین کو سامنے رکھ کر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے ایک دنیا کے اندر انقلاب پیدا کیا۔اور سلطنت وحکومت اور دنیا کے خزانوں کو حاصل کیا۔مگر بعد میں یہ نصب العین مسلمانوں کی نظروں سے گر گیا۔اور بادشاہت،غروراور فخر نے ہمیں یہ اپنا فرض بھلا دیا۔اس وقت مسلمانوں کے دلوں میں یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ہماری یہ سلطنت ایک دن جاتی رہے گی اور مسلمان بھی کبھی محکوم ہو جائیں گے۔

فقہ کی کتابوں کو پڑھ کر دیکھو کہ انہوں نے جس قدر مسائل کی تخریج کی ہے،اس میں صرف بادشاہت اور حکومت،مسلمانوں کی ملک سمجھ کر کی ہے۔ہاں! بادشاہت اور حکومت تو مسلمانوں کو ملی اور ایسی ملی کہ کیا کسی قوم کو ملے گی! مگر مسلمانوں نے اس میں منہمک ہو کر اپنے مقصد کو ترک کر دیا۔اور جس ذریعہ سے ان کو حکومت ملی تھی،اس مقصد کو بھلا کر دنیا کو اپنا مقصد بنالیا،تو خدا نے بھی ان کو تختِ حکومت سے گرا دیا۔اور اب ان کی سلطنت کہیں کہیں برائے نام ہی نظر آتی ہے!

اپنے پہلے بزرگوں کے کارناموں کو پڑھو تو معلوم ہوگا کہ جس چیز نے دنیا میں اسلام کو پھیلایا۔وہ بادشاہت اور حکومت نہ تھی۔بادشاہت تو صرف جسموں پر حکومت کرسکتی ہے۔مگر وہ لوگ جنھوں نے دین کو اور اس کی اشاعت کو اپنا منتہائے نظر بنایا،ان کی سلطنت دلوں پر تھی۔مسلمانوں کی سلطنت دنیا سے نہیں اٹھی،جب تک کہ مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی محبت نہیں اٹھی۔اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ محبت نے ان کو دنیا کا محبوب بنا دیا تھا۔جو لوگ خدا کے دین کے ساتھ محبت کرتے ہیں،پھر خدا تعالیٰ بھی ان کا دوست ہو جاتا ہے۔جیسا کہ خود بھی فرمایا سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا (96:19)۔ایسے لوگوں کا دوست ہو جاتا ہے۔جب تک کہ خدا کی محبت اور خدا کے دین کی محبت مسلمانوں کے دلوں سے نہیں اٹھی،دنیا کے دلوں سے بھی ان کی محبت نہیں اٹھی۔

جب مسلمانوں نے اپنی نظر اللہ تعالیٰ کے دین اور اشاعتِ اسلام سے اٹھالی اور اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہونے لگے اور دین بدنام ہو گیا،تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے مجدد کے ذریعہ سے پھر اس عہد بیعت کو تازہ کیا کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے۔اس کو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی بیماری کی جڑ سے خبر دی کہ انہوں نے دنیا کو دین پر مقدم کر لیا ہے۔اب تم دوبارہ ان کو اس راہ پر لاؤ کہ جس کو وہ ایک مدت سے ترک کر چکے

ہیں۔اورآیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْ بَعْدِ مَابَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ.(159:2) کے ماتحت بیّنات اور ہدایت چھپانے کے سبب سے کہ جو ان لوگوں میں تبلیغ کے لیے دی گئی تھی، خدائی رحمت سے دور ہو چکے ہیں۔اوراب چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کو چھوڑ دیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو چھوڑ دیا ہے اور وہ اس قدر دنیا میں ذلیل ہو گئے ہیں۔ ہاں! میں اس امر سے انکار نہیں کرتا کہ اب بھی مسلمانوں میں ہزاروں لوگ ہیں کہ جو اس کام کو کر رہے ہیں۔ یا افریقہ میں ایک طرف عیسائیت کام کر رہی ہے۔ اور بڑے زور کے ساتھ مشنری بھیج بھیج کر روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ لاکھوں روپیہ کی کتابیں شائع کی جاتی ہیں۔ دوسری طرف مسلمان ہیں کہ جن کا باقاعدہ مشن نہیں۔معمولی تاجر ہیں کہ جنہوں نے وہاں ہزاروں لوگوں کو مسلمان کر لیا ہے۔صرف دنیا کے مال خرچ کرنے سے یہ باتیں حاصل نہیں ہوتیں، جب تک کہ مذہب میں صداقت موجود نہ ہو۔

اس سے یہ ظاہر ہے کہ لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کے جوئے کے نیچے آنے کے لیے تیار ہیں۔ ہاں! اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں میں جو جوش تبلیغ دین کا پہلے تھا، اب اس کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ اور جو جوش اور تڑپ اعلائے کلمۃ اللہ کی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں چاہتا ہے، وہ آج مفقود نظر آتی ہے۔ اور اگر بعض نیک دل افراد اپنے طور پر افریقہ میں اس کام کو کر رہے ہیں، تو دوسری طرف مہذب اور تعلیم یافتہ دنیا میں اشاعتِ اسلام کی طرف سے مسلمان بالکل غافل ہیں، بلکہ اس کام سے قریباً مایوس ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ عیسائیوں کو یہ کہنے کی جرأت پیدا ہوگئی کہ اسلام صرف نیم وحشی لوگوں کو اپنے اندر جذب کر سکتا ہے۔تعلیم یافتہ اور مہذب قوموں پر اس کا کچھ اثر نہیں!

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے مجدد کو مبعوث کیا کہ ان مہذب قوموں میں تبلیغ اسلام کر کے ان کی گردنیں، باوجود مسلمانوں کی مغلوبیت جسمانی کے، اسلام کی روحانی طاقت کے سامنے جھکا کر، اپنی قدرت کا اظہار کرے اور اس خیال کے بوداپن کو ظاہر کرے کہ چونکہ یورپ نے تمدن کو حاصل کر لیا ہے، اس لیے وہ اسلام کو قبول نہیں کر سکتا۔مگر یاد رکھو کہ یورپ کے لوگ اسی طرح اسلام کے جھنڈے تلے آنے کے لیے تیار ہیں کہ جس طرح افریقہ کے لوگ۔

اس بات کو اللہ تعالیٰ نے آدم کے تذکرہ میں صاف طور پر بتلا دیا ہے کہ انسان علم کے ذریعہ سے اور بجلیوں اور طاقتوں کے ساتھ طمانیت حاصل نہیں کر سکتا۔ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (19:7) میں یہ اشارہ ہے کہ صرف روٹی ہی انسانی روح کی آگ اور تڑپ کو بجھا نہیں سکتی۔ اور نہ حکومت اور سلطنت ہی انسانی دل کو مطمئن کر سکتی ہے۔ بلکہ یہ حرص دنیا کی آگ، جس قدر دنیا ملے، اسی قدر تیز ہوتی ہے۔ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (30:50) کی آواز نکلتی ہے۔ ان چیزوں سے اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ برباد ہو جاتا ہے۔

دنیا کا یہ اصول صحیح نہیں کہ مادہ روح پر غالب آ سکتا ہے۔ مادی طاقتیں کبھی روحانی طاقتوں پر غالب نہیں ہو سکتیں۔ ہمیشہ روح ہی مادہ پر غالب رہی ہے اور رہے گی۔ اور مادہ ہی ہمیشہ روح کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ قرآن کریم نے گزشتہ نبیوں اور ان کی قوموں کے جو تذکرے بیان کیے ہیں۔ ان سب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہمیشہ روحانی طاقتیں ہی مادی طاقتوں پر غالب آئی ہیں۔ اور اسی بات کو موسیٰؑ اور فرعون کے تذکرہ میں کھول کر بیان کیا ہے کہ فرعون اپنی انتہائی مادی طاقت کے باوجود کس طرح موسیٰؑ کی قوت قدسی کے سامنے مغلوب ہو گیا۔ اسی راز کو قرآن کریم نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (21:59) یہ وہ روحانی طاقت ہے کہ جو مادی طاقت کے اگر پہاڑ بھی ہوں تو ان کو گرا دیتی ہے۔ پس یہ وہی طاقت ہے کہ جس نے دنیا میں ہمیشہ مادی طاقتوں کو مغلوب کیا۔ پھر آج اس کی طاقت سے کیوں مایوس ہو۔ یہ یقین کی کمی ہے۔ ورنہ یاد رکھو کہ دنیا میں جو کچھ ہوا، اسی روحانی طاقت سے ہوا۔ اور جو کچھ ہوگا، روحانی طاقت سے ہوگا۔

آج ہمارے سامنے ایک جذبہ اور طاقت ہے کہ جس کی طرف لوگ کھچے چلے جاتے ہیں۔ اس سے میرا مطلب پولیٹکل جذبہ ہے۔ چند دنوں میں ملک کے اندر اس نے کس قدر انقلاب پیدا کر دیا ہے! لوگ پوچھتے ہیں کہ چند دنوں میں اس قدر انقلاب کیونکر ہو گیا ہے! اس کی وجہ یہی ہے کہ چند لوگوں نے اس کے لیے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے اپنی جماعت کو اس سے الگ کیوں کر رکھا ہے۔ قربانی کی یہ روح جماعت کے اندر پیدا کرنی چاہتے ہو، تو ان تحریکات میں اس کو حصہ لینے دو۔ مگر میں نے ابتدا سے یہی کہا ہے کہ

تمہارے سامنے بڑی بڑی باتیں آئیں گی۔اور لوگ تمہیں ان کی طرف بلائیں گے،مگر تم نے اپنے نصب العین کو نہ بھولنا۔

سوراجیہ بڑی چیز ہے۔مگر اشاعتِ اسلام اس سے بڑھ کر مسلمانوں کی موت اور زندگی کا سوال ہے۔ مسلمانوں کا مقصدِ زندگی، دولت اور حکومت کو حاصل کرنا نہیں۔اگر ہماری زندگی کی غرض دولت وحکومت ہوتی، یا ہمارا نصب العین اور منتہائے مقصود اگر سلطنت اور بادشاہت کا حاصل کرنا ہوتا، تو اس وقت، جب کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے دولت اور بادشاہت پیش کی جاتی تھی، اور یہ کہا جاتا تھا کہ آپ جس قدر دولت چاہتے ہیں، ہم آپ کے سامنے حاضر کرنے کو تیار ہیں، اور اگر آپ بادشاہت کی تمنا کرتے ہیں،تو ملک عرب کی بادشاہت ہم آپ کے سپرد کرنے کو تیار ہیں۔مگر تبلیغِ اسلام اور توحید کا پیغام پہنچانے سے آپؐ باز رہیں،تو اس وقت آنحضرت ﷺ ان چیزوں پر لات مار کر اپنے نصب العین پر قائم رہتے ہیں۔اس سے یہ ظاہر ہے کہ آپ کا نصب العین سلطنت اور دولت کا حصول نہ تھا۔مگر آج تمہاری نظر سوراجیہ اور حصولِ دولت کی طرف پھرتی ہے۔یاد رکھو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ نصب العین نہ تھا۔ان کا نصب العین صرف اشاعتِ اسلام تھا۔اور اسی تبلیغ دین کے ذریعہ سے انہوں نے حکومت و دولت کو حاصل کیا۔اب بھی اگر تم چاہتے ہو تو اس کے ذریعہ سے کامیاب ہو سکتے ہو۔پس تم سوراجیہ کی طرف سے اپنی نظر پھیر لو اور خدا کا نام پھیلانے کو اپنا نصب العین قرار دو۔تو دولت وحکومت تمہیں خود بخود مل رہے گی۔اگر اس راہ پر چل کر کامیاب ہونے والوں کا نمونہ تمہارے سامنے نہ ہوتا،تو بھی قرآن کریم کی تعلیم اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں تمہیں اسی راہ پر چلنا چاہئے تھا۔

مگر غور تو کرو کہ ولایت (انگلستان) میں کس طرح تھوڑی سی کوشش سے چار سو انگلش نژاد تعلیم یافتہ لوگ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں؟ ان لوگوں میں لارڈ ہیڈلے جیسے معزز اور پکتھال جیسے مصنف اور بڑے بڑے پروفیسر ہیں۔اگر یہ نمونہ سامنے نہ بھی ہو،تو پھر بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کی تبلیغ ان ممالک میں کر کے اپنے فرض کو ادا کرتے۔اور اسلام کی نسبت جس قدر غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں،ان کو دور کرتے۔یہ کام ایک عشق اور جنون اپنے اندر پیدا کیے بغیر نہیں ہو سکتے۔

سوراجیہ کے حصول کے لیے جدوجہد تو کجا، اگر تمہارے سامنے لا کر بھی اس کو رکھ دیا جائے،تو اشاعتِ

اسلام کے مقابلہ میں تمہاری نظر اس کی طرف نہیں اٹھنی چاہئے۔ یہ لوگ سوراجیہ کے لیے کس قدر قربانیاں کر رہے ہیں۔ان کی جان نثاریوں سے تم سبق سیکھو۔تم میں سے کوئی اشاعتِ اسلام کرنے کی وجہ سے جیل میں نہیں گیا۔مگر ان کو دیکھو کہ وہ کس طرح اپنی جائیدادوں کو کوڑیوں کے مول بیچ کر پہلے تو ہجرت کر گئے۔اور اب کس جوش کے ساتھ جیل جانے کے لیے تیار نظر آتے ہیں؟ مگر جب ہم ایک شخص کو باہر تبلیغ کے لیے بھیجنا چاہتے ہیں،تو وہ کہتا ہے کہ میرے عیال کا بھی انتظام کرو۔تاہم ان کو دیکھو کہ وہ اپنے بال بچوں کی ذرا بھر پروانہیں کرتے۔اور کوئی نہیں پوچھتا کہ ان کے بال بچوں کا پیچھے کیا حال ہوگا۔ایک سوراجیہ کی خاطر انہوں نے سب کچھ قربان کر دیا ہے! میں ان کی قربانیوں کی تحقیر نہیں کرتا بلکہ ایسی تحقیر کو بُرا سمجھتا ہوں۔ ہاں! اس کلمہ حق کے کہنے سے بھی رک نہیں سکتا کہ سوراجیہ سے بہت بلند وہ نصب العین ہے، جو اول قرآن نے اور پھر آج اس صدی کے مجدد نے ہمارے سامنے رکھا۔اور وہ ہے انبیاءؑ کے نقش قدم پر تبلیغ دین اور اشاعت حق کرنا اور دنیا کو نیکی کی راہوں کی طرف بلانا۔

اشاعتِ اسلام اور سوراجیہ دو مقصد ہیں،جن میں یقیناً اشاعتِ اسلام بلند تر بلکہ بہت ہی بلند مقصد ہے۔قربانیاں ان مقاصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔اگر سوراجیہ کو نصب العین بنانے والے اس سے بڑھ کر قربانیاں کرنے والے ہیں، جو اشاعتِ اسلام کو اپنا نصب العین بنانے والوں نے کی ہیں، یا کرنے کو تیار ہیں،تو وہ اپنے مقصد کو جلد تر حاصل کر لیں گے۔مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ سوراجیہ اشاعتِ اسلام سے بلند تر مقصد ہے۔ میں اس بات کو مان لیتا ہوں کہ ان کی قربانیاں زیادہ ہیں۔مگر محض قربانیاں کرانے کے لیے میں ایک بلند مقصد کو چھوڑنے یا اسے چھوڑانے کا مشورہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔اشاعتِ اسلام یا حق کو پھیلانے کے لیے بھی لوگوں نے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں۔ بلکہ سب سے بڑھ کر بے غرض اور سب سے بڑی قربانیاں دنیا میں ہمیشہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہوئیں ہیں۔اگر میں تم سے وہی قربانیاں نہیں کرا سکتا تو یہ میرا قصور ہے۔مجھ میں وہ قوت بیان نہیں کہ ایک ایسے پیارے مقصد کو تمہارے سامنے محبوب بنا کر رکھ دوں کہ تم اپنے مال اور جان کو اس پر فدا کر دو۔مجھ میں وہ آگ نہیں،جس سے تمہاری دنیا کی محبت کو جلا دوں۔لیکن اگر میں کمزور ہوں اور ان الفاظ کا مصداق ہوں وَيَضِيْقُ صَدْرِىْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ (13:26) میرا سینہ تنگ ہے اور زبان نہیں کھلتی، وہ دلائل نہیں ملتے، جن سے اپنے مقصد کو واضح کر سکوں اور میری زبان میں وہ گویائی نہیں کہ میں تمہیں مسحور کر سکوں، تاہم یہ بھی مجھ

سے نہیں ہوسکتا کہ تمہاری نظروں کو اس بلند مقصد سے پھر جانے دوں، جس پر تمہیں مجدد زمانہ نے قائم کیا ہے، تو مجھ سے بہتر آدمی اللہ تعالیٰ اس کام کے لیے کھڑا کر دے گا، جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے بڑی بڑی قربانیاں کرا سکیں۔ لیکن اگر نصب العین ہی سامنے نہ رہا، تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

تاہم میں اس امر کو نہیں دیکھ سکتا کہ تمہارا نصب العین بدلا جائے اور تم اشاعتِ اسلام کو چھوڑ کر اپنی زندگی کا مقصد کسی اور چیز کو بناو۔ یہ تمہارا فرض ہے کہ دنیا میں تم قرآن کی اشاعت کرو۔ یہ عہد ہے جو تم نے اس زمانے کے مجدد کے ساتھ باندھا اور اس نے خود عمر بھر اسی کام کو کیا۔ اور اس کے بعد اب اس انجمن نے اسی کام کو اپنے ذمہ لیا ہے۔ پس تمہارے سامنے بڑا کام ہے اور تم میں سے بہت لوگوں نے بڑا کام کیا ہے۔

میں مدح کو بُرا سمجھتا ہوں۔ اور خاص کر کسی کا نام لے کر مدح کرنا تو مجھے بہت ناپسند ہے۔ لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہماری جماعت نے جو کام کیا ہے، وہ بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ قرآن کی اشاعت کوئی معمولی سا کام نہیں۔ ہزاروں دلوں کے لیے یہ ہدایت کا موجب ہو رہا ہے۔ پھر گزشتہ سال ہم نے تحریک کی تو انہی لوگوں نے ایک لاکھ جمع کر دیا۔ یہ اس چھوٹی سی جماعت نے قربانی کی ہے۔ اگر سب مسلمانوں میں اسی طرح روح ہو تو دنیا میں کچھ کا کچھ کر دیں۔ اگر آج لوگ ملک کے لیے قربانیاں کر رہے ہیں، اور اپنی ملازمتوں اور وکالتوں کو چھوڑ رہے ہیں، تو تم میں بھی وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے بہت کچھ قربانی کر کے اشاعتِ اسلام کو اختیار کیا ہے۔ اور خدا کے لیے اپنے کاروبار کو چھوڑ دیا ہے۔ اس چھوٹی سی جماعت نے ستر ہزار روپیہ قرآن پر خرچ کیا ہے۔ اس قدر کام ہو چکا ہے مگر پھر بھی یہ سمندر سے چونچ بھر لینے کے برابر ہے۔ تمہارے سامنے دنیا خالی پڑی ہے۔ جو اسلام کے نام سے ناواقف ہے۔ بلکہ بہت سے ایسے ممالک ہیں کہ جن میں اسلام کے خلاف گندے خیالات شائع ہو رہے ہیں۔ جب تم دنیا میں اس قدر بدنام ہو، تمہارا اسلام بدنام ہے، محمد رسول اللہ ﷺ بدنام ہیں۔ تو پھر تمہارے دل کس طرح مطمئن ہو سکتے ہیں۔ دنیا کی کون سی قوم ہے جو معزز نہیں بننا چاہتی۔ پھر نہ صرف یہی ہے کہ تم دنیا میں ذلیل ہو گئے ہو، بلکہ دجال تمہارے دین کو بھی مٹانا چاہتا ہے۔ جب اسلام اس قدر بدنام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو قوم بدنام ہو، اس کا ہر فرد بدنام ہوتا ہے۔ پس اس بدنامی کو دور کرنے کے لیے کس قدر کوشش بکار ہے۔ یہ ایک عظیم الشان کام ہے کہ جو تمہارے سامنے ہے۔

عیسائیت کُل دنیا میں کس قدر جدو جہد کے ساتھ کام کر رہی ہے۔ اوران کا کام اس قدر وسیع ہے کہ آج کسی ملک میں مسلمانوں کی تعداد دریافت کرنے کے لیے بھی مشنریوں کی رپورٹوں کو ہی دیکھنا پڑتا ہے۔ اس قدر کارِ عظیم کے لیے جس سرعت کے ساتھ تمہیں قدم اٹھانا چاہئے تھا، نہیں اٹھایا گیا۔ جب تم نے اس کو اپنے اوپر فرض قرار دے لیا ہے، تو پھر اس فرض کو نبھانا بھی تمہارے ذمہ ہے۔ خواہ اب اس راہ میں جان ہی دینی پڑے۔ خدا کی راہ میں اگر جان جائے تو اور کیا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو اپنی نسبت کہا ہے، وہی آرزو اور تڑپ تمہارے دلوں میں بھی پیدا ہو۔ اِنِّیۡ لَوَدِدۡتُ اَنۡ اُقۡتَلَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحۡیٰی ثُمَّ اُقۡتَلَ ثُمَّ اُحۡیٰی ثُمَّ اُقۡتَلَ۔

میرے دل میں یہ تڑپ ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ تمہارا مرشد بھی کہتا ہے کہ ؎

ایں ست کام دل، اگر آید میسّرم جانم شود فدا برہ دین مصطفیٰؐ

یہی تڑپ تم اپنے اندر پیدا کرو۔ ملک اور قوم کے لیے کس قدر قربانیاں ہوتی ہیں؟ پھر کیا تمہاری محبت خدا تعالیٰ کے دین کے ساتھ اتنی بھی نہیں کہ جتنی ان کو اپنے مقاصد کے ساتھ ہے؟ تمہاری محبت تو ان کی محبت سے بڑھ کر ہونی چاہئے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَہُمۡ کَحُبِّ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (165:2) وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور شریک پکڑ لیتے ہیں، ان کے ساتھ ایسی محبت کرتے ہیں۔ جیسی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنی چاہئے۔ مگر مومن صرف اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ پس ان لوگوں کی نسبت تمہیں اپنے اللہ کے ساتھ زیادہ سخت محبت ہونی چاہئے۔ جب دوسرے لوگوں نے اپنے من دون اللہ کے لیے اس قدر قربانیاں کی ہیں، تو مومنوں کو ان سے بڑھ کر خدا کی راہ میں قربانیاں دکھانی چاہئیں۔ اس کے لیے چند پیسوں کی قربانی ہی کافی نہیں، اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے قربان کر دینا چاہئے۔ خدا کا نام پھیلانا تمہارا کام ہے۔ اور یہ کام بہت بڑی قربانی کو چاہتا ہے۔ جب تم سورہ الفاتحہ کی اس دعا کو پڑھو تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رکھو کہ جو تڑپ اشاعتِ اسلام کی آنحضرت ﷺ کے دل میں اٹھی تھی، وہی ہمیں بھی نصیب ہو۔ جو آگ اس پاک سینہ میں مشتعل تھی، اس کی ایک چنگاری ہمارے دلوں میں بھی ہو۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ۔

20 جمادی الاول 1340ھ

قسط دوم

ہمارا نصب العین

(تقریر حضرت امیر ایّدہ اللہ بتقریب جلسہ سالانہ مورخہ 26 دسمبر 1920ء)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے کل مفصل طور پر بیان کر دیا تھا کہ ہماری جماعت کا نصب العین کیا ہے۔ اور اس کے لیے ہم کو کس قدر کوشش کی ضرورت ہے۔ اس کے متعلق میں آج بھی دو چار باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ سیکرٹری صاحب نے جو رپورٹ آپ لوگوں کے سامنے پڑھی ہے، اس پر دو چار باتیں کہوں گا۔ آپ لوگ شاید اس رپورٹ کرسن کر خوش ہوئے ہوں گے کہ ہم نے باوجود تھوڑے ہونے کے کس قدر کام کر لیا ہے۔ لیکن شاید آپ کو علم نہیں کہ دنیا میں کس قدر مسلمان عیسائیت کا شکار ہو چکے ہیں؟ بہت سے ایسے ممالک ہیں کہ جہاں مسلمانوں نے سینکڑوں برس حکومت کی ہے۔ مگر وہاں اب مسلمانوں کا نام ونشان تک بھی نظر نہیں آتا۔ سپین میں مسلمانوں نے صدیوں تک حکومت کی ہے۔ مگر وہاں اب مسلمان کا نام تک نہیں رہا! اس طرح جہاں جہاں اسلامی ممالک عیسائیت کے قبضہ میں آئے ہیں، وہاں مسلمانوں کی آبادی دن بدن کم ہوتی چلی گئی ہے۔ اور یہی حالت جزائر میں اسلام کی بیکسی کی نظر آتی ہے۔ مسلمان دن بدن عیسائیت کے اثر کے نیچے آکر کم ہوتے جا رہے ہیں۔

یہ باتیں ثابت کرتی ہیں کہ جہاں اشاعتِ اسلام ہمارا فرض ہے، وہاں حفاظت اسلام بھی ہمارا اس سے بڑھ کر فرض ہے۔ خاموش ہو کر بیٹھ رہنا ہمارا کام نہیں۔ لاکھوں مسلمان عیسائی ہو گئے اور لاکھوں ایسے ہیں کہ عیسائیت کے اثر کے سبب سے ان کا مسلمان ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ خود پادریوں کو بلاتے ہیں اور ان کے وعظ سنتے ہیں، مگر مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔

اسی حالت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو کھڑا کیا۔ تاکہ وہ اس کام کے لیے ایک جماعت کو تیار

کرے اور وہ جماعت اس عظیم الشان کام کو اپنے ہاتھ میں لے۔اسی ارادہ خداوندی کے ماتحت ہماری جماعت نے اس کام کو اپنے سر پر لیا ہے۔اور اس میں اس کو ایک گونہ کامیابی بھی ہوئی ہے۔مگر اب تک بہت سے ممالک ایسے پڑے ہیں کہ جن میں اسلام عیسائیت کا شکار ہو رہا ہے۔فلپائن اور جاوا کے جزائر میں اس وقت مسلمانوں پر عیسائیت کا دانت ہے۔اور پادری لوگ سر توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ وہاں سے اسلام کو مٹا دیا جائے۔اسی طرح ایک ایک کر کے وہ اسلامی ممالک سے مسلمانوں کو مٹاتے چلے جا رہے ہیں۔ان کے پاس روپیہ، مال اور مشنری موجود ہیں کہ جس کے ساتھ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

مسلمانوں نے یہ سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی سب کو مسلمان بنا دے گا۔مگر یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ خود ہی مسلمانوں کی ہمت اور سعی کے بغیر لوگوں کو مسلمان بنانے والا ہوتا تو محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو اس قدر تکلیفیں اور مصیبتیں اشاعتِ اسلام کے لیے اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی پاسِ خاطر سے سب کچھ خود ہی کر دیتا۔مگر یہ اللہ تعالیٰ کی سنت نہیں۔تمہاری طرف سے پہلے جب تک قدم نہ اٹھے، اللہ تعالیٰ بھی تمہارے لیے کچھ نہیں کرتا۔جس طرح سے مسلمانوں کی سلطنتوں کو عیسائیوں نے آہستہ آہستہ کھوکھلا کر کے ان کو مٹا دیا ہے، اسی طرح پادری اسلام کے نام کو بھی مٹانا چاہتے ہیں۔سلطنتوں کا جانا تو اس قدر خطرناک نہیں، جس قدر مسلمانوں کا دنیا سے مٹ جانا اور عیسائیت کا پھیل جانا ہے۔ہمارے دوستوں کو اس طرف خصوصیت سے توجہ کرنی چاہیے۔عیسائیت کی طاقت اور روپیہ کو دیکھ کر ہمیں مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حق کی مثال اس بیج سے دی ہے کہ جو زمین کی تاریکیوں کے اندر بھی ضائع نہیں ہو جاتا، بلکہ پھوٹ کر نشو ونما پاتا اور پھولتا پھلتا ہے اور اپنے تنے پر مضبوط ہو جاتا ہے۔

اور یہ مثال اس جگہ دی ہے جہاں اسلام کے دنیا میں غالب آنے کا وعدہ کیا ہے۔فرمایا: هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ط وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا. مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًاز سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَط وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا.

(29-28:48) وہ کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اس دین کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کر دکھائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی صداقت پر شاہد ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ، اور وہ لوگ، جو اس کے ساتھ ہیں، وہ کفار کے مقابل میں نہایت مضبوط اور قوی ہیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں، تو ان کو اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی تلاش کرتے ہوئے رکوع اور سجدے کرتا ہوا دیکھتا ہے۔ ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات ہیں۔ یہ ان کی صفت تورات اور انجیل دونوں میں مرقوم ہے کہ جیسے کھیتی اپنی سوئی کو نکالتی ہے۔ پھر وہ طاقت پکڑ کر موٹی ہو جاتی ہے۔ اور پھر اپنے تنے پر مضبوط ہو جاتی ہے۔ کھیتی کرنے والے کو تو وہ بھلی معلوم ہوتی ہے۔ مگر کافر ان کو دیکھ کر غصہ میں بھر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال بجالانے والے مومنوں کے ساتھ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ یہاں ان آیات میں مومنوں کی مثال ایک کھیتی کی مانند بیان کی ہے کہ جو آہستہ آہستہ نشو ونما پا کر مضبوط اور طاقتور ہو جاتی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو تو اپنی یہ کھیتی بہت ہی پیاری معلوم ہوتی ہے۔ مگر کافر اس کو دیکھ دیکھ کر جلتے ہیں، یہاں اسلام کو بیج کی مثال کیوں دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کامیابی اسلام کو ہونے والی ہے۔ وہ اللہ کی دی ہوئی ہے۔ اپنی کوشش اور زور بازو سے اس کو حاصل نہیں کر سکتے، بلکہ جس طرح ایک کسان کا فرض صرف اسی قدر ہوتا ہے کہ وہ بیج کو زمین کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس کے بعد سوئی کو نکالنا اور اس کو مضبوط کرنا اس کا کام نہیں۔ اسی طرح تم صرف بیج کے ڈالنے والے ہو۔ پھر جس طرح ایک کسان بیج کو زمین میں ڈال کر اپنے گھر چلا آتا ہے۔ اور اس کے بعد پھر وہ بیج کچھ اپنی غذا زمین سے حاصل کرتا ہے۔ کچھ پانی سے اور کچھ ہوا، سورج، چاند اور ستاروں سے حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح تمہارا کام صرف بیج ڈال آنا ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ وہ اس کو کس طرح پھل لگاتا اور پھیلاتا ہے؟ جب خدا تعالیٰ نے تم کو کھڑا کیا تو تمہاری کتنی چھوٹی سی جماعت تھی۔ پھر کس طرح لوگوں کی توجہ کو تمہاری طرف مبذول کیا؟

پادریوں کی طرف سے یہ اعتراض مدت سے چلا آتا ہے کہ اسلام صرف غیر مہذب اور وحشی قوموں کی ہی اصلاح کرتا ہے۔ کیونکہ افریقہ میں ہی مسلمانوں کو عیسائیت کے بالمقابل کامیابی ہو رہی ہے۔ اور کسی مہذب

ملک میں نہیں ہوئی۔ اس اعتراض کا جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو اس زمانہ میں خدمت دین کے لیے کھڑا کیا اس کی توجہ کو یورپ کی طرف بھی پھیر دیا۔ تا کہ معلوم ہو کہ اسلام اُن پڑھے لکھے اور دنیوی علوم میں ترقی یافتہ لوگوں کی بھی اصلاح کر سکتا ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہو جائے کہ وہ قومیں جو اپنے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتی ہیں اور ان کو اپنے علم و ہنر پر بڑا فخر ہے، وہ اسلام کے سامنے جھک جائیں گی۔ اور اسلام جس طرح افریقہ کے وحشیوں کی اصلاح کر سکتا ہے، اسی طرح وہ یورپ کے مہذب لوگوں کو بھی ہدایت کر سکتا ہے۔ ہم نے جو باقی ممالک کی نسبت یورپ کو تبلیغِ اسلام کے لیے منتخب کیا، تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اگر یہ قومیں اسلام قبول کر لیں، تو باقی ممالک کے لوگ خود بخود ان کے اثر کو قبول کر لیں گے اور ان سے اسلام کو بڑی قوت پہنچ سکتی ہے۔ اگر اعلیٰ چیز قابو میں آ جائے، تو ادنیٰ خود قبضہ میں آ جاتی ہے۔ دوسرے لوگ خود بخود ان لوگوں کے پیچھے چلے آئیں گے۔

اسی لیے حضرت صاحب نے سب سے پیشتر اسی طرف اپنی توجہ کی۔ ورنہ ایک گاؤں کے رہنے والے اور انگریزی سے نابلد شخص کی توجہ ادھر کیونکر ہو سکتی ہے۔ خصوصاً جب کہ آپ کی مخالفت پر نہ صرف غیر مذاہب کے ہی لوگ تلے بیٹھے تھے، بلکہ خود مسلمانوں میں بھی آپ کی شدید مخالفت پھیل رہی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ دعویٰ سے چھ سال بعد تک آپ بڑی مشکل سے 313 اصحاب کی فہرست تیار کر سکے کہ جو آپ کی جماعت میں شامل ہوئے تھے۔ لیکن عین اس وقت جب ساتھیوں کی تعداد گویا کچھ بھی نہ تھی اور مخالفت کا ایک طوفان دعویٰ مسیح موعود کے ساتھ برپا ہو چکا تھا، اس شخص کے اندر کس قدر قوت موجود تھی کہ جو اپنوں اور بیگانوں کی مخالفت کے باوجود دل میں کس قدر ولولے اور حوصلے رکھتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ میں مغربی ممالک میں اشاعتِ اسلام کروں گا۔ اور انگریزی میں قرآن شریف کی تفسیر تیار کروں گا!

یہی بات بتاتی ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تھا۔ اس زبان میں وہ بات نہ کر سکتا تھا۔ ہاں! اس نے خدا کی طرف سے ہو کر یہ بات کہی اور ایک جماعت اپنے ساتھ کر لی۔ اگر اس کے اندر خدا تعالیٰ نے یہ قوت اپنے فضل سے پیدا نہ کی ہوتی تو آج ہمارا نصب العین یورپ میں تبلیغِ اسلام کس طرح ہوتا؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ جب تم تمام دنیا کے سر کو پکڑ لو گے، تو پھر دوسری قومیں خود بخود ہاتھ آ جائیں گی۔ ان ممالک میں اشاعتِ اسلام سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ قرآن کریم نے اسلام کو بیج سے جو مثال دی ہے، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ تمہارا

کام تو بیج کو گھروں سے نکال کر باہر ڈال دینا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام مسلمانوں میں سے تم ہی ہو، جو اس کام کو کر رہے ہو اور نہایت عمدگی کے ساتھ کر رہے ہو۔ مگر پھر بھی جس سرعت کے ساتھ تمہیں کرنا چاہیئے، اس طرح نہیں کر رہے۔ چند اشخاص ہیں کہ جو اس کام کو چلا رہے ہیں۔ سب کے سب افراد اس میں حصہ نہیں لے رہے۔ جو تڑپ ان چند اشخاص کے دلوں میں ہے، اگر ویسی ہی سب کے دلوں میں پیدا ہو جائے، اور کُل کی کُل قوم مل کر اس کو کرے، تو بہت جلد اس میں عظیم الشان کامیابی کی امید ہے۔ اگر ایک ذرا سی چنگاری بھی ہو تو وہ پہاڑوں کو اڑا سکتی ہے۔ مگر یہ تڑپ سب کے سینوں میں ہونی چاہیئے۔ ایک دو لوگوں کے دل کی آگ کیا کر سکتی ہے؟ پس سب کے دل میں یہی تڑپ ہونی چاہیئے کہ خدا کا نام دنیا میں بلند ہو اور اسی کے دین کی اشاعت ہو۔ جو لوگ جھوٹ موٹ خدا کا نام دنیا میں پھیلاتے ہیں، وہ بھی کس قدر کوششیں کرتے ہیں۔ تو پھر تمہاری جدوجہد کیا ان سے بڑھ کر نہیں ہونی چاہیئے؟

جو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ان کے اندر اشاعتِ اسلام کا کس قدر جوش تھا۔ اور وہ اس کے لیے کس قدر قربانیاں کرتے تھے۔ نہ صرف انہوں نے اپنے سارے کے سارے اموال کو ہی لٹا دیا تھا، بلکہ جانوں کو بھی خدا کی راہ میں دے دیا۔ پھر جن کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا، ان کے دلوں کی حالت کیا تھی؟ آپ کو ایک بہت بڑی مہم درپیش تھی۔ سب کے سب مسلمانوں نے بڑی بڑی قربانیاں اور ایثار دکھائے، مگر بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جو کوئی مالی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ صحابہؓ جنگ میں جانیں بھی دیتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی مالی قربانی بھی خود ہی کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے کوئی سرکاری خزانہ سامانِ جنگ وغیرہ کے مہیا کرنے کے لیے موجود نہ تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ایک عظیم الشان مہم تیار کرنا تھی۔ مسلمانوں میں بعض لوگ ایسے تھے کہ جو کوئی مالی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ اور وہ خود اپنے لیے سواری کا انتظام بھی نہ کر سکتے تھے۔ ان کے دل میں یہ تڑپ تھی کہ وہ بھی اسی جنگ میں شامل ہوں۔ آپ کے پاس سواری کے لیے حاضر ہوئے، آپ نے ان کو جواب دے دیا۔ قرآن کریم نے اس کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے: **وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَايُنْفِقُوْنَ.** (92:9) ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں کہ جو تیرے پاس سواری طلب کرنے

کے لیے آئے تو نے ان کو کہا کہ میرے پاس تمہاری سواری کے لیے کچھ نہیں۔ یہ سن کر وہ واپس پھرے اوران کی آنکھیں غم کی وجہ سے آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں۔ اس لیے کہ وہ خود اپنے پاس سے خرچ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

یہ وہ تڑپ ہے کہ جوان لوگوں کے دلوں میں موجود تھی۔ جب تک تم یہی کیفیت اپنے اندر پیدانہیں کرتے ،تم دنیا میں کچھ نہیں کر سکتے۔ جب تم یہ کیفیت پیدا کرلو گے،تو پھر تمہارا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ جیسا کہ صحابہؓ کا اسی تڑپ کی وجہ سے کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ جب وہ رومن امپائر جیسی سلطنت عظیم کے مقابلہ کے لیے صرف 30,000 سپاہیوں کو لے کر نکلے،تو اتنی بڑی سلطنت کو بھی ان کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔غرض یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے اپنی جان اور مال سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں مومنوں کی تعریف کی ہے، وہاں ان کے انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے رکتے تھے، ان کو منافق کہا گیا ہے۔آج مسلمان تعداد میں بہت ہیں۔ منہ سے بھی سب کچھ کہتے ہیں۔مگر خدا کی راہ میں اپنے مالوں کو قربان کرنے میں ہاتھ پیچھے کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو کسی کام میں کامیابی نہیں ہوتی۔

یہ کام جو ہم نے اپنے سر پر لیا ہے۔اوراس کا عہد زمانے کے مجدد کے ہاتھ پر کیا ہے۔اس کے لیے سب سے پہلے مال کی ضرورت ہے۔ ہماری جماعت نے اپنی رضا مندی سے دو یا تین پیسے فی روپیہ آمدنی پر ماہوار چندہ لگایا ہے۔مگر یہ تو وہ چندہ ہے کہ جو بہر حال آپ کو ادا کرنا چاہیئے۔ ورنہ سرکار اپنا حصہ آمدنی میں سے لے ہی لیتی ہے اور گردنوں کو دبا کر لے لیتی ہے۔ اگر تم اس کو اپنی خواہش اور مرضی سے ادا کرو گے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ دے گا۔ جو لوگ ہم سے تعلق رکھتے ہیں، میں ان کو واضح کر کے سنا دیتا ہوں کہ وہ چندہ جو تمہاری ماہوار آمدنی پر دو یا تین پیسہ ماہوار کے حساب سے بنتا ہے، وہ ماہوار بیت المال میں داخل ہونا چاہیئے۔ اور یہ جائز نہیں کہ اسے اپنی ضروریات پر صرف کر کے پیچھے عذر کر دیا جائے۔

غربت اور امارت کا عذر مت کرو۔غربا کا عذر تو یہ ہوتا ہے کہ ہماری اپنی گذران نہیں ہوتی۔اور امراء کو جب حساب سے بہت سا روپیہ دینا آتا ہے تو وہ گھبراتے ہیں۔مگر حق یہ ہے کہ امیر ہو یا غریب۔جس حالت میں

خدا نے رکھا ہے۔اور جو کچھ ملا ہے۔اس کے مطابق فی سبیل اللہ بھی خرچ کرنا چاہئے۔جو تنگدست ہے وہ خدا کے لیے تھوڑی سی تنگی اور اختیار کرے۔اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ رکے۔اور جو مالدار ہے، وہ یہ خیال کر لے کہ آخر یہ مال سب خدا کا دیا ہوا ہے۔اگر خدا اسے نہ دیتا تو وہ بھی اپنے غریب بھائی کی طرح ہوتا۔پس خدا نے اگر اسے زیادہ دیا ہے،تو وہ بھی خدا کی راہ میں زیادہ دے۔خدا کی راہ میں دینے میں جتنے عذر ہیں، یہ سب دنیا کے دھوکے ہیں۔اور روپیہ کی حد سے بڑھی ہوئی محبت کی وجہ سے ہے۔جب وہ اتنا بھی دین کے لیے خرچ نہیں کر سکتے،تو پھر ان کا جماعت میں شامل رہنا یا احمدی ہونے کا دعویٰ کرنا بے فائدہ ہے۔

لوگوں کا یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آج ہم سے چندے طلب کیے جاتے ہیں۔نبی کریم ﷺ کے وقت کوئی اس قسم کی رقم مقرر نہ کی جاتی تھی۔مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ صحابہ تو کُل کا کُل مال خدا کی راہ میں ہی دے دیا کرتے تھے۔کیا حضرت ابوبکرؓ،عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے وقت پر کُل مال لا کر حاضر نہیں کر دیا۔اور یہی اسلام چاہتا ہے کہ جب خدا کی راہ میں خرچ کی ضرورت ہو تو پھر کُل کا کُل مال خدا کی راہ میں ڈال دو۔صحابہؓ تو مال کے ساتھ جانیں بھی دے دیتے تھے۔مگر تمہارے لیے تو یہ ایک سہل سی راہ ہے کہ تم اپنی آمدنی میں سے تین پیسہ فی روپیہ اپنے اوپر خدا کی راہ میں دینا لازم کرلو۔اور اس کو باقاعدہ ماہوار ادا کرو۔کل چھوٹے بڑے،امیر اور غریب اگر یہ عہد کر لیں تو تم یہ ایک فرض ادا کرو گے۔اگرچہ تم میں سے بہت لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو اس سے بھی زیادہ دے سکتے ہیں۔

اس روپیہ کو خرچ کرنے کے لیے ہمارے پاس بہت سے کام ہیں۔لنڈن ایک بہت بڑا شہر ہے۔وہاں ہمارا ایک چھوٹا سا مشن ہے کہ جس نے تھوڑے سے عرصہ میں بہت ترقی کی ہے اور بے نظیر ترقی کی ہے۔وہاں نہ صرف صدہا لوگ مسلمان ہی ہوئے ہیں، بلکہ مسلمان طالب علم بھی، جو مختلف اکناف عالم سے وہاں جاتے ہیں، عیسائیت اور دہریت کے اثر سے بچے رہتے ہیں۔اس کے متعلق آپ لوگوں کو کافی طور پر واقفیت ہے۔اس کے علاوہ یورپ کے اور مقامات میں بھی مشنوں کی ضرورت ہے۔تھوڑے دن ہوئے اس خیال سے ہم نے جرمنی میں مشن بنانے کی غرض سے کچھ روپیہ جمع کرنے کی کوشش کی۔اور اپنے چند احباب سے دو ہزار کے قریب روپیہ جمع کر کے اس سے جرمنی کا سکہ مارک خرید کرنے کے لیے وہاں بھیج دیا۔تا کہ وہ آئندہ مبلغین کے کام آئے۔اس

میں جو احباب شامل ہیں۔ سوسو روپیہ ان کی طرف سے وصول ہو چکا اور بھیجا جا چکا ہے۔ اس کے بعد اور بھی 14 احباب نے سوسو روپیہ سالانہ دینا منظور کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی لوگ ہیں جنہوں نے اس فنڈ میں روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ بعض نے پچاس پچاس روپیہ کا وعدہ کیا ہے۔ (ان کے ناموں کی فہرست علیحدہ شائع کر دی گئی ہے۔ ایڈیٹر) یہ مستقل چندہ کے طور پر ہیں ان مشنوں کے اخراجات کے لئے، کہ جو ہم جرمنی اور امریکہ میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔

سرِ دست تجویز یہ ہوئی ہے کہ دو مشن کھولے جائیں۔ ایک تو جرمنی میں کھولنا ضروری ہے۔ تا کہ ان حالات سے، جو کہ جنگ کی وجہ سے وہاں پیدا ہو گئے ہیں، اور دلوں کی حالت بدل گئی ہے، ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ دوسرا مشن امریکہ میں کھولنے کی تجویز ہے۔ اس کے لیے ایک خاص رقم لائل پور کے شیخ صاحبان کی طرف سے گویا وصول ہو چکی ہے۔ ان مشنوں میں حصہ لینے والوں میں ایک مستری یعقوب علی صاحب جموں کے بھی ہیں، جو بظاہر معمولی سے آدمی نظر آتے ہیں۔ مجھے کل ان کی ہمت پر بڑا رشک آیا کہ جب انہوں نے کھڑے ہو کر یہ بیان کیا کہ وہ معمولی معمار کا کام کرتے ہیں۔ انہوں نے پچاس روپیہ سالانہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور اس کام میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ معمولی معمار نہیں، بلکہ جو ہمت انہوں نے دکھائی ہے، اس کی وجہ سے وہ اسلام کی عمارت کے معمار بنتے ہیں۔

اسی طرح اگر ہم آج اسلام کی عمارت کے معمار اور مزدور بن جائیں، تو ہم دنیا میں بہت سا کام کر لیں اور اسلام کی عمارت کو شاندار بنالیں۔ بعض لوگوں نے پچیس پچیس روپے کے وعدے کیے ہیں۔ باقی کے لیے میں اب اپیل کرتا ہوں کہ دوسرے احباب اس غرض کے لیے چندہ دیں۔ اور مستقل چندہ کے علاوہ دیں۔ چھوٹے بڑے سب اس کام میں شریک ہوں۔ بڑے وہی ہیں کہ جو اپنے قول کے پکے اور وعدے کے سچے ہیں۔ اس وقت دین تمہاری امداد کو چاہتا ہے۔ اس کے لیے قدم اٹھاؤ۔ اپنے گھروں کے اخراجات پر تم کس قدر روپیہ خرچ کرتے ہو۔ خدا کی راہ میں بھی خدا کا دیا ہوا مال دل کھول کر دو۔ رات یہ تجویز ہوئی تھی کہ اگر 160 آدمی سوسو روپیہ دینے والے نکل آئیں تو 16,000 کی رقم وصول ہو سکتی ہے۔ اس کے اندر صرف اس قدر ترمیم بکار ہے کہ صرف سوسو دینے پر ہی اکتفا نہ کرو۔ تم میں ایسے بھی ہیں، جو ہزار ہزار روپے دے سکتے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے

زیادہ توفیق اور دل وسیع دیا ہے، وہ زیادہ دیں۔ اگر کوئی غیر از جماعت بھی اس میں شامل ہونا چاہیں، تو ان کو بھی شامل کرلو۔

۞۞۞

جمادی الاول 1340ھ

قسط دوم

اتمامِ حجت

(بسلسلہ پیغام صلح جلد نمبر 9 صفحہ نمبر 7 بتاریخ 19 محرم الحرام 1340ھ)

ادعائے نبوت سے جو مکفرین نے مسیح موعود کی طرف منسوب کیا اور جواب مرزا محمود احمد صاحب بھی کرتے ہیں حضرت مسیح موعود کا انکار۔

اتمام حجت (پہلی قسط) میں میں نے دکھایا تھا کہ جب کبھی ہماری جماعت کے احباب کو مخالفین کے مقابلہ پر حضرت مسیح موعود کی نبوت کی تشریح کرنی پڑی، تو انہوں نے یا تو صاف الفاظ میں اسے محدثیت قرار دیا، یا یوں کہا کہ اس لفظ سے مراد صرف لغوی معنی یعنی پیشگوئی کرنے والا ہے☆ اس دوسری قسط میں مَیں یہ دکھاؤں گا

☆ حاشیہ: الفضل میں اتمام حجت قسط اول میں جو کچھ لکھا گیا ہے میں نے اسے پڑھا ہے۔ میرے خیال میں لکھنے والے نے یا خود میرے مطلب کو نہیں سمجھا، یا کوئی جواب نہ ہونے کی وجہ سے اصل امر پر پردہ ڈال کر دوسری طرف لوگوں کی توجہ پھیرنی چاہی ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا، اس کا یہ منشا ہرگز نہ تھا کہ ان لوگوں کی تحریریں جماعت پر حجت شرعی ہیں۔ بلکہ صرف یہ لکھا تھا کہ گو موٹے موٹے خیالات کسی کے دل میں کچھ ہوں، لیکن جب مخالفین کے مقابل پر اس لفظ کی صاف تشریح کرنی پڑی، تو سوائے اس تشریح کے اور کوئی نہیں کی کہ اس لفظ نبی سے مراد محض ''اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے والا ہیں'' اور کہ یہ وہی نبوت ہے، جس سے پہلے بھی اولیاء امت اور محدثین کرام نے حصہ پایا۔ جواب میں مولوی سرور شاہ صاحب کے متعلق تو یہ کہا گیا ہے کہ ان کی اسی تحریر سے مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ یہ مسیح موعود کو نبی کہتے ہیں۔ گویا جو کچھ مولوی ثناء اللہ حضرت مسیح موعود یا کسی احمدی کی تحریر سے نتیجہ نکالیں، وہی صحیح ہوتا ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو خوش فہم مرید بھی ملے تو کہاں سے، قادیان میں! مفتی محمد صادق صاحب کی تحریر کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی اور مولوی سرور شاہ صاحب کی تحریر میں تطبیق دیتے ہوئے پھر لکھا تھا کہ'' آپ کے بعد دوسرا نبی آنے والا کوئی بھی

کہ جو غلطی آج میاں مرزا محمود احمد صاحب کو حضرت مسیح موعود کی 1901ء سے بعد کی تحریروں سے لگی ہے بعینہٖ وہی غلطی علماء کو 1891ء میں بھی 1901ء سے بہت پہلے کی تحریروں سے لگی تھی۔

میں نے کبھی لکھا تھا کہ جس طرح حضرت مسیح ناصریؑ کے معاملہ میں دو فریقوں کو غلطی لگی کہ علمائے یہود نے تو انہیں خدائی کا مدعی سمجھ کر کافر و مفتری کہا۔ اور پیروؤں نے بھی غلو کر کے انہیں خدا بنا دیا اور وہی معاملہ مسیح محمدی سے ہوا کہ علماء نے اسے مدعی نبوت سمجھ کر کافر قرار دیا، تو پیروؤں کے ایک بڑے گروہ نے بھی آخر کار غلو کر کے اسے مجدد سے نبی بنا لیا۔ پس جس طرح مسیح ناصریؑ کے معاملہ میں دونوں گروہوں مخالفین اور معتقدین کو ایک ہی غلطی لگی کہ ان کے مجازی طور پر بعض الفاظ کے استعمال کو انہوں نے حقیقی سمجھ لیا۔ یعنی انہوں نے مجاز اور استعارہ کے طور پر اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہا، مخالف علماء نے یہ سمجھ کر کہ یہ سچ مچ خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اس

بقیہ حاشیہ: نہیں، نہ نیا نہ پرانا''۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ مفتی صاحب آنحضرت ﷺ کے بعد نبی کا آنا مانتے ہیں۔ کیونکہ وہ ظلی اور فنافی الرسول کے قائل ہیں۔ اتنا بھی نہ سوچا کہ یہ اصطلاحات حضرت صاحب کی نہیں پہلے کی ہیں۔ مگر آج تک کسی نے ظلی کو اصل نہیں مانا۔ نہ فنافی الرسول کے مقام کو رسول کا مقام مانا ہے۔ نہ کوئی دلائل عقلیہ کا قائل اس طرح مان سکتا ہے۔

میر سم علی کے متعلق یہ جواب ہے کہ اگر انہوں نے 1901ء سے پہلے کی تحریروں کے حوالے دیئے تو ایسے حوالے تو خود حقیقۃ النبوت میں بھی موجود ہیں۔ یاللعجب جس حقیقۃ النبوت میں یہ صریح الفاظ ہوں کہ ''1901ء سے پہلے کے وہ حوالے، جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے، منسوخ ہیں۔ اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔'' اسی میں خود ہی مصنف وہی انکار نبوت کے حوالے بطور دلیل بھی پیش کرے۔ جس طرح مصنف ''دین الحق'' کرتا ہے! میں صرف ایک ہی حوالہ کے متعلق دریافت کرتا ہوں کہ کیا معتقدان نبوت مسیح موعود ''دین الحق'' کے اس حوالہ کو صحیح سمجھتے ہیں یا غلط کہ:

''اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آنجنابؐ کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی

بقیہ حاشیہ: نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا۔ اور قرآن کریم کا ایک شعشعہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں محدث آئیں گے۔ جو اللہ جلشانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اور نبوت تامہ کے بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور بلحاظ بعض وجوہ شان نبوت کے رنگ سے رنگین کیے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے میں ایک ہوں۔''

کی تکفیر کی۔اور متبعین نے بھی اصل حقیقت سے دور پڑ کر انہیں خدا ٹھہرایا۔اسی طرح مسیح محمد کے معاملہ میں ہوا کہ لفظ نبی کا استعمال صاف طور پر صرف بطور مجاز و استعارہ کیا (آپ کی آخری تصانیف میں سے ایک حقیقۃ الوحی میں یہ لفظ ہیں۔ سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَاعَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ)،مگر ایک طرف علماء نے اسے حقیقت پر محمول کر کے کفر کا فتویٰ دیا،دوسری طرف آج پیرو اسے حقیقت پر محمول کر کے آپ کے حق میں غلو کر کے انہیں نبی بنا رہے ہیں۔

اس کے جواب میں صاحبزادہ محمود احمد صاحب کی ایک تحریر ریویو آف ریلیجنز جلد 18 نمبر 8 میں شائع ہوئی ہے۔جس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ (یعنی میاں محمود احمد) وہ نبوت حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب نہیں کرتے جو مخالفین کرتے تھے۔اگر وہ وہی نبوت آپ کی طرف منسوب کریں تو وہ بیشک غالی کہلا سکتے ہیں۔اس لیے اب یہ بحث نہایت مختصر ہو جاتی ہے۔اور فیصلہ طلب بات صرف اس قدر رہ جاتی ہے کہ کیا میاں صاحب وہی نبوت

اگر اس حوالہ کو آج بھی غیر منسوخ مانتے ہو،جس طرح میر قاسم علی صاحب دین الحق کی اشاعت کے وقت اسے غیر منسوخ مانتے تھے،تو صرف اتنی بات کا اعلان کر دو۔اور حقیقۃ النبوۃ کے دوسرے ایڈیشن کے،اگر وہ کبھی نکلے، ٹائٹل پیج پر جلی قلم سے یہ چھپوا دو تو ہم میں اور آپ میں یہ بحث ختم ہو جائے گی اور اگر میاں صاحب کے ساتھ اسے منسوخ مانتے ہو اور غلط قرار دیتے ہو،تو یاد رکھو اسے ہی غلط قرار نہیں دیتے بلکہ حضرت مسیح موعود کے محکم ایمان کو غلط قرار دیتے ہو۔

مولوی غلام نبی صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ وہ 1899ء کے آخر میں چلے گئے تھے اور بعد ازاں 1904ء تک ان کو یہاں کے واقعات کا کوئی علم نہیں ہوا۔مولوی صاحب حلفی بیان شائع کریں کہ قادیان سے ان کی خط و کتابت نہ تھی۔ بقیہ حاشیہ: نہ یہاں سے کوئی خط ان کے نام جاتا تھا۔میر محمد سعید صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو حضرت مسیح موعود کی صحبت سے کوئی حصہ نہیں ملا۔یہ بھی عجیب قسم کی نبوت تھی کہ قادیان کے باہر دوسرے مخلص مریدوں کو سالہا سال تک اس کی خبر نہ ہوئی۔مولوی عمر الدین صاحب شملوی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ باوجود میاں صاحب کی مریدی کے اس وقت عقائد میں تمہارے ہم خیال تھے۔

یہی تو میں کہتا ہوں ایک مولوی عمر الدین کیا،اصل میں یہ سب لوگ ہمارے ہی ہم خیال تھے۔مرشد کی وجہ سے آہستہ آہستہ عقیدہ تبدیل کر لیا۔حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں ان کا یہ عقیدہ تھا۔اس کے بعد چند نام لیے ہیں کہ ان کے

حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کرتے ہیں یا نہیں، جو علمائے مکفرین نے 1891ء میں منسوب کر کے آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ اگر کرتے ہیں تو وہ اپنے منہ کے اقرار سے غالی ہیں۔

لیکن قبل اس کے کہ اس مضمون پر مکفرین اور میاں صاحب کی تحریروں کا موازنہ کیا جائے، یہ ایک اور عجیب مماثلت ہے کہ حضرت مسیح موعود کی اپنے آپ کو محدث کہنے کی جو تشریح مخالفین نے 1891ء میں کر کے آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا، بعینہٖ وہی تشریح میاں صاحب اس لفظ محدث کی کرتے ہیں۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ میاں صاحب حضرت صاحب کے فرزند ہو کر اور مرید کہلا کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ 1901ء تک یعنی ساٹھ سال سے اوپر کی عمر تک حضرت مسیح موعود کو نہ لفظ نبی کی صحیح تعریف آتی تھی اور نہ محدث کی۔ یہ مبالغہ نہیں۔ یہ میاں صاحب کی صاف تحریر کا نتیجہ ہے، جو ہم نیچے نقل کرتے ہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود جن شرائط کا محدث میں ہونا بیان کرتے تھے، وہ درحقیقت نبی کی شرائط تھیں۔ اگر نبی یا محدث ایک کے ہی صحیح معنی حضرت مسیح موعود کو آتے تو ایسی غلطی آپ ہرگز نہ کرتے۔ ہمیں یہ علم نہیں کہ میاں صاحب کے نزدیک اس امت کے پہلے محدثین کو بھی محدث کی تعریف معلوم تھی یا نہیں۔ اگر نہیں تھی تو عجیب محدث اس امت میں آئے، جن کو علم نہیں کہ محدث کسے کہتے ہیں؟ اور اگر وہ محدث کی صحیح تعریف جانتے تھے، تو مسیح موعود عجیب ہے کہ جسے ان باتوں کا بھی علم نہیں، جن کا علم ہر

حوالے کیوں نہیں دیئے گئے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ ان میں خود بھی حضرت مولوی نور الدین صاحب اور مولٰنا سید محمد احسن صاحب کا نام تک نہیں لیا۔ اس کے بعد چند حوالے پیش کیے ہیں۔ جن میں سے ایک بھی میرے سوال کے جواب میں نہیں۔ حالانکہ میرا سوال بھی خود نقل کیا ہے۔

بقیہ حاشیہ: ''کاش حقیقۃ النبوۃ کی تاریخ سے پہلے ایک تحریر دکھا دیں۔ جس میں اس لفظ نبوت کی یہ تشریح کی گئی ہو کہ اس سے مراد حقیقتاً نبوت ہے، نہ محدثیت۔''

میں لفظ نبی کی تشریح مانگتا ہوں تو یہ حوالے دیئے جاتے ہیں کہ فلاں کی تحریر میں لفظ نبی آ گیا ہے۔ مجھے لفظ نبی کی یہ تشریح دکھا دو کہ جب ہم حضرت صاحب کے لیے لفظ نبی استعمال کرتے ہیں، تو اس سے مراد فی الواقع نبوت ہے۔ میں نے لفظ نبی کی تشریح پیش کی ہے۔ جو چھ مصنفوں نے کی۔ اس کے مقابل پر کسی تحریر میں سے وہ تشریح دکھا دو، جس کا دعویٰ آج ہے۔

ایک محدث کو تھا۔ وہ محدث نہ تھا اور لکھتا رہا کہ میں محدث ہوں۔ وہ نبی تھا اور کہتا رہا میں نبی نہیں!

بہرحال میاں صاحب نے لکھا ہے کہ 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود گو اپنے آپ کو محدث کہتے اور نبوت سے انکار کرتے تھے، مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نبی کی شرائط کو محدث کی شرائط سمجھتے تھے۔ چنانچہ ''حقیقۃ النبوۃ'' صفحہ 124 پر لکھا ہے:

''خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مسیح موعود چونکہ ابتداءً نبی کی تعریف یہ خیال فرماتے تھے کہ نبی وہ ہے جو نئی شریعت لائے یا بعض حکم منسوخ کرے یا بلاواسطہ نبی ہو، اس لیے باوجود اس کے کہ وہ سب شرائط، جو نبی کے لیے واقع میں ضروری ہیں، آپ میں پائی جاتی تھیں، آپ نبی کا نام اختیار کرنے سے انکار کرتے رہے۔ اور گو ان ساری باتوں کا دعویٰ کرتے رہے، جن کے پائے جانے سے کوئی شخص نبی ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ آپ ان شرائط کو نبی کی شرائط نہیں خیال کرتے تھے، بلکہ محدث کی شرائط سمجھتے تھے، اس لیے اپنے آپ کو محدث کہتے رہے۔ اور نہیں جانتے تھے کہ میں دعویٰ کی کیفیت تو وہ بیان کرتا ہوں، جو نبیوں کے سوا اور کسی میں پائی نہیں جاتی، اور نبی ہونے سے انکار کرتا ہوں۔''

اس کے مقابل پر ''فتویٰ کفر'' میں سے ایک مکفر کی عبادت ذیل کو پڑھیے:

''اس الزام کے جواب میں شاید قادیانی یا اس کے حواری یہ دو عذر پیش کریں۔ اول یہ کہ ہر چند قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اس نبوت کا دوسرا نام محدثیت ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نبوت کے دعویٰ سے محدثیت کا دعویٰ مراد ہے۔ نہ حقیقتاً اور معناً نبی ہونے کا دعویٰ...... جواب یہ ہے کہ اگرچہ قادیانی نے یہ بات کہہ دی ہے کہ جس نبوت کا اس کو دعویٰ ہے، اس کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ اس کا دوسرا نام محدثیت ہے اور اسی محدثیت کے معنی سے نبوت کا وہ مدعی ہے۔ مگر ساتھ اس کے اس نے محدثیت کے معنی ایسے بیان کیے ہیں اور اس کی حقیقت کی ایسی تشریح کر دی ہے کہ اس سے بجز نبوت اور کچھ مراد نہیں ہوسکتا۔ (فتویٰ کفر صفحہ 77,76)

یہ تو مجھے یقین ہے کہ جناب میاں صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، وہ ''فتویٰ کفر'' میں سے نقل نہیں کیا۔ بلکہ میرا یہ گمان ہے کہ اگر ان کو یہ علم ہوتا کہ جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں، یہی خیالات پہلے حضرت مسیح موعود کے مکفرین بھی ظاہر کر چکے ہیں، تو وہ ہرگز یہ نہ لکھتے۔ مگر یہ تو اور بھی عجیب ہے۔ جن خیالات کا اظہار ایک مکفر 1891ء میں کرتا ہے۔ بعینہٖ ان ہی خیالات کا اظہار حضرت مسیح موعود کا اپنا فرزند محبت میں حد سے نکل کر آج کر رہا ہے۔ دشمن اور غلو کرنے والا دوست دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ دونوں کہتے ہیں کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو محدث کہتے ہیں، مگر محدث کا نام لے کر باتیں وہ کہتے ہیں جو نبی میں پائی جاتی ہیں۔ بغض اور محبت حد سے نکل کر دونوں کو ایک ہی مقام پر لے جا کھڑا کرتے ہیں۔ ہاں! دشمن عمداً ایک غلط پہلو اختیار کرتا ہے۔ دوست نادانستہ غلو کی حالت میں وہی بات کہہ جاتا ہے۔ ایک یہودی بھی کہتا ہے کہ مسیح ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور عیسائی بھی یہی کہتا ہے۔ گو دونوں کی نیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مگر ہمیں نیت سے بحث نہیں، واقعات سے بحث ہے۔ ہاں ممکن ہے کسی دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جب دشمن اور دوست بعض الفاظ سے ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں، تو کیوں اسی نتیجہ کو صحیح نہ سمجھا جائے؟ ہم بیشک اس بات کو قبول کر لیتے۔ لیکن حضرت مسیح موعود نے خود اس بات کو اس قدر شد و مد سے اور بار بار صاف کیا ہے کہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مکفر دشمن اور غالی دوست دونوں نے غلطی کھائی ہے۔ اور فرط عداوت یا فرط محبت میں آنکھیں بند کر کے غلطی کھائی ہے۔ جب مخالفوں نے یہ کہا کہ یہ شخص محدث کا لفظ کہہ کر باتیں وہ بیان کرتا ہے، جو انبیاء میں پائی جاتی ہیں تو اس کا جواب حضرت مسیح موعود نے کیا دیا؟ یہاں صرف آپ کی عربی عبارت کا ترجمہ دیا جاتا ہے:

> ''اور میں نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ تحدیث کا مقام مقام نبوت سے شدید مشابہت رکھتا ہے۔ اور سوائے قوت اور فعل کے ان میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے میرے قول کو نہیں سمجھا۔ بلکہ یہی کہا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا یہ قول صریح کذب ہے۔ اور اس میں ذرہ بھی سچائی کی چاشنی نہیں اور نہ اس کا کوئی اصل ہے۔ اور اس کو انہوں نے صرف اس لیے تراشا ہے کہ لوگوں کو تکفیر اور گالی اور لعن طعن پر اکسائیں اور انہیں فساد اور عناد کے لیے اٹھائیں۔ اور مومنوں میں تفریق کریں۔

اور بخدا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور اس پر بھی میرا ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ ہاں سچ ہے کہ میں نے یہ کہا ہے کہ محدث میں تمام اجزائے نبوت پائے جاتے ہیں۔ لیکن بالقوۃ نہ بالفعل۔ پس محدث بالقوۃ نبی ہے۔ اور اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو وہ بھی بالفعل نبی ہوتا...... اور کمالات نبوت سب کے سب تحدیث میں مخفی اور مضمر ہوتے ہیں۔ اور ان کا ظہور اور خروج فعل تک صرف اس لیے رک جاتا ہے کہ باب نبوت مسدود ہے۔ اور اسی کی طرف نبی ﷺ نے اپنے قول میں اشارہ کیا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ اور یہ صرف اسی لیے کہا کہ حضرت عمرؓ محدث تھے۔ پس ثابت ہے کہ نبوت کا مادہ اور اس کا تخم محدث میں موجود ہوتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ تحدیث محض ایک موہبت ہے۔ جو کسب سے ہرگز نہیں ملتی۔ جیسے کہ شان نبوت ہے۔ اور محدث اسی طرح اللہ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ جس طرح نبی ہمکلام ہوتے ہیں۔ اور محدث اسی طرح بھیجے جاتے ہیں۔ جس طرح رسول بھیجے جاتے ہیں۔ اور محدث اسی چشمہ سے پیتے ہیں۔ جس سے نبی پیتے ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو وہ نبی ہوتا...... اور بعض لوگوں پر تحدیث اور نبوت میں فرق گراں گزرا ہے۔ حق بات یہ ہے کہ ان کے درمیان فرق قوت اور فعل کا ہے۔ جیسے کہ ابھی ہم نے شجر اور تخم کی مثال میں بیان کیا ہے۔ پس اس کو مجھ سے لے لو اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔''

(حمامۃ البشریٰ، صفحہ 81-83)

اب میاں صاحب اور ان کے مریدین خدا کے لیے غور کریں کہ مکفرین مسیح موعود کے ہمنوا ہو کر انہوں نے تعلق کس سے قطع کیا اور کس سے تعلق گانٹھا؟ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ (25:13) ہمیں سنانے والے اپنی حالت پر غور کریں۔ ہمیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ چونکہ حضرت مسیح موعود کے نام سے ناواقف لوگوں کو، آپ پر حسن ظن رکھنے والوں کو، آپ کو کافر اور مفتری نہ کہنے والوں کو مسلمان سمجھتے ہیں، اس لیے یہ مسیح موعود سے قطع تعلق کر کے غیروں سے جا ملے۔ اور آپ خود مسیح موعود کی شان میں وہی لفظ کہہ

کر، جومکفروں نے کہے تھے، اور مکفروں کے ہمنوا ہوکر بھی مخلص مرید ہیں! مسیح موعود فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے میری محدث کی تعریف سے یہ سمجھا ہے کہ یہ فی الحقیقت نبوت کا دعویٰ ہے۔ کیونکہ وہ باتیں، جو کہی ہیں، محدث میں نہیں بلکہ نبی میں پائی جاتی ہیں۔ ان کا یہ قول کذب صریح ہے۔ اور اس میں کچھ بھی سچائی کی چاشنی نہیں۔ اور اس کی غرض صرف لوگوں کولعن طعن پر اکسانا ہے۔ مگر ہمارے احباب کسی کی بے جا محبت میں پھنس کر ڈنکے کی چوٹ پہ کہے جا رہے ہیں کہ حضرت صاحب نے گو لفظ تو محدث استعمال کیا تھا، مگر محدث میں ان باتوں کا ہونا بیان کیا، جو فی الحقیقت نبی میں پائی جاتی ہیں۔ ہاں عزیزو! اب ایک قدم اور بھی آگے اٹھاؤ اور کہہ دو کہ مسیح موعود نے جو کچھ لکھا ہے، وہ جھوٹ ہے۔ اور سچ وہی ہے، جو میاں صاحب فرماتے ہیں اور جو مکفرین نے 1891ء میں کہا تھا۔

اب میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔ میاں صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص، وہ نبوت حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کرے، جو مکفرین نے کی تھی، وہ بلا شبہ ان عیسائیوں سے مشابہ ہے، جنہوں نے مسیح کو خدا بنایا۔ میرا فرض صرف یہ دکھا دینا ہے کہ میاں صاحب نے بعینہٖ وہی نبوت حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کی ہے، جو مکفرین کرتے تھے۔ میاں صاحب کے اپنے الفاظ حسب ذیل ہیں:

> ”لیکن اس تشابہ کے ماتحت صرف وہ شخص ان مسیحیوں سے مشابہ ہوسکتا ہے، جنہوں نے حضرت مسیحؑ کی وفات پر آپ کو ان معنوں میں خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ جن معنوں میں کہ یہود کہتے تھے کہ آپ کو خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ ہے۔ پس حضرت مسیح ناصری کے ان متبعین سے مشابہت، جنہوں نے ان کے درجہ میں ان کی وفات کے بعد غلو کیا، ہمیں نہیں۔ کیونکہ ہم تو ہرگز ان معنوں کے رو سے حضرت مسیح موعود کو نبی نہیں کہتے۔ جن معنوں کے رو سے عموماً آپ کے دشمن اعتراض کیا کرتے تھے۔“ (ریویو آف ریلیجنز 1919ء صفحہ 270)

اسی موقعہ پر میاں صاحب نے بلا شبہ اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ حضرت مسیح موعود کو صاحب شریعت نبی کہنے سے انسان غالی بنتا ہے۔ محض نبی کہنے سے نہیں۔ حالانکہ حقیقۃ النبوت میں جہاں نبوت کی تعریف

پر بحث کی ہے۔ وہاں صاف لکھا ہے کہ شریعت کا ہونا یا نہ ہونا محض خصوصیات میں سے ہے۔ اس کو نفس نبوت سے کوئی تعلق نہیں......

آخر میاں صاحب کے نزدیک مسیح اول بھی تو غیر تشریعی نبی ہی تھے۔ پس ان کے حق میں بھی یہی غلو تھا کہ آپ کو صاحب شریعت نبی کہہ دیا جاتا۔ اگر غلو یہی ہے۔ تو پھر مسیح کو خدا بنانا شاید کوئی خواب ہوگا۔ تقاضائے مماثلت تو یہ ہے کہ وہاں نبی تھا۔ اسے خدا بنایا گیا۔ یہاں مجدد تھا۔ اسے نبی بنایا گیا۔ اگر غیر تشریعی نبی کو تشریعی نبی کہہ دینا غلو ہے۔ تو جب دونوں مسیح غیر تشریعی نبی ہیں تو دونوں کے لیے غلو بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ یعنی ان کو تشریعی نبی کہہ دیا جائے۔ ایسا ہی یہ کہنا کہ جو شخص منہ سے یوں کہہ دے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وہ تو غالی ہوتا ہے۔ اور جو اس بات کو دل میں یقین کامل کے ساتھ مانے لیکن زبان پر یہ لفظ نہ لائے (خواہ لوگوں سے ڈر کر یا کسی اور وجہ سے) وہ بیچارہ صراط مستقیم پر ہے۔ ساری دنیا سے نرالی منطق ہے۔ دل میں یقین کامل رکھو کہ مرزا صاحب اللہ کے رسول ہیں۔ اور ان پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص آج مسلمان نہیں۔ خواہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتا ہو۔ خواہ وہ مرزا صاحب کے نام سے بھی بے خبر ہو۔ تو یہ عین ایمان ہے۔ یوں کہہ دو کہ خدا کی توحید کے ساتھ مرزا صاحب کی رسالت کا اقرار آج ضروری ہے۔ تو یہ کفر ہے۔ گولی تو ایک ہی ہے۔ چاہو اس پر سفید شکر کی تہہ چڑھا دو، یا نہ۔ ہاں! شکر والی کو نگلنا آسان ہے اور دوسری کی سیاہ بھونڈی شکل۔ اس سے طبائع کو متنفر کر دیتی ہے۔ مگر یا دونوں زہر ہیں یا دونوں تریاق ہیں۔ ان کی اصلیت میں کوئی فرق نہیں۔

آؤ! اب دیکھیں کہ میاں صاحب کونسی نبوت حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کرتے ہیں؟ اس کے لیے بہت حوالے دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ نبوت تشریعی نہیں۔ مستقل نہیں۔ یعنی حضرت مرزا صاحب کوئی شریعت نہیں لائے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے ساتھ دعویٰ نبوت کرتے ہیں۔ مگر نبوت کے لحاظ سے ایسے ہی نبی ہیں۔ ''جیسے کہ پہلے نبی تھے۔'' (حقیقۃ النبوۃ صفحہ 79) یہ نبوت اصلی ہے۔ کیونکہ ''محدثیت کی نبوت صرف ایک جزوی نبوت ہے۔ اصلی نبوت نہیں۔'' (صفحہ 15) اور یہ نبوت جزوی نہیں بلکہ تامہ کاملہ ہے۔ پس میاں صاحب کے نزدیک حضرت مسیح موعود غیر تشریعی بالواسطہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر وہ نبوت اصلی تامہ ہے کاملہ ہے۔

اب فتویٰ کفر کو دیکھو کہ مکفرین نے کس قسم کی نبوت حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کی تھی؟ آیا انہوں نے یہ کہا تھا کہ مرزا صاحب تشریعی نبوت کے مدعی ہیں؟ اس لیے کافر ہیں۔ اور مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے انکار کرتے ہیں۔ اس لیے کافر ہیں۔ میں یہاں فتویٰ کفر سے اصل لفظ نقل کرتا ہوں:

’’قادیانی کا ختم نبوت کو نبوت تشریعی اور کلی سے مخصوص کرنا اور اپنے آپ کو محدث قرار دے کر اپنے لیے جزئی نبوت اور ایک نوع نبوت کو تجویز کرنا اور ایک قسم کا نبی کہلانا صاف مُشعِر ہے کہ وہ اپنے آپ کو انبیاءِ بنی اسرائیل کی مانند (جونئی شریعت نہ لاتے بلکہ پیروی شریعت سابق کی کرتے اور نبی کہلاتے) نبی سمجھتا ہے۔۔ یہ ابیات صاف پکار رہے ہیں کہ آپ نبی ہیں، صاحب وحی ہیں، منذر ہیں، پیغمبر ہیں، سب کچھ ہیں۔ صرف کسر ہے تو اتنی ہے کہ آپ کوئی نئی کتاب نہیں لائے۔ بلکہ انبیاءِ بنی اسرائیل کی طرح پہلی کتاب کے تابع ہیں۔‘‘(صفحہ 73 وصفحہ 74)

’’اور وہ قائل ہے کہ ختم نبوت سے نئی شریعت والی نبوت کا ختم ہونا مراد ہے۔ نہ مطلق نبوت کا ختم ہونا۔ اور وہ قائل ہے کہ مطلق نبوت کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک جاری ہے۔‘‘(صفحہ 91)

’’عذر دوم یہ کہ احادیث میں ان لوگوں کو دجال وکذاب کہا گیا ہے۔ جو نبوت خاتم النبیین کے مقابلہ میں نبوت کا دعویٰ کریں۔ اور مستقل بھی کہلاویں۔ جیسے مسلیمہ کذاب اور اسود وغیرہ سے وقوع میں آیا ہے۔ اور قادیانی تو نبوت مستقلہ کا دعویٰ نہیں کرتے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کے ساتھ دعویٰ نبوت کرتے ہیں......

جواب یہ ہے کہ نبوت جس کے مدعی کو آنحضرت ﷺ نے دجال کہا ہے۔ مستقلہ نبوت سے مخصوص نہیں...... اور ابوداؤد کی حدیث مذکورہ اپنے سیاق وصراحت سے بتا رہی ہے کہ آنحضرت کے بعد ایسے نبی بھی نہ ہوں گے۔ جیسے بنی اسرائیل میں ہوتے تھے۔ جونئی

شریعت نہ لاتے۔ بلکہ پچھلی شریعت کی پیروی کرتے۔" (صفحہ 77و78)

ان صریح الفاظ کو پڑھنے کے بعد غالباً میاں صاحب بھی انکار نہ کریں گے کہ کفر کے فتویٰ میں جس نبوت کو حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ وہ نبوت تشریعی نہیں نہ نبوت مستقلہ ہے۔ بلکہ صاف طور پر اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ نبوت تشریعی کو وہ ختم مانتے ہیں۔ مگر نبوت مطلقہ کے مدعی ہیں۔ ایسی نبوت کے جیسے انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت۔ جو کوئی جدید کتاب نہ لاتے تھے۔ اور یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ آپ آنخضرت ﷺ کی پیروی کے ساتھ دعویٰ نبوت کرتے ہیں۔ اور یہ بعینہٖ وہ بات ہے۔ جو میاں صاحب بھی فرماتے ہیں۔

پس اپنے اقرار کی رو سے میاں صاحب کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کی طرف وہی نبوت منسوب کر کے، جو آپ کے مکفرین دشمن منسوب کرتے تھے، غلو کا ارتکاب کیا ہے۔ اور اگر وہ بموجب اپنے اقرار شائع شدہ کے ایسا اعلان کرنے کے لیے تیار نہیں، تو ان کے لیے دوسری راہ صرف یہ کھلی ہے کہ ان عقائد فاسدہ سے رجوع کریں۔ جو مکفرین نے حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کیے تھے۔ اور اس بات کی سچائی کے قائل ہو جائیں جو حضرت مسیح موعود نے ان مکفرین کے جواب میں لکھی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ آپ کو اس قسم کی نبوت کا ہرگز دعویٰ نہیں جیسے مکفرین آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ کہنا سوءِ فہم ہے یا افتراء ہے۔

اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ مکفرین نے حضرت مسیح موعود کی طرف کون سی نبوت منسوب کی؟ وہ نبوت جو تشریعی نہیں۔ مگر محدثیت بھی نہیں۔ بلکہ ان انبیاء کی نبوت کی طرح ہے۔ جو بنی اسرائیل میں بغیر جدید شریعت کے آئے۔ مگر وہ آنخضرت ﷺ کی پیروی سے ہے۔ نہ آپ کی پیروی سے الگ ہو کر۔ اور یہ بعینہٖ وہی نبوت ہے جو آج میاں صاحب حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس کے متعلق حضرت صاحب کیا فرماتے ہیں:

> "نہ مجھے دعویٰ نبوت و خروج از امت ...... اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں۔ اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آنجناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا ہو...... ہاں محدث آئیں گے۔ جو اللہ جلّشانہ سے ہمکلام ہوتے

ہیں۔‘‘(نشان آسمانی صفحہ 28)

لَسۡتُ بِنَبِیٍّ وَلٰکِنۡ مُحَدَّثُ اللّٰہِ وَ کَلِیۡمُ اللّٰہِ یعنی میں نبی نہیں ہوں بلکہ اللہ کی طرف سے محدث اوراللہ کاکلیم ہوں۔(آئینہ کمالات صفحہ 383)

وَاِنَّ ھٰؤلَاءِ قَدِ افۡتَرُوۡا عَلَیَّ وَقَالُوۡا اِنَّ ھٰذا الرَجُلَ یدّعی انّہ نَبِیٌّ۔‘‘یعنی اور ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ (حمامۃ البشریٰ صفحہ 8)

اور یہ کہ وَیَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ ھٰذَا الرَّجَلُ...... فَھٰذِہٖ کُلّھَا مُفۡتَرِیَاتٌ وَتَحۡرِیۡفَاتٌ...... اِنۡ ھُوَ اِلَّا کَذِبٌ(صفحہ 9)

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص ملائکہ اوران کےنزول اورصعود پرایمان نہیں رکھتا۔اورسورج اور چانداور ستاروں کوملائکہ کےاجسام خیال کرتا ہےاور یہ اعتقادنہیں رکھتا کہ محمدﷺخاتم الانبیاءاورمنتہائے مرسلین ہیں۔اور آپ کے بعدکوئی نبی نہیں۔یہ سب افتراءاورتحریف ہے۔میراخداپاک ہے۔میں نےکبھی ایسی بات نہیں کی۔یہ محض جھوٹ ہے۔

مزیدفرماتے ہیں:

’’لیکن ان لوگوں نے میرے قول کونہیں سمجھا۔بلکہ یہی کہا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے۔اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا یہ قول کذب صریح ہے۔‘‘(صفحہ 81)

’’اوراے برادرمت گمان کروکہ میں نے جو بات کہی ہے،اس میں ادعائے نبوت کی کچھ بوپائی جاتی ہے۔‘‘(صفحہ 83)

اورفرمایا کہ:

’’چونکہ ہمارے سیدورسول ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور بعدآنحضرتﷺکوئی نبی نہیں آسکتا۔

اس لیے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے ہیں۔''

(شہادۃ القرآن صفحہ 27)

اور یہ کہ:

''اور اگر یہ اعتراض ہے کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کلمہ کفر ہے تو بجز اس کے کیا کہیں کہ
لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ الْمُفتَرِیْنَ. (انوار الاسلام صفحہ 34)

اور فرمایا

''جھوٹے الزام مجھ پر مت لگاؤ کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟'' (سراج منیر صفحہ 2)

اور لکھا:

''یاد رکھنا چاہئے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔'' (انجام آتھم صفحہ 27)

اور یہ کہ:

''یہ سراسر افترا ہے کہ ہماری طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ گویا ہمیں معجزات انبیاء علیہم السلام سے انکار ہے یا ہم خود دعویٰ نبوت کرتے ہیں۔''

(انجام آتھم صفحہ 45)

اور فرمایا:

''افترا کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔''

(کتاب البریہ صفحہ 182)

سخت دل سے سخت دل مرید کے لیے بھی اس کے مرشد کے یہ کلمات کافی ہیں۔حضرت مسیح موعود اس نبوت کے دعویٰ کو، جو علماء نے آپ کی طرف منسوب کیا، سخت قسمیں کھا کر افترا قرار دیتے ہیں۔اور وہی نبوت ہے، جو آج میاں صاحب آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔اے خدا! تو اپنے بندوں کی آنکھیں کھول کہ وہ حق کو دیکھیں۔

والسلام

خاکسار

محمد علی

20 جمادی الاول 1340ھ

کلام مسعود

بتقریب سالانہ جلسہ مورخہ 25 دسمبر 1921ء

(از سید مسعود شاہ صاحب سیکرٹری انجمن جموں)

ہوا ہے رنج وغم، دردوالم اب پھرعیاں میرا — بہار آئی ہے، پھر پھولا پھلا ہے گلستاں میرا

میرے اس گلخن سودا پہ کرتے رشک ہیں گلشن — بنی ہے کلبہ احزان بہشت جاوداں میرا

میرے ہر آبلے سے ہوگئی مشک ختن پیدا — بنا ہر قطرہ خون جگر راوق فشاں میرا

میرے سینے سے نکلی آہ، ہے بادِ سحر بن کر — ہے شمع انجمن اب بن گیا سوز نہاں میرا

مشقت نے مجھے ہے سایہ بال ہما بخشا — بنا ہے کنج تنہائی بھی اب سارا جہاں میرا

گل تر کی طرح، خار حوادث کی خلش نے، ہے — معطر کر دیا اک آن میں سب خانماں میرا

دکھایا لطف کیا مجھ کو ہے زخموں کی ترقی نے — کیا شاداب گویا آج سارا بوستاں میرا

دل از من داغ از من نالہ از من چشم زار از من

گل ازمن لالہ ازمن سرو ازمن جوئبار از من

نمک آمیز ہوتا اشک ہے جب رونما مسلم — تو کرتا ہے دل پر درد کو درد آشنا مسلم

ہوا جب زور آہوں کا تو آنسو بھی ہوئے جاری — ہمیشہ ابر باراں کی علامت ہے ہوا مسلم

تجھے گر دردوغم، رنج والم فرصت نہیں دیتا — مخاطب کو بھی وہ بے چین رکھتا ہے سدا مسلم

یہ خاموشی کا عالم اور تری حسرت بھری آنکھیں پتے دل کا ہے دیتا جس کا ہر آنسو پتا مسلم
ہمیشہ چشمِ نظارہ کو بھی یہ خوں رلاتا ہے ہر اک قطرے سے ہو جاتا ہے اک طوفان بپا مسلم
تری یاس اور تیرے ارماں تیری یہ بیکسی حرمان ترا یہ درد بے درماں ترا رنج و عنا مسلم
ترا یہ محو غم رہنا مصیبت کو سدا سہنا ترا صبر و تحمل اور تری آہ و بکا مسلم

همه هیچ است ناچیز است چون فضل خدا آید
بہارِ جاوداں پیدا شود ابر عطاء آید

تو ہو گا جب مکمل خوگر رنج و عنا مسلم تو اپنی مشکلوں کا ہو گا خود مشکل کشا مسلم
مرض کی انتہا صحت کا دیتی ہے نشان ہر دم جو ہے تجھ پر جفا مسلم وہ ہے تیری دوا مسلم
مصیبت ہی تجھے راہِ طریقت بھی دکھائے گی ہر اک ٹھوکر کی جا مسلم ہے تیری رہنما مسلم
ہر اک سیلِ حوادث تیری کشتی کو بچائے گا مخالف ہر ہوا مسلم ہے تیری ناخدا مسلم
تیرا یہ نالہ شب گیر ہے تری مدح خوانی ہے تیری گریہ وزاری تیری بانگ درا مسلم
بنا دے گا تجھے سردار خادم کا لقب اک دن تیری بخشش کا باعث ہے تیری اپنی خطا مسلم
تجھے ولنبلونکم کے جنگل میں چبھے کانٹے مگر ہے منزل انا فتحنا رونما مسلم

اگر تشنہ شوی تا چشمہ کوثر صفا بینی
فنا کن ہستی موہوم تا آخر بقا بینی

تو ہو جا کشتہ آلام ہو جا خاک سا مسلم یہی ہے کیمیا مسلم یہی ہے سیمیا مسلم
دل پر درد کا آزردہِ درمان ہو جانا مرض کے واسطے تیرے ہے تسکین دوا مسلم

نہاں رہتی ہیں اکثر یاس کے پردے میں امیدیں　　گلوں کو خار دشمن بن کے لیتا ہے بچا مسلم
تجھے گو دردِ خونباری سے مہلت کچھ نہیں دیتا　　کبھی موتی پرونا بھی یہی دے گا سکھا مسلم
فریب ہستی موہوم میں ہرگز نہیں آتا　　ہے جس نے اپنی ہستی کو دیا پہلے مٹا مسلم
تو وقف اب حیرت وارمان کی لذت کشی کا ہو　　تری اس دشت پیمائی کو دے گا اک مزا مسلم
اگرچہ کثرتِ نم مانع اندازہ غم ہے　　مگر اندازہ تکلیف دے گا سب بتا مسلم

ستمدیدہ ہمیشہ صورتِ امید مے بیند
ستمگر نقشہ ناکامئے جاوید مے بیند

عنایت تیرے مولا تجھے جو کچھ ہے کیا مسلم　　کسی امت کی قسمت میں نہیں ایسا ہوا مسلم
معطر کر دیا تجھ کو ہمیشہ بوئے رحمت نے　　گل لاتقنطوا گلشن میں تیرے جب کھلا مسلم
اگر اس جسم کے تیرے بہتر ہو گئے ٹکڑے　　مگر اک جان ایمان نے نہیں رکھا جدا مسلم
غبارِ دست سے تیرے ہوا پیدا ید بیضا　　بغل کی میل سے تیری بنا بدر الدجی مسلم
نہیں محتاج ہو سکتا ہے تو تقلید ایسی کا　　کہ جب سینا سے بڑھ کر ہے تیرا سینہ صفا مسلم
کروڑوں معجزے اس خاکپا تیری نے دکھلا کر　　مسیحائی کرشموں کی اڑائی خاک کیا مسلم
ہوئے عناب گوں جب اور دہن تیرا مصفا ہے　　تیرے دانتوں نے منجن اُحد کا جب سے ملا مسلم

ترا در گوشہ از فضل حق شد یک جہاں پیدا
زآب نارکونی بہر تو شد گلستان پیدا

دل آئینہ ہے تیرا تو ہمیشہ رکھ صفا مسلم　　اسے زنگار بد سے کر مکدّر نہ ذرا مسلم

ہو جس کا ظاہر و باطن صفا مومن وہی ہو گا — تو بن شفاف پہلے پھر تری ہو گی جلا مسلم

یہ مانا مل کے رہنے کا بڑا دعویٰ تو کرتا ہے — مگر جب دل نہیں ملتے تو یہ ملنا ہے کیا مسلم

یہ طرز صلح اندازی نہیں ہے شیوہ مومن — ادھر ملنا جدا مسلم ادھر ملنا جدا مسلم

عدو بن کر برنگ آشنا ملنا نہیں اچھا — نہ دل میں جو فروشی رکھ کے بن گندم نما مسلم

سر بازار جب تو بیچتا پھرتا ہے قوم اپنی — تو اس کے عوض میں سودا نہیں ملتا کھرا مسلم

تو وہ مسلم ہے گوہر جس نے پتھر سے نکالے ہیں — نکلتی کنکری دل سے نہیں کینے کی کیا مسلم

تیری یہ بے رخی اک روز رنگ لائے گی — تیری غفلت تیری اس شان کو دے گی مٹا مسلم

چنیں شیوہ اگر داری ترا گویم چہا بینی

تو خود را در بلا بینی ہلا قہر خدا بینی

تو اپنوں سے اگر خود ہی رہے گا بے وفا مسلم — تو کون اہل وفا ہو گا ذرا سچ سچ بتا مسلم

ہوا ہے اتفاق ایسا کہ جب بے اتفاقی ہو — تو گھر برباد ہو جاتا ہے تو نے بھی سنا مسلم

کوئی بھی تیل آ کر ڈال جائے گا ذرا اس پر — جلا کر اپنے گھر کو جب تو خود ہے سینکتا مسلم

تو اپنی آستیں کا آپ ہی جب سانپ ہے بنتا — تو نیش کژدم اغیار کا پھر کیا گلہ مسلم

تو اپنی قوم پر جب کفر کا پانی چھڑکتا ہے — ضرور اس سے ترا دامن بھی اکثر تر ہوا مسلم

خزانے میں تیرے تکفیر کا ہی سکہ چلتا ہے — یہی تو نے سبق اسلام میں آ کر پڑھا مسلم

نہیں کافر مسلماں اور مسلماں خود کہیں کافر — سلوک اپنے پرائے کا ہے کیسا کر حیا مسلم

حافظ بن کے خود ہے روندتا گلشن محمدؐ کا — ذرا کر غور تیرا کس طرح ہو گا بھلا مسلم

پا کر تو نے احمد سے دیا رتبہ غلاموں کو　　جہاں سے پوچھ لے نوکر کجا آقا کجا مسلم

ارے کھیل لے لیکن محمدؐ سے نہ کھیلا کر　　اگر تو چاہتا ہے دین ودنیا میں بچا مسلم

مسعود بننے کی ہے سچی آرزو تجھ کو　　تو باطل چھوڑ کر حق کا پکڑ لے راستہ مسلم

تری بد رنگ باطل اے مسلماں دینداری را

نہ آئینہ پسندندگاہ زنگارے غبارے را

❁❁❁

20 جمادی الاول 1340ھ

قطعہ تاریخ وفات حضرت مسیح موعود

ایک نوّے سالہ بزرگ کا تبرک

(مکرم بابا ہدایت اللہ صاحب پنجاب میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے چوٹی کے شاعر مانے جاتے ہیں کہ جن کی کسی زمانہ کی سہ حرفیاں زبان زد خلائق ہیں۔ آپ حضرت مسیح موعود کے پرانے عقیدت کیش ہیں۔ آپ کی عمر اس وقت کم و بیش 90 برس کی ہے۔ اس ضعیفی کے زمانہ میں بھی آپ کو سلسلہ کے ساتھ ایک شفقت ہے۔ مجھے اس نوّے سالہ بوڑھے کی ہمت اور عشق پر اکثر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح ایک میل سے ہر جمعہ پیدل چل کر مسجد میں سب سے پہلے تشریف لاتے ہیں۔ اور پھر سالانہ جلسوں میں سارا سارا دن بیٹھ کر تقریریں سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بزرگ کو دیر تک سلامت رکھے۔ یہ ہم نوجوانوں کے لیے ہمت اور مستعدی کا ایک بے نظیر نمونہ ہے۔ آپ نے چند اشعار ہمیں مرحمت فرمائے ہیں۔ جو بڑے شکریہ کے ساتھ قبول کر کے اخبار میں درج کیے جاتے ہیں۔ مدیر)

اخیری سفر ایہ حضرت مسیح دا   پیارے حق دے نائب نبی دا

بڑے جد قادیاں تھیں کوچ کر کے   قضا کہندی سی وت آون گے مر کے

وٹالہ شہر جد نزدیک آیا   خدا وَلوں پھر ایہ الہام پایا

نا کر تکیہ سدا نہیں زندگانی   خوشی دی جا نہیں دنیا ہے فانی

وٹالے تھیں لاہور حضرت پھر آئے   ہوا بدلن لئی تشریف لیائے

شہر لاہور دا جو اکبری در   خواجے دی ہے کوٹھی اسدے باہر

کمال الدین خواجہ نام اُسدا وکالت چیف کورٹ کام اُسدا
اوہ خادم ہے مسیح موعود سندا جواں عمرا خدا دا نیک بندا
اُدھی کوٹھی مسیح کجھ دن گزارے قضا آئی چلو مولا دے پیارے
جو پیغامِ صلح دے چند ورقے اخیری وقت گئے تصنیف کر کے
مسیح تصنیف دے موتی پروکے عدومارے ندامت وچ ڈبو کے
اوہ گئے تبلیغ کر بہہ کے کھلو کے دسّی یاد خدا بس جاگ سو کے
دلاں وچ نیکیاں دا بیج بو کے دعائیں منگیاں مولا تھیں رو کے
سنو تاریخ کہی ہاتف نے جو کے خدا ولے مسیح گئے فوت ہو کے
چوی تاریخ ماہ ربیع الثانی سن ہجری تیراں سو چھبیس جانی
تے ماہ مئی وی چھبیسویں سی سن اُنی سو اتے اٹھ عیسوی سی
مہینے جیٹھ دی چوداں سی جانوں اُنی سو پینٹھ سمت سی پچھانوں مکرمی
چھہتر سال جد عمراں وہائی وفات حضرت نے منگل وار پائی
لاہور اندر چھبی تاریخ سوئے ستائی قادیاں وچہ دفن ہوئے
جو کل من علیھا فان آیا ایہ ہر اک واسطے فرمان آیا

❁❁❁

27 جمادی الاول 1340ھ

تقریر حضرت امیر ایّدہ اللہ

(بتقریب سالانہ جلسہ مورخہ 27 دسمبر 1921ء)

تشہد و تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولینا نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا. اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا. وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا. وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا. وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَايُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَاعَمِلُوْا حَاضِرًا وَّلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (18:45-49)

ترجمہ ''اور ان کے لیے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کر (اس کی مثال) پانی کی طرح ہے جو ہم بادل سے برساتے ہیں تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی (بڑھ کر) مل جل جاتی ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہے اور باقی رہنے والے اچھے عمل تیرے رب کے نزدیک بدلے میں بہتر ہیں۔ اور امید کے لحاظ سے (بھی) بہت اچھے ہیں۔ اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف کھلی ہوئی دیکھو گے

اور ہم انہیں اٹھائیں گے تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے اور وہ تمہارے رب کے حضور صف باندھے پیش ہوں گے بے شک تم ہمارے پاس ویسے ہی آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار بنایا تھا بلکہ تمہارا گمان تھا کہ ہم ہرگز تمہارے لیے کوئی وعدہ کا وقت نہ رکھیں گے۔ اور نامہ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے ہائے خرابی ہماری اس نوشتہ کو کیا ہوا نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے پایا اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔''

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (20:57)

ترجمہ: ''جان لو کہ دنیا کی زندگی کھیل اور تماشا اور آپس میں فخر کرنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر کثرت چاہنا بارش کی مثال کی طرح ہے جس کا سبزہ کسانوں کو خوش لگتا ہے۔ پھر وہ خشک ہو جاتا ہے، تو اسے زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتا ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضا، اور دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے۔''

اور پھر فرمایا یہ دو مختلف مواقع کی آیات، جو میں نے اس وقت پڑھی ہیں، ایسی سورتوں میں ہیں، جن میں عیسائیت کا ہی ذکر ہے۔ اور ان دونوں میں دنیا کی مذمت کے بعد نصیحت فرمائی ہے۔ عموماً قرآن کریم میں جہاں جہاں عیسائی قوموں کا ذکر آیا ہے، اس کے ساتھ دنیا کی زندگی کے متعلق بھی ذکر آ جاتا ہے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عیسائی قوموں میں یہ رجحان زر و مال اور دولت کو معبود بنانا موجود نہ تھا۔ اس زمانے میں ان میں رہبانوں اور قسیس لوگوں کی کثرت تھی۔ اور وہ گوشہ نشین اور تارک الدنیا لوگ ہوتے تھے۔

چنانچہ دوسری جگہ قرآن کریم نے خود ہی فرمایا: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ

وَالَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا وَلَتَجِدَنَّ اَقۡرَبَھُمۡ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰی ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنۡھُمۡ قِسِّیۡسِیۡنَ وَرُھۡبَانًا وَّاَنَّھُمۡ لَایَسۡتَکۡبِرُوۡنَ. (82:5) ''مومنوں کے ساتھ عداوت میں زیادہ سخت یہود ہیں اور ان کو جو مشرک ہیں اور ان کے لیے جو ایمان لائے دوستی میں سب سے قریب تو ان لوگوں کو پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، وہ مومنوں سے دوستی میں نسبتاً قریب ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ ان میں قسیس، علماءِ ربانی اور رہبان لوگ ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔'' مگر یہ ایک عجیب بات ہے کہ جہاں کہیں ان کا ذکر کیا ہے، اس کے ساتھ ہی دنیوی زندگی کی بھی ایک گونہ تحقیر کی ہے۔ اور سمجھایا ہے کہ دنیا کے ان ظاہری سامانوں پر لٹو نہ ہو جانا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ دجال کا اثر یہ ہے کہ وہ جھوٹ اور فریب کو پھیلاتا ہے۔ مگر اس کا سب سے بڑا اثر دنیا کی محبت ہے۔ اور اس سے کوئی شخص بھی خالی نہیں رہا۔ اور مسلمانوں نے بھی اسی کو اب اپنا نصب العین قرار دے لیا ہے۔ گویا یہ بھی عملی رنگ میں اس کے شاگرد بن گئے ہیں۔ ہر بات میں انہی کا تتبع کرتے ہیں۔

اسی لیے قرآن کریم نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے: وَاضۡرِبۡ لَھُمۡ مَّثَلَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ ھَشِیۡمًا تَذۡرُوۡہُ الرِّیٰحُ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقۡتَدِرًا. (45:18) دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی کی مانند ہے، جو ہم نے آسمان سے اتارا۔ پھر اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی۔ پھر وہ چورا چورا ہو گئی کہ جس کو ہوا اڑائے پھرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر بات پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِیۡنَۃُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَالۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیۡرٌ عِنۡدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیۡرٌ اَمَلًا. (46:18) مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ اور یہ سب ختم ہو جانے والی چیزیں ہیں۔ مگر جو اللہ تعالیٰ کے پاس تم بھیجتے ہو۔ وہ باقی رہتی ہیں۔ یہ بہترین چیزیں ہیں کہ جن کی تمہیں آرزو کرنی چاہیئے۔ اس آیت میں اگرچہ دنیا کی چیزوں کی آخرت کے مقابلے میں تحقیر کی گئی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم دنیوی لذات کو چھوڑ کر راہبانہ زندگی اختیار کر لو۔ ان کو کمتر درجہ کی چیزیں تو بیشک بتلایا ہے، مگر ان کو ترک کر دینے کا حکم نہیں دیا۔ اس لیے کہ دنیا کی چیزیں حاصل کرنی ضروری ہیں۔ مگر ان کو اپنی زندگی کا مقصود اصلی بنانا جائز نہیں۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ فرمایا ہے: وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ. (28:8) یاد رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش کی چیزیں ہیں۔ اور خدا کے ہاں تو

اجرِ عظیم ہے۔ ایک اور جگہ ازواج اور اولاد کو عدو یعنی دشمن بھی بتایا ہے۔ جب انسان ان چیزوں کو اپنی زندگی کا مقصودِ اصلی بنالیتا ہے، تو یہی چیزیں اس کی دشمن بن جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں اس کو پھر خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق سے دور کردیتی ہیں۔ ورنہ اس سے یہ مقصود نہیں کہ تم نہ مال کو کماؤ اور نہ بیاہ شادی کرو اور رہبانہ زندگی اختیار کرلو۔ کیونکہ مال کے کمانے اور اس کی حفاظت کے طریق قرآن کریم خود بتلاتا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ فرمایا: **لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا**۔ (5:4) یہ مال جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے قیام کا موجب بنایا ہے۔ اس کو کم عقل لوگوں کے سپرد مت کردو۔ اور پھر اور بہت سے طریق امانت وغیرہ کے متعلق بیان کر کے اس کی حفاظت کی تاکید کرتا ہے۔ وہ مال کے کمانے اور جمع کرنے سے کب منع کرسکتا ہے۔ فی الحقیقت مال کی مذمت سے مقصد یہی ہے کہ اس کو اپنا مقصود اصلی اور معبود نہ بنالو۔ اس کو کماؤ اس کی حفاظت کرو۔ اسراف مت کرو۔ مگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ بھی کرو۔ پس مال کا کمانا اور جمع کرنا بُرا نہیں مگر اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنا بُرا ہے۔

آج کل مسلمان اس سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ یا تو وہ ایسے متوکل ہیں کہ مال کمانے کے ذرائع کو سیکھنا اور مال کمانا بُرا سمجھتے ہیں۔ اور یا ایسے دنیا کے پیچھے لگ جاتے ہیں کہ وہ روپیہ کو اپنا معبود بنالیتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنا ان کو دوبھر ہوجاتا ہے۔ مگر اسلام کی یہ تعلیم نہ تھی۔ اسلام نے تو یہ تعلیم دی ہے کہ تمہارا دین اور دنیا الگ الگ نہیں۔

تم دنیا دار بن کر بھی دین دار رہ سکتے ہو

مگر اس کے لیے گُر یہی ہے کہ تم دنیا کو دین کا خادم بناو۔ دنیا بڑی ہی اچھی چیز ہے۔ اسلام تم کو اس سے علیحدگی کی تعلیم نہیں دیتا۔ مگر وہ بُری چیز ہے کہ جب تم اس کو اپنا مقصودِ اصلی بنالیتے ہو۔ جس مقام پر تم لوگوں نے مجھے کھڑا کیا ہے، اس کی رو سے میرا فرض ہے کہ میں تم لوگوں کو چند باتیں پہنچا دوں۔ اس سے پیشتر بھی میں اس موقع پر کچھ باتیں بیان کیا کرتا ہوں۔ اور آج بھی کچھ بیان کردیتا ہوں۔ ہمارا دین چند اعتقادات اور چند اعمال سے عبارت ہے۔ اعتقادات اصول ہیں اور اعمال انہی اعتقادات کو عمل میں لانا ہے۔ نرے اعتقاد سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی، جب تک کہ ان پر عمل بھی نہ کرلیا جائے۔ اور یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ جہاں سے ہمارا

عیسائیت کے ساتھ اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ عیسائیت یہ کہتی ہے کہ انسان کی نجات اعتقاد سے ہے۔ مگر اسلام کہتا ہے کہ اعتقاد سے نجات مطلقاً نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ عمل بھی نہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحیح اصول سے عمل صحیح پیدا ہوتا ہے، مگر اصول بغیر عمل کے کوئی چیز نہیں۔ پس اسلام کے نزدیک نجات عمل سے ہوتی ہے۔ مگر عیسائیت کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ کفارہ پر ایمان لانے سے نجات مل جاتی ہے۔ اس لیے عیسائیت اور اسلام کا بنیادی اختلاف دراصل یہی ہے کہ اسلام نجات کے لیے عمل کو ضروری قرار دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں کہیں جنت کا ذکر آیا ہے وہاں ایمان کے ساتھ اعمال کا ذکر ضرور آتا ہے۔ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** (22:42) وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں۔ جس طرح سے ایک بیج جو خشک زمین میں ڈالا گیا کوئی فائدہ نہیں دیتا، اسی طرح ایمان بھی بغیر اعمال کے کوئی چیز نہیں۔

اب اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے اعتقادات اور احکام عمل کہاں سے حاصل کریں۔ پس یاد رکھو کہ تمہارے اعتقادات اور عمل کتاب اور سنت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کے سوا اور کسی جگہ سے اپنے اعتقادات اور اعمال کو مت حاصل کرو۔ اور اگر تم میں سے کوئی لوگ صاحب امر بھی ہوں تو بھی ان کے حکموں کو کتاب اور سنت پر ہی پرکھ لیا کرو۔ جیسا کہ قرآن کریم نے خود ہی دوسری جگہ فرمایا: **فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ** (59:4) تم میں اعلیٰ اور عظیم الشان لوگ پیدا ہو سکتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر خواہ مخواہ لوگوں کا دل چاہتا ہے کہ ان کی اتباع کرتے چلے جائیں۔ مگر یاد رکھو کہ کوئی شخص ان کے قول کو اپنے ایمان اور اعتقاد کی بنیاد نہیں قرار دے سکتا۔ تمہارے ایمان اور اعتقاد کی بنیاد صرف کتاب وسنت ہے۔ امت محمدیہ کے ایسے عظیم الشان لوگوں کے ساتھ تمہارا تنازع بھی ہوسکتا ہے۔ اور جب کبھی ان کا کوئی قول خلاف نظر آئے تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہی بات کو مانو اور اس کے قول کو چھوڑ دو۔

صحابہؓ کے زمانہ میں کتاب وسنت پر اس قدر عمل تھا کہ بڑے بڑے عظیم الشان خلفاء اور زبردست حاکموں کے حکم کی بھی کتاب وسنت کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ شروع میں مسلمانوں کی زندگی بالکل سادہ تھی۔ مگر جب شام اور ایران کی فتوحات ہوئیں۔ اور قیصر و کسریٰ کے زر و جواہر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اس وقت طبائع کا رجحان طبعاً مال و دولت کی طرف ہو گیا اور اسی دولت کا نتیجہ تھا کہ عورتوں کے مہر بھی لوگ بہت

بڑے بڑے باندھنے لگ گئے۔ حضرت عمرؓ کو کہ جن کی سادہ زندگی بھی ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ تھی، فکر پیدا ہوئی اور انہوں نے خیال کیا کہ لوگ ایک غلط خیال کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں۔ اپنے سب لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک خطبہ دیا کہ لوگوں کی نظریں دنیوی سامان کی طرف جھکی جا رہی ہیں۔ اور دن بدن مال دنیا کی حرص بڑھتی جاری ہے۔ ان کو چاہئے کہ وہ سادگی اختیار کریں۔ اور کوئی شخص پانچ سو درہم سے زیادہ کسی عورت کا مہر نہ باندھے۔ ورنہ جس قدر زیادہ ہوگا، بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ بڑے بارعب وجلال والے خلیفہ تھے اور آنحضرت ﷺ کا زمانہ دیکھے ہوئے اور شریعت اسلامیہ سے سب سے بڑھ کر واقف، پھر ان کے سامنے کون لب کشائی کر سکے اور یہ کہہ سکے کہ آپ غلطی کرتے ہیں۔ آج تو ایک معمولی واعظ اور گدی نشین بھی جب کوئی بات کہہ دیتا ہے، تو اس کی تردید کا کسی کو یارا نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی کچھ سوال کرنے کی جرأت کرے تو خود واعظ اور پیر صاحب کے غصہ کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ مگر غور کرو کہ اس عظیم الشان اور جبروت وسطوت کے مجسمہ حضرت عمرؓ کو ایک بڑھیا عورت کیا کہتی ہے؟ يَاابْنَ الْخَطَّابِ اَنْتَ نَمْنَعُنَا وَاللّٰهُ يُعْطِيْنَا اس بڑھیا کی جرأت کو دیکھو کہ وہ حضرت عمرؓ کو کن الفاظ سے مخاطب کرتی ہے؟ ''اے خطاب کے بیٹے! تو ہم سے مہر کو روکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں دلواتا ہے۔ قرآن تو کہتا ہے: وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا (20:4) اگر ان کو ڈھیروں ڈھیر سونا بھی دو تو پھر بھی طلاق کے وقت واپس مت لو۔

جب سونے کا ڈھیر دینا بھی جائز ہے تو مہر کس طرح محدود ہوسکتا ہے۔ اس جواب کو سن کر امیر المومنین اگر چاہتے تو اس آیت کی آج کل کے علماء کی طرح سینکڑوں تاویلیں کر سکتے تھے۔ مگر ان لوگوں میں کس قدر صداقت پسندی تھی کہ جب ایک حق بات ظاہر ہوگئی تو پھر اپنی بات کے واپس لینے میں اپنی ہتک نہ سمجھتے تھے۔ آپ اس جواب کو سن کر دوبارہ منبر پر آئے اور کہا: نِسَآءُ الْمَدِيْنَةِ اَفْقَهُ مِنْ عُمَر مدینہ کی عورتیں بھی عمرؓ سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔ یہ کہا اور اپنی بات کو واپس لیا۔ یہ کتاب اور سنت کی عزت تھی کہ جو ان کے دلوں میں سمائی ہوئی تھی۔ آج تو ایک معمولی پیر اور استاد کے قول کو بھی کتاب وسنت پر ترجیح دیتے ہیں۔ مگر اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ اس امت میں اب خواہ کتنا ہی بڑا ولی ہو، معین الدین اجمیریؒ ہو، شاہ ولی اللہ ہوؒ، مجدد احمد سرہندیؒ ہو، شاہ عبدالقادر جیلانیؒ ہو اور خواہ مرزا غلام احمد قادیانیؒ کیوں نہ ہو، ان کا قول کتاب وسنت پر حکم نہیں ہوسکتا۔ یہ لوگ غلطی کھا سکتے ہیں۔ اس

لیے ان کے تمام اقوال صرف کتاب وسنت پر ہی پرکھے جائیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ جیسا انسان ثانی اثنین کا مصداق۔ جو آنحضرت ﷺ کا محض دعویٰ سن کر ایمان لے آیا۔ کیونکہ اس کو یہ یقین تھا کہ یہ شخص کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ جس نے اپنا تمام مال و دولت قربان کیا اور نازک سے نازک وقتوں میں نبی کریم ﷺ کا ساتھ دینے والا، وہ ابوبکرؓ جب قوم کا بادشاہ اور امام بنایا جاتا ہے، تو تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے تلقین جو لوگوں کو کرتا ہے، تو اس میں صاف کہہ دیتا ہے کہ اِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ اگر میں غلطی کروں تو اے لوگو تم مجھے درست کر دینا اور اگر میں اچھی راہ پر چلوں فاعینونی تو تم میری اعانت کرنا۔ یہ کتاب وسنت کی صداقت پر ان کا ایمان تھا کہ وہ اس سے ادھر ادھر ہونا قطعاً گوارا نہ کرتے تھے۔

پس یاد رکھو کہ ہمارے عقائد کی بنیاد سوائے کتاب وسنت کے اور کسی چیز پر نہیں۔ اس کے بعد اب میں عقائد کے متعلق کچھ تھوڑا سا بیان کرتا ہوں۔ سب سے پہلی بات ایک ہی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔ دنیا کی کسی طاقت خواہ وہ کوئی اور چیز ہو یا کوئی انسان، اس کو اپنا معبود، حاجت اور محامد کا مستجمع نہ سمجھیں، بلکہ اسی ایک اللہ کو اپنا معبود اپنی حاجتوں کو بر لانے والا اور محامد کا مستحق سمجھیں۔ اور اس کے بالمقابل کسی کو نہ سمجھیں۔ انسان اور خدا کے درمیان کوئی واسطہ بکار نہیں کہ جس پر محض ایمان لانے سے نجات مل سکے۔ بت پرستی، پیر پرستی اور ان کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ کسی انسان کو اپنا حاجت روا ماننا اس کو گویا خدا ماننا ہے اور شرک میں داخل ہے۔ ان تمام باتوں کو چھوڑ کر ہی اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل کہلاتا ہے۔ کیونکہ ایمان باللہ صرف اسی حد تک نہیں رہ جاتا کہ صرف منہ سے خدا کا اقرار کر لیا۔

ایمان باللہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا نام ہے

جب تک اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا نہ ہو، تب تک کوئی ایمان اللہ تعالیٰ پر کامل نہیں ہو سکتا۔ پھر ہر ایک شخص براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کی طرح اس کا دربار نہیں کہ جہاں رسائی کے لیے دنیاوی لوگوں کی منت وخوشامد کی ضرورت ہو۔ سب انسان بحیثیت انسان ایک ہیں۔ ایک ہی طرح پر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے اور ایک ہی طرح پر قبر میں جاتے ہیں۔ خدا کے ہاں کسی انسان کے لیے کوئی تخصیص

نہیں۔ یہ بعض دنیا کی خصوصیتیں اموال اورآسائش ہیچ ہیں۔ خدا کے ہاں وہ پھٹے پرانے کپڑوں والا زیادہ قریب ہے، جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے۔ مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب، اللہ تعالیٰ سے یکساں تعلق پیدا کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو ظاہر کرنے کے لیے حج میں اس نمونہ کو رکھ دیا ہے۔ اور سب کو ایک لباس میں دکھا دیا۔ غریب امیر عرفات کے میدان میں نکلتے ہیں، تو ایک ہی لباس میں ملبوس ہو کر نکلتے ہیں۔ جس سے یہ ظاہر کر دینا مقصود ہے کہ خدا کے دربار میں امیر و غریب سب ایک ہیں۔ قرآن کریم جو سب سے پہلے مساوات انسانی کی تعلیم لایا، اس میں فرمایا، اور ایک عورت کے ذکر میں فرمایا کہ وہ ایک غریب عورت کی آواز کو اسی طرح سنتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ اور کسی دوسرے کی بات کو۔ فرمایا: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ (1:58) اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات کو سن لیا جو اپنے خاوند کے بارہ میں تجھ سے جھگڑا کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور شکایت کرتی تھی۔ اللہ تمہارے سوال و جواب کو سنتا تھا۔ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑھ کر سننے اور دیکھنے والا ہے۔ گویا محمد رسول اللہ ﷺ اور اس غریب عورت دونوں کو اکٹھا کر دیا کہ وہ ایک غریب عورت کی آواز کو بھی اسی طرح سنتا ہے، جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی آواز کو سنتا ہے۔ اور پھر اس واقعہ کو قرآن کے اندر ذکر کیا۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ جب وہ اس معمولی غریب عورت کی آواز کو، جو اپنے خاوند سے لڑائی کر کے آئی تھی، سنتا ہے، تو وہ دوسروں کی آواز کو کیوں نہ سنے گا۔ یہ ایک بشارت ہے، جو خدا نے تمہارے تک پہنچائی ہے، کہ ایک عاجز سے عاجز انسان بھی خدا کے ساتھ تعلق پیدا کر سکتا ہے۔

اس عورت کا نام خولہ ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ وہ بہت سے عمائد کے ساتھ جا رہے تھے، تو اس عورت نے ایک طرف کھڑے ہو کر آپ کو بلایا۔ آپ اس کے ساتھ ایک طرف کھڑے ہو کر دیر تک باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ساتھ کے لوگ کھڑے کھڑے تھک گئے۔ جب آپ فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ یہ کون عورت تھی کہ جس کے ساتھ آپ اتنی دیر تک گفتگو کرتے رہے؟ آپ نے جواب دیا کیا تم کو معلوم نہیں کہ یہ کون عورت ہے؟ یہ وہی عورت ہے جس کی نسبت خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا (1:58) جب اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات کو سنا تو عمر

کون ہے کہ جو اس کی بات کو نہ سنے! اس واقعہ کو قرآن کریم میں درج کرنے سے یہی مطلب ہے کہ بتایا جائے کہ تمام انسانوں کی آواز کو اللہ تعالیٰ یکساں طور پر سنتا ہے۔

بشارت قرآن کریم میں ایک اور جگہ بھی موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی معزز آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اور آپ ان سے باتیں کر رہے تھے۔ ناگہاں ایک اندھا شخص بھی آ گیا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف مخاطب کرنا چاہا اور کوئی سوال کر دیا۔ آپ نے اس کو کچھ نہیں کہا۔ صرف اس لیے کہ آپ ان سے باتوں میں مشغول تھے۔ اس کا دخل درمعقول ناگوار گزرا اور آپ کی پیشانی پر شکن آ گئی۔ اس پر یہ وحی نازل ہوئی۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی. اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی. (80:1-2) تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آ گیا۔ پھر اسی ایک قسم کی زجر پر ہی معاملہ ختم نہیں ہو گیا، بلکہ اس کو قرآن کریم میں درج کروا دیا کہ اب اس کو ساری عمر پڑھتے رہو۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی. اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی. وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی. اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی. (80:1-4) چیں بجبیں ہو کر منہ پھیر لیا۔ جبکہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ تجھ کو کیا علم کہ وہ پاکیزگی اختیار کر لیتا یا نصیحت سن کر فائدہ اٹھا لیتا۔ اس واقعہ کے ذکر سے بھی یہی مقصود ہے کہ خدا کے حضور میں غریب ہو یا امیر، سب یکساں طور پر بلند مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔

پیروں تک اور بڑے آدمیوں تک پہنچنے کے لیے درمیانی لوگوں کی ضرورت ہے۔ مگر خدا تمہاری بات کو براہ راست سنتا ہے۔ اسی کو پکارو۔ اس کے لیے کسی واسطہ کی ضرورت نہیں۔ ایک جگہ بڑے لطیف پیرایہ میں فرمایا: وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (2:186) جب میرے بندے تجھ سے میرے نسبت سوال کریں۔ پس میں تو قریب ہوں۔ یہاں ایک عجیب نکتہ ہے کہ لوگ کہتے تو محمد رسول اللہ ﷺ سے ہیں، مگر اس کے جواب میں فَقُلْ اِنِّیْ قَرِیْبٌ نہیں کہا۔ یعنی تم کہو کہ اللہ قریب ہے۔ بلا کسی واسطہ کے اپنے قریب ہونے کا ذکر فرمایا۔ غرض ایمان باللہ کے لیے سب سے پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ ہر ایک شخص اپنے طور پر براہ راست اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اور اس کی ضرورت سب سے پیشتر اس لیے ہے کہ دنیا کی ساری چیزیں ایک دن الگ ہو جائیں گی۔ تعلق باللہ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جو اس کے بعد رہے گا۔

اس کے بعد دوسری بات جزا اور سزا پر ایمان ہے۔ تم شب و روز دنیا کے جھگڑوں اور زن و فرزند کے

آرام وآسائش کی فکروں میں لگے رہتے ہو۔ جب تک تم اس آخرت پر ایمان نہ لاؤ، اور یہ یقین نہ رکھو کہ ایک دن ہمارے اعمال کا محاسبہ ہونا ہے، تمہارے اندر نیکی کی رغبت اور بدی سے نفرت پیدا ہونا مشکل ہے۔ دنیا کی زندگی تو ہمیشہ کی زندگی نہیں۔ جب تم اس کے لیے اس قدر حیران اور سرگردان رہتے ہو، تو آخرت کی زندگی تو ہیشگی کی زندگی ہے۔ اس کا فکر تو اس دنیا سے بھی بڑھ کر ہونا چاہئے۔

تیسری بات ملائکہ پر ایمان لانا ہے۔ ملائکہ پر ایمان لانے کا مقصد یہ ہے کہ جو نیک تحریک دل میں پیدا ہو اس پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ ملائکہ پر ایمان لانے کا صرف یہ مطلب نہیں کہ ہم یہ مان لیں کہ ملائکہ بھی کوئی ہستی ہے۔ ویسے تو ہم شیطان کی بھی ہستی مانتے ہیں۔ تو شیطان کے ماننے کو، کہ وہ بھی ایک ہستی ہے، شیطان پر ایمان لانا نہیں کہتے۔ بلکہ اس سے تنفر کرنے کی تاکید ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے: **فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ**. (256:2) شیطان بھی ہے۔ اور ملائکہ بھی ہیں۔ پس اس ہونے میں تو دونوں برابر ہیں۔ تو پھر ایک پر ایمان اور دوسرے سے کفر کے کیا معنی۔ ایمان بالملائکہ کا مطلب یہی ہے کہ جو نیک تحریک دل میں پید ہو، اس میں پر ایمان لا کر عمل کرو۔

چوتھی بات خدا کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا ہے۔ اس کو میں نہایت ضروری سمجھتا ہوں اور اس پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ خدا کی کتابوں اور اس کے رسولوں دونوں پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ کلام الٰہی پر ایمان لایا جائے۔ اور جس طرح پر رسولوں نے ان پر عمل کر کے دکھایا، اسی طرح عمل کیا جائے۔ پس يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (4:2) کے یہی معنی ہیں، کہ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کلام الٰہی پر عمل کر کے دکھایا ہے، اسی طرح ہم نے دکھانا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کُل کے کُل قرآن کریم کی تفسیر اپنے عمل سے پیش کر دی ہے۔ پس کلام الٰہی پر ایمان لانے کے ساتھ ہی آپ نے جس طرح اس پر عمل کیا اسی طرح اس کی اتباع کرنی چاہئے۔ حضرت عائشہؓ سے آپؐ کے اخلاق کی نسبت سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ گویا آپ کی ہر حرکت وسکون قرآن کریم کی تعلیم کے ماتحت ہی تھی۔

لوگ کہتے ہیں کہ نبوت کا سلسلہ بند نہیں ہوا، بلکہ آگے کو جاری ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے ہدایت وتعلیم کو اس کمال تک پہنچا دیا کہ اب اس کے علاوہ اور کسی شریعت اور ہدایت کی ضرورت نہیں۔ اسی

طرح آپ نے اس ہدایت پر عمل کا نمونہ ایسا چھوڑا ہے کہ اب کسی اور نمونہ کی ضرورت نہیں رہی۔ پھر آپ نبی بھی کسی خاص قوم اور زمانہ کے لیے نہیں۔ بلکہ تمام قوموں اور زمانوں کے لیے نبی ہیں۔ آپ کی نبوت جس طرح کسی خاص قوم تک محدود نہیں، اسی طرح کسی زمانہ تک بھی محدود نہیں۔ اس لیے آپ کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ ہاں آپ کے بعد صرف ایک ضرورت ہے کہ مرور زمانہ سے جو بیماریاں لوگوں میں پھیل جاتی ہیں، اور خیالات فاسدہ شائع ہو جاتے ہیں، ان کے دور کرنے والے لوگ آتے ہیں۔ انہی کا نام شریعت کی اصطلاح میں مجدد، محدث اور اولیاء ہے۔ اس لیے ہمارا یہ ایمان ہے کہ نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہوگئی۔ ہم نہ تو کسی پرانے نبی کا آنا، جیسا کہ اکثر لوگ حضرت عیسیٰؑ کا آنا مانتے ہیں، اور نہ کسی نئے نبی کا آنا مانتے ہیں۔ مرزا صاحب کے بارے میں لوگوں کو غلطی لگی ہے۔ اور وہ غلطی صرف غیروں تک ہی محدود نہیں رہی، بلکہ محبت کا دعویٰ کرنے والوں تک بھی پہنچ گئی ہے۔ غیر کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور وہ دعویٰ جھوٹا دعویٰ تھا۔ پیروؤں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ان کا دعویٰ نبوت کا تھا اور وہ اپنے دعویٰ میں سچے تھے۔ ایک گروہ نے تو دشمنی میں غلو پر اصرار کر کے کفر کا فتویٰ لگایا۔ اور دوسرے گروہ نے محبت میں غلو کر کے ان کو نبی بنا لیا۔ اور یہی حال حضرت مسیحؑ کے دعویٰ کے متعلق ہوا۔ یہود نے تو مخالفت اور دشمنی میں غلو کر کے ان کو خدائی کا مدعی، ملعون اور مردود قرار دیا۔ اور عیسائیوں نے محبت میں غلو کر کے اس کو لوگوں کے گناہوں کے بدلے ملعون اور مردود مگر خدائی کا دعویدار قرار دیا۔ اور حضرت مسیحؑ کو دشمنوں کی دشمنی اور دوستوں کی دوستی نے ایک ہی مقام پر پہنچا دیا۔ دنیا میں ہمیشہ انبیاءؑ اور اولیاءؒ کے متعلق ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک گروہ تو دوستی میں غلو تک پہنچ جاتا ہے اور دوسرا دشمنی میں حد سے بڑھ جاتا ہے۔ یہی حالت ہماری قوم کی ہے۔ اگر غیروں نے دشمنی میں حد سے بڑھ کر اس پر کفر کا فتویٰ لگانے کے لیے نبی قرار دیا تو اپنوں نے بھی اس کی نبوت کو تسلیم کر لیا۔ اس مسئلہ پر بہت کچھ بحث ہو چکی ہے۔ اس وقت میں صرف دو کتابوں کے حوالے پیش کرتا ہوں۔ ایک کتاب میں ہے کہ:

> ''خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مسیح موعود چونکہ ابتداءً نبی کی تعریف یہ خیال فرماتے تھے کہ نبی وہ ہے جو نئی شریعت لائے یا بلا واسطہ نبی ہو۔ اس لیے باوجود اس کے کہ وہ سب شرائط جو نبی کے لیے واقع ہونا ضروری ہیں۔ آپ میں پائی جاتی تھیں۔ آپ نبی کا نام اختیار کرنے

سے انکار کرتے رہے اور گو ان ساری باتوں کا دعویٰ کرتے رہے، جن کے پائے جانے سے کوئی شخص نبی ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ آپ ان شرائط کو نبی کی شرائط نہیں خیال کرتے تھے، بلکہ محدث کی شرائط سمجھتے تھے، اس لیے اپنے آپ کو محدث کہتے رہے۔ اور نہیں جانتے تھے کہ میں دعویٰ کی کیفیت تو وہ بیان کرتا ہوں، جو نبیوں کے سوائے اور کسی میں پائی نہیں جاتی اور نبی ہونے سے انکار کرتا ہوں۔'' (حقیقۃ النبوت صفحہ 124)

اور دوسری کتاب میں ہے کہ:

''اس الزام کے جواب میں شاید قادیانی یا اس کے حواری یہ دو عذر پیش کریں۔ اول یہ کہ ہر چند قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اس نبوت کا دوسرا نام محدثیت ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نبوت کے دعویٰ سے محدثیت کا دعویٰ مراد ہے۔ نہ حقیقتاً اور معناً نبی ہونے کا دعویٰ...... جواب یہ ہے کہ اگرچہ قادیانی نے یہ بات کہہ دی ہے کہ جس نبوت کا اس کو دعویٰ ہے اور اس کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ اس کا دوسرا نام محدثیت ہے۔ اور اسی محدثیت کے معنی سے نبوت کا وہ مدعی ہے۔ مگر ساتھ اس کے اس نے محدثیت کے معنی ایسے بیان کیے ہیں اور اس کی حقیقت کی ایسی تشریح کر دی ہے کہ اس سے بجز نبوت اور کچھ مراد نہیں ہوسکتا۔''

(فتویٰ کفر صفحہ 76-77)

یہ دو مختلف کتابیں، جن کے حوالے میں نے پڑھ کر سنائے ہیں، حضرت صاحب کے متعلق ایک ہی قسم کی رائے پیش کرتی ہیں۔ مگر پہلا حوالہ ''حقیقۃ النبوت'' کا ہے اور دوسرا'' مولویوں کے حضرت صاحب پر ''فتویٰ کفر'' میں سے نقل کردہ ہے، یہ تو مجھے یقین ہے کہ جناب میاں صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ ''فتویٰ کفر'' میں سے نقل نہیں کیا بلکہ میرا یہ گمان ہے کہ اگر ان کو یہ علم ہوتا کہ جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں۔ یہی خیالات حضرت مسیح موعود کے مکفرین بھی ظاہر کر چکے ہیں۔ تو وہ ہرگز یہ نہ لکھتے۔ مگر یہ توارد بھی عجیب ہے۔ جن خیالات کا اظہار ایک مکفر 1891ء میں کرتا ہے۔ بعینہٖ انہی خیالات کا اظہار حضرت مسیح موعود کا اپنا فرزند محبت میں حد سے نکل کر آج کر رہا

ہے۔ دشمن اور غلو کرنے والے دوست دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ دونوں کہتے ہیں کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو محدث کہتے ہیں۔مگر محدث کا نام لے کر باتیں وہ کہتے ہیں جو نبی میں پائی جاتی ہیں۔بغض اور محبت حد سے نکل کر دونوں کو ایک ہی مقام پر جا کھڑا کرتے ہیں۔ ہاں! دشمن عمداً ایک غلط پہلو اختیار کرتا ہے، دوست نادانستہ غلو کی حالت میں وہی بات کہہ جاتا ہے۔

ایک یہودی بھی کہتا ہے کہ مسیحؑ ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔اور عیسائی بھی یہی کہتا ہے۔گو دونوں کی نیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔مگر ہمیں نیت سے بحث نہیں، واقعات سے بحث ہے۔اگر مماثلت کی وجہ اور نہیں تو یہی کافی ہے کہ جو اس وقت دشمنوں نے الزام لگایا وہی آج ماننے والوں نے تسلیم کرلیا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ مکفرین مرزا صاحب کی طرف تشریعی نبوت منسوب کر کے فتویٰ لگاتے تھے، غلط ہے۔انہوں نے صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ مرزا صاحب تشریعی نبوت کے ختم ہو جانے کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص دعویٰ تو محدثیت کا کرتا ہے۔مگر اس کی تعریف وہ کرتا ہے جو نبی کی تعریف ہوتی ہے۔اور جس طرح بنی اسرائیل میں بغیر کتاب کے نبی آئے تھے، اسی قسم کی نبوت کا مدعی یہ شخص ہے۔

اور یہی وہ باتیں ہیں جو آج میاں صاحب کہتے ہیں۔غرض مکفر اور پیروؤں نے غلو میں پڑ کر ایک ہی بات حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کی۔فرق صرف اس قدر ہے کہ دشمنوں نے 24 برس پیشتر یہ الزام لگایا اور میاں صاحب پر 24 برس بعد اس حقیقت کا انکشاف ہوا۔ ورنہ اس بات کے کہنے میں دونوں برابر ہیں۔مخالف بھی وہی کہتا ہے اور غالی دوست بھی وہی۔ وہ بھی کہتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ دراصل نبوت کا ہے۔اور اس کو محدثیت قرار دیتا ہے۔اور میاں صاحب بھی یہی کہتے ہیں کہ دراصل دعویٰ تو نبوت کا ہی تھا مگر آپ اس کو محدثیت سمجھتے تھے۔اور نہیں سمجھتے تھے کہ میں نبی ہوں۔

اس پر غور کرلو۔ فیصلہ کے لیے یہی ایک حوالہ کافی ہے۔مکفرین نے جو 1891ء میں سمجھ لیا تھا۔میاں صاحب نے 24 سال بعد اسی حقیقت کا انکشاف کیا۔اگر آج میاں صاحب حضرت مرزا صاحب کو نبی ثابت کرنے میں قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں۔تو مولوی محمد حسین کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے۔ہمیں یہ یقین ہے کہ میاں صاحب نے یہ الفاظ فتویٰ کفر سے نقل نہیں کیے بلکہ اگر ان کو معلوم ہو جاتا تو پھر یقیناً میاں صاحب کے یہ الفاظ نہ

ہوتے۔اس کی وجہ وہی ہے جو قرآن کریم نے بیان کی ہے۔ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (118:2)

جسمانی طور پر تو وہ بیشک حضرت مرزا صاحب کے بیٹے ہیں۔مگر روحانی طور پر وہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے پیرو ہیں۔ کیونکہ دونوں ایک صادق کی نسبت ایک ہی بات کہتے ہیں۔ البتہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مخالف اور ان کا بیٹا مرزا صاحب کے متعلق ایک ہی بات کہتے ہیں۔ دشمن اور دوست دونوں ایک بات پر اتفاق کرتے ہیں۔تو کیوں نہ اس نتیجہ کو صحیح سمجھا جائے۔مگر ان کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ جب ایک یہودی بھی کہتا ہے کہ مسیحؑ نے ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔اور عیسائی بھی یہی کہتا ہے کہ بیشک ابن اللہ ہونے کا مدعی تھا۔تو کیا یہ نتیجہ کہ جس بات پر دشمن و غالی دوست دونوں متفق ہوں، اس کو صحیح سمجھ لیا جائے۔اور مسیحؑ کی نسبت یقین کر لیا جائے کہ انہوں نے فی الحقیقت ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

مگر اس نتیجہ کے قبول کرنے میں قرآن کریم کو بھی جواب دینا پڑے گا کہ اس نے اس نتیجہ کو کیوں صحیح نہیں قرار دیا اور اس کی تردید کی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ جب مخالفوں نے یہ کہا کہ یہ شخص محدث کا لفظ کہہ کر باتیں وہ بیان کرتا ہے۔ جو انبیاء میں پائی جاتی ہیں۔تو اس کا جواب حضرت مسیح موعود نے کیا دیا۔ یہاں صرف آپ کی عربی عبارت کا ترجمہ دیا جاتا ہے:

> ''اور میں نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ تحدیث کا مقام مقام نبوت سے شدید مشابہت رکھتا ہے۔ اور سوائے قوت اور فعل کے ان میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے میرے قول کو نہیں سمجھا۔ بلکہ یہی کہا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے۔اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا یہ قول کذب ہے۔اور اس میں ذرہ بھی سچائی کی چاشنی نہیں۔اور نہ اس کا کوئی اصل ہے اور اس کو انہوں نے صرف اس لیے تراشا ہے کہ لوگوں کو تکفیر اور گالی اور لعن طعن پر اکسائیں اور انہیں فساد اور عناد کے لیے اٹھائیں۔اور مومنوں میں تفریق کریں۔ اور بخدا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں اور اس پر بھی میرا ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ ہاں سچ ہے کہ میں نے یہ کہا ہے کہ محدث میں تمام اجزاء نبوت پائے جاتے ہیں۔لیکن بالقوۃ نہ بالفعل۔ پس محدث بالقوہ نبی ہے۔ اور اگر نبوت کا

دروازہ بند نہ ہوتا تو وہ بھی بالفعل نبی ہوتا......اور کمالات نبوت سب کے سب تحدیث میں مخفی اور مضمر ہوتے ہیں۔ اور ان کا ظہور اور خروج فعل تک صرف اس لیے رک جاتا ہے کہ باب نبوت مسدود ہے۔ اور اسی کی طرف نبی نے اپنے قول میں اشارہ کیا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ اور یہ صرف اسی لیے کہا کہ حضرت عمرؓ محدث تھے۔ پس یہ اشارہ کیا کہ نبوت کا مادہ اور اس کا تخم محدث میں موجود ہوتا ہے......اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تحدیث محض ایک موہبت ہے، جو کسب سے ہرگز نہیں ملتی۔ جیسے کہ شان نبوت ہے۔ اور محدث اسی طرح اللہ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اور محدث اسی طرح بھیجے جاتے ہیں۔ جس طرح رسولؐ بھیجے جاتے ہیں۔ اور محدث اسی چشمہ سے پیتے ہیں جس سے نبی پیتے ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو وہ نبی ہوتا...... اور بعض لوگوں پر تحدیث اور نبوت میں فرق گراں گزرا ہے۔ حق بات یہ ہے کہ ان کے درمیان فرق قوت اور فعل کا ہے۔ جیسے کہ ابھی ہم نے شجر اور تخم کی مثال میں بیان کیا ہے۔ پس اس کو مجھ سے لے لو۔ اور اللہ کے سوائے کسی سے نہ ڈرو۔''

(حمامۃ البشریٰ، صـ 81 تا83)

اس تحریر میں حضرت مرزا صاحب نے ثابت کر دیا کہ یہ میرے مخالفوں کی غلطی ہے کہ میں محدث کا لفظ اختیار کر کے نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ یہ مجھ پر افتراء ہے۔ جو لوگوں کو بھڑ کانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اب میاں صاحب یہی بات مرزا صاحب کے متعلق کہتے ہیں کہ جس کو مرزا صاحب اپنے اوپر افتراء قرار دیتے ہیں۔ میاں صاحب کا یہ مذہب اس قدر بودا ہے کہ جس میں مطلقاً جان نہیں۔ مگر ان کو دیکھئے۔ اس پر برابر ضد کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان تمام دلائل کو، جو ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، ردی کی ٹوکری میں پھینکتے جاتے ہیں۔ یہ کس قدر موٹی بات ہے کہ جو مخالف مرزا صاحب پر الزام لگاتے ہیں۔ اور وہ اس کو اپنے اوپر جھوٹ اور افترا قرار دیتے ہیں، اسی افتراء اور جھوٹ کو میاں صاحب قبول کر لیتے ہیں۔

اور پھر ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ جو غلطی مخالفین کو توضیح مرام اور ازالہ اوہام یعنی 1901ء سے پہلے

کی تحریروں سے لگتی ہے، وہی غلطی میاں صاحب کو 1901ء کے بعد کی تحریروں سے لگتی ہے۔ اور ان کو یہ بات 1901ء سے پہلے کی تحریروں میں نظر نہیں آتی۔ میں اس بات کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔ ان کا دعویٰ نبوت کا ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسا دعویٰ کرنے والے کو وہ مفتری اور کاذب سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اس کے متعلق متعدد حوالہ جات حضرت صاحب کی کتب سے پیش کیے جا چکے ہیں۔

اعتقادات کے بعد اب میں اعمال کی متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اس کے متعلق میں بارہا کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ مرزا صاحب کی جماعت بنانے کی غرض صرف ایک ہے کہ تم خدا کے نام کو دنیا میں پھیلاؤ۔ جب تک اس کام کے لیے تم اپنے اندر ایک عشق اور تڑپ پیدا نہیں کرتے، تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تمہارے اندر ایک ہی جوش مشترک ہو۔ تم میں سے کوئی ملازمت سے روٹی کمائے کوئی تجارت کرے، زراعت کرے، مگر اعلاء کلمۃ اللہ کی تڑپ سب کے دلوں میں ہو۔ تم خواہ کوئی پیشہ کرو، مگر اپنے اس نصب العین کو مت بھولو۔ اسلام تم سے اس کے لیے بہت بڑی قربانی چاہتا ہے۔

اس کے لیے میں تمہارے سامنے کس کے الفاظ پیش کروں؟ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ اِنِّیْ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ میرے دل میں خدا کی راہ میں قتل ہونے کی تڑپ ہے۔ اس کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ تم اسی کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہو۔ کیا تمہارے دل میں بھی یہ تڑپ ہے؟ تم کو تو اشاعتِ اسلام کی وجہ سے قتل بھی کوئی نہیں کرتا۔ اور نہ محمد رسول اللہ کو کسی نے کیا۔ مگر آپ کے دل میں یہ تڑپ تھی۔ تمہارے دلوں میں بھی ہونی چاہئے۔ تم ہر روز اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ. (5:1) دن میں نمازوں کے اندر کتنی دفعہ پڑھتے ہو کہ ہمیں ان نبیوں اور خدا کی راہ میں جان دینے والے لوگوں کی راہ دکھا۔ مگر جب تمہارے دل میں وہ تڑپ نہیں تو یہ تمہاری دعا جھوٹی دعا ہے! صرف منہ کے الفاظ ہیں اگر عمل اس کے ساتھ نہیں! تم سب کا مقصد، غرض اور مدعا ایک ہونا چاہئے۔

یہ ایک بات ہے۔ جو اگر تم میں پیدا ہو تو تم احمدی اور مسلمان کہلانے کے مستحق ہو۔ اور اگر دل میں دین کی تڑپ کی بجائے دنیا کی تڑپ ہو تو تم ان انبیاء اور اولیاء کے متبع کہلانے کے مستحق نہیں۔ بلکہ تم دجال کے پیرو

ہو۔ جب تمہارا بادشاہ تمہارا سید البشر خدا کی راہ میں قتل ہونا فخر سمجھتا ہو، تو تم اپنے دل میں یہ تڑپ کیوں نہیں رکھتے۔

مولانا (صدر الدین صاحب) نے ابھی نٓ وَالْقَلَمِ(1:68) کی لطیف تفسیر کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں نٓ وَالْقَلَمِ (1:68) کے ذکر میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جوں جوں علوم دنیا میں پھیلتے جائیں گے، محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت بھی دنیا میں پھیلتی جائے گی۔ عرب میں جب قلم کی حکومت ہوئی تو اسلام وہاں پھیل گیا۔ اب یورپ میں جب علوم پھیلے تو یورپ پکار اٹھا کہ مسیحؑ خدائی کے قابل نہیں۔ یہ تمہارے لیے بطور نشان کے ہے کہ یورپ کے مذہب کے اندر ایک انقلاب ہونے والا ہے۔ جوں جوں وہاں علم بڑھے گا۔ اس سے یہی ثابت ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی قابلِ اتباع شخص نہیں۔

گیٹی ایک جرمن فلاسفر لکھتا ہے کہ قرآن کو جب ہم لے کر بیٹھتے ہیں، تو دل میں اس سے ایک نفرت ہوتی ہے۔ لیکن جب ہم اس کو پڑھتے جاتے ہیں تو رفتہ رفتہ وہ نفرت کم ہوتی جاتی ہے۔ اور بالآخر وہ نفرت محبت سے بدل جاتی ہے۔ اکثر لوگوں کے دلوں میں یہ مایوسی ہے کہ یورپ میں کون اسلام کو قبول کر سکتا ہے؟ اور وہ بیرسٹر جو خود وہاں سے گندے ہو کر آتے ہیں، وہ ہی اسلام کی اشاعت سے مایوس ہوتے ہیں۔ مگر وہ جو وہاں اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور ان لوگوں نے عملاً اس کو کر کے دکھا دیا ہے۔ سات آٹھ سال کے قلیل سے عرصہ میں کئی سو لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ صدیوں کے اسلام پر اعتراضات کو دور کر دیا ہے۔ اب عیسائیت سے نفرت پھیلتی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کون سا مذہب وہاں قبول ہو سکتا ہے۔ اور کون مردود ہو کر رہے گا۔

اس لیے میں یہ استدعا کرتا ہوں کہ اپنے دل میں اس کے لیے ولولہ اور تڑپ پیدا کرو۔ اگر دل میں سچا جوش اور تڑپ ہو تو انسان بڑے بڑے کام کر سکتا ہے۔ مال و دولت کے پیچھے مت پڑو۔ بلکہ مال و دولت کو خدا کے لیے سمجھو۔ اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میری اپیل کبھی بھی خالی نہیں گئی۔ ایک نالائق شخص جو چار آدمیوں پر بھی کھڑے ہونے کے قابل نہیں تھا۔ اس کی تحریک پر لاکھ سوا لاکھ روپیہ گزشتہ سال تم نے اکٹھا کر دیا۔ کل کے جلسے میں جو 16,000 کی اپیل کی تھی، اس کو جمع کر دیا۔ لیکن ایک بات کہنے سے میں نہیں

رک سکتا کہ روپیہ دینے والے بہت تھوڑے لوگ ہیں۔ اوران تھوڑوں کی قربانیوں نے بہتوں کی غفلت کو ڈھانکا ہوا ہے۔ اور جماعت کا یہ فائدہ بھی ہے کہ بعض کی پردہ پوشی بعض سے ہو جاتی ہے۔ تاہم یہ حالت قابل اطمینان نہیں۔

جہاں تک ہو سکے سب کومل کر دین کے کاموں میں حصہ لینا چاہئے کہ قرآن کو دنیا میں پھیلاؤ اور نبی کریم ﷺ کی سیرت دنیا کے سامنے پیش کرو۔ اور خود اس پر عمل کرو۔ جس دن مسلمان قرآن کریم اور سیرت کو اپنا ہادی بنا لیں گے۔ اسی دن وہ دنیا کی قوموں کے ہادی ہو جائیں گے۔ قرآن کریم اور سیرت کو خوب غور سے پڑھو۔ جو شخص خود نہیں پڑھ سکتا وہ دوسروں سے پڑھوا کر سنے۔ مرزا صاحب نے جماعت کو بنایا ہی اسی غرض کے لیے ہے کہ وہ اسلام کو دنیا میں پھیلانے والی ہو۔ پہلے مجدد دین کا کام وقتی تھا۔ کیونکہ وہ اسلامی شوکت کے دنوں میں پیدا ہوئے۔ ان کی اصلاح اندرونی فسادوں تک محدود تھی۔ مگر اس وقت اسلام اور کفر کا مقابلہ بڑی سختی کے ساتھ پیش آ گیا کہ جس کے لیے ایک جماعت بکار تھی۔ ہماری اصل غرض اسلام کو پھیلانا ہے۔ اس غرض کے لیے تم لوگوں کو جماعت میں بلانے کی کوشش کرو کہ لوگ اس کارخیر میں تم سے مل جائیں۔ بلانا ہمارا فرض ہے۔ اگر وہ نہ بھی آئیں تو ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ پھر قیامت کے دن ہمارا ہاتھ اوران کا دامن ہوگا کہ ہم نے ان کو خدمت دین کے لیے بلایا۔ مگر انہوں نے پرواہ نہ کی۔ حالانکہ ان کو قرآن کریم نے یہی تعلیم دی ہے کہ **تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی** (2:5) کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کیا کرو۔ تمہارے اندر احمدیت کو پھیلانے کے لیے ایک جوش ہونا چاہئے۔ اسلامی عمارت کو گرانے والے لوگوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ اور مسلمان دن بدن کم ہوتے جاتے ہیں۔ پس تمہیں اس کی فکر کرنی چاہئے۔ اور جماعت کی ترقی میں کوشش کرنی چاہئے۔

ذاتی طور پر ہم لوگ کسی کے پیسہ کے محتاج نہیں۔ ان لوگوں میں سے مجھے کوئی نذرونیاز دینے والا نہیں۔ ہماری غرض صرف خدمت دین کے لیے لوگوں کو بلانا ہے۔ اگر تم اس آواز کو سنو تو خدا کے ہاں اجر پاؤ گے۔ قرآن کریم کو دنیا میں پھیلانا ہمارا کام ہے۔ نہ صرف غیر مذاہب میں ہی اس کی اشاعت ہونی چاہئے، بلکہ اپنے گھروں میں بھی اس کو رواج دو۔ عورتوں اور بچوں کو اس کی تعلیم دو۔ اسلام کی تعلیم تو ماں کے پیٹ سے ہی

شروع ہونی چاہیئے۔ بلکہ اسلام نے تو اس وقت بھی اس تعلیم کو دینے کی تعلیم دی ہے کہ جب اس کا ابھی کوئی مستقل وجود بھی نہیں ہوتا۔

پس تعلیم ہر ایک مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اسی غرض کے لیے ہم نے بھی یہی ایک مدرسہ کھول رکھا ہے کہ جس میں دنیوی تعلیم کے علاوہ دینی تعلیم بھی ہوتی ہے۔ اس مدرسہ میں اپنے لڑکوں کو بھیجو۔ آخر اور سکولوں میں بھی اپنے لڑکوں کو تعلیم کے لیے بھیجتے ہو۔ اس قومی سکول سے آپ کو فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

یہ چند باتیں میں نے اس غرض سے کہی ہیں کہ تم اس اثر کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اور ان پر عمل کرو۔ اگلے سال اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کون یہاں ہوگا اور کون نہیں ہوگا۔ پس تم اپنی زندگی کی غرض کو سمجھو اور اپنے اعمال کے اندر سنوارا اور خوبی کو پیدا کرو۔ یہاں آپ کی جماعت کا نظام ہے۔ اس نے یہ انتظام کیا ہے کہ تم سب تین پیسے فی روپیہ اپنی کمائی میں سے ماہوار اشاعتِ اسلام اور انجمن کی اغراض کے لیے ادا کرو۔ اس میں سے دو پیسے فی روپیہ عام اغراض اور نظام جماعت کو قائم رکھنے کے لیے ہے۔ ایک پیسہ فی روپیہ مدرسہ کے لیے پچھلے سال تجویز ہوا تھا۔ مگر ایک اور بھی ضروری اور اہم کام ہے۔ یعنی ہمارے پاس ایک ووکنگ مشن ہے۔ اسے بھی ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ اس کی مدد کو اپنا فرض سمجھو۔ اس سے بہت مفید کام ہو رہا ہے۔ اس کو بھی مستقل امداد اس میں سے دو۔

اسی طرح ہم نے یورپ و امریکہ میں اور مشن کھولنے کی بھی تجویز کی ہے۔ ان کے چندہ میں حصہ لینا بھی فرض ہے۔ یہ مال تم نے خدا کے لیے دینا ہے۔ جو شخص ان چندوں کو ادا نہیں کرتا، میں نہیں سمجھتا کہ وہ کیوں ہمارے ساتھ ہے؟ جب وہ ہمارے اغراض و مقاصد میں حصہ نہیں لیتا تو پھر اس کے جماعت میں شامل ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے اگر تھوڑے بھی ہوں۔ تو وہ کئی ہزار کی سست جماعت سے بہتر ہیں۔ مجھے اس بات سے بھی خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے اس کام میں عورتوں نے بھی حصہ لیا ہے۔ گو وہ حصہ والی صرف چند ایک ہی ہیں۔ جو یہاں اس وقت موجود ہیں۔ دوسری عورتوں کو بھی چاہیئے کہ وہ اس میں حصہ لیں۔

اس کے بعد میں ایک اور بھی درخواست کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی تم رہتے ہو۔ نمازوں کو باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرو۔ اگر کسی بھائی کا مکان مسجد سے یا دوسرے کسی بھائی کے مکان سے دور بھی ہو تو

بھی وہ تکلیف اٹھا کر وہاں پہنچنے کی کوشش کرے۔ خصوصاً صبح شام اور عشاء کی نمازوں میں دور دور بھی ہوں تو آسانی کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔ صرف تھوڑی سی ہمت اور کوشش بکار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بہت ہی تاکید کی ہے۔

پھر یہاں ایک لائبریری ہے۔ کئی لوگوں کے پاس فالتو کتابیں ہوتی ہیں۔ وہ اس میں بجھوادی جائیں تاکہ یہاں طلباء کے کام آئیں۔ یہ ضروری نہیں کہ بڑی بڑی ہی کتابیں ہوں۔ چھوٹی بڑی یہاں سب کام آجاتی ہے۔ پھر یہاں کچھ طلباء رہتے ہیں۔ اور دیگر حاجت مند آجاتے ہیں۔ ان کے لیے گرم کپڑوں وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو صاحبِ استطاعت ہیں، وہ ان کے لیے گرم کپڑے بجھوادیا کریں۔ بعض بیوائیں اور یتیم بھی ہیں۔ جو لوگ خصوصیت سے ان کے لیے کچھ دینا چاہیں وہ بھی بھیج دیا کریں۔ اب میں اس دعا پر اس جلسہ کو ختم کرتا ہوں۔ اے اللہ! تو اس دین کو دنیا میں غالب کر۔ **اللّٰھم انصر من نصر دین محمّد وجعلنا منھم اللّٰھم اخذل من خذل دین محمد ولا تجعلنا منھم اللّٰھم ایّد الاسلام والمسلمین. اللّٰھم ایّد الا سلام والمسلمین ..... الخ. اٰمین.**

۞۞۞

3 جمادی الثانی 1340ھ

قسط سوم

اتمامِ حجت

انکار نبوت اور 1901ء

اتمام حجت کی دوسری قسط میں میں دکھا چکا ہوں کہ جو نبوت میاں محمود احمد صاحب حضرت مسیح موعود کے 1901ء کے بعد کی کتابوں کی بنا پر آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لفظاً اور معناً وہی نبوت مخالفین نے 1901ء سے پہلے کی تحریروں کی بنا پر، بلکہ دعویٰ کے بعد آپ کی سب سے پہلی تحریر کی آپ کی طرف منسوب کی تھی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب مکفرین کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور تم کو محبت میں وہی بات کہہ رہے ہیں جو مخالفین نے افراط غضب میں کہی تھی۔ ورنہ جدت کوئی نہیں اور حضرت مرزا صاحب کے 1901ء سے بعد کی تحریروں میں کوئی ایسی بات نہیں جو 1901ء سے پہلے کی تحریروں میں نہ ہو۔ اس قسط میں میں واقعات کی بنا پر یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ 1901ء میں کوئی تبدیلی حضرت مسیح موعود نے اپنے دعویٰ میں نہیں کی۔

نہ صرف کسی احمدی کے وہم وگمان میں یہ بات نہ تھی کہ 1901ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنے دعویٰ میں کوئی تبدیلی کی یا اس وقت سے پہلے کی تحریروں میں آپ سے کچھ غلطی ہوتی رہی۔ یا اس وقت سے پیشتر آپ کو لفظ نبی اور محدث کے صحیح معنی نہ آتے تھے۔ اور غلطی سے نبی کی جگہ محدث کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ بلکہ خود میاں صاحب کے ذہن میں یہ 1901ء آہستہ آہستہ آیا۔ چنانچہ میاں صاحب نے جب اس مسئلہ نبوت پر زور دینا شروع کیا تو سب سے پہلے اپنی کتاب القول الفصل میں صفحہ 24 پر یوں لکھا:

> ''غرضیکہ مذکورہ بالا حوالہ سے صاف ثابت ہے کہ تریاق القلوب کی اشاعت تک (جو کہ اگست 1899ء سے شروع ہوئی۔ اور 25 اکتوبر 1902ء میں ختم ہوئی) آپ کا عقیدہ یہی تھا کہ آپ کو حضرت مسیحؑ پر جزوی فضیلت ہے۔ اور یہ کہ آپ کو جو نبی کہا جاتا ہے تو یہ ایک قسم

> کی جزوی نبوت ہے۔ اور ناقص نبوت ہے۔ لیکن بعد میں جیسا کہ نقل کردہ عبارت کے فقرہ دو اور تین سے ثابت ہے۔ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ آپ ہر ایک شان میں مسیحؑ سے افضل ہیں۔ اور کسی جزوی نبوت کے پانے والے نہیں بلکہ نبی ہیں۔ ہاں ایسے نبی جن کو آنحضرت ﷺ کے فیض سے نبوت ملی۔ پس 1902ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا بالکل جائز نہیں ہوسکتا۔''

مگر چونکہ یہ کتاب جلدی میں لکھی گئی تھی (گو اس جلدی کو غلطی سے اعجاز کے طور پر ظاہر کیا گیا) اس لیے میاں صاحب اور کاپیاں پروف وغیرہ پڑھنے والوں کو یہ خیال نہ رہا کہ جس کتاب میں یہ اصول باندھا جاتا ہے کہ حضرت نے 1902ء میں اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا۔ اور اس تاریخ یعنی اکتوبر 1902ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا بالکل جائز نہیں، اسی کتاب میں 5 نومبر 1901ء کے ایک ٹریکٹ کے حوالہ جات چار جگہ پر موجود ہیں۔ صفحات 4 تا 7 اور چار جگہ خود 1901ء کی تحریر سے حوالہ جات نقل کر کے پھر اسی کتاب میں یہ اصول بھی باندھا گیا ہے کہ 1902ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا بالکل جائز نہیں ہوسکتا۔ اور تعجب یہ ہے کہ میاں صاحب کے مریدین میں سے بھی کوئی شخص یہ سوال نہیں اٹھاتا کہ جو امر بالکل ناجائز ہے۔ اس کا ارتکاب انہوں نے خود کیوں اسی کتاب میں چار دفعہ کیا۔ مجھ سے اس وقت یہ غلطی ہوئی کہ میں نے اس کتاب کو پڑھ کر یہ اعتراض کر دیا۔ ورنہ آج میاں صاحب اور ان کے مریدین کا یہی عقیدہ ہوتا کہ حضرت صاحب نے 1902ء میں اپنے دعویٰ میں تبدیلی کی تھی اور 1902ء میں ہی آپ کو لفظ نبی اور محدث کے معنی سمجھ آئے۔ اور اس بات کی کچھ بھی پرواہ نہ ہوتی کہ خود 1902ء کے حوالے بھی دے رہے ہیں۔

کیونکہ میاں صاحب کے مریدین میں، ایک حیرت انگیز بات جو میں نے دیکھی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کو کبھی بھی اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ ہم کوئی متناقض باتیں کہہ رہے ہیں۔ یا ایسی باتیں کہہ رہے ہیں جو واقعات کے خلاف ہیں۔ بلکہ انہیں صرف اس قدر پتہ ہونا چاہئے کہ یہ بات میاں صاحب نے لکھ دی ہے۔ پھر اس کے حسن و قبح سے، اس کے موافق یا خلاف قرآن وحدیث ہونے سے، اس کے مطابق یا خلاف واقعات وعقل ہونے سے، کوئی بحث نہیں ہوتی۔ وہ اسے اسی طرح مانتے چلے جاتے ہیں۔ جس طرح میاں صاحب فرما

دیں۔

اور میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ 1902ء سے 1901ء تاریخ بدلنے کی ذمہ داری صرف مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ جب میں نے یہ اعتراض کیا۔تو میاں صاحب نے اپنی دوسری کتاب حقیقۃ النبوت میں فوراً تاریخ بدل دی۔اور مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ میاں صاحب کو تاریخ بدلنے کا یہ حق حاصل تھا۔کیونکہ اپنی بنائی ہوئی چیز پر ہر انسان کو پورا اختیار حاصل ہوتا ہے۔حضرت صاحب کے دعویٰ میں تبدیلی کی تاریخ 1902ء انہوں نے خود بنائی تھی۔اس لیے انہیں حق تھا کہ خود اسے بدل کر 1901ء بنادیں۔

اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو مجھے سارے احمدی لٹریچر میں کتابیں ہوں یا اشتہارات یا اخبارات کوئی شخص صرف ایک فقرہ نکالا کر دکھادے کہ میاں صاحب کے اس ایجاد متعلق تبدیلی عقیدہ سے پیشتر کبھی کسی نے یہ لکھا ہو کہ حضرت صاحب نے 1902ء یا 1901ء میں اپنا دعویٰ تبدیل کرلیا تھا۔یا پہلے آپ غلطی سے اپنے آپ کو نبی کی بجائے محدث کہلایا کرتے تھے۔اور ایک زمانہ آپ پر ایسا گزرا تھا کہ آپ کو لفظ نبی یا محدث کے معنی نہ آتے تھے۔

لیکن یہ عجیب معاملہ ہے کہ باجودیکہ ساری جماعت میں سے ایک احمدی کے سر میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ اس کے مرشد نے 1901ء یا 1902ء میں اپنا دعویٰ تبدیل کرلیا تھا۔اور انکار نبوت کے پہلے حوالے جو کہ منسوخ ہو گئے تھے۔پھر بھی جب میاں صاحب نے یہ کہا کہ حضرت صاحب کے 1902ء کی پہلی تحریروں سے حجت پکڑنا بالکل جائز نہیں۔تو ان کے سارے مریدین کا ایمان اسی پر تھا کہ 1902ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔گو اسی کتاب میں خود میاں صاحب نے 1902ء سے پہلے کی تحریر سے حجت بھی پکڑی تھی۔اور جب اس پر اعتراض ہوا۔تو میاں صاحب نے دو ماہ بعد لکھ دیا کہ 1901ء سے پہلے کی تحریر سے حجت پکڑنا جائز نہیں......اور ساری جماعت کا ایمان اس پر ہو گیا کہ 1901ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔حقیقۃ النبوۃ صفحہ 121 پر ہے:

''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ 1901ء میں آپ نے عقیدہ میں تبدیل کی ہے۔اور 1900ء ایک درمیانی عرصہ ہے۔جو دونوں خیالات کے درمیان برزخ کے طور پر حد فاصل ہے۔

> پس یہ بات ثابت ہے کہ 1901ء سے پہلے کے دو حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے۔ اب منسوخ ہیں۔ اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔“

میاں صاحب کی اس تحریر کی تاریخ سے 1902ء سے پہلے کی تحریریں منسوخ نہ رہیں۔ بلکہ 1901ء سے پہلے کی تحریریں منسوخ ہوگئیں۔ اور اس کی وجہ اسی کتاب کے صفحہ 23 پر یوں دی ہے کہ:

> ”میں نے اپنے رسالہ القول الفصل میں تاریخ اشاعت کے لحاظ سے 1902ء تک ہی (تریاق القلوب) کی تیاری لکھی ہے۔ لیکن چونکہ اس وقت اس امر کو بالتفصیل لکھنے کی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے اس رسالہ میں وہی تاریخ لکھ دی گئی جو (تریاق القلوب) پر لکھی ہوئی تھی۔“

مگر یہ وجہ دینے والے کی قلبی کیفیت خود ان الفاظ سے نظر آتی ہے۔ اس کے ایک ایک حرف میں بناوٹ کی بو ہے، سوال تریاق القلوب کی اشاعت کا تھا۔ کیونکہ القول الفصل میں میاں صاحب نے یوں لکھا ہے کہ تریاق القلوب کی اشاعت تک ...... آپ کا عقیدہ بھی تھا، اور اب وجہ دیتے وقت بجائے اشاعت کی تاریخ کے تیاری یا اس کے لکھا جانے کی تاریخ کو لے بیٹھے۔ تریاق القلوب کی تیاری کی تاریخ وہ اپنے مریدوں کی قسموں سے جو چاہیں ثابت کر دیں، لیکن تریاق القلوب کی اشاعت کی تاریخ وہ ان کی قسموں سے بھی تبدیل نہیں کر سکتے۔ دوسرے ان کے صاف لفظ ہیں کہ 1902ء سے پہلے کی تحریر سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔ غلطی کا اعتراف اس عذر گناہ بدتر از گناہ سے بدرجہا بہتر ہوتا۔ ہاں! اس سے پتہ لگتا ہے کہ تبدیلی عقیدہ کی تاریخ کس طرح بنی؟ لیکن اس تبدیل عقیدہ کی بحث میں سب سے زبردست شہادت یہ ہے کہ کیا جو آج میاں صاحب یقین دلانا چاہتے ہیں کہ 1901ء میں کتابیں منسوخ ہوگئیں۔ جب ان کی عمر صرف بارہ تیرہ سال کی تھی، خود 1901ء میں بھی کسی احمدی کے خیال میں یہ بات آئی تھی۔ یا آج صرف اس لیے مانی جاتی ہے کہ پیر نے ایسا کہہ دیا ہے؟ کیا حضرت صاحب کے کسی مرید نے 1901ء میں ”ایک غلطی کا ازالہ“ نکلنے پر یہ سمجھا تھا کہ آج حضرت صاحب نبی بن گئے ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اس اشتہار میں حضرت مرزا صاحب نے اپنی کسی غلطی کا ازالہ نہیں کیا۔ بلکہ ایک دوسرے شخص کی غلطی کا ازالہ کیا ہے۔ جس کو اپنی پہلی کتابوں سے ناواقف اور صحبت سے دور رہنے والا قرار دیا ہے کیا غلطی کے ازالہ میں

پہلی کتابوں کے بیانات کی تصدیق کی ہے یا انہیں منسوخ قرار دیا ہے؟ کیا اس میں یہ لکھا ہے کہ پہلے مجھے لفظ نبی اور محدث کے معنی سمجھ میں نہ آتے تھے۔ اب آ گئے ہیں؟

اب دیکھو کہ واقعات کی شہادت کیا ہے۔ ذیل میں ستر (70) اصحاب حضرت مسیح موعود کی حلفی شہادت پیش کرتا ہوں۔ جنہوں نے 1901ء میں یا اس سے پہلے بیعت کی کہ 1901ء میں انہوں نے کوئی تبدیلی حضرت مسیح موعود کے دعویٰ میں محسوس نہیں کی۔ نہ آپ کی سابقہ تحریروں کو، جن میں انکار نبوت تھا، کبھی منسوخ سمجھا۔ اس کے علاوہ اور بھی شہادتیں پیش کرسکتا ہوں۔ مگر سر دست یہ کافی ہیں اور وہ شہادت حسب ذیل ہے۔

''ہم دستخط کنندگان ذیل حلفی شہادت ادا کرتے ہیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جب 1901ء میں یہ اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کا وفات پا جانا قرآن کریم سے ثابت ہے اور حدیثوں میں جس ابن مریم کے امت محمدیہ میں آنے کا ذکر ہے وہ میں ہوں۔ تو اس وقت آپ نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہاں بعض علماء نے لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالا اور ان کو مدعی نبوت قرار دے کر آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ جس کے بعد حضرت موصوف نے صاف طور پر کئی مرتبہ یہ اعلان کیا۔ جیسا کہ آپ کی تحریروں سے ظاہر ہے کہ آپ کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنا محض افتراء ہے۔ اور آپ نبوت کو آنحضرت ﷺ پر ختم سمجھتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو کاذب اور کافر یقین کرتے ہیں۔ اور آپ کے بعض الہامات میں جو مرسل یا رسول یا نبی آیا ہے یا حدیث میں آنے والے مسیح کی نسبت جو لفظ نبی کا آیا ہے تو اس سے مراد فی الحقیقت نبی نہیں، بلکہ مجازی جزوی ظلی نبی ہے۔ جسے محدث کہا جاتا ہے۔ اور خاتم النبیین ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ نہ نیا، نہ پرانا۔

ہم یہ بھی حلفی شہادت ادا کرتے ہیں کہ ہم نے نومبر 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی۔ اور میاں محمود احمد صاحب سرگروہ احمدی فریق قادیان نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ ابتدا میں نبوت کا نہ تھا۔ مگر نومبر 1901ء میں آپ نے اپنا دعویٰ تبدیل کیا اور نبوت کے مدعی بن گئے۔ اور انکار نبوت کی دس، گیارہ سال کی لگاتار تحریریں منسوخ ہیں۔ یہ محض غلط اور سراسر خلاف واقعات ہے۔ ہم اللہ جلشانہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ کبھی ہمارے وہم وگمان میں یہ بات نہیں آئی کہ 1901ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنے دعویٰ میں تبدیلی کی یا آپ کی سابقہ تحریریں جو انکارِ نبوت سے بھری پڑی ہیں منسوخ ہو گئیں۔ نہ ہم نے اپنے علم میں کبھی

ایسے لفظ کسی ایک شخص کے بھی منہ سے سنے۔ جب تک کہ میاں محمود احمد صاحب نے ان کا اعلان نہیں کیا۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَانَقُوْلُ شَہِیْدٌ.

دستخط: مولوی سید محمد احسن امروہوی۔ مولوی محمد عبداللہ خاں پٹیالوی۔ مولوی محمد مبارک علی سیالکوٹی۔ مولوی غلام حسین سب رجسٹرار پشاور۔ مولوی حکیم مرزا خدا بخش عسل مصفٰی۔ محمد علی لاہور۔ مولوی محمد یحیٰ دیب گراں مولوی محمد یعقوب دیب گراں۔ شیخ رحمت اللہ تاجر لاہور۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ لاہور۔ شیخ ضیاء اللہ سابق ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان۔ مولوی محمد حسن قریشی قلعہ دار۔ شیخ ہدایت اللہ شاعر پنجابی۔ میاں نبی بخش گورنمنٹ پنشنر لاہور۔ ڈاکٹر سید طفیل حسین لاہور۔ مرزا جمال الدین خوشنویس لاہور۔ شیخ دین محمد لاہور۔ ماسٹر فقیر اللہ لاہور۔ ڈاکٹر نبی بخش بھاٹی دروازہ لاہور۔ حافظ فضل احمد حال بدوملہی۔ حافظ غلام رسول سوداگر وزیر آباد، چوہدری غلام حسن سابق اسٹیشن ماسٹر ساکن لویری والا۔ شیخ غلام حسین صدیقی احمدی سیالکوٹی۔ شیخ محمد جان تاجر وزیرآباد۔ شیخ عبدالرحمٰن وزیرآباد۔ مولوی عزیز بخش بی اے ڈیرہ غازی خان۔

ولی محمد مشلخاں ڈیرہ غازی خان۔ ماسٹر غلام محمد بی اے ہیڈ ماسٹر راولپنڈی۔ حکیم سردار خاں برادر حکیم شاہ نواز مرحوم راولپنڈی۔ سیٹھ احمد دین سابق میونسپل کمشنر جہلم۔ شیخ قمرالدین سوداگر چشم جہلم۔ ڈاکٹر حیات محمد دندان ساز راولپنڈی، بابو الہ بخش افیسر زمنشی جہلم۔ بابو عبدالحق کلرک دفتر نہر جہلم۔ مستری عبدالستار جہلم۔ شیخ غلام محی الدین اپیل نویس جہلم۔ مولوی محمد ابراہیم امام مسجد جہلم۔ مستری یعقوب علی جموں۔ ماسٹر محمد رمضان جموں۔ ملک شیر محمد خان بی اے پرنسپل اسسٹنٹ جموں۔ مفتی فضل احمد جموں۔ مستری شہاب دین جموں۔ محمد شاہ جموں۔ نواب خان۔ اہلمد جموں۔ سید مسعود شاہ مدرس جموں۔ مستری نظام دین جموں۔ سید امیر علی شاہ پنشنر سب انسپکٹر۔ شیخ ہدایت اللہ پشاور۔ رمضان علی پشاور۔ میاں محمد مکی پشاور۔ سید لعل شاہ برق پشاور۔ شیخ فضل کریم پشاور۔ منشی نواب خاں سب انسپکٹر گوجرانوالہ۔ شیخ مولا بخش سیالکوٹ۔ حکیم شمس الدین سیالکوٹ۔ میاں بوڑا سیالکوٹ۔ الہ دین سیالکوٹ۔ شیخ محمد جان سوداگر سیالکوٹ چھاؤنی۔ بابو عطا محمد اوورسیئر سیالکوٹ۔ مرزا حاکم بیگ سیالکوٹ۔ مستری محمد اکبر ٹھیکہ دار سیالکوٹ۔ مستری عبداللہ سیالکوٹ۔ محمد الدین سیالکوٹ۔ حاجی فضل دین سیالکوٹ۔ سید امجد علی کورٹ انسپکٹر۔ ڈاکٹر حسن علی۔ محمد سرفراز خاں نمبردار بدوملہی۔ محمد عبداللہ ولد خلیفہ رجب

الدین لاہور۔عبدالحق راولپنڈی۔

اب میاں صاحب جماعت مسیح موعود میں سے 98 یا 99 فیصد اپنے ساتھ بتاتے ہیں،تو اس حساب سے انہیں چاہئے کہ سات ہزار اصحاب مسیح موعود کی حلفی شہادت اس کے بالمقابل پیش کریں۔ جو اس پایہ کے لوگ ہوں، جو حلف اٹھا کر یہ شہادت ادا کریں کہ انہوں نے نومبر 1901ء میں ''ایک غلطی کا ازالہ'' نکلنے پر سمجھ لیا تھا کہ آج حضرت مسیح موعود دعویٰ نبوت کرتے ہیں۔اور آپ کی پہلی تحریریں انکارنبوت پر منسوخ ہوگئیں۔سات ہزار نہ سہی، سات سو اس قدر بھی نہ سہی، ستر ہی آدمیوں کی شہادت حلفی پیش کریں،مگر حلف صفائی سے صرف اس معاملہ پر ہو کہ 1901ء میں ''ایک غلطی کا ازالہ'' نکلنے پر انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ حضرت صاحب نے اپنا دعویٰ تبدیل کر لیا ہے اور نبوت کے مدعی ہو گئے ہیں۔اور سابقہ تحریریں انکار نبوت پر منسوخ ہوگئی ہیں۔اور اگر وہ ایک بھی ایسی شہادت پیش نہیں کر سکتے تو پھر جماعت کو کیوں ایک خطرناک غلطی میں مبتلا کر رکھا ہے۔

۞۞۞

یکم فروری 1922ء

بلادِ غربیہ میں تبلیغ اسلام

(از خلیفہ عبدالحکیم صاحب خوشنویس)

اے فاتحان مغرب صد شکر ہے خدا کا
آئے ہو توڑ کر تم وہ بت کدہ جفا کا

اسلام پر تھے جس کے جور و ستم نمایاں
سکہ بٹھایا ان پہ کیا دین مجتبیٰؐ کا

جن کے گلُو میں زہر تثلیث کا تھا مہلک
شربت انہیں پلایا ہے عسل باصفا کا

لیے آشتی کا پرچم مشرق سے تم جو نکلے
مغرب میں جا کے تم نے گاڑا علم ہدیٰ کا

گنجینۂ ہدایت مہدی سے تم نے پایا
ہے غریبوں کو بانٹا وہ مخزن عطا کا

توحید کا عمامہ ان کے سروں پہ باندھا
زیب تن اُن کے جامہ پہنایا اقتدا کا

تثلیث کی وہاں پہ وہ دھجیاں اڑائیں
زندہ رہا نہ بیٹا کہتے تھے جو خدا کا

مادہ پرست کاملِ اسلام کے فدائی
نہ جابروں کا ڈر ہے نہ خوف اقربا کا

دین متین پہ عاشق توحید کے ہیں شیدا
اُن کے دلوں پہ جلوہ ہے شمسِ ضیا کا

درس مسیح سے جس نے سیکھا ہے سبق عرفاں
سارے جہاں کا ہے وہ استاد کیمیا کا

تو ہے رحیم و رحمٰن، غفار ذوالکرم ہے
رحمت کا ابر برسے مولیٰ تری رضا کا

❁❁❁

24 جمادی الثانی 1340ھ

رشحات حضرت امیر

کیا اناجیل قابل اعتماد ہیں۔ 1

اناجیل کا سب سے قدیم نسخہ، جو 1859ء میں دستیاب ہوا، یونانی زبان میں ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی کے قریباً وسط میں تیار ہوا تھا۔ یہ نسخہ چونکہ جبل سینا پر سینٹ کیتھرائن کے راہب خانہ میں سے دستیاب ہوا تھا، اس لیے سین ٹیکس (Siniaticus) کے نام سے یہ مشہور ہے۔ ایک اور نسخہ جو الیگزینڈرنیس (Alexandriness) کے نام سے مشہور اور آج کل برٹش میوزیم میں رکھا ہوا ہے، پانچویں صدی عیسوی کی یادگار ہے۔ تیسرا نسخہ جو ویٹیکن (Vatican) کہلاتا ہے۔ چوتھی صدی عیسوی سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن یہ بالکل نامکمل نسخہ ہے۔ یہ تین سب سے بڑے اور مشہور نسخے ہیں۔ ان تینوں نسخوں کی حالت اور ان کے قابل اعتبار ہونے یا نہ ہونے کے متعلق میں بائبل کے نقاد کو نہیں بلکہ مفسر کو پیش کرتا ہوں۔ ریورنڈ جے آرڈ میلو (R.J.R.Dummelow) اپنی تفسیر بائبل میں لکھتے ہیں:

> ''سب سے پہلے یہ امر قابل ذکر ہے کہ اناجیل کے لکھنے والوں نے مسیحؑ کے کلام کو یونانی زبان میں نقل کیا ہے۔ حالانکہ ان بیانات کو آرامی زبان میں انہوں نے حاصل کیا ہوگا، جس میں جناب مسیح عموماً گفتگو کیا کرتے تھے۔ ان مصنفین یا ان کے نقل کرنے والوں کو دراصل اس بات کا خیال بھی نہ تھا کہ ان کے جمع کردہ بیانات قرون اولیٰ کے بعد بھی مسیحی کلیسا میں باقی رہیں گے۔ کیونکہ وہ خود قرون اولیٰ ہی کے کلیسا سے زیادہ تر واقف تھے۔''

یہی حال پولوس کا ہے۔ اس کے خطوط، جنہیں اب اتنی قدر و قیمت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، صرف چند پیغامات ان کلیساؤں کے نام تھے، جن کی طرف ان خطوط کو بھیجا گیا۔ وہ لوگ جنہوں نے ان خطوط کو سب سے پہلے نقل کیا، کبھی بھی انہوں نے ان کو ان معنوں میں ''مقدس'' نہیں سمجھا، جو ہم اس لفظ سے مفہوم لیتے

ہیں۔ بعد کے زمانوں میں بھی عبارات مقدسہ کی وہ عزت وتکریم ہمیں نظر نہیں آتی ،جس نے عہد نامہ عتیق کو امتیاز خاص دے دیا ہے۔

ایک نقال بعض اوقات وہی کچھ نہیں لکھتا ہے جو اصل عبارت میں موجود ہو۔ بلکہ اپنی طرف سے ایسی باتیں بھی لکھ دیتا ہے۔ جو اس کے نزدیک اس میں ہونی چاہئیں۔ وہ اپنے رہے سہے حافظہ پر زیادہ اعتبار کرتا یا اصل عبارات کو بدل کر اپنے ان خاص خیالات کے مطابق بھی کر لیتا ہے۔ جن کا وہ خود حامی ہے۔ اس کے علاوہ اناجیل کی بے شمار نقلیں اس وقت تک محفوظ ہیں۔ ان تمام بیانات اور حوالہ جات کے علاوہ جو از منہ سلف کے عیسائی بزرگوں سے مروی ہیں، عہد نامہ جدید کے قریباً چار ہزار یونانی نسخے موجود ہیں۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ قراءتوں میں بہت زیادہ اختلاف پیدا ہو چکا ہے۔ ایسے نسخوں پر، جو اس قدر لا پرواہی اور اضافہ وترمیم کا نتیجہ ہیں کہاں تک اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ اور تو اور ان سب کی تاریخ تصنیف اور مصنفین کا بھی یقینی علم کوئی نہیں۔

انجیل متی: اناجیل مقدسہ میں سے سب سے پہلی انجیل وہ ہے، جو متی کے نام سے منسوب ہے۔ جو مسیحؑ کے بارہ رسولوں میں سے ایک تھا۔ مگر یہ یقینی امر ہے کہ یہ انجیل متی نے خود کبھی نہیں لکھی۔ بلکہ کسی غیر معلوم شخص کی تصنیف ہے۔ اس انجیل کی تصنیف کی داستان محولہ بالا شارح اناجیل نے یہ لکھی ہے کہ متی نے غالباً زبان عبرانی میں ایک LOGIA یا ORACLES کی کتاب لکھی تھی۔ جو بالکل نایاب ہوگئی تھی۔ صرف پاپی آس (PAPIAS) نے 130ء میں اپنی ایک تصنیف کے اندر ذکر کیا ہے کہ متی نے ایک ایسی کتاب مرتب کی تھی۔ اس کتاب میں LOGIA کے یونانی ترجمہ، کا استعمال معلوم ہوتا ہے کہ مصنف انجیل متی نے، اس قدر آزادی کے ساتھ کیا ہے کہ اپنی کتاب کو ''متی کی تصنیف کے مطابق'' بتا کر اس سے استفادہ کا اعتراف اسے کرنا پڑا ہے۔

یہ بیان بطور خود بالکل واضح اور ظاہر ہے اور کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ ممکن ہے کہ متی نے کوئی ایسی کتاب لکھی ہو، جس کا پتہ پاپی آس کے حوالہ کے سوائے اور کہیں سے نہ ملتا ہو۔ اس کے علاوہ باقی جو کچھ کہا جاتا ہے، وہ سب اٹکل پچو اور بناوٹ ہے۔ اور اس امر کی کوئی ذراسی بھی شہادت ہمارے پاس موجود نہیں کہ انجیل اول کے غیر معلوم مصنف کے پاس متی کی کتاب کا کوئی نسخہ یا اس کا یونانی ترجمہ موجود تھا، نہ ہی یہ کہیں سے پتہ لگ سکتا ہے کہ اس نے کسی ایسے نسخہ یا ترجمہ کا استعمال اس قدر آزادی کے ساتھ کیا۔ یہ تمام اٹکل پچو باتیں محض اس حقیقت

پر مبنی ہیں کہ اس نے اپنی انجیل کو متی کے مطابق قرار دیا ہے۔لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے ان زبانی روایات کو سنا ہو، جو متی سے منسوب ہوں۔انہی کے مطابق اس نے اپنی انجیل کو بنایا ہو۔(جاری)

یکم رجب المرجب 1340ھ

رشحاتِ حضرت امیر

کیا اناجیل قابل اعتبار ہیں ۔2

انجیل مرقس:

دوسری انجیل مرقس کی ہے۔ جو پطرس کا ایک ساتھی تھا۔اور ذیل کی شہادت کی بنا پر جو پاپی آس نے قریباً 130ء میں لکھی ہے،اس انجیل کی تصنیف کا ذمہ دار اسے قرار دیا گیا ہے:

> ''مرقس نے جو پطرس کا ترجمان تھا (یا ترجمان رہ چکا تھا) تمام وہ باتیں لکھیں جو اسے یاد تھیں (یا تمام وہ باتیں جو پطرس نے بیان کیں) اگرچہ اس نے وہ تمام باتیں جمع نہیں کیں جو مسیحؑ نے کہیں۔ یا اس نے کرکے دکھائیں۔ کیونکہ اس نے مسیحؑ کے کلام کو نہ تو سنا تھا اور نہ وہ اس کا پیرو تھا۔لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے، مسیحؑ کے بعد اس نے پطرس کے ساتھ اپنا تعلق قائم کیا۔ جو سامعین کی فوری ضروریات کے مطابق تعلیم دیتا اور انہیں وعظ کرتا تھا، نہ کہ مسیحؑ کی تعلیم اور مواعظ کی مسلسل خبریں اور حالات بتایا کرتا تھا۔''

اگر ہم اس شہادت پر ہی ایمان لے آئیں۔تو ماننا پڑے گا کہ مرقس کی انجیل پطرس کی زبانی روایات پر مبنی ہے۔لیکن یہ شہادت بھی اس بات کو یقینی نہیں ٹھہراتی کہ وہ انجیل مرقس، جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے، واقعی طور پر مرقس ہی کی تصنیف ہے۔اور تنقید اعلیٰ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ وہ موجودہ انجیل، جو اس سے منسوب ہے، صرف اس ہی کا مصنف ہے۔اور باقی انجیل کا نہیں۔لوقا بھی خود مسیح کا نہیں بلکہ اس کے رسولوں کا شاگرد تھا۔اور کہا جاتا ہے کہ پولوس کا وہ پیرو تھا۔رہی چوتھی انجیل۔اس کے متعلق تو شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ وہ بہت بعد کے زمانہ کی تصنیف ہے۔

ان مختلف اناجیل کی تاریخ ہائے تصنیف کا جہاں تک تعلق ہے، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پہلی تین اناجیل کے

متعلق سب سے بڑھ کر تائیدی خیال یہ ہے کہ وہ قریباً70ء میں تصنیف ہوئی تھی۔لیکن تنقید اعلیٰ اس سے بھی بعد کی تاریخ کی مؤید ہے۔اور خود اناجیل کی اندرونی شہادت بھی اسی نتیجہ کی حامی ہے۔

متی کے مستند ہونے کی تاریخ کے متعلق ایک بحث میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ بہت سے لوگ تمام کی تمام انجیل کی تاریخ تصنیف 130ء قرار دیتے تھے۔اس سے قبل کی تاریخ اس صورت میں مانی جاسکتی ہے کہ اس کے بہت سے مقامات کو بعد کی ملاوٹ سمجھا جائے۔

لوقا کی انجیل کی تاریخ تصنیف کے متعلق جس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ 100ء سے لے کر قریباً 110ء تک کے ایام اس کی تاریخ تصنیف کا زمانہ ہے۔اس طرح پر اول الذکر تاریخ زیادہ صحیح ہے۔اور مؤخر الذکر اس سے کم درجہ پر(انسائیکلو پیڈیا ببلیکا)

اناجیل کے مصنفین ،ان کی تاریخ ہائے تصنیف وغیرہ امور کے متعلق یہ تمام حالات وواقعات،اس کے نسخوں اور قراءتوں میں کثیر اختلاف،اوران میں ناقابل انکار دستبرد، یہ سب ایسی باتیں ہیں۔جو ان کے اعتبار کو بالکل گنوا دیتی ہیں۔اوراسی وجہ سے انسائیکلو پیڈیا ببلیکا میں ان پر تنقید کرتے ہوئے ریورنڈ ای۔اے۔ایبٹ اس سوال کے اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں کہ:

''متذکرہ صدر فقرات وآیات سے بعض وقت اس شبہ کا احتمال ہوسکتا ہے کہ کیا تمام اناجیل میں کوئی قابل اعتبار باتیں بھی ہیں یا نہیں؟''

اس سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تمام اناجیل میں ذیل کے پانچ فقرے یقینی طور پر قابل اعتبار سمجھے جانے چاہئیں:

☆ وہ فقرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ نے بے گناہ کہلانے سے انکار کیا ہے۔(اور وہ اور اس کی بیوی دونوں ایک جسم ہوں گے۔پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔(مرقس باب 10 آیت 8)

☆ وہ فقرہ جس سے پتہ لگتا ہے کہ مسیحؑ کا یہ اعتقاد تھا کہ اس کے اپنے متعلق جو

بری باتیں کہی جائیں، یا اس پر لعنت کی جائے، وہ قابل معافی ہے۔ (دوسرا یہ ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں۔ (مرقس باب 12 آیت 31)

☆ وہ فقرہ جو ظاہر کرتا ہے کہ مسیحؑ کی اپنی ماں اور بھائی اس پر کوئی ایمان نہ رکھتے تھے۔ اور کہ ان کا یہ پختہ خیال تھا کہ وہ پاگل ہے۔ (جب اس کے عزیزوں نے یہ سنا تو اسے پکڑنے کو نکلے۔ کیونکہ کہتے تھے کہ وہ بے خود ہے۔ (مرقس باب 2 آیت 21)

آیت 31 سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کے یہ دوست، جن کا مندرجہ بالا آیت میں ذکر ہے، اس کی ماں اور بھائی تھے۔

☆ وہ فقرہ جو اس بات کا مظہر ہے کہ مسیحؑ کو غیب کا کوئی علم نہ تھا (اس گھڑی کو سوائے باپ کے کوئی نہیں جانتا)

☆ وہ فقرہ جس میں مسیحؑ کی اس مایوسانہ پکار کا ذکر ہے، جو صلیب پر اس نے کی۔ ایلی ایلی لما سبقتنی (متی باب 27 آیت 14)

ان پانچ فقروں کے ساتھ چار اور شامل کیے گئے ہیں، جو مسیح کے معجزات پر مشتمل ہیں۔ اور ان فقرات کو تو مسیحؑ کی ایک خالص علمی زندگی کے بنیادی ستون قرار دیا گیا ہے۔

۞۞۞

13 شعبان المعظم 1340ھ

شب براءت

جمعہ مورخہ 7 اپریل 1922ء کی نماز کے بعد حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا:

''بعض باتیں ہمارے گھروں میں ہوتی ہیں۔ وہ بظاہر چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔ لیکن ان کا اثر بہت بڑا ہوتا ہے۔ شب براءت آنے والی ہے۔ ایک طرف تو مسلمان کہتے ہیں کہ اس رات کو فیصلہ ہوتا ہے کہ کس کس نے آئندہ سال مرنا ہے؟ کون جیئے گا؟ کون اچھا ہو گا؟ کون بُرا؟ اور کون بہشت میں جائے گا؟ اور کون دوزخ میں؟ لیکن دوسری طرف خود ہی اپنے لیے دوزخ بنا لیتے ہیں کہ اپنے بچوں کو آتش بازی دیتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ ہمارے بعض احباب کے گھروں میں بچوں کے لیے کچھ اسی قسم کا شغل کر لینا، گو کھیل کے طور پر ہی سہی، معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ میں اپنے دوستوں کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ ان باتوں سے متنفر ہوں اور اپنی بیوی بچوں کو زور سے روکیں۔ اور اپنے گھروں میں یہ چیزیں قطعاً نہ آنے دیں۔''

13 شعبان المعظم 1340ھ

قسط چہارم

اتمامِ حجت

ختم نبوت پر میاں محمود احمد صاحب کے پہلے خیالات

میاں محمود احمد صاحب نے اپنی کتاب ''آئینہ صداقت'' میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے اپنے عقیدہ میں کبھی تبدیلی نہیں کی۔ چنانچہ اس کتاب کے صفحہ 35 پر میاں صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے تبدیلی عقیدہ کا غلط الزام ان پر دیا ہے:

''یہ تبدیلی عقیدہ مولوی صاحب تین امور کے متعلق بیان کرتے ہیں:

اوّل یہ کہ میں نے حضرت مسیح موعود کے متعلق یہ خیال پھیلایا ہے کہ آپ فی الواقع نبی ہیں۔

دوم یہ کہ آپ ہی آیت اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ کی پیشگوئی مذکورہ قرآن مجید (سورہ الصّف آیت 6) کے مصداق ہیں۔

سوم یہ کہ کُل مسلمان، جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے یہ عقائد ہیں۔ لیکن اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ 1914ء یا اس سے تین چار سال پہلے سے میں نے یہ عقائد اختیار کیے ہیں۔''

اس کی تائید میں میاں صاحب نے اپنے رسالہ تشحیذ الاذہان کے کئی ایک حوالہ جات پیش کیے ہیں۔ جن میں لفظ نبی یا رسول کا استعمال حضرت مسیح موعود کے لیے انہوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں 1906ء سے

دکھایا ہے۔لیکن جیسا کہ میں بارہا کہہ چکا ہوں۔محض لفظ نبی یا رسول کا استعمال اپنے لغوی معنوں میں یہ نہیں بتاتا کہ فی الواقع احمدی خاتم النبیین کے بعد نبیوں کے آنے کے قائل تھے۔اور حقیقت میں حضرت مسیح موعود کو نبی مانتے تھے۔ چنانچہ میاں صاحب کی اپنی تحریر 14 مارچ 1911ء کے ''الحکم'' میں عنوان ''خاتم النبیین'' کے ماتحت چھپی ہے۔جس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس پر آج زور دیا جاتا ہے کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی مہر سے نبیوں کا بننا ہے بلکہ اس کے بالکل برخلاف وہی معنی خاتم النبیین کے کیے ہیں، جو ہم کرتے ہیں۔الفاظ ذیل قابل غور ہیں:

> ''اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین کے مرتبہ پر قائم کر کے آپ پر ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ کر دیا۔''

جس سے صاف معلوم ہوا کہ میاں صاحب کے نزدیک بھی 1911ء کے شروع تک ''خاتم النبیین'' کے وہی معنی تھے، جو آج ہم کرتے ہیں۔اور دوسرے معنی ابھی تیار نہ ہوئے تھے۔ورنہ لفظ ''خاتم النبیین'' کی تشریح میں میاں صاحب ''ہر قسم کی نبوتوں'' کے خاتمہ کا ذکر کرنے کی بجائے آنحضرت ﷺ کی مہر سے اجرائے نبوت کا ذکر کرتے۔اور یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ جب نبوت کی دو ہی قسمیں ہیں۔ایک تشریعی اور ایک غیر تشریعی ،تو ہر قسم کی نبوتوں کے خاتمہ کے بعد غیر تشریعی نبوت کس طرح باقی رہ گئی؟ ہاں جس بات کے سب لوگ اس وقت تک قائل تھے، وہ وہی تھی جس کی تشریح میاں صاحب نے اپنے اس مضمون میں خود کر دی ہے:

> ''ہمارا ایمان ہے کہ آپ کے کمالات اعلیٰ سے اعلیٰ ترقیات کی ان منازل تک پہنچ گئے کہ آپ کی اتباع کی برکت سے ایسے ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں، جو بڑے بڑے انبیاء کا مرتبہ رکھتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ.''

اس سے بھی واضح تحریر اسی لفظ خاتم النبیین کی تشریح میں میاں صاحب نے اپنے رسالہ تشحیذ الاذہان بابت اپریل 1910ء میں اپنے مضمون ''نجات'' میں لکھی ہے۔جہاں لکھا ہے:

’’پھر چوتھی آیت، جس میں آنحضرت ﷺ کے عہدہ کی میعاد بیان کی گئی ہے کہ کب تک آپ کا مذہب قائم رہے گا۔ یہ ہے۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا۔ (40:33مرتب) یعنی نہیں ہیں آنحضرت ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ، لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور رسول بھی کیسے کہ ’’خاتم النبیین‘‘ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے۔ اور کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی شخص نہیں آئے گا کہ جس کو نبوت کے مقام پر کھڑا کیا جائے۔ اور وہ آپ کی تعلیم کو منسوخ کر دے۔ اور نئی شریعت جاری کرے، بلکہ جس قدر اولیاء اللہ ہوں گے۔ اور متقی اور پرہیز گار لوگ ہوں گے۔ سب کو آپ کی غلامی میں ہی ملے گا، جو کچھ ملے گا۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے بتا دیا کہ آپ کی نبوت نہ صرف اس زمانہ کے لیے ہے، بلکہ آئندہ بھی کوئی نبی اور نہیں آئے گا۔ بلکہ اب ہمیشہ کے لیے آپ کی ہی تعلیم جاری رہے گی۔ اور یہی لوگوں کی ہدایت کا موجب ہوگی۔ جو اس سے باہر نکلے گا، وہ درگاہ الٰہی میں نہیں پہنچ سکے گا۔

اس جگہ ایک اور نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا۔ (40:33مرتب) مگر بظاہر اس جگہ اس کا جوڑ کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر باتیں بیان فرمائی ہیں۔ وہ ظاہر ہیں۔ ان کے لیے یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے، کچھ ضروری نہ تھا۔ سو اصل بات یہ ہے کہ یہاں آپ کے خاتم النبیین ہونے کے متعلق ایک پیشگوئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے سینکڑوں نبی گزرے ہیں، جن کو ہم جانتے ہیں۔ اور جنہوں نے بڑی بڑی کامیابیاں دیکھیں۔ بلکہ کوئی صدی نہیں معلوم ہوتی کہ جس میں ایک نہ ایک جگہ مدعی نبوت نظر نہ آتا ہو۔ چنانچہ کرشن، رام چندر، بودھ، کنفیوشس، زرتشت، موسیٰ، عیسیٰ تو

ایسے ہیں کہ جن کے پیرواب تک دنیا میں موجود ہیں۔اور بڑے زور سے اپنا کام کررہے ہیں۔اور ہرایک اپنی ہی سچائی کا دعویٰ پیش کرتا ہے۔

مگرآنحضرت ﷺ کے دعویٰ کے بعد تیرہ سو برس گزر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوت کا دعویٰ کر کے کامیابی حاصل نہیں کی۔آخرآپ سے پہلے بھی تو لوگ نبوت کا دعویٰ کرتے تھے۔اوران میں سے بہت سے کامیاب ہوئے (جن کو ہم تو سچا ہی سمجھتے ہیں) مگرآپ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ کیوں بند ہوگیا؟ اب کیوں کوئی کامیاب نہیں ہوتا؟ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی پیشگوئی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔

اب ہم اسلام کے مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کیا نشان ہوسکتا ہے کہ آپ کے دعویٰ کے بعد کوئی شخص، جو مدعی نبوت ہوا ہو، کامیاب نہیں ہوا۔ پس اس کی طرف اشارہ تھا کہ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا .(40:33مرتب) یعنی ہم نے آپ کو خاتم النبیین بنایا ہے۔اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔اور کوئی جھوٹا آدمی بھی ایسا دعویٰ نہ کرے گا کہ ہم اس کو ہلاک نہ کردیں۔

چنانچہ یہ ایک تاریخی پیشگوئی ہے کہ اس کا رد کسی سے ممکن نہیں۔اگر ہے تو ہمارے سامنے پیش کرو۔اگراس طرح نہیں کہ کسی نے دعویٰ کیا ہو۔اور لاکھ دو لاکھ آدمی اس کے پیرو ہو گئے ہوں۔بلکہ ایسا آدمی کہ جس نے آنحضرت ﷺ یا اس سے پہلے نبیوں کی طرح کامیابی حاصل کی ہو۔مگر کوئی نہیں جو ایسی نظیر پیش کرسکے۔''

اب اس تحریر میں دو باتیں صاف ہیں۔اول یہ کہ جہاں یہ لکھا:

''کہ آپ کے بعد کوئی شخص نہیں آئے گا جس کو نبوت کے مقام پر کھڑا کیا جاوے۔'' ساتھ ہی بڑھایا ہے: ''بلکہ جس قدر اولیاء اللہ ہوں گے''

تو معلوم ہوا کہ حقیقتاً اس وقت میاں صاحب حضرت مسیح موعود کو بھی اولیاء میں سے ہی مانتے تھے، نہ انبیاء میں

سے۔ اور اگر انہوں نے کبھی لفظ نبی یا رسول بھی آپ کے متعلق استعمال کیا، تو وہ صرف انہی معنوں میں تھا، جن معنوں میں انہوں نے دوسرے بزرگوں کا بڑے بڑے انبیاء کے مرتبہ پر پہنچ جانا مانا ہے۔ یعنی مجاز اور استعارہ کے طور پر۔ جس کی دلیل انہوں نے عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ میں دی ہے۔ گویا حقیقتاً آنحضرت ﷺ کے بعد صرف اولیا ہیں، نہ انبیاء۔ اور نہ بالکل صحیح اور بعینہٖ اس کے مطابق ہے جو حضرت مسیح موعود نے تریاق القلوب صفحہ 130 کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ

> ''حاجت الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں۔'' اور دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت تک میاں صاحب حضرت مسیح موعود کو مدعی نبوت نہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ صاف لکھتے ہیں کہ ''آنحضرت ﷺ کے بعد تیرہ سو سال میں کوئی مدعی نبوت نہیں ہوا، جو نا کام نہ ہوا ہو۔ اور آئندہ کے لیے بھی یہی فیصلہ ہے کہ آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور کوئی جھوٹا آدمی بھی ایسا دعویٰ نہ کرے گا کہ ہم اس کو ہلاک نہ کر دیں۔''

جس میں صاف مان لیا ہے کہ اب نہ کوئی سچا نبی ہوسکتا ہے اور نہ جھوٹا دعویٰ کر کے کوئی شخص کامیاب ہوسکتا ہے۔ اور للکار کر دعویٰ کیا ہے کہ اس کا رد کسی سے ممکن نہیں۔ اگر ہے تو ہمارے سامنے پیش کرو۔ امید ہے میاں صاحب اب اپنی اس دلیل کو اپنے ساکت کرنے کے لیے خود ہی کافی سمجھ لیں گے۔ اور اس صراحت کے مقابل پر اس بات پر نہ جائیں گے کہ انہوں نے کبھی لفظ نبی استعمال بھی کیا۔ کیونکہ وہ لفظ حضرت صاحب کی اصطلاح کے مطابق صرف ان اولیاء اللہ پر استعمال ہوا جن کو اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے لیے مامور بھی کیا ہو، یعنی مجددین کے لئے۔

بات تو بہت صاف ہے۔ اگر میاں صاحب اسے سمجھنے کی کوشش کریں اور اس غلطی سے رجوع کر کے تکفیر المسلمین کے خطرناک عقیدہ کو بھی ترک کر دیں۔ لفظ رسول یا نبی بطور استعارہ یا مجازاً اور اپنے لغوی معنی میں مامور محدث یا مامور ولی پر استعمال کیا گیا۔ اور جب تشریح کرنے کی نوبت آئی تو سب لوگوں نے حتی کہ میاں صاحب نے بھی یہی اعتراف کیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبی نہیں، بلکہ اولیاء ہیں اور نبوت ختم ہوگئی۔ جیسا کہ امت کا عقیدہ تیرہ سو سال سے چلا آتا ہے۔ اور حضرت صاحب کی اپنی صاف تحریریں حقیقت الوحی تک اس پر

شاہد ہیں۔جیسا کہ آپ نے فرمایا۔سُمِیّتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَاعَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ اور گومجاز اور استعارہ کے رنگ میں یا لغوی وسعت میں اس لفظ کو استعمال کرنے کا حق ہے۔لیکن حضرت مسیح موعود نے جو احتیاط اس لفظ کے بارہ میں برتی ،کہ جب اسے استعمال کیا،ساتھ ہی یہ بھی تشریح کر دی کہ یہ محض لغوی معنی میں ہے اور مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے۔وہ احتیاط دوسروں سے نہ ہوسکی ،جس کا نتیجہ موجودہ فاسد عقیدہ ہے، کہ خاتم النبیین کے بعد نبی بھی آئیں گے،اسی بے احتیاطی کے علاج کے لیے ہی حضرت مسیح موعود نے یہ ہدایت فرمائی تھی کہ صرف لفظ نبی ان کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔''کیونکہ نبوت تامہ کاملہ محمدؐیہ کی اس میں ہتک ہے۔''

اسی ارشاد کی تعمیل میں آج لفظ نبی کے اس عام استعمال کو چھوڑ دیا جائے۔کیونکہ غلط فہمی یہاں تک بڑھی ہے کہ چالیس کروڑ مسلمانوں کو بلاوجہ کافر قرار دے دیا گیا ہے۔خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس ،لاہور

11مارچ1922ء

20 شعبان 1340ھ

مکتوب امیر

احباب کے نام

اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دل میں بار بار یہ درد اٹھتا ہے کہ ہمارے مصائب موت سے کم نہیں، مگر عملاً اصول قرآنی پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہمارا قدم نہیں اٹھتا۔ دو سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہم سب نے مل کر ایک بڑے جلسہ کے اندر کھڑے ہو کر یہ اقرار کیا تھا کہ قرآن کریم کے اصول زکوٰۃ کو ہم زندہ کریں گے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ بہتوں نے اس عہد کی پروا نہ کی۔

بعض دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے زکوٰۃ کے بیت المال میں داخل کرنے پر زور نہیں دیا، مگر کیا حضرت مسیح موعود نے ہم سے یہ عہد نہیں لیا کہ قرآن و حدیث کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کروں گا؟ کیا یہ عہد کافی نہ تھا؟ آپ کے سامنے ایک اور رنگ کا کام تھا۔ حیات مسیحؑ کے مسئلہ نے اسلام کو عیسائیت کے سامنے شرمندہ کر رکھا تھا۔ آپ نے پورا زور اس پر لگایا اور وفات مسیحؑ کے مسئلہ کو یہاں تک مضبوط کیا کہ عیسائیت احمدیت کے نام سے بھاگنے لگی۔

اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہمیں اب اور کسی بات کی ضرورت نہیں رہی۔ قرآن و حدیث کی حکومت کو قبول کیے بغیر اسلام ہمارا ایک نام ہے۔ میں اپنی طرف سے کوئی بات کہوں، کوئی نہ مانے، تو اس کا اختیار ہے۔ مگر میں آپ تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ اگر اسے کوئی شخص لاپروائی اور تحقیر کی نظر سے دیکھتا ہے۔ تو وہ لاپروائی اور تحقیر میری نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی ہے۔

دین اسلام کی جو دو دیواریں عملی طور پر اس کی چھت کو سہارے ہوئے ہیں، وہ نماز کا قائم کرنا اور اموال کا خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ قیامِ نماز میں ایک حصہ فرض اور باجماعت ہے۔ وہ فرض سوائے اشد

مجبوری کے بغیر جماعت ادا نہیں ہوتا۔ اموال کے خرچ کرنے میں ایک حصہ فرض ہے۔ یعنی زکوٰۃ۔ وہ بھی بغیر بیت المال میں داخل کیے ادا نہیں ہوتا۔ دونوں میں نفل حصہ کو جس طرح کوئی چاہے ادا کرے۔ جہاں چاہے خرچ کرے۔ مگر فرض کے لیے جماعت اور بیت المال ہیں۔ جہاں ہر مسلمان کو زکوٰۃ دینے کا حکم ہے۔ وہاں نبی ﷺ کو حکم ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (103:9) آپ نے خود زکوٰۃ کی وصولی کے لیے محصل مقرر کئے۔ ان کو پروانے لکھ کر دیئے۔ اور زکوٰۃ کے سال میں ایک وقت وصول کرنے کا پورا اہتمام کیا۔ آپ کے خلفاء نے اس نظام کو جاری رکھا۔ اور جن لوگوں نے صرف اس قدر کہا کہ ہم زکوٰۃ اپنی جگہ پر خرچ کریں گے اور بیت المال میں داخل نہیں کریں گے، ان کے ساتھ لڑائی کی۔ تاریخ اسلام میں وہ مرتد کہلائے۔ رسول اللہ ﷺ کے محصلین کو جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا وہ منافق کہلائے۔ اور ان میں سے بعض کا تعلق مسلمانوں سے بالکل منقطع کر دیا گیا۔

پس یہ کوئی معمولی سی بات نہیں، جس کے لیے میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔ میں بھی اسی رسولؐ پاک کا ایک ادنیٰ ترین خادم ہونے کے لحاظ سے انہی محصلین میں سے ایک بننے کی کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے خود ایک قومی نظام قائم کر کے اس میں مجھے یہ مرتبہ دیا، جس کا میں اہل نہ تھا۔ جس میں طاقت ہو اس پر اتنا بڑا بوجھ ڈالا جائے۔ تو سوائے خدا کے فضل کے اس کی بھی پیٹھ ٹوٹ جاتی ہے۔ پھر اس شخص کا کیا حال ہے، جس میں طاقت بھی نہیں؟ آپ میرے بھائی ہیں۔ کیا اس مصیبت کے وقت، جو میں ایک بھاری بوجھ کے نیچے دبا ہوا ہوں، آپ میری مدد نہ کریں گے؟ گو اس میں آپ کو بھاری قربانی ہی کرنی پڑے۔ میں آپ کو اپنا دل پھاڑ کر کس طرح دکھاؤں؟ وہ اندر ہی اندر کھایا جا رہا ہے کہ ہمارا عمل کھلے کھلے احکام الٰہی میں کیوں ایسا ہے کہ گویا عملاً ہم ان احکام کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بدقسمت کون ہے، جو منہ سے احکام الٰہی کو ماننے اور عمل سے ان کو جھٹلائے۔ منہ سے جھٹلانے والوں سے ایسا شخص بدتر ہے۔

کام کے اختصار کی غرض سے اور جگہ جگہ احباب کو سہولت دینے کے لیے یہ تجویز ہوا تھا کہ زکوٰۃ کی ایک تہائی ہر شخص اپنی جگہ پر غربا و مساکین پر خرچ کر سکتا ہے۔ مگر باقی لازماً جماعتی بیت المال میں داخل ہونی چاہیئے۔ یہ رقم سال میں ایک دفعہ حساب کر کے پوری ایک ہی وقت نکل جانی چاہیئے۔ جس حصہ کا خرچ کرنا ایک شخص کے

اپنے اختیار میں ہے، وہ اسے آہستہ آہستہ جب چاہے، خرچ کر سکتا ہے۔ لیکن جو حصہ بیت المال کا ہے۔ وہ فوراً بیت المال میں داخل ہونا چاہئے۔ اس کے متعلق دینے والے کو یہ اختیار نہیں کہ تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کرے۔ یا اس میں سے ماہوار کچھ رقم ادا کر دیا کرے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ایک ہی وقت میں ساری زکوٰۃ وصول کی ہے۔ ہاں یہ اختیار ہے کہ زکوٰۃ نقد ہو یا زیور یا اس جنس کی صورت میں ہو، جس میں سے زکوٰۃ ادا کرنی ہے۔

زکوٰۃ کے اخراجات دو طرح پر ہیں۔ اول: غربا و مساکین کی امداد کے لئے۔ دوم: دین اسلام کی تقویت اور اس کی حفاظت و اشاعت کے لئے۔

اگر گورنمنٹ کو کوئی شخص ٹیکس دیتا ہے۔ خواہ وہ کسی قسم کا ٹیکس ہو۔ تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ زکوٰۃ وہ روپیہ ہے۔ جو خالصۃً مسلمان قوم اور اسلام کی بہتری کے لیے صرف ہونا چاہئے۔ اس کا کوئی حصہ نظام سرکاری میں خرچ نہیں ہو سکتا۔ سوائے اس کے جو زکوٰۃ کا انتظام کرنے والوں کو دیا جائے۔ اس لیے کسی قسم کا ٹیکس یا خراج زکوٰۃ سے بری نہیں کرتا۔

زکوٰۃ کے مختصر احکام حسب ذیل ہیں:

اول: ہر اس روپیہ میں سے جو سال بھر کسی شخص کے پاس جمع رہا ہے۔ اگر باون روپیہ سے زیادہ ہو، چالیسواں حصہ۔

دوم: زیور پر۔ خواہ وہ روزمرہ استعمال کا ہو یا رکھا ہوا ہو۔ سونے کا ہو تو دو سو روپیہ سے زیادہ پر اور چاندی کا ہو تو باون روپیہ سے زیادہ پر چالیسواں حصہ (لباس اور جواہرات زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں)

سوم: اپنی سکونت کے مکان کو الگ کر کے جن مکانات سے آمدنی کرایہ ہے اس کرایہ کا چالیسواں حصہ اور زرعی زمین میں اس قدر غلہ وغیرہ کو الگ کر کے جو اپنے استعمال میں آتا ہے باقی کا چالیسواں حصہ۔

چہارم: مال تجارت میں (مویشی کو چھوڑ کر جس میں زکوٰۃ اس کے مطابق ہو گی۔ جیسا احادیث میں ذکر ہے) سالانہ منافع پر چالیسواں حصہ۔

اس مال میں اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے۔ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت مال کی محبت سے بڑھ کر ہے، اسے اللہ تعالیٰ کا حصہ نکالنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہئے۔ اور یہ کوئی سخت حکم نہیں۔ ایک شخص کو سال بھر میں چالیس ہزار منافع ہوا ہے۔ تو انتالیس ہزار کو اللہ تعالیٰ اسے اپنے مصرف میں لانے کی اجازت دیتا ہے۔ صرف ایک ہزار قوم اور مذہب کی خاطر لیتا ہے۔ اسی نسبت سے کم زیادہ پر پھیلا لو۔ اتنی کمی سے کوئی شخص غریب نہیں ہو جاتا۔ مگر قوم اور دین کو وہ قوت پہنچتی ہے۔ جس کے نتائج میں بالآخر ایسا شخص خود بھی شامل ہوتا ہے۔ اور اگر مال سے محبت کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹالے گا۔ تو وہ یقیناً سمجھ لے کہ اس سے قوم اور دین کو جو نقصان پہنچے گا، اس میں آخر کار وہ خود بھی شامل ہوگا۔ خواتین، جن کے پاس زیور ہے، وہ شاید یہ تکلیف محسوس کریں کہ ان کے زیور میں سے ہر سال چالیسواں حصہ نکلتا جائے گا۔ تو آخر کار وہ بالکل تہی دست رہ جائیں گی۔ یہ صرف ایک وہم ہے۔ عملاً یوں نہیں ہوتا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا۔ اور اگر بالفرض کسی عورت نے اپنے بلوغ کے بعد چالیس سال کی عمر پا کر اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا ہے، تو وہ اس دنیا سے تہی دست نہیں گزری۔ بلکہ اس کا سارے کا سارا مال اس کے لیے عاقبت میں جمع ہوا ہے۔ اس سے بڑھ کر خوش قسمت اور کون بی بی ہوسکتی ہے؟ جو اپنا سب کچھ اپنے مولیٰ کی راہ میں قربان کر کے اس کے حضور حاضر ہوگی۔ کیا اللہ تعالیٰ کی رضا، جو اسے اس صورت میں ملے گی، وہ زیادہ قیمتی چیز ہے یا چند بالیاں اور چوڑیاں، جو اس کے لیے موت کے وقت مٹی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

پس اے برادران وخواہران اسلام! خدا کے حکم کو سرآنکھوں پر رکھو۔ اور اپنے عمل سے دکھاؤ کہ تم اپنے مولیٰ کے فرمانبردار بندے ہو۔ اسی صورت میں تم مسلمان کہلانے کے مستحق ہو۔ اور اے برادران سلسلہ احمدیہ! تم اس پاک اسلامی اصول کو زندہ کرنے کی کوشش کرو۔ اس سے تمہیں دنیا اور آخرت کی سروری ملے گی۔

نبی کریم ﷺ نے جب اپنا پیغام پہنچایا تو یہ فرمایا کہ میں تمہیں وہ باتیں بتاتا ہوں، جن پر چل کر تم عرب وعجم کے مالک بن جاؤ گے۔ یہی آج بھی سچ ہے کہ ہمارے احمدی احباب اگر ارشاد نبوی کے مطابق اصول اسلامی کو زندہ کریں گے، تو وہ دین ودنیا میں عزت کے قابل ہوں گے۔ اپنے اموال کا فوراً حساب کریں۔ اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حصہ نکال کر اپنے بیت المال میں بھیج دیں۔ اور یاد رکھو کہ کوئی انسان نہیں جان سکتا کہ کسی نے

حساب درست کیا ہے یا نہیں۔مگر وہ خدا جو سنتا اور دیکھتا ہے اور جو دلوں کے پوشیدہ بھیدوں سے بھی واقف ہے۔ جس کے حکم کے سامنے آپ نے سر جھکانا ہے۔ وہ کسی بات سے بے خبر نہیں۔ وہ دھوکا نہیں کھاتا۔ خدا کے حکم کو ٹالنے کے لیے یہ وہم بھی کسی کے دل میں نہ آئے کہ اس طرح سے لوگ ہمیں امیر خیال کریں گے۔ امارت اپنے لیے اور قوم کے لیے باعث فخر ہے، اگر اپنے اموال میں سے اللہ تعالیٰ کا حصہ نکال دیا جائے۔ مال جو اندر پڑا ہوا ہے، وہ ناپاک ہے، جب تک اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حصہ نہ نکالا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا حصہ نکالنے سے باقی مال پاک ہو جاتا ہے۔خواہ وہ لاکھوں روپے ہی ہوں۔

میرے احباب میں وہ لوگ بھی ہیں، جن کی عزت اور محبت میرے دل میں اس قدر ہے کہ میں انہیں ان الفاظ میں کبھی مخاطب نہ کرتا، اگر یہ نہ جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سب محبتیں ہیچ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کو جب ایک طرف مال دنیا کا ان کے حسب منشا حصہ دینے سے انکار کیا گیا، تو دوسری طرف حکم ہوا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے، اس میں سے بھی زکوٰۃ ادا کرو۔ ان پاک بیبیوں کے بعد، جنہوں نے سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا، کون شخص مرد ہو یا عورت مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی ایک بی بی نے کڑے ہاتھ میں پہنے ہوئے تھے، تو جب قرآن شریف کی یہ آیت اس کے کان میں پڑی وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ (34:9) یعنی جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، یعنی اس کی زکوٰۃ نہیں دیتے، ایک دن آئے گا کہ ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اس مال سے داغے جائیں گے، تو وہ بی بی کانپ اٹھیں اور دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! یہ میرے ہاتھ میں جو کڑے ہیں۔ کیا یہ بھی اسی قسم کا مال ہے، جو موجب عذاب ہو جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ عرض کیا ہاں۔ تو فرمایا: پھر نہیں۔ یعنی جس میں سے مال کی زکوٰۃ ادا ہو جائے، وہ موجب عذاب نہیں۔

احمدی احباب سے یہ بھی التماس ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو اپنی ماؤں، بیبیوں، بیٹیوں اور بہوؤں تک پہنچا دیں۔ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل کو اپنے احکام کی عظمت کے سامنے جھکا دے۔ جو مرد اپنی متعلقین مستورات تک اس بات کو نہیں پہنچاتا، وہ اپنے سر پر ان کے گناہ کو بھی لیتا ہے۔ اور جو اُن تک پہنچا دیتے اور وہ خود ان کی تعمیل نہیں کرتیں تو وہ بری الذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ کے دلوں میں ڈالے کہ اس کے احکام کے سامنے

سیم وزر کو ٹھیکریوں کی طرح سمجھیں۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

یکم اپریل 1922ء

❁❁❁

12 رمضان المبارک 1340ھ

میری غیر حاضری اور ہمارا کام

برادران سلسلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

لاہور آنے سے بھی دو سال پیشتر میں تصنیف کے کام کی خاطر پہاڑ پر چلا جایا کرتا تھا۔ لاہور میں انجمن کے بن جانے سے یہ ضرورت اور بھی بڑھ گئی۔ اس لیے کہ لاہور میں رہ کر میرے موجودہ فرض منصبی نے اس قسم کے بہت سے کام میرے ذمہ ڈال دیئے، جو شغل تصنیف میں بہت زیادہ حارج ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس شغل کو جاری رکھنے کے لیے اور کچھ رمضان کے پیچھے ہٹ جانے سے قریباً پانچ ماہ کا عرصہ میں لاہور سے غیر حاضر رہتا ہوں۔ میں اس بات کو بھی محسوس کرتا ہوں، جسے میرے احباب محسوس کرتے ہیں کہ جماعت کی ترقی میں یہ میری غیر حاضری ایک روک ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی میں دیکھتا ہوں کہ اگر میں اسے ترک کر دوں تو جماعت کو جو نقصان ہوگا، وہ اس سے بدرجہا بڑھ کر ہوگا، جواب ہوتا ہے۔ کیونکہ تصنیف کا کام، بالخصوص ایسی تصنیف کا، جس میں کتابوں پر بہت کچھ دماغ سوزی کی ضرورت بھی ہے۔ مثلاً قرآن شریف کی تفسیر یا سوانح عمری آنحضرت ﷺ کا جو کام ابھی باقی ہے، ایسی تنہائی کو چاہتا ہے، جو لاہور میں میسر نہیں ہو سکتی۔

اسی سال کا واقعہ ہے کہ لاہور میں پورے سات ماہ رہ کر میں صرف پون پارہ ترجمہ قرآن شریف کا آگے چلا سکا ہوں۔ ہاں اس کے علاوہ کچھ کام اسی کے متعلق کا پیاں پروف وغیرہ پڑھنے کا بھی کیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے کام کرنے کی اس وقت تک اسی طرح عادت ہے، جس طرح طالب علمی کے زمانہ میں امتحان کی تیاری کے لیے کیا کرتا تھا۔ اور حقیقت میں بڑا امتحان تو باقی ہے۔ شملہ میں میرے جانے سے وہاں بھی ایک جماعت اچھی بن گئی۔ لیکن اس دفعہ میں نے وہاں سے بھی کنارہ کشی کر کے ڈلہوزی میں رہائش اختیار کی ہے۔ تاکہ سارا وقت صرف ترجمہ کے کام کو دے سکوں۔ وَمَا تَوْفِيْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ (88:11)

ہمارا اصل کام تو تبلیغ اسلام ہی ہے۔ مگر تبلیغ کے لیے بھی ایک جماعت کی ضرورت ہے۔ اور یہ ضرورت

نہ صرف اس لیے ہے کہ تبلیغ اسلام میں جو ضرورت روپے کی ہے، اس کے لیے ایک جماعت خاص ہو کر اس بوجھ کو اپنے ذمہ لے لے، بلکہ اس سے زیادہ ضرورت جماعت کی اس لیے ہے کہ وہ انسان پیدا ہوتے رہیں۔ جو اس کام کو چلانے کی اہلیت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ اور جن کے دلوں میں خدمت اسلام کی ایسی تڑپ ہو کہ ان سے ہر ایک قسم کی قربانی کرا دے۔

آج حصول حکومت کے لیے لوگ سب قسم کی قربانیاں کرنے کو تیار ہیں۔ کیونکہ اس کا فائدہ فوری نظر آتا ہے۔ مگر اعلاء کلمۃ اللہ کا کام محض رضائے الٰہی کے لیے ایک کام ہے۔ اس کے لیے قربانی کرنے والے بھی زیادہ مشکل سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور درحقیقت یہ آگ وہی شخص لوگوں کے سینوں میں جلا سکتا ہے، جس کے سینے میں خود اللہ تعالیٰ نے آگ جلائی ہو۔ اس لیے اس صدی کے مجدد نے اپنی توجہ کو ایک ہی کام پر رکھا۔ یعنی اشاعت و تبلیغ اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ۔ اور یہ اسی کی جلائی ہوئی آگ ہے، جس نے اول اخویم خواجہ کمال الدین صاحب کو اپنے گھر سے نکالا۔ اور انہوں نے ایک ایسے کام کی بنیاد رکھی جس کی طرف سے مسلمان قریباً مایوس تھے۔ یعنی یورپ میں اسلام کی تبلیغ۔ اور اس شخص کے دل میں اتنی قوت تھی کہ اس نے خود ہی اتنے عظیم الشان کام کے لیے سامانوں کے جمع کرنے کا بھی تہیہ کیا۔ اور خود ہی تبلیغ کا بیڑا بھی اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہمت میں اور بھی برکت دے۔

تاہم یہ کام اکیلے آدمی کا نہیں۔ ایک ہی خواجہ صاحب دو جگہ کام نہیں کر سکتے تھے۔ ولایت میں تبلیغ اسلام کا کام کریں یا ہندوستان میں بیٹھ کر اس کے لیے سامان فراہم کریں۔ اس لیے جب یہ ضرورت پیش آئی کہ وہ ہندوستان میں آ کر مشن کے لیے کوئی مستقل انتظام آمدنی کا کریں، تو ان کی جگہ ایک اور خادم دے دیا۔ یعنی اخویم مولوی صدر الدین صاحب۔ جن کی سعی میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ ایک سو سے زائد انگریزوں کو مسلمان کر کے وہ واپس آئے۔ ایسا ہی دوبارہ خواجہ صاحب کی غیر حاضری میں پھر مولوی صاحب موصوف اور ان کے بعد مولوی مصطفیٰ خان صاحب مل گئے۔ اور اب جرمنی میں مشن کے قیام کے لیے مولوی عبدالمجید صاحب، مولوی صدر الدین صاحب کی امداد کے لیے مل گئے۔ یہ سب جماعت اور نظام کی برکتیں ہیں۔ ایسا ہی خواجہ صاحب کی امداد کے لیے مولوی محمد یعقوب خان صاحب اور داؤد شاہ صاحب کا مل جانا اور ٹرینیڈاڈ کے لیے

مولوی فضل کریم خاں کا۔ اور حسب ضرورت اور ذخیرہ کا ہمارے پاس موجود ہونا۔

یہ سب جماعت کی برکات ہیں۔ یَدُاللّٰہِ عَلَیالْجَمَاعَۃِ کوئی کام، جس کے پیچھے ایک جماعت کام کرنے والی نہ ہو، جاری نہیں رہ سکتا۔ یہ تو میں نے چند آدمیوں کا نام لیا ہے۔ اسی ذیل میں اور بھی بہت سے احباب ہیں۔ جیسے شیخ نور احمد المعروف بلال اور مولوی دوست محمد صاحب وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ نظام جماعت پر بھی ہمیں بہت سا خرچ کرنا پڑتا ہے۔ یوں بھی ہوسکتا تھا کہ جس دن روز اول ہم نے انجمن بنائی تھی، تو جو چند احباب اس میں شامل تھے ان کا چندہ ہم فوراً تبلیغ اسلام پر لگا دیتے۔ خواہ ووکنگ مشن کی امداد کی صورت میں یا کوئی اور مشنری اس کی تائید کے لیے بھیج کر۔ مگر نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ آدمی، جن کے سر پر درحقیقت کام چل رہا ہے، یہ نہ مل سکتے۔ روپے کا ملنا آسان ہے، مگر آدمیوں کا ملنا مشکل ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی خیال ہوتا ہے کہ ایک کام پر روپیہ یوں ہی صرف ہو رہا ہے۔ مگر نظام جماعت میں اس کام کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً اخبار قوم کی زندگی کے لیے ایک ضروری شے ہے۔ ہم نے اخبار پیغام صلح کو قریباً تین ہزار روپے سالانہ کے نقصان سے بھی چلایا ہے۔ اور شاید آج تک کم وبیش اس پر علاوہ اس کی آمدنی کے بیس پچیس ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہوگا۔ لیکن اگر اخبار نہ ہوتا تو ہمارا نظام جماعت ایک دن کے لیے قائم نہ رہ سکتا تھا۔ بالخصوص ایسے حالات میں جہاں گھر کے اندر سے ہماری مخالفت کرنے والے ایسے لوگ موجود تھے، جو ایک دن بھی ہمارے کام کا جاری رہنا گوارا نہ کر سکتے تھے۔ اور جنہوں نے ہزارہا روپے ہمارے کام کو برباد کرنے کے لیے خرچ کر دیئے۔

ایک مہمان خانہ ہے، ایک انتظام علم دین ہے۔ تاکہ لوگوں میں تبلیغ دین کی اہلیت بھی پیدا ہوتی رہے۔ ایک سلسلہ مبلغین ہے۔ جنہیں ضروریات جماعت کے لیے باہر بھیجنا پڑتا ہے۔ کچھ نہ کچھ انتظام مصلین کا بھی مجبوراً رکھنا پڑتا ہے۔ اور وہ ابھی ناکافی ہے۔ ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ جو آمدہ اخراجات کا حساب رکھے۔

ان تمام کاموں پر اور اسی قسم کے اور کاموں پر ہزارہا روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ مگر قیام جماعت کی یہ سب سے پہلی ضرورتیں ہیں۔ ان کی طرف سے آنکھیں بند کرنا نظامِ جماعت کو تباہ کر دینا اور اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔ ان اخراجات کو جب تک کہ ایک معقول حد کے اندر ہوں۔ اور اہل الرائے احباب کے مشورہ سے

ہوں۔کوئی بیجا نہیں کہہ سکتا۔ ہاں ممکن ہے بعض وقت اہل الرائے کے مشورہ میں بھی غلطیاں ہو جائیں۔مگر اس کا کوئی چارہ نہیں۔ جب تک یہ دنیا ہے۔اس میں انہی حالات کے مطابق کام کرنا ہے۔ ہماری جماعت نے ایک وقت ایک ہائی سکول کی بھی اپنے لیے ضرورت سمجھی۔اس پر بھی پانچ سال کے عرصہ میں تیس ہزار روپیہ علاوہ اس کی آمد کے خرچ ہو چکا ہوگا۔ گو اس کی موجودہ ضرورت کم ہو کر قریبا ڈیڑھ دو ہزار روپے سالانہ کی رہ گئی ہے۔ یہ سکول ہمیں یہ کام بھی دے دے کہ اس کے اساتذہ ساتھ ساتھ تعلیم دینی حاصل کر کے مبلغین کے طور پر نکل سکیں، تو علاوہ اس کے کہ اس کی ضرورت نظام قومی کے لیے تھے۔ یہ امر بھی اس کے اجرا کو ایک برکت بنا دے گا۔ مولوی صدرالدین صاحب کے علاوہ اس وقت مولوی عبدالمجید صاحب اسی مدرسہ میں سے تبلیغ کے لیے باہر گئے ہیں۔

ان نظام قومی کی ضرورتوں کے علاوہ، جن پر اس وقت تک ہمارے روپے کا بیشتر حصہ صرف ہوتا رہا، ایک اہم اور عظیم الشان کام وہ تھا جو اپنے رنگ میں بے نظیر ہے۔یعنی سلسلہ تصنیف کا جاری ہونا۔جس میں غرض صرف دینی لٹریچر پیدا کرنا ہے۔جس سے مسلمان قوم کو بھی فائدہ پہنچے اور غیروں میں تبلیغ اسلام بھی اس کے بغیر نہ ہوسکتی تھی۔اس کام پر بھی بہت سا ہمارا روپیہ خرچ ہوا ہے۔ بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ سب سے زیادہ روپیہ جو کسی کام پر خرچ ہو وہ یہی کام تھا۔ اور ابھی شاید یہ اور بھی بہت سے اخراجات کو چاہتا ہے۔ میرے نزدیک یہ کام اشاعتِ اسلام کے کام کی اصل جان ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں، جب مفاسد زمانہ کی اصلاح کے لیے ایک مجدد کو بھیجا اور مجدد بھی وہ جسے اس امت محمدیہ کے لیے مسیحا بنایا گیا، تو اسے یہی ہتھیار دنیا کو فتح کرنے کے لیے دیا۔ہم نے جب یہ انجمن بنائی تو ہم بالکل بے سروسامان تھے۔اور ہمارے پاس ایک ورق بھی اشاعت کے لیے نہ تھا۔آٹھ سال کے عرصہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہ صرف حضرت مسیح موعود کی تصنیفات میں سے کئی ایک دوبارہ چھپ گئیں، بلکہ ایک اور نہایت قیمتی ذخیرہ کتب کا بھی تیار ہو گیا۔ میں خود بھی جانتا ہوں کہ ان تمام کاموں کی وجہ سے ہمارا سارا روپیہ یہیں صرف ہوتا رہا۔اور باہر کی تبلیغ پر ہماری قوم کی توجہ بہت کم رہی۔لیکن ہر پودا جس نے پھل لانا ہو پہلے خود اس پودے کی حفاظت اور آبپاشی پر کسان کو کیا کیا محنت صرف نہیں کرنی پڑتی۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس

پودے کو خوب مضبوط کر دیا ہے اور یہ محض اس کا فضل ہے۔ ورنہ سچ یہی ہے کہ ہماری کوششیں کوئی اتنی بڑی نہ تھیں۔اس لیے سال گزشتہ سے ایک طرف تو جماعت کو یہ توجہ دلائی گئی کہ وہ اپنی مالی قربانیوں میں معتد بہ اضافہ کریں تا کہ علاوہ یہاں کے کاروبار کے، ہم مشن بھی قائم کرنے کے قابل ہو جائیں۔اور اس آواز پر جماعت نے ہمت مردانہ سے لبیک کہا اور ہمیں اس قابل بنا دیا کہ مستقل طور پر دو مشن ہم قائم کر سکیں۔جن کا خرچ سترہ ہزار روپے سالانہ اندازہ کیا گیا ہے۔ بلکہ ان مشنوں کے اخراجات کو بہت ہی کم رکھ کر دو کی بجائے تین تجویز ہو گئے ہیں۔اور یہ بوجھ جماعت نے علاوہ اپنے سابقہ چندوں کے مستقل طور پر اٹھا لیا ہے۔دوسری طرف ہم نے یہاں کے اخراجات کو، جہاں تک ممکن تھا، کم کر کے یہ تجویز کی ہے کہ جماعت کے ماہوار چندہ میں سے ایک کافی رقم ووکنگ مشن کے لیے نکلتی رہے۔اور کچھ رقم دیگر مشنوں کے لیے بھی مستقل طور پر علیحدہ ہوتی رہے۔ چنانچہ اس نئے نظام کے مطابق جماعت کا ماہوار چندہ یکجا وصول ہوگا۔اور اس رقم میں سے جس قدر اخراجات لازمی طور پر نظام جماعت کے لیے بکار ہیں، ان کو الگ کر کے قریباً اڑھائی سو روپے ماہوار کی رقم مستقل طور پر ووکنگ مشن میں جاتی رہے گی۔اور قریباً ڈیڑھ سو روپیہ باقی تین مشنوں میں اور قریباً سوا سو روپیہ ماہوار مدرسہ میں۔

ووکنگ مشن کا کام چونکہ دیر سے قائم ہونے کی وجہ سے بہت بڑھ گیا ہے، اس لیے وہاں حصہ بھی نسبتاً زیادہ رکھا گیا ہے۔ نئے مشنوں کے متعلق یہ خیال ہے کہ انہیں حتی الوسع نہایت مختصر پیمانہ پر شروع کرنا چاہئے۔ جب تک کہ کافی ذرائع آمدنی کے پیدا نہ ہو جائیں کہ اس کے کام کو توسیع دی جا سکے۔

دراصل ان مشنوں کے لیے بڑے اخراجات کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی، جب اپنے دینی لٹریچر کو ان کی زبانوں میں ترجمہ کر کے وہاں پہنچانا ہوگا۔اس لیے سردست وہاں مختصر اخراجات کافی ہوں گے۔ اور خود ووکنگ میں بھی اخراجات کے بڑھ جانے کی وجہ یہی ہے کہ وہاں سے بہت سا لٹریچر شائع ہوتا ہے۔اور میرے نزدیک ان مشنوں کا اصل کام بھی اپنا دینی لٹریچر پھیلانا ہے۔ یہی وہ بیج ہے جو ہم نے ڈالنا ہے۔اس کو بڑھانا اور اس پر پھول اور پھل لانا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ووکنگ کے ان اخراجات کثیر کے لئے، جو لٹریچر تیار کرنے اور پھیلانے کے لیے بکار ہیں، خواجہ صاحب نے اپنے گزشتہ دورہ ہند میں معقول انتظام کر لیا۔اور اس کے متعلق جماعت کو فکر کی ضرورت نہیں رہنے دی۔ ہاں! ووکنگ کے متعلق ابھی ایک

اور بوجھ جماعت پر ہے۔یعنی گزشتہ دوسال میں وہ مشن کچھ مقروض ہو گیا ہے۔جس کی کئی ایک وجوہات ہیں منجملہ ان کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب ایک کثیر رقم کی ضرورت لٹریچر پیدا کرنے کے لیے محسوس ہوگی۔تو دوسری طرف قدرۃً چندہ کی کمی ہو جاتی تھی۔ اور کچھ ولایت میں بعض وفود وغیرہ کے آنے سے اور کچھ اور وجوہات سے اخراجات زیادہ ہو گئے۔بہر حال گووو کنگ مشن کی آمد کی صورت آئندہ امید افزا نظر آتی ہے۔اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آئندہ اخراجات اس کی آمدنی سے پورے ہوتے جائیں گے۔گزشتہ قرضہ کا سوال ابھی حل طلب ہے۔اس وقت جبکہ جناب خواجہ صاحب کی طرف سے ٹھیک ٹھیک اطلاع مل جائے گی کہ مشن کی مد دوسری مدات کی کس قدر مقروض ہے۔ جماعت کو اس کا فکر کرنا بھی ضروری ہوگا۔

یہ میں نے مختصر سا خاکہ اپنے کاموں کا کھینچا ہے۔لیکن اس کام کے جاری رہنے اوراس کی ترقی کا اصل انحصار نہ مجھ پر ہے، نہ کسی اور فرد واحد پر۔ بلکہ ان کا انحصار قوم پر ہے۔ میں لاہور میں رہوں یا نہ رہوں۔ اگر ہمارے احباب اپنے ماہوار چندے۔ اپنے جرمن اور امریکن مشن کے چندے، جن کا وعدہ انہوں نے کیا ہے باقاعدہ دیتے رہیں۔اوران کو بڑھانے کی فکر میں لگے رہیں تو ہمارے یہ کام نہ صرف احسن طریق پر چلتے رہیں گے، بلکہ ان میں ترقی بھی ہوتی رہے گی۔اوراگر ان چندوں کی باقاعدہ ادائیگی میں ذرا بھی قدم سست ہوا تو کام میں ایسی مشکلات پیش آئیں گی، جن کا دور کرنا مشکل ہو جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جو امداد ووکنگ اور بلادِ غیر کی ہم نے ماہوار چندہ میں سے کی ہے، وہ ایک نسبت کے لحاظ سے مثلاً ووکنگ کے لیے 15 فیصد بلاد غیر 10 فیصد ۔پس ایک طرف تو ماہوار چندہ میں کمی آنے سے ان کو تکلیف ہوگی۔ دوسری طرف چندہ میں جس قدر حصہ عام اغراض انجمن کا رہ گیا ہے، وہ بھی اب ایسا ہے کہ ماہوار رقم موعودہ برابر وصول ہوتی رہے،تو کام چلتا رہے گا، ورنہ نہیں۔

اس لیے اپنے تمام احباب سے میری یہ التجا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دفتر کی یاددہانیوں کامحتاج نہ بنایں۔ بلکہ وہ خود دفتر کے معاون ہوں۔ جہاں فرداً فرداً احباب چندہ بھیجنے والے ہیں، وہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر اندر، اور جہاں انجمن یا جماعتیں ہیں، وہ پہلے ہفتہ کے اندراندر خود وصول کر کے دوسرے ہفتہ کے اندراندر اپنی رقوم محاسب انجمن کے نام بھیج دیا کریں۔ان کی اس تھوڑی سی توجہ سے مجھے کام میں بہت مدد ملے گی۔اورمیری

غیر حاضری سے جو نقصان جماعت کو پہنچتا ہے، اس کا بھی ازالہ بڑی حد تک اس طرح ہو جائے گا۔ اس طرح پر جو احباب میرے معاون ہوں گے، وہ نہ صرف میرے معاون ہوں گے، بلکہ سلسلہ کے کاروبار کے بھی معاون ہوں گے۔ میں پھر اس بات کو تاکیداً دہرانا چاہتا ہوں کہ کوئی شخص اور کوئی انجمن اپنے نام ماہوار چندہ کا بقایا ایک ماہ بھی نہ رہنے دے۔ ورنہ وہ اسی قدر کاروبار سلسلہ کو نقصان پہنچانے والا ہوگا۔ اور جن احباب کے مال میں زکوٰۃ ہے، وہ اپنی زکوٰۃ اپنے وقت پر داخل خزانہ انجمن کریں۔ اور جن احباب نے تحریک خاص کے متعلق یا بلادِ غیر کے مشنوں کے متعلق وعدے کیے ہوئے ہیں، وہ بھی خود بخود بغیر دفتر کے مطالبات کے انہیں پورا کریں۔

ہمارے احباب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اخراجات ڈاک آہستہ آہستہ اس قدر بڑھ گئے ہیں، کہ یہ ایک بڑا بھاری بوجھ بن گیا ہے۔ ہر مطالبہ پر ایک تو ایک آدمی کا وقت خرچ ہوتا ہے، دوسرے اس پر دو پیسے یا ایک آنہ کا خرچ ہوتا ہے۔ اگر دو سو چندہ دینے والے بھی یہ تہیہ کر لیں کہ ان کے لیے مطالبہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور وہ خود باقاعدہ ماہوار پہنچاتے رہیں گے۔ تو قریباً ایک سو روپے ماہوار کی بچت انجمن کے اخراجات میں ہو سکتی ہے۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

12 رمضان المبارک 1340ھ

ایک تبصرہ

مسلمانوں کی خدمت میں ضروری التماس

اِنَّمَآ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ الَّذِىۡ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَىۡءٍ وَّاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَۙ. وَاَنۡ اَتۡلُوَا الۡقُرۡاٰنَ (27:91-92)

ترجمہ: ''مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت والا بنایا اور ہر چیز اسی کے لیے ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے رہوں۔ اور یہ کہ قرآن کریم کی پیروی کروں۔''

قرآن مجید ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کو دستور العمل بنانے سے انسان کی پستی اور ذلت کی حالت دور ہو جاتی ہے۔ اور وہ دنیا اور آخرت میں ایک معزز آدمی بن جاتا ہے۔ جب سے مسلمانوں نے تعلیم قرآن مجید کو چھوڑا، تب سے ہی ان پر ذلت اور ادبار کے بادل ٹوٹ پڑے۔ اور یہ ذلت اور ادبار مسلمانوں سے کبھی بھی دور نہیں ہوسکتا، جب تک وہ سلف صالحین کی طرح قرآن مجید کی پاک ہدایتوں پر قائم نہ ہو جائیں۔ ایک مسلمان کو تمام قسم کی سعادتمندی، ہر قسم کی برومندی اور سرسبزی واقبال صرف قرآن پاک کی تعلیم پر ہی عمل پیرا ہونے سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ جیسے رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں صحابہؓ کبار کو ہوئیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کریم کی بڑی عظمت اور عزت ہے۔ اور وہ اس کو دل سے خدا کا کلام یقین کرتے اور مانتے ہیں، مگر چونکہ اس کی ہدایتوں پر عمل درآمد نہیں، اسی لیے یہ قعر مذلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

برادران! خدائے تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے آج یہ دن ہمیں دکھایا ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر مطابق احادیث نبویہؐ اس وقت اردو زبان میں باتشریح شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اور یہ ترجمہ اور تفسیر اس علامۃ الدھر فاضل جلیل کی قلم سے نکلا ہے، جس کا نام نامی واسم گرامی ان کے اخلاص دینی کی طرح سورج جیسا

منور ہے۔یعنی حضرت مولٰنا مولوی محمد علی صاحب، جو شب و روز خدمت دینی اور اعلاء کلمۃ اللہ میں مشغول ہیں۔ اور جن کی برکات اور فیض سے ایک زمانہ مستفیض ہو رہا ہے۔ان کے دل میں جو تائید دین کے لیے جوش بھرا ہوا ہے،اس کے دیکھنے سے قدرت الٰہی کا نقشہ ہر ایک سچے مومن اور مسلم کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل اور رحم وکرم سے کیسے کیسے بندے خدمت اسلام کے لیے پیدا کر دیا کرتا ہے۔حضرت علامہ موصوف جماعت احمدیہ کے اس عظیم الشان حصہ کے امام اور امیر ہیں جو حضرت نبی کریم ﷺ کو حقیقی معنوں میں خاتم النبیین مانتا اور سرور کائنات ﷺ کے بعد کسی نبی صادق کی آمد کا قائل نہیں ہے۔

حضرت علامہ ممدوح تفسیر میں اعلیٰ درجہ کی معلومات رکھتے ہیں۔اور فلسفہ اور طبعی جدید پر نہایت عمدہ نظر ہے۔جیسے اور علوم زمانہ حال میں فاضل جلیل ہیں، ویسے ہی علوم دینیہ میں بھی نہایت درجہ نظر وسیع رکھتے ہیں۔ اور بہت سی بے نظیر اور عمدہ کتابوں کے مؤلف اور مصنف ہیں۔

حال ہی میں آپ نے کتاب اللہ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ مع تفسیر اور کتاب سیرت خیر البشرؐ۔اور مقام حدیث وغیرہ دیگر رسائل تالیف فرمائے ہیں۔ جو ہر ایک محققانہ طبیعت کے آدمی کی نگاہ میں جواہرات سے بھی زیادہ بیش قیمت ہیں۔حضرت علامہ ممدوح کا صدق اور ہمت اور ان کی غمخواری اور جاں نثاری،جیسی کہ ان کے قال سے ظاہر ہے،اس سے بڑھ کر ان کے حال سے ان کی مخلصانہ خدمات اسلام سے ظاہر ہو رہا ہے،اس وقت آپ کے قلم سے جس قدر قرآن مجید کی صحیح تفسیر اور ترجمہ سے مسلمانوں کو مدد پہنچی ہے،ہم اس کی کوئی نظیر نہیں دیکھتے، جو اس تفسیر اور تراجم کے مقابل پر بیان کر سکیں۔حضرت ممدوح کی روزمرہ زندگی اسی راہ میں وقف ہے کہ وہ ہر ایک پہلو سے اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعت قرآن مجید فرما رہے ہیں۔ممکن ہے کہ اسی قابلیت کے چند اور بھی علم دینی سے ایسی پوری واقفیت رکھنے والے ہوں۔مگر جو کام حضرت مولٰنا ممدوح نے اس زمانہ میں کیا ہے،اور کسی نے کر کے نہیں دکھایا۔اور آپ نے مخالفین اسلام کے جواب میں ایسی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں کہ وہ اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔خاص کر ''عیسویت کا آخری سہارا'' اور ''حقیقت المسیح'' نام رسائل لائق مطالعہ ہیں۔غرض آپ کی تصنیفات، جو تقریباً تیس کتابیں اور رسائل ہیں،دقائق اور معارف سے بھری ہوئی ہیں۔

حضرت علامہ ممدوح کا یہ ترجمہ وتفسیر قرآن مجید (اردو) جس کا نام ''بیان القرآن'' ہے۔اپنے غیر پر

فوقیت لے گیا ہے۔ مبارک ہے وہ شخص جو اس ترجمہ اور تفسیر قرآن مجید سے نفع اٹھائے اور اسے غور سے پڑھے کہ اس کی مانند کوئی بھی محبوب شے اس کو ہدایت اور رہنمائی کے لیے دنیا میں نہیں ملے گی۔ جو کوئی یہ چاہے کہ قرآن مجید کے عقدوں کو حل کرے اور خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم کے اسراروں پر واقف ہو، اس کو چاہئے کہ اس ترجمہ اور تفسیر قرآن مجید کی طرف مشغول اور متوجہ ہو۔ کیونکہ یہ ترجمہ وتفسیر اس چیز کی متکفل ہے، جس کو ذہن طالب تلاش کرتے ہیں۔ بڑے بڑے عالموں کی زبانوں نے اس ترجمہ اور تفسیر کی مدح سرائی کی ہے۔ مؤلف فاضل ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس ترجمہ اور تفسیر میں، جس کا نام ''بیان القرآن'' ہے، قرآن مجید کے نکات کی تفسیر کرنے کے علاوہ ان اعتراضوں کے قرآن کریم سے ہی جواب دیئے ہیں، جو عیسائیوں نے قرآن کریم پر کیے ہیں۔ اور اپنی تحقیق میں روایت درایت کے متفق کرنے کی بھی مشقت اٹھائی ہے۔

غرض حضرت مولینا کا وجود مسلمانوں کے لیے از بس غنیمت ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ اور آپ کی تصنیفات کا مطالعہ رکھیں اور قرآن کریم کو اپنا دستور العمل بنایں کہ اب تو ان کا یہ عذر بھی نہیں رہا کہ قرآن مجید کا صحیح ترجمہ اور تفسیر کہیں سے میسر نہیں آتا۔ اب تو خدا تعالیٰ نے ان میں ایک ایسا انسان پیدا کر دیا ہے، جو ہر طرح قرآن مجید کے علوم کا ماہر اور اس پر پوری بصیرت رکھتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس ترجمہ اور تفسیر کے ذریعہ قرآن کریم کے مطالب پر آگاہ ہو کر اپنی روزمرہ زندگی میں اور مشکلات پیش آمدہ میں قرآن کریم کو اپنا ہادی اور رہنما بنایں۔ کیونکہ قرآن کریم کو اپنا ہادی اور رہنما بنائے بغیر کسی طرح بھی کوئی مسلمان ترقی کی راہ نہیں پا سکتا۔

اس ترجمہ اور تفسیر میں، جس کا نام ''بیان القرآن'' ہے، یہ التزام کیا گیا ہے کہ ہر رکوع کا خلاصہ صرف تفسیری حاشیہ تحتی میں دے دیا گیا ہے۔ جس سے اس کا تعلق ماقبل و مابعد کے رکوع سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اور اس سے ایک عجیب ترتیب اس پُر حکمت کلام میں نظر آتی ہے۔ پھر سورتوں کی باہمی ترتیب اور ہر سورت کے مضامین کی اندرونی ترتیب کو سورت کے شروع میں بطور خلاصہ بیان فرما دیا ہے۔ کنارہ کے حاشیہ پر جو سرخیاں دی گئی ہیں۔ ان سے بھی یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ کس کس لفظ اور محاورہ کلام کی تشریح کی گئی ہے۔ اور کیا کیا مطالب تفسیر یہ حاشیہ میں بیان کیے گئے ہیں۔

جن اصحاب نے نکات القرآن، جمع القرآن اور انگریزی ترجمۃ القرآن کو پڑھا ہے، وہی اس ''بیان القرآن'' نامی ترجمۃ القرآن اردو اور تفسیر کی خوبی آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں۔ مگر اس ترجمہ اور تفسیر میں انگریزی ترجمۃ القرآن سے زیادہ شرح اور بسطہے۔ اور ہر ایک مسئلہ اور عقدہ کو خوب حل کیا گیا ہے۔ سائز 9x22/8 ہے۔ کل تفسیر کا اندازہ دو ہزار صفحات سے تین ہزار صفحات کے درمیان ہے۔ لکھائی اور چھپائی میں خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ جس سے معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ کتاب کی ظاہری شکل وصورت بھی نہایت دل ربا اور پاکیزہ ہے۔

ہر ایک پارہ کا ہدیہ، اس کے حجم کے لحاظ سے جو ایک سو صفحات سے کچھ زائد یا کم ہوگا، قریباً سوا روپیہ۔ ایک روپیہ یا بارہ آنے ہوگی۔ جو اصحاب یکمشت پیشگی قیمت ادا کر دیں، ان کے لیے انجمن نے یعنی ''احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور'' نے فیصلہ کیا ہے کہ جو صاحب دس روپیہ پیشگی دیں، ان کا نام باقاعدہ خریداروں میں درج رجسٹر ہوکر اصل قیمت پر ہر ایک پارہ بھیجا جائے گا۔ جب یہ رقم ختم ہو جائے گی، تو اسی قدر مزید رقم وصول ہونے پر اسی پہلی صورت پر ہی ہر ایک پارہ ان کو پہنچایا جائے گا۔ جو صاحب پیشگی نہ دے سکیں اور ہر ایک جلد شائع ہونے پر لینا چاہئیں، ان کے نام بھی درج رجسٹر کر لیے جاتے ہیں۔ پہلی جلد اب مکمل ہو چکی ہے۔ جو سات پاروں پر مشتمل ہے۔ اور قریباً ساڑھے سات سو صفحات پر ختم ہوئی ہے۔ قیمت مجلد فی جلد نو روپیہ۔ اور بے جلد ساڑھے سات روپیہ۔

معزز دوستو! یہ تحفہ اس قابل ہے کہ اپنے پاس رکھنے کے علاوہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں اور دوستوں اور غیر مسلموں کو بھی پہنچایا جائے۔ جس کے پڑھنے کے بعد وہ آپ کے ساری عمر مشکور رہیں گے۔ ملنے کا پتہ: دار الکتب اسلامیہ۔ احمدیہ بلڈنگس، لاہور

شائقین کلام مجید جلد تر اس ترجمہ اور تفسیر کو حاصل کرنے کی کوشش فرماویں۔ والسلام

خاکسار

شیخ الہ دین

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام، جماعت شملہ

18 رمضان المبارک 1340ھ

ارشاد امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

اخویم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

رمضان کا آخری عشرہ ہے۔ خاص برکت اور قبولیتِ دعا کے ایام ہیں۔ میری بھی ایک درخواست دعا ہے۔ جمعہ میں یا اور طریق پر سب احباب کو بھی اطلاع کر دیں کہ آخری عشرہ میں بالخصوص پچیسویں، ستائیسویں، انتیسویں رات کو بارگاہ الٰہی میں تضرع سے دعا کریں کہ:

☆ اللہ تعالیٰ اسلام کے مصائب کو دور کر کے اسے سب دینوں پر غالب کرے۔

☆ ہمیں دنیا میں اپنا نام بلند اور اپنے کلام اور اپنے رسولؐ کا پیغام پہنچانے کی توفیق دے۔

☆ ہمارے لیے وہ سامان مہیا فرمائے کہ ہم دنیا کے ہر ایک ملک میں اس کا نام پہنچا سکیں۔

☆ ہمیں وہ دن دکھائے کہ لوگوں کو گروہ درگروہ دین اسلام میں داخل ہوتا دیکھیں۔

☆ ہمارے سب احباب کے دلوں میں اپنے دین کی خدمت کی تڑپ پیدا کرے۔

☆ ہماری جماعت کو اپنے دین کے لیے ایسی قربانیاں کرنے کی توفیق دے جس طرح اصحابؓ نبی کو توفیق دی تھی۔

☆ ہمارے دلوں میں مال دنیا کی محبت کو سرد کر کے اس کی جگہ اپنی محبت کی آگ جلا دے۔

☆ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت اور الفت کے جذبات پیدا کرے اور اپنے بھائیوں کے متعلق ہمارے سینوں کو ہر قسم کے غل وغش سے پاک کرے۔

☆ ہمیں اپنے احکام کے سامنے سر جھکانے کی توفیق دے۔

☆ ہماری جماعت کو ترقی عطا فرمائے اور ہمارے مسلمان بھائیوں کو توفیق دے کہ وہ خدمت اسلام کے لیے مجدد زمانہ و مسیح موعود کی غلامی اختیار کر کے ہمارے ساتھ شامل ہوں۔

والسلام

محمد علی

18 رمضان المبارک 1340ھ

26 رمضان المبارک 1340ھ

اداریہ

ہماری عید

(از قلم حضرت امیر ایدہ اللہ)

جب حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے آپ سے درخواست کی کہ ان پر آسمان سے مائدہ اترے تو اس برگزیدہ خدا نے کیا لطیف جواب دیا: قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (112:5) اگر تم مومن ہو تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا سے ڈرو اور ایسے سوال نہ کرو۔ بلکہ انہیں ایک پر حکمت طریق پر سمجھایا کہ نبی کے آنے کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ کسی قوم کو کھانے کی روٹی بہت مل جائے یا پہننے کو کپڑا اچھا مل جائے۔ یا دولت اور حکومت مل جائے۔ بلکہ اصل غرض تو یہ ہوتی ہے کہ وہ تقویٰ کی تعلیم دے۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی صحیح میزان کر کے اس پر لوگوں کو چلائے۔ تو تم اگر مجھ پر ایمان لائے ہو تو اور مجھے اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول جان کر ایمان لائے ہو۔ اس لیے یہ کھانے پینے کا سوال مومن کے شایان شان نہیں۔ اگر تم مومن ہو تو اصل غرض جو میرے آنے کی ہے اسے سمجھ لو۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو صحیح طور پر ادا کرنا سیکھو۔ افسوس ہے کہ انجیل کی اس دعا نے کہ اے خدا ہمیں روز کی روٹی عطا فرما، اس حکمت کے موتی کو مٹی میں ملا دیا اور آخر قرآن نے اسے پھر باہر نکال کر انسانوں کی صحیح معنی میں رہنمائی فرمائی کہ مومنوں کی عید کھانے پینے سے نہیں، بلکہ فرائض انسانی کی ادائیگی سے ہے۔

یہی وہ بات ہے۔ جس کی طرف میں اپنے احباب کو خصوصیت سے اس موقع پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اسلام نے تو اپنی دونوں عیدوں کو دو عظیم الشان قربانیوں کے ساتھ، جو ہر فرد بشر سے کرائی ہیں یا کرانی مقصود ہیں، وابستہ کر کے بتا دیا کہ مومن کی حقیقی خوشی اسی بات میں ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کچھ کیا اور کچھ چھوڑا۔ اور یہی سب سے بڑی نعمت ہے، جو انسان کو مل سکتی ہے۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى. اِلَّا

ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰی (20-19:92) کسی شخص کے پاس کوئی ایسی نعمت نہیں جس پر اسے بدلہ دیا جائے، سوائے اس کے، جو اس نے اللہ کی رضا کو چاہا ہو، سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ ایک خدا کا نام ہی باقی رہے گا۔ ہاں جو کام خدا کی رضا کے لیے کیے گئے ہیں، انہیں بھی اللہ تعالیٰ باقی رکھے گا۔

پس جب رمضان میں تیس دن کے روزوں سے ایک مسلمان کو یہ تعلیم دی کہ محض اللہ کی رضا کے لیے دن کے وقت کھانا پینا ترک کرے۔ اور ہر قسم کی بری بات کے کہنے سے زبان کو اور سننے سے کان کو اور ہر ایک ممنوع چیز کے دیکھنے سے آنکھ کو محفوظ رکھے۔ اور پھر ان چیزوں کے ترک کرنے کے ساتھ اللہ ہی کی رضا کے لیے اس کی راہ میں کچھ مال خرچ کرنے اور کچھ عبادت الٰہی بھی معمول سے بڑھ کر کرنے کی ہدایت فرمائی، تو اس کے بعد جب ایک شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے یہ سب کچھ کر چکا، اس کو بتایا کہ اب تمہارے خوش ہونے کا موقع ہے۔ اس لیے ایک عید کو روزوں کے بعد رکھا۔ پس ہماری عید یا حقیقی خوشی یہ ہے کہ ہم رضاء الٰہی کے کسی کام کے کرنے میں کامیاب ہوئے۔

ہر ایک کام جو ہم کرتے ہیں۔ وہ ہماری کسی آئندہ ترقی کے لیے بطور سیڑھی کے ایک درجہ کے ہوتا ہے۔ یعنی اس سے آئندہ ہمیں اور کسی ترقی کی منزل کی طرف قدم اٹھانا چاہئے۔ ورنہ اس پہلے کام کا کرنا نہ کرنا بھی برابر ہوتا ہے۔ اس لیے عید کے ساتھ خطبہ بھی رکھا ہے۔ اور خطبہ کی غرض یہی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے فرائض ضروری اور اہم امور پیش آمدہ کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اس لیے میری یہ خواہش ہے کہ ہمارے احباب جہاں جہاں عید پڑھیں، خطبہ عید میں اپنی جماعت کو ان کے اس عظیم الشان فرض کی طرف توجہ دلائیں، جو حصول رضاء الٰہی کا سب سے بڑا کام ہے۔ یعنی اعلاء کلمۃ اللہ، جو انبیاءؑ اور صدیقوںؒ اور شہدآءؒ اور صالحینؒ کا کام ہے: اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ. صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ. (6-5:1) ہماری نظریں دنیا کی پست خواہشات کے حصول سے بلند ہوں اور اس بلند مقام کے حصول کے لیے ہماری پوری کوشش ہو۔ جو موت کے وقت کو بھی ہمارے لیے خوشی کا وقت بنا سکتا ہے: وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ (39-38:80) خطبہ عید میں ہر جگہ احباب کو ان کے اس فرض کی طرف توجہ دلائی جائے کہ خدا کے نام کو دنیا میں بلند کرنے کا عہد ہم نے حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر کیا ہے۔ اس عہد کی پوری عزت ہمارے دلوں میں ہونی چاہئے۔ اور ہم میں سے

ہر ایک کے دل کے اندر سب سے بڑی تڑپ یہی ہونی چاہئے کہ کس طرح اسلام کے پیغامِ امن وصلح کو دنیا میں پہنچایا جائے۔ ہم نے فی الحقیقت ابھی اس کام کے لیے پہلا قدم اٹھایا ہے۔ اور ہمارے پیچھے جو اسی راہ میں کام کرنے والے ہوں، ان کے لیے ہم سابق ہیں۔ مگر کوئی بھی سابق تقدم زمانی کے لحاظ سے نہیں بنتا، بلکہ تقدم فی العمل سے بنتا ہے۔ پس اپنی کوششوں سے ہمیں سابق بننا چاہئے۔

ہمارے سامنے جو کام ہے میں اسے بارہا بیان کر چکا ہوں۔ آج غیر تو ایک طرف رہے، خود مسلمان اس پاک پیغام کو بھولے ہوئے ہیں۔ جو ان کی فلاح کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ہم میں وہ لوگ ہونے چاہئیں جن کے دلوں کے اندر تبلیغ اسلام کی ایسی تڑپ ہو کہ وہ دیوانہ وار اس کام کے لیے نکل پڑیں۔ اور جنہیں اس راستہ میں مشکلات کے پہاڑ بھی ہیچ معلوم ہوں۔ اور در حقیقت انسان کے عزم کے سامنے پہاڑ ٹل ہی جاتے ہیں۔ ہم میں ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو اس وقت اپنے کاروبار کرتے ہوئے دل میں اسی تڑپ کو لیے ہوئے ہوں کہ کس طرح جب انہیں موقع ملے وہ خدا کی راہ میں نکل کھڑے ہوں اور ہر وقت اس کام کے لیے تیاری میں رہیں۔ ہم میں وہ لوگ بھی ہونے چاہئیں جو اس کاروبار میں اعانت کے لیے اپنے اموال کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں۔ کیونکہ سلسلہ کا قیام بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ اگر ایک گروہ جذبہ دینی کو لے کر کام کے لیے باہر نکل گیا ہے، تو دوسرا اسی جذبہ دینی کو اپنے اندر لیے ہوئے اپنے اموال سے اسی کام کو سرانجام دے رہا ہو۔

غرض ہماری عید از سرنو ہم میں یہ احساس پیدا کر دے کہ ہم نے کیا ذمہ داری اپنے سر پر لی ہوئی ہے۔ اور اس کے پورا کرنے کے لیے ہمیں کس قدر کوشش کرنی چاہئے۔ ان باتوں کا یاد دلانا خطیبوں کا فرض ہے۔ عمل کی توفیق اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ملتی ہے۔ مگر میں یقین رکھتا ہوں کہ سچے دل سے نکلی ہوئی بات اپنا اثر کر کے رہے گی۔

پھر یہ بھی یاد دلا دینا فرض ہے کہ یہ عظیم الشان کام بغیر ایک قوم کی جدوجہد کے جاری نہیں رہ سکتا۔ اس لیے ہمیں اس خدمت میں ہمارے ساتھ مل کر حصہ لینے والوں کی تعداد میں ہر وقت اضافہ کی فکر ہونی چاہئے۔ مجدد صدی اور مسیح زمان کو اللہ تعالیٰ نے لغو طور پر نہیں بھیجا۔ اس کے دامن سے وابستگی ہی اس کام میں ہمیں کامیاب کر سکتی ہے۔ پھر جو جماعت بن چکی ہے اس کے آئندہ رہنے کا اور اس کی ترقی کا بھی ہمیں فکر ہونا چاہئے۔

باہم تعلقات محبت والفت کو بڑھانے میں ساعی رہنا چاہئے۔ باہم میل جول کے اور اکٹھے ہونے کے موقع پیدا کرنے چاہئیں۔ اس سے ایک کو دوسرے سے قوت ملتی ہے۔ پھر اجتماع کا بہترین مطلب اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ ہماری جماعت میں ہر جگہ درس قرآن کا سلسلہ جاری ہو۔ اور علاوہ اس کے ہر احمدی ماں باپ کا فرض ہے کہ اس کا بچہ لڑکا ہو یا لڑکی، کم از کم قرآن شریف کو با ترجمہ جانتا ہو۔ اور کسی قدر واقفیت موٹے موٹے مسائل شرعی سے اور حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کی زندگی سے رکھتا ہو۔ نماز با جماعت اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے بھی توجہ دلانی چاہئے۔ والسلام

محمد علی

20 رمضان المبارک 1340ھ

۞۞۞

17 شوال 1340ھ

مکتوب امیر

مسیحیت کا روحانی غلبہ

مسلمانانِ عالم سے ایک اپیل

(از قلم حضرت مولٰینا مولوی محمد علی اید ہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز)

(حضرت امیر اید ہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک چٹھی بزبان انگریزی معزز ہمعصر ''لائٹ'' کی تازہ ترین اشاعت میں بطور ضمیمہ شائع ہوئی ہے۔جس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو اس وقت کس قدر ضرورت ہے ان جاں نثاروں کی، جو جان و مال کے ساتھ اس کی حفاظت و اشاعت میں منہمک ہو جائیں۔ اور اس کے بغیر کس قدر خطرات مسلمانوں کو درپیش ہیں، جن کا سامنا کرنا محال ہے۔ہم اس چٹھی کو ذیل میں بتمام وکمال قارئین ''پیغام صلح'' کے لیے ترجمہ کیے دیتے ہیں۔مدیر)

محبی اخویم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس حقیقت نفس الامری کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اسلام کی کامیابی وفلاح اس بات پر منحصر ہے کہ اکناف عالم کے تمام مسلمان متفقہ طور پر اس کے لیے جدوجہد کریں، میں آپ کی توجہ ایک ایسے اہم سوال کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں، جو اسلام کی اصل زندگی سے متعلق ہے۔

عیسائی مشنری موومنٹ جو کہ ''مہیب خطرہ'' ہے۔ دنیا کی مسیحی اقوام میں صدیوں سے وسیع پیمانہ پر موجود تھی کہ کسی نہ کسی طرح اقوام عالم پر پولیٹکل غلبہ وتسلط حاصل کیا جائے۔اور صلیبی جنگوں کی روح ہمیشہ کسی نہ کسی رنگ میں اپنا کام کرتی رہی ہے۔اسلام کو عیسائیت نے دنیا پر پولیٹکل غلبہ حاصل کرنے کے لیے اپنا سب

سے بڑا دشمن سمجھ رکھا ہے۔لیکن مسلمان اقوام کو ان کے زیرنگین کرنے میں عیسائیت کے زور و طاقت نے اس قدر کام نہیں دیا، جس قدر کے مسلمانوں کی اپنی بے رغبتی اور لاپروائی نے اس میں مدد دی ہے۔ملکی اقتدار بھی ایک وقتی اور عارضی بات ہوتی ہے۔جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ (140:3) عیسائیت کو محض اپنے پولیٹکل غلبہ سے تشفی حاصل نہیں ہوئی اور نہ ہونی چاہئے تھی۔ کیونکہ ملکی تسلط ایک گزر جانے والی حالت ہے اور اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔دنیا کے عام خیالات کا رجحان اس طرف ہے کہ ہر ایک قوم آئندہ خود ہی اپنی حکمران ہوگی۔اور باوجود ان تمام جسمانی طاقتوں کے، جو اس کی مخالفت پر کمربستہ ہیں، اس نتیجہ کا پیدا ہونا ایک یقینی اور لابدی امر ہے۔لیکن اصل چیز جو باقی رہنے والی ہے۔وہ روحانی غلبہ ہے۔اور یہی وہ چیز ہے۔جس کے لیے مسیحیت اب نہایت سخت کوشش اور جدوجہد کررہی ہے۔اس کے مشنری ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور کُل عالم کو مسیحیت کا بپتسمہ دینے کے لیے ایک عظیم الشان میدان رزم بالخصوص اسلامی ممالک میں تیار کیا جارہا ہے۔عیسائیت کے ذرائع تبلیغ غیر محدود ہیں۔اور اس کی دنیوی طاقت اس قدر وسیع ہے کہ سابقہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں پائی جاتی۔لیکن باوجود ان سب باتوں کے عیسائیت اسلام کی روحانی طاقت سے نہایت خوفزدہ ہے۔

اسلام ہی اس کے نزدیک ایسا مذہب ہے، جس کو عیسائیت کا دشمن سمجھا جاتا ہے۔اور باقی تمام مذاہب صرف غیرمسیحی ہیں۔اس کا سبب کوئی خاص عناد نہیں، جو اسلام نے مسیحیت کے ساتھ روا رکھا ہو۔ کیونکہ اسلام نے تمام مذاہب کے متعلق یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔اور سب کے مذہبی لیڈروں کی عزت وتکریم کی ہے۔اس سے بھی بڑھ کر اس نے عیسائیت کے متعلق اپنی خاص خوشدلی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے، جن میں عیسائیوں کو اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا (82:5) (ایمان والوں سے مؤدت میں قریب ترین) قرار دیا گیا ہے۔عیسائیت کا اسلام کو اپنا دشمن سمجھنا محض اس وجہ سے ہے کہ وہ اسلام کی روحانی طاقتوں کو بہت زبردست سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اسلام ہی آخر کار دنیا میں غالب آئے گا۔اس وقت دنیا کی تمام مادی طاقتیں عیسائیت کی پشت پناہ ہیں۔اور اسلام محض ان روحانی طاقتوں ہی پر انحصار رکھتا ہے، جو اس کے زیرتصرف ہیں۔ اور اسلام ہی آخر کار فتح یاب ہوگا۔قرآن کریم کا ارشاد ہے: لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (28:48) اللہ تعالیٰ

اسلام کو تمام دینوں پر غالب کرے گا۔لیکن افسوس ہے کہ آج اس عظیم الشان روحانی معرکہ میں مسلمان اسلام کی امداد سے ویسے ہی غافل ہیں، جیسا کہ جسمانی معرکوں میں انہوں نے غفلت سے کام لیا تھا۔

اس بارہ میں میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک بہی خواہ اسلام کو اس عظیم الشان کام کی طرف توجہ دلاؤں۔ جو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے ذریعہ سے ہو رہا ہے۔اس کی سالانہ رپورٹ کو (جو طلب کرنے پر بھیجی جا سکتی ہے) دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انجمن نے سال گزشتہ میں اسلامی مذہبی لٹریچر کی تیاری اور انگلستان اور دیگر ممالک میں تبلیغی کوششوں پر ایک لاکھ روپیہ صرف کیا ہے۔دیکھنے کو تو یہ رقم بہت بڑی ہے۔لیکن وہ بڑی بڑی رقوم جو مسیحی مشن صرف کر رہے ہیں۔ان کے سامنے اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔صرف ایک لندن کی چرچ مشنری سوسائٹی نے 1920ء میں اکیاسی لاکھ سے زیادہ روپیہ صرف کیا۔اس میں ستاون لاکھ کی اس رقم کو جمع کیجئے۔ جو اس سوسائٹی نے اناجیل کی اشاعت پر خرچ کی۔ پھر سٹیٹ مشنری سوسائٹی کا چوالیس لاکھ۔لندن مشنری سوسائٹی کا انتیس لاکھ۔ ویسلین مشنری سوسائٹی کا پینتالیس لاکھ اور برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کا ستاسٹھ لاکھ بھی اس کے ساتھ شامل کیجئے۔کل میزان تین سو تئیس لاکھ ہوگا۔ جو ان چند ایک عیسائیت کی تبلیغ کرنے والی سوسائٹیوں کا ایک سال کا خرچ ہے۔اور اگر اس کے ساتھ تمام مسیحی دنیا کی مشنری اخراجات کو ملائیں۔تو یہ تین سو تئیس لاکھ کی مذکورہ بالا رقم بھی ناچیز نظر آئے گی۔

پس جس حد تک مادی ذرائع کا تعلق ہے، ہم جانتے ہیں کہ اسلام مسیحیت کے زور وطاقت کا سواں حصہ بھی فراہم نہیں کر سکتا۔خواہ تمام کی تمام اسلامی دنیا بھی، جو افسوس ہے کہ اس وقت خواب غفلت میں سوئی پڑی ہے، اسلام کی اس اہم ضرورت کے لیے بیدار کیوں نہ ہو جائے۔لیکن کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اس سے حوصلہ ہار بیٹھیں۔اور اس تحریک میں، جو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام نے شروع کر رکھی ہے، طاقت پیدا کریں۔ میں یہاں مختصراً ان تین شعبوں کا ذکر کرتا ہوں۔جن میں یہ انجمن کام کر رہی ہے۔

1۔مسلم مشنوں کا قیام اور ان کا کام

سب سے پہلا کام مسلم مشنریوں کو عیسائی ممالک بالخصوص یورپ اور امریکہ میں بھیجنا ہے۔اس بارہ

میں ووکنگ مشن نے جو کام خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی صدر الدین صاحب کے زیرِ سرپرستی کیا ہے، وہ عیاں ہے۔ اور اس کے دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن ان کے علاوہ انجمن نے اس سال دو نئے مشن قائم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ ایک جرمنی میں اور دوسرا امریکہ میں۔ جن میں سے ایک مولوی صدر الدین صاحب کے چارج میں ہوگا۔ ان دونوں مشنوں کے لیے ایک خاص رقم فی الحال جمع ہو چکی ہے۔ لیکن ابتدای اخراجات کے لئے، جو بہت زیادہ ہوں گے، ہر ایک مسلمان بھائی کی، جس کا دل اسلام کی خیر خواہی سے لبریز ہے، امداد کی ضرورت ہے۔

یورپ اور امریکہ کے یہ مسلم مشن صرف یہی کام نہیں کرتے۔ اور نہ ہی آئندہ صرف یہی ایک کام ان کے پیش نظر ہو گا کہ عیسائیوں میں سے لوگوں کو مسلمان بنایں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ لارڈ ہیڈ لے، مسٹر مارمڈ یوک پکتھال اور دیگر فضلاء وامراء مغرب کے قبول اسلام سے اس پہلو میں کام کی ابتدا نہایت عمدہ ہوئی ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری کام، جو ان مشنری کے قیام سے ہمارے پیش نظر ہے، یہ ہے کہ اسلام کی اصل تصویر کو ان ممالک میں پیش کیا جائے۔ اور ان غلط فہمیوں کو دور کیا جائے جو اس کے پاکیزہ معتقدات اور بانیٔ اسلام کی مقدس زندگی کے متعلق مغرب میں زیادہ تر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہی غلط فہمیاں ہیں جو اس بغض وعناد کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ جو مغرب میں ہر اس چیز کے متعلق پایا جاتا ہے، جو اسلام سے کوئی تعلق اور لگاؤ رکھتی ہے۔ یہ کام بجائے خود ایسا اہم اور ضروری ہے کہ اگر دعوت اسلام کا کوئی سوال بھی پیش نظر نہ ہوتا، تو بھی مسلمانوں کی قومی عزت کو بحال رکھنے کے لیے اس کا ہونا ضروری تھا۔

2۔ عیسائیت کا اثر اور اس کے زائل کرنے کی کوشش

عیسائیت کے روز افزوں اثر کا مقابلہ اور اس کے زائل کرنے کی کوشش، یہ اس انجمن کی تبلیغی سرگرمیوں میں سے دوسرا بڑا کام ہے۔ مسلمانوں نے آج تک اپنے سب سے زیادہ ضروری فرض سے تغافل برتا ہے۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کے ہم مذہب لوگوں کی بہت بڑی تعداد عیسائیت کی نذر ہو چکی ہے۔ فلپائن کی آبادی کا، جو ایک وقت ساری کی ساری مسلمان تھی، 4/5 اس وقت عیسائی ہے۔ جاوا میں چوبیس ہزار مسلمان صلیب کی نذر ہو چکے ہیں۔ اور یہ رفتار ابھی تک تین سو نفوس سالانہ کے حساب سے جاری ہے۔ عیسائیت کا یہ اثر ٹرینیڈاڈ

(جزائرغرب الہند) میں بھی ترقی پر تھا، جہاں انجمن نے دو سال ہوئے ایک مشنری بھیجا تھا۔ اوراس کی کوششوں سے وہاں کے لوگوں میں ایک عام بیداری ہوگئی ہے۔ ایسا ہی بعض دوسری جگہیں بھی امداد کی محتاج ہیں۔ اور ایسی مسلمان جماعتوں کے لئے، جو دنیا سے الگ تھلگ پڑی ہیں، زندگی اور موت کا سوال پیدا ہو چکا ہے۔ لیکن صرف تمام مسلمانوں کی متفقہ کوشش ہی ایک چیز ہے، جو عیسائیت کے، جو ہزار ہا مشنریوں، ڈھیروں ڈھیر روپیہ اور کثیر لٹریچر کی پشت پناہی میں ممالک اسلام کے اندر گھسی چلی آ رہی ہے، ان زبردست حملوں کے بالمقابل اسلام کی عزت کو بچا سکتی ہے۔

3۔ مسلمانوں میں اسلامی لٹریچر کی ضرورت

اس کے علاوہ انجمن نے خود مسلمانوں کے اندر اسلامی لٹریچر کو پھیلانے کا جو کام کیا ہے، وہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اس شعبہ میں ہمارے سامنے دو کام ہیں۔ ایک تو لٹریچر پیدا کرنا اور دوسرے اس کی وسیع اشاعت کے سامان بہم پہنچانا۔ اول الذکر حصہ کو اگر دیکھا جائے تو انجمن نہ صرف قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ اور تفسیر کو صرف کثیر کے ساتھ شائع کرنے میں ایک اعلیٰ درجہ کی خدمت اسلام سرانجام دینے کے قابل ہوئی ہے، بلکہ اس نے بعض دیگر ضروری کتب بھی شائع کی ہیں۔ لیکن اس کام کے دوسرے حصہ کو پورا کرنے میں بہت سی دشواریاں ہیں۔ ہماری نئی پود یعنی مسلمان طالب علموں کو خاص طور پر یہ ضرورت ہے کہ پاکیزہ اسلامی لٹریچر ان کے ہاتھوں میں دیا جائے۔ مسیحی مذہبی سوسائٹیاں، مسلمان طلبا میں اپنے لٹریچر کو بعض وقت بالکل مفت تقسیم کرتی ہیں۔ لیکن ہمارے پاس اس کے لیے فنڈ نہیں۔ باوجود اس کے انجمن انگریزی ترجمۃ القرآن جیسی قیمتی چیز اور بعض دوسری کتابیں طلباء کو نصف قیمت پر بہم پہنچاتی ہے۔ ان کے علاوہ ''لائٹ'' نامی ایک پندرہ روزہ اخبار برائے نام ایک روپیہ سالانہ قیمت پر شائع ہوتا ہے۔ جو طلباء کو 8 آنہ سالانہ میں دیا جاتا ہے۔ یہ سالانہ چندہ اخبار کے صرف پیکنگ اور محصول ڈاک کے لیے ہی مکتفی ہوسکتا ہے۔ اپنے نوجوانوں کے اندر سچی اسلامی روح کو پھونکنا ہی سب سے زیادہ مفید تعمیری کام ہے۔ جس سے مسلمان قوم دوبارہ بن سکتی ہے۔ اور جتنی جلدی مسلمان اس ضرورت کے لیے بیدار ہوں، اتنا ہی بہتر ہے۔

مسلمانوں سے اپیل

یہ سیدھے سادے حالات اور وجوہات ہیں، جو چاہئے کہ ہر ایک مسلم دل کو اپیل کریں۔ اسلام کی پولیٹکل طاقت قریباً مفقود ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی خلافت بھی پاش پاش ہوگئی ہے۔ لیکن یہ وہ اسلام کے مصائب ہیں، جن میں سے وہ زیادہ شان وشوکت کے ساتھ پھر دوبارہ اٹھے گا۔ مسیحی مشنری موومنٹ ہی ایک چیز ہے، جس کا اسلام کو سب سے زیادہ خطرہ ہوسکتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اسلام کی ہستی کو اس سے خطرہ ہے۔ اگر اب بھی ہم اس خطرہ کے خلاف اٹھیں گے نہیں، تو ہمیں نا قابل تلافی نقصان اٹھانا پڑے گا۔

امداد کے طریق:

ہر ایک مسلمان ذیل کے طریقوں میں سے کسی ایک طرز پر اسلام کی اشاعت میں مدد کر سکتا ہے۔

☆ عام چندوں اور عطیات کے ذریعہ سے

☆ زکوٰۃ کے ایک حصہ کو اشاعتِ اسلام کے لیے مختص کرنے اور اس کو انجمن کے خزانہ میں داخل کرنے سے۔

☆ حسب توفیق ماہواری چندہ دینے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے کر۔

☆ اسلام اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت کے لیے انجمن کے نام اپنی جائیداد کا ایک حصہ وصیت کرنے سے۔

☆ بہت سے مسلمان ہیں، جو بینکوں اور ڈاکخانوں میں حفاظت کے لیے روپیہ رکھتے ہیں۔ قرآن کریم نے سود کے لینے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن سود کا روپیہ ایسے خیراتی کاموں میں، جیسے کہ اشاعتِ اسلام ہے، صرف کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ تمام سود، جو ایسے جمع شدہ مال پر ملے، انجمن کے خزانہ میں داخل کر دیا جائے۔

☆ اس خط کے مطالب ومفہوم سے اپنے شناساؤں کو واقف کرانے سے۔

(نوٹ: تمام چندے محاسب صاحب احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام، احمدیہ بلڈنگس، لاہور کے نام آنے

چاہئیں۔ایڈیٹر)

آپ کا دلی دوست

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام، لاہور

23ذیقعدہ1340ھ

بنک کا سود اور اشاعتِ اسلام

اشاعتِ اسلام کی تحریک میں مَیں نے جہاں ان امور کی طرف اپنے مسلمان بھائیوں کو توجہ دلائی تھی کہ وہ کس طرح مالی رنگ میں اس تحریک کی اعانت کر سکتے ہیں؟ یہ بھی لکھا تھا کہ جو لوگ صرف روپیہ کی حفاظت کے لیے اپنا روپیہ بنکوں میں جمع کراتے ہیں، وہ رقم سود کو بھی اشاعتِ اسلام کے لیے صرف کر سکتے ہیں۔اس کے متعلق کئی جگہ سے میرے پاس یہ سوال آیا ہے کہ سود کے روپیہ کا، جو حرام ہے، اشاعتِ اسلام پر مصرف کیونکر جائز ہے؟ یہ چند سطور اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے ہیں۔

میرے نزدیک ان دونوں صورتوں میں فرق ہے۔یعنی ایک سود پر روپیہ دینا۔دوسرے بنک میں روپیہ حفاظت کے لیے رکھوانا۔صورت اول قطعاً ناجائز ہے۔گو بعض علماء نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر اس میں غیر مسلموں کو سودی روپیہ دینے کا بھی جواز نکالا ہے۔مگر میرے نزدیک جو چیز اصولاً ممنوع ہے، وہ دارالحرب میں بھی ممنوع ہے۔دوسری صورت، یعنی بنک میں روپیہ حفاظت کے لیے یا پس انداز کرنے کے لیے رکھوانا، اس سے بالکل الگ ہے۔گو اس روپیہ پر بھی بموجب قوانین بنک کوئی رقم زائد مل جائے۔

ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ صورت ثانی میں روپیہ رکھوانے والے کی نیت سود لینے کی نہیں ہوتی۔اور نہ وہ سود کی خاطر روپیہ بنک میں دیتا ہے۔اور جب نیت سود لینے کی نہ ہو۔یا کچھ زائد رقم لینے کی نہ ہو تو اگر قرضہ کے واپس کرنے میں بھی کوئی شخص قرضہ سے زائد کچھ رقم قرض دہندہ کو دے دے تو اس کا لے لینا جائز ہے۔بشرطیکہ تقرر رقم کا نہ ہوا ہو۔

اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو قرضہ واپس کیا تو کچھ زائد بھی ساتھ دے دیا۔ یہ صرف **هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ** (60:55) کے طور پر تھا، نہ قرضہ دینے والے کی نیت ایسی رقم لینے کی ہوتی ہے۔اور نہ قرضہ لینے والا اس کے دینے کا پابند ہوتا ہے۔اور نہ کوئی رقم مقرر ہوتی ہے۔اب جو روپیہ بنک میں حفاظت کے لیے رکھوایا جاتا ہے اسے اس جائز صورت کے ساتھ ایک رنگ میں مشابہت حاصل ہے۔

اور ایک رنگ میں اختلاف ہے۔ مشابہت تو یہ ہے کہ روپیہ رکھوانے والا، جو یہاں قرضہ دینے والے کی جگہ ہے ،سود لینے کی نیت سے روپیہ نہیں رکھواتا۔ اور اختلاف یہ ہے کہ جن کے پاس روپیہ رکھا گیا ہے۔ جو یہاں قرضہ لینے والے کی جگہ ہے۔ وہ ایک رقم مقرر کر کے اس کے ادا کرنے کا اپنے آپ کو پابند کر دیتا ہے۔ اگر روپیہ رکھنے والا (یا قرضہ لینے والا) کسی رقم کے ادا کرنے کا پابند نہ کرتا، تو جو روپیہ وہ زائد از امانت یا قرضہ دیتا، اس کا لے لینا اور اپنے مصرف میں لانا، روپیہ رکھوانے والے یا قرضہ دینے والے کے لیے صاف طور پر جائز تھا۔

لیکن اس اختلاف کی وجہ سے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اس زائد روپیہ کو اپنے مصرف میں لانا درست نہیں۔ ہاں اسے لے کر کسی خیراتی کام پر بالخصوص اشاعتِ اسلام پر صرف کر دینے میں کوئی حرج نہیں، اور نہ کوئی گناہ ہے۔ البتہ اگر وہ اسے اپنے مصرف میں لائے، تو پھر یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کی نیت سود لینے کی نہ تھی، بلکہ اس نے عملاً سود کا روپیہ اپنے مصرف میں لا کر بتا دیا کہ بنک میں روپیہ رکھوانا بغرض حفاظت نہ تھا، سود لینے کے لیے تھا۔ وہ امر جو بنک میں بطور حفاظت یا پس انداز روپیہ رکھوانے کو سود کی صورت سے الگ کرتا ہے، صرف اس قدر ہے کہ روپیہ رکھوانے والے کی نیت سود لینے کی نہ ہو۔ اور یہ نیت اس وقت تک رہ سکتی ہے کہ سود کی اپنی ذات پر مصرف کو وہ حرام سمجھے۔ اگر وہ ایسا کرے تو حکم الٰہی کی اس نے تعمیل کر دی۔ اب جو روپیہ اسے بغیر نیت سود کے مل گیا ہے، اسے نیک کام پر صرف کر دینا کسی حکم شرعی کے خلاف نہیں۔ کیونکہ وہ رِبٰو کی حقیقی تعریف میں اس وقت آئے گا، جب سود لینے کی نیت ہو۔ یا اس نیت کا عملی ثبوت یہ مل جائے کہ اس نے ایسا روپیہ لے کر اپنی ذات پر صرف کر لیا۔ دوسری صورت میں وہ ممنوع سود کی تعریف میں نہیں آتا۔

بعض دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ بنکوں میں روپیہ رکھتے ہیں، وہ سود لینے کی نیت سے ہی رکھتے ہیں۔ اگرچہ میں مانتا ہوں کہ عام روپیہ رکھنے والوں کی یہی حالت ہے۔ لیکن ایک مسلمان جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے سامنے گردن جھکاتا ہے، اس کی طرف ایسا ارادہ کیوں منسوب کیا جائے۔ جب وہ عملی طور پر اس بات کا ثبوت بھی دے دے کہ اس کی نیت سود لینے کی نہ تھی۔ اور واقعات شاہد ہیں کہ اس قسم کے ہزار ہا مسلمان ہیں۔ شاید کوئی دو تین سال کا عرصہ گزرا ہوگا۔ یا کم زیادہ، میں نے خود یہ پڑھا ہے کہ سود کی وہ رقم جو ڈاک خانہ سیونگ بنک سے مسلمانوں نے وصول نہیں کی، پونے تین لاکھ روپیہ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے

ڈاک خانہ سیونگ بنک میں روپیہ محض حفاظت کے لیے جمع کرایا اور ان کی نیت سود لینے کی نہ تھی۔ میرے نزدیک یہ ان کی غلطی ہے کہ مسلمانوں کے فائدے کے لیے اس روپیہ کو صرف نہ ہونے دیا۔ اس غریب قوم کے لیے تین لاکھ روپیہ کی رقم کوئی تھوڑی سی چیز نہیں۔ اور یہ ابھی ڈاک خانہ کے سیونگ بنک کی رقم ہے۔ دوسرے بنکوں میں خدا جانے کتنی رقم اس قسم کی ہوتی ہوگی۔ ہاں! ان کا سود کا روپیہ نہ لینا، جس طرح انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کے باہر نکال دیتا ہے، اسی طرح اس روپیہ کو اپنے مصرف میں نہ لانا بلکہ کسی نیک کام پر صرف کر دینا بھی ان کی بریت کے لیے کافی ہے۔ ہاں! اس صورت میں مسلمان قوم کے بڑے کام، جو روپیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے ادھورے پڑے ہوئے ہیں، کچھ نہ کچھ تکمیل کو پہنچ جاتے اور ان کے اس روپیہ کو نہ لینے کی صورت میں ممکن ہے کہ وہ روپیہ، جیسا کہ مشہور ہے، کسی عیسائی مشنری پروپیگنڈا کی امداد میں صرف ہوتا ہو۔ اور یوں جو روپیہ اسلام کی قوت کا موجب ہوسکتا ہے، وہ اسلام کو نقصان پہنچانے کا موجب بن رہا ہو۔ ان حالات میں میری بھی رائے ہے کہ اس روپیہ کو نہ لینے سے یہ بہتر ہے کہ اسے لے کر اسلام کی قوت کا موجب بنایا جائے۔

حدیث سے ثابت ہے کہ جب قرآن کریم میں آیت **غُلِبَتِ الرُّوۡمُ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِھِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ. فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ** (30:2-4) نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے ابی بن خلف کے ساتھ یہ شرط لگائی کہ اگر اہل روم تین سال میں اہل فارس پر غالب نہ آئے تو وہ دس اونٹ اُبی کو دیں گے اور اگر غالب آ گئے تو اس سے دس اونٹ لیں گے۔ ابھی حرمت قمار نازل نہ ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بضع کا لفظ تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔ اس لیے میعاد کو بڑھا کر نو سال کر دو۔ اور شرط دس اونٹ کی جگہ سو اونٹ کر دو۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ پیشگوئی جنگ بدر کے دن پوری ہوئی۔ یعنی رومی اہل فارس پر غالب آئے اور یہ نو سال کے اندر اندر ہوا، تو حضرت ابوبکرؓ نے اُبی کے ورثاء سے وہ سو اونٹ وصول کئے۔ چنانچہ ترمذی کی روایت یہی ہے: **اِنّہ لمّا کَانَ یَوۡم بَدرٍ ظَھَرَتِ الرُّوۡمُ عَلَی فَارِسٍ فَاَخَذَ اَبُوۡبَکرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ الخطَر مِنۡ وَّرَثَۃِ اُبَیّ وَجَآءَ بِہٖ اِلَی النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃَ وَالسَّلَامُ تصدق بہٖ** یعنی حضرت ابوبکرؓ شرط کا سو اونٹ لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ صدقہ کر دو۔ اور

دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ هَذَا السحت تصدق بہٖ یہ مال حرام ہے۔ اس کے ساتھ صدقہ کر دو۔

جس سے معلوم ہوا کہ مشتبہ مال کو صدقہ میں دے دینا جائز ہے۔ ہاں! اس کا یہ منشا نہیں کہ لوگ حرام کمائیں اور پھر اسے صدقہ کریں۔ بلکہ صورت یہ تھی کہ شرط تو حرمت قمار سے پہلے ہو چکی تھی۔ لیکن اس کی وصولی کا وقت حرمت قمار کے بعد تھا۔ تو آنحضرت ﷺ نے اسے کفار سے لے کر مسلمانوں کی بہتری پر صرف کرا دیا۔ اگر نہ لیا جاتا تو وہی مال کفار کی قوت کا موجب ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تقویت کو بھی ایسے حالات میں مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اور اس بنا پر میں نے یہ لکھا ہے کہ ایسی صورتوں میں سود کا روپیہ، جب نیت سود لینے کی نہ ہو، بلکہ روپیہ کو محفوظ رکھنے کی ہو، لے کر اسلام کی تقویت پر خرچ کر دینا چاہیئے۔ ورنہ وہ مال بجائے اسلام کی قوت کے کفار کی قوت کا موجب ہو گا۔ اور یہ بھی ثابت کر چکا ہوں کہ ایسا روپیہ سود اسی صورت میں بنے گا، جب روپیہ رکھوانے والے کی نیت سود لینے کی ہو۔ یا عملاً وہ اسے لے کر اپنے ذاتی مصرف میں لائے۔ اس حدیث سے یہ بھی صورت سامنے آتی ہے کہ اگر ایک شخص نے ناجائز کچھ کمایا ہو اور پھر وہ توبہ کرے تو اس ناجائز کمائی کا خدا کی راہ میں صرف کر دینا جائز ہے۔

محمد علی

ڈلہوزی۔ 7 جولائی 1922ء

30 ذیقعدہ 1340ھ

اداریہ

میاں محمود احمد صاحب عدالت میں

''الفضل'' مورخہ 26 و 29 جون 1922ء میں جناب میاں محمود احمد صاحب کا ایک بیان شائع ہوا ہے۔ جو سینئر سب جج ضلع گورداسپور کی عدالت میں انہوں نے 19 جون کو دیا ہے۔ میاں صاحب اس عدالت میں بطور ایک گواہ پیش ہوئے تھے۔ مقدمہ یہ تھا کہ ایک احمدی بیوی کے ساتھ ایک غیر از جماعت شخص نے بلا طلاق نکاح کر لیا تھا۔ اور جب اس پر دعویٰ ہوا تو اس نے عدالت میں بیان دیا کہ احمدی چونکہ کافر ہیں، اس لیے ان کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہوتا۔ لہٰذا طلاق کی ضرورت نہیں۔

خیر! اس مقدمہ یا اس کے اسباب ونتائج سے یہاں ہمیں بحث نہیں۔ ہم صرف اس قدر بتانا چاہتے ہیں کہ جناب میاں صاحب نے اس میں بطور گواہ پیش ہو کر جو بیان دیا ہے۔ اور اس میں اندرونی اختلافات اور بعض دیگر مسائل پر جو تبصرہ فرمایا ہے، وہ پڑھنے کے قابل ہے۔

سب سے پہلی بات میاں صاحب نے یہ کہی کہ:

> ''ہم میں اور دوسرے فریق میں اصول کا فرق نہیں۔ چونکہ ان میں سے بعض کو ہم میں سے بعض سے ذاتی اختلاف تھا، اس لیے وہ جدا ہو گئے۔''

لیکن آگے چل کر دوسرے مسلمانوں کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''ہم چونکہ حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ اور غیر احمدی آپ کو نبی نہیں مانتے، اس لیے قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق، کہ کسی نبی کا انکار بھی کفر ہے، غیر احمدی کافر ہیں۔''

سوال یہ ہے کہ نبی کے انکار سے مراد اس کی نبوت کا انکار ہے یا کسی اور بات کا۔ اگر نبوت کا انکار مراد

ہے، تو ہم بھی حضرت مسیح موعود کو نبی نہیں مانتے۔ پس ہمارے ساتھ اصولی اختلاف نہ ہونا چہ معنی دارد؟ پھر اس سے بھی بڑھ کر میاں صاحب حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب کو مباہلہ کا چیلنج دیتے ہوئے اس کی یہ بنا قرار دے چکے ہوئے ہیں کہ جن مسلمانوں کو میاں صاحب کافر قرار دیتے ہیں، ہم انہیں مسلمان کہتے ہیں، اس لیے یہ گویا اصولی فرق ہے۔ سمجھ نہیں آتا کہ ان میں سے میاں صاحب کی کونسی بات کو صحیح سمجھا جائے۔ اگر ان میں اور ہم میں اصولی اختلاف نہیں تو معلوم ہوا کہ:

1۔ حضرت مسیح موعود کو نبی نہ مان کر بھی ایک شخص مسلمان رہ سکتا ہے۔ اور کل دنیائے اسلام پر ان کا فتویٰ کفر غلط ہے۔

2۔ میاں صاحب نے حضرت امیر سے مباہلہ کی جو بنا ٹھہرائی تھی، وہ بھی غلط محض ہے۔

امر دوم میں حالانکہ یہ صحیح ہے کہ ہم ان مسلمانوں کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں، جنہیں میاں صاحب کافر کہتے ہیں۔ لیکن ان کے عدالت کے بیان کی رو سے باوجود اس کے ہم میں اور ان میں اصولی فرق نہیں۔ پھر سمجھ نہیں آتا کہ ان کے کس بیان کو صحیح سمجھا جائے؟ زیادہ سے زیادہ عدالت کے بیان کو سچ کہا جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں پیروں والی باتیں نہیں چلتیں۔ جو گھر بیٹھ کر مریدوں میں میاں صاحب کر لیتے ہیں۔ لیکن وہاں بھی ان کے بیان میں اختلاف ہے۔ ہمیں باوجود مسیح موعود کو نبی نہ ماننے کے اصول اختلاف کا مرتکب نہیں قرار دیتے۔ اور اسی وجہ کی بنا پر تمام دنیائے اسلام کو کافر ٹھہراتے ہیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ:

''غیر مبائعین کے ساتھ ایک ہزار آدمی ہوگا۔''

یہ تعداد کا سوال بھی احمدی جماعت میں عجیب کیفیت رکھتا ہے۔ جس دن سے میاں صاحب خلافت کی گدی پر بیٹھے ہیں، ان کے اور ان کے مریدین کے کئی ایک بیانات اس بارہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور حیرت ہے کہ ایک بیان دوسرے سے نہیں ملتا۔ دور جانے کی بات نہیں۔ ''آئینہ صداقت'' میاں صاحب کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ اس میں انہوں نے پانچ لاکھ کی جماعت میں سے ننانوے فیصد اپنے ساتھ بتائے ہیں۔ صفحہ 198۔ گویا ''آئینہ صداقت'' کی تصنیف کے وقت پانچ لاکھ میں سے پانچ ہزار ہمارے ساتھ تھے۔ لیکن جو

نہی میاں صاحب عدالت میں تشریف لے جاتے ہیں، اس میں سے چار ہزار اور میاں صاحب کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ اور ہمارے ساتھ صرف ایک ہزار رہ گئے۔ اب فرمائیے، کس بیان کو صحیح سمجھا جائے؟ حیرت ہے، احمدی جماعت کے خلیفہ کہلا کر اور مذہبی لیڈر ہو کر عدالت میں اور گھر میں بیٹھ کر بھی اس قدر خلاف بیانی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ (156:2)

ہم کہتے ہیں تعداد کو اگر دیکھنا ہے، تو آؤ چندوں سے اس کا فیصلہ کر لو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارا صرف ماہوار چندہ بیس ہزار سالانہ سے اوپر ہے۔ گویا ایک ہزار آدمی بیس ہزار روپیہ سالانہ ماہوار چندوں کی صورت میں دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے چاہیے کہ میاں صاحب کی جماعت کا ماہوار چندہ ایک کروڑ روپیہ سالانہ ہو! کیا میاں صاحب اس پہلو پر بھی روشنی ڈال سکتے ہیں۔ آگے چلئے! اپنے اسی بیان میں احمدیوں پر فتویٰ کفر کے متعلق میاں صاحب فرماتے ہیں کہ:

> ''جن بعض لوگوں نے ہم پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، وہ فتویٰ غلط ہے۔ ان کو کوئی حق نہ تھا کہ وہ ہمیں کافر کہتے۔''

اس کے بالمقابل میاں صاحب کی 1915ء کے سالانہ جلسہ کی تقریر، مندرجہ ''فاروق'' مورخہ 16 جنوری 1916ء، کے حسب ذیل الفاظ کو پڑھیے۔ فرماتے ہیں:

> ''جیسے ایک غیر احمدی کا فرض ہے کہ جب تک وہ بیعت میں داخل نہ ہو۔ مسیح موعود اور اس کے متبعین کو مسلمان نہ سمجھے۔ یہ ہی ایک احمدی کا فرض ہے کہ جو مسیح موعود کی بیعت میں نہیں، اسے مسلمان نہ سمجھے۔''

اس فقرہ میں خط کشیدہ الفاظ کو میاں صاحب کے عدالتی بیان کے سامنے رکھیے اور سوچئے کہ آج سے سات برس پہلے احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھنا ایک غیر احمدی کا فرض تھا۔ تو سات برس بعد سینئر سب جج کی عدالت میں اس ''فرض'' کی ادائیگی کا ''حق'' کیونکر زائل ہو گیا۔ میاں صاحب جیسا ہی کوئی حافظہ رکھنے والا اس پر روشنی ڈال سکتا ہے! لیکن اس سے بھی بڑھ کر ایک عجیب و غریب بات ہے۔ جس کو پڑھ کر آپ کو میاں صاحب کی راست

گفتاری کا پتہ لگ جائے گا۔فرمایا:

''کسی احمدی نے احمدیت کی حالت میں غیر احمدی سے احمدی لڑکی کا نکاح نہیں کیا۔''

ان الفاظ کو کیا سمجھا جائے۔میاں صاحب نے''احمدیت کی حالت میں'' کے الفاظ بولے ہیں۔اور ''الفضل'' نے اس پر لَایَزْنِیُ زَانٌ حِیْنَ یَزْنِیُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ کی مثال دی ہے۔گویا حضرت مسیح موعود نے جو خلیفہ رشید الدین صاحب کی لڑکی کے غیر از جماعت کے ساتھ نکاح کی اجازت دی،تو آپ احمدیت کی حالت میں اس وقت نہ تھے، نہ ہی مولوی نور الدین صاحب، جنہوں نے نکاح پڑھایا، نہ ہی خلیفہ رشید الدین، جنہوں نے خودلڑکی دی، نہ ہی خود میاں صاحب، جو نکاح میں شریک ہوئے! ایسا ہی میاں شمس الدین صاحب تاجر چرم لاہور۔خان بہادر شیخ محمد حسین صاحب جج جنہوں نے غیر از جماعت اصحاب سے اپنی لڑکیوں کی شادیاں کیں، وہ اس وقت احمدیت کی حالت میں نہ تھے! سوال یہ ہے کہ بعد میں وہ احمدی کس طرح ہوئے؟ ایک زانی تو جب زنا سے تائب ہو جائے،تو مومن ہو جاتا ہے۔لیکن یہ تمام اصحاب غیر از جماعت کولڑکی دے کر پھر کب تائب ہوئے ہیں۔اور کیونکر؟ کیا اپنی لڑکیاں انہوں نے واپس کر لی ہیں۔یا کیا ایک شخص کافر سےلڑکی کا نکاح کر کے پھر تائب ہو جائے تو وہ نکاح جائز ہو جاتا ہے؟ اورلڑکی اسی کافر کے پاس رہنی چاہئے؟ دیکھئے میاں صاحب کے مریدین لَایَزْنِیُ زَانٌ حِیْنَ یَزْنِیُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ کی حدیث سے فائدہ اٹھا کر ہندوؤں اورعیسائیوں کو کب لڑکیاں دیتے ہیں۔آخر ایمان ہی تو ہے۔کیا حرج ہے۔تھوڑی دیر کے لیے اس چولا کو اتار پھینکا اور پھر مطلب پورا کر کے پہن لیا!

کاش! میاں صاحب ان باتوں پرغور کریں۔اور ایسی رکیک باتوں کی بجائے راہ حق کو اختیار کریں کہ اسی میں سلامتی ہے۔ہاں ایک بات کی ہمیں خوشی بھی ہے۔وہ یہ کہ آج تک جناب میاں صاحب کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جاتا تھا کہ کسی ایک غیر از جماعت کو پیش کرو، جو حضرت مسیح موعود کو مسلمان سمجھتا ہو۔اور جب بہت سے لوگوں کو پیش کیا جاتا تو یہ کہہ دیا جاتا تھا، کہ جب یہ مسلمان سمجھتے ہیں تو مانتے کیوں نہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ دل سے آپ کو مفتری یقین کرتے ہیں۔

یہی طریق استدلال آج تک کل دنیاء اسلام کو کافر قرار دینے کے متعلق برتا جاتا رہا ہے۔ لیکن اپنے اس عدالتی بیان میں میاں صاحب نے صاف طور پر تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت کو کافر نہیں سمجھتے۔ چنانچہ آپ کے ذیل کے فقرات پڑھنے کے قابل ہیں:

''(غیر احمدی کیا جانتے ہیں؟) یہ کثرت سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ بعض جن کے فتوے شائع ہوئے ہیں، اور جو فتوے شائع کرنے والے ہیں، وہ کافر سمجھتے ہیں۔ مگر ان میں ایسے بھی ہیں، جو ہمیں کافر نہیں سمجھتے۔ ان میں مولوی شبلی بھی تھے......زندہ علماء میں سے جن سے میں ملا ہوں، ان میں بھی بعض ایسے ہیں، جو ہمیں کافر نہیں سمجھتے۔ ہاں وہ مفتی ہیں۔ اور جب میں ان کا نام لوں گا، تو آپ کو بھی ماننا پڑے گا۔ وہ مولوی عبدالباری صاحب لکھنوی ہیں۔ میں ان سے ملا تھا۔ انہوں نے میرے سامنے اور لوگوں کی موجودگی میں کہا تھا کہ ایک شخص میرے پاس آپ لوگوں کے کفر کا فتویٰ برائے دستخط لایا تھا۔ لیکن میں نے اس کو کہا کہ میں اس پر دستخط نہیں کر سکتا......ایک اور صاحب ہیں، جن کو ہندوستان میں مولوی کہتے ہیں۔ گو مفتی نہیں۔ وہ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر ہیں۔ پھر ایک صاحب ہیں، جو دیوبند کے مشہور عالم ہیں۔ جنہوں نے دہلی میں ایک مدرسہ بھی کھولا تھا، جو اَب مفرور ہیں اور کابل میں مقیم ہیں۔ اور وہاں ان کا رسوخ بھی ہے۔ ان کا نام مولوی عبیداللہ ہے۔ وہ قادیان آیا کرتے تھے اور ہمارے پیچھے نماز بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ ان لوگوں سے میری ملاقات ہوئی، تو انہوں نے یہ خیالات ظاہر کیے تھے۔ ان کا فتویٰ لکھا ہوا میں نے نہیں دیکھا۔ ایسا یاد پڑتا ہے کہ مولوی شبلی صاحب کا ہے......غیر احمدی یہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نبی نہ تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو حضرت مرزا صاحب کو جھوٹا نہیں کہتے۔ اور وہ نبی بھی نہیں مانتے۔ چنانچہ بنگال کے ایک ایم اے ڈپٹی کلکٹر نے ایک کتاب لکھی تھی۔ اور اس میں لکھا ہے کہ حضرت مرزا صاحب بڑے ولی اللہ تھے۔ مگر ان کو دھوکا لگ گیا تھا۔ اس کتاب پر حکیم اجمل خان صاحب نے ریویو کیا ہے۔ اور اس کی تعریف کی ہے۔ ہر ایک غیر احمدی حضرت مرزا صاحب کو جھوٹا نہیں کہتا۔ ہاں بعض دعووں میں غلطی خوردہ کہا ہے۔ دوسرے وہ ہیں جو آپ کو جھوٹا سمجھتے ہیں اور جھوٹا کہتے ہیں۔ یہ جھوٹا سمجھنے والے لوگ آپ کو کافر کہتے ہیں۔ اور جو دوسرے ہیں وہ آپ کو نبی نہیں مانتے، مگر جھوٹا نہیں کہتے۔

ان الفاظ کی موجودگی میں دنیائے اسلام پر فتویٰ کی ایک بنا زائل ہوگئی۔ کیونکہ مریدین میاں صاحب کا

خیال تھا کہ چونکہ کل مسلمان، جو حضرت مسیح موعود پر ایمان نہیں رکھتے، بلکہ آپ کو مفتری سمجھتے ہیں، اس لیے کافر ہیں، میاں صاحب کے ہم مشکور ہیں کہ انہوں نے اس کی تغلیط کی۔ اور کھلے طور پر اعتراف کیا ہے کہ ایسے بھی لوگ ہیں جو آپ کو مسلمان بلکہ ولی اللہ سمجھتے ہیں۔ اور پھر بھی آپ کے دعاوی پر ایمان نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کو کافر کہنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ اس سوال کو میاں صاحب سے ان کے مریدین ہی حل کرا سکتے ہیں۔

ہم پھر میاں صاحب کے مریدین کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان باتوں کو غور اور ٹھنڈے دل کے ساتھ پڑھیں اور دیکھیں کہ صداقت اور راستبازی کہاں تک ان میں موجود ہے۔ ایک ہی امر کے متعلق میاں صاحب کہیں کچھ کہتے ہیں، کہیں کچھ کہیں ہم سے اصولی فرق بتاتے ہیں۔ اور کہیں ذاتی۔ جو بات ہمارے لیے موجب کفر نہیں، یعنی نبوت مسیح موعود، کل دنیائے اسلام کو اس کی بنا پر کافر قرار دیتے ہیں۔ ہماری تعداد کے متعلق وہ عجیب مخمصے میں ہیں کہیں ہم پانچ ہزار ہوتے ہیں۔ اور کہیں ایک ہزار۔ ایک جگہ میاں صاحب غیر از جماعت کا فرض قرار دیتے ہیں کہ وہ انہیں کافر کہیں۔ اور عدالت میں جا کر ایسا کہنے کا حق بھی نہیں رہتا۔ دوسرے مسلمانوں کو لڑکی دینے والے کو کبھی خارج از جماعت کرنے کے لیے میاں صاحب تیار ہوتے ہیں۔ کبھی اس کے احمدی ہونے کا قائل نہیں رہتے۔ جیسا کہ ہم ان کے فتاوی قبل ازیں نقل کر چکے ہیں۔ اور اگر کوئی صاحب بہ حیثیت مرید کسی فعل بد کا مرتکب ہو، اس سے چشم پوشی بھی ہو جاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ کہہ دیا کہ اس نے احمدیت کی حالت میں ایسا نہیں کیا۔ ایک ہی وقت ایک ہی حالت میں وہ احمدی بھی ہوتا ہے۔ اور احمدیت سے نکل بھی جاتا اور واپس بھی آ جاتا ہے۔ یہ اختلاف بیان کیا ذی فہم حضرات کے لیے قابل غور نہیں؟ انہیں دیکھنا چاہئے کہ ان اوصاف کا مالک، جیسے کہ میاں صاحب ہیں، ان کے دین و ایمان کا رہبر کیونکر ہوسکتا ہے؟

❁❁❁

27 محرم الحرام 1341ھ

حضرت مرزا صاحب کا کام

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کے قلم سے)

حضرت مسیح موعود کا وصال ہوئے چودہ سال گزر گئے مگر آپ کی مخالفت ابھی خوب زور پر ہے۔ کفر کا فتویٰ لگانے والے اب تک اپنی ضد پر قائم ہیں۔ عوام الناس میں علماء کی اس مخالفت کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب کا نام سننے کی تاب نہیں۔ ایک مسلمان شرابخوری کرے، زنا کرے، جوا کھیلے بُری مجالس میں بیٹھے، کسی لنگوٹی پوش مجذوب کو سجدہ کرے اور اسے قاضی الحاجات سمجھے، کسی رند مشرب کو اپنا پیر کہے، کوئی اس سے تعرض نہیں کرتا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان کہلا کر حضرت مرزا صاحب کے کسی مرید یعنی کسی احمدی کے درس قرآن کریم کو سننے آجائے، تو اس کے خلاف عام مسلمانوں میں مخالفت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اور اکثر دلوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں حضرت مرزا صاحب کو وہ قبولیت حاصل نہیں ہوئی، جو پہلے اولیا اور مجددین کو حاصل ہے۔ کیونکہ گو ان میں سے بھی بہتوں کو ان کی زندگی میں کافر و زندیق کہا گیا، مگر وہ مخالفت جلد ہی قبولیت میں تبدیل ہو گئی۔ لیکن یہاں وہ حالت نظر نہیں آتی۔ اس سوال پر کسی قدر تفصیل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مرزا صاحب بحیثیت مجدد

حضرت مرزا صاحب کی کامیابی بحیثیت مجدد بے نظیر ہے۔ آپ کا دعویٰ مجددیت 1883ء کا ہے۔ اور اس وقت سے لے کر 1890ء تک یعنی قریباً آٹھ سال آپ کی قبولیت یہاں تک عام ہوئی کہ شاذونادر ہی کوئی آواز آپ کے خلاف اٹھی۔ اور اس زمانہ میں آپ نے خدمت اسلام کی۔ جس کے اعتراف میں اس وقت کے بڑے سے بڑے علماء رطب اللسان تھے۔ چنانچہ ''براہین احمدیہ'' پر جو آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے، ریویو کرتے ہوئے یہاں تک اعتراف کیا گیا کہ اس خدمت اسلامی کی تیرہ سو سال میں نظیر نہیں ملتی۔ یہ بیان مبالغہ آمیز نہ تھا، بلکہ فی الواقع دہریت کے خلاف، برہمو سماج کے خلاف، آریہ سماج کے خلاف اور اسلام کی

حقانیت پر اس قدر زبردست تحریریں نکلیں اور دلائل عقلیہ کا، جن کی بنیاد قرآن کریم پر تھی، وہ دریا بہا دیا گیا کہ نہ صرف مسلمانوں نے ہی اسے محسوس کیا بلکہ وہ دوسرے مذاہب بھی ان کے جواب سے عاجز آئے اور باطل کی عادت قدیم کے مطابق بجائے اصولی بحث اور اصولی دلائل کے، پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات پر نکتہ چینی پر اتر آئے۔ یوں آپ نے اپنا کام بحثیت مجدد ایسی کامیابی سے کیا جس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی۔ اور اہل اسلام میں آپ کی قبولیت بھی عام تھی۔ اور مذہبی دنیا میں تمام مسلمانوں کی نظریں آپ کی طرف تھیں۔

مخالفت کی ابتدا

مگر فی الحقیقت ان خدمات کو اس عظیم الشان خدمت سے، جو ابھی آپ کے سپرد کی جانا تھی، کچھ نسبت نہ تھی۔ دنیا میں اگر اسلام کا مقابلہ کسی مذہب سے ہے، تو وہ دہریت سے، برہموسماج سے۔ آریہ سماج سے ایسا نہیں، جیسا عیسائی مذہب سے ہے۔ اس مذہب کے خلاف آپ کی طبیعت میں ابتدا سے ہی ایک جوش تھا۔ اور زمانہ ملازمت سیالکوٹ میں آپ بعض پادریوں سے بحث بھی کیا کرتے تھے۔ مگر وہ جوہر بھی پوری آب وتاب سے نہ چمکا تھا۔ چھوٹی چھوٹی تحریکیں، جیسے برہموسماج یا آریہ سماج جو اسی وقت پیدا ہوئی تھیں، اور جن سے مسلمانوں کو متنبہ کرنا ضروری تھا، ان کے خلاف اپنا کام آپ کر چکے تھے۔ اب آپ کے سامنے اس زبردست رَو کا مقابلہ تھا جو عیسائیت کے رنگ میں دنیا کو کھا رہی تھی۔ اور خود دنیائے اسلام پر دانت تیز کر رہی تھی۔ اور جس کے پاس مذہبی رنگ میں دنیا کو مغلوب کرنے کے سامان اسی طرح زبردست تھے، جس طرح ملکی رنگ میں دنیا کو مغلوب کرنے کے سامان۔ لَایَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ کا مصداق تھے۔

یہ کام شروع ہو چکا تھا۔ گو جس قوت کی حالت کو یہ آج پہنچا ہے۔ اس وقت اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ کے لیے آپ کو کھڑا کیا۔ اور حکم دیا کہ ایک جماعت بناو۔ جو اس کام کو دنیا میں جاری اور زندہ رکھے۔ اور چونکہ اس مقابلہ میں مسلمانوں کے اندر ایک خاص کمزوری تھی۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ کو جسد عنصری کے ساتھ چوتھے آسمان پر زندہ ماننا اور انہیں کھانے پینے کا محتاج نہ سمجھنا اور اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ کا، جو خدائے لایزل کی صفت ہے، مصداق ماننا، یعنی یہ کہ ان کے جسم عنصری میں کوئی تغیر نہیں آتا، اس لیے اس غلطی کا دور کرنا عیسائیت کے مقابلہ میں سب سے پہلا کام تھا۔

ایک طرف یہاں سے عیسائیت کے حملہ کا اسلام پر زور پڑتا تھا۔ دوسری طرف عیسائیت کی بنیاد حضرت مسیحؑ کا زندہ آسمان پر چڑھنا تھا۔ اس لیے جب اس مذہب کے مقابلہ کے لیے آپ کو تیار کیا گیا، تو آپ کو مسلمانوں کی اس غلطی پر بھی متنبہ کیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ دوسرے انبیاءؑ کی طرح فوت ہو چکے ہیں۔ اگر آپ کے ہاتھ میں یہ ہتھیار نہ دیا جاتا، تو نہ اسلام کو عیسائیت کی زد سے بچایا جا سکتا تھا۔ اور نہ ہی عیسائیت پر اسلام کے حملے کا زور پڑ سکتا تھا۔ ایک ہی بات تھی جس میں نہ صرف اسلام کا بچاؤ تھا، بلکہ اسی میں عیسائیت کی شکست کا راز مضمر تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی اور حکم دیا کہ عیسائیت اور اسلام کے مقابلہ میں اس ہتھیار کو برتو۔ یہیں سے مسلمانوں میں آپ کی مخالفت شروع ہوئی۔

مسیح موعود کا دعویٰ

مگر وفات مسیحؑ کا سوال نزول مسیحؑ کے سوال سے وابستہ تھا۔ اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیثوں میں بکثرت ایسی پیشگوئیاں پائی جاتی تھیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ عیسائیت کے ساتھ آخری مقابلہ کے لیے ابن مریم کا نزول ہوگا۔ وفاتِ مسیحؑ کے قائل پہلے بھی ہو گئے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں تو صحابہؓ کا اس پر اتفاق نظر آتا ہے۔ حدیثوں میں لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیِنِ کے قطعی الفاظ موجود ہیں۔ یعنی اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے۔ جس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کے نزدیک وہ زندہ نہ تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی عمر احادیث میں لکھی ہوئی موجود ہے۔

حضرت عیسیٰؑ ایک سو بیس برس زندہ رہے۔ پھر امام مالکؒ کا مذہب اب تک کتابوں میں موجود ہے۔ قَالَ مَالِکٌ مَاتَ۔ امام مالک کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے۔ ہمارے اس زمانہ میں بھی سرسید احمد خاں وفات مسیحؑ کے قائل تھے۔ لیکن نزول کی پیشگوئیوں کی طرف توجہ نہ ہوئی تھی۔ احادیث میں تو ابن مریم کے اسی امت میں سے ہونے کے صاف الفاظ موجود ہیں۔ اِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ وَاِمَّکُمْ مِنْکُمْ حضرت مسیح اسرائیلی اور اس امت میں آنے والے مسیح کے دو الگ الگ حلیے موجود ہیں۔ لیکن جو لوگ پچھلے زمانہ میں وفات مسیحؑ کے قائل ہوئے، انہوں نے ان پیشگوئیوں کی طرف توجہ نہ کی۔ اور اس زمانہ میں بعض لوگوں نے احادیث کو پایہ اعتبار سے ساقط قرار دے کر نزول مسیحؑ کا انکار ہی کر دیا۔ اگر یہ حدیثیں صرف ایک نزول مسیحؑ کے متعلق ہی ہوتیں، تو بھی ان کا

انکار نہ ہوسکتا تھا۔ بخاری اور مسلم میں یہ احادیث موجود ہیں۔ ایک دونہیں، چودہ مختلف صحابیوںؓ سے اس قسم کی احادیث مروی ہیں۔ ان کا انکار گویا حدیث کی صحت پر سخت حملہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ جب اس بات پر غور کیا جاتا ہے کہ ان احادیث کا لازم وملزوم تعلق بعض اور احادیث سے ہیں۔ جیسے یاجوج ماجوج کا خروج، دجال کا نکلنا، عیسائیت کا غلبہ وغیرہ، تو پھر ان تمام احادیث کو رد کر کے حدیث کی صحت کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے مجدد صد چہار دہم کو عیسائیت کے مقابلہ کے لیے کھڑا کر کے یہ اطلاع دی کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں، تو ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ نزول مسیحؑ سے جو پیشگوئیاں تعلق رکھتی ہیں، ان کے مصداق آپ ہی ہیں۔ اسی مضمون کو آپ نے یوں ادا کیا ہے ۔

چوں مرا نورے پئے، قوم مسیحی دادہ اند ابن مریم مصلحت را نام من بنہادہ اند

یہی وہ آواز تھی، جس پر مخالفت کی رو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بجلی کی سرعت سے پھر گئی۔ کسی نے اس کام پر غور نہ کیا، جو آپ کے سپرد ہوا تھا۔ نام پر ٹھوکر کھا گئے۔ اسی پر طرح طرح کے غلط اعتراض بنا کر کفر کا فتویٰ تیار کیا گیا کہ یہ شخص مدعی نبوت ہے۔ منکر معجزات ہے۔ منکر معراج ہے۔ منکر ملائکہ ہے۔ منکر لیلۃ القدر ہے۔ جن سب کا جواب آپ نے ایک ہی دیا۔ اور بار بار دیا کہ یہ سب غلط فہمی ہے یا افترا ہے۔ میں آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین یقین کرتا ہوں۔ اور جو شخص آپ کے بعد دعویٰ نبوت کرے اسے کافر و کاذب جانتا ہوں۔ معجزات، معراج، ملائکہ، لیلۃ القدر کا قائل ہوں۔ اور ان تمام عقائد پر ایمان رکھتا ہوں، جو اہل سنت والجماعت کے عقائد ہیں۔

مگر مخالفت کی آگ ایسی بھڑکی کہ اس پانی کا بھی اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ موٹی بات ہے کہ اگر آپ اسے خدا کا حکم یقین نہ کرتے تو اس مصیبت کو اپنے گلے کیوں ڈالتے ؟ آپ اس اعلان کے وقت کوئی گمنام آدمی نہ تھے کہ یہ اعلان کر کے شہرت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ آپ کی قبولیت مسلمہ تھی۔ آپ کے دعویٰ مجددیت پر آٹھ سال گزر چکے تھے۔ آپ یہ جانتے تھے کہ جب میں وفات مسیحؑ کا نام لوں گا، تو مخالفت کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ جس طرح آج بھی بعض بڑے بڑے مشہور علماء وفات مسیحؑ کے قائل ہیں۔ مگر عوام الناس کی مخالفت کے خوف سے اسے زبان پر نہیں لاتے۔ مگر آپ نے جسے خدا کا حکم سمجھا اسے ساری قبولیت پر، ساری عزت شہرت پر ترجیح دی۔ اور خدا

کے حکم کو پورا کرنے کے لیے ہر قسم کی ذلت کو برداشت کیا۔ مسلمانوں کی نگاہ میں کافر بننا قبول کیا۔ مگر خدا کے حکم کو نہ چھوڑا۔

حضرت مرزا صاحب بحیثیت مسیح موعود

مولینا ابوالجمال احمد مکرم صاحب عباسی چڑیا کوٹی اپنی کتاب ''حکمت بالغہ'' کی جلد نمبر 2 کے صفحہ نمبر 4 پر لکھتے ہیں:

> ''اگر مولوی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مہدی اور مثیل مسیح ہوں، تو اس میں کوئی شرعی حرج نہیں ہے۔ نہ ہم کو اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ ہے۔ بلکہ اسلام کی جو خدمتیں انہوں نے کی ہیں، وہ بلاشبہ ان کو مہدویت کے دعویٰ میں من وجہ ثابت کر سکتی تھیں۔ رہی یہ بات کہ وہ نبی اور رسول اور صاحب وحی تھے اور یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین نہیں تھے۔ اور آپؐ پر نبوت ختم نہیں ہوئی، ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اور فاضل قادیانی کو ایسا دعویٰ کرنا ہرگز زیبا نہ تھا۔''

اور اسی کتاب کے صفحہ 9 پر لکھتے ہیں:

> ''ہاں تبلیغ احکام کے لیے علماء مجددین آئمہ اور مہدیین کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ جس کی صراحت احادیث صحیحہ میں خود موجود ہے۔ پس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مہدی و مجدد ہونے میں ہم کو بحث نہیں، نہ اس کے تسلیم کرنے میں کوئی امر مزاحم ہے۔ البتہ ان کا نبی اور رسول ہونا شرع و عقل کے دلائل یقینیہ کی رو سے باطل ہے۔''

بہت سے اور بزرگ بھی اس خیال کے ہوں گے۔ ان کی خدمت میں میری یہ التماس ہے کہ حضرت مرزا صاحب پر دعویٰ نبوت صرف علمائے مخالفت کی غلط فہمی تھی۔ اور یہ ایک غلط الزام تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے کبھی دعویٰ نبوت نہیں کیا۔ بلکہ مدعی نبوت کو کاذب اور کافر جانتے تھے۔ آپ کا مشہور مصرعہ ہے۔ جو آپ کی وفات کے بعد تک اخبار پیغام صلح کی پیشانی پر لکھا جاتا رہا ہے۔ ؎

ہر نبوت را بر شد اختتام

آپ کے اپنے لفظ ہیں:

"بعض اکابر علما میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی۔ ملائک کا منکر ہے۔ لہٰذا میں اظہاراً للحق عام و خاص اور تمام بزرگوں کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افترا ہے۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں۔ اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر اور سیدنا مولٰینا حضرت مصطفیٰ ﷺ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔"

بہت سے برادرانِ اسلام کا یہ خیال ہے کہ آپ کا دعویٰ مجددیت تو قابل تسلیم ہے، مگر مسیح موعود کا دعویٰ نہیں مانا جاسکتا۔ وہ غور کریں کہ اگر حضرت عیسیٰؑ واقعی وفات پا چکے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں صراحت سے مذکور ہے۔ تو آخر ان پیشگوئیوں کا مصداق، جو نزول مسیح سے تعلق رکھتی ہیں، اسی امت کا کوئی بزرگ ہوگا۔ اور کوئی مسلمان کہلا کر جرأت نہیں کرسکتا کہ ان سب حدیثوں کو ہی مجموعہ اباطیل قرار دے۔ جن میں نزول مسیح اور خروج دجال و یاجوج ماجوج کا ذکر ہے۔ پس اگر کوئی اور بزرگ ان احادیث کا مصداق ہوسکتا ہے، تو وہی شخص کیوں نہیں ہوسکتا، جس کو اس وقت یہی ہتھیار دے کر عیسائیت کے مقابلہ پر کھڑا کیا گیا ہے۔ دعویٰ نبوت کی طرف سے مطمئن ہوجانے کے بعد کاش لوگ ان لفظوں پر غور کریں۔ جو "حکمت بالغہ" سے اوپر نقل کیے گئے ہیں۔ اگر حضرت مرزا صاحب مسیح موعود یا مثیل مسیح ہیں تو نہ اپنے نفس کی بڑائی کے لیے بلکہ صرف خدمت اسلام کے لئے۔ اگر انہوں نے ایک جماعت بنائی ہے، تو اسلام میں کوئی تفرقہ پیدا کرنے کے لیے نہیں بلکہ صرف تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لئے۔ مسیح موعود کا دعویٰ کیا ہے۔ صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے غلبہ عیسائیت کے وقت وفات مسیح کا زبردست ہتھیار دے کر مجھے بھیجا ہے کہ تا عیسائیت پر اتمام حجت کروں۔ کیا اس ہتھیار سے عیسائیت کی بنیاد متزلزل ہوجاتی ہے یا نہیں۔ یہ آج کوئی راز نہیں۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ مسلمان اسے مانیں یا نہ مانیں، مگر عیسائی اس سے سخت پریشان ہیں۔ اور بارہا عیسائی مشنریوں نے اسی وجہ سے احمدیوں سے بحث کرنے سے انکار کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر مسیح موعود کے دعویٰ کی صداقت پر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

آپ نے آج ان پیشگوئیوں کا، جو اس زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں، پورا ہونا ثابت کر کے اسلام کی صداقت پر ہی نیا ایمان پیدا کیا ہے نہ کہ اسلام کا کچھ بگاڑا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اگر آج ہم رسول اللہ ﷺ کے لفظوں کو پورا ہوتے دیکھیں تو ہمارا ایمان آپ کی صداقت پر اور زیادہ ہوتا ہے۔ اور ہمارے دلوں کے اندر کام کے لیے ایک نیا جوش پیدا ہوتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ برادرانِ اسلام ان سیدھی سیدھی باتوں پر غور کر کے کیوں اس مجدد کا ساتھ عملاً نہیں دیتے، تاکہ اسلام کی حجت عیسائیت پر تمام ہو۔ تاکہ مغرب بھی اپنے وقت پر اس نور سے منور ہو، جس نے تیرہ سو صدیوں سے مشرق کو روشن کیا ہے۔ تاکہ رسول اللہ ﷺ کے وہ الفاظ پورے ہوں اُعْطِيْتُ كَنْزَيْنِ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْيَضُ یعنی مجھے دو خزانے دیئے گئے ہیں۔ ایک سرخ ایک سفید، سفید خزانہ میں یورپ ہے۔ جو آخر کار اسلام کی غلامی میں آئے گا۔ لیکن اس وقت جب مسلمان اپنے سب سے مقدم فرض اشاعتِ اسلام و تبلیغ حق کی طرف متوجہ ہوں گے۔ اور اس کا ساتھ دیں گے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے عیسائیت کے مقابلہ کے لیے کھڑا کیا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی کامیابی

بحیثیت مجدد حضرت مرزا صاحب کی کامیابی ایک مسلم امر ہے۔ بحیثیت مسیح موعود آپ کی کامیابی کیا ہے؟ آپ کا اصل کام مسلمانوں میں سے مسیحؑ کی زندگی کے عقیدہ کی غلطی دور کرنا ہے۔ اور اسی ذریعہ سے عیسائیت کی قوت کو توڑنا۔ سو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں میں سے یہ غلطی دور ہوتی چلی جاتی ہے۔ جتنی بڑی غلطی ہو، اس قدر زیادہ وقت اس کے دور ہونے میں لگتا ہے۔ حیات مسیحؑ کی غلطی دور کرنا ایک دن کا کام نہ تھا۔ مگر حالات سے واقف لوگ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ان لوگوں کو چھوڑ کر، جنہوں نے اس مسئلہ کی طرف توجہ ہی نہیں کی، کثرت سے مسلمان وفات مسیحؑ کے قائل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ علماء کے دل ہی اندر سے کھائے ہوئے ہیں۔

ہاں! اس کے بعد کام کا دوسرا مرحلہ باقی ہے۔ یعنی اسلام کا پھیلانا۔ اس کا انحصار اس قوت پر ہے، جس قوت سے تبلیغ اسلام کے کام کو ان کے اندر کیا جائے گا۔ لیکن جب تک یہ انتظار رہے کہ کوئی آسمان سے اترنے والا مسیح ہے، جو تبلیغ اسلام آ کر کرے گا، اس وقت تک وہ قوت پیدا نہیں ہو سکتی، جس کی تبلیغ اسلام جیسے کام کے لیے

ضرورت ہے۔ اس وقت برادران اسلام کیوں اس بات پر زور نہیں لگاتے۔ اس لیے کہ انتظار ہے کہ مسیح آسمان سے آئے گا، تو اس کے دم سے کافر مر جائیں گے۔ جس دن یہ انتظار ختم ہو جائے گا، وہی دن اسلام کے غلبہ کا ہو گا۔ کیونکہ اس دن مسلمانوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل ہتھیار، جس کے ساتھ انہوں نے عیسائیت پر غالب آنا ہے، وہ تو ان کے پاس ہے۔ انہوں نے ایک غلط انتظار میں اسے نہیں برتا۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود مان لیا ہے، وہ باوجود ایک قلیل جماعت ہونے کے اسلام کی تبلیغ کے کام کو دور دور کے عیسائی ممالک میں کر رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے عظیم الشان کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔

خاکسار

محمد علی

❁❁❁

5 صفر المعظم 1341ھ

تاریخ اور پیشگوئی کا دہرایا جانا

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت اہلِ روم عیسائی تھے۔ اور عیسائیت کی ہی وہاں حکومت تھی۔ ایرانی آتش پرست تھے اور روم کے ساتھ ایک مدت سے ان کی جنگ چلی آتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا پانچواں یا چھٹا سال تھا کہ روم کا وہ علاقہ جو عرب سے ملتا ہے، ایرانیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ایرانی فوج نے قسطنطنیہ کے سامنے ڈیرے جا ڈالے۔ کسی انسان کے اس وقت وہم وگمان میں بھی نہ آسکتا تھا کہ یہ شکست خوردہ رومی، جن کے دارالخلافہ کا محاصرہ دشمن کیے ہوئے ہیں، اور جن کی ساری سلطنت لے چکا ہے، کبھی اس دشمن پر غالب آسکتے ہیں۔ عین اس وقت خدا کا کلام ہمارے نبی کریم ﷺ پر بالفاظ بااِیں نازل ہوا: آلٓمّٓ. غُلِبَتِ الرُّوۡمُ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ. فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡۢ بَعۡدُ وَیَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ (30:1-4) میں اللہ کامل علم رکھتا ہوں۔ رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں۔ اور اپنی مغلوبیت کے بعد نو سال کے اندر اندر غالب آجائیں گے۔ پہلے اور پیچھے اللہ کی ہی حکومت ہے۔ اور اس دن مومن اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔

اس عظیم الشان پیشگوئی کا مقابلہ کسی نبی کا معجزہ نہیں کرسکتا۔ اس پیشگوئی پر کفار اور مسلمانوں میں اُبی بن خلف اور ابوبکر صدیقؓ کے ذریعہ سے شرط لگی۔ اور دونوں جانبوں کو انتظار رہا۔ ہجرت کا دوسرا سال تھا اور اس پیشگوئی کو ہوئے نواں سال تھا کہ ادھر رومیوں نے نہ صرف اپنا ملک سب کا سب ایرانیوں سے واپس لے لیا بلکہ ایران کی حدود کے اندر پہنچے۔ اور ان کے آتش کدہ کو بجھا کر واپس ہوئے اور ادھر مسلمانوں کو نصرتِ الٰہی ملی۔ جس نے جنگ بدر میں ایک ہزار دشمن کو تین سو تیرہ آدمیوں کے ہاتھ سے شکست دلائی۔ ان دو واقعات کو اکٹھا کر کے بیان کرنا اور یہ بتانا کہ نو سال کے اندر اندر رومی ہی غالب آئیں گے۔ اور مسلمانوں کو سب کفار پر فتح ملے گی، اس علمِ الٰہی کا اظہار ہے، جس کے سامنے دنیا کو گردن جھکانی پڑتی ہے۔

مسلمان روم اور پیشگوئی

مگر کیا خدا کا کلام صرف عیسائی روم کے لیے نازل ہوا تھا؟ اور مسلمان روم کا اس پیشگوئی میں کوئی حصہ نہ تھا۔ خدا کے کلام کے عجائبات ہر زمانہ میں تازہ ہوتے رہتے ہیں۔ روم عیسائی نہیں بلکہ مسلمان ہے۔ اور عیسائی روم کے دشمن آتش پرست تھے تو مسلمان روم کے دشمن عیسائی ہیں۔ وہی عیسائی جن کی فتح کی خوشخبری کبھی خود اسلام نے سنائی تھی۔ عجائبات ہیں۔ جن کے ساتھ اسلام دوست کا سلوک کرتا ہے، وہ اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ مسلمان روم مغلوب ہو جاتا ہے: فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور یہاں تک مغلوب ہو جاتا ہے کہ اس کے دارالخلافہ پر بھی غیروں کا تسلط ہو جاتا ہے۔ اس کی بیکسی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ نہ فوج باقی رہتی ہے، نہ خزانہ، نہ اسلحہ، ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ ایک مرد خدا کے دل میں ڈالتا ہے۔ اور وہی کچھ ڈالتا ہے جو مدتوں پہلے نبی کریم ﷺ کی زبان سے فرما چکا تھا: عَلَیۡکُمۡ بِالشَّامِ مسلمان روم کے لیے ایک ہی جائے پناہ رہ جاتی ہے۔ کچھ لوگ اس مرد خدا کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ کس کے خیال میں آ سکتا تھا کہ یہاں سے وہ طاقتور فوج نکلے گی، جو ایک دفعہ پھر دنیا میں ہلچل پیدا کر دے گی۔ لیکن خدا کا طاقتور ہاتھ اسلام کو نہ چھوڑ سکتا تھا۔ اس کا وعدہ صرف عیسائی روم کے لیے ہی نہ تھا۔ مسلمان روم بھی اس کا مستحق تھا۔ اس نے وہ نصرت اسلام کی تائید میں دکھائی کہ آج پھر دنیا کو ھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ. (3:30) کا نظارہ دکھا دیا۔ اور یہ بات، کہ اس قرآنی پیشگوئی کے اندر مسلمان روم کے لیے بھی پیشگوئی تھی، اس بات سے آفتاب نصف النہار کی طرح نظر آتی ہے کہ اس زمانہ کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو بعینہٖ انہی الفاظ میں الہام ہوا۔

غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۙ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ. (3-2:30) بلاشبہ ہم نے اسے ایڈریانوپل کے دوبارہ فتح پر بھی لگایا۔ لیکن اس کے اندر الفاظ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ تھے اور اس کا نظارہ اللہ تعالیٰ نے نہایت وضاحت سے دکھا کر آج مسلمانوں کے دلوں کو دوبارہ فرحت عطا فرمائی۔

سبق

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کو اگر اللہ تعالیٰ نے نصرت دی تو اس وقت، جب اس نے اور اس کی قوم نے اپنا سب کچھ جان اور مال خدا کی راہ میں دے دیا۔ جب ساری قوم سربکف ہو کر نکل آئی تو خدا کی نصرت بھی مل گئی۔ میں اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ وہ دنیا میں اشاعت و تبلیغ اسلام میں کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں، جب تک

اپنی جانیں اور اپنے مال خدا کے راہ میں نہ دے دیں۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی نصرت بھیجنے کو تیار ہے۔ صرف کمی ہمارے اندر ہے۔ جب یہ محکم ارادہ کر لیں گے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال سب خدا کے دین کی خدمت کے لیے ہیں، تو اس کی نصرت یقیناً ایک دوسرے رنگ میں بھی اپنا نظارہ دکھائے گی۔ اور وہی حقیقی غلبہ اسلام ہوگا۔ روحانی غلبہ جب تک ہے تو اسے کوئی چیز دور نہیں کر سکتی۔ جسمانی غلبوں کے نظارے بدلتے رہتے ہیں۔ **تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ**. (140:3)

خاکسار

محمد علی

❁❁❁

19 صفرالمعظم 1341ھ

ترجمہ نظم۔ ’’ما مسلمانیم از فضل خدا‘‘

بفضل خدا ہم مسلماں ہیں سب　　کیا ترک ہم نے ہے لہو و لعب

ہمارا خدا ہے خدائے جہان　　وہی مستغاث و وہی مستعاں

وہی ایک ہم سب کا معبود ہے　　اسی کی رضا ہم کو مقصود ہے

ہیں بیزار ہم شرک وبدعت سے سب　　بزرگانِ دیں کا ہیں کرتے ادب

محمدؐ نبی سرورِ انبیاءؑ　　ہمارے وہ ہیں مقتدا پیشوا

رسولِ خدا باعثِ خلقِ کل　　وہ خیر الوریٰؐ زیب و فخر رُسل

حیات النّبی ماحیٔ شرک و شر　　نبوت ختم ان پہ ہے سر بسر

یہ نور و ضیا ہم کو جو ہے ملا　　یہ سب ان کے ہی واسطہ سے ملا

کتابِ خدا جو کہ فرقان ہے　　بلاریب وہ بحرِ عرفان ہے

مئے معرفت اس سے ہم نے پیا　　دل وجان کو اس نے منور کیا

اسی پاک قرآں پہ دیں کا مدار　　اسی سے ہمارے دلوں کو قرار

کوئی ذرّہ بھر دور اس سے ہوا　　ہلاکت میں، خسران میں وہ پڑا

اسی دیں پہ دنیا میں ہم آگئے　　مریں گے یہی دین رکھتے ہوئے

ہمہ معجزات نبیؐ حق ہیں سب　　ہوا منکروں پر خدا کا غضب

جہاں میں نبیؐ جو کہ تھے سابقیں ملے معجزے ان کو بھی بالیقیں
سبھوں پر ہمیں دل سے ایمان ہے ہے منکر شقی اس کو خسران ہے
عقیدہ ہے قاری ہمارا یہی نہیں احمدی اس کا منکر کوئی

۞۞۞

26 صفر المعظم 1341ھ

مراسلات

کھلی چٹھی بنام میاں محمود احمد صاحب

مکرم معظم جناب میاں صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بمقدمہ فتح محمد بنام نواب بی بی۔ بعدالت لالہ رام کنور صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ بی سب جج گورداسپور۔ تاریخ 16 جون 1922ء کو آپ نے حلفی شہادت حسب ذیل ادا کی ہے۔

''قرآن شریف میں محمد صاحب کے لیے کسی جگہ آخری نبی نہیں لکھا ہے۔ محمد صاحب کو خاتم النبیین ضرور لکھا ہے۔ لیکن ان الفاظ کی تعبیر علیحدہ علیحدہ کی جاتی رہی ہے۔ لغت میں ان الفاظ کے معنی آخری نبی کسی جگہ نہیں لکھے۔ بعض غیر احمدی علماء اس کے یہ معنی ضرور نکالتے ہوں گے۔ ایک دو علماء کی رائے میں نے دیکھی بھی ہے۔''

چونکہ آپ جماعت احمدیہ کے ایک حصہ کے پیشوا ہیں۔ اور آپ کا اور ہمارا اختلاف اسی بات پر ہے۔ یعنی ہم خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کرتے ہیں۔ اور آپ خاتم النبیین کے معنی کرتے ہیں وہ جس کی مہر سے آئندہ نبی بنا کریں گے۔ اور آپ کا استدلال اس سے یہ ہے کہ پہلے خدا براہ راست نبی بنایا کرتا تھا، اب محمد رسول اللہ ﷺ کی مہر سے نبی بنا کریں گے۔ اور ہماری طرف سے کئی بار آپ سے یہ سوال کیا گیا ہے کہ کسی حدیث میں یا کسی لغت میں یا کسی تفسیر میں آپ لفظ خاتم النبیین کے معنی وہ دکھا دیں، جو آپ کرتے ہیں۔ جس کا جواب آپ نے کبھی نہیں دیا۔ مگر اب عدالت میں جا کر حلفی شہادت یوں ادا کی ہے کہ لغت کی کسی کتاب میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی نہیں ہیں، بلکہ اس کے مختلف معنی کیے جاتے رہے ہیں۔

چونکہ آپ اس مسئلہ پر ایک کتاب بھی بنام ''حقیقت النبوۃ'' لکھ چکے ہیں۔ اور اس میں بھی لفظ خاتم النبیین کے وہ معنی جو آپ کرتے ہیں، کسی لغت کی کتاب سے یا کسی حدیث سے یا کسی مفسر کے قول سے ثابت

نہیں کئے۔اب میں ذیل لغت کی چند سب سے بڑی کتابوں سے خاتم النبیین کے معنی نقل کرتا ہوں۔جن سے معلوم ہوگا کہ آپ کا بیان، جو حلف کے ماتحت دیا گیا، خلاف واقعات ہے۔آپ ایسے اہم سوال پر ناواقفی کا عذر پیش نہیں کر سکتے۔اس لیے کہ یہ مسئلہ مدت سے زیر بحث ہے۔

1۔لسان العرب: خِتَامُ الْقَوْمِ وَخَاتَمَهُمْ وَخَاتِمَهُمْ اٰخرهُمْ یعنی کسی قوم کا خِتام یا خَاتَم یا خاتِم ان کا آخری ہے اوراس کے ساتھ ہی ہے۔وَالْخَاتِمُ وَالْخَاتَمُ مِنْ اَسْمَاءِ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِی الْتَنزِيْلِ الْعَزِيْزِ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّنَ (40:33 مرتب) اَیْ اٰخرهُمْ قَالَ وَقَدْ قری خاتِمَ یعنی خَاتِم اور خاتَم ہمارے نبی ﷺ کے اسماء میں سے ہیں۔اورقرآن کریم میں خاتم النبیین ہے۔جس کے معنی ہیں آخری نبی اوراس کی دوسری قراءت خاتِم ہے۔اور اس کے آگے آپ کا اسم عاقب دے کران سب کے معنی آخرالانبیاء لکھے ہیں۔یعنی آخری نبی۔

2۔قاموس: وَالْخَاتَم مِنْ كُلِّ شَیءٍ عَاقبته وَاٰخرتهٗ كخاتمته وَاٰخرالقوم كالخاتِم.
یعنی خاتَم ہر چیز کے اس کا انجام اوراس کا آخر بھی ہے۔جیسے اس کا خاتمہ اور خاتِم کی طرح آخرالقوم یعنی سب سے پیچھے آنے والے کو بھی کہتے ہیں۔

3۔تاج العروس: وَالخاتَم (اٰخرالقوم كالخاتِم)۔وَمِنْهُ قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَخَاتَمَ النَّبِيّن اَیْ اٰخرُهُمْ. اور خاتَم خاتِم کی طرح آخرالقوم کو کہتے ہیں۔یعنی سب سے پیچھے آنے والے کو۔اوراسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔خاتم النبیین۔جس کے معنی ہیں آخری نبی۔

4۔مجمع البحار: وَالْخَاتَمُ وَالْخَاتِمُ مِنْ اَسْمَائِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالفتحِ اِسْمٌ اَیْ آخرهم وَبِالْكسرِ اِسْمٌ فَاعِلٌ یعنی خاتَم اور خاتِم دونوں آنحضرت ﷺ کے اسماء ہیں۔جن کے معنی ان کا آخری ہیں۔

5۔منتہی الادب: خاتم کے معنی میں لکھا ہے۔

''آخر ہر چیزے وپایاں آں وآخرقوم۔

خاتَم بِالْفَتح مثله و محمد خاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی خاتِم اور خاتَم کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی ہر چیز کا آخر اور اس کا انجام۔ اور لوگوں میں جو سب سے پیچھے آئے۔ اور محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔

اب یہ پانچ لغت کی کتابیں ہیں۔ جن میں سے لسان العرب، تاج العروس اور قاموس سے بڑھ کر لغت عربی پر اور کوئی سند نہیں۔ اور ان سب میں خاتَم النبیین کے معنی آخری نبی لکھے ہیں۔ حالانکہ آپ حلفی بیان دیتے ہیں کہ لغت میں ان الفاظ (خاتَم النبیین) کے معنی آخری نبی کسی جگہ نہیں لکھے۔ اور یہ بھی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان کتابوں میں سوائے آخری نبی کے اور کوئی معنی خاتَم النبیین کے نہیں لکھے۔

دوم۔ یہ جو آپ نے فرمایا کہ الفاظ خاتَم النبیین کے معنی آخری نبی تو کسی کتاب میں نہیں کیے گئے۔ لیکن کچھ اور مختلف معنی کیے گئے ہیں۔ کیا آپ مہربانی کر کے یہ روشنی ڈالیں گے کہ کس کس لغت کی کتاب میں خاتم النبیین کے وہ مختلف معنی کیے گئے ہیں۔ مہربانی کر کے پورے پورے حوالہ جات دیں۔ کیونکہ مجھے کسی لغت کی کتاب میں خاتَم النبیین کے معنی سوائے آخری نبی کے کچھ نہیں ملے۔

سوم۔ یہ جو آپ نے فرمایا کہ بعض غیر احمدی علماء اس کے یہ معنی ضرور کرتے ہوں گے۔ تو غیر احمدی سے آپ کی کیا مراد ہے۔ کیا وہ علماء مراد ہیں، جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کے بعد آپ کی بیعت نہیں کی یا تیرہ سو سال کے کل علماء آپ کے نزدیک غیر احمدی ہیں۔ اگر صورت ثانی نہیں تو کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تیرہ سو سال تک علمائے امت آخری نبی معنی کرتے رہے ہیں۔ یا نہیں۔ اور کیا یہ اجماع امت تیرہ سو سال تک غلطی پر رہا۔ سوال صرف خاتَم النبیین کے معنی پر ہے۔ اور مجھے صرف وہ حوالہ جات مطلوب ہیں۔ جہاں لغت میں۔ اور وہ آپ پیش نہ کر سکیں تو حدیث میں۔ اور وہ بھی پیش نہ کر سکیں۔ تو مفسرین یا شارحین حدیث کے اقوال میں کہیں خاتَم النبیین کے معنی سوائے آخری نبی کے کچھ اور بھی لکھے ہوں۔

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام

3 ربیع الاول 1341ھ

برلن (جرمنی) میں مسجد

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کے قلم سے)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ (18:9)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ: مَنۡ بنٰی لِلّٰہِ مَسۡجِدًا بنٰی اللّٰہُ لَہٗ بیتًا مِثۡلَہٗ فِی الۡجَنَّۃِ.

سال گزشتہ میں احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے اپنے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے کام کو توسیع دیتے ہوئے ایک اسلامی مشن کا برلن دارالخلافہ جرمنی بھیجنا تجویز کیا۔ اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس چھوٹی سی جماعت کے اندر سے ہی اس قدر سامان ہو گیا کہ ہم پہلا قدم اٹھانے کے قابل ہو گئے۔ یعنی ایک مبلغ اسلام مولوی عبدالمجید صاحب ایم۔اے، برلن میں پہنچ چکے ہیں۔ اور دوسرے یعنی مولانا مولوی صدرالدین صاحب بی۔اے جو اس سے پیشتر دو مرتبہ ساڑھے تین سال کے عرصہ تک شاندار کامیابی کے ساتھ ووکنگ میں بطور مبلغ اسلام کی خدمات کو انجام دے چکے ہیں، روانہ ہونے ہی والے تھے کہ اسی مشن کے متعلق ایک اہم ضرورت نے ان کی روانگی کو تین چار ماہ کے لیے التواء میں ڈال دیا۔ اور وہ ضرورت یہ ہے کہ وہاں تبلیغ کا کام شروع کرنے سے پہلے ایک مسجد اور اس کے ساتھ ہی ایک مکان دیگر ضروریات مشن کے لیے بنوایا جائے۔

مولوی عبدالمجید صاحب کے ساتھ ہمارے مکرم دوست خواجہ کمال الدین صاحب خود بھی برلن تشریف لے گئے تھے اور وہاں چند دن ٹھہر کر اور وہاں کے حالات کو بغور دیکھ کر وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جرمنی میں تبلیغ اسلام کا میدان نہایت وسیع ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہے تو یہاں بہت کچھ کامیابی کی امید ہے۔ لیکن مشن کا کام استقلال کے ساتھ چلانے کے لیے پہلی ضرورت یہ ہے کہ برلن میں ایک مسجد اور اس کے ساتھ مشن کا اپنا مکان ہو۔ یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں زمین کی قیمت اور مکانات کی لاگت کے سامنے ہمارے شہروں کے

مکانات کی قیمت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔لیکن اس وقت مارک کی قیمت حد درجہ گری ہوئی ہونے کی وجہ سے اور دیگر حالات ملکی کی وجہ سے برلن میں مکانات نسبتاً ارزاں قیمت پرمل سکتے ہیں۔اس لیے اس مسجد کا انتظام فوراً کرنا ضروری ہوا۔اوراس لیے مولانا مولوی صدرالدین صاحب کو، جوستمبر میں روانہ ہونے والے تھے، تین چار ماہ کے لیے روک دیا گیا۔تاکہ مسجداور مکان مشن کے لیے کافی انتظام ہو جائے۔خود مولانا صاحب اس وقت اسی کام میں مصروف ہیں۔اورسب سے پہلے اپنے شہر سیالکوٹ میں انہوں نے کام شروع کیا۔جہاں اس وقت تک چار ہزار روپے کے اوپر چندہ کی رقم پہنچ چکی ہے۔ علاوہ اس رقم کے ہماری صرف لاہور کی احمدی جماعت سے ساڑھے چار ہزار کے قریب چندہ ہو چکا ہے۔اورامید ہے کہ پانچ ہزارروپے کی رقم جماعت لاہور پورا کردے گی۔اس کے علاوہ ہمارے ایک احمدی دوست نے اپنے والد مرحوم کی رقم وصیت میں سے قریباً چار ہزارروپے کا وعدہ کیا ہے۔اورمل ملاکرقریب چودہ پندرہ ہزارروپے کا انتظام ہوگیا ہے۔اوراللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ جس نیک کام کی ابتدا کواس نے ایسا بابرکت کیا ہے، وہ اسے کامیابی کے ساتھ انجام کوبھی پہنچائے گا۔

جناب خواجہ صاحب کی یہ رائے ہے کہ سردست ہمیں تیس ہزارروپے میں ایک ایسا مکان مل سکتا ہے، جس میں تھوڑے سے خرچ سے ایک مسجد بھی بن سکتی ہے۔اوراس کے ساتھ ضروری مکانات مبلغین کی رہائش اور کام کے لیے بھی بن سکتے ہیں۔اس صورت میں گویا چالیس ہزار روپے سے سردست کام نکل جائے گا۔اور موجودہ ضرورت پوری ہو جائے گی۔اگراللہ تعالیٰ چاہے تو بہت جلد وہاں ایک عالیشان مسجد کی ضرورت بھی پیش آئے۔جو نہ صرف شوکت اسلامی کا نشان ہو، بلکہ آئندہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات کوبھی پورا کرنے والی ہو۔

اس وقت بھی، جیسا کہ اکثر احباب کے علم میں آچکا ہوگا، برلن میں پندرہ ہزار کے قریب صرف مسلمان ہیں۔جومختلف ممالک اسلامی سے وہاں جمع ہیں۔اورنماز عید کے لیے ونز ڈارف میں، جو برلن سے 30 میل سے زیادہ فاصلہ پر ہے، جاتے ہیں۔جہاں جرمن گورنمنٹ نے ایام جنگ میں ایک عالیشان مسجد بنوائی تھی۔لیکن ظاہر ہے کہ یہ مسجد مسلمانان برلن کی ضروریات کو پورانہیں کرسکتی۔اگرعیدین کی نمازوں پران میں سے اکثر وہاں چلے بھی جائیں،توجمعہ کے لیے یہ انتظام بالکل نہیں ہوسکتا۔خود برلن کے اندرایک مسجد پندرہ ہزارمسلمانوں کے لیے اپنی پہلی ضرورت ہے۔وہاں وہ نماز جمعہ میں جمع ہو سکتے اورایک دوسرے سے تعارف کرسکتے ہیں۔اور یوں نہ

صرف وہ اس مسجد کے ذریعے سے فریضہ خداوندی کو ادا کرنے کے قابل ہوں گے بلکہ یہی مسجد مختلف ممالک کے مسلمانوں میں اتحاد کی بھی بنیاد ہوگی۔ اگر پندرہ ہزار مسلمانوں کے بجائے پندرہ سو بھی عیسائی کسی اسلامی شہر میں ہوتے تو بغیر گرجا کے نہ رہتے۔ لیکن کس قدر تعجب ہے کہ پندرہ ہزار مسلمانوں کو یہ ضرورت محسوس نہ ہو کہ ان کے لیے ایک مسجد کی بھی ضرورت ہے۔ اور دوسرے فوائد بجائے خود ایسے ہیں، جن سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کفر کے گھر میں ایک مسجد کا قیام گویا شجر اسلام کی جڑ وہاں لگا دینا ہے۔ جو سرسبز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

ووکنگ میں آج سے کتنی مدت پیشتر ایک مسجد بنی اور آخر اس جڑ پر آج تبلیغ اسلام کا کیسا باردار درخت کھڑا ہے۔ حالانکہ جب وہ مسجد بنی تو اس کے بنانے والے کے دل میں یہ خیال بھی نہ گزرا ہوگا۔ پھر جو مسجد آج اسی غرض کے لیے بنائی جائے گی، اس کے ساتھ تبلیغ اسلام کی جڑیں کیوں مضبوط نہ ہوں گی۔ اور پھر یہ بات بھی غور طلب ہے، کہ مسلمانانِ عالم تو آج اپنی لاپرواہی سے، کہ پندرہ ہزار کی تعداد میں ایک شہر میں جمع ہیں، وہاں مسجد نہیں بنا رہے ہیں۔ مقام غور ہے کہ اقوام عالم میں ان کا مقام کہاں ہے۔ لیکن جو وہاں نومسلم ہوں گے، کیا انہیں بھی مذہب اسلام کی طرف سے اس طرح لاپروائی کی حالت میں رکھا جا سکتا ہے۔ تبلیغ اسلام کا کام بغیر مسجد کے زندہ نہیں رہ سکتا۔

اب میں جملہ برادران سے اپیل کرتا ہوں کہ تبلیغ اسلام کے کام کی بنیاد ہماری چھوٹی سی جماعت نے رکھ دی ہے۔ اور اپنی وسعت کے مطابق دل کھول کر اس کام کے لیے روپیہ دیا ہے۔ اگرچہ آئندہ جوان مشنوں کی ضروریات ہیں کہ ان زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع کیا جائے۔ اور آنحضرت ﷺ اور بزرگان دین کے حالات ان لوگوں تک پہنچائے جائیں۔ اور اصول اسلامی اور مسائل دینی کا ضروری حصہ بھی ان زبانوں میں ہو۔ یہ اور بہت سے اخراجات کو چاہتا ہے۔ لیکن ان سب میں اہم ضرورت مسجد کی ہے۔ مسلمانوں نے مساجد کے بنوانے پر بڑی بڑی ہمت دکھائی ہے۔ کسی صاحبِ وسعت اور ہمت کو اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو وہ کفرستان میں ایک مسجد قائم کرنے کے لیے سارا خرچ بھی دے سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو کم سے کم ہر مسلمان بھائی کا فرض ہے کہ اس مسجد بنانے میں، جہاں تک اللہ تعالیٰ اسے توفیق دے، کچھ نہ کچھ حصہ لے۔ اگر تین سو آدمی بھی ایک ایک سو روپیہ دے دیں تو چند دنوں میں بقیہ رقم پوری ہو سکتی ہے۔ اور مولٰینا مولوی صدرالدین صاحب جو وقت

یہاں صرف کر رہے ہیں، وہ اسے وہاں جا کر تبلیغ اسلام پر صرف کریں۔ اور جو اس قدر نہیں دے سکتے، تو جو شخص جتنا دیتا ہے، وہ اسی قدر ثواب کا مستحق ہے۔ مسجد بنانے یا اس کے بنانے میں حصہ لینے کے ثواب سے کون واقف نہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے مسجد بناتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی مثل گھر بہشت میں بناتا ہے۔ صدقہ جاریہ کے یہ بہترین کاموں میں سے ہے۔ مگر آج مسلمانوں کی ضرورت اپنے شہروں میں مسجدیں بنوانے کی اس قدر نہیں۔ یہاں صرف بنی ہوئی مسجدوں کو آباد کرنے کی ضرورت ہے اور ضرورت سے زیادہ مسجدیں خالی پڑی ہیں۔ آج کوئی شخص مسجد بنا کر ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے، تو اس کے لیے اس سے بہتر کوئی موقع نہیں کہ جہاں آج تک اللہ اکبر کی آواز نہیں سنی گئی، اور جن سرزمینوں کے باشندے اسلام کے نام سے نا آشنا ہیں، وہاں مسجدیں بنوا کر اصولِ اسلام سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔ اور خدا کا کلام ہر رنگ میں ان لوگوں تک پہنچایا جائے۔ ہمارے بزرگ جہاں کہیں دنیا میں جاتے تھے، ان کا پہلا کام وہاں یہی ہوتا تھا کہ ایک مسجد بنا کر خدا کا نام بلند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمان بھائیوں کو ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ جو صاحب اس نیک تحریک میں حصہ لینا چاہیں، وہ روپیہ بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام، احمدیہ بلڈنگس، لاہور ارسال فرمائیں۔ اور منی آرڈر کے کوپن میں صراحت سے لکھ دیں کہ یہ روپیہ برلن مسجد کے لیے ہے۔ دفتر سے باضابطہ رسید ہر ایک رقم پر دی جائے گی۔ والسلام

❁❁❁

3 ربیع الاول 1341ھ

استفتاء

رہن با قبضہ

(ایک دوست نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ سے رہن با قبضہ کے متعلق چند سوالات کیے۔ ان کے جواب آپ کے ارشاد سے مولوی صاحب نے دیئے ہیں۔ سائل کے خط کا ضروری حصہ اور جواب ہدیہ قارئین ہیں۔ایڈیٹر)

مکرمی مخدومی قبلہ جناب مولوی صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس سے پہلے میں نے ایک دفعہ آپ سے رہن با قبضہ کے متعلق خاص طور پر زمین اور مکان کی صورت میں دریافت کیا تھا۔آپ نے فرمایا تھا کہ رہن با قبضہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ میں نے ابھی آپ کی تفسیر دیکھی ہے۔جس میں صفحہ 259 پر نوٹ 361 میں آپ نے اس مسئلہ کی تشریح کی ہے۔لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ زرہ وغیرہ کی صورت میں مرتہن مرہونہ شے سے بہت زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ وہ صرف ضمانت کا کام دیتی ہے۔گھوڑے کی صورت میں چارہ وغیرہ کا خرچ اور آمدنی بصورت سواری میرے خیال میں قریباً قریباً برابر ہیں۔ممکن ہے سواری کا فائدہ چارہ کے خرچ سے زیادہ قرار دیا جائے۔لیکن فرق زیادہ نہیں۔ تاہم زمین اور مکان کی صورت بالکل مختلف ہے۔

بارانی زمین جہاں مالیہ سرکار زیادہ سے زیادہ صد روپیہ فی ایکڑ ہوگا۔ وہاں سالانہ آمدنی اس زمین کو چکوتہ وغیرہ پر دے کر اسّی روپیہ ہوسکتی ہے۔اور مرتہن کو بغیر کسی تکلیف اور محنت کے اسّی روپے سالانہ کی بچت ہو جاتی ہے۔اور اس کے جواز کے لیے آپ نے کوئی حدیث وغیرہ پیش نہیں کی، نہ ہی کوئی اور حوالہ ہے۔

الجواب: تمہید نمبر 1۔ازروئے قرآن کریم یہ ضروری ہے کہ مرہونہ مرتہن کے قبضہ میں رہے۔

تمہید نمبر 2۔ ازروئے حدیث الخراج بالضمان یعنی منافع اخراجات کے مقابلے میں ہیں، تو جو شخص

اخراجات کا ذمہ دار ہوگا، وہی منافع کا مالک ہوگا۔

تمہید نمبر 3۔ از روئے حدیث **اِذْ كَانَتِ الدَّابَةُ مَرْهُوْنَةً فَعَلَى الْمُرْتَهِنِ عَلَفُهَا. وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهَا** (بخاری کتاب الرَّھْنِ۔تلخیص مرتب) یعنی دابّہ مرہونہ کا نفقہ مرتہن پر ہے۔ اور دودھ والی کا دودھ پیا جائے گا۔ اور جو شخص دودھ پیئے گا۔ اسی پر اس کے اخراجات ہیں، کی رو سے مرہونہ کے اخراجات کا ذمہ دار مرتہن ہے۔ اور اس کے منافع کا مالک بھی وہی ہے۔

تمہید نمبر 4۔ جو چیز اصولاً جائز اور حلال ہے، وہ بہرحال جائز اور حلال ہے۔ قلیل ہو خواہ کثیر۔ تجارت کے منافع اصل مال سے کم ہوں خواہ زیادہ، جائز اور حلال ہیں۔ ایک مزدور کو دس بارہ آنہ روزانہ اجرت ملتی ہے، تو اگر اس کے کام سے مزدوری دینے والے کو مزدوری کی اجرت سے کئی حصہ زیادہ منافع حاصل ہو، تو بھی وہ جائز اور حلال ہے۔ اور جو چیز اصولاً ناجائز اور حرام ہو، وہ بہرحال حرام اور ناجائز ہوگی۔ شراب اور سود کا مال تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، وہ حرام ہے۔ ناپاک چیز تھوڑی ہو یا زیادہ، بہرحال ناپاک ہے۔ سیدوں کو زکوٰۃ کا دینا اور لینا، کم ہو یا زیادہ، ناجائز ہے۔

تمہید نمبر 5۔ کسی آیت اور حدیث میں یہ نہیں ہے کہ رہن کے منافع ناجائز ہیں۔

پس از روئے تمہید نمبر 1 زمین مرہونہ مرتہن کے قبضے رہے گی۔ اور چونکہ از روئے تمہید نمبر 2 مرہونہ کے منافع کا مالک وہی ہوگا، جو اس کے اخراجات کا ذمہ دار ہو۔ اور از روئے تمہید نمبر 3 ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے اخراجات کا ذمہ دار مرتہن ہے۔ اس لیے زمین مرہونہ کے منافع کا مالک بھی مرتہن ہی ہوگا۔

اب یہ منافع چاہے کم ہو چاہے زیادہ۔ از روئے تمہید نمبر 4 جائز اور حلال ہیں۔ اور چونکہ مقابل پر کوئی خاص نص عدم جواز کے لیے نہیں، لہٰذا اس میں کوئی شبہ ہی نہیں رہتا کہ مرہون کا منافع چاہے قلیل ہو چاہے کثیر، بہر حال جائز اور حلال ہو۔ اور جو دلیل عدم جواز کے لیے پیش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ از روئے احادیث قرض سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ لیکن ایک تو ان میں رہن کا ذکر نہیں ہے، دوسرے بخاری کی حدیث میں جواز کا ذکر ہے۔

اس لیے ان احادیث سے، جن میں یہ ذکر ہے کہ قرض سے نفع اٹھانا ناجائز ہے، یہ مراد ہوگا، جو

قرض دہندہ کو قرض لینے والے سے بغیر مشقت اور اخراجات کے شرط یا عرف جاریہ کے ساتھ مقرر مقدار پر حاصل ہوں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے، کہ زمین مرہونہ سے منافع بہت زیادہ حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس میں شبہ ہے، تو اس شبہ کی اصولی طور پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ زمین مرہونہ سے ہر جگہ بہت زیادہ منافع حاصل ہو۔ بعض علاقوں میں منافع کم حاصل ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات آفات سماویہ سے زراعت بالکل تباہ ہو جاتی ہے۔ تو اس صورت میں بجائے بہت نفع کے اخراجات کا مال بھی ضائع جاتا ہے۔ اور بعض اوقات پانی کی طغیانی سے زمین ہی ہلاک ہو جاتی ہے۔ جیسی وہ زمینیں جو دریاؤں اور سمندروں کے کناروں پر واقع ہیں۔ اور راہن کے پاس روپیہ نہیں ہوتا ہے، تو اصل بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔ غرض کہ نفع یا زیادہ نفع کا کوئی قطعی ثبوت کلیۃً نہیں ہے۔ اگر ہو بھی تو بھی کوئی اصول یا دلیل اس کے ناجائز ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ رہی یہ بات کہ جب زمین کاشت یا اجارہ پر دی جاتی ہے، تو اس صورت میں مرتہن کو بغیر مشقت کے منافع زیادہ حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اس نے کاشت یا اجارہ پر زمین مرہونہ دے دی تو اس کی آمدنی میں کمی ہوگی، اور وہ کمی کی مقدار کاشتکار یا اجارہ دار کو آمدنی ہوئی، تو گویا مرتہن نے اپنی آمدنی سے کاشتکار کی محنت خرید کی۔ اس لیے اس کی محنت گویا مرتہن کی محنت اور مشقت ہے۔ اور مرتہن کو جو منافع حاصل ہوا، وہ گویا اپنی مشقت سے حاصل ہوا۔

۞۞۞

8 نومبر 1922ء

کفر و اسلام کا امتیاز

مدراس ہائی کورٹ کا فیصلہ اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی بحث

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کے قلم سے)

1۔ مدراس ہائی کورٹ کا فیصلہ، جس میں ایک شخص کے احمدی ہونے پر اسے مرتد قرار دے کر اس کی عورت کا نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا ہے، کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اخبارات میں جو کچھ اس فیصلہ کے متعلق شائع ہوا تھا اس کی بنا پر میں نے لکھا تھا:

''اخبارات میں جو خلاصہ چھپا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چودہری ظفر اللہ خان کی بحث ہائیکورٹ میں یہ تھی کہ ہر ایک لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل مسلمان ہے اور اسی کے مطابق ہائیکورٹ کا فیصلہ ہے۔ لیکن یہی وہ بات ہے جس کی تردید کے لیے میاں صاحب آٹھ سال سے پورا زور صرف کر رہے ہیں۔ اور ثابت کر رہے ہیں کہ کوئی لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل مسلمان نہیں، جب تک کہ وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو بھی نبی نہ مانے۔'' (پیغام صلح 6 ستمبر 1922ء)

2۔ اس پر جناب چوہدری صاحب نے یہاں تک ترقی کی ہے کہ مجھ پر یہ الزام لگانے کو تیار ہو گئے کہ میں عملاً دوسروں کو غلطی میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ الفضل 25و28 ستمبر 1922ء میں وہ لکھتے ہیں:

''ان تینوں مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے مدراس ہائیکورٹ میں یہ بحث کی کہ ہر وہ شخص جو توحید اور رسالت محمد ﷺ کا قائل ہے، وہ مسلمان کہلانے کا مستحق ہے۔ اور اس طرح گویا مولوی محمد علی صاحب کے اس عقیدہ کی تائید کی کہ مسلمان ہونے کے لیے

حضرت مسیح موعود پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت مسیح موعود کے منکر کافر نہیں ہیں۔ نتیجہ نکالنے سے پیشتر اگر مولوی محمد علی صاحب اور دیگر اصحاب، جنہوں نے اس مسئلہ پر خامہ فرمائی کی ہے، خاکسار سے دریافت فرما لیتے کہ میری بحث کا ماحصل کیا تھا تو انہیں یہ غلط فہمی نہ ہوتی۔ اس لیے بجائے اس کے کہ میں ان تینوں مضامین پر الگ الگ بحث کروں، میں سمجھتا ہوں کہ میرا اس بحث کے خلاصہ کا بیان کر دینا، جو میں نے ہائیکورٹ مدراس میں کی، کافی ہوگا۔ اور وہ خلاصہ ہی ظاہر کر دے گا کہ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کو یا تو خود غلط فہمی ہوئی اور یا وہ عمداً دوسروں کو غلطی میں ڈالنا چاہتے ہیں۔''

3۔ میں نے تو جو کچھ لکھا۔ اخبارات کے شائع شدہ خلاصہ کی بنا پر لکھا۔ اور دو اور اصحاب کا میرے ساتھ اس نتیجہ میں شامل ہونا بتاتا ہے کہ ان الفاظ سے وہی مطلب نکلتا تھا جو میں نے نکالا۔ چودہری صاحب کہتے ہیں کہ پہلے ان سے دریافت کر لینا چاہئے تھا کہ انہوں نے کیا بحث کی تھی۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ جب خلاصہ فیصلہ سے میں ایک نتیجہ پر پہنچتا تھا تو چودہری صاحب سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں فیصلہ کو غلط قرار نہ دے سکتا تھا۔ ہاں! میں یہ کہوں گا کہ چودہری صاحب نے اپنا خلاصہ بحث شائع کرنے میں سخت غلطی کی۔ کیونکہ وہ خلاصہ ان توجیہات کے خلاف ہے، جس پر عدالت کے فیصلہ کی بنیاد ہے۔ خلاصہ بحث شائع کرنے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ چودہری صاحب اصل فیصلہ کو پڑھ لیتے۔ آپ بحث کا خلاصہ درج اخبار کر کے لکھتے ہیں:

''اس خلاصہ سے یہ واضح ہے کہ میں نے اپنا عقیدہ ظاہر نہیں کیا کہ ہر وہ شخص جو توحید اور رسالت کا قائل ہے، وہ حقیقتاً مسلمان ہے۔''

4۔ لیکن اس کے خلاف جج اولڈ فیلڈ اپنے فیصلہ میں لکھتے ہیں:

'' موخوالذکر کے متعلق دونوں فریق میں اختلاف ہے۔ سائل کی بحث ہے کہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کافی Exhaustive ہے۔ مدعا علیہم کہتے ہیں کہ ہمیں اور عقائد کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے، جو قرآن میں یا دوسرے اسناد میں پائے جاتے ہوں۔ سائل اپنی بحث کی تائید میں جج محمود کے فیصلہ

پر انحصار رکھتا ہے۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف اقرار توحید اور محمد رسول اللہ کی رسالت پر ایمان ہی ضروری عقائد ہیں۔ چنانچہ عدالت کے اصل الفاظ، جو دو مقامات پر ہیں، حسبِ ذیل ہیں۔

"Pettitioner contending that the formula, "There is one God and Muhammad(P.B.U.H) is His Prophet, is exahustive Inanotheem and belief in Muhammad as God's Prophet", is the only essential.

5۔ یہ وہ خلاصہ تقریر ہے جو عدالت نے چوہدری صاحب کی طرف منسوب کیا ہے۔اور اسی پر فیصلہ کی بنیاد ہے۔ جب تک چوہدری صاحب اس کو علی الاعلان غلط قرار نہ دیں، اس وقت تک ہر ایک شخص اس کو صحیح ماننے پر مجبور ہے۔اور چوہدری صاحب کو اپنی تقریر کے لیے خلاصہ تیار کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ کام ان کے لیے عدالت نے کر دیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ چوہدری صاحب تو اسلام کے لیے یا کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لیے صرف دو عقیدوں کا ہونا ہی ضروری سمجھتے ہیں۔یعنی توحید پر ایمان اور آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان۔لیکن یہ وہ مذہب ہے، جو ان کے مرشد میاں محمود احمد صاحب کا نہیں۔اس لیے یا تو چودہری صاحب صاف اعلان کریں کہ ان کا اس مسئلہ میں میاں صاحب سے اختلاف ہے یا جو کچھ انہوں نے عدالت میں تقریر کی وہ اپنے عقیدہ کے خلاف کی۔

''حقیقتاً مسلمان'' کے الفاظ جو چوہدری صاحب نے استعمال فرمائے ہیں وہ بہت مبہم اور پیچیدہ ہیں۔ ان کی تشریح بھی بکار ہے۔ کیا چوہدری صاحب تمام احمدیوں کو ''حقیقتاً مسلمان'' سمجھتے ہیں اور دوسروں کو صرف ''مسلمان۔''

17 ربیع الاول 1341ھ

خطبہ نکاح

(گزشتہ 20 اکتوبر کو بعد از نماز جمعہ حضرت امیر ایدہ اللہ نے سید شجاعت علی ولد سید ولایت شاہ صاحب کا نکاح فاطمہ بی بی بنت سید فتح علی شاہ مرحوم کے ساتھ ایک ہزار روپیہ مہر پر پڑھا۔ آپ نے اس موقع پر جو خطبہ دیا وہ ذیل میں ہدیہ قارئین ہے۔ مدیر)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد نکاح کی آیات ماثورہ کی تلاوت کرتے ہوئے حضرت ممدوح نے فرمایا کہ جب انسان دنیا میں آتا ہے تو اگرچہ اس وقت وہ کچھ سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا، لیکن اس وقت بھی کچھ پاک کلمات اس کے کان میں ڈالے جاتے ہیں۔ اور آج اس پر شہادت بھی ملتی ہے۔ تاکہ انسان کے کان میں جو کچھ پڑتا ہے خواہ اس کو سمجھتا ہے کہ نہیں، اس کا اثر کچھ نہ کچھ ضرور پڑتا ہے۔ پھر جب انسان مزید اور مرحلہ سے گزرتا ہے۔ یعنی شادی کا مرحلہ۔ تو اس وقت بھی کچھ احکام اس تک پہنچانے ضروری ہوتے ہیں۔ تاکہ آئندہ زندگی میں اس کے لیے فائدہ کے موجب ہوں۔

یہ آیات جو میں نے پڑھی ہیں، ان میں کچھ توجہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف دلائی گئی ہے اور کچھ عورتوں اور ان کے حقوق کا ذکر ہے۔ فرمایا: مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا. (71:33) جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا وہ بہت بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔ یہ بات آسان بھی بہت ہے اور مشکل بھی۔ آسان تو ہے کہ دنیا میں کوئی نہیں، جو کسی نہ کسی کی اطاعت کسی نہ کسی رنگ میں نہ کرتا ہو۔ ایک طرف بعض وقت کسی حاکم کی اطاعت کرنی پڑتی ہے۔ پھر ماں باپ ہیں۔ بیوی ہے۔ دوست ہیں۔ عزیز ہیں۔ ان کی ماننی پڑتی ہے۔ اور طرح طرح کی باتیں ماننی پڑتی ہیں۔ اس لیے اللہ کی اطاعت کرنا سہل امر بھی ہے۔ کیونکہ جب کسی نہ کسی کی اطاعت ہی کرنی ہے، تو کیوں نہ اللہ و رسول ہی کی اطاعت کی جائے۔ جس سے آخرت کا بھی فائدہ ہے۔ مشکل یہ اس لیے ہے کہ دنیا کے اندر جو طرح طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں وہ اس اطاعت میں اس کے لیے آزمائش کی موجب ہو جاتی ہیں۔ ان مشکلات میں اگر ایک شخص اپنے قدم کو مضبوط

رکھے تو ایسا انسان بڑی بھاری کامیابی حاصل کرتا ہے۔جن لوگوں نے اس رستہ کو اختیار کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس میں کیا کیا مشکلات پیش آتی ہیں۔لیکن ان مشکلات کی وجہ سے اس رستہ کو چھوڑ دینا بہادری اور کامیابی کی راہ نہیں۔

صحابہؓ اس قرآن کو پڑھتے تھے۔ یہ قرآن تدریجاً ان کے سامنے اترا۔لیکن جو حکم جس وقت نازل ہوتا تھا، فوراً وہ اس پر عمل کرتے تھے۔ یہاں یہ حالت پہنچی ہے کہ بیسیوں قسم کی باتیں مان لیں گے، لیکن قرآن کریم کے احکام کو ماننے کے لیے کمر ہمت باندھنے والے بہت کم نظر آتے ہیں۔صحابہؓ کی تاریخ کو کوئی پڑھے تو اسے معلوم ہو کہ کس طرح سخت ترین رسوم کو آن کی آن میں انہوں نے چھوڑ دیا۔ یہ قصے بڑی تفصیل سے صحابہؓ کی تاریخ میں موجود ہیں۔بعض سخت غیرت کے مقامات پر بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کو ہی انہوں نے مقدم کیا ہے۔اور اپنی غیرت کی پرواہ نہیں کی۔ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کو دوبارہ نکاح میں لینا چاہا اور وہ بی بی راضی ہو گئیں۔ بھائی نے کہا کہ اب میری غیرت برداشت نہیں کرتی کہ جس شخص نے میری بہن کو طلاق دے دی، اس کے نکاح میں دوبارہ اس کو دوں۔لیکن اللہ تعالیٰ تو بہت اصلاح چاہتا تھا۔اس وقت آیت اتری فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (232:2) یعنی ان بیبیوں کو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔ جب وہ باہم رضامند ہوں۔اس پر اس بی بی کا بھائی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اگرچہ میری غیرت نہیں چاہتی تھی، مگر خدا کے حکم کے سامنے میں اپنی غیرت کی بھی پروا نہیں کرتا اور اس شخص کے نکاح میں بہن کو دیتا ہوں۔ یہ باتیں دلوں کو کھا جانے والی تھیں۔لیکن آج خدا کے احکام کی بہت کم پرواہ ہوتی ہے۔کسی نے گھروں میں گنڈے تعویذ ڈال رکھے ہیں اور کوئی اور قسم کی بُری باتوں اور رسوم میں مبتلا ہے۔

صحابہؓ کی زندگیوں کو پڑھو تو معلوم ہوگا کہ کس طرح خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کے سامنے ہر ایک خیال کی رسم کو چھوڑا ہے۔اس کا کوئی نمونہ آج دنیا میں نظر نہیں آتا۔وہ آپ بھی کس حالت سے اٹھے اور ترقی کے کس اعلیٰ مقام پر جا کر پہنچے۔آج بھی مسلمان ترقی کے بہت علاج تجویز کرتے ہیں، لیکن ایک بھی کارگر نہیں ہوتا۔ ان کو سمجھنا چاہیئے کہ فلاح اگر ہے تو خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کی اطاعت میں ہے۔اگر اللہ اور اس کے رسولؐ

کی اطاعت میں تم لوگ لگ جاؤ اور تمام پیش آنے والی مشکلات کا سختی سے مقابلہ کرو تو خوب یاد رکھو کہ آہستہ آہستہ تم بھی اس مقام پر پہنچ جاؤ گے۔

دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ کا تقویٰ کرو اور رحموں کے حقوق کی رعایت کرو۔ رحموں کے حقوق کیا ہیں۔ وہ حقوق جو رحموں کے تعلقات سے پیدا ہوں۔ تو رحموں کے حقوق کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے۔ عورتیں جو بھی ہوں، خواہ اس ملک کی ہوں یا یورپ وغیرہ کی، دوسروں کی نسبت زیادہ رحم کے قابل ہوتی ہیں۔ جتنی کسی میں قوت زیادہ ہوتی ہے، اتنے ہی اس کے اوپر حقوق بھی ہوتے ہیں۔ مرد اور عورت کے جو باہمی معاملات ہیں، ان کے اندر مرد زیادہ قوی ہے۔ اس لیے معاشرت یہی ہے کہ جب مقابلہ پیش آجائے، تو چونکہ مرد زیادہ برداشت کر سکتا ہے، اس لیے اسے برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہئے۔

ایسے بھی واقعات ہوئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی بیوی کے گھر میں ہیں۔ کسی دوسری بیوی نے سالن کا پیالہ بھیج دیا تو اس بیوی نے جس کے گھر میں ہیں اس پیالہ کو ہاتھ مار کر توڑ دیا۔ لیکن آپؐ اس پر ناراض نہیں ہوئے، بلکہ ہنس دیئے۔ آپؐ نے فرمایا خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھا ہے اور خوب یاد رکھو کہ بیوی کے ساتھ نیکی ہی تمہاری بھلائی کا سب سے بڑا معیار ہے۔ لیکن اگر اس کے اندر جہالت ہے۔ اگر وہ شرک اور رسم ورواج میں مبتلا ہے، اگر دین کی طرف سے اس میں کمزوری پائی جاتی ہے، اگر وہ نماز سے غافل ہے، تو اس کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ اور اس بارہ میں لاپروائی اچھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ اور اس بارہ میں لاپروائی اچھی نہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکموں کو فوقیت دو۔ (اس کے بعد آپ نے نکاح کا اعلان کیا اور ایجاب وقبول کرایا)

❁❁❁

17 ربیع الاول 1341ھ

مراسلات

لندن مسلم ہاؤس کی تبلیغی کوششیں

(حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے قلم سے)

اگرچہ مسجد ووکنگ ہمارا ہیڈ کوارٹر ہے۔لیکن لندن ہی کو میں نے ہمیشہ اپنی کوششوں کا موزوں مقام سمجھا ہے۔لندن ہی ایک شہر ہے، جہاں آزادی رائے کو ہر ایک معاملہ میں عزت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے اور وہی علمی اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ مخاطب کیے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ 1917ء میں جب کہ میں دوبارہ ہندوستان سے واپس آیا تو لندن میں ایک وسیع مکان کرایہ پر لیا گیا۔جس میں علاوہ نماز جمعہ کے اتوار کو سلسلہ تبلیغ وعظ شروع کیا گیا۔اور ہفتہ میں ایک دن درس قرآن کے لیے رکھا گیا۔آہستہ آہستہ 1918ء میں یہ جگہ کسی قدر شہرت پا گئی اور ہمارے اتوار کے جلسے بارونق ہونے لگے۔ یکہ وتنہا ہونے کی حالت نے مجھے دوجگہ کے کام نے بیمار کر دیا۔اور آخر 1919ء میں مجھے انگلستان چھوڑنا پڑا۔میرے بعد جس حالت میں میں لندن ہاؤس کو چھوڑ گیا تھا اگر اسے جاری رکھا جاتا تو آج اعلیٰ سے اعلیٰ نتائج مترتب ہو جاتے۔ میرے ہندوستان چلے آنے پر یہاں کے منتظمین مشن نے اپنے پاس کافی وقت نہ دیکھا کہ لندن کی تبلیغی کوششوں کو جاری رکھیں۔نماز جمعہ کے علاوہ لندن مسلم ہاؤس علمی طور سے بند ہو گیا اور تقریباً اڑہائی سال ایسے ہی رہا۔اب جو میں یہاں آیا، تو پھر مجھے اسی طرف توجہ ہوئی اور آج خدا کے فضل سے اگرچہ چھ ماہ ہی گزرے ہیں، لیکن لندن مسلم ہاؤس کے اتوار کے جلسے اس رونق پر پہنچ گئے ہیں کہ جس میں مَیں چھوڑ گیا تھا۔لندن میں مضامین لیکچر بھی اعلیٰ پیمانہ کے تجویز ہوتے ہیں۔اور میرے سوائے ماسٹر یعقوب خان صاحب اور دادرشاہ صاحب بھی وقتاً فوقتاً تقریریں کرتے ہیں۔لندن ہاؤس کے سوائے دوسری سوسائٹیوں میں بھی ہم لیکچر کے لیے مدعو کیے جاتے ہیں۔اور وہاں بھی اسلام پر ہی تقریریں ہوتی ہیں ہر ماہ میں ایک مستقل مضمون لیا جاتا ہے۔جسے مسلسل اور مستقل لیکچروں میں ختم کیا جاتا ہے۔ماہ ستمبر میں میں نے چار لیکچر وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا

رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ کی تفسیر کے موضوع پر دیئے۔ یہ لیکچر نہایت دلچسپی کے ساتھ سنے گئے۔ اور کثرت سے لوگ آئے۔ اس مضمون کے مختلف پہلوؤں نے، جو زیر بحث آئے، خاص اثر سامعین پر کیا۔ چنانچہ کل میں نے سامعین سے ایک تحریک کے متعلق اس امر کی استدعا کی کہ جو احباب اسلام کو سچا مذہب سمجھتے ہیں اور اس کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں کرتے۔ وہ اس تحریک میں اپنا نام لکھوائیں۔ اس پر دو جنٹلمین اور تین خواتین نے پیش قدمی کی۔ اپنا اظہار اسلام کیا اور تحریک میں شریک ہوئے۔ یہ دیکھ کر میری حیرت اور خوشی کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا کہ یہ پانچوں کے پانچ صرف گذشتہ چھ سات ہفتہ سے ہی لیکچروں میں آنے شروع ہوئے تھے۔ اور اس سے پہلے میں ان کی شکلوں سے بھی ناواقف تھا۔ لیکن یہ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ ہر ہفتہ بالالتزام آتے ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ان کی تحقیق اسلام کب سے شروع تھی، لیکن جہاں تک میری تحقیق ہے اور جو بات ان کو اسلام تک لے آئی، وہ میرا یہی سلسلہ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ والا تھا۔ یا کل کا لیکچر جس میں میں نے روح اور اس کی حقیقت پیدائش پر بحث کی۔ ان نومسلموں میں سے ایک بزرگ مسٹر جیمز ٹرنر ہیں، جنہیں اپنے طبقہ میں ایک خاص وجاہت حاصل ہے۔ انہوں نے اعلان اسلام سے پہلے اعتراف کیا کہ روح کی کیفیت، جس طرح اس نے آج تعلیم قرآن کے ماتحت سنی ہے، وہ اس کے مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے مجھے امید ہے کہ یہ جلسے ایسے بارونق ہو جائیں گے کہ شاید ہمارا موجودہ مکان بھی کافی نہ ہو۔ خصوصاً جبکہ برٹش مسلم سوسائٹی کے ممبروں نے اب عملی حصہ بھی لینا شروع کیا ہے۔ پچھلے مہینہ میں بھی دو بیبیاں مسلمان ہوئی تھیں۔ جمعہ اور اتوار کے علاوہ بھی میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ کوئی اور دن بھی ہفتہ میں درس قرآن کے لیے تجویز کروں۔ وَمَاتَوْفِیْقِی اِلّا بِاللّٰہِ

❁❁❁

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

اور

تحریرات بزرگانِ جماعت

ساتویں جلد

انتخاب از رسالہ پیغام صلح نومبر 1922ء تا اکتوبر 1924ء

احمدیہ انجمن لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ

نے ادا کیئے ہیں

قرآنِ کریم کے عشق اور انسانی ہمدردی سے مخمور، جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور، جماعتِ احمدیہ لاہور کے احباب میں اپنے روح پرور درُوسِ قرآن کے حوالے سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ یہ درُوس وہ عمر بھر اپنی رہائش گاہ یا جماعت کے مراکز میں دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان کی اہلیہ محترمہ سلیمہ فاروقی مرحومہ مغفورہ کا جذبہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان دونوں نے اپنے پیچھے ایک ایسا ورثہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا جس سے جماعت کو اسلام کا پیغام دنیا کے دور دراز کونوں تک پہنچانے کے کام میں مسلسل امداد ملتی رہے۔ اس مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فاروقی صاحب نے اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد وقف کر کے فاروقی سلیمہ ٹرسٹ کی بنیاد رکھی اور اسے احمدیہ انجمن لاہور کی نگرانی میں دیا تا کہ اس کے فلاحی اور دینی کاموں، خاص طور پر قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتب کی طباعت، کے لیے مسلسل سرمایہ فراہم ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اس نیک کام کا اجر دے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

(غیر کاروباری مقاصد اور مفت تقسیم کے لیے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

محمد اعظم علوی

حرف اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی ساتویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔ اس میں اخبار پیغام صلح کی جلد 11 (یکم نومبر 1922ء تا 27 اکتوبر 1923ء) اور جلد 12 (3 نومبر 1923ء تا 29 اکتوبر 1924ء) سے انتخاب شامل ہے۔ اگرچہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولٰینا محمد علیؒ ہیں، تاہم جیسا کہ اس کی پہلی جلد کے حرف اول میں بیان ہوا کہ حضرت مولٰینا ممدوح کے رشحاتِ لسان وقلم کے علاوہ دیگر اہل علم وفضل اکابرین سلسلہ کی وہ چیدہ چیدہ قلمی خدمات بھی شامل ہوتی رہیں گی، جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق سلسلہ احمدیہ کے پیش آمد مسائل ومعاملات سے ہو۔

سال 1924ء کا سانحہ حضرت شیخ رحمت اللہ کا انتقال پر ملال ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اگست 1924ء میں آپ وفات پا گئے۔ شیخ صاحب حضرت مسیح موعود کے وقت سے جماعت احمدیہ کے عمائد میں سے تھے۔ جب حضرت صاحب نے صدر انجمن احمدیہ قادیان قائم کی تو اس کے چودہ ممبروں میں سے ایک آپ بھی تھے اور نہ صرف ایک ممبر بلکہ انتہائی جوش وعقیدت کے ساتھ سرگرمِ عمل رکن تھے۔ لاہور میں آپ اپنا کاروبار کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو مالِ دنیا وافر عطا فرماتا تھا۔ جس کو آپ نے دین کی خدمت میں بے دریغ خرچ کیا۔ حضرت مسیح موعود اور اُن کے بعد مولانا نورالدین صاحب کی خدمت میں قادیان میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہتے تھے۔ اختلافِ جماعت کے بعد آپ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے بانیوں میں سے ایک تھے۔ یہ پانچ بزرگ۔ مولانا محمد علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب آپس میں نہایت گہرے تعلقاتِ محبت واخوت اپنے درمیان رکھتے تھے۔ مولانا محمد علی صاحب قادیان میں صدر انجمن احمدیہ کے روح رواں تھے تو یہ چار بزرگ ان کے کاموں میں ہاتھ بٹانے اور مشورہ دینے میں اول نمبر پر تھے۔ لاہور میں انجمن قائم ہونے کے بعد جماعت کے لئے بمنزلہ ستونوں کے تھے۔ ان پانچوں میں سے سب سے پہلے شیخ رحمت اللہ صاحب اپنے عہد وفا کو نبھا کر اپنے مولا سے جا ملنے والوں میں سے تھے۔

جیسا کہ ذکر ہوا حضرت مسیح موعود کے ان قدیم رفقاء میں سے، جنہوں نے ابتدائے دعوٰی ہی آپ کا

ساتھ دینے میں سبقت کی اور مدت العمر ہر قسم کی مشکلات برداشت کر کے آپ کی اور سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں قربانیاں دیتے رہے، شیخ رحمت اللہ صاحب کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ آپ گجرات کے معزز قانون گو خاندان اور لاہور کے نامور تاجروں میں سے تھے۔ ابتداء میں آپ دس روپیہ ماہوار پر سرکاری ملازم ہوئے۔ اس کے بعد ایک چھوٹی سی دوکان لاہور کے انارکلی بازار میں کھولی۔ جس نے بعد میں کسی قدر وسعت اختیار کی اور بمبئی ہاؤس کے نام سے مشہور ہوگئی۔ اس کے بعد ان کی نیک نیتی اور حسن معاملت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اور بھی برکت ڈالی اور مال روڈ پر ایک کوٹھی کرایہ پر لے کر انگلش ویر ہاؤس کے نام سے دوکان کھولی۔ اس دوکان نے یہاں تک ترقی کی کہ تھوڑے عرصہ میں مال روڈ پر انہوں نے زمین خرید کر بہت بڑی عمارت تعمیر کی اور وہاں دوکان کو منتقل کر لیا۔ حضرت مسیح موعود نے شیخ صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ وہ خود اس عمارت کا سنگِ بنیاد رکھیں گے، لیکن آپ کی زندگی نے وفا نہ کی۔ اس لئے 1912ء میں اس عمارت کا سنگ بنیاد حضرت مولانا نورالدین صاحب نے جماعت کی موجودگی میں رکھا اور بڑی بڑی دعائیں کیں۔ آپ نے اس موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

>''اس عمارت کے اردگرد اور بھی تازہ عمارتیں بنی ہوئی ہیں اور بن رہی ہیں، مگر اس عمارت کے ساتھ ہمارا ایک خاص تعلق ہے۔ اور یہ تعلق شخصی بھی ہے اور قومی بھی۔ شخصی تو یہ کہ حضرت صاحب نے وعدہ فرمایا تھا کہ اس عمارت کی بنیاد رکھیں اور اب حضرت صاحب کا ایک خادم اس وعدہ کو پورا کر رہا ہے۔ قومی تعلق یہ ہے کہ اس عمارت میں ہماری قوم کا بھی ایک حصہ ہے۔ اس لئے قوم کو چاہئیے کہ درددل سے دعا کرے کہ انجام بخیر ہو اور اس مکان میں جو بسنے والے ہیں جو اس کے مہتم ہوں وہ راستباز ہوں اور نیکی سے پیار کریں۔ اگر اس مکان کے رہنے والے سچے راستباز اور متقی ومومن ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ انہیں بڑھائے گا اور پھیلائے گا۔ اور جس قدر یہ عمارت بڑھے گی اسی قدر ہماری قوم متمتع ہو گی۔ کیونکہ اس سے اس کا تعلق ہے''(اخبار بدر قادیان مورخہ 27 جون 1912ء)

فی الحقیقت یہ عمارت قوم کے لئے بہت بڑے فوائد کا موجب ہوئی، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ حضرت شیخ صاحب نے حضرت مسیح موعود کی بیعت نہایت ابتدائی زمانہ میں کی تھی۔ جس کے بعد آپ ہمیشہ سلسلہ کی خدمت اپنے اموال سے کرتے رہے۔ علاوہ ان قربانیوں کے، جو وقتاً فوقتاً ضروریات سلسلہ کے لئے آپ نے

ہمیشہ انشراح صدر کے ساتھ کیں، سو روپیہ ماہوار آپ حضرت مسیح موعود کی خدمت میں ہمیشہ ارسال کرتے رہے۔ اور اس کے ساتھ ہر عید پر اور دوسرے موقعوں پر بھی آپ کے لئے نیا جوڑا بنا کر بھیجتے تھے۔ حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد آپ کے خاندان کے لئے بھی اسی طریق کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اختلافِ سلسلہ کے بعد بھی آپ کچھ رقم حضرت کے گھر میں ارسال کرتے رہے۔ مگر چند سال بعد میاں محمود احمد صاحب نے اس کا لینا بند کر دیا۔

1903ء میں قادیان میں جو ''بیت الدعا'' حضرت مسیح موعود نے بنوایا، اس کے تمام اخراجات حضرت شیخ صاحب ہی نے ادا کئے۔ اور بھی جو جو ضروریات سلسلہ کے متعلق پیش آئیں، آپ نے ان میں معتدبہ رقوم صرف کیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ہزار ہزار روپیہ بھی آپ نے دیا اور حضرت امیر کا یہ فرمانا بے جا نہیں کہ آپ کی مالی قربانیاں، جو آپ نے سلسلہ کے لئے کیں، ایک لاکھ روپیہ تک پہنچتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود شیخ صاحب مرحوم سے نہایت عزت واحترام کے ساتھ ملا کرتے تھے۔ جب آپ قادیان جاتے تو حضرت صاحب کھڑے ہو کر آپ سے ملا کرتے۔ ایک جگہ حضرت شیخ صاحب کی جوانی کے وقت کے اخلاص اور نیکی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صاحب لکھتے ہیں:

> ''شیخ رحمت اللہ جوان صالح یک رنگ آدمی ہے۔ ان میں فطرتی طور پر مادہ اطاعت اخلاص اور حسن ظن اس قدر ہے جس کی برکت سے وہ بہت سی ترقیات اس راہ میں کر سکتے ہیں۔ ان کے مزاج میں غربت اور ادب بھی از حد ہے اور ان کے بشرہ سے علاماتِ سعادت ظاہر ہیں۔ حتی الوسع وہ خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کشاکش مکروہات سے انہیں بچا کر اپنی محبت کی حلاوت سے حصہ وافر بخشے۔ آمین ثم آمین
> (ازالہ اوہام صفحہ 808)

1905ء میں جب حضرت مسیح موعود نے ''الوصیت'' لکھی اور صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنیاد رکھی گئی۔ تو اس کی مجلس معتمدین میں حضرت صاحب نے آپ کو بھی شامل کیا اور اس وقت کے بعد آپ ہمیشہ انجمن کے نظم ونسق میں عملاً امداد دیتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب کی وفات کے بعد انجمن پر میاں صاحب کا تصرف ہو جانے کے باعث آپ کو بھی علیحدگی اختیار کرنی پڑی اور لاہور میں احمدیہ انجمن

اشاعت اسلام بنائی گئی، جس میں آپ کو وائس پریزیڈنٹ مقرر کیا گیا۔اس دانائی اور تجربہ کی وجہ سے، جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے امورِ دنیوی میں عطا فرمایا ہے، آپ کا وجود انجمن کے لئے بہت سی برکات کا موجب بنا۔آپ بہت جلد بات کی تہ کو پہنچ جانے اور نہایت پیچیدہ معاملات کو خوش اسلوبی سے سلجھا دیتے تھے۔حضرت شیخ صاحب کا زہد وتقوٰی اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ رنج وراحت اور عُسر و یسر میں کبھی بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں بھلایا۔فرض نمازوں کے تو پابند آپ تھے ہی، نوافل بھی آپ کثرت سے ادا کرتے تھے۔اور نماز تہجد اور اشراق خصوصیت سے پڑھتے تھے۔(بقول حضرت مولینا دوست محمد ایڈیٹر پیغام صلح) ان کو آپ کے ساتھ ایک ماہ تک بحری سفر کا اتفاق ہوا ہے۔اور تین چار ماہ تک انگلستان میں آپ کے حالات کو مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا ہے۔جس کی بنا پر یہ کہنا ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ آپ خدا تعالیٰ کو بہت یاد کرنے والے اور اس کی جناب میں ہمیشہ آپ کا دل جھکا رہتا تھا۔اللہ تعالیٰ پر آپ کو بہت بڑا ایمان تھا۔اور یہ اسی ایمان ہی کی بدولت ہے کہ باوجود اس قدر امارت اور روپیہ کے خدا تعالیٰ کو کبھی بھولے نہیں، بلکہ آپ کا ایمان دن بدن بڑھتا ہی گیا۔دعاؤں پر آپ بہت زور دیتے تھے۔اور سلسلہ کے بہت سے افراد کے لئے نام لے لے کر روزانہ دعائیں کرتے تھے۔یہاں تک کہ ان لوگوں کے لئے بھی، جنہوں نے اپنے آپ کو پیر پرستی کے گڑھے میں جا گرایا، آپ بدستور دعائیں کرتے رہے۔واقعات شاہد ہیں کہ آپ کی بہت سی دعائیں مستجاب بھی ہوئی ہیں۔

حضرت شیخ صاحب کو تجارت کے سلسلہ میں قریباً ہر سال انگلستان جانا پڑتا تھا۔اور شاید سترہ یا اٹھارہ مرتبہ آپ انگلستان گئے۔اسی لئے آپ نے وہاں بھی ایک شادی کر لی تھی۔جس سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔لاہور میں جو اولاد آپ نے چھوڑی، اس میں پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔لڑکوں کی بھی اولاد موجود ہے، جو خدا کے فضل سے مرفع الحال ہے۔

وفات سے چند یوم پیشتر شیخ صاحب نے جو وصیّت لکھوائی، اس میں لاہور اور انگلستان کی تمام اولاد کو شریعت کے مطابق اپنی جائیداد کا وارث قرار دیا اور اسی جائیداد کا ایک حصہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام وقف کیا۔اس وصیت کے موقعہ پر آپ نے اپنے صاحبزادگان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تجارت کی تھی، جس سے مجھے بہت فائدہ حاصل ہوا ہے۔تم بھی خدا کے ساتھ تجارت کرو۔تمہیں بھی فائدہ ہو گا۔آپ کو ذیابیطس کا بہت پرانا مرض تھا۔جس کا علاج آپ ہمیشہ باقاعدگی کے ساتھ کرتے رہے۔لیکن اللہ تعالیٰ

کو یہی منظور تھا کہ یہی مرض آپ کی وفات کا موجب ہو۔ وفات سے چند یوم پیشتر ایک دن آپ کو پیشاب نہ آیا۔ جس سے تمام بدن میں زہر سرایت کر گیا۔ لیکن آپ کو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔ جب کبھی آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے یہی کہا کہ مجھے تکلیف کوئی نہیں۔ نہ معلوم بستر پر کیوں پڑا ہوں۔ نیم غشی کی حالت آپ پر طاری رہی۔ آپ کی زندگی کے آخری لمحوں میں مختلف احباب چاروں طرف بیٹھے ہوئے قرآن شریف پڑھ رہے تھے کہ نہایت سکون واطمینان کی حالت میں آپ کی روح نے قفسِ عنصری سے پرواز کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روح پر فَتُوح پر ہزار ہزار برکات نازل فرمائے اور آپ کو اعلی العلیین میں جگہ دے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔ حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔ عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔ پیغام صلح کی سالانہ جلد بندی ابتدائی سالوں میں جولائی تا جون ہوئی جبکہ مابعد سالوں کی جنوری تا اکتوبر اور مابعد ہوتی رہی ہے۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے صبر آزما مراحل میں جو عزیز دوست فرہادی لگن اور خلوص وایثار سے تعاون کر رہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فروگذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار محمد ارشد علوی

اگست 2014ء

انچارج

شعبہ تالیف وتصنیف

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امامِ زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابلِ رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع واشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تا دمِ آخر یہ دونوں فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمۃ القرآن جس کی ابتدا 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوا اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ و تفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی)

1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ''1924ء میں، ''فضل الباری''ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ، ''حمائل شریف''اردو1930ء میں،''ریلیجن آف اسلام''انگریزی (جوحضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پرمبسوط تالیف ہے)1935ء میں شائع ہوئی۔اوراسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔جن کی مجموعی تعداد اسّی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم واستحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درسِ قرآن مجید اور علومِ قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔آپ کی زندگی کا خلاصہ دولفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے،یعنی''عشقِ قرآن''۔قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی، تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعیُ اجل کو لبیک کہا۔گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہوگیا تو اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوگئے۔ اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلَہٗ وَ ارۡفَعۡ دَرَجَاتِہٖ۔

خاکسار

عامر عزیز الازھری بن عبدالعزیز

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

فہرست

فہرست

1

<u>29 نومبر 1922ء</u>

ایک بابرکت مجلس۔1

(گذشتہ اتوار مورخہ 26 نومبر 1922ء کو لاہور کے کالجوں کے احمدی طلباء کو بشیر بادشاہ ریڈنگ روم میں ایک خاص دعوت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی طرف سے دی گئی۔تیس پینتیس کے قریب مختلف کالجوں کے احمدی طلباء موجود تھے۔حضرت امیر ایدہ اللہ نے ایک مختصر تقریر اس موقعہ پر کی، جس میں انہیں اس مہتم بالشان کام کی طرف توجہ دلاتے ہوئے، جو حضرت مسیح موعود نے ہمارے سپرد کیا ہے، یعنی اشاعت و تبلیغ اسلام، بتایا کہ یہ کام آئندہ چل کر ان کے سپرد ہونے والا ہے۔اس لئے انہیں ابھی سے اس کی تیاری کرنی چاہئے۔اس کے لئے آپ نے انہیں دو تین راہیں اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔اول یہ کہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور دیگر اشخاص کو سلسلہ کی طرف دعوت دیں۔تاکہ وہ بھی اس کام میں ہمارے مدد و معاون ہوں۔دوسرے یہ کہ یہاں جو احمدیہ ایسوسی ایشن قائم ہے، اس میں عملی شرکت اختیار کریں۔اور اس کے ہفتہ وار اجلاس میں شامل ہونا اپنا فرض ٹھہرا لیں۔یہ پوری تقریر ذیل میں ہدیہ قارئین کرام ہے۔حضرت امیر ایدہ اللہ کے بعد سعید احمد خان متعلم میڈیکل کالج نے ایک مختصر سی تقریر کی اور طلبا کو یہ بتاتے ہوئے کہ ان میں باہم محبت وارتباط اور مل کر کام کرنے کی کس قدر ضرورت ہے، اس بات پر زور دیا کہ احمدیہ ایسوسی ایشن کو ینگ مین ایسوسی ایشن کے نام سے بدل کر صرف احمدی طلباء کے ہاتھ میں دے دینا چاہئے۔اور اس کے مہینہ میں دو اجلاس پندرہ روزہ ایسے ہوں، جس طرح اب ہوتے ہیں کہ تقاریر وغیرہ ہی اس میں ہوا کریں۔اور دو اجلاس اس طرح کے ہوں، جس طرح کا آج کا جلسہ ہوا ہے۔یعنی اس میں چائے وغیرہ کا بھی اہتمام ہو۔اس کی تائید مولوی اللہ بخش صاحب اور میاں وزیر احمد صاحب متعلمین میڈیکل کالج نے کی۔چوہدری ظہور احمد صاحب سیکرٹری احمدیہ ایسوسی ایشن نے فرمایا کہ ایسوسی ایشن کا آئندہ اجلاس ہفتہ کے دن ہوگا اور اس میں پبلک لیکچر کے بعد وہ کچھ تجاویز ایسوسی ایشن کے متعلق پیش کریں گے۔

ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے طلباء کو سلسلہ کے کاموں میں عملی حصہ لینے کے لئے مؤثر نصائح کیں اور اپنے زمانہ طالب علمی کے کاموں کا تذکرہ کیا۔اس کے بعد قارئین کی تواضع چائے

اور مٹھائی وغیرہ سے کی گئی۔ سعید احمد خان صاحب نے اعلان کیا کہ آئندہ ہفتہ کے دن تمام طلبا سے وہ ان تجاویز کے متعلق مشورہ کریں گے جو انہوں نے پیش کی ہیں۔ اس دلچسپ تقریب کو کامیاب اور شاندار بنانے میں جن نوجوان احباب نے حصہ لیا ہے، بالخصوص چوہدری ظہور احمد صاحب بی۔ اے، میاں رضی الدین صاحب بی۔ اے، چوہدری محمد صاحب، شیخ محمد یوسف صاحب، ان کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ مدیر)

☆☆☆

خطاب حضرت امیر ایّدہ اللہ

تشہد، تعوذ، تسمیہ اور تلاوتِ قرآن کریم کے بعد حضرت مولیناؒ نے فرمایا کہ:

آپ لوگوں کو جو اس وقت تکلیف دی گئی ہے، اگرچہ اس کی غرض یہ بھی ہے کہ ہم اور آپ مل کر ایک جگہ بیٹھ کر کھائیں پئیں۔ اس سے بھی تعلقات بڑھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور امر کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ کبھی آپ لوگ باہر گاؤں میں جائیں، تو آپ دیکھیں گے کہ ہر موسم میں جو فصل کے بونے یا کاٹنے کے دن ہوتے ہیں، وہ ایک ہی ہیں۔ ایک فصل کٹتی ہے اور دوسری اس کی جگہ بوئی جاتی ہے۔ یہی نظارہ جو باہر کھیتوں میں نظر آتا ہے، بعینہٖ نسل انسانی کی پیدائش وافزائش میں کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو سفر آخرت کی تیاری میں ہیں، اور دوسری طرف وہ ہیں جو دنیا کی بڑی بڑی اُمنگیں، بڑی بڑی امیدیں اور بڑے بڑے نظارے سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ اس وقت بھی جو چند اس میز پر (جہاں حضرت امیر اور دیگر بزرگان ملت تشریف فرما تھے) بیٹھے ہیں۔ یہ ایک گروہ ہیں۔ اور آپ ایک دوسرا گروہ ہیں۔ ہم نے جو کام کرنا تھا وہ اچھی طرح کیا یا بُری طرح، بہرحال کر چکے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم کہاں تک اچھی طرح کام کر سکے۔ لیکن جس طرح کھیتی دیکھتے ہو، اسی طرح اس ہماری فصل کا حال ہے۔ اور ہماری جگہ لینے کے لئے ایک دوسری فصل ہونے والی ہے۔ وہ ہماری نظروں میں آپ لوگ ہیں۔ یہ کام جو اس وقت ہم نے اپنے اوپر لے رکھا ہے، اس کو آپ نے نبھانا ہے۔ اس لئے آپ کو اس کے لئے تیار ہونا چاہیئے۔ اس میں ہماری بھی غفلت ہوئی کہ آپ کو توجہ

نہیں دلائی ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جتنی توجہ آپ کی اس طرف ہونی چاہئے ، اس قدر نہیں ہے ۔ آپ میں سے بعض یا سب کے سب یا اکثر حصہ جمعہ اور دیگر مجالس (درس وغیرہ) میں شامل ہوتے ہیں ۔ جہاں قومی فرائض کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے ۔ اس وقت بالخصوص میں آپ کو ان باتوں کی طرف توجہ دلاؤں گا ، جو آپ کے فرائض میں سے ہیں ۔

فرض شناسی کی تاکید

آپ میں ایسے بھی ہیں ، جنہوں نے کالجوں سے تھوڑی ہی مدت میں علیحدہ ہونا ہے ۔ اور ایسے بھی ہیں جو ابھی داخل ہی ہوئے ہیں ۔ ان ہر دو سے میری عرض یہ ہے کہ ان فرائض کو محسوس کریں جو آئندہ چل کر ان کے کندھوں پر پڑنے والے ہیں ۔ وہ فرائض کیا ہیں ۔ یوں تو یہ ایک موٹی بات ہے کہ ہم مسلمان ہیں ۔ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** ہمارا دین ہے ۔ اس سے اسلام کے اندر کوئی شخص داخل ہوتا ہے اور اسی کے انکار سے اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ۔ یہ تو ہے اصل دین ۔ باقی اس کے اندر بعض فرائض اور حقوق ہیں ، جن سے قرآن بھرا پڑا ہے ۔ ان کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ۔ لیکن ہمارا کام بالخصوص کیا ہے جو حضرت مسیح موعود نے ہمارے سپرد کیا ؟ وہ ہے تبلیغ واشاعت اسلام ، عیسائی مذہب کی قوت کو توڑنا ، دوسرے تمام مذاہب پر اتمام حجت کرنا اور اسلام کی طرف لوگوں کو بلانا ۔ یہ فرائض ایک زید کا کام نہیں ، بکر کا نہیں ، میرا اور آپ کا نہیں ، بلکہ ہر اس شخص کا کام ہے جس نے حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر یا ان کے کسی جانشین کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ ابھی آپ کے سامنے شاید بہت کم مواقع ہیں ۔ لیکن ان میں بھی اگر آپ چاہیں تو کچھ نہ کچھ وقت اور گنجائش کام کرنے کے لئے نکال سکتے ہیں ۔ ابھی سے آپ کچھ کرنے لگیں تو آگے چل کر آپ اس ذمہ داری کو نباہ سکیں گے ۔

جماعت کی ترقی کے لئے تاکید

اپنی جماعت کی ترقی کے لئے آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں ۔ اپنی جماعت کی ترقی ہر ایک چاہتا ہے ۔ میری بھی یہ خواہش ہے کہ کُل کے کُل انسان احمدی ہو جائیں ، نہ اس غرض کے لئے کہ کوئی فرقہ ہم نے بنایا ہوا ہے ، اس کو ترقی ہو ۔ بلکہ اس کے لئے کہ جس کام کو ہم نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے ، اس میں دوسرے بھی شامل ہوں ۔

مسلمان عام طور پر اس کام سے غافل ہیں، جو اسلام کی ترقی کا موجب ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کو اس طرف توجہ دلائی جائے۔ جو لوگ جماعت کے ساتھ مل گئے ہیں، وہ ایک طرف اس کام کو بھی کریں اور دوسری طرف دوسرے لوگوں کو بھی توجہ دلائیں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ اس سلسلہ کے اندر داخل ہو کر اس ضروری فرض میں معاون بنیں۔

یہ ہر اس شخص کا، جو سلسلہ میں داخل ہے، خواہ اس نے میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی ہے یا حضرت مسیح موعود کی بیعت کی ہے، ان سب کا فرض ہے کہ جماعت کی ترقی میں کوشاں ہوں۔ یہ بھی اشاعت و تبلیغ اسلام ہی کا ایک حصہ ہے کہ لوگوں کو اس طرف لایا جائے کہ وہ قرآن کی اشاعت اور رسول کریم ﷺ کے منوانے میں ساعی ہوں۔ ہر ایک شخص کوئی نہ کوئی دوست رکھتا ہے۔ بعض اس کے تعلق دار ہوتے ہیں۔ ان کا غلط طور پر لحاظ ہمارے دلوں میں ہوتا ہے۔ ہم ان کو کچھ کہتے نہیں کہ ناراض نہ ہو جائیں۔ حالانکہ اگر یہ اچھی اور اعلیٰ درجہ کی چیز ہے تو ہماری دوستی اور تعلقات کا یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ ہم اُن تک دعوت پہنچائیں اور انہیں اپنی طرف بلائیں۔

تبلیغ کے دو طریق

اس کے پہنچانے میں دو باتیں ہونی چاہئیں۔ اول یہ کہ تمہارا نمونہ ایسا ہو کہ لوگ اس کو دیکھ کر تمہاری طرف رجوع کریں۔ نوجوان کے لئے خدا کی عبادت کرنے والا ہونا اتنا بڑا ہے کہ نبی کریمؐ نے وعدہ کیا ہے اس کے لئے بہشت کا۔ یہ بڑا ہی مشکل کام ہے کہ نوجوانی میں انسان عبادت گزار ہو۔ بڑھاپے میں تو خیر لوگ ایسے ہوتے ہی ہیں۔ اس وقت تو وہ قویٰ نہیں ہوتے جو جوانی میں موجب روک ہوتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

كَفٰى الشُّعَيْبُ وَالْاِسْلَامُ نَاهِيًا

بڑھاپا اور اسلام دونوں ہی چیزیں ہیں جو انسان کو بدیوں سے روک سکتے ہیں۔ کیونکہ بڑھاپے میں وہ قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں جو بدیوں کی طرف لے جانے والے ہوں۔ اور اسلام جس کے دل میں گڑ جائے، وہ بھی ویسے ہی اس کو بدیوں کی طرف مائل نہیں ہونے دیتا۔ اس لئے جوانی میں عبادت گزار ہونا اور اپنا نیک نمونہ قائم کرنا یہ بہت اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔ تو پہلی بات، جس سے آپ لوگوں کو اپنی طرف کھینچ سکتے ہیں، وہ آپ کا نیک نمونہ ہے۔ نری باتیں وہ کام نہیں کر سکتیں جو آپ کے نمونہ سے ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے کوئی شخص آپ میں سے

ایسا نہیں ہونا چاہئے جو پابند نماز نہ ہو۔ پانچ وقت کی نماز باقاعدہ ادا کرنی ہے۔غور کر کے دیکھو کہ وہ طالب علم، جو سمجھتے ہیں کہ پڑھنا ایک لغو چیز ہے اور اپنا وقت کھیل کود اور عیش عشرت میں گزارتے ہیں، آخر کار وہ کس قدر نقصان اٹھاتے ہیں! اور اس سے اُن کو کس قدر پشیمانی ہوتی ہے! اسی طرح جو شخص خدا کی طرف رجوع نہیں کرتا، جو نماز کو ایک فضول چیز سمجھتا ہے، وہ بھی آخر کار نقصان اُٹھائے گا۔تو آپ لوگ اگر نماز کی عادت ڈالیں، تو رفتہ رفتہ یہ ایسی پختہ اور مضبوط ہو جائے گی کہ آپ سے کبھی چھوٹنے کی ہی نہیں۔خود بخود آپ کی طبیعت اس کی طرف کھینچی چلی جائے گی۔

تو یہ پہلی بات ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے تم نمونہ بنو۔اس نمونہ میں جہاں صداقت ہو، راست بازی ہو، دوسروں سے اچھا معاملہ ہو، وہیں نماز کا ہونا بھی ضروری ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ واقعی زبان سے بھی آپ انہیں اپنی طرف بلائیں۔اس کے کئی طریق ہیں۔ یہاں ہمارے پاس لٹریچر ہے، جو مفت بھی ہم دیتے ہیں۔اس میں ایسا لٹریچر بھی ہے، جس میں عیسائیت پر اتمام حجت ہے۔ایسا بھی ہے، جس میں آریوں وغیرہ کے غلط عقائد پر بحث ہے۔ پھر ایسا بھی ہے جس سے ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو سمجھا سکتے ہیں اور انہیں بتایا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات میں ہی عیسائیت کی موت ہے۔ اور اس کو مان کر ہی وہ عیسائیت پر غالب آ سکتے ہیں۔اصل میں لوگ توجہ نہیں کرتے کہ کس طرح سے عیسائیت اسلام کو دبائے چلی جا رہی ہے؟ کس طرح سے وہ ایک غلط عقیدہ کی وجہ سے اسلام کے سر پر سوار ہے؟ اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا اور انہیں اصل حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔

اشاعتِ علوم

غرض یہاں ہماری انجمن میں لٹریچر بھی ہے۔جس کو لے کر آپ اسے پھیلا سکتے اور آسانی سے اس کام کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ فی الحقیقت تنخواہ دار مشنری خاص خاص ہی ہوتے ہیں جو بہتر طور پر کام کر سکتے ہیں۔ آپ خلوص دل سے اس کام کو کریں گے اور اس لئے بہتر نتائج آپ کو حاصل ہوں گے۔ اگر آپ کو اس میں کوئی مشکل پیش آئے تو میں موجود ہوں۔اور بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو آپ کو بتا سکتے اور مشکلات میں موجب اعانت ہو سکتے ہیں۔ بہت لوگ دوسرے کو کچھ بتاتے ہوئے یا کسی بات کا جواب دیتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں زک ہی

نہ اٹھانی پڑے۔ میں کہتا ہوں کہ تمہارے لئے زک اٹھانا بھی بہت ہی مبارک ہے۔ بچہ کو دیکھتے ہو کہ کس طرح سے اپنے قدموں پر اٹھتا ہے، گر پڑتا ہے، پھر سنبھلتا ہے، لیکن پھر گر پڑتا ہے، مگر کیا وہ کبھی پروا کرتا ہے اس بات کی؟ اسی طرح گر گر کر وہ استوار ہوتا ہے اور آخر کار خود بخود چلنے لگتا ہے۔ اسی طرح تم بھی کبھی اس بات کی پرواہ مت کرو کہ تمہیں زک اٹھانی پڑے گی۔ زک اُٹھا کر ہی تم آخر کار کامیاب ہو گے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں ایسی بات پیش بھی کبھی نہ آئے گی کہ زک اُٹھانی پڑے۔ کیونکہ تمہارے ہاتھ میں محکم اور مضبوط بات ہے۔

تیسری بات جس سے تم دوسروں کو اپنی طرف کھینچ سکتے ہو، وہ اپنی خاص مجالس میں نہ صرف خود آنا بلکہ دوسروں کو بھی لانے کی کوشش کرنا ہے۔ ایک تو جمعہ ہے، جس میں آپ لوگ اگر شریک ہوسکیں تو بہت فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ایک احمدیہ ایسوسی ایشن بھی ہے۔ جس کے ہفتہ وار اجلاس یہاں مسجد میں ہوتے ہیں۔ بہت تھوڑا وقت اس میں لگانا پڑتا ہے۔ اور اب تو میں نے اس کو اور بھی مختصر کرنے کے لئے منتظمین سے کہا ہے۔ نماز مغرب پڑھتے ہی لیکچر (جو مقرر ہو) شروع ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ رہے گا۔ اور اس کے بعد تین تین چار چار منٹ مختلف احباب کو اس پر کچھ کہنے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ اس کے اندر بہت کچھ قابلیت آپ پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ اس میں ضرور اہتمام کے ساتھ آیا کریں۔ اور آپ کو خود اس موقعہ کی تلاش میں رہنا چاہئے کہ اس میں کچھ بولیں۔ لاہور اتنا بڑا شہر ہے۔ مگر کوئی سامان یہاں دینی واقفیت بڑھانے کا نہیں۔ آپ کے اپنے اپنے کالجوں میں سوسائٹیاں ہوں گی، لیکن ان میں وہ فائدہ آپ نہیں اٹھا سکتے جو یہاں آ کر اس سوسائٹی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ وہ اپنے رنگ میں ایک اور کام کے لئے مفید ہیں، لیکن یہ ان فرائض کی سرانجام دہی کے لئے آپ کو تیار کرتی ہے، جو سلسلہ کے خاص فرائض ہیں۔ لہٰذا اس میں آپ کی شرکت بہت ضروری ہے۔ میں تو ان بڑے بزرگوں (بزرگانِ ملت کی طرف اشارہ کر کے) سے بھی یہی عرض کروں گا کہ ان کا بھی اس میں موجود ہونا ضروری ہے۔

کالجوں میں ہماری تعداد

ہماری تعداد تو بہت کم ہے۔ یہاں تک کہ میاں محمود احمد صاحب نے تو حلف اٹھا کر ہماری تعداد ایک ہزار بتائی ہے۔ لیکن مجھے بڑی خوشی ہوئی یہ سن کر کہ صرف لاہور کے کالجوں میں پینتیس طالب علم ہماری اپنی

جماعت کے ہیں۔ یہ بڑی بھاری جماعت ہے۔اتنی بڑی کہ ایک انقلاب پیدا کرسکتی ہے، بشرطیکہ پوری مستعدی سے کام کرے۔آپ اگر ہمت اورکوشش کریں اورسب کے سب ہفتہ وارجلسوں میں شریک ہوا کریں،تو بہت کچھ فائدہ حاصل کرسکتے ہیں۔اس میں ہرقسم کے مضامین ہوتے ہیں،جن کا پیشتر سے اعلان ہوجاتا ہے۔آپ ان پر تیار ہوکرآیا کریں۔اس کے علاوہ اگرچہ یہاں روزانہ درس بھی ہوتا ہے،لیکن شاید سب کے لئے اس میں ہرروز آنا مشکل ہو۔جوسہولت کے ساتھ آسکیں،وہ آئیں۔لیکن اس سوسائٹی کے متعلق میری خصوصیت کے ساتھ نصیحت ہے کہ اپنا ایک گھنٹہ اس کی نذرکردیں اوراس کوفرض ٹھہرالیں کہ کہیں بھی آپ ہوں،اس میں شرکت کے لئے آجایا کریں،اور کچھ تیاری بھی کرلیا کریں۔آپ کے کالجوں میں آپ کے دوست موجود ہیں۔ان کوبھی ساتھ لانے کی کوشش کریں۔ان کو بتانا چاہئے کہ ہم کسی کے متعلق کوئی بُرا کلمہ نہیں کہتے۔

ہمارا کام

ہمارا کام کسی کو بُرا کہنا نہیں۔ایک شیعہ صحابہؓ کوبُرا کہہ دے،ایک غیر مقلّد آئمہ اہل سنت والجماعت کو بُرے الفاظ سے یاد کرے۔لیکن ہم اول سے آخرتک تمام صحابہؓ،تمام آئمہ دینؒ،تمام بزرگان کرام کوعزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اورکسی کوبُرا نہیں کہتے۔عقائد کے لحاظ سے ہم کتاب وسنت کو مانتے ہیں۔اگر کتاب وسنت سے کوئی شخص ہمیں منوادے کہ ہمارے عقائد صحیح نہیں،تو ہم ماننے کوتیار ہیں۔آپ انہیں یہ یقین دلائیں اورانہیں اپنے ساتھ لائیں۔اس وقت تعلیم یافتہ لوگوں کی حالت اچھی نہیں۔ میں بڑے بڑے لوگوں سے ملا ہوں۔ مذہب کے لحاظ سے ان کی حالت بہت خراب ہے۔موجودہ حالت یہ ہے کہ بیرسٹر ہوکرآتے ہیں اوردین کے معاملہ میں ایسے کچّے ہوتے ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ اسلام خدا جانے کیا مذہب ہے؟ میں افسوس کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی نئی پود بالکل گئی گزری ہے۔آپ اگرتھوڑی سی بھی کوشش کریں تو اس نئی پود میں روح پھونک سکتے ہیں۔

24مارچ1923ء

ایک بابرکت مجلس۔2

مسلم انٹر کالج اشاعتِ اسلام یونین کا جلسہ

26 نومبر 1922ء اور 18 مارچ 1923ء کے دو دن احمدیہ بلڈنگس لاہور میں خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اول الذکر تاریخ اس وجہ سے کہ لاہور کے کالجوں کے احمدی طلباء کو اُس دن احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی طرف سے ایک دعوت دی گئی تھی۔ جس کا تذکرہ پیغام صلح مورخہ 29 نومبر 1922ء میں ہو چکا ہے۔ اور اس موقع پر حضرت امیر ایّدہ اللہ نے قوم کے ان نوجوان فرزندوں کو، جو آئندہ نسلوں کے باپ بننے والے ہیں، ان کے فرائض کو یاد دلاتے ہوئے ابھی سے اس کام کے لئے تیاری کرنے کی تحریک کی تھی، جس پر حضرت مجدد وقت نے ہمیں لگایا ہے اور جو آئندہ چل کر ان کے ذمہ پڑنے والا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس تحریک کا بہت عمدہ اثر ہوا اور طلباء نے ان نصائح کو عملی جامہ پہنچا کر ثابت کر دیا کہ ان کے اندر وہ روح موجود ہے جو جماعت احمدیہ کے ہر فرد و بشر میں ہونی چاہئے۔

مؤخر الذکر تاریخ یعنی 18 مارچ 1923ء کو اسی قسم کا ایک اور جلسہ طلباء کی طرف سے مسجد احمدیہ میں منعقد ہوا۔ جس میں انہوں نے بتایا کہ کس طرح سے انہوں نے گذشتہ تین ماہ کے اندر تحریری وتقریری اور مالی طور پر اشاعتِ اسلام کے کام میں حصہ لیا ہے۔ ان تین ماہ میں ان کے پندرہ روزہ لیکچر ہوتے رہے۔ انہوں نے ایک ٹریکٹ ''صداقت قرآن'' کے نام سے شائع کیا۔ جو ہمارے قابلِ فخر نوجوان سعید احمد خان صاحب (حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان امیر سوم جماعت احمدیہ لاہور) طالب علم میڈیکل کالج لاہور کی تصنیف ہے۔ انہوں نے برلن مسجد کے لئے معقول تعداد روپیہ کی رقم صرف طلباء سے لے کر انجمن کی نذر کی۔ اور اس کے علاوہ فرداً فرداً وہ دوسرے طلباء کو اپنے ساتھ ملانے اور ان میں اشاعتِ اسلام کی روح پھونکنے میں ساعی رہتے ہیں۔ جس میں میاں نذیر احمد صاحب اور یونین کے سیکرٹری مولوی اللہ بخش (ڈاکٹر اللہ بخش) صاحب خلف الرشید مولٰنا مولوی عزیز بخش صاحب کا معتد بہ حصہ ہے۔

اب چونکہ طلباء کے امتحانات کے دن ہیں۔جن کے بعد کالج بالعموم بند رہیں گے۔اس لئے یہ گویا پہلے سیشن کا اختتامی جلسہ تھا اور اسی وجہ سے بہت سے بزرگانِ قوم اور برادرانِ ملت، جو طلباء میں سے نہیں، اس میں مدعو تھے۔اس موقع پر قارئین کی تواضع چائے اور مٹھائی سے کرنے کے علاوہ مولٰینا مولوی مصطفٰی خان صاحب کے فصیح و بلیغ انگریزی لیکچر اور حضرت امیر ایدہ اللہ کی تقریر دل پذیر سے کی گئی۔

مولوی مصطفٰی خان صاحب کا انگریزی لیکچر

مولوی مصطفٰی خان صاحب کا لیکچر چونکہ انگریزی میں تھا، اس لئے راقم الحروف اس کو قلمبند کرنے سے معذور تھا (مدیر) انہوں نے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍاُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (110:3) پر ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور قارئین کو بتایا کہ اسلام اور دیگر مذاہب میں یہ ایک نمایاں فرق ہے کہ اسلام کا پیغام کل دنیا کے لئے ہے اور دیگر مذاہب کا خاص خاص اقوام کے لئے۔اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ دیگر مذاہب میں خدا تعالیٰ کا مفہوم اسلام کے مفہوم سے بالکل مختلف ہے۔ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کو ایک تنگ خیال ہستی سمجھا جاتا ہے، جو ایک خاص قوم کے ساتھ ہی پیار کرتا اور اسی پر نظر عنایت رکھتا ہے اور دوسری اقوام اس کی رحمت سے محروم ہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے آپ کو خدا کے پیارے اور دوسری اقوام کو Gentiles، رحمت الٰہی سے دور سمجھا۔یہی وہ خیال ہے، جس نے جناب مسیحؑ کے منہ سے ایک کنعانی عورت کے متعلق وہ کلمات نکلوائے، جو اسلام میں ایک تنگ خیالی کا رنگ رکھتے ہیں۔انہوں نے اس عورت کو برکت دینے سے صاف انکار کیا اور کھلے لفظوں میں یہ فرمایا کہ میں محض بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے لئے آیا ہوں، بلکہ فرمایا کہ میں بچوں کی روٹی کتوں کے آگے نہیں ڈالنا چاہتا۔وغیرہ

اب اگر عیسائی پادری اپنے مشنری دنیا میں بھیجتے ہیں، تو یہ جناب مسیحؑ کے احکام کے مطابق نہیں۔انہوں نے کہیں اپنے پیغام کو دنیا جہان کے لئے قرار نہیں دیا اور نہ اپنے پیروؤں کو دنیا میں اپنا پیغام پہنچانے کا حکم دیا۔لیکن اسلام اس کے خلاف کھلے لفظوں میں اپنے پیروؤں کو ہدایت کرتا ہے کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (110:3) تم خیر امت ہو۔جو لوگوں

(کی بھلائی) کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ نیکیوں کا تم حکم دیتے اور بدیوں سے روکتے ہو۔ یہ اس لئے کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اس میں جہاں امت محمد یہ کو دنیا کی بھلائی کے لئے پیدا کرنے کا ذکر کیا، وہاں اس کی وجہ کہ کیوں انہیں دنیا کی بھلائی کی فکر کرنی اور اسلام کا پیغام سب لوگوں کو پہنچانا چاہئے؟ یہ بتائی کہ وہ اس ہستی پر ایمان لاتے ہیں، جس کا نام اللہ ہے۔ وہ محض یہودیوں کا رب نہیں، نہ محض عیسائیوں یا مسلمانوں کا خدا ہے، بلکہ اس کا نام اللہ ہے۔ جو سب جہان کا خدا ہے۔ جس کی تشریح قرآن کی پہلی ہی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1:1) میں فرما دی۔ اگرچہ اسلام کے آنے کے ساتھ خدا کی ہستی کے مفہوم میں وہ تنگ خیالی نہ رہی جو پہلے موجود تھی۔ اب اس میں اس قدر وسعت پیدا ہو گئی کہ دنیا جہان کی رَبُّ الْعَالَمِيْنِیُ کا اس سے انکشاف ہو گیا۔ اس لئے اب رَبُّ الْعَالَمِيْنَ کا پیغام اس کی تمام مخلوق کو پہنچنا چاہئے اور ایک خاص قوم تک محدود رہ کر دوسری اقوام اس کے دائرہ رحمت سے محروم نہ ہونی چاہئیں۔

اسی سلسلہ میں آپ نے ولایت میں تبلیغ اسلام کے متعلق اپنے تجربات کو بیان کیا اور بتایا کہ عملاً تمام مغربی دنیا بالخصوص انگلستان مسلمان ہے اور عیسائیت کا کوئی بھی قائل نہیں۔ وہ مسلمان ہیں اور نہیں جانتے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے، جس پر وہ چل رہے ہیں۔ اس لئے اعتقاداً انہیں مسلمان کرنے کے لئے اسلام کی روشنی ان تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ وہ معقول پسند لوگ ہیں اور جہاں انہیں کوئی معقول بات ملے فوراً لینے کو تیار ہوتے ہیں۔ اسی لئے اسلام کی تبلیغ وہاں نہایت آسانی سے ہو سکتی اور کامیابی کی بہت بڑی گنجائش ہے۔ آپ نے طلباء کو نصیحت کی کہ وہ اس وقت اپنی ابتدائی عمر میں ہیں۔ ابھی سے اگر وہ چاہیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ انہیں اسلام کا مطالعہ کرنا اور دوسرے مذاہب کے اعتراضات کو سامنے رکھ کر اسے پڑھنا چاہئے۔ اور اظہار خیالات کی کوشش کرنی چاہئے۔ خواہ اخبار ''دی لائٹ'' میں مضامین لکھ کر یا کسی اور طریق سے۔ تا کہ آئندہ عمر میں، جب ان کے سروں پر ذمہ داری کا بوجھ پڑے، تو وہ آسانی کے ساتھ اسے اُٹھا سکیں اور اپنے اپنے کاروبار کے اندر رہ کر بھی اسلام کا پیغام دوسروں کو پہنچا سکیں۔

حضرت امیر ایدہ اللہ کی تقریر

مولینا مصطفیٰ خان صاحب کے بعد سیکرٹری صاحب نے اپنی سہ ماہی رپورٹ سنائی۔ جس کا خلاصہ اور

لب لباب اوپر دیا جا چکا ہے۔ان کے بعد حضرت امیر رونق افروز ہوئے اور آپ نے ایک نہایت مختصر لیکن دلنشین خطبہ دیا۔آپ نے فرمایا کہ:

''مجھے بڑی خوشی ہے کہ ہمارے نوجوان طالب علموں کے اس طبقہ کے اندر دین کی توجہ اور دین کے لئے کام کرنے کی روح پیدا ہوئی ہے۔ واقعی یہ بڑی ہی خوشی کی بات ہے۔ کیونکہ عام حالت، جو دیکھی جاتی ہے، جہاں تک طلباء کا سوال ہے، موجب اطمینان نہیں۔ بہت سے طالب علم ہیں، جنہوں نے تعلیم کے اصل مقصد کو چھوڑا ہوا ہے۔ وقت تو بہت ان کا یوں بھی ضائع چلا جاتا ہے۔ بہت سا وقت وہ ایسی باتوں میں صرف کر دیتے ہیں، جو ان کے اصل کام سے تعلق نہیں رکھتیں۔ حالانکہ اگر وہ چاہیں تو یہی وقت ہے، جب وہ اپنی کامیابی اور بھلائی کی صورت پیدا کر سکتے ہیں۔اس وقت جو رنگ چڑھ جائے، وہ ایک دیرپا اثر پیدا کرے گا اور اسی قسم کے نتائج اس سے مترتب ہوں گے۔

آپ کے سامنے اس وقت ایک بڑا مقابلہ پیش آیا ہے۔اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک نیک فال ہے کہ یہ مقابلہ کا وقت آیا۔ تا کہ ان مخفی استعدادوں کا ظہور ہو، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر رکھی ہیں۔ خدا نے انسان کے اندر بہت سی خوبیاں رکھی ہیں۔ بہت سے جوہر ہیں جو اندر ہی اندر مخفی رہ جاتے ہیں اور ان کے اظہار کا موقع نہیں ملتا۔ انبیاء کو جو مقابلے پیش آتے ہیں، ان کے اندر ان کی بہت سی مخفی قوتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ جس وقت وہ دنیا کی طرف حق کو لے کر آتے ہیں تو بعض لوگ ان کے مقابلہ پر اٹھ کھڑے ہوتے اور حق کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔اس وقت وہ لوگ، جنہوں نے حق کو لیا ہے، ان کی طبیعت کے جوہر باہر نکل آتے ہیں اور اس مقابلہ کے اندر حیرت انگیز استعداد کا ظہور ان سے ہوتا ہے۔

یہی حال آج ہوا ہے۔ واعظ اگر ہزار ہا دفعہ بھی چیختے تو وہ نتیجہ پیدا نہ ہوتا جو اب اس مقابلہ سے پیدا ہوا ہے۔ جو بیداری اب ہوئی ہے، وہ ہمارے چیخنے چلانے سے

نہ ہوسکتی تھی۔ ان ایک دومہینوں میں ہندوستان کا طور طریق ہی بالکل بدل گیا ہے۔ حقیقت میں حرکت ہی سے انسان کی زندگی ہے۔مسلمان نہیں جانتے کہ انسان کے لئے سکون یا ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ ہر انسان ترقی کرتا ہے یا تنزل۔لیکن مسلمان اپنی موجودہ حالت پر ہی قانع ہو گئے اور نہ سوچا کہ یہ سکون انہیں تنزل کی طرف لے جانے والا ہے۔ آخر ایک زبردست مقابلہ نے انہیں بیدار کیا۔لیکن ابھی تک ان کے اندر غفلت باقی ہے۔ یہ تو انہیں سمجھ آ گئی کہ کس طرح سے ہمسایہ قوم ہم پر حملہ کرنا چاہتی ہے۔لیکن باہر سے جو حملے ہو رہے ہیں،ان کا انہیں ابھی احساس ہی نہیں‘‘۔

حضرت مرزا غلام احمد ایک شخص تھے۔ایک گاؤں کے رہنے والے۔انہوں نے آج سے تیس سال پہلے، جب کہ کوئی نہ جانتا تھا کہ مسلمانوں کو کیا حالات پیش آنے والے ہیں،اُنہیں اٹھانے کی کوشش کی۔ان لوگوں کو، جو خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں،ایک نورفراست دیا جاتا ہے۔جس سے وہ بہت دور کے واقعات دیکھ لیتے ہیں۔انہوں نے اس وقت (آج سے تیس سال پیشتر) دیکھا کہ مسلمانوں کو کیا کچھ پیش آنے والا ہے۔اور ان کی کامیابی اگر ممکن ہے تو اسی میں کہ وہ اشاعتِ اسلام پر لگ جائیں۔ایک شخص کے لئے یہ تو ممکن ہے کہ وہ خود ایک بات پر قائم ہو جائے،لیکن دوسروں کو اس پر لگانا،اس کے لئے بڑی بھاری قوت بکار ہوتی ہے۔ایک انسان کے اپنے اندر ایک تحریک پیدا ہونا آسان ہے،لیکن دوسروں پر اثر ڈالنا یہ بہت ہی مشکل بات ہوتی ہے۔حضرت مرزا صاحب کا یہ حال ہے کہ نہ صرف خود ہی اشاعتِ اسلام کا جوش رکھتے تھے بلکہ جو شخص بھی آپ کے ساتھ جا کر لگا،اس کے اندر آپ نے یہی لہر پیدا کر دی۔وہ تو فوت ہو گئے ہیں۔ہمیں کیا ضرورت ہے کہ خوامخواہ ان کی مدح سرائی کریں۔لیکن میں اپنی چشم دید شہادت دیتا ہوں کہ آپ کے دل میں غیرت اسلامی کا اس قدر جوش تھا کہ آپ کے کانوں میں اگر ایک بھی لفظ رسول اللہ ﷺ کے متعلق یا قرآن کریم کے متعلق تحقیر کے رنگ میں کسی آریہ یا عیسائی کا پہنچ جاتا تھا،تو آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا کہ ہمارے نبی کریمؐ کی ہتک کی گئی۔علماء کو اس پر خوش ہونا چاہئے تھا کہ ایک شخص کے دل میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی اس قدر محبت اور غیرت موجود ہے اور وہ برداشت نہیں کر سکتا کہ ان پر کوئی حملہ آور ہو اور مسلمان خاموش بیٹھے رہیں۔لیکن بجائے خوش ہونے اور اس کی نصرت کرنے کے اس کی مخالفت کی گئی۔آخر جب ان کی یا کسی واعظ کی نصیحت سے ہم نہ اُٹھے تو خدا نے ایک زبردست

تھپڑ مسلمانوں کے منہ پر مارا اور اس موجودہ حملہ سے ہمیں جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔(مراد ملکانے راجپوتوں کو ہندو بنانے کی تحریک)

تم یہ مت سمجھو کہ یہ صرف ساڑھے چار لاکھ کی تعداد میں ہیں، جن کو مرتد کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔سوامی شردھانند نے کہا ہے کہ یہ کل ایک کروڑ انسان ہیں، جن کو میں لینا چاہتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ہم مسلمانوں کے دلوں میں کوئی غیرت اسلامی ہے، تو آج سے ہمیں عزم کر لینا چاہئے کہ اگر ہندو قوم ہمارے ایک کروڑ بھائیوں کو لینا چاہتی ہے، تو ہم 24 کروڑ ہندوؤں کو اپنے اندر جذب کر کے رہیں گے۔ وہ 24 کروڑ میں سے ایک کروڑ کو لینا چاہتے ہیں اور یوں ان کے 24 آدمی ہمارے ایک آدمی کے پیچھے ہیں۔تم سات کروڑ ان کے 24 کروڑ کو لینا چاہتے ہیں اور ہمارے ایک آدمی کا مقابلہ 4 سے ہے۔لیکن ہمارے ہادیؐ نے ہمیں یہ خوشخبری پہلے سے دے رکھی ہے کہ تم میں سے ایک کو دس کا بھی مقابلہ کرنا پڑے تو بشرطیکہ وہ صابر بنے، وہ غالب ہوگا۔ اصل میں قرآن میں جو آتا ہے: اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ (65:8) اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو دوسو پر غالب آئیں گے۔تو یہ صرف لڑائی کے اندر ہی درست نہیں بلکہ جہاں بھی ہمیں مقابلہ پیش آئے، ایسا ہی ہو کر رہے گا۔ ہمارے ہاتھ میں حق اور صداقت ہے، جو ہر موقع پر غالب آسکتے ہیں۔ یہ مت خیال کرو کہ وہ 24 کروڑ ہیں۔اگر سات کروڑ کے اندر عزم پیدا ہو جائے تو وہ ان سب کو اپنے اندر جذب کر لیں گے!

میں آپ نوجوانوں کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خدمت اسلام کی جو آگ آپ کے دلوں میں پیدا ہو رہی ہے، اس کو روشن رکھنے کی کوشش کرو۔ اس کو جہاں تک ہو سکے اور بھی تیز کرنا چاہئے۔آپ جس وقت دنیا میں پڑیں گے تو بہت سے ایسے امور پیدا ہوں گے، جو اس آگ کو خاکستر کرنے کا موجب ہو سکتے ہیں۔لیکن اگر آپ چاہیں تو یہ روشن رہ سکتی ہے۔آپ میں سے ایک ایک مشنری ہوسکتا ہے۔ یہ نہیں کہ دنیا کے کاموں کو آپ چھوڑ دیں، دنیا کے کام کرتے ہوئے بھی آپ مشنری بن سکتے ہیں۔تم کو معلوم ہے کہ اس افریقہ کے اندر جہاں لاکھوں انسان حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں، وہاں کام کرنے والے کوئی خاص مشنری نہیں، بلکہ وہ تاجر لوگ ہیں، جو اپنی گٹھڑیاں سامان کی اٹھائے ہوئے پھرتے ہیں۔ وہ جہاں اس تجارت سے دنیاوی متاع حاصل کرتے ہیں، وہیں اسلام کا

پیغام بھی لوگوں کو پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی کر سکتے ہیں۔ آپ کو تو علم بھی ہے۔ ان سے آپ بہت زیادہ واقف اور پڑھے لکھے ہیں۔ سینکڑوں آدمیوں سے آپ کو واسطہ پڑے گا۔ اگر آپ میں یہ روح ہو کہ آپ نے کسی کو مسلمان کرنا ہے تو آپ ضرور ایسا کر لیں گے۔ اس لئے یہ محبت، جواب دین کے ساتھ پیدا ہوئی ہے، اس کو ضائع نہ ہونے دو۔ قرآن کے پڑھنے کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے لو۔ تا کہ جو چنگاری اس وقت روشن ہوئی ہے، وہ اور زیادہ بھڑکے۔ قرآن ایسی چیز ہے کہ وہ خود بخود انسان کے اندر طاقت پیدا کرتا ہے۔ اس کو پڑھو تا کہ تمہارے اندر طاقت دن بدن بڑھے۔ کبھی کوئی ناغہ قرآن کے پڑھنے میں نہ ہو۔ ہر روز اس کا کوئی نہ کوئی حصہ تمہارے سامنے آئے۔ اس پر پھر عمل کی عادت ڈالو۔ اپنی طبیعت کو میدان عمل میں لانے کی کوشش کرو۔ بعض لوگ اس حجاب میں رہتے ہیں کہ مبادا کہیں مقابلہ ہو جائے تو ہمیں شرمندگی اٹھانی پڑے۔ انہیں اس حجاب کو توڑنا چاہئے۔ شرمندگی بھی اٹھانی پڑے تو کیا ہے؟! ایک میدان میں شرمندگی ہوگی، دو میں ہوگی، آخر کار فتح حاصل ہو گی۔ لوگوں کو بہت بڑا ڈر لگا رہتا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی سوال کا جواب نہ آئے۔ انہیں اس کی پروا نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر ایک میدان میں ہار بھی جائیں تو کیا ہے؟ ناکامی سے ہی کامیابی پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ انگریزی جانتے ہیں، وہ چھوٹے چھوٹے مضامین لکھیں۔ ہمارے ہاں لائٹ اخبار ہے۔ اس کے لئے یا اردو میں پیغام صلح کے لئے لکھ کر بھیجیں۔ بیشک آپ ان لوگوں کا بھی لٹریچر پڑھیں جو اسلام کے خلاف لکھتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ کوئی چیز نہیں جو اسلام کے بالمقابل ٹھہر سکے۔ اگر کوئی مذہب دنیا میں رہ سکتا ہے تو وہ اسلام ہے۔ یہ دو تین باتیں ہیں، جن کی طرف میں نے توجہ دلائی ہے:

☆ اس محبت کو، جو پیدا ہوئی ہے، ضائع نہ ہونے دو بلکہ اس کو ترقی دو۔

☆ قرآن کا مطالعہ کرتے رہو۔

☆ میدان عمل میں آنے کی کوشش کرو اور جہاں کہیں جس حالت میں بھی ہو، اسلام دوسروں تک پہنچاؤ۔

آپ میں سے جن لوگوں کو اب بھی وقت میسّر ہے، وہ جلسوں میں، جو یہاں ہفتہ وار ہوتے ہیں، حصہ لیں۔ جب تک وہ یہاں ہیں، ان جلسوں میں شامل ہوں اور عملی حصہ لیں۔ اور جس وقت باہر جائیں تو پھر بھی اس

کوشش میں لگے رہیں کہ اسلام کی ترقی کی کوئی صورت پیدا ہو.

(مرتب۔دوست محمد)

3 جنوری 1923ء

تقریب میلاد النّبی ﷺ

(حضرت امیر ایدہ اللہ کی ایک دل پزیر تقریر جو یکم نومبر 1922ء کو بر موقعہ میلاد النّبی ﷺ فورمن کرسچن کالج ہوسٹل لاہور میں ہوئی)

تشہد، تعوذ، تسمیہ اور تلاوت قرآن کریم کے بعد آپ نے فرمایا:

صدر جلسہ و معزز حاضرین! آج کا دن ہم مسلمانوں کے لئے ایک نہایت ہی مبارک تقریب ہے۔ سال گذشتہ بھی مجھے یہ موقع ملا تھا کہ اسی دن کی تقریب پر کچھ حالات اس پاک انسان کے آپ کو سناؤں، جو ہمارے مقتداء اور رہبر ہیں۔ یعنی حضرت محمد ﷺ۔

آپ لوگ عموماً ایسے کالج میں تعلیم پاتے ہیں جو ان اصحاب (ڈاکٹر لوکس پرنسپل کالج کی طرف اشارہ کر کے) نے باہر سے آ کر ہماری تعلیم کے لئے کھولا ہے۔ ان اصحاب کی غرض آپ کو کسی ایسے امر کی تعلیم دینا بھی ہے، جس کو وہ اپنے نزدیک صداقت اور حق سمجھتے ہیں۔ اس قدر قربانیاں انہوں نے اس غرض کے لئے کی ہیں اور اس قدر اموال خرچ کئے ہیں کہ جو اپنی نظیر آپ ہیں۔ یہ تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جو لوگ اس قدر تکلیف اٹھا کر آتے ہیں، وہ یقین کے ساتھ اس امر پر قائم ہیں، جس کی وہ تعلیم دینے آئے ہیں۔ اسی یقین کے ساتھ میں بھی اس حق پر قائم ہوں، جس کی طرف میں لوگوں کو بلاتا ہوں۔ جس طرح سے وہ ایک بات کو جس کے وہ پیرو ہیں، حق اور صداقت سمجھتے ہیں، ہم بھی اس بات کو حق اور صداقت سمجھتے ہیں، جس کے ہم پیرو ہیں۔

اسلام کی تعلیم کا مابہ الامتیاز

اس حق اور صداقت کو پھیلانے والے کچھ اور لوگ بھی ہوئے ہیں۔ یعنی انبیاءؑ۔ ان میں سے آج ایک نہ ایک کے آگے دنیا کی کوئی نہ کوئی قوم سر جھکاتی ہے۔ اگر کوئی قوم حضرت موسیٰؑ کے سامنے جھکتی ہے تو دوسری

حضرت عیسیٰؑ اور تیسری بدھؒ اور زرتشتؒ کے سامنے اور ہماری قوم، جس کو عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے سر جھکاتی ہے۔ (سر تو نہیں جھکاتی۔ لیکن آپ کی پیروی ضروری سمجھتی ہے) وہ نہ صرف آپؐ بلکہ تمام انبیاءؑ پر ایمان لاتی اور تمام بزرگوں کو ماننا ضروری سمجھتی ہے۔ یہ تعلیم اس انسان کی ہے، جس کے میلاد یا وصال کی تقریب پر آپ لوگوں نے یہ مجمع کیا ہے۔ سب سے بڑا احسان جو نبی کریمؐ نے دنیا پر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے مذہب کی بنیاد آپؐ نے اپنے ہی منوانے پر نہیں رکھی بلکہ تمام راستبازوں کو منوانے پر اس کی بنیاد رکھی ہے۔ قرآن کو کھولیں تو سب سے پہلی آیات میں جو تعریف ایک مسلمان کی کی ہے، وہ یہی ہے کہ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (4:2) اس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر (یعنی حضرت نبی کریمؐ پر) نازل ہوا۔ اور اس پر بھی جو تجھ سے پہلے اترا۔ پھر ایک دوسری جگہ اس کو وسیع کیا۔ اور یہاں تک وسیع کیا کہ فرمایا: مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ. (78:40) کچھ رسولوں کا ہم نے ذکر کر دیا ہے اور باقی کا ذکر نہیں کیا۔ قرآن میں بعض رسولوں کا ذکر ہے۔ باقی کے متعلق فرمادیا: اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (24:35) کوئی قوم نہیں جس میں کوئی نذیر نہیں ہوا۔ یہ اسلام کی بنیادی اور اصلی تعلیم ہے۔

عیسائیت اور اسلام میں فرق

ہمارے ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر لوکس کی طرف اشارہ کر کے) ایک مشنری ہیں اور خوش قسمتی سے میں بھی ایک مشنری ہوں۔ وہ عیسائیت کی طرف سے مشنری بن کر آئے ہیں اور میں اسلام کا مشنری ہوں۔ ہم ایک بھی ہوں، لیکن اس لحاظ سے کہ جس چیز کو وہ حق اور صداقت سمجھتے ہیں، تھوڑے سے فرق کے ساتھ میں اس کا قائل ہوں۔ ہم میں کسی قدر اختلاف بھی ہے۔ اصل میں فی الحقیقت ہم میں فرق کوئی نہیں۔ اسلام اور عیسائیت ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کوشش کر رہے اور کرتے رہیں گے۔ اس سے بحث نہیں کہ آخر کار کیا ہوگا۔ لیکن ایک بات کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جو تعلیم میرے رہبرؐ نے دی، وہ یہی ہے جو دنیا میں کسی راستباز انسان کو بُرا کہنے والی نہیں۔ یہاں تک کہ فرمایا وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (108:6) اللہ کے سوا جن چیزوں کو پکارتے ہیں، ان کو بھی گالی مت دو۔ حالانکہ اسلام کی تعلیم بت شکنی کی ہے، لیکن اس کے اندر کمال یہ بھی ہے کہ تمام راستبازوں، تمام قوموں کے پیشواؤں کی عزت کو ملحوظ رکھتا ہے۔ ایک عیسائی جب مسلمان ہوتا ہے تو اس کے

دل سے حقیقی عزت حضرت عیسیٰؑ کی کم نہیں ہوتی ۔ وہ اپنا کچھ گنواتا نہیں، بلکہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ دوسرے راستبازوں پر بھی ایمان لاتا ہے۔ ہاں! حضرت عیسیٰؑ کی حقیقی عزت اب اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے بڑھ کر حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریمؑ کی وہ عزت سکھائی ہے کہ پیرو بھی اس قدر عزت نہیں کرتے۔ فرمایا: اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ (75:5) ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ آپ تعجب کریں گے کہ اسلام کو اس تعلیم سے کیا مطلب تھا؟! پھر تعجب کریں گے کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اسی قدر پر ختم نہیں کیا کہ آپ کو نبی اور راستباز مان لیا جائے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تعریفی کلمات آپ کے متعلق کہے۔ فرمایا تو یہی کہ مَاالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (75:5) مسیح ابن مریم صرف رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔

اسلام کا احسان عیسائیت پر

اگر چہ ہیں تو وہ انسان ہی۔ لیکن ان کے متعلق اور ان کی والدہ کے متعلق اور بھی کلمات کہے۔ کیوں؟ یہ اسلام کا ایک خاص احسان عیسائی مذہب پر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی عزت کو اس وقت قائم کیا، جب مخالفین کے علاوہ ماننے والوں کی طرف سے بھی آپ کو بُرا کہا جاتا تھا۔ جب آپ اور آپ کی والدہ پر الزام دھرے جاتے تھے۔ جب اسلام دنیا میں آیا تو اس نے حضرت عیسیٰؑ کو الزامات سے بری قرار دیا اور فرمایا: اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (55:3) جب اللہ نے کہا، اے عیسیٰؑ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف بلند کرنے والا ہوں اور تجھے ان (کے الزام) سے پاک کرنے والا ہوں جو کافر ہیں۔ وہ پاک کرنا کیا ہے؟! وہ یہی ہے کہ جو الزام حضرت عیسیٰؑ پر لگائے گئے ہیں، ان سے آپ کو بری ٹھہرایا جائے۔ آج چالیس کروڑ انسان حضرت عیسیٰؑ کا نام اس عزت کے ساتھ لیتے ہیں، جس سے نبیوں کو یاد کیا جاتا ہے۔ اور ایسا ہی حضرت عیسیٰؑ کی والدہؑ کی عزت و عظمت کی جاتی ہے۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا احسان ہے کہ عیسائیت کے بانی کے متعلق ایسے عزت و عظمت کے جذبات پیدا کر دیئے اور تمام الزامات سے انہیں بری ٹھہرایا!

حضرت عیسیٰؑ انسان ہی ہیں

آپ دیکھیں کہ قرآن کریم میں کہیں حضرت عیسیٰؑ کو کَلِمَۃُ اللّٰہِ کہا، کہیں اور اسی قسم کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ عیسائیوں نے خیال کیا ہے کہ شاید حضرت عیسیٰؑ معمولی انسانوں سے بڑھ کر ہیں، اس لئے آپ کے متعلق ایسے ایسے کلمات فرمائے ہیں۔ لیکن قرآن پر اگر غور کرو تو معلوم ہو جائے کہ خدا کی جتنی بھی مخلوق ہے، وہ سب اس کے کلمات ہی ہیں۔ چنانچہ فرمایا قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا (109:18) کہہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے سیاہی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں گو ہم اسی جیسا (اور اس کی) مدد کو لائیں۔

حضرت عیسیٰؑ کَلِمَۃُ اللّٰہِ بلاشبہ، مگر اس معنی میں، جس معنی میں خدا کی ساری مخلوق اس کا کلمہ ہے۔ اسی طرح سے یہ جو فرمایا رَوْحِ اللّٰہِ (87:12) تو اس کے متعلق بھی غلطی لگتی ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جو عام انسانوں میں نہیں۔ لیکن قرآن میں تو آدمؑ کے متعلق بھی فرمایا نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (29:15) میں نے اس میں اپنی روح پھونکی۔ اسی طرح سے ہر ایک انسان کے اندر ایک روح اللہ تعالیٰ پھونکتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کو روح اللہ کیوں کہا؟

کیوں حضرت عیسیٰؑ کو اپنی روح کہا۔ اس لئے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر ایک انسان ماں کے پیٹ سے پاک پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں صاف ہے: فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا (30:30) اللہ تعالیٰ کی فطرت وہ ہے، جس پر تمام انسانوں کو پیدا کیا۔ ایسا ہی حدیث میں ہے: کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ أویُمَجِّسَانِہٖ أویُنَصِّرَانِہٖ ہر ایک بچہ فطرت پر (پاک) ہوتا ہے۔ پھر جو یہودی یا مجوسی یا نصرانی بنتا ہے تو یہ بعد کی بات ہے۔ اس کے والدین اسے ایسا بنانے کی فکر کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی حالت انسان کی پاکیزگی کی حالت ہے۔ بے گناہی کی حالت میں وہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کو پیدائشی گنہگار نہیں کہا جا سکتا۔ تو حضرت عیسیٰؑ کو اس لئے روح اللہ کہا کہ پیدائش کے متعلق ان پر الزام تھا۔ ورنہ تمام ہی انسانوں کو پاک قرار دیا ہے۔ اگر ایک شخص ایک ہندو، عیسائی یا یہودی کے گھر میں پیدا ہوتا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اس وقت فطرتاً پاک ہے۔ بعد میں جیسے وہ اعمال کرے گا، ویسا ہی ہوگا۔

اسلام کی تعلیم

یہ نمونہ ہے اس تعلیم کا، جو محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں پھیلائی ہے۔ اس تعلیم سے ظاہر ہے کہ کسی نبیؑ یا راستباز کی عزت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ میں کہتا ہوں کہ ایک ہندو اگر اسلام کے اندر آتا ہے تو اس کے دل سے بھی ہندوستان کے بزرگوں اور رشیوں منیوں کی عزت زائل نہیں ہو جاتی، بلکہ اسلام نے ان کی عزت ہی کرنا سکھائی ہے۔ اسی طرح ایک عیسائی جب اسلام کے اندر آتا ہے تو سوائے اس کے کہ حضرت عیسیٰؑ کو اِبْنُ اللّٰہِ ماننا چھوڑ دے، ان کی نبوت اور نیکی و پاکیزگی پر ایمان اس کے دل سے زائل نہیں ہوتا۔ یہ وہ تعلیم ہے جو اسلام نے دنیا میں دی ہے۔ یہ وہ احسان ہے جو اس نے دوسرے مذاہب کے ساتھ روا رکھا ہے کہ ان کے بزرگوں پر ایمان ضروری قرار دیا اور ان کی عزت کرنا سکھایا۔ البتہ یہ میں کہوں گا کہ بالمقابل اسلام اور نبی کریمؑ کے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوا۔ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔ لیکن اسلام کے متعلق اس اصل الاصول کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا

لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ مذہب اسلام اپنی طاقت اور قوت سے نہیں پھیلا، بلکہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ یہ ایک بڑی بھاری غلطی ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کے حالات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لگی ہے۔ تلوار اگر اٹھائی گئی تو صرف چند مسلمانوں کی حفاظت کے لئے۔

کیا عجیب لفظ ہیں حضرت عیسیٰؑ کے کہ یہ وہ پتھر ہے، جس پر یہ گرا وہ چور ہو گیا اور جو اس پر گرے گا وہ بھی چور ہو جائے گا۔ اسلام کی تاریخ میں بالکل یہی نقشہ نظر آتا ہے۔ جب اسلام نے اپنی روحانی طاقت کے ساتھ لوگوں کے دلوں کو فتح کرنا شروع کیا تو وہ جو حق کے مخالف تھے، اُن کو یہ بُرا معلوم ہوا اور طرح طرح کے دُکھ انہوں نے دینا شروع کئے۔ ایک دفعہ، جب غالباً 5 یا 6 بعثت کا سال تھا، یہ مظالم اس قدر انتہا کو پہنچ گئے کہ حضرت نبی کریمؑ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ مکہ سے چلے جائیں۔ دوسری مرتبہ خود آپؐ کو بھی سارے صحابہؓ سمیت مکہ چھوڑنا پڑا۔ جب آپؐ مدینہ پہنچ گئے تو وہ جو مخالف تھے، انہوں نے پھر بھی چین نہیں لیا۔ تین حملے اُنہوں نے آپؐ

پر کئے۔ پہلے حملہ میں صرف تین سو تیرہ صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے۔ جن میں بوڑھے اور بچے بھی شامل تھے۔ بالمقابل حملہ آوروں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ دوسرے حملہ میں حملہ آور تین ہزار تھے اور مسلمان صرف سات سو۔ تیسرے حملہ کے وقت کفار کی تعداد کم از کم دس ہزار تھی اور مسلمان مدینہ کے اندر محصور تھے۔

پہلا حملہ ہوا تو مدینہ سے صرف تین منزل کے فاصلہ پر 313 صحابہؓ کو ساتھ لے کر آپؐ نکلے اور مقام بدر پر دشمنوں کا سامنا کیا۔ دوسرے موقع پر ایک یا ڈیڑھ سال کے وقفہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقابلہ کیا اور وہاں سے بھی حملہ آور فوج بغیر کامیاب ہونے کے واپس گئی۔ تیسرے موقع پر آپ کو مدینہ میں محصور ہونا پڑا۔ ایک چوڑی خندق آپؐ نے مدینہ کے گرد کھودی اور مدینہ کے اندر محصور ہو گئے۔ باہر بیس ہزار فوج پڑی تھی اور اندر ایک قلیل تعداد مسلمانوں کی تھی! یہ تین بڑی لڑائیاں ہیں، جو اسلام کے اندر ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک تاریخ دان واقف ہے کہ مدینہ کے اندر یا تھوڑے فاصلہ پر یہ ہوئیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگیں اسلام کے پھیلانے کے لئے ہوئیں، اس کے اندر بال برابر بھی صداقت نہیں۔ ایک واقعہ ساری تاریخ سے نکال دو کہ آپؐ نے کسی ایک کو بھی بہ جبر مسلمان کیا ہو!

تاریخ کی ایک مثال

غرض اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، بلکہ تلوار کے زور کے باوجود پھیلا۔ اسلام کے ساتھ صلح، امن اور آشتی پھیلتی تھی۔ میں آپ کو ایک مثال سناتا ہوں۔ ہماری تاریخ میں ایک واقعہ صلح حدیبیہ کا ہے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ تین حملے مخالفین کی طرف سے مدینہ پر ہو چکے تھے اور مخالفین مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ ہجرت کا چھٹا سال تھا۔ رسول اللہ ﷺ چودہ سو صحابہؓ کو لے کر حج کے لئے نکلے۔ کوئی جنگ وغیرہ کی نیّت یا خیال تک بھی نہ تھا۔ اس لئے کوئی سامان حرب بھی ساتھ لے جانے سے رسولؐ اللہ نے منع کر دیا۔ البتہ تلوار ایک ایسی چیز تھی جو ایک آزاد آدمی ساتھ لے جا سکتا تھا۔ اور اس کے متعلق بھی حکم تھا کہ نیام سے باہر نہ نکالی جائے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اہل مکہ لڑائی کے لئے تیار ہیں۔ ان کو سمجھانے کے لئے ایک قاصد بھیجا گیا، لیکن اس کے ساتھ یہ سلوک ہوا کہ اسے قید کر لیا گیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بھیجا گیا کہ اُن کا ایک خاص اثر اہل مکہ پر تھا۔ لیکن اُن کو بھی روک لیا گیا۔ یہاں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

آخر اُن قریش میں سے ایک شخص سہیل نامی حضرت نبی کریمؐ کے ساتھ شرائط طے کرنے کے لئے آیا۔ ان میں سے ایک شرط اس نے یہ بھی پیش کی کہ اس سال مسلمان بغیر حج کئے واپس لوٹ جائیں اور آئندہ سال آ کر حج کر لیں۔ دوسری یہ کہ اگر اہل مکہ میں سے کوئی مرد و زن مسلمان ہو کر مدینہ جانا چاہے تو اس کو نہیں جانے دیا جائے گا اور اگر چلا جائے تو حضرت نبی کریمؐ اسے واپس لوٹا دیں گے۔ اور اگر کوئی مسلمانوں میں سے مرتد ہو کر کفار میں چلا جائے تو وہ اسے ہرگز واپس نہ لوٹائیں گے۔ حضرت عمرؓ اس پر بڑے رنجیدہ ہوئے اور اُنہوں نے کہا۔ یارسول اللہ! اتنی ذلت کیوں برداشت کی جاتی ہے؟ اسی وقت، جب یہ شرائط طے ہو رہی تھیں، اسی سہیل کا لڑکا ابوجندل، جو اسلام قبول کر چکا تھا، اس حالت میں نبی کریمؐ کے پاس آیا کہ اس کے ہاتھوں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے آ کر اس ظلم و ستم کی کیفیت سنائی جو اس کے ساتھ اسلام کی وجہ سے کئے جا رہے تھے۔ اور اپنی پیٹھ بھی دکھائی جس پر زخموں کے نشان تھے اور التجا کی کہ اس کو اپنی حفاظت میں لے لیا جائے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب ہم معاہدہ کر چکے ہیں، ہم تمہیں نہیں لے سکتے۔ آپ اگر غور کریں گے تو جس قدر پابندی نبی کریمؐ نے معاہدہ کی کی ہے، شاید کسی نے بھی نہیں کی!

اب یہ جو شرطیں کیں تو اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اگر کفار میں سے کوئی شخص نکل کر مسلمان ہو جائے تو اسے رسول اللہ واپس کر دیں گے۔ اور اگر مسلمانوں سے کوئی کفار کے پاس چلا جائے تو وہ اسے واپس نہ کریں گے۔ یہ شرائط فیصلہ کر دیتی ہیں کہ مسلمان کس طرح مسلمان ہوتے تھے! اگر ایک بھی ایسا تھا، جو بجبر مسلمان ہوا ہو، تو چاہیئے تھا کہ وہ اب نکل آتا اور واپس کفار میں جا ملتا۔ لیکن بجائے اس کے کہ ان میں سے کوئی شخص نکل کر جاتا، اس صلح کے بعد بیسیوں کی تعداد میں لوگ کفار میں سے نکلنے شروع ہوئے۔ وہ رسول اللہ کے پاس آتے اور آپ انہیں واپس کر دیتے تھے۔ ایک ایسا ہی شخص جب رسول اللہ کے پاس آیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ تم مکہ میں سے آئے ہو، ہم تمہیں رکھ نہیں سکتے۔ اُس نے اپنی حالت زار سنائی اور تمام ان مظالم کا تذکرہ کیا جو اسلام کی وجہ سے اس پر کئے جاتے تھے، لیکن آپ نے معاہدہ کی پابندی میں اسے واپس کیا۔ اب اس شخص کے لئے کتنی مصیبت ہے۔ طرح طرح کے مظالم سے نکل کر اور کئی ایک مصائب اٹھا کر اپنے تمام اہل و اقارب کو چھوڑ کر وہ آیا، لیکن یہاں بجائے پناہ ملنے کے پھر اُسے واپس دشمنوں میں بھیجا جاتا ہے۔ واقعی اگر اسلام کی صداقت نہ کھائے ہوئے

ہوتی، تو ایسے حالات میں اس کا اسلام پر قائم رہنا مشکل تھا۔ لیکن وہ واپس جاتے ہوئے رستہ میں محافظین کے ہاتھوں سے نکل گیا اور ایک ایسے مقام پر سکونت اختیار کر لی، جہاں مسلمانوں اور کفار ہر دو کا تسلّط نہ تھا۔ اس کے بعد اور لوگ، جو مکہ میں تھے اور جن کے دل اسلام نے کھائے ہوئے تھے، ایک ایک کر کے نکلنا شروع ہوئے اور وہیں جا کر آباد ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ وہاں ایک بہت بڑی کالونی بن گئی۔ اب غور کرو کہ اسلام کے اندر وہ کشش حق تھی، جو لوگوں کو اس طرح سے کھینچ کر لاتی تھی یا اس کے پیچھے کوئی تلوار کا زور تھا؟! صلح کا یہ ایک ہی واقعہ بتادے گا کہ فی الواقع ایک بھی مسلمان تلوار کے زور سے نہیں ہوا!

فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ کا عفو

ایک بہت بڑا واقعہ فتح مکہ کا ہے۔ اس موقع پر دیکھ لو کہ کوئی سختی درحقیقت ہوئی ہی نہیں۔ اس کے اندر یہ اعلان تھا کہ جو شخص حرم کے اندر چلا جائے، وہ امن میں ہوگا۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے، اس کو امن دیا جائے گا۔ جو شخص اپنا دروازہ بند کرے، وہ امن میں ہوگا۔ اس وقت کن کن دشمنوں سے معاملہ تھا۔ وہ لوگ جنہوں نے آپ کو مکہ سے نکالا۔ جنہوں نے آپ پر چڑھائیاں کیں، جنہوں نے آپ کے عزیزوں کو مارا اور شہید کیا، ان کے ساتھ آپ نے کریمانہ برتاؤ کیا۔ آج کوئی قوم جب فتح حاصل کرتی ہے تو فتح کا نشہ ایسا ہوتا ہے کہ بہت سی ناگفتنی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ انتقام کی خواہش کا غلبہ کئی ایک ہولناک شکلوں میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ لیکن فتح مکہ کے وقت جب نبی کریمؐ نے اپنے دشمنوں سے سوال کیا کہ تم مجھ سے کس سلوک کی امید رکھتے ہو؟ تو وہ لوگ تو آپ کے اخلاق سے واقف تھے۔ چالیس سال تک آپ اُن کے اندر رہ چکے تھے۔ تاریخ دانوں نے بھی لکھا ہے کہ جتنے اعلیٰ اخلاق والے آپؐ تھے، اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ اس لئے انہوں نے جواب دیا کہ اَنْتَ كَرِيْمٌ وَ أخو كَرِيمٍ وَابْنُ أخِي كَرِيمٍ. تو آپ نے یہ لفظ فرمائے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (92:12) تم پر آج کوئی ملامت نہیں۔ دیکھو غور کرو۔ کسی کو یہ نہیں کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ، بلکہ اس کے خلاف سخت ترین دشمنوں کو ملامت تک بھی نہیں کی۔ یہ وہ بات ہے جس کا سر ولیم میور نے بھی اعتراف کیا ہے۔ معافی بھی آپؐ نے دی تو فرمایا لَا تَثْرِيْبَ تم پر کوئی ملامت بھی نہیں۔ یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں۔ آج جو قوم دوسرے پر فتح پاتی ہے، وہ اس کی جڑ ہی کاٹنا چاہتی ہے۔ آج فرانسیسی چاہتے ہیں کہ جرمنی کو نیست و نابود ہی کر دیں۔ اس کے خلاف نبی کریمؐ نے دشمنوں

کے ساتھ وہ معاملہ کیا ہے، جو دوستوں سے بھی بمشکل ہوتا ہے!

ان واقعات کا نتیجہ

ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ اسلام پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے، اسلام کی تاریخ میں ایک بھی اس کی مثال نہیں۔ لیکن باوجود اس کے محمد رسول اللہ ﷺ کی کیا تصویر کھینچی جاتی ہے۔ ایک ہاتھ میں آپؐ کے تلوار دکھائی جاتی ہے اور دوسرے میں قرآن۔ حالانکہ آپ کی تمام زندگی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں دکھایا جاسکتا کہ آپؐ نے ایک شخص کو بھی کہا ہو کہ مسلمان ہو جاؤ ورنہ قتل کرتا ہوں۔ قرآن کریم میں یہاں تک ہے کہ اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سُن لے۔ پھر اس کو اپنی قوم کے اندر اپنی جائے امن میں پہنچا دو۔ دیکھو! یہاں علم کو پیش کیا ہے کہ اسے سمجھا دو اور علم دے دو۔ یہ نہیں کہا کہ اسے قتل کر دو۔ میں حیران ہوں کہ یہ تصویر جو محمد رسول اللہ ﷺ کی کھینچی جاتی ہے، یہ کہاں سے لی گئی ہے؟ وہ اسلام، جس کو محمد رسول اللہ ﷺ لائے، وہ تو ایسا مذہب نہیں۔ وہ تو صلح، محبت اور آشتی کی تعلیم دیتا ہے۔ غیر مذاہب سے نفرت اس نے نہیں سکھائی، بلکہ ان سے محبت ان کے بزرگوں اور پیشواؤں کی عزت اور ان پر ایمان لانے کی تعلیم دی۔ اسلام کے اندر تمام قوموں کے بچوں کو معصوم قرار دیا گیا ہے۔ پس کس طرح سے وہ ایسی تعلیم دے سکتا ہے کہ کسی کو بہ جبر مسلمان کیا جائے؟

ہاں! اسلام تلوار کے زور کے باوجود پھیلا۔ جب بھی ایسی مصیبت آئی ہے کہ معلوم ہوا کہ اب نیست و نابود ہو جائے گا، اس وقت اس کی زیادہ اشاعت ہوئی۔ اسی صلح حدیبیہ کے بعد جب رسول اللہ واپس مدینہ جا رہے تھے تو آپ پر یہ آیت اتری اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ (1:48) ہم نے تجھے کھلی فتح دی۔ آپ نے اُسی وقت حضرت عمرؓ کو بلایا۔ وہ ڈرے کہ رسول اللہ کی گستاخی کی تھی، خدا جانے کیا ارشاد ہو! جب آئے تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہی فتح مبین ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ چونکہ اس وقت کفار کے ساتھ مصالحت ہوگئی تھی، تو مصالحت کے زمانہ میں اسلام زیادہ ترقی کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ فتح مبین تھی۔ اسلام عرب میں اس وقت پھیلا، جب جنگ باقی نہیں رہی تھی۔ اس وقت جب جنگ موقوف ہوگئی تو مختلف اطراف سے وفود آنا شروع ہوئے۔ آج ایک طرف سے ڈیپوٹیش آیا ہے تو کل دوسری طرف سے۔ سوائے چند

یہود ونصاریٰ کے تمام عرب اس مصالحت کے زمانہ میں مسلمان ہو گیا۔آج بھی اگر اسلام کو وہی حالت پیش آئے اور اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ترقی کرسکتا ہے۔آج بھی اسلام صلح کے ساتھ ہی کامیاب ہوگا۔یہ میرا ایمان ہے اور ہر مسلمان کا یہی ایمان ہونا چاہیے۔

7 جنوری 1923ء

احمدیّت کیا ہے؟

(حضرت امیر ایدہ اللہ کی تقریر دل پذیر، جو آپ نے جلسہ سالانہ پر 26 دسمبر 1922ء کو احمدیہ بلڈنگس لاہور میں فرمائی)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولٰینا نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (1:61)

ترجمہ: ''اللہ تعالٰی کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''

کسی چیز کو اپنی اصلیت میں دیکھنا نہایت مشکل ہے۔ اسلام جو اس قدر پیارا مذہب ہے، جو اس قدر خوبیوں اور محاسن کا مجموعہ ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات جو اخلاقِ فاضلہ کی جامع ہے، ان کو بھی دنیا اصلیت کی نگاہوں سے نہیں دیکھ سکتی۔ آج اسلام کا نام ہم یورپ میں لیتے اور محمد رسول اللہ ﷺ کو پیش کر کے دکھاتے ہیں کہ اسلام صلح کی بنیاد قائم کرنا چاہتا ہے، وہ قومی امتیازات کو مٹانا اور مرتبے اور دولت کے فرق کو کم کرنا چاہتا ہے، تو ہماری اس بات کو سمجھنے والے بہت کم ہیں۔ اسلام تو وہاں ہوّا بنا ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام تو ایسا مذہب ہے جو تہذیب کو مٹانا اور وحشت و بربریت پھیلانا چاہتا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی تصویر جو وہاں شائع کی جاتی ہے تو اس میں ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قرآن دکھایا جاتا ہے۔ غرض اس پاک مذہب کی تصویر کو وہاں اصلی رنگ میں دیکھنا بہت کم میسر آتا ہے۔ اور جو دیکھنا چاہتے ہوں، ان کو مسلمانوں کی موجودہ حالت دیکھنے نہیں دیتی۔ ہماری حالت اس وقت انتہائے ذلت کو پہنچ چکی ہے۔ وہ شخص، جو اسلام کا اندازہ ہماری موجودہ حالت سے کرے، اس کے لئے مشکل ہے کہ اسلام کو اپنے اصلی رنگ میں دیکھ سکے۔ اس سے بھی بڑھ کر مشکل یہ ہے کہ جب ہم اسلام کی اصل تعلیم کو وہاں پیش کرتے ہیں، تو مقابل میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک نیا فرقہ ہے، جسے خود

مسلمانوں نے کافر قرار دیا ہے۔ جو تصویر اسلام کی یہ پیش کرتا ہے، یہ اس نے خود زمانہ کے حالات کو دیکھ کر بنائی ہے، ورنہ اصل اسلام ایسا نہیں!

احمدیت سے مراد

احمدیت جس چیز کا نام ہے، اگر چہ وہ چند دنوں کی بات ہے، مگر میں کہوں گا، اس کی بھی اصلی تصویر کو دیکھنا، آج ویسا ہی مشکل نظر آتا ہے، جس طرح عیسائیوں نے اسلام کو ہوّا سمجھا ہوا ہے۔ اس طرح مسلمانوں نے احمدیت کو ہوّا سمجھ رکھا ہے۔ وہ کبھی غور نہیں کرتے کہ کیا ہم کوئی خلاف اسلام کام کر رہے ہیں یا اسلام کی خدمت کرنا ہمارا کام ہے۔ کیا کوئی تعلیم ایسی دی جاتی ہے جو کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ کوئی عمل ایسا ہے جس کی سند رسول اللہ سے نہ ملتی ہو۔ اگر کوئی حصہ احمدیت کی تعلیم کا، کوئی حصہ ہمارے اعمال کا ایسا نہیں بتا سکتے، جو کتاب وسنت کے خلاف ہو یا رسول اللہ ﷺ سے اس کی سند نہ ملتی ہو، تو عجیب ہے کہ اس کے نام پر اس قدر گھبراہٹ ہوتی ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ ایک شخص محمد علی وہاں اترا ہوا ہے اور فلاں شخص اس کا درس سننے چلا جاتا ہے تو اس پر لے دے شروع ہو جاتی ہے۔ کاش! یہ لوگ ہم سے پوچھتے کہ احمدیت کیا ہے؟ لیکن محض اتنی بات کہ ہمارے درس قرآن میں کوئی آ جائے، اسے برادری سے خارج کرنے کے لئے کافی ہے۔ میں پھر وہی بات کہوں گا کہ اگر اس احمدیت کو ہوّا سمجھنے میں مسلمانون نے غلطی کی ہے تو ہم نے بھی اپنے عمل سے اس کو ہوّا بنا رکھا ہے۔ ہم میں سے وہ گروہ، جو مسلمانوں کو کافر کہتا ہے، اس نے احمدیت کے نام کو بدنام کر دیا ہے۔ عام لوگ ان کے قول وفعل کو سن دیکھ کر یہی سمجھتے ہیں کہ ایسی ہی تعلیم حضرت مرزا صاحب کی ہوگی۔ میں افسوس کرتا ہوں اس بات پر کہ ہمارے ہی ایک گروہ نے اس بڑھتی ہوئی محبت کی اس رَو کو روک دیا ہے، جو احمدیت کے متعلق عام طور پر تھی۔ اس کی جگہ اب عام طور پر تنفّر پھیل گیا ہے۔ وہ احمدیت، جس کے متعلق یہ بات تھی کہ یہ ترقی کرتی جاتی تھی، اس کا نام لیوا ایک ایسا شخص پیدا ہوا، جس نے اس کو تنفر اور بغض سے بدل دیا۔ وہ تنفر اور بغض جو علماء نے پیدا کیا تھا اور جسے حضرت مسیح موعود کم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

افسوس ہے آج ہم میں سے ایک گروہ اس تنفر میں ترقی کا موجب ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بہت بڑا کام کیا ہے مسلمانوں کو کافر بنا کر! لیکن آخر کس غرض کے لئے یہ کیا ہے؟ سمجھ نہیں آتی۔ حضرت مرزا صاحب کو نبی بنا کر اس

سے بڑھ کر کیا بنایا، جو ہم نے بنایا تھا۔ اس سے بڑھ کر آخر تم کیا مانتے ہو، جس کو ہم نہیں مانتے؟ اگر جرأت تھی تو حضرت مرزا صاحب کے الہامات کی ایک کتاب بنا کر اس پاک کتاب کے ساتھ لگا دیتے، جس طرح توریت کے ساتھ دیگر انبیاءؑ کے صحیفے شامل ہوتے رہے۔ اسی طرح قرآن کے ساتھ حضرت صاحب کے الہامات کو بھی شامل کرتے تو ایک بات بھی تھی۔ مُنہ سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی خدا کا کلام اور وہ بھی خدا کا کلام۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں! اگر فی الواقع اس کو سچا مانتے ہیں تو کیوں جرأت نہیں کرتے اور قرآن کے ساتھ نہیں لگاتے! لیکن دل ملزم ہیں۔ جانتے ہیں کہ قرآن کے ساتھ کوئی کچھ نہیں لگا سکتا۔ ہم تو اس جرأت ایمانی کے قائل ہیں، اگر کوئی کر کے دکھائے۔ میں کہتا ہوں۔ نبی نبی پکارتے ہیں، مگر آج جب یورپ میں جاتے ہیں، وہاں ان کی مسجدیں ہیں۔ کیوں وہاں سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کی بجائے اَشْهَدُ اَنَّ مِرْزَا غَلَامَ اَحْمَدَ رَسُوْلُ اللّٰه نہیں کہتے۔ اگر محمد رسول اللہ کے بعد اور کسی رسول کی ضرورت پڑ گئی ہے تو پھر محمد رسول اللہ کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اور اس نئے رسول کا زمانہ شروع ہے۔ پھر اس کا کلمہ اب پڑھنا چاہئے۔ لیکن زبان سے سناتے یہ ہیں کہ جب تک ایک شخص حضرت مرزا صاحب پر ایمان نہ لائے، اس وقت تک مسلمان نہیں ہوتا۔ اور عملاً اذان اور کلمہ میں ان کو نہیں داخل کرتے۔ اگر یہ سچ ہے کہ آج حضرت مرزا صاحب پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوتا، تو پھر حیف ہے اس ایمان پر کہ دنیا کو سناتے ہیں کہ رسول اللہ محمد ﷺ ہی ہیں، جن پر ایمان لانے سے نجات ہے۔ اور دل کے اندر چھپا کر یہ رکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کر انسان کافر کا کافر رہتا ہے اور اسلام میں تب داخل ہوتا ہے، جب مرزا صاحب پر ایمان لائے! غرض محض ایک فرضی قصہ ہے، جس پر ساری عمارت کھڑی کی ہے اور چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر بنا دیا گیا ہے۔

ہم سے کیوں ناراض ہیں

پھر میں کہتا ہوں کہ ہم سے ناراض ہیں۔ لیکن آخر ہم ان کا کیا بگاڑتے ہیں۔ بگاڑتے تو وہ ہمارا ہیں۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق کوئی جماعت یہ سکھانے والی پیدا ہو جائے کہ آپؐ بہت بڑے راست باز تھے اور آپ کی تعلیم اچھی ہے، تو میں تو اس سے بہت خوش ہوں گا۔ میں تو اس کام کو بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں جو یہ لوگ باہر جا کر اشاعتِ اسلام کا کرتے ہیں۔ ہم اگر حضرت مرزا صاحب کی نبوت نہیں منواتے، تو کیا خدانخواستہ

ان کی مخالفت کرتے ہیں؟ آخراُن کے نزدیک ہم کونسا برا کام کرتے ہیں کہ یہ ہم سے بگڑتے ہیں! بگاڑتے تو خود ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اور نبی منوا کر آپؐ کی رسالت اور آپؐ کے کلمہ کو منسوخ ٹھہراتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو ان کا یہ کام بُرا ہے۔اس کے باوجود ان سے عداوت نہیں رکھتے اور ان کے اچھے کاموں کی تعریف ہی کرتے ہیں۔لیکن ہمارا کون سا کام ان کی نگاہ میں بُرا ہے،جس کے لئے یہ ہم سے عداوت رکھتے ہیں۔ میں تو ان احباب سے بھی، جو سلسلہ میں نہیں ہیں، یہی کہوں گا کہ اگر ہمارے کام کی وجہ سے نفرت رکھتے ہو تو اس کو صاف کرو اور ہمیں بتاؤ کہ ہم کیا خلاف اسلام کام کرتے ہیں؟

احمدیت کا مفہوم

غرض احمدیت کو لوگوں نے ایک ہوّا بنا رکھا ہے۔اور ہماری جماعت کے ایک حصہ نے اس کو اور بھی ہوّا بنانے میں مدد دی ہے۔ احمدی کیا ہے؟ اگر ہم میں سے بھی کسی دوست کو غلطی لگی ہوئی ہو، تو وہ اب سمجھ لے کہ احمدیت کی غرض محمد رسول اللہ ﷺ کا نام پھیلانا ہے۔حضرت مرزا صاحب کا نام پھیلانا احمدیت کی غرض نہیں۔ حضرت مرزا صاحب خود کیا فرماتے تھے کہ میرا کام کیا ہے؟ وہ اپنا کام محض اشاعتِ اسلام ہی بتاتے تھے۔خود ان لوگوں سے بھی جا کر پوچھو، جواب انہیں کو نبی بتاتے ہیں کہ باہر جا کر وہ کیا کرتے ہیں؟ کیا وہاں اشاعتِ اسلام نہیں کرتے۔اور محمد رسول اللہ ﷺ کے نام کو نہیں پھیلاتے۔ ہاں! بعض غلطیاں بھی ہیں۔جیسے ایک رسالہ امریکہ سے نکلتا ہے ''مسلم سن رائز'' جس کو مفتی محمد صادق صاحب شائع کرتے ہیں۔ اس میں ایک مضمون ہے ''احمدیہ اسلام'' کیا ہے۔گویا ''احمدیہ اسلام'' کوئی اور جدا چیز ہے۔اس کے جواب میں جہاں اور باتیں کہی ہیں، وہاں یہ بھی ہے کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ میاں محمود احمد کل مسلمان دنیا کے واحد روحانی پیشوا ہیں۔ یہ عجیب ہے؟ کبھی آج تک نہیں سنا تھا کہ غیر ماموروں پر بھی ایمان لایا جاتا ہے۔اور پھر تمام دنیا کے لیڈر خود ہی بن گئے۔تُو مان نہ مان میں تیرا مہمان، تم قبول کرو یا نہ کرو، وہ تمہارے امام ہیں!

اب دیکھو احمدیت کیا ہے؟ احمدیت احمد کے نام پر ہے۔احمد کس کا نام ہے؟ حضرت مرزا صاحب نے خود کیا کہا کہ کس کے نام پر یہ نام احمدیہ رکھتا ہوں۔ جو شخص چاہے وہ ان کے پہلے اشتہار کو پڑھ کر دیکھ لے۔ جو نام رکھتے وقت شائع کیا، اس میں لکھا ہے کہ احمد ہمارے نبی کریمؐ کا نام ہے اور انہی کے نام پر میں اپنی جماعت کا نام

''مسلمان فرقہ احمدیہ'' رکھتا ہوں۔ وہ تو خود بھی اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں۔ اگر اپنے نام پر نام رکھا ہوتا تو خود احمدی کہلانے کا کیا مطلب؟

غرض حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت کا نام احمدی ہے۔ اور اس سے غرض صرف یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے نام اور آپؐ کے دین کی اشاعت ہو۔ ہمارے سرحد والے دوست شکایت کرتے ہیں کہ ان کی طرف کوئی مشنری کبھی نہیں گیا۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے پاس صرف ایک یا دو آدمی ہیں، جن کو جب کسی جماعت میں ضرورت پیش آتی ہے، تو وہاں بھیج دیا جاتا ہے۔ ہم اپنی ساری قوت کو اشاعتِ اسلام پر خرچ کرنا چاہتے ہیں، جو احمدیت کی اصل غرض ہے۔ باقی اپنے ساتھ دوسروں کو ملانے اور اس جماعت کے وسیع کرنے کے لئے آپ سب موجود ہیں۔ اس وقت چار پانچ سو مشنری میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ یہی لوگ اس کام کو اپنے ذمہ لیں اور اپنے عمل سے لوگوں کو بتاتے رہیں کہ احمدیت کیا چیز ہے۔

احمد اور محمد کے معنی

حضرت مسیح موعود نے بتایا ہے کہ احمد ہمارے رسولؐ کا جمالی نام ہے اور محمدؐ جلالی۔ اور لوگوں نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ احمد کے معنی ہیں حمد کرنے والا اور محمد حمد کیا گیا۔ تو فی الحقیقت آنحضرتؐ کا پہلا نام احمد ہے اور دوسرا محمد۔ آپ محمد کیوں بنتے ہیں؟ اس لئے کہ آپ احمد ہیں۔ یہی قدرتی ترتیب تھی ان دونوں ناموں کی کہ جو حمد کرنے والا ہو، اس کی حمد کی جائے۔ فی الحقیقت احمد کا مقام عاشق کا مقام ہے۔ اور محمد کا معشوقیت کا۔ معشوقیت اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب انسان اس ایک ذات کا عاشق بنے۔ جو شخص عاشق نہیں بنا، وہ معشوق بھی نہیں بن سکتا۔ رسول اللہ ابتدائی زمانہ میں سخت مشکلات میں رہے۔ خوب تکالیف اٹھائیں۔ آپ کے ساتھیوں نے بھی آپ کے ساتھ تیرہ سال سخت مصائب میں بسر کئے۔ اور احمدیت یعنی عاشقیت کا بہت عمدہ نمونہ دکھایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ محمد بنے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے محبوب اور معشوق اور آپ کے ساتھ جنہوں نے اس عاشقیت کا نمونہ دکھایا تھا، وہ بھی محمدی بن گئے اور کئی صدیوں تک مسلمان اسی مقام پر کھڑے رہے۔ اور عُلُوّ اُن کو حاصل رہا۔ لیکن جب مقام عاشقی پر ان کا قدم نہ رہا، جب احمدیت کے اندر نہ رہے، تو نتیجہ یہ ہوا کہ وہ محمدی بھی نہ رہے اور اس مقام سے گر گئے، جس پر وہ کھڑے تھے۔ اس ذلیل حالت سے نکلنے کا اب کیا سامان ہے۔ اب حضرت مرزا صاحب کیا

فرماتے ہیں کہ کیونکر ہم اس کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کر سکتے ہیں۔اس طرح کہ پہلے تم احمدی بنو اور پھر محمدی بنو گے۔وہ جو آپ نے فرمایا کہ:

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدؐیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

اس میں بھی پائے احمدیاں نہیں کہا، بلکہ پائے محمدیاں فرمایا۔ کیونکہ احمدیت واسطہ ہے،جس کے ذریعہ سے محمدی بن کر اس بلند تر منار پر ہمارا قدم محکم ہوگا۔

محمدیت کا راستہ احمدیت کے دروازہ سے ہے

بات یوں ہی ہے۔محمدیت کا رستہ احمدیت کے دروازہ سے ہے۔اگر اپنا قدم منارِ بلند تر محکم پر چاہتے ہو،تو احمدی بنو۔تم خدا کی نظروں سے گر چکے ہو۔خدا نے تم کو پیدا کیا تھا کہ تم دنیا کے پیشرو بنو، رہبر بنو جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (143:2) لیکن تم نے جب اس مقام کو چھوڑ دیا تو اب پھر خدا کے ایک بندہ نے تمہیں اس طرف بلایا ہے اور اس احمدیت یا عشق کے مقام پر کھڑا کرنا چاہا ہے،جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم دنیا کے رہبر بن جاؤ گے۔

وہ عشق کیا ہے جو حضرت مرزا صاحب نے پیدا کرنا چاہا ہے؟ جاؤ اور محمد رسول اللہ ﷺ کے سارے حالات کو پڑھو اور دیکھو کہ خدا کی راہ میں وہ کونسا عشق ہے،جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔رسول اللہ نے ماریں کھائیں۔جب آپؐ طائف گئے،تو اینٹوں سے آپ کے ٹخنوں سے لہو بہہ رہا تھا۔سخت بیکسی کی حالت میں ایک درخت کے نیچے آپ کھڑے ہو گئے اور دعا کی کہ اے مولا! اگر تیری رضا مجھ پر ہے،تو پھر کوئی پروا نہیں۔اگر تیری ناراضی میرے ساتھ نہیں،تو غم مجھے نہیں۔یہ تھا عاشقیت کا مقام! ایک معشوق جس کو معشوق بنایا ہے،اس کے لئے ہر ایک دکھ اور مصیبت اُٹھانے کو تیار ہیں۔لوگ آج خوش ہوتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں تکلیفیں کم ہیں۔لیکن بات اصل یہ ہے کہ دکھ ہی ہیں جو انسان کو کچھ بتاتے ہیں۔دیکھو حضرت عمرؓ کے منہ سے یہ لفظ نکلتے ہیں: بُلِيْنَا بِالضَّرَّآءِ فَصَبَرْنَا وَبُلِيْنَا بِالسَّرَّآءِ فَلَمْ نَصْبِرْ.

میں پسند کرتا ہوں مولوی اکبر شاہ خان صاحب کے بیان کو کہ ہماری طبیعت میں سادگی اور جفاکشی ہونی

چاہئے۔ بیشک آرام وآسائش کی چیزوں سے بھی فائدہ اُٹھاؤ لیکن یہ آرام وآسائش، یہ تمہاری آرائشیں تمہاری اصل غرض نہیں ہونی چاہئے۔ اب تم دیکھ لو کہ کیا تم احمدی کہلانے کے مستحق ہو؟ میں تو احمدی ہر اُس شخص کو کہوں گا جو خدا کی راہ میں مال اور جان دینے کے لئے تیار ہو، جو اس راہ میں کسی دکھ اور تکلیف کی پروا نہیں کرتا۔ اگر بھوکا رہ کر کام کرنا پڑے تو بھی اسے دریغ نہ ہو۔ تم لفظ پرستی مت کرو۔ پہلے اس عاشقیت کے مقام پر پہنچو اور پھر احمدی کہلانے کے تم مستحق ہو۔ تم محبوب اور معشوق بن سکتے ہو۔ مگر کب؟ اس وقت جب تم خدا کے نام کو محبوب اور معشوق بناؤ۔ جانتے ہو عاشق کا مقام کیا ہوتا ہے؟ وہ واقعہ سنا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے ساتھ غار میں جاتے ہیں تو پہلے خود اس غار کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اس کے اندر کوئی اس وقت تک نہیں گیا تھا۔ اس لئے خود پہلے اندر داخل ہو کر اس کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے ہیں کہ مبادا کوئی سانپ اور بچھو محبوب کو تکلیف پہنچائے۔ جب پورا اطمینان ہو جاتا ہے تو اس وقت آپ کو اندر لے جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں صحابہؓ کا مقام کہاں کسی کو مل سکتا ہے! جو خدمت انہوں نے اپنے رسول اللہ کی کی ہے، کون ہے جو کسی کی کرے! وہ عاشق محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں آپ کو بتاؤں۔ احد کی جنگ میں کیا نمونہ انہوں نے عشق کا دکھایا۔ وہاں آوازیں اُٹھ گئیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے۔ اس سے ایک صحابیؓ بے دل ہو کر ایک طرف ہو گیا۔ ایک اور صحابیؓ وہاں سے گزرے انہوں نے پوچھا۔ تم کیا کرتے ہو؟ کہنے لگے کہ رسول اللہ تو شہید ہو گئے، اب ہم نے کس کے لئے لڑنا ہے؟ اس صحابیؓ نے کہا: **اِنْ کَانَ مُحَمَّدٌ قَدْقُتِلَ فَرَبُّ مُحَمَّدٍ مَا قُتِلَ فَقَاتِلُوْا عَلٰی مَاقَاتَلَ عَلَیْہِ** او بھائی! اگر محمدؐ قتل ہو گئے ہیں، تو محمدؐ کا رب، جس کے لئے آپ لڑتے تھے، وہ تو زندہ ہے۔ جاؤ اور اس کے رستہ میں لڑو۔ جس غرض کے لئے وہ جنگ کرتے تھے، اس غرض کے لئے جنگ کرو۔ چنانچہ وہ پھر لڑائی میں مصروف ہو گئے اور آخر کار دشمن ناکام ہو کر پھر گیا۔

محمد ﷺ آج بھی زندہ ہیں۔ اگر تمہاری آنکھیں دیکھنے کی ہوں تو دیکھو۔ جسم کے ساتھ وہ زندہ نہیں۔ وہ پاک جسم تو مدینہ میں سویا ہوا ہوگا۔ خدا تعالیٰ ہمیں آپ کے مبارک روضہ کی زیارت نصیب کرے، لیکن وہ خود زندہ ہیں۔ کیونکہ ان کا دین زندہ ہے۔ تو کیا آج ان کے دین کے لئے تمہارے اندر وہ عشق ہے، جو حضرت ابوبکرؓ کو تھا۔ اگر نہیں تو بتاؤ تم کس طرح اس مقام محمدیت کے مستحق ہو، جو قرون اولیٰ کے بزرگوں کو ملا تھا؟

حضرت مرزا صاحب نے کیا اختلاف کیا

حضرت مرزا صاحب نے اگر کوئی اختلاف کیا ہے، تو وہ بہت موٹا ہے۔ لوگوں کا عام خیال یہ تھا کہ دین اسلام کا غلبہ مسلمانوں کے ظاہری غلبہ سے ہوگا۔ کافر اگر مسلمان ہوں گے تو اس وقت جب مسلمان کافروں پر غالب آ جائیں اور انہیں تلوار کا خوف ہوگا۔ حضرت مرزا صاحب نے یوں کہا کہ تم پہلے کافروں کو مسلمان کرو۔ یہی اسلام کا غلبہ ہے۔ بات تو ایک ہی ہے۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (28:48) کے دونوں قائل ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ تم اس کے منتظر نہ رہو کہ کوئی تلوار لے کر آئے اور اس کے ذریعہ سے تم غالب ہو جاؤ اور دوسرے لوگ تمہارے اس غلبہ کی وجہ سے مسلمان ہو جائیں، بلکہ تم خود دوسروں کو مسلمان کرو اور اس ذریعہ سے تمہیں غلبہ نصیب ہو۔ آخر وہ کون انسان ہے، جس کے انتظار میں ہمارے بھائی بیٹھے ہیں؟ ہمیں کہا جاتا ہے کہ یہ کافر کب اسلام قبول کرنے والے ہیں! بتاؤ اگر کافروں کے مسلمان ہونے کے کوئی اسباب نظر نہیں آتے تو مسلمانوں کے غلبہ کے کون سے اسباب ہیں؟ تم اس شخص کو، جو اس وقت آ چکا ہے اور دین کے غلبہ کی وہ ایک راہ بتاتا ہے، مان لو اور اگر کوئی ایسا مہدی یا مسیح آ جائے، جس کے تم منتظر بیٹھے ہو کہ وہ آ کر تلوار سے اسلام کو غالب کرے گا تو اس کو میں مان لوں گا۔ بلکہ اس کو تو منوانے کی آپ فکر ہی نہ کریں، وہ تو خود ہی اپنے آپ کو منوا لے گا۔ بھلا جس کے ہاتھ میں تلوار ہوگی، اس کو کون ہے، جو نہ مانے؟

میں پھر کہتا ہوں کہ اگر مرزا صاحب کی تعلیم میں کوئی خدمت اسلام کی بات پاتے ہو تو وہ ایک فرض مشترک ہے۔ آؤ اس راہ سے اس فرض کو پورا کریں۔ کیا قرآن کے اندر وہ قوت نہیں کہ اس کے اثر سے سے قلوب مسخر ہو جائیں! قرآن تو ایک بڑی چیز ہے۔ وہ پتھروں کا بنا ہوا گھر خانہ کعبہ بھی یہ طاقت رکھتا ہے کہ سرکشوں کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔ قرآن کریم نے مکہ کے بجائے لفظ بَكَّةَ استعمال فرمایا ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا (96:3) بِبَكَّةَ کے معنی ہیں وہ جو جبّاروں کی گردنوں کو توڑ دے۔ جب اس پتھروں کے گھر میں اس قدر طاقت موجود ہے، تو قرآن کے اندر جو خدا کا کلام ہے، اس سے بہت بڑھ کر طاقت ہے۔ قرآن کے اندر وہ طاقت ہے، جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔ بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ انہیں نہیں معلوم کہ اسی قرآن نے بڑے بڑے فلاسفروں اور دشمنوں کو کس طرح مسخر کیا ہے!

جرمنی کا سب سے بڑا افلاسفر گیٹی کہتا ہے کہ قرآن ایک عجیب کتاب ہے کہ جو شخص اس کو شروع کرتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی دشمن ہو، یہ اس کی دشمنی کو محبت کے ساتھ بدل دیتا ہے۔ یہ ایک کافر کی شہادت ہے کہ یہ قرآن بغض کو محبت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ پس اس کو اگر ہم دنیا میں پیش کریں تو کیوں اس کے ذریعہ سے فتح نہیں پا سکتے؟ یورپ خواہ کتنے ہی گندوں میں مبتلا ہے، یہ قرآن آخر اس پر غالب آئے گا۔ کیا تم ملک عرب کا نقشہ بھول گئے ہو؟ کیا وہ کچھ کم خباثتوں میں مبتلا تھے؟ آج یورپ میں جو کچھ ہے، وہ بعینہٖ عرب جاہلیت کا نقشہ ہے۔ پس تم اسے اسلام کی طرف لانے کی کوشش کرو۔ تلوار کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ کی روحانی طاقت سے اس کو فتح کرو کہ یہی حقیقی فتح ہے۔ تلوار سے فتح کیا ہوا کبھی ایک دن بھی کام نہیں دے سکتا۔ عرب کے لوگ بڑے بہادر اور قوی تھے۔ وہ تلوار کے ساتھ فتح نہ ہو سکتے تھے۔ جو لوگ بہادر ہوتے ہیں، ان کے دل ہی مسخر ہوں تو ہوں، تلوار ان کو مسخر نہیں کر سکتی۔ کل ہمارے دوست اکبر شاہ خان صاحب نے کیا عجیب ایک قصہ سنایا کہ ایک جگہ وہ گئے، جہاں راجپوت لوگ ہیں۔ وہ مسلمان ہیں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ اسلام کیا ہے۔ ایسے لوگ کثرت سے ہیں، جن کی تمہیں خبر نہیں۔ تم کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ تمہاری قوم میں کتنے ہیں جو بھوکے مرتے ہیں! ان لوگوں کے متعلق ہندو کہتے ہیں کہ ان کے بڑوں کو بزور شمشیر مسلمان کیا گیا تھا۔ وہیں ان کے اس بزرگ کی، جو پہلے مسلمان ہوئے، قبر بھی تھی۔ مولوی اکبر شاہ خان صاحب نے ان سے پوچھا کہ تم بتاؤ کہ کیا بہادر اور قوی آدمی بھی کبھی ڈر کر مسلمان ہو سکتا ہے؟ یہ عجیب تلوار تھی کہ وہ لوگ، جو بزدل تھے، جیسے بنئے وغیرہ، ان کو تو مسلمان نہ کر سکے۔ اور جو قوی تھے، وہ ڈر کر مسلمان ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ تلوار اگر فتح کر سکتی ہے تو بزدلوں کو۔ شیر دل اور بہادر لوگ، جیسے کہ راجپوتوں کی قوم تھی، تلوار سے مسلمان نہیں ہو سکتے!

اسی طرح سے ایسی شجاع عرب قوم، جس نے قرآن کے آگے گردنیں جھکائیں اور پھر اسے دنیا میں لے دوڑے، ان کا یہ فعل تلوار کے زور کا نتیجہ نہیں۔ فی الحقیقت یہ روحانی طاقت ہے محمد ﷺ کی، جس نے انہیں قرآن کا عاشق بنا دیا۔ پس کیوں تم مایوس ہوتے ہو؟ کیوں تم دلوں کو پژمردہ کرتے ہو؟ کیا قرآن میں **لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** (28:48) کا وعدہ نہیں کیا؟ تلوار والا جب آئے گا، اس وقت جو چاہو کرنا۔ تم فی الحال اس رستہ کو ہی اختیار کر کے دیکھو جو تمہارے سامنے ہے اور قرآن کی روحانی طاقت کا تجربہ کرو۔

مسئلہ جہاد

بہت لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ کیا ہوں! انہوں نے تو جہاد کو منسوخ کر دیا۔ یہ ان کی تحریرات کو غور سے نہ پڑھنے کا نتیجہ ہے۔ مرزا صاحب نے بلاشبہ یہ لفظ لکھے ہیں کہ:

> ''یاد رہے کہ مسئلہ جہاد کو جس طرح پر حال کے اسلامی علماء نے جو مولوی کہلاتے ہیں سمجھ رکھا ہے اور جس طرح وہ عوام کے آگے اس مسئلہ کی صورت بیان کرتے ہیں، ہرگز وہ صحیح نہیں ہے۔ اور اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ لوگ اپنے پر جوش وعظوں سے عوام وحشی صفات کو ایک درندہ صفت بنا دیں۔'' (رسالہ جہاد صفحہ 5)

آپ نے یہ بھی لکھا کہ آج تلوار کا جہاد حرام ہے۔ لیکن اپنی کتاب ''مسیحؑ ہندوستان میں'' میں یہ صاف لکھا ہے کہ شرعی جہاد تین طرح پر ہے۔ 1: دفاعی جنگ۔ 2: ظالم کی سزا کے لئے اور 3: مذہبی آزادی کے لئے۔ یہ تین قسم کے جہاد آپ نے شرعی جہاد قرار دیئے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان تین قسموں کے سوائے اور کوئی لڑائی شرعی جہاد نہیں کہلا سکتی اور جس فتویٰ میں آپ نے لکھا ہے۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اس کے ساتھ ہی عربی میں یہ لفظ لکھے ہیں: **وَلَاشَکَّ اَنَّ وُجُوْہَ الْجِھَادِ مَعْدُوْمَۃٌ فِیْ ھٰذِہِ الزَّمَنِ وَھٰذِہِ الْبِلَادِ** (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ 30) بے شک اس زمانہ اور اس ملک میں وہ وجوہ معدوم ہیں۔ جن کی بنا پر جہاد ہو سکتا ہے۔ وہ وجوہ جہاد کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: **قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ** (2:190) تم خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ وہی تین قسم کا جہاد اس کے اندر آجاتا ہے۔ جس کی تصریح حضرت صاحب نے ''مسیحؑ ہندوستان میں'' کے اندر کی ہے۔ پھر فرماتے ہیں: **فَالْیَوْمَ حَرَامٌ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ اَنْ یُّحَارِبُوا لِلدِّیْنِ** آج مسلمانوں کے لئے حرام ہے کہ وہ دین کے لئے جنگ کریں۔ **وَاَنْ یَّقْتُلُوْا مَنْ کَفَرَ بِالشَّرْعِ الْمَتِیْنِ** اور اس شخص کو قتل کریں جو دین اسلام سے منکر ہو۔ **فَاِنَّ اللّٰہُ صَرَّحَ حُرْمَۃَ الْجِھَادِ عِنْدَ زَمَانِ الْاَمَنِ وَالْعَافِیَّۃِ** بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے امن وعافیت کے زمانہ میں جہاد

کو حرام ٹھہرایا ہے۔

یہ ہے وہ جہاد جس کو حضرت مرزا صاحب نے حرام قرار دیا ہے، ورنہ جہاں تک محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشق اور دین کی راہ میں کوشش کا سوال ہے، مرزا صاحب اس راہ میں اپنی جان فدا کرنے کے لئے تیار تھے۔ مجھے ایک واقعہ یاد ہے۔ لیکھرام کے قتل کے وقت جو تلاشیاں ہوئیں تو اس میں حضرت مرزا صاحب کے مکان کی بھی تلاشی ہوئی۔ میں بھی اس وقت موجود تھا۔ ایک کاغذ آپ کا لکھا ہوا پولیس والوں کو ملا۔ اس پر لکھا تھا: وَلَوَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ (بخاری۔ کتاب الایمان) اور مجھے یہ خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رستہ میں میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ پولیس والوں نے سمجھا کہ یہ کوئی بڑا ثبوت مل گیا! انہوں نے حضرت مرزا صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! یہ وہی لفظ ہیں جو ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمائے۔ اور آپ کی پیروی میں میں بھی اس کا خواہش مند ہوں۔ یہ ہے مرزا صاحب کا ایمان! اور ہر ایک مسلمان کا یہی ایمان ہونا چاہئے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ خدا کی راہ میں قتل ہونے کی آرزو رکھتے ہیں، تو کون مسلمان ہے جو ایسی ہی خواہش دل میں نہ رکھے؟ عملوں میں کمزوری ہونا اور بات ہے۔ دل میں تڑپ اور دل میں خواہش یہی ہونی چاہئے۔

غرض مرزا صاحب نے اگر کسی چیز کو حرام قرار دیا تو وہ یہی آج کل کے ملّا نوں کا وحشیانہ جہاد ہے، ورنہ خدا کی راہ میں اگر لڑائی کی ضرورت پڑے، اگر شرعی جہاد کی وجوہ پھر پیدا ہو جائیں، تو اپنی جان خدا کے رستہ میں فدا کرنا ایک مسلمان کا فرض ہے۔

حضرت مرزا صاحب خادمِ اسلام ہیں

حضرت مرزا صاحب خادمِ دینِ اسلام ہیں۔ وہ قرآن شریف کی کسی تعلیم کو منسوخ نہیں کر سکتے۔ تاہم یہ الگ بات ہے کہ ایک شخص اس غلطی کو دور کرتا ہے، جس سے ایک فعل ناجائز کا جواز پیدا کیا جائے۔ اور یہ سچ ہے کہ تلوار کے ساتھ مسلمان کرنے کا خیال، جو عام مسلمانوں کے عقیدہ کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا، اسے حضرت مرزا صاحب نے غلط قرار دیا اور اسے ہمیشہ کے لئے منسوخ کر دیا۔ اور بتا دیا کہ کوئی شخص تلوار لے کر

لوگوں کو مسلمان کرنے والا نہیں آئے گا۔ تم سو دفعہ کہو کہ ہم مرزا صاحب کو نہیں مانتے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب کی تعلیم سے دل کھائے جا رہے ہیں۔ تم یہ مانتے ہو کہ ایک شخص آسمان سے آئے گا اور تلوار ہاتھ میں لے کر کافروں کو مسلمان بنائے گا۔ لیکن مرزا صاحب کہتے ہیں کہ تمہیں ایسے آدمی کی ضرورت ہی نہیں۔ تم میں سے تو ہر ایک مہدی بن سکتا ہے۔ وہ لوگ، جن کو تم خلفاء الراشدین المہدین کہتے ہو، کیوں تم ان کو مہدی قرار دیتے ہو؟ وہ تو ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن نہ رکھتے تھے۔ فی الحقیقت یہ قرآن ہی تلوار ہے۔ اس لئے تم بھی سب کے سب مہدی بن سکتے ہو۔ اگر تم اس بات کو صحیح سمجھتے ہو کہ قرآن ہی وہ تلوار ہے، جو دنیا کو مسخر کر سکتی ہے تو تم مرزا صاحب کے ماننے والے ہو۔

مجھے کوئی شخص دو باتیں بتائے کہ کیا آج کوئی ایسا شخص یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کر سکتا ہے، جو ایک تو یہ بات مانتا ہو کہ مسیحؑ چوتھے آسمان پر زندہ ہے۔ اور دوسری یہ کہ مہدی تلوار سے اسلام کو پھیلائے گا! یہ دو ہی باتیں ہیں، جو اسلام کے لئے موجب نقصان ثابت ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی ترقی رک گئی۔ تم نے اسلام پر سے اعتراضات کو دور کرنے کی بجائے ان اعتراضات کو محکم کیا ہے۔

حیاتِ مسیحؑ سے اسلام کی ہتک

جب تم یہ مانتے ہو کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں۔ اور وہ آ کر امت محمدیہ کی اصلاح کریں گے، تو یہ اس امت اور دینِ اسلام کی بڑی ہتک ہے۔ کیا محمد رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اس کام کو نہیں کر سکتے؟ انہوں نے تو وہ کام کئے، جو بہت سے نبی بھی نہیں کر سکے۔ خود حضرت عیسیٰؑ بھی اتنے بڑے کام نہیں کر سکے، جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے کئے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے شاگردوں میں سے مسیح بھی بن سکتے ہیں۔ وہ خود کہتا ہے: لَوْ كَانَ مُوْسٰیؑ وَعِیْسٰیؑ حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ اگر موسٰیؑ اور عیسیٰؑ بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اطاعت کرنی پڑتی۔ کیا اس کے شاگرد اور اس کے متبع اس کام کو نہیں کر سکتے، جو مسیحؑ نے کرنا تھا؟ قرآن کریم فرماتا ہے: لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (2:143) تم لوگوں پر شہید بن جاوٴ۔ تم لوگوں کے مقتدا اور رہبر اور مہدی ہو جاوٴ۔ نبوت کا سلسلہ اگر بند ہوا تو اس لئے کہ تم اس کام کو کرو، جو نبی کرتے تھے۔ میں کہتا ہوں تم کیوں کمریں توڑ کر بیٹھے ہو؟ اٹھو کہ تمہارے اندر وہ طاقت قرآن شریف کی موجود ہے جو پہلے نبیوںؑ میں بھی نہیں تھی۔ کیوں تمہارے

او پر کمزوری چھائی ہوئی ہے۔ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ (33:9) کی پیشگوئی پوری نہیں ہوسکتی، جب تک اسلام کو تم نہ پھیلاؤ۔

ہاں! میں یہ بھی کہتا ہوں کہ یہ تو پہلا قدم ہے کہ اسلام کو لے کر تم باہر نکلو۔ ابھی مشکلات اس کے آگے ہیں۔ ان کے اندر سے گزرنا بھی ضروری ہے۔ کوئی نبیؑ نہیں ہوا، جس کو مشکلات سے گزرنا نہ پڑا ہو۔ ایسی ایسی مشکلات انبیّا نے دیکھیں کہ ان کو سن کر روح لرزتی ہے۔ پس تم ان مشکلات کا خیال کر کے نہ گھبراؤ۔ خدا جانتا ہے میرے دل کے اندر تڑپ اور آرزو ہے کہ یورپ اور امریکہ کے شہروں میں کم از کم ایک ایک مسجد ہماری ہونی چاہئے۔ آؤ تو اس کو تجربتہً دیکھیں کہ کامیابی ہوتی ہے یا نہیں۔ میدان تمہارے سامنے ہے۔ آؤ! اور اس راہ میں ہمت کر کے دیکھو۔ حضرت نوحؑ کی حالت کو دیکھو۔ اس سے کمزوری بھی پیدا ہوتی ہے اور ہمت بھی۔ نوسو سال تک آپ تبلیغ کرتے رہے۔ اور پھر دعا کرتے ہیں: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا. فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِ یْٓ اِلَّا فِرَارًا (71:5-6) اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو دن رات دعوت دی، لیکن میری دعوت سے ان کے فرار میں زیادتی ہی ہے۔ اے میرے رب! میں مغلوب ہوں، تو میری مدد کر۔ یہ قصے یونہی نہیں سنائے۔ اس لئے ان کو سنایا ہے کہ تم بھی ان پر عمل کرو۔ اگر تم کسی کی تباہی بھی دیکھنا چاہتے ہو، تو سیدھی راہ پر چل کر دیکھو۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ تباہ کرنے کے لئے نہیں آئے۔ آپؐ کے متعلق فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (21:107) ہم نے تجھے دنیا جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کا وجود فی الحقیقت رحمت ثابت ہوا ہے۔ کسی نبی کے دشمن آگ سے تباہ ہو جاتے ہیں، کسی کے دریا میں غرق ہو جاتے ہیں، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ وہ ان کافروں کو بھی، جنہیں تم تباہ دیکھنا چاہتے ہو، سیدھی راہ پر لے آئے۔

اپنے فرض کو پہچانو

میں آپ کو کہتا ہوں۔ خدا کے لئے اس فرض کو پہچانو۔ وہ کام، جو تمہارے سامنے ہے، اتنا بڑا ہے کہ انبیّا بھی یوں فرماتے ہیں کہ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ (2:214) یعنی رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے، کہنے لگتے ہیں کہ اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ اس لئے تم اپنی کمریں چست کر لو اور اس کام میں لگ جاؤ۔ میں پھر کہتا ہوں۔ خدا کے لئے غور کر کے دیکھ لو۔ مرزا صاحب نے کسی بری راہ پر تمہیں نہیں لگایا۔ اگر اس نے تمہیں اسلام پر قائم کرنا

چاہا ہے اوراس کی خدمت کے لئے بلایا ہے،تو پھرتمہیں اس کے ساتھ ہونے سے دریغ نہیں ہونا چاہئے ۔دیکھو! اس کے نہ ماننے سےتم مجدد کی حدیث کوجھٹلاتے ہو۔اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَّنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے ایک شخص کومبعوث کرے گا، جواس کے دین کوتازہ کرے گا۔ جاؤ تلاش کرو۔اس صدی پر کون مجدد ہوکرآیا ہے؟تم مرزا صاحب کی مخالفت کے لئے حدیث کو چھوڑنا چاہتے ہو۔لیکن تم کوملزم کرنے کے لئے ایک شخص ہوا ہے،جس کا نام ہی مجدد مشہور ہوگیا (یعنی مجددالف ثانی سرہندیؒ)۔وہ یہاں تک کہتا ہے کہ پہلے مجددتو سوسال پرآتے تھے۔میں ہزار سال کا مجدد ہوں۔ لیکن کتنے سخت دل لوگ ہیں کہ اس کھلی شہادت کے ہوتے ہوئے محض مرزا صاحب کی وجہ سے حدیث کوہی غلط قرار دینا شروع کردیا!

میں کہتا ہوں کہ چودھویں صدی کا مجدد تلاش کرو۔ پہلے تم مرزا صاحب سے بہتر کوئی خادم اسلام پیدا کر کے لاؤ۔اس نے وہ حربہ استعمال کیا ہے کہ کوئی اس کے مقابل پرنہیں ٹھہرتا۔میرا اپنا تجربہ ہے کہ مخالفین احمدی کا نام سن کر بھاگتے ہیں۔دودفعہ یہ واقعہ مجھے پیش آچکا ہے۔ایک دفعہ تو مشن کالج پشاور میں میں وہاں ایک دوست سے ملنے گیا۔وہاں ایک پادری صاحب کفارہ پرلیکچر دے رہے تھے۔میں نے ان سےسوال کیا کہ کفارہ کو قبول کرنے سے ہوتا کیا ہے؟ کیا گناہ کی طاقت باقی نہیں رہتی یا گناہ معاف ہوجاتے ہیں! دونوں میں سے وہ کوئی ایک بات بھی نہ کہہ سکتا تھا۔اگر کہے کہ گناہ کی طاقت باقی نہیں رہتی تو سامنے موجود تھا کہ یورپ میں کیا ہورہا ہے۔اور جب اس طرف آئے کہ گناہ سرزد ہوتے تو ہیں،مگر معاف ہوتے جاتے ہیں،تو پھرکفارہ گناہوں میں داخل ہونے کا دروازہ ہوا۔آخر کہنے لگا کہ آپ قادیانی تونہیں؟ میں نے کہا۔قادیانی چھوڑکر،خواہ میں مسلمان بھی ہوں یا نہ ہوں،آپ کواس سے کیا؟ سوال تو کفارہ کے متعلق ہے کہنے لگا۔ہمیں قادیانی کے ساتھ بحث کرنے کی اجازت نہیں۔بعینہٖ یہی واقعہ مری میں پیش آیا۔ایک پادری سے گفتگو کررہا تھا۔جب اس کی پیش نہ گئی تو کہنے لگا آپ قادیانی ہیں اورہم قادیانی سے بحث نہیں کرتے۔یہ اتمام حجت ہے کہ واقعی حضرت مرزا صاحب نے وہ حربہ استعمال کیا ہے کہ باطل کواس نے بھگادیا!

حضرت عیسیٰؑ کی وفات تمہیں کیوں بُری معلوم ہوتی ہے؟ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہوئے ہیں۔ان

میں سے ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانوے کا مر جانا قبول کرتے ہو اور ایک کی موت کے نام پر اس قدر گھبراتے ہو! اس میں کیا بات ہے کہ اس کے مرنے سے تمہیں دکھ ہوتا ہے! کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ کی زندگی سے تو عیسائیت کی تردید ہوتی ہے اور اسلام سچا ٹھہرتا ہے۔ کیا جس دن عیسٰیؑ دوبارہ آکر مر جائیں گے، اس دن عیسائیت کی فتح ہو جائے گی اور اسلام جھوٹا ٹھہرے گا! عجیب تماشا بنا رکھا ہے! اور ذرا نہیں سوچتے کہ ان باتوں سے کس قدر نقصان اسلام کو پہنچتا ہے۔ خوب یاد رکھو۔ حضرت عیسٰیؑ اور ان کی وفات میں ہی عیسائیت کی موت ہے۔ جس دن سب مسلمان مان لیں گے کہ مسیحؑ مر گیا، اس دن جان لو کہ عیسائیت بھی مر گئی۔ اس کے علاوہ کوئی بُری بات تم ہم میں دیکھتے ہو تو بتاؤ۔ اور پھر ہمارے ساتھ شامل ہو کر دیکھ لو کہ کوئی ہمارے اندرونی مشوروں میں تو ایسی بات نہیں جو اسلام کی تخریب کا موجب ہو۔ اگر کوئی ایسی بات دیکھو تو بے شک الگ ہو جاؤ۔ جب تم یہ دیکھو کہ ہم اسلام کی بیخ کنی کے درپے ہیں تو ہمیں چھوڑ دو۔

دیکھو! حضرت عیسٰیؑ کی وفات اہل سنت کا مذہب ہے۔ چار اماموں میں سے کسی ایک امام کا ایک قول ہو اور باقی اس پر خاموش ہوں، تو وہی قول ماننا چاہیئے اور عیسٰیؑ کے متعلق کئی کتابوں میں ہے۔ قَالَ مَالِکٌ مَاتَ امام مالکؒ کا یہ مذہب ہے کہ عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے۔ اب تمہیں یہ ماننا چاہیئے۔ کیونکہ جب ایک امام ایک بات کہتا ہے اور باقی تین خاموش ہیں، تو یہی صحیح مذہب اہل سنت کا ہے۔ غرض اگر تم ہماری تعلیم اور ہمارے کاموں میں کوئی خلاف بات دیکھو تو الگ ہو جاؤ۔ لیکن اگر دیکھو کہ اسلام کا کام ہم کرتے ہیں تو پھر ہمارا ساتھ دینا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کی بعض باتیں اگر تمہیں ناپسند ہوں، تو جو کام انہوں نے کیا ہے، اس کو دیکھ لیتے اور دیکھتے کہ یہ اسلام کے خادموں کا کام ہے یا دشمنان اسلام کا۔ ہاں! مرزا صاحب نے جماعت بنائی اور میں بھی وہی جماعت بناتا ہوں۔ لیکن کوئی تفرقہ ڈالنے کے لئے نہیں، بلکہ اسلام کی خدمت کے لئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بیعت کی کیا ضرورت ہے! بیعت کی اس لئے ضرورت ہے کہ اقرار اور عہد اتنی قوت انسان کے اندر پیدا کرتا ہے، جو یوں پیدا نہیں ہوتی۔ بہت لوگ نماز نہیں پڑھتے، لیکن جب وہ اقرار کر لیتے ہیں، تو پھر اس پر پختہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس راہ میں چونکہ بڑی بڑی تکلیفیں پیش آتی ہیں، جیسا کہ مرزا صاحب نے خود فرمایا ہے کہ میرے راستے میں کانٹے ہیں، جس کے پاؤں نازک ہیں، وہ میرے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس لئے ایک جماعت

بنانی ضروری تھی، جو ایک دوسرے کی مدد و معاون ہو۔تم کو صرف ایک دوسرے کا مددگار بنانے کے لئے ایک جماعت بنایا گیا ہے۔ ورنہ کوئی نیا مذہب نہیں قائم کیا گیا۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میں حنفی المذہب ہوں۔ قادیان والوں نے کبھی غور کیا ہوتا کہ نبی اور حنفی؟ یہ کس قسم کی نبوت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرتے ہیں! پھر ہم اولیاء امت کو مانتے ہیں۔ وہ سب خادمان دین تھے اُوْلُوْا الْاَمْرِ تھے لیکن اُوْلُوْا الْاَمْرِ سے بھی اگر تنازعہ ہو جائے تو اللہ اور رسولؐ ہی حکم ہیں۔ پس اللہ اور رسولؐ کی بات کو مانو اور انہی کا نام بلند کرنے کے لئے ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ یہی کام ہے جس کی طرف ہم بلاتے ہیں۔ اس کے سوائے اور کوئی ہماری غرض نہیں۔

یکم دسمبر 1922ء

آخری نبی

کھلی چٹھی بنام میاں محمود احمد صاحب کا جواب الجواب

(از حضرت امیر مولٰینا مولوی محمد علی ایدہ اللہ)

میاں محمود احمد صاحب نے 12 جون 1922ء کو حسب ذیل حلفی شہادت لالہ رام کنور صاحب سب جج گورداسپور کی عدالت میں بمقدمہ فتح محمد بنام نواب بی بی دی۔

''قرآن شریف میں محمد صاحب کے لئے کسی جگہ آخری نبی نہیں لکھا ہے۔ محمد صاحب کو خاتم النّبییّن ضرور لکھا ہے۔ لیکن ان الفاظ کی تعبیر علیحدہ علیحدہ کی جاتی رہی ہے۔ لغت میں ان الفاظ کے معنی آخری نبی کسی جگہ نہیں لکھے۔ بعض غیر احمدی علماء اس کے یہ معنی ضرور نکالتے ہوں گے۔ ایک دو علماء کی رائے میں نے دیکھی بھی ہے۔''

اس پر میں نے 13 اکتوبر 1922ء کو ایک کھُلی چٹھی لکھی اور اس میں تین باتوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی۔ اول یہ کہ خاتم النبییّن کے معنی عربی لغت کی سب سے زیادہ مستند کتابوں لسان العرب، تاج العروس اور قاموس میں آخری نبی ہی دیئے ہیں اور کوئی معنی نہیں دئے۔ دوسرے یہ کہ اور جو علیحدہ علیحدہ معنی آپ نے خاتم النبیین کے کیا جانا بیان کیا ہے، اس کی سند لغت سے پیش کریں۔ تیسرے یہ کہ جو علماء تیرہ سو سال تک خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کرتے رہے، کیا وہ سب آپ کے نزدیک غیر احمدی ہیں؟

میاں صاحب اور اُن کے مریدین کا طریق عمل

اب میاں صاحب جو ان دونوں بیانوں میں باریک فرق بتاتے ہیں اس کو ہم بعد میں دیکھیں گے۔ لیکن جو طریق میاں صاحب اور ان کے مریدین نے اختیار کیا ہے وہ ان کے تمام بیانات کو، جہاں بھی ہوں، پایۂ

اعتبار سے بالکل گرا دینے والا ہے۔ ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے چوہدری ظفر اللہ صاحب بیرسٹرایٹ لاء مدراس ہائی کورٹ کے سامنے یہ بحث کرتے رہے کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار اسلام لانے کے لئے کافی ہے۔ اور جب میں نے یہ کہا کہ یہ تو آپ کے نئے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ میاں صاحب کے نزدیک اب کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اسلام لانے کے لئے کافی نہیں رہا، تو چوہدری صاحب نے ایک لمبا چوڑا بیان اخبار میں شائع کر دیا کہ یہ مجھ پر غلط الزام لگایا گیا ہے۔ میں نے یہ بحث ہائی کورٹ کے سامنے نہیں کی۔ ہاں! میں ان کی اس لئے عزت کرتا ہوں کہ جب مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کے الفاظ نقل کر کے میں نے پھران پر واضح کر دیا کہ یہی ان کی بحث تھی، تو انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ اب میاں صاحب نے جو کچھ عدالت میں بیان دیا تھا، اس سے مخلصی کی راہ یہی سوچی کہ یہ کہہ دیں کہ یہ لفظ ہی میرے نہیں۔ مگر انہیں یہ مناسب نہ تھا کہ اپنے چھٹکارے کے لئے حلفی بیان کو، جو بحیثیت گواہ دیا تھا، غلط قرار دیتے۔ حضرت مسیح موعود کی اور آپ کے مریدین کی بہت سی شہادتیں ہندو ججوں کے سامنے ہوئیں۔ اور ایسے یا اس سے بڑھ کر علمی مضامین کے متعلق ہوئیں، مگر آج تک کسی کو یہ کہنے کی ضرورت پیش نہ آئی تھی کہ جج نے ہمارے بیان کو غلط لکھا ہے۔ یہ فخر بھی میاں صاحب کے لئے ہی مقدر تھا۔

جج کا قلمبند کردہ بیان اور میاں صاحب کا زُودنویس

مریدی تو الگ چیز ہے۔ جو پیر کہے اس پر اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا ہی کہنا پڑتا ہے۔ لیکن اس تعلق کو الگ رکھ کر کوئی خدا کے لئے غور کرے کہ میاں صاحب کی موشگافی اگر سامنے نہ ہوتی تو کیا کوئی شخص ان دونوں بیانوں میں کوئی فرق کر سکتا تھا؟

☆ لغت میں ان الفاظ کے معنی آخری نبی کسی جگہ نہیں لکھے۔

☆ لغت میں اس کے معنی آخری نبی کے نہیں ہیں۔

نچلے الفاظ میاں صاحب کے زُودنویس نے لکھے تھے، جسے شاید جناب میاں صاحب اپنی طرح مَعْصُوْمٌ عَنِ الْخَطَاءِ سمجھتے ہیں۔ دربار خلافت کی حاشیہ نشینی بھی تو آخر کچھ کمالات پیدا کر ہی دیتی ہے۔ لیکن جو

سیدھی بات سمجھ میں آتی ہے، وہ تو یہ ہے کہ جج صاحب نے اس موقعہ پر میاں صاحب کے پورے لفظ لکھ لئے ہیں اور جناب میاں صاحب کے زود نویس سے کچھ لفظ جلدی میں چھوٹ گئے ہیں۔ ہاں اگر جج کے قلمبند کردہ بیان میں کچھ لفظ کم ہوتے تو قرین قیاس تھا کہ جج سے کچھ لفظ رہ گئے ہیں اور میاں صاحب کے زود نویس نے وہ لکھ لئے ہیں۔ اس بات کی تائید، کہ یہاں زود نویس سے دو تین لفظ رہ گئے ہیں، اس سے ہوتی ہے کہ اس کے بعد دو سالم فقرے، جو جج نے قلمبند کئے ہیں۔ یعنی:

> ''بعض غیر احمدی علماء اس کے یہ معنی ضرور نکالتے ہوں گے۔ ایک دو علماء کی رائے میں نے دیکھی بھی ہے۔''

یہ دونوں فقرے میاں صاحب کے زود نویس کی تحریر میں نہ یہاں نہ اور کسی موقع پر موجود ہیں۔ حالانکہ اور بہت رطب و یابس زود نویس نے لکھا ہے جو اخبار الفضل میں چھپا ہوا ہے۔ رہی یہ بات کہ جج نے بیان دوبارہ سنا کر تصدیقی دستخط نہیں کرائے، اس کا علم اگر سب عدالتوں کو ہو جائے تو آئندہ میاں صاحب کی شہادت کے بارہ میں وہ ایسے سقم کا علاج کر لیا کریں گے۔ لیکن سر دست جو میاں صاحب اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، وہ صرف اسی قدر ہے کہ ان پر اس بنا پر دروغ حلفی کا مقدمہ نہیں چل سکتا۔ پبلک کے نزدیک یہ بات کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اگر جناب میاں صاحب جانتے تھے کہ یہ علم ادب اور لغت کی پیچیدہ بات ہے اور میں لفظ لغت کو اس کے عام مستعمل معنی میں استعمال نہیں کر رہا ہوں، جو عام اردو بول چال میں آتے ہیں، بلکہ اس کے ''حقیقی معنی'' کی رو سے استعمال کر رہا ہوں، جو تاج العروس اور لسان العرب میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ جج صاحب نے اس وقت اُن کے ایک لفظ کو سمجھنے کے لئے تاج العروس سامنے نہیں رکھی ہوئی ہے اور وہ اس کے سمجھنے میں غلطی کھا سکتا ہے، تو اُن کا اپنا بھی فرض تھا کہ وہ دوبارہ اپنا بیان سنایا جانے کی درخواست کرتے۔ جس طرح جج نے انہیں ایک معزز گواہ سمجھ کر ان پر اعتماد کیا اور خیال کر لیا کہ وہ اپنے بیان سے انکار نہیں کریں گے، اسی طرح میاں صاحب نے بھی جج کی قلمبند کردہ شہادت پر اعتبار کیا۔ اور اب وہ اخلاقاً اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ رہا قانون کی ایچا پیچیوں سے کوئی فائدہ اُٹھا لینا تو وہ بہت قسموں کے لوگ اٹھا لیتے ہیں۔ یہ کوئی فخر کی جگہ نہیں۔

الزام میاں صاحب پر قائم ہے

پس عدالت کے قلمبند کردہ بیان کی رو سے میں نے میاں صاحب کو ملزم کیا۔ اور میاں صاحب نے عدالت کے قلمبند کردہ بیان کو غلط قرار دے کر یہ اعتراف کر لیا کہ وہ الزام درست ہے۔ مجھ پر اگر کوئی اعتراض کھلی چٹھی کے شائع کرنے میں ہوسکتا تھا تو وہ یا تو یہ تھا کہ میں نے میاں صاحب کے بیان عدالت کو صحیح نقل نہیں کیا۔ اور یا یہ کہ نقل تو صحیح کیا مگر اس کا مفہوم غلط نکالا اور اس کے صحیح معنی نہیں سمجھے۔ میاں صاحب نے میری کھلی چٹھی کو ان دونوں باتوں سے پاک تسلیم کر لیا ہے۔ پس الزام ان کے خلاف قائم ہے۔ اور کیا میں اور کوئی باقی پبلک ان کے حلفی بیان قلمبند کردہ جج کو بھی صحیح سمجھیں گے۔ اگر وہ اسے غلط قرار دینا چاہتے ہیں تو اس کی ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ حلف اُٹھا کر یہ شائع کریں کہ میں نے جج کے سامنے یہ نہیں کہا تھا کہ ''لغت میں ان الفاظ کے معنی آخری نبی کسی جگہ نہیں لکھے'' بلکہ یہ کہا تھا کہ ''لغت میں یہ معنی نہیں ہیں'' اور '' لکھے'' کا لفظ جج نے اپنی طرف سے بڑھا لیا۔ محض اپنے مرید کا قلمبند کردہ بیان شائع کر دینا کافی نہیں۔ کیونکہ اگر جج غلطی کر سکتا ہے تو وہ بھی کر سکتا ہے۔

''لغت'' کا مفہوم

جج کے قلمبند کردہ بیان کی بجائے اپنے زودنویس کا بیان پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

لیا ہے کہ لغت کے معنی ڈکشنری کے ہیں۔ اور میرے الفاظ کا یہ مطلب لکھ لیا ہے کہ یہ معنی ''مجسٹریٹ صاحب چونکہ ہندو تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لغت کے لفظ سے انہوں نے دھوکا کھایا ہے اور یہ سمجھ لغت میں نہیں لکھے۔ لغت کے معنی عربی زبان میں ان الفاظ کے ہوتے ہیں جن سے انسان اپنا مافی الضمیر بیان کرتا ہے۔ اور اس سے مراد الفاظ کا وہ استعمال ہے جو کسی ملک کے لوگوں میں رائج ہو۔ یہی معنی تمام کتب لغت میں لکھے ہیں۔ میں نے لغت کا لفظ اس کے حقیقی معنوں میں، جو سب کتب لغت میں لکھے ہیں، استعمال کیا تھا۔ اور میرا یہ مطلب تھا کہ اہل عرب کے استعمال کے مطابق خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے نہیں ہوتے۔ آپ مہربانی فرما کر تاج العروس، لسان العرب، قاموس، صحاح جوہری کو دیکھیں۔ ان میں لغت کے معنی لغت کی کتاب لکھے ہیں یا کسی ملک کی زبان۔''

آج تک کسی ڈوبنے والے کو تنکے کے سہارے نے نہیں بچایا۔ اور لفظ لغت کے بال کی کھال اتار کر میاں صاحب نہیں بچ سکتے۔ جب کوئی شخص یہ کہے کہ لغت میں فلاں لفظ کے یہ معنی نہیں تو اس کا مطلب ساری دنیا یہی لیا کرتی ہے کہ اس زبان کی لغت کی کتابوں میں وہ معنی نہیں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ لغت کا یہ مفہوم، جواب میاں صاحب بیان کرتے ہیں، بیان دیتے وقت ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ اگر واقعی انہوں نے وہی لفظ بولے تھے جو الفضل میں ہیں تو اس کا مفہوم کسی اُردو زبان سمجھنے والے کے نزدیک اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ میاں صاحب یہاں جج کے عربی علم وادب سے ناواقف ہونے کو بطور عذر پیش کرتے ہیں۔ مگر انہیں یہ یاد نہ رہا کہ وہ جج کو عربی علم وادب کا سبق نہ پڑھا رہے تھے بلکہ اردو زبان میں شہادت ادا کر رہے تھے۔ اور اُردو زبان کے اس فقرہ کے معنی کہ لغت میں اس کے یہ معنی نہیں، ہندو اور مسلمان سب ایک ہی سمجھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں میاں صاحب کے اپنے مرید بھی اس کے یہ معنی نہیں سمجھتے تھے۔ ورنہ چالیس دن تک وہ قادیان کی طرف کیوں دیکھتے رہتے۔ فوراً جواب نکل آتا کہ میاں صاحب کا منشا ہی یہ نہ تھا اور نہ میاں صاحب خود سمجھتے تھے۔ ورنہ چالیس دن اس جواب کے بنانے میں کیوں لگتے۔

لفظ لغت میاں صاحب کی اپنی تحریرات میں

میرا یہ دعویٰ میاں صاحب کی اپنی کتابوں کی بنا پر ہے۔ وہ جب اس قسم کے فقرات پہلے بولتے رہے ہیں تو لغت سے مراد لغت کی کتابیں ہی لیتے رہے ہیں، نہ کچھ اور۔ چنانچہ خود اسی الفضل میں اسی جواب کے اندر میاں صاحب نے اپنی 4 جون 1922ء کی ڈائری کا حوالہ دیا ہے۔

''فرمایا لغت والوں نے آزاد ہو کر تحقیق نہیں کی۔''

تو کیا یہاں لغت والوں سے مراد سوائے مؤلفین کتب لغت کے کچھ اور ہے یا اس سے مراد محاورہ عرب کے جاننے والے ہیں، جن میں میاں صاحب کا نمبر اول ہے۔ اسی طرح اسی اخبار الفضل کے صفحہ 10 پر آٹھ جگہ میاں صاحب نے لغت کا لفظ استعمال کیا ہے اور ہر جگہ مراد لغت کی کتاب ہے۔

''لغت میں زید کا سر''، ''خاتم کے معنی لغت میں''، ''ہر ایک لغت میں ان الفاظ کے یہ

معنی‘‘،’’جملہ کے معنی لغت والا بتا تا ہے۔‘‘

اس سے بھی زیادہ صاف میاں صاحب کی کتاب حقیقۃ النبوت ہے۔جس کے صفحہ 115اور116پر ذیل کی عبارات ہیں۔جن میں لغت کا لفظ بار بار آیا ہے۔اور کتب لغت کے معنی ہی میں آیا ہے:

’’اگر وہ تم کو کہیں کہ حضرت مسیح موعود تو لکھتے ہیں کہ آپ صرف لغوی نبی ہیں،تو ان سے کہو کہ ذرا لغت کھول کر دیکھو۔ نبی اللہ کی تعریف اس میں کیا لکھی ہے۔لغت کی تعریف تو یہی ہے کہ نبی وہ ہے۔ جو کثرت کے ساتھ............پس لغت کے مطابق نبی ہونے کے یہ معنی نہیں کہ آپ نبی نہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ کیونکہ لغت میں انبیاء کے لئے جو شرائط آئی ہیں............پس اگر لغت کوئی اور تعریف کرتی تو بیشک شک کا مقام تھا۔ لیکن لغت تو وہی تعریف نبی کی کرتی ہے......پس اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح موعود قرآن کریم کے معنوں کی رو سے بھی نبی ہیں اور لغت کی معنوں کے رو سے بھی نبی ہیں۔ اور کیا نبی کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ لغت کے خلاف کسی اور معنوں کی رو سے نبی ہو۔نہیں ایسا نہیں۔فیصلوں کا اصل حکم تو لغت ہے۔اور اس کے بعد اصطلاحات خاص۔پس جب کہ لغت میں نبی کے معنی اور قرآن کی اصطلاح ایک ہی ہیں............اور ایسے شخص کو لغت سے بھی انکار کرنا پڑے گا۔کیونکہ لغت میں نبی اسی انسان کا نام بتایا ہے............پس جس میں یہ شرائط پائی جاویں اس کے نبی ہونے کا انکار کرنے والا لغت کو بھی چھوڑتا ہے۔اور جو لغت کو چھوڑتا ہے۔اس سے بحث کرنا فضول ہے۔کیونکہ ممکن ہے وہ کل کو کہہ دے کہ کتاب فرشتوں کو اور فرشتے رسول کو کہتے ہیں۔اور لغت دکھائے جانے سے کہہ دے کہ میں لغت کا اعتبار نہیں کرتا۔‘‘

پس وہی لغت جو میاں صاحب اس وقت کھول سکتے اور دکھا سکتے تھے،اسی کا ذکر ان کے بیان میں بھی ہے۔اور مزید وضاحت کے لئے میاں صاحب نے اپنی کتاب میں اس موقع پر ایک حاشیہ بھی اس جگہ نشان لگا کر دیا ہے۔ جہاں پہلی دفعہ لفظ لغت آیا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔جن میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ مستند لغت کونسی ہے:

''یاد رہے ہے کہ ممکن ہے کہ بعض لوگ شاید دھوکا دینے کے لئے لغت کی چھوٹی چھوٹی کتب نکال کر دکھادیں جن میں نہایت اختصار سے معنی دیئے جاتے ہیں۔ اور لفظ کے معنی پورے نہیں بیان کئے جاتے۔ اور نہ کل خصوصیات بیان کی جاتی ہیں۔ پس ان لغات کا اس معاملہ میں کوئی اعتبار نہیں۔ بلکہ اعتبار انہی لغات کا ہوگا جو بڑی ہیں اور جن میں تفصیل سے معنی بتائے جاتے ہیں۔ اور عربی کی سب سے بڑی لغت تاج العروس ہے۔ اور دوسرے نمبر پر لسان العرب ہے۔''

کیا کوئی شخص گمان کرسکتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف یہ بھی عذر پیش کرسکتا ہے کہ وہ جب یہ کہے کہ فلاں لفظ کے یہ معنی لغت میں نہیں تو اس کی مراد لغت کی کتابیں نہیں ہوتیں، بلکہ کچھ اور ہوتا ہے جو دربطن قائل کا مصداق ہے۔ عربی کی سب سے بڑی لغت تو تاج العروس اور لسان العرب ہیں۔ اور میاں صاحب کو جب خود لفظ لغت کے معنی بیان کرنے کی ضرورت ہوئی تو ارشاد ہوا۔'' آپ مہربانی فرما کر تاج العروس، لسان العرب، قاموس، صحاح جوہری کو دیکھیں۔'' لیکن جب وہ خود یہ کہیں کہ لغت میں یہ معنی نہیں تو اس سے مراد نہ تاج العروس ہوتی ہے، نہ لسان العرب، نہ قاموس اور نہ صحاح! عذر گناہ بدتر از گناہ!

علاوہ بریں اس غلط عذر کی بناوٹ خود اس سے ظاہر ہے کہ جب لفظ لغت سے مراد لغت کی کتاب نہ ہو، بلکہ محاورہ عرب ہو تو یہ نہیں کہیں گے کہ لغت میں فلاں لفظ کے یہ معنی نہیں، بلکہ یہ کہیں گے کہ لغت میں یہ لفظ یوں استعمال نہیں ہوا۔ کیونکہ محاورہ کوئی ایسی شے نہیں، جہاں کسی لفظ کے معنی موجود ہوں یا نہ ہوں۔ محاورہ میں الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ پھر ایک اور دلیل اسی عذر کے جھوٹا ہونے کی یہ ہے کہ میاں صاحب نے بار بار، کیا زودنویس کی تحریر کے رو سے اور کیا جج کے قلمبند کردہ بیان کے رو سے، الفاظ خاتم النبیین استعمال کئے ہیں۔ تو کیا ان کے نزدیک نزول قرآن سے پیشتر بھی عرب کے لوگ خاتم النبیین بولا کرتے تھے؟ یا یہ کہا جا سکتا کہ الفاظ خاتم النبیین کے یہ معنی محاورہ عرب میں نہیں ہیں۔ پس کیا میاں صاحب کا اپنا لفظ لغت کا استعمال اور کیا ان کا یہ فقرہ، کہ لغت میں خاتم النبیین کے معنی اُمّتی نبی نہیں، صاف بتاتے ہیں کہ میاں صاحب کے وہم میں بھی بیان دیتے وقت محاورہ عرب نہ تھا اور یہ توجیہ جس پر انہوں نے اس قدر فخر کیا ہے، ایک گری ہوئی چال ہے۔ جس کا ارتکاب ایسی پوزیشن

کے آدمی سے شرم کا مقام ہے۔ کاش! ایسا بناوٹی اور جھوٹا عذر پیش کرنے کی بجائے یوں ہی صاف لکھ دیتے کہ یہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ مگر غلطی کے اعتراف میں انہوں نے اپنی کسرِ شان سمجھی۔ حالانکہ وہی طریق تقویٰ تھا۔

لغت اور محاورہ عرب

اب فرض کرو کہ لغت سے مراد میاں صاحب کی محاورہ عرب ہی تھا۔ تو اگرچہ انہوں نے یہ بیان دیا کہ محاورہ عرب میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی نہیں، بلکہ کچھ اور ہیں۔ تو اب محاورہ عرب وہ کہاں سے تلاش کیا جائے گا۔ کیا کتب لغت سے یا کہیں اور سے۔ کوئی شخص ناک کو ہاتھ سیدھا لگا لے یا گردن کے پیچھے سے، نتیجہ تو دونوں صورتوں میں ایک ہے۔ ہاں خود جو تکلیف وہ اس طرح اٹھائے، اس کا ذمہ دار دوسرا نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ وہ خود ہی لکھتے ہیں:

> ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لغت عرب کا بہت سا علم ہمیں کتب لغت کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے۔''

اور یہ ساری تحریر میں کہیں نہیں بتایا کہ ''اگر بہت سا علم ہمیں کتب لغت کے ذریعہ سے ہی ملتا ہے'' تو تھوڑا سا کہاں سے ملتا ہے۔ مگر یہ بھی غنیمت ہے کہ بہت سے علم لغت کی کتب لغت میں موجود ہونے کا اعتراف میاں صاحب نے کرلیا۔ اگرچہ اس کے ساتھ ہی یوں بھی فرماتے ہیں:

> ''آپ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے عربی زبان کا ایسا احاطہ کہاں سے حاصل ہے کہ میں یہ کہہ سکوں کہ اہل عرب میں یہ لفظ ان معنوں میں مستعمل نہیں ہے۔ گویا اعتراض آپ کا درست نہیں ہوگا۔''

اگرچہ وہ علم لغت، جو نہ صاحب لسان العرب کو حاصل ہوا، نہ صاحب تاج کو، نہ صاحب قاموس کو، نہ صاحب صحاح کو، وہ ہمارے میاں صاحب کے دماغ میں موجود ہے۔ اور آئندہ کے لئے سند وہ نہیں جو لغت کی کتابوں میں لکھا ہو (سوائے اس کے کہ میاں صاحب کو اسے اپنی تائید میں پیش کرنے کی ضرورت ہو) بلکہ سند وہ ہے جو جناب میاں صاحب فرما دیا کریں۔ تو اس لئے جب وہ یوں فرمائیں کہ فلاں لفظ کے معنی لغت میں یہ نہیں تو

اس سے مطلب یہ نہیں ہوگا کہ کسی لغت کی کتاب میں یہ معنی نہیں، بلکہ یہ مطلب ہوگا کہ میں اس کے یہ معنی نہیں کرتا۔ تو بہتر ہے کہ اس قدر مشقت اُٹھانے کی بجائے وہ ہم کم علم انسانوں کو سیدھے الفاظ میں یوں ہی فرما دیا کریں، تو نہ جج کو غلطی لگے نہ میرے جیسے عامی آدمیوں کو، نہ خود ان کے مریدین کو۔ یا شاید یہ ''خلیفوں'' کا طرز کلام ہوگا۔ مگر اس کے لئے بہتر ہے کہ ایک خاص لغت آئندہ کے لئے تیار کر دی جائے اور اس میں یہ بھی لکھ دیا جائے کہ لغت پر سند وہی ہوا کرے گی جو قادیان کی جماعت میں خلیفہ ہو۔ کتاب وسنت کی تو پہلے ہی خلیفہ کے قول کے خلاف ضرورت نہ رہی تھی۔ اب لغت سے بھی چھٹی ہوئی۔ جو خلیفہ کہہ دے، وہی دین ہے، وہی ایمان ہے، وہی لغت ہے، یہاں کسی کو دم مارنے کی جا نہیں!

اہل لغت اور مفسرین

ہاں! یہ ناانصافی ہوگی اگر میں یہ نہ بتاؤں کہ جناب میاں صاحب نے محاورہ عرب پر سند اگرچہ کتب لغت کو تو نہیں مانا، مگر مفسرین کو مانا ہے۔ اور مفسرین میں سے بھی صرف تین کو۔ چنانچہ فقرہ منقولہ بالا کے بعد لکھتے ہیں:

> ''مگر میں کہتا ہوں کہ مجھے نہ سہی ایسے لوگ، جن کی نسبت آپ کو بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ وہ لغت عرب سے واقف ہی نہیں بلکہ اس کے ماہر تھے، شہادت دیتے ہیں کہ زبان عرب میں لفظ خاتم۔ آخری کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔''

یہاں ایک قول تفسیر کشاف سے، ایک قول بحرالمحیط سے اور ایک قول فتح البیان سے پیش کیا ہے۔ بظاہر ہم عامی آدمیوں کو یہ عقدہ لاینحل معلوم ہوتا کہ لغت پر کتب لغت تو سند نہیں۔ اگرچہ ''بہت سا علم لغت عرب کا'' انہی کے ذریعہ سے ملا۔ جیسا کہ میاں صاحب فرما چکے کہ مفسرین کی رائے سند ہے۔ اگرچہ خود ان کے اپنے قول کے مطابق جو اسی جواب میں منقول ہے:

> ''لغت والوں نے آزاد ہو کر تحقیق نہیں کی جہاں آزاد ہوئے ہیں خوب معنی بیان کئے ہیں۔ ورنہ قرآن کریم کے کسی لفظ کے معنوں میں فوراً مفسروں کے معنوں کو تسلیم کر لیتے

ہیں خواہ وہ غلط ہوں۔''

تو گویا جناب میاں صاحب یوں فرماتے ہیں کہ اہل لغت کا اعتبار تو اس لئے نہ کرو کہ وہ مفسرین کی رائے کو مان لیتے ہیں۔مگر مفسرین کا اعتبار کرلو۔کیونکہ خود جب میاں صاحب کو اس بات کی شہادت دینے کی ضرورت پیش آئی کہ لغت عرب میں فلاں لفظ فلاں معنی میں استعمال ہوتا ہے یا نہیں،تو مفسرین کی رائے کو ترجیح دی۔سچ ہے۔ہتھیار وہی ہے جو وقت پر کام آئے۔

کتب لغت سے احتراز اور اہل لغت سے اسناد

جناب میاں صاحب کو جو تین تفسیروں سے تین شہادتیں دستیاب ہوئی ہیں،ان کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ وہ لغت عرب سے واقف ہی نہیں، بلکہ اس کے ماہر تھے۔اور تین اقوال جو نقل کئے ہیں ان میں سے ایک زمخشری یعنی صاحب کشاف کا قول ہے، جو ایک لغت کی کتاب کا مؤلف ہے۔ایک علامہ محمد بن حیان کا، جو بڑے پایہ کے نحویوں میں سے ہیں اور مفسر ہیں اور ایک ابوعبیدہ کا، جو لغت عرب کا ایک بہت بڑا ماہر ہے۔اور صاحب لسان اس کے قول کو سند کے طور پر پیش کرتا ہے۔لیکن اگر یہ دلائل ان کے قول کو سند ماننے کے لئے کافی ہیں،یعنی زمخشری اس لئے قابل سند ہے کہ وہ ایک کتابِ لغت کا بھی مؤلف ہے اور ابوعبیدہ اس لئے کہ صاحب لسان اس کے قول کو بطور سند پیش کرتا ہے۔تو یہ تو پھر لغت نویس ہی آ گئے۔گو حوالے لغت کے نہ رہے،تفاسیر کے ہو گئے۔اور میاں صاحب کی وہ دلیل، کہ ''چونکہ لغت نویسوں کا یہ عقیدہ تھا کہ رسول کریم ﷺ کے بعد (ایک خاص معنوں کی رو سے) کوئی نبی نہیں آئے گا۔اس لئے انہوں نے اس عقیدہ کے مطابق خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کر دیئے ہیں'' دریا برد ہوگئی۔کیا زمخشری کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ آنحضرتؐ آخری نبی ہیں۔کیا ابوعبیدہ کا یہ عقیدہ نہ تھا؟ کیا محمد بن حیان کا یہ عقیدہ نہ تھا؟ عقیدہ تو ان تینوں کا وہی تھا جو دوسرے مفسرین کا اور دوسرے اہل لغت کا تھا۔پھر ان کے عقیدہ کا اثر خاتم النبیین کے معنی پر کیوں نہ پڑا۔اور انہوں نے کیوں خاتم النبیین کے وہی معنی نہ کئے، جو دوسروں نے کئے۔یہ ظاہر ہے کہ اگر اُن تینوں کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی آخری نبی نہیں،تو وہ ختم نبوت کے قائل بھی نہیں ہو سکتے۔اور میاں صاحب کی طرح خاتم النبیین کے معنی اپنی مہر سے نبی بنانے والا کرتے ہوں گے۔اور اگر ان کا عقیدہ وہی تھا جو تمام اہل اسلام کا رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں،تو وہ خاتم النبیین کے معنی بھی آخری

نبی ہی کرتے ہوں گے۔

اپنی طرف سے میاں صاحب نے جو اس مشکل کا علاج سوچا تھا وہ تنقید کی روشنی میں شاید انہیں خود بھی ناکافی نظر آنے لگے! ''زید کا سر اور بکر کی ٹانگ'' لغت میں کون تلاش کرتا ہے؟ جناب میاں صاحب نے نہایت مہربانی سے خاتم النبیین کے معنی لغت میں تلاش کرنے کے لئے مجھے دیوانہ قرار دیا ہے اور نصیحت فرمائی ہے کہ خاتم النبیین کے معنی لغت میں تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسا ایک بیوقوف کا فِقْرَے کے معنی لغت میں تلاش کرنا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''مجھے آپ کے اس مطالبہ سے اس شخص کا قصہ یاد آ گیا جس نے قرآن شریف میں لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ (1:106) پڑھ کر فقرے کے معنی دریافت کرنے شروع کئے تھے اور شکایت کرتا تھا کہ فقرے کے معنی لغت ☆ میں نہیں ملتے۔ مولوی صاحب جملوں کے معنی کرنے کا طریق یہ ہے کہ ان کے مضرات کے معنی لغت * میں دیکھے جائیں۔ کل کو اگر آپ لغت * میں زید کا سر اور بکر کی ٹانگ کے معنی دیکھنے شروع کر دیں تو ضرور آپ کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہو کر رہیں گے۔ اگر آپ تعصب کو چھوڑ کر خاتم کے معنی لغت ☆ میں الگ دیکھیں............''

گویا خاتم النبیین کے معنی لغت میں تلاش کرنا ایسا ہی ہے، جیسا فقرے کے معنی تلاش کرنا اور یہ دیوانگی کی علامت ہے۔ اب میاں صاحب ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ وہ خود عدالت میں کیا کہہ رہے تھے۔ خاتم النبیین کی جگہ میں تھوڑی دیر کے لئے فقرے کو رکھ دیتا ہوں۔ اور معنوں کی جگہ خالی چھوڑ دیتا ہوں۔ تا کہ میاں

---

* میاں صاحب کے حافظہ نے اتنی دیر بھی وفا نہ کی کہ اپنے مضمون کو لغت کے اسی مفہوم پر ختم کرتے جو آپ کی تازہ ایجاد اس جواب میں ہوئی تھی۔ یہاں کتنی مرتبہ لغت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور مراد ان کی لغت کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس جھوٹ کی، کہ لغت سے مراد لغت کی کتاب نہیں ہوتی، یہ سزا دی کہ خود اسی تحریر میں بار بار لفظ لغت استعمال کر کے مراد اس سے لغت کی کتاب لی ہے اور محاورہ عرب بھول گئے۔

صاحب اسے پورا کردیں۔خواہ کسی مرض میں مبتلاء ہوکر کریں،خواہ بغیر مبتلاء ہونے کے۔میں بیان بھی ان کے زودنویس کا لیتا ہوں۔

''جواب دیا کہ وہ فقرے.....کے الفاظ ہیں ان کے معنی بعض لوگ.....کرتے ہیں۔مگر رسول کریمؐ کی بیوی اس کا انکار کرتی ہیں۔ہمیشہ سے اس کے یہ معنی کئے جاتے ہیں۔ہم اس کی تعبیر نہیں کرتے۔بلکہ یہ معنی لغت کے ہیں۔بعض لوگ فقرے کے معنی بھی کرتے ہیں۔مگر لغت میں اس کے معنی......کے نہیں ہیں۔''

تعجب ہے کہ خودتو بار بار یہ کہیں کہ لغت میں خاتم النبیین کے یہ معنی نہیں۔اور جب میں لغت میں فی الواقع انہی الفاظ خاتم النبیین کے معنی لکھے ہوئے دکھاتا ہوں تو کہتے ہیں لغت میں تلاش کرنا ہی دیوانگی ہے۔

اہل لغت پر ناواجب حملہ اور میاں صاحب کا اپنا طرز عمل:

پھر میاں صاحب کہتے ہیں کہ لغت نویسوں نے اپنے عقیدہ سے متاثر ہوکر خاتم النبیین کے وہ معنی لکھ دیئے۔اپنی جان چھڑانے کوتو میاں صاحب نے یہ فقرہ لکھ دیا۔مگر یہ خیال نہ کیا کہ ان کا یہ تبرا اسلام کی جڑ پر ہے۔کیونکہ اس بات کو صحیح مان کر،ان تمام الفاظ کے متعلق جوقرآن کریم میں آگئے ہیں،لغت سے اعتبار اٹھ گیا۔جیسا کہ وہ خودفرماتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ لغت کا ہرایک بیان لغت کے مطابق نہیں ہے خصوصًا قرآن کریم کے الفاظ کے معنی بیان کرتے وقت وہ آزاد ہوکر تحقیق نہیں کرتے۔اور مفسر جو معنے تاویلاً کسی لفظ کے بیان کرتے ہیں،وہ انہیں لغت کے معنی قرار دے کر اپنی کتب میں درج کردیتے ہیں۔''

مگر جب میاں صاحب کوخود لفظ نبی کی تعریف کی ضرورت پڑی تو اس وقت تاج العروس پر قرآن کریم سے بھی زیادہ ایمان ظاہر کیا۔اور ساری بنیاد لغت پر اور لغت میں تاج العروس پر رکھی۔یہ لفظ میاں صاحب کے

اس کلیہ سے کیونکر مستثنیٰ ہو گیا۔ پھر اگر میاں صاحب کو کسی مخالفِ اسلام کو جواب دینے کی ضرورت پیش آئے گی تو اس وقت معلوم نہیں وہ کیا رنگ بدلیں گے۔ اگر کوئی شخص مکر یا استغفار یا استہزا یا خدا یا خلق وغیرہ کے معنی لغت سے اس کے خلاف دکھائے، جو ایک مخالف کے ذہن میں نہیں تو کیا اس مخالف کو میاں صاحب کی طرح یہ کہنے کا حق تو نہ ہوگا کہ ان لغت نویسوں نے اپنے عقائد سے متاثر ہو کر کچھ کے کچھ معنی لکھ دیئے ہیں۔ جناب میاں صاحب نے محض اپنی بات کی پچ کے لئے تمام مسلمان محققین کی تحقیقات کو ایک بچوں کا کھیل بنا دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ تو سچ ہے کہ اہل لغت سے بھی غلطی ہوسکتی ہے۔ مگر یہ کہنا، کہ وہ اپنے عقائد سے متاثر ہو کر کچھ کا کچھ لکھ دیتے تھے، بدترین حملہ ہے، جو ان بزرگوں پر کوئی دشمن کر سکتا تھا۔ عیسائیوں تک نے تو ان لغتوں کے متعلق یہ کہنے کی جرأت نہ کی۔ مگر میاں صاحب کے منہ سے وہ بات نکلی جو ایک دشمن اسلام بھی نہ کہہ سکتا تھا۔ غالبًا انہوں نے ان محققین کو اپنی طرح سمجھ لیا کہ جس طرح میں پہلے ایک عقیدہ بنا کر پھر ہر لفظ اور فقرہ کو جو سامنے آجائے۔ اس رنگ میں ڈھال لیتا ہوں۔ اور کبھی لغت کی پروا نہیں کرتا، اسی طرح یہ بزرگ کرتے ہوں گے۔ مگر نہیں اسلام کے محققین کا پایہ ان کے بدنام کنندوں کے وہم وگمان سے بھی بالاتر ہے۔ ہاں ان میں ہر پایہ کے لوگ ہیں۔ چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی۔ اور ان کی طرف اگر ہم کسی غلطی کو منسوب کر سکتے ہیں تو اسی صورت میں کہ ایک سند سے بڑھ کر دوسری محققانہ سند پیش کریں یا اشعار جاہلیت وغیرہ سے کوئی ایسی سند پیش کریں جو ان بزرگوں کی نظر سے نہ گذری ہوگی۔ شاید بہت ہی کم صورتیں ہوں گی جن میں آج کسی کو یہ فخر حاصل ہو سکے۔

پیغام صلح

حضرت امیر ایّدہ اللہ کا یہ مضمون دراصل تمہید ہے اس ضروری مضمون کی، جو آپ نے خاتم النّبیّین کے معنوں پر میاں صاحب کی تاویلات کے جواب میں لکھا ہے۔ یہ اصل مضمون چونکہ بہت طویل ہے جس کے لئے غالبًا اخبار کے دو نمبر بھی مکتفی نہ ہوں، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اس کو علیحدہ ٹریکٹ کی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ امید ہے جو عنقریب شائع ہو جائے گا۔ انشاءاللہ

21 جنوری 1923

فرزندانِ توحید شرک کے دروازے پر

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کے قلم سے)

دین اسلام وہ دین ہے، جس کی صداقت کے نشانات میں سے ایک نشان وہ ہے، جس کا اقرار ابوسفیان نے قیصر روم کے سامنے اس وقت کیا جب وہ سخت ترین اعدائے اسلام میں سے تھا۔ جب قیصر نے یہ سوال کیا هَلْ یَرْتَدُّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ سَخْطَةً لِّدِیْنِهٖ کیا ان میں سے کوئی شخص اپنے دین سے بیزار ہو کر حالت کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے؟ تو ابوسفیان نے، جسے خوف تھا کہ اگر جھوٹ کہا تو ساتھی، جو پیچھے کھڑے تھے دربار شاہی میں، اسے ذلیل نہ کریں، جواب دیا ''لَا'' ایسا نہیں ہوتا۔ اور کس قدر سچی بات ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی توحید اور نسل انسانی کی وحدت کے اصول کو قبول کر چکا ہے، وہ اسے ترک کر کے کہاں جا سکتا ہے؟ اسلام کو قبول کر کے کوئی شخص کسی اچھی بات کو کھوتا نہیں، بلکہ ہر ایک اچھی بات لے لینے کے لئے اپنے دل کو وسیع کر لیتا ہے۔ کیونکہ جتنے بھی نیکیوں کے سکھانے والے دنیا میں ظاہر ہوئے، ان سب کو قبول کر لیتا ہے۔ وہ کسی راستباز انسان کو اور دنیا کی کسی قوم کے پیشوا کو بُرا نہیں کہتا، بلکہ اس اصول کو قبول کر کے کہہ دیتا ہے کہ ہر قوم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والے آئے۔ ہر قوم کے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کی عزت کرتا ہے اور ان کی زندگیوں سے اگر کوئی نیک سبق ملے تو اسے لے لینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اگر ایک یہودی مسلمان ہو جائے، تو اس کے دل سے حضرت موسیٰؑ کی عظمت اور محبت ایک ذرہ بھر کم نہیں ہوتی، بلکہ اس کے ساتھ دنیا کے اور بہت سے راستبازوں اور تمام راستبازوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت اور محبت کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک عیسائی مسلمان ہو جائے، تو حضرت عیسیٰؑ کی عزت اور محبت پھر بھی اس کے دل میں رہتی ہے۔ اور اگر ایک ہندو مسلمان ہو جائے، تو رام چندر جی اور کرشن جی کی عزت اور محبت پھر بھی اس کے دل میں سے نکل نہیں جائے گی۔ کیونکہ وہ بھی اس ملک کے ہادی اور رہنما گزرے ہیں۔ ہاں! ان کی عزت اور محبت کے ساتھ دنیا کے اور راستبازوں کی عزت اور محبت بھی قائم ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس کے خلاف ہو، یعنی ایک مسلمان ہندو مذہب میں جا ملے یا

عیسائیت کو اختیار کر لے یا یہودیت کے دائرہ میں داخل ہو جائے ،تو وہ ایک وسیع میدان کو چھوڑ کر، جہاں وہ کرّہ ارض کے سارے راستبازوں کی عزت کر سکتا تھا، اپنے آپ کو ایک تنگ دائرہ میں داخل کر لیتا ہے، جہاں داخل ہو کر ایک دو راستبازوں کی عزت اور محبت تو شاید اس کے دل میں غلو کا رنگ اختیار کر لیتی ہے، لیکن باقی کے متعلق عموماً تنفر اور تحقیر کے خیالات ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔

اسلام کے اصول میں سے پہلا یہ اصول ہے کہ دنیا کے تمام نبیوںؑ کو قبول کرو، لیکن اور کسی مذہب نے اپنے اصول میں اس کو نہیں رکھا۔ اس لئے لازمی نتیجہ کسی مذہب سے اسلام کی طرف آنے کا وسعت قلب اور تمام راستبازوں کی عزت ہے۔ اور اسلام سے نکل کر کسی دوسرے مذہب میں جانے کا لازمی نتیجہ اس وسعت کی بجائے ایک تنگی کا پیدا ہونا ہے۔ اور بیشتر حالات میں اکثر راستبازوں کے لئے دشمنی اور تنفر کی لہر کا دل میں اٹھنا ہے۔ اس لئے اگر یہ ضروری ہے کہ حق دنیا میں کامیاب ہو اور کوئی مخالفت اس کی کامیابی کو روک نہ سکے، تو یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے لوگ ایک تنگ دائرہ سے نکل کر ایک وسیع دائرہ میں داخل ہوتے رہیں، وسعت کو چھوڑ کر تنگی کی طرف کوئی نہ جائے۔ لیکن ہماری غفلت کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر ایک طرف ہم نے اس عظیم الشان حق کو دنیا میں پھیلانا چھوڑ دیا اور یہ خیال نہ کیا کہ نسل انسانی کی اس سے بڑھ کر کوئی خدمت نہیں ہوسکتی کہ باہمی محبت کے اصول کو دنیا میں پھیلایا جائے، اور یہ غرض صرف اسلام کو پھیلانے سے حاصل ہوسکتی ہے، تو دوسری طرف آج جگہ جگہ سے یہ خبریں ہمارے کانوں میں آرہی ہیں کہ ایک طرف اگر ایک قوم، جو دنیا کی تمام تر طاقت کی مالک ہو چکی ہے، اپنے پورے زور سے مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف لے جانے پر تلی ہوئی ہے، تو دوسری طرف اس قوم میں بھی، جس کے اندر صدیوں سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہنے کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اگر لاکھوں انسان برضا و رغبت خود اسلام میں داخل ہو گئے تو کروڑوں کے دل میں بزرگانِ اسلام اور اولیاء اللہ کی محبت اور عظمت پیدا ہو گئی، وہ لوگ پیدا ہو گئے جو اسلام کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور آج اس کوشش میں ہیں کہ وہ مسلمان، جو ہماری غفلت سے حقیقی تعلیم اسلام سے بے خبر رہے اور اکثر اپنے پرانے رسوم و رواج کے پابند رہے، ان کے دلوں سے سب سے بڑے محسن نسل انسانی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عزت کو مٹایا جائے۔

غالبًا اس وقت تک ہندو مہا سبھا کا ریزولیوشن کہ ساڑھے چار لاکھ مسلمان راجپوتوں کو شدھ کیا جائے،

بہت سی نظروں سے گزرا ہوگا۔ اس کو دیکھ کر کون مسلمان ہوگا، جس کے دل میں اپنے بھائیوں کی ہمدردی کا جذبہ پیدا نہ ہو؟ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے باوجود اپنے نئے بیرونی تبلیغی مشنوں کی ضروریات کے، جو جرمنی اور امریکہ میں قائم کئے ہیں، یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسلام کو اس مصیبت عظمیٰ سے بچانے کے لئے، کہ اس کے ساڑھے چار لاکھ فرزند ارتداد کا جامہ پہنیں، اس وقت جس قدر طاقت ممکن ہے، اپنے ان بھائیوں کے بچانے کے لئے صرف کی جائے۔ اور ان اقوام میں، جو تعلیم اسلام سے دور پڑی ہوئی ہیں، تعلیم اسلام پھیلانے کے لئے پورا زور لگایا جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اور مسلمان بھائیوں کو بھی ضرور اس طرف توجہ ہوئی ہوگی اور بہت سے ہمارے بھائی ایسے ہوں گے جو ہمیں اپنی معلومات کی وجہ سے اس کام میں مفید مشورہ سے امداد دے سکیں گے۔ اسی طرح اگر ہماری معلومات سے کوئی اور انجمن یا مسلمان بھائی فائدہ اٹھانا چاہیں، تو ہمیں ہرگز اس سے دریغ نہ ہوگا۔ ہمارے نزدیک یہ کام سب مسلمانوں کا ہے۔ اور اگر ایک مسلمان بھائی اس نیک کام کو کرنا چاہے، تو دوسروں کا فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس میں امداد دیں۔ اور اگر میرے ایک بھائی کی کوشش سے ایک مسلمان کا ایمان بچ جائے تو مجھے اسے جان کے بچانے سے بڑھ کر قیمتی سمجھ کر اس کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ پس میری یہ استدعا ان تمام مسلمان بھائیوں سے ہے جنہیں ان اقوام کے حالات کا یا وہاں کی ضروریات کا کچھ علم ہے کہ وہ اپنی ان معلومات سے یا اور مفید مشورہ سے سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام، احمدیہ بلڈنگس، لاہور کو اطلاع دے کر ممنون فرمائیں۔

☆☆☆

مسلمانوں کا ولولہ

کسی گذشتہ اشاعت میں ہم محض ہندو معاصرین کے حوالہ سے یہ خبر ہدیۂ قارئین کر چکے ہیں کہ اضلاع متحدہ اور دہلی و آگرہ کے ساڑھے چار لاکھ مسلمان راجپوت اب پھر ہندو ہونے کو تیار ہیں اور ہندو سبھا نے ان کو اپنے میں ملا لینے اور شدھ کر لینے کا فیصلہ بھی کر لیا ہے۔ اس خبر کے متعلق ابھی مزید حالات تو معلوم نہیں ہوئے، لیکن ایک فائدہ ضرور ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں اشاعتِ اسلام کا ایک دلکش اور عجب ولولہ پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ انگریزی معاصر ''مسلم آؤٹ لک'' میں بعض نامہ نگاروں کی چٹھیاں چھپی ہیں، جن سے پایا جاتا ہے

کہ مسلمان اب اشاعتِ اسلام کی اہمیت کے قائل ہو گئے ہیں۔ اور اب وہ اس کام میں مصروف سعی ہوں گے۔ ''مسلم آؤٹ لک'' کے نامہ نگاروں نے اس کا رونا یہی رویا ہے کہ ہمارے علماء کرام محض خانہ جنگی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور اشاعتِ اسلام کے فرض کی طرف سے غافل ہیں۔

ہمیں مسلمانوں کے اس شوق سے نہایت خوشی ہوئی ہے۔ خدا کرے کہ یہ محض سوڈا واٹر کی بوتل سا جوش وخروش نہ ہو۔ انجمن دعوت وتبلیغ اسلام، جمعیۃ العلماء ہند، مدرسہ الٰہیات کانپور، علماء دیوبند وغیرہ وغیرہ جماعتوں کو خصوصیت سے اس کام کے لئے دعوت دی گئی ہے۔ یہ بھی سُنا ہے کہ اول الذکر انجمن نے کوئی مبلغ بھی بھیج دیا ہے۔ بہر حال ہم خوش ہیں کہ جس کام کی طرف ہم مسلمانوں کو بلاتے تھے، آخر اس کی طرف اب توجہ ہوئی۔ لیکن ہمیں اس خوشی کے ساتھ ہی یہ خطرہ بھی لاحق ہے کہ کہیں یہ ولولہ شوق بھی باہمی مناقشت اور خانہ جنگی کی بھینٹ ہی نہ چڑھ جائے۔ ہمارا گذشتہ تجربہ اس کا مؤید ہے کہ مسلمانوں کے کام علی العموم خود غرضی اور نا اتفاقی سے بگڑتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ غیر اقوام کی سرگرمیاں بالعموم اور آریہ قوم کی بالخصوص پنجاب و ہندوستان میں بڑھ رہی ہیں۔ اور جب تک مسلمان ان کا مقابلہ کرنے کی تیاری نہیں کریں گے، اُس وقت تک وہ ہر بات میں اپنے برادرانِ وطن سے پیچھے رہتے جائیں گے۔ مسلمانو! اب کام کرنے کا وقت ہے۔ خوابِ غفلت سے اُٹھو۔

☆☆☆

حیات مسیحؑ کی ایک انوکھی دلیل

ہمارے بعض مخالف بعض وقت ایسی بے سروپا باتیں کرتے ہیں کہ ہمیں بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ حیاتِ مسیحؑ کے دلائل تو ہم تیس سال سے سُن سُن کر سیر ہو چکے تھے۔ لیکن آج تک ہم نے یہ انوکھی دلیل نہیں سنی تھی جو حال ہی میں لاہور کے ایک اسلامی انجمن کے رسالہ میں شائع ہوئی ہے۔ کسی عیسائی کا اعتراض تھا کہ ''حضرت مسیحؑ لوگوں کی ہدایت کے لئے دوبارہ اُتریں گے۔ محمد ﷺ نہیں آئیں گے۔ افضل کون ہوا؟'' اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے:

''دوبارہ وہی بھیجا جاتا ہے، جو پہلی دفعہ ناکامیاب ہے۔امتحان میں دوبارہ وہی بلوائے جاتے ہیں، جو فیل ہوتے ہیں۔حضرت مسیحؑ پہلی آمد میں ناکام رہے۔اور یہود کے ڈر کے مارے تبلیغ رسالت کا کام نہ کر سکے۔اس لئے ان کا دوبارہ آنا تلافی مافات ہے۔''

آہ! یہ کلمات ایک مسلمان کے منہ سے نکلتے ہیں! لیکن غالباً وہ ایسا مسلمان ہے، جسے نہ قرآن مجید سے کچھ واقفیت ہے، نہ وہ انبیاء کی شان سے آگاہ ہے۔خدا جس کو نبی بنائے وہ دشمنوں سے ڈر کر تبلیغ رسالت ہی چھوڑ بیٹھے۔اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ پھر اگر دوبارہ آنا اس لئے ضروری ہے کہ پہلی دفعہ ناکام رہے، تو حضرت نوحؑ کو بھی آنا چاہیے۔کیونکہ قرآن مجید میں ہے:فَلَمۡ یَزِدۡھُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا (6:71) یعنی مگر میرے بلانے نے انہیں بھاگنے میں ہی بڑھایا۔مولٰینا رومؒ کہتے ہیں۔

نوحؑ نو صد سال دعوت مے نمود ہمچناں انکار قومش مے فزود

اب حضرت نوحؑ کو بھی تلافی آفات کا موقع ملے گا یا نہیں؟ افسوس ہے کہ جس نبی (حضرت مسیح علیہ السلام) کو امتحان میں ''فیل'' بتایا جاتا ہے، اس کے متعلق قرآن مجید میں ہے: وَجِیۡھًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ (45:3) علاوہ ازیں جو ایک دفعہ اصلاح خلق میں ناکام رہے، کیا مصلحت ایزدی یہی ہے کہ اسی کو دوبارہ بھی بھیجا جائے۔اگر وہ دوبارہ بھی بقول تمہارے فیل ہو جائے تو پھر؟ کیوں نہ ایسے شخص کو بھیجا جائے جو کبھی ''فیل'' نہ ہو۔حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے ایک غلط عقیدہ گلے میں ڈال رکھا ہے جس کی کوئی قدرتی اور تاریخی حیثیت نہیں ہے۔

21 فروری 1923ء

ایک تحریک

اپنی اولاد کو خدمتِ اسلام کے لئے وقف کریں

(حضرت امیر کے قلم سے)

جب کسی قوم میں ایسے افراد نہ ہوں جو اس کے نصب العین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے والے ہوں، تو وہ قوم ترقی نہیں کرسکتی۔ جو جماعتیں اور سلسلے خدا کا نام دنیا میں پھیلانے کے لئے قائم ہوتے ہیں، ان میں جب ایسے لوگ نہ رہیں، جن کی زندگی کی غرض سوائے اعلائے کلمۃ اللہ کے اور کچھ نہ ہو، تو وہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہود کی بدترین حالت کا جو نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے، وہ اسی طرف توجہ دلانے کے لئے ہے۔ اس لئے اس بی بی کا ذکر خصوصیت سے کیا، جس نے پیٹ میں بوجھ محسوس کرتے ہی بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کی: رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَافِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّیۡ (35:3) اے میرے رب! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے دنیا کے تمام کاموں سے اسے آزاد کر کے تیری نذر کرتی ہوں۔ تُو اپنی خدمت کے لئے اسے قبول فرما۔ یہ حضرت مریمؑ کی والدہ تھیں اور وہ بچہ حضرت مریم تھیں۔ مگر قرآن کریم نے اس واقعہ کا ذکر کیوں کیا؟ تاکہ مسلمان اس سے سبق حاصل کریں۔ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی کامیابی اور ان کے اقبال کا زمانہ وہی نظر آتا ہے، جب ان میں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں ہر ملک میں لوگ ایسے تھے جن کی زندگیوں کی غرض صرف حصولِ علم اور خدمت دین تھی۔ اور جوں جوں اس طرف سے توجہ کم ہوتی گئی، اس کے ساتھ ساتھ ہی مسلمان بھی بجائے ترقی کے تنزل کرنے لگے۔ یہاں تک کہ یہ دن آپہنچے کہ نہ ان میں خدمتِ دین کا وہ جوش رہا اور نہ ان کا وہ عروج دنیاوی باقی رہا!

حضرت مسیح موعود نے جس راہ پر ہمیں ڈالا ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں دونوں قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ ان کی بھی جو اپنے کاروبار دنیوی میں لگے ہوئے ہوں اور اپنے اموال سے خدمت

دین کا ثواب حاصل کریں۔اوران کی بھی جو کاروبار دنیوی سے آزاد ہوکر صرف اسلام کی اشاعت کو اپنی زندگیوں کا نصب العین قرار دیں اور علوم اسلامی کو دنیا میں پھیلانے والے ہوں۔اس دوسری غرض کے لئے بہترین آدمی صرف اسی طرح تیار ہو سکتے ہیں کہ بچوں کی پرورش ابتدا سے ہی ایسے رنگ میں ہو کہ ان کی طبیعت کا میلان خدمت اسلام کی طرف ہو۔اور بچپن سے ہی وہ ان باتوں کے حاصل کرنے کی کوشش کریں جو ان کی اس غرض زندگی کے حصول میں معاون ہوں۔جس بچہ کو ابتدا سے یہ احساس ہوگا کہ اس نے اپنے آپ کو خدمت اسلام کے لئے تیار کرنا ہے، وہ ہر وقت اسی فکر میں ہوگا کہ ان باتوں کو حاصل کرے، جن سے وہ آئندہ زندگی میں اس پہلو میں اپنے آپ کو مفید بنا سکتا ہے۔اس بارہ میں اگرچہ وقتاً فوقتاً بعض احباب اپنے بعض بچوں کو اس راہ میں لگانے کے ارادہ کا اظہار کر چکے ہیں، مگر ضرورت یہ ہے کہ ایسے بچوں کا ایک باقاعدہ رجسٹر تیار ہو جائے۔اوران کے حالات سے وقتاً فوقتاً اطلاع ملتی رہے کہ وہ کیا تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔اور یہاں منتظمین کی طرف سے بھی کچھ ہدایات ایسے احباب کو ملتی رہیں، جو ان بچوں کی تربیت میں دینی خدمت کے رنگ کو پیدا کرسکیں۔

قابلِ تقلید مثال اس رنگ میں سب سے پہلے ہمارے مکرم دوست ڈاکٹر حسن علی صاحب نے قائم کی ہے، جنہوں نے اپنے تینوں بیٹوں کو خدمت اسلام کے لئے وقف کر کے انجمن کو اطلاع دے دی ہے کہ وہ اپنے خرچ پر ان کی تعلیم بی۔اے تک کرائیں گے۔اور علاوہ ازیں ایک معیّن رقم انجمن کے خزانے میں ان بچوں کے نام پر بطور امانت جمع کراتے رہیں گے، جو صرف اسی صورت میں وہ لے سکیں گے کہ بعد فراغت از تعلیم حسب منشاء انجمن کام کریں، ورنہ انجمن کو اختیار ہوگا کہ اس رقم کو اشاعتِ اسلام پر صرف کر دے۔ ہمارے دوسرے دوست بھی، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اولاد دی ہے، اس نیک مثال کی تقلید کریں اور اپنے ارادہ سے مجھے اطلاع دیں۔ مجھے اس بات کے لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اگرچہ لوگ دنیا میں بڑی بڑی جائیدادیں پیدا کرنا یا بڑے بڑے عہدے حاصل کرنا اپنی اولاد کی زندگیوں کا مقصد قرار دے لیتے ہیں، لیکن فی الحقیقت اعلاءِ کلمۃ اللہ کے مقصد کے سامنے یہ مقاصد ہیچ ہیں۔اور حقیقی کامیابی انہی لوگوں کے لئے ہے، جو اس نیک غرض کے لئے دنیا میں کھڑے ہوتے رہیں۔ارشاد الٰہی ہے: **وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** .(104:3)

بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال جانشین ہوا ہوا ہے کہ خدمت دین کے لئے اولاد کو وقف کرنا گویا اسے بے دست و پا کر کے اور دوسروں کا دست نگر بنا کر دنیا میں چھوڑ دینا ہے۔ مگر یہ خیال سخت غلط ہے۔ کوئی شخص، جس نے صدقِ دل سے دنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ کے کام کو اختیار کیا ہے، کبھی ذلیل نہیں ہوا، بلکہ سب سے بڑھ کر دلوں کے اندر انہی لوگوں کی عزت ہوتی ہے۔ دنیا میں کتنے مالدار اور صاحب مرتبہ گزر چکے، جن کا آج کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ لیکن جن لوگوں نے خدا کے دین کی خدمت کی، ان کے نام ہمیشہ کے لئے دنیا میں روشن ہو گئے۔ ہمارے آسودہ حال احباب، جن کو اللہ تعالیٰ نے مال سے وافر حصہ دیا ہے، بالخصوص اس طرف توجہ کریں۔ کیونکہ وہ یہ انتظام بھی کر سکتے ہیں کہ آپ کی اولاد بغیر انجمن پر کوئی بار ڈالنے کے بھی خدمت دین کر سکے۔ یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ انجمن کے موجودہ ذرائع ایسے نہیں کہ بچوں کی تعلیم کا بوجھ اپنے سر پر اٹھا سکے۔

☆☆☆

مسیحی مبلغین بلغاریہ میں

''مسلم ورلڈ'' کا ایک نامہ نگار لکھتا ہے کہ:

جنگ کے بعد بلغاریہ کی آبادی تقریباً پچاس لاکھ تھی۔ جس میں سے ساڑھے سات لاکھ مسلمان تھے۔ جنگ بلقان کے دوران میں عیسائی مشنریوں نے مسلمانوں میں بڑے زور سے تبلیغ مسیحیت شروع کی اور بہت سے مسلمان عیسائی ہو گئے۔ لیکن جب بلقان میں جمہوریت قائم ہوئی تو وہ پھر عیسائیت کو خیر باد کہہ کر دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

جرمنی اور مینٹ سوسائٹی نے بھی بلغاریہ میں ایک مشن کھول رکھا تھا۔ جس میں دو جرمنی کام کرتے تھے، لیکن اب دونوں مر چکے ہیں اور کام رُک گیا ہے۔ 1921ء میں ایک اور سوسائٹی نے بلغاریہ کے مسلمانوں میں تبلیغ عیسائیت کا کام شروع کیا۔ اس سوسائٹی کے مبلغ نے ایک ترک کو عیسائی بنالیا تھا اور اب اسی کی مدد سے وہ تبلیغ کا کام سرانجام دے رہا ہے۔ نامہ نگار مذکور کی رائے میں اس ملک کے مسلمان کچھ زیادہ اسلام کے دلدادہ نہیں۔ بہت کم لوگ مساجد میں جاتے اور فریضہ روزہ ادا کرتے ہیں۔

ان الفاظ سے نامہ نگار کا مطلب یہ ہے کہ عیسائی مبلغین کو اس ملک میں خصوصیت سے سرگرم کار ہونا چاہیئے۔تاکہ وہ مذہب مسلمانوں کو مسیحی بنانے میں آسانی سے کامیاب ہوسکیں۔لیکن ہمیں یقین ہے کہ جس طرح اس سے پہلے عیسائی مبلغین عیسائیت کے پھیلانے میں ناکام رہے ہیں، اسی طرح اب بھی وہ خائب و خاسر رہیں گے۔کیونکہ عیسائیت کے اصول انسان کی مذہبی پیاس کو بجھا نہیں سکتے۔ہاں اگر یورپ میں اسلام پیش کیا جائے تو عیسائی اقوام نہایت جوش وخروش سے اس کا خیر مقدم کریں گی۔کیونکہ وہ عیسائیت سے بیزار ہو چکی ہیں۔یورپ کے مبصرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ موجودہ ہلاکت آفرین اور اخلاق سوز مادہ پرستی کے زمانہ میں اگر یورپ میں کوئی مذہب روحانیت کو فروغ دے سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔

☆☆☆

ایک پادری کا الوہیّتِ مسیحؑ سے انکار

امریکہ کے ایک پادری صاحب نے اس اخلاقی جرأت سے کام لے کر جو انسانی شعور کا زیور ہے، باوجود پچاس سال تک عیسائی حلقوں اور مسیحی کلیساؤں میں کام کرنے کے، علی الاعلان مسیحؑ کی الوہیّت سے انکار کر دیا ہے۔چنانچہ حال ہی میں انہوں نے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے، جس میں ان تمام عقائد سے توبہ کی ہے، جو عیسائی مذہب کے اصل الاصول سمجھے جاتے ہیں۔پادری صاحب لکھتے ہیں:

> ’’میں پچاس سال تک گرجا میں پادری رہا ہوں۔میں جب پادری بنا تھا، تو نہایت اخلاص اور عقیدت سے بنا تھا۔میرا یقین تھا کہ کلیسا خدا کا قائم کردہ انسٹی ٹیوشن ہے اور یسوع مسیح، جو خدائے بزرگ و برتر کا اکلوتا بیٹا ہے، اس انسٹی ٹیوشن کا مورث اعلیٰ ہے۔لیکن رفتہ رفتہ میں تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان عقائد میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں۔‘‘

پادری صاحب کی رائے ہے کہ کلیسا میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو مسیحؑ کی تعلیم کے برخلاف مشرکانہ رنگ رکھتی ہیں۔اور بعض رسوم موجودہ تہذیب وشائستگی کے زمانہ کے مناسب حال نہیں، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدیم زمانہ کی یادگار ہیں، جب انسان ابھی جامۂ تہذیب سے عاری تھا۔اناجیل میں جو سوانح حضرت مسیحؑ کی

موجود ہیں، وہ اس قدر مختصر ہیں کہ ایک اخبار کے نصف کالم میں آ سکیں گے اور ہم ان سے کوئی سبق نہیں سیکھ سکتے۔ پادری صاحب نے اپنے تجربہ کی بنا پر نہایت تحدی سے لکھا ہے کہ میں نے پچاس سال کے طویل عرصہ میں نہایت غور سے اس امر کو دیکھا ہے کہ تعلیم یافتہ اور عملی زندگی بسر کرنے والے لوگ آہستہ آہستہ کلیسائے عیسائیت سے علیحدہ ہو رہے ہیں۔

پادری صاحب نے آخر میں نہایت زور سے ان الفاظ میں اپیل کی ہے کہ:

''کلیسائے عیسائیت کو ان واقعات پر غور کرنا چاہئے اور محض آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہئے۔ میں پچاس سال تک ان معاملات پر غور کرتا رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ پچاس سال کا عرصہ کافی طویل ہے۔ میں پہلے اس آواز کے بلند کرنے میں متامل تھا، لیکن اب کافی غور کے بعد بولا ہوں۔''

اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مغرب میں عیسائیت کا تارو پوداُ کھڑ چکا ہے۔ جب خود عیسائی پادری، جو سالہا سال تک گرجاؤں میں رہنے کے باوجود اس قسم کے خیالات کا اظہار علی الاعلان کرنے لگیں، تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ عیسائیت مغرب میں کوئی دن کی مہمان ہے۔ کاش! مسلمان وقت کی قدر کریں اور یورپ وامریکہ میں اسلام کی تعلیم کو پھیلا کر خلق خدا کی وہ خدمت کریں، جس کا مقابلہ کوئی اور خدمت نہیں کر سکتی۔ مغرب اس وقت مذہب کی تلاش میں سرگردان ہے۔ اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو اسلام کی تعلیم کا تحفہ پیش کریں۔

☆☆☆

مسیحی تعلیم اور عالمگیر اتحاد

یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو مسیحی مبلغ گلا پھاڑ پھاڑ کر اعلان کر رہے ہیں کہ ہم دنیا میں امن وامان قائم کرنے کے لئے ساعی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمام عالم اتحاد و یگانگت کے رنگ میں رنگین ہو۔ چنانچہ پچھلے دنوں کوپن ہیگن میں جو مسیحی کانفرنس ہوئی، اس کا سب سے بڑا مقصد یہی قرار پایا کہ دنیا میں بین الاقوامی تعلقات کو مصالحت اور دوستی کی بنیاد پر قائم کیا جائے اور کلیسائے مسیحیت کے مقدس اثر سے اس عالمگیر اتحاد کی طرح ڈالی

جائے۔ کیونکہ صلح وآشتی کی تعلیم کہ اگر کوئی تیری ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی آگے کر دے، اور کسی مذہب نے نہیں دی۔ اس لئے عیسائیت ہی اس امانت کے بارگراں کو اُٹھا سکتی ہے۔

لیکن دوسری طرف مسیحی مبلغوں کے اپنے اعمال واقوال حضرت مسیحؑ کی اس تعلیم کے صریح مخالف ہیں۔ وہ دوسرے کے ناجائز حملہ کو حلم وبردباری سے برداشت کرنے کی بجائے خود ناجائز حملہ کرتے ہیں۔ وہ اپنی گال پر طمانچہ کھانے کی بجائے دوسرے کی گال پر طمانچہ مارتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کے جو احسان عیسائیت پر ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت مسیحؑ اور آپ کی والدہ ماجدہ پر جو الزامات یہود لگاتے تھے اور آج تک لگاتے ہیں، وہ کسی شریف آدمی کے کان برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ آنحضرتؐ کا احسان ہے کہ آپ نے نہ صرف حضرت مسیحؑ اور آپ کی والدہ کو ان اتہامات اور الزامات سے پاک کیا، بلکہ مسلمانوں کے لئے حضرت مسیحؑ کی نبوت ورسالت پر ایمان لانا بھی ضروری قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج چالیس کروڑ مسلمان حضرت مسیح کے نام کے ساتھ محبت واخلاص سے علیہ السلام کے الفاظ بڑھاتے اور انہیں خدا تعالیٰ کا سچا فرستادہ اور عظیم الشان نبی مانتے ہیں۔ لیکن اس کے جواب میں عیسائی حضرات نے آنحضرتؐ سے کیا سلوک کیا؟ اس کا جواب وہ ناپاک لٹریچر ہے، جس کو بعض مسیحی مبلغوں نے اسلام کے خلاف پیدا کیا اور جس میں آپ کی ذات ستودہ صفات پر بیہودہ الزامات اور بے بنیاد اتہامات کا طومار باندھا۔ اس کی ایک تازہ مثال ایک مشنری ''ریویو آف دی ورلڈ'' کے یہ الفاظ ہیں:

> ''جس ہمت اور قابلیت کے ساتھ افریقہ کے مسلمان غیر مسلم قبائل کو اپنے جھوٹے نبی (نعوذ باللہ) کے مذہب میں داخل کر رہے ہیں، وہ عیسائیت کے لئے ایک ایسا خطرہ ہے، جو تثلیث کے پیروؤں کو اس سے پہلے کبھی پیش نہیں آیا۔''

قطع نظر اس کے کہ افریقہ میں اشاعتِ اسلام عیسائیت کے لئے کس خطرہ کی موجب ہے، کیا ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ یہی وہ ''مسیحانہ اخلاق'' ہیں جن کا غلغلہ چاردانگ عالم جملہ مسیحی حضرات نے مچا رکھا ہے؟ کیا جب مسلمان اپنے آقا ومولا محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق وہ گستاخانہ اور بے باکانہ کلمہ سنیں گے، جو ''مشنری ریویو آف دی ورلڈ'' نے استعمال کیا ہے، تو وہ کوپن ہیگن میں جمع ہونے والی گوری چٹی صورتوں کے متعلق یہ خیال کریں گے

کہ یہ بھی اُسی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، جو آنحضرت ﷺ کی نسبت ایسے ناپاک الفاظ استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ اور یہ بین الاقوامی تعلقات اور مصالحت کے ڈورے محض مصلحت وقت اور تقاضائے نفاق سے ڈالے جا رہے ہیں۔ کیا اسی طریق سے یہ لوگ حضرت مسیحؑ کی اس تعلیم پر کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مار دے تو دوسری آگے کر دو، عمل کر رہے ہیں؟

17 مارچ 1923ء

اعلان حضرت امیر

فتنۂ ارتداد۔ برادرانِ اسلام سے اپیل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (54:5)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ ایک قوم لائے گا وہ ان سے محبت رکھے گا اور وہ اس سے محبت رکھیں گے۔ مومنوں کے سامنے نرم، کافروں کے مقابلہ میں غالب۔

کونسی مصیبت اسلام پر آنے والی تھی جس کی خبر مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں دے دی؟ یہ وقت بھی اسلام پر آنے والا تھا، جس کے متعلق فرمایا: يُوْشَكُ اَنْ تُدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تُدَاعٰى الْاَكِلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا سب قومیں تم پر یوں امنڈ آئیں گی جس طرح بھوکے کھانے کے پیالے کی طرف دوڑتے ہیں۔ اسلام کے لئے عیسائیت کا حملہ، جس نے اپنی ساری قوتوں کو جمع کر کے نہ صرف اسلام کی ترقی کا رستہ بند کرنا چاہا ہے، بلکہ خود مسلمان قوموں کو دائرہ عیسائیت میں لانے کے لئے پورا زور صرف کر دیا ہے، ایک خطرناک فتنہ تھا۔ ہمارے قریب ہی اسلامی جزائر میں چالیس ہزار فرزندان اسلام سید البشر ﷺ کی غلامی سے نکل کر بندگانِ صلیب میں داخل ہو گئے۔ اور اس ہندوستان میں بھی دس ہزار کی تعداد میں توحید کے جھنڈے کو چھوڑ کر تثلیث کے علم کے نیچے چلے گئے، مگر ہم نے ایک ایک دو دو کے ارتداد کی پروا نہ کی اور یہی سمجھ رکھا کہ اس سے اسلام کو کچھ نقصان نہیں۔

ہمیں اس خواب سے بیدار کرنے کے لئے فتنۂ ارتداد ایک نئے رنگ میں نمودار ہوا اور یکا یک یہ آواز ہمارے کانوں میں پڑی کہ ہمارے ساڑھے چار لاکھ راجپوت بھائیوں کو اسلام سے منحرف کرنے کے لئے ہمارے برادرانِ وطن پورا زور صرف کر رہے ہیں۔ اُن کے بہترین دماغ اندر ہی اندر اس تجویز کو عملی جامہ

پہنانے کے لئے ایک مدت سے لگے ہوئے تھے اور زرکثیر اس غرض کے لئے صرف کر رہے تھے۔ مگر ہم خود اپنے اس ملک کے بھائیوں کے حالات سے اس قدر ناواقف تھے کہ یا تو ہمیں اصل حالات کا پتہ نہ لگا اور یا اگر کچھ علم ہوا تو ہم نے ایک کروٹ لے کر پہلو بدل لیا اور پھر سو گئے!

ہمیں کسی دوسرے مذہب یا قوم پر رنج نہ ہونا چاہیے کہ وہ کیوں مذہب اسلام سے لوگوں کو منحرف کرنا چاہتے ہیں اگر انہیں یہ یقین ہے کہ حق وصداقت ان کے پاس ہے، تو جس طرح ہمارا فرض ہے کہ اس حق وصداقت کو، جو ہمارے پاس ہے، دوسروں تک پہنچائیں، ہم ان کی طرف سے کسی رنجش اور کدورت کو دل میں لائے کے بغیر انہیں بھی اجازت دیتے ہیں کہ اگر اُن کے پاس حق اور صداقت ہے، تو اُسے ہم تک پہنچائیں۔ ہم اپنے دل ہر حق اور صداقت کے لئے کھولے بیٹھے ہیں۔ ہاں! ہم دوسروں سے بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنے دلوں کو بھی حق اور صداقت کے لئے کھولیں اور ہماری باتوں کو بھی ٹھنڈے دل سے سُنیں۔ اسلام صرف دنیا میں ایک کھُلا میدان چاہتا ہے اور اسے اپنی صداقت کی قوت پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ خود بخود صاف دلوں کو اپنی طرف جھکا لے گی۔ اور اس کے اندر وہ دلکشی کا سامان ہے کہ وہ خود دلوں کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ ہم اسے ایک مبارک نشان سمجھتے ہیں کہ سب مذاہب کھلے طور پر میدان میں نکل آئیں۔ اور جب اصل غرض دنیا میں محبت اور آشتی کا پھیلانا ہے تو بغیر ایک دوسرے کے ساتھ کدورت ورنج رکھنے کے اصول صحیحہ پر، جن پر مذہب کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے، ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

ہاں! اس کشمکش میں، جو شروع ہوئی ہے، ہمارے لئے ایک سبق بھی ہے کہ دنیا میں بغیر جدوجہد کے زندگی ناممکن ہے۔ ہمیں کھلے لفظوں میں یہ تعلیم دی گئی تھی کہ تم میں ایک گروہ ایسا موجود رہے جو دنیا جہاں کے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا رہے۔ ہم نے جب سے اس اپنے فرض اولین کی طرف سے غفلت شعاری کی اور ہمارا قدم آگے بڑھنے سے رُک گیا (اگر چہ سچ ہے کہ اسلام اپنی اندرونی طاقت سے باوجود ہماری غفلت کے بھی کچھ لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہا) تو نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ یعنی ہمارا قدم پیچھے ہٹنا شروع ہوا۔ کیونکہ دنیا میں ترقی ہے یا تنزل۔ ایک حالت پر قیام کسی چیز کا نہیں۔ جب ہم نے اشاعتِ اسلام کے مقدس فرض سے غفلت اختیار کی اور دوسروں کو اپنے اندر جذب کرنے کی جدوجہد کو چھوڑ دیا، تو دوسروں نے ہمیں اپنے اندر

جذب کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ جب ہم بڑھنے سے رُکے تو دوسرے ہم پر بڑھے اور آج ہمیں اشاعتِ اسلام کی جگہ حفاظت اسلام کی فکر پڑی۔ چنانچہ یہ فتنۂ ارتداد، اگرچہ کتنا ہی ہم اسے ایک مصیبت اپنے لئے خیال کریں، ہمارے لئے اس رنگ میں ایک برکت اور رحمت بھی ہے کہ ہمیں اپنے خواب سے بیدار کر کے پھر دنیا میں قدم آگے بڑھانے کا موقع دے گا ؎

ہر بلاکیں قوم را حق دادہ است زیر آں گنجِ کرم بنہادہ است

میں پھر دہرانا چاہتا ہوں کہ ہمیں اپنے ہندو برادران وطن پر کوئی رنج نہ ہونا چاہیئے کہ وہ کیوں مسلمانوں کو اپنے مذہب میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ان کا حق ہے۔ جس طرح ہمارا یہ حق ہے کہ ہم ہندوؤں کو مسلمان کریں۔ ہم ہر قوم کے لئے مذہبی آزادی چاہتے ہیں، جس طرح اپنے لئے چاہتے ہیں۔ البتہ ہمیں اگر افسوس ہے تو اس بات کا کہ وہ سیدھا طریق اس بارے میں اختیار نہیں کیا گیا، جو خدا کا نام پھیلانے والوں کو اختیار کرنا چاہیئے، بلکہ فی الحقیقت پولٹیکل اغراض کو مذہبی لبادہ پہنایا گیا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ہمارے ہندو برادران وطن نے کبھی بھی اپنے مذہب کو ایک تبلیغی مذہب نہیں سمجھا۔ اُنہوں نے اسے، جیسا کہ فی الواقع یہ ابتدا سے تھا، ایک قومی اور ملکی مذہب سمجھا۔ ان کی آسمانی کتاب میں اُن کے لئے کوئی ہدایت موجود نہیں کہ وہ اپنے مذہب میں دوسری قوموں کو بھی داخل کریں۔ ان کے بزرگوں کا کوئی نمونہ ان کے سامنے موجود نہیں کہ قدیم ایام میں سے کبھی ان بزرگوں نے اپنے مذہب میں کسی دوسری قوم کو داخل کیا ہو۔ اس خیال کی ابتدا آریہ سماج سے ہوئی، جس کی تہ میں پولٹیکل مقاصد کام کر رہے ہیں۔ ان کے اصول ''شدھی'' کو اس زمانہ میں بھی دوسرے ہندو راہنماؤں نے غلط سمجھا اور غلط قرار دیا۔ اور اس بات پر ہمیشہ سناتن دھرم کی طرف سے، جو ہمارے ہندو برادران وطن کا اصل مذہب ہے، اعتراض ہوا کہ آریہ سماج کا یہ مسلک ہندو مذہب کے خلاف ہے۔ اگرچہ یہ شدھی نہیں بلکہ اشدھی ہے۔ سناتن دھرم کی یہ مخالفت آج تک بڑے زور شور سے قائم رہی ہے، مگر جب سے ہندوستان میں سوراج کا خیال مضبوط ہوا ہے، آریہ سماج کی اس تحریک کی مخالفت ہمارے برادران وطن کی طرف سے کمزور ہوتی چلی گئی ہے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ آریہ سماج اس پولٹیکل مقصد کو دوسری ہندو سوسائٹیوں کا مطمع نظر بنانے میں کامیاب ہو گئی ہے اور سناتن دھرم کی سبھائیوں نے جگہ جگہ اپنے اصول مذہبی کو ملکی اغراض کے سامنے قربان کرنا

شروع کر دیا ہے۔ اور نہ صرف سناتن دھرم سبھاؤں میں ''شدھی'' یا ''اشدھی'' کے جواز پر ریزولیوشن پاس ہونے شروع ہو گئے ہیں، بلکہ ہر قسم کے لوگ جن کا تعلق باہم صرف اس قدر ہے کہ وہ ایک عام لفظ ہندو کے ماتحت اپنے آپ کو رکھنا پسند کرتے ہیں اور اصول مذہبی میں ان کا کوئی بھی اتحاد نہیں، مسلمان راجپوتوں کو ہندو مذہب میں داخل کرنے کے لئے پورے زور سے میدان عمل میں کُود پڑے ہیں اور آریہ سماجی، سناتن دھرم بلکہ جینیوں تک مصروف پیکار ہیں۔ اگر یہ کام کسی مذہبی اصول پر ہوتا تو ہرگز یہ مختلف عقائد رکھنے والے لوگ ایک نہ ہو سکتے تھے، مگر چونکہ ہمارے ہندو برادران وطن کے پولیٹیکل اغراض پر متحد ہیں، اس لئے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سب ایک ہو گئے ہیں۔ اور اصل غرض صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کیا جائے۔ یہ واقعات ہیں۔ خواہ ہمارے ہندو بھائی اُنہیں اوپر سے کچھ بھی رنگ دیں، مگر اس تمام شورش کی تہ میں جو بات کام کر رہی ہے، وہ ایک ہی ہے کہ ہندوؤں کی طاقت اس قدر زبردست ہو جائے کہ اُس کے مقابل پر اور کوئی طاقت ہندوستان میں کام کرنے والی نہ رہے!

والدین، عزیز اقربا سب کے سامنے اپنی تعلیم کا اچھا نمونہ پیش کیجئے اور ان کے دل پر انکساری، حب الوطنی اور فرمانبرداری جیسے اخلاق حسنہ کا اچھا اثر ڈالئے۔ آخر میں حضرت مولوی صاحب، دیگر بزرگوں اور آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے ہماری دعوت قبول کر کے اتنی تکلیف گوارا فرمائی ہے۔

حضرت امیر کی نصائح

اس کے بعد حضرت امیر نے نہایت قیمتی نصائح طلباء کو فرمائیں اور دین و دنیا میں فلاح حاصل کرنے کے چند ایک اصول بتائے۔ آپ نے فرمایا:

> ''تم سب مسلمان ہو۔ تم ایسی درسگاہ میں رہے ہو جن کے اساتذہ بھی مسلمان ہیں۔ تم نے کچھ نہ کچھ ضرور یہاں سے سیکھا ہوگا۔ تم کو اپنے مدرسہ اور استادوں سے محبت تو ضرور ہو گئی ہوگی، لیکن باوجود اس کے تم میں سے ہر ایک کی خواہش یہی ہے کہ پھر دوبارہ سکول میں نہ آؤ۔ چند ایک باتیں بطور نصائح تم کو بتانا چاہتا ہوں۔ اول تو یہ کہ سب مسلمانوں کو، جو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے قائل ہیں، مسلمان سمجھو۔ دل میں تنگدلی ہرگز نہ

لاؤ۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کو کافر مت کہو۔ یہ اتحاد اور اتفاق کی بنیاد ہے۔ سب مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھو۔ دوسرے یہ کہ اپنی زندگیوں کو اُن مسلمانوں کی طرح بناؤ، جو رسول کریم ﷺ کے وقت میں تھے۔ اسلام کا شوق اپنے اندر پیدا کرو۔ تمہاری ہر ایک بات میں اسلام کی بات پائی جائے۔ تیسرے یہ کہ اب تم فارغ ہو۔ تم اب یہ فراغت کا وقت اسلام کے لئے دے سکتے ہو۔ یعنی جو مصیبت اسلام پر ہے، اس کو ایک گونا راجپوت ملکانوں میں جا کر دور کر سکتے ہو۔''

اس کے بعد طلباء نے اساتذہ کا شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ وہ حضرت امیر کی نصائح پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں گے۔ بعد ازاں قاضی ثناء اللہ صاحب نے کھڑے ہو کر سب حاضرین کا شکریہ ادا کیا کہ سب حاضرین تکلیف فرما کر تشریف لائے ہیں۔ پھر حضرت امیر کی دعا کے بعد جلسہ ختم فرمایا۔

☆☆☆

مسلم ہائی سکول

اشاعت وحفاظت اسلام کے سوال کا گہرا تعلق جس قدر ان نونہالوں سے ہے، جو آج گلی کوچوں میں کھیلتے پھرتے ہیں یا جو سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں، اتنا ان سے نہیں جو اپنی عمر کا ایک حصہ گزار چکے اور پاؤں قبر میں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ ہماری نسل جدیدہ ہماری آئندہ امیدوں کی کھیتی ہے اور ممکنات زندگی کی تمام توقعات اس سے وابستہ ہیں۔ حفاظت و اشاعتِ اسلام کی اہمیت کو اب مسلمانوں نے خوب سمجھ لیا ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ خدا نے اپنے زور آور حملوں سے مسلمانوں کو اس فرض کی طرف متوجہ کیا ہے، جس کی طرف ایک مامور الٰہی نے ان کو بلایا تھا۔ اس لئے اب دوسرا قدم یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کی بنیاد اس طریق پر رکھیں کہ وہ نہ صرف خود ہی سچے پکے مسلمان ہوں، بلکہ اشاعتِ اسلام سے گہری دلچسپی رکھتے ہوں۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام نے اس غرض سے ایک سکول مسلم ہائی سکول کے نام سے کھول رکھا ہے۔ انجمن تو اپنے فرض سے ایک حد تک سبکدوش ہو چکی، لیکن اب ہماری جماعت کا خصوصاً اور مسلمانوں کا عموماً یہ فرض ہے کہ اپنے

بچوں کو اس سکول میں بھیجیں تا کہ وہ دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ سے واقفیت حاصل کریں۔

مسلم ہائی سکول میں دینی تعلیم کا خاص انتظام ہے۔ اس کے علاوہ اساتذہ بھی علی العموم مذہب کے رنگ میں رنگین ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ایسی جماعت کے ماتحت یا اس سے تعلق رکھتے ہیں، جس نے اشاعتِ اسلام کا بیڑا اٹھایا ہے اور جس کے دلوں یہ آگ ایک مامورالٰہی نے لگائی ہے۔ اس لئے جو طالب علم مسلم ہائی سکول میں تعلیم پائیں گے، ان سے یہ بجا طور پر توقع کی جائے گی کہ وہ اسلام کے بہترین نمونہ بنیں اور اشاعتِ اسلام کے فرض کی اہمیت کو کما حقہ سمجھیں۔

اب یونیورسٹی کے امتحانات ہو چکے ہیں۔ اور عنقریب نتائج نکلنے پر ہمارے احباب اپنے بچوں کو مدرسوں میں داخل کریں گے۔ اس موقع پر ہم ان کو اس امر کی طرف متوجہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ ان کو مسلم ہائی سکول میں داخل کریں۔ کیونکہ یہاں وہ علوم ظاہری کے ساتھ علم دینی بھی حاصل کر سکیں گے۔ سردیوں میں حضرت امیر کے درس قرآن شریف میں بھی شریک ہو سکیں گے۔ ہر جمعہ وعظ ونصیحت بھی سن سکیں گے۔ اگر اس چھوٹی عمر میں ان کے دل ودماغ میں اسلام کی محبت اور اس کی حقانیت راسخ ہو جائے گی تو پھر آئندہ عمر میں وہ اسلام کے لئے باعث فخر ثابت ہوں گے۔ کیونکہ ان کے اعمال وافعال سے اسلام کی روایات کا ظہور ہوگا اور ان کی ذات ہی لوگوں کے لئے نمونہ ہوگی۔ انشاءاللہ تعالیٰ امید ہے کہ ہماری یہ صدا صدا بہ صحرا ثابت نہ ہوگی۔

7اپریل1923ء

اداریہ

ختم قرآن کریم

(حضرت امیر کے قلم سے)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ. (11:93)

ترجمہ: اور اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرتا رہ۔

2/اپریل 1922ء دوشنبہ میرے لئے ایک بڑا ہی مبارک دن تھا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے مجھے اردو ترجمۃ القرآن کے ختم کرنے کی توفیق دی اور انگریزی ترجمہ کے بعد اردو ترجمہ وتفسیر کے کام کو محض فضل ایزدی نے تکمیل کو پہنچایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ. مجھ جیسے عاجز اور کم علم انسان سے اس نے اتنا بڑا کام لیا، اس پر میرے قلب میں حمد الٰہی سے وہ لذت پیدا ہوتی ہے، جس کو کوئی الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔ 1913ء کا واقعہ ہے۔ ابھی انگریزی ترجمۃ القرآن کا کام بہت سا کرنے والا باقی تھا کہ میر ناصر نواب صاحب نے اردو میں ترجمہ قرآن کریم کے چھپوانے کے لئے تحریک کی اور بہت سے احباب سے روپیہ بھی جمع کر لیا اور پھر حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم کی خدمت میں درخواست کی کہ اردو میں قرآن کریم کا ترجمہ چھپوانے کی اجازت دی جائے۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ جواب دیا کہ ہماری جماعت میں ایک ہی ترجمہ ہوگا۔ اور وہ وہ ہوگا جو محمد علی انگریزی ترجمہ کو ختم کرنے کے بعد کرے گا۔ ساتھ ہی مجھے ارشاد فرمایا کہ تھوڑا تھوڑا اردو ترجمہ بھی کر کے دکھاتے جاؤ۔ چنانچہ چھ سات پارے کے قریب صرف ترجمہ کر کے میں حضرت مولوی صاحب کو دکھاتا بھی رہا۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم جیسا عاشق قرآن اور میرے جیسے بے بضاعت آدمی پر یہ حسن ظن! اور پھر اپنی آخر زندگی میں یعنی موت سے صرف چند دن پیشتر ایک بڑے مجمع میں بلا کر آپ نے فرمایا کہ انگریزی ترجمہ مقبول ہو گیا۔ انگریزی ترجمہ نے کوئی تین سال اور لے لئے۔ پھر کچھ اور کاروبار ضروری کی وجہ سے اردو ترجمہ کا کام اسی

طرح ملتوی پڑا رہا۔ دوسری طرف 1914ء سے قادیان میں ایک عظیم الشان پیمانہ پر دس بارہ آدمیوں کی مجموعی محنت سے ایک انگریزی اور ایک اُردو ترجمہ شائع ہونے کی تجویز زور سے ہوئی۔ میں نے 1918ء میں اُردو ترجمہ کا کام شروع کیا۔ مگر ابتدائی حصہ یعنی سورۃ البقرہ کے ختم ہونے پر معلوم ہوا کہ پانچ سوصفحہ مسودہ صرف ایک سورۃ کا ہوگیا، اس لئے دوبارہ اختصار سے کام کو شروع کیا گیا۔ اور اس پہلی تجویز سے آج پورے دس سال بعد، اور اردو ترجمہ پر کوئی چار سال کی محنت کے بعد، محض اللہ کے فضل سے یہ کام اتمام کو پہنچتا ہے۔ اور حضرت مولوی صاحب کی فراست مومنانہ فَاِنَّهٗ یَنۡظُرُ بِنُوۡرِ اللّٰهِ کے مصداق ثابت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آج میری طرح نہ صرف اور بہت سے میرے احباب کی روح کو لذت حاصل ہوتی ہو گی بلکہ حضرت مولوی صاحب مرحوم کی روح، اور پھر اس مقدس انسان کی روح، جس نے یہ لکھا کہ انگریزی زبان میں ترجمہ وتفسیر کا شائع کرنے کا کام مجھ سے ہو سکے گا یا اس سے جو میری شاخ ہے، اور یوں مجھے کھلے الفاظ میں اپنے ساتھ نسبت فرزندی دی۔ آج یقیناً ان کی روحوں کو بھی اس کام سے خوشی پہنچتی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بڑی بڑی برکات نازل کرے، جنہوں نے مجھے اس راہ پر ڈالا اور مجھے اس کام کے قابل بنایا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اس نے اتنی بڑی خدمت مجھ سے لی، میں اس کام کا اہل نہ تھا۔ اس کے فضل سے اتنی بڑی منزل طے ہوئی کہ اس کام کے شروع کرنے کے بعد چودہ سال تک مجھے زندگی اور صحت عطا فرمائی، جس میں شب وروز خدا کا پاک کلام میری روح کی غذا رہی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہوتو سینکڑوں رکاوٹیں راہ میں حائل ہوجاتی ہیں۔ اس کا فضل شامل حال نہ ہوتو کتنی آرزوئیں انسان کے ساتھ اس کے پیٹ میں چلی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کی تکمیل کے لئے مجھے چودہ سال عطا فرمائے۔ گویا اس کا ایک ضروری حصہ اب بھی قرآن کریم کے تمام مضامین کو جامع رنگ میں انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں کر چکا ہوں۔ یعنی قرآن کریم کے تمام مضامین کو جامع رنگ میں ایک کتاب کی صورت میں لانا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوئی تو یہ اور ایک مبسوط سیرت نبی کریم ﷺ انگریزی میں پیش نظر ہیں۔ صحیح بخاری کا ترجمہ اگر چھپنے کا سامان ہو جائے تو قرآن شریف کی طبع کے فوراً بعد بتدریج شروع ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس کا کچھ مسودہ میرے پاس تیار بھی ہے۔ جس قدر کام ہوا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی آسانیاں بھی مہیا کر دیں اور ان کتابوں کے چھپنے

پر جو لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے، اس کا سامان بھی اپنے فضل سے کر دیا۔ اور رکاوٹیں بھی پیش آتی رہیں، جن میں سب سے بڑی رکاوٹ میرے وہ اشغال تھے، جو نظم جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ لاہور میں رہ کر میں بہت ہی کم تصنیف کے کام کو کر سکا ہوں۔ اور جو کیا بھی ہے، تو اس میں اس قدر یکسوئی میسر نہیں آئی، جس قدر لاہور سے الگ رہ کر۔ میں لکھ رہا ہوتا ہوں کہ یہاں بار بار کوئی نہ کوئی کام درمیان میں آ جاتا ہے۔ اور بسا اوقات ہوتا ہے کہ مضمون کے لئے تمام سوچا سمجھا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ وہ بھی میرے کام کا حصہ ہے۔ اس لئے یہ شکایت کے طور پر نہیں، بلکہ اظہار واقعات کے طور پر ہے۔ مگر یکسوئی سے جو قوت کام میں پیدا ہوتی ہے، وہ نہیں رہتی۔ دوسری طرف لاہور سے الگ رہ کر نظم جماعت کے کام کو نقصان پہنچتا رہا ہے، مگر میں اس میں بہت مجبور ہوں۔ اگرچہ میں نے اپنی طرف سے یہ پوری کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی امانت کے حق کو ادا کروں، مگر میں جانتا ہوں کہ میں نے غلطیاں بھی کی ہیں۔ اور اس لئے آج اس کام کو ختم کرنے کے بعد اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر، جو خدمت قرآن کے رنگ میں اس نے مجھے عطا فرمائیں، میں خوش ہوں تو دوسری طرف میرا دل اس خوف کو بھی محسوس کرتا ہے کہ مجھ سے جو غلطی بتقاضائے بشریت یا میری بے بضاعتی سے ہو گئی ہو، وہ دوسروں کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ ہو۔ قرآن کا ہر ایک لفظ ہر مسلمان کے لئے نور اور حجت ہے۔ ترجمہ و تفسیر میں میں نے اپنے آپ کو کلام خدا، حدیث رسول، لغت عرب سے جہاں تک میری سمجھ تھی پابند کرنے کی کوشش کی ہے، مگر پھر بھی وہ میری سمجھ ہے۔ وہ کسی کے لئے حجت نہیں، سوائے اس کے کہ خدا کے کلام اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث صحیح کے مطابق ہو۔ اور جو کہیں میری غلطی سے قرآن یا حدیث صحیح کے خلاف تفسیر ہو گئی ہو، تو وہ رد کرنے کے قابل ہے۔ میری صرف یہ کوشش ہے کہ لوگ علم قرآن کو پڑھیں اور اس کی خدمت کی طرف متوجہ ہوں۔

نوٹ: اگرچہ مسودہ کی تکمیل ہو چکی ہے۔ لیکن ابھی کوئی تین ماہ کے قریب اور تیسری جلد کے تیار ہونے میں لگ جائیں گے۔ چھ سات سو صفحوں کی کاپیاں اور پروف ابھی دیکھنے ہیں اور انڈکس بھی تیار کرنا ہے۔

21 اپریل 1923ء

اداریہ

فتنۂ ارتداد اور ہمارا طریق عمل

(از حضرت امیر ایدہ اللہ)

اس علاقہ میں جہاں فتنۂ ارتداد رونما ہوا، اس وقت مسلمان مبلغین کی تعداد کوئی پونے تین سو کے قریب بتائی جاتی ہے۔ اس قدر مبلغین اگر یک جہتی سے اور ایک غرض کو مدنظر رکھ کر کام کرنے والے ہوں، تو دو تین سال کے عرصہ میں عظیم الشان نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور نہ صرف مسلمان کفار کے حملہ سے بچ سکتے ہیں، بلکہ اسلام کے متعلق صحیح تعلیم ان علاقہ جات میں پھیل جانے سے ایک بڑا گروہ ہنود کا اسلام کی طرف کھینچا چلا آئے گا۔ اگر اوسطاً ایک مبلغ دو ہزار آدمیوں کے اندر بھی کام کر سکے تو یہ مبلغین پانچ لاکھ آدمی کو سنبھال سکتے ہیں۔ لیکن سارا سوال صرف صحیح طریق عمل اور مضبوط انتظام کا ہے۔ ہماری انجمن نے جو کچھ طریق عمل تجربہ اور مشورہ کے بعد ضروری سمجھا ہے، اسے میں جملہ برادران اسلام کی اطلاع کے لئے بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

اوّل: سب سے پہلے غرض کا قائم کرنا ضروری ہے۔ جس شخص نے ادنیٰ توجہ بھی اس معاملہ پر کی ہوگی، اس پر یہ بات روشن ہو گئی ہوگی کہ ہمارے ہندو ہم وطنوں نے جو ملکانہ راجپوتوں یا مولا گوجروں کی طرف توجہ کی ہے اور انہیں اسلام سے منحرف کرنا چاہا ہے تو اس کی وجہ صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے ان لوگوں کو دین اسلام سے ناواقف پایا ہے۔ وہ بھی خوب جانتے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ اصول کے اندر ایک ایسی کشش ہے کہ جو شخص ایک دفعہ اصول اسلام کو صحیح طور پر سمجھ لے اسے کوئی چیز پھر کفر کی طرف واپس نہیں لے جا سکتی۔ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ تم اصل میں ہندو ہو، برادریوں میں مل جاؤ۔ ان حالات میں ان سب لوگوں کی، جو وہاں کام کرنے جاتے ہیں، صرف ایک ہی غرض ہونی چاہیئے۔

یعنی یہ کہ ان لوگوں کو موٹے موٹے اصول اسلامی سے واقف کرایا جائے۔اب جہاں تک میں سمجھتا ہوں جمہور اسلام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اسلام کے تمام فرقے اصولاً متحد ہیں اور اختلافات صرف فروعی ہیں۔ پس ان لوگوں کو، جو تعلیم اسلام کے اصول سے ہی ناواقف ہیں، اول صرف اصول اسلام کی تعلیم ہی دینی چاہئے۔فروعی اختلافات کے نہ وہاں پیش کرنے کا موقع ہے، نہ وہ لوگ ابھی ان کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔اگر کوئی شخص وہاں جا کر اسلام کے تہتر فرقے پیش کر کے اپنے آپ کو ناجی بتاتا ہے تو اگر چہ وہ اسے خدمت اسلام سمجھتا ہو،مگر فی الحقیقت اسلام کو نقصان پہنچاتا ہے۔ناجی اور ناری کی بحث کو سمجھنے کے لئے اور کروڑوں مسلمان موجود ہیں۔ان لوگوں کی ناواقفیت سے،جنہیں دشمن ارتداد کی چوکھٹ پر کھڑے ہوئے خیال کرتا ہے، ہم ایک فائدہ حاصل کرنا چاہیں تو وہی کام کریں گے، جو آریہ سماج کے لوگ یا اس وقت اغراضِ ملکی کے لئے ان کے معاون اختیار کر رہے ہیں۔اسی بنا پر پہلے دن ہم نے اپنے مبلغین کو بھیجتے وقت جو ہدایات دی تھیں، وہ یہی تھیں کہ وہ اسلام کی اصولی تعلیم سے ان لوگوں کو آگاہ کریں اور یہی ہماری غرض اب بھی ہے۔

دوم: اسی غرض کو حاصل کرنے کے لئے چندروزہ کام وہاں کوئی دیر پا اثر پیدا نہیں کرے گا۔ چندروزہ کام کی بھی ضرورت ہے، مگر وہ محض دفاع کے لئے ہے۔لیکن ہماری اصل غرض یہ ہونی چاہیے کہ یہ لوگ ایسے پختہ مسلمان ہو جائیں کہ آئندہ کفر کے دندان آزما، اُن پر تیز نہ ہوسکیں، بلکہ یہ لوگ اپنی برادریوں میں سے ان لوگوں کو، جو اب تک اسلام میں داخل نہیں ہوئے، اپنے اندر جذب کرنا شروع کر دیں۔اس لئے ہمارے نزدیک کم سے کم دس سال تک ان لوگوں کے اندر کام کرنے کا تہیہ کرنا چاہئے۔اور اس عرصہ کے بعد بھی جب تک اُن کی حالت پر پورا اطمینان نہ ہو، انہیں اپنی حالت پر نہیں چھوڑنا چاہئے۔اپنے مبلغین سے جو کام ہم لے رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہر ایک مبلغ کے ماتحت پانچ سات گاؤں

کا ایک حلقہ قائم کر کے ایک مرکزی موضع میں ایک مدرسہ کھول دیا گیا ہے۔ پس ہر مبلغ نہ صرف موجودہ نسل کی، جہاں تک ممکن ہے وَلَا تُعَسِّرُوْا پر عمل کرتا ہوا اصلاح کرنے کی کوشش کرے گا، بلکہ آئندہ نسل کی بچپن سے اسلامی خیالات پر تربیت کرے گا۔ اس وقت تک ہماری انجمن جس قدر ایسے مدارس قائم کر چکی ہے، وہاں مبلغین کی صرف تنخواہوں پر تین سو روپیہ ماہوار کے قریب خرچ ہو رہا ہے۔ اور جوں جوں اس غرض کے لئے انجمن کو اور روپیہ ملتا جائے گا، اس کام کو وسیع کیا جائے گا۔ علاوہ تنخواہوں کے اخراجات کے، طالب علموں کے لئے کتابوں اور دیگر ضروریات پر بھی خاصہ خرچ ہے۔

سوم: چونکہ ان مدارس میں عموماً صرف پرائمری تک تعلیم ہو گی اور ان کا فائدہ صرف اس قدر ہو گا کہ آئندہ نسلیں سادہ طور پر بالکل اسلام کے رنگ میں رنگین ہوں۔ لیکن کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی، جب تک کہ اس میں علماء کا گروہ بھی نہ ہو، جو دینی علوم میں ترقی کرے اور بالخصوص اس وقت مذاہب غیر سے مقابلہ کر سکے۔ اس لئے دوسری تجویز یہ اختیار کی گئی ہے کہ ان علاقہ جات سے قابل اور مستعد طالب علم لے کر انہیں اس قسم کی دینی تعلیم دی جائے، جسے حاصل کر کے وہ نہ صرف اسلام کو دوسرے مذاہب کے مقابلہ پر حملوں سے بچا سکیں، بلکہ ان کے اندر تبلیغ کا کام بھی کر سکیں۔ اس وقت ان علاقہ جات کے صرف تین طالب علم ہمارے پاس ہیں۔ لیکن ذرائع آمد کی ترقی کے ساتھ اس تعداد کو بڑھانے کی تجویز ہے۔ قرآن کریم کا بھی یہی حکم ہے کہ مسلمانوں کی ہر قوم میں سے کچھ لوگ علم حاصل کر کے اپنی اپنی قوموں کی رہنمائی کریں: فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ (9:122)

چہارم: حالات موجودہ میں یہ ازبس ضروری ہے کہ آریہ سماج کے مبلغین کے مقابلہ کے لئے کچھ آدمی مخصوص رہیں، جو جہاں ضرورت پیش آئے، فوراً پہنچ سکیں۔ اس غرض کے لئے انجمن نے اپنے دو بہترین آدمی، جو سالہا سال سے آریہ سماج کا مقابلہ ہر میدان میں

کامیابی سے کر چکے ہیں، مخصوص کر دیئے ہیں۔ایک کا ہیڈ کواٹر مولا گوجروں کے علاقہ میں اور دوسرے کا ملکانہ راجپوتوں کے علاقہ میں رکھا ہے۔

پنجم: موجودہ صورت حالات کے مقابلہ کے لئے ہی نہیں بلکہ اشاعتِ اسلام کے مقدس فرض کو سرانجام دینے کے لئے ان علاقہ جات میں ہندی لٹریچر کا پیدا کرنا از بس ضروری ہے۔سردست انجمن ہذا نے یہ کام ٹریکٹوں سے شروع کیا ہے۔یعنی ضروری مسائل پر وقتاً فوقتاً دو ورقہ ٹریکٹ کثرت سے چھاپ کر ایسے دیہات میں تقسیم کرنے کا انتظام کیا جائے گا۔اس بارہ میں ہم دیگر انجمنوں سے اس قدر امداد کے متوقع ہیں کہ وہ اپنے اپنے علاقہ جات میں جس قدر ٹریکٹ تقسیم کر سکتی ہوں، اس سے ہمیں اطلاع دیں تاکہ اُس کے مطابق چھپوانے کا انتظام کیا جائے۔

ششم: اس کے علاوہ انجمن نے ایک ڈسپنسری بھی کھولی ہے۔مگر یہ محض رفاہِ عام کا کام ہے۔

☆☆☆

وید اور قرآن شریف

گذشتہ اشاعت میں ہم نے آریہ گزٹ کے ''وید اپدیش'' کے دلآزار فقرات بعض لیڈران ملک کی توجہ کو منعطف کرانے کے لئے نقل کئے تھے۔اس اپدیش میں مضمون نویس نے وید کی تعلیم کا مقابلہ قرآن شریف سے بھی کیا ہے۔اور لکھا ہے کہ وید تو فرماتا ہے:

''مبارک ہیں وہ انسان جو دنیا میں نیکی اور آشتی کا پرچار کرتے ہیں۔''

لیکن قرآن کی تعلیم ہے: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ (65:8) یہی ایک آواز ہے، جو آئے دن آریہ سماجی حلقوں سے آتی ہے۔سارے قرآن کریم میں انہیں سوائے جنگ اور قتل کے حکموں کے اور

کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ وید کے چند فرضی لفظ نقل کر کے کہ

''مبارک ہیں وہ انسان جو دنیا میں نیکی اور آشتی کا پرچار کرتے ہیں''

وہ دنیا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ وید نے دنیا کو نیکی اور آشتی کے پرچار کا حکم دیا ہے۔ اور ویدک رشی کی اس کینہ توزی پر نظر نہیں ڈالتے یا عمداً اسے چھپاتے ہیں، جس میں دشمنوں کے فنا اور نیست و نابود کر دینے کی دعائیں ہیں۔ جس میں پرماتما سے یہ التجا کی گئی ہے کہ ہم دشمنوں کو اس طرح ماریں جس طرح بلی چوہے کو مارتی ہے۔ ہاں ویدک رشی بھی آج کل کے بنیوں سے بڑھ کر نہ تھے۔ اس لئے دشمن کا مقابلہ کرنے کی تو بیچاروں کو طاقت ہی نہ تھی، اندر ہی اندر جل بھن کر خدا سے التجائیں کرتے تھے کہ انہیں دشمن پر قابو ملے، تو اس کو کچا ہی چبا جائیں۔ مسلمانوں کو اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے ہمت و طاقت عطا فرمائی۔ نرا گھروں کے اندر دشمنوں پر دانت پیسنا ہی نہیں سکھایا بلکہ اس سے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی اجازت دی۔ وہ بھی اس طرح نہیں کہ جیسے بلی چوہے کو مارتی ہے بلکہ فرمایا: قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ (190:2) ان لوگوں سے اللہ کی راہ میں لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو۔

یہ تو اس حالت کی بات ہے، جب دشمن ابتدا کریں۔ اور آریہ گزٹ کی پیش کردہ آیات تمام اسی ذیل میں آتی ہیں۔ ہر حالت میں ایسا کرنے کا حکم کہیں قرآن میں نہیں۔ ہاں! وید میں اگر نیکی اور آشتی کا پرچار کرنے والوں کو مبارک کہا گیا ہے، تو اس سے بڑھ کر امت محمدیہ کو خیر امت اس وجہ سے قرار دیا گیا ہے کہ وہ دنیا کی بھلائی کے لئے پیدا کی گئی۔ اور نیکی کا حکم دیتی اور بدیوں سے روکتی ہے۔ فرماتا ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (110:3) آریہ گزٹ میں اگر حق اور راستی کا کچھ تھوڑا سا بھی مادہ ہے، تو اسے چاہئے کہ ویدک تعلیم کے وہ حصص بھی پبلک میں لائے، جن میں جنگوں اور دشمنوں کا ذکر ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ ویدک رشی دشمنی اور کینہ پروری کے کس قدر بلند مقام پر تھے۔

☆☆☆

شودر کی زنار بندی نا جائز ہے

آئے دن آریہ سماجی اخبارات کئی ایک ادنیٰ ذاتوں کے ہندوؤں کی زنار بندی کی خبریں شائع کرتے رہتے ہیں۔ اسی قسم کی ایک خبر آریہ گزٹ نے اپنی تازہ اشاعت میں درج کی ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ 19 اپریل کو چک نمبر 319 میں ایک سو پچھتر آدمیوں کا یگیو پویت زنار بندی ہوئی اور ان کو یہ نصیحت کی گئی کہ ''اب سر اُتر جائے تو اُتر جائے لیکن یگیو پویت نہ اترے۔'' فی الحقیقت ادنیٰ جاتی کے ہندوؤں پر آریہ سماج کا احسان سمجھنا چاہیئے کہ وہ ان کو جنیو پہنا کر اعلیٰ ذاتوں کے ساتھ ملاتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کا کوئی عملی فائدہ اور نتیجہ بھی برآمد ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آریہ مذہب میں، جس کی بنیاد سوامی دیانند صاحب نے رکھی، ایسا کرنا جائز ہے۔ سوامی صاحب اپنی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' میں اس کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''جو خاندانی نیک چلن شودر ہو، تو اس کو منتہ سنگھتا چھوڑ کر سب شاستر پڑھائے اور شودر پڑھے، لیکن ان کا اُپ نین نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ رائے کئی ایک آچاریوں کی ہے۔''
> (صفحہ 48)

اُپ نین کے معنی حاشیہ میں زنار بندی لکھے ہیں۔ ہم آریہ سماج سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ سوامی جی کے ارشاد کے کہاں تک مطابق ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ آریہ سماج کا مسلک بہت سی باتوں میں بانی مذہب کی تعلیم کے کیوں خلاف ہے؟ یا تو وہ اس تعلیم کو غلط اور جھوٹا قرار دیتی ہے یا خود غلط مسلک اختیار کر رکھا ہے۔ دونوں میں سے جو بھی بات ہو، اس کا اعلان ہونا چاہیئے۔

☆☆☆

مبالغہ آمیز غلط بیانی

شدھی کے معاملہ میں آریہ اخبارات نے جس قدر غلط بیانیوں سے کام لینا شروع کیا ہے شاید اس کی نظیر تاریخ عالم میں ملنا محال ہے۔ آئے دن مختلف دیہات کے سینکڑوں اور ہزاروں مسلمانوں کے شدھ ہونے کی

خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔اور حالت یہ ہے کہ ان دیہات کی آبادی اس قدر تعداد کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتی!

تھوڑے ہی دن ہوئے۔معاصر ''کسیری'' نے موضع پالڑی میں 350 ملکانوں کے شدھ یا اشدھ ہونے کی خبر شائع کی تھی۔حالانکہ وہاں مسلمانوں کے پچاس گھر بھی نہیں۔مولوی عصمت اللہ صاحب نے ایک خط میں اس کی تغلیط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پالڑی میں ملکانہ تو ایک بھی نہیں،صرف جاٹ آباد ہیں اور ان میں بھی مسلمانوں کے کل چار پانچ گھر ہیں۔اسی قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں،جن کا ذکر بارہا اخباروں میں آچکا ہے۔لیکن افسوس ہے کہ ہمارے لائق معاصرین،جو آج مسلمانوں کو تہذیب وشائستگی کے سبق پڑھانے آئے ہیں،اس کذب بیانی ہی کو اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں!

10اپریل1922ء

حضرت مسیح موعودؑ کو ماننا کیوں ضروری ہے؟

ایک صاحب نے ، جو اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ ہیں، ذیل کے استفسارات حضرت امیر کی خدمت میں ارسال کئے ہیں، جنہیں مع جوابات قارئین کرام کے ملاحظہ کے لئے درج کیا جاتا ہے:

مکرمی مخدومی قبلہ جناب مولوی صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔آپ کی تقریریں سننے کا بھی اتفاق ہوا ہے اور وقتاً فوقتاً آپ کی تحریریں بھی دیکھی ہیں، لیکن دونوں میں تھوڑا سا تفاوت پایا جاتا ہے۔مہربانی کر کے اس کو واضح کر کے شبہات کو رفع کریں۔

1۔ میں ایک مسلمان ہوں۔حنفی المذہب ہوں۔قرآن کریم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔اس کوشش کے بعد آپ مجھ سے کیا توقع رکھتے ہیں؟

2۔ آپ مرزا غلام احمد صاحب کو مجدد مانتے ہیں۔ میں کہتا ہوں شاید وہ مجدد ہوں یا نہ ہوں، مجھے اس بات سے غرض نہیں۔اس انکار پر آپ مجھے کس زمرہ میں شمار کریں گے؟

3۔ اس سے پہلے مجددین نے کل دنیائے اسلام سے بیعت لینے کا تقاضا نہیں کیا اور کسی کے بیعت نہ کرنے کی صورت میں اس کو قابل مؤاخذہ قرار نہیں دیا۔ پھر مجددیت مرزا صاحب سے انکار یا بے اعتنائی قابل مؤاخذہ کیسے ہوسکتی ہے؟

4۔ احمدیت میں شامل ہوئے بغیر بھی ہر مسلمان تبلیغ میں حصہ لے سکتا ہے۔صرف اسی شرکت کے لئے احمدیت میں شامل ہونا ضروری کیوں ہے!

5۔ سالانہ اجلاس کے موقع پر آپ نے ایک اعلان شائع کیا تھا۔جس میں لکھا تھا کہ مرزا صاحب کے منکر کافر تو نہیں، لیکن ان سے مؤاخذہ ضرور ہوگا۔مؤاخذہ کس امر کا ہوگا۔اور

کیوں ہوگا؟ اس کو واضح کریں۔ وہ صرف قرآن کریم کو ایک طرز سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، وہی قرآن ہے۔ اس کو ہم بھی سمجھنے کی عین ایمانداری سے کوشش کرتے ہیں۔ حیات و ممات مسیحؑ پر میرے خیال میں ایسا امر نہیں ہے، جس پر کفر و اسلام کا انحصار ہو۔ پھر مؤاخذہ کس واسطے اور کس امر کا؟

اگر آپ زیادہ عالمانہ بحث میں پڑیں گے، تو آپ کو ہر ایک امر ابتدا سے ثابت کرنا پڑے گا۔ مثلاً 1۔ مسیح آخر الزمان کی آمد ضروری ہے۔ میں بحث کی خاطر اس سے انکار کروں گا۔ 2۔ اس کے ثابت کرنے کے بعد یہ سوال شروع ہوسکتا ہے کہ کیا مرزا صاحب وہی مہدی اور مسیح موعود ہیں یا کوئی اور۔ میں پھر بحث کی خاطر اس سے بھی انکار کروں گا۔

☆☆☆

حضرت امیر کے جوابات

مکرم و معظم بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ نے یہ تحریر نہ فرمایا کہ میری تقریر اور تحریر میں کیا فرق آپ کو معلوم ہوا؟ تا کہ میں اس کی تشریح کی کوشش کرتا۔

1۔ آپ مسلمان ہیں۔ حنفی المذہب ہیں۔ لیکن مرزا غلام احمد صاحب کے مجدد ہونے کے بارہ میں آپ کوئی رائے قائم کرنا نہیں چاہتے۔ میں آپ سے اسی قدر توقع رکھتا ہوں کہ آپ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ حدیث صحیحہ میں وعدہ ہے۔ مجددین کے دعوے موجود ہیں۔ اس وقت ایک شخص دعویٰ کرتا ہے۔ ایک رستہ بھی بتاتا ہے۔ اگر وہ صادق ہے تو آپ کا فرض ہے کہ اس کے ساتھ ہوں۔ قرآن کریم فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ .(119:9) اگر فی الواقع حضرت مرزا صاحب کسی غلط رستہ پر ڈالتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سے بچنے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر وہ رستہ

خراب نہیں تو پھر ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے۔ اگر ہم ساتھ نہیں دیتے تو ہم اس حکم قرآنی کی تعمیل نہیں کرتے۔ اگر ہم اس کے ہونے نہ ہونے کو برابر سمجھتے ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ کے ایک فعل کو لغو سمجھتے ہیں کہ اس نے تو ضرورت سمجھ کر سلسلہ مجددین کا شروع کیا اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

2۔ اگر پہلے مجددین نے دنیائے اسلام سے بیعت لینے کا تقاضا نہیں کیا تو حضرت مرزا صاحب کو بھی بعد دعویٰ مجددیت جب لوگوں نے بیعت لینے کے لئے کہا تو آپ نے یہ کہا کہ مجھے یہ حکم نہیں ملا۔ اور بیعت نہیں لی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں پایا۔ یہ ہر شخص کے کام کی نوعیت پر انحصار ہے۔ آنحضرتؐ نے دو دفعہ صرف انصارؓ سے بیعت لی، جو بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ کہلاتی ہیں۔ ایک دفعہ حدیبیہ کے مقام پر چودہ سو مسلمانوں سے بیعت لی، جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے اور جنگوں کے وقت بیعت نہیں لی۔ پس بعض وقت ایک چیز کی ضرورت ہوتی ہے، بعض وقت نہیں ہوتی۔ حضرت مرزا صاحب کو ایسی ضرورت تھی کہ وہ ایک جماعت بناتے، جو اُن کی وفات کے بعد ان کے کام کو زندہ رکھتی۔ جماعت میں بغیر بیعت کے قوت پیدا نہ ہو سکتی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے جب حکم دیا کہ بیعت لو، تو آپ نے بیعت کا اعلان کیا۔ اس سے پہلے چار سال بیعت لینے سے انکار کرتے رہے۔ حالانکہ دعویٰ مجددیت کر چکے تھے۔

3۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص میرے جھنڈے کے نیچے نہیں آتا، مشرق میں ہو یا مغرب میں، وہ محروم کیا جائے گا۔ اور سچ بھی ہے کہ اگر ہمیں یہ یقین ہے کہ سلسلہ مجددین اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے قائم کیا ہے، تو پھر بیعت سے، جب اللہ تعالیٰ مجدد کو حکم دے، ہم گریز نہیں کر سکتے۔ مجددین کی معیّت سے انکار ایک صداقت کا انکار ہے، اس لئے قابل مؤاخذہ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام سے انکار ہے۔ جس

طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اور احکام سے انکار قابل مؤاخذہ ہے، اسی طرح معیت مجدد سے انکار بھی قابل مواخذہ ہے۔

4۔صرف ایک امر ہی شرکت کے متعلق احمدیت میں شامل ہونے کے لئے نہیں کہا جاتا بلکہ ان تمام امور میں، جن کے لئے مجدد کو کھڑا کیا گیا، ان میں جماعت بندی بھی ایک ہے۔اور بھی کئی ایک امور ہیں۔

5۔ حضرت عیسیٰؑ کی حیات وفات کے مسئلہ پر کفر واسلام کا انحصار نہیں۔لیکن حضرت عیسیٰؑ کی حیات اس وقت کفر کے ہاتھ میں ایک زبردست تلوار کا کام دے رہی ہے۔اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص، جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہو، اس سے انکار کرسکتا ہے کہ قرآن کریم سے حضرت عیسیٰؑ کا وفات یافتہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔مصر کے بڑے بڑے علماء، ہندوستان میں مولانا ابوالکلام آزاد اور سید سلیمان ندوی وفات مسیحؑ کے قائل ہیں۔ ایک سچائی کو محض اس لئے نہ ماننا کہ یہ فلاں شخص کی طرف سے نکلی ہے، صحیح طریق عمل نہیں۔

بالآخر مجھے افسوس ہے کہ آپ نے یہ بھی لکھ دیا کہ اگر میں عالمانہ بحث کروں تو آپ سرے سے ہی سب باتوں کا انکار کردیں گے۔میں یقین کرتا ہوں کہ آپ کے دل میں حق کو لینے کی تڑپ ہے۔خواہ وہ کہیں سے مل جائے۔آپ بلا وجہ ایک بات کو فضول نہ سمجھ لیں۔آخر احادیث میں وہ باتیں موجود ہیں۔قرآن کریم میں موجود ہیں۔اگر آپ نے اس وقت تک کوئی کتاب حضرت مرزا صاحب کی نہیں پڑھی تو کم سے کم ایک دو کتابیں ضرور پڑھیں اور پھر جو طبیعت فیصلہ کرے آپ کا اختیار ہے۔والسلام

5 مئی 1923ء

مراسلات

بانیٔ نفاق کون ہے؟

اس امر کا اظہار ہم بار ہا ہندوقوم پرستوں کی جانب سے کرتے سن چکے ہیں کہ ہر وہ شخص، جس کا جنم بھوم ہندوستان ہے، ہندی پہلے اور ہندو یا مسلم بعد میں ہے۔لیکن ہر دعویٰ کی تصدیق یا تکذیب دلیل پر ہوا کرتی ہے۔ برادران ہنود اس امر کا انکشاف تو بلالومۃ لائم کر دیا کرتے تھے،لیکن چونکہ ان کا مطمع نظر ہندوستان اور محض ہندوستان تھا،اس لئے دلیل کے معیار پراس دعویٰ کی تصدیق یا تکذیب نہ ہوتی تھی۔مسلمانوں کومطعون کیا جاتا تھا اور اب بھی کیا جا رہا ہے کہ مسلمان ہمیشہ ترکی و ہندوستان،مصروعربستان کے خواب دیکھتے رہے اور انہیں ہندوستان کی فلاح و بہبود سے کوئی سروکار نہ رہا۔لیکن چندسنین گذشتہ میں مسلمانوں کے طرزِعمل نے اس طعن آمیز مقولہ کی جس خوبی سے تکذیب کی ہے، وہ کسی انصاف پسند سے مخفی نہیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے ہندو بھائی، جواس امر کا دعویٰ بڑی بلند آہنگی سے کیا کرتے تھے اور جن کا مطمع نظرمحض ہندوستان تھا۔کیونکہ یہی ان کا مرز بوُم، یہی ان کا قبلہ مقصود اور یہی ان کا قدیمی وطن مالوف تھا،کہاں تک اپنے دعوے میں سچے ثابت ہوئے یا ہورہے ہیں۔اس حقیقت کبریٰ سے کس کو یارائے انکار ہوسکتا ہے کہ سنین گذشتہ میں،جبکہ خلافت اور کانگریس کی تحریک بلیوں اچھل رہی تھی، برادران ہندومسلمانوں کے دوش بدوش میدان عمل میں گامزن رہے۔لیکن ہندومسلم اتحاد کے دعاوی اورفلاح واصلاح ہندوستان کے حالات کی اس وقت سے کایا پلٹنی شروع ہوگی جب سے خلافت عظمٰی نے اپنا پہلا سا اقتدار اور عُلوّ مرتبت حاصل کرنا شروع کر دیا۔اب کیا تھا۔اب وہی ہندو، جوکبھی مسلمانوں کو مورد طعن وتشنیع بنایا کرتے تھے،تمام وطنی وملکی گلدستہ خیالات کوطاق نسیاں پررکھ کرشدھی کے جال میں ایسے پھنسے کہ اب اس سے اُن کی رہائی محال نہیں تو مشکل ضرور ہوگئی ہے۔

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر مے کنند

بہرکیف اب حالت یہ ہے کہ انہی علمبرداران حریت وآزادی اور انہی دعویداران سوراجیہ نے، جو

ہندوستان میں پرچم سوراجیہ بلند کررہے تھے، ایسا پلٹا کھایا کہ حریت کی جگہ شدھی کو دے کر، پرچم سوراجیہ کی بجائے اوم کے جھنڈے یا ہندوراج کے علم کے بلند کرنے کے درپے نظر آنے لگے۔ چنانچہ واقعات حاضر سے بدرجہ اتم اس طرز عمل کی تصدیق ہورہی ہے۔ وہی شردھانند، جسے کبھی حامئ خلافت اور جان نثار حریت ہند ہونے کا ادعا تھا اور جو مہاتما گاندھی کے دست و بازو بنے ہوئے تھے، یک قلم مہاتما گاندھی کے اصول موضوعہ سے اختلاف کر کے موجودہ تحریک سے انحراف کا ثبوت دے رہے ہیں۔

نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا　　اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

اب سوال یہ ہے کہ کیا مہاتما گاندھی کی آزادی تک خیالاتِ آزادی نے نشوونما پانا تھا اور مہاتما موصوف کی قید و بند پر ان تمام جذبات کا سدِ باب ہونا مقصود تھا؟ آج اگر کوئی ان تمام حالات کا بہ نظر غور مطالعہ کرے، جو سرزمین پنجاب میں رونما ہیں، تو وہ برادران ہنود کی اس دورنگی پر حیرت زدہ رہ جائے گا اور اسے چاروناچار اعتراف کرنا پڑے گا۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

لیکن یہ حالات موجودہ مسلمانوں کا دامن من حیث القوم اس باہمی افتراق وانشقاق کی خلیج کو وسیع کرنے میں تمام آلودگیوں سے پاک ہے اور بخیال اَلْبَادِیُّ اَظْلَمُ (پہل کرنے والا بہت بڑا ظالم ہے) اس کی زد بخطِ مستقیم آریہ سماج اور اس کے بعد علی الترتیب ان اقوام ہند پر پڑ رہی ہے، جو شدھی کی جنگ جوئی میں آریہ سماجیوں کے ہمنوا اور ہم آہنگ بن کر ہندو مسلم قصر اتحاد کو اپنی عیارانہ چالوں سے خاک سیاہ کر دینا چاہتے ہیں۔ جن کے طرز عمل سے ایک بار پھر۔

نفاق وجہل نے ہندوستاں کو لوٹ لیا　　بجز نفاق کے اب خاک بھی وطن میں نہیں

کی تصدیق ہوتی نظر آتی ہے۔

محمد عمر نعمانی۔ ایڈورڈ گنج۔ شملہ

5 مئی 1923ء

خطاب بہ مسلم

مسلم خوابیدہ اُٹھ، اب خواب سے بیدار ہو
اور دفاعِ مذہبی کے واسطے تیار ہو

حملہ آور ہیں تمام ادیان تیرے دین پر
کس نشے میں ہے، ذرا کچھ سوچ تو ہشیار ہو

ہستی مومن نہاں ہے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ 1 میں
خوف مت کھا کچھ شدائد سے، نہ کچھ بیزار ہو

لَّیْسَ لِلْاِ نْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی 2 پر رکھ نظر
قَالَ3 سے کیا واسطہ؟ تو صاحب کردار ہو

آیۂ لَا تَقْنَطُوْا4 ہے حوصلہ افزاء تری
منزل ہستی تجھے پھر کس لئے دشوار ہو

غیرت قومی تری ضرب المثل ہے تاہنوز
تجھ کو کیا درکار ہے؟ ہاں گرمیٔ رفتار ہو

پاؤں پر اپنے کھڑا ہونا پڑے گا بالضرور
زیست کا دنیا میں اپنی جو کہ دعویدار ہو

تا بکے گنبد میں بسم اللّٰہ 5 کے ساکن رہے
آئے وہ میدان میں جو صاحبِ دستار ہو

عالمانِ دین لیں اب کام علم وفضل سے
اور سیم وزر کا اک جانب لگا انبار ہو

متحد ہو کر سہارا دیں اگر کشتی کو ہم
ایک پل میں مشکلوں کا اپنی بیڑا پار ہو

ہوں مسلماں لاکھ بودے، نامِ حق پر وہ مگر
کاہ سے کمتر سمجھتے ہیں، اگر کہسار ہو

اجتماعِ حق وباطل ہو نہیں سکتا کبھی
خوف کیا حق کو، جو شرک وکفر کا طومار ہو

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ6 کی ہے اک روشن دلیل
سرنگوں ہوتا ہے آخر، حق سے جو دوچار ہو

1: القرآن: 3:139
2: القرآن: 53:39
3: قَالَ: مراد باتیں بتا
4: القرآن: 39:53
5: القرآن: 1:1
6: القرآن: 17:81

8 مئی 1923ء

اداریہ

فتنہ ارتداد کا صحیح علاج

برادرانِ اسلام سے ایک ضروری التماس

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کے قلم سے)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ .(216:2)

ترجمہ: بعض وقت تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہوتی ہے اور بعض وقت تم ایک چیز کو پسند کرتے ہو اور تمہارے لئے وہ اچھی نہیں ہوتی۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

فتنہ اس قدر اٹھا اور مسلمانوں کو ایک سخت مصیبت کا سامنا ہوا۔ مال خرچ کئے۔ گھروں سے نکلے۔ پھر بھی سینکڑوں یا ہزاروں کی تعداد میں اسلام کے نام لیوا اس پاک مذہب سے الگ ہو گئے یا دھوکہ دے کرا لگ کئے گئے یا روپیہ دے کر یا دھمکا کر۔ لیکن مسلمانوں کے دلوں پر ان کا سخت صدمہ ہے۔ بظاہر نظر آتا ہے کہ اسلام مصائب کا آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ ایک طرف سے مصیبت ختم نہیں ہونے پاتی، دوسری طرف سے شروع ہو جاتی ہے۔ تو کیا خدا نے اسلام کو چھوڑ دیا؟ نہیں یہ مصیبتیں مسلمانوں کی بیداری اور اسلام کی ترقی کی موجب بن رہی ہیں۔ ترکی کے مصائب نے آخر کار کیا رنگ دکھایا؟ اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح ایک قوم کو، جسے دشمن مردہ یقین کر چکے تھے، زندہ کیا۔ اگر ترکی پر یہ مصیبت نہ آتی تو اُسے یہ نئی زندگی بھی نہ ملتی۔ اسی طرح مسلمانوں کی مشکلات کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہی سامان پیدا کر دیا کہ سوامی شردھانند نے مسلمانوں کی شدھی کی تحریک شروع کر

دی۔ حالانکہ وہ چاہتے تو اچھوت قوموں میں کام کرنے کے لئے بڑا وسیع میدان ان کے سامنے تھا۔ اور ہندو پولٹیکل لیڈروں نے یہ کہہ کر اس کی پردہ پوشی کی کہ اشاعت مذہب کا حق ہر مذہب کو حاصل ہے اور اس سے ہندو مسلم اتحاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ پردہ پوشی اس لئے کہ فی الحقیقت یہ اشاعت مذہب نہیں۔ سوامی تو بڑا نام ہے۔ مگر افسوس ہے کہ سوامی شردھانند صاحب کا طرز عمل مذہبی دیانت سے خالی ہے۔ اپنے مذہب کی اشاعت کریں۔ ہمیں اعتراض نہیں۔ مگر وہ بت پرستی کی، ذات پات کے بندھنوں کی اشاعت کر رہے ہیں، جن کی جڑیں کاٹنے کے لئے ان کے پیرو مرشد سوامی دیانند جی مہاراج آئے تھے۔ اور جس کی تردید سے ستیارتھ پرکاش بھری ہوئی ہے۔ انہوں نے بُرا کیا۔ وہ اپنے نقطہ خیال سے اچھا کر رہے ہیں، مگر مسلمانوں کے لئے انہوں نے راہ کھول دی ہے۔ اور ان کے ایک ہی فعل سے مسلمانوں کی وہ مشکلیں حل ہوگئی ہیں۔ یعنی اول ان میں جو جذبہ اشاعت وحفاظت اسلام نیم مردہ حالت میں پڑا ہوا تھا، سوامی شردھانند کی تحریک نے اسے زندہ کر دیا۔ دوسرے وہ یہ خیال کرتے تھے کہ ہندوؤں میں اشاعتِ اسلام کا نام لینا ہندو مسلم اتحاد کے خلاف ہے، آج چاروں طرف سے ہندو پولٹیکل لیڈروں کی آوازوں نے اس مشکل کو بھی حل کر دیا۔ یک کرشمہ دو کار کا مصداق سوامی شردھانند کی تحریک ہوگئی۔ مسلمان خواب غفلت سے جاگ اٹھے۔ اور اگر وہ وسیع پیمانے پر ہندوؤں میں اشاعتِ اسلام کا کام شروع کریں تو انہیں کوئی یہ کہنے والا نہیں رہا کہ اس سے سوراج کے حصول میں نقصان پہنچتا ہے۔ اگر کہیں مسلمانوں کی طرف سے اس طرح وسیع پیمانے پر اشاعتِ اسلام کی ابتدا ہوئی تو شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک ایک شور پیدا ہو جاتا کہ ہندو مسلم اتحاد کو مسلمان تباہ کر رہے ہیں۔ مگر خدا نے اپنے فضل سے اب سب زبانوں کو بند کر دیا ہے۔ دشمن نہ صرف سبب خیر ہوگیا، بلکہ یہ شر یک کرشمہ دو کار کا مصداق ہوگیا۔

ہاں! میری ایک یہی التماس جملہ اہل اسلام سے ہے کہ اس شرّ کے رنگ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک نعمت عظمیٰ عطا فرمائی ہے اب وہ اپنے آپ کو اس کے نیک نتائج سے دوبارہ غفلت میں پڑ کر محروم نہ کر دیں۔ وہ خوب سمجھ لیں کہ ان کی کامیابی یہ نہیں کہ وہ ساڑھے چار لاکھ ملکانوں میں سے سوا چار لاکھ کو بچا لیں، نہ یہ ان کی کامیابی ہے کہ ایک کروڑ میں سے، جن کو شدھ کرنے پر ہمارے ہندو اہل وطن تلے ہوئے ہیں، ننانوے لاکھ کو بچا لیں، بلکہ ان کی کامیابی یہ ہے کہ ایک شخص کے عوض، جو اسلام سے نکلا ہے، ایک قوم کو اسلام میں بلائیں۔ اللہ تعالیٰ

کا یہی وعدہ ہے۔ بشرطیکہ ہم کچھ بھی قدم اٹھائیں: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ (54:5) اے مومنو! اگر ایک شخص تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ایک قوم کو لائے گا، جن سے وہ محبت کرتا ہے اور جو اس سے محبت کرتے ہیں۔

پس اے برادرانِ اسلام! اگر فی الواقع پانچ ہزار تم میں سے نکل گئے ہیں، تو تم پر آرام کرنا حرام ہے، جب تک کہ ایک کروڑ کو اسلام میں داخل نہ کرلو۔ اور یہ تو میں نے مسلمانوں کی موجودہ حالت غفلت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا ہے، ورنہ ہمارے سامنے ایک کروڑ نہیں چوبیس کروڑ اس ملک ہند میں موجود ہیں، جن کے متعلق اگر ہمارے دلوں میں سچی ہمدردی ہے، تو ضرور ہے کہ ہم انہیں اسلام کی روشنی میں لانے کی کوشش کریں۔ اور اس پاک سرچشمہ سے سیراب کریں، جس کے بغیر دنیا کی پیاس نہیں بجھ سکتی۔ بلاشبہ ہمیں فوری ضرورت اپنے بھائیوں کی حفاظت کی ہے۔ مگر میں ڈرتا ہوں کہیں اتنا ہی کام کر کے ہم مطمئن نہ ہو جائیں کہ ہم نے کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ہماری اصل کامیابی یہی ہے کہ آج سے ہر مسلمان کے دل میں یہ جوش ہو کہ ہم نے چوبیس کروڑ کو مسلمان کر کے دم لینا ہے۔ اور اپنے مالوں اور اپنی طاقت کو اس کام پر لگانا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایک کے عوض میں، جو ہم سے جدا ہوا ہے، ایک ایک ہزار کو اسلام کے چشمہ سے سیراب کرلیں۔ ہندوؤں کو اپنی تعداد پر فخر ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لئے ہم چار موجود ہیں۔ کیا چار بھی ایک کو درست نہیں کر سکتے۔ مگر ہمیں اپنے خدا کے وعدوں پر بھروسہ ہے۔ جس نے پہلے بھی ان کو پورا کر کے دکھایا ہے کہ ایک مسلمان دس پر غالب آ سکتا ہے: اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ (65:8) اگر تم میں سے بیس صابر ہوں تو دوسو پر غالب آئیں گے اور بہت میدانوں میں اس سے بھی زیادہ نسبت سے مسلمان آتے رہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ صابر بنیں۔ ہمارا یہ جوش محض اُبال نہ ہو، بلکہ ایک مقصد کو مدنظر رکھ کر۔ اور وہ مقصد اپنے بیس کروڑ ہندو اہل وطن کو اسلام کے نور سے منور کرنا ہے۔ ہم نہایت اطمینان سے کام شروع کریں اور علاقہ ارتداد میں ہمارا یہ کام محض ایک پیش خیمہ ہمارے آگے بڑھنے کا ہو، جن انجمنوں یا لوگوں نے اس وقت کام شروع کیا ہے، ایک طرف تو وہ استقلال دکھائیں اور وہ ذرائع سوچیں جن سے وہ ہندوؤں کو کثیر تعداد میں دائرہ اسلام میں لاسکیں اور دوسری طرف ان کے معاونین اس خیال کو چھوڑ دیں کہ یہ تین ماہ یا چھ ماہ کا کام ہے، بلکہ مستقل طور پر اس ذمہ داری کو محسوس کریں۔ اور ساتھ ہی اس

قدر وسیع حوصلگی کو بھی کام میں لائیں کہ جس فرقہ اہل اسلام میں کوئی نومسلم شامل ہوتا ہے۔آخر وہ مسلمان ہوتا ہے۔سب کی ایک کتاب، ایک اصول اور ایک دین ہے۔ بالخصوص میری التماس عام مسلمان پبلک سے ہے کہ وہ آج سے یہ عہد کرلیں کہ ان کی آمدنیوں میں ایک حصہ اشاعتِ اسلام کا ہوگا۔ان کی خیرات میں اشاعتِ اسلام کا کام مقدم رہے گا۔ان کی زکوٰۃ کا بڑا حصہ اشاعتِ اسلام کے لئے صرف ہوگا۔

☆☆☆

ایک ہندو لیڈر شدھی کے خلاف

معاصر ''پرتاپ'' نے اپنی 9 مئی کی اشاعت میں ایک ہندو لیڈر راج گوپال صاحب اچاریہ کی ایک اپیل شائع کی ہے، جس کے ذیل کے الفاظ پڑھنے کے قابل ہیں:

''کاش کہ پرماتما نے ہمیں عقل زیادہ اور شہرت کی خواہش کم دی ہوتی۔ ہم ہندو دھرم کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں، لیکن پچھلے دنوں جو کوششیں ہم نے اس سلسلہ میں کی ہیں اُن کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہندو دھرم پچھلے چند سالوں کی نسبت کمزور ہے یا ایثار اور محبت سے ہندو دھرم کو اسلام کی جو امداد حاصل ہوئی تھی وہ کھوگئی۔اس کے مقابلہ میں ہزارہا مسلمانوں کی دشمنی خرید لی ہے۔ہم خاموش طریقہ سے مسلمانوں کو ہندو دھرم کے مرکزی اصول یعنی عالمگیر محبت کی طرف کھینچ رہے تھے۔ ہندوستان میں اسلام نے پرانی دشمنیوں اور غلط فہمیوں کو اسی طرح بھلانا شروع کر دیا تھا، جس طرح ایک شخص ایک رات کے جو گزر چکی ہے، ناخوشگوار خواب کو بھولنا چاہتا ہے۔اس لئے اس ایک سچے اصول کو اپنانا شروع کر دیا تھا۔اس سے پہلے کبھی ایسا خاموش اور کامیاب تبدیل مذہب نہ ہوا تھا، لیکن اب ہندو دھرم کی ظاہری شکل کی طرف چند اشخاص کو لانے کی کوشش کرتے ہوئے ہم اپنی پہلی حقیقی فتوحات کو کھو رہے اور کھو چکے ہیں۔ بناوٹ کے لحاظ سے ترقی کرتے ہوئے ہم حقیقت سے کوسوں دور جا پڑے ہیں۔''

شکر ہے کہ آخر کار ہندوؤں کے اصحابِ دانش و بینش کو آریہ سماجی تفرقہ اندازیوں کا پتہ لگ گیا اور شدھی کے متعلق تمام ہندو کمیونٹی کے اتحاد کا جو بھوت کھڑا کیا گیا تھا، وہ آخر کار خود بخود گرنے لگا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آریہ سماج نے اپنے نام و نمود کی خاطر ہندو کمیونٹی اور تمام ملک کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ اور وہ وقت بہت قابل قدر ہو گا جب تمام ہندو قوم آریہ سماج کی ان کارروائیوں کے خلاف متحدہ طور پر صدائے احتجاج بلند کر کے اس سے علیحدہ ہو جائے گی۔

26 مئی 1923ء

اداریہ

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود

(از قلم حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

(119:9).

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو حقوق اللہ کی نگہداشت کرو اور سچائی والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

مجددوں کا ظہور:

دین اسلام کامل ہو چکا۔ کوئی مذہبی صداقت نہیں جو قرآن کریم میں موجود نہ ہو۔ پس جب آنحضرتؐ کے بعد نئی مذہبی صداقتوں کے لانے کی ضرورت نہ رہی، سلسلہ نبوت بھی مصلحت الٰہی سے ختم کر دیا گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بندوں سے کلام کا سلسلہ متروک نہیں فرمایا۔ اس لئے اس امت میں بھی محدث ہوتے ہیں، جیسے پہلی امتوں میں ہوتے تھے۔ جو حدیث صحیحہ کی رو سے ایسے لوگ ہیں کہ نبی تو نہیں مگر اللہ تعالیٰ ان سے ہمکلام ہوتا ہے۔ رِجَالٌ یُّکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْبِیَآءَ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سنت کو ترک فرمایا ہے کہ اپنی جانب سے کسی کو مامور فرمائے۔ جیسا کہ وہ قرآن کریم میں فرماتا ہے: یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (15:40) وہ روح کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ جس کی تفسیر میں مفسرین اس حدیث کو نقل کرتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا اللہ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو مبعوث کرتا رہے گا جو دین اسلام کی تجدید

کرتا رہے۔ ایسے لوگ اصطلاح اسلام میں مجدد کہلاتے ہیں۔ اور مجددوں کے آنے کی غرض کسی نئی صداقت کا لانا نہیں بلکہ اپنے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق کسی صداقت قرآنی کی طرف توجہ دلانا ہے۔ حدیث مجدد صحیح حدیث ہے اور اس کی صحت پر حفاظِ حدیث کا اتفاق ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اسی حدیث کو نقل کر کے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے الف ثانی کے سر پر اس حدیث کے مطابق مبعوث کیا ہے۔ اور ایک ایسے مقدس اور راستباز انسان کا اس حدیث کے ماتحت دعویٰ کرنا اس کی صحت پر ایک اور مہر لگاتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب بحیثیت مجدد

اس حدیث کے ماتحت چودہویں صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مبعوث فرمایا۔ دعویٰ مجددیت کے ساتھ ہی آپ نے اپنی مشہور آفاق کتاب ''براہین احمدیہ'' لکھی۔ اس کتاب میں آپ نے اسلام کی حقانیت پر ایک سلسلہ دلائل شروع کیا اور ضمناً تمام مذاہب پر بحث کرتے ہوئے اتمام حجت کیا۔ علمائے زمانہ پر اس کتاب کا اس قدر اثر تھا کہ ''اشاعت السنۃ'' میں اس پر ریویو کے ضمن میں یہ اعتراف کیا گیا کہ جو خدمت اسلام کی مصنف کتاب نے کی ہے، اس کی نظیر اسلام کی تیرہ سو سال کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کے بعد ہی آپ کی توجہ آریہ سماج کی طرف ہوئی اور ''سرمہ چشم آریہ'' اور دوسری کتابوں میں اس نئے نکلے ہوئے مذہب پر ایک زبردست تبر چلایا۔ ایک طرف آپ کے علم وفضل کے سامنے لوگوں کی گردنیں جھک گئیں، دوسری طرف آپ کا زہد وتقویٰ بھی مشہور عام وخاص تھا۔ اور قبولیت دعا کی وجہ سے آپ مرجع خلائق تھے۔ اس لئے آپ کے دعویٰ مجددیت کو بھی عموماً سب لوگ تسلیم کرتے تھے اور آپ کی قبولیت مسلمانوں میں اس قدر تھی کہ دوسرے کسی شخص کو اس زمانہ میں وہ قبولیت حاصل نہ تھی۔

وفات مسیحؑ

آپ کی قبولیت عامہ کا یہ دور برابر آٹھ سال تک رہا۔ یہاں تک کہ 1891ء کے آخر آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ظاہر کیا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے اس جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کا عقیدہ، جو مسلمانوں میں عام طور پر مروج ہو گیا ہے، صحیح نہیں۔ اس زمانہ میں عیسائیت کا زور بھی کمال کو پہنچا ہوا تھا۔

مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ پنجاب اور ہندوستان میں عیسائیت کی اباحت پسندی کا شکار ہو چکے تھے۔ اور یہ بلا اس قدر وسیع ہوگئی تھی کہ علماء میں سے بھی بعض لوگ جامہ ارتداد پہن چکے تھے اور عیسائیت اپنی پوری طاقت اسلام کے خلاف صرف کر رہی تھی۔ اسلام کے خلاف عیسائیت کی طرف سے کتاب کے بعد کتاب شائع ہوتی چلی جاتی تھی۔ جس میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی نہایت بدنما تصویر کھینچ کر مسلمانوں کو متنفر کیا جاتا تھا۔ دوسری طرف مسلمان اگر بوجہ اس عزت واحترام کے، جو ایک پیغمبر کے لئے ہر مسلمان کے دل میں ہونا چاہئے، عیسائیت کے خلاف زبان نہ کھول سکتے تھے، تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک نقص عظیم واقع ہوگیا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے زندہ آسمان پر ہونے اور آخری زمانہ میں دوبارہ اس دنیا میں آنے کا عقیدہ ان کو عیسائیت کے سامنے شرمندہ کر رہا تھا۔ عیسائیت تثلیث اور کفارہ کے بدیہی طور پر باطل عقیدوں کو پیش کر کے مسلمانوں کو جیت نہ سکتی تھی، لیکن ان کا یہ اعتراف کہ حضرت عیسیٰؑ اس جسد عنصری کے ساتھ دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ موجود ہے، کھانے پینے کے محتاج نہیں، ان کے جسم میں کوئی تغیر نہیں آتا، گویا وہ بشر سے بڑھ کر ہیں اور مخلوق کی طرح تغیرات کے ماتحت نہیں، بلکہ خالق کی طرح الآن کما کان کے مصداق ہیں، عیسائیت کے عقیدہ الوہیت مسیح کی تائید کر رہا تھا۔ اور باوجود یکہ ایک طرف قرآن شریف میں صراحت سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا ذکر ہے۔ یعنی: اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ (55:3) اے عیسیٰؑ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ (117:5) جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ان کا نگہبان تھا۔ یعنی ان کے عقائد میری وفات کے بعد بگڑے۔ اور دوسری طرف احادیث میں کہیں یہ موجود تھا لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دونوں وفات پا چکے۔ اور کہیں اِنَّ عِیْسٰی عَاشَ عِشْرِیْنَ وَمِائَۃَ سَنَۃٍ عیسیٰؑ ایک سو بیس برس زندہ رہے، کہیں یہ کہ آنحضرت ﷺ نے معراج کی رات حضرت عیسیٰؑ کو بھی ان انبیاء میں دیکھا جو وفات پا چکے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی آئمہ اسلام میں سے امام مالکؒ جیسے عظیم الشان امام کا صریح قول حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر موجود تھا: قَالَ مَالِکُ مَاتَ اور باقی تین امام خاموش تھے۔ بخاریؒ جیسا سرتاج محدث بھی وفات مسیحؑ کا قائل تھا۔ مگر مسلمانوں کی توجہ اس مسئلہ کی طرف نہیں ہوئی اور وہ آیات قرآنی میں لفظ وفات تک کی تاویل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ عیسائیت نے مسلمانوں کے اس غلط عقیدہ سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے فرزندوں کو مرتد کرنا شروع کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے عین وقت نماز اپنے مجدد کو اس غلطی پر اطلاع دی اور اس کے دور کرنے کے

لئے اسے مامور کیا۔

نزول ابن مریم

سب سے بڑی بات، جس سے حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ کو قوت ملتی ہے، نزول ابن مریم کی پیشگوئی تھی۔ جس کا ذکر اعلیٰ پایہ کی صحیح حدیثوں میں موجود ہے۔ اور سب سے بڑی غلطی جو مسلمانوں سے ہوئی، وہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ قرآن شریف کی صراحت کے سامنے اس حدیث کی تاویل کرتے، جو بوجہ ایک پیشگوئی ہونے کے خود متشابہات میں سے تھی، انہوں نے پیشگوئی کی عبارتوں کو اصول کی طرح محکم قرار دے کر محکمات قرآنی کی تاویل کر لی۔ قرآن شریف تو نبوت کو آنحضرتؐ پر ختم کرتا ہے، مگر مسلمانوں نے اس اصولی عقیدہ کے بالمقابل یہ خیال کر لیا کہ ابھی آنحضرتؐ کے بعد حضرت عیسیٰؑ جو نبی ہیں، آئیں گے۔ اور یہ بھی نہ سوچا کہ جب نبوت کا کام تکمیل کو پہنچ چکا اور اس لئے نبوت ختم ہو چکی تو اب آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی کس طرح آ سکتا ہے؟ خواہ پرانا ہو یا نیا۔ نبی جب آئے گا، نبوت کے کام کے لئے آئے گا۔ اور جب نبوت کا کام ختم ہو گیا تو نبی بھی نہیں آ سکتا۔ پرانے اور نئے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ پھر مسلمان تو بزعم خود حضرت عیسیٰؑ کو آنحضرت ﷺ کے بعد لاتے رہے۔ اور قرآن نے بالصراحت اس کے خلاف فرمایا تھا: وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے اور صراحت سے فرماتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تھا کہ آنحضرتؐ میرے بعد آئیں گے۔ مسلمانوں نے اس کے عین خلاف عقیدہ بنا لیا کہ حضرت عیسیٰؑ آنحضرتؐ کے بعد آئیں گے۔ قرآن تو فرماتا تھا کہ آنحضرتؐ ہی اب آئندہ کے لئے ساری امت کے معلم ہوں گے: وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (3:62) اور مسلمانوں نے عقیدہ بنا لیا کہ حضرت عیسیٰؑ، جنہوں نے آنحضرتؐ سے نہیں بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلیم حاصل کی ہے، اس امت کے معلم بنیں گے اور یوں آنحضرتؐ کی شاگردی سے یہ امت نکل جائے گی۔ پھر انہی حدیثوں میں، جن میں نزول ابن مریم کا ذکر تھا، وہیں یہ بھی موجود ہے کہ وہ تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ مگر اس طرف توجہ نہ ہوئی۔ پھر بخاری کی صحیح حدیثوں میں مسیح اسرائیلی کا الگ حلیہ موجود تھا اور آنے والے مسیح کا الگ حلیہ۔ پہلے کو سفید رنگ گھنگھریالے بالوں والا بتایا ہے۔ دوسرے کو گندم گوں سیدھے بالوں والا۔ مگر اس طرف بھی توجہ نہ ہوئی کہ الگ الگ حلیے تو

صاف بتاتے ہیں کہ وہ مسیح اسرائیلی واپس نہیں آئے گا، بلکہ ظاہر ہونے والا کوئی اور ہے۔ یہ بھی خیال نہ گزرا کہ اسی مشکل کو پہلے حضرت مسیح خود سلجھا چکے ہیں۔ کیونکہ جس طرح یہاں پیشگوئی حضرت عیسٰیؑ ابن مریم کے نزول کی ہے، یہودیوں کی کتب مقدسہ میں الیاسؑ کے نزول کی پیشگوئی موجود تھی۔ اور اسی پیشگوئی کی بنا پر یہودیوں کا یہ خیال ہوگیا تھا کہ حضرت الیاس زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ لیکن جب یہ اعتراض حضرت مسیح کے سامنے پیش کیا گیا کہ یہودی کہتے ہیں کہ مسیح کے آنے سے پیشتر نزول الیاسؑ ضروری ہے اور الیاس اب تک نازل نہیں ہوا تو حضرت مسیح نے جواب دیا کہ حضرت یحییٰؑ کے آنے سے نزول الیاس کی پیشگوئی پوری ہوگئی۔ اس لئے کہ یحییٰ الیاس کی خو بو لے کر آئے ہیں۔ یعنی نزول الیاس سے مراد خود الیاس کا دوبارہ آنا نہیں، بلکہ صفات الیاس کا کسی شخص میں ظاہر ہونا مراد ہے۔ تو اس قصہ نے نزول عیسٰیؑ کی پیشگوئی کو خود صاف کر دیا ہے کہ مراد اس سے حضرت عیسٰیؑ کا دوبارہ آنا نہیں، بلکہ صفات عیسٰی کا اس امت کے کسی مجدد میں ظاہر ہونا ہے۔ اس تاویل سے نہ ختم نبوت ٹوٹتی ہے نہ قرآن غلط ٹھہرتا ہے، جو آنحضرت ﷺ کو حضرت عیسٰیؑ کے بعد لاتا ہے، نہ حضرت عیسٰیؑ کو آنحضرت ﷺ کے بعد۔ نہ اس امت میں کوئی اور معلم آتا ہے۔ اور صحیح حدیث بھی پوری ہو جاتی ہے کہ آنے والے مسیح کا حلیہ وہ نہیں، جو مسیح اسرائیلی کا تھا۔ غرض بات تو نہایت صاف تھی، مگر صدیوں کا پرانا خیال، جو دلوں میں رچا بسا ہوا تھا، اس نے طبائع کو اس صفائی کی طرف آنے نہ دیا۔

امام مہدی کا اسلام کو بزور شمشیر پھیلانا

نزول مسیح کے ساتھ ہی ایک دوسرا خیال بھی عام طور پر طبائع میں جاگزین تھا۔ جس کی وجہ سے اسلام ایک سخت اعتراض کے نیچے تھا۔ یعنی یہ کہ جب مسیح نازل ہوں گے تو امام مہدی بھی پیدا ہوں گے۔ اور یہ دونوں مل کر کفار کے ساتھ جنگ کریں گے اور جو شخص اسلام قبول نہ کرے گا، اسے قتل کر دیں گے۔ حالانکہ یہ خیال قرآن کریم کی صراحت کی رو سے باطل ہے جو فرماتا ہے لَآ اِكۡرَاهَ فِي الدِّيۡنِ (256:2) اور جو جنگ کی اجازت صرف انہی لوگوں سے دیتا ہے جو پہلے جنگ کریں: قَاتِلُوۡا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ (190:2) اور حالانکہ احادیث مہدی کو مسلمانوں کی صحیح ترین کتب احادیث بخاری اور مسلم دونوں نے قبول نہیں کیا۔ اور ان دونوں میں ایک بھی مہدی کی حدیث نہیں۔ ایسی احادیث کی بنا پر، جنہیں دونوں اعلیٰ ترین صحت کی کتابیں قبول

نہیں کرتیں، واضح اصول قرآنی کا رد کرنا ایک سخت غلطی تھی، جس میں مسلمان عام طور پر مبتلا تھے۔ پھر نہ صرف مسلمانوں کی توجہ اس طرف نہیں ہوئی کہ یہ کس قسم کی احادیث ہیں، جن کی بنا پر اصول قرآنی کے خلاف ایک بات مانی جاتی ہے، بلکہ خود نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں پایا جاتا کہ آپؐ نے کسی قوم کو چھوڑ کر کسی ایک انسان کو ہی کبھی تلوار دکھا کر مسلمان کیا ہو۔ تو جو امر خود حضرت رسالت مآب کے لئے جائز نہ تھا، وہ آپ کے ایک خلیفہ کے لئے، اسے مہدی کہہ لو یا مسیح، کیونکہ جائز ہوسکتا ہے؟

مجدد صد چہاردہم کے سامنے کیا کام تھا

تیرہ سو سال اسلام کی قوت وشوکت کا زمانہ تھا۔ اگرچہ وہ قوت تیرھویں صدی کے آخر میں بہت کچھ کمزور ہوگئی تھی۔ ان تیرہ صدیوں میں مجددین کے سامنے عموماً مسلمانوں میں اندرونی اصلاح کا ہی کام رہا اور انہیں اسی غرض کے لئے کھڑا کیا جاتا تھا کہ کہیں کوئی اندرونی فساد پیدا ہوجائے تو اس کی اصلاح کردیں۔ لیکن مجدد صد چہاردہم کے سامنے دوسرے مذاہب کے ساتھ مقابلہ کا عظیم الشان کام تھا کہیں عیسائیت اسلام پر حملہ آور ہو رہی ہے اور فرزندان اسلام ہزارہا کی تعداد میں توحید کو چھوڑ کر تثلیث کے ظِلٍّ ذِیۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ میں جا رہے اور حدودِ مذہب سے آزاد ہو کر اباحت اختیار کر رہے ہیں کہیں ہندوؤں کے بےضرر مذہب میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہو جاتا ہے یعنی آریہ سماج جو دوسرے مذاہب کو برا کہنا ہی اپنا شیوہ بنالیتا ہے اور جس کی غرض وغایت یہی ہو جاتی ہے کہ خدا کے راستبازوں کو گالیاں دے اور روحانی صلاحیتوں پر ٹھٹھا مخول کرے۔ کہیں ایسے مذہب پیدا ہوجاتے ہیں جو وحی الٰہی کا انکار ہی اپنے مذہب کی اصل بنیاد قرار دے لیتے ہیں۔ جیسے برہمو سماج۔ اور دوسرے مذاہب کے مقابلہ کے لئے اگر ایک طرف ایک عظیم الشان مجدد کی ضرورت ہے تو دوسری طرف اندرونی مفاسد بھی سب پہلے زمانوں سے بڑھ کر پیدا ہوجاتے ہیں۔ یورپ کی تعلیم کا اثر عموماً طبائع میں دہریت کا رنگ پیدا کردیتا ہے۔ اباحت پسند طبائع مذہب کو ایک کھیل سمجھنے لگتی ہیں۔ وحی الٰہی کو محض ایک اپنے ہی دل کی آواز سمجھنے والے مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کے متکفل ہوجاتے ہیں۔ ان اندرونی مفاسد کی اصلاح اسی صدی کے مجدد کا کام تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اشاعتِ اسلام کا کام، جو مسلمانوں کی کامیابی کا اصل راز ہے، اس کی طرف سے مسلمانوں کی توجہ پھر جاتی ہے۔ اور وہ کبھی اسلام کی کامیابی یورپ کی تقلید میں خیال کرتے ہیں تو کبھی یورپ کی مخالفت میں۔ کبھی

ایک راستہ اختیار کرتے ہیں تو کبھی اس میں ناکام ہو کر دوسرا اور اس دوسرے میں ناکام ہو کر تیسرا اختیار کرتے ہیں اور اپنی طاقت کے عملی راز سے، جو قرآن کریم جیسے کوہ شکن ہتھیار کے رنگ میں انہیں دیا گیا ہے، بے خبر پڑے ہوئے ہیں اور لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ (21:59) کی حقیقت سے غافل ہو رہے ہیں۔ اس لئے مجدد صد چہاردہم کا کام، جس کے اندر یہ سب کام آ جاتے ہیں، اشاعتِ اسلام یا نشر قرآن قرار پاتا ہے۔ نہ صرف پہلے دن سے ہی وہ اپنی ماموریت کی غرض اشاعتِ اسلام کو بتاتا ہے بلکہ عموماً پہلے دن سے خود اسی کام میں لگ جاتا ہے کہیں برہموسماج پر اتمام حجت کر رہا ہے تو کہیں آریہ سماج کا مقابلہ کر رہا ہے۔ اگر ایک طرف عیسائیت سے نبرد آزما ہے تو دوسری طرف بدھ مذہب پر اسلام کی فوقیت کو ظاہر کر رہا ہے۔ اس کے دل میں تڑپ ہے کہ ایشیاء میں بھی اسلام کا جھنڈا لہرائے اور یورپ کی گردنیں بھی قرآن کے سامنے جھک جائیں۔ وہ قرآن کے اندر اس زبردست طاقت کو دیکھ رہا ہے کہ جو ساری دنیا کو مسخر کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ اسلام کے پھیلانے کے لئے کسی فولادی تلوار کی ضرورت نہیں۔ بلکہ دلائل کی اور نشانات روحانی کی تلوار سے ہی انسانوں کے دل مسخر ہو سکتے ہیں۔ ہاں! اشاعتِ اسلام کے رستے میں ہی انسانوں کے دل مسخر ہو سکتے ہیں۔ ہاں اشاعتِ اسلام کے رستے میں جو رکاوٹیں ہیں، ان کو دور کرنے کا کام بھی اسے کرنا ہے۔ عیسائیت کا مقابلہ نہیں ہو سکتا اور نہ عیسائیت میں اشاعتِ اسلام ہو سکتی ہے، جب تک کہ حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر، ان کی طرح کھانے پینے اور بشری حوائج کا محتاج، ان کی طرح ایسے جسم کا مالک جو ہر آن تغیر کی حالت میں ہے، ان کی طرح وفات یافتہ نہ مانا جائے اور نہ ہی آج اس بات کا اعلان کہ امام مہدی تلوار سے لوگوں کو مسلمان کریں گے، اسلام کے لئے سوائے نفرت کے، قلوب میں کچھ اور پیدا کر سکتا ہے۔ پس جب اس صدی کے مجدد کے سپرد اشاعتِ اسلام جیسا عظیم الشان کام کیا گیا تو اس اشاعت کے رستے میں جو رکاوٹیں تھیں، ان کا دور کرنا بھی ضروری تھا۔

ان دو قرآنی صداقتوں کی طرف اس زمانہ میں اگر توجہ نہ دلائی جاتی۔ ایک یہ کہ حضرت مسیح بشر سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اسلام نہ کبھی بزور شمشیر پھیلایا گیا اور نہ آئندہ بزور شمشیر پھیلایا جائے گا، تو اشاعتِ اسلام کے کام میں، جس کے رستے میں یہ دو رکاوٹیں حائل ہو گئی تھیں، کبھی کامیابی نہ ہو سکتی تھی۔ پس

اشاعتِ اسلام کی تجدید کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجدد وقت کو ان دو باتوں پر اطلاع دی۔ اور لوگوں نے اپنی ناسمجھی سے یہ خیال کرلیا کہ یہ کوئی نئی باتیں دین میں داخل کی جارہی ہیں۔

حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ

اگر ان دو غلطیوں کو دور کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان پیشگوئیوں کو، جو قرآن کریم میں بطور اشارہ اور احادیث میں صراحت سے موجود تھیں، کہ جب اسلام سخت ترین مصائب کا آماجگاہ بنا ہوا ہوگا، تو اسلام میں ایک مسیح اور مہدی پیدا ہوگا، پورا نہ کرتا تو اس سے خود ان پیشگوئیوں کے منجانب اللہ ہونے پر سخت اعتراض ہوتا۔ اور چونکہ ان پیشگوئیوں کا کثیر حصہ اعلیٰ پایہ کی کتب احادیث میں موجود ہے۔ اور یہ سب پیشگوئیاں ملا کر، جو اس آخری زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں، احادیث کا ایک بڑا انبار بنتا ہے، تو نتیجہ یہ ہوتا کہ خود حدیث سے بھی اعتماد اٹھ جاتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو ان غلطیوں پر متنبہ فرمایا اور ان پیشگوئیوں کی اصل حقیقت بھی اس پر آشکارا فرمائی اور اسی کو ان کا مصداق بھی ٹھہرایا۔ اگر حضرت مسیح وفات پا چکے ہیں تو وہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا کسی مجدد میں صفات عیسوی کا ظہور ہو، ورنہ یہ سب انبار حدیث، ابن مریم کا نزول، یا جوج ماجوج کا خروج، دجال کا ظہور وغیرہ، ایک مجموعہ اباطیل قرار پاتا ہے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ چونکہ اس کی زد آخر کار خود احادیث پر پڑتی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان غلطیوں کو دور کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ ان کا اصل مصداق اس صدی کا مجدد ہے۔ اور بہرحال جب مسیح اسی امت میں سے ہونا ہے تو آخر اس کا کوئی مجدد ہی مسیح ہوگا۔ پھر جس شخص پر اتنی بڑی حقیقت آشکارا ہوئی۔ کیوں نہ وہی ان کا مصداق ہو۔ پس اصل دعویٰ حضرت مرزا صاحب کا تو صرف مجدد ہونے کا ہے۔ ہاں! اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ اسی میں صفات مسیحی کا ظہور ہوا ہے اور وہی مہدی بھی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی لَا مَھْدِی اِلَّا عِیْسٰی آ گیا ہے۔ اور یاجوج ماجوج وہ قومیں ہیں، جنہوں نے اس وقت ساری دنیا پر تسلط حاصل کرلیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اس کے متعلق ہے: حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ. (96:21) یاجوج و ماجوج جب کھولے جائیں گے تو ہر بلندی سے نکل پڑیں گے۔ یعنی ہر بلندی پر قابض ہوجائیں گے اور حدیث میں صاف الفاظ ہیں: لَا یَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِھِمْ. ان کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت کسی قوم میں نہ ہوگی۔ آج صاف نظر آرہا ہے کہ وہ یہی اقوام ہیں۔

جو آج دنیا پر مسلط ہیں۔ اور دجال وہ گروہ ہے جو ایک غلط تعلیم کو حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کر کے پھیلاتا ہے۔ حالانکہ وہ مسیحؑ کی تعلیم نہیں، بلکہ عین اس کے الٹ ہے اور اسی لئے اسے مسیح الدجال کہا گیا ہے۔ پس وہ باتیں، جو اسلام کے چہرہ پر غلط خیالات کے پھیل جانے کی وجہ سے ایک بدنما داغ کی صورت میں تھیں، ایک روشن نشان بن گئیں۔ مگر تعجب ہے کہ باوجود اس کے لوگوں کو حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ پر گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ کا اصل دعویٰ محض مجدد ہونے کا ہے اور باقی باتیں محض چند ایک خصوصیات ہیں، جن سے اصل دعویٰ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حضرت مرزا صاحب کی قبولیت

حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مجددیت کے بعد آپ کی قبولیت خاصہ کا ذکر شروع میں آ چکا ہے۔ لیکن جب آپ نے ان غلطیوں کو ظاہر کیا جو اس وقت اسلام کی کمزوری کا موجب ہو رہی ہیں تو لوگوں نے طرح طرح کے فتوے آپ کے خلاف لگائے۔ اور ایک بغض وعداوت کی لہر آپ کے خلاف اس ملک ہند میں دوڑ گئی۔ جس کا یہاں تک آج بھی اثر نظر آتا ہے کہ باوجود اس کے کہ آریہ صاحبان مسلمانوں کو مرتد کر رہے ہیں، مگر مولوی صاحبان کے قلم سے یہی فتویٰ نکلتا ہے کہ ہماری آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ صلح ہو سکتی ہے، مگر احمدیوں کے ساتھ نہیں۔ لیکن گو حضرت مرزا صاحب کی ذات سے ان لوگوں کو یہ بغض وعناد ہو، مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ جس بات کی طرف آپ توجہ دلانے کے لئے آئے تھے، اور جن غلطیوں کو دور کرنے آئے تھے، اس میں آپ کی کامیابی اور قبولیت کا میدان روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ وفات مسیح تو ایک ایسا امر ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک بڑا بھاری گروہ اس کا قائل ہو چکا ہے۔ نامور علماء میں سے بھی بہت لوگ اس کے قائل ہیں۔ مصر میں تو علماء کا بڑا گروہ اس کا قائل ہے۔ ہندوستان میں بھی جہاں تک میرا علم ہے، مولٰینا ابوالکلام جیسے بزرگ اس کے قائل ہیں۔

دوسری اصلاح مہدی کے آنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے خلاف تو آج آواز اٹھانے والوں کا وجود بھی نظر نہیں آتا۔ کوئی ہے جو کھلے میدان میں اتر کر یہ کہہ سکتا ہے کہ دین اسلام کبھی بزور شمشیر پھیلایا جائے گا۔ رہا اشاعتِ اسلام کا سوال، حالانکہ یہ کتنی موٹی بات تھی کہ جس کا نام لیتے ہی ہر مسلمان کو مجدد وقت کا ساتھ دینے کے

لئے کھڑا ہو جانا چاہئیے تھا، مگر ایک مدت تک مسلمانوں نے اور بیسیوں طرح مصائب سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے، مگر اشاعتِ اسلام کی طرف توجہ نہ کی۔ بلکہ طبائع میں یہاں تک اس سے بُعد واقع ہوگیا کہ اگر کوئی شخص اشاعتِ اسلام کا نام لیتا تو اسے قادیانی یا احمدی کہا جاتا۔ جمعیت دعوت وتبلیغ نے جب پہلے پہلے اشاعتِ اسلام کا نام لیا تو ان کو بھی لوگوں نے اسی طرح کہا۔ مگر چونکہ ارادہ الٰہی یہی ہے کہ اب دین اسلام دنیا میں غالب آئے، اس لئے جب سیدھی طرح مسلمانوں نے توجہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بلا نازل کی۔ یعنی مسلمانوں کے فرزندوں کو ہندوؤں نے لاکھوں کی تعداد میں مرتد کرنے کا تہیہ کر لیا۔ بلکہ یہ تہیہ کر لیا کہ ہندوستان کو مسلمانوں سے بالکل صاف کر دیں گے۔ تب مسلمانوں کو سمجھ آئی کہ یہ ان کی اشاعتِ اسلام کی طرف سے عدم توجہی کا نتیجہ ہے۔ اور آج اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست تنبیہ سے مسلمانوں کو اشاعتِ اسلام کے لئے سوتے سے جگا کر بتا دیا ہے کہ جن جن باتوں کی طرف مجدد وقت نے توجہ دلائی تھی، جب تک مسلمان ان کو اختیار نہ کریں گے، تب تک وہ کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔

احمدیوں کے دو فرقے

بہت لوگوں نے سلسلہ احمدیہ کے دو فرقے ہو جانے کو اس کے باطل ہونے کی وجہ سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ یہی بات اس کے حق ہونے پر دلیل ہے۔ اگر یہ سلسلہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو واقعی اس کے دو ٹکڑے ہو جانے سے اس کا خاتمہ ہو جاتا۔ مگر دو ٹکڑے ہونے کا نتیجہ کیا ہے؟ وہی کام بجائے اس کے کہ اس میں ضعف پیدا ہوتا، وہ دہ چند قوت کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہی حق کی علامت ہے۔ اسلام میں بھی فرقے ہوئے۔ ملکی جھگڑے بھی ہوئے، مگر کوئی چیز اس کی ترقی کو روک نہ سکی اور اس کا قدم آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ یہی معاملہ سلسلہ احمدیہ سے ہوا ہے۔ رہا یہ سوال کہ کوئی شخص جو اب سلسلہ میں شامل ہو، وہ کس فریق کے ساتھ ہو؟ میں اس معاملہ میں صرف ایک اصولی امر کی طرف توجہ دلا کر ختم کرتا ہوں۔ نبوت ختم ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا، لیکن بروز یا ظل کے طور پر۔ جس طرح ایک شخص اخلاق اللہ کے رنگ میں رنگین ہو سکتا ہے، اسی طرح صفات نبوت سے بھی متصف ہو سکتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے نہ صرف کھلے الفاظ میں دعویٰ نبوت کا انکار کیا ہے بلکہ یہ بھی بتا دیا ہے کہ پیشگوئی میں یا الہام میں جو میرے متعلق لفظ نبی آیا ہے تو اس سے مراد محض مجاز ہے نہ حقیقت۔ سُمِّیتُ نبیًّا مِنَ

اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ یہ آخری کتاب کی عبارت ہے۔ پس جس طرح پہلے عقل وفہم سے کام نہ لے کر مجاز کو حقیقت کا جامہ لوگوں نے پہنا دیا۔ اور نبیوں اور ولیوں کے حق میں غلو کا ارتکاب کیا، اسی طرح آج حضرت مسیح موعود کے حق میں بھی غلو کا ارتکاب کیا گیا اور محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کی پیروی کی گئی۔

بیعت کی ضرورت

بہت لوگ ہیں جو تمام باتوں کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے اس بات پر اڑ جاتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب مجدد ہوں مسیح ہوں، مہدی ہوں، ہمیں بیعت کی ضرورت کیا ہے؟ یا ہم انہیں کیوں مانیں۔ مجدد دین کا ماننا درحقیقت انبیاء پر ایمان لانے کی طرح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی جو دنیا میں آیا، اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ لوگوں سے یہ اقرار بھی لیا کہ وہ نبی اللہ ہے۔ لیکن مجدد کبھی یہ اقرار نہیں لیتا۔ فرقہ احمدیہ کا جو حصہ مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے وہ بھی اس بات کا معترف ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی بیعت میں کسی سے یہ اقرار نہیں لیا کہ مجھے نبی مانو۔ بیعت میں جو اقرار آپ لیتے تھے، وہ صرف اس قدر تھا کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا'' اور خدا کی توحید کے ساتھ اقرار صرف نبوت رسول اللہ ﷺ کا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ بیعت کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ **اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ** حالانکہ اگر، جیسا ہمارے غلطی خوردہ فریق کا خیال ہے، دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان ضروری ہوتا تو وہ توحید کے ساتھ اپنی نبوت کا اقرار لیتے۔ مگر الفاظ بیعت میں نہ اپنی نبوت کا اقرار لیا ہے نہ مجددیت کا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار لیا ہے اور عملی رنگ میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد لیا ہے۔ یعنی عمل کا اقرار۔ کیونکہ مجدد تائید دین کے لئے آتے ہیں۔ اور تائید دین کے لئے انہیں انصار کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح وہ محض ایک کام کے لئے آتے ہیں، اسی طرح وہ اپنے ساتھ دوسروں کی شمولیت محض اس کام کے لئے چاہتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے بھی ان الفاظ میں ان لوگوں کی بیعت کا ارشاد فرمایا ہے: **کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ** (119:9) تم ان لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ جو خدمت اسلام میں صدق دکھاتے ہیں۔ یہ بھی عملی بیعت ہی ہے۔

ہاں خیال رکھنا چاہیے کہ جو شخص مجدد کی آواز پر اس کا ساتھ نہیں دیتا، وہ گویا اللہ تعالیٰ کے ایک فعل کو لغو

ٹھہراتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ضرورت حقہ کی کہ وجہ سے مجدد ین کو مامور فرماتا ہے۔اور ایسا شخص خیال کرتا ہے کہ مجھے مجدد کی ضرورت نہیں۔ انسان کی گردن اللہ تعالیٰ کے سارے حکموں کے سامنے جھکنی چاہیئے تو ہی اسلام میں پورے طور پر انسان داخل ہوتا ہے۔ ہاں ظاہری بیعت سے بھی انسان کے اندر قوت پیدا ہوتی ہے اور اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت نازل ہوتی ہے۔صلح حدیبیہ کے وقت نبی کریم ﷺ نے چودہ سو صحابہؓ سے، جو آپؐ پر پہلے سے ایمان لائے ہوئے تھے اور جان و مال فدا کر چکے ہوئے تھے حکم الٰہی کے ماتحت بیعت لی۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بیعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو گیا۔ اور ان کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی۔ان کے ایمانوں کو بڑھایا اور فتح وظفر کو ان کے لئے سہل کر دیا۔ یہ عملی نمونہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اسی لئے رکھا گیا کہ تا آئندہ جب خدمت دین کے لئے مسلمانوں کو کوئی خدا کا بندہ اسی حکم کے ماتحت بیعت کے لئے بلائے ،تو وہ بیعت کر کے اس کے ساتھ ہو لیں۔ بیعت ایک اقرار ہے۔اور عہد واقرار کی پابندی انسان کے اندر ایسی ہوتی ہے کہ وہ سخت سے سخت مصیبت کا مقابلہ کر لیتا ہے۔ مال کو چھوڑ دیتا ہے،موت کو قبول کر لیتا ہے،مگر اپنے اقرار سے نہیں پھرتا۔خدمت دین میں مشکلات پیش آتی ہیں۔اگر ان کا مقابلہ کرنے والے کسی اقرار وعہد کی پابندی کے نیچے نہیں تو ذرا سی مشکل پر گھبرا جائیں گے۔پس جب اس زمانہ کے مجدد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ضروری ٹھہرایا کہ وہ تمام ادیان باطلہ کا مقابلہ کرے اور دنیا میں اسلام کو پھیلائے تو اس کے لئے یہ بھی ضروری ٹھہرایا کہ وہ ایک جماعت تیار کرے۔ جو ایک عہد کے ماتحت اس سے وابستہ ہو کر اس خدمت دین کے کام پر اپنی پوری ہمت صرف کرے۔ کیونکہ بغیر پوری ہمت صرف کرنے کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی برکت نازل نہیں ہوتی اور نہ کامیابی کا دروازہ کھلتا ہے۔

حضرت امام کی کامیابی

ایک اکیلا شخص اٹھا۔مسلمانوں کے تمام فرقوں نے اسے کافر کہا۔آریہ سماج اس کے دشمن،عیسائی اس کے سخت ترین دشمن، ہر مذہب کے پیرو اس کے خلاف زور لگانے والے،مگر کتنی بڑی نصرت الٰہی تھی کہ وہ فوت نہیں ہوا، جب تک خدمت اسلام کا وہ کام نہیں کر دکھایا،جس کے سامنے اعداء کو بھی سر جھکانا پڑا۔آریہ سماج کے خلاف اگر آج مسلمانوں کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار ہے تو وہ حضرت مرزا صاحب کی تصانیف ہیں۔ ان تصانیف سے

پیروؤں نے بھی فائدہ اٹھایا اور بُرا کہنے والوں نے بھی۔ عیسائی پادریوں کی یہ حالت ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ ان کا حریف احمدی مسلمان ہے تو اس کا مقابلہ کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں سے ایک بڑی بھاری جماعت نے ہر قسم کے مصائب اور فتاوٰی کفر کو برداشت کر کے اس کا ساتھ دیا۔ اور آج اسی مجدد کے طفیل اسلام انگلستان میں، امریکہ اور جرمنی میں، پھیل رہا ہے۔ خدا کا نام بلند کرنے کے لئے کفرستانوں میں مسجدیں قائم ہو رہی ہیں۔ کلام پاک انگریزی میں ترجمہ ہو کر دنیا کو پہنچایا جا رہا ہے۔ سیرت نبوی انگریزی میں چھپ رہی ہے۔ اسلام کے منوّر چہرہ کو گرد و غبار سے پاک کرنے والے رسالے اور اخبارات انگریزی اور دوسری زبانوں میں شائع ہو رہے ہیں۔ دنیا کے ہر ایک کونہ میں اسلام کا نام پہنچانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ یہ کام، جو باوجود شدید ترین مخالفت کے اس چھوٹی سی جماعت نے کیا ہے، بتاتا ہے کہ کتنی عظیم الشان وہ کامیابی ہے جو حضرت مجدد وقت کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ اب بھی اگر برادران اسلام خدا کا نام پھیلانے کے لئے اس مجدد کے ساتھ نہیں ہوتے، تو وہ مجدد سے نہیں بلکہ دین اسلام کی خدمت سے الگ ہو رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اعتراض تو بڑے سے بڑے راستباز انسان کے خلاف آج تک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک گروہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے انسانوں کو، جن کی تعریف میں دشمن رطب اللسان ہیں، گالیاں دینے پر فخر کرتا ہے۔ پس اگر علماء کا گروہ آج حضرت مرزا صاحب کو بُرا کہہ کر خوش ہو رہا ہے، تو یہ فخر کا مقام نہیں۔ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (118:2) کا رنگ ہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کرنے والوں کو بُرا کہنا کبھی اچھے لوگوں کا شیوہ نہیں ہوا۔

پس اے برادران اسلام۔ لِلّٰهِ اسلام کی مصیبت کے وقت کو دیکھو۔ اس مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ نے جو اپنا مجدد کھڑا کیا ہے، جس نے صحیح طور پر مسلمانوں کی بیماری کی تشخیص کی، جس نے انہیں صحیح راہ پر لگایا، اگر تم اس کا ساتھ دو تو تم چند سالوں میں وہ کام ہوا ہوا دیکھ لو، جس کو صدیوں تک دیکھنے کی بھی تمہیں امید نہیں۔ باوجود سب قسم کی مخالفت کے اللہ تعالیٰ نے امام الزمان کو اس قدر کامیابی دے کر اس کی صداقت پر ایک کھلا نشان قائم کر دیا ہے۔ اگر اس کی بھی تم پروانہ کرو، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک الزام کے نیچے ہو۔

حضرت مسیح موعود اور آپ کے مخالفین

یوں تو حق کی مخالفت ہمیشہ سے سنت اللہ چلی آئی ہے اور حضرت مسیح موعود کے ساتھ بھی ایسے ہی

حالات کا پیش آنا ایک قدرتی بات تھی۔ لیکن مخالفین حق کا ایک گروہ ایسی ظالمانہ روش اختیار کئے ہوئے ہے جس کا علاج خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔

بہتان ترازی اور افتراء پردازی، غلط اور جھوٹے الزامات ایک ظالمانہ طریق ہے، جو بعض مخالفین حق نے اپنا شیوہ قرار دے رکھا ہے۔ باوجودیکہ حضرت مسیح موعود نے بار بار قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ لیکن پھر بھی آپ پر بیہودہ الزامات دینے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔

کہا جاتا ہے کہ:

☆ آپ خدائی کے دعویدار تھے۔

☆ آپ اپنے آپ کو خالق ارض وسماء سمجھتے تھے۔

☆ اپنے آپ کو خدا کا فرزند اور خدا میں سے جانتے تھے۔

☆ قرآن آپ نے نیا بنایا تھا۔ جس میں اِنَّا اَنۡزَلۡنَاہُ مِنَ الۡقَادِیَان لکھا تھا۔

ان الزامات کی تائید میں مخالفین آپ کی بعض تحریرات کو پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ نے اپنا ایک کشف بیان کیا ہے۔ جس میں فرمایا ہے کہ میں نے دیکھا کہ میں نے زمین وآسمان بنایا ہے۔ اور ان کو درست کر کے پھر آدم کو پیدا کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ آپ کا الہام ہے یَاوَلَدِیۡ اَنۡتَ مِنِّیۡ بِمَنۡزَلَۃِ اَوۡلَا دِیۡ اَنۡتَ مِنِّیۡ وَاَنَامِنۡکَ وغیرہ وغیرہ۔ ایسا ہی ایک کشفی حالت میں آپ نے قرآن کریم میں اِنَّا اَنۡزَلۡنَہُ مِنَ الۡقَادِیَان کے الفاظ دیکھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے ان کشوف اور الہامات کی بنا پر یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی فی الحقیقت خدا ہوں، میں ہی خدا کا بیٹا ہوں۔ کیا آپ نے قرآن کو فی الحقیقت تبدیل کیا۔ ان سب باتوں کی آپ نے تعبیر کی اور انہیں حقیقت پر محمول نہیں کیا۔

اگر تو حضرت مسیح موعود ان الہامات وکشوف کی بنا پر فی الحقیقت خدائی کا دعویٰ کرتے یا قرآن کو تبدیل کر دیتے تو آپ کے مخالفین کا حق تھا کہ آپ کے متعلق ایسی باتوں کا اعلان کرتے۔ لیکن جب ایسا نہیں اور آپ

کی ایک بھی تحریر سے آپ کا اس قسم کا دعویٰ دکھایا نہیں جا سکتا، تو تعجب ہے کہ مخالفین ان باتوں کو، جن کو آپ نے خود حقیقت پر محمول نہیں کیا اور تاویل کی ہے، خدائی دعویٰ کیونکر قرار دیتے ہیں! ان لوگوں کو احقاق حق سے اگر ذرا بھی مس ہوتی، اگر ان کی دشمنی خدا کے لئے ہوتی اور ان کی اپنی نفسانی اغراض درمیان میں نہ ہوتیں تو ایسی خلاف حق باتیں ہرگز ان کے مونہوں سے نہ نکلتیں۔ سچ ہے قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ (118:3)

حضرت مسیح موعود اور اولیاء امت

اس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح موعود کے الہامات وکشوف میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔ لیکن، جیسا کہ ہم نے بتایا، آپ نے ان کو ہرگز حقیقت پر محمول نہیں کیا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے الہامات وکشوف ہمیشہ تعبیر طلب ہوا کرتے ہیں کہا جا سکتا ہے کہ ایسے الہامات وکشوف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتے، لیکن بالبداہت غلط ہے۔ اولیاء امت کے ملفوظات میں ان سے بڑھ کر بعض باتیں پائی جاتی ہیں، جن سے ایک ظاہر بین انسان ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ ہم میر مدثر شاہ صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنی تازہ ترین تصنیف ''ملفوظات اولیاء امت'' میں اس قسم کی بہت سی باتوں کو جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور چار آنہ قیمت پر دارالکتب اسلامیہ، احمدیہ بلڈنگس، لاہور سے مل سکتی ہے۔ انہی ملفوظات میں حضرت غوث الاعظم سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک الہامی قصیدہ نقل کیا گیا ہے۔ جس میں آپ فرماتے ہیں:

اَنَا الْوَاحِدُ الْفَرْدُ الْكَبِيْرُ بِذَاتِهٖ اَنَا الْوَاصِفُ الْمَوْصُوْفُ عَلَمُ طَرِيْقَتِيْ

''میں ہی وہ واحد فرد کبیر بذات خود ہوں۔ میں ہی واصف اور میں ہی موصوف اور اپنے طریقہ کا نشان ہوں۔''

اس شعر میں اور ایسا ہی دوسرے بعض اشعار میں، جو نقل کئے گئے ہیں، حضرت غوث الاعظم نے صاف طور پر اپنے آپ کو خدا قرار دیا ہے اور یہ الہامی قصیدہ ہے۔ اب کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس میں ایسے صریح الفاظ ہیں جو حضرت مسیح موعود کی تحریرات میں کہیں نہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ اس کو آج تک

کسی نے آپ کے دعویٰ خدائی پر محمول نہ کیا اور مسیح موعود کے الہامات اور کشوف کو خدائی دعویٰ قرار دیا جاتا ہے!

ایسا ہی مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کا ایک الہام ہے اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ وَلَا تَخَفْ وَلَاتَحْزَنْ جو آپ کی سوانح عمری صفحہ 42 پر مندرج ہے۔ اور کم از کم اہلحدیث حضرات پر حجت ہے۔ کیا وہ اس طرف توجہ کریں گے؟

حضرت مسیح موعود اور دعویٰ نبوت

حضرت مسیح موعود پر بعض اسی قسم کے الزامات خود آپ کے ماننے والوں کی طرف سے بھی عائد کئے گئے ہیں۔ آج ایک فریق آپ کی جماعت میں موجود ہے۔ جو آپ کی طرف نبوت کا دعویٰ منسوب کرتا اور آپ کے تمام نہ ماننے والوں کو کافر اور خارج از اسلام یقین کرتا ہے۔

ایسی ہی مثال مسیح ناصریؑ کی امت میں بھی ملتی ہے کہ ان کے بھی ماننے والوں نے ان کی طرف خدائی کا دعویٰ منسوب کیا۔ اور آج تک ان کا ایک کثیر گروہ اسی بات کا قائل ہے کہ ان کا دعویٰ خدا کا بیٹا اور خود خدا ہونے کا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کا جواب قرآن کریم میں جو کچھ دیا ہے، وہی جواب ہماری طرف سے مسیح موعود کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنے والوں کو ہے۔ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (5:18) ان دونوں گروہوں کے پاس کوئی علمی دلیل نہیں۔ اور جس بات کو وہ پیش کرتے ہیں وہ جھوٹ محض ہے۔ حضرت مسیح موعود نے کہیں بھی اپنے آپ کو انبیاء کے گروہ میں شامل نہیں کیا۔ بلکہ مجددین ہی کے زمرہ میں اپنے آپ کو شمار کیا اور صاف طور پر اعلان کیا: سُمِّيْتُ نَبِيًّا مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى طَرِيْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰى وَجْهِ الْحَقِيْقَةِ میرا نام اللہ کی طرف سے نبی رکھا گیا۔ لیکن مجازی طور پر نہ حقیقی رنگ میں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا دعویٰ نبوت کا ہرگز نہ تھا۔

حقیقت اور مجاز پر بحثیں کرنا فضول ہیں۔ سارے علم کلام میں حقیقت اور مجاز سے جو مراد لی جاتی ہے، وہی اس عبارت کا منشا ہے۔ مجاز ہمیشہ اسی کو کہتے ہیں جو حقیقت نہ ہو۔ اور یہاں خود حقیقت کی نفی ہے۔ کسی انسان کو یہ کہنا، کہ فلاں شیر ہے، یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ فی الحقیقت شیر نہیں، بلکہ شیر کی ایک صفت بہادری اس میں پائی

جاتی ہے۔ ایسا ہی حضرت مسیح موعود نے مجازی رنگ میں اپنے آپ کو نبی کہا۔ کیونکہ نبوت کی ایک جزو مبشرات آپ میں پائے جاتے تھے۔ جو حدیث نبوی لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ کے مطابق تمام اولیاء امت میں موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید ''صراط مستقیم'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''منصب امامت کا حقیقت میں ظل امامت کا ہے'' اور کوٹھے والے بزرگ کا الہام ہے: یَآ یُّھَا النَّبِیُّ اِتَّقِ اللّٰہَ. اے نبی! اللہ کا تقویٰ اختیار کر۔

حضرت مسیح موعود اور تفریق بین المسلمین

کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے تفریق بین المسلمین کی بنا رکھی اور مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہوئے ان کے پیچھے نمازیں حرام قرار دیں۔ اس اعتراض کے کرنے والے اگر ادنیٰ تدبر سے کام لیتے اور جن حالات میں حضرت مسیح موعود نے دوسروں سے نمازیں الگ کیں، ان کو مدنظر رکھ کر سوچتے کہ وجوہ علیحدگی کیا ہیں، ایسا ہی ان شرائط کو دیکھتے جن کے پیدا ہو جانے پر آپ نے دوسروں کے پیچھے نماز جائز ٹھہرائی ہے، تو انہیں اپنے قول کی غلطی خود معلوم ہو جاتی!

حضرت مسیح موعود دعویٰ ماموریت کے بعد بھی ایک وقت تک دوسروں کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ لیکن آپ کے مخالفین نے نہ صرف کفر کے فتوؤں سے آپ کو خارج از اسلام ٹھہرایا بلکہ آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو عملاً مساجد سے خارج کیا گیا! اس کے علاوہ حدیث نبویؐ میں خاص طور پر آیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو کافر ٹھہراتا ہے، تو کفر اس پر الٹ کر پڑتا ہے۔ حدیث نبویؐ کا منشا صاف تھا کہ مسلمان، مسلمانوں کو کافر نہ ٹھہرائیں۔ اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس کے ساتھ بطور قصاص وہی برتاؤ کیا جائے جو اس نے اپنے بھائی سے کرنا چاہا ہے۔ یعنی مقاطعہ۔

حضرت مسیح موعود نے بھی جب اپنے مخالفین کو کفر کے فتوؤں اور دیگر مظالم پر مصر پایا تو یہی مقاطعہ کا طریق ان سے برتا۔ اور الہام الٰہی کے ماتحت اپنی جماعت کو حکم دیا کہ اپنی نمازیں الگ کر لیں۔ اس کے بعد جب آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ دوسروں کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے تو آپ نے انہی کفر کے فتوؤں کو اصل وجہ

قرار دیا۔ اور صاف طور پر فرمایا کہ اگر ایسے لوگ ہیں جو ان فتوؤں کو ناجائز سمجھتے ہیں، اور مولویوں کے اس طریق سے بیزار ہیں تو وہ اس کا اعلان کریں اور یہ صاف کہیں کہ میں مسلمان ہوں۔ میں اپنے مریدین کو حکم دوں گا کہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ پس دوسروں کے پیچھے نماز پڑھنے کی بندش دراصل کفر کے فتوؤں کو اٹھانے کے لئے ہے نہ کہ قائم کرنے کے لئے۔ یہ اس وجہ سے نہیں کہ ہم دوسروں کو کافر سمجھتے ہیں، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ دوسرے مسلمان ہمیں کافر سمجھتے ہیں۔ اگر وہ یہ نہیں مانتے تو کیوں وہ اس کا اعلان نہیں کرتے؟ کیوں وہ مولویوں کے ان فتووں سے کھلے طور پر بیزاری ظاہر کر کے مرزا صاحب اور ان کے ماننے والوں کو مسلمان قرار نہیں دیتے؟ انہیں چاہیے کہ ہم پر الزام دھرنے کی بجائے اپنے حالات پر ایک نظر ڈال کر دیکھیں کہ کون تفریق بین المسلمین پر عامل ہے!

حضرت مسیح موعود اور فتنہ ارتداد

فتنہ ارتداد نے آج جو مصیبت مسلمانوں پر برپا کی ہے، اس کو اگر اس دور بین نگاہ سے جو حضرت مسیح موعود لے کر آئے تھے آج سے کچھ مدت پہلے دیکھا جاتا تو شاید اس کا علاج بہت سہل اور آسان ہوتا اور مسلمانوں کو آج یہ مصیبت کے ایام نہ دیکھنے پڑتے۔

حضرت مسیح موعود نے مسلمانوں کو بارہا اس طرف متوجہ کیا کہ ان کا اصل کام، جس کی طرف قرآن کریم نے انہیں بلایا ہے، حفاظت و اشاعتِ اسلام ہے۔ آپ نے اپنی بعثت کا اصل مقصد ہی یہی بتایا کہ اس بھولی ہوئی شاہراہ پر مسلمانوں کو کھڑا کیا جائے تاکہ وہ جلد منزل مقصود کو پہنچ سکیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس خیر خواہی کو بدخواہی پر محمول کیا۔ اور اس کو ایک لمبا رستہ تصور کر کے کامیابی کی منزل پر پہنچنے کے لئے اور راستے تجویز کئے۔ تعلیم، ہندو مسلم اتحاد، حصول خلافت اور سوراج وغیرہ بہت سے طریق انہوں نے اپنی کامیابی کے لئے اختیار کئے۔ اور مختلف طور پر ہاتھ پاؤں مارے۔ انہوں نے بہت چاہا کہ ان رستوں سے کامیابی نصیب ہو۔ لیکن آخر کار وہی راستہ صحیح ثابت ہوا جس کی طرف خدا کے مامور نے بلایا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے مذکورہ بالا اختیار کردہ طریق بھی خالی از فائدہ نہ تھے۔ لیکن وہ اصل

مرض کے علاج نہ تھے۔اصل مرض کا علاج کیا جاتا اگر اسلام کو ہر چہار اطراف عالم میں پھیلانے کی کوشش کی جاتی،اگر قرآن کریم کی اشاعت ہندوؤں اور دیگر تمام اقوام میں کی جاتی اور خود مسلمانوں کو اسلام اور قرآن کریم پر پختہ اور مستحکم کرنے کی کوشش کی جاتی،تو وہ تمام باتیں جن کے حصول کے لئے وہ کوشاں رہے ہیں،خود بخود حاصل ہو جاتیں اور ارتداد کا الم انگیز نظارہ کبھی نظر نہ آتا۔کاش اب بھی مسلمان سمجھیں اور اپنی زندگی کا مقصد واحد اشاعت وحفاظتِ اسلام کو قرار دیں کہ اسی کو قرآن کریم نے فلاح کا حقیقی ذریعہ قرار دیا ہے۔

5 جون 1923ء

قسط اول

احبابِ سلسلہ سے چند باتیں۔قومی فرض

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کے قلم سے)

برادران سلسلہ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس عنوان کے ماتحت میں چند اُن امور کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، جن پر قوم کی زندگی اور ترقی کا دارومدار ہے۔اور جن کی طرف خود بانیٔ سلسلہ نے توجہ دلائی ہے۔حیاتِ دنیا اور حیاتِ آخرت نے ہمارے ذمہ گوناگوں فرائض لگا رکھے ہیں۔مگر اکثر اوقات اشغالِ دنیاوی کا انہماک ہمیں حیات اُخروی کے فرائض سے غافل کردیتا ہے۔اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان فرائض کو ہم گاہے گاہے اپنے سامنے لاتے رہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات، جس کی طرف میں احباب کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں واقعات موجودہ کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو اتنی بڑی کامیابی عطا فرمائی ہے کہ جو آج سے چند ماہ پیشتر ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔اشاعتِ اسلام کے لئے ہماری آواز اس ملکِ بیاباں میں ایک آواز کی طرح تھی۔مگر کیا ہی قدرتِ خداوندی کا نظارہ ہے کہ چند ماہ کے اندر اندر اس ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ انقلاب عظیم پیدا ہوگیا کہ اشاعتِ اسلام ہی آج تمام مسلمانوں کا مقصد ہورہا ہے۔اور سب زبانیں یک آواز ہیں کہ اسلام کی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ اشاعتِ اسلام ہی ہے اور اگر اس فرض کی طرف سے مسلمان غافل رہے تو یہ ان کی موت ہے۔جس بات کے لئے چلاتے ہوئے ہماری قوم کو تیس سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا۔اس آواز کو آخر اللہ تعالیٰ نے سنا اور اسے وہی قبولیت عطا فرمائی جو وہ ہمیشہ حق کو عطا فرماتا رہا ہے۔یہ خدا کا کام ہے۔ورنہ ہم خوب جانتے ہیں کہ ہماری آوازیں **فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا** (6:71) کا مصداق ہورہی تھیں۔ملک میں اشاعتِ اسلام کی تحریک کا پیدا ہوجانا اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان نعمت

احمدی جماعت کے لئے ہے۔مگر ہر نعمت بندوں کی طرف سے شکریہ کا قدم چاہتی ہے۔ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ (7:14)

اشاعتِ اسلام کا کام اورلوگوں کے لئے فرض کفایہ ہوسکتا ہے،مگر ہمارا یہ قومی فرض ہے۔ دوسرے مسلمانوں میں سے سو میں سے ایک آدمی بھی اس کام کے لئے نکل پڑے تو کافی ہے۔مگر ہمارے ایک ایک فرد کی زندگی کا اصل مقصد ہی اشاعتِ اسلام ہونا چاہیے۔ جب تک ہم میں اور عام مسلمانوں میں یہ تمیز پیدا نہ ہو، ہم احمدی کہلانے کے مستحق نہیں۔حضرت مسیح موعود کیوں آئے؟ تا کہ اسلام کو دنیا میں پھیلائیں۔ہم میں سے ہر ایک شخص جو آپ کے ساتھ ملا کیوں ملا؟ تا کہ اشاعتِ اسلام کے اس کام میں، جو آپ کے ذریعہ سے دنیا میں پھیلنا تھا، آپ کا معاون ہو۔ ہمارا مسیح موعود کے سلسلہ میں منسلک ہونا کس حکم قرآنی کے ماتحت ہے؟ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ (119:9) کے ماتحت ۔ یہ حکم کیا چاہتا ہے؟ ہم اسلام کی خدمت کے لئے وہی صدق دکھلائیں۔ جو اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ (6:1) گروہ کا خاصہ رہا ہے اور جو اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود نے دکھایا۔پس ہماری قوم کی بنیاد ہی اس بات پر ہے۔اور یہی ہمارا اصل الاصول ہے کہ ہم اشاعتِ اسلام کریں۔اور جو شخص ہمارے ساتھ شامل ہونے کے باوجود اس فرض سے غافل ہے اس کا شامل ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ ہم میں سے ہر ایک نے بالواسطہ یا بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے ایک مامور سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ہم اشاعتِ اسلام کو جملہ اغراض پر مقدم کریں گے۔اس وعدہ کا ایفاء اب ہمارے ذمہ ہے۔اب میں اس کے متعلق چند عملی تجاویز پیش کرتا ہوں۔

اوّل: ہم میں سے ہر ایک شخص، خواہ وہ کوئی کام اپنی معاش کے لئے کرتا ہو، اپنا اصل مقصد زندگی اشاعتِ اسلام کو قرار دیتا ہوا اس کی ضرورت سے آگاہ ہو اور وہ ضروریات کیا ہیں۔

الف: خود قرآن کریم اور مختصر طور پر حدیث، سیرت اور تاریخ اسلامی کا علم حاصل کرنا۔

ب: سلسلہ کی یا دیگر ان کتابوں سے واقفیت حاصل کرنا جو دوسرے مذاہب بالخصوص آریہ سماج اور عیسائی مذہب کے متعلق ہیں۔

ج: ہر حال میں اس بات کو مدنظر رکھنا کہ کسی غیر مسلم کو تبلیغ اسلام کی جائے خواہ بذریعہ تقریر ہو یا تحریر۔

د: مسلمانوں کی دینی تعلیم کی طرف بالخصوص تعلیم قرآن کی طرف توجہ دلاتے رہنا تا کہ ہر ایک مسلمان میں تبلیغ دین کی اہلیت پیدا ہو۔

دوم: ہم میں سے کچھ لوگوں کی زندگیاں اشاعتِ اسلام کے لئے وقف ہونی چاہئیں۔ تبلیغ دین انبیاءؑ کا کام ہے۔ اور کون مسلمان ہے جس کے دل میں انبیاءؑ کی عزت دنیا کے تمام لوگوں سے بڑھ کر نہیں۔ بڑے بڑے ولولے، جو آج کسی قوم کے افراد کے دلوں میں موجزن ہو کر قوم کے لئے عزت کا موجب ہو سکتے ہیں وہ بادشاہت یا وزارت یا کسی بڑے سرکاری عہدے کا حصول یا کسی بڑی تجارت کا مالک ہونا یا سب سے بڑھ کر کسی قومی کام کا سرانجام دینا ہے۔ مگر مسلمان کے دل میں جو ولولہ موجزن ہو کر اسے قوم کے لئے سب سے بڑھ کر عزت کا موجب بنا سکتا ہے، وہ دعوت الی الحق کا کام ہے۔ جو انبیاءؑ نے کیا۔ یہی مسلمان قوم کی تمام اقوام پر فضیلت کی وجہ ہے **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** (110:3) اسی غرض کے حصول کے لئے ذیل کی عملی تجاویز ہیں۔

الف: ہم میں سے ہر ایک صاحب اولاد اپنی اولاد کی تعلیم میں، جہاں تک ان کی طبائع کا میلان اجازت دے، اس بات کو مدنظر رکھے کہ انہیں ایسے کام کے لئے تیار کیا جائے، جس میں تبلیغ اسلام کا موقع سب سے بڑھ کر مل سکے۔ مثلاً حتی الوسع اولاد کا تعلیمی پیشہ کے لئے تیار کرنا یا ڈاکٹری کے لئے تیار کرنا یا اخباروں رسالوں وغیرہ کی ایڈیٹری کے لئے تیار کرنا۔

ب: ہر ایک صاحب اولاد اپنی اولاد میں سے ایک یا زیادہ کو، جیسے اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دے، صرف خدمت دین کے لئے تیار کرے۔ یہ ایک غلط خیال ہے جو اکثر دلوں میں

جاگزین ہے کہ خدمت دین میں دوسروں کی دست نگری ہوتی ہے۔اگر بالفرض خدمت دین کسی معاوضہ پر بھی کی جائے تو بھی یہ دست نگری اس غلامی سے بدر جہا بہتر ہے جو سرکاری ملازمت میں اختیار کرنی پڑتی ہے۔جہاں بسااوقات ایمان بھی بیچنا پڑتا ہے۔ اور پھر خدمت دین کرنے والے لوگ بھی دوسروں کی دست نگری سے آزاد ہو سکتے ہیں۔ اُن کے لئے بھی ایسے مواقع ہیں۔ہاں! جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اموال یا جائیدادیں دی ہیں، وہ ایسی اولاد کے لئے، جسے خدمت دین کے لئے وقف کیا، خاص انتظام اس کے مایحتاج کا بھی کر سکتے ہیں اور بطور امانت ان کے نام روپیہ جمع کرا سکتے ہیں۔

ج: اس حصہ میں بالخصوص اپنی قوم کے نوجوانوں کو اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ملازمت وغیرہ کے ادنیٰ اغراض کو اعلاء کلمۃ اللہ کے بلند مقصد کے سامنے ہیچ سمجھیں۔کتنے لوگ ہیں جو انٹرینس پاس کر کے چار پانچ سال بی اے تک پہنچنے میں لگاتے ہیں۔پھر اس کے بعد ملازمت کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں۔پھر بعض کو کوئی اچھا موقع مل جاتا ہے۔اور بہتیرے مصیبت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔مگر خدا کے دین کی خدمت اصل غرض ہو اور واقعی مصیبت بھی اٹھانی پڑے تو وہ مصیبت راحت ہو جاتی ہے۔پھر کتنے نوجوان ہیں جو ایک مقصد کو سامنے رکھ کر اپنے تمام فوائد کو قربان کر دیتے ہیں اور جیل خانوں میں جانے کو تیار ہوتے ہیں۔اگر ہماری قوم کے نوجوان دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار نہیں تو میدان عمل میں دوسرے ہم سے سبقت لے گئے۔اس وقت ہمیں ہندوستان میں کام کرنے والے مبلغین کے تیار کرنے کی ضرورت ہے۔اوراس غرض کے لئے انٹرینس پاس طالب علم بکار ہیں۔دوسال کی تعلیم کے بعد وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ سینکڑوں انسانوں کی ہدایت کا موجب بن جائیں۔اس سے بڑھ کر کس عزت کی خواہش کسی کے دل میں ہوسکتی ہے؟ ہاں یہ وہ عزت ہے جو صرف دنیا کی نگاہ میں عزت نہیں، بلکہ عنداللہ بھی یہ مقام عزت ہے۔کیا اس عزت کے حاصل کرنے کے لئے ہمارے

کچھ نو جوان نکلیں گے؟

ملکانے کب مسلمان ہوئے؟

سوامی شردھانند اور تمام ہندو اخبارات اس بات پر مصر ہیں کہ ملکانہ راجپوت اقوام اورنگ زیب کے عہد میں بزور شمشیر مسلمان ہوئی تھیں۔ پروفیسر سید عبدالقادر صاحب ایم اے اسلامیہ کالج لاہور نے ''شدھی کی تحریک'' کے عنوان سے ایک طویل مضمون ''پیسہ اخبار'' میں لکھا ہے اور اس میں ہندوؤں کے اس الزام کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

> ''اگر ہمارے آریہ دوست ذرا تزک جہانگیری کو اٹھا کر دیکھ لیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ملکانے جہانگیر کے زمانہ سے بہت پہلے مسلمان تھے۔ چنانچہ بادشاہ خود آگرہ اور اس کے نواح کے لوگوں کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ہندو اور کچھ مسلمان ہیں۔ مسلمان بھی ہندوؤں کے رسم ورواج کے پابند ہیں۔ ان لوگوں میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ ہندو مسلمانوں میں عام طور پر شادیاں ہو جاتی ہیں۔''

تزک جہانگیری کے یہ الفاظ ہندو تاریخ دانی کا پردہ چاک کرنے والے ہیں۔ اس قسم کے بے سروپا قصے آئے دن ہندو پریس سے نکلتے ہیں اور انہیں اورنگ زیب سے خواہ مخواہ منسوب کر دیا جاتا ہے۔ خدا جانے اورنگ زیب کے ساتھ ہندوؤں کو اس قدر دشمنی کیوں ہے۔ کیوں اکبر کا نام کبھی نہیں لیا جاتا، جس کے عہد میں ہندو مسلمانوں کے ازدواجی تعلقات قائم ہوئے!

19 جون 1923ء

اداریہ

گائے کی قربانی

(حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایدہ اللہ کے قلم سے)

ڈاکٹر انصاری اور مسز نائیڈو کی تحریک پر 28 جون کو الہ آباد میں پریس کانفرنس ہوگی، جس میں عید کے موقع پر گائے کی قربانی کے سوال پر بحث ہوگی۔ اور وہ ذرائع اختیار کئے جائیں گے جس سے گائے کی قربانی رک جائے۔

اس اجتماع سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ پر سب کی رائے کو اسلامی پریس معلوم کرے۔ اس لئے کہ اگر کوئی سمجھوتہ اس موقع پر ہوگیا اور پبلک کی رائے اس کی تائید میں نہ ہوئی تو یہ امر خفت کا موجب ہوگا۔ واقعات کو نظر انداز کر کے کوئی یکطرفہ فیصلہ، خواہ کتنا بھی دل خوش کن ہو، مفید نہیں ہوسکتا۔

اس میں شک نہیں کہ گائے سے ہمارے ہندو اہل وطن کو سخت عقیدت ہے۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ مذہب کے اصل اصول سے بھی بڑھ کر وقعت گائے کو حاصل ہے۔ ہندوؤں میں ایسے فرقے تو ہیں جو ویدوں کو نہیں مانتے، بلکہ خدا کی ہستی کے بھی قائل نہیں، مگر ایسا کوئی فرقہ نہیں جو گائے کو عظمت کا مقام نہ دیتا ہو۔ اگر ہندو کسی مذہب کا نام ہے تو اس کا اصل الاصول گائے کی عظمت ہے۔ آج ملکانہ قوم کی شدھی کی تحریک نے اس بات کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ اس لئے کہ کوئی قوم اسلام کو ترک کر کے ہندو مذہب میں واپس جانے کے لئے تیار نہیں، سوائے ان کے جن کے دلوں میں گائے کی عظمت ہے۔ پس مسلمانوں کے لئے یہ سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور ایک طرف اگر یہ ضرورت ہے کہ اپنی ہمسایہ قوم کے جذباتِ مذہبی کا احترام کر کے مسلمان کوئی ایسا فعل نہ کریں، جس سے ہندو قوم کے مذہبی احساسات کو صدمہ پہنچے، تو دوسری طرف اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ گائے کی عظمت اصل میں پرستش کا رنگ رکھتی ہے۔ اور بت پرستی کی ایک قسم ہونے کے لحاظ سے ہر مسلمان کا یہ

فرض ہے کہ اپنے ہندو اہل وطن پر اس بات کو واضح کرے کہ ایک جانور کو پرستش کا مرتبہ دینا یا ایسی عظمت دینا جو پرستش کی حد تک پہنچی ہوئی ہو اور خدائے واحد کی طرح اسے قابل عبادت سمجھنا ایک سخت غلطی ہے۔ پس گائے کی عظمت کو توڑتے ہوئے اپنے اہل وطن کے جذبات مذہبی کے احترام کا اہم سوال مسلمانوں کے سامنے ہے۔ اسی عام سوال کا ایک حصہ عید کے موقع پر گائے کی قربانی کا سوال ہے۔ اگرچہ گائے کی قربانی کا سوال بجائے خود اس وسیع سوال کی ایک شاخ ہے کہ گائے کو گوشت خوری کے لئے ذبح کیا جائے یا نہ۔ مگر اس میں ایک مزید بات قابل غور یہ ہے کہ عید قربان کے موقع پر قربانی کرنا ہر مسلمان کے لئے، جو استطاعت رکھتا ہے، ضروری ہے۔ اور اس مذہبی فریضہ کی ادائیگی میں جہاں مسلمان بھیڑ بکری ذبح کرتے ہیں، عموماً وہ لوگ جو اس قدر استطاعت نہیں رکھتے، گائے کی قربانی میں سات آٹھ آدمی شریک ہو جاتے ہیں۔ اور یوں اس مذہبی فریضہ کو ادا کرتے ہیں۔ ہمارے ہندو اہل وطن کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلمان عید کے موقع پر گائے کی قربانی دینا چھوڑ دیں اور بجائے اس کے بھیڑ بکری کی قربانی دیں۔

اس مطالبہ کی اصل وجہ کیا ہے؟ یہ ہندو چاہتے ہیں کہ مسلمان کوئی ایسا فعل نہ کریں، جس سے ہندوؤں کے احساسات مذہبی کو صدمہ پہنچے۔ اور یہ سچ بھی ہے کہ ہر قوم کو، جہاں تک ممکن ہو، دوسری قوم کے مذہبی احساسات کا خیال رکھنا چاہیے اور کوئی ایسا فعل نہ کرنا چاہیے جس سے اس قوم کے مذہبی احساسات کو صدمہ پہنچے۔ لیکن جب ایک مسلمان سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے تو پہلا سوال اس کے دل میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ مطالبہ کرنے والی قوم خود بھی مسلمانوں کے احساسات مذہبی کا احترام کے لئے تیار ہے؟ اس سوال کا جواب واقعات کی رُو سے نفی میں ملتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مذہبی مباحثات کا دروازہ بند نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر صرف اصول مذہبی پر بحث ہو اور وہ واجب الاحترام ہستیاں، جنہوں نے انسانوں کو کروڑ در کروڑ کی تعداد میں ذلّت کے مقام سے اٹھا کر اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاقی منازل پر پہنچایا، اس بحث سے بالاتر ہیں، کیونکہ وہ بہر حال نسل انسانی کے محسن ہوئے ہیں، تو اس سے کسی قوم کے مذہبی احساسات کو رنج نہیں پہنچ سکتا۔ ایک مسلمان کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس بات کے دلائل دے کہ مورتی پوجا یا غیر اللہ کی عبادت سے اخلاق فاضلہ کو انسان حاصل نہیں کر سکتا۔ یا یہ کہ تناسخ محض ایک غلط اور بے بنیاد خیال ہے۔ یا نیوگ کا مسئلہ حیا اور غیرت انسانی کو کاٹنے والا ہے۔ اور ایک ہندو کو اختیار ہے کہ اس

بات کے دلائل دے کہ ایک خدا کی عبادت انسان کی ترقی کے رستے میں روک ہے یا مسئلہ طلاق یا تعدّد ازدواج کے ماننے سے معاشرت انسانی کو نقصان پہنچتا ہے۔لیکن اگر ایک مسلمان ویدوں کے رشیوں یا رام چندر جی یا کرشن جی کے حق میں ناشائستہ کلمات بولے یا ایک ہندو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ یا دیگر پیغمبروں یا بزرگان اسلام کی شان میں گستاخی کرے، تو یہ امر دوسری قوم کے احساسات مذہبی کا خون کرنے والا ہے۔اب مسلمان تو ہندو مذہب کے بزرگوں کا یہاں تک احترام کرتے ہیں کہ کوئی مسلمان رام چندر جی یا کرشن جی کی شان میں کبھی کوئی گستاخی کا لفظ منہ سے نہیں نکالتا۔ بلکہ جب ان کا نام لیتے ہیں تو عزت سے لیتے ہیں۔اور بعض مسلمان تو ان کو اتنا بلند مقام دیتے ہیں کہ وہ انہیں ان معلمین میں داخل کرتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اصلاح کے لئے کھڑا کرتا رہا اور سب کے سب انہیں واجب التعظیم بزرگ سمجھتے ہیں۔لیکن ہمارے ہندو اہل وطن کو جب اسلام پر بحث کرنے کی ضرورت پیش آئی تو سوامی دیانند جی نے وہ کچھ گستاخی سرور عالمؐ اور دیگر انبیاءؑ کے حق میں کی کہ جس کا ایک ایک لفظ ایک مسلمان کے دل پر نشتر کا کام کر رہا ہے۔اور آج عام طور پر ہندوؤں کا یہ رویہ ہوتا جاتا ہے کہ وہ سوامی صاحب کی اقتدا میں پیغمبر اسلام اور بزرگان اسلام کی شان میں گستاخی کو ہی مذہبی بحث کا قائم مقام سمجھے ہوئے ہیں۔طرفہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ مسلمانوں نے ان کے بزرگوں کی عزت کی اور انہوں نے مسلمانوں کے بزرگوں کی توہین کی، اب یہ مزید مطالبہ مسلمانوں سے کر رہے ہیں کہ وہ ان کے مذہبی احساسات کی خاطر گائے کی قربانی کا نام بھی نہ لیں۔ یہ اتحاد نہیں، جس میں ایک قوم پر تو اس قدر مطالبات روا رکھے جائیں کہ وہ اپنے مذہبی فریضہ کی ادائیگی پر بھی ایک حد بندی قائم کرلے اور دوسری قوم اپنے افعال شنیعہ سے بھی نہ رکے! اگر ہمارے ہندو اہل وطن پہلے مسلمانوں کے اس احترام کے جواب میں، جو وہ ان کے بزرگوں کا کرتے ہیں، پیغمبر اسلام اور بزرگان اسلام کا احترام اسی طرح کرنے کو تیار ہیں، تو مسلمان پھر دوسرا قدم اٹھانے میں پیش قدمی کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔لیکن اگر ہندو بزرگوں کے احترام کا جواب بزرگان اسلام کو گالیاں دینا ہے، تو خواہ پولٹیکل لیڈر کچھ سمجھوتہ کریں، عام مسلمان پبلک پر اس کا اثر نہ ہوگا۔ اگر ہندو اخبارات اب بھی یہ قدم اٹھائیں اور صاف طور پر اعلان کردیں کہ وہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احترام اسی طرح کریں گے جس طرح مسلمان ان کے بزرگوں کا احترام کرتے ہیں اور دل سے آپ کی اور دیگر بزرگان اسلام کی عزت کریں گے تو گائے کی قربانی کے سوال کے حل کے لئے کوئی قدم اٹھایا بھی جاسکتا ہے۔مگر تاوقتیکہ ہندو اصحاب دلی صفائی

سے پیغمبر اسلام کی عزت اپنے رشیوں کی طرح کرنے کا اقرار نہ کریں، گائے کی قربانی کے سوال کو چھیڑنا بے فائدہ ہے۔

دوسری بات جو اس بارے میں مَیں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہندوؤں کا موجودہ سلوک مسلمانوں سے ایسا ہے کہ کوئی باغیرت قوم اسے برداشت نہیں کرسکتی۔ وہ مسلمانوں کو ادنیٰ اور ذلیل اقوام میں داخل کرتے اور ان سے چھوت چھات کرتے ہیں۔ بلکہ چوہڑوں اور چماروں کا مرتبہ دیتے ہیں۔ اور جس طرح ان کے ساتھ مل کر کھانا پینا جائز نہیں سمجھتے اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ مل کر بھی کھانا پینا جائز نہیں سمجھتے۔ دو تین سال ہوئے ہندو مسلم اتحاد کی جو لہر چلی تھی، اس میں بڑی بات یہی تھی کہ ہندو مسلمانوں نے ایک گلاس سے پانی پیا۔ مگر افسوس ہے کہ ہندوؤں کی طرف سے یہ بات محض ایک مصلحت وقتی تھی اور آج ہندو اخبارات میں فخر سے چماروں کا یہ ریزولیوشن شائع کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر نہیں کھائیں گے۔ گویا ان کے نزدیک مسلمان چماروں سے بھی بڑھ کر ذلیل قوم ہے۔ اور ہندوؤں میں جو آزاد فرقہ آریہ سماج کا نکلا ہے، وہ بھی تمام اچھوت اقوام کے ساتھ مل کر کھانے پینے کو تیار نہیں۔ کیا جس قوم کو اس قدر ذلت کا مقام دیا جائے، اُس کی غیرت کبھی برداشت کر سکتی ہے کہ وہ ایسا کہنے والوں کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے جو اس کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اگر ہندو اہل وطن اس بارے میں اصلاح نہیں کریں گے تو وہ یقیناً یاد رکھیں کہ مسلمان مجبور ہوں گے کہ جواب کے طور پر ان سے یہی سلوک کریں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندو مسلم اتحاد بجائے مہینوں کے سالوں پیچھے جا پڑے گا۔ مسلمانوں کے لئے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ قربانی جیسے اپنے مذہبی حق کو بھی ہندوؤں کی خاطر قربان کر دیں۔ جب تک کہ ہندو ان سے برادرانہ سلوک کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔

تیسری بات اس سوال کا ایک اقتصادی پہلو ہے۔ اور اس کا ذکر میں صرف اس لئے کرنا چاہتا ہوں تا کہ یہ معلوم ہو کہ مسلمان جب گائے کی قربانی کرتے ہیں، تو ان کے وہم و گمان میں بھی کسی ہندو کا دل دکھانا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ محض مسلمانوں کی غربت ہے۔ بیشتر مسلمان اس حالت میں نہیں کہ وہ عید کے موقعہ پر ایک بھیڑ یا بکری یا دنبہ خرید کر اس کی قربانی کرسکیں۔ اور اس قدر استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے سات آدمی ایک گائے کی قربانی میں شریک ہو جاتے ہیں۔ پس گائے کی قربانی کا اختیار کرنا زیادہ تر اقتصادی پہلو کی وجہ سے ہے۔ اور جب

تک بھیڑ بکری اس قدر ارزاں نہ ہو جائے کہ ایک گائے کی قیمت کا ساتواں حصہ دے کر ایک مسلمان اسے خرید سکے، اس وقت تک گائے کی قربانی مسلمانوں کی اقتصادی ضرورت کے طور پر باقی رہے گی۔ افسوس یہ ہے کہ ہندو اہل وطن مسلمانوں کی جس اقتصادی کمزوری پر خوش ہو رہے ہیں، وہی درحقیقت گائے کی قربانی کی بڑی وجہ بھی ہے۔ اگر پہلی دونوں باتیں طے ہو جائیں اور ہندو قوم ان دونوں امور میں اپنے اس رویہ کو ترک کر دے جو مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہو رہا ہے، تو اقتصادی پہلو کا علاج آسان ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ گئورکھشا کمیٹیاں عید کے موقع پر کثرت سے بھیڑ بکری خرید کر ارزاں قیمت پر مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ گئورکھشا کمیٹیوں کے پاس بافراط روپیہ موجود ہے اور اس سے بہتر مصرف اس کا اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ اس طرح وہ ہزارہا گائیوں کو ذبح ہونے سے بچا سکتے ہیں۔

امید ہے ہمارے ہندو برادران وطن ان امور پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے اپنے رویہ کی اصلاح کریں گے اور مسلمانوں کو موقع دیں گے کہ وہ اتحاد کی طرف دوسرا قدم اٹھائیں۔ برادرانِ اسلام سے بھی توقع ہے کہ وہ اخبارات میں ان امور پر بحث کر کے اسلامی پبلک رائے کا رجحان معلوم کریں۔

☆☆☆

تحریک شدھی اور مسلمان

مشہور افسانہ نگار مسٹر پریم چند کا ایک طویل مضمون ''ملکانہ راجپوت مسلمانوں کی شدھی'' اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ جس میں مسٹر موصوف نے نہایت قابلیت کے ساتھ تحریک شدھی کے نقصانات اور ہندوؤں کی ناعاقبت اندیشی کو آشکار کیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ: ''ہندوؤں کی شدھی کی تحریک خالصۃً اور کلیۃً سیاسی امور پر مبنی ہے۔'' لیکن اس کے ساتھ ہی مسٹر موصوف نے بعض فقرات ایسے لکھے ہیں جو مسلمانوں کے حق میں بالکل غیر منصفانہ خیالات پر مبنی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

> ''ہندوؤں میں اس تحریک کی بنا مسلمانوں نے ڈالی۔ وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ انہی کے مذہبی جوش نے ہندوؤں کو اس اجتماع اور انضباط پر آمادہ کیا۔ جن صوبوں میں مسلمانوں کی

آبادی زیادہ ہے۔ وہاں ہندوؤں کو آسائش و آرام میسر نہیں اور ان کی لڑکیاں اور ان کی بیوائیں ہمیشہ اسلامی دست برد کا شکار ہوتی رہتی ہیں اور مسلمان سرغنایان قوم سکوت کی زریں پالیسی کو توڑنا مناسب نہیں سمجھتے۔''

ہمیں افسوس ہے کہ ان فقرات میں مسلمانوں کے خلاف صریحاً غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ اور باوجودیکہ مسٹر پریم چند کا مضمون بہت سے اسلامی اخبارات میں بتمام وکمال شائع ہوا ہے، لیکن کسی نے اس پر نوٹس لینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ تبلیغ اسلام بے شک مسلمانوں کا ایک ضروری فرض ہے۔ اور اس کی ادائیگی کے لئے ہر جائز طریق سے انہیں کوشش کرنی چاہئیے اور وہ کرتے ہیں۔ ایسا ہی ہم سمجھتے ہیں کہ ہر مذہب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسروں تک اپنا پیغام پہنچائے۔ لیکن یہ حق کسی کو حاصل نہیں کہ کسی قوم یا افراد پر جبر و تعدی سے کام لے انہیں طمع اور لالچ دے کر اپنے اندر شامل کرنا چاہے اور اسی قسم کے دوسرے طریق اختیار کرے، جو سوامی شردھانند صاحب اور ان کے ہمنواؤں نے اختیار کر رکھے ہیں۔ یہ تبلیغ مذہب نہیں اور نہ مسلمانوں نے اس قسم کا طریق کبھی اختیار کیا۔ ہم مسٹر پریم چند سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا کبھی انہوں نے کسی مسلمان کی طرف سے تبلیغ اسلام کے کام میں ان ناجائز وسائل کو استعمال ہوتے ہوئے دیکھا جو سوامی شردھانند نے اختیار کر رکھے ہیں۔ صوبہ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ کونسی ہندو بیوائیں اور لڑکیاں ہیں جو یہاں مسلمانوں کی دست برد کا شکار ہوتی ہیں؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ بجائے ہندو لڑکیوں اور بیواؤں کے مسلمان مرد یہاں ہر شعبہ زندگی میں ہندوؤں کی دست برد کا شکار ہو رہے ہیں!

سوامی شردھانند صاحب اگر خاص آریہ سماجی عقاید کی تلقین کرتے تو بھی ایک بات تھی۔ لیکن اس کا تو کوئی لحاظ ہی نہیں وہ تو شدھ ہونے والوں کو جس حالت میں پاتے ہیں، اسی پر قائم رہنے دیتے ہیں۔ مورتی پوجا سے بھی انہیں روکا نہیں جاتا۔ صرف ان کو ہندو برادری میں شامل کر لیا جاتا ہے تاکہ ہندو قوم کی تعداد زیادہ ہو جائے۔ جس کا اعتراف خود مسٹر پریم چند کو بھی ہے۔

ایسے حالات میں تحریک اشدھی کو مسلمانوں کی تبلیغ اسلام سے تشبیہ دینا ایک خلاف امر واقعہ ہے۔ اگر تبلیغ مذہب ہی اصل مقصود ہے تو کیوں ملکانوں پر ہندو مذہب کی حقیقت کو آشکارا نہیں کیا جاتا۔ اور تناسخ اور نیوگ

وغیرہ تعلیمات کو ان سے چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے؟ کیوں ان پر یہ ظاہر نہیں کیا جاتا کہ ذات پات کے خیالات غلط ہیں اور تمام نیچ اقوام کو ان کے ساتھ مل کر کھانے پینے کا حق حاصل ہے؟

ہم خوش ہوں گے اگر ہمارے ہندو دوست اور لیڈران مذہب آئیں اور ہندو مذہب کا پرچار ویدوں اور اپنی مسلمہ کتابوں سے کریں۔ صرف ملکانوں کو نہیں بلکہ ہر ایک مسلمان کو وید پڑھائیں اگر خود بھی پڑھنا جانتے ہوں۔ اور اسی طرح سے وہ مسلمانوں سے قرآن کریم آکر پڑھیں اور اس پڑھنے پڑھانے اور اس باہمی تبلیغ میں تعصب اور تنگدلی سے اپنے آپ کو الگ کر لیں۔ اس صورت میں مسلمان اگر ان پر معترض ہوں تو بیشک غیر مسلم حق بجانب ہوں گے۔

☆☆☆

ہماری تبلیغی کوششیں

احاطہ مدراس میں اشاعتِ اسلام

ہمارے برادران سلسلہ اپنے نوجوان باہمت مردِ خدا جناب احمد بادشاہ صاحب کے نام نامی سے بخوبی واقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیاوی حشمت کے علاوہ دینی طور پر بھی وہ بزرگی دے رکھی ہے کہ اگر اس کا بیسواں حصہ بھی مسلمان امراء میں پایا جائے تو اسلام کو کسی قسم کا خطرہ بھی پیش نہ آسکے۔ دنیا کے مشاغل کے ساتھ آپ دینی مشاغل میں بھی اس درجہ منہمک رہتے ہیں کہ ہمیں رشک آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دوسرے بھائیوں کو بھی خدمت دین کی ایسی ہی توفیق عطا فرمائے۔ برادر موصوف کو دینی کام میں مدد دینے والا ایک اور فرشتہ خصلت انسان مکرمی داؤد شاہ صاحب مل گئے ہیں، جو اپنے معقول دنیاوی روزگار کو چھوڑ کر محض اشاعت کی خاطر انگلستان تشریف لے گئے تھے اور عرصہ سے ایک اسلامی رسالہ تامل زبان میں شائع کرتے ہیں۔ ان برادران کے ساتھ ایک اور عزیز بھائی محمد عزیز اللہ خاں صاحب کی خدمات سلسلہ ہمارے دوسرے بھائیوں کے لئے قابل تقلید ہیں وہ کوئی موقع اشاعت و تبلیغ کا جانے نہیں دیتے۔

جناب احمد بادشاہ صاحب اپنے تازہ خط میں حضرت امیر کی خدمت میں لکھتے ہیں کہ انہیں یہ خط لکھنے کا بمشکل موقع مل سکا ہے۔ جس میں وہ مختصراً اپنے اور داؤد شاہ صاحب کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ مفصل حالات دفتر کی خط وکتابت کے ذریعہ سے عرض کئے جائیں گے۔ لیکن اپنے بارے میں میں اتنا ہی عرض کرنا پسند کرتا ہوں کہ میرا کھانا پینا، سونا، بیٹھنا اور میرے عزیز واقارب محض اسلام کے لئے ہی ہیں۔ اور مجھے سوائے خدمت اسلام کے اور کچھ نہیں سوجھتا۔ داؤد شاہ صاحب کا تامل رسالہ جو ناچرکول سے جاری تھا، دارالاسلام کے نام سے مدراس سے جاری کیا گیا ہے۔ مدراس کی انجمن احمدیہ داؤد شاہ صاحب کے چارج میں دے دی گئی ہے اور وہی رسالہ کے ایڈیٹر ہوں گے۔ مجھے اس بات سے بہت تشفی ہے کہ ہمارا دل ایک دوسرے سے مل گیا ہے۔ اور دینی کام میں بھی ہمارا اتحاد ہو گیا ہے۔ داؤد شاہ صاحب بڑے لائق آدمی ہیں اور بہت سی صفات حسنہ کے مالک ہیں۔ اور جو نیک کام اُن کے سپرد کیا گیا ہے، اس کے وہ اہل ہیں۔ ان کی موجودگی میں مجھے تسلی اور یقین ہے کہ جنوبی ہند کی اصلاح کرنے کی ذمہ داری کو وہ بخوبی اٹھا لیں گے اور اسلام واحمدیت کو اس علاقہ میں اُن کی وجہ سے بڑی کامیابی ہو گی۔ میں نے مالی انتظام کر دیا ہے اور اپنے آئندہ کام کا ایک نقشہ تیار کر لیا ہے۔ علاوہ انجمن کے ذریعہ سے تبلیغ واشاعت اور تامل زبان کے رسالہ کے، ہم نے آپ کے ترجمۃ القرآن یعنی بیان القرآن کا ترجمہ تامل زبان میں شروع کر دیا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس نیک کام میں ہماری مدد کرے۔ آپ بھی خاص طور پر ہماری کامیابی کے لئے دعا فرمائیں۔

آپ کی کتاب ''محمدؐ اور مسیحؑ'' کا ترجمہ تامل زبان میں شائع ہو چکا ہے۔ ان ذرائع سے ہم چاہتے ہیں کہ 25 لاکھ تامل بولنے والے مسلمانوں کو وہ قیمتی جواہراتِ دین، جو آج تک ان کے خواب وخیال میں بھی نہیں آئے، پہنچائے جائیں۔ آئندہ خط میں انشاء اللہ مفصل حالات لکھوں گا۔ جملہ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے برادران کو اپنے نیک مقاصد کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے ذریعہ سے علاقہ مدراس میں اسلام کے نور کو زور شور سے پھیلائے۔ آمین

☆☆☆

مجلسِ تعلیم المناظر

آریہ سماج نے شدھی کے جال کو وسعت دے کر دہلی میں ایک ڈِبیٹِنگ کلب (مجلس تعلیم المناظر) قائم کی ہے۔ جہاں ہر جمعہ کے دن 6 بجے سے 8 بجے شام تک عام ہندو بھائیوں اور مسلمانوں کے ساتھ مناظرہ ہوتا ہے۔ جس دن سے یہ پودا سرسبز ہونے لگا، اسی دن سے انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام نے آریہ مذہب کا پول کھولنے کے لئے اپنے کواُن کے لئے وقف کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے کئی ایک مناظرے نیاز مند کے، سیکرٹری کے ساتھ ہوئے۔ اور اسی خیال سے مولٰنا مولوی عصمت اللہ صاحب کو پلول سے بلایا گیا ہے۔

مولٰنا کی تشریف آوری پر رائے سینا میں برادرانِ ہنود نے آریہ سماج کے چکمے میں آکر نام نہاد ''ہندو سنگھٹن'' کو قائم کر لیا۔ تو مناسب سمجھا گیا کہ مولٰنا سے سنگھٹن کی حقیقت پر لیکچر کروائے جائیں۔ چنانچہ اسی عنوان پر رائے سینا میں مولٰنا کے متعدد لیکچر ہوئے اور تین مناظرے نہایت ہی کامیابی کے ساتھ ہزاروں آدمیوں کے سامنے ہوئے۔

پہلا مناظرہ آریہ سماج کی استدعا پر تھا۔ وہ مناظرہ رائے سینا میں کئی ہزار آدمیوں کے مجمع میں ''رسم زنار بندی'' پر ہوا اور نہایت کامیاب ثابت ہوا۔ اس مناظرے سے خود مد مقابل کو تسلیم کرنا پڑا کہ رسم ''زنار بندی''، محض ایک دنیاوی رسم ہے، مذہباً کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ یہی وہ مناظرہ تھا جس کے اثر عام نے رائے سینا کی نوزائیدہ'' ''ہند سنگھٹن سبھا'' کو معرضِ خطرہ میں ڈال دیا۔ اس لئے پنڈت رام چند جی مہاراج نے فرمایا کہ ہم ''صفات الٰہیہ'' پر بحیثیت سائل گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ مولٰنا موصوف نے پنڈت جی کی اس خواہش کو قبول فرمایا۔ چنانچہ اتوار مورخہ 10 جون 1923ء ہزاروں کے مجمع میں دو گھنٹہ تک مولٰنا ممدوح کا پنڈت صاحب موصوف کے ساتھ صفات الٰہیہ پر نہایت ہی کامیاب اور خوش کن مناظرہ ہوا۔

مناظرہ کیا تھا؟ ویدوں کی اختلافی تعلیم کا ایک بوقلموں مرقع تھا۔ مولٰنا کا وید منتروں کو پڑھنا جہاں سامعین کی خوشی اور سرور کا موجب بن رہا تھا، وہاں پنڈت جی کی حیرت اور کمال عجز کا نقشہ دکھا رہا تھا۔ منتروں پر منتروں کی بارش ہو رہی تھی۔ اور پنڈت جی مبہوت ہو رہے تھے کہ اس موسلا دھار بارش میں بھاگیں اور کدھر

جائیں۔منتروں کا جواب تو کیا ہوسکتا تھا، پنڈت جی سوامی دیانند جی مہاراج کی مقرر کردہ صفات الٰہیہ تک کو بھی ویدوں سے ثابت نہ کر سکے۔

مباحثہ کے خاتمہ پر مولانا کی ایک تقریر بھی ہوئی، جس میں انہوں نے مسلمان بھائیوں کو سنسکرت زبان پڑھنے اور قرآن حمید کے مطالب سے واقف ہونے پر زور دیا۔تقریر ختم ہوتے ہی اکثر ہمدردان مذہب نے مولانا سے سنسکرت پڑھانے اور طریق مناظرہ سکھلانے کی درخواست کی۔جس کو منظور کرلیا گیا۔اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوا تو چند روز تک دہلی میں اس غرض کے لئے مدرسہ کھول دیا جائے گا۔اس جلسہ کے صدر جناب مولانا مولوی محمد عرفان علی صاحب امیر الوفود جمعیت العلماء ہند تھے۔ہم آپ کی اس تکلیف کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔شیخ عبدالحق سیکرٹری انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام، دہلی۔

☆☆☆

آریہ سماج مندر دہلی میں اذان اور نماز

پچھلے مناظرہ رائے سینا میں جواب سے لاجواب ہوکر پنڈت رام چند جی مہاراج نے مجھے دعوت دی تھی کہ آپ آریہ سماج دہلی میں آکر سال و جواب کریں۔اس دعوت کی بنا پر میں بمع شیخ عبدالحق صاحب سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام دہلی سماج مندر میں پہنچا۔ ہمارے پہنچنے سے پہلے پہلے سماج مندر آدمیوں سے کھچا کھچ بھر رہا تھا۔چونکہ میری طبیعت کسی قدر علیل تھی اور متواتر تقریروں اور مناظروں کی وجہ سے آواز بھی پست ہو چکی تھی، اس لئے شیخ عبدالحق صاحب مناظرے کے لئے کھڑے ہوئے اور پنڈت رام چند جی پر حسب ذیل اعتراضات کئے:

1۔ آریہ سماج کا یہ سدھانت ہے کہ پرمیشر نے روح مادہ کو نہیں بنایا، جبکہ روح و مادہ اُس کے خلق کئے ہوئے نہیں ہیں اور ان کے بغیر کوئی چیز نہیں بن سکتی، تو پایا جاتا ہے کہ ویدک پرمیشر روح و مادہ کا محتاج ہے۔محتاج کو پرمیشر ماننا شانِ عقلمندی نہیں ہے!

2۔ آریہ سماج کا روح و مادہ کو غیر مخلوق اور ازل و ابدی ماننا صاف اس بات کی دلیل ہے

کہ آریوں کے نزدیک روح و مادہ پرمیشری صفات میں برابر کے شریک ہیں۔

3۔ جبکہ پرمیشر روح و مادہ اور اُن کے گُن کرم سبھاؤ کا خالق ہی نہیں، تو پھر نری جوڑا جاڑی کر لینا کوئی وقعت کی چیز نہیں۔ یہ عقیدہ اشک پن کا حامی ہے اور آریوں کو دہریت کے گڑھے میں گرا رہا ہے۔

ان سوالات کے جواب میں پنڈت رام چندجی مہاراج نے ہر چند ہاتھ پاؤں مارے، مگر حقیقی جواب سے عہدہ برآ نہ ہو سکے اور اصل بحث کو چھوڑ ادھر ادھر کی باتیں بنا کر حاضرین مناظرہ کو اپنی ناکامی کا یقین دلا دیا۔ غرض یہ مناظرہ اپنی نوعیت میں نہایت کامیاب رہا اور مسلمانوں پر اس کا بہت اچھا اثر پڑا۔ اثنائے مناظرہ میں نماز مغرب کا وقت آ گیا، اس لئے تا ادائیگی نماز مناظرہ بند کر دیا گیا۔ نماز مغرب سماج مندر کی چھت پر ادا کی گئی۔ شیخ فضل الدین صاحب دہلوی نے نہایت بلند آواز سے اذان کہی، جسے سن کر ارد گرد کے رہنے والے حیرت سے دیکھنے لگ گئے کہ آج سماج مندر سے اللہ اکبر کی آواز کیونکر بلند ہوئی! اذان کے بعد باجماعت نماز پڑھی گئی اور ہمارے مکرم مناظر صاحب ہی پیش امام ہوئے۔

خاتمہ مناظرہ پر سیکرٹری صاحب انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام دہلی کی طرف سے اعلان کی گیا کہ مورخہ 16 جون 1923ء کو رائے سینا دہلی میں مولوی عصمت اللہ اور ان کے ہمراہی ملکانہ راجپوتوں کی تقریریں ہوں گی۔ اس تقریر کے بعد پنڈت رام چندجی مہاراج کو سوال و جواب کی بھی اجازت دی جائے گی۔

محمد عصمت اللہ

مبلغ انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام، دہلی۔

21 جولائی 1923ء

سرحدی صوبہ میں احمدیت

(ماخوذ از رپورٹ مردم شماری)

اسلام کے دو فرقوں یعنی سنی اور شیعہ کے بعد احمدی فرقہ صوبہ سرحد میں اپنے لوگوں کی کثرت تعداد کا مدعی ہے، حال کی مردم شماری میں احمدیوں کی تعداد اس صوبہ میں 3382 تک پہنچ گئی ہے۔ جن میں 2598 مرد اور 784 عورتیں ہیں۔ اگر اس سے دس سال پہلے کا مقابلہ کیا جائے، تو ان کی تعداد کل 168 تھی۔ جن میں 112 مرد اور 56 عورتیں تھیں۔ مندرجہ ذیل نقشہ احمدیوں کی تعداد پر روشنی ڈالتا ہے:

نام ضلع	1911ء	1921ء
ہزارہ	31	730
پشاور	129	1633
کوہاٹ	8	928
بنوں	X	56
ڈیرہ اسمٰعیل خاں	X	114
سرحدی حد	X	521
میزان	168	3892

صوبہ میں جہاں اب 47 احمدی ہیں پہلے وہاں صرف ایک تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ نے اس عرصہ میں کس قدر ترقی کی۔ اس ترقی کا ہونا یوں بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس نئے فرقہ کے پیرو بہ

نسبت دوسروں کے علم وہنر، شائستگی اور تہذیب میں بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بلحاظ اپنے بانی مرزائی بلحاظ مقام طلوع کے قادیانی بھی کہلاتے ہیں۔ہمیں معلوم ہوا تھا کہ 1911ء میں کل صوبہ میں ہزار(1000)احمدی ہیں، لیکن مردم شماری کرنے والوں کے تعصب کی وجہ سے نقشہ میں صرف 148 آدمی بتائے گئے تھے۔

موجودہ مردم شماری اس نتیجہ پر پہنچا دیتی ہے کہ یہ دعویٰ غلط نہیں۔احمدیوں کی انجمنیں، جوکہ اشاعت کا کام کرتی ہیں، مندرجہ ذیل مقامات پر ہیں۔ پشاور، مردان، نوشہرہ، ایبٹ آباد، کوہاٹ، بنوں، ڈیرہ اسمٰعیل خان اور نارنگ 521 احمدی (جن میں 489 مرد اور 32 عورتیں) صرف علاقہ سرحد میں ہیں۔ یہ لوگ سرکاری ملازم ہیں، جو سول اور ملٹری دونوں شعبوں میں کام کرتے ہیں، اور ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو دوسرے صوبوں سے وارد ہوئے ہیں۔ احمدی لوگ قدیم اسلامی فرقوں سے خیالات کی وسعت اور عمومیت الہام کے عقیدہ میں ممتاز ہیں، یہ لوگ جہاد کے قائل نہیں اور سب مذہبوں کے بڑے بڑے بانیوں کو نبی مانتے ہیں، اور ان کی کتابوں کو الہامی سمجھتے ہیں، جو وقتاً فوقتاً انسان کی اصلاح کے لئے خدا کی طرف سے نازل ہوئیں۔

اس فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں، قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب میں ایک گاؤں ہے۔آپ 1839ء میں پیدا ہوئے اور 1880ء میں انہوں نے ایک کتاب موسوم بہ ''براہین احمدیہ'' لکھی، جس میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ مسلمانوں کے مہدی اور عیسائیوں کے مسیح ہیں، انہوں نے اس اسلامی عقیدہ کی تردید کی کہ مہدی مجاہد بھی ہوگا۔

مرزائی تحریک ابتدا میں قادیان سے پھیلنی شروع ہوئی، رفتہ رفتہ پنجاب کے گاؤں اور شہروں میں پھیلی اور پھر بڑھتی بڑھتی ہندوستان اور اس سے باہر یعنی افغانستان، ایران، عرب، لنکا اور مشرقی افریقہ میں بھی اس کی اشاعت کی گئی، حتیٰ کہ 1908ء میں مرزا صاحب کی وفات کے موقع پر ان کے مریدوں کی تعداد کئی لاکھ بیان کی گئی ہے، جو تمام دنیا کے مختلف حصص میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مرزا صاحب کی وفات کے بعد اشاعتی کام باقاعدہ طور پر جاری رہا، یہ کام ان کے جانشین سرانجام دیتے رہے ہیں۔ایک مشن انگلستان میں روانہ کیا گیا، تاکہ مغربی ممالک میں اشاعتِ اسلام ہو۔مرزا صاحب کے مرید دو جماعتوں میں منقسم ہوگئے ہیں۔ایک کے لیڈر مرزا محمود احمد صاحب بانی فرقہ کے بیٹے ہیں، جو قادیان

کو مرکز بنائے ہوئے ہیں۔ دوسری جماعت مولوی محمد علی صاحب ایم اے سے تعلق رکھتی ہے، جن کا ہیڈ کوارٹر لاہور ہے۔ اس جماعت نے متعدد پرائمری اور مڈل سکول پنجاب کے مختلف مقامات میں کھولے ہیں اور مبلغ بھی غیر ممالک کو بھیجے ہیں۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انگلستان کے مشن نے 200 (نہیں بلکہ تقریباً 500) مغربی لوگوں کو مسلمان احمدی بنایا ہے۔ اور اتنی تعداد امریکہ میں بھی نومسلموں کی بیان کی جاتی ہیں، مغربی افریقہ میں ایک مشنری نے 15000 (15 ہزار) آدمی اسلام میں شامل کئے ہیں۔ ایک ماہوار رسالہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں قادیان سے نکلتا ہے۔ اور چار اخبار (دو ہفتہ وار اور ایک ہفتہ میں دو بار اور ایک ماہوار) اور بھی اس جگہ سے شائع ہوتے ہیں۔ ایک اور سہ ماہی رسالہ جس کا نام مسلم سن رائز ہے، امریکہ سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ احمدیوں کے اصولی عقائد میں یہ بھی ہے کہ گورنمنٹ کے وفادار رہ کر زندگی بسر کی جائے۔ اور انہیں گذشتہ خلافت اور عدم تعاون کی تحریک سے کوئی سروکار نہیں رہا ہے۔ ہر ایک احمدی پر فرض ہے کہ وہ اپنی آمدنی میں سے پانچ پیسے فی روپیہ اپنے فرقہ کے بیت المال میں جمع کرائے۔ اس امر کی سرتوڑ کوشش کی جارہی ہے کہ مرزا صاحب کے پیغام کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچا دیا جائے۔

آج کل اس صوبہ میں بڑے بڑے اسلامی فرقے چار ہیں۔ اہل السنّت، اہل تشیع، اہلحدیث اور احمدی۔ ان میں سے اہلحدیث فرقہ نہ صرف پیشتر سے قلیل افراد پر مشتمل ہے، بلکہ دن بدن اس کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ احمدی لوگ اہل حدیثوں کے مقابلہ پر بہت زیادہ ہیں۔ حتیٰ کہ وہ تعداد میں چار گنا زیادہ ہیں جبکہ احمدی فرقہ صرف تیس سال سے یہاں رائج ہے اور اہل حدیث کی عمر 400 سال سے کم نہیں ہے۔ البتہ اسلام کے دو قدیم ترین فرقے یعنی اہل سنت وشیعہ ایسے ہیں، جن کی عددی نفری بکثرت ہے۔ صوبہ کی اسلامی آبادی میں 90 فیصد تو اہل سنت والجماعت ہیں۔ چار فیصدی شیعہ ہیں اور باقی چار فیصد میں جملہ فرقہ ہائے صغیر شامل ہیں۔

☆☆☆

حضرت امیر کا ارشاد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (127:2)

برلن میں مسجد کی بنیاد

جیسا کہ احباب کو معلوم ہو چکا ہے برلن میں دو ایکڑ زمین خرید لی گئی ہے اور مولٰینا مولوی صدر الدین صاحب کو بذریعہ تار اجازت دے دی گئی ہے کہ مسجد کی بنیاد رکھ کر عمارت کا کام شروع کر دیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کام کیلئے جو توفیق ہمیں عطا فرمائی ہے، اس پر جماعت کو خصوصیت سے حمد الٰہی کرتے ہوئے سجدات شکر بجالانا چاہئیں کہ اس سرزمین میں، جہاں تثلیث کے غلط عقیدہ کی ظلمت پھیلی ہوئی ہے، خدا واحد کا نام بلند کرنے کے لئے ایک پاک گھر کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مسجد سے وہ نور پھیلائے، جو اس ملک کے چاروں کونوں کو منور کر دے اور اسے وہ ذریعہ بنائے، جس سے قرآن پاک کا علم اور حکمت اس ملک میں پھیلے اور اس طرح سے مادہ پرستی کی آلائشوں اور گناہ کی ناپاکیوں سے وہاں کے لوگوں کے قلوب کا تزکیہ ہو۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (164:3) کا فرمان اس رسول پاکؐ کے عاجز خادم کے ہاتھ سے پورا ہو۔ بالخصوص عید کے دن بعد از نماز عید ہر جگہ جماعت اس کے لئے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس گھر میں بڑی بڑی برکتیں ڈالے اور ہمیں توفیق دے کہ ان کفر کے گھروں میں جہاں تک ابھی اسلام کی روشنی نہیں پہنچی، اسی طرح اس کا نام بلند کرنے کے لئے مسجدیں کھڑی کریں اور اس کے کلام کو ان ممالک کے لوگوں کے اندر پھیلائیں۔ اسلامی بھائیوں سے التماس ہے کہ وہ بھی اپنی دعاؤں سے اس کارِ خیر میں شریک ہوں۔

21 اگست 1923ء

قسط دوم

احبابِ سلسلہ سے چند باتیں ۔ نظامِ قومی

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کے قلم سے)

دو ماہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا، جب میں نے ایک سلسلہ مضامین احباب سلسلہ کی توجہ کے لئے شروع کیا تھا۔ مگر پہلی قسط کے بعد اس میں غیر معمولی تاخیر واقع ہو گئی، جس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ اس پہلی قسط میں مَیں نے برادرانِ سلسلہ کو توجہ دلائی تھی کہ وہ اصل الاصول، جس پر ہماری جماعت کی بنیاد ہے، اشاعتِ اسلام ہے۔ جس کے دل میں یہ تڑپ نہیں، جس کو ہر وقت یہ فکر نہیں کہ خدا کا نام دنیا میں پھیلے، اسلام کا پاک پیغام، جو تعلقات انسانی میں امن اور قلب انسانی میں اطمینان پیدا کرتا ہے، قریب سے قریب انسان سے لے کر بعید سے بعید کنارے تک پہنچایا جائے، جو اپنے کاروبار کے اندر اپنی تمام سعی اور جدوجہد کے درمیان اس کوشش میں نہیں لگا رہتا کہ قرآن کریم کو دنیا کے تمام ممالک میں پھیلایا جائے اور یورپ اور ایشیاء اور افریقہ اور امریکہ کو اس نور سے منور کیا جائے، اس کے ہاتھ میں احمدیت کا صرف چھلکا ہے اور مغز احمدیت سے وہ بے خبر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایک چھوٹی سی جماعت ایک دن یا ایک سال یا دس سال کے اندر یہ کام کر دکھائے کہاں تک ہم کو اس کام کی توفیق ملے، اس کا انحصار حالات پر اور سب سے بڑھ کر خدا کے فضل پر ہے۔ اتنا بڑا کام ایک عرصہ کو چاہتا ہے۔ لیکن دل میں اس تڑپ کا ہونا اور پھر اس کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا یہ احمدیت کی پہلی شرط ہے۔ اور اگر کافی طور پر قلوب کے اندر یہ تڑپ پیدا ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سامان بھی پیدا ہو جائیں گے۔ اس لئے جوان ہو یا بوڑھا، غریب ہو یا امیر، خدا کا نام پھیلانے کی تڑپ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اس لحاظ سے ہم سب میں پوری مساوات ہونی چاہیے۔ اعلاء کلمۃ اللہ کی تڑپ سب کے دلوں میں یکساں ہو۔ اس کے لئے کوشش یکساں ہو۔ جب تک یہ دو باتیں ہم میں سے ایک ایک فرد کے اندر پیدا نہیں ہوتیں، اس وقت تک ہمارا نظام قومی بھی کسی کام کا

نہیں۔

اب میں اس دوسرے حصہ کو لیتا ہوں۔قومی فرض کے احساس کے پیدا ہونے کے ساتھ دوسری ایسی ہی اہم ضرورت نظام قومی کی ہے۔لاکھوں آدمیوں کے دلوں کے اندر ایک خاص فرض کا احساس موجود ہو اور ایک ہی جذبہ ان کے قلوب میں موجزن ہو،مگر وہ لوگ کسی نظام میں وابستہ نہ ہوں اور ان کے اندر ایسا اتحاد نہ ہو،جیسا کہ ایک جسم کے مختلف اجزاء میں ہوتا ہے یا جیسا ایک مشین کے مختلف پرزوں میں ہوتا ہے،تو وہ اپنی اپنی جگہ ہزار سعی بھی کریں۔مگر کامیابی پیدا نہیں ہوسکتی۔وہ اجزاء جو ایک انسان کے جسم کے اندر اپنے اپنے موقع پر اکھٹے ہوکر ایک عظیم الشان طاقت پیدا کردیتے ہیں،وہی بکھرے ہوئے اور متفرق اپنے اپنے کام میں لگے ہوں،نتیجہ کوئی پیدا نہیں ہوتا۔کروڑوں ہوں اور متفرق اپنے اپنے کام میں لگے ہوں،نتیجہ کوئی پیدا نہیں ہوتا۔کروڑوں من پانی بخارات بن کر اڑ جاتا ہے،اس کا پتہ بھی نہیں لگتا۔لیکن جب ایک نظام کے ماتحت ان بخارات سے کام لیا جاتا ہے،تو کس قدر ان ہونی باتیں کر دکھاتا ہے۔اسی طرح سمجھ لو کہ بڑے سے بڑا آدمی بیکار رہے۔اگر وہ اپنے آپ کو ایک نظام سے وابستہ نہیں کرتا۔علم و دولت بھی کوئی کام نہیں دیتے،جب تک کہ نظام کے ماتحت ان کا کام نہ ہو۔

پس کسی کام میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ایک نظام اور ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے او وہ نظام ایسا ہونا چاہیے کہ ایک آواز پر سب اکٹھے ہو جائیں اور اس ایک کام میں لگ جائے،جس طرح مشین کے پرزے انجن کی حرکت پر تمام کے تمام ایک کام میں لگ جاتے ہیں۔پھر بعض وقت یہ نظام قہری ہوتا ہے۔جیسے سلطنت وحکومت کے رنگ میں کہ اس کی آواز پر ایک کام کرنے کے لئے سب لوگ،جو اس سے تعلق رکھتے ہیں، مجبور ہوتے ہیں اور بعض وقت اس کا تعلق محض ارادہ سے ہوتا ہے۔یہ حالت ان سب نظاموں میں ہے،جن کے ساتھ حکومت نہیں۔پھر ایسے نظام،جو انسان کے اپنے ارادہ سے وابستہ ہیں،ان میں بعض وقت کسی شخص کی محبت کام کرتی ہے اور بعض وقت کسی اصول کی محبت کام کرتی ہے۔شخصی محبت کا رنگ دنیا میں عموماً زیادہ غالب رہتا ہے۔پیری مریدی کے تعلق کے نیچے یہی شخصی محبت کام کرتی ہے۔پیر کی آواز پر لبیک کہنے کے لئے لاکھوں مرید تیار ہوتے ہیں۔مگر اس نظام محبت شخصی میں کئی نقص ہیں۔پہلا یہ کہ اس کا تعلق صرف ایک شخص کی ذات سے ہوتا ہے اور اس لئے یہ نظام جلد فنا ہو جاتا ہے۔دوسرا یہ کہ اس میں افراط کا رنگ عموماً دنیا میں پیدا ہو جاتا رہا ہے۔جیسے

یہود نے اپنے احبار کے حق میں اور عیسائیوں نے اپنے رہبان کے حق میں افراط کر کے اپنے آپ کو اس طرح ان کی آواز کے ماتحت کیا کہ خدا کے حکموں کو بھول گئے۔ یہی حالت مسلمانوں میں پیری مریدی کی ہوگئی ہے کہ پیروں کو اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (64:3) کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ تیسرا ایسے کامل، جو اغراض ذاتی سے پاک ہوں جن میں ہوائے نفس مر چکی ہو اور جن کا غضب اور رحم صرف اللہ کے لئے جوش میں آئے بہت کم ملتے ہیں۔ اور اکثر لوگ، جن کی وجہ سے دوسرے اپنے آپ کو ان کے مطیع کر دیتے ہیں، اس مقام پر پہنچ کر اور بھی زیادہ مبتلائے ہوائے نفس ہو جاتے ہیں۔ چوتھا یہ کہ ایک شخص کے اس طرح اپنے آپ کو ماتحت کر دینے سے انسان کی آزادی، جو خدا کی دی ہوئی سب سے بڑی نعمت ہے، زائل ہو جاتی ہے۔ ہاں! نبی کی محبت شخصی بھی نقصان نہیں پہنچاتی۔ اس لئے کہ وہ مَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی (3:53) کا مصداق ہوتا ہے۔ لیکن یہاں بھی اسلام نے نبی کی ذات کی محبت کو اصول کی محبت کے ماتحت رکھا ہے۔ یہی اس آواز کا منشا تھا جو حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ کے وصال پر اٹھائی کہ اَلَا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ اور قرآن کریم کی تعلیم بھی یہی ہے کہ شخصی محبت پر اصول کی محبت غالب ہو۔ پس صحیح نظام وہ ہے جس میں اصول کی محبت تمام محبتوں پر فائق ہو، یہی منشا اس اقرار بیعت کا بھی ہے جو حضرت مسیح موعود نے ان الفاظ میں لیا کہ میں دین کو دنیا مقدم کروں گا۔ اس میں شک نہیں کہ شخصی محبت کے کرشمے بعض وقت بڑے زبردست ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ اس قدر نقص ملے ہوئے ہوتے ہیں کہ انجام کار اس سے فائدہ کی نسبت نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ بعض وقت اس کے کرشموں سے سطحی نگاہیں چکا چوند ہو جاتی ہیں۔ ایک شخص کی آواز پر ہزاروں آدمی قربان ہونے کے لئے تیار ہوتے ہیں اور بڑے بڑے کام کر دکھاتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ان کی اندرونی طاقت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ طاقت انسان میں آزادی رائے سے پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ شخصی محبت کی وجہ سے آزادی رائے مفقود ہو جاتی ہے۔

پس میں اپنے احباب کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی جماعت کے نظام میں شخصی محبت کے نظاروں پر فریفتہ نہ ہوں، بلکہ اسلام کی اصلی تعلیم پر قائم رہیں۔ یعنی اصول کی محبتوں کو سب محبتوں پر غالب کریں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ایک آواز پر سب جمع ہو جائیں۔ یہ بھی چاہیے کہ اپنے مال اس کام کے لئے قربان کر دیں بلکہ جانیں بھی

قربان کر دیں، مگر نہ اس لئے کہ وہ آواز زید یا بکر کی ہے، بلکہ اس لئے کہ خود اس آواز میں وہ کشش موجود ہے جو ہمارے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ وہ آواز ایک ایسے کام کی طرف بلاتی ہے جو ہماری روحوں کی اصل غذا ہے۔ ہم اپنے اپنے کام میں لگے ہوں۔ کوئی فکر معاش میں ہو، کوئی بال بچے کی فکر میں ہو، کوئی کسی دھندے میں لگا ہو، لیکن جب اعلاءِ کلمۃ اللہ کی آواز ہمارے کان میں پڑے تو ہم سب اس کی طرف کھنچے چلے جائیں۔ اس میں شک نہیں اصول کی محبت پر کسی نظام کا قائم کرنا بہت مشکل ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ شخصی محبت پر اسے قائم کیا جائے۔ اصول کی محبت کو سمجھنے والے لوگ کم ہوتے ہیں اور شخصی محبت کی طرف طبائع کا رجحان عموماً زیادہ ہوتا ہے۔ شخصی محبت میں عموماً ایک رنگ بت پرستی کا ہوتا ہے۔ جس طرح بت پرست اس خدا پر، جو جسم نہیں رکھتا، اپنا تصور نہیں جما سکتا۔ اس طرح ایک بت تصور جمانے کے لئے سامنے رکھ لیتا ہے، اسی طرح اصول کی محبت کا زبردست جذبہ پیدا ہونا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن شخصی محبت کا جذبہ آسانی سے پیدا ہو جاتا ہے اور یہی وجہ طبائع کے اس کی طرف عام رجحان کا ہے۔

عیسائیت کا سارا زور اسی شخصی محبت کی بنا پر ہے۔ مگر جوں جوں علم کی روشنی دنیا میں ترقی کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شخصی محبت کے نقائص بھی ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ تاہم اصول کی محبت پر جو نظام قائم ہوتا ہے، وہ دیرپا ہوتا ہے۔ اور اس سے دنیا میں علم اور طاقت کی ترقی ہوتی ہے۔ اگر ایک غلط بات سے فوری نتائج اچھے پیدا ہو جاتے ہیں تو یہ اس غلط بات کو اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اگر صحیح تعلیم پر عمل پیرا ہو کر آہستہ قدم اٹھتا ہے تو یہ اسے چھوڑنے کے لئے کوئی وجہ نہیں، بلکہ اصل مضبوطی اسی آہستگی کے قدم میں ہوتی ہے۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ اور اشاعتِ اسلام ہمارا اصل الاصول ہے۔ اس کی محبت اور تڑپ اپنے دلوں میں پیدا کرو۔ اس آواز پر ایک مشین کے پرزوں کی طرح حرکت میں آجاؤ تو یہی امر تمہاری فلاح کا موجب ہے۔

میں پھر اس بات کو دہراتا ہوں کہ اگر احساس فرض بمنزلہ روح کے ہے تو نظام قومی بمنزلہ جسم کے ہے۔ جس طرح جسم بغیر روح کے نکما ہے، اسی طرح روح بھی بغیر جسم کے اپنے کمال کو حاصل نہیں کر سکتی۔ نظام سے الگ رہ کر کوئی شخص کتنی بڑی بڑی خدمات کرے، فلاح قومی کا رنگ وہ خدمات کبھی پیدا نہیں کر سکتیں۔ نظام قومی میں وابستہ ہو کر ہر شخص ایک مشین کے ایک پرزہ کی طرح ہو جاتا ہے اور اس کا وجود ساری مشین کے چلانے میں

معاون ہو جاتا ہے۔ پھر کسی مشین میں اگر کوئی پرزہ بیکار ہو تو وہ نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ نظام قومی میں شامل ہوتے ہوئے اپنے مفوضہ کام کو سرانجام نہیں دیتے وہ عملاً قوم سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ وہ علیحدگی یہاں بعض وقت نظر نہیں بھی آتی، مگر اس کا کھلا نظارہ قیامت میں ہونا قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے: فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ (13:57) ان کے درمیان یعنی کام کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے درمیان ایک دیوار حائل ہوتی ہے۔ اور جب وہ سوال کرتے ہیں: اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ (14:57) کیا ہم ساتھ ساتھ نہ تھے تو جواب ملتا ہے: بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ. (14:57) یعنی وہ کہیں گے کیوں نہیں تم نے تو اپنی جانیں فتنہ میں ڈالیں اور مسلمانوں کی برائی تکتے اور شک رکھتے اور جھوٹی طمع نے تمہیں فریب دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا اور تمہیں اللہ کے حکم پر اس بڑے فریبی نے مغرور رکھا۔ اصل میں وہی ساتھ ہے جو اس کام میں ہاتھ بٹاتا ہے۔ ہمارے احباب میں سے کتنے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو قومی مشین کے بیکار پرزے بنا رکھا ہے۔ پس ہر ایک شخص کو، جو ہماری اس جماعت کے نظام میں شامل ہے، چاہیے کہ وہ غور کرے کہ اس کے دل میں اشاعتِ اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کی وہ تڑپ ہے، جس کا پیدا کرنا حضرت مسیح موعود کی آمد کا اصل منشا تھا۔ کیا وہ اپنے مفوضہ کام کو اسی قوت سے سرانجام دے رہا ہے، جس طرح ایک مشین کا پرزہ درست ہونے کی حالت میں کام دیا کرتا ہے؟ کیا ایسا تو نہیں کہ وہ اپنی غفلت سے یا اپنے علم کے گھمنڈ پر یا اپنی خدمت دینی کے گھمنڈ پر یا اپنے مرتبہ کے گھمنڈ پر یا اپنے مال کے گھمنڈ پر نظام قومی میں ایک بیکار پرزہ بنا ہوا ہے یا نظام قومی کی مشین سے علیحدہ ہو گیا ہوا ہے؟ احباب اس بات کو ہر وقت دل میں تازہ رکھنے کی کوشش کریں کہ نظام قومی میں وابستہ ہو کر ان کی تھوڑی تھوڑی طاقت عظیم الشان نتائج پیدا کر دکھاتی ہے۔ اور نظام قومی سے الگ ہو کر ان کی زبردست طاقت بھی کوئی بڑا مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔

تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی!

ہمیں علماء کرام اور صوفیائے عظام سے عموماً اور جمعیت علمائے ہند سے خصوصاً یہ شکایت رہی ہے کہ یہ حضرات اس نازک وقت میں بھی اسلام کی خدمت سے احتراز کرتے ہیں اور عملی رنگ میں کچھ کر کے نہیں دکھاتے۔ پچھلے دنوں شملہ سے ایک خبر آئی تھی کہ جمعیت العلماء نے تبلیغ اسلام کے لئے ایک زبردست نظام قائم کیا

ہے۔لیکن اس زبردست نظام کی تعبیر یہ نکلی کہ جمعیت کو دوسو مبلغین مطلوب ہیں۔اگرچہ جہاں تک عملی کام کا تعلق ہے وہ ابھی تک معرض تعویق میں ہے۔نہ دوسو مبلغین موجود ہو سکتے ہیں نہ کام شروع ہوسکتا ہے۔ہم حیران ہیں کہ یہ لوگ خود باہر کیوں نہیں نکلتے۔جب تک دوسو مبلغین پیدا نہ ہوں، کیا خود علماء ہند کام نہیں کر سکتے۔آخر مبلغین کے سر پر سینگ تو نہیں ہوتے۔علماء جمعیت خود کام کرنا شروع کر دیں، وہی مبلغ ہیں۔

لیکن جمعیت علماء ہند کی طرف سے اب ایک ''تازہ اہم اعلان'' شائع ہوا ہے۔جس نے رہی سہی کسر نکال دی۔اس اعلان میں جمعیت نے تمام مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ جو قومیں، خواہ کسی ذات سے تعلق رکھتی ہوں، مسلمان ہو جائیں، ان سے برادرانہ تعلقات رکھنے چاہئیں اور معاشرت و اقتصادیات میں ان کو اپنا بھائی سمجھنا چاہیے۔غالباً یہ اعلان محض ہندوؤں کی دیکھا دیکھی کر دیا گیا ہے۔ورنہ مسلمان تو عملاً ایسا ہی کرتے ہیں اور کوئی مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے ذات پات کی بنا پر چھوت چھات نہیں کرتا۔اس لئے یہ اعلان تحصیل حاصل ہے۔ہاں ہندوؤں اور آریوں کو اس قسم کے اعلانات کی اشد ضرورت ہے۔کیونکہ ان کی عملی زندگی میں اس کے خلاف ہوتا ہے۔ہمیں افسوس ہے کہ اس اعلان میں مآل اندیشی سے کام نہیں لیا گیا اور خواہ مخواہ یہ شبہ پیدا کر دیا گیا کہ خدانخواستہ مسلمانوں میں بھی ہندوؤں کی طرح چھوت چھات کا مسئلہ رائج ہے۔تب ہی تو علمائے ہند کو اس اعلان کی ضرورت محسوس ہوئی۔جمعیت علماء ہند کی یہ کارفرمائی غالباً پہلے سکون و جمود کی تلافی ہو۔لیکن یہ تلافئ مافات اس قسم کی ہے جس کا شکوہ مومن نے یوں کیا ہے ۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

ہندومت میں اپنے پیروکاروں کی ہشیاری کی وجہ سے عجیب زندگی پیدا ہو رہی ہے، کہیں شدھی کا پرچار ہے، کہیں ہندو سنگھٹن کا قیام ہے، کہیں نظام کا استحکام ہے، کہیں میل جول واتحاد باہمی کو گاڑھا بنانے کی کوششیں کی جارہی ہیں کہیں اگلے پچھلے تمام اختلافات مٹا دینے کی دُھن ہے۔غرضیکہ اقوام جہان کے مقابلہ کے لئے ہندو جاتری اپنی پوزیشن کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر محفوظ و مضبوط بنا رہی ہے۔اس کامیابی کی سب سے بڑی وجہ تعلیم یافتہ طبقہ کا عملی شغف اور انہاک ہے۔آئے دن جن جن ہندو سبھاؤں یا آریہ سماجوں کی کارکردگی کی رپورٹیں زیر مطالعہ لائی جاتی ہیں، ان میں سے اکثر ایسی ہیں، جن کے سیکرٹری ناظم انتری اور پردھان وکیل یا بیرسٹر یا اعلیٰ تعلیم

یافتہ اصحاب ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے مسلمان وکلاء اور بیرسٹر صاحبان، جو بآسانی تمام اشاعتِ اسلام کی مجالس کے قیام وانتظام ان کی ترقی وعروج کے کام کو اپنے ذمہ لے سکتے ہیں اور بطور خود تبلیغ کے فریضہ کو بوجوہ احسن سر انجام دے سکتے ہیں، نہ معلوم کن مشکلات اور غفلتوں کا شکار ہو چکے ہیں کہ وہ ٹس سے مس تک نہیں ہوتے اور مبارک کاموں کے انصرام میں مصروف نہیں ہوتے۔ ہم صاحب دل آزاد منش مسلمان اکابر کی خدمت میں اپنی دلی خواہش کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ جلد از جلد اشاعتِ اسلام کے کام کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔ کیونکہ باغِ اسلام کی رونق صرف فرزندانِ توحید کے وجود سے ہے۔ اور اگر کفر وشرک نے توحید وحقانیت پر بوجہ ہماری جمود کے غلبہ پالیا، تو چند افراد کی مسلمانی کس کام آئے گی؟ جہاں ہم لوگ زندگی کے اتنے پیچیدہ اور دقت طلب معاملات کو سرانجام دیتے ہیں، وہاں حیاتِ مستعار کے سب سے بڑے مقصد کی تکمیل کے لئے خدا کی عین خوشنودی کے حصول کی خاطر دن کا تھوڑا سا وقت وقف کر دیا کریں تو کون سے مضائقہ کی بات ہے؟ خدا سب مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اشاعتِ اسلام اتنی کریں کہ دینِ الٰہی سے کوئی فرد بھی منحرف نظر نہ آئے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (20:14)

ہماری تبلیغی کوششیں

قاضی مظہر الحق صاحب پاتلی خورد سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

مورخہ 15 اگست 1923ء کو جناب مولانا مولوی داؤد شاہ صاحب مبلغ اسلام ووکنگ مسلم مشن معہ جناب مولوی عصمت اللہ صاحب وجناب قاضی محمد یٰسین صاحب رئیس پلول مدرسہ پاتلی خورد کے معائنہ کے لئے تشریف لائے۔ اہالیان دیہہ نے نہایت تپاک سے آپ کا استقبال کیا۔ اور نہایت خوشی سے ان کی اس عزت افزائی کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ جس سے صاحب ممدوح بہت مسرور ہوئے۔ آپ نے نماز مغرب کے بعد مختصر سی تقریر انگریزی میں فرمائی۔ جس کا احقر نے اردو میں ترجمہ کر کے سامعین کو محظوظ کیا۔ آپ نے ملکانہ راجپوت اور شدھی کے متعلق یہ سمجھایا کہ آپ لوگوں کو اسلام پر نہایت استقلال اور مضبوطی سے قائم رہنا چاہیے۔ یہ جو کچھ آریہ الزامات لگاتے ہیں کہ آپ کے بزرگوں کو بزور شمشیر مسلمان بنایا گیا، سراسر غلط ہے۔ آپ ماشاء اللہ حقیقی مسلم ہیں۔ آپ سے امید کی جاتی ہے کہ آپ کے ذریعہ سے اسلام کی ترقی ہو۔ ہر ایک آپ میں سے اگر اس امر

کی کوشش کرے کہ فرداً فرداً ایک ایک غیر مسلم کو حلقۂ اسلام سے تعارف کرائے اور یہ فرض سمجھے کہ میں نے ایک نفس کو مسلمان بنانا ہے تو بہت آسانی سے آپ ایک ہندو کو مسلمان بنا سکتے ہیں۔ اور جلد ہی آپ بجائے سات کروڑ مسلمان ہندوستان میں ہونے کے چودہ کروڑ دیکھ سکتے ہیں۔ تبلیغ اسلام ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ اور اسی کی طرف حضرت رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمائی اور ہر مسلم کا فرض قرار دیا کہ کلمۃ اللہ کو دنیا کے کونہ کونہ میں پہنچا دیں۔ جیسا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان اس پر کاربند رہے۔ افسوس ہے کہ ہم نے اپنی غفلت سے اس اہم فریضہ کو فراموش کر دیا۔ اب یہ اسباب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہی پیدا ہو گئے ہیں۔ ہمیں کمر ہمت باندھ کر اس فریضہ کی تعمیل کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔

حضرت مولانا مولوی داؤد شاہ صاحب پاتلی میں آکر بہت محظوظ ہوئے۔ مدرسہ کو نہایت اچھی حالت میں پایا اور تعلیم کو بہت پسند فرمایا۔ امتحان کے بعد دو روپے بچوں کو بطور انعام تقسیم فرمائے اور اپنے معائنہ میں یہ نوٹ دیا کہ یہ مدرسہ عنقریب ترقی معراج پر پہنچ جائے گا انشاء اللہ۔ لوگوں نے بھی تعلیمی حالت کی بہت تعریف کی اور اس کا اعتراف کیا کہ یہ کام احمدی جماعت ہی کا ہے جو خلوص قلب سے اس کو انجام دے رہے ہیں۔ ہم مدت سے ظلمت میں پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور ہم سوتوں کو بیدار کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کا ہر حالت میں حامی و ناصر ہو اور ہمیں بھی عمل کی توفیق دے۔ مولوی صاحبان کے ناواجب حملوں کو ہم نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جبکہ آریہ ہم پر زور دے رہے تھے۔ اور اس طرف جبکہ شدھی کا حد سے زیادہ زور تھا، نہ معلوم اس وقت یہ مولوی کس غار میں خراٹے لے رہے تھے۔ آج جب انہوں نے میدان صاف کیا اور آریہ صاحبان کے حملوں کا بہت مقابلہ کیا۔ ہماری حالت کو درست کیا، ہمارے بچوں کو نہایت محبت سے اپنی آغوش میں لیا اور انہیں تعلیم خالص دے رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ توفیق دی ہے جبکہ مولوی صاحبان ہمیں پھر اسی کمنڈ میں ڈالنا چاہتے اور ہمارے بچوں کو بھی ظلمت ہی میں رکھنا اُن کا مقصد ہے۔ خدا ان کی حالت پر رحم کرے اور ہمیں ان کے شر سے بچائے۔ آمین۔ دستخط چوہدری مظہر علی صاحب پریذیڈنٹ و رئیس اعظم پاتلی خورد

قبول اسلام اور ہمارا اشاعتی کام

مولوی فیروز الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

قبل ازیں دو ہندوؤں کے قبولِ اسلام کی اطلاع دے چکا ہوں۔ایک کا نام ننول سنگھ تھا۔دوسرے کا نام چھدہ تھا۔جن کا اسلامی نام میں نے عبداللہ اور عبدالسلام رکھا تھا، بعدہٗ دو عورتوں کے قبول اسلام کی خبر دے چکا ہوں۔آج ایک اور ہندو عورت کے قبول اسلام کی خوشخبری عرض کرتا ہوں۔

نام گیاناں بنت گلاب سنگھ عمر 25 برس، ساکن پرسارہ سابق مذہب سناتن دھرم، گلاب سنگھ ساکن بھائی ضلع متھرا ہے۔اس کی لڑکی گیاناں پرسارہ میں بیاہی ہوئی تھی۔خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میری بیوی کی تبلیغ سے اس عورت نے اسلام قبول کرلیا اور اس کے بعد اس کے خاوند نے بھی۔خادم اس کے خاوند کے متعلق کوشاں تھا کہ یہ اسلام قبول کرلے مگر وہ رکا ہوا تھا۔اپنی بیوی کے اسلام قبول کرتے ہی اس نے بھی اسلام قبول کرلیا اور بولا کہ میں اسی تشویش میں تھا کہ میرے مسلمان ہونے کے بعد میری بیوی کا کیا حشر ہوگا۔اور اس نے انشراحِ صدر سے اسلام قبول کرلیا تو اب میرے لئے کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔پس میں نے اُسے بھی اسلام میں داخل کرلیا۔سابق موتی رام ولد ننورام قوم راجپوت ساکن پرسارہ۔اسلامی نام محمد عنایت الٰہی رکھا گیا۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ** ۔ ان کا پیشہ زمینداری ہے۔

مجھے سکندر آباد کے مباحثے کی اجازت نہ ملی، دنیا گئی اور دیکھ آئی۔مگر یہ خادم ترستا ہی رہا۔اجازت مانگی، اس کے متعلق کوئی جواب تک نہ ملا، مباحثہ ہوا اور ختم بھی ہوگیا۔خدا جانے کیا نتیجہ نکلا۔خدا کرے اسلام کا بول بالا ہو۔ہمارے نبیؐ کے نام کا جھنڈا اس ملک میں گڑ جائے۔میں نے اب ایک قوم کی طرف اپنی توجہ کرلی ہے۔ **وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ**

28 اگست 1923ء

قسط سوم

احبابِ سلسلہ سے چند باتیں۔ وحدتِ قومی

(حضرت امیر ایدہ اللہ کے قلم سے)

جس طرح احساس فرض بغیر نظام کے مفید نہیں ہوسکتا، اسی طرح نظام بغیر وحدت کے قائم نہیں رہ سکتا۔ مگر اختلاف رائے وحدت میں حارج ہوتا ہے۔ اور کسی کام کے کرنے میں انسان کی رائے کو بڑا بھاری دخل ہے۔ میری رائے کے مطابق ایک کام ہو تو اس کے کرنے کے لئے میرے دل میں جوش ہوتا ہے۔ میری رائے کے خلاف ہو تو اس کی طرف قدم اٹھانا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہر شخص یہ چاہے کہ اس کی رائے کے مطابق ہی سب کام ہوں تو کوئی کام بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کام کرنے والوں کی آراء میں اختلاف کا ہونا ضروری ہے۔ ایک معاملہ کے سرانجام دینے کے لئے میں ایک طریق کو بہتر سمجھتا ہوں۔ دوسرا دوسرے طریق کو صحیح سمجھتا ہے۔ دونوں کی رائے کے مطابق کام نہیں ہوسکتا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے بعض لوگ تو سرے سے آزادیٔ رائے کے اصول کو توڑ دیتے ہیں۔ اور ایک شخص واحد کی رائے کے ماتحت اپنے آپ کو کر دیتے ہیں۔ جو اِن میں صاحب تجربہ اور صاحب علم ہو یا کوئی اور خصوصیت رکھتا ہو۔ لیکن اسلام نے جو طریق وحدتِ قومی کے رکھنے کا سکھایا ہے وہ یہ ہے کہ تمام اہم معاملات میں قومی رائے معلوم کر کے اس پر عملدرآمد کیا جائے۔ بالفاظ دیگر افراد کی رائے میں اختلاف کی وجہ سے اس رائے کو قومی رائے کے ماتحت کر دیا جائے۔ یہی وہ اصول ہے جو قرآن کریم نے اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ (38:42) میں سکھایا ہے۔ یعنی مسلمانوں کا امر اِن میں آپس کا مشورہ ہے۔ شوریٰ یا مشورہ یہ ہے کہ لوگ اپنی رائے کو ایک دوسرے کے سامنے پیش کر کے ایک مسئلہ کا استخراج کریں یا ایک مشکل کو حل کریں۔ پھر چونکہ سب لوگوں کا ہر قومی امر کے انصرام کے لئے جمع ہونا مشکل ہوتا ہے اور سب کو ہر قسم کے امور قومی میں پوری دسترس بھی حاصل نہیں ہوتی، اس لئے سہولت سے کاروبار چلانے کے لئے اکثر کام بعض اہل الرائے کے سپرد کر

دیئے جاتے ہیں۔ جو ان امور کو چلانے کے لئے باہم مشورہ کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں۔ بعض وقت اس مشورہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک رائے کی تائید میں بعض دلائل کے معلوم ہو جانے سے دوسرے بھی اسی رائے پر متفق ہو جاتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایک رائے کی تائید میں ہوتے ہیں اور بعض دوسری کے۔ پہلی صورت میں جو نتیجہ ہو اس پر عملدرآمد کرنا سب کے لئے آسان ہوتا ہے، لیکن دوسری صورت میں مشکلات پیدا ہوتی ہے۔ اور صحیح اصول کو مدنظر نہ رکھنے کی وجہ سے یہیں آ کر قومی تفرقے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہر رائے کے لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی رائے کے مطابق کام ہو۔ مگر قومی وحدت کا اصول چاہتا ہے کہ سب لوگ ایک ہی رائے پہ کام کریں۔ ان حالات میں کثرت رائے کا اصول آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کے عملدرآمد سے معلوم ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جنگ احد کے متعلق جب مشورہ کیا تو دو فریق تھے۔ ایک فریق جن میں خود رسول اللہ ﷺ بھی تھے ایک رائے کا مؤید تھا اور دوسرا دوسری رائے کا۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے اپنی رائے کے خلاف دوسرے فریق کی رائے کو قبول کر کے اس پر عمل کیا۔ اور اس کی وجہ سوائے اس طرف کثرت رائے ہونے کے اور کچھ نہ ہو سکتی تھی۔ تاریخ الخلفاء میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں کثرت رائے کے اصول پر عملدرآمد ہونے کا صاف الفاظ میں ذکر ہے۔ اگرچہ مشورہ کے بعد اتفاق رائے کی صورت ہو تو معاملہ صاف ہے۔ اور اختلاف رائے کی صورت میں کثرت رائے کو قومی رائے کا قائم مقام سمجھ کر اس پر عملدرآمد کرنا چاہیے رسول اللہ ﷺ نے خود کثرت رائے کی صورت میں اپنی رائے کے خلاف عمل کر کے یہ بتا دیا کہ قوم کے بڑے سے بڑے فرد کو قوم کی کثرت رائے کے سامنے سر جھکانا چاہیے اور اپنی رائے کو ترک کر کے قوم کی کثرت رائے پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو قومی وحدت باقی نہیں رہ سکتی۔ یہی عظیم الشان غرض آپ کے اس عمل کے نیچے مخفی تھی کہ باوجود مہبطِ وحی ہونے کے اور باوجود تین خوابوں کے، جو آپ کی رائے کی مؤید تھیں، آپ نے اپنی رائے کو کثرت رائے کے سامنے چھوڑ دیا تاکہ آپ کی امت میں سے کسی بڑے سے بڑے شخص کو یہ گنجائش باقی نہ رہے کہ وہ قوم کی کثرت رائے کے سامنے اپنی رائے پر مصر رہ کر قوم میں تفرقہ اندازی کا موجب ہو۔

فی الحقیقت یہ بڑا بھاری امتحان ہے کہ ایک انسان ایسے موقع پر اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرتا ہے یا خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کی۔ اسلام نے تمام باتوں کو ایک اعتدال کی حد پر رکھا ہے۔ آزادی رائے ہر شخص کو

دی ہے۔ اور اس حد تک دی ہے کہ دوسرے کسی مذہب نے اس قدر رائے کی آزادی نہیں دی ۔ اجتہادی مسائل میں بڑے بڑے صحابہؓ میں اختلاف رائے رہتا تھا۔ کوئی شخص دوسرے کو اپنی رائے کے چھوڑنے پر یا اس کے اخفاء پر مجبور نہ کرتا تھا۔ لیکن قومی کام چونکہ چل نہیں سکتے جب تک کہ سب لوگ متفق ہو کر ایک کام کو نہ کریں اور وہاں اختلاف رائے سے تفرقہ پیدا ہو کر نظامِ قومی بگڑتا اور آخر کار خود قوم برباد ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ رسولؐ، جو دنیا میں اعلیٰ درجہ کی حکمت کی باتیں سکھانے آیا تھا، اس نے قومی کاموں کے طے کرنے میں جہاں آزادی رائے دی، وہاں اس آزادی رائے پہ یہ حد بندی بھی رکھ دی ہے کہ باہم مشورہ کے بعد جب کثرت رائے سے ایک بات طے ہو جائے تو خواہ ایک شخص کے نزدیک وہ کثرت رائے کا فیصلہ غلط بھی ہو، تاہم وہ مجبور ہے کہ اپنی رائے کو چھوڑ کر کثرت رائے پر عملدرآمد کرے۔ اور اس معاملہ کو کثرت رائے کے فیصلہ کے مطابق سرانجام دینے میں اسی طرح جدوجہد کرے، جس طرح اس صورت میں کرتا جب وہ معاملہ اس کی اپنی رائے کے مطابق ہوتا۔ بالفاظ دیگر اپنی خواہش کو کثرت کی خواہش کے سامنے قربان کر دے۔ جو شخص کثرت رائے کے سامنے اپنی رائے کو نہیں چھوڑتا، وہ خدا کی پرستش نہیں کرتا بلکہ اپنی رائے کی پرستش کرتا ہے اور اَفَرَءَ یْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (23:45) کا مصداق اپنے آپ کو ٹھہراتا ہے۔ ہر شخص بے شک آزادی رائے کے اصول سے فائدہ اٹھائے اور اپنی رائے پہ اصرار کرے تاہم اگر شوریٰ کی کثرت اس کی رائے کے خلاف ہو، تو پھر بھی اپنی رائے کے صائب ہونے پر اڑے رہنا اپنی حرص و ہوا کی پیروی ہے۔ خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کی پیروی نہیں۔ اور اس کا آخر نتیجہ قوم میں تفرقہ، نظام کی بربادی اور بالآخر قوم کی بربادی ہے۔

مسلمانوں کو جس قدر نقصان قومی طور پر پہنچا ہے، وہ اعدائے اسلام سے نہیں بلکہ آپس کے اندرونی اختلافات سے پہنچا ہے۔ جو تفرقہ کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اور تفرقہ بعض وقت اگر ذاتی اغراض کی پیروی سے پیدا ہوا ہے تو بسا اوقات اس اصول کی غلط فہمی سے بھی پیدا ہوا ہے کہ اختلاف رائے کس حد تک جائز ہے۔ جہاں تک مسائل کا سوال ہے۔ جو شخص اجتہاد کرنے کا اہل ہے اسے اختیار ہے کہ جس مسئلہ کو وہ بذریعہ استنباط صحیح سمجھتا ہے، اس پر قائم رہے۔ یہ اس کا اختلاف رحمت کا رنگ رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے اجتہاد مسائل میں آزادی ملتی ہے۔ لیکن قومی کاموں کے سرانجام دینے میں آزادی رائے اس حد تک تو مفید ہے کہ ہر ایک اہل الرائے اپنی

رائے پیش کرسکتا ہے اوراس کے صحیح ہونے کے دلائل دے سکتا ہے۔لیکن اگر کثرت کی رائے میں وہ رائے قابل قبول نہیں تو پھراس کا عملاً کثرت رائے کی پیروی کوترک کرنا وحدت قومی کوتوڑنا ہے۔اور نظامِ قومی کو برباد کرنا ہے۔قومی کاموں میں اختلاف رائے رحمت نہیں بلکہ قوم کی تباہی کا موجب ہوتا ہے۔اس لئے میں اپنے احباب کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی قوم کو تباہی سے بچائیں۔وہ آزادی سے اپنی رائے نظامِ قومی کے رنگ میں پیش کریں۔اس پر دلائل دیں،لیکن اگر بالآخر کثرت رائے کو اپنی رائے کے خلاف پائیں تو اپنی رائے کو ترک کر کے قومی رائے پر عملدرآمد کریں۔اوراس کو کامیاب بنانے میں اپنا پورا زور صرف کریں۔اگر وہ اس کے خلاف کریں گے تو خدا اوراس کے رسولؐ کے احکام سے انحراف کر کے اپنی قوم کو تباہ کر لیں گے۔

بالآخر میں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ وحدتِ قومی کے قائم رکھنے کے اس اصول کو حضرت مسیح موعود نے اس زمانہ میں زندہ کیا ہے اور ہماری جماعت کے کسی فرد کا اس سے انحراف کرنا کسی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں ہو سکتا۔کیونکہ حضرت مسیح موعود کی اپنے قلم کی اس تحریر کے بعد،کہ آپ کے بعد انجمن کی کثرت رائے سے جو معاملہ طے ہو جائے اسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے،کسی غلط فہمی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ایسا شخص جو اس صریح حکم سے سرتابی کرتا ہے،خواہ وہ عالم ہو یا جاہل،قوم میں تفرقہ اندازی کی بنیاد ڈالتا ہے۔حضرت مسیح موعود کے سلسلہ میں جن لوگوں نے اس اصول وحدت قومی کو چھوڑا ہے،ان سے ہم الگ ہو چکے ہیں۔انہوں نے اپنے لئے جو رستہ مناسب سمجھا اختیار کیا،مگر اس علیحدگی کے بعد ہم میں سے کسی شخص کو یہ مناسب نہیں کہ عملاً وہ کثرت رائے کے اصول کو تسلیم نہ کرے۔میں یہ نہیں کہتا کہ جو لوگ تم میں سے بڑے ہیں،ان کے کاموں پر نکتہ چینی نہ کرو۔میں یہ بھی نہیں کہتا کہ کثرت رائے سے غلطی نہیں ہوتی۔ممکن ہے کثرت رائے غلط ہو جیسے اُحد کے معاملہ میں غلط تھی۔مگر عملدرآمد اسی پر ہوا،جیسا خود رسول اللہ ﷺ نے کر دکھایا۔رہی نکتہ چینی تو اس کا مناسب طریقہ یہی ہے کہ جو لوگ اس نظام میں اہل شوریٰ قرار پائے ہیں،ان کی اطلاع میں وہ بات لائی جائے جو قابل اعتراض ہو۔ان کا فرض ہو گا کہ وہ اسے قومی شوریٰ میں پیش کر دیں۔لیکن شوریٰ کے فیصلہ کے خلاف باتیں پھیلائے یا دل و جان سے اس شوریٰ کے فیصلہ میں معاون نہ ہو۔کیا احد کی جنگ میں وہ لوگ حق بجانب تھے جو باہر سے واپس آ گئے۔اور کیا وہ یہ عذر کر سکتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی رائے باہر نکلنے کے لئے نہیں ہے۔قومی فیصلہ کے بعد اختلافی آراء کو مٹا دینا

چاہیے اور سب کو متحد ہو کر قومی فیصلہ پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ حالاتِ قومی اور نظامِ قومی سوائے اس کے باقی نہیں رہ سکتے۔ جن جماعتوں یا جن افراد میں یہ بیماری ہے کہ ان کا مشغلہ انجمن کے بعض کاموں پہ نکتہ چینی ہے، انہیں اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے اگر آج نہیں تو کل نظامِ قومی کو سخت نقصان پہنچے گا۔ اس کے بعد بھی جو لوگ ایسی باتوں کو ترک نہ کریں، ان کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ ہاں اگر انہیں کارکنوں کے کاموں یا انجمن کے فیصلوں پر کچھ اعتراض ہو تو مناسب ہے کہ وہ اعتراض مجھ تک پہنچا دیں۔

28 اگست 1923ء

قسط چہارم

احبابِ سلسلہ سے چند باتیں۔ مساواتِ قومی

(حضرت امیر ایدّہ اللہ کے قلم سے)

نظامِ قومی اور وحدتِ قومی کبھی دیر پا نہیں ہو سکتے، جب تک کہ ان کی بنیاد مساوات قومی پر نہ ہو۔ مساوات کے یہ معنی نہیں کہ سب لوگ ایک ہی مرتبہ پر ہوں یا سب کے پاس برابر مال ہو۔ یہ ناممکن ہے۔ علم، مرتبہ، مال کا فرق دنیا میں ہمیشہ رہے گا اور بولشوزم کبھی عملاً کامیاب نہیں ہوسکتا۔ البتہ باوجود علم اور مرتبہ اور مال کے فرق کے بھی ایک مساوات انسانوں میں ہے اور ہونی چاہئیے۔ اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک علم، مرتبہ یا مال کے حصول کا سوال ہے یا معاملات قومی میں رائے دینے کا سوال ہے، سب کے حقوق برابر ہوں۔ بعض حالات تو وہ ہیں جن میں انسان پیدا ہوا ہے۔ کوئی امیر کے گھر پیدا ہوتا ہے۔ کوئی غریب کے۔ کوئی خاص طور پر قابل دماغ کو لے کر آتا ہے۔ کوئی معمولی طور پر۔ کوئی طاقتور پیدا ہوتا ہے کوئی کمزور اور بیمار۔ یہ سب قدرت کے اختلافات ہیں۔ جن پر پیدا ہونے والے کو کچھ اختیار حاصل نہیں۔ لیکن ایک قوم کے مختلف افراد میں مساوات کا یہ تقاضا ہے کہ سب کو یکساں موقع ترقی کا دیا جائے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا بڑا ضروری ہے کہ ہر آن وہ اپنا حق لینے کو تیار ہوتا ہے۔ مگر دوسرے کو اس کا حق دینے کے لئے بہت کم لوگ پائے جاتے ہیں۔ حقیقی مساوات صرف حقوق کی مساوات نہیں بلکہ ذمہ داریوں کی مساوات بھی ہے۔ اور اسی بات کی طرف میں احباب کو خصوصیت سے متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

جہاں تک ہمارے نظام قومی کا سوال ہے۔ اس میں ہر ایک احمدی کو یہ حق حاصل ہے کہ جن کاروبار کو ہماری قوم سرانجام دیتی ہے، اور اشاعتِ اسلام کا جو سلسلہ ہماری انجمن سے وابستہ ہے، اس میں وہ بھی اپنی رائے دے۔ ہاں! یہ رائے نظامِ قومی کے ماتحت ہے۔ یعنی بذریعہ ان نمائندگان کے جنہیں افرادِ قومی وقتاً فوقتاً اس کام

کے لئے منتخب کرتے رہیں۔لیکن ہر ایک احمدی کے اوپر کچھ ذمہ داری بھی ہے۔اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص اپنی طاقت کے مطابق اس کام کے سرانجام دینے میں زور بھی لگائے گا۔قرآن شریف اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ ہر انسان کو اپنے مقدور کے مطابق زور لگانا چاہئیے۔کہیں فرماتا ہے: جَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ (78:22) اللہ کے راستے میں کوشش کرو تو اس حد تک کوشش کرو جو کوشش کرنے کا حق ہے۔کہیں فرماتا ہے: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (286:2) اللہ تعالیٰ ہر شخص پر جو امر لازم کرتا ہے تو اس کی وسعت کے مطابق لازم کرتا ہے کہیں اس سے بھی زیادہ صفائی سے فرماتا ہے: عَلَی الْمُوْسِعِ قَدَرُہٗ وَعَلَی الْمُقْتِرِ قَدَرُہٗ (236:2) جن حقوق کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے، ان میں مساوات یہ ہے کہ فراخی والا فراخی کے مطابق ادا کرے اور تنگدست اپنی تنگی کے مطابق۔ان تمام آیات کا صاف اور واضح مطلب یہی ہے کہ کوئی شخص خدا کی راہ میں چند پیسے دے کر اسی ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذمے ڈالی ہے، بلکہ جس طرح تھوڑے علم والا اپنے تھوڑے علم کو اور تھوڑی طاقت والا اپنی تھوڑی طاقت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگا کر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو جاتا ہے۔لیکن بہت علم والا تھوڑے سے علم کو اور بہت طاقت والا تھوڑی سی طاقت کو خرچ کر کے اس ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہوتا۔اسی طرح تھوڑے مال والا تھوڑا مال خرچ کر کے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو جاتا ہے۔مگر بہت مال والا تھوڑا مال خرچ کر کے عہدہ برا نہیں ہوتا۔جس کے پاس ایک ہزار روپیہ ہے اس پر زکوٰۃ بھی پچیس روپے ہے۔لیکن جس کے پاس لاکھ روپیہ ہے وہ پچیس روپے اگر زکوٰۃ دے تو اس کا دینا نہ دینا برابر ہے۔اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔اللہ کی رضا کو مقدم نہیں کیا، بلکہ اپنے نفس کی کسی خواہش کو پورا کیا ہے۔یا لوگوں کی ملامت سے بچنے کی کوئی راہ نکالی ہے۔اسی طرح اس مال کا حکم ہے جو زکوٰۃ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے رستے میں خرچ کرنے کا حکم ہے۔ایک مالدار آدمی اگر اپنے سینے میں بخل کو پنہاں رکھتا ہے اور چند پیسے دے کر یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے گا، تو وہ اپنے نفس کو دھوکا دے رہا ہے۔اللہ تعالیٰ پورا زور لگانے پر خوش ہوتا ہے۔وہ مزدور خدا کی رضا سے بہت قریب ہے جو سارے دن میں 8 پیسے کماتا ہے تو اس میں سے دو پیسے اللہ کی راہ میں دے دیتا ہے۔بہ نسبت اس دولت مند کے جو ہزار ہا روپے کماتا ہے مگر خدا کی راہ میں دیتے وقت اس کے ہاتھ سے دو چار روپے سے زیادہ نہیں نکلتے۔

حضرت مسیحؑ نے جو کہا تھا کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہوگا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ دنیا کے عام دولت مند چند پیسے دے کر خدا کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے خوش نہیں ہوتا۔ جب تک کہ مال کی محبت اور بخل اُن کے دلوں سے دور نہ ہو۔ یہی اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کے پُر حکمت کلام میں اسے یوں ادا کیا گیا ہے کہ غرباء امراء سے پانچ سو سال پیشتر جنت میں داخل ہوں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ امراء کے دل میں مال کی محبت غرباء کی نسبت بہت بڑھ کر ہوتی ہے۔ اور جس دل میں مال کی محبت ہو اس میں خدا کی محبت نہیں آسکتی۔ خواہ ایسا شخص کتنا بھی اپنے نفس کو دھوکا دے۔ مالِ دنیا کی محبت ایک لعنت ہے۔ جس سے انسان کا دل تاریک ہو جاتا ہے۔ اور نور اس سے دور ہو جاتا ہے۔ بخل ایک ناپاکی ہے جس کے دل میں ہوتے ہوئے انسان سرچشمۂ قدوسیت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور فی الحقیقت کوئی قوم کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کے امراء غرباء کے دوش بدوش کھڑے ہو کر پورا زور نہیں لگاتے۔ پس مساوات کی یہ ضروری شرط ہے کہ امراء اور غرباء اپنی طاقت کے مطابق کوشش کریں۔

صحابہؓ میں جس قدر لوگ مال سے زیادہ حصہ رکھتے تھے۔ وہ ضروریاتِ قومی کے وقت دریا دلی سے خدا کی راہ میں خرچ بھی کرتے تھے۔ انہیں اپنا سارا یا آدھا مال دے دینا بھی دشوار نہیں گزرتا تھا۔ تعداد میں تھوڑا ہونے سے کوئی قوم تباہ نہیں ہوئی، بلکہ جو قوم تباہ ہوئی ہے، وہ اسی لئے تباہ ہوئی کہ اس کے بڑے آدمیوں نے کم تہی اور بزدلی کی راہ اختیار کر لی۔ اس لئے میں اپنے احباب سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک اصول مساوات کو مدنظر رکھتا ہوا اس کے مطابق خدا کی راہ میں کوشش کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے۔ اگر زیادہ علم دیا ہے تو وہ اس علم کو خدا کے راستے میں اسی طرح بڑھ چڑھ کر خرچ کرے۔ اگر زیادہ مال دیا ہے تو زیادہ مال کو خدا کے راستے میں خرچ کرے۔ اسی میں اس کی بھی فلاح ہے اور قوم کی بھی فلاح۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو نہ صرف وہ قوم کی کامیابی میں سدِ راہ ہوتا ہے، بلکہ خود بھی مال کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنے آپ کو تباہ کرتا ہے۔

ہماری قوم نے کل جمع ہو کر اور قریباً اتفاق کے ساتھ دو باتوں کو قبول کیا ہے۔ ایک یہ کہ اپنی زکوٰۃ بیت المال میں داخل کریں گے۔ دوسرا یہ کہ اپنی آمدنی میں سے بحساب تین پیسے فی روپیہ یعنی آمد کا قریباً بیسواں حصہ اشاعتِ اسلام کے لئے دیں گے۔ پس جو شخص ہم میں سے ان دونوں باتوں کی پابندی نہیں کرتا، خواہ وہ کتنے

بلند مرتبے پہ ہو، خواہ کیسا بڑا خادمِ دین ہو، خواہ وہ کتنا بڑا صاحب اقبال ہو، خواہ لوگ اس کی کتنی عزت کرتے ہوں، مگر وہ قومیت متحدہ کو نقصان پہنچانے والا اور بالآخر خود اسی کام کو نقصان پہنچانے والا ہے، جو اس قومیت متحدہ کی غرض ہے۔یعنی اشاعتِ اسلام۔بعض لوگ اپنے دل کو یوں تسلی دے لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تو کوئی حکم نہیں دیا کہ مال کا فلاں حصہ خدا کی راہ میں دو۔لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ میں حصہ ہی معیّن کر کے ایک راہ بتا دی ہے۔اور خدا کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے صاف صاف اور کھلا کھلا حکم دیا ہے کہ یہ شخص اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور اپنی طاقت اور زور لگائے، ایسے خیالات صرف نفس کے دھوکے ہیں۔حقیقت میں وہ مال کی محبت ہے، جو اندرونی طور پر کام کر کے خدا کی رضا کے راستے پر چلنے سے روک رہی ہے۔شیطان بڑی باریک راہوں سے انسان پر حملہ کرتا ہے۔پس ہمارے دوست، جو اَب تک اس نظامِ قومی میں اس مساوات کے اصول کو ترک کئے ہوئے ہیں، غور کر لیں کہ انہیں کوئی اور ضرورت حُقہ خدا کے راستے میں خرچ کرنے سے روک رہی ہے یا صرف اپنے آپ کو دھوکا دے کر وہ خدا کے ایک حکم کو ٹالنا چاہتے ہیں!

22 ستمبر 1923ء

اسلام میں نجات

(ذیل کا مضمون حضرت امیر ایدّہ اللہ نے آریہ سماج شملہ کے جلسہ میں پڑھے جانے کے لئے لکھا ہے۔جس خوبی اور جامعیت کے ساتھ حضرت موصوف نے مسئلہ نجات کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی نجات دہندہ ثابت کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔امید ہے ہمارے احباب اسے خاص دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔مدیر)

نجات کے لغوی معنی

زبان عربی میں نَجوَۃٌ بلند زمین کو کہتے ہیں اور نجات کے معنی کسی چیز سے الگ ہوجانا ہے۔اہل لغت کے نزدیک نجات کے معنی ہلاکت سے بلند ہوجانا ہیں۔یعنی گناہ سے جو ہلاکت پیدا کرتا ہے، بلند ہوجانا یا اس سے بالکل الگ ہوجانا یا مخلصی پالینا۔قرآن کریم میں اس لفظ یا اس کے مشتقات کا استعمال ہر قسم کے دکھوں اور تکلیف سے مخلصی پالینے پر ہوا ہے۔

اسلام میں نجات کا مفہوم

نجات کا اصلی مفہوم اسلام میں گناہ سے یا ان دکھوں سے مخلصی پانا ہے، جو گناہ کے لازمی نتائج ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی اس زندگی میں گناہ سے نجات حاصل کرلیتا ہے وہ گناہ کے نتائج یعنی ان دکھوں سے بھی مخلصی پاجاتا ہے جو اس زندگی میں یا بعد موت پیش آنے والے ہیں۔پس اسلام میں نجات کسی اس فرضی حالت کا نام نہیں، جو بعد موت انسان کو پیش آنے والی ہے بلکہ حقیقی طور پر نجات ہی کا نام ہے کہ انسان اس زندگی میں گناہ سے مخلصی حاصل کرلے۔قرآن کریم نے اس حقیقت کو کھول کر ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ (112:2) یعنی جو شخص

اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنا دیتا ہے اور مخلوق خدا کے ساتھ نیکی کرنا اپنا طریق عمل بتاتا ہے، تو اس کے لئے اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے۔ اور ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہیں نہ انہیں کوئی غم ہوگا۔ لفظ نجات کے لئے پہلی شرط یہ رکھی ہے کہ انسان اپنے کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنائے۔ یعنی اس کی رضا کے خلاف نہ چلے۔ اور جو احکام اس نے دیئے ہیں ان کی خلاف ورزی نہ کرے اور یہی گناہ سے نجات حاصل کرنا ہے۔

نجات اس دنیا سے شروع ہوتی ہے

اور اس بات سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے کہ بہشت اور دوزخ دونوں اس دنیا کی زندگی میں پیدا ہوتے ہیں کہیں فرماتا ہے: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (46:55) جس شخص کے اعمال ایسے دل سے پیدا ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا خوف بھی رکھتا ہے، اس کے لئے دو بہشت ہیں۔ یعنی ایک بہشت اس دنیا کی زندگی میں اور ایک آخرت میں۔ اور کہیں فرماتا ہے: مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (72:17) جو اس دنیا میں اندھا رہا وہی آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔ اور یہی حقائق روحانی سے اندھا رہنا اور ظلمتوں اور تاریکیوں میں رہنا ہی دوزخ ہے۔ اور کہیں فرماتا ہے: يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ. وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (89:27-30) یعنی اے نفس مطمئن! اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ سو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ اور چونکہ نفس مطمئن کی حالت اسی دنیا کی زندگی میں پیدا ہوتی ہے، اس لئے یہ جنت کا وعدہ بھی اسی دنیا کے لئے ہے۔ اور کہیں فرماتا ہے: نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ. الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ. (104:6-7) دوزخ وہ آگ ہے جو دلوں سے بھڑک اٹھتی ہے۔ اگرچہ اس کی ابتدا اسی دنیا میں ہو جاتی ہے۔ پس نجات اگر کوئی شے ہے تو وہ اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے۔ اور جس کو یہاں نجات نہیں ملتی، اس کے لئے آخرت میں بھی نجات نہیں۔

نجات ایمان اور اعمال صالحہ ہر دو سے وابستہ ہے

دوسری بات مسئلہ نجات میں یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ اسلام نجات کو نہ خالی ایمان سے وابستہ کرتا ہے نہ خالی اعمال سے، بلکہ دونوں کو نجات کے لئے ضروری قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بار بار یہ لفظ

آتے ہیں: الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (9:5) جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا (62:2) جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا اور اچھے عمل کرتا ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (103:1-3) انسان خسارہ میں ہے سوائے اس کے جو ایمان لاتا اور اچھے عمل کرتا ہے۔ اگرچہ نجات انہی کے لئے ہے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بغیر ایمان اور عمل صالح کو اکٹھا کرنے کے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔

ایمان اور اعمال صالحہ کی تعریف

ایمان یہ ہے کہ اصول صحیحہ کو قبول کر لیا جائے۔ اور عمل صالح یہ ہے کہ ان اصول صحیحہ کے مطابق کام کیا جائے۔ جو شخص ایمان نہیں لاتا وہ سرے سے ان اصولوں کو ہی رد کر دیتا ہے۔ اور جو شخص ایمان لا کر اپنے اعمال اس کے مطابق نہیں بناتا، وہ بھی ان اصولوں کو عملاً رد ہی کرتا ہے۔ قرآن کریم نے ایمان کو نور کے ساتھ تشبیہ دی ہے: يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ (12:57) ایمان فی الحقیقت ایک روشنی ہے۔ جس شخص کے ہاتھ میں روشنی نہیں، وہ جب چلنے لگتا ہے تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ لیکن روشنی ہوتے ہوئے بھی جب تک انسان چلتا نہیں، وہ اس روشنی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی آیت قرآن کریم نے اگر ایک طرف ایمان پر زور دیا ہے تو دوسری طرف اعمال صالحہ کو ایمان سے کم اہمیت نہیں دی۔ ہاں! یہ سچ ہے کہ ایمان پہلے ہے اور اعمال پیچھے ہیں۔

اسلام نے دنیا کو کس طرح نجات دلائی

اس مختصر مضمون میں مسئلہ نجات کے تمام پہلوؤں پر بحث کرنا اور جو کچھ قرآن کریم نے دوسرے مذاہب میں نجات کے متعلق بیان کیا ہے اسے بیان کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے اس مختصر تمہید کے بعد اب میں اس بات کی طرف آتا ہوں کہ کیا اسلام نے دنیا کو وہ نجات دی جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے؟ اور کیا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ واقعات کے رنگ میں دنیا کے نجات دہندہ ثابت ہوتے ہیں؟ مذہب کی غرض صرف اس قدر نہیں کہ چند اچھے اصول بیان کر دے۔ بلکہ ان اچھے اصول پر عمل کی طاقت پیدا کرنا بھی مذہب کے اغراض مسلمہ میں سے

ہے۔ مذہب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ایک کتاب پر جو اعلیٰ درجہ کے اصول بیان کرتی ہے۔ دوسرے حامل کتاب یعنی پیغمبرؑ پر جو اپنی قوت قدسی سے ان اصولوں پر عمل کرنے کی طاقت اپنے پیروؤں کے اندر پیدا کرتا ہے۔ اس سے اوپر کہا ہے کہ اسلام میں نجات صرف آئندہ زندگی کی کسی حالت کا نام نہیں، بلکہ اسی دنیا کی زندگی میں گناہ سے مخلصی حاصل کرنے کا نام نجات ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا اسلام نے اس دنیا کی زندگی میں نجات دلائی؟ جو مذہب نجات دلانے کا وعدہ کرتا ہے اور اس وعدہ کا ایفاء اس دنیا کی زندگی میں نہیں کرتا، اس کا دعویٰ بلا ثبوت ہے۔ اس بات کو دیکھنے کے لئے کہ کیا اسلام نے وعدہ نجات کا ایفاء اسی دنیا میں کر کے دکھایا؟ کیا اسلام نے دنیا کو گناہ اور ظلمت سے پُر پایا اور کیا اس نے انسانوں کو گناہ کی غلامی سے چھڑایا؟ اور جن سینوں میں ظلمت بھری ہوئی تھی، انہیں نور سے معمور کیا؟ اس کو دیکھنے کے لئے ہمیں تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی حالت

اس بات پر نہ صرف قرآن کریم کی شہادت ہے بلکہ تاریخ عالم بھی یہی بتاتی ہے کہ اسلام کے ظہور کے وقت دنیا گناہ اور ظلمت سے بھری ہوئی تھی۔ اور یہ حالت نہ صرف ملک عرب کی تھی بلکہ دنیا کے ہر ایک ملک میں کم وبیش یہی نظارہ نظر آتا تھا۔ توحید الٰہی کا عقیدہ، جو دلوں میں روشنی کا اصل سرچشمہ ہے، بالکل مٹ چکا تھا۔ اور ہر ملک وملت میں شرک اپنے کمال کو پہنچ چکا تھا۔ قرآن کریم نے چار پانچ لفظوں میں اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے: **ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** (41:30) خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا۔ خود ملک عرب کی حالت، جس میں اسلام کے مقدس بانی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پیدا ہوئے، یہ تھی کہ شرک اور جہالت کی تاریکی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ ہر قسم کا شرک وہاں ہوتا تھا۔ بتوں کو، درختوں کو، پتھروں کو، ستاروں کو، جانوروں کو لوگ پوجتے تھے۔ توہم پرستی نے عقول انسانی کو خدا داد نور سے محروم کر رکھا تھا۔ شراب خوری اس قدر تھی کہ آج یورپ بھی اس کے سامنے مات ہے۔ زنا اور جوا بھی اپنے کمال پر تھے، باہم فساد خون ریزی سے ملک کا مطلع اس قدر تاریک تھا کہ کوئی طاقت دنیا میں نہ آتی تھی جو اس کو دور کر سکے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی اصلاحی کوششوں میں ناکامی

یہودیوں نے کئی صدیوں تک زور لگایا کہ ملک عرب میں اصلاح کریں۔مگر ناکام ہوئے۔عیسائیوں نے،جن کی عظیم الشان سلطنتیں شمال اور مغرب میں تھیں،اپنی مشنری جدوجہد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر جیسا کہ میور جیسا اسلام کے خلاف تعصب رکھنے والا مؤرخ لکھتا ہے،عرب کی جہالت اور ظلمت کے سمندر پر انقلاب روحانی کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی لہر بھی پیدا نہ ہوئی۔اور چار پانچ صدیوں کی دو قوموں کی انتہائی کوشش اس ملک کو گناہ کی غلامی سے آزاد نہ کر سکی۔بلکہ یہ قومیں یہود و نصاریٰ عرب کی اس بت پرستی،اس فساد اور اس ظلمت میں خود مبتلا ہو گئیں۔

ایک نجات دہندہ کی ضرورت

عرب کو شرک وفساد سے نکالنے کے اور گناہ کی غلامی سے آزاد کرنے کے لئے ایک نجات دہندہ کی ضرورت پہلے سے بھی بڑھ کر باقی تھی،جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے: لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ. رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً (2-1:98) اہل کتاب میں سے جو منکر ہیں اور مشرک اس حالت کو پہنچ گئے تھے کہ وہ گناہ کی غلامی سے آزاد ہونے والے نہ تھے۔جب تک کہ ان کے پاس بَیِّنَہ نہ آئے۔اور وہ بَیِّنَہ کیا ہے؟ اللہ کا رسولؐ جو ان پر پاک صحیفے پڑھتا۔

آنحضرت ﷺ کی بیس سالہ کوششیں اور ان کے نتائج

غرض عرب کی حالت گناہ کی غلامی میں اس حالت تک پہنچ چکی تھی کہ ان کا اس سے آزاد ہونا محال تھا۔ جب تک کہ منجانب اللہ ایک پیغمبر نہ آتا۔جو ایک پاک کتاب کے ذریعے سے انہیں پاک کر دیتا۔اور ایسا ہی ہوا کہ وہ ملک،جس کو یہودیوں اور عیسائیوں کی صدیوں کی کوشش،جن کے پیچھے بڑی بڑی سلطنتیں بھی تھیں،گناہ کی غلامی سے نہ نکال سکیں۔تو اس سارے کے سارے ملک کو ایک اکیلے آدمی نے،جس کی مخالفت پر سارا ملک کھڑا تھا،بیس سال کے عرصہ میں ایسا شرک وظلمت سے پاک کیا کہ جس کی کوئی دوسری نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔شرک اور بت پرستی کی جگہ سارے ملک میں توحید پھیل گئی۔شراب خوری جیسی مرض آن کی آن میں ایسی اور اس طرح سارے ملک سے نابود ہوئی کہ جیسے کبھی اس کا وہاں نام ونشان بھی نہ تھا۔باہمی فساد اور خون ریزی کی جگہ ایک

ایسی متحد قوم پیدا ہوئی جس کے اتحاد کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں متزلزل ہی نہیں ہوئیں بلکہ جڑ سے اکھڑ گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے اور اس کی عبادت کے لئے ایسی نشاط لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوگئی کہ ساری ساری رات عبادت میں گزارنے لگے اور ہر ایک دکھ اور تکلیف اس نشاط کے سامنے ہیچ ہوگیا۔ ہر ایک بدی کی جگہ، جو کسی قسم میں تھی، ایک نیکی پیدا ہوگئی۔ خود قرآن کریم میں مکہ کے تیرہ سالہ انقلاب کا نقشہ یوں کھینچا ہے: **وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا. وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا.** (64-63:25) پھر فرمایا: **وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا. وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ** (68-67:25) **وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا.** (72:25) یعنی ان لوگوں کے اندر، جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوئے ہیں، کتنا بڑا انقلاب پیدا ہوگیا ہے۔ وہ نہایت درجہ کے متکبر تھے۔ ان میں انکسار پیدا کیا۔ وہ جہالت پر فخر کیا کرتے تھے۔ اب جاہلوں کا مقابلہ ہی نہیں کرتے بلکہ بجائے دوسروں کا بُرا چاہنے کے ہر ایک کے لئے سلامتی چاہتے ہیں۔ وہ ساری ساری رات شراب خوری اور عیاشی میں گزارا کرتے تھے۔ اب ساری ساری رات عبادت الٰہی میں گزارتے ہیں۔ وہ شراب سے مخمور رہا کرتے تھے۔ اب محبت الٰہی کی شراب نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ وہ جوئے اور بیجا فخر اور رسم ورواج کی پابندیوں پر اپنا روپیہ تباہ کیا کرتے تھے۔ اب اپنے مالوں سے غرباء کی امداد، بیکسوں کی خبر گیری، یتامیٰ کی پرورش، غلاموں کی آزادی غرض مخلوق خدا کی خدمت میں صرف کرتے ہیں۔ شرک ان کے خون میں رچا ہوا تھا۔ اب توحید الٰہی سینوں میں موجزن ہے۔ ان کے نزدیک انسان کا قتل کر دینا ایسا ہی تھا جیسا ایک چیونٹی کا پاؤں کے نیچے مسل دینا۔ اب وہ انسان کی زندگی کی ایسی قدر کرتے ہیں کہ کسی کو ناحق قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ وہ زنا پر فخر کرتے تھا۔ اب عورت سامنے آجائے تو ان کی آنکھیں نیچی ہوجاتی ہیں۔ جھوٹ بولنا ان کا دن رات کا کام تھا۔ اب سچائی کے ایسے عاشق ہیں کہ جھوٹ کے پاس نہیں پھٹکتے۔ وہ بیہودہ اشغال میں اپنا وقت ضائع کرتے تھے۔ اب لغو کام کے پاس سے بزرگوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ اور ان سب باتوں کے آخر پر فرمایا کہ ان کی اب دلی آرزو کیا ہے: **وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا.** (74:25) یعنی ایسی راہ پر چلیں کہ ان کے پیچھے چلنے والے ان کے نمونہ کو دیکھ کر متقی بنیں۔ ایسا ہی دوسری جگہ صحابہؓ کے ذکر میں فرمایا: **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ**

وَزَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَ کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡیَانَ (7:49) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دیا۔ اور اسے خوبصورت بنا کر ان کے دلوں میں محکم کر دیا۔ اور ہر ایک کفر اور نافرمانی اور گناہ کے کام کو ان کے نزدیک مکروہ کر دیا۔ یہ وہ نجات ہے جس کا نمونہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا میں دکھا دیا۔ آپ نے انسانوں کو خطرناک گناہوں سے اسی دنیا کو زندگی میں آزاد کرا دیا۔ انہیں نجات تک یہیں پہنچا دیا اور آخرت میں نجات کا انہیں ملنا ایک بدیہی بات ہوگئی۔

☆☆☆

الفضل کا ایک اعتراض اور اس کا جواب

مدت سے ہمارے مہربان اخبار الفضل نے ہمارے خلاف خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ جس سے تعجب ہوتا تھا کہ الفضل اور خاموشی، چہ معنی دارد۔ ''دنیا میں ایک نبی آیا پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا۔'' اور عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا۔ (79:17) کا اخبار کے ٹائٹل پیج سے اڑا دینے سے خیال ہوتا تھا کہ شاید نظر التفات ہونی شروع ہوگئی ہے۔ لیکن یہ صرف خیال ہی خیال تھا۔ آخر ''الفضل'' مورخہ 16 ستمبر 1923ء نے مہر خاموشی کو توڑا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ کے ایک مضمون پر، جو ''احباب سلسلہ سے چند باتیں'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اعتراض کیا ہے۔ حضرت امیر نے لکھا تھا کہ اس بات کو کم فہمی سے بعض لوگوں نے یوں تعبیر کر لیا کہ حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے دکھایا جاتا کہ احمدی کا غیر احمدی کو لڑکی دینا قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔ کیونکہ وہ کافر ہے جس سے نکاح شرعاً قانوناً ناجائز ہے۔ ہمارا یہ چیلنج کوئی آج سے نہیں بلکہ اختلاف کے شروع ہی سے ہے، جس کا جواب ہمیشہ خاموشی سے دیا گیا ہے۔ لیکن تحریر کی بجائے ''الفضل'' نے ایک تقریر سے حوالہ اخبار الحکم 14 اپریل سے نقل کیا ہے:

> ''غیر احمدی کی لڑکی لینے میں حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے۔ بلکہ اس میں فائدہ ہے کہ ایک اور انسان ہدایت پاتا ہے۔ اپنی لڑکی کسی غیر احمدی کو نہ دینی چاہیے۔ اگر ملے تو بیشک لے لو۔ لینے میں حرج نہیں اور دینے میں گناہ ہے۔''

حضرت مسیح موعود نے تقریباً 80 کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں انہوں نے ہر مسئلہ پر ضرورت سے زیادہ اور فیصلہ کن بحث کی ہے۔ حق تو یہ چاہتا تھا کہ حضرت صاحب کی کسی کتاب یا اشتہار سے حوالہ دیکھا جاتا۔ لیکن بجائے اس کے اخبار سے دیا جاتا ہے اور وہ بھی حضرت مسیح موعود کی تحریر نہیں بلکہ تقریر ہے، جو انہوں نے سیر کو جاتے ہوئے کسی خط کے متعلق فرمائی۔ حضرت مسیح موعود جس تیزی سے چلتے تھے۔ اس سے احباب آشنا ہیں۔ یہ ناممکن تھا کہ اس وقت ساتھ ساتھ لفظ بلفظ آپ کی تقریر لکھی جا سکتی۔ اس کا مفہوم یاد رکھا جاتا تھا اور بعد میں اس کو اخبار میں ادا کیا جاتا تھا۔ ایک لفظ کے گھٹنے یا بڑھنے سے اصل مطلب ضائع ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اس بات کی پروا بھی کی جائے تو بھی الفضل کا مدعا اس سے نہیں نکل سکتا۔ ''الفضل'' کو تو دکھانا چاہیئے تھا کہ نکاح غیر احمدی کے ساتھ احمدی لڑکی کا شرعاً ناجائز اور حرام ہوتا ہے۔ لیکن حوالہ میں تو صرف لفظ ''گناہ'' کا ہے۔ جو کہ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نکاح ناجائز اور حرام ہے۔ حسب معمول الفضل نے اس حوالہ کے نقل کرنے میں بھی ناانصافی سے کام لیا ہے۔ اس سے اگلے الفاظ، جن سے سارا مطلب ہی صاف ہو جاتا ہے، وہ ہضم کر گئے ہیں۔ وہ الفاظ حسب ذیل ہیں:

> ''بعض لوگ جو یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗ (28:40 مرتب) میں داخل ہیں۔ اور بعض مخفی در مخفی معقول وجوہات کے باعث وہ اپنے ایمان کا اظہار ابھی نہیں کر سکتے اور وہ ایسے نہیں ہیں کہ لَا اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَا اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ بلکہ انہوں نے تمہارے پاس ایمان اور صدق وخلوص کا اظہار کر دیا ہے تو وہ لوگ معذور ہیں۔ اور بعض وہ لوگ جو اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مُکفّرین میں داخل نہیں ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ وہ اس قسم کا ایک اشتہار دے دیں کہ وہ ہمارے مُکفّرین میں سے نہیں ہیں۔''

اب ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کی تین اقسام بیان کی ہیں۔ آخر الذکر تو وہ ہیں جو حسنِ ظن رکھتے ہیں اور کافر خیال نہیں کرتے۔ درمیان میں ان کا ذکر ہے جو ایمان لے آئے، لیکن بعض وجوہات سے اعلان نہیں کر سکتے۔ اول الذکر وہ لوگ جو کہ ہمعصر موصوف کے حوالہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مکفرین میں سے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے حضرت صاحب کو کافر اور کاذب

جانا۔ جیسا کہ اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے۔ حضرت مسیح موعود کا ابتدا سے یہی مذہب تھا کہ ان کے انکار کی وجہ سے کوئی کافر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ انہیں کافر کہہ کر خود بروئے حدیث کافر ہو جاتا ہے۔ پس یہ لوگ جن کو آپ اہل کتاب کی طرح سمجھتے ہیں، جو حضرت مرزا صاحب کے مکفرین میں سے ہیں۔اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ایک غیر احمدی کو، جو مرزا صاحب کو دجال اور کافر کہتا ہے، لڑکی دی جائے، تو دینے والا ایک گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ باقی دونوں گروہوں کو حضرت مرزا صاحب نے معذور سمجھ کر مستثنیٰ کر دیا۔ حضرت صاحب نے کسی جگہ یہ تحریر نہیں کیا کہ جو شخص غیر احمدی کو لڑکی دے گا، وہ میری جماعت سے خارج ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ میاں صاحب نے لکھا ہے:

> ''حضرت صاحب نے اخوت اور محبت کے تعلقات کو ہی مضبوط کرنے کے لئے یہ قرین مصلحت سمجھا تھا کہ احمدی آپس میں رشتہ ناطہ کیا کریں۔''

جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے:

> ''چونکہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی بزرگ عنایات سے ہماری جماعت کی تعداد میں بہت ترقی ہوئی ہے اور اب کئی لاکھ تک اس کی تعداد پہنچ گئی ہے۔ اس لئے قرین مصلحت معلوم ہوا کہ ان کے باہمی اتحاد کے بڑھانے کے لئے اور نیز ان کو اہل و اقارب کے بد اثر و بدنتائج سے بچانے کے لئے لڑکیوں اور لڑکوں سے نکاح کے بارہ میں کوئی احسن انتظام کیا جائے۔''

پس آپس کے رشتوں کو باہمی اتحاد کے بڑھانے کے لئے ضروری سمجھا تھا نہ کہ غیر احمدیوں سے نکاح اس لئے منع کیا تھا کہ وہ کافر ہیں۔ اس مسئلہ کا یوں بھی آسانی سے فیصلہ ہوسکتا ہے کہ حضرت صاحب اور آپ کے بعد خلیفۃ المسیح کے زمانہ میں کیا عمل تھا۔ اور اب جناب میاں صاحب کے عہد حکومت میں کیا عمل ہے؟

حضرت صاحب کو، بقول آپ کے، جب 1901ء میں سمجھ آئی کہ میں حقیقی نبی ہوں۔ اور میرے نہ ماننے والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور وہ عیسائیوں اور ہندوؤں جیسے کافر ہیں تو چاہئے تھا کہ اعلان کر

دیتے کہ آج سے احمدی لڑکیوں کے نکاح غیر احمدی خاوندوں سے ناجائز ہیں اور شرعاً حرام ہیں۔ ان کے نکاح اب فسخ ہو گئے ہیں۔ کیونکہ یہ فیصلہ کن مسئلہ ہے کہ اگر ایک مسلمان مرد دین اسلام سے گمراہ ہو کر مرتد ہو جائے تو اس کی مسلمان عورت کا نکاح شرعاً و قانوناً دونوں طرح سے ناجائز ہو جاتا ہے۔ کیا کوئی ایسا اعلان ہوا؟ کیا کسی احمدی عورت نے کسی غیر احمدی کو چھوڑا؟ حالانکہ اس وقت بیسیوں نہیں سینکڑوں مثالیں موجود۔ غرضیکہ یہ سلسلہ جب سے قائم ہوا اس کی ایک بھی ایسی مثال نہیں۔ تو حضرت صاحب جس بات کو حرام اور ناجائز تصور کرتے تھے، اپنے مریدوں کو بھی اس سے نہ روکا۔ اور یہ حکم ہی نہ دیا کہ اپنی لڑکیوں کو ان کے غیر احمدی خاوندوں سے علیحدہ کر لیں اور قانونی چارہ جوئی کریں۔ کیونکہ کافر سے تو مسلمان عورت کا نکاح قانوناً ناجائز ہے۔ خوب غور کر لو کہ تمہاری اس لچر بات سے کتنی اولادیں ناجائز ٹھہرتی ہیں۔ پہلے بات کو تو سوچا کرو اور پھر منہ سے نکالا کرو۔ جناب میاں صاحب کی سالی کے نکاح کی ایک غیر احمدی سے حضرت مسیح موعود نے خود اجازت دی اور یہ نکاح آپ کی وفات کے بعد خلیفۃ المسیح نے پڑھایا۔ جناب میاں صاحب خود اس شادی میں شریک تھے اور برات کے ساتھ لاہور تشریف لے گئے۔

اب، جب بڑے زور وشور سے حضرت کو بقول آپ کے اصل پوزیشن پر کھڑا کیا جا رہا ہے، کیا عمل ہے؟ میاں صاحب کے خاص الخاص مریدوں نے علی الاعلان غیر احمدیوں کو اپنی لڑکیاں دیں۔ میاں شمس الدین تاجر چرم لاہور اور خان بہادر شیخ محمد حسین صاحب نے، جو میاں صاحب کے خاص مریدوں میں سے ہیں، غیر احمدیوں کو اپنی لڑکیاں دیں۔ اس کے علاوہ اگر ضرورت ہو تو بیسیوں مثالیں دی جا سکتی ہیں کہ میاں صاحب کے مریدوں نے غیر احمدیوں سے اپنی لڑکیوں کے رشتے کئے۔ لیکن ان کے متعلق ''الفضل'' خاموش رہا۔ نہ ان نکاحوں کو ناجائز قرار دیا گیا اور نہ ان کو جماعت سے خارج کیا گیا۔ مناسب تو یہ تھا جس مسئلہ پر تم ایمان رکھتے ہو، اس پر خود عمل کرتے تو تب دوسروں کے منہ آتے۔ لیکن جب اس پر آپ کا عمل بھی نہیں تو دوسروں پر اعتراض کرنے کا حق آپ کو کس طرح حاصل ہو؟ وہ اصول جو سرے سے ہی غلط ہو، اس پر عمل بھی کس طرح ہو؟ حضرت صاحب کا اصل اشتہار جس سے میں نے بھی چند سطور نقل کی ہیں، غور سے مطالعہ فرمائیں اور پھر حضرت امیر ایدہ اللہ کی مندرجہ ذیل سطور پڑھیں اور انصاف کریں کہ کیا یہی حضرت مسیح موعود کا منشا تھا یا کچھ اور؟

''رشتے جماعت کے اندر ہوں تا کہ تعلقات محبت جماعت میں ترقی کریں اور جماعت کی قوت کا موجب ہوں۔''

افسوس ہے کہ جماعت کی اب تک اس امر کی طرف پوری توجہ مبذول نہیں ہوئی۔ میں چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود کی اس نصیحت کی طرف خصوصیت سے بڑے اور چھوٹے احباب توجہ کریں اور جہاں تک ممکن ہو رشتہ داری کے تعلقات اپنی جماعت میں قائم کریں۔

غلام حیدر تمیم از جھنگ

22 ستمبر 1923ء

براہین مسیحا خواں

(از نتیجہ فکر مولٰینا مولوی محمد عبداللہ صاحب کشمیری)

براہین مسیحا خواں بہ بین از چشم ایقانش　　دماغ ودل منور کن زرشح نور ایمانش
کفِ موسٰی وآب خضر و اعجاز مسیحائی　　ہمہ تعلیم و تلقینش ہمہ نم قطرہ نیسانش
چوں طوفانِ مفاسد جوش دادہ تا سر جودی　　گزر از آب طوفاں شد زتعلیم دبستانش
اصول آموزِ علم دیں و ایماں حضرت مرزا　　کنوں صد فلسفی فلسفے نیرزد پیش برہانش
وجود اقدس او شد شبیہ احمد مرسل　　خطابِ مہدویت است ایمائے زفرقانش
جوانمردے کہ سلطان القلم بر آسماں باشد　　نہ نامید و نہ گیوانے بروں آمد یمیدانش
زسگ جانی دیانندی نشستہ در پس زانو　　کے نصرانی پشیماں شد زوانش کمر و نادانش
چرا ایں بیدی دانا ثمر از بیدمے جوید　　چہ جانے گرنتھا بابا ہست باز رتشت ونیرانش
کمال دیں طلوعش شدز مغرب ہمچو قرص خور　　چلیپا میں کہ طوفان است در بنیا وار کانش
مسیح ناصری مقبور شد در خانہ یارا　　بت تشت راشکن زیورب ہم بروں رانش
ہمہ تعلیم وید سند و ژندِ آتش افروزاں　　نماند از دعوتِ عیسی بجا خاک بیابانش
بجز تعلیم قرآنی ملکی را ہمچو گلخن داں　　درونش پر ناپاکی بروں صدور و مرجانش
جو باسر صرع آمیزد نیوگی برہمن باشد　　نہ سر ماند نہ دستارش شود گورے شبستانش
سگانِ آزرا منطق زبان طعنہ می باشد　　سگ از بیروں درگردد۔ زبرہان ازبروں رانش

جناب میرزائی ما غلام خواجہ یاسیں — سکندر دل ہوا تخت ورواں بخشید یزدانش
صفِ خاصان حق بنگر در و استاد نورالدیں — کہ چرخ گندناگوں شعبہ از تفسیر قرآنش
اگر خواہی کہ خواہی زست از آلائش دنیا — بروئے حضرت احمد بیادر ذیل مستانش
چو درویشی بدریشاں نظر ہم از تادُّب کن — ہمیں بنگر کہ وحیٔ حق تجّلی کرد درشانش
زباں از غیبت مرداں می اعلیٰ حضرت واعظ — چرا نازی بدیں ممبر کہ آلودہ ست شیطانش
نظارہ میکنم ویحک کہ کیش پاک یزدانی — زجوشِ کفر شد ویراں وسیل آمد زبارانش
زفکر تفرقہ باز او سبیل آشتی پیار — زگورستاں بروں کن پانچور از آبِ حیوانش
زتکفیر مسلماناں چو زنبوراں مشو کافر — بشو چوں شاہ زنبوراں کہ جان ودل مسلمانش
نفاق واختلافِ دیں زدرسِ ایں چہ آموزی — چہ جوئی زیں غلف خانہ چہ خواہی ازنمکدانش
چوں پیراں از جہاں بر بند بارخویشتن خنداں — نہ چوں نوزا وہ طفلے کہ مے بینند گریانش
بجز اے غافل ازعقبیٰ مخسپ افراسیاب آسا — کہ شیطاں درکمین است وقوی تر زخم پیکانش
حذرکن میں سلہ نسیانِ دیں شد چون مہ آباں — کہ در افتادہ گی آمد اساس وقصرو بنیانش
ہمہ تائید حق مرموز شد در وحدتِ قومی — زہے دولت اگر شیرے تو خوردستی زپستانش
بیا تا درمیانِ ہند و چین ولندن وجرمن — بر آرم نعرہ توحید لرز و چرخ زافغانش
را انوارِ شریعت کا شمر خلد بریں گردد — زبرہمن قشقہ مے شویم چو تلقیں سازم ایمانش

نفاق واختلاف جاہلاں شد ہمچو خارستاں
اگر باما کنی اُلفت ہمہ بینی گلستانش

9 اکتوبر 1923ء

دوشہادتیں

حضرت مولٰینا نورالدین حضرت مرزا صاحب کو نبی نہ مانتے تھے

پہلی شہادت

مرزا صاحب کس فرقہ میں سے تھے؟ ایک شخص کے سوال

سوال 1: مرزا غلام احمد صاحب مستقل نبی ہیں یا جناب رسول مقبول ﷺ کی امت میں داخل ہیں اور غلام احمد ہونے کے مصداق؟

سوال 2: اگر مستقل نبی ہیں تو اہل اسلام میں سے کسی فرقہ کا بھی یہ اعتقاد نہیں ہے کہ بعد جناب رسالت مآب ﷺ کوئی اور بھی نبی ہوسکتا ہے۔

جوابات از حضرت مولوی نورالدینؓ

جناب من! بعد سلام مسنون۔ جوابات سوالات تحریر ہیں۔

جواب 1-2: مستقل نبی اور غیر نبی کی اصطلاح آپ سے سنی گئی۔ ہاں البتہ صوفیاء کرام نے تشریعی اور غیر تشریعی نبوت میں کچھ امتیاز کیا ہے۔ حضرت صاحب جو تھے وہ تمام کمالات قرب مدارج الٰہی کے حضرت نبی کریم محمد ﷺ کی سچی اتباع میں یقین فرماتے تھے۔ اور ایک بال بھی اس کے خلاف کرنے کو کفر و بدقسمتی سمجھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ناواقف بھی ہیں۔ حضرت شاہ نیاز احمد صاحب بھی فرماتے ہیں۔

احمد ہاشمی منم و عیسٰی مریمی منم   من نہ منم نہ من منم

خود حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:

بعد از خدا بہ عشق محمد مخمرم گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

آپ کے پہلے سوال کا جواب اور دوسرے سوال کا جواب بھی ہو چکا۔

سوال 3: اگر (مرزا صاحب) حضور ﷺ کی امت میں داخل ہیں اور آپ کی ہی شریعت کے مجدد و مصلح بن کر رسوم و بدعات وتفریق بین المسلمین کے مٹانے اور شریعت محمدی ﷺ کے تازہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں تو اہل اسلام کے فرقہ ہائے مختلفہ میں سے کس گروہ میں شامل اور کن اصول کے موافق لوگوں کو شریعت محمد ﷺ پر عمل کرنے کا حکم فرماتے ہیں؟

سوال 4: مرزا صاحب کے نزدیک اسلام کے فرقہ ہائے مختلف میں سے وہ کونسا گروہ ہے، جس میں خود بھی مرزا صاحب داخل ہیں اور اس کے اصول کے موافق لوگوں کو ہدایت فرماتے ہیں۔

جواب 3-4: حضرت مرزا صاحب اہلسنت والجماعت خاص کر حنفی المذہب تھے۔ اسی طائفہ ظاہرینِ علی الحق میں سے تھے۔ والْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

نورالدین۔ 29 اگست 1913ء

☆☆☆

دوسری شہادت

منقول اخبار بدر قادیان 22 اگست 1922ء۔ دیکھیں عنوان ذیل صفحہ 3 کالم 1، 2

کلام امیر: حضرت خلیفۃ المسیح کا مکالمہ ایک مولوی صاحب سے

سوال۔ آپ کے اصول کیا کیا ہیں؟ دوسرے مسلمانوں سے آپ کو کیا کیا اختلاف ہیں؟

جواب۔ ہمارے اصول یہ ہیں۔اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے۔ ہر ایک قسم کے عیب و نقص سے منزہ ملائکہ ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف کاموں پر متعین ہیں۔تمام رسول برحق ہیں۔ کتابیں جوان پر اتریں برحق ہیں۔ جزاء وسزاء کا مسئلہ برحق ہے۔اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ دوسرے مسلمانوں سے اصول دین میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ جہاں وہ ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء کی وفات کو مانتے ہیں، وہاں ایک حضرت مسیح کی وفات کو ہم نے مان لیا تو کیا گناہ ہے۔ایسا ہی امت محمد یہ میں مکالمہ ومخاطبہ الٰہی اولیاء اللہ سے جاری ہے۔تو مرزا صاحب سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ ماننا کیا حرج رکھتا ہے؟ مسیح کا نزول ماننا اصول دین میں داخل نہیں۔

سوال: مرزا صاحب کیا تھے۔کیا وہ عیسیٰؑ ہیں؟

جواب: مرزا صاحب امتی ہیں۔اپنا نام ہمیشہ غلام احمد فرماتے تھے۔جس طرح ہم لوگ ابراہیم، اسمٰعیل وغیرہ نام رکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح خدا نے ان کا نام عیسیٰ رکھا ۔ بنی اسرائیل کا عیسیٰ فوت ہو چکا ہے۔عیسیٰ کے نزول کا مسئلہ الفاظ قرآنی: **اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى** (57:2) اور **اَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزۡوَاجٍ** (6:39)اور **وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ** (25:57)وغیرہ پر غور کرنے سے حل ہوتا ہے۔ کیونکہ لوہا وغیرہ جیسے اترے، ایسا ہی عیسیٰؑ کا نزول ہے۔ یہ معنی نہیں کہ آسمان سے اتریں۔''مرزا صاحب کیا تھے۔''مرزا صاحب کا ایک شعر ہے ۔

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب ہاں ملہم استم و ز خداوند منذرم

سوال: آپ مجازی معنی کیوں لیتے ہیں؟

جواب: اچھا ایک شخص کا نام عیسیٰ ہو۔اس کی ماں کا نام مریم ہو۔ وہ ایک صلیب کو توڑ دے اور ایک

سور کو لے کر قتل کر دے، تو کیا اسے تم مان لو گے کہ یہی موعود ہے۔ بات یہ ہے کہ پیشگوئیوں کی حقیقت سمجھنے کے لئے کتب الٰہیہ کی طرز پر گہری نظر ڈالنی چاہیے۔

اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب حضرت مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے تھے اور نہ یہ کہنے کی ضرورت تھی کہ ہمارا دوسرے مسلمانوں سے کوئی اصولی اختلاف نہیں اور حضرت مرزا صاحب کی نفی نبوت میں اس شعر کے پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

من نیستم رسول و نیا وردہ ام کتاب

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (2:59) اب ان جوابات سے مفصلہ ذیل باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔

1۔ مستقل نبی اور غیر مستقل نبی کی اصطلاح خود ساختہ ہے۔

2۔ صوفیاء نے تشریعی نبوت کا کچھ امتیاز جو کیا ہے، وہ بھی اپنی رائے سے کیا ہے۔

3۔ حضرت مرزا صاحب تمام کمالات قرب مدارج الٰہی کے صرف حضرت نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع میں ہی یقین فرماتے تھے۔ اور ایک بال برابر بھی اس کے خلاف کرنے کو کفر و بدقسمتی سمجھتے تھے۔ یعنی اتباع نبی کریمؐ سے الگ کرانا کفر و گناہ سمجھتے تھے۔

4۔ آپ ناواقف بھی ہیں۔ یعنی مسلمان ان باتوں سے ناواقف ہیں۔ وہ حضرت مرزا صاحب کے ایسے ایسے دعوؤں سے کہ:

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا منم محمد و احمد کہ مجتبٰی باشد

یہ یقین کر لینے میں کہ مرزا صاحب نے محمد و احمد یا عیسیٰ نعوذ باللہ نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ایسے شعر تو دوسرے بزرگوں کی بھی ہیں۔ جیسے شاہ نیاز احمد صاحب بھی فرماتے ہیں۔

احمد ہاشمی منم و عیسیٰ مریمی منم

پس حضرت مولوی نورالدین مرحوم کے نزدیک حضرت صاحب کے یہ الفاظ دوسرے ایسے بزرگوں جیسے تھے، جیسے کہ شاہ نیاز احمد صاحب وحضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ وغیرہ تھے۔

5۔ حضرت مرزا صاحب اہلسنت والجماعت خاص کر حنفی المذہب تھے۔ اسی طائفہ ظاہرین علی الحق میں سے تھے وَا لْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے فقرے صاف بتا رہے ہیں کہ مہدی و مسیح موعود وغیرہ اسموں سے مسمّٰی شخص بھی امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر ہوگا۔ اور ان کا پیرو اور اسی طائفہ ظاہرین علی الحق میں سے ہوگا۔ کوئی نبی یا رسول نہیں ہوگا۔

افسوس! قادیانی بھائیوں کی آنکھوں پر کیسے پردے پڑ گئے ہیں! اتنا نہیں سوچتے کہ جس کو خلیفۃ المسیح اول اور مہدی اور امام اور کامل متبع مسیح موعود یقین کرتے اور مانتے ہیں۔ اور جس کی تصویریں غیر ممالک میں چھاپ کر دکھاتے ہیں کہ یہ خلیفہ اول مسیح موعود کے تھے، وہ تو خود اپنا اعتقاد یہ ظاہر کرتے ہیں اور حضرت مرزا صاحب کی شخصیت سے نبوت کی نفی ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں کہ وہ حنفی مذہب تھے۔ بھلا ایسا شخص نبی کیونکر ہو سکتا ہے؟

نبی! اور حنفی المذہب

نبی! اور پھر امتی

نبی اور مجرد نبی کا لفظ اس کے لئے مجاز اور استعارہ کے طور پر استعمال ہوا۔ نبی اور مجرد نبی کا لفظ اس کے لئے ان معنوں میں نہ ہو جن معنوں میں کہ پہلے انبیاء کہلائے۔ نبی اور مجرد نبی کا لفظ اس کے لئے کہنا جائز نہیں بلکہ صرف نبی کہنا ہی نبوت کاملہ تامہ محمدیہ کی اس میں ہتک ہے۔ اس کو نبی نہ ماننے والا کافر دائرہ اسلام سے خارج ہو۔ ایں چہ بوالعجبی است۔

(حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ)

3 نومبر 1923ء

جماعت احمدیہ اور اشاعتِ اسلام

(حضرت امیر کا مکتوب مدیر ''زمیندار'' کے نام)

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب زمیندار، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا افتتاحیہ بعنوان ''خواجہ کمال الدین اور حمایت انگلستان'' 12 اکتوبر 1923ء کے پرچے میں پڑھا۔ اس مضمون میں آپ نے لاہوری احمدی جماعت کے عقائد اور رویہ کا اظہار بھی چاہا ہے۔

ہمارے عقائد

اہل سنت والجماعت کے عقائد ہیں اور قرآن کریم اور حدیث نبویؐ اور حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے اجتہادات کو قابل عمل سمجھتے ہیں، اور اسی لئے اپنے آپ کو حنفی المذہب بھی کہتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت سے ہمیں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا ایک ہے، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے آخری رسول اور آخری نبی ہیں، نہ آپؐ کے بعد کوئی نبی یا رسول آنے والا ہے، نیا ہو یا پرانا، نہ قرآن کریم کے بعد کوئی کتاب نازل ہونے والی ہے، ہاں آپؐ سے پہلے ہر ملک اور ہر قوم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے، لیکن آپؐ کے بعد کوئی نبی رسول نہیں آ سکتا۔ کیونکہ دیگر انبیاءؑ ایک تاریک شب میں چراغوں کے طور پر تھے، جو اپنے وقت میں اپنے زمانہ اور حالات قومی کے مطابق نور و ہدایت لے کر آئے۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ آفتاب عالمتاب ہیں اور آفتاب کے بعد کسی چراغ کی ضرورت نہیں۔ اب کُل دنیا آپؐ کے نور سے ہی منور ہوگی۔ احمدی اور اہل سنت والجماعت یا احمدی اور حنفی دو متضاد اصطلاحیں ہیں کہ ایک شخص احمدی ہو تو وہ اہل سنت والجماعت یا حنفی نہ کہلا سکے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات یا وفات ایک فروعی مسئلہ ہے، اور چونکہ ہمارے نزدیک نہ صرف قرآن کی صراحت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وفات یافتہ ہونا ثابت ہے، بلکہ ان کا دوبارہ اس دنیا میں آنا ختم نبوت آنحضرت ﷺ کے منافی ہے، اس لئے ہم حضرت مرزا صاحب کو ان پیشگوئیوں کا مصداق مانتے ہیں، جو نزول مسیح

کے متعلق ہیں۔ہم آنحضرت ﷺ کے بعد صرف مجددین کا آنا تسلیم کرتے ہیں۔اور چودھویں صدی کا مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مانتے ہیں، اور ایمان رکھتے ہیں کہ آپ ہی وہ مسیح اور مہدی بھی ہیں، جس کا اس اُمت کے لئے وعدہ دیا گیا تھا۔یہی عقائد جناب خواجہ کمال الدین صاحب ومولٰینا صدرالدین صاحب کے ہیں، ہاں یہ سچ ہے کہ جماعت احمدیہ کے دوسرے فریق یعنی فریق قادیان سے ہمارا تعلق نہیں۔ بلکہ احمدی جماعت کے یہ دو فریق الگ الگ کام کررہے ہیں اور عقائد میں بھی ان میں باہم اختلاف ہے۔ قادیان کا فریق حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے اوراس لئے ان مسلمانان عالم کو، جو آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے، دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہے۔فریق لاہوران ہردومسئلوں میں فریق قادیان کو غلطی پر یقین کرتا ہے، اس لئے تحریراً تقریراً ان مسائل کی تردید عرصہ نو سال سے کررہا ہے۔

دوسرا سوال ہمارے رویہ کے متعلق ہے۔ یہ بھی مسلمان پبلک سے پوشیدہ نہیں۔ جب سے خلافت کا سوال پیدا ہوا ہے، ہمارا، جہاں تک مسئلہ کی مذہبی حیثیت ہے، مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل رہا ہے۔ وفدِ خلافت میں مَیں خود شامل تھا۔اس کے بعد خلافت پر انگریزی اوراردو میں ایک رسالہ میں نے لکھا جو ہزارہا کی تعداد میں ملک میں زیادہ تر مفت شائع ہوااور جس کی مانگ عام مسلمان پبلک کی طرف سے اس قدر ہوئی کہ کئی بار چھپوایا گیا۔ہاں! یہ صحیح ہے کہ ہمارا کام چونکہ خالصۃً اشاعت وتبلیغ اسلام ہے، اس لئے جہاں تک سیاسی پہلو کا تعلق تھا ہم نے بحیثیت جماعت اس میں حصہ نہیں لیا اوراپنا زورتبلیغ واشاعتِ اسلام پر ہی صرف کرتے رہے ہیں۔ ہمارا مسلک شروع سے یہی ہے کہ ہرقسم کی سیاسی تحریکات سے حتی الوسع الگ رہ کرصرف ایک کام یعنی تبلیغ واشاعتِ اسلام پر ساراز ورصرف کریں۔

تیسری بات آپ کے مضمون میں صاف کرنے کے قابل یہ ہے کہ ہمارا مقصد برلن میں تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ تبلیغ مقاصد انگلستان بھی ہے۔افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ بات صرف جناب عبدالجبار صاحب خیری کی ایجاد ہے۔انگلستان میں خواجہ صاحب کو کام شروع کئے دس سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔آج تک وہاں ہزارہا ہندوستانی ہوآئے ہیں، جن میں خود مولوی ظفرعلی خاں صاحب بھی ہیں، شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بھی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے کام میں کوئی نقص نہیں، جہاں کام ہوگا، وہاں اس میں نقص بھی ہوں گے۔لیکن آج

تک کسی شخص کا وہم و گمان بھی اس طرف نہیں گیا کہ ہمارے مشنوں کو کوئی تعلق تبلیغ مقاصد انگلستان سے ہے۔ لیکن جرمنی میں چونکہ ہمارے کام شروع کرنے سے مولوی عبدالجبار صاحب کو رنج پہنچا، جس کا اظہار گذشتہ کافی طور پر اخبارات میں ہو چکا ہے۔ اس لئے انہوں نے جرمنی میں ہماری تحریک تبلیغ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے یہ بات نکالی کہ ہماری غرض تبلیغ مقاصد انگلستان ہے، تاکہ جرمن لوگ ہماری طرف سے بدظن ہو کر اس تحریک تبلیغی سے علیحدہ رہیں۔ مسلمانوں کے اس طرزِ عمل نے ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے کہ وہ ذاتی اختلافات کی بنیاد پر قومی کاموں کو نقصان پہنچا لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس بدظنی کے پھیلانے سے اگر کوئی نقصان پہنچے گا تو وہ تبلیغ اسلام کو۔

مولوی صدر الدین صاحب جو جرمنی میں ہمارے تبلیغ کے کام کے انچارج ہیں، ان کو پنجاب کی پبلک خوب جانتی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں سے کم ہی کوئی جگہ ہوگی، جہاں ان کے لیکچر خلافت پر نہیں ہوئے۔ ایسے آدمی کے متعلق یہ بدظنی پھیلانا، کہ وہ تبلیغ مقاصد انگلستان کے لئے برلن گیا ہے، نہایت ہی خفیف حرکت ہے۔ بہرحال پبلک ہمارے کام کو اور ہمارے رویہ کو خوب جانتی ہے۔ ہاں ہمیں جہاں تبلیغ مقاصد انگلستان سے کوئی تعلق نہیں، یہ بھی سچ ہے کہ ہم جس ملک میں رہتے ہیں، وہاں کی حکومت کے قوانین کی پابندی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور حکومت کے خلاف کسی قسم کی شورش میں حصہ نہیں لیتے۔ خواہ وہ حکومت انگلستان کی ہو یا جرمنی کی یا جاپان کی یا کسی مسلمان بادشاہ کی۔ ہم دنیا کے اکثر ممالک میں تبلیغی مرکز قائم کرنے کی کوشش میں ہیں، اور جہاں ہم کام کریں گے یہی ہمارا طریق کار ہوگا کہ سیاسیات سے کوئی تعلق نہ ہو اور کسی حکومت کے خلاف بھی کسی شورش میں حصہ نہ لیا جائے۔ بلکہ صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور پیغامِ اسلام کو ان لوگوں کو پہنچا دینا ہمارے مدنظر ہے۔ بھلا اس بدظنی کی بھی کوئی انتہا ہے کہ چونکہ ہم وسیع پیمانہ پر کام کر رہے ہیں، اور بہت سا روپیہ خرچ کر رہے ہیں، اس لئے ضرور ہے کہ ہم حکومت کے ایجنٹ ہیں۔ ہمارا حساب کتاب کھلا ہے۔ ایک ایک پیسہ کی آمد اور ایک ایک پیسہ کا خرچ بالتفصیل رجسٹروں میں درج ہے۔ نامعلوم ذریعوں سے نہ ہماری کوئی آمد ہے اور نہ بغیر تفصیل کے ایک پیسہ کا خرچ ہے۔ رپورٹیں سالانہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اخفاء کا پردہ کسی بات پر نہیں۔ اگر کسی حکومت کی وفاداری اس کی ایجنٹی ہے تو میں کہتا ہوں کہ سرسید مرحوم کی کیا تعلیم تھی؟ کیا وہ بھی گورنمنٹ کے ایجنٹ تھے۔ اور کیا آج جو لوگ

ہندو مسلم اتحاد پر مسلمانوں کے فوائد کو بھی قربان کر رہے ہیں، انہیں ہندوؤں کا ایجنٹ کہہ سکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں غلطی پر کہیں۔ اسی طرح کسی شخص کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ کہے کہ تمہارا سیاسیات سے الگ رہنا غلطی ہے۔ گو میں اسے یہی جواب دوں گا کہ سیاسیات میں دخل دینا تبلیغ اشاعت کے کام کا خاتمہ کر دینا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ تم لوگ گورنمنٹ کے ایجنٹ ہو، ایک بہتان عظیم ہے۔

ایک اعتراض ضمناً ہم پر یہ بھی ہے کہ خلیفہ کا نام خطبہ میں نہیں لیتے، اس لئے ضرور ہے کہ ہم مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ تو کیا اہل حدیث خلیفہ کا نام خطبہ میں لیتے ہیں؟ اور کیا وہ بھی دشمن اسلام ہیں۔ ہم جس بات کو کتاب وسنت کے مطابق سمجھتے ہیں، اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ہمیں کوئی شہادت نہیں ملتی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ تعلیم ہمیں دی ہو کہ خطبہ جمعہ میں خلیفہ وقت کا نام بھی لیا کرو، یا خلفاء راشدین نے کبھی اس پر عمل کیا ہو۔ بلکہ بنی اُمیہ کے وقت میں بھی خلیفہ کا نام خطبوں میں لیا جائے، جہاں تک میرا علم ہے، ثابت نہیں۔ ہاں ہم خطبے میں آنحضرت ﷺ پر درود وسلام بھیجتے ہیں اور آپ کی آل پر یعنی آپ کے کامل متبعین پر بھی۔ اگر کوئی خلیفہ لفظ آل کے اندر آتا ہے تو وہ خود شامل ہو گیا۔ اور جو آل کے لفظ میں نہیں آتا، اس کا معاملہ سپرد خدا ہے۔ اسی طرح ہم خطبوں میں ہر اس شخص کی نصرت کے لئے دعا کرتے ہیں، جو ناصر دین محمد ﷺ ہے۔ اگر خلیفہ ناصر دین ہے، تو اس کی نصرت کی خود دعا ہو گئی۔ نام تو صرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہی ہوگا۔ باقی جو آپ کا یا آپ کے دین کا خادم ہے، خواہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوں اور خواہ عمر فاروقؓ اور خواہ حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ اور خواہ اس وقت کے آئمہ اور مجدد دین اور خواہ صالح بادشاہ، وہ سب آل محمدؐ اور مَنْ نَّصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ کی ذیل میں ہیں۔ وہ سب ہماری دعاؤں کے اندر آئیں گے۔ اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ کیا شیعہ خلفاء کا نام لیتے ہیں؟ اور کیا سارے شیعہ دشمن اسلام ہیں؟ بلکہ کیا سب حنفی لوگ خلیفہ وقت کا نام لیتے ہیں۔ اور جو نام نہیں لیتے کیا وہ اسلام کے دشمن اور گورنمنٹ کے ایجنٹ ہیں؟

خواجہ صاحب اور شریف مکہ

باقی ایک بات ہے جس کا تعلق خواجہ صاحب کی ذات سے ہے کہ وہ شریف مکہ کے مہمان کیوں ہوئے، شریف مکہ کو باغی ہم بھی سمجھتے ہیں، جیسا کہ میں اپنے رسالہ خلافت میں لکھ چکا ہوں، لیکن اس کے مسلمان ہونے

میں انکار نہیں۔ اور اگر شریف مکہ نے خواجہ صاحب کی خدمات دینی کی وجہ سے اور ایک معزز نو مسلم لارڈ ہیڈ لے کے اسلام کی عزت کر کے ان ہر دو کو اپنا مہمان ایام حج میں بنایا تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خواجہ صاحب یا لارڈ ہیڈ لے کا اس دعوت کی قبولیت میں کیا جرم ہے! حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے جھگڑے میں گو امیر معاویہ باغی تھے، لیکن صحابہؓ اُن کے ساتھ بھی تھے اور یہاں تو صرف قبولیت دعوت ہے۔ اہل کتاب کی دعوت بھی قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں، تو ایک مسلمان کی دعوت کو قبول کر لینا کس طرح جرم ہے؟

19 جنوری 1924ء

دنیا کا آئندہ مذہب

تقریر حضرت امیر ایدہ اللہ فرمودہ بر موقع جلسہ سالانہ مورخہ 25 دسمبر 1923ء

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (14:3)

اور فرمایا کہ دنیا کی خوبصورت چیزوں کی کشش انسان کو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ وہ خواہشات کبھی عورتوں اور بیٹوں، کبھی سونے اور چاندی کے ڈھیر، کبھی مال اور مویشی، چوپائے اور کھیتوں کے لئے ہوتی ہیں۔ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (14:3) یہی چیزیں ہیں جو دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ ان چیزوں کی کشش بڑی زبردست ہوتی ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ ان پر غالب آئے، لیکن نامعلوم طور پر وہ ان کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔ بہت لوگ ہیں جو وقت پر محسوس بھی کرتے ہیں، اس لئے بھی ان چیزوں کی کشش بڑی زبردست ہے وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (14:3) اللہ تعالیٰ کے ہاں ہی بہتر سامان ہے۔

مذہب کے بغیر چارہ نہیں

میرے خیال میں اس ایک آیت کے اندر جواب دیا ہے ان لوگوں کو، جو سوال کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی مذہب رہے گا بھی یا نہیں؟ یا لا مذہبی ہی ہو جائے گی! اور محض یہی عورتوں اور بچوں کے ساتھ رہنا اور دنیا کی

چیزیں جمع کرنا اور مال و دولت کا کمانا ہی انسان کی ایک غرض رہ جائے گی۔ فی الحقیقت مذہب ایک ایسی طاقت ہے کہ اس کی جگہ کوئی دوسری شے نہیں لے سکتی۔ یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی مذہب بھی دنیا میں رہے گا یا نہیں، یہ فی الحقیقت نا تجربہ کاری اور دنیا کو کم دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جس قدر انسان کا علم دنیا کے متعلق وسیع ہوتا ہے، اسی قدر اسے پتہ لگتا ہے کہ بغیر ایک برتر ہستی کو ماننے کے کوئی سوسائٹی نہیں رہ سکتی۔ کسی زمانہ میں یورپ میں دہریت اور لامذہبی کی بڑی لہر اُٹھی تھی، اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ یورپ کو کھا جائے گی اور یہاں دہریت ہی دہریت رہ جائے گی۔ یورپ کے سامنے ایک ایسا مذہب تھا کہ انہیں اپنی بڑھتی ہوئی عقل اور علم کے سامنے اسے جواب دینا پڑتا تھا۔ مگر آج یورپ کے بڑے بڑے فلاسفر اور سائنٹسٹ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ایک برتر ہستی کو مانے بغیر چارہ نہیں۔ جس قدر علوم کی روشنی بڑھتی جاتی ہے، اسی قدر اس طاقت بالا کا علم بھی بڑھتا جاتا ہے۔ جو شخص دنیا کی تاریخ پر غور کر کے دیکھے گا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ دنیا مذہب کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ہمارے سامنے مختلف قسم کے اعتقادات کے لوگ ہیں، لیکن سب کے سب کسی نہ کسی رنگ میں مذہب کے قائل ہیں کہیں کسی قوم کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ درختوں، پتوں، پتھروں کی پوجا کرتی ہے، کوئی انسانوں کے آگے گردن خم کرتے ہیں، کسی کو تین ایک اور ایک تین کا قائل دیکھتے ہیں۔ نہایت ردی سے ردی خیالات اور اعتقادات ہیں، جو مذہب کے متعلق لوگوں نے اختیار کر رکھے ہیں۔ لیکن یہ سب ایک ہی بات کی دلیل ہیں کہ مذہب کی گرفت انسان پر سے نہیں چھوٹ سکتی، ابھی آپ کے سامنے ہمارے مکرم خواجہ صاحب نے عیسائیت کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ کس طرح سے کلیسا کے بڑے بڑے لوگ عیسائیت کو چھوڑ رہے ہیں۔ مگر ایک ڈھانچہ قائم رکھنے کے لئے خود ایک مذہب بناتے ہیں، اور اس کا نام عیسائیت رکھ لیتے ہیں۔ اپنے مذہب کے اصولوں کو وہ چھوڑ رہے ہیں، مگر ان کو طرح طرح کے پیرائے دینے پڑتے ہیں۔

مذاہب کے باہمی اختلافات

جب حالت یہ ہے کہ دنیا مذہب کے بغیر نہیں رہ سکتی تو ہمارے سامنے سوال سیدھا اور صاف ہے کہ جب مذہب کو قائم رہنا ہے تو کون سا مذہب ہے، جو آئندہ زندہ رہ سکتا ہے۔ بہت لوگ، جن کا دہریت کی طرف میلان ہوتا ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ ایک ملک میں مذہب والے کچھ کہتے ہیں اور دوسرے ملک میں کچھ۔ ایک مذہب

کچھ اصول پیش کرتا، دوسرا مذہب کوئی اور۔ وہ لوگ مذہب کو سرسری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ان کو مذاہب کی باہمی چپقلش سے دھوکا لگ جاتا ہے۔ایک دوسرے کی مخالفت کرتے دیکھ کر طبعًا ان کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے اندر جھگڑا پڑا رہتا ہے۔اس مشکل کو حل کیا ہے قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ نے۔

قرآن نے مذہب کو علمی رنگ دیا ہے

اگر مذاہب کی یہ جنگ یونہی قائم رہتی اور کوئی تطبیق نہ ہوسکتی، تو ایک اندھیرا ہوتا،لیکن قرآن کریم سے، جس نے مذہب کو ایک علمی رنگ دیا ہے، یہ مشکل حل ہوجاتی ہے، لاعلمی کے رنگ میں بسا اوقات چیزیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا ان میں باہمی موافقت کا کوئی پہلو ہی نہیں۔قدرت کے اندر ہوا اور مٹی وغیرہ کی جنگ ہے، لیکن صاحب علم پر حقیقت منکشف ہوجاتی ہے، اور وہ ان میں موافقت کے پہلو پالیتا ہے۔بعینہٖ جس طرح سائنس اس نیچر کے متعلق ہمیں بتا دیتی ہے کہ یہ تمام کائنات ایک عجیب نظام میں جکڑی ہوئی ہے، بعینہٖ جس طرح ایک چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی اسی قانون کے ماتحت ہے جس کے ماتحت بڑے بڑے کرے ہیں، وہ چیز جو کم علمی سے ابتری میں نظر آتی ہے، علم حاصل ہوجانے پر وہ ایک عظیم الشان نظام کے ماتحت دکھائی دیتی ہے۔بعینہٖ اسی طرح مذہب اسلام یا قرآن یا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مذہب کو علمی رنگ دے دیا۔

تمام مذاہب خدا کی طرف سے ہیں

اور بتا دیا کہ یہ جو مذاہب نظر آتے ہیں، کوئی عیسائی ہیں، کہیں بدھ ہیں، کہیں ہندو ہیں، کہیں کنفیوشش اور زرتشت کو ماننے والے ہیں، یہ تمام خدا کی طرف سے ہیں۔اگر جیسے کہ پہلے لوگ خیال کرتے رہے کہ اُن کا مذہب سچا ہے اور دنیا کے باقی سب مذاہب جھوٹے اور انسانوں کی بناوٹ ہیں۔اگر فی الواقعہ ایسا ہوتا تو یہ تمام پھینک دینے کے قابل تھے۔اسلام نے سب کو ایک قاعدہ ایک قانون کا رنگ دے دیا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (35:24) کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ہم نے ہی تمام قوموں کے اندر رسول بھیجے تھے، حد کے اندر نہ رہنے سے اختلاف ہوجاتے ہیں، لیکن مذہب کے دینے والے ہم ہی ہیں۔

مذہب کا کمال اسلام میں

ایک تو اسلام نے بتایا ہے کہ مختلف کتابیں جو خدا نے دیں، ان میں غلطیاں ہو جانے سے اور ہدایت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور ان سب کے آخر میں اسلام آیا، تا کہ ان سب کا فیصلہ کرے۔ لیکن ایک اور ضرورت بھی تھی۔ ہر ایک چیز تدریجاً اپنے کمال کو حاصل کرتی ہے۔ وہ مذاہب جو ابتدا میں دنیا کو دیئے گئے، وہ ابتدائی حالت میں تھے۔ آہستہ آہستہ ان کو کمال تک پہنچایا گیا اور اسلام میں آکر انہوں نے کمال حاصل کیا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (3:5) آج کے دن ہم نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ تو ہر ایک چیز جو پیدا ہوتی ہے، تدریجاً کمال کو پہنچتی ہے۔ اس سے کوئی باہر نہیں یہ دنیا کا قانون ہے جو آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ قرآن کریم نے شروع ہی میں اسی طرف اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (1:1) رب کے معنے ہیں جو تدریجاً کسی شے کو اس کے کمال تک پہنچائے۔ فی الحقیقت یہ ایک عظیم الشان صداقت ہے۔ جس کو سائنس نے دریافت کیا ہے کہ ہر ایک چیز نے تدریجاً ترقی کی۔

ابتدا عالم میں کامل الہام

وہ لوگ جو مانتے ہیں کہ کامل الہامی کتاب ابتدا عالم میں دی گئی، اُن کا یہ دعویٰ قانون قدرت کے خلاف ہے۔ جس طرح سے قانون قدرت میں دوسری اشیاء پہلے ایک ابتدائی حالت میں ہوتی ہیں، اور پھر آہستہ آہستہ ترقی کر کے اپنے کمال کو پہنچتی ہیں، بعینہٖ اسی طرح وہ مذہب جو انسانوں کے ابتدائی حالات میں دیا گیا، وہ تدریجاً ترقی کرتا ہوا اپنے کمال کو پہنچا اور حضرت نبی کریم ﷺ کے ذریعہ دنیا میں آیا۔ اللہ تعالیٰ کے تمام روحانی وجسمانی فیض عام ہیں۔ جس طرح اس کی بارش، اس کی دھوپ ہر جگہ اور ہر ملک میں ہوتی ہے، جس طرح سے اس کے دوسرے انعامات عام ہیں، اسی طرح سے اس کا روحانی رزق بھی ہر جگہ پر ملتا ہے۔ ایسا ہی ضروری تھا کہ مذہب آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہوا اپنے کمال کو پہنچتا۔

اسلام، قرآن اور آنحضرت ﷺ کامل اور آخری ہیں

اسلام کا دعویٰ ہے کہ قرآن آخری کتاب ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں۔ اور اسلام آخری مذہب ہے۔ یہ تینوں کامل ہیں۔ اور ان تینوں کا کمال ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔ خوب یاد رکھو کہ اگر نبوت کمال کو نہیں پہنچی، تو پھر مذہب اور کتاب بھی کمال کو نہیں پہنچے۔ اگر نقص مانو گے تو سب میں ماننا پڑے گا۔ ورنہ سب کو کامل ماننا ہوگا۔ اور جب کمال کو پہنچ گئی تو انتہا ترقی کو پہنچ گئی۔ اس لئے اگر اسلام کامل مذہب ہے، اگر قرآن کامل کتاب ہے، اگر محمد رسول اللہ ﷺ کامل نبی ہیں، تو نہ اسلام کے بعد دوسرا مذہب آئے گا، نہ قرآن کے بعد دوسری کتاب آئے گی اور نہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد دوسرا نبی آئے گا۔ اگر الگ الگ کرو گے تو سب کو کرنا پڑے گا۔ ورنہ سب کو آخری ماننا ہوگا۔ کیا پیارے لفظ ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کے رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا، راضی ہوا میں ایک اللہ کو رب مان کر کوئی دوسرا خدا نہیں، اسلام کو اپنا مذہب مان کر، کوئی دوسرا مذہب نہیں، محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا نبی مان کر کوئی دوسرا نبی نہیں۔ جس طرح خدا کے ساتھ دوسرا رب نہیں، اسلام کے ساتھ دوسرا دین نہیں، اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوسرا کوئی نبی نہیں۔

واقعات کی شہادت

خیر یہ تو ہوا دعویٰ اب سوال ہوتا ہے کہ اس دعویٰ پر شہادت بھی ہمارے پاس موجود ہے یا نہیں۔ اس کے لئے ایک تائید ہے علمی، اس میں پڑنا نہیں چاہتا۔ ایک تائید ہے واقعات کی۔ وہی پیش کرتا ہوں۔ واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ اسلام کے بعد نہ کوئی دوسرا مذہب ہوا، اور نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا کوئی نبی آیا۔ ایک تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے آخری نبی ہونے کی قول کے ساتھ یوں شہادت دی کہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (40:33) محمد ﷺ تم میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔ اور دوسری طرف فعل کے ساتھ شہادت دی کہ آپ ﷺ کے بعد دوسرا نبی دنیا میں آنا ہی نہیں۔ اسلام کے بعد دوسرا مذہب آنا ہی نہیں۔ صرف میں نہیں کہتا۔ بعض باتیں ہیں اسلام کے متعلق کہ غیروں کو بھی ان کے سامنے سر جھکانا پڑا ہے۔ مثلاً جب ہم پوچھتے ہیں کہ دنیا میں تمام مذہبی انسانوں میں سے سب سے بڑھ کر کامیاب کون ہوا؟ تو اس کا جواب دنیا کی مشہور کتاب انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ایک عیسائی کو یوں دینا پڑا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دنیا کے تمام نبیوں اور تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے بڑھ کر

کامیاب ہوئے۔

یہ دنیا کو گواہی دینا پڑتی ہے۔ دنیا کے دل مان اُٹھتے ہیں کہ واقعی ایسا ہی ہے۔تو بعینہٖ اسی طرح اس دوسری بات کے سامنے بھی دنیا کی گردنیں جھک گئیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد دوسرا نبی نہیں ہوا۔بعض انگریز مصنفین نے لکھا ہے کہ یہ کیا وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اس قسم کی شخصیت پیدا نہیں ہوئی، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوئے، بدھ، رام چندر وغیرہ ہوئے ہیں۔ میں تم سے بھی پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی ایسی شخصیت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد ہوئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ واقعات کی شہادت محمد رسول اللہ ﷺ کے آخری نبی ہونے پر ہے۔

میاں محمود احمد صاحب کا عقیدہ 1910ء میں

خود میاں صاحب بھی پہلے اسی کے قائل تھے۔کسی مصیبت نے ان کے منہ سے یہ لفظ نکلوائے ہیں کہ نبوت آپؐ کے بعد جاری ہے۔ انہوں نے انہی الفاظ میں بلکہ ان سے زبردست الفاظ میں یہ لکھا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کر کے کامیاب نہیں ہوا۔اوراس لئے آپ خاتم النّبیّن ہیں۔ان کا اپنا 1910ء کا لکھا ہوا مضمون میں پڑھتا ہوں۔ یہ مضمون میاں صاحب نے خودنجات کے عنوان سے اپنے رسالہ تشحیذ الاذہان میں لکھا۔ یہ میں اس لئے پیش کرتا ہوں کہ غلط فہمی پھیلائی گئی ہے کہ مرزا صاحب نے دعویٰ ایسا گول مول کیا تھا کہ جس سے لوگوں کو پتہ نہ لگا، کہ آپ نبی ہیں یا محدث۔جس شخص نے یہ غلط فہمی پھیلائی ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت کا تھا،اسی کا مذہب 1910ء میں یعنی مرزا صاحب کی وفات کے دوسال بعد کیا تھا؟ لکھتے ہیں کہ:

> ''پھر چوتھی آیت جس میں آنحضرؐت کے عہدہ کی میعاد بیان کی گئی ہے کہ کب تک آپ کا مذہب قائم رہے گا یہ ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا (40:33) یعنی نہیں ہیں آنحضرؐت تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔اور رسول بھی

کیسے کہ ''خاتم النبیّن ہیں''، اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے۔ اور کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں، اس آیت میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ خاتم النبیّن ہیں اور آپ کے بعد کوئی شخص نہیں آئے گا کہ جس کو نبوت کے مقام پر کھڑا کیا جائے، اور وہ آپ کی تعلیم کو منسوخ کر دے اور نئی شریعت جاری کرے، بلکہ جس قدر اولیاء اللہ ہوں گے اور متقی اور پرہیز گار لوگ ہوں گے، سب کو آپؐ کی غلامی میں ہی ملے گا جو کچھ بھی ملے گا۔''

ذرا ان لفظوں کو اچھی طرح سے دیکھ لو، وہی لفظ جو مرزا صاحب کے لئے ہتک کا موجب سمجھا جاتا ہے، کہ ولی بنایا تو کیا بنایا، اسی ولایت کو کہتے ہیں کہ جاری ہے اور نبوت بند، پھر لکھتے ہیں:

''اس طرح خدا تعالیٰ نے بتا دیا کہ آپ کی نبوت نہ صرف اس زمانہ کے لئے ہے، بلکہ آئندہ بھی کوئی نبی اور نہیں آئے گا۔ بلکہ اب ہمیشہ کے لئے آپ کی ہی تعلیم جاری رہے گی، اور یہی لوگوں کی ہدایت کا موجب ہوگی۔ جو اس سے باہر نکلے گا۔ وہ درگاہِ الٰہی میں نہیں پہنچ سکے گا۔''

ذرا غور رکھنا کہ خاتم النّبیّن کے یہ معنے ہیں کہ آپ کی مہر سے نبی بنیں گے، یا یہ کہ آپ پر نبوت ختم ہے:

''اس جگہ ایک اور پختہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (40:33) مگر بظاہر اس جگہ اس کا جوڑ کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر باتیں بیان فرمائی ہیں، وہ ظاہر ہیں۔ اُن کے لئے یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے کچھ ضروری نہ تھا۔ سو اصل بات یہ ہے کہ یہاں آپ کے خاتم النّبیّن ہونے کے متعلق ایک پیش گوئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے دنیا میں سینکڑوں نبی گزرے ہیں، جن کو ہم جانتے ہیں، اور جنہوں نے بڑی بڑی کامیابیاں دیکھیں۔ بلکہ کوئی صدی نہیں معلوم ہوتی کہ جس میں ایک نہ ایک جگہ مدعی نبوت نظر نہ آتا ہو۔ چنانچہ کرشن، رام چندر، کنفیوشش، زرتشت، موسیٰ، عیسیٰ تو ایسے ہیں کہ جن

کے پیرو اب تک دنیا میں موجود ہیں۔ اور بڑے زور سے اپنا کام کر رہے ہیں اور ہر ایک اپنی ہی سچائی کا دعویٰ پیش کرتا ہے۔ مگر آنحضرتؐ کے دعویٰ کے بعد تیرہ سو برس گزر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوت کا دعویٰ کر کے کامیابی حاصل نہیں کی، آخر آپ سے پہلے بھی تو لوگ نبوت کا دعویٰ کرتے تھے، اوران میں سے بہت سے کامیاب ہوئے، جن کو ہم تو سچا ہی سمجھتے ہیں، مگر آپ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ کیوں بند ہو گیا۔ اب کیوں کوئی کامیاب نہیں ہوتا، صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی پیشگوئی ہے کہ آپ خاتم النّبیّن ہیں۔''

میں حیران ہوں کہ بعض وقت لوگوں کے دلوں میں اتنی صاف تحریر کے ہوتے ہوئے کیا شبہات پیدا ہوتے ہیں، آگے لکھتے ہیں:

''اب ہم اسلام کے مخالفین سے پوچھتے ہیں (اور میں جناب میاں محمود احمد صاحب سے پوچھتا ہوں) کہ اس سے بڑھ کر کیا نشان ہوسکتا ہے کہ آپؐ کے دعویٰ کے بعد کوئی شخص جو مدعی نبوت ہوا ہو، کامیاب نہیں ہوا۔ پس اس کی طرف اشارہ تھا کہ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (40:33) یعنی ہم نے آپ کو خاتم النّبیّن بنایا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور کوئی جھوٹا آدمی بھی ایسا دعویٰ نہ کرے گا کہ ہم اس کو ہلاک نہ کر دیں۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی پیش گوئی ہے کہ اس کا رد کسی سے ممکن نہیں، اگر ہے تو ہمارے سامنے پیش کرو۔ مگر اس طرح نہیں کہ کسی نے دعویٰ کیا ہو، اور لاکھ دو لاکھ آدمی اس کے پیرو ہو گئے ہوں۔ بلکہ ایسا آدمی کہ جس نے آنحضرتؐ یا اس سے پہلے نبیوں کی طرح کامیابی حاصل کی ہو، مگر کوئی نہیں، جو ایسی نظیر پیش کر سکے۔''

اب چاہو تو اختیار ہے کہ اس سے میاں صاحب کے سابقہ خیالات کا اندازہ لگا لو، کہ 1910ء میں ان کا کیا مذہب تھا۔ میں نہیں جانتا کہ کیا وجوہ ہوئیں کہ ان کو یہ مذہب تبدیل کرنا پڑا۔ مگر اس قدر اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ 1910ء تک میاں صاحب بھی آنحضرت ﷺ کو آخری نبی ہی مانتے رہے ہیں۔

آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں

غرض یہ تو میں نے ضمناً ایک بات کہہ دی ہے اور میرا بھی یہی دعویٰ ہے اور سچا دعویٰ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی شخص نبی ہو کر نہیں آیا۔ یہ واقعات ہیں جن کا انکار نہیں ہوسکتا۔ وہ جو قول ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اس قول کی اللہ تعالیٰ نے اپنے فعل سے تائید یوں دی کہ نبیوں کا آنا ہی بند کر دیا۔ وہ لوگ، جنہوں نے اس قسم کے دعویٰ کیے، باب یا بہاء اللہ وغیرہ۔ انہیں اس میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ واقعات شہادت ہیں اس پر کہ آپؐ ہی آخری نبی ہیں، اور آپؐ کا ہی دین کامل دین ہے۔

مذہبی کتابوں میں تحریف

تمام کتابیں محرّف ہوگئیں۔ قرآن کریم نے تو یہ دعویٰ تیرہ سو سال ہوئے کیا تھا: یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (46:4) مگر آج تیرہ سو سال بعد عیسائیوں نے اپنے ہاتھوں سے اس پر مہر صداقت لگادی۔ آج کل اگر تم بائبل کی نئی ایڈیشن پڑھو، تو بعض جگہوں پر آیتوں کی آیتیں مفقود نظر آئیں گی۔

ایک شخص نے لکھا ہے کہ نئے عہد نامہ میں مختلف نسخوں کے اختلافات دو لاکھ تک پہنچتے ہیں۔ لکھنے والا عیسائی ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ معمولی باتوں میں اختلاف ہیں، بلکہ اصولی باتوں میں، جن پر عیسائی مذہب کی بنیاد ہے، اختلافات پائے جاتے ہیں۔ وہ آیت، جس کے اوپر تثلیث کی بنیاد رکھی گئی، کسی یونانی نسخہ میں نہیں۔ حضرت مسیحؑ کے چار سو سال بعد لاطینی سے یونانی نسخہ میں داخل کر دی گئی۔ ان لوگوں کے نزدیک کتاب کے مطابق مذہب کی ضرورت نہیں بلکہ یہ کتاب کو مذہب کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ یہی حال ویدوں کا ہے۔ مگر قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے تحریف سے پاک رکھا۔ ایک تو تثلیث کے متعلق میں نے سنایا ہے کہ اس کے متعلق کوئی آیت اصل یونانی نسخہ میں نہیں۔ ایک مسیحؑ کے آسمان پر جانے کا قصہ ہے۔ اس کے متعلق صرف دو انجیلوں میں چند آیتیں ہیں۔ اور باقی دو انجیلیں کچھ نہیں کہتیں۔ اور آج محققین نے مانا ہے کہ ان دو انجیلوں کا وہ حصہ، جس میں مسیحؑ کے آسمان پر جانے کا ذکر ہے، الحاقی ہے۔ ہمارے مسلمان، خدا ان پر رحم کرے، یہ اب تک مسیحؑ کو آسمان ہی پر کہتے جاتے ہیں، لیکن عیسائیوں کو، جن کا مذہب ہے، یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ یہ سب فرضی باتیں ہیں!

قرآن، عربی زبان اور خانہ کعبہ محفوظ ہیں

غرض یہ کتابیں محرّف و مبدّل ہو چکی ہیں اور صرف قرآن کریم ہی ایک کتاب ہے جو ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔ جس طرح اس پاک کلام کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے اسی طرح اس زبان کو بھی محفوظ رکھا ہے جس میں اُسے نازل کیا۔ اور سب زبانیں، جن میں آسمانی کتابیں لکھی گئی تھیں، مر چکی ہیں۔ صرف ایک عربی زبان ہی زندہ زبان ہے۔ اسی طرح مقامات مقدسہ میں کوئی جگہ اگر محفوظ ہے تو وہ مسلمانوں کا مقدس مقام ہے۔ دوسرے لوگوں کے مقدس مقامات پر غیر اور دشمن آ کر قابض ہو جائے، لیکن اسلام کے مقدس مقام پر اس شخص کا قبضہ ہے، جو بہر حال اس کا احترام کرتا ہے۔ تو یہ چار باتیں اسلام کے لئے مخصوص ہیں:

☆ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

☆ قرآن کریم محفوظ کتاب ہے۔

☆ قرآن کی زبان محفوظ ہے۔

☆ قرآن کا مقام محفوظ ہے۔

آنحضرت ﷺ کے حالات زندگی محفوظ ہیں

اور پانچویں بات یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حالات محفوظ ہیں جو ہمارے لئے ایک اسوۂ حسنہ کا کام دے سکتے ہیں۔ دوسرے انبیاءؑ کی زندگیوں کے حالات محفوظ نہیں۔ یہاں تک کہ مسیحؑ کی شخصیت سے بھی لوگوں نے انکار کیا ہے کہ تاریخ سے ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود سے کوئی شخص تاریخی طور پر انکار نہیں کر سکتا۔ دنیا کے کسی نبیؑ کے حالات تاریخی طور پر محفوظ نہیں۔ نہ حضرت موسیٰؑ کے نہ حضرت عیسیٰؑ کے نہ بدھ اور رام چندر کے۔ اگر ہیں تو صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے ہیں۔ اسلام سب مذاہب کو کھاتا ہے، اسلام کو کوئی نہیں۔ اسی طرح واقعات کی ایک اور شہادت ہے۔ اگر غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ ہر مذہب کو پیچھے آنے والا مذہب کھا جاتا ہے۔ بُدھ مذہب ویدوں کے مذہب کو کھا گیا۔ عیسائیت یہودیت کو کھا گئی۔ اور ایسا ہی حال سب مذاہب کا

رہا۔لیکن اسلام کے کھانے والا مذہب کوئی نہیں ہوا۔اورغور کروتاریخ پر نگاہ ڈالوتو تمہیں معلوم ہوگا کہ اسلام ہی ایک مذہب ہے جوتمام مذاہب کوکھا جاتا ہے۔کوئی دوسرا مذہب عیسائیت یا مسیحیت نہیں جواسلام کوکھا سکے۔لیکن اسلام سب کوکھارہا ہے۔تعداد کے لحاظ سے مردم شماری کے کاغذات ان کے ہاتھوں میں ہیں جواسلام کے دشمن ہیں۔لیکن ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام مذاہب میں سے کروڑوں کی تعداد میں لوگ اس نے لئے۔عیسائیت کواسلام نے کھایا، یہودیت کوکھایا، ہندو مذہب کوکھایا،کنفیوشس کے مذہب کواسلام نے کھایا۔غرض کوئی مذہب نہیں جواسلام سے بچا ہوا ہو۔

اب دیکھوعیسائیت اسلام سے چھ سوسال پہلے میدان میں نکلی۔زرتشت کے مذہب میں سے اس نے کچھ نہیں لیا۔ ہندوؤں سے کچھ نہیں لیا۔ یورپ کے بت پرستوں کو، جوتوہم پرستی میں مبتلا تھے،اپنے خیالات پر ہی رکھا اوران کوعیسائیت کا نام دے دیا۔اسلام سے تو کچھ لیا ہی نہیں بلکہ اسلام نے عیسائیت سے لیا ہے۔تو غرض عیسائیت بھی اپنے تمام تر ساز وسامان کے باوجود اسلام کونہیں کھا سکتی۔ یہ واقعات ہیں۔اگر علمی رنگ کے دلائل دیں تو بسا اوقات شبہات بھی ہو سکتے ہیں۔لیکن یہ واقعات کی شہادت ہے کہ تمام مذاہب کوکھانے والا اسلام ہی پیدا ہوا۔ دوسرا کوئی مذہب اسلام کونہیں کھا سکتا۔ یوں تو تعداد کے لحاظ سے ہمیں نظر آتا ہے کہ عیسائی زیادہ ہیں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کون ایک دوسرے کے مقام میں کامیاب ہے۔

اسلام اورعیسائیت کا مقابلہ

اسلام ہندو مذہب، یہودیت، عیسائیت، بُدھ،کنفیوشس ان چھ میں سے حقیقی میدان مقابلہ میں دو(اسلام اورعیسائیت)ہی ہیں۔ جودیگر تمام کوکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔اورایک دوسرے کوبھی کھانے کے درپے ہیں۔اور فی الحقیقت یہی مقابلہ ہے۔ دنیا میں اس مقابلہ میں جو کامیاب ہوگیا، وہی کامیاب ہے۔ عیسائیت اگرکھا گئی جووہ تیرہ سوسال میں نہیں کھاسکی،تو وہی کامیاب ہے اوراگر اسلام کھا گیا، جیسا کہ اس کا شروع سے رنگ ہے،تو کامیابی اس کوحاصل ہے۔

ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔جس طرح اسلام پرایک وقت وہ حالت تھی کہ اس قدر زبردست

جمعیت چڑھ کر آ گئی کہ جب لوگوں کو کہا گیا کہ جنگ کو نکلو تو قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰکُمْ (167:3) اگر یہ جنگ ہوتی تو ہم نکلتے۔ یہ تو صریح ہلاکت ہے۔ اس طرح نظر آتا ہے کہ جس طرح یہ دونوں مذاہب ایک دوسرے کو کھا جانا چاہتے ہیں، اسی طرح عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ انتہائی بیکسی اور لا انتہا طاقتوں کا مقابلہ ہے۔ بظاہر یوں نظر آتا ہے کہ اس مذہب نے کیا مقابلہ کرنا ہے کہ یہ جو ظاہری قوت اس کے پاس تھی وہ تو کجا، اس کی حکومتیں اور سلطنتیں بہت حد تک مٹ چکیں، جو باقی ہیں ان کے مٹانے کے درپے ہیں۔

مسلمانوں کی باہمی تکفیر

بیرونی دشمن اسے یوں کچلنے کے درپے ہیں۔ اندرونی طور پر باہمی تکفیر اور تفرقہ نے اس کی کچھ طاقت نہیں چھوڑی۔ خوب یاد رکھو! اسلام کامیاب ہوگا تو اتحاد سے۔ جب تک ان علماء سے بیزاری کا اظہار موجب طعن ٹھہرا تا ہے، اس وقت تک اتحاد کا خیال درست نہیں۔ اگلے دن کا ذکر ہے کہ ہمارے اوپر ایک مہربانی کا فتویٰ چھپا کہ یہ مسلمان تو ہیں مگر گمراہ ہیں! بھلا مولویوں کو یہ کب گوارا تھا کہ ہمیں مسلمان کہا جائے۔ اُنہوں نے کافر کہنے پر اصرار کیا۔ مگر کیا اس سے اسلام کو طاقت پہنچی ہے۔ یا وہ کمزور ہوتا ہے؟ ہم تو اس کے لئے بھی تیار ہیں۔ اگر ہمیں کافر کہنے سے اسلام کو کوئی طاقت پہنچتی ہے تو یوں ہی سہی۔ لیکن اگر یہ نہیں تو تم ہی سمجھ لو کہ ان کفر کے فتووں سے کس کو نقصان پہنچتا ہے؟ ایک دوسرے کو کافر ٹھہرانے نے اسلام کی ساری طاقت کو کمزور کر دیا ہے۔ وہ شخص جو ان تکفیر کرنے والوں سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتا، وہ اسلام کی طاقت کو کمزور کر رہا ہے۔ کوئی فرقہ نہیں، جس پر یہ فتویٰ نہ ہو، وہ دیوبندی جو آج ہم کو کافر بنا رہے ہیں، ان کو بھی کافر کہا گیا۔ یہاں تک کہ میں مکہ اور مدینہ کی مہریں دکھا دیتا ہوں۔ دیوبندی تو حنفی ہیں۔ کوئی فرقہ ایسا نہیں جو اسلام سے محبت رکھتا ہو اور اسے کافر نہ ٹھہرایا گیا ہو۔ اس لئے ہمیں کافر وہ کہے جس پر خود فتویٰ نہ لگا ہو۔ غرض یہ بیماری مسلمانوں میں عام ہے جو اس کو کمزور کر رہی ہے۔ میں تعلیم یافتہ مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ وہ بھی علی الاعلان ان فتووں سے بیزاری کا اظہار کریں۔ یہ باتیں محض عوام کو خوش کرنے کے لئے ہیں کہ فلاں کافر ہے، فلاں مسلمان۔ اگر ہم کو کہتے ہیں کہ تم مرزا صاحب کو نبی مانتے ہو تو ہم اس سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن ان سے پوچھتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ کو دوبارہ لا کر آنحضرت ﷺ کے بعد نبی مانتے ہیں یا نہیں؟

اسلام کا غلبہ انتہائی بے کسی میں

ان تمام باتوں سے میری غرض یہ ہے کہ اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ ہے۔اور اسلام پر نہایت بے کسی کا زمانہ ہے، نہ اسلام کے پاس اتحاد ہے، نہ قوت، نہ نظامِ قومی ہے۔ دوسری طرف یعنی عیسائیت کے پاس انتظام ہے۔ مال و دولت اس قدر ہے، اس قدر سونے کی مہریں ان کے پاس ہیں کہ مسلمانوں کے پاس اتنی کوڑیاں بھی نہ ہوں گی۔ نظام اس قدر ہے کہ ایک کام کے لئے ہزاروں نکلتے ہیں۔لیکن میں کہتا ہوں یہی خدا تعالیٰ کی طاقت ہے کہ انتہائی بے کسی کے عالم میں اسلام غالب ہوگا۔ تاریخ کو پڑھ کر دیکھ لو۔ پہلے بھی اسلام انتہائی بے کسی کے اوقات دیکھ چکا ہے اور ایسے ہی اوقات کے بعد اس کا غلبہ ہوتا رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اسلام کو کس طرح چاروں طرف سے کچلنے والے تھے۔ مگر اس بے کسی کے بعد خدا نے اسے کیسا اُٹھایا! خلافت بغداد کی تباہی کے وقت اسلام کی کیسی بے کسی کی حالت ہوئی، مگر وہی قوم آخر خود اسلام کی غلام اور اسلام کے لئے قوت کا موجب بنی۔ پس آئندہ بھی باوجود اسلام کی بے کسی کے، کبھی کوئی مذہب کامیاب نہیں ہوگا۔ اور اسلام کے سامنے گرتے جائیں گے۔فوج در فوج لوگ جب اپنے مذہب کو دیکھ لیں گے تو اس سے بیزار ہو جائیں گے اور اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ کیا کیا تھا محمد رسول اللہ ﷺ نے عرب میں؟ کیا کوئی تلوار لے کر لوگوں کو مسلمان کیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ اس طرح سے آئندہ بھی اسلام سب کو کھا جائے گا۔ جوں جوں اسلام دنیا میں ترقی کرے گا اور مذہبی کتابیں روشنی میں آئیں گی ان کی حقیقت آشکارا ہوگی۔

مذہبی کتابوں کا دائرۂ اثر

میں یقین دلاتا ہوں کہ جتنی مذہبی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ وہ بیزاری کا موجب ہوئی ہیں۔ قرآن جب سے دنیا میں آیا سب کے قبضہ میں آیا۔ کسی خاص گروہ کے قبضہ میں نہیں رہا۔ جیسے بائبل اور وید وغیرہ کا حال ہے۔ یہ ایک امتیازی نشان ہے قرآن کریم کا، کہ سب کے قبضہ میں یہ رہا ہے۔ اور سب کے لئے کشش کا موجب یہ رہا ہے۔لیکن دوسری کتابیں خاص خاص گروہوں کے قبضہ سے باہر نہیں نکلیں۔ وید آج تک ترجمہ نہیں ہوئے۔ میں نے تو ایک ہندو دوست کو کہا تھا کہ تم وید کا ترجمہ عمداً نہیں کرتے۔ تم جانتے ہو کہ جس دن ترجمہ کر دیا فوراً ان ہندوؤں نے اس سے بیزار ہو کر اسلام میں چلے جانا ہے۔ وہ تو دیر اس بات کی ہے کہ وید ترجمہ نہیں ہوتے ورنہ

کبھی کا فیصلہ ہو جاتا!

اسلام کی غلط تصویر

غرض یہ ہے کہ عیسائیت اور اسلام کا اصل مقابلہ ہے۔تمام طاقت اس سے پہلے بھی اسلام کو بدنام کرنے پر صرف کی گئی ہے۔آپ نے پڑھا نہیں کہ کس طرح اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ان کے خون کے اندر اسلام کی غلط تصویر، جو اِن کے باپ دادوں نے کھینچی، سرایت کر چکی ہے۔ان کے تھیٹروں، ناٹکوں اور ڈراموں میں اسلام کا بُرے سے بُرا نقشہ پیش کیا جاتا رہا ہے۔آپ لوگوں کے وہم میں بھی وہ باتیں نہیں آئی ہوں گی جو اِن لوگوں نے اسلام کے متعلق پھیلا رکھی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا بُت قرار دیا گیا

سب سے پہلا خیال، جو یورپ میں پھیلا، وہ یہ ہے کہ محمد ﷺ ایک بُت ہے، جسے خود محمدؐ نے بنایا۔اور شیطانوں یا جنوں کی مدد سے اتنا طاقتور بنایا کہ کوئی اسے توڑ نہیں سکتا۔خدا کی شان ہے بُت بھی قرار دیا تو ایسا زبردست کہ کوئی اسے توڑ نہیں سکتا۔یہ فطرت کی شہادت ہے کہ اسلام کبھی مغلوب نہ ہوگا۔عیسائی اس بُت کے پاس چلا جاوے تو بہت بُرا اثر اس پر ہوتا ہے۔اور اگر کوئی پرند چلا جائے تو وہ مر جاتا ہے۔پھر کسی نے لکھا ہے کہ وہ سونے کا بُت ہے جو آسمان اور زمین کے درمیان لٹکا ہوا ہے۔کسی نے کہا کہ وہ بُت ہے۔اس کے اندر روح ہے۔مسلمان اس کے سامنے ناچتے ہیں۔اس کے اندر سے آواز آتی ہے کہ آسمان عیسائیوں کے لئے ہے اور زمین مسلمانوں کے لئے۔خدا کی شان جن کے لئے آسمان کہا جاتا ہے وہی آج زمین کے مالک ہیں۔اور آسمان سے انہیں کوئی لگاؤ نہیں۔اور جن کو زمین کا وارث ٹھہرایا گیا ہے وہ زمین سے حصہ نہیں رکھتے۔اور جو کچھ رکھتے ہیں آسمان میں۔پھر کہتے ہیں کہ انہی لوگوں نے مسیحؑ کو صلیب دیا جو محمد ﷺ کے بت کی پوجا کرنے والے تھے۔ہیروڈیس نے بھی جب وہ غرق ہونے لگا محمد ﷺ کے بت کی پناہ مانگی!

عیسائی کلرک اور فاختہ کا قصّہ

پھر لکھا ہے کہ رومن دربار میں ایک عیسائی کلرک تھا اس کو کسی وجہ سے وہاں سے نکالا گیا۔ وہ بھاگ کر محمد ﷺ کے پاس گیا اور کہا کہ میں تمہیں بادشاہ بنا دیتا ہوں۔ ایک فاختہ اس نے لی اور آنحضرت ﷺ کے کان میں دانے رکھ دیئے اور فاختہ کو سدھایا کہ جس وقت وہ بلائے آ کر کان سے دانے نکال لیا کرے۔ خدا جانے کان میں دانے کیونکر رکھے۔ پھر اس نے لوگوں سے کہا کہ تم میں سے، جس پر روح القدس نازل ہو، اس کو اپنا بادشاہ بنالینا۔ اُنہوں نے کہا اچھا پھر فاختہ اس طرح آئی اور اس نے کہا کہ یہ روح القدس نازل ہوا۔ اسے مسیحؑ کا روح القدس یاد آ گیا ہوگا! جو کہنے میں کہ فاختہ کی شکل میں آتا تھا۔ غرض اس طرح سے جب فاختہ آئی تو اِن لوگوں نے آپ کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ آپ تو شاید سمجھتے ہوں گے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو بادشاہ بننے میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بڑی بڑی اذیتیں سہنی پڑیں، لیکن آپ نے دیکھا کہ یہ محض ایک عیسائی کلرک کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا کہ آپ کو بادشاہ بنا دیا! معلوم نہیں یہ احسان اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص کر کیوں کیا۔ اور خود کیوں اسی طرح بادشاہ نہ بن گیا۔ پھر ایک شخص ہوئے ہیں فادر میلان۔ ہولی وار (صلیبی جنگوں) کی تاریخ میں لکھا ہے کہ فادر میلان نے کہا ہے کہ میں نے محمد رسول اللہ ﷺ کا بُت مسجد عمر میں خود دیکھا ہے۔ کاش! دجال بھی وہاں ہوتا تو میں دونوں کو روند دیتا (اس کے پاس آئینہ ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ دجال بھی وہیں موجود تھا)۔ پھر لکھا ہے کہ ایک مسلمان جب نماز پڑھتا ہے تو ننگی تلوار پاس رکھ لیتا ہے۔

علمی زمانہ کی باتیں

یہ تو ابتدائی زمانہ کی باتیں ہیں۔ اس کے بعد زمانہ آتا ہے علوم کا۔ اس وقت ایک کتاب لکھی جاتی ہے ''انٹروڈکشن ٹو نالج''۔ اس میں لکھا ہے کہ قرآن کس طرح آیا۔ محمد ﷺ نے ایک اونٹ رکھا ہوا تھا ایک دن اس کی گردن کے ساتھ قرآن شریف کو باندھ کر اسے باہر جنگل میں چھوڑ دیا۔ اور جب وہ واپس آیا تو آپ اس وقت لوگوں کے مجمع میں تھے۔ اور آپ نے کہا دیکھو یہ کتاب خدا کی طرف سے آئی ہوئی ہے۔ دوسرے اس کی اور تشریح کرتے ہیں کہ وہ اونٹ نہیں بلکہ گدھا تھا اور ان کو کہا کہ جنگل جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک گدھا ملے گا، اس کے اوپر ایک کتاب ہوگی۔

ایک قصہ یہ ہے کہ محمد ﷺ نے ایک غلام کو سکھایا کہ ایک کنوئیں میں جا کر چھپ رہو۔ جس وقت وہاں

سے لوگ گزریں، تو تم کہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ یہ خدا کی طرف سے آواز آئی ہے۔ مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ کو یہ ڈر تھا کہ یہ شخص باہر نکل کر اصل بھید لوگوں کو بتا دے گا، اس لئے حکم دیا کہ اس کنوئیں کو فوراً پتھروں سے بھر کر ایک مسجد یادگار کے طور پر یہاں بنا دو۔ اس کنوئیں کو بند کروا دیا گیا۔ ایک بعد کا مؤرخ کہتا ہے کہ خدا جانے ہمارے بزرگوں کو یہ کہانی بتائی کس نے؟

ساری زبانوں میں ترجمہ قرآن کی ضرورت

یہ اسلام کے متعلق ان کے خیالات ہیں۔ بلاشبہ وہ اسلام سے بیزار ہیں۔ مگر تم نے بھی ان کے آگے اسلام کی صحیح تصویر پیش نہیں کی۔ تم سمجھتے ہو کہ ووکنگ میں ایک مشن کے ہو جانے سے سارا یورپ مسلمان ہو جائے گا۔ یہ غلط ہے۔ کم از کم تمہارا لٹریچر سب زبانوں میں ہونا چاہیے۔ جرمنوں کو کیا علم ہے کہ تم انگریزی میں کیا لکھ رہے ہو؟ فرانسیسیوں کو کیا پتہ ہے کہ تم اسلام کو کیا سمجھتے ہو اور کس طرح پیش کرتے ہو؟ اس لئے ہر ایک زبان میں اور نہیں تو ترجمہ قرآن ہی ان تک پہنچا دو۔ پھر دیکھو کہ یہ اسلام کو کس قدر برکت دیتا ہے۔ وہ تو تاریکی کا زمانہ تھا، جب اسلام کے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا گیا۔ آج یہ علم کا زمانہ آیا تو آج بھی بدترین شکل اسلام کی پیش کی جاتی ہے۔ یورپین مؤرخین کی یہ حالت ہے کہ آج زیادہ سے زیادہ کوئی دس باتیں اچھی کہہ دے گا، تو ایک بات ایسی بھی لگا جائے گا جو ان سب کو ملیا میٹ کر دے!

حضرت مرزا صاحب کی غیرت اسلام

غرض آج بھی اسلام کی صحیح تصویر پیش نہیں ہوئی۔ انہی باتوں کو دیکھ کر ایک شخص نے غیرت دکھائی اور اس نے اسلام کی کامیابی اسی میں دیکھی کہ اسے دنیا میں پہنچایا جائے۔ دیکھو جس طرح عرب کے اُمّی کو یہ خیال نہیں آ سکتا کہ وہ دنیا پر حکمران ہوگا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے نہ بتا دے اور اس کی نصرت نہ کرے، اسی طرح قادیان کے اُمّی کو بھی یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ اسلام اگر کامیاب ہو سکتا ہے تو تبلیغ سے۔ یہ مرزا غلام احمد کے سر میں کس نے ڈالا کہ اسلام کی کامیابی اس طرح ہے کہ اسے یورپ میں لے جاؤ، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر کھڑا کیا اور کسی طرح ممکن نہیں۔ تو وہ ایک اُمّی شخص تھا۔ وہ گھر کی کوٹھڑی میں بند تھا۔ اس کے والد نے اس

کو خطاب دے رکھا کہ ایک بیٹا میرے کام کا ہے۔ جو دنیوی کاموں میں میرا ساتھ دیتا ہے۔لیکن یہ میرا بیٹا یونہی نکلا۔اس شخص کے سر میں اسلام کو یورپ میں لے جانے کا خیال کیونکر آ سکتا تھا۔فی الواقع خدا ہی نے اس کے دل میں ڈالا کہ اسلام کی کامیابی اسی پر منحصر ہے۔

22 جنوری 1924ء

تبلیغِ اسلام میں رُکاوٹیں

تقریر حضرت امیر ایدہ اللہ فرمودہ بر موقع جلسہ سالانہ مؤرخہ 26 دسمبر 1923ء

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیٰناؒ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَ لَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ. كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ. وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ.

(31-27:13)

اور بیان کیا کہ سورۃ الرعد سے تلاوت کردہ اس رکوع میں سے ایک ہی آخری آیت کا ترجمہ کرتا ہوں۔ فرمایا: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ساتھ پہاڑ اُڑا دیئے جائیں، یا زمین کاٹ دی جائے، یا مردوں کے ساتھ اس کے ذریعہ سے باتیں کی جائیں، بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ہاں! یہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں (وہ اگر چاہے تو ایسا ہوسکتا ہے) اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا تو کیا جو ایمان لاتے ہیں انہوں نے جان نہیں لیا کہ اگر

اللہ چاہتا تو سب ہی لوگوں کو ہدایت کر دیتا۔ اَنْ لَّوْيَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا (31:13)

اس آیت میں قرآن کریم نے ایک دعویٰ کیا ہے کہ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى اگر ایسا قرآن ہوتا جس کے ساتھ پہاڑ اُڑا دیئے جاتے یا زمین کاٹ کر نہریں چلا دی جاتیں، یا مردوں کے ساتھ اس کے ذریعہ کلام ہوتا۔ بلا شبہ اس کا جواب نہیں دیا کہ اگر ایسا ہوتا تو کیا ہوتا۔ اور مفسرین نے یہاں تقدیر یوں مانی ہے کہ لَكَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ یعنی اگر ایسا ہوتا تو وہ یہی قرآن ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ''یہی قرآن ہوتا'' نہیں، بلکہ یہی قرآن ہے۔ کیونکہ آگے فرمایا بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا بلکہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں۔ پہاڑوں کو اُڑا دینا، نہروں کو چلا دینا، مردوں سے اس کے ذریعہ باتیں کرنا کوئی بعید بات نہیں۔ مگر پہاڑوں وغیرہ کے اُڑا دینے سے مراد یہ ظاہری پہاڑ نہیں، اس سے آگے جو فرمایا: اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْيَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا تو وہ اس کو صاف کرتا ہے۔ اس میں بتایا ہے کہ خدا کی قدرت اتنی بڑی ہے کہ اگر چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دے۔ یہی وہ پہاڑوں کو اُڑانا ہے۔ یعنی تمام مشکلات کے پہاڑ اس کے آگے اُڑ جاتے ہیں۔

قرآن کی اعجازی طاقت

اس قسم کے دعاوی قرآن میں دوسری جگہ بھی ہیں۔ ایک جگہ فرمایا: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُراٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (21:59) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اُتارتے تو تُو دیکھتا کہ وہ اللہ کے خوف سے جھکا ہوا گرا ہوا ہے۔ کیا سچ مچ یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُترا؟ کیا سچ مچ اس قرآن سے کوئی پہاڑ اُڑ گئے؟ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس کی طاقت کے سامنے ماننے والوں کی ہی نہیں بلکہ اس کے منکروں کی بھی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ ماننے والے تو جو چاہیں دعویٰ کر لیں، اگر وید کے پیروؤں سے پوچھو تو وہ کہتے ہیں کہ تمام سائنس کے علوم وید میں موجود ہیں۔ ریل، ہوائی جہاز، بے تار برقی، تمام کے تمام علوم ویدوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ مگر ایسی باتوں کے کہنے والا بجائے اس کے کہ کوئی اثر پیدا کر سکے، کل کو شرمندہ ہوگا۔ کیونکہ یہ تمام دعوے بلا دلیل ہیں۔ قرآن نے جو دعویٰ کیا کہ اس کے اندر اعجازی طاقت ہے اس کے ساتھ پہاڑ اُڑ سکتے ہیں، اس پر شہادت ان کی ہے جو قرآن کے متبع نہیں۔ ان کے دل تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی یہ قرآن بڑی بھاری

طاقت ہے۔ انہی دِنوں میں ایک کتاب ایک انگریز نے لکھی ہے Ins and Outs of Mesopotamia۔ وہ اس میں لکھتا ہے کہ:

> ''اس ملک میں خطرناک جھگڑے تھے، اس قدر کہ ان سے بڑھ کر تفرقہ کی حالت میں کوئی قوم نہیں ہوئی، ناگاہ ایک معجزہ ظاہر ہوا، ایک شخص اُٹھا جس نے اپنی شخصیت اور اس دعویٰ کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے، فی الواقع ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ یعنی ان تمام لڑنے جھگڑنے والوں کو آپس میں متحد کر دیا۔''

مجھے بڑی خوبی قرآن کی یہی نظر آتی ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہ دشمن کا سر نہ جھکا دے۔ قرآن کی اعجازی طاقت کو مخالفین نے بھی واقعی تسلیم کیا ہے۔ قرآن کریم کے سامنے کتنے بڑے پہاڑ، باطل اعتقادات، بدعادات، باطل رسوم، فسق وفجور وغیرہ کے تھے، آسمان کے ستاروں سے لے کر زمین کے پتھروں تک کی وہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ جہالت کمال درجہ کی تھی۔ شراب، جوا، زنا سارے ملک میں وبا کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ فساد اور جھگڑے کی کوئی انتہا نہ تھی۔

عیسائیوں نے اپنی طرف سے بڑی قوت صرف کی کہ عرب کے ان پہاڑوں کو دور کریں، لیکن نہ کر سکے۔ حالانکہ ان کے پیچھے بڑی بڑی عظیم الشان طاقتیں تھیں۔ یہودیوں نے بھی پوری پوری کوششیں کیں، اس وقت ان کی بھی سلطنتیں عرب کے بعض حصوں میں قائم ہو چکی تھیں۔ مگر کوئی بھی ملک عرب میں سے کسی ایک بدرسم کو دور نہ کر سکا۔ کوئی ان کے باہمی جنگ وجدل کو فرو نہ کر سکا۔ اسی کے اوپر قرآن کی اس موجودہ ترتیب کو دیکھ کر مزا آجاتا ہے۔ آج کل تو بعض لوگ قرآن کی نزولی ترتیب قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اس موجودہ ترتیب میں جو حکمت نظر آتی ہے، وہ بہت عجیب ہے۔ دیکھو تین سورتیں ہیں، سورۃ العلق، سورۃ القدر اور البیّنۃ۔ یہ تینوں مختلف زمانوں کی ہیں۔ لیکن تینوں کو اُٹھا کر ایک ترتیب کے ساتھ رکھ دیا۔ ایک میں فرمایا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ (1:96) اپنے ربّ کے نام کے ساتھ پڑھ جس نے پیدا کیا۔ اس میں نزول قرآن کی خبر دی۔ دوسری میں بتایا: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (1:97) ہم نے لیلۃ القدر میں اس کو نازل کیا۔ تیسری میں بتایا کہ کیوں نازل کیا: لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ (1:98) یہ کافر

لوگ تو اپنی بدعادات سے الگ ہونے والے نہ تھے۔ جب تک کہ اَلْبَیِّنَۃُ نہ آتا، اور وہ اَلْبَیِّنَۃُ کیا ہے۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً (2:98) جب تک یہ قرآن نازل نہ ہوتا، جب تک وہ رسولؐ نہ آتا، جتنا چاہتے یہ زور لگا لیتے، اس ملک عرب میں اصلاح نہ ہوسکتی۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس قرآن میں غور کرنا چھوڑ دیا، ورنہ اس کے الفاظ ہی سے نظر آجاتا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ انسان کی یہ طاقت نہیں کہ ایسا اعجاز اس کے کلام میں پایا جائے!

اسلام کا عظیم الشان کام

قرآن نے بڑا عظیم الشان کام کیا کہ تمام پہاڑوں کو، جو کھڑے تھے، اُڑا دیا۔ وہ قوم جس کے اندر علم کا کوئی چرچا نہ تھا، لکھنے پڑھنے والے ان میں انگلیوں پر شمار کئے جا سکتے تھے، وہ قوم جو اپنے آپ کو جاہل کہنے پر فخر کرتی تھی قُطِّعَتْ بِہِ الْاَرْضُ (31:13) اس قرآن کے ساتھ ان کے اندر علوم کی نہریں چلا دیں، نہ صرف ان میں ہی بلکہ باہر بھی ایک دنیا کو سیراب کر دیا۔ اَوْ کُلِّمَ بِہِ الْمَوْتٰی (31:13) ان کے اندر کوئی زندگی نہ تھی، باہر سے جو شخص چاہتا، ان کے اوپر حکومت کر سکتا تھا۔ ایران کے دو سپاہی اگر جاتے تو جس کو چاہتے پکڑ کر لے جاتے۔ ان کے اندر کوئی علم نہ تھا، کوئی طاقت نہ تھی، جس کا اثر بیرونی دنیا پر بھی اس قدر تھا کہ باہر کے لوگ انہیں کچھ چیز نہ سمجھتے تھے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے جو خط بادشاہوں کو لکھے تھے اور جن میں اسلام کی انہیں تبلیغ کی تھی، ان میں ایک خط کسریٰ کے نام تھا۔ کسریٰ نے اس خط کو لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، اور اپنے گورنر کو لکھا کہ دو سپاہی بھیج کر آپؐ کو گرفتار کر کے لے آئیں۔ اتنی بڑی وہ اپنی طاقت سمجھتے تھے کہ محض دو سپاہی آنحضرت ﷺ کی گرفتاری کے لئے کافی تھے! چنانچہ دو سپاہی وہاں آئے اور حکم سنایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بہت اچھا، صبح کو جواب دیا جائے گا۔ صبح ہوئی تو آپؐ نے جواب دیا کہ ہمارے خداوند نے تمہارے خداوند کو اس کے بیٹے کے ہاتھ سے قتل کرا دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے واپس جا کر اپنے گورنر کو خبر دی۔ اور جب تحقیق سے یہ بات صحیح نکلی تو وہ گورنر مسلمان ہو گیا۔

قرآن کا مردوں کو زندہ کرنا

غرض یہ لوگ مردہ پڑے ہوئے تھے۔ کیسے مردے؟ یہ مت سمجھو بے جان لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ قرآن نے بعض حالتوں میں زندوں کو بھی مردہ کہا ہے۔ ہماری لغت میں جاہل،علم سے خالی ہونے پر بھی موت کا لفظ بولا گیا ہے۔خود قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ اس قسم کے لوگوں پر موت کا لفظ آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: **اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِىْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** (122:6) تو یہ عرب کے لوگ مردہ لوگ تھے۔مگر اس قرآن کی بدولت نہ صرف پہاڑ اُڑ گئے،علوم کی نہریں بہہ گئیں، بلکہ مردوں نے ایسا کلام کیا کہ ایک عظیم الشان سلطنت انہیں دے دی، جو باوجود طرح طرح کی تدبیروں سے کفار کے ہاتھ سے مٹ نہ سکی۔اب بھی جو صدمہ اسے پہنچا ہے خود مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے پہنچا ہے۔ جہاں جہاں مسلمانوں کی سلطنت تباہ ہوئی ہے،خود ان کے اپنے ہاتھ سے تباہ ہوئی ہے۔حدیث نبویؐ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان پر کوئی دشمن مسلّط نہ کروں گا، جو انہیں تباہ کردے، ہاں یہ خود ایک دوسرے کو تباہ کردیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

غرض عرب کے لوگ نہایت مردگی کی حالت میں تھے۔محمد رسول اللہ ﷺ کی قوت قدسی نے ایسی روح ان کے اندر پھونکی کہ وہ مردہ سے زندہ ہوگئے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی حکومت کی ہے کہ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ یہ عرب کا اُمی کس دماغ کا مالک ہے کہ نہ صرف ملکوں کے ملک فتح کرتا چلا جاتا ہے، بلکہ ساتھ کے ساتھ نظام بھی وہاں قائم کرتا چلا جاتا ہے۔تو خدا کی طرف سے ایک طاقت آتی ہے جو مردوں کے اندر زندگی پیدا کرتی ہے۔ بلکہ وہ کام ان سے کراتی ہے جو ناممکن ہے کہ کوئی دوسری طاقت کرسکے!

مسلمانوں کی موجودہ حالت

آج بھی تم مسلمانوں کو دیکھتے ہو۔ وہی ہیں جن کے متعلق کہا تھا کہ **وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى** (31:13) مگر وہ روح، وہ زندگی ان کے اندر نہیں، جو محمد رسول اللہ ﷺ کے پاک نفس نے ان کے اندر بھری تھی۔خوب یاد رکھو کہ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ ایک نتیجہ پیدا کرنے کے لئے بعض اسباب پیدا ہوجاتے ہیں۔ایک شخص اُٹھتا ہے اور وہ ان اسباب سے فائدہ اُٹھا لیتا ہے۔ لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ تمام اسباب مرچکے ہوتے ہیں،اس وقت جب تک کہ خدا کی طرف سے ایک شخص

کے سینہ میں آگ نہیں بھرتی، کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔جس وقت کوئی مؤیداسباب نہیں ہوتے، اُس وقت محض اللہ تعالیٰ کی ایک سینہ میں لگائی ہوئی آگ ہی کام دیتی ہے۔

ضرورت مجدد

آج مسلمانوں میں وہی مردگی کی حالت دوبارہ ہے۔آج ہماری قوم پھراسی طرح بے دست وپا ہوگئی، جس طرح کی حالت میں اسلام سے پہلے تھے۔ضروری تھا کہ کوئی شخص اس وقت خدا کی طرف سے کھڑا ہو۔ قرآن کریم بے شک موجود ہے،لیکن ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی،جس کا عملی نمونہ قرآن شریف کے مطابق ہو۔ وہ لوگوں کواس کی طرف کھینچے۔یہی وجہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَّنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا اللہ تعالیٰ ہرصدی کے سر پرایک شخص اس اُمت میں مبعوث کرے گا، جواس کے دین کواس کے لئے تازہ کرے۔جب تک خدا کی طرف سے کوئی شخص کھڑا نہ ہو،اس وقت تک مردوں میں روح پیدانہیں ہوسکتی۔دیکھتے ہو یہ کتنی جماعت ہے، جو یہاں بیٹھی ہے! دیکھو۔اپنی پولیٹکل اورسوشل اغراض کے لئے لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔پچھلے سالوں میں ہم نے دیکھا کس طرح پولیٹیکل اُمور کے لئے لوگ جوش وخروش سے کام کرتے رہے ہیں۔یہ اس لئے کہ اس میں فائدہ دام نقد نظر آتا تھا۔لیکن جن کاموں میں نفع دیر سے ملتا نظر آتا ہو، وہاں لوگ بہت کم ساتھ دیتے ہیں۔اشاعتِ اسلام اسی قسم کا کام ہے کہ اس کے اندر ایسا نظر نہیں آتا کہ آج جو کچھ کیا اورکل کچھ اس سے حاصل ہوگیا۔اس لئے اس کے لئے ضرورت ہے ایک ایسے شخص کی، جو خدا کی طرف سے آگ لگادے۔دیکھتے ہو۔یہ کتنے ہیں جو بیٹھے ہیں؟ کچھ تھوڑے اور ہوں گے، جوشامل نہیں ہوسکے۔کس قدر تھوڑی تعداد ہے۔احمدی جماعت آٹے میں نمک کے برابر ہے۔اورہم اس احمدی جماعت کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں۔

جماعت احمدیہ کی خدماتِ اسلام

لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفخ روح ہے کہ اس قدر عظیم الشان کام ہورہے ہیں۔ایک شخص میں اللہ تعالیٰ نے روح بھرکر بھیج دیا اوراس نے یہ چھوٹی سی جماعت پیدا کی کہ وہ اصلاحِ خلق کا کام کرے۔اس

جماعت میں سے لوگ قربانیاں کرنے کے لئے نکلتے ہیں۔ اس میں سے نکل نکل کر انگلستان میں گئے، جرمنی میں گئے، امریکہ میں گئے اور اب چین میں بھی جانے والے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے کہ انگلستان میں دلکشی کے سامان ہیں۔ یہ بات یونہی حاصل نہیں ہوجاتی۔ اپنے آپ کو خدا کے راستہ میں تباہ کر دینا آسان نہیں۔ آج دیکھتے ہو کتنے مسلمانوں کے اندر یہ روح ہے؟ آج کی رپورٹ میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس چھوٹی سی جماعت نے ساٹھ ہزار روپیہ سال بھر میں صرف چندہ کا دیا۔

حضرت مرزا صاحب کی برکت

یہ تو ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ سمجھتے ہو کہ اگر یہی قوت باقی مسلمانوں میں ہو تو کس قدر کام کر سکتے ہیں؟ حقیقی اور سچی بات یہ ہے کہ ان میں وہ نفخ روح نہیں ہوا۔ مت سمجھو کہ تبلیغ کا کام کوئی آسان کام ہے۔ یہ کام ایک جنون اور ایک دیوانگی چاہتا ہے، اور وہ دیوانگی اسی سے پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نفخ روح کرنے والا ہو۔ یاد رکھو اپنے مال کو کاٹ کر دینا کوئی چھوٹی سی بات نہیں۔ یہ سب سے بڑھ کر بے نفسی کا کام ہے۔ یہ چنگاری کہاں سے تم نے لی؟ بتاؤ کیا یہ سچ نہیں کہ میرزا صاحب بھی انہی انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ اسی مرزا کی بدولت آج اس قدر قربانیاں کرنے والے پیدا ہوئے۔ پس اگر اس قدر تھوڑے سے آدمی ایسا عظیم الشان کام کر سکتے ہیں تو اگر سات کروڑ اسی کام میں لگے ہوں تو کس قدر قوت اسلام میں نظر آسکتی ہے! مگر یہ سچ ہے کہ بہت لوگوں کو گھبراہٹ ہوتی ہے کہ ایک ایسے شخص کے ساتھ لگ کر، جسے اہل دنیا بدنام خیال کرتے ہیں، خود بھی بدنام ہو جائیں گے۔ مگر یاد رکھو جو خدا کی طرف سے آتا ہے، ہمیشہ دنیا کے لوگ اسے بدنام ہی کرتے ہیں۔ وہ ایک ہی چیز ہے جو بدنام کراتی ہے۔ وہ اس کا خدا کی طرف سے آنا ہے۔ مگر اتنا میں جانتا ہوں کہ ان کے اس کافر کہنے نے ہی ہمارے اندر قوت پیدا کی ہے۔ ہم تو جس بات کو حق سمجھتے ہیں، کبھی اس کو قبول کرنے اور کہنے میں کسی بدنامی سے نہیں ڈرتے۔ ایک خدا اور اس کے رسولؐ کو سامنے رکھتے ہیں۔ کوئی بدنامی ہو، اس کی پروا نہیں!

کفر کے فتوے

اگر کفر کے فتووں سے مسلمانوں کے اندر یہی جرأت پیدا ہو جائے تو ان کفر کے فتووں سے اسلام کا کچھ

نقصان نہیں۔ مگر عام طور پر حالت یہ ہے کہ بات بات میں اس بات کا خیال رہتا ہے اور بڑے بڑے آدمیوں کو یہ خیال ہے کہ کہیں ہماری شہرت اور عزت میں کسی کلمہ حق کہنے سے فرق نہ آجائے، جبکہ خدا کے بندوں کو یہ ڈر نہیں ہوتا۔ حضرت مرزا صاحب کو ایک وقت بڑی عزت حاصل تھی۔ وہ اس میدانِ تبلیغ کا پہلوان سمجھا جاتا تھا۔ لوگ بڑی عزت و تکریم سے پیش آتے تھے۔ مجدد تک مانتے تھے، لیکن خدا کے لئے اس تمام عزت کو اس نے ترک کیا۔ جب خدا کا حکم آگیا کہ یہ سنا دو کہ حضرت مسیحؑ فوت ہوگئے، تو گو جانتے تھے کہ مسلمانوں کے اندر ایک خطرناک طوفان مخالفت کا اس سے اُٹھے گا، اور بنی بنائی عزت و شہرت سب برباد ہوگی، مگر خدا کے حکم کے سامنے، اسلام کی حقیقی خیرخواہی کے لئے، سب کچھ قربان کیا اور بدنامی کو قبول کیا۔ ایک وقت انسان پر آتا ہے اس وقت اسے بدنامی بھی قبول کرنی چاہئے۔ اگر خدا کے لئے بدنامی آتی ہے تو سو دفعہ آئے۔ یہ کفر کے فتوے تو آج علماء کا خاص کام رہ گیا ہے۔ جیسے ایک شاعر نے کہا ہے ؎

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

اشاعتِ اسلام کے کام کو جو انہوں نے چھوڑا، تو آخر کوئی کام بھی تو ہونا چاہئے تھا! اس لئے یہی کام اُنہوں نے اختیار کیا کہ مسلمانوں کو کافر بنایں۔ آج یہ لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ان کے بالمقابل ایک قوم ہے، جن کا نہ خدا ایک، نہ کتاب ایک، نہ رسول ایک، نہ کسی اصول دین میں ان کا اتحاد، باوجود اس کے وہ سب ایک ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے اندر اگر کسی فریق میں ذرا کوئی نقص نظر آئے تو فوراً اسے کافر بنانے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ وہ عیسائی، جو حضرت عیسیٰ کو خدا بھی مانتے ہیں، اور نبی بھی، جو ایک خدا کے بھی قائل ہیں اور تین کے بھی، اور جن میں اور بہت سے اصولی اختلاف ہیں، وہ آج آپس میں اتحاد کر رہے ہیں۔ وہ ہندو، جن کے اندر وہ فرقے بھی ہیں، ایک خدا کو مانتے ہیں، اور وہ بھی جو 33 کروڑ خداؤں کو مانتے ہیں، وہ بھی ہیں جو ویدوں کو مانتے ہیں، اور وہ بھی جو ویدوں کے قائل نہیں، وہ آج آپس میں متحد ہو گئے ہیں! لیکن مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے اختلافات انہیں ملنے نہیں دیتے۔ یہ دوسری بیماری ہے جس کو مجدد وقت نے دور کیا ہے۔

مرزا صاحب نے کہا کہ اگر ایک مسلمان میں ننانوے وجوہ کفر کی اور ایک وجہ اسلام کی دیکھو، اس کو کافر مت کہو۔ پرانے لوگوں میں بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں، جو اسی کے قائل ہیں۔ امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک

شخص فلاں عقیدہ رکھتا ہے تو کیا وہ کافر ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں یہ بات کفر کی ہے۔ اس نے پھر یہی سوال کیا، آپ نے پھر یہی جواب دیا، تیسری مرتبہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا: قَدْ یَقُوْلُ الْمُسْلِمُ کُفُرًا، ارے بھائی! بعض وقت مسلمان بھی کفر کی بات کہہ دیتا ہے۔ یعنی اس پر اسے کافر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مگر آج کا مسلک کیا ہے کہ ایک شخص سو دفعہ کہے کہ میں تمام عقائد اسلامی کا پابند ہوں، مگر اس کے اقرار کی بال کی کھال اتارتے چلے جائیں گے، یہاں تک کہ اسے کافر بنا کر بس کریں گے! اس صدی کے مجدد نے جہاں اور اسلام کے راستے سے اور رکاوٹوں کو دور کیا، اس کفر بازی کی بیماری کو بھی جڑ سے کاٹنے کی کوشش کی ہے۔ اور ہمیں ایسی راہ پر چلایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کی تکفیر سے راضی ہوتا ہے، تم اس سے راضی نہ ہو۔

عقیدوں کا اثر

بعض وقت انسان کے عقیدوں کا اثر بھی روک کا موجب ہو جاتا ہے۔ جس کو انسان معلوم بھی نہیں کر سکتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے عقیدے کا اثر اس پر نہیں، حالانکہ عقائد کے اثر سے وہ متاثر ہوتا ہے۔ یہ جو مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ ایک مہدی اور مسیح کا انتظار کر رہے ہیں، جو تبلیغ و اشاعت سے نہیں بلکہ تلوار دکھا کر اور سلطنت کی شوکت سے لوگوں کو مسلمان کر لیں گے، اس عقیدہ نے مسلمانوں کی قوت کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ کوئی سمجھتا ہے کہ مسیحؑ آسمان سے اُترے گا تو کوئی کافر، جس تک اس کا سانس پہنچے، کافر نہیں رہے گا۔ پھر اس کا سانس محدود نہیں ہوگا بلکہ جہاں تک اس کی نظر جائے گی وہاں تک سانس بھی جائے گی۔ پس جب یہ حالت ہے تو ہم کو کیا ضرورت ہے کہ کافروں کو مسلمان کریں؟ پھر کہیں انتظار ہے کہ مہدی آئے گا تو وہ تلوار کے ذریعہ سے سب کو مسلمان بنا لے گا۔ پس ہمیں کیا ضرورت ہے کہ مال خرچ کریں اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر اشاعتِ اسلام کرنے جائیں؟ احمدیوں کے اندر کام کی طاقت کیوں پیدا ہوگئی؟ اس لئے کہ اُنہوں نے اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالنے کے بجائے خود اُٹھا لیا۔ تم بھی جب تک اس بوجھ کو اپنے کندھوں پر نہ لو، اس وقت تک تم میں کام کی طاقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ کام کی طاقت اور قوت اسی وقت پیدا ہوگی، جب تم مہدی اور مسیح کے انتظار کو چھوڑ کر خود اس بوجھ کو اُٹھاؤ اور کام میں لگ جاؤ۔ ایک مسیح اور مہدی کے انتظار اور اس کے مان لینے میں یہ فرق ہے کہ اس کا انتظار کام کے ناقابل بنا رہا ہے اور مان لینے سے کام کی طاقت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ چاہتا ہے

کہ اس کا بوجھ دوسروں کے کندھوں پر پڑے۔ اس کفارے کو لے کر عیسائی بھی آج یہی لکھتے ہیں کہ عمل کی کوئی ضرورت نہیں، وہ ایک قُلی جو مل گیا ہے، وہ تمہاری گٹھڑی کو اُٹھا لے گا!

ایسے ہی مسلمانوں کو پیر بطور قلی کے مل گئے ہیں۔ اس پیر پرستی نے اسلام اور مسلمانوں پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔ یہ بات بھی مسلمانوں میں سے کام کی طاقت کو زائل کرنے کا موجب ہوئی ہے۔ انہوں نے پیروں کو بطور کفارہ کے تجویز کیا ہے اور خود عمل سے جی چراتے ہیں۔ اب دیکھئے اس عقیدۂ مسیح اور مہدی کی وجہ سے کے راستہ میں جو مشکلات تم نے اپنے ہاتھوں سے خود پیدا کی ہیں، اس سے بے کاری پیدا ہوئی ہے۔ پہلے ان عقائد کو چھوڑو۔ تم جانتے ہو کہ ایسی باتوں سے اسلام کو کیا نقصان پہنچتا ہے؟ مسلمانوں نے خود ایسی غلط باتیں اسلام کی طرف منسوب کر رکھی ہیں، جو اسلام کو بدنام کرنے والی ہیں۔ بہت سے مسلمان مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فی الواقع اسی طرح تلوار کے زور سے مسلمان کیے۔ ایک گریجویٹ، جب اس کے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ پر فلاں شخص نے یہ الزام دیا ہے، کہنے لگا کہ جھوٹ کہا گیا۔ حالانکہ تاریخ ایک مثال بھی پیش کرنے سے عاجز ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی شخص کو کہا ہو کہ تم اسلام قبول کرو، ورنہ تمہارا سر کاٹا جائے گا!

مسلمانوں کے اس عقیدہ نے اسلام کو بدنام کر دیا ہے۔ کبھی تم اس اسلام پر ایمان لا کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔ میں نے کل بتایا تھا کہ عیسائیوں نے یہ نقشہ کھینچا ہے کہ گویا آپؐ کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور دوسرے میں قرآن، مسلمان ان عقیدوں سے، جو مہدی اور مسیح کے متعلق ہیں، ان کی تائید کر رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس شخص کو، جس نے اسلام کے چہرے سے اس داغ کو دور کیا، بجائے محسن سمجھنے کے، اسلام کا دُشمن سمجھا جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس نیک کام میں تم اس کے مدد و معاون ہو، تم اس کے دشمن بن جاتے ہو۔ یہ تیسری بات ہے جس کو حضرت مرزا نے دور کیا۔

عیسائیت اور اسلام

پھر تم نے سن لیا اور دیکھ لیا کہ سب سے بڑھ کر مقابلہ آج عیسائیت سے ہے۔ یہ بھی تم نے سن لیا کہ کس طرح سے عیسائیت خود بخود دکھائی جا رہی ہے؟ لیکن تمہارے بعض عقائد ہیں جو اس کو تقویت دے رہے ہیں۔ میں

تو اس کی پروانہیں کرتا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی میں سے اگر پچاس بھی زندہ ہیں، تو ہوں۔ اگر کسی کو اسی طرح سے سمجھ آتی ہے کہ حضرت عیسیٰ زندہ ہیں، تو اس کا اختیار ہے کہ وہ یونہی مانے۔ لیکن خدا کے لئے یہ تو سمجھو کہ تمہارے اس عقیدہ سے اسلام کو کس قدر نقصان پہنچتا ہے؟ درآنحالیکہ قرآن بڑی صراحت سے فرمارہا ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پاچکے۔ لیکن تم کو اصرار ہے کہ وہ زندہ موجود ہیں۔ اس عقیدہ سے تم کو ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عیسیٰ باوجود اس جسد عنصری کے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (8:21) سے مستثنیٰ ہیں۔ عیسائیوں نے اعتراض کیا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ بھی معمولی رسول ہوتے تو دو ہزار سال سے بغیر کھانے پینے اور حوائج بشری کے ان کا گزارہ نہ ہوتا۔ بتاؤ اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟ اسلام جیسا سچا مذہب اگر آکر گرتا ہے تو کہاں! یہ وفات مسیحؑ کا خیال کوئی نیا نہیں۔ امام مالکؒ صریح طور پر اس کے قائل ہیں۔ لیکن اس اختلافی مسئلہ میں بھی کفر پیچھا نہیں چھوڑتا۔ خوب یاد رکھو تم اس اسلام کو عیسائیوں میں لے جا کر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے کہ حضرت مسیح چوتھے آسمان پر زندہ ہیں۔ خدارا! اس کے نتائج کو دیکھو اور توبہ کرلو۔ بتاؤ اس اسلام کو وہ عیسائی قبول کریں گے جو خود بخود مسیحؑ کی حیات سے انکار کرتے جارہے ہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ عیسائی ممالک میں آج کوئی کامیاب نہیں ہوسکا، سوائے احمدیوں کے۔ یہاں بھی پادریوں نے صاف طور پر کہا کہ ان احمدیوں کی باتیں مت سنو۔ ان سے بحث مت کرو، اس لئے کہ انہی باتوں سے مسیحیت مر جاتی ہے۔ تم بتاؤ کیا تمہارے عقیدے ماننے کے قابل ہیں؟

مسیح موعود کا دعویٰ

کہتے ہیں کہ مرزا کا گناہ یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میں عیسیٰ ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ آخر حدیثوں کے اندر جو موجود ہے کہ عیسیٰ آئے گا، ان کو کہاں لے جاؤ گے؟ اگر واقعی عیسیٰؑ کو لاؤ تو تم کو ختم نبوت کا انکار کرنا پڑے گا اور اسلام پر بہت سخت زد پڑے گی۔ بتاؤ! خدا نے اب تک کیوں ایک اسرائیلی نبی کو زندہ رکھا؟ کیا نبوت کا کوئی کام باقی ہے؟ کیا عیسائیت پر اتمام حجت محمد رسول اللہ ﷺ نے نہیں کی؟ یاد رکھو یہ عقیدہ فاسد ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم اتمام حجت کر چکے۔ کوئی عیسیٰ آکر وہ اتمام حجت نہیں کرسکتا، جو قرآن نے کی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے، اس لئے وہ کام جو عیسیٰ نے کرنا تھا، وہ تم کرسکتے ہو۔ سب کچھ اس قرآن میں موجود ہے۔ تم اس

طاقت کو لے کر نکلو، مگر ان باتوں سے پہلے اسلام کو پاک کر دو۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ **لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَاوَسِعَھُمَا اِلَّا اِتِّبَاعِیْ** اگر موسٰیؑ اور عیسٰیؑ زندہ ہوتے تو میری اتباع کے سوا انہیں کوئی چارہ نہ ہوتا۔ کیا اس کا صاف منشا نہیں کہ وہ کام، جو موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کا تھا، وہ اسی اُمت کے لوگ کریں گے۔!

احادیث کی صحت

دیکھو! میں تو اس پر بھی رضا مند ہوسکتا تھا کہ تم یہی مان لو کہ نزول مسیح کی حدیثیں ہی غلط ہیں۔ لیکن اس بات کے کہنے سے تم کہاں جا پہنچتے ہو۔ تم مرزا کو نہیں بلکہ حدیث کو رد کرتے ہو۔ وہ نزول مسیح کی احادیث صحیح ترین کتب حدیث میں موجود ہیں۔ بخاری میں مسلم میں۔ پھر بہت سے صحابہؓ سے مروی ہیں۔ پھر وہ اکیلی نہیں، کہیں یاجوج ماجوج کا ذکر ہے، کہیں دجال کی حدیثیں ہیں۔ ان سب کو رد کرنا پڑے گا۔ کیونکہ سب کا تعلق مسیح سے ہے۔ پس دو باتوں میں سے ایک لازماً کرنی پڑے گی، یا تو مرزا کو مسیح ماننا پڑے گا، یا احادیث کو مجموعہ اباطیل (نعوذ باللہ) قرار دینا پڑے گا۔

یاجوج وماجوج والمسیح الدّجال

جیسا کہ میں نے بتایا انہی احادیث میں یاجوج و ماجوج اور المسیح الدجال کا ذکر ہے۔ ان میں صاف طور پر ایسی باتیں موجود ہیں جن سے تم پہچان سکتے ہو کہ یہ علامات کن میں پائی جاتی ہیں۔ مگر تم اپنی عقل کو استعمال نہیں کرتے۔ تم نے سن رکھا ہے کہ دجال کا کانا ہونا چاہئے، اس کے ماتھے پر ک، ف، ر لکھا ہو، کبھی ان حدیثوں کو اٹھا کر تم نہیں پڑھتے کہ تمہیں معلوم ہو کہ ان علامات سے کیا مراد ہے۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ تم نے جو ایک فرضی تصویر کھینچ رکھی ہے کہ دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا وہ صحیح نہیں۔ بلکہ احادیث کچھ اور بتاتی ہیں۔ سب احادیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ خیال، کہ دجال کی ایک آنکھ نہ ہو، صحیح نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایک حدیث میں دجال کی صفت میں یہ لفظ آتے ہیں: **اعور العین الیمنی** (بخاری۔ باب التعبیر) وہ دائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔ لیکن ایک اور روایت میں، جسے امام راغبؒ نے اپنی مفردات میں نقل کیا ہے، یہ لفظ ہیں: **ان الدجال ممسوح الیمنی وعیسیٰ ممسوح الیسری**۔ یعنی دجال کی دائیں آنکھ ماری ہوئی ہوگی اور عیسیٰ کی بائیں آنکھ

نہیں ماری ہوئی ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ان الفاظ کو ظاہر پر حمل کیا جائے تو دجال کے ساتھ مسیحؑ کو بھی کانا ماننا پڑے گا۔ اور انبیاءؑ میں اس قسم کا نقص مانا نہیں جاسکتا۔ پس ظاہر ہے کہ دونوں کی ایک ایک آنکھ نہ ہونے سے مراد کچھ اور ہے۔ امام راغبؒ نے اس کی ایک نہایت لطیف توجیہ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ منشا دائیں آنکھ نہ ہونے سے دجال میں اخلاق محمودیہ نہ ہوں گے اور بائیں آنکھ نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ مسیح میں اخلاق ذمیمہ نہ ہوں گے۔ اس قدر صاف بات کے ہوتے ہوئے اور کون سا کانا دجال تلاش کرتے ہو؟ وہ کانا تو تمہارے سامنے ہے۔ وہ ایمان اور دین سے محروم ہے۔ جاؤ اور عیسائیت کی تاریخ کو پڑھ کر دیکھو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کو پڑھو۔ لکھا ہے کہ ان کے سامنے شیطان آیا کہ دنیا کی تمام سلطنتیں میں تمہیں دیتا ہوں، تم میرے سامنے سجدہ کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے انکار کیا۔ پس وہ بلاشبہ **ممسوح الیسری** ہیں۔ کیونکہ دنیوی خواہشات اور سازوسامان سے آپ نے انکار کیا۔ اس حالت پر ان کی قوم ابتدا میں رہی، یہاں تک کہ دنیا کو ترک کر کے اُنہوں نے رہبانیت اختیار کرلی۔ یہی عیسائیت کی پہلی حالت نظر آتی ہے کہ دنیا سے اسے کوئی لگاؤ نہیں۔ محض دین اور عبادت سے واسطہ ہے، لیکن وہی دین، جس پر اس قدر زور دیا تھا، اب اس کی پرواتک نہیں اور محض دنیوی سازوسامان پر نظر ہے۔ اسی کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے: **اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا** (104:18) ان کی کوششیں محض دنیوی زندگی تک محدود ہیں۔ پس کیا تمہیں یہ **ممسوح الیمنی** نظر نہیں آتا؟ حضرت عیسیٰ نے تو دنیا ترک کرنے پر زور دیا، اور آج یہ حالت ہے کہ ان کے پیرو خدا کا نام بھی مجلس میں لینا پسند نہیں کرتے۔ اس کانا پن کے ہوتے ہوئے اور کس دجال کی تلاش کرو گے؟

دوسری بات ک، ف، ر کا ماتھے پر لکھا ہوا ہونا ہے۔ **الا انه اعور...... وان بین عینیه مکتوب کافر** (بخاری۔ کتاب الفتن) سنو! وہ کانا ہے...... اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہے کافر۔ اسی طرح بیشتر روایات میں ہے: **مکتوب بین عینیه کفریا کافر یا ک، ف، ر** اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کفر یا کافر یا ک ف ر لکھا ہے۔ اب تلاش میں نکلتے ہیں کہ کون سا ایسا شخص ہے، جس کے ماتھے پر ک، ف، ر لکھا ہوا ہو۔ مگر حدیث کے دوسرے الفاظ کو نہیں پڑھتے۔ وہاں لکھا ہے: **یَقْرَءُ ہٗ کُلُّ مُؤْمِنٍ اُمِّیٌّ اَوْ کَاتِبٌ** ہر ایک مومن اسے پڑھ سکتا ہے۔ خواہ وہ پڑھنا لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ یا **کُلُّ مُؤْمِن کَاتِبٌ اَوْ غَیْر کَاتِبٍ** یا

كُلُّ مُؤمِنٍ قَارِئٌ اَوْ غَيْر قَارِىٍ. ہر مومن لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو یا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، وہ دجال کے ماتھے پر کفریا کافر لکھا ہوا پڑھ لے گا۔ یہ الفاظ ک،ف،رکو صاف کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اول تو مومن ہی اسے پڑھ سکتے ہیں۔ کافر پڑھ ہی نہیں سکتے۔ پھر مومن ہر ایک پڑھ سکتا ہے۔ خواہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ بتاؤ! آج تک تم نے کسی کے ماتھے پر کوئی ک،ف،ر دیکھا؟ جس کو پڑھے ہوئے اور ان پڑھ تمام مسلمان پڑھ سکتے ہوں؟ دیکھو! جس حدیث نے تم کو ک،ف،ر مکتوب کہا، اسی نے تم کو یہ بھی بتا دیا کہ اس کے مکتوب ہونے سے یہ مراد نہیں کہ اس کے ماتھے پر حروف لکھے ہوئے ہوں، جنہیں صرف خواندہ آدمی ہی پڑھ سکتا ہے اور ہر خواندہ پڑھ سکتا ہے، بلکہ یہ ایسا مکتوب ہوگا، جس کو پڑھے ہوئے اور اَن پڑھ تمام مومن پڑھ سکیں، یعنی ان کے کفر کو شناخت کر لیں۔

پھر تمیم داری بیان کرتے ہیں (اس کو ان کا کشف کہو یا کچھ اور، بہر حال انہوں نے یہ بیان کیا ہے) کہ ایک جہاز میں مَیں سوار ہوا اور وہ جہاز ایک جزیرہ کے ساتھ جا لگا، وہاں ایک عجیب الخلقت جانور، جساسہ میں نے دیکھا اور اس نے دجال کا پتہ ان الفاظ میں بتایا: **اِنْطلقوا اِلٰى هٰذا الرجل فى الدير.** اس شخص کی طرف جاؤ، جو گرجا گھر میں ہے۔ چنانچہ وہ ایک گرجا میں گئے، وہاں دجال کو پایا۔ دیکھو حدیث تم کو بتاتی ہے کہ دجال گرجا کے اندر تھا۔ تین باتیں تم نے دیکھ لیں کہ بالمقابل جس کی بائیں آنکھ کانی ہے، دجال کی دائیں آنکھ کانی ہے۔ گویا اس کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ دجال کے ماتھے پر ک،ف،ر لکھا ہوگا۔ جس کو ہر پڑھا ہوا اور ان پڑھ مومن پڑھ لے گا۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ وہ دِیر یا گرجا گھر سے نکلے گا، پھر اس دجال نے تمیم داری سے کہا کہ میں ہر ایک بستی میں جاؤں گا، سوائے مکہ اور مدینہ کے۔ **وَانّى اوشك ان يؤذن لى فى الخروج فاخرج فاسير فى الارض فلا ادع قرية اِلَّا هَبطتهَا فى اربعين ليلة غير مكّة و طيبة** (کنز العمال جلد نمبر 7) یعنی اور قریب ہے کہ مجھے نکلنے کی اجازت دی جائے اور میں نکلوں گا اور زمین میں پھروں گا۔ تو میں کوئی گاؤں نہ چھوڑوں گا جس میں چالیس رات کے اندر پھر نہ نکلوں، سوائے مکہ اور مدینہ کے۔ دیکھ لو۔ دنیا کی کوئی بستی اس تعلیم نے نہیں چھوڑی۔ مگر مکہ اور مدینہ اب تک اس تعلیم سے محفوظ ہیں۔

پھر پانچویں علامت جنت اور نار کا قصہ ہے کہ اس کے ساتھ بہشت بھی ہوگی اور دوزخ بھی۔ وہاں

دیکھو اس کے متعلق کیا لفظ ہیں: انّہٗ یجیٔ معه بمثل الجنّة والنّار (متفق علیہ مشکوٰۃ) وہ آئے گا اس کے ساتھ جنت اور دوزخ کی مانند کوئی چیزیں ہوں گی۔ یہ نہیں کہ فی الحقیقت بہشت اور دوزخ اس کے ساتھ ہوں گے۔ پھر اس کے آگے اور بھی وضاحت کی ہے کہ جس کے متعلق کہے گا کہ یہ بہشت ہے، وہ آگ ہوگی۔ اور جس کے متعلق کہے گا کہ یہ جنت ہے وہ نار ہوگی۔ اب دیکھو لو کہ واقعی یہ نظارہ ہے یا نہیں کہ یہ دجال جس چیز کو جنت کہہ کر پیش کرتا ہے، وہی فی الحقیقت دوزخ کی طرف لے جانے والی ہے۔ اور جس کو دوزخ بتاتا ہے، وہی جنت ہے۔ پھر یہ بھی حدیث کے لفظ ہیں کہ اس کے ساتھ پانی اور آگ ہوگی، مگر کیسے؟ جس کو لوگ پانی سمجھیں گے وہ آگ ہوگی جو جلا دے گی۔ اور جس کو آگ سمجھیں گے وہ ٹھنڈا پانی ہوگا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **وانّ معهٗ ماء ونارا فاما الذی یراہ الناس ماء فنار تحرق واما الذی یرٰہ الناس نارا فماء بارد وعذب**۔ آج تک دنیا نے کوئی پانی دیکھا کہ وہ فی الحقیقت آگ ہو، یا ایسی کوئی آگ تمہارے دیکھنے میں آئی ہے جو فی الحقیقت پانی ہو؟ اس قسم کی باتوں کو نہ سمجھنے میں لوگوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ جو استعارہ اور مجاز تھا، اسے حقیقت پر محمول کیا، اور لفظ پرستی کر کے غلطی کھائی!

حضرت مرزا صاحب کا کام

حضرت مرزا صاحب نے یہ بہت بڑا کام کیا ہے کہ ایسی تمام باتوں کی اصل حقیقت کو واضح کر کے اسلام کی پاکیزہ تصویر ہمارے سامنے رکھ دی۔ ان بدنما دھبوں کو مجدد وقت نے خوبصورت خاکوں کی صورت میں دکھا دیا۔ کسی کا کلام ہو، مجاز کو جب حقیقت پر محمول کیا جائے گا، نہ صرف معتقدات میں ٹھوکر لگے گی بلکہ اصل حقیقت کو بھی روشن کرنے کی بجائے وہ ایک دھبا معلوم ہوگا۔ حضرت مسیح موعود نے جہاں یہ لکھا ہے کہ نبوت کا لفظ مجھ پر استعارہ اور مجاز کے طور پر بولا گیا، وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ مجاز اور استعارہ کو حقیقت پر محمول کرنا ایک خوبصورت معشوق کا دیو کی شکل میں خاکہ اُتارنا ہے۔ ہمارے قادیان کے دوستوں نے بھی غلطی اور ٹھوکر کھائی ہے کہ مجاز اور استعارہ کو حقیقت بنا کر حضرت صاحب کی تمام کلام کو بدنما اور ایک دوسرے کے خلاف بنا دیا دیکھو آپ نے کیوں لکھا ہے سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَةِ یعنی میرا نام اللہ کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا نہ حقیقی طور پر۔ پس تم مجاز کو حقیقت کیوں بناتے ہو؟ تم ایک شخص کو، جو بڑا بہادر ہو، شیر

نام سے پکارتے ہو،لیکن جب کہا جائے گا کہ شیر کو پکڑ کر پنجرے میں بند کردو،تو کیا اس سے تم یہی سمجھو گے کہ اس شخص کو پکڑ کر پنجرے میں کردینا ہے؟ مجھے تو افسوس آتا ہے کہ اس قدر موٹی باتوں کو لوگ نہ سمجھے۔ کیا کیا خوبصورت باتیں حدیث میں بھری ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں لکھا ہے کہ جب وہ دجال ظاہر ہو جائے تو ہر ایک مومن اس سے دور رہے **مَن سمع بالدجال فلیناء عنه فواللّٰه ان الرجل لیاتیهِ وهو یحسب انه مؤمن فَیَتَّبِعَهُ ممّا یَبْعث بهٖ من الشبهات.** (کنزالعمال جلد 7) جوشخص دجال کے متعلق سے تو وہ اس سے الگ رہے۔ خدا کی قسم ایک شخص اس کے پاس آئے گا اور وہ گمان کرتا ہوگا کہ وہ مؤمن ہے۔ پھر وہ اس کا پیرو ہو جائے گا ان شبہات کی وجہ سے جو وہ اس کے دل میں ڈالے گا۔ پھر ایک حدیث میں فرمایا: **فان یخرج وانا فیکم فانا حجیجه وان یخرج ولست فیکم فامرُ حجیج نفسهٖ** (کنزالعمال جلد نمبر 7) اگر وہ نکلے اور میں تمہارے اندر ہوں تو میں اس سے بحث کر کے اسے مغلوب کروں گا۔ اور اگر وہ نکلے اور میں تمہارے اندر نہ ہوں، تو ہر ایک مومن خود اس سے بحث کرنے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بحث اور جدل کی بات ہے۔ لیکن تمام احادیث کو بحیثیت مجموعی دیکھنا چاہئے۔ حدیث بہ الفاظ مروی نہیں، اور احادیث کا لفظ لفظ خدا کی طرف سے نہیں، نہ ہی انہیں وہ حفاظت میسر آئی جو قرآن پاک کو ملی۔ قرآن کریم سے ایک مرتبہ نیچے رکھتی ہے۔ بالخصوص قصوں کے اندر ایسی باتیں مل گئی ہیں، جن میں بیان کرنے والوں کے اپنے خیالات کو دخل ہے۔

قرآن میں دجال کا ذکر

قرآن شریف کے اندر دجال کا ذکر کس طرح ہے، اس کی طرف بھی ایک حدیث نے توجہ دلائی ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے کہ دجال کے فتنہ سے بچنے کے لئے سورہ الکہف کی پہلی دس آیتیں پڑھو، اور کسی حدیث میں آخری دس آیتوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور احمد کی روایت ہے: **مَنْ حفظ عشر اٰیات من اول الکهف عصم من الدجال.** جو شخص سورہ الکھف کی پہلی دس آیتوں کو یاد رکھے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ اور مسلم ترمذی اور احمد کی روایت میں ہے: **من قرأ العشر الاواخر من سورة الکهف عصم من فتنة الدجال.** جو شخص سورہ الکہف کی آخری دس آیتیں پڑھے گا وہ فتنہ دجال سے بچا رہے گا۔

ہوسکتا ہے کہ پہلی دس اور آخری دس کا ذکر کر کے مراد ساری سورۃ ہی لی ہو۔ قرآن بھی کوئی ٹونا اور منتر

ہے کہ سورہ الکہف کی آیتیں پڑھنے کا حکم دیا، کاش! کبھی تم سورہ الکہف کی آیتوں کو پڑھ کر دیکھتے کہ وہاں کن لوگوں کا ذکر ہے۔ ایک دفعہ قادیان میں ایک مولوی صاحب گئے۔ مولٰینا نورالدین صاحب سے ملے۔ وہ انہیں حضرت صاحب کے پاس لے گئے۔ وہاں حضرت صاحب تو ان سے باتیں کرتے تھے اور مولوی صاحب کے ہونٹ زور زور سے ہل رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ حضرت صاحب کو دجال سمجھ کر سورہ الکہف کی آیتیں پڑھ رہے ہیں! مگر اتنا انہوں نے غور نہ کیا کہ دیکھیں تو سہی ان میں ذکر کس بات کا ہے۔ سورہ الکہف کی پہلی دس آیتوں میں بالخصوص ذکر اس قوم کا ہے، جو خدا کی طرف بیٹا منسوب کرتی ہے: وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (4:18) ان لوگوں کو ڈرا جو کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ (5:18) ان کے پاس کوئی علمی دلیل نہیں وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ (5:18) نہ ان کے باپ دادوں کے پاس تھی۔ کس قدر سچی بات کہی ہے۔ مسیحؑ کی خدائی اور کفارہ پر نہ پہلے عیسائیوں نے کبھی کوئی علمی دلیل دی، نہ آج کسی کو جرأت ہے کہ کوئی علمی دلیل پیش کرے۔ اور پچھلی دس آیتوں میں اسی ولد (بیٹا) بنانے والی قوم کی دوسری حالت کا ذکر ہے۔ فرمایا: اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (104:18) ان کی کوششیں دنیا کی زندگی میں ہی کھوئی گئی ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خوبصورت صنعتیں کرتے ہیں۔ یہ آیات صاف بتاتی ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اس سیدھی بات پر غور نہیں کرتے۔ حضرت مرزا صاحب نے کیا گناہ کیا جو کہہ دیا کہ دجال تو وہی بدی کی قوتیں اور طاقتیں ہیں، جو آخری زمانہ میں پیدا ہونے والی تھیں اور پیدا ہو چکی ہیں۔ مرزا کو دجال ماننے کے لئے تیار ہیں، لیکن اس دجال کے لئے کانا تلاش کرتے ہیں۔ پھر ایک طرف تو احادیث میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کے وقت نصارٰی کا غلبہ ہوگا اور دوسری طرف لکھا ہے کہ دجال کا غلبہ ہوگا۔ دو غلبے ایک وقت نہیں ہو سکتے۔ پس یقیناً دجال کا غلبہ اور غلبہ صلیب سے ایک ہی غلبہ مراد ہے۔

دجال کے معنے لغت میں

پھر لغت کے اندر بھی دجال کے لفظ کے معنوں سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔، لفظ دجال دجل سے مشتق ہے۔ اور دجل الشیء کے معنی ہیں غَطَّاهُ یعنی اس نے اس چیز کو ڈھانک لیا۔ لغت میں دجل کے اصل معنے ہیں ڈھانک دینا۔ دجال اس کو کہا ہے کہ جو حق کو باطل کے ساتھ ڈھانک دے گا۔ اور یہ کہ وہ اپنی

کثرت جموع سے زمین کو ڈھانک لے گا۔اور قرآن کریم میں لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (57:40) سے مراد دجال لیا گیا ہے۔ان دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ دجال ایک گروہ کا نام ہے۔

میں اس موضوع کو ختم کرتا ہوں۔لیکن یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جو لوگ خدا کی طرف سے آتے ہیں، وہ حکیم کی طرح ہوتے ہیں۔مرزا حکیم تھا۔جو جو بیماریاں اُمت کے اندر تھیں، ان کو اس نے دور کیا۔گو اب اس کو بدنام کیا گیا۔لیکن وہ قومیں آئیں گی کہیں گی کہ اس مرزا نے کتنا بڑا کام کیا کہ اسلام سے ایسی باتوں کو صاف کیا، جو اس کو بدنما بناتی تھیں۔دنیا بالآخر اس احسان کو مانے گی اور عزت واحترام سے مرزا کو یاد کرے گی۔

میں تم کو یعنی احمدیوں کو بھی مبارک دیتا ہوں کہ تم نے اس پاک انسان سے اپنا تعلق جوڑ کر اپنے آپ کو مضبوط کر لیا۔بہت ہیں جو اس میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ضائع کر رہے ہیں۔دیکھو۔وہی ذرّات کام دیتے ہیں جو ایک زندہ نظام میں آئیں۔اور وہی اُڑتے ہیں جو علیحدہ رہ جاتے ہیں۔پس جب تک اس درخت کے اجزاء نہ بن جاؤ گے، اس وقت تک تمہاری کوششیں هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (23:25) ہو کر رہ جائیں گی اور کوئی فائدہ تم سے نہ ہوگا۔

❁❁❁

26 جنوری 1924ء

اداریہ

اَنگورہ اور خلافت ۔ خلافت قومی ہے نہ انفرادی

(ذیل کا مضمون حضرت امیر ایدہ اللہ کے ایک انگریزی مضمون سے ترجمہ کیا گیا ہے جو مقامی ہمعصر ''مسلم آؤٹ لُک'' اور ''لائٹ'' میں شائع ہوا ہے۔ مدیر)

''اب یہ نتیجہ کیونکر نکل سکتا ہے کہ ہم (ترکوں) نے خلافت کو کسی مادی سہارا کے بغیر چھوڑ دیا ہے۔ ترکی کے پاس خلافت ہے اور خلافت کو ترکی قوم کی امانت میں دیا گیا ہے...... آپ نے اپنی مستعدانہ حوصلہ افزائی سے اور خلافت اسلامی کو ہماری عاجزانہ تحویل میں دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہم اس مقدس انسٹی ٹیوشن کے امین بننے کے قابل ہیں، ترکی قوم اس عاجزانہ لیکن شاندار خدمت پر فخر کرتی ہے۔''

یہ وہ الفاظ ہیں جو غازی عصمت پاشا نے گزشتہ سال خلافت کے دنیوی اقتدار کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہے۔ میرے خیال میں یہ الفاظ خلافت کے مسئلہ کو اس قدر صاف کر دیتے ہیں کہ کسی ترک کے دل میں اس کے بعد کوئی غلط فہمی نہیں رہنی چاہئے۔ عصمت پاشا ترکی قوم میں ایک زبردست ملکی مدبر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اُنہوں نے اس قدر صاف لفظوں میں ہمیں بتا دیا ہے کہ ترکوں نے خلافت کو مادی سہارا کے بغیر نہیں چھوڑ دیا۔ ایک ترکی مدبّر کے، جو عصمت پاشا کی پوزیشن رکھتا ہے، اس قدر کھلے اور صاف اعلان کے ہوتے ہوئے کون شخص ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گمان کر سکتا ہے کہ خلافت کے لئے ملکی اقتدار کی ضرورت کو انگورہ کی گرینڈ نیشنل اسمبلی میں تسلیم نہیں کیا گیا؟ تاہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلافت کو یہ ملکی اقتدار کس طریق سے دیا جائے گا؟ یہ اقتدار یقیناً اس صورت میں نہیں دیا جا سکتا، جیسا کہ ہندوستانی علماء عام طور پر ضروری سمجھتے ہیں۔ اس قسم کا اقتدار استبدادیت ہے۔ اور استبدادیت ایک سے زیادہ مرتبہ اقوام کے لئے لعنت ثابت ہو چکی ہے۔ اس کا جواب بھی غازی عصمت

پاشا کے منقولہ بالا الفاظ میں موجود ہے کہ ''خلافت کو ترکی قوم کی امانت میں دیا گیا ہے'' یہ ترکی قوم ہے جو خلافت اسلامی کی امانت دار ہے۔ کسی خاص ترکی گھرانے کی تحویل میں اسے نہیں دیا گیا۔ اس مقدس انسٹی ٹیوشن کا امین خاندان عثمانیہ نہیں، بلکہ ترکی قوم ہے۔ خلافت کو ترکی قوم کے سپرد کیا گیا ہے اور صرف ترکی قوم ہی ہے جس کو خلافت کا اقتدار قائم رکھنے کے لئے اپنی تمام طاقت کو استعمال کرنا چاہئے۔

جیسا کہ میں اس سے پہلے کسی موقع پر بتا چکا ہوں، یہی دراصل صحیح نقطہ نگاہ ہے۔ اگر علماء اس سوال کو کتاب وسنت کی روشنی میں حل کریں اور ان غلط خیالات کو، جو ان کے دِلوں میں موجزن ہیں، ترک کردیں تو وہ یقیناً خلافت کی مدد کریں گے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خلافت کسی خاص فرد کا حق نہیں، بلکہ ایک قوم اس کی حق دار ہے۔ موجودہ غلط فہمی اس بات سے پیدا ہوئی ہے کہ ملکی خلافت کو روحانی خلافت کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ اور ہمارے علماء ان دونوں کے درمیان فرق نہیں کرسکتے۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ ہمارے حضرت نبی کریم ﷺ روحانیت کے بھی معلم تھے اور ملکی بادشاہ بھی تھے۔ لیکن آپ کے بعد چار ہی خلفاء ایسے ہوئے ہیں جن میں یہ دونوں خلافتیں جمع ہوئی ہیں۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ان کے علاوہ شاذونادر ہی یہ دونوں عہدے ایک انسان میں جمع ہوئے ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی ایک پیشگوئی بھی احادیث میں پائی جاتی ہے کہ تیس سال کے بعد خلافت صرف ایک بادشاہت رہ جائے گی۔ اس سے صاف طور پر یہ پتہ لگتا ہے کہ روحانی معلم کا منصب ملکی بادشاہت سے بالکل علیحدہ کردیا جائے گا۔ بنواُمیہ سے لے کر آج تک خلافت کی تمام تاریخ اسی حقیقت نفس الامری کی شاہد ہے۔ روحانی معلم کا منصب ملکی بادشاہت سے بالکل علیحدہ رہا ہے۔ چند شاندار مثالوں کو چھوڑ کر تاریخ اسلام میں کبھی کوئی ایسا ملکی خلیفہ نہیں ہوا، جس نے لوگوں کے لئے روحانی معلم کا کام بھی کیا ہو۔ اسلام میں بڑے بڑے عظیم الشان بادشاہ ہوئے ہیں۔ ملکی خلفاء اس میں آتے رہے ہیں۔ اور وہ واجب الاحترام ہستیاں بھی اس میں پیدا ہوئیں جو امام اور مجدد یا خلفاء کے منصب پر مامور تھیں۔ لیکن ان دونوں خلافتوں میں یہ فرق ہے کہ بادشاہت یا ملکی حکومت قوم سے تعلق رکھتی ہے۔ اور روحانی خلافت افراد سے۔ ایک شخص اپنی انفرادی ترقی سے روحانی خلافت کے منصب پر پہنچ جاتا ہے لیکن ملکی اقتدار، جو ایک قوم ہی کا حق ہے، دراصل کسی فرد واحد کو نہیں دیا جاسکتا۔ ہاں! اگر ایک خاص نظام کے ماتحت ایک شخص کو اس قومی طاقت کا نمائندہ

کر دیا جائے، تو اسے بے شک خلیفہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن محض خلافت کا ایک نشان ہونے کے سبب سے، جو اس قوم کی مِلک ہے، جس کا وہ ایک ممبر ہے۔

تاہم میں اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ترکوں نے باوجود ان صاف خیالات کے، جو وہ اس مسئلہ کے متعلق رکھتے ہیں، کیوں پسند کیا کہ پوپ کی طرح ایک برائے نام خلیفہ تجویز کر لیں۔ غالباً ہمارے علماء کو تسکین دینے کے لئے ہے۔ جو ترکوں میں سے ہی روحانی خلیفہ بنانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر ہمارے علماء کو ایک ایسے سلطان کی ضرورت ہے جو ان کا ملکی بادشاہ بھی ہو اور روحانی خلیفہ بھی، تو ترکی مدبرین نے ایک ایسا خلیفہ ان کے لئے تجویز کر دیا ہے۔ اور اب ان کے پاس مایوسی کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ ایسی حالت میں ایک ترک یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر تم یہ مان سکتے ہو کہ ایک سلطان، بغیر اس کے کہ کوئی روحانی طاقت اس کے پاس ہو، روحانی خلیفہ ہو سکتا ہے، تو وہ دنیوی اقتدار کے بغیر ملکی خلیفہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ اگر ایک حالت میں ایک چیز کو دوسری کسی چیز کا نتیجہ قرار دیتے ہو، تو اسی قسم کی دوسری حالت میں ایسا کیوں تسلیم نہیں کرتے؟

حقیقت الامر یہ ہے کہ ملکی خلافت لازماً ایک قومی جاگیر ہے۔ اور انگورہ نے اس کو ترکی قوم کے سپرد کرنے میں صحیح طریق اختیار کیا ہے۔ اس پر گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ گھبرانا اس صورت میں چاہئے تھا کہ اس طاقت کو خلیفہ کے حوالہ کر دیا جاتا۔ میں ہر قسم کے خیالات رکھنے والے مسلمانوں کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ ایسی باتوں سے پرہیز کریں جو نئی ترکی جمہوریت کے لئے پریشانی کا موجب ہوں۔ خلافت کو اب صحیح رنگ دے دیا گیا ہے اور اب وقت ہے کہ ہم اس نظام کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں، نہ کہ اسے توڑنے کی۔

☆☆☆

ہندو شدھی سبھا اور مسلمان

جس دن سے ہندوؤں کی طرف سے شدھی کی تحریک ہوئی ہے، اسی وقت سے ''بھارت ہندو شدھی سبھا'' کے نام سے ایک مجلس برادران وطن نے بنا رکھی ہے۔ جس کے زیر اہتمام وہ نظام ہے جو فتنہ ارتداد سے تعلق رکھتا ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ ہندو قوم، جس کے افراد ایک دوسرے سے اصولی اختلاف رکھتے ہیں، اور مذہباً

کوئی ایک بات بھی ان میں اتحاد کی موجود نہیں، اس کے اندر کسی کام کو کرنے کے لئے ایک ہی نظام کافی ثابت ہوتا ہے۔ جو مختلف الخیال بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مختلف الادیان فرقوں کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر دیتا ہے۔لیکن مسلمان جن میں اصولاً آپس میں اتحاد ہے، اور کوئی ایک بات بھی اختلاف کی نظر نہیں آتی، وہ جب اُٹھتے ہیں تو بجائے مل کر مدافعت کرنے کے آپس ہی میں لڑنے جھگڑنے لگتے، اور ایک دوسرے کے کام میں رخنہ انداز ہوتے ہیں۔

معاصر ''ملاپ'' نے بھارت ہندو شدھی سبھا کے متعلق لکھا ہے کہ:

''12 فروری سے لے کر 31 دسمبر 1923ء تک اس کو ایک لاکھ چوالیس ہزار چار سو آٹھ روپے کی آمد ہوئی۔ سبھا کے زیرِ اہتمام بیس شاخیں کھولی گئیں، جن کے اندر پونے چھ سو (575) پرچارک اور والنٹیئر کام کرتے رہے۔ اور سبھا اس قابل ہوئی کہ ایک سو تین گاؤں کے اندر شاندار شدھیاں کر سکے۔''

یہ اعداد و شمار مسلمانوں کی خاص توجہ کے قابل ہیں۔ کیا مسلمانوں کی تمام انجمنوں کی، جنھوں نے علاقہ ارتداد میں اپنی کوششوں کو متفرق طور پر استعمال کیا، فتنہ ارتداد کے متعلق مجموعی آمد ایک لاکھ روپیہ تک پہنچتی ہے، کیا ان میں سے کام کرنے کے لئے اس قدر والنٹیئر نکلے، جس قدر شدھی سبھا کی طرف سے گئے ہیں۔ کیا ایک سو تین گاؤں میں سے، جن کو مرتد کیا گیا، ایک سو دیہات ایسے پیش کئے جا سکتے ہیں، جو واپس اسلام میں لائے گئے ہوں۔ اگر نہیں اور جس قدر تھوڑا بہت کام ہوا ہے، اس کا بڑا حصہ اس جماعت کی کوششوں کا نتیجہ ہے، جس کو کافر اور مرتد قرار دیا جاتا ہے، تو ان مسلمان کہلانے والے مکفر مولویوں کو ہوش کرنا چاہئے کہ ان کا قدم کس طرف جا رہا ہے۔ کیا وہ اپنی ان حرکات سے اسلام کو تباہی کے گڑھے کی طرف نہیں لے جا رہے ہیں؟

☆☆☆

تاریخی نبی صرف آنحضرت ﷺ ہیں

معاصر ''اپی فینی (Epiphany)'' میں ایک صاحب رقم طراز ہیں کہ:

''آنحضرت ﷺ کے سوائے کوئی دوسرا نبی تاریخی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہمارے پاس بدھ، کرشن، زرتشت، موسیٰ، کنفیوشس اور مسیح کے حالات زندگی پورے طور پر محفوظ نہیں۔اس لئے یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کا پاک نبی ﷺ ایک تاریخی انسان ہے۔جس کے مختلف حالات وواقعات زندگی، جن کو احادیث میں من وعن طور پر بیان کیا گیا ہے، انسانی زندگی کے تمام مختلف شعبوں میں بہترین اصول ہمارے لئے مہیا کرتے ہیں۔اور یہ اسلام کی ایک عجیب وغریب خصوصیت ہے۔''

اس پر ایڈیٹر''ایپی فینی'' نے یہ سوال کیا ہے کہ:

''کیا ہمارا نامہ نگار ہمارے قارئین کو''مقدس نبی اسلام'' کی پیروی ازدواجی معاملات میں بھی کرنے کا مشورہ دے گا؟ اور کیا نبی اسلام کا عورتوں کے ساتھ تعلق آپ کی زندگی کے ان شعبوں میں سے ہے جو نسل انسانی کے لئے بہترین اصول مہیا کرتے ہیں۔''

ہم ایڈیٹر صاحب''ایپی فینی'' کو بتانا چاہتے ہیں کہ یقیناً آنحضرت ﷺ کے ازدواجی معاملات اور عورتوں کے ساتھ تعلقات نسل انسانی کے لئے بہترین اصول ہیں۔اگر عورتوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنا نسل انسانی کے عام افراد کے لئے ضروری ہیں، اگر ان کے بغیر بقائے نسل انسانی ناممکن امر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آخرکار اہل کلیسا کو بھی ایک مدت کی مجردانہ زندگی کے بعد، جو بہت سی اخلاقی بیماریوں کا موجب ہوئی، ازدواجی تعلقات کو جائز قرار دینا پڑا، تو یقیناً اس انسان کو جو نسل انسانی کے لئے ایک نمونہ بن کر آیا ہے، اس شعبہ میں بھی نمونہ بن کر دکھانا چاہیئے۔وہ شخص جو تمام عمر مجردانہ زندگی بسر کرتا اور شادی کے نام سے گھبراتا ہے، وہ خدا ہو یا خدا کا بیٹا، نسل انسانی کے لئے پیروی کے قابل نہیں ہوسکتا۔ یا تو کہو کہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے یونہی پیدا کیا ہے۔اور کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس سے ازدواجی تعلقات قائم کرے۔اس صورت میں ہم دیکھیں گے کہ مسیحی حضرات کہاں تک اس اصول کی پیروی کرتے اور کتنے دن جیتے ہیں؟ ورنہ ان کے لئے سوائے اس کے چارہ نہیں کہ اس نبی کی پیروی کریں جس کی زندگی نسل انسانی کے تمام شعبوں میں نمونہ قائم کرتی ہے۔

13 فروری 1924ء

مکتوب امیر

مجدّد کی آمد

(کسی صاحب نے حضرت امیر کی خدمت میں لکھا ہے کہ مجدد کا آنا قرآن کریم کی کس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے آیت یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (15:40) کو پیش کیا اور لکھا کہ تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر میں حدیث مجدد کو نقل کیا گیا ہے۔ اس پر سائل نے پھر لکھا کہ تفسیر روح المعانی میں حیاتِ مسیح بھی ذکر ہے اور یہ کہ مجدد کی بیعت کیوں ضروری ہے؟ اگر کوئی شخص اپنی جگہ خدمت دین کا کام کرے، تو کیا وہ کافی نہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے حسب ذیل خط لکھا ہے، جو اُمید ہے کہ قارئین کرام کے لئے فائدہ کا موجب ہوگا۔ مدیر)

☆☆☆

مکرم و معظم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا خط مورخہ 28 جنوری کو ملا۔ آپ کا پہلا سوال یہ ہے کہ قرآن کریم سے مجدد دین کا آنا ثابت کیا جائے۔ میں نے آیت یُلْقِی الرُّوْحَ (15:40) پیش کی تھی اور روح المعانی سے اس کی تفسیر پیش کی تھی۔ اس پر آپ کو یہ اعتراض ہے کہ روح المعانی میں اس تفسیر کا ہونا کوئی دلیل نہیں۔ میں نے بھی دلیل تو صرف آیت قرآنی سے لی تھی۔ چونکہ بعض وقت یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ ایک آیت سے کھینچ تان کر یا بے جا تاویل کر کے ایک مطلب نکال لیا گیا ہوگا اس لئے میں نے ایک مُسلّم تفسیر کا حوالہ پیش کر دیا تھا کہ میں ہی اس سے یہ معنی اخذ نہیں کرتا، بلکہ پہلے لوگوں نے بھی کئے ہیں۔ اور یہ خیال، کہ اگر روح المعانی کے ایک معنے کو میں صحیح سمجھوں تو رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (158:4) کے معنی کو کیونکر صحیح نہیں سمجھتا، غلط فہمی پر مبنی ہے۔ رَفَعَهُ اللّٰهُ کے اس معنے کو میں اس لئے صحیح نہیں سمجھتا کہ

قرآن کریم کے دوسرے مقامات کی نص صریح کے خلاف ہے اور وفات پا جانے کا قول بھی اس میں ہے، گو وہ تھوڑے وقت کے لئے ہو، اسے میں مطابق قرآن پا کر قبول کرتا ہوں۔ جن بزرگوں نے قرآن کریم پر غور کیا ہے، اپنی عمریں اس پر صرف کی ہیں اور اس کے صحیح مفہوم تک پہنچنے کی کوشش کی ہے، ان کی محنت کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا کہ اُن سے کہیں کہیں غلطی بھی ہوگئی ہے۔ غلطی تو بشر سے ہوگی۔ ہاں اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر حدیث مجدد سے کرنا خلاف قرآن یا خلاف حدیث ہے، تو میں اس معنے کو ترک کر دوں گا۔ دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا صرف یہ فرض تھا کہ اصول دین کو وضاحت سے بیان کر دیتا۔ فروع کو اس صراحت سے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر کوئی شخص یہ اصرار کرے کہ پانچ نمازیں اور ان کے ادا کرنے کے یہ اوقات اور ان کے پڑھنے کا یہ طریق صراحت سے قرآن شریف میں نہ دکھایا جائے، اس وقت تک میں ان کو ضروری نہیں سمجھتا، تو وہ حق بجانب نہ ہوگا۔ کیونکہ فروع میں جن باتوں کی تصریح نبی کریم ﷺ نے فرما دی، انہیں ہم اسی طرح قبول کرنے کے پابند ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کو جو قرآن کریم میں صراحت سے مذکور ہیں۔ یہ سچ ہے کہ مجددین کا آنا اصل دین میں داخل نہیں، بلکہ فروع اسلام میں داخل ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے اس کی صراحت فرما دی ہے۔ جب یہ فرما دیا کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ مجدد مبعوث کرتا رہے گا۔ اور یہ حدیث قرآن کریم کے کسی اشارہ تک کے بھی خلاف نہیں، بلکہ قرآن کریم خود اس بات کی تائید فرماتا ہے کہ کلام الٰہی غیر انبیاءؑ سے بھی ہوتا ہے۔ اور تائید مجدد کی ضرورت تا قیامت بتاتا ہے۔ اور مومنوں کو مبشرات دیئے جانے کا وعدہ دیتا ہے۔ اور ان سب باتوں سے حدیث مجدد کی تائید ہوتی ہے۔ پس قرآن کریم نے مجددین کے آنے کی طرح يُلْقِي الرُّوحَ میں صاف اشارہ کر دیا، اور حدیث نبوی سے اس کی وضاحت کر دی اور اُمت کے بزرگوں نے اس حدیث کے ماتحت دعویٰ کر کے اس کی صداقت پر تعامل کی مہر بھی لگا دی۔ تو اب اس کا انکار مسلمان کو نہیں چاہئے، پھر مجدد بھی صرف یہی کہتا ہے کہ میں خدمت اسلام کے لئے آیا ہوں۔ اور اس خدمت اسلام میں میرا ساتھ دو۔ اور یہ بھی ہمارے لئے موزوں نہیں کہ کہیں کہ مجدد کی ضرورت نہیں۔ جبکہ قرآن و حدیث اس کی ضرورت بتاتے ہیں۔

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. (119:9) صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ صادق سے مراد صرف سچ بولنے والا

نہیں، بلکہ اصطلاحِ قرآن میں صادق وہ لوگ ہیں جو دین اسلام کی تائید میں صدق دکھائیں اور خدا کے راستے میں اور دین حق کے پھیلانے میں جہاد کریں۔ پس مجدد اس آیت کے سب سے بڑھ کر مصداق ہیں۔ ان کے ساتھ ہو جانا یوں قرآن کریم کی نص صریح سے ثابت ہے کہنے کو میں بھی کوئی خاص وقعت نہیں دیتا۔ نام تو صرف امتیاز کے لئے ہے۔ جب مجدد کے لئے یہ ضروری ہے کہ دین حق پھیلانے کے لئے ایک جماعت بنائے، جو ان غلطیوں سے لوگوں کو متنبہ کرے جو دین کے پھیلانے میں رکاوٹ کا موجب ہو رہی ہیں۔ جماعت کو کچھ کام بھی دیا جائے گا، خواہ اسے آپ جماعت کہہ لیں، یا مسیح موعود کے ساتھی یا احمدی جس طرح امتیاز کے لئے ہم ایک انسان کا نام رکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح امتیاز کے لئے ہم ایک جماعت کا نام رکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس جماعت کا نام احمدی رکھا۔ اور مابعد جماعت میں داخلہ کے لئے بیعت لینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ بیعت بندی خلاف قرآن نہیں، محمد رسول اللہ ﷺ نے خود کئی دفعہ مسلمانوں سے ضرورت دین کے لئے بیعت لی، بزرگانِ دین ضرورت دین کے لئے بیعت لیتے رہے۔ پھر اگر مجدد وقت ایک سخت ضرورت دین کے لئے بیعت لیتا ہے تو اس میں کون سی ایسی بات ہے، جس پر ایک مسلمان کو گھبراہٹ ہو؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی سب توفیق ملتی ہے۔ اسی کا فضل شامل حال ہو، تو انسان قدم اُٹھا سکتا ہے۔ میں بھی دعا کرتا ہوں اور آپ بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ حق کے لئے آپ کے سینہ کو کھول دے اپنے دین کی خدمت کے لئے مجاہدات شاقہ کی توفیق دے اور بلا خوف لومۃ لائم اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق دے۔ اگر توفیق ملے تو نماز تہجد میں خصوصیت سے اس کے لئے دعا کریں۔

والسلام

خاکسار۔ محمد علی

☆☆☆

خط جرمنی

جناب مولوی صدرالدین صاحب جرمنی سے لکھتے ہیں کہ رسالہ سہ ماہی کا کام شروع کر دیا ہے۔ ایک قابل آدمی ترجمہ کے کام کے لئے رکھ لیا ہے۔ جس کا ترجمہ نہایت پسندیدہ ہے۔ ڈاکٹر مشٹاٹ کے لیکچر کا اسی نے

ترجمہ کیا تھا۔ جس کا اس پر اثر ہوا کہ اس نے کہا کہ اسلام کو ہم لوگ کچھ اور سمجھتے تھے۔ لیکن اس کی معقولیت اور مفید ہونے کا اب علم ہوا ہے اور کہا کہ محض اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے یہ کام وہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ انگریزی، فرانسیسی بھی اچھی طرح جانتا ہے۔

خط انگلستان

ہماری انجمن کی طرف سے بیرونٹ ہملٹن کو اسلام قبول کرنے کی بذریعہ تار مبارک باد دی گئی تھی، جس کا جواب اُنہوں نے اپنی قلم سے بذریعہ ڈاک دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ جملہ برادران کی دعاؤں اور نیک خواہشات کے لئے از حد ممنون ہیں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نیک مسلمان بنائے۔ میری طرف سے سب بھائیوں کی خدمت میں السلام علیکم عرض کر دیں۔

27 فروری 1924ء

مکتوبِ امیر

حضرت مسیح موعود اور سرسیّد احمد خان

ایک صاحب نے حضرت امیر کا رسالہ ''دعوت عمل'' پڑھ کر آپ کی خدمت میں لکھا کہ:

☆ سلسلہ احمدیہ نے اسلام کی جمہوریت اور آزادی کو نقصان پہنچایا، اور دو فریق میں اضافہ کیا ہے۔

☆ دوسری انجمنیں بھی اشاعتِ اسلام کر رہی ہیں۔ ان کے ساتھ کیوں شمولیت اختیار نہ کی جائے؟

☆ سرسید نے سب سے پہلے اس زمانہ میں انگلستان میں اشاعتِ اسلام کی اور ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کیا، اُنہوں نے وفاتِ مسیح کے ساتھ ولادتِ مسیح کو بھی حل کیا اور قرآن کی تعلیم کو پھیلایا۔ پس ان کو مجدد کیوں نہ مانا جائے۔ اگر کہا جائے کہ سرسید نے دعویٰ نہیں کیا تو مجدد الف ثانیؒ کے سوائے اوروں کا بھی کوئی دعویٰ نہیں۔

☆ سرسید اور مہدی علی خاں دونوں سادات میں سے تھے۔ اس لئے مسیح اور مہدی کی احادیث ان دونوں پر پوری ہوتی ہیں، کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔''

ان اعتراضات کے جواب میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے حسب ذیل خط لکھا:

اخویم مکرم معظم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

نوازش نامہ پہنچا۔ سرسید کی خدمات سے مجھے انکار نہیں۔ اُنہوں نے سر ولیم میور کو معقول جواب دیئے ہیں۔ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں جو کوشش انہوں نے فرمائی، وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اور ہر مسلمان کو ان کی ان خدمات جلیلہ کے لئے ان کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ لیکن میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا، کہ مجدد کا منصب اور ہے، اور تجدید دین کا کام بھی صرف اس قدر نہیں بلکہ یہ بیشتر کام ہر قوم کے اندر اُن کے بڑے بڑے لوگ کرتے ہی

رہتے ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے، علاوہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اور بزرگ بھی مجددیت کا دعویٰ کرنے والے ہوئے ہیں۔لیکن اس میں تو کچھ بھی شبہ نہیں، کہ اگر اللہ تعالیٰ نے سرسید کو اس منصب جلیلہ پر کھڑا کیا ہوتا، اور ان کے سامنے ایک شخص جھوٹا دعویٰ کرتا، تو ضرور تھا کہ وہ اپنے منصب جلیلہ سے لوگوں کو مطلع کرتے۔ تاکہ دوسرے لوگ دھوکہ میں نہ رہیں۔ علاوہ ازیں بغیر سرسید یا ان کے پیروؤں کی تحقیر کا خیال دل میں لانے کے میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ شعار اسلامی کی وہ عزت اور پابندی شریعت کا وہ جذبہ، جو ایک مجدد کے پیروؤں کے کثیر حصہ میں ہونا چاہیئے، وہ سرسید کے رنگ میں رنگین لوگوں میں کم نظر آتا ہے۔ بہرحال ایک مسلمان ہونے کی حیثیت میں بھی یہ ماننا پڑتا ہے کہ مجدد کو کھڑا کرنا خدا کا کام ہے۔ جب ایک شخص یہ دعویٰ کرتا ہے اور خدمت دین میں بھی اپنے اہل عصر پر فوقیت لے گیا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُسے تو چھوڑ دیں اور کسی دوسرے کو اس کا اہل سمجھیں۔

حضرت مرزا صاحب نے اشاعتِ اسلام کا وہ خیال دنیا میں پھیلایا ہے، جو بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں مر چکا تھا۔ اور ایک جماعت صرف اسی غرض کے لئے تیار کی ہے کہ وہ خدمت اسلام کا کام کرے۔ اور اشاعتِ اسلام کے راستہ میں جس قدر رُکاوٹیں تھیں، ان کو دور کر کے اسلام کے پاک چہرہ کو دنیا پر روشن کیا ہے، علم کلام جو آپ نے پیدا کیا ہے، وہ خود ایسا زبردست ہے کہ کوئی شخص اس کو ہاتھ میں لے کر ہر مذہب کے پیروؤں پر غالب آ سکتا ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں سرسید اپنی جگہ پر ہر طرح قابل عزت ہیں، لیکن اُن کو اس طرح مقابلہ میں لانا درست نہیں۔ آخر کوئی فرق تو تھا کہ حضرت مرزا صاحب کے پیروؤں میں اشاعتِ اسلام کا جو زبردست خیال پیدا ہوا ہے، جس کے نتائج بھی ہم آج دیکھ سکتے ہیں اور ان کے اندر ہر مذہب کا مقابلہ کرنے والے جو لوگ پیدا ہوئے ہیں، یہ دونوں باتیں سرسید کے پیروؤں میں نظر نہیں آتیں۔ اور مجدد کا کام خالص تر دینی خدمت ہی ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ ایک اور فرقہ بڑھ گیا، اور اس میں داخل ہو کر مسلمانوں سے حسد ہی بڑھتا ہے۔ یہ میرے خیال میں اس جماعت کا غلط اندازہ ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب ایک جماعت نہ بناتے تو یہ کام ان کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا۔ ان کی غرض دنیا میں اشاعتِ اسلام کے کام کو زندہ کرنا تھا۔ اور جب تک اس کے

لئے ایک جماعت کو کھڑا نہ کرتے، یہ کام نہ ہوسکتا تھا۔ ان تمام فقہی اُمور میں، جن پر اکثر فرقوں کی بنیاد ہے، ہمارا مسلک بالکل آزاد ہے۔ بحیثیت جماعت ہم اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ جو لوگ اس نیک کام میں حصہ لیں، وہ ان غلط خیالات سے پاک ہوں، جو اشاعتِ اسلام کے راستہ میں رُکاوٹ ہورہے ہیں، اور مجدد وقت کے دامن سے وابستہ ہوں، جس سے اُن کے اندر ایک قوت عمل پیدا ہو، اس سے کوئی نیا فرقہ نہیں بن جاتا۔ اور اگر اسے تمیز کے لئے ایک نام بھی دیا جائے تو اُس سے فی الحقیقت کوئی فرق نہیں پڑتا۔ رہا حسد کا خیال تو اگر ایک لمحہ کے لئے بھی مسلمانوں کے متعلق کسی دل میں اس جماعت میں شامل ہونے سے حسد پیدا ہو، تو وہ اس کو ترک کرسکتا ہے۔ ہم تو صرف اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے ایک جماعت بناتے ہیں۔

بلاشبہ سر سید بھی وفاتِ مسیحؑ کے قائل تھے، اُن سے پہلے بھی بہت بزرگ اسلام میں وفات مسیحؑ کے قائل ہوچکے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ بھی وفات مسیح کے قائل تھے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے جو انقلاب پیدا کیا ہے، وہ ان بزرگوں کو میسر نہیں آیا۔ ہر ایک امر اپنے وقت پر ہی ہوتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کی بن باپ پیدائش اس قدر عیسائیت کی قوت کا موجب نہیں، اس لئے کہ اس بارہ میں خود عیسائی بھی اور لوگوں کو ان کا شریک مانتے ہیں۔

خاکسار

محمد علی

☆☆☆

صدقہ جاریہ کے کچھ کام

میں احباب کی توجہ دو کاموں کی طرف خصوصیت سے مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ ایک بعض مقامات پر مساجد کا قیام ہے۔ بعض شہروں میں ہماری جماعت کی اپنی مساجد نہیں، یا اگر ہیں تو ان پر مرمت وغیرہ کے رنگ میں اور روپیہ خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر احباب اس نیک کام میں تھوڑا تھوڑا حصہ لیں، یا کوئی احباب ایسے ہوں، جو تعمیر مسجد کے لئے کچھ روپیہ صرف کرسکتے ہوں، تو عنداللہ ماجور ہوں گے۔ دوسری ضرورت، جس کی طرف احباب کی توجہ کی ضرورت ہے، یہ ہے کہ ہر سال دو تین ہزار روپے کے قریب ہمیں بعض ضروری کتب اور

قرآن شریف کے ترجموں کی مفت یا رعائتی اشاعت پر صرف کرنا پڑتا ہے۔ جو بعض وقت غیر مستطیع مسلمان اصحاب یا نوجوان مسلمان طلباء کو دیئے جاتے ہیں یا غیر مسلموں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اگر احباب کی اس طرف توجہ ہو تو یہ صدقہ جاریہ کا نہایت اعلیٰ درجہ کا کام ہے۔

محمد علی

24 فروری 1924ء

روئیداد

بلادِ شرقیہ میں تبلیغ اسلام ۔ 1

جزائر شرق الہند اور چین کی طرف اسلامی مشن کی روانگی

گذشتہ اشاعت میں ہم بتا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے دو اور تبلیغی مشن جزائر شرق الہند اور چین کی طرف روانہ ہو گئے ۔ یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان مشنوں کی روانگی سے پیشتر جماعت احمدیہ لاہور کا ایک خاص جلسہ مسجد احمدیہ میں 17 فروری کی شب کو منعقد ہوا۔ جس میں متعدد اصحاب نے تبلیغ اسلام کی ضرورت و اہمیت اور سلسلہ احمدیہ کی خدمات اسلام کا ذکر کرتے ہوئے ہر مبلغ کے مجاہدانہ عزم و ہمت کی داد دی کہ اُنہوں نے اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر ان دور دراز ممالک میں، جہاں کی زبانوں سے بھی وہ واقف نہیں، جانا اور خدماتِ اسلام کو بجالانا اپنا فرض سمجھا اور اپنے ذاتی مفاد پر اسلام کی اس اہم ضرورت کو ترجیح دی ۔

سب سے پہلے جناب چوہدری غلام حیدر خاں صاحب برادر خورد مولوی ظفر علی خاں صاحب نے ایک مختصر تقریر کی ،اور بتایا کہ مجھے یہ سن کر کہ چین اور ملایا وغیرہ کی طرف ہمارے بعض دوست تبلیغ اسلام کے لئے روانہ ہونے والے ہیں، بڑی ہی خوشی ہوئی ۔ میں خود ایک سال سے تبلیغ کے کام میں مصروف ہوں، اور اسی کو مسلمانوں کی کامیابی کا واحد ذریعہ سمجھتا ہوں ۔ چین کے متعلق اُنہوں نے بتایا کہ میں نے ایک کتاب ''اسلام ٹرن چائنا'' پڑھی ہے جو ایک عیسائی مشنری کی لکھی ہوئی ہے ۔ اور اس سے چینی مسلمانوں کے بہت سے حالات معلوم ہوئے ہیں ۔ اس کا ترجمہ میں کر چکا ہوں، جو دو تین ماہ تک شائع ہو جائے گا ۔

آپ نے فرمایا کہ ہم مادہ پرستی کے حربوں سے کامیاب نہیں ہو سکتے ۔ اگر کامیابی ہمیں حاصل ہو سکتی ہے تو مذہبی قوت سے ۔ اس مذہبی قوت کو پیدا کرنا علماء کا کام تھا ۔ لیکن افسوس ہے کہ علماء کی بہت بڑی جماعت اپنی

ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتی اور کفر بازی سے اسلام کو ذلیل کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ عیسائی لوگ تمام دنیا پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ ہماری ہی تقلید کر رہے ہیں۔ کیونکہ آج سے سات سو سال پہلے تبلیغ اسلام کا ایک باقاعدہ نظام تھا۔ یہ اس وقت کی حالت ہے جب موجودہ زمانہ کی سی سہولتیں میسر نہ تھیں۔ پھر مغربی افریقہ میں اسلام کی رفتارِ ترقی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اگر ہم مسلمان بنیں، اچھا نمونہ قائم کریں تو ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ نے جماعت احمدیہ کو خاص طور پر مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ نہ سمجھئے گا کہ آپ تنہا ہیں، خدا اور رسول ﷺ آپ کے ساتھ ہیں۔ مخالفتوں کا دریا جلد رستہ سے ہٹ جائے گا۔ آپ نے کفر بازی پر اظہار نفرت کرتے ہوئے آخر میں یہ تحریک کی کہ جاپان میں بھی احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی طرف سے ایک مشن بھیجا جائے۔ وہاں بھی عیسائیت کا خاص زور ہے۔ اور وہاں کی سوشل حالت ایسی ہے کہ اس سے ہم خاص طور پر فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

چوہدری صاحب کے بعد شیخ عطاء اللہ صاحب کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے بتایا کہ اگرچہ مجھے ابھی تک بیعت کا شرف حاصل نہیں ہوا، تاہم سلسلہ احمدیہ کی خدمات کو میں نیاز مندانہ عقیدت سے دیکھتا ہوں۔ حافظ محمد حسن صاحب جس وقت سلسلہ میں داخل ہوئے تھے مجھے خاص خوشی ہوئی تھی کہ وہ خدمت اسلام کے اہل ہیں۔ ان کی اس اہلیت کے اظہار کا آج وقت آ گیا ہے۔ اور وہ آج اصلی معنوں میں سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ مرزا ولی احمد بیگ صاحب کا چین میں ورود تاریخِ اسلام میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا۔ مسلمانانِ ہند کے بعد چین ہی مسلمانوں کا سب سے بڑا گھرانہ ہے۔ اور اس کے بعد روس ہے۔ موجودہ زمانہ میں پریس کی طاقت پر آپ نے خاص طور پر زور دیتے ہوئے حافظ محمد حسن صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ سنگاپور، جاوا وغیرہ جائیں اور خدمت دین کا فریضہ ادا کریں اُنہوں نے فرمایا کہ اگر حافظ صاحب نے قلم کی طاقت سے کام لیا، تو وہ اسلام کی بہت بڑی خدمت سرانجام دیں گے۔

آخر میں آپ نے اس دلی خواہش کا بھی اظہار کیا کہ چین کو مسلمانوں نے تبلیغ سے فتح کیا اور سپین کو تلوار سے۔ لیکن آج سپین مسلمانوں سے خالی ہے۔ میری خواہش ہے کہ تلوار سے فتح کئے ہوئے ملک کو تبلیغ کے ذریعہ سے اب دوبارہ حلقہ بگوش اسلام کیا جائے۔ اس کے بعد مولوی محمد یعقوب خاں صاحب اُٹھے اور اُنہوں

نے ان جذبات کا ذکر کرتے ہوئے جو ایسے موقع پر انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں جب وہ اپنے وطن اور اعزء او اقارب کو چھوڑ کر دور دراز ممالک میں جا رہا ہو، اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ حافظ محمد حسن صاحب ایسی جگہ جا رہے ہیں جہاں اسلام کو ان کی سخت ضرورت ہے۔ ایسا ہی مرزا ولی احمد بیگ صاحب اُس ملک میں جا رہے ہیں جہاں صدیوں سے کوئی نہیں گیا۔ آپ نے فرمایا کہ افریقہ میں بھی اسلام کے لئے بہت بڑا میدان ہے۔ اگر کوئی کوشش اس جگہ ہوئی تو وہ احمدیوں نے کی ہے۔ لیکن ایسے وسیع براعظم کے لئے ایک محدود جماعت کی کوشش کافی نہیں۔ اور ساتھ ہی بتایا کہ افریقہ کی سواحلی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ عیسائیوں کی طرف سے کیا گیا ہے۔ تا کہ پادری لوگ قرآن سے واقف ہو کر اسلام کے خلاف کوشش کر سکیں۔ آپ نے بتایا کہ حال ہی میں چین سے ایک پادری کام چھوڑ کر جا رہا تھا۔ اس نے اپنا ذاتی ڈیڑھ لاکھ ڈالر اس غرض سے وقف کر دیا کہ اس سے عیسائیوں کے لئے ہیڈ کوارٹر مقرر کر دیا جائے۔ آپ نے اس بات پر خاص طور پر اظہار مسرت کیا کہ حافظ محمد حسن صاحب اس جماعت مبلغین میں سے ہیں جو 1919ء میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے شملہ میں بنائی تھی۔ اور اس میں آپ (یعنی مولوی یعقوب خاں صاحب) بھی شامل تھے۔ آپ نے بتایا کہ جتنے اصحاب اس جماعت میں تھے، وہ سب کے سب دینی خدمات پر مامور ہیں۔ یا مامور رہ چکے ہیں۔ مثلاً مولوی فضل کریم خاں صاحب جنہوں نے ٹرینیڈاڈ میں اسلام کی نمایاں خدمات سرانجام دیں ایک عیسائی رسالہ (مسلم ورلڈ) نے لکھا ہے کہ بہت سے مسلمان نوجوان، جو ان کے زیر اثر رہ چکے ہیں، اب عیسائیت کے دام میں نہیں آ سکتے۔ ایسے ہی ایک وہ ہیں (یعنی چوہدری ظہور احمد صاحب بی۔ اے) جو انجمن کے کاروبار میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔

آپ نے بتایا کہ ہمیں اصحابِ بوڑھ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ کیونکہ ہم ایک بوڑھ کے درخت کے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ ممکن ہے جس طرح اصحاب الصفہ کو لوگ ان کی نیکیوں کی وجہ سے یاد رکھتے ہیں اسی طرح اصحاب بوڑھ کا نام بھی اپنی خدماتِ اسلام کی وجہ سے تاریخ اسلام میں ثبت ہو جائے! آخر میں آپ نے لیکھرام کے ایک واقعہ کا ذکر کیا کہ اس کا لڑکا بہت بیمار تھا۔ ڈاکٹر بلانے کے لئے آدمی بھیجا، اسی اثناء میں خبر آئی کہ فلاں جگہ اس قدر ہندو مسلمان ہونے والے ہیں۔ اس نے ڈاکٹر کا بھی انتظار نہ کیا اور روانہ ہو پڑا۔ گھر سے اسے روکا گیا تو اس نے کہا کہ جب ہندو قوم کے اس قدر فرزند مرنے والے ہیں تو بجائے اس کے کہ میرا ایک لڑکا

مر جائے، تو حرج نہیں اور وہ چلا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس واقعہ کو آریہ سماج نے اپنی کتابوں میں بڑی اہمیت دی ہے۔ لیکن حافظ صاحب کا واقعہ اس سے بڑھ کر ہے کہ آپ مع عیال جا رہے ہیں اور اپنا بچہ آپ پیچھے چھوڑ چلے ہیں۔ یہ اس سے زیادہ قربانی ہے۔

مولوی محمد یعقوب خاں صاحب کے بعد حضرت امیر ایدہ اللہ نے ایک بسیط تقریر کی۔ جس میں مبلغین اور دیگر تمام احباب کو بہت سی ضروری نصائح فرمائیں۔ وہ تقریر آئندہ اشاعت میں ہدیۂ ناظرین کرام ہوگی، انشاءاللہ۔ اس کے بعد جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب جنرل سیکرٹری کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ میں اپنے دل میں اُمنگ پاتا ہوں کہ مجھے بھی خدا ایسی خدمت کا موقع دے۔ کئی دفعہ میرے دل میں خواہش ہوتی ہے کہ میں نکلوں۔ لیکن ''ایں سعادت بزور بازو نیست''۔ آپ نے حافظ صاحب اور دیگر مبلغین کو ان کی ذمہ داریاں بتاتے ہوئے کہا کہ مبلغ اسلام ہو کر وہ مجددین کی کرسی پر بیٹھتے ہیں۔ وہ نائب مجدد ہو کر جاتے ہیں۔ اس سے ان کی ذمہ داریاں بڑھتی ہیں۔ انہیں چاہئے کہ اپنی ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھیں اور اپنے نمونہ سے لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچیں۔

آخر میں حافظ محمد حسن صاحب کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ دوگونہ جذبات، جن کا ذکر حضرت امیر نے فرمایا ہے، اس وقت میرے دل میں ہیں۔ غم کے جذبات بھی ہیں اور مسرت کے بھی۔ غم اس لئے نہیں کہ میں وطن چھوڑ کر جا رہا ہوں، اس کا بھی غم فطرتاً میرے دل پر ہے، لیکن اصل غم یہ ہے کہ وہ ذمہ داری جو مجھ پر ڈالی گئی ہے، ممکن ہے میں اس سے عہدہ برآ ہوسکوں یا نہ۔ آپ نے فرمایا کہ جس وقت تقریریں ہو رہی تھیں، میں اسلام اور اسلام کے خدا کی حمد اور حضرت مسیح موعود کی تعریف کر رہا تھا۔ اسلام اور اسلام کے خدا کی حمد اس لئے کرتا تھا کہ اس وقت ہمارے اندر ایک بھائی دور دراز مقام (ٹرینیڈاڈ، جزائر غرب الہند) سے آئے ہوئے ہیں۔ یہ اخوتِ اسلامی کا نظارہ ہے کہ اس قدر دور دراز مقام سے ایک شخص ہم میں آتا ہے اور بھائیوں کی طرح رہتا ہے۔ دوسرا نظارہ اسلام کی طاقت کا ہے کہ ایک دوسرا تمدن رکھنے والا جب ہم میں آتا ہے تو وہ بھائی بن جاتا ہے۔ جس کی مثال ہم میں شیخ دوست محمد صاحب نومسلم ہیں۔ مسیح موعود کی تعریف میں اس لئے کر رہا تھا کہ اُنہوں نے آج سے چالیس سال پہلے کہہ دیا تھا کہ مسلمانوں کی ترقی تبلیغ کے بغیر نہیں۔ آج اس سٹیج پر کھڑے ہو کر ایک ایسے شخص

چوہدری غلام حیدر خاں صاحب نے اسی بات کا اعتراف کیا۔ اُنہوں نے بہت سے پولیٹیکل دنگل دیکھے ہوئے ہیں۔لیکن آخر کار تبلیغ کا ہی کام کرنا اُنہوں نے ضروری سمجھا۔تو اسلام کے خدا، اسلام اور مسیح موعود کی تعلیم کو لے کر جو دنیا میں نکلے گا، وہ یقیناً کامیاب ہو جائے گا۔ زمین تیار ہو چکی ہے۔ بیج ڈالنے والوں کی ضرورت ہے۔ لوگ خواب غفلت میں ہیں، وہ نہیں جانتے دنیا میں اس کی کس قدر ضرورت ہے، اس لئے ان کو جگانا ضروری ہے۔حافظ صاحب نے اس بات کو افسوس کے ساتھ دہرایا کہ وہ لوگ جن کا کام یہ تھا کہ وہ دنیا کی اصلاح کریں، آج ان کی اصلاح کی ضرورت پیش آ گئی۔لیکن دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔اور خدا کا شکر ہے کہ اس غفلت کی حالت میں بھی حفاظت اسلام کے سامان اللہ تعالیٰ پیدا کر رہا ہے۔آپ نے فرمایا کہ یہ جو میری قربانی کا ذکر کیا گیا ہے، میں کسرنفسی کے طور پر نہیں، بلکہ حقیقی طور پر کہتا ہوں کہ یہ قربانی نہیں بلکہ حضرت امیر کے ارشاد کی تعمیل میں نے کی ہے۔

پریس کی طاقت واہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس کا مجھے پورے طور پر علم ہے۔اور پریس کی اس اہمیت کو بتانے اور اس کے عظیم الشان اثرات کا ذکر کرنے کے لئے ہی اللہ تعالیٰ قلم اور اور دوات کی قسم کھاتا ہے۔ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (1:68)اس میں بتایا ہے کہ جس قدر پریس دنیا میں مضبوط ہوگا، جس قدر قلم اور دوات سے کام لیا جائے گا، جس قدر صحائف وجرائد دنیا میں پھیلیں گے، اسی قدر اسلام کی صداقت ظاہر ہوگی۔

آخر میں آپ نے حاضرین سے التجا کی کہ آپ دعا کریں کہ مجھے اللہ تعالیٰ حضرت امیر کا سا ایمان، حضرت خواجہ صاحب جیسا جوش، مولٰینا صدرالدین صاحب جیسا جذبہ، مولوی محمد یعقوب خاں صاحب جیسا زورِ قلم عطا کرے، تا کہ جن ذمہ داریوں کو میرے سر پر رکھا گیا ہے، اُن سے عہدہ برآ ہوسکوں۔ حافظ صاحب کی اس تقریر کے بعد مرزا ولی احمد بیگ صاحب حاضرین کے اصرار پر اُٹھے اور اُنہوں نے صرف دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اس عظیم الشان کام میں، جو اُن کے سپرد کیا گیا ہے، کامیاب کرے۔ اس کے بعد حضرت امیر ایدہ اللہ نے دعا فرمائی اور جلسہ برخاست ہوا۔

سر آرچ بولڈ ہملٹن

سر آرچ بولڈ ہملٹن کے قبولِ اسلام پر ٹائمز آف انڈیا رقمطراز ہے:

''ہم نہیں جانتے کہ سر آرچ بولڈ ہملٹن، جن کے قبول اسلام کا اعلان کیا گیا ہے، اپنے نئے مذہب کے ارکان کو اسی احتیاط کے ساتھ بجا لائیں گے، جس طرح ایک اور ممتاز یورپین نو مسلم ڈاکٹر گرینیر بجالاتے رہے ہیں۔ان کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنے چیمبر میں داخل ہوتے وقت مکہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کیا کرتے، اور کچھ دیر تک نماز میں رہتے تھے۔ وہ ہمیشہ ایک لمبا چوغہ پہنتے تھے، اور تمام قسم کے اوقات میں دریائے سین میں اُتر کر پاؤں دھویا کرتے تھے جو ساحلی لوگوں کے لئے دلچسپی کا موجب تھا۔''

یہ ایک بات اب ٹائمز کے ہاتھ میں آئی ہے، جس سے سر آرچ بولڈ کے قبول اسلام کی اہمیت کو کم کرنا مقصود ہے۔اپنے قارئین کو اس نے جتانا چاہا ہے کہ بے شک ایسے معزز انسان نے اسلام تو قبول کر لیا، لیکن اسلام کے ارکان ایسے ہیں کہ ان پر عمل ہونا دشوار ہے۔تعجب ہے کہ کیا ڈاکٹر گرینیر کی طرح سر آرچ بولڈ ارکانِ اسلام پر پورے طور پر عامل ہوسکیں گے؟ حالانکہ جب اس قدر شاندار مثال سامنے موجود ہے، تو سر آرچ بولڈ کے بارہ میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

ٹائمز کو شاید مسیحیت کے ان اُصولوں کا خیال نہیں رہا، جن کی ادائیگی گرجاؤں کے اندر بھی اہل یورپ کے لئے مشکل ہورہی ہے اور وہ عملاً ان سے بیزار ہیں۔ ہاں! ارکان اسلامی کی ادائیگی کا راہ گزروں کے لئے موجب دلچسپی ہونا کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ یورپ کو باوجود یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ تعلقات قائم کئے ہوئے صدیاں گزر گئیں، لیکن اسلامی اصول اور ارکان اس کے لئے ابھی تک ایک نئی بات ہیں۔اس کی ذمہ داری ان مسلمانوں پر بھی عائد ہوتی ہے، جن کو یورپ جانے اور وہاں رہنے کا اتفاق ہوتا ہے۔اور وہ اپنے عملی نمونہ کے ذریعہ اہل یورپ کو اسلام سے مانوس نہیں کرتے۔اگر تمام وہ طالب علم اور تجارت پیشہ اصحاب، جو یورپ کے بڑے بڑے ممالک میں موجود ہیں، نماز کو پابندی کے ساتھ پڑھا کریں، تو کوئی وجہ نہیں کہ کسی ایک آدھ نمازی کو دیکھ کر انہیں تعجب پیدا ہو۔اور کسی نو مسلم کے لئے ارکان اسلامی پر عامل ہونے میں وہ روک ہو جائے۔

بہرحال سر آرچ بولڈ جیسے انسان، جو تمام قوم اور ملک کے خلاف اسلام کے حق میں آواز اُٹھاتے، اور

اس کے سایہ تلے آجاتے ہیں، اگرارکان اسلام پر عامل ہوں، تو ٹائمنز کو متعجب نہیں ہونا چاہئے ۔تعجب اگر ہوسکتا ہے تو اس پر، کہ اُنہوں نے اسلام کو کیونکر قبول کیا۔اور کیوں یورپین مادہ پرستی یا تثلیث پرستی کی تقلید نہ کی ۔لیکن ان کے اس عمل اوران کے اپنے بیان سے ظاہر ہے کہ اسلام ہی ایک مذہب ہے، جو آج یورپ کے بڑے بڑوں کے دلوں پر فتح پاسکتا ہے۔!

۞۞۞

27 فروری 1924ء

روئیداد

بلادِ شرقیہ میں تبلیغ اسلام ۔2

حضرت امیر ایدہ اللہ کی تقریر دلپذیر جو 17 فروری 1924ء کی شب کو ملایا اور چین جانے والے اصحاب کے الوداعی جلسہ میں آپ نے فرمائی۔

حضرت مولیٰنا نے کلمہ شہادت اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھ کر فرمایا کہ فی الحقیقت دو قسم کے جذبات بہت کم انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسے بھی واقعات پیش آ جاتے ہیں کہ اس وقت دونوں قسم کے جذبات انسان کے اندر جوش زن ہوتے ہیں۔ غم کے بھی اور مسرت کے بھی۔ اس وقت میرے دل میں بھی دونوں قسم کے جذبات موجود ہیں۔ غم بھی ہے اور خوشی بھی۔ ایک اپنے دوست کو رخصت کرنا، اس سے ایک وقت کے لئے جدا ہونا، یہ ایک حد تک افسوس کا موجب ہے۔ لیکن دوسری طرف اس سے راحت ہوتی ہے کہ وہ دوست اپنے فرض کا احساس کر کے خدا کے راستہ میں خدا کی خوشنودی کے لئے نکلا ہے۔ جس کام میں خدا کی خوشنودی ہو، انسان کو کس طرح اس میں خوشی نہ ہو؟

ہمارا موجودہ کام

ہمارے اس کام کے متعلق، جو کچھ ہمارے مدنظر ہے، مختصر طور پر تین باتیں ہیں:

☆ دنیا میں غیر مسلموں کے سامنے اسلام کو لے جانا۔

☆ اسلام کو غیر مسلم اعداء سے بچانا۔

☆ خود مسلمانوں کے اندر اصلاح کرنا، ایک طاقت ایک زندگی ان کے اندر پیدا کرنا۔

یہ تین کام اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ فی الحقیقت یہ بڑے عظیم الشان کام ہیں۔ اتنے عظیم الشان ہیں کہ اگر کہا جائے کہ ان کے کرنے کے لئے کوئی قدم ہم نے اُٹھایا، تو وہ اتنا ہی اُٹھایا ہے جتنا دریا میں سے ایک چلو پانی، بہت ہی عظیم الشان کام ہے، جو کرنے والا ہے۔ اور جو کچھ ہم نے کیا ہے یا کر رہے ہیں، وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ خوشی اگر ہے تو اس لئے کہ بہرحال قدم اُٹھ رہا ہے، اگر غور کیا جائے تو فی الحقیقت یہ تینوں کام ایک ہی کے اندر آجاتے ہیں، یعنی قرآن کا دنیا میں پھیلا دینا، یہی اصل خدمت ہے، یہی ہمارا کام ہے۔

اشاعتِ اسلام کالج کے ثمرات

جس قدر کام اس بارہ میں ہم نے کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر بڑی برکت بھی دی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ شروع میں ایک چھوٹا سا نمونہ تھا اشاعتِ اسلام کالج۔ ایک پادری نے اس کی تصویر کھینچی تھی کہ کالج کیا ہے، چار پانچ طالب علم ہیں، ایک دو اُستاد ہیں۔ اس کا نام اشاعتِ اسلام کالج رکھا گیا ہے۔ لیکن شاید اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے جاری کرنے والوں کی نیت نیک ہوگی کہ اس کو بھی خدا نے آج اس کو اسم بامسمّٰی کر دیا، وہ جو اس کے اندر تعلیم پا رہے تھے، وہ سب کے سب اس وقت اشاعتِ اسلام کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے دوست مولوی عبدالحق صاحب، یہ بھی اس کے اندر تعلیم پاتے تھے۔ یہ اس وقت ''پیغام صلح'' میں ایک معاون تھے، انہوں نے کہا کہ انہیں بھی کالج میں لے لیا جائے۔ انہیں وہاں داخل کر لیا گیا۔ ان میں اس وقت قوت گویائی اس قدر تھی کہ جب ہم نے تجویز کی کہ ان طالب علموں کو کچھ بولنا بھی چاہیئے، تو ان کو بھی کہا گیا، ان کا نمبر بولنے والوں میں سب سے پیچھے تھا، لیکن جب ان کی باری آئی، تو اُنہوں نے اپنا مضمون لکھا ہوا تھا، اور حالت یہ تھی کہ جب پڑھتے تھے، تو ورق جس ہاتھ میں تھا، وہ ہاتھ کانپتا تھا۔ لیکن آج تھوڑی ہی محنت کے بعد وہی مولوی عبدالحق دس دس ہزار کے مجمع میں شیر کی طرح گرجتا ہے۔ اور بھی جو اس کالج کے اندر پڑھنے والے تھے، سوائے ایک آدھ کے، باقی سب ہی کام کے آدمی نکلے ہیں۔ مثلاً مولوی فیروز الدین جو اس وقت علاقہ ارتداد میں کام کر رہے ہیں، ایسا ہی حافظ محمد بخش صاحب، وہ بھی ایک ایسے ہی اہم کام میں مصروف ہیں۔

اسی طرح جن کا ذکر ہمارے خاں صاحب (مولوی محمد یعقوب خاں) نے کیا ہے، بڑی ہی خوشی تھی اس وقت جب یہ چار گریجویٹ نکلے۔ لیکن درمیان میں بعض ایسے واقعات پیدا ہو گئے، یا یوں سمجھئے کہ کام کرنے والوں

اور کام لینے والوں کی غفلت تھی، بہرحال وہ بات یونہی رہ گئی۔لیکن اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا، اس نے آخر ان لوگوں سے بھی کام لیا۔غرض کوئی نیک نیتی کے ساتھ کام کرے، خدا کے لئے ہو، وہ کامیاب ہوگا۔ غرض پرستی، اپنا لالچ جس کام کے اندر ہو، وہ کبھی پھل نہیں لاسکتا۔ یہ تو کوچہ ہی ایسا ہے، کہ جھکنے کے بغیر اس کے اندر کام نہیں چلتا۔ یہاں عاجزی اور فروتنی ہی کام دیتی ہے۔ جو شخص محض خدا کے لئے نکلتا ہے، خدا اس کی کوشش کو ضائع نہیں کرتا، یہ وعدہ بھی ہے اللہ تعالیٰ کا، اور یہی ہمیں آئے دن کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

احبابِ سلسلہ کے لئے دو ضروری باتیں

اب دو باتیں ہیں جو میں اپنے دوستوں سے کہنی چاہتا ہوں۔ ایک تو ان دوستوں سے جو یہاں موجود ہیں اور کاروبار سلسلہ میں اعانت کرنے والے ہیں۔ میں ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ سب سے پہلی بات جو ہمارے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جو خدا کے راستہ میں نکلے ہیں، ان کی قدر وعزت ہمارے دِلوں میں ہو۔ ان کے اپنے دِلوں میں کوئی ایسی بات نہ ہونی چاہئے۔ کام کرنے والا اپنے آپ کو ایک مزدور ہی سمجھے۔ وہ شہرت کا طالب یا اس بات کا خواہش مند نہ ہونا چاہئے کہ لوگ اس کی عزت کریں۔ یہ ہمارا کام ہے کہ جو خدا کے راستہ میں نکلیں، ان کی عزت اور قدر کی جائے۔ دوسری بات جو ہمارے ذمہ فرض ہے، وہ یہ ہے کہ ہم اِن لوگوں کے لئے سامان اور روپیہ بہم پہنچائیں۔ کام کرنے والوں کے لئے مشکلات ہوتی ہیں۔ جب تک ان کو سامان اور روپیہ نہ دیا جائے گا، وہ ان مشکلات پر غالب نہیں آسکتے۔ طرح طرح کی ضروریات کام کرنے والوں کے راستہ میں آتی ہیں۔ ان کے سبب سے اگر کام میں کوئی کمزوری واقع ہوئی، تو وہ ہماری کمزوری کا نتیجہ ہوگی۔ اب جبکہ یورپ اور ایشیاء دونوں جگہ ہم اسلام کو پھیلا رہے ہیں تو ضروری ہے کہ دونوں کے حسب ضرورت سامان بھی ہم پہنچائے جائیں۔

ایشیاء میں ہمارا کام

ایشیاء میں ہمارا کام یورپ سے ذرا مختلف ہے۔ یہاں پہلے سے مسلمان موجود ہیں۔ ممکن ہے ان میں سے ایسے لوگ پیدا ہو جائیں، جو کچھ عرصہ بعد کام کو سنبھال سکیں۔ ہمارا کام یہاں زیادہ تر مسلمانوں کو بیدار کرنا ہے۔ دو قسم کی جنگ دنیا میں ہے، ایک تو ظاہر کشتی ہوتی ہے، اس کو لوگ دیکھ لیتے ہیں، ایک خیالات کی جنگ ہوتی

ہے، وہ نظر نہیں آتی۔ لیکن بالآخر جو غلبہ ہوتا ہے وہ خیالات کی جنگ سے ہوتا ہے۔ حقیقی غلبہ انسان کو ظاہری جنگ سے نہیں، بلکہ روحانی جنگ سے ملتا ہے۔ دنیا میں اس وقت روحانی جنگ ہے، اس جنگ میں عیسائی مطمئن ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اب دروازہ کھلا ہے کہ دنیا کو عیسائی بنالیا جائے۔ یہ ان کے تمام ساز وسامان اور ہر جگہ پر اپنا تسلط جمانا، اس سے فی الحقیقت وہ چاہتے ہیں ایک انقلاب پیدا کرنا اور دنیا کو عیسائی بنانا۔ ہمیں اس کے مقابلہ کے لئے لوگوں کو تیار کرنا چاہئے۔ ان جزائر کے اندر ہزاروں مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں اور ہر سال ہوتے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ان مسلمانوں کو، جو ان باتوں سے آگاہ نہیں ہیں، آگاہ کر دیں، اور جب ان کو علم ہو جائے گا، تو وہ خود بخود مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ یہ دشمن کا مقابلہ دراصل ان کو جگانے کا ذریعہ ہوگا۔

محکومیّت میں اسلام غالب ہوگا

مغلوبیت ظاہری محکومیت کا نام نہیں۔ خدا نے جس طرح ایک وقت مسلمانوں کو بادشاہ بنا کر ظاہری غلبہ کے ساتھ اسلام کو ترقی اور کامیابی عطا فرمائی تھی، اسی طرح اِس وقت، جبکہ ظاہری غلبہ کی حالت نہیں رہی، اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اس ظاہری غلبہ کے بغیر اسلام کا نام مٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا ہے کہ ظاہر مغلوبیت کی حالت میں اسلام کو غالب کرے۔ یہ جس کو احمدیت کہتے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ کوئی علیحدہ فرقہ بنایا گیا ہے، میں اس کو اس لئے احمدیت کہتا ہوں اور یہی بات حضرت مرزا صاحب نے صاف طور پر لکھی ہے۔ جہاں اپنی جماعت کے لئے یہ نام تجویز کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے دو نام ہیں۔ ایک محمد اور ایک احمد۔ مکہ میں جو تیرہ سال کا زمانہ رسول اللہ ﷺ پر گذرا، وہ احمدیت کا زمانہ تھا آپ اس وقت ظاہری غلبہ نہ رکھتے تھے۔ دشمنوں سے آپ سخت اذیتیں اُٹھاتے تھے۔ اور ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ اب پھر آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی کی طرح محکومیت کا زمانہ ہے، اور اب اسلام محکومیت کی حالت میں وعظ وتبلیغ سے دنیا میں پھیلے گا۔

کام کرنے والوں کے لئے سامان بہم پہنچائیں

اب جو بات میں آپ لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جس طرح یہ عیسائی لوگ کمریں باندھ کر جاتے، اپنی خواہشات کو چھوڑ کر کام کرتے، اپنے عزیز واقارب سے سالہا سال جدا رہتے ہیں، اور پیچھے ایسے

لوگ ہیں جو ان کے لئے سامان بہم پہنچاتے ہیں، اسی طرح ہمارے اندر کام کی طاقت اور اس کے لئے ضروری سامان اور ذرائع ہونے چاہئیں۔ اب اس کام کا زیادہ تر انحصار ہم لوگوں پر ہے، جو کام کرنے والوں کو بھیج رہے ہیں۔ اگر ہماری بے توجہی سے یہ سلسلہ بند ہو گیا، تو اس کا گناہ ہماری گردنوں پر ہوگا۔ ہماری مثال ان جرنیلوں کی ہوگی، جو فوج کو بڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور خود میدان کو چھوڑ کر بھاگنے لگتے ہیں، جن لوگوں کو خدا نے موقع دیا ہے کہ وہ اعانت کریں، اگر وہ نہیں کرتے، تو وہ سلسلہ کے ساتھ بے وفائی کرتے ہیں۔ تو دو باتیں، جو ہمارے لئے ضروری ہیں، یہ ہیں:

1۔ کام کرنے والوں کی ہم عزت اور قدر کریں۔

2۔ اور ان کے لئے سامان پہنچائیں۔ ان کا ہاتھ ہم تنگ نہ کریں کہ کام میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔

میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا تھا، اور میں خود بھی محسوس کرتا ہوں کہ اگر جماعت کے اندر کوئی کمزوری ہو تو اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ کمزوری تو مجھے کوئی نظر نہیں آتی، لیکن وہ بوجھ جو میں نے اُٹھایا ہوا ہے اس کو کہاں تک نبھایا ہے، اس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ لوگوں نے جو اس وقت بہت بڑی قربانی کی ہے۔ دین کے لئے آپ نے ہجرت اختیار کی ہے۔ یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں۔ آپ پر اس کی ذمہ داری بھی بڑی ہے۔ اب آپ اسلام اور احمدیت کے نمائندہ ہو کر جا رہے ہیں۔ لوگ آپ کے اعمال سے احمدیت یا اسلام کا نمونہ لیں گے۔ اب آپ کا ایک ایک فعل احمدیت ہوگا۔ اس لئے آپ پر بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ آپ کی ایک ایک حرکت احمدی جماعت کی مسلمانوں کی نمائندگی کا کام دے گی۔ اس لئے اپنے اندر شعارِ اسلامی کی پوری عزت اور ان کی ظاہری پابندی ہونی چاہئے۔

ان میں سب سے بڑی بات پابندی صلوٰۃ ہے۔ نماز نہ صرف اس لئے پڑھنا ضروری ہے کہ اس سے ظاہر شریعت کا پاس ہوتا ہے، بلکہ بہت بڑی مدد اس سے حاصل ہوتی ہے، ان کاموں میں جو آپ کے سامنے ہیں۔ آپ اجنبی ملک میں جا رہے ہیں، جہاں اپنا آدمی کوئی نہیں۔ وہاں آپ کے راستہ میں بے شمار مشکلات اور

تکالیف پیش آئیں گی۔ان مشکلات کوکون دور کرے گا؟ اللہ تعالیٰ ہی ان کوحل کرنے والا ہے،اوراس تک پہنچنے کا ذریعہ نماز ہے۔ یہ نماز کوئی چھوٹی سی چیز نہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ(45:2)صبر تو آپ نے اختیار کرلیا۔دقتوں اور مشکلات کے اندرتو کود پڑے،لیکن جب تک دوسری بات نہ ہوگی،یعنی نماز، کامیابی مشکل ہے۔

اخراجات میں کفایت اورسادگی کوملحوظ رکھیں

دوسری عرض یہ ہے کہ مال جوہم آپ لوگوں کے سپرد کرتے ہیں،ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو یہ محسوس نہ ہو کہ اُن کے متعلق اس پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔اس لئے میں بتاتا ہوں کہ ایک انسان کا اپنا مال ہوتا ہے۔ اس کوبھی انسان سوچ کر خرچ کرتا ہے۔لیکن جوشخص امین بنایا گیا ہو،اس کو بہت ہی سوچ کرخرچ کرنا چاہئے۔اس مال میں جہاں ان لوگوں کا روپیہ ہے،جن کوشایداس کا دینا چنداں دشوار نہ ہو،وہیں غرباء کاروپیہ بھی ہے،جنہوں نے اپنااوراپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کردیا ہے۔اگرہم نے اس کونہیں سمجھا کہ اس طرح ہمیں خرچ کرنا چاہئے کہ ایک غریب کا پیسہ ضائع نہ جائے،تو ہم نے امانت کا حق ادانہیں کیا۔آپ لوگ حتی الوسع سادگی اختیارکریں۔ یورپ کی حالت اور ہے، وہاں تکلفات زیادہ ہیں۔ایشیاء میں اور حالت ہے۔ یہاں سادگی ہی زیادہ مرغوب ہے۔ممکن ہےمغرب کے اندربھی کسی وقت یہی سادگی پیدا ہوجائے، اس لئے آپ سادگی ہی کوملحوظ رکھیں اور روپیہ کوغریبوں کی امانت سمجھ کرخرچ کریں۔

مسلمانوں کو بیدارکریں

آپ نے وہاں کام کیا کرنا ہے؟ پہلی بات مسلمانوں کو بیدار کرنا ہے کہ وہ اشاعتِ اسلام کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔ یہ پہلا کام ہے جس کے لئے آپ جاتے ہیں۔ دوسرا کام ان کو یہ بتانا ہے کہ جوشخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ کہتاہے، وہ اسلام کے اندرداخل ہوجاتا ہے۔وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں آجاتا ہے۔اس کوکافرقرار دینے کا حق کسی کوحاصل نہیں۔ جوشخص اس کواسلام سے باہر نکالتا ہے، وہ اسلام کی وحدت کوتوڑتا ہے،اسلام کی اس وحدت کوپھیلانا سب سے بڑا کام ہے۔

ہاں جو غلطیاں مسلمانوں میں پیدا ہو چکی ہیں۔ ان سب کو بڑی ایمانی شجاعت کے ساتھ دور کرنا چاہئے۔ ایک تو غلطیاں ایسی فروعی باتوں کے متعلق ہیں جن کا اصول دین پر کوئی اثر نہیں۔ لیکن ایک ایسی غلطیاں ہیں، جن کی زد اصول دین پر پڑتی ہے۔ ان کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہاں! اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (125:16) حکمت اور عمدگی کے ساتھ ہی کام کرنا ضروری ہے۔ خود مخالفت کو بڑھانا بھی ٹھیک نہیں۔ مگر رنگ یہ ہونا چاہئے کہ اصلاح کرنا ہے۔

مجدد وقت کے دامن سے وابستگی

اس امر کے اعتراف میں بھی کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت مرزا صاحب اس صدی کے مجدد اور مسیح موعود ہیں۔ اُنہوں نے ہی اشاعتِ اسلام کے اس کام پر ہمیں لگایا۔ مسلمان ابھی تک اس کام کے لئے بیدار نہیں ہوئے۔ وہ جس قدر اَب بیدار رہوں گے اور اس اہم ضرورت کو محسوس کریں گے۔ اسی قدر اس کام کا ثواب حضرت مرزا صاحب کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ ہم کسی مجلس میں یہ کہنے کے لئے شرمندہ نہیں کہ ہم اس مجدد کے دامن سے وابستہ ہیں۔ اسی سے ہم نے یہ فیض حاصل کیا کہ اشاعتِ اسلام کی ہمیں توفیق نصیب ہوئی۔ اسی نے ہم کو اس کام پر اس وقت لگایا، جب اسلامی دنیا اس سے بالکل غافل تھی۔ اس لئے اُس کے اِس احسان کو کسی صورت میں ہم نہیں بھلا سکتے، نہ اس کا انکار کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

مولٰینا صدرالدین صاحب کا خط مولوی محمد الدین صاحب کے نام

(امریکہ سے مولوی محمد الدین صاحب نے، جو میاں صاحب کی طرف سے برائے تبلیغ گئے ہوئے ہیں، ایک خط مولٰینا صدرالدین صاحب کی خدمت میں لکھا تھا، جس کا جواب حضرت مولٰینا نے بھیجا ہے، اس کی ایک نقل از راہ عنایت ناظرین ''پیغام صلح'' کے افادہ کے لئے ہمیں ارسال فرمائی ہے۔ مدیر)

مکرم و معظم ماسٹر محمد الدین صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔

آپ کا خط ملا۔ جس میں آپ نے میری غیر احمدیوں کے پیچھے نماز ادا کرنے کو بُرا منایا ہے اور مجھے حضرت صاحب کی کتابوں کی طرف توجہ دلائی ہے، یہ کہتے ہوئے کہ میرا ایسا کرنا حضرت مرزا صاحب کی تعلیم کے خلاف ہے، جواباً عرض ہے کہ:

1 ۔ حضرت مرزا صاحب کی تکفیر کے بعد بھی جماعت احمدیہ دوسرے مسلمانوں کے پیچھے برابر نماز ادا کرتی رہی ہے۔ اس امر واقعہ کا انکار کسی طرح سے نہیں ہوسکتا۔ لیکن جب جماعت احمدیہ پر انتہا درجہ کی تکفیر اور تفسیق کے ساتھ بدسلوکی کی گئی، تو حضرت صاحب نے جماعت کو مکفرین کے پیچھے نماز ادا کرنے سے منع فرمایا اس حدیث شریف کی بنا پر، کہ اگر مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہے، تو کفر اس پر اُلٹ کر پڑتا ہے۔ اس حدیث کو اُنہوں نے ہمیشہ اس مضمون کے ساتھ دہرایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مکفرین کے پیچھے نماز ادا کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ وہ ایک سزا کے نیچے آجاتے ہیں۔ اس کے سوا دوسری وجہ حضرت صاحب نے بیان نہیں کی۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ جو لوگ مکفرین نہ ہوں ان کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز ہے۔ یہی قرآن کریم اور حدیث شریف کی تعلیم ہے۔ اسی تعلیم پر حضرت مرزا صاحب کا عمل تھا۔

2 ۔ حج جیسے اہم اور ضروری فریضہ کے ادا کرنے میں بھی اسی تعلیم اسلامی کو حضرت صاحب نے ملحوظ رکھا۔ ان کے زمانہ میں جو لوگ ہماری جماعت سے حج کے لئے گئے، اُنہوں نے ہمیشہ کعبۃ اللہ میں غیر احمدیوں کے پیچھے نماز ادا کی۔ ان حاجیوں میں سے بعض حاجی اس وقت زندہ ہیں اور اس واقعہ کو جماعت فراموش نہیں کرسکتی۔

3 ۔ اس اسلامی تعلیم، جس پر حضرت مرزا صاحب کا بھی عمل تھا، حضرت مولانا نورالدین صاحب بھی عمل کرتے رہے۔ اُنہوں نے بھی حج کے لئے اپنی جماعت کو غیر احمدیوں کے پیچھے نماز ادا کرنے کی اجازت دی علاوہ ازیں ہندوستان میں بھی ایسی اجازت دی، اور

انگلستان میں بھی اجازت دی۔

4۔ حضرت مرزا صاحب اور حضرت مولیٰنا نورالدین صاحب کے فتوے کے ماتحت میر ناصر نواب صاحب اور عبدالحئی صاحب عرب نے بیت اللہ شریف میں غیراحمدیوں کے پیچھے نماز ادا کی اور ان کی معیت میں خود میاں (محمود احمد) صاحب نے بھی اس فتوے پر عمل کرتے ہوئے تین نمازیں غیراحمدیوں کے پیچھے ادا کیں۔

5۔ ہاں میاں صاحب نے ان تین نمازوں کو گھر پر دہرایا اور یہ کہہ کر دہرایا کہ کعبۃ اللہ میں تو نورالدین کی نماز پڑھی تھی، اب گھر پر خدا کی نماز ادا کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا میاں صاحب نے حضرت مولوی نور الدین صاحب اور مرزا صاحب کے عمل سے اختلاف بھی کیا۔ اور ان کے طریق پر عمل بھی کیا۔ اپنے عمل سے دو باتوں پر مہر لگائی، کعبۃ اللہ میں غیراحمدیوں کے پیچھے نماز ادا کرنے سے یہ بتلایا کہ حضرت مولیٰنا نور الدین صاحب کے فتوے کے مطابق غیراحمدیوں کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز ہے۔ اور گھر پر نماز ادا کرنے سے ایک خطرناک تفرقہ اور فساد کی بنیادیں ڈال دیں۔ اس وقت میر ناصر نواب صاحب اور عبدالحئی صاحب عرب نے میاں صاحب سے بحث بھی کی۔ اور یہ دونوں اسی طریقہ پر عامل رہے، جو طریق حضرت مرزا صاحب اور حضرت مولوی نورالدین صاحب کا تھا۔ اور میاں صاحب کے عمل کو غلط قرار دے کر برابر غیراحمدیوں کے پیچھے کعبہ میں نماز پڑھتے رہے۔

6۔ سیالکوٹ کی جماعت اس وقت میرے پیچھے نماز ادا کرتی رہی، جب میں حضرت صاحب کی بیعت میں داخل نہ تھا۔ گو اُن کو سچا یقین کرتا تھا حضرت مولیٰنا عبدالکریم صاحب جب سیالکوٹ سے باہر تشریف لے جاتے، تو ان کی عدم موجودگی میں ہمارے نہایت پیارے اور مکرم حضرت حامد شاہ صاحب امامت کراتے تھے۔ لیکن ان کی محبت کا تقاضا اور جماعت کی محبت کا تقاضا کبھی کبھی مجھے بھی نماز پڑھانے پر مجبور کرتا اور اسی طرح

سے مجھے نماز جمعہ بھی پڑھانی پڑتی تھی ۔ یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہا۔ایک دن ہمارے بزرگ حکیم حسام الدین صاحب کے دل میں خیال آیا کہ صدرالدین بیعت میں داخل نہیں ۔اس کے پیچھے نماز ادا کرنی جائز ہے یانہیں ۔اُنہوں نے برملا اس سوال کو اُٹھایا۔ جماعت نے اس اعتراض کو حضرت صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ نماز جائز ہے۔ چنانچہ جماعت سیالکوٹ میرے پیچھے نماز ادا کرتی رہی۔ اس حالت میں کہ میں بیعت میں داخل نہ تھا۔اسی طرح 1901ء گزرگیا اور 1902ء بھی گزرگیا اور غلطی کا ازالہ بھی شائع ہو چکا۔میری بیعت 1903ء میں ہوئی۔

یہ واقعات ہیں ان پر غور کر لیں۔ یہی قرآن کریم اور حدیث شریف کی تعلیم ہے۔ اور اسی پر حضرت مرزا صاحب اور حضرت مولینا نورالدین صاحب کا عمل تھا۔اسی پر جماعت کا عمل رہا۔اس پر خود میاں صاحب نے عمل کیا اور عمل کر لینے کے بعد اس تعلیم سے اختلاف کیا۔والسلام۔

30 مارچ 1924ء

حضرت امیر کا سفر جموں

مقصد مذہب پر لیکچر

انجمن اسلامیہ جموں کی دعوت پر حضرت امیر مؤرخہ 23 مارچ 1924ء کو صبح کی ڈاک گاڑی میں جموں تشریف لے گئے۔ گاڑی پر احباب گوجرانوالہ، وزیرآباد، سیالکوٹ ملاقات کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ گاڑی سوا تین بجے بعد دوپہر جموں پہنچی۔ جہاں مکرم ملک شیر محمد صاحب مع دیگر احباب کرام جموں اسٹیشن پر تشریف فرما تھے۔ موٹر پر سوار ہو کر حضرت امیر شیخ حفیظ احمد صاحب سوداگر جموں کے مکان پر، جہاں آپ کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا، پہنچے۔ چائے پینے کے بعد آپ مع اپنے احباب جلسہ گاہ اسلامیہ میں تشریف لے گئے۔ جہاں کارکنان انجمن نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ آپ شام تک جلسہ گاہ میں ٹھہرے رہے۔ آپ کے وعظ کا اصل وقت 24 تاریخ بعد دوپہر تھا۔ لیکن چونکہ آپ کا ارادہ دوپہر کی گاڑی میں واپس گجرات جانے کا تھا، اس لئے منشی عبدالعزیز خاں صاحب سیکرٹری انجمن اسلامیہ نے اعلان کر دیا کہ آپ کا وعظ آج 8 بجے سے دس بجے تک ہوگا۔ رات کو خواتین سلسلہ کی استدعا پر حضرت امیر نے وعظ فرمایا اور انہیں ہر قسم کے شرک سے منع رہنے اور اپنے بچوں پر اپنا نیک اثر بذریعہ پابندی شریعت ڈالنے کی تاکید فرمائی اور ان کو ان کی ذمہ داریوں کے احساس کی طرف توجہ دلائی۔ رات زیادہ گزر جانے کے باعث وعظ کو مختصر کیا گیا۔

24 کی صبح کو 9 بجے کے بعد آپ کا وعظ ''مقصد مذہب'' پر انجمن اسلامیہ کی جلسہ گاہ میں شروع ہوا۔ جہاں علاوہ ہندو، مسلمان معززین و اراکین ریاست کے جناب چیف جج صاحب و رائے کنور سین صاحب خلف الرشید جناب لالہ بھیم سین صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ سورہ البقرہ کی ابتدائی آیات تلاوت فرما کر آپ نے بیان فرمایا کہ اسلام نے احسان کیا ہے ان امور کو بتا کر جن کے ذریعہ سے انسان اعلیٰ مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ اور آخیر میں اپنی غرض اور مقصد بھی بیان کر دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان کے جملہ قویٰ جسمانی و روحانی

پورے طور پر نشو ونما پا جائیں۔ اور وہ اُس کام پر لگ جائیں جن کے لئے وہ عطا کئے گئے ہیں۔ وحی الٰہی کی مثال بارش کی طرح ہے۔ گو زمین پر طاقت نمو موجود ہوتی ہے، لیکن وہ ظاہر نہیں ہوسکتی۔ جب تک آسمان سے بارش کا نزول نہ ہو، تب تک اُن کے اصل جوہر ظاہر نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد آپ نے کتابوں اور رسولوں کی ضرورت بیان فرماتے ہوئے کہا کہ کس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر ایک رسول صاحب کتاب ہو؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح بارش ہونے کے بعد زمین میں روئیدگی پیدا ہو جاتی ہے، جو کسی ترتیب سے نہیں ہوتی۔ ایک مالی اُس کو ایک خاص ترتیب دے کر اُس سے ایک نہایت خوشنما اور دل رُبا باغ بنا لیتا ہے۔ رسول کی مثال مالی کی طرح ہوتی ہے کہ وہ اُن ہدایات و احکامات کے مطابق، جو اُس پر نازل ہوتے ہیں، انسانوں کا ایک باغ بنا دیتا ہے۔ اور قویٰ انسانی کی کانٹ چھانٹ کر کے ایک اعتدال پر رکھتا اور کسی ایک قوت کو حد تجاوز سے بڑھنے نہیں دیتا۔ اسی لئے ہر رسول کو اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق اس روحانی باغ کو تیار کرنے کے لئے نئی نئی ہدایات اور احکامات کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اسلام ایک لحاظ سے پُرانا مذہب بھی ہے، جو جملہ انبیاءؑ کا مذہب تھا۔ اور دوسرے لحاظ سے نیا بھی ہے۔ پُرانا اس لحاظ سے کہ توحید باری تعالیٰ کی وہی تعلیم دیتا ہے جو جملہ انبیاءؑ لائے۔ اور نیا اس لحاظ سے کہ اُس وقت آیا جبکہ دُنیا اپنی ترقیات کے لحاظ سے جوانی کی عمر کو پہنچ چکی تھی۔ اور اس سے زیادہ ترقی ممکن نہ تھی۔ اس لئے انسان کے جملہ قویٰ روحانی اور جسمانی کی تربیت کے لئے اس میں قواعد موجود ہیں۔

اسلام نے اپنے پیروؤں کو نہایت فراخ دلی کی تعلیم دی اور حکم دیا کہ وہ جملہ اقوام عالم کے بزرگوں کی عزت کو اپنے ایمان میں داخل کریں اور کسی ایک بھی بزرگ کی، جو کسی قوم کا ہادی ہو گزرا ہے، کبھی ہتک نہ کریں۔ سابقہ انبیاء عالم کی مثال ایسی ہے جیسے انسانی حیات میں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان پہلے بچہ ہوتا ہے، اُس وقت بھی اُس کے قویٰ کے نشو ونما کے لئے کسی قانون کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب ذرا بڑا ہوتا ہے تو اُس وقت بھی کسی قانون کا محتاج ہوتا ہے۔ پھر جوانی کی حالت میں بھی کسی دوسرے قانون کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے اُس کی حالت کے مطابق جو قانون اُسے دیا گیا تھا اُس کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ وہ دانائی پر مبنی تھا۔ اس لئے مسلمان جملہ مذہبی کتب تورات، انجیل، زبور، وید، ژند وستا کو الہامی کتب مانتا اور اُن کے لانے والوں کو خدا کے برگزیدہ بندے جانتا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس کے ذریعہ سے دنیا میں محبت اور امن پھیل سکتا ہے۔ ورنہ آریوں اور عیسائیوں کی

طرح بزرگوں کی ہتک کرنے سے دنیا میں کبھی امن نہیں پھیل سکتا۔

اصول مذہبی کے اختلافات کے بارہ میں تبادلہ خیالات کرنے سے دنیا میں بدامنی نہیں پھیل سکتی، بلکہ آزادیٔ رائے پھیلتی ہے اور یہ مبارک امر ہے۔لیکن شرارت اور جھگڑے اُس وقت پیدا ہوتے ہیں جب ایک دوسرے کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہا جائے۔ ایک مسلمان جو مہاتما بُدھ، شری رام چندر جی اور کرشن جی اور حضرت مسیحؑ اور موسیٰؑ کو خدا کے برگزیدہ انسان یقین کرتا ہے، وہ کس طرح اُن کی نسبت کلمہ تحقیر استعمال کرسکتا ہے! اگر مسلمان اسلام کو اپنی صحیح اور حقیقی تصویر میں دنیا کے سامنے پیش کریں۔تو ممکن نہیں کہ سمجھدار انسان اُسے رد کریں۔اسلام ہر زمانہ میں اپنے سادے اور معقول اصولوں کی وجہ سے کامیاب ہوتا چلا آیا ہے۔اور خود عیسائیوں کو اس کا اعتراف ہے۔

اسلام سب سے پیچھے آیا۔لیکن اس نے مختلف ممالک میں غیر مذاہب کے کروڑوں پیرو اپنے میں جذب کر لئے۔ دوسرے مذاہب باوجود پرانے ہونے کے یہ کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔لیکن تاریخی شہادت خود اُس کی تردید کرتی ہے کہ اسلام کے دنیاوی بادشاہوں نے نہیں بلکہ اس کے روحانی بادشاہوں نے اس کی مختلف ممالک میں اشاعت کی۔اس کی مثال خود ہندوستان میں موجود ہے۔لہٰذا جہاں اسلام کے دنیاوی بادشاہوں کے دارالسلطنت یعنی دہلی اور آگرہ ہیں وہاں اب تک ہندو اور مسلمان آبادی کا تناسب نو اور ایک کا ہے۔یعنی 9 ہندو کے پیچھے ایک مسلمان۔اس کے خلاف جہاں اولیاء اللہ کے مرکز تھے، وہاں مسلمان آبادی کا تناسب ہندوؤں سے زیادہ ہے۔

اسلام قبول کر کے غیر مذاہب کے پیرو کچھ کھوتے نہیں بلکہ حاصل کرتے ہیں۔ایک ہندو اسلام لا کر وید، رام چندر جی، کرشن جی کی وہی عزت کرسکتا ہے جو پہلے کرتا تھا۔ بلکہ اُس سے بڑھ کر وہ وسعت قلبی کا سبق لے کر دیگر انبیاء عالم کی عزت کرے گا۔ یہی حال ایک بُدھ، عیسائی اور یہودی کا ہے۔یہی میرا مذہب ہے کہ ہم جملہ انبیاء عالم کو، خواہ وہ ہندوؤں میں ہوئے ہوں یا چین، ایران، شام، یورپ، افریقہ اور امریکہ میں، خدا کے برگزیدہ بندے مانتے ہیں۔ جملہ مقدس کتابوں کو خدا کی طرف سے مانتے ہیں، اسی اصول پر دنیا کے جملہ مذاہب میں محبت اور آشتی پھیل سکتی ہے۔اسلام نے یہ صرف خیالی امر پیش نہیں کیا بلکہ اس کا نظارہ حضرت نبی کریم ﷺ کی

زندگی میں بھی نظر آتا ہے۔

غرض حاصل مطلب یہ کہ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ انسان کے تمام قویٰ روحانی وجسمانی کو حدِ اعتدال میں لاتا ہے۔ اب اگر اس دعویٰ کے دلائل نہ دیئے جائیں تو میرا یہ دعویٰ فضول چیز ہے۔ قرآن شریف کے مطالعہ سے صاف طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ اُس نے جگہ جگہ انسان کے مختلف قویٰ کا عملی نمونہ رکھ دیا۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی کو یتیمی سے شروع کر کے بادشاہی تک پہنچایا۔ اور آپ ﷺ کے عملی نمونہ سے ایک بادشاہ ایک غریب، ایک متاہل، ایک سوداگر، ایک جرنیل، ایک جج، ایک امام، غرضیکہ انسانی شعبہ میں ہر ایک شخص سبق لے سکتا ہے۔ ایسا موقع نہ اور کسی کو ملا اور نہ کسی نے آج تک دکھایا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ آپؐ کے پاک نمونہ نے جاہل اور اجڈ عربوں کی کایا پلٹ دی اور اُنہوں نے اخلاق انسانی کے وہ اعلیٰ نمونے پیش کئے جن کو دیکھ کر دشمن بھی انگشت بدنداں ہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ اسلام اپنی اشاعت میں کسی تلوار کا محتاج نہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے ساری زندگی میں کبھی جابرانہ اور جارحانہ لڑائی نہیں کی۔ بلکہ ذلیل شرائط پر بھی اگر مذہبی آزادی ملی ہے تو آپ نے اس سے دریغ نہیں کیا۔ صلح حدیبیہ کا واقعہ اس کا شاہد ہے۔ صرف اُن لوگوں کے خلاف تلوار اُٹھائی گئی جو تلوار کے ذریعہ سے اسلام کو مٹانا چاہتے تھے۔ جملہ لڑائیوں کے فریقین کے ساز وسامانِ جنگ اور آدمیوں کی تعداد کا مقابلہ کرنے سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے کہ کس بے سروسامانی سے مسلمان اسلام کو بچانے کے لئے دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے! قرآن شریف نے ان دفاعی لڑائیوں کی غرض بھی خود ہی بتا دی ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو راہبوں کے صومعے، گرجے و دیگر مذاہب کی عبادت گاہیں اور مساجد تباہ و برباد ہوجائیں۔ غرض اسلام نے دوسرے مذاہب کے ساتھ ایسی رواداری کا حکم دیا ہے کہ اُن کے جھوٹے معبودوں تک کو گالی دینے سے منع کر دیا ہے۔ اور یہی وہ اصول ہیں جن کے ذریعہ سے دنیا میں امن قائم رہ سکتا ہے۔

جب اسلام غیر مذاہب کے ساتھ ایسی رواداری کی تعلیم دیتا ہے، تو مجھے تعجب آتا ہے کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان باوجود اصول مذہب میں متفق ہونے کے ایک دوسرے کے ساتھ کیوں لڑتے اور جھگڑتے ہیں؟ اور فروعی اختلافات پر کیوں آپس میں تکفیر کے فتاویٰ چلاتے ہیں۔ اسلام نے اپنے پیروؤں میں آزادیٔ رائے قائم کرنا چاہی۔ اگر ایک شخص آزادیٔ رائے کے باعث کوئی غلطی بھی کر بیٹھے تو وہ قابل عفو ہے۔ صحابہؓ میں

فروعی اختلافات تھے۔لیکن اُنہوں نے ان اختلافات کے باعث آپس میں تکفیر بازی نہیں کی۔

میں پھر اپنا مذہب واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں جملہ انبیاء عالم اور جملہ اولیائے اُمت کی دل سے عزت کرتا ہوں اور جملہ اولیاء، اقطاب، ابدال، مجددین اور محدثین کو سچا سمجھتا ہوں۔ اور اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو بھی سچا یقین کرتا ہوں۔ میں کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنا سخت گناہ سمجھتا ہوں۔ اور کسی فرقۂ اسلام کو، جو اہل قبلہ ہے اور اصول اسلام کو مانتا ہے، اسلام سے باہر نہیں سمجھتا۔ اگر اس کلمۂ حق کے کہنے کے لئے مجھے اس پلیٹ فارم سے چلا جانے کے لئے بھی کہہ دیا جائے تو میں اسے قبول کرلوں گا۔لیکن مسلمان کی تکفیر کو کبھی بھی اچھا نہیں سمجھوں گا۔ اگر مرزا غلام احمد صاحب اور محمد علی کو کافر قرار دینے سے اُن کا ذاتی نقصان ہو تو بھی حرج نہیں، لیکن جب اس سے اسلام میں تفرقہ بڑھتا ہے اور اسلام پر زد پڑتی ہے، تو کیوں ایسی باتوں کو چھوڑ نہیں دیا جاتا۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ قرآن کو مضبوطی سے پکڑیں اور خدا و رسولؐ کے احکامات کے سامنے سر جھکا دیں۔ اپنی بیویوں، لڑکیوں اور لڑکوں میں قرآنی تعلیم و حدیث اور سیرۃ نبویؐ و تاریخ اسلام کو رواج دیں تا کہ ہماری قوم میں بیداری پیدا ہو۔ اپنے سکولوں میں بھی ایسی تعلیم کا رواج دیں اور دوسری اقوام سے اتفاق کا سبق حاصل کریں۔ خاتمہ لیکچر پر ایک مُلاں صاحب آپے سے باہر ہو گئے۔ جس سے جناب کرنل سمندر خان صاحب پریذیڈنٹ انجمن اسلامیہ نے خاموش رہنے، ورنہ جلسہ گاہ سے چلے جانے کا حکم دیا۔ کرنل صاحب نے جملہ اراکین انجمن کی طرف سے معذرت کی کہ ہم سب آپ کی نیک نصائح کے لئے مشکور ہیں اور اِن خیالات میں آپ کے ساتھ متفق ہیں۔ آپ اِن ملانوں کی رخنہ اندازی کو دل میں نہ لائیں۔ چونکہ ساڑھے گیارہ بج چکے تھے اور حضرت امیر نے مع ساری جماعت کے مستری یعقوب علی صاحب کے ہاں دعوت کھا کر گاڑی پر سوار ہونا تھا، اس لئے آپ مع دیگر احباب جلسہ گاہ سے تشریف لے گئے۔ اور بعد تناول طعام پونے ایک بجے کی گاڑی سے گجرات روانہ ہو گئے۔

احباب جموں نے جس اخلاص و محبت کا ثبوت دیا وہ قابل رشک ہے اور اِس سے ظاہر ہوتا تھا کہ پیر پرستی سے بڑھ کر وہ باہمی اتحاد ہوتا ہے جو اصول حقہ کی اشاعت پر مبنی ہو۔ اور ہر ایک بھائی نہایت آزادانہ طور پر اپنا مافی الضمیر اپنے بڑے سے بڑے اور معزز سے معزز بھائی کے سامنے پورے طور پر بیان کر سکے۔

احباب جموں میں تبلیغ سلسلہ کا خاص جوش پایا جاتا ہے اور اگر اسے صحیح طریق پر لگایا گیا تو بہت مفید نتائج پیدا ہونے کی اُمید ہے۔ضرورت ہے کہ اپنی طاقتوں کو مجتمع کر کے خدمت اسلام وسلسلہ پر لگایا جائے۔اپنی اندرونی تنظیم قائم کر کے اپنا پورا پورا اثر باہر پھیلایا جائے۔سمجھدار طبائع حق قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔اُن کے سامنے احسن طریق پر اُسے پیش کرنا ہمارا فرض ہے۔احمدیت کی اشاعت غلط عقائد اور مخالفین اسلام کے حملوں سے بچنے کے لئے ڈھال کا کام دیتی ہے۔اس لئے حقیقی احمدیت کو پھیلانے میں پوری پوری جدوجہد ضروری ہے۔تاکہ مسلمانوں میں دینی و دنیاوی بیداری پیدا ہو جائے۔

30 مارچ 1924ء

میثاقِ قومی

(از جناب مسلم)

کس کے ہنر نے ٹوٹے ہوئے دل جوڑے تھے کس دُشواری سے
لکھنؤ جا کر سُن لو یہ قصہ قبلہ عبدالباری سے

صدہا سال کے بچھڑے ہوؤں کو کس نے ملایا آپس میں
پھوٹ پھر ان میں ڈال دی کس نے اپنی سیہ کرداری سے

کام اہنسا سے نہ چلے گا، نگری میں اسلام بھی ہے
مالوی جی کرتے ہیں نویدن، دیش کی ہر ہر ناری سے

ووٹ بڑھانے کے لئے دینا کفر کا لقمہ ایماں کو
آڑ دھرم کی برہمنوں نے لی تھی تو کس ہتھیاری سے

پھیل گیا سب جسم کے اندر روگ نرالا شدھی کا
اب تو خدا ہی ہے جو شفا دے قوم کو اس بیماری سے

آپ کی قلت میں بھی ہو کثرت، آپ ہوں حاکم ہم محکوم
فائدہ ہم کو خاک ملا اس وضع کی خود مختاری سے

آپ جو ہوں چت پھر بھی رہیں پٹ داؤ تو بے شک اچھا ہے
آنکھ میں لیکن پڑ نہیں سکتی دھول اب اس عیاری سے

راسؔ سے اور آزادؔ سے پوچھو ملت کے میثاق کا راز
عقدہ یہ ہرگز کھل نہ سکے گا لاجپتؔ اور انصاریؔ سے

شکر ہے سخن پرداز سے وہ قائدؔ قوم ہوا ہے رہا
ہندوو مسلم ایک ہوئے تھے جس کی علم برداری سے

3 مارچ 1924ء

مکتوب برلن

آ رہا ہے اِس طرف احرار یورپ کا مزاج

ایک جرمن ڈاکٹر کا قبول اسلام

جرمن سوسائٹی کا قیام اور جرمن رسالہ کا اجراء

(برلن سے حضرت مولینا صدرالدین صاحب کا جو تازہ خط موصول ہوا ہے۔ اس میں آپ نے جرمن ڈاکٹر گرائیفلٹ کے قبول اسلام کی خوشخبری سنائی ہے۔ جن کا اسلامی نام محمد عارف رکھا گیا۔ یہ صاحب اسلام کا جس قدر عشق اور تبلیغ اسلام کا جو جوش اپنے دل میں رکھتے ہیں، وہ حضرت مولینا کے خط سے ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ یہ سننا بھی موجبِ مسرت ہے کہ حضرت مولانا نے جرمن زبان میں ایک رسالہ بھی جاری کر دیا ہے۔ جس کے لئے اُنہوں نے احباب سے درخواست کی ہے کہ کم از کم تین روپیہ سالانہ چندہ دیں۔ جس سے رسالہ اہلِ جرمنی میں مفت تقسیم کیا جا سکے اور دعا کے لئے بھی درخواست کی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ احباب اس خوشخبری کو پڑھ کر حضرت مولینا کے لئے درد دل سے دعا فرمائیں گے۔ اور رسالہ کے لئے تین روپیہ سالانہ چندہ دینے والے بہت سے احباب نکل آئیں گے۔ مدیر)

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مخدومی مکرمی و معظمی حضرت مولینا سلمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آج 29 فروری کا دن میرے لئے عید کی خوشی کا موجب ہوا ہے۔ میری بیماری کو اس نے کم کر دیا ہے۔ ڈاکٹر گرائیفلٹ صاحب مسلمان ہوئے ہیں۔ الحمدللہ رب العٰلمین۔ علاوہ مادری زبان پر نہایت اعلیٰ درجے کی قدرت کے، انگریزی اور فرانسیسی بھی خوب جانتے ہیں۔ برلن کے رہنے والے ہیں۔ ان کے والد انجینئر ہیں۔

اُنہوں نے پچھلے ستمبر میں میرے انگریزی لیکچر کا ترجمہ بزبان جرمن کیا تھا۔ اس لیکچر میں، جو 54 صفحات کا ہے اور کتاب کی شکل میں چھپ چکا ہے، حضرت نبی کریم ﷺ کے مختلف دلربا احسانات پر بحث ہے۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی نوع انسان پر کئے ہیں۔ اس مضمون کا ان پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ اس اثر کا اظہار اُنہوں نے اپنے ایک دوست سے، جو بڑے قابل مصنف فلاسفر ہیں، ذکر کیا اور اپنی والدہ ماجدہ کو بھی اس اثر کے تحت وہ لیکچر سنایا۔ اب مارچ میں ایک سہ ماہی رسالہ جاری کرنے کے لئے جو مضامین لکھے تو پھر ڈاکٹر گرائیفلٹ کی قسمت نے ان کی یاوری کی یا ہماری قسمت نے یاوری کی کہ ان مضامین کا ترجمہ بھی ان کے حصہ میں آیا۔ جوں جوں میں بیماری کی حالت میں روز کے مضامین ان کو لکھ کر دیتا گیا، تُوں تُوں ان کے اندر اسلام کا عشق پیدا ہوتا گیا۔ آخر کار آج صبح وہ تشریف لائے تو ان کی ضیافت طبع کے لئے ایک نیا مضمون تیار تھا۔ اس میں مَیں نے ایمان کی صفت پر چند صفحات لکھ رکھے تھے اور اس کو یوں ختم کیا کہ یہ انسانی فطرت ہر شخص کا ورثہ ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لئے اس کو کسی رسم کے کرنے کی حاجت نہیں۔ جب وہ ان عقائد کو اپنی فطرت میں پاتا ہے تو اس کو کسی رسم کے ادا کرنے کی کیوں حاجت ہو؟ ہاں! اسلامی اخوت میں منسلک ہونے کے لئے انسان کو محض اظہار کر دینے کی ضرورت ہے۔ اس مضمون کے پڑھتے ہی اُنہوں نے کہا کہ میں بھی دل میں اخلاص سے مسلمان ہوں اور میں اس کا اظہار تحریراً اور تقریراً کرتا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت اُنہوں نے تقریراً و تحریراً اس امر کا اعلان کر دیا۔ ہمارے گھر میں ایک خوشی کا سماں پیدا ہو گیا۔ دو خواتین جن کے گھر میں قیام ہے وہ سال بھر سے اسلامی تعلیمات کے متعلق بہت کچھ مطالعہ کر چکی ہیں۔ ان کو انتہا درجے کی خوشی ہوئی۔ اور دوسری خاتون جو چون سالہ ہیں اور جرمن انگریزی اور فرانسیسی میں بڑا وسیع مطالعہ رکھتی ہیں، ان کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا اور اُنہوں نے اپنی ماں سے کہا اگر قومی تعلقات کی زنجیریں طوق گردن نہ ہوتیں، تو آج میں بھی ڈاکٹر گرائیفلٹ کی طرح اسلام قبول کرنے کا

اعلان کرتی ۔ ماں نے کہا کہ اسلام کے فطری اور معقول مذہب ہونے کی میں بھی قائل ہوں، لیکن 77 سالہ ہوں، پاؤں قبر میں ہیں، ۔ میرے لئے اعلان کرنا نہایت ہی مشکل امر ہے۔ ان خواتین نے ڈاکٹر گرائیفلٹ کو بڑی بڑی مبارک باد دی اور اپنی خوشی کا اظہار کرنے کے لئے ان کو پیر کے دن اپنے دسترخوان پر مدعو کیا ہے۔

ان دونوں خواتین کی حیثیت ان کے خاندان میں بڑی ہے۔ خاندان بھی بڑا ہے اور بڑی حیثیت کا۔ ان سب لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ خواتین اسلام کی مدّاح ہیں اور ان کے تمام گھروں میں ہم بھی رشتہ داروں کی طرح آتے جاتے ہیں۔ ان پر بھی اثر بڑا اچھا ہے۔ لیکن اس حد تک نہیں کہ وہ آج ہی اسلام قبول کرلیں۔ ہاں! ان میں سے ایک نوجوان خاتون، جو بڑی قابل ہیں اور ایک بڑے امیر باپ کی بیٹی ہیں، وہ یقیناً مسلمان ہیں۔ اور وہ ضرور خدا کے فضل سے اعلان کریں گی۔ علاوہ ازیں یہ چوّن سالہ خاتون اپنی قوم بھر میں ممتاز اور ایک سوسائٹی کی مستقل پریذیڈنٹ ہیں۔ یہ سب زنجیریں ہیں جو اس وقت ان کو اعلان کرنے سے روکتی ہیں۔ کیا میری قوم اپنی دعاؤں سے ان زنجیروں کے توڑنے کی کوشش نہیں کرسکتی؟ میں یقین کرتا ہوں حضرت مجدد وقت کی قوم کی دعاؤں کے اندر بڑا اثر ہے۔ اے میری قوم! میں ناتواں ہوں، کم بضاعت ہوں، قصوروار ہوں، بیمار بھی ہوں، اپنی دعاؤں سے اس دور کی مسافرت میں میری مدد کریں تاکہ جو کام میری کوشش سے سرانجام نہیں پاتا، وہ آپ کی دعاؤں سے تکمیل کو پہنچ جائے۔

ڈاکٹر عارف گرائیفلٹ مبلغ اسلام

میرے لئے سب سے زیادہ خوش کرنے والا یہ امر ہے کہ ڈاکٹر صاحب، جن کو اسلامی نام عارف دیا گیا ہے اور جو اخلاق فاضلہ کا نمونہ ہیں اور جن کے اندر اخلاص وایثار کی دوصفات متمیز طور پر نظر آتی ہیں، اپنے اندر تبلیغ کا بڑا جوش رکھتے ہیں۔ جوانی کے ایام میں جوش واخلاص انسان کو بڑا میسر آتا ہے۔ وہ ایام آج ڈاکٹر عارف گرائیفلٹ پر ہیں اور وہ تبلیغ کا عزم کر چلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو استقامت عطا کرے۔ ان کی عمر میں، لیاقت میں اور اس کی سعی میں برکت نازل کرے۔

جرمن مسلم سوسائٹی

ڈاکٹر عارف گرائیفلٹ کے وجود نے جرمن مسلم سوسائٹی کی بنیاد رکھنے کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ میں نے دیگر جرمن مسلمانوں سے، جن کی تعداد ابھی بہت محدود ہے، اس قسم کی سوسائٹی قائم کرنے کے متعلق گفتگو کی ہے۔ وہ سب اس کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ ایسی سوسائٹی کے چلانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ساری توجہ اس کام پر لگا دیں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنی جناب سے ایک مخلص انسان، جو اخلاص کی صفت سے متصف ہے اور سارا وقت دیتا ہے، ہم کو عنایت کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کے سیکرٹری ہوں گے۔ اُمید ہے کہ چند دِنوں میں ایک جلسے کا انعقاد کر کے جرمن مسلم سوسائٹی کی بنیاد رکھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس پر برکات نازل فرمائے۔

مسلیمش ریویو

وہ رسالہ جو بندہ نکالنے والا ہے۔ اس کا نام بزبان جرمن مُسلمیش ریویو ہوگا۔ اس کا پہلا نمبر اس وقت نکلے گا، جس وقت ہندوستان میں ہمارے احباب اس خط کو پڑھ رہے ہوں گے۔ میں ان کی خدمت میں دو معروضات پیش کرتا ہوں۔

1۔ اس وقت ہماری تمام جماعتیں خاص طور پر اس پرچے کے لئے دعائیں کریں اور حضرت امیر کی خدمت میں بھی خاص طور پر التماس کرتا ہوں کہ وہ جماعت لاہور میں اور تمام جماعتوں میں دعا کے لئے تحریک کریں۔ اور خود اپنی خاص دعاؤں میں اس غرض کو ملحوظ رکھیں۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے اس پرچہ کی ابتدا کو بڑا بابرکت کیا ہے۔ اس کے مضامین کے اول القارئین ڈاکٹر گرائیفلٹ کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دی ہے۔ اس شکریے میں بندہ چندہ پیش کرتا ہے، جو میرے گھر سے وصول کر لیا جائے۔ اور اپنی قوم کے اصحاب سے التجا کرتا ہوں کہ کم از کم 3 روپے سالانہ چندہ اس پرچہ کے لئے عطا کریں۔ اس چندہ سے سال بھر کے لئے ایک رسالہ مفت تقسیم ہوسکتا ہے۔ اور ہر ایک شخص کی اس مالی قربانی سے سال بھر کے لئے حضرت سرور کائنات ﷺ کی تعلیمات کے نور کو کم از کم ایک جرمن تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ یہ بڑا موقع ہے ثواب حاصل کرنے کا۔ اس موقع کو

ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ حضرت امیر قوم مہربانی کر کے اس خصوصی چندہ کے جمع کرنے کے لئے ہر جماعت میں ایک دو اصحاب کو نامزد کریں۔ لاہور کے طالب علموں سے چندہ جمع کرنے کے لئے سید غلام مصطفیٰ صاحب اور پروفیسر محمد عبداللہ صاحب نہایت موزوں ہوں گے۔ چندہ دہندگان کے نام درج اخبار کریں تا کہ میں اس فہرست کو دیکھ کر خوش ہوں اوران کے لئے دعا کروں، اگر میری دعا کوئی حقیقت رکھتی ہو۔

نوٹ: مسلیمش ریویو کا جرمن زبان میں ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے احباب کی خدمت میں پہنچنا غیر ضروری ہے۔ ہاں ایک مسرت اس کے محض دیکھنے سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ اس کو ملحوظ رکھ کر ہر جماعت میں انشاءاللہ ایک آدھ کاپی ارسال ہوگی۔ پہلے پرچے میں جرمن نومسلموں کی تصویر ہوگی۔ جس میں بندہ بھی شامل ہوگا۔ دوسرے میں انشاءاللہ تعالیٰ ڈاکٹر گرائیفلٹ عارف کی زیارت کرائی جائے گی تیسرے میں نفیسہ خاتون ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔

صدرالدین

برلن، جرمنی

9مارچ1924ء

ڈاک حضرت امیر

استفتاء

ایک دوست نے حضرت امیر کی خدمت میں لکھا کہ اُنہوں نے ایک کلاک مسجد میں رکھا ہوا تھا جس پر 15 روپے خرچ ہوئے تھے۔لیکن بے احتیاطی سے خراب ہوگیا ہےاور مرمت طلب ہے، کیا اسے بیچ کر قیمت مسجد کے کسی اور کام میں لگا دی جائے یا انجمن میں بھیج دی جائے۔حضرت امیر نے اس کے جواب میں لکھا کہ

’’ضرورت نہیں تو فروخت کر کے قیمت کسی مسجد کےاور کام میں خرچ کر دی جائے۔ یہاں کلاک موجود ہے، جو قیمت بازار میں ملتی ہو، اس پر خود بھی خرید سکتے ہیں۔‘‘

☆☆☆

ایک دوست نے حضرت امیر کی خدمت میں لکھا کہ انہیں ایک مسجد میں نماز پڑھنے سے روکا گیا، ایک بدزبان شخص نے یہاں ایک بڑے شیعہ کو کافر کہا، جس پر اس نے دعویٰ دائر کر دیا۔اس بدزبان نے تحریری معافی مانگ لی اور وہاں کی لوکل انجمن نے اس پر جرمانہ بھی کر دیا۔اب حالت یہ ہے کہ اس اہلسنت والجماعت انجمن کے ممبر شیعہ صاحبان تو ہو سکتے ہیں لیکن احمدی نہیں۔گویا مقدمہ بازی کر کے شیعہ صاحبان تو مسلمان بن گئے اور ہمیں مساجد کے نزدیک جانے سے روکا جاتا ہے۔اگر حضور اجازت دیں تو ہم بھی مساجد کی رُکاوٹ کو بذریعہ مقدمات دور کرالیں۔اس کے جواب میں حضرت صاحب نے لکھا کہ

’’ان باتوں پر مقدمات کرنا ہمارے طریق عمل کے خلاف ہے۔ چند روز تکلیف ہے، اس کو خوش دلی سے برداشت کریں۔اللہ تعالیٰ آخرکار راستہ کھول دے گا اور ان لوگوں کو سمجھ آجائے گی ان حالات میں آپ گھر پر ہی نماز ادا کرلیا کریں۔اور اگر کوئی اور ساتھی مل سکے تو جماعت بھی ہوسکتی ہے۔‘‘

☆☆☆

اعلان فسخ بیعت

(الف) بخدمت اقدس حضرت امیر قوم ایدہ اللہ و بنصرہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

میں آج تک میاں محمود احمد صاحب سے تعلق بیعت رکھتا تھا۔ مگر اس دفعہ جو مباحثہ بدوملہی میں ہوا، میں اس میں موجود تھا اور برابر فریقین کے دلائل پر غور کرتا رہا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو عقائد میاں صاحب پیش کرتے ہیں وہ صحیح نہیں اور حضرت مسیح موعود کی تحریرات کے برخلاف ہیں۔ اس لئے میں میاں صاحب کی بیعت کو فسخ کر کے از سرِ نو حضرت صاحب کی اصلی تعلیم کو قبول کر کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ اور استقامت کے لئے حضور کی دعا کا خواستگار ہوں۔ والسلام۔ خاکسار **کریم بخش** ولد عیدا سکنہ چک نمبر 124 جنوبی، ضلع سرگودھا، حال وارد بدوملہی، کوٹ دین محمد

(ب) بخدمت گرامی حضرت مولٰینا۔ سلمہ ربّہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ کمترین نے قبل ازیں حضرت مرزا صاحب کے دست مبارک پر بیعت کی تھی مگر اپنی غفلت اور عدم توجہی کی وجہ سے میں بیعت پر قائم نہ رہا۔ پھر مجھے کتابیں پڑھنے اور حضور کے ساتھ گفتگو کرنے اور سالانہ جلسوں میں شریک ہونے کا اتفاق ہوتا رہا۔ آخر کار میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت مسیح موعود جناب مرزا صاحب اپنے تمام دعاوی میں صادق اور راستباز ہیں۔ میں یقین کی بنا پر کہتا ہوں کہ اس وقت اشاعتِ اسلام اور خدمتِ دین کے کام کرنے والی جماعت صرف احمدی جماعت لاہور ہے۔ اور یہی ایک کام ہے جس پر مسلمان عمل پیرا ہو کر دنیا اور دین میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس لئے میں آنجناب کو حضرت مرزا صاحب کا سچا جانشین اور فدائے اسلام سمجھ کر آپ کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کرتا اور تجدید بیعت کرتا ہوں۔ اُمید قوی رکھتا ہوں کہ حضور میری کمزوریوں کے لئے خاص طور پر دعا فرماویں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دور فرماوے۔ اور مجھ کو بھی اشاعت دین اور خدمت اسلام کی توفیق دے۔ خاکسار

امام الدین بقلم خود، بدوملہی، ضلع سیالکوٹ

9مارچ1924ء

مراسلات

اسلام کی موجودہ حالت اور ہمارے مُکفّرین

اسلام کی موجودہ حالت کے بیان کے اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں جبکہ اس بات کو ہر مسلمان جانتا ہے کہ ہماری غفلتوں اور بداعتدالیوں سے اسلام اس وقت ایک بڑی بھاری مصیبت میں گرفتار ہے۔ ایک طرف مقامات مقدسہ کی آزادی کا رونا ہے تو دوسری طرف شدھی کی کاری ضرب لگنے پر مسلمان بے چین ہیں۔ کون مسلمان ہے جو آریہ سماج کے ناپاک ارادوں کو نہیں جانتا۔ اس وقت اسلام کے برخلاف آریہ سماج کا پروپیگنڈا تمام ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے، جو برابر اپنا کام کئے جا رہا ہے۔ دوسری طرف عیسائیت اسلام کی سب سے بڑی دشمن ہے، جو اسلامی ممالک کی طرح اب ہماری قومیّت اور مذہب کو ہڑپ کرنا چاہتی ہے۔ الغرض اسلام کی موجودہ مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاعتِ اسلام تو درکنار، حفاظت اسلام مسلمانوں کو پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مسلمانو! خدارا اب تو اپنی ان خانہ جنگیوں اور فرقہ بندیوں کو بالائے طاق رکھ کر خدمت اسلام کے لئے کمربستہ ہو جاؤ اور تبلیغ اسلام کا ہتھیار پہن کر اپنے دشمن کا مقابلہ کرو، ورنہ اس سے بھی بدترین ایام دیکھنے پڑیں گے۔ مگر افسوس، صد افسوس! بجائے اس کے کہ مسلمان باہم ایک ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتے، اُلٹا باہمی خانہ جنگی میں مصروف ہیں۔ فرقہ بندی کی آڑ میں ایک دوسرے کو بہت بُرا بھلا کہا جا رہا ہے۔ بُرا ہو مرض تکفیر اہل قبلہ کا، جو بیماریٔ سِل کی طرح ہمارے علماء کو لاحق ہے۔ بھلا زمانہ حال میں، جبکہ اسلام اور کفر کی آپس میں لڑائی ہو رہی ہے، تکفیر بازی کی کیا ضرورت تھی؟ جو کہ مسلمانوں کے درمیان انشقاق وافتراق کا ایک زبردست آلہ ہے۔

افسوس! آج علامہ آزادؔ جیسی وسیع خیال ہستی اس جماعت کو گمراہ خیال کر رہی ہے۔ جس کے زیادہ تر افراد اسلام کی اشاعت کے واسطے اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہیں اور اپنے وطن سے جا کر توحید کا علم لئے ہوئے بیابانوں، جنگلوں اور وحشیوں میں پھر رہے ہیں۔ علاقہ ارتداد میں اس جماعت نے جو کام کیا ہے اس کا اعتراف خود ''زمیندار'' اپنے ان لفظوں میں کہ ''علاقہ ارتداد میں واقعی احمدیوں نے کام بہت اچھا کیا ہے'' اپنی گذشتہ

اشاعتوں میں کئی دفعہ کر چکا ہے۔ خود شدھی کے کمان افسر سوامی شردھانند نے بمقام دہلی لیڈران قوم کے مجمع میں یہ کہا کہ میدان تبلیغ میں کام کرنے والے صرف احمدی ہیں۔ اب سوال ہے کہ کیا ایسی تبلیغی جماعت کو ایک عالم جید کی طرف سے گمراہ کا خطاب دیا جانا قابل افسوس فعل نہیں؟ مگر شاباش ہمارے دیوبندی حضرت! جو مولانا آزاد سے اس لئے ناراض ہو بیٹھے ہیں کہ آپ نے جماعت احمدیہ کو جھجک جھجک کر گمراہ کیوں کہا۔ دھڑلے سے فتویٰ کفر کیوں نہ لکھا۔ سمجھ نہیں آتی کہ ہمارے مُکفّرین کو جماعت احمدیہ کے متعلق فتویٰ کفر کی تجدید، بلکہ بائیکاٹ کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ مجھے قابل معافی سمجھا جائے گا کہ اگر میں یہ کہوں کہ ہمارے علماء نے نعوذ باللہ قرآن مجید اور احادیث کو ایک موم کی ناک بنا رکھا ہے، جس کو جدھر چاہتے ہیں لگا دیتے ہیں۔ جبکہ وہ اسلام کو جھٹلانے والے مشرکوں اور آقائے دوجہاں ﷺ کی شان مبارک میں بکواس کرنے والے کافروں کے ساتھ اتحاد و اتفاق کے فتاویٰ اور ان مجاہدین اسلام احمدیوں کے حق میں کفر بلکہ بائیکاٹ کے فتوے مرتب کر رہے ہیں۔ جو قرآن مجید کو سچی الہامی کتاب مانتے ہوئے اس کی اشاعت کو اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھتے اور رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینے والے کو کلمہ شہادت پڑھا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہزار ہزار دفعہ درود بھجوا رہے ہیں۔ ؎

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا

مختصر یہ کہ ان ہر دو فتاویٰ کو دیکھ کر ہماری زبان سے بے ساختہ یہ شعر نکلتا ہے۔ ؎

انقلاب ایسا تو ہم نے کبھی دیکھا، نہ سنا مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں، ہرن پانی میں

حیرت ہے کہ ہمارے علماء تکفیر اہل قبلہ کو بچوں کا ایک کھیل سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ ایک قوی حدیث سے ثابت ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر کرنے والے پر اس کا کفر اُلٹا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں رئیس الائمہ امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے کہ اگر کسی مسلمان میں ایک فیصد علامت اسلام ہو، تو اس کو کافر نہ کہا جائے، خواہ اس میں باقی ننانوے فیصد کفر کی علامتیں کیوں ہی نہ ہوں۔ مگر افسوس! ہماری حالت اس کے برعکس ہے۔ یعنی ننانویں فیصد اسلام کی علامتوں کے بالمقابل ایک فیصد علامتِ کفر کا کہیں شک پڑ جائے تو پھر کیا ہے جھٹ کفر کا فتویٰ دے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں مَیں نے ایک اخبار میں ایک مُکفّر مولوی کا ایک مضمون پڑھا۔ جس میں وہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب کی گذشتہ سیاسی تقاریر

کے چند فقرات پر نکتہ چینی کرتا ہوا لکھتا ہے کہ ایسے شخص کو بھلا کافر نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ القصہ مسلمانوں کے نزدیک ایک دوسرے کی تکفیر و تحقیر ہی خدمت اسلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علاقہ ارتداد میں تبلیغ کے لئے باوجود اشتہار دینے کے کوئی مولوی اپنے آپ کو پیش نہیں کرتا۔ برعکس اس کے کفر کے فتویٰ کی تصدیق کے لئے سینکڑوں مولوی جمع ہو جاتے ہیں۔ خدا مولانا حالی کو بخشے کیا اچھا فرماتے ہیں۔

کہنا فقہاء کا مؤمنوں کو بے دین　　سنتے سنتے یہ ہوگیا ہم کو یقین

مومنوں سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال　　تکفیر بھی کی تھی فقہاء کی کہ نہیں

کاش! مسلمان اپنی حالت پر غور کر کے دیکھیں کہ وہ آپس کی خانہ جنگیوں، فرقہ بندیوں اور کفر بازیوں میں پڑ کر اپنا کتنا بڑا نقصان اُٹھا رہے ہیں۔ مسلمانو! خدارا اب ایک ہو جاؤ۔ جبکہ اس وقت میدانِ تبلیغ میں اسلام اور کفر کی باہم سخت چپقلش ہو رہی ہے۔ کاش! مسلمان اپنے مخالف فریق سے ہی سبق حاصل کر لیں۔ جب کہ ہندوؤں کے تمام فرقے، سناتن دھرم، بُدھ، جینی، دیوسماجی وغیرہ، جو آپس میں فروعی اختلافات نہیں، بلکہ اصولی اختلاف رکھتے ہیں، آریہ سماج کے جھنڈے تلے اس لئے جمع ہو گئے ہیں کہ آریہ سماج کا مقصد واحد صرف مسلمانوں کو ہندو بنانا ہے۔ مگر افسوس! صد افسوس ہماری کم بختی سے اسلامی فرقے، جن تمام کا ایک ہی اصول ہے، صرف فروعات میں معمولی سا اختلاف ہے، باہم ایک نہیں ہوئے، بلکہ نئے سرے سے تکفیر بازی کا بازار گرم کیا۔ اور اصل حقیقت کو نہ سمجھا۔

ایک دین اور ایک قبلہ ایک رسول اور ایک کتاب　　ہے سمجھ قاصر کہ پھر کیوں ہیں یہ فرقہ بندیاں

بُرا ہو اس فرقہ بندی کا جو ہم کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے سے بہت دور لے جا رہی ہے۔ اور اسلام پر چاہے کتنی بڑی مصیبت نازل ہو، خواہ کتنا زبردست دشمن حملہ آور ہو، ہم کو باہم متحد بنا کر اس کا مقابلہ کرنے نہیں دیتی۔ دیکھئے ہمارے اسلاف مقابلۂ اغیار کے وقت اپنی باہمی خانہ جنگیوں کو کس طرح بالائے طاق رکھ دیا کرتے تھے۔ تاریخ اسلام میں امیر معاویہ اور حضرت علیؓ کی جنگ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ امیر معاویہ اور حضرت علی ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ بے شمار جنگیں ہوئیں۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ ایسی حالت میں

کفار نے ارادہ کیا کہ اسلامی طاقت کا قلع و قمع کرنے کے لئے اچھا موقع ہاتھ آنا بہت مشکل ہے۔ چنانچہ کسریٰ ایران نے حضرت علی کو اور قیصر روم نے امیر معاویہ کو علیحدہ علیحدہ اعلان جنگ دیئے اور یورش کی تیاری کی، تو امیر معاویہ نے کسریٰ ایران کو لکھا کہ خبردار! اگر تم نے حضرت علی پر حملہ کیا۔ حضرت علی کی طرف سے پہلا جرنیل، جو تیرے مقابلہ پر سینہ سپر ہوگا، وہ معاویہ ہوگا۔ ایسا ہی شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کو لکھا۔ جس پر کفار اپنا سا منہ لے کر رہ گئے!

مسلمانو! کیا ہمارے اسلاف کے نمونے ہمارے لئے مشعل راہ نہیں ہیں۔ کیا اسلامی فرقوں کے درمیان حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ کی باہمی دشمنی سے بھی زیادہ دشمنی ہے کہ ایک ہو کر کفار کا مقابلہ نہیں کرتے۔ ان کے درمیان تو خون کی ندیاں اور نہریں جاری ہوگئی تھیں اور میدان میں عزیز و اقارب کی لاشیں پکار پکار کر کہہ رہی تھیں کہ نہ ملنا نہ ملنا۔ مگر وہ اللہ کے حکم پر مل گئے۔ بتاؤ تمہارے درمیان کون سی جنگیں ہوئیں۔ اور کون سے عزیز و اقارب تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے ہیں، جن کے خون تم کو ایک نہیں ہونے دیتے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا بھی، تو ہمیں لازم تھا کہ ہم اپنے اسلاف کے اس پاک نمونہ کے مطابق یکجان ہو کر مشرق میں آریہ سماج کے ساتھ، جو بمنزلہ کسریٰ کے ہے اور مغرب میں عیسائیت کا جو بمنزلہ قیصر کے ہے، تندہی سے مقابلہ کرتے۔ مگر افسوس! ہم چودھویں صدی کے خلف الرشیدٹس سے مس نہ ہوئے۔ حالانکہ زمانہ حال میں عیسائیت اور آریہ سماج کی جنگ کسریٰ ایران اور قیصر روم کی لڑائیوں سے کہیں زیادہ وقعت رکھتی ہے۔ وہ یوں کہ مؤخر الذکر دشمن تو صرف اسلامی ممالک کو تاخت و تاراج کرنا چاہتے تھے، لیکن اول الذکر دشمن ہماری قومیت اور مذہب کو ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ امر مسلّمہ ہے کہ قومیت سلطنت کو پیدا کرسکتی ہے نہ کہ سلطنت قومیت کو۔ پس لازم ہے کہ اب مسلمان حفاظت اسلام کے لئے ''گذشتہ راصلوۃ آئندہ را احتیاط'' کے زریں اصول پر عمل کرتے ہوئے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح آپس میں بھائی بھائی بن کر اشاعتِ اسلام کے کام پر لگیں۔ اور ہمیشہ کے لئے اپنے دِلوں سے رنج و عداوت نکال دیں۔ اس طریق سے خود بخود فرقہ بندی کا شیرازہ اُکھڑ جائے گا۔ جب کہ ذاتی بغض و عناد ہی فرقہ بندی کی بنیاد ہے۔ بقول ذوقؔ ۔

ہفتاد دو فریق حسد کے عدو سے ہیں اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں

اب میں مُکفّر مولویوں کی خدمت میں عاجزانہ درخواست کرتا ہوا اپنے مضمون کو ختم کئے دیتا ہوں کہ وہ خدارا آئندہ کسی مسلمان کو کافر بنانے کی تکلیف نہ کریں، جبکہ ان کی یہ ڈیوٹی آریہ سماج اچھی طرح ادا کر رہی ہے!

الراقم

عبدالرحمٰن

افضل آبادی۔ مدرس کوٹ رادھا کشن، لاہور

16 مارچ 1924ء

اداریہ

تُرک اور خلافتِ اسلامی

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کے قلم سے)

اُنگورہ کے فیصلۂ تنسیخ خلافت نے اسلامی دنیا میں ایک ہلچل مچا دی ہے۔ ایک طرف شریف مکہ مدعیٔ خلافت ہے اور عراق اور اردن اس کے مؤید ہیں، مصر اور مراکش اپنی جگہ دعویدار ہیں۔ امیر افغانستان کا نام بھی ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے۔ لیکن اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والی بات وہ طریق عمل ہے، جو غازی مصطفیٰ کمال اور ترکوں کے متعلق یہاں ہندوستان میں اختیار کیا گیا ہے۔ کسی طرف سے یہ آواز آ رہی ہے کہ وہ مرتد ہیں۔ کوئی ان کو دشمن اسلام قرار دے کر یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کا دشمن ہونا چاہئے۔ کوئی خلافت کو اصولِ اسلام میں سے قرار دے کر انہیں منکر اصول اسلامی بتا رہا ہے۔ اور وہی ترک، جن کی تعریف میں کل تک تمام زبانیں رطب اللسان تھیں، آج بدترین مخلوق قرار پاتے ہیں۔ میں ترکوں کے اس فعل کا حامی نہیں، اور نہ اسے صحیح سمجھتا ہوں۔ لیکن ان کی اس غلطی سے، جو اُنہوں نے کی ہے، بدتر یہ غلطی ہے کہ جو کچھ اتحاد اسلامی اس وقت موجود ہے، اسے بھی توڑ کر برباد کیا جائے۔ اور ہندوستان کے جذبات ترکوں کے خلاف اُبھار کر ترکوں کے جذبات ہندوستان کے مسلمانوں کے خلاف اس حد تک اُکسائے جائیں کہ کل جو لوگ بھائی بھائی تھے، آج وہ سخت ترین دشمن بن جائیں اور اُخوت اسلامی کا رہا سہا شیرازہ پاش پاش ہو جائے۔ اور ہم مسلمان یکے نقصان مایہ دیگر شماتت ہمسایہ کا مصداق ہوں۔ جس طرح انسانوں سے غلطیاں ہوتی ہیں، اسی طرح قوموں سے بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ہمارا یہ طریق عمل، کہ کسی کی ایک خوبی پسند آئی، تو اسے سر پر اُٹھا لیا، اور ایک غلطی اس سے سرزد ہوئی، تو اس کی گردن پر چھری چلانے کے لئے تیار ہو گئے، کتاب مجید کی ہدایت کے خلاف ہے۔ ہمیں اپنی تعریف اور مذمت دونوں میں حالت اعتدال پر رہنا چاہئے اور اُمَّةً وَّسَطًا (2:143) کے خطاب کا اپنے آپ کو مستحق ثابت کرنا چاہئے۔

اسلام کو جو فخر اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام روئے زمین کے مسلمان اصولِ دین میں متحد ہیں اور ان کے اختلافات فروعی اور اجتہادی مسائل میں ہیں۔ اس فخر میں دنیا کا کوئی دوسرا مذہب اسلام کا شریک نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جو اتحاد کا رنگ اپنے پیروؤں میں پیدا کیا ہے وہ اتحاد دوسرے کسی مذہب کے پیروؤں میں نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اسلام کا اتحاد مذہبی رنگ میں ہے اور دوسرے لوگوں کا اتحاد عموماً اغراضِ قومی یا اغراض ملکی کے لئے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اصول اسلام جن پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، ان میں خلافت کا ذکر نہیں۔ خلافت ایک انعام تھا، جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایمان اور اعمال صالحہ پر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ جیسا کہ آیت استخلاف میں یہ بات صراحت سے موجود ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (55:24) اور اس انعام سے اتحادِ اسلامی کو عظیم الشان قوت ملی۔ لیکن میں پھر اس بات کو دہراتا ہوں کہ اسلام کے اتحاد کی اصل بنیاد اصول اسلامی پر ہے۔ دوسرے امور میں، اگر ہمارے اتحاد کو نقصان بھی پہنچے، تو اس نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے اور اس نقص کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ لیکن اصول دینی میں اگر اختلاف واقع ہو تو اس کی تلافی کوئی نہیں ہو سکتی۔ خلافت بلا شبہ اسلام کے اتحاد اور بنا بریں اسلام کی قوت کا ایک زبردست ذریعہ ہے، لیکن اسلام کا اتحاد خلافت سے بھی بالاتر ہے۔ اور اگر ترکوں نے خلافت کی تنسیخ سے اتحاد اسلامی کو نقصان پہنچایا ہے تو دوسرے مسلمانوں کا یہ کام نہ ہونا چاہئے کہ انہیں مرتد اور دشمن اسلام قرار دے کر جس قدر اتحاد باقی ہے، اُسے اپنے ہاتھوں سے توڑ دیں۔ اور جن ذریعوں سے اس نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے، اُن کو خود ہمیشہ کے لئے دور کر دیں۔ اگر کوئی ہتھیار اس وقت ہمیں کام دے سکتا ہے تو وہ ایک ٹھنڈا دل ہے جو غور و فکر سے کام لے!

میں اس وقت خلافت پر کچھ مفصل لکھنا نہیں چاہتا۔ عنقریب ان خیالات کا اظہار ایک رسالہ کی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ اور اس سے پیشتر جب خلافت پر بحث اُٹھی تو میں نے اپنے خیالات کا اظہار اس وقت بھی ایک رسالہ کی صورت میں کیا تھا۔ جس سے، جہاں تک مجھے علم ہے، کسی مسلمان نے اختلاف نہیں کیا، بلکہ اس کی کاپیاں بکثرت اور بار بار چھپ کر جگہ جگہ تقسیم ہوتی رہیں۔ وہی اب بھی میرا خیال ہے۔ وعدہ خلافت ایک عظیم الشان سلطنت کا وعدہ ہے۔ جس میں ملک عرب، جو آنحضرت ﷺ کے زیر اقتدار آ گیا تھا، ایک ضروری عنصر ہے۔ تاریخ اسلام اس پر شاہد ہے کہ خلافت کا منصب اسی قوم کے لئے رہا ہے، جس کی حکومت کے اندر ملک

عرب رہا ہے۔ اور اس حقیقت سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوسکتا کہ یہی امر عیسائی طاقتوں کے مدنظر تھا۔ جب اُنہوں نے ملک عرب کو سلطنت ترکی سے اپنی مخفی تدابیر اور سازشوں سے بالکل الگ کر دیا۔ درحقیقت خلافت تو ترکی کے ہاتھ سے اسی وقت نکل چکی تھی۔ اور آج جس چیز کو ترکوں نے چھوڑا ہے، وہ محض ایک لفظ ہے، جس کے نیچے ان کے لئے کوئی حقیقت باقی نہ رہی تھی۔ البتہ ان کی اس غلطی کو ہمیں ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ منصب خلافت سے بکلّی اپنے آپ کو الگ کر دینے میں اُنہوں نے اپنے اس حق کو چھوڑ دیا ہے، جو از روئے انصاف اور مسلمانانِ عالم کے فیصلہ کے مطابق ان کا تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ حق اس وقت عملی رنگ میں ان کو حاصل نہ تھا۔ لیکن اگر وہ انتظار کرتے تو شاید اللہ تعالیٰ یہ حق انہیں واپس دلا دیتا۔ بہر حال سلطان کی معزولی کے سوال کو الگ رکھ کر خلافت کو ترک کرنے میں ترکوں نے ایک غلطی کی ہے، لیکن اس سے بدترین غلطی یہ ہے کہ اس وجہ پر ہم ترکوں کو بُرا کہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترکوں نے خلافت کو اسلام یا مسلمانوں کے فوائد کے لئے ضروری نہیں سمجھا۔ مگر ان کے اس قدر انکار سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ انہیں دشمن اسلام یا مرتد قرار دے۔ وہ اصول اسلام کے قائل ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے سچی غیرت اور محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔

اگر مسلمانانِ ہندوستان اس کے متعلق محبت کے رویہ کو اختیار کریں، تو شاید وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر کے لفظ خلافت کو قائم رکھیں۔ ہاں! اگر ترکی بوجہ اپنی حکومت کے خلافت کے منصب پر تھی، تو وہ حکومت اب بھی موجود ہے۔ اور یہی تشریح غازی مصطفیٰ کمال نے اسمبلی کے فعل کی کی ہے۔ اور اگر اس حکومت کا جزو لازم ملک عرب تھا، تو خلافت عملی رنگ میں ترکوں کے ہاتھ سے شریف مکہ کی حکمت اور یورپین طاقتوں کی مخفی تدابیر اور سازشوں کی وجہ سے نکل چکی تھی۔ مسلمانانِ ہند اگر قرآن و حدیث کے احکام کی صراحت کے سامنے سر جھکاتے ہوئے ٹھنڈے دل سے ان اُمور پر غور کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں تو مسلمانان عالم کی ان حالات میں ان سے بہتر رہنمائی کوئی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انہیں عربوں یا مصریوں کی طرح اپنی کوئی غرض مدنظر نہیں۔ اور اگر جوش دلانے والے اور اشتعال انگیز الفاظ کو استعمال کریں، تو خلافت کی خدمت کی بجائے اتحاد اسلام کو پاش پاش کر کے خلافت کو بھی اُلٹا نقصان پہنچائیں گے۔ یہ جو مصیبت آج خلافت پر آئی ہے، اسی قسم کے مصائب کا نشانہ یہ پہلے بھی ہوتی رہی ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے از سرنو اُٹھ کر اس سے بھی زیادہ آب و تاب سے چمکتی رہی ہے۔ اب بھی ہمارے لئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ (29:13) کا صحیح مصداق بنایں۔ اگر ہم خلافت سے محروم کئے گئے ہیں تو اپنے اعمال کی وجہ سے محروم کئے گئے ہیں۔ اگر ہم انہیں درست کریں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہونے میں ادنیٰ بھی شبہ نہیں!

☆☆☆

اچھوت اقوام اور مسلمان

ہندو قوم کے دور اندیش اصحاب اچھوت اقوام کو اسلام کے خلاف پختہ اور مضبوط کرنے کے لئے پوری سرگرمی اور جدوجہد سے کام لے رہے ہیں۔ ان کو ہندوؤں کی اعلیٰ ذاتوں کے ساتھ ملانا اور کنوؤں پر چڑھانا تو فرضی اور نمائشی باتیں ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ ہم خود مالویؔ جی کے طرزِ عمل سے ثابت کر چکے ہیں، ان کے کھانے کے دانت اور ہیں اور دکھانے کے اور۔ تاہم اس جدوجہد میں ایک بات میں وہ خاص طور پر کامیاب ہو رہے ہیں، اور وہ اچھوت اقوام کو اسلام کے خلاف مضبوط کرنا اور اس سے نفرت دلانا ہے، حال ہی میں موضع پیپرا ضلع بلند شہر میں چماروں کی ایک پنچایت کے اندر آریہ سماجی لوگوں نے اسلام کے خلاف جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ یہ ہیں:

> ''جب ہماری برادری نے سنا کہ آپ لوگ مسلمانوں کی طرف جھک چکے ہیں، تو کسی نے اس بات کا یقین نہ کیا۔ کیونکہ یہ بالکل ناممکن ہے کہ جاٹوں جاٹ کا کوئی گروہ مسلمان ہو جائے۔ ہماری قوم کے خیالات اور مسلمانوں کے خیالات میں بہت فرق ہے۔ ہم مر جانا اچھا سمجھتے ہیں، لیکن گئو ہتیا بن کر ماتا کی لڑکی کے ساتھ شادی کر کے منہ کالا کرنا پاپ سمجھتے ہیں۔''

اسی سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا گیا:

> ''مسلمانوں کی غلیظ اور گندی حالت کو ذرا آنکھوں کے سامنے لاؤ، اس وقت تمہارے صاف ستھرے گھر کیسے شوبھا دیتے ہیں۔''

''مسلمانوں کی غلیظ اور گندی حالت'' کی تشریح سماجی مہاشاؤں نے نہیں کی، لیکن اگلے فقرہ سے معلوم

ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حالت کو وہ اس لئے غلیظ اور گندی سمجھتے ہیں، کہ ان کے گھروں کی لپائی گائے کے گوبر سے نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک وہی لوگ صاف ستھرے ہیں، جن کے گھروں میں گئو ماتا کا پیشاب اور گوبر باافراط ہو، جن کے کپڑوں کی غلاظت ہر وقت دماغ کو معطر کرتی رہے۔ مسلمانوں میں چونکہ یہ دونوں باتیں نہیں، اس لئے ان کی حالت غلیظ اور گندی ہے۔ سماجی لوگوں کو ان کے اس نقطہ نگاہ کی وجہ سے ہم معذور سمجھتے ہیں۔ بقول شاعرے

سمجھ اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

لیکن بہرحال اس طریق سے وہ ہندوؤں کی اچھوت اقوام کو جو اسلام کی، طرف راغب ہیں، اس سے بدظن کر کے نفرت پھیلاتے ہیں، اس پروپیگنڈا کے اثر کو زائل کرنے اور اچھوت اقوام کو اسلام میں لانے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے ابھی تک کوئی باقاعدہ کوشش نہیں ہوئی۔ اگر ہر ضلع میں مسلمانوں کی ایک ایک مجلس تبلیغ وحفاظت اسلام کے لئے قائم ہو، اور وہ اپنے اپنے ضلع کی اچھوت اقوام کو اسلام میں لانے کا انتظام کریں، تو یہ کام نہایت آسانی سے سرانجام پاسکتا ہے۔ لیکن مسلمان اس اصل اور اہم ترین کام سے غافل ہیں جبکہ دشمن پورے ساز وسامان کے ساتھ ان کی متاع ہستی کو برباد کرنے کے درپے ہے۔ ے

حیف برچشمی کہ اکنوں نیز ہم ہشیار نیست

جمعیۃ العلمائے ہند نے اسی قسم کا انتظام بعض صوبوں میں کیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے صحیح ہاتھوں میں کام نہ ہونے کے باعث ناکامی ہوئی۔ کیا حرج تھا اگر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام سے اس بارہ میں مدد لی جاتی!

☆☆☆

''تیج'' کا مشورہ: دہلی کے روزانہ ہندو معاصر ''تیج'' نے 12 مارچ کی اشاعت میں ''ہندوستان کا خلیفہ کون ہوگا؟'' کے عنوان سے ایک لیڈر لکھا ہے۔ جس میں مسلمانوں کے موجودہ اضطراب اور ان کے خیالات کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں مشورہ دیا ہے کہ:

''ہم ہندوستانی مسلمانوں کو مخلصانہ مشورہ دیں گے کہ وہ بھی دنیا بھر کے جھگڑے کو چھوڑ کر

ہندوستان کے لئے ایک جدا خلیفہ منتخب کرلیں۔ اس کا لازمی نتیجہ ایک تو یہ ہوگا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو دوسرے ممالک کے مسلمانوں کا دست نگر نہ رہنا پڑے گا، دوسرے ان کے تفکرات کم ہوجائیں گے اور حب الوطنی قدرتی طور پر زیادہ آجائے گی۔''

☆☆☆

معاصر ''تیج'' کا مشورہ سرآنکھوں پر۔ ان کی ہمدردانہ نصیحت کا شکریہ۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام کوئی بھارت ورش کا مذہب نہیں کہ اس کے ماننے والے اپنے تعلقات کو ہندوستان کی چاردیواری کے اندر محدود کرلیں۔ کُل دنیا کے مسلمان بمنزلہ ایک جسم کے ہیں۔ جس کا ایک حصہ ہندوستانی مسلمان ہیں۔ جس طرح ایک جسم کے اعضاء کو جدا جدا کرنے سے جسم باقی نہیں رہتا اور مرجاتا ہے، اسی طرح مسلمانان ہند کو باقی مسلمانوں سے منقطع کرنے کا نتیجہ ہوگا۔

معاصر ''تیج'' کو خلافت اسلامی کے معاملہ میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ مسلمان خود ہی اس کو بااحسن وجوہ نبٹالیں گے۔ ہاں اسے مسلمانوں کے تفکرات کم کرنے کی اگر فی الواقع خواہش ہے تو چاہئے کہ وہ سنگھٹن اور شُدھی کو روکنے کی کوشش کرے۔ حب الوطنی کا جذبہ خدا کے فضل سے مسلمانوں میں پہلے ہی سے کافی ہے۔ اور اس کا بھی اصل ذریعہ اسلام ہی ہے، جو دنیا جہان کے مسلمانوں کو ایک رشتۂ اتحاد میں بھی منسلک کرتا ہے اور حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ کہہ کر ان کو اپنے اوطان اور ملکوں کی بہتری میں کوشاں ہونے کی بھی نصیحت کرتا ہے۔ یہ دوگونہ جذبات جس مذہب نے اپنے پیروؤں میں پیدا نہیں کئے، اور ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام کے سوائے کوئی دوسرا مذہب اس تعلیم کا علمبردار نہیں، وہ نسل انسانی میں تفرقہ اور تنگدلی پیدا کرتا ہے عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں۔

☆☆☆

ہندو بنایا نہیں جاتا

روزانہ ''اپدیشک'' لاہور راوی ہے، کہ پنجاب ہندو سمیلن میں پنڈت نیکی رام صاحب شرما نے تقریر

کرتے ہوئے فرمایا:

''جب ہندو بچہ ماں کے پیٹ میں آتا ہے، اس دن سے لے کر آخری دم تک، جب اس کا انتم سنسکار کر دیا جاتا ہے اسے ہندو شکشا (تعلیم) ہونی چاہئے، ہندو دھرم تہذیب اور شاستر یہ مانتے ہیں کہ ہندو پیچھے نہیں بنایا جاتا، بلکہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جو چیز پیچھے بنائی جاتی ہے، وہ اصلی نہیں ہوتی۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ شُدھی کا شور و پکار محض مصنوعی ہندو بنانے کے لئے ہے۔ وہ لوگ جو اسلام جیسے معقول مذہب کو چھوڑ کر ہندو بنتے ہیں، اس پر غور کریں۔ ہندوؤں کی غرض انہیں مرتد کرنے سے سوائے اس کے کچھ نہیں، کہ ہندوؤں کی فہرست میں ان کا نام لکھا جائے۔ ورنہ اصل وہ انہیں ہندو نہیں سمجھتے۔ ایسی حالت میں وہ سوائے اس کے، کہ ''ازیں سو راندہ وازاں سو درماندہ'' کے مصداق ہوں، اور کیا نتیجہ ہوگا۔ یہ شرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ کوئی شخص کسی مذہب سے آئے، خواہ کسی ہندو یا عیسائی کے گھر میں پیدا ہو، جس وقت وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لیتا ہے تو اسلامی برادری میں اسے وہی حق حاصل ہو جاتا ہے جو ایک پیدائشی مسلمان کو ملا ہوا ہے۔ کوئی اصلی اور مصنوعی کی تفریق اسلام نے نہیں رکھی۔ کیونکہ اس کے نزدیک کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی الْفِطْرَةِ تمام بچے فطرت کا مذہب لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ اسلام ہے۔

☆☆☆

ڈاک حضرت امیر

ہندوستان کی طرف کے دو معزز آدمیوں نے بیعت کے کارڈ حضرت امیر کی خدمت میں بھیج کر لکھا ہے کہ وہ حضرت صاحب کو مجدد تو مانتے ہیں لیکن مسیح موعود و مہدی معہود ماننے کو تیار نہیں۔ اس کے جواب میں حضرت امیر نے تحریر فرمایا کہ

''جو شخص حضرت صاحب کو مسیح موعود نہیں مانتا، اس کی بیعت بے معنی ہے۔''

ایک دوسرے نے حضرت امیر کی خدمت میں لکھا کہ ان کی ساس، جو چچی بھی تھی، حضرت مسیح موعود کی

نسبت بدزبانی کرتی تھی۔ بیوی کا بھائی بھی ویسا ہی بدزبان تھا۔ وہ ساس کی بیمار پرسی کے لئے بوجہ غیرت دینی نہ گئے۔ اور نہ شریک ماتم ہوئے۔ کیا یہ طرز عمل ان کا درست تھا؟ اس کے جواب میں حضرت امیر نے تحریر فرمایا کہ

''عیادت کے لئے ضرور جانا چاہئے تھا۔ خبر گیری بھی ضرور کرنی چاہئے تھی۔ سالا اگر مکفر ہے تو آپ کا تعلق محبت اس سے ہونا مشکل ہے۔ ہاں! اپنی طرف سے کشیدگی کو بڑھانا نہ چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ اس کے خیالات تبدیل ہوں۔''

اخویم میر عابد علی شاہ صاحب نے حضرت امیر کی خدمت میں لکھا کہ میر مدثر شاہ صاحب کی آمد خاص طور پر باعث برکت ثابت ہوئی ہے۔ اور مخلوق خدا کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ اس لئے رمضان سے پہلے اُنہیں دوبارہ ہفتہ عشرہ کے لئے بھیج دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت سے نیک اور شریف آدمی اس دفعہ سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت امیر نے تحریر فرمایا کہ:

''میر مدثر شاہ صاحب رمضان سے پہلے تو شاید اب نہ آسکیں۔ دوسری جگہ بھی کام ہے۔ اکتوبر میں پھر آئیں گے۔ لیکن اگر میر عابد شاہ صاحب خود توجہ کریں تو ساری بدوملہی کو سلسلہ میں داخل کر سکتے ہیں۔''

یہ جواب نہ صرف میر صاحب کے لئے قابل توجہ ہے بلکہ جملہ احباب اگر اس پر عمل کریں تو ہر مقام پر جماعت ترقی کر سکتی ہے۔ جب تک ہماری طرف سے کوئی حرکت نہیں ہوگی، تب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نصرت نہیں آسکتی۔ مشین کا ہر ایک پرزہ جب تک حرکت نہ کرے، تب تک وہ اپنا کام سرانجام نہیں کر سکتی۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح غفلت کی زندگی بسر کرنے سے ہمیں کبھی دینی دنیاوی عروج حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم دین و دنیا میں باعزت قوم بننا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی کوششوں کو اسی راہ پر لگا دینا چاہئے۔

خاکسار

منظور الٰہی

☆☆☆

صدقہ جاریہ کے کچھ کام

میں احباب کی توجہ دو کاموں کی طرف خصوصیت سے مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ ایک بعض مقامات پر مساجد کا قیام ہے۔ بعض شہروں میں ہماری جماعت کی اپنی مساجد نہیں۔ اگر ہیں تو ان پر مرمت وغیرہ کے رنگ میں اور روپیہ خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر احباب اس نیک کام میں تھوڑا تھوڑا حصہ لیں، یا کوئی احباب ایسے ہوں جو تعمیر مسجد کے لئے کچھ روپیہ صرف کر سکتے ہوں، تو عنداللہ ماجور ہوں گے۔ دوسری ضرورت، جس کی طرف احباب کی توجہ کی ضرورت ہے، یہ ہے کہ ہر سال دو تین ہزار روپے کے قریب ہمیں بعض ضروری کتب اور قرآن شریف کے ترجموں کی مفت یا رعائتی اشاعت پر صرف کرنا پڑتا ہے، جو بعض وقت غیر مستطیع مسلمان اصحاب یا نوجوان مسلمان طلباء کو دیئے جاتے ہیں۔ یا غیر مسلموں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اگر احباب کی اس طرف توجہ ہو تو صدقہ جاریہ کا نہایت اعلیٰ درجہ کا کام ہے۔

23 مارچ 1924ء

حضرت امیر کے نام

اخویم نور محمد خاں صاحب نے حضرت امیر کی خدمت میں لکھا کہ وہ تبلیغ میں اپنی طرف سے بہت کوشش کر رہے ہیں اور دو ملانوں کے واقعات لکھے۔ حضرت امیر نے تحریر فرمایا:

''جزاہ اللہ خیرا۔ آپ اس سلسلہ کو وسیع کرتے جائیں۔ اللہ تعالیٰ قبول کرنے والے بھی بہتیرے آدمی پیدا کر دے گا۔ اخویم شیخ عبدالغنی صاحب نے حضرت امیر کی خدمت میں دعا کے لئے لکھا کہ ان کے لئے اور جماعت کی ترقی کے لئے دعا فرمائی جائے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ درس شروع ہو گیا ہے اور نمازیں بھی با جماعت ادا کی جاتی ہیں۔ انشاء اللہ جماعت کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ اجازت ہو تو ایک جلسہ کیا جائے۔ حضرت امیر نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ''جزاہ اللہ خیر! میں انشاء اللہ آپ کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔ پہلے جماعت کا کام اور تبلیغ کی طرف توجہ اچھی طرح ہو۔ جلسہ میں جلدی نہ کریں، ویسے میں خود کسی وقت آؤں گا۔''

اخویم ضمیر حسین صاحب نے حضرت امیر کی خدمت میں لکھا کہ اُنہوں نے کام وکالت کا شروع کر دیا ہے۔ لیکن ابھی کام نہیں چلا۔ احمدیت کی تبلیغ کے باعث مسلمان بھی مخالفت کرتے ہیں۔ مجسٹریٹی کی حالت میں جو واقعات پیش آئے تھے، جب مہاراجہ صاحب بہادر نے تفتیش فرمائی تو اُن پر اصل شریروں کے حالات ظاہر ہو گئے، جنہیں اُنہوں نے مختلف سزائیں دے دیں اور میری بے گناہی ظاہر ہو گئی کہ اس نے فساد روکنے اور ہندو مسلم اتحاد کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔ اصل بانیانِ فساد کو سزائیں ہو جانے سے مجھے خوشی نہیں ہوئی بلکہ افسوس ہوا۔ سخت سے سخت مخالفت پر بھی میرا دل بددعا کرنے کو نہیں چاہتا، اس کے جواب میں حضرت امیر نے تحریر فرمایا:

''مجھے ان کے خط کو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بے قصوری ثابت کر دی۔ مگر زیادہ تر ان خیالات کی وجہ سے، جن کا اس خط میں اظہار ہے، بلاشبہ

دوسرے کی مصیبت پر خوش ہونا، خواہ وہ مخالف ہی ہو، اچھا فعل نہیں۔ تبلیغ میں آہستگی اور نرمی کو بغایت درجہ ملحوظ رکھیں اور جن باتوں سے حکام میں یا پبلک میں مخالفت ہوتی ہے، سردست اُن کو چھوڑ دیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کشائش کے راستے کھول دے۔‘‘

23 اپریل 1924ء

اداریہ

ہمارے معتقدات

مولٰینا ابوالکلام آزاد اور ہم

قریباً چار پانچ ماہ کا عرصہ ہوا ہے، مولٰینا ابوالکلام آزاد کا ایک فتویٰ اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ جس میں اس سوال کے جواب میں کہ

''مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروؤں کی نسبت شرعی حکم کیا ہے؟'' مولٰینا موصوف نے لکھا تھا کہ ''میرے نزدیک ان کا شمار اسلام کے گمراہ فرقوں میں ہے''

مولٰینا نے اس قدر مہربانی ضرور کی کہ باوجود احمدیوں کو گمراہ قرار دینے کے، انہیں دائرہ اسلام کے اندر رکھا۔ اگرچہ ان کی یہ مہربانی دوسرے مولویوں، بالخصوص دیوبندی حضرات کو شاق گذری اور اُنہوں نے مولٰینا کی تردید اور احمدیوں کو گمراہی سے بڑھ کر کافر اور خارج از اسلام ثابت کرنے میں اخبارات کے صفحوں کے صفحے سیاہ کئے۔ لیکن مولٰینا موصوف آخر تک اپنی اسی رائے پر قائم رہے۔

اس فتویٰ کے شائع ہونے پر حضرت امیر ایّدہ اللہ نے ایک چٹھی مولٰینا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں لکھی۔ جس میں ان کے اس فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد تحریر فرمائے اور مولٰینا موصوف سے استدعا کی کہ ان میں سے جس عقیدہ کو

''وہ گمراہی کا موجب خیال کرتے ہوں اس کے سامنے نوٹ کر دیں۔''

چنانچہ وہ عقائد حسب ذیل ہیں:

اوّل: ہم مانتے ہیں کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کا مبعوث ہونا ضروری ہے۔

دوم: ہم مانتے ہیں کہ اس چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔

سوم: ہم مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے۔ جس طرح دیگر انبیاءؑ وفات پا گئے۔

چہارم: ہم مانتے ہیں کہ نزول ابن مریم کی پیشگوئی حق ہے۔ اور مراد اس سے یہ تھی کہ اُمت کا کوئی مجدد حضرت عیسیٰ کی صفات اپنے اندر لئے ہوئے ظاہر ہوگا اور وہ مجدد حضرت مرزا صاحب ہیں۔

پنجم: ہم مانتے ہیں کہ ایسا کوئی مہدی نہیں آ سکتا جو بزور شمشیر اسلام پھیلائے۔ اور حدیث **لَا مَھْدِی اِلَّا عِیْسٰی** کے ماتحت ہم حضرت مرزا صاحب کو مہدی بھی مانتے ہیں۔

ششم: ہم مانتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دنیا کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پرانا۔ اور آپ کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والے کو کافر اور کاذب سمجھتے ہیں۔

ہفتم: ہم مانتے ہیں کہ اس اُمت کے برگزیدہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے **رِجَالٌ یُّکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْبِیَآءَ.**

ہشتم: ہم مانتے ہیں کہ اس اُمت میں نبوت میں سے کچھ باقی نہیں، مگر مبشرات جیسا کہ حدیث میں ہے **لَمْ یَبْقَ مِنَ النَّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ**۔

نہم: ہم مانتے ہیں کہ مبشرات جزوِ نبوت ہیں۔ جیسا کہ حدیث صحیحہ میں ہے اور صاحب مبشرات صاحب نبوت جزوی ہے۔

دہم: ہم مانتے ہیں کہ نبوت بروئے اصطلاح شرعی اب باقی نہیں۔ لیکن لغوی نبوت، جس کے معنی صرف اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہیں اور جسے صوفیاء کی اصطلاح میں نبوت عامہ یا نبوت غیر تشریعی کہتے ہیں اور جو اصطلاح شریعت میں ولایت یا محدثیت کے نام سے موسوم ہے، وہ اس اُمت میں جاری وساری ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ اکبر و دیگر بزرگان کا مذہب ہے۔

یازدہم: ہم جملہ انبیاء علیہم السلام کی صدق دل سے عزت کرتے ہیں اور ان کی توہین کرنے والے کو

مردود سمجھتے ہیں۔

ان عقائد کو تحریر کرنے کے بعد حضرت امیر نے آخر میں یہ بھی لکھا کہ

''میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ان گیارہ معتقدات میں سے ہر ایک امر حضرت مرزا صاحب کی محکم تحریروں پر مبنی ہے، اور یہ مذہب ہم نے حضرت مجدد سے ہی لیا ہے۔''

یہ چٹھی 12 دسمبر 1923ء کو مولٰینا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں بصیغہ رجسٹری بھیجی گئی اور پھر 25 جنوری 1924ء کو اس کی یاد دہانی کرائی گئی۔ لیکن آج چار پانچ ماہ کا عرصہ ہوتا ہے کہ اس کا کوئی جواب مولٰینا موصوف کی طرف سے موصول نہیں ہوا۔ نہ معلوم اس کا کیا باعث ہے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ ان کو چٹھی موصول نہ ہوئی ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ واپس آجاتی۔ پھر حیرت ہے کہ اُنہوں نے جواب سے ہمیں کیوں محروم رکھا۔ مولٰینا ابوالکلام آزاد کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ لوگوں کے ڈر سے حق بات کہنے سے گریز کریں۔ اس لئے اب ہم اخبار کے ذریعہ سے انہیں اس طرف متوجہ کرنے اور یاد دہانی کرانے پر مجبور ہوئے۔ علاوہ ازیں جملہ مخالف مولویوں کی خدمت میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر ان کے دِلوں میں ذرا بھی خوفِ خدا اور حق جوئی ہے، اگر محض پبلک جذبات کی پیروی کرنا ان کا مقصود نہیں، اور فتویٰ کفر دینے میں اُنہوں نے سچائی اور صدق نیت سے کام لیا ہے، تو خدا کے لئے مذکورہ بالا عقائد پر وہ غور کریں اور ہمیں بتائیں کہ کیا ان عقائد کا رکھنے والا کافر ہوسکتا ہے؟ کیا امت مرحومہ میں اللہ تعالیٰ سے شرف مکالمہ و مخاطبہ رکھنے والے بزرگ پیدا نہیں ہوتے رہے؟ اور اس مکالمہ و مخاطبہ کو احادیث میں جزو نبوت قرار نہیں دیا گیا؟ کیا گذشتہ صدیوں میں اس اُمت میں کوئی مجدد نہیں پیدا ہوا؟ کیا ان مجددین اور اولیاء اللہ میں ایسے لوگ نہیں ہوئے، جو عیسیٰؑ اور موسیٰؑ اور ابراہیمؑ اور خود محمد ﷺ تک کہلائے۔ اور فنا فی اللہ ہونے کی وجہ سے اَنَا الْحَقُّ تک اُنہوں نے اپنے آپ کو کہہ دیا؟ کیا حضرت امام مالکؒ وفات مسیحؑ کے قائل نہ تھے۔ اور مجمع البحار میں نہیں لکھا کہ قَالَ مَالِکٌ مَاتَ! اور حضرت ابن عباسؓ نے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے معنی انی ممیتک نہیں کئے؟ اور امام بخاریؒ نے ان کو اپنی صحیح میں نقل نہیں فرمایا؟ اگر یہ سب صحیح ہے تو پھر کسی حق گو کو اس کے تسلیم کرنے میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟ بشرطیکہ کوئی اور دنیوی روک یا عامۃ الناس کا خوف درمیان میں حائل نہ ہو۔ اور اگر یہ صحیح نہیں اور ہمارے مرقومہ بالا عقائد میں ایک بھی ایسا عقیدہ ہے، جو کفر کی طرف لے جانے والا ہے، تو اس

سے ہمیں مطلع کیا جائے۔

اُمید ہے کہ دیو بندی مولوی صاحبان بالخصوص اس طرف متوجہ ہوں گے کہ ہمارے کفر پر سب سے زیادہ اصرار انہی کو ہے۔ وہ مہربانی کر کے ان میں سے ایک ایک عقیدہ کو دیکھیں۔ اور اگر ان سے کسی ایک کو اسلام کے خلاف اور کفر کی طرف لے جانے والا پائیں، تو اس کے متعلق ہمیں اطلاع دیں کہ اس عقیدہ کی وجہ سے تم کافر ہو۔ لیکن محض کافر کہہ دینا کافی نہ ہوگا، جب تک قرآن کریم، احادیث اور سلف صالحین کے اقوال وارشادات سے ان کے عقائد کا کفر ہونا ثابت نہ کیا جائے۔ کیا وہ اس طرف متوجہ ہوں گے؟

☆☆☆

احمدیہ پرنٹنگ پریس

اس عنوان سے ایک اعلان کسی دوسری جگہ ہمارے عزیز دوست چوہدری محمد حسین صاحب کی طرف سے درج ہے۔ جس میں چوہدری صاحب نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے ایک اپنے پریس کی ضرورت واہمیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ تجویز کی ہے کہ ہمارے احباب اگر سوسوروپیہ کے کم ازکم تین صد (300) حصص دے سکیں، تو تیس ہزار روپیہ سے ایک اپنا پریس قائم کیا جاسکتا ہے، جو قوم کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

اسی قسم کی ایک تجویز گذشتہ سال ماسٹر فقیر اللہ صاحب مہتمم دارالکتب اسلامیہ کی طرف سے ہوئی تھی۔ جس میں اُنہوں نے پانچ پانچ ہزار کے چھ حصص کی خواہش کی تھی۔ لیکن وہ تجویز غالباً حصص کی قیمت زیادہ ہونے کے باعث رہ گئی۔ اسی لئے چوہدری محمد حسین صاحب نے اب ایک حصہ کی قیمت صرف ایک سو روپیہ رکھی ہے، تاکہ کم استطاعت رکھنے والے اصحاب بھی اس میں شامل ہوسکیں اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بعض اصحاب نے اس میں شمولیت کا وعدہ بھی کرلیا ہے۔

بہرحال جہاں تک پریس کی ضرورت کا سوال ہے اس کا انکار نہیں ہوسکتا۔ پریس فی الحقیقت قومی زندگی کے لئے بمنزلہ جان ہے۔ اِس وقت اپنا پریس نہ ہونے کی وجہ سے آئے دن بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہت سی کتب ورسائل اور اشتہارات ہیں، جو غیروں کے دست نگر ہونے کی وجہ سے وقت پر شائع

نہیں ہو سکتے اور دوسروں کی منتیں کرنی پڑتی ہیں ۔ بے شمار روپیہ محض اسی سبب سے ہماری جیبوں سے آئے دن نکل جاتا ہے ۔ حالانکہ وہی روپیہ اگر اپنے پریس پر خرچ ہو، تو اس سے بہت سا منافع پیدا ہو کر ہماری جماعتی اغراض اور اشاعتِ اسلام میں کام آ سکتا تھا ۔

پس ضرورت ہے کہ ذی استطاعت اصحاب اس طرف متوجہ ہوں ۔ موجودہ صورت میں یہ پریس ان کے لئے بہت کچھ ذاتی فوائد کا بھی موجب ہوگا ۔ کیونکہ یہ ایک مشترکہ کمپنی کے سرمایہ سے چلایا جائے گا اور اس کا منافع ہماری صدر انجمن یعنی احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے ذریعہ سے تقسیم ہوگا ۔ ایک ایک سو روپیہ کے حصص خریدنا کوئی مشکل امر نہیں ۔ خدا کے فضل سے ہماری جماعت میں بہت سے ایسے ذی مقدرت اصحاب موجود ہیں، جو کئی حصص خرید سکتے ہیں ۔ ایسے اصحاب کو ہم بالخصوص متوجہ کرتے ہیں کہ وہ اس طرف قدم بڑھائیں اور اس نیک تجویز کو بار آور کرنے میں امداد دیں ۔ اس کے متعلق جملہ خط و کتابت سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور سے ہونی چاہیئے ۔

30اپریل1924ء

ڈاک حضرت امیر

استفسارات

مولٰینا مولوی احمد صاحب مبلغ اسلام جاوا کو حضرت امیر نے حسب ذیل خط لکھا ہے:

مکرمی ومخدومی ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

آپ کا خط 11 مارچ کا لکھا ہوا جاوا سے پہنچ گیا۔ یہ معلوم کرکے، کہ آپ بخیریت پہنچ گئے ،خوشی ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔سفر میں بلاشبہ آپ کو بہت تکلیفات ہوں گی ۔اور یہ بھی یقین ہے کہ آپ ان کو اللہ کی راہ میں خوش دلی سے برداشت کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی ان رحمتوں اور برکتوں کے وارث ہوں گے،جن کا وعدہ اس آیت کریمہ میں ہے: وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ. اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (157-155:2) مولانا! میں آپ کی صحت کی حالت سے بے خبر نہ تھا۔اگر آپ خود انکار کردیتے تو لَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ کے ماتحت آپ عنداللہ اور عندالناس کسی الزام کے نیچے نہ ہوتے ۔میں نے کیوں یہ تجویز کی،صرف اس خیال سے کہ دماغی کام یہاں زیادہ ہے اور اس رنگ میں کم ہوگا۔

دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ اگر آپ کی اس خدمت کو قبول فرمائے تو شاید وہ آپ کو اس مرض سے نجات بھی دے دے۔ بہرحال یہ تو اس کے اختیار کی بات ہے۔آپ نے بڑی جوانمردی سے اپنے احباب کی آواز کی قدر کی۔اللہ تعالیٰ آپ سے اپنے دین کی وہ خدمات لے، جو اس کو پسند ہیں۔بس ہم تو اب صرف دعا سے آپ کی مدد کرسکتے ہیں یا جوضروریات آپ وہاں کی پیش کرتے رہیں،ان میں جو مدد ہماری طاقت میں ہو، وہ کرتے رہیں گے۔ باقی اس کام میں کامیابی کا دینا یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔یقین ہے کہ وہ آپ کی خدمت اور تڑپ کو ضائع نہ کرے گا۔اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ جب آپ اس کام سے واپس آئیں،تو ان احباب میں،جن کو زندہ

چھوڑ گئے تھے کس کس کو پھر آ کر ملیں۔

لاہور میں گذشتہ دو ماہ سے خطرناک طاعون ہے۔ ہزاروں انسان چل بسے۔ اور بعض گھر تو سرے سے بند ہی ہو گئے۔ ہاں! یہ بھی پتہ لگانے کی کوشش کریں کہ چین کی آب وہوا کیسی ہے۔ ممکن ہے وہ آپ کو زیادہ موافق ہو۔ گو ہمارا ارادہ تو یہی ہے کہ آپ مستقل طور پر جاوا میں ہی کام کریں۔ اس کو تو میں انسانیت کا فعل بھی نہیں سمجھتا، چہ جائیکہ ایک مسلمان، اور وہ بھی مبلغ دین ہو کر، اپنے اعتقادوں کو چھپائے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بعض فروعی امور میں بلاضرورت اپنے آپ کو ڈال کر کام کو بگاڑ لینا بھی اچھا نہیں۔ لیکن وہاں پر مخالفت اور سلسلہ کا ذکر جب شروع ہو گیا، تو اب آپ کا فرض ہے کہ ان تمام اُمور پر ایسی روشنی ڈالیں، جس سے کم از کم یہ پتہ لگ جائے کہ ہمارا کوئی عقیدہ اہل سنت والجماعت کے خلاف نہیں۔ دو باتوں۔ مجدد کا آنا اور حضرت عیسیٰ کے وفات پا لینے کو سب مانتے ہیں۔ صرف ایماناً یا عملاً جس حالت میں امام مالکؒ جیسے عظیم الشان انسان کی رائے ساتھ ہو، کہ ان کا یہی مذہب معلوم ہوتا ہے۔ سردست آپ چیدہ چیدہ آدمیوں سے گفتگو کر کے زیادہ کام لیں اور اخبار والے اگر کوئی مضمون لے لیں تو وہ سب سے اچھا ہے۔ دوسرے ملایا اور جاوا کی زبانوں کو آپ بھی اور مرزا صاحب بھی بہت جلد سیکھنے کی کوشش کریں۔

سنگاپور کا قصہ آپ نے سن لیا ہوگا۔ لوگ وہاں کی انجمن کے مخالف ہو گئے اور انجمن نے اپنے وعدہ کا کچھ پاس نہ کر کے حافظ صاحب کو الگ کر دیا۔ اب وہ عنقریب وہاں سے واپس آ جائیں گے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس سے بہتر کسی مقام پر کام کریں گے۔ اس سے مسلمانوں کی حالت کا اندازہ لگائیے!

صاجزادہ صاحب کو لکھ دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ ہی آپ کے اہل وعیال کا محافظ ہے۔ ایک خط آپ کا خط آنے سے پیشتر حافظ صاحب کی معرفت لکھ چکا ہوں۔ اُمید ہے پہنچ گیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہی ان مصائب میں آپ کی پناہ ہو، آپ قرآن کریم کا درس اور دوسری جو تعلیم وہاں کے موزوں حال ہو، ضرور شروع کر دیں۔ ابھی تک یہی رائے ہے کہ آپ کا مستقل قیام جاوا میں ہی ہو، اس لئے زبان بھی سیکھیں اور کام بھی شروع کر دیں۔ وہاں کے مفصل حالات سے اطلاع دیں۔ مسلمانوں میں مذہبی احساس پیدا کرنا آپ کا سب سے بڑا کام ہے۔ قرآن کریم کی طرف اور دوسرے مذاہب کے مقابلہ کی توجہ دلانا اور یہ بتانا کہ کس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے

چودھویں صدی کے مجدد کو بھیجا ہے ۔

چوں مرا نورے پئے قومِ مسیحی دادہ اند مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند

آپ کا خط ہر ڈاک میں جو وہاں سے آتی ہو یہاں آنا چاہئے ۔مرزا ولی احمد بیگ صاحب کے لئے بعد از السلام علیکم مضمون واحد ہے۔ ہم لوگ آپ کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اور آپ بھی سفر میں دعاؤں سے ہماری مدد کریں۔ دستخط حضرت امیر

☆☆☆

ایک دوست نے حضرت امیر کی خدمت میں لکھا ہے کہ تاریخ اسلام پر کون سی کتاب قابل مطالعہ ہے؟ سوائے تاریخ اسلام سید امیر علی صاحب وفصیح کے۔اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ:

''مسلسل تاریخ اسلام پر ایک کتاب تاریخ اسلام نام مصنفہ ابوالفضل عباسی ہے۔ باقی متفرق کتابیں، جیسے شبلی کی الفاروق اور المامون ہیں یا سیرت عمر بن عبدالعزیز ہے۔''

☆☆☆

علاقہ مدراس کے ایک دوست نے لکھا ہے کہ وہ ملازم سرکار ہے، لیکن ملازمت ترک کر کے مشنری بننے کا خواہش مند ہے۔اس کے جواب میں حضرت امیر نے تحریر فرمایا کہ:

''داؤد شاہ صاحب کا پتہ دے دیا جائے کہ بغیر ملازمت چھوڑنے کے زائد وقت میں اُن سے مل کر تعلیم حاصل کر سکتے ہیں ملازمت چھوڑنے کا میں مشورہ نہیں دیتا۔''

☆☆☆

ایک دوست نے حضرت امیر کی خدمت میں لکھا ہے کہ رسالہ ہدایت پڑھ کر اپنی حالت پر رونا آیا کہ اشاعتِ اسلام میں بباعث صحت کی خرابی اور مالی مشکلات کے کچھ حصہ نہ لے سکا۔اس لئے دعا فرماویں کہ کوئی سبیل ایسی پیدا ہو کہ خانگی معاملات سے یکسو ہو کر کچھ خدمت کر سکوں۔اس کے جواب میں حضرت امیر نے تحریر

فرمایا:

’’آپ کا خط پہنچا۔ جو درد اور احساس آپ کے دل میں ہے، وہی بعض وقت نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ کا مصداق بنا دیتا ہے۔ ہاں! اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ مقرر کرکے عملی حصہ ضرور لیتے رہیں۔ خواہ تھوڑا ہی ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سب مخمصوں سے نجات دے اور ایسا اطمینان قلب عطا فرماوے کہ خدمت دین کی بھی آرزو پوری ہو۔ تبلیغ کا سلسلہ کم وبیش جاری رکھیں۔ سنتے سنتے آخر دلوں پر اثر ہو جاتا ہے۔ پہلے سب ہی قریباً انکار کرنے والے ہوتے ہیں۔‘‘

4 مئی 1924ء

ایک ضروری التماس

علماء اسلام، خلافت کمیٹیوں اور سیاسی لیڈرانِ اسلام کی خدمت میں

برادران اسلام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

کوئی شخص اپنی قوم کو تباہ ہوتا دیکھ کر خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ واقعات کی ناواقفیت ہے، جس کی وجہ سے مسلمان لیڈر مسلمانوں کو ایک ایسی آفت میں مبتلا ہوتے ہوئے، جس نے ہزاروں گھروں کا نام ونشان مٹادیا، خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس مرتبہ پنجاب میں طاعون کے ساتھ جس قدر مسلمان تباہ ہوئے ہیں، اسے دوسری قوموں سے کچھ نسبت نہیں۔ شہروں میں تو سو پچاس روزانہ اموات کی تعداد سن کر لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ مگر دیہات میں آج یہاں تک حالت پہنچی ہے کہ بعض دیہاتوں میں ایک ایک مقامی آبادی اور بعض میں اس سے بھی زیادہ فنا ہوگئی ہے اور بعض بالکل ویران ہو چکے ہیں۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں گھر ایسے ہیں، جن کے دروازے کسی مکین کے باقی نہ رہنے سے ہمیشہ کے لئے بند ہو چکے ہیں۔ کون مسلمان ہے، جو اپنے مسلمان بھائیوں کو اس طرح تباہ ہوتا دیکھے اور اس کے دل میں یہ درد پیدا نہ ہو کہ وہ ان کی جان کو بچائے! اگر ہماری کوشش سے ایک مسلمان کی زندگی بھی بچ جائے تو یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں۔ ابھی شُدھی کی تحریک پر مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کو بچانے کے لئے ہزار ہا روپیہ صرف کر دیا۔ اور اس سارے علاقے میں جہاں شُدھی کا خطرہ تھا، علماء پھیل گئے اور کئی انجمنیں قائم ہوگئیں، لیکن ہم کو یہ اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مصیبت شُدھی کی مصیبت سے بہت بڑھ کر ہے۔ شُدھی کا زور تو ٹوٹ گیا، مگر طاعون کی یہ حالت ہے کہ آج اٹھائیسواں سال ہے، اگر دو چار سال کچھ کم ہو جاتی ہے، تو پھر اس کی آگ ایک مرتبہ بھڑک اُٹھتی ہے۔ اور ابھی پتہ نہیں کہ کب تک اس کا دور چلے اور کتنی جانیں اور اس سے تلف ہوں۔ یہ کوئی چھوٹا سا عذاب الٰہی نہیں کہ ہزاروں گھروں کی یادگار ایک یتیم بچہ رہ جائے! یا ایک بیوہ عورت اور ہزاروں گھر بالکل بند ہوتے چلے جائیں۔ اس حالت میں علماء کا یہ فرض ہے کہ

مسلمانوں کو اس تباہی سے بچانے کی کوشش کریں، اور ایک ایک مسلمان کی جان کو ایک نہایت قیمتی چیز سمجھیں۔ اس وقت خاموشی سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔

مسلمانوں میں عام طور پر کچھ خیال پھیلے ہوئے ہیں، جو غلط ہیں۔ اور اُنہی غلط خیالات کی وجہ سے ہزار ہا مسلمان تباہ ہو رہے ہیں۔ مثلاً یہ خیال کہ طاعون کی شدت میں اپنے رہائشی مکان کو چھوڑ کر کھلی جگہ پر عارضی طور پر رہائش کر لینا گویا تقدیر الٰہی سے بھاگنا ہے۔ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ طاعون میں اس سے بہتر کوئی علاج نہیں۔ اور یہ حفظِ ماتقدم کے طور پر علاج ہے۔ باہر نکل جانے والے لوگوں میں اگر ہزاروں میں سے ایک آدھ واردات ہوئی بھی ہو، تو وہ ایسی ہوگی کہ جہاں پہلے طاعون کا اثر ہو چکا تھا، ورنہ یہ ایک یقینی علاج اس مرض سے بچنے کا ہے۔

حضرت عمرؓ کا حکم

لیکن مسلمان اسے اختیار نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ کیا ہم تقدیر الٰہی سے بھاگ سکتے ہیں؟ حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب سخت طاعون ملک شام میں پڑی۔ اور اسلامی لشکر میں بھی بہت موتیں واقع ہوئیں، تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ لشکر اس جگہ سے ڈیرہ اُٹھا کر کسی دوسرے کھلے بلند مقام پر لگا لے۔ آپ کے اس حکم پر بھی کسی نے (ابوعبیدہ بن الجرّاح) اعتراض کیا تھا۔ جیسا کہ بخاری میں ذکر ہے: اَفِرَارًا مِّنْ قَدَرِ اللّٰهِ؟ کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا: نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ اِلٰى قَدَرِ اللّٰهِ (بخاری۔ کتاب الطب) ہاں! ہم اللہ کی ایک تقدیر سے اللہ کی دوسری تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں۔ یعنی یہ بھی اللہ کی تقدیر ہے کہ ایک جگہ بیماری کے جراثیم پیدا ہو کر لوگ مرنے لگیں۔ اور یہ بھی اللہ کی تقدیر ہے کہ دوسری جگہ وہ بیماری کے جراثیم نہیں، اور لوگ بچ جاتے ہیں۔

کھلی ہوا میں جانا تقدیر کے خلاف نہیں

تقدیر کے ماتحت انسان پھر بھی ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ انسان کا بیمار ہونا بھی ایک تقدیری امر ہے۔ اور دوا کو استعمال کر کے اس بیماری سے شفا پا جانا بھی ایک تقدیری امر ہے۔ اب اگر ایک شخص بیمار ہونے پر علاج کرے، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ تقدیر الٰہی سے بھاگ رہا ہے، بلکہ وہ اس وقت ایک دوسری تقدیر الٰہی یعنی

علاج کی طرف رجوع کر رہا ہے۔ اور جب طاعون سے بچنے کے لئے مکان رہائشی کو چھوڑ کر کھلی جگہ میں چلے جانا طاعون کا علاج ہے۔ جس پر آج ہی حکماء کا اتفاق نہیں، بلکہ حضرت عمرؓ نے تیرہ سو سال پیشتر یہی علاج مسلمانوں کو بتایا تھا، تو یہ مسلمان کس مذہب کی پیروی کر کے اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانیں تلف کر رہے ہیں؟ اور گویا ایک رنگ میں خودکشی اختیار کر کے اسلام کی قوت کو کم کر رہے ہیں۔ تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ جب لشکر نے طاعون زدہ مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام پر رہائش اختیار کی تو طاعون کی بیماری ان کے اندر سے دور ہوگئی۔ پھر بعض نادان لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا وہاں اور خدا ہے جو ہم ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ جائیں؟ وہ اتنا نہیں جانتے کہ دوائی کے استعمال سے یہ ثابت نہیں ہوا کرتا کہ خدا بدل گیا ہے بلکہ خدا کے قوانین سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ بھوک لگنے پر کھانا کیوں لوگ کھاتے ہیں؟ پیاس لگنے پر پانی کیوں پیتے ہیں؟ بیماری میں علاج کیوں کرتے ہیں؟ ایک بیمار کو حاذق حکیم کے پاس کیوں لے کر دوڑتے ہیں۔ کیا خدا بدل جاتا ہے؟ نہیں خدا تو ایک ہے، مگر اُس کے قانون اور اس کی تقدیریں بہت ہیں، وہ قانون یا تقدیر بدل جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فعل

حضرت عمرؓ ہی نہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک دفعہ بعض لوگوں کو، جو مدینہ آکر بیمار ہوگئے تھے، یہ حکم دیا تھا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں اور باہر کشادہ جگہ میں رہائش اختیار کرلیں۔ یہ قصہ بھی بخاری شریف میں مذکور ہے۔ اور امام بخاری نے اسی لئے اس حدیث پر باب باندھا ہے: **مَنْ خَرَجَ مِنْ اَرْضٍ لَّا تُلَایِمُهٗ** (بخاری۔ کتاب الطب) یعنی جب ایک مقام موافق نہ ہو، اور وہاں بیماری پیدا ہو، تو اُسے چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے۔

بعض لوگ یہ عذر کر دیتے ہیں کہ طاعون کے مقام سے نکلنا منع ہے۔ حالانکہ اس حدیث کا قطعاً یہ منشا نہیں۔ اس کے لفظ یہ ہیں۔ اس سلسلہ میں بخاری کتاب الطب کے باب **مَا یُذْکَرُ فِی الطَّاعُوْنِ** میں ایک لمبی حدیث مذکور ہے کہ جب کسی مقام میں طاعون پڑ جائے، تو جہاں صحت ہے، ان مقامات کے لوگ اس وبا زدہ مقام میں نہ جائیں، اور نہ وبا زدہ مقام کے لوگ وہاں سے بھاگ کر نکل جائیں۔ چنانچہ فرمایا: **اِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِاَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَیْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِّنْهُ** کہ جب تم سنو کہ

طاعون کسی زمین میں ہے تو اس میں نہ جاؤ۔ اور جب کسی زمین میں پڑ جائے اور تم اس میں ہو تو اس میں سے بھاگتے ہوئے نہ نکلو۔ اس سے مراد یہی ہے کہ طاعون کے مقام سے نکل کر یا وہاں داخل ہو کر اس بیماری کو پھیلانے کا موجب نہیں بننا چاہیئے۔ کیونکہ جب وبا کے مقام کا آدمی وہاں جائے گا تو وہ اس اثر کو وہاں سے لے کر پھر اسے دوسرے مقام پر لے جائے گا۔

مسلمانوں کا عمل اس حدیث کے بھی بالکل خلاف ہے۔ جب ایک شخص طاعون کی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اس میں تو شک نہیں کہ یہ فرض انسانی ہے کہ اس کی خبر گیری کی جاوے، دوا کی جاوے اور اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین کی جائے۔ اور بڑی عزت کے ساتھ دفن کیا جائے۔ لیکن یہ جو رواج مسلمانوں میں پڑا ہوا ہے، جس کی سند کتاب و سنت میں نہیں، کہ ایک شخص مر جائے تو وہاں ساری برادری دور دراز سے جمع ہو، یہ یقیناً اس حدیث کے خلاف ہے۔ اور اسی سے بیماری ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ میں اور ایک مقام سے دوسرے مقام میں پھیلتی ہے۔

فرار کا مطلب

یہ بھی صحیح ہے کہ حدیث میں لفظ فِرَارًا لا کر بتا دیا کہ ایسا نہ ہو جیسا ہندو لوگ بعض حالات میں کرتے ہیں، کہ عزیز بیمار ہو تو اسے چھوڑ کر بھاگ گئے! کیونکہ بیمار کی خبر گیری بھی فرض انسانی ہے۔ جب وہ فرض انسان پر عائد ہو جائے تو پھر بھاگنا نہیں چاہیئے۔ یہی مطلب اس حدیث کا حضرت عمرؓ نے سمجھا تھا۔ کیونکہ جب یہ حدیث آپ کے سامنے بیان ہوئی، تو اس کے بعد ایک طرف تو آپ خود طاعون زدہ مقام میں داخل نہ ہوئے، اور دوسری طرف آپ نے یہ حکم دیا کہ لشکر طاعون زدہ مقام کو چھوڑ کر بلند اور کشادہ جگہ پر ڈیرہ کر لے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حدیث کا منشا وہ ہرگز نہ تھا جو اکثر مسلمانوں کے خیال میں ہے۔

علماء کا فرض

اب ہمارے علماء کا فرض ہے کہ یا تو وہ اس علاج کے جواز کا فتویٰ شائع کر کے مسلمانوں کو بچانے کا فکر کریں۔ اور اگر وہ حضرت عمرؓ کے تجویز کردہ علاج کو صحیح نہیں سمجھتے، اور آپ کے فعل کو خلاف حدیث قرار دیتے

ہیں، تو پھر کم از کم مسلمانوں کو بچانے کے لئے کوئی اور تدبیر بتائیں۔ ایسے موقع پر، جب ہر سال ہزاروں کی تعداد میں مسلمان مرتے چلے جاتے ہیں، جن کی جانیں ادنیٰ توجہ سے بچائی جاسکتی ہیں، علماء کا خاموشی اختیار کر رکھنا ایک گناہ عظیم ہے۔ جمعیۃ العلماء ہو یا دوسرے علماء ہوں، یہ فرض ہر شخص پر عائد ہوتا ہے کہ وہ مسلمان بھائیوں کی جان بچانے کے لئے پورا زور لگائے۔ بات تو اس قدر صاف ہے کہ اس میں علماء کو کوئی لمبا چوڑا فتویٰ شائع کرنے کی ضرورت نہیں، صرف چند الفاظ میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کر دینا ہے کہ طاعون کے علاجوں میں سے یہ ایک اعلیٰ درجہ کا علاج ہے کہ طاعون زدہ مقام کو چھوڑ دیا جائے اور حدیث کی رو سے یہ منع نہیں۔ ان کے صرف یہ چند الفاظ کہہ دینے سے ہر سال ہزارہا مسلمانوں کی جانیں بچ جائیں گی۔

خلافت کمیٹیوں کا کام

پھر یہ مسلمان لیڈروں اور خلافت کمیٹیوں کا کام ہوگا کہ اس فتویٰ کو ہر ہر گاؤں میں پہنچا دیں۔ یہ بھی ایک دو چار ماہ کی کوشش سے ہوسکتا ہے اور چند ہزار روپے سے زائد خرچ نہ ہوں گے۔ خلافت کمیٹیاں، جو اس وقت بیکار بیٹھی ہوئی ہیں، کیا وہ مسلمانوں کی جان بچانے کی اتنی فکر بھی نہیں کرسکتیں، اور قوم کو بچانے کے لئے اتنی سردردی بھی نہیں لے سکتیں۔ خدا کے لئے وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔ جو روپیہ ان کے پاس ہے، اس وقت اس کا بہتر مصرف کیا ہوسکتا ہے کہ اپنی قوم کو بچانے کے لئے اسے صرف کر دیا جائے، اور کل کو اس سے دو چند بلکہ دہ چند انہی لوگوں سے وہ لے سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس کام کو نہ کریں اور وہی پرانا عذر پیش کر دیں کہ ہمارا تعلق فارن (بیرونی) معاملات سے ہے، خلافت کو قائم کرنے سے۔ اور مسلمان مریں یا جئیں، اس سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں، تو اس ذمہ داری کو اُٹھانے کے لئے کوئی اور انتظام بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن علماء کا فتویٰ ضروری ہے، تا کہ عوام الناس اس علاج کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں اور اسے اسلام کے خلاف نہ سمجھیں۔

طاعون کا ٹیکہ

اسی طرح ایک دوسرا علاج اس بیماری کا ٹیکہ ہے۔ یہ بات آج پوشیدہ نہیں کہ کتنی بیماریاں ہیں جن میں ٹیکہ ایک کامیاب علاج ثابت ہوا ہے۔ جن دلائل سے طاعون کے ٹیکہ کا خلاف شریعت نہ ہونا اور کامیاب ہونا

ثابت ہے، انہی دلائل سے طاعون کے ٹیکہ کا خلاف شریعت نہ ہونا اور کامیاب ہونا بھی ثابت ہے۔ اور یہ سچ ہے کہ یہ ابھی اس قدر کامیاب نہیں، مگر بہرحال یہ ثابت شدہ امر ہے کہ ٹیکا لگوانے والوں میں نہ ٹیکا لگوانے کی صورت میں موت بیسواں حصہ رہ جاتی ہے۔ یعنی اگر ٹیکہ نہ لگوانے کی صورت میں ایک گاؤں میں سو آدمی اس بیماری سے مرتے ہیں تو ٹیکہ لگوانے کی صورت میں پانچ چھ سے زیادہ اموات نہ ہوں گی۔ کیا یہ تھوڑی سی کامیابی ہے کہ سو میں سے پچانوے آدمیوں کی جانیں بچ جائیں؟ کس قدر تعجب ہے کہ مسلمان چیچک کا ٹیکہ لگوانا ناجائز سمجھیں، سِل (تپ دق) کا ٹیکہ لگوانا جائز سمجھیں۔ حالانکہ ان سے اس قدر کیا اس کا سواں حصہ بھی موت واقع نہیں ہوتی، مگر طاعون کا ٹیکہ لگوانا جائز نہ سمجھیں جس سے ہر سال ہزارہا انسان تباہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ بھی ہمارے علماء کا فرض ہے کہ مسلمانوں کو اُس علاج کی طرف توجہ دلائیں اور انہیں بتائیں کہ ٹیکہ لگوانا خلاف شریعت نہیں بلکہ حفظ ماتقدم کے طور پر ایک علاج ہے۔

گھروں کی صفائی

تیسرا علاج اس بیماری کا حفظ ماتقدم کے طور پر گھروں کا صاف رکھنا ہے۔ یہ تو رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ اپنے گھروں کو صاف رکھو۔ مگر آج بیشتر مسلمان اپنے گھروں کی صفائی کی طرف توجہ نہیں رکھتے گھر حتٰی کہ اچھے اچھے آسودہ حال لوگوں کے گھر بھی ایسے غلیظ ہو رہے ہیں کہ الامان! ہر قسم کی بیماریوں کے جرم ان تاریک گندی کوٹھڑیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھے، اور بالخصوص چوہوں سے اسے محفوظ رکھے۔ غلہ وغیرہ کے ذخیروں کو اگر محفوظ رکھا جائے اور ایسا ہی کھانے کی اشیاء کو تو چوہے خود گھروں میں کم آئیں گے۔ اس کے علاوہ یہ چاہیے کہ چوہوں کے پکڑنے کے لئے گھروں میں پنجرے رکھیں اور انہیں پکڑ کر مار دیا جائے۔ اور ایسا ہی زہریلی گولیاں ڈال کر انہیں وقتاً فوقتاً مارتے رہیں اور گھروں میں انہیں جگہ نہ بنانے دیں، بلکہ جب طاعون کا زور کم ہو جائے تو اور بھی زیادہ زور اس بات پر دیں کہ گھر میں چوہا نہ رہنے پائے۔

رجوع اِلی اللہ کی ضرورت

سب سے آخر مگر سب سے زیادہ ضروری ہے کہ اس عذاب الٰہی کے وقت مسلمان خدا کے حضور

گریہ وزاری اور احکام الٰہی کی تعمیل کی طرف رجوع کریں اور ہر قسم کی شوخیوں اور شرارتوں کو ترک کر دیں۔ کسی عذاب کے ایک وقت کم ہو جانے سے اس سے نڈر ہو جانا عقلمندوں کا کام نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انسان کی عاجزی کی دعا کو سنتا ہے، بشرطیکہ انسان اس کے حضور اپنی گردن جھکانا سیکھے۔

اخبارات کا فرض

ان چند باتوں کی طرف یا اور جو اُمور ضروری سمجھے جائیں، نہ صرف توجہ دلانا بلکہ ایک ایک مسلمان متنفس تک ان باتوں کا پہنچانا علماء اسلام، خلافت کمیٹیوں اور لیڈروں کا سب سے پہلا فرض ہے۔ ہمارے اخبار نویس اس وقت اس تحریک پر زور دے کر مسلمانوں کی حقیقی ہمدردی کر سکتے ہیں۔ اس وقت دوسری قوموں کا رونا رونے کی نسبت اگر اپنی قوم کے بچانے کی فکر زیادہ کریں تو یہی اصل ضرورت ہے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ جہاں علماء لیڈران ملکی نے ان باتوں کی طرف توجہ نہیں کی، ہمارے اخبارات کو بھی چنداں توجہ ان اُمور کی طرف نہیں۔ حالانکہ یہ ضروری ہے کہ ان مضامین پر کثرت کے ساتھ اخباروں میں لکھا جائے۔ تا کہ لاکھوں انسان، جو اخبارات کو پڑھتے یا سن لیتے ہیں، ان تک یہ باتیں مفت میں پہنچ جائیں۔ میں پھر اس بات کو دہراتا ہوں کہ جو شخص ایک بھی انسان کی جان بچانے میں مساعی ہوتا ہے، وہ عنداللہ اجر عظیم کا مستحق ہے۔ اس لئے مسلمان علماء، مسلمان لیڈران خلافت، مسلمان لیڈران سیاست، مسلمان اخبار نویس اور مسلمان گدّی نشین اس وقت سب باتوں سے بڑھ کر اس ایک بات پر زور دیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کے اندر ایک عام احساس پیدا ہو جائے اور وہ غلط خیالات کے نیچے سے نکل جائیں۔ والسلام۔

نوٹ: احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام نے ایک کمیٹی بنام پلیگ ریلیف سب کمیٹی مقرر کر دی ہے۔ جو صاحب چاہیں، وہ انہیں جہاں تک اس کے ذرائع ہوں گے، ہر قسم کی امداد دینے کے لئے تیار ہو گی۔

☆☆☆

خطبہ میں کسی کا نام ضروری نہیں

کچھ عرصہ ہوا اخبارات میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے خلاف یہ شور برپا ہوا تھا کہ آپ خطبہ میں خلیفۃ المسلمین کا نام نہیں لیتے۔ اس کا جواب اس وقت ردالمختار جیسی فقہ کی معتبر کتاب کے حوالہ سے دیا گیا تھا کہ خطبہ میں کسی کا نام لینا بدعت ہے۔ حال ہی میں قسطنطنیہ سے ایک خبر موصول ہوئی ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ:

''فہمی آفندی مفتی قسطنطنیہ نے ایک فتویٰ شائع کیا ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ خطبہ میں کسی خاص آدمی کا نام لینا ضروری نہیں۔''

اس فتویٰ کو ہندوستان میں پہنچے ہوئے چند دن گذر چکے ہیں، لیکن ابھی تک ہندوستانی علماء نے آستانہ کے ان مفتی صاحب پر کوئی فتویٰ نہیں دیا نہ اخبارات نے اس پر کوئی مخالفانہ نکتہ چینی کی ہے۔ کیا ہم یہ سمجھیں کہ شریعت کا فتویٰ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے کچھ اور ہے اور خود آستانہ خلافت کے رہنے والوں کے لئے کچھ اور؟ اس فتویٰ کو دیکھ کر بھی اگر ہمارے علماء اپنی غلطی کو نہ چھوڑیں یا کم از کم اس کی تردید معقول دلائل کے ساتھ نہ کریں تو اس سے بڑھ کر افسوس ناک اور کیا بات ہو سکتی ہے!

☆☆☆

''نور افشاں'' اور ہم

پیغام صلح کی کسی سابقہ اشاعت میں ہم نے معاصر ''نور افشاں'' کو اس کی تجویز مفاہمت یاد دلاتے ہوئے ایک مضمون کی طرف توجہ دلائی تھی۔ جس میں آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود اور جماعت احمدیہ پر نہایت ناواجب حملے کئے گئے تھے۔ ہم نے اپنے لائق معاصر سے عرض کیا تھا کہ کسی کے عقائد پر معقولیت کے ساتھ نکتہ چینی کرنا اور بات ہے اور گالیاں دینا اور ہے اس لئے اگر فی الواقع مفاہمت کا اسے خیال ہے تو اسے چاہئے کہ اپنی موجودہ روش کو بدل کر صحیح راہ اختیار کرے۔ ہماری اس عرض داشت کا جواب 25 اپریل 1924ء کے ''نور افشاں'' میں شائع ہوا ہے، جس میں حضرت مسیح موعود اور تمام جماعت احمدیہ کو بُری طرح سے کوسا گیا ہے اور یہ الزام دیا گیا ہے کہ ہماری کتب میں تمام مذاہب کو گالیاں دی گئی ہیں۔ ہمارے لائق معاصر کی تجویز ہے کہ:

''ہمارے دوست ہماری امداد اس طرح کر سکتے ہیں کہ خرید کتب کے لئے فنڈ مہیا کریں۔
اور یہ ایک بڑا بھاری قومی اور مذہبی کام ہوگا۔''

''نورافشاں'' کے ان الفاظ کو پڑھ کر ہماری حیرت اور تعجب کی کوئی حد نہیں رہی۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو چند ہی دن ہوئے ہم سے مفاہمت کرنا چاہتے تھے۔ اور اُنہوں نے اسلام اور مسیحیت کی باہمی جنگ پر اظہار افسوس کرتے ہوئے نہایت بزرگانہ انداز میں ہمیں اپنی روش کو بدلنے کی نصیحت کی تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو جی میں آئے کہتے چلے جائیں اور ہم ہُوں تک نہ کریں۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کی منافقت کا پردہ بہت جلد چاک ہوگیا اور پیشتر اس کے کہ کوئی ایسی مفاہمت ہو، ان کے اندرون قلب کا پتہ لگ گیا۔ ہم اپنے لائق معاصر سے یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ وہ بیشک جس قدر جی چاہے زور لگائے اور حضرت مسیح موعود کی کتب کی فراہمی اور گورنمنٹ کے حضور ان کو پیش کرنے کے لئے پوری جدوجہد کرے۔ خدا نے چاہا تو اس کا نتیجہ حرماں نصیبی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ لیکن ''نورافشاں'' کی اس تجویز سے یہ صاف ثابت ہے کہ ان لوگوں کے دل اپنی شکست کے خود معترف ہو چکے، ورنہ وہ ان کتابوں کو گورنمنٹ کے حضور پیش کرنے کی بجائے معقولیت کے ساتھ جواب دینے کی کوشش کرتے اور اگر ان کی طرف سے جواب ہو چکا ہے تو اس پر اکتفا کرتے۔

اس کے بالمقابل حضرت مسیح موعود کا ہمیشہ یہ طرزعمل رہا ہے کہ مسیحی مصنفین کی گندی سے گندی کتابوں کو ضبط کرانے کی آپ نے کبھی کوشش نہیں کی اور نہ ایسی کوشش کو آپ نے کبھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اس بارہ میں ''اُمہات المومنین'' جیسی ناپاک کتاب بطور شاہد عادل ہے، جس کو انجمن حمایت اسلام نے ضبط کرانے کے لئے ایک میموریل تیار کیا اور بہت سے مسلمانوں کے دستخط اس پر کرائے لیکن حضرت مسیح موعود نے انجمن کی مخالفت کی اور لکھا کہ یہ ایک کمزوری ہے کہ ایسی کتاب کا معقولیت کے ساتھ جواب دینے کی بجائے اس کو ضبط کرایا جائے۔ اس سے کتاب کا جواب نہیں ہو جاتا نہ اس کے دلائل کا اثر مٹ جاتا ہے۔ یہ ایک احسان عیسائی قوم پر تھا۔ جس سے چاہیئے تھا کہ ہمیشہ کے لئے ان کی گردنیں جھک جاتیں۔ لیکن جو قوم ہمیشہ سے احسان فراموش چلی آئی ہو، اس سے ایسی توقع رکھنا بے سود ہے!

☆☆☆

جرمن رسالہ و مسجد

جناب مولوی صدر الدین صاحب کی طرف سے جرمن رسالہ احباب کے نام اس ڈاک سے موصول ہوا ہے، جس کا حجم ساٹھ صفحہ علاوہ ٹائٹل کے ہے۔ کاغذ چھپوائی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اور شروع میں دو جرمن نومسلموں کی تصاویر ہیں۔ جن کے وسط میں مولوی صاحب بیٹھے ہیں۔ احباب کو رسالہ کی امداد اور مسجد برلن کے لئے خاص چندہ کرنا نہایت لازمی ہے۔ جب تک کفرستان یورپ کے وسط میں نہایت عالی شان مسجد نہ ہو، تب تک اسلامی مشن کی جڑ مضبوط نہیں ہوسکتی۔ اب چونکہ جرمنی میں سخت گرانی ہے، اس لئے معمولی سے معمولی مسجد پر بھی چالیس پچاس ہزار روپیہ سے کم لاگت نہیں آسکتی اور اگر ذرا وسیع کردی جائے تو ستر ہزار روپیہ کا اندازہ ہے، جو صاحب دل مسلمانوں کے لئے ایک معمولی بات ہے۔ ہندوستان کے مسلمان رؤسا جہاں لکھوکہا روپیہ اپنے نام ونمود اور عیش و آرام کے لئے خرچ کرڈالتے ہیں، اگر یورپ کے مختلف ممالک میں اپنی طرف سے ایک ایک مسجد بنوادیں، تو علاوہ ان کا نام مشہور ہوجانے اور ابد تک برقرار رہنے کے، صدقہ جاریہ کا کام دے گا۔ بیگم صاحبہ بھوپال نے ووکنگ مسجد پر بہت سا روپیہ صرف کیا، تو آج وہ مسجد ان کے نام پر مسجد شاہ جہاں بیگم مشہور ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان والیان ریاست میں سے کوئی صاحبِ ہمت توجہ کرے تو وہ اپنے نام پر جرمن میں ایک عالی شان مسجد بنواسکتا ہے۔ زمین کافی سے زیادہ انجمن نے خرید کرلی ہوئی ہے۔ صرف روپیہ کی کمی کے باعث عمارت رُکی ہوئی ہے۔ ہمارے احباب کو چاہئے کہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں مسجد فنڈ کے لئے خاص کوشش کریں۔ مولانا صدر الدین صاحب کو اس بات کا خاص درد ہے کہ مسجد اسلامی شوکت کا نمونہ ہو۔

☆☆☆

تبلیغ کے لئے ایک بیش بہا موقع

حضرت مسیح موعود کے وصال کی تاریخ نزدیک آرہی ہے۔ تبلیغ کے لئے یہ نہایت اچھا موقع ہے۔ تمام احمدیہ جماعتوں کو چاہئے کہ آپ کی تاریخ وصال پر اپنے اپنے شہروں اور قصبوں میں پبلک جلسے منعقد کرکے اس طریق سے تبلیغ کریں کہ کسی کو ناگوار نہ گذرے۔ اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ حضرت صاحب کے حالات زندگی

دل کش پیرایہ میں بیان کئے جائیں اور ساتھ اُن کی تعلیمات پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ اور حتی الوسع ان غلط فہمیوں کو بھی رفع کرنے کی کوشش کی جائے جو مسلمانوں نے اپنی غلط بیانیوں سے ہمارے سلسلہ کے متعلق عام مسلمانوں میں پیدا کر رکھی ہیں۔ اگر اس طریق پر عمل کیا گیا تو اُمید ہے کہ بہت کچھ کامیابی ہوگی۔ والسلام۔

14 مئی 1924ء

روئیداد

بلادِ شرقیہ میں تبلیغ اسلام ۔ 3

حافظ محمد حسن صاحب کے بارے میں پہلے اطلاع دی جا چکی ہے کہ وہاں کی انجمن نے خلاف معاہدہ انہیں واپس کر دینے کا فیصلہ کر دیا تھا۔لیکن یہ معلوم کر کے نہایت خوشی ہوئی کہ وہ صرف ایک آدمی کی شرارت تھی، جس نے صرف چند آدمیوں کی حاضری میں یہ فیصلہ کروایا تھا۔اب حافظ صاحب کا تازہ خط 22 اپریل 1924ء کا حضرت امیر کی خدمت میں پہنچا ہے،جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

یہاں کے حالات اور مسلمانوں کے اندرونی مناقشات کو دیکھ کر مجھے احمدیت ایک ایسی جنت معلوم ہوتی ہے، جہاں سخت تگ ودو اور کاوش وصعوبت کے بعد انسانی روح کو آرام واطمینان ملتا ہے۔ واللہ! مسلمانوں میں بہترین، نیک ترین اور پاک ترین جماعت وہی ہے ، جس کے آپ امیر ہو کر **وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا** (74:25) کی پاکیزہ دعا کی مقبولیت کے مزے لے رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے تار نے آپ کے قلب کو کس قدر صدمہ پہنچایا ہوگا۔ میری غریب الوطنی اور اضطراب قلبی کے خیال نے آپ کو بہت بے حال کیا ہوگا۔لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ذلیل ورسوا ہونے سے بچالیا۔اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

یہاں ایک شخص نہایت مفسد ہے، جسے میرے یہاں آنے سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کا اچھا موقع مل گیا۔ چنانچہ اس نے ملائی اخبار میں میرے خلاف سلسلہ مضامین شروع کیا کہ انجمن نے ایک کافر کے سپرد سارا انتظام کر دیا ہے۔یہیں کے ایک بزرگ نے ان اعتراضات کے جوابات شروع کر دیئے ۔آخر اس شخص نے انجمن کے جملہ اراکین کو کافر لکھ دیا۔جس سے بعض کمزور دل ممبروں کو سخت تشویش ہوئی۔انجمن کی مینیجنگ کمیٹی میں ایک اور چلتا پرزہ اور چالاک شخص تھا۔ اور اسی کی تحریک سے مجھے لاہور سے بلایا گیا تھا۔ ہمارے سنگاپور پہنچنے پر یہی شخص خاطر ومدارات میں پیش پیش تھا۔ بڑا باتونی آدمی ہے۔ پہلے ہی دن میں نے مولانا احمد صاحب کو کہہ

دیا تھا کہ مجھے اس شخص سے اندیشہ ہے۔خدا کی قدرت اب یہی شخص میرا سب سے بڑا دشمن ہے۔اس نے تجویز کی کہ کسی طرح مجھے واپس بھیج دیا جائے۔ چنانچہ 18 اپریل کے جلسہ میں اسی کی تحریک سے یہ قرار پایا کہ مجھے کرایہ جہاز اور گاڑی دے کر واپس کر دیا جائے۔ جلسہ کے دوران مجھے اُٹھا دیا گیا۔جس پر دو اور ممبر بھی بطور صدائے احتجاج وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے اور 5 ممبر باقی رہ گئے۔اس مخالف نے اپنا اثر ڈال کر میرے خلاف فیصلہ کرالیا۔اس پر سیکرٹری صاحب نے مجھے اطلاع دی کہ ایسا فیصلہ ہوا ہے اور آپ اپنا جواب آئندہ اجلاس میں پیش کرنے کے لئے بھیج دیں۔اس فیصلہ سے میں سخت حیران ہوا اور ایک مہینہ کے بعد اس ذلت کے ساتھ واپس جانے کے خیال نے مجھے سخت صدمہ پہنچایا۔میں نے یہ بھی خیال کیا کہ ممکن ہے ہماری جماعت میرے اس طرح واپس چلے جانے کو مستحسن نہ سمجھے۔ چنانچہ میں نے بذریعہ تار آپ سے استصواب کیا۔اسی اثنا میں چند دیگر ممبران انجمن سے ملاقات ہوئی اور ان پر تمام معاملہ واضح کر دیا گیا۔ان میں سے ایک شخص نے جب یہ سُنا تو وہ سخت ناراض ہوا۔اور اس کے ایماء سے 21 اپریل کو دوبارہ اجلاس ہوا۔اس میں میرا جواب پڑھا گیا اور مجھے بھی جلسہ میں بلا لیا گیا۔میری چٹھی کا ترجمہ تامل اور ملائی زبان میں سنایا گیا۔تمام ممبران نے سوائے ایک دو کے سابقہ کاروائی کو منسوخ کیا اور انجمن کے کاروبار میں مجھے کامل آزادی دی گئی،اپریل کا رسالہ مسلم چھپا ہوا تھا۔بعض ممبران نے اسے روانگی سے رکوا دیا تھا کہ اس میں احمدیوں کی تعریف ہے۔اس کے متعلق بھی فیصلہ ہوا کہ اسے شائع کر دیا جائے اور کوئی ممبر ایڈیٹر کے کام میں مداخلت بیجا نہ کرے۔

دوران اجلاس میں ہی واپسی کا تار پہنچ گیا اور میں نے ان پر واضح کر دیا کہ مجھے واپسی کی اجازت مل گئی ہے۔اب میں اس شرط پر یہاں رہ سکتا ہوں کہ میری خودداری کو کوئی شخص گزند نہ پہنچا سکے اور مجھے وہ اعزاز بخشا جائے جس کا میں بحیثیت ایڈیٹر مستحق ہوں۔ نیز میں نے کمیٹی کے روبرو اپنے عقائد بیان کر دیئے کہ میں مسیح ناصریؑ کو وفات شدہ مانتا ہوں اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو اس صدی کا مجدد تسلیم کرتا ہوں اور آنے والے مسیح کے لئے نبوت کو شرط نہیں ٹھہراتا، بلکہ ایک مجدد کو ہی مسیح کا مثیل سمجھ کر رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا مصداق جانتا ہوں۔اور حضرت مرزا صاحب ہی درحقیقت وہ مجدد ہیں جو مثیل مسیح ہو کر دنیا میں تشریف لائے۔اس پر ایک دوسرے ممبر کی زبان سے بھی بے اختیار نکل گیا کہ اس کے بھی یہی عقائد ہیں۔احمدیت کے متعلق لوگ سوال

کرتے رہتے اور دلائل سُن کر خاموش رہ جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ جب مسلمان گروہ در گروہ اس جماعت حقّہ میں داخل ہوکر اشاعتِ اسلام کو قوت دیں گے۔ انشاء اللہ

دوسرے خط میں، جو اس سے پہلے 15 اپریل کو لکھا تھا، حافظ صاحب حضرت امیر کی خدمت میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ جناب کی ''ہدایات''، جو ایک ٹریکٹ کی شکل میں طبع ہوئی ہیں، میرے لئے کس قدر تقویت ایمانی کا باعث ہوئیں۔ میں اپنے اندر ایک غیر معمولی طاقت پاتا ہوں۔ یہاں کی مخالفت میری نظروں میں پر پشہ سے بڑھ کر نہیں۔ کافر وملحد کہلا کر خوش ہوتا ہوں۔ کیونکہ یہ تو کامیابی کی ایک نوید جانفزا ہے۔ میرا قلب عظیم الشان اُمیدوں سے لبریز ہے۔ پرچہ ''دی مسلم'' اپنی عاجزانہ ادا میں حاضر خدمت ہوتا ہے۔ اکثر حصہ خاکسار نے مرتب کیا ہے۔ میں آپ کے قلم سے اس پر تبصرہ چاہتا ہوں۔ اگر آپ نے اس کو پسند فرمایا تو میری مسرت کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی اور ہماری قوم نے ہمت کی تو یہاں ایک مستقل مشن کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، جس کا دور دور تک اثر جاسکتا ہے۔

جاوا

مرزا ولی احمد بیگ صاحب و مولوی احمد صاحب جاوا سے لکھتے ہیں کہ یہاں کی انجمن کا سالانہ جلسہ یکم اپریل کو ختم ہوگیا۔ مختلف حصص سے بہت سے نمائندے آئے ہوئے تھے اور ان میں سے اکثر ہمارے مکان پر آکر احمدیت کے بارے میں دریافت کرتے رہے۔ مخالف اخبارات نے جو غلط فہمی ہماری جماعت کے متعلق پھیلا رکھی تھی، وہ دور ہوگئی ہے۔ یہ لوگ بڑے مخلص ہیں اور اختلاف رائے کو بُرا نہیں مناتے۔ قرآن شریف کے مطابق انہیں مسائل سمجھائے جائیں تو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ ہم نے بھی عربی اور انگریزی میں تقریریں کیں، جن میں سے ایک مولانا صاحب کی ردّ کفارہ اور الوہیت مسیح پر تھی اور میری اور مرزا صاحب کی ''محاسن اسلام'' پر۔ ان کے تراجم حاضرین کو سُنا دیئے گئے تھے۔ ہمارے لیکچروں میں یورپین بھی آئے ہوئے تھے۔ جو ہمارے مکان پر بھی ملاقات کے لئے آئے۔ خدا کے فضل سے ہمارے بہت سے ہمدرد اور دوست پیدا ہوگئے ہیں۔ دو ملائی

اخبارات ہیں، جن کے ایڈیٹر عیسائیت کے خلاف احمدی لٹریچر کے خوشہ چین ہیں۔ ہماری انجمن کی کتب خصوصاً انگریزی قرآن کریم کی یہاں اور اردگرد کے علاقہ میں بہت مانگ ہے اور اشاعتِ اسلام کے لئے ہمارا لٹریچر بڑا مفید کام کر رہا ہے۔

14 مئی 1924ء

ڈاک حضرت امیر

کیا حضرت مسیح موعود اپنی نبوت کا اقرار لیتے تھے

اخویم شیر محمد صاحب بُزدار ڈیرہ غازی خاں نے یہاں محمود احمد صاحب سے بذریعہ خط دریافت کیا تھا کہ ''اگر واقعی حضرت مسیح موعود نبی تھے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ بیعت لیتے وقت اپنی نبوت کا اقرار نہیں لیتے تھے؟'' اس کے جواب میں مولوی رحیم بخش صاحب قادیان کا لکھا ہوا خط مورخہ 18 اپریل 1924ء انہیں پہنچا، جو حسب ذیل ہے:

> ''دوسرے سوال کے جواب میں حضور فرماتے ہیں کہ بیعت تو ایمان کے بعد ہوا کرتی ہے۔ اس لئے اس میں ایمان کے نتائج کا اقرار لیا جاتا ہے۔ رسول کریمؐ بھی ایسا اقرار نہیں لیا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں صرف عورتوں کی بیعت کے الفاظ مذکور ہیں۔ مگر رسول اللہ کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں۔''

یہ سوال و جواب ہر دو، حضرت امیر کی خدمت میں پیش کئے گئے، تو آپ نے برادر موصوف کو ذیل کا خط تحریر فرمایا:

اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میاں صاحب کا جواب اگر آپ کی سمجھ میں نہیں آیا، تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ میرا خیال ہے کہ میاں صاحب نے خود بھی نہیں سمجھا ہوگا۔ محض جواب کی خاطر جواب لکھ دیا ہے۔

سوال تو صرف یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود اپنی نبوت کا اقرار اپنے مریدین سے نہ لیتے تھے۔ حالانکہ نبی اپنی نبوت کا اقرار ضرور لیتا ہے۔ اگر میاں صاحب کے نزدیک حضرت مرزا صاحب پر ایمان بیعت سے پہلے کسی اور وقت لایا جاتا تھا تو انہیں یہ جواب دینا چاہئے تھا کہ گو بیعت کے وقت حضرت مسیح موعود اپنی نبوت کا اقرار نہ

لیتے ہوں مگر وہ اس سے پہلے ہی لے لیتے تھے۔ یا یوں جواب دینا چاہئے تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی کبھی کسی مسلمان سے اپنی نبوت کا اقرار نہیں لیا تھا۔ میاں صاحب نے محض مغالطہ دیا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ خود بھی اسے سمجھا ہے یا نہیں کہ اگر حضرت مرزا صاحب بیعت کے وقت اپنی نبوت کا اقرار نہ لیتے تھے تو کوئی حرج نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بھی بیعت کے وقت اپنی نبوت کا اقرار نہیں لیا۔ سوال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی شخص کو داخل اسلام کیا، جس سے اپنی نبوت کا اقرار نہ لیا ہو، یا ہر ایک شخص کو، جو داخل اسلام ہوتا تھا اور آج تک بھی جو داخل اسلام ہوتا ہے، وہ دو شہادتیں ادا کر کے ہی داخل ہوتا تھا اور داخل ہوتا ہے۔ یعنی ایک یہ گواہی کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور دوسرے یہ گواہی کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر یہ دوسری بات صحیح ہے تو کیا میاں صاحب حضرت صاحب کے کثیر التعداد مریدین میں سے ایک کا نام بھی پیش کر سکتے ہیں، جس سے حضرت صاحب نے اپنی نبوت کا اقرار لیا ہو۔ بیعت کے وقت نہ سہی، بیعت سے پہلے سہی، پیچھے سہی۔ سوال تو حضرت کے اقرار نبوت پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی شخص کو داخل اسلام نہیں کیا، جس سے اپنی نبوت کا اقرار نہ لیا ہو۔ حضرت مرزا صاحب نے کبھی کسی شخص کو اپنی جماعت میں داخل نہیں کیا، جس سے اپنی نبوت کا اقرار لیا ہو۔ یہ میں جانتا ہوں کہ آدمی کو اپنے معتقدات کے خلاف کسی بات کا ماننا کس قدر مشکل ہے۔ مگر ایسی حالت میں بہتر تھا کہ میاں صاحب خاموشی اختیار کرتے، بجائے اس کے کہ ایک ایسا جواب لکھوا دیتے، جس کی غرض محض مغالطہ دینا ہے!

ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔ یہ جواب میاں صاحب نے اب لکھوایا ہے۔ جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود پر ایمان لانے کا وقت بیعت سے پیشتر کوئی اور تھا۔ یہ اب صرف ایک مصیبت کو ٹالنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ ورنہ اپریل 1911ء کے تشحیذ الاذھان کے مشہور مضمون میں، جو مسلمانوں کی تکفیر کا بنیادی پتھر تھا، میاں صاحب اپنی قلم سے یہ لفظ لکھ چکے ہیں۔ پس نہ صرف اس کو جو آپ کو کافر تو نہیں کہتا، مگر آپ کے دعویٰ کو نہیں مانتا، کافر قرار دیا گیا ہے، بلکہ وہ بھی جو آپ کو دل سے سچا قرار دیتا ہے۔ اور زبانی بھی آپ کا انکار نہیں کرتا، لیکن ابھی بیعت میں اسے کچھ توقف ہے کافر قرار دیا گیا ہے۔ اب جب میاں صاحب کے نزدیک وہ شخص بھی، جو دل سے حضرت مسیح موعود کو سچا مانتا ہے اور منہ سے بھی اقرار کرتا ہے کہ آپ اپنے دعاوی میں سچے ہیں، مگر

بیعت نہیں کرتا، کافر ہے، تو غور کرنا چاہئے کہ میاں صاحب کے نزدیک ایمان بیعت سے پہلے کسی اور وقت میں لایا جاتا ہے۔ اِقْرَارٌ بِالِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ جو ایمان کی دو شرائط تھیں۔ اُن کو پورا کر کے بھی ایک شخص میاں صاحب کے نزدیک کافر کا کافر ہے، جب تک بیعت نہ کرے۔ اور آج یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ بیعت سے پہلے ایمان لایا جاتا ہے۔ اور بغیر بیعت کے بھی ایک شخص مومن ہوتا ہے۔ ان متضاد بیانات سے میاں صاحب کی کیفیت قلبی کا پتہ لگ سکتا ہے۔ بات تو صاف ہے۔ حضرت مسیح موعود بیعت کرنے سے ہی لوگوں کو اپنی جماعت میں داخل کرتے تھے، نہ کسی اور ذریعہ سے یا کسی اور اقرار سے۔ پس جب بیعت کے وقت آپ نے کسی سے اپنی نبوت کا اقرار نہیں لیا، جسے میاں صاحب نے تسلیم کرلیا، تو معلوم ہوا کسی وقت میں بھی نہیں لیا۔ اور اس لئے آپ کا دعویٰ نبوت کا نہ تھا۔ عورتوں کی بیعت یا صحابہؓ کی دوسری بیعتوں کی مثال دینے میں بھی میاں صاحب نے غلطی کھائی ہے یا مغالطہ دیا ہے۔ وہ بیعتیں صرف خاص کاموں کے لئے تھیں۔ مثلاً بیعت عقبہ یا بیعت رضوان یا فتح مکہ کے بعد عورتوں کی بیعت۔ وہ صرف خاص خاص اعتراض کے لئے تھیں۔ اور حق یہی ہے کہ حضرت مسیح موعود نے جو بیعت لی، وہ اسی سنت پر تھی۔ یعنی جس طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے کسی خاص غرض کے لئے بیعت لی، اسی طرح حضرت مرزا صاحب نے بھی مسلمانوں سے کسی خاص غرض کے لئے بیعت لی۔ یعنی وہ لوگ پہلے سے مسلمان تھے۔ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ ہو کر مسلمان نہیں بنے۔ اسلام میں وہ پہلے داخل تھے۔ ہاں جس طرح اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے ماتحت نبی ﷺ کے مجدد کو حکم دیا کہ مسلمانوں سے بیعت لے کر ایک خاص جماعت اعداء دین کے مقابلہ کے لئے تیار کریں۔ میاں صاحب کا یہ لکھنا کہ بیعت میں ایمان کے نتائج کا اقرار لیا جاتا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ بیعت میں سب سے پہلے اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کا اقرار لیا جاتا ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب اپنی نبوت کو ایسا سمجھتے کہ اس پر ایمان لائے بغیر انسان مسلمان نہیں ہوتا تو کم از کم اس کے ساتھ تو اتنے لفظ اور بڑھا دیتے کہ اَشْهَدُ اَنَّ مرزا غلام احمد رسول اللّٰہ. بات یہ ہے کہ یہ سب پیچھے کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ حضرت صاحب نے صرف مجاز کے رنگ میں استعارہ کے طور پر لغوی معنوں میں لفظ نبی استعمال کیا تھا۔ کم فہمی سے مجاز کو حقیقت پر محمول کرلیا گیا اور غلو کا طریق اختیار کرلیا گیا۔

☆☆☆

اخویم نور محمد خاں صاحب نائب ضلعدار ضلع ڈیرہ غازی خان نے نہایت اخلاص سے بھرا ہوا خط حضرت امیر کی خدمت میں بھیجا، جس کا جواب آپ نے حسب ذیل دیا:

''آپ کا خط پہنچا، اللہ تعالیٰ آپ کو بہت بہت جزائے خیر دے، جو آپ اس عاجز کے لئے دعا کرتے ہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ میں بھی آپ کے لئے دعا کروں گا۔ یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو وہ سامان اور وہ قوت عطا فرمائے کہ دین اسلام کو دنیا کے سارے ملکوں میں پہنچا سکیں۔ اور قرآن کریم کے تراجم مختلف زبانوں میں ان ملکوں کے لوگوں کو دے سکیں۔ بلا شبہ طاعون کی وباء میں احتیاط ضروری ہے۔ گو احتیاط کر کے بھی بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہئے۔ احمدیہ بلڈنگس کے اکثر احباب دن کو یہیں رہتے ہیں، لیکن رات بستی احمدیہ کے مقام پر کاٹتے ہیں۔ میں بھی اسی طرح کرتا ہوں۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔''

☆☆☆

جناب مولانا احمد صاحب کو جاوا حضرت امیر نے تحریر فرمایا:

''آپ کا خط 21 مارچ کا لکھا ہوا جاوا سے پہنچ گیا۔''

ایک بشارت

اخویم فیض علی خاں صاحب ذیلدار و آنریری مجسٹریٹ کالی صوبہ خاں نے (جن کے اعزاز کی پہلے خبر دی جاچکی ہے) حضرت امیر کی خدمت میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے والد بزرگوار مرحوم کی جگہ اعزاز مجسٹریٹی درجہ دوم عطا فرمایا ہے، جو آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ جس کے لئے میں نے عرض کیا تھا۔ دوم: ان کے لڑکے کو کچھ محکمانہ تکلیف ہے، اس کے لئے دعا کی جائے۔ سوم: بھارت بیمہ کمپنی میں زندگی کا بیمہ کرا دینا جائز ہے

یا نہیں۔ چہارم: زمیندارہ بنک یا سنٹرل بنک وغیرہ دیگر بینکوں میں اماناً روپیہ جمع کرانا اور ان کا منافع لینا جائز ہے یا نہیں۔ ان سب اُمور کے جواب میں حضرت امیر نے یہ جواب تحریر فرمایا:

''اخویم مکرم چوہدری صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ کا خط ملا۔ اللہ تعالیٰ اس اعزاز کو جو آپ کو ملا ہے، آپ کے لئے مبارک کرے اور آپ کو انصاف پر قائم رکھ کر آپ کے وجود کو مخلوق خدا کی بہتری کا موجب بنائے۔ فی الحقیقت اس اعزاز کی قدر اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اسی وقت ہوگی، جب آپ اس ذمہ داری کو پورا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا کرنے کی توفیق دے۔ یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ آپ کے بچہ کو تکلیف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے اسے نجات دے۔ دعا بھی کی ہے۔ پھر بھی یاد دلائیں۔ زندگی کا بیمہ جائز نہیں، یہ ایک قسم کی قمار بازی ہے۔ ویسے انسان اپنے لئے یا اپنے ورثاء کے لئے پس انداز کرتا رہے یہ منع نہیں۔ جب جائز صورتیں موجود ہیں تو ایک ایسی صورت اختیار کرنے کا کیا فائدہ جو اللہ تعالیٰ کے صریح حرام سے ملتی جلتی ہے۔ بینک میں یا زمیندارہ بینک میں اس نیت سے روپیہ رکھنا جائز ہے کہ جو منافع یا زائد رقم ملے، جسے سود کہا جاتا ہے، اُسے اپنے مصرف میں نہیں لایا جائے گا، بلکہ اشاعتِ اسلام پر صرف کر دیا جائے گا۔ اور پھر جب ایسا روپیہ ملے تو اسے اشاعتِ اسلام پر صرف کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رضاؤں کی راہوں پر چلنے کی توفیق دے۔ دنیا کی کوشش زبردست چیز ہے۔ مگر اس کے منافع چندروزہ ہیں۔ عاقبت کا فکر مقدم ہونا چاہئے، اپنی خیریت سے کبھی کبھی اطلاع دیتے رہا کریں تاکہ وہ تعلق اخوت، جو آپ نے قائم کیا ہے، اور زیادہ مضبوط ہو۔

محمد علی

28 مئی 1924ء

حضرت امیر کے قلم سے

ایک قطعی شہادت حضرت مسیح موعود کی صداقت پر

سلسلہ احمدیہ کی مخالفت میں عوام الناس کو یہ کہہ کر دھوکا دیا جاتا ہے کہ یہ ایک اسی قسم کا گمراہ فرقہ ہے، جیسے پہلے بھی اسلام کے اندر فرقے ہوتے رہے ہیں۔ اور اسی طرح چند روز زندہ رہ کر یہ تباہ ہو جائے گا۔ کوئی اسے بابیوں اور بہائیوں سے مشابہت دیتا ہے، جو دین اسلام کو منسوخ قرار دے کر ایک نیا دین مرّوج کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اگر ادنیٰ تامل سے بھی کام لیا جاتا، تو ان خیالات کی غلطی خود معلوم ہو جاتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جب یہودیوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ اس کی تعلیم اور معجزات وغیرہ شیطانی ہیں، تو آپ نے کیا اچھا جواب دیا کہ کیا شیطان اپنی ہی بیخ کنی پر آمادہ ہو گیا ہے؟ اور شیطان یہ نہیں چاہتا کہ نیکی دنیا میں پھیلے، تو ایسی تعلیم، جس کی غرض بدی کی بیخ کنی اور نیکی کا پھیلانا ہے، شیطان کی طرف کیونکر منسوب کی جاسکتی ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی زندگی کے حالات کو جو لوگ بغور پڑھتے ہیں، خواہ کتنے بھی عداوت کے خیالات دل میں رکھتے ہوں، مگر یہ بات ان پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ قرآن کریم کا ایک ایک فقرہ اور ایک ایک لفظ خدا تعالیٰ کی ہستی، اس کی قدرت اور اس کی عظمت کا نقش دل پر بٹھاتا ہے۔ ایک مفتری، ایک جھوٹا نبی ایسی تعلیم کیونکر دے سکتا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ مخالفت اندھی ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات آنکھیں بند کر کے ایک خیال دل میں بٹھا لیا جاتا ہے۔ اس کے خلاف کتنی ہی زبردست روشنی ہو، سورج بھی نکل آئے، پھر بھی انسان آنکھیں بند رکھتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب پر جو چاہو فتویٰ لگا لو، تاہم دین اسلام کے لئے ان کے کام کو دیکھ لو، کیا یہ سچ ہے یا نہیں کہ آپ کے دل میں دعویٰ مسیحیت سے پیشتر، بلکہ دعویٰ مجددیت سے بھی پیشتر، اشاعتِ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ایک زبردست تڑپ تھی۔ عیسائیوں، برہموں اور آریوں سے آپ اسلام کی طرف سے ہو کر مقابلہ کرتے تھے۔ اور اسلام کی حمایت میں ایک زبردست پہلوان بن کر کھڑے ہوئے تھے۔ دعویٰ کے بعد بھی آپ نے اپنی زندگی کا وہی ایک ہی مقصد قرار دیا۔ یعنی اسلام کو دنیا میں پھیلانا۔ دعویٰ کے بعد بھی عیسائیت کی

تردید میں نہایت زبردست کتابیں لکھیں، مباحثے کئے۔ اور ہر مذہب پر اسلام کی فوقیت ثابت کرنے میں لگے رہے۔ بلکہ باوجود خطرناک مخالفت کے اپنے گرد ایک جماعت جمع کی اور اس کے اندر بھی یہ روح پھونک دی کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ، اشاعتِ اسلام اور نشر قرآن کو اپنی زندگیوں کا واحد مقصد بنا دیں۔ کیا یہ اس نفخ روح کا نتیجہ نہیں کہ احمدی ہر جگہ، باجود اس کے کہ ان کے لئے کوئی ایسے مدرسے یا کالج قائم نہ تھے، جہاں وہ اسلام اور دوسرے مذاہب کے مقابلہ کی تعلیم حاصل کرتے، تمام مذاہب کے خلاف اسلام کی حقانیت کے مدعی بن کر کھڑے ہوئے۔ اور نہ صرف ایک زبردست ولولہ اشاعتِ اسلام کا ان کے دلوں میں پیدا ہوا، بلکہ وہ فی الواقع ہر ایک معترض کو جواب دینے میں بھی کامیاب ہوئے، اور ان کے مناظر ہر میدان میں عیسائیت اور آریہ سماج جیسے مخالفین کے مقابل پر، جن کی پشت پر بڑی دولت اور طاقت تھی، ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر اس کو بھی کافی نہیں سمجھا، بلکہ وہ پیغام اسلام کو دنیا میں لے کر نکل گئے اور ایک نہایت ہی قلیل جماعت ہونے کے باوجود اسلام کے پاک پیغام کو یورپ اور امریکہ میں پہنچا دیا۔ وہاں بڑے بڑے عظیم الشان انسانوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا۔ کیا ایک جھوٹا مفتری گمراہ اور گمراہ کن، جیسا کہ علماء کا خیال ہے، یہ روح پیدا کر سکتا تھا؟ سوچو اور غور کرو اور جب تک اس بات کا جواب تم کو نہ ملے، فتویٰ لگانے میں جرأت نہ کرو۔

ہمیں گمراہ فرقوں سے مشابہت دی جاتی ہے۔ بابیوں اور بہائیوں کی طرح خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن پہلی تاریخ بھی ہمارے مسلمان بھائیوں کے سامنے ہے اور آج بابیوں اور بہائیوں کی تاریخ بھی ہمارے مشاہدہ میں ہے۔ کیا کوئی گمراہ فرقہ پہلے بھی ایسا نظر آتا ہے، جس نے خدمت و اشاعتِ اسلام کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہو، جو اسلام کے پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے میں مصروف ہو گیا ہو۔ جس نے قرآن کریم کو دنیا میں پھیلانے پر اپنا سارا زور صرف کیا ہو، اگر کسی کے سینہ میں دل ہے تو وہ اس حقیقت پر غور کرے اور اللہ سے ڈر کر اس بارے میں فتویٰ دے۔ بے شک اگر ایک بھی گمراہ فرقہ ایسا بتایا جا سکے جس نے اشاعتِ اسلام کو نہ صرف اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا ہو، بلکہ اسی پر اپنا سارا زور لگایا ہو، اس کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کی ہوں، اور پھر اس کام کے کرنے میں آخر اس طرح پر کامیابی کا منہ بھی دیکھا ہو، جس طرح احمدیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معاملہ ہوا ہے، تو ہمارے مسلمان بھائیوں کا اختیار ہے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے کہ حضرت مرزا صاحب کی

تعلیم و دعاوی پر غور کریں، ہمیں اور ہمارے پیشوا کو گمراہ قرار دیں۔لیکن اگر ایک بھی ایسے گمراہ فرقہ کی نظیر نہ پیش کی جا سکے، جو ان تینوں باتوں میں سے ایک کا بھی مصداق ہو،تو پھر خدا ترسی یہی ہے کہ مخالفت کو چھوڑ کر خدمت اسلام کے کام میں دوسرے لوگ بھی ہمارے معاون ہوں۔کیا آج بابیوں اور بہائیوں کو نہیں دیکھتے؟ کہ کس قدر دُکھ اور تکلیفیں اُنہوں نے اُٹھائیں۔مگر کیا خدمت دین کے لئے؟ کیا اسلام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے وہ باہر نکلے؟ کیا قرآن کی خدمت کے لئے وہ کمر بستہ ہوئے؟ کیا کہیں اسلام کا نام اُنہوں نے دنیا میں پہنچایا؟ بابی فرقہ کی ابتدا کو آج 84 سال گذر گئے اور احمدی سلسلہ کے قیام پر ابھی اس سے نصف وقت بھی نہیں گذرا۔مگر کیا ان دونوں میں بعد المشر قین نظر نہیں آتا؟ کیا یہ سچ نہیں کہ بابی اور بہائی صرف بہایت کی اشاعت پر سارا زور لگا رہے ہیں اور اسلام کی اشاعت کے خلاف کوشاں ہیں؟ اور کیا یہ سچ نہیں احمدی ساری قوت دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ پر صرف کر رہے ہیں۔ہاں! یہی وہ کام تھا جو حضرت مرزا صاحب اپنے دعویٰ سے پیشتر کرتے تھے، یہی وہ کام تھا جو آپ دعویٰ کے بعد کرتے رہے، یہی وہ کام ہے جس پر آپ نے اپنی جماعت کو لگایا۔اور یہی وہ کام ہے جس پر آپ کی جماعت آج تک قائم ہے۔کیا اس فرق بین کے ہوتے ہوئے، جو آفتاب کی طرح حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر گواہ ہے، ہمارے مسلمان بھائی سلسلہ کی مخالفت کو ہی اپنا نصب العین بنائے رکھیں گے۔اور گمراہ کن علماء کے پنجے سے نکلنے کی کوشش نہ کریں گے؟

بہت لوگ معترض ہیں اور ایسا اعتراض کرنے میں حق بجانب ہیں کہ سلسلہ احمدیہ کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتی ہے اور مسلمانان عالم کو دائرہ اسلام سے خارج بتاتی ہے۔میں نے خود ان ہر دو مسائل میں اس غلطی کو اس قدر کھولا ہے کہ اور کسی نے اس کے استیصال پر اس قدر زور نہیں لگایا۔لیکن کیا یہ سچ نہیں کہ گو اعتقاداً یہ لوگ ایک غلطی میں مبتلا ہو گئے اور حضرت مرزا صاحب کے منصب کے بارے میں مجاز کو حقیقت پر محمول کر کے اسی طرح غلو میں مبتلا ہو گئے جس طرح اس سے پہلے مسیح اسرائیلی کے معتقدین کی حالت ہوئی۔اور یہ مماثلت تھی جس کا پورا ہونا ضروری تھا، مگر باوجود اس اعتقادی غلطی کے اگر عملی رنگ میں دیکھا جائے تو یہ جماعت بھی خدمت و اشاعتِ اسلام کو ہی اپنی زندگی کا مقصد قرار دیئے ہوئے ہے۔اور جہاں جاتے ہیں لوگوں کو اسلام کے حلقہ بگوش ہی بناتے اور دنیا میں دین اسلام کی صداقت کو ہی پھیلاتے

ہیں۔ اور فی الحقیقت ان کا عمل ان کی اس اعتقادی غلطی کی خود تردید کر رہا ہے۔ پس ان کی حالت میں بھی یہی حقیقت نظر آتی ہے کہ جس نے ان کے اندر یہ زندگی کی روح نفخ کی، جس نے خدمت اسلام کی تڑپ ان کے دِلوں میں پیدا کی، وہ مفتری اور کذاب نہ تھا، بلکہ وہ اسلام کا ایک سچا خدمت گزار تھا۔ جس کے اندر ایسی زبردست آگ خدمت اسلام کی مشتعل تھی کہ اس کی ایک چنگاری بھی جس دل پر پڑ گئی، وہ اسی نور سے منور ہو گیا!

میں پھر اپنے مسلمان بھائیوں سے یہ التجا کرتا ہوں کہ وہ اس بات پر خوب غور کریں، اپنے علماء سے ایک یہ مسئلہ بھی دریافت کریں کہ کیا پہلے کوئی گمراہ فرقہ کوئی مفتری اور کذاب ایسا بھی ہوا ہے جس نے خدمت اسلام، اشاعتِ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا ہو۔ جس کی ساری زندگی اس خدمت میں صرف ہوئی ہو۔ جس نے اسلام کے خلاف ہر اعتراض کا جواب دینا اپنا طریق بنایا ہو۔ جس نے اسلام کی طرف سے دیگر مذاہب پر اتمام حجت کیا ہو۔ جس کے پاس جو بیٹھا وہ بھی اسی رنگ میں رنگین ہو گیا ہو۔ جس کی جماعت دنیا میں اشاعتِ اسلام کی علمبردار بنی ہو۔ اور دن رات اس فکر میں ہو کہ فلاں زبان میں خدا کا کلام دنیا کو پہنچے اور فلاں ملک میں بھی اسلام کی اشاعت ہو اور فلاں کفرستان میں بھی مسجد قائم ہو۔ خوب یاد رکھو کہ اگر اس کی کوئی نظیر پاؤ گے تو انہیں خادمان اسلام کی زندگیوں میں پاؤ گے۔ جھوٹے اور مفتریوں کا کبھی یہ کام نہیں ہوا، نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہو گا۔ حضرت مرزا صاحب کی صداقت کی حجت آج دنیائے اسلام پر تمام ہے، کاش! کوئی سوچنے والا ہو۔

☆☆☆

ناگہانی موت

چوہدری محمد الدین صاحب خانقاہ ڈوگراں نے حضرت امیر کی خدمت میں لکھا ہے کہ بعض وقت انسان ناگہانی موت سے مر جاتے ہیں۔ مثلاً ڈوب کر، ریل کے نیچے آ کر، مکان کے نیچے دب کر، کیا ایسی اموات بھی تقدیر الٰہی کے نیچے آ چکی ہوتی ہیں۔ حضرت امیر نے تحریر فرمایا کہ وہ تقدیر تو قانون الٰہی کا نام ہے۔ ہر تقدیر ایک قانون ہے۔ اور ہر قانون الٰہی ایک تقدیر ہے۔

دوسرا سوال چوہدری صاحب نے دریافت کیا کہ کیا کوئی آدمی وبا یا کسی اور طرح اپنی عمر کو ختم کئے بغیر ہی مرسکتا ہے۔ یعنی جتنی عمر خدا تعالیٰ کے ارادہ میں آچکی ہے، اس سے پہلے اس کو ختم کئے بغیر، آدمی مرسکتا ہے؟ حضرت امیر نے تحریر فرمایا کہ جب ایک شخص مرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ الٰہی میں اس کی عمر اسی قدر تھی۔ پھر برادر موصوف نے لکھا کہ اگر ہم قانون الٰہی کو سمجھتے ہوئے یا نہ سمجھتے ہوئے توڑتے ہیں تو کیا ہمیں اس کی سزا ملتی ہے یا نہیں۔ مگر پلیگ کی جگہ سے انسان کا علیحدہ ہوجانا ایک تقدیر ہے۔ لیکن ہم اس پر عمل نہیں کرتے۔ تو کیا اس کی سزا ہمیں ملنا ضروری ہے یا نہ۔ اور کیا ایک آدمی جس کی عمر تقدیر الٰہی میں پچاس برس آچکی ہے، پلیگ سے پچاس برس گذارنے سے پہلے ہی مرجائے گا۔ اس بارے آپ کیا فرماتے ہیں۔ حضرت نے جواب تحریر فرمایا کہ جو جگہ نہیں چھوڑتے ایک سزا تو بیماری کی صورت میں پالیتے ہیں۔ دوسری کا علم خدا کو ہے۔

☆☆☆

مسلمان علماء کا شوق تکفیر

آریوں اور عیسائیوں کی اتنی جدوجہد کے باوجود جو وہ مسلمانوں کو اسلام سے مرتد کرنے کے لئے کررہے ہیں، ہمارے علماء کو اسلام کی حالت پر ذرہ رحم نہیں آتا۔ اور وہ بجائے غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کے رات دن اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کا کوئی فرقہ اور گروہ دائرہ اسلام سے خارج کردیا جائے۔ تا کہ ان کے سینوں کو اسلام کی کمزوری دیکھ کر ٹھنڈک پہنچے۔ ہم بارہا اس بات کا اعلان کرچکے ہیں کہ ہماری جماعت، جسے اس زمانہ کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اشاعت وحفاظت اسلام کے لئے کھڑا کیا ہے، کسی کلمہ گو کو، خواہ وہ اسلام کے کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، کافر و دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھتی۔ بھلا جس جماعت کا فرض ہی یہ قرار دیا گیا ہو کہ وہ غیر مسلموں کو مسلمان بنائے، وہ مسلمانوں کو کافر بنانے کا ناپاک کام کس طرح کرسکتی ہے؟ حال ہی میں حضرت امیر کی خدمت میں مولوی مرتضٰی حسن صاحب دیوبندی کا خط پہنچا ہے۔ جسے ہم مع جواب حضرت امیر برادران اسلام کی آگاہی کے لئے درج ذیل کرتے ہیں۔ تا کہ انہیں معلوم ہوجائے کہ ہمارے علماء دن رات کن خیالات میں غلطان و پیچان رہتے اور مخالفین اسلام کن تدابیر میں لگے رہتے ہیں۔ جب تک ان مکفرین کا پورے طور پر بائیکاٹ نہ کیا جائے گا، مسلمانان ہندوستان دینی و دنیاوی فلاح کا منہ نہیں

دیکھ سکتے۔ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان باہم دست و گریبان ہوتے رہیں اور دشمن اپنا کام کرتا جائے۔

خط مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دیو بندی

جناب محمد علی صاحب ایم۔اے بالقابہ۔ بعد ماواجب ایک ضروری امر میں آپ سے استفسار ہے۔ جواب سے جلد مطلع فرمایئے۔ جب آپ دونوں لاہوری اور قادیانی جماعتوں میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزا صاحب کے نبی ہونے کے بارہ میں حقیقی اختلاف ہے تو ہر فریق ایک دوسرے کو کافر کہتا ہے یا نہیں؟ اگر کافر کہتا ہے تو یہ تکفیر فریقین کی کسی تحریر میں اگر مذکور ہو، تو اس تحریر کو بذریعہ وی پی بھیجا جاوے۔ ورنہ اس کا حوالہ اور پورا پتہ تحریر کیا جائے۔ اور اگر اب تک تکفیر نہ کی ہو، لیکن اب تکفیر محقق ہوگئی ہو تو اسے تحریر فرمایا جائے۔ اور اگر ایک فریق نے تکفیر کی ہو اور دوسرے نے نہ کی ہو، تو اس کا نام اور حوالہ بھی بتایا جائے۔ اور اگر کوئی فریق ابھی کسی کی تکفیر نہیں کرتا، تو یہ بتایا جائے کہ آپ کے نزدیک اسلام سے خارج ہونا اور کافر ہونے کے ایک ہی معنی ہیں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اسلام سے خارج تو ہو، مگر پھر بھی کافر نہ کہو۔ جواب فوراً ملنا چاہئے ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ ہر دو فریق باہم ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کرتے۔ اور یہ جنگ ظاہری کسی مصلحت پر مبنی ہے۔ جواب ایک ہفتہ کے اندر رجسٹری شدہ آنا چاہئے۔ رجسٹری کے لئے ٹکٹ 3 آنہ کے ملفوف ہیں۔ بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ۔ ناظم تعلیمات دار العلوم۔ دیو بند۔ 22 شوال 1342ھ

جواب از حضرت امیر

جناب مولٰینا! شائق تکفیر مسلمین کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ آپ کا یہ سوال ہم سے کرنا صاف بتاتا ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ ہم اس گروہ کو، جو آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کا اقرار کرتا ہو، آپ کے بعد ایک نبی کے آنے کو مانتا ہے، کافر قرار دیں۔ میں آپ کے سوال کا جواب دینے سے پیشتر ایک بات کی وضاحت آپ سے ہی چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ:

> ''کیا وہ شخص، جو آنحضرت ﷺ کے بعد ایک نبی کے آنے کو مانتا ہو اور آپؐ کی ختم نبوت کا بھی اقرار کرتا ہو، کافر بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج ہے؟''

اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا آپ پہلے اپنے کفر پر مہر لگا کر ممنون فرمائیں گے۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو گروہ قادیان کی اس بنا پر تکفیر کا مطالبہ آپ نے کیوں فرمایا؟ اگر آپ کا جواب یہ ہے کہ پُرانے نبی کا آنا ماننا دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا اور نئے نبی کا آنا کر دیتا ہے، تو اس فرق کی کوئی دلیل قرآن وحدیث سے پیش فرمائیے۔ جب نبی آئے گا، تو وحی نبوت بھی ہوگی۔ اور قرآن کے بعد ایک کتاب بنے گی۔ اور اگر وحی نبوت نہیں تو نبی بھی نہیں۔ اُمید ہے آپ اس مشکل کو حل فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ تا کہ میں آپ کے سوال کا جواب دینے کے قابل ہو جاؤں۔

یکم جون 1924ء

ہماری تبلیغی کوششیں

جرمنی سے ایک نویدِ جانفزا۔ مسٹر ملر کا اسلام قبول کرنا

حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے تازہ ڈاک میں برلن سے ایک اور نوجوان جرمن مسٹر ملر کے قبول اسلام کی خوشخبری بھیجی ہے۔ مسٹر ملر ایک نوجوان مصور ہیں جو ڈاکٹر گرائیفلٹ کے دوست ہیں۔ ڈاکٹر گرائیفلٹ کے مسلمان ہونے پر ان کے اس دوست کو بھی اسلام کی طرف توجہ ہوئی۔ اُنہوں نے دو چھوٹی چھوٹی کتابیں، جو ہمارے ہاں سے شائع ہوئی ہیں، مطالعہ کیں۔ ان کے مطالعہ سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ اس کے بعد ہمارا میگزین مسلیمش ریویو شائع ہوا۔ اس کے مطالعہ سے ان کا کامل یقین ہوگیا کہ اسلام ہی ایک مذہب ہے جو فطرت انسانی کے مطابق اور علاوہ معقول ہونے کے نہایت مفید ہے۔ صفائی قلب نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا، کہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ اُنہوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ فالحمدللہ رب العٰلمین ۔

اس ملک میں فوٹو گرافی کے مقابل پر مصوری کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ ہمارے نوجوان مسٹر ملر، جن کا اسلامی نام رشید رکھا گیا ہے، بڑے ہونہار ہیں۔ ان کی ذہانت و جودت طبع ان کے لئے بڑا خوش آئند مستقبل پیدا کرنے والی ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے مسٹر رشید ملر اپنے دوست ڈاکٹر عارف (گرائیفلٹ) کی طرح اخلاص و ایثار کی صفات محمودہ سے متصف ہیں۔ یہ صفات حمیدہ ہمیشہ قابل قدر ہیں اور رہیں گی، لیکن آج اس نفس پرستی اور دھوکا بازی کے زمانہ میں یہ خصائل خصوصیت کے ساتھ قابل قدر ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں شکر کے سجدات ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہم کو اس قسم کے مخلص نوجوان عطا کئے ہیں۔ یہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔

عیدالفطر انگلستان میں: پیر محمد امین صاحب قریشی مسجد ووکنگ سے رقمطراز ہیں

قسطنطنیہ کے ایک پیغام کے مطابق 4 مئی 1924ء کو بروز اتوار مسجد ووکنگ میں عید منائی گئی۔ اس سال عید کے موسم بہار میں آنے اور برٹش ایمپائر اگزیبیشن ہونے کی وجہ سے نمازیوں اور غیر مسلم زائرین کی تعداد معمول سے بہت زیادہ تھی۔ چھ سو آدمیوں کا مجمع تھا۔ جس میں ترک، مصری، عرب، ہندی اور ملائی وغیرہ مسلمان اس عظیم الشان تقریب پر اپنے دیسی لباسوں میں اپنی اپنی قوم کا حق نمائندگی ادا کر رہے تھے۔ جہاں ترک اور مصری ملک کے رواج کے مطابق کوٹ پتلون ڈالے اور سر پر ترکی ٹوپی پہنے ٹہلتے تھے، ہندی مسلمان اپنے اچکن زیب تن کئے عمامے باندھے ہوئے پھرتے تھے۔ وہاں ایک تیسرا نظارہ ملائی مسلمانوں کا تھا، جو رنگین ریشمی تہ بند اور زر کار زیر پا پہنے ہوئے اس منظر کو زیادہ دلچسپ بنا رہے تھے۔ نماز پورے گیارہ بجے شروع ہوئی۔ روزانہ اخبارات کے نمائندے اور مسلم احباب دائیں بائیں کھڑے دیکھ رہے تھے۔ اور درمیان میں گورے، کالے اور پیلے مختلف رنگوں کے انسان دوش بدوش کسی رُتبہ اور قومیت کی تمیز کے بغیر ایک خدا کی عبادت میں مصروف تھے۔ نماز خواجہ نذیر احمد صاحب امام مسجد و انچارج مسلم مشن نے پڑھائی۔ بعد از نماز خطبہ عید، جس کا موضوع ''مذہب اور صلح'' تھا، نہایت فصاحت و بلاغت سے ہمارے نوجوان امام نے دیا۔

عید کی دعوت کا انتظام مسلم مشن ووکنگ نے پندرہ روز پیشتر کیا ہوا تھا۔ خیمے مسجد کے باہر میدان میں لگے ہوئے تھے۔ اور اندر سے خوب سجائے ہوئے اور پھولوں سے آراستہ کئے گئے تھے۔ خادمان اسلام اور ہمارے انگریز مسلم اور وہ خواتین جنہوں نے نہایت خلوص سے مہمانوں کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا، خاص طور پر قابل شکریہ ہیں۔ صبح دس بجے سے شام کے پانچ بجے تک عید کی یہ پر لطف صحبت رہی۔ جس کے بعد مہمان یکے بعد دیگرے واپس تشریف لے گئے۔ حاضرین میں سے ذیل کے اصحاب کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ہز ہائینس بیگم صاحبہ آف مانادور، لارڈ ہیڈلے الفاروق، عبداللہ سر آرچ بولڈ ہملٹن، سر عباس علی بیگ اور سر علی امام۔

یکم جون 1924ء

اراکینِ مسلم لیگ سے خطاب

(قبل ازیں یہ اطلاع دی جا چکی ہے کہ گذشتہ 23 مئی 1924ء کی شام اسلامیہ کالج لاہور کی وسیع گراؤنڈ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اراکین کو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی طرف سے دعوت دی گئی۔ اس موقع پر جو تقریر حضرت امیر ایدہ اللہ نے اراکین لیگ کے مجمع میں فرمائی، وہ حسب ذیل ہے۔ مدیر)

حضرت مولیناؒ نے تشہد، تعوذ، تسمیہ اور تلاوت قرآن کریم کے بعد فرمایا کہ میں اپنی احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے ممبران کی طرف سے ان معزز حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے اس وقت تکلیف گوارا فرما کر اس دعوت کو قبول کیا۔

مسلم لیگ اور دیگر انجمنیں

دو رنگ میں مجھے اس تقریب سے خصوصیت سے خوشی بھی حاصل ہوئی ہے۔ اوّل اس لئے کہ ہماری انجمن ایک چھوٹی سی بہت ہی محدود جماعت کی انجمن ہے۔ مگر جو کام وہ کرتی ہے، وہ اشاعتِ اسلام کا کام ہے، جس کا میدان نہایت وسیع ہے۔ اور جن معزز حضرات کو یہاں آنے کی تکلیف دی گئی ہے، وہ سارے ہندوستان کی آل انڈیا مسلم لیگ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اگرچہ بہت زیادہ تعداد میں نہیں، لیکن ہر صوبہ کے نمائندے موجود ہیں۔ وہ ایک سیاسی رنگ کی انجمن سے تعلق رکھتے ہیں اور ہماری یہ انجمن ایک مذہبی انجمن ہے۔ ایک خالص مذہبی جماعت کی دعوت کو قبول کر کے آپ لوگوں نے ایک نئے اتحاد کے اوپر مہر لگائی ہے۔ ہم لوگ، جو ایک پیرایہ میں اسلام یا مسلمانوں کی خدمت کر رہے ہیں اور آپ دوسرے رنگ میں، یہ دراصل ایک ہی کام کے مختلف شعبے ہیں۔ کسی نے کوئی حصہ اختیار کر لیا اور کسی نے کوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج تک یہ غلط فہمی رہی ہے کہ ایک جماعت نے سمجھ لیا کہ خدمت یا اصلاح ہم ہی کر رہے ہیں اور دوسروں کے کام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسلام

کی خدمت کے مختلف شعبے ہیں۔ ممکن ہے کوئی زیادہ ضروری ہو کوئی کم۔ مگر ہیں سب خدمت اسلام ہی کے کام۔ مسلم لیگ اگر ایک سیاسی کام کرتی ہے، تو خلافت کمیٹی نے بھی اپنے رنگ میں خدمت کی ہے۔ اگر یہ دونوں جماعتیں سیاست سے تعلق رکھنے کے باوجود ضروری ہیں، تو ایسی ہی ضرورت دوسری انجمنوں کی بھی ہے۔ جیسے ہمارے لاہور میں انجمن حمایت اسلام ہے۔ جس نے مسلمانوں کے تعلیمی کام کو اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ اور پھر بعض جماعتیں ہیں جو اشاعت و تبلیغ اسلام کا کام کر رہی ہیں۔

اشاعتِ اسلام کی اہمیت

فی الحقیقت ہم سب ایک ہی کام کر رہے ہیں۔ البتہ میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اشاعتِ اسلام کو بہت لوگوں نے چنداں اہمیت نہیں دی۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ چنداں مفید کام نہیں۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اشاعتِ اسلام کا کام صرف ایک مذہبی خدمت ہی نہیں، بلکہ سیاسی پہلو میں بھی اسلام کی ایک عظیم الشان خدمت ہے۔ کیا مسلمانوں کی تعداد کثرت کی اسلام کی خدمت کے سیاسی پہلو پر ایک زبردست اثر نہیں ڈالتی۔ اشاعتِ اسلام کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ جن لوگوں کو ہمارے کاموں سے واقفیت ہے وہ جانتے ہیں کہ ہم اسی قدر نہیں کرتے کہ دین اسلام کے اندر لوگوں کو محض لانے کی کوشش کریں، بلکہ خود مسلمانوں کے اندر مذہبی بیداری پیدا کرنا اور قرآن کریم اور دیگر تاریخی اور مذہبی لٹریچر کی اشاعت کر کے مسلمانوں کے اندر قوت کا پیدا کرنا اور ان کو ایک راہ عمل پر لگانا یہ سب کچھ اشاعتِ اسلام کے مفہوم کے اندر داخل ہے۔

اسلام کی تصویر غیر ممالک میں

مسلمانوں کی عددی قوت بڑھ جانے سے ان کو اپنا حق حاصل کرنے میں جس قدر آسانی ہو سکتی ہے، اس سے آپ ناواقف نہیں۔ ہاں! یہ بھی سچ ہے کہ یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے ممالک میں بھی اسلام کو لے جایا جائے۔ ان ممالک کے اندر دشمنان اسلام نے اسلام کی جو تصویر کھینچ رکھی ہے، جو گھناؤنی تصویر وہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، وہ بہت ہی خطرناک ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کوئی ایسی قوم ہے، جس کا کام دن رات غیر مسلموں کو قتل کرنا، ان پر جبر کرنا ہے۔ اور ایک مسلمان کو دن رات یہی فکر ہوتی ہے کہ وہ بہت سی شادیاں

کرے۔ چنانچہ ایسی ایسی تصاویر شائع کی جاتی ہیں، جن میں ایک مسلمان کو اسی قسم کی دعا مانگتے ہوئے دکھایا جاتا ہے، کہیں پیغمبر اسلام کے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک میں قرآن دکھایا جاتا ہے۔ یہ تصویر ہے اسلام کی اور مسلمانوں کی جوان ممالک میں کھینچی گئی ہے!

صحیح تصویر پیش کرنے کی ضرورت اور عددی قوت کا اثر

تمام مسلمانوں کا فرض ہے اور اس فرض کو اگر ایک جماعت ادا کرتی ہے، تو وہ تمام مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ میں اس بات کو دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو قرآن شریف یا حضرت نبی کریم ﷺ کی سیرت پڑھنے کا موقع ملا ہے، وہ خواہ کتنے ہی اسلام سے دور پڑے ہوئے ہوں، اسلام کی اور نبی کریم ﷺ کی محبت ان کے دلوں میں بیٹھ گئی ہے۔ کیا یہ سیاسی رنگ میں خدمت اسلام نہیں کہ مسلمان قوم کی عزت دنیا میں پیدا کی جائے اور بتایا جائے کہ اسلام کن اعلیٰ درجہ کے اصولوں کا نام ہے اور مسلمان کیسے صلح اور امن سے زندگی بسر کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر گنتی کے لحاظ سے اور تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں کی قوت کا بڑھنا کوئی چھوٹی سی بات نہیں۔ اس قوت کے بڑھنے سے اپنے حقوق کو آسانی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خود یورپ کے اندر اسلام کی صحیح تصویر پیش کر کے چھوٹی چھوٹی جماعتیں پیدا کر دیں۔

ووکنگ مشن کا کام

خدا تعالیٰ نے ہمارے اس کام کو جو کامیابی بخشی ہے وہ بہت بڑی ہے۔ اس وقت بھی گو دس بارہ سال ہی انگلستان میں کام کو شروع کئے گزرے ہیں، لیکن اس تھوڑے عرصہ میں بھی بڑے بڑے انگریز حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا، سر آرچ بولڈ ہملٹن، جو ایک بیرونٹ ہیں، حال ہی میں مسلمان ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کی بہت بڑی خدمت کر سکتے اور اسلام کے فوائد کی نگہداشت کر سکتے ہیں۔

جرمنی میں تبلیغ اسلام

ایسا ہی ابھی بہت تھوڑے دن ہوئے ہیں، ہم نے برلن میں بھی کام شروع کیا ہے۔ وہاں ایک مسجد کی

بنیاد رکھی ہے مگر زمین خرید لی گئی ہے۔ ایک رسالہ جرمن زبان میں سہ ماہی شروع کیا گیا ہے۔ اس کے پہلے شمارہ پر ہی چار آدمی اسلام کے اندر آ چکے ہیں۔ سب سے پہلے تو اس رسالہ کا ترجمہ کرنے والا خود مسلمان ہوا۔ کیونکہ مولوی صدرالدین صاحب، جو اس مشن کے انچارج ہیں، خود تو جرمن زبان نہیں جانتے، اس لئے انگریزی میں مضامین لکھ کر ان کا ترجمہ کراتے ہیں۔ تو وہاں سے آنے والی رپورٹ کے مطابق جرمنی میں قبولیت اسلام کے بارے لوگوں کی دلچسپی دن بہ دن بڑھ رہی ہے۔ یہ مسلمانوں کے سیاسی مقاصد کے لئے بڑا ہی مفید ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے اصول ایسے ہیں کہ جب آپ پیش کریں گے تو کسی مہذب اور معقولیت پسند انسان کے لئے انہیں قبول کئے بغیر چارہ نہیں۔ جوں جوں قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم آپ ان لوگوں کے سامنے پیش کریں گے، انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اسلام دراصل معقول دین ہے۔

مسیحی مشنری جدوجہد

آپ اگر ان لوگوں کی کوششوں کو دیکھیں جو عیسائیت کو دنیا میں پھیلا رہے ہیں، تو حیرت ہوتی ہے۔ ہزارہا مشنری اور کروڑ ہا روپیہ اس کام کے لئے وقف ہے۔ میں آپ کو اگر وہ تصویر دکھاؤں کہ کس طرح چین اور جاوا میں ہمارے مسلمان بھائی دین اسلام کی حقیقت سے بے خبر ہیں، اور کس طرح دوسرے مذاہب کے لوگ اس طرف توجہ کر کے ان کو آسانی سے اپنا شکار بنا لیتے ہیں، تو آپ کی حیرت اور افسوس کی انتہا نہ رہے گی۔

مسلمانوں کی حفاظت اور اصلاح کا کام

غرض نہ صرف یہ ضرورت ہے کہ ہم دنیا میں اشاعتِ اسلام کریں، نہ صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام بنایں بلکہ یہ بھی ہمارا فرض اشاعتِ اسلام کے معنوں کے اندر داخل ہے کہ ان لوگوں کو، جو پہلے سے اسلام میں داخل ہیں، پختہ اور مضبوط کیا جائے۔ ان کو اسلام کی صحیح تعلیم دی جائے۔ ان کے علم اور واقفیت کو بڑھایا جائے۔ میں نے مشنری رپورٹوں میں پڑھا ہے کہ جاوا وغیرہ کی کل آبادی پانچ کروڑ ہے۔ اس آبادی میں سے 45 ہزار مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے مسلمانوں کی جہالت اور ناواقفیت کا۔ اس کو دور کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔

ہمدردانہ برتاؤ کی ضرورت

غرض یہ وہ اُمور ہیں جو آج اشاعتِ اسلام کے کام کو ضروری اور اہم ٹھہراتے ہیں۔ اس لئے ان کاموں کے ساتھ، جو آپ کے پیشِ نظر ہیں، اس کی بھی قدر کرنی چاہیئے۔ گو مسلم لیگ کا کام اشاعتِ اسلام کے کام سے تعلق نہیں رکھتا، لیکن یہ اس کے مقاصد میں بہت بڑے فوائد کا موجب ہوگا۔ مسلمانوں میں اس وقت بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کا ایک بہت بڑا ذریعہ اشاعتِ اسلام ہے۔ اس لئے میں آپ لوگوں سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ اس کام میں ہمارے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کریں گے۔ اور جو مشکلات اس رستہ میں حائل ہوں، ان کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ دنیا میں اس وقت اشاعتِ اسلام کی ضرورت ہے۔ اور جو لوگ اس کام کو کر رہے ہیں، ان کی امداد کرنا ہماراا خلاقی فرض ہے۔

اچھوت اقوام اور اسلام

وہ لوگ جو اچھوت کہلاتے ہیں، ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے کہ گویا وہ انسان ہی نہیں ہیں۔ ان کو اگر کبھی مساوات مل سکتی ہے، اگر کبھی انسانی حقوق مل سکتے ہیں تو اسلام ہی میں مل سکتے ہیں۔ ایک اچھوت کو، جو ہندو سمجھا جاتا ہے، کنوؤں پر چڑھانے یا راستہ گزرنے میں ہندوؤں کو کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اسلام کے اندر آنے سے فوراً یہ تمام مشکلات دور ہو جاتی ہیں۔ ایک چوہڑہ جس وقت کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے، تو وہ آپ کا بھائی ہے۔ اور آپ جیسے معزز حضرات کے ساتھ ایک ہی میز پر کھانا کھا سکتا ہے۔ یہ کتنا بڑاا انقلاب ہے۔ کوئی اور مذہب ایسا انقلاب پیدا نہیں کرسکتا۔ اس لئے ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان لوگوں کو اسلام کے اندر لانے کی کوشش کریں۔ یہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ ان کو بتائیں کہ تمہارے لئے یہ ترقی کا راستہ ہے۔ بہت جگہ جو ہمارے حقوق تلف ہو رہے ہیں، وہ اس وجہ سے ہیں کہ تعداد کے لحاظ سے ہم قلت میں ہیں۔ اس قلت کو دور کرنے کے لئے ہمیں کوشش کرنا چاہیے۔ اب یہ موقع ہے اچھوت اقوام کو مسلمان بنا سکیں۔ اس سے یہ قلت کسی قدر دور ہوسکتی ہے۔ آپ تکلیف اٹھا کر یہاں تشریف لائے ہیں۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ اس ضروری سوال پر غور فرمائیں گے۔ دوسری مرض مسلمانوں میں جو سرایت کر گئی ہے وہ تکفیر بازی کی متعدی مرض ہے۔ تکفیر کا خطرناک مرض مسلمانوں میں ترقی کر گیا ہے۔ اور اس کو دور کرنا آپ کا فرض ہے۔ میں اس بات کو پھیلانا اپنا فرض

سمجھتا ہوں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے سے ہر شخص دائرہ اسلام کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی اختیار کرتا ہے، کسی کا حق نہیں کہ اس کو اس غلامی سے خارج کرے۔

ہمارے عقائد

ہمارے تمام عقائد اہل سنت والجماعت کے عقائد ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس بات کو ہم مانتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایک مجدد ہوا۔ اسی کے دل میں یہ جوش اور تڑپ تھی کہ اسلام کو دنیا میں پھیلایا جائے۔ ہمارے اندر بھی اسی نے یہ تڑپ پیدا کی، ہاں ہم وفات مسیحؑ کو بھی مانتے ہیں۔ لیکن امام مالکؒ اور بہت سے بزرگان سلف بھی وفات مسیح کے قائل ہو گذرے ہیں۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ اس پر کسی کو کافر یا گمراہ ٹھہرایا جا سکے۔

غرض ہم بھی اسلام کی ایک خادم قوم ہیں اور آپ سے بھی ہم توقع رکھتے ہیں کہ آپ بھی خدمت اسلام میں ہماری مدد کرنے اور ہمارے راستہ سے رکاوٹیں دور کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔

☆☆☆

خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب کی جوابی تقریر

حضرت امیر ایدہ اللہ کی اس تقریر کے جواب میں خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب بی۔اے بیرسٹرایٹ لاء، وائس پریذیڈنٹ استقبالی کمیٹی نے ایک مختصر مگر برجستہ تقریر فرمائی۔ جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔ (افسوس ہے کہ عین دوران تقریر روشنی گل ہو جانے کی وجہ سے پوری تقریر نہ لکھی جا سکی: مدیر)

انجمن کا شکریہ

صاحبان! میں آپ سب کی طرف سے، جو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے آج مہمان ہیں، مولانا محمد علی صاحب اور دیگر ممبران انجمن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنہوں نے ہمیں موقع دیا کہ ہم ایسے عمدہ مجمع میں اپنے قومی مفاد کو سنیں۔

اشاعتِ اسلام کی اہمیت

مولوی صاحب نے جو تقریر فرمائی ہے، وہ ایک اہم مبحث ہے اور اس وقت ان دونوں باتوں کی ضرورت ہے، جن کا ذکر مولوی صاحب نے فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک اشاعتِ اسلام ہے۔ پرانے زمانہ میں مسلمانوں میں سے ہر شخص مبلغِ اسلام تھا۔ ہر شخص جو تجارت کو نکلا، وہ قرآن کو اپنے ساتھ لے جاتا تھا اور خود بخود مشنری کا کام دیتا تھا۔ وہ جہاں جاتا تھا اپنا نیک نمونہ لے کر جاتا تھا اور اس کے طریقِ زندگی کو دیکھ کر لوگ پوچھتے تھے کہ کون شخص ہے جو ایسا اعلیٰ نمونہ رکھتا ہے؟ اور اس پاک مذہب کے اندر آجاتے تھے۔ اسی طرح سے نیک لوگوں کے ذریعہ سے اسلام بغیر کسی باقاعدہ نظم ونسق کے دنیا میں پھیلا ہے۔ ہر مسلمان، جو نکل جاتا تھا، مبلغ اسلام ہوتا تھا۔ ایسا ہی اب بھی اسلام کو دنیا میں پھیلانا ضروری ہے۔ تاکہ مسلمانوں کی قوت اور تعداد بڑھے۔

جماعت احمدیہ کا نیک نمونہ

جب اشاعتِ اسلام کی اس قدر ضرورت ہے تو جو جماعت یہ خدمت دین کا کام کر رہی ہے، وہ مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کرتی ہے اور اس کے لئے وہ مسلمانوں کے شکریہ کی مستحق ہے۔ ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو گو جماعت احمدیہ کے ہم خیال نہیں، لیکن اس کے کام کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔ اس جماعت کا نمونہ فی الحقیقت قابل تقلید ہے۔ چھوٹی سی جماعت اتنا بڑا کام کر رہی ہے، ضرورت ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی امداد کریں۔

مسئلہ تکفیر

دوسری چیز، جس کا مولوی صاحب نے ذکر کیا ہے، وہ باہمی تکفیر کی طرف مسلمانوں کا میلان ہے۔ لیگ میں بھی یہ مسئلہ آئے گا کہ اس میلان کو روک دیا جائے۔ یہ نہایت بُرا میلان ہے، اور ہمارے اصول کے خلاف ہے۔ مولانا حالی نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے ؎

اُمت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر اسلام پر عزیزو! احسان ہے تمہارا

جہاں تک ہو سکے اس میلان کو روکنا چاہئے۔ آپ اتنے روشن دماغ تعلیم یافتہ اور بیدار مغز لوگوں کے ہوتے ہوئے یہ مرض رُک جانا چاہئے۔

☆☆☆

اعلانِ فسخ بیعت

عرصہ چھ سات سال کا ہوگیا ہے کہ خاکسار نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی حقانیت کو قبول کیا تھا۔ اس وقت میں نے حضرت مسیح موعود کو مجدد ہی مان کر قبول کیا تھا۔ صحیح حالات دریافت نہ ہونے کی وجہ سے میں میاں محمود احمد صاحب کے حلقۂ ارادت میں پھنسا دیا گیا۔

حافظ محمد حسن صاحب سے گفتگو کرنے سے مجھے اصل حقیقت معلوم ہوگئی۔ میاں صاحب کا حضرت صاحب کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنا اور مسلمانانِ عالم کو دائرہ اسلام سے خارج کر دینا نہ صرف قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، بلکہ خود حضرت صاحب کی سخت توہین ہے۔ اگر تیئیس برس تک خود حضرت اپنے دعویٰ کو نہیں سمجھ سکے، باوجودیکہ وہ ایسے نبی تھے، جن کی جماعت میں داخل ہو کر ہی کوئی مسلمان کہلا سکتا ہے، اس صورت میں اُن کا دعویٰ نہایت پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ نہ معلوم اگر حضرت صاحب زیادہ دیر زندہ رہتے تو کسی اور غلطی کا بھی انکشاف ہو جاتا۔ اور تیئیس برس کے بعد کی تحریریں بھی منسوخ ہو جاتیں۔ آہ! مجھے اس عقیدہ میں تثلیث اور کفارہ کی بُو آتی ہے۔ وہ بھی ناقابل فہم ہے اور یہ نبوت کا قضیہ بھی ایک معمہ ہے۔ کیا ہر سچ کے بعد ایک پولوس پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ میں اپنی گذشتہ لغزش سے تائب ہو کر نیک اور صالح جماعت میں داخل ہوتا ہوں۔ میں میاں صاحب کی بیعت سے اپنی گردن کو آزاد کرتا ہوں اور شخصی استبداد پر قومی فیصلوں کو ترجیح دیتا ہوں۔

بقلم اصغر علی (سنگاپور)

☆☆☆

جہلم میں زبردست مباحثہ اسلام اور عیسائیت پر

گذشتہ چند روز سے پادری عبدالحق مسیحی آئے ہوئے تھے۔ آپ ہر روز مشن سکول جہلم کے احاطہ میں مختلف مضامین پر لیکچر دیتے رہے۔ کفارہ، تثلیث، کلمۃ اللہ، الوہیت مسیح وغیرہ عیسائی اصولوں پر آپ نے تقریریں کیں اور اپنے لیکچروں میں اسلام کے نقائص بیان کئے۔ آپ بڑے منطقی واقع ہوئے ہیں۔ اور منطق دانی کے بڑے بڑے دعاوی آپ نے یہاں پیش فرمائے۔ مسلمانوں کو آپ کی اس چھیڑ خانی سے بڑا صدمہ ہوا۔ چنانچہ عیسائی صاحبان کی طرف سے 20 مئی کا دن مباحثہ کے لئے مقرر کیا گیا۔ اہل شہر نے کوشش کر کے لاہور سے جناب مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی اور مولانا عصمت اللہ صاحب کو بلوایا۔ یہ دونوں حضرات 19 مئی کی شام جہلم میں تشریف لے آئے۔ امرتسر سے مولانا ثناء اللہ صاحب فاضل کو لانے کی خاطر ایک خاص معزز مسلمان کو روانہ کیا گیا، لیکن مولانا ممدوح بوجہ علالت نہ تشریف لا سکے۔ 19 مئی کی شام کو اسلامی جلسے کا انعقاد قرار پایا۔ جناب مولانا عصمت اللہ صاحب نے بروئے منطق وتعلیمات بائبل، عیسائی مذہب کا کامل بطلان ثابت کیا، جس سے حاضرین نہایت ہی محظوظ ہوئے۔ 20 مئی کو بعد دوپہر ساڑھے چار بجے مباحثہ قرار پایا۔ توحید اور کفارہ کے مضامین مناظرہ کے لئے مقرر کئے گئے۔ ہر ایک مضمون کے لئے دو گھنٹہ کا وقت مقرر کیا گیا۔ چرچ مشن کے احاطہ میں مباحثہ قرار پایا۔ ہر فرقہ وملت کے لوگ قریباً دو ہزار کی تعداد میں وقت مباحثہ سے پہلے ہی جمع ہو گئے۔ جناب لالہ پران ناتھ صاحب بی۔اے وکیل کو صدر جلسہ مقرر کیا گیا۔ اوّل کفارہ کے مضمون پر بحث ہوئی۔ مسلمانوں کی طرف سے جناب مولوی عبدالحق صاحب ودیارتھی اور عیسائیوں کی طرف سے پادری عبدالحق مسیحی مباحثین تھے۔ اول پادری صاحب نے کفارہ کے اثبات میں 15 منٹ تک تقریر فرمائی۔ پھر مولانا ودیارتھی صاحب نے پادری صاحب کی تردید کرتے ہوئے کفارہ پر اعتراضات کیے اور انجیل مقدس اور معقول دلائل سے ثابت کر دیا کہ نجات اعمال سے ہے، کفارہ سے نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ دس منٹ کے لئے سوالات وجوابات کا موقع دیا گیا۔ مولانا ودیارتھی صاحب نے فرمایا کہ کفارہ کی بنیاد یہودیوں کے گناہ پر ہے۔ اگر یہودی شرارت نہ کرتے تو کبھی کفارہ کی نوبت نہ آتی اور نہ ہی مسیحؑ صلیب دیئے جاتے۔ دوم مسیحؑ کے مصلوب ہونے سے پہلے جس قدر لوگ گذرے ہیں، اُن کی نجات کا کیا طریق ہوگا؟ نیز اگر مسیحؑ کا کفارہ ایک احسن شے

ہے تو پھر مسیحؑ نے صلیب دیئے جانے کے وقت اضطراب کا اظہار کیوں کیا؟ اور اگر کفارہ ایک اچھا فعل ہے تو پھر مسیحؑ کے متبعین میں کیوں ہر ایک عیسائی کفارہ کی تمنا نہیں کرتا؟ غرض اس قسم کے کئی ایک اعتراضات کئے گئے اور معقول دلائل سے کفارہ کا بطلان ثابت کیا گیا۔ اگر چہ مباحثوں میں کوئی فریق شکست کو تسلیم نہیں کرتا لیکن پادری صاحب نے صاف طور پر مان لیا کہ نجات دراصل اعمال پر موقوف ہے، جس سے خود بخود کفارہ فضول ٹھہر گیا۔ دوسرے وقت میں دو گھنٹہ کے لئے توحید کا مضمون مقرر تھا۔ جناب مولانا عصمت اللہ صاحب اسلام کی طرف سے اور پادری عبدالحق صاحب عیسائیت کی جانب سے پیش ہوئے۔ اول مولانا عصمت اللہ صاحب نے توحید کے اثبات میں قرآن پاک اور انجیل مقدس سے ثبوت پیش کئے۔ اور پھر صحیفہ قدرت سے دلائل پیش فرمائے۔ اس کے بعد پادری صاحب کھڑے ہوئے۔ آپ بالکل حواس باختہ نظر آتے تھے۔ آپ نے منطقی دلائل شروع کر دیئے اور وحدت کو کثرت کے مقابلہ پر دکھانا چاہا۔ پادری صاحب کے بیٹھنے کی دیر تھی کہ حضرت مولانا عصمت اللہ صاحب نے ایسے لاجواب منطقی دلائل پیش کئے کہ اہل علم حضرات وجد میں آ گئے اور پادری صاحب باوجود دعویٰ منطق دانی اپنی ساری مفروضہ منطق بھول گئے۔ مباحثہ کی کیفیت دیکھنے اور سننے ہی سے متعلق تھی۔ انجیل سے وحدانیت کو ثابت کیا گیا اور حضرت مسیحؑ کے اقوال توحید کی تائید میں پیش کئے گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ مسلمان مظفر و منصور ہو کر ساڑھے نو بجے شب کے قریب گھروں کو واپس آئے۔

نیازمند

علم الدین

سیکرٹری انجمن تبلیغ الاسلام۔ جہلم

4 جون 1924ء

اداریہ

جرمنی میں اشاعتِ اسلام

حضرت امیر ایدہ اللہ کا پیغام برادرانِ جماعت کے نام

برادران سلسلہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

جرمنی میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو نُصرت آپ کے مشن کو ملی ہے، اس کا علم آپ کو اخبار کے ذریعہ سے ہوتا رہا ہے۔ پہلا رسالہ جرمن زبان میں اپریل میں شائع ہوا۔ اور اس ایک ہی مہینہ میں چار معزز اصحاب داخلِ اسلام ہوئے۔ جن میں سے ایک خاتون ایک کونٹ کی صاحبزادی ہیں۔ اور ایک صاحب انگریزی اور جرمنی زبان کے ماہر ڈاکٹر گرائیفلٹ ہیں۔ اور دوسرے دو بھی (ایک خاتون اور ایک مرد) معزز طبقے کے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خاص نصرت ہمارے دلوں کو بڑھانے کے لئے ہے۔ تا کہ ہم بھی اور زیادہ مضبوطی سے اپنا قدم بڑھائیں۔ اس کے علاوہ بھی، جیسا کہ مولانا صدرالدین صاحب کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے، رسالہ کو خاص قبولیت اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے۔ اس عظیم الشان نعمت کا شکر واجب ہے لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ (7:14) کا خدائی وعدہ ہے۔

اس وقت اس کام میں بعض مشکلات کا سامنا بھی ہے۔ اور یہ شکر نعمت کے اظہار کا موقع ہے۔ جس وقت ہم نے جرمنی میں کام کی بنیاد رکھی، وہاں کے اخراجات اس قدر کم تھے کہ یورپ کے ملک تو ایک طرف رہے، ہندوستان کے اخراجات کو بھی نہ پہنچتے تھے۔ اس لئے ہم نے دو آدمی وہاں شروع میں ہی بھیجے۔ یعنی مولانا صدرالدین صاحب اور مولوی عبدالمجید صاحب اور زبان سیکھنے کے لئے ایک تیسرا آدمی بھیجنے کی تیاری تھی کہ اسی اثناء میں جرمنی کے اخراجات اس قدر بڑھ گئے کہ سات آٹھ پونڈ ماہوار کا خرچ فوراً پچاس ساٹھ پونڈ ماہوار تک پہنچ گیا۔ اس گرانی کی مشکلات نے ہمیں مجبور کر دیا کہ نہ صرف اور کوئی آدمی نہ بھیجا جائے، بلکہ پہلے دو

مبلغین میں سے بھی ایک کو کم کر دیا جائے۔ اور مشن کا سارا بوجھ صرف مولانا صدر الدین صاحب پر ڈالنا پڑا۔ جس کا افسوس بھی ہے۔ لیکن اخراجات کی زیادتی نے اور کوئی رستہ نہ چھوڑا۔ جماعت احمدیہ قادیان کو بھی انہی مشکلات کا سامنا پیش آیا اور انہیں اس کام کو سردست بند ہی کرنا پڑا۔ مجھے اُمید ہے کہ آئندہ وہ اشاعتِ اسلام کے فائدہ کی خاطر برلن کی جگہ کوئی اور مقام اپنے مشن کے لئے تجویز کریں گے۔ سردست مسلمانوں کے ذرائع اس قدر نہیں کہ وہ ایک ایک شہر میں کئی کئی مشن قائم کرسکیں۔ بہرحال اس کثرتِ اخراجات کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمن مشن اس وقت کوئی سات آٹھ ہزار روپے کا مقروض ہے۔

میں یہ جانتا ہوں کہ ہماری چھوٹی سی جماعت پر کس قدر رما ہوا ار اور مستقل چندوں کا بوجھ ہے۔ لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ جماعت اگر صحیح اصول پر بنی ہو تو اس کے عزم اور ہمت کے سامنے مشکلات کے پہاڑ بھی اُڑ جاتے ہیں۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے کام میں اس قسم کی مشکلات کا پیش آنا ضروری ہے۔ تا کہ صادقوں کو اپنے صدق کے دکھانے کا موقع ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کو تو آئے دن کیا، شب و روز اس صدق کے دکھانے کا موقع ملتا تھا۔ حضرت مسیح موعود کے زمانے میں بھی وقتی چندے کرنے کی ضرورتیں بار بار پیش آتی رہتی تھیں۔ آج ہمارے احباب کے لئے بھی یہ ایک موقع ہے۔ یہاں جمعہ کے دن اس قرضہ کے لئے احباب سے اپیل کی گئی تو اسی وقت مقامی جماعت لاہور سے کوئی دو ہزار روپے کا انتظام ہو گیا۔ میں اُمید رکھتا ہوں کہ اسی جمعہ یا آئندہ جمعہ میں ہماری ہر جگہ کی جماعتیں اس تحریک کو پیش کر کے باقی رقم کو پورا کر دیں گی۔ اور جہاں اکیلے اکیلے افراد ہماری جماعت کے ہیں، وہ اپنی ہمت و وسعت کے مطابق یکمشت رقم فوراً بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام بھیج کر ممنون فرمائیں یہ ایک غیر معمولی ضرورت ہے اور اس رقم کا بہت جلد ادا ہو جانا ضروری ہے۔ آئندہ کے لئے اخراجات کو حتی الوسع اس مد کے اندر رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے، جسے جماعت کے مستقل چندے برداشت کرسکیں۔ میں یہ پھر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس رقم کی فوری ضرورت ہے۔ اور جو احباب کرام اس میں حصہ لیں، وہ اسی ماہ جون کے اندر اندر اپنی رقم ادا کر کے ممنون فرمائیں۔ والسلام

خاکسار

محمد علی۔ احمدیہ بلڈنگس، لاہور۔

ترکی نقطہ نگاہ

ہندوستانی مسلمانوں کو منصب خلافت کے ٹوٹنے پر جو اضطراب پیدا ہوا ہے، اس سے مجبور ہو کر وہ قسطنطنیہ کی طرف ایک وفد روانہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جو مصطفیٰ کمال پاشا کو سمجھائے گا کہ خلافت کا رکھنا کس قدر ضروری ہے۔ ویسے بھی ہندوستان سے تاریں وغیرہ دی گئیں، اور اراکین انگورہ سے اس معاملہ میں ہندوستانی نقطہ نگاہ کو ملحوظ رکھنے کی درخواست کی گئی ہے۔ جس کا جواب آج تک موصول نہیں ہوا۔ لیکن ترکی سے جو اخبارات آئے ہیں، ان سے پایا جاتا ہے کہ وہ لوگ کسی طرح بھی ہندوستانیوں کی بات ماننے بلکہ سننے کے لئے بھی تیار نہیں۔ چنانچہ اخبار ''طنین'' نے ہندوستانیوں پر بعض الزامات عائد کئے ہیں، جن کی وجہ سے اراکین حکومت انگورہ تنسیخ خلافت پر مجبور ہوئے۔ اُن کا خیال ہے کہ مسلمانوں پر ہماری خلافت کے ہوتے ہوئے ہمیں اس سے کوئی فائدہ اُٹھانا نصیب نہیں ہوا۔ زمانہ جنگ میں خلیفہ نے جہاد کا اعلان کیا، مگر ہندوستانی مسلمان ہمارے خلاف لڑنے سے باز نہ رہے۔ ہندوستانی مسلمان اپنے آپ کو اس منصب پر سمجھتے ہیں کہ ترکی حکومت پر نکتہ چینی کریں۔ خلافت کی وجہ سے بیرونی دشمنوں کو موقع ملتا ہے کہ وہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو ہمارے کاموں میں دخل دینے کے لئے اُکسائیں۔ ان حالات میں ہم اپنے ملکی اقتدار کے خلاف تمام امکانات اور مذہبی مداخلت کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس لئے مغرب کے جمہوری طرز حکومت پر ایک جدید سلطنت قائم کرنے کے لئے خلافت کا اُڑانا ضروری اور مناسب ہے۔''

ان حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کا قسطنطنیہ میں کوئی وفد بھیجنا تحصیل حاصل ہے۔ بلکہ روپیہ کی بربادی کے سوائے کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرسکتا۔ ترکی حکومت نے جو کچھ کیا ہے، وہ موجودہ حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے بالکل حق بجانب ہے۔ خلافت، جس کے معنے مکہ و مدینہ پر، مسلمانوں کی حکومت ہے، جس کا اقتضا خوف کا امن سے بدل جانا ہے، وہ پہلے بھی ترکوں یا شریف مکہ کے پاس نہ تھی۔ ہاں! جب مسلمان ان شرائط کو پورا کریں گے جو اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (55:24) میں مضمر ہیں تو خلافت کے وہی جائز حق دار ہیں اور وہ ان کو مل کر رہے گی۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ان شرائط کو ان کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ ورنہ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمُشْرُوْطُ ایک لابدی امر ہے۔

18 جون 1924ء

حضرت امیرایّدہ کے قلم سے

خلافت کی موجودہ حالت

اس سے مسلمانوں کو کیا سبق لینا چاہئے

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: لَیَسۡتَخۡلِفَنَّھُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ (55:24)

مسائل دینی میں بعض وقت غلطیاں ایسی عام ہو جاتی ہیں کہ عوام تو ایک طرف رہے، خواص اور محقق بھی ان سے بچ نہیں سکتے اور یا تحقیق کے بغیر تقلیداً ایک بات کو مانتے چلے جاتے ہیں یا عوام کے خوف سے صحیح بات کو منہ پر نہیں لا سکتے۔ مسئلہ وفات مسیحؑ اسی غلطی کی ایک مثال ہے۔ آج مسلمانوں کے بہت سے مذہبی رہنما اس بات کے دل سے قائل ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کا خیال غلط ہے، مگر عوام کے خوف سے یہ بات زبان پر نہیں لا سکتے۔ حالانکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ خیال عیسائیت کی قوت اور اسلام کی کمزوری کا موجب ہو رہا ہے۔ مسئلہ خلافت ان مسائل میں سے ایک امر ہے کہ ایک طرف اس کو عظیم الشان اہمیت حاصل رہی ہے، مگر دوسری طرف عام اور خاص سب کے سب اس کے متعلق ایک سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ اور اب تک یہ خیال عام طور پر دِلوں میں جاگزین ہے کہ خلافت کا تعلق صرف حکومت سے نہیں، بلکہ روحانیت سے ہی ہے۔ یعنی جو سلاطین اسلام میں خلیفہ کے نام سے ملقب ہوتے رہے، وہ روحانی رنگ میں بھی مسلمانوں کے پیشوا تھے۔ ہندوستان، مصر، عرب ہر جگہ عام و خاص سب اس غلطی میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے لفظ ''خلیفہ'' میں سب باتوں کا اجتماع سمجھ کر روحانی رہنماؤں سے منہ پھیر لیا ہے۔ ان کے نزدیک مجدد کا ہونا نہ ہونا برابر ہو رہا ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں جو کچھ ہے خلیفہ ہے، خلیفہ کے سوا ان کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ اصلیت صرف اس قدر تھی کہ خلافت اپنے مشہور معنے میں محض اسلام کی مرکزی حکومت تھی۔ اور ایک وقت

تک یہ حکومت عالمگیر بھی تھی۔ لیکن اس کے بعد خلافت کا کام اس سلطنت کے لئے رہ گیا، جس کا تعلق حرمین شریفین سے تھا۔

خلافت کے دو پہلو

فی الحقیقت خلافت کے دو پہلو تھے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک روحانی رہنمائی اور ایک بادشاہت۔ اسی طرح آپؐ کی خلافت میں بھی یہ دونوں باتیں تھیں۔ مگر چند نفوس مقدسہ کو چھوڑ کر یہ دونوں خلافتیں تاریخ اسلام میں الگ الگ چلی آئیں۔ جسمانی خلافت بادشاہت کے رنگ میں اور روحانی خلافت مجددیت ومحدثیت کے رنگ میں۔ خود وعدہ استخلاف میں، جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں پایا جاتا ہے، ان دو حیثیتوں کی طرف اشارہ ہے: **لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** (55:24) یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو زمین میں اسی طرح خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی۔ ان پہلوں سے بالاتفاق بنی اسرائیل مراد ہیں۔ اور بنی اسرائیل کے متعلق صاف طور پر قرآن کریم میں موجود ہے: **اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا** (20:5) یعنی دو حیثیتیں ان کو دیں، ایک تو ان میں نبی مبعوث کئے اور دوسرے ان کو بادشاہ بنایا۔ پس یہی خلافت مسلمانوں کے لئے تھی، صرف اس فرق کے ساتھ کہ یہاں نبیوں کی جگہ ان کے نقش قدم پر چلنے والے مجددین اور محدثین تھے۔ کیونکہ نبوت ختم ہو چکی تھی۔ جیسا کہ بخاری کی صحیح حدیث میں بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **کانت بنوا اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلّما ھلک نبی خلفہٗ نبی وانہٗ لا نبی بعدی وسیکون خلفاءَ** یعنی بنی اسرائیل کی رہنمائی نبی کرتے تھے۔ ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ آجاتا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں، ہاں خلیفے ہوں گے۔ اور ان خلیفوں سے مراد، جو نبیوں کی جگہ آنے والے تھے، مجدد اور محدث ہی تھے۔ مجددین کے ہر صدی کے سر پر آنے کی پیشگوئی دوسری صحیح حدیث میں موجود ہے۔ پس جب مسلمانوں کو خلافت کا وعدہ دیا تو بنی اسرائیل کی مثال دے کر انہیں بتا دیا کہ ایک تو تم کو بادشاہت دی جائے گی اور دوسرے تم میں مجددین ومحدثین ہوتے رہیں گے۔ قیام امن کے لئے بادشاہت تھی اور تائید دین کے لئے مجددیت۔ مگر آج یہ حالت ہے کہ لوگوں نے ایک سلطان خلیفہ کا نام سن رکھا ہے اور اسی کو، خواہ اس کی زندگی کیسی ہی ہو، تمام اوصاف کاملہ کا جامع سمجھا جاتا ہے۔ اور اصل روحانی خلفاء، جو تائید دین کے

لئے آتے ہیں، ان کی کسی کو پرواتک بھی نہیں!

خلافت روحانی کی تباہی مسلمانوں کے ہاتھ سے

عین اس وقت، جب خلافت کے مسئلہ پر چرچا شروع ہوا، میں نے اسلام کے اس مسلک کو واضح کرکے بتادیا تھا کہ خلافت ان مشہور معنے میں صرف حکومت کا نام ہے۔ اور حکومت بھی ایسی جس کا تعلق حرمین شریفین کی خدمت سے ہو۔ مگر اسلام نے ایک دوسری خلافت بھی مسلمانوں کو عطا فرمائی ہے۔ اب گو خلافت جسمانی ایک حد تک مسلمانوں سے چھن گئی ہے، کیونکہ ترکی کا تعلق حرمین شریفین سے نہ رہا اور یہ فعل اعدائے اسلام کا تھا، مگر اس دوسری خلافت کو، جو اصل روح ہے، خود مسلمان اپنے ہاتھوں سے برباد کررہے ہیں۔ اور اسلام کی خدمت اور تائید کی ان راہوں پر نہیں لگتے، جن کی طرف مجدد وقت نے ان کو بلایا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ دشمنانِ اسلام کے اس گناہ سے بڑھ کر، کہ اُنہوں نے خلافت جسمانی کو نقصان پہنچایا، مسلمانوں کا اپنا یہ گناہ ہے کہ وہ خلافت روحانی کی پروانہیں کرتے۔ اس کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ مسلمانوں کے پاس دو خلافتیں تھیں۔ یا خلافت کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک خلافت کو تو اعدائے اسلام نے برباد کرنے کی ٹھانی۔ گو اس میں وہ پورے طور پر کامیاب نہ ہوئے۔ کیونکہ پوری کامیابی تب ہوتی جب وہ حکومت ترکی کو تباہ کردیتے۔ جیسا کہ ایک وقت بظاہر معلوم یہی ہوتا تھا کہ اُنہوں نے تباہ کردیا۔ لیکن اس خدا نے، جو محافظ اسلام ہے، مردہ ترکی کو دوبارہ زندہ کیا اور اعدائے اسلام کے منصوبوں کو پاش پاش کردیا اور هُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ (30:3-4) کی خوشخبری کو دوسری مرتبہ پورا کرکے يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (30:4) کا نظارہ دکھایا۔ مگر اس کے باوجود بھی مسلمانوں نے روحانی خلافت اسلامی کو کچھ وقعت نہ دی اور وعدہ الٰہی کے اس پہلو کی طرف توجہ تک نہ کی۔

خلافت روحانی ہی اسلام کی قوت کا موجب ہے

فی الحقیقت اگر غور کیا جائے تو خلافت حکومت کو جو نقصان پہنچا ہے، وہ مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ وہ خلافت کے دوسرے پہلو کی طرف توجہ کریں۔ اور وعدہ کے دوسرے حصہ سے فائدہ اُٹھا کر اپنے آپ کو

اسلام کی قوت کا موجب بنایں۔ جس قدر زور مسلمانوں نے گذشتہ پانچ سال میں ایک خلافت کے قیام کے لئے لگایا ہے، اگر اس کا دسواں حصہ بھی دوسری خلافت کے لئے لگائیں، تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ اسلام کی کامیابی کی وہی راہ ہے، جس پر مجدد وقت کو اللہ تعالیٰ نے چلایا۔ اس سے پہلے بھی ایک دفعہ تاریخ اسلام میں خلافت جسمانی کو اعدائے اسلام نے برباد کر دیا تھا۔ اور اس وقت بھی خلافت روحانی ہی اسلام کی قوت کا موجب ہوئی۔ اور وہی قوم، جو دشمن اسلام بن کر مسلمانوں کو برباد کر رہی تھی، اسلام کی غلام بن گئی اور آج تک غلام ہے۔ جو واقع آج سے کئی صدیاں پیشتر بغداد کی خلافت کی تباہی میں نظر آتا ہے، کیا آج اسے عبرت بین نگاہیں خلافت ترکی کی تباہی میں نہیں دیکھ سکتیں۔ اسلام کی تاریخ میں یہ ایک عظیم الشان حقیقت ہے کہ جس قوم نے اسے برباد کرنا چاہا، وہی اس کی قوت کا موجب ہوئی۔ عرب کے لوگوں نے خود رسول اللہ ﷺ کو تباہ کرنا چاہا، مگر آخر اسلام کی قوت وشوکت انہی کے ذریعہ سے دنیا میں پھیلی۔ خلافت بغداد کو تباہ کرنے والی قوم نے بھی آخر اسلام کے سامنے سر جھکایا اور کئی صدیوں تک اسلام کی قوت کا موجب بنی۔

روحانی خلافت سے جسمانی خلافت حاصل ہوگی

افسوس ہے ان مسلمانوں پر، جو آج ان واقعات کے آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے اس قدر مایوس ہو رہے ہیں اور ایک دفعہ اُٹھ کر اتنی کوشش نہیں کرتے کہ جو قوم اسلام کو تباہ کرنا چاہتی ہے، اسے اسلام میں لانے کی کوشش کریں اور تائید ایزدی کے نظارہ کو دیکھیں۔ یہ بے اعتنائی کیوں ہے؟ اس لئے کہ جس شخص نے اس کام کے لئے بلایا ہے، اس کے ساتھ دِلوں میں بُغض ہے۔ گو وہ خادم اسلام تھا اور ایک جماعت کو خدمتِ اسلام پر لگایا تھا اور صحیح راستہ بتا گیا اور آج اس کی چھوٹی سی جماعت نے تھوڑی سی ہمت کر کے دنیا کو بھی دکھا دیا ہے کہ کس طرح اسلام دلوں پر فتح حاصل کر سکتا ہے! بشرطیکہ کوئی گروہ اسے دوسروں تک پہنچانے والا ہو۔ میں سب مسلمان بھائیوں کی خدمت میں درددل سے یہ التجا کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے مصائب کا علاج وہی ہے، جو اس زمانہ کے روحانی خلیفہ، اس صدی کے مجدد، اس اُمت کے مسیحا نے انہیں بتا دیا ہے کہ جو قومیں اسلام کی تباہی کے درپے ہیں، ان کو مسلمان بنانے کے لئے کمر باندھ لو اور خدا کے فضلوں کے وارث بنو۔ روحانی طاقت سے جسمانی طاقت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اب بھی روحانیت کو مقدم کرو۔ اور دیکھ لو کہ روحانی خلافت کی طرف توجہ کرنے سے تمہیں

جسمانی خلافت بھی واپس مل جاتی ہے یا نہیں؟ تمہارے مصائب کا علاج ایک ہی ہے۔ اور وہ وہی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے مجدد پر ظاہر کیا۔ چاہو اسے آج اختیار کرو اور اپنے آپ کو مصائب سے جلدی باہر نکال لو۔ چاہے دیر سے اختیار کرو اور کچھ دن اور اپنے آپ کو مصائب کی آماجگاہ بناؤ۔

من از ہمدردیت گفتم تو خود ہم فکر کن بارے   خرد از بہر ایں روز است اے دانا و ہشیارے

☆☆☆

فرقہ وار نیابت

مسلم لیگ کے گذشتہ اجلاس میں یہ طے ہوا تھا کہ آئندہ فرقہ وار نیابت کی اساس و بنیاد ہر فرقہ کی آبادی پر ہو۔ اس اصول کو تسلیم کرتے ہوئے ڈاکٹر ضیاء الدین احمد نے یہ ترمیم پیش کی تھی کہ قلیل التعداد اقوام کو ان کے حق سے کسی قدر زیادہ دے دیا جائے، بشرطیکہ اس سے کوئی اکثریت اقلیّت میں تبدیل نہ ہو جائے۔ یہ ترمیم بہت سی ردوکد کے بعد آخر کار منظور ہوگئی۔

لیکن افسوس کے ساتھ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ابھی تک خود مسلمانوں میں سے اس کے خلاف آوازیں اُٹھ رہی ہیں۔ اگر اس قسم کا بلکہ کوئی غیر منصفانہ ریزولیوشن بھی ہندو سبھا پاس کرتی ہے اور آئے دن وہاں سے کئی ایک غیر منصفانہ آوازیں بلند ہوتی ہیں تو ایک بھی ہندو اس کی مخالفت میں آواز نہ اُٹھاتا بلکہ سب کے سب یک دل و یک جان ہو کر اس کی تائید کرتے۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمان ابھی تک ایک نظام کے ماتحت کام کرنے کے عادی نہیں۔ اس وقت ملک میں دو بڑی جماعتیں موجود ہیں۔ ایک وہ جو مسلم لیگ کے حامی ہیں اور دوسرے وہ جو خلافت کمیٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسلم لیگ والوں نے اپنی طرف سے خلافت کمیٹی کے ساتھ بھی مل کر کام کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اور ایک کمیٹی بنائی ہے جو خلافت کمیٹی کے ساتھ اشتراک عمل کی طرح ڈالے۔ لیکن خلافت کمیٹی کے اراکین مسلم لیگ کو قطعاً اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اور رات دن اس کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔

اسی قسم کی ایک آواز شیخ محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی علی گڑھ نے ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب کی مندرجہ بالا ترمیم کے خلاف بلند کی ہے۔ حالانکہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ معاہدہ لکھنؤ میں مسلمانوں نے یہ

قربانی کی کہ پنجاب اور بنگال میں اپنی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرلیا اور برادران وطن کی اقلیت کو اکثریت کا فائدہ پہنچایا۔لیکن باوجود اس کے وہ نہیں چاہتے کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی آبادی اقلیت کا درجہ رکھتی ہے وہاں برادران وطن سے تھوڑی سی رعایت لی جائے۔ جو نہ تو مسلمانوں کی اقلیت کو اکثریت سے بدل سکتی ہے اور نہ برادران وطن سے کسی ایسی قربانی کا مطالبہ کرتی ہے، جیسے کہ مسلمانوں نے آج تک کی، کہ وہ اکثریت کو چھوڑ کر اقلیت پر قناعت کریں۔

سمجھ نہیں آتی کہ مسلمان کیوں اس درجہ اہل ہنود کے آگے گرنا چاہتے ہیں؟ جو ہمیشہ ہر حالت میں ان کی جڑیں کاٹنے کے درپے ہیں اور صاف طور پر اعلان کررہے ہیں کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کا ہندوستان میں مل کر رہنا ناممکن ہے اور مسلمانوں کو یہاں سے نکل جانا چاہئے۔

6 جولائی 1924ء

نماز جنازہ کے متعلق احباب سے درخواست

(ذیل کی درخواست، جو حضرت امیر ایّدہ اللہ نے احباب اکرام سے کی ہے، اگرچہ ایک درخواست کا رنگ رکھتی ہے۔ لیکن دراصل یہ وہ ارشاد ہے جس کی تعمیل کا حکم ہر مسلمان کو ہے۔ ایک مسلمان کے جو حقوق دوسرے مسلمانوں پر رکھے گئے ہیں، انہی میں سے ایک عہد اخوت ہے۔ اس عہد اخوت کو، جو مسلمانوں میں حضرت نبی کریم ﷺ نے اور پھر حضرت مسیح موعود نے جمیع مسلمانوں اور اپنی جماعت میں قائم کیا ہے، استوار اور مستحکم کرنے کے لئے جن باتوں کی اشد ضرورت ہے، انہی میں سے ایک نماز جنازہ بھی ہے۔ جس کے لئے حضرت امیر نے اس مختصر سی چٹھی میں احباب کرام کو خصوصیت سے مخاطب کیا ہے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ کا دل اپنی قوم کے لئے ایک جوش اور درد سے بھرا ہوا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم بھی وہی جوش اور درد اپنے اندر پیدا کریں اور آپ کے ارشادات کو، جو دراصل خدا اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کی ہی یاددہانی ہوتی ہے، سرآنکھوں پر رکھیں اور ان پر پورے طور پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ ایڈیٹر)

برادرانِ اسلام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

ہمارے احباب اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہماری جماعت قلیل ہے۔ برادریوں وغیرہ سے اکثر حالات میں قطع تعلق ہو چکا ہے۔ علماء کا اثر اور تو کچھ ہو نہ ہو کسی کو کوئی اچھی بات کہیں تو اسے وہ مانے نہ مانے، لیکن فتاویٰ کفر میں ان کا اثر بہت ہے۔ اور بہت لوگ اس خوف سے کہ مبادا علماء ان کا بھی بائیکاٹ کر دیں، ہمارے ساتھ شمولیت سے گریز اختیار کرتے ہیں۔ دوسری طرف قادیان کے سخت فتویٰ کی وجہ سے فریق قادیان سے تعلق رکھنے والے احباب بھی ہماری شادی وغمی میں شرکت کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ اندریں حالات اکثر شہروں میں بلکہ خود لاہور تک میں اگر اس کے مختلف محلوں کو دیکھا جائے تو ہماری تعداد نہایت ہی قلیل ہے۔ اس قلت جماعت اور

دوسرے لوگوں کے اس قطع تعلق کے باوجود ہماری اپنی جماعت کے بعض احباب جنازوں کی شرکت میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ اور شاید یہ خیال کر لیتے ہیں کہ جنازہ فرض کفایہ ہے، اس لئے اگر شمولیت اختیار نہ کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ان کی اس غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے اکثر اوقات دوسرے احباب کو، جنہیں ایسے واقعات پیش آئے ہیں، سخت صدمہ ہوا ہے اور اس کا اثر غیر از جماعت لوگوں پر بھی بہت بُرا پڑا ہے۔ ہر شخص کو اپنے نفس پر قیاس کرنا چاہئے کہ اگر اس کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آئے کہ اس کے گھر میں میت ہو، اور جنازہ اُٹھانے والا کوئی نہ ہو تو اسے کس قدر رنج پہنچے۔ لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ایک ایسے شہر میں، جہاں ہماری جماعت کے پچاس ساٹھ آدمی سے زیادہ ہیں، ایک دوست کو، جو باہر سے گئے تھے، ایسا واقعہ پیش آیا اور ان کی میت کا جنازہ پڑھنے والا صرف ایک اور آدمی تھا۔ اس شہر کے لئے اور ہماری ساری قوم کے لئے یہ شرم کا موجب ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی جاننا چاہئے کہ وہ باتیں، جن کو نبی کریم ﷺ نے مسلمان کا مسلمان پر حق قرار دیا ہے، ان میں سے ایک اتباع جنازہ ہے۔ شادی کے موقع پر شمولیت اختیار کرنے والے تو بہتیرے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور دعوت کھانے کے لئے لوگ اپنے کاموں کا حرج کر کے بھی آ جاتے ہیں کہ دعوت کا قبول کرنا مسنون ہے، لیکن ہمدردی کا موقع مصیبت بیماری اور موت ہے۔ بیماری کی حالت میں اپنے احباب کی بیمار پرسی کرنا، موت کی حالت میں جنازہ کے ساتھ جانا مسلمان کا مسلمان پر اولین حق ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ خود اپنے اہم ترین فرائض سلطنت اور تعلیم رشد و ہدایت کے ساتھ بیمار پرسی بھی کرتے تھے اور جنازوں کے ساتھ بھی جاتے تھے۔ اگر ہم ایک دوسرے کی خوشی کے موقع پر شریک نہ ہو سکیں تو حرج نہیں لیکن بیماری اور موت کے وقت شریک نہ ہونا تعلیم اسلامی سے سخت انحراف اور اپنے فرائض میں سخت کوتاہی ہے۔

میری آپ لوگوں پر کوئی حکومت نہیں صرف ایک دردِ دل کی التجا ہے۔ اگر آپ اس کو قبول کر لیں تو آپ کی اور آپ کی قوم کی اس میں بہتری ہے۔ آپ کی جماعت کا کوئی بھائی ہو اور اس کے عزیزوں میں کوئی واقعہ موت کا ہو جائے تو آپ کو اپنا سب سے مقدم فرض اس وقت اس کے غم میں شریک ہونا اور جنازہ کے ساتھ جانا سمجھنا چاہئے۔ اور دوسری ہر قسم کی ضرورتوں اور ہر قسم کے کاموں کو اس کے سامنے ہیچ سمجھنا چاہئے۔ خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، اپنے آپ کو کثیر المشاغل سمجھتا ہو یا خدمت دین کا ہی کوئی کام سرانجام دے رہا ہو، اس کا پہلا فرض

ہے کہ اپنے بھائی کی بیماری میں اس کی خبر لے اور اگر کوئی واقعہ موت کا پیش آ جائے، تو اپنے نفس پر ہر قسم کی تکلیف اُٹھا کر اور اپنے بڑے سے بڑے کام کا حرج کر کے جنازہ میں شامل ہو۔ مجھے کئی ایک واقعات سے، جو اس قسم کے احباب کو پیش آئے، سخت دُکھ پہنچا ہے۔ اور میں اُمید کرتا ہوں کہ آئندہ ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہوگا۔ یہ اطلاع ہر جگہ نماز جمعہ کے بعد احباب کو پڑھ کر سنا دی جائے۔ تا کہ ہر ایک کو اس کا علم ہو جائے۔

☆☆☆

ڈاک حضرت امیر

کشمیر کے ایک دوست نے حضرت امیر کی خدمت میں خط لکھا ہے جس کا جواب حضرت نے اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا ہے۔ ہر دو برائے افادہ احباب درج ذیل ہیں۔ محمد منظور الٰہی

مکرمی جناب مولانا محمد علی صاحب۔

السلام علیکم۔ میں حنفی المذہب مسلمان اور مقلد حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہوں۔ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کا مرید ہوں۔ مجھے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بدیں سبب بندہ اپنے آپ کو احمدی تصور کرتا ہے۔ میں جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم کے اعلیٰ درجہ کے علم و فضل کا معتقد ہوں، لیکن ان کے دعاوی سے کسی قدر مذبذب ہوں۔ میں آپ کی جماعت کی، جو اس نے خدمت اسلام کی ہے، معترف ہوں اور عزت کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔ اور ہمیشہ آپ کی جماعت کے مقدس کام کی کامیابی کا خواہاں اور بارگاہ ایزدی میں دست بدعا رہتا ہوں۔

میں آپ کی جماعت میں، بلحاظ اس کے احسن اور مفید کام کے، مدت سے شامل ہونے کا متمنی ہوں۔ اگر آپ کو کسی ایسے شخص کو، جو جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم کی نبوت ظلی، جزئی نبوت، غیر تشریعی نبوت یا ان کی مجددیت اور محدثیت پر ایمان نہ لائے، شامل کر لینے میں کوئی اعتراض نہ ہو، تو بندہ کا نام بھی اس رجسٹر میں درج فرمالیا جائے۔ میں بہ شرط زندگی حتی المقدور اشاعتِ اسلام کے لئے چندہ پیش کرتا رہوں گا۔ میں جناب مرزا صاحب اور ان کی لاہوری جماعت کو مسلمان تصور کرتا ہوں۔ اور ان کے پیچھے نماز ادا کرنے میں کوئی

حرج نہیں سمجھتا۔ اگر میری درخواست منظور ہو تو مجھے مطلع فرمایا جائے۔ میری طرف سے اجازت ہے کہ بشرط ضرورت میرا یہ عریضہ اخبار پیغام صلح میں شائع کر دیا جائے۔ زیادہ والسلام۔

خاکسار

رحمت اللہ بٹ

☆

جواب حضرت امیر

جس قدر اعانت آپ کر سکیں، اللہ تعالیٰ اس کے لئے آپ کو جزائے خیر دے۔ اور ہماری جماعت بھی اس کے لئے آپ کی شکر گزار ہو گی۔ ایسا ہی جماعت کے متعلق اور حضرت امام کے متعلق جس حسن ظنی کا آپ نے اظہار کیا ہے اس کی جزائے خیر بھی اللہ تعالیٰ ہی دے۔ ہم تو سب مسلمانوں کو بھائی سمجھتے ہیں اور آپ کو اس حسن ظن اور اس اعانت کے ساتھ ہمیشہ اپنا بھائی تصور کریں گے۔ لیکن جماعت کا نظام جو خاص رنگ اپنے اندر رکھتا ہے، جس پر اس کی قوت کا انحصار ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ امام وقت کی بیعت میں بھی انسان شامل ہو۔ نبوت ظلی بروزی کوئی دعویٰ نہیں۔ وہ تو محض اصطلاحات ہیں۔ کسی نے لفظ ولی یا محدث استعمال کر لیا، کسی نے اسی کو ظلی نبوت کہہ لیا۔ البتہ مجدد ہونے کا دعویٰ آپ کا ضرور ہے۔ اور اگر آپ تھوڑا سا غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جس صورت میں حدیث مجدد موجود ہے اور اس سے پہلے بزرگوں نے اس کے ماتحت دعویٰ کئے اور اس صدی کے سر پر سوائے حضرت مرزا صاحب کے کسی نے صدی کا مجدد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور آپ کو اور آپ کی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے ایسی خدمات دینی کا موقع بھی دیا جو اور کسی کو نہیں دیا۔ اور آپ نے اسلام کے مقابل میں سب مذاہب کی غلطیوں کو ظاہر کیا۔ اور اسلام کی صداقت کو زبردست دلائل سے ثابت کیا اور دنیا میں اشاعتِ اسلام کا بیڑا اُٹھایا۔ اور قوم کو اس طرف متوجہ کیا، تو مجدد ہونے کے لئے اور کون سی بات بکار تھی۔ یہی وہ باتیں ہیں جو آپ کی مجددیت کو ثابت کرتی ہیں۔ تذبذب وہاں رہنا چاہئے جہاں دلائل دونوں طرف یکساں نظر آئیں۔ آپ اگر غور فرمائیں گے تو معلوم ہو گا کہ جہاں حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مجددیت پر زبردست

دلائل حقہ موجود ہیں، اس کے بالمقابل جو خلش پیدا ہوتی ہے وہ محض چند وساوس ہیں کہ فلاں یہ اعتراض کرتا ہے فلاں وہ، یا یہ کہ عام لوگ مخالف ہیں۔ سلسلہ چشتیہ کی مریدی بھی جب آپ اختیار کر سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ مسلمان، جسے اللہ تعالیٰ نے اس وقت اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے قائم کیا ہے، اس کی مریدی کو اختیار نہ کریں۔ آپ دعا سے بھی کام لیں کہ اللہ تعالیٰ حقیقت کو آپ پر منکشف فرمائے۔ والسلام

☆

میدان ارتداد میں آریوں سے مباحثہ

اخویم ڈاکٹر محمد موتی خان صاحب ایٹہن ضلع علی گڑھ سے تحریر فرماتے ہیں کہ 19 جون کو موضع ایٹہن میں آریوں نے بڑے زور سے جلسہ کیا تھا۔ تا کہ اس علاقہ کے مسلمانوں پر ارتداد کا جال پھیلایا جائے۔ جماعت رضائے مصطفائی وریاست مینڈو کے علماء موجود تھے۔ جن کی تعداد 35 تھی۔ مولوی احسان الحق صاحب سیکرٹری انجمن رضائے مصطفائی بریلی بطور صدر اور مولوی قطب الدین صاحب بطور مناظر منتخب کئے گئے۔ آریوں کی طرف سے پنڈت مراری لال شرما صدر منتخب ہوئے۔ ایک گھنٹہ تو صدر صاحبان نے اس بات میں ضائع کر دیا کہ وید پر اعتراض کئے جائیں گے اور قرآن پر اعتراض نہ کئے جائیں۔ آخر شور بڑھتے دیکھ کر ہمارے مبلغ مولوی فیروز الدین صاحب سے تقریر کرنے کے لئے کہا گیا۔ اُنہوں نے آریہ صدر سے کہا کہ آپ پہلے وید کی صداقت سنائیے، بعد ازاں اعتراضات دیکھے جائیں گے۔ چنانچہ اس طرح سے امن ہو گیا اور آریوں نے اعتراضات کے لئے وقت دیا جس پر متفقہ طور پر مولوی فیروز الدین صاحب کو منتخب کیا گیا۔ اُنہوں نے نزول وید، ہلمان وید اور تعداد وید اور اثر وید آریہ مناظر سے ازروئے وید دریافت کیا۔ آریہ مناظر نے کہا کہ آپ تو مسلمانوں کے نزدیک کافر ہیں۔ آپ اسلام کے نمائندے کیسے ہو سکتے ہیں۔ جس پر مولوی صاحب نے کہا کہ کیا یہ میرے اعتراضات کا جواب ہے۔ جب جملہ علماء موجودہ نے مجھے مناظر منتخب کیا ہے تو آپ کا کوئی حق نہیں کہ ایسی بے موقع گفتگو کریں۔ بلکہ اصل اعتراضات کا جواب دیں۔ لیکن آریہ مناظر آخر تک یہی کوشش کرتا رہا کہ مسلمانوں کو فرقہ بازی کا اشتعال دلا کر باہم لڑائے۔ مولوی صاحب نے اپنی پوزیشن صاف کرتے رہنے کے ساتھ ہی اصل مطالبہ دربارہ وید اخیر تک جاری رکھا، جس کا جواب آریہ مناظر سے کچھ نہ بن سکا۔ آخر آریوں نے

اعلان کر دیا کہ اب بھجن کا وقت ہو گیا ہے۔ اس لئے مناظرہ بند۔ پھر کسی وقت گفتگو ہو گی۔ شکر ہے آریوں کو سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور مسلمان شادمان اپنے مقامات کو واپس چلے آئے۔

قرآن کریم سے بابا نانک کی عقیدت مندی

آج سِکھ مسلمانوں کو مسجدیں نہیں بنانے دیتے، مسجدوں میں اذانیں نہیں دینے دیتے۔ قرآن کریم کے نام سے انہیں وحشت ہے اور اسلام سے وہ بیزار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے بابا نانک کی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اُس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے، اور سکھ مذہب کے حقیقی اصولوں کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ اگر وہ بابا نانک کی تعلیمات پر غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ سکھ مذہب دراصل اسلام ہی کا خاکہ ہے اور گرنتھ قرآن ہی کا ایک دھندلا سا نقش ہے۔ بابا نانک اسلام کے پیرو تھے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، نماز پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، حتٰی کہ فریضہ حج بھی اُنہوں نے ادا کیا۔ واراں بھائی گورداس جی صفحہ 12 میں مذکور ہے:

بابا پھر مکے گیا نیلے بستر دھاری بن والی
عصا ہتھ ، کتاب کچھ، کوزہ بانگ مصلے دھاری
بیٹھا جائے مسیت وچ جتھے حاجی حج گذاری

اس کا مطلب یہ ہے کہ بابا نانک نیلے کپڑے پہن کر ولی بن کر، ایک ہاتھ میں عصا، بغل میں کتاب (قرآن) دوسرے ہاتھ میں کوزہ لئے ہوئے مکے پہنچے۔ وہاں اذان دی، مسجد میں نماز گذاری اور فریضہ حج ادا کیا۔ گرنتھ صاحب میں لکھا ہے "پنجو وقت نماز گذاریں پڑھو کتیب قرآن" یعنی پانچ وقت کی نماز باقاعدہ ادا کرو، اور کتاب قرآن مجید پڑھو ایک اور جگہ مذکور ہے: "کل پروان کتیب قرآن، پوتھی پنڈت رہے پران" مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں صرف قرآن ہی سے نجات مل سکتی ہے اور پوتھیوں اور پرانوں وغیرہ کا زمانہ گذر چکا ہے۔ باوا صاحب نے تلاش حق کی خاطر دور دور کا سفر اختیار کیا۔ ہر مذہب کے عالموں سے ملے، ان سے گفتگو کی، تمام مذاہب کی مذہبی کتب کا مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ قرآن تمام مذہبی صحائف میں بہترین کتاب ہے۔ ارشاد

ہوتا ہے۔

ترپئے کوٹاں بھالیاں ترپئے سووے بھید　　توریت زبورانجیل ترے پڑھ سن ڈٹھے وید

رہیاں فرقان کتاب کل یگ میں پروان　　مطلب دوہاں نہ پایا کیا ہندو مسلمان

مطلب یہ ہے کہ چاروں طرف پھر کر دیکھا، توریت، زبور، انجیل وید سب کا غور سے مطالعہ کیا، مگر صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب نکلی، جس سے انسان رشد و ہدایت حاصل کرسکتا ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے بھی اس کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اور وہ اس پر غور کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کتب مذہبی کے اس موازنہ کے بعد اُنہوں نے جو رائے قائم کی یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ ہر جگہ لوگوں کو یہ نصیحت کرتے پھرتے تھے، (دیکھو جنم ساکھی کلاں صفحہ 222)

تیہے حرف قرآن تے تیہے سیپارے کین　　تس وچ پند نصیحتاں سُن کر کرو یقین

ظاہر ہے کہ اگر آپ کو خود قرآن پر یقین نہ ہوتا، اور اس کی تعلیمات پر کاربند نہ ہوتے، تو وہ کیونکر دوسروں کو اس سے نصیحت پکڑنے کا مشورہ دے سکتے تھے۔ بابا نانکؒ نہ صرف قرآن ہی پر ایمان رکھتے تھے۔ بلکہ حدیث شریف کو بھی مانتے، اور اس پر عمل کرتے تھے۔ جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ 49 میں مرقوم ہے۔

کھاون قسم قرآن دی کارن دی سرام　　آتش اندر سڑ سن آکھے نبی کلام

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو حدیث پر بھی عبور تھا اور قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ حدیث شریف کا مطالعہ رہتا تھا اور اس کو مانتے بھی تھے۔ ورنہ نبی ﷺ کے کلام کو بطور سند پیش نہ کرتے۔ ہم اپنے سکھ بھائیوں سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ سکھ مذہب کے محترم بانی کی اصلی تعلیم کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور اس کتاب اور اس مذہب پر ایمان لے آئیں جس پر خود بابا نانک کا ایمان تھا۔

(ماخوذ از مسلم راجپوت)

☆

ڈاک حضرت امیر

ایک دوست نے اپنے دوسرے دوست کی شکایت حضرت امیر کی خدمت میں لکھی کہ وہ ان سے کج خلقی سے پیش آتا ہے۔حضرت امیر نے دفتر میں تحریر فرمایا کہ آپ اس کو سمجھائیں کہ اس طرح سے اپنے معاونین سے سلوک کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ان سے ملیں، میں نے انہیں (شکایت کنندہ) کو خط لکھ دیا ہے۔

ایک دوست نے حضرت امیر سے ایک رشتہ کے بارہ میں دریافت فرمایا۔اس پر آپ نے تحریر فرمایا کہ میں اس رشتہ کو بہت مبارک خیال کرتا ہوں، لیکن رشتہ کے معاملہ میں میرا اصول رہا ہے کہ طرفین اپنا اطمینان ضرور کرلیں۔آخر زندگی کا معاملہ ہے۔

اخویم مالم صاحب سنگاپور کے خط کے بارے میں گذشتہ اخبار میں ذکر ہو چکا ہے۔حضرت امیر نے ان کے خط درخواست بیعت پر حسب ذیل خط اپنے دست مبارک سے انگریزی میں روانہ فرمایا ہے۔

میرے پیارے بھائی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں آپ کو اس قیمتی امداد کے لئے، جو آپ نے ہمارے بھائی حافظ محمد حسن صاحب کو ان کے تھوڑے سے قیام سنگاپور کے دوران میں دی تھی، شکریہ کا خط لکھنے کا خیال کررہا تھا۔لیکن وہاں حالات اس قدر جلد تغیر پذیر ہوگئے کہ حافظ صاحب کو واپس آنا پڑا۔لیکن میرے دل میں اس بات کا ذرہ بھی شبہ نہیں کہ اس ناگوار واقعہ میں سے اللہ تعالیٰ ضرور بہتری کے سامان پیدا کردے گا۔ظاہری حالات میں ہمارا رسوخ وہاں سے بالکل ناپید ہوگیا ہے، لیکن کون جانتا ہے کہ ان لوگوں میں سے، کتنے کل ہمارے دوست اور مددگار بن جائیں گے، جنہوں نے ہماری مخالفت کی تھی۔قرآن شریف اس بارہ میں بڑی تسلی دیتا ہے: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (7:60) یہ صرف ایک گذر جانے والی بات ہے۔ہم اسلام کے خادم ہیں اور اس کی عالیشان عمارت بنانے کے لئے جدوجہد کررہے ہیں۔گو آج جہالت لوگوں کو اس سے دور رہنے پر آمادہ کرے، لیکن کل کو تمام پردے اُٹھ جائیں گے اور مسلمان دیکھ لیں گے کہ جو کام ہم کررہے تھے، اس کی امداد ضروری تھی نہ اس کی مخالفت۔تاہم مخالفانہ حالات کے ماتحت بھی ہم اپنا فرض ادا

کرتے جائیں گے۔اور کیوں ہمیں شکایت یا افسوس کرنا چاہئے؟ پہلوں کی مخالفت کی موجودگی میں کام کرنا ایک سرور پیدا کرتا ہے جو کسی دوسری صورت میں پیدا ہونا دشوار ہے۔صرف سخت مخالفت کے درمیان ہی کام کرنے سے ایک شخص کو محسوس ہوسکتا ہے کہ کیا وہ فی الواقع کام کی محبت کے لئے خدمت کر رہا ہے یا شہرت ونمود کے لئے۔ لیکن ہمارا پختہ ایمان ہے کہ جو لوگ ہمارے بعد آ کر ہماری طرح کام کریں گے، وہ یقیناً فتح حاصل کر لیں گے۔ آپ کا ہمارے ساتھ شامل ہونا باعث خوشنودی ہوا۔لیکن آپ کے معزز عزیز کی وفات کی خبر نے ہمیں بہت رنج دیا۔اللہ تعالیٰ اسے اپنے جوارِ رحمت میں داخل کرے۔آپ کی ہمشیرہ صاحبہ اوران کے خاوند کا ایک ہی سال میں وفات پا جانا فی الواقع آپ کے لئے بڑے صدمے کا موجب ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں ثابت قدم رکھے اور صبر عطا فرمائے۔اُمید ہے کہ سنگاپور واپس جا کر اشاعتِ اسلام کے لئے بہت کوشش کریں گے اور اپنی تمام طاقت سے اس کی کامیابی کے لئے جدو جہد کریں گے۔

والسلام

محمد علی

چندہ کی آمد وخرچ

ایک دوست نے حضرت امیر کی خدمت میں لکھا ہے کہ وہ اپنے طور پر اشاعتِ اسلام کا کام کر رہے ہیں۔چندہ بھی وہ خود ہی جمع کریں اور خرچ کرنے کے بھی وہ خود ہی مجاز ہوں گے، ابتدائی اخراجات کے لئے انجمن با قاعدہ مدد دیا کرے۔لائف سیکرٹری وہ خود ہوں گے اور کسی کو ان کے علیحدہ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔اس کے جواب میں حضرت امیر نے تحریر فرمایا:

''یہ تو آپ کو علم ہے کہ یہ انجمن لوگوں سے جو کچھ روپیہ لیتی ہے، اس فہمید پر لیتی ہے کہ وہ روپیہ اپنی نگرانی میں اوراپنے طور پر تبلیغ کے لئے خرچ کرے گی۔اس لئے جس رقم کی امداد آپ چاہتے ہیں، انجمن اپنے قواعد کی رو سے نہیں دے سکتی۔اگر تو یہ کوئی شخصی کام ہوتا تو ایک شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مال کو ایک جگہ صرف کرے یا دوسری جگہ۔لیکن قومی

روپیہ صرف اسی طرح خرچ ہوسکتا ہے جو انجمن کے بائی لاز میں درج ہیں۔

ووکنگ مشن کے متعلق آپ کو غلط فہمی ہے۔اس کا روپیہ انجمن کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے۔ انجمن کے قواعد کے مطابق بل پاس ہوکر روپیہ ملتا ہے۔اس کے ملازمین کو انجمن جب چاہے الگ کرسکتی ہے۔آپ چونکہ اس صورت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، اس لئے مالی طور پر انجمن کا آپ کی امداد میں حصہ لینا مشکل ہے۔اخلاقی طور پر جہاں تک ہم سے ہو سکے گا ہم اس کام کے معاون ہوں گے۔''

30 جولائی 1924ء

قسط اول

نسلِ انسانی کا ہبوط

کیا انسان گنہگار پیدا ہوتا ہے یا بے گناہ، اسلام اور دیگر مذاہب

از قلم حضرت امیر مولٰینا محمد علی صاحب ایم۔اے

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَاتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ۔(30:30)

ترجمہ: اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر قائم رہو، جس پر اس نے لوگوں کو اصل حالت میں پید اکیا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی حالت کو کوئی بدل نہیں سکتا، یہ مضبوط دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اسلام کے عظیم الشان پیغاموں میں سے ایک پیغام انسان کی پیدائشی معصومیت کو قائم کرنا تھا۔ مگر جب وہ پیغام سنایا جو آیت مندرجہ عنوان میں صفائی سے موجود ہے کہ خدا نے تمام انسانوں کو ایک صحیح حالت پر پیدا کیا ہے اور اسی پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہیئے، تو اس کے آخر پر یہ لفظ بھی بڑھائے کہ اکثر لوگ اس اصول کو نہیں جانتے۔ جس قدر عظیم الشان حقیقت کا اظہار پہلے حصہ آیت میں کیا ہے۔ جس کی تفسیر میں حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فطرت اسلام ہے۔ اور پھر فرمایا کہ ہر ایک انسان کا بچہ اسی فطرت کی حالت پر یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں۔ اسی قدر بڑی حقیقت کا اظہار آخری الفاظ میں فرمایا کہ دنیا کے اکثر لوگ اس بات سے بے خبر ہیں۔ یعنی وہ انسان کی پیدائشی معصومیت کو نہیں مانتے۔

اصولِ مذاہب عالم پر آج ہم غور کرتے ہیں تو الفاظِ قرآن کی عظمت کے سامنے سر جھک جاتا ہے۔ عرب کے اُمیؐ کو کون بتا سکتا تھا کہ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب اس بارہ میں غلطی پر ہیں۔ ہاں یہ اس خدا کے لفظ تھے جو ظاہر و غائب کو جانتا ہے۔ اسلام کو چھوڑ کر تناسخ اور کفارہ کے ماننے والے مذاہب عالم میں اکثریت کا حکم رکھتے ہیں۔ اور یہ دونوں مانتے ہیں کہ انسان گنہگار پیدا ہوتا ہے۔ بُدھ مذہب اور ہندو مذہب کے نزدیک پیدا ہونا ہی گنہگاری کی وجہ سے ہے۔ عیسائی مذہب نے آدم کو گنہگار ٹھہرا کر اس گناہ کو بطور ورثہ ساری نسل انسانی میں داخل کر دیا۔ اور یوں یہ تینوں مذہب، جو دنیا کی دو تہائی آبادی کے مذہب ہیں، انسان کو پیدائش سے گنہگار ٹھہراتے ہیں۔ اس کے خلاف اسلام کا پیغام یہ ہے کہ ہر انسان کا بچہ صحیح اسلامی حالت پر، جو بے گناہی کی حالت ہے، پیدا ہوتا ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (30:30)

عیسائیت نے اس اصول کو کہ انسان کا ہر بچہ گنہگار وارث جہنم پیدا ہوتا ہے، اپنے اصول میں داخل کر لیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ ٹھہرایا، ان کی صلیب کی موت اور ملعون ہونے کو اساس دین ٹھہرایا۔ کیوں؟ تا کہ وہ اس فرضی پیدائشی گناہ کا کفارہ ہو جائے۔ ہاں! اور دوسرے گناہوں کا بھی، جواب اسی کا نتیجہ ہیں، اور اپنے عقائد کی کتابوں کو ایسے الفاظ سے مزین کیا ہے کہ ہم پیدائش سے غضب کے فرزند، شیطان کے غلام اور ہر قسم کے دنیوی و اخروی عذاب کے مستحق ہیں۔ ایسے الفاظ پر ایک انسان کانپ اُٹھتا ہے کہ وہ خدا، جو رحم اور محبت ہے، وہ انسان کو پیدائش میں ہی شیطان کا غلام اور عذاب کا مستحق اور غضب کا فرزند ٹھہراتا ہے کہاں قرآن کی پاک تعلیم کہ سب انسانوں کو رحم کے لئے پیدا کیا اور کہاں عیسائیت کا یہ خطرناک گھناؤنا عقیدہ کہ سب انسانوں کو غضب کے لئے پیدا کیا کہاں انسان کا وہ مرتبہ جو قرآن نے بتایا کہ فرشتے بھی اس کے فرمانبردار ہیں اور کہاں یہ خطرناک ذلیل حالت کہ وہ شیطان کا غلام ہے!

کیا اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کبھی غالب آسکتی ہے، انسان کی فطرت موجودہ کے ہوتے ہوئے؟ کبھی نہیں۔ ہاں! انسان کی فطرت مسخ ہو جائے، تو شاید اس کا دل و دماغ کبھی اس خیال کو بھی قبول کر لے کہ جو انسان کا بچہ پیدا ہوتا ہے وہ خدا کے غضب کے نیچے پیدا ہوتا اور شیطان کا غلام پیدا ہوتا ہے۔ اور جو بچہ بغیر بپتسمہ پائے مرتا ہے وہ سیدھا جہنم میں جاتا ہے۔ مگر قرآن ہی ہمیں یہ تسلی دیتا ہے کہ یہ فطرت کبھی مسخ نہیں ہو سکتی

لَاتَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ (30:30)۔اس لئے ظاہر ہے کہ اس مقابلہ میں، جواس وقت مذہب کے لئے دنیا میں ہورہا ہے، آخری کامیابی اسی اصول کے لئے ہوسکتی ہے، جسے فطرت قبول کرتی ہے۔ جسے عقل انسانی دھوکا نہیں دیتی کہ انسان ازروئے پیدائش معصوم ہے۔

جب عیسائی صاحبان سے سوال کیا جاتا ہے کہ یہ انسان کو ورثہ میں گناہ ملنے کی اوراس کی فطرت کے گنہگار ہونے کی تعلیم کس کتاب میں ہے؟ کس نبی نے دی؟ تو ہمیں کوئی حوالہ نہ توریت یا پرانے عہدنامہ کا دیا جاتا ہے، نہ انجیل کا۔ ہاں! پولوس کے خطوط کا ایک حوالہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ بات تو صاف ہے کہ اگر آدم کا گناہ نسل انسانی میں سرایت کر گیا تھا، اور سب انسان گنہگار پیدا ہوئے تھے، تو جہاں بائبل میں آدم کا ذکر ہے، یعنی کتاب پیدائش کے شروع میں، وہیں یہ ذکر ہونا چاہئے تھا کہ آدم گنہگار ہوا اوراس کے ساتھ ہی ہر انسان کا بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ بھی گنہگار ہوگا۔ اگر وہاں چوک ہوگئی تھی، تو حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے عظیم الشان شارع اس اصول کو زندہ کرتے، اور بتادیتے کہ ہر ایک انسان کا بچہ گنہگار پیدا ہوتا ہے۔ اور کفارہ پر ایمان لانے سے پہلے مرجائے، تو سیدھا جہنم میں جاتا ہے۔ مگر وہاں بھی اس تعلیم کا نام و نشان تک نہیں۔ بالآخر ہماری نظریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اُٹھتی ہیں کہ اگران کے زمانہ تک یہ اصول بائبل قائم نہ کرسکی تھی، تو اب جو ''ابن اللہ'' خود اسی موروثی گناہ کا علاج کرنے آئے تھے، تو اُنہوں نے ضرور اس بات کو صاف کیا ہوگا۔ لیکن چاروں انجیلوں میں حضرت مسیحؑ کی زبان سے ایک حرف تک نہیں نکلتا کہ موروثی گناہ بھی دنیا میں کوئی بلا ہے اور آدم کے گناہ سے ساری نسل انسانی گنہگار ہوچکی ہے۔

عقلی رنگ میں دیکھا جائے تو یہ بات ایسی بیہودہ نظر آتی ہے کہ ایک لمحہ کے لئے کسی صحیح عقل انسانی میں نہیں آسکتی۔ کیا آدم بے گناہ پیدا ہوا یا گنہگار؟ اگر بے گناہ پیدا ہوا تھا تو جو قانون اس پر حاوی ہے وہی اس کی نسل پر حاوی ہونا چاہئے۔ یعنی ہر ایک ابن آدم بھی آدم کی طرح بے گناہ پیدا ہوا اور بعد میں شیطان کے بہکانے سے وہ گناہ کرے یا نہ کرے، یہ امر دیگر ہے۔ اوراگر آدم کو خدا نے گنہگار پیدا کیا تھا تو پھر یہ شیطان کے بہکانے کا قصہ فضول ہے۔ جب خدا نے شروع سے ہی انسان کو گنہگار پیدا کیا تھا تو پھر آزمائش کیسی؟ پھر اس سے یہ توقع رکھنا ہی غلط تھا کہ وہ شیطان کے بہکانے میں نہ آئے۔ وہ اپنی فطرت کے تقاضا کے مطابق گناہ کرے گا۔ اور آج بھی اگر

نسل انسانی سب گنہگار پیدا ہوتی ہے، تو اس سے بے گناہ رہنے کا مطالبہ غلط ہے۔ دیکھنے کا مطالبہ اسی سے کیا جاسکتا ہے جو ماں کے پیٹ سے آنکھیں لے کر آتا ہے۔ جو اندھا پیدا ہوتا ہے، اس سے دیکھنے کا مطالبہ کوئی احمق ہی کرے گا۔ پس جو پیدائش سے گنہگار ہے، اس سے بے گناہ رہنے کا مطالبہ خلافِ قانون قدرت ہے۔

عیسائی صاحبان کو جب پولوس کے بنائے ہوئے اصول کی کوئی شہادت اپنی مقدس کتب میں نہیں ملتی، تو قرآن شریف کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور چونکہ مذہبی اُمور میں غور وفکر کی عادت نہیں، اس لئے ایک بات کو لے دوڑتے ہیں کہ دیکھو قرآن شریف اس بات کو مانتا ہے۔ حالانکہ سوال تو یہ ہے کہ تم اپنے انبیاء کی تعلیم میں دکھاؤ کہ کسی نبی نے یہ تعلیم دی ہو کہ انسان موروثی گنہگار ہے اور آدم کا گناہ ساری نسل انسانی میں سرایت کر گیا۔ مگر اصل مطالبہ سے عاجز آ کر تنکوں کا سہارا تلاش کرتے ہیں کہیں قرآن شریف میں ہبوط نسل انسانی کا ذکر دیکھ لیا، بس فوراً لے بھاگے کہ دیکھو قرآن شریف آدم کے گناہ کا نسل انسانی کے ورثہ میں پایا جانا مانتا ہے۔ حالانکہ قرآن شریف نے بائبل کی بھی اصلاح کی ہے اور آدم کا گناہ بھی نہیں مانا، چہ جائیکہ اس گناہ کے نسل انسانی میں سرایت کر جانے کو مانتا ہے۔ (جاری بہ اشاعت 30 ذی الحجہ 1342ھ)

☆☆☆

ایک اور کافر

کہتے ہیں کہ احمد آباد کے ایک جلسہ میں مولانا محمد علی جوہر نے اپنی ٹوپی مہاتما گاندھی کے قدموں میں رکھی۔ پھر دوزانو ہو کر دست بدست ان کے پاؤں میں جھک گئے۔ دہلی کے معاصر ''ایشیا'' کو معلوم ہو کہ اس پر بعض اسلامی حلقوں میں شور برپا ہوا ہے کہ چونکہ مولٰینا محمد علی نے مہاتما گاندھی کے سامنے سجدہ کیا ہے، لہٰذا وہ کافر ہیں۔ اور معاصر مذکور اہل اسلام سے درخواست کرتا ہے کہ ایسے کافر کو بے شک ہندوقوم کے سپرد کر دیا کریں، جہاں ان کے لئے پناہ کا کافی موقع ہے۔

ہم مولانا محمد علی جوہر کو مبارک باد دیتے ہیں کہ بالآخر انہیں اس عظیم الشان فہرست میں جگہ مل ہی گئی ہے، جس میں ہر ایک سچے خادم ملک وملت کا نام درج ہوتا رہا ہے۔ مولانا کے خلوص وایثار میں تو ہمیں پہلے بھی

کوئی شک وشبہ نہیں تھا، مگر اب تو ان پر وہ مہر تصدیق بھی ثبت ہوگئی، جو ہر ایک بہی خواہ قوم پر بالالتزام لگا کرتی ہے۔ خدا کرے ہم میں ایسے کافر کثیر تعداد میں پیدا ہوں، اور معاصر ''دہلی'' کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم تجویز کریں گے کہ اگر ہندوؤں کو ہماری حقیقی ہمدردی منظور ہو تو ایسے کافروں کی جگہ وہ ان کافر ساز مولویوں کے لئے اپنے ہاں کوئی جائے پناہ کی صورت پیدا کریں۔ پھر ہم بھی کہہ سکیں گے کہ خس کم جہاں پاک!

3 اگست 1924ء

میاں محمود احمد صاحب کا سفر یورپ

حضرت امیر ایدہ اللہ کے قلم سے

مجھ سے بعض اُن احباب نے، جن کا تعلق میاں صاحب سے مریدی کا ہے، اس مضمون کے متعلق سوال کیا ہے جو میاں صاحب کے سفر یورپ کے متعلق چند دن ہوئے پیغام صلح میں نکلا ہے۔ اور یہ دریافت فرمایا ہے کہ کیا میں اس مضمون سے اتفاق رکھتا ہوں۔

قبل اس کے کہ میں اس بات کا جواب دوں، میں اس ضرورت کو محسوس کرتا ہوں کہ ہم دونوں گروہوں کی، جو مجدد صدی کے دامن سے وابستہ ہیں، زیادہ تر توجہ اپنے اصل کام اشاعتِ اسلام کی طرف ہونی چاہئے او رجہاں تک ممکن ہو اندرونی جھگڑوں کو کم کیا جائے۔ گو میں جانتا ہوں کہ میاں صاحب کے اخبار الفضل میں مجھے اور میرے بعض احباب کو بُرا کہا جاتا اور دشمن سلسلہ قرار دیا جاتا ہے۔ اور جناب میاں صاحب نے بھی ان گالی دینے والوں کی پیٹھ ہی ٹھونکی تھی۔ اور ہمارے احباب کا ذکر جو ان کے جلسہ سالانہ پر پیغام مصالحت لے کر گئے تھے، اپنے ایک لیکچر میں ان الفاظ میں کیا تھا کہ پیغامی یہ پیغام لے کر آئے ہیں، مگر ان سے ہوشیار رہو کہ بعض وقت شیطان بھی فرشتہ کے لباس میں آ جایا کرتا ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود میں اپنے احباب کو وہی کہوں گا، جو ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ ہمارے لئے یہ موزوں نہیں کہ ہم ان باتوں کا بدلہ لیں، اور سخت کلامی کا جواب سختی سے دیں۔ اصل بات یہ ہے کہ میاں صاحب کی اصل غرض یہی ہے کہ ان کے مرید ہم سے میل جول نہ رکھیں اور باہمی نفرت رہے۔ اور یہ وہی ہتھیار ہے جو مخالف مولویوں نے حضرت مسیح موعود کے خلاف استعمال کیا تھا۔ مگر اہل حق کا شیوہ یہ نہ ہونا چاہئے۔ ہمیں سخت کلامی سن کر بھی وہی طریق اختیار کرنا چاہئے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ہمیں ہدایت کی ہے: **اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ** (34:41) اگر سختی کے مقابلہ میں نرمی اختیار کی جائے تو یہ بہت بہتر ہے۔ اور ہم تو تمام کلمہ گوؤں کو ایک مسلک میں

منسلک دیکھنا چاہتے ہیں، اس لئے بھی نرمی کا پہلو ہمیں اختیار کرنا چاہئے۔

دوسری طرف یہ دقت ہے کہ میاں صاحب نے چونکہ اپنی جماعت میں پیری مریدی کا خطرناک رنگ پیدا کر دیا ہے، اس لئے محض اظہار واقعات کو بھی بعض وقت میاں صاحب کے مریدین میاں صاحب کی ہتک سمجھ کر ہم پر یہ الزام دھرتے ہیں کہ تم میاں صاحب کو بُرا کہتے ہو۔آج قادیان کا رنگ بدلا ہوا ہے کہاں وہ زمانہ تھا کہ حضرت مسیح موعود کے سامنے بڑی جرأت سے ہر قسم کا اعتراض پیش کر دیا جاتا تھا اور حضرت مولوی نورالدین صاحب کے ساتھ ان کے درس کے سننے والے بڑی بڑی سختی سے بھی بحث کر لیا کرتے تھے۔اور کہاں یہ زمانہ کہ میاں صاحب مجلس میں بیٹھیں، تو سب لوگ پیری مریدی کے حلقہ کی طرح حلقہ قائم کر کے خاموش رہیں۔ میں سمجھتا ہوں اظہارِ واقعات، گو اعتراض کے رنگ میں بھی ہو، قوم کے لئے ایک برکت اور رحمت ہے۔ میاں صاحب کے بہت سے مریدین Mental Slavery (ذہنی غلامی) کی اس حد تک پہنچ گئے ہیں، جو اسلام کی اصل روح کے خلاف ہے۔اور مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ مجدد زمانہ کی جماعت کے ایک حصہ میں یہ رنگ پیدا ہو گیا، جوان کی علمی ترقی کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔آزادی رائے اور ایمانی جرأت وہ جوہر ہے جو تعلیم اسلامی کی گویا بنیاد ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ ادب بھی ایک ضرورت ہے لیکن ادب کو اس حد تک پہنچانا کہ آدمی اپنی رائے بھی ظاہر نہ کر سکے، افراط ہے۔اور انسان وہی صحیح راہ پر ہے، جو افراط وتفریط کو چھوڑ کر اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے۔اس لئے میں خود نہ کسی دوسرے سے، جو مجھ سے تعلق رکھتا ہے، اس بات کو بُرا مناتا ہوں کہ وہ میری کسی غلطی کو دیکھ کر اس کی اطلاع مجھے دے، اور نہ ہی اس بات کو بُرا سمجھتا ہوں۔ بلکہ اسے ضروری خیال کرتا ہوں کہ جب کسی قومی قسم کے کام کو نقصان پہنچ رہا ہو، تو اس وقت اظہار واقعات کر کے قوم کو اطلاع دے دی جائے۔

میاں صاحب کے سفر یورپ کے متعلق سب سے پہلے، جب میں ڈلہوزی آ رہا تھا، میرے ایک عزیز دوست نے پٹھان کوٹ میں سوال کیا تھا۔ اور میں نے انہیں یہ جواب دیا تھا کہ میں دنیا میں چلنے پھرنے کو میاں صاحب کے لئے مفید سمجھتا ہوں۔مختلف قسم کے لوگوں سے مل کر انسان کے دل میں ایک وسعت پیدا ہوتی ہے۔اور گھر میں بیٹھ کر، جب چاروں طرف ہاں میں ہاں ملانے والے ہی اردگرد ہوں، تنگ دلی بڑھتی چلی جاتی

ہے، میں نے انہیں اس وقت کہا تھا کہ جب میاں صاحب حج کو گئے تھے تو واپسی پر ان کے خیالات میں تبدیلی بھی دیکھی گئی تھی، جو افسوس ہے بہت تھوڑے دن رہی۔ واپسی پر اُنہوں نے اپنی ایک تقریر میں مسئلہ کفر و اسلام میں وہی پہلو اختیار کیا تھا جو ہم کہتے ہیں، یعنی یہ کہ جو لوگ حضرت مجدد کو کافر کہتے ہیں وہ کفر بطور تعزیر اُلٹ کر ان پر پڑتا ہے۔ پس میرا خیال شروع میں یہی تھا کہ اگر میاں صاحب سفر کریں، تو ان کے لئے سفر وسعت قلب اور برداشت کا مادہ پیدا کرنے میں مفید ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے اس دوست سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جو کچھ میں سنتا ہوں اگر وہ صحیح ہے کہ میاں صاحب اپنے ساتھ دس بارہ آدمی لے جا رہے ہیں، تو یہ محض اسراف ہے اور قوم کا روپیہ برباد کرنا ہے اور یہ بہت ناپسندیدہ امر ہے۔

مانا کہ قوم میاں صاحب کے کہنے پر ہر قسم کی قربانی کرنے کو تیار ہے۔ مگر میاں صاحب کو اس کا ناجائز فائدہ نہیں اُٹھانا چاہئے۔ قوم کا روپیہ بڑی سخت احتیاط سے خرچ ہونا چاہئے۔ یہ ایک امانت ہے جس کے ایک ایک پیسہ کے اسراف کے لئے بھی وہ لوگ عنداللہ جوابدہ ہیں۔ میری رائے اب بھی وہی ہے کہ میاں صاحب کا سیر و سیاحت کرنا مذموم فعل نہیں۔ اور اگر وہ صرف اشاعتِ اسلام کے لئے ہی ہے اور کوئی غرض درمیان میں نہیں، جس کا علم اللہ ہی کو ہے، اور ہم حُسنِ ظن سے کام لینے کے لئے تیار ہیں، تو یہ ایک اچھا کام ہے۔ لیکن اس سفر میں جو اسراف کا طریق اختیار کیا گیا وہ بہت بُرا ہے۔ بارہ پندرہ آدمی اتنے لمبے سفر میں ساتھ لینا یہ ایک مذہبی پیشوا کے لئے موزوں نہ تھا۔ ہاں! کوئی نواب صاحب سیاحت کے لئے نکلیں، تو وہ اس قسم کی نمائش بیشک کریں۔ ہمیں نکتہ چینی کا کوئی حق نہیں۔ لیکن اشاعتِ اسلام کی غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بہت ہی معیوب امر ہے کہ قوم کے چالیس پچاس ہزار روپے پر یونہی پانی پھیر دیا جائے۔ اس سے بہت بہتر تھا کہ میاں صاحب اپنا اور ایک ساتھی کا خرچ قوم سے لیتے۔ اب کیا یہ امر میاں صاحب کی قوم کے لئے موجب مسرت ہوسکتا ہے کہ میاں صاحب نے اپنی ذات کا خرچ قوم پر ڈالا۔ جب تیس چالیس ہزار کی رقم اس عسرت کے زمانہ میں، جب اشاعت کے لئے ایک ایک پیسہ ایک خزانہ ہے، محض ایک خیال کے ماتحت برباد کر دی گئی کہ اس جاہ و جلال کو دکھانے سے لوگوں پر اثر پڑے گا!

جہاں تک میں دیکھتا ہوں میاں صاحب کے ساتھی بھی انہی خیالات سے متاثر ہیں۔ کیا یہ اسراف نہیں

کہ سفر سے پہلے ہر ایک جماعت کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ سب اسٹیشن پر آئیں اور ایک فوٹو گرافر ساتھ لائیں، تاکہ ان سب کا اور میاں صاحب کا فوٹو ہر سٹیشن پر لیا جائے اور پھر کہا جائے کہ یہ فوٹو سفرنامہ میں شائع ہوں گے۔ گویا کہ میاں صاحب بیت المقدس کو فتح کر کے قبضہ لینے جا رہے ہیں۔ اس لئے اس فاتح کی تصویر ہر اسٹیشن پر اُترنی چاہیئے۔ خدا کے لئے غور کرو کہ کام کیا ہے، اشاعتِ اسلام کے لئے وسائل سوچنا اور مشورہ کرنے جانا! کس سے مشورہ کرنے؟ یہ نہ میاں صاحب کو علم ہے نہ ان کے ساتھیوں کو۔ اور ہو کیا رہا ہے کہ پندرہ بیس اسٹیشن، جہاں گاڑی سات سات منٹ کے لئے ٹھہرے، وہاں میاں صاحب کا فوٹو لے لیا جائے۔ میں کہتا ہوں اگر کبھی کسی مصروف نواب نے کوئی اسراف کیا ہو، تو اس کی مثال شاید اس کی زندگی میں بھی نہ ملے۔ پھر کس قدر خرچ ہوگا کہ یہ سارے فوٹو ایک کتاب میں شائع ہوں گے۔ قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ کے لئے تو روپیہ نہیں، مگر یہ بیسیوں فوٹو شائع کرنے کے لئے روپیہ بھی آجائے گا! پھر قوم اس کتاب کو خریدے گی۔ میاں صاحب کے مریدین خدا کے لئے غور کریں کہ کیا یہ خطرناک اسراف نہیں؟ پھر اسی طرح تاروں کے کالموں کے کالم الفضل میں شائع ہوتے ہیں۔ وہ کون سے اہم اُمور تھے جن کے لئے تاروں کی ضرورت تھی۔ کیا بمبئی سے خط دو دن میں نہیں آجاتا کہ ایک دن میں کوئی اہم مورچہ چھن جاتا! جس کے لئے اتنے لمبے تاروں کی ضرورت تھی۔ یہ ساری باتیں بتاتی ہیں کہ میاں صاحب اور ان کے مریدین کا قدم کس طرف جا رہا ہے۔ مجھے ضرورت نہ تھی کہ اس مضمون پر قلم اُٹھاتا۔ میاں صاحب جانیں، اور ان کے مرید۔ بعض احباب کے دریافت کرنے پر لکھ دیا ہے۔ اس خطرناک اسراف کے لئے میں کوئی جواز نہیں دیکھتا۔

3 اگست 1924ء

قسط دوم

نسلِ انسانی کا ہبوط

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡکُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ (27:7)

ترجمہ: اے آدم کے فرزند! تمہیں شیطان دکھ میں نہ ڈالے، جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا۔

بروئے قرآن کریم حضرت آدمؑ بے گناہ پیدا ہوئے۔ جس طرح ہر انسان کا بچہ بے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ شیطان نے انہیں ورغلایا اور ان سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی سرزد ہوئی۔ گو اُنہوں نے گناہ نہیں کیا۔ کیونکہ گناہ کے لئے ارادہ ضروری ہے۔ اور قرآن کریم حضرت آدم کے متعلق صاف الفاظ میں شہادت دیتا ہے: فَنَسِیَ (115:20) وہ بھول گئے۔ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا (115:20) ہم نے اس میں ارادہ نہیں پایا۔ پھر ایک جگہ ان کی اس نافرمانی کو ذلت سے تعبیر کیا۔ اور ذلت وہ ہے جو بغیر قصد اور ارادہ کے سرزد ہو جائے فَاَزَلَّهُمَا الشَّیۡطٰنُ عَنۡهَا (36:2)

ہاں! نسیان سے بھی نافرمانی ہو جائے تو بعض حالات میں اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ حضرت آدم کے لئے وہ سزا کیا تھی فَاَخۡرَجَهُمَا مِمَّا کَانَا فِیۡهِ (36:2) جس جنت میں آدم و حوا تھے اس سے ان کو نکلوا دیا۔ بلکہ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے آدم کو متنبہ کر دیا تھا هٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوۡجِکَ فَلَا یُخۡرِجَنَّکُمَا مِنَ الۡجَنَّۃِ فَتَشۡقٰی (117:20) یہ تیرا اور تیرے ساتھی کا دشمن ہے۔ سو تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے گا۔ پھر سارے انسانوں کو خطاب کر کے بتایا لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡکُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ (27:7) تمہیں شیطان دکھ میں نہ ڈال دے۔ جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا دیا۔ پس حضرت آدم کی لغزش کی سزا صرف

ایک ہی تھی۔یعنی جنت سے نکالا جانا۔البتہ اس کو سَوْاٰتُ، سَوْاٰتُهُمَا(121:20) کا ظاہر ہونا بھی کہہ دیا ہے۔یعنی ان کے عیب ان پر ظاہر ہوگئے۔اور ایک جگہ غَوٰی یعنی ناکامی سے بھی تعبیر کیا ہے فرمایا وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی (121:20)

اب دو ہی صورتیں ہوسکتی تھیں۔ایک یہ کہ آدم گنہگار پیدا ہوتا تو اس کی نسل بھی گنہگار پیدا ہوتی۔مگر یہ نہیں ہوا۔آدم اور اس کے فرزند سب بے گناہ پیدا ہوتے ہیں۔دوسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ آدم سے گناہ سرزد ہوتا اور اس کے کسی نتیجہ میں نسل انسانی کو بھی شریک ہونا پڑتا۔گو اس کا یہ نتیجہ قطعاً غلط ہے کہ اس صورت میں نسل انسانی کو بھی گنہگار سمجھ لیا جائے۔لیکن قرآن شریف نے اول تو آدم سے گناہ کا سرزد ہونا تسلیم نہیں کیا۔اسے لغزش یا ذلت کہا ہے،نسیان کا نتیجہ بتایا ہے۔پھر جو کچھ اس لغزش کا نتیجہ تھا اس میں نسل انسانی کو قطعاً شریک نہیں کیا۔اور یہ وہ حقیقت قرآنی ہے جس سے عیسائی صاحبان نے بے خبر ہونے کی وجہ سے یہ خیال کرلیا ہے کہ قرآن آدم کی ذلت کے نتائج میں نسل انسانی کو شریک ٹھہراتا ہے۔

آدم کے عصیان کا نتیجہ، جیسا کہ میں ابھی قرآن شریف سے بتا چکا ہوں،صرف ایک ہی ہے۔یعنی جنت سے نکل جانا۔اس میں نسل انسانی کی شرکت کا ذکر قرآن شریف میں کہیں نہیں۔البتہ ساری نسل انسانی کے لئے قرآن شریف نے حالت ہبوط کو ضرور بیان کیا ہے۔مگر ان دونوں میں بہت فرق ہے۔قرآن شریف نے خود ہبوط اور اخراج از جنت کو الگ الگ اُمور کے طور پر بیان کیا ہے۔چنانچہ پہلے سورہ البقرہ میں فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ (36:2) کے بعد بڑھایا ہے: وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (36:2) اگر یہ دونوں ایک ہی ہوتے تو اخراج از جنت کو بیان کرنے کے بعد ہبوط کا ذکر تحصیل حاصل تھا۔مگر اس سے آگے چل کر اور بھی صاف کردیا ہے: فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ(37:2) آدم نے اپنے رب سے کلمات سیکھے،اور اللہ نے اس پر رجوع برحمت کیا۔پھر بھی اس کے بعد فرمایا: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا(38:2) یعنی ہبوط کا حکم پھر بھی سب پر وارد کیا ہے۔آدم پر رجوع برحمت کے بعد نسل انسانی کے ہبوط کا ذکر صاف بتاتا ہے کہ ہبوط قطعاً سزا کے رنگ میں نہیں، نہ آدم کے عصیان کا نتیجہ ہے۔بلکہ یہ کوئی اور کیفیت ہے،ایسا ہی سورہ الاعراف میں حضرت آدم کی توبہ کے بعد ہبوط کا ذکر ہے۔اور سورہ طٰہٰ میں اس کو نہایت ہی صاف کیا ہے: وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی. ثُمَّ اجْتَبٰهُ

رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (20:121-122) فرما کر اس کے بعد ہبوط کا ذکر کیا ہے۔یعنی پہلے عصیان ہے پھر اس کی سزا۔ پھر سزا کے بعد آدم کی برگزیدگی اور اس پر رجوع برحمت فرمانا اور اسے سیدھے رستہ پر چلانا۔ اور سب کے بعد پھر نسل انسانی کے ہبوط کا حکم ہے :قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا (20:123) پس یہ یقینی اور قطعی امر ہے کہ حالت ہبوط آدم کے عصیان کی سزا نہیں ،عصیان کی حالت ایک عارضی حالت تھی ،اس پر سزا وارد ہوئی اور اس کے بعد معافی بھی دے دی گئی ، رجوع برحمت بھی ہو گیا ،تب نسل انسانی کے ہبوط کا حکم سنایا جاتا ہے۔

حضرت آدم کی سزا تو صرف اخراج از جنت ہے۔اور نہ صرف قرآن کریم نسل انسانی کی شرکت کا اس میں ذکر نہیں کرتا بلکہ اس کی نص صریح سے ثابت ہے کہ نسل انسانی اس جنت سے ،جس میں اسے پیدائش کے وقت رکھا جاتا ہے ،نہیں نکلی ۔جیسا کہ آیت مندرجہ عنوان سے ثابت ہے ،اے آدم کے فرزندو! تمہیں شیطان دُکھ میں نہ ڈالے ،جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا۔یعنی تمہارے ماں باپ جنت سے نکل کر دُکھ میں پڑے۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی شیطان کے بہکانے سے جنت سے نکل کر دُکھ میں پڑو۔ اب اگر نسل انسانی جنت سے نکل چکی ہوئی تھی تو یہ ارشاد بے معنی ٹھہرتا ہے ۔ یہ آیت فیصلہ کُن ہے کہ نسل انسانی جنت سے نہیں نکلی ، گو نسل انسانی پر حکم ہبوط وارد ہے۔ان کھلے نتائج کے بعد اس امر کے سمجھنے میں کچھ دُشواری باقی نہیں رہتی کہ حالت ہبوط کو گنہگاری سے کوئی تعلق نہیں ۔قرآن کریم کی نص صریح پہلے حصہ مضمون میں نقل ہو چکی ہے کہ ہر انسان کا بچہ بے گناہ پیدا ہوتا ہے ، بلکہ آدم کے عصیان کے نتیجہ سے بھی اسے کوئی تعلق نہیں ۔ یہ دونوں باتیں بین طور پر ثابت ہو چکی ہیں ۔

پھر یہ حالت ہبوط کیا ہے؟ اس کے لئے آدم کے سارے قصے پر غور کرنا چاہئے ۔آدم بے گناہ پیدا ہوتا ہے ،اس لئے فطرتاً وہ بے گناہ ہے ۔لیکن اس کے بعد شیطان سے اس کو مقابلہ پیش آتا ہے ۔ یہ شیطان سے معاملہ انسان کی ترقی کے لئے ضروری ہے ۔ اگر ضروری نہ ہوتا ،تو آدم کے قصہ میں اس کے ذکر کو نہ لایا جاتا ۔ اور ویسے بھی یہ امر ظاہر ہے ۔اس لئے کہ شیطان سفلی خواہشات کا مظہر ہے ۔اور انسان کی اس زمین پر زندگی کے لئے ادنیٰ خواہشات کا ، جو اس کے جسم سے تعلق رکھتی ہیں ،اس کے اندر آنا ضروری ہے ۔ ہاں ترقی کے زینہ پر اس کا قدم اس حد تک پڑتا ہے جس حد تک وہ ان سفلی خواہشات پر غالب آتا جاتا ہے ۔ بالفاظ دیگر شیطان کے ساتھ اس کا مقابلہ اس زمینی زندگی میں ضروری ہے ۔ اگر وہ اس مقابلہ میں گر جاتا ہے یا پھسل جاتا ہے ،تو یہ اس کی ناکامی

ہے۔ اگر وہ مقابلہ میں غالب آجاتا ہے، تو یہ اس کا قدم ترقی کی طرف ہے۔

اب دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ اس مقابلہ میں شیطان کبھی بھی غالب نہ آتا۔ اور دوسری یہ کہ کبھی وہ غالب بھی آجاتا۔ تیسری صورت کہ وہ ہمیشہ غالب آتا، یہ قطعاً ناممکن ہے۔ آدم کے قصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس مقابلہ میں شیطان کبھی غالب بھی آجاتا ہے۔ گویا دوسری صورت قائم ہوئی۔ فطرتاً انسان بے گناہ تو پیدا ہوا، مگر فطرتاً اس میں یہ کمزوری ضرور ہے کہ وہ شیطان کے مقابلہ میں کبھی مغلوب بھی ہو جائے۔ اور یہی اس کی ترقی کا سارا راز ہے۔ اگر فطرتاً وہ ایسا بنایا جاتا کہ خدا کے قانون کو کبھی توڑ ہی نہ سکتا تو اس کی حالت وہی ہوتی جو سورج چاند ستاروں وغیرہ کی ہے کہ وہ اپنے مقرر کردہ قانون سے ایک بال برابر بھی ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ مگر پھر انسان کو ان چیزوں پر کوئی فوقیت بھی نہ ہوتی، اور وہ بھی ان چیزوں کی مثل ہوتا۔ انسان کی ترقی کے لئے یہ ضروری ہوا کہ اسے ایک مقابلہ کی حالت میں رکھا جائے۔ اور چونکہ مقابلہ میں خطرہ لامحالہ موجود ہے، اس لئے اسے حالت ہبوط قرار دیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ نسل انسانی کے ہبوط کا ذکر آدم کے پھسل جانے کے بعد آتا ہے۔ گویا اس خطرہ سے اسے واقعی طور پر متنبہ کر دیا ہے، مگر خطرہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ واقعی انسان پھسل بھی گیا۔ ہر انسان، جو پیدا ہوگا، اس خطرہ میں ہوگا کہ شیطان کے مقابلے میں پھسل جائے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر انسان جو پیدا ہوگا وہ پھسل بھی چکا ہے یا ضرور پھسل جائے گا۔ نسل انسانی کے لئے ہدایت کے لانے والے اور اس ہدایت کی پیروی کرنے والے اس خطرہ سے نکل جاتے ہیں، مگر مقابلہ کے بعد۔ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (2:38) یہ آدم کے قصہ کے آخر پر ہے۔ یعنی جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا، ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوف تو یہ نہیں کہ اب شیطان ان کو پھسلا سکے۔ اور حزن اس لئے نہیں کہ اُنہوں نے اپنے وقت کو ضائع نہیں کیا، بلکہ شیطان پر فتح پا لینے کے بعد اسے اچھے کاموں پر لگایا۔

پس شیطان سے مقابلہ کی حالت، حالتِ ہبوط ہے اور اس حالت سے ساری نسل انسانی گزرتی ہے اور اسی پر اس کی ساری ترقیوں کا دارومدار ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کو بتا دیا کہ تم سب کو شیطان کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اور مقابلہ کر کے اسے اپنا فرمانبردار بنانا ہوگا۔ اس مقابلہ کے بعد جس جنت میں داخل ہونا ہے وہی اصلی جنت ہے، جو انسان کی زندگی کی غرض و غایت ہے۔ اس کی پہلی جنت حالت

بے گناہی پر پیدا ہونا ہے۔مگر اس بے گناہی پر قائم رہنے کے لئے مقابلہ ضروری ہے۔تب اس بے گناہی کی جنت میں انسان ترقی کرسکتا ہے۔اگر انسان پیدائش سے گنہگار ہوتا،تو بے گناہی پر اس کا قائم ہونا ناممکن تھا۔کیونکہ جو فطرتاً گنہگار ہے،وہ اپنی فطرت کے خلاف کس طرح چلے؟اور اگر انسان پیدائش میں تو بے گناہ ہوتا ہے،لیکن اس کے لئے کوئی مقابلہ اور کوئی خطرات نہ ہوتے،تو جس طرح دنیا کی اور چیزیں فطرتاً قانون کی فرمانبردار ہیں،وہ بھی فرمانبردار تو رہتا،یعنی اس فطری بے گناہی پر قائم رہتا،لیکن اسے ان اشیاء پر کوئی فوقیت حاصل نہ ہوتی۔نہ اس کے لئے ترقی کا میدان ہوتا۔اس لئے انسان کے لئے حالت ہبوط ضروری ہوئی کہ وہ بعد مقابلہ فطری بے گناہی کی حالت پر قائم ہوکر ترقی کر سکے۔یہ وہ صاف اور اعلیٰ اصول ہے،جسے قرآن شریف نے بیان کیا ہے۔اگر عیسائی صاحبان ذرا غور سے کام لیں،تو وہ اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔لیکن مذہب کے دائرہ میں عقل کو بے دخل کر دینے والی قوم اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتی!

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ایک عام غلط فہمی ہے،جو بعض لوگوں کے دلوں میں ہے کہ آدم پہلے کہیں آسمان پر تھے اور وہاں سے گر کر زمین پر آئے،اور ساتھ ہی نسل انسانی بھی زمین پر آ گئی۔اور یوں گویا آدم کے عصیان کے نتیجہ میں ان کی اولاد بھی شریک ہوگئی۔قرآن شریف میں جہاں آدم کے خلق کا ذکر ہے،وہاں صاف لفظ ہیں:اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً(30:2) میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔لامحالہ وہ جنت بھی اسی زمین پر ہے۔اور گو یہ مضمون علیحدہ تفصیل چاہتا ہے لیکن اس قدر یہاں بتا دینا ضروری ہے کہ حالت بے گناہی پر پیدا ہونا ہی وہ جنت ہے۔اِس لئے یہ جنت ایسی ہے کہ اس سے نکلنے کا خطرہ بھی لگا ہوا ہے۔لیکن اس جنت سے ترقی کر کے انسان دوسری جنت کو حاصل کرتا ہے تو اس سے پھر کبھی نہیں نکلتا۔

☆☆☆

بمبئی مالکان ملز کی فیاضی

بمبئی کے مشہور و معروف مالکان ملز سر فضل بھائی کریم بھائی نے دس لاکھ کی ایک گراں قدر رقم مسلمانانِ بمبئی پریذیڈینسی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے وقف کر دی۔یہ رقم ساڑھے تین فیصد شرح سود والی ہنڈیوں کی

شکل میں بمبئی یونیورسٹی کے حوالے کردی گئی۔اس سے ملک یا دیگر ممالک غیر میں اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف دیئے جائیں گے۔ وظائف کا عطا کرنا یونیورسٹی کا کام ہوگا۔معطی اور معطی کے بعد اس کے خاندان کے سب سے بڑی عمر والے سے مشورہ لیا جائے گا۔رقومات، جو بطور وظائف دی جاویں گی، قرض حسنہ تصور ہوں گی۔اور جب ایسے طلباء کی مستقل صورت معاش پیدا ہو، تو وہ واپس کر کے اسی راس المال میں جمع ہوتی رہیں گی۔ یونیورسٹی عنقریب اس معاملے کے ہر ایک پہلو پر غور کرنے والی ہے۔

خاندان فضل بھائی مستحق مبارکباد ہے کہ اس نے اپنے خداداد مال و دولت کا ایک ایسا عمدہ مصرف تجویز کیا۔ بدقسمتی سے متمول مسلمان اپنے اموال کو ہر ناجائز طریق میں ضائع کرنے کے لئے تو تیار ہوتے ہیں، لیکن اگر کہیں ان کی مٹھی نہایت سختی سے بندش اختیار کرتی ہے، تو وہ کسی کار خیر کے موقع پر ہوتا ہے۔ ہندوستان میں بڑے بڑے کروڑ پتی مسلمان تجار ہیں، بڑے بڑے اوقاف ہیں، بڑی بڑی گدیاں ہیں جن سے کروڑ ہا روپیہ کی آمد ہوتی ہے۔اگر سر فضل بھائی کی اس قابل فخر مثال کی تقلید میں ان اموال کو اس قسم کے مفید قومی کاموں میں لگایا جائے، تو نہایت مبارک بات ہوگی۔

☆

شیخ صاحب مرحوم کی یاد

جب کبھی ایثار مال کا ایسا نمونہ وقوع پذیر ہو تو لازماً ہماری جماعت احمدیہ میں اس واجب التعظیم بزرگ شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم مالک انگلش ویئر ہاؤس لاہور کی یاد کو تازہ کرتا رہے گا، جو اپنی جائیداد غیر منقولہ کا ایک معتد بہ حصہ انجمن کے اشاعتِ اسلام کی غرض کے لئے وصیت کر گئے ہیں۔ اس کا منافع مستقل طور پر تبلیغ و اشاعت پر صرف ہوتا رہے گا۔اور اس طرح شیخ صاحب کے نام اور شیخ صاحب کی مثال کو ہمارے قلوب میں تازہ رکھے گا اور خود ان کی روح کے لئے موجب راحت و مسرت بنتا رہے گا۔

☆

جماعت احمدیہ کے مالکان ملز

ہماری احمدیہ جماعت میں بھی خدا کے فضل سے متقی اور دیندار مل اونرز ہیں۔جو آئے دن اشاعتِ اسلام کے اعلیٰ ترین مقصد کے لئے اپنے اموال بے دریغ خرچ کرتے رہتے ہیں۔اُمید ہے سر فضل بھائی کی فیاضی ان کے لئے بھی بیش از پیش قربانیوں کی محرک ہوگی۔فضل بھائی نے جس غرض کے لئے ایثار دکھایا ہے، وہ بذات خود نہایت بلند ہے،لیکن اشاعتِ اسلام کا مقصد تعلیم سے بھی بلند تر ہے۔اگر ہمارے صاحب حیثیت دوست اسی طریق پر دنیا کے مختلف مقامات میں اسلامی مشن قائم کریں۔یعنی یوں کہ ایک موٹی رقم، جس کا منافع اخراجات مشن کے لئے مکتفی ہو سکے،بطور راس المال جمع کرا دیں تو ہمیشہ کے لئے ایک صدقہ جاریہ کا ثواب حاصل کرتے رہیں گے۔ ہماری جماعت کے احباب ایمان رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے دین کی حفاظت و اشاعت پر جو مال خرچ ہو، وہ ہرگز ہرگز ضائع نہیں جاتا۔ پیسہ پیسہ ہمارے لئے خدا کے ہاں بے شمار برکات کا موجب بنتا ہے۔

☆

دین کو دنیا پر مقدم کرنے والی جماعت

دین کو دنیا پر مقدم کر دکھانا خدا کی قائم کردہ احمدی جماعت کا ایک امتیازی نشان ہے۔خدا کے راستے میں کوئی جاں فروشی نہیں جو اسے بارِ خاطر ہو۔اس پاک جماعت کے پاک افراد دین کے لئے کسی قربانی کو بڑا نہیں سمجھتے۔ہمیں اُمید ہے ہمارے احباب شیخ رحمت اللہ مرحوم کی مثال کو زندہ رکھتے ہوئے دنیا کو اپنی زندگی کا تازہ ثبوت دیں گے۔

☆

غیر احمدی کی امامت

سری نگر میں جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے جو نماز ایک غیر احمدی میر واعظ کے پیچھے پڑھی ہے،اُس کے متعلق لاہور سے جناب بابو محمد رمضان خاں صاحب نے حضرت امیر کی خدمت میں ایک استفساری چٹھی لکھی،جس کا جواب حضرت امیر نے حسب ذیل دیا ہے:

آپ کا خط پہنچا جس میں ذکر ہے کہ خواجہ صاحب نے سری نگر میں غیراز جماعت امام کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ میں نے بھی اخبار میں دیکھا تھا اور مجھے خواجہ صاحب اور دوسرے احباب پر بھی حسن ظن ہے کہ اُنہوں نے اس بات کا اطمینان کرلیا ہوگا کہ جو صاحب امامت کرانے والے ہیں وہ حضرت مسیح موعود سے حسن ظن رکھتے ہیں اور آپ کی تکفیر سے بیزار ہیں۔ حضرت صاحب نے اپنے آخری ایام میں اپنی قلم سے یہ لکھا ہے کہ اگر ایسے شخص ہوں جو مکفرین سے بیزاری کا اعلان کریں تو اُن کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب کے بھی کئی فتوے اس قسم کے ہیں۔ اور ایک خط میں صاف لفظ ہیں کہ اگر کوئی شخص حضرت امام سے حسن ظن سچے دل سے رکھتا ہو گو احمدی نہ ہو، تو نماز اُس کے پیچھے پڑھ لی جائے۔ میں خود اس بات کو بصراحت اپنی کتابوں میں لکھ چکا ہوں۔ اس سے زیادہ وضاحت کی ضرورت ہو تو آپ خواجہ صاحب کو خط لکھ کر دریافت کرلیں۔ اگر یہ معلوم ہو کہ اُنہوں نے کسی مکفر یا مکذب کے پیچھے نماز پڑھی ہے، تو اُس سے مجھے ہرگز اتفاق نہیں۔

والسلام۔

☆

مولوی عبدالحق صاحب ودیارتھی کپڑونج علاقہ گجرات سے لکھتے ہیں کہ:

میں لاہور سے رخصت ہو کر 5 اگست کو احمد آباد پہنچا۔ اس کے بعد 7 تاریخ کو احمد آباد سے کپڑونج (ایک اسٹیشن ہے کہ جو اصل مقام مقصود کا قریبی اسٹیشن ہے) پہنچ گیا۔ مولوی صاحبان کی رائے سے اب آگے بڑھ رہا ہوں۔ حالات کچھ زیادہ اُمید افزا نہیں کہے جاسکتے۔ اصل قضیہ برادری کی بعض مشکلات ہیں۔ تحقیق مذہب سے اُن کو کوئی واسطہ نہیں۔ اُن کے تعلقات جن مسلمان راجواڑوں کے ساتھ ہیں وہ اُن کی لڑکیاں تو لے لیتے ہیں مگر اُن کو دیتے نہیں۔ کیونکہ ملکانوں کی طرح یہ گنگا جمنی مسلمان ہیں۔ اُن کی قوم کا نام مکوان ہے۔ ریاست بڑودہ کے آریوں اور دوسرے ہندو راجاؤں کا بھی اس میں ضرور ہاتھ ہے۔ ابھی تک اُن کی شدھی وغیرہ کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی یا ہمیں معلوم نہیں ہوئی۔ اس وقت مناظرہ وغیرہ کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ سب احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ اس مجاہد کی کامیابی کے لئے دعا فرمائیں۔

☆

ایک اور سوال کا جواب

''ہبوط نسل انسانی'' مندرجہ پیغام صلح 3 اگست کے متعلق ایک بھائی محمد الدین صاحب خانقاہ ڈوگراں (ضلع شیخو پورہ) سے حضرت امیر کی خدمت میں ایک سوال بھیجتے ہیں کہ'' حضرت آدمؑ سے چوک ہوئی جو دانستہ نہیں ہوئی۔ اگر دانستہ ہوئی ہے تو سزا ملنا واجب تھی، جو مل گئی۔ لیکن اگر دانستہ نہیں ہوئی تو سزا کیوں ملی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا اور عقل رکھتا ہے۔ ایک عقل مند ہستی سے توقع نہیں ہوسکتی کہ ایک ایسے شخص کو سزا دی جائے جو بھول سے کوئی قصور کر بیٹھے اور جان بوجھ کر نہ کرے۔ حضرت امیر کا جواب افادۂ عام کے لئے ہدیہ ناظرین ہے۔

☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا خط پہنچا۔ خلاف ورزی حکم الٰہی پر، خواہ وہ نسیان سے ہی ہو، مواخذہ ہوتا ہے۔ بعض اُمور ایسے ہیں کہ اُن کا ارتکاب خواہ نسیان سے ہو۔ مگر سزا ضروری ہو جاتی ہے۔ ایک شخص اگر بھول کر زہر کھالے تو اس کا اثر بھی ہوگا۔ بھول کر آگ میں ہاتھ ڈال دے تو پھر بھی جل جائے گا۔ یہ کوئی اس قسم کا حکم تھا کہ اس کی خلاف ورزی، خواہ کسی طور سے ہو، مشکلات میں ڈالنے کا موجب ہے۔ ہاں! اگر عہد اور ارادہ سے گناہ کیا جائے تو اُس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی یا اُس سے دوری بھی واقع ہوتی ہے۔ چونکہ یہ نسیان کا رنگ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سزا کو بھی ایک انعام کے رنگ میں بدل دیا۔ یعنی جنت سے نکلے تو ایک بہتر جنت کے حصول کے لئے سامان مل گیا۔ قرآن کریم میں جو دعا سکھائی گئی ہے: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا (286:2) اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات نسیان پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے۔ اس لئے دعا سکھائی کہ اللہ تعالیٰ مؤاخذہ سے بچائے۔ البتہ یہ تفہیم کہ کس قسم کی نافرمانیوں پر، اگر وہ نسیان سے بھی ہوں، مؤاخذہ ہوتا ہے یا کس پر نہیں ہوتا، انسان کی طاقت میں نہیں۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

والسلام

24 اگست 1924ء

قسط اوّل

یورپ کا خلافِ اسلام پروپیگنڈا

حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب ایدہ اللہ کی قلم سے

مشنری تحریک

یورپ کا خلاف اسلام پروپیگنڈا دو قسم پر ہے۔ایک وہ جس کا اکثر لوگوں کو علم ہے۔ یعنی مشنری تحریک۔ یہ علی الاعلان اسلام کے خلاف ہے۔تمام اسلامی ممالک کے اندر اس کا جال پھیلا ہوا ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں کتابیں اور ہزاروں کی تعداد میں آدمی نکلتے ہیں اور اسلام کو علی الاعلان بُرا کہتے ہیں ۔مسلمانوں کو عیسائی بنانا اور آہستہ آہستہ اسلام کا نام دنیا سے مٹانا، یہ اس کی کھلی کھلی غرض ہے۔ ہسپتالوں ،سکولوں اور کالجوں کے قائم کرنے کی بھی یہی غرض ہے۔گو بظاہر یہ رفاہِ عامہ کے کام ہیں،مگر عیسائی مشنری ان کو بھی تبلیغ مذہب کا آلہ بنا رہے ہیں۔ان ہسپتالوں کے ذریعہ سے بعض اوقات ناواقف عورتیں،سکولوں اور کالجوں کے ذریعہ سے حاجت مند یا ناواقف طلباء ان کا شکار ہو جاتے ہیں۔مگر عیسائی مشنری تحریک کا اثر زیادہ تر ان اسلامی ممالک میں ہے، جہاں مسلمانوں میں تعلیم کی کمی ہے۔تعلیم کی کمی کی وجہ سے عموماً وہ اپنے مذہب سے بے خبر ہیں۔ اور جو کچھ پادری صاحبان اسلام کے متعلق غلط بیانیاں کرتے ہیں،اُن پر اثر کر جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ایسے ممالک میں، جیسے جاوا اور جزائر اور ٹرینیڈاڈ و فلپائن وغیرہ اسلام کو پادری صاحبان کے ہاتھ سے بہت نقصان پہنچا ہے۔بعض مقامات پر ہزارہا فرزندان اسلام خدائے واحد کی عبادت کو چھوڑ کر پرستارانِ صلیب ہو چکے ہیں۔ اِن ممالک میں تھوڑی سی بیداری پیدا کر دینا اور اسلام کی صحیح تعلیم سے اُن کو آگاہ کر دینا کافی ہے۔

مذہب کو سیاست کا غلام بنایا گیا ہے

یورپ میں سیاست اور مذہب ایک دوسرے کی اعانت کے لئے ہیں۔کبھی سیاسی خیالات کے اظہار کے نیچے مذہبی خیالات کی اشاعت ہوتی ہے اور کبھی مذہب کے نام کے نیچے سیاسی اغراض پوری ہوتی ہیں۔سیاسی خیالات کا آج مہذب ممالک میں اس قدر غلبہ ہے کہ اگر غور کیا جائے تو مذہب کو بھی سیاسیات کا غلام بنالیا گیا ہے۔اور خالص مذہبی کام میں بھی سیاسی غرض مدنظر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ مشنری تحریک بھی بہت کچھ سیاسی اغراض کے لئے ہے۔ ہر ایک پادری کو خدا کی بادشاہت کی اس قدر فکر نہیں ہوتی، جس قدر اپنی قوم کی بادشاہت کی فکر ہوتی ہے۔ جرمن پادری جرمنی کی ملکی اغراض کے معاون ہیں۔تو انگریز پادری انگریزی ملکی اغراض کو پورا کررہے اور فرانسیسی پادری فرانسیسی اغراض کو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مذہب کی تبلیغ کرنے کے باوجود ایک دوسرے سے بدظن بھی رہتے ہیں۔اور خود جو کچھ کرتے ہیں جانتے ہیں کہ دوسرے بھی وہی کررہے ہیں۔مشرقی افریقہ کے پادری شانے نہایت صفائی سے یہ بات کہہ دی ہے کہ ایشیاء اور افریقہ کے لوگوں کو پولیٹیکل حقوق میں یورپ کے ساتھ مساوات کا نام نہ لینا چاہئے، جب تک کہ وہ مسیحؑ کی غلامی اختیار نہیں کرتے۔تو گویا جہاں بظاہر صرف تبلیغ مذہب ہے، اُس کی غرض بھی ملکی اغراض کو پورا کرنا ہے۔

یورپ کی سیاست میں مذہب کا رنگ

اس کے بالمقابل اگر یورپ کی سیاسی چالوں کو دیکھا جائے تو اس کے نیچے بھی مذہبی اغراض پوشیدہ ہیں۔اِن سب چالوں میں اسلام کی قوت کو توڑنا مدنظر ہے۔تاکہ اسلام کمزور ہو اور عیسائیت غالب آئے۔ایک طرف اگر اسلام کی ملکی شوکت کے جاتے رہنے پر پادریوں نے خوشی منائی ہے اور یہ اُمید ظاہر کی ہے کہ اب مسلمان ملکی طور پر مغلوب ہو کر عیسائیت کے اثر کے نیچے آ کر عیسائی ہو جائیں گے،تو دوسری طرف انگلستان، جسے کبھی کبھی فریب خوردہ مسلمان بھی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کہہ لیتے ہیں کیونکہ اس میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے، جیسے ملک کے وزراء مسیحیت کے لئے اپنے خیالات کو دبا نہیں سکے۔اگر اسکوئتھ سالونیکا کی فتح پر علی الاعلان خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ بابِ مسیحیت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا،تو جنگ عظیم کے اختتام پر لائیڈ جارج ساری دنیا کو سناتا ہے کہ امن صرف عیسائیت کے پھیلنے سے قائم ہوسکتا ہے۔گویا یورپ کو متنبہ کرتا ہے کہ اپنی اس فتح سے فائدہ اُٹھا کر عیسائیت کی تبلیغ پر زور دیا جائے۔گو بالآخر یہی نظر آتا ہے کہ یہ لوگ بھی مذہب کو

سیاست کا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عیسائیت کی ترویج سے یورپ کا اقتدار قائم ہوتا ہے۔

یورپ کا سیاسی اسلامی لٹریچر

علاوہ وزراء اور مدبرین ملکی کے یورپ کے تاریخ نویس اور مصنف بھی مذہبی یا قومی تاریخوں کے نام کے نیچے سیاسی اغراض کو پورا کر رہے ہیں۔ اور یہی وہ دوسری قسم کا خلاف اسلام پروپیگنڈا ہے جو اس مضمون کا اصل مقصد ہے۔ یورپ میں ایک گروہ مستشرقین کا پیدا ہو گیا ہے۔ جو بعض اوقات تو واقعی تاریخ اسلامی سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں اور بعض اوقات ادھر اُدھر کی چند کتابوں سے کچھ خیالات لے کر ایک نیا نظریہ بنا کر پبلک کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور غرض ان کی اسلام کے خلاف کچھ زہر پھیلانا ہوتا ہے۔ اس قسم کے لٹریچر سے یورپ بھرا پڑا ہے۔ اور ہر سال ہر ملک میں دو تین نئی کتابیں اس قسم کی نکل آتی ہیں، جن کی غرض اسلام کو ایک بدنما رنگ میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ بعض اس میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ بن کر ایک آدھ اچھی بات لکھ دیتے ہیں تو بیسیوں زہر آلود خیالات کو بھی انصاف اور تحقیقات کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہلے اپنے دل میں ایک خیال قائم کر لیتے ہیں اور پھر ادھر اُدھر سے جو کوئی کمزور سے کمزور بات بھی اس خیال کی مؤید مل جاتی ہے، اس کو خوب سجا کر اپنے خیال کی تقویت میں ایک عمارت بنا کر کھڑی کرتے ہیں۔ اس میں ان کی غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ یہ نیا نظریہ پبلک کو اپنی طرف کھینچ لے اور ان کی کتب کی فروخت زیادہ ہو۔ اکثر حصہ اس لٹریچر کا، جو آج یورپ میں اسلام کے متعلق تیار ہو رہا ہے، اسی قسم کا ہے۔ ہاں بعض واقعی نیک نیت بھی ہیں، مگر ان کی تعداد بہت قلیل ہے۔ اور ان کے خیالات کو یورپ کے سیاسی تاریخی طبقے میں دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اصل میں یورپ کا مذہب ہو یا یورپ کی تحقیقات ہو یا یورپ کی تاریخ نویسی ہو، اس سب میں اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو کچھ سیاسی اغراض ہوتی ہیں اور اسلام کے خلاف یورپ کی سب سے بڑی سیاسی غرض صرف اس کو بدنما رنگ میں پیش کرنا ہے۔

مشنری تحریک اور سیاسی لٹریچر کا مقابلہ

اگرچہ یورپ کی مشنری تحریک اسلام کے لئے بظاہر زیادہ خطرناک معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جہاں تک

میں سمجھتا ہوں بالآخر اس سے اس قدر نقصان مسلمانوں کو نہیں پہنچ سکتا، جس قدر نقصان یورپ کے سیاسی لٹریچر سے پہنچ رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مشنری تحریک کی بدولت ہزارہا فرزندانِ اسلام، اسلام سے نکل گئے، مگر اس تحریک سے مسلمانوں کو فائدہ بھی پہنچا ہے۔ کیونکہ جہاں اُنہیں دشمن اُن کے مذہب پر کھلا حملہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، خواہ اُن کی قوت مدافعت کتنی بھی کمزور کیوں نہ ہوگئی ہو، پھر بھی اس مقابلہ میں وہ قوت جوش مارتی ہے۔ اور اگر کچھ دیر تک مقابلہ جاری رکھا جائے تو وہ قوت زور پکڑتی ہے اور بالآخر مخالف قوت کو دبا لینے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اسلام تو اصل میں ایک ایسا مشنری مذہب ہے کہ اس کے برابر دنیا میں کوئی مشنری مذہب نہیں۔ کیونکہ اگرچہ عیسائیت میں نظام تبلیغ اعلیٰ درجہ کا اور زیادہ مکمل ہے اور روپیہ اُن کے پاس بہت ہے، مگر اس کے بالمقابل اسلام نے ہر ایک مسلمان کو اپنے مذہب کا مبلغ بھی بنایا ہے۔ اور قرآن کریم نے صاف طور پر مسلمانوں کو بتا دیا ہے کہ وہی انسان خسران سے بچ سکتا ہے، جو اس حق کو، جو اس نے پالیا ہے، دوسروں کو بھی پہنچائے۔ اور ابتدائی مسلمان ایسے ہی تھے کہ ہر تاجر قوم کا، ہر زمیندار اور ہر پیشہ ور اپنے مذہب کا مبلغ بھی تھا۔ اور اسلام جس قدر آج تک دنیا میں پھیلا ہے، اسی اپنی اندرونی طاقت کی وجہ سے پھیلا ہے۔ ورنہ کوئی تبلیغی نظام اس کے اندر کبھی کسی اعلیٰ پیمانے پر نہیں ہوا۔ پس ایک طرف اگر ہمیں اپنے ان بھائیوں کی وجہ سے، جو غلطی سے اسلام کے پاک اصولِ توحید اور وحدت نسل انسانی کو چھوڑ کر تثلیث کفارہ اور قومی و نسلی امتیازات کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے ہیں، افسوس ہے، تو اس کے ساتھ ہی ہم اس سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ مسلمان، جو اپنے فرض تبلیغ اسلام کو بالکل بھول گئے ہیں، مشنری تحریک نے اُنہیں بیدار کر دیا ہے اور اُن کے اس فرض کا احساس ان کے اندر پیدا کر دیا ہے۔ اس کی ایک اور مثال بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے کہ جو مسلمان طالب علم مشن کالجوں میں پڑھتے ہیں، اُن کے اندر عموماً دوسروں کی نسبت زیادہ اسلامی جوش پایا جاتا ہے۔ اور مجھے یہ یقین ہے کہ جس طرح ہندوستان میں ابتدائی کامیابیوں کے بعد، جو عیسائی مشنریوں کو اسلام کے خلاف حاصل ہوئیں، اسلام سے مسیحیت کی طرف نکلنے والوں کی رَو رک گئی ہے۔ اور اب بہت سے عیسائی خواہ وہ اسلام سے گئے ہوں یا دوسرے مذاہب سے، اسلام کی طرف آ رہے ہیں۔ اسی طرح اس مشنری تحریک سے دوسرے اسلامی ممالک میں بھی آہستہ آہستہ یہی رنگ پیدا ہو جائے گا۔ اور وقت آ جائے گا کہ اسلام سے نکلنے کی بجائے اسلام میں لوگ داخل ہونے لگیں!

لیکن یورپ کا تاریخی سیاسی لٹریچر میرے نزدیک مشنری تحریک سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ایک طرف تو یہ لٹریچر یورپ کے دلوں کو زہر آلود کئے جارہا ہے۔ اور کچھ رَو جو صحیح اسلامی حالات کے معلوم کرنے کے لئے پیدا ہوئی تھی وہ دبتی جارہی ہے۔ اور دوسری طرف ایسے تاریخ نویس مستشرقین کے اثر کے نیچے مسلمان بھی بہت زیادہ ہیں۔ کیونکہ نئی علمی بیداری میں، جو پیدا ہوئی ہے، اُن کی تمام توجہ نئے فلسفہ اور سائنس کی طرف ہے۔ اور شب وروز یورپین مصنفوں کی تحریریں پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اور اپنے مذہب اور اپنی تاریخ سے عموماً یہ لوگ ناواقف ہوتے ہیں۔ اس لئے جب ایک طرف وہ یورپ کی علمی تحقیقات کے اثر کے نیچے ہوتے ہیں تو دوسری طرف یہ بھی خیال کر لیتے ہیں کہ یورپ سے جو کچھ نکلتا ہے، وہ صحیح تحقیقات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور اس بات کو بھلا دیتے ہیں کہ قومی اور مذہبی خیالات کے رنگ نے تاریخ اسلام کے مطالعہ میں ان لوگوں کی آنکھوں پر ایسی رنگ دار عینک لگادی ہے کہ وہ کسی چیز کو اپنی صحیح حالت پر نہیں دیکھ سکتے۔ اور پھر بہت ایسے بھی ہیں کہ وہ اسلام کو بدنما کر کے دکھانا ہی اپنی زندگی کی غرض سمجھتے ہیں۔ اس لحاظ سے یورپ کا سیاسی اسلامی لٹریچر نہ صرف یورپ کے دلوں کو ہی اسلام کے خلاف کرتا جارہا ہے بلکہ خود غیر محسوس طور پر مسلمانوں کے دلوں پر بھی ایک زہریلا اثر پھیلاتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا ازالہ مسلمانوں کا اولین فرض ہے۔ (جاری)

☆☆☆

ویدک روحانیت کا نمونہ

عام آریہ سماجیوں کی روحانیت کی حقیقت تو اسی دن آشکارا ہوگئی تھی، جس دن مہاتما گاندھی جی نے اپنے اخبار جنگ انڈیا میں لکھ دیا تھا کہ آریہ سماجی اپدیشک کو اتنی خوشی کبھی نہیں ہوتی، جتنی دیگر مذاہب پر نکتہ چینی کرتے وقت ہوتی ہے!

مگر آج ہم آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند جی کی روحانیت کا نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ سوامی جی کے نزدیک یہ بات جائز ہے کہ مخالف مناظر پر فتح پانے کے لئے اپنے اصل عقیدہ کو چھپا کر ایک ایسا عقیدہ ظاہر کیا جائے، جس سے فتح حاصل ہوسکتی ہو۔ چنانچہ سوامی جی اپنی مشہور و معروف کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھتے کہ:

''اب اس میں غور کرنا چاہیے کہ اگر جیو (روح) برہم (خدا) کی یک تائی اور دنیا کا جھوٹا ہونا شنکر آچاریہ کا ذاتی اعتقاد تھا، تو وہ عمدہ اعتقاد نہیں اور اگر جینوں کی تردید کے لئے اس اعتقاد کو بطور دلیل اختیار کیا، تو کچھ اچھا ہے۔''

فتح پانے کے لئے عقیدہ تبدیل کرنا جائز تھا تو کیا عجب ہے کہ سوامی جی نے قدیم ہندو مذہب کے خلاف جن عقائد کی تعلیم دی، وہ اسی پالیسی کی بنا پر ہو۔ ایسی تعلیم کے موجود ہوتے ہوئے ایک سناتن دھرمی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ کہہ دے کہ سوامی جی نے جو بت پرستی کی تردید کی ہے اور تعلیم توحید کو ویدوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ رویہ سوامی جی نے محض مسلمانوں پر فتح پانے کے لئے بطور پالیسی کے اختیار کیا تھا۔

☆☆☆

افکار واذکار

الفضل میں بھی نکات عجیبہ نکلتے رہتے ہیں۔ گدی نشینوں کے سامنے ''ایمانی جرأت'' سے بولنے والے کو شیطان اور گدی نشین کو خدا قرار دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے جو علم کلام ہمیں سکھایا تھا اور مولانا نورالدینؒ نے جو معارف قرآن ہمیں بتائے تھے، اس سے تو اب تک ہم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ خدا اور شیطان کا مکالمہ مندرجہ قرآن دوبدو قطعاً نہیں۔ اللہ تعالیٰ جیسی مقدس ومنزہ ہستی کا شیطان سے دوبدو مکالمہ ایک امر محال اور بعید از امکان ہے۔ لہٰذا یہ زبان حال اور استعارہ ومجازہ میں اظہار کیفیت ہے کہ تا ہر ایک نیکی وبدی کے باریک فلسفہ کو سمجھ سکے۔ مگر اب الفضل سے پتہ لگا کہ خدا بھی ایک گدی نشین صاحب تھے اور ابلیس بھی ان کے حلقۂ ارادت میں آ کر بیٹھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کسی امر پر اپنے پیر گدی نشین صاحب کے سامنے ''ایمانی جرأت'' سے بول اُٹھا اور بولا بھی ایسا کہ گدی نشین صاحب کے پاس جس کا کچھ جواب نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ ایک لعنت کا طوق اس کی گردن میں ڈال دیں اور رخصت کر دیں۔ اللہ رے پیر پرستی! کیوں نہ ہو گدی نشین جب خدا ٹھہرا، تو پھر اس کے سامنے بول اُٹھنے والا کیوں نہ شیطان ٹھہرے۔ کیونکہ یہ حق خدا ہی کو پہنچتا ہے کہ اس کے مقابل بولنے والا مورد لعنت ہوتا ہے۔ آخر اکمل صاحب کے منہ سے حق نکل ہی گیا کہ پیر کو خدا کا منصب دے رکھا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ

رَاجِعُوْنَ۔

اب تک تو یہی علم تھا کہ نبی صاحبِ وحی والہام ہوتا ہے۔ اپنی وحی کا متبع ہوتا ہے، اس لئے اس کی اطاعت فرض ہے۔ اس کے سامنے اعتراض کرنا درست نہیں۔ گوایسا اعتراض کر بیٹھنے والوں کو بھی کسی نے مورد لعنت نہیں ٹھہرایا۔ خود حضرت عمرؓ صلح حدیبیہ کے وقت اعتراض کر بیٹھے تھے۔ اور آنحضرت ﷺ سے ایک بی بی نے تو نکاح کے معاملہ میں صاف پوچھ بھی لیا تھا کہ آپ یہ وحی سے فرماتے ہیں یا آپ کی ذاتی رائے ہے! اگر آپ کی ذاتی رائے ہے تو میں اس کی پابند نہیں۔ آپ نے کوئی ناراضگی نہیں ظاہر فرمائی، بلکہ صاف طور پر فرمایا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ جس عورت نے تقسیم مال پر آپ پر اعتراض کیا تھا، اس نے تو گویا آپ کی دیانت وامانت پر حملہ کر دیا تھا۔ اور اگر آپ اس معاملہ میں اُسے یہ کہہ کر اپنی صفائی نہ کرتے کہ مجھ سے بڑھ کر کون انصاف کرسکتا ہے، تو یہ آپ کی شان نبوت کے منافی ہوتا۔ مگر بایں ہمہ لعنت کا طوق تو آپ نے اس کی گردن میں بھی نہ پہنایا۔ بہرحال نبی کا مطاع ہونا مسلّم ہے، کیونکہ وہ صاحب وحی ورسالت ہوتا ہے۔ مگر اب الفضل نے ہمیں اپنے گدی نشین کی مثال میں نبی کریم ﷺ کو پیش کر کے بتلا دیا ہے کہ نبی بھی بس ایک گدی نشین ہی ہوا کرتا ہے یا اُنہوں نے اپنے گدی نشین کو نبی کا منصب دے رکھا ہے۔ العجب ثم العجب! غرضیکہ جو مثال دی ہے وہ بجائے خود غلو کی ایک صحیح مثال ہے کہیں اپنے گدی نشین کو خدا بناتے ہیں، کہیں اسے نبی کا منصب دے دیتے ہیں۔ اس شخص کی یہ دماغی کیفیت جو دوسروں کو ''کوڑھ مغز'' بتاتا ہو اور اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کا مدعی ہو، کس قدر مقام عبرت ہے!

ملاں بولے شیطان نے آدم کو سجدہ کرنے سے یعنی اس کے آگے سربسجود ہونے سے انکار کیا تھا، آریہ بولے تو وہ بڑا بھاری مؤحد تھا کہ اس نے خدا کے سوا غیر کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ احمدی بولے کہ یہ بات غلط ہے۔ یہاں مؤحد ومشرک کا سوال ہی کوئی نہیں۔ خدا نے کیا مخلوق سے آدم کی عبادت کروانی تھی، جو سجدہ کرنے کا حکم دیتا۔ مطلب تو فرمانبرداری کروانی تھی، جو خلافت الٰہیہ کا تقاضا تھا۔ سجدہ کے معنی ہی لغت میں فرمانبرداری کے ہیں۔ آدم کی فرمانبرداری کا حکم تھا۔ شیطان نے خدا کے حکم کی نافرمانی کی، تکبر کیا، مورد لعنت ہوگیا۔ ہر ایک خدا کا نافرمان متکبر لعنتی ہوا کرتا ہے۔

مگر آج الفضل ہمیں پھر وہی پرانا راگ سناتے ہیں۔ ملاں سچے، آریہ سچے۔ آدم کو سجدہ کرنے کا حکم

تھا۔ شیطان نے کیا انکار کہ میں غیر اللہ کو کیوں سجدہ کروں۔ لہٰذا اس کا اعتراض ''علمی'' اور ''قومی'' تھا۔ خدا کو سوائے اس کے چارہ کیا تھا کہ نکال باہر کرتا۔ جواب تو کچھ بن نہ پڑتا تھا۔ اس مثال سے دو نتائج اخذ کرنا ان کے مقصود خاطر ہیں۔ ایک تو خدا کی طرح گدی نشین پیر کے سامنے بھی اعتراض کرنا، خواہ وہ کیسا ہی علم و عقل پر مبنی ہو اور کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو، یہ اعتراض انسان کو شیطان بنا دیتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ دیکھو! شیطان غیر اللہ کو سجدہ نہ کرنے میں کیسی توحید پر قائم تھا۔ مگر یہ توحید اس کے لئے لعنت کا موجب ہوئی۔ پھر اس طرح توحید کی تذلیل وتضحیک کر کے نہایت حقارت سے شیطان کو موَحد اول کا معزز لقب عنایت فرماتے ہیں۔ اور جو کوئی توحید پر عمل کرے اسے گویا شیطان کا پیرو قرار دیتے ہوئے موَحد ثانی کا خطاب عطا فرماتے ہیں۔ یہ ہیں وہ پھول، جو خلافت محمودیہ کے چمن میں کھلے ہیں۔ اور جسے اکمل صاحب گلدستہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

یہ گدی پرستی کا لازمی نتیجہ تھا کہ توحید سے دشمنی ہو جاتی اور ہوگئی۔ کوئی خدا کا خوف نہ آیا کہ موحدین کے گروہ میں تو تمام انبیاءؑ و اولیاءؒ، صلحا اور مومنین شامل ہیں۔ اس معزز خطاب کو شیطان کے لئے تجویز کر کے پھر اسے موحد اول گویا سب موحدین کا پیشرو قرار دینا کیا یہ خود شیطانی فعل نہیں ہے؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ دنیا میں تمام موحدین کا سرتاج اگر کوئی ہے۔ تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہے، جس کی زبان پر قرآن کریم نے سورۃ الکافرون میں لَآ اَعْبُدُ مَاتَعْبُدُوْنَ. وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآاَعْبُدُ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ (4-2:109) کہہ کر کس زور سے غیر اللہ کے سجدہ سے انکار کیا ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ بھلا شیطان کہاں اور سجدہ سے انکار کہاں! وہ تو تمام مشرک دنیا سے غیر اللہ کو سجدے کرواتا ہے، آپ کیوں انکار کرتا، خدا کا حکم آدم کی فرمانبرداری کا تھا۔ اس نے تکبر کیا، خدا کے حکم کی نافرمانی کی۔ ملعون و مردود ہوگیا۔ توحید و شرک کا یہاں سوال ہی کہاں ہے؟

شیطان کو موحد اول کہنے والا اور اس کے اعتراض کو ''علمی'' اور ''قوی'' بتلانے والا کوئی بڑا ہی شیطان کا وکیل معلوم ہوتا ہے۔ جس نے آریوں اور دہریوں کی خوب کاسہ لیسی کی۔ اُمید ہے شیطان اس وکالت سے بہت خوش ہوا ہوگا۔ اور اپنے اس معزز خطاب پر بہت ہنسا ہوگا۔ عجب نہیں کہ وہ اس کارگزاری سے خوش ہو کر اپنے وکیل کو بھی اس میں سے کچھ حصہ دے دے جو اسے بارگاہ الٰہی سے مل چکا ہے!

☆☆☆

حضرت امیر کی ڈاک سے

بابو فضل احمد صاحب ہیڈ کلرک کیمل کور کوہ مری، جناب میاں صاحب کے مریدین میں سے ہیں۔ اُنہوں نے کتاب تریاق القلوب کے غیر منسوخ ہونے کے متعلق ایک چٹھی حضرت امیر کی خدمت میں لکھی تھی، جس کا جواب حضرت امیر نے دے دیا ہے۔ہم افادۂ عام کی غرض سے اصل خط وکتابت کی نقل شائع کرتے ہیں۔

نقل خط بابو فضل احمد صاحب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہٖ الْکَرِیْمِ

بخدمت جناب مولوی محمد علی صاحب لاہور۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

حضرت مسیح موعود نے حقیقۃ الوحی کے صفحہ 265-266 کے نشان نمبر 118 کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''مجھے الہام ہوا **یسئلونک عن شأنک قل اللّٰہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون** .... پھر بعد اس کے جب ہم کچہری میں گئے، تو فریق ثانی کے وکیل نے مجھ سے یہی سوال کیا کہ کیا آپ کی شان اور آپ کا مرتبہ ایسا ہے جیسا کہ تریاق القلوب کتاب میں لکھا ہے۔میں نے جواب دیا کہ ہاں خدا کے فضل سے یہی مرتبہ ہے۔اسی نے یہ مرتبہ مجھے عطا کیا ہے۔اور اس نشانی کے گواہوں میں حضرت اقدس نے آپ کا نام بھی لکھا ہے۔بنابریں اس کے متعلق میں آپ سے مندرجہ ذیل اُمور دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

1۔کیا فریق مخالف کے وکیل نے تریاق القلوب کے کسی خاص مقام (صفحہ وغیرہ) کے حوالے کے ساتھ یہ سوال کیا تھا یا مطلق طور پر اس کتاب کے مضمون کی طرف بحیثیت مجموعی اشارہ کیا تھا؟

2۔ اگر کسی خاص مقام کتاب مذکور کے متعلق سوال تھا تو کیا یہ حصہ کتاب کا اس وقت پڑھ کر حضور کو اور عدالت کو سنایا گیا تھا یا نہیں؟

3۔ اگر نہیں سنایا گیا تھا تو کیا اس کی نشان دہی کر کے اس کے متعلق سوال کیا گیا تھا یا بغیر نشان دہی کے سوال کیا گیا تھا؟

4۔ اگر اس کتاب کا یا کسی اور کتاب کا نہ کوئی حصہ پڑھ کر سنایا گیا تھا اور نہ اس کی نشان دہی کی گئی تھی، جس سے یقینی طور پر اس حصہ کتاب کی تعیین ہو سکتی ہو، تو کیا اس شان اور مرتبہ کا نام سوال میں آ گیا تھا یا نہیں۔ مثلاً مسیحیت یا مہدویت یا ماموریت یا مجددیت یا خلافت یا نبوت یا رسالت یا محدثیت یا صدیقیت یا ولایت یا بعض انبیاءؑ پر فضیلت یا جزئی فضیلت وغیرہ وغیرہ۔

5۔ اگر اس موقع پر آپ کی یاد کی رو سے تریاق القلوب کے سوا یا اس کے علاوہ کسی اور کتاب کے متعلق مخالف وکیل کا یہ سوال تھا تو وہ کون سی کتاب تھی؟ (بعض احباب کا خیال تحفہ گولڑویہ کے متعلق ہے)

6۔ اگر کتاب مذکور یا کسی دوسری کتاب کی عبارت اس وقت پڑھی گئی تھی، اور اس عبارت کے متعلق سوال کیا گیا تھا، یا کسی عبارت کی نشان دہی کر کے اس کے حوالہ سے حضور کے مرتبہ کے متعلق سوال کیا گیا تھا، تو اس صورت میں اگر وہ حوالہ آپ کو یاد ہو، تو وہ تحریر فرما دیں۔ بہر حال اس بارہ میں جس قدر بھی آپ کی ذاتی واقفیت ہو، اور جو جو حالات آپ کے چشم دید ہوں، ان سے آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

والسلام۔

خاکسار **فضل احمد**۔ احمدی

☆

نقل جواب حضرت امیر

اخویم مکرم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا خط پہنچا۔ میں اس قدر عرصہ کے بعد نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت کیا کیا اُمور پیش آئے تھے۔مگر آپ کی اور آپ کے دوستوں کی یہ کوشش اس مثل کے مطابق ہے کہ ڈوبتا تنکوں کا سہارا تلاش کرتا ہے!

سوال صرف یہ ہے کہ کتاب تریاق القلوب کو حضرت مسیح موعود نے کبھی منسوخ کیا یا نہیں؟ اس کو منسوخ قرار دینے سے قادیانی جماعت حضرت مسیح موعود حکم وعدل کی دو تحریروں کا انکار کررہی ہے۔ایک یہ کہ اس کتاب میں حضرت صاحب نے صاف لکھا ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔اور دوسرا یہ کہ اس کتاب میں حضرت صاحب نے نبوت سے انکار کیا ہے۔

حقیقۃ الوحی میں حضرت صاحب اپنی زندگی کے آخری ایام میں خود یہ لکھ رہے ہیں کہ مجھ سے کتاب تریاق القلوب کا حوالہ دے کر دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کی شان اور آپ کا مرتبہ ایسا ہے جیسا کہ تریاق القلوب کتاب میں لکھا ہے۔آپ اب مجھ پر یہ جرح کررہے ہیں کہ اصل میں یہ کتاب تریاق القلوب نہ تھی بلکہ تحفہ گولڑویہ تھی!

یہ جرح مجھ پر نہیں بلکہ میاں صاحب کی فرطِ محبت میں آپ حضرت مسیح موعود پر کررہے ہیں۔یعنی آپ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں تریاق القلوب غلط لکھا ہے۔ یہ کتاب تحفہ گولڑویہ تھی۔ بفرض محال یوں ہی سہی، لیکن اس تحریر کو غلط ثابت کرکے بھی آپ کو فائدہ کچھ نہیں۔اس لئے کہ اس سے حضرت صاحب کو تحفہ گولڑویہ کی بجائے تریاق القلوب کا نام یاد رہا، تو بھی اس تحریر نے ثابت کردیا کہ حضرت صاحب حقیقۃ الوحی میں یہ فقرہ لکھتے وقت کتاب تریاق القلوب کو منسوخ نہ مانتے تھے۔ہمیں اس سے بحث نہیں کہ عدالت میں یہ ہوا یا وہ۔ بحث یہ ہے کہ حضرت صاحب حقیقۃ الوحی میں تریاق القلوب کو منسوخ نہیں، محکم قرار دیتے ہیں۔ہم نے تو مدتوں قادیانی جماعت سے یہ مطالبہ کیا کہ حضرت صاحب کی کسی تحریر کو منسوخ قرار نہیں دیا جاسکتا، جب تک کہ حضرت صاحب بالصراحت یہ نہ لکھیں کہ فلاں بات، جو میں نے لکھی، میں اسے منسوخ

قرار دیتا ہوں۔ اس لئے تریاق القلوب منسوخ نہیں۔ کیونکہ حضرت صاحب نے خود کہیں نہیں لکھا کہ میں اسے یا اس کے فلاں حصہ کو منسوخ قرار دیتا ہوں۔ علاوہ ازیں حضرت صاحب نے خود آپ کے مزعومہ تبدیلی دعویٰ کی تاریخ کے بعد اس کتاب کو شائع کیا۔ اور اس کے ساتھ کوئی نوٹ نہ لگایا کہ اب یہ منسوخ ہے۔ کیا آپ اس سیدھی بات کو نہیں سمجھ سکتیکہ ایک مصنف جب ایک کتاب اپنی زندگی میں پہلی بار شائع کرتا ہے، تو وہ تاریخ اشاعت پر اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اس کے عقائد وہی ہیں، جو اس میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ کوئی دوسری ایڈیشن ہوتی تو کہا جاسکتا تھا کہ پہلی ایڈیشن کی محض نقل چھاپ دی ہے۔ لیکن پہلی اشاعت پر وہ لازماً انہی عقائد کا قائل مانا جائے گا، جو اس نے اس میں لکھے ہیں۔ اب آپ لوگوں کا یہ خیال کہ حضرت صاحب نے تریاق القلوب کو 1899ء میں لکھنا شروع کیا۔ اس وقت آپ انکار نبوت کیا کرتے تھے۔ اور 1901ء میں آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ لیکن 1902ء میں تریاق القلوب شائع کی، جس میں پھر انکار نبوت موجود ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اگر میاں محمود احمد صاحب اسی تاریخ تبدیلی پر قائم رہتے، جو انہوں نے پہلے اپنی کتاب القول الفصل میں لکھی تھی، اور 1902ء سے پہلے کی سب کتابوں کو منسوخ رکھتے، تو ان کے دعویٰ کے لئے بدرجہا یہ بہتر تھا۔ لیکن نظر ثانی کر کے جو اُنہوں نے یہ کہہ دیا کہ 1902ء کو جلدی میں تاریخ تبدیلی لکھ دیا گیا تھا، اصل تاریخ تبدیلی 1901ء ہے، تو اس سے ان کے دعویٰ کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ ایک تو یہ ادل بدل صاف بتاتا ہے کہ یہ میاں صاحب کے دماغ کی ایجاد ہے۔ اگر فی الواقع کوئی وقت ایسا ہوتا کہ حضرت صاحب نے صفائی سے اپنا دعویٰ تبدیل کر لیا ہوتا، اور نبوت کا انکار کرتے کرتے اور یہ کہتے کہتے کہ میں مدعی نبوت کو کاذب اور کافر یقین کرتا ہوں، اور نبوت کے مدعی کو مردود کہتے کہتے فوراً نبوت کا دعویٰ کر دیا ہوتا، تو اس میں یہ اضطراب میاں صاحب کو کیوں ہوتا کہ پہلے تاریخ تبدیلی 1902ء قرار دیتے، اور بعد میں اسے 1901ء قرار دیتے۔ لیکن بہر حال 1901ء کو تاریخ تبدیلی قرار دے کر یہ پتھر آپ کے رستے میں ہے کہ تریاق القلوب جو 1902ء کی شائع شدہ ہے، اس میں انکار نبوت موجود ہے۔ اور حضرت صاحب نے 1902ء میں اسے شائع کر کے دنیا کو یہ یقین دلایا کہ وہ نبوت کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ انکار کرتے ہیں۔ پھر اس پر مزید یہ کہ ساری عمر ایک دفعہ نہیں کہا کہ تریاق القلوب میں میرا انکار نبوت کرنا یا اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا منسوخ ہے۔ اور آپ تو تریاق القلوب کو منسوخ ثابت نہ کر سکے، خدا کے فضل نے ہمارے ہاتھ میں حضرت صاحب کی اپنی تحریر دے دی کہ وہ آخر وقت تک تریاق القلوب کو غیر منسوخ

مانتے تھے۔ اور اپنی شان اور مرتبہ کو اسی قدر مانتے تھے، جو تریاق القلوب میں مذکور ہے۔

اس نتیجہ سے آپ یوں نہیں بچ سکتے کہ حضرت صاحب کی تحریر کو غلط ثابت کریں، اور کہہ دیں کہ وہ کتاب تحفہ گولڑویہ تھی۔ اور ابھی آپ کو ایک اور مصیبت درپیش ہے کہ تحفہ گولڑویہ کو بھی آپ منسوخ مانتے ہیں۔ اگر اس کو غیر منسوخ مانا جائے تو اس میں بھی انکار نبوت موجود ہے۔ اگر بفرض محال مقدمہ میں تحفہ گولڑویہ ہی پیش ہوئی تھی اور حضرت صاحب کی تحریر غلط ہے،۔ تو بھی حقیقۃ الوحی میں حضرت صاحب تریاق القلوب کو ہی غیر منسوخ قرار دے رہے ہیں۔ اور نہ آپ اس طرح بچ سکتے ہیں کہ تریاق القلوب کا فلاں مقام نہیں، فلاں مقام پیش کیا گیا تھا۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ کون سا مقام پیش ہوا تھا اور نہ اس کی ضرورت ہے، بلکہ بحث اس بات سے ہے کہ حضرت صاحب تریاق القلوب کے کسی حصہ کو منسوخ نہ سمجھتے تھے۔ آپ نے نہ صرف 1902ء میں اسے شائع کر کے اس ذمہ داری کو قبول کیا کہ اس تاریخ آپ انہی باتوں کے قائل تھے، جو اس میں لکھی ہیں، بلکہ حقیقۃ الوحی میں یہ ذکر لکھ کر صاف بتا دیا کہ حقیقۃ الوحی لکھتے وقت بھی آپ تریاق القلوب کو غیر منسوخ سمجھتے تھے۔

ہاں! یہ دوسری بات ہے کہ آپ لوگ مانیں گے وہ، جو زندہ امام کہے۔ اور یہ بات میاں صاحب کے بعض مریدوں نے میرے سامنے کہی ہے۔ جب میں نے ان کے سامنے ایک طرف حضرت صاحب کے تین فتوے، جن میں سے ایک کم سے کم اپنی قلم سے ہے، رکھے، جن میں غیر از جماعت مسلمانوں کے جنازہ کا جواز تھا۔ اور دوسری طرف میاں صاحب کی تحریر رکھی کہ وہ غیر از جماعت کا جنازہ کسی صورت میں جائز نہیں مانتے اور دریافت کیا کہ آپ کس بات کو تسلیم کریں گے۔ تو جواب ملا کہ ہم زندہ امام کی بات کو مانیں گے۔ اور یہ صاحب بی۔ اے میں پڑھ رہے تھے۔ سو آپ کا اختیار ہے جس بات کو چاہیں مانیں، ہم تو اب بھی حضرت مسیح موعود کو زندہ امام ہی مانتے ہیں۔ اور انہی کی باتوں کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ میں اس قسم کی دور از کار بحثوں سے بچنا چاہتا ہوں۔ اس سے بدرجہا زیادہ ضروری کام میرے سامنے ہیں۔ آپ سے چونکہ پرانے دوستانہ تعلقات ہیں، اس لئے یہ مفصل جواب ایک ہی دفعہ لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ وقت میں اس خط و کتابت پر ضائع نہیں کرسکتا۔

<u>3 ستمبر 1924ء</u>

قسط۔ 1

حضرت امیر سے سوال و جواب

بخدمت ایڈیٹر صاحب اخبار پیغام صلح۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

میرے ایک دوست نے میرے خط، بجواب بابو فضل احمد صاحب کے اس فقرہ کی طرف مجھے توجہ دلائی ہے، جس میں مَیں نے لکھا تھا کہ

''میں اس قسم کی دور از کار بحثوں سے بچنا چاہتا ہوں۔ اس سے بدرجہا زیادہ ضروری کام میرے سامنے ہیں''

آپ نے اور لکھا ہے کہ اس قسم کی خط و کتابت بھی نہایت ضروری ہے۔ اصل عقائد اور اختلافات پر یہ براہ راست روشنی ڈالنے والی چیزیں ہیں۔ اور یہ سلسلہ نہ صرف جاری رہنا چاہئے بلکہ خصوصیت سے اخبار پیغام صلح میں سوال و جواب کا سلسلہ قائم کرنا چاہئے۔

میرا مطلب اس تحریر سے یہ نہ تھا کہ میں ان سوالات کا جواب دینے کو بار سمجھتا ہوں، جو عام طور پر مذہب کے متعلق، اسلام کے متعلق یا سلسلہ کے متعلق یا باہمی اختلاف کے متعلق مجھ سے دریافت کئے جائیں۔ میں اس وقت تک قریباً دو گھنٹے روزانہ وقت خط و کتابت پر صرف کرتا ہوں۔ اور اسے اپنے وقت کا صحیح اور ضروری مصرف خیال کرتا ہوں۔ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے احباب بے شک اس سلسلہ کو وسیع کریں اور جو سوال کسی قسم کا ان کے اپنے دل میں پیدا ہو یا کسی دوسرے سے سنیں، جس کا جواب معقول سمجھ میں نہ آتا ہو، تو وہ مجھے یا مدیر اخبار پیغام صلح کو لکھ دیا کریں۔ تاکہ حتی الوسع ایک دِقّت کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ہمارے علماء کی موجودہ روش نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اور آہستہ آہستہ انہیں مذہب سے بیگانہ کر دیا ہے۔ بہت دِلوں سے سوال اُٹھتے ہیں، مگر یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ انہیں دریافت کر لیں۔ حالانکہ وہ محض کسی ناواقفی کی وجہ سے پیدا

ہوتے ہیں۔ اور اگر ان کا معقول جواب مل جائے، تو مذہب سے بجائے تنفر یا بے رغبتی کے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے میں اپنے سب احباب کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ ان کی روش یہی ہونی چاہئے کہ اگر ان کے اپنے دل میں کوئی سوال پیدا ہو یا کوئی معترض اعتراض کرے، اور اس کا جواب نہ آئے، تو اسے فوراً دریافت کرلیا کریں اور اپنے علم کو بڑھانے کی کوشش کریں۔

دوسرے احباب بھی، جو ہماری جماعت لاہور سے تعلق نہیں رکھتے، اگر کوئی سوالات کرنا چاہیں، تو میں بڑی خوشی سے جواب دینے کو تیار ہوں۔ خواہ خود جواب لکھوں یا کسی سے لکھوا دوں۔ البتہ بعض لوگ فضول مباحث کو اُٹھا کر تضیع اوقات کرنا چاہتے ہیں، ان سے بلا شبہ میں بچنا چاہتا ہوں۔ اور یہی میرا مطلب اس خط میں تھا کہ میں نے کافی جواب دے دیا ہے۔ اب اگر اس واقعہ کے متعلق، جو بیس سال کا ہو، ایک احمدی ہو کر اگر حضرت مسیح موعود کو جھٹلانے کے لئے سوال در سوال کا سلسلہ شروع کر دے، تو میں اپنا وقت اس پر ضائع نہیں کروں گا۔ ایسے ہی فضول سوال ایک شخص قادیان سے لکھ رہا ہے۔ میں نے اس کو پہلی دفعہ ہی یہ لکھ دیا تھا کہ جو امر ہمارے اور اس کے درمیان اختلافی ہیں، اس پر وہ کوئی سوال کریں گے تو میں جواب دوں گا۔ مثلاً یہ سوال کہ ایک ہندو یا عیسائی کے بچہ کا جنازہ جائز ہے، جب سوال کرنے والا خود بھی یہی مذہب رکھتا ہے کہ اس کا جنازہ جائز نہیں، پھر مجھ سے دریافت کر کے وقت ضائع کرنے کا کیا مطلب؟ اگر واقعی وہ یہ مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہے، تو اسے اپنے پیر سے دریافت کرنا چاہئے۔ مگر نہیں، وہ مسئلہ کو خود بھی جانتا ہے۔ یہ صرف ایک اعتراض کے لئے تمہیدی سوالات ہیں۔ اور یہ نیک نیتی نہیں۔ جو کچھ دریافت کرنا ہے، اسے صفائی سے دریافت کرنا چاہئے۔

والسلام۔

محمد علی

☆☆☆

لفظ محمودی کا استعمال۔ حضرت امیر کا اعلان

موجودہ اختلاف میں جب میاں صاحب اور ان کے مریدین نے ہمارے لئے پیغامی وغیرہ نام تجویز

کئے، تو جواب میں اِدھر سے بھی ان کے لئے بعض احباب نے لفظ محمودی کا استعمال شروع کیا۔ اور اب شاید یہ استعمال ہمارے اخبار میں کسی قدر عام ہو گیا ہے۔ میں نے ایک دفعہ پہلے بھی بعض احباب سے یہ ذکر کیا تھا کہ اس طرح پر نام رکھنا، گو جواباً ہی ہو، ہمارے لئے مناسب نہیں۔ لیکن مجھے یہ جواب دیا گیا تھا کہ وہ لوگ خود اس نام کو پسند کرتے ہیں۔ اب ایک دوست نے پھر لکھا ہے کہ اگر قادیانی جماعت لاہوری جماعت کو ''پیغامی'' لکھتی ہے تو اس کے جواب میں ''محمودی'' کا لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ دقت یہ ہے کہ میاں صاحب اور ان کا فریق اس معاملہ میں ایسا رویہ اختیار کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ہم سمجھتے ہیں یا یوں کہنا چاہئے کہ دنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ کسی دوسرے احمدی فریق کا وجود ہی کوئی نہیں۔ میاں صاحب خود بھی اپنے آپ کو پیشوائے جماعت احمدیہ لکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کو ماننے والے دو فریق ہیں۔ ایک وہ فریق جو ان کو پیشوا تسلیم کرتا ہے، اور دوسرا وہ جو اُنہیں پیشوا تسلیم نہیں کرتا۔ میاں صاحب نے ابتدا میں گورنمنٹ کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ احمدی جماعت کا دوسرا کوئی فریق وجود نہیں رکھتا۔ اور پیشگوئیاں بھی کیں کہ یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ لیکن خدا کی شان ہے کہ ہماری جماعت، جو ابتدا میں بالکل پراگندگی کی حالت میں تھی، آہستہ آہستہ ایک مضبوط جماعت بن گئی ہے۔ اور اس وقت قادیان کی جماعت کے ہائی سکول کے مقابلہ پر دو ہائی سکول ہمارے چل رہے ہیں۔ ان کے ایک انگریزی ماہوار رسالہ کے مقابل پر ہمارا ایک انگریزی ماہوار رسالہ ولایت میں نکل رہا ہے۔ اور ایک پندرہ روزہ انگریزی اخبار ہندوستان میں نکل رہا ہے۔ ان کے امریکہ کے سہ ماہی رسالہ کے مقابل پر ہمارا سہ ماہی رسالہ جرمن زبان میں نکل رہا ہے۔ بجٹ ان کی انجمن اور ہماری انجمن کا غالباً قریباً قریباً برابر ہیں۔ یعنی دو دو لاکھ کے قریب۔ تعداد میں بلاشبہ ہم تھوڑے ہیں، لیکن کام میں ان سے کم نہیں۔ بایں ہمارا وجود بحیثیت ایک احمدی فریق ہونے کے اب تک میاں صاحب اور ان کے مریدین تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ نئی مردم شماری کی رپورٹ میں خود گورنمنٹ نے بھی احمدی جماعت کے دو فریق تسلیم کر لئے ہیں۔ بایں میاں صاحب اور ان کے مرید ہمارا احمدی ہونا تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ آخر وہ کب تک اس طرح لوگوں کو مغالطہ میں رکھ سکیں گے؟

قرآن شریف میں بیشک یہ حکم موجود ہے کہ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (11:49) اور اس لئے نہ فریق

قادیان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ہمیں ایسے نام سے یاد کریں، جسے ہم ناپسند کرتے ہیں، اور نہ ہمیں حق پہنچتا ہے کہ ہم فریق قادیان کو ایسے نام سے یاد کریں، جسے وہ ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف میں یہ بھی وارد ہے کہ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (194:2) جو تم پر زیادتی کرے تو اس کا بدلہ اسی طرح لے لو جس طرح اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔ فریق قادیان نے ہماری جماعت کا نام پیغامی رکھنے میں پہل کی ہے اور ہماری جماعت نے مدت تک صبر کر کے یہ جواب ان کو دیا ہے۔ اور یوں ایک رنگ میں ہماری جماعت حق بجانب ہے۔ گو میں نے خود لفظ محمودی، جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے، آج تک اپنی کسی تحریر میں استعمال نہیں کیا۔ لیکن پھر بھی اگر یہ امر واضح ہو جائے کہ میاں صاحب خود اپنے فریق کے لئے محمودی کا لفظ ناپسند کرتے ہیں یا ان کی انجمن یا ان کی غیر حاضری میں ان کے نائب یہ اعلان کر دیں کہ وہ اپنے لئے لفظ محمودی کا استعمال ناپسند کرتے ہیں، جس طرح ہم لفظ پیغامی کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں، تو میں اپنی جماعت کو تاکید کروں گا کہ وہ لفظ محمودی کا استعمال جواباً چھوڑ دیں۔

محمد علی

افکار واذکار

بیچارہ الفضل! آخر پناہ اسی جگہ آ کر لی کہ روپیہ ہمارا، پیر ہمارا، وہ کھا کے اڑائے، جو مرضی چاہے کرے۔ ہم روپے دینے والے، وہ لینے والا۔ جب ہم خوشی سے دیتے ہیں تو تم دخل دینے والے کون؟ ہمارے ریزولیوشنوں کے الفاظ سے خواہ مفہوم کچھ اور ہی نکلتا ہو، مگر مطلب دربطن شاعر ہمارا یہی تھا۔ یہ جواب خواہ کس قدر بھی افسوس ناک اور طفلانہ رنگ رکھتا ہو، مگر گالیوں کے علاوہ، جن کی وہاں کچھ کمی نہیں، سوائے اس جواب کے اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ یورپ کی سیر وسیاحت پر ہزار ہا روپے کے اسراف کا جواب سوائے اس کے اور ہو بھی کیا سکتا تھا کہ روپیہ ہم اپنے پیر کو دیتے ہیں۔ وہ جس طرح چاہے خرچ کرے۔ تم اعتراض کرنے والے کون؟

تمام دنیا کے پیر پرست بس یہی کہتے ہیں۔ تمام بلاد اسلامیہ میں سینکڑوں کی تعداد میں گدیاں اور پیر خانہ ہیں۔ جہاں پیروں کو اُن کے مرید ہزار ہا روپے نذر کرتے ہیں اور خوشی سے نذر کرتے ہیں۔ دنیا بھر کے

سمجھدار مسلمان ان پیر خانوں سے سخت شاکی ہیں کہ مریدوں کی جہالت کی وجہ سے مسلمانوں کے ہزار ہا روپے اس طرح تباہ ہو رہے ہیں۔ مگر ان کے مرید یہی کہتے ہیں کہ روپے دینے والے ہم، لینے والا ہمارا پیر۔ وہ جس طرح مرضی چاہے، خرچ کرے۔ جب ہم خوشی سے اُس کی نذر کرتے ہیں، تو کسی غیر کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ اعتراض کرے! یعنی وہی کہتے ہیں جو آج الفضل کہتا ہے۔ یہ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (118:2) کا نظارہ کس قدر عبرتناک ہے۔ یہ ہے پیر پرستی کا جادو۔ جو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ دیکھ لو آخر کار اُسی اسٹیج پر آ گئے، جس پر ساری دنیا کے پیر خانے اور گدیاں قائم ہیں۔ پھر ہم نے اگر کہہ دیا کہ قادیان بھی اب ایک گدی بن گئی تو کیا غلط کہا؟ کہا اور درست کہا۔ واقعات سامنے موجود ہیں۔ خود دیکھ لو۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔

بقول الفضل جب بکر زید کو روپے خوشی سے دیتا ہے، تو زید کو اختیارکلّی حاصل ہے، جس طرح چاہے خرچ کرے۔ اور اگر زید اپنی محنت سے کمائے، یعنی اس کا اپنا روپیہ ہو، تو بدرجہ اولیٰ اس کو حق حاصل ہے کہ جس طرح چاہے خرچ کرے۔ ایسی صورت میں گویا کوئی احتساب نہیں۔ مگر پھر معلوم نہیں خدا نے لَاتُسْرِفُوْا (141:6) کا حکم دے کر لوگوں کے اپنے روپے کے اخراجات میں یہ دخل درمعقولات کیوں دیا؟ ایک شخص کا اپنا روپیہ ہے۔ وہ جس طرح چاہے خرچ کرے۔ مگر نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کے ہاں بھی عجیب دھینگا دھینگی ہے کہ لَاتُسْرِفُوْا (141:6) کا حکم دے کر لوگوں کے اپنے حقوق میں دست اندازی کر دی! الفضل صاحب کو واضح ہو کہ لَاتُسْرِفُوْا (141:6) کا حکم اپنے مال کے متعلق ہی ہے۔ غیر کے مال کے متعلق نہیں۔ غیر کے مال میں دست اندازی کرنا تو الگ گناہ کبیرہ کی مد میں داخل ہے۔ ہمیں پاگل کہہ لو گالیاں دے لو مگر فکر عاقبت کی کرو، وہاں دھڑا کام نہیں آئے گا۔

تطہیرِ اولیاء

یعنی تکفیر کے فتوؤں سے اولیاء اللہ کا پاک ہونا۔ اس کتاب میں حوالہ جات دیئے گئے ہیں کہ کس طرح علماء ظواہر نے علماء روحانی پر ان کی زندگی میں کفر کے فتویٰ لگائے اور کیسی کیسی تکالیف اُن کو پہنچائیں۔ اس لئے اگر حضرت مسیح موعود پر اس زمانہ کے علماء ظواہر نے کفر کے فتوے لگائے یا تکالیف دیں، تو سابقہ مکفرین اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ تمام سمجھدار مسلمانوں کے مطالعہ کے لائق کتاب ہے۔ حجم 48 صفحہ۔ قیمت ایک آنہ مع محصول ڈاک۔

یہ کتاب تعلیم یافتہ مسلمانوں میں مفت تقسیم کرنے کے لئے نہایت مفید ہے۔ ہر ایک جماعت نقد قیمت بھیج کر کافی تعداد میں مفت تقسیم کے لئے منگوا لے۔ جملہ درخواستیں مع ٹکٹ ڈاک بنام اسسٹنٹ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور بھیجی جائیں۔

3 ستمبر 1924ء

قسط۔2

حضرت امیر سے سوال و جواب

منشی عبدالعزیز صاحب صدیقی نے ذیل کے سوالات حضرت امیر کی خدمت میں بغرض جوابات ارسال کئے تھے۔ چونکہ یہ نہایت ضروری معاملات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس لئے بغرض افادہ جملہ احباب اخبار میں شائع کئے جاتے ہیں۔

سوال اوّل۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود حنفی تھے، مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ ایک مجدد کی شان اس سے ارفع واعلیٰ ہے کہ وہ کسی دوسرے مجتہد کے اجتہاد کا تابع ہو۔ چہ جائیکہ وہ چودھویں صدی کا مجدد مسیح موعود ہو۔ نیز کیا وجہ ہے کہ حضرت صاحب کو امام مالکؒ ،حضرت امام شافعیؒ وغیرہ دیگر آئمہ مجتہدین کا متبع ظاہر نہیں کیا جاتا، حضرت امام ابوحنیفہؒ کو کیا خصوصیت ہے؟

جواب۔ کسی مجتہد کے اجتہاد کے تابع ہونے سے اگر یہ مراد ہے، جیسا کہ عوام کے ذہن میں ہے کہ آنکھیں بند کر کے اس کی تقلید کی جائے، تو نہ کوئی مجدد اس مسلک پر چلا ہے، نہ حضرت مسیح موعود کا یہ مسلک تھا۔ اتباع تو قرآن وحدیث کی ہی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود کا یہی مسلک تھا کہ کوئی مسئلہ اگر قرآن سے مل جائے تو سب سے پہلے قرآن شریف سے لیتے تھے۔ وہاں نہ ملے تو پھر حدیث سے۔ وہاں سے نہ ملے تو امام ابوحنیفہؒ کے اجتہاد کو ترجیح دیتے تھے۔ اس کی وجہ دو ہیں۔ ایک امام صاحب کی عام قبولیت، دوسرے یہ کہ امام ابوحنیفہؒ دوسرے آئمہ کی نسبت اپنے اجتہاد کی بنیاد قرآن کریم پر زیادہ رکھتے تھے۔

آپ (حضرت مسیح موعود) کے سامنے جو خاص کام تھا وہ اس قدر عظیم الشان تھا کہ اگر آپ مسائل فقہی کے اجتہاد پر وقت لگا دیتے تو جس غلطی کے دور کرنے کے لئے آپ کو مامور کیا گیا تھا، وہ کام رہ جاتا۔ جہاں تک میرا علم ہے پہلے مجددین نے بھی مسائل فقہی میں اجتہاد پر کوئی خاص زور نہیں دیا۔ اپنے اپنے وقت کی بعض غلطیوں کی اصلاح ہی ان کا بھی خاص کام تھا۔ بایں قرآن و حدیث سے اجتہاد کا دروازہ بند نہیں، ہمیشہ کے لئے کھلا ہے۔ اور آج بھی کھلا ہے۔ اگر کسی خاص مسئلہ میں ضرورت پیش آئے، تو آج بھی اجتہاد ہوسکتا ہے اور حضرت مسیح موعود بعض وقت خود بھی کر لیتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ کے سامنے اس سے بہت بلند تر ایک کام تھا، یعنی ہر ایک قسم کے اعتراضات کا جواب دینا اور اسلام کی اصلی اور صحیح تصویر کو پیش کرنا، اس لئے اپنے مسائل فقہی میں اجتہاد کی طرف خاص توجہ نہیں کی۔ اور کسی دوسرے امام سے مسائل کا لے لینا مجدد کی شان کے منافی نہیں، نبی کی شان کے منافی ہے۔

سوال دوم۔ یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود کا دعویٰ نبوت ہوتا اور آپ کی نبوت کا منکر کافر ہوتا ہے، تو شرائط بیعت میں اس امر کا تذکرہ ضرور ہوتا۔ اس کا جواب محمودیوں کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت صاحب کے مسیح موعود و مہدی معہود ہونے کا بھی تو کوئی تذکرہ شرائط بیعت میں نہیں ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

جواب۔ نبی جو دنیا میں آیا، وہ خدا تعالیٰ کی توحید کے ساتھ اپنی نبوت کا اقرار بھی لیتا رہا کوئی نبی نہیں، جس نے اپنی نبوت کا اقرار نہ لیا ہو۔ یہی اصل اعتراض ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب نبی تھے تو اُنہوں نے بیعت میں اپنی نبوت کا اقرار کیوں نہیں لیا۔ مسیح موعود ہونے سے صرف اس قدر مراد ہے کہ آپ بعض پیشگوئیوں کے مصداق ہیں اور اس کے لئے کسی اقرار کی ضرورت نہیں۔ جو شخص آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے وہ آپ کو ان پیشگوئیوں کا مصداق سمجھ کر ہی کرتا ہے۔ مجدد بھی کسی پیشگوئی کا مصداق ہے، گو وہ پیشگوئی

عام ہو۔اس لئے نہ مجدد کو یہ اقرار لینے کی ضرورت ہے کہ میرے مجدد ہونے پر ایمان لاؤ، بلکہ وہ عملی طور پر دوسروں کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہیں ۔اوران کی بیعت کی غرض بھی اسی قدر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کی بیعت کے اقرار میں جہاں ایمان کا اقرار ہے، وہاں اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ہی ہے۔کیونکہ حضرت رسالت مآب خاتم النبین ہی ہیں۔لیکن جو نبی ہو کر آئے، وہ بموجب نص قرآنی وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (64:4) خود مطاع قرار پاتا ہے۔جیسا کہ حضرت صاحب نے بھی صفائی سے ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ جو مطاع ہوگا، وہ اپنی اطاعت کا اقرار لے گا، لیکن مجدد اور مسیح کا یہ مرتبہ نہیں۔(جاری)

3 ستمبر 1924ء

قرآن کا معیارِ ذرّیت

(از جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب)

انبیاء اور مامورین الٰہی جس اعلیٰ مقامِ توحید اور محبت الٰہی پر کھڑے ہوتے ہیں، وہ فنا فی اللہ اور انقطاع تام کا کامل نمونہ ہوتا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی محبت اور تعلق کے سوا ہر ایک چیز مقام غیریت رکھتی ہے۔ اور تمام تعلقات ماسوا اللہ کٹ جاتے ہیں۔ اور صرف ایک ہی محبت اور ایک ہی تعلق ذات الٰہی سے رہ جاتا ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ اپنی بی بی کو، جو حاملہ تھیں، ساتھ لئے ہوئے واپس مصر کو آتے ہیں، تو راستے میں ایک وادی میں بی بی کو دردِ زہ شروع ہو جاتا ہے۔ سردی کا موسم، رات کا وقت، بی بی کی یہ نازک حالت کہ موت اور زندگی کے درمیان معلق، کوئی ہمدرد پاس نہیں، غضب کی تنہائی اور بیکسی و بے بسی۔ آگ کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ رسالت مل جاتی ہے۔ مگر رسالت عطا کرنے سے پہلے حکم ہوتا ہے کہ **اِنِّیۡۤ اَنَا رَبُّکَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ اِنَّکَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی**. (12:20) یعنی تو مقام فنائیت وقرب الٰہی کے مقامِ مقدس پر کھڑا ہے۔ اپنی نعلین کو اتار دے جو اس مقام تقدس کے منافی ہیں۔ مطلب یہ کہ نعل وبعل یعنی بیوی و بچہ کے خیال کو دل سے نکال کر ہمہ تن متوجہ رہ۔ ہمارے پیغام کو سنو۔ اب وہی حضرت موسیٰ، جو بیوی اور بچہ کی فکر میں سرگردان تھے، سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ نہ وہ بیوی یاد رہتی ہے، جو دردِ زہ میں مبتلا تھی، نہ اس بچہ کی پروا رہ جاتی ہے، جو پیدا ہو رہا تھا۔ توحید الٰہی کی تلوار تمام تعلقات کو کاٹ کر خدا سے واصل کر دیتی اور رسالت کے عظیم الشان منصب پر کھڑا کر دیتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو جب تک اس سخت امتحان میں نہ ڈال لیا کہ خدا کے لئے وہ بڑھاپے میں اپنے اکلوتے بیٹے کے گلے پر بھی چھری پھیرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت تک **اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا** (124:2) تمام لوگوں کے لئے امام بننے کے عالی منصب پر نہیں کھڑا کیا۔ اور **وَاِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی** (37:53) کا معزز خطاب عطا نہیں فرمایا۔ جس کا مطلب یہ کہ ابراہیم وہ جس نے پورا پورا ادا کر دیا۔ یعنی جو حق بندہ پر جناب الٰہی کے تھے سبھی پورے

کر دکھائے۔ یہ بڑی عظیم الشان تعریف ہے۔

الغرض کوئی شخص خدا کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لئے نہیں کھڑا کیا جاتا، جو ان تمام منازل کو طے نہ کر جائے۔ اور جو خدا کی محبت اور توحید کی اس آخری منزل پر گامزن نہ ہو جائے، جہاں جا کر وہ تمام تعلقات دنیوی سے منقطع ہو کر محبت الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر وہ خدا کے اخلاق میں بکلی رنگین ہو کر، پھر مخلوق کی طرف نزول کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی شفقت سے، جو اسے اپنی مخلوق سے ہے، حصہ لے کر وہ سچا ہمدرد بنی نوع انسان کا بن جاتا ہے اور اس لائق ہو جاتا ہے کہ نوع انسان کی اصلاح کے لئے کھڑا کیا جائے۔ کیونکہ اب وہ الٰہی شفقت سے حصہ رکھتا ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفقت ہے اور اس کی بہبودی مدنظر ہے، اسی طرح وہ اَلْشَّفَقَةُ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ خلق اللہ میں بھی فنائیت کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ اسی کو قرآن کریم نے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (9:53) سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس کا کمال آنحضرت ﷺ میں آ کر ختم ہو گیا۔ پس جہاں وہ ایک طرف توحید و محبت الٰہی میں فانی ہوتے ہیں۔ اور تمام تعلقات ماسوا اللہ سے منقطع ہوتے ہیں، وہاں دوسری طرف وہ جب مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہر ایک چیز اسی توحید و محبت الٰہی کے شیشہ میں سے دیکھتی ہے۔ وہ جہاں مخلوق کی شفقت سے معمور ہوتے ہیں، وہاں اُن کے تعلقات اُنہی لوگوں سے قائم ہوتے ہیں، جو اُن کے رب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو خدا کا ہے، وہ ان کا ہے، جو خدا کا نہیں۔ وہ ان کا نہیں خواہ وہ کیسا ہی قریبی کیوں نہ ہو۔ اُن کے اپنے نفسانی تعلقات تو منقطع ہو چکے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا نفس تو مر چکا اور اس کے تعلقات بھی مر چکے۔ اب تو وہ خدا میں ہو کر جیتے ہیں۔ اور ان کے تعلقات بھی اسی میں ہو کر قائم ہوتے ہیں۔ اس لئے بیٹا ہو یا بیوی۔ رشتہ دار ہو یا قریبی، جب ایک خدا سے تعلق نہ جوڑے اور ان کے قدم بقدم نہ رکھے، ان کا حقیقی تعلق اُن سے کوئی نہیں ہوتا۔ یہی مطلب تھا فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ (36:14) کا کہ جو کوئی میری اتباع کرے پس وہ مجھ سے ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بات کو صاف کر دیا کہ میرا بیٹا اور میری ذریت وہی ہے جو میری اتباع کرے۔

اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (28:8) کے ماتحت چونکہ انبیاء مامورین کی عظمت وشان کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی اولاد کی پرستش اور کورانہ تقلید کا انسانی کمزوری سے ہر وقت اندیشہ تھا، اس لئے قرآن کریم میں

اللہ تعالیٰ نے بالالتزام اس معیار ذریت کا تذکرہ فرما کر نسل انسانی پر احسان کیا ہے کہ تاہدایت اور حق پرستی میں کسی قسم کا فتنہ نہ پڑے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے بیٹے کو ڈوبتے ہوئے دیکھ کر اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ (45:11) کہا۔ یعنی میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔ تو فوراً وحی الٰہی نے اس غلطی کی اصلاح کر دے کہ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ (46:11) کہ وہ تیرے اہل میں سے نہیں۔ کیونکہ وہ عمل غیر صالح رکھتا ہے۔ اور غیر صالح عمل والے بیٹے کو اپنے اہل میں سے سمجھنے میں اگر کوئی اصرار کرے، تو اسے جہالت قرار دیا۔ اور حضرت نوحؑ کو اپنی اس غلطی کے لئے استغفار کرنی پڑی۔ حضرت سلیمانؑ کے بیٹے کو ایک جگہ اَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (34:38) فرما کر جب بے روح قرار دیا۔ جس سے ظاہر ہے کہ باوجود یہ کہ نبی کا بیٹا تھا اور باپ کی گدّی پر بیٹھا تھا، مگر روحانیت سے قطعاً بے بہرہ تھا۔ دوسری جگہ مَادَلَّھُمْ عَلٰی مَوْتِہٖٓ اِلَّا دَآبَّۃُ الْاَرْضِ تَاْکُلُ مِنْسَاَتَہٗ (14:34) فرمایا۔ یعنی حضرت سلیمانؑ کی موت کا اگر پتہ لگا تو اس زمینی کیڑے کی وجہ سے پتہ لگا۔ جو حضرت سلیمانؑ کی سلطنت اور حکومت کو کھا گیا اور تباہ کر گیا۔ یہاں دَآبَّۃُ الْاَرْضِ حضرت سلیمانؑ کے اسی بیٹے رجعام کو کہا ہے۔ جس نے اپنے نوجوان ساتھیوں کے ساتھ مل کر اپنے باپ کے پرانے مشیروں کی بات نہ مانی اور سلطنت کو برباد کر دیا۔ اور اس طرح باپ کے کام پر موت وارد کر دی۔ پہلے اسے جسد بے روح کہا تھا تو اب دَآبَّۃُ الْاَرْضِ فرمایا یعنی اس کی تمام تر توجہ دنیا کی طرف تھی۔ آسمان سے اسے کوئی تعلق نہ تھا۔ بتا دیا کہ نبی کا بیٹا ہونا کوئی چیز نہیں جب تک کہ خود اس میں روحانیت نہ ہو اور آسمان سے تعلق نہ ہو۔ اور اگر ایسے بیٹے کو باپ کی گدی پر بٹھایا جائے گا تو ضرور ہے کہ باپ کے کام کو تباہ کر دے۔ اور کیا کرایا سب ملیامیٹ کر دے۔ جیسا کہ حضرت سلیمانؑ کے بیٹے نے کر دیا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کے معاملہ میں بات کو اور صاف کیا ہے۔ اور ان کی زبان سے وہ فقرہ نکلوایا ہے، جو اس معاملہ میں بطور ایک سنہرے اصول کے ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ پر یہ انعام الٰہی ہوا کہ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (124:2) کی بشارت عطا ہوئی۔ یعنی میں تجھے تمام لوگوں کے لئے پیشوا بناتا ہوں، تو آپ نے عرض کی کہ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ (124:2) اور میری ذرّیت سے؟ یعنی میری ذرّیت کو بھی امام بنائیں تو صاف فرمایا کہ لَایَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (124:2) میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ یعنی جو امام بننے کے اہل ہوں گے، وہی امام بنیں گے۔ جو ظالم ہوں گے وہ نہیں بن سکتے۔ نبی کی ذریت ہونا ان کے امام بننے کے لئے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، جب تک خود ان میں اہلیت نہ ہو۔ اس اصلاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو فقرہ فرمایا ہے وہ آبِ زر سے

لکھنے کے قابل ہے اور وہی معیار ہے نبی یا مامور کی ذریت کا۔ فرماتے ہیں: فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (36:14) جو میری اتباع کرتا ہے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرتا ہے پھر تو غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہے۔ اپنا تعلق اسی سے بتایا جو آپ کی اتباع کرتا ہے اور بس۔

یہ وہ معیار ہے جس پر نبی یا مامور کی ذریت پرکھی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص غیر ہے اور وہ نبی کا متبع ہے تو وہ اس نبی کا بیٹا ہے۔ اسی لئے سلمان فارسیؓ کی نسبت حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا **سلمان منا اھل البیت** کہ سلمان ہم میں سے یعنی اہل بیت میں سے ہے۔ اسی لئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ میں اٰلِ سے مراد آنحضرت ﷺ کے متبع اہل تحقیق کے نزدیک مراد ہیں نہ کہ محض جسمانی اولاد۔ اور اگر کوئی نبی یا مامور کا بیٹا بھی ہے اور وہ باپ کا متبع نہیں، تو اس کے اہل میں سے نہیں۔ یہ وہ معیار ہے جس سے کھرا کھوٹا یعنی ذرّیت اور غیر ذرّیت پرکھی جاسکتی ہے۔ یہ کہنا، کہ فلاں بیٹے کے لئے دعا کی ہے یا پیشگوئی کی ہے۔ یہ تمام ظنی امور ہیں۔ جن پر مذہب کے عقائد کی بنا نہیں رکھی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ مجبور نہیں کہ اگر کوئی اس کا مقرب اس سے کسی امر کی نسبت دعا کرے، تو وہ ضرور اس کی دعا قبول ہی کرے۔ نوح علیہ السلام کی دعا پر، جو انہیں جھاڑ پڑی، اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا پر، جو صاف جواب ملا، وہ میں اوپر نقل کر آیا ہوں۔ حضرت سلیمانؑ نے اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے کیا کچھ دعا نہ کی ہوگی۔ اور آخر جب انہیں اپنی سلطنت کا انجام اپنے بعد اچھا نہ نظر آیا، تو کس حسرت سے یہ تمنا کی ہے کہ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (35:38) یعنی اے میرے رب! میری کمزوریوں کی حفاظت فرما۔ اور تو بڑا بخشنے والا ہے۔ مجھ پر یہ عنایت فرما کہ مجھے وہ سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی کو ورثہ یا غصب کر لینے سے نہ پہنچے۔ جیسا کہ ظاہری سلطنتوں کا حال ہے۔ البتہ باطنی سلطنتیں ان باتوں سے محفوظ ہوتی ہیں۔ انہیں نہ کوئی ورثہ میں پا سکتا ہے اور نہ غصب کر لینے سے مل سکتی ہیں۔ اور نہ الیکشن سے مل سکتی ہیں کہ جس کے سر پر لوگ ہاتھ دیں وہی خدا کا مقرب بن جائے، بلکہ جسے خدا اہل سمجھتا ہے، اسے خود دیتا ہے۔ یہ آیت بھی صاف بتلاتی ہے کہ روحانی سلطنت کو بیٹا باپ کے ورثہ میں نہیں پا سکتا۔ یہ خدا کا فضل ہے، جسے اہل سمجھتا ہے، اسے دیتا ہے۔

غرضیکہ کسی کی نسبت دعا کرنے سے یہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ اب وہ مقبول بارگاہ الٰہی ہو گیا جب تک

کہ اتباع کی مہر واقعات کے رنگ میں اس پر نہ لگی ہو۔اسی طرح کوئی پیشگوئی کسی کی نسبت مفید یقین نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ قبل از وقت کسی پیشگوئی میں اجتہادی غلطی لگ جانا ممکن ہی نہیں بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے۔حضرت نبی کریمؐ کی نسبت حضرت موسٰیؑ نے پیش گوئی کی کہ میں تیرے بھائیوں میں سے تیرے جیسا ایک نبی برپا کروں گا اکثر یہود نے بھائیوں سے بنی اسرائیل سمجھا۔مگر واقعات نے بتلا دیا کہ بھائیوں سے مراد بنی اسماعیل تھے۔امام مہدی کی پیشگوئی میں ان کے بنی فاطمہ ہونے کی کس قدر دھوم تھی مگر آخر کار وہ مغلوں میں سے مبعوث ہوئے۔اور مراد وہی ''متبع'' کی لی گئی،اور کثرت سے لوگ مہدی معہود کی اتباع سے صرف اسی وجہ سے محروم رہ گئے۔تین کو چار کرنے والا بیٹا حضرت مسیح موعود اجتہاداً مبارک احمد کو سمجھتے رہے۔مگر واقعات نے غلطی کو ظاہر کر دیا۔یہ اب اللہ ہی کو علم ہے کہ وہ کہاں سے ظاہر ہو۔جب خود حضرت مسیح موعود کو پتہ نہ لگا تو کسی اور کے اجتہاد پر کیا وثوق ہوسکتا ہے۔ عالم کباب کی پیدائش کو محمدی بیگم کے بطن سے حضرت مسیح موعود سمجھتے رہے،مگر واقعات نے اسے بھی غلط ثابت کر دیا۔جب پیشگوئیوں اور الہاموں کے صحیح مصداق کی نسبت قبل از وقت اجتہادوں میں اس قدر غلطیاں لگ جاتی ہیں،تو پھر مذہب اور عقائد کی بنا ایسے ظنی امور پر،جن میں غلطیاں لگ جانے کا اغلب احتمال ہے،کس طرح رکھی جا سکتی ہے؟ مذہب وعقائد کی بنا تو صریح حق پر ہونی چاہیئے۔اسی طرح بعض دفع کسی الہام میں کسی کے لئے بعض الفاظ آجاتے ہیں،جو محل مدح میں ہوتے ہیں،مگر وہ صرف وقتی ہوتے ہیں،جیسا کہ میر عباس علی لدھیانوی کے متعلق حضرت صاحب کا الہام اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِي السَّمَآءِ(24:14) تھا یا مشروط بہ شرائط ہوتے ہیں، اور شرط وہی اتباع کی ہوتی ہے۔جیسے قرآن کریم میں مومنوں کی مشروط بہ شرط اتباع ہے۔اِذَا فَاتَ الشَّرۡطُ فَاتَ الۡمُشۡرُوۡطُ پس ان تمام ظنی اور مشروط امور کی قرآن کریم کے صریح حق وحکمت کے معیار کے مقابلہ میں کیا حقیقت ہوسکتی ہے۔جیسا کہ خود قرآن کریم فرماتا ہے:اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَايُغۡنِىۡ مِنَ الۡحَقِّ شَيۡـئًا(28:53)اور قرآن سے بڑھ کر حق کی بنا کس بات پر ہوسکتی ہے:وَبِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ (105:17) نہ اس سے بڑھ کر کوئی سچائی ہے۔نہ اس سے بڑھ کر کوئی حق کا معیار ہے۔اسے پڑھ کر ذریت کا معیار آفتاب کی طرح روشن نظر آرہا ہے:فَمَنۡ تَبِعَنِىۡ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡ (36:14) جو میری اتباع کرے۔پس وہ مجھ سے ہے۔ذریت کا معیار''اتباع'' سے بڑھ کر کوئی نہیں۔یہ ایک حقیقت ہوتی ہے جس پر واقعات کی مہر ہوتی ہے۔ظن جس کے نزدیک نہیں پھٹکنے پاتا۔اگر کسی نبی کی ذریت یا مامور کی اولاد اس نبی یا مامور کے قدم پر ہے،تو وہ اس سے ہے،

ورنہ اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ خواہ اس کی نسبت کتنی ہی دعائیں یا پیشگوئیاں ہوں۔ جن کا درجہ ظن سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ وہ خدا کی نگاہ میں ذریت کہلانے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ خدا کی نگاہ میں مامور کی ذریت وہی ہے، جو اس کے نقش قدم پر ہے، اس کا متبع ہے، خواہ وہ جسمانی طور پر اس کی نسل سے ہو یا نہ ہو۔ وہ ''اتباع'' کے منصب پر ہے، جو بوجہ ایک حقیقت ہونے کے امر یقینی ہے۔

خدا کی نگاہ میں ظاہری نسب کوئی چیز نہیں۔ چنانچہ عالم آخرت میں جس کی نسبت فرمایا ہے: وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (64:29) یعنی آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔ اور موجودہ زندگی کو اس کے مقابل میں لہو ولعب فرمایا، وہاں حسب نسب کے متعلق قرآن کریم نے صاف فرما دیا ہے کہ وہ کچھ کام نہ آئے گا۔ جیسا کہ فرمایا: يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا (33:31) اور اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ (17:42) اس دن نہ باپ بیٹے کے کچھ کام آئے گا، اسی وجہ سے حضرت نبی کریم ﷺ فداہ ابی و امی نے اپنی صاحبزادی فاطمہؓ سے فرمایا کہ میرا باپ ہونا تیرے کام نہ آئے گا۔ تیرے عمل تیرے کام آئیں گے۔ دوسری جگہ قرآن نے صاف فرما دیا کہ نسب اس دن کالعدم سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا: فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ (101:23) اور جب صور پھونکا جائے گا۔ تو ان کے درمیان کوئی نسب باقی نہ رہے گا۔

بہائیوں سے ایک ضروری سوال

بہائی مذہب کے پیرو آج کل ہندوستان کے بعض حصص میں اپنے مذہب کی اشاعت اور ترقی میں کوشاں ہیں۔ پیشتر اس کے کہ کوئی شخص ان کی اس جدوجہد سے متاثر ہو کر ان کی آواز پر لبیک کہے، ایک طالب صداقت کو سب سے پہلے ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، جن پر اس مذہب کی بنیاد ہے۔ بہائی مذہب کی تعلیم ہے کہ جس طرح سے قرآن کریم نے آ کر سابقہ کتب کو منسوخ کر دیا۔ اسی طرح سے باب اور بہاء اللہ کی تعلیمات نے قرآن کریم کو منسوخ کر دیا۔ لیکن یہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے کہ وہ کتابیں، جن کے اندر یہ تعلیمات پائی جاتی ہیں، اور جو خود ان بانیان مذہب کی لکھی ہوئی ہیں، کسی غیر مذہب والے کو مل نہیں سکتیں۔ قرآن کریم کے

بالمقابل بہائی مذہب میں کتاب الاقدس کو قانون شریعت سمجھا جاتا ہے۔لیکن وہ بھی بہائیوں کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں جاسکتی۔ حالانکہ ایک طالب صداقت کے ہاتھ میں جب تک خود بانیان مذہب کی تصنیفات نہ ہوں۔ جب تک وہ کتاب الاقدس کوخود اپنی آنکھوں سے مطالعہ نہ کرے وہ اس کے حسن وقبح کو جانچ نہیں سکتا۔لیکن جب کبھی بہائی مذہب والوں سے سوال کیا جاتا ہے، وہ یورپین مصنفین کی کتابوں کا حوالہ دے دیتے ہیں،اورخود باب، بہاءاللہ یاعبدالبہاء کی تصنیفات اور کتاب الاقدس کا پتہ نہیں دیتے کہ کہاں سے دستیاب ہوسکتی ہے۔

اسی قسم کا ایک سوال حال ہی میں قادیان کے رسالہ ریویوآف ریلیجنز میں کیا گیا تھا۔اس کے جواب میں مسٹر پریتم سنگھ صاحب ایڈیٹر''ہیرلڈآف دی ایسٹ'' نے خود بہائی اور بہائی رسالہ کا ایڈیٹر ہونے کے باوجود ایک غیرطرفدار بن کرلکھا کہ فلاں یورپین کی تصنیف کودیکھو،فلاں بہائی کی کتاب کو پڑھو۔اور باب یابہاءاللہ کی تصنیفات اور کتاب الاقدس کا نام تک نہیں لیا۔معلوم نہیں ان لوگوں کواپنے مذہب کی ان مقدس کتب کا ذکر کرنے یاان کا پتہ بتانے میں عار کیوں ہے؟ کیوں وہ ایسے سوالات کا جواب دیتے ہوئےجھجکتے اورشرماتے ہیں۔آخر ؎

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

کیا کوئی بہائی مذہب کا پیرواس پرروشنی ڈال کراصل حقیقت سے آگاہ کرے گا؟

جماعت احمدیہ کی توجہ کے قابل

کانگریس کی امدادی کمیٹی کی ایک نقل حضرت امیرایّدہ اللہ کی خدمت میں بھی پہنچی ہے جس پرآپ نے اپنے احباب کواس کارخیر میں حصہ لینے کی تحریک کی۔گذشتہ جمعہ کونماز جمعہ کے بعدڈاکٹرمرزایعقوب بیگ صاحب نے اس تحریک کواحباب لاہور کے سامنے پیش کیا۔جس پراسی وقت قریباً پچیس روپے جمع ہوگئے۔لیکن قبل اس کے کہ اس قلیل سی رقم کوکسی امدادی کمیٹی کے حوالے کیا جائے، بیرونی احباب سے التماس ہے کہ وہ بھی اس امداد میں حصہ لیں۔اس بات کی ضرورت نہیں کہ مصیبت زدگان کے دردناک حالات اور ہولناک مصائب کو بار بارلکھا

جائے۔ نہ ان کی خانہ ویرانیوں اور اتلاف جان و مال اور یتیمی اور بیکسی کی ہولناک داستانیں دہرانے کی حاجت ہے۔ یہ تمام باتیں عام طور پر شائع ہو چکی ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے تمام احباب ان مصائب کو دور کرنے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھائیں۔ یہ ایک نہایت ضروری کام ہے اور جس قدر ہم رفاہ عامہ کے کاموں میں حصہ لیں گے، جس قدر مخلوقِ خدا اور بالخصوص مسلمانوں کی امداد میں ساعی ہوں گے۔ اور انہیں ہر قسم کے مصائب وآلام سے بچانے کی کوشش کریں گے، اسی قدر ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مورد ہوں گے۔ضرورت ہے کہ ہماری جماعت کی طرف سے ایک بہت بڑی رقم مصیبت زدگان کی امداد کے لئے بھیجی جائے کہ ہمارے دینی فرائض کا یہ ایک نہایت ضروری حصہ ہے۔ کیا ہمارے احباب اس طرف خاص طور پر متوجہ ہوں گے؟

کفٰی بالمرء کذبًا

ایک دوست نے لکھا ہے کہ میر محمد اسمٰعیل نے اپنے کسی مضمون مندرجہ الفضل میں بعض مبہم اشارات بعض کی ذاتیات پر ایسے کئے ہیں، جو شبہات پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم اپنے دوست کو یقین دلاتے ہیں کہ ان باتوں کے جھوٹ ہونے کا یہی کافی ثبوت ہے کہ اخفاء کے نیچے پناہ لی گئی ہے۔ تاریکی میں حملہ کرنا یا چھپ کر آنا مومن کا کام نہیں۔غرض اس سے محض وسوسہ اندازی ہے۔ہمیں افسوس ہے کہ میر محمد اسمٰعیل جیسا آدمی اس قسم کی باتوں میں ملوث ہو۔حدیث میں آیا ہے۔ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. لہٰذا میر صاحب نے اگر یہ باتیں دوسروں سے سنی ہیں، اور یقیناً یہی باتیں ان کی جماعت کے بڑے بڑے آدمیوں کا شغل محفل ہوں گی، تو کم سے کم اخبار میں لانے سے تو وعید نبویؐ سے ڈرنا چاہئیے۔ جناب میر صاحب کی جماعت نے آگے ہماری جماعت پر کون سا احسان کیا ہے؟ ہم میں سے کون شخص ہے، جسے وہ جائز ناجائز ذرائع سے بدنام اور ذلیل کرنے کی انتہائی کوشش نہیں کر چکے؟ اگر اُن کے اس ترکش میں کچھ اور تیر ہیں تو وہ بھی چلالیں۔ ایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ کسی سے ایسی بات سنی تھی تو ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا پر عمل کرتے۔ اور بلا ثبوت بات کو آگے نہ چلاتے۔ اگر اس کو جواب دیا تھا تو کچھ مردانگی ہی دکھلاتے اور نام لے کر بتاتے کہ فلاں شخص نے فلاں حرکت ایسی کی ہے۔ اور جو ثبوت ان کے پاس تھا اس کو بھی پیش کرتے۔ مگر گول مول باتوں میں چھپ چھپ کر جھوٹ کو پیش کرنا میر صاحب کو معلوم ہونا چاہئیے کہ وہ خود شیشوں کے محل میں رہتے ہیں اور اگر اس طریق سے کچھ فائدہ مقصود

ہے تو پتھر پھینکنے والے بہت پیدا ہو جائیں گے۔

10 ستمبر 1924ء

قسط۔3

حضرت امیر سے سوال و جواب

(7) آپ نے میرے سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ مہدی کی احادیث کو تو مجروح قرار دیا گیا ہے۔ اور امام بخاریؒ و مسلمؒ دونوں نے مہدی کی کسی حدیث کو قبول نہیں کیا۔ حیات مسیح پر کوئی حدیث نہیں، یہ عقیدہ مسلمانوں میں تدریجاً پھیلتا چلا گیا۔ معلوم ہوتا ہے صحابہؓ تو وفات مسیحؑ کے عقیدہ پر متفق نظر آتے ہیں۔ ابتدائی صدیوں میں امام مالک بہ صراحت وفات مسیحؑ کے قائل ہیں۔ اس کے بعد یہ عقیدہ آہستہ آہستہ زیادہ مروج ہوتا چلا گیا۔ اس کے متعلق حسب ذیل تنقیحات ہیں:

سوال (الف) جب مہدی کی احادیث مجروح تھیں، تو مرزا صاحب مہدی موعود کیسے ہوئے۔

جواب۔ خلفائے راشدینؓ بھی مہدی ہیں۔ آنے والا عیسیٰ بھی ایک مہدی ہے۔ جو احادیث یہ بتلاتی ہیں کہ مہدی تلوار سے لوگوں کو مسلمان کرے گا، وہ صحیح نہیں ہوسکتیں۔ مجروح احادیث میں بھی کوئی حصہ صحیح ہوسکتا ہے۔ ان کی ہر ایک بات قابل قبول نہیں۔

سوال (ب) امام بخاریؒ و مسلمؒ نے مہدی کی احادیث کا انکار کیا ہے یا صرف اتنا ہے کہ اُنہوں نے ان کو اپنی صحیحین میں داخل نہیں کیا۔ اگر انکار کیا ہے تو ان کا انکار بحوالہ کتاب نقل کیا جائے۔ اور اگر انہوں نے ان کو اپنی صحیحین میں داخل نہیں کیا، تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ اُنہوں نے ان کو قبول نہیں کیا۔ کیا جو حدیث بخاریؒ و مسلمؒ میں نہیں وہ ان کے نزدیک نامعقول ہے۔

جواب۔ آپ میرے پہلے جواب کو پھر پڑھ لیں، میں نے یہی لکھا تھا کہ قبول نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ حدیثیں ان کے وقت میں مشہور تھیں۔ اگر وہ انہیں قابل قبول سمجھتے، تو قبول کر لیتے اور اپنی کتاب میں داخل کر لیتے۔

سوال (ج) کیا اس بات کی کوئی سند ہے کہ صحابہؓ کُل کے کُل وفات مسیحؑ کے قائل تھے؟

جواب۔ حضرت ابوبکرؓ کے خطبہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جو آنحضرت ﷺ کے وصال پر پڑھا گیا۔ اگر صحابہؓ کا یہ خیال ہوتا کہ بعض پہلے نبی زندہ ہیں، تو آیت **مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** (144:3) کا کام نہ دیتی۔

سوال (د) جب صحابہؓ کا اس مسئلہ پر اجماع تھا تو تابعین میں اتنا جلد کیوں تغیر آ گیا کہ صرف امام مالکؒ موت مسیحؑ کے قائل رہ گئے؟

جواب۔ میں نے کب کہا کہ صرف امام مالکؒ قائل تھے۔ اور بھی بہتیرے ہوں گے اور وہ تبع تابعین میں ہیں۔

سوال (ہ) کیا امام مالکؒ کا یہ قول کہ عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں، کسی قابل اعتبار سند سے ثابت ہے۔

جواب۔ کم سے کم یہ قول مرزا صاحب نے نہیں بنایا۔ آپ سے پہلے کا موجود ہے۔ مجمع البحار میں منقول ہے۔ اور معلم شرح صحیح مسلم میں۔ اور ہم اس کو اور صحابہؓ کے اجماع کو تائیداً پیش کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے مسئلہ کا انحصار صحابہؓ کے اجماع یا امام مالکؒ کے قول پر نہیں، قرآن کریم پر ہے۔ اگر سند موجود ہو بھی، تو اس کی وقعت اس سے بڑھ نہیں جاتی یہ کوئی نبی ﷺ کی حدیث نہیں۔

سوال (و) کیا اس قول میں یہ بھی تصریح ہے کہ اب وہ دوبارہ نازل نہ ہوں

گے۔ کیونکہ بعض مفسرین کی یہ بھی رائے ہے کہ چند ساعت کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر عارضی طور پر موت طاری کر دی گئی تھی۔ اور پھر ان کو دوبارہ زندہ کر کے اُٹھا لیا گیا تھا۔ سو ممکن ہے کہ بشرط ثبوت قول مذکور کے امام مالکؒ کی بھی یہی رائے ہو۔

جواب۔ آپ کتابوں کو لے کر دیکھ سکتے ہیں۔ میں نے نزولِ مسیحؑ کے متعلق امام مالکؒ کا قول پیش نہیں کیا۔ وفات مسیحؑ پر کیا ہے۔ وفات مسیح اور نزولِ مسیحؑ دو الگ مسائل ہیں۔ اور نزول مسیح ایک پیشگوئی ہے۔ جس کی حقیقت قبل از وقت معلوم نہیں ہوتی۔

سوال (ز) کیا صحابہؓ اور تابعین **وَمَنْ بَعْدَهُمْ نَزُوْل عِيْسٰى عليه السلام** کی حدیثوں کا صحیح مطلب سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ آخر زمانہ میں ہندوستان ملک پنجاب میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا، جو ان احادیث کا مصداق ہوگا۔

جواب۔ ان سوالات پر مجھے افسوس ہوتا ہے کہ آپ جیسے انسان کے قلم سے نکلیں۔ یہ مولویوں کا کام تھا۔ پیشگوئیوں میں تفصیلات کا علم نہیں دیا جاتا۔ کیا حضرت موسیٰؑ کے اصحاب مثیل موسیٰ والی پیشگوئی کا صحیح مطلب یہ سمجھتے تھے؟ کہ حضرت موسیٰؑ سے دو ہزار سال بعد مکہ میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو ان پیشگوئیوں کا مصداق ہوگا۔ یا اور انبیاء نے، جو پیشگوئیاں آنحضرت ﷺ کے لئے کی ہیں، ان کا مطلب ان انبیاءؑ کے پیرویوں سمجھتے تھے۔ محتاط لوگ پیشگوئیوں کے معاملہ کو سپرد خدا کرتے ہیں۔ اور ان کی اصل حقیقت بھی ان کے پورا ہونے کے وقت ہی کھلتی ہے۔ ہاں سب کی فقاہت یکساں نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں کہ ظاہر پر محمول کر کے غلطی کھا جائیں۔

سوال (ح) جب قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کی موت (آپ حضرات کے خیال سے، آیات محکمات سے ثابت ہے۔ اور کسی حدیث میں ان کی حیات مذکور نہیں، اور صحابہؓ بھی قاطبۃً ان کی موت کے قائل ہیں۔ اور امام مالکؒ ان کی موت کی تصریح کر رہے ہیں، تو پھر تمام علماء اُمت کے کان میں یہ عقیدہ کون پھونک گیا تھا کہ باوجود ہزاروں

اختلاف اور بیسیوں فرقہ بندیوں کے اس مسئلہ میں ان میں اختلاف بھی نہ ہوا۔ اور سب کے سب اسی کو مانتے ہی چلے آئے، حتیٰ کہ مرزا صاحب سے پہلے کے مجددین بھی برابر اسی غلطی میں مبتلاء رہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ خدا نے بھی اپنی گفتگو میں انہیں نہیں بتایا کہ تمہارا یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے اور اس سے عیسائیوں کو قوت ہوتی ہے، اور اسلام کو سخت ضرر پہنچتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ آخر یہ کیا بات ہے؟

جواب۔ عام لوگوں کو نزول ابن مریم کی پیش گوئی سے اور کسی قدر عیسائیوں کے عقائد سے غلطی لگی۔ چونکہ ابن مریم کے نزول کا ذکر احادیث میں تھا، اس لئے آہستہ آہستہ یہ خیال قوت پکڑتا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود آئیں گے۔ اور حدیث کے سامنے قرآن کریم کے الفاظ کی تاویل کر لی گئی حالانکہ یہ چاہئیے تھا کہ قرآن کریم کے الفاظ کے سامنے حدیث کے الفاظ کی تاویل کی جاتی۔ یعنی حدیث کہتی تھی کہ ابن مریم آئیں گے، قرآن کریم فرماتا تھا کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے، تو بجائے لفظ وفات کی غلط تاویل کرنے کے، جو مفسرین نے کی، حالانکہ لغت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ نزول کی صحیح تاویل کرنی چاہئے تھی۔ جس کو لغت صحیح قرار دیتی ہے۔ یعنی جن بندوں کو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے، ان پر نزول کا لفظ بول دیا جاتا ہے۔ مگر وفات کا لفظ روح مع جسم کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے پر نہیں بولا جاتا۔ بلکہ روح کے قبض کئے جانے پر ہی بولا جاتا ہے۔ تو اس غلط تاویل کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا عقیدہ زور پکڑتا چلا گیا۔ مگر وفاتِ مسیح کے قائل بھی بہت لوگ اس اُمت میں رہے ہیں۔

آپ کے یہ الفاظ کہ اُس پر طرّہ یہ کہ خدا نے بھی اپنی گفتگو میں انہیں نہیں بتایا'' بتاتا ہے کہ آپ مولویانہ بحثوں کے زیر اثر ہیں۔ اگر تو آپ کا یہ عقیدہ ہے یا آپ کے علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ مجددین بھی نبی کی طرح غلطی سے پاک ہوتے ہیں، تو آپ کو یہ کہنا چاہئے تھا۔ اور اگر آپ مانتے ہیں کہ مجددین سے بھی غلطی ہوسکتی ہے تو پھر بے معنی سوال

ہے۔ ہاں جب اسلام کو ضرر پہنچنے کا وقت آیا تو خدا نے اپنے مجدد کو اس غلطی سے اطلاع دے دی۔ لیکن اب علماء اس غلطی کی اصلاح میں روک ہو رہے ہیں۔

(8) آپ نے میرے سوال کے جواب میں لکھا ہے۔ یہ عقائد خصوصیت سے حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں اس لئے مخل ہوئے کہ عیسائیت نے مسلمانوں کے ان عقیدوں کو اسلام کے خلاف اور عیسائیت کی تائید میں ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ عقیدے تو پہلے بھی تھے، مگر اس وقت اسلام کو ان سے ضرر نہ پہنچتا تھا۔ اس زمانہ میں خصوصیت سے ان عقائد سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر اس صدی کے مجدد کو ان کی غلطی پر مطلع فرمایا، اس کے متعلق تنقیحات حسب ذیل ہیں:

سوال (الف) آپ نے جو رسالہ عیسائیوں کا بھیجا ہے۔ اس میں چودہ وجوہ سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جن میں سے چار وجوہ تو مسلمانوں کے اس عقیدہ سے متعلق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجسد عنصری اُٹھائے گئے اور قرب قیامت میں نازل ہوں گے۔ اور باقی دس وجوہ وہ ہیں جن کا تعلق قرآن کی دوسری تصریحات سے ہے۔ پس اگر مسلمانوں کے اس عقیدہ کو چار وجوہ کی بنا پر مسلمانوں کی گمراہی کا ذمہ دار بنایا جا سکتا ہے، تو باقی دس وجوہ کی بنا پر خود قرآن کو مسلمانوں کی گمراہی کا ذمہ دار کیوں نہ بنایا جائے؟ بالخصوص جبکہ وہ چار وجوہ بھی قرآن ہی سے مستنبط ہوں۔ تب تو پوری ذمہ داری خود قرآن پر عائد ہوتی ہے۔

جواب۔ آپ نے غور نہیں فرمایا۔ اور محض اعتراضوں کی فہرست بڑھانے کی طرف ہی توجہ رہی ہے۔ ان دس باتوں کا مسلمانوں کے پاس دلائل کے رنگ میں جواب ہے۔ لیکن ان چار باتوں کا دلائل کے رنگ میں کوئی جواب نہیں، اس لئے اس عقیدہ کو ان کی گمراہی کا موجب کہا جا سکتا ہے۔ یوں عیسائی بیسیوں باتیں کہتے رہیں، آپ ہی فرمایئے کہ آپ کے پاس ان کے اس اعتراض کا کیا جواب ہے کہ حضرت عیسیٰ دو ہزار

سال سے بغیر کھانے پینے کی احتیاج کے اس جسم عنصری کے ساتھ زندہ موجود ہیں۔ اور ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں آتا۔ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ کے مصداق ہیں؟ سارے رسولوںؑ کے جسموں کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا وَمَا جَعَلْنٰـھُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا کَانُوْا خٰلِدِیْنَ (8:21) کہ ان کے جسم ہم نے ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ وہ غیر تغیر پذیر ہیں۔ لیکن حضرت عیسٰیؑ کا جسم مسلمانوں کے اس عقیدہ کی رو سے ایسا ہے کہ نہ وہ کھانا کھاتے ہیں، اور نہ تغیر پذیر ہیں۔ اگر اس کا کوئی جواب آپ کے کسی عالم نے آج تک دیا ہے اور آپ کی اس سے تشفی ہوگئی ہے، تو آپ مجھے لکھیں۔ آپ اس اپنی کمزوری کو اس رنگ میں چھپانا چاہتے ہیں کہ عیسائی اور اعتراض بھی کرتے ہیں۔

سوال (ب) اگر کہا جائے کہ یہ عیسائیوں کے غلط استدلال ہیں، اس لئے قرآن ان کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا تو مسلمانوں کا عقیدہ مذکور اس کا ذمہ دار کیونکر ہوسکتا ہے۔ جبکہ اس استدلال کا منشا بھی خود عیسائیوں کی غلطی ہے۔

جواب۔ اس میں عیسائیوں کی اس غلطی کو آپ دلائل کے رنگ میں ظاہر کریں۔ آپ کے علماء تو آج تک نہیں کر سکے!

سوال (ج) عیسائی کسی وقت بھی ایسے مغلوب نہیں ہوئے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں لب کشائی نہ کر سکیں، بلکہ وہ ہمیشہ مسلمانوں سے تلواروں سے اور دلائل سے لڑتے رہے۔ پھر کیوں مان لیا جائے کہ اس عقیدہ سے پہلے ضرر نہ تھا اور خاص مرزا صاحب کے زمانہ میں ضرر پیدا ہوا ہے۔

جواب۔ واقعات سے آنکھیں بند کر لینا دانشمندی نہیں۔ عیسائیوں کو کبھی جرأت نہیں ہوئی کہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے پر اپنی توجہ اس طرح لگائیں اور اس طرح کوشش کریں جو آج کر رہے ہیں۔ ہاں! جبر کے رنگ میں اگر مسلمانوں کی بیخ کنی کسی ملک سے کر دی ہو، تو وہ الگ معاملہ ہے۔ لیکن دلائل کے ساتھ مذہب کی تبلیغ کر کے

مسلمانوں کو عیسائی بنانے پر اس قدر زور اس زمانہ میں صرف ہوا، اور اس زمانہ میں ہزاروں ناواقف مسلمان اسلام کو چھوڑ کر پرستارِ صلیب بن گئے۔ حتّٰی کہ اس ملک ہندوستان میں بڑے بڑے مولوی کہلانے والے بھی عیسائیت کا شکار ہوئے!

سوال (د) بالفرض اگر مان لیا جائے کہ مسلمانوں کی قوت کی وجہ سے اسلام کو پہلے عیسائیوں سے خطرہ نہ تھا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تقریباً تیرہ سو برس تک اسلام کے پاس بجز تلوار کے اور کوئی پناہ نہ تھی۔ کیونکہ اگر عیسائی مسلمانوں کے مقابلہ میں حیاتِ مسیح کے ہتھیار سے کام لیتے، تو مسلمانوں کے پاس بجز تلوار کے کوئی جواب نہ تھا۔ پس میں نہیں سمجھتا کہ اس کو کیونکر قبول کر لیا جائے گا اور جبکہ آپ حضرات اس کو گوارا نہیں کرتے کہ مہدی آخر الزمان صرف نو دس برس تک کفار کو تلوار کے ذریعہ سے مغلوب کرے تو آپ اس کو کیونکر جائز رکھیں گے کہ مسلمانوں نے تیرہ سو برس تک کفار کو تلوار سے مغلوب رکھا ہے۔

جواب۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ بعض سوالات میں تحقیق طلبی کی بو تک نہیں، میں نے کب کہا تھا کہ پہلے مسلمانوں کے پاس تلوار کے سوائے کوئی پناہ نہ تھی، اور وہ دلائل سے کام نہ لیا کرتے تھے۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ عیسائیت نے اسی زمانہ میں ان عقائد کو اسلام کے خلاف ہتھیار بنایا۔ اگر آپ میری بات کو ہی جھٹلانا ضروری سمجھتے ہیں اور میری ہر بات کا جواب ضروری ہے، تو آپ تاریخ سے کوئی شہادت پیش کریں کہ پہلے جو اعتراض عیسائی کرتے رہے ہیں، ان میں بھی اس بات کو محل اعتراض بنایا گیا ہے۔

سوال (ہ)۔ اچھا بالفرض بیشتر یہ ضرر نہ تھا کہ عیسائی مسلمانوں کو گمراہ کرتے، لیکن اس وقت یہ ضرر تو موجود ہے۔ جملہ مسلمان قرآن کے خلاف عقیدہ رکھتے تھے۔ اور گویا بزبان حال کہہ رہے تھے کہ خدا نعوذ باللہ جھوٹا ہے جو ممات حضرت مسیح کا قائل ہے۔

جواب۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ اسے خدا کا جھٹلانا نہیں کہتے، اس

بات کی طرف ان کی توجہ نہیں گئی۔ وہ یہ نہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تو قرآن میں فرماتا ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پاگئے، مگر ہم نہیں مانیں گے۔ ان کے دِلوں میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ کی وفات کا ذکر ہے۔ بلکہ یا تو انہیں ان آیات کی طرف سے ذہول رہا اور یا اس غالب خیال کی وجہ سے، کہ حضرت عیسیٰ زندہ ہیں، قرآن کریم کے الفاظ کی تاویل کرلی۔ ہاں آج کل بے شک بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ وہ یہ بات بزبان حال کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے سامنے قرآن کی آیات بھی آگئیں۔ اور تاویل کی غلطی کو بھی ظاہر کردیا گیا۔ مگر پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم اپنے پرانے عقائد کو نہ چھوڑیں گے!

اور کیا آپ کو علم نہیں کہ بہت سے عقائد مسلمانوں میں ایسے پھیلے ہوئے ہیں، جو تعلیم قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ کتنے مشرکانہ عقائد ہیں، مگر سب غلطیاں ہیں۔ اب آپ یہ اصول بنانا چاہتے ہیں کہ جس دن کوئی قوم کسی قسم کی غلطی کرے، خدا کا فرض ہوجاتا ہے کہ اسی دن ایک نبی یا مامور بھیج کر اس کی اصلاح کردے۔ فرمایئے! اگر ایک عیسائی آپ پر یہ اعتراض کرے کہ اگر عیسائیوں کا تثلیث اور کفارہ کا عقیدہ غلط ہے تو اللہ تعالیٰ نے عیسائی قوم کو چھ سو سال کیوں اس خطرناک گمراہی میں رہنے دیا۔ اور کیوں پہلے ہی رسول بھیج کر اس غلطی کو صاف نہ کردیا۔ اور کیوں جب رسول آ گیا تو پھر بھی عیسائیوں کی وہ غلطی فوراً دور نہ ہوئی، بلکہ اس کے لئے مسیح موعود کی ضرورت ہوئی۔ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اللہ تعالیٰ اپنے مصالح کو آپ بہتر سمجھتا ہے۔ ان باتوں پر اگر صداقتوں کا انکار کیا جائے، تو سرے سے تمام سلسلہ نبوت ہی باطل ہوجائے گا۔ آپ کے ایسے سوالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو آپ کو غلط مشورہ دیا جاتا ہے۔ اور یا آپ کے دل کی وہ کیفیت نہیں، جس کی ضرورت تحقیق حق کے لئے ہوا کرتی ہے۔

<u>14 ستمبر 1924ء</u>

(10) آپ نے میرے سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ غلو کرنے والا فریق میاں محمود احمد صاحب قادیانی کا ہے۔ دو فرقے 1914ء میں حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم کی وفات پر ہوئے اور اسی وقت اختلاف رونما ہوا۔ اس فرقہ کے ممتاز لوگ مولوی سرور شاہ، مفتی محمد صادق، مولوی شیر علی وغیرہ ان کے متعلق

حسب ذیل سوالات ہیں:

سوال (الف) مولوی نورالدین صاحب کے وقت تک ان لوگوں کا کیا عقیدہ تھا؟

جواب۔ یہ لوگ عموماً سب مانتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب نے لفظ نبی کا استعمال مجازی طور پر بمعنی محدث کیا ہے۔اس کے لئے چند حوالہ جات ان کی کتابوں کے بھیجتا ہوں۔ جو اتمام حجت نمبر 1 میں چھپے ہوئے ہیں۔مفتی محمد صادق،مولوی سرور شاہ، میر محمد سعید، میر قاسم علی،مولوی غلام نبی وغیرہ جن جن لوگوں نے مخالفین کے جواب میں کتابیں لکھیں،سب نے اسی بات کو تسلیم کیا ہے۔حتیٰ کہ خود میاں محمود احمد صاحب نے خاتم النّبیّن کی تشریح 1910ء میں کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد آج تک کوئی نبی نہیں ہوا،اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔ان کی تحریر کا حوالہ بھی ارسال خدمت ہے۔آپ ان دونوں کو غور سے مطالعہ فرمائیں۔

سوال (ب) میاں محمود احمد صاحب اور مولوی سرور شاہ صاحب وغیرہ حضرت مرزا صاحب سے براہ راست مستفید ہیں یا مولوی نورالدین صاحب سے۔

جواب۔میاں محمود احمد صاحب کی عمر حضرت مرزا صاحب کی وفات کے وقت 18 سال تھی، مولوی سرور شاہ کے متعلق میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ کب حضرت مرزا صاحب سے بیعت ہوئے۔اور اس کا فائدہ بھی کچھ نہیں۔غلطی ہر ایک سے ہوسکتی ہے۔

سوال (ج) خود مولوی نورالدین کا عقیدہ کیا تھا۔وہ مرزا صاحب کو نبی مانتے تھے یا مجدد؟

جواب۔ وہ حضرت مرزا صاحب کو مجدد مانتے تھے۔ ہاں! کبھی لفظ نبی لغوی

معنے یا مجازی معنے میں استعمال کرلیا ہو، جس طرح حضرت مرزا صاحب نے کیا، تو یہ اور بات ہے۔ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطوط موجود ہیں۔ جن میں احمدیوں کو ایسے مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، جو حضرت صاحب کو کافر نہیں کہتے اور آپ سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ اگر نبی مانتے تو میاں محمود احمد صاحب کی طرح روئے زمین کے مسلمانوں کو کافر مانتے!

سوال (د) کیا یہ صحیح ہے کہ میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر اخبار الحق نے، اس مباحثہ میں جو ان کے اور مولوی ثناء اللہ کے درمیان اپریل 1912ء بمقام لدھیانہ میں ہوا تھا، سردار بچن سنگھ سرپنچ کے روبرو یہ بیان دیئے کہ اسلام میں انبیاء دو قسم کے ہیں۔ ایک صاحب شریعت و صاحب اُمت۔ دوم جو اسی شریعت اور اسی نبی کے ماتحت ہوں۔ پہلی قسم کی مثال حضرت محمد ﷺ نبی اسلام ہیں۔ اور دوسری مثال حضرت یحییٰ، مرزا صاحب قسم دوم کے نبی تھے الخ

جواب۔ میں نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ مرزا صاحب کے مریدوں میں کوئی کم فہم نہ تھا یا کوئی ایسا نہ تھا کہ اس کی فقاہت میں نقص ہو۔ پس اگر میر قاسم علی سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے تو اس سے حضرت صاحب پر اعتراض نہیں آتا۔ جس شخص نے آپ کو میر قاسم علی کی وہ تحریر دکھائی ہے جس میں حضرت یحییٰ اور حضرت مرزا صاحب کو دوسری قسم کے نبی کہا ہے، اس نے غالباً اس کا اگلا حصہ بھی دکھایا ہوگا۔ سوال و جواب کو پڑھ لیں اور پھر رائے قائم کریں کہ میر قاسم علی گو غلطی سے حضرت یحییٰ کو حضرت مرزا صاحب کے ساتھ شامل کرتا ہے مگر وہ حضرت مرزا صاحب کو مجدد اور **علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل** کا مصداق مانتا ہے۔ وہ سوال وجواب حسب ذیل ہیں:۔

سوال۔ ان دونوں اقسام کے انبیاؤں میں روحانیت کے لحاظ سے کچھ فرق ہوتا ہے۔

جواب۔ (ہاں) اول قسم کے انبیاء پورے کمال کو پہنچے ہوئے اور دوئم قسم کے اس سے کم درجہ پر ہوتے ہیں۔ جیسے مالک اور نوکر کی حیثیت۔

سوال۔ حضرت محمد (ﷺ) کے بعد آپ کی مقرر کردہ قسم دوم میں کون کون نبی ہوئے ہیں؟

جواب۔ ہمارے عقیدہ میں جتنے نائب خلفا یا مجددین حضرت محمد ﷺ کے بعد ہوئے ہیں، وہ سب کے سب قسم دوم کے نبی تھے۔ جیسا کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے: **عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ** میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔

یہ سوال ثالث کے تھے اور جواب میر قاسم علی کے ہیں۔ جو اس کے ساتھ ہی چھپے ہوئے ہیں۔ جہاں سے ایک حصہ آپ نے نقل کیا ہے۔ معلوم نہیں اس حصہ پر آپ کی نظر کیوں نہ پڑی، یا جس نے آپ کو دکھایا دھوکا دینا چاہا، کہ اصلیت آپ پر ظاہر نہ ہو جائے۔ ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ میر قاسم علی حضرت مرزا صاحب کا مرتبہ روحانیت میں آنحضرت ﷺ سے کم مانتا ہے۔ اور آپ کو علمائے اُمت میں سے ایک مان کر انبیاء بنی اسرائیل کی مانند قرار دیتا ہے۔ اور آپ کو کوئی ایسا مرتبہ نہیں دیتا، جو دیگر مجددین یا خلفاء رسول کو نہ دیتا ہو۔ ہاں یہ اس کی فقاہت کی کمی ہے کہ وہ حضرت یحیٰ کو حضرت مرزا صاحب یا اس اُمت کے مجددین کے ساتھ ایک قرار دیتا ہے۔

سوال (ہ) اگر یہ صحیح ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت کا عقیدہ خود مولوی نورالدین صاحب بلکہ خود حضرت مرزا صاحب کی حیات میں موجود تھا۔ اور میاں محمود احمد کا گروہ کوئی نیا گروہ نہیں ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کے نزدیک نبی ظلی و بروزی و نبی مجازی کے معنے نبی غیر صاحب شرع ہیں۔ پھر یہ بیان کیونکر صحیح ہوگا کہ یہ اختلاف 1914ء میں وجود میں آیا۔

جواب۔ جو آپ کا خیال تھا وہ تو صحیح نہیں نکلا۔لیکن اگر صحیح بھی ہوتا،تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی زندگی میں بھی یہ عقیدہ موجود تھا۔ میر قاسم علی کی بحث ہی مرزا صاحب کی وفات پر تھی۔مولوی نورالدین صاحب کے زمانہ میں بے شک اس قسم کی غلطیاں ہوئی ہیں۔لیکن جماعت کا عام رویہ اس کے خلاف تھا اور وہ غلطیاں شاذ و نادر کے طور پر ہیں۔ ناواقفیت یا کمی فقاہت سے ایسی غلطی کا پیدا ہو جانا ایک معمولی امر ہے، جس سے پہلے بزرگوں کے حالات خالی نہیں۔

پھر میر قاسم علی کے ایک خیال سے آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس جماعت کے نزدیک نبی ظلی و بروزی و نبی مجازی کے معنی نبی غیر صاحب شرع ہیں۔کیا یہ طریق استدلال صحیح ہے؟ کیا آپ کا فرض نہ تھا کہ جو نتیجہ آپ نے نکالنا تھا وہ خود حضرت مرزا صاحب کی کسی تحریر سے نکالتے۔اور کیا اگر میر قاسم علی کی تحریر آپ کو مل گئی تھی،تو مرزا صاحب کی تحریر ملنی ناممکن تھی۔غور فرمائیے کہ آپ کا قدم کس طرح غلط راستہ پر جارہا ہے۔عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کے لئے ہر ایک پہلے خیال کو، جو غلطی سے آپ کے دل میں جما ہوا ہے، دور کرنا چاہئے اور ایک صاف دل لے کر بیٹھنا چاہئے۔آپ کو غور یہ کرنا چاہئے تھا کہ حضرت مرزا صاحب کے نزدیک ان اصطلاحات کے کیا معنی ہیں؟ ظلی نبوت کے معنے حضرت صاحب نے خود اپنی آخری کتاب حقیقت الوحی میں لکھے ہیں۔ظلی نبوت جس کے معنے ہیں محض فیض محمدی سے وحی پانا۔صفحہ 27۔مجازی نبوت کی تشریح آپ نے خود ازالہ اوہام میں کی ہے۔ جہاں اسے محدث کے ہم معنے قرار دیا ہے۔ذیل کی عبارت کو دیکھ لیں:

سوال۔رسالہ فتح اسلام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

جواب۔نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے۔جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے۔جس حالت میں رؤیا صالحہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے تو محدثیت ، جو قرآن شریف میں نبوت کے ساتھ اور رسالت کے ہم پہلو بیان کی گئی ہے، جس کے لئے صحیح بخاری میں حدیث بھی موجود ہے، اس کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا

جائے یا ایک شعبہ قو یہ نبوت کا ٹھہرایا جائے، تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آ گیا۔''
(ازالہ صفحہ 421، 422)

ایسا ہی آپ نے بار بار اپنی آخری کتابوں میں لکھا کہ مجھے صرف نبی کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں نبوت محمد یہ کی ہتک ہے۔ مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ نبوت کاملہ تامہ محمد یہ کی اس میں ہتک ہے۔ ہاں امتی اور نبی دونوں لفظ اجتماعی حالت میں اس پر صادق آ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں نبوت تامہ کاملہ محمد یہ کی ہتک نہیں۔''
(الوصیت صفحہ 12)

''میں صرف نبی نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔ اور میری نبوت آنحضرتؐ کی ظل ہے نہ کہ اصلی نبوت۔(حقیقۃ الوحی صفحہ 150)

اور لفظ امتی نبی جو یہاں استعمال کیا ہے اس کی تشریح بھی ازالہ اوہام میں موجود ہے کہ محدث کو امتی نبی کہیں گے۔

''صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہوسکتا۔ اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے۔ اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے رو سے بکلی ممتنع ہے۔ اللہ جلّ شانہ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (64:4) یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو۔ ہاں محدث، جو مرسلین میں سے ہے، امتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی۔ امتی وہ اس وجہ سے کہ وہ بکلی تابع شریعت رسول اللہ اور مشکوٰۃ رسالت سے فیض پانے والا ہوتا ہے۔ اور نبی اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نبیوں کا سا معاملہ اس سے کرتا ہے۔ اور محدث کا وجود انبیاء اور امم میں بطور برزخ کے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ وہ اگرچہ کامل طور پر امتی ہے، مگر ایک وجہ سے نبی بھی ہوتا ہے۔ اور محدث کے لئے ضرور ہے کہ وہ کسی نبی کا مثیل ہو۔ اور خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی نام

پاوے جو اس نبی کا نام ہے۔(ازالہ اوھام صفحہ 569)

ان کھلی کھلی تشریحات کے ہوتے ہوئے میر قاسم علی کا ایک ادھورا حوالہ نقل کر کے اس پر یہ عمارت بنانا، کہ مرزا صاحب بھی یہ تشریح کرتے ہوں گے، خود ہی غور کر لیں کہ آپ کے قلب کی کس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے؟

سوال 11۔ آپ نے میرے سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ یہ فرقہ ہماری جماعت سے بڑا ہے۔ اس کے متعلق سوال یہ ہے:

کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مرزا صاحب کے ماننے والوں میں اکثر لوگ مرزا صاحب کو مدعی نبوت مانتے ہیں۔ جبکہ مرزا صاحب کے انتقال کو کچھ زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا اور ان کی تصنیفات بھی بلا تحریف موجود ہیں۔ اور خود مرزا صاحب کے دیکھنے والے اور ان سے مستفید بھی اختلاف کے وقت موجود تھے۔ بلکہ اب تک موجود ہیں۔ یہ حالت قوی شبہ پیدا کرتی ہے کہ مرزا صاحب ضرور مدعی نبوت تھے یا کم از کم انہوں نے اپنے دعویٰ کی کوئی واضح تشریح نہیں کی۔ حالانکہ ان کا پہلا فرض تھا کہ اپنے دعویٰ کی نہایت واضح تشریح کرتے۔ کیونکہ ان کے کارناموں کی بنا ان کا دعویٰ ہی تھا۔

جواب: عیسائیوں میں تو تثلیث و کفارہ کا ماننے والا فرقہ اتنا بڑا ہے کہ اس کی ضد فرقہ النادر کالمعدوم کا حکم رکھتا ہے۔ آپ ایک حالت کو دیکھ کر قوی شبہ تو پیدا کر لیتے ہیں کہ ضرور ضرور مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا ہو گا یا تشریح نہیں کی ہو گی۔ مرزا صاحب کی کتابیں آپ کے سامنے موجود ہیں۔ انہیں دیکھ کر کیوں اطمینان نہیں فرما لیتے! انہی لوگوں کی پہلی تحریریں موجود ہیں۔ ان سے اس شبہ کو کیوں دور نہیں کر لیتے! حضرت مرزا صاحب پر جب کفر کا فتویٰ لگا تو اسی بنا پر لگا تھا کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ نہیں، بیسیوں مرتبہ اس کا صراحت سے انکار کیا۔ قسمیں کھا کر انکار کیا اور مدعی نبوت کو کاذب و کافر کہا۔ صرف چند الفاظ نقل کرتا ہوں!

☆ ''اور سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحیٔ رسالت حضرت آدمؑ صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰؐ پر ختم ہوگئی۔''

☆ ''مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاءؐ کی ختم نبوت کا قائل ہوں۔ اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔''

یہ وہ عبارتیں ہیں جو میر قاسم علی نے اپنی کتاب دین الحق میں 1910ء میں (یعنی حضرت مرزا صاحب کی وفات سے دو سال بعد) نقل کی ہیں۔ چونکہ آپ کو میر قاسم علی سے خاص انس معلوم ہوتا ہے، اس لئے ان کی کتاب سے حضرت مرزا صاحب کی عبارتیں نقل کر دی ہیں۔ اور حضرت مرزا صاحب کی تحریریں تو اس انکار سے بھری پڑی ہیں۔ پھر جماعت کا بڑا حصہ کیوں دوسری طرف چلا گیا؟ میاں محمود احمد کو غلطی لگی۔ وہ مرشد کا بیٹا تھا۔ اور پیر پرستی کی بیماری مسلمانوں کے اندر ایسی رچی ہوئی ہے کہ ایک مجدد کی جماعت کا بھی کثیر حصہ اس میں پڑ گیا۔ اب اس پر آپ کو ایک نیا اعتراض سوجھے گا۔ اس لئے اس کا جواب پہلے سے دے دیتا ہوں۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھی ان کی زندگی میں چالیس دن کی غیر حاضری میں عجل پرستی میں پڑ گئے تھے۔ یہ باتیں دنیا میں ہوتی رہتی ہیں۔ اب بھی میں جانتا ہوں کہ جماعت کے بڑے حصہ کو میاں صاحب نے اسی طرح روکا ہوا ہے کہ ہماری تحریریں پڑھنے کی انہیں اجازت نہیں دیتے۔ ورنہ حضرت صاحب کے صحبت یافتہ لوگوں میں سے بہت ایسے ہیں جو میاں صاحب کے ان عقیدوں سے اختلاف رکھتے ہیں۔ سینکڑوں ایسے ہیں جو اس غلطی کو معلوم کر کے میاں صاحب کی بیعت فسخ کر چکے ہیں۔ اور بہتیرے ایسے ہیں جو اب بھی کر رہے ہیں۔ انہی میں مولینا سید محمد احسن صاحب جیسے جید عالم ہیں، جو حضرت صاحب کے قدیم ترین رفقاء میں

سے ہیں اور جنہوں نے حضرت صاحب کی تائید میں چالیس کے قریب کتابیں لکھی ہیں۔ ایسا ہی مرزا خدا بخش مصنف عسل مصطفیٰ اور دوسرے بہت سے مقتدر اصحاب ہیں، جنہوں نے پہلے میاں صاحب کی بیعت کرلی، مگر ان کے غلط عقائد کو معلوم کر کے رجوع کرلیا۔ عوام بیچاروں سے یہ اُمید نہیں رکھی جاسکتی!

سوال 12۔ آپ نے میرے سوال کے جواب میں لکھا ہے یہ فرقہ اب تک ترقی کررہا ہے۔ لیکن ان کے عقائد یقیناً ایسے ہیں کہ عام طور پر مسلمان کبھی انہیں قبول نہیں کرسکتے۔ اس کے متعلق سوال یہ ہے کہ پھر لوگ اس جماعت میں کیوں داخل ہوتے ہیں اور یہ جماعت کیوں ترقی کررہی ہے؟

جواب۔ لوگ عیسائی کیوں ہوتے جاتے ہیں۔ دنیا میں اور غلط عقیدوں کو کیوں لوگ مان لیتے ہیں۔ علاوہ بریں یہ لوگ بھی کام اشاعتِ اسلام کا کرتے ہیں۔ اور لوگ کام کو دیکھتے ہیں۔ جن کے دِلوں میں خدمت اسلام کی تڑپ ہوتی ہے، وہ زیادہ چھان بین بھی نہیں کرتے۔ کام ہوتا دیکھ کر وہاں ساتھ لگ جاتے ہیں۔ اور شروع سے چونکہ احمدیت اور قادیان ایک سمجھے جاتے رہے ہیں، اس لئے بھی عموماً وہ لوگ، جن کو حضرت مرزا صاحب کی مجددیت اور مسیح موعود ہونے پر یقین آجاتا ہے، اسی طرف رجوع کرتے ہیں۔

سوال 13۔ آپ نے میرے سوال کے جواب میں لکھا ہے۔ قصداً افترا تو میں نہیں کہتا۔ کوئی اکا دُکا ان میں ایسا بھی............ غلطی میں ڈالا گیا۔ مثلاً حضرت مرزا صاحب پہلی کتابوں میں بھی یہی کہتے رہے، اور آخری کتاب حقیقۃ الوحی میں بھی صفائی سے لکھا ہے: **سُمِّيْتُ نَبِيًّا مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى سَبِيْلِ الْمَجَازِ لَاعَلٰى وَجْهِ الْحَقِيْقَةِ** میرا نام خدا کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا ہے نہ کہ حقیقی طور پر۔ اور انہوں نے صاف لکھا ہے کہ عام بول چال میں میرے متعلق لفظ نبی کا استعمال نہ کیا جائے، اس کے

متعلق سوال یہ ہے:۔

سوال (الف) کہ آپ کے الفاظ ہیں ''غلطی میں ڈالا گیا ہے۔'' سو وہ غلطی میں ڈالنے والا کون ہے؟

جواب۔غلطی میں ڈالنے والے سرکردہ لوگ ہوا کرتے ہیں۔عوام بیچارے ان کے متبع ہوتے ہیں۔جس طرح عموماً مسلمان بھی اپنے علماء اور پیروں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور تحقیق کا مادہ ان میں سے قریباً قریباً مفقود ہو گیا ہے۔

سوال (ب) جبکہ آپ کے بیان کے موافق مرزا صاحب کا دعویٰ بھی صاف ہے،اور ان لوگوں کو افتراء بھی مقصود نہیں۔تو پھر کیا وجہ ہے کہ جب آپ لوگ ان کی غلطی کو ظاہر کرتے ہیں تو وہ نہیں مانتے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ بات بھی صاف ہو،اور سمجھنے والا ہٹ دھرمی سے بھی کام نہ لے۔اور پھر وہ بھی غلطی پر قائم رہے۔اس لئے ہم کو یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہی صاف نہیں،یا یہ کہ جماعت کثیرہ ہٹ دھرمی سے کام لے کر دیدہ و دانستہ ایک غلط بات کو مرزا صاحب کی طرف منسوب کر رہی ہے۔

جواب۔اس کی وجہ پیر پرستی کی بیماری ہے۔قادیان کی طرف سے ہدایت ہے کہ ہم لوگوں سے میل ملاقات نہ رکھیں۔ ہماری تحریروں کو نہ پڑھیں۔ بعینہٖ وہی طریق، جو علماء نے حضرت مرزا صاحب کے متعلق اختیار کیا تھا کہ ان کی تحریریں نہ پڑھو۔ہٹ دھرمی علماء کی ہوتی ہے۔عوام تو پیچھے چلنا ہی جانتے ہیں۔اور افتراء کرنا اور ہٹ دھرمی دو الگ الگ باتیں ہیں۔

سوال (ج)۔ سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی سَبِیْلِ الْمَجَازِ لَاعَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ کا وہ لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔

جواب۔آپ ان سے دریافت کریں۔تعجب یہ ہے کہ آپ اگلے سوال میں

خود ان کی طرف سے جواب بھی دیتے ہیں۔ پھر مجھ سے پوچھنے کی ضرورت کیا تھی؟ پھر اسی جواب کو ''اگر'' کے ساتھ لکھتے ہیں کہ گویا یہ صرف آپ کا خیال ہے۔

سوال (د) اگر وہ یہ جواب دیں کہ نبی صاحب شرع بمنزلہ حقیقی نبی کے ہے، اور نبی متبع بمنزلہ نبی مجازی کے۔ پس معنے یہ ہوئے کہ مجھے خدا نے نبی متبع کہا ہے نہ کہ نبی صاحب شرع۔ تو آپ لوگ کیا جواب دیں گے۔ آپ حضرات لفظ نبی میں مجاز لیتے ہیں۔ اور دوسرا گروہ الفاظ عَلٰی سَبِیْلِ الْحَقِیْقَةِ اور عَلٰی وَجْهِ الْمَجَازِ میں۔ پس جبکہ آپ دونوں مجاز مراد لیتے ہیں تو ایک دوسرے کو یقیناً غلطی پر کیسے کہہ سکتا ہے۔ اور جبکہ یقیناً غلطی پر کسی کو نہیں کہا جا سکتا۔ تو مرزا صاحب کا دعویٰ مشتبہ ہو گیا اور صاف نہ رہا۔

جواب۔ تو یہ ان کی خود ساختہ تشریح ہوگی۔ حضرت مرزا صاحب نے صاف طور پر لکھا ہے کہ محدث کو مجازی نبی کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ کہیں تو پھر بھی ثابت یہی ہوا کہ جسے نبی متبع کہا جاتا ہے، وہ فی الحقیقت نبی نہیں، بلکہ مجازاً نبی ہے۔ اور یہی ہم کہتے ہیں کہ مجاز اور استعارہ کے طور پر کسی لفظ کا استعمال کرنا اور بات ہے۔ خود قرآن شریف میں بیسیوں الفاظ بطور مجاز اور استعارہ استعمال کئے گئے ہیں۔ ہاں اصطلاح شرعی میں نہ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا، نہ ہم اس لفظ کو سوائے مجاز کے طور پر استعمال کرنے کے ان کے حق میں استعمال کر سکتے ہیں۔ حضرت محی الدین ابن عربیؒ اور دیگر صوفیاءؒ نے اس قسم کی اصطلاح نبوت غیر تشریعی کی قائم کی ہے۔ یعنی وہ ولایت کو نبوت غیر تشریعی کہتے ہیں یا بعض وقت نبوت عامہ کہہ دیتے ہیں مگر ان کی تحریروں میں بھی صاف موجود ہے کہ یہ ولایت ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب نے بھی اپنی کتابوں میں صاف لکھا ہے کہ یہ صوفیوں کی اصطلاحات ہیں اور اس لئے عام بول چال میں اپنے متعلق لفظ نبی کے استعمال کو منع بھی فرمایا۔ مفصل اس پر دیکھنا چاہیں تو میری کتاب ''النبوۃ فی الاسلام'' کو دیکھ لیں۔

آپ کے یہ لفظ میری سمجھ میں نہیں آئے، ''آپ حضرات لفظ نبی میں مجاز لیتے ہیں، اور دوسرا گروہ لفظ الفاظ عَلٰی سَبِیۡلِ الۡحَقِیۡقَةِ اور عَلٰی وَجۡهِ الۡمَجَازِ میں' اس مہمل فقرہ سے آپ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کو مشتبہ بتاتے ہیں۔

14 ستمبر 1924ء

سرزمین کابل کی سنگدلی

نعمت اللہ خاں کو عقائد حقہ پر سنگسار کیا گیا

اشاعت گذشتہ میں ہم قارئین کرام کو نعمت اللہ خاں احمدی کے کابل میں سنگسار کئے جانے کی افسوس ناک خبر سنا چکے ہیں۔کل کے ''زمیندار'' میں اہلِ کابل کے اس وحشیانہ فعل کی مفصل وجوہ شائع ہوئی ہیں،جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمت اللہ خاں مرحوم کو محض احمدیت کی وجہ سے سنگسار کیا گیا، نہ کہ سیاسی وجوہ سے۔''زمیندار'' نے کابل کی تین شرعی عدالتوں کے فیصلے نقل کئے ہیں۔جن میں نعمت اللہ خاں شہید کے بیانات بھی ہیں،جن کی بنا پر انہیں سنگسار کیا گیا۔ان بیانات میں شہید مرحوم نے جن عقائد کا اظہار کیا ہے، وہ میاں محمود احمد صاحب کے عقائد نہیں، بلکہ وہ عقائد حقہ ہیں،جن کا اعلان ہماری طرف سے بارہا ہو چکا ہے۔مرحوم نے اپنے بیانات میں نہ عام مسلمانوں کو کافر قرار دیا ہے، نہ ارا کین حکومت کابل کو خارج از اسلام بتایا ہے، نہ حضرت مسیح موعود کی حقیقی نبوت کا اعلان کیا ہے، بلکہ آپ کو ظلی نبی کہنے کے ساتھ اس کے معنے کئے ہیں؟ یعنی فنا فی الرسول۔قائلین حیات مسیح کو ''مخطی'' (خطا کار) اور ''غلطی پر'' ہی کہا ہے۔اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔افسوس ہے کہ ان عقائد حقہ کو حکومت کابل کی نام نہاد رواداری نہ سپرٹ برداشت نہ کر سکی۔اور ایک معصوم اور بے کس مسلمان کو، جو اپنے سینہ میں اہل کابل کی خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات لے کر گیا تھا، پتھروں سے شہید کر دیا۔نہ صرف یہی، بلکہ عدالت نے حضرت مسیح موعود کو بھی ''کافر وملحد ومبتدع دائمی'' قرار دے کر اپنے کفر پر مہر کر لی۔اور سید عبداللطیف شہید کی سنگساری کو بطور نظیر پیش کر کے بتا دیا کہ امیر امان اللہ خاں کی رواداری امیر حبیب اللہ خاں کی سنگدلی سے بڑھ کر نہیں۔

اس سے بھی زیادہ سنگدلی اور وحشیانہ پن کا اظہار ان الفاظ سے ہوتا ہے،جن میں عدالت نے یہ لکھا ہے کہ ''ایسے شخص کے توبہ کرنے سے اس کے قتل کا حکم ساقط نہیں ہو سکتا۔'' اگرچہ ہمارے مرحوم بھائی کا پائے

صدق و ثبات آخر دم تک خدا کے فضل سے متزلزل نہیں ہوا۔ اور کمال جوانمردی کے ساتھ آخری وقت تک وہ اہلِ کابل کو دعوت حق دیتے رہے۔ اور پتھروں کی بارش ہونے پر بھی ان کی زبان اعلائے کلمۃ اللہ سے نہیں رُکی تاہم عدالت کے مندرجہ بالا الفاظ اپنی نظیر آپ ہیں۔ اور عجیب تر یہ ہے کہ قتل کی بنا قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث پر نہیں، بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کسی اصول پر ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہم اس پر کسی آئندہ اشاعت میں مفصل طور پر اپنے خیالات کا اظہار کریں گے۔ ذیل میں کابل کی عدالت ہائے شرعیہ کے محولہ بالا فیصلہ جات کی پوری نقل ہدیہ ناظرین کرام ہے:

محکمہ شرعیہ ابتدائیہ کا فیصلہ

تاریخ 20 اسد 1303 ہجری شمسی مطابق 9 محرم الحرام 1343 ہجری قمری۔

آج محکمہ شرعیہ ابتدائیہ کابل میں کوتوالی کے قواعد دان نے ملا نعمت اللہ خاں ولد امان اللہ خاں ولد مرزا ساکن دہ خوجہ پنجشنبہ کو پیش کیا۔ جس نے خود اپنے نام ونسب کی اطلاع دی۔ اس پر مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس شخص سے پوچھا گیا تو اس نے مذہب حنفی کے پیرو کار ہونے کے اقرار کرنے کے باوجود یہ کہا کہ ’’مرزا غلام احمد مذکور مسیح موعود اور مہدی معہود اور نبی ظلی ہے، اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوۃ والسلام جسمانی صورت میں زندہ نہیں ہیں۔ اور آسمان سے جسمانی صورت میں ان کا نزول حق نہیں۔ علاوہ ازیں شخص مذکور ان تمام معتقدات کا پیرو اور ماننے والا ہے، جن کا معتقد مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ اور اس کی تمام تالیفات وتصنیفات کو حق سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں شخص مذکور کے معتقدات اور اس کی کتاب کے مندرجات کو حق سمجھتا ہوں۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی مذکور اگرچہ شریعت جدید لانے والا نبی نہیں، لیکن تاہم نبی ظلی یعنی فنافی الرسول ہے۔ اور اس پر جبریل کی وساطت کے بغیر وحی نازل ہوئی۔ اور ہم الہام کو علم کے اسباب میں سے خیال کرتے ہیں۔

بنا برآں ملا نعمت اللہ مذکور کے بیانات اور اقرارات سے ثابت ہوا کہ نعمت اللہ غلام احمد قادیانی کے پیروؤں میں سے ہے۔ حالانکہ مرزا غلام احمد مذکور کے کفر والحاد اور بدعت کا حال مشہور ہو چکا ہے۔ اور جو کتابیں

اس نے عربی یا فارسی میں لکھی ہیں وہ ایسے کلمات سے مملو ہیں جو کفر صریح ہیں۔اس لئے ملا نعمت اللہ کا ان کتابوں کی حقیقت پر ایمان رکھنا، جس کا اقرار اس نے اپنی زبان سے کیا اور قلم سے لکھ دیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کی رو سے صریح کفر اور ان کی تاویلات کرنا الحاد اور بدعت ہے، اور اسے کافر ملحد مبتدع دائمی کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ شخص مذکور نے خود اس بات کا اقرار کیا۔ مذہب ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق ایسے شخص کی سزا قتل ہے۔

اعلیٰ حضرت امیر سعید شہید کے عہد میں بھی ایک شخص عبداللطیف نامی پیرو قادیانی کی نسبت علماء وقت کی طرف سے یہی حکم صادر ہوا تھا۔ ایسے شخص کے توبہ کرنے سے اس کے قتل کا حکم ساقط نہیں ہو سکتا۔

عدالت مرافعہ کابل کا فیصلہ

چونکہ قاعدہ کی رو سے محکمہ شرعیہ کے قواعد دان کے ذریعہ مندرجہ بالا فیصلہ کی نسبت مرافعہ کیا گیا، اس لئے خود نعمت اللہ مذکور بھی اس محکمہ میں پیش ہوا۔ اس نے مندرجہ باتوں کے مطابق اقرار کیا۔ اور اس کے علاوہ یہ بھی کہا، اہل سنت والجماعت کے علماء کو، جو نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ کو جسمانی صورت کی حیثیت سے مانتے ہیں، مخطی (خطا کار) سمجھتا ہوں، اہل تفاسیر اسلام میں سے جو اشخاص حضرت عیسیٰ روح اللہ کے اُٹھائے جانے پر اعتقاد رکھتے ہیں، میری رائے میں وہ غلطی پر ہیں۔ پس شرع شریف کا یہ خادم مندرجہ فوق فیصلہ کو صحیح سمجھ کر اس کے اجراء کے لئے دستخط کرتا ہے۔ فقط دوشنبہ 16 محرم الحرام 1343 قمری مطابق 27 اسد 1303 شمسی۔

ہیئت عالیہ تمیز کی تصدیق

فیصلہ مذکور ہیئت عالیہ تمیز میں پیش ہوا اور فیصلہ کیا گیا کہ محاکمات شرعیہ کے اصول کے مطابق بھی فیصلہ درست ہے۔ نعمت اللہ مذکور کو جم غفیر کے سامنے رجم و سنگسار کیا جائے۔

17 ستمبر 1924ء

حضرت امیر ایدہ اللہ کے قلم سے

کابل میں ایک احمدی کی سنگساری

حکومت اسلامی اور مذہبی آزادی

(حضرت امیر ایدہ اللہ کا یہ مضمون اس وقت کا لکھا ہوا ہے، جب کابل سے نعمت اللہ خاں احمدی کی سنگساری کی کوئی مفصل وجوہ معلوم نہ ہوئی تھیں۔ یہی سبب ہے کہ آپ نے اس مضمون کو صرف ''زمیندار'' کے ایک اعتراض کے جواب تک محدود رکھا ہے۔ اور اس ہولناک واقعہ پر رائے زنی سے احتراز کرتے ہوئے تفصیلی واقعات کی انتظار جتائی ہے۔ ایڈیٹر)

کابل میں آج سے کوئی بیس سال پیشتر دو احمدی سنگسار ہوئے تھے۔ یعنی مولانا عبداللطیف اور ان کے شاگرد مولوی عبدالرحمٰن۔ آج بیس سال کے بعد ایک تیسرے احمدی کی سنگساری کی خبر اخباروں میں گشت لگا رہی ہے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ وہاں سے تفصیلی واقعات کا کچھ علم ہو، تو اس خبر کے متعلق کچھ لکھا جائے۔ لیکن 10 ستمبر کے ''زمیندار'' میں ایک نوٹ نے مجھے بعض خیالات کے اظہار کے لئے مجبور کیا ہے۔ ''زمیندار'' نے احمدیوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ ان حالات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اور واقعی مناسب بھی یہی ہے کہ ان امور پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے، اسی بنا پر میں امید کرتا ہوں کہ اخبار ''زمیندار'' بھی ان سطور پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے اپنی رائے کو بدل لے گا۔

جہاں تک اخبار مذکور کا یہ خیال ہے کہ افغانستان میں، جو ہزار ہا ہندو آباد ہیں اور توحید و رسالت کے منکر ہیں، انہیں کوئی سنگسار نہیں کرتا۔ اس لئے ایک احمدی کو بھی مذہبی عقائد کی وجہ سے نہیں، بلکہ سیاسی وجوہ سے سنگسار کیا گیا ہوگا۔ اس سے مجھے چنداں تعرض نہیں۔ کیونکہ یہ قبل از وقت قیاس ہے۔ اخبار مذکور لکھتا ہے اور بات

معقول ہے کہ:

''مملکت افغانستان میں صرف مختلف فرق اسلامی کے افراد ہی نہیں بلکہ ہزاروں ہندو بھی آباد ہیں۔ جن کو توحید و رسالت کے عقیدوں سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ افغانستان کے روشن ضمیر حکمران کے ماتحت نہایت آرام و آسائش کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس لئے یہ دعویٰ ہرگز قابل اعتبار نہیں کہ نعمت اللہ خاں محض احمدی ہونے کی وجہ سے سنگسار کیا گیا۔ جہاں تک ہمارا قیاس کام دیتا ہے اس کی سنگساری کے وجوہ سیاسی ہوں گے۔ اور وہ کسی ایسی سازش یا کسی ایسے منصوبے میں مصروف پایا گیا ہوگا، جس سے حکومت افغانستان کو بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔''

اس کے خلاف میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے جو دو احمدی امیر حبیب اللہ کے وقت میں سنگسار ہوئے تھے، وہ صرف احمدی ہونے کی وجہ سے سنگسار ہوئے۔ اس لئے اب بھی اسی وجہ پر کسی کا سنگسار کیا جانا بعید از قیاس نہیں۔ البتہ امیر امان اللہ خاں جیسے آزاد خیال والیٔ ملک سے اس بات کی توقع نہیں ہوسکتی تھی، بالخصوص اس حالت میں کہ پچھلے ایام میں امیر صاحب کی طرف سے احمدیوں کے لئے ایک آزادی کے اعلان کا بھی چرچا سنا گیا تھا۔ اور پھر اس سے بھی قریب تر بغاوت خوست کے متعلق امیر صاحب پر باغیوں کی طرف سے احمدی ہونے کا بھی الزام لگایا گیا تھا! جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ کم سے کم امیر صاحب کے خیالات احمدیوں کے متعلق ایسے تنگ نہیں، جیسے افغانستان یا ہندوستان یا دیگر مما لک کے علماء کے ہیں۔ بہرحال یہ ایک ایسا امر ہے، جس پر مزید روشنی تفصیلی حالات کے معلوم ہونے پر ہوسکتی ہے۔ لیکن اس کے بعد اخبار زمیندار نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

............حکومت قائم ہو۔ اس میں دوسرے مذاہب کے افراد کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دے کر حکومت اسلامی کے استحکام کو خطرے میں ڈالیں۔ مگر آج افغانستان کے ہندو اس ملک میں شدھی کا سلسلہ شروع کر دیں، تو چونکہ یہ امر اسلامی حکومت کے وقار و اعتبار کے منافی ہوگا، لہٰذا حکماً روک دیا جائے گا۔ اگر نعمت

اللہ خاں نے قادیانی احمدیوں کے عقائد کی تبلیغ کی ہوگی، تو یقیناً یہ بھی کہا ہوگا کہ چند ہزار احمدیوں کے سوائے باقی تمام مسلمانان عالم کافر ہیں۔ ایک مسلمان حکمران، اس کے مسلمان ارباب حکومت اور اس کے مسلمان علماء وقضات اس امر کو کیونکر گوارا کر سکتے ہیں۔ اور شریعت اسلامی کب اس امر کی اجازت دے سکتی ہے کہ اسی ملک کا ایک شخص اٹھے اور اپنے تمام مسلمان حکمرانوں پر کفر کا فتویٰ جڑ دے، اور اس طرح حکومت اسلامی کے دینی ودنیوی اقتدار کو نقصان پہنچانے کے در پے ہو۔ ایسا شخص یقیناً شریعت کے نزدیک باغی کافر اور واجب القتل ٹھہرے گا۔''

اس عبارت میں دو دعوے بڑی صراحت سے کئے گئے ہیں۔ اول یہ کہ کسی اسلامی حکومت کے ماتحت کسی غیر مسلم کو اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں ہوسکتی۔

دوم۔ یہ کہ ایک اسلامی حکومت کے ماتحت ہو کر جو شخص حکمرانوں کو کافر قرار دے، وہ اس حکومت کا باغی متصور ہو کر واجب القتل ہوگا۔

اب پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ دونوں باتیں از روئے شریعت درست ہیں۔ اخبار زمیندار کو چاہئیے کہ اس پر علمائے شریعت کا فتویٰ لے کر شائع کرے۔ اور ان کی روشن خیالی کا ثبوت دنیا کو دے۔ اگر علماء از روئے شریعت یہ فتویٰ دیں کہ واقعی کسی اسلامی حکومت کے ماتحت غیر مسلم اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کرسکتا، تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مسلمان صرف تلوار کے زور سے مسلمان رکھے جا سکتے ہیں۔ اور ان کا مذہب اس حد تک کمزور ہے کہ وہ کسی وقت بھی اپنے ایمان سے پھسل جائیں گے اور صرف ایک اسلامی حکومت ہی ان کی غیر مذاہب سے حفاظت کرسکتی ہے۔ یہی وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے اسلام پہلے دنیا میں بدنام ہورہا ہے۔ اور آج زمیندار جیسے اخبار میں ان کا اعادہ بہت ہی قابل افسوس ہے۔ ممکن ہے بعض علماء تو تاریک کوٹھڑیوں میں بیٹھ کر یہ فتویٰ دے دیں کہ کسی اسلامی حکومت کے ماتحت غیر اسلامی مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں، لیکن ایسے فتوے دینے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہئیے کہ دنیا میں جو اصول کام کرتا ہے، وہ یہی ہے کہ جو سلوک تم دوسروں سے کرتے ہو، وہی سلوک تم سے کیا جائے گا۔ اگر ایک اسلامی حکومت کے ماتحت غیر اسلامی مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں تو ایک غیر

اسلامی حکومت کے ماتحت تبلیغ اسلام کی اجازت اسی اصول پر بند ہونی چاہئیے۔قرآن کریم دنیا میں مذہبی آزادی قائم کرنے آیا تھا۔اوراب جب سب قوموں میں آزادی مذہب کا جذبہ پیدا ہورہا ہے تو مسلمان اس تاریک کوٹھڑی میں گھسنے کی کوشش کریں گے،جس سے قرآن کریم نے انہیں باہر نکالا تھا۔پھر ٹرکی میں جہاں اتنی مدت تک خلافت رہی،غیر اسلامی مذاہب کی تبلیغ کو نہ روکا گیا۔مصر میں غیر اسلامی مذاہب کی تبلیغ پر کوئی رکاوٹ نہیں۔ کیا افغانستان کے لئے ہی اس کہنہ ہتھیار کی ضرورت ہے،جس کی وجہ سے مخالفین پہلے ہی اسلام پر غلط الزام لگا رہے ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ اخبار زمیندار اگر اس اپنی صریح غلطی کو واپس لے لے تو وہ نہ صرف اپنے ساتھ بھلائی کرے گا بلکہ اسلام پر جو دھبا اس کی اس تحریر کی وجہ سے لگتا ہے،اس کو بھی دور کردے گا۔اوراسلام کو غیر قوموں کی نگاہ میں زیادہ محبوب بنادے گا۔

دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ ایک اسلامی حکومت کے ماتحت ہوکر جو شخص حکمرانوں کو کافر قرار دے،وہ باغی متصور ہوکر واجب القتل ہوگا۔حکومت اسلامی کی ان خصوصیات پر جس قدر ناز کیا جائے کم ہے۔مسلمانوں کے ایسے ایسے خیالات شاید ہی ہوں،جن کی وجہ سے حکومت اسلامی اس حالت کو پہنچ گئی ہے۔ایک عیسائی حکومت کے حکمرانوں کو کافر قرار دے کر باغی نہیں بنتے اور نہ واجب القتل ہوتے ہیں۔مگر اسلامی حکومت کے حکمرانوں کو کسی نے کافر کہا اور باغی ہوکر واجب القتل ہوگیا۔میں اس بات کا موید نہیں کہ مسلمان ایک دوسرے کو کافر کہیں۔میں اس شخص کو بھی گمراہ سمجھتا ہوں جو ایک معمولی سے معمولی کلمہ گو کو کافر قرار دیتا ہے۔اور میں قادیانی احمدیوں کے اس عقیدہ کو،کہ وہ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں،سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔لیکن حکمرانوں کو کافر کہنے سے باغی اور واجب القتل ہوجانا ایک ایسا استدلال ہے،جس کی بنیاد مجھے شریعت اسلام پر معلوم نہیں ہوتی۔ممکن ہے علماء کے پاس کوئی ایسا حیلہ ہو،جس سے ایسے شخص کو باغی اور واجب القتل بنادیا جائے۔لیکن جس حالت میں شیعہ سنی ایک دوسرے کو کافر تک کہہ دیتے ہیں۔اور سنیوں میں مقلّد غیر مقلّد ایک دوسرے کو کافر مشرک کہنے سے نہیں کتراتے اور پھر سنی حنفیوں میں دو گروہ ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ کون مسلمان کسی حکومت کے ماتحت بغاوت کے الزام سے پاک ہوسکتا ہے!؟ اور میں یہ گمان بھی نہیں کرسکتا کہ افغانستان میں ایک احمدی نے جاکر وہاں کے سب مسلمانوں کو کافر قرار دیا ہو۔اس میں شک نہیں کہ قادیانی احمدی فرقہ کا کتابی عقیدہ یہی

ہے۔لیکن اول تو بہت سے ان میں سے دوسرے مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے اور جو دل میں سمجھتے بھی ہوں، وہ یہاں بھی ایسا کہنے سے شرماتے ہیں۔ چہ جائیکہ افغانستان کے ملک میں ایسا کیا ہو۔اور اس سے پہلے جو دو احمدی بیس سال قبل سنگسار کئے گئے، انہوں نے تو یقیناً کسی مسلمان کو کافر نہ کہا تھا۔لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ نعمت اللہ خاں نے افغانستان کے حکمرانوں کو کافر کہا تو اتنا کہنے سے وہ حکومت کا باغی نہیں ہوسکتا اور نہ واجب القتل ہوسکتا ہے۔شریعت اسلامی کا فتویٰ تو یہی ہے کہ کوئی شخص بغیر قتل یا فساد کے قتل نہیں کیا جا سکتا۔اب اگر اس لفظ فساد کو اس قدر وسیع کر لیا جائے کہ کسی شخص نے حکومت کو کہہ دیا کہ فلاں شخص مفسد ہے اور وہ مفسد ہو کر واجب القتل ہو گیا تو کسی کی زندگی میں بھی امن نہیں۔غرض یہ دوسرا دعویٰ ایسا ہی بے دلیل ہے جیسا پہلا دعویٰ۔

ہاں یہ بالکل سچ ہے کہ ہر ایک مسلمان کے نفس کو رسول خداﷺ نے حرمت دی ہے۔اور اِنَّ دِمَائَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ حَرَامٌ بَیْنَکُمْ اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو محض مذہبی اختلاف پر واجب القتل قرار دیتا ہے، وہ خواہ امیر افغانستان ہو اور خواہ علمائے افغانستان یا ہندوستان ہوں یا کوئی سجادہ نشین ہو یا کسی اخبار کا ایڈیٹر، ایک ناحق خون گرانے کا ارتکاب کرتا ہے یا ایک ظلم صریح کا معاون ہے۔اور ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اس کے اس فعل سے اظہار نفرت کرے۔لیکن ہم ابھی تک تفصیلی واقعات کے منتظر ہیں۔اور بغیر تفصیلات کو جاننے کے کسی پر یہ الزام نہیں لگاتے کہ ایک شخص کو کس جرم کی بنا پر سنگسار کیا گیا۔ہاں زمیندار نے جو اصول باندھا ہے وہ ایک خطرناک اصول ہے۔اور اس کے یہ معنی ہیں کہ جہاں خوارج کی حکومت ہو، وہاں شیعہ سنی، اہل حدیث سب باغی اور واجب القتل۔اور جہاں شیعہ کی حکومت ہو، وہاں خوارج سنی وغیرہ سب واجب القتل ہوں گے۔اور اس طرح مسلمان آپس میں لڑ مر کر ختم ہو جائیں۔ایک احمدی کے قتل کے جواز کے لئے کم سے کم اصول تو غلط نہیں بنانا چاہئے۔اس سے بہتر تھا کہ صاف لفظوں میں یوں کہہ دیا جاتا کہ مسلمانوں کے سب فرقے باہم مل جل کر اتحاد و محبت سے رہیں۔مسلمان، ہندو، عیسائی، یہودی بھی مل جل کر رہیں، لیکن احمدیوں کو روئے زمین سے مٹانا مسلمانوں کا پہلا فرض ہے۔کیا ہمارے کسی اور خیر خواہ کو بھی یہ جرأت ہوگی کہ اس مضمون پر قلم اٹھا کر مسلمانوں کو صحیح راہ پر ڈالے!

☆☆☆

مسجد برلن کی تعمیر شروع ہوگئی

قارئین کرام یہ سن کر خوش ہوں گے کہ برلن سے حضرت مولٰینا مولوی صدرالدین صاحب کا تار موصول ہوا ہے، جس میں یہ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ:

''مسجد برلن کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا ہے، سنگِ بنیاد آئندہ ہفتہ کے دن رکھا جائے گا۔ دعا کیجئے۔''

یہ خوشخبری عامۃ المسلمین بالخصوص ہمارے احباب کے لئے خاص مسرت کا موجب ہوگی۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک مدت سے جس چیز کی طرف آنکھیں لگ رہی تھیں۔ جس مسرت اندوز خبر کے سننے کے لئے ہمارے احباب مضطربانہ جوش کا اظہار کررہے تھے۔ اور خود حضرت مولٰینا صدرالدین صاحب نے جس چیز کے لئے اس قدر دوردراز کا سفر اختیار کیا، اور طرح طرح کی مشکلات کے باوجود دوسال سے اس کے لئے مصروف جدوجہد تھے، آخر کار اس کے ظہور کا وقت آیا، اور ہمارے کانوں نے اس خوشی کی خبر کو سنا ؎

لِلّٰہِ الْحَمْد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست آخر آمدز پس پردہ تقدیر پذیر

یورپ کی سرزمین میں جہاں چاروں طرف صلیب اور گرجاؤں کے سوائے اور کوئی عبادت گاہ نہیں، جہاں کلیسا کے گھڑیال صبح وشام لوگوں کو تثلیث پرستی کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ اور بہت کم ایسے لوگ ہیں، جن کے کان اللہ اکبر کی آواز سے آشنا ہوں، اور وہ یہ جانتے ہوں کہ خدائے واحد کا اصل گھر گرجا نہیں بلکہ مسجد ہے، اسلامی مساجد کی موجودگی تبلیغِ اسلام کے لئے جس درجہ مفید اور کارآمد ہوسکتی ہے، ظاہر ہے۔ انگلستان میں جماعت احمدیہ کی کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے جو کامیابی عطا فرمائی ہے، اس کا ایک بڑا سبب ووکنگ کی وہ چھوٹی سی مسجد ہے، جو ہمارے مشن کا مرکز بن چکی ہے۔ اس مسجد کو دیکھنے کے لئے زائرین دوردور سے آتے ہیں۔ اور اپنے قلوب میں اسلام کا ایک ایسا نقشہ لے کر جاتے ہیں جو ان کے پہلے خیالات سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ یہی انہیں اسلام کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ لٹریچر کی اشاعت اور دوسرے اسباب بھی بے شک کامیابی کا موجب ہیں، لیکن مسجد کا بھی اس میں بہت بڑا حصہ ہے۔ برلن میں مسجد کا قیام ہمارے لئے بہت زیادہ فائدہ اور

مسرت کا موجب ہے کہ ہماری یہ ادنیٰ کوششیں اس کے قیام کا باعث ہیں کہاں یورپ اور کہاں حضرت مسیح موعود کی یہ چھوٹی سی جماعت! جو تعداد کے لحاظ سے بہت قلیل ہے۔ اور مالی حیثیت سے بہت غریب۔ خدا کی نظروں میں اس چھوٹی سی جماعت کی یہ خدمت اور ایثار بہت بڑے عظیم الشان ثواب کا موجب ہوگا۔ بشرطیکہ ہم اس عظیم الشان کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں پوری کوشش صرف کر دیں اور کوشش اس کام کے لئے کر رہے ہیں، اس کو زیادہ لیت ولعل میں نہ ڈالیں۔ اس وقت جبکہ مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہو چکا ہے۔ روپیہ کی فوری ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ روپیہ نہ ہونے سے تعمیر کا کام درمیان ہی میں رہ جائے اور دنیا کی رسوائی تو ایک طرف آخرت میں ہم اللہ تعالیٰ کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ ہمارے احباب اس بارہ میں خاص کوشش سے کام لیں۔ اور جن جن رقموں کے انہوں نے وعدے کئے ہوئے ہیں، وہ بھی ادا کریں۔ اور مزید چندہ بھی لوگوں سے کریں تاکہ کسی طرح اس پاک کام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

اس کے علاوہ جس بات کی طرف احباب کی توجہ درکار ہے، اس کا ذکر حضرت مولٰنا نے خود اپنے مندرجہ بالا تار میں کیا ہے، وہ یہ کہ احباب کرام دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک کام کو انجام تک پہنچائے۔ مسجد کا سنگ بنیاد، جیسا کہ تار سے معلوم ہوتا ہے، آئندہ ہفتہ کو رکھا جانے والا ہے۔ اس لئے یہ بہت مناسب ہے کہ آئندہ جمعہ کو ہر جگہ جماعتوں میں خاص طور پر دعا کی جائے۔ لاہور میں بھی آئندہ جمعہ کو دعا کی جائے گی۔ بیرونی جماعتیں اس بات کا خیال رکھیں اور جمعہ کے دن نماز کے اندر بھی اور اس کے بعد بھی ضرور دعا فرمائیں۔ تاکہ تمام جماعت کی متحدہ دعائیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں شرف قبولیت حاصل کریں۔

☆☆☆

مرتد کی سزا

افسوس ہے کہ اس بارہ میں مسلمان علماء کے فتوے بالعموم غلط فہمی اور اسلام کے لئے بدنامی کا موجب ہو رہے ہیں۔ مولوی عبدالباری کے فتوے پر سوامی شردھانند نے جو عمارت کھڑی کی ہے۔ ظاہر ہے اس کے علاوہ حکومتِ افغانستان نے کابل میں ہمارے بھائی نعمت اللہ خاں کو سنگسار کر کے غیر مذاہب کے لئے نکتہ چینی کا اور بھی

موقع پیدا کر دیا ہے۔ اور تعجب ہے کہ ہندوستان کے بے سمجھ مسلمان حکومت افغانستان کو اس کی بے راہ روی پر متنبہ کرنے کی بجائے اس کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ معاصر ''زمیندار'' کی 14 ستمبر کی اشاعت میں لدھیانہ کے مفتی محمد نعیم کی ایک مراسلت شائع ہوئی ہے، جس میں لکھا ہے کہ:

''چونکہ جملہ علمائے اسلام بالاتفاق مرزائیت کو ارتداد قرار دیتے ہیں۔ اور مرتد کی سزا بروئے شریعت اسلام قتل ہے۔ لہٰذا جملہ مہذّب اقوام عالم پر ہم یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ دولت عالیہ افغانیہ بمتابعت احکام شرعیہ و برعایت سیاست اسلامیہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہے۔ اگر دولت موصوفہ ایسا نہ کرتی، تو عدم اجراء حدودِ شرعیہ کا ارتکاب کرتی، جو سراسر منشائے خداوندی کے مخالف ہے۔''

قطع نظر اس بات کے کہ اس تحریر میں جماعت احمدیہ پر ارتداد کا فتویٰ دے کر وہ عمل کیا ہے جو علماءسوء کی سنت قدیمہ ہے، ہم مفتی محمد نعیم صاحب سے قرآن کی وہ آیت دریافت کرنا چاہتے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ نے مرتد کو قتل کرنے کا حکم دیا ہو۔ آخر ہماری تمام شریعت کا مدار قرآن کریم پر ہے۔ خود امام ابوحنیفہؒ کا جن کے مذہب کے مطابق ارتداد کی سزا قتل بتائی جاتی ہے، یہی مسلک ہے کہ قرآن سے مسائل کا استنباط کیا جائے۔ پس ہمیں بتایا جائے کہ قرآن میں کہاں مرتد کو واجب القتل ٹھہرایا گیا؟ ہے۔ اگر قرآن کی کوئی ایسی آیت نہیں نہ اسوہ نبویؐ سے کہیں اس کا ثبوت ملتا ہے، بلکہ اس کے خلاف لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (256:2) کی نص صریح موجود ہے، تو کس قدر افسوس ناک امر ہے کہ قرآن کے خلاف اور رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل کے خلاف ایک ایسا عقیدہ بنا لیا جائے، جس کو خلاف انسانیت اور وحشیانہ عقیدہ کہنا بجا ہے، اور جس کا بہت بُرا اثر دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے جس اصول کو عام طور پر پیش کیا جاتا ہے اور عدالت افغانستان نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ افسوس ہے ان لفظ پرست اور ظاہر بین علماء نے غور نہیں کیا، ورنہ انہیں صاف نظر آجاتا کہ امام ابوحنیفہؒ نے صرف انہی مرتدین کے قتل کو جائز رکھا ہے، جن کا ارتداد سیاسی وجوہ سے باعث خطرہ ہو۔

تعجب ہے کہ مولوی محمد نعیم صاحب کی یہ قاتلانہ اور وحشیانہ سپرٹ اس وقت کیوں جوش میں نہ آئی، جب یو۔ پی کے متعدد اضلاع میں سینکڑوں اور ہزاروں مسلمان مرتد ہو رہے تھے اور اب تک ہوتے جا رہے

ہیں۔ ''مرزائیوں'' پر جو اسلام کی اشاعت میں منہمک ہیں، یہ سارا زور صرف کرنا بتاتا ہے کہ ان لوگوں کو اسلام کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی!

☆☆☆

انگلستان کی مذہبی کانفرنس

انگلستان میں آئندہ 22 ستمبر کو جو مذہبی کانفرنس منعقد ہونے والی ہے، وہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ اس کانفرنس میں پہلے ہی دن یعنی 22 ستمبر کو اسلام پر مضمون پڑھے جائیں گے۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کا مضمون وہاں پہلے سے جا چکا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے احباب اسلام کی فتح کے لئے خاص طور پر دعا فرمائیں۔

17 ستمبر 1924ء

قسط۔4

حضرت امیر سے سوال و جواب

سوال نمبر 14۔آپ نے میرے سوال کے جواب میں لکھا ہے۔انکشاف سے پہلے حضرت مرزا صاحب کا بھی وہی خیال تھا جو عام مسلمانوں کا ہے۔یعنی یہ کہ حضرت عیسٰیؑ زندہ آسمان پر ہیں۔اس کے متعلق سوال یہ ہے کہ کیا مرزا صاحب اس وقت قرآن کو نہ سمجھتے تھے۔یا وہ آیات،جن کو وفاتِ عیسوی کے باب میں آپ لوگوں کی جانب سے محکم کہا جاتا تھا،ان کے پیش نظر نہ تھیں۔یا وہ حدیثیں،جن میں آپ حضرات کے خیال میں نزولِ مثیل مسیح کا ذکر ہے نہ کہ خود مسیح کا،ان سے مخفی تھیں۔یا وہ نہ جانتے تھے کہ صحابہؓ وفات مسیح پر متفق ہیں۔یا امام مالکؒ وفات مسیح کے قائل ہیں بالخصوص اس حالت میں جبکہ وہ ایک عرصہ دراز تک شرف ہمکلامی حق تعالیٰ سے مشرف بھی رہ چکے تھے۔الغرض جن آیات واحادیث سے آپ حضرات اپنے مدعا پر استدلال کرتے ہیں،حضرت مرزا صاحب ان مضامین کو ان نصوص سے بلا مدد الہام کیوں نہ سمجھتے تھے۔اور یہ سوال خاص طور پر مرزا صاحب سے متعلق نہیں بلکہ تمام احمدیوں سے متعلق ہے کہ وہ جن نصوص سے مرزائیت کے بعد اپنے دعاوی کو ثابت کرتے ہیں،مرزائیت سے پہلے ان نصوص سے یہ لوگ ان معانی کو کیوں نہ سمجھتے تھے؟

جواب۔ چونکہ عام طور پر مسلمانوں میں ایک عقیدہ پھیلا ہوا تھا۔ اس غلط خیال کے ماتحت حضرت مرزا صاحب بھی تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام سے توجہ دلائی، تو پھر سارے مؤیدات قرآن وحدیث سے مل گئے۔حضرت عمرؓ جیسے عظیم الشان صحابی کا کئی مسائل میں رجوع ثابت ہے۔حالانکہ وہ بھی محدث تھے۔الہام الٰہی کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ فوراً ہر ایک غلطی کو دور کر دے،اور جسے الہام ہو،اس پر تمام امور فوراً روشن ہو جائیں،انبیاءؑ پر بھی اسی قدر امور روشن ہوتے ہیں،جس قدر اللہ تعالیٰ انہیں بتاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے جس وقت چاہا اس مسئلہ کو اپنے مجدد پر روشن کیا۔

سوال نمبر 15۔کیا مرزا صاحب نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں یہ مضمون لکھا ہے کہ شریعت کی بنیاد ظاہر پر ہے۔ اس لئے ہم منکر کو مومن نہیں کہہ سکتے۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مؤاخذہ سے بری ہے۔ اور کافر منکر ہی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ کافر کا لفظ منکر کے مقابل پر ہے۔

جواب۔ اس کے متعلق مفصل بحث میرے رسالہ ''تکفیر اہل قبلہ'' میں موجود ہے۔ وہ رسالہ بھجواتا ہوں۔ پڑھ لیں۔

مرزا صاحب نے کوئی نئی بات نہیں لکھی۔ پہلے بزرگوں نے بھی لکھا ہے کہ کفر دو قسم کا ہے۔ ایک اصل کا کفر اور ایک فرع کا کفر۔ یہی بات حضرت مرزا صاحب نے لکھی ہے۔ اسی لئے جہاں دوسری قسم کے کفر کا ذکر ہے، وہاں مثلاً کا لفظ موجود ہے۔ اور تاویل کا صحیح اصول یہ نہیں کہ ایک شخص کے ایک فقرہ کو لے کر اس کے وہ معنی کئے جائیں، جو اس کی دوسری تحریرات کے خلاف ہیں۔ یہ بھی حضرت مرزا صاحب نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ ''میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا۔'' پھر دوسرے مسلمانوں کے جنازے پڑھے اور پڑھنے کا فتویٰ دیا۔ اگر ایک لفظ کی تشریح بغیر دوسرے مقامات کے حوالہ کے درست ہے تو ایک معترض کلام الٰہی پر بھی، جتنے اعتراض چاہے، کرسکتا ہے۔ اور اس طرح کسی معاملہ میں بھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔

سوال نمبر 16: کیا کوئی ظلی نبی اصلی نبی سے اور مجازی نبی حقیقی نبی سے افضل ہوسکتا ہے؟

جواب۔ظلی نبی، نبی نہیں نہ مجازی نبی، نبی ہے۔لیکن غیر نبی کو نبی پر جزئی فضیلت ہوسکتی ہے۔لیکن جو لوگ ایک نبی کی امت ہیں، ان کو اپنے نبی پر جزئی فضیلت بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وہ جو کچھ لیتے ہیں، اسی سے لیتے ہیں۔

سوال نمبر 17۔جس طرح ظلی نبی کو مجازاً نبی کہہ سکتے ہیں تو کیا یونہی بادشاہ کو جس کو ظل اللہ کہا جاتا ہے، ظلی خدا یا مجازی خدا یا بروزی خدا کہہ سکتے ہیں؟

جواب: خدا کا لفظ مجازاً تو ریت اور انجیل دونوں میں استعمال ہوا ہوا موجود ہے اور حدیث میں آتا ہے میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں اور ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ یہ سب بطور مجاز استعمال ہے۔ظل نبی کا بھی ہوسکتا ہے اور خدا

کا بھی۔ نہ نبی کا ظل نبی ہوگا، نہ خدا کا ظل خدا۔ بلکہ ظل کا لفظ ساتھ لگانے سے ہی غیریت ظاہر کرنا مقصود ہے۔ لیکن نبی کے ظل کو نبی سے بڑی مشابہت حاصل ہے: اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ (110:18) اور خدا کی صفات میں لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ (11:42) وارد ہے، اس لئے ظلی نبی کا استعمال کر لینے میں حرج نہیں، لیکن ظلی خدا کا لفظ استعمال نہ ہونا چاہیئے۔

جس بات کا ظاہر کرنا مقصود ہے وہ صرف یہ ہے کہ جس طرح ظل اللہ وہ انسان ہے، جس میں اللہ کی کوئی صفت جلوہ گر ہوئی ہے۔ اسی طرح ظلی نبوت ولایت ہے، جس میں نبوت کی کوئی صفات جلوہ گر ہوئی ہیں۔

بالآخر میں آپ سے ایک عرض کرتا ہوں۔ میں نے آپ کا 17 اگست کا خط پڑھا ہے۔ جس میں آپ نے لکھا ہے کہ جواب میں تساہل کیا جا رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کے خط مؤرخہ 30 جون کا جواب میں نے 22 اگست کو لکھنا شروع کیا۔ لیکن آپ یہ خیال فرما سکتے ہیں کہ جس خط میں پچاس سوال موجود ہوں، اس کا جواب دینے کے لئے فرصت کا وقت نکالنا ہی پڑتا ہے۔ آپ کا خط جولائی کے پہلے ہفتہ میں کسی وقت یہاں مجھے پہنچا تھا۔ میں نے سرسری طور پر اس کے چند سوالات کو دیکھا، تو مجھ پر یہی اثر ہوا کہ ان سوالات میں تحقیق حق کا رنگ غالب نہیں۔ پہلے خط میں آپ نے بارہ تیرہ سوالات کئے۔ اب ان پر پچاس سوالوں کی نوبت پہنچی۔ اور شاید یہی نسبت قائم رہی، تو آپ کو دوسو سوالوں کی ضرورت پیش آئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں اس سلسلہ خط و کتابت کو آئندہ جاری رکھ سکوں۔ آپ کی پاسِ خاطر سے میں نے اس خط کا جواب دے دیا ہے۔ کتابوں میں سب باتوں پر متفرق طور پر بحث موجود ہے۔ اگر آپ زیادہ تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو میں نے قریباً ان سب مسائل پر، جہاں تک میری سمجھ تھی، کم و بیش لکھا ہوا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود کی کتابوں میں بھی ان سب امور پر بحث موجود ہے۔ آپ اصل کتابوں کو پڑھ لیں۔ اگر کوئی دو چار دس امور دریافت طلب ہوں، تو میں حاضر ہوں۔ لیکن پچاس پچاس اور سو سو سوال کا جواب دینے کی مجھے فرصت نہیں۔ اگر آپ ذرا زیادہ غور سے کام لیں۔ اور دوسروں کی سنی سنائی باتوں پر زیادہ بھروسہ نہ کریں تو آپ آسانی سے ان مسائل کو سمجھ بھی سکتے ہیں۔ لیکن ان سوالات کے اندر جو کیفیت مجھے نظر آتی ہے اس میں محققانہ پیرایہ نہیں۔ میں آپ کی نیت پر ہرگز کوئی حملہ نہیں کرتا۔ لیکن آپ کے اس طرز کو غلط سمجھتا ہوں۔ اگر آپ کو ایک مجدد کے ماننے کے لئے، جس کے بالمقابل اس صدی میں

دوسرا کوئی مجدد آپ تجویز بھی نہیں کر سکتے، اس قدر سوالات کی ضرورت ہے تو فرمایئے جن لوگوں کو ہم اسلام کی طرف بلاتے ہیں، ان کو تو شاید اس قدر سوالات کی ضرورت ہوگی کہ کسی انسان کی ساری عمر ایک ہی شخص کے جواب دینے کے لئے مکتفی نہ ہو۔ بات تو بہت موٹی ہے۔ حدیث مجدد موجود ہے۔ اس حدیث کے ماتحت دعوے موجود ہیں۔ ایک شخص چودہویں صدی کا مجدد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کو مسلمان دس سال تک مجدد تسلیم بھی کرتے ہیں۔ اس کے تقویٰ، پرہیزگاری، خدمت اسلام، غیرت اسلامی کے قائل ہیں۔ اس کی مخالفت صرف اس ایک بات پر ہوتی ہے کہ وہ کہتا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے۔ آپ اس کی پہلی عمر کو دیکھیں۔ اس کے حالات پر غور کریں۔ وہ جوانی کے ایام سے اپنی نیکی کی وجہ سے مشہور ہے۔ اسی عمر میں ہر قسم کے مخالفین مذہب اسلام کو جواب دیتا ہے۔ اور اس سلسلہ کو اپنے آخری وقت تک جاری رکھتا ہے۔ وہ صرف عالم ہی نہیں زاہد بھی ہے۔ لوگ اس کی دعاؤں کی قبولیت کے بھی قائل ہیں۔ پھر مجددیت کے دعویٰ پر اس کی عام قبولیت ہوتی ہے۔ کوئی اسے بُرا کہنے والا نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا نام لینے پر لوگ مخالفت کریں گے۔ کیا وہ اپنی قبولیت کو آپ مخالفت میں تبدیل کرنا چاہتا ہے؟ نہیں بلکہ واقعات بتاتے ہیں کہ خدا کے حکم نے اسے مجبور کیا۔ اور اس عامہ قبولیت کو چھوڑ کر اسے ایسی راہ اختیار کرنی پڑی کہ غیر مسلم تو پہلے ہی دشمن تھے مسلمان بھی دشمن ہو گئے۔ اور پھر ہر قوم نے اس کو تباہ کرنے کی تدبیر کی، مگر دنیا اس پودے کو نہیں اکھیڑ سکتی جو خدا تعالیٰ لگاتا ہے۔ اس کے ساتھ خدا کا وہی قانون ہے جو اپنے نیک بندوں سے اس کا ہوتا ہے کہ دنیا ان کی مخالفت پر بھی کھڑی ہو جاتی ہے۔ لیکن تدریجاً ان کی قبولیت دنیا میں پھیلتی جاتی ہے۔ آج سوائے نام نہاد علماء کے خواندہ طبقہ اس بات کا قائل ہے کہ واقعی حضرت مرزا صاحب نے عیسائیت۔ آریہ سماج اور ہر غیر مذاہب کو وہ جواب دیئے ہیں جو آج مقابلہ مذاہب میں مسلمانوں کا بہترین ہتھیار ہیں۔ اور اس کی جماعت خدمت اسلام اور تبلیغ اسلام کے کام میں مصروف ہی نہیں۔ ایسی قربانیاں کر کے دکھا رہی ہے جس کی نظیر بحیثیت جماعت مسلمانوں میں نہیں۔ اگر اس کے سینے میں خدمت اسلام اور تبلیغ اسلام کی تڑپ نہ تھی تو ہزار ہا سینوں میں یہ آگ اس نے کس طرح مشتعل کر دی؟ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ اعتراض نہ کریں۔ لیکن اگر کسی کی جانچنے کا ذریعہ صرف اعتراض ہی ہیں۔ اور اس کی خوبیوں کی طرف توجہ ہی نہ کی جائے، تو پھر صحیح نتیجہ پر پہنچنا محال ہے۔ آج تک شیعوں کو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی خدمات نظر نہیں آتیں۔ اس لئے کہ چند اعتراض دل میں بٹھائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ دشمن

بھی ان کی خدمات کے قائل ہیں۔قریباً یہی اصول عام مسلمانوں کا حضرت مرزا صاحب کے بارے میں ہے۔ اور اہل سنت کہلا کر وہی اہل تشیع کا مذہب رکھتے ہیں کہ ایک شخص پر چند اعتراض دل میں جما کر تنقیحات کا سلسلہ جاری ہے۔اوران کی خدمات انسانی اوران کی غیرت اسلامی پر کوئی توجہ نہیں۔اگر آپ اس طرز پر چلنا چاہتے ہیں تو آپ کا اختیار ہے لَنَآ اَعْمَا لُنَا وَلَكُمْ اَعْمَاُ لَكُمْ (15:42) آپ اپنے رنگ میں ہی کوئی اسلام کی خدمت کیجئے۔آخر اسلام کو دنیا میں پھیلانے کا کام تو ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔آپ کو ہمارے ساتھ اتفاق نہیں۔دوسرے طریق پر ہی کام کریں۔اگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اور مہدی کے بزور شمشیر اسلام پھیلانے کا عقیدہ اسلام کی ترقی میں روک ہے۔اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی اسلام پھیلانے کا اصل ذریعہ ہے۔تو بہرحال مقصد میں تو میرا اور آپ کا اختلاف نہیں۔ذرائع میں اختلاف ہے۔آپ اپنے رنگ میں خدمت وتبلیغ اسلام پر اپنی زندگی لگائیں۔میں اپنے رنگ میں لگاتا ہوں۔خدارا ذرائع پر اس قدر جھگڑا نہ کریں کہ اصلی مقصد ہی فوت ہو جائے۔میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کی زندگی کا اصل مقصد یہی تھا کہ وہ اسلام کو دنیا میں پھیلائیں۔اور یہی ہماری جماعت کا مقصد ہے۔لوگ جو چاہیں آج غلط فہمیاں پھیلائیں۔کل کو ان پر عیاں ہو جائے گا کہ ہم دشمن اسلام نہیں، دجال کا گروہ نہیں، خادم اسلام ہیں اور ایک راستباز انسان کے دامن سے وابستہ ہیں۔ہاں! اپنی جماعت کو بڑھانا چاہتے ہیں تا کہ زیادہ خدمت اسلام کرسکیں۔جس کو سمجھ آتی ہے وہ ہمارے ساتھ ہو جائے، جس کو نہیں آتی وہ الگ رہے۔لیکن الگ رہ کر بھی کام تو خدمت اسلام کا کرے۔

والسلام

محمد علی

5 اکتوبر 1924ء

علامہ محمود طرزی اور قتل مرتد

کسی گذشتہ اشاعت میں ہم سردار محمود طرزی سابق وزیر خارجہ افغانستان کے ایک خط کا اقتباس دے چکے ہیں۔ جس میں یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ افغانستان میں احمدیوں کو کامل مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور کسی قسم کی تکلیف انہیں نہ پہنچائی جائے گی، بلکہ اگر کوئی تکلیف پیش آئے تو اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہی سردار محمود طرزی اب افغانستان کی سفارت خارجہ متعینہ فرانس کے فرائض سرانجام دے کر واپس تشریف لائے ہیں۔ ان کے بمبئی پہنچنے پر بہت سے لوگوں نے ان سے استفسارات کئے۔ جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ:

> ''افغانستان کے باشندوں کے خاص حالات اور ان کے مذہبی جوش کو مدنظر رکھتے ہوئے اس امر کی کسی کو اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ افغانستان میں مذہبی تبلیغ شروع کر دے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو فساد کا اندیشہ ہے۔ ممدوح نے یہ رائے ظاہر کی کہ غالباً نعمت اللہ خاں قادیانی نے اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کر دی ہوگی، جس کی وجہ سے اسے سنگسار کیا گیا۔''

قطع نظر اس بات سے کہ ''افغانستان کے باشندوں کے خاص حالات'' اور ان کا (وحشیانہ) ''مذہبی جوش'' کہاں تک ان کی روشن خیالی کا مظہر ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود علامہ محمود طرزی ہندوستانی اور افغانستانی ملانوں کی اس رائے سے اتفاق نہیں رکھتے کہ مرتد واجب القتل ہے۔ اور حکومت افغانستان نے اسلامی شریعت پر عمل کیا ہے۔ یا کم از کم علامہ ممدوح کے نزدیک نعمت اللہ خاں مرحوم پر فتویٰ ارتداد وارد نہیں ہوسکتا۔ ورنہ وہ صاف کہہ سکتے تھے کہ شریعت اسلام نے مرتد کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ نعمت اللہ خاں صاحب بھی مرتد تھا، اس لئے قتل کیا گیا۔ انہوں نے اس کے خلاف ''افغانستان کے باشندوں کے خاص حالات اور ان کے مذہبی جوش، کی طرف کیوں اشارہ کیا۔ ظاہر ہے کہ علامہ ممدوح کے نزدیک اس قسم کے واقعات عوام الناس کے مذہبی جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ہی ہوسکتے ہیں، شریعت اسلام کے ساتھ ان کی مطابقت نہیں ہوسکتی،

نہ نعمت اللہ خاں فتویٰ ارتداد کے نیچے ہے۔ لیکن ''زمیندار'' کو یہ بُرا معلوم ہوا ہے کہ کیوں علامہ محمود طرزی نے احمدیوں کے ساتھ کسی وقت رواداری کا وعدہ کیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ:

''اگر علامہ علماء کرام سے پوچھ لیتے، تو جن علماء کے نزدیک احمدی ہونا موجب سنگساری ہے، وہ کیا جواب دیتے؟ حاجت بیان نہیں۔''

یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہہ دے کہ حکومت افغانستان ''زمیندار'' کا وظیفہ مقرر کرنے سے پہلے اگر مولوی دیدار علی سے پوچھ لیتی، جن کے نزدیک زمیندار اور اس کا عملہ ادارت اور اس کا مالک اور دیگر تمام کارکن کافر، مرتد اور لائق گردن زدنی ہیں، اور جو شخص ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔'' وہ اس کا کیا جواب دیتے؟ حاجت بیان نہیں۔''

آخر مولوی دیدار علی اور ان کے ہم مشرب ملا بھی علماء ہی کے لقب سے ملقب ہیں۔ اور اسی حنفیّت کا انہیں بھی دعویٰ ہے، جس کو ''زمیندار'' اور اس کے ہمنوا قرآن وحدیث پر مقدم سمجھتے ہیں۔ پس اگر علماء کے فتوے ہی کسی کے کفر وفسق پر دال ہیں اور ان کی بنا پر کسی کو لائق کشتنی وگردن زدنی قرار دیا جاسکتا ہے، تو مولوی دیدار علی پر ''زمیندار'' کو رنج کیوں ہے؟

رہا علامہ محمود طرزی کا مذہب، سو وہ ان کے مندرجہ بالا قول سے بھی ظاہر ہے۔ اور جب وہ خود بقول ''زمیندار'' ''علامہ'' ہیں، تو اس بہت بڑے علامہ کو ''زمیندار'' کے کسی عالم سے پوچھنے سے کیا غرض؟ سوائے اس کے کہ کسی منسوخ التلاوت آیت کا حوالہ وہاں سے مل جائے، جس کا ذکر اس موجودہ قرآن کے اندر نہیں، اور کونسی معقول بات وہاں سے ملے گی؟

☆☆☆

حضرت امیر کا ضروری ارشاد

برلن مسجد کا کام خدا کے فضل سے شروع ہو چکا ہے۔ جس قدر روپیہ انجمن کے خزانے میں تھا، وہ سب کا

سب بذریعہ تار مولوی صدر الدین صاحب کو بھیجا جا چکا ہے۔ اٹھارہ ہزار روپیہ اس کے علاوہ تعمیر مسجد کے لئے اور کم سے کم پانچ ہزار روپیہ سامان کے لئے بکار ہے، جو جلد سے جلد مولوی صاحب کو پہنچنا چاہئیے۔ اس لئے سب احباب سے التماس ہے کہ:

1۔ وہ اپنے اپنے بقایا برلن مسجد یا جرمن مشن کے فوراً بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام بھیج دیں۔ ان وعدوں پر اب قریباً دو دو سال گزر چکے ہیں اور اب کام شروع ہے اور روپے کی سخت ضرورت ہے۔ ان کے ایفاء میں التواء قومی نقصان کا موجب ہے۔

2۔ جن جن احباب نے اب تک اس کارِ خیر میں حصہ نہیں لیا، وہ بھی اس وقت ضرور شامل ہوں، تا کہ یہ کام تکمیل کو پہنچے۔ ایسے ثواب کے کاموں کے مواقع روز روز پیدا نہیں ہوتے۔

3۔ جن احباب کو موقع حاصل ہے، وہ دوسروں میں اس کارِ خیر میں شمولیت کی تحریک کر کے اپنی اپنی جگہ پر چندہ وصول کرنے کی کوشش کریں۔ اور رسیدات کی کاپیاں دفتر سے منگوالیں۔

محمد علی

☆☆☆

اٹلی میں تبلیغ اسلام

ذیل کی خط و کتابت اس لئے شائع کی جاتی ہے کہ ہمارے احباب کو معلوم ہو جائے کہ اس وقت اٹلی میں ہمارا ایک نوجوان پر جوش گریجوایٹ درد دل رکھنے والا، اور اسلامی دنیا سے پورے طور پر واقف بھائی موجود ہے۔ جو تبلیغ اسلام کا ہر طرح سے اہل ہے۔ اگر ہمارے جملہ احباب اشاعتِ اسلام کے لئے اپنے مقررہ چندوں کو باقاعدہ کر دیں اور جو دوست غفلت کی وجہ سے اس کام میں عملاً حصہ نہیں لے سکے، وہ بھی حصہ لیں، تو نہ صرف اٹلی بلکہ بعض اور ممالک میں بھی فوراً اسلامی مشن کھولے جا سکتے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے احباب غفلت کو دور کر کے انتہائی کوشش میں لگ جائیں گے کہ ہمارے مشن دنیا کے ہر ملک میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت قریب ہے۔

صرف ہماری غفلت نے اسے روک رکھا ہے۔ بہر حال یہ نوجوان دوست حضرت امیر کی خدمت میں لکھتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

مخدومی ومولائی حضرت مولوی صاحب قبلہ سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ہر ڈاک میں ارادہ کرتا تھا کہ خدمت حضور میں خط لکھوں، مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ شرمساری وندامت ہمیشہ دامن گیر ہیں کہ ایک زمانہ خدمت میں رہا اور فیض حاصل کرنے سے محروم۔ یہ محض میری تعلیم کا نتیجہ تھا۔ کیونکہ سالہا سال سے میرے دل میں یہ بات سما چکی تھی کہ اسلام کی آزادی بغیر تلوار کے ناممکن ہے اور اس پر میری گردو پیش کی سوسائٹی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ مجھ پر ہی کیا منحصر ہے، تمام ہندوستانی نوجوان مسلمان اسی خیال میں مست ہو رہے ہیں۔ اور یہی گمراہ کن خیال ان کو صحیح راستہ کی طرف نہیں آنے دیتا۔ ان غریبوں کی سمجھ میں ہی یہ بات نہیں آئی، کہ جہاد کیسے ناممکن ہوسکتا ہے۔ چالیس کروڑ مسلمان کیسے کفار سے دب سکتے ہیں۔

پہلے تو اسلام کا صرف ایک دشمن (عیسائیت) تھا، اب ایک اور دوسرا خوفناک اور بدترین دشمن پیدا ہو چکا ہے، جس کا اثر اسلامی ممالک میں آہستہ آہستہ سرایت کر رہا ہے۔ وہ دشمن کون ہے اور کیسا ہے؟ اس کے متعلق پھر لکھوں گا۔ اگر ہمارے رہنماؤں نے زیادہ غفلت اور تساہل سے کام لیا، تو نجات محال نظر آتی ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ اپنے دین کا خود محافظ ہے، مگر آخر مسلمان رہنما بھی تو جواب دہ ہیں! آج کل اخبارات سے معلوم ہو رہا ہے کہ ساحر الموت کے پیروکار غریب ہندوستانی مسلمانوں کو ''برکِ حشیش'' کا عرق جانفزا پھر پلا رہے ہیں۔ یعنی غریبوں کو مراکش کے لئے جہاد پر اکسا رہے ہیں۔ اگر مراکش کے مسلمانوں کو اخلاقی امداد دی جائے، تو نہایت ہی مستحسن ہے۔ کیونکہ وہ بہادر قوم نہایت جانفروشی کے ساتھ اپنی آزادی کے لئے ہسپانیہ کا مقابلہ کر رہی اور شکست پر شکست دے رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل ان کے شامل حال رہا تو ممکن ہے آزاد ہو جائیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے ہندوستانی مسلمان رہنما کس حد تک اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ کب تک یہ داروئے بے ہوشی لوگوں کو پلا پلا کر ان کو میدان جنگ میں لڑائیں گے۔ آخر ایک دن یہ قلعہ، جو ریگ کی دیواروں سے وہ قائم کر رہے ہیں، دھڑام سے بیٹھ جائے گا۔ ایک تجربہ ان کو ہو بھی چکا ہے۔ تین چار سال تک انہوں نے لکھوکھہا

روپیہ غریب قوم سے بٹورا کچھ خود ہضم کیا اور کچھ دیگر لوگ ہڑپ کر گئے۔ ہزار ہا نوجوانوں کو جیل خانوں میں بھجوا پٹوا کر ہمیشہ کے لئے نہیں تو ایک زمانہ کے لئے نکما کر دیا۔ آخر اس کا مطلب اور فائدہ؟ یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟ میں خلافت کمیٹی کے کارکنوں کی نیت پر کسی قسم کا حملہ نہیں کرتا۔ وہ نہایت ایمانداری سے، جہاں تک وہ ایمانداری کے معنی سمجھتے ہیں، کام کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ اور شاید آئندہ بھی کریں گے۔ کیونکہ آخر انہیں کچھ کرنا چاہئیے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھے رہنا کہاں تک جائز ہے۔ مگر کیا ہی اچھا ہو اگر وہ اب ذرا اور چستی سے قدم اٹھائیں اور صحیح رنگ میں اسلام کی خدمت کی راہ تلاش کریں۔

افسوس ہے میں لکھنا کچھ اور چاہتا تھا اور قلم کسی دوسری طرف اٹھ گیا۔ امید ہے حضور معاف فرمائیں گے۔ کیونکہ میرا دل مجروح ہے اور جب ذرا ٹھیس لگتی ہے تو بے اختیار درد بھری آہیں نکلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ تفسیر شریف تو مل گئی ہے۔ مگر جلد ساز کے ہاں سے بروز ہفتہ ملے گی۔ اس کے بعد انشاءاللہ ہر روز مطالعہ کروں گا۔ اور حضور کے ارشاد کے مطابق اخباروں میں مضامین وغیرہ بھی لکھنے کی کوشش کروں گا۔ ابھی تک میری حالت درست نہیں ہوئی۔ اور ان تمام کاموں کے لئے طبیعت کی یکسوئی لازمی ہے مگر امید ہے اس ہفتہ میں فیصلہ ہو جائے گا۔ اور تجارتی کاموں کے ساتھ ساتھ دینی شغل بھی جاری رہے گا۔ اور جب زبان اچھی طرح آ جائے گی، تو انشاءاللہ پھر باقاعدہ طور پر کام شروع کر دوں گا۔ یورپ کی زندگی ہمارے بعض لوگوں پر نہایت ہی زہریلا اثر ڈالتی ہے۔ اور وہ یورپ میں آتے ہی اس لئے ہیں کہ اس زندگی کا لطف اٹھائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اس زہریلی اور جاں ستاں زندگی سے بچائے۔ آپ کی دعاؤں کی برکات سے عاجز ان تمام اثرات سے محفوظ ہے۔ اور میں حیران ہوتا ہوں کہ لوگ کیسے ان اثرات کو قبول کر لیتے ہیں! روما میں میں ایک مدت رہا اور جن خاندانوں سے اور دوستوں سے میرا تعارف ہوا، وہ اسلام کے مداح ہو گئے۔ کیونکہ دو چیزیں ان پر بہت اثر کرتی ہیں۔ ایک شراب سے نفرت۔ دوسرے زنا سے بچنا۔ اور ان دونوں چیزوں سے بچنا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہو سکتا ہے، ورنہ ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں اس قدر عام ہیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ آخر میں نہایت ادب سے دعا کے لئے درخواست کرتا ہوں۔ اور اس خط کے لئے معافی کی التجا۔ تمام بزرگان و برادران کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ والسلام۔

جواب از حضرت امیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اخویم مکرم معظم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔آپ کا خط ملا۔میں تو اسے اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے احسانات میں سے سمجھتا ہوں کہ جس کسی نے ہماری اس چھوٹی سی جماعت سے تھوڑے سے دنوں کے لئے بھی تعلق پیدا کیا، آخر اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی دین کی خدمت کا کام کچھ نہ کچھ ضرور لیا۔اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ مجھے اس جوش کی، جو آپ کے دل میں ہے، اس قدر عزت ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ بغیر دریافت کئے چلے گئے۔اور ہمارے مسلک کے خلاف رستہ اختیار کیا، تاہم آپ کی محبت ہمیشہ دل میں رہی۔اور آخر اللہ تعالیٰ آپ کو کھینچ کر پھر اسی طرف لے آیا۔ جوش تو وہی رہنا چاہئیے، جس نے آپ سے ہجرت کرائی۔ اور اس ہجرت سے اب اعلائے کلمۃ اللہ کا فائدہ اٹھانا چاہئیے۔اگر ہماری جماعت کا ہاتھ تنگ نہ ہوتا تو آپ کے اطالیہ پہنچ جانے سے فوراً وہاں باقاعدہ مشن کی بنیاد رکھ دی جاتی۔مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت کا انتظار ہے۔اور مجھے یقین ہے کہ آپ کے دل کا جوش ضرور اسے کھینچ لائے گا۔اور جتنی جلدی اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کوئی راستہ کھول دے، کہ کچھ سامان ہو جائے، وہاں باقاعدہ مشن کی بنیاد فوراً رکھی جائے گی۔ اس اثناء میں اللہ تعالیٰ جس قدر آپ کو توفیق دے کام کرتے جائیں۔اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ میں بھی دعا میں لگا ہوا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دین اسلام کی تبلیغ کے راستے کھول دے گا۔ ہماری غفلت کی وجہ سے ہی نصرت بھی نہیں آتی۔خدا کرے یہ دور ہو جائے۔

والسلام

محمد علی

حضرت امیر کا تاکیدی پیغام

بعض اہم قومی معاملات میں مشورہ کے لئے ممبران جنرل کونسل اور انجمن ہائے کے سیکرٹری صاحبان کو 25 تا 28 اکتوبر لاہور میں تشریف آوری کے لئے دفتر سے باقاعدہ اطلاع دی گئی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ سوائے سخت مجبوری کے جملہ احباب، جن کو دعوت دی گئی، تشریف لا کر ممنون فرمائیں گے۔انجمنوں کا اختیار ہوگا

کہ وہ اپنے سیکرٹری یا کسی اور صاحب کو جو شوریٰ میں اظہار خیالات کر سکتے ہوں، اس موقع پر بھیج دیں۔ اس کے ساتھ ایسے مقامات کے معزز احباب سے، جہاں با قاعدہ انجمنیں نہیں، التماس ہے کہ وہ بھی اس موقع پر تشریف لائیں۔ جو اصحاب نہ آسکتے ہوں وہ نظامِ قومی یا تعلقاتِ قومی کے متعلق اگر کچھ کہنا چاہتے ہوں، تو بذریعہ تحریر مجھے اطلاع دیں۔ ایسا ہی انجمنیں اپنی جگہ پر مشورہ کر کے کوئی خاص امر مرکزی انجمن کے نوٹس میں لانا چاہتے ہوں، تو اس کے متعلق فوراً مناسب کارروائی کریں۔

محمد علی

22اکتوبر1924ء

اسلام اور مذہبی آزادی

مولوی نعمت اللہ خاں کی شہادت پر ایک مسلمان نے، جو جماعت احمدیہ کے کسی فرقہ سے تعلق نہیں رکھتا، ہمیں ایک خط لکھا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ ان فتاویٰ کا مسلمانوں کے دلوں پر کیا اثر ہے۔ اور ان سے غیر مسلم تو ایک طرف، خود مسلمانوں کے ایمان کے متزلزل ہونے کا کس قدر خطرہ ہے!

امرتسر 5 اکتوبر 1924ء

مکرم ومحترم بندہ جناب ......زاد فیوضکم

السلام علیکم۔ نعمت اللہ خاں کابلی کی سنگساری کے متعلق قرآن و اسلام کا حکم کس طرح سے ہے۔ کیا اسلام مذہبی آزادی اور رواداری کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ مجھے خاص طور سے صرف اتنا دریافت کرنا ہے کہ کیا اسلام مذہب اور عقیدہ کے معاملہ میں جبر واکراہ کی اجازت دیتا ہے یا یہ ملاؤں کی اجتہادی غلطیاں ہیں۔ اور کیا سابقہ واقعات، جو اسلامی تاریخ میں اس فعل کی تائید کرتے ہیں، بروئے اسلام جائز تھے یا نہیں؟ میں احمدی نہیں ہوں، مگر اس واقعہ نے خصوصیت سے میرا ایمان سابقہ متزلزل کر دیا ہے۔ اور مجھے تحقیق مذہب حق کی ضرورت لاحق ہوئی۔ واضح ہو کہ مجھے تعصب اور ہٹ دھرمی سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ فقط والسلام (اس کے جواب میں راقم خط کو پیغام صلح کے گذشتہ پرچے بھیجے گئے)

پیغام صلح

احمدیت کے ساتھ ضد اور ہٹ دھرمی کرنے والو! کاش اسلام کی کچھ تھوڑی سی محبت بھی تمہارے دلوں کے اندر ہوتی، تو اسے اس طرح سے بدنام کر کے مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل نہ ہونے دیتے۔

☆☆☆

مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کی سنگساری اور ''الجامعہ'' علی گڑھ کی رائے

''الجامعہ'' مِلّیہ اسلامیہ علی گڑھ کا ماہوار علمی رسالہ ہے۔ یعنی اسی انتہا پسند طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، جس کی نمائندگی کا دعویٰ ''زمیندار'' اور ''سیاست'' وغیرہ کو ہے۔ اس رسالہ کی ماہ ستمبر 1924ء کی اشاعت میں مولوی نعمت اللہ خاں کی سنگساری پر جو رائے زنی کی گئی ہے وہ قارئین ''پیغام صلح'' کے پڑھنے کے قابل ہے۔ ''شذرات'' کے ذیل میں لکھا ہے:

حکومت کابل نے ایک شخص نعمت اللہ نامی کو بوجوہ مرزائی ہونے کے سنگسار کر دیا، وہاں کے محکمہ شرعیہ نے اس کے متعلق اپنا فیصلہ جو اخباروں میں شائع کرایا ہے، اس میں مرحوم کا بجز قادیانی عقائد رکھنے اور اس سے تائب نہ ہونے کے اور کوئی جرم نہیں بیان کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں احمدی جماعت نے اس سزا کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اس پر علمائے ہند و پنجاب و نیز جمعیت العلمائے ہند نے بھی حکومت افغانستان کو برقی پیغامات بھیجے کہ یہ کارروائی شرع اسلام کے عین مطابق ہوئی۔ اگرچہ اس رَجم کے درست ہونے پر ان حضرات نے بھی اپنے تائیدی تاروں سے اپنی مہریں ثبت فرما دیں۔ حضرت آدمؑ کے بیٹوں میں سے ایک نے جب دوسرے کو قتل کیا تو اُس پر اللہ تعالیٰ نے حفاظت نفس کے لئے ایک دائمی اصول قرار دیا کہ **مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا** (32:5) ظاہر ہے کہ سنگساری قتل سے زیادہ سنگین ہے۔ قتل میں صرف ہلاکت ہے اور رجم میں لعنت اور اتلاف نفس۔ دونوں ہی حالت میں یہ مسئلہ نہایت غور و خوض کا محتاج ہے۔ یہ محض ایک شخص واحد یا ایک ذات کا مسئلہ نہیں۔

مرتد کی تعریف کیا ہے؟ کیا احمدی مرتد ہوتا ہے؟ ضروریات دین میں سے وہ کس کا انکاری ہے؟ پھر کیا مرتد کی سزا سنگساری ہے؟ ان سب کے بعد یہ بھی غور طلب ہے کہ افغانستان کے حنفی، ایران کے شیعہ، مسقط کے خارجی اور نجد کے وہابی سب کے ہاں مرتد کی ایک ہی تعریف ہوگی یا الگ الگ؟ اس حالت میں پھر کتنے مسلمان رہ جائیں گے، جو ان ممالک میں سے کسی میں مستوجب القتل یا واجب الرجم نہ قرار

22اکتوبر1924ء

نیاز نامہ۔بخدمت اہل بہاءاور اہل قادیان

حضرات محترم! یہ امر بدیہی ہے کہ زمانہ، علامات، دلائل اور اصول آپ کے ایک حد تک مشترک ہیں۔اور سید باب اور جناب بہاءاللہ کو حضرت مرزا غلام احمد پر تقدم زمانی بھی حاصل ہے۔

یہ اعتراضات بہت کمزور ہیں۔ بلکہ محض شبہات ہیں کہ سید باب یا جناب بہاء اللہ کی طرف دعویٰ الوہیت کو منسوب کیا جائے۔ میں جو کچھ بقدر اپنے فہم و استعداد کے فریقین سے دریافت کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ علماء اسلام اور آپ کے نزدیک یہ اصل مسلم ہے کہ مظاہر الٰہی کے لئے ضروری ہے کہ مدعی نبوت و رسالت کے دعویٰ کے ساتھ کوئی نشان معلوم یا علامت مخصوص موجود ہو، تاکہ مخلوق پر حجت قائم ہو۔ پس محققین علماء اسلام نیز اہل بہاء اور اہل قادیان کا مسلمہ ہے کہ ایسی صریح علامت یا نشان، وحی سماوی اور کلام الٰہی اور ہمارے آقا حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے اپنے صدق دعویٰ پر بطور دلیل و علامت کلام الٰہی و وحی سماوی، یعنی قرآن کریم کو بھی پیش فرمایا ہے۔اور قرآن مجید نے فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (23:2) کی تحدّی فرما کر نبی کریم ﷺ کی رسالت کو ثابت فرمایا ہے۔اور خصوصیات کلام الٰہی کو بھی قرآن کریم نے خود ہی بیان فرما کر فیصلہ کر دیا کہ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (42:41) وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ (82:10) اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (9:17) قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (28:39) اب اہل بہاء کی خدمت میں گذارش ہے کہ کیا سید باب پر جو ''کتاب البیان'' یا کسی وحی سماوی کا نزول ہوا، تو کیا وہ وحی سماوی بلحاظ حق و حکمت و خصوصیات ذاتیہ و حقائق معارف عالیہ، قرآن کریم سے ابدی اور ابلغ یا کم از کم مثل قرآن مجید ہے یا نہیں۔جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا (106:2) اس لئے چند آیات وحی سماوی البیان سے نقل کر کے عرض کرتا ہوں کہ اہل بہاء ان آیات کی تفسیر فرما کر اس وحی جدید کی خصوصیات و کمالات سے مستفید فرمائیں۔ علمائے قادیان کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ آپ کے نزدیک بالخصوص نبوت کا معیار کثرت مکالمہ اور اظہار علی الغیب ہے۔ اور یہ دونوں امور جناب بہاء اللہ میں موجود ہیں۔ باوجود اس کے بہاء اللہ کا دعویٰ بلا اختلاف و تناقض ہے۔ پس اگر حقیقت اس سے زیادہ نہیں تو قادیانی مذہب کا بہائی مذہب میں جذب ہونا ضروری ہے۔

ہمارے علمائے اسلام قادیانیت اور بہائیت دونوں سے بیزار ہیں۔مگر کیا اس بیزاری سے مسیح ناصری زندہ ہو کر آسمان سے نازل ہوں گے۔ یہ تو محال اور ناممکن ہے۔کیا علمائے اسلام اہل بہاءاور اہل قادیان اس بحث کو ہر پہلو سے صاف فرمانے کی کوشش فرمائیں گے۔خاکسار **محمد عبداللہ** وکیل سری نگر کشمیر

سوال وجواب:ایک حنفی صاحب نے حضرت امیر ایدہ اللہ سے دو ایک سوال کئے تھے، جو مع جواب ہدیہ قارئین کرام ہیں۔

سوال نمبر 1 : کیا یہ درست ہے کہ احمدی لوگ پلیگ سے محفوظ ہیں۔اگر یہ امر صحیح ہے تو کیوں کیا ان کو Infaction نہیں ہوتی اور اگر ہوتی ہے تو کونسی چیز اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے؟ اگر مندرجہ بالا بات صرف کرامت پر ہی مبنی ہے،تو کیا ضرورت تھی کہ خداوند کریم قانون قدرت کو صرف ایک مجدد یا ظلی نبی کی اعانت میں تبدیل کر دیتا؟

جواب نمبر 1 : طاعون کے متعلق حضرت مسیح موعود کو یہ الہام ہوا تھا اِنِّیۡ اَحَافِظُ کُلَّ مَنۡ فِی الدَّارِ. یعنی جو لوگ آپ کے گھر کی چار دیواری کے اندر رہتے ہیں،اللہ تعالیٰ انہیں آپ کی صداقت کے نشان کے طور پر طاعون سے محفوظ رکھے گا۔آپ نے ان لوگوں کو، جو کامل طور پر آپ کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں، مَنۡ فِی الدَّارِ میں شامل کیا۔یعنی اگر چہ وہ بھی ایک رنگ میں گھر کی چار دیواری کے اندر آ جاتے ہیں،مگر ہر ایک احمدی کے متعلق کوئی وعدہ نہیں۔رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی خاطر ایسا کرتا ہے یا نہیں۔اگر چہ اولیاء اللہ کی کرامات ایک مشہور امر ہیں اور کسی مسلمان کو اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ پھر ایسے لوگ، جن کو اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تجدید اور تائید کے لئے کھڑا کرتا ہے، ان کی صداقت کے لئے ایسے نشانات کا ظہور اور بھی زیادہ ضروری ہوتا ہے۔

سوال نمبر 2: کیا یہ درست ہے کہ آنحضرت ﷺ کا دھوپ میں سایہ مبارک نہ تھا۔کیا آپ کا بدن مبارک ہم تم جیسا غیر شفاف نہ تھا۔اگر یہ بات معجزہ پر مبنی تھی تو اس میں کیا راز مدنظر تھا؟

جواب نمبر 2: آنحضرت ﷺ کا سایہ نہ ہونا صحیح نہیں۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ (110:18)
جب سب حوائج بشری آپ میں تھیں، تو سایہ نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟

محمد علی

مولوی ظفر علی خاں صاحب اور جماعت احمیہ

مولوی شفاعت اللہ خاں صاحب مہتمم ''زمیندار'' کی طرف سے ایک کارڈ حضرت امیر اید ہ اللہ کی خدمت میں پہنچا ہے۔ جس میں آئندہ 2 نومبر کو مولوی ظفر علی خاں صاحب کے رہا ہو کر تشریف فرمائے لاہور ہونے کی خبر دیتے ہوئے ان کے ''خیر مقدم کے شاندار اور شایان شان'' تیاریوں کے لئے استدعا کی گئی ہے۔

ہمیں سمجھ نہیں آئی کہ یہ دعوت حضرت امیر اید ہ اللہ کے نام کیوں بھیجی گئی۔ کیا جو قوم مرتد ہے۔ اور ''زمیندار'' اور اس کے واجب الاحترام علماء کی طرف سے اس پر قتل کا فتویٰ عائد ہو چکا ہے، اس کو اس قسم کی دعوت بھیجنا جائز ہے؟ تعجب ہے کہ اس دعوت کی رو سے ہم مسلمان بھی ہیں اور ''زمیندار'' کے کھلے فتوے کے مطابق مرتد بھی۔ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَ قُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا (61:33) یعنی جہاں پائے جائیں پکڑ لئے جائیں اور نہایت بری طرح قتل کئے جائیں کے زیر عتاب بھی ہیں اور اس اسلامی دعوت کے اہل بھی۔ معلوم ہوتا ہے ''زمیندار'' اور اس کے مؤید لوگوں کا اندرونی مذہب کچھ اور ہے اور بیرونی کچھ اور!

خواجہ حسن نظامی اور قتل مرتد

20 اکتوبر 1924ء کے ''زمیندار'' میں خواجہ حسن نظامی نے مضمون بعنوان ''آریہ سماج کے آنسو ایک قادیانی کے غم میں'' لکھا ہے۔ اور اس میں بتایا ہے کہ دہلی کی آریہ سماج نے ایک جلسہ کر کے مولوی نعمت اللہ خاں کی سنگساری پر جو اظہار الم کیا ہے، اس کا اندرونی مقصد یہ ہے کہ:

> ''مرتد کے مسئلہ کو خوفناک بنا دیا جائے اور مسلمانوں کی عام رائے اس کے خلاف کر دی جائے۔ تا کہ آئندہ مسلمانوں کو مرتد کرنا معمولی اور بے ضرر بات ہو جائے۔''

اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس وقت تک جو مسلمان باقی ہیں وہ اسی وجہ سے مسلمان ہیں کہ مرتد ہونے سے انہیں قتل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ان کے سروں پر چونکہ تلوار ہے، اس لئے وہ مسلمان ہیں، ورنہ وہ کبھی کے آریہ سماجی ہو چکے ہوتے۔ کیا مسلمان اس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں؟ اگر فی الحقیقت یہ صحیح ہے کہ جب تک یہ مسئلہ باقی ہے، اس وقت تک بقول خواجہ حسن نظامی آریہ سماج کی ''کوئی حکمت'' مسلمانوں کو ''مرتد ہونے پر آمادہ نہ کر سکے گی'' تو سوال یہ ہے کہ ایک لاکھ مسلمانوں کی اشدھی، جو گذشتہ سالوں میں وقوع پذیر ہوئی، کن وجوہات کی بنا پر تھی۔ کیا اس وقت یہ خطرہ موجود نہ تھا؟ ہاں! ایک ہی ذریعہ اس خطرہ سے فائدہ اٹھانے کا ہے۔ وہ یہ کہ ہندوستان میں بھی قتل مرتد کا حکم جاری کیا جائے۔ خواجہ حسن نظامی تو اب بھی اس حکم کو اپنی جگہ پر (ہندوستان میں) قائم سمجھتے ہیں۔ اگر چہ اس پر عمل نہ کر سکیں بہتر ہوگا کہ وہ مولوی کفایت اللہ کو بھی اپنے ساتھ شریک کریں۔ جو ہندوستان میں اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ اور پھر دونوں فوراً تلواریں سونت کر علاقہ ارتداد میں پہنچ جائیں۔ اور ایک لاکھ مرتد ملکانوں کو تہ تیغ کر دیں یا جو مسلمان اسلام سے نکل کر عیسائیت کا شکار ہو چکے ہیں، ان کو قتل کر دیں اور اسلام کی عزت دنیا میں خوب ہو۔ کاش! ایسے بدنام کنندہ اسلام مسلمانوں کے گھروں میں پیدا نہ ہوتے!

فرقہ آرائی اور تنظیم

معاصر ''تنظیم'' اسلامی اخبارات کی موجودہ روش کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

اسلامی اخبارات، جن کے اختیار میں رائے عامہ کی باگ ہے، لوگوں کو سیدھی راہ پر لانے اور انہیں فرقہ آرائی کے مضار و مفاسد سے آگاہ کرنے کی بجائے خود جماعت سازی کو تقویت دے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ تو کہتے ہیں کہ ہندوستان کی قومیت متحدہ اور ملک کی آزادی کے لئے ''تنظیم اور تبلیغ واسلام'' کو ملتوی کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان کی ستم ظریفی دیکھئے کہ وہ فرقہ آرائی کے ہلاکت آفریں مباحث کو خیر باد نہیں کہہ سکتے۔ اگر تنظیم اور تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی ''فرقہ وارانہ'' مساعی کو ملکی آزادی کے لئے پس پشت ڈالا جا سکتا ہے، تو کیا مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی حکمت عملی کو کچھ مدت کے لئے معرض التواء میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ ''تنظیم'' کی بدولت تو خیر ''مسلمانوں کے سب سے بڑے ترجمان اور سب سے بڑے سرفروش مجاہد'' کے نزدیک ملک میں ''انتشار وافتراق ہر جگہ جاری وساری ہے۔'' لیکن فرقہ آرائیوں کو تقویت دینے میں کون سی بھلائی مقصود ہے۔ کیا

اس طرح تنظیم کے پیدا کردہ ''انتشار و افتراق'' کی تلافی ہو جائے گی۔ کیا کافر گری میں سیمنٹ کی تاثیر بھی ہے۔ کیا اغراض کفر کے لئے گروہ سازی قوم میں پیوستگی پیدا کر دے گی۔ کیا اس سے وہ ''حقیقی روح اور اصلی جوش'' پیدا ہو جائے گا، جو ''حریت و آزادی'' ہی کی تحریک کا حصہ ہے؟

ہمارے لائق معاصر کو اسلامی اخبارات و بالخصوص ''زمیندار'' کی اس روش سے ہراساں نہ ہونا چاہیئے کہ ان کی خاص اغراض کی تکمیل اس کے بغیر ناممکن ہے کہ مسلمانوں میں افتراق و انشقاق پیدا کیا جائے۔ مسلمانوں کو لڑانے میں انہیں مزا آتا ہے اور مالی منفعت کا راز بھی اسی کے اندر پنہاں ہے۔ اسلام کا کچھ رہے یا نہ رہے، مسلمان خواہ کتنے ہی ذلیل و رسوا کیوں نہ ہو، انہیں اپنی خاص اغراض سے واسطہ ہے۔ جس ذریعہ سے بھی وہ پوری ہوں، وہ اس کو اختیار کریں گے۔ خواہ قرآن کو ہی غیر مکمل اور محرف و مبدل کیوں نہ ثابت کرنا پڑے۔

مسیحیت اور سائنس: معاصر ''نور افشاں'' نے ''مذہب اور سائنس'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا ہے۔ جس میں اس اصول کو پیش کرتے ہوئے کہ خدا تعالیٰ کی تو کتاب اس کی فعلی کتاب یعنی صحیفہ فطرت کے مطابق ہونی چاہیئے۔ بعض مسیحی سائنس دانوں کا یہ اعلان شائع کیا ہے کہ:

> ''سائنس ہرگز کامل نہیں ہے۔ لیکن رو بہ ترقی ہے۔ بالفعل ہماری محدود عقل ہم کو اس قابل کرتی ہے کہ آئینہ میں دھندلا سا دیکھیں اور ہمیں یقین ہے کہ ایک وقت آجائے گا کہ جب یہ دونوں الٰہی الہام ہر ایک بات میں مطابق نظر آئیں گے۔''

اس اعلان سے ''نور افشاں'' نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ مسیحیت سائنس کے عین مطابق ہے۔ حالانکہ صاف طور پر مسیحیت سے صحیفہ فطرت کی مخالفت کا اظہار کیا گیا ہے۔ ہاں اس بات کی امید لگائی گئی ہے کہ آئندہ کسی وقت صحیفہ فطرت سے اس کی مطابقت ہو جائے گی۔ لیکن آئندہ پر انہیں امید رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب اس وقت بھی ڈین آف کارلائل، ڈین انج، کینن بارنس، اور دیگر کئی ایک مقتدر مسیحی، مسیحیت کی شکل و صورت ایسی بنا چکے ہیں جو اگرچہ ''نور افشاں'' کے کلیسائی مذہب کے مطابق نہ ہو۔ لیکن ایک حد تک عقل و فہم کے مطابق ضرور ہے۔ اگر مسیح کے کنواری کے پیٹ سے پیدا ہونے کا انکار کر کے کوئی شخص مسیحی رہ سکتا ہے، اگر اس کی الوہیت سے منکر ہو کر اور اسے انسان محض سمجھ کر کوئی شخص عیسائی کہلا سکتا ہے، اگر اس کے معجزات اور فوق الفطرت کارناموں کی

تردید کر کے اور مسیحؑ کے زندہ ہو کر جی اٹھنے اور آسمان پر چڑھ جانے کے عقیدہ کو علانیہ رد کر کے کوئی شخص کلیسا کی رکنیت کا اہل ہو سکتا اور ڈین جیسے منصب پر فائز رہ سکتا ہے، تو اس قسم کی مسیحیت یورپ اور امریکہ میں اس وقت بھی موجود ہے۔

26 اکتوبر 1924ء

قسط۔5

حضرت امیر سے سوال و جواب

ذیل میں ایک دوست کے سوالات، جوانہوں نے حضرت امیر کی خدمت میں بھیجے ہیں مع جوابات ہدیہ قارئین کرام ہیں

سوال 1: قرآن شریف کی سورہ الرعد کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (38:13) بعض لوگ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ بیوی اور بچے رکھتے تھے۔ کیا یہ آیت قطعی الدلالت ہے کہ حضرت مسیحؑ و جملہ انبیاؑء بیوی بچے رکھتے تھے؟

جواب: آیت مندرجہ بالا میں کوئی ایسا لفظ نہیں، جس کا مفہوم کلیّت یا استغراق اور شمولیت تمام افراد اور رسل کا ہو۔ ہاں بے شک لفظ رُسُلًا جمع ہے۔ جس کا اطلاق حرف ثلاثة و مَافَوْقُهَا پر ہوتا ہے۔ لیکن استغراق افراد اس کے مفہوم سے خارج ہے۔ پس جبکہ اس آیت میں نہ کوئی حرف (جو موجب کلیت) موجود ہے اور نہ کوئی لفظ استغراق، اس لئے اس کے تحت تمام انبیاء قطعی طور پر نہیں آسکتے۔ ہاں دلالت النص ضرور موجود ہے۔ لیکن وہ مفید یقین نہیں۔

سوال 2: حضرت مسیح موعود اپنی کتاب اربعین نمبر 2 صفحہ 10 پر تحریر فرماتے ہیں ''حضرت عیسٰیؑ کا استاد ایک یہودی تھا۔ جس سے انہوں نے ساری بائبل پڑھی اور لکھنا بھی سیکھا۔'' حالانکہ قرآن شریف کی سورۃ آل عمران میں آتا ہے: وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ. (48:3) ان دو باتوں میں تطبیق کس طرح دی جا سکتی ہے؟

جواب: جو علم انسان ان ذرائع سے حاصل کرتا ہے، جو خدا نے اسے دیئے ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعلیم ہی ہے: وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ (282:2)

سوال 3: حضرت مسیح موعود اپنی کتاب انوار الاسلام میں محمدی بیگم والی پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ چار پر تحریر فرماتے ہیں:

''عذاب کی بنیاد ایک تقدیر معلق ہوتی ہے۔ جو خوف اور رجوع سے دوسرے وقت پر جا پڑتی ہے۔ جیسا کہ تمام قرآن اس پر شاہد ہے۔ لیکن نفس پیشگوئی یعنی اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آنا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لئے الہام الٰہی میں یہ فقرہ موجود ہے کہ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (64:10) یعنی میری یہ بات ہرگز نہ ٹلے گی۔''

اب یہ ظاہر ہے کہ وہ عورت حضرت صاحب کے نکاح میں نہیں آئی۔ پس یا تو ماننا پڑے گا کہ تقدیر مبرم بھی ٹل سکتی ہے یا الہام کے اس فقرہ کو پیشگوئی کی کسی دوسری شق کے متعلق سمجھا جائے گا؟

جواب: اس کا تقدیر مبرم ہونا حضرت صاحب کا اجتہاد تھا۔ اور یہ بھی اجتہاد ہی تھا کہ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (64:10) عورت کے نکاح کے متعلق ہے اور وہ اجتہاد درست نہ نکلا۔ علاوہ ازیں تقدیر مبرم اور تقدیر معلق بھی کوئی قرآنی اصطلاحات نہیں ہیں۔

سوال 4: حضرت صاحب اپنی کتاب نسیم دعوت صفحہ 17 پر حضرت مریمؑ کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''مریمؑ نے عمداً اپنے خواب کو چھپایا۔ اور کسی کے پاس اس کو ظاہر نہ کیا۔ کیونکہ اس کی ماں اور باپ دونوں نے اس کو بیت المقدس کی نذر کیا تھا۔ تا وہ ہمیشہ تارکہ رہ کر بیت المقدس

کی خدمت میں مشغول رہے۔اور کبھی خاوند نہ کرے۔اور بتول کا لقب اس کو دیا گیا۔اور اس نے آپ بھی یہی عہد کیا تھا کہ خاوند نہیں کرے گی اور بیت المقدس میں رہے گی۔''

حالانکہ یہ بات قرآن کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔قرآن میں حضرت مریمؑ کی ماں کی دعا اِنِّیٓ اُعِیۡذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ.(36:3) موجود ہے۔جس سے ظاہر ہے کہ اس کی ماں نے اسے ہمیشہ تارکہ رہنے کے لئے نذر نہ کیا تھا۔

جواب: غالبًا حضرت صاحب نے یہ اناجیل کی بنا پر لکھا ہو گا۔قرآن کریم کے الفاظ صاف ہیں ذُرِّیَّتَھَا ہوسکتا ہے کہ حضرت صاحب کو ان الفاظ کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ حضرت صاحب کی تحریرات کو وحی کی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

سوال 5: آریوں کو ان کے عقیدہ قدامت روح و مادہ کے بارہ میں ملزم گردانتے ہوئے حضرت صاحب نے اسلامی عقیدہ ابدیت روح انسانی کی یوں صفائی پیش کی ہے:

''یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ مسلمان بھی انسانی ارواح کو ابدی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف نہیں سکھلاتا کہ انسانی ارواح اپنی ذات کے تقاضا سے ابدی ہیں، بلکہ وہ یہ سکھلاتا ہے کہ یہ ابدیت انسانی روح کے لئے محض عطیہ الٰہی ہے، ورنہ انسانی روح بھی دوسرے حیوانات کی روحوں کی طرح قابل فنا ہے''(نسیم دعوت صفحہ 19)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ انسانی ارواح خدا تعالیٰ کی صفت ابدیت میں شریک ہیں۔یہ علیحدہ امر ہے کہ وہ اپنی ذات سے ابدی ہیں یا خدا نے خود انہیں اپنی صفت ابدیت میں شریک کر لیا ہے۔ بہر حال وہ ابدی ضرور ہیں۔اگر یہ استدلال صحیح ہے تو معجزات مسیحؑ کے بارے میں دوسرے مسلمان بھی اسی طرز پر استدلال کر سکتے ہیں؟ کیا جو شے ازلی نہ ہو، وہ از روئے قرآن ابدی ہوسکتی ہے؟

جواب: صفت میں اسے شریک نہیں کہہ سکتے، جس میں کامل اشتراک نہ ہو۔ کامل

اشتراک یہ چاہتا ہے کہ جس طرح خدا خود بخود اپنی ذات میں ابدی ہے، ارواح بھی خود بخود اپنی ذات میں ابدی ہوں۔ اگر یہ نہیں تو اشتراک ناقص ہے۔ اور اسے شرک نہیں کہیں گے۔ بِاِذْنِ اللّٰہِ کی مثال صادق نہیں آتی۔ عام قانون بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ قرآن شریف نے ارواح کو مخلوق کہا ہے۔ اور دوسری طرف عطاء غیر محدود سے انعام اور انعام پانے والی چیز کو باقی رکھا ہے۔

سوال 6: حضرت صاحب نے اربعین نمبر 3 صفحہ 10 میں اپنی الہامی عمر اسّی برس یا دو تین برس کم یا زیادہ لکھی ہے۔ کیا وصال کے وقت آپ کی عمر اتنی ہی تھی؟

جواب: الہام کے لفظ ہیں اَوْ قَرِیْبًا مِّنْ ذٰلِکَ آپ کی عمر ہجری سنہ کے لحاظ سے ستر سال سے اوپر تھی۔ اور یہ قریب کے لفظ میں آجاتا ہے۔

سوال 7: حضرت صاحب کے الہام، ''آسمان سے کئی تخت اُترے مگر سب سے اونچا تیرا تخت بچھایا گیا۔'' اربعین نمبر 3 صفحہ 45۔ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: مجددین اور اولیاء میں آپ کے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے یا اپنے زمانہ کے لوگوں میں۔

سوال 8: حضرت صاحب اربعین نمبر 4 صفحہ 14 پر لکھتے ہیں ''جس طرح ہمارے خدائے عزوجل نے اول پچاس نمازیں فرض کیں، پھر تخفیف کر کے پانچ کو بجائے پچاس کے قرار دے دیا۔ کیا یہ عبارت قرآن شریف کے خلاف نہیں؟

جواب: حدیث میں اس طرح آتا ہے۔ قرآن شریف کے خلاف اس لئے نہیں کہ آنحضرت نے جو خدا کا فرض امت کو پہنچایا، وہ بروئے حدیث بھی پانچ نمازیں ہی تھیں۔

سوال 9: حضرت صاحب نے اربعین نمبر 3 صفحہ 34 پر لکھا ہے:

''پس یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے۔ تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو، بلکہ چاہئیے کہ تمہارا وہی امام ہو، جو تم میں سے ہو، اسی کی طرف حدیث بخاری کے ایک پہلو میں اشارہ ہے کہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ یعنی جب مسیح نازل ہوگا۔ تو تمہیں دوسرے فرقوں کو، جو دعوے اسلام کرتے ہیں، بھی ترک کر دینا پڑے گا، اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ پس تم ایسا ہی کرو۔''

اس عبارت کو حضرت صاحب کی دیگر تحریرات مثلاً یہ کہ اگر ایسے اشخاص ہوں، جو مکفرین سے بیزاری کا اعلان کریں، تو ان کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے، وغیرہ سے کس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے؟

جواب: خط کشیدہ الفاظ میں حدیث کا اصل مطلب بیان نہیں کیا، اشارہ کے طور پر ایک بات کو لے لیا ہے، اور بکلی ترک کرنا صرف ایک وقت کے لئے ہے۔ جیسا حضرت صاحب نے خود تشریح کر دی۔ اصل حکم صرف مکفر، مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھنا ہے۔ اور ان تین میں سارے مسلمان نہیں آجاتے۔ اور اشارہ کے طور پر جو لفظ ہیں، ان میں صرف یہ بتایا ہے کہ عموماً اپنی جماعت الگ کرنی پڑے گی۔

سوال 10: ازالہ اوہام وغیرہ میں حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ قرآن کا ایک شعشہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جہاد کے متعلق اربعین نمبر 4 صفحہ 15 پر لکھا ہے:

''اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔''

پھر تحفہ گولڑویہ صفحہ 128 پر لکھا ہے:

''............دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال''

''جہاد اب قطعاً حرام ہے۔ عام طور پر لوگوں میں عقل وتہذیب اور شائستگی آ گئی ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ اب مسلمان بھی جہاد کی تلوار توڑ کر قلبہ رانی کے ہتھیار بنا لیں۔ کیونکہ مسیح موعود آ گیا۔ اور اب تمام جنگوں کا خاتمہ زمین پر ہو گیا۔'' ؎

دشمن ہے وہ خدا کا، جو کرتا ہے اب جہاد
اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے

سوال یہ ہے کہ یہ کونسا جہاد ہے، جسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس سے مراد مسلمانوں کا جاہلانہ جہاد ہے، تو وہ پہلے کب جائز تھا کہ اب حرام قرار دیا گیا؟

جواب: یہ مضمون میں اپنے کسی خطبہ میں مفصل بیان کر چکا ہوں۔ ایڈیٹر اخبار سے دریافت کر لیں۔

اس جہاد کی نظم کے بعد وہ الفاظ آتے ہیں کہ اس زمانہ اور ان حالات میں جہاد کا حکم نہیں۔

سوال 11: حضرت صاحب نے اربعین نمبر 4 صفحہ 7 پر لکھا ہے:

''ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور بھی بیان کئے، اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب الشریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کے رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔''

پھر صفحہ 8 پر لکھا ہے:

''ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت خاتم الانبیاءؐ ہیں۔ اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے۔ تاہم خدا تعالیٰ نے اپنے نفس پر حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی اور مامور کے

ذریعہ سے یہ احکام صادر کرے کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ زنا نہ کرو۔ خون نہ کرو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا بیان کرنا بیان شریعت ہے۔ جو مسیح موعود کا بھی کام ہے۔ پھر وہ دلیل تمہاری کیسی گاؤ خورد ہوگئی کہ اگر کوئی شریعت لائے اور مفتری ہو تو وہ تئیس برس تک زندہ نہیں رہ سکتا۔''

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ حضرت صاحب الشریعت ہیں۔ آپ کا اس کے بارہ میں کیا خیال ہے؟

جواب: اس لحاظ سے تو ہر ایک صاحب الشریعت ہوسکتا ہے جس کو خدا الہاماً کہہ دے کہ نماز پڑھو یا جھوٹ نہ بولو تو مطلب صرف اس قدر ہے کہ الہام یا وحی، جس پر گرفت ہو، اس کے لئے شریعت کی شرط ضروری نہیں اور پھر بتاتا ہے کہ احکام الٰہی بھی ہر وحی میں یا الہام میں آجاتے ہیں۔

سوال 12: اربعین نمبر 3 صفحہ 18 پر حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ:

''جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کرے۔''

یہی مضمون نمبر 4 صفحہ 25 پر ہے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت صاحب کے الہامات کو حدیث پر ترجیح ہے؟

جواب: الہامات کو عام طور پر حدیث پر ترجیح نہیں، بلکہ کسی خاص حدیث کے بارے میں اللہ تعالیٰ ملہم کو علم دے دے تو وہ اور بات ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ ان دونوں باتوں میں بیّن فرق ہے۔

☆☆☆

اسلام پر ایک سنگین الزام

(معاصر تنظیم نے اپنی 22 اکتوبر کی اشاعت میں عنوان بالا سے ایک مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم کیا ہے۔ جس میں علماء دیوبند اور ''زمیندار'' کے بہتان کا، کہ اسلام نے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (256:2) میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہیں دی، منہ توڑ جواب دیا ہے۔ جو امید ہے قارئین ''پیغام صلح'' کے لئے باعث دلچسپی ہوگا۔ ایڈیٹر)

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (256:2) کو جھٹلا کر جن لوگوں نے اسلام کی رواداری پر پانی پھیرنا چاہا ہے، انہوں نے اسلام سے اپنی سعادت مندی کا ثبوت نہیں دیا۔ یا وہ اغیار تسلیم کرنے لگے تھے کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلایا گیا۔ لیکن اسلام کے ان خیر خواہوں نے اس دعویٰ کو بھی باطل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب وہ کس منہ سے دوسروں کے اعتراض کا جواب دیں گے کہ اسلام اپنی توسیع و اشاعت کے لئے تیر و تفنگ کا رہین منت ہے؟ ان لوگوں نے اپنا یہ حیرت انگیز عقیدہ ظاہر کر کے ہندوستان کے تمام شر و فساد کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ وہ دیکھیں ہندو معاصرین کیا کہتے ہیں؟ ایک ہندو معاصر عقیدہ اور طریق عبادت کی آزادی، تحریر تقریر اور خیال کی آزادی پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ مشکل تو یہ ہے کہ علماء دیوبند تک اس بیسوی صدی میں لکھتے ہیں کہ مرزائیوں کا قتل جائز ہے۔ کیا یہ آزادی کی بیخ کنی کرنا نہیں ہے۔

یہی معاصر رقمطراز ہے کہ ہندوستان سوراجیہ کا طلب گار ہے۔ اور سلطنت کے اندر آزادی کا خواہاں ہے۔ وہ قوم کی مرضی کے مطابق ملک کا انتظام کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اب دیکھنا چاہئیے کہ کیا موجودہ حالات میں قوم کی متحدہ مرضی کا اظہار ممکن ہے۔ جبکہ ہندوستان قوم کا ایک حصہ مسلمان اس امر پر اصرار کرے کہ آپ کی دوسری جماعتوں کو ابتدائی حقوق بھی حاصل نہ ہوں۔ اور تحریر و تقریر اور عقیدہ اور خیال کی آزادی سے محروم ہو جائیں۔

اس خیال کا اہل وطن کے دلوں میں پیدا ہونا قیامت ہے۔ جبکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے۔ اور یہ دعوے بلا دلیل نہیں ہے کہ اسلام اس قسم کی آزادی سے محروم نہیں کرتا، بلکہ اس کی امنگ دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ برخلاف اس کے ہندو مذہب اور عیسائیت دونوں ایسی حالت میں تلوار کا خوف دلاتے ہیں۔لیکن ہمیں اس سے سروکار نہیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کے متعلق ایسی شدید غلط فہمی کا پیدا ہونا، جبکہ اصلیت اس کے برعکس ہے، نہ مسلمانوں کے لئے مفید ہوسکتا ہے، اور نہ ملک کی آئندہ ترقی پر اس کا اچھا اثر پڑسکتا ہے۔ ہندوستان کے بائیس کروڑ ہندوؤں کے سامنے اس بات کا اعتراض کہ اسلام ایسا تنگ دل مذہب ہے کہ محض عقیدہ کے اختلاف پر قتل کی سزا دیتا ہے، اسلام کی سلامت روی پر ایک نہایت سنگین اور بے رحمانہ حملہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہلاکو نے ہزارہا مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے اسلام کو اتنا ضعف نہیں پہنچایا تھا، جتنا اسلام پر یہ سنگین الزام لگانے والوں نے پہنچایا ہے۔اس الزام سے غیر مسلمان یہ نتیجہ نکالنے میں بالکل حق بجانب ہوں گے۔

1۔اسلام تلوار کے زور سے دنیا میں پھیلا۔

2۔مسلمانوں کو تلوار کے زور سے اسلام میں رکھا گیا۔

3۔ مذہب کے نام پر جو مظالم یورپ کے مسیحی عیسائیوں پر کرتے رہے۔ اور جو کچھ اب تک وہ غیر مسیحی لوگوں کے ساتھ کر رہے ہیں، ان پر مسلمانوں کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

4۔سوامی شردھانند کے پیروؤں نے ملکانوں کو مرتد کرنے کے لئے اگر زور بازو یا تلوار سے کام لیا، تو اس پر بھی مسلمان کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔

لیکن ہم بہ بانگ دہل غیر مسلم دنیا کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ اسلام پر عدم رواداری کا الزام بالکل غلط ہے۔ خدا کا کلام اس قسم کی آلائشوں سے پاک ہے۔ اور پیغمبر

اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اس قسم کے عیوب سے بالا تر ہے۔ مذہبی عقیدہ کے اختلاف پر بلکہ ارتداد کے ارتکاب پر بھی رسول خدا کے عہد میں کبھی کسی کو سزائے موت نہیں دی گئی۔ بغاوت وسرکشی وغیرہ کے جرم میں ضرور سزا دی گئی۔ مگر سیاسی مصالح کے ماتحت کونسی قوم ہے جس نے ایسا نہ کیا ہو!؟ علمائے کرام اور اسلامی معاصرین کا جنھوں نے یہ الزام اسلام پر عائد کیا ہے، فرض اولین ہے کہ دین الفطرت کے دامن پر جو بدنما داغ انہوں نے لگایا ہے، اس کو دھوئیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کریں۔

☆☆☆

ایک جرمن خاتون کا قبول اسلام

حضرت مولٰینا مولوی صدرالدین صاحب اپنے تازہ خط میں اطلاع دیتے ہیں کہ ہیمبرگ سے ایک خاتون کا اعلان پہنچا ہے۔ وہ اسلام قبول کرتی ہیں۔ ان کے اعلان کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

''میں بنت ولیم میکائیلسن ساکن ہیمبرگ کوچہ مسّلو یک نمبر 24 بذریعہ تحریر ہذا اعلان کرتی ہوں کہ میں نے اسلام اپنا مذہب اختیار کرلیا ہے۔ یعنی میں وحدہٗ لاشریک خدا پر ایمان لاتی ہوں جو تمام اقوام کا رب ہے۔ اور میں ایمان لاتی ہوں خدا کے تمام مرسلینؑ پر، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسٰیؑ، حضرت عیسٰیؑ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور ایمان لاتی ہوں تمام آسمانی کتب پر جیسا کہ زبور، توریت، انجیل اور قرآن کریم ہیں۔''

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

اور

تحریرات بزرگانِ جماعت

آٹھویں جلد

انتخاب از رسالہ پیغام صلح نومبر 1924ء تا دسمبر 1926ء

احمدیہ انجمن لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ

نے ادا کیے ہیں

قرآنِ کریم کے عشق اور انسانی ہمدردی سے مخمور، جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مرحوم ومغفور، جماعتِ احمدیہ لاہور کے احباب میں اپنے روح پرور دُروسِ قرآن کے حوالے سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ یہ دُروس وہ عمر بھر اپنی رہائش گاہ یا جماعت کے مراکز میں دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان کی اہلیہ محترمہ سلیمہ فاروقی مرحومہ مغفورہ کا جذبہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان دونوں نے اپنے پیچھے ایک ایسا ورثہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا جس سے جماعت کو اسلام کا پیغام دنیا کے دور دراز کونوں تک پہنچانے کے کام میں مسلسل امداد ملتی رہے۔ اس مقصد کو مدِنظر رکھتے ہوئے فاروقی صاحب نے اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد وقف کر کے فاروقی سلیمہ ٹرسٹ کی بنیاد رکھی اور اسے احمدیہ انجمن لاہور کی نگرانی میں دیا تاکہ اس کے فلاحی اور دینی کاموں، خاص طور پر قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتب کی طباعت، کے لیے مسلسل سرمایہ فراہم ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اس نیک کام کا اجر دے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

(غیر کاروباری مقاصد اور مفت تقسیم کے لیے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس وقمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

محمد اعظم علوی

حرفِ اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی جلد ہشتم ہدیہ قارئین کرام ہے۔ اس میں اخبار پیغام صلح 5 نومبر 1924ء تا 22 دسمبر 1926ء سے انتخاب شامل ہے۔ عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔ حسب ضرورت قرآنی آیات کا اردو ترجمہ اور تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے صبر آزما مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کر رہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فروگذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہو گی۔

خاکسار محمد ارشد علوی

انچارج

شعبہ تالیف وتصنیف

شخصیّت

حضرت مولیٰنا محمد علیؒ

حضرت مولیٰنا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لیے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولیٰنا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولیٰنا نورالدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمۃ القرآن جس کی ابتدا 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوا اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ و تفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی)

1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجن آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اوراسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسّی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دولفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے، یعنی ''عشقِ قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کیے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی، تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لیے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لیے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لیے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہوگیا تو اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوگئے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِهٖ۔

خاکسار

عامر عزیز الازھری بن عبدالعزیز

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

فہرست

2 نومبر 1924ء

احمدیہ کانفرنس۔مسئلہ نماز

(حضرت امیر ایدہ اللہ کے قلم سے)

ہماری کانفرنس منعقدہ 25-26 اکتوبر میں سب سے پہلے جو مسئلہ زیر بحث آیا، وہ غیر جماعت کے پیچھے نماز کا مسئلہ تھا۔اس کی بنیاد اصل میں استفتا تھا، جو جنوری 1921ء میں حکیم غلام محی الدین بھوبری نے پیش کیا تھا۔ اس استفتا پر علماء جماعت سے فتویٰ لیا گیا تو اہم امور میں اتفاق کے ساتھ جزئیات میں کسی قدر اختلاف تھا۔اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اس مسئلہ کو خاص طور پر مشورے سے زیر بحث لایا جائے۔1922ء کے سالانہ جلسہ میں اس امر کو ایک خاص کانفرنس میں زیر بحث لانے کا خیال تھا،مگر سالانہ جلسہ کے ایام میں فرصت نہ مل سکی اور بعض احباب، جن کی شمولیت ضروری تھی، اس وقت بعض مجبوریوں کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔یہی کیفیت 1923ء کے سالانہ جلسہ میں رہی۔آخر مارچ 1924ء میں اس کی تجویز کی گئی،مگر طاعون کے پھیل جانے سے کانفرنس کو پھر ملتوی کرنا پڑا اور اب اکتوبر کے آخری ہفتہ اتوار کو اس کانفرنس کا اجلاس ہوا۔جس میں حضرت صاحب کی اس مسئلہ پر تحریریں اور تقریریں اور آپ کے اور حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم کے فتوے اور طرزِ عمل معرض بحث میں آئے اور تمام امور کا فیصلہ سب احباب کے اتفاق رائے سے ہوا،سوائے اس کے کہ ریزولیوشن نمبر 3 میں زبانی اعلان کے کافی ہونے میں چار احباب کا اختلاف رائے تھا۔

ان ریزولیوشنوں کو، جو کانفرنس میں تجویز ہوئے،احباب کی اطلاع میں لانے سے پیشتر میں اس امر کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آج تک ہمارا اس مسئلہ میں ایک خاص مسلک رہا ہے۔جس کا اعلان بارہا کتابوں اور اخباروں میں ہو چکا ہے۔جس کی بنیاد حضرت مرزا صاحب کی وہ تحریر ہے جو مارچ 1908ء میں آپ نے لکھی اور مورخہ 25 جون 1908ء میں شائع ہوئی اور وہ یہ ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے جو حضرت مسیح موعودؑ کو کافر یا مفتری قرار دیتے ہیں یا فتویٰ تکفیر سے بیزاری کا اعلان نہیں کرتے۔ہمارے اس مسلک

سے ایک سخت غلط فہمی یہ پیدا ہوئی ہے کہ ہم دوسروں کے پیچھے اس لئے نماز نہیں پڑھتے کہ ہم انہیں کافر قرار دیتے ہیں۔ یہ غلط فہمی بعض وقت ناواقفیت سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن بسا اوقات اس کے پیدا کرنے کا ذمہ دار ہمارا فریق قادیان ہے۔ چونکہ یہ لوگ خود دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ہماری طرف آنے سے یہ کہہ کر روکیں کہ یہ لوگ دوسرے مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہم دوسروں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اگرچہ ہمارا اور فریق قادیان کا یہ فعل بظاہر یکساں نظر آتا ہو، مگر اس کی وجوہات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ قادیان والے دوسروں کے پیچھے نماز اس لیے نہیں پڑھتے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں اور ہم دوسرے مسلمانوں کے پیچھے نماز اس لیے نہیں پڑھتے کہ دوسرے مسلمان ہم کو کافر سمجھتے ہیں۔

پس فریق قادیان کی یہ روش ان کے اپنے غلط خیالات کا نتیجہ ہے۔ اور جب تک وہ اپنے عقیدہ کو تبدیل نہ کریں، اس وقت تک وہ اپنی اس روش کو ترک نہیں کر سکتے۔ مگر ہماری روش دوسرے مسلمانوں کے بعض غلط خیالات کا نتیجہ ہے۔ اور جب بھی یہ لوگ اپنی غلطی کو چھوڑ دیں، ہم ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے پیچھے نماز کو ناجائز نہ کہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک ہم نے صرف ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کیا ہے جو حضرت مجدد صد چہاردہم ایسے خادم اسلام کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور ہماری طرف سے اصل شرط اس قدر رہے کہ آپ پر جو فتویٰ تکفیر ہے، اس کو غلط قرار دیا جائے۔ خود حضرت مسیح موعود کی تحریروں میں، جو اس مسئلہ نماز کے متعلق ہیں، دوسروں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کی وجہ صرف ایک ہی قرار دی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ ہمیں کافر کہتے ہیں۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگا کر یہاں تک اثم و عدوان کا ارتکاب نہ کیا جاتا کہ آپ کا اور آپ کی جماعت کا خون گرانا حلال سمجھا جاتا اور ان کے اموال کا چھین لینا جائز ٹھہرایا جاتا، اور ان کے نکاحوں کو باطل قرار دیا جاتا، اور آج پھر مولوی صاحبان نے اس فتویٰ تکفیر کو تازہ کیا ہے تو حضرت مسیح موعود کی طرف سے بھی ہرگز یہ حکم نہ ہوتا۔

ہاں! ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ کہ اس وقت ان لوگوں کی حالت، جو مولوی اور ملا کہلاتے ہیں، اور جن کے سپرد مسجدوں میں نماز کی امامت ہے، ماشاء اللہ ناگفتہ بہ ہے۔ اس امر کو چھوڑ کر کہ یہ

لوگ اپنی تنگدلی کی وجہ سے ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر دوسروں پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔ان کی حالت عامہ بھی اچھی نہیں۔تقویٰ اور دینداری کی حالت سے بہت گر گئے ہیں۔ ہماری جماعت اگر ترقی کر سکتی ہے تو صرف اسی صورت میں کہ ہماری نمازوں میں سوز وگداز ہو۔اصلاحِ نفس کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔اور بغیر اس کے کہ قوم کا ہر ایک فرد اصلاحِ نفس کی طرف متوجہ ہو، قوم ترقی نہیں کر سکتی۔اس لیے سب سے پہلے ہمیں نماز کا اہتمام کرنا چاہیئے۔اس کو محض ایک ظاہر داری یا رسم نہ سمجھنا چاہیئے۔مولویوں اور ملانوں کی عامہ حالت اس قابل نہیں کہ ان سے کسی روحانی فائدہ کی توقع ہو سکے۔ بلکہ ان لوگوں نے اپنی گری ہوئی حالتوں سے نماز کو بھی بدنام کر دیا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی جماعت میں نمازوں کا علیحدہ انتظام کریں۔ چنانچہ کانفرنس نے باتفاق رائے ذیل کا فیصلہ کیا۔ جو سب احمدی احباب کی اطلاع کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔

1 ۔ جہاں جہاں ہماری جماعت کے افراد موجود ہوں، ان کی اپنی نماز باجماعت اور نماز جمعہ وغیرہ علیحدہ قائم رکھنی چاہیئے ۔ اور حتی الوسع اپنی مساجد موجود ہونی چاہئیں ۔ کیونکہ جماعت کی ہستی کا قیام ہے۔

مسئلہ نماز کے متعلق حضرت مسیح موعود کی اپنی قلم کی تحریریں دو ہی ہیں۔اگرچہ آپ کی تقریروں میں متعدد مرتبہ اس کا ذکر آتا ہے۔ان تحریروں میں سے پہلی تحریر کتاب اربعین نمبر 3 کے حاشیہ پر ہے۔

''اس کلامِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ تکفیر کرنے والے اور تکذیب کرنے والے ہلاک شدہ قوم ہے۔اس لیے وہ اس لائق نہیں ہیں کہ میری جماعت میں سے کوئی شخص ان کے پیچھے نماز پڑھے۔ کیا زندہ مردہ کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے، تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر یا مکذب اور متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہیئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔''

حضرت مسیح موعود کی یہ تحریر، جیسا کہ دوسری جگہ آپ نے کھول کر لکھ دیا ہے، اس حدیث کی بنا پر ہے، جس کی رو سے ایسے شخص پر، جو مسلمان کو کافر کہتا ہے، کفر الٹ کر پڑتا ہے۔علماء کی افراط وتفریط کی یہ حالت ہے کہ ایک طرف تو ادنیٰ ادنیٰ فروعی اختلافوں پر ایک دوسرے کو کافر بتاتے ہیں۔اور دوسری طرف ان کفر بازوں کے

اس علاج کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، جو حضرت صاحب نے بتایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو، جو مسلمان کو کافر کہتا ہے، یہ سزا دی جائے کہ اس سے کافر کا سا سلوک کیا جائے۔ حضرت مسیح موعود نے جب دعویٰ کیا تو علماء نے یہ الزام لگا کر کہ مدعیٔ نبوت ہیں اور معجزات، ملائکہ، معراج وغیرہ کے انکاری ہیں، آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ اس کا جواب آپ نے ایک دفعہ نہیں بار بار دیا اور قسمیں کھا کھا کر لکھا کہ نہ آپ مدعیٔ نبوت ہیں اور نہ معجزات وغیرہ سے انکاری، مگر علماء نے پرلے درجہ کی ہٹ دھرمی اور ضد کے ساتھ اپنے فتویٰ سے رجوع نہ کیا۔ آپ نے یہاں تک بھی لکھا کہ جو اقرار ایک کافر کو مسلمان کرنے کے لیے کیا جاتا ہے، وہ اقرار کسی مجمع عام میں مَیں کرنے کو تیار ہوں۔ مگر ان لوگوں نے ایک بات قبول نہ کی اور ضد سے فتویٰ کفر پر اصرار کیا۔ اس لیے کئی سال گزرنے کے بعد اور بار بار کتابوں اور اشتہاروں میں جھوٹے الزامات کی تردید کرنے کے بعد جب یہ معلوم ہو گیا کہ علماء محض ہٹ دھرمی اور ضد سے تکفیر سے باز نہیں آتے تو آپ نے اعلان کر دیا کہ اب حدیث کے ماتحت ان سے وہی سلوک کیا جائے، جو مسلمان کو کافر کہنے والے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہی آپ کی مذکورہ بالا تحریر کی بنیاد تھی۔ اسی بنا پر ہماری جماعت نے باتفاق رائے دوسرا فیصلہ حسب ذیل کیا ہے:

> 2۔ ہم کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے جو حضرت مرزا صاحب کو کافر کہتا ہو یا جھوٹا کہتا ہو یا ان کے مسلمان ہونے میں شک رکھتا ہو۔

یہ ایک ظاہر امر ہے کہ دعویٰ کے انکار کی وجہ سے آپ نے نماز میں علیحدگی اختیار نہیں کی بلکہ کفر کے فتویٰ کی وجہ سے کی ہے۔ تفرقہ کی بنیاد ان لوگوں نے رکھی، جنہوں نے ایسے خادم دین پر، جس کی خدمات کا خود ہی اعتراف بھی کرتے تھے، کفر کا فتویٰ لگایا۔ حضرت صاحب کی زندگی کی آخری زمانہ کی تحریر اس پر نہایت صفائی سے شاہد ہے۔

اخبار ''بدر'' مورخہ 25 جون 1908ء میں واقعہ مذکور ہے کہ مارچ 1908ء کو جب ایک شخص نے بلوچستان سے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں یہ خط لکھا کہ ہم آپ کو اچھا اور خیر خواہ امت محمدیہ سمجھتے ہیں، مگر اس کے باوجود آپ کا فلاں مرید ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھتا۔ جس کا جواب حضرت صاحب نے اپنے قلم سے یوں لکھا:

''جواب میں لکھ دیں کہ چونکہ عام طور پر اس ملک کے ملاں لوگوں نے اپنے تعصب کی وجہ سے ہمیں کافر ٹھہرایا ہے اور فتوے لکھے ہیں اور باقی لوگ ان کے پیرو ہیں۔ پس اگر ایسے لوگ ہوں کہ وہ صفائی کرنے کی خاطر اشتہار دے دیں کہ ہم ان مکفر مولویوں کے پیرو نہیں، تو پھر ان کے ساتھ نماز پڑھنا روا ہے۔ ورنہ جو شخص مسلمانوں کو کافر ٹھہرائے، وہ آپ کافر ہوتا ہے۔ پھر اس کے پیچھے نماز کیونکر پڑھیں۔ یہ تو شرع شریف کے رو سے جائز نہیں۔''

یہ حضرت مسیح موعود کی زندگی کے آخری ایام کی تحریر ہے۔ اور اس میں یہ کھلا اور قطعی فیصلہ موجود ہے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے، جو مکفر مولویوں سے علیحدگی کا اعلان کر دیں۔ اس لیے اس تحریر کو بمقابلہ تقریروں کے نوٹوں کے محکم قرار دے کر کانفرنس میں یہ فیصلہ ہوا کہ:

3۔ ہمارے نزدیک ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے جو بذریعہ تحریر یا زبانی عام مجمع میں یہ اعلان کر دے کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو مسلمان سمجھتا ہے اور ایسے لوگوں سے جو آپ پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں یا آپ کو جھوٹا سمجھتے ہیں، بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔''

جیسا کہ عبارت ہائے محولہ بالا سے ظاہر ہے، حضرت مسیح موعود نے دوسروں کے پیچھے نماز سے روکنے کی وجہ صرف ایک ہی قرار دی ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ اور بروئے حدیث ان کی سزا یہ ہے کہ وہ کفران پر الٹایا جائے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود کی اوپر کی تحریر کے صاف الفاظ ہیں:

''ورنہ جو شخص مسلمانوں کو کافر ٹھہرائے وہ آپ کافر ہوتا ہے۔ پھر اس کے پیچھے نماز کیونکر پڑھیں۔''

پس اس کھلی اور واضح تحریر کے ہوتے ہوئے کسی ایسے شخص کے پیچھے، جو مسلمانوں کو کافر کہتا ہے، نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔ بنابریں فیصلہ ہوا کہ:

4۔ ہم کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے جو اہل قبلہ کو کافر کہتا ہے۔''

جماعت قادیان کے پیشوا مرزا محمود احمد صاحب کا عقیدہ یہی ہے کہ وہ سب اہل قبلہ کو، جنہوں نے حضرت مسیح موعود سے بیعت نہیں کی، کافر کہتے ہیں۔لیکن اس جماعت میں کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو میاں صاحب کے اس عقیدہ سے اتفاق نہیں رکھتے۔اس لئے اس جماعت میں سے ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں جو اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے، دوسروں کے ساتھ نہیں۔

جنازہ کی نماز ہم سب مسلمانوں کی پہلے ہی پڑھتے ہیں۔سوائے اس بات کے کہ ایک شخص مسیح موعود کو علی الاعلان گالیاں دیتا اور بُرا کہتا اور آپ کی تکفیر کرتا ہو۔

9 نومبر 1924ء

اداریہ

احمدیہ کانفرنس کا ایک اہم سوال

مسلم ہائی سکول لاہور اور برلن مسجد

احمدیہ کانفرنس کی روئیداد کا ایک حصہ حضرت امیر ایدہ اللہ کے قلم سے ہدیہ قارئین کرام ہو چکا ہے۔ کانفرنس کے دوسرے دن تنظیم جماعت احمدیہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا گیا اور اسی کے ضمن میں اسی امر پر زور دیا گیا کہ انتظامی امور میں جو ہدایات حضرت امیر ایدہ اللہ جماعت کو دیں، ان پر عمل کرنا جماعت کا ضروری فرض ہے۔ اسی سلسلہ میں مسلم ہائی سکول لاہور کی عمارت کا سوال پیش ہوا اور کانفرنس کو بتایا گیا کہ سکول کی عمارت کے لیے احمدیہ بلڈنگس ہی میں اڑھائی کنال اراضی مخصوص کر لی گئی ہے اور ایک لاکھ دس ہزار روپیہ کا تخمینہ گورنمنٹ میں پیش کیا جا چکا ہے۔ وہاں سے امید ہے کہ نصف رقم وصول ہو جائے گی۔ باقی کا پورا کرنا جماعت کے ذمہ ہے۔

اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی اظہار کیا گیا کہ سکول اس وقت خدا کے فضل سے بہت اچھی حالت میں ہے۔ اس کی سالانہ آمدنی نہ صرف اس کے اخراجات کے لیے ہی مکتفی ہے، بلکہ اس سال دو ہزار سے زائد روپیہ اس نے اپنی آمدنی سے بچایا ہے۔ اور آئندہ عمارت کے بن جانے پر اس سے بھی زیادہ روپیہ بچ سکے گا۔ کیونکہ کرایہ کا اس پر کوئی بوجھ نہ ہوگا۔ ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مجلس منتظمہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سکول کی اپنی عمارت بنا دی جائے تا کہ موجودہ عمارت میں جو مشکلات پیش آ رہی ہیں ان سے نجات حاصل ہو۔

ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت امیر ایدہ اللہ نے یہ فیصلہ کیا کہ جماعت کا ہر فرد اپنی پانچ دن کی آمد سکول کی عمارت کے لیے دے اور کانفرنس نے اس فیصلہ کو بخوشی خاطر منظور کیا۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ یہ پانچ دن ماہ نومبر کے ہوں گے۔ یعنی نومبر 1924ء کے مہینہ میں جس قدر آمد ہوئی ہو، اس کا چھٹا حصہ تعمیر مدرسہ کے

لیے سب کو الگ کرنا ہوگا۔

ایسا ہی برلن مسجد کے متعلق بھی بتایا گیا کہ اس وقت مسجد کی عمارت کا کام جاری ہے جو نومبر کے آخر تک ختم ہو جائے گا۔ لیکن اس عمارت کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے ابھی بیس ہزار روپیہ کی اور ضرورت ہے، جو اگر کوشش کی جائے تو بہت جلد فراہم ہو سکتا ہے۔ اس پر بہت سے احباب نے دفتر سے چھپی ہوئی رسید بکیں لے لیں اور جلد سے جلد چندہ وصول کرنے کا وعدہ فرمایا۔

انہی ہر دو تحریکات کے متعلق حضرت امیر ایدہ اللہ نے ایک ضروری چٹھی بھی لکھی ہے جو فرداً فرداً احباب جماعت کے نام بھیجی جا رہی ہے۔ ہم اس کو اس غرض سے یہاں نقل کئے دیتے ہیں کہ اگر کسی دوست کو براہ راست یہ چٹھی نہ پہنچ سکے تو وہ ان ہر دو فرائض کی ذمہ داریوں سے اپنے آپ کو سبکدوش سمجھیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو حضرت امیر ایدہ اللہ کے ارشاد کو، جو جماعتی شوریٰ کا نتیجہ ہے، جلد سے جلد عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہماری مہتمم بالشان ضرورتوں میں سے دو باتیں آپ کی فوری توجہ چاہتی ہیں۔

اوّل: مسلم ہائی سکول یعنی ہمارے مدرسہ کو عمارت کی ضرورت ہے۔ خدا کے فضل سے اس وقت ہمارا مدرسہ اپنے معمولی اخراجات کے لیے کسی خارجی مدد کا محتاج نہیں رہا اور آمدنی اور خرچ برابر ہو گئے ہیں، لیکن عمارت کی ضرورت شدید ہے، جس کے لیے ایک لاکھ دس ہزار روپے کا تخمینہ محکمہ تعلیم میں بھیجا ہوا ہے۔ امید ہے اس میں سے نصف رقم کے قریب قریب گورنمنٹ کی طرف سے گرانٹ مل جائے گی، لیکن باقی کا پورا کرنا ہمارے

ذمہ ہے۔کوشش یہ ہے کہ مارچ 1925ء کے آخر تک یہ عمارت کھڑی ہو جائے اور اس بنا پر محکمہ تعلیم سے پیشگی رقم بھی حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، جو امید ہے جلد مل جائے گی۔خدا نے چاہا تو سالانہ جلسہ تک عمارت بنیادوں سے نکل چکی ہوگی۔لاکھ روپے سے اوپر کی عمارت کا بن جانا جماعتی قوت کا کوئی چھوٹا سا نشان نہیں،مگر یہ کام اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ سلسلہ کے سارے کے سارے احباب بغیر کسی استثنا کے پانچ پانچ دن (کی آمدن)اس کام کے لیے لگادیں۔اتنے عظیم الشان کام کے لیے اپنی زندگی کے پانچ دن وقف کر دینا کوئی بڑی بات نہیں۔یہاں کانفرنس میں جو احباب جمع تھے،ان سب نے بخوشی خاطر اس کو منظور کر لیا اور ان کا منظور کرنا گویا ساری جماعت کا منظور کرنا ہے۔یہ پانچ دن ماہ نومبر کے ہوں گے۔یعنی یکم دسمبر کو ہر ایک دوست ماہ نومبر کی آمد کا صرف چھٹا حصہ تعمیر مدرسہ کے لیے علیحدہ کر دے۔زمین کی آمد کے متعلق فصل خریف کو چھ ماہ کی آمد سمجھ کر اس کا چھتیسواں حصہ ہوگا۔یہ کُل کی کُل آمدن احباب کی طرف سے سالانہ جلسہ کے موقع پر مل جانی چاہیئے ۔اس بات کو یاد رکھیں کہ ماہ نومبر کے پانچ دن آپ نے خدا کی راہ میں صرف کرنا ہیں۔اور اگر ساری جماعت نے اس آواز پر لبیک کہا تو تین ماہ بعد آپ لوگ ایک لاکھ روپے کی قومی عمارت کھڑی ہوئی دیکھ لیں گے۔اللہ تعالیٰ جو اجر اس کا دے گا وہ الگ ہے،مگر اس چھوٹی سی قربانی پر یہ عظیم الشان قومی انعام بجائے خود اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان احسانات میں سے ہوگا۔یکم دسمبر کو نہ بھولیں کہ اس دن آپ میں سے ہر ایک نے ہر قسم کی تکلیف برداشت کر کے ماہ نومبر کی آمد کا چھٹا حصہ ادا کر دینا اور اپنے قومی عزم واستقلال کا ثبوت دینا ہے۔جو لوگ جماعت کے اس فیصلہ سے الگ رہیں گے،ان کی شکایت ساری جماعت اللہ تعالیٰ کے حضور کرے گی۔

دوم: دوسرا امر، جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور جس کی تکمیل بھی جلسہ سالانہ (ماہ دسمبر) پر ضروری ہے،مسجد برلن کے بقایا روپے کا پورا کرنا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہو چکا ہے اور ماہ نومبر کے آخر تک مسجد کی چھت پڑ جائے گی۔ پلستر وغیرہ کا کام سردیوں کے مہینوں میں ہوگا۔ تعمیر مسجد پر اس کی تکمیلِ احاطہ اور فرنیچر وغیرہ سمیت غالباً کل پون لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔ یہ ریاستوں اور بادشاہوں کا کام تھا، جو ایک غریب جماعت کی ہمّت سے ہوگیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کارِ خیر میں جماعت کے علاوہ اور بہت سے احباب شامل ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے، لیکن اگر اس مختصر جماعت کی ہمت اور قربانیاں نہ ہوتیں تو ان دوسرے احباب کو اس ثواب میں شامل ہونے کا موقع نہ ملتا۔ اب اس وقت اس کام کی تکمیل کے لیے صرف بیس ہزار روپے کی اور ضرورت ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر ہمارے احباب، جو جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں، تھوڑی سی کوشش کریں تو سالانہ جلسہ تک اس قدر روپے کا فراہم ہو جانا مشکل نہیں۔ دفتر میں رسید بکیں موجود ہیں۔ اگر صرف چار سو آدمی کمر ہمت باندھ لیں اور ایک ایک آدمی پچاس پچاس روپے کی رسیدیں فروخت کر سکے، تو یہ رقم پوری ہو جاتی ہے۔ اگر ایسا عزم کرنے والے انسان پیدا ہو جائیں تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو بارآور کرے گا۔ یہ رقم بھی جلسہ سالانہ پر ہاتھ میں ہونی ضروری ہے۔ اس لیے اس کے لئے بھی فوراً کوشش شروع کی جائے۔ اور جو احباب اس کارِ خیر میں حصہ لینا اپنا فرض سمجھتے ہیں، وہ فوراً دفتر سے رسید بکیں منگوا لیں اور بلا توقف کام شروع کر دیں۔

اس کے علاوہ صرف یہ ضرورت ہے کہ جن احباب نے اب تک برلن مسجد کی تعمیر میں حصہ نہیں لیا، وہ بھی اس موقع پر کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لیں اور جن احباب کے ذمہ برلن مشن کا کچھ بقایا ہے وہ بھی سالانہ جلسہ پر ادا ہو جانا ضروری ہے۔

مجھے امید ہے کہ میرے احباب ان دو باتوں کے لئے، جو اس چٹھی کے ذریعہ سے عرض کر رہا ہوں، پوری کوشش کر کے عنداللہ ماجور ہوں گے اور مجھے شکرگزاری کا موقع دیں گے۔ اس کام میں بہت برکت ہوتی ہے جس کے پیچھے ایک جماعت کی ہمت ہو۔ اور جب تک جماعت کا ایک ایک فرد اس کا پختہ طور پر عزم نہ کر لے گا،

کام میں رکاوٹ ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ اس نقصان کی تلافی مشکل ہو گی۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

9 نومبر 1924ء

جہاد اور حضرت مسیح موعودؑ

(مولوی محمد عبداللہ صاحب تیماپوری کے قلم سے)

حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود کے آنے سے پہلے جہاد کے معنی عام طور پر یہ کیے جاتے تھے کہ غیر مسلموں کو کلمہ پڑھانے اور اسلام میں داخل کرنے کے لیے تلوار چلانے کا نام جہاد ہے۔ جہاد کے ان معنوں کے لحاظ سے اگر احمدیوں کو منکرین جہاد کہیں تو بے شک درست ہے۔ کیونکہ ایسی لڑائی و قتل کو ہم جہاد اسلامی نہیں سمجھتے، بلکہ یہ ہمارے نزدیک فساد فی الارض ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (256:3) آسمانی پروانہ ہے۔ اس کے خلاف جبر و اکراہ سے اسلام پھیلانے کے لیے جہاد کرنا سراسر حرام ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے جس جہاد کو حرام قرار دیا ہے، وہ اسی قسم کے خیالات کی اصلاح کے لیے ہے۔ ورنہ حفاظتِ اسلام اور امن امان قائم رکھنے کے لیے جہاد کرنا ملت اسلامیہ کا اہم فرض ہے۔ اور ایسے جہاد کی حرمت کو حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعودؑ کی طرف منسوب کرنا سراسر ظلم ہے۔ وہ شخص، جو اپنے مریدوں سے اپنی شرائط بیعت میں جہاد کی اہمیت اور اس پر عمل درآمد رکھنے کا اقرار لیتا ہے، اس کی نسبت ایسی بدظنی کرنا کہ اس نے اسلامی جہاد کو حرام قرار دیا ہے، سخت اندھا پن اور کفرانِ نعمت ہے۔ حضرت مسیح موعود کی شرائط بیعت میں سے آٹھویں شرط یہ ہے:

> ''دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔''

غور کرو! اس شرط بیعت میں کس عمدگی اور جامع کلام کے ساتھ جہاد اسلامی کے تمام پہلوؤں کا اقرار لیا گیا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی اور کوئی جہاد کی تعلیم ہو سکتی ہے؟ رہا حرمت جہاد کا فتویٰ، جو حضرت اقدس کی طرف سے نظم میں شائع ہوا ہے، اس میں صاف اور کھلے الفاظ میں ''اب'' کے ساتھ اس راز کو بیان کیا ہے۔ جہاد اسلامی اس کی ضرورت کے وقت پر فرض ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہوتے ہی آپ کی جماعت پر جہاد معاً فرض نہیں ہوا، بلکہ کئی جانیں کفار کے ظلم سے تلف ہوئیں۔ اور صدہا کو تکالیف سے تنگ آ کر اپنے وطن سے

ہجرت کرنا پڑی، جب کہیں جماعت اسلام اس قابل ہوئی کہ اسلام کو کفار کے ظلم سے بچانے اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے دشمنوں کے بالمقابل تلوار اٹھائی جائے۔ فی زمانہ دشمنان اسلام قلم کے ذریعہ سے عزت اسلام کو مٹانے کے لیے جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔ اس وقت اہل اسلام پر فرض ہے کہ وہ بھی متفق ہو کر دشمنوں کے مقابلہ میں میدان تبلیغ میں قلمی و لسانی جہاد کریں اور اپنے جان و مال کو قربان کریں۔ سوائے احمدیوں کے کتنے ہیں ایسے علماء، جنہوں نے اس جہاد کی فرضیت کو بجا لانے کی کوشش کی اور اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر دوسرے ممالک میں چلے گئے تا کہ اسلام کی عزت و اقبال کو بلند کریں۔ ان کو تو آپس کی کفر بازی سے فرصت نہیں، تبلیغ کے میدان جہاد میں وہ کب نکل سکتے ہیں؟ احمدی علماء جس جان توڑ کوشش کو کام میں لا کر قلمی و تبلیغی جہاد میں اپنا قدم آگے بڑھا رہے ہیں، کیا اس کی نظیر کسی دوسرے فرقہ اسلام میں مل سکتی ہے؟ خوب یاد رکھو اگر خدانخواستہ کوئی دشمن اسلام اہل اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے تلوار کو میان سے نکالے تو سب سے اول اور سب سے آگے حسب اقرار شرائط بیعت اس میدان میں بھی احمدیوں ہی کا جھنڈا بلند ہوگا۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَانَقُوْلُ شَہِیْدٌ

ڈاک حضرت امیر

شیخ حضور علی صاحب سب جج ضلع ہوشیار پور نے حضرت امیر ایدہ اللہ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ جس میں ذیل کے سوالات مندرج ہیں۔

1۔ کیا نماز کے لیے قرآن مجید یا کسی حدیث میں صریحاً حکم ہے کہ نماز عربی زبان میں ہی ادا کی جائے؟

2۔ معجزات اور ان کی حقیقت۔ کیا اس امر پر کوئی کتاب الگ لکھی گئی ہے؟ اگر ہو تو اطلاع بخشیں۔

3۔ امہات المومنینؓ پر ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ جس میں ہر بیان کی مفصل ضرورت مع حوالہ جات تاریخی درج ہو۔

جواب از حضرت امیر ایدہ اللہ

ان سوالات کے جواب میں حضرت امیر نے ذیل کا خط شیخ صاحب کو تحریر فرمایا:

مکرم معظم شیخ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نماز کے متعلق کوئی آیت قرآنی یا حدیث ابھی تک میرے خیال میں ایسی نہیں، جس میں صراحت سے یہ حکم موجود ہو کہ نماز زبان عربی میں ادا کی جائے۔ لیکن نماز میں قرآن شریف کا کوئی حصہ پڑھنے کا حکم موجود ہے۔ **فَاقْرَءُ وْا مَاتَيَسَّرَ مِنْهُ** (20:73) سو پڑھو جو اس سے بہ آسانی پڑھ سکو۔ اور حقیقی معنی میں قرآن وہی ہے جو نازل ہوا۔ دوسری زبان میں صرف اس کا ترجمہ ہوگا نہ کہ قرآن۔ پس نماز میں سورۃ الفاتحہ اور قرآن شریف کا کوئی حصہ عربی میں ہی ادا ہونا چاہیئے۔ اور ایسا ہی رکوع وسجود کی ماثورہ تسبیحات۔ لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ نماز کی اصل غرض پوری نہیں ہوسکتی، سوائے اس کے کہ انسان اپنی زبان میں بھی کچھ التجا اپنے مولا کے حضور کرے۔ خود آنحضرت ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے مختلف قسم کی دعائیں نماز کی مختلف ہیئتوں میں کی ہیں۔ اس لیے اگر نماز میں اپنی زبان میں بھی دعائیں کی جائیں (یعنی علاوہ اس حصہ کے جو قرآن کریم سے پڑھا جاتا ہے یا ماثورہ تسبیحات کے) تو نہ صرف اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ میرے نزدیک یہ ضروری ہے۔ تا کہ نماز میں روح پیدا ہو۔ اس کے علاوہ البتہ میرے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ ہر ایک مسلمان کو سورہ الفاتحہ اور بعض دیگر ضروری مقامات کا ترجمہ سکھایا جائے اور یہ کچھ مشکل نہیں۔ ایک حصہ کا عربی میں ہونا، جو تمام مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے، اس لیے بھی ضروری ہے کہ اسلام ایک عالمگیر اخوت کو قائم کرتا ہے۔ آج اگر ایک ہندوستانی چین میں چلا جائے یا ترکستان میں یا افریقہ میں یا یورپ میں، تو وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ عبادت میں شریک ہو کر اسی صورت میں فائدہ حاصل کرسکتا ہے جب نماز کا ضروری حصہ اس مشترکہ زبان میں ہو۔ اس موضوع پر کسی کتاب کا علم مجھے نہیں۔

2۔ معجزات پر، جہاں تک میرا علم ہے، مضامین تو کئی ایک ملیں گے، مگر غالباً تحقیق کے ساتھ کوئی جامع کتاب اب تک نہیں لکھی گئی۔ میں انشاء اللہ اس کو مدنظر رکھوں گا۔

3۔ اَزواج آنحضرت ﷺ کے مضمون پر بھی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے مشورہ کو مدنظر رکھوں گا۔

والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

12 نومبر 1924ء

قرآن کریم کا سِول یا کرمنل لاء

ایک صاحب نے حضرت امیرایدہ اللہ کی خدمت میں خط لکھ کر دریافت کیا ہے کہ:

1۔موجودہ زمانہ کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر آزاد مسلمان ممالک میں واضع قوانین مجالس قائم ہو جائیں، جیسے ٹرکی اور ایران میں قائم ہو گئی ہیں، تو شرعی نقطہ خیال سے ان کے اختیارات وضع قانون کے متعلق کیا ہوں گے؟ مثال سے اصل مقصد کو واضح کرتا ہوں۔

مثلاً کسی مجلس اسلامی میں یہ بل پیش ہوتا ہے کہ حصص میراث، جو قرآن شریف میں مقرر ہیں، کم وبیش کرائے جائیں کہ یہ مدت شیر خوارگی میں کمی بیشی ہو جائے، کیا مجلس ایسا قانون وضع کرسکتی ہے؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر کسی قانونی آیت کی نئی تعبیر کی رو سے ایسا ہوسکتا ہے تو اس میں شاید اعتراض کی بات نہ ہو (اگر چہ اس میں بھی دقت ہے) مگر میری مراد اُن قانونی آیات کی مسلمہ تعبیر وتشریح میں تغیر وتبدل سے ہے، جن میں نئی تعبیر کی کوئی گنجائش نہیں۔ مثلاً یہ آیت کہ بیٹے کا حصہ بیٹی کے حصہ سے دوگنا ہو یا مدت شیر خوارگی پورے دوسال ہوگی یا یہ کہ چور کی سزا قطع ید ہے۔

2۔جن اسلامی ممالک میں اس وقت چور کو قرآنی سزا نہیں دی جاتی، ان کا رویہ شرعی نقطہ نگاہ سے قابل اعتراض ہے۔ یہ سزا رفتہ رفتہ خود معدوم ہوگئی ہے اور علماء نے اس پر کہیں زور نہیں دیا کہ قرآنی احکام پر عمل کیا جائے۔ کیا یہ بات اجماع سکوتی کے تحت میں آئے گی؟

اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف میں جو آیات سول یا کرمنل لاء کے متعلق ہیں ان کی سپرٹ پر عمل کیا

جائے یا ان کے الفاظ (متن) کی جوں کی جوں پابندی بھی ضروری ہے۔ یہ امر ہے جو اس بحث کی جان ہے اور اس میں آپ سے رائے طلب کرتا ہوں۔ ان سوالات کو پوچھتے ہوئے میں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ احادیث نبویؐ (جن کا تعلق سول یا کرمنل لاء ہے) تاریخی اعتبار سے مشتبہ ہیں۔ اس واسطے ان کی طرف ان مشکلات میں رجوع نہیں ہوسکتا۔

علمائے اہلسنت بالخصوص حنفاء نے قیاس کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی شرعی حکم کی علت معلوم ہو جائے تو مقدمات کے فیصلہ کرنے میں قیاس بہت کام دے سکتا ہے۔ یعنی کہ علت کے معلوم ہو جانے پر ہم حکم قرآنی کی توسیع کر سکتے ہیں۔ مگر اس سے تو یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ہم اس کو بھی بدل سکتے ہیں، اگر ایسی تبدیلی ضروری ہو۔ مثلاً مدت شیر خوارگی کے متعلق جو حکم ہے، اس کی اصل علت بچہ کی پرورش ہے۔ اس کی مدت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مدت کو کم وبیش بھی کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ حالات (تمدنی واقتصادی وغیرہ) ایسی تبدیلی کے مقتضی ہوں۔ غرضیکہ اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں۔ اور اگر اسلاف میں سے کسی نے اس مسئلہ پر لکھا ہو تو اس کا حوالہ بھی دیں۔

اس خط کا جو جواب حضرت امیر ایدہ اللہ نے دیا وہ قارئین کرام کے افادہ کے لیے درج ذیل ہے

ڈلہوزی 22 اگست 1924ء

مخدومی ومکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا نوازش نامہ یہاں ڈلہوزی میں ملا۔ اسلاف میں سے اگر کسی نے اس کے متعلق کچھ لکھا ہو تو اس حالت میں اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ کتابیں میرے پاس نہیں۔ اپنی رائے عرض کرتا ہوں۔

آپ کا وسیع سوال یوں ہے کہ قرآن کریم میں جو آیات سول یا کرمنل لاء کے متعلق ہیں ان کی سپرٹ پر عمل کیا جائے یا ان کے الفاظ کی پابندی بھی ضروری ہے۔ اور اسی کے ماتحت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی اسلامی مجلس وضع قوانین قرآن کریم کے واضح حکم کے خلاف قانون بنا سکتی ہے۔ جس کی بنا نہ کوئی اجتہاد، نہ کوئی تاویل ہو بلکہ بنا یہ ہو کہ قرآن کریم کی غرض جو اس حکم کے دینے سے تھی وہ یوں پوری ہو جاتی ہے۔ مثلاً قرآن کریم

نے چور کے قطع ید کا حکم دیا تو کیا ایک شخص کہہ سکتا ہے یا نہیں کہ غرض تو صرف چوری روکنا تھی۔ اگر چہ وہ اس قسم کی سزا سے بھی پوری ہوسکتی ہے یا مثلاً قرآن کریم نے طلاق کی اجازت دی تو کیا ایک شخص کو یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ غرض اس کی صرف یہ تھی کہ میاں بیوی اچھی زندگی بسر کرسکیں اور وہ طلاق کے روک دینے سے بھی پوری ہوسکتی ہے۔ یا مثلاً قرآن کریم ورثاء کے بعض حصص مقرر کرتا ہے تو کیا ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ غرض صرف یہ تھی کہ چند قریبی رشتہ داروں کو کچھ مل جائے اور وہ کسی اور رنگ کے حصص سے بھی پوری ہوسکتی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس دروازہ کو کھول کر قرآن کریم کا کوئی حکم بھی قابل عمل باقی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ اس کی عبادات اور اس کے عقائد پر بھی اس دروازہ سے کھلا حملہ ہوسکتا ہے۔ اور ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ نماز پڑھنے سے غرض صرف یہ ہے کہ انسان میں قربانی کا مادہ پیدا ہو، انکساری کے اخلاق پیدا ہوں اور وہ بغیر نماز کے بھی پوری ہوسکتی ہے۔ روزہ رکھنے سے صرف غرض یہ ہے کہ انسان بھوک پیاس کی شدت برداشت کر سکے یا بعض خواہشات پر حکمرانی کرنا سیکھے اور وہ دوسری طرح بھی پوری ہوسکتی ہے۔ ایک خدا پر ایمان لانے کی غرض یہ ہے کہ انسان اپنی ہر خواہش کو اپنے فرض کی تعمیل کے سامنے قربان کر سکے، یہ اور طرح بھی ہوسکتا ہے۔ کم از کم نماز کے متعلق تو یہ کہا بھی گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ رائے صحیح نہیں اور اس سے قرآن کریم کی کوئی تعلیم بھی قابل عمل باقی نہیں رہ سکتی۔

اور یہ جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ علماء احناف نے قیاس کا استعمال بکثرت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر کسی حکم کی علت معلوم ہو جائے تو اس کی توسیع بھی ہوسکتی ہے۔ تو یہ صحیح ہے۔ لیکن توسیع سے ان کا مطلب صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ حکم بھی قائم رہتا ہے اور بعض دوسری اور باتیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ اصل حکم کا وہ خلاف نہیں کریں گی۔ مثلاً اگر یہ معلوم ہو جائے کہ طلاق کی ایک علت قرآن کریم نے بیان کی ہے یا تعدد ازدواج کی ایک صورت بیان کی ہے، تو وہ توسیع کر کے یوں کہہ دیں گے کہ فلاں صورت بھی چونکہ ان سے ملتی جلتی ہے، اس لیے اس پر بھی طلاق یا تعدد ازدواج کی اجازت ہوسکتی ہے۔ یا مثلاً رمضان کی جگہ اور دنوں میں روزے رکھے جا سکتے ہیں، بشرطیکہ بیمار یا مسافر ہو۔ تو چونکہ اس کی علت یہ ہوگی کہ یہ امر ان کی طاقت سے بالاتر ہے۔ اس لئے اگر کسی جگہ پر دن ایسے لمبے اور سخت گرم ہوں کہ روزہ وہاں نہیں رکھا جا سکتا تو فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (185:2) کے حکم میں توسیع ہوسکتی ہیں (یہ مثالیں خود میں نے دی ہیں۔ کیونکہ کوئی کتاب اس وقت میرے سامنے نہیں) غرض قیاس

سے توسیع جائز ہے اور یہی اصل اجتہاد ہے، لیکن اجتہاد یا قیاس کو اس حد تک نہیں لے جا سکتے کہ اصل حکم کے خلاف دوسرا حکم جاری کر دیا جائے۔

قرآن کریم کو خدا کا کلام اور پھر آخری کلام ماننے کے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ قانون سول یا کرمنل رنگ میں اس نے قائم کر دیا ہے، اس کے خلاف ہمیں نہیں کرنا چاہیئے۔ رہا یہ امر کہ بعض امور مندرجہ قرآن متروک ہو گئے ہیں، یہ امت کے بعض افراد یا کل افراد کی غلطی ہوسکتی ہے۔ مثلاً سزائے قطع ید متروک ہے۔ یعنی آج کل اسلامی سلطنتیں اس پر عمل نہیں کرتیں اور ان کی تعزیرات میں یہ سزا نہیں رکھی گئی، تو اسے بہر حال ایک غلطی اور ایک خلاف ورزی کہا جائے گا۔ سوائے اس کے کہ قطع ید کے کوئی شخص یہ معنی کر لے کہ اس سے مراد صرف روک دینا ہے۔ جیسا کہ قطع لسان کے معنی زبان روک دینا ہیں۔ حدیث میں آیا ہے اِقْطَعُوْا عَنِّیْ لِسَانَهٗ جہاں مراد خاموش کرانا ہے اور **قطع سبیل** قرآن کریم میں بھی راستہ روکنے کے معنی میں آتا ہے۔ تو یہ تاویل ہے۔ صحیح ہو یا غلط یہ علیحدہ امر ہے۔ لیکن اگر ایک شخص نیک نیتی سے یہ معنی درست سمجھے اور قرآن کریم کے الفاظ میں یہ توسیع سمجھے تو یہ حق پہنچ سکتا ہے، لیکن یہ قرآن کے الفاظ اور حکم کا انکار نہیں، بلکہ اس کے دوسرے معنی کرتا ہے۔ اور جہاں تک میں نے غور کیا ہے، اس زمانہ میں ہماری ضرورت قرآن کریم کو از سرنو پڑھنے اور اس پر تدبر کرنے کی ہے۔ اس قطع ید کی سزا کے معاملہ میں جس نتیجہ پر میں پہنچا ہوں، وہ یہ ہے کہ چور کی سزا بیان کرنے سے پہلے قرآن کریم نے ڈاکو کی سزا بیان کی ہے۔ اور وہ چار سزائیں ہیں جن میں سے ایک سزا قید بھی ہے۔ مگر انتہائی سزا قتل یا صلیب ہے۔ اور ان چار سزاؤں کے ذکر کی غرض صرف یہی ہے کہ جیسے حالات ہوں، ان کے مطابق زیادہ یا کم سزا دی جائے۔ اب جب ڈاکہ کی کم تر سزا بھی قید ہوسکتی ہے، تو چور کی کم تر سزا قید ہونا خود قیاس چاہتا ہے۔ اس لئے یہ کہا جائے گا کہ جس طرح ڈاکہ کی انتہائی سزا قتل یا صلیب ہے، قطع ید یا ہاتھ کا کاٹنا بھی چور کی انتہائی سزا ہے۔ اور اس سے کم تر سزا قید بھی اسے دی جاسکتی ہے، اگر حالات کا تقاضا ایسا ہو۔ اس سے تعامل کا انکار بھی لازم نہیں آتا۔ اس لیے جن حالات میں جو سزا مناسب سمجھی گئی وہ اختیار کی گئی۔ مگر چوری کے خاص حالات میں یا عادی چور کے لیے قطع ید کی سزا رہے گی۔ ہاں! اس میں جیسے چاہیں توسیع ہوسکتی ہے۔

شیر خوارگی کی میعاد کے متعلق جو آپ نے ذکر کیا ہے۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے۔ شیر خوارگی کی

کوئی میعاد قرآن کریم نے لازمی نہیں ٹھہرائی۔ صرف اس قدر الفاظ ہیں اور وہ بھی طلاق کے مسائل کے ذکر میں کہ مائیں پورے دوسال تک اپنی اولاد کو دودھ پلائیں لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (233:2) اس شخص کے لیے جو دودھ پلانے کی میعاد کو پورا کرنا چاہتا ہے تو اس میں خود اختیار دیا ہے۔ اس لئے اگر اس میعاد میں کوئی کمی بیشی قانوناً کی جائے، تو اگر چہ اس اختیار کو برتا ہے۔ اگر چہ مجھے یہ سمجھ نہیں آیا کہ قانونی طور پر کوئی میعاد شیر خوارگی مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ صرف رضاعت سے جو رشتے حرام ہوتے ہیں، ان پر قانون وہی حاوی رہے گا کہ دوسال کی پوری میعاد کے اندر جو رضاعت ہو اس سے رشتہ حرام ہوگا۔

ایک سوال وراثت کا ہے۔ جس کا ذکر آپ نے بھی کیا ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں وراثت کا قانون جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے، اسلام کی جمہوریت کو مدنظر رکھتے ہوئے بہترین قانون ہے۔ لیکن اس میں اگر کوئی قوم یہ راستہ اختیار کرتی ہے کہ وہ قرآن کریم کے الفاظ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ (11:4) کو لے کر، جو تقسیم حصص کے ساتھ آئے ہیں، یہ قیاس کر لے کہ اگر کوئی وصیت ہو تو اس کا نفاذ پہلے ہوگا، تو اس طرح وصیت کے ذریعہ سے مطلوبہ غرض حاصل ہوسکتی ہے۔ اور قانون کا نفاذ اس صورت میں ہوگا جب وصیت نہ ہو۔ ایسا ہی ہر وارث کے لیے وصیت کرنے کو قرآن کریم نے ناجائز نہیں ٹھہرایا۔ اگر چہ حدیث میں آیا ہے لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ تو کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ وارث کے لیے بھی وصیت ہوسکتی ہے۔ (میں اس کا قائل نہیں)۔ ایسا کہنے میں وہ حق تاویل کو استعمال کرتا ہے۔

غرض میری یہ ہے کہ قرآن کریم کے خلاف ہم نہیں کر سکتے۔ ہاں! قرآن کریم کے الفاظ کے کسی مشہور معنی کو ترک کر کے دوسرے معنی ہم اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ اجتہاد ہے۔ ہمیں جس چیز نے نقصان پہنچایا ہے، وہ یہ ہے کہ ہر ایک امام یا مفسر کی رائے کو بھی قرآن کریم کی طرح سمجھ لیا گیا ہے۔ ورنہ آج دلائل کے رنگ میں یا علم کے رنگ میں جن باتوں کی ضرورت ہے، وہ سب قرآن کریم کے آگے سر جھکاتے ہوئے بھی حاصل ہوسکتی ہیں۔ ہر زمانہ میں لوگوں نے اس زمانہ کی ضروریات کے مطابق اجتہاد کیا۔ لیکن آج اجتہاد کا دروازہ بند کیا جاتا ہے۔ یہ اصل غلطی ہے جو دور کرنے کے قابل ہے۔ مثلاً آج ترکی میں یہ قانون بنایا جاتا ہے کہ دوسرے نکاح کے لیے (یعنی تعدد ازدواج کی صورت میں) کسی لاحق ضرورت کو ظاہر کر کے قاضی سے منظوری حاصل کر لی جائے۔ اور وہ

یہ بھی اطمینان کرے کہ عدل کیا جائے گا۔ اب اس کو ہم خلاف قرآن نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ قرآن کریم نے تعدداز دواج کی اجازت صرف استثنا کے رنگ میں ضرورت کے لیے دی ہے۔ اگر کوئی قوم اجازت کی بداستعمالی سے تنگ آ کر ایک قومی قانون بنالیتی ہے کہ بغیر ضرورت کا اطمینان کرانے کے کسی دوسرے کو نکاح کی اجازت نہ ہوگی، تو یہ قرآن کریم کے حکم کا انکار نہیں۔ یہ صرف قانون یا اجازت کی بداستعمالی کو روکنے کا راستہ ہے۔

قرآن کریم کا کرمنل لاء تو اصل میں قتل، زنا اور چوری صرف تین امور میں بالتصریح سزا کا ذکر کرتا ہے۔ باقی تمام سزاؤں کو وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (40:42) اور بدی کا بدلہ اس کی مثل سزا ہے کے عام قانون کے نیچے لاتا ہے۔ اور اس لئے قانون سازوں کو پورا اختیار ہے کہ اس عام اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جو قانون چاہیں تجویز کریں۔ سول لاء میں بہت سے امور ایسے ہیں جن کی طرف خود دنیا کو مجبوراً قدم اٹھانا پڑا۔ مثلاً اس کا طلاق کا قانون ایسا ہے کہ عیسائیوں کو خود بخود مجبور ہو کر اپنی مذہبی کتاب کے خلاف قانون بنانے پڑے۔ اور بعض اور امور، جن پر آج اعتراض پیدا ہوتا ہے، وہ بھی کل کو اگر مجبوراً اختیار کرنے پڑیں، تو کچھ بعید نہیں۔ دولت کی تقسیم میں مساوات پیدا کرنے کے لئے اسلامی قانون وراثت ایک بھاری علاج ہے۔ اور بھی کچھ علاج ہیں اور آج سارا یورپ تقسیم دولت میں مساوات نہ ہونے کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو رہا ہے۔ اسلام کے اندر اس کا علاج موجود ہے۔ غالباً ایک دو اور انقلاب اس علاج کی طرف بھی دنیا کو متوجہ کریں گے۔

16 نومبر 1924ء

مراسلات

ارتدادِ زمانہ حال

(از علامہ ابوالفضل مولانا احسان اللہ صاحب عباسی)

فی الحال ایک قادیانی یعنی یکے از مبلغان سلسلہ احمدیہ نے بجرم ارتداد ایک اسلامی سلطنت سے سزائے قتل پائی ہے۔ ہندوستان کے علما اور اخباروں نے اس پر رائے دینا شروع کی ہے۔ کوئی اسے جائز اور کوئی ناجائز قرار دیتا ہے، لیکن دلائل کسی کے بھی تشفی بخش نہیں ہیں۔ اس لیے میں نے بھی اس پر کچھ لکھنا چاہا۔ میرے خیال میں یہ سزا آزادیٔ مذہب کے خلاف معلوم ہوئی۔ میں قادیانیوں کو کافر یا مرتد نہیں سمجھتا۔ اس لیے قادیانیوں سے اس بحث کو تعلق نہیں ہے، بلکہ نفس مسئلہ پر مجھے گفتگو ہے کہ کیا اس زمانہ میں ارتداد کی سزائے قتل مذہبی نقطہ خیال سے درست ہے یا نہیں۔ آج کل مذہب اسلام رو بہ ترقی ہے۔ اگر مسلمانوں کی تقلید میں وہ سلطنتیں بھی، جن کا مذہب غیر از اسلام ہے، اپنی رعایا کی سزا مسلمان ہو جانے کی وجہ سے قتل تجویز کریں، تو اسلام کے پھیلنے میں رکاوٹ ہوگی ؎

آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند

علاوہ بریں جو کوئی مسلمان عقائد میں کمزور ہے، اور اسلام کو ناپسند کرتا ہے، اس کا اسلام سے الگ ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ مسلمانوں میں رہے اور دیگر مسلمانوں کو خراب کرے۔ ان خیالات نے مجھے تحقیق حق کی طرف متوجہ کیا اور میں نے چاہا کہ اس بارہ میں ایک مستقل مضمون یا رسالہ لکھوں۔

میں جانتا ہوں کہ ارتداد کی سزائے قتل کو قرآن میں مذکور نہیں ہے اور نہ آنحضرت محمد ﷺ نے محض جرم ارتداد پر کسی کے قتل کا حکم کبھی دیا، لیکن اس کے ساتھ ہی ایسی مثالیں بھی عہد نبوت اور عہد خلافت راشدہ کی موجود ہیں کہ مرتد بجرم ارتداد قتل کیے گئے۔ اور فقہاء سنی وشیعہ بالاتفاق جرم ارتداد کی سزا قتل تجویز کرتے ہیں۔ مجھے یہ

خیال پیدا ہوا کہ میں اس جرم کو ایمان اور اسلام سے الگ کر کے جرم بغاوت میں لے جاؤں اور یہ ثابت کروں کہ جب تک اسلام میں عقائد توحید، رسالت، عبادت، معاملات، سیاسیات اور فوجی احکام کی امامت خلافت راشدہ سے متعلق رہی، تب تک ارتداد کی سزا قتل اسلام کا ایک مسئلہ تھا۔ اور جب امام سیاسیات اور امام مساجد الگ ہو گئے، تو یہ مسئلہ اب صرف کتابی رہ گیا۔ اس وقت مرتد کو صرف بغاوت اور فتنہ کے رفع کرنے کے لیے مستلزم سزائے قتل ہونا چاہیئے ! نہ اس لیے کہ اس نے تبدیل مذہب کیا۔ میں نے اس خیال کی تردید اور تائید کے متعلق کتابیں دیکھنا چاہیں۔ حدیث کی کتابوں اور ان کی شرحوں کی تلاش شروع کی اور کتب سیر کی جستجو کی اور چند عالموں سے تبادلہ خیالات کی بھی نوبت آئی۔ اس سلسلہ میں ابن تیمیہ کی کتاب ''الصارم المسلول'' میری نظر سے گزری۔ یہ شافعیؒ مذہب کے بڑے مستند امام تھے۔ اس کتاب کا حجم بہت بڑا ہے۔ اور اس کا موضوع صرف اس قدر ہے کہ امام شافعیؒ کی یہ رائے کہ جو نبی کو گالیاں دے اسے قتل کرنا چاہیئے، درست ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے سزائے قتل میں تامل کیا تو غلطی کی۔ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد بھی امام ابوحنیفہؒ کی اَصابت رائے کا میں معترف رہا، لیکن اثر مجھ پر یہ پڑا کہ جو کتاب لکھی جائے، اس میں ابن تیمیہ کی ہی سنت تو ضرور کی جائے۔ میرے پاس نہ کتب خانہ کافی ہے، اس لیے میں اپنے ارادہ سے باز آیا۔ لیکن یہ میری خواہش ہے کہ اس بحث کے متعلق ایک مکمل رسالہ کوئی ذی علم تحریر کرے، ۔ جس میں میرے شبہات کی تردید یا تائید ہو۔ میں اپنے شبہات کو سوالات کی صورت میں درج کرتا ہوں۔ جس کا جواب دینا میرے خیال میں علماء کے لئے ایک مذہبی خدمت ہوگی۔

1 ۔ دین محمدی کیا ہے؟ توحید الٰہی، رسالت محمدی، شریعت، سیاست اور فوجی قانون کا یہ ایک مجموعہ ہے۔ بہت سے احکام اس کے ایسے ہیں کہ صرف مجموعی حیثیت سے دین محمدی سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ اس کے انفرادی حیثیت سے۔ ابتدائے اسلام میں جس وقت ارتداد کی سزا قتل تھی، مفصلہ ذیل باتیں دین محمدی کا جز ولاینفک تھیں۔

الف: امیر المومنین امام مسجد بادشاہ وقت اور فوج کا اعلیٰ حاکم ہوتا تھا۔

ب: ہر مسلمان پر یہ فرض تھا کہ وہ اپنے امام کے احکام کی پابندی اسی طرح کرے، جس طرح سپہ سالار فوج کے حکم کی تعمیل ہر زمانہ میں ہوئی اور آئندہ ہوتی رہے گی۔

ج: ہر مسلمان پر پہلے فوجی خدمت لازمی ہوتی تھی اور ہر شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتے وقت اگرچہ یہ معاہدہ کرتا تھا کہ وہ اپنے امیر کی اطاعت، جہاں تک قرآن کے خلاف نہ ہوگی، لازم سمجھے گا۔

د: اس وقت کے مسلمان ایسے سیدھے، سچے اور بھولے تھے، نہ باعتبار اپنی شرکت کے، بلکہ باعتبار اپنے مذہب کی سادگی کے کہ جب کوئی اجنبی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا تھا، تو وہ اسے فوراً اپنی جماعت میں داخل کر لیتے تھے اور بالکل بھول جاتے تھے کہ کل یہ ہمارا دشمن جانی تھا۔ ذات اور قومیت کا وہ ذرا لحاظ نہ کرتے تھے۔ وہ اپنی ذات پر ذات پات کے خالص برہمنوں سے زیادہ ناز کرتے تھے۔ لیکن اگر کوئی ڈوم یا چوہڑے چمار کے درجے کا آدمی مسلمان ہوجاتا، تو اپنی بہن اور لڑکی تک اس کے نکاح میں دینے میں تامل نہ کرتے تھے۔

ہ: یہ سب باتیں تو کم درجہ کی ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جو شخص کل تک عدو سلطنت تھا، وہ آج کلمہ پڑھتے ہی، جو فی الواقع اخو (بھائی) بھی سمجھا جاتا تھا، شریک سلطنت اور رازدارِ سلطنت بن جاتا۔

و: پھر اس فیاضی کے ساتھ یہ سختی کیا بے جا تھی کہ اگر اس کی غداری ثابت ہوتی تھی، تو اسے اس وقت کے مسلمان مار ڈالتے تھے۔ آج کے مہذب زمانہ میں بھی اسپائی یعنی فوجی مخبر کی سزا قتل ہے۔ لڑائی سے کوئی سپاہی بلا اجازت بھاگ جائے، تو اس کی سزا قتل ہے۔ مرتد سے مراد اس زمانہ میں محض وحدانیت اور رسالت کا انکار نہ تھا، بلکہ حاکم کے احکام سے بغاوت، افشائے راز ملکی، افسر فوج سے سرتابی اور بہت سے دیگر جرائم گردن زدنی وغیرہ وغیرہ ارتداد کے زمرے میں آتے تھے۔ اور ان کا مرتکب مرتد قرار پاتا۔

اب سوال یہ ہے کہ اُس وقت کے احکام کو اس وقت آنکھیں بند کر کے جاری کرنا، جب تک کہ اس زمانہ کی سی حالت اب پیدا نہ ہو، کیا جائز اور مناسب ہے؟

2۔ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ (حدیث نبویؐ) اور بعض نے کہا ہے اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْاِسْلَامِ وَالْکُفْرِ تَرک الصَّلٰوۃِ اور اس بنیاد پر تارک الصلوٰۃ کو بھی بعض آئمہ نے کافر کہا ہے۔ پنج وقتہ نماز بھی اکثروں کے نزدیک واجب ہے۔ اس وقت، بجز اس پیش امام کے جو نماز پڑھانے کی اجرت پاتا ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا۔ (یہ استثنا معدودے چند) کہ وہ کبھی نماز باجماعت ترک نہیں کرتا، تارک نماز با جماعت تارک الصلوٰۃ ہے۔ اور تارک صلوٰۃ کافر، اور کفر بعد الاسلام ارتداد۔ اس لحاظ سے مسلمانان ہند کسی ایسی سلطنت میں جائیں، جہاں تارک الصلوٰۃ مرتد کے حکم میں داخل سمجھا جاتا ہو، تو کیا انہیں ترک الصلوٰۃ کی وجہ سے زندہ بچ آنے کی امید رکھنا چاہیئے؟

علماء خواہ مخواہ یہی کہیں گے کہ اس زمانہ میں، جب توحید و رسالت کے ماننے کے ساتھ ساتھ قواعد فوجی کا پابند رہنا لازم نہ رہا، تو تارک الصلوٰۃ دائرہ اسلام سے خارج نہ سمجھا جائے گا۔ اسے کیا یوں سمجھنا نہ چاہیئے کہ اب اسلام عملی طور پر اس حالت میں نہیں ہے کہ مرتد کشتنی اور گردن زدنی سمجھا جائے؟ اگر یہ کہا جائے کہ اب بھی تارک صلوٰۃ کافر ہے تو پھر مسلمانوں کی تعداد کتنی رہ جاتی ہے؟ اگر زن وشو میں ایک بھی تارک صلوٰۃ ہے تو ہندوستان میں کتنے نکاح جائز رہ جائیں گے؟

3۔ پیغمبر خدا اور خلافت راشدہ کے زمانہ میں ترک صلوٰۃ کا درجہ فوجی قواعد کے اعتبار سے سپاہیوں کی غیر حاضری کے برابر کیا جاتا تھا۔ کیا اس وقت نمازی تارکِ جماعت کسی وجہ سے اس درجہ میں شمار ہوں گے جو سابق زمانہ کے تارکِ جماعت کا درجہ تھا؟ اور واجب القتل ہوں گے؟

4۔ کیا ارتداد کی سزائے قتل خلافت راشدہ کے بعد بھی، جب حاکم وقت دینی سیادت سے الگ ہو گیا اور پیشوایان مذہب نے اپنی خانقاہیں جدا قائم کر لیں، زیر عمل رہی؟ اگر رہی تو محی الدین عربی جو کھلے بندوں سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ کہتے تھے اور علماء وقت ان کے

کفر کے فتوے دیتے تھے، کیوں وہ قتل نہ کئے گئے؟ بہت سے علماء کی بابت تکفیر کے فتوے ہوئے۔امام غزالیؒ ایسے مستند شخص بھی ہدف تیر تکفیر ہوئے۔اسی طرح بہت سے متکلمین، جو اس وقت مایہ ناز سمجھے جاتے ہیں، اپنے زمانہ میں تکفیر سے نہ بچے، لیکن کسی کو بھی سزائے قتل بلا سیاسی ضرورت عائد ہوئے دی گئی؟

5۔ زمانہ وسطیٰ اور زمانہ اخیر میں منصور اور سرمد کے قتل کے واقعات ہیں۔ان کے قتل کا باعث کیا محض مذہب کا اختلاف تھا، سیاسی وجوہ در پردہ محرک قتل نہ تھیں۔

6۔شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں راجہ جے سنگھ سپہ سالار فوج عالمگیری ایک مہم پر روانہ ہوتا ہے تو اس کی فوج میں ہندو سپاہی اور مسلمان سپاہی بھی ہیں۔ ہندو سپاہی جے سنگھ کے خدا کو مانتے ہیں اور مسلمان سپاہی عالمگیر کے خدا کی پرستش کرتے ہیں۔لیکن دونوں جے سنگھ کی اطاعت میں مشغول ہیں اور اس کے فوجی احکامات کی تعمیل کرنے والے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک مسلمان سپاہی اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہوئے بجائے خدائے عالم گیر کے خدائے جے سنگھ کو معبود مانتا تو کیا وہ بجرم ارتداد گردن زدنی ہوتا؟ اگر نہیں تو مرتد کی حالت کیا بدتر تھی کہ وہ شخص بجرم ارتداد موجب قتل ہوا؟

7۔ جرم سرقہ میں ہاتھ کاٹنا اور جرم زنا میں سزائے رجم دینا تو بغرض انصاف مقتضاء حالت ہر وقت ہے، تو کیا اسی پر قیاس کر کے ارتداد کی سزا، سلطنت اسلامی کی حالتوں میں کتنا ہی فرق ہو، ہر حالت میں درست ہے۔

8۔ جرم ارتداد میں رجم کی سزا دینا کسی ضعیف سے ضعیف روایت کے مطابق بھی درست نہیں؟ اگر نہیں تو بجرم ارتداد سزائے رجم کرنا باعث ثواب ہے؟

9۔ کیا کوئی بھی مسئلہ فقہ کا ایسا نہیں ہے جو اس وقت کسی اسلامی سلطنت میں قابل عمل نہ ہو۔اگر ہے تو پھر یہ کہنا کہ مسئلہ جرم ارتداد کے متعلق محل وموقع کا دیکھنا فقہاء کی رائے سے اختلاف کرنا ہے، کہاں تک صحیح ہوگا؟

نعمت اللہ اور اخبار زمیندار

میں نے 30 ستمبر 1924ء کو ''اخبار زمیندار'' کے ایڈیٹر صاحب کی خدمت میں از راہ تحقیق عنوان بالا پر چند سوالات لکھے تھے۔اس کے بعد تین خط لکھ چکا ہوں کہ خدا کے لیے ان سوالوں کا جواب پرائیویٹ طور پر یا بذریعہ اخبار دیا جائے۔مگر جناب ایڈیٹر صاحب نے غفلت آمیز خاموشی سے کام لیا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی اس خاموشی سے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ گیا ہے کہ نعمت اللہ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا یا اس کو مرزائی کہا گیا، وہ تمام مذاہب اور انسانیت کے خلاف تھا۔اور میں آج پھر بانگ دہل کہتا ہوں کہ اگر اسلام کا یہ حکم ہے کہ جو شخص مسلمان ہو کر اسلام کو ترک کر دے،اس کو پتھروں سے ہلاک کر دیا جائے،تو اسلام ہرگز ہرگز ایسا مذہب نہیں ہوسکتا۔جو منجانب اللہ ہونے کا دعویدار ہو۔لیکن اہل اسلام اور اہل دنیا کو مبارک ہو کہ اسلام میں ہرگز ایسا حکم نہیں پایا جاتا۔اور جو لوگ اسلام کی طرف اس حکم کو منسوب کرتے ہیں، وہ خدا اور رسولؐ کے،آریوں اور عیسائیوں سے بڑھ کر دشمن ہیں۔کیونکہ وہ اپنے آپ کو اسلام کا سچا خیر خواہ ظاہر کر کے اس بناوٹی خیر خواہی کے پردے میں ''نادان دوست بدتر از دانا دشمن'' کے مصداق بنتے ہیں۔تو خیر سے ایڈیٹر صاحب زمیندار منجملہ ان کے ایک ہیں۔اس اخبار کی پالیسی صرف عوام کو خوش رکھنا ہے۔حق وصداقت سے اسے کچھ غرض نہیں۔کون نہیں جانتا کہ احکام میں وضاحت ہونا چاہئیے تو بھلا قرآن کریم جیسی پُر حکمت کتاب،جس کا دعویٰ ہے کہ وہ کتاب مبین ہے، وہ قتل مرتد کے بارے صاف صاف احکام بیان نہ کرتی۔قرآن کریم کے احکام تو ایسے واضح اور صاف ہوتے ہیں: اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ (43:2) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور جھک جانے والوں کے ساتھ جھکے رہو۔اور جیسے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ (21:2) اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا۔اگر قرآن کریم کا منشا ہوتا کہ مرتد قتل کیا جائے تو کیا وجہ تھی کہ قرآن کریم میں یہ الفاظ نہ ہوتے اُقۡتُلُوۡا مَنۡ اَرۡتَدَّ عَنِ الۡاِسۡلَامِ کہ قتل کر دو جو کوئی اس کو چھوڑ دے۔اور صحابہؓ کی طرف جو مرتدوں کا قتل منسوب کیا جاتا ہے، وہ ہر فہیم آدمی سمجھ سکتا ہے کہ وہ قتل سیاسی بنا پر تھے نہ کہ دین چھوڑنے کی پاداش میں۔اگر دین چھوڑنے سے قتل واجب ہوتا تو عورت کو قتل کیوں نہ کیا جاتا؟

خیر ان خونخوار ملاؤں نے،جیسا کہ ان کی قسمت میں ہمیشہ بزرگوں کا خون بہانا لکھا ہے اور دین کو بدنام

کرنا، اس وقت بھی اسلام پر ایک ایسی ضرب لگائی ہے کہ عیسائی اور دوسرے دشمنان اسلام دیر تک اس کو اسلام کے برخلاف استعمال کرتے رہیں گے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں ان کی خونخواری کی روک تھام کر دی ہے۔ ورنہ خبر نہیں یہاں کیا حشر برپا کرتے۔ اگر انگریزی حکومت ہندوستان میں نہ ہوتی، تو ان لوگوں کا سب سے پہلا شکار سر سید احمد مرحوم کے پیرو ہوتے۔ اس کے بعد اہل حدیث۔ مرزا صاحب کے مریدوں کی نوبت تو کہیں بعد میں آتی۔ اور بہت ممکن تھا کہ ہر پڑھا لکھا آدمی سنگسار کر دیا جاتا۔ اور اس وقت ہندوستان میں بجائے سات کروڑ کلمہ گوؤں کے شاید چند لاکھ نفوس رہ جاتے، تو بقول ان ملا صاحبان، یہ پکے مسلمان ہوتے!

سوالات، جو زمیندار کو لکھے گئے تھے، مفصلہ ذیل ہیں۔ اگر زمیندار کے ایڈیٹر صاحب اب بھی اسی اعتقاد پر قائم ہیں کہ قتل مرتد ایک اسلامی مسئلہ ہے، تو ذرا متانت سے جواب دینے کی تکلیف گوارا کریں۔

1۔ قرآن کریم میں مرتد کے قتل کے متعلق کیا حکم ہے؟ کوئی آیت پیش کریں جس میں مرتد کے قتل کا حکم ہو۔

2۔ کیا رسول اللہ ﷺ کے وقت کوئی محکمہ قائم تھا جو لوگوں کے عقائد پر احتساب کرتا تھا۔ اگر تھا تو کیا اس محکمہ کے ماتحت کس قدر اور کون کون مرتد قتل کیے گئے؟ ایک دو مثالیں پیش کریں۔

3۔ طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ اگر ملک میں مختلف علوم کی اشاعت ہوگی تو عقائد میں اختلاف لازماً ہوگا۔ اسلامی تاریخ شاہد ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی شخص اپنی خداداد عقل کو استعمال کر کے اپنے لیے ایسے عقائد تجویز کرے جو مروجہ عقائد کے یا بادشاہ یا اس کے عطا کئے عقائد کے خلاف ہوں، تو وہ کیا کرے؟ اگر ظاہر کرے تو قتل ہوتا ہے۔ تو کیا وہ منافقت کی زندگی بسر کرے اور اپنے عقائد کو خفیہ طور پر پھیلا دے! کیا یہ صورت معاملات آپ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ کیا آپ کے نزدیک یہ بات صحیح نہیں کہ جہاں آزادی رائے ہو وہاں حق زیادہ آب و تاب کے ساتھ چمکتا ہے اور حق کے مخالف نمایاں ہو جاتے

ہیں اوران کے جال میں کوئی نہیں پھنستا۔

4 ۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر افغانستان کی اسلامی آبادی میں ایسے عقائد کی اشاعت کی اجازت دی جائے جو ملک کی ساری آبادی کے عقائد کے مخالف ہیں، تو ملک میں تفرقہ پڑے گا۔یعنی اس سے ملک کی پولیٹکل قوت کونقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔لیکن آپ جانتے ہوں گے کہ جرمن، فرانس، انگلینڈ وغیرہ ممالک میں آزادی ہے۔عقل کے پرستار، عیسویت کے دشمن، پکے عیسائی سب وہاں موجود ہیں۔ان ممالک میں کیوں مذہبی عقائد کے اختلافات کو برداشت کیا جاتا ہے اور کیوں ان مذہبی اختلافات نے ملکی قوت کوضعف نہیں پہنچایا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر ضعف پہنچے بھی تو کیا دماغی قویٰ کے آزادانہ فعل کو، جو سب ترقیوں کی جڑ ہے،ملکی قوت ومفاد پر قربان کر دینا صحیح ہے؟ کیا اگر فتنہ کا ڈر ہوتو ایسے آدمی کوجلاوطن نہیں کیا جاسکتا؟

5 ۔ جب پرتگال کی حکومت زور پر تھی تو اس نے بھی ایک محکمہ قائم کیا تھا۔جس کا کام عقائد کا احتساب تھا۔اس محکمہ نے لاکھوں پروٹسٹنٹ عیسائیوں اور مسلمانوں کومحض عقائد کے سبب زندہ جلا دیا تھا۔اگر کوئی شخص کہتا کہ زمین گھومتی ہے،تو جھٹ اس محکمہ کے حکام کے روبروپیش کیا جاتا اور محکمہ کے حکم سے زندہ جلا دیا جاتا۔

آپ کی اس محکمہ کے متعلق کیا رائے ہے؟ کیا انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کے اپنے خیال میں نہیں بلکہ فی نفسہٖ جائز تھا؟ مؤرخ کہتے ہیں کہ ہسپانیہ اور پرتگال کے زوال کے اسباب میں سے یہ سب سے بڑا سبب تھا۔

6 ۔ مسلمانوں کو اللہ اور اس کا رسول حکم دیتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت کرو۔فرض کرو یورپ اورامریکہ کی حکومتیں آپ کے اصول کے مطابق تبدیلی عقائد کو واجب القتل جرم قرار دیں تو پھر ہم اشاعت اسلام کیسے کرسکیں؟

7۔ کیا جو علماء آج ایک مرزائی کے سنگسار کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں، وہ ویسے ہی علماء ہیں جنہوں نے اس سے پہلے اسلام کی بے شمار مایہ ناز ہستیوں کو اسی طرح ہلاک کیا؟

8۔ آپ کی ایک مدت سے گورنمنٹ کے ساتھ جنگ چلی آتی ہے اور اس جنگ کا ایک بڑا مدعا یہی ہے کہ عام رائے کی آزادی ملے۔ کیا آپ جو کچھ نعمت اللہ کے معاملہ میں لکھ رہے ہیں، یہ آپ کے ہمیشہ کے اصول کے مطابق ہے؟

بوستان خاں، کلرک ڈسٹرکٹ انسپکٹر سکولز راولپنڈی

افغانستان اور اس کے باشندے

افغانستان کی وادیوں، بیابانوں اور اس کے سر بہ فلک سفید و سیاہ مگر خشک پہاڑوں اور خوفناک درّوں کی رہنے والی خانہ بدوش اقوام کچھ عجیب وغریب طبیعت اور عادات رکھتی ہیں۔ ان آزاد خود سر انسانوں پر امیر عبدالرحمٰن خان نے کچھ دنوں بارُعب اور پر سطوت حکومت کی ہے جس کو اپنی کارکردگی کے لحاظ سے دنیا کے بدنام تر اشخاص میں شمار کیا جاتا ہے۔ مگر ان کا دورِ حکومت گویا بجلی کی ایک کڑک اور چمک تھی، جس کے بعد معاً پھر اندھیرا چھا گیا۔ اس سرزمین پر چلنے پھرنے والے انسانوں کا بیشتر حصہ سنگدلی میں اپنی نظیر آپ ہے۔ ان لوگوں کا قانون اکثر مسافروں اور راہ گیروں کو لوٹنا اور قتل وغارت کرنا ہے۔ ان کے اطوار و عادات پر خدا کے بہترین مذہب یعنی دین اسلام کے اعلیٰ وارفع اخلاق نے باوجود اس عرصہ دراز کے کچھ اثر نہ کیا۔ جس قوم میں اخلاق اور صنعت وحرفت نہ ہوں، وہ اٹکل بچو باتوں سے جولانی کرتی ہے، جس کی استواری ریت پر بننے والے مکان کی مانند ہے یا مکڑی کا جالا ہے جو ہوا کے ذرا سے جھونکے سے نیست ونابود ہو جاتا ہے۔ ان کی عادات واطوار سے ان کے حکمران وامیر ہمیشہ ان کو قعر مذلت سے اٹھا کر پائے ترقی تک پہنچانے میں درماندہ اور ناکام رہے ہیں۔ دیکھیے غور کرنے کا مقام ہے کہ رعیت کا ایک امن پسند فرد افغان احمدی (کسی اسلامی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو اس سے بحث نہیں، مگر اسلامی شعار کا پابند ہے) چند ایک خود بین وخود ستائش ملاؤں کے فتوے کے ماتحت سنگسار کیا جاتا ہے، مگر اٹلی کے ایک سرکش باشندہ نے دارالسطنت افغانستان کے اندر ایک معزز افغان سپاہی کو گولی کا شکار بنایا، جہاں مقتول کے دو وارث موجود ہیں۔ ایک تو امیر خود دوسرے اس کے وارثان بازگشت موجود ہیں اور اس کا قصاص

نہیں لیا گیا۔اور باوجود اس کے کہ عدالت نے اس پر حد شرع قائم کر کے فتویٰ بھی لوگوں کے دکھلا وے کے لیے دے دیا ہے۔وہ امیر جس کا بعض بے علم اخبار نویس اور اکثر سادہ لوح اخبار بین دنیا میں انتہا شہرہ و چرچا کرتے ہیں،جس کا خلاف شرع اور خلاف سیاست عمل بالآخر قوم کی ریڑھ کو کھوکھلا اور اسلام کی عزت کو خاک میں ملاتا ہے۔چند خودسر ملاؤں کے الزام احمدیت کو اپنے وجود سے ہٹانے اور ناپائیدار سلطنت کے، جو آج تمدنی دنیا میں ایک معمولی ریاست کی بھی حیثیت نہیں رکھتی،کھو جانے کے اضطراب میں ایک مومن کو عمداً قتل کرتا ہے بلکہ تا حال اس کی لاش کو بھی اٹھانے نہیں دیتا۔ یہ حال ایک ایسے مسلمان کلمہ گو کا ہوا جو نہ صرف منہ سے لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتا تھا، بلکہ اپنے عمل سے اپنے آپ کو سچا مومن ثابت کر کے بڑے ایثار اور صبر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اجمالی زندگی میں رنگین ہو کر غیر اقوام تک پہنچانے میں دن رات کوشاں تھا۔تاریخ عالم ایسے بہت سے مبارک خونوں کی شاہد ہے اور ایسے بہت سے سنگدل اور ناعاقبت اندیش قاتلوں کی گواہ ہے جو کہ ہمیشہ نفسانی جذبہ کے ماتحت مومن کے گراں وزن بوجھ کو اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے اس جہان سے رخصت ہو چکے ہیں۔وہ قوم شاہراہ ترقی پر کیسے گامزن ہوسکتی ہے اور کیونکر اعلیٰ اخلاق اور تربیت کی روح اپنی اولاد کے اندر پھونک سکتی ہے،جس کے عوام کو چھوڑ کر خواص بھی حق فروش ملاؤں کے فتوؤں اور اقوال کے دلدادہ اور گرویدہ ہو رہے ہوں۔جن کو نہ تو دین اسلام سے ہمدردی نہ اصل اصول اسلام سے واقفیت ہو،اور نہ گردونواح کے حالات کی خبر ہو۔افغانستان کو ترکوں سے سبق حاصل کرنا چاہئیے تھا،جنہوں نے پانچ سو سال کے تلخ تجربہ کے بعد اپنی سلطنت اور ترقی کی راہ میں ملاؤں کے وجود کو بے سود اور رکاوٹ کا باعث قرار دیا ہے۔ساتھ ہی یہ بھی بخوبی جان لیا کہ یورپ کی ظاہری ٹیپ اور تقلید ان کو اعلیٰ صفات اور بلند خیالات سے دور افتادہ کرتی جاتی ہے۔اور یہ کہ نظام اتحاد وقوت عمل کو دینی اور دنیوی تعلیم اور تربیت کے زیرِ سایہ حاصل کرنا روحانی ترقی اور عروج قومی کے لیے از بس ضروری ہے۔لوگوں نے قرآن شریف کی بیش قیمت اور نادر نصائح کی حقیقت اور اس کے کمال کو سمجھا ہی نہیں، ورنہ اس کتاب کو صرف خوبصورت غلافوں اور بیش قیمت جزودانوں میں بالائے طاق نہ رکھا جاتا۔اور نہ وہ صرف کتب خانوں کی الماریوں میں مقفل اور بند دکھائی دیتا اور نہ اس کے لانے والے خاتم النّبیّین رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق، بلند حوصلہ اور عالی مرتبہ بلند سیرت کو ہی نظر انداز کر دیا جاتا۔وہ وہ عظیم الشان انسان ہے جس پر ایسی مبارک کتاب کا نزول ہوا،جس کی شان میں تِبْیَانَ لِکُلِّ شَیْءٍ وارد ہے اور جس میں مسلمانوں کو ملک گیری

اورفتوحات ملکی کا زبردست سبق سکھلایا گیا ہے کہ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ(105:21) پر کاربند ہو جاؤ اور اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ(29:48) کے مصداق بنو اور باہمی عداوت اور جھگڑوں کو چھوڑ کر ایک نظام اور ایک ہی مقام پر اصول اسلام کے ماتحت رہو۔

عبدالخالق خان

ڈنگری دروازہ۔ پشاور (صوبہ سرحدی)

10 نومبر 1924ء

استفسارات۔1

ایک شخص نے بعض استفسارات حضرت امیر کی خدمت میں روانہ کیے ہیں جو مع جوابات درج ذیل ہیں۔

1۔میں نے آپ کا رسالہ نعمت اللہ کی سنگساری بڑی دلچسپی سے پڑھا۔اس کے متعلق ذیل کے امور دریافت طلب ہیں۔

الف۔آپ فرماتے ہیں کہ تشریعی اور غیر تشریعی نبوت کا امتیاز صوفیہ نے کیا ہے۔شریعت میں کوئی ایسا امتیاز نہیں۔اگر یہ صورت ہے تو شریعت میں لفظ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ کے معنی کیا ہوئے؟ چونکہ شریعت میں کوئی ایسا امتیاز نہیں ہے اس واسطے ظاہر ہے کہ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ کا مفہوم شرعی معنوں میں نبوت کا خاتمہ کرنے والے کے ہیں۔پس اگر کوئی شخص مرزا صاحب کو شرعی معنوں میں (نہ محدثیت اور ولایت کے معنوں میں) نبی تسلیم کرے،تو آپ اس کی نسبت شریعت کے رو سے کیا حکم دیں گے؟

ب۔آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مرزا صاحب کو شرعی معنوں میں (نہ محدثیت اور ولایت کے معنوں میں) نبی تسلیم کرے (جیسا کہ قادیانی جماعت آپ کے خیال میں تسلیم کرتی ہے) مگر اس عقیدہ کے ساتھ نماز قبلہ کی طرف منہ کر کے ادا کرے، زکوٰۃ دے، غرضیکہ تمام باتوں میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہو، اس کو کافر مرتد نہیں کہہ سکتے۔اگر یہ بات ہے،تو لاہوری جماعت اور قادیانی جماعت میں آپ کے نزدیک کیا فرق ہے؟ ایسی صورت میں تو، جہاں تک میں آپ کی تحریر سے اندازہ کر سکا ہوں، آپ کے اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں، سوائے ایک لفظی نزاع کے؟

جواب از حضرت امیر: خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ کے معنے نبیوں کا ختم کرنے والا ہی ہیں۔ اور یہی معنی حضرت مرزا صاحب نے آخر تک کیے ہیں۔ جو شخص اس کے خلاف کوئی اور معنی کرتا ہے، میں اسے غلطی پر سمجھتا ہوں۔ لیکن جب تک وہ اپنے آپ کو شریعت محمدی کے جوئے کے ماتحت سمجھتا ہے، قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے تمام احکام کو واجب التعمیل سمجھتا ہے، اس وقت تک کافر یعنی دائرہ اسلام سے خارج نہیں کہلا سکتا۔ اور یہی معیار ہر ایک غلطی کنندہ کے لیے ہے۔ میں اس امر کو بھی ختم نبوت کے خلاف سمجھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ پھر دنیا میں آجائیں، باوجود اس کے ان مسلمانوں کو، جو آنحضرتؐ کے بعد اس ایک نبی کا آنا مانتے ہیں اور یوں ختم نبوت کو توڑتے ہیں، مسلمان ہی سمجھتا ہوں۔ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ کے بعد نبی کا آنا، نیا ہو یا پرانا، یکساں ختم نبوت کے منافی ہے۔

آپ کا دوسرا سوال یا کسی غلط فہمی پر مبنی ہے یا مجھے سمجھ نہیں آیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر ہم (لاہوری احمدی) قادیانی جماعت کو کافر و مرتد نہیں کہتے تو ہم میں اور اُن میں کوئی فرق نہ ہوا۔ اور صرف ایک لفظی نزاع ہوا۔ بظاہر آپ کے سوال سے آپ کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ جہاں دو مسلمان گروہوں میں فی الواقع اختلاف ہو گا، وہاں ضرور ہے کہ ایک گروہ دوسرے کو کافر و مرتد کہے۔ غالباً یہ منشا آپ کا نہ ہوگا۔ اگر یہی مطلب آپ کا ہے تو میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بڑے بڑے اختلافات کے باوجود بھی ہم ایک دوسرے کو مسلمان سمجھ سکتے ہیں۔ ہم میں اور قادیانی جماعت میں بڑا بھاری اختلاف موجود ہے۔ وہ فی الحقیقت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ روئے زمین کے کل مسلمان کافر ہیں۔ ہم حضرت مرزا صاحب کو مجدد مانتے ہیں اور تمام کلمہ گوؤں کو مسلمان یقین کرتے ہیں۔ لفظ نبوت اگر ہماری تحریروں میں آپ کے متعلق استعمال ہوتا ہے تو صرف اس معنی میں، جس معنی میں صوفیاء کرام نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ یعنی بمعنی محدثیت اور ولایت۔ جس معنی میں اس کا اطلاق سب اولیاء امت پر جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے خود اپنی قریباً سب سے آخری تقریر میں فرمایا تھا کہ میرا لفظ نبی کا استعمال اس معنی میں ہے، جیسے مولانا رومؒ نے فرمایا ہے ؎

اُو نبی وَقت خویش است اے مرید

پس حقیقتاً ہم میں اور ان میں اختلاف موجود ہے۔ ہاں! اگر وہ اس عقیدہ کو ترک کر دیں کہ کوئی مسلمان حضرت مرزا صاحب کی بیعت میں نہ ہونے کی وجہ سے کافر ہے، تو پھر شاید اختلاف لفظی تنازع کہلا سکے، مگر لفظی

تنازع کا مفہوم میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مفہوم دونوں کا ایک ہو، صرف الفاظ کے استعمال میں اختلاف ہو۔ اور یہاں یہ صورت نہیں، بلکہ مفہوم میں اختلاف ہے۔ گو لفظ ایک ہے۔ مثلاً حدیث میں عیسیٰؑ کے نزول کا ذکر ہے۔ اب ہم سب مسلمانوں کی طرح حدیث کے الفاظ کو صحیح مانتے ہیں۔ لیکن اُن کے اور ہمارے مفہوم میں اختلاف ہے۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ نبی اللہ عیسیٰؑ آئیں گے۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ اس امت کے ایک مجدد نے عنداللہ عیسیٰؑ کا نام پایا۔ میرے نزدیک یہ بھی اختلاف ہے۔ لفظی تنازع نہیں۔ لفظ ایک ہیں مگر مفہوم میں فرق ہے۔ اگر میں آپ کے مطلب کو صحیح نہیں سمجھ سکا، تو امید ہے آپ اس پر زیادہ روشنی ڈال کر اپنے مطلب کو واضح فرمائیں گے۔

3 دسمبر 1924ء

روئیداد سفر

حضرت امیر اور حضرت خواجہ کمال الدین علی گڑھ میں

حضرت امیر اور حضرت خواجہ صاحب مع دیگر احباب کے علی گڑھ جانے کی خبر قبل ازیں شائع ہو چکی ہے۔ وہاں ان ہر دو بزرگوں کے متعدد لیکچر ہوئے۔ جن کی روئیداد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے شائع کرنا شروع کی ہے۔ پہلی قسط میں حضرت خواجہ صاحب کے لیکچر کی کیفیت ہے جو قارئین پیغام صلح کے لیے ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔ایڈیٹر

مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور اور خواجہ کمال الدین صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب آج کل مسلم یونیورسٹی میں تشریف لائے ہوئے ہیں اور جمعہ گذشتہ سے خواجہ صاحب اور مولانا کے متعدد مواعظ ہو چکے ہیں جن کا ماحصل انشاءاللہ تعالیٰ ہم قسطاً قسطاً پیش کریں گے۔

پہلے ہی روز (بلکہ پہلے ہی وقت) کا پہلا بیان مولوی خواجہ کمال الدین صاحب کا 21 نومبر 1924ء کو بعد نماز جمعہ اسٹریچی ہال میں اسٹاف اور طلباء کے روبرو اس حقیقت کے متعلق تھا کہ ''اپنی حالت کا بدلنا خود انسان کے ہاتھ میں ہے۔'' یہاں محمد شریف صاحب (وائس چانسلر) نے اپنی تعارفی تقریر میں ہندوستان کی دو بڑی تحریکوں کا ذکر کیا۔ ایک سرسید کی تعلیمی تحریک اور دوسری مرزا صاحب قادیانی کی مذہبی تحریک۔ اور بتایا کہ خواجہ کمال الدین صاحب نے مرزا صاحب مرحوم سے دینی فیض حاصل کر کے اور بے نظیر ایثار کر کے ہندوستان سے انگلستان اور امریکہ تک اسلام کی اشاعت کی ہے۔

خواجہ صاحب نے اپنے بیان کا مبحث قرآن شریف کی اس آیت شریفہ کو قرار دیا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ (11:13) یعنی خدا کسی قوم کی بھی حالت نہیں بدلتا۔ جب تک کوئی اپنی حالت نہ بدلے، اور چونکہ قوم مرکب ہے افراد سے اس لیے انفرادی حالت کے تغیر کی نسبت بھی اتنے ہی واضح الفاظ میں

ارشاد ہوا ہے کہ: لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (286:2) کوئی شخص جو اچھے کام کرتا ہے اس کے اچھے نتائج حاصل کرتا ہے اور جو کوئی شخص برے کام کرتا ہے۔ اس کے برے پھل پاتا ہے، اور اپنے موقف کی تائید میں آپ نے کثیر التعداد عقلی ونقلی شواہد پیش کئے کہ دنیا نے ہمیشہ سے اب تک (جس کا سلسلہ یقیناً آئندہ بھی اسی طرح جاری رہے گا) جتنی ترقی کی ہے، وہ سب قوانین فطرت اور احکام الٰہیہ پر کار بند ہو کر کی، اور جب کبھی افراد واقوام کو تنزل ہوا ہے، تو وہ بھی صرف اسی وقت جب انہوں نے ان قواعد واحکام کی اتباع کو چھوڑ دیا۔ ان قواعد واحکام کو قرآن نے آیات سے تعبیر کیا ہے جن پر ''تدبر تفکر اور تعقل'' کی نہایت بلند آہنگی سے تاکید فرمائی ہے۔ اور ان آیات پر تدبر وتفکر اور کار بندی کی توفیق کو ''صراط مستقیم'' (سیدھی راہ) قرار دیا گیا ہے۔ اور اس سیدھی راہ پر چلنے کی فطری خواہش اور کوشش کو اسلام نے جس درجہ اہمیت دی ہے، وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جبکہ عیسائی تک، جو اس وقت دنیا پر چھائے ہوئے ہیں (اور قوموں اور مذہبوں کا تو ذکر ہی کیا) صبح اٹھتے ہی یہ دعا کرتے ہیں کہ اے خداوند جو آسمانوں میں ہے آج کے دن ہمیں ہماری روز کی روٹی دے، انگریزی میں یہ الفاظ ہیں Gives us this day our daily bread. مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ صبح سو کر اٹھنے سے اس رات کو پھر سونے تک مختلف اوقات میں کم از کم انتیس (29) بار خدا سے یہ دعا کریں کہ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (6:1) یعنی اے اللہ ہمیں سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت دے۔ پس جو قومیں اس وقت بھی ترقی کر رہی ہیں، وہ (نامعلوم اور غیر محسوس طور پر) دراصل ان اصول کا اتباع کر کے کر رہی ہیں، جو حقیقی اسلام کی تعلیم ہیں۔ اور مسلمان، جو اس وقت طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں، وہ محض قرآن اور اسلام کی ہدایت وتعلیم کو ترک کرنے اور پس پشت ڈال دینے کے سبب سے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی شکایت قرآن شریف میں موجود ہے کہ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (30:25) یعنی اے مولا! بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا۔ ورنہ ''مومن'' کا نصرت ایزدی سے فیض یاب نہ ہونا اور قعر مذلت میں پڑے رہنا حالات عقلیہ سے ہے۔ کیونکہ خدا نے صاف فرما دیا ہے کہ: كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (47:30) مومنین کی امداد ونصرت کرنا ہم پر حق ہے، لیکن ظاہر ہے کہ خدا کی نصرت کا مستحق ہونے کے لئے ''مومن'' ہونا شرط اول ہے۔ اور مومن صرف زبان سے اللہ اللہ کہنے یا ہر وقت تسبیح ہاتھ میں لیے رہنے یا اور ظاہری اعمال سے نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ زبانی اور ظاہری طریقوں میں تو اور قومیں بھی مستعد ہیں۔ اور تسبیح تو مصر وشام وفلسطین کے یہودی اور

نصرانی بھی کرتے ہیں۔لیکن مومن کی شان یہ ہے کہ اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ (4:1) یعنی تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں کا عہد جس کو دن میں کم از کم انتیس بار دہرانے کا حکم ہے، اس پر حقیقی عمل اور صدقِ دل سے کاربند ہو۔ حالانکہ مسلمانوں کی اس وقت حالت یہ ہے کہ ان میں علی گڑھ سے لے کر دہلی اور لکھنؤ تک ایسے ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں، جو مسلمانوں کو شریعت اسلام کے نام سے ایک ایسی شریعت کی تعلیم دیتے ہیں جو نہ کلام اللہ کی شریعت ہے اور نہ سنت رسول اللہ کی شریعت ہے۔ اور مسلمانوں نے ایسے ایسے لوگوں کو اپنے لیے پیش رو قرار دے رکھا ہے، جن کے لیے مسلمان ہونے کی بھی قید نہیں ہے۔ دور نہ جائیے، اسی گذشتہ سات آٹھ برس کے زمانہ کو دیکھ لیجیے کہ مسلمان ہر طرف سے استمداد و استعانت کرتے رہے، مگر کسی سے بھی ان کو مدد نہیں پہنچی۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ ان کی اس آہ وزاری میں اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ (5:1) کی شان نہ تھی بلکہ مسلمان صرف غیر اللہ سے مدد چاہتے رہے۔

پھر خواجہ صاحب نے طلبہ کے مجمع خاص کا لحاظ کر کے مخصوص طور پر ان کو بتایا کہ طالب علم کا بحیثیت طالب علم اعلیٰ ترین مقصد کسی علم کا ماہر (Expert) ہو جانا ہے۔ اور وہ بھی انہی دونوں آیتوں کے ماتحت آتا ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (11:13) اور لَهَا مَاکَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اکْتَسَبَتْ (286:2) اور اس مقصد کے حصول کی جو تدبیر قرآن کریم نے بتائی ہیں، وہ بھی ازلی وابدی ہے۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا. فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (5-1:79) یعنی اول طالب علم کو ہر دوسرے خیال سے انقطاع کر کے غرق مطالعہ ہونا چاہیئے، جس کے بعد اسے اپنے کام سے نشاط حاصل ہونے لگے گا۔ جس کے سبب سے وہ بحرِ علم کا تیراک ہو گا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے معاصرین سے سبقت لے جائے گا اور آخر میں وصول الی المطلوب یعنی مدبر امر یا ماہر کامل یا ایکسپرٹ کا درجہ حاصل کرے گا۔ آخر میں خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اگرچہ علم انسانی مدرسے سے لے کر نبوت ورسالت تک کے تمام مدارج انسان ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ چنانچہ کلام مجید میں نبی کریم ﷺ کو یہ فرما دینے کا حکم ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (110:18) یعنی سوائے اس کے نہیں کہ میں بھی تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں۔ مگر یہ کہ میری طرف وحی آتی ہے۔ تاہم بعض انسانی اوصاف سراسر ''وحی'' ہوتے ہیں اور کسب کو ان میں دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ میں سے ہر

شخص بڑے سے بڑا سائنٹسٹ، بڑے سے بڑا بیرسٹر، بڑے سے بڑا انجینئر یا کسی اور فن کا بڑے سے بڑا ماہر ہوسکتا ہے۔مگر کوئی شخص اپنے اندر ’’حسن صورت‘‘، جو محض موہبت الٰہیہ کے تابع ہے، پیدا نہیں کرسکتا۔اسی طرح انسان کسب کمالات کے ذریعہ سے رسالت ونبوت کے درجہ پر بھی نہیں پہنچ سکتا۔میں اقرار کرتا ہوں کہ نبوت ختم ہو چکی اور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ختم بیان پر صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب وائس چانسلر نے خواجہ صاحب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آج کل مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت ان کو دین ودنیا کا فرق بتانے کی ہے۔جو ایسے ہی اصحاب کر سکتے ہیں، جیسے کہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب یا جناب مولانا محمد علی صاحب،جن کو اسلامی تعلیمات پر عبور ہے۔اور یقین ظاہر کیا کہ وہ ضرور موجودہ زمانہ کی اس اہم دینی خدمت کو انجام دیں گے۔

10 دسمبر 1924ء

مولانا محمد علی اور خواجہ کمال الدین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں

عنوان بالا سے ذیل کی تحریر بعض اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔

مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی امیر جماعت احمدیہ لاہور اور خواجہ کمال الدین صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب بتاریخ 21 نومبر 1924ء دہلی سے علی گڑھ پہنچے۔ جناب صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی نے خواجہ کمال الدین صاحب کا ایک لیکچر 3 بجے شام اسٹریچی ہال میں پہلے ہی سے تجویز کر دیا تھا۔ خواجہ صاحب معہ اپنے رفقاء وقت مقررہ پر ہال میں پہنچے۔ ہال اور تمام گیلریاں پُر تھیں۔ جلسہ کے صدر میاں محمد شریف صاحب پرنسپل یورنیورسٹی مقرر ہوئے۔ صاحب زادہ صاحب کے ساتھ دیگر رؤسا علی گڑھ موجود تھے۔

حضرت امیر اور حضرت خواجہ صاحب کا تعارف

پریذیڈنٹ صاحب نے معزز مقرر کا حاضرین سے تعارف کرایا اور احمدیہ جماعت کی یورپ، امریکہ اور ہندوستان میں اسلامی خدمات کا ذکر کیا اور وضاحت سے بیان کیا کہ کیوں علی گڑھ کو اس جماعت کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہئیے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس طرح سرسید مرحوم کو مسلمانانِ ہند کی تعلیمی ترقی کے لیے ملانوں کی سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا اور تکفیر کا فتویٰ اپنے سر لینا پڑا تھا، اسی طرح مذہبی اصلاح کی خاطر جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو بھی جو اس جماعت کی بنیاد رکھنے والے تھے، اس قسم کے مولویوں سے مقابلہ درپیش ہوا اور تکفیر کا فتویٰ ان پر لگایا گیا۔ اس کے بعد صدر جلسہ نے مولانا محمد علی صاحب کا تعارف حاضرین سے کرایا اور بتایا کہ صاحب موصوف کا انگریزی اور اردو ترجمۃ القرآن ان کی بہترین اسلامی خدمات میں سے ہے۔

خواجہ صاحب کا پہلا لیکچر

بعد ازاں خواجہ صاحب نے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تقریر فرمائی۔ جس کے دوران انہوں نے مسلمانوں کی

موجودہ ضروریات کا ذکر کیا اور اس بات پر زور دیا کہ اس وقت مسلمانوں کو خود اپنی ترقی کے لیے کوشش کرنی چاہئیے۔قرآن شریف سے آپ نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو بیان کیا اور بتایا کہ ان پر عامل ہونے سے ترقی کا ہر ایک دروازہ کھل سکتا ہے۔صاحبزادہ صاحب نے محترم موصوف کا اس فاضلانہ اور پُر اثر لیکچر پر شکریہ ادا کیا۔

مجلس دینیات کا افتتاح

خواجہ کمال الدین صاحب سے انٹرمیڈیٹ کالج کے طلبا نے استدعا کی کہ آج ہی شام کو ساڑھے سات بجے منٹو سرکل ہال میں وہ سٹوڈنٹس تھیالوجیکل سوسائٹی (مجلس دینیات) کا افتتاح فرما دیں۔ چنانچہ شام کو ہال مذکور میں لیکچر تھا۔صدر جلسہ مسلم یونیورسٹی کے دینیات کے ڈین تھے،جنھوں نے اس سوسائٹی کے اغراض و مقاصد بیان کئے اور بتایا کہ مسلم یونیورسٹی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ اس کے طلباء مذہبی امور سے دلچسپی لینے لگے ہیں۔اور ان کی خوش قسمتی ہے کہ ایسے موقع پر ان کے اندر ایک ایسی مقدس ہستی موجود ہے،جس نے اپنی تمام عمر اسلام کی خدمت میں صرف کی اور جو اس وقت اس سوسائٹی کا افتتاح اپنی فاضلانہ تقریر سے کرنے والے ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب کا دوسرا لیکچر

بعد ازاں خواجہ صاحب نے گھنٹہ بھر تقریر کی۔جس کا موضوع ''اسلام کی عالمگیر برادری'' تھا۔آپ نے حاضرین کو مذہبی رواداری کا سبق سنایا،اسلام کے سب فرقوں میں جو جو اصول ''حق'' تھے،ان کو بیان کیا اور فرمایا کہ عیسائیت اور ہندوازم اور دیگر مذاہب کے اندرونی فرقہ جات بنیادی اصولوں میں ہی باہم اختلاف رکھتے ہیں،مگر اسلام کے مختلف فرقے صرف فروعی امور میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں،ورنہ اصول میں سب کا اتفاق ہے اور اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ اسلام میں فرقہ جات ہیں۔آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے صرف دو فرقے ہیں۔سنی اور شیعہ اور ان کا اختلاف صرف خلافت کے بارے میں ہے۔سنی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ برحق ہیں۔جبکہ شیعہ صاحبان حضرت علیؓ کو حقدار خلافت بلافصل تصور کرتے ہیں۔یہ صرف اپنے اپنے بزرگوں کی محبت اور عزت کا معاملہ ہے۔اصول دین میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔باقی سب فرقوں کا یہی حال ہے۔صرف قادیانی حضرات رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت مرزا صاحب کو نبی

بنا بیٹھے ہیں۔ حالانکہ وہ مرزا صاحب خود اس کے دعویدار نہ تھے۔ مرزا صاحب موصوف کا دعویٰ نبوت صرف مجازی رنگ میں تھا۔ اور ایسا دعویٰ دوسرے اولیاء امت کے دعاوی سے نرالا نہیں ہے۔ یہی ایمان ان کا یعنی لیکچرار کا اور تمام احمدیوں کا ہے جو جماعت لاہور سے تعلق رکھتے ہیں۔

بالآخر آپ نے فرمایا کہ باوجود ان اختلافات کے سب کو مل کر کام کرنا چاہیئے۔ ایک دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی تصور کرنا چاہیئے۔ یہ سخت غلطی ہے کہ ایک مسلمان کو صرف اس وجہ سے کافر کہا جائے کہ وہ کسی مسئلہ قرآن سے ایسا اِستنباط کرتا ہے، جو ہم سے مختلف ہے۔

خواجہ عبدالمجید صاحب قریشی پرنسپل انٹرمیڈیٹ کالج نے خواجہ صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ایسے فاضلانہ لیکچر سے حاضرین کو محظوظ کیا اور طلباء کو قیمتی نصائح سے مستفید فرمایا۔

حضرت امیر کا لیکچر مجلس دینیات میں

ممبران تھیالوجیکل سوسائٹی کی استدعا پر حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب نے طلباء کالج و یونیورسٹی کو ''مسلمان کافر نہیں'' کے مضمون پر بتاریخ 23 نومبر 1924ء 7 بجے شام یونین ہال میں لیکچر دیا۔ خواجہ عبدالمجید صاحب قریشی صدر جلسہ تھے۔ لیکچرار نے بیان کیا کہ کفر اور اسلام متضاد اصطلاحات ہیں۔ اور وہ کبھی بھی مترادف نہیں ہوسکتیں۔ یہ بہت بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ اسلام کے ہر فرقہ کے متعصب ملاں لوگ اکثر حالات میں چھوٹے چھوٹے اختلافات پر، جو صرف کسی عبارت کا ترجمہ اور مطالب سمجھنے میں پیدا ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں۔ آپ نے بتایا کہ احادیث میں صاف طور پر آیا ہے کہ جو شخص توحید الٰہی اور آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان لاتا ہے، مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتا ہے، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے۔ اور قرآن کریم میں صاف طور پر حکم دیا گیا ہے کہ: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) جو شخص تمہیں اسلام علیکم کہتا ہے اسے کافر نہ کہو۔ یہ بھی آپ نے بتایا کہ حضرت علیؓ کے وقت میں آنحضرتؐ کے صحابہؓ باجودیکہ باہمی برسرِ جنگ تھے، لیکن انہوں نے ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا اور ایک دوسرے کو اپنا بھائی ہی قرار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ سے پہلے عرب لوگ ہمیشہ آپس میں برسرِ جنگ رہتے تھے، لیکن اسلام لانے

کے بعد ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھنے لگ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے کا مرض مسلمانوں کی وحدت پر ایک خطرناک کلہاڑا ہے۔ اور کہ دورِ حاضرہ کے مسلمان جوانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے اس مرض کو دور کرنے کا کام اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔

حضرت امیر اور ترجمۃ القرآن

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے لیکچرار کا نہایت مناسب الفاظ میں شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ اس مضمون پر بولنے کے لیے مولانا ہی سب سے بڑھ کر اہل ہیں۔ آپ کے انگریزی ترجمۃ القرآن سے تمام دنیا مستفید ہوئی ہے۔ مجھے جہاز پر ایک معزز مسلمان مصری سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جس نے مجھے بتایا کہ باوجودیکہ میری مادری زبان عربی ہے، لیکن حضرت مولانا کے ترجمۃ القرآن کو دیکھنے سے پہلے قرآن کا سمجھنا میرے لیے مشکل تھا۔ ایسا ہی عراق کے ایک انگریز سفیر نے بتایا کہ حضرت مولانا کا ترجمۃ القرآن وہاں کثرت سے لوگوں کے ہاتھوں میں مَیں نے دیکھا ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ سرسید احمد خان صاحب پہلے مسلمان ریفارمر تھے، جن کے خلاف کفر کا فتویٰ مسلمانوں نے دیا۔ اور یہ کہ علی گڑھ کی سرزمین میں ایسے کفربازی کے خیالات کبھی نشوونما نہیں پا سکے اور جیسا کہ لیکچرار نے بیان کیا ہے، مسلمانوں کو ایسے خیالات کو نکال دینا چاہئیے۔ اس کے بعد جناب صدر نے حضرت مولانا کا شکریہ ادا کیا۔ اور جلسہ برخاست ہوا۔

14 دسمبر 1924ء

ایڈیٹر پیغام صلح کے نام

خواجہ نذیر احمد صاحب اور احمدیت

(حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کا مکتوب گرامی)

مکرمی ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

قریباً پانچ ہفتے ہوئے جب ایک دوست نے میاں محمود احمد صاحب کے کسی خط مندرجہ اخبار قادیان کی بنا پر مجھے اطلاع دی کہ خواجہ نذیر احمد نے بقول میاں صاحب احمدیت سے انکار کر دیا ہے۔ آج میاں صاحب کے بیانات یا تحریرات سے جو احمدیت کا مفہوم انگلستان، مصر اور شام میں سمجھا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ نہ صرف حضرت مسیح موعود نبی تھے، بلکہ ان کے بعد ایک سلسلہ نبیوں کا جاری ہونے والا ہے۔ چنانچہ اخبار وادی النیل (اسکندریہ) میں ایک شامی نامہ نگار نے میاں صاحب کے ایک مکالمہ کا ملخص دے کر بیان کیا کہ میاں صاحب کو خود دعویٰ نبوت ہے۔ ان باتوں کی تصدیق میاں صاحب کے بمبئی والے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ میاں صاحب کے ایک معزز متبع نے ایک قسم کی بیزاری کے رنگ میں مجھے کہا کہ عنقریب میاں صاحب نبوت کا مدعی ہوگا۔ یہ اس کی پہلی پڑی ہے۔ اب اگر یہی احمدیت کے عقائد ہیں تو پھر ہم میں سے ہر ایک کو احمدیت سے انکار ہے۔ خیر یہ تو اعتقادی باتیں ہیں۔ ان کو اگر بالکل الگ کر دیا جائے تو یہی عامہ رویہ اور طریق عمل اگر سلسلہ احمدی کے ہیڈ کا ہی ہے جو لندن میں میاں صاحب موصوف سے ظاہر ہوا۔ اور انگلستان میں اگر احمدی ہونے کے معنی میاں صاحب کی اتباع ہے اور اس وقت یہی ہے، تو ایک ذاتی وقار اور خود عزتی کا جو خواہاں انسان اپنی خودداری اور شہرت کو سامنے رکھ کر احمدی کہلانا اگر اپنے لئے پسند نہ کرے، تو وہ بالکل حق بجانب ہے۔

میرے اور میرے چند احباب کو، جو خواجہ نذیر احمد کے کیریکٹر مخصوص سے واقف ہیں۔ اور اس کے عقائد کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں، میاں صاحب کے بیان زیر بحث سے یہی خیال ہوا کہ اس کے انکار احمدیت

کے یہی وجوہ بالا ہوں گے۔ بہرحال میں نے خواجہ نذیر احمد کو لکھا اور میاں صاحب کے اس بیان کے متعلق اس سے بذریعہ تار جواب چاہا۔ میرا خط اسے پچھلے ہفتے ملا ہوگا جس کے جواب میں اس نے مجھے جن الفاظ میں بذریعہ تار اطلاع دی، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ میاں صاحب کا یہ بیان غلط ہے۔ تار کے الفاظ نہایت سخت ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ نذیر احمد نے سخت اشتعال میں یہ تار دی ہے۔ بہرحال میں پسند نہیں کرتا کہ ان برہنہ الفاظ کو اپنے پیرزادے کے متعلق شائع کروں۔ یہ میرے طریق کے خلاف ہے کہ میاں صاحب کے خلاف غیر ملائم الفاظ لکھوں۔ البتہ اس تار کا صحیح مفہوم نرم الفاظ میں یہی ہے کہ میاں صاحب کی غلط فہمی کا کوئی موقع نہیں، ان کی یہ غلط بیانی ارادتاً ہے۔ تار مذکورہ حضرت قبلہ مولوی محمد علی صاحب اور دیگر احباب نے دیکھ لی ہے۔ والسلام

خواجہ کمال الدین صاحب

مورخہ 10 ستمبر

☆☆☆

خواجہ نذیر احمد صاحب کی طرف سے ذیل کی تار آج ہی میرے نام پہنچی ہے:

''میں مرزا صاحب کو مجدد مانتا ہوں'' اس کے ساتھ ہی یہ بھی ذکر ہے کہ میاں محمود احمد صاحب نے غلط بیانی کی ہے، جس سے اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے جو خواجہ نذیر احمد صاحب کے متعلق میاں محمود احمد صاحب کا یا ان کے کسی سیکرٹری کا بیان شائع ہوا ہے کہ انہوں نے احمدی ہونے سے انکار کیا ہے۔

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

21 دسمبر 1924ء

قسط اول

اسلام اور جمہوریت

حضرت امیر ایدہ اللہ کی تقریر دل پذیر

جو حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج لاہور میں 15 دسمبر 1924ء کی شام کو ہوئی

جمہوریت کے دو معنی

حضرات ! جو مضمون اس وقت میرے سامنے ہے، اس کا عنوان ہے ''اسلام اور جمہوریت''۔ جمہوریت کا لفظ دو طرح پر یا دو معنی پر استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو اس کے محدود معنی ہیں۔ جو نظام حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی بادشاہت کی کوئی طرز مخصوص جمہوریت کہلاتی ہے اور وہ طرز وہ ہے جس میں خود لوگ (یعنی رعایا) اپنے آپ پر حکومت کرنے والے ہوں۔ یہ تو وہ معنی ہیں جو نظام حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک اور وسیع معنی ہیں۔ پولیٹکل اینڈ سوشل ایکویلیٹی (POLITICAL AND SOCIAL EQUALITY) یعنی ملکی اور معاشرتی مساوات۔

جمہوریت کی بنیاد مساوات انسانی پر

فی الحقیقت اگر غور کیا جائے تو وہ نظام حکومت جس کو جمہوریت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کی بنیاد ہی اس مساوات پر ہے۔ جب تک پہلے مساوات انسانی کو قائم نہ کیا جائے، اس وقت تک حکومت کے اندر بھی جمہوریت کا صحیح رنگ پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ ایک جمہوریت عامہ ہے جس سے مراد مساوات انسانی ہے اور ایک خاص جمہوریت، جو نظام حکومت سے تعلق رکھتی ہے، جمہوریت عامہ بنیاد ہے، حکومت کی جمہوریت کی۔ اس لیے میں قبل اس کے کہ اس حصہ کو لوں جو نظام حکومت سے تعلق رکھتا ہے، اول اس حصہ کو لوں گا جو اس کی بنیاد ہے۔ یعنی جمہوریت عامہ یا مسلمانوں کی مساوات۔

جمہوریت عامہ

مسلمانوں میں جو جمہوریت حکومت کے رنگ میں قائم ہوئی تھی، وہ بہت تھوڑا عرصہ چلی۔ غالباً رسالت مآب ﷺ کے تیس سال بعد تک یہ سلسلہ چلا۔ یعنی خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں۔ اس کے بعد قریباً مفقود ہو گیا۔ اگرچہ تاریخ اسلام میں ایسے زمانے بھی آئے ہیں۔ جب اس جمہوریت کا پھر اعادہ ہوا ہے۔ لیکن ایسی حالت بہت تھوڑی دیر تک رہی ہے۔ مگر جو جمہوریت عامہ اسلام نے قائم کی تھی، جو مساوات انسانوں میں اس نے قرار دی تھی، اس کا بڑا حصہ آج تک چلا آیا ہے۔ حکومت کی جمہوریت گو مسلمانوں میں نہ رہی، مگر اس کی بنیاد آج تک قائم ہے۔ قرآن کریم نے جو پہلا کام کیا ہے، وہ اسی جمہوریت عامہ کا قیام تھا۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ابتدائی سورتوں میں بھی اس جمہوریت کا ذکر ہے، جو نظام حکومت سے تعلق رکھتی ہے، لیکن قرآن کا اصل منشا جمہوریت عامہ کو قائم کرنا تھا۔

جمہوریت عامہ کی بنیاد توحید الٰہی پر

اس کے لیے سب سے پہلی بات جو بنیاد کے طور پر اس نے رکھی، وہ ہے توحید انسانی، مساوات یا جمہوریت عامہ کی بنیاد توحید پر ہے۔ توحید کا مسئلہ گو بظاہر خدا کی ذات سے تعلق رکھتا ہے، لیکن انسانی مساوات کے ساتھ بھی اسے بہت بڑا تعلق ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ مساوات، جو انسانوں کے لیے قائم کی گئی، اس کی بنیاد اسی کے اوپر ہے۔ جس رنگ میں توحید کو قرآن کریم نے منوایا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کو ایسی ہستی ٹھہرایا گیا کہ وہ ایک طرف ایک خدا کی عبادت کرتا، یعنی اس کے سامنے غایت درجہ کا تذلل اختیار کرتا ہے اور دوسری طرف تمام مخلوقات پر حکمران ہے۔ انسان ایک خدا کے ماتحت اور تمام مخلوق پر حاکم ہے۔ توحید کی تعلیم دینے میں اسلام نے شرف انسانیت کو قائم کیا ہے۔ اسلام کیوں کسی بت کے آگے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا؟ کیوں کسی قدرت کی طاقت کے آگے گرنے سے منع کرتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ خدا کا اس سے کچھ بگڑ جاتا ہے، بلکہ اس لیے کہ انسان کو ان سے اشرف بنایا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (4:95) یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے اور فرمایا: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (13:45) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (فضل) سے تمہارے کام پر لگایا۔

چنانچہ خدا نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے، وہ اس لیے پیدا نہیں کیا کہ اس کے آگے گر کر اپنے آپ کو ذلیل کرو بلکہ وہ اس لیے ہے کہ تم اس پر حکمرانی کرو اور اس کو استعمال میں لا کر فائدہ اٹھاؤ۔

شرک کے دو پہلو

ایک طرف اس بات کو قائم کیا کہ انسان کو کل مخلوقات پر حاکم بنایا گیا ہے اور دوسری طرف ایک خدا کو منوا کر سب انسانوں میں مساوات قائم کی۔ شرک کے درحقیقت دو ہی پہلو ہیں۔ یا عبادت ان چیزوں کی جو انسان کے علاوہ خدا نے پیدا کی ہیں یا عبادت انسان کی۔ ہندو مذہب میں زیادہ تر نیچر ورشپ (قدرت کی طاقتوں کی پرستش) پر زور ہے۔ وہ قدرت کی چیزوں کو اپنے آپ سے بالاتر سمجھ کر گر گئے۔ اس کو دور کرنے کے لیے یہ تعلیم دی گئی: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (13:45) دیکھو یہ جو کچھ نیچر کے اندر نظر آتا ہے، تم اس کو اپنے ماتحت لا سکتے ہو، ان سے کام لے سکتے ہو، ان پر حکومت کر سکتے ہو، ان کو اپنے اوپر حاکم نہیں بنا سکتے۔ دوسرا پہلو شرک کا انسان کی عبادت ہے۔ جس پر عیسائی قوم عامل ہے۔ عیسائی قوم فی الحقیقت گو تین میں ایک اور ایک میں تین کہہ کر ایک خدا کی عبادت کا دعویٰ کرتی ہے، لیکن اصل میں یہ انسان کی پرستش ہی ہے۔

اسلام نے شرک سے کیوں منع کیا

اس کو بھی اسلام نے دور کیا۔ اور اس دور کرنے میں یہ تعلیم دی کہ تمام انسان یکساں ہیں ان میں کوئی ایسا نہیں کہ ایک اپنی کوشش کے ساتھ کمال کو پہنچ سکتا ہے اور دوسرا نہیں پہنچ سکتا۔ کوئی کمال ایسا نہیں جس کو ایک انسان کوشش کے ساتھ پالے اور دوسرا اس کو نہ پا سکے۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے اور اس میں نمونہ کے طور پر خود ہمارے نبی کریم ﷺ کو پیش کیا ہے۔ فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (110:18) اے محمدؐ! تم تمام دنیا کو سنا دو کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ سوائے اس کے نہیں کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا اِللہ ایک ہی معبود ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب سے ملنا چاہتا ہے، اسے چاہیئے کہ عمل صالح بجالائے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

مقامات عالیہ کا حصول مساوات سے

رسول اللہ ﷺ کے منہ سے یہ کہلوانے میں کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ اسلام نے انسانوں کو وہ بلند پیغام دیا ہے، جس کے ساتھ ان کے عزم اوران کی ہمتیں ترقی کر کے عروج کو پہنچ سکتی ہیں۔ یہ مساوات تھی جو انسانوں کے اندر قائم کر کے بتا دیا کہ کوئی انسان ایسا نہیں کہ وہ کوشش کر کے ان مقامات عالیہ تک نہیں پہنچ سکتا، جن کے لیے ہمارے نبی کریم ﷺ کو نمونہ بنایا گیا۔

ایک غلطی کا ازالہ

اس جگہ بعض لوگوں کو یہ غلطی لگ جاتی ہے کہ وہ نبوت کو بھی انہی کمالات میں سے سمجھ لیتے ہیں، جن کو انسان اپنی کوشش سے حاصل کرتا ہے۔ فی الحقیقت نبوت جو نبی کریم ﷺ کو دی گئی، وہ وہبی طور پر دی گئی۔ وہ کسی کوشش کا نتیجہ نہ تھی۔ کوئی اکتساب نہ تھا، بلکہ موہبت تھی۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے انسان کے اندر بعض استعدادیں موہبت کے طور پر ہوتی ہیں۔

مسیح اور آنحضرتؐ کا نمونہ

اس کے سوا جو کمالات ہیں، ان کے لیے نبی کریم ﷺ کا نمونہ کام دے سکتا ہے۔ اور ہم کم از کم اس کو بطور نصب العین سامنے رکھ کر ترقی کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت مسیحؑ کو خدا بنایا ہے، وہ کبھی ان کو نمونہ قرار نہیں دے سکتے۔ خدا اور انسان میں استعداد کا فرق ہے اور اس لیے انسان خدا کی پیروی نہیں کر سکتا۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ خدا نہیں بلکہ بشر ہیں، اس لیے ان کے نمونہ کی پیروی ہم آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔

نسل انسانی میں مساوات

پھر قرآن کے اندر ایسی مساوات انسانوں میں رکھی ہے کہ فرمایا: **يَآَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** (1:4) اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ کرو، جس نے تم سب کو، خواہ ہندو ہو یا مسلمان، کالے ہو یا گورے، ایشیائی ہو یا یورپین ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ پس جب **مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ** (1:4) سے پیدا

کیا ہے تو ان میں مساوات پائی گئی۔ ایسا ہی دوسری جگہ فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (13:49) یعنی سب لوگوں کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ پھر ان کو قومیں اور شاخیں بنایا۔ وہ کوئی تمہارے اندر مرتبہ کا امتیاز پیدا نہیں کرتے بلکہ صرف شناخت کے لیے یہ نام رکھے گئے ہیں۔ جیسے تم انسانوں کے نام شناخت کے لیے رکھ لیتے ہو۔ نام رکھنے سے کوئی بڑا نہیں بن جاتا خواہ تم کتنا بڑا نام رکھ لو۔ ایک شخص کا نام تم شمس الدین رکھ لو یعنی دین کا سورج۔ لیکن اس سے وہ فی الحقیقت کوئی بڑا بلند مرتبہ آدمی ثابت نہیں ہوتا۔ یہ صرف شناخت کے لیے نام رکھا۔ ایسا ہی قوموں کے نام بھی شناخت کے لیے ہیں۔ اور خدا کے نزدیک بڑا آدمی وہی ہے جو سب سے بڑھ کر تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ اس کے اور اس کی مخلوق کے حقوق کو سب سے بڑھ کر ادا کرتا ہے۔ غرض سب سے بڑی بات، جو اسلام نے قائم کی، وہ ہے سب کے اندر مساوات قائم کرنا، تا وہ جمہوریت کے لئے بنیاد ٹھہرے۔

مساوات کی تین ضروری مثالیں

میں اس جگہ دو مثالوں سے تشریح کروں گا کہ کس قسم کی مساوات اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہ مثالیں میں قرآن میں سے ہی دوں گا۔ ان میں سے ایک کا ذکر سورہ عَبَسَ (80) میں ہے۔ ایک مجلس تھی جس میں قریش کے بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے اور رسول اللہ ﷺ کچھ ان کو سمجھا رہے تھے۔ ایک نابینا ابن ام مکتوم آئے اور نبی کریم ﷺ سے کوئی سوال کیا۔ چونکہ نبی کریم ﷺ بڑے بڑے رؤسا کے ساتھ باتیں کر رہے تھے، اس لیے اس کے یوں دخل دینے سے آپ کے چہرہ پر کسی قدر ناپسندیدگی کے آثار نمایاں ہوئے اور آپ ابن ام مکتوم سے توجہ پھیر کر انہی سے ہی باتیں کرتے رہے۔ جس سے خداوند عالم کی طرف سے یہ الفاظ نازل ہوئے: عَبَسَ وَتَوَلّٰی. اَنْ جَآءَ ہُ الْاَعْمٰی. وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰی. اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی. (80:1-4) ماتھے پر تیوری ڈالی اور منہ پھیر لیا۔ اس لیے کہ ایک اندھا آ گیا اور تو کیا سمجھتا ہے۔ شائد اسی کا تزکیہ ہو جائے یا وہ نصیحت حاصل کرے اور وہ نصیحت اسے فائدہ پہنچائے، یعنی بلند مقام پر پہنچائے۔

اسلام نے غریب سے غریب کو بلند مقام پر پہنچایا

فی الحقیقت اس میں بشارت تھی۔ یہ پیغام تھا جو اسلام لے کر آیا کہ غریب سے غریب کو اٹھا کر بلند سے بلند مرتبہ پر پہنچا دیا جائے۔عرب کی قوم کوئی بڑی مہذب قوم نہ تھی۔ وہ کوئی امیر قوم نہ تھی۔عیسائیت میں ان کا کوئی بہت بڑا درجہ نہ تھا۔لیکن اس غریب اور غیر مذہب قوم کو اٹھا کر اس بلند مقام پر پہنچایا کہ اخلاق کے لحاظ سے اور سیاست کے لحاظ سے تمام اقوام پر انہیں فضیلت حاصل ہوگئی۔

ایک عورت کا جھگڑا رسول اللہ ﷺ سے

دوسری مثال جو میں دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک عورت تھی خولہ نام۔عرب میں طلاق دینے کا ایک طریق مروج تھا، جس کو ظہار کہا جاتا تھا۔اس طریق کے مطابق ایک عورت مطلقہ سمجھی جاتی تھی لیکن کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کر سکتی تھی۔ایک صحابیؓ تھے۔جن کی یہ خولہ بیوی تھیں۔انہوں نے کسی بات پر ناراض ہو کر ان کو ایسی ہی طلاق دے دی۔ان کو ماں کہہ دیا۔جس سے عرب کی رسم کے مطابق وہ ان پر حرام ہوگئیں۔ یہ بی بی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔میں ایسی حالت میں کہاں جاؤں؟ آپ نے فرمایا میں یہی سمجھتا ہوں کہ طلاق واقع ہوگئی۔اس پر وہ آپ سے جھگڑنے لگی کہ یہ بہت بڑے ظلم کی بات ہے۔ایک عورت رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کرتی ہے۔ یہ کس قدر بڑی بات ہے۔دیکھو میں اس کو اسلام میں مساوات کی دلیل کے طور پر پیش کرتا ہوں۔اس قدر مساوات رکھی ہے کہ ایک عورت بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جھگڑا کر سکتی ہے!

خدا عورت کی آواز سنتا ہے

غرض ایسی حالت میں کہ وہ جھگڑ رہی تھی، رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ (58:1) خدا نے اس (عورت) کی بات کو سن لیا جو اپنے زوج کے بارہ میں تجھ سے جھگڑتی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔دیکھو کس قدر بڑی بشارت ہے۔ایک عورت جھگڑا کرتی ہے رسول اللہ ﷺ سے اور خدا اس کی بات کو سنتا ہے۔کس قدر بڑا مرتبہ ہے اس عورت کا۔آج

کہتے ہیں قدم قدم پر ایسے شخص کی ضرورت ہے جو خدا سے ملا دے۔ یہ ایک عورت ہے جس کی آواز خدا تک پہنچتی ہے۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ اسلام نے عورت کے اندر روح ہی تسلیم نہیں کی اور بلا شبہ مسلمانوں میں آج عورت کی حالت بہت گرادی گئی ہے لیکن یہ کس قدر بلند مقام ہے کہ اس عورت کی بات کو خدا نے سن لیا!

حضرت عمرؓ کا واقعہ

حضرت عمرؓ کے عہد کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ بازار میں جا رہے تھے۔ بعض اور بھی لوگ ساتھ تھے۔ اُدھر سے یہی حضرت خولہ آ گئیں اور آپ سے کچھ بات کرنا چاہی۔ حضرت عمرؓ ان کو لے کر ایک طرف کھڑے ہو گئے اور وہ دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ آخر جب آپ ان سے علیحدہ ہوئے تو آپ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا۔ یا امیر المومنین! یہ کیا بات ہے کہ ایک بڑھیا کے ساتھ آپ بازار میں باتیں کرنے لگ گئے اور اتنے آدمیوں کو آپ کی انتظار کرنا پڑی۔ فرمایا جانتے نہیں یہ بڑھیا کون ہے؟ یہ وہ عورت ہے جس کی بات کو خدا نے آسمان سے سنا۔ عمر کون ہے کہ اس کی بات کو نہ سنے۔ اس قدر مساوات اسلام نے رکھی ہے کہ کسی قسم کا تفرقہ مرد اور عورت، غریب اور امیر، بادشاہ اور فقیر، دیکھنے والے اور نابینا میں روا نہیں رکھا۔

مساوات کے مختلف پہلو

اب میں اس مساوات کے مختلف پہلوؤں کو لیتا ہوں کہ کن کن پہلوؤں سے اس کو پھیلا کر اس قدر مضبوطی کے ساتھ قائم کیا ہے کہ تیرہ سو سال میں بھی مسلمانوں کی زندگیوں میں سے نہیں نکل سکی۔ ایک بات کو میں یہاں بالخصوص واضح کرنا چاہتا ہوں۔ ایک تو ہے خدا کا کلام۔ بلا شبہ تمام ہدایات خدا کے کلام میں موجود ہیں۔ لیکن اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں عمل میں لا کر نہ دکھاتے، ان کا چنداں فائدہ نہ تھا۔ ایک چیز تعلیم ہے اور دوسرا اس پر عمل ہے۔ قرآن کو اگر رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ عمل میں لا کر نہ دکھاتے، تو یہ محض ایک بڑے فلسفہ کی کتاب ہوتی، جس کے اصول نہایت اعلیٰ درجہ کے ہوتے، لیکن عمل ان پر کوئی نہ کرسکتا۔ اس کی حیثیت انجیل کی اس تعلیم سے بڑھ کر نہ ہوتی، جس میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی تمہاری ایک گال پر طمانچہ مارے تو تم دوسری بھی اس کی طرف پھیر دو۔ لیکن قرآن کی تعلیم ایسی نہیں۔ اس کی ایک ایک بات پر نہ صرف رسول اللہ ﷺ نے بلکہ صحابہؓ نے

بھی عمل کر کے دکھایا۔ اگر قرآن کی صداقت کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو جاؤ نبی کریمؐ اور صحابہؓ کے عمل کو دیکھو۔ صداقتِ اسلام کے لیے تاریخِ اسلام ہی سب سے بڑا گواہ ہے۔

مساوات انسانی سیاسی پہلو سے

میں نے کہا ہے کہ وہ تعلیم جمہوریت کی جو اسلام نے دی، اس کو وہیں پر نہیں چھوڑ دیا گیا، بلکہ مختلف شاخوں میں اسے پھیلا کر عملی لحاظ سے اس کو مستحکم کیا۔ اب میں ان مختلف شاخوں کو لیتا ہوں:

سیاسی مساوات

سیاسی مساوات کیا چیز ہے؟ یکساں حقوق اور یکساں ذمہ داریاں تمام انسانوں پر رکھنا۔ جس طرح انسانوں کو بعض حقوق حاصل ہیں، اسی طرح ان پر بعض ذمہ داریاں بھی ہیں۔ میں اس کی تشریح کر کے بتاتا ہوں کہ کس طرح سے حقوق اور ذمہ داریاں یکساں طور پر سب پر عائد ہوتی ہیں۔ ذمہ داری کے پہلو کی انتہائی صورت حکومت تک پہنچانا ہے۔ سیاسی طور پر بڑی سے بڑی ذمہ داری جو انسان پر عائد ہوتی ہے، وہ سزا کو عائد کرنا ہے اور سیاسی حقوق کا سب سے بڑا مرتبہ حکومت تک پہنچانا ہے۔

سزاؤں میں مساوات

اب اگر سزاؤں کے پہلو کو دیکھیں تو قرآن فرماتا ہے: وَجَزَآؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا. (40:42)۔ ہر ایک بدی کی سزا اس کی مثل ہے۔ خواہ اس کا کرنے والا کوئی ہو۔ ادنیٰ واعلیٰ، آزاد اور غلام کے درمیان اس بارہ میں کوئی امتیاز نہیں رکھا۔ خود رسول اللہ ﷺ جب آخری مرتبہ بیمار ہوتے ہیں، تو آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا کہ اگر کسی کو کوئی تکلیف مجھ سے پہنچی ہے تو مجھ سے اس کا قصاص لے لے۔ وہ امن کا بادشاہ تھا۔ اس نے کسی کو دکھ کیا دینا تھا کہ کوئی آپ سے قصاص لیتا لیکن آپ نے اس سے اپنی ذمہ داری کو بتا دیا اور یہ ظاہر کر دیا کہ اگر آپ نے بھی کوئی دکھ کسی کو دیا ہوتا تو اسے قصاص لینے کا حق تھا۔ پھر ایک شخص چوری کے جرم میں پکڑا گیا۔ کسی نے اس کی سفارش کی کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا

جاتا۔ حضرت عمرؓ کے بیٹے نے شراب پی تو انہوں نے اسے اسی طرح کوڑے لگوائے جس طرح کسی اور کو اس جرم کی سزا دی جاتی۔

حکومت کا حق ادنیٰ انسانوں کو

یہ تو سزاؤں کی صورت ہے۔ اب اس کے بعد دوسرے پہلو کو لیتا ہوں جو انسانوں کے حقوق سے تعلق رکھتا ہے۔ اس بارہ میں انسانوں میں باہم کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ یہاں تک کہ حدیث میں ہے کہ

''اگر ایک حبشی غلام بھی تمہارا حاکم بنایا جائے تو اس کی بھی اطاعت کرو۔''

یہ گویا انتہائی صورت تھی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کو اٹھا کر بلند سے بلند مقام تک پہنچا دیا جائے تو اس کی حکومت کو بھی قبول کرنا ہوگا۔ اس کی کئی ایک مثالیں خود نبی کریم ﷺ کی زندگی میں نظر آتی ہیں۔ آپ نے بڑے بڑے اجلہ صحابہؓ کو ماتحت رکھ کر بعض غلاموں کو ان کا سردار بنایا۔ ایک مہم میں آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید کو فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ ایک موقع پر اسامہ بن زید کو ساری فوج کا سردار بنایا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے صحابہؓ کو اس کے ماتحت رکھا۔ یہ اس لئے کیا کہ سبق سکھا دیا جائے کہ اسلام نے آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں رکھا۔

رائے کے معاملہ میں مساوات

ایسا ہی ایک بڑا عظیم الشان پہلو رائے کا معاملہ ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے رائے کے دینے کا حق سب بڑے چھوٹے کو یکساں دیا۔ یہاں تک کہ جب بعض لوگوں نے نبی کریمؐ کی نافرمانی کی تو ان کو بھی مشورہ سے علیحدہ نہیں کیا۔ احد کی جنگ میں آپ نے فوج کے ایک دستہ کو حکم دیا کہ وہ ایک درہ میں ہی کھڑے رہیں اور خواہ کچھ ہو جائے انہیں وہیں رہنا ہوگا لیکن انہوں نے نافرمانی کی۔ جب ذرا مسلمانوں کا پہلو غالب دیکھا اور دشمن بھاگتا ہوا نظر آیا تو وہ بھی وہاں سے ہٹ کر دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن نے عقب کی طرف سے اس درّہ میں سے ہو کر حملہ کیا۔ اس سے مسلمانوں کو بہت سخت نقصان پہنچا، بہت سے صحابہؓ شہید ہو گئے، حضرت حمزہؓ بھی شہید ہو گئے۔ خود رسول اللہ ﷺ کو سر میں زخم لگا اور دانت بھی شہید ہوئے۔ لیکن باوجود اتنی بڑی غلطی کے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ قرآن میں یہ ارشاد الٰہی نازل ہوا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (159:3)۔ پس ان کو معاف کر دو اور ان کے لئے مغفرت مانگو، اور معاملات میں ان سے رائے بھی لیتے رہو۔

کس قدر بڑی بات ہے ان پر کوئی عتاب وارد نہیں کیا۔ یہ بھی نہیں کہ رائے کے حق سے ہی انہیں محروم کر دیا جاتا۔ سیاسی حقوق میں سے یہ ایک ایسا عظیم الشان حق قرآن نے مسلمانوں کو دیا ہے، جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جس پر بڑی بڑی مہذب قومیں بڑی مشکل سے پہنچی ہیں۔ ہندوستان میں تو خدا جانے کب وہ دن دیکھنا نصیب ہو۔ جب حکومت میں آزادی رائے کا حق حاصل ہو۔ آنحضرتؐ سب سے مشورہ لے لیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک شخص تھا۔ عبداللہ بن ابی اس کو رئیس المنافقین سمجھا جاتا تھا۔ لیکن پھر بھی جب مشورہ ہوتا تو وہ بھی اپنی رائے دیتا تھا اور آنحضرتؐ اس کی رائے کو بھی لے لیتے تھے۔ یہ ایک پہلو مساوات کا ہے۔

حصولِ مال میں مساوات

دوسرا پہلو ہے حصول مال میں مساوات۔ اس میں بھی اسلام نے سب کو موقع دیا۔ مرد بھی اور عورت بھی حصولِ مال میں ایک جیسا حق رکھتی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (32:4) مردوں کے لیے اس سے بہرہ ور ہونا ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کے لیے اس سے بہرہ ور ہونا ہے جو وہ کمائیں۔

یہ تو اکتساب مال کی حالت ہے۔ ایک اور طرح بھی انسانوں کو مال آتا ہے۔ ایک وہ مال ہے جس کو انسان خود کوششیں کر کے کماتا ہے اور ایک ورثہ کے طور پر اسے ملتا ہے۔ ورثہ کے طور پر جو مال آتا ہے اس میں بھی قرآن کریم نے مساوات کو قائم کیا ہے۔

یورپ کا قانون اور اسلامی وراثت

آج بہت سے مسلمان غلطی سے یورپ کے قانون کو دیکھ کر اس بات پر معترض ہوتے ہیں کہ اسلام نے

کیوں جائیداد کو تقسیم کرنا ضروری ٹھہرایا ہے۔ کیوں یورپ کی طرح خاندان کے بڑے آدمی کو تمام جائیداد کا حق دار نہیں ٹھہرایا۔ وہ کہتے ہیں ایک شخص نے مثلاً دس لاکھ کی جائیداد پیدا کی۔ اب وہ مرجاتا ہے تو وہ جائیداد اسلامی قانون کی رو سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔ اسلام نے کیوں یہ نہ کیا کہ ایک ہی شخص کے حوالے وہ جائیداد کر دی۔ تا کہ وہ ویسی کی ویسی ہی بنی رہے۔ یہ اس لیے نہ کیا کہ اسلام کی تعلیم کی بنیاد جمہوریت پر ہے۔ سب کا برابر کا حق ہے کہ باپ کی جائیداد سے فائدہ اٹھائیں۔ جس طرح سے وہ اس کی زندگی میں اس کی جائیداد سے یکساں طور پر پرورش پاتے ہیں، ویسے ہی اس کے مرنے کے بعد اس کے مال کے حصہ دار ہیں۔ یہ بھی مال کے حصول میں اس مساوات کا ایک ثبوت ہے جو اسلام نے دی ہے۔

حصول علم میں مساوات

ایک اور پہلو مساوات کا ہے، جس میں بہت سی قومیں ناکام رہ گئی ہیں۔ وہ مساوات ہے حصولِ علم میں۔ حصولِ علم میں حصول علم دین کو مَیں لیتا ہوں۔ یہ اس لیے نہیں کہ علم دین کے سوا اور علوم کو میں ضروری نہیں سمجھتا بلکہ اس لیے کہ علم دین سے ہی بعض حصوں کو محروم کیا گیا اور اسے خاص خاص لوگوں کی جائیداد بنا دیا گیا۔ جیسے ہندوستان میں برہمنوں اور پروہتوں کی جماعت ہے اور یورپ میں پادریوں کی جماعت ہے۔ قرآن نے اس کے بالمقابل یہ بتایا کہ ہر وہ حصہ جو قرآن کا نازل ہوتا ہے، وہ ہر ایک مسلمان کی جائیداد ہے اور کوئی شخص اس سے محروم نہیں کیا جا سکتا، اس طرح سے اسلام نے پروہت اور ملا اور پادری کے وجود کو بالکل اڑا دیا ہے۔

اسلام میں ہر شخص مولوی بن سکتا ہے

آپ کہیں گے کہ ملاں تو ہم میں موجود ہیں لیکن ملاّ اس طرح کا گروہ نہیں جیسے پروہت اور پادری ہیں بلکہ ہر ایک مسلمان ملا بن سکتا اور ہر ایک مسلمان مولوی بن سکتا ہے۔

بہشت کی کنجیاں ہر ایک کی جیب میں

عیسائی مذہب میں ایک بہت بڑا آدمی گزرا ہے جس کو عیسائیت کے کونے کا پتھر کہنا چاہئیے۔ یعنی پطرس

(پطرس) کے معنی ہی پتھر کے ہیں۔حضرت مسیحؑ نے بہشت کی کنجیاں اس کے حوالے کر دیں۔لیکن اسلام میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کے حوالے بہشت کی کنجیاں کی گئی ہوں۔بہشت کی کنجیاں ہر ایک شخص کی جیب میں ڈال دی گئی ہیں اور وہ ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

بڑوں کی غلطی کی اصلاح

ہاں! اسلام کا سب سے بڑا انسان رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکر صدیقؓ ہے۔کیا بلحاظ خدمات اور کیا بلحاظ تعلقات قرابت اور دوستی کے،ان کا درجہ باقی صحابہؓ پر فائق ہے۔لیکن رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کو خلافت کے لئے منتخب کیا گیا تو سب سے پہلی تقریر جو آپ نے فرمائی،اس میں فرمایا کہ لوگو میں متبع ہوں۔متبوع نہیں

فَاِذَا اَحۡسَنۡتُ فَاعِیۡنُوۡنِیۡ وَاِنۡ اَنَا زِغۡتُ فَقَوِّمُوۡنِیۡ (تاریخ الخلفاء از جلال الدینؒ سیوطی) میں اگر اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر میں ٹیڑھا چلوں تو مجھے سیدھا کرو۔

یہ ہے اسلام کے اندر مساوات کہ اتنا بڑا انسان ہو کر ان لوگوں کی تابعداری اختیار کرتے ہیں،یہی کہتا ہے کہ اگر مجھے غلطی کرتا دیکھو تو سیدھا کرو۔اس لیے ٹیڑھا کیا چلنا تھا جس نے خود رسول اللہ ﷺ کی گود میں پرورش پائی! آپ کی تربیت میں تمام عمر رہا لیکن دل میں جوش یہی ہے کہ قوم سیدھی راہ پر چلے اور بڑے سے بڑے انسان کی غلطی کی اصلاح کے لیے تیار رہے۔

فقاہت میں مساوات

حصول علم میں مساوات سے بھی بڑھ کر ایک اور مساوات ہے۔وہ ایک بڑا نازک مسئلہ ہے فقاہت کا۔اسلام فقاہت کا حق بھی ہر ایک انسان کو دیتا ہے۔بار بار قرآن نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہیں آتا ہے اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (2:44) اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ (4:82) اور کہیں آتا ہے لَوۡ كُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ (67:10) عقل،فکر اور تدبر سے کام لینے اور فقاہت کرنے کی اس نے ترغیب دلائی ہے اور اس فقاہت کو بھی کسی خاص طبقہ سے مخصوص نہیں کیا بلکہ سب کو اس کا حق دیا ہے۔آج کے دن لوگوں کو یہ بہت بری بات معلوم ہوگی۔جب یہ حالت ہوگئی ہے کہ ہم یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ فقاہت کا زمانہ چلا گیا اور پہلے لوگ جو کچھ کر گئے وہی

کافی ہے۔

ایک بڑھیا عورت اور حضرت عمرؓ

لیکن دوسری طرف اسلام نے فقاہت کو یہاں تک عام کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اس وقت، جب مسلمان نکاحوں میں بڑے بڑے مہر دینے لگے سب کو اکٹھا کرتے ہیں اور خطبہ دیتے ہیں کہ اے لوگو! آئندہ جو کوئی تم میں چارسو درہم سے بڑھ کر مہر مقرر کرے گا، اس کے روپیہ کو میں بیت المال میں داخل کروں گا۔ کس قدر اچھی بات تھی اور بظاہر مسلمانوں کے بھلے کی بات کہی! آپ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں سادگی پیدا ہو جائے۔ لیکن جب آپ خطبہ دے کر منبر سے اترے، اس کے بعد ایک بڑھیا اٹھی اور یوں مخاطب ہوئی۔ یا ابن الخطاب! یا امیر المومنین بھی نہیں کہا بلکہ ابن خطاب کر کے پکارا:

> اَنۡتَ تَمۡنَعُنَا وَ اللّٰهُ يُعۡطِيۡنَا تو ہمیں روکتا ہے اور اللہ ہمیں دیتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ آیت پڑھ دی: اٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـًٔا (20:4)۔ اگر تم عورتوں کو ڈھیروں ڈھیر مال بھی دے دو تو اُن سے کوئی چیز واپس نہ لو۔

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ حضرت عمرؓ دوبارہ منبر پر چڑھتے ہیں۔ کسی آج کل کے ملا کی طرح نہیں کہ کہیں اے بڑھیا! تو کون ہے قرآن کے جاننے والی۔ ہم نے تمام عمر قرآن کے پڑھنے میں صرف کی۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن سیکھا۔ تو کہاں سے قرآن جاننے والی آ گئی؟ معلوم ہوا کہ دین کے مسئلہ میں اجتہاد اور فقاہت کی ایک بڑھیا کو بھی جرأت ہے۔ اس کا بھی حق ہے کہ ایک مسئلہ کو اگر غلط سمجھتی ہے تو اس کا اظہار کرے۔ یہی جرأت اسلام نے دلائی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔ اے لوگو! میں نے غلط کہا جو کہا۔ نِسَآءُ الۡمَدِيۡنَةِ اَفۡقَهُ مِنۡ عُمَرَ مدینہ کی عورتیں عمر سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔

ایسا ہی حضرت عائشہؓ کی زندگی پر نظر ڈالیں۔ بڑی عظیم الشان فقاہت انہیں حاصل ہے۔ انہوں نے جس قدر مسائل بیان کئے ہیں وہ سب فقاہت کا رنگ رکھتے ہیں۔ ان کی فقاہت کے بڑے بڑے جلیل القدر صحابی قائل ہیں۔ غرض فقاہت کا دروازہ اس قدر اسلام نے کھولا ہے کہ چھوٹا اور بڑا، مرد اور عورت سب اس کا حق

رکھتے ہیں۔ ہر ایک شخص جو علم رکھتا ہے وہ فقاہت بھی کر سکتا ہے۔اس قدر مساوات اور جمہوریت کسی نے پیدا نہیں کی اور پیدا کیا کرنی تھی جبکہ ان میں علم ہی ایک خاص طبقہ تک محدود ہے۔(جاری)

24 دسمبر 1924ء

قسط دوم

اسلام اور جمہوریت

حضرت امیر ایدہ اللہ کی تقریر دل پذیر جو حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج لاہور میں 15 دسمبر 1924ء کی شام کو ہوئی

یہ وہ جمہوریت عامہ ہے جس پر اسلام کی ساری بنیاد ہے۔لیکن جمہوریت جیسا کہ میں نے پہلے بتایا مخصوص ہے نظام حکومت سے۔اب میں اس خاص جمہوریت کو لیتا ہوں۔نظام حکومت کی جمہوریت میں دو باتیں ہیں۔ایک ہے لوگوں کا آپ اپنے اوپر حکومت کرنا اور دوسرے قانون کی سب پر فوقیت۔اب میں پہلی بات کو لیتا ہوں۔

حکومت قوم کی ہو نہ کہ افراد کی

بادشاہ قوم ہو نہ کہ کوئی خاص شخص۔اس کو قرآن کریم نے خود کھول کر بیان کیا ہے۔ایک جگہ موسیٰؑ اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

یٰقَوۡمِ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا

اے قوم! اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم میں نبی پیدا کیے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ (20:5)

اس میں دو باتیں یاد دلائی ہیں۔ **جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا** (20:5)، حالانکہ طرز کلام یہی چاہتی تھی کہ اگر افراد کی بادشاہت ہوتی۔تو جس طرح کہا تھا **جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ** (20:5) اسی طرح فرماتا **جَعَلَکُمۡ فِیۡکُمۡ مُّلُوۡکًا** (20:5)، لیکن بادشاہت چونکہ افراد کے ساتھ تعلق نہ رکھتی تھی، اس لیے فرمایا: **جَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا** (20:5) تمہیں بادشاہ بنایا۔یہی حقیقت ہے جس پر قرآن نے زور دیا ہے۔چنانچہ جہاں مسلمانوں کو وعدہ دیا خلافت کا،

وہاں بھی فرمایا:

> لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِي الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ (55:24) ان کو (یعنی مسلمانوں کو) زمین میں بادشاہ بنائے گا، جیسے پہلوں کو بادشاہ بنایا اگرچہ مسلمان قوم کی بادشاہت قرار دی۔ اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے: ثُمَّ جَعَلۡنٰكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِي الۡاَرۡضِ (14:10) پھر تمہیں زمین میں بادشاہ بنایا۔

غرض اس کو قرآن نے نہایت صراحت کے ساتھ قائم کیا ہے کہ حکومت قوم کی ہوگی نہ کہ شخصی۔ چنانچہ خلفاء راشدین کے وقت بادشاہت ابوبکرؓ کی نہ تھی بلکہ عرب کی تھی۔ عمرؓ کی بادشاہت نہ تھی بلکہ عرب کی تھی۔ عثمانؓ اور علیؓ بادشاہ نہ تھے بلکہ عرب قوم بادشاہ تھی۔

حکومت قانون کی ہے نہ کہ اشخاص کی

دوسری بات، جو حکومت کا رنگ رکھتی ہے، یہ ہے کہ حکومت قانون کی ہے نہ کہ اشخاص کی۔ اس بات کو قرآن کریم نے بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، فرمایا:

> يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِي الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِيۡ شَيۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ (59:4) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔ اگر جھگڑا ہو جائے تو اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹادو۔

اولی الامر سے مراد وہی ہیں جو قانون نافذ کرنے والے ہوں۔ اب دیکھو اللہ اور رسولؐ اور اولی الامر تینوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ ان تینوں میں فرق کیا ہے؟ اللہ اور رسول کی ایک حیثیت ہے۔ اور اولیٰ الامر کی دوسری حیثیت۔

قانون نافذ کرنے والوں سے تنازعہ

قانون نافذ کرنے والوں کے ساتھ جھگڑا ہو سکتا ہے اور اس کا فیصلہ کس طرح ہو گا۔ کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے۔ مسلمانوں کے قانون کے ماخذ یہ دو ہی ہیں۔ قرآن کریم اور حضرت نبی کریم ﷺ کی سنت و حدیث۔ تو فرمایا تم بادشاہ کے ساتھ بھی جھگڑا کر سکتے ہو۔ یہ بڑی عظیم الشان بات ہے کہ حکام اور بادشاہ کے ساتھ ایک معمولی آدمی بھی جھگڑ سکتا ہے۔ بادشاہ کی اطاعت کے لیے اسلام نے ایک ہی شرط لگائی ہے:

لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰہِ جہاں اللہ تعالیٰ کی معصیت ہوتی ہو وہاں اطاعت نہیں ہو سکتی۔

اولی الامر قانون کے ماتحت ہے

قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ حاکم یا بادشاہ کے اوپر اسی طرح نافذ ہیں، جس طرح ایک معمولی انسان کے اوپر۔ ابھی میں نے مثال دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے آپ کو بھی قانون کے ماتحت کیا ہے۔ ایسا ہی حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

فَاِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کرو۔

غرض جمہوریت کے قائم کرنے میں یہ ایک بڑا عجیب اصول قرآن نے رکھا ہے کہ حاکم وقت کتاب اللہ سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف نہیں جا سکتا۔ اور اگر وہ کسی ایسی بات کا حکم دے تو ایک معمولی انسان بھی اس سے جھگڑا کر سکتا ہے۔ پس اسلام میں حکومت قانون کی ہے نہ قانون کے نافذ کرنے والوں کی۔

قرآن حدیث پر مقدم ہے

اس آیت میں الفاظ کی ترتیب عجیب ہے۔ فرمایا:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (59:4) اللہ کی اطاعت کرو۔ رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔

اگرچہ اللہ کی اطاعت کو ایک جگہ رکھا اور رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کو ایک جگہ۔ لیکن جھگڑا اولی الامر کے ساتھ

ہوسکتا ہے۔ رسول کے ساتھ جائز نہیں رکھا۔ مگر اللہ کو پہلے رکھا ہے اور رسول کو اس کے بعد۔ اس لیے پہلی بات جو فیصلہ کرنے والی ہے وہ قرآن ہے۔ پس قانون میں قرآن کا مرتبہ سب سے پہلے ہے، حدیث اس کے بعد۔ بلا شبہ میں بھی مانتا ہوں کہ بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ لیکن بعد کتاب اللہ ہی ہے۔ کتاب اللہ کے برابر نہیں کہ یہ کتاب اللہ نہیں۔ اس لیے اگر اس میں کتاب اللہ کی کوئی مخالفت ہوگی تو اس کو غلطی قرار دیں گے۔ نہ یہ کہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر اسے اختیار کر لیں گے۔ کسی بزرگ غالباً امام رازیؒ نے ایک لطیف بات لکھی ہے کہ یہ جو بخاری میں ہے لَمْ یَکْذِبْ اِبْرَاھِیْمُ اِلَّا ثَلٰثًا یعنی حضرت ابراہیمؑ نے تین دفعہ جھوٹ بولا۔ تو اس میں یہ مشکل ہے کہ کیا راوی کو سچا مانیں اور قرآن کو جھوٹا قرار دیں۔ یا قرآن کو سچا سمجھیں اور راوی کو جھوٹا۔ وہ کہتے ہیں اس سے بہتر ہے کہ راوی کی غلطی قرار دیا جائے۔ بجائے اس کے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جھوٹا ٹھہرایا جائے۔ جن کو قرآن صِدِّیْقًا نَّبِیًّا (41:19) قرار دیتا ہے۔ کتاب اللہ کا ایک ایک حرف محفوظ ہے مگر حدیث کے الفاظ محفوظ نہیں۔ بلکہ راوی نے جو خود سمجھا اس کو بیان کیا۔ روایت بالمعنی حدیث میں موجود ہے۔ قرآن نزول کے ساتھ لکھا جاتا اور حفظ کیا جاتا تھا لیکن حدیث لکھی نہ جاتی تھی اور نہ اس کے حفظ کرنے کا کوئی سامان تھا۔ بلکہ صرف مفہوم کو بیان کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے بیشک بڑی محنت کی جنہوں نے حدیث کو چھانٹا۔ ان کی محنتوں کی ہمیں قدر کرنی چاہیئے۔ لیکن پھر بھی وہ انسان تھے، غلطی سے پاک نہ تھے۔ اس لیے اگر کوئی حدیث یہ کہے کہ اس قرآن کے اندر کوئی آیت ہوتی تھی اور وہ اب قرآن میں نہیں، تو وہ حدیث ہرگز ماننے کے قابل نہیں۔ کوئی ہمارے بزرگ، خواہ وہ کتنے بڑے بزرگ کیوں نہ ہوں، اگر یہ فرمائیں کہ کوئی زانی کے رجم کی آیت اس قرآن میں تھی جو اب نہیں ہے تو وہ ہرگز تسلیم کرنے کے لائق نہیں۔ بلا شبہ قانون کتاب اللہ اور حدیث دونوں ہیں۔ لیکن کتاب اللہ مقدم ہے اور اس کے بعد حدیث رسول اللہ ﷺ کا درجہ ہے۔ معاذ بن جبلؓ کی حدیث کو پڑھ کر دیکھو۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو حاکم یمن بنا کر بھیجا تو ان سے پوچھا کہ فیصلہ کس طرح سے کرو گے تو انہوں نے کہا کہ اول قرآن کو رکھوں گا۔ اگر کوئی بات قرآن کے خلاف پاؤں تو اسے چھوڑ دوں گا لیکن اگر قرآن کی کسی نص سے فیصلہ نہ ہو سکے تو حدیث سے فیصلہ کروں گا۔ اس کے بعد اجتہاد سے کام لوں گا۔ آپؐ نے اس کو پسند فرمایا۔ ان لوگوں کی، جنہوں نے حدیث کو جمع کیا، محنتوں اور کوششوں کی تحقیر مت کرو۔ لیکن انہیں قرآن پر مقدم بھی نہ کرو اور قرآن کو بہر حال سب پر مقدم کرو۔

حکومت کی بنا شوریٰ پر

تو دو باتیں میں نے کہیں کہ بادشاہت قوم کی ہے افراد کی نہیں۔ اور دوسرے حکومت قانون کی ہے نہ کہ اشخاص کی۔ اب تیسری بات بتاتا ہوں جس کو قرآن نے صراحت سے بیان کیا ہے۔ حکومت کا اصول یہ ہے کہ مشورہ سے ہو۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:

> وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّارَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (38:42) وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو مانتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور ان کے تمام معاملات مشورہ سے طے ہوتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔ یہاں شوریٰ کو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان رکھ کر اس کی اہمیت کو بتا دیا اور حکومت کا نظام ہی مشورہ پر مبنی قرار دیا۔

پارلیمنٹ کا اصول قرآن نے ہی مذہب میں داخل کیا

پارلیمنٹ کا اصول اگر صفائی کے ساتھ کسی کتاب نے مذہب کے اصول میں داخل کیا تو وہ قرآن کریم ہی ہے۔ اور اس وقت جبکہ پارلیمنٹ کو کوئی جانتا بھی نہ تھا، اس کو اختیار کر کے اصل جمہوریت کی بنا رکھی ہے اور کسی کتاب میں اس کا نام و نشان بھی کم پاؤ گے۔

رسول اللہ ﷺ کا عمل شوریٰ پر

اس اصول کے اوپر خود رسول اللہ ﷺ نے عمل کر کے دکھایا ہے۔ احد کی جنگ کے موقع پر آپ ؐ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور اس امر کے متعلق رائے دریافت کی کہ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کرنی چاہیئے یا باہر نکلنا چاہیئے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی رائے یہی تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کی جائے۔ لیکن کثرت رائے اس طرف تھی کہ باہر نکلنا چاہیئے۔ اس لیے آپ نے کثرت رائے کو ترجیح دی اور اپنی رائے کو چھوڑ دیا۔ اس سے بڑھ کر جمہوریت میں نہیں سمجھتا کہ کیا ہو سکتی ہے۔

قانون سازی شوریٰ سے

پھر مشورہ کے اصول کو قانون بنانے پر بھی حاوی کیا۔ یعنی جو نئے مسائل پیش آئیں ان کا حل بھی مشورہ سے ضروری قرار دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کی وفات کے بعد اگر کوئی اہم مسئلہ پیش آئے اور کتاب اللہ میں کوئی ایسی نص نہ ہو جس سے اس کا فیصلہ ہو سکے تو کیا کرنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ امت کے نیک لوگوں کو جمع کرو اور ان کے مشورہ سے اس کو طے کرو اور اکیلے کی رائے سے طے نہ کرو۔ آنحضرتؐ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ اکیلے کی رائے سے طے نہ کرو۔ گویا جس قدر قوانین بنانے کی ضرورت آئندہ پیش آئے ان کا مشورہ سے طے کرنا ضروری ٹھہرایا ہے۔ اور صرف قانون سازی کو، خواہ وہ بادشاہ ہو یا عالم، ایک شخص کا کام قرار نہیں دیا بلکہ ایک پارلیمنٹ یا ایک مجلس کا کام قرار دیا۔

خلفاء راشدینؓ کا طرز عمل

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ کو دیکھ لو۔ اس وقت نہ صرف نظام حکومت مشورہ سے تھا بلکہ قانون بنانے کا کام بھی مشورہ سے ہوتا تھا۔ اور یہ اہم مسئلہ سب صحابہؓ کو جمع کر کے طے کیا جاتا تھا۔ حالانکہ ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے انسان موجود تھے جن کا مرتبہ فقاہت میں تمام امت سے بڑھ کر ہے۔ بلکہ یہاں تک اصول مشورہ کو وسعت دی گئی کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوئی مسئلہ ایران اور مصر کے متعلق پیش آتا تو وہ وہاں کے مجوسیوں اور قبطیوں کے مشورہ سے اس کو طے کرتے۔

مفتوح اقوام کو کیوں پوری آزادی نہ دی گئی؟

یہ خیال کہ ان کو پوری آزادی کیوں نہ دی گئی، صحیح نہیں۔ اس لیے کہ وہ کوئی ایسی مفتوح قومیں نہ تھیں جن پر حکمرانی کی غرض سے انہیں مفتوح بنایا گیا ہو۔ بلکہ وہ قومیں خود اسلام کو تباہ کرنا چاہتی تھیں اور اسی وجہ سے ان کے ساتھ جنگ ہوئی تھی۔ ان کو یونہی آزاد کر دینا پھر وہی مخالفت اور مقابلہ پیدا کرنا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کے ساتھ یہ بڑی بھاری رعایت تھی کہ ان کے اوپر حکمرانی خود انہی کے مشورہ سے کی جاتی تھی۔

مفتوح اقوام کے حقوقِ مساوات

ان کو مساوات حقوق بھی دی گئی۔ ایک ذمی کی دیت یعنی خوں بہا وہی تھا جو ایک مسلمان کا تھا۔ ان سے مشورہ بھی لیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ گورنروں کے مقرر کرنے میں حضرت عمرؓ اسی قوم اور ملک کے لوگوں سے مشورہ لیتے تھے۔ بعض وقت کہیں کوئی گورنر بھیجنا ہوتا تو جس کو وہ خود تجویز کرتے اسی کو گورنر بنایا جاتا تھا۔ اور جس گورنر کے متعلق ذرا سی بھی شکایت اس ملک کے لوگوں کو پیدا ہوتی، خواہ وہ کتنی ہی معمولی شکایت کیوں نہ ہو، اس کو آپ فوراً بدل دیتے۔ تاریخ میں ایک نہیں، دو نہیں، اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ حضرت سعد بن وقاصؓ، جنہوں نے ایران کو فتح کیا، وہی وہاں کے گورنر مقرر ہوئے۔ ان کے خلاف شکایت ہوئی، حالانکہ یہ کسی بہت بڑے معاملہ میں شکایت نہ تھی، اسی وقت ان کو وہاں سے واپس بلا لیا گیا۔ یہ جمہوریت کا رنگ، جو ترقی پاتا پاتا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہاں تک پہنچا تھا، اس کی مثال آج بھی نہیں ملتی۔

بادشاہت انتخاب سے ہے نہ کہ وراثت سے

میں نے تین باتیں بیان کی ہیں۔

1۔ بادشاہت قوم کی ہے افراد کی نہیں۔

2۔ حکومت قانون کی ہے، اشخاص کی نہیں۔

3۔ حکومت اور قانون سازی کی بنا مشورہ پر ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اسلام میں بادشاہت انتخاب سے ہے، وراثت سے نہیں۔ حضرت نبی کریمؐ کا جب وصال ہوا اور قوم کو ضرورت پیش آئی کہ کوئی امیر ہو، تو انتخاب ہوا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو انتخاب سے خلیفہ بنایا گیا۔ ایسا ہی حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا حال ہے۔ مگر افسوس ہے کہ حضرت معاویہؓ نے وہ بنیاد ڈالی، جس نے اس انتخاب کے اصول کو پرے پھینک دیا اور یہ بلا ایسی مسلمانوں کے پیچھے لگی کہ اب تک پیچھا نہیں چھوڑتی۔ خاندان عثمانؓ سے خلیفہ ہو یا فلاں خاندان میں سے ہو، اصول اصل یہی ہے کہ اسلام میں جہاں سے اور جس قوم

سے خلیفہ مل سکتا ہو، وہاں سے لینا چاہئے ۔

بادشاہت کے لئے معیارِ انتخاب

قرآن میں بادشاہت کے لئے جن باتوں کا ہونا ضروری ہے، ان کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ جب بنی اسرائیل نے اپنے لیے ایک بادشاہ طلب کیا تو طالوت کو ان پر بادشاہ بنایا گیا۔جس پر انہوں نے کہا: اَنّٰی یَکُوْنُ لَهُ الْمُلْکُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْکِ مِنْهُ وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ (247:2) اس کو ہم پر بادشاہت کیونکر مل سکتی ہے؟ ہم اس سے زیادہ بادشاہت کے حق دار ہیں ۔(یعنی خاندانی طور پر) وہ تو مالدار بھی نہیں ۔اس پر ان کو بتایا گیا: اصْطَفٰهُ عَلَیْکُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (247:2) اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر نیکی میں فوقیت دی ہے ۔ دوسرے اس کو علم عطا کیا ہے اور تیسرے جسمانی طاقت ۔ کیونکہ بادشاہت یہی نہیں کہ محلوں کے اندر آرام سے انسان بیٹھ رہے بلکہ بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ میدان میں نکل کر دشمن کا مقابلہ کرے ۔اس لیے نیکی، وسعتِ علم اور جسمانی طاقت، تینوں کو معیارِ انتخاب قرار دیا گیا۔

نا اہلوں کو حاکم نہیں بنانا چاہئے

غرض بادشاہ انتخاب سے ہے اور انتخاب میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَهْلِهَا (58:4) اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانات کو ان کے اہل کے سپرد کرو۔امانت کے معنی حکومت کے ہیں ۔ جیسا کہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے ۔جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَاِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ جب امانت کو ضائع کیا جائے تو پھر ساعت کا انتظار کرنا چاہئے ۔ پوچھا گیا کَیْفَ اِضاعتها یارسول اللہ! امانت کیسے ضائع کی جائے گی؟ آپؐ نے فرمایا اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ جب حکومت کو اس کے غیر اہل کے سپرد کیا جائے ۔یعنی نا اہلوں کو اپنے اوپر حکومت کے لئے منتخب کیا جائے ۔تو اسلام نے یہ اصول بنایا کہ اس کو حاکم بنایا جائے جو اس کا اہل ہو ۔ نہ صرف بادشاہ کے انتخاب میں بلکہ ادنیٰ عمال کے انتخاب میں بھی اس اصول کو مدنظر رکھنا ضروری ہے ۔آج کس قدر نقصان اس سے ہوتا ہے کہ نا اہل لوگوں کا انتخاب کیا جاتا ہے جو قوم کے لیے ہر طرح مضر ثابت ہوتے ہیں ۔

بادشاہ بیت المال کا محافظ ہے نہ کہ مالک

آخری بات، جو میں جمہوریت کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ خلیفہ یا بادشاہ وقت بیت المال کا مالک نہیں بلکہ محافظ اور امین ہے۔قرآن نے خود فرمایا ہے: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (7:59) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اہلِ قُرٰی میں سے اپنے رسول کو عطا کیا۔پس وہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور قریبیوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔ یہ اس لیے کہ غنی لوگوں کے ہی ہاتھوں میں یہ مال نہ پھرتا رہے۔

خلیفہ بیت المال سے وظیفہ کا حق دار ہے

اس اصول کو آپ خلفاء راشدینؓ کے وقت عمل میں آیا ہوا دیکھ لیجئے۔لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو دوسرے دن آپ حسب دستور اپنی تجارت کی گٹھڑی لے کر چلے۔ راستہ میں حضرت عمرؓ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا کہاں جاتے ہیں۔آپ نے فرمایا کپڑا بیچنے چلا ہوں۔حضرت عمرؓ کہنے لگے۔قوم کا کام کون کرے گا؟ تو آپ نے کہا کہ پھر کیا کیا جائے۔آخر بال بچوں کا پیٹ بھی پالنا ہے۔اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ بیت المال میں سے آپ اپنا گزارہ لیں۔چنانچہ بعد میں مشورہ کر کے بیت المال میں سے وظیفہ دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ اور بیت المال

ایسا ہی باغ فدک کے متعلق جو جھگڑا پیش آیا، اس کا بھی فیصلہ اس بنا پر کیا گیا کہ رسول اللہ بیت المال کے مالک نہیں تھے۔آپؐ کے حالات کو پڑھ لو۔کس قدر تنگی سے آپ گزارہ کرتے تھے۔کھانے کو عموماً کئی کئی دن تک کھجوروں کے سوائے کچھ نہ ہوتا تھا۔اسی طرح آپ کے لباس میں سادگی تھی اور مکانوں وغیرہ کو دیکھ لو۔بعض وقت گھر کے اندر چراغ جلتا ہے اور بعض وقت نہیں۔اگر بیت المال سے خرچ کرتے تو بیت المال میں لاکھوں روپے آنے لگ گئے تھے۔باہر کا خراج لاکھ سے اوپر آیا جس کو آپ نے مسجد میں ڈھیر کر کے محتاجوں اور مساکین میں تقسیم کر دیا۔یہ آخری بات جمہوریت کے متعلق ہے۔اس کے ساتھ اسلام کا نظام، جمہوریت کے ترازو پر ایسا

پورا اترتا ہے کہ اس میں کوئی نقص باقی نہیں رہ جاتا۔

حضرت امیر کی تقریر پر سوالات

حضرت امیر ایدہ اللہ کی مندرجہ بالا تقریر پر حاضرین میں سے دو تین اصحاب نے سوال کیے۔ جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

1۔ مولوی صاحب نے امام بخاری پر حملہ کیا ہے۔ انہوں نے بخاری کی حدیث کو غلط قرار دینے کے لیے امام رازیؒ کا نام لیا ہے جو مسلمانوں میں بہت عظمت رکھتے ہیں۔ اگرچہ مولوی صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ ٹھیک یاد نہیں کہ امام رازی نے لکھا ہے یا کس نے۔ لیکن امام رازیؒ ایسا نہیں لکھ سکتے۔ امام رازیؒ نے اگر لکھا ہو تو اس کا حوالہ دیں۔ قرآن میں جو حضرت ابراہیمؑ کے متعلق آیا ہے: فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ. فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ. (37:88-89) تو اس سے بخاری کی حدیث کی تائید ہوتی ہے۔

2۔ جس آیت میں اولوالامر کا ذکر ہے وہ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (4:59) سے شروع ہوتی ہے اور اولی الامر کے ساتھ مِنۡکُمۡ کا لفظ فرمایا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو حکم ہے کہ ان میں سے جو اولی الامر ہو اس کی اطاعت کریں۔

حضرت امیر کا جواب

ان سوالات کے جواب میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے فرمایا کہ میں اپنے دوست کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں امام بخاریؒ کی اس قدر عزت کرتا ہوں کہ میں واقعی طور پر ان کی تالیف بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھتا ہوں۔ اگر مزید اطمینان کرنا ہو تو میری کتاب مقام حدیث کو دیکھ لیں۔ میں نے اس میں امام بخاریؒ کا ذکر نہایت عزت وعظمت کے ساتھ کیا ہے۔ میں اپنے آپ کو ان کا خاک پا بھی نہیں سمجھتا۔ باقی جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھے یاد نہیں۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے یا کسی اور نے۔ راوی کو غلطی پر قرار دینا آسان، بہ نسبت اس کے کہ حضرت ابراہیمؑ پر جھوٹ کا الزام دیا جائے۔ اگر مجھے ٹھیک حوالہ یاد ہوتا تو

میں پہلے ہی بتا دیتا۔ میرے ایک دوست نے، جن کا میں نام بھی نہیں جانتا، ابھی مجھے بتایا ہے کہ مولوی شبلی مرحوم نے سیرت النعمان میں اسی طرح یہ بات لکھی ہے اور اسے امام رازیؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ خیال کہ قرآن میں بھی ایسی بات پائی جاتی ہے کہ واقعی حضرت ابراہیمؑ نے جھوٹ بولا، اس کا میں قائل نہیں۔ میں کوئی جھوٹ نہیں سمجھتا۔ واقعی وہ بیمار ہوں گے اور انہوں نے ستاروں کو دیکھا کہا اور کہ رات بھی زیادہ ہو چکی ہے اور میں بیمار بھی ہوں اب تو پیچھا چھوڑو۔

غرض میں بلا شبہ یہ صحیح سمجھتا ہوں کہ قرآن کے بالمقابل کوئی حدیث آئے تو جہاں تک ممکن ہو اس کی تاویل کی جائے۔ اگر کسی صورت میں وہ قرآن سے موافق نہ ہو تو اسے ترک ہی کرنا پڑے گا۔

دوسری بات حاکم کی اطاعت کے متعلق ہے۔ میں نے جو کچھ بیان کیا وہ مسلمانوں کے متعلق ہی بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس آیت میں مِنۡکُمۡ کا لفظ بھی ہے۔ لیکن اس کو کیا کریں کہ بدقسمتی سے غیر مسلموں کی بھی اطاعت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن میں اتنا سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے وہ صحابہؓ، جنہوں نے حبش میں ہجرت کی تھی، انہوں نے وہاں ایک عیسائی حاکم کی ہی اطاعت اختیار کی۔ بہر حال اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ غیر مسلم حاکم کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے، یہ بحث اس وقت نہیں۔ معاہدہ کے ماتحت غیر مسلم کی بھی اطاعت کرنی ہی چاہیئے، خواہ وہ معاہدہ ہم پر ہماری مرضی سے ڈالا گیا ہو یا مغلوب ہو کر ہمیں ماننا پڑا ہو۔

صاحب صدر کے ریمارک

اس کے بعد خلیفہ شجاع الدین صاحب بیرسٹر ایٹ لاء نے، جو صدر تھے، ایک مختصر سی تقریر کی اور فرمایا کہ افسوس کا مقام ہے کہ چند غیر متعلق مسائل کی بحث چھیڑ دی گئی۔ جس کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ جہاں تک اصل لیکچر کا تعلق ہے میں اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ فی الحقیقت جمہوریت کا سوال ایسا سوال ہے کہ شروع سے ہم مسلمانوں کو اس پر ناز رہا ہے۔ اور ہم غیر مسلموں کے سامنے بھی فخر سے اس کو پیش کرتے ہیں۔ خلافت راشدہ تک تو بلا شبہ اسلام میں جمہوریت رہی ہے۔ اس کے بعد سلطنت کے قائم ہونے میں ان ماتحت اقوام کا اثر تھا جو اسلامی حکومت کے نیچے آئیں۔ تاریخ دان حضرات کو علم ہے کہ اس وقت ایران اور روم وغیرہ میں نہایت برے

رنگ کی حکومت تھی۔ یہ ان ہی ماتحت قوموں کا اثر تھا کہ اسلامی جمہوریت بادشاہت سے بدل گئی۔ بہرحال ایک چیز، جس نے مولٰینا کے لیکچر میں میرے دل کو سب سے زیادہ اپیل کیا ہے وہ یہ ہے کہ مولٰینا نے شروع میں ہی امتیاز کر دیا جمہوریت، شخصی، معاشرتی اور نظام حکومت کے درمیان۔ یہ فی الحقیقت بہت عجیب بات ہے اور اسلام کو بہت ممتاز کرنے والی۔ اس لیکچر کے علاوہ ایک ضروری مسئلہ غلامی کا بھی ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ میرے دوست سید عبدالقادر صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج اپنی سرگرمی کو کام میں لائیں گے اور کسی دوسرے وقت غلامی پر مولٰینا کا لیکچر کرائیں گے۔

امام رازیؒ اور حدیث بخاری

حضرت امیر ایّدہ اللہ کی تقریر میں، جو آج کے مقالہ افتتاحیہ میں درج ہوئی ہے، یہ تذکرہ آیا ہے کہ بخاری کی حدیث **لَمْ یَکْذِبْ اِبْرٰھِیْمُ اِلَّا ثُلٰثًا** کے متعلق امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ راوی کو غلطی پر قرار دینا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ حضرت ابراہیمؑ پر جھوٹ کا الزام دیا جائے۔ اس پر ایک صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے امام رازیؒ کا حوالہ طلب کیا تھا۔ جس کا ذکر مندرجہ بالا سوالات میں آ چکا ہے۔ ذیل میں ہم امام رازیؒ کے اصل الفاظ کو ان کی تفسیر کبیر سے نقل کرتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امیر نے یہ بات امام رازی کی طرف غلط طور پر منسوب نہ کی تھی۔ **اِنِّیْ سَقِیْمٌ** کی تفسیر کرتے ہوئے امام موصوف لکھتے ہیں:

> **رُوِیَ فیه حدیث عن النّبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم انّه قال ماکذب ابراهیم الّا ثلٰث کذبات قلت لبعضهم هذا الحدیث لا ینبغی ان یقبل لان نسبة الکذب الی ابراهیم لا تَجوز فقال ذٰلک الرجل فکیف یحکم بکذب الرواة فقلت لما وقع التعارض بین نسبة الکذب الی الراوی وبین نسبة الی الخلیل علیه السلام کان من المعلوم بالضرورة ان نسبة الی الراوی اولی.**

اس بارہ میں حضرت نبی کریمؐ سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ابراہیمؑ نے تین ہی

جھوٹ بولے۔ میں نے کسی سے کہا ہے یہ حدیث قابل قبول نہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف کذب کو منسوب کرنا جائز نہیں۔ اس شخص نے کہا کہ (عادل) راویوں کو کیونکر کاذب ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ یعنی کہا کہ جب راوی اور حضرت خلیلؑ کی طرف کذب کو منسوب کرنے میں تعارض واقع ہو جائے تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ راوی کی طرف کذب کو منسوب کرنا زیادہ بہتر ہے۔ امید ہے کہ اس حوالہ سے معترض صاحب کی تشفی ہو جائے گی۔

28دسمبر1924ء

مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ (52:3)

حضرت امیر ایّدہ اللہ کے قلم سے

میں احباب کو اس وقت خصوصیت سے ان مشکلات کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ دو عظیم الشان کام ہیں۔ برلن مسجد کی تکمیل اور تعمیر مدرسہ۔ برلن مسجد کی تکمیل کے لیے بیس ہزار روپیہ اور بکار ہے اور تعمیر مدرسہ کے لیے چالیس ہزار۔ اگر ہمارے اختیار کی بات ہوتی تو کم سے کم ایک ہی وقت میں دو اس قدر کثیر خرچ کے کاموں کو کبھی اکٹھا شروع کرنے کی جرأت نہ کرتے، مگر جن واقعات نے ان دونوں کاموں کو اکٹھا کر دیا، وہ ہمارے اختیار سے باہر تھے۔ اور اب اختتام مارچ سے پہلے پہلے یعنی قریباً اڑھائی ماہ کے عرصہ میں دونوں کاموں کی تکمیل ضرور ہوگئی ہے۔ ان کاموں کی مشکلات مجھے اور دوستوں سے بھی زیادہ نظر آتی ہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ہماری قوم کو ایک امتحان میں ڈالا ہے اور وہ اس کی ہمت، اس کے عزم اور اس کے استقلال کو دیکھنا چاہتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ سوائے اس کے کہ اس چھوٹی سی جماعت کا ہر ایک فرد اپنے آپ کو ایک مصیبت میں ڈالے ہم اس امتحان میں پورے نہیں اُتر سکتے، لیکن قوم کی خطرناک مشکلات کے سامنے ہمیں اپنی مصیبتوں کو ہیچ سمجھنا چاہیئے۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا۔ دوبارہ یہی بات لکھتا ہوں کہ:

1۔ ہر ایک دوست، جس نے اب تک برلن مسجد میں اپنی ذات سے حصہ نہیں لیا، اس وقت اس ثواب میں شریک ہو جائے۔ خدا کی رحمتیں ہمیشہ تک ان لوگوں پر ہوں گی جو اس وقت اس کفرستان میں خدا کے گھر کے بنانے میں مدد دیں گے۔

2۔ ہر ایک دوست اس مسجد کے لئے چندہ فراہم کرنے میں اپنے وقت کا کچھ حصہ لگائے۔ اور رقم فراہم کر کے جلسہ سالانہ پر ساتھ لیتا آئے۔ پانچ سات دن کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ نصرت دے گا۔

3 ۔ ہر ایک دوست تعمیر مدرسہ کے لیے اپنی پانچ دن کی آمد دے۔ بالآخر میری یہ درخواست اپنے احباب سے ہے کہ ان عظیم الشان کاموں کی تکمیل کے لیے جلسہ سالانہ پر ضروری تجاویز کو سوچ کر عمل میں لانا ہے، اس لیے ہر ایک دوست اپنے عذروں کو وساوس کی طرح دور کر کے جلسہ میں شامل ہونے کو مقدم کرے، تاکہ سب مل کر دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس امتحان میں کامیاب فرمائے اور مل کر کوئی تجاویز بھی سوچیں، جن سے یہ کام تکمیل کو پہنچ سکیں۔

میں احباب کو یہ خوشخبری بھی سنانا چاہتا ہوں کہ عین انہی ایام میں یعنی جلسہ کے ایام میں ایک دن غالباً جمعہ 26 دسمبر کے دن احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی سب سے پہلی قومی عمارت یعنی مدرسہ کی بنیاد رکھی جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کا موقع ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ اس موقع پر سب احباب جمع ہوں اور اس برکت میں حصہ لیں۔ سب احباب کو 24 دسمبر کی شام تک یہاں پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

4 جنوری 1925ء

قسط اول

اسلام کی ترقی کا راز

حضرت امیر ایدہ اللہ کی تقریر جو جلسہ سالانہ منعقدہ 25 دسمبر 1924ء میں آپ نے فرمائی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوۡلَهُ الرُّءۡیَا بِالۡحَقِّ لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیۡنَ مُحَلِّقِیۡنَ رُءُوۡسَکُمۡ وَ مُقَصِّرِیۡنَ لَا تَخَافُوۡنَ فَعَلِمَ مَالَمۡ تَعۡلَمُوۡا فَجَعَلَ مِنۡ دُوۡنِ ذٰلِکَ فَتۡحًا قَرِیۡبًا.هُوَ الَّذِیۡٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا. مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ وَالَّذِیۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ تَرٰهُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ذٰلِکَ مَثَلُهُمۡ فِی التَّوۡرٰةِ وَ مَثَلُهُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِهٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِهِمُ الۡکُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا. (48:27-29)

یہ سورہ الفتح کا آخری رکوع ہے۔ جو میں نے اس وقت آپ کے سامنے پڑھا ہے۔ اس سورہ کا مضمون ہی اسلام کی فتح ہے۔ کوئی ملکی فتح نہیں بلکہ مذہب اسلام کی فتح۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ایک ہی ایسا موقع ہے جس پر گو ہمارے نبی کریم ﷺ کو کفار کے مقابل میں شکست تو نہیں ہوئی (کیونکہ لڑائی کوئی نہیں ہوئی) لیکن شرائط آپؐ نے ایسی تسلیم کر لیں جیسے ایک شکست خوردہ فریق مانتا ہے۔ اور اسی موقع کو قرآن نے اسلام کی فتح قرار دیا ہے۔ اس موقع پر بعض صحابہؓ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ باوجود حق پر ہونے کے ایسی شرائط کیوں مان لی گئی ہیں؟

حضرت عمرؓ نے اس کا اظہار رسول اللہ ﷺ کے حضور میں کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو اس قسم کی شرائط، جو دینی طور پر ذلت وارد کرنے والی ہیں، کیوں قبول کر لی گئی ہیں۔ اور وہ ذلت وارد کرنے والی شرائط کیا تھیں؟ ایک بڑی شرط ان میں سے یہ تھی کہ جو شخص مسلمانوں میں سے کفار کے ساتھ جا ملے وہ اس کو واپس نہیں کریں گے لیکن اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمانوں سے جا ملے تو انہیں اس کو واپس کرنا ہوگا۔ یہ شرط مسلمانوں پر بہت شاق گزری۔ شرائط صلح تو چاہیئے تھا کہ دونوں فریق کے لیے یکساں ہوتیں۔ اگر یہ تھا کہ کفار میں سے کوئی اسلام لے آئے، تو واپس کفار میں بھیج دیا جائے تو اس کے بالمقابل چاہیئے تھا کہ جو شخص مسلمان ہو کر کفار سے جا ملے وہ بھی اسے واپس کر دیں۔ لیکن نہیں فیصلہ یہی ہوا کہ کفار کسی مرتد کو واپس نہیں کریں گے۔ لیکن مسلمان ایک ایمان لانے والے کو واپس کر دیں گے۔ مرتد کو واجب القتل بنانے والے پہلے اسی پر غور کریں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کفار کے ساتھ عہد نامے میں یہ شرط تسلیم کرتے ہیں کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو وہ اسے واپس کفار میں لوٹا دیں گے۔ غور فرمایئے کہ کیا مرتد کی سزا قتل ہو سکتی ہے؟ جب محمد رسول اللہ ﷺ اس قسم کی شرط تسلیم کرتے ہیں۔ اگر آپ کے مذہب میں مرتد واجب القتل ہوتا، اگر شریعت نے ارتداد کی سزا قتل قرار دی ہوتی تو محمد رسول اللہ ﷺ اس شرط کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔

اس سفر حدیبیہ سے واپس ہوئے تو سفر میں ہی یہ سورۃ نازل ہوئی جو اس طرح شروع ہوتی ہے۔ **اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا** (1:48)۔ ہم نے تیری فتح مبین کر دی ہے۔ جس وقت یہ سورۃ اتری آپ نے حضرت عمرؓ کو یاد فرمایا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں ڈر گیا کہ بارگاہ نبوی میں گستاخی کی تھی کوئی عتاب نازل ہوگا۔ جب حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو یہ سورۃ سنائی۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہی فتح مبین ہے (یعنی صلح حدیبیہ) آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ اور یہ کوئی فرضی بات نہیں۔ جیسے لوگ اپنی ذلت کو ڈھانکنے کے لیے بڑے بڑے دعوے کر دیتے ہیں۔ مثلاً ناکامی ہوئی تو کہہ دیا کہ آسمان پر ہماری فتح ہوئی ہے۔ آپ نے جو صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا اس کی تصدیق واقعات سے ہوتی ہے۔ واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کا تمام بادشاہوں کو خطوط لکھنا اور ان کو دعوت اسلام دینا یہ بتاتا ہے کہ فی الحقیقت یہ ایک عظیم الشان فتح تھی۔ اس کے بعد ایک ڈیڑھ دو سال کے عرصہ میں اس قدر لوگ اسلام میں داخل ہوئے کہ اس سے پہلے کئی سالوں میں اس قدر داخل نہ ہوئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے وقت

آپ کے ساتھ تیرہ چودہ سو صحابہؓ تھے لیکن فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے۔

تو اس سورۃ کو فتح مبین فرمایا۔ اور اسی کے آخر میں یہ الفاظ آتے ہیں:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا .(28:48)

اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے۔ اور اللہ کی گواہی اس پر کافی ہے۔

اس سورۃ کے آخر میں اس آیت کو لا کر بتا دیا کہ وہ فتح مبین کیا ہے؟ فتح مبین یہی ہے کہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ اس غلبہ کا ذکر کرنے کے بعد دین اسلام کی اس عظیم الشان فتح کی خبر دینے کے بعد فرماتا ہے: **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا** (29:48) محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ اَشِدَّآءُ ہیں کافروں پر اور رُحَمَآءُ ہیں آپس میں (میں ابھی ان لفظوں اَشِدَّآءُ اور رُحَمَآءُ کے کوئی معنی نہیں کرتا) یہ دو صفتیں مسلمانوں کی بیان کیں اور ایک یہ کہ **تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا** (29:48) تو انہیں دیکھتا ہے کہ وہ رکوع اور سجدہ میں خدا کے حضور جھکے رہتے ہیں اور اللہ کے فضل اور اس کی رضا کو طلب کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ یہ جو دین کے غلبہ کی خوشخبری دی ہے تو ابھی تو وہ زمانہ ہے کہ مدینہ سے باہر اس کا کوئی اثر نہیں۔ ابھی تو اس کی وہ حالت ہے **كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ** (29:48) جیسے ایک دانہ کو زمین میں پھینک دیا جائے اور اس سے ایک کونپل سی باہر نکلے۔ **فَاٰزَرَهٗ** (29:48) پھر وہ حالت آئے گی کہ وہ بڑھے گا **فَاسْتَغْلَظَ** (29:48) پھر مضبوط ہوگا **فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ** (29:48) پھر اپنے تنا پر کھڑا ہو جائے گا۔ تو بتایا کہ دین اسلام کی ترقی، جس کا وعدہ دیا گیا ہے، اسی طرح پر تدریجاً ہوگی۔ یہ ایک درخت ہے جس کا بیج لگ گیا اور اب یہ بڑھے گا، پھیلے گا اور پھل لائے گا۔ اب یہاں جو فرمایا: **اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ** (29:48) تو ان کو اس موقع پر لا کر بتا دیا کہ یہ دو ہی باتیں مسلمانوں کی ترقی کا اصل راز ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اَشِدَّآءُ کیا چیز ہے۔ رُحَمَآءُ کے معنی تو سمجھ آتے ہیں۔آپس میں رحم کرنے والے۔اور اسلام کی اخوت بھی مشہور ہے،جس کو مخالف وموافق سب جانتے ہیں۔لیکن اَشِدَّآءُ کا لفظ پیش کر کے ہمیشہ اسلام پر حملہ کیا جاتا ہے۔ جہاں کہیں ہم نے کہا کہ اسلام دنیا میں صلح ومحبت کو قائم کرتا ہے تو وہیں سوال ہوتا ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ(29:48) کا کیا مطلب ہے؟اور شدت والوں سے کیا مراد ہے۔عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس کا مطلب ہے کافروں پر بڑی سختی کرنے والے۔کس قسم کی سختی؟ کسی کا خیال ہوگا کہ ذلیل کر کے ماتحت رکھیں اوران کوخوب کچلتے رہیں۔کوئی اس سے اتر کر یہ خیال کرتا ہوگا کہ ان کے ساتھ نرمی اور رحم کا برتاؤ نہ کیا جائے۔اور ہمارے بعض تفسیر نویسوں نے بھی اسی قسم کے معنی کئے ہیں۔کوئی تو کہتا ہے **غضوبا عبوسًا فِی وُجُوْهِ الكفّار** کافروں کے سامنے سے جب گزریں تو بڑے غصہ میں بھرے ہوئے،تیوری چڑھی ہوئی ہو۔گویا کہ ابھی کھاجائیں گے۔اورکسی نے معنی کئے ہیں: **غَلَّاظٌ عَلَيْهِمْ كَمَايَغْلَظُ الْاَسُدُ عَلٰى الْقِيْصَتِهٖ** ان پر ایسے غضب آلود ہوں جیسے شیر اپنے شکار پر غضب آلودہ ہوتا ہے۔ اور اس کے آگے لفظ لکھے ہیں: **فَلَا يرحمو نهم** ان پر کوئی رحم نہیں کرتے۔ یہ الفاظ تو ہماری تفسیروں میں پائے جاتے ہیں۔کسی نے یہ بھی معنی کئے ہیں کہ ان کے جسم ہمارے جسموں کو نہ چھوئیں اور نہ ان کے لباس ہمارے لباس کو چھوئیں۔

یہ تو میں جانتا ہوں کہ کوئی بھی مسلمان قوم کسی زمانہ میں ایسی نہیں ہوئی جس نے اس قسم کا سلوک غیر مسلموں سے کیا ہو۔خواہ وہ کفار پر حکمران ہوں یا مساوی حیثیت میں یا ان کے ماتحت ہوکر رہے ہوں۔تاریخ اسلام کوئی پتہ نہیں دیتی کہ ان تین حیثیتوں میں سے کسی حیثیت میں بھی انہوں نے ایسی حالت اختیار کی ہو جو ہمارے مفسرین نے بیان کی ہے۔کیا آپ نے کسی مولوی کو دیکھا کہ کسی کافر کے سامنے غَضُوْبًا عَبُوْسًا ہوجاتے ہیں۔ایسے تو بہت ہیں جو مسلمان سامنے آجائے اوران سے کوئی سوال کر بیٹھے تو اس پر غضب ناک ہوجاتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ہر وقت غضبناک اور تیوری چڑھائے رہتے ہیں۔لیکن ان کی یہ حالت غیر مسلموں سے خاص نہیں۔

یہ تو تفسیر نویسوں کا مذہب صرف تفسیروں کے اندر لکھا ہوا ہے۔عمل کے اندر کبھی نہیں آیا۔دیکھنا یہ ہے کہ یہاں اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ(29:48) کن کی صفت بیان ہوئی ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ

مَعَهٗ (29:48) کی۔ اس لیے اگر سب سے بڑا نمونہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (29:48) کا دیکھنا ہو تو کہاں دیکھنا ہوگا؟ وہ محمد رسول اللہ ﷺ میں ہی مل سکتا ہے۔ یہاں تو آپ کا نام بھی موجود ہے اور اس کے ساتھ رسول اللہ بھی فرمایا ہے۔ اس لیے سب سے بڑا نمونہ جو ہوگا تو وہ خود ذات نبوی میں ہی ہونا چاہیئے۔ پس آنحضرتؐ کا نمونہ اس بارہ میں کیا ہے۔ جن معنوں میں آپ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (29:48) تھے۔ انہی معنوں میں ہم بھی ہوں گے۔ قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی سورۃ ہے عَبَسَ وَتَوَلّٰى . اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى . (2-1:80) تیوری چڑھالی اور منہ پھیر لیا کہ ایک اندھا آ گیا۔ اگر تیوری چڑھانا نبی کریم ﷺ کی صفت ہوتی تو یہ سورۃ نہ آتی۔ اور اس وقت تو کفار قریش سے آپ کی باتیں ہو رہی تھیں۔

اس واقعہ پر اس سورۃ کے نزول سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کے لیے یہ پسند نہیں کیا کہ آپ کے اخلاق فاضلہ پر تیوری چڑھانے کا داغ ہو۔ رحم مجسم کے اخلاق کے شایان شان یہ امر نہ تھا۔ اس لیے فوراً تنبیہہ ہوئی۔ وحی الٰہی تو آخر انسان کی قلبی کیفیت کے مطابق نازل ہوتی ہے۔ تو کیا جہاں ایک ذرا سی تیوری پر یہ وحی نازل ہوتی ہے اس قلب کے اندر غضب اور غلاظت اور شدّت وغیرہ پیدا ہوسکتی ہے؟ قرآن فرماتا ہے: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (3:26) کیا تو اپنے آپ کو ہلاک کرلے گا اس غم میں کہ وہ مسلمان نہیں ہوتے۔ جس شخص کے دل کی یہ حالت ہو کہ اس کا دل کفار کے غم میں پگھلا جاتا ہے، اس کے دل میں تو رحم بھرا ہوا ہے، نہ رحم کرنے کے معنی کیا ہوئے؟ دوسری جگہ آتا ہے: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (8:35) بتلاؤ جس شخص کی یہ حالت ہے کہ غم کے اندر پگھلا جاتا ہو کیا وہ ایسی حالت پیدا کرسکتا ہے جیسی کہ مفسرین نے لکھی ہے۔ قرآن تو فرماتا ہے: وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (159:3) فَظًّا اس کو کہتے ہیں جو سختی کے ساتھ کلام کرے۔ جس کی طبیعت میں سخت گوئی ہو۔ تو فرمایا اگر تو سخت گو اور سخت دل ہوتا تو تیرے آس پاس سے یہ سب لوگ بھاگ جاتے۔ یہاں آپ سے ہر قسم کی شدت کی نفی کی ہے۔ نہ آپ میں سخت گوئی ہے نہ سخت دلی۔ یعنی دل میں بھی رحم کا دریا جوش مار رہا ہے اور زبان پر بھی نرمی اور محبت کا کلام ہے۔ پھر کفار کی تکالیف کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان کی تکالیف پر رسول اللہ ﷺ کی کیا حالت ہوتی ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(128:9) وہ جو چیز تم کو تکلیف پہنچاتی ہے وہ (رسول اللہ ﷺ) کو بھی شاق گزرتی ہے اور وہ تمہاری بہتری پر حریص ہے۔یعنی تمہاری بہتری کی آرزو بھی اس کے دل میں ہے۔ یہ کفار کو کہا۔ کیونکہ اس کے آگے مومنوں کا ذکر علیحدہ کر دیا: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (128:9) جب کفار کے ساتھ ان کی تکالیف پر صدمہ پہنچتا ہے تو مومنوں کے لیے تو اس کا دل کمال راحت سے بھر جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی کہے کہ مومنوں کے لیے روف رحیم کہا۔ گویا رحم کو صرف مومن سے مخصوص کیا۔ لیکن نہیں۔ قرآن کریم آپ کی تصویر رحم کو کمال تک پہنچاتا ہے۔ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (107:21) ہم نے تجھے تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی تفسیر تو نبی کریم ﷺ کے عمل میں موجود ہے۔ جب کسی کے لیے آپ سے بددعا کی درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا: اِنِّیْ لَمْ ابعث لعانًا اِنَّمَا بعثت رَحْمَةً میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تو آپ صرف مسلمانوں کے لیے رحمت نہیں اور صرف عرب کے لیے رحمت نہیں بلکہ ہر مذہب اور ہر ملت کے لیے اور ہر قوم اور ہر ملک کے لیے رحمت ہیں۔ یہ آیت واقعی ایک بڑی عجیب آیت ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حقیقی تصویر کو کھینچتی ہے۔ آج آپ کی کس قدر غلط تصویر کھینچی جاتی ہے کہ آپ کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور ایک میں قرآن۔ اور ہمارے علماء اس کی تردید کرنے کے بجائے اسی کی تائید کرتے ہیں۔ اب اس بات کے سیاق وسباق کو دیکھو۔ اس سے پہلے فرمایا: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ. اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ (106-105:21) زبور میں ہم نے ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث ہمارے صالح بندے ہوں گے۔ اس میں عبادت کرنے والے لوگوں کے لیے ایک بشارت کا پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (107:21)

بظاہر ان دونوں آیتوں کا تعلق نظر نہیں آتا کہ آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کو زمین کی وراثت سے کیا تعلق ہے۔ لیکن فی الحقیقت اگر قرآن پر غور کیا جائے تو ایسے ہی موقع پر ذوق آتا ہے۔ جب کبھی کوئی مشکل مقام آئے، تھوڑا سا غور کیا جائے تو وہ حل ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس تعلق کے معلوم ہونے پر طبیعت اس قدر ذوق سے بھر جاتی ہے کہ دنیا کی کوئی لذت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ تو زبور کی جس پیشگوئی کا ذکر کیا اس میں کیا خوشخبری تھی۔ یہی کہ یہ مسلمان اب ہمارے صالح بندے ہیں۔ یہ اب ملک کے مالک ہوں گے۔ لیکن جو قوم کسی ملک کی مالک

بنتی ہے وہ اپنے سے پہلے لوگوں کو تباہ کر کے ہی بنتی ہے۔ فرمایا یہاں یہ بھی نہیں ہوگا۔ ہم ان کو بھی ہلاک نہیں کریں گے جو تم سے پہلے ملک پر قابض ہیں۔ کیونکہ ہم نے تم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ قوموں کی تباہی کا ذکر ہے۔ اس لیے جب مسلمانوں کو بشارت دی تو صاف طور پر بتا دیا کہ یہ اس لیے نہیں دی کہ پہلے لوگوں کو تباہ کر دیں، بلکہ ان کے لیے بھی رحمت ہی ہے۔ وہ بشارت پہلے لوگوں کو ہلاک کر کے پوری نہ ہوگی بلکہ ان کو ہدایت پر لا کر پوری ہوگی۔ ''دشمن سے محبت کرو'' صرف ایک دل خوش کن فقرہ ہے۔ فی الحقیقت دشمن سے محبت کس نے کی؟ اس کا نقشہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ آپ ہی کا وجود دشمنوں کے لیے بھی فی الحقیقت رحمت ثابت ہوا! کہاں کہاں آپ کا وجود رحمت ثابت ہوا۔ تاریخ کو دیکھنے سے اس کا پتہ لگتا ہے۔ جہاں دیکھو گے محمد رسول اللہ ﷺ کے مخالف تباہ نہیں ہوئے بلکہ بالآخر ہدایت یاب ہوئے۔ اور دوسرے انبیاء کے مخالف عموماً تباہ ہوئے۔ چنانچہ قریش کی، جو آپ کے شدید ترین مخالف تھے، یہی حالت ہوئی۔ یعنی باوجود انذار کے سارے پہلوؤں کے بالآخر ان پر رحم کر کے انہیں راہ ہدایت پر لایا گیا۔ اور ان کا نام ونشان نہیں مٹایا گیا جس طرح فرعون یا پہلے لوگوں کا نام ونشان مٹایا گیا۔ اس کے بعد ترکوں نے عباسیوں کو ہلاک کیا۔ ان پر طرح طرح کے مظالم توڑے۔ لیکن ترکوں پر تباہی نہیں آئی بلکہ ہدایت نصیب ہوئی۔ آج بھی ایسا ہی ہوگا کہ وہ جو اسلام کو تباہ کرنا چاہتے ہیں، ان کو ہلاک کر کے وہ دوسروں کو حکومت نہیں دلائے گا بلکہ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (107:21) کے ماتحت ان کو بھی ہدایت ہی نصیب ہوگی۔ یہ رحمۃ للعالمین کی صفت کا تقاضا ہے جو اس کو بُرا مناتا ہے وہ ناحق اپنے آپ کو جلاتا ہے۔

اب میں آپ کو تاریخ سے چند باتیں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ جو آپ کو بددعا کے لیے کہا گیا اور آپؐ نے فرمایا کہ میں لعان بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں تو آپ کا اپنا طرز عمل اس کا کہاں تک شاہد ہے۔ فی الحقیقت منہ سے کہہ لینا آسان ہوتا ہے۔ میں بھی ایسا کہہ سکتا ہوں۔ لیکن جب موقع پیش آئے اس وقت پتہ لگتا ہے کہ کہاں تک وہ بات صحیح ہے۔ حضرت مسیحؑ نے کہا کہ دشمن سے محبت کرو۔ لیکن یہ تب صحیح ثابت ہوتا جب دشمن مغلوب ہو کر آپ کے سامنے آتے اور آپ ان سے اس وقت محبت کرتے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے دشمن مغلوب ہو کر آتے ہیں اور آپ انہیں معاف کر دیتے ہیں۔ بڑے بڑے دکھ ان سے پہنچتے ہیں مگر آپ کے منہ سے

بد دعا نہیں نکلتی۔ جب نکلتی ہے نیک دعا ہی نکلتی ہے۔ طائف میں یہ سمجھ کر آپ گئے کہ یہ لوگ ہدایت قبول کر لیں گے۔لیکن وہاں جب تبلیغ حق کی تو پتھروں سے مار مار کر نکالا گیا، راہ میں دونوں طرف غنڈے بدمعاش کھڑے ہو گئے اور وہ آپ پر اینٹوں کی بارش کرتے ہیں۔جس سے آپ کی پنڈلیاں زخمی ہوگئیں۔ جب آپ کسی موقع پر درد کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو ایک ان میں سے آ کر اٹھا دیتا اور پھر اینٹ پتھر برسنے لگتے۔ یہ موقع تھا دیکھنے کا کہ کیا اس شخص کے دل میں فی الحقیقت رحمت ہے یا یہ نرا زبانی ہی دعویٰ ہے۔لکھا ہے کہ جب آپؐ شہر سے باہر نہایت تکلیف کی حالت میں بیٹھے تھے تو ملک الجبال آیا اور اس نے کہا کہ اگر حکم ہو تو میں پہاڑ کو اٹھا کر اس بستی پر الٹ دوں۔لیکن آپ نے فرمایا کہ نہیں میں امید کرتا ہوں کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ہدایت قبول کریں گے۔ یہ آپ کے دل کی حالت کا نقشہ ہے۔کوئی بناوٹ، کوئی تکلف اس کو پیدا نہیں کرسکتی۔لفظ بناوٹ کے ساتھ کہے جاسکتے ہیں لیکن یہ عملی حالت بناوٹ سے پیدا نہیں ہوسکتی۔ وہ وقت جو انتہائی مصیبت کا ہے، جس میں نہایت بے کسی اور دکھ کی حالت ہے، اس وقت بد دعا پر تیار نہیں۔اس وقت بھی رحمت ہی جوش مارتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سخت ترین دشمنوں کے لئے بھی اس قلب مبارک کے اندر رحمت ہی رحمت تھی۔غیظ وغضب نہ تھا۔انتقام کی ادنیٰ سے ادنیٰ خواہش نہ تھی۔سخت ترین مصیبت کے وقت انسان کی فطرت کا اصل نقشہ ظاہر ہوجاتا ہے۔ جب کوئی کشتی ڈوبنے لگتی ہے۔تو اس وقت انسانی قلب کی کیا حالت ہوتی ہے۔ **دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ** (22:10) اس وقت ایک خدا ہی کو پکارتے ہیں۔ کیونکہ فطرت میں تو بت پرستی کوئی نہیں۔ایک خدا ہی ہے تو اسی کا ظہور ہوتا ہے۔اسی طرح سے رسول اللہ ﷺ کے اوپر ایسے سخت دکھ اور مصیبت لاکر اور یہ لفظ آپ سے کہلوا کر بتا دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب کا نقشہ یہ ہے کہ اس کے اندر رحم ہی رحم اور محبت ہی محبت بھری ہوئی ہے۔

احد کی جنگ تھی۔آپؐ کا سر مبارک لہولہان تھا، گرے پڑے تھے، دانت شہید ہو چکے تھے، صحابہؓ اردگرد زخموں سے چور کھڑے تھے، آپ کے چچا حضرت امیر حمزہؓ شہید ہو چکے تھے۔ بہت سے صحابہؓ بھی شہادت پا چکے تھے۔کسی نے کہا یا رسول اللہ! کفار کے لیے بد دعا کیجئے۔اس وقت ہاتھ اٹھائے، اور کیا کہا؟ **اَللّٰهُمَّ اهۡدِ قَوۡمِیۡ اِنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ** اے اللہ! تو میری قوم کو ہدایت کر۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے۔آہ! افسوس آج ہمارے علماء کیا نقشہ پیش کرتے ہیں! یہی کہ جو دشمن کہتے ہیں وہ صحیح ہے اور فی الواقع محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک

میں قرآن لیا ہوا تھا۔ ایک دو واقعات نہیں تاریخ کو پڑھ لو۔ میں آپ کو سچے دل سے بتا تا ہوں کہ اسلام کی صداقت، محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور صحابہؓ کی صداقت کا اگر ثبوت چاہتے ہو تو ان کی زندگی کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ ایک موقع پر جنگ حنین میں نبی کریمؐ نے دشمن کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ایک مہینہ محاصرہ کیے ہوئے ہو گیا اور وہ قوم دبتی ہوئی نظر نہ آتی تھی۔ ان کے پاس سامان رسد کافی تھا۔ اس لیے اطمینان سے شہر کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ ان کے لیے بد دعا کیجئے۔ آپ نے دعا کی اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثقِیْفًا وَّاٰتِ بِھِمْ اے اللہ تو ثقیف کو ہدایت فرما اور ان کو میرے پاس لے آ۔ ثقیف اس قوم کا نام تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور تھوڑی دیر بعد وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ ایک اور چھوٹا سا واقعہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو تو آپ لوگ جانتے ہیں۔ ان کی ماں بڑی سخت تھیں۔ ایک دن ان کی موجودگی میں اس نے نبی کریمؐ کو بڑی سخت گالیاں دیں۔ وہ آئے اور کہا یا رسول اللہ! آج مجھے بڑا ہی دکھ پہنچا ہے۔ میری ماں نے میرے منہ پر آپؐ کو گالیاں دی ہیں۔ آپؐ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔ پھر جو حضرت ابو ہریرہؓ گھر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی والدہ غسل کر رہی ہیں۔ پوچھا کیا ہو رہا ہے؟ کہا کہ نہاتی ہوں تا کہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤں۔

یہ تاریخی واقعہ ہے۔ اسی طرح سے جس قدر چاہتے ہو۔ تاریخ کے اندر ایسے ہی واقعات دیکھ لو۔ جس وقت کوئی ایسا موقع آتا ہے کہ جب غیظ و غضب آنا چاہئیے تو اسی وقت آپ سے رحمت کا اظہار ہوتا ہے۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ایسا شخص اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (29:48) کا ان معنوں میں مصداق ہو سکتا ہے کہ کافروں کے لئے دکھ چاہنے والا، ان کے لیے غیظ و غضب رکھنے والا اور انہیں دکھ دینے والا ہو؟ آج ہمیں بھی غیر مسلموں سے کچھ نہ کچھ سلوک کرنا پڑتا ہے۔ ہم ایک فعل کرتے ہیں وہ اسلام کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اس لیے سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہئیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے کسی فعل سے محمد رسول اللہ ﷺ کا نام بدنام ہو۔

ایک موقع پر جنگ کرتے کرتے مسلمانوں سے مشرکین کے کچھ بچے بھی قتل ہو گئے۔ اس زمانہ میں عورتیں اور بچے بھی لڑائی میں ساتھ ہوتے تھے۔ کیونکہ گھر بار ساتھ ہی ہوتا تھا۔ اس لئے عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہوتے تھے۔ جب آپ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: اَلَا لَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَ الْمُشْرِکِیْنَ خبردار مشرکوں کی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اور وجہ بیان فرمائی: کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ ہر ایک

بچہ اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر فرمایا: اَلَا اِنَّ خِیَارَکُمْ اَبْنَآءُ الْمُشْرِکِیْنَ مشرکوں کے بیٹے تم میں سے بہت اچھے ہیں۔

پھر آپ کفار سے ہدیئے لیتے تھے، اور ان کو ہدیئے دیتے تھے۔ ہدیئے لینا اور دینا آپس میں محبت بڑھانے کا سب سے بہتر طریق ہے۔ اگرچہ آج مسلمانوں نے اس کو بھی چھوڑ دیا ہے لیکن آپ کفار سے ہدیئے لیتے اور ان کو دیتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں باب باندھے ہیں: اَلْهَدْيَةُ لِلْمُشْرِكِيْنَ. قُبُوْلُ الْهَدِيَةِ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مشرکوں کو ہدیئے دینا اور ان سے ہدیئے لینا یہ صاف طور پر بخاری میں باب موجود ہیں۔ بعد کا ایک اور واقعہ ہے جب مسلمان بادشاہ اور غیر قوموں پر حکمران تھے۔ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک نابینا بڑھا آدمی مانگ رہا ہے۔ آپ نے پوچھا یہ کیوں؟ کہا گیا۔ جزیہ دینے کے لئے خیرات مانگتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس پر جزیہ نہیں بلکہ ان کو بیت المال سے وظیفہ دیا جائے۔ اور ایسا ہی تمام ان یتیموں کے وظائف مقرر کر دیئے جو خود کمانے سے معذور تھے اور یہ حکم دے کر اس کی شہادت کہاں سے لی۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ (60:9) آپ نے فرمایا فقراء مسلمان غریب ہیں اور مساکین غیر مسلم غریب ہیں۔ پھر کفار کی مہمان نوازی رسول اللہ ﷺ نے خود کی ہے۔ ایک دفعہ آپ کے گھر میں ایک مشرک مہمان آیا۔ آپ نے ایک بکری دوھی، وہ پی گیا۔ دوسری دوھی، وہ پی گیا۔ تیسری دوھی، وہ پی گیا۔ چوتھی دوھی، وہ پی گیا۔ سات بکریاں آپؐ کے پاس تھیں۔ ان سب کا دودھ پی گیا اور آپ خود گھر کچھ نہیں لے گئے۔ نہ اس مہمان کے ساتھ ذرا بھی ترش روئی اختیار کی۔ اسی کا اثر تھا کہ جب صبح ہوئی تو اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ ایسا ہی ایک مشرک نے آپ کے بستر کو غلیظ کر دیا۔ آپ خود اسے دھونے بیٹھ گئے۔ صحابہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم دھوتے ہیں۔ فرمایا: مہمان میرا تھا اس لیے میں ہی دھووٴں گا۔ یہ ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (29:48) قرآن کی تفسیر محمد رسول اللہ ﷺ کے عمل سے کرو۔ پہلے محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لو کہ کفار سے کیا سلوک کرتے ہیں! وہ کافر جن کے متعلق مفسرین کا خیال ہے کہ ان کو دیکھتے ہی دل غصہ سے بھر جائے۔ ان کے ساتھ آپ کا یہ سلوک ہے جو آج دوست دوست کے ساتھ بھی نہیں کر سکتا۔ پھر آپ عیادت کرتے تھے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ غیر مسلموں کی۔ تاریخ میں ہے کہ آپ فلاں موقع پر فلاں یہودی کی عیادت کے لیے گئے۔ آج ہم اپنوں کی بھی عیادت نہیں کرتے۔ اپنوں کا جنازہ نہیں پڑھتے اور

اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے پیرو بننا چاہتے ہو تو اپنے کاموں کو کم وقعت دو اور اخلاق کو زیادہ۔ آپ کفار کے جنازہ پر بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا۔ آپ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ! یہودی کا جنازہ ہے۔ فرمایا کیا وہ تم جیسا انسان نہ تھا۔ میں اپنے دوستوں کو بالخصوص توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت بہت قلیل ہے اس لیے اس فرض کا ادا کرنا ضروری ہے۔ جب کبھی کوئی جماعت سے بیمار ہو اس کی عیادت کرنا اور اگر مر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جانا تم پر فرض ہے۔ کسی حالت میں اس فرض کو بھولنا نہیں چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ نے کسی حالت میں بھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ جتنے اور جذبے آپ کے اندر ہو سکتے ہیں۔ ہوں لیکن انتقام کا جذبہ مفقود ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر جتنے بھی دشمن اور جان کے پیاسے تھے ان سب کو معاف کر دیا۔ ایک عکرمہ بن ابوجہل وہاں سے اس خیال سے بھاگ گیا کہ مجھے جان سے نہ مروا ڈالیں۔ اس کی بیوی امان لے کر اس کے پاس پہنچی اور اسے واپس لائی۔ جب وہ آپ کے سامنے پہنچا تو گھوڑے پر سوار تھا۔ آپ نے فرمایا: مَرْحَبًا بِالْمُهَاجِرِ الرَّاكِبِ اِس سوار مہاجر کو مرحبا۔ ایک دفعہ ایک سخت دشمن قوم کا رئیس گرفتار ہو گیا۔ اس کو آپ نے قید کر دیا۔ صبح جا کر اس سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو کہ کیا سلوک تم سے ہو۔ اس نے کہا کہ آپ قتل کریں گے تو آپ ایک خونی کو قتل کریں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو ایک شکر گزار کو چھوڑ دیں گے۔ آپ نے اسے ایک دن قید رکھ کر آزاد کر دیا۔ آزاد ہوتے ہی تھوڑی دور گیا اور غسل کر کے واپس ہوا۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ جب مسلمان ہوا تو کہا یا رسول اللہ! آپ سے زیادہ کوئی شخص میرے نزدیک مبغوض نہ تھا۔ کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ برا نہ تھا۔ کوئی مذہب آپ کے مذہب سے بدتر نہ تھا لیکن اب آپ سے زیادہ محبوب کوئی نہیں۔ آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مرغوب نہیں۔ آپ کے مذہب سے زیادہ کوئی مذہب پسندیدہ نہیں۔ یہ اثر تھا اخلاق کا جو نبی کریم ﷺ نے دکھائے ان سے لڑائیاں آپ نے ضرور کیں۔ لیکن ان کے لیے آپ کا قلب جو ہے وہ محبت اور رحمت سے بھرا ہوا ہے۔ لڑائی، جنگ اور خونریزی تک کر کے لوگ آپ سے معافی پاتے اور آپ کی رحمت کے وارث بنتے ہیں۔

7 جنوری 1925ء

ڈاک حضرت امیر

اسلام اور احمدیت

احمدی نام کیوں رکھا گیا؟ غازی رحمت اللہ صاحب سکنہ شہر جالندھر نے حضرت امیر کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ حضرت مسیح موعود نے اپنی جماعت کا نام بجائے مسلمان کے احمدی رکھا۔ یہ قابل اعتراض امر ہے۔ اسی لیے ہر مسلمان، باجود اس جماعت کی خدمت اسلام کے اعتراف کے، اس میں شمولیت سے پرہیز کرتے ہیں اور کہ اہل قرآن، اہلحدیث، شیعہ، سنی، احمدی یا محمدی کہلانا اتنا ہی برا ہے جتنا کافر کہلانا۔ اور کہ نام احمدی رکھنا مرزا صاحب کی اجتہادی غلطی تھی۔ اس لیے امید ہے کہ جماعت کا نام سوائے مسلم کے اور کوئی رکھنا پسند نہ فرمائیں گے۔ اس کے جواب میں حضرت امیر نے ذیل کا خط ان کو لکھا:

اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا خط ایام جلسہ میں پہنچ گیا تھا۔ اللہ آپ کو اور آپ کے متعلقین کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

جماعت کے نام کے متعلق نہ معلوم آپ کو کیوں اس قدر غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حضرت صاحب نے اسلام کے نام کو تبدیل کر کے احمدیت نام رکھا۔ ''اس کے تبدیل کرنے کے جرم میں ضرور ماخوذ کئے جائیں گے۔'' ہمارا نام اللہ تعالیٰ نے مسلم رکھا ہے۔ اسے نہ مرزا صاحب تبدیل کر سکتے ہیں نہ کوئی اور۔ حضرت مرزا صاحب نے اس نام کو تبدیل کیا۔ حضرت مرزا صاحب بھی اپنے آپ کو مسلم کہتے تھے۔ ہم بھی اپنے آپ کو مسلم کہتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ سے خدمات دین کا کام چاہا تو آپ کو ایک جماعت بنانے کا حکم دیا۔ یہ جماعت 1891ء میں بنی اور آپ نے اس کا نام 1901ء تک کوئی نہیں رکھا۔ عام لوگ اس جماعت کو مرزائی یا قادیانی کہتے تھے اور یہ دونوں نام ہی اب مرزا صاحب یا ان کے مقام سکونت کی طرف منسوب ہوئے۔ آپ کو جو غیرت رسول کریم ﷺ کے لئے تھی۔ اس کی وجہ سے آپ نے نہ چاہا کہ ایک جماعت، جو رسول اللہ ﷺ

کے دین کی خدمت کے لئے اٹھی ہے اس کا نام آپ کی (حضرت مرزا صاحب کی) طرف منسوب ہو اس لیے جب مردم شماری کا موقع آیا اور آپ کو یہ خیال گزرا کہ ایک غلط نام نہ پڑ جائے تو آپ نے خود واضح طور پر لکھا اور ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں یہ بتایا کہ میں اپنا اور اپنی جماعت کا نام رسول اللہ ﷺ کے اسم احمد پر احمدی رکھتا ہوں۔ یعنی اس جماعت کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتا ہوں۔ اس اشتہار میں آپ نے لکھا کہ آنحضرتؐ کے دو نام تھے۔ ایک محمدؐ اور دوسرا احمدؐ۔ اول الذکر جلالی نام ہے جو ظاہری شان وشوکت سے تعلق رکھتا ہے۔ آخر الذکر جمالی نام ہے جو اندرونی خوبیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور چونکہ اب اسلام کے لیے ظاہری غربت اور بے کسی کا زمانہ ہے اور شان وشوکت کا زمانہ نہیں۔ اب اسلام لوگوں کو اپنی طرف اپنی اندرونی خوبیوں کی وجہ سے کھینچے گا۔ اس لحاظ سے اس جماعت کا نام، جو اس وقت اور ان حالات میں خدمت دین کے لیے کھڑی ہوتی ہے، آنحضرتؐ کے اسم احمد پر رکھا جاتا ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ یہ نام حضرت مرزا صاحب نے اپنے نام پر نہیں، رسول اللہ ﷺ کے نام پر رکھا ہے۔ یہ کافی ہے کہ اس اشتہار میں یہ سب صراحت موجود ہے۔ اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ نے اپنا نام بھی وہی رکھا ہے جو جماعت کا۔ یعنی لکھا ہے کہ میرا اور میری جماعت کا نام احمدی مسلمان ہے۔ اگر اپنے نام پر یہ نام رکھتے تو اپنے آپ کو احمدی نہ کہتے۔

سوال یہ نہیں کہ جماعت کا نام یہ رکھا یا وہ رکھا۔ سوال یہ ہے کہ جماعت بنانے کی ضرورت تھی یا نہیں۔ اور کیا وہ کام جس کے کرنے کے لیے آپ کو مامور کیا گیا تھا بغیر ایک مخصوص جماعت کے ساتھ ہونے کے آپ کر سکتے تھے؟ آخر جب ایک جماعت بنے گی تو اس کا کچھ نہ کچھ نام بھی رکھا جائے گا۔ جس طرح ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا ایک نام رکھا جاتا ہے۔ اور کسی کے وہم میں بھی نہیں ہوتا کہ ہمارا نام مسلم، جو خدا نے رکھا تھا وہ تبدیل ہو گیا۔ اسی طرح ایک جماعت بنے گی تو امتیاز کے لیے، اور تعارف کے لیے اس کا ایک نام رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: وَ جَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا (13:49) شاخوں اور قبیلوں کے بھی نام ہوتے ہیں تاکہ ان کی پہچان ہو سکے۔ اسی طرح جب ایک جماعت اس زمانہ میں خدمت اسلام کے لیے تیار ہوتی ہے تو اس کا ایک نام بھی رکھا جاتا ہے۔ مگر آپ نے نہ تو اپنے نام پر کوئی نام اختیار کیا، نہ کسی اور امتیاز پر بلکہ صرف آنحضرتؐ کے ایک اسم کی طرف اس نام کو منسوب کیا اور احمدی نام رکھنے پر اعتراض کرنا ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے کہ اپنے

آپ کو امت محمدؐ کہنا یا امت احمد کہنا گناہ ہے۔ یہ سچ ہے کہ سارے مسلمان بھی امت احمد ہیں لیکن محض امتیاز کے لئے آپ نے یہ نام اختیار کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ ایک گروہ ہے جن کی زندگیوں کا مقصد محض ایک ہی ہے۔ خدمت اسلام کا کام نہ ہوسکتا تھا جب تک ایک جماعت نہ ہو۔ اور جماعت کے لیے نام ضروری تھا۔ ورنہ اس کا امتیاز نہ رہ سکتا تھا۔ پھر وہ نام ایسا ہے جس کی نسبت خود نبی کریمؐ کی طرف ہے۔ آخر مہاجرین اور انصار کے نام بھی تو تھے۔ وہ بھی محض امتیاز کے لیے تھے۔ جس طرح کسی کو مہاجر کہنے سے اس کا نام مسلم تبدیل نہیں ہو جاتا، اسی طرح احمدی یا امت احمد کہنے سے اس کا نام مسلم تبدیل نہیں ہو جاتا۔ اگر ایک شخص مسلم ہو کر مہاجر یا انصاری کہلا سکتا ہے تو ایک شخص مسلم ہو کر احمدی بھی کہلا سکتا ہے، مجھے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یوں کسی جماعت کا نام محض تعارف کے لیے رکھنا قرآن کے خلاف ہے تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔ لیکن جب خدا کا کلام خود فرماتا ہے کہ تعارف کے لیے نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جب اس میں بعض مسلم گروہوں کے خاص نام موجود ہیں تو مجھے سمجھ نہیں آتی کہ خدمت اسلام کی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے، جس کی بنیاد حضرت مرزا صاحب نے رکھی، اس نام پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ایک چھوٹی سی بات کو اس قدر وقعت دے کر اگر ایک شخص خدمت اسلام کے اس کام میں حصہ لینے سے انکار کرتا ہے تو اس کا اختیار ہے۔ یہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اس کے دل کو اس غلط خیال سے پاک کر سکے۔ والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس لاہور

4 جنوری 1925ء

قسط دوم

اسلام کی ترقی کا راز

اسی طرح اگر آپ صحابہؓ کی تاریخ پڑھیں تو اس قسم کے واقعات وہاں بھی نظر آتے ہیں، جن میں کفار کے ساتھ ملاطفت ہی کا برتاؤ کیا گیا ہے۔لیکن ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ حالت تھی تو قرآن کے اندر تو لفظ آتے ہیں: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (29:48) اور يَآيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (73:9) تو کیا مطلب ہے کہ قرآن کے حکم کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے کیا؟ اصل میں بعض وقت ادنیٰ سی غلطی بھی ٹھوکر کا موجب ہوتی ہے۔ شِدَّتٌ کا لفظ اصل میں قوت اور طاقت پر بولا جاتا ہے۔لغت میں رَجُلٌ شَدِيْدُ الْقوىٰ یعنی رَجَلٌ شَدِيْدُ کے معنی ہیں قوی آدمی۔تو اصل معنی کیا ہیں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (29:48) کے۔ بڑے مضبوط ہیں کفار کے مقابلہ پر۔ وہ معنی، جو ہمارے ذہنوں میں ہیں یا جن کو مفسرین نے لکھ دیا ہے، بالکل غلط ہیں۔صحیح معنی یہ ہیں کہ جب کفار کے ساتھ مقابلہ ہوتا ہے اور وہ تباہ کرنا چاہتے ہیں تو کیا حالت ہوتی ہے اس وقت مسلمانوں کی۔ اَشِدَّآءُ وہ پہاڑ کی طرح مضبوط ہو جاتے ہیں ان کے مقابلہ میں۔اور ان کا کوئی خوف ان کے دلوں میں نہیں ہوتا۔ یہی نقشہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ جب انہیں کفار سے مقابلہ پیش آیا ہے تو باوجود کمزور ہونے کے ایسی قوت اور مضبوطی کا اظہار کیا ہے کہ دشمن اپنی بڑی بڑی جمعیتوں کے باوجود ان پر غالب نہیں آ سکے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کے بالمقابل تگنا لشکر ہو گیا۔ جنگ احد میں چوگنا لشکر حملہ آور ہوتا ہے اور جنگ احزاب میں تو دشمن کی جمعیت بہت بڑی تھی، لیکن ان تینوں میں پوری قوت اور مضبوطی کے ساتھ مسلمانوں نے مقابلہ کیا۔ ایک دفعہ تین ہزار صحابہؓ نے دشمن کی ایک لاکھ فوج کا مقابلہ کیا۔ اور وہ ذرا مرعوب نہیں ہوئے۔

یہی دو باتیں ہیں جو اسلام کی ترقی کا موجب ہیں۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (29:48) کفار کا مقابلہ مضبوطی اور قوت کے ساتھ کام کرنے والے اور باہم رحم اور محبت سے پیش آنے والے۔ بالفاظ دیگر

کفار سے نہ دبنے والے، ان کے سامنے نہ جھکنے والے اور آپس میں ایک دوسرے سے دبنے والے اور ایک دوسرے کے سامنے جھک جانے والے۔ اسی طرح سے دوسرے الفاظ کو دیکھ لو: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (54:5) کافروں کے بالمقابل مضبوط اور مومنوں کے سامنے جھکنے والے۔ یہ تھی اصل خوبی جس نے فی الحقیقت مسلمانوں کو غالب کیا۔ یہ خوبی کہاں سے پیدا ہوئی؟ فرماتا ہے: تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (29:48) یہ خدا کے آگے جھکنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اَشِدَّآءُ اور رُحَمَآءُ دو متضاد باتیں ہیں۔ جب ایک قوم شدت اختیار کرتی ہے تو پھر اس میں نرمی کا پہلو نہیں رہتا۔ اس کی ہر بات میں شدت پائی جاتی ہے۔ لیکن ان مسلمانوں میں ایک ہی وقت میں دو باتیں پیدا کر دیں۔ وہ سخت بھی ہیں اور نرم بھی۔ دشمن کے مقابل میں لوہے کی طرح ہیں اور آپس میں موم کی طرح۔ ایک ہی انسان تھے۔ ایک موقع پر اس قدر مضبوط اور سخت تھے کہ بڑی سے بڑی طاقت سے بھی دبنے والے نہ تھے اور دوسرے موقع پر اس قدر نرم تھے کہ باہم ہر بات میں دب جانا ان کا طریق تھا۔ یہ خوبی نماز سے ان میں پیدا ہوئی۔ بڑی چیز ہے نماز جس نے اس قدر متضاد صفات ان کے اندر پیدا کر دیں۔ سختی بھی پیدا کی اور نرمی بھی۔ مگر یہ نماز سے کس طرح دو متضاد باتیں پیدا ہو گئیں؟ نماز میں تو جھکنا ہی جھکنا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی ذلت پیدا ہو سکتی ہے۔ حد درجہ کی ذلت اور نرمی نماز پیدا کرتی ہے۔ مگر یہ شدت کس طرح پیدا کرتی ہے۔ شدت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ جو شخص خدائے واحد کے آگے گرتا ہے وہ کسی دوسرے کے آگے نہیں جھکتا۔ خدائے واحد کے آگے گرنے سے ہی وہ طاقت پیدا ہوتی ہے جو دوسروں کے آگے گرنے سے بچاتی ہے۔ یہی وہ شدت ہے جو دشمن کے مقابلہ پر اس سے وہ کارہائے نمایاں کراتی ہے جس کی نظیر کوئی دوسرا پیش نہیں کر سکتا۔

فی الحقیقت محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ ایک نہیں دو معجزے دکھائے ہیں۔ وہ لوگ جو ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر ایک دوسرے کے گلے کاٹنا جانتے تھے، جن کا رات دن لڑائی اور تلوار چلانے کے سوائے اور کوئی شغل نہ تھا، دو معجزے نبی کریمؐ نے ان کی اصلاح میں دکھائے ہیں۔ عرب کے لوگ وحشی تھے، درندے تھے، جان کی انہیں پروا نہ ہوتی تھی۔ اگر مذہب اسلام فی الحقیقت تلوار کا مذہب تھا اور اگر تلوار کے بغیر اسلام نہ رہ سکتا تھا تو ان کی اصلاح کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ تلوار چلانے کی انہیں پہلے سے خوب مشق اور عادت تھی۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا کیا؟

پہلے ان کی تلواروں کو توڑا۔ انہیں کہا کہ تلوار کی تمہیں ضرورت نہیں۔ دکھ اٹھاؤ، تکلیف اٹھاؤ، ماریں کھاؤ اور مقابلہ نہ کرو۔ یہ تو بجائے خود ایک معجزہ تھا کہ اس قدر درندوں کو بے ضرر لیلوں (بھیڑ بکری کے معصوم بچے) کی صورت میں بدل دیا۔ اور جب وہ تلوار چلانا بھول گئے، اور وہ شدت ان میں نہ رہی، اور وہ حالت ہوگئی کہ: کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (2:216) کا حکم ہوتا ہے اور وہ مشقت معلوم ہوتی ہے تو پھر ان میں مقابلہ اور شدت کا رنگ پیدا کر دیا۔ پہلے انہیں گھروں میں بٹھایا، ان کے ہاتھ میں تسبیح دی۔ پھر ان کو کہا کہ چلو اب دشمن کا مقابلہ کرو۔

یہ دو معجزے نبی کریمؐ نے دکھائے۔ اور اگر صحابہ کرامؓ کی اس طرز زندگی کو دیکھو، جس کو خلافت راشدہ کہتے ہیں تو اس میں بھی یہی دو معجزے نظر آتے ہیں۔ میں خلافت راشدہ کے زمانہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا زمانہ اسلام کی شوکت وسطوت کا زمانہ ہے۔ جب دشمن کے مقابلہ میں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (48:29) کا پہلو روشن ہوا۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا زمانہ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (48:29) کا زمانہ ہے۔ جب آپس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ یہ لوگوں کو غلطی لگتی ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایران اور شام پر مسلمانوں نے خود چڑھائی کی۔ اس کی ابتدا دراصل ان دونوں سلطنتوں کی طرف سے ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ملک عرب میں بغاوت پھیلی تو ایران نے اس وقت اپنی فوجیں عرب میں باغیوں کی امداد کے لئے بھیجی تھیں۔ دوسری یہ بات ہے کہ ایران ہی کی سلطنت کا ایک حصہ تھا جہاں سے سجاع نامی مدعیہ نبوت اٹھی اور ایام بغاوت عرب میں مدینہ پر چڑھائی کے لئے نکلی۔ یہاں تک کہ ملک عرب کے وسط تک پہنچ گئی اور ایران نے مسلمانوں کے خلاف اسے مدد دی۔ تیسری مشکل یہ پیش آئی کہ شام میں بھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو خود بھی ان تیاریوں کی خبر سن کر تبوک کی مہم پر جانا پڑا تھا۔ پھر اپنی زندگی کے آخری ایام میں اسامہ بن زید کی ماتحتی میں ایک لشکر تیار کیا۔ تو ایک طرف ملک عرب میں بغاوت تھی، دوسری طرف شام کا خطرہ تھا۔ ادھر ایران نے حملہ کر دیا۔ یہ مسلمانوں کی ہمت آزمائی کا وقت تھا کہ کیا وہ کفار کے عظیم الشان اجتماع کے سامنے دب جاتے ہیں اور ہمت ہار دیتے ہیں۔ اس وقت اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (48:29) کا اصلی رنگ نظر آتا ہے۔ ادھر بغاوت فرو ہوتی ہے اور اُدھر ایران اور شام پر حملہ کی تیاریاں ہو جاتی ہیں۔ تا کہ دشمن

کو سر اٹھانے کا موقع ہی نہ ملے۔ اگر وہ اس وقت حملہ نہ کرتے تو یقینی تھا کہ یہ دونوں سلطنتیں، جو پہل کر چکی تھیں، مسلمانوں کو کچل دیتیں۔

یہ لوگ کوئی تسبیح خواں ملا نہ تھے کہ انہیں دنیا وَمَا فِیْھَا کی کوئی خبر نہ ہوتی۔ وہ اپنی سرحدوں کی خبر رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ اگر خبر نہ لی تو دشمن حملہ آور ہو کر تباہ کر دیں گے۔ کوئی بڑی فوج پاس نہ تھی۔ ملک میں ابھی بغاوت ہو چکی تھی۔ اور ان لوگوں کو جو بغاوت کر چکے تھے، فوج میں بھرتی کرنے کا حکم نہ تھا۔ ایک ہی وقت میں دو عظیم الشان سلطنتوں کا، ہاں اس وقت کی دنیا کی عظیم ترین طاقتوں کا مقابلہ ہے۔ اور شرائط کیا ہیں جو ان کے سفیر لڑائی شروع ہو چکنے کے بعد پیش کرتے ہیں؟ وہ جا کر کہتے ہیں یہ تو ہمارا مذہب ہے جسے تم تباہ کرنا چاہتے ہو۔ یا تو اس کو مان لو پھر ہمیں تم پر اعتماد ہے۔ اگر یہ نہیں تو اطاعت اختیار کر و اور جزیہ دو۔ اور اگر یہ بھی نہیں تو تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ ایک سفیر نے یہی بات ایران کے بادشاہ سے کہی۔ بالمقابل کیا جواب ملا۔ وہ عربوں کو مزدور سمجھتے تھے۔ اس لیے کہا کہ مٹی کا ٹوکرا بھر کر لاؤ اور اس کے سر پر رکھ دو۔ چنانچہ ٹوکرا لا کر اس کے سر پر رکھا گیا۔ وہ بھی بڑے سمجھدار تھے۔ وہ ٹوکرا لے کر بھاگے کہ انہوں نے ایران کی زمین خود ہمارے حوالہ کر دی ہے۔

باوجود اس حیثیت کے، جو غیر قوموں کی نظروں میں ان کی تھی، باوجود اس کے کہ طاقت میں ان کا کوئی مقابلہ نہ تھا، پھر بھی ان سے مطالبہ یہ کرتے ہیں کہ جب تک شکست مان کر اطاعت اختیار نہ کرو، ہم لڑائی کو بند نہیں کریں گے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ دین اسلام کے دل سے بدخواہ ہیں اور اگر ذرا بھی موقع ملا تو تباہ کر کے چھوڑیں گے۔ اس لیے یہ مطالبہ کیا کہ مسلمان ہو جاؤ تو کوئی بدگمانی تم پر نہیں رہے گی۔ یہ تھا اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (29:48) کا پہلو جو پہلی دو خلافتوں میں نظر آتا ہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں جب مسلمانوں میں باہم لڑائی ہوئی تو انہوں نے اپنا سر دے دینا پسند کیا لیکن مسلمانوں کا خون بہانا گوارا نہ کیا۔ تاریخ اس بات پر کھلے طور پر شاہد ہے کہ کس طرح سے مسلمانوں میں جنگ اور فساد کو ان دونوں حضرات نے روکنا چاہا۔ غرض صحابہؓ کی تاریخ کے اندر دو پہلو صاف طور پر نظر آتے ہیں۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (29:48) کا پہلو بھی ہے اور رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (29:48) کا بھی۔ لیکن آج حالات کچھ ایسے ہیں کہ مسلمانوں نے ان دونوں صفات کو چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ آج بھی ان

دونوں پہلوؤں کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر آج اسلام کا غلبہ چاہتے ہو، اگر لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (29:48) کا رنگ دیکھنا چاہتے ہو تو وہ انہی دونوں پہلوؤں کے اختیار کرنے سے پورا ہو سکتا ہے۔ آج تمہیں کفار کس رنگ میں دبانا چاہتے ہیں؟ اس رنگ میں کہ مسلمانوں کو اسلام سے پھیر کر اپنے دین میں لے جائیں۔ عیسائیوں اور آریوں کی نہیں، سب فرقوں کی کوشش اسی طرف لگی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے مذہب سے پھیر دیں۔ تو جس رنگ میں وہ تمہیں دبانا چاہتے ہیں تم بھی اسی رنگ میں ان کا مقابلہ کرو۔ اگر وہ اپنے ساز و سامان سے تم پر غلبہ پانا چاہتے ہیں۔ تو تم اپنے کمزور ہاتھوں سے دکھا دو کہ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (29:48) کا وعدہ سچ ہے۔ یہ تو اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (29:48) کا پہلو ہے جس میں اسلام کی ترقی مضمر ہے۔ اور دوسرا پہلو رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (29:48) کا۔ یہ چاہتا ہے کہ آپس میں اخوت و محبت کا برتاؤ ہونا چاہیئے۔ یہ تکفیر کی بیماری جو اس وقت پائی جاتی ہے، اس نے مسلمانوں کی اخوت و محبت اور باہمی ہمدردی کو باقی نہیں رہنے دیا۔ خلفاء راشدینؓ نے اس اخوت کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کی تھی۔ خوارج علی الاعلان حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھیوں کو کافر کہتے تھے۔ اس لیے کہ حضرت علیؓ معاویہؓ کو بوجہ اس کی بغاوت کے اسے کافر کیوں قرار نہیں دیتے۔ لیکن انہوں نے کہا اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا ہمارے بھائی ہیں، انہوں نے ہم پر بغاوت کی ہے۔ خود خوارج کو بھی حضرت علیؓ نے مسلمان ہی کہا اور ان پر پہلے تلوار نہیں اٹھائی۔ تکفیر کا مرض پیدا کرنے والی یہی خارجی ٹولہ تھی۔ حضرت علیؓ نے ان کو یہی کہا تھا کہ جب تک تم فتنہ نہ کرو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ چنانچہ نہروان کے مقام پر اس وقت ہی لڑائی ہوئی جب انہوں نے مسلمانوں کو واقعی قتل کر دیا۔

غرض رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (29:48) کے پہلو میں بھی مسلمانوں نے غلطی کھائی ہے۔ ہمارے جو سرکردہ علماء ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں طاقت کوئی نہیں۔ گھروں کے اندر چھپے بیٹھے ہیں۔ کوئی مقابلہ انہیں نہیں کرنا آتا۔ پچھلے سال جمعیت العلماء کا خط آیا تھا کہ ہمیں کچھ آدمی تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ مولوی عبدالحق ودیارتھی صاحب کو دو سال کے لیے ہمیں دے دیں۔ السلام علیکم سے خط کو شروع نہ کر سکے گویا کافر بھی قرار دیتے ہیں اور پھر اپنے عمل سے بتاتے ہیں کہ کافروں کے مقابلہ کے لیے اگر کوئی قوم ہے تو یہی چھوٹی سی قوم ہے۔ یہ حال ہے ان کا۔ کفار کے مقابلہ میں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (29:48) کا پہلو بھی گیا اور رُحَمَآءُ

بَیۡنَھُمۡ (29:48) کا بھی ۔نعمت اللہ خاں کا قتل رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ (29:48) کا نقشہ ہے! میں تو اس کو اپنے لیے ایک بڑی مفید چیز سمجھتا ہوں ۔خوب یاد رکھو! ہمارے اندر کوئی طاقت پیدا نہ ہوتی اگر اس زور سے ہماری مخالفت نہ کی جاتی ۔ مخالفت پیش آنے پر ہم میں بھی اپنے آپ کو کھڑا کرنے کی طاقت ہوئی ۔لیکن یہ بیماری مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک ہے ۔ یہ اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ذرا ذرا سے اختلاف پر ایک دوسرے کو کافر ٹھہرانے کو تیار ہیں ۔آج کون مولوی ہے جس کو کسی دوسرے سے ادنیٰ سا اختلاف ہو اور وہ اسے کافر بنانے کے لیے تیار نہیں؟ ایک اہلحدیث مولوی صاحب لیکچر دے رہے تھے کہ کس طرح سے ادنیٰ سے اختلاف پر مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کو افغانستان سے نکالا گیا ۔ میں نے کہا شکر کرو سنگسار نہیں کیا گیا ۔مگر آج یہی اہلحدیث احمدیوں کے سنگسار ہونے پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں ۔

غرض اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ (29:48) میں اسلام کی ترقی کا راز ہے ۔آج اس راز کو اگر کسی نے کھولا ہے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ مرزا غلام احمد نے کھولا ہے ۔انہی دو پہلوؤں کو لے کر آپ نے ایک جماعت بنائی ۔ یہ غلط ہے کہ آپ نے کوئی فرقہ بنایا ۔خوب غور کر کے دیکھ لو ۔ایک گاؤں کا رہنے والا کہیں بدھ مذہب کے بالمقابل لکھتا ہے، کہیں ہندو مذہب ، کہیں عیسائیت وغیرہ کا مقابلہ کرتا ہے ۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ (29:48) کا پہلو روشن کرنا تھا ۔اگر ان دونوں پہلوؤں کو نہ لیتا تو اسلام کا کام نہ چل سکتا تھا ۔اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ (29:48) کا وہ رنگ ہے کہ کسی مذہب کو بھی نہیں چھوڑا جس پر اسلام کی فوقیت ثابت نہیں کی اور رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ (29:48) کا وہ رنگ ہے کہ کسی میں اگر ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو بھی اسے کافر کہنا گوارا نہ کیا ۔اور سب سے بڑی وجہ اسلام کی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ہے ۔اس کے پڑھنے والے کو کافر کہنا آپ نے ہرگز جائز نہیں ٹھہرایا ۔ جب مخالفین نے آپ کو کافر کہا تو ان کو کیا جواب دیا؟ کہا کہ آؤ ۔جس طرح کسی دوسرے کو مسلمان کرتے ہو مجھے بھی مسلمان کرو ۔

اگلے دن علی گڑھ میں میرے لیکچر کا مضمون یہ تجویز کیا گیا کہ مسلمانوں میں کوئی کافر نہیں ۔ایک صاحب نے مجھے کہا کہ اور کوئی کافر ہو نہ ہو آپ تو ہیں ۔ میں نے کہا کہ میں تھوڑی دیر کے لیے مان لیتا ہوں کہ جیسا ہمارے علماء کہتے ہیں، میں کافر ہوں ۔اب آؤ اور جس طرح کسی کافر کو مسلمان کرتے ہو مجھے بھی مسلمان کر لو ۔لیکن وہ شخص

آئے جس نے کسی کافر کو مسلمان بنایا ہو۔ جو کلمہ پڑھا کر تم کسی کافر کو مسلمان کرتے ہو، وہی میں پڑھتا ہوں۔ کون ہے جس کے ہاتھ میں یہ ٹکٹ (کلمہ طیبہ) ہو اور وہ اسلام کے اندر نہ آسکے! ایک ادنیٰ سے ٹکٹ کے ساتھ ایک احاطہ میں تم داخل ہو جاتے ہو۔ اس قرآن نے اس ٹکٹ یعنی کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے حق دے دیا ہے اسلام کے اندر داخل ہونے کا۔ کمزوریاں ہوں۔ نقص ہوں، سب کچھ ہو، لیکن اسلام سے نہیں نکالا جا سکتا جب تک کوئی لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل ہے۔

آج جس قدر نقصان دشمن اسلام کو پہنچا رہے ہیں، اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے علماء اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ آج اسلام کی کیا تصویر دشمنوں نے کھینچی ہے؟ یہی کہ اسلام ایسا مذہب ہے جو تلوار کے زور سے پھیلایا گیا اور ابھی امام مہدی آ کر تلوار سے اسلام کو غالب کر دے گا۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ اس خیال کو جگہ دے کر در پردہ عیسائیوں کو مدد دے رہے ہیں۔ اگر وہ اس طریق کو واقعی صحیح سمجھتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ عیسائیوں کی مخالفت کرنا چھوڑ دیں۔ اسلام کی دو تصویریں اس وقت پیش کی جاتی ہیں۔ ایک میں اسلام کی صورت ایک سیاہ رُو دیو کی ہے کہ وہ کھانے اور مارنے کو تیار ہے۔ اور ایک دوسری تصویر میں، جو اس زمانہ کے مجدد نے پیش کی ہے، اس کو ایک خوبصورت معشوق کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اب تم یہ فیصلہ کر سکتے ہو کہ کس گروہ کے ساتھ تمہیں ہونا چاہیئے۔ کیا اس سیاہ رو دیو کی صورت کے ساتھ ہو کر اسلام کی بدنامی کا موجب ہونا چاہتے ہو یا اس خوبصورت تصویر کے ساتھ جو مجدد وقت نے پیش کی ہے۔ مرتد کو واجب القتل قرار دینے میں اسلام کی شوکت تو تم نے فرض کر لی لیکن ان سے پوچھو جن کے سامنے اس کو پیش کرتے ہو۔ کیا وہ اسے شوکت سمجھتے ہیں یا پرلے درجہ کی تنگ دلی۔ اگر ہمارے سامنے عیسائی مذہب اور ہندو مذہب کا وہی نقشہ کھینچا جائے جو ہمارے علما اسلام کا پیش کرتے ہیں تو تم اس سے کس قدر نفرت کرو گے؟ یہی حال اس اسلام کا ہو رہا ہے۔ جس کا ایسا نقشہ مخالفین کے آگے پیش کیا جاتا ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ (جماعت احمدیہ کے) دو فریق ہو گئے ہیں۔ کس کے ساتھ ہوں؟ چلو اسی کے اوپر فیصلہ کر لو کہ ان دونوں میں رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (29:48) پر کون عامل ہے۔ کیا یہ معنی ہوں گے رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (29:48) کے کہ وہ چند آدمی، جو ایک فریق کے ساتھ ہیں، مسلمان ہیں اور باقی کل دنیا کے مسلمان

خارج از اسلام؟ دونوں کے حالات کو دیکھ لو۔ اگر ایک فریق کو دیکھتے ہو کہ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (29:48) کے نقشہ کے خلاف کر رہے ہیں تو اس کو چھوڑ دو۔ اور اس کا ساتھ دو جو اس رنگ کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ دیکھو اس شخص کی اولاد، جس کی ساٹھ یا اسّی تصنیفات و تالیفات غیر مذاہب کے مقابلہ میں ہوں، جو سلطان القلم ہو، کیوں آج اس رنگ کو چھوڑ بیٹھی ہے؟ اس کی قلمیں کیوں آج غیر مذہب کے مقابلہ میں نہیں اٹھتیں؟ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (29:48) کا تو یہ تقاضا ہے کہ آج کفار کا مقابلہ کیا جاتا۔ سلطان القلم کا بیٹا قلم سے غیر مذاہب کا مقابلہ کرتا۔ لیکن آج ولایت کے اخباروں میں چھپتا ہے کہ میاں (محمود احمد) صاحب نے کہا ہے کہ عیسائی کافر نہیں۔ یہ بات ولایت کے اخباروں نے ان کی طرف منسوب کی ہے کہ عیسائیوں کے متعلق انہوں نے کہا:

They are not infidel (A person who has no religious faith or un believer)

وہ (عیسائی) کافر نہیں ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی۔ اگر حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ تو تم نے تو گویا عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ ان کا مقابلہ کیا کرنا ہے!

اس لیے ایک ہی گروہ ہے جس میں اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (29:48) کا پہلو غالب ہے۔ خوب یاد رکھو کہ اگر اس راستہ کی طرف نہیں آتے جو مرزا نے پیش کیا ہے۔ اگر اس راہ کو اختیار نہیں کرتے جو اس مجدد وقت نے بتائی ہے۔ تو تم کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ جب تک اس جماعت کے ساتھ نہ ہو گے اپنے طور پر کام نہیں کر سکتے۔ اس لیے اس جماعت کا ساتھ دو۔ نظام اور جماعت کے بغیر کوئی کام سرے سے نہیں چڑھ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ کی توفیق ملتی ہے تو ان لوگوں کو نہیں ملتی جو الگ رہتے ہیں۔ بات موٹی اور سیدھی ہے کہ وہ تصویر اسلام کی، جو ہمارے علماء نے پیش کی ہے اور جس سے اس کی صورت نہایت مکروہ نظر آتی ہے، کیا وہ صحیح ہے یا وہ جو مجدد وقت نے پیش کی ہے۔ اور ان دونوں میں سے کس کے قبول کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اگر اسلام کی تصویر وہی ہے جس کو مجدد وقت نے پیش کیا ہے تو اس کے ساتھ ہو جاؤ تا کہ وہ تصویر اسلام دنیا میں غالب ہو جائے۔

7 جنوری 1925ء

مکتوب امیر۔1

برلن مسجد کے لئے ''ایک سو مزدوروں'' کی ضرورت

برادران سلسلہ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

برلن مسجد کا کام خدا کے فضل سے تکمیل کو پہنچ رہا ہے اور ماہ فروری کے آخر تک انشاء اللہ تعالیٰ ہر طرح مکمل ہو جائے گا۔اس وقت ٹھیکیداروں کو باقی کل رقم کی ادائیگی کرنا ہوگی۔ جہاں تک عمارت کا سوال ہے صرف نو ہزار روپیہ ادا کرنا ہے۔لیکن اس کے علاوہ جنگلہ، سامان اور باغ کے لئے قریباً اسی قدر رقم مزید بکار ہے۔ تاریخِ اسلام میں یہ ایک عظیم الشان کام ہے اور اس یادگار کے قائم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بڑی برکات نازل ہوں گی۔ ہم لوگ وہاں پہنچ کر تو اس پاک گھر کے بنانے میں حصہ نہیں لے سکتے۔لیکن اگر ہم یہاں اس کام کی تکمیل کے لیے تھوڑی سی تکلیف اٹھالیں تو گویا ہم اس کے مزدوروں میں شامل ہو گئے! اور یہ ہمارے لیے بڑے فخر کا مقام ہے۔اس رقم کے پورا کرنے کے لیے، جو اس وقت مطلوب ہے، چند احباب نے معقول رقوم کے فراہم کرنے کے وعدے کیے ہیں۔ان کے علاوہ اگر ایک سو آدمی اور ایسے نکل کھڑے ہوں، جو برلن مسجد کی کاپیوں پر پچاس پچاس روپے فی کس وصول کرلیں تو انشاء اللہ تعالیٰ رقم مطلوبہ پوری ہو جائے گی۔ دو ماہ کی محنت ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے اسے اٹھائے گا، اللہ تعالیٰ ہی اس کا اجر بھی اسے دے گا۔ میرے لیے یہ امر قوت کا موجب ہوگا۔ ایسے احباب، جو یہ عزم کرلیں، اپنے اسماء گرامی سے مجھے اطلاع دیں۔ والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس لاہور

18 جنوری 1925ء

ووکنگ مسلم مشن کے اثرات

قدم اٹھاؤ۔ نصرت خداوندی تمہارے انتظار میں ہے

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی اپیل برادران ملت سے

توسیع اسلام وتضعیف مسیحیت کے سوال کو سامنے رکھ کر اگر آج میں گذشتہ بارہ سال کے واقعات پر ایک سرسری نگاہ بھی ڈالوں تو مشن ووکنگ کے آغاز سے آج تک جو مذہبی انقلابات انگلستان میں ہوئے وہ کھلے کھلے طور پر کہہ رہے ہیں کہ اشاعت اسلام کے معاملہ میں نصرت خداوندی ہماری راہ ہی دیکھ رہی ہے۔

گرجاؤں کی سابقہ اور موجودہ حالت

1912ء میں جب میں انگلستان گیا، تو ہر جگہ گرجوں اور کنیسوں کو میں نے معمور پایا۔ جس مسیحی معبد میں بھی اتوار کے دن مجھے استعلام واستعجاب لے گیا، وہاں میں نے گرجا گھروں کی بنچوں اور کرسیوں کو زن ومرد سے بھرا پایا۔ آج بارہ برس کے بعد انگریزی زبان کے محاورہ میں خالی بنچوں سے مراد مسیحی معبد لیے جاتے ہیں۔ ستمبر 1923ء میں ایک مذہبی کانفرنس منعقدہ انگلستان میں لندن کے لارڈ بشپ فرماتے ہیں کہ لندن کی آبادی کے حصہ شہر میں ایک کم پچاس گرجے ہیں۔ جن کے لیے سرکاری طور پر 49 واعظ ہر اتوار کو مسیحی ضمیر کی حفاظت کے لیے جاتے ہیں۔ لیکن گرجے وہاں اپنے سامنے 4 سے لے کر 12 کی نفری کو بمشکل عبادت کے لیے دیکھ پاتے ہیں۔ اس کانفرنس میں ریورنڈ سمپسن کا بیان تھا کہ انگلستان کے مضافات میں پچاس فیصد حاضری کم ہے۔ شائد یہ ان کا خیال درست ہوگا لیکن جو نقشہ میں نے ووکنگ میں دیکھا ہے وہ تو قریب قریب لندن کے شہری حصے کی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے۔

عقائد میں تبدیلی

یہ تو حاضری کی حالت ہے۔ لیکن عقائد نے جو تبدیلی گذشتہ سات آٹھ سال میں دیکھی، اس کی نظیر تو تاریخ عالم میں کہیں نظر نہیں آتی۔ کلیسی مذہب کی جو گت اس تھوڑی سی مدت میں خود اپنے معلمان کے ہاتھ سے ہوئی، اس کی نظیر دنیا میں کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ آج توریت وانجیل کو خود معتبرین کلیسیہ نے محرف ومبدل تسلیم کر لیا۔ ان کتب کے کثیر حصہ کو انسانی کلام قرار دیا گیا۔ مروجہ عقائد مذہب کے متعلق تسلیم کر لیا گیا کہ اسے جناب مسیحؑ کی تعلیم سے کوئی تعلق نہیں۔ موسیٰؑ کی کتابوں کے اکثر واقعات پایہ صداقت سے گرے ہوئے تسلیم کیے گئے۔ زبور کے بعض حصص کو اس قابل نہ سمجھا گیا کہ وہ گرجا کی میز پر رکھے جائیں۔ خود جناب مسیحؑ کی باتوں کو ناقابل عمل اور ایک خواب بین کے تخیلات سمجھے گئے۔ اور تو اور مسئلہ طلاق کے متعلق بحث کرتے ہوئے علاقہ ڈرہم کے بشپ ڈاکٹر ہنسن نے ایک بھاری جلسہ میں کہا کہ:

> ''ہم قانون طلاق کے مصائب سے بچنے کے لیے اس کی ترمیم اس لئے نہیں ہونے دیتے کہ ایسی ترمیم جناب مسیح کے ایک فقرے کے خلاف پڑے گی۔ یہ فقرہ تو ایسی کتاب میں ہے کہ جس کی صحت پر بھی ہمیں شبہ ہے۔ اور پھر اگر جناب مسیحؑ آج ہوتے تو حالات موجودہ کو دیکھ کر جو کچھ فرماتے زیادہ عقل سے کام لے کر فرماتے۔''

غور کا مقام ہے کہ یہ فقرہ ایک اعلیٰ سے اعلیٰ ذمہ داری کے عہدے پر متمکن شخص کہہ رہا ہے۔ اور کہتا بھی اس کی شان میں ہے جسے مسیحی دنیا خدا مانتی ہے۔ ایک مسلمان تو کسی پیغمبر کی شان میں بھی یہ فقرہ استعمال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ رہی الوہیت مسیحؑ۔ اس سے بھی آج آفیشل طور پر انکار ہو گیا۔

مسیحی کانفرنسوں کا فیصلہ جناب مسیحؑ کے متعلق

یہ امور، جن کا میں نے ذکر کیا، فرادیٰ فرادیٰ معلمان مسیح کے منہ سے نہیں نکلے بلکہ 1915ء سے لے کر 1924ء تک ہر سال اگست ستمبر کے مہینے میں آکسفورڈ، کیمبرج یا کسی اور علمی مقام پر چوٹی کے پادریوں نے کانفرنسیں کیں اور ان کانفرنسوں میں باری باری یہ مسائل پیش ہوئے۔ جن میں بحث کے وقت انگلستانی کلیسا کے معتبر ومستند علماء نے حصہ لیا۔ اور مذکورہ بالا نتائج پر متفق ہوئے۔ چنانچہ 1931ء میں بمقام کیمبرج اسی قسم کا ایک

عظیم الشان جلسہ ہوا۔ انگلستان کا ایک مشہور فاضل ڈاکٹر راشڈ ل آف کا رلائل مسئلہ اُلوہیت مسیح پر بحث کرنے کے لیے منتخب ہوا۔ اس کے اعلانات نے ایک دنیا کو حیران کر دیا۔ اس نے کہا کہ ہم مسیحؑ کی اُلوہیت پر تو ایمان رکھتے ہیں لیکن جناب مسیحؑ کے متعلق یہ اعتقادات بھی رکھتے ہیں۔

1۔ جناب مسیح جسماً، روحاً، عقلاً اور قوت ارادی کی رو سے انسان تھے اور خدا ہر گز نہ تھے۔

2۔ جناب مسیحؑ کے منہ بولے الفاظ سے آپ کا خدا کے ساتھ رشتہ انسان اور خدا کا پایا جاتا ہے۔ کچھ فقرے چوتھی انجیل میں اس رشتہ سے آگے جاتے ہیں۔ لیکن وہ انجیل ہی معتبر نہیں۔

3۔ اگر جناب مسیحؑ کے معجزات یا ان کی ولادت مخصوصہ تاریخً صحیح مان لی جائے، تو بھی اس سے وہ خدا نہیں ٹھہرتے۔

4۔ جناب مسیحؑ کی روح ازلی ابدی نہ تھی۔ ہاں! اگر اور لوگوں کی روحیں بھی ازلی ابدی تسلیم کر لی جائیں، وہ بھی سہی۔

5۔ جناب مسیحؑ کے معاصر بعض غلطیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ مثلاً انہوں نے بعض دماغی بیماریوں کا نام آسیب جن رکھا تھا۔ بائبل کی بعض کتب کو وہ خدا کی طرف سے سمجھتے تھے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں اور جناب مسیح بھی ان غلطیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ اور جناب مسیح کو آئندہ کے متعلق کچھ توقعات تھیں، لیکن تاریخً وہ غلط نکلیں۔ مراد یہ ہے کہ جناب مسیح کی پیش گوئیاں غلط نکلیں۔

حیرت کا مقام ہے کہ ان شروط وحدود کا مشروط و پابند انسان کیوں خدا کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر راشڈ ل کی پانچویں مذکورہ شرط تو اسے ہماری نگاہ میں ایک نبی کے پایہ سے بھی گرا دیتی ہے۔ اسی جلسہ میں ریورنڈ ماسٹر مین نے، جو آکسفورڈ میں ایک بیت العلوم الٰہیات کے پرنسپل ہیں کہا کہ مسیح کو اگر ہم ابن اللہ کہتے ہیں تو یہ حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ اخلاقی طریق پر۔ اور ان معنوں میں ہر ایک انسان خدا کا بیٹا ہے۔

نصرت الٰہی کا کھلا نشان

میں یہ نہیں کہتا کہ ان امور کا ظہور آج ہوا۔ یہ تو برسوں کی تحقیق و تفتیش کا نتیجہ ہے۔لیکن یہ خدا تعالیٰ کے خاص فضلوں کا مقام ہے کہ یہ سب کی سب باتیں ان بڑے چوٹی کے معلمان مسیحیت کے سینوں میں بند رہیں۔ لیکن جس وقت اسلام کو اللہ تعالیٰ نے انگلستان میں پھیلانے کا ارادہ کرلیا اور ووکنگ میں جا کر علم اسلام نصب ہو گیا۔تو آغاز مشن کے تیسرے سال یہ باتیں نہایت اہتمام کے ساتھ ظاہر ہونے لگیں۔یعنی 1915ء سے ان بڑے پادریوں نے باضابطہ جلسہ کرنا شروع کر دیئے اور خود اپنی تحقیق و تدقیق سے ان باتوں کا ابطال کیا کہ جو مجھ سے سو آدمی بھی وہاں جا کر پچاس سو سال تک محنت کرتے تو ایسا نہ کر سکتے۔اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد کا یہ تو اس قدر کھلا کھلا نشان ہے کہ اگر ہم اس کی جناب میں سجدات شکر نہ کریں تو ہم گنہگار رہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری نصرت پر اٹھ کھڑا ہوا ہے۔

تائیداتِ سماوی

قرآن کریم کی تعلیم اور حدیث کے کھلے کھلے الفاظ اس ایک اصول حقہ کو قائم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افضال انسان کو آٹھوں پہر اپنا مورد بنانے کے لیے موجود ہوتے ہیں لیکن وہ افضال ظہور پذیر نہیں ہوتے جب تک کہ انسان کا قدم ان افضال کے حصول کے لیے نہیں اٹھتا۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم خدا کی طرف اگر ایک قدم اٹھاؤ تو وہ دس قدم تمہاری طرف آئے گا۔کائنات کی چیزیں جس طرح انسان کی مدد کرتی ہیں وہاں بھی یہی قانون نظر آتا ہے۔یہی قانون الٰہی اشاعت اسلام کے متعلق عملاً نظر آ رہا ہے۔اس قدر محققین انگلستان کا، جن میں سب کے سب کلیسا کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ دار ہیں، برسوں سے ان امور پر تحقیق کرنا، برسوں سے ان باتوں کو سوچتے رہنا کہ موجودہ عیسائی مذہب کہاں تک مذہب حقہ ہے اور پھر نہایت خاموشی کے ساتھ نتائج بالا پر آ جانا، لیکن ان سب کے اظہار کا وقت اللہ تعالیٰ کی مشیت میں وہی قرار دیا جاتا ہے جب اشاعت اسلام کے لیے ایک قدم، خواہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو، ایک مسلم کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے۔وہ قدم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک متدائرہ عقائد و خیالات کا قلع وقمع نہ ہو جائے۔غیر مسلم مقامات میں اسلام کا پھیلانا گویا اس جگہ پر ایک نئی عمارت کھڑی کرنی ہے، جہاں پہلے سے ہی بہت سی عمارتیں کھڑی ہیں۔جب تک یہ عمارتیں نہ گریں، تب تک

نئی عمارت کہاں قائم ہو؟ لیکن قربان جاؤں خدا تعالیٰ کے کہ ادھر ہندوستان سے ایک معمار جاتا ہے، ادھر آسمان پر پہلی عمارتوں کے گرانے کا انتظام ہو جاتا ہے۔ ابھی اسے انگلستان میں قدم رکھے ہوئے تین سال نہیں ہوتے، ابھی اس کے پاس تعمیر کے سامان بھی جمع نہیں ہوئے کہ پرانی عمارتوں کے انہدام کا کام بڑے زور وشور کے ساتھ خدائی ہاتھ شروع کر دیتا ہے۔ یہ خدا کا ہاتھ نہیں تو اور کیا ہے کہ بشپ ڈین ڈیکن۔ آرچ ڈیکن سب کے سب خود بخود مروجہ عیسائیت کے ایک ایک عقیدہ کی بیخ کنی کر رہے ہیں!

توریت وانجیل کے متعلق ارکان کلیسا کا فیصلہ

ایک مسلم مبلغ کو فیصلہ قرآنی کے ماتحت انہیں یہ اطلاع دینے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ توریت وانجیل کے بہت سے حصص میں انسانی ہاتھ کی آمیزش ہے بلکہ 1908ء میں خود بڑے عہدے کے پادری انگلستان میں جمع ہو کر اسقف اعظم آرچ بشپ آف کینٹبری کے دربار میں میموریل پیش کرتے ہیں کہ ہم یہ حلف اٹھانے کو تیار نہیں کہ انجیل اور توریت خدا کی طرف سے ہے۔ یہ وہ قسم ہے جو ڈین بننے کے وقت ایک پادری کو کھانا پڑتی ہے۔ ان باتوں کی تفصیل میں نے اپنی کتاب ''ینابیع المسیحیت'' میں کر دی ہے اور یہ بھی کس قدر خدا کا فضل ہے کہ اسی کتاب کی تصنیف نے دنیا پر ظاہر کر دیا کہ مسیحیت یا کلیسیت کی کُل کی کُل متدائرہ تعلیم سورج پرستی سے لی گئی ہے۔ صرف مسیح، مریم، بیت اللحم اور بیت المقدس وغیرہ چند ایک مقامات نئے ہیں۔ ورنہ کُل کے کُل حالات، حکایات، معتقدات، رسومات اور تہوار سورج پرستی کے ہیں جو جناب مسیحؑ کی پیدائش سے صدیوں پہلے دنیا میں موجود تھے۔

18 جنوری 1925ء

برلن مسجد کے مینارے اور خواتینِ سلسلہ کی بے نظیر قربانی

حضرت امیر ایّدہ اللہ کا پیغام سلسلہ کی بہنوں کے نام

خواہران محترمہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو معلوم ہے کہ ہماری انجمن برلن دارالخلافہ جرمنی میں ایک عظیم الشان مسجد بنوا رہی ہے جس کی کل لاگت اسی ہزار روپے تک پہنچ جائے گی۔ چونکہ انجمن میں اس قدر استطاعت نہ تھی کہ مسجد کے سارے کام کی تکمیل فوراً کرا سکے، اس لیے مولانا صدرالدین صاحب کو لکھ دیا گیا تھا کہ سرِ دست میناروں کا کام ملتوی کر دیا جائے۔ اگرچہ اس سے مسجد کی شان میں فرق آتا ہے مگر مجبوراً یہ کرنا پڑا اور سرِ دست باقی مسجد کے کام کی تکمیل پر پورا زور دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جس کے لیے قریباً دس ہزار روپیہ اور بکار ہے جو آخر فروری تک مولوی صاحب کو پہنچنا چاہئے۔ تقریباً اتنا ہی روپیہ میناروں کے لیے بکار تھا۔ بظاہر کوئی اور سامان نہ تھا کہ دس ہزار روپیہ میناروں کے لیے جمع ہو سکے۔ اتفاق سے جلسہ سالانہ کے موقع پر میں نے ان احمدی خواتین کے سامنے جو، جلسہ کے موقع پر موجود تھیں، وعظ کے بعد ذکر کیا تو انہوں نے اس سچے ایثار کا ثبوت دیا جو اس جماعت کے اندر امام وقت نے پیدا کیا ہے۔ اور بڑے بڑے قیمتی زیورات (جن میں بعض کی قیمت پانچ سو روپے تک تھی) اتار کر پھینک دیئے اور چند منٹوں کے اندر قریباً تین ہزار کی مالیت کے زیورات جمع ہو گئے۔ اگرچہ میناروں کا ایک تہائی خرچ ان چند باہمت خواتین نے، جن کی تعداد بمشکل تیس چالیس ہوگی، اسی وقت جمع کر دیا اور اس کے ساتھ ہی بعض باہمت خواتین نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی اور بہنوں کو بھی اس نیک کام میں شامل کرنے کی کوشش کریں گی کہ پانچ ہزار روپیہ تک انشاء اللہ تعالیٰ لاہور ہی میں جمع ہو جائے گا۔ اس صورت میں باقی صرف پانچ ہزار روپیہ رہ جاتا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ احمدی خواتین، جو لاہور سے باہر رہتی ہیں، اس چھوٹی سی رقم کو بہت جلد پورا کر دیں گی۔ فی الحقیقت اگر تعداد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس سے تگنی رقم کا پورا کر دینا بھی ان خواتین کے لیے کچھ مشکل

نہیں۔ اور پھر لاہور کی احمدی خواتین تو عموماً کچھ نہ کچھ حصہ ایسے ثواب کے کاموں میں لیتی رہتی ہیں لیکن بیرونجات کی خواتین کو ایسا موقع نہیں ملتا۔ اس لیے اس وقت، جب مسجد کے ایک حصہ کی تکمیل ابھی باقی ہے، امید ہے کہ ہماری معزز محترم بہنیں ہمت کر کے اس حصہ کو پورا کر دیں گی۔ یہ مینار، جو ان کے ایثار سے بنیں گے، ان کے لیے صدقہ جاریہ کا موجب ہوں گے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس خدمتِ دینی کی وجہ سے ان پر اور ان کی اولاد پر بڑی بڑی برکتیں اور رحمتیں نازل فرمائے گا اور ان کے نام ہمیشہ کے لیے زندہ رہیں گے۔ انشاءاللہ

شائد ہماری بہت سی بہنوں کو یہ خیال ہو کہ ان کے خاوند یا دیگر عزیز جب ان خدمات دینی میں حصہ لیتے ہیں تو ان کے لیے بھی وہی کافی ہے۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ جس طرح خاوند کی پڑھی ہوئی نماز بیوی کے کام نہ آئے گی، خاوند کے رکھے ہوئے روزے بیوی کے کام نہ آئیں گے، اسی طرح خاوند کی کی ہوئی خیرات بیوی کے کام نہ آئے گی۔ اس لئے قرآن کریم نے جہاں وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ (35:33) یعنی صدقہ دینے والے مردوں کا ذکر کیا ہے، وہیں وَالْمُتَصَدِّقَاتِ یعنی صدقہ دینے والی عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ خاوند جو صدقہ کرتا ہے یا اور نیکی کرتا ہے تو اس کا ثواب اس کی بیوی کو نہیں ہوتا۔ جس طرح خاوند اگر بُرا کام کرے تو اس کا عذاب بیوی پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خدمت دین کی ذمہ داری جس طرح مردوں پر رکھی ہے اسی طرح عورتوں پر رکھی ہے۔ اس لیے ہمارے سلسلہ کی خواتین کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خاوند کتنی ہی خدمت دین کریں، کتنے ہی نیکی کے کام اور مجاہدات کریں، وہ اگر اپنے طور پر خدمت دین میں حصہ نہیں لیتیں تو ایسی ہی محروم ہیں جیسے دوسری کوئی عورت۔ مرد کو اس کے اپنے کیے ہوئے عمل کام دیں گے اور عورت کو اپنے کیے ہوئے عمل۔ اسلام کا عورتوں پر یہ احسان ہے کہ اس نے ہر عورت کو صاحب مال بنایا ہے۔ کیونکہ ہر عورت کا کچھ مہر ہوتا ہے اور ایسا ہی اس کے زیورات بھی ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ چاہے تو تجارت وغیرہ کر کے بھی مال حاصل کر سکتی ہے۔ اس لیے اس پر اپنے مال سے خدا کے رستہ میں خرچ کرنا اسی طرح فرض ہے جس طرح مرد پر فرض ہے۔ جو عورت اس غلطی میں ہے کہ میرے خاوند کا خرچ کیا ہوا میرے کام آئے گا اس کے لیے کل کو خدا کے حضور مصیبت کا سامنا ہوگا!

لہٰذا میں آپ سے نہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ برلن مسجد کے میناروں کے کام کو پورا کرنے کے لیے آپ

اپنے زیور کا یا اپنے مال کا کوئی حصہ دیں بلکہ اس کے ساتھ ہی آئندہ کے لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ ہر ایک احمدی خاتون مستقل ماہوار بھی کچھ رقم تبلیغ اسلام کے لیے دے۔ ہمارے نبی کریمؐ کی بیویوں نے اور آپ کے صحابہؓ کی بیویوں نے دین کی اشاعت کے لیے بڑے بڑے دکھ اٹھائے۔ زخم کھائے، مال دیئے۔ وہ دین، جوان پاک نفسوں کے خون سے دنیا میں قائم ہوا تھا، آج دشمن اس کو مٹا رہے ہیں۔ کیا جب خود سرورِ دو جہاں ﷺ نے اپنا خون بہایا وہاں ہم اپنا پسینہ بھی نہیں بہا سکتے؟ اور چند پیسے اپنے مال سے خرچ نہیں کر سکتے؟ اگر کوئی عورت اس قدر غریب ہے کہ اس کے پاس دینے کو چند آنے ماہوار بھی نہیں۔ تو وہ ایک مٹھی بھر آٹا ہی دونوں وقت نکال کر الگ کر دیا کرے اور اس کو مہینے کے مہینے بکوا کر وہ پیسے اشاعت اسلام کے لیے دے دیا کرے۔ اور جو خواتین اہل توفیق ہیں وہ اپنی توفیق کے مطابق اس کام میں حصہ لیں۔ جو کچھ رقم اس طرح مقرر کی جائے اس کی اطلاع مجھے بھی دی جائے۔

21 جنوری 1925ء

ارشاد حضرت امیر

سالانہ جلسہ کے موقع پر تعمیر مدرسہ کے کام کو چلانے کے لیے احباب سے بیس ہزار روپیہ قرضہ کی درخواست کی گئی تھی جس کے آخر سال تک ادا کر دینے کا وعدہ ہے۔ بعض احباب نے اس وقت اس آواز پر لبیک کہا اور بارہ ہزار روپے کی رقم کا انتظار ہو گیا لیکن ابھی آٹھ ہزار روپیہ اور بکار ہے۔ لہٰذا دیگر احباب سے درخواست ہے کہ وہ بھی اس کار خیر میں حصہ لے کر ممنون فرمائیں۔ جو رقم اس وقت دی جائے گی وہ 31 دسمبر 1935ء تک انشاء اللہ تعالیٰ بہرحال ادا کر دی جائے گی۔ جن احباب کے پاس ایسا روپیہ ہو جو بنک میں یا گھر میں پڑا ہو وہ انجمن پر پورا اعتماد کر سکتے اور جس طرح چاہیں اپنی تسلی کر سکتے ہیں۔ لیکن اس وقت ایسی امداد کے بغیر انجمن کو بہت سی زیر باری ہوگی۔ احباب بہت جلد توجہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

مسلم اور کافر

معاصر ''مسلم آوٹ لک'' نے اپنے ایک مضمون میں مولوی بشیر احمد دیو بندی کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مولوی صاحب نے یہ بیان کیا کہ:

> ''خدا نے اپنے پاس دو رجسٹر رکھے ہوئے ہیں۔ ایک رجسٹر دوستوں کے ناموں پر مشتمل ہے اور دوسرا دشمنوں کے۔ اول الذکر میں مسلمانوں کے اور موخر الذکر میں غیر مسلموں کے نام درج ہوتے ہیں۔''

اس پر تنقید کرتے ہوئے معاصر موصوف رقم طراز ہے کہ:

''قرآن کریم میں ایک عجیب سورۃ موجود ہے جس میں بار ہا اسلام کے اصل آئینہ کو پیش کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا اور نیک عمل کرتا ہے، خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی یا صابی ان کا اجران کے رب کے ہاں ہے اوران پر کوئی خوف وحزن نہ ہوگا۔ مولانا بشیر احمد دیوبندی کون ہیں کہ وہ ان لغو خیالات سے، جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، اس شاندار پیغام امیدواری کو رد کریں۔''

مولوی بشیر احمد کے خیالات کی لغویت تو ظاہر ہے۔ دوست و دشمن، مسلمان و کافر کے رجسٹر خدا کے ہاں وہ دیکھ آئے ہوں گے۔ ہم نے تو اس کی پاک کتاب میں صرف اسی قدر پڑھا ہے۔ وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا۔ (13:17) ہر انسان کا اعمال نامہ ہم نے خود اسی کی گردن میں لٹکا دیا ہے اور وہ قیامت کے دن کتاب کی صورت میں ہم اس کے آگے ڈال دیں گے تاکہ وہ اسے پڑھ لے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی معاصر ''مسلم آوٹ لک'' نے قرآن کریم سے یہ استدلال کرنے میں سخت غلطی کھائی ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے مذہب پر رہ کر نجات حاصل کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں قرآن، اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، نہ کسی کو اسلام کی دعوت دینے کی ضرورت ہے۔ جو جس مذہب پر جی چاہے رہے اور اس پر عمل کرے نجات حاصل کرے گا۔ افسوس ہے کہ اس آیت پر غور کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ حالانکہ اس آیت میں صرف اسی قدر بتانا مقصود ہے کہ اسلام نے یہود و نصاریٰ کی طرح، جن کا ذکر اس آیت کے سیاق سباق میں موجود ہے۔ کسی خاص قوم کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ نہیں کیا۔ یہود اگر اپنا دین صرف یہودیوں کے لیے سمجھتے ہیں تو اسلام اس کے بالمقابل دنیا کی تمام اقوام کو صلاءِ عام دیتا ہے کہ کوئی یہودی ہو یا نصرانی یا صابی جو کوئی بھی دین اسلام کے اندر آ جائے (کیونکہ خدا اور یوم آخرت پر ایمان لانا شریعت اسلام کی اصطلاح میں اسلام میں داخل ہونا ہے۔ اور اس ایمان میں محمد رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہیں) اور جو نیک عمل کرے وہ اپنا اجر پائے گا اور داخل جنت ہوگا۔

25 جنوری 1925ء

''تذکرہ'' پر ایک نظر

قرآن کریم کی خدمت اگر غیر مسلم بھی کرے تو ہم مسلمانوں کو اس کی قدر کرنی چاہیے۔ لیکن جب خود مسلمانوں میں یہ بیداری پیدا ہوتی نظر آئے کہ وہ قرآن کریم کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں تو یہ ہمارے لیے خاص خوشی کا موجب ہے۔ اس زمانہ میں، جب ہماری درس گاہوں میں بیسیوں علوم پڑھائے جاتے ہیں مگر قرآن کریم کا خانہ خالی ہے، یہ امر ہر ایک مسلمان کے لیے مسرت کا موجب ہونا چاہیے کہ نئی روشنی کے اصحاب قرآن کریم پر غور و تدبر کرنے لگے ہیں انہی اصحاب میں سے جناب محمد عنایت اللہ خاں صاحب ہیں۔ جن کی کتاب ''تذکرہ'' اس وقت، گو مخالفت کے رنگ میں ہی سہی، کافی شہرت حاصل کر چکی ہے۔ اگر ہماری کسی دوسرے سے مخالفت صرف اس حد تک ہو کہ ہم اس کی بعض باتوں سے اختلاف رائے رکھتے ہیں اور اس اختلاف رائے کو بوقت ضرورت ظاہر کر دیتے ہیں تو یہ کوئی حرج کی بات نہیں۔ لیکن ہمارے علماء اور اخبار نویسوں کی یہ کوشش کہ فلاں شخص کی کتاب کو کوئی نہ پڑھے، اس لئے کہ اس کو پڑھ کر وہ بے ایمان ہو جائے گا، بہت ہی مذموم کوشش ہے۔ مذہب اسلام اس قسم کی تنگ دلی نہیں سکھاتا بلکہ وہ غیر مسلموں کی بھی اچھی باتوں کی قدر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ بدقسمتی سے علماء کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ اگر ان سے کسی اعتراض کا جواب پوچھا جائے تو وہ سائل کو بے ایمان بناتے ہیں اور اگر ان کی رائے کے خلاف کوئی رائے کا اظہار کرے تو وہ چلا اٹھتے ہیں کہ اس شخص نے مسلمانوں کے دین کو بگاڑ دیا۔ یہی سلوک کتاب ''تذکرہ'' سے بھی ہوا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ مصنف ''تذکرہ'' نے کوئی غلطی نہیں کی۔ انہوں نے بعض مقامات پر بری طرح ٹھوکر کھائی ہے۔ مگر اس کے باوجود میں یہ ضرور کہوں گا کہ ان کی رائے اور خیالات کو بھی سننا چاہئیے اور **خُذْ مَا صَفَا دَعْ مَا کَدَر** پر عمل کرنا چاہئیے اور مسلمانوں کو اس کتاب کو پڑھنا چاہئیے اور ان کی محنت کی داد دینی چاہئیے۔ انہوں نے جو محنت شاقہ اس کتاب کی تیاری میں اٹھائی ہے وہ اس کے صفحہ صفحہ سے ظاہر ہے۔ اور جو زر کثیر اس کی تیاری اور اشاعت پر صرف کیا ہے وہ کتاب کی ہیئت اور اس کے حجم سے عیاں ہے۔ ہمیں اس قسم کی کوششوں کی قدر کرنی

چاہیئے، گو ہمارا اور ان کا بعض خیالات میں اختلاف بھی ہو۔ انہوں نے بعض خاص امور کی طرف توجہ دلائی ہے جن میں مسلمانوں میں کوتاہی پائی جاتی ہے اور قرآن کریم سے ان امور پر استدلات پیش کیے ہیں۔ مسلمانوں کو بتایا ہے کہ قوم کی ترقی کا راز چند عقائد میں نہیں جن کے ساتھ عمل نہ ہو بلکہ ترقی کے لیے عملی شاہراہ پر قدم مارنا ضروری ہے۔ اس کی طرف توجہ دلانے کے لیے انہوں نے دینِ اسلام کو دس اصول پر مبنی بتایا ہے۔ عمل میں توحید، امت کی وحدت، اولوالامر کی اطاعت، مال سے جہاد، تلوار سے جہاد، ہجرت، سعی میں استقامت، نتیجہ میں توکل، اخلاق فاضلہ، علم اور ایمان بالآخرت۔ یہ دس امور ایسے ہیں جن میں آج مسلمان تعلیم قرآنی سے بہت دور پڑے ہوئے ہیں اور مصنف تذکرہ نے ان امور کی طرف توجہ دلانے میں اعلیٰ درجہ کی خدمت اسلامی کا کام کیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی مسلمان کو اس بات میں ان سے اختلاف رائے ہو کہ ان چیزوں کی مسلمانوں کو اشد ترین ضرورت ہے۔ نہ اس بات میں ان سے کسی کو اختلاف رائے ہی ہوسکتا ہے کہ ان اصول پر عمل پیرا ہوئے بغیر مسلمانوں کا قعرِ مذلت سے نکلنا محال ہے اور نہ اس بات سے آج سمجھدار لوگوں کو ہی اختلاف رائے ہوسکتا ہے کہ مسلمان دین اسلام کی اصل حقیقت سے بہت دور پڑے ہوئے ہیں۔

جہاں مصنف ''تذکرہ'' کو ٹھوکر لگی ہے وہ یہ کہ مشرقی ہونے کے باوجود مغربیت کا دل پر بے انتہا اثر ہے۔ مغرب کی مادی ترقیوں نے ان کے دل پر اس قدر اثر کیا ہے کہ انہی مادی ترقیوں کو ہی وہ اصل اخلاق واصل روحانیت اور علم خیال کرتے ہیں۔ اور یہ فرض کر کے انہوں نے ایک طرف مسلمانوں کو بُرا کہنے میں اور دوسری طرف یورپ کے سراہنے میں حد سے تجاوز کیا ہے۔ اگر وہ جائز حدود کے اندر مسلمانوں کو ان کے نقصوں کی طرف توجہ دلاتے یا یورپ کی بعض اچھی باتوں کو پیش کرتے تو حرج نہ تھا۔ مگر کتاب کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک انسان کی ترقی صرف مادی ترقی کا ہی نام ہے اور اسی کو وہ فلاحِ اخروی بھی خیال کرتے ہیں۔

اس کتاب کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ''تذکرہ'' کے نزدیک یورپ کے لوگ ہی علماء کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے زمین کی آرائش کی ہے اور اس کو ترقی دی ہے اور وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور زمین کی غاروں میں پھر نکلے ہیں۔ اور ان کی حالت دنیا اور آخرت میں صلاحیت کی حالت ہے۔

یورپ کے لوگوں نے ہی اخلاق اللہ سے تخلق کیا ہے۔ یورپ کے لوگ ہی اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں اور فلاح حاصل کر چکے ہیں۔ جیسا آج یورپ کے لوگوں نے اللہ کو پہچانا ہے اور جیسا انہوں نے اللہ کی قدر کی ہے، ایسی کبھی کسی قوم نے نہیں کی۔ گویا صحابہؓ اور نبی کریمؐ سے بھی بہتر انہوں نے اللہ کو پہچانا ہے بلکہ تمام انبیاءؑ سے بھی بڑھ کر۔ اور خدا تعالیٰ نے یورپ کی تکمیل کر کے ان میں اپنی روح نفخ کر دی ہے اور وہ بغیر قرآن کو پڑھنے یا سننے کے پورے کے پورے اسلام کو احوال طبعی سے معلوم کر کے اس پر عامل ہیں۔ اور جس پر وہ عامل نہیں، وہ اصل اسلام نہیں۔ اور وہ توحید اور ایمان کے مقام پر پہنچ چکے ہیں اور وہی قرآن کریم کے حامل ہیں۔ اور وہی اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرنے والی قوم ہے اور وہی صراطِ مستقیم پر ہیں اور وہی موحد اور متقی ہیں۔ اگر چہ مصنف ''تذکرہ'' کے نزدیک مذہب کی اصل غرض وغایت صرف انسان کی مادی ترقی ہے اور ایمان اور اصلاح اور تقویٰ اور فلاح صرف مادی ترقی کے ہی مختلف نام ہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ باتیں محض یورپ کے اثر سے متاثر ہونے کی وجہ سے کسی قدر جوش میں لکھ گئے ہیں۔ یورپ کی ہر ایک چیز ان کی نظر میں ایک خوبی ہے اور مسلمانوں کی ہر ایک چیز ان کی نظر میں عیب ہے۔ اگر وہ زیادہ غور سے دیکھتے اور ٹھنڈے دل سے کام لیتے، تو انہیں یورپ میں بھی بعض خطرناک عیوب نظر آ جاتے اور مسلمانوں میں بھی کچھ خوبیاں نظر آ جاتیں۔

ایک بڑی غلط فہمی، جس کا میں اسی تعلق میں ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ہے کہ مذہب کی غرض صرف مادی ترقی یا بادشاہت کا ملنا سمجھا جاتا ہے اور اس غلطی میں اکیلے مصنف ''تذکرہ'' ہی مبتلا نہیں بلکہ ہمارے اکثر لیڈر آج اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے سوراج حکومت اور بادشاہت کو ہی سب کچھ سمجھا ہوا ہے۔ بلا شبہ حکومت اور بادشاہت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک ہے۔ بلا شبہ مادی ترقی خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اور اشیاء کی وہ تسخیر ہے جس کی طرف قرآن کریم بار بار توجہ دلاتا ہے۔ لیکن مذہب کی غرض اور اس کا آخری مقصد بادشاہت یا مادی ترقی نہیں بلکہ انسان کے کل قویٰ کی نشو ونما ہے۔ اور اسی دنیا کی زندگی میں اگر مادی ترقی اس کے بعض قویٰ کے نشو ونما کا نشان ہے تو اخلاقی ترقی اس سے بھی اعلیٰ تر قویٰ کے نشو ونما کا نتیجہ ہے۔ مادی ترقی کے سامان اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر رکھے ہیں اور انسان اپنی کوشش سے ان کو حاصل کرتا چلا جاتا ہے اور ایک نسل دوسری نسل کے بعد ان میں اضافہ کرتی چلی جاتی ہے۔ مسلمانوں نے اپنے زمانہ میں اس حصہ کو کمال تک

پہنچایا۔ آج یورپ نے اس پر اضافہ کر کے اسے اور بلند مقام پر پہنچایا اور کل کو جو اور قومیں ان کے پیچھے آئیں گی، وہ ان میں اضافہ کریں گی۔ مگر صرف ان مادی ترقیوں کو دیکھ کر ہم کو یہ نہ سمجھ لینا چاہئیے کہ جس قوم نے یہ کام کیا ہے، اس نے مذہب کی اصل غرض کو پا لیا ہے۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ جب یہ مادی ترقی کمال کو پہنچتی ہے تو اخلاقی طور پر قوم میں تنزل و انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ کس قدر قومیں مادی ترقی کے عروج پر پہنچ کر مٹتی ہیں۔ انسان کی حقیقی ترقی اس کی اخلاقی اور روحانی ترقی ہے۔ اور یہی چیز ہے جس کا آج یورپ انتہائی مادی ترقی کے باوجود محتاج ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کے لیے پیغمبروں اور ہدایتوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے یہی مذہب کی اصل غرض ہے۔

محمد علی

احمد یہ بلڈنگس، لاہور

احباب کے نام

(28 جنوری 1924ء) ذیل کا خط حضرت امیر ایدہ اللہ کی طرف سے تمام احباب کے نام فرداً فرداً بھیجا جا رہا ہے۔ امید ہے احباب کرام اس کی طرف خاص طور پر توجہ فرمائیں گے۔

برادرم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے دارالخلافہ جرمنی میں ایک عظیم الشان مسجد تیار ہو رہی ہے، جو اور دو ماہ تک انشاء اللہ مکمل ہو جائے گی۔ اس مسجد کے تیار کرنے میں ہماری چھوٹی سی جماعت نے جو بے نظیر ایثار دکھایا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ایسا ہی ان تمام مسلمان بھائیوں کو، جنہوں نے اس کار خیر میں حصہ لیا ہے۔ یہ مسجد اپنی عظمت وشان کے لحاظ سے اسلام کی شوکت کا نشان ہے۔ اب جرمن مشن کا قائم رکھنا ہمارا دوہرا فرض ہے۔ ایک اسلام کے متعلق صحیح خیالات پھیلانے اور تبلیغ اسلام کے لیے اور دوسرا اس مبارک مسجد کے آباد رکھنے کے لیے۔ اور یوں مسجد کے بن جانے نے جرمن مشن کے مستقل قیام پر مہر لگا دی ہے۔ کیونکہ خانہ خدا کو بنا کر

اسے خالی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اور جو شخص وہاں امام ہوگا، وہی تبلیغ بھی کرے گا۔ اور اس وقت تو خدا کے فضل سے ایک درجن کے قریب معزز گھرانوں کے لوگ وہاں داخل اسلام بھی ہو چکے ہیں اور سہ ماہی رسالہ بھی جرمن زبان میں جاری ہے۔

ان حالات میں احمدی جماعت کا یہ فرض ہے کہ اس مشن کے اخراجات کا مستقل انتظام کرے۔ یہ امر جلسہ سالانہ میں پیش کیا گیا تو مشورہ سے یہ قرار پایا کہ چونکہ افراد جماعت پر دیگر اغراض انجمن کے لیے تین پیسے فی روپیہ چندہ مقرر ہے اور جن لوگوں کی ماہوار آمدنی قلیل ہے، ان کے لیے مزید بار مشکلات کا موجب ہوگا۔ اس لیے جماعت کے ایسے احباب، جو قدرے وسعت رکھتے ہیں، اس خرچ کو اپنے ذمہ لیں اور ایک رقم سالانہ مستقل طور پر جرمن مشن کے لیے علاوہ معمولی چندہ کے ادا کریں۔ چنانچہ جو احباب اس وقت موجود تھے، ان میں سے اکثر صاحب وسعت احباب نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سالانہ مستقل چندوں کے وعدے کیے۔ جن کی کل میزان سات ہزار روپے ہوتی ہے۔ لیکن اخراجات سولہ ہزار روپے سالانہ کے قریب ہیں۔ اس لیے اب باقی احباب کو تکلیف دی جاتی ہے کہ وہ بھی حسب حیثیت سالانہ مستقل چندہ جرمن مشن کے لیے دیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کم سے کم ایک روپے سالانہ چندہ مقرر کر کے اس کار خیر میں شامل ہوں گے۔ جواب سے بواپسی مطلع کریں تا کہ رجسٹر کی تکمیل ہو۔ اور اس امر سے بھی اطلاع دیں کہ یہ چندہ آپ کب کب اور کن اقساط میں ادا کریں گے۔ والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس لاہور

جماعت کی ترقی

ایک معزز دوست نے جماعت کی کمی جوش اور لاہوری و قادیانی فریق کی مصالحت کے بارہ میں حضرت امیر کی خدمت میں لکھا ہے جس کا جواب آپ نے حسب ذیل دیا ہے۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو جوش اور صدق اور اخلاص مامور کے ساتھیوں میں ہوتا ہے، بعد میں آنے

والوں میں الّا ماشاء اللہ اس حد تک نہیں ہوتا۔ اس کمی کو کثرت اور دیگر اسباب نصرت پورا کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی وفات کے بعد مسلمانوں میں ابوبکرؓ وعمرؓ پیدا نہ ہوئے۔ گو اپنے اپنے رنگ میں خدمات بجا لانے والے پیچھے بھی ہوتے رہے۔ یہی حالت یہاں ہے۔ خدا کے فضل سے جماعت بھی ترقی کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ دیگر سامان نصرت کے بھی عطا فرما رہا ہے۔ ہماری طرف سے جدو جہد میں کمزوری ہے جو خدا چاہے گا تو دور ہو جائے گی اور اس کی نصرتیں پہلے بھی دو چند ہو کر آئیں گی۔

چند سوالوں کے جواب سے دو جماعتوں کا ایک ہو جانا مشکل ہے۔ دل تو میرا بھی یہی چاہتا ہے کہ باہم اتفاق ہو۔ کم سے کم یہ کہ ایک دوسرے کے کام میں رکاوٹ کا موجب نہ ہوں۔ مگر میاں (محمود احمد) صاحب نے اس وقت آپ کو ان سوالوں کے جواب نہ دیئے تو اب کیا دیویں گے۔ آپ کے سوالات میں زیادہ تر نبوت کی بحث ہے۔ لیکن حقیقت میں اصلی فرق مسئلہ کفر و اسلام پر ہے۔ اصل سوال صرف ایک ہی ہے۔ اگر یہ حل ہو جائے تو سب سوالات حل ہو جاتے ہیں۔ کیا حضرت مسیح موعودؑ کے نام سے بے خبر لوگ، کیا آپ کو نیک اور راستباز ماننے والے لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں؟ کیا آج کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ منسوخ ہے؟

اگر اس سوال کا جواب مل جائے تو باقی سب کا حل آسان ہو جائے گا۔ اس کا جو جواب میاں صاحب دیتے ہیں، اس کا بھی آپ کو علم ہے اور جو جواب ہم دیتے ہیں اس کا بھی آپ کو علم ہے۔ اس صورت میں عقائد پر اتفاق ہونا تو بظاہر ایک موہوم امر ہے۔ ہاں! کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے کام میں رکاوٹ کا موجب نہ ہوں تو بھی غنیمت ہے۔ اس کے لیے بھی ہم چار پانچ سال ہوئے کوشش کر چکے ہیں۔ قادیان وفد بھیجا گیا کہ ایک دوسرے کو بُرا کہنا اور ذاتیات پر حملے کرنا چھوڑ دیئے جائیں مگر میاں صاحب کی طرف سے اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ اگر ملا تو یہ کہ اپنی جماعت کو خطاب کر کے کہا کہ پیغامیوں کے دھوکے میں نہ آنا۔ بعض وقت شیطان بھی فرشتہ کے لباس میں آ جایا کرتا ہے۔

۞۞۞

28 جنوری 1925ء

اداریہ

دو خوش خبریاں

مسجد برلن کے میناروں اور عمارتِ مدرسہ کے متعلق

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کا پیغام برادران ملت کے نام)

برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج میں آپ کو دو خوشخبریاں سناتا ہوں۔ پہلی خوشخبری تو یہ ہے کہ برلن مسجد کے میناروں کا کام جو ملتوی کرنے کا ارادہ میں نے جلسہ سالانہ پر ظاہر کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اس کا ایک سامان تو یوں کر دیا کہ اسی وقت مستورات میں تحریک شروع ہوگئی اور فوراً تین ہزار روپیہ، جس کا بہت بڑا حصہ لاہور کی احمدی خواتین کے چندہ کا ہے، جمع ہوگیا۔ ہماری دوسری جماعتوں کی خواتین کی طرف سے ابھی سوائے شاذ و نادر کے میری اپیل پر لبیک کی آواز نہیں آئی مگر جن خواتین نے یہاں اپنے زیورات کی قربانی کرنے میں پہل کی ان کے درد دل کی آواز کو اللہ تعالیٰ نے سن لیا اور جرمنی میں کچھ ایسے سامان پیدا کر دیئے جن سے میناروں کی تکمیل بہت سہل ہوگئی۔ آج کی ڈاک میں مولوی (صدرالدین) صاحب کا خط ملا ہے۔ جس میں انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک تو جو ماہر فن عمارت مسجد کی تکمیل کرا رہا ہے اس پر خدا کے فضل سے اس قدر اسلام کا اثر ہوا ہے کہ اس نے میناروں کے التوا کی خبر سن کر کہا کہ میں اپنی فیس کا نصف، جو دو ہزار مارک یعنی قریباً چودہ پندرہ صد روپیہ ہے میناروں کے لیے دینے کو تیار ہوں۔ دوسرے ایک اور صاحب نے، جنہوں نے اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کیا، دو تین ہزار مارک کے اندر رقم کا وعدہ کیا ہے۔ یعنی قریباً دو ہزار روپے اس طرح پر جس قدر رقم خواتین سلسلہ نے یہاں جمع کی تھی، اسی قدر رقم محض خدا کے فضل نے میناروں کی تکمیل کے لئے جرمنی میں ایسی جگہ سے دلا دی جہاں وہم و گمان بھی نہ جاتا تھا، اور گویا چھ ہزار روپے کا انتظام ہوگیا۔ اب میناروں کی تکمیل کے لیے صرف تین چار ہزار کی اور رقم بکار ہے۔

اوراگر ہماری بیرونجات کی مستورات توجہ کریں تو یہ رقم اب کچھ بھی نہیں۔اللہ تعالیٰ کے محض فضل اوراس کی نصرتوں پر بھروسہ کرتے ہوئے میں نے مولوی صاحب کولکھ دیا ہے کہ کام وہ شروع کرادیں اور بنیادیں بہرحال رکھ دی جائیں۔اگر ہمارے بیرونجات کے آسودہ حال احباب توجہ کریں اوراپنے اپنے گھروں میں تحریک کریں تو ایک دو ہفتے کے اندر تین چار ہزار کی رقم پوری ہوسکتی ہے۔میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرتوں نے اس طرح دوڑ دوڑ کر ہماری دستگیری فرمائی ہے کہ جہاں سے وہم وگمان بھی نہ تھا، وہاں سے اسباب پیدا کردیئے اور یہ کام اب ضرور ہوکر رہے گا۔افسوس ان لوگوں پر ہوگا جنہوں نے باوجود مقدرت اس میں حصہ نہ لیا۔اس وقت جو احباب غفلت سے کام لے رہے ہیں اوراپنے گھروں میں زبردست تحریک نہیں کرتے، وہ سخت غلطی کر رہے ہیں۔خدا کے فضل سے ہمارے بعض احباب کے گھروں میں اس قدر زیورات ہیں کہ اگر چار پانچ سو کا ایک زیور کم ہوجائے تو اس سے کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔اور وہ زیور یہاں زینت کا موجب ہونے کے بجائے آخرت میں زینت کا موجب ہوگا۔وہ اپنی حیثیت کے مطابق کوشش کریں۔لیکن فی الحقیقت یہ ایک ایسا کام ہے کہ کسی دوست کو بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہنا چاہیئے۔کوئی گھر ایسا نہیں کہ جہاں صاحب خانہ بی بی کے پاس کچھ نہ کچھ زیور نہ ہو۔اپنے حسب حیثیت وہ کچھ ایسے کام پر خرچ کرنے کے لیے نکالیں جو ان کے ناموں کو ہمیشہ بلند اور روشن رکھنے والا ہوگا۔

اس کے ساتھ ہی میں احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کو روپے کی قلت کی وجہ سے تکلیف ہے۔میں چاہتا ہوں کہ اگر احباب ہمت کریں تو 15 فروری تک ان کے مطالبہ کا روپیہ ان کو بھیج دیا جائے۔یعنی نو ہزار روپے جو مسجد کی بقیہ تکمیل کے لیے بکار ہیں۔اس کے بعد صرف احاطہ اور باغ اور فرنیچر کی ضرورت رہ جائے گی۔جس کے لئے قریباً دس ہزار کی رقم بکار ہے۔سو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے بھی کوئی سامان کردے گا۔اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مجھے بعض وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ نے ایسے رنگ میں کرایا ہے کہ ہم اس کے کرنے کے لیے مجبور ہوگئے۔اور بے انداز مشکلات کے اندر ایسے ایسے سہولت کے سامان پیدا کردیئے ہیں کہ اس کے فضلوں پر طبیعت بے اختیار اس کے آگے سجدہ میں گر جاتی ہے۔پس اپنے احباب سے یہ دوسری التجا ہے کہ جن احباب نے کاپیاں منگوائی ہیں وہ 15 فروری تک ان کا روپیہ بھجوانے کی کوشش کریں اور

جو احباب ابھی تک خاموش ہیں وہ بھی خدا کے کام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں ۔

بمفت ایں اجر نصرت راد ہندت اے اخی ورنہ قضائے آسماں است ایں بہر صورت شود پیدا

گویا یہ شعر خاص اسی موقع کے لیے لکھا گیا تھا۔

دوسری خوشخبری یہ ہے کہ مدرسہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے پونے چار کنال زمین ہماری مسجد کے قریباً سامنے 53900 (ترپین ہزار نوسو روپے) کے خرچ سے حاصل کی جا چکی ہے۔ اور مدرسہ کی عمارت کا کام پورے زور سے شروع ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ وہ چار دن تک عمارت بنیادوں سے باہر نکل کر کرسی تک پہنچ جائے گی۔ اس عظیم الشان کام کے سامنے اپنی اپنی پانچ دن کی آمد کا مطالبہ کوئی حقیقت نہ رکھتا تھا۔ مگر ابھی تک بمشکل ایک چوتھائی جماعت کی طرف سے اس کی تعمیل ہوئی ہے اور تین چوتھائی جماعت نے ابھی توجہ نہیں کی۔ ہمارے احباب کارکنوں کی مشکلات پر غور فرمائیں کہ اس قدر خرچ کا مقابلہ ان سب کی ہمت کے بغیر کس طرح ہو سکتا ہے۔ سب جماعتیں اس بات پر خصوصیت سے زور دے کر اور سب احباب سے کم سے کم پانچ پانچ دن کی آمد وصول کر کے بہت جلد روپیہ پہنچائیں۔ 15 مارچ تک ہم نے پہلی منزل کی تکمیل کرنی ہے۔ جس پر علاوہ زمین کی قیمت کے قریباً چالیس ہزار روپیہ اور خرچ ہوگا۔ والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس لاہور

اسلامی فرقوں میں اتحاد

کسی دوسری جگہ مولینا مولوی عصمت اللہ صاحب کی ایک مراسلت بعنوان ''اتحاد بین المسلمین'' درج کی گئی ہے۔ جس میں انہوں نے معاصر ''تنظیم'' کے حوالہ سے بتایا ہے کہ جمعیت العلمائے ہند نے اسلامی فرقوں کے باہمی اختلافات ان کے اسباب اور دفعیہ پر غور کرنے کے لیے ایک مجلسِ تحقیقات مقرر کی ہے۔ جو اپنی رپورٹ جمعیت کے آئندہ اجلاس میں پیش کرے گی۔

مولوی صاحب کواس پر اعتراض ہے کہ جمعیت نے اس مجلس میں زیادہ تر ایسے اصحاب کو رکھا ہے جو مسلمانوں کے ایک ہی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالانکہ چاہیئے تھا کہ جملہ اسلامی جماعتوں کا ایک ایک نمائندہ اس مجلس میں شامل کیا جاتا تا کہ ہر ایک فرقہ اپنے اپنے نقطہ خیال سے وجوہ اختلاف کو پیش کر کے ان کے انسداد کی تدابیر پیش کر سکتا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ مسلمانوں کا باہمی عناد ہرگز دور نہیں ہوسکتا جب تک ان میں سے کفر بازی کے مرض کا استیصال نہ کیا جائے۔

ہمارے خیال میں مولٰینا کو جمعیت العلماء کی تجویز سے ایک غلطی لگی ہے۔ اسلامی فرقوں سے جمعیت العلماء کی مراد وہ جماعتیں ہرگز نہیں جن پر جمعیت کی طرف سے پہلے سے کفروارتداد کا فتویٰ صادر ہو چکا ہے۔ وہ تو پہلے سے خارج از اسلام ٹھہر چکے۔ ان کو تو وہ مسلمانوں میں شمار ہی نہیں کرتے۔ ورنہ ان کے کفر پر مہر کیوں کی جاتی! آخر ان میں کونسی ایسی نئی باتیں پیدا ہوگئی ہیں جن کی وجہ سے جمعیت اپنے فتوے سے دست بردار ہو جائے گی؟ ابھی تو جمعیت کو نعمت اللہ خاں شہید کے خون سے اپنے دامن کو آلودہ کئے ہوئے پورے چھ ماہ بھی نہیں ہوئے۔ کیا اس نے اس داغ کو دھو لیا ہے اور جماعت احمدیہ پر سے ارتداد کا فتویٰ اٹھا لیا گیا ہے۔ کیا اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَ قُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا (61:33) کے دَمدَمہ کا رخ خدامِ اسلام کے اس چھوٹے سے گروہ کی طرف سے ہٹا لیا گیا ہے کہ اسے اس بات کی ضرورت ہو کہ تمام جماعتوں کے نمائندوں کو مجلس تحقیقات میں شامل کرے؟ ہاں نجدیوں اور حنفی ملاؤں میں بعض ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ جمعیت العلماء کو چاروناچار ان میں اتحاد کرانے کی ضرورت ہے۔ اور وہ بھی لَا لِحُبِّ عَلِيٍّ بَلْ لِبُغْضِ مَعَاوِيَةَ یعنی اسلام کی عزت ووقار کو قائم کرنے کے لیے نہیں بلکہ شریف حسین کی عداوت کی وجہ سے۔ بہر حال مجلس تحقیقات کا اگر کوئی منشا ہوسکتا ہے تو صرف یہی کہ ان دونوں گروہوں میں اتحاد کی کوئی صورت پیدا کرے۔ دیکھیں وہ اپنی ان کوششوں میں کہاں تک کامیاب ہوتی ہے۔

اتحاد کی اصل راہ

ہم اسلامی فرقوں کے اتحاد کے مخالف نہیں بلکہ دل سے متمنی ہیں کہ تمام مسلمان جماعتیں اپنے اپنے مخصوص معتقدات کے باوجود باہم متحد اور یک زبان ہو کر مشترکہ اسلامی کاموں کو سرانجام دیں۔ یا کم از کم ایک

دوسرے کی تخریب سے باز آ جائیں۔ اس کے وجوہ واسباب کو تلاش کرنا چنداں مشکل نہیں نہ کسی مجلس تحقیقات کے تقرر کی ضرورت۔ ایسی مجالس کا قیام صرف مغربیت کی ایک نقل ہے۔ اور سوائے تضیع اوقات اور صرف زر کے اور کوئی نتیجہ اس سے برآمد نہ ہوگا۔ مسلمانوں کے باہم تشتّت وافتراق کی وجوہ ظاہر ہیں اور ان کے اسباب بھی سب کو معلوم ہیں۔ دراصل اس کی ساری ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے۔ عوام الناس علماء کے پیچھے ہیں۔ علماء کی تنگ دلی نے فروعی اختلافات کو موجب کفر قرار دیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ذرا ذرا سے اختلاف پر باہم سر پھٹول ہونے لگی۔ اگر آج تمام علماء توریہ سے نہیں بلکہ صدق دل کے ساتھ یہ اعلان کر دیں کہ کوئی کلمہ گو، خواہ وہ حنفی ہے یا اہلحدیث، خواہ اہل تشیع سے تعلق رکھتا ہے یا جماعت احمدیہ سے، کافر نہیں تو سمجھنا چاہیئے کہ اتحاد کی شاہراہ پر مسلمانوں کا قدم پڑ گیا۔ لیکن علماء سے اس کی توقع بے سود ہے۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ فہمیدہ لوگوں کے دلوں سے علماء کی عزت ووقعت زائل ہو چکی ہے۔ اور وہ دن آنے والا ہے جب ان مولوی ملانوں یا کسی جمعیت الجہلاء کو کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔

''انفیڈل'' کے معنی

حضرت امیر ایّدہ اللہ نے اپنی سالانہ جلسہ کی تقریر میں بتایا تھا کہ ولایت کے اخباروں نے میاں محمود احمد صاحب کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ وہ عیسائیوں کو ''انفیڈل'' Infidel یعنی کافر نہیں سمجھتے۔ جس کی تردید میاں صاحب کی طرف سے نہیں ہوئی۔ اگرچہ انہوں نے عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملا لی۔ اس کے جواب میں ''الفضل'' میں ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ:

> ''یہ (انفیڈل) ایک انگریزی کا لفظ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے معنی ہاتھی کے ہوں۔ پس اگر حضرت عیسائیوں کو ہاتھی کہنے سے انکار کریں تو اس سے کونسا شریعت پر حرف آ گیا۔''

ہم راقم مضمون سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ''انفیڈل'' کے معنی ''ہاتھی'' انگریزی کی کونسی ڈکشنری میں انہوں نے پڑھے ہیں۔ یا یہ خلافت مآب کے اس فیضان صحبت کا نتیجہ ہے جس کے رو سے مجاز اور ظل حقیقت بن چکا ہے۔ بہتر ہوگا اگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا جائے کہ کس ہوشمند نے جناب خلافت مآب کے سامنے

عیسائیوں کو ہاتھی قرار دیا تھا۔ یا یہ پوچھا تھا کہ کیا وہ ہاتھی ہیں یا نہیں کہ انہیں اس کی تردید کی ضرورت پیش آئی؟

به بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

آگے چل کر راقم مضمون نے یہ بھی بتایا ہے کہ انفیڈل کا لفظ یورپ میں گالی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک انفیڈل کے معنی ہیں ''ابدی جہنمی''، ابدی ملعون، ازلی شقی۔ خدا سے ہمیشہ دور اور اس کے رحم سے محروم اور خدا کو کبھی نہ پاسکنے والا۔'' اس لیے خلافت مآب نے ان کے انفیڈل ہونے کی نفی کر کے دراصل ان باتوں کی نفی کی ہے۔

ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا (22:9) کا ارشاد عیسائیوں کے لیے نہیں؟ اور ایسا ہی مسلمانوں میں کیا کافر کا لفظ اسی قسم کی گالی نہیں سمجھا جاتا جیسا کہ ان کے نزدیک عیسائی انفیڈل کو سمجھتے ہیں۔ کیا مسلمانوں کی مذہبی ذہنیت کافر کے لفظ کو اچھا سمجھتی ہے اور ان کے نزدیک اس کے معنی عام طور پر ''ابدی جہنمی، ابدی ملعون، ازلی شقی، خدا سے ہمیشہ دور، اس کے رحم سے محروم۔ اور خدا کو کبھی نہ پاسکنے والا۔'' نہیں سمجھے جاتے؟ اگر یہ صحیح ہے اور کسی مسلمان کو کافر کہنا ایک خطرناک گالی سمجھا جاتا ہے تو ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ خلافت مآب مسلمانوں کو کیوں اس فیضان رحمت سے محروم رکھنا چاہتے ہیں جس کا پرتو اور تو اور عیسائیوں پر بھی انہوں نے ڈالنا ضروری سمجھا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ اس قدر رواداری کا برتاؤ وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ جس لفظ کو وہ گالی خیال کریں اس کو ان کی طرف منسوب کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو اسی قسم کی گالی دینا وہ ضروری اور جائز سمجھتے ہیں؟ کیا خلافت مآب کا کوئی حواری اس بے اصولے پن پر روشنی ڈالے گا؟

خلافت مآب کی جرأت

راقم مضمون نے یہ بتاتے ہوئے کہ خلافت مآب کافر وغیرہ کہنے میں کس قدر جرأت رکھتے ہیں، ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

> ''زاہدہ پرل ایک مشہور پرانی نومسلمہ عورت ہے۔ آپ کے خواجہ (کمال الدین۔ مرتب) صاحب کے چھوٹے فرزند اسی کے ہاں پرورش اور تعلیم پاتے رہے ہیں۔ آپ کے تمام

مشنریوں سے اس کے خوب تعلقات ہیں۔ اس نے حضرت اور آپ کے ہمراہیوں کو چائے کی دعوت دی۔ اس نے گھر بلا کر حضرت سے یہ سوال کیا کہ میں اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہوں اور مجھے اس پر بڑا فخر ہے۔ میں خدا اور اس کے درمیان کسی کو، وسیلہ نہیں سمجھتی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو خدا کا نبی سمجھتی ہوں۔ قرآن کو الہامی کتاب سمجھتی ہوں۔ گو کبھی پڑھا نہیں۔ لیکن میں نے ابھی تک آپ کے والد صاحب کو نہیں مانا۔ تو کیا آپ مجھے مسلمان سمجھتے ہیں۔ حضرت نے دوٹوک جواب دیا کہ نہیں۔ میں تم کو کافر سمجھتا ہوں۔ گو ممکن ہے کہ خدا کے حضور تم مسلمان ہو۔''

حضرت کی اس جرأت کی ہم داد دیتے ہیں۔ فی الواقع ان کی بارگاہ ایسی ہی ہے کہ خواہ خدا کے حضور کوئی شخص مسلمان ہو، ان کے حضور میں مسلمان نہیں قرار پا سکتا۔ یہ بارگاہ کوئی خدائی بارگاہ تھوڑی ہی ہے کہ کافر وہاں آ کر مسلمان ہوں! وہاں تو مسلمانوں کو کافر بنایا جاتا ہے۔ اور تعجب یہ ہے کہ پیر صاحب تو اس نیک دل عورت کی میز پر بیٹھ کر اس کے منہ پر اسے کافر کہتے ہیں اور مرید اس کی غیر حاضری میں اسے ''نومسلمہ'' قرار دیتا ہے ۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا   لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

غیر مذاہب کے مقابلہ میں لٹریچر

حضرت امیر ایدہ اللہ نے اپنی محولہ تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (29:48) کا تقاضا تو یہ تھا کہ سلطان القلم کا بیٹا قلم سے غیر مذاہب کا مقابلہ کرتا۔ اس کے جواب میں راقم مضمون نے لکھا ہے کہ:

''بھلا مولوی صاحب بتلایئے تو سہی کہ منصب خلافت، انوار خلافت، برکات خلافت، حقیقۃ الرویاء، ذکر الٰہی، تقدیر الٰہی، نجات، تحفۃ الملوک، تحفہ شہزادہ ویلز، دعوت الامراور سینکڑوں ہزاروں لیکچر اور مضامین جو کہ مختلف اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئے، ان کے ہوتے ہوئے آپ کے ضمیر نے کس طرح ایسا کہنے کی اجازت دی ہے۔''

حیرت ہے کہ راقم مضمون کے ضمیر نے کس طرح ان ناموں کو غیر مذاہب کے بالمقابل لٹریچر کے طور پر

گنوانے کی جرأت کی۔کیا ان میں سے ایک بھی ایسی کتاب پیش کی جاسکتی ہے جس میں عیسائیوں یا آریوں کا رد ہوا اور اسلام کی خوبیوں کا اظہار ہو۔ ہاں ہم دورافتادگانِ راہِ ضلالت کو اگر غیر مذاہب میں شمار کیا جاسکتا ہے۔اگر تحفۃ الملوک کے مخاطب کو غیر مذاہب کے ذیل میں لایا جاسکتا ہے تو البتہ خلافت مآب نے ان کتابوں کی تصنیف میں بہت بڑا کام کیا۔رہے سینکڑوں ہزاروں لیکچر۔ وہ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان کتب سے باہر کس جگہ شائع ہوئے اور ان میں کونسے قلمی جواہر غیر مذاہب کے بالمقابل بکھیرے گئے ہیں۔

نجد اور حجاز

مصری اخبار ''المقطم'' نے نجد اور حجاز کی موجودہ صورت حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ اس معاہدہ کے رو سے، جو سلطان ابن سعود کا انگریزی حکومت کے ساتھ ہے، ان کی موجودہ پوزیشن کیا ہے اور مکہ کانفرنس کا انعقاد صورت حالات کو کس قدر نازک بنادے گا۔ وہ لکھتا ہے کہ:

> ''اس معاہدہ کی دفعہ 3 میں سلطان ابن سعود نے عہد کیا ہے کہ وہ برطانوی سیاسی سفیر کو مطلع کئے بغیر کسی غیر حکومت سے نہ تو کوئی گفتگو کریں گے اور نہ کوئی معاہدہ کریں گے۔اگر کوئی غیر حکومت معاملات نجد میں کسی قسم کا دخل دے گی تو سلطان کا فرض ہوگا کہ اس گفتگو اور معاہدہ کے مضمون سے برطانوی سفیر کو آگاہ کردیں۔ دفعہ 3 میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ حکومت برطانیہ کی منظوری کے سوا سلطان ابن سعود اپنے ملک میں سے کسی حصہ کو نہ بیچ سکتے ہیں، نہ رہن رکھ سکتے ہیں، نہ مستاجری پر دے سکتے ہیں، نہ اپنی ملکیت کے کسی حصہ سے دست برداری دے سکتے ہیں، نہ کسی غیر حکومت کو کوئی رعایت دے سکتے ہیں۔ وہ بلا استثنا ہر معاملہ میں برطانیہ کے مشورہ پر چلیں گے۔

ان حالات میں اخبار مذکورہ کی رائے ہے کہ:

> ''اس معاہدہ کی رو سے سلطان ابن سعود کی پوزیشن مسلمانان عالم کی نظر میں بہت کمزور ہو جاتی ہے۔ سلطان مذکور کے لیے صرف دو راستے ہیں اور دونوں کٹھن ہیں۔ یا تو وہ مذکورہ

بالا عہد نامہ پر پابندی کا اعلان کریں۔ اور اس صورت میں حجاز بھی انہی شرائط کے ماتحت آجائے گا جو علاقہ ہائے نجد پر عائد ہوتے ہیں یا پھر اس عہد نامہ کی خلاف ورزی کا اعلان کر دیں اور اس کو ان کے اخلاق گوارا نہیں کر سکتے کہ اپنے تسلیم شدہ معاہدہ سے منکر ہو جائیں۔ دونوں صورتوں میں سلطان ابن سعود کے لئے سخت مشکل کا سامنا ہے۔ اور مذکورہ بالا عقدہ لانیحل کو حل کرنے کے لیے کافی تدبر کی ضرورت ہے۔''

دیو بندی ہتھکنڈے

کئی مہینوں کی خاموشی کے بعد دیو بندی ملاں بالخصوص میاں (محمود احمد) صاحب نے پھر سر اٹھایا ہے اور چند روز سے اس قسم کے اشتہاران کی طرف سے نکل رہے ہیں جن میں اس الزام سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی گئی ہے کہ دیو بندی قرآن کریم کو غیر مکمل سمجھتے ہیں۔ اپنی بریت کے لیے جو طرز انہوں نے اختیار کی ہے، وہ عذر بدتر از گناہ کی مصداق ہے بجائے اس کے کہ مولوی میرک شاہ صاحب صفائی کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے اور یہ لکھ دیتے کہ قرآن کریم کی کوئی ایسی آیت نہیں جو اس سے باہر رہ گئی ہو اور اسے مرفوع لیکن واجب العمل کہا جاسکے۔ نہ کوئی منسوخ ہے۔ انہوں نے یہ فرض کر کے کہ جس شخص نے مرفوع التلاوت آیات کے چھپوانے اور مکمل قرآن چھپوانے کا ان سے مطالبہ کیا ہے، وہ کوئی احمدی ہے، یہ مغالطہ دینا شروع کیا ہے کہ احمدیوں کا قرآن نامکمل ہے۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب مسیح موعود نے لکھا ہے کہ قرآن میں ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی اور کہ اس کے دور میں سورج اور چاند کو گرہن لگے گا۔

اس قسم کے متعدد اشتہارات اس وقت تک ہمیں مل چکے ہیں جن میں سے کوئی دیو بند سے شائع ہوا ہے، اور کوئی میرٹھ اور اٹاوہ سے۔ اس کے علاوہ مولوی شبیر احمد صاحب نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''الشہاب'' کا ضمیمہ بھی شائع کیا ہے۔ جس میں حضرت امیر کے اس رسالہ کا جواب دینے کی کوشش کی ہے جو قتل مرتد کے متعلق آپ نے لکھا۔ ایک آٹھ صفحہ کا پمفلٹ مولوی محمد شفیع صاحب دیو بندی کی طرف سے آج ہی موصول ہوا ہے۔ جس میں میرک شاہی یاوہ گوئی کو دہرایا گیا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ دیوبندی حضرات کے ترکش میں یہ ایک ہی تیر ہے جس کو وہ اب مختلف سمتوں سے چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیونکہ جس قدر اشتہارات ہمیں موصول ہوئے ہیں ان سب میں الفاظ کے تغیر کے سوا مضمون ایک ہی ہے۔ ہاں یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ میرٹھی اشتہارات کے نیچے فرضی طور پر زین العابدین کا نام لکھ کر دنیا کو اس مغالطہ میں ڈالا جائے کہ جس شخص نے انہیں قرآن کے غیر مکمل ہونے کا معتقد قرار دے کر ان سے مکمل قرآن کا مطالبہ کیا تھا، وہ اب اس سے رجوع کر چکا ہے جس کی تردید جناب زین العابدین نے کسی دوسری جگہ کی ہے۔

21 جنوری 1925ء

حضرت امیر کا لیکچر مستورات میں

(برموقع جلسہ سالانہ منعقدہ 27 دسمبر 1924ء)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۔ (35:33)

ترجمہ: مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور صدق دکھانے والے مرد اور صدق دکھانے والی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور بڑا اجر تیار کیا ہے۔

حضرت ام سلمہؓ نبی کریم ﷺ کی بیوی تھیں اور ہم سب مسلمانوں کی وہ ماں ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! قرآن میں عورتوں کا ذکر بہت کم آتا ہے۔ آپ نے قرآن کی یہی آیت ان کے جواب میں پڑھ دی۔ اور اس طرح ان کو سمجھا دیا کہ جو کچھ مردوں کے متعلق ذکر آتا ہے، وہی ذکر عورتوں کے لیے بھی ہے۔ یعنی جن باتوں کا خطاب مردوں سے ہے انہی کا عورتوں سے بھی ہے، اگر کوئی مرد مسلم

ہے تو عورتیں بھی مسلمہ ہیں۔ اگر مرد مومن ہیں تو عورتیں بھی مومنہ ہیں۔ اگر کوئی مرد فرمانبردار ہیں تو عورتیں بھی فرمانبردار ہیں۔ مرد صدق دکھانے والے ہیں تو عورتیں بھی صدق دکھاتی ہیں۔ اگر مرد صبر کرتے ہیں تو عورتیں بھی صبر کرنے والی ہیں۔ اگر مرد خدا کے آگے جھکنے والے اور گریہ وزاری کرنے والے ہیں تو عورتیں بھی خدا کے آگے جھکنے اور گریہ وزاری کرنے والی ہیں۔ اگر مرد صدقہ وخیرات کرنے والے ہیں تو عورتیں بھی صدقہ وخیرات کرتی ہیں۔ اگر مرد روزے رکھتے ہیں تو عورتیں بھی روزے رکھتی ہیں۔ اگر مرد اپنے چھپانے کی چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں تو عورتیں بھی حفاظت کرتی ہیں۔ اور اگر مرد خدا کو بہت یاد کرتے ہیں تو عورتیں بھی بہت یاد کرتی ہیں۔ آگے فرمایا: اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا. (35:33) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔ یعنی باتیں تو اتنی ہی ہیں جو دین سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں دونوں شریک ہیں اور دونوں کے لیے یکساں اجر ہے۔ جب خدا نے یہ بات اپنے پاک کلام میں اتار دی تو معلوم ہوا کہ خدا کے ہاں دونوں میں فرق کوئی نہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَمَا کَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَمۡرًا اَنۡ یَّکُوۡنَ لَھُمُ الۡخِیَرَۃُ مِنۡ اَمۡرِھِمۡ وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیۡنًا. (36:33) جب یہ حالت ہے کہ خدا نے مردوں اور عورتوں کو یکساں مومن بنایا تو پھر کسی مرد اور عورت کے لیے یہ شایاں نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی حکم دے دیں۔ خدا کی کتاب میں جب ایک بات آ جائے پھر ان کو اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی اور راہ اختیار کریں۔ جس خدا اور رسول نے فیصلہ کر دیا اسی طرح کرنا ہوگا۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے نبی کی نافرمانی کرے وہ بہت ہی سخت گمراہ ہوا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مردوں اور عورتوں کے یکساں حقوق ہیں، اسی طرح مردوں اور عورتوں پر یکساں ذمہ داریاں ہیں۔ جس طرح وہ حکم جو قرآن میں آئے ہیں مردوں کے لیے ہیں اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہیں۔ اگر مرد کسی جرم میں پکڑا جاتا ہے تو عورت بھی جرم کے کرنے پر پکڑی جاتی ہے۔ اگر مرد زہر کھا کر مر جاتا ہے تو عورت بھی زہر کھانے سے مر جاتی ہے۔ اور اگر اچھی غذا کھا کر مرد صحت پیدا کرتا ہے اور اگر مرد پانی پی کر پیاس بجھاتا ہے تو عورت بھی ان چیزوں سے ویسا ہی فائدہ اٹھاتی ہے۔ پس کوئی عورت اپنے خاوند کی وجہ سے ثواب نہیں پاتی۔ نہ اس کے گناہ کی وجہ سے پکڑی جاتی ہے بلکہ جو کچھ خود کرے گی اسی کا پھل کھائے

گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ عورتوں کے لیے مشکلات بہت ہیں بالخصوص وعظ اور نصیحت میں ان کے لیے بڑی مشکلات ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے وقت میں بھی عورتوں کو ایسی مشکلات تھیں۔ مگر وہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں۔ یہ بھی پردہ ہوتا تھا۔ مردوں کی صفیں آگے ہوتی تھیں اور عورتیں پیچھے ہوتی تھیں۔ ہاں مردوں کو حکم تھا کہ جب تک عورتیں باہر نہ نکل جائیں وہاں سے ہلیں نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب نماز پڑھتے اور کسی بچہ کے رونے کی آواز آجاتی تو نماز کو ہلکا کر دیتے۔ یہ اصل میں ایک بڑی مشکل عورتوں کے لیے ہے کہ وہ بچوں کو چھوڑ نہیں سکتیں اور اگر ساتھ رکھیں تو ان کے رونے سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں بھی یہ مشکلات ہیں۔ بعض اوقات بچوں کے رونے کی آواز سے مردوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ ایسے وقت اگر بچہ کی ماں یا کوئی اور عورت اس کو تھوڑی دیر کے لیے الگ کرے تو بہتر ہو۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ عورتوں کو مردوں سے زیادہ مشکلات ہیں اور اس وجہ سے وعظ کی مجلس میں ان کا شریک ہونا مشکل ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کے لیے ان کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک دن مقرر کر دیا تھا۔ جب وہ اکٹھی ہو کر آپ کی نصائح اور وعظ سے مستفید ہوتیں۔ کیونکہ باوجود ان سب باتوں کے قرآن میں قطعاً یہ ذکر نہیں کہ مرد کسی مرتبہ کو حاصل کر سکتے ہوں اور عورتیں حاصل نہ کر سکتی ہوں۔ ہاں بعض باتوں میں مردوں کو فضیلت ہوتی ہے عورتوں پر۔ لیکن بعض حالات میں عورتوں کو بھی مردوں پر فضیلت ہے۔ ماں کے سامنے بیٹا خواہ کتنا بھی بڑا بن جائے۔ مگر وہ ہمیشہ اس کی عزت کرے گا اور یوں ہر عورت کو مردوں پر ایک فضیلت ہے۔ پھر مرد عموماً کما کر لاتے ہیں۔ اس لیے ان میں قوت اور شجاعت کا مادہ زیادہ رکھا گیا ہے۔ عورت کے سپرد چونکہ اولاد کی پرورش ہے، اس لیے اس میں محبت، رحم کا مادہ زیادہ رکھا ہے۔ صلہ رحمی، رحم کے حقوق کو مدنظر رکھنا اس میں مردوں کی نسبت زیادہ ہے۔ غرض اگر مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے تو عورتوں کو بھی مردوں پر فضیلت ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ ہماری مستورات کو کیا کرنا چاہئیے۔

اگر تاریخ کو دیکھا جائے تو نبی کریم ﷺ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ ایسے لوگ ہیں جن کے گھروں سے بہت سے سبق ہمیں ملتے ہیں۔ وہی ہمارے لیے بہتر نمونہ اور اسوہ ہیں۔ ان کی بیویاں جو کچھ کرتی تھیں وہی ہمارے لیے واجب العمل ہوگا۔ اپنے طور پر کوئی مذہب بنا رکھنا صحیح نہیں۔ تاریخ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

صحابہؓ کی بیویاں گھروں کے اندر بیٹھ نہ رہتی تھیں بلکہ مردوں کے ساتھ محنت مزدوری کرتی تھیں۔ محنت اور مزدوری کو نہ نبی کریم ﷺ نے عار سمجھا نہ صحابہؓ نے۔ صحابہ کرامؓ میں انصارؓ بالعموم زمیندار تھے۔ ان کی بیویاں کھیتی باڑی میں اپنے خاوندوں کو مدد دیتی تھیں۔ حضرت زبیرؓ ایک بڑے صحابی ہوئے ہیں۔ ان کے گھر میں اسماء حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں۔ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر جا رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ اسماءؓ کھجوروں کے چھلکوں کی ٹوکری اٹھائے ہوئے آ رہی ہیں۔ یہ وہی اسماءؓ ہیں جو عبداللہ بن زبیرؓ کی ماں تھیں۔ جو کچھ مدت کے لیے مدینہ کے بادشاہ ہو گئے تھے۔ ایسا ہی صحابہؓ کی عورتیں اور بھی کام کرتی تھیں۔ کھانا پکانا تو ہمیشہ عورتوں کا کام چلا آیا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ مشقت کے کام انہیں کرنے پڑتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ خود اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں۔ آج کسی کو تھوڑا کھانے کو مل جاتا ہے تو وہ کام کرنے کو عار سمجھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ، جو ہم سب کے لئے قابل عزت ہیں، جب وہ اپنے ہاتھ سے تمام کام کرتی تھیں تو کون عورت ہے جو اس کو بے عزتی سمجھتی ہو۔ اگر کوئی ایسا سمجھتی ہے تو اس نے اسلام کو بھی جواب دے دیا۔ صحابہ کرامؓ اور رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے حالات پڑھ کر خیال ہونا چاہیئے کہ گھر کا کام کرنا اور سادہ زندگی بسر کرنا عار نہیں بلکہ عزت ہے۔ آج تو ہمارے ہاں موجودہ پردہ ایسا ہے کہ کسی عورت کا باہر نکلنا ہی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پردہ کا مطلب اسلام میں اس قدر نہ تھا جو آج ہم لیتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ہزارہا ایسی عورتیں، جن کو محنت مزدوری کا کام کرنا پڑتا ہے، وہ تو کبھی اسلام پر چل ہی نہ سکیں۔

صحابہؓ کی عورتیں لڑائیوں میں جاتی تھیں۔ خود رسول اللہ ﷺ کی بیویاں لڑائی کے لیے آپ کے ساتھ باہر نکلتی تھیں۔ آپ کے بعد بھی جب عیسائیوں کے ساتھ شام میں مسلمانوں کی لڑائیاں ہوتی تھیں تو مسلمان عورتیں لشکر میں ساتھ جاتی تھیں۔ لڑائیوں میں مسلمان عورتوں کا کام زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا، کھانا کھلانا، تیر پکڑانا وغیرہ ہوتا تھا۔ مسلمان عورتیں، صحابہؓ کی عورتیں، رسول اللہ ﷺ کی بیویاں سب لڑائیوں میں شامل ہوئی ہیں۔ حضرت عائشہؓ جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ ام سلیمؓ بہت سی لڑائیوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہیں۔ جنگ خیبر میں بہت سی عورتیں ساتھ گئیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ تم کیا کرو گی؟ انہوں نے کہا ہم کاتیں گی اور مسلمانوں کے لئے کپڑا تیار کریں گی۔ وہ وہاں ہر قسم کے کام کرتی تھیں۔ ایک لڑائی میں عورتیں زخمیوں اور

لاشوں کو اٹھا کر بھی لاتی تھیں۔ اس لیے اپنے ہاتھ سے کام کرنا کوئی عیب کی بات نہیں۔ اور اگر فی الواقع کسی بی بی کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر سہولت دی ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی ضرورت نہیں تو اس کو چاہیئے کہ غربا کی خبر گیری کے لیے اپنے ہاتھ سے کام کرے۔ عیسائی عورتوں کو دیکھو۔ ہر ایک عورت اور لڑکی اپنے وقت کا ایک حصہ فارغ کرتی ہے۔ اس لیے کہ اس وقت میں مدد دے کسی محتاج اور معذور کو، کسی یتیم اور مسکین کی امداد کرے۔ ان کی خدمت وہ اپنے لیے سعادت سمجھتی ہیں۔ حالانکہ ان کے ہاں کوئی نمونہ اس قسم کا موجود نہیں۔ لیکن ہمارے ہاں ایسے شاندار نمونے موجود ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ صحابہؓ کی بیویاں تو فخر سمجھیں خدمت کرنے کو اور ہم اسے عار خیال کریں۔ اب بھی بعض اس قسم کی مثالیں مسلمانوں میں ملتی ہیں۔ ابھی جو لڑائی روم اور یونان کے ساتھ ہوئی، اس میں ترک عورتیں بھی مردوں کے ساتھ میدان جنگ میں کام کرتی تھیں۔ اور بڑے بڑے بوجھ پیٹھوں پر اٹھا کر میدان جنگ میں پہنچاتی تھیں۔ خوب یاد رکھو کوئی کام نہیں ہوسکتا جب تک عورتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو کام نہ کریں۔ جنگ احد میں ام عمارہؓ نے کئی وار رسول اللہ ﷺ پر سے روکے اور حضرت فاطمہؓ آپ کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

یرموک کی لڑائی بڑی مشہور لڑائی ہوئی ہے۔ اس میں مسلمانوں کا لشکر تیس چالیس ہزار کے درمیان اور عیسائی دو اڑھائی لاکھ تھے۔ مسلمان چونکہ بہت تھوڑے تھے اس لیے کفار بڑھتے بڑھتے خیموں تک آ گئے۔ عورتوں نے خیموں کی چوبیں اٹھا کر ان پر حملہ کیا اور مار مار کر بھگا دیا۔ آج ہماری عورتیں ہیں کہ ایک چوہا بھی نکل آئے تو ڈر سے چیخیں مارنے لگتی ہیں۔ ایسی عورتوں کے جو لڑکے ہوں گے وہ بھی کمزور اور بزدل ہوں گے۔ جب تک ماں کے اندر شجاعت نہ ہوگی، آئندہ اولاد بھی کمزور ہی ہوگی۔ ہمارے ہاں عورتوں کا یہ حال ہے کہ اگر مرد ذرا باہر گیا تو وہ خیال کرتی ہیں کہ خدا جانے کیا ہو جائے گا۔ تاریخ کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ عورتوں نے شجاعت کے حیرت انگیز نمونے دکھائے ہیں۔ ایک اسما بنت یزید تھیں۔ انہوں نے اسی جنگ یرموک میں نو رومیوں کو خیموں کی چوبوں کے ساتھ مارا۔ ایک دفعہ جب قریش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی جنگ تھی تو انہوں نے اس قدر فوج کے ساتھ مدینہ کا محاصرہ کر لیا کہ مسلمانوں کو اپنے گھر بھی غیر محفوظ چھوڑنے پڑے۔ نبی کریمؐ نے عورتوں کو ایک قلعہ میں رکھ دیا اور حضرت حسان بن ثابت کو، جو شاعر تھے، ان کی حفاظت کے لیے وہاں چھوڑ دیا۔ یہودیوں نے جو مدینہ کے اندر

تھے، یہ سمجھ کر کہ قلعہ میں عورتوں پر کوئی محافظ نہیں، حملہ کرنا چاہا اور ایک آدمی کو وہاں بھیجا کہ وہ دیکھ آئے کہ وہاں کوئی فوج تو نہیں۔ وہ جب قلعہ کی طرف جا رہا تھا تو حضرت حفصہؓ نبی کریمؐ کی بیوی نے اسے دیکھ لیا اور حسانؓ سے کہا کہ وہ دشمن آ رہا ہے، اس کا کام وہیں تمام کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی نقصان پہنچائے۔ حضرت حسانؓ تھے شاعر۔ ان کو یہ جرأت کہاں! کہنے لگے اکیلا آدمی ہے، اس نے کیا کرنا ہے۔ آخر حضرت حفصہؓ نے خود ایک بڑا لٹھ لیا اور جب وہ پہنچا تو اس زور سے اسے مارا کہ وہیں اس کا کام تمام ہو گیا۔ پھر حضرت حسانؓ سے کہا کہ اس کا سر کاٹ کر باہر پھینک دو۔ تا کہ یہودیوں کو خیال ہو کہ قلعہ کے اندر فوج ہے اور وہ حملہ کی جرأت نہ کریں۔ وہ کہنے لگے اب مر تو گیا، اب سر کیا کاٹنا ہے۔ آخر حضرت حفصہؓ نے خود اس یہودی کا سر کاٹ کر باہر پھینک دیا۔ جس سے یہودیوں نے سمجھ لیا کہ قلعہ کی محافظ فوج موجود ہے۔ حالانکہ فوج کوئی نہ تھی اور وہ حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ غرض عورتوں نے نہ صرف لڑائیوں کے اندر خدمت کی ہے، زخمیوں کی مرہم پٹی کی ہے بلکہ جب موقع پڑا تو خود بھی لڑائی کی ہے۔ یہ سب کام، جو سمجھا جاتا ہے کہ عورتوں کے نہیں، عورتیں ہی انہیں کرتی تھیں۔

یہ علم جس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ کیا ضرورت ہے کہ عورتوں کو پڑھایا جائے۔ اس زمانہ میں عورتوں کو علم سکھایا جاتا تھا۔ خوب یاد رکھو ہر ایک عورت معلّمہ ہے۔ کیونکہ اسے بچوں کی تربیت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن ہر ایک مرد معلم نہیں۔ اس لیے عورتوں کو علم سکھانا نہایت ضروری ہے۔ تا کہ وہ بچوں کی تربیت اچھی طرح کر سکیں۔ نبی کریمؐ کی بیویاں حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت حفصہؓ تینوں حافظ قرآن تھیں۔ حضرت حفصہؓ نے خود بڑی عمر میں لکھنا پڑھنا سیکھا۔ جب نبی کریمؐ فوت ہوئے تو حضرت عائشہؓ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اڑتالیس سال انہوں نے بیوگی کے گزارے۔ اس عرصہ میں آپ لوگوں کو قرآن سکھاتی تھیں اور اس کا درس دیتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ بڑے علم والی تھیں۔ جب کوئی بڑا مسئلہ پیش آتا تھا تو حضرت عائشہؓ ہی سے پوچھا جاتا تھا۔ آپ کے دوسو شاگرد ایسے ہیں جن کے نام لکھے ہوئے موجود ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ کے بھی بہت سے شاگرد ہیں۔ پھر مسلمان عورتوں نے دین کی تبلیغ کی ہے۔ صحابہؓ کی عورتوں میں سے ایک عورت تھیں۔ وہ عورتوں کو درس دیتی تھیں۔ حضرت امام بخاریؒ کی ایک شاگرد کریمہ ہوئی ہیں۔ حضرت کریمہؒ نے امام بخاری سے حدیث کو خود سنا اور آگے مردوں کو سنایا۔ بتاؤ یہ کوئی بزرگ عورت تھیں یا ان کو بُرا کہو گی کہ مردوں کے ساتھ کلام کرتی اور ان کو حدیث اور قرآن سناتی ہیں۔ تم

نے یہی سمجھا ہوا ہے کہ یہ علم دین مردوں کے لیے ہی ہے، عورتوں کے لیے نہیں۔ دو سال ہوئے میں نے خیال کیا کہ عورتوں کو کچھ قرآن پڑھاؤں۔ اسی لیے قرآن کا درس عورتوں میں شروع کیا اور وہ کچھ مدت تک ہوتا رہا۔ لیکن میرے پہاڑ پر چلے جانے پر وہ شوق کم ہو گیا اور آہستہ آہستہ درس بند ہو گیا۔ اب ان کے خاوندوں اور باپوں کا کام ہے کہ انہیں علم سکھائیں، قرآن پڑھائیں۔ اگر وہ سلسلہ جاری رہتا تو آج تک قرآن ختم ہو گیا ہوتا۔ میں نے بتایا ہے کہ صحابہؓ کی عورتیں درس دیتی تھیں۔ صرف درس ہی نہیں۔ عورتوں نے بڑے بڑے عظیم الشان مردوں کو مسلمان کیا ہے۔ یہ جانتی ہو حضرت عمرؓ کو مسلمان کرنے والی کون تھیں۔ وہ حضرت عمرؓ کی بہن تھیں۔ وہ پہلے مسلمان ہوئیں۔ حضرت عمرؓ بڑے غصہ میں تلوار باندھے جا رہے تھے۔ راستہ میں ان کو ئی شخص ملا۔ اس نے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ کہا محمد ﷺ کو قتل کرنے جاتا ہوں۔ وہ کہنے لگا پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کو تو قتل کرلو۔ وہ دونوں مسلمان ہیں۔ یہ سن کر وہ غضب سے بھر گئے۔ فوراً بہن کی طرف گئے۔ اس وقت آپ کے بہنوئی قرآن پڑھ رہے تھے۔ جا کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ ڈر گئے اور قرآن کو چھپا لیا اور دروازہ کھولا۔ اندر آ کر حضرت عمرؓ نے ان کو مارنا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ کی بہن نیچے بیٹھ گئیں۔ ان کو بھی چوٹ لگی۔ یہاں تک کہ وہ لہولہان ہو گئیں اور انہوں نے کہا جو جی چاہے کرو۔ ہم تو اسلام لا چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کو شرمندگی ہوئی۔ بیٹھ گئے اور کہا کہ جو کچھ تم پڑھتے ہو اس کو لاؤ۔ انہوں نے کہا پہلے غسل کرو۔ اس کے بعد قرآن کو ہاتھ لگا سکو گے۔ چنانچہ غسل کر کے سورہ طٰہٰ پڑھنی شروع کی تو ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کو بھی مسلمان کرنے والی ایک عورت ہی تھی۔ آج ہماری عورتوں کو اسلام سے ہی کوئی واقفیت نہیں، چہ جائیکہ ان کے وہم میں بھی یہ خیال آ سکے کہ کوئی عورت بھی کسی مرد کو مسلمان کر سکتی ہے! اسلام میں سب سے پہلے جو شخص ایمان لایا وہ آنحضرتؐ کی بیوی حضرت خدیجہؓ تھیں۔ جس قدر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی، اس قدر کسی نے نہیں دی۔ اسی طرح ایک ایک بی بی کئی کئی مردوں کو مسلمان کرتی تھیں۔

اب دیکھو محنت مزدوری وہ کرتی تھیں، مرہم پٹی ان کا کام تھا، لڑائیوں میں مدد دیتیں، درس دیتیں، علم سیکھتیں دوسروں کو سکھاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مردوں نے ترقی کی۔ اب بھی کوئی خدا کے راستہ پر چلے۔ اب بھی مسلمان عورتیں ویسے کام کریں تو بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ آج ہندو ہماری قوم پر شیر ہیں اور مسلمان

بچوں کے حوصلے ان کے بالمقابل پست ہیں۔ کیونکہ ان کی ماؤں نے وہ دودھ ان کو پلایا ہے جس کے اندر شجاعت نہیں۔ خدمت دین کا کوئی کام پیش آئے تو مرد ہی بالعموم کرتے ہیں۔ عورتیں اس میں کوئی حصہ نہیں لیتیں۔ بعض عورتوں کا خیال ہے کہ چلو مرد جو کام کرتے ہیں ہمیں کیا ضرورت ہے یا جس دن خاوند اپنے اعمال کے نتائج حاصل کریں گے ان کو بھی ساتھ شریک کرلیا جائے گا۔ وہ تو ایسا دن ہوگا کہ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ. وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ. وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ (80:34-36) نہ بھائی بھائی کے کام آئے گا، نہ باپ اولاد کے، نہ بیوی خاوند کے نہ خاوند بیوی کے۔ نہ اس کا کوئی مال خرچ کرنا یا خدمت دین کا کام کرنا دوسرے کو کوئی فائدہ دے گا۔

ایک شخص اس زمانہ میں آیا اور خدا سے حکم پا کر اس نے نیک راستہ پر لگایا۔ اس کے ساتھ ہو کر طرح طرح کی قربانیاں لوگوں نے کیں۔ مال خرچ کئے۔ لیکن بعض بیبیاں ہیں کہ اس پر کڑھتی ہیں اور مفت کا عذاب اپنے اوپر لیتی ہیں۔ خوب یاد رکھو اگر تم مردوں کو ان کی قربانیوں اور خدا کے راستہ میں خرچ کرنے پر بُرا کہو گی تو خواہ مخواہ اپنے لیے دکھ اختیار کرو گی۔ خدا کا شکر کرو جس نے یہ سب کچھ دیا۔ تم گھر میں بیٹھی رہتی ہو۔ مرد باہر جا کر کماتے ہیں اور تمہیں لا کر دیتے ہیں۔ پھر جب وہ کوئی نیکی کا کام کریں تو تم کیوں کڑھتی ہو۔ تم دوسری قوموں کی عورتوں کو بھی دیکھو۔ عیسائیوں اور ہندوؤں کو لے لو۔ ان کی عورتیں دین کے کیسے کام کرتی ہیں۔ عیسائیوں کے اندر وعظ کرنے والوں کا ایک بڑا حصہ عورتوں کا ہے۔ چونکہ عورتوں میں محبت اور رحم کا مادہ زیادہ ہے اس لیے خدمت خلق کا کام وہ زیادہ کر سکتی ہیں اور کرتی ہیں۔ نوجوانی کی عمر سیکھنے کے لیے بہت عمدہ ہے۔ اگر جوانی میں علم حاصل کر کے اپنے آپ کو کسی قابل نہیں بنائیں، کچھ سیکھیں، تو بڑھاپے میں تو پردہ کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ اسی وقت وہ اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ کیا ہی خوش قسمت ہے وہ عورت جس کی جوانی علم دین کے سیکھنے میں اور بڑھاپا اس کے سکھانے یا خدمت خلق میں صرف ہو۔ ایسی حالت میں اگر موت آئے تو وہ خوشی کا موجب ہے۔ دیکھو موت کا وقت کتنا سخت ہے۔ لیکن بعض کے مونہوں پر اس وقت خوشی اور ہنسی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہم نے دنیا کی عمر کو ضائع نہیں کیا۔ اور جن کے چہروں پر غم ہوتا ہے انہیں اپنی دنیوی بداعمالیاں نظر آتی ہیں۔ جن کے آئندہ نتائج بھگتنے ہیں۔ کیا کرو گی اس وقت مال اور دولت اور زیوروں کو۔ یہ چیزیں جنہیں اپنی سمجھتی ہو یہ تمہاری اپنی نہیں ہیں۔ وقت آنا ہے کہ یہ سب کچھ تم سے لے لیا جائے گا۔ کس بات پر خدا کے حکم کو تم

ٹالتی ہو۔ میں بالخصوص ان عورتوں کو مخاطب کرتا ہوں جن کے خاوندوں کے مذہبی جوش کے سامنے دنیا سر جھکاتی ہے۔ ہندوؤں عیسائیوں تک ان کے مداح ہیں۔ میں ان کو بتاتا ہوں کہ دین کی حالت اس وقت نہایت نازک ہے۔ دیکھو کیا نقشہ کھینچا ہے حضرت مرزا صاحب نے ؎

دین حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

حضرت زین العابدین کی طرح اس وقت دین بیمار اور لاچار ہے۔ اس لئے تم پر فرض ہے کہ تم بھی دین کی خدمت میں حصہ لو۔ میں ان احمدیوں کی بیویوں اور بیٹیوں سے خطاب کرتا ہوں کہ اپنے خاوندوں کی مددگار بنیں۔ ان خدمات میں جو وہ کر رہے ہیں، ان کو امداد دو۔ تم ان کی اولاد کو نیک بناؤ۔ اگر تم نیک اولاد چھوڑ جاؤ گی تو وہ الباقیات الصالحات کا کام دے گی۔ تم ان کے کاموں اور خدمت دین میں مال سے مدد دو۔ یہ یاد رکھو کہ اگر ہم نے لوگوں سے کوئی مال لیا ہے تو اپنے لیے نہیں لیا۔ میں اپنے لیے تم سے نہیں مانگتا۔ خدا کے دین کے لیے مانگتا ہوں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ خدا کا دین بیکس ہے دوسرے لوگوں نے بڑا کام کیا ہے اور عنداللہ وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہیں۔ تم پر یہ فرض باقی ہے۔ کیا تم آخرت کی زندگی میں بھی ان کا ساتھ دینا چاہتی ہو۔ اگر آخرت میں مردوں کا ساتھ دینا چاہتی ہو تو دین کی امداد کرواور اپنے خاوندوں کو ترغیب دو کہ وہ اور زیادہ قربانیاں کریں۔ اگر تمہیں تکلیف بھی اٹھانی پڑے تو خدا کے راستہ میں کہو کہ ہمیں پچاس روپیہ بکار ہیں تیس ہی کافی ہیں۔ کیا وہ لوگ دنیا میں نہیں جو اس پندرہ میں گزارہ کر لیتے ہیں۔ میں یہ احمدیوں کی بیویوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہوں۔ ہم نے جرمنی میں ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ کے خاوند، بھائی، بیٹوں نے بڑی مدد کی ہے۔ اس وقت تک اس مسجد کی دیواروں پر صرف مردوں کے نام ہیں، عورتوں کے نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ اگر نیک کام مرد کرتے ہیں تو نام انہی کا لکھا جاتا ہے۔ ان کی عورتیں ان کی نیکی میں شریک نہیں ہوسکتیں۔ اگر تم چاہتی ہو کہ خدا کے ہاں تمہارا نام بھی نیکی کرنے والوں میں، صدقہ خیرات کرنے والوں میں اور خدا کے فرمانبردار بندوں میں لکھا جائے تو خود اپنے ہاتھ سے کچھ کرلو۔ خاوندوں کے کیے ہوئے کاموں سے دھوکا مت کھاؤ۔ اس لیے میں آپ سے دو باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ ہر ایک عورت اپنے خاوند کو تکلیف دے کر نہیں بلکہ اپنے زیوروں میں سے دے۔ عورتیں مردوں سے زیادہ امیر ہیں۔ ان کے پاس زیور ہیں۔ مردوں کے پاس نہیں۔ اس لیے اگر خدا کا راستہ تمہیں زیادہ

پیارا ہے تو اپنے زیوروں میں سے کچھ دین کے لیے دو۔ اگر ہماری مستورات ہمت کریں تو سات آٹھ ہزار کچھ چیز نہیں۔ ہاں اگر ان کے خاوند روکیں تو پھر ان کا اختیار نہ رہا۔ میں نے مولوی صدرالدین صاحب کو لکھا تھا کہ مسجد کے مینار سردست ملتوی کر دیں۔ لیکن اگر تم ہمت سے کام لو تو برلن کی مسجد کے میناروں پر تمہارے نام قیامت تک روشن ہوں گے۔ دوسرے میں نے کہا ہے کہ آپ کے خاوند بہت مدد کر رہے ہیں۔ ان کو زیادہ تکلیف نہیں دی جاسکتی۔ آپ اگر اس رقم میں سے، جو آپ کے ہاتھوں میں آتی ہے، کچھ ماہوار خدا کے لیے نکال دیں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ولایت میں یہ حالت ہے کہ جب کوئی چندہ کرنا ہوتا ہے تو چائے میں سے چینی کم کر دی جاتی ہے۔ اور اس طرح ہزار ہا روپیہ جمع ہو جاتا ہے۔ اگر اسی قسم کے کام تم بھی کرو تو کس قدر فائدہ دین کو پہنچ سکتا ہے۔ جس سے تمہیں بھی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کے وقت میں وہ بھی لوگ تھے جو مٹھی بھر جو کے ساتھ دین کی مدد کیا کرتے تھے۔ آپ بھی اگر مٹھی بھر آٹا ہر روز نکال لیں۔ تو آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ مگر دین کو بڑی بھاری مدد مل جائے گی۔ اپنی حسب حیثیت کچھ چندہ ہر ایک بی بی اپنے اوپر لازم کر لے جو مہینے کے مہینے ادا کر دیا جائے۔ چند روپے ہوں یا چند آنے یا چند پیسے یا مٹھی بھر آٹا۔ خدا کی نظر تو فرمانبرداری کرنے والے دل پر ہے۔ تھوڑے اور بہت پر نہیں۔ اس ذریعہ سے تم خدا کے دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے والی ٹھہرو گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مردوں کو اور عورتوں کو اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق دے۔

فہرست مستورات (ان میں سے اکثر بیبیاں ماہوار چندے بھی مقرر کر چکی ہیں) جنہوں نے برلن مسجد کے لیے چندہ دیا ہے

1: دادی صاحبہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب لاہور، (ایک جوڑی بند طلائی)۔ 2: اہلیہ صاحبہ حضرت امیر لاہور، (ایک جوڑی کڑا طلائی)۔ 3: اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، (ایک جوڑی کڑا طلائی)۔ 4: اہلیہ صاحبہ خواجہ جلال الدین صاحب لاہور، (ایک ہار طلائی)۔ 5: اہلیہ صاحبہ چودھری ظہور احمد صاحب لاہور، (ایک ہار طلائی)۔ 6: اہلیہ صاحبہ خواجہ عبداللہ لاہور، (چھ عدد بالیاں طلائی)۔ 7: اہلیہ صاحبہ شیخ محمد نصیب صاحب لاہور، (2 عدد بالیاں طلائی)۔ 8: اہلیہ صاحبہ خان محمد یعقوب خاں صاحب لاہور، (ایک چوڑی طلائی)۔ 9: بابو مقبول الٰہی لاہور، (ایک جوڑی پہنچیاں طلائی)۔ 10: بنت خواجہ جلال الدین صاحب لاہور،

(2 عدد بالیاں)۔ 11: اہلیہ صاحبہ شیخ محمد دین جان صاحب لاہور، (ایک عدد سمارا طلائی)۔ 12: اہلیہ سید نذیر حسین صاحب لاہور، (ایک جوڑی چوڑی طلائی)۔ 13: اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر مرزا بیگ صاحب لاہور، (8 عدد چوڑیاں طلائی)۔ 14: اہلیہ صاحبہ بابو عبدالحق صاحب لاہور، (ایک جوڑی ڈنڈیاں طلائی)۔ 15: بنت بابو عبدالحق صاحب لاہور، (پازیب نقرئی ایک)۔ 16: اہلیہ بابو جلال احمد صاحب لاہور چھاؤنی، (بٹن طلائی) ۔17: ڈاکٹر غلام المرسلین صاحب راولپنڈی، (ایک سینہ طلائی)۔ 18: مستری محمد الدین صاحب سیالکوٹ، (ایک جوڑی پھول طلائی)۔ 19: اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب گجرات، (ایک آرسی طلائی، ایک جوڑی پازیب طلائی)۔ 20: بنت ڈاکٹر مرزا صاحب اہلیہ ماسٹر فقیر اللہ صاحب اہلیہ سید محمد شاہ صاحب۔ 21: اہلیہ کلاں سید محمود شاہ۔ 22: اہلیہ سید مصطفیٰ شاہ صاحب۔ 23: اہلیہ سید امیر علی شاہ صاحب۔ 24: اہلیہ حکیم غلام محی الدین صاحب بھوپر، (جملہ 7 جوڑی آویزے طلائی)۔ 25: اہلیہ سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب۔ 26: اہلیہ پروفیسر عبداللہ صاحب۔ 27: اہلیہ شیخ محمد ابراہیم صاحب۔ 28: اہلیہ مرتضٰی خان صاحب۔ 29: اہلیہ شیخ محمد دین جان صاحب راولپنڈی۔ 30: ہمشیرہ خداداد صاحب اکبری گیٹ۔ 31: اہلیہ بابو عمر الدین صاحب۔ 32: اہلیہ ڈاکٹر احمد بخش صاحب۔ 33: اہلیہ مرزا فضل الٰہی صاحب۔ 34: اہلیہ بشیر الدین صاحب سیالکوٹ۔ 35: اہلیہ ڈاکٹر مشتاق علی صاحب۔ 36: اہلیہ ڈاکٹر نظام الدین صاحب، معرفت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، محمد اقبال جماعت ہفتم مسلم سکول 1 از خانہ سید مراتب علی شاہ صاحب لاہور، (جملہ 18 انگشتری طلائی)۔

4 فروری 1925ء

حضرت امیر کے قلم سے

قتل مرتد پر نئی دلیل

ضمیمہ ''الشہاب'' پر ایک نظر

قتل مرتد کے مضمون پر میں مفصل لکھ چکا ہوں اور قرآن کریم، حدیث اور اجتہاد آئمہ سے شہادت پیش کر چکا ہوں اور دکھا چکا ہوں کہ محض کفر پر قرآن کریم نے کوئی دنیوی سزا نہیں رکھی اور اس لیے اسلام سے کفر کی طرف جانے پر بھی کوئی سزا نہیں۔ جس طرح بعض لوگوں کو یہ غلطی لگی ہے کہ ہر ایک کافر کا قتل کرنا یا اس کے ساتھ جنگ کرنا ضروری ہے، حالانکہ قرآن کریم میں صراحت سے مذکور ہے کہ صرف ان کفار کے ساتھ جنگ جائز ہے جو خود مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں کو یہ غلطی لگی ہے کہ ہر ایک مرتد کو قتل کر دینا چاہئیے۔ حالانکہ احادیث میں جن مرتدین کی سزا کا ذکر ہے اس کی وجہ ان کا مسلمانوں کو قتل کرنا یا خونریزی تھی۔ محض ارتداد پر کسی شخص کے لیے سزائے قتل نبی کریمؐ کے عمل سے ثابت نہیں۔ علمائے دیوبند اور بہت سے اور علماء اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور ان دو باتوں میں تفریق نہیں کر سکتے کہ سزائے قتل فساد یا خونریزی سے عائد ہوتی ہے نہ کہ کفر سے۔ قرآن کریم نے مرتد کے لیے کسی دنیوی سزا کا ذکر محض اس وجہ سے نہیں کیا کہ محض ارتداد کی سزا ہی کوئی نہیں۔

دیوبند کے ایک مولوی صاحب نے اپنے رسالہ ''الشہاب'' میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ واقعی وہ آیات قرآنی، جن سے آج تک مرتد کی سزا قتل ہونے کا استدلال کیا جاتا رہا ہے، واضح طور پر یہ سزا بیان نہیں کرتیں اور یوں اس کے غیر قطعی ہونے کو تسلیم کر کے اپنی طرف سے قطعی شہادت قرآن کریم کی اس آیت کو ٹھہرایا ہے جس میں بنی اسرائیل کو گئو شالہ پرستی کی وجہ سے فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (2:54) کا حکم ہوا تھا۔ ان مولوی صاحب کی دلیل یہ تھی کہ گئو شالہ پرستی سے بنی اسرائیل مرتد ہو گئے تھے۔ اور ان کے قتل کا حکم بتاتا ہے کہ شریعت موسوی

میں مرتد کی سزا قتل تھی۔ اس لیے ہماری شریعت میں بھی یہی سزا ہے۔ اس آیت پر میں نے چند سوالات کیے تھے۔ جن کا جواب ان دیو بندی مولوی صاحب نے (ضمیمہ الشہاب میں) دینے کی کوشش کی ہے۔

گئوشالہ پرستی اصطلاح شرعی میں ارتداد نہیں۔ میرا سوال تھا کہ کیا گئوشالہ پرستی سے بنی اسرائیل مرتد ہو گئے تھے؟ کیا آج لاکھوں مسلمان، جو قبر پرستی اور کئی قسم کی مِنْ دُوْنِ اللّٰہ (64:3) پرستش میں مبتلا ہیں، ان پر ارتداد اور سنگساری کا حکم صادر ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کیا ایمان لانے کے بعد گئوشالہ پرستی، جس کے ساتھ یہ بھی اعلان ہو کہ هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ (88:20) اس کے ارتداد ہونے میں بھی آپ کو کچھ تردد ہے؟ پھر تو کھلی سے کھلی بت پرستی بھی آپ کے نزدیک کفر نہیں ہوگی۔

مولوی صاحب کو یہ غلطی لگی ہے۔ میں تو کھلی بت پرستی کو چھوڑ کر چھپی بت پرستی کو بھی کفر سمجھتا ہوں اور اسے بت پرستی سے کم نہیں سمجھتا جو مسلمانوں میں علما اور پیروں کو اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (64:3) ٹھہرایا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے مرتکب کو میں کافر نہیں بلکہ مسلمان کہتا ہوں۔ غالبًا اس مسئلہ سے علمائے دیو بند کو انکار نہ ہوگا کہ کبھی مسلمان سے بھی کفر سرزد ہو جاتا ہے۔ پس قبر پرستی ہو یا پیر پرستی یا مولوی پرستی یا گئوشالہ پرستی یہ سب کفر ہیں۔ مگر جس طرح قبر پرستی سے مسلمان اصطلاح شرعی میں کافر نہیں بن جاتا اور مرتد نہیں کہلا سکتا، بلکہ ایک غلط کار مسلمان ہی رہتا ہے، اسی طرح گئوشالہ پرستی سے بنی اسرائیل کا فرو مرتد نہ ہو گئے تھے۔ وہ اب بھی حضرت موسیٰؑ پر ایمان رکھتے تھے۔ قرآن شریف میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کی پیغمبری سے انکار کیا یا خدا کی ہستی سے انکار کیا۔ بلکہ گائے کی پرستش کی بیماری چونکہ ان میں سرایت کر چکی تھی اس لئے بچھڑے کو بھی انہوں نے معبود خیال کر لیا۔ وہ اسے خدا کے نیچے دوسرا معبود ٹھہرا رہے تھے۔

سمندر سے نکلتے ہی جب ایک بت پرست قوم پر ان کا گزر ہوا تو بول اٹھے: يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (138:7) اے موسٰی ہمیں بھی ایک معبود بنا دو۔ جیسے ان کے معبود ہیں۔ اگر هٰذَآ اِلٰهُنَا کہنے سے مرتد ہو سکتے تھے تو اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا (138:7) سے بھی مرتد ہو سکتے تھے۔ کیونکہ یہاں سے معلوم ہوا کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا کے نیچے دوسرا معبود بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنے پیغمبر سے اسے پیغمبر جانتے ہوئے یہ درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بھی ایک معبود بنا دو۔ پس گئوشالہ پرست بنی اسرائیل اور قبر پرست اور پیر پرست

مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں۔ کیا اس ملک ہندوستان میں وہ پیر نہیں جو اپنے مریدوں سے سجدہ کراتے ہیں۔ اور پھر علی الاعلان اس بات کو اپنے وعظوں میں بیان کرتے ہیں کہ مرشد کو سجدہ تعظیمی کرنا جائز ہے اور ان کے لاکھوں مرید ہیں۔ میں تو اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہوں کہ علمائے دیوبند کے نزدیک واقعی اس قسم کی مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ (64:3) پرستش سے ایک شخص مرتد ہو جاتا ہے اگر ان میں ان پیروں اور ان کے لاکھوں مریدوں کے خلاف بھی یہ کہنے کی جرأت ہو کہ یہ لوگ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ مگر نہیں۔ ان علما کی حالت حضرت مسیح کے وقت کے فقیہوں اور فریسیوں کی طرح ہے۔ منہ سے کچھ کہتے ہیں اور عمل کچھ اور ہے۔

پھر کسی کو اِلٰہٌ کہنا کیا ہے؟ یہی کہ اس کو معبود بنایا جائے، اس کے آگے سجدہ کیا جائے اور اس سے دعا مانگی جائے اور مراد طلب کی جائے۔ کیا آج لاکھوں کروڑوں مسلمان اس مرض میں مبتلا نہیں۔ کیا بڑے بڑے اولیاء کی قبروں پر یہ کھلا شرک نہیں ہو رہا۔ یہ سب شرک ہے جس کا ارتکاب مسلمان کر رہے ہیں۔ مگر باوجود اس شرک کے ارتکاب کے وہ مسلمان ہی ہیں۔ مرتد نہیں۔ اس لئے گئو شالہ پرستی سے بنی اسرائیل کا ارتداد ثابت نہیں ہوتا۔

کیا سامری منافق تھا

ایک سوال یہ تھا کہ سامری کو، جو ساری شرارت کا بانی تھا، اس سب سے بڑے مرتد کو قتل کرنے کا حکم کیوں صادر نہ کیا گیا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ''شخص لاہوری پارٹی'' کی طرح منافق تھا۔ اور منافق کے احکام کھلے مرتد سے علیحدہ ہیں، اس لیے سامری کو قتل نہیں کیا گیا۔''

مولوی صاحب نے یہاں سامری کے نفاق کے نیچے پناہ لی ہے۔ مگر یہاں بھی ان کو پناہ نہیں مل سکتی۔ اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ مولوی صاحبان کو حالتِ غضب میں یہ خیال نہیں رہتا کہ کیا کہنا چاہئیے کیا نہیں۔ ابھی ڈیڑھ ماہ کی بات ہے، جب انہی مولوی صاحب نے رسالہ ''الشہاب'' لکھا تو اس میں بڑے وثوق سے یہ لکھا تھا کہ لاہوری احمدی مرتد ہیں اور مرتد واجب القتل ہے۔ تو گویا مولوی صاحب کے نزدیک اس وقت ہم لوگ واجب القتل تھے اور اب ڈیڑھ ماہ بعد انہی مولوی صاحبان کا فتویٰ شائع ہوتا ہے کہ سامری واجب القتل نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ لاہوری احمدیوں کی طرح منافق تھا۔ دونوں تحریروں کو بالمقابل رکھ کر پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مولوی صاحب کا حافظہ قائم نہیں رہا۔

تحریر اوّل

رسالہ ''الشہاب'' صفحہ 10

اس تمام تقریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ مرزا غلام احمد قادیانی مرتد اور زندیق ہے۔اور جو جماعت ان تصریحات پر مطلع ہو کر اس کو صادق سمجھتی رہے۔اور اس کی حمایت میں لڑتی رہے وہ بھی یقیناً مرتد اور زندیق ہے۔ خواہ وہ قادیان میں سکونت رکھتی ہو یا لاہور میں۔

تحریر ثانی

ضمیمہ ''الشہاب'' صفحہ 3

منافقین سب سے بڑھ کر شرارتیں کرتے ہیں۔لیکن اپنے نفاق کی وجہ سے دنیا میں قانونی گرفت سے اپنے آپ کو بچاتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ لاہوری پارٹی باوجودیکہ مرزا صاحب کی ان کتابوں کے حرف بہ حرف صحیح صادق ہونے پر ایمان رکھتی ہے۔ جو نبوت پر مشتمل ہیں۔مگر از راہ خدع وفریب زبان سے یہی کہتی ہے کہ ہم ان کو نبی نہیں مانتے

اب سامری کا قصہ سنئے۔مولوی صاحب نے روح المعانی سے ایک قول نقل کر دیا کہ جمہور کے نزدیک سامری ایک منافق تھا جو ایمان ظاہر کرتا تھا اور اندر سے کافر تھا۔مگر یا تو ان علماء کے اندر سے غور کی عادت ہی جاتی رہی ہے اور یا اپنی غلطی کو چھپانے کے لیے عموماً یہ غلط بیانی کی ہے۔مفسرین نے جو سامری کو منافق لکھا ہے تو وہ اس کی پہلی حالت کو لکھا ہے۔یعنی وہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ منافقانہ رنگ میں لگا ہوا تھا۔انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ بچھڑا بنانے کے بعد بھی وہ منافق ہی رہا تھا۔

مولوی صاحب کو شائد اس قدر تو علم ہوگا کہ منافق اسے کہتے ہیں جو اپنے کفر کو چھپاتا ہے۔تو کیا وہ اتنی موٹی بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ بچھڑا بنانے اور اس کی پرستش کرنے اور کرانے کے بعد وہ مکفر مخفی نہ رہا تھا بلکہ ظاہر ہو گیا تھا۔اور منافق پر جس طرح اسلام ظاہر کرنے کی صورت میں مسلمان کے احکام وارد ہوتے ہیں اسی طرح جب وہ ظاہر اسلام کو چھوڑ کر ظاہر کفر کی طرف جاتا ہے تو اس پر ارتداد کا حکم وارد ہوگا۔سامری، جس نے بچھڑا بنایا، جس

نے ساری قوم سے وہ شرک کرایا، وہ تو مولوی صاحب کے نزدیک مسلمان ہی رہا۔ اور جو لوگ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لاتے تھے وہ مرتد ہو گئے۔ پھر نہ اس نے صرف بچھڑا ہی بنایا اور قوم کو گمراہ ہی کیا بلکہ خود بھی اس بچھڑے کی اسی طرح عبادت کرتا تھا جس طرح دوسرے اسرائیلی۔ اگر مولوی صاحب کو یہ علم نہیں، تو سورہ طٰہٰ کو پڑھیں: وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰھِکَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاکِفًا(97:20) یہ ان لوگوں کی حالت ہے جو علمائے دین کہلاتے ہیں کہ صریح جھوٹ کے ساتھ اپنی غلطی کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مان لیجئے کہ سامری منافق تھا۔ یعنی وہ صرف منہ سے حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے کا اقرار کرتا تھا۔ تو جب دوسرے لوگ گئوشالہ پوجنے سے مرتد ہو گئے تو سامری، جس نے گئوشالہ بنایا، دوسروں سے اس کی پرستش کرائی، خود اس کی پرستش کی، وہ مرتد کیوں نہ ہوا؟

کیا بنی اسرائیل کی ساری قوم گئوشالہ پرستی میں مبتلا نہ تھی؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ جب ساری قوم شرک میں مبتلا تھی تو ساری مرتد ہو گئی اور ساری کی ساری قوم کے قتل ہو جانے کے بعد پھر قوم کہاں سے آئی تھی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ میں ثابت کروں کہ ساری قوم گئوشالہ پرستی میں مبتلا تھی۔ یہ بارِ ثبوت تو اس شخص کے ذمہ ہے جو کہتا ہے کہ قوم سے مراد ساری قوم نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ ہے۔ ورنہ قوم سے ساری قوم ہی لی جائے گی۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ مولوی صاحب نے معمولی تفسیروں کو بھی نہیں دیکھا۔ یہ تو مولوی صاحب کو علم ہوگا کہ مفسرین نے بنی اسرائیل کی کل تعداد چھ لاکھ بتائی ہے۔ ان میں سے عجل (بچھڑا) پرستی سے کس قدر لوگ بچے۔ **کان سبعون رجلا قد اعتزلوا مع هارون العجل لم يعبدوه** (ابن جریر) یعنی حضرت ہارونؑ کے ساتھ صرف ستر آدمی اور تھے جو بچھڑے کی پرستش سے بچے رہے۔ مجھے تو تفاسیر میں یہی ایک قول نظر آیا ہے کہ چھ لاکھ میں سے صرف ستر آدمی عجل پرستی سے بچے تھے۔ روح المعانی میں بھی ان کی تعداد ستر ہی لکھی ہے۔ مولوی صاحب اگر اس کے خلاف کوئی قول پیش نہیں کر سکتے تو کیا وہ اپنی غلطی کو تسلیم کریں گے؟ کبھی نہیں۔ بلکہ اب کچھ اور حجت تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (54:2) کے معنی

آخری سوال یہ تھا کہ جس بناء پر مرتد کی سزا قتل کہی جاتی ہے انہی الفاظ سے مراد جان سے مارنا نہیں بلکہ اماطة الشھوٰت بھی لیا گیا ہے۔ اور امام راغب کا حوالہ پیش کیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قول کہ اس سے مراد جان سے مارنا نہیں، ایک مجہول قائل کا ہے۔ اس لیے قابل قبول نہیں۔ حالانکہ میں نے بتایا تھا کہ امام راغب نے اس قول کو نقل کیا ہے۔ لیجئے اب معروف قائل کا قول بھی نقل کرتا ہوں۔ تفسیر بیضاوی کے کم سے کم پہلے اڑھائی سپارے تو دیو بند میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ **فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** کے معنی یوں لکھے ہیں: **فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ لتوبتكم بالبخع او قطع الشهوٰت كما قيل من لم يعذب نفسهٔ لم ينعمها ومن لم يقتلها لم يحيها**. کیا اس کے بعد بھی مولوی صاحب کو شک ہے کہ **فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** کے معنی صرف نفس کو مارنا یا اپنے آپ کو کامل فرمانبردار بنانا یا قطع شہوات ہو سکتے ہیں۔ اور روح المعانی میں **فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** کے معنی **ذللوا** (اپنے آپ کو فرمانبردار بناؤ) کر کے لکھا ہے۔ **لَوْلَا ان الروايات علٰى خلاف ذٰلِكَ لقلت بهٖ تَفْسِيْرًا** یعنی اگر روایات اس کے خلاف نہ ہوتیں۔ تو میں بھی اس کی یہی تفسیر کرتا۔ چنانچہ روح المعانی میں ہی قتادہ کی روایت لکھی ہے: (54:2)

> **ونقل عن قتادة انّه قرأ فاقيلوا الفسكم والمعنى ان انفسكم قد تورطت فى عذاب اللّٰه تعالٰى بهذا الفعل العظيم الذى تعاطيتموه وقد هلكت فاقيلوها بالتوبة والتزام الطاعة وازيلوا آثار تلك المعاصى باظهار الطاعات.**

اب یہ دوسری قرأت **فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** کے معنی پر ایک زبردست شہادت کا کام دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قتادہ کے نزدیک بنی اسرائیل کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ کامل فرمانبرداری کے ذریعہ سے اس گناہ کے آثار کو مٹائیں۔ اب ہمیں انتظار رہے گا کہ دیو بند سے اور کونسی آیت قرآنی مرتد کے قتل یا سنگساری پر نکلتی ہے۔ امید ہے مولوی صاحب خاموشی میں پناہ نہ لیں گے۔ ذیل کے سوالات کا جواب دینے سے مولوی صاحب برابر گریز کر رہے ہیں۔ ہم بھی ان کو دہراتے رہیں گے۔

1 ۔ کیا آیت **لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ**

بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.(256:2) منسوخ ہے یا نہیں؟

2۔ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ(193:2) کے کیا معنی ہیں۔ اوران معنوں کی رو سے آیت قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْ نَكُمْ (190:2) منسوخ ہے یا نہیں؟

3۔ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِل النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے کیا معنی ہیں؟

4۔ کیا کوئی ایسا مہدی آنے والا ہے یا نہیں جو دین اسلام کو تلوار سے پھیلائے گا؟

دل آزار تحریرات

کسی دوسری جگہ غازی محمود دھرمپال کا ایک مضمون بعنوان ''اسلام کے خلاف دل آزار تصنیفات'' درج کیا گیا ہے۔ غازی صاحب نے پادری غلام مسیح کی کتاب ''تحقیق الاسلام'' اور سوامی دیانند کی ''ستیارتھ پرکاش'' کے جو حوالے نقل کیے ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ ان ہر دو کتابوں میں اسلام اور حضرت نبی کریم ﷺ پر نہایت ناپاک حملے کر کے اسلامی دلوں کو سخت مجروح کیا گیا ہے۔ ''ستیارتھ پرکاش'' کے متعلق تو قبل ازیں بہت دفعہ چیخ و پکار کی جا چکی ہے جس کی شنوائی آج تک نہیں ہوئی۔ لیکن ''تحقیق الاسلام'' کے متعلق غازی صاحب نے پہلی مرتبہ آواز اٹھائی ہے جس کی تائید مسلمانوں کو متفقہ طور پر کرنی چاہئیے۔

جہاں تک مذہبی آزادی کا سوال ہے، ہم اس بات سے ہرگز ناخوش نہیں کہ مسیحی حضرات یا آریہ اور ہندو کسی اسلامی مسئلہ پر نیک نیتی کے ساتھ معترض ہوں۔ بشرطیکہ ان کا طرز تحریر اور طریق تخاطب پایہ ثقافت سے گرا ہوا نہ ہو۔ لیکن موجودہ حالات میں جو لٹریچر اسلام کے خلاف غیر مذاہب پیدا کر رہے ہیں، وہ قطعاً غیر شریفانہ اور مذہبی رواداری کے بالکل خلاف ہے۔ کوئی مسلمان اس قسم کے ناپاک الفاظ، جیسے کہ محولہ بالا کتابوں سے غازی صاحب نے نقل کئے ہیں، کسی دوسرے مذہب کے پیشوا کے متعلق استعمال نہیں کر سکتا اور نہ ان کا سننا گوارا کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مخالفین نے آج مذہبی آزادی کا یہ ناجائز فائدہ اٹھایا ہے کہ ایسی تحریرات کو وہ بڑے فخر و مباہات کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔

آریوں سے تو ہمیں توقع نہیں کہ وہ اپنی غلط اور شرانگیز روش کو ترک کرنے پر مائل ہوں۔ لیکن پادری غلام مسیح صاحب کی خدمت میں ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے امید ہے کہ قابل پذیرائی سمجھا جائے گا کہ وہ ''تحقیق الاسلام'' کے صفحات کو اس قسم کے ناپاک الفاظ اور درشت کلمات سے پاک کر دیں۔ ویسے تو اپنے مطالب کے لحاظ سے بھی یہ کتاب محققین کے نزدیک چنداں قابل وقعت نہیں لیکن اس کے دلآزار الفاظ پڑھنے والوں کے دل پر اور بھی برا اثر پیدا کرنے والے ہیں۔

اسلامی خطرہ

اسی سلسلہ میں اس ناواجب اور خطرناک پروپیگنڈے کا بھی ہمیں تذکرہ کرنا ہے جو ہندو اخبارات کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جاری ہے۔ یوں تو ہندو اخبارات کا شائد ہی کوئی پرچہ ہو جس میں مسلمانوں کی لوٹ مار، قتل و غارت اور عورتوں اور بچوں کے اغوا کے بیہودہ افسانے شائع نہ کیے جاتے ہوں لیکن بسنت کے دن اپنے خاص بسنتی شماروں میں اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کے متعلق بے سروپا قصے تراشنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔ ''ملاپ'' تو (برعکس نہند نام زنگی کافوراً) اتحاد شکن ہے ہی۔ لیکن ''پرتاپ'' کا قدم بھی کچھ پیچھے نہیں۔ بطور مثال بھائی پرمانند ایم۔ اے نے، جو ''شری دیوتا سروپ'' کے نام سے شرانگیزی میں معروف ہو چکے ہیں، ''ہماری بیماری اور اس کے لیے علاج'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''مجھے انگریزی راج کی نسبت اسلام سے زیادہ خطرہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی زبردست آرگنائزیشن ہمارے گھروں کے ساتھ ہمیں کھانے کے لیے موجود ہے۔ پاکستان تو پرے، ہم کوہاٹ اور پشاور کو پرے چھوڑ دیتے ہیں، لاہور میں ہی دیکھ لیجئے، ہندو نوجوان لڑکی زبردستی ایک مکان میں رکھی جاتی ہے۔ ذرا پتہ لگنے پر دوسرے مکان میں بدل لی جاتی ہے۔ شہر کے اندر ہر گلی اور ہر کوچہ میں مسلمانوں کے گھر پاکستان ہیں، جہاں ہندو لڑکے اور لڑکیاں چھپا کر رکھی جا سکتی ہیں۔''

''دیوتا سروپ'' صاحب کا خطرہ اس حد تک تو بجا ہے کہ اسلام اپنے زبردست اثر اور مقبولیت اور رواداری سے سمجھدار اور بے تعصب ہندوؤں کے دلوں میں گھر کر رہا ہے۔ اور وہ اپنی معقولیت کے اثر سے ہندو مذہب کو آہستہ آہستہ کھائے چلا جا رہا ہے۔ لیکن جس قسم کا خطرہ انہوں نے ظاہر کیا ہے وہ ایک جھوٹے افسانہ سے بڑھ کر حقیقت نہیں رکھتا۔ اور اس کی غرض مسلمانوں کو بدنام کرنے کے سوا اور کوئی نہیں۔ غالباً ہندوؤں کو اسلام کے اثر سے بچانے کا اب یہی طریق لوگوں نے سوچا ہے کہ ایسے جھوٹے افسانے گھڑے کہ اور غلط پروپیگنڈا کر کے ہندوؤں کو مسلمانوں سے پرے رکھا جائے۔ اس کے بالمقابل مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اشاعت اسلام کے سلسلہ کو وسیع کریں۔ اور چھوٹے چھوٹے ٹریکٹوں کے ذریعہ سے اپنا پاک لٹریچر اس قدر پھیلا دیں کہ اسلام کا نور ہر ہندو گھر کے اندر پہنچ جائے۔ اور لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (42:8) کا منظر دنیا کو نظر آ جائے۔

وجوہ نفاق

معزز معاصر ''تنظیم'' اپنے ایک افتتاحیہ میں دل آزار کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ:

> ''تین چار کانفرنسیں اس بات کی جستجو کر چکی ہیں کہ ہندو مسلمانوں میں وجوہ نفاق کیا ہے۔ رہنمایان ہند اس معاملہ پر غور کرتے ہیں اور یہ کہہ کر رہ جاتے ہیں کہ نفاق کے وجوہ اقتصادی ہیں، مذہبی نہیں۔ لیکن غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ ان تمام اسباب کی تہ میں، خواہ وہ اقتصادی ہوں یا سیاسی، اسی قسم کی زہر آلودہ تحریریں کام کر رہی ہیں جو ایک قوم کو دوسری قوم کے خلاف اُبھارتی رہتی ہیں۔ اتفاق واتحاد کی مضبوط چٹان کو اسی ڈائنامائٹ کے ذریعہ سے اُڑایا جا رہا ہے۔ یہی وہ شے ہے جو ایک بڑی قوم کے دلوں کو رفتہ رفتہ مسموم کر رہی ہے اور جس کی سمت مختلف صورتوں اور شکلوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ مہاتما گاندھی نے جب آریہ سماج کی روش پر نکتہ چینی کی تھی تو ان کے پیش نظر یہی ڈائنامائٹ اور اس کی کارفرمائیاں تھیں۔ کیوں اس ڈائنامائٹ کا قلع قمع نہ کیا جائے اور ملک کو اس خطرہ عظیم سے محفوظ نہ رکھا جائے جو اس سے ہر وقت پیدا ہے۔ یہ ایک سوال ہے جو قدرتاً دلوں

میں موجزن ہے۔''

یہ وہ حقیقت ہے جس کو ہم بارہا ان کالموں میں اَلَم نشرح کر چکے ہیں۔ اور اسی پر حضرت مسیح موعود نے آج سے سترہ سال پیشتر اپنے اس ''پیغامِ صلح'' میں زور دیا تھا، جو وفات کے چند دن پیشتر آپ نے لکھا۔ آپ نے اس میں بتایا تھا کہ اصل وجوہ فساد پولیٹکل نہیں بلکہ مذہبی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ رہنمایانِ ملک کو ابھی تک اس حقیقت کا پتہ نہیں لگا۔ اور وہ ان فسادات کو اقتصادی یا پولیٹکل وجوہ پر مبنی خیال کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ وہ ایسی دلآزار تحریرات کو، جو ہندوؤں کی طرف سے بکثرت شائع ہوتی ہیں، غور کے ساتھ مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ کیا اس جماعت سے، جو ہمارے مقدس نبی ﷺ اور قرآن کریم کے متعلق ناپاک اور گندے الفاظ استعمال کرے، صلح ممکن ہے۔ بقول حضرت مسیح موعود شورہ زمین کے سانپوں اور بیابانوں کے بھیڑیوں سے صلح ممکن ہے لیکن ایسے لوگوں سے نہیں۔

آرہا ہے اس طرف احرارِ یورپ کا مزاج

حضرت مولٰینا صدرالدین صاحب کا خط، جو آج کی اشاعت میں کسی دوسری جگہ ہدیہ قارئین کرام ہے، اس حقیقت نفس الامری کا ایک کھلا ثبوت ہے کہ نہ صرف انگلستان بلکہ جرمنی اور دیگر ممالک یورپ کے مہذب اور باوقار انسان، باوجود عیسائی کہلانے کے، اپنے خیالات و معتقدات کے لحاظ سے اسلام سے بالکل قریب ہیں بلکہ دراصل مسلمان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کو اسلامی معتقدات اور تعلیمات کا پتہ دیا جاتا ہے تو وہ پکار اٹھتے ہیں کہ یہی ہمارے خیالات ہیں۔ اس لیے ہم بھی تو مسلمان ہیں۔ حضرت مولٰینا نے اپنے خط میں مسجد کے آرکیٹکیٹ کے جن خیالات اور بے نظیر قربانی کا ذکر کیا ہے وہ از حد قابل قدر ہے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے گذشتہ خطبہ جمعہ میں سچ فرمایا کہ یہاں بڑی مشکل سے چند روپے لوگوں کی جیب سے نکلتے ہیں اور وہاں یہ حالت ہے کہ ہزارہا روپے اس قدر آسانی کے ساتھ دے دیے جاتے ہیں۔ یہ ایک نمایاں ثبوت ہے اس بات کا کہ یورپین اقوام اپنے اخلاق کے لحاظ سے اسلام کے لیے بہت مفید اور کارآمد ہوسکتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہم میں ایسی طاقت و وسعت نہیں کہ اس نادر موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اپنی ہمتوں اور کوششوں کو زیادہ وسیع کریں۔ ہم ان کامیابیوں کی طرف اپنے احباب کو خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ بالخصوص جرمن مسجد کے آرکیٹکیٹ نے جو

شاندار مثال قائم کی ہے اس کی پیروی کے لیے ان سے بڑے زور سے التماس ہے کہ وہ بھی مالی ایثار و قربانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

18 فروری 1925ء

مسلم ہائی سکول کا کتبہ

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کے بابرکت ہاتھوں سے)

جیسا کہ قبل ازیں اعلان کیا گیا تھا۔ 15 فروری کو بعد نماز ظہر مسلم ہائی سکول کی عمارت میں درمیانی دروازہ کے اوپر، جو شمال مغربی سمت کی طرف بنایا گیا ہے، کتبہ نصب کیا گیا ہے۔ اتفاق سے اسی دن انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس بھی تھا جس میں شمولیت کے لیے سیالکوٹ، وزیر آباد، گوجرانوالہ اور بعض دیگر مقامات کے چند اصحاب لاہور آئے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ بعض مقامی اصحاب بھی اس موقع پر پہنچ گئے اور سکول کے تمام طالب علم بھی اساتذہ سمیت جمع تھے۔ حضرت امیر ایّدہ اللہ نے سب سے پہلے اس سیڑھی کے اوپر کھڑے ہوکر، جو کتبہ کے نصب کرنے کی جگہ کی طرف لے جاتی تھی، ایک مختصر دلنشین تقریر فرمائی۔ آپ نے قرآن کریم کی آیات کو

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَيُزَکِّيْهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَکِيْمُ. (2:127-129)

جن میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی ان دعاؤں کا ذکر ہے، جو خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت انہوں نے کی تھیں، پڑھ کر حاضرین کو مخاطب کیا اور سب سے پہلے کتبہ کے ان الفاظ کی طرف توجہ دلائی، جن میں رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (20:114) کی قرآنی دعا نقل کی گئی ہے اور بتایا کہ اس دعا کی تعمیل میں آنحضرتؐ نے یہ حکم دیا ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ. جس کے معنی انگریزی زبان میں یوں ہو سکتے ہیں:

Education is compulsory for

every Muslim boy and every Muslim girl.

یعنی علم حاصل کرنا ہر ایک مسلمان لڑکے اور مسلمان لڑکی کے لیے لازمی ہے۔آج تیرہ سو سال بعد لازمی تعلیم کے لیے کوششیں ہوتی ہیں لیکن مسلمانوں پر کس قدر خدا کا احسان ہے کہ آنحضرتؐ تیرہ سو سال پہلے تعلیم کو ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں۔آپ نے بتایا کہ یہ صرف باتیں ہی نہیں کہ مسلمانوں نے اب بنالی ہوں، تاریخ کو جا کر دیکھو۔مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں علم وحکمت کے خزانے لٹا دیئے ہیں۔ان میں سے ہر ایک بچہ اور بوڑھا تحصیل علم میں کوشاں رہتا تھا۔اس لیے تم میں سے ہر ایک کے دل میں، خواہ وہ بچہ ہے یا جوان یا بوڑھا، کوئی عالم ہے یا جاہل، یہ تڑپ ہونی چاہئیے کہ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (114:20)۔علم کی زیادتی کے لیے ہمیشہ ہر ایک کو کوشش کرتے رہنا چاہئیے۔آپ نے اس کے ساتھ ہی بتایا کہ آنحضرتؐ نے جہاں لڑکوں کی تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے، وہیں لڑکیوں کے متعلق فرمایا:

طَلب الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَۃٍ ہر ایک لڑکی کو تعلیم دلانا ویسا ہی لازمی ہے جیسے لڑکے کو ہے۔

خدا کی نظر میں لڑکی اور لڑکا دونوں برابر ہیں۔ان میں کوئی فرق نہیں۔میری یہ دلی خواہش ہے کہ اس سکول کے ساتھ، جو خدا کرے کسی وقت کالج ہو، ایک لڑکیوں کا بھی سکول بنے۔میرا دل اس وقت تک راضی نہیں جب تک ان ماؤں کی، جو بچوں کی تربیت کرنے والی ہیں، تعلیم کا بندوبست پورے طور پر نہ ہو۔یہ حالت کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں کہ قوم کا نصف حصہ ترقی کرتا چلا جائے اور نصف حصہ یونہی کسمپرسی کی حالت میں پڑا رہے۔

حضرت امیر ایّدہ اللہ نے اس کے ساتھ ہی اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی کہ یہ سکول جس انجمن کی طرف سے بنایا جاتا ہے اس کا نام ہے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔اشاعت اسلام اس انجمن کا کام ہے اور اس سکول کے بنانے سے بھی اس کی غرض یہی ہے کہ اس میں جو بچے تعلیم پا کر نکلیں، وہ جس جگہ جائیں اور جس کام میں لگیں، اسلام کی اشاعت کا ایک خاص جوش ان کے اندر پایا جائے اور اپنے اپنے کاروبار میں وہ اس عظیم الشان مقصد کو نہ بھولیں۔

اس کے بعد آپ نے ان آیات کریمہ کا، جو شروع میں تلاوت فرمائی تھیں، مختصر سا ترجمہ سنایا اور بتایا کہ جب حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ کی دیواروں کو اونچا کر رہے تھے تو انہوں نے یہ دعا فرمائی

> رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (127:2) اے ہمارے رب! تو ہم سے اس کو قبول فرما۔ تو قبول کرنے والا علم والا ہے۔

یہ دعا اللہ تعالیٰ نے جس طرح سے قبول فرمائی وہ ظاہر ہے۔ دنیا میں لوگ بڑے بڑے دارالخلافوں میں گھر بناتے ہیں۔ مگر اگر اللہ تعالیٰ انہیں آباد نہ کرنا چاہے تو وہ یونہی پڑے رہ جاتے ہیں۔ آج بہت سے عظیم الشان مکانات ویران پڑے ہیں۔ لیکن وہ معمولی سا گھر، جس کے متعلق یہ دعا کی گئی، کئی ہزار سال سے ایسا آباد ہے کہ اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ آپ نے بتایا کہ میں ابھی پچھلے دنوں دہلی گیا۔ وہاں رائے سینا میں 120 ایسی مساجد موجود ہیں جو مسلمان بادشاہوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں بنائی تھیں، لیکن آج وہ ویران پڑی ہیں۔ اس لیے اس سکول کی عمارت کا بنالینا گو ہمارے بس کی بات ہو لیکن اس کو آباد کرنا، اس کی غرض کو پورا ہونا، یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی قبولیت ضروری ہے۔ اور ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (127:2) پھر دوسری دعا، جو حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے کی، وہ یہ ہے

> رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ (128:2) اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری ذریت کو بھی فرمانبردار کر۔ یہ سب سے زیادہ ضروری ہے کہ ہم پہلے خود فرمانبردار ہوں۔

ہم جو اس عمارت کے بنانے والے ہیں، اگر ہم ہی فرمانبردار اور سچے مسلمان نہ ہوں تو دوسروں کو ہم کیا تعلیم دے سکتے ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے ہمارا اپنا فرمانبردار ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے بعد (طلباء سکول کی طرف اشارہ کر کے) وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ (128:2) ہماری اس ذریت میں سے بھی فرمانبرداری اختیار کرنے والے ہوں۔ یہ تمام بچے جو یہاں کھڑے ہیں، ہماری ہی ذریت ہیں۔ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا (128:2) اور ہماری عبادات ہمیں سکھا۔ وَتُبْ عَلَیْنَا (128:2) اور ہم پر رجوع برحمت فرما اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (128:2) تو رجوع برحمت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا

مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ.

(129:2) اے ہمارے رب! اوران میں انہی میں سے ایک رسول اٹھا جو ان پر تیری آیات پڑھے اوران کو کتاب اور حکمت سکھائے اوران کو پاک کرے، تو غالب حکمت والا ہے۔ خدا نے حضرت ابرہیمؑ کی یہ دعا بھی سنی اور وہ رسول بھی مبعوث ہوا جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھیں اور کتاب وحکمت دنیا کو سکھائی اور لوگوں کو پاک کیا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اس رسولؐ کے پاک نمونہ پر خود چلنے اوران بچوں کو چلانے کی کوشش کی جائے۔ خوب یاد رکھو! ان بچوں میں سے خواہ کوئی کتنا بھی غریب اور مسکین نظر آتا ہو، لیکن وہ ایک اکیلا دنیا کے اندر انقلاب پیدا کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو ایک جیسے قویٰ اور استعدادیں دی ہیں۔ صرف ان کو صحیح طور پر نشو ونما دینے کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد آپ نے عمارت کی تکمیل کے لیے دعا فرمائی اور بعض ان مشکلات کا ذکر کیا جو برلن مسجد اور سکول کی عمارت کے دو عظیم الشان کاموں کے ایک ہی وقت میں پیش آنے سے پیدا ہوئی ہیں۔ آپ نے بتایا کہ ایک طرف برلن مسجد پر انجمن نے ساٹھ ستر ہزار کے قریب روپیہ خرچ کیا ہے اور دوسری طرف سکول کی عمارت شروع ہے۔ جس پر کوئی سوالاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔ اس لیے اگر چہ میں رات دن اسی غم میں ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ یہ کام رک جائے۔ لیکن جب میں بعض ان طلباء کا جوش دیکھتا ہوں جو سکول میں پڑھتے ہیں تو ہمت بڑھ جاتی ہے۔ اس ضمن میں آپ نے بعض طلبا کا خاص طور پر ذکر کیا کہ وہ بڑے جوش اور سرگرمی کے ساتھ سکول کی عمارت کے لیے چندہ جمع کر رہے ہیں۔ آپ نے بتایا کہ میں جب پشاور گیا تو ایک طالب علم محمد جعفر خاں متعلم جماعت ہشتم بڑی سرگرمی کے ساتھ روپے جمع کرنے میں مصروف تھا۔ (اسی وقت طالب علم کو بلایا گیا اور حضرت امیر نے اپنے پاس کھڑا کر کے سب کو اس کی صورت دکھائی) اس نے 280 روپے اب تک جمع کیے ہیں۔ پھر ایک اور طالب علم عبدالرشید جماعت نہم نے ایک سو روپے جمع کیے ہیں اور ہمارے مولوی مرزا عبدالرحمٰن نے، جو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے فرزند ہیں، 250 روپے جمع کیے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض چھوٹی جماعتوں کے لڑکوں نے بھی چندہ جمع کرنے میں سرگرمی کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً ہمارے دوست بابو عبدالحق صاحب کلرک دفتر نہر کے لڑکے فضل رب نے، جو بہت ہی چھوٹے سے قد کا ہے، اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت اور جوش دکھایا ہے۔ ایک اور طالب علم

غلام جیلانی ولد حافظ عبدالقادر صاحب مرحوم نے میاں فضل حسین صاحب کی بھی جیبوں کو جا ٹٹولا۔اسی طرح محمد اقبال ولد میاں محمد صدیق صاحب متعلم جماعت ہفتم کا جوش اور سرگرمی قابل داد ہے۔اور بھی ان کے علاوہ بعض طالب علم ہیں جن کے اسماء کی یہاں گنجائش نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ پہلے ہمارا ارادہ تھا کہ اس عمارت کو ایک ہی منزل تک پہنچا کر چھوڑ دیں گے۔لیکن ان طالب علموں کے جوش اور سرگرمی کو دیکھ کر آج ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ دوسری منزل بھی پوری کر دی جائے۔اس لیے دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو تکمیل تک پہنچائے اور ایسا نہ ہو کہ ہماری کسی غفلت اور سستی کی وجہ سے درمیان میں ہی رہ جائے۔آخر میں آپ نے ایک لمبی دعا کی اور پھر سیڑھی کے اوپر چڑھ کر کتبہ کو نصب کیا۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.**

ایک سکھ کی رائے آنحضرت ﷺ کے متعلق

حضرت بابا نانکؒ کی تعلیمات کو اگر دیکھا جائے تو سکھ مذہب اور دین اسلام میں ایک ذرہ بھر بھی تخالف نظر نہیں آتا۔لیکن بعد میں آنے والے گروؤں نے جو کچھ اس کی شکل بنائی ہے اس نے سکھوں کو اسلام سے بہت دور پھینک دیا ہے۔اسی حالت میں کسی سکھ فاضل کا اسلام اور آنحضرتؐ کے حالات کو بچشم انصاف مطالعہ کرنا اور ان کی صداقت کا قائل ہونا لائق تحسین ہے۔

اسی قسم کے منصف مزاج اور فاضل سکھوں میں سے ایک سردار پریتم سنگھ ہیں، جنہوں نے آنحضرتؐ کی زندگی کا نہایت گہری نظروں سے مطالعہ کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

> ''میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کو نہیں مان سکتا کہ جو نبی جس کی زبان پر کچھ ہو اور اس کے دل میں کچھ ہو اور وہ اپنی تمام قوم کے ساتھ اس امر کا اعلان کرے کہ میں خدا کا بندہ ہوں، لوگ اس کا مقابلہ کریں اور طرح طرح کے دکھ دیں، مگر وہ اپنے کام میں ثابت قدم رہے اور آخر کار کامیاب ہو کر دم دے۔''

اس کے بعد سردار صاحب دریافت کرتے ہیں:

> ’’کیا تم مجھے اس بات کا یقین دلا سکتے ہو کہ تیس کروڑ مسلمان، جو آج قرآن مجید کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اس سے پہلے آنحضرتؐ پر سچا ایمان رکھتے تھے، وہ تمام ایسے لوگ تھے جنہوں نے ایک جھوٹی بات پر اپنے ایمان کو جمایا۔ آپ کے احکام پر ایک دنیا اپنا سر جھکاتی ہے اور گذشتہ تیرہ سو سال سے مومنین کم از کم پانچ مرتبہ محمد رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک اپنی زبانوں پر جاری رکھتے ہیں۔ میرے مہربانو! مجھے بتاؤ کہ یہ طاقت اور یہ قوت کہاں سے آئی؟ کیا یہ جو تم دیکھتے ہو الٰہی طاقت نہیں ہے؟ میں نہیں سمجھ سکتا کہ الٰہی نصرت کے بغیر یہ طاقت پیدا ہو سکے۔‘‘

سردار صاحب کی یہ رائے، امید ہے کہ ان کے ہم قوم سکھ حضرات کے لیے، جو آج مسلمانوں کے منہ سے اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کی آواز سننا گوارا نہیں کرتے باعث عبرت ہو گی۔

کابل میں دو اور شہید

گذشتہ اشاعت میں کابل میں دو اور بے گناہوں کے، جو جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے تھے، سنگسار کیے جانے کی مختصر خبر شائع کی جا چکی ہے۔ ابھی تک اس خبر کی تفصیلات نہیں پہنچیں۔ لیکن جہاں تک خبر کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے یہ ہر دو بے گناہ سیدھے سادے دوکاندار تھے۔ بالفاظ دیگر ان کو سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا۔

افسوس ہے کہ حکومت افغانستان نے اپنے اس طرز عمل سے، احمدیت کو تو کیا مٹانا ہے، اسلام کو بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ وہ لوگ، جو مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کے خون کو سیاسی آلودگیوں سے ناپاک کرنا چاہتے تھے، اس تازہ واقعہ پر غور کریں اور دیکھیں کہ ’’سیدھے سادے‘‘ دکانداروں کو شہید کر کے حکومت کابل نے کس قدر ظالمانہ اور مہذب لوگوں کی نظر میں اسلام کو ذلیل کرنے والی کارروائی کی ہے۔ دیوبندی ملانوں کا کلیجہ تو اسلام کی اس ذلت کو دیکھ کر ٹھنڈا ہوتا ہی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ لوگ بھی، جو ایسی باتوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور اسلام کو اس سے بلند تر سمجھتے ہیں، حکومت افغانستان کے اس طرز عمل کے

خلاف کوئی موثر آواز اٹھانا پسند نہیں کرتے۔ ہم ان فہمیدہ اور نیک دل حضرات سے، جو فی الحقیقت اسلام کا سچا درد اور جوش اپنے دلوں میں رکھتے ہیں، یہ اپیل کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کو اس بدنامی کے داغ سے بچانے کی کوشش کریں۔ ہمسایہ قوم (ہندو) حکومت افغانستان کے اس فعل کا ذمہ دار اسلام کو قرار دیتی ہے اور وہ کیوں نہ ایسا کرے۔ جب خود افغانستان اور ہندوستانی ملا ایسے ظلم وستم کو عین اسلام سمجھتے ہیں۔ اس موقع پر سکوت اختیار کرنا خدا کے دین کی نصرت نہیں بلکہ اپنے ہاتھوں سے اس کی تخریب کرنا ہے۔ اس لیے اسلام کے نام پر وہ اٹھیں اور حکومت افغانستان کے ہاتھ کو آئندہ ہمیشہ کے لیے ایسے ظالمانہ فعل سے روکنے کی کوشش کریں کہ اس میں خود ان کی اپنی اور تمام ہندوستان بلکہ کل دنیائے اسلام کی بہبودی مضمر ہے۔

یکم مارچ 1925ء

ایک نیک مثال

(حضرت امیر ایدہ اللہ کا ضروری اعلان)

شیخ نظام الدین ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے مجھے اپنے فرزند عزیز محمد ہاشم کی شادی کی تقریب پر جموں آنے کی دعوت دی تھی۔ بوجہ اس تعلق محبت کے، جو مجھے شیخ صاحب سے ہے، میں نے ان کی اس دعوت کو خوشی سے قبول کیا تھا۔ چنانچہ مورخہ 22 کو میں اس تقریب پر جموں میں تھا۔ اس شمولیت پر مجھے دو وجہ سے خوشی ہے۔ اول اس لیے کہ دوسری طرف سے باجے کے ساتھ آنے کی خواہش تھی اور گو باجے کے متعلق جواز کا فتویٰ حضرت مسیح موعود کا ہے، مگر میں نے انہیں لکھا کہ حضرت صاحب نے باوجود اس فتویٰ کے خود باجا نہیں بجوایا اور میں بھی آج تک ایسی شادیوں پر شمولیت سے انکار کرتا رہا ہوں جن میں باجا ساتھ ہو۔ میری اس تحریر پر شیخ صاحب نے باجے کے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ علاوہ ازیں بھی یہ شادی ہر قسم کی بدعات وغیرہ سے پاک تھی اور نہایت سادہ اسلامی طریق پر ہوئی۔ دوسرے اس موقع پر شیخ صاحب نے ایک اور نیک مثال قائم کی۔ یعنی خطبہ نکاح کے بعد خود اپنی طرف سے ایک سو روپیہ چندہ برلن مسجد کے لئے پیش کیا۔ اور چونکہ اس سے پیشتر وہ دوسروں کو بھی تحریک کر چکے تھے، اس لیے سب مہمانوں اور میزبانوں نے بھی اس چندہ میں حصہ لیا۔ 234 روپے کی رقم پانچ سات منٹ میں جمع ہوگئی۔ میں اس سے پیشتر بھی چاہتا تھا کہ احباب میں تحریک کروں کہ ہمیں بیاہ شادی کے موقع پر نیک کاموں میں کچھ حصہ لینے کی عادت ڈالنی چاہئیے۔ اب شیخ صاحب کی اس مثال نے اس کے لیے مزید تحریک کر دی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہمارے جملہ احباب اس بات کو مدنظر رکھیں کہ اول تو اخراجات شادی میں ایک حصہ اشاعت اسلام کا ضرور ہونا چاہئیے اور دوسرے اس موقع پر ان لوگوں میں، جو جمع ہوئے ہوں، یہ نیک تحریک کرنی چاہئیے۔ تاکہ وہ بھی ایک نیک کام میں شامل ہو جائیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر ہم لوگ اس وقت ہمت کر کے یہ نیک مثال قائم کر دیں تو اس ذریعہ سے آئندہ اشاعت اسلام کے کام کو بڑی بھاری تقویت پہنچتی رہے گی۔ اور اس نیک طریق کے قائم کرنے کا ثواب ان لوگوں کو ملے گا جو اس کے پہلے عامل ہوں

گے۔

اس سفر جموں میں مجھے جس امر کو دیکھ کر تکلیف ہوئی وہ مستری یعقوب علی صاحب کی بیماری تھی۔ ہمارے یہ عزیز دوست خدمت سلسلہ میں ایسے ایثار کے نمونے دکھا چکے ہیں جو بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ مستری صاحب کے متعلق ڈاکٹری تشخیص یہ ہے کہ سِل کا آغاز ہے۔ میں ان کے لیے دعا کرتا ہوں اور دیگر احباب سے بھی التجا ہے کہ اس خادم دین کی صحت کے لیے دعا کریں۔

محمد علی

مکمل قرآن مجید کے متعلق

مولوی سید میرک شاہ مدرس دیوبند نے ایک مرفوع التلاوت مگر واجب العمل آیت پیش کر کے کچھ ایسی چپ سادھی ہے کہ گویا اس دنیا میں ہیں ہی نہیں۔ وہ تھوڑے دنوں سے مختلف ناموں، مختلف جگہوں اور مختلف عنوانوں سے اشتہار چھاپ رہے ہیں۔ مگر جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ ؎

کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں

اس وقت ایک اشتہار ''مرزائیوں کی تمام جماعتوں کو چیلنج'' کے عنوان سے ہماری نظر سے گذرا ہے جس کے لکھنے اور شائع کرنے کی تمام ذمہ داری مولوی محمد مرتضیٰ حسن صاحب چاند پاری ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کے سر منڈھی گئی ہے۔ ورنہ خدانخواستہ مولوی میرک شاہ صاحب کے ہاتھ نہ شل ہوئے اور نہ ان کے ہاتھ سے کسی نے قلم چھین لیا۔ معلوم نہیں کہ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دوسروں کی محتاجی کرتے ہیں۔ ہاں شاید یہ وجہ ہو کہ مولوی میرک شاہ صاحب خود وہ الفاظ، جو دوسروں کے قلم سے لکھواتے ہیں، اپنے قلم سے لکھنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہوں۔ اس طول طویل اشتہار میں مبینہ راقم نے اپنی عادت مستمرہ سے مجبور ہو کر مرزائیوں کو مخاطب کر کے دل بھر کر سب وشتم کیا ہے کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔ مگر ہمیں اس سے بحث نہیں۔ مرزائی جانیں اور مولوی میرک شاہ یا ان کے ہمنوا۔ ہمیں تو صرف اس امر سے بحث ہے کہ یہ بھی وہی آواز ہے جو پہلے کئی لوگوں کے منہ سے نکل چکی ہے۔ جیسا کہ صاحب اشتہار بھی فرماتے ہیں:

''جو امور جواب میں مذکور ہوئے ہیں، ان میں مولوی میرک شاہ صاحب کا کیا قصور۔ ایک شخص واقعات پیش کرتا ہے۔ تصحیح نقل اس کے ذمہ ہے۔ اگر کوئی بات ان میں سے ہمارے نزدیک مولانا نے غلط فرمائی ہے تو منہ میں زبان رکھتے ہو۔ ہاتھ میں قلم ہے۔ کیوں نہیں کہتے۔''

جس طرح مولوی محمد مرتضیٰ حسن صاحب کو مولوی میرک شاہ صاحب کی زبان بن کر سوال کرنے کا حق ہے، اس طرح اگر ہم جناب زین العابدین صاحب کی طرف سے جواب لکھیں تو بیجا نہ ہوگا۔ مولوی صاحب کو اس کے متعلق یا تو غلطی لگی ہے یا آپ دیدہ دانستہ بہ پاس خاطر مولوی میرک شاہ صاحب اغماض کر رہے ہیں۔ مولوی میرک شاہ صاحب ''اخبار سیاست'' مجریہ اکتوبر میں پیغامی مرزائیوں کے دعوی کو بایں الفاظ بیان کر کے:

''پیغامی مرزائی یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ وہ (زمیندار اور سیاست) قرآن کریم کی ایک بھی ایسی آیت پیش نہیں کر سکتے جس میں کسی بڑے سے بڑے جرم اور بالخصوص ارتداد پر رجم کی سزا تجویز کی گئی ہو۔''

اس کے بعد قرآن مجید کی آیت اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا (33:5) کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور پھر فرماتے ہیں:

''اسی طرح ان کو یہ بھی بتا دینا ہوگا کہ آیت رجم جو مرفوع التلاوت ہو چکی ہے۔ یعنی اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجمُوْھُمَا کو قابل عمل مانتے ہیں یا اس میں بھی امت محمدیہ سے علیحدہ ہو کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائیں گے۔''

اس کے آگے حضرت عمرؓ کے الفاظ (مجھے خطرہ ہے کہ امتداد زمانہ کے سبب سے کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ قسم اللہ کی ہم کو کہیں بھی کتاب اللہ میں رجم کی آیت نظر نہیں آتی) لکھنے کے بعد سید میرک شاہ صاحب لکھتے ہیں جیسے کہ پیغامی مرزائی آج کل بڑے زور وشور کے ساتھ کہہ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی پیشین گوئی مرزائیوں پر صادق آئی یا نہیں۔

اب فرمایئے کہ کیا اس عبارت کے لکھنے کے بعد مولوی میرک شاہ صاحب محض واقعات نقل کرنے ہی کے ذمہ دار ہیں۔ جس طرح آپ نے غلط فہمی سے یا محض ان کی حمایت کرتے ہوئے یہ فیصلہ کر دیا کہ وہ نقل کی تصحیح کے ذمہ دار ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ مولوی میرک شاہ صاحب نے آیت رجم کو نہایت تحدی سے قرآن کریم کی آیت کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے۔ اور اس طرح گویا اس عبارت کو قرآن مجید کے ہم پایہ قرار دیا ہے۔ اور مرزائیوں کو بالخصوص اور دوسرے مسلمانوں کو بالعموم اس کے خلاف ماننے پر ملزم گردانا ہے۔ میں اگرچہ مرزائی نہیں لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ قرآن کریم کی کوئی واجب العمل آیت قرآن مجید کے موجودہ نسخہ سے باہر رہ گئی ہے؟ جب دوسری آیات واجب العمل اس قرآن مجید میں موجود ہیں تو اس ایک آیت کو کیا ہو گیا کہ تیرہ سو سال سے باہر پڑی رہی۔ مرفوع التلاوت کی منطق بھی میری اور عام مسلمانوں کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ جس آیت کا پڑھنا واجب نہیں، اس پر عمل کیوں ہو۔ غرض یہ تمام تر ذمہ داری ہمارے نزدیک مولوی میرک شاہ صاحب پر عائد ہوتی ہے۔ اور ہم پھر درخواست کرتے ہیں کہ وہ برائے کرم ہمیں بدلائل و براہین سمجھائیں کہ یہ آیت کیونکر آیت ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ نے کیوں قرآن شریف میں درج نہ کرا لی۔ اور آج تک کیوں کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس کو قرآن مجید میں درج کرے۔ اور تو اور مولوی میرک شاہ صاحب ہچکچا رہے ہیں اور زین العابدین صاحب کے مجوزہ مکمل قرآن کی تکمیل و ترتیب کرنے کی جسارت نہیں کرتے۔ ہاں! باقی رہا آپ کا یہ سوال کہ اگر قرآن شریف کو مکمل مانتے ہو تو پھر ہم سے ہی کیوں مطالبہ کرتے ہو۔ حضرت! اس کا جواب یہ ہے کہ اس زمانہ میں آپ خدا کے فضل سے شیخ جامعہ دیوبند ہیں اور مذہبی مسائل کے لیے قدرتی طور پر مسلمانوں کی آنکھیں آپ ہی کی طرف اٹھتی ہیں۔ دوسرے مولانا مولوی میرک شاہ ہی نے یہ تحدی سے دعویٰ کیا کہ آیت رجم قرآن کریم کی آیت ہے۔ اس سے پہلے تو معلوم نہیں کہ کسی مسلمان نے اس کو قرآن کریم کی آیت مانا ہو۔ روایت کی تردید تو خود اس واقعہ سے ہو رہی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ باوجود خود رسول ہونے اور حضرت عمرؓ نے باوجود خلیفہ ہونے کے اور حضرت عثمانؓ نے باوجود خلیفہ اور جامع قرآن شریف ہونے کے اس آیت کو قرآن شریف کے اندر داخل نہیں کیا!

لہٰذا باوجود ان باتوں کے اگر کوئی مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی واجب العمل آیت موجودہ نسخہ سے باہر ہے تو پھر ظاہر ہے کہ وہ قرآن کو نامکمل سمجھتا ہے۔ اور یہ عقیدہ صراحتاً ضلالت اور گمراہی ہے۔

ایسا شخص ایک حد تک ایمان سے معرّا ہے۔ ہم تو موجود نسخہ قرآن مجید کو کامل واکمل سمجھتے ہیں اور جو شخص یہ کہے کہ اس کا کوئی نقطہ یا شوشہ بھی باہر رہ گیا ہے، وہ ہمارے نزدیک سخت گمراہ ہے۔

4 مارچ 1925ء

ڈاک حضرت امیر

استفسارات۔2

چند روز ہوئے ایک دوست نے حضرت امیر ایدہ اللہ کی خدمت میں ایک خط لکھا تھا۔ جس میں مندرجہ ذیل چند سوالات مسئلہ سود کے متعلق کیے تھے۔ اس خط کا جو جواب حضرت امیر نے دیا ہے وہ مع سوالات ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

سوالات

1۔ کیا سیونگ بینک پوسٹ آفس سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

2۔ کیا پوسٹ آفس سے کیش سٹرفکیٹ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

3۔ اگر پوسٹ آفس، سیونگ بینک یا دیگر بینکوں کا سود ربا کے ماتحت آتا ہے تو پھر اس کو مذہبی کاموں کے لیے کیونکر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت اسلام کی حالت اضطراری ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ اس سے بڑھ کر اضطراری حالت آنحضرتؐ کے زمانہ میں تھی مگر آپؐ نے کبھی نہیں فرمایا کہ دیگر لوگوں سے سود لے کر اشاعت اسلام وغیرہ کے کاموں میں لگاؤ بلکہ قطعی ممانعت فرمائی۔ پھر اب کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

4۔ قرآن شریف نے ربا کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ تو یہ فرمایا ہے کہ نہ ظلم کرو اور نہ ظلم کیے جاؤ۔ اور دوسری جگہ یہ فرمایا ہے کہ دگنا اور چوگنا نہ کھاؤ۔

اب موجودہ بینکوں کے سود میں یہ دونوں باتیں مفقود ہیں۔ پھر اس سود کو ربا

کے ماتحت کس طرح خیال کیا جاتا ہے!

5۔ ماہوار چندہ، جو بھیجا جاتا ہے، اگر بھیجنے والا یہ نیت رکھے کہ زکوٰۃ بھی اس کے اندر شامل ہے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

6۔ زکوٰۃ زیادہ ضروری ہے یا چندہ ماہوار؟ اگر زکوٰۃ زیادہ ضروری ہے تو اگر کوئی شخص چندہ کی رقم میں سے زکوٰۃ کی رقم کاٹ کر علیحدہ کر لے اور اس کو پھر علیحدہ انجمن کو بھیجے تو یہ کہاں تک ٹھیک ہوگا؟

جواب از حضرت امیر

آپ کا خط پہنچا۔ سود کے مسئلہ پر میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ بیان القرآن میں بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ اس وقت تک میں اسی رائے پر ہوں۔ بظاہر پوسٹ آفس سیونگ بینک اور دوسرے بینکوں میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا اور میں احتیاط اسی میں سمجھتا ہوں کہ اس روپے کو نیک غرض پر خرچ کر دیا جائے۔ نہ خود استعمال میں لانے کی نیت ہو نہ اسے اپنے استعمال میں لایا جائے۔ گورنمنٹ کی کیا غرض ہے۔ یہ سوال نہیں۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ روپیہ وہاں رکھنے والے کی کیا نیت ہے۔ اگر وہ اس سے نفع اٹھانا چاہتا ہے تو سود کے ساتھ زیادہ مشابہت ہوگی۔

آپ کا یہ سوال کہ آنحضرتؐ نے ایسا کیوں نہ کیا کہ ایسے روپے کو اشاعت پر صرف کر لیتے۔ اس وقت اسلام کی حالت اس سے بھی زیادہ اضطراری تھی، صحیح نہیں۔ حرمت سود کا حکم اس وقت نازل ہوا۔ جب اسلام کی بادشاہت قائم ہو چکی تھی۔ کیونکہ مسلم طور پر یہ حکم آخری احکام میں سے ہے۔ ''نہ ظلم کرو اور نہ کئے جاؤ دگنا چوگنا نہ کھاؤ'' اس سے مطلق حرمت ربا کا حکم باطل نہیں ہو جاتا۔ نہ ظلم کرو سے مراد تو وہاں صرف اس قدر ہے کہ راس المال سے زیادہ نہ لو۔ خواہ زیادتی دوگنے تک پہنچے یا نہ پہنچے۔

آخری سوال آپ کا زکوٰۃ اور چندہ ماہوار کے متعلق ہے کہ کیا زکوٰۃ میں سے ہی چندہ ماہوار نہیں دیا جا سکتا؟ چندہ ماہوار حالات موجودہ میں حضرت امام زمان کے حکم کے ماتحت ایک دینی جہاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو لوگ جہاد کرتے تھے، وہ زکوٰۃ سے مستثنٰی نہ تھے۔ اور جو زکوٰۃ دیتے تھے وہ حکم جہاد سے مستثنٰی نہ تھے۔

اس لیے ہم پر دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ زکوٰۃ تو خاص نصاب پر ہے اور اس روپے پر جو سال بھر جمع پڑا رہے۔ اور چندہ ماہوار آمدنی پر ہے۔

دونوں میں سے ضروری کون زیادہ ہے۔ یہ سوال ٹھیک نہیں۔ نماز بھی خدا کا حکم ہے، روزہ بھی۔ دونوں ضروری ہیں۔ دین کے لیے جہاد اور اس کی حفاظت بھی خدا کا حکم ہے۔ اور زکوٰۃ کا دینا بھی خدا کا حکم ہے۔ اس لیے دونوں میں نسبت کا سوال کوئی نہیں۔ دونوں ضروری ہیں۔ ہاں! یہ فرق ضرور ہے کہ چندہ کا حکم ہر شخص پر عائد ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کا صرف ان لوگوں پر، جن کے پاس خاص رقم سال بھر جمع رہی ہو۔ والسلام

پوپ کا حملہ قلب اسلام پر

بردار محمد اقبال صاحب نے پوپ صاحب روما کا نیا باتصویر رسالہ بھیجا ہے۔ جو اسلامی وغیر اسلامی ممالک میں رومن کیتھولک مذہب کی اشاعت کے لیے جاری کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ہم نے (رومن کیتھولک پادریوں نے) اسلام کے قلب یعنی عرب میں مذہب عیسویت کی اشاعت کی پورے زور سے تیاری کر دی ہے اور ہمارے پادری عدن میں سے اوپر کو بڑھیں گے اور فلسطین میں سے نیچے کی طرف۔ پوپ صاحب کی اپیل پر صرف ایک سال 1923ء میں اشاعت عیسویت کے لئے 3 کروڑ پونڈ سے زیادہ جمع ہوا۔ 1924ء کی آمد کا حساب ابھی شائع نہیں ہوا۔ 1925ء رومن کیتھولکوں کے نزدیک متبرک سال ہے۔ جس میں جملہ ممالک دنیا سے عیسائی لوگ پوپ صاحب کی زیارت کے لیے روما میں آئیں گے۔ جس میں صرف اشاعت مذہب کے لیے دس کروڑ پونڈ جمع ہو جانے کا اندازہ کیا گیا ہے۔ اشاعت مذہب کا فنڈ بالکل علیحدہ ہے۔ جس میں ہر ایک رومن کیتھولک 8 آنے فی سال یعنی ہفتہ میں 5 سینٹ، جو آج کے حساب سے شائد ایک دھیلہ سے کم ہوتا ہے۔ دیتا ہے، اس سے کروڑ ہا پونڈ جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کے مقابل مسلمان اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ اشاعت اسلام کے لیے ان میں سے ہر ایک صاحب حیثیت آدمی سال میں کتنا خرچ کرتا ہے۔ دشمن اسلام قلب اسلام پر حملہ کی تیاری میں مصروف ہیں اور ہمارے ملاں صاحبان کلمہ گوؤں کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی فکر میں مصروف ہیں۔

"پیغام صلح"

کیا ہی بہتر ہو کہ ہماری جماعت خاص ہمت کر کے عیسویت کے مرکز یعنی روما میں اسی متبرک سال 1925ء میں اسلام کا جھنڈا گاڑ دے۔ خدا کے فضل سے ایک نہایت موزوں اور درد دل رکھنے والا گریجوایٹ اس وقت اٹلی میں موجود ہے۔ وہ خدمت اسلام کے لیے ہر وقت تیار ہے۔ اگر کچھ کمی ہے تو ہماری طرف سے ہے۔ چار پانچ ہزار روپیہ کے اخراجات سے روما میں مختصر پیمانہ پر کام شروع کیا جا سکتا ہے۔ اسی سال میں، جبکہ عیسائی دنیا مسیح موعود کی منتظر ہے، ہماری جماعت کا فرض ہے کہ روما میں مسیح موعود کا پیغام یعنی اسلام عیسائیوں کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ انشاء اللہ بہت سی سعید روحیں یقیناً اسے قبول کر لیں گی۔ پانچ ہزار روپیہ سالانہ کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ایک ہی دوست اسے پورا کر سکتا ہے۔

4 مارچ 1925ء

بارگاہِ ذوالجلال میں شکریہ

(حضرت امیر ایدہ اللہ کی طرف سے)

قَالَ اللّٰہ تَعَالٰی:! وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ (7:14)

ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے بتا دیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی سخت ہے۔

آج میرا دل اللہ تعالیٰ کے حمد اور شکریہ سے لبریز ہے۔ نہ صرف اس لیے کہ جو کام آج سے ایک سال قبل ناممکن نظر آتا تھا، اس کو قادرِ خدا نے پورا کرنے کا سامان کر دیا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس لیے کہ اس کام نے جماعت کے اندر ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ وہ نفخ روح صرف ان لوگوں تک محدود نہیں جو پہلے ان دینی کاموں میں کچھ نہ کچھ حصہ لیتے تھے بلکہ نوجوانوں اور خواتین سلسلہ میں بھی یہ اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوئی ہے۔ چونکہ یہ ارادہ الٰہی ہے کہ اب مغرب میں آفتاب اسلام اپنی پوری قوت کے ساتھ چمکے، اس لیے اس کام کی تکمیل کے لیے گویا اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی قلوب کے اندر ایک تحریک پیدا کر رہے ہیں۔ اور جو لوگ اس وقت خدمتِ دین کے لیے کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ ان کا ارادہ ارادہ الٰہی کے ماتحت ہو کر افضال الٰہی کا جاذب ہو رہا ہے۔ جب میں اس جوش اور ہمت کو دیکھتا ہوں۔ جس کے ساتھ ہمارے کارکن اپنی اپنی جگہ اس کام کو تکمیل کو پہنچانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں تو میری روح بے اختیار اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر جاتی ہے۔ جماعت کے قلوب میں اس سکینت کا پیدا ہو جانا آنے والی تائیدات الٰہی کا پیش خیمہ ہے۔

ان افضال الٰہی کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ ماہ رمضان کے مبارک مہینے میں سارے قرآن شریف کا درس ختم کیا جائے۔ چنانچہ اس کے متعلق احباب سے مشورہ کیا تو انہوں

نے بھی اس کو پسند کیا۔ گو قریباً ایک سپارہ روزانہ کا درس روزہ کے ساتھ مجھے اپنی طاقت سے کچھ بڑھ کر نظر آتا ہے۔ مگر توکلّت علیٰ اللہ اس کام کو تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ ہے۔ اور یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے توفیق اور عیانت بھی عنایت فرما دے گا۔ لاہور کے دوست تو اس میں اکثر بہ سہولت شامل ہو سکیں گے۔ باہر کے کوئی احباب اگر چاہیں تو اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ صرف ایک ماہ میں سارے قرآن شریف میں سے گزر جانا اور جہاں تک ممکن ہو اس کے مشکل مقامات کا حل کر لینا بجائے خود ایک بڑی بات ہے۔ لیکن اس کے علاوہ میں سمجھتا ہوں کہ ذکر الٰہی کے لیے یہ اجتماع اور بھی بہت سی برکات کا موجب ہوگا۔ مستورات کی طرف سے اگر شمولیت کی خواہش ہوئی تو پردہ کا انتظام بھی ہو سکے گا۔ باہر سے جو اصحاب شامل ہونا چاہتے ہوں۔ وہ اطلاع دیں تا کہ مناسب انتظام ان کے آرام کا کیا جا سکے۔

اس کے ساتھ ہی احباب کرام کو اس امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ گو اس وقت مسجد برلن اور مکان قریباً تکمیل کو پہنچ چکے ہیں اور ان کے سامان اور مسجد کے جنگلہ اور باغیچہ کے لیے صرف دس بارہ ہزار روپے کی ضرورت باقی رہ گئی ہے۔ لیکن مسجد کا قیام وہاں مستقل اخراجات کو چاہتا ہے اور پھر اس مسجد کو اس ملک کے لیے تبلیغ اسلام کا مرکز بنانا ہے۔ صرف کافی روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے وہاں پر صرف ایک آدمی مولوی فضل کریم خاں کو رکھا گیا ہے۔ اگر کافی روپیہ ہاتھ میں ہو تو وہاں دو آدمیوں کی ضرورت ہے۔ بلکہ ایک اجنبی ملک میں دوسرا رفیق کام کرنے والے کے لیے بہت کچھ قوت کا موجب ہو سکتا ہے۔ اس لیے ایک تو وہ احباب، جن کے پاس کا پیاں ہیں، بہت جلد فراہم شدہ روپیہ ارسال فرمائیں اور دوسرے اپنی کوشش کو اب مستقل طور پر جاری رکھیں۔

خواتین سلسلہ کی بے نظیر قربانی کے نمونے آئے دن ملتے رہتے ہیں۔ ابھی جموں سے میں ایک معتد بہ رقم اور زیورات لایا تھا۔ آج پشاور سے بہت سے زیورات سونے چاندی کے اور 62 روپیہ نقد پہنچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بیبیوں کو بہت بہت جزائے خیر دے اور ان کے اموال واولاد میں برکت دے۔ ان نمونوں کو دیکھ کر میرے دل سے ان سب خواتین کے لیے دعائیں نکلتی ہیں اور ان کے اندر خدمت دینی کا یہ جذبہ دیکھ کر دل کو اس قدر راحت پہنچتی ہے جس کو میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔

ہاں! بعض ہمارے آسودہ حال احباب نے اب تک اپنی خواتین تک اس پیغام کو پہنچایا نہیں معلوم

ہوتا ہے کیونکہ جن بیبیوں کے خاوندوں نے اس قدر قربانی کی ہے، ان کے دلوں میں بھی یقیناً وہی جذبہ موجود ہونا چاہیئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے باقی ماندہ دوست اس موقع کو یونہی نہ گزر جانے دیں گے۔ ایسے بابرکت کام روز بروز نہیں ہوتے۔ برلن کی مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہماری جماعت پر اس قدر افضال نازل ہوئے ہیں کہ میری روح ان کو دیکھ دیکھ کر آستانہ الٰہی پر گری رہتی ہے۔ اس وقت جس نیک دل مسلم یا مسلمہ کا مال اس پاک کام پر لگ گیا اسے ایک ایسی سعادت کا موقع مل گیا کہ جو تلاش کرنے سے مل نہیں سکتا۔ اب تک یہ کام محض غرباء کے مختصر چندوں سے ہو رہا ہے۔ وہ وقت بھی آجائے گا کہ رؤسا اور شاہان وقت اس خدمت کے لیے نکل پڑیں گے۔ لیکن آج غرباء کے لیے خوشخبری ہے۔ پس ہمارے جن احباب کی ازواج نے اس کام میں حصہ نہیں لیا، وہ جلد انہیں اس میں شامل کرنے کی کوشش کریں کہ یہ موقع ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ جیسا کہ سب احباب کو معلوم ہے، میناروں کا کام شروع ہے اور غالباً آخر مارچ تک تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ اندازاً اس وقت چار اور پانچ ہزار روپے کے درمیان خواتین سلسلہ کی طرف سے آچکا ہے۔ اور میناروں کی تکمیل کے لیے تین چار ہزار روپے کی اور ضرورت باقی ہے۔

ضمیر کی آزادی اور جمعیت العلماء

گذشتہ اشاعت میں ہم بتا چکے ہیں کہ جمعیت العلماء کے آرگن ''**الجمعیت**'' نے مولانا محمد علیؒ ایڈیٹر ہمدرد کامریڈ کی حق گوئی کو اپنی انکارِ اصوات سے دبانا چاہا ہے۔ لیکن اس وقت تک جو کچھ ان کا اور احمدیہ جماعتوں کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس کے لکھنے والے کیا فی الواقع اس قابل ہیں کہ انہیں علماء کے معزز خطاب کا مستحق سمجھا جائے۔ یا بقول ''مسلم آؤٹ لک'' **كَمَثَلِ الْحِمَارِ** (5:62) کا صحیح مصداق قرار دیا جائے۔

2 مارچ کی اشاعت میں جو مضمون ''**الجمعیت**'' نے اس بارہ میں لکھا ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ مولانا محمد علی اور احمدیہ جماعتوں نے جو یہ کہا ہے کہ اسلام نے ضمیر کی آزادی عطا فرمائی ہے اور افغانستان کی وحشیانہ حرکات ضمیر کی آزادی کو سلب کرنے والی ہیں۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ اس سارے مضمون میں، جس کا عنوان ہے ''شریعت اسلام اور قتل مرتد'' قرآن کی ایک آیت بھی پیش نہیں کی گئی اور نہ شریعت اسلام کی دیگر جزئیات کا

ذکر ہے۔لیکن پورے دو کالموں میں ضمیر کی آزادی کے خلاف ایسی لایعنی منطق چھاپی ہے کہ اس کو پڑھتے ہوئے قے آجاتی ہے۔

1۔ ہر شخص اس قابل نہیں کہ ضمیر کی آزادی کے حق کو استعمال کر سکے اور واقعات پر حکم لگائے۔اور مسائل کا استخراج واستنباط کرے۔

2۔ دنیوی تعلقات اور معاشرتی وتمدنی ضروریات میں انسان کو ضمیر کی آزادی حاصل نہیں۔ کیونکہ حکومت اور سوسائٹی کے قوانین کو ماننا پڑتا ہے۔ پس دنیوی طاقتوں کو جب پابندیاں ڈالنے کا حق حاصل ہے تو خدا کو کیوں نہیں؟

3۔ اگر ضمیر کی آزادی حق ہے تو تسلیم کرنا چاہیئے کہ ہر شخص کا مذہب اور اس کا عقیدہ صحیح ہے۔توحید اور تثلیث اور بت پرستی اور شرابخوری خنزیر اور مردار سب حلال ہیں۔

4۔ اگر بت پرستی کو ناجائز اور اخروی سزا کی مستوجب قرار دیا جائے تو ضمیر کی آزادی نہ رہی۔

یہ ہے جمیعت العلماء ہند کا مبلغ علم۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ.

ضمیر کی آزادی اور قرآن کریم

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن میں کہیں آیا ہے کہ ہر شخص اگر مسائل کا استنباط نہیں کرسکتا یا واقعات پر حکم نہیں لگا سکتا تو اسے ضرور زبردستی پکڑ کر اپنے خیالات کا پابند بناؤ؟ کیا ایک مسلمان کا کام اِنۡ عَلَیۡکَ اِلَّا الۡبَلٰغُ (48:42) کے چند الفاظ میں صاف نہیں کر دیا گیا۔ اور خود رسول اللہ ﷺ کے لیے لَسۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ (22:88) قرآن سے آیت نہیں اتاری گئی؟ جمیعت العلماء کو چاہیئے کہ یہ سوال قرآن پر کرے کہ اس نے کیوں یہ فرمایا کہ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ (256:2) حالانکہ دنیا میں ایسے بھی لوگ موجود ہیں جو اس کے نزدیک اَلرُّشۡدُ اور اَلۡغَیُّ کی حقیقت کو بھی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہاں دنیوی حکومتوں اور سوسائٹی کے قوانین کی اطاعت

قرآن نے بھی ضروری ٹھہرائی ہے کہ اس کے بغیر امن قائم نہیں رہتا۔ باوجود اس کے اسی قرآن نے لَآ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ (256:2) کا چارٹر نسل انسانی کو عطا کیا۔ لیکن جمعیت العلماء کے اَربعہ مُتناسبہ کو دیکھو کہ اگر دنیوی قوانین میں اِکۡرَاہَ جائز ہے۔ تو خدا کی شریعت میں بھی اِکۡرَاہَ ہونا چاہیئے۔ گویا خدا نے لَآ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ (256:2) بالکل غلط کہا نعوذ باللّٰہ مِنۡ ذٰلک

سنگساری کے متعلق

ہم کہتے ہیں فی الواقع ضمیر کی آزادی تم لوگوں کا حق نہیں جو علم وعقل کے پیچھے اس طرح سے لٹھ لیے پھرتے ہو اور حق کو جان بوجھ کر دبانا چاہتے ہو۔ کابل کے سنگریزے اگر فی الواقع ضمیر کی آزادی کو روکنے اور کسی انسان کی جان لینے کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں، تو وہ نعمت اللہ خاں اور دوسرے حق پرست احمدیوں پر نہیں بلکہ تم جیسے لوگوں پر برسنے چاہئیں۔ خدا کی زمین تم جیسے ناحق کوشوں سے جو یھلک الحرث والنسل کے حامی ہو، پاک ہو جائے تو اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ ضمیر کی آزادی کا مقدس چارٹر سلب ہو کر اسلام دنیا میں وحشت و بربریت کا مذہب ثابت ہو۔ کیا یہ مولویانہ منطق کسی صحیح الدماغ انسان کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہے کہ اگر ضمیر کی آزادی صحیح ہے تو تمام مذاہب باطلہ حق ہیں اور اگر وہ حق نہیں۔ اور سزائے اخروی ان پر وارد ہو گی، تو ضمیر کی آزادی کوئی نہیں۔

کل تک حکومت کے ہر ایک ذرا ذرا سے حکم کو یہی علماء ضمیر کی اور مذہب کی آزادی کے خلاف قرار دیتے تھے۔ اور آج بھی مسودہ قانون حج کے پیش ہونے پر یہی چیخ وپکار ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی احمدیوں اور افغانستان کا ذکر آنے پر وہی ضمیر کی آزادی ایک دلفریب اور دل خوش کن لیکن بے حقیقت لفظ قرار پا جاتا ہے۔ اور طرح طرح کے مغالطّوں سے اسے لاشے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ چودہویں صدی کے علماء کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ کون حق پرست ہے جو ایسی فریب کاریوں پر آٹھ آٹھ آنسو نہ بہائے اور ایسے لوگوں کی سنگساری کو ضروری قرار نہ دے!

مہاتما گاندھی اور سنگساری

مہاتما گاندھی نے اپنے اخبار ''ینگ انڈیا'' میں سنگساری پر ایک نوٹ لکھا ہے۔جس میں بتایا ہے کہ:

''افغانستان میں دو احمدیوں کی سنگساری کے خلاف مجھے بطور انڈین نیشنل کانگرس ایک طویل تار موصول ہوا ہے۔مسٹر نعمت اللہ کو جو خوفناک سزا دی گئی تھی میں نے قصداً اس پر کسی رائے زنی سے احتراز کیا تھا۔لیکن اب ان واقعات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔خصوصاً جب مجھ سے اظہار رائے کے لیے ذاتی طور پر اپیل کی گئی ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ قرآن میں صرف خاص حالات میں سنگساری کی اجازت ہے۔جو حالات کہ مندرجہ بالا واقعات کے وقت موجود نہ تھے۔لیکن ایک خدا ترس انسان کے طور پر میں کسی بھی حالت میں سنگساری کی سزا کو بعید از اخلاق سمجھتا ہوں۔پیغمبرِ اسلام کی زندگی کے دوران میں کوئی چیز،خواہ کس قدر ضروری ہو،اب محض اس بنا پر کہ قرآن شریف میں اس کا ذکر ہے،اسے جائز نہیں سمجھا جا سکتا۔میں اس فرقہ سے اس بات میں اظہار ہمدردی کرتا ہوں۔یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ میں اس معاملہ کے حسن وقبح پر کسی رائے کا اظہار نہیں کر سکتا۔میں خیال نہیں کرتا کہ پبلک کے پاس اس قدر مسالا موجود ہے جس کی بنا پر کوئی رائے قائم کی جا سکے۔یہ ایک ایسی قسم کی سزا ہے جو انسان کے ضمیر کو مجروح کرتی ہے۔ایک آدمی کی دلیل اور جذبات دونوں اس اذیت سے بغاوت کرتے ہیں۔خواہ یہ سزا کسی بھی جرم کے بدلہ میں دی جائے۔''

مسلم اخبارات بالخصوص ''زمیندار'' وغیرہ نے بڑی خوشی کے ساتھ اس نوٹ کا ترجمہ شائع کیا ہے۔اور عنوان میں اسے ''مہاتما گاندھی کا فتویٰ'' قرار دیا ہے اور قطعاً کوئی نکتہ چینی اس پر نہیں کی۔نہ یہ بتایا کہ مہاتما جی نے سنگساری کی سزا کو قرآن کے مطابق اور اخلاق سے بعید قرار دینے میں کہاں تک حق کی حمایت کی ہے۔ہم حیران ہیں ان لوگوں کے ضمیر اور ایمان نے اس بات کی کیونکر اجازت دی کہ قرآن پر ایسے سخت حملہ کو اس طرح سے برداشت کر لیا کہ گویا وہ شربت کے گھونٹ ہیں اور اپنی خاموشی سے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ قرآن میں بعید از اخلاق باتیں موجود ہیں۔لیکن کچھ ہو۔آخر اس سے احمدیوں کی ایک حد تک مخالفت تو ہو گئی کہ قرآن میں بھی

سنگساری کی سزا موجود ہے۔قرآن میں ہو نہ ہو، مہاتما جی کا فتویٰ جو موجود ہے۔ رہا قرآن کا بعید از اخلاق ثابت ہونا، سو اس کی پرواہی کیا ہے؟ احمدیوں کی مخالفت سے غرض ہے ؎

شادم کہ با رقیباں دامن کشیدہ رفتم   گومشت خاک ماہم برباد رفتہ باشد

دلآزار تحریرات

ہم بارہا یہ کہہ چکے ہیں کہ ہندوستان کے موجودہ افتراق وانشقاق کی صحیح اور اصلی وجہ کو اگر تلاش کرنا ہو تو ان دلآزار تحریرات کو دیکھنا چاہئیے جو آئے دن مختلف مذاہب کی طرف سے ہزارہا کی تعداد میں شائع ہو کر دوسرے مذاہب کے قلوب کو زخمی کرتی رہتی ہیں۔ اس قسم کی تحریرات خواہ ہندوؤں کی طرف سے ہوں یا مسلمانوں کی طرف سے، بہر حال نفرین کے قابل ہیں۔ مذہبی مناظرات کی آزادی ایک اور بات ہے اور دوسرے مذاہب کو گالیاں دینا ایک دوسری بات۔ لیکن باوجود اس کے کہ رہبران ملک پر یہ حقیقت پوری طرح آشکارا ہو چکی ہے۔ ایسی افتراق انگیز تحریرات کے انسداد کی کوئی کوشش عمل میں نہیں لائی جاتی۔

ابھی ''رنگیلا رسول'' ایسی ناپاک کتاب کے مقدمہ کی پورے طور پر سماعت بھی ختم نہیں ہوئی کہ آج ہم آریہ سماجیوں کی طرف سے ایک اور گندی اور فحش کتاب کی اشاعت کی خبر پڑھتے ہیں۔ اس کتاب کی، جس کا نام ہے ''میں نے اسلام کیوں چھوڑا''، اشاعت کسی شخص عبید الرحمٰن کی طرف سے ہوئی ہے۔ جو اَب آریہ ہو کر گیان اندر کے نام سے موسوم ہے۔ سماجی اشدھیوں کی جو حقیقت آج کل ہم پر آشکارا ہوئی ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم متامل ہیں کہ گیان اندر کو سابق عبید الرحمٰن تسلیم کریں۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ کوئی عبید الرحمٰن ہی ارتداد کا جامہ پہن کر گیان اندر بن گیا ہے تو بھی ہمارے پاس ایسے شواہد موجود ہیں جن کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کسی ''سابق مسلمان'' کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب نہیں۔

بہر حال غور طلب امر یہ ہے کہ جو کچھ غلاظت اس ناپاک تصنیف میں گیان اندر نے آریہ سماج کی طرف سے اچھالی ہے، کیا وہ اس قابل ہے کہ اسے مذہبی لٹریچر میں شمار کیا جا سکے اور اس لائق سمجھا جائے کہ کوئی مہذب انسان اس کو اطمینان کے ساتھ پڑھ سکے۔ ہماری غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ ان ناپاک الفاظ کو نقل کریں

جو رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تمام مسلمانوں کے متعلق اس رسالہ میں لکھے ہیں۔ صرف ان لوگوں سے، جو ہندوستان کے امن وامان کے فی الحقیقت دل سے خواہاں ہیں یہ درخواست کرتے ہیں کہ ایسی ناپاک تحریرات کے انسداد کی کوئی صورت جلد سے جلد کریں۔

ہمارے خیال میں سب سے بہتر صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ایسا قانون حکومت کی طرف سے نافذ کرایا جائے، جس کی رو سے کوئی شخص دوسرے مذاہب پر حملہ کرنے کا مجاز نہ ہو۔ تمام مذاہب اپنی اپنی خوبیاں بیان کریں اور دوسروں پر حملہ یا نکتہ چینی کرنے سے محترز رہیں۔

8 مارچ 1925ء

ڈاک حضرت امیر

استفسارات ۔ 3

ایک دوست نے حضرت امیر ایدہ اللہ کی خدمت میں چند سوالات لکھ کر بھیجے تھے۔ جو مع جوابات حسب ذیل ہیں:

سوال: زکوٰۃ کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں خرچ ہوسکتا ہے؟

الجواب: زکوٰۃ کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنے کے فقہاء مخالف ہیں۔ اس بنا پر کہ مسجد وقف ہے اور وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ اور زکوٰۃ کا روپیہ کسی کی ملک کرنا ضروری ہے۔ مگر اس کے لیے کوئی شرعی سند نہیں۔ قرآن شریف میں سورۃ التوبہ میں زکوٰۃ کے مصارف بیان کیے گئے ہیں۔ ان مصارف میں ایک مصرف ''فی سبیل اللہ'' ہے۔ اور یہ اس قدر وسیع لفظ ہیں کہ ہر ایک خیراتی کام پر بولے جاسکتے ہیں۔ اس لیے ان الفاظ کے ماتحت میرے نزدیک مسجد پر زکوٰۃ کا روپیہ صرف ہوسکتا ہے۔

سوال: آپ نے ''پیغام صلح'' میں شائع فرمایا تھا کہ مرد کی خیرات کا حصہ عورت کو نہیں ملتا۔ چونکہ فی زمانہ عورتوں کی ملکیت سوائے مہر شرعی کے اور کچھ نہیں ہوتی اس لیے اس مہر سے خرچ کرسکتی ہیں یا گھر کے زیورات سے، جو خاوند نے دیے ہوں، اس میں سے دیوے، تو اس کا ثواب کس کو پہنچے گا؟

الجواب: عورتوں کی ملکیت عموماً بلا شبہ محدود ہوتی ہے۔ لیکن بہت سی عورتیں صاحب مال و جائیداد ہوتی ہیں۔ اور علاوہ مہر کے ایک عورت ورثہ کا حصہ بیٹی ہونے کی حیثیت سے، بیوی ہونے کی حیثیت سے، ماں ہونے کی حیثیت سے پاتی ہے۔ بعض

عورتیں تجارت سے بھی اپنے مال کو بڑھا لیتی ہیں۔ پس اس تمام مال میں سے، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ہے، وہ خیرات بھی کر سکتی ہیں۔ زیورات بھی عموماً عورتوں کی ہی ملکیت ہوتے ہیں اور ان سے بھی وہ خرچ کر سکتی ہیں۔ پھر عورتوں کے ہاتھ میں گھر کا خرچ ہوتا ہے اس میں سے بھی کچھ بچا کر خیرات کر سکتی ہیں۔ عموماً عورتوں کو کچھ نہ کچھ رقم اپنے کپڑے یا جیب خرچ وغیرہ کے لیے بھی ملنا چاہیئے عورت کا خرچ خوراک ہی خاوند پر نہیں بلکہ اس کا لباس بھی خاوند پر ہے۔ اس میں سے بھی اگر عورت چاہے تو کچھ بچا کر خدا کی راہ میں خرچ کر سکتی ہے۔ لہٰذا خیرات کا موقع جس قدر مرد کو ہے، اس سے کم عورت کو نہیں۔ ہاں! یہ الگ امر ہے کہ اگر اس کے پاس تھوڑا ہے، تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق تھوڑا ہی خرچ کرے۔

سوال: منکوحہ مرد وعورت پر زنا کا شبہ تھا انہیں فہمائش کی گئی کہ اس فعل سے باز آئیں۔ مرد نے قرآن شریف کو ضامن دے کر آئندہ کے لیے اقرار کیا کہ وہ آئندہ اس فعل کا مرتکب نہ ہوگا لیکن چند روز بعد وہ پھر اس مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اب پھر توبہ کرتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے۔ شرعی سزا کیا ہے یا کفارہ کیا ہے اور آئندہ توبہ کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: زنا کی سزا شریعت اسلام کی رو سے تو کوڑے درّے ہے لیکن غیر حکومت کے ماتحت سزاؤں کا معاملہ اسلامی شریعت کے مطابق نہیں۔ جو حالت آپ نے لکھی ہے اس میں سزا کفارہ تو بظاہر کوئی نہیں توبہ ہی ہے۔ ''صد بار گر توبہ شکستی باز آ'' ہاں یہ سچ ہے کہ توبہ کرتے وقت صدق دل سے یہ ارادہ ہو کہ اس فعل کے قریب نہ جائے گا۔ ویسے اگر کچھ ڈنڈ لگا دیا جائے تو حرج بھی نہیں اور وہ روپیہ کسی نیک کام پر خرچ ہو جائے۔

والسلام

محمد علی احمدیہ بلڈنگس، لاہور

11 مارچ 1925ء

ڈاک حضرت امیر

اسلام اور جمہوریت ۔ 3

ایک صاحب نے حضرت امیر ایدہ اللہ کے اس لیکچر پر، جو آپ نے ''جمہورت اور اسلام'' کے عنوان سے گذشتہ ماہ دسمبر میں اسلامیہ کالج لاہور میں دیا تھا، بعض سوالات لکھ کر بھیجے، جو مع جوابات درج ذیل ہیں:

آپ کا خط مجھے آج 5 مارچ کو ملا۔

سوال اول یہ ہے کہ جمہوریت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ قانون جمہور کا اپنا بنایا ہوا ہو لیکن شرع اسلامی، جو قرآن مجید سے مستنبط ہے وہ ایک مسلم کے جملہ ضروریات پر حاوی ہے۔ اس لیے اپنا قانون بنانے کی گنجائش بھی کوئی نہیں۔

جواب۔ آپ کو جمہوریت کا مضمون سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ جمہوریت نام ہے انسانوں میں مساوات کا۔ خدا اور انسان خالق ومخلوق میں مساوات کوئی نہیں نہ جمہوریت کے یہ معنی ہیں کہ خدا اور انسان کو برابر سمجھا جائے یا انسان کو خدائی قانون سے مستثنیٰ قرار دیا ہے بلکہ ان قوانین کے ماتحت چلنا، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیے ہیں، انسانی ترقی کا اصل راز ہے۔ اور یہ اصول جسمانیات اور روحانیات دونوں پر حاوی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لیے کسی قانون کا ہونا جمہوریت کے خلاف نہیں۔ ہاں! اس خدائی قانون کے نیچے تمام انسانوں میں مساوات ہے اور یہی جمہوریت ہے اور تمام انسانوں کی مساوات کی تعلیم بھی قانون الٰہی سے ہمیں ملی ہے۔ یعنی قرآن کریم سے۔ رہا یہ امر کہ قرآن کریم یعنی خدائی قانون نے سب کچھ بیان کر دیا ہے تو اب قانون بنانے کا کام ہی کیا باقی ہے۔ سو یہ صحیح نہیں۔ قرآن کریم نے بہت تھوڑے امور کو بیان کیا ہے اور وہ عموماً

اصولی امور ہیں یا ضروری فروع۔ باقی تمام امور کے متعلق اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور انسان خود خدائی قانونی کے ماتحت قانون تجویز کرتے ہیں۔ اگر قرآن کریم میں انسانوں کی جملہ ضروریات کے متعلق سارے قانون موجود ہوتے تو فقہ کی اتنی بڑی کتابوں کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ اور یہ خیال کہ خدا نے اس طرح قانون مقرر کر کے انسانوں کی آزادی کو روک دیا ہے، صحیح نہیں۔ ظاہر نیچر میں بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ ان کے خلاف چلنا آزادی نہیں غلطی ہے۔ نماز، روزہ، زکوۃ انسانوں کی روحانی ترقی کے لیے خدائی قوانین ہیں۔ اور قانون سازی کی ضرورت انسانوں کے باہمی معاملات کی اصلاح کے لیے پیش آتی ہے۔ اور باہمی معاملات میں جو بعض اصول قرآن کریم نے بتائے ہیں، وہ بھی ایسے ہیں کہ ان کے بغیر انسان خود ٹھوکریں کھا کر نقصان اٹھاتا ہے۔ مثلاً کیا یہ کہا جائے گا کہ قرآن کریم نے نکاح کا قانون بنا کر یا ماں بہن سے نکاح کی حرمت بتا کر یا طلاق کی اجازت دے کر انسانوں کی آزادی کو روک دیا ہے یا یہ کہ ان کو صحیح راستے پر ڈال دیا ہے۔ لیکن اس اصول صحیحہ کو مدنظر رکھتے ہوئے آگے قوانین کا تجویز کرنا یہ سب کچھ انسانوں کی رائے، فہم و فراست پر ہی چھوڑا ہے۔

دوسرا سوال آپ کا یہ ہے کہ تدبر فی القرآن یا تفقہ کا عام ہونا گویا یہ معنی رکھتا ہے کہ جو کچھ کوئی شخص رائے پیش کرے اسے ہم تسلیم کرتے چلے جائیں۔ معلوم نہیں یہ آپ نے کیونکر سمجھ لیا۔ جو کتاب یہ تعلیم دیتی ہے کہ ہر شخص تفقہ یا تدبر کر کے مسائل کے استنباط کا حق رکھتا ہے، کیا یہ امر اس کی تعلیم میں شامل نہیں کہ قبول کرنے والے بھی اپنے عقل و فکر سے کام لیں۔ ایک شخص کا تفسیر بالرائے کر دینا اور بات ہے مگر اس کے ماننے کے لیے کوئی ہمیں مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر قادیانی خاتم النّبیّین کے غلط معنی کریں یا شیعہ منافقین اور مرتدین نعوذ باللہ صحابہؓ کے پاک گروہ کو قرار دیں یا اور کوئی شخص اپنی رائے کا تتبع کر کے غلط معنی کرے تو اسے ہم رد کر دیں گے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اختیار نہیں دیا فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (29:18) لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفر کو بھی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (7:39) ایسا ہی اجتہاد کا دروازہ کھولنے کے یہ معنی نہیں کہ غلطیوں کو بھی درست تسلیم کر لیا جائے۔ ہاں! جو معنی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوں وہ بے شک قابل قبول ہوں گے۔ لیکن نبی کے بعد اور کسی شخص کو یہ مرتبہ حاصل نہیں کہ اس کی رائے مصئون عن الخطا ہو۔

تیسرا سوال آپ کا یہ ہے کہ خلافت راشدینؓ کے زمانے میں انتخاب سے کام نہیں لیا گیا۔ یہ تاریخ کی ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ میں نے اس معاملہ پر اپنی کتاب ''تاریخ خلافت راشدہ'' میں مفصل بحث کی ہے

5 اپریل 1925ء

حضرت امیر کے قلم سے

برلن مسجد کی تکمیل

محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے برلن مسجد کی عمارت کا کام تکمیل کو پہنچ گیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ذٰلِکَ اس کام کے لیے جس قدر ایثار اور جذبہ خدمات دینی کا ثبوت ہماری نہایت ہی مختصر جماعت نے دیا ہے وہ نہایت ہی قابل قدر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور ہمارے احباب کو اس سے بڑھ کر خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائے۔

مسجد کی تکمیل کے ذکر سے بعض احباب کو شائد یہ غلط فہمی ہو کہ اب اس کے لیے مزید روپے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ صورت حالات یہ ہے کہ آخری رقم جو مولوی (صدرالدین) صاحب کو چھ صد پونڈ کی بھیجی گئی تھی وہ قرضہ لے کر بھیجی گئی تھی اور ابھی اس میں قریباً تین ہزار روپیہ قرضہ کا ادا کرنا باقی ہے۔ مزید برآں یہ دقت پیدا ہوئی ہے کہ چار ہزار مارک ٹیکس اور قریباً ایک ہزار مارک انتقال وغیرہ کی فیس یعنی کل پانچ ہزار مارک یا اڑھائی صد پونڈ ایک ناگہانی آفت کی طرح اور بوجھ آپڑا ہے۔ جس کا ذکر مولوی صاحب کے تازہ خط میں ہے۔ جو سارا پونے چار ہزار روپیہ بنتا ہے۔ یہ کسی تخمینہ میں نہ تھا۔ گویا یہ کل سات ہزار روپے کی رقم قابل ادائیگی ہے اور پھر یہ صرف عمارت کی تکمیل ہے۔ فرنیچر، جنگلہ، باغ ابھی ہزارہا روپے کے خرچ کو چاہتے ہیں۔

ایسا ہی ہمارے بعض احباب کو مولوی صدر الدین صاحب کے خط مندرجہ اخبار پیغام صلح مورخہ 18 مارچ سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ مولوی صاحب کے پاس اخراجات مسجد ادا کر کے ایک ہزار مارک بچ رہے ہیں۔ اور اس لیے خواتین میں جو تحریک میناروں کے لیے کی گئی ہے۔ اس کی اب ضرورت نہیں رہی۔ حالانکہ اول تو وہ ایک ہزار مارک کی بچت اس صورت میں تھی کہ یہاں سے آٹھ صد پونڈ بھیجے جاتے۔ جس کی بجائے روپیہ کافی نہ ہونے کی وجہ سے صرف چھ سو پونڈ بھیجے گئے۔ ابھی دو سو پونڈ یہاں سے اور بھیجے جائیں تو ایک ہزار مارک بچنے کی توقع ہو۔ اب ٹیکس اور فیس انتقال نے پانچ ہزار مارک کا بوجھ اور ڈال دیا۔ یہ محض خدا کا فضل تھا کہ خواتین میں

وقت پر تحریک ہو کر میناروں کے کام کی تکمیل کا فیصلہ کر لیا گیا۔ میناروں کے کل خرچ کا اندازہ غالباً آٹھ یا نو ہزار روپیہ تھا۔ اور میناروں کے کام کو ملتوی کر کے یہ رقم دوسری ضروریات مسجد پر صرف کرنا تھی۔ جیسے فرنیچر، جنگلہ، باغ۔ خواتین میں تحریکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ میناروں کا کام بھی ساتھ ہی شروع کر دیا گیا۔ لیکن یہ رقم ابھی تک پوری وصول نہیں ہوئی۔ اس وقت تک کل رقم جو خواتین کی طرف سے نقد یا فروخت زیورات سے وصول ہو چکی ہے وہ قریباً 3400 روپے ہے۔ اور فروخت زیورات کا قریباً آٹھ سو روپیہ قابل وصول ہے۔ اور کچھ زیورات قابل فروخت موجود ہیں جو اندازاً سولہ سو روپے کے ہیں۔ اس لحاظ سے خواتین کی طرف سے گویا قریباً پانچ ہزار آٹھ سو روپے اب تک آ چکے ہیں اور ابھی میناروں کا خرچ پورا کرنے کے لیے تین ہزار روپے سے زیادہ کی ضرورت ہے۔ اس لیے امید ہے کہ باقی احباب، جن کی مستورات نے اب تک اس تحریک میں حصہ نہیں لیا، کوشش کر کے ممنون فرمائیں گے۔ تا کہ انجمن ان قرضہ جات کے بوجھ سے سبکدوش ہو اور مسجد کے باقی کام کی تکمیل کی فکر کرے۔

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

جرمنی میں تبلیغ اسلام

(مولوی فضل کریم صاحب برلن سے لکھتے ہیں کہ) پروفیسر مولانا برکت اللہ صاحب کا اسم گرامی اسلامی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ علوم حاضرہ کے علاوہ علم دین میں بھی بفضلہٖ تجربہ حاصل ہے۔ عربی کے عالم ہیں۔ فارسی زبان میں مادری زبان ہندوستانی کی طرح بلا تکلف گفتگو کر سکتے ہیں۔ ترکی اور جرمن بھی بولتے ہیں۔ اشاعت اسلام کا خاص جوش اپنے اندر رکھتے ہیں۔ چنانچہ چین جاپان اور امریکہ وغیرہ ممالک میں اشاعت اسلام کے لیے اکثر سفر کرتے رہے ہیں۔ سیاسی لحاظ سے ان کی خدماتِ اسلام نہایت ہی اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔ غرضیکہ ایک متین، سنجیدہ مزاج فاضل انسان ہیں۔ جس نے اپنے آپ کو قطعاً خدمات اسلام کے سپرد کر رکھا ہے۔ ایک ہفتہ ہوتا ہے کہ آپ کو برلن آنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت مولانا صدرالدین صاحب سے ان کا تعارف

لوزان کانفرنس کے موقع پر سوئٹزرلینڈ میں ہوا تھا۔ برلن پہنچتے ہی دوسرے دن حضرت مولانا کے پاس تشریف لائے۔اس وقت سے آج تک مسجد کی خدمت میں مصروف ہیں۔مولانا موصوف کو چونکہ تبلیغ اسلام کا خاص جوش ہےاوراشاعت کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں،اس لیےان کےاعزاز میں جرمن نومسلموں کودعوت چائے دی گئی۔تاکہ مولانا کوایک نئی برادری کا تعارف ہوجائے۔

اس قسم کےاجتماع اپنے اندرخاص اہمیت رکھتے ہیں۔بقول ڈاکٹراقبال ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

یہ نومسلم فرداً فرداً دوردور رہتے ہیں۔ان کوتوایک دوسرے کی ہستی ہی سے خبرنہیں ہوتی۔لیکن جب اس قسم کی مجلسوں میں وہ اپنے آپ کواکیلانہیں بلکہ ایک جماعت کا فرد پاتے ہیں اوردیکھتے ہیں کہ انہی کے ہم قوم اور بھی ہیں جواسلام کی غلامی کا جوَاا اپنی گردنوں میں ڈال چکے ہیں توان کے دلوں میں بہت قوت پیدا ہوتی ہے۔اپنا مکان نہ ہونے کی وجہ سے آج تک اس قسم کے جلسےنہیں ہوسکے۔یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اوراحسان ہے کہ قوم کی اولوالعزمی سے یہ دقت تو چند ہفتہ کے اندردور ہوجانے والی ہے۔گواس میں شک نہیں کہ اگر یہ مرکز آج سے ایک سال پیشتر بنا ہوتا۔تو آج جماعت کی تعداد چارگنا ہوتی۔

یہ اجتماع بھی بہت کامیاب ہوا۔قریباً چالیس مہمان ہوں گے۔ان میں ہندوستانی تو چند ہی تھے۔ان میں سے قابل ذکر مولانا برکت اللہ صاحب کے علاوہ پروفیسر ذاکرحسین صاحب جامعہ ملیہ علیگڑھ،سید محمد عمر صاحب،مسٹرعابدحسین صاحب آف بھوپال۔خان صاحب ڈاکٹرممتازعلی خاں بھٹی ضلع گورداسپور ہیں۔دوایک ایرانی بھی تھے۔جن میں سے مسٹرسیف بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ان کی ادارت میں یہاں سے دو پرچے۔ایک فارسی زبان میں جس کا نام ''آزادی شرق'' ہےاوردوسرا جرمنی زبان میں،شائع ہوتے ہیں۔یہ پرچے بڑے باوقاررسائل ہیں اورتصاویر سے مزین ہوتے ہیں۔فارسی پرچہ کی اشاعت ایران اورافغانستان میں بہت ہے۔ ان کےعلاوہ باقی سب مہمان جرمن مرداورعورتیں تھیں۔ڈاکٹرخالد بانِنگ،ڈاکٹر مارقوس،ڈاکٹرگرائفلٹ،مسٹر بروکیش وغیرہ وغیرہ۔یہ محفل قریباً تین گھنٹے رہی۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کے لوگ تعلیم یافتہ ہیں اوران میں سے اکثراہل قلم ہیں۔علمی مضامین پرگفتگو ہوتی رہی۔جونہ صرف ہمارے لیے،نہ صرف ان کے لیے

جو اسلام کے اندر پیدا ہوئے ہیں بلکہ جرمن نومسلموں کے لئے بہت تقویت کا باعث ہوئی۔ اس قسم کی مجالس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس قدر قوت ہے اسلام میں کہ یہ مسیحیت کی گود میں پلے ہوئے لوگ اسلام کی آغوش میں آ پناہ لیتے ہیں۔

3 مئی 1925ء

برلن مسجد کا اِفتتاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ آج یہ خوشخبری بھی ہمیں پہنچی کہ برلن مسجد کا افتتاح عمدہ موقع پر نمازیوں کے ایک بھارے پُر امن مجمع میں ہوا۔ جن میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ یعنی نماز عید برلن مسجد میں ادا ہوئی۔ ان لوگوں کو، جن کے اموال اصل رستہ میں خرچ ہوئے، مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایثار کی قبولیت کا یہ نشان دنیا میں ہی ظاہر کر دیا اور اس سے بہت بڑھ کر وہ ثواب ہے جو اس کے حضور میں موجود ہے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ مسجد اس قدر جلد بن جائے گی اور آباد بھی ہو جائے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت تک آباد رکھے اور اسے کثیر مخلوق کا مرجع بنائے جہاں سے وہ روحانی فوائد حاصل کریں۔

میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور اس موقع پر پھر لکھتا ہوں کہ ہمارے بہت سے احباب نے ابھی تک کا پیوں یا بقایوں کا روپیہ نہیں بھیجا۔ حالانکہ دفتر سے بار بار یاددہانی ہو رہی ہے۔ ادھر مولوی (صدرالدین) صاحب کے خط پر خط آ رہے ہیں اور روپے کا مطالبہ کر رہے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ روپے کے نہ پہنچنے کی وجہ سے ان کی وہاں سے روانگی میں التوا واقع نہ ہو جائے۔

ادھر یہ حالت ہے کہ قرضہ لے کر جو روپیہ انہیں اس وقت تک بھیجا گیا ہے وہ قرضہ بھی ابھی پورا نہیں ہوا، اور ڈیڑھ دو ہزار کے درمیان ابھی اس قرضہ کی ادائیگی باقی ہے۔ اب وہ تین ہزار کا اور مطالبہ کر رہے ہیں اور غالباً جب تک روپیہ نہ پہنچے اس وقت تک وہاں سے چل نہ سکیں گے۔ اس کا کیا انتظام کیا جائے۔

یہ بہت ہی ظلم ہے کہ ہم اپنی غفلت سے ان کے اہل وعیال میں واپسی میں تاخیر ڈال رہے ہیں۔ ادھر برلن مسجد کے مستقل اخراجات الگ ہیں۔ آخر اس کے لیے کوئی صورت ہونی چاہیئے۔

بہت احباب ہیں جن کے پاس کاپیاں ہیں۔ بہت سے دوست ہیں جن کے ذمے مسجد اور مشن کے بقایا ہیں۔ وہ اگر توجہ کریں تو یہ مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ ہاں جہاں ان احباب سے شکایت ہے، ان دوسرے احباب کا

شکریہ بھی ہے جنہوں نے اس کام کے لیے زبردست جدوجہد کی ہے اور جن کی سعی سے اس وقت ہم اس قابل ہوئے کہ اس کام کو اس حد تک پہنچا سکیں۔ جزاک اللہ خیرا۔

ایسی بھی مثالیں اور نمونے موجود ہیں جنہوں نے اسی عمر کا اندوختہ اس کارِ خیر پر لگا دیا ہے۔ ان احباب میں سے بالخصوص مجھے قاضی سمیع اللہ صاحب کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے اس سالانہ جلسہ پر تین سو روپیہ برلن مسجد کے لیے دیا اور اب اور پانچ سو روپیہ اسی غرض کے لیے عطا فرمایا ہے۔ ایسے مخلص احباب کے لیے میرے رُوم رُوم سے دعا نکلتی ہے۔ یہی وہ ایثار کے نمونے ہیں جو قوموں کو زندہ کر دیتے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے دیگر احباب بھی قاضی صاحب کے لیے، جو کچھ بیمار سے رہتے ہیں، خصوصیت سے دعا کریں گے۔ اگر اس قسم کے چند باہمت احباب اور ہوں تو برلن مسجد کی موجودہ مشکلات دنوں میں رفع ہو سکتی ہیں۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

10 مئی 1925ء

مسئلہ سود اور مسلمان

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کے انگریزی مضمون مندرجہ ''نیو اورینٹ'' سے ترجمہ)

ربا کا مسئلہ آج اسلامی قلوب کو بہت پریشان کر رہا ہے اور یہ بالکل جائز پریشانی ہے۔ ایک طرف قرآن کریم کا کھلا ارشاد ہے۔ جس میں ربا کو ایک مسلمان کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے اور دوسری طرف دنیا کی اقتصادی جدوجہد ہے، جس میں مسلمان بہت حد تک دوسری اقوام سے پیچھے ہیں۔ کیونکہ ربا کی ممانعت کی وجہ سے وہ ان اقتصادی فوائد سے محروم ہیں جو دوسری اقوام کو حاصل ہیں۔ ان حالات میں یہ مسئلہ اس قابل ہے کہ پورے اطمینان اور سکون قلب کے ساتھ اس کو حل کیا جائے۔ نہ تو ہمیں موجودہ اقتصادی حالات سے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں اور نہ ہی مسلمانوں کی اقتصادی بھلائی کی کوشش میں قرآن کریم کے الفاظ کو نظر انداز کرنا یا انہیں غلط معنی ہی دینے چاہئیں۔ یہ مضمون ایسا ہے کہ اس پر قوم کے بہترین دل و دماغ کے لوگوں کی طرف سے ایک طویل بحث کی ضرورت ہے۔ جو ہر قسم کے جوش وخروش سے پاک اور پوری سوچ و بچار کا نتیجہ ہو۔

قرآن کی اصطلاح میں ربا کیا ہے؟ یہ ایک سب سے زیادہ اہم سوال ہے۔ ایک بہت بڑی غلط فہمی، جو اس بارہ میں پائی جاتی ہے (اور وہ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کے ایک قول کی بنا پر ہے) یہ ہے کہ ربا کے معنی ٹھیک طور پر معلوم نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ربا کی حرمت کے متعلق قرآن کا حکم آنخضرتؐ کی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوا۔ اور آپؐ یہ بتانے سے پہلے ہی انتقال فرما گئے کہ ربا کیا چیز ہے اور کیا نہیں؟ حالانکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ اگر آنخضرتؐ نے ربا کی تشریح نہ فرمائی تو اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ آپ کو اس کا وقت نہ مل سکا بلکہ کسی ایسی تشریح کی فی الحقیقت ضرورت ہی کوئی نہ تھی۔ اسلام سے قبل ربا ایک بہت معروف چیز تھی۔ جس کو سب لوگ جانتے تھے اور کسی کے دل میں بھی کوئی اس قسم کا شبہ پیدا نہ ہوسکتا تھا کہ یہ کیا چیز ہے۔ یہ امر ناقابل تردید ہے کہ یہ حکم آنخضرتؐ کے آخری حج سے پہلے نازل ہوا تھا۔ اور جمعۃ الوداع کے دن آپ نے خطبہ میں جو کوہ عرفات پر دیا اس مسئلہ پر

بھی صفائی کے ساتھ روشنی ڈالی اور فرمایا۔ یاد رکھو ربا، جو ایام جاہلیت میں لیا جاتا تھا اب تمہارے لیے حرام ہے۔ تمہارے لیے راس المال ہیں۔تم کسی کے ساتھ ظلم نہ کرو اور تمہارے ساتھ ظلم نہ کیا جائے گا۔اس کے ساتھ اور بہت سے پیغامات پہنچانے کے بعد، جو اس خطبہ کا ایک حصہ ہیں، آپ نے لوگوں سے سوال کیا کہ ''کیا میں نے تمہیں پیغام پہنچا دیا ہے'' یہ سوال و جواب تین مرتبہ دہرائے گئے۔جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حاضرین کے دلوں میں ذرا بھی شک وشبہ اس بات کے متعلق نہ تھا کہ ربا کیا چیز ہے۔اس کے بعد آنحضرتؐ تراسی دن حیات رہے۔اگر حضرت عمرؓ یا کسی اور کے دل میں اس کے متعلق کوئی شک تھا تو تراسی دنوں کا عرصہ اس شبہ کو آپ سے دور کرانے کے لئے ایک بہت کافی عرصہ تھا۔

قرآن کریم کے الفاظ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی صاف پتہ لگ جاتا ہے کہ ربا کیا چیز ہے؟ فرماتا ہے:

> يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَابَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُ وْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ.وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ
>
> (280-278:2)
>
> اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان فرائض کی، جو اللہ نے تم پر رکھے ہیں، نگہداشت کرو۔ اور ربا میں سے جو کچھ باقی ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر تم مومن ہو۔تمہارے لیے راس المال ہیں جو تم لے سکتے ہو۔ نہ تم قرضہ دار کو نقصان پہنچاؤ اور نہ تم کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا۔ اور اگر وہ تنگی میں ہے تو اس کو مہلت دو۔ یہاں تک کہ آسانی کے ساتھ ادا کرنے کے قابل ہو۔

یہ الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ ربا کیا چیز ہے۔ یہ قرضہ کی صورت میں اصل مال کے ساتھ کسی چیز کا لینا ہے۔ یہی اس لفظ کی تشریح تمام مفسرین نے کی ہے۔ ابن جریر کی مشہور ومعروف تفسیر میں اس لفظ کے دو معنی بتائے گئے ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ ایام جاہلیت میں ایک شخص نے دوسرے سے قرضہ وصول کرنا ہوتا تو وہ کہہ دیتا

کہ تم اصل میں اس قدر بڑھا لو اور ادائیگی میں مہلت دے دو۔ چنانچہ ایسا کر لیا جاتا۔ اور قتادہ کا قول ہے کہ ایام جاہلیت کا ربا یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے سے کچھ خریدتا۔ جس کی ادائیگی ایک مقررہ وقت پر کرنی ہوتی تھی۔ جب وہ وقت آجاتا اور وہ ادا نہ کر سکتا تو فرض کے ساتھ کچھ بڑھا لیا جاتا اور اس کی ادائیگی کو کسی آئندہ وقت پر ملتوی کر دیا جاتا۔

امام رازیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ

''وہ روپیہ اس شرط پر دوسرے کو قرض دیتے تھے کہ ہر مہینہ انہیں کچھ مقررہ منافع اس پر دیا جائے۔ اور راس المال میں سے کچھ بھی کم نہ ہو۔ جب ادائیگی قرضہ کا وقت گزر جاتا تو قرض خواہ سے راس المال طلب کیا جاتا۔ اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو اس شرط پر اسے کچھ اور مہلت دی جاتی۔ اہل سنت اس بارہ میں متفق الرائے ہیں۔'' امام راغب فرماتے ہیں کہ ''ربا راس المال پر ایک زیادتی کا نام ہے۔ لیکن شریعت میں یہ ایک خاص رنگ کی زیادتی ہے۔'' تاج العروس میں لکھا ہے کہ ''ربا دو طرح کا ہے۔ ایک ناجائز جو ایک ایسا قرضہ ہوتا ہے جس میں ایک شخص اصل قرضہ کے ساتھ کچھ زیادہ وصول کرتا ہے۔ اور ایک جائز صورت ہے۔ یعنی ہبہ یا تحفہ جو ایک شخص اس نیت سے دیتا ہے کہ اس سے بڑھ کر اسے ملے۔'' لسان العرب میں ہے کہ ربا شرع میں راس المال پر کچھ زیادتی کا نام ہے بغیر اس کے کہ اشیاء کا تبادلہ اس میں ہو۔''

میں نہیں سمجھتا کہ ایسی کھلی تشریحات کی موجودگی میں کوئی شخص یہ کہنے کا حق دار ہے کہ ربا مشتبہ المعنی لفظ ہے۔ اس کے معنی بصورت قرضہ راس المال میں کچھ زیادتی کے ہیں۔ اور قرآن کریم میں صاف طور پر انہی معنوں میں اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ کو سمجھا نہیں گیا۔ آپ کے جو لفظ بیان کیے جاتے ہیں وہ یہ ہیں: **اٰخر اٰیة نزلت علی النبی ﷺ اٰیة الربوٰا .... فدعوا الربا والریبة** ۔ یعنی آخری آیت جو آنحضرتؐ پر نازل ہوئی وہ آیت ربا ہے۔ اور اس کے بعد آنحضرتؐ وصال کر گئے۔ اور آپ نے اس کی تشریح ہمیں نہ بتائی۔ اس لیے ربا اور اس چیز کو جو مشتبہ ہے چھوڑ دو۔ ان الفاظ سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ کے

دل میں لفظ ربا کے معنوں کے متعلق کوئی شک تھا۔ کیونکہ ایسی صورت میں آپ ہرگز یہ نہ کہتے کہ ربا کو چھوڑ دو۔ ان الفاظ کے معنی صاف ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہ صرف ربا کو، جو ایک مشہور و معروف چیز ہے، چھوڑ دو بلکہ تمام ان باتوں سے بھی کنارہ کشی اختیار کرو جن کے متعلق یہ شبہ ہے کہ وہ ربا سے مشابہت رکھتی ہے۔ فرمایا: **فَدعوا الربا و الریبة** کہ ربا اور جس کے متعلق شک ہے وہ چھوڑ دو۔

اس قسم کی تشریح لغت حدیث میں موجود ہے۔ مجمع البحار میں لکھا ہے کہ ''یہ آیت (جس میں ربا کو چھوڑ دینے کا حکم ہے) منسوخ نہیں ہوئی۔ نہ ہی وہ مشکوک المعنی ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے اس کی تشریح نہیں فرمائی۔ اس لیے ربا جائز کرنے کے لیے حیلوں بہانوں سے کام لینا چھوڑ دو۔ ربا سے مشابہت رکھنے والی صورتیں وہ ہیں جن میں بعض خاص قسم کا لین دین منع ہے۔ اور جن کو اہل فقہ کی اصطلاح میں **ربا الفضل** کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور **ربا النیة** سے، جو ربا اصلی ہے، اس کو ممیّز کیا گیا ہے۔ اول الذکر اصطلاح اس زیادتی کا نام ہے جو ایک ہی جنس کے دست بدست تبادلہ پر لی جاتی ہے۔ مثلاً وہ زیادتی جو گندم کے گندم سے تبادلہ کرنے پر لی جائے۔ اور **ربا النیة** وہ زیادتی ہے جو قرض کی ادائیگی میں تاخیر ہونے پر لی جائے۔ ربا الفضل کے ماتحت جو صورتیں آتی ہیں۔ وہ بہت زیادہ اور ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ اور ان میں سے بعض کا ذکر خود آنحضرتؐ سے بھی ملتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں ان کا ذکر صراحت سے کوئی نہیں بلکہ جس ربا کا اس میں ذکر ہے وہ صرف وہ زیادتی ہے جو قرض پر لی جاتی ہے۔

☆☆☆

قسط دوم

مطبوعہ در اشاعت 17 مئی 1925ء

ان تمام تشریحات سے ظاہر ہے کہ جس ربا کا ذکر قرآن کریم کے اندر کیا گیا ہے وہ اصل سے زیادتی کا نام ہے۔ جو قرضہ کی صورت میں اصل رقم کے ساتھ وصول کی جاتی ہے۔ اس کے لینے سے قرآن مجید نے سختی سے منع کر دیا ہے۔ خواہ یہ سود کی شکل میں ہو یا سود در سود (سود مرکب) کی صورت میں یا کسی اور صورت میں۔ جو چیز

اصل میں اضافے کا سبب بنتی ہو اس کا لینا ممنوع ہے۔ اس کے بعد جو سب سے زیادہ ضروری سوال پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ ربا کا لفظ کیا صرف usury کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے یا usury اور Interest دونوں پر یہ لفظ عائد ہوتا ہے۔ usury اور Interest میں جو مسلمہ فرق ہے وہ یہ ہے کہ usury حد سے بڑھا ہوا سود ہے۔ ضرورت مندوں اور مسرفوں سے قانونی حد سے بہت بڑھ کر سود لینا ہے۔ اور اس کے بالمقابل معمولی اور قانونی حد کے اندر جو منافع لیا جائے اس کا نام انٹرسٹ ہے۔ ربا کا مفہوم ان دونو حالتوں پر صادق آتا ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں usury یا Interest دونوں میں سے کسی کے لیے بھی کوئی اور علیحدہ لفظ نہیں پایا جاتا۔ نہ کسی تاریخ میں ہی کوئی ایسی بات پائی جاتی ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہو کہ جس سود کو آج قانونی حد کے اندر اور جائز سمجھا جاتا ہے، وہ اسلام کی آمد کے وقت عرب میں نہ تھا۔ قرآن کریم کی اس آیت کی بنا پر، جس میں سود در سود کو منع کیا گیا ہے، وہ ہے سورۃ آل عمران کی آیت 130۔ کہا یہ جاتا ہے کہ جس سے اس نے منع کیا ہے وہ صرف حد سے بڑھا ہوا سود یا سود در سود ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً(130:3) یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو سود کو دوگنا اور چوگنا کر کے نہ کھاؤ۔ کہا جاتا ہے کہ اگر ربا کا لفظ usury کے مفہوم پر مشتمل ہوتا تو اس آیت میں اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً کے الفاظ لانے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اس نتیجہ کے خلاف، جو ان الفاظ سے نکالا گیا ہے کہ صرف usury یا حد سے بڑھے ہوئے سود کو منع کیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت 270 میں ہمیں کھلے الفاظ ملتے ہیں۔ جن میں یہ ارشاد ہے کہ اس حکم کے نزول کے وقت ربا کی ایک کوڑی بھی اگر قابل وصول ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ اور اسی کی اگلی آیت میں صرف راس المال ہی کو واپس لینے کی اجازت دی گئی ہے۔ اگر قرآن کریم نے usury یا Interest میں کوئی فرق جائز رکھا ہوتا تو راس المال کے ساتھ وہ مناسب Interest کے وصول کرنے کی بھی اجازت دے دیتا۔ اس لیے ربا کے منع کرنے میں usury اور Interest دونوں کا امتناع آجاتا۔ جو لوگ usury کو جائز قرار دیتے ہیں وہ درحقیقت کم فہمی کی بنا پر ایسا کہتے ہیں۔

موجودہ اقتصادیات اور ربا

موجودہ اقتصادی حالات اور بینکوں کے موجودہ نظام پر اس حکم کو نافذ کرتے ہوئے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرضہ کی صورت میں راس المال کے ساتھ کوئی ایسی زیادتی کی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں جو صاف طور

پر ربا کی تعریف میں نہ آسکیں۔ اس بارہ میں پہلی بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ اس حکم میں قرض دہندہ کو ربا کے ذریعہ سے دولت جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس لیے راس المال پر کسی قسم کی زیادتی، جو قرض دہندہ کی ملکیت نہ بن سکے، اس امتناع سے خارج ہے۔ اس طرح پر کوآپریٹو بنکوں کا طریق، جس میں سود کو تقسیم نہیں کیا جاتا، بلکہ وہ صرف جمع ہوتا رہتا ہے، اس حکم سے باہر ہے۔ ان بینکوں کے دستور العمل میں روپیہ دینے والا یہ جانتا ہے کہ اسے قرض پر کسی قسم کا منافع یا زیادتی نہ دی جائے گی۔ اور جو کچھ بھی منافع ہو وہ بنک ہی کی ملکیت رہے گا۔ اور کسی ممبر کو اس کے روپیہ کا منافع نہیں دیا جائے گا۔ اسی قسم کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنا روپیہ حفاظت کے لیے کسی بنک میں رکھے اور اس کا یہ ارادہ ہو کہ اس سے جو سود ملے گا وہ اسے اپنے مصرف میں لانے کے بجائے کسی خیراتی کام میں صرف کر دے گا۔ ایسی حالت میں وہ اس سے زیادہ رقم کو مالک کی حیثیت سے نہیں بلکہ کسی خاص خیراتی کام کا ٹرسٹی ہونے کی حیثیت سے وصول کرتا ہے۔ اور اس لیے یہ زیادہ رقم، جو وہ وصول کرتا ہے، جب تک اس خیراتی کام پر صرف ہوتی ہے جس کے لیے اسے خاص کیا گیا ہے، ربا نہیں کہلا سکتی۔

یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے ربا کو اس لیے منع نہیں کیا کہ وہ کوئی نجس یا ناپاک چیز ہے بلکہ اس وجہ سے روکا ہے کہ اس ذریعہ سے کسی شخص کے مال و دولت میں اضافہ ہونا اس کے دل میں مال و زر کی محبت کو پختہ کر دیتا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ بہت صاف ہیں: اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (275:2) یعنی جو لوگ ربا کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوتے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر زمین پر گرا دیا ہو، سود پر قرض دے کر اس سے مال و دولت جمع کرنے کی خواہش کو شیطان کے چھونے سے مثال دی گئی ہے۔ جو انسان کو زمین پر گرا دیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کی، جو ربا یا سود لیتا ہے، تمام خواہشات اور خیالات کا مرکز ایک ہی چیز ہوتی ہے۔ مال و دولت کے انباروں کے انبار جمع ہو جائیں۔ یہاں تک کہ وہ زمین پر ہی گر جاتا ہے اور نسل انسانی کے اعلیٰ نصب العین کو حاصل نہیں کر سکتا۔ شیطان دنیوی خواہشات کا نمائندہ ہے۔ اور اس لیے مس شیطان اس دنیا کی چیزوں کی حد سے زیادہ محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے کوئی ایسا انتظام، جس میں اس زیادتی کو جو اصل مال پر حاصل ہوتی ہے، قرض دہندہ کی ملکیت نہیں سمجھا جاتا، قرآن کریم کی عائد کردہ حدود کے اندر بالکل جائز سمجھا جائے گا۔ ربا وہ زیادتی یا منافع ہے۔

جو قرض دہندہ کے جیب میں چلا جاتا ہے اور جو اس کی جیب میں نہیں جاتا وہ قطعاً ربا نہیں کہلا سکتا۔ نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالات میں محولہ بالا طرز کے کوآپریٹو بنک مسلمانوں کی اقتصادی ترقی میں کچھ تھوڑے فائدہ کا موجب ہیں۔ اس طریق عمل سے مسلمانوں کی دیہاتی آبادی کو بہت بڑا فائدہ حاصل ہوا ہے۔ اور شہروں کے اندر ان کی وسعت کو بڑھانا تجارت کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔ ہزارہا ایسے مسلمان ہیں جو ایسے بنکوں میں روپیہ رکھنے کے لیے تیار ہوں گے اور کوئی سود اس پر طلب نہ کریں گے۔ بشرطیکہ انہیں صرف اس قدر یقین ہو کہ بنک کو ایک اچھا اعتبار حاصل ہے۔ فی الحال صرف ڈاک خانہ کے سیونگ بنکوں میں جو سود بغیر مطالبہ کے پڑا ہے، وہ لاکھوں روپے تک پہنچتا ہے۔ اور اگر اس رقم کو مناسب طریق سے استعمال کیا جائے تو یہ قوم کے لئے بحیثیت مجموعی بہت مفید ثابت ہوگا۔ غالباً بیس سال کے عرصہ میں یہ مسلمانوں کو اس قابل بنا دے گا کہ وہ ایک اپنا بنک بہت بڑے سرمایہ سے، جو کسی کی ملکیت نہیں، قائم کرلیں یا بہر حال ان کا ایک بہت بڑا ریز روفنڈ ہو جائے گا۔

ربا کے متعلق دوسرے سوالات بالخصوص تجارتی سود کے سوال کے بارے میں۔ میں کسی دوسری فرصت میں، جب تھوڑی سی فراغت حاصل ہو، لکھوں گا۔

الہام مسیح موعود اور قرآن کریم

معاصر ''الجمعیۃ'' میں عرصہ سے ایک مضمون قتل مرتد کی تائید میں شائع ہو رہا ہے۔ جس کے بعض حصص پر ہم وقتاً فوقتاً تبصرہ کر چکے ہیں۔ اس وقت اس مضمون کا بارہواں نمبر ہمارے سامنے ہے۔ جس میں مولوی کفایت اللہ صاحب نے حضرت امیر اید ہ اللہ سے ایک سوال کیا ہے (جس کا کوئی تعلق بظاہر اصل مضمون سے نہیں) کہ حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کو کیا وہ اسی طرح قطعی اور یقینی سمجھتے ہیں جیسے قرآن کریم کو یا ان کو ظنی قرار دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں ہم مولوی صاحب کو بتانا چاہتے ہیں کہ جہاں تک آپ کے الہامات کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا تعلق ہے ہم ان کو قطعی اور یقینی سمجھتے ہیں۔ یعنی فی الواقع آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرف مکالمہ ومخاطبہ حاصل تھا اور آپ پر جو الہامات نازل ہوتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی تھے۔

حجت شرعیہ

لیکن اس سے یہ مطلب نہیں کہ ان کا درجہ وہی ہے جو قرآن کریم کا ہے۔ قرآن کریم آخری اور کامل شریعت ہے۔ اور اس کے بعد کوئی ایسا الہام نازل نہیں ہوسکتا جس کو یہ مرتبہ حاصل ہو۔ اولیاء اور مجددین کے الہامات اگرچہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ہیں لیکن انہیں حجت شرعیہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا طرز عمل رہا ہے ان کو قرآن پر عرض کر کے اس کی تائید سے پیش کیا جائے گا۔ یعنی کسی امر کے منوانے کے لیے اصل دلیل ایک مجدد کا الہام نہیں ہوسکتا بلکہ قرآن کو بطور سند پیش کیا جائے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ کو الہام کے ذریعہ سے وفات مسیحؑ کا پتہ دیا گیا۔ لیکن آپ نے دنیا کو اس طرح نہیں منوایا کہ میرے الہام میں مجھے بتایا گیا ہے کہ مسیحؑ مر گیا اس لیے تم مان لو۔ بلکہ اس کی تائید میں قرآن کو پیش کیا اور دلائل پر دلائل قرآن سے دیے۔ پس باوجودیکہ مسیح موعود کے الہامات ہمارے نزدیک یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ ہم انہیں حجت شرعیہ نہیں سمجھتے اور نہ قرآن کے برابر مرتبہ دیتے ہیں۔

حدیث کو ظنی قرار دیا گیا تو اسی وجہ سے کہ احادیث کی روایات بالمعنی ہیں اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ ان کے اندر بیان ہوا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے اصلی الفاظ ہیں۔ اگر ایسا ثابت ہو جائے تو پھر انہیں بھی یقین اور قطعیت کا مرتبہ حاصل ہو گا۔ جیسے قرآن کو ہے۔ امید ہے اس وضاحت سے مولوی صاحب کو الہام مسیح موعودؑ کی اصل پوزیشن سمجھ آ جائے گی۔

20 مئی 1925ء

روئیداد

حضرت امیر گجرات میں

سچ ہے کہ حق وصداقت کی جس قدر مخالفت ہوتی ہے اسی نسبت سے اسے فروغ حاصل ہوتا جاتا ہے۔ آج کل، جبکہ علماء سوء اور چند بازاری اخبارات نے ہمارے خلاف فتویٰ بازی کا بازار خاص اہتمام سے گرم کر رکھا ہے، قوم کے روشن خیال اور ذی حیثیت طبقہ کی طرف سے ہماری اسلامی خدمات کا خاص طور پر اعتراف واحترام کا اظہار ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شرفا کے حلقوں میں ہماری تحریکات اسی تیزی سے ہر دلعزیز ہو رہی ہیں، جس تیزی سے مخالفین ہماری تذلیل کے درپے ہیں۔ 27 اپریل کو (بعد از مغرب)، جبکہ حضرت امیر ایک نکاح کی تقریب پر گجرات تشریف لے گئے تھے۔ اسی قسم کا ایک روح پرور منظر دیکھنے میں آیا۔ جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی دعوت پر معززین گجرات ایک خاص تعداد سے سول ہسپتال کے احاطہ میں شامل دعوت ہوئے۔ میز پر خورد ونوش کا جو سامان چنا گیا تھا وہ نہایت شوق سے تناول ہوا۔ لیکن اس جسمانی غذا کے بعد روحانی غذا کی باری آئی جو حضرت امیر نے پیش کی۔ مدعوئین جس ذوق سے اس سے مسرت اندوز ہوئے وہ کہیں بڑھ کر تھا۔ روحانی لذت کے آثار چہروں پر نمایاں تھے۔ اور ہر ایک زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ یہ عجب ''کافر'' ہے جس کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے اس قدر درد ہے۔ جس کا ایک عشرِ عشیر بھی ہم نے کبھی اپنے ''علمائے کرام'' میں نہیں دیکھا۔ یہ عجیب ''مرتد'' ہے جس کی زبان سے معارفِ اسلام کا یہ شیریں چشمہ رواں ہے۔ حضرت امیر کے خطبے کا لُبِ لباب یہ تھا کہ بدقسمتی سے مسلمانوں میں مذہب نے رسم ورواج کی شکل اختیار کر لی ہے۔ باوجود اس کے کہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو مُتنبّہ کرنے کے لیے خاص کوشش کی ہے۔ یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ بندر بن گئے۔ قرآن قصوں کہانیوں کی کتاب نہیں ہے۔ مقصد تو صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کے ذہن نشین کیا جائے کہ کہیں تم بھی ''قِرَدَةً خَاسِئِينَ (7:166) نہ بن جاؤ۔ وہ عبادت، وہ شعار، جن کی تہہ میں کوئی حقیقت نہ ہو، درحقیقت بندر کی نقالانہ حرکات سے بڑھ کر قیمت نہیں رکھتے۔ قرآن میں ''مُصَلِّينَ'' (نماز

پڑھنے والوں) کے لیے ذیل کا ذکر آتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ (4:107) یہ اسی قسم کے ''مُصَلِّيْنَ'' ہیں یعنی وہ جو مغز قرآن سے بےخبر ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ اسلام ایک حقیقت کا نام ہے۔ اگر وہ حقیقت نہیں تو کچھ نہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ قومی مُردنی کی وجہ یہی ہے کہ ان میں پوست ہی پوست رہ گیا۔ مغز ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ زندگی صرف اسی صورت میں پیدا ہوسکتی ہے کہ اسلامی خوبیاں ہمارے دلوں میں رچ جائیں۔ یہی حال نکاح اور نکاح کے خطبوں کا ہے۔ نبی کریمؐ کی سنت تھی کہ ایسے موقع پر کچھ وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ تا کہ لوگ سمجھیں اور سمجھ کر اپنی حالت میں نیک تبدیلی پیدا کریں۔ مگر آج کل ہمارے مولوی صاحبان کی نظر صرف ایک رسم تک محدود ہوگئی ہے۔ غیر زبان میں، جس سے سامعین کو کچھ مس نہیں ہوتا، کچھ کہہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایک اسلامی کام کیا۔ خواہ عمر بھر فارسی کا لفظ دولھا یا دولہن کے کان میں نہ پڑا ہو، ایجاب و قبول فارسی ہی میں ہو گا۔ ''آرے قبول کردم'' ہی کہنا پڑے گا۔ اس کے بعد آپ نے بتلایا کہ اسلام عورت کے ساتھ کس قدر حسنِ معاشرت کا حکم دیتا ہے۔ آخیر میں سردار خاں ولد بابو خیر دین سکنہ منڈی بہاؤالدین اور امت اللہ بنت ڈاکٹر الٰہی بخش مرحوم کے نکاح (بعوض مہر دو ہزار روپیہ) کا اعلان کیا۔ گجرات اس روحانی کیفیت کو تا بہ دیر یاد رکھے گا۔

(نامہ نگار)

برلن

ذیل کی مراسلت میں مولوی فضل کریم خان صاحب نے برلن مسجد کے افتتاح اور نماز عید الفطر کی مفصل کیفیت لکھ کر بھیجی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا یہ قیاس کہ مسجد برلن کا افتتاح عید الفطر کی نماز کے موقع پر ہوا، غلط تھا۔ عید الفطر کی نماز مسجد کے افتتاح سے دو روز پہلے ترکی سفارت خانہ میں ادا ہو چکی تھی۔ حضرت مولانا صدرالدین صاحب کا تار چونکہ مجمل تھا اور عید الفطر سے دو روز بعد کا دیا ہوا تھا۔ اس لیے یہی قیاس ہوسکتا تھا کہ عید الفطر کے دن افتتاح ہوا۔ تاہم یہ امر موجب مسرت ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ کی مخلصانہ مساعی کو اللہ تعالیٰ نے بارآور کیا اور وہ اہم اور دل خوش کن نتائج پیدا کیے جس کا ذیل کی مراسلت میں ذکر ہے۔ (ایڈیٹر)

اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان اور فضل ہے کہ آخر مسجد برلن کی تعمیر اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اس کے اندر نماز

ادا کی جاسکتی ہے۔اور بوقت ضرورت جلسے وغیرہ بھی کیے جا سکتے ہیں۔احمدیہ جماعت لاہوراس پر جس قدر بھی فخر اور ناز کرے بجا ہے۔اوراس کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں جس قدر سجدات شکر بجالائے جائیں کم ہیں۔

گذشتہ اتوار مورخہ 26 اپریل کوتقریبِ افتتاح عمل میں آئی۔اتفاق سے موسم اس دن بہت خراب تھا۔سردی بھی غیر معمولی تھی اور بارش بھی لگا تار ہورہی تھی۔تاہم گیارہ بجے تک مسجد مہمانوں سے بالکل بھرگئی تھی۔ ترکی سفارت خانہ کی طرف سے دریوں کا انتظام تھا۔دو گھنٹہ تک سفارت خانہ کے عمال بڑے جوش اور مستعدی سے کام کرتے رہے۔پروگرام کا زیادہ حصہ انہی کے اہتمام سے پر ہوا۔جلسہ کا آغاز خواجہ عبدالحمید صاحب متعلم یونیورسٹی نے قرأت قرآن مجید کے ساتھ کیا۔اس کے بعد حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے بزبان جرمن ایک مختصر خطبہ پڑھا۔ان کے بعد ایک فاضل روسی مسلمان لطفی بے تامی نے ترکی زبان میں تقریر کی۔جس میں آپ نے تحریک احمدیت پر روشنی ڈالی۔اپنی تقریر کے دوران آپ نے کہا کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے اس تحریک کی بنیاد ڈالی۔اس تحریک کا مقصد محض اشاعتِ اسلام ہے۔میں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی کتب پڑھی ہیں۔وہ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کا خادم سمجھتے تھے۔ازاں بعد مقرر نے حضرت مولانا مولوی صدرالدین صاحب کے کام کا تذکرہ کیا کہ کس طرح سینکڑوں انگریز آپ کے ذریعہ ولایت میں اسلام کے اندر داخل ہوئے ہیں۔مقرر خود انگلستان ہو آئے ہیں۔چنانچہ آپ نے کہا کہ جس کسی سے گفتگو کا موقع ملا اس نے حضرت مولانا کی تعریف کی۔برلن میں ان کی مساعی سے اسلام کا نام بالا ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ یہ کام اس مسجد کے ذریعہ، جو یہاں تعمیر ہوئی ہے، جاری رہے گا۔ان کے بعد ڈاکٹر ادریس بخاری نے بزبان ترکی تقریر کی اور اخوت اسلامی پر زور دیا جو اسلام کی جڑ ہے۔حسن بے ایرانی نے فارسی زبان میں تقریر کرتے ہوئے فرقہ بندی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور سب کو یک جہتی کے ساتھ اسلام کی خدمت کی ہدایت کی۔پروفیسر عبدالحکیم صاحب نے ترانہ اقبال پر اپنی ایک طبع زاد مسدس پڑھ کر سنائی۔ان کے بعد ایک ایرانی شہزادہ نے نہایت فصیح جرمن زبان میں تقریر کی اور اصول اسلام کو بوضاحت بیان کیا۔حضرت مولانا نے جلسہ کو ختم کرتے ہوئے آرکیٹکیٹ اور ٹھیکیداروں کی دیانت اور محنت کی تعریف کی۔جلسہ میں تمام اقوام کے لوگ تھے۔ترک، ایرانی،

مصری، افغان اور جرمنی وغیرہ۔

عیدالفطر کی نماز بروز جمعہ سفارت خانہ میں ادا کی گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ڈر تھا کہ عبدالجبار خیری، جو ولنس ڈارف میں خود امامت کرانا چاہتا تھا، فساد کرے گا۔ اور ترکی سفارت خانہ کی طرف سے پولیس وغیرہ کا انتظام ہو گیا تھا۔ تاہم ترکی سفارت خانہ کو یہ پسند نہ آتا تھا کہ مسلمان ایک تہوار کے موقع پر آپس میں فساد کریں اور اغیار کے سامنے باعثِ تمسخر بنیں۔ چنانچہ نمازِ عید ترکی سفارت خانہ میں ادا کی گئی۔ عبدالجبار اور اس کے لواحقین ونس ڈارف میں پہنچے مگر پولیس نے ان کو مسجد میں داخل نہ ہونے دیا۔

عید سے چند روز پیشتر ایک ترکی خاتون حضرت مولانا کی غیر حاضری میں ان کے مکان پر پہنچی اور استنبول کے مشہور اخبار ''توحید افکار'' کا شمارہ نمبر بابت 2 رجب 1343 ھ چھوڑ گئی۔ اس کے صفحہ اول کے آخری نصف کالم میں ہمارے مشن کا ذکر ہے۔ برلن مسجد کی تصویر دی ہوئی ہے اور ایک طویل مضمون اس کے تحت میں ہے جس میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اور حضرت مولانا صدرالدین صاحب کے کارہائے نمایاں کا ذکر ہے۔ انگلستان میں جو عدیم المثال خدمات اسلام حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے کی ہیں، ان کا بھی تذکرہ ہے۔ اس پرچہ کے اوپر کسی ترک صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر تین چٹیں چسپاں کر دی ہیں۔ سب سے اوپر صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ۔ اس سے نیچے موٹے حروف میں اِنَّمَا الْمُؤْمِنِیْنَ اِخْوَۃٌ، اس کے نیچے ایک ترک رباعی ہے۔ جس سے غالباً مسجد برلن کی تاریخ تعمیر نکلتی ہے۔ رباعی حسب ذیل ہے:

معبد الاسلام مدر جامع الاخواندر

احمدیہ برلینہ درّ ہندوستاندر

ہجرۃ 1343 ھ

خاکسار

فضل کریم خان

24 مئی 1925ء

ایک احمدی خاتون کے جذبات

ذیل کے اشعار ایک احمدی بیگم کی طبع رسا کا نتیجہ ہیں۔ اور چونکہ یہ ایک خاتون کے جذبات ہیں۔ امید ہے کہ شعری لوازمات کو نظرانداز کر کے خاص قدر کی نگاہوں سے دیکھے جائیں گے۔

ہم نے ووکنگ میں جا کے کیا دیکھا　　بیشک اک جلوۂ خدا دیکھا

دیں کو بخشا کمالؔ خالق نے　　خواجۂ خواجگاں کھڑا دیکھا

جب ہوئے صدر صدر الدین احمد　　گرد اک جمگھٹا لگا دیکھا

صید کرتے سفید چڑیوں کو　　وار ان کا بجا تُلا دیکھا

نوّرِ احمد کی جب صدا اٹھی　　اسمِ اعظم واں گونجتا دیکھا

مرحبا ہیڈلےؔ جزاک اللہ　　حق کا متلاشی باخدا دیکھا

برسوں ڈھونڈا کیا کلیسا میں　　آخر اسلام میں خدا دیکھا

آن کر چند روز ووکنگ میں　　آن واحد میں مصطفےٰ دیکھا

نورِ حق دیکھا دینِ احمد میں　　جلوہ پھر حق کا جابجا دیکھا

ابرِ رحمتؔ کا پہلا قطرہ ہے تو　　گرتے پھر اک پہ دوسرا دیکھا

ہو مبارک یہ بارشِ اسلام　　تیری آنکھوں نے کیا سے کیا دیکھا

ہم کو ہے ناز اک زمانے پر　　کیا بتائیں کہ ہم نے کیا دیکھا

گو نہیں دیکھا احمدِ مرسلؐ   پر غلاؔم اس کا بارہا دیکھا
اک چھلاوا سا وہ گیا لیکن   سیر ہو کر ابھی نہ تھا دیکھا
کیا کہوں دل پہ کیا گزرتی ہے   تفرقہ ان میں جو پڑا دیکھا
ہند میں آنا پھر مبارک ہو   صدرِ دیں، دیں پر مرمٹا دیکھا
شکر صد شکر احمدؔی بیگم   صدرِ دیں صدر از کیا دیکھا
ہم نے ووکنگ میں جا کے کیا دیکھا
بیشک اک جلوۂ خدا دیکھا

24 مئی 1925ء

حضرت امیر کے قلم سے

قرآن کریم اور الہام مسیح موعود

کسی گذشتہ اشاعت میں مولوی کفایت اللہ صاحب کے ایک مضمون مندرجہ ''الجمعیۃ'' کے جواب میں ہم نے ایک نوٹ لکھا تھا۔ اور اس میں بتایا تھا کہ حضرت مسیح موعود کے الہامات کو ہم قطعی اور یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مانتے ہیں۔ اور باوجود اس کے ان کا رتبہ قرآن کریم کے برابر نہیں سمجھتے۔ نہ انہیں حجت شرعیہ مانتے ہیں۔

اس کے جواب میں مولوی کفایت اللہ صاحب نے ''الجمعیۃ'' کے ایک اور پرچہ میں ایک طویل مضمون لکھا۔ اور پیچ در پیچ سوالات سے اصل بات کو ملتبس کرنا چاہا اور حضرت امیر ایدہ اللہ کو بالخصوص مخاطب کیا۔ ہم نے ''الجمعیۃ'' کا وہ پرچہ بجنسہٖ حضرت امیر کی خدمت میں بھیج دیا۔ جس کے جواب میں ذیل کی مراسلت حضرت موصوف کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔ جو امید ہے مولوی کفایت اللہ اور دیگر قارئین کے فائدہ کا موجب ہوگی:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ڈلہوزی 6 جون 1925ء

اخویکم مکرم مولوی دوست محمد صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط اور ''الجمعیۃ'' کا پرچہ ملا۔ افسوس یہ ہے کہ علماء کے اندر غور کی عادت نہیں رہی۔ ان کی دماغی حالت کچھ ایسی بن چکی ہے کہ تفکر و تدبر سے کام لے کر اپنی رائے کو بدلنا ان کے لیے قریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ بحث اس بات پر ہے کہ کیا حضرت مرزا صاحب کے وحی یا الہام کو ہم یقینی اور قطعی طور پر خدا کی طرف سے مانتے ہیں یا

نہیں۔ اور اگر مانتے ہیں تو اسے قرآن کریم کے برابر مرتبہ کیوں نہیں دیتے؟ ایک حضرت مرزا صاحب کیا ہم تو حضرت عمرؓ سے لے کر حضرت سید عبدالقادر اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ تک سب کے الہامات کو یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مانتے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو قرآن کریم کے برابر مرتبہ ہرگز نہیں دیتے۔ ذرا انہی لوگوں سے پوچھیے کہ کیا ان کے نزدیک حضرت سید عبدالقادر جیلانی اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ کے الہامات یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یا ان کے خدا کی طرف سے ہونے میں کچھ شک ہے۔ صورت اول میں یعنی ان کو یقینی طور پر خدا کی طرف سے مان کر کیا انہیں وہ قرآن کے برابر مرتبہ دیتے ہیں یا نہیں۔ اگر دیتے ہیں تو پھر قرآن کریم کے ساتھ ان کو کیوں نہیں لگا لیتے؟ اور اگر وہ الہامات یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ یعنی ان کے خدا کی طرف سے ہونے میں شک ہے، تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ان بزرگوں کو یہ شک تھا کہ شائد وہ الہامات خدا کی طرف سے ہیں یا شیطان کی طرف سے۔ افسوس یہ ہے کہ عالم ہو کر بچوں کی طرح باتیں کرتے ہیں!

اللہ تعالیٰ کے سب کلاموں کا مرتبہ یکساں نہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی سب مخلوق کا مرتبہ یکساں نہیں۔ یہ کس قدر موٹی اور واضح حقیقت ہے۔ مگر ان لوگوں کی غرض تو صرف مجدد وقت پر اعتراض کرتے جانا ہے اور اس کے لیے ہزار سچائی کا انکار بھی کرنا پڑے تو کرتے جائیں گے۔ راستبازوں کی عداوت کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ غور نہیں کرتے کہ جس طرح کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، خلق بھی اس کی ایک صفت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سب کلاموں کا مرتبہ یکساں ہے تو کیا اس کی سب مخلوق کا مرتبہ بھی یکساں ہونا چاہیئے۔ یعنی جیسا انسان، جیسا گھوڑا، جیسا درخت، جیسی زمین۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا.** (70:17) ہم نے انسان کو اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ مگر ہمارے علماء چشمِ بد دور یہی راگ الاپتے جائیں گے کہ وہ سب خدا کی مخلوق ہے اور سب کا ایک مرتبہ ہے۔ کیا گھوڑا ویسے ہی یقینی اور قطعی طور پر خدا کی مخلوق نہیں جیسے انسان ہے۔ پھر دونوں کا مرتبہ کیوں برابر نہیں۔ پھر اگر ایک ولی کا الہام یقینی طور پر خدا کا کلام ہونے کے باوجود قرآن کریم کا مرتبہ نہیں رکھتا، تو یہ صفاتِ الٰہی کے تقاضا کے عین مطابق ہے۔ اور نبی اور غیر نبی کے ساتھ جو کلام الٰہی ہو ان میں مراتب نگاہ نہ رکھنا، یہ تو ہمارے علماء کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ رسولوں

کو بھی ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اور اگر رسولوں کو ایک دوسرے پر فضیلت ہے تو یقیناً کلام الٰہی جو ان کے ساتھ ہوتا ہے اس کے مرتبہ میں بھی ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ وحی ہے، جو اپنے مرتبہ میں دیگر انبیاء کی وحیوں سے بھی افضل ہے۔ چہ جائیکہ غیر نبی کی وحی سے افضل ہونے میں کوئی شک کرے۔ یقیناً ان سب انبیاء کی وحی خدا کی طرف سے تھی: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (136:2) یقیناً غیر نبی کی وحی بھی خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور اولیاء کو اپنی وحی پر اسی طرح یقین کامل ہوتا ہے جس طرح خدا کے رسولوں کو یا ان کے متبعین کو اس کلام پر جو رسولوں پر نازل ہوتا ہے۔ مگر مرتبہ سب کا یکساں نہیں۔ کیا حضرت موسیٰؑ کی ماں کو جو بالاتفاق نبی نہ تھیں خدا کے اس کلام پر جو ان پر نازل ہوا اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ (39:20) اسے صندوق میں ڈالو۔ پھر اسے دریا میں ڈال دو۔ یقین کامل تھا یا نہیں کہ یقیناً یہ خدا کی طرف سے یا باوجود شک کے ہی انہوں نے اپنے بچے کو دریا میں بہا دیا تھا۔ کیا حضرت مریمؑ کو جب ان پر خدا کا کلام نازل ہوا کچھ شک تھا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے۔ کیا جب حضرت مسیح کے شاگردوں کو وحی ہوئی: وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ (111:5) تو انہیں شک تھا کہ یہ شیطان نے کہا ہے یا خدا نے؟ پھر اگر بنی اسرائیل کی عورتوں کو بھی یقینی اور قطعی طور سے خدا کی طرف سے وحی ہو سکتی تھی تو یہ امت جو افضل الامم کہلاتی ہے کیا اس کے مرد بھی اس مرتبہ سے نیچے گرے ہوئے ہیں، جو پہلی امتوں کی عورتوں کو ملا ہے؟ کیا یہی خیر الامم ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے علماء چونکہ خود اس مرتبہ سے گرے ہوئے ہیں جہاں یقین اور قطعیت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ اولیاء اللہ پر جو کلام الٰہی نازل ہوتا ہے وہ بھی کوئی شکی بات ہی ہوگی۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (91:6) انہوں نے اللہ کی قدر کو پہچانا ہے نہ اللہ کے پاک بندوں کی قدر کو۔

انہیں تو یہ بھی شک ہے کہ اس امت میں اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ کلام کرتا ہو۔ اس لیے کہ خود اس مقام کو نہیں پایا۔ سمجھتے ہیں کہ ساری امت ہی محروم ہے۔ حدیث صحیح میں موجود ہے: رِجَالٌ يُّكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْبِيَآءَ اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام کرے گا گو وہ نبی نہ ہوں گے۔ تو کیا یہ محض کوئی شکی کلام تھا جس کے لیے اتنا بڑا وعدہ دیا گیا تھا: لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ. صحیح حدیث تو مبشرات کو جو اس امت کے اندر رہ گئی ہیں، جزوی نبوت قرار دے اور ہمارے علماء یہ کہتے ہیں کہ ان کے خدا کی

طرف سے ہونے ہیں شبہ ہے۔ اس امت کے اندر ہزار ہا ایسے بزرگ گزرے، جنہوں نے یقینی طور پر اس سرچشمہ سے پیا، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے یقینی کلام سے سرفراز فرمایا۔ اور اپنے قرب کا مقام عطا فرمایا ہاں اسی طرح اپنا مقرب بنایا جس طرح انبیاءؑ کو اپنا مقرب بنایا۔ جن کا اللہ تعالیٰ پر ایمان اسی طرح کامل تھا جس طرح انبیاءؑ کا ایمان کامل تھا۔ جن کی معرفت الٰہی انبیاء کی معرفت الٰہی کی طرح ہی تھی۔ یہ سب کچھ ہوا مگر وہ نبی نہ تھے۔ کیونکہ آفتاب نبوت آسمان پر روشن ہے اور اب نبوت کی ضرورت نہیں رہی۔ ہاں جس طرح شیشے میں آفتاب کا عکس آجاتا ہے، ان بزرگوں کے پاک دلوں میں جو شیشے سے بڑھ کر مصفا ہوتے ہیں۔ دنیا کے بندے اور نفس کے غلام جو اس مقام سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ان باتوں کو بے حقیقت سمجھتے ہیں۔ اور ان کو اس بات پر بھی تعجب ہوتا ہے کہ کیا خدا کا کلام اس قطعیت اور یقین کے ساتھ خدا کے کسی بندے کے دل پر نازل ہو سکتا ہے جس قطعیت اور یقین کے ساتھ پاک رسولوں پر نازل ہوتا تھا۔ کیا حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے کلام کو انہوں نے نہیں پڑھا؟ کیا حضرت مجدد الف ثانی کے کلام کو نہیں دیکھا۔ صرف ایک ہی حوالہ میں دیتا ہوں۔ مجدد الفؒ ثانی فرماتے ہیں کہ:

> ''اے صدیق جان لے کہ اللہ سبحانہ کا کلام بشر کے ساتھ کبھی ایسا ہوتا ہے جیسا سامنے اور یہ انبیاءؑ کے لیے ہے اور کبھی ان کے پیروؤں میں سے بعض کے لیے، جو کمال حاصل کر چکے ہوں۔ بہ سبب پیروی اور وراثت کے بھی ایسا کلام ہوتا ہے۔ اور جب یہ قسم کلام ان میں سے ایک کے ساتھ کثرت سے ہو تو اس کا نام محدث رکھا جاتا ہے۔ جیسے امیر المومنین حضرت عمرؓ کا رکھا گیا۔''

ہاں یہ سچ ہے کہ حجت شرعی نہ ہم کسی صحابیؓ کے قول یا فعل کو مانتے ہیں۔ نہ کسی مجتہد کے اجتہاد کو نہ کسی ولی کے الہام کو۔ گو ان سب میں ہمارے لیے نور و ہدایت ہے۔ مگر ان کو حجت شرعی قرار دینا حفظ مراتب کے خلاف ہے۔ حجت شرعی صرف قرآن کریم ہوگا یا نبی کریمؐ کا قول و فعل۔ بادشاہ اور مخدوم صرف ایک ہے، باقی سب خادم ہیں۔ کتنا بھی ان بزرگوں کا بلند مرتبہ ہو، کتنا بھی اعلیٰ درجہ کا اجتہاد ہو، کتنا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف ہو، مگر یہ سب خادم ہیں اور غلام ہیں۔ ایک تخت کے گرد گھومنے والے ہیں۔ یہ سب شیشے ہیں۔ نور ایک محمد

مصطفیٰ ﷺ کا ہے۔ پس حجت شرعی صرف وہ کلام ہے جو آپؐ پر نازل ہوا یا آپؐ کا قول وفعل ہے۔ قوانین کا سرچشمہ ایک ہے۔ اس سے لینے والے بہت ہیں۔ شریعت کا اصل ماخذ صرف ایک ہے۔ باقی سب باتیں اس کے ماتحت ہیں۔ ہم صحابہؓ کے اقوال وافعال کی بھی اقتداء کریں گے۔ آئمہ کے اجتہاد کے پیچھے بھی چلیں گے۔ اولیاء کے الہامات سے بھی نور وہدایت لیں گے۔ مگر ان میں سے کسی کو وہ مرتبہ نہ دیں گے کہ جو ان سب کے آقا کو حاصل ہے۔ اور نہ ان کے اقوال وافعال کو، ان کے اجتہاد کو، ان کے الہامات کو رسول خدا ﷺ کے قول وفعل، آپ کے اجتہاد اور آپ کی وحی کا مرتبہ دیں گے۔ خود حضرت مسیح موعود نے اسی خادمی اور غلامی کے مرتبہ کو، جو انہیں اپنے آقا ومخدوم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے حاصل ہے، مدِّ نظر رکھتے ہوئے بہ زبان عربی لکھا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ ہے:

> ’’اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کے بعد مومنین کی تحریف اور غلطی کرنے والوں کی غلطیوں سے محفوظ ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ منسوخ ہوگا، نہ اس میں زیادتی ہوگی اور نہ اس میں کوئی کمی ہوگی۔ اور نہ سچے ملہموں کا الہام اسی کے مخالف ہو گا۔ اور جو کچھ مجھے قرآن کی مشکلات کا فہم دیا گیا ہے یا اللہ تعالیٰ نے الہام کیا ہے، اس کو میں نے اس شرط پر قبول کیا ہے کہ وہ صحیح اور درست ہو اور مجھ پر کھولا گیا ہے کہ خالص اور صحیح ہے۔ شریعت سے موافقت رکھتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں نہ کوئی شبہ اور التباس اور اگر بفرض محال اس کے ذم کوئی بات ہو تو اس سب کو ہم اپنے ہاتھ سے ردی مادہ اور کوڑے کی طرح پھینک دیں گے۔‘‘

وہ یقیناً خدا کے اس کلام کو جو ان پر نازل ہوتا تھا خدا کی طرف سے مانتے تھے مگر قرآن وحدیث کے بلند مرتبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کو ضروری سمجھتے تھے کہ اپنے الہام کو قرآن وحدیث پر پیش کریں، تا کہ کوئی نادان معترض یا غالی پیرو ٹھوکر نہ کھائے اور دونوں کو ایک مرتبہ نہ دے دے۔ بالآخر میں کہتا ہوں کہ یہ علماء پہلے اس امر کو طے کرلیں کہ اولیاء اللہ کا الہام یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے یا نہیں اور ان کے الہام کا کیا مرتبہ ہے۔ جو کچھ وہ دیگر اولیاء اللہ کے متعلق قرآن وحدیث کے رو سے ماننے کے لیے تیار ہیں، وہی کچھ ہم

حضرت مجدد صد چہار دہم امت مسلمہ کے مسیح و مہدی اور اس زمانہ کے امام کے متعلق مانتے ہیں۔ اگر وہ ہم سے آئندہ خطاب کرنا چاہتے ہیں تو حضرت مرزا صاحب کا نام چھوڑ کر اولیاء امت کے بارے میں بحث کریں۔ تاکہ جو شخص عمداً حق سے گریز کرتا ہے، اس کی اصلیت ظاہر ہو جائے۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

13و17جون1925ء

عبدالجبار خیری اور احمدی جماعت

(مولانا صدرالدین صاحب کا ضروری مراسلہ)

24و27 مئی 1925ء کے ''پیغام صلح'' میں حضرت مولٰینا مولوی صدرالدین صاحب کی ایک تقریر درج کی گئی تھی جو انہوں نے جرمنی سے واپسی پر لاہور پہنچتے ہی فرمائی۔ اس تقریر میں مولٰینا موصوف نے ان مخالفتوں کا بھی ذکر کیا تھا جو برلن میں آپ کو پیش آئیں۔ اور چونکہ ان مخالفتوں کا سرغنہ ایک ہندوستانی طالب علم عبدالجبار خیری تھا۔ اس لیے اس کا ذکر بالخصوص آپ نے کیا۔ اور بتایا کہ وہ کس مَصرف کا آدمی ہے اور اسلام کی راہ میں روڑا اٹکانے کی انتہائی کوششوں کے باوجود کس طرح سے آخرکار اسے ناکامی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔

اس تقریر پر 10 جون 1925ء کے اخبار ''الجمعیۃ'' میں ایک ایڈیٹوریل نوٹ شائع ہوا ہے۔ جس میں مولانا موصوف کے بیانات کو غلط بیانی قرار دیتے ہوئے اس بات پر زور دیا گیا کہ عبدالجبار خیری برلن کے مسلمانوں میں بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہاں کی جمعیت اسلامیہ کے صدر ہیں اور بہت سے بڑے بڑے لوگوں کو انہوں نے مسلمان کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''احمدی جماعت کا یہ امتیازی خاصہ ہے کہ وہ اپنے سوا کسی دوسری جماعت کو ایک آن نہیں دیکھ سکتی۔ اور دوسروں کی خدمات کو اپنی طرف منسوب کرنے میں انتہائی دلیری سے کام لیتی ہے۔'' اور کہ ''اس کے مبلغین جب برلن پہنچے تو سب سے پہلے مولٰینا خیری کا وجود ان کی نظروں میں کھٹکا اور اس نے اپنا میدان صاف کرنے کے لیے ان جیسے خاموش اسلامی مبلغ کو خواہ مخواہ بدنام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔'' جن لوگوں کو برلن مشن کے تمام حالات کو شروع سے دیکھنے اور اخبارات پڑھنے کا موقع ملا ہے وہ ''الجمعیۃ'' کے اس بیان کو کسی طرح صحت پر مبنی نہیں قرار دے سکتے۔ بشرطیکہ دل بغض اور تعصب سے پاک ہوں۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ مولٰینا صدرالدین صاحب ابھی ہندوستان ہی میں تھے کہ یہاں کے اخبارات میں عبدالجبار صاحب نے ان کی بلکہ ان کے مقدس مشن کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ اور گذشتہ تین چار سالوں میں اس مخالفت نے

یہاں تک ترقی کی کہ برلن مسجد کے بنوانے میں رُکاوٹیں ڈالی گئیں ۔ جرمن حکومت کو مولانا صاحب کے خلاف اکسایا گیا اور پمفلٹ شائع کر کے اس مقدس کام کو تباہ کرنے کی ہرطرح سے کوشش کی گئی۔اس کے جواب میں احمدی جماعت نے کیا کیا۔سوائے ایک دو جوابی مضامین کے۔اخبارات میں بھی ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا گیا۔ ہاں ایک امریکن ڈاکٹر بانگ نے جن کے متعلق ''الجمعیۃ'' نے لکھا ہے کہ وہ جناب خیری کے مسلمان کردہ ہیں۔ ان کے خلاف ایک طویل خط لکھا۔اوران کی غیر اسلامی حرکات سے بیزاری کا اعلان کیا۔

ایسے حالات میں ''الجمعیۃ'' کا نوٹ سوائے اس کے کہ بغض وتعصب کا نتیجہ ہو،اورکوئی معنی نہیں رکھتا۔ تاہم ہم نے پسند کیا کہ اخبار مذکور کوحضرت مولٰینا صدرالدین صاحب کی خدمت میں پہنچایا جائے،تا کہ وہ اس غلط بیانی کی تردید کرسکیں۔ہمیں خوشی ہے کہ مولانا موصوف نے ہماری استدعا پر ذیل کی سطور لکھ کر بھیجی ہیں۔ جو امید ہے''الجمعیۃ''اوراس کے ہم نواؤں کے فائدہ کا موجب ہوں گی۔

وعلیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ میں نے جناب عبدالجبار صاحب خیری کو بدنام کرنے کے لیے کبھی ارادہ نہیں کیا۔ چنانچہ نہ برلن میں ان کے برخلاف کبھی کچھ لکھا اور نہ ہی ہندوستان کے اخبارات میں۔ باوجودیکہ انہوں نے میرے برخلاف ہندوستان اور برلن کی اخبارات میں غلو اور شدت سے برخلاف لکھا اور لوگوں کو بھڑکایا۔ میرا تقریر میں اس بات کا ذکر کرنا کہ وہ برلن یونیورسٹی میں پروفیسر نہیں ہیں بلکہ طالب علم ہیں امرحق کا انکشاف ہے۔

الجمعیۃ دہلی کا یہ لکھنا کہ وہ برلن کی جمعیۃ متحدہ اسلامیہ کے صدر ہیں،صحیح نہیں ہے۔ میرے جانے پر انہوں نے ایک جمعیت بنائی ہے،جس کے وہ صدر تھے۔اس جمعیت میں اسلامی ممالک کے ممتاز اصحاب، جو مقیم برلن ہیں،شامل نہیں ہیں۔اور وہ ان کو نہ ہی صدر قبول کرتے ہیں اور نہ ہی امام۔ چنانچہ سفارت ترکیہ، سفارت افغانی،سفارت ایرانی،سفارت مصر اور نمائندہ بخارا نے گذشتہ عیدالفطر پر ان کو خط لکھا کہ آپ ہمارے امام نہیں ہیں۔ برلن کے مسلمانوں کے امام ڈاکٹر ولی مصری ہیں اور وہی عیدالفطر کی نماز پڑھائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے نماز عید میں امامت کرائی۔خود ہندوستانی ممتاز اصحاب بھی ان کو صدر یا امام قبول نہیں کرتے۔مثلاً پروفیسر ذاکر حسین صاحب از جامعہ ملیہ علی گڑھ۔ پروفیسر مظفرالدین صاحب جواب حیدرآباد کی یونیورسٹی میں واپس تشریف

لے آئے ہیں۔ پروفیسر عبدالحکیم مقیم ہانڈن برگ۔ ڈاکٹر عطا اللہ بٹ جو علی گڑھ میں واپس تشریف لے آئے ہیں۔ سید محمد عمر صاحب انجینئر مقیم برلن۔ ڈاکٹر منصور مقیم برلن۔ ڈاکٹر ممتاز علی خاں صاحب مقیم برلن۔ شہیدی صاحب بی اے مقیم برلن۔ عابد حسین صاحب۔ بی۔ اے۔ مقیم برلن۔ جعفر حسین سیکرٹری جمعیت جمیع طلباء ہند۔ یہ ایک متحقق امر ہے۔ اس کی روشنی میں یہ امر صاف ظاہر ہے کہ جناب عبدالجبار صاحب برلن کی جمعیۃ متحدہ اسلامیہ کے صدر نہیں ہیں۔

پانچ چھ سال میں انہوں نے چار اشخاص کو مسلمان کیا ہے۔ ایک تو ان کے بھائی کی بیوی ہیں۔ دوسرے ان کے عزیز ہدایت احمد کی بیوی ہیں اور دو مرد ہیں جو معمولی طبقے کے ہیں۔ یہ چار اشخاص تو برلن کے مسلمانوں کو معلوم ہیں۔ ان کے علاوہ اگر ایک آدھ اور بھی ہو تو ممکن ہے یہ سعی ان کی عنداللہ ماجور ہے۔ اگر وہ ایک شخص کو بھی مسلمان کرتے تو بھی قدر کے قابل تھے اور ہیں۔ لیکن کبھی کبھی یہ مشہور کیا گیا کہ کئی صد تعداد انہوں نے اسلام میں داخل کی۔ یہ امر کسی نے غلطی سے ان کی طرف منسوب کیا۔ اسی طرح اخبار الجمعیۃ دہلی نے ایک اور غلط امر ان کی طرف منسوب کیا ہے۔ انہوں نے چار ڈاکٹروں کا اسلام ان کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ ان میں سے دو ڈاکٹر تو میرے ذاتی طور پر واقف ہیں۔ یعنی پروفیسر ڈاکٹر کیمفماڑ اور پروفیسر ڈاکٹر خیرنس۔ یہ دونوں مسلمان نہیں ہیں۔ ڈاکٹر شورب سے مجھے ذاتی تعارف نہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں وہ مسلمان نہیں ہیں۔ ہاں امریکہ کے ڈاکٹر بانگ جو پروفیسر برکت اللہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے وہ یقیناً مسلمان ہیں۔ اور وہ ہماری جماعت میں شامل ہیں۔ اور انہوں نے ہندوستانی اخبارات میں جناب عبدالجبار صاحب خیری کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا وہ اچھے نہیں ہیں۔ آخر میں میں پھر اس امر کو دہراتا ہوں کہ اگر مجھے یہ چند سطور الجمعیۃ کے جواب میں لکھنی نہ ہوتیں تو میں جناب عبدالجبار صاحب کے متعلق اتنا لکھنا بھی پسند نہ کرتا، جو میں نے لکھا ہے اور نہ ہی میں ان کے متعلق اپنے دل میں کوئی بغض پاتا ہوں۔ اور نہ ہی میں ان سے کسی رنگ میں اس خطرناک مخالفت کا انتقام لینا چاہتا ہوں جو انہوں نے اڑھائی سال تک میرے لیے جائز رکھی۔ اب ان کی مخالفت کا کوئی اثر ہمارے مشن پر نہیں ہے۔ برلن کے مسلمانوں نے خود ہماری شاندار مسجد کا افتتاح کیا اور بڑے بڑے قابل جرمن نومسلموں کو دیکھا اور ان کے ساتھ کئی دفعہ پارٹیوں میں کھانا کھایا۔ انہوں نے ہمارے رسالے اور ہماری

کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور خود دفتر خارجہ برلن نے صاف کہہ دیا کہ آپ کے مشن کے متعلق جو کچھ بھی عبدالجبار اور پارٹی نے لکھا اور زبانی کہا وہ بعد از تحقیق غلط ثابت ہوا۔

(حضرت مولٰینا) صدرالدین

27 جون 1925ء

حضرت امیر کے قلم سے

جہاد

سلطنت افغانستان اور احمدی مسلمان

احمدی قوم کے اُس حصہ کی طرف سے، جن کا تعلق جماعت لاہور سے ہے، میں بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے ذیل کے واقعات کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔ جو غلط فہمیاں ہمارے متعلق پھیلائی جاتی ہیں ان میں سے یہاں میں صرف اُن کا ذکر کروں گا، جن کا تعلق امور ملکی سے ہے۔

ان میں سے پہلی یہ ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد صد چہاردہم نے جہاد کی منسوخی کا اعلان کیا ہے۔ اور اس لیے ہم لوگ جہاد کے قائل نہیں۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ نہ حضرت مرزا صاحب اس بات کے قائل تھے اور نہ ہم قائل ہیں کہ قرآن کریم میں سے ایک حرف تک کی کمی ہوسکتی ہے یا ایک حرف زیادہ ہوسکتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب اس بات پر یقین کامل رکھتے تھے اور ہم بھی رکھتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ خدا تعالیٰ کے آخری نبی تھے۔ اور قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری شریعت ہے۔ اور اس میں سے تا قیامت ایک حرف تک منسوخ نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ جہاد کا عظیم الشان حکم، جس پر اسلام اور مسلمانوں کی زندگی کا دارومدار ہے، منسوخ ہو۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب اپنی کتاب مواہب الرحمٰن کے صفحہ 66 و 67 پر لکھتے ہیں:

> ''وخدارا مکالمات ومخاطبات است با اولیائے خود دریں امت وایشان را رنگ انبیاء اُورا دادہ مے شود ودر حقیقت انبیاء نیستند زیرآنکہ قرآن حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است وادادہ نمے شوند۔ مگر فہم قرآن ونہ زیادہ مے کنند ونہ کم مے کنند از قرآن وہر کہ زیادہ کرد یا کم کرد۔ پس اُورا از شیطانان است کہ بدکار اند۔''

ترجمہ: اور خدا تعالیٰ کے اس امت میں اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمات اور مخاطبات ہوتے ہیں اور انہیں انبیاء کا رنگ دیا جاتا ہے۔ اور وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے۔ کیونکہ قرآن کریم نے حاجت شریعت کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اور انہیں قرآن کے فہم کے سوائے کچھ نہیں دیا جاتا۔ اور وہ قرآن کریم میں نہ کچھ بڑھاتے ہیں نہ اس میں کوئی کمی کرتے ہیں۔ اور جو شخص زیادہ کرے یا کم کرے وہ بدکار شیطانوں میں سے ہے۔

ایسی تحریریں ایک دو نہیں بلکہ بیسیوں ہیں جن میں حضرت مرزا صاحب نے یہ کھول کھول کر لکھا ہے کہ جو کچھ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا وہ تا قیامت منسوخ نہیں ہوسکتا اور نہ اس میں کوئی کمی یا زیادتی ہو سکتی ہے۔ پس ان صریح اقراروں کے ہوتے ہوئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ یا ہم جہاد جیسے حکم کی منسوخی کے قائل ہوں جس کے متعلق احکام سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔

اصل واقعہ صرف اس قدر ہے کہ جہاد کا ایک غلط مفہوم دشمنان اسلام کے دلوں میں تھا۔ اور بعض جاہل مسلمان بھی اپنی کم فہمی سے اس خیال کو مدد دیتے تھے۔ یعنی یہ کہ اسلامی جہاد اسے سمجھا جاتا تھا کہ ایک مسلمان تلوار ہاتھ میں لے کر غیر مسلموں کو یہ کہے کہ یا تم اسلام قبول کرو ورنہ میں تلوار سے تمہارا سر کاٹ دوں گا۔ یہی تصویر حضرت رسول اللہ ﷺ کی پادریوں نے اپنی کتابوں میں کھینچی۔ یہاں تک کہ آپ کی ایک فرضی تصویر بنا کر شائع کی اور آپ کے ایک ہاتھ میں قرآن دیا اور ایک ہاتھ میں تلوار دی۔ اور اس کی غرض یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف اور اسلام کے خلاف غیر مسلموں کے دلوں میں نفرت بٹھائی جائے کہ یہ ایک وحشیانہ مذہب ہے جو محض تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے چودھویں صدی کے مجدد کو بالخصوص عیسویت کے فتنہ کے سدِّ باب کے لیے کھڑا کیا۔ اس لیے آپ نے اس غلط خیال کو دور کرنا اپنا پہلا فرض سمجھا۔ اور آپ نے کھول کھول کر سمجھایا کہ جہاد دو طرح پر ہے۔ ایک جہاد بالقرآن یا یہ جہاد کہ اشاعت دین کی جائے اور کلمہ حق یعنی قرآن کریم کو تمام دنیا میں پہنچایا جائے۔ یہ ہر مسلمان کے لیے ہر حالت میں ضروری ہے اور اس کا حکم ابتدائی مکی سورتوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے مثلاً سورۃ الفرقان میں جہاں حکم ہوتا ہے: وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (52:25) یعنی قرآن کریم کے ساتھ جہاد کبیر کرو۔ اور یہ حکم کسی شرط سے مشروط نہیں۔ اور دوسرا جہاد بالسیف جس کا حکم مدینہ میں نازل ہوا اور یہ بعض

شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ جیسے فرمایا: قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ(190:2) اللہ کے رستے میں ان لوگوں سے جنگ کرو جوتمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔اور یہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کیوں کرتے تھے۔وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا(217:2) یہ لوگ تم سے جنگ کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں طاقت ہوتو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔اور اصل غرض ان لوگوں کی مسلمانوں کو دکھ دینا تھا۔اس لئے فرمایا:اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا (39:22) ان لوگوں کو، جن کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے، مدافعت کی اجازت دی جاتی ہے۔اس لیے کہ اُن پر ظلم کیا جاتا ہے۔پس تلوار کا جہاد حفاظت اسلام کے لیے تھا نہ اشاعت اسلام کے لیے۔یعنی اسلام نے تلوار اُٹھانے کی اجازت دین اسلام کی اشاعت کے لیے نہیں دی، دین اسلام کی حفاظت کے لیے دی۔مگر دشمنان اسلام نے اس نہایت صحیح اصول کو غلط لباس پہنا کر اس بات کا دنیا میں اعلان کیا کہ اسلام تلوار سے پھیلایا گیا ہے اور کہ احکام قرآنی کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمہاری بات نہ مانے اور اسلام قبول نہ کرے تو اس کو قتل کر دو۔اور چونکہ بعض ناواقف مسلمان بھی اس غلط خیال میں مبتلا تھے،اس لیے حضرت مرزا صاحب نے بزور اس بات کا اعلان کیا کہ مسلمان بھی اس غلط خیال کو دل سے نکال دیں۔اس غلط خیال کو، جو جہاد کے متعلق دلوں میں تھا، آپ نے منسوخ کیا نہ کہ قرآنی حکم کو جس کے وہ قائل ہیں کہ تا ابد کوئی منسوخ نہیں کرسکتا۔اور جو قرآن میں سے کچھ کم کرے وہ لعنتی ہے۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر نقل ہو چکا ہے آپ نے بالتصریح بھی فرمایا (دیکھو ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ 30)۔ وَلَاشَکَّ اَنَّ وُجُوْہَ الْجِھَادِ مَعْدُوْمَۃٌ فِیْ ھٰذَا الزَّمَنِ وَھٰذِہِ الْبَلَادِ یعنی جہاد کی وجوہ اس زمانہ اور اس ملک میں نہیں پائی جاتیں۔اگر آپ منسوخی جہاد کے قائل ہوتے تو جہاد کی وجوہ کے پائے جانے یا نہ پایا جانے کے کیا معنی؟ آپ نے صرف اس قدر فرمایا کہ اس ملک ہندوستان میں اور ان حالات میں جو آپ کے سامنے ہیں،تلوار کے جہاد کی وجوہ نہیں پائی جاتیں۔اس لیے ان حالات میں۔اور اس ملک میں حکومت وقت کے خلاف، جو غیر مسلم ہے،تلوار اٹھانا جائز نہیں۔یہ وہ بات ہے جو آپ نے آج سے تیس سال پیشتر کہی اور اس ہندوستان کے تمام مسلمان علماء بھی اس بات کے قائل ہیں۔اگرچہ یہ بات انہوں نے مجدد وقت سے لینے کے بجائے ملک کے غیر مسلم سیاسی لیڈر گاندھی جی سے لی ہو اور سیاسی تحریک پر بڑے بڑے علماء نے صاف لکھ دیا کہ اس ملک میں اور ان حالات میں حکومت وقت کے خلاف تلوار اٹھانا جائز نہیں۔اور اس لیے عدم تعاون کا راستہ اختیار کیا۔اس سے بڑھ کر حضرت مرزا صاحب کا

کوئی فتویٰ نہ تھا۔ اگر دوسرے ملکوں میں دشمنان اسلام مسلمان قوم پر تلوار اٹھائیں تو بروئے قرآن ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مدافعت میں جنگ کریں۔ جیسے غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے یونانیوں کے خلاف کی۔ غرض جہاد کی منسوخی کا اعلان، جو حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کے نیچے حقیقت اس قدر ہے کہ آپ نے اس غلط خیال کو منسوخ کیا کہ دین اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلایا تلوار کے ذریعہ سے پھیلایا جا سکتا ہے۔ اور قرآنی حکم تا قیامت قائم ہے اور قائم رہے گا۔

ایک اور اعتراض مرزا صاحب پر یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے سلطنت انگریزی کی تعریف کی ہے اور اس کے ساتھ وفاداری کی تعلیم دی ہے۔ یہ ایک امر واقع ہے کہ انگریزی سلطنت کے آنے سے پیشتر اس ملک میں بد امنی کی حالت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اور فتنہ وفساد نے ہر قسم کی دماغی اور ذہنی ترقیوں کو روکا ہوا تھا۔ اور اگر وہی حالت رہتی تو اسلام کا نام ونشان اس ملک سے مٹ جاتا۔ اس وقت محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک پُر امن حکومت قائم ہوئی، جس نے تعلیم کے ساتھ قوم کے اندر کم وبیش بیداری اور احساس پیدا کیا اور ملک میں امن وامان کے ساتھ مذہبی آزادی کو قائم کیا۔ انہی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مرزا صاحب نے بھی انگریزی حکومت کی تعریف کی اور سرسید احمد خاں نے بھی۔ اور بلا شبہ اپنے بہت سے کاموں کے لحاظ سے یہ حکومت قابل تعریف ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ یہ ایک اجنبی حکومت ہے۔ ملک کی اپنی حکومت نہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس میں نقص ہیں۔ لیکن اس وجہ پر ان اچھی باتوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا جو اس میں تھیں یا ہیں۔ یہ تعریف خوشامد نہ تھی۔ حضرت مرزا صاحب نے حکومت کو اچھا کہہ کر کوئی خطاب حاصل نہیں کیا۔ کوئی زمین حاصل نہیں کی۔ اپنے لیے یا اپنی اولاد کے لیے کوئی مرتبہ حاصل نہیں کیا۔ اپنی کھوئی ہوئی جاگیر بھی واپس نہیں لی۔ پس یہ تعریف کسی خود غرضی سے نہ تھی جو قابل ملامت ہو۔ بلکہ یہ اس قسم کی تعریف ہے جیسے نبی کریم ﷺ نے حبش کی عیسائی حکومت کی تعریف کی۔ اس لیے کہ اس کے نیچے مسلمانوں کو امن ملا۔ رہی وفاداری کی تعلیم۔ سو یہ کوئی حکومت انگریزی سے خاص نہیں بلکہ آپ نے یہی تعلیم ہر ایک حکومت کے متعلق دی ہے۔ یعنی مسلمانوں کو یہی نصیحت کی ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہو، وفاداری کے ساتھ رہو، خواہ وہ حکومت غیر مسلم ہندوؤں کی ہو یا کنفیوشس یا بدھ کے پیرووں کی یا حضرت عیسیٰؑ کے پیرووں کی اور خواہ وہ حکومت اسلامی ہو۔ غداری اور اخلاق فاضلہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

جب مصلحت الٰہی نے مسلمانوں سے حکومت لے کر ایک غیر مسلم قوم کے سپرد اس حکومت کو کیا ہے یا کسی ملک میں مسلمانوں کی تعداد اس قدر کم ہے کہ انہیں بہر حال وہاں محکوم کی حالت میں رہنا ہے۔ جیسے مثلاً چین یا جاپان یا ہندوستان، تو کیا حکومت وقت کے ساتھ وفادارانہ طریق پر انہیں رہنا چاہئیے یا غداری کے ساتھ۔ اگر کل کو اس ملک میں بھی سوراج قائم ہو جائے تو بیشتر صوبوں میں حکومت غیر مسلم ہی ہوگی۔ کیونکہ حکومت آج جمہوریت کے زمانہ میں کثرت رائے کا نام ہے۔ اور کثرت رائے اکثر صوبوں میں غیر مسلموں کی ہے۔ تو کیا کوئی سمجھ دار مسلمان ہے جو یہ کہے گا کہ ہم کو غیر مسلم حکومت کے ساتھ وفاداری نہ برتنی چاہئیے۔ اگر یہی بات حضرت مرزا صاحب نے اُن لوگوں کے متعلق کہہ دی، جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے: وَلَتَجِدَنَّ اَقۡرَبَهُمۡ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰى (82:5) تو یہ فعل قابل اعتراض نہیں بلکہ بالکل بجا ہے۔ اور آج بھی مسلمانوں کو اسی کا تتبع کرنا ہوگا۔ ورنہ سوراج کی تمام کوششیں بے سود محض ہیں۔ اور مسلمان قوم کو یہ دھوکا دینا ہے کہ انہیں کہا جائے کہ حکومت انگریزی کے اٹھ جانے سے اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ یقیناً اس وقت تک اس ملک میں غیر مسلم حکومت رہے گی جب تک کہ مسلمان اشاعت اسلام پر پورا زور صرف کر کے اپنی تعداد کو اس قدر نہیں بڑھاتے کہ کثرت اُن کی ہو جائے۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے پیروؤں کو ملکی سیاست میں حصہ لینے سے روکا ہے۔ یہ بھی درست ہے۔ حضرت مرزا صاحب کو جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے کھڑا کیا وہ یہ تھا کہ وہ دنیا میں اشاعت اسلام کریں۔ اب جو جماعت آپ کے ساتھ ہوگی اس کا فرض یہ ہوگا کہ ہر قسم کی ملکی تحریکات اور دیگر شورشوں سے اجتناب کر کے اپنے مقصد واحد اشاعت اسلام کو مدنظر رکھیں اور اسی پر اپنا سارا زور صرف کریں۔ ایک دور اندیش لیڈر کی طرح حضرت مرزا صاحب اس بات کو جانتے تھے کہ ملکی تحریکات نہ صرف قوم کو بعض وقت خطرناک غلط راہوں پر ڈال دیتی ہیں۔ جیسے انارکی کا قائم کر دینا یا بغاوت کا خیال غالب کر دینا، بلکہ ملکی شورش کے اندر بوجہ اس کے قریبی فوائد کے اس قدر زبردست کشش ہوتی ہے کہ لوگ خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنے پیروؤں کے اندر جو قربانی کا مادہ پیدا کیا جس کا نتیجہ آج کھلے طور پر یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت کس نظام اور کس قدر قربانی سے عظیم الشان کاموں کو سرانجام دے رہی ہے۔ اگر

اس کے ساتھ ہی آپ نے دوراندیشی سے کام لے کر ملکی شورشوں میں حصہ لینے سے اس جماعت کو نہ روک دیا ہوتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ اس جماعت کی ساری قربانیوں کا رخ ملکی شورش کی طرف ہو گیا ہوتا۔ اور یہی لوگ بوجہ اس قربانی کی روح کے، جو ان کے اندر حضرت مجدد کے جذبہ نے پیدا کی تھی، ملکی تحریکات میں سب سے آگے ہوتے۔ مگر پھر اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ یہی کہ اشاعت اسلام کی تحریک بالکل رک جاتی۔ پس چونکہ آپ کی غرض یہ تھی کہ یہ چند لوگ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہر ملک میں نکل جائیں اور اشاعت اسلام کو اپنا واحد نصب العین رکھیں، اس لیے آپ نے اپنی جماعت کو ملکی شورشوں میں حصہ لینے سے روک دیا۔ اور یہ تعلیم دی کہ جس ملک میں جاؤ تم اپنے اشاعتِ اسلام کے کام سے مطلب رکھو۔ اور دیگر ملکی تحریکات کا کام اور لوگوں کو کرنے دو۔ یہ تو صرف تقسیم کار کا صحیح اصول ہے۔ ایک ہی جماعت سب کام نہیں کر سکتی۔ قرآن کریم نے بھی یونہی حکم دیا ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (104:3) ایک جماعت تم میں ایسی ہو جن کا کام ہی دعوت الی الخیر یعنی دعوت الی الاسلام ہو۔ اور جو اچھی باتوں کے کرنے کا حکم دیں اور بری باتوں سے لوگوں کو روکیں۔ یہی جماعت حضرت مجدد نے بنائی۔ جب اس کی سخت ترین ضرورت تھی اور جب مسلمانوں کی کامیابی کا اصلی راز ہی اشاعت اسلام میں مضمر تھا۔ اور اس جماعت کو یہ حکم دیا کہ ملکوں میں نکل جاؤ اور اسلام کا جھنڈا جگہ جگہ لگاتے جاؤ۔ اشاعت اسلام سے کام رکھو۔ حکومت ملک کی وفاداری کرو اور ملکی شورشوں سے علیحدہ رہو۔ تاکہ تمہارے اصل کام کو نقصان نہ پہنچے۔ خود حضرت مرزا صاحب ہر ایک ملکی تحریک کو بُرا نہ کہتے تھے نہ برا سمجھتے تھے بلکہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسلمانوں کو عام طور پر یہی نصیحت کی کہ وہ بھی کانگرس کے نظام ملکی میں شامل ہو کر اپنے حقوق کو حکومت ملک سے طلب کریں۔ نہ ہی آپ کے پیرو ہر قسم کی ملکی تحریکات کو برا سمجھتے ہیں۔ خود محض اپنے اشاعت اسلام کے کام کو مدنظر رکھتے ہوئے ان تحریکات سے عموماً الگ رہتے ہیں تاکہ قوم کی ہمت پست خیالات سے بیکار نہ ہو جائے۔

ہمارے متعلق یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہم افغانستان کی اسلامی حکومت کے بدخواہ ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہاں تین احمدیوں کو سنگسار کیا گیا ہے۔ بلاشبہ ہم نے اس امر کے خلاف آواز اٹھائی ہے کہ حکومت افغانستان نے جاہل ملاؤں کے اثر کے نیچے ایسی بے رحمی کا ارتکاب کیا کہ مسلمانوں کو محض چند فروعی امور میں اختلاف کی وجہ

سے قتل کیا۔اوراس آواز کے اٹھانے میں ہم اکیلےنہیں بلکہ ملک ہندوستان کا بیشتر فہمیدہ اور تعلیم یافتہ حصہ ہمارے ساتھ ہے۔محض اس آواز کے اٹھانے کی وجہ سے نہ وہ لوگ حکومت افغانستان کے بدخواہ بن گئے ہیں اور نہ ہم بدخواہ ہیں۔ بلکہ ایسی آواز کا اٹھانا بھی محض حکومت افغانستان کی خیرخواہی کے لیے ہے۔کیونکہ اس حکومت کے اس فعل سے صرف افغانستان ہی آج دنیا میں بدنام نہیں ہوا بلکہ اسلام بھی بدنام ہوا ہے۔مذہب کی وجہ سے قتل کرنا یا ایذا دینا نہ صرف اسلام ہی نے منع کیا ہے بلکہ آج مہذب دنیا بھی اس کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔اس لئے اس بات کو حکومت افغانستان کے نوٹس میں لانے سے ہمارا منشا صرف اسی قدر ہے کہ وہ اس غلطی کی آئندہ کے لئے اصلاح کر لے، ورنہ حاشا وکلا ہمارے دلوں میں ایک اسلامی حکومت کی بدخواہی کا خیال ہو! جب ہم غیر اسلامی حکومت سے وفاداری کو بھی ضروری سمجھتے ہیں تو ایک اسلامی حکومت سے اس سے بھی بڑھ کر وفاداری ہمارے نزدیک ضروری ہے۔ بلکہ ایک اسلامی سلطنت کا ہم پر ایک اور حق اخوت اسلامی کا بھی ہے۔ وہ بھی مسلمان ہیں اور ہم بھی مسلمان ہیں۔جس طرح ہر ایک مسلمان کی خیرخواہی دوسرے مسلمان کو مدنظر ہونی چاہئیے، اسی طرح ادنیٰ سے ادنیٰ اسلامی سلطنتوں کی جملہ مسلمانان عالم کے مدنظر ہونی چاہئیے۔مسلمانوں کی سلطنت اسلام کی قوت اور شوکت کا نشان ہے۔اور تھوڑے سے شوکت اسلامی کے نشانوں میں جو باقی رہ گئے ہیں، کسی قسم کی کمزوری کا واقعہ ہونا اسلام کے لیے مصیبت عظمیٰ ہے۔اور وہ شخص خود اسلام کا غدار اور خائن ہے (اور سب غداریوں اور خیانتوں سے بڑھ کر مسلمانوں کے لیے اسلام کی غداری اور خیانت ہے) جو اسلامی سلطنتوں کا بدخواہ ہو کر خود اسلام کے لیے مصیبت لانے میں معاون ہو۔ بلاشبہ اسلامی سلطنتوں کے استحکام اور مضبوطی میں اسلام اور مسلمانوں کی عزت ہے۔اور جو شخص اسلام اور مسلمانوں کی عزت نہیں چاہتا وہ مسلمان کیسا؟

اور سب سے بڑھ کر ہمارے اشاعت اسلام کے کام کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی سلطنتوں کا استحکام ہو۔کیونکہ ان کے استحکام سے اشاعت اسلام کے کام میں ہمیں بڑی بھاری تقویت پہنچتی ہے۔ ہمارا کام درحقیقت ان اسلامی سلطنتوں کا کام ہے۔ہم ایک غریب قوم کی قربانیوں سے اس کام کو سخت مشکلات کے ساتھ بہت آہستہ آہستہ چلا رہے ہیں۔اس کی قوت کے سامانوں میں سے یہی سامان ہوگا کہ اسلامی سلطنتیں اس کام کو ہاتھ میں لیں یا کام کرنے والوں کی قوت کا موجب بنیں۔دولت خدادادا افغانستان بھی اسلام کی شوکت کا ایک عظیم الشان نشان

ہے۔اور اگر ہم اس کے خلاف کسی قسم کا منصوبہ دل میں لائیں تو یہ صرف ایک کمینی حرکت ہی نہیں بلکہ خود اسلام سے دشمنی کا فعل ہے۔اور یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جب ہم غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ بھی یہ سلوک روا نہیں رکھتے تو ایک اسلامی سلطنت کے متعلق ایسا پاجی پن کا خیال دل میں لائیں اور اس کے دشمن بن کر خود اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دشمنی کریں جس کی عزت کو دنیا میں بلند کرنا۔جس کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانا ہماری زندگیوں کا اصلی مقصد ہے۔کیا یہ کسی شخص کے وہم میں آسکتا ہے کہ وہ لوگ جن کے سینے اس درد سے بھرے ہوئے ہوں کہ وہ غیر مسلموں کو مسلمان دیکھیں،جن کی شب وروز یہ کوشش ہو کہ غیر اسلامی ملک میں اسلام کا جھنڈا لہرائے اور ہر شہر میں اللہ اکبر کی صدا بلند ہو اور وہاں کے حکام مسلمان ہو جائیں جو خود اس سلطنت انگریزی کو جس کا اس وقت ہندوستان پر تسلط ہے ایک اسلامی سلطنت بنا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے اس مقصد کے حصول کے لیے اپنے مالوں کو پانی کی طرح بہا دیا ہو جو اس پیغام کو لے کر دنیا کے ہر ایک ملک میں پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں اور اپنے گھر بار، اہل وعیال کو چھوڑ کر اس خدمت اسلامی میں مصروف ہوں اور کئی عیسائی ممالک میں اسلام کا پیغام پہنچا چکے ہوں اور بڑے بڑے عظیم الشان ارکان قوم کو داخل اسلام کر چکے ہوں،اور وہاں مسجدیں بنوا رہے ہوں،کیا ایسے لوگ جو غیر مسلم حکومتوں کو بھی مسلم دیکھنا چاہتے ہیں کسی حکومت اسلامی کے خلاف منصوبہ دل میں لا سکتے ہیں؟ چہ جائیکہ دولت خدادادِ افغانستان کی بدخواہی کا خیال دل میں لائیں جو اسلام کی شوکت کا ایک عظیم الشان نشان ہے۔اور اگر کوئی شخص احمدی کہلا کر ایسا کرتا ہے تو وہ ایک دنیوی حکومت ہی نہیں بلکہ خود اسلام کا غدار اور خائن ہے۔اور وہ شاید کسی خود غرضی کے لیے ایسا کام کرتا ہو۔ورنہ ہماری جماعت کا یہ رویہ ہرگز نہیں۔ہم اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر یہ شہادت ادا کرتے ہیں کہ جہاں ہم یہ تڑپ اپنے سینوں میں رکھتے ہیں کہ سب ملکوں میں اسلام پھیل جائے اور اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی اسلامی ممالک کے استحکام اور ترقی کے لئے اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کے لیے بھی دعائیں کرتے ہیں،اس کے بعد بھی جو شخص ہم پر یہ الزام دیتا ہے کہ ہم حکومت افغانستان کے بدخواہ ہیں یا اس کے خلاف کسی قسم کا منصوبہ ہمارے سامنے ہے، وہ عِنۡدَ اللّٰہِ وَعِنۡدَ النَّاسِ جوابدہ ہے۔ہاں میں یہ جانتا ہوں کہ بعض شریر لوگ محض شرارت کے طور پر اس بات کو پھیلا رہے ہیں۔لیکن حق مخفی نہیں رہ سکتا۔جرمنی میں ہمارے تبلیغ اسلام

کے کام کو روکنے کے لئے بعض مفسدوں نے اسی ہتھیار سے کام لیا۔ مگر آخر اللہ تعالیٰ نے ان وساوس کا ازالہ کر دیا۔ اب ہندوستان میں یہ بات پھیلائی جاتی ہے اور وہ خدا جو ہماری نیتوں کو جانتا ہے، وہی اس کا ازالہ بھی کر دے گا ہاں! ہم اپنے ان بھائیوں کو بھی، جو افغانستان میں رہتے ہیں، حالات موجودہ میں یہی مشورہ دیتے ہیں کہ وہ نہ صرف حکومت ملک سے پوری وفاداری برتیں بلکہ ایسے افعال سے بھی اجتناب کریں جن سے عوام الناس میں ایک شورش پیدا ہو کر حکومت وقت کے لیے مشکلات پیدا ہوتی ہوں۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

مسیحیت کے لئے ایک نئی راہ

لنڈن کے اخبار آبزرور میں ڈاکٹر زویمر کا ایک مکالمہ شائع ہوا ہے۔ جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسلامی دنیا کی سیاسی اہمیت جاتے رہنے کے بعد اب مسلمانوں کے ذہنی اور روحانی قویٰ باقی رہ گئے ہیں۔ جن پر مسیحیت کو حملہ آور ہونا چاہئیے اور اقتصادی و صنعتی تعلیم کے اندر انہیں اس قدر محو کر دینا چاہئیے کہ اسلام کی طرف سے وہ بالکل غافل ہو جائیں۔ اور اس کا کوئی اثر ان کے قلب پر باقی نہ رہ جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی روز افزوں ترقی نے ڈاکٹر زویمر کے دماغ کو اس قدر پریشان کر دیا ہے کہ مقابلہ کے لیے انہیں اب کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ اقتصادی و صنعتی تعلیم میں منہمک ہونے سے کیا اسلام کا نشان مٹ جائے گا؟ ہمارے خیال میں دشمن کے ذریعہ سے خدا نے اسلام کی درخشانی اور تابندگی کی یہ ایک راہ نکالی ہے۔ اقتصادی اور صنعتی تعلیم حاصل کر کے اسلام سے کوئی شخص روگرداں نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے دل میں اسلام کا نور زیادہ تیزی کے ساتھ چمکے گا۔ اور مسلمانوں کا جس قدر انہماک اس تعلیم کے اندر ہوگا، اسی قدر ان کے قوائے روحانی کو ترقی حاصل ہوگی۔ آج یورپ کے صناعوں اور ماہرین اقتصادیات کو دیکھ لو۔ کیا وہ مسیحیت کی طرف زیادہ راغب ہیں یا عملی طور پر اسلام کے اوپر کاربند ہیں۔ اور جوں جوں انہیں اس پاک مذہب کا علم ہوتا ہے۔ اس کے معتقد ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اس لئے ہم دلی شوق کے ساتھ منتظر ہیں کہ ڈاکٹر زویمر مسلمانوں کو اقتصادی و صنعتی تعلیم دلانے کے سامان پیدا کریں اور جوق در جوق مسلمان ان کی اس تحریک کو کامیاب بنانے میں کوشاں ہوں۔ تاکہ اس ذریعہ سے مسیحیت کو غلبہ دینے کی حسرت ان کے دل میں باقی نہ رہ جائے۔

ایک ضروری تجویز

ذیل کا خط حضرت امیر ایدہ اللہ کی خدمت میں موصول ہوا ہے۔ جو دیگر احباب کی توجہ کے قابل ہے امید ہے کہ ہمارے قارئین کرام اس کے متعلق اپنی اپنی رائے کا اظہار فرمائیں گے۔

جناب قبلہ مولوی صاحب دام ظلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ہمارے جماعتی آرگن یعنی ''پیغام صلح'' میں عموماً دو طرح کے مضامین نکلتے ہیں۔ ایک تو جماعت و قوم کو ابھارنے کے لئے ہوتے ہیں۔ تاکہ ہماری قوم زیادہ مستعدی اور جوش سے کام کرے۔ دوسرے غیر مذاہب کے لوگوں کے اسلام کے متعلق اعتراضات کے جواب ہوتے ہیں۔ اس دوسری قسم کے مضامین کے متعلق ایک عرض ہے، جو حضور میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔

یہ مضامین ہمیشہ کے لئے ہمارے پاس محفوظ نہیں رہتے۔ اور نہ ہی غیر از جماعت لوگ اور دیگر مذاہب کے لوگ خاطر خواہ فائدہ ان سے اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ مضامین یا تو ''پیغام صلح'' میں چھپ کر یا ٹریکٹ کی شکل میں شائع ہو کر وقتی ضرورت کو تو رفع کر سکتے ہیں مگر آنے والی نسلیں آپ لوگوں کے ان قیمتی جواہر ریزوں سے فائدہ اٹھا نہیں سکتیں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر یہ تمام مضامین جو ''پیغام صلح''، ''لائٹ''، ''اشاعت اسلام'' اور دیگر احمدی اخباروں میں چھپتے ہیں، کم از کم سال میں ایک دفعہ کتابی شکل میں شائع کر دئے جایا کریں۔ اور ''پیغام صلح'' میں اشتہار دے کر ان تمام حضرات کے نام رجسٹر کر لئے جائیں جو اس کتاب کو خریدنا چاہیں۔ اگر ہم صرف وہ مضامین ہی اس کتاب میں شائع کریں جو خالص اسلام کے متعلق ہوں اور کسی فرقہ کی حمایت میں نہ ہوں، تو امید ہے کہ غیر از جماعت حضرات بھی خریدار بن سکیں گے۔ اس طرح ہماری آنے والی نسلیں آپ کے قیمتی خیالات سے، جو آپ نے حضرت مرزا صاحب کی صحبت میں رہ کر سیکھے ہیں، فائدہ اٹھا سکیں گی۔ کیونکہ عموماً دیکھا جاتا ہے۔ لوگ

اخباروں اور ٹریکٹوں کو پڑھ کر ضائع کر دیتے ہیں۔اس سے بیشک چند ایک مشکلات پیش آئیں گی۔ پہلے مالی مشکل ہوگی۔اس کے لئے عرض ہے کہ خریدار اپنا نام رجسٹر کراتے وقت دو چار روپیہ پیشگی دے دیں تا کہ کتاب چھپوانے میں آسانی ہو سکے اور انجمن پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

دوسری مشکل یہ ہوگی کہ ہمیں پتہ نہیں کہ کتاب کتنی بڑی ہوگی۔اس کے لیے عرض ہے کہ پہلی دفعہ کتاب کے حجم کو ذہن میں رکھ لیا جائے اور اتنی ہی بڑی کتاب لکھی جائے۔ جو مضامین رہ جائیں ان کو ضمیمہ کے طور پر چھاپ کر خریداروں سے قیمت وصول کی جائے۔ یا اگلے سال کی کتاب میں وہ مضامین رکھ لیے جائیں یا پچھلے سالوں میں سے کسی ایک سال کے رسالہ جات اور اخبارات کو سامنے رکھ کر صحیح اندازہ لگایا جائے کہ کتنی بڑی کتاب ہوگی۔ اور اسی حساب سے اس کی قیمت رکھ لی جائے۔ دیگر کتاب میں مضامین کو ترتیب دے کر رکھا جائے۔ جو ایک خاص مذہب کے متعلق ایک خاص عقیدہ کے متعلق ہوں۔تا کہ فہرست کو دیکھ کر فوراً مضامین دیکھ لئے جائیں۔یعنی پہلے خاص ہندو دھرم کے مضامین رکھیں۔انہیں بھی ترتیب دیویں کہ یہاں تناسخ شروع ہوتا ہے اور یہاں مادہ کی بحث شروع ہوتی ہے۔ پھر عیسائی مذہب کو لیا جائے۔اور ان میں بھی ترتیب ہو کہ یہاں سے مسیحؑ کی خدائی پر بحث ہے۔اور سب مضامین جو اس موضوع پر ہوں اکٹھے رکھے جائیں۔خیال ہے کہ بہتوں کو فائدہ ہوگا۔آگے جو آپ کی اور قوم کی مرضی ہو۔ میں نے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہے۔اگر ہو سکے تو پیغام صلح میں قوم سے آراء لے لیں۔والسلام۔

نیازمند

محمد الدین احمدی

ایک نیک تحریک

مکرم جناب محمد حسین موسیٰ خان صاحب افسر خزانہ ریاست خیر پور حضرت امیر کی خدمت میں لکھتے ہیں:

اخبارات سے جناب کو معلوم ہوتا ہوگا کہ اہل ریف پر آج کل یورپ کی دو زبردست سلطنتوں کا حملہ

ہے۔سپین کو تو خدا کے فضل سے انہوں نے شکستیں دے کر کمزور کر دیا۔مگر اب فرانس ان کی مدد کو کھڑا ہوا ہے۔ تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ فرانس نے اب اہل ریف کو کچل ڈالنے کا تہیہ کیا ہے۔30 ٹینک میدان جنگ میں لائے ہیں۔قریب دو سال سے سپین کے ساتھ اہل ریف برسر پیکار ہیں۔اس عرصہ میں خدا جانے کس قدر جانیں تلف ہوئی ہوں گی۔اور کتنے زخمی اور بے خانماں ہوئے ہوں گے۔باہر سے امداد پہنچنے کے ذرائع سب بند ہو گئے ہیں۔ہوا، خشکی، تری سب پر اہل یورپ کا قبضہ ہے۔یہاں تک اہل یورپ کا انتظام ہے کہ اناج بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔جب یہ صورت ہے کہ کسی قسم کی امداد اہل ریف کو باہر سے نہیں پہنچ سکتی تو اس صورت میں مدد کی فقط ایک راہ ہے۔یعنی دعا۔مگر افسوس! کہ اس پر موجودہ مسلمانوں کا پورا اعتقاد نہیں۔اب جبکہ ہماری آنکھوں کے سامنے بیچارے اور مظلوم اہل ریف جو کہ مسلمان ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت ہیں تو اس حالت میں دوسرے مسلمانوں کو خاموش رہنا اور ان کی تباہی کا تماشا دیکھنا سخت سنگدلی اور بے جمعیتی ہے۔خدا اور رسول کو ہم مسلمان کیا منہ دکھائیں گے، اگر دعا سے بھی ان کی مدد نہ کریں۔حالانکہ اس میں مسلمانوں کا کوئی حرج نہیں اور نہ خرچ ہے۔اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان بمبئی اور کلکتہ جوش میں آ کر فرانس کے تجارتی سامان کے بائیکاٹ کا ریزولیوشن پاس کر رہے ہیں۔خیر یہ بھی درست۔مگر دعاؤں کے لیے اب تک کہیں سے تحریک سننے میں نہیں آئی۔اس لیے بذریعہ اس عریضہ کے ملتمس ہوں کہ بہ حیثیت امیر قوم کل احمدی قوم کو، جس کا تعلق آپ سے ہے، چند ہدایات فرمائیں کہ اہل ریف پر یہ نازک وقت ہے اور دو زبردست طاقتوں کے درمیان ریف کچلا جا رہا ہے۔اس لیے لازمی ہے کہ ہر فرد احمدی ریف کی نجات اور فتوحات کے لئے خاص طرح بڑے خلوص سے نمازوں میں دعائیں مانگیں اور ہر نماز باجماعت میں ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر محلّہ میں ہر روز بلا ناغہ دعائیں مانگیں، مگر بڑے درد دل سے۔اگر اہل ریف کی حالت زار اور بالمقابل دشمن کی زبردست طاقت کا نقشہ کھینچا جائے تو امید ہے کہ ہر احمدی کا دل اس مظلوم اور عاجز قوم کے لئے جو اپنی آزادی کے لیے سر سے ہاتھ اٹھا کر لڑ رہے ہیں، پگھل جائے گا اور خود کو بھول کر اس امت محمدیہ کے لیے درد دل سے دعائیں مانگے گا۔حضور تو احمدیوں کی جماعت کو اس مبارک کام پر آمادہ فرمائیں اور تاکید کریں تاوقتیکہ مقصد حاصل نہ ہو، دعاؤں کا سلسلہ باجماعت اور فرداً فرداً ہر روز جاری رکھیں۔اللہ تعالیٰ بہ طفیل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور دعاؤں کی برکت سے دشمن کو تباہ کر دے گا۔خواہ زلزلوں سے، خواہ طوفانوں سے جیسا کہ ذات باری تعالیٰ کو منظور ہو۔قریب دو ہفتوں سے خیال تھا کہ جناب کی توجہ کو اس طرف

مبذول کراؤں مگر اب جبکہ اہل ریف پر زبردست حملہ کا انتظام ہو رہا ہے، اب زیادہ خاموشی گناہ سمجھ کر یہ عرضداشت پیش کرتا ہوں۔ امید کہ احمدیوں کی جماعت کو دعاؤں کی طرف مائل دیکھ کر دوسرے مسلمان بھی اس طرف رجوع کریں گے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے اس پر یہ الفاظ لکھے ہیں:

''بڑی نیک تحریک ہے۔ یہ خط اخبار میں شائع کر دیں تاکہ سب احباب اہل ریف کی نصرت کے لیے درددل سے دعا کریں۔''

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے آریوں کا مناظرہ

دلت اوہار کانفرنس دینانگر کے سیکرٹری نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو مناظرہ کا چیلنج دیا جسے منظور کرنے کے بعد انجمن نے خاکسار کو مناظرے کے لیے مامور فرمایا۔ خاکسار 24 جولائی 1925ء کو اخویم چوہدری سلطان علی صاحب کے ہمراہ دینانگر پہنچا اور سیکرٹری صاحب دلت اوہار کانفرنس سے مل کر شرائط مناظرہ طے کیں۔ شرائط نامہ میں طے ہو چکا تھا کہ 26 جولائی 1925ء کو ساڑھے چار بجے سے ساڑھے سات بجے تک قرآن پاک اور ویدوں کے الہامی ہونے پر مناظرہ ہوگا۔ ڈیڑھ گھنٹے تک ویدوں کے غیر الہامی ہونے پر گفتگو ہو گی۔ خاکسار ویدوں کا غیر الہامی ہونا ثابت کرے گا اور آریہ مناظر تردید کرے گا۔ سوال و جواب کے لئے دس دس منٹ وقت دیا جائے گا۔ اس طرح ڈیڑھ گھنٹہ تک قرآن مجید پر گفتگو ہوگی۔ فریقین نہ تو تہذیب سے باہر ہوں گے اور نہ قرآن پاک اور وید نہ کتب لغت اور قواعد کے سوا کوئی کتاب ہی پیش کریں گے۔ اور چونکہ امن و امان کی ذمہ دار دلت اوہار کانفرنس ہوگی اس لئے صدر بھی کانفرنس ہی انتخاب کرے گی۔

ان شرائط کے ماتحت 26 جولائی 1925ء کو ٹھیک ساڑھے چار بجے زیر صدارت لالہ اچھرو رام وکیل پٹھانکوٹ مناظرہ شروع ہوا۔ وقت مقررہ سے پیشتر لوگوں کا اس قدر ہجوم ہو گیا تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ خاکسار نے شرائط کے بموجب حمد و نعت کے بعد وید کے غیر الہامی ہونے پر ویدوں ہی سے دس دلیلیں پیش کیں۔ پنڈت کالی چرن جواب کے لئے اٹھے مگر جواب دینا تو ایک طرف رہا کسی ایک دلیل کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ خاکسار نے پھر انہی دلیلوں کا اعادہ کر کے پانچ اور دلیلوں کا اضافہ کر دیا۔ مگر پنڈت جی پھر دُم دبا گئے۔ تیسری دفعہ پانچ اور

بڑھا کر بیس کر دی گئیں۔ اب تو پنڈت جی کی زبان بھی لڑکھڑا گئی اور شرائط بھی بھول گئے۔ سوامی دیانند کا بھاش ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگے۔ خاکسار نے صدر کو توجہ دلائی کہ شرائط کے بموجب بھاش نہیں پیش کیا جا سکتا، وید منتر پیش کئے جائیں۔ سوامی جی کا بھاش آریوں کے نزدیک مسلم ہوگا میرے نزدیک نہیں۔ سوامی جی نے وید منتروں کا ترجمہ ہی غلط کیا ہے۔ غلط ترجمہ پیش کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مناظر صاحب اپنے خیال کی تائید میں وید منتر پڑھیں اور خود ترجمہ کریں اور بصورت اعتراض لغت سے ثابت کریں۔ صدر نے پوچھا آپ کو درمیان میں بولنے کا کیا حق ہے۔ میں نے کہا خلاف ورزی شرائط کی صورت میں آپ کا چپ رہنا اور مناظر کو نہ روکنا، اس بات کی دلیل تھی کہ آپ اپنے فرائض بھول گئے۔ اس لیے آپ کو یاد دہانی کرائی گئی۔ اور چونکہ میری طرف سے کوئی پریذیڈنٹ نہیں، اس لیے خود ہی تمام فرائض کو انجام دے رہا ہوں۔ مناظر بھی ہوں، پریذیڈنٹ بھی ہوں، زمین بھی ہوں آسمان بھی، شمال بھی ہوں جنوب بھی، مشرق بھی ہوں مغرب بھی۔ آپ مجھے روکنے کا کیا حق رکھتے ہیں؟ مہربانی فرما کر اپنے مناظر سے شرائط کی پابندی کرائیں۔ اس پر مناظر صاحب کو بادلِ ناخواستہ سوامی جی کا وید بھاش بند کرنا پڑا۔ اگر مناظر صاحب سنسکرت لکھے پڑھے ہوتے تو لغت کی کتابوں کا سہارا لے کر اپنا بچاؤ کرتے۔ مگر بیچارے سنسکرت سے بالکل جاہل تھے۔ ہندی کتابیں کام نہیں دیتی تھیں۔ مجبوراً اپنی شدوں کی طرف بھاگے اور اپنی شدوں کے حوالہ جات سے کام لینے لگے۔ میں نے پھر روکا کہ شرائط کے رو سے اپنشدیں نہیں پیش ہوسکتیں۔ لاچار انہیں بھی بند کرنا پڑا اور عرقِ ندامت میں تر ہو کر بیٹھ گئے۔ میں نے اپنے وقت میں پھر انہی دلیلوں کا اعادہ کر دیا۔ اب کی دفعہ پنڈت جی کی حالت دگرگوں تھی۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اور تو کچھ نہ ہو سکا اسلامی شریعت پر اعتراض کر دیا۔ اور دلائل کے متعلق صرف اتنا کہا کہ کسی آریہ مہاشہ کا ترجمہ پیش کریں تو ہم جانیں ورنہ خود ساختہ ترجمہ ہمارے لئے حجت نہیں۔ اس پر خاکسار نے ویدک بہشت کا ایک دلچسپ مرقع کھینچ کر مہاشہ جی کے اعتراض کو رفع کیا اور اپنی سابقہ دلیلوں کو دہرایا اور بتلایا کہ پنڈت جی ایک دلیل کا بھی جواب نہیں دے سکے۔ اس وقت تک تمام دلیلیں جوں کی توں قائم ہیں۔ آج ویدوں کا غیر الہامی ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا۔ چونکہ پنڈت جی مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آریہ تراجم کو اپنے ترجمہ کے ثبوت میں پیش کروں، اس لئے صدر کو توجہ دلا کر پروفیسر راجا رام صاحب کا ترجمہ پیش کرتا ہوں اور نرکت کے حوالے بھی دیتا ہوں۔ چنانچہ ترجمہ پیش کیا گیا اور حوالے دیئے گئے۔ مباحثہ نہایت خوبی اور کامل امن وامان اور کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ اب

دوسرے مباحثہ کا آغاز نہ ہوا۔ چونکہ پنڈت کالی چرن پہلے مناظرے میں بہت بُری طرح گرے تھے۔ اور تمام حاضرین پر روشن ہو چکا تھا کہ پنڈت کامیاب نہیں ہوئے، اس لیے پریذیڈنٹ نے بجائے پنڈت کالی چرن کے دھرم بھکشو کو مناظرے کے لیے کھڑا کر دیا۔ اس پر خاکسار نے صدر جلسہ سے کہا کہ پنڈت کالی چرن جی مہاراج کیوں بیٹھ گئے؟ ہار گئے یا بیمار ہو گئے۔ پہلے ان کے بیٹھنے کی وجہ بتلائی جائے۔ پھر جسے چاہو کھڑا کر دو۔ کوئی مقام مضائقہ نہیں اور دھرم بھکشو مہاراج تو ابھی متھرا سے منہ کی کھا کر آئے ہیں۔ ''اخبار سیاست'' اتفاق سے اس وقت میرے پاس تھا۔ میں نے اسے دکھا کر کہا کہ یہ لو! اس میں ساری کیفیت پنڈت جی کی موجود ہے۔ صدر کچھ جواب دینے لگا تھا کہ ایک چالاک آریہ مہاشہ کھڑا ہو کر بولنے لگا۔ لوگوں نے اسے روکا۔ اس پر گڑبڑ سی پڑ گئی اور تُو تُو مَیں مَیں ہونے لگی۔ آریوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مناظرے کے بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ جان بچی لاکھوں پائے!

اس مناظرے کے سوال و جواب نہایت مفید اور دلچسپ ہیں۔ اس لیے ان کو تحریر کر کے اگلی اشاعت میں چھپنے کے لئے روانہ کر دوں گا۔ مناظرے سے فارغ ہو کر شیخ فضل الرحمٰن صاحب کے کہنے پر پٹھانکوٹ گیا، دو لیکچر وہاں ہوئے۔ پٹھانکوٹ سے گورداسپور آیا۔ چونکہ بہرام پور والے بڑی کثرت کے ساتھ دینا نگر کے مناظرے میں شریک تھے۔ اس لیے انہوں نے مجھے لانے کے لئے ایک تانگہ بھیج دیا۔ اور میں 28 جولائی 1925ء کو بہرام پور پہنچا۔ بہرام پور میں خاکسار کے چار لیکچر ہوئے اور ایک تقریر صرف مستورات میں ہوئی۔ الحمدللہ یہ تمام تقریریں ذوق وشوق کے ساتھ سنی گئیں۔ اور ان میں گردونواح کے دیہاتی آدمی بھی شریک ہوتے رہے۔ جمعہ بھی خاکسار ہی نے پڑھایا۔ یہ جمعہ بہرام پور سے باہر شاہی مسجد بہرام پور میں ادا کیا گیا۔ مسجد کے دونوں وسیع ہال آدمیوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ پورا مجمع بارہ ہزار سے کم نہ ہوگا۔ اس میں علماء بھی تھے اور وکلاء بھی۔ اولڈ فیشن بھی تھے اور نیو فیشن بھی۔ پہلے خاکسار نے خطبہ میں توحید و رسالت اور حقیقت الہام پر وعظ کیا۔ پھر نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگوں کی التجا پر پھر ایک گھنٹہ تک تقریر کی۔ الغرض بارش کی کثرت اور دیگر موانعات کے باوجود اہل بہرام پور نے نہایت شوق سے ہر کام میں حصہ لیا اور اپنے طریق عمل سے بتلا دیا کہ علماء زمانہ کی روش ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہے اور ہم اس سے بالکل الگ ہیں۔ اخویم چوہدری سلطان علی صاحب اور اخویم شیخ فضل

الرحمٰن صاحب نے انصرام مناظرہ میں خاکسار کو گرانقدر امدادی خاکسار ان کا مشکور وممنون ہے۔

خاکسار

محمد عصمت اللہ

9 اگست 1925ء

ڈاک حضرت امیر ایدہ اللہ

استفتاء

ٹرینیڈاڈ سے ایک شخص کے سوالات کے جواب میں حضرت امیر نے ذیل کا خط لکھا ہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اخویم مکرم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط اور منی آرڈر تیس روپیہ کچھ آنے پہنچ گئے ۔آپ کے آرڈر کی تعمیل دفتر سے انشاءاللہ ہو جائے گی اور آپ کو اطلاع مل جائے گی ۔

ایک شخص جو گناہ کرتا رہا ہو سچے دل سے توبہ کرے اور اپنی زندگی کی روش کو بدل لے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے ۔جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے: یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا(53:39) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر بڑی بڑی زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو ۔اللہ سب کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے ۔قرضدار ہونا حالات پر منحصر ہے ۔اگر ایک شخص مصیبت میں مبتلا ہے تو اس پر قرضہ ہونا معیوب نہیں ۔ ہاں اگر قرضہ لے کر اسراف کرتا ہے ۔روپیہ پاس ہے ۔دیتا نہیں تو یہ عیب کی بات ہے ۔

قرآن شریف میں جو آسمان کو سقف کہا ہے، تو یہ بلحاظ تشبیہ کے ہے ۔یعنی جس طرح ایک گھر ہوتا ہے ۔اس میں ایک چھت ہوتی ہے تو اس سے انسان آرام پاتا ہے اور وہ اس کی حفاظت کی موجب ہوتی ہے ۔اسی طرح آسمان بھی انسان کی حفاظت کا موجب ہے ۔اور دوسری جگہ آسمان کو بناء یعنی عمارت کہا ہے ۔یعنی یہ ایک بڑا انظام ہے ۔اور پھر اسے دخان کہا ہے ۔قرآن شریف کے سب موقعوں کو ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آسمان کو ٹھوس بیان نہیں کیا ۔اور سماء کا لفظ محض بارش کے لیے بھی آتا ہے اور بادل کے معنی میں بھی ۔تو پانی وغیرہ جو آسمان سے برستا ہے، اس سے انسان کی حفاظت بھی ہے ۔اور بھی انسان کی حفاظت کے بہت سے سامان اس

سے وابستہ ہیں۔ جیسے چانداور سورج کا ہونا۔ یہ نہ ہوں تو انسان کی زندگی نہ ہو۔ پس اس لحاظ سے آسمان یا اوپر کی چیزوں کو حفاظت کرنے والی کہا ہے۔

مہر تو عورت کو دینے کا حکم ہے۔قرآن شریف میں ہے۔لیکن یہ کچھ خراب رسم عام طور پر سب مما لک میں پڑ گئی ہے کہ مہر برائے نام رکھ لیتے ہیں جو خلاف قرآن شریف کے ہے۔مہر طاقت کے مطابق ہونا چاہئیے ۔ اور وہ عورت کو ادا ہونا چاہئیے ۔

20 ستمبر 1925ء

حضرت امیر کے قلم سے

ایک نومسلمہ کی اپیل مسلمان مستورات سے

ہماری ایک نومسلمہ بہن گرٹرو ڈویزے نامی برلن سے ایک خط لکھتی ہیں۔ جس میں وہ مسجد برلن کا ذکر کرتی ہوئی لکھتی ہیں:

''یہ ایک خوبصورت عمارت ہے مگر اس کی خوبصورتی تب ظاہر ہوسکتی ہے جب یہ مکمل ہو جائے ابھی تک میناروں پر گولگی ہوئی ہے۔ مسجد میں دروازے نہیں لگے۔ ساتھ کی زمین میں لمبی لمبی گھاس اُگی ہے۔ اندر کا کمرہ بھی عمارت کے تعمیراتی تختوں وغیرہ سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ مسجد مکمل ہوگئی ہے اور مینارے بھی۔ مینارے سنہری ہیں اور اس قدر چمکتے ہیں کہ ان پر نظر جم نہیں پاتی۔ اگر میں اردو زبان جانتی ہوتی تو اخبارات کے ذریعہ سے ہندوستان کی تمام شریف مسلمان مستورات سے اپیل کرتی کہ وہ مسجد کی تعمیر تکمیل کرنے میں حصہ لیں۔ عورتیں بچانا بھی جانتی ہیں اور سخاوت میں بھی ان کے ہاتھ کھلے ہوتے ہیں۔''

اس کے بعد وہ مجھے مخاطب کر کے لکھتی ہیں کہ میں ان کی طرف سے یہ اپیل ان کی مسلمان بہنوں کو پہنچا دوں۔ میں اس درد دل رکھنے والی نومسلم خاتون کی اپیل کو سب سے پہلے اپنی جماعت کی مستورات تک پہنچاتا ہوں۔ جو کچھ خاتون ویزے نے لکھا ہے وہی میرا تجربہ ہے کہ عورتوں کے دل اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بہت نرم ہوتے ہیں اور فیاضی میں ان کا ہاتھ بہت کھلا ہوتا ہے۔ برلن مسجد کے میناروں کی تعمیر محض ہماری احمدی خواتین کی ہمت کا نتیجہ ہے۔ اگر انہوں نے اس وقت بینظیر قربانی کر کے ہمت نہ بندھائی ہوتی تو مالی مشکلات کی وجہ سے ہم شاید اس کام کو ملتوی ہی کر دیتے۔ لیکن گو میناروں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا مگر ان کی تکمیل اور پلستر کے لئے اور مسجد کے اندر پلستر وفرش وغیرہ کی تکمیل کے لیے، باہر کے باغیچہ اور جنگلہ کے لیے اور دیگر ضروری

سامان کے لیے ابھی پچیس ہزار روپیہ اور بکار ہے۔ جو کام اب تک ہوا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوا ورنہ برلن جیسے مقام میں قریباً پچاس فٹ لمبی پچاس فٹ چوڑی شاندار عمارت کا کھڑا کر لینا ہماری چھوٹی سی جماعت کا کام نہ ہوسکتا تھا۔ مگر ادھر جماعت نے قدم اٹھایا ادھر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارش ہوئی۔ اس باقی حصہ میں اگر ہماری قوم کی مستورات ہمت کریں تو پانچ ہزار روپے کی رقم کچھ بڑی بات نہیں اب تک مستورات کا کل چندہ 2910 روپے 4 آنے 9 پائی ہوا ہے جو میناروں کی تکمیل کے لیے ناکافی ہے۔ بہت سی خواتین ابھی ہماری جماعت میں ایسی ہیں جنہوں نے اس کارخیر میں حصہ نہیں لیا۔ اگر یہ خواتین اس وقت ذرا سی ہمت کریں تو بقیہ رقم کا، جو میناروں کی تکمیل کے لیے بکار ہے، جمع ہو جانا کچھ مشکل کام نہیں۔ پانچ ہزار کی رقم تو ایسی تھوڑی ہے کہ دو تین صاحب حیثیت خواتین ہی چاہیں تو اسے پورا کر دیں۔ یہ مواقع روز روز نہیں ملتے۔ اس کفرستان کے اندر یہ خدا کا گھر ہمیشہ کے لیے ان لوگوں کے ناموں کو زندہ رکھے گا، جنہوں نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ جب نتائج اعمال کا وقت آئے گا تو معلوم ہوگا کہ وہی ہمارا سب سے قیمتی زیور اور بیش بہا سرمایہ تھا جو ہم نے خدا کی راہ میں خرچ کیا۔ صاحب ہمت خواتین اٹھیں اور اپنی نومسلم بہن کی امیدوں کو اور اس کے خواب کو پورا کر دکھائیں۔

مسئلہ سود اور مسلمان

آنریبل خان بہادر سیٹھ ابراہیم ہارون جعفر کی اس تجویز کے متعلق، جو سیونگ بنکوں میں مسلمانوں کے ترک کردہ سود کے بارہ میں انہوں نے کونسل میں پیش کی تھی، گورنمنٹ نے مسلمانوں سے رائے طلب کی ہے اور سوالات کئے ہیں کہ:

1۔ کیا اس تجویز کو منظور کر کے گورنمنٹ ان راسخ العقیدہ مسلمانوں کے جذبات کو صدمہ تو نہ پہنچائے گی، جنہوں نے آج تک سود نہیں لیا؟

2۔ کیا تمام مسلمان اس خاص تجویز کو پسند کریں گے کہ ان کا کل روپیہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو دے دیا جائے؟

3۔ اگر تجویز منظور ہو جائے اور زرِ امانت بڑھانے کی خاطر باقی امانت داروں پر بھی دباؤ

ڈالا جائے کہ وہ بھی سود لینا ترک کر دیں تو کیا اس طرح ڈاکخانے کے سیونگ بنک کی شہرت کم ہو جانے کا احتمال تو نہیں ہے؟

ہمیں حیرت ہے کہ یہ سوالات گورنمنٹ نے کس خیال کی بنا پر کیے ہیں۔کیا اس سے پیشتر مکتی فوج کو ترک شدہ سود کا تمام روپیہ دیتے وقت راسخ العقیدہ مسلمانوں سے گورنمنٹ نے دریافت کر لیا تھا؟ کیا ان کے جذبات کو مدنظر رکھ کر یہ تمام روپیہ مکتی فوج وغیرہ کو دے دیا جاتا ہےاور تمام مسلمانوں کی مرضی اس بارہ میں معلوم کی جا چکی ہے۔اور کیا اس طرح مکتی فوج کو روپیہ دینے سے سیونگ بنک کی شہرت میں کوئی کمی واقع ہوگئی ہے؟

تعجب ہے کہ پہلے جب اس قسم کے طریق عمل کو گورنمنٹ اختیار کر چکی ہوئی ہےاور انہی راسخ العقیدہ مسلمانوں کے روپیہ کا سود خود بخود اپنی مرضی سے تبلیغ مسیحیت کے کام میں لایا جاتا ہے تو اب اسی روپیہ کو خود مسلمانوں کی بہبودی کے کاموں میں صرف کرنے کے لیے ان کی منظوری کی کیوں ضرورت ہے؟ کیا مسلمانوں کے اس دیے ہوئے روپے سے تثلیث کی اشاعت ان کے جذبات کو خوش کرنے والی ہے کہ علی گڑھ مسلم یورنیورسٹی کو دے دینے سے ان کے جذبات کی توہین ہو جائے گی۔ ہمارے خیال میں اگر کوئی مسلمان ایسے جذبات رکھتا ہے تو اسے راسخ العقیدہ مسلمان کہنا اسلام کی توہین کرنا ہے۔گورنمنٹ کو چاہئیے تھا کہ ان سوالات کو شائع کرتے وقت اپنے سابقہ طریق عمل کو بھی واضح کر دیتی۔تاکہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کو معلوم ہو جاتا کہ ان کا روپیہ اسلام کی تخریب کاری میں کس قدر مؤید ہے۔اور سیٹھ ہارون جعفر کی تجویز کو نہ ماننا نصرانیت کو اپنے ہاتھوں سے مدد دینا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ہم اس قدر اور عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ سود کا تمام روپیہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو دینے کی بجائے بہتر ہوگا کہ گورنمنٹ اسے مسلمانوں کی تمام بڑی بڑی انجمنوں میں، جو رجسٹرڈ ہونے کی وجہ سے ایک خاص حیثیت رکھتی ہیں، تقسیم کر دیا کرے۔اس سے ایک تو اس روپیہ سے تمام قومی کام مستفید ہو سکیں گے دوسرے کسی کو اعتراض کی گنجائش بھی نہ رہے گی۔

سیرت خیرالبشر تر کی زبان میں

قبل ازیں اس بات کا اعلان کیا جا چکا ہے کہ ہمارے ایک ترک بھائی عمر رضا بے نے سیرت خیر البشر کو ترکی زبان میں ترجمہ کرنے کا فخر حاصل کیا ہے۔ جس کا ایک حصہ چھپ کر ہمارے پاس آ ہی گیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض وجوہات سے ہمارے اس نیک دل بھائی کو ایسی مشکلات پیش آ گئی ہیں جن کی وجہ سے وہ اس کار خیر کو ملتوی کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ سیرت کا جس قدر حصہ چھپ کر آیا ہے اس کو دیکھ کر بے اختیار دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ بہت ہی پاکیزہ اور خوبصورت چھپائی ہے۔ جس سے اس محترم بھائی کی دلی محبت کا پتہ لگتا ہے۔ ہمارا خیال بلکہ یقین ہے کہ ترکی میں اس کتاب کی اشاعت نہ صرف مسلمانوں کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کی سچی محبت پیدا کرنے اور ان کے ایمانوں کو بڑھانے کا موجب ہوگی بلکہ ان غیر مسلم طبقات میں، بھی جو بعض خود غرض اور مطلب پرست اشخاص کے مغالطّوں کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو بُرا سمجھتے اور ترکی کے لئے وبال جان بن جاتے ہیں، حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے پیروؤں کے متعلق جو حسن ظن پیدا ہو جائے گا اور یہ امر ترکی سلطنت کے مزید استحکام کا موجب ہوگا۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس نیک کام کو جلد سے جلد پورا کیا جائے۔ جناب عمر رضا بے چاہتے ہیں کہ باقی حصہ کو چھپوانے کے لیے انہیں چالیس پونڈ کی امداد دی جائے یعنی پانچ صد روپیہ۔ ہمارے خیال میں یہ رقم کوئی بہت زیادہ نہیں۔ وہ قوم جو برلن مسجد کی تعمیر کا کام سرانجام دے سکتی اور یورپ میں اسلامی مشن قائم کر سکتی ہے، کیا وہ ترکی جیسے ملک میں پانچ صد روپیہ کے خرچ سے آنحضرتؐ کی پاک زندگی کو شائع نہیں کر سکتی؟ ہمارا خیال ہے کہ ہمارے دوست اس رقم کو بہت جلد پورا کر سکتے ہیں۔ صرف تھوڑی سی توجہ درکار ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ صرف لٹریچر ہی ایک چیز ہے جو تبلیغ کے کام میں سب سے زیادہ مؤثر اور مفید ثابت ہوا ہے۔ وعظ اور لیکچر اس قدر دیرپا اثر نہیں چھوڑتے جتنا لٹریچر سے فائدہ ہوتا ہے۔ اس راز کو غیر مذاہب نے خوب سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مذہبی کتابیں لاکھوں کی تعداد میں مختلف زبانوں میں شائع ہوتی ہیں۔ مسیحی لٹریچر کی کثرت اشاعت کا ذکر تو ان کالموں میں بارہا ہو چکا ہے۔ ہندوؤں کی طرف سے بھی مذہبی لٹریچر کی اشاعت میں آج کل خاص کوشش اور سرگرمی سے کام لیا جاتا ہے جیسا کہ ہندو مہا سبھا کی تازہ تبلیغی سرگرمیوں سے ظاہر ہے۔ حال ہی میں اعلان ہوا ہے کہ ہندو سبھا نے گیتا کی ستر ہزار کاپیاں مفت تقسیم کی ہیں۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کو

بھی اس وقت تک جس قدر کامیابی ہوئی ہے وہ زیادہ تر لٹریچر ہی سے ہے۔ ہمارا انگریزی ترجمۃ القرآن اس وقت بفضل تعالیٰ دنیا کے تمام حصص میں پھیل چکا ہے۔ ایسے علاقوں میں جہاں، مبلغین کا پہنچنا بھی مشکل ہے، اس ترجمہ نے اسلام کی وہ خدمت کی ہے جو شاید مستقل تبلیغی مشنوں سے بھی نہ ہوسکتی۔ اس لیے ہماری جماعتوں کو لٹریچر کی اشاعت میں بہت بڑھ کر حصہ لینا چاہئیے اور موجودہ تحریک کو فوراً لبیک کہنا چاہئیے۔

حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب

سید محمد یعقوب صاحب امروہہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ جناب والد (حضرت مولانا سید محمد احسن) ایک ہفتہ سے سخت علیل ہو گئے ہیں۔ جس سے سخت فکر ہو گیا ہے۔ دن بدن کمزوری بڑھتی جاتی ہے۔ آپ دعا فرمائیں اور احباب سے بھی دعا کی تحریک کریں۔ امید ہے احباب کرام حضرت مولانا کے لئے خاص توجہ اور درد دل سے دعا فرمائیں گے۔

30 ستمبر،3اکتوبر1925ء

ڈاک حضرت امیر ایدہ اللہ

استفسارات۔4

ذیل کے سوالات حضرت امیر ایدہ اللہ کو برائے جواب موصول ہوئے تھے۔آپ کے ارشاد پر جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے اُن کے جوابات لکھے ہیں:

1۔احمدی وغیر احمدی میں کیا فرق ہے؟

2۔نبوت کی ماہیت کیا ہے؟

3۔غیر احمدیوں کے ساتھ رشتہ ناطہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔اگر نہیں تو کیوں۔نیز جن انسان کو چمٹ جاتے ہیں یا کہ یونہی وہمہ ہے؟

4۔جماعت احمدیہ کا اصل مرکز لاہور ہے یا قادیان؟

5۔حضرت مسیح موعود نے کس مرض سے وفات پائی ؟

6۔معراج حضرت رسول کریمؐ کی کیا اصلیت ہے؟

اخویکم مکرم۔وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط بخدمت حضرت امیر وصول ہوا۔سوالات کے جوابات عرض کرنے کا چونکہ مجھے ارشاد ہوا ہے،اس لیے گزارش خدمت کرتا ہوں:

احمدی وغیر احمدی میں فرق

احمدی وغیر احمدی میں فرق صرف تعین شخصی کا ہے۔ہر دو فریق مشترک طور پر ایک آنے والے موعود کو

مانتے ہیں جو ابن مریم کے نام سے احادیث میں یاد کیا گیا ہے۔ غیر احمدی کہتے ہیں کہ آنے والا موعود خود حضرت مسیحؑ حقیقی طور پر ہیں اور اسی لیے وہ حضرت مسیحؑ کو زندہ آسمان پر ماننے کے لئے مجبور ہیں۔ احمدی کہتے ہیں کہ جب قرآن کریم کی نص صریح حضرت مسیح کی وفات پر دلالت کرتی ہے اور مردے واپس نہیں آیا کرتے تو آنے والا موعود ضرور ہے کہ اس امت میں سے ہی کوئی امام ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری کے اِمَامُکُمْ مِنۡکُمْ سے ظاہر ہے اور قرآن کریم میں بھی آیت استخلاف میں صاف طور پر مِنۡکُمْ کا لفظ موجود ہے۔ ابن مریم اس کا کہلانا بطور مجاز کے ہے جو حضرت مسیح سے کمال مشابہت کی وجہ سے استعمال ہوا۔ اس طرح قرآن کے نص صریح کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی اور ختم نبوت بھی قائم رہتی ہے۔ کیونکہ جب زمانہ رسالت محمدیہ کا دامن قیامت تک دراز ہے تو پھر نہ کسی نئے نبی کو قدم رکھنے کی جگہ ہے اور نہ پرانے کو۔ اگر کوئی نبی نیا یا پرانا آ گیا تو ختم نبوت باطل ہوگئی۔

پس دونوں فریق آنے والے مسیح کی بعثت کے تو یکساں قائل ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ غیر احمدی حقیقی طور پر مسیحؑ کے آنے کے قائل ہیں اور احمدی مجازی طور پر مسیح کے آنے کے قائل ہیں۔ کیونکہ حقیقی طور پر مسیحؑ کو اُتارنے سے قرآن کریم کی نص صریح کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اور ختم نبوت کا کچھ باقی نہیں رہتا۔

نبوت کی ماہیت

نبوت کی ماہیت کے متعلق عرض ہے کہ اصطلاح شریعت اسلام میں نبی وہ کہلاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت بذریعہ وحی مخلوق کے لیے لے کر آتے ہیں۔ اُن کی یہ وحی کتاب کہلاتی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

> فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ وَاَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ وَمَا اخۡتَلَفَ فِيۡهِ (213:2) نبیوں کو مبعوث کیا خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور اُن کے ہمراہ حق کے ساتھ کتاب اتاری تا کہ لوگوں میں ان باتوں کا فیصلہ کریں جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔

یعنی جو کتاب وہ لے کر آتے ہیں وہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن ہوتی ہے۔ وہ غلط راہوں سے سیدھی راہ کو

الگ کر کے دکھا دیتی ہے اور صراط مستقیم کے اصولوں کو روشن اور واضح طور پر بنی نوع انسان کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اسی طرح متعدد آیات قرآن کریم میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کی بعثت کی غرض یہ ہوتی ہے کہ دنیا کو ہدایت اور صراط مستقیم کا علم دیا جائے جس پر چل کر انسان منزل مقصود کو پالے یعنی فلاح دارین حاصل کر لے۔ یہی وہ بشارت ہے جس کا ذکر مُبَشِّرِیْنَ میں کیا گیا۔ اور جو ہدایت ربانی کا نافرمان ہوا سے بتا دیا جائے کہ اس کا انجام عذاب، دکھ اور خسران ہے۔ یہی وہ انذار ہے جس کا ذکر منذرین میں کیا گیا۔ پس انبیاء کی بشارت اور انذار اصولی طور پر کل مرسل الیہ قوم یا بنی نوع انسان کے لیے بذریعہ کتاب کے ہوتے ہیں۔ یعنی جو ہدایت وہ لاتے ہیں اس پر عمل کرنے والے ہر انسان کو اصولی طور پر وہ بشارت دیتے ہیں اور نافرمان کے لیے اصولی طور پر ان کا انذار ہوتا ہے۔ وحی نبوت کی بشارت اور انذار کسی خاص فرد زید یا بکر کے لیے نہیں ہوا کرتی۔ جو کتاب وہ لاتے ہیں وہ ایک قاعدہ باندھتی ہے۔ جو بھی اس کا مصداق ہو جائے یا اس کی زد میں آ جائے۔ مثلاً: تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ (1:111) کوئی خاص شخص ابولہب کے لیے مخصوص نہیں۔ اس کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا۔ وہ جب ابولہب بنا زد میں آ گیا۔ اسی طرح جو بھی ابولہب بنے گا زد میں آ جائے گا۔ پس انبیاء کا مبشر و منذر ہونا بوجہ اپنی کتاب کے ہوتا ہے جو اپنے عامل کو بشارت دیتی ہے اور اپنے نافرمان کو انذار کرتی ہے۔ خود قرآن کریم نے دوسری جگہ مبشرین ومنذرین کی یہی تشریح کی ہے۔ چنانچہ سورہ انعام آیت نمبر 48 میں ہے کہ:

> وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ. وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّھُمُ الْعَذَابُ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ (6:48-49) ہم نہیں بھیجتے ہیں رسول مگر خوشخبری دینے والے اور عذاب کی خبر دینے والے۔ پس جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرے تو اُن پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ ہماری آیتوں اور احکام کو جھٹلاتے ہیں انہیں اپنی نافرمانی کی وجہ سے عذاب پہنچے گا۔

دیکھئے مبشرین ومنذرین کی کیسی صاف تفسیر خود ہی فرما دی۔ رسولوں کا مبشر و منذر ہونا فرما کر اُن کی بشارت اور انذار کی یوں تفسیر فرمائی کہ جو آیات الٰہی ان کے ذریعہ انسان کو پہنچائی جاتی ہیں اُن پر ایمان لانے اور

عمل کرنے والوں کے لیے وہ بشارت لانے والے ہیں۔اور جوان آیات کی تکذیب اور نافرمانی کرتے ہیں،ان کے لئے وہ انذار لانے والے ہیں اور حق بھی یہی ہے۔کیونکہ نبوت تو اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان ایک فرض منصبی ہے جو خدا اور بندے کے تعلقات کو واضح کرتی ہے۔وہ اُن قوانین کا علم دیتی ہے جن پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کو راضی کرسکتا ہے اور جن کی نافرمانی سے خدا ناراض ہوتا ہے۔وحی نبوت کا کام یہ نہیں کہ وہ کسی شخص کے گھر بیٹا ہونے یا نکاح کرنے یا کسی شخص واحد کے فوت ہونے کی خبر دے۔یہ خدا اور بنی نوع انسان کا پبلک معاملہ نہیں بلکہ پرائیویٹ باتیں انفرادی طور پر ہیں۔ان کا نام وحی ولایت ہے۔جیسے قرآن کریم نے **لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** (64:10) فرمایا ہے۔انہی مبشرات کو حدیث صحیح میں نبوت کا ایک جزو فرمایا: **لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ**. چونکہ یہ بھی ایک قسم کی بشارتیں ہوتی ہیں اس لیے مشابہت کی وجہ سے جزو نبوت فرمایا۔چنانچہ رویائے صالحہ کو بھی اسی ضمن میں رکھ دیا۔پس یہ تمام مبشرات وحی ولایت ہیں نہ کہ وحی نبوت۔تمام امت محمدیہ کو اس سے حصہ ملتا ہے۔خواہ کم ملے یا زیادہ۔کسی کو ایک خواب آئے یا ہزار خوابیں آجائیں۔ایک الہام ہو یا ہزار ہوں۔تعداد کی کثرت سے نوعیت نہیں بدل سکتی۔ہزار گھوڑے مل کر انسان نہیں بن سکتے۔لاکھ انسان مل کر خدا نہیں بن جاتے۔وحی ولایت کی تعداد خواہ کتنی ہی زیادہ ہو وہ وحی ولایت ہی رہے گی۔وہ وحی نبوت نہیں بن سکتی۔اگر صاحب وحی ولایت پر بوجہ کثرت علوم غیبیہ کے نبوت کے لغوی معنوں کے لحاظ سے بقوائے **لِكُلٍّ اَنْ يَصْطَلِحَ** نبوت کا لفظ استعمال ہوگا تو ظاہر ہے وہ مجاز کے طور پر استعمال ہوگا نہ کہ حقیقت کے طور پر۔خود حضرت مسیح موعود نے یہی فرمایا کہ:

> **سُمِّيْتُ نَبِيًّا مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى طَرِيْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰى وَجْهِ الْحَقِيْقَةِ** ۔حقیقی طور پر تو وہی نبی ہوگا جو اپنے ساتھ جناب الٰہی سے کتاب لائے۔جو بنی نوع انسان کے لیے اصول ہدایت پیش کرے۔جس پر عمل کرنے سے انسان کے لیے بشارت ہے اور جن کی نافرمانی سے انذار کی وعید ہو۔

غیر احمدی کے ساتھ رشتہ ناطہ

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں عورتوں کو اپنے شوہروں کے گھر میں زیادہ آزادی نہیں ہوتی۔ان کو عام

طور پر اپنا مذہب وہی رکھنا پڑتا ہے جو شوہر کا ہوتا ہے۔ شوہر کی زبردستیاں عورت کو مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ اپنے خیالات کو بدل لے۔ یا عورت بوجہ اپنی کمی علم کے اپنے شوہر کے غلط خیالات کا صحیح محاکمہ نہیں کر سکتی اور اس سے خود متاثر ہو جاتی ہے۔ اس لیے حضرت مسیح موعود اسے پسند فرماتے تھے کہ احمدی اپنی لڑکیوں کا رشتہ حتی المقدور احمدیوں ہی میں کریں تاکہ لڑکیاں اپنے شوہر کے گھر جا کر کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھائیں یا اپنے اصولوں میں غلط راہ پر نہ پڑ جائیں۔ دوم: احمدیوں میں باہم رشتہ کرنے سے تعلقات باہمی بھی زیادہ مستحکم ہو جاتے ہیں اور جو لوگ مکفّر ہیں وہ تو آج کل ویسے بھی بائیکاٹ کرنے کے لائق ہیں۔ مسلمانوں کو وحدت کی ضرورت ہے نہ کہ افتراق وانشقاق کی۔ پس مکفرین سے بائیکاٹ کرنا، نماز میں ہو، یا رشتہ داری میں ہو ایک مسلمان کی غیرت کا تقاضہ ہونا چاہئے۔

جِنّوں کا چمٹنا

جن کا انسان کو چمٹ جانا نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے اور نہ آج کل کی موجودہ تحقیقات سائنس سے۔ قرآن کریم نے صرف شیطان کے انسانی قلب میں وسوسہ اندازی کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ. مِنَ الۡجِنَّۃِ وَالنَّاسِ (114:5-6) سے ظاہر ہے۔ مگر یہاں جن سے مراد وہ شیطان ہے جو انسانی قلب میں وسوسہ اندازی کرتا ہے وَلَا غَیۡرُہٗ۔

جماعت احمدیہ کا اصلی مرکز

جماعت احمدیہ کا اصل مرکز نہ قادیان ہے نہ لاہور۔ احمدی مسلمان ہیں اور تمام عالم اسلامی کا مرکز کعبہ ہے جس کی طرف منہ کر کے تمام دنیائے اسلام نماز پڑھتی ہے۔ وقتی ضرورت کے لحاظ سے دوسری جگہ مرکز بنانا خود رسول کریم ﷺ کا فعل ہے۔ مدینہ کو وقتی مرکز بنایا۔ حضرت علیؓ نے وقتی ضرورت کے لحاظ سے کوفہ بنایا۔ پھر دمشق وبغداد بنا۔ استنبول وقرطبہ بنا۔ دہلی واجمیر اور سرہند بنا۔ مسیح موعود کی وجہ سے قادیان مرکز بنا۔ کیونکہ علوم حقہ کا چشمہ وہاں سے پھوٹا۔ جب وہاں بھی طغیانی آ گئی تو اللہ تعالیٰ کی مُشیّت نے لاہور کو علم صحیح اور دین حق کا مرکز بنا دیا۔ مگر یہ سب وقتی مصلحت کے ماتحت مرکز ہوتے ہیں۔ جس جگہ امن سے دین حق اور علوم صحیحہ کی اشاعت ہو سکتی

ہے وہی مومن کے لیے مرکز ہوجاتا ہے۔ کسی خاص جگہ سے اگر خصوصیت ہوسکتی ہے تو وہ صرف خانہ کعبہ ہے۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (150:2) جہاں کہیں بھی تم ہو اسی کی طرف منہ پھیرو۔

مگر اس کے متعلق بھی خود قرآن کریم نے کیا مزیدار الفاظ میں فیصلہ فرمایا ہے کہ:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ (19:9) کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد رکھنا اس کی طرح ٹھہرایا ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرے۔ اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں ہیں۔

صاف فرمادیا کہ مسجد حرام کے متولی بننا اس مومن کے مقابلہ میں کچھ شئے نہیں جس کا مسجد حرام کو آباد رکھنے میں تو حصہ نہیں مگر اصول حقہ پر ایمان رکھتا اور اللہ کے رستہ میں جہاد کرتا ہے۔ جب خانہ کعبہ کا یہ حال ہے تو پھر قادیان اس کے مقابلہ میں کیا ہے؟

حضرت مسیح موعود کا مرض الموت

حضرت مسیح موعود کو بوجہ کثرت دماغی محنت کے کبھی کثرت پیشاب کی شکایت ہوجاتی تھی۔ کبھی کثرت سے اسہال آنے لگتے تھے۔ جس سے آپ کو برداطراف اور ضعف ہوجاتا تھا۔ یہ آپ کو اکثر ہوا کرتا تھا۔ اسی مرض میں آپ کی وفات ہوئی۔ اسہال کا اصلی باعث آپ کی دماغی محنت کی کثرت تھی نہ کہ کثرت تصنیف اور عبادت کی وجہ سے تھی۔

معراج نبویؐ

حضرت رسول کریم ﷺ کو معراج کشفی حالت میں ہوا۔ جو عین عالم بیداری میں ایک عظیم الشان کشف

تھا۔ جس میں سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا (1:17) کے ماتحت آپ کو عالم روحانی کی سیر کرائی گئی۔ اس نظارہ کا کشفی ہونا آیت مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی۔ (11:53) سے ظاہر ہے۔ یعنی جو اس نے دیکھا وہ دل نے جھوٹ نہیں بتایا۔ آخر قلب کے ذریعہ سے یہ سب کچھ دیکھا۔ معلوم نہیں لوگ کیوں اس سے بھڑکتے ہیں۔ حالانکہ خود قرآن کا قلب پر نازل ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ جیسا کہ: نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (97:2) سے ظاہر ہے۔ پھر جس طرح قلب رسول اکرم ﷺ نے قرآن کریم کی وحی کو سنا ویسے ہی آپ کے قلب مبارک نے عالم علوی کا نظارہ کیا۔ جسے معراج کہتے ہیں۔ یہی حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مذہب ہے۔ اور حضرت سرمد نے کیا عمدہ فرمایا ہے۔

ملا گوید کہ احمدؐ بر فلک شد　　سرمد گوید کہ فلک در احمدؐ شد

احمدؐ کا فلک پر جانا اتنی خوبی نہیں جتنا تمام مخلوق کے خدا کا قلب محمدی میں سما جانا۔ اور سچ بھی ہے۔ جس قلب میں خدا سما جائے اس میں آسمانوں کا سما جانا کوئی بڑی بات ہے۔ حضرت مولانا رومؒ کیا خوب فرماتے ہیں۔ جو ایک حدیث کا ترجمہ ہے:

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است　　من نہ گنجم ہیچ دربالا ویست

در دل مومن بگنجم اے عجب　　گر مرا خواہی در آن دلہا طلب

خاکسار

بشارت احمد عفی عنہ

ماہ اسلام کی ضیاء پاشی

ماہ نور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب ووکنگ (انگلستان) سے اپنے تازہ خط میں لکھتے ہیں کہ اس وقت جنوبی افریقہ میں توسیع اسلام پر ایک شور عظیم برپا کیا جا رہا ہے۔ لوگوں کو اکسایا جا رہا ہے کہ افریقہ ہاتھ سے گیا۔ پچھلے ماہ ایک بڑی کانفرنس جنوبی افریقہ کے بڑے شہر ڈرین اور جوہانسبرگ میں ہوئی۔ چوٹی کے پادری

وہاں جمع ہوئے۔ دشمن اسلام پادری زویمر بھی وہاں پہنچا۔ ان پادریوں نے وہاں تسلیم کیا کہ خط استوا کے شمال میں جس قدر علاقہ تھا اس میں اسلام کے مقابل عیسائیت کو شکست فاش ہوئی ہے۔ اسلام وہاں بڑی ترقی کر رہا ہے۔ چنانچہ پانچ کروڑ کے قریب وہاں مسلمان ہو چکے ہیں۔ اور اب خط استوا کے جنوب میں بھی اسلام پھیلنا شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس وقت وہاں کی تعداد نوے لاکھ کے قریب ہو گئی ہے۔ اور سب سے بڑا غضب یہ ہو رہا ہے کہ بعض یورپین لڑکیاں بھی کیپ کالونی میں مسلمان ہو رہی ہیں۔ بشپ ڈبا مرالینڈ نے یہ تسلیم کیا کہ مسلمان ہونے پر یہ لوگ شراب پینے سے بچ جاتے ہیں۔ جسمانی طہارت ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ حقیقی اخوت کی روان میں جوش مارتی ہے لیکن یہ لوگ عیسائیت کے خلاف ہو جاتے ہیں، اور اس امر کا فکر کرنا چاہئیے۔ کوئی ان بھلے مانسوں سے پوچھے کہ اگر کسی مذہب کے قبول کرنے پر انسان میں جسمانی طہارت ہی پیدا ہو جائے۔ اور وہ شراب کی لعنت سے بچ جائیں اور اخوت حقیقی کے راستہ میں منسلک ہو جائیں۔ تو پھر کونسی بات باقی ہے جو اس دنیا کے تمدن کے لیے ضروری ہے۔ لیکن جس بات نے لوگوں کو گھبرا رکھا ہے وہ کچھ اور ہے اور وہ آپ کے منہ سے نکل آئی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ جس وقت کوئی شخص مسلمان ہو جاتا ہے۔ اس کا عیسائی ہونا محالات سے ہو جاتا ہے اور اس میں ایک روح پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث وہ سفید چمڑے کی قوم سے نفرت کرتے ہیں اور آپ کی حکومت کو اچھا نہیں مانتے۔ اس لئے جتنی جلدی ہو ان کو عیسائی بنا لو۔ بشپ موصوف نے لونارن مشن کی اصل غرض سربستہ کو طشت از بام کر دیا۔ غیر قوموں کو مسیحی بنانے کی غرض یہ نہیں کہ وہ حلقہ بگوش مسیح ہوں بلکہ اصلی غرض تو یہ ہے کہ انہیں حلقہ بگوش اقوام یورپ کیا جائے۔ اگر اس خبیث گروہ کا کوئی تعلق مذہب سے ہوتا تو وہ خود اپنے گھر کا فکر پہلے کرتے۔ یہاں لوگ عیسائیت سے دن بدن بیزار ہو جاتے ہیں اور اس مذہب کو نفرت سے دیکھتے ہیں۔ یہ جو اپنے گھر سے نکل دوسرے مالک کو عیسائی بنانے جاتے ہیں۔ اور ان مشنوں کے معاون وہ لوگ ہیں جو علی الا اعلان دہریہ ہوتے ہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک پولیٹکل کھیل ہے۔ بہر حال شمالی افریقہ کے مسلمان بھی جاگ اٹھے ہیں۔ تبلیغ اسلام کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ وہاں کے عمائد کی خط و کتابت بھی اس معاملہ میں مجھ سے جاری ہے اور مناسب لٹریچر بھی یہاں سے بھیجا جا رہا ہے۔ لیکن اس امر میں جو نہایت دلچسپ بات ہے، اور جس بات نے مجھے مندرجہ عنوان مصرعہ کی طرف متوجہ کیا، وہ یہ ہے کہ افریقہ کے جس علاقہ میں عیسائیت پھیلنے کا خاص اہتمام ہو رہا ہے، وہیں کا ایک اعلیٰ یورپین افسر ووکنگ میں حاضر ہو کر میرے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوتا ہے۔

برابر تین سال سے اس افسر کے ساتھ میری خط و کتابت تھی۔ جس کا آخری نتیجہ اس ہفتہ قبولیت اسلام ہوا۔ خدا کی شان ہے کہ ماہ اسلام تو ضیاء پاش پاشی کر رہا ہے اور یہ لوگ دیوانہ وار شور ڈال رہے ہیں۔ یہ تو خدا کے دین کی خوبی ہے کہ یہ خود بخود اقوام دنیا کو اپنے میں جذب کر رہا ہے۔ اور جو ہماری کوششیں ہیں وہ ظاہر ہیں۔ اگلی اتوار یہاں ایک عظیم الشان مجمع ہوگا۔ دو تین بڑی حیثیت کے خاندان مشرف بہ اسلام ہونے والے ہیں۔ اس تقریب پر ذی حیثیت احباب تشریف لانے والے ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ ڈاک میں اس مبارک جلسہ کی تفصیل دی جائے گی۔ والسلام

خواجہ کمال الدین

مسجد ووکنگ

گردن کا پھندا

مولانا عبدالماجد صاحب بی۔اے لکھتے ہیں کہ آزادی ہر فرد ہر جماعت ہر قوم ہر ملک کا قدرتی حق ہے۔ کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے انسانوں کی آزادی کو ان کی مرضی کے خلاف چھین لے۔ البتہ اگر کچھ انسان اپنی مصلحتوں اور سہولتوں کی خاطر آپس میں صلاح و مشورہ کر کے خود کسی کو اپنا افسر یا حاکم منتخب کر لیں تو یہ بیشک درست ہوگا۔ لیکن اس کے علاوہ اور کسی صورت میں ایک انسان کا دوسرے کو اپنی قید حکومت میں لے آنا نہ عقل کی رو سے درست ہے نہ انسان کے فطری مذہب اسلام کی رو سے۔ اسلام تو خدارسی اور خدا شناسی تک کی راہ میں کسی جبر و تشدد کو جائز نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر انسان کو چھوڑے ہوئے ہے۔ پس کسی دنیوی حکومت کی غرض سے غلامی اور جبریہ محکومی کو وہ کیونکر جائز رکھ سکتا ہے۔ اسلام کا پیام تو یہ ہے کہ سب انسان خدا کی غلامی کے لیے آزاد ہیں۔ اور اس راہ میں حکومت کا بنایا ہوا کوئی قانون اور بندوں کا نافذ کیا ہوا کوئی ضابطہ ان کے لیے حائل نہ ہو۔

خدا کی غلامی کے معنی یہ ہیں کہ بندہ ایک طرف تو ان حقوق کو جو اس کے معبود نے خود اس کے ابدی نفع اور دائمی راحت کے لیے براہ راست اس کے ذمہ عائد کیے ہیں جنہیں اصطلاح میں حقوق اللہ کہتے ہیں ادا کرتا رہے۔ اور دوسری طرف خدا کی بنائی ہوئی دوسری مخلوقات کی خدمت گذاری کرتا رہے۔ ان حقوق کو اصطلاح میں

حقوق العباد کہتے ہیں۔ انسان کے سارے حقوق وفرائض کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے۔ کلام مجید کے شروع ہی میں، جہاں نیک بندوں اور اچھے انسانوں کی پہچان بتائی ہے، وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ ان کے اعمال زندگی کا لب لباب یہ ہوتا ہے کہ وہ یَقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ (3:2) ایک تو وہ ہماری نمازیں ادا کرتے رہتے ہیں اور وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (3:2) ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے دوسروں پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔

حقوق اللہ کا سارا خلاصہ لفظ نماز میں آ گیا۔ اور بندوں کے سارے حقوق کے خلاصہ کو خیرات کے ذریعہ سے ادا کر دیا۔ سچا مسلم اور اچھا بندہ وہی ہے جو دن میں بار بار اللہ کے بنائے ہوئے قاعدہ کے موافق اس کی طرف اپنا دھیان جما تا رہتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہر وقت مخلوق خدا کی خدمت و نفع رسائی میں لگا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے جو بظاہر نمازیں بہت پڑھتا ہے لیکن رفاہ خلق کے کاموں میں شریک نہیں رہتا تو اس کی نماز ناقص اور اس کی عبادت غیر مقبول ہے۔ خود قرآن پاک نے ایسے نمازیوں پر (نماز کے تارکوں پر نہیں بلکہ نماز کے پڑھنے والوں پر) پھٹکار کی ہے۔ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ. (4:107) ویل ہے ان نمازیوں کے لیے جو خلق کے فائدہ کے کاموں میں نہ خود شریک ہوتے ہیں نہ دوسروں کو شریک ہونے دیتے ہیں۔ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (7:107) ان کی نمازوں کو ریا کاری کی نماز بتایا ہے۔ اس کی وجہ بھی کھلی ہوئی ہے۔ اگر یہ سچے دل سے خدا کو یاد کرتے ہوتے تو ان کے دلوں میں اس کی مخلوقات کی خدمت گذاری کا شوق پیدا ہو گیا ہوتا۔

پھر اسلام کا خدا کسی خاص فرقہ، کسی خاص ملک اور خاص مذہب کا خدا نہیں۔ اکیلے پرہیز گاروں اور عبادت گزاروں کا خدا نہیں بلکہ رب العالمین ہے۔ اچھے اور بُرے، کالے اور گورے، بڑے اور چھوٹے، عابد وفاسق، ہر ملک و ہر زمانہ، ہر مذہب وملت کے انسانوں کا ہے بلکہ پرندے اور چرندے اور چوپائے، سانپ اور مچھلی۔ شیر اور بکری، شجر و حجر، پہاڑ اور دریا اور دوسری ساری مخلوقات، کا جن کے نام تک سے ابھی ہم لوگ واقف نہیں، ان سب کا پالنے والا، سب کو نشوونما دینے والا، سب کو ان کی منزل مقصود اور مقامِ کمال تک پہنچانے والا ہے۔ ہر حقیر سے حقیر مخلوق کو اس کے آخری اور انتہائی درجہ کمال تک پہنچانا رب العالمین کی شانِ ربوبیت کا تقاضا اور اسم رب کی صفت ظہور کا لازمہ ہے۔ اور اس مقصد الٰہی کی تکمیل میں بقدر اپنی بساط وظرف کے حصہ لینا بندہ کی سعادت، مسلم کی عبادت اور انسان کا فرض ہے۔

4 نومبر 1925ء

قرآن سے دنیا کی فتح

مرزا مظفر بیگ مناظر ایبٹ آبادی

میں قرآں کو لے کے آگے بڑھوں گا — میں دم بھر میں سب دنیا کو سر کروں گا
نہیں مجھ کو دنیا کے ساماں کی حاجت — میں قرآں سے کام سب اپنے لوں گا
مجھے کافی راشن ہے **المائدہ** کا — ضرورت پہ **کوثر** سے پانی پیوں گا
نہ ہوں گا میں منت کش تار برقی — میں حالات سب **النباء** سے سنوں گا
علم لے کے **النجم** اور **القمر** کا — میں حرکت دلائل کی فوجوں کو دوں گا
کدھر بھاگیں گے مجھ سے دشمن خدا کے — میں **الفیل** سے سب کے سب روند دوں گا
مرے تیر قرآن کی سطریں ہوں گی — میں گولوں کا کام اس کے نقطوں سے لوں گا
میں **الرعد** کی توپ داغوں گا پیہم — میں **الزلزال** سے زلزلے ڈال دوں گا
قیامت بپا **القیٰمۃ** سے ہوگی — میں **الحشر** سے حشر برپا کروں گا
میں اعداء پہ چھوڑوں گا گیس **الدخاں** کا — میں خود **نور** کی روشنی میں رہوں گا
کروں گا میں سر قلع **الفاتحہ** سے — میں **الفتح** سے فتح کرتا چلوں گا
نرالی طرح کی لڑائی یہ ہو گی — انوکھی طرح کا میں فاتح بنوں گا

میں قرآن سے فتح دنیا کروں گا
عجب شان سے الغرض میں لڑوں گا

❁❁❁

8 نومبر 1925ء

مکتوب حضرت امیر۔2

برلن مسجد کی تکمیل کے لئے اٹھو!

(ذیل میں ہم حضرت امیر ایدہ اللہ کا مکتوب جماعت کے نام درج کرتے ہیں۔ جس میں آپ نے جماعت کو برلن مسجد و برلن مشن کی فوری ضروریات کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہر احمدی مرد وزن آپ کی آواز پر لبیک کہتا ہوا اپنی پوری طاقت سے مطلوبہ رقم جلسہ سے پیشتر فراہم کرنے کی کوشش کرے گا۔ پیغام صلح)

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

برلن مسجد کی مشکلات کا خاتمہ نہیں ہوا۔ ساڑھے چھ ہزار روپے کے قریب پہلا قرضہ ہے۔ اڑھائی ہزار روپیہ اس وقت اور قرض لے کر بھیجا ہے۔ یوں یہ رقم نو دس ہزار تک پہنچ گئی ہے اور ابھی اسی قدر اور رقم وہاں بھیجنی ہے۔ جس کے بغیر مسجد کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ یہ رقم جو بیس ہزار کے قریب ہے۔ اس کی وجہ کسی قدر زائد کام اور کسی قدر نرخوں کا بڑھ جانا ہے۔ جس کی وجہ سے ٹھیکیدار نے کام ادھورا چھوڑ دیا ہے۔ نرخوں کی روز افزوں گرانی کا یہ حال ہے کہ جس کام کی تکمیل کے لیے تین چار ماہ پیشتر سترہ ہزار مارک مطلوب تھے، آج اس کے لیے بیس اکیس ہزار مارک مطلوب ہیں۔ اس لیے اور پھر اس لیے بھی کہ سردیوں کی برفباری اور بارش سے مسجد کا نقصان نہ ہو جائے، کام کی تکمیل شروع کر دی گئی ہے۔ مولانا مولوی صدر الدین صاحب جرمنی سے بہت کمزور ہو کر واپس آئے۔ اور مناسب یہ تھا کہ وہ کچھ دن ایک جگہ رہ کر کام کرتے تا کہ گھر کی آسائش کا قدرے آرام ملتا۔ مگر مجبوراً انہیں چندہ کے لیے سفر پر بھیجنا پڑا۔ کچھ دن پھر کر کوئی اڑھائی تین ہزار کے قریب رقم آئی پھر وہ بیمار ہو گئے۔ یہاں آ کر جو میں نے ان کی حالت دیکھی تو مجھے بہت فکر ہوا۔ لیکن سوائے اس کے کچھ چارہ نہ تھا کہ انہیں پھر دوبارہ بھیجا جاتا۔ چنانچہ کل وہ چلے گئے ہیں۔ میری اپنی حالت یہ ہے کہ میں بھی باہر نکلنے کے قابل نہیں۔ کوئی تین ماہ سے پھوڑوں پھنسیوں وغیرہ کی تکلیف کی وجہ سے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور یہ تکلیف کبھی کم کبھی زیادہ ہوتی رہتی

ہے۔مولوی صاحب اکیلے پھریں بھی،تو بھی رقم مطلوبہ کا جلد فراہم ہونا مشکل امر ہے۔لیکن ہمارے احباب اگر مل کر تھوڑی تھوڑی کوشش کریں تو کام بہت سہل ہو جاتا ہے۔اور ایک دو ماہ میں وہ کام ہو سکتا ہے جو اکیلا آدمی پھر کر سال میں بمشکل کر سکتا ہے۔ مجھے یہ علم ہے کہ ہمارے احباب نے خود بھی چندہ دل کھول کر دیا ہے اور فراہمی چندہ میں امداد کرتے رہے ہیں۔لیکن یہ اب اس کا آخری مرحلہ ہے اور اس کے لیے اگر ایک دفعہ پھر کچھ ایثار دکھایا جائے اور کچھ کمر ہمت باندھی جائے تو ایک قوم کی ہمت کے سامنے یہ بات کچھ بھی نہیں۔قوم کے کام کے کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ ہر شخص یہ سمجھ لیتا ہے کہ قوم کا کام ہے۔کوئی نہ کوئی اسے کر ہی لے گا۔ اس صورت میں کوئی کام اتمام کو نہیں پہنچتا۔دوسری صورت یہ ہے کہ قوم کا ہر فرد یہ سمجھ لے کہ یہ ذمہ داری میرے ہی اوپر ہے۔اور میں نے ہی اس کام کو کرنا ہے۔یہ وہ صورت ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت ایسی شامل حال ہوتی ہے کہ کوئی کام ناتمام نہیں رہ سکتا۔اگر ہمارے احباب میں سے ہر ایک شخص بلا امتیاز مرتبہ وحیثیت اس ذمہ داری کو اپنی ہی ذمہ داری سمجھ کر کام کرے تو خواہ کتنی ہی چھوٹی جماعت ہے جلسہ سالانہ تک ساری رقم مطلوبہ فراہم ہو سکتی ہے۔یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ جرمنی میں مسجد کی تعمیر یا تکمیل کا کام تو ایک عارضی کام ہے۔مگر اس کے علاوہ جو انجمن کو پندرہ بیس ہزار روپیہ سالانہ مشن اور رسالہ پر خرچ کرنا پڑتا ہے، وہ بھی پورا کرنا ہے۔اس لیے میں امید اکرتا ہوں کہ ہمارے احباب جہاں کہیں ہوں اس وقت اٹھ کھڑے ہوں گے اور کمر ہمت باندھ کر اپنی سعی اور دعا سے اس کام میں لگ جائیں گے۔جن احباب کے پاس برلن مسجد کی کاپیاں ہیں وہ ان پر کام شروع کر دیں اور جن کے پاس نہیں وہ دفتر سے کاپیاں فوراً منگوالیں۔ مجھے امید ہے کہ ان چند الفاظ کو پڑھ کر ہمارے احباب بلا توقف اس کارِ خیر میں مولٰینا صدرالدین صاحب کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیں گے۔ جہاں اکیلے اکیلے آدمی ہیں وہ اپنی اپنی جگہ کوشش میں لگ جائیں۔اور جہاں جماعتیں ہیں، وہاں جماعت میں جمعہ کے دن سب احباب کو یہ خط دے دیا جائے۔ جو تجاویز اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری سمجھی جائیں وہ جماعت میں پیش کر کے فوراً عمل درآمد میں لائی جائیں۔اگر ہر ایک جماعت ایک ایک رقم کی ذمہ داری لے لے تو یہ سب سے بہتر ہے۔اس مطلوبہ رقم کو خواہ وہ احباب خود مل کر یا چندہ کر کے پورا کر دیں۔والسلام۔خاکسار

محمد علی۔احمدیہ بلڈنگس، لاہور

2 دسمبر 1925ء

ارشادِ امیر

دعوتِ احباب

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان نے ہماری بڑی دستگیری فرمائی ہے اور اپنی خاص نصرت اور تائید سے ہمیں کامیابی کے ساتھ بہت سے مشکل مراحل سے گذارا ہے۔ اس ایک سال میں علاوہ انجمن کے معمولی کاموں کے ہائی سکول کی شاندار عمارت قریباً سوالاکھ روپے کی لاگت کی کھڑی ہوگئی ہے۔ برلن مسجد کا کام بھی اس کے ساتھ ہی تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ تاہم اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ کے یہ افضال ہیں تو دوسری طرف خاص مشکلات بھی ہیں۔ جن میں سے ہماری قوم اس وقت گزر رہی ہے۔ برلن مسجد کی تکمیل کا سوال ابھی سامنے ہے اور اس کا بوجھ ابھی ہماری پیٹھ سے اترا نہیں۔ جماعت کی تنظیم کا اہم کام بھی ناقص حالت میں ہے۔ جماعت کی ترقی کے لیے، جس کے ساتھ خدمت اسلام کا یہ سارا کام وابستہ ہے، بہت بڑی کوشش بکار ہے۔ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا۔ (2:110) کی دلکش صدا ہمارے کانوں میں گونج رہی ہے لیکن اس نظارے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے بہت بڑی سعی اور عظیم الشان قربانیوں کی ضرورت ہے۔ دنیا تاریکی اور ظلمت سے پُر ہے اور قرآن کریم کی روشنی کے ساتھ اس ظلمت کو پاش پاش کرنے کا کام اتنا اہم ہے کہ اس کے لیے اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ (6:1) کا عزم و ایثار بکار ہے۔ ان تمام امور پر غور و فکر کے لیے اور ان کا حل سوچنے کے لیے ہماری احمدی جماعت کے جلسہ سالانہ کا اجتماع ہے۔ اور یہ ہمارا بارھواں سالانہ اجلاس ہے۔ اگر بارہ سال بعد بھی ہماری قوم میں وہ طاقت پیدا نہ ہو جس کے ساتھ یہ دنیا میں خود زندہ رہنے کے علاوہ زندگی کے پانی سے دنیا کو سیراب کر سکتی ہو تو مقامِ افسوس ہو گا۔

میں اُن جملہ احباب کو، جو لاہور کی احمدی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، 25 دسمبر کی دوپہر سے 28 دسمبر کی دوپہر تک دعوت دیتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ میری اس دعوت پر میرے دوست لبیک کہیں گے۔ اب تک

ہم میں یہ نقص موجود ہے کہ بہت سے احباب چھوٹے چھوٹے عذروں کی وجہ سے یا محض سفر کی تکلیف سے بچنے کے لئے جلسہ سالانہ میں شمولیت اختیار نہیں کرتے۔ اور بعض ہمارے دوست شاید اس اجتماع کو وہ اہمیت نہیں دیتے جو اس کا حق ہے۔ اس لیے میں اُن کی خدمت میں خصوصیت سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس غفلت کو ترک کر دیں۔ ہر ایک شخص کو خدا کے راستے میں نکلنے کا آج کہاں موقع ملتا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل نے ہمیں ایک موقع دیا ہے کہ خدمت دین کے لیے گھر سے باہر نکلیں اور کچھ تکلیف خدا کے رستے میں اٹھائیں۔ کیونکہ اس سے وہ حقیقی راحت پیدا ہوتی ہے جو انسان کو جنت میں لے جاتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو ان غفلتوں پر افسوس کرنا پڑے۔ جبکہ اس وقت افسوس کا فائدہ نہ ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری مشابہت ان لوگوں سے ہو جن کے متعلق ارشاد ہے: اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَافَرَّطْتُّ فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ(56:39) کہ وہ کہتے ہیں ہائے افسوس جو میں نے اللہ کے کام میں کوتاہی کی۔ بہ حیثیت ایک دوست ہونے کے مجھے اپنے دوستوں پر یہ حق بھی حاصل ہے کہ انہیں اپنی کسی ذاتی راحت یا رنج میں شامل ہونے کے لیے بلاؤں تو وہ میری آواز کو سنیں۔ مگر میں خدا کے دین کے رنج و راحت میں شامل ہونے کے لیے انہیں بلاتا ہوں۔ اور بایں ہمہ ابھی بیدار ہونا نہیں چاہتے، انہیں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں: فَسَتَذْکُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَکُمْ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔(44:40) اور جو احباب آئیں وہ یہ فکر کر کے آئیں کہ خدا کے دین کو قوت پہنچانے میں وہ کس طرح معاون ہو سکتے ہیں۔
والسلام

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

16 دسمبر 1925ء

ارشاد حضرت امیر

ہماری مستورات اور سالانہ جلسہ

اب تک ہماری مستورات سالانہ جلسہ میں بہت کم حصہ لیتی رہی ہیں۔ لاہور جیسے مقام میں مکانیت کی دقت بھی مانع تھی کہ اس امر پر زیادہ زور دیا جاتا۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنا مدرسہ بن جانے سے یہ دقت رفع ہوگئی ہے اور اگر زیادہ تعداد میں مستورات جلسہ سالانہ میں شامل ہونا چاہیں تو ان کے لیے مکان کا انتظام ہوسکتا ہے۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے احباب اس امر کی طرف زیادہ توجہ کریں گے اور جہاں تک ممکن ہو اپنی مستورات کو شمولیتِ جلسہ کی تحریک کر کے انہیں اپنے ساتھ لائیں گے۔ اس سے علاوہ اس کے کہ مستورات کے دلوں میں خدمت دین کا جوش پیدا ہو، برادران سلسلہ کے تعلقاتِ اخوت بھی مضبوط ہوں گے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ حقیقی تعلقاتِ اخوت پیدا ہی نہیں ہوسکتے جب تک کہ مستورات میں باہمی تعلقات محبت پیدا نہ ہوں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اولاد پر باپ کی نسبت ماں کا رنگ بھی زیادہ چڑھتا ہے۔ کیونکہ بچپن کا سارا تعلق ماں سے ہوتا ہے اور بچے ایک غیر محسوس طریق پر ماؤں کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ اس لیے اگر ہم اپنی آئندہ نسلوں میں خدمت اسلام کے لئے تڑپ پیدا کرنا چاہتے ہیں تو یہ ہو نہیں سکتا، جب تک کہ ہماری مستورات جماعتی کاموں میں برابر کا حصہ نہ لیں۔ ان کی طرح طرح کی مصروفیتوں کی وجہ سے اور اس سبب سے کہ ان میں علم کی کمی ہے، انہیں وعظ و نصیحت کے جلسوں میں عموماً کم شامل ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے یہ اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ اس جماعتی اجتماع میں، جب جماعت کے اندر بیداری اور زندگی کی ایک نئی لہر اٹھتی ہے، ہماری مستورات ضرور شامل ہوں۔ تا کہ ایک طرف وہ خود اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی اولاد پر وہی نیک اثر ڈالیں اور دوسری طرف سلسلہ اور جماعت کے لئے اُن کے وجود قوت کا موجب ہوں۔ امید ہے کہ احباب اس طرف بہت جلد توجہ کر کے بواپسی سیکرٹری صاحب کو اطلاع دیں گے تا کہ وہ اس کے مطابق مکانوں کا انتظام کر رکھیں۔ خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

16 دسمبر 1925ء

حضرت مسیح موعود کی آواز پر لبیک کہو!

یہ تو ہمارے احباب کو معلوم ہی ہے کہ 25 دسمبر 1925ء سے 27 دسمبر 1925ء تک جلسہ سالانہ کی تاریخیں مقرر ہو چکی ہیں اور یہ بھی ان کو معلوم ہے کہ دسمبر میں جلسہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود نے اپنے ہاتھ سے رکھی تھی اور پسند فرمایا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر ایک احمدی اس میں شریک ہو کر نہ صرف ایک دوسرے سے تعارف اور تجاذب بڑھائیں بلکہ بالمواجہ دینی فائدہ یہ بھی اٹھائیں کہ خدمت اسلام کی روح اپنے اندر پیدا کریں۔ علاوہ ازیں لاہور کے سالانہ جلسہ پر آنے والے احباب حضرت مسیح موعود کے اس الہام کو پورا کرتے اور اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ جو یہ ہے کہ لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں۔ لطیف مٹی کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جس کثرت کے ساتھ احباب لاہور آئیں گے اور ان خادمان دین کی خدمات کو اپنی آنکھ سے ملاحظہ کریں گے، اسی قدر مسیح موعود کی صداقت اور آپ کے الہام کی صداقت پر مہر لگانے والے بنیں گے۔ پھر اس لحاظ سے بھی ہر ایک احمدی کا فرض ہے کہ وہ سلسلہ کے مرکزی مقام لاہور میں آئے کہ حضرت مسیح موعود کے آخری ایام، جو قرب ومراتب الٰہی میں سب ایام سے بڑھ کر تھے، لاہور میں ہی گزرے ہیں۔ علاوہ ازیں اس جگہ کے اس اثر کے، جو حضرت مسیح موعود کی وجہ سے متبرک اور مقدس جگہ قرار پا چکی ہے، ایک کثیر جماعت کامل کر دعا کرنا اور حضرت امیر کے فیوض سے مستفیض ہونا اعلیٰ نتائج کا موجب ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا جلسہ میں شمولیت کے اور بھی بہت سے روحانی فوائد متصور ہیں۔ پس احباب کو ان فوائد کے حصول کے لیے ضرور سالانہ جلسہ میں شامل ہونے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ اور جماعت کا کوئی فرد بھی ایسا نہ ہونا چاہیئے جو کسی معمولی سی رکاوٹ کی وجہ سے شمولیت جلسہ سے محروم رہ جائے۔ کیونکہ ایک نہایت مفید اور بابرکت کام میں شامل نہ ہونا کسی محبّ صادق کے لیے ہرگز مناسب نہیں ہے۔ زندگی کا کیا اعتبار ہے۔ جب خدا نے اپنے فضل سے آپ محبان کو زندگی میں ایسے بابرکت اجلاس کے دیکھنے کا موقع دیا ہے تو آپ محبان اس کو غنیمت سمجھیں اور اس موقع سے ضرور ہی فائدہ اٹھائیں۔ جو گھڑیاں خدا کی راہ میں اور اس کی رضا کی راہ میں گزریں وہ تمام سال کی گھڑیوں سے بہت ہی مبارک اور مفید

سمجھنی چاہئیں۔

ہمارے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے فرض کو پہچانیں۔مومنوں کا دن تو ہر روز ترقی کے لیے آتا ہے۔ پس ہم نے صرف یہ نہیں دیکھنا کہ ہم میں کچھ کمی تو نہیں آئی بلکہ اس بات پر نظر کرنا ہے کہ ہم نے کیا کیا ترقی کی ہے۔پھر جہاں اپنے اندر ذرا بھی کمزوری پائیں فوراً اس کی اصلاح کریں۔بنابریں احباب سے ہماری یہ التجا ہے کہ اب چونکہ جلسہ میں صرف سات آٹھ روز باقی رہ گئے ہیں،اس لیے آپ محبان ابھی سے اپنے اپنے حلقہ اثر میں سالانہ جلسہ کے اخراجات اور اس میں سرانجام ہونے والے کاموں اور جلسہ میں ہر ایک احمدی کی شمولیت کے لئے ایک زبردست تحریک کریں اور اس جلسہ کو دوسرے تمام دنیا کے جلسوں سے کامیاب بنانے میں ساعی ہوں۔

بہت ضروری ہے کہ کم ازکم ایک روپیہ فی کس پیشگی احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے دفتر میں بمع مصارف جلسہ پہنچ جائے۔تاکہ کسی قسم کی دقت انتظام میں پیش نہ آئے۔اور جو لوگ سلسلہ کے مرکزی مقام لاہور میں کم آتے ہیں یا جنہیں یہاں آنے کا کسی ایک یا دوسری وجہ سے آج تک موقع نہیں ملا،انہیں ساتھ لائیں تاکہ کمزوروں کے قلوب پر جو زنگ،بوجہ دوری آ گیا ہے وہ یہاں پہنچ کر صیقل قرآنی سے اتر جائے اور وہ بھی اس نور سے معمور ہوں جس سے اصحابِ کبارِ مسیح موعودؑ کے سینے منور اور معمور ہیں۔

میرے بزرگو! بھائیو! عزیزو! مجھ کو خدارا بتاؤ کہ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم دین قوام کے پیرو،خطاب اسلام سے مُتصّف اور امانت الٰہی کے حامل ہو۔اگر یہ سچ ہے تو پھر تم کیوں بڑے زور شور سے خدا کی راہ میں نہیں نکلتے۔ خدا کی راہ میں نکلو اور دین کی خدمت کا حق ادا کرو۔یادرکھو۔دین و دنیا کے مقابلہ کا ابتلا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ایک طرف دنیا کی محبوبیت ہوتی ہے اور دوسری طرف دین اس کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔اور دین کی خاطر دنیا کی محبوب سے محبوب چیز کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے۔گو یہ بڑی آزمائش ہوتی ہے مگر جب تک ایک انسان اس میں سے نہ گزرے وہ خدا کے پیاروں میں داخل نہیں ہوسکتا۔آج تو لوگوں کی یہ حالت ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر بھی خدا کی راہ میں نکلنے پر عذر پیش کر دیتے ہیں۔حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں جنگ کے موقع پر بھی یہ بات نہ تھی۔وہاں تو جنگ میں جاتے وقت بھی اگر کوئی یہ عذر کرتا کہ ہمارا گھر بے پناہ ہے تو مسموع نہ ہوتا۔اسی طرح بہت تھوڑے ہیں جو دین کے کام کی اہمیت کو خیال میں لاتے ہیں۔چاہیئے کہ ہر جگہ کے احباب دین کو دنیا پر مقدم

رکھنے کے عہد کو پورا کریں۔ اس زمانہ کے مجدد اعظم حضرت مسیح موعود نے اس بات کو شرائط بیعت میں کیوں داخل کیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا! اسی لیے کہ مسلمانوں پر یہ ایک ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ اِلا ماشاءاللہ مسلمانوں پر اب یہ محال ہو گیا ہے کہ وہ دین کو دنیا کے مقابلہ میں مفید خیال کریں۔ لیکن کوئی شخص کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ دین کی حقیقی منشا کے ماتحت دنیا کو دین کے تابع نہ کرے۔

25 دسمبر، جو ہمارے سالانہ جلسہ کا پہلا دن ہے، جمعہ ہے۔ اور میری یہ خواہش ہے کہ جملہ احباب یہ کوشش کریں کہ نماز جمعہ میں ضرور شریک ہوں۔ ایک یا سوا بجے تک جو گاڑیاں لاہور پہنچ جاتی ہیں، ان میں جو احباب آئیں وہ بھی غالباً جمعہ میں وقت پر شامل ہو سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ گاڑیاں بعض وقت لیٹ بھی ہو جاتی ہیں۔ پھر اسٹیشن سے یہاں تک پہنچنے اور اسباب وغیرہ رکھنے اور وضو کرنے میں بھی دیر ہو جاتی ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ سب احباب جمعہ کی صبح یہاں پہنچنے کی کوشش کریں۔ یعنی ایسی گاڑیوں میں جو صبح نو دس بجے تک پہنچ جاتی ہیں۔ جلسہ 27 دسمبر کی شام کو ختم ہو جائے گا۔ اس لیے بعض احباب جو علی گڑھ جوبلی کے موقع پر پہنچنا چاہتے ہیں، وہ وہاں بھی 28 دسمبر کو، جو جوبلی کا دن ہے، پہنچ سکتے ہیں۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

3 جنوری 1926ء

حضرت مولٰینا نورالدینؒ کے نزدیک لفظ 'نبی' کا استعمال

ایک زمانہ وہ تھا کہ جب تمام جماعت احمدیہ کا یہی مذہب تھا کہ حضرت اقدس مسیح موعود کے متعلق نبی کا لفظ، جو الہام یا حدیث میں آیا ہے، اس سے محض لغوی معنے مراد ہیں۔ اور شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے، اس معنی سے حضرت صاحب ہرگز نبی نہیں۔ جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود نے بھی بار بار اپنی تحریروں میں یہی لکھا ہے۔ منجملہ ان کی ایک تحریر یہ ہے:

> ''یہ الفاظ بطور استعارہ ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں بھی مسیح موعود کے لئے نبی کا لفظ آیا ہے ظاہر ہے کہ جس کو خدا بھیجتا ہے وہ اس کا فرستادہ ہی ہوتا ہے۔ اور فرستادہ کو عربی میں رسول کہتے ہیں۔ اور جو غیب کی خبر خدا سے پا کر دیوے اس کو عربی میں نبی کہتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح کے معنے الگ ہیں۔ اس جگہ محض لغوی معنی مراد ہیں۔''

اور یہی مسیح موعود کے اول صحابی اور خلیفہ حضرت مولانا نورالدین اعظم نے لکھا ہے۔ اور یہی اُس وقت اکابران جماعت احمدیہ کا مذہب تھا۔ مگر افسوس! آج اُس مذہب کے خلاف یہ آواز اُٹھائی جارہی ہے کہ شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے، انہی معنوں میں حضرت مسیح موعود نبی تھے اور حقیقی نبی تھے۔ مجازی یا لغوی معنوں میں نبی نہ تھے۔ اور ہم پر آوازے کسے جارہے ہیں کہ گویا ہم نے حضرت مسیح موعودؑ کو نبی کے مرتبہ سے گرا کر صرف مجدد تک ہی اُن کو مانا اور اصل اعتقاد سے منحرف ہوگئے ہیں۔ ہم نے ہزاروں دفعہ بطور اتمام حجت تمام اکابرینِ جماعت احمدیہ کی تحریروں کے حوالے دیئے کہ دیکھو ان تمام اکابرین کا حضرت خلیفۃ المسیح نورالدین کے زمانہ تک مع حضرت ممدوح کے یہی مذہب تھا جو ہم پیش کرتے ہیں۔ مگر اس طرف غور اور توجہ ہی نہیں کی جاتی اور ہماری مخالفت کی جاتی ہے۔ آج ہم پھر بطور اتمام حجت حضرت مولانا نورالدین کے ایک مکتوب کی نقل پیش کرتے ہیں (اس کا عکس پیغام صلح مجریہ 3 جنوری 1926ء میں شائع ہوا ہے) جو حضرت ممدوح نے خان محمد عجب خان صاحب پولیٹکل ایجنٹ مالاکنڈ کے نام 22 اکتوبر کو لکھا تا کہ دو جماعت احمدیہ کو پھر یہ علم ہو جائے کہ حضرت ممدوح

نے خدا کی قسمیں کھا کر جو اعتقاد اپنا اس خط میں ظاہر فرمایا ہے، کیا یہ اعتقاد ہم نے لاہور میں آ کر بنایا ہے یا اُس وقت ساری جماعت کا یہی اعتقاد تھا؟

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہِ الکریم

امابعد۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

دل کو چیر کر دیکھنا یا دکھانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ قسم پر اگر کوئی اعتبار کرے تو وَاللّٰہِ الْعَظِیْمُ کے برابر کوئی قسم مجھے نظر نہیں آتی۔ نہ آپ میرے ساتھ میری موت کے بعد ہوں گے، نہ کوئی اور لوگ سوائے میرے ایمان واعمال کے ہوں گے۔

پھر یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونے والا ہے وَاللّٰہِ الْعَظِیْمِ. وَاللّٰہِ الْقَوِیّ. بِاِذْنِہٖ تَقُوْمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ۔ میں مرزا صاحب کو مجدد اس صدی کا یقین کرتا ہوں۔ میں ان کو راستباز مانتا ہوں۔ حضرت محمد رسول اللہ النبی العربی، المکی المدنی خاتم النّبیّن ﷺ کا غلام اور اس کی شریعت کا بہ دل خادم مانتا ہوں۔ اور مرزا صاحب خود اپنے آپ کو جانثار غلام نبی عربی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف کا مانتے ہیں۔

نبی کے معنی لغوی پیش از وقت اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر خبر دینے والا ہم لوگ یقین کرتے ہیں، نئی شریعت لانے والا۔ مرزا صاحب اور میں خود جو شخص ایک نقطہ بھی قرآن شریف کا اور شریعت محمد رسول کا نہ مانے میں اسے کافر اور لعنتی اعتقاد کرتا ہوں۔ یہی میرا اعتقاد ہے۔ اور یہی میرے نزدیک مرزا غلام احمد کا تھا۔ کوئی رد کرے یا نہ مانے یا منافق کہے اُس کا معاملہ حوالہ بخدا۔

(دستخط) **نورالدین** بقلم خود۔ 22 اکتوبر 1910ء

(پتہ برلفافہ) بگرامی خدمت جناب خان صاحب محمد عجب خان صاحب۔ پولیٹکل ایجنٹ مالاکنڈ۔ سوات

10 تا 16 جنوری 1926ء

سیرۃ المہدی پر ایک نظر

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے قلم سے

سیرۃ المہدی ایک کتاب ہے جو مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کی تصنیف ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی مسعود کی سیرۃ پر لکھی گئی ہے۔ میرے ایک مکرم دوست کی تحریک پر مجھے اس کتاب کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ شوق سے دیکھا اور افسوس پر ختم کیا۔ حضرت مہدی معہود کی زندگی کے حالات پڑھ کر اُن کے غلاموں کا دل خوش ہونا لازمی بات ہے۔ مگر افسوس اس بات پر ہوا کہ اُس میں بعض روایات ایسی کمزور اور غیر معقول آ گئی ہیں کہ وہ سفید چادر پر سیاہ داغوں کی طرح نظر آتی ہیں۔ جن میں سے کچھ مشتے نمونے از خروارے آگے چل کر بتلاؤں گا۔ علاوہ ازیں کچھ خاص باتیں اس سیرۃ میں ایسی نظر آئیں جو نہ صرف مؤلف کے علم کی شان سے گری ہوئی ہیں بلکہ تالیف کو بھی ایک تماشہ اور کھیل کی حیثیت دے دیتی ہیں۔ ان میں سے کچھ عرض خدمت کرتا ہوں:

1۔ سب سے پہلے یہ کہ یہ کتاب سیرۃ کہلانے کے لائق ہی نہیں۔ زیادہ تر یہ ایک مجموعہ روایات ہے۔ جن پر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسی روایات کی بھی کمی نہیں جن کا سیرۃ سے کوئی تعلق نہیں۔

2۔ مؤلف صاحب کا دعویٰ ہے کہ میں نے صرف اس میں روایات جمع کی ہیں اور ''ترتیب اور استنباط اور استدلال کا کام بعد میں ہوتا رہے گا۔'' مگر اسی کتاب میں صفحوں کے صفحے مختلف کتابوں مثلاً براہین احمدیہ، سیرۃ مسیح موعود مؤلفہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم، پنجاب چیفس اور مختلف اخبارات سے نقل کئے ہیں۔ اور مختلف مسائل پر خوب ''استنباط'' اور ''استدلال'' سے کام لیا ہے۔ مثلاً پیشگوئیوں پر اور محمدی بیگم والی پیشگوئی پر خوب سیر

حاصل بحث کی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی شان کو، جو نظر آتی ہے، کم کرنے کی بھی کچھ کم کوشش نہیں کی گئی ہے۔ ایک طرف یہ سب بحثیں دیکھو اور دوسری طرف اس کتاب کے متعلق اس بیان کو دیکھو، کہ استدلال کا وقت بعد میں آئے گا، تو حیرت ہو جاتی ہے۔ روایات کے جمع کرنے میں ترتیب اور استدلال ضروری نہیں ٹھہرتے، مگر جہاں بحث کرنے کو کسی وجہ سے دل چاہنے لگتا ہے وہاں استدلال وغیرہ سب کچھ کر لیا جاتا ہے۔

3۔ روایات کے جمع کرنے میں احادیثِ رسول اللہ ﷺ کی نقل اُتاری ہے۔ یہاں تک کہ اُردو تحریر میں اُردو کے صرف ونحو کو نظر انداز کر کے عربی صرف ونحو کے مطابق طرز بیان اختیار کیا ہے۔ مثلاً بجائے یوں لکھنے کے کہ 'مجھ سے شیخ عبدالرحمٰن مصری نے بیان کیا' مؤلف صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں کہ 'بیان کیا مجھ سے شیخ عبدالرحمٰن مصری نے' عربی کی طرح فعل پہلے اور فاعل پیچھے۔ یہاں تک کہ تمہید میں بھی عبارت کی یہی طرز آ گئی ہے۔ فرماتے ہیں 'خاکسار مرزا بشیر احمد نے ارادہ کیا ہے واللہ الموفق کہ جمع کرے ان لوگوں کے واسطے جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی صحبت نہیں اُٹھائی آپ کے کلمات و حالات و سوانح اور دیگر مفید باتیں۔ متعلق آپ کی سیرۃ اور خلق و عادات وغیرہ کے۔ پس شروع کرتا ہوں میں اس کام کو آج اس حال میں کہ میں بیت الدعا میں بیٹھا ہوں۔' مذکورہ بالا عبارت اپنی طرز تحریر کے لحاظ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی عربی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے یا کوئی عربی عبارت ہے جو اُردو کے لباس میں بھیس بدل کر آن کھڑی ہوئی ہے۔ یہی طرز ہر روایت کے شروع میں تمام کتاب میں چلتی ہے۔ 'بیان کیا مجھ سے'، 'بیان کیا ہم سے' مگر جہاں راوی خود مؤلف صاحب ہوتے ہیں، وہاں عربی چولا اُتر جاتا ہے۔ وہاں روایت یوں شروع ہوتی ہے کہ 'خاکسار عرض کرتا ہے' ہونا تو یوں چاہیئے تھا کہ 'عرض کرتا ہے خاکسار' بہرحال احادیث رسول اللہ ﷺ کی نقل اُتارنے کی کوشش میں اردو کی طرز تحریر کو بدل کر عربی بنایا گیا ہے۔

4۔ ایک طرف تو احادیث کی نقل اُتارنے کی یہ کوشش کہ اردو طرزِ تحریر کو عربی بنایا گیا، دوسری طرف روایت کو لینے میں یہ غفلت، کہ نہ راویوں کے صادق و کاذب ہونے کا دنیا کو کوئی علم ہے، نہ ان کی فقاہت اور حافظہ پر کوئی نظر ہے نہ ان کی روایت میں یہ غور کیا گیا کہ روایت کا بیان کرنے والا اُس وقت وہاں موجود بھی تھا یا نہیں۔ اگر نہیں تھا تو اُس نے کسی راوی سے سُنا۔ جہاں راوی ''خاکسار'' ہوتا ہے یعنی مؤلف صاحب خود ہوتے ہیں، وہاں اپنی پیدائش سے بھی بہت پہلے کے حالات بلا تامل بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ کچھ علم نہیں کہ مؤلف صاحب نے کہاں سے سُنے۔ بس کافی ہے کہ مؤلف صاحب خود اس کے راوی ہیں۔ مگر دوسرے راویوں میں بھی آپ اسی بے پرواہی سے کام لیتے ہیں کچھ مضائقہ نہیں کرتے۔ ایسی متعدد مثالیں کتاب میں موجود ہیں کہ ایک راوی صاحب تشریف لے آتے ہیں اور وہ بے تکان کچھ حالات بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ پڑھنے والے کو پتہ نہیں لگتا کہ راوی خود موجود تھا یا کسی سے سنے ہوئے حالات بیان کر رہا ہے۔ مثلاً روایت 73 جہاں ایک مسمرائزر نے شیر کو اپنے اوپر حملہ کرتے ہوئے دیکھا اور وہ بھاگ گیا۔ اب معلوم نہیں راوی میاں محمود احمد صاحب خود اس مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور اُسے بھاگتے خود دیکھا تھا یا کسی سے سُنا ہے۔ اور شیر کا واقعہ، جو اس نے اپنے ہم جلیسوں میں بیان کیا ہوگا، تو اس کی خبر میاں صاحب کو کس ذریعہ سے پہنچی؟ علیٰ ہذا القیاس ایسی متعدد روایتیں ہیں۔

الغرض رسول اللہ ﷺ کی دوبارہ بعثت کو حضرت مسیح موعود کی بعثت میں ثابت کرنے کے لئے یہ اہتمام تو کیا گیا کہ موجودہ تحریر و تصنیف کے زمانہ میں روایت احادیث کی نقل اُتاری گئی۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کھیل میں سخت ناکامی ہوئی۔ محدثین کی تنقید اور باریک بینیوں کو اگر قطع نظر بھی کر دیا جائے تو بھی خود روایت کے جمع کرنے میں نہایت بھونڈا پن اختیار کیا گیا ہے اور نہایت بے پرواہی اور غفلت سے کام لیا گیا

ہے۔ نہ جمع کرنے کی کوئی ترتیب ہے، نہ راویوں کی دیکھ بھال ہے، کہیں روایت ہے تو کہیں فلسفیانہ بحث ہے اور کہیں کتابوں کی نقل ہے۔ غرض عجب طریقہ کا ایک گڑ بڑ مجموعہ ہے۔ اگر اُن سے یہ کام اس باریک بینی اور تحقیق کے ساتھ نہیں ہوسکتا تھا جو محدثین کا شعار تھا، تو خواہ مخواہ نقل اُتارنے کی کیا ضرورت تھی؟ مفت میں اپنا مذاق اُڑوایا۔

5۔ یہیں تک بس نہیں بلکہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے ایک سیڑھی اور اوپر چڑھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یعنی ہر ایک روایت کو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع کیا ہے۔ پڑھنے والے کو سمجھ نہیں آتا کہ یہ موجودہ زمانہ کے راویوں کی کوئی روایت شروع ہو رہی ہے یا قرآن کی کوئی سورۃ شروع ہو رہی ہے۔ اچھا خاصہ پارہ **عم** نظر آتا ہے۔ گویا جا بجا سورتیں شروع ہو رہی ہیں۔ حدیث کی نقل ہوتے ہوتے قرآن کی نقل بھی ہونے لگی۔ اسی کا نام بچوں کا کھیل ہوتا ہے!

6۔ اس کتاب کی بعض روایات کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ کتاب صرف محمودی صاحبان کے پڑھنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ یعنی صرف خوش عقیدہ لوگ پڑھیں، جن کی آنکھوں پر خوش عقیدگی کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ نہ غیروں کے پڑھنے کے لائق ہے، نہ لاہوری احمدیوں کے اور نہ کسی دوسرے محقق کے۔ بعض روایات میں حضرت مسیح موعود پر صاف زد پڑتی ہے۔ مگر چونکہ ان سے لاہوری احمدیوں پر بھی زد پڑنے میں مدد ملتی ہے، اس لیے بڑے اہتمام سے ایسی لغو سے لغو روایتیں منضبط کر کے دل میں نہایت خوش ہوتے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی مثال آگے چل کر بیان کروں گا۔ مگر کیا یہ قابل افسوس امر نہیں کہ ایک جامع الروایات شخص میں یہ جانبداری کا رنگ ہو۔ ایک اہل نظر کی نگاہ میں پھر ان روایتوں کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ اور پھر قطعاً یہ خیال نہیں کرتے کہ اس طرح مسیح موعودؑ کی شان پر حرف آتا ہے۔ ایک طرف روایتیں تو ایسی بھی جمع کرتے جاتے ہیں، جو صرف ایک صاحب شریعت نبی ہی کے لئے مخصوص اور ضروری ہوتی ہیں۔ دوسری

طرف تعصب اور جانبداری کے صدقہ میں اسی پاک انسان پر زد پڑ رہی ہے اور مطلق نظر نہیں آتی!

7۔ روایت کے طریق پر اس کتاب کی روایات کو پڑھو تو سخت رنج ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض روایتیں اس میں یقیناً غلط ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریروں اور طرز عمل کے صریح خلاف اگر ایک روایت ہو، تو حضرت مسیح موعودؑ کو راستباز ماننے والا تو قطعاً اس کو قبول نہیں کرسکتا۔ خواہ اُس روایت کے بیان کرنے والے اہل بیت ہوں۔ صاحبزادے ہوں یا اور کوئی بزرگ ہوں۔ ہم راوی پر حرف آنے کو قبول کر سکتے ہیں، مگر مسیح موعود پر حرف آنے کو ہمارا ایمان، ہمارا ضمیر، ہمارا مشاہدہ اور ہمارا تجربہ قطعاً قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت کے فرمودہ کے صحیح مفہوم کو نہیں سمجھا یا آپ کے کسی فعل سے صحیح نتیجہ نہیں نکالا۔ جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ ورثاء کے نوحہ کرنے سے میت کو عذاب ہوتا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس کی تردید کی اور قرآن کی یہ آیت پڑھی کہ: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (164:6) یعنی کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا تو لوگوں نے کہا کہ کیا ابن عمرؓ نے جھوٹ بولا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ صرف اصل بات کے سمجھنے میں ابن عمرؓ کو غلطی لگی ہے۔ کوئی شخص مر گیا تھا جو بہت بد تھا۔ اُس کی عورتیں نوحہ کر رہی تھیں (نوحہ میں مردے کی تعریف اور خوبیاں بیان کر کے ماتم کیا جاتا ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے سُن کر فرمایا کہ ادھر تو یہ نوحہ کر رہی ہیں، اُدھر مردے پر عذاب ہو رہا ہے۔ یعنی اگر وہ شخص ایسا ہی خوبیوں کا جامع تھا، جیسا یہ بیان کر رہی ہیں تو اُس پر عذاب قبر کیا معنے رکھتا ہے؟ حضرت ابن عمرؓ کو سمجھنے میں غلطی لگی۔ اُنہوں نے عذاب کو نوحہ کا نتیجہ سمجھ لیا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے دو الگ الگ واقع بالمقابل بیان فرما کر نوحہ کرنے والوں کی غلط بیانی جتلائی تھی۔ پس اسی طرح ممکن ہے کہ کسی راوی کو خواہ وہ کتنا ہی ثِقَہ ہو کسی موقع پر غلطی لگ جاوے۔ خواہ مفہوم کے سمجھنے میں

غلطی لگے، یا راوی اپنے خیالات پر دوسرے کے خیالات کو قیاس کر لے اور یا راوی کے حافظہ یا فقاہت میں نقص ہو۔ بہر حال جو باتیں غلط ہیں وہ بہر حال غلط ہیں۔ ایک محقق کی شان سے بعید ہے کہ وہ اُنہیں قبول کرے۔ اور بالخصوص جب صریح طور پر وہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریروں اور طرزِ عمل کے خلاف ہوں۔ بلکہ بعض حالتوں میں آپ کے خلاف شان ہوں۔ مثال کے طور پر مشتے نمونہ از خروارے کچھ عرض کرتا ہوں۔

مثال نمبر 1

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ ابھی حضرت مسیح موعودؑ کے دیکھنے والے اور اُن کی پاک صحبت میں بیٹھنے والے موجود ہیں۔ اُن کو حضرت صاحب کے تعلق باللہ اور توکل علی اللہ کا خوب طور پر علم ہے کہ حضور کا مقام ان اُمور میں کس قدر بلند و عالی تھا۔ وہ اس روایت نمبر 10 کو سنیں اور حیرت و افسوس سے سر دھنیں!

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود دِنوں میں سے منگل کے دن کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ نیز بیان کیا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے کہ جب مبارکہ بیگم (ہماری ہمشیرہ) پیدا ہونے لگی تو منگل کا دن تھا۔ اس لئے حضرت صاحب نے دعا کی کہ منگل گذرنے کے بعد پیدا ہو۔ چنانچہ وہ منگل گذرنے کے بعد بُدھ کی رات کو پیدا ہوئی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ جمعہ کے دن توام پیدا ہوئے تھے اور فوت ہوئے منگل کے دن۔ اور جاننا چاہئے کہ زمانہ کا شمار صرف اہل دنیا کے واسطے ہے اور دنیا کے واسطے واقعی آپ کی وفات کا دن ایک بڑی مصیبت کا دن تھا۔''

روایت کے لحاظ سے یہ روایت نہایت ناقص اور ناتمام ہے۔ حضرت والدہ صاحبہ اپنا خیال پیش کرتی ہیں کہ حضرت صاحب منگل کے دن کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ مگر یہ انہیں کس طرح پتہ لگا کہ حضرت صاحب کا ایسا خیال تھا۔ کیا حضرت صاحب نے کبھی فرمایا تھا کہ منگل کا دن منحوس ہوتا ہے یا اپنے طرزِ عمل سے منگل کی نحوست کو جتلایا تھا؟ مثلاً جو لوگ منگل کے دن کو منحوس سمجھتے ہیں جیسے اہل ہنود وغیرہ۔ وہ منگل کو گوشت نہیں کھاتے اور مختلف

کاموں میں اس کا لحاظ رکھتے ہیں۔ کیا معاذ اللہ حضرت صاحب کا بھی یہی طرز عمل تھا۔ اگر یہ نہیں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ حضرت والدہ صاحبہ نے کسی امر میں غلطی سے اپنے خیالات پر حضرت صاحب کے خیالات کو قیاس کرلیا ہو۔ کیونکہ بالعموم مستورات منگل کے دن کو اچھا نہیں سمجھتیں۔ جب تک کوئی بین وجہ نہ ہو، ہم حضرت صاحب کی طرف اس خیال کو منسوب کر لینے کے لئے تیار نہیں۔

اب دوسرے راوی خلیفۃ المسیح ثانی میاں محمود احمد صاحب کو لو۔ ظاہر ہے کہ میاں صاحب اس وقت بچہ تھے۔ وہ کیا سمجھ سکتے تھے کہ حضرت صاحب اس وقت کس امر کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ پھر کیا حضرت صاحب میاں صاحب کو کہہ کر گئے تھے کہ میں اس امر کے لیے دعا کرنے چلا ہوں کہ پیدا ہونے والا بچہ بجائے منگل کے بُدھ کو پیدا ہو۔ یا دعا کے وقت میاں صاحب پاس کھڑے دعا کے الفاظ سنتے جاتے تھے۔ کیا یہ ممکن نہیں بلکہ اغلب یہی ہے کہ حضرت صاحب ایسے موقع پر بچہ کی ولادت کی سہولت کے لیے دعا کر رہے ہوں۔ تاکہ یہ مرحلہ بخیر وخوبی انجام پاوے اور آنے والا مولود صاحبِ نصیب ہو۔ مستورات کے دل میں جو منگل کی نحوست کا خوف تھا اُس نے والدہ صاحب یا دیگر مستورات کے دل پر یہ خیال مستولی کر دیا کہ حضور منگل کو ٹالنے کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ میاں صاحب نے مستورات سے ایک بات لے لی اور اُسے لے اُڑے۔ آگے مخاطبین اپنے مرید ہیں۔ جو سچ اور بجا کہنے اور سبحان اللہ کا نعرہ بلند کرنے کو ہر آن موجود ہیں۔

پھر روایت کے پہلو پر غور کرو۔ تو مصنف صاحب کو خود یہ خلش ہے۔ چنانچہ منگل کے دن حضرت صاحب کا وصال ہوتا ہے۔ اہل اللہ کے نزدیک محبوب حقیقی سے وصال کے دن سے بڑھ کر اور کوئی مبارک دن نہیں۔ اس لیے مؤلف صاحب فرماتے ہیں کہ دنیا والوں کے لیے وہ منحوس دن تھا۔ بہت خوب! گویا منگل ستارہ کا اثر دنیا پر تو نحس پڑ رہا ہے اور آخرت والوں پر مبارک پڑ رہا ہے۔ پھر وفات کے وقت تو حضرت صاحب ابھی دنیا میں تھے۔ اُن کے لیے وہ ایک مبارک گھڑی آ رہی تھی یا منحوس گھڑی! پھر حضرت مسیح موعودؑ نے جو تحفہ گولڑویہ میں اس دنیا کے زمانہ کو ایک ہفتہ قرار دے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ کو منگل کا دن قرار دیا ہے۔ اور آپ کے جلالی رنگ کو مریخ یعنی منگل کے رنگ میں دکھایا ہے تو یہ کیا سمجھ کر ایسا تحریر فرمایا ہے؟ کیا حضرت مسیح موعودؑ آنحضرت ﷺ کو اہلِ دنیا کے لیے باعثِ رحمت سمجھتے تھے یا نعوذ باللہ

باعثِ نحوست؟ کیا وہ ایک ایسے ستارہ کو، جسے منحوس سمجھتے تھے، آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر سکتے تھے۔ حضرت صاحب کی یہ تحریر فیصلہ کن ہے۔ پھر حضرت صاحب کے اصحاب میں سے کوئی شخص یہ بتا سکتا ہے کہ حضرت صاحب کے کسی قول یا فعل سے صراحتاً یا کنایتاً کبھی اُسے ایسا محسوس ہوا کہ آپ منگل کے دن کو منحوس سمجھتے تھے۔ قرآن میں کہیں نہیں، حدیث میں کہیں نہیں۔ حضرت صاحب کی تحریر وتقریر میں کہیں نہیں۔ اگر منگل کا دن ایسا ہی منحوس تھا تو کیا آپ کا فرض نہ تھا کہ اس راز کو جماعت کو بتلا جاتے۔ اُلٹا جماعت کے ہاتھ میں لکھ کر ''تحفہ گولڑویہ'' دے گئے۔ جس میں منگل یا مریخ کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر گئے۔ اب کس کی جرأت ہے کہ اُسے منحوس سمجھے؟ کس قدر لغو کہ وہ شخص جو قرآن کا بے نظیر علم رکھتا تھا، جس کی فیض صحبت سے بہت سے اُمی عالم قرآن بن گئے، وہ قرآن کی یہ آیت معاذ اللہ نہ جانتا تھا کہ: سَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (13:45) کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب کا سب تمہاری خدمت میں لگا ہوا ہے۔ وہ شخص، جو انسان کی خلافت الٰہی کا نکتہ جماعت کو بتلا گیا، وہ نعوذ باللہ منگل سے ڈرتا تھا اور دعا کرتا تھا کہ منگل کا دن ٹل جائے، گویا منگل کا دن ٹل جائے گا تو تقدیر الٰہی بدل جائے گی۔ اپنی غلطیوں سے خدا کے لیے حضرت صاحب کو بدنام نہ کرو۔ ہم خوب جانتے ہیں اور جس نے حضرت صاحب کا زمانہ دیکھا ہے وہ اچھی طرح علم رکھتا ہے کہ حضرت صاحب کو کس قدر استغراق اور انہماک اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں تھا۔ نہ اُس زمانہ میں پتہ لگتا تھا کہ منگل کب آیا اور اتوار کب گیا۔ سوائے ایک جمعہ کے کہ اُس روز نماز جمعہ کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔

☆☆☆

قسط دوم

مطبوعہ دراشاعت یکم رجب المرجب 1344ھ

مثال نمبر 2

مجھے سخت رنج ہوتا ہے جب ایسی لغو اور ضعیف روایتوں کا ماخذ اہل بیت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ کتنا ہی بڑا عظیم الشان انسان ہو مگر عام طور پر قاعدہ یہی ہے کہ گھر کے لوگ بوجہ بے تکلفی کے اس کے

اقوال وافعال کو احتیاط کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ یہ تو محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی خصوصیت نظر آتی ہے کہ وہاں اس قدر احتیاط برتی گئی، ورنہ عام طور پر حالت یہی ہے۔ بڑے بڑے بزرگوں اور مصلحین کی زندگی میں یہی نقشہ نظر آتا ہے۔ اوپر کی مثال میں یہی وجہ غلطی کی معلوم ہوتی ہے۔ اسی قسم کی ایک اور مثال سنیے جسے پڑھ کر از حد رنج ہوتا ہے۔ مؤلف کتاب نے تو اس روایت کو اس خیال سے نقل کیا ہوگا کہ لاہوری احمدیوں پر زد پڑے گی، مگر آہ! زد جس پر پڑتی ہے وہ وہ مقدس انسان ہے جس کی بزرگی اور عظمت کے ہم سب قائل ہیں۔ روایت نمبر 12 سنیے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جن ایام میں حضرت مسیح موعودؑ رسالہ الوصیت لکھ رہے تھے۔ ایک دفعہ جب آپ شریف (یعنی میرے چھوٹے بھائی عزیزم مرزا شریف احمد) کے مکان کے صحن میں ٹہل رہے تھے، آپ نے مجھ سے کہا کہ مولوی محمد علی سے ایک انگریز نے دریافت کیا تھا کہ جس طرح بڑے آدمی اپنا جانشین مقرر کرتے ہیں، مرزا صاحب نے بھی کوئی جانشین مقرر کیا ہے یا نہیں؟ اس کے بعد آپ فرمانے لگے تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا میں محمود (حضرت خلیفۃ المسیح ثانی) کو لکھ دوں یا فرمایا مقرر کر دوں؟ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں میں نے کہا کہ جس طرح آپ مناسب سمجھیں کریں۔''

اس روایت کے بیان کرنے سے مؤلف کا کیا منشا ہے؟ کیا حضرت نے میاں محمود احمد صاحب کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے لیے حضرت بیوی صاحبہ سے مشورہ لیا تھا؟ کیا واقعی اگر بیوی صاحبہ فرما دیتیں تو وہ میاں محمود احمد صاحب کو اپنا جانشین مقرر کر دیتے؟ اگر یہ خیال مؤلف صاحب کا ہے تو وہ سخت غلطی پر ہیں۔ حضرت صاحب مامور من اللہ تھے۔ اُنہوں نے خدا کے حکم کے ماتحت ایک جماعت اشاعتِ اسلام اور حفاظتِ اسلام کے لیے تیار کی تھی۔ اپنی وفات کے بعد ساری جماعت کے نظام کے لیے اپنا کوئی جانشین مقرر کرنا تھا۔ اس کے لیے وصیت لکھ رہے تھے۔ اس وقت آپ نے ''بڑے آدمیوں'' کی طرح بڑے آدمیوں یعنی انبیاء اور مجددین کی سنت کو دیکھنا تھا۔ قرآن کریم پر غور کرنا تھا۔ اُس خدا سے مشورہ لینا تھا جس کی ہمکلامی کا شرف اُن کو حاصل تھا۔ اگر انسانی مشورہ کی ضرورت تھی تو بڑے بڑے صاحب الرائے لوگوں سے مشورہ کر سکتے تھے۔ یہ کوئی

پرائیویٹ جائیداد تو نہ تھی کہ جس کے نام پر چاہا ہبہ کر دیا۔ پس اتنے بڑے عظیم الشان انسان مامور من اللہ کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ اپنی وفات کے بعد جماعت کی ساری ذمہ داری کو اپنی بیوی کے اشارہ پر بلا سوچے سمجھے، بغیر استعداد اور قابلیت پر غور کیے، ایک شخص کے ہاتھ میں پکڑا دینے کو تیار تھا، حضرت صاحب کی شان پر خطرناک حملہ ہے۔ خدا کی قدرت ہے۔ شیعہ صاحبان آج تک یہی فرضی راگ الاپ رہے ہیں کہ وفات سے کچھ دن قبل حضرت نبی کریم ﷺ نے کاغذ قلم دوات منگوایا تھا کہ ایسی بات لکھ دوں جس سے تم گمراہ نہ ہو۔ وہ حضرت علیؓ کی خلافت لکھنا چاہتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کی (نعوذ باللہ) زبردستی سے وہ لکھ نہ سکے! یہاں بھی اُسی سے ملتا جُلتا قصہ نظر آتا ہے۔ مگر یہاں تو قلم دوات کاغذ حضرت مسیح موعود کے ہاتھ میں تھا۔ کسی کی مفروضہ زبردستی بھی نہ تھی۔ آپ وصیت لکھ کر دے بھی گئے، جس پر عمل ہوتا تو جماعت کے ایک کثیر حصہ کا قدم غلط راستہ پر نہ پڑتا۔ پھر کیا ہوا جو میاں محمود صاحب کو اپنا جانشین نہ بنا گئے بلکہ اپنی جگہ انجمن کو اپنا جانشین قرار دیا۔ اصل بات یوں ہے کہ وہ ایسا کام کر گئے جو اُن کی شان کے شایاں تھا۔ وہ سچی اسلامی جمہوریت کو پھر دوبارہ زندہ کر گئے جو خلافت راشدہ کے زمانہ کے بعد مٹ چکی تھی۔ وہ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (38:42) کے ماتحت انجمن کو اپنا خلیفہ بنا گئے۔ جو عین قرآن کے حکم کے مطابق تھا۔ اور یہ اُن کا وہ کارنامہ تھا جس پر احمدی جماعت جتنا بھی فخر کرے بجا ہے۔ جب حضرت بیوی صاحبہ نے فرمایا تھا کہ جو مناسب سمجھیں کریں، تو آپ نے جو کچھ مناسب سمجھا کیا۔ میاں محمود احمد صاحب کو اپنا جانشین بنانا مناسب نہیں سمجھا۔ نہ بنایا بلکہ انجمن کا پریذیڈنٹ بھی نہیں بنایا۔ گویا کسی ذمہ داری کے عہدہ کا اہل نہیں سمجھا۔ ورنہ اگر وہ اپنا جانشین بنانا چاہتے تو کم سے کم پریذیڈنٹ تو بنا دیتے۔ مگر نہیں۔ آپ اسے مناسب نہ سمجھتے تھے۔ غور کرو جب آپ کی رائے پر حضرت بیوی صاحبہ نے معاملہ کو چھوڑ دیا تھا اور آپ نے اپنی رائے میں میاں صاحب کو اپنی جانشینی کا اہل نہ سمجھا تو پھر یہ کس قدر مسیح موعودؑ کی (نعوذ باللہ) تذلیل ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ وہ اس بات کو محض اپنی بیوی کے کہنے سے کر گذرتے، جس کو بطور خود وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ آپ نے تو میاں محمود صاحب کو انجمن کے کسی ذمہ دار عہدہ کے لائق بھی نہ سمجھا۔ جانشین بنانا تو بہت دور رہا۔ پس اگر حضرت صاحب نے جناب بیوی صاحبہ سے کوئی ایسا سوال بھی کیا تھا، تو اظہر من الشمّس ہے کہ امتحاناً ایسا کیا۔ آپ معاملہ کو صاف کر دینا چاہتے تھے۔ آپ کو فکر ہوا ہوگا اور بجا فکر ہوا کہ مبادا میری وفات کے بعد میرے اہل بیت کو جانشینی کا خیال دامن گیر ہو۔ اس لیے معاملہ کو طے کر دینے کے لیے ضروری تھا کہ حضرت بیوی صاحبہ سے امتحاناً

دریافت فرما لیتے کہ شاید اُن کے دل میں کوئی ایسا خیال ہو تو ابھی ظاہر ہو جائے۔ وہ پتہ لگانا چاہتے تھے کہ آیا حضرت بیوی صاحبہ کو آپ کے مقام کی صحیح معرفت بھی ہے یا نہیں۔ کیا وہ مسیح موعود کی جانشینی کو معمولی جائدادوں یا پیر خانوں کی گدی نشینی سمجھتی ہیں یا واقعی ایک مامور من اللہ کی جانشینی کی اہمیت کو پہچانتی ہیں۔ یہ بہتر ہوا کہ حضرت بیوی صاحبہ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔ ورنہ مفت میں خفت اُٹھانی پڑتی۔ وہ مامور من اللہ تھے۔ وہ کرتے تو وہی جواب کر گئے مگر حضرت بیوی صاحبہ کو اس وقت سمجھا جاتے کہ میری جانشینی معمولی چیز نہیں کہ جس کے نام چاہا لکھ دیا۔ میں اتنے بڑے اہم کام کو بغیر خدا کے حکم کے کسی کے کہنے کہانے میں آ کر سرانجام نہیں دے سکتا۔ قوم کے نظام کے لیے وصیت کرنا ہے۔ یہ کوئی دل لگی نہیں ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا ہے۔ یہ ترکہ نہیں ہے جو اولاد کے نام لکھ دیا جائے۔ یہ خدا کی امانت ہے جو اس کے اہل کے ہی سپرد ہو سکتی ہے۔

مثال نمبر 3

کسی روایت کو لینے میں جمع کرنے والے کی کوئی غرض ہوتی ہے۔ کوئی اس سے احکام شریعت کے لیے کسی اجتہاد کا دروازہ کھلتا ہو یا کوئی اخلاقی فائدہ ہوتا ہو۔ مگر اس کتاب میں ایسی روایتیں کثرت سے ہیں، جن کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ظاہر نظر آتا ہے۔ جامع الروایات صاحب کو تو صرف یہ مقصد مدنظر ہوتا ہے کہ کسی لاہوری احمدی پر زد پڑے۔ مگر درحقیقت زد پڑتی ہے معاذ اللہ خود حضرت مسیح موعودؑ پر۔ جامع الروایات صاحب اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے اس کی پروا قطعاً نہیں کرتے کہ روایت صحیح ہے یا غلط۔ زد بیشک حضرت صاحب پر پڑتی رہے۔ صرف داغ کسی لاہوری احمدی پر لگ جائے تو چشم ماروشن دل ماشاد ہو جائے۔ لیجئے راویت نمبر 117 سُنئے۔ فرماتے ہیں:

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ میں اور چند آدمی، جن میں غالباً مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب بھی تھے، حضرت صاحب سے ملنے کے لیے اندر آپ کے مکان میں گئے۔ اس وقت آپ نے ہم کو خربوزے کھانے کے لیے دیئے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جو خربوزہ مجھے آپ نے دیا

وہ موٹا تھا چنانچہ آپ نے دیتے ہوئے یہ فرمایا اسے کھا کر دیکھیں یہ کیسا ہے؟ پھر خود ہی مسکرا کر فرمایا موٹا آدمی منافق ہوتا ہے، یہ پھیکا ہی ہوگا۔ مولوی صاحب کہتے ہیں چنانچہ وہ پھیکا نکلا۔ مولوی صاحب نے یہ روایت بیان کر کے ہنستے ہوئے کہا۔ اُس وقت میں دُبلا ہوتا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہر موٹا آدمی منافق ہوتا ہے بلکہ حضرت صاحب کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو آرام طلبی کے نتیجہ میں موٹا ہو گیا ہو وہ منافق ہوتا ہے۔''

اس روایت میں خواجہ کمال الدین صاحب پر زد کرنا مقصود تھی۔ وہ موٹے تھے۔ اس لیے حضرت صاحب کی زبان سے ایک قاعدہ گھڑوایا گیا کہ ''موٹا آدمی منافق ہوتا ہے۔'' مطلب یہ کہ خواجہ صاحب منافق ہیں ۔ یہ روایت اس شکل میں گھڑ کر پہلے خود راوی کو اپنی فکر ہوئی۔ وہ خود موٹے تھے۔ اس لیے اُنہوں نے تو اپنی یوں جان چھڑوائی کہ میں اس وقت دُبلا تھا۔ بہت اچھا! اُس وقت دُبلے تھے تو اب تو موٹے ہو۔ لہٰذا آپ کی روایت کے مطابق اب آپ منافق ہو۔ پھر جامع الروایات صاحب کو فکر پڑی کہ وہ خود بدولت بھی ایک حد تک موٹے ہیں ۔ مولوی عبدالکریم مرحوم بھی موٹے تھے۔ میر ناصر نواب مرحوم موٹے تھے۔ ایک زمانہ تھا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم موٹے تھے۔ میر اسحاق موٹے، حافظ روشن علی موٹے، خود مولوی شیر علی راوی موٹے۔ اجی موٹوں کی تو ایک فہرست ہے جو گننے لگوں تو خواہ مخواہ وقت ضائع ہو۔ اس واسطے اُنہوں نے اپنی طرف سے ایک شرط بڑھائی کہ ''جو آرام طلبی کے نتیجہ میں موٹا ہو گیا ہو۔'' تو عرض یہ ہے کہ آپ کے موٹے احباب کون سی مشقت کر کر کے موٹے ہو گئے۔ اور آپ کو حضرت صاحب کے ایک عام اصول پر کسی تخصیص کے بڑھانے کا حق ہی کیا حاصل ہے؟ اگر یہ سچ ہے کہ موٹا آدمی منافق ہوتا ہے تو قادیان میں بہت ہیں جن کو خارج البلد کرنا چاہئے ۔ اب آیئے درایتاً اس پر نظر ڈالیں۔ خربوزہ موٹا مولوی شیر علی صاحب کو دے کر اس کے پھیکا ہونے پر یہ استدلال کرنا کہ چونکہ موٹا آدمی منافق ہوا کرتا ہے، اس لئے موٹا خربوزہ بھی پھیکا ہوگا، کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ قاعدہ کلیہ تھا تو ایسا خربوزہ کسی دوست کو دینا ہی بے معنی تھا۔ اگر یہ کہو کہ مذاق سے ایسا کہا تو پھر ایسے مذاق کو نقل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، جس کے نیچے کوئی حقیقت نہ تھی۔ اور پھر جامع الروایات صاحب کو اس سے کوئی

نتیجہ نکالنے کا کیا حق تھا! پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ جو لوگ حضرت مسیح موعود کے اخلاق سے واقف ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ کے اخلاق اتنے اعلیٰ پایہ پر تھے کہ آپ کی صحبت میں بڑے سے بڑا دشمن بھی آپ کے اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ اپنی مجلس میں ایک دشمن کا بھی دل دکھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ کے منہ پر جنہوں نے گالیاں دیں اُن سے بھی آپ اخلاق سے پیش آتے رہے۔ تو پھر آپ کے ایسے اخلاق کریمانہ سے یہ کبھی توقع ہوسکتی ہے کہ آپ کی مجلس میں ایک موٹا آدمی بیٹھا ہو اور آپ ایک ایسا فقرہ بول کر کہ موٹا آدمی منافق ہوتا ہے، اس کا دل دکھاویں۔ یہ تو معمولی اخلاق کے لوگ بھی نہیں کرتے۔ اگر کسی میں کوئی خلقی عیب ہو تو اس کے سامنے اس پر اعتراض کرنا یا مذاق کرنا یا اس پر طعن کے طریق پر زد مارنا کسی مہذب انسان کا کام نہیں۔ پھر کجا مسیح موعود صاحب خلق عظیم کا بروز، لوگوں کے عیب پر پردے ڈالنے والا، کجا یہ نمونہ کہ ایک موٹے آدمی کے منہ پر در پردہ اس کا مذاق اُڑاتا ہے۔ جنہوں نے حضرت صاحب کی مجلسیں دیکھی ہیں اللہ جانتا ہے اُنہیں مولوی شیر علی صاحب کا حضرت مسیح موعودؑ کے اخلاق پر یہ حملہ سخت گراں گذرے گا۔ معاذ اللہ گویا حضرت صاحب اس طرح خواجہ صاحب پر در پردہ چوٹیں کر کے اپنے جلے پھپھولے پھوڑا کرتے تھے۔ اگر اُن کو منافق سمجھتے تھے تو اُنہیں کان سے پکڑ کر نکال دیتے۔ بجائے اس کے کہ در پردہ چوٹیں کر کے اپنے اخلاق پر داغ لگاتے (نعوذ باللہ منہ)۔ مولوی شیر علی صاحب پر اگر بہت حسن ظن سے کام لیا جاوے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن کو سمجھنے میں غلطی لگی۔ بجائے اس کے کہ ایک مہمل فقرہ حضرت صاحب کی طرف منسوب کیا جائے یہ ماننا پڑے گا کہ مولوی شیر علی صاحب کو سمجھنے میں غلطی لگی۔ بھلا موٹاپے کو منافقت سے کیا تعلق؟ جسم کی فربہی اور لاغری کو ایمانیات میں کیا دخل؟ ایسا فقرہ حضرت صاحب کی طرف منسوب کرنے سے پہلے مولوی شیر علی صاحب کو خود سمجھ لینا چاہئے تھا کہ مجھے یقیناً غلطی لگی ہے۔ اغلب ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ موٹا خربوزہ منافق ہوتا ہے۔ یعنی جیسی اُس پر توقع ہوتی ہے، عموماً ویسا نہیں نکلتا، تو بات بالکل صاف اور معقول تھی۔ مگر خواجہ صاحب پر زد کیسے پڑتی؟ لہٰذا خربوزہ کا آدمی بنا دیا۔

☆☆☆

قسط سوم

مطبوعہ دراشاعت 9/5 رجب 1344ھ

مثال نمبر 4

خواجہ کمال الدین صاحب پر ہمیشہ حسد کی نگاہیں پڑتی رہیں۔حضرت مسیح موعودؑ کی محبت اور لطف کی نگاہ خواجہ صاحب پر بہت تھی۔اس لیے وہ حاسدوں کے حملوں کے آماجگاہ بنتے رہے۔ چنانچہ مؤلف صاحب نے ایک روایت نمبر 39 میں قاضی امیر حسین صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کا ایک جھگڑا بیان کیا ہے۔اس میں حضرت صاحب کے کسی قول وفعل کی روایت نہیں بلکہ قاضی صاحب کا اور خواجہ صاحب کا ایک جھگڑ زیب رقم فرمایا ہے۔روایت چونکہ بہت لمبی ہے،اس لیے اس کا خلاصہ لکھ دیتا ہوں۔خواجہ صاحب نے کہیں قاضی صاحب سے کہا کہ حضرت صاحب میری ''عزت'' کرتے ہیں (معلوم نہیں خواجہ صاحب کے اصل لفظ کیا ہوں) قاضی صاحب کو،معلوم ہوتا ہے، یہ ناگوار ہوا۔وہ اپنا امرتسر کا واقعہ بیان کر کے خواجہ صاحب کو ڈراتے ہیں کہ کہیں اُنہیں منافق سمجھ کر حضرت صاحب خاطر نہ کرتے ہوں۔ واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ملازم کو فرمایا کہ چاء بنا کر لے آوَ۔قاضی صاحب کو خیال ہوا کہ مجھے منافق اور کمزور ایمان والا سمجھ کر چاء نہ منگوائی ہو۔کیونکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض وقت آنحضرت ﷺ ایسے لوگوں کو بھی مال دے دیا کرتے تھے،جن کو ٹھوکر لگ جانے کا اندیشہ ہوتا تھا۔یعنی اُن کی تالیف قلوب کر دیا کرتے تھے۔(اَلْمُنْتَہٰی) اصل روایت کو پڑھ لو۔یہی مفہوم ہے آنحضرت ﷺ اگر ایسے لوگوں کو بھی مال دے دیا کرتے تھے،جن کو ابتلاء آ جانے کا اندیشہ تھا،تو اب اس سے کیا یہ نتیجہ نکلے گا کہ جن جن صحابہؓ کو مال ملا کرتا تھا،سب ایسے ہی لوگ تھے! خوب!شیعوں کے بھی کان کتر دیئے۔

کمزور ایمان والوں میں اور منافق میں بہت بڑا فرق ہے۔ایک وہ لوگ ہوتے تھے جو اسلام میں نئے نئے داخل ہوتے تھے۔ضرور ہے کہ اُن میں ایمان کی وہ پختگی نہ ہو جو دن رات صحبت میں رہنے والوں میں ہوتی ہے۔ایسے لوگوں کی تالیف قلوب ضروری تھی۔اور ایک وہ لوگ تھے جو بظاہر مسلمان تھے مگر درپردہ اسلام کے دشمن تھے۔یہ منافق تھے۔ان کے لیے تو آنحضرت ﷺ کو حکم تھا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (73:9) کہ اے نبی! کفار اور منافقوں سے جہاد کرو اور اُن کے مقابلہ میں کرارا پن اختیار کرو۔

تو کیا یہ مان لیں کہ قرآن کے حکم کے خلاف نبی کریم ﷺ منافقوں کی حد سے زیادہ خاطر مدارات کیا کرتے تھے! پھر اب بڑی مشکل ہو گی۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ جس جس کی خاطر کیا کرتے تھے، انہیں اب ہمیں منافق سمجھ لینا چاہئے۔ اس میں آپ کے بہت سے احباب آ جاتے ہیں۔ اور حضرت صاحب کس کی طرح خاطر نہیں کیا کرتے تھے؟ مگر نہیں۔ مفتی محمد صادق صاحب پر اگر حضرت صاحب کی نگاہِ لطف ہو، تو وہ مفتی صاحب کی بزرگی پر دلیل ہو، جیسا کہ اسی کتاب میں مرقوم ہے۔ اور خواجہ صاحب پر اگر نگاہِ لطف ہو تو وہ خواجہ صاحب کی منافقت پر دلیل ٹھہرے! تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (22:53) یہ وہ انصاف اور دیانت ہے جس کے بل بوتے پر صحابہ کرامؓ کی عزت اور عظمت پر حملہ کرنے سے مصنف صاحب فرق نہیں کرتے۔

مثال نمبر 5

خواجہ صاحب کی طرح مولوی محمد علی صاحب محسوب یاراں رہے۔ اس کتاب میں بھی اُن پر وار کرنے کے لیے جو کوششیں کی گئی ہیں، اُن میں اس بات کی پرواہ نہیں کی گئی کہ روایت صحیح ہے یا غلط۔ اور صریح غلط باتیں منسوب کر دینے سے فرق نہیں کیا۔ چنانچہ روایت نمبر 41 ملاحظہ ہو۔ اگر مصنف صاحب سلسلہ کا کوئی اخبار ہی اس وقت کا دیکھ لیتے یا 'حقیقۃ الوحی' ہی کھول کر پڑھ لیتے تو ایک غلط واقعہ لکھنے کے مرتکب نہ ہوتے۔

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود نماز ظہر کے بعد مسجد میں بیٹھ گئے۔ اِن دِنوں میں آپ نے شیخ سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق لکھا تھا کہ یہ ابتر رہے گا اور اس کا بیٹا جواب موجود ہے وہ نامرد ہے گویا اس کی اولاد آگے نہیں چلے گی (خاکسار عرض کرتا ہے کہ سعد اللہ سخت معاند تھا اور حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف بہت بیہودہ گوئی کیا کرتا تھا) مگر ابھی آپ کی یہ تحریر شائع نہ

> ہوئی تھی۔اس وقت مولوی محمد علی صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ ایسا لکھنا قانون کے خلاف ہے۔اس کا لڑکا اگر مقدمہ کر دے تو پھر اس بات کا کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ وہ واقعی نامرد ہے۔حضرت صاحب پہلے نرمی کے ساتھ مناسب طریق پر جواب دیتے رہے۔مگر جب مولوی محمد علی صاحب نے بار بار پیش کیا اور اپنی رائے پر اصرار کیا تو حضرت صاحب کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور آپ نے غصے کے لہجہ میں فرمایا ''جب نبی ہتھیار لگا کر باہر آجاتا ہے تو پھر ہتھیار نہیں اُتارتا۔''

یہ روایت، جس میں مولوی محمد علی صاحب کی طرف ایک سرتا پا غلط بات منسوب کی گئی ہے، کیوں نقل کی گئی ہے۔اس لیے کہ مولوی صاحب پر زد پڑے۔ یہ واقعہ تو اس وقت ہی شائع ہو چکا تھا۔اخباروں کو پڑھ لیا ہوتا۔خود حضرت صاحب نے حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے۔اُسے دیکھ لیا ہوتا۔عبدالرحمٰن مصری تو اُس وقت لڑکے ہوں گے۔اور میرا اغلب خیال ہے کہ وہ اس مجلس میں موجود نہ ہوں گے۔ ورنہ ایسا کذب صریح بیان کرنے کی ایسے زمانہ میں اُن کو جرأت نہیں ہوسکتی تھی۔ جبکہ وہ لوگ ابھی زندہ موجود ہیں جو اس مجلس میں شامل تھے۔اور یہ اس کتاب کی روایتوں کا خاصہ ہے کہ پتہ نہیں لگتا کہ راوی جو بیان کررہا ہے اس نے خود دیکھا یا سنا ہے یا کسی سے سن کر بیان کررہا ہے۔اصل واقعہ یوں ہے کہ حضرت مسیح موعود 'حقیقۃ الوحی' لکھ رہے تھے۔اس میں اپنے نشانات جہاں تحریر فرمارہے تھے، وہاں سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق ابتر ہونے کا بھی نشان تھا۔سعد اللہ مر چکا تھا مگر اس کا بیٹا ابھی زندہ تھا۔اس کے متعلق خبر ملی کہ وہ نامرد ہے۔آپ نے یہ نشان 'حقیقۃ الوحی' میں تحریر فرمادیا کہ میرا الہام کیا صحیح نکلا کہ سعد اللہ خود مر گیا اور اس کا لڑکا جو ہے وہ نامرد ہے۔اس لیے آگے کو اس کی نسل منقطع ہے۔چونکہ اس قسم کے معاملات میں قانونِ حکومت کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔اور ایک دفعہ کرم دین بھین والے سے اسی قسم کا مقدمہ ہو چکا تھا، اس لئے آپ نے خواجہ کمال الدین صاحب کو حکم دیا تھا کہ کتاب شائع ہونے سے پہلے ان اُمور پر نظر ڈال لیں۔اُنھوں نے حضرت کے حکم کے مطابق نظر ڈالی تو اُنہیں یہ بات مخدوش نظر آئی۔ چنانچہ حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ مبادا سعد اللہ کا لڑکا اس پر قانونی چارہ جوئی کرے۔آپ کو چونکہ سعد اللہ کے ہاتھوں بہت دُکھ پہنچا تھا۔آپ نے جوش سے قسم کھائی کہ میں اسے ضرور لکھوں گا۔اُس وقت حضرت مولانا نورالدین مرحوم

نے یہ حدیث پڑھی کہ: رُبَّ اَشْعَثٍ اِغْبَرَّ لَوْ اَقْسَمَ بِاللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ یہ پراگندہ گردآلود بالوں والے کبھی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ انہیں پوری بھی کردیتا ہے۔خدا کی شان! یہی حدیث بعد میں حضرت صاحب کو الہام ہوتی ہے۔اور قبل اس کے کہ حقیقۃ الوحی شائع ہو وہ لڑکا مرجاتا ہے جس سے وہ قانونی اندیشہ جاتا رہتا ہے۔اب فرمائیے! مولوی محمد علی صاحب کا اس سے واسطہ کیا۔وہ اس مجلس میں موجود ضرور تھے۔مگر عرض کرنے والے خواجہ صاحب۔ اورعرض بھی اس لیے کی تھی کہ حضرت صاحب نے خود حکم دیا تھا کہ اس میں اگر کوئی قانونی نقص ہوں تو دیکھ کر بتاؤ۔ مگر روایت کو کس بُری طرح پیش کیا ہے۔گویا مولوی محمد علی صاحب نے ضد کرکر کے حضرت کو ناراض کر دیا او رمولوی محمد علی صاحب کا نہ اس سے کوئی واسطہ۔مگر جڑ دی اُن کے ذمہ۔قربان جایئے اس احتیاط پر! جو جمع روایت میں مدنظر ہے اور ایسی جھوٹی روایات پر،جن کے راوی ایسے راستباز ہیں۔

☆☆☆

قسط چہارم

مطبوعہ دراشاعت 12 رجب المرجب 1344ھ

مثال نمبر 6

مولوی محمد علی صاحب کی نسبت جو جھوٹی روایت مل جائے وہ مصنف صاحب کے نزدیک بالکل سچی ہے۔بشرطیکہ اُن پر زد پڑتی ہو۔جب جامع الروایات خود مولوی محمد علی صاحب کی نسبت یہ فقرہ تحریر فرمائیں کہ وہ ''فتنہ کی رو میں بہہ گئے'' تو اب اُن سے سوا اس کے کیا توقع ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی دھڑے بازی کو مدنظر رکھتے ہوئے روایتیں جمع کریں گے۔مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک جامع الروایات کا یہ منصب نہ تھا کہ وہ اپنی جانبداری کو روایتوں کے جمع کرنے میں دخل دیتا۔لیکن جب روایتیں جمع کرنے سے حدیثوں کی محض ایک نقل اُتارنا مقصود ہوتو پھر تحقیق اور انصاف سے کیا واسطہ؟ اب ایک اور روایت 283 سنیے،فرماتے ہیں:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ ایک دفعہ محمد علی

صاحب یہاں ڈھاب میں کنارے پر نہانے لگے۔ مگر پاؤں پھسل گیا اور وہ گہرے پانی میں چلے گئے اور پھر لگے ڈوبنے۔ کیونکہ تیرنا آتا نہیں تھا۔ کئی لوگ بچانے کے لیے پانی میں کودے۔ مگر جب کوئی شخص مولوی صاحب کے پاس جاتا تھا تو وہ اُسے ایسا پکڑتے تھے کہ وہ خود بھی ڈوبنے لگتا تھا۔ اس طرح مولوی صاحب نے کئی غوطے کھائے۔ آخر شاید قاضی امیر حسین صاحب نے پانی میں غوطے لگا لگا کر نیچے سے ان کو کنارے کی طرف دھکیلا تو وہ باہر آئے......''

اس واقعہ کے وقت معلوم ہوتا ہے مولوی شیر علی صاحب وہاں موجود نہ تھے۔ ورنہ وہ اس واقعہ کو ایک غلط پیرایہ میں نہ بیان کرتے۔ صرف سنی سنائی آگے دھکیل دی جس کا افسوس ہے۔ اور اس واقعہ کو مصنف صاحب نے تو معلوم ہوتا ہے صرف اس لیے درج کیا ہے کہ اس میں یہ مزید ار فقرہ ہے کہ

''جب کوئی شخص مولوی صاحب کے پاس جاتا تھا تو وہ اُسے ایسا پکڑتے تھے کہ وہ خود بھی ڈوبنے لگتا تھا''

تو اے ہمارے خوش اعتقاد مریدو! مولوی صاحب اس وقت بھی ڈوب رہے ہیں۔ جو کوئی اُن کے پاس جائے گا وہ اُسے ایسا مضبوط پکڑیں گے کہ خود بھی ڈوب جائے گا۔ ورنہ تالابوں پر نہاتے ہوئے ایسے واقعات اکثر ہو جاتے ہیں۔ اس خصوصیت سے ''سیرۃ'' میں لکھا جانا آخر کچھ معنے رکھتا ہے۔ کیا ہوا اگر واقعہ میں کچھ جھوٹ بھی مل گیا۔ مگر شریک پر تو زد پڑ گئی۔ اصلی واقعہ صرف اس قدر ہے کہ مولوی محمد علی صاحب ڈھاب میں کنارے پر نہا رہے تھے۔ قاضی امیر حسین صاحب بھی نہانے آ گئے۔ جیسی اُن کی اُجڈ پنے کی عادت ہے، اپنی پنجابی زبان میں یہ کہہ کر کہ کنارے پر نہانے کا کیا مزہ ہے، مولوی صاحب کو آگے دھکیل لے گئے۔ آگے گڑھا تھا اور ڈباؤ پانی تھا۔ مولوی صاحب ڈوبنے لگے اُنہوں نے قاضی صاحب کو بے اختیار پکڑ لیا۔ قاضی صاحب بجائے اس کے کہ مولوی صاحب کو سہارا دیتے اپنا پنڈا چھڑا کر بھاگے۔ وہ تو کہو کہ کنارے پر کوئی صاحب کھڑے تھے جو تیرنا جانتے تھے۔ اُنہوں نے فوراً کود کر مولوی صاحب کو سہارا دیا تو اُبھر آئے اور اللہ نے بچا لیا۔ ورنہ قاضی صاحب نے تو ڈبو دینے میں کوئی کسر نہیں رکھی تھی۔ اب اس روایت میں قاضی صاحب بجائے ڈبونے والے کے بچانے والے قرار پاتے

ہیں! پھر جو جاتا ہے مولوی صاحب اس کو دبوچ کر ڈبونے کی کوشش کرتے ہیں۔ واہ! قربان! لاہوریوں کی نسبت تو ایسی روایتیں، جھوٹی ہوں یا سچی۔ یاروں کو بہت مزہ دیتی ہیں۔ خوش عقیدہ مرید پڑھتے ہوں گے اور روتے ہوں گے یا چٹخارے لیتے ہوں گے۔ آخر کتاب کا ایک مقصد یہ بھی تو ہے کہ یاروں کے لیے خوانِ یغما مہیا کیا جائے۔

مثال نمبر 7

لاہوری احمدی تو اُن کے نزدیک ہوئے ہی گردن زنی۔ اُن پر جو زد پڑے وہ درست۔ چلتے چلتے ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب پر یہ وار کر دیا کہ اُنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی مرض وفات میں انجکشن یعنی پچکاری پستان کے قریب کی جس سے جگہ اُبھر آئی۔ اور اس طرح گویا آپ کو تکلیف دی گئی۔ حالانکہ دل کی طاقت کے لیے پچکاری کرنا اُن کا فرض تھا۔ مگر یہاں نیکی برباد گناہ لازم والا معاملہ ہے۔ لاہوری احمدی ہونا تھوڑا جُرم ہے؟ وہ ہر حال میں قصوروار ہیں۔ مگر اس کو کیا کیا جاوے کہ خود مصنف صاحب حضرت صاحب کی طرف بعض روایات میں ایسی باتیں منسوب کر جاتے ہیں جو حضرت صاحب کے صریح مسلک کے خلاف ہیں۔ آپ کا طرزِ عمل، آپ کی تحریریں اور تقریریں سب اُن کی تکذیب و تردید کرتی ہیں۔ مگر جامع الروایات صاحب ہیں کہ آنکھیں بند کیے جمع کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کا نمونہ بھی سن لیجیے۔ روایت نمبر 168 میں فرماتے ہیں۔

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوری نے کہ ایک دفعہ یہ ذکر تھا کہ یہ جو چہلم کی رسم ہے، یعنی مردے کے مرنے سے چالیسویں دن کھانا کھلا کر تقسیم کرتے ہیں، غیر مقلد اس کے بہت مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کھانا کھلانا ہو تو کسی اور دن کھلا دیا جائے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ چالیسویں دن غرباء میں کھانا تقسیم کرنے میں یہ حکمت ہے کہ مردے کی روح کے رخصت ہونے کا دن ہے۔ پس جس طرح لڑکی کو رخصت کرتے ہوئے کچھ دیا جاتا ہے، اسی طرح مردے کی روح کی رخصت پر بھی غرباء میں کھانا دیا جاتا ہے۔ تا اُسے اُس کا ثواب پہنچے۔ گویا اس روح کا تعلق اس دنیا سے پورے طور پر چالیس دن میں قطع ہوتا ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ صرف حضرت صاحب نے اس

رسم کی حکمت بیان کی تھی ورنہ آپ خود ایسی رسوم کے پابند نہ تھے۔‘‘

یہ روایت نقل کر کے خود مصنف صاحب کو بھی کھٹکا ہے کہ حضرت صاحب کا طرزِ عمل اس کے خلاف تھا۔ اس لیے یہ فرماتے ہیں کہ یہ ’’اس رسم کی حکمت بیان کی تھی‘‘ مگر انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس رسم کی یہ حکمت تمام وہ لوگ، جو یہ رسم کرتے ہیں، یہی بیان کیا کرتے ہیں اور اس بدعت کو اسی حکمت پر مبنی سمجھا جاتا ہے۔ حضرت صاحب نے اگر یہ حکمت بیان کی تو کوئی نئی نہیں بیان کی۔ کیا وجہ تھی کہ ایسی پُر حکمت رسم پر وہ خود عمل پیرا نہ تھے؟ مردے کی روح سے ایسی بے اعتنائی کہ وہ چالیسویں دن رخصت ہو رہی ہے اور سارے قادیان میں ایک فردِ بشر نہیں جو اسے جہیز دے کر رخصت کرے۔ اور یہ حکمت حضرت صاحب صرف عبداللہ سنوری کو بتاتے ہیں اور ساری جماعت کو اس سے محروم رکھتے ہیں، اور خود بھی اس حکمت سے محروم رہتے ہیں۔ کیوں حضرت صاحب کو بدنام کرتے ہو؟ دوستی کے پردے میں دشمنی نہ کرو۔ میں اگر صاحب الروایات ہوتا تو ایسی لغو روایت کو راوی کے منہ پر مارتا۔ حضرت صاحب کے طرزِ عمل کا کس کو پتہ نہیں؟ کبھی اُنہوں نے اس امر کو جائز رکھا؟ کہ احمدی سوم یا دسویں یا بیسیویں یا چہلم یا چھ ماہی یا برسی کریں؟ پھر ایسی لغو روایت کو لینے کے کیا معنے ہیں؟ اگر ایسا ہی میاں عبداللہ سنوری پر حسن ظن سے کام لینا ہے (گو میں اُن کو اس کا اہل نہیں سمجھتا) تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُنہیں سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ چہلم کا ذکر ہو رہا ہوگا۔ حضرت صاحب نے، جو عوام الناس کا خیال چہلم کی نسبت ہے، بیان کیا ہوگا کہ وہ لوگ اسے ایسا سمجھتے ہیں۔ اگر وہ اس خیال کو ایسا پر حکمت سمجھتے تھے تو خود کیوں اس پر عمل نہیں کرتے تھے؟ اَلْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَها مشہور حدیث ہے کہ حکمت تو مومن کی گم شدہ مال ہے جہاں سے ملے لے لو۔ پھر کیوں نہ اس حکمت کو لے لیا۔ میاں عبداللہ سنوری کی فقاہت پر اتنا بھروسہ کہ خود حضرت صاحب پر ناحق زد پڑ گئی اور پتہ نہیں۔

☆☆☆

قسط پنجم

مطبوعہ در اشاعت 12 رجب المرجب 1344ھ

مثال نمبر 8

اور لیجیے۔ میاں عبداللہ سنوری صاحب کے حافظہ اور فقاہت اور ثقہ پن پر اگر بھروسہ ہے تو ایک اور شگوفہ سنو۔ جس کو پڑھ کر اللہ جانتا ہے میرا دل صدمہ سے پاش پاش ہوگیا۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت صاحب کا قدم سنت رسول اللہ ﷺ پر کس شد و مد کے ساتھ قائم تھا۔ قرآن وسنت کی اتباع کا اس قدر التزام تھا کہ وہ ان تمام وظائف کو بدعت سمجھتے تھے جو صوفیاء نے بعد میں اختراع کیے ہیں۔ اس پر اُن کی اس قدر تقریریں اور تحریریں ہیں کہ اگر نقل کرنے لگوں تو صفحوں کے صفحے سیاہ ہو جائیں۔ اس امر کو آپ کی صحبت کا فیض اُٹھانے والے سب جانتے ہیں۔ میں نے خود، جب بیعت کی تو، حضرت سے درخواست کی کہ مجھے کوئی وظیفہ بتایا جائے۔ جس سے تزکیہ نفس ہو۔ آپ نے یہی فرمایا کہ نماز کو سنوار سنوار کر پڑھا کرو۔ آپ تسبیح پھیرنے کو بھی بدعت سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا نورالدین مرحوم سے کشف قبور پر گفتگو تھی میں نے اُن سے اس کا طریق سیکھنا چاہا تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ

> ''حضرت صاحب اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔ مومن کو اپنا مقصود رضائے الٰہی کا حصول چاہئے۔ یہ سلوک کے راستے کے تماشے ہیں۔ جن سے اصل منزل مقصود تک پہنچنے میں حرج ہوتا ہے۔''

ایسا قاطع بدعات، سنت رسول کا شیدائی، خود مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے سرفراز شخص ہو اور اس کی طرف یہ روایت منسوب ہو، جس کے راوی میاں عبداللہ سنوری ہیں! روایت نمبر 156 سنیئے اور افسوس سے سر دھنیئے :

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ جب آتھم کی میعاد میں صرف ایک دن باقی رہ گیا، تو حضرت مسیح موعودؑ نے مجھ سے اور میاں حامد علی مرحوم سے فرمایا کہ اتنے چنے (مجھے تعداد یاد نہیں رہی کہ کتنے چنے آپ نے بتائے تھے) لے لو اور ان پر فلاں سورۃ کا وظیفہ اتنی تعداد میں پڑھو (مجھے وظیفہ کی تعداد بھی یاد نہیں رہی) میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے وہ سورۃ یاد نہیں رہی۔ مگر اتنا یاد ہے کہ وہ کوئی

چھوٹی سی سورۃ تھی۔ جیسے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ. اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ. وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ. تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ. فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ. (105:1-5۔مرتب) ہے۔ اور ہم نے یہ وظیفہ قریباً ساری رات صرف کر کے ختم کیا تھا۔ وظیفہ ختم کرنے پر ہم وہ دانے حضرت صاحب کے پاس لے گئے۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وظیفہ ختم ہونے پر یہ دانے ہمارے پاس لے آنا۔ اس کے بعد حضرت صاحب ہم دونوں کو قادیان سے باہر غالباً شمال کی طرف لے گئے اور فرمایا یہ دانے کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈالے جائیں گے۔ اور فرمایا کہ جب میں دانے کنوئیں میں پھینک دوں تو ہم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہئے۔ اور مڑ کر نہیں دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے ایک غیر آباد کنوئیں میں ان دانوں کو پھینک دیا اور پھر جلدی سے منہ پھیر کر سرعت کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ جلدی جلدی واپس چلے آئے اور کسی نے منہ پھیر کر پیچھے کی طرف نہیں دیکھا۔''

یہ ہے وہ مایہ ناز روایت، جسے نہ معلوم کیوں مصنف صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ اگر سورۃ کا پتہ ہوتا یا اس کے پڑھنے کی تعداد کا علم ہوتا تو خیر، کبھی کسی دشمن کے خلاف یہ عمل کر کے دیکھتے۔ یہی فائدہ سہی۔ گو نتیجہ تو اس کا اس وقت کچھ بھی نہیں نکلا۔ مگر خیر پھر تجربہ کرتے۔ لیکن نہ سورۃ کا پتہ لگا نہ تعداد وظیفہ کا علم ہوا۔ تو پھر یہ روایت کیوں نقل کی گئی؟ کیا اس لیے کہ نعوذ باللہ حضرت صاحب لوگوں کو تو ان وظائف کو بدعت بتلایا کرتے تھے اور خود در پردہ ایسے عمل کر لیا کرتے تھے، آخر یہ تماشا کیا ہے؟ کوئی حضرت مسیح موعودؑ کا ملنے والا یا اُن کی صحبت اُٹھانے والا، اگر دنیا میں اس وقت ہے تو وہ خدا کے لئے میدان میں آ کر خدا کو حاضر ناظر جان کر یہ کہہ دے کہ کیا حضرت صاحب نے اپنا کوئی مذہبی پہلو کبھی اخفاء میں رکھا؟ وہ تو چھپانا جانتے ہی نہ تھے۔ مشوروں کے وقت جہاں ہر کس و ناکس کی شمولیت دوسرے لوگوں کے نزدیک غیر مناسب ہوتی ہے، وہاں بھی اس قدر زور سے گفتگو فرمایا کرتے تھے کہ راہ چلتے سنا کرتے تھے۔ خفیہ پولیس کے اہلکاروں کو خود بلوا کر مجلس میں بٹھا لیا کرتے تھے۔

ان اُمور پر غور کرو اور پھر اس روایت کو سنو کہ حضرت صاحب رات بھر دانے پڑھوا کر صبح کنوئیں میں دانے ڈالنے جاتے ہیں۔ اور اس غضب کے اخفا کے ساتھ کہ نہ گھر والوں کو پتہ ہوتا ہے، نہ باہر والوں کو علم ہوتا ہے۔ کیوں اس روایت کو کسی کمزور دماغ کے اضغاث احلام کا نتیجہ جان کر خود روایت کرنے والے کے منہ پر نہ مار دیا گیا۔ شاید کوئی کہے کہ اس میں حرج کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کوئی حرج نہیں۔ مسیح موعودؑ اگر معمولی درجہ کے کوئی عامل ہوتے تو کچھ حرج نہ تھا۔ مگر وہ شخص جس کا قلم حکمت کے دریا بہاتا تھا، وہ شخص، جس نے دین اسلام کے سونے کو ہر طرح کے کھوٹ سے کھرا کر کے ہمارے ہاتھوں میں دیا، وہ شخص، جس نے ان وظائف کو بدعات بنا کر ہمیں ہر قسم کے توہمات سے آزاد کیا۔ وہ شخص، جسے خدا سے ہمکلامی کا شرف حاصل تھا، وہ شخص اس قدر نیچے نہیں گر سکتا کہ معمولی عاملوں کی طرح وظائف اور عملیات پر آ رہے! ایک دفعہ جب کسی نے آپ کو کہا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو کشف قبور کر کے دکھاؤ۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا کہ میں زندہ خدا سے ہم کلام ہوتا ہوں۔ مجھے مردوں سے باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایسا شخص بجائے اس کے کہ اُس خدا سے عرض کرتا، جس سے علم پا کر پیشگوئی کی تھی اور اس کے فرمودہ پر بھروسہ کر کے تقدیر الٰہی کا منتظر رہتا اور وحی الٰہی کا انتظار کرتا، وہ اپنے ملازموں سے وظیفہ پڑھوا کر ایک کنوئیں میں دانے ڈالنے جاتا ہے، یہ کبھی ممکن ہے؟

یاد رکھو! جس نے مرزا غلام احمد کو دیکھا ہے، اُسے جانا ہے، اُسے پہچانا ہے، وہ اس قسم کی لغویت کو سن بھی نہیں سکتا۔ قبول کرنا تو بہت دور رہا۔ آپ کی شان اس سے ارفع واعلیٰ تھی کہ وہ گھبرا کر کسی خلاف سنت طریق پر عمل کر گزرتے۔ وہ تو ایسے موقعوں پر جماعت کا قدم کسی خلافت سنت طریق پر پڑنے نہیں دیتے تھے۔ ان کا اپنا معاملہ تو اس سے بہت بلند تھا۔ اسی عبداللہ آتھم والی پیشگوئی کے متعلق اکثر احباب کو علم ہوگا کہ جب پیشگوئی کی میعاد قریب الاختتام تھی تو بہت سے احباب اس وقت قادیان پہنچ گئے تھے اور راتوں کو نمازوں میں اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے لیے رو رو کر دعائیں کیا کرتے تھے۔ جس دن آخری شب تھی تو لوگوں نے نماز تہجد میں بہت چلا چلا کر رونا شروع کیا اور زور زور سے دعائیں کرنے لگے۔ یہ آوازیں اندر حضرت صاحب کے گوش گزار ہوئیں تو آپ نے فوراً اپنے ملازم کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ مسنون طریق نہیں ہے۔ اور دشمنوں کو ہنسی کا موقع دینا ہے۔ اللہ اللہ کیا ایمان ہے! سنت رسولؐ کی اتباع میں کس قدر استقامت ہے کہ پیشگوئی کی میعاد ختم ہو رہی ہے۔ ایک نازک

موقع ہے۔ لوگ چلا چلا کر دعائیں کرتے ہیں۔ آپ فوراً روک دیتے ہیں کہ یہ طریق مسنون نہیں! جو شخص جماعت کے قدم کو سنت رسولؐ کے خلاف پڑنے نہیں دیتا، میاں عبداللہ سنوری اُس شخص کی نسبت ہمیں یہ سناتے ہیں کہ عین اُسی موقع پر اُس شخص کا اپنا قدم نعوذ باللہ سنت کے خلاف پڑا ہوا تھا۔ وہ اپنے ملازم سے دانے پڑھوا رہا تھا۔ واہ! میاں عبداللہ سنوری!! خوب حق نمک ادا کیا۔ دوستی کے پردے میں خود دشمنی کی۔ آگے بھی بہت سے نادانوں نے کسی بزرگ سے اپنی خصوصیت جتانے کو یا اپنے کسی عمل کے جواز کے لئے ایسی فرضی روایتیں گھڑی ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں جو آپ نے کی یا آپ کے کمزور دماغ نے اضغاث احلام کی شکل میں آپ کے نفس کی تمنا کے مطابق کوئی پریشان خواب آپ کو دکھا دیا۔ اور وہ آپ کے دماغ میں جم گیا۔

مگر جانِ بابا! آپ کی اس روایت کو کوئی ایسا شخص ہرگز ہرگز نہیں مان سکتا، جس نے حضرت صاحب کو پبلک اور پرائیویٹ حالت میں دیکھا ہے۔ آپ کی باتیں سُنی ہیں۔ آپ کی تحریروں کو پڑھا ہے۔ آپ کے مسلک کو جانتا ہے۔ آپ کے مقام کو پہچانتا ہے۔ اتنے بلند مرتبہ کا انسان صاحب وحی والہام ہو کر اس قدر نیچے نہیں گر سکتا کہ اپنی پیشگوئی کے پورا ہونے کے لیے ان عملیات اور وظائف پر آن رہے، جنہیں خلاف سنت رسول بتا کر جماعت کو ان سے آزاد کر چکا ہو۔ پھر لطف یہ ہے کہ سوائے میاں عبداللہ سنوری کے کسی فرد بشر کو اس واقعہ کا علم نہیں۔ اگر یہ کوئی مسنون اور کارآمد عمل تھا تو چاہئے تھا کہ حضرت صاحب اپنے دیگر احباب کو بھی اس کا علم دیتے۔ یا صبح جب اندھے کنوئیں میں دانے ڈالنے گئے تھے اُس وقت لوگ حضرت کو آتے جاتے دیکھتے۔ کیونکہ لوگ تو حضرت صاحب کے باہر تشریف لانے کے حد درجہ متمنی رہا کرتے تھے۔ اور ہمہ وقت حضور کی رونق افروزی کے شوق میں چشم براہ رہا کرتے تھے۔ حضرت نکلے نہیں اور لوگ پروانوں کی طرح آپ پر نثار ہوئے نہیں! یہ تو ایک مسلمہ بات ہے۔ مگر کیا عجیب معاملہ ہے کہ کسی فرد بشر نے آپ کو نہ آتے دیکھا نہ جاتے دیکھا۔ بس پتہ ہے تو میاں عبداللہ سنوری کو اور کسی کو نہیں! درحقیقت یہ ساری کرامات میاں عبداللہ سنوری کی معلوم ہوتی ہیں واہ رے میاں عبداللہ سنوری! مظہر العجائب و الغرائب !! قائل ہو گیا میں حضور کی کرامات کا!!! اس طریق سے حضرت صاحب کو لے گئے اور لے آئے کہ نہ گھر والوں کو پتہ لگا، نہ باہر والوں کو علم ہوا۔ ''ایں کار از تو آید و مردان چنیں کنند'' عقل کا فتویٰ تو یہی ہے کہ یہ سب آپ کے دماغ کا ایجاد کردہ کرشمہ ہے۔ ورنہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ

حضرت مسیح موعود تمام مسنون طریقے دعا وعبادت کے چھوڑ کر عملیات پر نعوذ باللہ آن گرے۔ آپ کا تعلق تو زندہ خدا سے تھا۔ آپ کی زندگی تو اس کے کلام سے تھی۔ آپ کی وہ سنتا تھا اور اس کی آواز کو آپ سنتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کے قلب کو جو طمانیت اور سکینت حاصل تھی وہ ایک معجزہ کا رنگ اپنے اندر رکھتی تھی۔ چنانچہ عبداللہ آتھم والی پیشگوئی کی میعاد کے آخری دن عصر کے وقت جب آپ نے احباب کو بلایا اور فرمایا کہ عبداللہ آتھم نہیں مرے گا۔ کیونکہ بوجہ اس کے ہم وغم اور رجوع قلبی کے اللہ تعالیٰ نے اس کی میعاد کو بڑھا دیا ہے تو دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ اکثر احباب کے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ مگر آپ کی طمانیت قلبی اور چہرہ کی بشاشت میں ایک لمحہ کے لیے ذرہ برابر بھی تو فرق نہ آیا۔ ایک کاذب کے لیے اُس وقت کس قدر گھبراہٹ کا مقام تھا مگر ایک صادق جانتا ہے کہ ایک بات جو خدا کی طرف سے اُس پر بذریعہ الہام نازل ہوئی تھی اُس نے لوگوں کو پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب خدا جس رنگ میں چاہے اسے پورا کر لے۔ اس کے باریک در باریک علوم پر کون احاطہ کر سکتا ہے۔ جب عبداللہ آتھم نے گستاخی کی۔ اس پر جو کچھ سزا اس کے لیے مقدر تھی سنا دی کہ اس نے رجوع کیا۔ ہراساں ہوا، روتا رہا، ڈرتا رہا، گستاخی سے باز رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں تاخیر ڈال دی اور اپنے مامور کو اطلاع دی کہ:

> اطلع اللّٰہ عَلٰی ھَمِہٖ وَغَمِہٖ وَلَنْ تَجِدَلِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا یعنی اللہ کو اس کی پریشانی اور غم کا علم ہو گیا۔ پس ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اپنی سنت پر عمل کرے گا۔ یعنی اس کو مہلت دے گا۔ اللہ اپنی سنت کو نہیں بدلتا۔

وہ کسی کی ذرہ برابر نیکی کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ اس رجوع کا فائدہ ملزم کو ضرور دیا جائے گا۔ اس الہام سے حضرت صاحب پر علم کا نیا دروازہ کھل گیا۔ پیشگوئیوں کے متعلق علم وحکمت کے اس راز سربستہ کو واضح کرنے کے لیے آپ نے ایک مضمون لکھا۔ احباب کو جمع کیا اور سنایا۔ پھر اشتہار اور کتب کے ذریعہ سے تمام عالم میں شائع کیا۔ اہل علم اور صاحب فہم لوگوں نے علم وحکمت کے ان موتیوں سے حسب استعداد اپنے دامن بھر لیے۔ ادھر زندہ خدا کا علم وحکمت بھرا کلام حضرت مسیح موعود پر نازل ہو رہا تھا اور معرفت کے موتی اہل علم وصاحب ذوق لوگوں کی محفلوں میں لٹ رہے تھے۔ اُدھر بفحوائے مثل کہ ''فکر ہر کس بقدر ہمتِ اُوست'' میاں عبداللہ سنوری خواب میں پڑے ہوئے کہیں وظیفہ پڑھ کر کنوئیں میں دانے ڈال رہے تھے۔ یہ بیچارے اسی چکر میں پڑے رہے

اور باہر والے مالا مال ہو کر چلے بھی گئے اور انہیں خبر نہ ہوئی۔ یہ بھی اپنی اپنی تقدیر اور اپنا اپنا نصیب!

مثال نمبر 9

لو ایک نکتہ اور سنو۔ اگر وفات کے وقت نبی اور ولی کا فرق معلوم نہ ہو تو اب سمجھ لو۔ روایت نمبر 11 میں حضرت مسیح موعود کی وفات کا ذکر کیا ہے۔ اُس کے آخر میں ایک عجیب وغریب نکتہ نبی اور ولی کے فرق پر لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''خاکسار عرض کرتا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مرض الموت میں آنحضرت ﷺ کو بھی سخت کرب تھا۔ اور نہایت درجہ بے چینی اور گھبراہٹ اور تکلیف کی حالت تھی۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا بھی بوقت وفات قریباً ایسا ہی حال تھا۔ یہ بات ناواقف لوگوں کے لیے موجب تعجب ہوگی۔ کیونکہ دوسری طرف وہ یہ سنتے اور دیکھتے ہیں کہ صوفیاء اور اولیاء کی وفات نہایت اطمینان اور سکون کی حالت میں ہوتی ہے۔ سو دراصل بات یہ ہے کہ نبی جب فوت ہونے لگتا ہے تو اپنی اُمت کے متعلق اپنی تمام ذمہ داریاں اس کے سامنے ہوتی ہیں اور اُن کے مستقبل کا فکر مزید براں اس کے دامن گیر ہوتا ہے۔ تمام دنیا سے بڑھ کر اس بات کو نبی جانتا اور سمجھتا ہے کہ موت ایک دروازہ ہے جس سے گزر کر انسان نے خدا کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ پس موت کی آمد جہاں اس لحاظ سے اس کو مسرور کرتی ہے کہ وصال محبوب کا وقت قریب آن پہنچا ہے۔ وہاں اس کی عظیم الشان ذمہ داریوں کا احساس اور اپنی اُمت کے متعلق آئندہ کا فکر اسے غیر معمولی کرب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ مگر صوفیا اولیاء ان فکروں سے آزاد ہوتے ہیں۔ ان پر صرف ان کے نفس کا بار ہوتا ہے۔ مگر نبیوں پر ہزاروں لاکھوں کروڑوں انسانوں کا بار۔ پس فرق ظاہر ہے۔''

اس دقیقہ معرفت پر ''ناواقف'' چھوڑ، واقف لوگوں کو بھی جس قدر تعجب ہو کم ہے۔ کیا عجیب وغریب

نبی اور ولی کا فرق بتایا ہے! گویا نبی وفات کے وقت نفس مطمئنہ سے بے نصیب ہو جاتا ہے۔قرآن نے خود ہر ایک صاحب نفس مطمئنہ کی وفات کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔میری اور کسی اور کی بحث کی ضرورت نہیں۔فرماتا ہے: يَآاَيَّتُهَا النَّفُسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ. وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (30-27:89) یعنی اے نفس اطمینان یافتہ! اپنے رب کی طرف لوٹ۔تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

اس آیت سے صاف پتہ لگتا ہے کہ نبی ہو یا ولی وفات کے وقت اس کے نفس کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے ایک اطمینان اور سکینت نصیب ہوتی ہے۔کیونکہ یہ لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو اسی دنیا میں جنت میں داخل ہو گئے ہوتے ہیں۔اُن کے نفس کو اسی زندگی میں کامل سکون اور اطمینان جناب احدیت کے قرب اور وصال سے حاصل ہو گیا ہوتا ہے۔باقی رہا نزع کے وقت کا کرب اور بے چینی! یہ تو انسان کی جسمانی طاقت اور بیماری کی قسم پر مبنی ہوتا ہے۔اگر وفات کے وقت بدنی طاقت زیادہ مضبوط ہے۔نزع کی تکلیف زیادہ ہوگی۔اگر جسم بہت کمزور ہو گیا ہے اور گُھل گیا ہے۔نزع کی تکلیف کم ہوگی۔جو لوگ زکی الحس ہوتے ہیں اُن کو تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔اسی طرح بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔بعض ایسے امراض ہوتے ہیں کہ تکلیف بہت کم ہوتی ہے۔مثلاً بعض قلبی بیماریاں کہ انسان بیٹھے بیٹھے مر جاتا ہے۔اس میں مرنے والے، خواہ مومن ہوں یا کافر، نبی ہوں یا ولی، خدا کے قانون کے نیچے یکساں آتے ہیں۔البتہ فرق ایک مقرب الی اللہ کا دوسروں سے یہ ہوتا ہے کہ اُسے اسی کرب کی حالت میں بھی ایک نفس مطمئنہ نصیب ہوتا ہے جو اوروں کو نہیں ہوتا۔وہ اس بے چینی میں بھی اپنے قلب میں ایک سکینت اور طمانیت پاتا ہے جس سے دوسرے محروم ہوتے ہیں۔باوجود بے چینی اور تکلیف کے آنحضرت ﷺ نے ملک الموت سے آخر یہی فرمایا کہ اَلْحَقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى کہ مجھے میرے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔جو اس موت کو اپنے محبوب سے ملنے کا ذریعہ سمجھ رہا ہے، اُس کے قلب کی طمانیت اور سکینت کا اندازہ ہر ایک کر سکتا ہے۔اسی طرح میں نے خود اُن ڈاکٹروں سے سنا جو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے وقت قریب تھے کہ آپ باوجود کرب کے بار بار زبان مبارک سے یہی فرماتے تھے کہ اے میرے اللہ! اے میرے پیارے اللہ! اے میرے پیارے! اے میرے پیارے! جو شخص وفات کے وقت باوجود بے چینی اور تکلیف کے، اپنے رب کو

اس پیار سے بلا رہا ہے، اُس کے قلب کی طمانیت اور سکینت ظاہر ہے۔ اجی حضور! فرق عام لوگوں اور مقربین میں طمانیت قلب کا ہوتا ہے نہ کہ جسمانی کرب اور تکلیف کا۔ جسمانی کرب اور تکلیف تو مومن و کافر پر اُن ظاہری قوانین کے مطابق، جو جسم پر اثر کرتے ہیں، یکساں ہوتی ہیں۔ البتہ فرق قلب اور روح کی حالت میں ہوا کرتا ہے۔ مومن روحانی قوانین سے فائدہ اُٹھا کر سکینت اور طمانیت کا وارث ہوتا ہے۔ جو ایک کافر یا ایک عام آدمی کو نصیب نہیں ہوتیں۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ مصنف صاحب کو روایات جمع کرتے کرتے نبی اور ولی کے اس زبردستی کے فرق پر بحث کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ صرف اس لیے کہ آنحضرت ﷺ تو مسلمہ طور پر نبی ہیں۔ اگر مسیح موعودؑ کے لیے اس رنگ میں بھی آپ سے مماثلت پیدا کر دیں اور باقی اولیاء کو بغیر کافی علم ہونے کے صرف اپنی قلم سے یہ لکھ دیں کہ سب کے سب وفات کے وقت چپ کر کے سو گئے تھے تو پھر ہمیں ایک خصوصیت مل جائے گی۔ اور ہم اسے بھی حضرت صاحب کی نبوت ثابت کرنے کے لئے جھٹ پیش کر دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کر دکھایا۔ بس وہی ایک دھن سارے محمودی کیمپ میں چلتی ہے کہ نبی ثابت کرو۔ جدھر جاؤ۔ نبی! جدھر سنو۔ نبی۔ چاروں طرف یہی گونجتا ہے کہ نبی! نبی! نبی!

☆☆☆

قسط ششم

مطبوعہ دراشاعت 19 رجب المرجب 1344ھ

مثال نمبر 10

لو! نبی بنانے کے لیے ایک اور جدوجہد سُن لو۔ اس نبی بنانے کی دُھن میں مدہوشی کا عالم اس قدر ہے کہ خود حضرت مسیح موعودؑ پر زد مار جاتے ہیں اور انہیں پتہ نہیں لگتا۔ اور اگر ہوش و حواس قائم ہیں تو پھر شائد اسے جائز سمجھتے ہوں گے۔ حضرت مسیح موعودؑ تو ہمیشہ نبوت کا انکار کرتے رہے۔ نبوت کا لفظ، جو اُن کے متعلق حدیثوں

میں آ گیا ہے یا خود اُن کی اپنی تحریروں میں آ گیا ہے، اُس کے متعلق صاف تحریر فرما گئے کہ: مَا نعنی مِنَ النَّبُوَّۃِ مَا یعْنی فِی الصُّحُفِ الْاُوْلیٰ (حقیقۃ الوحی) یعنی ہم نبوت سے وہ مراد نہیں لیتے جو پہلی آسمانی کتابوں میں مراد لی گئی۔ چلو فیصلہ ہو گیا کہ تمام آسمانی کتابیں، جو آج تک آ چکیں، ان میں نبوت کا لفظ جن معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے، اُن معنوں میں آپ کی نبوت نبوت نہیں ہے۔ آپ کی مراد نبوت سے کچھ اور ہے۔ یعنی صرف کثرت مکالمہ ومخاطبہ۔ جیسا کہ خود فرمایا کہ: مَا عنی اللّٰهُ مِنْ نَّبُوَّتِیْ اِلَّا کَثْرَۃُ الْمَخَاطَبَۃِ وَ الْمَکَالَمَۃِ (حقیقۃ الوحی) ان دونوں فقروں سے نتیجہ یہ نکلا کہ

1۔ پہلی تمام آسمانی کتابوں میں نبوت کا لفظ جن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ان معنوں کی رُو سے حضرت صاحب کی نبوت، نبوت نہیں ہے۔

2۔ حضرت صاحب کی نبوت کے معنی اُن معنوں سے الگ ہیں اور وہ ہیں کثرت مکالمہ مخاطبہ۔

3۔ پس ایک اور نتیجہ یہ نکلا کہ پہلی تمام آسمانی کتابوں میں نبوت کا لفظ کثرت مکالمہ مخاطبہ کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا بلکہ اس کا مفہوم کچھ اور رہا ہے۔

پھر میاں محمود احمد صاحب کا ''حقیقۃ النبوت'' میں نبوت کی یہ تعریف کرنا کہ نبوت کہتے ہی کثرتِ مکالمہ مخاطبہ کو ہیں۔ اور اس کو پہلے صحیفوں سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا کیا حضرت مسیح موعودؑ کی صریح تحریروں کے خلاف نہیں؟ پھر لوگ کہتے ہیں کہ صاحبزادے معصوم ہیں۔ جو یہ کہیں مان لو۔ فرمایئے یہ آنکھوں دیکھی مکھی کس طرح نگل لی جائے! مگر زبردستی جو حضرت صاحب کو نبی بنانا تھا۔ میاں محمود احمد صاحب حقیقۃ الوحی کے صفحہ 391 کو پکڑ کر بیٹھ گئے کہ حضرت صاحب وہاں لکھ گئے ہیں کہ اس اُمت میں نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص ہوں۔ بہت اچھا یونہی سہی کہ حضرت صاحب ہی نبی کا نام پانے کے لئے مخصوص ہیں۔ مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ کیا نبوت کا منصب آپ کو ملا تھا جس کی وجہ سے یہ نام آپ کو ملا تھا۔ یا بوجہ کثرت مکالمہ مخاطبہ کے بطور اعزاز کے آپ کو یہ نام ملا تھا۔ اگر نبوت کے منصب پر آپ کھڑے کیے گئے ہوں گے تو یہ نام حقیقت کے طور پر آپ پر عائد ہوگا اور اگر محض اعزاز کے طور پر یہ نام آپ کو دیا گیا ہے تو پھر یہ نام آپ پر مجازی طور پر عائد ہوگا۔ سو اس کا فیصلہ اپنی قلم

سے آگے چل کر اسی حقیقۃ الوحی میں خود کر گئے ہیں کہ:

سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ یعنی اللہ کی طرف سے میں نے یہ نام حقیقت کے طور پر نہیں پایا بلکہ مجاز کے طور پر پایا۔

براہین احمد یہ حصہ پنجم میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ یہ صرف ایک ''اعزازی نام'' ہے۔ چلو بحث ختم ہوگئی۔ حضرت صاحب اس نام پانے کی تشریح خود اپنی قلم سے کر گئے اور زید و بکر کے لئے تشریح کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ قصہ ختم ہوا۔ مگر جب دُھن یہی ہو کہ کسی طرح ختم نبوت کی مُہر کو توڑ کر نبوت کا دروازہ کھولا جائے تو پھر انسان چاروں طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ میاں محمود احمد صاحب نے جب کثرت سے حوالے اپنے خلاف دیکھے تو گھبرا کر ان سے مفر کی یہی راہ سوچی کہ حقیقۃ النبوۃ میں یہ اعلان کر دیا کہ حضرت صاحب نے 1901ء میں اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا۔ چلو اس سے قبل کے حوالوں سے تو جان چھوٹی۔ حضرت صاحب پر تبدیلی عقیدہ کا داغ لگا تو بلا سے! اس اعلان کی جو لغویت ہے وہ کسی بیان کی محتاج نہیں۔ کیونکہ بعد میں بھی آپ اپنے نبوت کے نام پانے کو مجاز ہی ٹھہراتے ہیں۔ مگر جو کام گھبراہٹ میں ہو وہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ حالانکہ لوگوں کو عقیدہ میں تبدیلی نظر نہیں آتی مگر وہ فرماتے ہیں کہ نہیں۔ تبدیلی کی اور ضرور کی۔ بہت اچھا صاحب جی! مگر ''تریاق القلوب'' کو کیا کریں؟ اس میں تو نبوت سے صاف انکار ہے۔ اور وہ 1902ء کی کتاب ہے۔ تو ارشاد ہوا کہ نہیں تریاق القلوب 1901ء سے پہلے کی کتاب ہے۔ صرف شائع 1902ء میں ہوئی ہے۔ بہت اچھا۔ مگر کیا ایک مصنف 1902ء میں، جبکہ ایک کتاب شائع کرے گا، اس میں اپنے جو عقائد شائع کرے گا، اس کا وہ شائع کرتے وقت ذمہ دار ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب تو کوئی نہ تھا مگر مرید سب یک زبان ہو کر زبان حال سے چلائے کہ بس کرو۔ زیادہ نہ پڑھو۔ جو سرکار فرماتے ہیں، وہ بجا اور درست ہے۔ اب جو اعتراض کرے گا وہ منافق ٹھہرے گا۔ ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ بہت اچھا۔ مگر اب حضرت صاحب کی تحریر کو کیا کریں؟ وہ حقیقۃ الوحی میں نشان نمبر 118 میں اپنی شان وہی تسلیم کرتے ہیں جو تریاق القلوب میں ہے۔ اور وہ کیا تسلیم کرتے ہیں؟ الہام میں حکم ہوتا ہے کہ کہہ دے کہ تیری وہی شان ہے۔ گویا خدا فرماتا ہے کہ آپ کی وہی شان ہے جو تریاق القلوب میں مذکور ہے۔ نشان نمبر 118 حقیقۃ الوحی سے نقل کر دیتا ہوں۔ یہ حضرت صاحب کی اپنی تحریر ہے۔ لہٰذا فیصلہ کن ہے:

> ''ایک دفعہ میں گورداسپور میں ایک فوجداری مقدمہ کی وجہ سے (جو کرم دین جہلمی نے میرے اوپر دائر کیا تھا) موجود تھا۔ الہام ہوا: یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ شَانِکَ۔ قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ یعنی تیری شان کے بارہ میں پوچھیں گے کہ تیری کیا شان اور کیا مرتبہ ہے کہہ وہ خدا ہے جس نے مجھے یہ مرتبہ بخشا ہے۔ پھر ان کو اپنے لہو ولعب میں چھوڑ دے۔ سو میں نے یہ الہام اپنی اس جماعت کو، جو گورداسپور میں میرے ہمراہ تھی، جو چالیس آدمی سے کم نہیں ہوں گے، سنا دیا۔ جس میں مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے اور خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے پلیڈر بھی تھے۔ پھر بعد اس کے جب ہم کچہری میں گئے تو فریق ثانی کے وکیل نے مجھ سے یہی سوال کیا کہ آپ کی شان اور آپ کا مرتبہ ایسا ہے جیسا کہ تریاق القلوب کتاب میں لکھا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں خدا کے فضل سے یہی مرتبہ ہے۔''

یہ نشان جہاں حضرت صاحب کے منجانب اللہ ہونے پر نشان ہے، وہاں اس بات پر بھی نشان ہے کہ آپ نے 1901ء میں تبدیلی عقیدہ ہرگز نہیں کی۔ ورنہ وہ کس طرح عدالت کے سامنے غلط بیان دے سکتے تھے یا اپنی کتاب میں اپنے عقیدہ کے خلاف لکھ سکتے تھے؟ اس زد نے محمودیت کی جڑوں کو ہلا دیا۔ لہٰذا محمودی کیمپ سے ایک پہلوان خم ٹھونک کر نکلا اور حضرت صاحب کے بیان کردہ نشان کو مٹانے کے لیے خود بیان دینا شروع کیا۔ جسے مرزا بشیر احمد صاحب نے اسی کتاب سیرۃ المہدی میں روایت نمبر 28 کی شکل میں درج کیا ہے۔ میں ساری روایت درج نہیں کرتا۔ کیونکہ بہت کچھ زوائد بھی ہیں۔ صرف اتنا حصہ درج کرتا ہوں جس کی یہاں ضرورت ہے۔ مولوی شیر علی صاحب سے روایت نمبر 28 چل رہی ہے:

> ''مولوی صاحب نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک الہام مجھے یاد ہے اور وہ یہ ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ شَانِکَ۔ قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ یعنی تیری شان کے متعلق سوال کریں گے تو ان سے کہہ دے 'اللہ'۔ پھر چھوڑ دے ان کو ان کی بیہودگیوں میں۔ دوسرے دن جب آپ عدالت میں پیش ہوئے تو وکیل مستغیث نے

آپ سے منجملہ اور سوالات کے یہ سوال بھی کیا کہ یہ جو آپ نے اپنی کتاب تحفہ گولڑ ویہ میں اپنے متعلق لکھا ہے اور اس نے اس کتاب سے ایک عبارت پڑھ کر سنائی جس میں آپ نے بڑے زور دار الفاظ میں اپنی علو مرتبت کے متعلق فقرات لکھے ہیں کیا آپ واقعی ایسی ہی اپنی شان سمجھتے ہیں؟ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہاں اللہ کا فضل ہے یا کوئی ایسا ہی کلمہ بولا۔ جس میں اللہ کی طرف بات کو منسوب کیا تھا۔''

اس روایت میں جو بات پیدا کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت صاحب نے جو حقیقۃ الوحی میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ عدالت میں مجھ سے تریاق القلوب میں تحریر کردہ شان کی نسبت سوال ہوا تھا یہ غلط تحریر فرمایا ہے۔ عدالت میں تحفہ گولڑ ویہ کی نسبت سوال ہوا تھا۔ اس طرح 1901ء والی عقیدہ کی تبدیلی پر جو زد پڑ رہی تھی اس سے اپنے خیال کے مطابق بچاؤ کی صورت پیدا کی گئی اور دل میں سمجھے کہ حضرت صاحب نے اگرچہ تریاق القلوب اور تحفہ گولڑ ویہ دونوں 1901ء سے پہلے لکھنا شروع کی تھیں اور شائع بعد میں کیں۔ مگر ان میں سے صرف تریاق القلوب کی نسبت ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ 1901ء سے پہلے کی ہے اور تحفہ گولڑ ویہ کی نسبت شکر ہے ایسا نہیں لکھ دیا تھا ورنہ بڑی مشکل پڑتی۔ اب تو خیر مولوی شیر علی اس مشکل سے نجات دلانے کے لیے ایک فرشتہ کی شکل میں آن پہنچے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں عدالت میں تحفہ گولڑ ویہ کی نسبت سوال ہوا تھا۔ ''تریاق القلوب'' حضرت صاحب نے غلط لکھا ہے۔ مصنف صاحب تو اس روایت کو نقل کر کے بالکل خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل والا مضمون ان کے لیے ہو گیا وہ مطلق کوئی ریمارک نہیں کرتے کہ حضرت صاحب نے حقیقۃ الوحی میں بجائے تحفہ گولڑ ویہ کے تریاق القلوب آخر کیوں لکھ دیا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ اور مولوی شیر علی صاحب میں سے اب کس بزرگ کی روایت کو ترجیح دی جائے۔ لیکن وہ کچھ لکھیں یا نہ لکھیں، یہ بات ظاہر ہے کہ ترجیح اُس شخص کو دی جائے گی جس سے خود عدالت میں سوال ہوا۔ جس نے خود بیان دیا۔ جس کے ثقہ ہونے میں کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ اور وہ مسیح موعود ہے۔ لیکن مصنف صاحب اگر ایسا لکھیں تو آہ! محمودیت کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ اس لیے خاموشی معنے دارد کہ در گفتن نمے آید۔ یہ خاموشی خود بتا رہی ہے کہ مصنف صاحب حضرت مسیح موعود کی روایت کو پس پشت ڈال رہے ہیں اور مولوی شیر علی صاحب کی روایت کو ترجیح دے رہے ہیں۔ ورنہ وہ اسے درج کیوں

کرتے؟ حضرت صاحب کی روایت کے بالمقابل اسے درج کرنا ہی گستاخی تھی۔ مگر ایک راستہ نکلنے کا رکھا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت صاحب آخر انسان تھے۔ اُن کے حافظہ نے غلطی کی۔ انہیں یاد نہیں رہا۔

بہت اچھا۔ حضرت صاحب اگر انسان تھے اور اُن کا حافظہ غلطی کر سکتا ہے تو مولوی شیر علی صاحب بھی تو انسان ہیں۔ فرشتہ نہیں۔ اُن کا حافظہ غلطی نہیں کر سکتا؟ اب جب دونوں انسان ہیں اور دونوں کے حافظے غلطی کر سکتے ہیں تو اب قرائن عقلی کو لینا پڑے گا کہ کس کے حافظہ میں غلطی کا احتمال اس موقع پر زیادہ ہو سکتا ہے۔ ایک شخص خود بیان دینے والا ہے۔ اُس سے سوال ہوتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے اور الہام کے ماتحت جواب دیتا ہے۔ دوسرا شخص تماشائی ہے۔ اگر عدالت کے کمرہ سے باہر دونوں کے بیان میں اختلاف نظر آئے تو فرمایئے کہ ان دونوں میں سے کس شخص کی بات پر زیادہ یقین کیا جائے گا۔ کجا مسیح موعودؑ، کجا مولوی شیر علی۔ بہ بین تفاوت راہ از کجا است تا بکجا۔ چلو! بطریق تنزل ہم مان لیتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کے حافظہ نے غلطی کی ہے اور مولوی شیر علی صاحب کے حافظہ نے غلطی نہیں کی۔ تو اس سے بنا کیا؟ 1906ء میں حضرت مسیح موعودؑ حقیقۃ الوحی لکھ رہے ہیں۔ وہ اپنی کتاب میں لکھ رہے ہیں کہ میں نے عدالت میں یہ بیان دیا تھا کہ میری وہی شان ہے جو تریاق القلوب میں درج ہے۔ اگر تریاق القلوب منسوخ تھی تو وہ 1906ء میں یہ کس طرح لکھ سکتے تھے کہ میں نے عدالت میں یہ کہا تھا کہ میری وہی شان ہے جو تریاق القلوب میں ہے۔ وہ نہ سوچتے کہ تریاق القلوب تو منسوخ ہو چکی۔ میں کیسے بیان دے سکتا ہوں یا کم سے کم اب اپنی کسی کتاب میں کیسے لکھ سکتا ہوں کہ میری وہی شان ہے جو تریاق القلوب میں مَیں نے لکھی ہے۔ غور کرو کہ وہ اپنے اس عقیدہ کو بدل کر، جو تریاق القلوب میں لکھا تھا، حقیقۃ الوحی میں پھر کس طرح لکھ سکتے تھے جو تریاق القلوب میں لکھی ہوئی ہے۔ ورنہ ایسی خطرناک غلطی وہ کس طرح کر سکتے تھے کہ تریاق القلوب والا عقیدہ 1901ء میں تبدیل کر کے پھر 1906ء میں آ کر لکھ دیتے کہ میرا تو وہی عقیدہ ہے جو تریاق القلوب میں ہے۔ اور میں نے عدالت کے سامنے یہی بیان دیا تھا۔ آپ کا حقیقۃ الوحی میں تریاق القلوب والی شان کو اپنی شان قرار دینا صاف بتلاتا ہے کہ عقیدہ تبدیل کرنا تو دور رہا، آپ کے کبھی ذہن میں بھی نہیں گذرا کہ تریاق القلوب منسوخ ہے۔ ورنہ ایسی خطرناک غلطی وہ کس طرح کر سکتے تھے جس کو اگر مان لیں تو اُن کی تمام تحریروں سے امان اُٹھ جاتا ہے۔ الغرض نشان نمبر 118 نے 1901 والی تبدیلی عقیدہ کی ساری عمارت کو مسمار

کر کے ھباءً منشوراً کردیا۔ لیکن ابھی ہمیں ایک اور پہلو سے اس پر نظر ڈالنا ہے۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ عدالت کے سامنے حضرت صاحب نے یہ فرمایا کہ میری وہی شان ہے جو میں نے تحفہ گولڑویہ میں لکھی ہے، تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اس میں کیا شان لکھی ہے۔ کیا اس میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ کیا اپنی وحی کو وحی نبوت قرار دیا ہے؟ اس کے لیے ''تحفہ گولڑویہ'' کے صفحہ 83 کو پڑھ لو۔ فرماتے ہیں:

''کیونکہ قرآن شریف جیسا کہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ اور آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں حضرت عیسیٰ کو مار چکا ہے ایسا ہی آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اور آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں صریح نبوت کو آنحضرت ﷺ پر ختم کر چکا ہے اور صریح لفظوں میں فرما چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں جیسا کہ فرمایا: وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ لیکن وہ لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ دنیا میں واپس لاتے ہیں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بدستور اپنی نبوت کے ساتھ دنیا میں آئیں گے اور برابر پینتالیس برس تک ان پر جبریل علیہ السلام وحی نبوت لے کر نازل ہوتا رہے گا۔ اب بتلاؤ کہ اُن کے عقیدہ کے موافق ختم نبوت اور ختم وحی نبوت کہاں باقی رہا بلکہ ماننا پڑا کہ خاتم الانبیاء حضرت عیسیٰ ہیں۔''

1۔ حضرت صاحب خاتم النّبیّن میں خاتم کے معنے ختم کرنے والے کے بتا رہے ہیں۔

2۔ نہ صرف نبوت ختم کررہے ہیں بلکہ وحی نبوت کو بھی ختم کررہے ہیں۔

3۔ حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ آجانے سے وحی نبوت دوبارہ جاری ہوجائے گی۔ جو ختم نبوت کے منافی ہے۔ اس لیے ان کا آنا ممتنع ہے۔

نبوت کے متعلق کیا یہ وہی عقیدے نہیں جو 1901ء سے پہلے کی کتب میں آپ تحریر فرما چکے ہیں۔ پھر تبدیلی عقیدہ کہاں ہوئی؟ کچھ کرو یہ بیل تو اب منڈھے نہیں چڑھتی۔ اور کوئی کیا کرے خود حضرت صاحب اس بیل کو منڈھے نہیں چڑھنے دیتے۔

☆☆☆

قسط ہفتم

مطبوعہ دراشاعت 7 فروری 1926ء

مثال نمبر 11 - 12 و 13

صاحب شریعت نبی کے متعلق بعض روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی جمع کر لی جاتی ہیں تا کہ اگر کوئی سنت رسول کا شیدائی ہو تو استحبابی رنگ میں ان پر عمل کر کے ثواب حاصل کر سکے۔ مگر صاحب شریعت نبی کے علاوہ اور کسی بزرگ کے متعلق یہ ضروری نہیں کہ اس کے معمولی روزمرہ کے کاموں کو سیرت کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا جاوے۔ تاہم محمد رسول اللہ ﷺ کے بالمقابل جامع الروایات صاحب کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ حضرت مسیح موعود کی بھی معمولی روزمرہ کی باتیں قلمبند نہ ہوں! ان کا فائدہ خواہ ہو یا نہ ہو مگر رسول اللہ ﷺ کے بالمقابل لکھنا تو ضرور ہوا۔ سمجھ نہیں آتا کہ ان مستحبات کے لیے اب حضرت مسیح موعود کے روزمرہ کو دیکھنا کافی ہے یا رسول اللہ ﷺ کے روزمرہ کے معلوم کرنے کی ہمیں ابھی ضرورت باقی ہے۔ یا تو کہہ دیں کہ اب تم رسول اللہ ﷺ کے روزمرہ سے بے نیاز ہو۔ اور اگر نہیں تو پھر ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں لکھنے سے کیا فائدہ تھا کہ حضرت رات کو تہ بند باندھ لیا کرتے تھے۔ ریشمی آزار بند پہن لیا کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہاں تک کہ حضرت صاحب کے ملازم میاں عبداللہ سنوری کی کاپی میں سے روزمرہ کے باورچی خانہ کا حساب نقل کر مارا۔ دھنیا، پیاز، تھوم، مرچ وغیرہ سب نقل کر دی۔ ایک پوری روایت نمبر 133 اسی سے مزین کی گئی ہے۔ مجھے تو پڑھ کر شرم آئی کہ اس کتاب کے پڑھنے والے غیر لوگ بھی ہوں گے وہ ایک سیرۃ میں دھنیے مرچ کا یہ حساب دیکھ کر کیا کہیں گے؟ آخر اس سے کیا فائدہ تھا۔ اپنی اپنی جگہ سب کھانے پینے کے اخراجات کا حساب رکھتے ہیں۔ کیا مصنف صاحب کا یہ مطلب ہے کہ صرف یہی چیزیں کھایا کرو جو اس کاپی میں لکھی ہیں اور اتنی ہی مقدار میں یا کچھ اور مطلب ہے؟ پھر اس قسم کی روایات میں تضاد کی پرواہ نہیں۔ چنانچہ نشان نمبر 163 میں کہیں تو لکھ دیا ہے کہ حضرت صاحب بُھنا گوشت پسند کرتے تھے، کہیں لکھ دیا ایسا شوربہ پسند کرتے تھے جو دیر تک پکتا رہا ہو اور بوٹیاں خوب گل کر اس میں

ان کا عرق مل گیا ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ گاڑھا شوربہ پسند کرتے تھے، کہیں لکھ دیا پتلا پانی سا شوربہ پسند کرتے تھے کہ ایک آنہ کے گوشت میں آٹھ آدمی کھالیں۔ آخر اس گڑبڑ سے فائدہ! بات صاف تھی مگر لکھے کون؟ ایک اصول کے ماتحت لاکر یہ تمام تضاد مٹ سکتے تھے۔ مگر مٹایا کیوں جائے۔ اسی تضاد، ناسخ ومنسوخ، گڑبڑ میں ہی تو مزہ ہے! اسی چکر میں تو مریدوں کو ڈال کر انہیں سر پیر کا پتہ نہیں لگنے دیتے۔ موٹی بات تھی کہ اہل اللہ کو کھانے میں کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے کھلائے سے کھاتے ہیں اور پلائے سے پیتے ہیں۔ جو کچھ بھی ان کے سامنے آجائے اُسے وہ شوق اور رغبت سے اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر کھالیتے ہیں۔ بُھنا گوشت آجائے تو اور پتلا پانی سا شوربہ سامنے آجائے تو ان کے لیے یکساں شکر کا مقام ہے۔ اپنی خواہش سے وہ پتلا شوربا اس لیے پسند کرتے ہیں کہ اس میں غربا بھی فیض یاب ہوسکتے ہیں۔ اپنے نفس کے لیے وہ بھی نہیں ہوتا۔

مثال نمبر 14

حضرت صاحب کا ایک مشہور کشف ہے جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کو ایک حاکم اعلیٰ کی شکل میں دیکھا تھا۔ اور ایک مثل پر جب وہ دستخط فرمانے لگے تو قلم کے جھاڑنے سے کچھ سرخ سیاہی کے قطرے گرے، جو عالم باطن سے عالم ظاہر میں نمودار ہو کر خود حضرت کے کرتہ پر آن گرے۔ یہ ایک بڑا عظیم الشان کشف تھا۔ اور اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ محض نیست سے ہست کرسکتا ہے۔ اس کشف کی حیثیت کو کم کرنے کی بھی اس کتاب میں کچھ کم کوشش نہیں کی گئی۔ چنانچہ روایت نمبر 194 میں فرماتے ہیں:

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد نے بواسطہ مولوی رحیم بخش ایم۔اے کہ والد صاحب کی ایک بہن ہوتی تھیں اُن کو بہت خواب اور کشف ہوتے تھے۔ مگر دادا صاحب کی اُن کے متعلق یہ رائے تھی کہ اُن کے دماغ میں کوئی نقص ہے۔ لیکن آخر اُنہوں نے بعض ایسی خوابیں دیکھیں کہ دادا صاحب کو یہ خیال بدلنا پڑا۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ کوئی سفید ریش بڈھا شخص اُن کو ایک کاغذ جس پر کچھ لکھا ہوا ہے بطور تعویذ کے دے گیا ہے۔ جب آنکھ کھلی تو ایک بھوج پتر کا ٹکڑا ہاتھ میں تھا۔ جس پر قرآن شریف کی آیات لکھی ہوئی تھیں پھر اُنہوں نے ایک اور خواب دیکھا کہ وہ کسی دریا

میں چل رہی ہیں جس پر اُنہوں نے پانی پانی کی آواز نکالی اور پھر آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو اُن کی پنڈلیاں تر تھیں اور تازہ ریت کے نشان لگے ہوئے تھے۔ دادا صاحب کہتے تھے کہ ان باتوں سے خلل دماغ کو کوئی تعلق نہیں۔''

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ واقعہ ''سیرۃ المہدی'' میں کیوں لکھا گیا۔ حضرت صاحب کی سیرت سے اسے سوائے اس کے اور کیا تعلق ہوسکتا ہے کہ یہ بتا دیا جائے کہ حضرت صاحب نے جو کشف دیکھا تھا اُن کے مامور من اللہ ہونے پر اُسے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ بعض مستورات اس سے بڑھ کر دیکھ چکی ہیں۔ بھوج پتر پر قرآن کی سورۃ لکھی ہوئی مل جاتی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ سے لوگ لکھی ہوئی کتاب مانگتے رہے اُنہیں تو نہ ملی مگر یہاں مل گئی۔ جیسا کہ حضرت صاحب کے والد صاحب مرحوم کا خیال تھا کیوں نہ اسے خلل دماغ سمجھ کر اس روایت سے پرہیز کیا گیا۔ جس بی بی کی نسبت خود اس کے والد کا یہ خیال ہو کہ اسے خلل دماغ ہے اس کی نسبت ایسے کشوف کو منسوب کر کے ''سیرت المہدی'' میں بیان کرنا خود کشوف پر سے ایمان کو اُٹھا دینے کی کوشش کرنا ہے۔ آخر یہ اُن بی بی کا اپنا ہی بیان تھا کہ مجھے کوئی بزرگ یہ سورۃ لکھی ہوئی دے گیا ہے۔ کسی نے خواب میں دیتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ پھر جس پر پہلے ہی خلل دماغ کا فتویٰ لگا ہوا ہو اس کے بیان کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے؟ اور پنڈلیاں پانی سے بھیگی ہوئی ہوں تو خواب میں یہی نظر آتا ہے کہ میں دریا میں چل رہا ہوں۔ بھلا ان باتوں کے تذکرہ سے خواہ مخواہ لوگوں کو اعتراض کا موقع دینا کیا معنے رکھتا ہے!

مثال نمبر 15

پھر اختلاف قرأت پر روایت نمبر 94 میں ایک نئے نکتہ کا انکشاف فرمایا ہے۔ لوگوں کو اب تک تو یہ علم تھا کہ وحی الٰہی میں اختلاف قرأت وہیں تک جائز سمجھا جاتا ہے، جہاں تک معنی اور مفہوم میں اختلاف نہ ہو۔ مگر اب معلوم ہوا کہ ''سیرۃ المہدی'' کے مصنف صاحب کے نزدیک اختلاف قرأت اختلاف معنی کے ساتھ بھی درست ہے۔ چنانچہ حضرت صاحب کے ایک الہام کو دو راوی بیان کرتے ہیں۔ ایک راوی تو اس میں ''ہفت سال'' کے الفاظ سناتا ہے۔ اور دوسرا راوی بجائے ہفت سال کے ''ہشت سال'' بتلاتا ہے۔ بہرحال ایک راوی غلط ہے اور دوسرا صحیح۔ کیونکہ ہفت اور ہشت ہم معنی نہیں۔ سات اور آٹھ میں صاف طور پر فرق ہے۔ مگر جامع الروایات صاحب ارشاد

فرماتے ہیں کہ اگر یہ حافظہ کے ضعف پر مبنی نہیں تو پھر یہ اختلاف قرأت ہے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہوئے کہ پڑھنے میں ہفت وہشت میں گوفرق ہے، مگر معنے میں فرق کوئی نہیں۔ آخر یہ نکات اب تک کیوں سربستہ رکھے ہوئے تھے! شکر ہے جو دنیا میں آ گئے۔ اسے اختلاف قرأت زبردستی قرار دینا محض قرآن کی ریس اُتارنے کے لیے ہے، ورنہ بات معمولی تھی کہ راویوں میں سے ایک کو صحیح یاد نہیں رہا۔ مگر نہیں۔ پھر جدت کیا ہوتی۔

☆☆☆

قسط ہشتم

مطبوعہ دراشاعت 26 رجب المرجب 1344ھ

مثال نمبر 16

لاہوری احمدی تو خیر میاں محمود احمد صاحب کی بیعت نہ کرنے کے قصوروار ہیں۔ اُن پر جو وار کیا جائے سوکم ہے۔ مگر حضرت مولانا نورالدین مرحوم پر بھی زد مارنے سے اس کتاب میں کمی نہیں کی۔ جو خلیفہ اول اور سب کے مرشد تھے۔ شاید اس میں کوئی پولیٹکل مقصد ہو۔ آخر خلافت کے لحاظ سے کچھ رقابت بھی شاید ہو: روایت نمبر 279 ملاحظہ ہو۔

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا حضرت خلیفہ ثانی نے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفہ اول کا ایک رشتہ دار، جو ایک بھنگی چرسی اور بدمعاش تھا، قادیان آیا۔ اور اس کے متعلق کچھ شبہ ہوا کہ وہ کسی بدارادے سے یہاں آیا ہے۔ اور اس کی رپورٹ حضرت صاحب تک بھی پہنچی۔ آپ نے حضرت خلیفہ اول کو کہلا بھیجا کہ اسے فوراً قادیان سے رخصت کر دیں۔ لیکن جب حضرت خلیفہ اول نے اسے قادیان سے چلے جانے کو کہا تو اس نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور کہا کہ اگر مجھے اتنے روپے دے دو گے تو میں چلا جاؤں گا۔ حضرت خلیفہ

ثانی بیان کرتے تھے کہ جتنے روپے وہ مانگتا تھا اس وقت اتنے روپے حضرت خلیفہ اول کے پاس نہ تھے۔ اس لئے آپ کچھ کم دیتے تھے۔ اسی جھگڑے میں کچھ دیر ہوگئی۔ چنانچہ اس کی اطلاع پھر حضرت صاحب تک پہنچی کہ وہ ابھی تک نہیں گیا اور قادیان میں ہی ہے۔ اس پر حضرت صاحب نے حضرت خلیفہ اول کو کہلا بھیجا کہ یا تو اسے فوراً قادیان سے رخصت کر دیں یا خود چلے جاویں۔ حضرت مولوی صاحب تک یہ الفاظ پہنچے تو اُنہوں نے فوراً کسی سے قرض لے کر اُسے رخصت کر دیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اللہ کے نبی جہاں ایک طرف محبت اور احسان اور مروت کا بینظیر نمونہ ہوتے ہیں، وہاں دوسری طرف خدا کی صفت استغناء کے بھی پورے مظہر ہوتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اول کا یہ رشتہ دار آپ کا حقیقی بھتیجا تھا اور اس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ یہ ایک نہایت آوارہ گرد اور بدمعاش آدمی تھا۔ اور اس کے متعلق اس وقت یہ شبہ کیا گیا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ شخص قادیان میں کسی فتنہ عظیم کے پیدا کرنے کا موجب ہو۔''

اس روایت کو پڑھ کر کیا سمجھ آتا ہے؟ یہی کہ حضرت صاحب کی نگاہ میں حضرت مولانا نورالدین مرحوم کی وقعت اس بھنگیڑی چرسی عبدالرحمٰن سے زیادہ نہ تھی جس کے نکالنے کا حکم دیا تھا۔ روپے کی لیت ولعل میں اُنہیں ذرا دیر ہوئی تو خود مولانا مرحوم کو نکل جانے کا حکم مل گیا۔ یہ وہ نورالدین ہے جو حضرت صاحب کے خدام میں اپنی فرمانبرداری اور علم وفضیلت کے لحاظ سے نمبر اول پر ہے۔ جو ایک بار قادیان صرف حضرت صاحب سے ملنے آیا تھا۔ آپ نے فرمایا ''یہیں ٹھہر جاؤ''۔ ٹھہر گئے۔ بھیرہ میں بنتے ہوئے مکان کی تعمیر بند کر دی۔ فرمایا ''اپنی کتابیں منگالو'' منگالیں ''ایک بیوی کو بلالو'' بلالیا۔ ''دوسری کو بھی بلالو'' بلالیا۔ ''اب یہاں سے نہ جانا''۔ نہ گئے۔ جس کی فرمانبرداری اور اخلاص پر اسی کتاب کی روایت نمبر 280 میں حضرت صاحب کے یہ کلمات تحریر ہیں۔ ''حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم مولوی صاحب کو یہ بھی کہیں کہ آگ میں گھس جاؤ یا پانی میں کود جاؤ تو ان کو کوئی عذر نہ ہوگا۔ لیکن ہمیں بھی مولوی صاحب کے آرام کا خیال چاہیئے''۔ جس شخص کی نسبت حضرت صاحب کی یہ رائے ہو، اس کو کیا اتنا فرما دینا کافی نہ تھا کہ اس شخص کو نکال دو اور پھر ان کو نکال دینے میں

کوئی تامل ہوسکتا تھا؟ اور یہ بھی تعجب کا مقام ہے کہ نورالدین، جس نے روپے کو کبھی ٹھیکری سے زیادہ وقعت نہیں دی، وہ روپے کے دینے میں لیت ولعل کررہا تھا۔ پھر چلو یونہی سہی کہ پاس نہ تھا۔ بہت اچھا۔ بہرحال وہ کچھ بھی کرتے یہ ناممکن تھا کہ وہ حضرت صاحب کے حکم کی تعمیل نہ کرتے۔ لیکن ذرا دیر جو ہوگئی تو وہ مسیح موعودؑ، جو اخلاق مجسم تھا، جو اپنے دوستوں کو ہمیشہ اپنے پاس بلانے، اپنے پاس رکھنے سے تھکتا نہ تھا، وہ محبت اور مروت کی تصویر، جو غیر مسلموں سے بھی تمام عمر تعلقات کو نبھاتا رہا، وہ اتنی ذراسی بات میں نعوذ باللہ اس قدر آپے سے باہر ہوگیا کہ مولوی صاحب مرحوم کے سارے اخلاص اور فرمانبرداری کو یک قلم فراموش کرکے اور ساری مروت اور محبت چشم زدن میں بالائے طاق رکھ کر انہیں قادیان سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ اگر ایسی ہی نکالنے کی جلدی تھی تو چاہئے تھا کہ مولوی صاحب کو بلا کر پوچھتے کہ آپ نے کیوں اُسے اب تک نہیں نکالا۔ حضرت صاحب تو وہ فیاض انسان تھے کہ اگر انہیں پتہ لگتا کہ مولوی صاحب کے پاس کوئی روپیہ نہیں ہے تو وہ خود اپنے پاس سے دے دیتے۔ ایسے فیاض اور صاحب اخلاق انسان کو کیوں بدنام کرتے ہو؟

یہ کہنا کہ عبدالرحمٰن ایک فتنۂ عظیم برپا کرنے آیا تھا، ایک لغو بہانہ ہے۔ میں عبدالرحمٰن کو خوب جانتا ہوں۔ ایک بھنگیڑی چرسی آدمی فقیر بنا پھرتا ہے۔ لوگوں کی خیرات پر اُس کا گذارہ ہے۔ میرے پاس کئی مرتبہ آیا۔ وہ بدمعاش سہی، مگر وہ قاتل نہ تھا، ڈاکو نہ تھا، کوئی عالم فاضل صاحب کمال نہ تھا کہ لوگوں کو راہ راست سے بہکا دیتا۔ یا قادیان میں کوئی قتل یا ڈاکہ کا ارتکاب کرتا اور جس سے حضرت مسیح موعودؑ اس قدر خائف ہو گئے کہ ذرا اس کے نکلنے میں دیر ہوئی تو نعوذ باللہ تمام اخلاق و مروت کو بالائے طاق رکھ کر خود مولوی نورالدین صاحب کو نکالنے لگ گئے تھے۔ حضرت مسیح موعود کوئی میاں محمود احمد صاحب نہ تھے جو غیر از جماعت ملانوں کے فرضی خوف سے رائی کا پہاڑ بنا کر، کہ حضرت صاحب کی قبر اُکھاڑنے لگے ہیں، قادیان میں چوکی پہرہ پکٹ لگاتے پھرتے تھے۔ اور ایک فتنۂ عظیم کا خوف دلا دلا کر خواہ مخواہ سوتے ہوئے لوگوں کو بے آرام کرتے پھرتے تھے۔ وہ ایک متین اور فہیم انسان تھے۔ وہ ایسی خفیف حرکتوں کو قطعاً پسند نہ کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن کو ایک بدمعاش سمجھ کر ممکن ہے نکال دینے کا حکم دیا ہو مگر ذراسی دیر ہو جانے پر خود مولوی نورالدین صاحب کو نکل جانے کا حکم دے دینا یہ صرف یار لوگوں کی جدت طرازی ہے۔ ایسے شوشے ساتھ لگ جایا کرتے ہیں۔ جب حضرت صاحب نے مولوی صاحب کو نکل جانے

کا حکم دیا تھا تو مجھے اُمید نہیں کہ میاں محمود احمد صاحب اس وقت پاس کھڑے ہوں یا اس پیغام کے پیغام بردہ ہوں۔ یونہی سُنی سنائی اُنہوں نے بھی روایت کردی۔ کبھی وہ بعض باتیں قیاس بھی کرلیا کرتے ہیں۔ جیسے روایت نمبر 154 میں میاں صاحب کا یہ فرضی قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جب مبارک احمد کی نبض مولوی نورالدین صاحب مرحوم دیکھ رہے تھے اور فرمارہے تھے کہ نبض بہت کمزور ہوگئی ہے تو درحقیقت اُس وقت مبارک احمد فوت ہو چکا تھا۔ خیر ممکن ہے کہ وہاں قیاس صحیح ہو مگر یہاں تو یقیناً غلط ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ بڑے بڑے خونخوار دشمنوں کے درمیان نہ ڈرے تو عبدالرحمٰن بیچارہ چیز ہی کیا تھا۔ مجھے حکیم فضل دین مرحوم سناتے تھے کہ جب حضرت صاحب دہلی تشریف لے گئے تو جامع مسجد میں خلقت کا بڑا ہجوم تھا اور مولویوں نے بھڑکا بھڑکا کر عوام الناس کو نہایت مشتعل کردیا تھا اور لوگ سخت شوخی اور بیبا کی دکھا رہے تھے اور قتل اور بلوے کا اندیشہ صاف نظر آتا تھا۔ اس وقت آپ کے احباب کو نہایت اندیشہ ہوا۔ چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب نے حضرت صاحب سے اس اندیشہ کو ظاہر کیا تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ مولوی صاحب مردے زندہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

بشنوید اے مردگان من زندہ ام اے شبانِ تیرہ دل من تابندہ ام

وہ مسیح موعود، جو اس قدر جم غفیر میں، جو آپ کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا، ایک دیار غیر میں نہ ڈرا تھا، وہ آکر قادیان میں اپنے گھر میں ایک بھنگیڑی چرسی سے اس قدر ڈر گیا کہ ذرا دیر ہو جانے پر خود مولوی نورالدین جیسے عزیز اور یک رنگ دوست کو نکالنے پر آمادہ ہو گیا! یہ غلط ہے اور قطعاً غلط ہے۔ صرف یار لوگوں کی ایک پھلجھڑی ہے۔ کیونکہ بغیر حاشیہ آرائی کے کوئی بات مزہ نہیں دیتی۔ صرف عبدالرحمٰن کو نکال دینے کی روایت ایسی مزیدار نہ ہوتی جیسی اب تھوڑی سی حاشیہ آرائی سے بن گئی۔ مجھے تو اُسی عبدالرحمٰن کا ایک فقرہ اب تک نہیں بھولتا۔ اُسے ایک دفعہ خود حضرت مسیح موعود نے لوگوں کی توقع کے خلاف کچھ روپے عنایت فرمائے تھے۔ اُس پر وہ کیا مزیدار فقرہ کہتا چلا گیا کہ خدا کے مامور آسمانی بارش ہوا کرتے ہیں۔ اگر باغ پر برستے ہیں تو روڑی پر بھی برس جاتے ہیں۔

☆☆☆

قسط نہم

مطبوعہ دراشاعت 14 فروری 1926ء

مثال نمبر 17

مولٰینا نورالدین مرحوم کی وقعت پر گذشتہ روایت میں جوز د ماری گئی وہ تو سن لی، اب اُن کے علم وفضل پر جوحملہ کیا گیا وہ روایت نمبر 106 بھی ملاحظہ کرلیں:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت خلیفہ اول فرماتے تھے کہ جب فتح اسلام وتوضیح مرام شائع ہوئیں تو ابھی میرے پاس نہ پہنچی تھیں اور ایک مخالف شخص کے پاس پہنچ گئی تھیں۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھواب میں مولوی صاحب کو یعنی مجھے مرزا سے علیحدہ کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ میرے پاس آیا۔ اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب کیا نبی کریم ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی ہوسکتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو پھر؟ میں نے کہا تو پھر ہم یہ دیکھیں گے کہ کیا وہ صادق اور راستباز ہے یا نہیں۔ اگر صادق ہے تو بہرحال اس کی بات کو قبول کریں گے۔ میرا یہ جواب سن کر وہ بولا۔ واہ مولوی صاحب آپ قابو نہ ہی آئے۔ یہ قصہ سنا کر حضرت مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو صرف نبوت کی بات ہے میرا تو ایمان ہے کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کریں اور قرآنی شریعت کو منسوخ قرار دیں تو بھی مجھے انکار نہ ہو۔ کیونکہ جب ہم نے آپ کو واقعی صادق اور منجانب اللہ پایا ہے تو اب جو بھی آپ فرمائیں گے وہی حق ہوگا اور ہم سمجھ لیں گے کہ آیت خاتم النبین کے کوئی اور معنے ہوں گے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ واقعی جب ایک شخص کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا یقینی دلائل کے ساتھ ثابت ہوجائے تو پھر اس کے کسی دعویٰ میں چوں و چرا کرنا باری تعالیٰ کا مقابلہ ٹھہرتا ہے۔''

اوپر کی عبارت سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ گویا مولوی صاحب مرحوم حضرت صاحب کو نبی تو کھلم کھلا مانتے

تھے اور اگر حضرت صاحب صاحبِ شریعت ہونے کا دعویٰ کرتے تو وہ اسے بھی قبول کرنے اور قرآن کو منسوخ سمجھنے کو تیار تھے۔ مگر کیا یہ صریح واقعات کے خلاف نہیں۔ ہر ایک احمدی جانتا ہے کہ وہ حضرت صاحب کی نبوت کو انبیاء سابقین کی طرح نہیں جانتے تھے بلکہ فنافی الرسول کا ایک مقام سمجھتے تھے۔ وہ اپنی تحریر و تقریر میں کبھی نبی کا لفظ نہیں استعمال کرتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ ''حضرت امام'' فرمایا کرتے تھے۔ اور جس قسم کی مجازی نبوت کا حضرت صاحب کا دعویٰ تھا اس قسم کی نبوت کو اُمت محمدیہ کے تمام اولیاء کرام اور مجددین عظام میں جاری و ساری مانتے تھے۔ ایک دفعہ کسی شخص کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ میں 13 مسلم الثبوت اولیاء کے ملفوظات سے اس قسم کی نبوت کا دعویٰ دکھا سکتا ہوں۔ اب جو چاہیں ان کی طرف عقیدہ منسوب کریں۔ وہ موجود تو نہیں جو تردید کریں گے۔ معلوم نہیں اُن کے اصل الفاظ کیا ہوں گے۔ جس قسم کی احتیاط اُن روایتوں کے جمع کرنے میں برتی جارہی ہے، اس کے لحاظ سے تو یہ تمام روایتیں پایہ اعتبار سے گری ہوئی ہیں۔ خدا جانے اُنہوں نے کیا فرمایا اور کس طرح فرمایا۔ اور راوی صاحب نے اُسے کیا سمجھا یا اُسے اپنے مطلب کے موافق ڈھال لیا۔ اگر اُنہوں نے یہ فرمایا بھی ہو کہ پہلے ہم دیکھیں گے کہ وہ صادق اور راستباز ہے یا نہیں۔ اگر صادق ہے تو اس کی بات کو قبول کریں گے، تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آخر صادق اور راستباز کا معیار کیا ہے؟ ہم بچپن سے اس کے ساتھ ہر وقت تو رہے نہیں کہ اُس کے صدق اور راستبازی کو ذاتی طور پر جانتے ہیں۔ نہ ہم اُس کے سینے کے مخفی ارادوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔ تو بہر حال صدق اور راستبازی کا معیار یہی ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی قول وفعل قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔ اگر قرآن وسنت کے خلاف ہوگا تو وہ راستباز نہیں ہوسکتا۔ پس صادق اور راستباز کا معیار تو خود قرآن وسنت ہے۔ تو مولوی صاحب کا یہ مطلب ہوا کہ اگر اس کا دعویٰ قرآن وسنت کے ماتحت ہے، تو درست ہے۔ ہم مان لیں گے۔ کیونکہ وہ پھر راستباز ہے۔ اور اگر اس کے خلاف ہے تو وہ صادق اور راستباز ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اُس کا دعویٰ غلط۔ یہ تو تعلیق بالمحال کے طور پر کلام ہے۔ جیسے قرآن میں آتا ہے کہ: اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ (81:43) کہ اگر رحمٰن کے بیٹا ہوتو میں سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کیا رحمٰن کے بیٹا ہونے کا امکان مانتے تھے؟ اگر نہیں تو پھر ظاہر ہے کہ مطلب یہ ہے کہ رحمٰن کا بیٹا ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ہوتا تو میں سب سے پہلے عبادت گزار ہوتا۔ غرض یہ کلام تعلیق بالمحال ہے۔ خود اسی روایت میں مولانا نورالدین صاحب صاف طور پر فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کا قائل نہیں۔ آگے جو کلام ہے وہ تعلیق

بالمحال کے طور پر ہے۔ یعنی اگر مدعی صادق اور راستباز ہے تو ہم اس کے کہنے کو مانیں گے۔ یعنی اس کا دعویٰ قرآن وسنت کے ماتحت ہوتو مان لیں گے،نہیں تو وہ راستباز نہیں۔ گویا مطلب یہ ہے کہ ایک راستباز قرآن وسنت کے خلاف دعویٰ کرہی نہیں سکتا۔ یہ محال ہے۔لیکن جو مطلب جامع الروایات صاحب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، اُس سے حضرت مولانا نورالدین صاحب کا تمام علم وفضل خاک میں مل جاتا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق حضرت مولانا کا مطلب یہ تھا کہ پہلے قرآن وسنت سے الگ ہوکر ایک شخص کی راستبازی کو پرکھیں گے۔ اگر ہمارے خیال میں راستباز ٹھہرا تو پھر جو کچھ وہ قرآن وسنت کے خلاف کہتا جائے گا، ہم مانتے جائیں گے اور قرآن وسنت کی تاویل کرتے جائیں گے۔ وہ کہے گا ختم نبوت غلط۔ہم کہیں گے حضور درست،اورفوراً خاتم النّبیّن کی کچھ تاویل کرلیں گے۔ وہ کہے گا قرآنی شریعت منسوخ۔ہم کہیں گے حضور ٹھیک،اورقرآن کی تمام نصوص بینہ کو پس پشت پھینک کر قرآن کو خیر باد کہہ دیں گے۔ وہ کہے گا خدا ایک نہیں، بلکہ تین ہیں۔ہم فوراً عرض کریں گے کہ سرکار بجا فرماتے ہیں اور لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کی تاویل کرکے کچھ اور معنے کرلیں گے۔آخر حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم نے آپ لوگوں کا کیا قصور کیا تھا کہ ان کی طرف ایسی لغو باتیں منسوب کرکے ان کے علم وفضل کی یوں خاک اُڑانی شروع کردی! کوئی اُن سے انتقام لینا منظور تھا؟ یا خلافت اول اُن کو مل گئی تھی اس کا رنج ہے۔مگر وہ اُن کے بس کی بات تو نہ تھی۔

اس قدر صاحب علم وفضل، وحید العصر علامہ اس کی طرف وہ باتیں منسوب کرنا جس کو کوئی سمجھدار بھی قبول نہیں کرسکتا، اس شخص کی سخت ہتک ہے۔ یہی تو بابی اور بہائی کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے پہلے باب اور بہاء اللہ کو بطور خود راستباز مان لیا۔ پھر جو وہ کہتا گیا ہم مانتے گئے۔ اُس نے کہا قرآنی شریعت منسوخ، ہم نے کہا بالکل درست۔ راستباز جو اُسے مان چکے تھے۔اب ماننے کے سوا چارہ نہ تھا۔ بیچارے مولوی نورالدین صاحب مرحوم کس قدر غضبناک ہوئے تھے، جب سنا تھا کہ قادیان میں حضرت مرزا صاحب کو صاحب شریعت نبی بنانے کی در پردہ کوشش ہورہی ہے۔ظہیر اروپی صاحب کے حضرت مرزا صاحب کو صاحب شریعت نبی قرار دینے، اور اس پر ان کے ایک رسالہ لکھنے پر کس قدر اظہار ناراضگی فرمایا تھا اور انہیں بیعت سے خارج کردیا تھا۔ظہیر صاحب تو بیچارے رسالہ لکھ کر بدنام ہوگئے۔مگر در پردہ قادیان میں میاں صاحب کی پارٹی اسی کوشش میں تھی کہ کسی طرح

حضرت صاحب کو صاحب شریعت نبی بنایا جائے۔ چنانچہ 1911ء میں یہ مواد پھوٹا۔ ایک بیٹھک میں ایک صاحب جھوم جھوم کر حضرت صاحب کا کلام پڑھ رہے تھے مَنْ فَرَّقَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ الْمُصْطَفٰى. مَا عَرَفَنِيْ وَمَارَاى میں نے یہ شعر سن کر کہا کہ اس کا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ جو شخص مجھے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بالمقابل کسی قسم کا مدعی سمجھتا ہے اور آپ سے مجھے الگ کرتا ہے اُس نے مجھے پہچانا ہی نہیں اور نہ دیکھا۔ یعنی میں تو حضور کی اُمت کا ہی ایک خادم ہوں۔ اور جو کچھ مجھے کمالات ملے ہیں وہ سب حضور ہی کے طفیل ہیں۔ لہٰذا مجھے آپ سے الگ سمجھنا غلطی ہے۔ مگر وہ فرماتے تھے کہ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ صاحب شریعت نبی تھے، لہٰذا میں بھی صاحب شریعت نبی ہوں۔ جو اُن میں اور مجھ میں فرق کرتا ہے وہ مجھے سمجھا ہی نہیں۔ یہ بحث بڑھی۔ چنانچہ سارا معرکہ ایک طرف تھا اور میں اور اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی ایک طرف تھے۔ میں نے حافظ روشن علی صاحب سے اس کا ذکر کیا تو وہ فرمانے لگے کہ بیشک مرزا صاحب صاحب شریعت نبی ہیں۔ میں نے کہا دلیل؟ فرمانے لگے کہ ہم نے تو شریعت مرزا صاحب سے سیکھی ہے۔ میں نے کہا کہ اگر ایک ہندو مسلمان ہو اور وہ کسی مولوی سے شریعت سیکھے تو وہ مولوی اُس کے لیے صاحب شریعت نبی ہوگا؟ اس کا جواب تو کچھ نہ دیا۔ فرمانے لگے ''اربعین'' میں حضرت صاحب نے صاحب شریعت نبی ہونے کا خود دعویٰ کیا ہے۔ میں نے ''اربعین'' کو جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک متشابہ کلام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ سارا طوفان بدتمیزی ہے۔ حالانکہ آگے چل کر حضرت صاحب نے بات کو خود صاف کر دیا ہے۔ میں اچھی طرح حوالہ کو سمجھ کر پھر بحث کرنے کے لیے آیا تو آگے معاملہ حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم نے خود ہی صاف کر دیا۔ ان مدعیوں کو اچھی جھاڑ پلائی کہ ہوش آ گئی۔ اور وہ فتنہ وہیں دب گیا۔ اب فرمایئے۔ مولانا نورالدین صاحب تو بقول جامع الروایات صاحب حضرت صاحب کو صاحب شریعت نبی ماننے کو تیار تھے اور لوگ کچھ مشتبہ سا حوالہ بھی پیش کرتے تھے۔ مگر اُنہوں نے وہ جھاڑ پلائی کہ ساری دھول جھڑ گئی۔ اس وقت کیوں نہ جامع الروایات صاحب نے عرض کیا کہ حضور تو فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت مرزا صاحب کو صاحب شریعت نبی ماننے کو تیار رہوں۔ اب یہ اس قدر غضبناک ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو کیا یہ ظاہر نہیں کہ آپ کے خیال سے اس کا توارد ہو گیا۔ بلکہ یہ ممکن ہے کہ آپ کے فرمودہ ہی سے اس کی توجہ اس طرف گئی ہو۔ مگر نہیں۔ حضرت مولانا مرحوم کے عقائد سب جانتے تھے۔ کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوئی کہ مرنے والا مر گیا۔ شیر نکل گیا۔ اب جو مرضی چاہے اُن کی طرف منسوب کیے

جاؤ۔

☆☆☆

قسط دہم

مطبوعہ دراشاعت 3 شعبان 1344ھ

مثال نمبر 18و19

بڑے میاں صاحب یعنی میاں محمود احمد صاحب جب سے خلیفہ ہوئے ہیں، بوجہ صاحب حال ہونے کے خلیفوں کی عجیب وغریب خصوصیات بعض موقعوں پر فرما جایا کرتے ہیں۔مگر چھوٹے میاں صاحب یعنی مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے بھی کچھ پیچھے نہیں رہے۔اُنہوں نے اپنی اس کتاب میں حسب موقع نبیوں کی بعض خصوصیات محض اپنے علم وفضل کے بل پر ایسی بیان فرمادی ہیں کہ عقل انسانی حیرت سے دنگ رہ جاتی ہے۔پہلے تو اناپ شناپ، جھوٹی سچی، ناقص ناتمام روایتیں جمع کرلیں۔پھر جب اُن کی وجہ سے حضرت مسیح موعوؑد پرزد پڑتی دیکھی تو بجائے اس کے کہ ان لغو روایتوں کو ردی کے ٹوکرے میں پھینک دیتے،فوراً ایک مقالہ سپرد قلم کردیا۔جس کا مفہوم مختصراً یہ ہوا کرتا ہے کہ ناظرین یہ نبیوں کی خصوصیت ہے۔گویا اخلاق فاضلہ کے خلاف جو کچھ نظر آوے، انہیں نبیوں کی خصوصیت سمجھ لیا جاوے! اس طرح میاں صاحب موصوف کے نزدیک حضرت صاحب کی نبوت ثابت ہوتی چلی جاتی ہے۔مگر اتنا نہ سمجھے کہ اولیاء اور انبیاء میں کمالات روحانی تو بہت حد تک مشترک ہوتے ہیں۔نبوت تو جُدا ایک منصب ہے۔پھر اخلاق فاضلہ کیوں نہ مشترک ہوں۔اور انبیاء کے اخلاق جداگانہ طور پر کچھ اور ہوں تو وہ اُمت کے لیے نمونہ کس طرح ٹھہریں! بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ حضرت صاحب نے ذرا سی بات پر اپنے یک رنگ دوست مولوی نورالدین صاحب کو نکل جانے کا حکم دے دیا اور میاں صاحب اسے نبوت کی خصوصیت بتادیں۔اسی طرح نزع کے کرب کو نبیوں کی خصوصیت بتا کر اُن کو طمانیت قلب اور سکینت سے محروم قرار دیں۔میں ان اُمور پر بحث کرکے بتلا چکا ہوں کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔اور حضرت مسیح موعودؑ کا دامن اس سے پاک ہے۔اب ایک اور لطیفہ سنیں۔وہ گو بظاہر تو سمجھ نہیں آتا،مگر غالباً میاں صاحب موصوف کے نزدیک

نبوت کا ثبوت قطعی ہوگا! روایت نمبر 157 ملاحظہ فرمائیں۔

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوری نے کہ ایک دفعہ میں مسجد مبارک میں ظہر کی نماز سے پہلی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے بیت الفکر کے اندر سے مجھے آواز دی۔ میں نماز توڑ کر حضرت کے پاس چلا گیا اور حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور میں نماز توڑ کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اچھا کیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بیت الفکر اس حجرہ کا نام ہے جو حضرت کے مکان کا حصہ ہے اور مسجد مبارک کے ساتھ شمالی جانب متصل ہے۔ ابتدائی ایام میں حضرت عموماً اس کمرہ میں نشست رکھتے تھے اور اسی کی کھڑکی میں سے نکل کر مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے۔ میاں عبداللہ سنوری نے بیان کیا کہ یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ رسول کی آواز پر نماز توڑ کر حاضر ہونا شرعی مسئلہ ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ عمل صالح کسی خاص عمل کا نام نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا نام ہے۔''

اس روایت کی لغویت ظاہر ہے۔ اس روایت سے ''سیرۃ المہدی'' کا کون سا پہلو ظاہر ہوگا۔ یہ خود جامع الروایات صاحب کو ہی علم ہوگا۔ دوسرے لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مگر اس روایت کو اگر کسی حد تک درست بھی مان لیا جائے تو اتنا تو صاف ظاہر ہے کہ خود حضرت صاحب کو آواز دیتے وقت علم نہ تھا کہ میاں عبداللہ سنوری اس وقت نماز پڑھ رہے ہیں۔ کیونکہ حضرت اس وقت بیت الفکر میں تھے اور وہاں سے مسجد میں نظر نہیں پڑتی۔ آپ کو کسی کام کے لیے ضرورت پڑی ہوگی۔ اپنے ملازم کو آواز دی (میاں عبداللہ سنوری حضرت صاحب کے پرائیویٹ ملازم تھے)۔ ملازم بجائے اس کے کہ سبحان اللہ زور سے کہہ کر اپنی نماز کو جاری رکھتے، جیسا کہ شریعت کا حکم ہے، بوجہ اپنی قلبی اور ایمانی کمزوری کے جھٹ نیت توڑ کر چلتے ہوئے۔ اور پھر لگے حضرت صاحب کی خدمت میں اپنا کارنامہ بیان کرنے! خدا جانے اُنہوں نے کیا کہا۔ اُنہوں نے کیا سمجھا اور کس بات کا جواب دیا؟ اور کیا جواب دیا؟ اور وہ کیا الفاظ تھے؟ صرف میاں عبداللہ سنوری جیسے کمزور اور ناقص فقاہت والے راوی کے حافظہ اور فقاہت پر بھروسہ کر کے اُن کی روایت کو مان لینا، جب کہ وہ فعل درست نہ ہو، سخت نادانی ہے۔ کیا یہ ممکن

نہیں کہ حضرت صاحب نے فرمایا ہو کہ ''اچھا نہ کیا''۔ اور اُنھوں نے چونکہ اپنی طرف سے بڑا اچھا کام کیا تھا، اسے یوں سمجھ لیا کہ ''اچھا کیا''۔ یا کوئی نہایت ضروری کام جلدی کا ہوگا۔ اُنہوں نے اپنی رام کہانی سنانا شروع کی ہوگی۔ حضرت صاحب نے قصہ مختصر کرنے کے لیے فرما دیا ہوگا کہ جو کچھ کیا اچھا کیا۔ اغلب ہے کہ ان کی توجہ اس وقت اور طرف ہو یا اُسی کام کی طرف ہو جس کے لیے بلایا تھا۔ اور اُن کی کہانی توجہ سے نہ سنی ہو۔ ورنہ یہ کب ممکن ہے کہ وہ مسیح موعود، جو مسلمانوں سے عہد لینے آیا تھا کہ ''دین کو دنیا پر مقدم کروں گا'' وہ اپنے ملازم کے نماز کی نیت کو توڑ دینے پر یہ کہے کہ اچھا کیا۔

باقی رہا میاں صاحب موصوف کا یہ فرمانا کہ ''رسول کی آواز پر نماز توڑ کر حاضر ہونا شرعی مسئلہ ہے'' اور ''عمل صالح کسی خاص عمل کا نام نہیں بلکہ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کا نام ہے''، مجھے افسوس سے کہنا پڑے گا کہ یہ دلائل میاں صاحب کے لیے مفید طلب نہیں۔ اول تو نماز توڑ کر حاضر ہونا خود متنازعہ فی مسئلہ ہے۔ پھر اگر اسے متفق علیہ مسئلہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ اُسی رسول کے لئے مخصوص ہوسکتا ہے جو صاحب شریعت ہو۔ جس کے ہر قول اور فعل سے شریعت کے قوانین بن رہے ہوں۔ نہ کہ کسی ایسے رسول کے لیے بھی ہوسکتا ہے جس کا قول وفعل شریعت کے قائم مقام نہ ہو، بلکہ وہ خود کسی صاحب شریعت رسول کے تابع ہو۔ اُس کی آواز پر اللہ اور رسول کی اطاعت کا کسی شخص کو اگر شوق ہو تو ضرور ہے کہ وہ نیت کو نہ توڑے، بلکہ جیسا کہ حکم ہے زور سے سبحان اللہ کہہ کر جتلا دے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور اپنی نماز کو جاری رکھے۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کی جو ذمہ داری نماز پڑھنے والے پر ہے وہی اُس بلانے والے پر بھی ہے۔ بلانے والا تو نئی شریعت لے کر نہیں آتا۔ پھر یہاں ایک اور مشکل ہے۔ وہ یہ کہ میاں عبداللہ سنوری کہتے ہیں کہ ''یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے''۔ اور اسی کتاب سے ثابت ہے کہ میاں عبداللہ سنوری 1882ء میں حضرت صاحب کی خدمت میں آئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت صاحب کے وہم میں بھی ابھی نہ آیا تھا کہ میں ہی آنے والا مسیح موعود ہوں اور مسیح ابن مریم مر چکا ہے۔ نبی اور رسول تو بہت دور کی باتیں ہیں۔

یہ تو بڑے میاں صاحب کی ایجادیں ہیں۔ پس ایسے زمانہ میں نماز کی نیت کو توڑنے کے لیے یہ جواز قائم کرنا کہ رسول کی آواز پر نیت توڑنا شرعی مسئلہ ہے، پرلے درجہ کی نادانی ہے۔ چاہیے تو یوں تھا کہ چھوٹے میاں

صاحب کوئی ایسا مسئلہ نکالتے کہ جو شخص کبھی آئندہ چل کر رسول بننے والا ہو، یا لوگ اسے کسی وقت رسول بنا دینے والے ہوں اُس کی آواز پر قبل از بعثت ہی نماز کی نیتیں توڑ دینی جائز ہیں، تب تو بات بھی تھی۔ ورنہ شرعی مسئلہ اُس زمانہ پر تو چسپاں نہیں ہوتا۔ شاید میاں صاحب یوں فرما دیں کہ ابتدائی زمانہ سے مراد دعویٰ مسیحیت کا ابتدائی زمانہ ہے تو پھر بھی کچھ نہیں بنتا۔ کیوں کہ بڑے میاں صاحب نے، جو آج کل گدی پر ہیں، یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ 1901ء تک حضرت صاحب کو علم نہ تھا کہ میں نبی اور رسول ہوں، اس کے بعد سمجھ آئی۔ تو پس اس زمانہ کے ابتدائی حصہ میں، جب وہ اپنے آپ کو محدث سے بڑھ کر نہ سمجھتے تھے، کس طرح اپنی آواز پر نماز کی نیت توڑ دینے والے شخص کو یہ فرما سکتے تھے کہ ''اچھا کیا''۔ کیونکہ ابھی تک تو بقول بڑے میاں صاحب اُنہوں نے اپنی پوزیشن نبی اور رسول کی تو نہ سمجھی تھی۔ تو اس مقام کے حقوق کو وہ کس طرح اپنے لیے جائز قرار دے لیتے۔ پس ظاہر ہے کہ یا تو میاں عبداللہ سنوری کی کہانی کی طرف حضرت نے توجہ نہیں دی یا جو کچھ حضرت صاحب نے فرمایا وہ سنوری صاحب نے سمجھا نہیں۔ یہ روایت چھوٹے میاں صاحب نے تو شاید اس لیے لی ہو کہ اس سے نبوت ثابت ہو گی۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ کیسی لچر ثابت ہوئی۔ ایسی لغو روایتیں ''سیرۃ المہدی'' پر کسی قسم کی روشنی ڈال سکتی ہیں۔ اور سیرۃ پڑھنے والے کو کیا نفع دے سکتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ مگر ہمارے میاں صاحب نے ہیچو قسم روایتوں کو لینے میں کچھ کمی نہیں کی۔ چنانچہ اسی کتاب میں ایک جگہ انہی میاں عبداللہ سنوری سے روایت لی ہے کہ ایک دفعہ کوئی شخص حضرت صاحب کو عقیق الجر کی تسبیح دے گیا۔ آپ نے میاں عبداللہ سنوری کو دے کر فرمایا کہ اس پر درود شریف پڑھا کرو۔ حالانکہ حضرت صاحب نہ خود تسبیح پھیرتے تھے، نہ اپنے مریدوں کو اس کے پھیرنے کا کبھی حکم دیا۔ بلکہ صاف طور پر اسے بدعت فرمایا۔ اس روایت کو لے کر شاید میاں صاحب موصوف نبی کی کوئی یہ بھی خصوصیت ثابت کرنا چاہتے ہوں کہ وہ باہر جماعت کو جو حکم دیا کرتے ہیں، اُس کے خلاف کبھی کبھی وہ خود کر لیا کرتے ہیں۔ اگر یہ صحیح نہیں، تو پھر اس روایت کو یہاں لکھنے کے کیا معنے ہیں؟ اور اس جماعت کو، جسے خود حضرت صاحب نے تسبیح پھیرنے سے روک دیا تھا، یہ روایت کیا نفع دے سکتی ہے۔

فرمایئے وہ اب حضرت صاحب کے صریح حکم کی تابعداری کریں یا سنوری صاحب کی روایت کی اطاعت کریں۔ پھر اگر میاں عبداللہ سنوری صاحب پر حسن ظن کئے بغیر چین ہی نہیں پڑتا تھا اور اس بیش قیمت

موتی کو سلسلہ روایات میں ضرور پرونا ہی تھا، تو آپ کے دونوں احکام کو، جو بظاہر متضاد نظر آتے ہیں، تطبیق دینا تھا۔ اور تطبیق کچھ مشکل بھی نہ تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت صاحب تسبیح پھیرنے کو بدعت سمجھتے تھے۔ کوئی شخص غلطی سے، مگر اخلاص سے جب ایک عقیق البحر کی تسبیح بطور نذر کے لایا، تو آپ نے اس کی دل شکنی کے خیال سے اُسے رد کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مگر اُسے لے کر اپنے ملازم کو دے دیا اور فرمایا کہ اس پر درود شریف پڑھا کرو۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس طرح ایک چیز نکمی بھی نہ پڑی رہے گی اور اس بہانہ سے میرا ملازم درود شریف پڑھتا رہے گا۔ مگر بڑے میاں صاحب کے فیض سے حضرت صاحب کے متعلق تبدیلیٔ عقائد، ناسخ ومنسوخ روایات کا مرض ''ملتِ محمودیہ'' میں کچھ اس طرح رچ گیا ہے کہ انہیں دو باتوں میں تطبیق دینے کا کبھی خیال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سب کچھ لے دے کے ایک دُھن لگی ہوئی ہے کہ خواہ کوئی بات سیدھی ہو یا اُلٹی، غلط ہو یا صحیح، نبوت، نبوت کا شور مچانے کے لئے کچھ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل جائے۔ اور یہ خبط یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ اگر کوئی غیر احمدی لاہوری فریق میں شامل ہونے لگتا ہے اور محمودی صاحبان کو پتہ لگ جاتا ہے تو بعض دفعہ یہ لوگ اُسے بہکانے سے بھی فرق نہیں کرتے۔ کئی دفعہ مجھ سے بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کا فریق قادیانی تو کہتا ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب کو تم نبی نہیں مانتے تو بہتر ہے کہ تم غیر احمدی رہو۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہ بجائے حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود اور مہدی مسعود جاننے کے، بہتر ہے کہ تم انہیں نعوذ باللہ جھوٹا اور مفتری مانتے رہو۔ حالانکہ ''کشتی نوح'' میں اپنی جماعت میں داخل ہونے کے لیے حضرت صاحب نے صرف آپ کو مسیح اور مہدی ماننے کی شرط رکھی ہے۔ ان شرائط میں کہیں اپنی نبوت کا نام تک نہیں لیا۔ حقیقت میں یہ عیسائیوں کا ایک رنگ ہے۔ ایک دفعہ ٹرین میں مجھ سے ایک امریکن پادری نے اپنے مسیح ابن مریم کی نسبت یہی کہا۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگا ''آپ مسیحؑ کو جانتے ہیں''۔ میں نے کہا ''ہاں خوب جانتا ہوں۔'' کہنے لگا ''آپ اس کو مانتے ہیں''۔ میں نے کہا ''ہاں میں اس کو مانتا بھی ہوں۔'' کہنے لگا ''کیا مانتے ہیں''۔ میں نے کہا ''نبی۔'' کہنے لگا تو آپ کے ماننے کا کچھ فائدہ نہیں''۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ایک شخص جو مسیح کو راستباز مانتا ہے مگر نبی سمجھتا ہے اور وہ دوسرا شخص جو اُسے نعوذ باللہ کذاب اور مفتری سمجھتا ہے، برابر ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قادیانی فریق محض لاہوری فریق کو جلانے کے لیے نبی، نبی کا شور مچایا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خود میاں محمود احمد صاحب کی نسبت تو بعض ان کے مریدوں تک کا خیال ہے کہ لاہوریوں کی محض ضد سے میاں صاحب کے عقائد میں غلو آ گیا ہے۔ چنانچہ ایک

دفعہ مولوی فضل دین صاحب کھاریاں والے بھی مجھ سے یہی فرمانے لگے کہ نہ آپ لوگ چھیڑ خانیاں کرتے، نہ میاں صاحب عقائد میں غلو کرتے! آپ لوگوں نے چھیڑ چھیڑ کے انہیں غالی بنا دیا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے کہا آپ نے تو میاں صاحب کی بڑی قدر شناسی کی! جو شخص دوسروں کے چھیڑنے سے ضد میں آ کر اپنے عقائد میں افراط وتفریط کرے، کیا وہ اس لائق ہے کہ جماعت کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دی جائے؟ بہرحال معاملہ کچھ بھی ہو۔ ملت محمودیہ کا طغرائے امتیاز اب صرف نبوت کا شور مچانا ہی رہ گیا ہے۔ ہماری طرف سے بجائے نبی، نبی کے وہ خدا، خدا کہا کریں۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (2:286) ہر ایک شخص اپنے عقائد واعمال کا خود جواب دہ ہے۔ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (22:88) مگر مہربانی کر کے یہ کتاب ''سیرۃ المہدی'' اپنے مریدوں تک ہی رکھیں۔ غیروں کے ہاتھ میں نہ جانے دیں۔ سب کی آنکھوں پر خوش عقیدگی کی پٹی بندھی ہوئی نہیں ہے۔ اس میں اس قسم کی لچر، لغو اور غلط روایتیں آ گئی ہیں کہ بعض دوستوں نے مجھ سے بذریعہ سوالات جواب طلب کیا۔ اور اُنہی لوگوں کے مجبور کرنے پر میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا۔ پڑھ کر میرے تو ہوش اُڑ گئے کہ ہم خود خواہ بُرے ہوں یا بھلے ہوں، مگر جس شخص کی خاطر کافر کہلائے، اپنوں بیگانوں میں رسوا ہوئے، غیروں کے ہاتھوں سے طرح طرح کے دُکھ اُٹھائے آخر اس محبوب کو موجودہ ساری دنیا میں بینظیر سمجھ کر ہی اس کے ہاتھ جا بکے تھے، لوگ کس بے دردی سے اس مجسمۂ حسن وخوبی کی خوشنما شکل کو بگاڑ رہے ہیں اور اپنے عقل وفہم کے صدقہ میں خوش ہو رہے ہیں۔ پس اگر خود حضرت صاحب پر زد نہ پڑتی ہوتی تو اس کتاب پر تنقید کرنے کی مجھے کوئی ضرورت نہ تھی۔ مجھے ڈر ہے کہ اگلی نسلوں میں اگر کوئی محقق پیدا ہوئے تو وہ اس کتاب کو پڑھ کر مسیح موعود کی نسبت کیسی غلط رائے قائم کریں گے۔ پس ان غلطیوں کی اصلاح ضروری تھی جس کے لیے مجھے کچھ لکھنا پڑا۔

☆☆☆

قسط 11

مطبوعہ دراشاعت 21 فروری 1926ء

مثال نمبر 20

یہ بھی اس کتاب کی ایک خصوصیت ہے کہ بعض ایسی روایتیں اس میں آ گئی ہیں جو واقعات کی رُو سے غلط ہیں۔ اور یہ کہ میں اوپر دکھا تا آیا ہوں لیکن بعض تو ایسی ہیں کہ اگر انہیں صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو اس سے قطعاً کوئی مفید مطلب نتیجہ نہیں نکلتا۔ روایت نمبر 68 ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بیان کیا قاضی امیر حسین صاحب نے کہ حضرت مسیح موعود کا زمانہ عجیب تھا۔ قادیان میں دو دن گرمی نہیں پڑتی تھی کہ تیسرے دن بارش ہو جاتی تھی۔ جب گرمی پڑتی اور ہم حضرت صاحب سے کہتے کہ حضور بہت گرمی ہے تو دوسرے دن بارش ہو جاتی تھی۔ نیز مولوی سرور شاہ صاحب نے بیان کیا کہ اس زمانہ میں فصلوں کے متعلق بھی کبھی شکایت نہیں ہوئی۔ خاکسار نے گھر آ کر والدہ صاحبہ سے اس کا ذکر کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ حضرت صاحب جب فرماتے تھے کہ آج بہت گرمی ہے تو اسی دن یا دوسرے دن بارش ہو جاتی تھی۔ اور آپ کے بعد مہینوں آگ برستی ہے اور بارش نہیں ہوتی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کے زمانہ میں قادیان میں کبھی نماز استسقاء نہیں پڑھی گئی اور آپ کے بعد کئی دفعہ پڑھی گئی۔''

اگر اس روایت کو بکلی صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے کیا نتیجہ نکلا۔ سیرۃ نویس صاحب شاید کچھ بتا سکیں۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آتا۔ کیا یہ بھی نبوت کا کوئی ثبوت ہے۔ ارے صاحب! نبیوں اور مامورین الٰہی کے زمانہ میں چونکہ ایک قسم کی قیامت صغریٰ قائم ہوتی ہے اور اعمال کے نتائج کا ایک نظارہ چھوٹے پیمانے پر اسی دنیا میں دکھایا جاتا ہے۔ اس لیے لوگوں کی شامت اعمال کی وجہ سے قحط اور وباؤں کی وہ گرم بازاری ہوتی ہے کہ الامان۔ بلکہ مخالفین اپنی شرارت کی وجہ سے ان بلاؤں کو مامور الٰہی کی نحوست قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مکذبین ومخالفین کا یہ مقولہ موجود ہے:

> قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ. قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ (36:18-19)
>
> مخالفین کہتے ہیں کہ ہم تمہیں منحوس پاتے ہیں۔ یعنی جب سے آئے ہو مصیبتوں پر مصیبتیں

ٹوٹ رہی ہیں۔ اگر تم باز نہ آ ؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کریں گے اور ہمارے ہاتھ سے تمہیں
بہت دردناک عذاب پہنچے گا۔

بالمقابل خدا کے فرستادے فرماتے ہیں کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے۔ کیا تمہیں نصیحت کرنے کی یہ نحوست ہوسکتی ہے، ہرگز نہیں۔ بلکہ تم خود حد سے گزر جانے والی قوم ہو۔ لہٰذا جو کچھ نحوست ہے تمہارے اپنے اعمال کی ہے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں سات برس کا قحط پڑا۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں مصر میں طرح طرح کی بلائیں نازل ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں سات سال کا قحط پڑا۔ تو پھر کیا خدا کو ان کی خاطر منظور نہ تھی یا وہ دنیا کے لیے رحمت بن کر نہیں آئے تھے؟ رحمت ہونا تو اُس ہدایت کی وجہ سے ہوتا ہے جسے وہ لے کر آتے ہیں اور جس سے انسان کی فلاح دینی و دنیوی وابستہ ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود بھی دنیا کے لیے رحمت تھے۔ کیونکہ جس راستے پر وہ مسلمانوں کو ڈالنا چاہتے تھے وہی اصلی راہ فلاح اور کامیابی کی تھی اور دنیا میں اسلام کی اشاعت کی تکمیل کرنا گویا رحمت کے چشمہ کو دنیا کے کونوں تک پہنچانا تھا۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے مگر یہ کیا کہ اس وقت بارشیں وقت پر ہوتی تھیں اور فصلوں کے متعلق کبھی شکایت نہیں ہوئی۔ قاضی امیر حسین صاحب تو بہت بوڑھے ہوگئے ہیں ان کو نسیان ہوجائے کچھ تعجب نہیں۔ مگر سید سرور شاہ صاحب سمیت 56 مطابق 97۔1898 عیسوی کے خطرناک قحط کو کس طرح بھول گئے جو فرمادیا کہ ''اُس زمانہ میں فصلوں کے متعلق کبھی شکایت نہیں ہوئی''۔ کیا ان کی نسبت جو بعض لوگوں کو بدگمانی ہے کہ وہ تین لڑکیوں کی قسم بھی آسانی سے کھا لیتے ہیں اسے یقین کرلیا جائے۔ آخر شاہ صاحب اتنے بڑے قحط کو کس طرح بھول گئے یا چھوٹے میاں صاحب کو روایت لکھتے ہوئے دیکھ کر ہاں میں ہاں ملادی۔ پھر 1907ء میں حضرت صاحب کو وہی الہام ہوتا ہے جو آنحضرت ﷺ کو سات سال والے قحط سے قبل ہوا تھا کہ:

یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ۔ یعنی وقت آتا ہے کہ آسمان کھلی خشک سالی لائے گا۔

اس الہام کے بعد غیر معمولی طور پر بارشیں یکا یک رُک گئیں اور ایسا سخت قحط پڑا اور اس بلا کی گرانی ہوئی کہ الامان! چنانچہ اس الہام کے پورا ہونے پر میری ہی قلم کا لکھا ہوا مبسوط مضمون اب بھی 1910ء یا 1911ء کے اخبار بدر

کے فائل میں ہوگا۔ خود حضرت صاحب کے زمانہ میں بارش کی کثرت وقلت کا سلسلہ موقع موقع پر ہوتا رہا۔ چنانچہ اس پر حضرت صاحب نے ایک دفعہ تقریر بھی فرمائی کہ جس طرح انسان نے اپنے رب کے احکام کی فرمانبرداری میں افراط وتفریط اختیار کر رکھی ہے، اللہ تعالیٰ بھی بالمقابل اپنا فعل اُسی طرح دکھا رہا ہے۔ تاکہ انسان عبرت پکڑے اور خدا سے صلح کر لے۔ یہ تقریر اس زمانہ میں اخبار میں بھی چھپ چکی ہے۔ پس ایسی روایت لکھنا کہ جو واقعہ کے صریح خلاف ہو، کہاں تک درست ہو سکتی ہے۔ ساری دنیا کو اندھا نہیں بنایا جا سکتا۔ غلط واقعات بیان کرنے سے لوگوں پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے اور موسم کے معاملہ میں تو انسان ہمیشہ غلطی کھاتا رہتا ہے۔ تقریباً ہر سال یہی سمجھ آتا ہے کہ جتنی گرمی اب کے سال پڑی کبھی نہیں پڑی۔ پچھلی گرمی یاد سے اُتر جاتی ہے۔ جو سر پر بیت رہی ہوتی ہے اُس کی تیزی کے آگے گذشتہ گرمی کی آب وتاب ذہن سے اُتر جاتی ہے۔ لہٰذا ان باتوں کو ''سیرۃ'' میں لکھنا کیا معنے رکھتا ہے۔ اور مجھے تو یہ بھی تعجب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب اور گرمی کی شکایت کریں!

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے لیے دعا کی تھی تو ان کو گرمی اور سردی سے تکلیف نہیں ہوا کرتی تھی۔ وہ سردیوں میں گرمی کے کپڑے اور گرمیوں میں سردی کے کپڑے پہن لیا کرتے تھے اور کسی قسم کی بے آرامی نہ ہوتی تھی۔ یہ بات میں نے بچشم خود مسیح موعودؑ میں دیکھی۔ سخت گرمیوں میں مسجد میں تشریف لائے ہیں اور اصلی پشمینہ کا نہایت موٹا اور بھاری چوغہ پہنا ہوا ہے جسے دیکھ کر دل گھبراتا ہے۔ مگر آپ نہایت اطمینان سے بغیر پنکھے کے بیٹھے ہوئے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں اور قطعاً کوئی گرمی کا احساس نہیں۔ جمعہ کا دن، دوپہر کا وقت، گرمی کا زور اور چھوٹی مسجد ابھی اپنی اصلی حالت پر نہایت تنگ تھی۔ میں ایک ململ کی قمیض میں بے چین تھا۔ آپ وہی پشمینہ کا لبادہ پہنے ہوئے تشریف لائے اور بڑے اطمینان سے سنتیں پڑھ کر بیٹھ گئے۔ آپ کے ہاتھ میں نہ کوئی پنکھا تھا اور نہ کسی کو فرمایا کہ پنکھا جھلو۔ میں اپنی گرمی پر قیاس کر کے حضرت کو پنکھا جھلنے لگا۔ آپ نے منع بھی نہیں فرمایا کہ نہ جھلو۔ اتنے میں خطبہ شروع ہوا۔ ساتھ ہی ایک شخص نے میرے ہاتھ سے پنکھا مروڑ کر چھین لیا اور حضرت کو جھلنے لگا۔ یا تو آپ کو اس کی بدتہذیبی پسند نہ آئی یا خطبہ کے آداب کی وجہ سے اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ''پنکھا چھوڑ دو۔ خطبہ سنو''۔ گرمی میں پنکھا بند ہو جائے تو جان نکلنے لگتی ہے۔

پنکھا بند ہو گیا اور آپ اسی طرح نہایت اطمینان سے بیٹھے خطبہ سنتے رہے۔ ذرا بھر بھی تو کسی امر میں

فرق نہیں آیا۔ میں تو اسے ایک خارق عادت امر سمجھتا ہوں۔ یہ ایک فضل تھا جو آپ پر تھا۔ پس مسیح موعودؑ اور گرمی کی شکایت کریں! مجھے معاف کریں میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں معذور ہوں۔ شاید کبھی شکایت منہ سے نکل گئی ہوگی۔ پھر ایسے صابر و شاکر بندے کے لیے اگر رحمت الٰہی جوش میں آجائے تو کچھ تعجب تو نہیں۔ مگر میں نے خود جو آپ کی برداشت کا نظارہ دیکھا ہے، وہ بے نظیر تھا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ کبھی افعال الٰہیہ کی شکایت کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ خدا کے فعلوں سے کچھ ایسی سچی صلح تھی اور اس کی ہر ایک ادا آپ کو کچھ ایسی محبوب تھی کہ کلمہ شکایت کا زبان پر آنا تو کجا، ہمیشہ اس کے ہر فعل پر حمد الٰہی سے آپ کی زبان مبارک رطب اللسان رہتی تھی۔ یہ آپ کی اعلیٰ درجہ کی معرفت اور کمال درجہ کی محبت الٰہی پر ایک ایسا زبردست نشان تھا جس کا انکار ہو نہیں سکتا۔ کئی واقعات مجھے ایسے یاد ہیں مگر طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتا ہوں۔ بہر حال آپ کے زمانہ میں قحط بھی پڑے۔ بارشوں میں بھی افراط و تفریط ہوئی۔ اس لیے اس روایت کی حیثیت تو ظاہر ہے۔ رہا چھوٹے میاں صاحب (اس قسط کا باقی حصہ ندارد۔ مرتب)

☆☆☆

قسط 12

مطبوعہ دراشاعت 24 فروری 1926ء

مثال نمبر 21

لو ایک اور شگوفہ سنو۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ نبیوں میں حسن ظاہری کا بڑا احساس ہوتا ہے۔ اور جیسے وہ حسن حقیقی کی شناخت رکھتے ہیں، حسن ظاہری اور مجازی کی باریکیوں کو بھی خوب پہچانتے ہیں۔ گویا حسن باطنی کی طرح حسن ظاہری کے فن کے بھی ماہر ہوتے ہیں۔ اور اسے نبوت کی خصوصیت قرار دے کر ایک واقعہ حضرت مسیح موعود کا لکھا ہے اور اس کی تائید میں دو مواقع آنحضرت ﷺ کے لکھ کر سرخرو ہو گئے کہ ہم نے اپنا کام کر لیا اور حضرت صاحب نبی بن گئے!

یہ سارا قصہ روایت نمبر 263 میں درج ہے۔ راوی اس روایت کے وہی میاں عبداللہ سنوری ہیں، جن کی فقاہت کے نمونے پیش نظر ہو چکے ہیں۔ مگر نتائج اخذ کرنے والے خود مصنف صاحب ہیں۔ روایت اور اس سے اخذ نتائج جن الفاظ میں رقم ہوئے ہیں، میں انہیں غیر مؤدبانہ اور ضرورت سے زیادہ طویل سمجھ کر مختصراً اپنے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔ جس کا دل چاہے روایت کھول کر پڑھ لے۔ یہی واقعہ اور یہی مفہوم ہے۔ میں نے صرف واقعہ کو مختصر اور انداز بیان کو مؤدبانہ کر دیا ہے۔ ایک کپورتھلوی دوست کی بیوی مر جانے پر ان کے نکاح کا انتظام حضرت صاحب کرنے لگے تھے۔ شرع کے مطابق آپ نے دو لڑکیاں ان کو کسی احسن طریق پر دکھا دیں۔ ایک لڑکی کا چہرہ گول تھا۔ دوسری کا لمبا۔ نکاح کے خواہش مند صاحب کو لڑکیوں کا نام معلوم نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے لمبے چہرے والی پسند ہے۔ حضرت فرمانے لگے کہ لمبا چہرہ بیماری وغیرہ کے بعد بدنما ہو جاتا ہے۔ اس لیے میری رائے میں گول چہرے والی لڑکی کو آپ ترجیح دیں تو بہتر ہو۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ ان دونوں میں سے نکاح کسی کے ساتھ بھی نہ ہوا اور یہ بات یہیں تک ختم ہو گئی۔

اس پر چھوٹے میاں صاحب یعنی مرزا بشیر احمد ایم۔ اے مؤلف کتاب ھٰذا یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نبیوں میں خوبصورتی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ یعنی دیکھ لو جہاں طالب نکاح کی نظر نہ پہنچی، وہاں حضرت صاحب کی پہنچ گئی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت صاحب نبی ہیں اور پھر دو واقعات آنحضرت ﷺ کے نقل کیے ہیں۔ ایک مرتبہ مہاجرین میں سے ایک شخص انصار کی کسی لڑکی سے شادی کرنے لگا تھا۔ تو آپ نے اُسے فرمایا تھا کہ لڑکی کو پہلے دیکھ لینا۔ انصار لڑکیوں میں عموماً آنکھ میں نقص ہوتا ہے۔ دوسرا واقعہ حضرت جابرؓ کا ہے جو خود تو ابھی نوجوان لڑکے تھے مگر اُنہوں نے شادی ایک بیوہ عورت سے کر لی تھی۔ آپ نے اس کو فرمایا کہ ''تم نے نوجوان باکرہ لڑکی سے شادی کیوں نہ کی جو تمہارے ساتھ کھیلتی اور تم اس کے ساتھ کھیلتے''۔ ان دونوں واقعات کو لکھ کر گویا ایک قاعدہ کلیہ میاں صاحب قائم کرنا چاہتے ہیں، جس سے یہ ظاہر ہو کہ نبیوں میں حسن حقیقی کی طرح حسن مجازی کے پرکھنے کا بھی ایک خاص مادہ ہوتا ہے اور وہ اس کا بڑا احساس رکھتے ہیں۔ گویا متاع حسن کے وہ اعلیٰ درجہ کے نقاد اور جوہری ہوتے ہیں اور اس کی شناخت میں وہ ماہر فن ہوتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مجھے اس سے انکار نہیں کہ نبی میں بھی حسن کا احساس ہوتا ہے اور نبی میں کیا ہر ایک صحیح الفطرت انسان

حسن کو اچھا سمجھے گا۔ خواہ وہ حسن نظارہ قدرت میں ہو، درخت میں ہو، پھول میں ہو، پھل میں ہو، جانور میں ہو، انسان میں ہو، صورت میں ہو، سیرت میں ہو۔ پھر نبی اس قاعدہ فطرت انسانیت سے خارج کیوں ہو! مگر اسے نبی کی خصوصیت بتانا کیا معنے رکھتا ہے! جو کوئی جس فن میں دن رات منہمک ہو جاتا ہے، اس کا دماغ اس کی باریکیاں سمجھنے کے لئے قابل ہو جاتا ہے۔ مثلاً جو لوگ گھوڑے کی سوداگری کرتے ہیں وہ گھوڑے کے حسن کو جس طرح پرکھ سکتے ہیں، وہ دوسرا آدمی نہیں پرکھ سکتا۔ خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ زراعت کے حسن کو جس طرح زمیندار سمجھ سکتے ہیں، ایک نبی نہیں سمجھ سکتا۔ ایسے ہی موقع پر جناب نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ:

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ کہ دنیا کے کاموں میں تم مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہو۔

نبی کے لیے کیا ضرور ہے کہ وہ انجینئر اچھا ہو، ڈاکٹر اچھا ہو، مشینوں کا موجد بھی ہو، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب دنیوی علوم ہیں۔ جس علم میں جو پڑے گا وہ اس کا ماہر بنے گا۔ نبی کا ان باتوں سے کیا تعلق؟ علیٰ ہذا القیاس انسان کے حسن ظاہری کا معاملہ ہے۔ جو اس فن میں دن رات پڑے ہوئے ہیں۔ جو حسن کی شناخت ان لوگوں کو ہو سکتی ہے، نبی کو کیا ہو سکتی ہے؟ یورپ میں جا کر دیکھو حسن کے بازار لگتے ہیں۔ بڑے بڑے اس فن کے نقاد جمع ہوتے ہیں۔ وہ پھر شناخت کر کے اعلیٰ درجے کا حسن رکھنے والوں کو انعام تقسیم کرتے ہیں۔ میاں صاحب کے اصول کے مطابق تو ان نقادوں کی نبوت ثابت ہے۔ بالوں کے بنانے والوں کو دیکھو۔ سینکڑوں قسم کے بال بناتے ہیں، ایک سے ایک خوبصورت۔ ان سے بڑھ کر بالوں کے حسن کا نقاد کون ہو سکتا ہے؟ ہمارے میاں صاحب کے اصول کے مطابق انہیں ''بالوں کا نبی'' کہنا چاہئے۔ بیچارے نبیوں کے وہم و گمان میں بھی کبھی وہ حسن کی باریکیاں نہیں آئی ہوں گی، جو دن رات اس فن میں انہماک رکھنے والے ایک نگاہ میں شناخت کرتے ہیں۔ خواہ مخواہ نبیوں کو بدنام کرنے سے کیا حاصل؟ اپنی فطرت صحیحہ اور فراست خدا داد کے ماتحت کسی نبی یا ولی کی زبان سے اگر کوئی کلمہ ایسا نکل گیا، جس سے کسی دوست کو کوئی نیک مشورہ دینا مقصود ہو، تو اس سے ان کا حسن کے فن کا ماہر ہونا کہاں ثابت ہو گیا! نہ صرف نبی بلکہ ہر ایک بزرگ دوست خیر خواہ، ہمدرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اہم معاملات میں اپنے عزیز یا دوست کو اپنے خیال کے مطابق نیک مشورہ دے۔ اور اگر اسے کہیں غلطی کرتا دیکھے یا ایسا کام کرتا دیکھے جس کے انجام میں خرابی کا اندیشہ ہو تو اس کا فرض انسانیت ہے کہ وہ اسے آگاہ کر دے۔

اگر بینی کہ نابینا و چاہ است   و گر خاموش بنشینی گناہ است

شادی کرنا گویا تمام عمر کے لیے ایک معاہدہ کرنا ہے۔ جس قدر سوچ سمجھ کے اس امر میں قدم اُٹھانے کی ضرورت ہے، اتنی کسی کام میں نہیں۔ اور انسانی عقل جس قدر اس معاملہ میں مشوروں کی محتاج ہے اتنی کسی میں بھی نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (3:4) نکاح سے پہلے پسند کرلو۔

خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نکاح سے پہلے دیکھ لو، پسند کرلو۔ پھر اگر اس معاملہ میں کوئی غلطی کرتا ہو یا اس کی پسند میں کوئی نقص ہو اور وہ جانتا نہ ہو اور اس کا کوئی دوست ہمدرد، خیر خواہ اپنی عقل خداداد یا فراست سے اس غلطی کو محسوس کرلے تو اس دوست کا کیا اخلاقی فرض نہیں کہ اپنے دوست کو اس کی غلطی سے آگاہ کردے؟ یہ بھی بالکل ممکن ہے کہ طالب نکاح کا انتخاب صحیح ہو اور اس کے دوست کی نگاہ میں جو نقص ہو وہ درحقیقت نقص نہ ہو، لیکن ایک دوست اگر ایسا سمجھتا ہے کہ میرا دوست غلطی کر رہا ہے تو اپنی سمجھ کے مطابق اپنے دوست کو اس غلطی کی طرف توجہ دلا دینا فرض انسانی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو وہ دوست نہیں، ہمدرد نہیں، انسان نہیں۔ نبی کی اس میں کیا خصوصیت ہے۔ نبی چونکہ سب سے بڑھ کر دوستوں کے دوست، ہمدرد اور بہی خواہ ہوتے ہیں اور انسان کامل کی تمام صفات اپنے اندر رکھتے ہیں، اس لیے وہ اپنے فرائض کو کبھی نہیں بھولتے۔

علیٰ ہذا القیاس! ان کے کامل متبعین کی بھی یہی طرز ہوتی ہے کہ ہمیشہ نیک مشورہ دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اور مشورہ دینے میں خوبی یہ ہوا کرتی ہے کہ تمام گردوپیش کی باتوں پر نظر ڈال لینی چاہئے۔ شادی بیاہ کے معاملہ میں بالخصوص طالب نکاح کے مذاق کو ضرور مدنظر رکھ لینا چاہئے۔ کپورتھلوی دوست کا نکاح جب حضرت صاحب کی وساطت سے ہونے لگا تھا تو لازمی بات تھی کہ حضرت صاحب کو فکر ہوتی کہ اس نکاح کا انجام اچھا ہو۔ کیونکہ درمیانی آدمی مفت میں بعد میں بدنام ہو جاتا ہے۔ ضرور تھا کہ آپ اپنے دوست کے مذاق کو بھی مدنظر رکھتے۔ اسی لحاظ سے آپ نے شرع کے حکم کے مطابق لڑکیاں آپ کو دکھا دیں۔ ان صاحب کے انتخاب میں آپ کو ایک نقص نظر آیا۔ اُس سے آگاہ کر دینا آپ کا فرض تھا تا کہ بعد میں خرابی نہ پڑے۔ سو آپ نے اُنہیں جتلا کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ جس نقص کی طرف آپ نے توجہ دلائی وہ ایسا تھا کہ اپنے گھروں میں اور عزیزوں میں ہر ایک کو

یہ مشاہدہ اور تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ لمبا چہرہ بیماری کے بعد بدنما ہو جاتا ہے۔اس لئے طالب نکاح بزرگ کے مذاق کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر بعد میں ان کی طبیعت خرابی وحسن اپنی بیوی سے برگشتہ ہوگئی تو نہایت خرابی کا موجب ہوگا۔ اس لئے پہلے سے جتا دینا بہتر ہے۔ چنانچہ آپ کی یہ فراست نہایت درست ثابت ہوئی۔آخرانہی بزرگ کی بعد میں کسی اور جگہ شادی ہوئی تو تھوڑے عرصے کے بعد ہی طلاق دے دی۔ جالندھر میں خدا جانے صحیح یا غلط بعض دوستوں نے یہی ذکر کیا کہ کچھ حسن ظاہری کے نقص کی وجہ سے ہی طلاق ہوئی۔**وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ** (قسط ھذا کا باقی حصہ ندارد۔مرتب)

☆☆☆

قسط نمبر 13

مطبوعہ دراشاعت 17 شعبان 1344ھ

مثال نمبر 22

نبیوں کی جو کچھ خاطر تواضع ہوئی وہ ملاحظہ فرما چکے۔اب نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ پر جو نگاہ لطف ڈالی گئی ہے، وہ بھی ملاحظہ ہو۔

روایت نمبر 153 میں کوئی روایت نہیں لکھی۔صرف حضرت صاحب کے دو شعر لکھ کر خواہ مخواہ کی ایک بحث چھیڑ دی ہے۔جس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ احمدی جماعت صحابہ کرامؓ کی جماعت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ مجھے یہ اپنے منہ سے میاں مٹھو بننا سمجھ نہیں آتا۔آخر اس کی ضرورت کیا تھی۔ یہ کام اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے جو مَالِکُ یَوْمِ الدِّیْنِ ہے کہ وہ انسانوں کے اعمال کا محاسبہ اور موازنہ کرتا ہے۔تا اُن کو اس پر اجر دے۔اس منصب کو چھوٹے میاں صاحب نے خود غصب کر کے اور خدائی فوجدار بن کر ترازو کے ایک پلڑے میں صحابہؓ کو رکھ لیا اور دوسرے میں احمدی جماعت کو۔اور دونوں پلڑوں کو برابر اس طرح کرنے لگے کہ صحابہؓ والے پلڑے میں سے اُن کی عظمت اور شان کے کچھ بٹے نکال دیئے جس سے وہ پلڑا ہلکا ہوگیا۔اور احمدی جماعت والے پلڑے

میں کچھ تعلّی اور شیخیوں کے بٹے رکھ دیئے۔ جس سے یہ پلڑا بھاری ہوگیا۔ اس طریقہ پر دونوں کے وزن برابر کر کے شیعوں کے کان کتر دیئے۔ آخر پرانے شیعوں سے کچھ ہمدردی اور مناسبت ہونا تو چاہیے تھی! اور شاید سمجھے ہوں کہ اس طرح احمدی جماعت کی بڑی خدمت کی۔ یہ بھی غلط ہے۔ جس جماعت میں اپنے بڑا اور پاکیزہ ہونے کا خیال پیدا ہوجائے، اس کی ترقی مسدود ہے۔ اس خیال کو پھیلانا جماعت کے ساتھ دشمنی ہے۔ خاموشی سے اپنے نفس کا تزکیہ اور دین کی خدمت کرتے رہتے، جو صحابہؓ کا شعار تھا۔ باقی یہ کہ ہم اب اس مقام عزت پر بھی پہنچ گئے، جو صحابہؓ کا تھا، یہ خدا پر چھوڑتے۔ اگر ہم اس رنگ میں رنگین ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی نصرتیں اور برکتیں بھی ہمارے ساتھ ویسی ہی ہوں گی۔ اگر ویسے نہیں تو زبانی شیخیوں سے کیا بنتا ہے؟ جو چھوٹے میاں صاحب روایتیں جمع کرتے کرتے ایک روایت میں بجائے کسی روایت کے لکھنے کے حضرت صاحب کے صرف دو شعر لکھ کر یہ بحث چھیڑ بیٹھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بحث کو چھیڑنے کے لیے بے قرار تھے۔ پھر اس بحث میں صفحوں کے صفحے سیاہ کر دیئے ہیں۔ اور کئی قضیے قائم کیے ہیں۔ ساری بحث کا لکھنا تو فضول ہے۔ جو کچھ دلائل اُنہوں نے دیئے ہیں، ان میں یا تو صحابہ کرامؓ کی اصل شان کو کم کرنے کی کوشش کی ہے اور یا احمدی جماعت کی شان کو، جو بظاہر نظر آتی ہے، بڑھا چڑھا کر دکھانے کی کوشش کی ہے۔ میں ان کا ملخّص عرض کیے دیتا ہوں۔

1۔ ہمعصریت۔ یعنی ایک ہی زمانہ میں ہونے کی وجہ سے احمدیوں کی شان لوگوں کو نظر نہیں آتی۔

2۔ لوگ اسلامی تاریخ سے واقف نہیں۔ صرف واعظوں کے واعظ پر ان کا علم مبنی ہے۔ اس لئے صحابہؓ کی عظمت ان کے دلوں میں ہے۔ ورنہ اگر تاریخ اسلامی سے واقفیت ہوتی، تو صحابہؓ کی موجودہ عظمت، جو لوگوں کے دلوں میں ہے، باقی نہ رہتی۔

3۔ صحابہؓ کے حالات تو منضبط ہوگئے۔ مگر احمدیوں کے حالات منضبط نہیں۔ ورنہ بیشمار اعلیٰ نمونے احمدیوں میں موجود ہیں۔

4۔ صحابہؓ کو ایسے جسمانی مواقع پیش آ گئے کہ ان کے ایثار و ایمان کی چمکار دنیا کو نظر آ گئی۔ احمدیوں کو، افسوس ہے، یہ مواقع نہیں پیش آئے۔ ورنہ ان کے ایمان و ایثار کی بھی ویسی ہی

چمکا ر دنیا دیکھتی ۔ کابل میں آخر دو تین آدمیوں نے اپنے ایمان کا یہ نظارہ دکھا دیا۔

5۔ صحابہؓ نے جس زمانہ میں ایمان وعمل کا نمونہ دکھایا وہ زمانہ اور تھا۔ مگر ہمارا زمانہ دجال کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں ایمان اور عمل کا نمونہ کارے دارد ہے۔ پس جو احمدی جماعت نے ایمان وعمل کا نمونہ دکھایا ہے اور مخالفین کے مقابلہ میں سینہ سپر کر کے کھڑی ہے۔ یہ نمونہ اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

6۔ انسانی دماغ کا خاصہ ہے کہ اس سے زندہ شخص کا حسن مخفی رہتا ہے اور اس کی کمزوریاں سامنے رہتی ہیں۔ مرنے کے بعد متوفی کی خوبیاں چمک اُٹھتی ہیں اور کمزوریاں مدھم پڑتی ہیں۔ لہٰذا صحابہؓ مر گئے۔ ان کی خوبیاں چمک اُٹھیں۔ کمزوریاں نظر سے اوجھل ہو گئیں۔ ہم زندہ ہیں۔ لہٰذا ہماری کمزوریاں سامنے ہیں اور حسن مخفی ہے۔

7۔ ایک جماعت میں سارے افراد ہی اصلاح یافتہ نہیں ہوا کرتے۔ سوال صرف قلت اور کثرت کا ہوتا ہے۔

8۔ جماعت میں خواہ کمزور لوگ تھوڑے ہی ہوں، زیادہ نظر آتے ہیں۔ اس جماعت کے دنیا سے گذر جانے کے بعد اُن کی یاد لطیف اور ٹھنڈی ہوا کی طرح باقی رہ جاتی ہے۔ کیونکہ وہ کمزور لوگ سامنے نہیں ہوتے۔ صحابہؓ گذر گئے۔ اس لیے ان کے کمزور اب سامنے نہیں۔ صرف ٹھنڈی ہوا باقی ہے۔ ہم زندہ ہیں۔ اس لیے ہمارے کمزور تھوڑے لوگ زیادہ نظر آتے ہیں۔

9۔ صحابہؓ کی جماعت کو منافقوں سے الگ کر کے دیکھا جاتا ہے۔ مگر احمدی جماعت کو منافقوں سے الگ کر کے دیکھا نہیں جاتا۔ بلکہ منافق بھی بیچ میں ہی ملے ہوئے ہیں۔ منافقوں کی کمزوری سے جماعت کو بدنام کر کے ظلم ڈھایا جا رہا ہے۔

10۔ آنحضرت ﷺ کے صحابیؓ غیر صحابی سے الگ نظر آتے ہیں۔ تاریخ نے ہمیں الگ

کر کے دکھا دیا ہے، مگر احمدی جماعت میں مسیح موعود کے صحابی اور غیر صحابی ملے ہوئے ہیں۔ اس لیے لوگوں کو غیر صحابیوں کی کمزوری سے دھوکا لگتا ہے۔

11۔ حضرت مسیح موعود اور آپ کے خلفاء نے، جو بعض اوقات احمدی جماعت کی کمزوریوں کا اظہار کیا ہے اور ان کو زجر و توبیخ کیا ہے، تو اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ جماعت اور زیادہ ترقی کرے۔

12۔ لوگ صحابہؓ کی تعریف قرآن میں پڑھ کر خوش ہو جاتے ہیں۔ مسیح موعود کی جماعت کی تعریف، جو انہیں قرآن میں نظر نہیں آتی، تو یہ ان کے فہم کا قصور ہے۔ ورنہ جب اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (3:62) مسیح موعود کی جماعت کے لیے قرآن میں موجود ہے، تو جو کچھ صحابہؓ کی تعریف ہے وہ سب ہماری تعریف ہے الگ تعریف کی کوئی ضرورت نہیں۔

13۔ اس زمانہ میں جو روحانی امراض ہیں وہ سل کے امراض کی طرح ہیں۔ جن کا علاج بتدریج ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے روحانی امراض پھوڑے کی طرح تھے کہ نشتر مارا اور پیپ نکال دی۔ چلو آرام آ گیا۔ اس لیے صحابہؓ نے جو آناً فاناً ترقی کی وہ گویا محمد رسول اللہ ﷺ کے تزکیہ کا کرشمہ نہ تھا، بلکہ مرض ہی ایسا آسان تھا۔ اور مسیح موعودؑ کی جماعت روحانی ترقی جو بتدریج کر رہی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسیح موعودؑ کی قوت تزکیہ آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں کمزور ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے روحانی امراض ہی سل کی طرح نہایت خطرناک اور طولانی ہیں۔ یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی ایسے امراض ہوتے تو اس وقت بھی ترقی روحانی کا یہی نظارہ ہوتا۔

یہ تیرہ وجوہات ہیں۔ جن کو لکھ کر زجر کیا ہے کہ اعتراض اور نکتہ چینی کی طرف جلد قدم نہیں اُٹھانا چاہئے۔ بہت خوب! آپ جو چاہیں نکتہ چینی کریں اور دوسروں کو نکتہ چینی کرنے سے ڈانٹیں۔ یہ خلافت ثانی کی استبدادیت کا ہی فیض نظر آتا ہے۔ جو وجوہات میں نے اوپر نقل کی ہیں وہ میں نے اس کتاب ''سیرۃ المہدی'' روایت نمبر 153 سے لی ہیں۔ میں نے مختصر کر کے اپنے الفاظ میں انہیں لکھا ہے۔ مگر اپنے علم اور طاقت کے مطابق

ٹھیک وہی لکھا ہے جو مفہوم ان سے نکلتا ہے۔ ان وجوہات پر نظر تنقید ڈالنے سے قبل میں دو اُمور کو واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ صحابہ کرامؓ کی عظمت اور شان اور علومرتبت کی ہمارے پاس دو گواہیاں ایسی زبردست موجود ہیں جن کا انکار نہیں ہوسکتا۔ ایک تو خدا کی گواہی قرآن میں، جو اس نے اپنے علم کامل سے دی۔ دوسرے واقعات عالم کی گواہی تاریخ میں یعنی ایک تو خدا کی قولی شہادت اور دوسری خدا کی فعلی شہادت۔ چونکہ علم صحیح انہی دونوں امور پر مبنی ہوسکتا ہے۔ اس لیے صحابہ کرام کی علومرتبت تو ثابت ہے۔ میاں صاحب نے احمدی جماعت کے متعلق جو تیرہ دلائل دیئے ہیں، ان میں افسوس ہے، ان دونوں گواہوں میں سے ایک کو بھی پیش نہیں کیا، نہ تو واقعات سے احمدی جماعت کے کارناموں کا صحابہ کرام کے کارناموں سے مقابلہ کر کے دکھایا اور نہ وحی الٰہی سے صحابہ کا ہم پلہ ہونا ثابت کیا۔ اٰخَرِیْنَ مِنھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (3:62) کے یہ معنے نہیں کہ وہ صحابہؓ کے ہم پلہ اور ہم مرتبہ ہوں گے۔ زیادہ تشریح آگے چل کر کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ جب یہ دونوں امور وہ پیش نہیں کر سکے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ اُن کے ہاتھ میں علم صحیح کوئی نہیں۔ اور جب تک علم صحیح نہ ہو، وہ ظنیات ہیں۔ اور اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (36:10) پس یہ یاد رکھیں کہ جب تک ان دونوں طریق پر وہ اپنا دعویٰ ثابت نہ کریں گے حق کا فیصلہ ان کے خلاف ہے۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے فضل سے احمدی جماعت سے تعلق رکھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ اس جماعت میں زیادہ تر نیک لوگ ہیں۔ اور بعض ان میں بہت نیک اور صالح بھی ہیں۔ جن کی نیکی قابل رشک ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ سب صحابہؓ کے ہم رتبہ ہیں۔ ممکن ہے بعض ان میں اس مقام پر بھی پہنچ گئے ہوں، جن کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے۔ کیونکہ تقرب الی اللہ اور تقویٰ کے مدارج بیشمار ہیں۔ ہر ایک کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جدا ہے۔ سوائے خداوند تعالیٰ کے کوئی ان مراتب کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ مگر چونکہ نہ خداوند تعالیٰ نے کوئی وحی مسیح موعود کو ایسی کی، جس سے صحابہؓ کے مقابلہ میں آپ کی جماعت کے درجہ کا کچھ پتہ لگتا۔ اور نہ ہمیں ابھی احمدی جماعت کے کارنامے اس شان کے نظر آئے ہیں جو صحابہؓ نے کر کے دکھائے ہیں۔ اس لیے ہمارا ڈینگیں مارنا کہ ہم صحابہ کے برابر ہیں، بالکل لایعنی اور بے فائدہ ہے۔ میاں صاحب زور لگا کر کھینچ تان کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہم میں جو کمزوریاں نظر آتی ہیں یہ ہم عصر ہونے کی وجہ سے ہیں۔ یا منافقوں اور غیر صحابیوں کے

ملے جلے ہونے کی وجہ سے ہے۔ یا ہمارا زمانہ بہت خراب ہے، صحابہؓ کا ایسا نہ تھا، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان سب باتوں سے اگر اتنا آپ ثابت بھی کر دیں کہ احمدی جماعت میں کمزور لوگ بہت کم ہیں اور نیک زیادہ ہیں، تو اس سے یہ کہاں نکلا کہ وہ تقویٰ اور ایثار اور خدمت دین اور علو مرتبت میں صحابہؓ کے برابر بھی ہیں۔ آپ نے تو صرف نفی کا پہلو دکھایا۔ یعنی ہم میں کمزور نہیں ہیں یا کم ہیں۔ ان میں اثبات کا پہلو تو کوئی بھی نہیں دکھایا کہ ہم بوجہ فلاں فلاں کارناموں کے خدمت دین اور ایثار اور تقویٰ اور علو مرتبت میں صحابہؓ کے برابر بھی ہیں۔ سوال یہ تو نہیں کہ آپ کیا نہیں کرتے۔ سوال تو یہ ہے کہ آپ کیا کرتے ہیں اور کیا کر کے دکھایا ہے۔ صحابہؓ نے جو کر کے دکھایا وہ سامنے ہے۔ آپ نے جو کر کے دکھایا اسے مقابلہ میں پیش کریں۔ یہ کہنا کہ بھائی صاحب ہم نے یہ نہیں کیا، ہم نے وہ نہیں کیا، ہم میں ایسے نہیں، ہم میں ویسے نہیں، ہم مر جائیں گے، تو پھر پیچھے ہمیں بہت یاد کرو گے۔ یہ بچوں کی سی باتیں ہیں۔

☆☆☆

قسط 14

مطبوعہ دراشاعت 24 شعبان 1344ھ

اب ان وجوہات کو لیتا ہوں جو چھوٹے میاں صاحب نے احمدی جماعت کو صحابہؓ کے مقابل بنانے پر دی ہیں۔ اور افسوس ہے کہ وہ جو سب کی سب ظنیات کے سوا کچھ پلے نہیں ڈالتیں۔

وجہ نمبر 1

ہمعصریت۔ یہ سچ ہے کہ بعض دفعہ ہمعصریت کی وجہ سے وقعت معلوم نہیں ہوتی۔ مگر پھر یہ مسلمانوں کی ہر ایک جماعت ایک دوسرے کو کہہ سکتی ہے کہ ہماری شان بوجہ ہمعصریت کے آپ کو پتہ نہیں لگتی۔ بھائی صاحب! جب ہم مر جائیں گے تو لوگ ہمیں یاد کر کے بہت رویا کریں گے۔ پس آپ کی خصوصیت اس میں کوئی نہیں۔ پھر اگر مان بھی لیں کہ آپ کی زندگی میں آپ کی شان کا پتہ نہ لگ سکا، مگر اس سے یہ کس طرح ثابت ہو گیا کہ آپ کی

شان صحابہؓ کی شان کے برابر بھی ہے۔ ممکن ہے آپ کی شان بعد میں بھی صحابہؓ کی شان سے بہت کم ثابت ہو۔ جو کام آئندہ کبھی چل کر ظاہر ہوگا اس کو اپنی تائید میں پیش کرنا کہاں کی دانائی ہے! اگر آپ اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیں کہ صحابہ بھی اپنے زمانہ میں کچھ ہم سے بڑھ کر نہ ہوں گے اور اپنے ہمعصروں کو وہ ہماری طرح ہی نظر آتے ہوں گے، تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ اول تو یہ محض اپنی حالت سے دوسرے کی حالت کو قیاس کرنا ہے۔ جو درست نہیں۔ کم سے کم دلیل کوئی نہیں۔ دوسرے ان کے ہمعصر خود خدا تعالیٰ کی گواہی، ان کے کارناموں اور علومرتبت کی نسبت، قرآن میں موجود ہے جو افسوس ہے آپ کی نہیں ہے۔ تیسرے ان کی تاریخ آپ کے خیال کے مطلق خلاف ہے۔

وجہ نمبر 2

کس خوبصورتی سے صحابہ پر زد ماری ہے! شیعوں کو چاہئے کہ میاں صاحب موصوف کی خدمت میں امتنان وشکریہ کا ایک ایڈریس پیش کریں۔ کیا نکتہ ہے کہ صحابہ کی عظمت لوگوں کے دِلوں میں اس وجہ سے ہے کہ لوگ اسلامی تاریخ سے واقف نہیں۔ ان کا مبلغ علم صرف واعظین کے واعظوں پر مبنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ واعظین صحابہ کی زندگی کا صرف روشن پہلو دکھاتے ہیں۔ اگر لوگوں کو اسلامی تاریخ کا علم ہوتا تو صحابہ کی زندگی کا تاریک پہلو بھی نظر کے سامنے آجاتا۔ اور پھر ان کا مقام اتنا بلند نہ نظر آتا جتنا اب نظر آرہا ہے۔ دیکھا! لوگوں کی اسلامی تاریخ کی ناواقفیت سے کیا فائدہ اُٹھایا۔ اب ناواقف لوگ تو صحابہ سے بدظن ہو گئے یا نہیں کہ خدا جانے اسلامی تاریخ میں صحابہ کی کیا کچھ کمزوریاں بھری پڑی ہیں۔ جو ہمارے واعظوں نے ہم کو کبھی نہیں بتلائیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ جن لوگوں نے تاریخ اسلامی کو کھنگالا ہے، اسے نظر تحقیق سے دیکھا ہے، مسلم ہوں یا غیر مسلم، ان کی گردنیں صحابہ کی عظمت کے آگے جھک گئی ہیں۔ خود یورپین محققین ومورخین ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ میاں صاحب نے تو کمال کر دکھایا کہ صحابہ کے سچے حالات کو واعظوں کی رنگین کہانیاں قرار دے کر ان کی شان کو ملیامیٹ کر دینا چاہا ہے۔ ان کے فرمودہ کے مطابق تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے بھی شاید کسی واعظ کا وعظ سن کر ہی قرآن میں صحابہ کی تعریف بھر دی ہے! اسلامی تاریخ کی واقفیت اُنہیں بھی نہیں معلوم ہوتی یا شاید اُن کا شمار بھی زمرہ واعظین میں ہو۔ پھر صحابہ پر زد مار کر میاں صاحب موصوف آخر میں کس صفائی سے دعا

فرماتے ہیں:

''اے اللہ تو مجھے آنحضرت ﷺ اور مسیح موعود کی مقدس جماعتوں پر حرف گیری کرنے سے بچا......''

واہ خوب! یہ ایک دوسری زد ماری۔ حرف گیری کر بھی گئے اور دعا بھی کر رہے ہیں کہ اے اللہ بچائیو۔ گویا کوئی زبردستی ان سے حرف گیری کروا رہا ہے۔ اور یہ چلا رہے ہیں کہ بچائیو! مطلب یہ ہے کہ لوگ سمجھیں کہ ایسے شخص نے، جو حرف گیری سے اس قدر ڈرتا ہے، اپنے ضمیر کی آواز سے ہی مجبور ہو کر حرف گیری کی ہے۔ ورنہ ہرگز نہ کرتا۔ بیچارہ اگر حق کو ظاہر نہ کرتا تو کیا کرتا۔ دیکھا اپنی حرف گیری کو کس خوبصورتی سے مضبوط کیا ہے!

وجہ نمبر 3

پیش از وقت ہے۔ جب احمدیوں کے حالات منضبط ہوں گے، اس وقت مقابلہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس وقت اہل نظر کے سامنے اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ نہ آپ نے خود مقابلہ کر کے دکھایا۔

وجہ نمبر 4

بھی کوئی دلیل نہیں یہ کہنا کہ صحابہ کو ایسے جسمانی مواقع پیش آ گئے کہ ان کا ایمان چمکا۔ ہمیں یہ مواقع پیش نہیں آئے، ورنہ ہم بھی وہی نمونہ دکھاتے، زبانی باتیں ہیں۔ اُس وقت آپ کیا کرتے یہ اللہ کو ہی علم ہے۔ حضرت! کھیت پڑے کسانی معلوم ہوا کرتی ہے۔ ویسے تو سب کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں یہ مواقعہ پیش آویں تو ہم بھی یہ کر کے دکھاویں۔ مسلمانوں کی ہر ایک جماعت یہی کہہ سکتی ہے۔ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ (73:4) کہنا کیا مشکل ہے۔ مگر منہ سے کہنا آسان ہے اور کر کے دکھانا بہت مشکل ہے۔ شکر کرو جب سے ہوش سنبھالا بِسْمِ اللّٰہِ کے گنبد میں بیٹھے ہوئے ہو۔ کبھی کانٹا نہیں چبھا۔ ابتلا میں پڑنا کوئی ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔ دعا کیا کرو امتحان کا پیالہ دور ہی رہے۔ باقی رہا کابل میں دو تین آدمی کا شہید ہو جانا۔ سوا سے افغانی قوم کی خصوصیت پر اگر محمول نہ بھی کیا جائے تو بھی یہ آٹے میں نمک کے برابر ہے دو تین افراد کی قربانی ساری جماعت کی قربانی نہیں کہلا سکتی۔

وجہ نمبر 5

کو پڑھ کر دُکھ ہوتا ہے۔ زمانہ کے لحاظ سے جو نمونہ احمدی جماعت نے دکھایا اس کو ''بے نظیر'' ٹھہرانا کس قدر گستاخی ہے۔ یعنی صحابہ نے بھی ایسا نمونہ نہیں دکھایا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اگر ان کا زمانہ بھی ہمارے زمانہ کی طرح ہوتا تو وہ ویسا نمونہ نہ دکھا سکتے جیسا کہ احمدی جماعت آج دِکھا رہی ہے۔ یہ لکھ کر پھر جلدی سے ملمع پھیرتے ہیں کہ مسیح موعودؑ کی یہ کامیابی بھی دراصل آنحضرت ﷺ ہی کی کامیابی ہے۔ کیونکہ شاگرد کو کامیابی نصیب ہوگئی تو کیوں نہ اس سے نتیجہ نکالا جائے کہ شاگرد اُستاد سے بڑھ کر نکلا۔ جو آپ کا در پردہ مطلب ہے۔ مگر حقیقت دیکھو تو ان تمام باتوں میں کچھ بھی نہیں۔ زبانی منطق سے کہیں فضیلت اور فوقیت ثابت ہوا کرتی ہے؟ واقعات اور خدمات کو لے کر مقابلہ کوئی نہیں کرتے۔ زبان سے جو چاہا کہہ دیتے ہیں۔ کیا لغو ہے کہ ہم صحابہ کا سا زمانہ پاتے تو یوں کرتے۔ صحابہ ہمارا زمانہ پاتے تو یوں نہ کر سکتے۔ ارے صاحب! صحابہ نے جو کچھ کیا وہ نظر کے سامنے ہے۔ آپ اپنی خدمات دینیہ پیش کریں یا کچھ کر کے دکھاویں۔ لوگ دیکھ لیں گے۔ آپ کی باتیں بنانے کو ''بے نظیر'' کامیابی نہیں کہا جا سکتا۔ صحابہ کی کامیابی اور اپنی کامیابی کا مقابلہ کر کے دکھاویں۔ زمانوں کا بھی مقابلہ کر لیں۔ اگر کوئی رعایت آپ کے حق میں ہو تو وہ بھی لے لیں اور پھر مقابلہ کر لیں۔ خالی ڈینگیں نہ ماریں۔ اپنے منہ سے آپ ہی اپنی کامیابی کو بے نظیر کہنا کتنی جرأت کا کام ہے۔ پہلے ''بے نظیری'' پر دلائل قائم کریں پھر یہ کلمہ منہ سے نکالیں۔

وجہ نمبر 6

سے یہ نتیجہ کس طرح نکلا کہ آپ صحابہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ مرنے کے بعد اگر ایک متوفی کی خوبی چمکے گی تو اس کی استعداد اور کام کے مطابق چمکے گی۔ صحابہ کی چمک رہی ہے۔ آپ کی جب چمکے گی تو دیکھنے والے اندازہ لگا لیں گے کہ کس کی چمک زیادہ ہے اور کس کی کم ہے۔ یہ پہلے سے شیخی بازی کا کیا مطلب ہے۔ ابھی تو آپ کی کمزوریاں نظر آ رہی ہیں۔

وجہ نمبر 7

ٹھیک ہے ایک جماعت میں سارے افراد اصلاح یافتہ نہیں ہوا کرتے۔ سوال قلت و کثرت کا ہوتا

ہے۔مگر اس سے یہ نتیجہ کس طرح نکلا کہ آپ صحابہ کے مقام پر پہنچ گئے ۔اصلاح کے بھی مختلف مراتب ہوتے ہیں ۔ کوئی کم کوئی زیادہ۔ جو مرتبہ اصلاح کا صحابہ کے اندر نظر آتا ہے، وہ ہمیں اور جگہ بہت کم نظر آتا ہے۔خود خدا نے یہی قرآن کریم میں فرمایا کہ:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُوْلٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (56:10-12) میں ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ. وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ (56:13-14) ہوں گے۔یعنی ایک جماعت اولین سے اور تھوڑے لوگ آخرین میں سے۔اور اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ کی نسبت، جو درمیانے درجہ کے لوگ ہیں۔فرمایا کہ: ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ. وَثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ (56:39-40) کہ ایک جماعت اولین سے اور ایک جماعت آخرین سے ہوگی۔

لیکن اگر میاں صاحب اس بات پر بضد ہوں کہ صحابہ کرام کی اصلاح اور احمدی جماعت کی اصلاح کے مراتب میں بھی کوئی فرق نہیں، تو بسم اللہ! ہم دونوں جماعتوں کے دو چوٹی کے آدمی ایسے مقابلہ کے لیے لے لیتے ہیں جو سابقین مقربین میں سے یقیناً ہونے چاہئیں۔اور یہ خلیفے ہو سکتے ہیں صحابہ کرام کے۔خلیفہ ثانی حضرت عمر تھے۔ اور آپ کی جماعت کے خلیفہ ثانی حضرت فضل عمر ہیں۔مقابلہ کرلو۔کجا حضرت عمر کا زہد وتقویٰ، سادگی ومحنت اور خدمت اسلام۔کجا فضل عمر کی شان وشوکت، سیر وشکار، سیاحت یورپ، سیکرٹریوں کا جھمگٹا! بھلا کوئی نسبت ہے! ویسے زبانی جتنی چاہے شیخیاں بگھار لو۔دنیا واقعات سے آنکھیں بند نہیں کر سکتی۔حضرت عمرؓ کا بیت المقدس کا سفر اور حضرت فضل عمر کا دمشق اور یورپ کا سفر مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ بہ بین تفاوت راہ از کجا است تا بکجا۔اُن کی کامیابیوں پر نگاہ ڈالو کہ ایران، مصر، روم وشام ان کے ہاتھ پر فتح ہو جاتے ہیں۔اور کجا حضرت فضل عمر کی کامیابی، جو فاتح انگلستان بن کر گئے تھے۔جس طرح خالی ہاتھ گئے تھے، اُسی طرح تشریف لے آئے۔آگے کیا ہوگا اللہ جانتا ہے۔اس وقت تو نظر کچھ نہیں آتا۔

وجہ نمبر 8

بھی قبل از وقت ہے۔جب آپ دنیا سے گذر جاویں گے اس وقت ٹھنڈی ہوا چھوڑ جائیں گے یا

گرم۔ یہ تو آنے والے فیصلہ کریں گے۔آپ اس دلیل سے اس وقت کیسے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ یہ آپ کا اقرار ہے کہ آپ میں اس وقت کمزور زیادہ نظر آرہے ہیں۔مگر آپ فرماتے ہیں کہ درحقیقت وہ تھوڑے ہیں۔صرف نظر ایسا آتا ہے۔مگر میاں صاحب! یہ دلیل نہیں دعویٰ ہے۔ کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ جیسا نظر آرہا ہے وہی صحیح ہو اور کمزور درحقیقت زیادہ ہوں۔اور آپ صرف تعلّی کررہے ہوں۔ یہ دنیا کی سب جماعتیں کہہ سکتی ہیں کہ ہم میں کمزور کم ہیں تم کو نظر زیادہ آتے ہیں۔ یہ کہنا کہ صحابہ میں بھی ان کی زندگی میں کمزور زیادہ نظر آتے ہوں گے، یہ صرف آپ کے منہ کی کہن ہے۔جس کا کوئی ثبوت نہیں جو دل چاہا کہہ دیا۔اور اگر آپ میں کمزور کم ہوں بھی،تو پھر اس سے کیا فائدہ!اس کے یہ معنے تو نہیں کہ آپ کے زور والے صحابہ کی سی خدمات دکھا گئے یا ان کے علوم مرتبت کو پا گئے یا ان سے آگے بڑھ گئے۔

وجہ نمبر 9

منافق پیدا ہوتے ہیں یا تو نقصان کے ڈر سے یا نفع کے لالچ سے۔احمدی نہ ہونے میں نقصان کا ڈر تو کوئی نہیں۔کوئی اگر احمدی نہ ہو تو اسے کیا نقصان ہے۔کوئی جبر نہیں۔ اکراہ نہیں۔ نہ احمدی ہونے میں کوئی نفع ہے۔کسی نے احمدی بن کر کون سے موتی بٹورنے ہیں۔مفت کی بدنامی بیٹھے بٹھائے بدنام ہونے، گالیاں کھانے دُکھ اُٹھانے کا شوق کسی کو چرائے تو وہ احمدی بن جائے۔تو ایسی حالت میں منافق کس طرح پیدا ہوں گے۔ ہاں! ایک شکل ممکن ہے وہ یہ کہ کسی کو افلاس نے اگر چاروں طرف سے ستایا ہوا اور اس کے لیے سوا اس کے کوئی صورت روزی کی نہ رہ گئی ہو کہ وہ لنگر خانہ کی روٹیوں پر بسر اوقات کرے یا وہیں کہیں صورت ملازمت کی اختیار کرلے تو شاید ایسے لوگوں میں سے کوئی منافق نکل آئے۔گو ناحق کی بدظنی کرنا تو کسی صورت میں بھی مناسب نہیں۔مگر خیر! منافق کہنے کا شوق اگر قادیان میں بہت زور کر گیا ہو تو بیشک ایسے لوگ درمیان سے نکال دیں۔یا جنہیں بھی آپ منافق کہہ کر خوش ہوتے ہوں انہیں بھی نکال دیں۔مگر خدا کے لیے باقی کی نسبت کچھ معقول دلائل پیش کریں کہ وہ اپنے کمالات روحانیت اور خدمات دینیہ میں صحابہ کے مدمقابل ہیں یا اُن سے بھی آگے نکل کر اپنی ''بےنظیری'' پر مہر لگارہے ہیں۔جو ابھی تک آپ نے پیش نہیں کیں۔صرف زبانی ہی دعوے ہیں۔

وجہ نمبر 10

علیٰ ہذا القیاس آپ غیر صحابیوں کو بھی درمیان سے نکال دیں۔ اگر آپ مسیح موعودؑ کے صحابہ کے سوانح اور سیرت تالیف و تدوین نہیں کر سکتے تو کم سے کم ایک فہرست مسیح موعود کے صحابیوں کی شائع کر دیں۔ تا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی شان روحانیت اور خدمات دینیہ کا آپ کو اور دوسرے لوگوں کو مسیح موعودؑ کے صحابہ سے مقابلہ کرنے میں آسانی ہو۔ اور پھر دونوں کے مقام قرب کا موازنہ کر کے آپ ہمیں دکھائیں کہ کس طرح مسیح موعودؑ کے صحابہ اپنی کامیابیوں اور روحانی ترقیات میں بقول آپ کے ''بے نظیر'' ہیں۔ یا صحابہ نبی کریم ﷺ کے مدمقابل ہیں۔ ابھی تک آپ نے ثبوت تو کوئی پیش نہیں کیا۔ یہ تو صرف اپالوجی یعنی معذرت ہے کہ ہم جو کمزور نظر آتے ہیں تو صرف اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم میں منافق بھی ملے ہوئے ہیں۔ غیر صحابہ بھی ملے ہوئے ہیں۔ ہم ابھی زندہ ہیں اس لیے ہماری عزت نہیں۔ جتنے کمزور نظر آتے ہیں، درحقیقت اتنے نہیں۔ ہمیں خدمت کا موقع نہیں ملا ورنہ بڑا کارنامہ کرتے۔ افسوس ہے ہمارے حالات کسی نے منضبط نہیں کیے اور ہمارا زمانہ بڑا بُرا ہے۔ ان تمام باتوں سے قطعاً قطعاً یہ ثابت نہیں ہوا کہ کمالات روحانی میں اور خدمات دینیہ کی ادائیگی میں آپ لوگوں کا وہی مقام ہے جو صحابہ کرام کا تھا۔ اس کے لیے واقعات حقہ کی ضرورت ہے۔ جو ابھی آپ نے پیش کرنے ہیں۔

وجہ نمبر 11

حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خلفاء نے جو بعض اوقات جماعت کی کمزوریوں کا اظہار کیا ہے، وہ صحیح کیا ہے یا غلط کیا ہے؟ اس میں کیا شک ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ جماعت اور زیادہ ترقی کرے۔ مگر بہرحال کمزوریوں کو دیکھتے تھے تو اظہار ناراضگی فرماتے تھے۔ یا یونہی بیٹھے بیٹھے جماعت کو ملامت کرنے کو دل کر آتا تھا۔ پھر چلو! مان لیا کہ جماعت کو جو کچھ فرمایا زیادہ ترقی کرنے کے لیے فرمایا مگر 1907ء یا 1908ء میں گویا بالکل آخر میں آ کر جو فکر دن رات حضرت مسیح موعود کے دماغ میں چکر لگا رہی تھی وہ جماعت کی کمزوریوں کے متعلق سچ مچ کی تشویش تھی یا نعوذ باللہ یونہی ایک وہم ہو گیا تھا۔ خود اسی کتاب ''سیرۃ المہدی'' میں آپ خود روایت نمبر 253 میں نقل کرتے ہیں۔ وہ ملاحظہ ہو۔

> ''پھر آپ نے فرمایا کہ چند دن سے ایک خیال میرے دماغ میں اس زور کے ساتھ پیدا ہو رہا ہے کہ اس نے دوسری باتوں سے مجھے بالکل محو کر دیا ہے۔ بس ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے

وہی خیال میرے سامنے رہتا ہے۔ میں باہر لوگوں میں بیٹھا ہوتا ہوں اور کوئی شخص مجھ سے کوئی بات کرتا ہے تو اس وقت بھی میرے دماغ میں وہی خیال چکر لگا رہا ہوتا ہے۔ وہ شخص سمجھتا ہوگا کہ میں اس کی بات سن رہا ہوں مگر میں اپنے اُس خیال میں محو ہوتا ہوں۔ جب میں گھر جاتا ہوں تو وہاں بھی وہی خیال میرے ساتھ ہوتا ہے۔غرض ان دِنوں میں یہ خیال اس زور کے ساتھ میرے دماغ پر غلبہ پائے ہوئے ہے کہ کسی اور خیال کی گنجائش نہیں رہی۔ وہ خیال کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہوجاوے جو سچی مومن ہو اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے۔ اور آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ پر کار بند ہو اور اصلاح وتقویٰ کے راستے پر چلے اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قائم کرے۔ تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت پاوے اور خدا کا منشا پورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوتی تو اگر دلائل و براہین سے ہم نے دشمن پر غلبہ بھی پالیا اور اس کو پوری طرح زیر بھی کرلیا تو پھر بھی ہماری فتح کوئی فتح نہیں۔ کیونکہ اگر ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہ ہوئی تو گویا ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ دلائل و براہین کی فتح کے تو نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں اور دشمن بھی اپنی کمزوری محسوس کرنے لگا ہے لیکن جو ہماری بعثت کی اصل غرض ہے اس کے متعلق ابھی تک جماعت میں بہت کمی ہے اور بڑی توجہ کی ضرورت ہے۔ پس یہ خیال ہے جو آج کل مجھے کھا رہا ہے۔ اور یہ اس قدر غالب ہے کہ کسی وقت بھی مجھے نہیں چھوڑتا۔''

اگر در خانہ کس است ایں قدر بس است۔ حضرت مسیح موعودؑ کو تو یہ فکر ہر وقت کھا رہی تھی اور یہاں یہ دعویٰ ہے کہ ہم صحابہ سے بھی بڑھ کر نمونہ دکھا رہے ہیں۔ وجہ نمبر 12 میں بعد میں عرض کروں گا۔

وجہ نمبر 13

آپ کا فرمانا کہ ہماری ترقی بتدریج مقدر ہے، بتاتا ہے کہ صحابہ کے مقام پر آپ ابھی نہیں پہنچے۔ ورنہ

ایسا نہ فرماتے۔ پس جب آپ پہنچ جائیں گے اس وقت اپنے آپ کو مقابلہ میں پیش کرنا ابھی قبل از وقت ہے۔ اور یہ محض آپ کے منہ کا دعویٰ ہے کہ آپ کے زمانہ کے امراض سِل کی طرح ہیں اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے امراض پھوڑے کی طرح تھے۔ اس پر کوئی آپ نے دلیل ارشاد نہیں فرمائی۔ اگر کوئی یوں کہہ دے کہ آپ کے زمانہ کے امراض پھوڑے کی طرح ہیں اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے امراض سل کی طرح تھے۔ اور یہ آنحضرت ﷺ کی قوت قدسی کا کرشمہ تھا جو ایسے مرض اور خطرناک امراض کو اپنی توجہ سے آناً فاناً کافور کر دیا، تو آپ کے پاس اس کے خلاف کیا دلائل ہیں۔ ساری دنیا آپ کے مریدوں کی تو بستی نہیں کہ جو آپ فرماتے جائیں گے سب مانتے جائیں گے۔ لوگ تو دلیل مانگتے ہیں۔ آپ نے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ اور اپنے زمانہ کے روحانی امراض میں فرق بیان فرمایا ہے، اس پر کوئی دلیل قائم کیجئے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کی قوت قدسی کی ہتک نہ کیجئے۔

☆☆☆

قسط 15 (آخری)

مطبوعہ دراشاعت 2 رمضان 1344ھ

چھوٹے میاں صاحب کی پیش کردہ وجوہات میں سے جو اوپر گذر چکیں، اب میں وجہ نمبر 12 کو لیتا ہوں جو ذرا تفصیل طلب ہے۔

وجہ نمبر 12

اصل میں کام کی بات تو یہی ایک ہے یا جو پہلے وجہ نمبر 2 میں بیان کی گئی تھی۔ گو اس میں آپ نے بہت قابل افسوس حرکت کی تھی کہ لوگوں کی آنکھوں پر یہ کہہ کر پٹی باندھنی چاہی تھی کہ لوگوں کو صحابہ کی تاریخ کا پتہ نہیں۔ ورنہ ایسا ان کو بلند رتبہ نہ سمجھتے۔ حالانکہ یہ تاریخ یعنی واقعات زمانہ ہی ہیں جنہوں نے صحابہ کو اس قدر بلند مقام پر دکھایا ہوا ہے کہ وہاں تک آپ باوجود صفحوں کے صفحے سیاہ کرنے کے اپنے زورِ قلم کے بل پر پہنچ نہ سکے۔ تاریخ یعنی

واقعات صحیحہ ہی اُن دو گواہوں میں سے ایک گواہ ہے۔ جو صحابہ کی عظمت اور بلند مرتبہ پر با آواز بلند گواہی دے رہے ہیں۔ دوسری گواہی خدا کی گواہی ہے جس پر آپ نے وجہ نمبر 12 میں بحث کی ہے۔ یہ سچ ہے کہ قرآن کریم میں خدا نے صحابہ کی عظمت اور شان پر بڑے زور سے گواہی دی ہے۔ جو افسوس ہے اور کسی جماعت کے متعلق نہیں۔ احمدی جماعت کے متعلق بھی نہیں۔ آپ کا آیت اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (2:62) کو پیش کرنا مفید مطلب نہیں۔ اس آیت کے تو یہ معنے ہیں کہ پیچھے آنے والوں کے معلم اور مزکی بھی آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔ اب قیامت تک کوئی نبی نہ ہوگا بلکہ جو آئیں گے وہ فنافی الرسول کے ایسے مقام پر ہوں گے کہ ان کے اپنے نفس حکم نفی وجود کا رکھیں گے۔ ان میں رَجُلٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ کا ارشاد فرما کر آنحضرت ﷺ نے مسیح موعودؑ کو ایک خاص خصوصیت عطا فرمادی۔ یعنی ان خلفاء اور بروز کامل لوگوں میں سے مسیح موعودؑ کو ایک نمایاں مقام حضور نے عطا فرمایا۔ اور مسیح موعودؑ کے واسطے ان کی جماعت بھی خاص طور پر اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ میں ممتاز ہوگئی۔ ورنہ اٰخَرِیْنَ میں تو سبھی پیچھے آنے والے لوگ شامل ہیں۔ کیا احمدی جماعت کے سوا تمام مجددین کی جماعتوں کا معلم او رمزکی آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی اور ہے۔ ہرگز نہیں۔ جو کچھ فیض مجددین کے ذریعہ جماعت کو ملتا ہے وہ درحقیقت آنحضرت ﷺ ہی کا فیض ہے جو بالواسطہ مل رہا ہے۔ پس باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اُمت کے معلم اور مزکی ہونے کے جو تزکیہ صحابہ کا نظر آتا ہے وہ ہمیں اور کسی جماعت میں نظر نہیں آتا۔ اور بات بھی درست ہے کہ براہ راست جو فیض کسی شخص کی صحبت میں مل سکتا ہے، وہ بالواسطہ ملنے میں کمزور پڑ جاتا ہے۔

سورج کی روشنی جو براہ راست اثر دکھاتی ہے وہ کسی شیشہ میں سے منعکس ہو کر نہیں دکھا سکتی۔ یہ میں مانتا ہوں کہ جتنا بڑا شیشہ ہوگا اُتنا ہی اس کا انعکاس زیادہ ہوگا۔ مگر پھر بھی جو بات آفتاب کی براہ راست روشنی میں پیدا ہوتی ہے، وہ بالواسطہ نہیں پیدا ہوتی۔ اسی طرح جتنا بڑا مجدد ہوگا اُس کی استعداد اور شان کے مطابق فیضان محمدی کا بھی انعکاس ہوگا۔ مگر خواہ کتنا ہی عظیم الشان انعکاس ہو، جو فیض براہ راست محبت میں بیٹھنے والوں پر ہوسکتا ہے، وہ بالواسطہ پانے والوں کو نہیں مل سکتا۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں ہوسکتا۔ پس اس آیت سے صرف اتنا نکلا کہ احمدی جماعت کے معلم اور مزکی آنحضرت ﷺ بالواسطہ ہیں۔ اس سے یہ کہاں نکلا کہ یہ بالواسطہ فیض پانے والی جماعت بلاواسطہ فیض پانے والی جماعت کے برابر اپنے علو مرتبت میں پہنچ جائے گی۔ محض کسی جماعت

کا کسی نبی کے فیض کے زیر اثر ہونا اس کے علوم مرتبت پر دلیل نہیں ۔ جب تک واقعات یہ ثابت نہ کر دیں کہ وہ جماعت فیض کو قبول کرنے والی ثابت بھی ہوئی اور کچھ کر کے دکھا گئی ۔ حضرت موسیٰؑ سے براہ راست فیض پانے والی جماعت آخر جیسی ناکارہ ثابت ہوئی وہ قرآن سے ظاہر ہے ۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ سے براہ راست فیض پانے والی جماعت باوجود اپنی زبان سے انصار اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے پھر جس قسم کی نکمی ثابت ہوئی وہ محتاج بیان نہیں ۔ واقعات نے بتلا دیا کہ ان پر فیضان نبوت کا کوئی اثر نہ ہوا ۔ اسی لئے قرآن نے یہ دعا سکھلائی کہ:

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ (194:3) اے ہمارے رب ہمارے ساتھ وہ تمام وعدے پورے فرما جو تو نے اپنے رسولوں سے وعدے کیے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا بے شک تو اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا ۔

کیا عجیب وغریب جماعت کی ترقی کے لیے دعا سکھائی ۔ اس دعا میں بتلا دیا کہ ایک جماعت جو یہ چاہتی ہے کہ وہ ان تمام وعدوں کی مصداق بنے ، جو کسی رسول سے اللہ تعالیٰ نے کئے ہیں ، تو وہ یہ سمجھ لے کہ خدا تو اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کیا کرتا ۔ لہٰذا اگر کسی جماعت سے کوئی الٰہی وعدہ پورا نہ ہو تو یہ اس جماعت کی کمزوری کی وجہ سے ہوگا ۔ اور اس جماعت کی یہ کمزوری نہ صرف اس دنیا میں ہی محرومی کا موجب ہوگی بلکہ قیامت میں بھی رسوائی کا سبب ہو جائے گی ۔ پس اس امر کو مدنظر رکھ کر دعا کرتے رہو کہ مولا ! ایسی توفیق ہمیں دے کہ تیرے سب وعدے ہم سے پورے ہوں ایسا نہ ہو کہ ہماری کمزوری سے ہمیں رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے ۔ پس اگر کسی جماعت سے ، جو کسی رسول کے فیضان کے زیر اثر ہو ، کچھ خدائی وعدے ہوں تو وہ مقام فخر نہیں ، جب تک واقعات عالم یہ ثابت نہ کر دیں کہ وہ جماعت رسول کے فیض سے اثر پذیر بھی ہوئی اور خدا کے وعدے اس جماعت کے ساتھ سب پورے بھی ہو گئے ۔ یا خدا خود گواہی دے دے کہ اس جماعت نے اپنی قربانی کو پورا کر کے دکھایا اور خدا اس جماعت سے راضی ہو گیا ۔ صحابہؓ کے متعلق تو واقعات عالم نے گواہی دے دی کہ وہ جماعت بینظیر طور پر اپنے رسول کے فیض سے فیضیاب ہو کر اُن تمام وعدوں کی وارث ٹھہری جو خدا نے اپنے رسول سے کیے تھے ۔ اور خود خدا نے گواہی دی کہ صحابہؓ کی جماعت نے اپنی نذر کو پورا کر دکھایا ۔ سنو! قرآن کریم میں خدا کیا گواہی دیتا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (23:33) یعنی صحابہؓ میں سے کچھ تو وہ لوگ ہیں جو اپنی قربانیاں کر کے اپنی نذر کو پورا کر گئے اور باقی جو ہیں وہ ہمہ وقت منتظر ہیں کہ کب موقع ملے اور کب وہ اپنی قربانی ادا کریں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا. (29:48) محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں کفار کے مقابلہ میں بڑے مضبوط آپس میں نہایت ہمدرد۔ تو انہیں دیکھے گا کہ خدا کے آگے جھکے ہوئے اور فرمانبردار ہر وقت اللہ ہی کے فضل اور اس کی خوشنودی کو ڈھونڈتے ہوئے۔ پھر قرآن میں اُن کو خوشنودی مزاج کی سند اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

سنئے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (100:9) اور سابقین اولین مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ جو ان کے بعد خلوص دل سے داخل ایمان ہوئے اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور اللہ نے ان کے لیے جنت کے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں اور جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہ بڑی کامیابی ہے۔

اب فرمائیے ایک طرف تو واقعات عالم صحابہ کی بے نظیر کامیابی پر گواہی دے رہے ہیں۔ دوسری طرف ان کے ایمان اور اعمال صالحہ اور مقام قرب پر خود خدا تعالیٰ گواہی دے رہا ہے۔ اور ان کی خدمات دینیہ

اور اخلاص واعمال صالحہ کو پرکھ کر رضی اللہ عنہم کا سرٹیفکیٹ انہیں مرحمت فرماتا ہے۔ گویا خدا کی فعلی اور قولی دونوں شہادتیں ان کے حق میں ہیں۔ اب احمدی جماعت کو لو تو واقعات عالم تو ابھی کیا گواہی دیں گے، ابھی کام ہی بہت کم ہوا ہے اور بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ دوم: جو کچھ ابھی تک کیا جا چکا ہے اس کے متعلق کوئی علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کیا وقعت ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو قطعاً کوئی الہام نہیں ہوا کہ احمدی جماعت سے اللہ راضی ہو گیا۔ ان کے اپنے متعلق تو عبدالقادر رضی اللہ عنہ کا الہام ہوا۔ یعنی خود اُن سے تو خدا راضی تھا۔ مگر جماعت کے متعلق قطعاً معلوم نہیں کہ خدا کی نگاہ میں اس کا کیا مقام ہے؟ پھر خود بخود اپنے اوپر ناز اور فخر کرنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ یہ خوف کا مقام ہے اور بُرے آثار ہیں جو اپنی بڑائی کا خیال دماغ پر مستولی ہونے لگا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اس خود پسندی پر سن لو:

> اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ اَنْفُسَھُمْ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا. اُنْظُرْ کَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَکَفٰی بِہٖٓ اِثْمًا مُّبِیْنًا (4:49-50)
> کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود بڑے مقدس بنتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور وہ ایک ریشہ کے برابر بھی ظلم نہیں کیے جاتے۔ دیکھ کس طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور یہی کھلا گناہ کافی ہے۔

یعنی تزکیہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (69:29) کے ماتحت اللہ تعالیٰ کے فضل کے نیچے اپنے آپ کو لے آتے ہیں، وہی جناب الٰہی سے تزکیہ پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کے حق کو ضائع نہیں کرتا۔ مگر جو خود اپنے منہ سے مقدس بنتے ہیں اور نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ (18:5) کے مدعی بن کر اپنے فرضی تقدس کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ گویا خدا نے اُن کے مقدس ہونے کی پہلے سے ہی سند دے رکھی ہے۔ وہ درحقیقت خدا پر افتراء کرتے ہیں، اور ان مقدس بننے والوں کے خلاف تو یہی کھلا گناہ کافی ہے کہ اپنے آپ کو مقدس بتاتے ہیں اور اپنے تقدس کو خدا کی طرف منسوب کر کے اِفْتِرَآءً عَلَی اللّٰہِ (140:6) کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر فرمایا: فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی (32:53) پس اپنا تقدس نہ جتایا کرو۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون بڑھ کر متقی ہے۔ معلوم ہوتا ہے میاں صاحب کو فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی کا

قرآنی ارشاد سیرۃ المہدی لکھتے وقت یاد نہ رہا۔ ورنہ یوں صفحوں کے صفحے سیاہ نہ کرتے ۔ یہ سچ ہے کہ آج تمام عالم اسلامی میں اگر کوئی جماعت حفاظت اسلام اور اشاعت اسلام کی روح اپنے اندر رکھتی ہے تو وہ احمدی جماعت ہے ۔ یہی وہ جماعت ہے جس کا اصل الاصول دین کو دنیا پر مقدم کرنا ہے۔ اور جو صحابہؓ کے نقش قدم پر چل رہی ہے ۔مگر یہ کہنا بہت بڑی جرأت بلکہ سخت غلطی ہے کہ وہ ان تمام مدارج سلوک کو طے کر گئی جو صحابہ کرامؓ نے طے کیے تھے اور ان تمام قربانیوں کو ادا کر گئی ہے جو صحابہ نے کر کے دکھائی تھیں ۔ منزل مقصود ابھی بہت دور ہے۔ البتہ اُن بزرگوں کے نمونے ہمارے پیش نظر ہیں جن پر چلنے کی ہم اپنے مولا سے دعا کرتے ہیں ۔ہمیں اپنے امام حضرت مسیح موعودؑ کا ارشاد یاد ہے جو انہوں نے صحابہؓ کے متعلق فرمایا اور وہ کافی ہے ۔فرماتے ہیں :

''ہم اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ جو راستباز اور کامل لوگ شرف صحبت آنحضرت ﷺ سے مشرف ہوکر تکمیل منازل سلوک کر چکے ہیں ،اُن کے کمالات کی نسبت بھی ہمارے کمالات اگر ہمیں حاصل ہوں بطور ظل کے واقع ہیں ۔ اور اُن میں بعض ایسے جزئی فضائل ہیں جو اب ہمیں کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتے ۔'' (ازالہ اوہام جلد اول)

پھر الحکم نمبر 29 جلد 3 میں مولوی عبدالکریم صاحب کا خط پڑھیں ۔ لکھتے ہیں :

''ایک دفعہ ہمارے ایک دوست نے ، جو حضرت امام (مرزا صاحب) کی محبت میں فنا شدہ ہیں ،آپ (مرزا صاحب) کی خدمت میں عرض کیا کہ کیوں نہ ہم آپ کو مدارج میں شیخین (حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر رضی اللہ عنہما) سے افضل سمجھا کریں اور رسول اکرم ﷺ کے قریب قریب مانیں ۔ اللہ اللہ ! اس بات کو سن کر حضرت اقدس کا رنگ اُڑ گیا۔ اور آپ کے سراپا پر عجب اضطراب اور بیتابی مستولی ہوگئی ۔ میں خدائے غیور قدوس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس گھڑی نے میرا ایمان حضرت اقدس کی نسبت اور بھی زیادہ کر دیا۔ آپ نے چھ گھنٹہ کامل تقریر فرمائی ۔اس سارے مضمون میں آپ نے رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کے محامد اور فضائل اور اپنی غلامی اور کفش برداری کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور جناب شیخین علیہما السلام کے فضائل مذکور فرمائے اور فرمایا کہ

میرے لیے یہ کافی فخر ہے کہ میں ان لوگوں (صحابہ) کا مداح اور خاک پا ہوں۔ جو جزئی فضیلت خدا تعالیٰ نے اُنہیں بخشی ہے وہ قیامت تک کوئی اور شخص پا نہیں سکتا۔ کب دوبارہ محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں پیدا ہوں اور پھر کسی کو ایسی خدمت کا موقع ملے جو جناب شیخین علیہما السلام کو ملا۔''

اخیر میں میاں صاحب موصوف سے اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ محض حضرت مسیح موعودؑ کی عزت اور احمدی جماعت کی عزت کی خاطر میں نے ان کی اس کتاب پر تنقید کی ہے۔ ہماری عزت اسی میں ہے کہ ہم حضرت مسیح موعودؑ کے اخلاق فاضلہ کا اظہار کریں اور بتلائیں کہ ہماری جماعت کس طرح اپنے بزرگوں کی عزت کرتی اور ان کے نقش قدم پر چلنا اپنا فخر سمجھتی ہے نہ کہ بالمقابل تقدس کی مدعی ہے۔

نام نیک رفتگان ضائع مکن تا بماند نامِ نیکت برقرار

13 جنوری 1926ء

مجد دِوَقت کے اَنفاسِ قدسیہ کا اثر

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کا مکتوب ان احباب کی خدمت میں جو جلسہ میں تشریف نہیں لائے)

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

ہمارا سالانہ جلسہ ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت کامیاب ہوا۔ مجھے جس امر کی خوشی ہے وہ یہ ہے کہ گو باہر سے بہت تھوڑے احباب تشریف لائے، کل تعداد پانچ سو کے قریب تھی، لیکن اُنہوں نے جس ایثار اور ایثار سے بھی بڑھ کر ہمت کا ثبوت دیا، وہ قابل رشک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی سکینت اپنے فضل سے اس مختصر سی جماعت کے قلوب میں نازل فرمائی کہ اُنہوں نے ہر قسم کی تحریکات پر، جو یکے بعد دیگرے اس موقع پر ہوئیں، ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ جوش سے لبیک کہا۔ خدا کی راہ میں دینا بڑا مشکل ہے اور پھر دینے والے جلد تھک جاتے ہیں۔ مگر جن دلوں کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت کی چنگاری روشن ہو چکی ہو وہ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ (38:41) کے مصداق ہوتے ہیں۔ خدا کی راہ میں دیتے ہوئے تھکتے نہیں۔ الحمد للہ کہ یہ روح افزا نظارہ ہمارے سالانہ جلسہ میں بھی نظر آیا سب سے پہلے مولانا صدرالدین صاحب نے جرمن رسالہ ''مسلمش ریویو'' کے لیے تحریک کی اور گو اُن کا روئے سخن اوروں کی طرف تھا، مگر سوائے دو تین احباب کے جماعت نے بھی اس آواز کی عزت کی اور پانچ دس منٹ میں 630 روپیہ نقد یا برنگ وعدہ ہو گیا۔ دوسرے دن ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی اپیل برلن مسجد اور مشن کے لیے تھی۔ جس میں قریباً پندرہ ہزار روپیہ نقد یا مارچ تک قابل ادائیگی وعدوں کی صورت میں ہو گیا۔ اسی شام کو ہماری کانفرنس تھی جس میں تبلیغ سلسلہ کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی گئی اور 45 آدمیوں نے آنریری مبلغین کے طور پر کام کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد اخبار پیغام صلح کی کمی خریداری کی طرف توجہ دلائی گئی۔ جس میں 61 خریدار اخبار پیغام صلح کے اور 414 لائٹ کے ہوئے۔ ان میں سے بعض احباب نے کچھ خریدار بنانے کا وعدہ کیا۔ لیکن اکثر احباب یا خود خریدار ہوئے یا اپنی جیب سے اس قدر خریداروں کا چندہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس قدر تحریکات پر ایک مختصر سی جماعت کا اس جوش سے لبیک کہنا بتا رہا تھا کہ مجدد وقت کے

انفاس نے کیا زندگی اس قوم کے اندر پیدا کردی ہے۔لیکن عین جلسہ کے اختتام پر میں نے ڈرتے ڈرتے اپنی جماعت کوایک اوراہم خدمت دینی کی طرف توجہ دلائی۔ڈرتے ہوئے اس لیے کہ مبادااس قدر تحریکات سے قوم تھک نہ چکی ہو۔لیکن اس تحریک پر جس جوش سے احباب جماعت نے لبیک کہااس نے دوسرے دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈالتے ہوئے اس بات کوثابت کردیا کہ ان تمام پہلی قربانیوں نے اس جماعت کے قدم ہمت کواور بھی مضبوط کردیا تھا۔اوران کے دِلوں میں وہ نشاط پیدا کردی تھی جومومنوں کے دِلوں میں خدا کی راہ میں دے کر پیدا ہوتی ہے۔

ان کے دِلوں کواس لذت سے بھردیا تھا جس سے ہرمحبّ صادق کا دل اپنے محبوب کے لیے تکلیف اُٹھا کربھرجاتا ہے۔یہ تحریک اس غرض کے لیےتھی کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت انگریزی زبان میں (جس کا نام محمدؐ دی پرافٹ ہے) یورپ اورامریکہ کی لائبریریوں میں پہنچائی جائے۔چند دِنوں کا واقعہ ہے کہ ایک مرہٹہ رئیس نے سیواجی کی لائف کی چار ہزار کاپیاں یورپ اورامریکہ کے کتب خانوں میں چوبیس ہزارروپیہ دے کرمفت پہنچوائی ہیں۔تاکہ سیواجی کے صحیح حالات کا ان ممالک کے لوگوں کوعلم ہوجائے۔مسلمانوں پرافسوس آتا ہے کہ کہنے کوتو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہ عشق ومحبت ہے کہ دنیا کی کسی قوم کواپنے رہنما کے ساتھ نہیں،مگرعملی رنگ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کوکوئی لگاؤ ہی نہیں۔اوراگرکچھ ہےتو صرف ظاہر پرستی کے رنگ میں۔ آپ کے روضہ مبارک پرکسی گولی کےخراش کےآجانے سےتو یہ اس قدرجوش میں آجاتے ہیں کہ بلاتحقیق اپنے ہی بھائیوں کے گلے کاٹنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔اورملک کےایک سرے سے دوسرے سرے تک کیاعوام اورکیاعلماء میں اورکیا اخبارات میں شور برپا ہوجاتا ہے۔اور اِدھر سے اُدھراور اُدھر سے اِدھر سراسیمہ بھاگے پھرتے ہیں۔لیکن اس رسول پاک ﷺ کے اخلاق پر جو حملے ہوتے ہیں،اور ناپاک حملوں سے جوآپ کے سینے کو چھلنی کیا جاتا ہے،اُن کواپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے جگہ سےنہیں ہلتے۔کیا یہ سچ نہیں کہ آج یورپ اورامریکہ میں پرانی تحریروں کوالگ رکھ کر،جن میں رسول خداصلی اللہ علیہ وسلم کےمنوراورمقدس چہرہ کی ایک نہایت ہی سیاہ تصویرکھینچی گئی ہے،آئے دن نئی تحریریں شائع ہوتی ہیں۔اوردرجنوں کتابیں ہرسال ہرملک میں نکلتی ہیں،جن میں آپ کی ذات پاک پرناپاک سے ناپاک حملے کیے جاتے ہیں۔مگرمسلمانوں کوان حملوں کے دفاع کی کوئی فکر

نہیں۔اور وہ رسول خداﷺ کی ذات کو ان حملوں سے بچانے کے لیے ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بھی نہیں کرتے۔ان حملوں کا ہر جگہ پر پہنچ کر دفاع کرنا، جس طرح عیسائی پادری اب مسلمانوں کے گھروں میں ہر مقام پر پہنچ کر وہاں بھی یہ زہر پھیلا رہے ہیں، جو موجودہ حالات میں مسلمانوں کی طاقت سے بالاتر ہے، گو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بھی اسباب پیدا کر دے گا مگر اس وقت ہم یوں اپنی تبلیغ کو وہاں پہنچا سکتے ہیں کہ آنحضرتﷺ کے پاکیزہ حالات اور دلکش اخلاق کا ایک مرقع تیار کر کے ان ملکوں میں پہنچا دیں۔اور اس کا بہترین طریق یہ ہے کہ جس قدر لائبریریاں ہیں ان میں ایک ایک کاپی اس کی رکھوا دیں۔ جہاں یہ سینکڑوں نہیں ہزاروں انسانوں کی نظر سے گذر کر ان کے خیالات کو تبدیل کر سکتی ہے۔اور ایک زندہ مبلغ کا کام دے سکتی ہے۔ یہ نہ صرف رسول اللہﷺ کے دشمنوں کے حملوں کا ہی دفاع ہوگا بلکہ صدقہ جاریہ کا بہترین کام بھی ہے۔ کیونکہ جب تک وہ کتاب وہاں موجود ہے لوگوں کی نظروں سے گزرتی رہے گی اور اس کا ثواب اس شخص کو پہنچتا رہے گا، جس نے وہ کتاب وہاں پہنچائی ہے اور اشاعتِ اسلام کا بھی یہ ایک نہایت عمدہ ذریعہ ہے۔ چنانچہ سرِ دست انگریزی زبان میں سیرت خیر البشرؐ ترجمہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مقبول ہو چکی ہے۔ بلکہ اس کا ترجمہ ترکی زبان میں بھی ہو چکا ہے۔اور ابھی ایران سے خط آیا ہے کہ فارسی میں بھی ترجمہ کی تجویز ہے۔اس لیے احباب سے یہ اپیل کی گئی کہ وہ اس کارِ خیر میں سب سے پہلے قدم اُٹھائیں۔ چنانچہ میری اس اپیل پر، جو قریباً جلسہ کے خاتمہ پر تھی، اسی غرض کے لیے ہماری مختصر سی جماعت نے ڈیڑھ ہزار سے زائد کاپی بھجوانے کا انتظام کر دیا۔یعنی کوئی تین سو جلد کے لیے خواتین سلسلہ نے، جو بہت ہی قلیل تعداد میں تھیں، چندہ کیا اور بارہ سو سے اوپر جلدوں کے لیے مردوں کی طرف سے چندہ ہوا۔جن میں سب سے زیادہ تعداد شیخ محمد اسمٰعیل و شیخ مولا بخش صاحبان لائلپور کی طرف سے ہے۔یعنی دو سو جلد۔اور اس سے اتر کر ایک سو جلد شیخ نیاز احمد صاحب تاجر وزیر آباد کی طرف سے ہے۔**جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا**

اب میرا روئے سخن ان احباب کی طرف ہے جو جلسہ میں تشریف نہیں لائے۔اور جن کی تعداد یقیناً ان احباب سے بہت زیادہ ہے جو یہاں آئے۔ وہ اگر ہمت کریں تو چار ہزار کی تعداد کو پورا کرنے کے لیے باقی پچیس سو کاپی کا پورا ہو جانا کچھ مشکل نہیں۔اور یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ چار ہزار کا پیاں صرف بہت بڑی بڑی لائبریریوں کو بھی کفالت نہیں کر سکتیں۔حق تو یہ ہے کہ چالیس ہزار کاپیاں بھجوانے کا انتظام کیا جائے۔لیکن اگر

جماعت چار ہزار کی تعداد کو پورا کر دے تو شائد اللہ تعالیٰ باقی کے لیے بھی کسی مرد خدا کے دل میں ڈالے کہ وہ اس کارِ خیر میں ہمارا معاون ہو۔ پس جو احباب یہاں تشریف نہیں لائے ان کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف اس کارِ خیر میں بلکہ دیگر ان تحریکات میں بھی، جو جلسہ سالانہ پر ہوئیں، پورا حصہ لیں بلکہ جو احباب آئے انہیں کرائے کے خرچ کا بوجھ بھی اُٹھانا پڑا۔ جو احباب نہیں آئے، انہیں اس قدر رقم مزید خدا کے راستے میں دینی چاہئے۔ اس لیے ایسے احباب، جن کے نام یہ چٹھی بھیجی جاتی ہے اور جو جلسہ پر نہیں آئے، اُمور ذیل سے جس قدر جلد ممکن ہو اطلاع دیں اور اس ثواب عظیم کے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ اور اپنے اندر اس ایمانی زندگی کا ثبوت دیں جس کا ثبوت اُن کے ان بھائیوں نے دیا ہے، جو ان کاموں میں حصہ لے چکے ہیں۔

1۔ ’’مسلمش ریویو‘‘ جرمن رسالہ کی کس قدر کاپیوں کے وہ خریدار ہوتے ہیں۔ رسالہ کی قیمت تین روپے ہے۔

2۔ تبلیغ سلسلہ کے لیے آنریری مبلغ کا کام کر سکتے ہیں یا نہیں۔ جو لوگ ایسی آمادگی ظاہر کریں ان کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ اپنے فارغ اوقات میں دوسرے لوگوں سے مل کر انہیں جماعت میں شامل ہونے کے لیے ترغیب دیں اور یہ بتائیں کہ یہ جماعت کسی نئے فرقہ کے رنگ میں نہیں بلکہ محض خدمتِ اسلام کے لیے ایک جماعت ہے۔ کیونکہ بغیر جماعت بننے کے کام زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس غرض کے لیے جو ٹریکٹ و رسالہ جات انہیں بکار ہوں، وہ یہاں سے مفت بھیجے جائیں گے اور جس زبان میں ضرورت ہو اسی میں تیار کرا دیئے جائیں گے۔

3۔ پیغام صلح کے اگر خریدار نہیں تو خریدار بنیں اخبار کو پڑھنے کے بغیر نہ سلسلہ کی تبلیغ ہو سکتی ہے، نہ جماعت سے پورا تعلق رہ سکتا ہے۔ انجمن نے اس اخبار کی قیمت کو بھی بہت کم کر دیا ہے۔ یعنی پانچ روپیہ سالانہ۔ اور جن میں اس قدر بھی استطاعت نہ ہو اُن کے لیے اور بھی کم کر دی جاسکتی ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ ہر ایک خواندہ احمدی اس کا خریدار ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ ضرورت ہے کہ وہ احباب، جن کو اللہ تعالیٰ نے استطاعت دی ہے، دو دو،

چار چار، دس دس خریداروں کا چندہ دے کر اخبار کو ایسے لوگوں کے نام جاری کرائیں جو ابھی جماعت میں داخل نہیں۔ یا لائبریریوں کے نام جاری کرائیں، جہاں وہ بہت سے آدمیوں کے مطالعہ میں آسکتے ہیں۔اور یوں گویا وہ ایک مستقل مبلغ بن جائیں گے۔

4۔اخبار لائٹ کے متعلق احباب کی بہت زیادہ توجہ بکار ہے۔آج خدا کے فضل سے اس اخبار نے دِلوں میں بہت بڑی عزت پیدا کر لی ہے۔لیکن ضرورت ہے کہ ہمارے احباب جو انگریزی سمجھتے ہیں وہ سب خود اس کے خریدار ہوں۔اور دوسرے لوگوں میں اس کی خریداری کے لیے تحریک کریں۔ ہر ایک دوست اگر کوشش کرے تو اپنے حلقہ اثر میں دو تین چار خریداروں کو پیدا کر لینا کچھ مشکل نہیں۔صرف توجہ بکار ہے۔ جو احباب خریدار پیدا نہ کر سکتے ہوں وہ مزید چندہ سے امداد کریں۔تا کہ یہ اخبار غیر مُستطیع اصحاب کے نام مفت جاری کیا جائے۔

5۔اور بالآخر آپ سے التماس ہے کہ محمدؐ دی پرافٹ کی لائبریریوں میں مفت اشاعت کے لیے آپ ضرور حصہ لیں۔اصل قیمت اس کتاب کی تین روپے ہے۔مگر اس غرض کے لیے دو روپے قیمت کر دی گئی ہے۔اور 8 آنہ اس پر محصول ڈاک وغیرہ کا خرچ ہوگا۔اس طرح ماہ میں ایک مقام پر ایک شخص گویا ایک مبلغ بن کر چلا جاتا ہے۔ جو احباب جس قدر کا پیاں لیں گے،ان سے میں ہر ایک پر ان کا نام لکھ کر ان کی طرف سے وہ کتاب کسی لائبریری میں بطور تحفہ بھیجی جائے گی۔اس کام کی طرف بہت جلد توجہ بکار ہے۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس لاہور

صدائے دل

برلن (جرمنی) سے محترم فضل کریم صاحب اپنے مکتوب میں برادران اسلام سے خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

برادران اسلام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ لوگ سالانہ جلسہ کی تقریب پر لاہور میں جمع ہیں۔ اس موقع کو میں غنیمت سمجھتا ہوں کہ آپ کے حضور میں ایک پیغام پہنچا دوں۔ اس پیغام سے میرا مقصد آپ کے سامنے وعظ کرنا نہیں۔ میرا یہ بھی منشا نہیں کہ آپ کو مزید قربانیوں اور ایثار کی ترغیب دلاؤں۔ مجھے اس اقرار سے بھی عار نہیں کہ مجھ میں یہ بساط نہیں کہ آپ کے سامنے علوم وحقائق ومعارف کے دریا بہاؤں۔ آپ میں سے اکثر اصحاب حضرت مسیح موعودؑ کے قدموں میں بیٹھ چکے ہیں۔ آپ کی تربیت حضرت امام الزماں کے دامن میں ہوئی ہے۔ پھر بہت ہیں جو حضرت نورالدین اعظم کی صحبت سے فیض یاب ہو چکے ہیں اور جو سلسلہ فیض ہمارے حضرت امیر نے لاہور میں جاری کر رکھا ہے اس سے بھی آپ لوگ اکثر مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ میں ان تمام برکات سے محروم رہا ہوں۔ ان حالات میں اگر میں آپ کے سامنے حقائق ومعارف پیش کرنے کی جسارت کروں تو میرا یہ فعل آفتاب کو شمع دکھلانے کا مصداق ہوگا۔ اس پیغام سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ مغرب میں اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات سے جن نتائج پر میں پہنچا ہوں وہ نتائج آپ تک پہنچا دوں۔ واقعات نے میرے دل کو اکثر حرکت دی ہے کہ یہ اُمور آپ کے سامنے عرض کروں۔ میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنے خیالات کے اظہار کا مجھے یہ موقع دیا۔

مجھے ہندوستان چھوڑے ہوئے چھ سال ہو گئے ہیں۔ اس عرصہ میں مغربی تہذیب کو مختلف پہلوؤں سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ وہ دھندلے سے نظریات، جو میں نے مغرب کی سیاحت سے پیشتر بذریعہ مطالعہ کتب اور ذاتی غور وفکر سے قائم کیے تھے۔ وہ عینی مشاہدہ سے آفتاب کی طرح روشن اور یقین کے پایہ تک پہنچ گئے ہیں۔ دو باتیں بالخصوص واضح ہو گئی ہیں۔ ایک تو ایشیائی تہذیب کی عظمت اور بزرگی اور یورپ کی تہذیب کے مقابلہ میں اس کی برتری اور فضیلت اور پائندگی۔ دوسرے اسلام کی حقانیت۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ (137:3) اسلام کی حقانیت کا عینی ثبوت اور اس کی سچائی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہوتو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے یعنی فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ.

اس کے دو پہلو ہیں۔ایک پہلو تو سیر و سیاحت اور اسلامی اور موجودہ غیر اسلامی تہذیبوں کا مشاہدہ اور ان پر وقت اور تعمق سے فکر کرنا ہے۔دوسرا پہلو مطالعہ تاریخ ہے۔قوموں کی پیدائش، ان کی ترقی، عروج، زوال اور انحطاط اور بالآخر موت اور اُن کے زوال اور موت کے اسباب پر غور کرنا بطور خود ایک بہت ہی سبق آموز مطالعہ ہے۔اگر ان تمام موجودہ اور گذشتہ غیر اسلامی تہذیبوں کا تعلیمات اسلام سے مقابلہ کیا جائے تو صاف نظر آ جائے گا کہ قوموں کی زندگی پائندہ زندگی اور بقاء کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ صرف اسلام ہی ہے۔جو تہذیب اسلامی اصولوں پر قائم نہیں کی گئی، وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔یا تو وہ تہذیب اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاک کر دے گی۔جیسا کہ یورپ کی تہذیب آج کل کر رہی ہے۔یا خود بخود اس کے اندر کوئی ایسا مرض پیدا ہو جائے گا جو تھوڑے ہی عرصہ میں اس کو ہلاک کر دے گا۔قدیم یونان تہذیب و تمدن میں بہت بلند پایہ پر پہنچ گیا تھا۔لیکن زمانہ نے اس یونان قوم کو حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔رومیوں کے نام سے دنیا کانپا کرتی تھی۔لیکن آج اس قوم کا نام و نشان تک بھی موجود نہیں۔مسلمانوں کے تنزل پر بھی صدیاں گذر گئیں ہیں۔دنیا بھر کی قوموں نے اسلام اور اہلِ اسلام کا نام مٹانے کے لیے متفقہ کوششیں کی ہیں۔لیکن دنیا کی ان کوششوں کا ماحصل کیا ہے؟ کیا اسلام ناپید ہو گیا۔کیا مسلمان مٹ گئے۔برعکس اس کے اسلامی دنیا میں ہم ایک نئی زندگی کے آثار دیکھ رہے ہیں۔صدیوں کے غنودا اور غفلت اور نیند کے بعد وہ اپنی نبض زندگی میں ایک نئی حرکت محسوس کر رہے ہیں۔اس جسم اسلام میں، جو قریباً مردہ سا ہو چکا تھا، ایک نئی زندگی کی حرارت پیدا ہو گئی ہے۔آخر وہ کیا بات ہے کہ باوجود طرح طرح کی آندھیوں اور کُہر باریوں کے یہ پودا ابھی تک زندہ ہے۔وہ کیا چیز ہے جو زمانہ کے فناہ کن اور تباہی خیز ہاتھ سے اس کو بچائے ہوئے ہے۔میرے نزدیک وہ سبب عظمٰی، وہ محیر العقول راز جو اسلام کی اس فوق العادت قوت میں مضمر ہے، وہ اس کی حقانیت ہے۔میں سچ سچ کہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو اسلام کو مٹا سکے۔میرا یہ عقیدہ ذاتی تجربات اور ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے۔محض خوش اعتقادی نہیں۔تاریخ از گذشتہ اور موجودہ حالات پکار پکار

کر کہہ رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو زندہ رہنا ہے تو اسلام کی مضبوط رسی کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ ان کی زندگی اس میں ہے کہ سختی اور ہٹ کے ساتھ اس پر قائم رہیں۔ یورپ کی اندھی تقلید، خواہ وہ زندگی کے کسی شعبے میں ہو، ہلاکت کے گڑھے میں گرانے والی ہے۔ کیونکہ یورپ خود اس ہلاکت کے راستے پر گامزن ہے۔ وہ قومیں جو آج عروج پر ہیں سب مٹ جائیں گی۔ وہ دن دور نہیں کہ اُن کا نام لیوا بھی کوئی نہیں رہے گا۔ اگر بقا ہے تو صرف اسلام کو۔ اگر زندہ رہیں گے تو صرف وہ لوگ جو اسلام کو اپنا خضرِ راہ بنائیں گے۔ آب حیات کا صرف ایک ہی چشمہ ہے۔ ایک ہی ذات ہے جو اس کی مستحق ہے کہ ہم اس کی پیروی کریں۔ کیونکہ اسی میں ہماری زندگی اور بقا ہے۔ وہ ذات ِ آبِ حیات کا سرچشمہ محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔

الغرض مغرب کی سیاحت نے اسلام کی قوت قومیت کا راز مجھ پر کھول دیا۔ دوسری طرف ان ہی تجارب نے احمدیہ جماعت لاہور کی ذمہ داریوں کا احساس کرایا۔ اگر کوئی قوت یورپ کو اس کی موت سے بچا سکتی ہے، تو وہ صرف اسلام ہے۔ عیسائیت سے دل بیزار ہیں۔ ایک جماعت ہے جو عیسویت کے مردہ قالب میں جان ڈالنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ لیکن یہ جماعت عوام پر اپنا کچھ اثر نہیں رکھتی۔ یورپ نے عیسائیت کو دو ہزار برس کی مہلت دی۔ اس دو ہزار برس میں سوائے خون ریزی اور تباہی اور بربادی کے یورپ نے عیسائیت سے کچھ حاصل نہیں کیا۔ پس اب اس کو دوبارہ زندہ کرنا ناممکن ہے۔ ایک اور جماعت ہے جو حق کی متلاشی ہے۔ یہ لوگ اسلام سے بہت قریب ہیں۔ لیکن یورپ میں اسلام کے خلاف غلط خیالات اور غلط فہمیوں کا جو غبار چھایا ہوا ہے وہ اسلام کی خوبیوں اور محاسن کو لوگوں کی نظروں سے چھپائے ہوئے ہے۔

پیشتر اس کے کہ یورپ اسلام قبول کرے، یہ ضروری ہے کہ اس غبار کو دور کیا جائے اور اسلام کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کیا جائے۔ اس کا بہترین ذریعہ یورپ میں کثرت کے ساتھ اسلامی لٹریچر کا شائع کرنا ہے۔ یہ لٹریچر پیدا کرنا اور یورپ کے سامنے اسلام پیش کرنا کس کا کام ہے؟ اللہ تعالیٰ میرے دل کو جانتا ہے۔ میں تنگ ظرف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری فطرت کو تقصیر سے پاک رکھا ہے۔ اور میں خوش اعتقادی کے وصف سے بھی عاری ہوں۔ میں محض اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ کام محض احمدیہ جماعت لاہور کا ہے۔ غیر احمدیوں میں سے کوئی بھی اس کا اہل نہیں۔ اور اگر ہے تو کالعدم کا حکم رکھتا ہے۔ قادیانی جماعت اخلاق فاضلہ سے معرا ہو چکی

ہے۔ان میں پیر پرستی کا مرض خطرناک طور پر بڑھ گیا ہے۔اورمشکل یہ ہے کہ وہ مغرب میں اسلام نہیں بلکہ محمودیت پیش کرتے ہیں۔میں احمدیہ جماعت لاہور کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کندھوں پر ایک فرض ڈال دیا ہے۔تمہیں ایک خاص کام کے لئے چُن لیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا کسی قوم کو کسی خاص کام کے لیے چُن لینا اس قوم کی بڑی ہی سعادت کا موجب ہوا کرتا ہے۔بحیثیت مرد ہونے کے ہمارا فرض ہے کہ جس کام کے لیے ہم کو چُنا گیا ہے، جو فرض ہمارے ذمہ ڈالا گیا ہے،اس کو پورا کرنے کے لیے ہر طرح کی ممکن کوشش عمل میں لائیں۔میں سچ کہتا ہوں کہ یورپ کو فتح کر لینا بہت آسان ہے۔قرآن کی ننگی تلوار ہمارے ہاتھ میں ہے۔ہمیں اور کسی حربے کی ضرورت نہیں۔قدرتی طور پر لوگوں کی طبائع اس طرف آ رہی ہیں۔کیا ہم کسی سے کہتے ہیں کہ مسلمان بن جاؤ۔کیا ہم کسی کو اُکساتے ہیں۔ہم تو اپنی طرف سے ایک ٹکڑا کاغذ کا بھی نہیں بھیجتے جب تک کہ کوئی ہم سے مانگے اور وہ خود ہی اسلام کا اقرار بھی لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔آخر یہ کھلے کھلے نشان نہیں کہ اسلام کا آفتاب بلند ہو چکا ہے۔اسلام دنیا کو فتح کرنے کو ہے۔چند کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔

دنیا کی یہ فتح صرف قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔ضرورت ہے کہ اسلام کے حقائق،قرآن کی تعلیمات،احادیث اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر ایک کثیر لٹریچر پیدا کیا جائے۔اس لٹریچر کے لئے اس قدر روپیہ کی ضرورت نہیں جس قدر آدمیوں کی۔پس احمدیہ جماعت کا ایک بڑا فرض یہ ہے کہ اپنے میں سے ایک جماعت پیدا کرے جو اپنے آپ کو اسلامی لٹریچر کے مطالعہ عمیق کی نذر کر دے۔ضرورت ہے کہ ہم میں سے ماہرینِ فن پیدا ہوں۔یہ ظلم ہے کہ سب کام صرف ایک شخص کے سر پر ڈال دیئے جائیں۔آپ میں سے کتنے ہیں جو فنِ حدیث کے ماہر ہیں۔کتنے ہیں جو قرآن کے مفسرین اور جنھوں نے جتنا لٹریچر مشرق اور مغرب میں قرآن پر شائع ہو چکا ہے،اس کا مطالعہ کیا ہو۔کتنے ہیں جو اسلامی تاریخ اور اسلامی تمدن پر تحکم کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہیں۔یہ سب کام آپ کا یعنی احمدیہ جماعت کا ہے۔بحثوں کا وقت گذر گیا۔عمیق تفحّص اور تجسس کا وقت ہے۔یہ ایک ضروری کام ہے جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا تھا۔آپ لوگ اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں۔بلاشبہ جو مالی قربانیاں اس چھوٹی سی جماعت نے کی ہیں،وہ آج دنیا بھر میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔لیکن میں کہتا ہوں کہ روپیہ دے کر آپ اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔اسلام میں کوئی کفارہ نہیں۔آپ روپیہ خرچ کر کے

اپنے فرائض سے سبکدوشی حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ میں سے ہر ایک کو مجاہد اور مبلغ ہونا چاہئے۔ آپ کا فرض ہے کہ اسلام میں احیاءِ علوم کریں۔ ایک بےنظیر اسلامی لٹریچر پیدا کریں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آپ حضرت صاحب کے کلام کو ہی اچھی طرح سے سمجھ کر یورپ کا جامہ پہنا دیں۔ تو ایک دنیا کو زیر کر سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ جماعت میں سلطان القلم پیدا ہوں جو اسلام میں حقائق کا دریا بہا دیں۔ کاش! اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے نوجوانوں کے دِلوں میں یہ بات ڈال دے۔ دوستو! میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور اس ایک ضروری کام کو سرانجام دینے کی توفیق دے۔

خاکسار

فضل کریم خان

چند سوالات مع جوابات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام مردے زندہ کرنے کا تھا تو یہ فرمایئے کہ مرزا صاحب نے کتنے مردے اور کہاں زندہ کئے؟ دوسرے یہ کہ وہ کرشن تھے تو ان میں صفت کرشن بھی ضرور ہوگی۔ کرشن کا کام ناچنے گانے کا تھا۔ تیسرے اگر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں تو کس حکم سے پڑھتے ہیں۔ چوتھے مشکوٰۃ باب الامامۃ میں لکھا ہے **اَلصَّلوٰۃُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا وَفَاجِرًا اِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ** (مشکوٰۃ) تو آپ لوگ دوسرے مسلمانوں کے پیچھے کیوں نماز نہیں پڑھتے۔ پانچویں **لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ** مرزا صاحب نے اپنا الہام بتایا ہے۔ حالانکہ یہ حضرت نبی کریم ﷺ کے لیے ہی ہوسکتا ہے، نہ کسی اور کے لیے۔ چھٹے: چکڑالوی کہتے ہیں کہ انسان کی اطاعت شرک ہے۔ اس واسطے رسولؐ کی اطاعت ضروری نہیں۔ قرآن کریم میں رسول سے مراد قرآن ہے، کوئی انسان نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ آپ حضرت مرزا صاحب کی کتابیں پڑھ کر دیکھ لیں۔ مرزا صاحب نے بہت مردے زندہ کیے۔ آپ موت کے معنے نہیں جانتے۔ جو حیات انبیاءؑ اور اولیاءؒ سے جاہلوں کو حاصل ہوتی ہے، وہی حیات یہاں لوگوں کو حاصل ہوئی۔ لغات عربی میں موت کے معنے ملاحظہ فرماویں اور خود قرآن کریم میں غور

کریں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (122:6) اور تیسرے پارہ رکوع 2 کی آیت کریمہ: رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (258:2) پر بھی غور فرماویں۔ اور آیت: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (24:8)

دوسری بات کے جواب میں کہ مرزا صاحب کرشن تھے، کرشن کام ناچنے گانے کا بھی کرتے ہوں گے۔کیا شری کرشن کے متعلق آپ کو الہام ہوا کہ وہ ناچتے تھے۔ہاں بائبل میں حضرت داؤدؑ کی نسبت بھی ناچنا لکھا ہے تو کیا ہمارے نبی ﷺ جو بحکم فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (90:6) ان کے تابع تھے،آپ کے نزدیک کیا ناچنے کے بھی محکوم تھے۔تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ ہم تو ہاتھ باندھ کر ہی نماز پڑھتے ہیں۔اس کے متعلق حدیث موسیٰ جو قرآن پاک میں یوں آئی ہے:

> وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ (32:28) بس ہم اسی کو خدا کا حکم سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں اور ہاتھ باندھ کر ہی نماز پڑھتے ہیں۔

چوتھی بات کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت مکحولؒ نے ابو ہریرہؓ سے کی ہے۔کسی دنیا کی کتاب میں مکحول کی روایت سماع ابو ہریرہ سے جب تک ثابت نہ ہو، یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔

پانچویں بات کا جواب میں حضرت مسیح موعود کے کلام سے ہی دیتا ہوں۔دیکھو ڈائری 5 مئی 1906ء۔مندرجہ بالا 31 دسمبر 1908ء الہام الٰہی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کا تذکرہ تھا۔فرمایا اللہ تعالیٰ کی کمال رضا جوئی کی حالت میں یہ طبقہ خدمت گذاروں کا لَوْلَاكَ کا حکم رکھتا ہے۔اور یہ بات صاف ہے کہ اگر یہ طبقہ لَوْلَاكَ کا نہ ہو تو افلاک کی خلقت عبث فضول ٹھہرتی ہے۔افلاک کا بنانا محض اس طبقہ لولاک کی خاطر ہے۔فرمایا یہ دراصل رسول کریم ﷺ کے حق میں تھا۔لیکن ظلّی طور پر ہم پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

چھٹی بات کا جواب یہ ہے۔اگر بقول چکڑالوی صاحبان اطاعت انسان رسول شرک تھی تو قرآن پاک میں حضرت نوحؑ کا قول کیوں آ گیا کہ حضرت نوح فرماتے ہیں وَاَطِيْعُوْنِ (3:71) اور محمد رسول اللہ ﷺ کیا قرآن میں نہیں ہے۔اگر قرآن میں رسول سے مراد قرآن ہے، کوئی انسان نہیں،تو پھر محمد رسول

اللہ ﷺ جو قرآن مجید میں آیا ہے اس کے پھر کیا معنے ہوں گے؟ (ایڈیٹر پیغام صلح)

ایک توبہ نامہ

جناب مولانا و مرشدنا حضرت امیر صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

بہ عجز وانکسار ملتمس ہوں کہ احقر بباعث چند شکوک متعلقہ دعاوی حضرت مسیح موعود پیدا ہو جانے کے اپنے سابقہ اعتقاد احمدیت سے منحرف ہونے کا بذریعہ اخبار ''سیاست'' وغیرہ اعلان کر چکا تھا۔لیکن بعد از اعلان احقر کے وہ تمام شکوک رفع ہو گئے۔اپنی اس جلد بازی اور تندمزاجی پر سخت خائف و نادم ہوا اور خلوص دل سے رجوع بہ توبہ ہوا۔ براہ شفقت احقر کی اس گستاخی ناقابل تلافی پر از راہ عنایت بزرگانہ چشم پوشی فرما کر از سرِ نو سلسلہ بیعت احمدیت میں داخل فرما کر بذریعہ اخبار پیغام صلح اعلان فرما کر کے مشکور وممنون فرمایا جاوے۔تا کہ اس بے چین روح کے لیے باعث تسکین ہو۔ نیز احقر کے حق میں بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی جاوے۔تا کہ احقر بنصرت الٰہی ان ٹھوکروں کا مقابلہ کر سکے اور انجام بخیر ہو۔اگر آئندہ کبھی دعاوی مسیح موعود پر شکوک پیدا بھی ہوئے تو احقر اپنی کم علمی کا نتیجہ سمجھے گا۔ورنہ مسیح موعود کی ذات بابرکات پر اعتراضات کرنے کی ہرگز ہرگز گنجائش نہیں بلکہ ایسے ایسے اعتراضات کا پیدا ہونا ہماری اپنی ہی بد باطنی وکم ظرفی کا سبب ہے۔الراقم از جموں

❁❁❁

صد ہزاراں حمد ہے......

نظم جو بارہویں جلسہ سالانہ میں پڑھی گئی

(ڈاکٹر غلام نبی صاحب)

صد ہزاراں حمد ہے اس کبریا کے واسطے　　جس نے دیں اسلام کا بھیجا ہمارے واسطے
ہو درود اس سید شاہِ ھُدٰیؐ کے واسطے　　معجزہ قرآن ہے جس کا ہمارے واسطے
آنکھ جس کو ڈھونڈتی تھی، ہے یہ وہ یکتا گُہر
کردیا جس نے اُجالا، ہے یہ وہ رشکِ قمر

بہر حفظ دینِ قیمّ ہر زمانے کے لیے　　بھیجے ہیں حق نے مجدد، راہ دکھانے کے لیے
غفلتوں کی نیند سے ہم کو جگانے کے لیے　　دین کو قصے کہانی سے بچانے کے لیے
معجزہ قرآن کا قائم رہے گا تا ابد
دین یہ اسلام کا دائم رہے گا تا ابد

دین سیدھا ہر مجدد ہم کو بتلاتا رہا　　وہ معانی علم قرآن کے بھی سمجھاتا رہا
استعاروں کے مطالب کھول جتلاتا رہا　　بعد اس کے دوسرا پھر وقت پر آتا رہا
سلسلہ جاری رہے گا تا قیامت اس طرح
کیونکہ ہے باری تعالیٰ کی ہی سنت اس طرح

حضرت مرزا حبیبِ خالقِ ارض و سما　　حق نے بھیجے تھے مجدد بے شبہ و برملا
آ کے دنیا میں کیا وہ کام دینِ پاک کا　　سیدھا رستہ ہم کو دکھلایا بحکم کبریا
ہو سلام ان پر خدایا مصطفیٰؐ کے واسطے
سیّد کونین شاہ انبیاءؑ کے واسطے

ان کے ہر خادم کو حق نے شمع نورانی دیا مولوی صاحب کو علم و کشف قرآنی دیا
حضرت خواجہ کو فضلِ خاص روحانی دیا چشمۂ تبلیغِ دین و نورِ سبحانی دیا
منبع علم و ہدایت ہیں وہ عالم کے لیے
مشرق نور رسالت ہیں وہ عالم کے لیے

شذرات

ہم دو شخص انجمن کی جانب سے قادیان سالانہ جلسہ پر انجمن کی کتب لے کر، جن میں باہم اختلافی مسائل پر کوئی کتاب، ٹریکٹ اور رسالہ وغیرہ نہ تھا، گئے۔ قادیان والے، بجائے اس کے کہ وہ ہمیں احمدیہ انجمن لاہور کے فرستادہ سمجھ کر اپنا مہمان جانتے اور حسن سلوک سے پیش آتے، سخت بداخلاقی اور بدسلوکی سے پیش آئے۔ جس کی نظیر کسی مدعی اصلاح جماعت میں ملنا محال ہے اور نہ اس کی مثال حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت مولوی نورالدین صاحب کے زمانہ میں اپنے خطرناک دشمنوں کے ساتھ، جب کوئی قادیان آتا، ملتی ہے۔ اس ظلم وتعدی پر ہمیں بہت افسوس ہوا۔ مگر یہ خیال کر کے کہ جب کسی قوم کے اخلاق گر جائیں اور وہ نیکی بدی میں تمیز نہ کر سکے تو اس پر افسوس بھی بے فائدہ ہے۔ اسی خیال سے اب تک اخبار میں اس کا ذکر نہ کیا۔ مگر چونکہ قادیان والوں کو یہ ڈر تھا کہ ہماری اس مذبوحی حرکت اور نامہذب فعل کا ضرور اخبار میں ذکر ہوگا اور وہ ایک عقلمند اور شریف انسان پر اثر ڈالے بغیر نہ رہے گا۔ اس لیے پہلے سے ہی ایڈیٹر اخبار الفضل یکم و 5 جنوری 1926ء کے شمارے میں ان الفاظ میں ہمارے وہاں جانے کا ذکر کرتا ہے:

> ''جلسہ کے ابتدائی ایام میں غیر مبائعین کے چند فرستادوں نے اپنی کتابوں کی دُکان لگائی۔ جو ایک تو ایسی جگہ تھی جہاں بوجہ رستہ کی تنگی کے پہلے سے ہی منتظم صاحب بازار نے کسی کو دُکان لگانے کی اجازت نہ دی تھی۔ دوسرے غیر مبائعین ہر ایک سے بحث ومباحثہ کی طرح ڈالتے اور تُو تُو مَیں مَیں شروع کر دیتے تھے۔ چونکہ ایسے موقع پر یہ طریق خلل امن (نقل مطابق اصل) پیدا کرنے والا تھا۔ اس لیے منتظم صاحب بازار نے اول تو مشورہ دیا کہ اگر دُکان کو بحث ومباحثہ کا ذریعہ نہ بنائیں تو اچھا ہے۔ لیکن جب ان کے پاس پے در پے شکایات پہنچیں کہ غیر مبائعین امن میں خلل کا باعث بن رہے ہیں تو اُنہوں نے منع کر دیا تا کہ بات بڑھ کر فتنہ کا موجب نہ ہو۔''

یہ عبارت، جو سراسر جھوٹ اور افتراء پر مبنی ہے اور اپنے اوپر سے محض الزام دور کرنے کی خاطر گھڑی گئی

ہے، پڑھ کر ہمیں سخت رنج و افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ قوم، جو حضرت مسیح موعودؑ، اسلام اور احمدیت کی مدعی ہو۔ اور ساری دنیا کی اصلاح کا بیڑا اس نے اُٹھایا ہو، اسی قوم کے اخبار کے ایڈیٹر کی یہ حالت ہو کہ اول تا آخر سراسر افتراء پردازی سے کام لے، چال بازوں کے بھی کان کترے اور کذب بیانی کے وقت خدا کا کوئی خوف مدنظر نہ ہو، اس سے جہاں بھر کی اصلاح کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟ یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور دنیا میں شور ڈالنے اور دِکھلانے کی باتیں ہیں۔ ورنہ سمجھ نہیں آتا کہ ایسے وقت راست گوئی سے مطلق کام نہ لیا جائے اور بڑی جرأت سے جھوٹ کی نجاست پر منہ مارا جائے۔

اس کی بابت ہم ایڈیٹر اخبار الفضل سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہماری نسبت جو مذکورہ بالا عبارت لکھی ہے کہ کیا وہ مؤکد بہ عذاب قسم کھا کر شائع کرسکتا ہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے حق لکھا ہے۔ اور ایسے ہی ہم جناب شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری منتظم بازار سے درخواست کرتے ہیں کہ کیا وہ بھی حلفیہ بیان شائع کرسکتے ہیں کہ ایڈیٹر اخبار الفضل نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ اور جو فقرہ ایڈیٹر نے آپ کی طرف منسوب کیا ہے کہ ''منتظم صاحب بازار نے اول تو مشورہ دیا کہ اگر دُکان کو بحث ومباحثہ کا ذریعہ نہ بنائیں تو اچھا ہے۔'' کیا آپ نے یہ مشورہ مجھے دیا اور یہ الفاظ مجھے آپ نے فرمائے۔ کیونکہ میرے اور آپ کے درمیان براہِ راست گفتگو ہوئی تھی اور درمیان کوئی وکیل نہ تھا۔ (راقم محمد نصیب)

ایک احمدی بھائی کا خط بغداد سے

جناب مدیر صاحب ''پیغام صلح''۔ السلام علیکم۔ مزاج شریف۔ ملحقہ خط محررہ 25 دسمبر 1925ء درج اخبار کر کے مشکور فرمائیں۔ مقام مسرت ہے کہ دنیا آہستہ آہستہ مجدد صد چہاردہم کی تعلیم کی طرف رجوع کر رہی ہے۔

ہم چند دوستوں کے ہمراہ بتاریخ 18 ماہ حال بروز جمعہ بعد نماز ظہر جامع اعظمیہ کی طرف سیر وتفریح کے واسطے گئے۔ نماز عصر جامع اعظمیہ میں جو مزار امام اعظم کے ساتھ ملحق ہے، ادا کرنے کے بعد مکتب اعظمیہ کی طرف چلے گئے۔ یہ مکتب مزار کے ساتھ طرف مغرب واقع ہے۔ وہاں شیخ نعمان اعظمی سے، جو عراق کے

سربرآوردہ علماء میں سے ہیں، ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ موقع کو غنیمت جان کر چند ایک مسائل کی نسبت ان کی رائے دریافت کی۔ جو کہ سوال و جواب کی صورت میں درج ذیل کئے جاتے ہیں:

سوال۔ حیات و وفاتِ مسیحؑ کا مسئلہ اسلامی عقائد میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب۔ حیات و وفاتِ مسیحؑ کا اسلامی عقائد سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال۔ کیا عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام بموجب آیات قرآن کریم زندہ آسمان چہارم پر موجود ہیں یا فوت ہو چکے ہیں؟

جواب۔ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مثل اور پیغمبروں کے فوت ہو چکے ہیں اور قرآن کریم نے صریح الفاظ میں اس امر کا فیصلہ کر دیا ہے۔ جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ البتہ بعض احادیث سے ان کا زندہ ہونا پایا جاتا ہے۔ مگر ان احادیث کی قرآن شریف کی آیات کے مطابق آسانی سے تاویل ہو سکتی ہے۔

چند ایک اور مسائل پر بھی مولانا موصوف سے گفتگو ہوئی، جن کے جواب بہت متانت اور سنجیدگی سے آپ نے دیے۔ خداوند کریم ہمارے ہندوستان کے ملاؤں کو بھی ہدایت کرے کہ وہ اپنی بیجا ہٹ دھرمی سے باز آجائیں۔ والسلام۔ حقیر احمد گل از بغداد

ظلّی نبی ولی کے سوا اور کیا ہوتا ہے

ظلّی نبوت اور غیر مبائعین کے عنوان سے جو مضمون الفضل یکم و 5 جنوری 1926ء میں شائع ہوا ہے۔ اُس کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ قوم کس دھندے میں پڑ گئی ہے۔ ظلّی نبی نہ تو اصطلاح قرآن ہے نہ اسلام کی۔ دوسری مذہبی کتابیں، جو قرآن مجید کے علاوہ مانی گئی ہیں، ان میں کسی نے ظلّی نبی کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی کتابوں کو آپ کی کتابیں کر کے نہیں پڑھا جاتا بلکہ ان کتابوں کو وحی اللہ سمجھ کر پڑھا جاتا ہے۔ صرف بعض ایسی عبارتوں کو پیش کر کے یا تو لوگوں کے حواس کو پراگندہ اور دماغ کو منتشر کیا

جاتا ہے یا احمدیت کو بھی مجموعہ اضداد دکھایا جاتا ہے۔ رات دن یہی کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح لوگ خاتم النّبیّن کے بعد نبی کا آنا مان لیں۔ ایک عالم ربانی کا اولین فرض اعلاء کلمۃ اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کی آواز لوگوں کے کانوں تک پہنچانا۔ تاکہ اللہ کے بندوں کو کتاب اللہ کی اتباع کا شوق ہو۔ پھر یہ کون سا کلمۃ اللہ یا کتاب اللہ کا حرف ہے جس کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ جس کے لیے ناخنوں تک زور لگایا جارہا ہے۔ افسوس ہے کہ اسی مسئلہ میں اپنی علمیتیں اور سخن فہمی خرچ کی جارہی ہے۔ قرآن پاک کی طرف نہ کوئی توجہ ہے نہ اس سے کوئی استدلال۔ خدا بھی اس ظلّی نبوت کے بیان سے چوک گیا اور اس کا پاک رسولؐ بھی کچھ اس کے متعلق بیان نہ کرسکا۔ پھر اگر حضرت مرزا صاحب کی ہی کتابیں لینا ہیں تو حضرت صاحب کی ہی کتابوں سے فیصلہ کرلو کہ ظلّی نبوت کیا ہوتی ہے۔ حیرت ہے کہ اگر حضرت صاحب نبی ہی تھے تو آپ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ میری نبوت ظلّی نبوت ہے اصلی نبوت نہیں۔ جب ظلّی نبوت اصلی نبوت ہی نہیں تو یہ بحث ہی کیا ہے کہ ظلّی نبی ضرور نبی ہی ہوتا ہے۔ یہ کہنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی کہ سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَاعَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ۔ جب نبوت کی حقیقت رسول کریم ﷺ کے بعد مقدر نہ تھی تو یہ جملہ کے لکھنے کی ضرورت ہی کیا پیش آگئی تھی۔ لاکھ کوشش کرو جب تک حضرت صاحب کی تحریریں موجود ہیں اُن سے آپ کا نبی ثابت ہونا ایسا محال اور ناممکن ہے جیسا کہ مسیح عیسیٰ بن مریم کا خدا ہونا۔ آخر ان تحریروں کو کہاں پھینکو گے جن میں کہا ہے کہ اَلنَّبُوَّۃُ قَدْ اِنْقَطَعَتْ بَعْدَ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اگر نبوت مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہِ بند اور مسدود ہی نہیں تو انقطاع نبوت لکھنا بالکل عبث اور لاحاصل تھا۔ کیوں حضرت صاحب کے کلام میں التباس ہی التباس ثابت کرنے کی بے سود کوشش کررہے ہیں۔ کچھ تو خدا کا خوف بھی کرو۔ تمہارے پاس اس بات کا کیا جواب ہے جو حضرت صاحب نے حقیقۃ الوحی میں لکھ دیا:

> اِنَّ رَسُوْلَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّنَ وَعَلَیْہِ اِنْقَطَعَتْ سِلْسِلَۃُ الْمُرْسَلِیْنَ اگر سلسلہ مرسلین کا منقطع ہے تو پھر خاتم النّبیّن کے بعد اب نبی کیسا۔

اگر ظلّی نبی فی الحقیقت نبی تھا تو ظلّی کا لفظ اس کے ساتھ بڑھانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ تمہارا مقصد اور مدعا تو حضرت کی تحریروں سے تا قیامت یہ ثابت نہ ہوسکے گا کہ آپ فی الواقع نبی ہیں۔ کیونکہ ظلّ کا لفظ ہی غیریت کو

ثابت کرر ہا ہے نہ کہ عینیت کو۔ظلّی نبوت کے جو معنی بیان کیے جاتے ہیں ان کی تردید تو خود اس معیار نبوت سے ہورہی ہے جو قرآن پاک نے خود نبی کریم ﷺ کے لیے بیان کیا۔جیسا کہ ارشاد ہے

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (9:46) کہہ دو میں کوئی بدعی رسول نہیں ہوں۔

اس مسئلہ میں پیچیدگیاں پیدا کرنے کا کیا فائدہ؟ جب آپ کے پیر ومرشد جناب میاں صاحب نے لکھ دیا کہ حضرت صاحب کو ظلّی اور مجازی نبی کہنا خدا کے حضور مجرم بننا ہے۔دیکھو الفضل 26 نومبر 1913ء صفحہ 8:

''ہم جیسے خدا تعالیٰ کی دوسری وحیوں میں حضرت اسمٰعیل ،حضرت عیسیٰ،حضرت ادریس علیہم السلام کو نبی پڑھتے ہیں ویسے ہی خدا کی اس تازہ وحی میں مسیح موعود کو بھی یا نبی اللہ کے خطاب سے مخاطب دیکھتے ہیں۔اور اس نبی کے ساتھ کوئی لغوی یا ظلّی یا جزوی کا لفظ نہیں پڑھتے کہ اپنے آپ کو مجرم فرض کر کے اپنی بریت کرنے لگ جائیں۔بلکہ جیسے اور نبیوں کی نبوت کا ثبوت ہم دیتے ہیں ایسا ہی بلکہ اس سے بڑھ کر۔کیونکہ ہم چشم دید گواہ ہیں۔مسیح موعود کی نبوت کا ثبوت دے سکتے ہیں۔''

تو اب اس بحث کو چھوڑو کہ حضرت مرزا صاحب ظلّی نبی تھے۔جب کسی نبی کو بقول آپ کے مطاع اور امام اور خلیفۃ المسیح کے ظلّی نبی کہنا مجرم بننا ہے تو تم حضرت صاحب کو بھی اور اپنے کو بھی ظلّی نبی یا مجازی نبی کہہ کر مجرم کیوں بناتے اور اپنی اس سے بریت کیوں کرتے ہو۔میاں صاحب خوب جانتے ہیں کہ ظلّی نبی سے نبی کا مفہوم نہیں نکل سکتا۔اسی لیے اُنہوں نے یہ بات فرمائی اور بڑے پتہ کی فرمائی۔یہ بالکل سچ ہے کہ اگر کوئی نبی ہو تو اس کو ظلّی نبی کہنا خدا کے حضور مجرم بننا اور نبی کو نبوت سے جواب دینا ہے۔کیونکہ ظلّیت غیریت کو ظاہر کرتی ہے نہ عینیت کو۔جس سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ ظلّی نبوت نبوت سے غیریت رکھنے والی کوئی چیز ہے نہ کہ نبوت۔تو حضرت امیر کا یہ فرمانا نہایت صحیح ہے کہ جس طرح ظل اللہ، اللہ نہیں ہے، اسی طرح ظلّی نبی بھی نبی نہیں ہے۔

27 جنوری 1926ء

اداریہ

حضرت مولٰینا نورالدین اور نبوت مسیح موعود

اس عنوان سے ایک آرٹیکل اخبار الفضل قادیان مورخہ 22 جنوری 1926 میں نکلا ہے۔ جس میں حضرت مولانا نورالدینؓ کے ایک مکتوب کے عکس پر، جو پیغام صلح مورخہ 3 جنوری 1926ء میں شائع ہوا، یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ:

> ''وہ ایک خط کا جواب تھا اس لیے حضرت خلیفۃ المسیح اول نے اس میں اپنی عادت کے مطابق انہی اُمور کا مختصرًا جواب دیا تھا جو آپ سے پوچھی گئیں تھیں اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ سمجھا جائے کہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کو نبی نہیں مانتے تھے۔ بلکہ اس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

> ''نبی کے معنے لغوی پیش از وقت اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر خبر دینے والا ہم لوگ یقین کرتے ہیں نہ شریعت لانے والا'' اس سے کہاں ثابت ہوا کہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کو شرعی اصطلاح میں نبی نہیں مانتے تھے آپ نے جس بات کی نفی کی ہے، وہ شریعت لانے والا نبی ماننے کی ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ حضرت خلیفہ اول حضرت مسیح موعودؑ کو غیر شرعی نبی مانتے تھے۔ یہی مبائعین کا عقیدہ ہے۔''

مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا نبی کے معنے لغوی پیش از وقت اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر دینے والا نہیں؟ شرعی اصطلاح میں غیر شرعی نبی نہیں کہلایا کرتا ہے۔ جب ہم نے حضرت مسیح موعود کے کلام سے یہ دکھلا دیا تھا کہ:

> ''یہ الفاظ بطور استعارہ ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں بھی مسیح موعود کے لیے نبی کا لفظ آیا ہے اور جو غیب کی خبر خدا سے پا کر دیوے، اس کو عربی میں نبی کہتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح

کے معنے الگ ہیں۔اس جگہ محض لغوی معنے مراد ہیں۔''(اربعین نمبر 2 صفحہ 18)

اوریہی حضرت مسیح موعود کے اول صحابی اورخلیفہ حضرت مولوی نورالدین اعظم نے لکھا ہے۔تو کیاان دونوں بزرگواروں کواتنا بھی علم نہ تھاجتنا کہ ''الفضل'' کے ایڈیٹر صاحب کو ہے۔حضرت مسیح موعودؑ تواپنے متعلق لفظ نبی کے استعمال کومحض لغوی معنوں تک ہی محدودفرماتے ہیں۔اوراسلامی اصطلاح کے معنے الگ ہیں۔لغوی معنوں کواس سے الگ فرماتے ہیں اور یہ ہمارے قادیانی احمدی بھائی اپنی خودآرائی سے لغوی معنوں کوشرعی اصطلاح قراردے رہے ہیں۔ببیں تفاوت راہ ازکجااست تابکجا۔

باقی رہا''الفضل'' کا ماسٹر ثناءاللہ خاں صاحب بی۔اے، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول،عیسیٰ خیل کی بیعت خلافت کا بیان کر کے حضرت مولٰینا نورالدین کا وہ خط پیش کرنا،جس کو دیکھ کر ماسٹر صاحب موصوف نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کرلی اورحضرت مسیح موعودؑ کواب آ کر نبی مان لیا،سوہم اس کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہتے کہ اس طرح تو خواہ کوئی اپنے دین وایمان کوخیر باد کہہ دے،اس کا معاملہ حوالہ بخدا ہے۔مگر کسی کے حق کوچھوڑنے سے وہ حق باطل نہیں ہوسکتا۔مگر ہم اس تحریر کوبھی مانتے ہیں جوحضرت مولٰینا نورالدین کی ماسٹر ثناءاللہ صاحب نے پیش کی ہے۔یہ خط بھی ایک سائل کے خط کا جواب دیا ہے۔اس میں بھی آپ نے حسبِ عادت انہی اُمور کا جواب دیا ہے، جوآپ سے پوچھے گئے تھے۔اس میں کوئی ایسی بات نہیں جن سے سمجھا جائے کہ آپ حضرت مسیح موعودکوشرعی اصطلاح میں نبی مانتے تھے، بلکہ اس خط میں مسائل کے یہ الفاظ لکھنا کہ:

> ''آپ کفر دون کفر کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔کیونکہ آپ نے کفر کے مساوات کا تذکرہ خط میں بہت فرمایا ہے۔''

اوراس سے آگے یہ فرمایا:

> ''نیزعرض ہے خلفاء کے منکر پربھی کفر کا فتویٰ قرآن مجید میں موجود ہے۔آیت خلافت، جو سورہ نور میں ہے،اس میں ارشادالٰہی ہے **وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ** (55:24 مرتب)اورفاسق کواللہ تعالیٰ نے مومن کے بالمقابل رکھا ہے۔ارشاد

ہے اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقاً (18:32 مرتب)''

صاف بتلا رہا ہے کہ سائل کے سوال کو، جو کفر دون کفر سے متعلق ہے، آپ ہی فرما رہے ہیں، اور مختلف طریق سے اس کو حل فرمایا ہے۔ یہاں نبوت مسیح موعودؑ ماننے کا کوئی ذکر نہیں۔ اور جبکہ حضرت مولٰینا نورالدین اعظم کا نہ ایک جگہ بلکہ صدہا جگہ اس بات سے کھلا کھلا اقرار موجود ہے کہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کو شرعی اصطلاح میں نبی نہ مانتے تھے۔ تو پھر کس طرح ہم صرف اس ایک تحریر سے، جو کفر دون کفر کے مسئلہ سے متعلق ہے، حضرت خلیفہ صاحب کا حضرت مسیح موعودؑ کو شرعی اصطلاح میں نبی ماننا مان لیں۔ دور نہ جایئے۔ دیکھئے بدر 23 ستمبر 1909ء میں حضرت خلیفہ اول کا وہ خط۔ جس میں آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق اس سوال کے جواب میں کہ تیرہ سو برس میں کسی شخص نے کبھی کسی کو رسول یا نبی نہیں کہا، مسیح موعودؑ کو آپ نبی اور رسول کیوں کہتے ہیں، یہ جواب دیا تھا۔ جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کو اسی طرح رسول یا نبی مانتے تھے جس طرح کہ آپ 13 مسلم الثبوت اولیاء کے کلام سے ان کے متعلق نبی و رسول کا لفظ بولا جانا ثابت فرمانے کا دعویٰ فرماتے ہیں۔ اور وہ خط یہ ہے اب ایک اور حوالہ دیکھئے۔

ایک شخص کے خط کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح نے تحریر فرمایا:

مکرم معظم ...... صاحب السلام علیکم۔ مکرمت نامہ باعث سود و سرور ہوا۔ جزاک اللہ۔ اگر اس طرح ٹھنڈے دل سے کوئی بات کرے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ مگر یہ فتوے گر کفر فروش آرام سے بات نہیں کرتے ...... آپ نے ارقام فرمایا ہے کہ تیرہ سو برس میں کسی شخص نے کبھی کسی کو رسول یا نبی نہیں کہا۔ اس پر عرض ہے کہ مثنوی مولانا رومؒ تو ہمیشہ آپ نے وعظوں میں سنی ہوگی۔ اس کے اس وقت دو تین شعر پڑھتا بلکہ لکھتا ہوں جو آپ کے دعویٰ نے یاد دلائے ہیں:

چوں بدادی دستِ خود در دست پیر　　بہر حکمت کو علیم است و خبیر
او نبی وقت خویش است اے مرید　　تا از و نورِ نبی آید پدید
دست تو از اہل آں بیعت شود　　کہ ید اللہ فوق ایدیھم بود

پھر ایک جگہ فرماتے ہیں:

اے مرا تو مصطفٰی من چوں عمر　　از برائے خدمت بندم کمر

پھر فرماتے ہیں اور ان کی وحی کا دعویٰ فرماتے ہیں:

آنکہ از حق یابد او وحی و جواب　　ہر چہ فرماید بود عین صواب

نہ نجوم است نہ رمل است و نہ خواب　　وحی حق واللہ اعلم بالصواب

از پئے روپوش عامہ در بیاں　　وحی دل گو پند آں را صوفیاں

یہاں سب کچھ کہہ لیا ہے اور مولوی لوگوں کے ڈر کا ذکر بھی فرما دیا۔ اگر آپ سن سکیں تو میں 13 مسلم الثبوت اولیاء کے کلام سے یہ لفظ صاف صاف آپ کو دکھا سکتا ہوں یہ آپ نے کس طرح ارشاد فرمایا کہ تیرہ سو برس سے کسی نے ایسا لفظ نہیں بولا۔

ہمارے ایک بزرگ دوست سید نے فرمایا کہ یہ مرید کا کلام ہے پیر کا نہیں۔ میں نے عرض کیا صاحب مثنوی کا قول ایک طرف، احمدی لوگوں کے کلام کو ایک طرف رکھ کر دیکھ لو۔ احمدی مولوی روم کے برابر تو ان کو مان لو۔ مگر ایک شعر خواجہ معین الدین چشتی کا ان کو سنا دیا۔ آپ کو بھی سنا دیتا ہوں۔ حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔

دم بدم روح القدس اندر معینے مے دمد　　امن نمے گویم مگر من عیسٰی ثانی شدم

والسلام

نورالدین 3 جولائی 1909ء

مرزا صاحب کس فرقہ میں سے تھے

سوالات۔ 1۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مستقل نبی ہیں یا جناب رسول مقبول ﷺ کی اُمت میں داخل ہیں اور غلام احمد ہونے کے مصداق؟

2۔ اگر مستقل نبی ہیں تو اہل اسلام میں سے کسی فرقہ کا بھی یہ اعتقاد نہیں ہے کہ بعد جناب

رسالت مآب ﷺ کوئی اور بھی نبی ہوسکتا ہے؟

3۔ اگر حضور ﷺ کی اُمت میں داخل ہیں۔ اور آپ کی ہی شریعت کے مجدد و مصلح بن کر رسوم و بدعات وتفریق بین المسلمین کے مٹانے اور شریعت محمدی ﷺ کے تازہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں تو اہل اسلام کے فرقہ ہائے متفرقہ میں سے کس گروہ میں شامل اور کن اصول کے موافق لوگوں کو شریعت محمدی ﷺ پر عمل کرنے کا حکم فرماتے ہیں؟

4۔ مرزا صاحب کے نزدیک اسلام کے فرقہائے مختلفہ میں سے وہ کون سا گروہ ہے جس میں خود بھی مرزا صاحب داخل ہیں۔ اور اس کے اصول کے موافق لوگوں کو ہدایت فرماتے ہیں؟

جوابات: جناب من! بعد سلام مسنون۔ جواب سوالات تحریر ہیں۔

(1، 2) مستقل نبی اور غیر مستقل نبی کی اصطلاح آپ سے سنی گئی۔ ہاں البتہ صوفیائے کرام نے تشریعی نبوت میں کچھ امتیاز کیا ہے۔ حضرت صاحب جو تھے وہ تمام کمالات قرب مدارج الٰہی کے حضرت نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع میں یقین فرماتے تھے اور ایک بال بھی اس کے خلاف کرنے کو کفر و بدقسمتی سمجھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ناواقف بھی ہیں۔ حضرت شاہ نیاز احمد صاحب بھی فرماتے ہیں۔

احمد ہاشمی منم عیسیٰ مریمی منم   من نہ منم نہ من منم

خود حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم   گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

آپ کے پہلے سوال کا جواب اور دوسرے سوال کا جواب بھی ہو چکا۔

(3 و 4)۔ حضرت مرزا صاحب اہل سنت والجماعت خاص کر حنفی المذہب تھے۔ اسی طائفہ طاہرین علی الحق میں سے تھے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ (نور الدین۔ 29 اگست 1912ء)

حضرت خلیفۃ المسیح کا مکالمہ ایک مولوی صاحب سے

سوال۔ آپ کے اصول کیا کیا ہیں؟ دوسرے مسلمانوں سے آپ کو کیا اختلاف ہے؟

جواب۔ ہمارے اصول یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ مستجمع جمیع محامد کاملہ ہے۔ ہر ایک قسم کے عیب و نقص سے منزہ، ملائکہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف کاموں پر متعین ہیں، تمام رسول برحق ہیں، کتابیں جو اُن پر اُتریں برحق ہیں، جزا اور سزا کا مسئلہ برحق ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔

دوسرے مسلمانوں سے اصول دین میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ جہاں وہ ایک لاکھ سے زیادہ انبیاءؑ کی وفات کو مانتے ہیں، وہاں ایک حضرت مسیحؑ کی وفات کو ہم نے مان لیا تو کیا گناہ ہے؟ ایسا ہی اُمتِ محمدیہ میں مکالمہ و مخاطبہ الٰہی اولیاء اللہ سے جاری ہے۔ تو مرزا صاحب سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ ماننا کیا حرج رکھتا ہے۔ مسیحؑ کا نزول ماننا اصول دین میں داخل نہیں۔

سوال۔ مرزا صاحب کیا تھے؟ کیا وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں؟

جواب۔ مرزا صاحب اُمتی ہیں۔ اپنا نام ہمیشہ غلام احمد فرماتے رہے۔ جس طرح ہم لوگ ابراہیم، اسمٰعیل وغیرہ نام رکھ لیتے ہیں اسی طرح خدا نے اُن کا نام عیسیٰ رکھا۔ بنی اسرائیل کا عیسیٰ فوت ہو چکا ہے۔ عیسیٰ کے نزول کا مسئلہ الفاظ قرآنی: **وَاَنۡزَلۡنَا عَلَيۡکُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰی** (57:2) **وَاَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزۡوَاجٍ** (6:39) پر غور کرنے سے حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ لوہا وغیرہ جیسے اُترے، ایسا ہی عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے یہ معنے نہیں کہ آسمان سے اُتریں۔

مرزا صاحب کا ایک شعر ہے ؎

من نیستم رسول و نیا وردہ ام کتاب ہاں ملہم استم وز خداوند منذرم

❁❁❁

10 فروری 1926ء

حضرت امیر ایدہ اللہ کے قلم سے

خدائی انکم ٹیکس۔احکام زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بارہا فرماتا ہے:

اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکوٰۃَ (43:2) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

اور سچے مومنوں کی علامات میں فرماتا ہے:

یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃ (55:5) وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔

نماز کے سوا کوئی عمل ایسا نہیں جس پر قرآن شریف میں اس قدر زور دیا گیا ہو۔جس قدر زکوٰۃ پر دیا گیا ہے۔

زکوٰۃ کے نہ دینے والوں کو عذاب الیم کی خبر سنائی گئی ہے:

وَالَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّھَبَ وَالۡفِضَّۃَ وَ لَا یُنۡفِقُوۡنَھَا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَبَشِّرۡھُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ. (34:9) اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دو۔

کنز وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔اور جس کی زکوٰۃ دے دی جائے،خواہ وہ کتنا مال ہو،وہ اس آیت کے ماتحت نہیں آتا۔زکوٰۃ کا نہ دینا مشرکوں اور منکرین قیامت کا شیوہ قرار دیا گیا ہے۔

وَوَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ. الَّذِیۡنَ لَایُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ کٰفِرُوۡنَ. (7-6:41) ''اور مشرکوں پر افسوس ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔''

کوئی شخص اخوت اسلامی میں داخل ہونے کا اہل نہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتا۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (11:9) سو اگر توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، تو دین میں تمہارے بھائی ہیں۔

آنحضرت ﷺ سے صحیح حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج۔ پس جو شخص ان پانچ باتوں میں سے ایک کو چھوڑتا ہے وہ اسلام کی بنیاد پر قائم نہیں رہتا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی بذریعہ بیت المال ہی ہوسکتی ہے

قرآن کریم میں اگر ایک طرف مسلمانوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم ہے تو دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کو حکم ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کریں۔ فرمایا: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (103:9) اور آپ کے بعد آئمۃ المسلمین کو ہی حکم ہے۔ اور جو خیرات کی جائے اس کے متعلق یہ حکم نہیں۔ زکوٰۃ فرض ہے اور دوسرے صدقات بطور نفل ہیں۔ جہاں زکوٰۃ کے خرچ کرنے کی مختلف مدات کا ذکر ہے، وہاں یہ بھی ہے وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا (60:9) یعنی زکوٰۃ میں سے ان لوگوں کو بھی تنخواہیں دی جائیں گی جو اس کے وصول کرنے کے لیے مقرر ہوں۔ جس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا باقاعدہ وصول ہو کر قومی بیت المال میں جمع ہونا ضروری ہے۔ احادیث میں آنحضرت ﷺ کے عاملین زکوٰۃ مقرر کرنے کا ذکر ہے۔ اور وہ سب زکوٰۃ جمع کر کے بیت المال میں داخل کرتے تھے۔ اور آپ نے ہی وہ حساب بھی بتایا جس حساب سے زکوٰۃ مال میں سے لینا چاہئے۔ اور کسی شخص کے اختیار پر اس بات کو نہیں چھوڑا کہ کس قدر زکوٰۃ دے اور یہ بھی حکم تھا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کی رائے کے آگے سر جھکایا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب بعض لوگوں نے زکوٰۃ کے بیت المال میں داخل کرنے سے انکار کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کے ساتھ جنگ کا حکم دیا۔ اور صحابہؓ نے اس کی صحت کو تسلیم کیا۔ ان سب باتوں سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ ہر شخص اپنی جگہ پر فقراء و مساکین کو دے کر ادائیگی زکوٰۃ کے حکم سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا ایک بیت المال میں جمع ہو کر وہاں سے مناسب مدات پر خرچ ہونا ضروری ہے۔ چندے، جو ہمارے احباب ادا کرتے ہیں، وہ بھی انہی دیگر صدقات میں آتے ہیں جو بطور نفل ہیں۔ اصل فرض زکوٰۃ ہے اور اس کا حساب کر کے

بیت المال میں داخل کرنا ضروری ہے۔اس کے بعد چندہ جس قدر کوئی شخص چاہے ادا کرے۔زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات میں ہر انسان مجاز ہے۔جس طرح چاہے انہیں خرچ کرے۔مگر زکوٰۃ کو اپنی مرضی سے خرچ نہیں کرسکتا۔ہاں ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم پایا جاتا ہے:

وَاِذَا خَرِصْتُمْ فَخَذُوْا وَدَعُوْا الثُّلَثَ فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْا الثُّلَثَ فَدَعُوْا الرُّبَعَ

یعنی جب تم غلہ وغیرہ کا اندازہ زکوٰۃ کے لیے کرو تو اسے لے لو اور ایک تہائی چھوڑ دو۔اگر ایک تہائی نہ ہو تو ایک چوتھائی چھوڑ دو۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں تہائی یا چوتھائی زکوٰۃ کے چھوڑ دینے کا حکم اس لیے ہے تا کہ وہ شخص خود اسے اپنے ہمسائیوں اور قریبیوں پر خرچ کرے۔یعنی ایسے قریبیوں پر جو مستحق زکوٰۃ ہیں۔

قرآن کریم اور ان احادیث کے احکام کے مطابق احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے بیت المال قائم کیا ہے۔جس میں سب ممبران کی زکوٰۃ کا داخل ہونا ضروری ہے۔اور آخری حدیث کی منشا کے مطابق ہر زکوٰۃ دہندہ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اگر چاہے تو ایک تہائی زکوٰۃ کی اپنے طور پر خرچ کرنے کے لیے رکھ لے۔

زکوٰۃ کن کن چیزوں پر ہے اور کس حساب سے

نقدی وزیورات

نقدی،خواہ سونا ہو یا چاندی یا نوٹوں کی صورت میں اپنے پاس جمع ہو یا کسی جگہ امانت کے طور پر جمع ہو زیورات خواہ روپے کو جمع رکھنے کی غرض سے بنوائے گئے ہوں،خواہ استعمال کے لیے۔خواہ شب وروز پہنے جاتے ہوں۔خواہ رکھے رہتے ہوں۔ان پر بھی نقدی کی طرح زکوٰۃ ہے۔مگر ان میں جس قدر چاندی یا سونا لگا ہے اسی پر زکوٰۃ ہے۔اگر وہ جڑاؤ ہیں تو جڑاؤ پر زکوٰۃ نہیں۔نہ ہی جواہرات پر زکوٰۃ ہے۔صرف سونے یا چاندی کی قیمت پر زکوٰۃ ہے۔جو اس میں لگا ہے۔

زیور کی زکوٰۃ پر احادیث موجود ہیں۔ایک حدیث میں ہے کہ ایک عورت آنحضرت ﷺ کی خدمت

میں آئی اور اس کی لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے۔ آپ نے فرمایا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اُس نے کہا نہیں۔ تو فرمایا کہ کیا چاہتی ہو کہ قیامت دن یہ آگ کے کڑے ہوں؟

حضرت اُم سلمہؓ نے کچھ سونے کا زیور پہنا ہوا تھا۔ اور آپ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ایسا مال تو نہیں جس پر عذاب کی خبر قرآن شریف میں ہے۔ تو آپ نے فرمایا جو چیز زکوٰۃ کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ ادا کردی جائے تو وہ پاک ہوجاتی ہے۔ اور ایسی ہی ایک حدیث حضرت عائشہؓ کے متعلق ہے۔ یہ تینوں حدیثیں ابوداؤد میں ہیں۔ جس نقدی یا زیور پر پورا سال گزر گیا ہو۔ اگر وہ چاندی یا نوٹوں کی صورت میں ہے تو باون تولے سے زیادہ مالیت ہونے کی صورت میں، اگر سونا ہے تو ساڑھے سات تولہ سونے سے زیادہ ہونے کی صورت میں اڑھائی روپیہ فی سینکڑہ کے حساب سے زکوٰۃ ہے۔

مال تجارت پر زکوٰۃ

مال تجارت پر زکوٰۃ حدیث نبویؐ سے اور اُمت کے تعامل سے ثابت ہے۔ اور مجاہد کے نزدیک اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَاکَسَبْتُمْ (267:2) تجارت کی زکوٰۃ کے بارہ میں ہے۔ لیکن چونکہ تجارت کا مال بعض وقت ایک مدت تک بغیر نفع دینے کے بھی پڑا رہ سکتا ہے، اس لیے ایسے مال تجارت پر جو سال کے اندر فروخت نہیں ہوا کوئی زکوٰۃ نہیں۔ جب وہ فروخت ہوگا اسی وقت اس پر زکوٰۃ بھی واجب الادا ہوگی۔ حضرت امام مالک کا یہی مذہب ہے: **وانّه لم یبع ذالک العرض سنین لم یجب علیه فی شیءٍ من ذالک العرض زکوٰۃ وطال زمانه فاذا راعه فلیس علیه الّا زکوٰۃ واحدة**۔ اور اصول جو شارع علیہ السلام نے مقرر کیا ہے اس کی رُو سے بھی یہی بات حق معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ کا اصول مویشی میں سے مویشی اور غلہ میں سے غلہ اور نقدی میں سے نقدی۔ لیکن چونکہ جو مال تجارت ان چیزوں کے علاوہ ہے اس میں سے ہر چیز کا چالیسواں حصہ لینا مشکل ہوجاتا ہے۔ ایک ایک دُکاندار کے پاس سینکڑوں قسم کی اشیاء ہوتی ہیں۔ پس مال تجارت پر سے زکوٰۃ صرف بصورت نقدی لی جاسکتی ہے۔ اور یہی عمل رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن نقدی کی صورت میں اس حصہ مال پر زکوٰۃ وصول ہوسکتی ہے جو نقدی کی صورت میں تبدیل ہو چکا ہو۔ مثلاً ایک شخص کی دُکان میں پچاس ہزار روپیہ کا مال ہے۔ اس میں سے سال میں پندرہ ہزار کا مال فروخت ہوا تو گویا یہ پندرہ ہزار کا

مال بصورت نقدی تبدیل ہوگیا اور اس پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگئی۔لیکن باقی پر نہیں۔اور یوں بھی جو مال بند پڑا رہا اور فروخت نہیں ہوا وہ نامی نہیں کہلا سکتا۔پس تجارت کے مال کی تین صورتیں ہیں:

اوّل یہ کہ سارا سرمایہ، جو تجارت پر لگایا گیا ہے، وہ سال بھر میں واپس نہیں ہوا۔یعنی کل مال فروخت نہیں ہوا تو زکوٰۃ صرف اس حصہ پر ہے جو فروخت ہوا۔یعنی سال بھر میں جس قدر مال فروخت ہوا اس پر اڑھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ہے۔

دوم یہ کہ سارا سرمایہ بار بار وصول ہوتا اور تجارت پر لگتا رہا۔مثلاً ایک شخص کے پاس دس ہزار سرمایہ ہے۔اور اس سے اور سامان خریدا اور وہ بھی فروخت ہوگیا۔اور یوں سال میں کئی دفعہ ہوا تو صرف اصل سرمایہ پر سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ بحساب اڑھائی فیصد واجب الوصول ہوگی۔

سوم یہ کہ سرمایہ بصورت کسی انڈسٹری کے ہے۔جیسے مشین وغیرہ لگا کر کام کا چلانا۔تو اس صورت میں بھی سرمایہ پر زکوٰۃ ہوگی۔

ان تینوں صورتوں میں حساب سالانہ ہوگا۔اور ہر سال کی اصلی فروخت یا اصل سرمایہ پر زکوٰۃ ہوگی۔ لیکن اگر سرمایہ میں کچھ حصہ قرضہ کا بھی ہے تو قرضہ والا حصہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگا۔جس قدر فروخت یا سرمایہ بڑھیں یا گھٹیں گے، اسی قدر زکوٰۃ بھی کم یا زیادہ ہوگی۔اور تینوں صورتوں میں یہ جائز ہوگا کہ کل فروخت یا کل سرمایہ میں سے ان اخراجات کو منہا کیا جائے جو اس تجارت یا انڈسٹری سے خاص ہیں۔مثلاً بصورت تجارت کرایہ دُکان یا تنخواہ ملازمین دُکان اور بصورت انڈسٹری اس کے علاوہ خرچ مرمت مشین وغیرہ۔

غلہ وغیرہ پیداوار زمین پر زکوٰۃ

زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ ہے۔اور اس کا ذکر قرآن کریم میں خصوصیت سے کیا گیا ہے۔چنانچہ انگور، کھجور، زیتون، انار اور مختلف قسم کی کھیتیوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ اِذَا اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (141:6) اس کے پھل سے کھاؤ، جب وہ پھل لائے اور ان کے کاٹنے کے دن اس کا حق دو۔

یہ حق زکوٰۃ ہے۔ اور زمین پر خراج، جو ہندوستان میں گورنمنٹ وصول کرتی ہے، وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں کرتا۔ کیونکہ حقہ کے اندر نہیں آتا۔ بلکہ وہ گورنمنٹ اپنے آپ کو ایک گونہ مالک زمین قرار دے کر وصول کرتی ہے۔ علاوہ ازیں زکوٰۃ کے خاص مصارف قرآن کریم میں بتائے گئے ہیں۔ جن میں زیادہ تر فقراء، ومساکین، مؤلفۃ القلوب اور جہاد فی سبیل اللہ کا حصہ ہے۔ اور زمین کے خراج کا روپیہ، جو گورنمنٹ وصول کرتی ہے، ان مصارف پر نہیں لگتا۔ پھر یہ خراج ہر مالک زمین سے وصول ہوتا ہے۔ امیر ہو یا غریب، فصل ہو یا نہ ہو۔ زکوٰۃ صرف اغنیاء پر ہے۔ اور جس قدر کسی فصل میں پیداوار ہو، اسی کا معینہ حصہ ہے۔ البتہ یہ خراج چونکہ مجبوراً دینا پڑتا ہے۔ اس لیے لازمی اخراجات زمین میں شمار ہوگا۔ گویا پیداوار زمین کی اس قدر کم سمجھی جائے گی۔ مثلاً ایک شخص کے پاس بیس گھماؤں زمین ہے۔ جس میں سے پچاس من گیہوں پیدا ہوتی ہے۔ جس کی قیمت اندازاً ڈیڑھ سو روپیہ سمجھ لو۔ مگر اس زمین پر اسے پچاس روپے خراج سرکار کو بھی دینا پڑتا ہے۔ تو اس کی پیداوار ایک سو روپیہ سمجھی جائے گی اور اسی پر زکوٰۃ محسوب ہوگی۔ ایسا ہی اگر ایک شخص نے دوسرے سے اجارہ لے کر زمین کو کاشت کیا ہے۔ تو جس قدر رقم بطور اجارہ دینی پڑی ہے، وہ خرچ لازم میں محسوب ہوگی۔ اور نصاب کا اندازہ بھی اس کی منہائی کے بعد ہوگا۔ لیکن اس صورت میں اجارہ پر دینے والے نے بھی فی الحقیقت زمین کی پیداوار کا ہی ایک حصہ لیا ہے۔ اس لیے جو رقم وہ بطور اجارہ لے وہ غلہ کے قائم مقام سمجھی جا کر اس پر زکوٰۃ غلہ کی طرح ہی واجب الادا ہوگی۔ گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ اس زمین کی پیداوار میں دو شریک ہو گئے۔ ایک اصل مالک زمین اور ایک کاشتکار۔ اور ہر ایک پر اس کے حصہ کے مطابق زکوٰۃ ہے۔ بشرطیکہ وہ آمد نصاب سے زیادہ ہو۔

غلہ کا نصاب

حدیث میں کھجور کا نصاب پانچ وسق ہے۔ جو ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اور ایک صاع چار مد ہے اور مد سوا تین رطل اور رطل آدھ سیر۔ تو اس حساب سے بیس من پختہ کھجور کا نصاب ہوا۔ پس یہی نصاب غلوں کا ہے۔ خواہ گیہوں ہو یا جو یا باجرہ یا چنا یا کوئی۔ اور غلہ جن کا نرخ قریباً قریباً برابر ہے۔ لیکن ایسی پیداوار اراضی جو نسبتاً زیادہ

گراں ہے، جیسے کپاس، اس کا نصاب بھی کم ہونا چاہئے۔ چنانچہ احادیث میں نہ صرف سونے اور چاندی کے نصاب میں فرق رکھا ہے بلکہ اونٹ، گائے، بکری سب کے نصاب میں فرق ہے۔اور چونکہ ہر چیز کے لیے علیحدہ نصاب طے کرنا مشکل ہے۔اسی لیے ایسی پیداوار اراضی کا جو عام غلوں سے زیادہ گراں ہے سب کا نصاب باون تولہ رہے گا۔ جو نقدی کا نصاب ہے۔اور نصاب کا حساب یوں کیا جائے گا کہ اول پیداوار اراضی کی دیکھی جائے گی پھر اس میں سے اسی قدر کمی کی جائے گی۔جس قدر خراج زمین پر سرکار کو یا مالک زمین کو دینا پڑا ہے۔ باقی ماندہ پیداوار اگر بیس من پختہ سے زیادہ ہے یا باون تولہ سے زیادہ قیمت کی ہے تو اس پر زکوٰۃ لی جائے گی۔

زمین کی ہر قسم کی پیداوار پر، اگر زمین بارانی ہے یا قدرتی نہروں سے سیراب ہوتی ہے تو زکوٰۃ دسواں حصہ ہوگی۔ اگر چاہی یا نہری ہے جس پر آبیانہ ادا کرنا پڑتا ہے تو بیسواں حصہ ہے۔ ایسی فصلیں، جو زمیندار صرف مویشی کے لئے بوتے ہیں، ان پر کوئی زکوٰۃ نہ ہوگی۔اور ایسا ہی ان ترکاریوں اور پھلوں پر بھی کوئی زکوٰۃ نہ ہوگی جو اپنے گذارہ کے لیے کاشت کی جاتی ہے۔لیکن جو سبزیاں اور پھل وغیرہ فروخت کے لیے کاشت ہوتے ہیں اور ایسا ہی جو فصلیں ایسی ہیں کہ وہ صرف فروخت کے لیے کاشت کی جاتی ہیں یا فروخت کردی جاتی ہیں، جیسے خربوزہ وغیرہ، ان سب میں زکوٰۃ اسی حساب سے ہوگی جو اوپر ذکر ہوا ہے۔لیکن نصاب سہولت کے لیے باون تولہ رہے گا۔ یعنی باون تولہ سے زیادہ کی اگر کسی فصل کی فروخت ہے تو اس پر زکوٰۃ اسی حساب سے ہوگی جو اوپر ذکر ہوا۔

جو لوگ زمین کو خود کاشت نہیں کرتے بلکہ اجارہ یا حصہ پر دے کر دوسروں سے کاشت کراتے ہیں، ان کی پیداوار اراضی وہی روپیہ یا غلہ سمجھا جائے گا جو وہ وصول کرتے ہیں۔اور خراج سرکاری اگر وہ خود ادا کرتے ہیں تو اس سے منہا کرنے کے بعد اگر نصاب غلہ سے زیادہ ہو یا بصورت روپیہ باون تولہ سے زیادہ نہیں آمد ہو تو اس پر زکوٰۃ اسی حساب سے ہوگی جو اوپر ذکر ہوا۔

4۔کرایہ مکانات پر زکوٰۃ: مکانات کے کرایہ پر اگر ایک سال کی آمدنی کرایہ باون تولہ سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ بحساب اڑھائی روپے فی سینکڑہ ہوگی۔اپنے رہائشی مکانات پر یا جن مکانات سے کوئی کرایہ وصول نہیں ہوتا کوئی زکوٰۃ نہیں۔

مویشی پر زکوٰۃ

جو مویشی زمیندار اپنی اغراض کے لیے رکھتے ہیں۔ ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ لیکن جہاں گذارہ بھی مویشیوں پر ہو یا تجارت کے لیے مویشی رکھے جاتے ہوں۔ ان پر زکوٰۃ ہے۔

مویشیوں میں اونٹ کا نصاب پانچ اونٹ ہے۔ یعنی چار اونٹ پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ پانچ اونٹ پر ایک سال کی بکری اور آگے اسی حساب سے پچیس اونٹ پر ایک سال سے اوپر کا اونٹ کا بچہ ہے۔ اس سے زیادہ کی تفصیل چھوڑ دی گئی ہے۔ جو صاحب ضروری سمجھیں دریافت کر سکتے ہیں۔ بھیڑ بکری کا نصاب چالیس ہے۔ یعنی انتالیس بکریوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ چالیس سے لے 119 تک ایک بکری، 120 سے لے کر 200 تک دو بکریاں، 201 سے لے کر 399 تک تین، چار سو میں چار۔ اس کے بعد ہر سو میں ایک۔ ہر حال میں اس تعداد پر ایک سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہے۔

گائے بھینس کا نصاب تیس ہے۔ یعنی تیس سے کم گائے بھینس میں زکوٰۃ نہیں۔ تیس ہوں اور سال گزر جائے تو ایک بچہ ہے جو دوسرے سال میں لگا ہو۔ چالیس میں ایسا بچہ جو تیسرے سال میں لگا ہو۔ اس سے زیادہ میں اسی حساب سے ہے۔ گھوڑوں میں جو تجارت کے لیے ہوں زکوٰۃ ہے۔ چاہے تو ہر گھوڑے میں ایک دینار دے دے اور چاہے قیمت لگا کر چالیسواں حصہ دے دے۔

۞۞۞

14 فروری 1926ء

پیغامِ اسلام

(حضرت امیر ایّدہ اللہ کی تقریر برموقع جلسہ سالانہ منعقدہ 26 دسمبر 1925ء)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولٰینا نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَہَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ نُزُلًا. قُلۡ ہَلۡ نُنَبِّئُکُمۡ بِالۡاَخۡسَرِیۡنَ اَعۡمَالًا. اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُہُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ ہُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا. اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ وَ لِقَآئِہٖ فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فَلَا نُقِیۡمُ لَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَزۡنًا. ذٰلِکَ جَزَآؤُہُمۡ جَہَنَّمُ بِمَا کَفَرُوۡا وَ اتَّخَذُوۡۤا اٰیٰتِیۡ وَ رُسُلِیۡ ہُزُوًا. اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا. خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡہَا حِوَلًا. قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَ لَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِہٖ مَدَدًا. قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا (18:102-110)

اس آخری آیت میں جو سورہ الکہف کی آخری آیت ہے، اس عظیم الشان پیغام کو، جو اسلام لایا ہے، ان لفظوں میں بیان کیا ہے: قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا (18:110) سورہ کہف میں عیسائیت کی تاریخ کو بیان کیا ہے اور اس تاریخ کو بیان کر کے اس آخری رکوع میں جو میں نے پڑھا ہے عیسائی قوم کی موجودہ حالت کا ذکر کیا ہے۔ اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ میرے بندوں کو میرے سوا خدا بناتے ہیں۔ اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُہُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ ہُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ

صُنۡعًا ان کی ساری دوڑ دھوپ دنیا میں ختم ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ نہایت عمدہ صنعتیں بناتے ہیں۔ وہ کلمۃ اللہ مسیح، جس پر ان کو فخر ہے، اس کے متعلق فرمایا:

> لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّـكَلِمٰتِ رَبِّىۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا (18:109) اس مسیحؑ کو کیا کہتے ہو کہ وہ کلمۃ اللہ تھا۔ اس رب کے کلمے اتنے ہیں کہ اگر سمندر دوات بن جائیں تو قبل اس کے کہ اس رب کے تمام کلمے لکھے جائیں، سمندر ختم ہو جائیں۔ اگرچہ ان کی مثال اور بھی لائی جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلمے تو لاانتہا ہیں۔ تم ایک کلمے کو کیا لیے پھرتے ہو؟

پھر سب کے بعد فرمایا:

> قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَـعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (18:110) اے محمد رسول اللہ ﷺ اب تم دنیا کو اپنا پیغام پہنچا دو کہ میں تو تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی ہے۔ پس جو اپنے رب سے ملنا چاہے اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ بنائے۔

اس پیغام کے دو حصے کئے ہیں۔ ایک اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (18:110) فی الحقیقت اگر ایک انسان موٹی نگاہ بھی رکھتا ہو تو اسلام کا پیغام اتنا باریک نہیں کہ اس کے لیے کسی ورق گردانی کی ضرورت ہو۔ قرآن کو بھی بڑے تفحص سے اس کے لیے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خلاصہ قرآن کا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ میں آجاتا ہے۔ یہی دراصل اسلام کا پیغام ہے۔ اسی کو مان کر انسان مسلمان بنتا ہے۔ ان لوگوں نے اس پیغام کی بڑی ہتک کی ہے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد نبی تجویز کیا ہے۔ اُنہوں نے بڑی ہتک کی ہے، جنہوں نے سمجھ لیا کہ اور رسول بھی آپ کے بعد آتے جائیں گے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے جس طرح سے توحید الٰہی کو قائم کیا ہے، اس کے بعد ضرورت نہیں رہتی کہ کوئی اور بھی اس کو آ کر قائم کرے۔

یہ پیغام کوئی اسلام کا خاص پیغام نہیں۔قرآن کی صریح تعلیم کی رو سے جس قدر نبی آئے ان کا پہلا پیغام یہ ہوتا تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ۔جتنے نبی آئے ان سب نے توحید ہی کی طرف لوگوں کو بلایا

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (59:7) نوحؑ کو ہم نے اس کی قوم کی طرف بھیجا۔اس نے کہا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا اور کوئی تمہارا معبود نہیں۔

اس کے بعد پھر ہودؑ ،صالحؑ ،لوطؑ ،شعیبؑ کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک کا یہی پیغام ہے:یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ۔اس سے معلوم ہوتا ہے یہ کوئی بہت بڑا پیغام ہے۔کوئی بڑی عظمت والی چیز ہے۔لیکن لوگوں کی یہ حالت ہے:وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِذَا ھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ (45:39) جب اکیلے خدا کا ذکر کرو تو دل تنگ پڑ جاتے ہیں جس وقت میرے پیر کا، تیرے پیر کا ذکر ہو خوش ہو جاتے ہیں۔حالانکہ خدا کا ذکر فی الحقیقت بہت بڑی چیز ہے۔یہ پیغام جاننے اور سمجھنے کے قابل ہے۔میں نے کہا کہ یہ پیغام محمد رسول اللہ ﷺ ہی پہلے دنیا میں نہیں لائے بلکہ جس قدر رسول تھے وہ یہی پیغام لے کر آئے۔مگر یہاں تو یوں فرمایا کہ گویا محمد رسول اللہ ﷺ ہی اس کو دنیا میں لائے ہیں۔میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے۔

اس کا خلاصہ لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔معنے اس کے یوں ہیں خدا ایک اس پیغام کے لانے والا محمد ﷺ۔سوال یہ ہے کہ اگر سارے رسولوں کا یہی پیغام تھا تو محمد رسول اللہ ﷺ کی کیا خصوصیت تھی؟ دنیا کی تاریخ کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ خدا کی توحید کا پیغام اگر بلند ہوا تو محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے۔آپ سے پہلے خدا کی توحید دنیا سے گم ہو چکی تھی۔وہ زمانہ، جب نبی کریم ﷺ آئے، کس قدر فسق وفجور اور معصیت اس وقت دنیا میں چاروں طرف موجود تھی۔اور تو اور عیسائیوں کے اندر بھی بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔یہ پروٹسٹنٹ تو ابھی دنیا میں پیدا ہوئے ہیں۔اُنہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے فائدہ اُٹھا کر کسی قدر اصلاح کی۔لیکن اس الزام سے بچنے کے لیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے ان کو نسبت دی جاتی تھی، اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینے میں انتہا ہی کر دی۔جب لوتھر نے پروٹسٹنٹ مذہب کی تعلیم دینا شروع کی تو پوپ نے کہا: یہ محمدی کتا ہے۔

اس خطاب سے بچنے کے لیے پروٹسٹنٹوں نے آنحضرت ﷺ کو دل کھول کر گالیاں دینا شروع کیں۔ آپ کے ظہور کے وقت تمام عیسائیت تین خداؤں کو مانتی تھی اور بت پرستی ان میں رائج تھی۔ یہاں سے آگے چلو تو زرتشت کے پیرو دو خداؤں کو مانتے تھے اور آگ کی پوجا کرتے تھے۔ اس سے آگے ہندوستان میں آجاؤ تو زمین آسمان کا ذرّہ ذرّہ یہاں خدا سمجھا جاتا تھا۔ آگ پانی ہوا سورج اور تمام چیزیں معبود مانی جاتی تھیں۔ اس سے اور مشرق کی طرف چلے جاؤ۔ چین میں بھی کبھی خدا کی توحید ضرور آئی لیکن وہاں بھی توحید الٰہی کی بجائے اور اور چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ غرض دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک توحید کی تعلیم کہیں باقی نہ رہ گئی تھی۔ اس لیے کس قدر مشکل کام تھا توحید کو دنیا میں پھیلانا۔ اور دعویٰ یہ ہے: اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (24:35) کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی نہ کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ بھلا کس قدر بڑا دعویٰ ہے۔ کوئی قوم دنیا میں ایسی ملتی نہیں جو توحید پر قائم ہو اور دعویٰ یہ ہے کہ ہر ایک قوم میں توحید کی تعلیم بھیجی گئی۔ پھر وہ تعلیم کہاں گئی؟ بعض باتیں قرآن میں ایسی ہیں کہ انسان کو ان کے سامنے گردن جھکانا پڑتی ہے۔ انسان اس کام کو نہ کر سکتا تھا، ساری دنیا مل کر بھی نہ کر سکتی تھی، جو قرآن نے کر دکھایا۔ دنیا کے گم شدہ جوہر کو، جو دنیا کی زندگی کا اصل راز ہے، قرآن کریم ہی دنیا میں لایا۔ توحید کی چنگاری، جو انبیاء کی تعلیم میں بھیجی گئی تھی، اس کو کس پرحکمت طریق سے باہر نکالا ہے۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (64:3) ایک اصول بتایا۔ اور یہ وہ لفظ ہیں جن لفظوں میں ہمارے نبی کریم ﷺ نے بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے۔ ان میں اہل کتاب کو مخاطب کر کے بتایا ہے کہ کوئی بات ہے جس کو تم بھی مانتے ہو اور ہم بھی مانتے ہیں۔ وہ کیا ہے؟ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہونا چاہئے۔ یہ ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔

اب ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اہل کتاب صرف یہود و نصارٰی ہیں۔ یہ تعجب آتا ہے کہ ایک طرف دعویٰ ہے کہ تمام قوموں کے اندر نبی آئے، دوسری طرف انبیاء کو یہود و نصاریٰ تک محدود کر دیا جاتا ہے۔ صحابہؓ کی نظریں بڑی وسیع تھیں۔ جب ایران کو فتح کیا تو جو سلوک یہود اور نصاریٰ سے کرتے تھے، وہی مجوس سے اُنہوں نے کیا۔ ہر قسم کے احکام کے لیے اہل کتاب میں ان کو داخل کیا۔ یوں بتا دیا کہ یہ بھی کسی نبی

کے پیرو ہیں۔ گو قرآن کریم میں ان کے نبی کا نام نہیں۔ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اس کی چابی ہے۔ ہر قوم میں خدا کی طرف سے نذیر آئے۔ پس ہر قوم اہل کتاب ہوئی اور یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ میں دنیا کی تمام قومیں مخاطب ہوئیں۔ تو اس آیت میں تمام دنیا کو چیلنج دیا ہے کہ آجاؤ اس ایک بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے۔ کہیں تین خداؤں کی پوجا ہوتی تھی۔ گویا توحید کی چنگاری کے اوپر راکھ کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ اس ڈھیر کو ہٹا کر دیکھو اس کے نیچے عیسائیت میں باوجود تثلیث کے توحید موجود ہے۔ یہ تین میں ایک اور ایک میں تین کیا ہے؟ وہی توحید کی چنگاری ہے جو شرک کی راکھ کے نیچے دب گئی ہے۔ یہ ایک معمہ ہے کہ ان لوگوں نے باوجود تثلیث کی راکھ ڈالنے کے توحید کو نہ چھوڑا۔ ایران میں ایک خالقِ شر ساتھ کھڑا کر دیا گیا۔ مگر خالق ارض وسما خالق اشیاء عبادت کے لائق ایک ہی مانا گیا۔ توحید الٰہی کی چنگاری یہاں بھی موجود ہے۔ اس ہندوستان میں تینتیس کروڑ خداؤں کے باوجود ایک خدا سب سے بلند اور بالاتر مانا جاتا تھا۔ بدھ مذہب میں اگر ایک گروہ خدا کا انکار کرنے والا پیدا ہو گیا۔ تو دوسرا گروہ خدا کی ہستی کا قائل بھی رہا۔ کنفیوشس کے مذہب میں بھی، باوجود نام بدل جانے کے، خدا کی توحید کی چنگاری نہ بجھی۔ اب اگر کوئی دنیا کے تمام مذاہب کو ایک بات پر جمع کرنا چاہے تو ظاہر ہے کہ وہ سب اسی بات پر جمع ہو سکتے ہیں، جو ان سب میں مشترک ہو۔ اب آؤ سب مذاہب کو ایک پلیٹ فارم پر بلاؤ سب کو ایک عدالت کے آگے کھڑا کرو اور ان کو امر مشترک کی طرف توجہ دلاؤ۔ تا کہ معلوم ہو سکے کہ ان علیحدہ علیحدہ خیالات کے اندر نسل انسانی کا اتحاد کس بات پر ہے۔ کوئی کہتا ہے خدا ایک ہے مگر تین بھی ہیں۔ دوسرا کہتا ہے ایک ہے مگر دو بھی ہیں۔ تیسرا کہتا ہے ایک ہے مگر تینتیس کروڑ بھی ہیں۔ چوتھا کہتا ہے ایک ہے مگر روح زیادہ ہیں۔ اس کے ساتھ ہمیشہ سے وہ شریکوں کی طرح چلے آتے ہیں۔ پانچواں خدا کا انکار بھی کرتا ہے مگر پھر بھی ایک خدا کا قائل ہے۔ تو ان سب کی متفقہ شہادت کیا ہوئی؟ خدا ایک ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اُسی کی طرف قرآن نے توجہ دلائی ہے۔ ایک خدا کی تعلیم دبی ہوئی پڑی تھی۔ خدا کی وحی نے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی اس دبی ہوئی چنگاری کو باہر نکال کر رکھ دیا اور دنیا کو یہ کہہ دیا کہ چھوڑ دو اور باتوں کو اور اس مشترک بات کو نکال لو جو تم سب کے اندر پائی جاتی ہے۔ علم یا سائنس بنا دیا۔

سائنس اسی کو کہتے ہیں کہ جو باتیں الگ الگ متفرق طور پر پڑی ہیں ان تمام میں سے ایک امر مشترک

کو نکال لیا جائے جو بطور اصول قرار پایا جاتا ہے۔اس سے علم ترقی کرتا ہے دیکھو کہیں سبزیاں ہیں، کہیں حیوانات ہیں، کہیں انسان ہیں۔سائنس والوں نے دیکھ لیا کہ ہر ایک کے اندر زندگی کا قانون ایک ہے مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (3:67) قرآن کریم نے تیرہ صدیاں پہلے بتا دیا تھا کہ سب میں ایک ہی قانون قائم کر دیا ہے۔مذہبی سائنس دنیا میں محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے آیا۔جس نے ان تمام بکھرے ہوئے اجزاء میں سے، جو مختلف مذاہب کی تعلیمات میں داخل ہو گئے تھے اور جو سب کے سب ایک دوسرے کے مخالف نظر آتے تھے، ایک مصفیٰ جوہر کو نکالا۔اور سب کو اس مشترک امر کی طرف توجہ دلائی جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی چنگاری ان میں دبی ہوئی پڑی تھی۔تو یہ تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی خدمت ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کی۔اگر اتنی ہی خدمت کر جاتے تو بھی آپ تمام دنیا کے اکیلے رسول ہوتے جس نے دوبارہ تمام دنیا کو روشن کیا۔پہلے سب رسولوں نے ایک ایک قوم کو روشن کیا مگر ان کی روشنیوں کو سب قوموں نے خاکستر کے انباروں کے نیچے دبا دیا۔محمد رسول اللہ ﷺ نے اس چنگاری کو باہر نکال کر از سرِ نو ساری دنیا کو روشن کر دیا اور ایک ہی عقیدے کو کھول کر ساری دنیا کو معاً روشن کر دیا۔لیکن صرف اتنا ہی کام آپ نے نہیں کیا اس سے بڑھ کر بھی کیا ہے۔خدا کی توحید کے متعلق تین عظیم الشان کام ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کیے۔ایک کام یہ ہے کہ توحید کی چنگاری خاکستر سے نکال کر رکھ دی۔دوسرا عظیم الشان کام آپ کا توحید الٰہی کے متعلق یہ تھا کہ اس تعلیم کو کمال تک پہنچایا اور اس چھوٹی سی چنگاری کو ایسا روشن کیا کہ کوئی تاریکی کا پہلو باقی نہ رہنے دیا۔ہر ایک نبی نے ہی اپنی اپنی قوم کی استعداد اور حالات کے مطابق توحید کی آگ روشن کی تھی۔اب وہ وقت آ گیا تھا کہ یہ چھوٹی چھوٹی روشنیاں ایک آفتاب کے رنگ میں نمودار ہوں۔

3 شعبان 1344ھ

دنیا کی تاریخ اس طرح چلی آتی ہے جس طرح بچہ کی تاریخ ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ کے وقت میں نسلِ انسانی کی حالت بلوغت کو پہنچ چکی تھی۔تو اس لیے دوسرا کام یہ کیا کہ توحید کی تعلیم کو کمال تک پہنچایا۔اور یوں نہ صرف توحید کی تعلیم دی بلکہ اس کو اتنا جِلا دیا، اتنا صاف کیا اور اتنا روشن کیا کہ کسی نبی نے اس سے پہلے اس قدر صاف اور روشن نہیں کیا۔

تیسرا بڑا کام جو آپ نے کیا وہ اس توحید کی تعلیم کو عمل کے اندر لانا تھا۔تاکہ یہ محض عقیدہ ہی عقیدہ نہ

ہو۔ چند لفظ ہی نہ ہوں جو زبان سے ادا کر دیئے جائیں بلکہ انسان کے تمام اعمال توحید الٰہی کے رنگ میں رنگے جائیں۔توحید کی تعلیم کو خاکستر سے نکالنا، اسے کمال تک پہنچانا، اسے عمل کے اندر لانا یہ تین عظیم الشان کام آپؐ نے کیے۔ پہلے کام کے متعلق میں بتا چکا ہوں کہ کس طرح سے اس چنگاری کو، جو مختلف مذاہب کے اندر دبی پڑی تھی، خاکستر کے نیچے سے نکالا۔ دوسرا حصہ تھا کہ اسے کمال کو پہنچایا۔ وہ کس طرح پہنچایا؟ اسی آیت کے اندر غور کرو جو سب قوموں کو کلمۃ سواء کی طرف بلاتی ہے۔اس ایک آیت کے اندر توحید کی تعلیم کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔اس میں تین باتیں رکھی ہیں۔

1: اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہ(64:3) خدا کے سوائے کسی کی عبادت نہیں کرنا۔

2:لَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا(64:3)عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا۔

3:یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (64:3) ایک دوسرے کو خدا کے سوا ارباب نہ بنانا۔ گویا تین قسم کا شرک قرار دیا اور تینوں شرکوں سے روکا۔ یہ تین قسم کی توحید کی تعلیم ہر ایک چھوٹے بڑے کو یاد رکھنا چاہئے۔

1۔خدا کے سوائے کسی کی عبادت مت کرو۔

2۔خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ۔

3۔ایک دوسرے کو اپنے ارباب نہ بنالو۔

پہلی بات ہے کہ خدا کے سوا کسی کو معبود نہ بنایا جائے۔خدا کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا خواہ قدرت کی طاقتیں ہوں یا پتھر کے تراشے ہوئے بت ہوں یا گوشت اور خون کے زندہ یا مردہ مجسمے ہوں، سب موٹی قسم کے شرک ہیں۔ یوں تو جیسا کہ میں نے بتایا توحید کی تعلیم ہر مذہب کے اندر پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ویدوں کے اندر بھی توحید کی تعلیم موجود ہے۔میں نے اگرچہ اصل وید سنسکرت زبان میں نہیں پڑھے لیکن ان کا انگریزی ترجمہ پڑھا ہے۔ جہاں تک میں نے سمجھا ہے ان کے اندر بھی ایک خدا کا ذکر تو ضرور معلوم ہوتا ہے۔لیکن ان کے اندر یہ کہیں نہیں پاؤ گے کہ خدا کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک مت کرو۔تورات میں خدا واحد کی عبادت پر زیادہ زور

دیا ہے۔اس لیے قرآن میں بھی کہا ہے:

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ.
(49:28) قرآن اور تورات سے بڑھ کر ہدایت دینے والی کوئی کتاب لے آؤ کہ اس کی اتباع کرو اگر تم سچے ہو۔

گویا قرآن کے بعد دوسری کتابوں میں سب سے زیادہ ہدایت دینے والی کتاب تورات ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ نے تورات کہاں سے پڑھی؟ کون آپ کو آکر بتا گیا تھا کہ تورات میں یہ ہدایت دی گئی ہے اور دوسری کتابوں میں نہیں؟ کیا ایک ایک بات سے نور نہیں نکلتا۔اور بھی کتابیں مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مانی ہیں لیکن وہ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ (49:28) نہیں ہیں ان کو اس مرتبہ پر نہیں رکھا۔

تورات میں یہ بھی تعلیم ہے کہ تم بت مت بناؤ۔بتوں کی پوجا مت کرو۔لیکن اسلام نے اس حصہ کو، جو عبادت میں مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ہے، خاص طور پر روشن اور واضح کیا ہے۔صرف بت پرستی سے نہیں روکا بلکہ ہر ایک قسم کے مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ عبادت سے روکا ہے۔بار بار روکا ہے۔پُر زور اور مؤکد الفاظ میں روکا ہے۔عبادت کے مفہوم میں زوائد بالخصوص داخل ہیں۔ایک اس چیز کی حمد وثناء کرنا اور اس کی عظمت کا دل پر مستولی ہونا، دوسرے اس سے دعا کرنا، مدد مانگنا، سجدہ کرنا، جھکنا سب اس کے اندر آجاتے ہیں۔جب تک کسی چیز کی عظمت دل پر مستولی نہ ہو انسان اس کے آگے جھکتا نہیں، گرتا نہیں۔دیکھتے ہو ایک بت پرست، ایک گائے پرست خدا کے سوا کسی اور طاقت کے آگے گرتا ہے۔اور اس کے دل پر اس چیز کی عظمت مستولی ہوتی ہے۔یہ جو کہا اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (64:3) اس سے یہ مراد ہے کہ خدا کے سوائے نہ کسی کے آگے گریں گے نہ اس کی عظمت دل پر مستولی ہو گی اس لئے فرمایا:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (4:1) خدا کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکاتے اور نہ خدا کے سوا کسی سے مرادیں مانگتے ہیں۔

یوں عبادت کے دونوں پہلوؤں کو نہایت صفائی سے کھول دیا۔آج مسلمان خدا کے سوا دوسروں کے آگے سر بھی

جھکاتے ہیں اوران سے مرادیں بھی مانگتے ہیں۔ جیسا کہ قبروں پر اور پیروں کے آگے ہوتا ہے۔ یہ قبر پرستی اور مرادیں مانگنے کا مرض عورتوں میں زیادہ ہے۔ اس لیے میں اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ ہمارے گھروں میں قطعاً یہ نہیں آنا چاہئیے۔ خوب یادرکھو قبروں پر جا کر مرادیں مانگنا شرک ہے۔ اس سے خود بھی رُکنا چاہئے اور اپنے گھروں میں بھی منع کرنا چاہئے۔ یہ بھی یادرکھو کہ قبروں پر جانا اور مرادیں مانگنا اور کسی پیر کے پاس جانا اور اس کو حاجت روا سمجھ کر مرادیں مانگنا ایک ہی بات ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عورتوں کا اتنا قصور نہیں۔ ان کو تو تعلیم سے محروم رکھا گیا ہے۔ اور وہ تو تعلیم سے محروم ہیں مگر تعلیم یافتہ مسلمانوں کی کیا حالت ہے؟ میں ذاتی طور پر ان تعلیم یافتہ لوگوں کو جانتا ہوں کہ نماز نہیں پڑھتے۔ خدا کے آگے سر نہیں جھکاتے۔ داتا گنج بخشؒ جا کر مرادیں مانگتے ہیں۔ اور بعض وقت دو ایک دوسرے کے مخالف فریق اپنے اپنے مطلب کے لیے ایک دوسرے کے خلاف منتیں وہاں مانتے ہیں۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جو لوگ صبح کے وقت اُٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر بھی خدا کے آگے سر نہیں جھکا سکتے۔ دن کے وقت جنہیں خدا سے مدد مانگنے کا کبھی موقع نہیں ملتا۔ وہ آدھی رات کو حضرت علی ہجویریؒ (گنج بخش) کے مزار پر جا کر مرادیں مانگتے ہیں اور ان میں تعلیم یافتہ قوم کے لیڈر بھی ہیں۔ تو دیکھو سب سے پہلی بات، جس کو اپنے اندر سے نکالنے کی ضرورت ہے، وہ **اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ** (64:3) کے مفہوم کے خلاف چلنا ہے۔

یہ ایک حصہ ہے۔ اور دوسرا حصہ کیا ہے؟ **لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا** (64:3) **عِبَادت لِغَيْرِ اللّٰه** تو بتادی کہ **غَيْرُ اللّٰهِ** کی عظمت کو دل پر مستولی ہونے دینا کہ انسان اس کے آگے جھکے یا گرے اور **غَيْرُ اللّٰهِ** سے مرادیں مانگنا ہے۔ وہ اونٹ ہو، گھوڑا ہو، پیر ہو کوئی ہو۔ یہ گھوڑا اونٹ میں اس لیے کہتا ہوں کہ یہاں فی الواقع گھوڑوں کی قبروں پر جا کر بھی مرادیں مانگتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ تو یہ تو ایک بات تھی جس سے منع کیا۔

دوسری بات جو فرمائی وہ ہے **لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا** (یہ عبادت **مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** سے بالکل الگ ہے۔ خدا کے ساتھ ایک انسان کو شریک کھڑا کرتے ہیں۔ جیسے عیسائیوں نے کیا۔ ''خدا ابدی، بیٹا ابدی، روح القدس ابدی، خدا ازلی، بیٹا ازلی، روح القدس ازلی، خدا غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق، روح القدس غیر مخلوق'' یہی ان کی عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ کیونکہ شرک کرنا یہ ہے کہ خدا کی کسی صفت میں کسی کو کامل طور پر شریک مانا جائے۔ یعنی ایک صفت جو اللہ تعالیٰ میں اپنے کمال میں پائی جاتی ہے، اسی طرح کمال

میں کسی دوسرے میں پائی جائے۔ یہ شرک عیسائیوں کے علاوہ مجوسیوں اور ہندوؤں میں بھی ہے۔ اوران آریوں میں بھی، جن کو توحید کا بڑا دعویٰ ہے۔ اُنہوں نے بھی کہا خدا ازلی، روح ازلی، مادہ ازلی، خدا غیر مخلوق، روح غیر مخلوق، مادہ غیر مخلوق۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے کہ اس کی صفات میں دوسری اشیاء کو کامل طور پر شریک کیا جائے۔ ایک تو ہے ناقص اشتراک۔ جس طرح خدا بھی دیکھتا ہے اور ہم بھی دیکھتے ہیں۔ خدا بھی سنتا ہے اور ہم بھی سنتے ہیں۔ مگر ہمارا اشتراک کامل نہیں ناقص ہے۔ جس طرح خدا دیکھتا ہے، مگر نہ اسے آنکھوں کی حاجت ہے، نہ خارج میں روشنی کی۔ اس طرح ہم بغیر آنکھوں کے اور روشنی کے نہیں دیکھ سکتے۔ خدا بغیر ہوا اور کانوں کے سنتا ہے مگر ہم ان دونوں کے محتاج ہیں۔ اس لیے ہمارا دیکھنا اور سننا خدا تعالیٰ کے دیکھنے اور سننے کی مانند نہیں۔ لیکن جہاں آپ نے کامل طور پر کسی کو خدا کی کسی صفت میں شریک مانا، وہاں آپ نے توحید کو ہاتھ سے دیا۔ تو یہ عبادت مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے بعد دوسرا شرک ہے۔ یعنی وہ عملی شرک ہے تو یہ علمی شرک ہے۔ وہاں انسان اپنے فعل سے کسی دوسرے کو شریک مانتا ہے تو یہاں علمی رنگ میں شریک ٹھہراتا ہے۔

تیسری بات فرمائی: وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (64:3) ایک دوسرے کو خدا کے سوا رب نہ بناؤ۔ جس طرح یہ شرک ہے کہ غیر اللہ کے سامنے سجدے کرے اور ان سے مرادیں مانگے، اسی طرح یہ بھی شرک ہے کہ خدا کے سوا کسی کو اپنا رب ماننا۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (31:9) تو عدی بن حاتم نے کہا یا رسول اللہ! ہم عبادت تو ان کی نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کیا ایسا نہیں تھا کہ جس چیز کو وہ حلال کہیں اسے تم حلال جانتے تھے اور جسے حرام کہیں اُسے حرام سمجھتے تھے۔ کتاب اللہ کے بالمقابل تم ان کا کہا مانتے تھے۔ اُنہوں نے کہا ہاں یہ تو ہوتا تھا۔ تو فرمایا یہی ہے: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (31:9) خوب یاد رکھو انسانوں کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چلنا یہ ہے خدا کے سوا کسی کو رب بنانا۔ اس سے بھی منع کیا۔

تو اب میں نے بتایا کہ تین طرح خدا نے توحید کی تعلیم کو کامل کیا ہے۔ ایک عبادت غیر اللہ سے منع کیا۔ دوسرے شرک فی الصفات سے روکا اور تیسرے اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ بنانے سے منع کیا۔ اس تیسری بات کو میں ذرا زیادہ وضاحت سے بیان کروں گا۔ سب سے موٹا شرک تو وہ ہے جو عبادت غیر اللہ کے اندر پایا جاتا ہے۔

اس سے کم درجہ کا شرک علمی شرک ہے۔ یعنی خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی عبادت میں شریک کرنا۔ اور تیسرا شرک یہ ہے کہ جو کچھ مولوی یا پیر نے کہہ دیا، اس کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چل پڑے۔ خوب یاد رکھو کہ توحید کی تعلیم یہیں تک محدود نہیں کہ خدا کو ایک مان لیا جائے، بلکہ اس باریک شرک سے بچنا بھی توحید ہی کا ایک حصہ ہے۔ توحید کامل نہیں ہوتی جب ان تینوں قسم کے شرک سے نہ بچے۔ وہ جو کہا تھا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وہ بھی فی الحقیقت توحید ہی کی تعلیم کو کامل کرنے کے لیے کہا تھا۔ یہ آخری مرتبہ تھا توحید کا کہ اے محمد رسول اللہ! تو جو سب سے بڑھ کر ہے تو ان سے کہہ دے کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں اور وہ پیغام جو میں لایا ہوں وہ یہی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہے۔ یہ ہے وہ بات جس کی وجہ سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو بھی رکھا۔ کبھی کہا اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اس لیے کہ اگر کوئی شریک ہوسکتا تو وہ وہی تھا جس کو اس کے علو مرتبت کی وجہ سے نبیوںؑ نے پیشگوئیوں کے اندر خدا کہا تھا۔ پہلے انبیاء کی پیشگوئیوں کو دیکھ لو۔ ان میں آنحضرت ﷺ کی آمد کو خدا کا آنا بتایا گیا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے اپنی زبور میں آپ کو خدا ہی بتایا ہے۔ اور آپ کی شان اور عظمت کو خدائی شان اور عظمت قرار دیا ہے۔ آج ہمارے بھائی کہتے ہیں کہ آنے والے مسیحؑ کو حدیث میں نبی اللہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے وہ فی الواقع نبی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہا، تو آنے والے محمد رسول اللہ ﷺ کو خدا کہا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو خدا کہیں، تو آج ان کی مخالفت مسئلہ نبوت میں چھوڑ دوں گا (10 شعبان 1344ھ)

تو فرمایا محمد رسول اللہ خدا کا بندہ ہے۔ اس کا قاصد ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کا کوئی مرتبہ نہیں۔ اس پر اتنا زور کیوں دیا؟ میں سمجھتا ہوں کہ بتوں کی غلامی سے نکلنا آسان ہے لیکن انسان کی غلامی سے نکلنا مشکل۔ اور جب کوئی انسان اس سے بھی نکل جاتا ہے تو وہ بڑے عظیم الشان مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ کیا عجیب بات فرمائی ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰہُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَھُوَ یُنْفِقُ مِنْہُ سِرًّا وَّجَھْرًا ھَلْ یَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بَلْ اَکْثَرُ ھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ. وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُھُمَآ اَبْکَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّ ھُوَ کَلٌّ عَلٰی مَوْلٰـہُ اَیْنَمَا یُوَجِّھْہُّ لَایَاْتِ بِخَیْرٍ ھَلْ یَسْتَوِیْ ھُوَ وَ مَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَھُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ. (16:75-76)۔ یہ مشرک اور مومن کی مثال ہے۔ ایک عَبْدًا مَّمْلُوْکًا

ہے۔جو لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ ہے۔یعنی جن چیزوں پر حکومت اسے دی گئی تھی ان کا وہ غلام بن گیا اور اپنے تمام قویٰ اور طاقتوں کو کھودیا۔ دوسرا وہ ہے جو ان چیزوں کی غلامی سے نکل گیا اور اسے رزق حسن ملا ہے۔ جسے وہ خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں۔خوب یادرکھو خدا کے راستہ میں خرچ کرنا بہت بڑا عظیم الشان مقام ہے۔اس سے انسان دوسروں کی غلامی سے نکل جاتا ہے۔ مجھے اس موقع پر کہنا پڑتا ہے کہ اس بلند مقام پر ہماری جماعت خدا کے فضل سے قائم ہے۔مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا کے وہ فی الواقع مصداق ہیں۔میں نے تو اس کا تجربہ کیا ہے کہ جتنا اس جماعت کو خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کی عادت ہے، بہت کم عام مسلمانوں میں اس کی نظیر ملتی ہے۔

ہمارے مولوی صدرالدین صاحب نے جہاں یہ بڑی نوازش کی کہ برلن میں جا کر مسجد تعمیر کی اور اس کے لئے تکالیف اُٹھائیں، وہیں پچھلے سال اُنہوں نے ہم کو بھی باہر نکالا۔اور ہم تین بڑے کہلانے والے آدمی یعنی خواجہ کمال الدین صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور میں باہر چندہ کے لیے گئے۔کوئی پچیس دن تک ہم دہلی اور علی گڑھ وغیرہ مختلف مقامات پر پھرتے رہے۔اور شاید بائیس سو روپیہ ان پچیس دنوں میں ہم نے جمع کیا۔ یہاں جب واپس آئے تو خیال پیدا ہوا کہ بنا بنایا تو کچھ بھی نہیں اور ابھی روپیہ کی بہت ضرورت ہے۔ یہاں جلسہ کے موقع پر مستورات سے کہا کہ برلن مسجد کے مینارا گر بنوادیں تو ان کا نام بھی خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں روشن ہوگا۔صرف تیس چالیس مستوارت جمع تھیں۔اور میں نے اکیلے ہی یہاں اس جلسہ سے الگ ہوکر ان کے سامنے مختصر سی تقریر کی۔ میری تحریک پر اسی وقت کسی نے کڑے اُتار دیئے۔کسی نے ہار دے دیا۔کسی نے بالیاں دیں۔ غرض مختلف قسم کے زیورات اُنہوں نے اُتار اُتار کر پھینکنے شروع کئے جو تقریباً تین ہزار کی مالیت کے تھے۔اور پھر اس تحریک کو دیگر احمدی مستورات میں وسعت دی تو قریب سات ہزار روپے کے چندہ ہوگیا۔

دیکھو اور خوب غور کر کے دیکھو۔ بادشاہ تم ہو کہ اس طرح سے بلا دریغ خرچ کر دیتے ہو۔کوئی راجہ یا نواب کوئی تھوڑی سی سالانہ مدد کسی کو دے تو کس قدر وہ خوش ہو جاتا ہے۔ایک غریب جماعت کی طرف سے اس قدر امداد! کیا کوئی راجہ یا نواب اس کا مقابلہ کرسکتا ہے؟ ایک دوست شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم اللہ تعالیٰ انہیں مغفرت فرمائے، شاید آپ کو معلوم ہو کہ اتنی جائیداد اپنے پیچھے انجمن کو دے گئے ہیں، جس سے چار ہزار روپیہ

سالانہ آمدنی کرایہ کی ہوتی ہے۔ان کے بیٹے ہیں۔ باوجود یکہ وہ جانتے ہیں کہ باپ اتنی جائیداد انجمن کو دے گیا ہے، تاہم پانچسو روپیہ سالانہ یکمشت وہ دیتے ہیں۔ یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ایک وقت ہم پر آیا تھا کہ مجھے قوم سے یہ کہنا پڑا کہ یا تو اس کاروبار کو بند کرواور یا اسے پورا زور لگا کر چلاؤ۔ اس وقت آپ لوگوں نے ہمت کی اور قریباً ایک لاکھ روپیہ کچھ نقد اور کچھ جائیدادوں اور مکانات وغیرہ کی صورت میں مل گیا۔ یہی بادشاہ ہوتے ہیں۔ یہی آزاد ہیں۔ یہی شرک سے نکلے ہوئے ہیں۔ سِرًّا وَّ جَهْرًا خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اب میں اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی طرف آتا ہوں۔اس وقت مسلمانوں میں غور کرو گے تو تین موٹے گروہوں میں انہیں تقسیم کرسکو گے۔ایک وہ گروہ ہے جو نہ تو قرآن کو اتنی وقعت دیتا ہے نہ حدیث کو بلکہ اس کے نزدیک کسی امام یا فقیہ نے جو کچھ کہہ دیا ہے اس سے آگے دیکھنا بھی جائز نہیں۔قرآن وحدیث کو ہم کیوں دیکھیں؟ کیا فلاں امام یا فلاں فقیہ قرآن وحدیث کو ہم سے بڑھ کر نہ سمجھتے تھے۔حالانکہ چاہیے تھا کہ قرآن کو سب چیزوں پر مقدم کرتے۔ اس کے بعد حدیث کو مرتبہ دیتے اور پھر آئمہ کے اجتہادات کو لیتے۔ اگر قرآن اور حدیث کے مطابق ہوتے تو ان کو مانتے۔خود امام ابوحنیفہؒ نے یہی کہا ہے: اُتْرُكُوْا قَوْلِیْ لِقَوْلِ اللّٰهِ کلام الٰہی کے سامنے میرے اقوال کو ترک کردو۔ اُتْرُكُوْا قَوْلِیْ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ رسول اللہ کی حدیث کے سامنے میرے قول کو چھوڑ دو۔لیکن مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ نے ساری ترتیب کو الٹ کر قرآن کو نیچے رکھ دیا اور آئمہ کے اقوال کو سب سے اوپر۔ آج ایک دوسرا گروہ اُٹھا۔ اُنہوں نے کہا اجتہاد تو کوئی چیز نہیں حدیث ہی ہے جو کچھ ہے۔ میں اہلحدیث کی تحریک کو بڑا اچھا سمجھتا ہوں۔اس کی ابتدا نہایت اچھے مقاصد کے ساتھ ہوئی تھی کہ کورانہ تقلید کا پھندا گلے سے اُتارا جائے۔لیکن افسوس ہے کہ وہ دوسری حد پر چلے گئے، حدیث ہی کو سب کچھ سمجھ لیا، اور قرآن کو پیچھے ڈال دیا۔ابتدا تو اچھی تھی لیکن افسوس ہے کہ اصل مقصد حل نہ ہوا

ایک تیسرا گروہ اُٹھا۔اس نے کہا احادیث وغیرہ سب نعوذ باللہ کوڑا کرکٹ ہیں۔ان سب کو چھوڑ دینا چاہئے اور صرف قرآن کو ماننا چاہئے۔ یہ تینوں گروہ افراط وتفریط کے اوپر قائم ہو گئے اور اصل راہ کو اُنہوں نے بھلا دیا۔اس وقت وہ شخص،جس کو خدا نے کھڑا کیا تھا، اُٹھتا ہے اور دنیا کو بتاتا ہے کہ آئمہ کا اجتہاد بھی حق ہے۔ وہ

بھی چھوڑنے کے قابل نہیں۔ حدیث بھی ضروری ہے۔ اس میں دنیا کی بڑی معلومات ہیں۔لیکن ان سب سے مقدم قرآن ہے۔ قرآن اول ہے۔ اس کے بعد حدیث اور اس کے بعد آئمہ کا اجتہاد۔ آج وہ تینوں گروہ آپس میں لڑ رہے ہیں اور صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ ان کے اوپر یہ چوتھا شخص کھڑا ہوتا ہے۔ جو صحیح ترتیب تمہیں بتاتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ خدا کے لیے بتاؤ ان چاروں میں سے کس کے ساتھ شریک ہو گے۔ میں نہیں جانتا کس چیز سے لوگ ڈرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی جو دنیا کے خلاف ہو۔ بلکہ دین پر چلنے کی صحیح راہ تمہیں بتائی ہے۔ ابھی وقت ہے کہ اپنے آپ کو سنبھالو ایسا نہ ہو کہ وہ جو کچھ ترکی میں ہوا، وہی تمہارے ساتھ ہو۔ اور کوئی اور رنگ اختیار کرنا پڑے۔

آج تو تمہاری یہ حالت ہے کہ قرآن، حدیث اور اجتہاد تینوں گئے۔ جو ملاں کہہ دے گا وہی صحیح سمجھا جائے گا۔ اب میں کہتا ہوں شرک سے اگر بچنا چاہتے ہو تو جس طرح دوسرے شرکوں سے بچے ہو، اسی طرح اس شرک سے بھی بچو کہ ملاں کو رب بنانا چھوڑ دو۔ حدیث میں آخری زمانہ کے علماء کے متعلق لکھا ہے: **عُلَمَاءُ هُمْ شَرٌّ مَّنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ**۔ آسمان کے نیچے بدترین مخلوق آخری زمانہ کے علماء ہیں۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں جب کوئی بات ملاں کے منہ سے نکلے تو اس پر اچھی طرح غور کر لو۔ کیونکہ وہ بسا اوقات جھوٹ بولتا ہے اور شرک کا پھندا تمہارے گلے میں ڈالتا ہے۔ ملاں کی بات کو ماننے سے پہلے یہ غور کر لو کہ میں قرآن و حدیث کو بھی دیکھ لوں۔ وہ کہاں تک اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ خوب یاد رکھو جب تک ملانوں کی غلامی سے نہیں نکلتے اس وقت تک تم شرک سے آزاد نہیں۔ دیکھو! اگر ملاں ایک بات تمہیں کہے تو خوب دیکھ لو کہ یہ قرآن کے خلاف تو نہیں کہہ رہا۔ ملاں کہتا ہے کہ اس قرآن کے اندر پانچ سو آیت منسوخ ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ اسے ایک آیت دوسری کے خلاف نظر آتی ہے۔ اس لیے منسوخ ماننا پڑتا ہے۔ لیکن تمہارا قرآن کیا کہتا ہے:

> **وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا** (82:4) اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتو اس میں اختلاف کثیر پایا جائے۔

اب بتاؤ ملاں کی بات کو مانو گے کہ خدا کی بات میں اختلاف ہے۔ یا قرآن کو کہ خدا کی بات میں اختلاف نہیں

ہوسکتا۔اب چاہو تم احمدی ہو یا نہ ہو، ملاں کی تقلید میں تم نہیں رہ سکتے۔تمہارا ملاں تمہیں کہتا ہے کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ میں زید یا بکر تم سے اختلاف رکھتا ہو تو وہ کافر ہے۔اسی معیار پر سنی شیعوں ہی کو نہیں، مقلد غیر مقلدوں ہی کو نہیں، حنفی حنفیوں ہی کو نہیں بلکہ سنّی سنیوں کو، شیعہ شیعوں کو، مقلد مقلدوں کو، غیر مقلد غیر مقلدوں کو، حنفی حنفیوں کو، اہل حدیث اہل حدیث کو کافر بنا رہے ہیں۔لیکن خدا کیا کہتا ہے:

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) جو تمہیں اسلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔

بتاؤ ملاں کی بات کو مانو گے یا خدا کے حکم کو؟ تعجب ہے صریحاً خدا کے احکام کے خلاف باتیں ہوتی ہیں اور پھر کہتے ہیں کیا ہے احمدیت؟ احمدیت تمہیں پیروں اور ملانوں کے شرک سے بچاتی ہے اور اس سیدھی راہ پر کھڑا کرتی ہے جو قرآن نے بتائی ہے۔

پھر ملاں کہتا ہے رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک نبی آئے گا۔خدا کیا کہتا ہے: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (40:33) اس کے معنے میں خود نہیں کرتا اپنے میاں (محمود احمد صاحب) کے معنے سنا دیتا ہوں۔اُنہوں نے اس کے معنے کیے ہیں جواب منسوخ ہیں کہ:

''پھر چوتھی آیت، جس میں آنحضرتؐ کے عہدہ کی میعاد بیان کی گئی ہے کہ کب تک آپ کا مذہب قائم رہے گا، یہ ہے: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا. (40:33) یعنی نہیں ہیں آنحضرتؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور رسول بھی کیسے کہ ''خاتم النبین'' ہیں۔اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے۔اور کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔اس آیت میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ خاتم النبین ہیں اور آپ کے بعد کوئی شخص نہیں آئے گا کہ جس کو نبوت کے مقام پر کھڑا کیا جائے اور وہ آپ کی تعلیم کو منسوخ کر دے اور نئی شریعت جاری کرے بلکہ جس قدر اولیاء اللہ ہوں گے اور متقی اور پرہیزگار لوگ ہوں گے سب کو آپ کی غلامی میں ہی ملے گا جو کچھ ملے گا۔اس طرح خدا تعالیٰ نے بتا دیا کہ آپ کی نبوت نہ صرف اس زمانہ کے لیے ہے بلکہ آئندہ بھی کوئی نبی اور نہیں آئے گا۔ بلکہ اب ہمیشہ کے لئے آپ کی ہی تعلیم جاری رہے گی اور یہی لوگوں کو ہدایت کا

موجب ہوگی۔ جو اس سے باہر نکلے گا وہ درگاہ الٰہی میں نہیں پہنچ سکے گا۔

اس جگہ اور نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا مگر بظاہر اس جگہ اس کا جوڑ کوئی معلوم نہیں ہوتا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر باتیں بیان فرمائی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ ان کے لئے یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے، کچھ ضروری نہ تھا۔ سو اصل بات یہ ہے کہ یہاں آپؐ کے خاتم النّبیّن ہونے کے متعلق ایک پیشگوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے دنیا میں سینکڑوں نبی گذرے ہیں جن کو ہم جانتے ہیں اور جنہوں نے بڑی بڑی کامیابیاں دیکھیں بلکہ کوئی صدی نہیں معلوم ہوتی کہ جس میں ایک نہ ایک مدعی نبوت نظر نہ آتا ہو۔ چنانچہ کرشن، رام چندر، بدھ، کنفیوشس، زرتشت، موسیٰ، عیسیٰ تو ایسے ہیں کہ جن کے پیرو اب تک دنیا میں موجود ہیں۔ اور بڑے زور سے اپنا کام کر رہے ہیں اور ہر ایک اپنی ہی سچائی کا دعویٰ پیش کرتا ہے۔ مگر آنحضرتؐ کے دعویٰ کے بعد تیرہ سو برس گذر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوت کا دعویٰ کر کے کامیابی حاصل نہیں کی۔ آخر آپ سے پہلے بھی تو لوگ نبوت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور ان میں سے بہت سے کامیاب ہوئے (جن کو ہم سچا ہی سمجھتے ہیں) مگر آپ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ کیوں بند ہوگیا۔ اب کیوں کوئی کامیاب نہیں ہوتا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی پیشگوئی ہے کہ آپ خاتم النبین ہیں۔ اب ہم اسلام کے مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کیا نشان ہوسکتا ہے کہ آپ کے دعویٰ کے بعد کوئی شخص، جو مدعی نبوت ہوا ہو، کامیاب نہیں ہوا۔ پس اس طرف اشارہ تھا کہ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا یعنی ہم نے آپ کو خاتم النّبیّن بنایا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور کوئی جھوٹا آدمی بھی ایسا دعویٰ نہ کرے گا کہ ہم اس کو ہلاک نہ کر دیں۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی پیشگوئی ہے کہ اس کا رد کسی سے ممکن نہیں۔ اگر ہے تو ہمارے سامنے پیش کرو مگر اس طرح نہیں کہ کسی نے دعویٰ کیا ہو اور لاکھ دو لاکھ آدمی اس کے پیرو ہو گئے ہوں، بلکہ ایسا آدمی کہ جس نے آنحضرتؐ یا اس سے پہلے نبیوں کی طرح کامیابی حاصل کی ہو۔ مگر کوئی نہیں جو ایسی نظیر پیش کر سکے۔'' (رسالہ تشحیذ الاذہان بابت ماہ اپریل 1910ء)

اب بتاؤ ملاں کی بات کو مانو گے یا قرآن کے فیصلہ کو۔ تمہارا ملاں کہتا ہے کہ ایک نبی آنا ہے۔ اگر فی الواقع کسی اور نبی نے آنا ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ تمہارا نبی نہیں رہ سکتا۔ ان باتوں کو دیکھتے ہوئے کیا ڈر ہے

تمہیں احمدی ہونے میں۔ کیا کافر کہتے ہیں؟ میں کہتا ہوں یہی تو جنت ہے۔ جب تک کافر کہلانے کا ڈر ہے تم شرک کے اندر ہو۔ اسے چھوڑ دو۔ دیکھو تمہارا ملاں کہتا ہے کہ دین اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلا۔ گویا قرآن خود کوئی اثر نہیں رکھتا۔ ان کا خیال ہے کہ قرآن دنیا میں غالب نہیں آ سکتا۔ تلوار غالب آ سکتی ہے۔ قرآن میں کوئی طاقت نہیں کہ وہ اپنی صداقت کو منوا سکے۔ اس لیے تلوار کی ضرورت ہے کہ وہ زبردستی قرآن کو منوائے۔ اور خدا کیا فرماتا ہے:

> **لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ** (256:2) خوب یاد رکھو کہ کبھی وہ مذہب غالب نہیں ہوسکتا جس کا دارو مدار تلوار پر ہو۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

> **وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى**
> (31:13) اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ جس سے پہاڑوں کو دور کر دیا جائے یا اس سے زمین کو کاٹ دیا جائے یا اس سے مردوں کے ساتھ باتیں کی جاسکیں تو وہ یہی قرآن ہے۔

دوسری جگہ ہے:

> **لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ**
> (21:59) اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ کے اوپر اتارتے تو تو اسے خشیت الٰہی سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔

وہ قرآن جس کے اندر یہ طاقت ہو۔ ملاں کہتا ہے کہ اس کے اندر کوئی طاقت نہیں اور تلوار میں طاقت ہے کہ وہ اسے منوائے۔ بتاؤ ملاں کی بات مانو گے یا خدا کی؟

آج مجدد وقت نے تمہیں ان ملاں لوگوں کی قید سے آزاد کیا ہے۔ اس نے تمہیں انسان بنایا ہے۔ اس نے شرک سے چھڑا کر توحید کے اوپر کھڑا کیا ہے اور قرآن کی حقیقی عظمت تمہارے دِلوں میں قائم کی ہے۔ لوگ مانتے چلے جاتے ہیں کہ مسیح آسمان پر ہے۔ دو ہزار سال سے نہ کھانا کھاتا ہے اور نہ کوئی تغیر اس پر آتا ہے۔ حالانکہ

خدا فرماتا ہے:

جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (8:21) رسولوں کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ ان پر کوئی تغیر آئے۔

اور یاد رہے تمہارے سامنے عیسائی اسی آیت سے مسیحؑ کی خدائی پر استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ مسیحؑ تو تمہارے اعتقاد کے مطابق دو ہزار سال سے آسمان پر بیٹھا ہے۔ نہ وہاں کھانا کھاتا ہے اور نہ اس پر کوئی تغیر آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ان رسولوں میں نہیں جن کے متعلق قرآن نے کہا ہے جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (8:21) بلکہ خود خدا یا خدا کا بیٹا ہے۔ تو اب ملاں کی بات کو اور عیسائیت کو مانو گے یا قرآن کو؟ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم اس راہ کو اختیار کرو جو مجدد وقت نے بتائی ہے تو یقیناً اس میں تمہارے لیے سلامتی ہے۔ کوئی مقصود ہو تو قرآن کی بات کو مقدم کرو اور حدیث کو بھی اس کے مرتبہ سے نہ گراؤ۔ اور ان دونوں کے بعد آئمہ کے اجتہاد کو مانو۔ یہی حقیقی اور سلامتی کی راہ ہے۔ خوب یاد رکھو۔ ملاں اور پیر کی غلامی سے جب تم نکل گئے تو اس وقت تم احمدی ہو۔ ملاں اور پیر کی غلامی سے نکلے اور احمدی بنے۔

ایک بات اور اپنے دوستوں سے بھی کہتا ہوں۔ بعض وقت انسان نادانستہ طور پر ملاں اور پیر بن جاتا ہے۔ ملاں تنگ خیال ہوتا ہے فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (83:40) اس تھوڑے سے علم پر جو ان کے پاس ہے اتراتے ہیں۔ تم اپنے علم پر مت اتراؤ۔ تم پیر مت بنو۔ جہاں مجدد وقت نے اتنی باتیں تمہیں بتائی، جو اعتقادی رنگ کی تھیں، وہیں اس نے صحیح مسلک پر بھی تمہیں قائم کیا۔ اس صحیح مسلک کو چھوڑ کر آج کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہو۔ آج سے بارہ سال پہلے کون کہہ سکتا تھا کہ پیر پرستی آئے گی۔ لیکن آج دیکھ لو آہستہ آہستہ کہہ رہے ہیں کہ پیر پرستی کا رنگ آ گیا ہے۔ انجمن لَاشَیْءٍ رہ گئی ہے۔ پہلے خود یہ قاعدہ بنوایا کہ وہ جو لکھا تھا کہ انجمن کے اوپر حضرت مسیح موعودؑ کا فیصلہ ناطق ہوگا، اس کو کاٹو اور وہاں یہ لکھو کہ خلیفہ کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ آج یہ کہتے ہیں کہ جس انجمن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ خلیفہ انجمن پر حاکم ہے، وہی انجمن یہ بھی کہہ سکتی ہے کہ خلیفہ کا فیصلہ وہ نہیں مانتی۔ جس انجمن نے کثرت رائے سے ایک خلیفہ بنایا ہے وہی اس خلیفہ کو معزول بھی کر سکتی ہے۔ نیا قاعدہ تو سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید یہ ہوگا کہ خلیفہ انجمن کو اختیار دیتا ہے کہ اس کے حکم کو مانا کرے۔ لیکن وہی انجمن یہ بھی کر سکتی ہے کہ اس کے حکم

کو نہ بھی مانا کرے۔تو یہ احتمال تو ہمیشہ رہے گا۔ پس اگر اس توحید پر قائم رہنا چاہتے ہو، اگر آزاد ہو کر انسانیت کے شرف کو حاصل کرنا چاہتے ہو، تو ملا پن اور پیری کو اپنے اندر نہ آنے دو کہ اور اس خیال کو دل میں نہ آنے دو۔ جو میں چاہتا ہوں وہی ہو۔ یہ ملا اور پیر کا مذہب ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم نہیں۔

10 مارچ 1926ء

پیغام حضرت امیر

قومی فیصلہ کی عزت

دو باتوں کا فیصلہ احباب سلسلہ اجتماعی رنگ میں خود جمع ہو کر کر چکے ہیں۔ اول یہ کہ ہر ایک دوست اپنا مقررہ چندہ ماہوار ادا کرے اور ہر ایک انجمن چندہ کو ماہوار وصول کر کے فوراً خزانہ میں بھیج دے۔ دوسرا یہ کہ چونکہ زکوٰۃ کا حکم قرآن کریم کی صراحت کی رو سے یہی ہے کہ بیت المال میں جمع ہو کر وہاں سے تقسیم ہو۔ اس لیے ایسے دوست، جن پر زکوٰۃ واجب الادا ہے، ایک تہائی ذاتی یا مقامی طور پر تقسیم کرنے کے لیے رکھ کر باقی دو تہائی قومی بیت المال میں داخل کریں۔ مگر افسوس ہے کہ اب تک کئی ایک احباب چندہ کی ماہوار ادائیگی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور بعض انجمنیں ایسی ہیں کہ ان کے عہدیداروں کو بھی اس بات کی پروا نہیں کہ وہ کچھ تکلیف اُٹھا کر چندوں کو ماہوار وصول کریں۔ اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں بھی بعض احباب ایسے عذر کر دیتے ہیں کہ فلاں نیک کام پر ہم نے اسے صرف کر دیا یا اس کا صرف کرنا ضروری ہے یا فلاں دوست کی خاطر ہم اسے دوسری جگہ خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔

جو احباب، بعض مشکلات بتا کر چندوں کے ماہوار ادا کرنے میں عذر کر دیتے ہیں وہ غور کریں کہ کیا اس میں خدا کے دین کی تحقیر نہیں کہ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرنے کے لیے ماہوار رقم مل جاتی ہے مگر خدا کے دین کی خدمت کا وقت آئے تو کوئی عذر بن جاتا ہے۔ کیا دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے یہی معنے ہیں۔ اور جو احباب زکوٰۃ کو بیت المال میں داخل کرنے کی بجائے اپنے طور پر خرچ کر لیتے ہیں وہ بھی غور کریں کہ اگر قومی فیصلوں کی یہی عزت ہے تو قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ مسلمان قوم اسی تشتت اور پراگندگی کی وجہ سے مردہ ہوگئی ہے کہ جو نظام اسلام نے قائم کیا تھا اس کی پروا نہ کی۔ اگر آج ہم احمدی ہو گئے اور اس تشتّت کو دور نہ کیا، نظام قومی کو پوری قوت سے قائم نہ کیا اور قومی فیصلوں کے سامنے سر نہ جھکایا تو بحیثیت قوم ہم سب زندگی حاصل نہیں کر سکتے۔ کیا ہوا اگر ایک شخص نے اپنی خواہش نفس کو پورا کر لیا! انجمن کو اس وقت سخت مالی مشکلات کا سامنا ہے۔ اس لیے میں احباب

سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قومی فیصلہ کی عزت نہ کرنا یہ بھی امانت میں خیانت ہے۔ جب سیکرٹری صاحب کے خطوط اور یاددہانیوں پر توجہ نہیں ہوتی تو مجبوراً مجھے خود بعض احباب کو لکھنا پڑتا ہے اور وہ وقت، جو کسی بہتر کام میں صرف ہوسکتا ہے، بعض احباب کی لاپرواہی اور بے توجہی کی نذر ہو جاتا ہے۔ کاش! احباب اپنی قوم پر اور میرے وقت پر رحم کریں۔

خط و کتابت ممالک غیر

برادر عمر رضا صاحب قسطنطنیہ (ترکی) سے لکھتے ہیں کہ میں آج ہی انگورہ سے یہاں پہنچا ہوں۔ واپسی پر آپ کے دو خط ملے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ 7 دسمبر 1925ء کو مجھے ترکی پولیس نے گرفتار کر کے انگورہ بھیج دیا تا کہ عدالت آزاد کے سامنے پیش کیا جاؤں۔ چونکہ حکام عدالت باہر گئے ہوئے تھے اس لیے ان کی واپسی تک مجھے انتظار کرنا پڑا۔ جنہوں نے آتے ہی تفتیش حالات کے بعد مجھے فوراً رہا کر دیا۔ میرے خلاف الزام یہ لگایا گیا کہ میں موجودہ ترکی حکومت کے خلاف لکھتا رہتا ہوں۔ چونکہ یہ الزام سراسر غلط تھا اور عدالت نے بھی محسوس کر لیا کہ میں وفادار اور بے گناہ شخص ہوں، اس لیے مجھے بری کر دیا۔ الحمدللہ۔

میں نے اب کام شروع کر دیا ہے۔ بدقسمتی سے ترجمہ سیرۃ خیر البشر کا کام جہاں تھا وہیں رُک گیا ہے۔ اور اب آپ کی امداد آجانے پر بقیہ کام پورا کر دیا جائے گا۔ جو آپ عثمانیہ بنک یا روما بنک میں سے کسی کی معرفت بھیج سکتے ہیں۔ حضرت مولانا صاحب و دیگر برادران کی خدمت میں السلام علیکم۔ (خط کے ساتھ برادر موصوف نے ترکی اخبارات کے اقتباس بھی بھیجے ہیں جو مقدمہ کے متعلق شائع ہوئے تھے)

چین

برادر الیاس صاحب چین سے لکھتے ہیں کہ: آپ کا خط ملا جس کے لیے مشکور ہوں۔ آپ کا مشورہ ضرور قابل غور ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس میں ذرہ بھر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اسلام کا مستقبل نہایت اُمید افزا ہے۔ اس لیے ہمیں مخالفینِ اسلام کے مقابلہ کے لیے ہمہ تن تیار رہنا چاہئے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ہمارا اخبار غیر ممالک کے سیاسی معاملات میں دخل دیتا رہتا ہے۔ اس کے متعلق میرا یقین ہے کہ جب تک اس زمانہ کے

گرے ہوئے مسلمانوں کی ہر ممکن طریق پر اصلاح نہ کی جائے، حقیقی اسلام ترقی نہیں کرسکتا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اسلام کی حقیقی روح پیدا ہو۔ تو ہمیں خدا اور رسولؐ کے احکام کے ماتحت زمانہ کے ساتھ ساتھ ترقی کرتے رہنا چاہیئے۔ نور مشرق کی طرف ہے۔ جیسا کہ علماء مشرق وغرب کا مقولہ ہے۔ اب یورپ کی مادی ترقی اپنی آخری حد کو پہنچ گئی ہے۔ اس لیے اب آپ کے ساتھ مل کر ہمیں اسلام کی روحانی ترقی کے لیے کوشش کرنی چاہیئے۔ مندرجہ ذیل اُمور آپ کی جماعت کی اطلاع اور غور کے لئے عرض کرتا ہوں۔

اوّل: ہمارا باہمی اتحاد بہت مضبوط ہونا چاہیئے۔

دوم: چونکہ آپ کی قوم اسلام میں بڑی وقعت رکھتی ہے اس لیے آپ ہماری امداد کریں۔

سوم: ہمیں قرآن مجید کے چینی و جاپانی ترجمہ میں مدد دیں۔ جس کی ہم تجویز کر رہے ہیں۔

چہارم: ہمارے لیے مددگار پیدا کریں اور ہماری سوسائٹی کو اپنا ممبر تصور کریں۔

پنجم: مسلمانانِ عالم کی ایک انجمن کی بنیاد ڈالیں۔

ششم: ہمیں ہر طرح سے اخلاقی اور مالی مدد دیں تاکہ ہم یہاں ایک کتب خانہ اور مسلم یونیورسٹی قائم کرسکیں اور جاپان میں مسجد بنائیں۔

ہفتم: ہمیں آپ سے ہر طرح کی امداد کی اُمید رکھنی چاہیئے۔

ہشتم: یکم اگست کو ہم مسلمانوں کی ایک مجلس جاپان میں کرنا چاہتے ہیں وہاں اپنا نمائندہ بھیج دیں۔

میں اپنے رسالہ کی دس کاپیاں آپ کو بھیجتا ہوں۔ جس میں ہماری مجلس کے اصول وقواعد درج ہیں۔ ان کے بارہ میں اپنی رائے سے اطلاع دیں۔ آئندہ ہمارا ارادہ رسالہ کو انگریزی میں کر دینے کا ہے تاکہ باہمی تبادلہ خیال میں آسانی پیدا ہو۔ افسوس ہے کہ لوکل فسادات اور کثرت کاروبار کی وجہ سے رسالہ کی باقاعدہ اشاعت میں تعویق ہوتی رہی ہے۔ آپ کو اور جملہ برادران جماعت کو السلام علیکم۔

ہندوستان کی قدیم اقوام میں تبلیغ اسلام

ایک بنگالی مسلمان چودھری ابوالفیوض خان صاحب کی ایک چٹھی ہمعصر 'مسلم آوٹ لک' میں چھپی ہے۔جس کا ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے:

کلکتہ کے مسیحی اخبار اپی فینی کی حال ہی کی ایک اشاعت میں مجھے ایک مضمون دیکھنے سے سخت تعجب ہوا جو دیوان سنگھ ریس رانگ مئی ساکن جور ہاٹ کے قلم سے تھا۔مضمون کس موضوع پر تھا اس سے مجھے کچھ سروکار نہیں۔جس چیز نے مجھے حیرت میں ڈالا وہ یہ تھی کہ میرے لیے ایک غیر آرین کی تحریر کو پڑھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ یہ شخص گروقوم سے ہے جو لاکھوں کی تعداد میں ہندوستان کے مشرقی حصوں میں پائی جاتی ہے۔اخبار مذکور کے ایڈیٹوریل نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کے بہت سے افراد عیسائیت قبول کر چکے ہیں۔دوسرے ذرائع سے جو اطلاعات بہم پہنچی ہیں۔ان سے بھی یہی معلوم ہوا ہے کہ عیسائی مشنری نہایت زور سے اس قوم کے اندر کام کر رہے ہیں۔تعلیم کے ذریعہ ان کی حالت کو درست کرنے کے لیے سخت جدو جہد کی جارہی ہے۔مجھے اس بات کو دیکھ کر سخت افسوس ہورہا ہے کہ باوجودیکہ بنگال میں مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ ہے،مگر وہ اس بات کو ضروری خیال نہیں کرتے کہ اس قوم کے اندر تبلیغ واشاعت اسلام کے لیے چند مبلغین بھیجے جائیں۔برخلاف اس کے عیسائی مشنریوں نے مختلف مقامات پر سکول کھول رکھے ہیں۔جس کے ذریعہ سے وہ اس قوم کو علم سے بہرہ ور کرنے کے لیے ان تھک کوششیں کر رہے ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ عیسائیت تمام دنیا کے لیے نہیں تھی بلکہ اسلام تھا۔ اسلام ہی مصیبت زدہ لوگوں کو نجات دلا سکتا ہے۔ان دِنوں ہم ''تبلیغ و تنظیم'' کے متعلق بہت کچھ سنتے ہیں مگر کیا یہ دونوں تحریکیں چند لوگوں تک ہی محدود ہیں۔مشہور مولوی مولانا اس بات پر بڑا فخر کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کے جانشین ہیں اور جانشین بھی ایسے کہ نبی کا کام ان کے سپرد کیا گیا ہے۔اور وہ اور ان کے رفقاء ہی جنت کے واحد مالک ہیں۔اور وہی ہیں جن کے کندھوں پر انبیاء کے کام کا بوجھ ڈالا گیا ہے۔لیکن انبیاء کی زندگیوں کا سب سے بڑا مقصد تو تبلیغ دین تھا۔کیا پھر ان نام نہاد وارثانِ جنت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ان ناتربیت یافتہ روحوں کو اسلام میں لانے کے لیے جلد سے جلد میدان عمل میں نکلیں؟ کیا یہ کام ان کے احاطۂ عمل سے باہر ہے؟ اسلام صرف چند مہذبوں کے لیے ہی نہیں آیا تھا بلکہ غیر مہذبوں کے لیے بھی آیا تھا۔اگر ان لوگوں کو حلقہ اسلام

میں لایا جاتا تو کیا وہ اسلام کے لیے ایسے ہی مفید نہ ہوتے جیسے دوسرے مسلمان ہیں! بہرکیف وہ خدا کی مورتیاں (انسان) ہیں۔ان کو کیوں اس دین حق کی اس روشنی سے محروم کیا جاتا ہے۔جس نے عرب جیسی وحشی قوم کو ایک نامور قوم میں تبدیل کر دیا تھا۔مگر ہمیں معلوم ہے کہ یہ الفاظ الا ماشاءاللہ بہرے کانوں میں پڑیں گے۔جیسا کہ بنگالی زبان میں ایک کہاوت ہے کہ شریر آدمی کبھی ناصح کی نصیحت پر غور نہیں کرے گا۔یہ کام دراصل انہی بے ریا کارکنوں کی جماعت کا ہے جن کی تعداد گو تھوڑی ہے مگر وہ اسلام کے پلیٹ فارم پر بہت کچھ ٹھوس اور حقیقی کام کر رہے ہیں۔یہ چند احمدی ہی ہیں جو ان لوگوں کی نجات کے لیے طریقے اور ذرائع پیدا کر سکتے ہیں۔کیا وہ اب اس موقع پر بھی اُٹھیں گے اور ان لوگوں کو اسلام میں لانے اور ان کی حالت کو سدھارنے کے لیے کچھ تدبیر کریں گے؟ کیا وہ ان لوگوں کی مدد کے لیے کمر بستہ ہوں گے اور ان کو توہمات اور جہالت سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لائیں گے؟ اس وقت ضرورت اس قسم کے بے لوث کارکنوں کے گروہ کی ہے۔انہیں چاہئے کہ وہ مختلف جماعتوں میں تقسیم ہو کر ہمیشہ کے لیے اس قوم کے اندر آباد ہو جائیں۔میدان نہایت وسیع ہے اور کام بہت بڑا ہے۔خصوصاً بنگال میں یہ قوم کثرت سے پائی جاتی ہے۔ان لوگوں کو عام طور پر سنتال، گرویکس کہتے ہیں۔اسلام کا ان کے دِلوں میں کبھی گذر نہیں ہوا۔وہ نہیں جانتے کہ مذہب کس چیز کا نام ہے۔وہ ہزارہا معبودوں کے آگے جھکتے ہیں اور ہر قسم کی بدی اور جہالت ان کے اندر رائج ہے۔

تقریبِ نکاح

گذشتہ اشاعت میں اعلان کیا گیا تھا کہ حضرت امیر ایدہ اللہ کی بڑی صاحبزادی عزیزہ رقیہ بیگم کا نکاح مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔اے کے ساتھ ہونا قرار پایا ہے۔چنانچہ حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے 5 مارچ کو بعد از نماز جمعہ مسجد احمدیہ میں اس نکاح کا اعلان کیا۔سب مقامی احباب اس موقع پر موجود تھے۔مسجد کے ایک حصہ میں خواتین بھی پردہ میں موجود تھیں۔حاضرین میں چھوہارے اور مکھانے تقسیم ہوئے۔شام کو حضرت امیر ایدّہ اللہ نے مسلم ہائی سکول لاہور اور انجمن کے تمام ملازمین اور طلباء کو کھانے کی دعوت دی۔

یہ شادی نہایت سادگی سے سرانجام پائی ہے۔ضرورت ہے کہ تمام احمدی احباب اپنے بچوں کو شادی کرتے وقت اسی سادگی سے کام لیں۔جس کا نمونہ امیر جماعت نے اپنی عملی مثال سے پیش کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی

اس نعمت کے شکریہ میں کہ بہت سی فضول رسموں سے اس نے بچایا جن پر شادی کے موقع پر بہت سا روپیہ لوگ برباد کرتے ہیں، حضرت امیرایدہ اللہ نے برلن مسجد فنڈ میں ایک سو روپیہ چندہ دیا ہے۔ اسی طرح مولوی رحیم بخش صاحب کے والد بزرگوار مولوی عزیز بخش صاحب نے اس تقریب پر پانچ روپیہ کا عطیہ اس غرض کے لیے مرحمت فرمایا ہے کہ ایک سال کے لیے اخبار پیغام صلح کسی ایسے شخص کے نام مفت جاری کیا جائے، جو چندہ ادا نہ کرسکتا ہو۔ کیا ہی اچھا ہوا گر دوسرے احباب بھی ایسے خوشی کے موقعوں پر انجمن کو یاد رکھا کریں۔

یہ تقریب سعید نکاح عزیزہ رقیہ بیگم بنت حضرت امیرایدہ اللہ، حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے بعد از نماز جمعہ مسجد احمدیہ لاہور میں ایک کثیر مجمع کے روبرو جو خطبہ بیان فرمایا، اس کا ملخص ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

نکاح کے موقع پر پڑھی جانے والی سورۃ النساء کی مسنون آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ حضرت نبی کریم ﷺ قرآن کریم کی یہ آیات اکثر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ان آیات میں جو دو باتیں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں وہ یہ ہیں کہ انسان مرد ہو یا عورت۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔ دوسری بات جس کی طرف توجہ دلائی وہ یہ ہے کہ لوگ صلہ رحمی کا سبق سیکھیں۔ ان دونوں باتوں پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی احادیث میں بھی ان پر بہت زور دیا گیا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ، ان کے صحابہؓ اور اس زمانہ کی خواتین کی زندگیوں میں بھی انہی دو باتوں کا نقشہ نظر آتا ہے۔ ان کے دِلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت تھی۔ ان کے اندر آپس میں حد درجہ کا اتفاق و اتحاد تھا۔ یہ کیونکر ہوا؟ اس لیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدس خود تقویٰ کا نمونہ تھی۔ تقویٰ محض نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا نام نہیں بلکہ ہر بات میں یہ دکھانا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے۔ تقویٰ ہے اس بات کا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے۔ اس وقت امتحان ہوتا ہے جب ایک طرف اللہ کی محبت ہو اور دوسری طرف کسی غیر اللہ کی محبت چاہے وہ عورت ہو، مال ہو، جان ہو، قوم ہو، ملک ہو، کوئی ہو، کہیں ہو۔ اگر اس وقت انسان اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلہ میں سب محبتوں کو ہیچ سمجھے تو ہم کہیں گے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچی محبت ہے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ نے حبِ وطن پر بڑا زور دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان قوم جیسی عصبیت رکھنے

والا کوئی نہیں۔ مگر جب تقویٰ کا مقام آتا ہے تو پھر ایک مسلمان اس کے مقابلہ میں حب وطن وقوم کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ یہ فرق ہے مسلمانوں کی عصبیت میں اور غیر اقوام کی عصبیت میں۔

غور کرو کہ آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی میں ان کو اور ان کے پیروؤں کو کس قدر تکلیفیں کفار مکہ کی طرف سے دی جاتی تھیں۔ مگر جب کفار مکہ کی طرف سے عتبہ وکیل ہو کر آتا ہے اور حضور ﷺ سے کہتا ہے کہ اگر آپ بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر زر ومال کی خواہش ہے تو وہ بھی حاضر ہے۔ اگر کسی حسین لڑکی کی خواہش ہو تو اس کے لیے بھی ہم تیار ہیں۔ مگر آپ ہمارے بتوں کی مذمت کرنا چھوڑ دیں۔ دیکھو یہ کس قدر امتحان کا وقت ہے۔ اگر حضور ﷺ اس وقت ان کی درخواست کو قبول کر لیتے تو نہ صرف بادشاہت اور زر و مال وغیرہ سب دنیوی سامان مل جاتے، بلکہ ان تکالیف کا بھی خاتمہ ہو جاتا جو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو کفار مکہ کے ہاتھ سے اُٹھانا پڑتی تھیں۔ مگر آپ نے اس وقت صاف جواب دے دیا کہ میں خدا کے مقابلہ میں کسی چیز کی محبت کی پروا نہیں کرتا۔ میں، جو ہر قسم کے شرک کو مٹانے کے لیے آیا ہوں، بت پرستی کے نقائص بیان کرنے سے کیونکر باز رہ سکتا ہوں۔

وہ شخص، جس کو یسوع مسیحؑ کہا جاتا ہے، اور جس کے پیرو اس بات کے مدعی ہیں کہ خدا محبت ہے، اس کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے مجھے اس بات کے معنے معلوم نہیں ہو سکے کہ خدا محبت ہے۔ اگر خدا کے ساتھ محبت کا نظارہ دیکھنا ہو تو وہ یسوع مسیحؑ کی زندگی میں نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ملے گا۔ دنیا کی تمام نعمتیں آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں، مگر آپ خدا کی محبت کے مقابلہ میں انہیں ٹھکرا دیتے ہیں۔ پھر جب دس ہزار قدسیوں کے ساتھ مکہ فتح کیا ہے تو اپنے تمام جانی دشمنوں کو، باوجود طاقت وسلطنت کے لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (92:12) کہہ کر رہا کر دیا ہے۔ غرض جو محبت رسول اللہ ﷺ کو خدا کے ساتھ تھی اس کا کہیں نمونہ نہیں ملتا۔ بادشاہ ہونے کے بعد بھی آپ نے نہایت سادگی سے زندگی بسر کی اور اپنے پاک نمونہ سے اپنے پیروؤں کے اندر وہ روحانی انقلاب پیدا کیا کہ جس کی نظیر تاریخ مذاہب میں نہیں ملتی (اس موقع پر حضرت مولانا نے آنحضرت ﷺ کی سادہ اور پاکیزہ زندگی اور اس روحانی انقلاب کے متعلق جو حضور ﷺ نے اپنے پیروؤں کے اندر پیدا کیا تھا، چند دلچسپ واقعات بیان فرمائے تھے، جن کو ہم نے بخوف طوالت اس جگہ درج نہیں کیا۔ پیغام صلح) ایک دفعہ

آنحضرت ﷺ کے ایک سپاہی نے ایک یہودی کی زرہ بکتر چرالی۔ اگر ایسے موقع پر کوئی یورپین جنرل ہوتا تو اپنی قوم اور فوج کا (رعب) قائم رکھنے کے لئے کبھی اپنے سپاہی کو سزا نہ دیتا۔ مگر آنحضرت ﷺ کے تقویٰ کو دیکھو کہ ایسے نازک موقع پر بھی، جبکہ دشمنوں کے مقابلہ کے لیے ایک ایک سپاہی کی ضرورت تھی، اپنے سپاہی کو کورٹ مارشل کرادیا۔ یہ ہے وہ محبت جو آنحضرت ﷺ کو خدا کے ساتھ تھی کہ نے کو تو حضرت یسوع مسیحؑ نے بھی کہہ دیا کہ میں اپنے آسمانی باپ سے محبت کرتا ہوں، مگر ان کی عملی زندگی میں اس کا کوئی نمونہ نظر نہیں آتا۔ جب سپاہی پکڑنے آئے تو فرمانے لگے کہ میری جان پگھل گئی۔ پھر صلیب پر ایلی ایلی لما سبقتنی پکارنا شروع کیا۔ یہ کیا محبت ہے؟ اس کے مقابل میں رسول عربی ﷺ کو دیکھو کہ جب طائف کے لوگوں نے آپ کو لہولہان کردیا تو آپ نے قریب کے باغ میں پہنچ کر کہا کہ اے خدا اگر تو مجھ پر خوش ہے تو یہ سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

دوسری بات صلہ رحمی کے متعلق ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اقرباء میں محبت بڑھے۔ پھر حضور کا ایک اور ارشاد یہ ہے کہ کس طرح کوئی شخص مومن کہلا سکتا ہے جب تک وہ اپنے پڑوسی سے محبت نہ کرے۔

صلہ رحمی کی طرف عورتوں کو خاص توجہ دینی چاہئے۔ عورت گھر کی مالک ہوتی ہے اور مالک بھی ایسی کہ اگر چاہے تو خاوند کے رشتہ دار کو اپنے مکان کی دہلیز تک آنے دے اور نہ چاہے تو نہ آنے دے۔ عورت کے لیے یہ کس قدر نازک موقع ہے۔ اگر اس کے باعث اس کے خاوند کے رشتہ دار اس سے کٹ گئے تو وہ گنہگار ہے۔ خدا رحیم اور رحمان ہے۔ وہ بندوں میں رحم اور محبت چاہتا ہے۔ پس اس کی ان دونوں صفتوں کی قدر کرو اور اقرباء کے ساتھ محبت اور رحم کے ساتھ پیش آؤ۔

اس کے علاوہ ہماری خواتین پر ایک اور بڑی زبردست ذمہ داری ہے۔ وہ ہے بچوں کی تربیت، بچوں کی تربیت یہ والد کی بجائے والدہ کے ذمہ زیادہ ہوتی ہے۔ بچہ یا تو ماں کے لیے جنت پیدا کرے گا یا جہنم۔ اس کے لیے یا تو فخر کا موجب ہوگا یا ذلت کا۔ اگر ماں کا نمونہ اچھا ہو تو بچے کی حالت کبھی بُری نہیں ہوسکتی۔ مسلمان بچوں میں گالیاں دینے کی جو بد عادت ہے، اس کا انسداد اس طرح ہوسکتا ہے کہ ہماری خواتین ان کے سامنے نہ کسی کو گالی دیں اور نہ کوئی اور بُرا کلمہ اپنی زبان سے نکالیں۔ بچے بڑے زبردست نقال ہوتے ہیں۔ وہ تمہارے

ہر فعل کی نقل کرتے ہیں۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے بچے نیک ہوں تو خود نیک بنو۔ تا کہ وہ تمہاری پیروی کر کے نیک بنیں۔

7اپریل 1926ء

مکتوب امیر

اچھوت اقوام میں تبلیغ اسلام

برادارن اسلام۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

کچھ عرصہ سے یہ معاملہ انجمن کے زیر غور تھا کہ ہندوستان کی مختلف اچھوت اقوام کے اندر تبلیغ واشاعت اسلام کا کام وسیع پیمانے پر شروع کیا جائے۔ چنانچہ اس بات کا اندازہ لگانے کے لیے کہ اس مبارک کام میں کہاں تک کامیابی ہوسکتی ہے، انجمن نے ایک علاقہ میں نہایت مختصر پیمانہ پر تجربتہً کام شروع کیا۔ جس سے اُمید افزا نتائج برآمد ہوئے۔اس وقت صرف ایک مبلغ کام کررہا ہے مگر کوئی ہفتہ عشرہ ایسا نہیں جاتا کہ اس میں دس پندرہ اشخاص داخل اسلام نہ ہوتے ہوں اوراس وقت تک کوئی سوا سو سے اوپر مسلمان ہوچکے ہیں۔ شروع میں رفتار کم تھی اوراب روز بروز ترقی پر ہے۔لیکن اس قسم کے لوگ، جوملک ہندوستان کے مختلف کونوں میں پھیلے ہوئے ہیں، ان کی تعداد سات کروڑ ہے اورانجمن اس تجربہ سے اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اگراچھوت اقوام میں ایک وسیع پیمانے پر پورے زور کے ساتھ تبلیغ اسلام کا کام کیا جائے، تو ایک قلیل مدت میں لاکھوں کی تعداد میں ان گری ہوئی قوموں کو حلقہ بگوش اسلام کیا جاسکتا ہے۔ان اقوام کے ساتھ برادران وطن کی طرف سے جوسلوک کیا جارہا ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔ان حالات میں مسلمانوں پر نہ صرف مذہب کی طرف سے بلکہ ملک وقوم کی طرف سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان کے ان سات کروڑ فرزندوں کواس موجودہ پستی اور ذلت سے نکالیں۔ اوراس کا بہترین طریق یہی ہے کہ ان کو دائرہ اسلام میں داخل کیا جائے۔ کیونکہ اسلام ایک آن کی آن میں وہ مساوات پیدا کردیتا ہے جو دوسرا کوئی مذہب یا قوم یا سوسائٹی نہیں کرسکتی۔حتیٰ کہ عیسائیت بھی مساوات کا وہ رنگ پیدا کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے، بلکہ خود یورپ میں عیسائی ان تفریقات سے تنگ آکر اسلام کی اخوت ومساوات کے شیدائی ہورہے ہیں۔ پس ان اچھوت اقوام کواس گری ہوئی حالت سے اُٹھانا اوران کوانسانیت کے مرتبہ پر پہنچانا ملک وقوم کی بہترین خدمت ہے۔ خدا کے فضل سے اس وقت تک اشاعتِ اسلام کے سب

کاموں میں ہماری جماعت پہلے قدم اُٹھاتی رہی ہے۔ گو اس کے بعد دوسرے احباب بھی اس میں معاون ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ انگلستان میں تبلیغِ اسلام کا جھنڈا پہلے اسی جماعت کی قوت کے ساتھ اسی جماعت کے ایک فرد نے گاڑا۔ جرمنی میں شاندار مسجد بنانے اور ایک مشن قائم کرنے میں پہلی قربانیاں اسی قوم نے کیں۔ پھر مشرق میں جہاں، پانچ کروڑ سے زیادہ مسلمان عیسائیت کے اثر کے نیچے آرہے تھے، سب سے پہلے اسی جماعت نے جاوا میں اسلام کی حمایت میں آواز بلند کی۔ آج وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے ملک کی طرف توجہ کریں اور سب سے پہلے یہاں بھی قدم اُٹھائیں۔ ہماری تھوڑی سی قربانی سے اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس ملک میں یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا۔ (2:110) کا نظارہ نظر آجائے گا۔ بحساب اوسط یہ اُمید کی جاتی ہے کہ ایک شخص کا دائرہ اسلام میں آنا اور اُس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہونا جس قدر تبلیغ اور تعلیم کے اخراجات کو چاہتا ہے، وہ دس روپے کی رقم ہے۔ اس لیے کم از کم ہر ایک احمدی دس روپے دے کر ایک شخص کے اسلام میں لانے کا ذریعہ بنے۔ اور پھر اپنی اپنی استطاعت کے مطابق دس دس، بیس بیس، پچاس پچاس کی تعداد کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ ہر ایک احمدی کو چاہئے کہ کم سے کم اپنی آمد کا پانچواں حصہ اس کارِ خیر کے لیے دے۔ یہ صرف ایک دفعہ کا چندہ ہے۔ اور ہماری جماعت کی طرف سے محض ایک بیج کے طور پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اس کے بعد انشاء اللہ یہ کام ایسی صورت اختیار کرلے گا کہ جماعت پر مزید بوجھ ڈالنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ یہ صرف ایک مشت چندہ ہے۔ اور چونکہ یہ رمضان کا بابرکت مہینہ بھی ہے جس کے اندر زیادہ خیرات اور صدقہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ اس لیے بالخصوص اس ماہ کے اندر یہ تحریک پیش کی جاتی ہے اور اسی ماہ کے اندر اس پر عملدرآمد بھی کرنا چاہئے۔ ہر جگہ اس اخبار کے پہنچنے پر جمعۃ الوداع کے دن ضرور تحریک کی جائے اور جو کچھ وعدے ہوں ان کا نصف کم سے کم رمضان کے اندر ہی عید سے پیشتر وصول بھی ہوجانا چاہئے۔ جہاں جماعت موجود نہیں وہاں فرداً فرداً احباب اس پر عمل کریں۔ والسلام

محمد علی احمدیہ بلڈنگس، لاہور

نوٹ: اس جمعہ میں لاہور کی جماعت میں یہ تحریک کرنے پر 1610 روپے کے وعدے ہوچکے ہیں، اور اُمید ہے کہ دو ہزار تک یہ رقم پہنچ جائے گی۔ خواتین میں یہ تحریک علیحدہ ہونی چاہئے۔

14 اپریل 1926ء

معارفِ قرآنیہ

حضرت امیر کے درس سے کچھ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ـ(113:9)

ترجمہ: نبی کے لئے شایاں نہیں اور نہ ان کے لیے جو ایمان لائے کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش مانگیں، گو وہ قریبی ہوں۔ اس کے بعد کہ ان پر کھل گیا کہ وہ دوزخ والے ہیں۔

اس آیت پر ایک شخص نے یہ سوال اُٹھایا کہ کسی مشرک کا جنازہ پڑھنا یا اس کی مغفرت کے لیے دعا کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اور یہاں ممانعت مشرکوں کے لیے ہے یا ہر غیر مسلم کے متعلق۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے فرمایا کہ کسی غیر مسلم کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے عمل سے یہ بات ثابت نہیں کہ آپ نے کسی غیر مسلم کا جنازہ پڑھا ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنے طور پر کسی غیر مسلم کی بخشش کے لیے دعا کرے تو اس کو ناجائز قرار دینے کے لیے میرے پاس کوئی دلیل نہیں۔ ایک اور شخص کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ کسی غیر مسلم کی زندگی میں اس کی ہدایت کے لیے دعا کرنا اچھا کام ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ .(122:9)

ترجمہ: اور مومنوں کو یہ بھی مناسب نہیں کہ سب کے سب نکل پڑیں۔ تو کیوں

نہ ہو کہ ان کی ہر ایک جماعت میں سے ایک گروہ نکلے، تا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں
اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔ جب وہ ان کی طرف واپس جائیں تا کہ وہ بھی بچیں۔

(حضرت امیر) پچھلی آیات میں جنگ کا ذکر تھا۔ اس آیت میں جماعت مبلغین تیار کرنے کا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جنگ تو ایک وقتی ضرورت ہے، مسلمانوں کے لیے اصل اور مستقل کام، جس سے اسلام کی حفاظت اور ترقی ہو سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض لوگ دین میں تفقہ حاصل کر کے مختلف اقوام میں تبلیغ و اشاعت اسلام کی غرض سے نکل جائیں۔ اور جب ان قوموں میں سے کچھ لوگ اسلام لے آئیں تو پھر وہی دین کو سیکھ کر اپنی اپنی قوم میں اشاعت اسلام کا کام کریں۔

لَقَدْ جَاۤءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔(128:9)

ترجمہ: یقیناً تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا ہے۔ تمہارا تکلیف
پانا اس پر شاق گزرتا ہے، وہ تمہارے لیے بھلائی کا خواہشمند ہے۔ اور مومنوں پر مہربان
رحم کرنے والا ہے۔

(حضرت امیر) جنگ کے ذکر کے بعد یہ آیت لا کر بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جنگ پسند نہ تھی بلکہ جنگ میں جو انسانی خون بہتا تھا وہ آپؐ پر بہت شاق گزرتا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر حالت میں دوسروں کی بھلائی ہی چاہتے تھے۔ اور اگر دشمن آپ کو مجبور نہ کرتے تو آپ کبھی بھی جنگ کی راہ اختیار نہ کرتے۔ اس آیت میں ان لوگوں کو غور کرنا چاہئے جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ محض ایک جنگجو انسان تھے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (3:10)

ترجمہ: تمہارا رب اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا
کیا، پھر وہ عرش پر غالب ہے ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔

(حضرت امیر) اس آیت میں ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ کی تشریح یُدَبِّرُ الْاَمْرَ سے کر دی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا بھی کیا اور اس کا انتظام بھی کرتا ہے۔ یعنی اس کا حکم اس میں نافذ ہے اور وہی اس کا قائم رکھنے والا ہے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ (41:10)

ترجمہ: اور اگر تجھے جھٹلائیں تو کہو میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل۔

(ایک شخص) یہ جواب کیسا ہے؟

(حضرت امیر) یہاں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد اپنی فعلی شہادت سے بتا دے گا کہ میں دعویٰ رسالت میں سچا ہوں یا جھوٹا۔ اگر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں تو ضرور کفار پر غالب آؤں گا۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گا۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (21:58)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً میں غالب رہوں گا میں اور میرے رسول۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (87:10)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو مسجدیں بناؤ اور نماز قائم کرو۔

فرمایا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی حضرت موسیٰ اور ہارون دونوں کو ہوتی تھی۔ بعض اُمور کے متعلق حضرت موسیٰ کو ہوتی تھی اور بعض اُمور کے متعلق حضرت ہارون کو۔

سوال ہوا۔اگر یہ صورت صحیح تسلیم کی جائے تو یہ لازم ٹھہرتا ہے کہ بعض اُمور میں حضرت موسیٰ حضرت ہارون کی اور بعض اُمور میں حضرت ہارون حضرت موسیٰ کی پیروی کرتے ہوں گے۔حالانکہ یہ قرآن کی آیت: وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (64:4) کے خلاف ہے کہ کوئی رسول کسی دوسرے رسول کی پیروی کرے۔

فرمایا۔آپ کی اس پیش کردہ آیت ہی سے یہ لازم ٹھہرتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون جو ایک دوسرے کی پیروی کرتے تھے۔تو وہ اپنی اپنی وحی کے ماتحت کرتے ہوں گے۔اور جب اپنی وحی کے ماتحت دوسرے رسول کی پیروی اختیار کی تو وہ اپنی ہی وحی کی پیروی ہوئی۔

فَالۡيَوۡمَ نُنَجِّيۡکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَکَ اٰيَةً وَاِنَّ کَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ (92:10)

ترجمہ: سو آج ہم تیرے بدن کو بچاویں گے۔تاکہ تو ان کے لیے جو تیرے پیچھے ہیں نشان ہو اور یقیناً بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے بے خبر ہیں۔

فرمایا۔سوائے قرآن کریم کے اور کہیں کسی کتاب میں یہ ذکر موجود نہیں ہے کہ فرعون کی نعش باہر پھینکی گئی تھی۔قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے پر یہ ایک زبردست نشان ہے۔اللہ تعالیٰ جو علام الغیوب ہے اس نے ایک اُمی کی زبان سے یہ بات اس وقت کہلوائی جب اس کا کسی کو علم نہ تھا۔آج اس بات کو واقعات نے صحیح ثابت کر دیا ہے۔فرعون کی وہ لاش مصر میں موجود ہے۔آیت کے آخری حصہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک زمانہ تک بے خبر رہنے کے بعد دنیا کو اس حقیقت کا علم ہوگا۔کیا دنیا کی کوئی دوسری کتاب خدائے تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کی اس سے زیادہ بین ثبوت پیش کر سکتی ہے۔

فَاِنۡ کُنۡتَ فِيۡ شَکٍّ مِّمَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡکَ فَسۡئَلِ الَّذِيۡنَ يَقۡرَءُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکَ لَقَدۡ جَآءَکَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ

(94:10)

ترجمہ: (اے سننے والے) اگر تجھے اس میں شک ہے جو ہم نے تیری طرف اُتارا تو ان لوگوں سے پوچھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں یقیناً تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا ہے۔ پس تو جھگڑا کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

فرمایا۔ یہاں نبی کریم ﷺ کو خطاب نہیں بلکہ عام خطاب ہے۔ آنخضرت ﷺ کو تو کبھی شک ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ شک تو اس شخص کو ہوتا ہے جو اس بات کا فیصلہ کرنے میں متذبذب ہو کہ قرآن کو پیغام الٰہی مانے یا (معاذ اللہ) آنخضرت ﷺ کا افتراء۔ ظاہر ہے کہ آنخضرت ﷺ تو اصل حالت سے آگاہ تھے۔ اُن کو شک کیونکر پیدا ہوسکتا تھا۔ پھر اس سے اگلی آیت میں فرمایا کہ تو جھگڑا کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ اور آنخضرت ﷺ جھگڑا کرنے والے ہو نہیں سکتے۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہاں خطاب عام ہے۔ شک کس کو تھا اس کی تشریح چند آیات آگے چل کر خود قرآن کریم نے اس طرح پر کردی ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ (104:10) یعنی کہہ اے لوگو اگر تمہیں میرے دین کے متعلق کچھ شک ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہی لوگ ہیں جن کو یہاں بصیغہ واحد مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اس کے خلاف نہیں۔ کیونکہ قرآن کے سب کی طرف نازل ہونے کا کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً: وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (174:4) ''اور ہم نے تمہاری طرف واضح کردینے والا نور نازل کیا ہے''

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (46:11)

ترجمہ: (خدائے تعالیٰ نے) کہا اے نوحؑ وہ تیرے اہل سے نہیں ہے، کیونکہ وہ بدعمل ہے۔

فرمایا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اور صالحین کے اصل اہل وہ لوگ ہوتے ہیں جو ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ جو لوگ باوجود نسبی لحاظ سے اہل ہونے کے بُرے عمل کرتے ہیں وہ اہل کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ . اِلَّا مَنْ

رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ (119-118:11)

ترجمہ: اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی گروہ کر دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔ مگر جس پر تیرا رب رحم کرے۔ اور اسی کے لیے اس نے انہیں پیدا کیا ہے۔

فرمایا: بعض لوگ وَلِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ کے معنے یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختلاف کرنے ہی کے لیے پیدا کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کی تائید قرآن کریم کے کسی دوسرے مقام سے نہیں ہوتی۔ اس کے اصل معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو رحم کے لیے پیدا کیا ہے۔ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (156:7) اور میری رحمت ہر شے پر حاوی ہے۔

۞۞۞

28اپریل1926ء

کیا حضرت مولٰینا نورالدین احمدی یا مسلمان نہ تھے؟

میاں محمود احمد صاحب کا نیا فتویٰ

میاں محمود احمد صاحب کا حسب ذیل فتویٰ الفضل 13 اپریل 1926ء کے صفحہ 12 پر شائع ہوا ہے۔

''میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کا جنازہ جائز نہیں۔ کیونکہ میرے نزدیک وہ احمدی نہیں ہیں۔''

اس کے متعلق ہم میاں صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنے والا اور نماز پڑھنے کے جواز کا فتویٰ دینے والا یکساں ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے؟ ظاہر ہے کہ اگر کوئی فرق ہے تو یہی ہے کہ فتویٰ دینے والا پڑھنے والے سے بدتر ہے۔ کیونکہ وہ بہت سی مخلوق کو گمراہ کرتا ہے۔ پھر وہ عقیدۃً ایک بات کا قائل ہے۔ پڑھنے والا اگر غلطی پر ہو تو اس کی غلطی عملی کمزوری کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے۔ اب حضرت مولوی نورالدین مرحوم کے فتوے غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کے جواز کے جناب میاں صاحب کو معلوم ہیں۔ میں یہاں صرف وہ دو فتوے پیش کرتا ہوں جن کا تعلق خود میاں صاحب یا ان کے مریدین سے ہے۔

(ا۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم نے حج میں جانے والوں کو بار بار یہ فتویٰ دیا کہ وہ وہاں غیر احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں۔ اس فتوے کا ذاتی علم جناب میاں صاحب کو ہے۔ کیونکہ اسی کے ماتحت اُنہوں نے خود بھی کئی نمازیں خانہ خدا میں غیر احمدی امام کے پیچھے پڑھیں۔ گو بعد میں اُنہوں نے ان نمازوں کو دہرا بھی لیا جیسا کہ وہ خود تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان کے علم میں ہے کہ حضرت مولوی صاحب کا یہ فتویٰ تھا۔ میاں صاحب کے مریدین میں سے اور بھی کئی لوگوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ وہ اسی فتوے کے ماتحت وہاں نمازیں پڑھتے رہے ہیں، مگر میں ان کا حوالہ نہیں دیتا۔ صرف میاں صاحب کے ذاتی

علم کو پیش کرتا ہوں۔

ب۔ مولوی فضل الدین ساکن کھاریاں جناب میاں صاحب کے پکے مرید ہیں۔ ان کے قبضہ میں مولوی صاحب کا وہ خط ہے جس کا فوٹو بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس میں حسب ذیل الفاظ ہیں۔

''جو لوگ منافق طبع نہیں اور جو لوگ واقعی حسن ظن رکھتے ہیں۔ وہ کسی قدر معذور ہو سکتے ہیں۔ آپ بعد استخارہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔''

یہ خط بھی میاں صاحب چاہیں مولوی صاحب سے منگوا کر دیکھ لیں۔ یہ ہندوستان میں غیر احمدیوں کے پیچھے نماز کے جواز کا فتویٰ ہے۔ پس حضرت مولوی نورالدین صاحب غیر احمدی کے پیچھے نماز کے مجوز تھے۔ اور ان کے فتوؤں کی وجہ سے لوگ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ پس جناب میاں صاحب کے فتوے کی رو سے حضرت مولوی صاحب مرحوم احمدی نہ تھے اور نہ ان کا جنازہ جائز تھا۔ جو میاں صاحب نے اس علم کے باوجود کہ حضرت مولوی صاحب غیر احمدیوں کے پیچھے نماز کے مجوز ہیں، خود پڑھایا۔ حالانکہ فتویٰ ان کا یہ ہے کہ ایسا شخص احمدی نہیں۔ اور چونکہ میاں صاحب کے نزدیک جو احمدی نہیں وہ مسلمان بھی نہیں، اور اسی بنا پر ان کا جنازہ جائز نہیں۔ پس حضرت مولوی صاحب مرحوم مسیح موعود کے خلیفہ اس فتویٰ کی بنا پر مسلمان بھی نہ تھے!

ان دو مشکلات کو تو یہ فرما کر حل فرما دیا جائے۔ اول یہ کہ اگر فتویٰ درست ہے تو حضرت مولوی صاحب مرحوم مسلمان نہ تھے۔ دوم یہ کہ ان کا جنازہ میاں صاحب نے خود کیوں پڑھایا۔ اگر ضرورت ہوئی تو میں اس بات کا ثبوت دینے کے لیے بھی تیار ہوں کہ حضرت مولوی صاحب نے خود بھی ایسے غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھی جن کا ذکر ان کے فتویٰ میں ہے۔

کیا مسیح موعود کو مان کر بھی ایک شخص احمدی یا مسلمان نہیں بنتا

جناب میاں صاحب نے جب اسلام میں داخل ہونے کے لیے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کو کافی نہ سمجھ کر حضرت مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان ضروری قرار دیا تھا، تو یہ سمجھا گیا تھا کہ مسلمانوں کی کافی تعداد کو خارج

از اسلام کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ سوائے چند میاں صاحب کے مریدین کے باقی روئے زمین پر کوئی مسلمان ہی نہیں رہا تھا۔لیکن میاں صاحب کا یہ فتویٰ کہ ایک شخص حضرت مسیح موعود کو مان کر بھی کافر ہوسکتا ہے اگر وہ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھ لے، بتاتا ہے کہ ان چند نفوس کی چھانٹ بھی اب باقی ہے۔ یہ فتویٰ بظاہر میاں صاحب کی اپنی جماعت کے بعض افراد کے خلاف معلوم ہوتا ہے جو غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ جیسے راجہ پائندہ خاں صاحب تھے۔ جو گو میاں صاحب کی طرف سے مشہور وفد دہلی میں جمات کے نو نمائندوں میں سے ایک تھے۔ مگر غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ ایسے ہی کئی ایک اور آدمی تھے۔ بہرحال اس فتوے سے معلوم ہوا کہ جناب میاں صاحب کا میلان طبع اسی کفر سازی کی طرف ہے جس میں آج اکثر ملانے گرے ہوئے ہیں کہ دین کے بڑے بڑے احکام سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ باتوں تک کو ضروریات دین قرار دے کر لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھ لینے سے ایک احمدی، احمدی نہیں رہتا۔ یعنی کافر ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو ایسی ہزاروں باتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولے یا رشوت لے یا ماں باپ کی نافرمانی کرے یا پیر پرستی کرے یا نماز نہ پڑھے یا روزہ نہ رکھے یا زکوٰۃ نہ دے یا بدنظری سے کسی عورت کو دیکھے، وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ سب باتیں اسی ذیل میں آئیں گی اور ان میں سے ہر ایک گناہ کی وجہ سے میاں صاحب کے مریدین بھی دائرہ اسلام سے خارج ہوتے رہیں گے۔

اگر یہ نتیجہ صحیح نہیں تو اُمید ہے کہ میاں صاحب اپنی منشا کی وضاحت کر دیں گے۔ میاں صاحب نے خود دوسری ضرورتِ دین غیر احمدی کو لڑکی نہ دینا قرار دی ہے۔ جس کے مرتکب ان کے بہت سے مرید ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو یہ فہرست از سر نو پیش کی جاسکتی ہے۔ گو اس سے قبل بھی میاں صاحب کے علم میں ایسے نام متعدد مرتبہ لائے جا چکے ہیں۔ گویا اس نئی شریعت میں، جس کی بنیاد میاں صاحب رکھ رہے ہیں، سب سے بڑے یہی دو ارکان دین ہیں۔ یعنی اول: غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا۔ دوم: غیر احمدی کو لڑکی نہ دینا۔ نماز نہ پڑھے تو کافر نہیں لیکن اگر نماز پڑھے اور باجماعت پڑھے لیکن غیر احمدی کے پیچھے پڑھے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اور خدا اور رسولؐ کے سارے احکام کی پابندی کرے، لیکن غیر احمدی سے لڑکی کا نکاح کر کے میاں صاحب کو ناراض کر دے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے بڑے ارکان تو کسی چیز کا کرنا ہوتے ہیں۔ یہاں نہ کرنا

ہی سب سے بڑا رُکن دین ہے۔ جو شخص ان دو بنیادوں پر قائم نہ رہے اسے مسیح موعودؑ کا نبی ماننا بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتا!

جماعت احمدیہ لاہور اور نبوت مسیح موعود

میاں صاحب نے جماعت احمدیہ لاہور کو ناحق کئی قسموں میں تقسیم کرنے کی تکلیف گوارا فرمائی ہے۔ خدا کے فضل سے احمدیہ جماعت لاہور ساری کی ساری ایک ہی عقیدہ پر قائم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو کوئی ایسی نبوت نہیں ملی جو پہلے مجددین اور محدثین کو نہ ملی ہو۔ اور یہ وہی نبوت ہے جس کا ذکر آیت قرآنی لَهُمُ الْبُشْرٰ ى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (64:10) میں اور حدیث صحیح :لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوَةِ اِلَّا الْمُبَشَّرَاتُ میں ہے۔ خود حضرت مسیح موعود نے جب کسی آیت قرآنی کو پیش کیا تو اسی آیت کو کیا اور اسی حدیث کو اپنے دعویٰ کی بنیاد ٹھہرایا۔ اس لئے جو تقسیم احمدیہ جماعت لاہور کی میاں صاحب نے کی ہے کہ ان میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ''حضرت مسیح موعودؑ کو کسی قسم کی بھی نبوت حاصل نہیں تھی۔ اور بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ''حضرت مسیح موعودؑ کو ایک قسم کی نبوت (ملی) تھی۔ لیکن اس قسم کی نبوت نہ تھی جیسی پہلے نبیوں کی۔'' یہ محض ان کا اپنا خیال ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور میں کوئی دو ایسے فریق نہیں۔ البتہ یہ تشتت جماعت قادیان کے حصہ میں آیا جہاں گھر گھر علیحدہ علیحدہ عقیدہ ہے۔ پس اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے میاں صاحب اپنے فتویٰ پر از سرنو غور کر کے اپنی جماعت کو صاف الفاظ میں جو ہدایت پسند کرتے ہوں دیں کہ وہ ان افراد کے جنازوں میں، جو جماعت احمدیہ لاہور سے تعلق رکھتے ہیں، شامل ہوں یا نہ ہوں۔

کفر و اسلام

میاں صاحب فرماتے ہیں کہ '' کچھ لوگ غیر مبائعین میں سے ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ غیر احمدی مسلمان ہیں اور مبائع ان کو کافر کہتے ہیں۔ اس لیے وہ خود کافر ہیں۔'' اور اس گروہ کو جناب میاں صاحب بڑی مہربانی سے کافر قرار دے کر ان کے جنازہ کو ناجائز کہتے ہیں۔ میاں صاحب کو غلطی لگتی ہے۔ احمدیہ جماعت لاہور سب کلمہ گو مسلمانوں کو مسلمان ہی سمجھتی ہے۔ جماعت قادیان میں البتہ دونوں قسم کے لوگ ہیں۔ یعنی وہ بھی جو

حضرت صاحب کے اس ارشاد پر کہ ''میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا''، عامل ہیں۔اور اس لیے کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر نہیں کہتے۔ گو ان کی تعداد شاید کم ہو۔ اور وہ بھی جو میاں صاحب کی بات کو کَالْوَحِیُ سمجھ کر حضرت مسیح موعود کے ارشاد کی طرف توجہ نہیں کرتے اور روئے زمین کے سب مسلمانوں کو، جنہوں نے کبھی مرزا صاحب کا نام بھی نہیں سنا، دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے، وہ کفر اُلٹ کر اس پر پڑتا ہے، سو یہ جماعت احمدیہ لاہور کے بعض افراد کا ہی عقیدہ نہیں بلکہ جناب میاں صاحب اوران کے مریدین کا بھی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے صاف طور پر لکھا ہے اور آج تک میاں صاحب نے اس کو منسوخ قرار نہیں دیا۔ حدیث نبویؐ اس کی بنیاد ہے۔ البتہ جماعت احمدیہ اسے برنگ قصاص ایک سزا قرار دیتی ہے۔ اس لیے کافر گو کلمہ گوؤں کو وہ حقیقتاً دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھتی۔ اگرچہ برنگ سزا ان سے روحانی مقاطعت کو ضروری سمجھتی ہے۔ میری غرض ان چند اُمور کو پیش کرنے سے یہ ہے کہ میاں صاحب اس فتویٰ پر دوبارہ توجہ فرمائیں اور غور کریں کہ ان کے فتویٰ کی زد کہاں پہنچتی ہے۔ اوران کے خیالات کہاں سے کہاں پہنچے ہیں۔

راقم میاں صاحب اوران کی جماعت کا حقیقی خیرخواہ۔

بزم احباب

برادر خلیل خالد بے صاحب (ترکی) قسطنطنیہ سے لکھتے ہیں کہ آپ کا خط 25 فروری ملا۔ اخبار ''لائٹ'' روانہ کرنے کے لیے بے حد مشکور ہوں۔ اسے میں خاص دلچسپی سے مطالعہ کیا کرتا ہوں۔ آپ نے ''سیرۃ خیرالبشرؐ'' کے ترکی ترجمے کے متعلق دریافت کیا ہے کہ میں نے اسے دیکھا ہے یا نہیں۔ سو عرض ہے کہ میں نے اسے ایک دوست کے پاس دیکھا تھا۔ لیکن وہ ابھی مکمل نہیں ہوا۔ اس کا مترجم عمر رضا بے اب اس بارہ میں آپ کو لکھنے کے لیے آزاد ہے۔ میں آپ کی جماعت کی ان خدمات اسلام کا، جو وہ یورپ میں کررہی ہے، نہایت خوشی اور دلی ہمدردی سے مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ غالباً آپ کو بھی میری گذشتہ سہ سالہ جدوجہد کا، جو میں مغربی ممالک کے مختلف مرکزوں میں اسلام کے لیے کرتا رہا ہوں، علم ہوگا۔ تین سال سے میں یہاں ہوں اور میں نے امریکہ جا کر

بذریعہ تحریر و تقریر اسلام کے سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی مضامین پر روشنی ڈالتے رہنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن مجھے یہاں کسی سے مدد نہ مل سکی۔ کیونکہ با اقتدار لوگوں میں سے بہت کم لوگ مذہبی اُمور کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

حضرت آدم کی جنت

سوال۔خداوندتعالیٰ نے آدم کواُن کی نافرمانی کی وجہ سے جنت سے نکال دیا تو وہ زمین پر چلے آئے۔ وہ جنت کہاں ہے جہاں سے ان کونکالا۔دوسرے یہ کہ نبی تو معصوم ہوتے ہیں۔ان سے یہ گناہ کیسے ہوگیا؟

جواب۔آپ بھی غضب کرتے ہیں جوفرماتے ہیں کہ''جنت سے نکال دیا تو وہ زمین پر چلے آئے'' یہ قرآن میں تو قطعاً نہیں۔ہاں ملا یونہی کہتا ہے۔معلوم ہوتا ہے آپ کی تحقیقات ملانوں تک محدود ہے۔قرآن کا دامن ان داغوں سے پاک ہے۔

جنابِ من! قرآن میں تو لکھا ہے کہ آدم کو پیدا ہی زمین پر کیا گیا تھا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً(30:2) بیشک میں زمین میں خلیفہ بنانے لگا ہوں۔

توجب وہ پیدا ہی زمین میں ہوئے تو پھرزمین پر چلے آنے کے کیا معنی؟ پس یہ ظاہر ہے کہ وہ جنت تھی جس میں انسان اسی دنیا میں رہنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔اورجس سے وہ نافرمانی کی وجہ سے نکل جاتا ہے۔آدم سے بھی مراد کوئی خاص شخص بنام آدم نہیں۔بلکہ ہرایک انسان مراد ہے۔بعض دفعہ ساری جنس کے لیے ایک فرد کا ذکر کردیتے ہیں۔یہ عربی کا عام محاورہ ہے۔قرآن سے یہ مثال سن لیجئے:

فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ وَاَنۡزَلَ مَعَھُمُ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ(213:2)
پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء مبعوث کئے جو بشارت وانذار کرنے والے تھے۔اوران کے ساتھ کتابیں اُتاریں سچائی کے ساتھ۔

یہاں لفظ''کتاب''واحد کے صیغے میں استعمال ہوا ہے۔جوجنس کے لیے ہے۔مطلب یہ ہے کہ کوئی نبی بغیر کتاب کے نہ تھا۔ہرایک کے ساتھ کتاب نازل ہوتی تھی۔اسی طرح آدم سے مراد ہرایک انسان ہے۔اس کے ثبوت کے لیے سورہ اعراف پڑھیئے۔وہاں صاف طور پر فرماتے ہیں:

وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰکُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰکُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ (11:7)اور

بے شک ہم نے تم کو پیدا کیا اور پھر تمہاری شکلیں بنائی۔ پھر فرشتوں کو کہا کہ اس آدم کی فرمانبرداری کرو۔

دیکھو یہاں تمام نوع انسان کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہیں پیدا کرتے ہیں۔ پھر تمہیں ہیئتِ انسانی کے مقام پر پہنچاتے ہیں۔ پھر ملائکہ کو حکم کرتے ہیں کہ آدم کی فرمانبرداری کرو۔ جو بات آدم کے لیے بتائی تھی، وہی ہر ایک بنی آدم کے لیے فرما کر پھر صاف طور پر آدم کا لفظ ہر ایک بنی آدم کے لے استعمال فرمایا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک آدم کا ذکر کرنے سے درحقیقت تمام جنس آدم کے افراد کا تذکرہ کرنا منظور تھا۔ چنانچہ اسی طرح جنت سے نکلنے کا اندیشہ بھی ہر ایک بنی آدم کو لگا ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ (27:7) اے بنی آدم! تمہیں بھی شیطان فتنے میں نہ ڈال دے جس طرح تمہارے والدین کو جنت سے نکالا۔

پس معلوم ہوا کہ جس جنت سے آدم اور ان کی بی بی کو نکالا گیا، اس جنت سے نکلنے کا اندیشہ آج بھی ہر ایک بنی آدم کو ہے۔ پس یہ وہ جنت ہے جس میں ہر ایک بنی آدم فطرتاً پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ طمانیت قلبی اور سکون روحانی کی جنت ہے۔ جو معصومیت کا نتیجہ ہے اور جس میں اس کی حالت لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (27:7) کی مصداق ہوتی ہے۔ اور یہ حالت قرآن مجید میں ہمیشہ جنت کے مترادف بیان ہوئی ہے۔ یہ سکون روحانی اور طمانیت قلبی کی جنت انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ جب تک کہ وہ نافرمانی کر کے خود اس جنت سے نکل نہ جائے۔ اس طمانیت کی حالت کو جنت خود قرآن نے کہا ہے۔ فرماتا ہے کہ:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ. وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (30-27:89) اے نفس اطمینان یافتہ! اپنے رب کی طرف لوٹ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

پس جنت میں ہر انسان رہتا ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے خود اس جنت سے نکل نہ جائے۔ انسان پیدا تو جنت کے لیے ہی کیا گیا تھا، مگر وہ خود نافرمانی کر کے اس جنت سے نکل جاتا ہے۔

سوال۔ جب آدم کے گھر بچے پیدا ہوئے تو انہوں نے بچوں کی شادیاں کہاں کیں؟ کیونکہ اس وقت دنیا میں اور کوئی آدم تھا نہیں، جس کے گھر کرتے۔ اگر آپس میں کیں تو یہ اسلام کے اصول کے خلاف ہے۔ کیونکہ سب پیغمبروں کے اصول شریعت ایک ہی تھے۔

جواب۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ ابتدائے عالم میں کس کی شادی کس کے ساتھ اور کہاں ہوئی۔ مذہب کا اس سے کیا تعلق؟ مگر یہ آپ نے کس طرح فرما دیا کہ "اس وقت دنیا میں کوئی اور آدم نہیں تھا"۔ قرآن میں تو یہ کہیں نہیں لکھا کہ اور کوئی آدم نہ تھا۔ ملانوں کی باتوں پر آپ کا سارا زور معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آدم سے پہلے کون تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ آدم۔ پھر اس نے کہا کہ اس آدم سے پہلے کون تھا۔ انہوں نے کہا آدم۔ پھر فرمایا اگر چالیس مرتبہ بھی تو پوچھتا چلا جائے گا کہ اس سے پہلے کون تھا تو میں یہی کہوں گا کہ آدم۔ خدا کی مخلوق کو کون جان سکتا ہے کہ ابتدا میں کس حالت میں تھی۔ ضروری نہیں کہ آدم کا ایک ہی جوڑا ہو۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی بھی اپنے مکاشفات میں ایک آدم سے ملاقات ہوئی تھی۔ ابن عربی صاحب کے سوال پر وہ بزرگ نہایت تعجب سے پوچھتے تھے کہ تو کس آدم سے ملنا چاہتا ہے۔ یہاں سینکڑوں آدم ہیں۔ شاید کوئی ملا اس آیت کو پیش کرے:

> يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (1:4) یعنی اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ کرو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا۔ اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے کثرت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

سو واضح ہو کہ یہاں نفس سے مراد جنس ہے۔ یعنی تمہیں ایک جنس سے پیدا کیا۔ اور تمہاری جنس سے ہی تمہارا جوڑا بنایا۔ اور تمام نسل ایک ہی جنس سے چلتی ہے۔ پس کسی انسان کو حقیر اور غیر نہ سمجھو۔ سب کو اپنا ہم جنس سمجھو اور خدا

سے ڈر کر ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ رکھو۔ اس ''نفس'' کے لفظ کو جنس کے معنوں میں اسی طرح دوسری جگہ بھی استعمال فرمایا۔ سورہ روم میں آتا ہے:

> خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْآ اِلَيْهَا (21:30) ہر ایک انسان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہارے نفسوں میں سے تمہاری بیبیاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے راحت پاؤ۔

یہاں صاف لفظوں میں نفس بمعنی جنس آیا ہے۔ کوئی تشابہ نہیں اور سچ بھی ہے۔ جب تک بی بی ہم جنس نہ ہو، وہ باعث راحت نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح نفس بمعنی جنس قرآن میں متعدد موقعوں پر آتا ہے۔ پس قرآن کریم میں یہ مطلق نہیں کہ آدم کا ایک سے زیادہ جوڑا موجود نہ تھا تو پھر آپ کی پیش کردہ مشکل کی کوئی اصلیت نہیں۔

❁❁❁

30 جون 1926ء

پیغام امیر

توسیع سلسلہ کے لیے ایک تجویز

برادر مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے ''مسیح موعود نمبر'' کے متعلق تجویز پڑھی ہوگی۔ یہ موقع ہے کہ سلسلہ کی توسیع نہایت کم خرچ پر وسیع پیمانہ پر کی جائے۔ اس وقت آپ لوگ تھوڑی تھوڑی ہمت کریں تو ہزارہا لوگوں تک بڑی سہولت کے ساتھ ہم یہ پیغام پہنچا سکتے ہیں۔ کوئی دوست ایسا نہ ہونا چاہیئے جو کم سے کم ایک پرچہ اس نمبر کا خرید کر (علاوہ اس کے جو وہ اپنے لئے لیتا ہے) اپنے احباب میں سے کسی کو نہ پہنچائے۔ اور آسودہ حال احباب اپنی اپنی حسب حیثیت بیس بیس، پچاس پچاس کاپیاں لے کر پہنچانے کا انتظام کریں۔ جس قدر پرچے آپ اپنے ذریعے تقسیم کر سکتے ہیں وہ خود منگوا لیں اور جو اپنے ذریعہ تقسیم نہ کر سکتے ہوں، ان کے متعلق یہاں دفتر ''پیغام صلح'' کو ہدایت کر دیں۔ دفتر ایسے لوگوں تک انہیں پہنچا سکے گا، جہاں بھیجا جانا مفید ہو سکے گا۔ جہاں جماعتیں ہیں وہ اس تحریک کو فوراً اپنی اپنی جماعت میں پیش کر کے چندہ جمع کر لیں۔ جہاں ایک دو احباب ہیں، وہ اپنے طور پر براہ راست دفتر میں اطلاع دیں کہ وہ کس قدر کاپیاں اپنے خرچ پر منگوائیں گے یا تقسیم کرائیں گے۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

۞۞۞

30 جون 1926ء

اداریہ

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

میاں محمود احمد صاحب کا تازہ ارشاد

بغداد سے ایک صاحب نے جن کا نام احمد گل ہے میاں محمود احمد صاحب کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں مسئلہ کفر و اسلام کے متعلق اپنے شکوک کا ازالہ چاہا۔لیکن باوجود شکوک کے میاں صاحب کی بیعت میں شامل ہونے کے لیے اس قدر مضطرب تھے کہ اسی خط میں شرائط بیعت کا بھی مطالبہ کر دیا۔ پھر اس اشتیاق کا بھی یہ عالم تھا کہ ان کے جواب کا بھی انتظار نہ کیا بلکہ جواب پانے سے پیشتر ہی بیعت خلافت کا خط بھیج دیا۔ازالہ شکوک کے متعلق جو خط احمد گل صاحب نے جناب میاں صاحب کی خدمت میں ارسال کیا ہے،۔اس میں لکھتے ہیں:

> ''یہ مسئلہ کہ مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان نہ لانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ میرے نزدیک وہ لوگ جو حضرت صاحب کو نبی یا مجدد نہیں مانتے ازروئے شریعت اسلام قابل مواخذہ ہیں۔ اور آپ کے مومنین کی صف میں داخل نہیں ہیں۔مگر اسلام سے خارج نہیں ہیں اگر جناب مندرجہ بالا مسائل کے اوپر روشنی ڈالیں تو ازحد مشکور ہوں گا۔ نیز بیعت کی شرائط اگر ارسال فرمائیں تو باعث ممنونیت ہوگا۔''

احمد گل صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل درست ہے۔ جو لوگ باوجود اتمام حجت ہو چکنے کے حضرت صاحب کے دعاوی کو تسلیم نہیں کرتے، وہ بے شک خدا تعالیٰ کے نزدیک قابل مواخذہ ہیں۔لیکن اس انکار سے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب کی نبوت ایسی نبوت نہیں جس کے انکار سے کفر لازم آئے۔ آپ کی نبوت محض ظلّی یا مجازی نبوت ہے۔جس کو دوسرے لفظوں میں محدثیت کہتے ہیں۔اس ظلّی نبوت کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا۔کفر اسی نبوت کے انکار سے لازم آتا ہے جو پہلے زمانہ

میں براہ راست انبیاءؑ کوملتی تھی۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود کتاب ''تریاق القلوب'' میں فرماتے ہیں کہ:

''ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا۔''

اس عبارت کے نیچے مزید تشریح کے لئے یہ حاشیہ لکھا ہے:

''یہ نکتہ یادرکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کا انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں، گو وہ کیسے ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں، ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔''

اس حوالہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا انکار مستلزم کفر نہیں۔ اور کہ آپ محض ایک ملہم اور محدث تھے، نبی نہ تھے۔ کیونکہ اگر نبی ہوتے تو آپ کے انکار سے کفر لازم آتا۔ اس قسم کی اور بہت سی تصریحات آپ کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں کبھی اس بات کا اعلان نہیں کیا کہ جو شخص میرا انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ بلکہ اس کے خلاف آپ آخری زمانہ تک یہی فرماتے رہے کہ میں اب بھی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتا۔ آپ کی زندگی میں ساری جماعت احمدیہ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ یہ فخر میاں محمود احمد صاحب ہی کو حاصل ہے کہ اُنہوں نے حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ ہر وہ شخص جو بیعت میں داخل نہیں کافر ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک شخص بُرا بھی نہ کہتا ہو اور دل سے بھی حضرت صاحب کو سچا مانتا اور جانتا ہو، لیکن بیعت میں داخل نہ ہو تو وہ بھی میاں صاحب کے نزدیک کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اب میاں صاحب نے جو خط احمد گل صاحب نو مرید کے نام لکھوایا ہے۔ اس میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

''پس کفر کسی انسان کے انکار کی وجہ سے نہیں بلکہ خدا کے کلام کے انکار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور اگر یہ بات صحیح ہے کہ کفر کی وجہ کسی انسان کا انکار نہیں بلکہ خدا کے کلام کا انکار

ہے۔اور میرے نزدیک ہر عقل مند انسان اس بات سے متفق ہوگا کہ کفر کلام الٰہی کے ہی انکار کے سبب سے لازم آتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ ہر شخص، جو خدا تعالیٰ کا یقینی کلام دنیا میں لاتا ہے، اس کا انکار انسان کو کافر بنا دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے انکار کے یہ معنی تو ہیں نہیں کہ انسان اس کی شرافت اور عقلمندی کا انکار کرتا ہے، بلکہ یہ معنی ہوتے ہیں کہ جس کلام کو وہ خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ وہ خدا کی طرف سے اسے نہیں سمجھتا۔ اس لیے کفر کا نام پاتا ہے۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کے انبیاء مختلف درجوں اور مختلف حیثیتوں کے ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام علم و معرفت کے لحاظ سے کئی قسموں کا ہے۔لیکن ایک منٹ کے لیے بھی ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ ماننے یا نہ ماننے کے لحاظ سے بھی خدا تعالیٰ کے کلام کی کئی قسمیں ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی آئے گا اسے ہمیں ماننا ہوگا۔ خواہ وہ بڑے سے بڑے مامور کے ذریعے آئے یا چھوٹے سے چھوٹے مامور کے ذریعے سے۔ خواہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ پر، جو تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے، نازل ہو یا حضرت لوطؑ پر۔ جو صرف دو تین بستیوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اگر وحی نبی بنائے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ ایک بڑے آدمی کی بات کا رتبہ اور ہوتا ہے اور چھوٹے آدمی کی بات کا اور۔ لیکن اگر وحی خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے تو ہم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم خدا کی صرف ان باتوں کو مانیں گے جو فلاں فلاں شخصوں کی معرفت ہمیں کہے (پہنچیں؟) اور ان باتوں کو نہیں مانیں گے جو دوسروں کی معرفت کہے (پہنچیں؟) اس صورت میں ہم خدا سے خدائی چھین کر اپنے قبضہ میں کرنا چاہیں گے اور اس سے زیادہ نادانی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔''

اس سے پیشتر دوسرے مسلمانوں کو کافر ٹھہرانے کے لیے میاں صاحب کا استدلال یہ تھا کہ چونکہ حضرت مسیح موعود نبی ہیں، اس لیے آپ کا منکر کافر ہے۔ لیکن اس خط میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ

''ہر شخص جو خدا تعالیٰ کا یقینی کلام دنیا میں لاتا ہے، اس کا انکار انسان کو کافر بنا دیتا ہے۔''

اب سوال یہ ہے کہ پہلے مجددین کے منکروں کو کس مد میں رکھا جائے۔ کیا ان کو بھی کافر سمجھا جائے یا مسلمان؟ جس طرح حضرت مرزا صاحب مامور تھے، اسی طرح پہلے مجددین بھی مامور تھے۔ جس طرح مرزا صاحب پر یقینی وحی نازل ہوتی تھی، اسی طرح ان پر بھی نازل ہوتی تھی۔ پھر اگر میاں صاحب کے نزدیک حضرت صاحب کے منکر کافر ہیں، تو دوسرے مجددین کے منکروں کے متعلق وہ کیا فتویٰ دیتے ہیں۔ کیا وہ بھی ایسے ہی کافر ہیں؟ اس کے جواب میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دوسرے مجددین سے حضرت صاحب کا درجہ بڑھ کر ہے، اس لیے آپ کا منکر تو کافر ہے، لیکن پہلے مجددین کا منکر کافر نہیں۔ کیونکہ بحیثیت ماموالٰہی ہونے کے دونوں برابر ہیں اور وحی بھی دونوں کی یقینی ہے۔ پھر اگر ایک کا منکر کافر ہے تو دوسروں کا منکر مسلمان کس طرح رہ سکتا ہے؟ یہ جواب بھی درست نہ ہوگا کہ چونکہ حضرت مرزا صاحب نبی ہیں اور دوسرے مجددین نبی نہیں تھے، اس لیے آپ کا منکر تو کافر ہے لیکن دوسرے مجددین کا منکر کافر نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں میاں صاحب کا یہ کلام بالکل بے معنی ہوگا کہ ''میرے نزدیک ہر عقلمند انسان اس بات سے متفق ہوگا کہ کفر کلام الٰہی کے ہی انکار کے سبب سے لازم آتا ہے۔ تو ماننا پڑے گا کہ ہر شخص، جو خدا تعالیٰ کا یقینی کلام دنیا میں لاتا ہے، اس کا انکار انسان کو کافر بنا دیتا ہے۔ جب کفر یقینی کلام کے انکار سے لازم آتا ہے تو وہ کلام چاہے مجدد لائے یا نبی۔ جو بھی اسے انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ اولیاء اور مجددین پر یقینی کلام کا نازل ہونا خود حضرت مسیح موعود نے کتاب حقیقۃ الوحی اور دیگر کتب میں تسلیم کیا ہے۔ اب میاں صاحب بتائیں کہ وہ اس نئے اصول کے ماتحت پہلے مجددین کے منکروں کو کس صف میں شمار کرتے ہیں۔ کافروں میں یا مسلمانوں میں؟

بزمِ احباب

(18 ذی الحج 1344ھ) برادر مرزا ولی احمد بیگ صاحب مبلغ انجمن جاوا سے لکھتے ہیں کہ انشاء اللہ اکتوبر کے آخر تک قرآن شریف کے ملائی ترجمہ کا چوتھائی حصہ ختم ہو جائے گا۔ اس کے متعلق مجھے چند ایک کتابوں کی ضرورت ہے۔ مہربانی کر کے جلد بھیج دیجئے۔ ڈچ لوگ جاوا اور اس کے نواحی جزائر میں گزشتہ تین سو سال سے حکومت کر رہے ہیں اور ان میں سے بہت سے لوگ عربی جانتے ہیں۔ خصوصاً ایک شخص ڈاکٹر ہرگرونج، جو لیڈن کی یونیورسٹی میں عربی کا پروفیسر ہے، عربی کا عالم گنا جاتا ہے۔ اس نے اسلام پر بہت سی کتابیں ڈچ، جرمن اور

فرنچ زبان میں لکھی ہیں۔ ڈچ گورنمنٹ اسے اسلام پرسند مانتی ہے۔اسی طرح جاوی لوگ بھی اس کے علم کے قائل ہیں کہا جاتا ہے کہ اس نے مصنوعی مسلمان بن کر کچھ عرصہ تک مکہ معظّمہ میں رہ کر عربی علوم حاصل کیے۔ ہر ایک حاکم، جو جاوا یا اس کے نواحی جزائر میں بھیجا جاتا ہے، وہ کم وبیش اس کی کتابوں سے واقف ہوتا ہے۔ یہاں ایک خاص دفتر ہے۔ جس میں دیسی لوگوں کے معاملات کا تصفیہ ہوتا ہے۔ اس کے تمام اعلیٰ افسر اس ڈاکٹر کے شاگرد ہیں۔ اگرچہ ڈچ گورنمنٹ اور دیسی لوگوں میں اس شخص کی خاص وقعت ہے لیکن اسلام کی نکتہ چینی کرنے میں یہ مارگولیوتھ اور میور سے کم نہیں ہے۔ یہاں کے مسلمانوں میں سے کسی نے آج تک یہ کوشش نہیں کی کہ اسلام کی صحیح تصویر ڈچ لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ یا جو غلط بیانیاں اسلام کے بارے میں اس ڈاکٹر اور اس کے شاگردوں نے پھیلا رکھی ہیں، ان کی تردید کرے۔ میں نے حضرت امیر کی تصانیف سے اخذ کر کے جو رسالہ ڈچ زبان میں اسلام پر لکھا ہے، اس نے ڈچ لوگوں میں بڑی بیداری پیدا کر دی ہے۔ اور انہیں اسلام کی صحیح تصویر دیکھنے کا یہ پہلا موقع ملا ہے۔ جسے ڈاکٹر ہرگرونج اور اس کے شاگردوں نے عوام سے پوشیدہ کر رکھا تھا۔ اگرچہ تمام لوگوں کے دِلوں سے اسلام کی نسبت غلط فہمیوں کے دور کرنے میں اچھا خاصہ وقت درکار ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام کو عمدگی سے شروع کر دیا گیا ہے۔ جس سے کامیابی کی بہت کچھ اُمید ہوگئی ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ اسلام ہالینڈ میں زور شور سے پھیل جائے۔ ابھی تک ہم نے اس ملک کو اپنے پروگرام سے علیحدہ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو تمام دنیا میں اسلام کا نور پھیلانے کے لیے مامور فرمایا تھا۔ اور اگر ہم اللہ تعالیٰ کی اس منشا کو پورا کرنے کا انتظام نہ کریں گے تو ہم احمدی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ ان حالات کو مدنظر رکھ کر میں نے حضرت امیر کے رسالہ ''اسلام'' کا ڈچ زبان میں ترجمہ کر لیا ہے اور ارادہ ہے کہ اس کی پانچ ہزار کاپیاں چھپوا کر تمام ہالینڈ میں مفت تقسیم کر دی جائیں۔ اس ملک سے اسلام کے بارہ میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کا یہ پہلا قدم ہوگا۔ اس بارہ میں مجھے انجمن کی اجازت کی ضرورت ہے ''مرزا غلام احمد دی مین'' کا ڈچ ترجمہ بھی جناب کی توجہ چاہتا ہے۔ اس کے پہلے باب کا ترجمہ میں پہلے بھیج چکا ہوں۔ مجھے تمام نئے پمفلٹ، جو آپ نے شائع کیے ہوں روانہ کر دیجیے۔ حضرت امیر اور جملہ احباب کی خدمت میں السلام علیکم۔ درخواست دعا۔

استنبول (ترکی)

برادرعمر رضا صاحب نے ''سیرۃ خیر البشرؐ'' کا ترجمہ مکمل چھپوا کر اس کی تین کاپیاں ہمیں روانہ کی ہیں۔ ایک مجلد اور دو غیر مجلد۔ کاغذ اور چھپائی نہایت اعلیٰ ہے۔ 270 صفحات پر سیرۃ نبویؐ ختم ہوئی ہے۔ اور اس سے آگے 28 صفحوں پر حضرت امیر کے رسالہ ''اسلام'' کا ترکی ترجمہ دیا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو حضرت نبی کریم ﷺ کی پاک سیرت کے ساتھ ہی آپ کی پاک تعلیم کا بھی علم ہو جائے۔ دیباچہ میں مترجم نے حضرت صاحب کی خدماتِ اسلام کا خوب وضاحت سے ذکر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس کار خیر کی تکمیل میں حصہ لیا ہے۔ ترکی قوم علم دوست واقع ہوئی ہے۔ اگر ہمارے احباب تھوڑی تھوڑی امداد صیغۂ مفت اشاعت لٹریچر میں دے دیا کریں تو ہم دوسری کتابوں کے تراجم بھی آسانی سے شائع کرا سکتے ہیں۔

چین

قرآن کریم کا چینی زبان میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ برادر محی الدین صاحب لکھتے ہیں کہ انہوں نے چینی مسلمانوں کی ایک سوسائٹی کو لکھا ہے کہ وہ ان کے مشکور ہیں کہ وہ چینی ترجمہ قرآن کی لفظی و دیگر فروگزاشتوں کی اصلاح میں ان کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ اس زمانہ میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان فضول نکتہ چینیوں کو چھوڑ کر اپنے بھائیوں کی علمی و عملی خدمات اسلام کو اصلاحی نکتہ نگاہ سے دیکھیں اور ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ نکتہ چینی کرنا نہایت سہل امر ہے لیکن کسی کام کا عملاً کر کے دکھانا نہایت مشکل ہے۔ میں نے قرآن کا چوتھائی حصہ چینی زبان میں ترجمہ کر لیا ہے۔ اور انشاء اللہ تین سال کے اندر اندر سارا کلام مجید مکمل شائع کر دینے کا ارادہ ہے۔ دیباچہ قرآن کریم کا پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا ہے۔ دوسرا چھپ رہا ہے جو ایک مہینے کے اندر شائع ہو جائے گا۔ کوشش یہ کی جا رہی ہے کہ قرآن مجید کا چینی ترجمہ کثرت سے غیر مسلم چینی علماء میں تقسیم کر کے انہیں دعوت اسلام دی جائے۔

ٹرینیڈاڈ (جنوبی امریکہ)

ٹرینیڈاڈ میں بھی احمدیہ انجمن قائم ہوگئی ہے۔ چنانچہ برادر تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ جملہ احمدی احباب نے ہمت کر کے انجمن کی ایک شاخ یہاں قائم کی ہے۔ فی الحال ہمارا کام یہی ہوگا کہ مرکزی انجمن کا

لٹریچر مفت یا قیمتاً منگوا کر یہاں تقسیم کیا جائے۔تا کہ یہاں کے تمام لوگوں کو ہماری جماعت کے کاموں سے دلچسپی پیدا ہو اور اسلام کی ترقی کے لیے مسلمانوں میں جوش پیدا ہو۔ ہماری انجمن نے 32 شلنگ آج کتابوں کی قیمت کے روانہ کیے ہیں۔اس قیمت کی کتابیں فہرست کے مطابق روانہ کر دیجئے۔اس خط کے ساتھ ہی ایک انگریزی خط برادر محمد خاں صاحب پریذیڈنٹ شاخ انجمن اور 17 ممبران انجمن کے دستخطوں کے ساتھ آیا ہے۔جس میں انجمن کے قیام کے حالات اور مقاصد بیان کیے ہیں۔اور مرکز یہ انجمن کو مناسب ہدایات و امداد دینے کے بارہ میں لکھا ہے۔ جملہ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے برادران دور افتادہ کی ہمت میں برکت دے۔اور وہ خدمت اسلام میں بیش از بیش حصہ لے سکیں۔سید تجمل حسین صاحب نے محض خدمت اسلام اور ترقی سلسلہ کے لیے اپنی معقول ملازمت ترک کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جناب سے رزق فراواں عطا فرمائے اور دینی و دنیاوی برکات سے حصہ دے۔ بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں جو محض خدا کی رضا اور اس کے دین کی خدمت کے لیے دنیا کو لات مار دیتے ہیں۔سید صاحب نے بڑی قربانی کی ہے۔لہٰذا ان کے لیے خاص دعاؤں کی ضرورت ہے۔

ٹرینیڈاڈ کا دوسرا خط

سید رحمت علی شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ آپ کا خط اور کتابیں پہنچ گئیں۔ یہاں کے مسلمان عام طور پر دنیا پر گرے ہوئے ہیں اور اسلام کی ترقی کے لیے کچھ نہیں کرتے۔خدا کے فضل سے غیر مذاہب کے لوگ احمدیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔یقین ہے کہ احمدیوں کی ہمت اور برکت سے اس طرف بڑے زور سے اسلام کا ڈنکا بجے گا اور چند سالوں کے اندر اندر اسلام ہی اسلام نظر آئے گا۔

ٹرینیڈاڈ کا تیسرا خط

برادر امام الدین صاحب لکھتے ہیں کہ آپ کا خط اور رسالہ جات پہنچے۔ میں اور میرے والد صاحب انہیں نہایت دلچسپی سے مطالعہ کر رہے ہیں اور انشاء اللہ ہم آپ کی اس عظیم الشان تحریک سے کما حقہ آگاہ ہو جائیں گے جو ساری دنیا میں اسلام کی ترقی کا کام کر رہی ہے اور اسلام کو نہایت خوبصورت طریق پر دنیا کے سامنے پیش

کررہی ہے۔اس کے خلاف ملانوں کا جوطرز عمل ہے وہ نہایت افسوسناک ہے۔ میں نے نہ صرف اپنے والد صاحب کو بلکہ اپنے بھائی صاحب کو بھی آپ کی تعلیم سے آگاہ کردیا ہے۔ وہ دونوں جماعت کی شمولیت اختیار کرتے اور ہر دواخبار یعنی ''لائٹ'' اور ''پیغام صلح'' کی خریداری منظور کرتے ہیں۔ قیمت بذریعہ منی آرڈر ارسال ہے۔

قسطنطنیہ کا دوسرا خط

برادر عمر رضا صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے 25 پونڈ مرسلہ انجمن پہنچ گئے۔جس کے لیے میں ان ممبران انجمن کا،جنہوں نے اس کارِ خیر میں مدد دی ہے،مشکور ہوں۔

میں نے جو ''سیرۃ خیر البشرؐ'' کا ترکی ترجمہ چھپوایا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کو ترکی قوم میں خاص مقبولت ہوگی۔ کیونکہ موجودحکمران ترکی اپنے ملک میں آزادخیالی اور مذہبی رواداری کے حق میں ہیں۔اور چاہتے ہیں کہ تعلیم اسلام میں ایک نیا جذبہ اور روح پیدا ہو۔جس سے قوم کی غفلت دور ہو جائے۔اگر چہ ہماری سلطنت نے تکیے اور پرانے فیشن کے مدرسے بند کردیئے اور قوم کو صحیح اسلامی تعلیم دینے کے لیے مذہبی محکمہ اور مذہبی کالج نئے اصول پر قائم کردیئے ہیں۔ مذہبی محکمہ کے زیرنگرانی قرآن شریف، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا ترکی ترجمہ ہورہا ہے۔ نیز یہ محکمہ مسلمانوں کے جملہ اُمور مذہبی کا تصفیہ کرتا رہتا ہے۔ ملک کے ہر حصہ میں اس کی شاخیں ہیں۔ ہماری شائع کردہ سیرت نبویؐ حضرت نبی کریم ﷺ کے اخلاق کا صحیح عکس ہے۔اس لیے وہ ہماری قوم کے لیے بے حد مفید ہے۔

۞۞۞

16 جولائی 1926ء

حضرت امیر کے قلم سے

صلح کس طرح ہو سکتی ہے؟

وسط اپریل گزشتہ میں ایک عرب، جن کا اسم گرامی بشیر کمال ہے، حیدر آباد دکن سے تشریف لائے اور اثنائے گفتگو میں یہ کہا کہ چونکہ جماعت احمدیہ ایک مفید کام کر رہی ہے، اس لیے اگر دونوں فریق میں مصالحت ہو جائے تو خدمت اسلام کے اس کام کو بہت تقویت پہنچے گی۔ میں نے ان سے کہا کہ ہماری طرف سے پہلے بھی کئی مرتبہ اس خواہش کا اظہار ہو چکا ہے۔ بلکہ ایک مرتبہ کوئی تیس کے قریب آدمیوں کا ایک وفد بھی ہماری طرف سے قادیان گیا تھا کہ کوئی تجویز ایسی اختیار کی جائے جس سے دونوں فریق کے باہمی تنازعات کم ہو جائیں اور زیادہ طاقت بجائے آپس کے جھگڑے کے اشاعت اسلام پر صرف ہو۔ لیکن اس کا جواب اس وقت بہت ہی مایوس کن ملا تھا۔ یہاں تک کہ اس معزز وفد کو ''فرشتہ کے لباس میں شیطان'' قرار دیا گیا۔ تاہم عرب صاحب کے اصرار پر میں نے کہا کہ آپ اگر کوئی کوشش کرنا چاہتے ہیں تو کریں۔ ہم ہر ایک معقول تجویز کو اب بھی قبول کرنے کو تیار ہیں۔ اور انہیں یہ بھی بتا دیا گیا کہ اصل معاملہ، جس پر سلسلہ کے دو ٹکڑے ہوئے ہیں، مسلمانوں کی تکفیر کا مسئلہ ہے۔ یعنی فریق قادیان تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو، حتّٰی کہ ان لوگوں کو بھی، جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کا نام بھی نہیں سنا، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا ہے اور ہم ہر ایک کلمہ گو کو مسلمان قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ قادیان گئے۔ اور حافظ روشن علی صاحب کو ساتھ لائے اور ان کی موجودگی میں مجھے یہ کہا کہ میاں صاحب یہ اعلان کرنے کو تیار ہیں کہ وہ ان لوگوں کو، جو سلسلہ احمدیہ میں شامل نہیں، کافر نہیں کہیں گے۔ بشرطیکہ میں اس مضمون کی چٹھی ان کو لکھ دوں۔ چنانچہ میں نے ایسی چٹھی لکھی جواب ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ اس چٹھی کو لے کر مولانا صدر الدین صاحب اور ماسٹر فقیر اللہ صاحب بہ معیت، بشیر کمال صاحب قادیان گئے۔ وہاں بشیر کمال صاحب نے کیا کیا۔ اس کا مجھے علم نہیں۔ میاں صاحب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی اور تجاویز پیش کیں جن کا ذکر انہوں نے مجھ سے کبھی نہیں کیا۔ اگر یہ ان کی اپنی تجاویز ہوتیں تو ضرور میرے ساتھ

وہ ان کے متعلق کچھ ذکر کرتے۔ بہرحال میاں صاحب نے بجائے اس کے کہ میرے خط کا جواب لکھتے ایک جواب لکھا اور میرے خط کے جواب میں اس خط کا حوالہ دیا گیا۔ اور مزید خط وکتابت کے لئے دعوت دی گئی۔ مگر جو جواب ان تجاویز کا میں نے لکھا، اس پر آج دو ماہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا، مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ بعض احباب چونکہ اس کے متعلق دریافت کرتے رہے ہیں۔ اس لیے اب میں بجنسہٖ اس خط وکتابت کو شائع کر دیتا ہوں۔ اگر کوئی جواب اس کا بعد میں ملا تو پھر احباب کو اطلاع دے دی جائے گی۔

16 جولائی 1926ء۔

محمد علی

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ۔ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرم معظم جناب میاں صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جماعت احمدیہ لاہور۔ دونوں جماعتوں میں اتحاد واتفاق کی خواہشمند ہے۔ بشرطیکہ جماعت احمدیہ قادیان ان مسلمانوں کی تکفیر نہ کرے جنہوں نے اب تک سلسلہ احمدیہ قادیان میں بیعت نہیں کی ہے۔ اور اس کے مطابق آپ کی طرف سے اعلان ہو جائے کہ ہم غیر احمدیوں کی تکفیر نہیں کریں گے اس کے بعد صلح کے قائم ہونے میں ہماری طرف سے کوئی مشکل نہیں ہے۔

2 اپریل 1926ء۔

محمد علی

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ۔ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرم و معظم مولوی محمد علی صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔آپ کا مکتوب ملا۔میں نے اس کے متعلق جناب بشیر کمال صاحب سے مفصل گفتگو کی ہے۔اور چونکہ جو امور انہوں نے پیش کئے تھے میں انہیں معقول سمجھتا ہوں۔میں نے انہیں تحریر لکھ کر دے دی ہے کہ یہ مجھے منظور ہیں۔امید ہے کہ وہ آپ سے ذکر فرمائیں گے۔جو کچھ آپ تحریر فرمانا چاہیں، میرے خط کو پڑھ کر تحریر فرما سکتے ہیں۔میں اس پر غور کروں گا۔

21اپریل1926ء

خاکسار

مرزا محمود احمد۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مکرمی و معظمی بشیر کمال صاحب

السلام علیکم۔آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کی جو محبت ڈال دی ہے، میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس کی قدر کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ اس کی آپ کو جزاء خیر دے۔اس اخلاص کی وجہ سے، باوجود اس کے کہ یہ امر عام قاعدہ کے خلاف ہے کہ ایک شخص باہر سے آ کر ایسے امور میں دخل دے، میں نے خوشی سے اس امر کو پسند کیا ہے کہ آپ نے جو امور اتحاد کے لئے پیش کئے ہیں، ان پر کھلے دل سے اور بغیر تعصب کے غور کروں۔سو جو امور آپ نے پیش کئے ہیں، ان کے متعلق میری یہ رائے ہے:

پہلا امر آپ نے یہ پیش کیا ہے کہ دونوں فریق اپنے اپنے عقیدہ پر قائم رہیں اور تبلیغ اور تعلیم اور مال اور انتظام میں متحد ہو جائیں۔یعنی ایک ہی بیت المال ہو۔اور سب کام ایک ہی مرکز اور ایک ہی انجمن کے ماتحت ہو جائیں۔اور ایک دوسرے کے عقائد کے خلاف کچھ نہ لکھا جائے اور نہ کہا جائے۔اس کے متعلق میری یہ رائے

ہے کہ یہ بالکل ممکن ہے۔ اگر وہ لوگ ہم سے مل جائیں تو بے شک انہیں اجازت ہوگی کہ وہ اپنے عقائد پر قائم رہیں اور ہم اپنے عقیدہ پر۔ ایک دوسرے کے خلاف کہنے سے چونکہ فساد ہوتا ہے، اس لیے اس وقت اسلام کی حالت کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اس امر پر راضی ہوسکتا ہوں کہ ایک دوسرے کے عقائد کی تردید نہ کی جائے بلکہ اپنے عقائد اپنے ساتھ رکھے جائیں اور محبت سے ہر ایک شخص اپنے مافی الضمیر کو بتائے اور دوسرے کی تردید کو بالکل اختیار نہ کرے۔ ایسے خطرناک وقت میں اگر اعتراض کے طریق کو چھوڑ دیا جائے تو یہ نہایت مناسب موقع بات ہوگی اور اعتراض درحقیقت اعتراض سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر ایک فریق اعتراض چھوڑ دے تو دوسرے کو بھی اعتراض کی وجہ نہیں رہتی۔ اور نہ اس کے لیے مناسب ہوتا ہے۔ کیونکہ حقیقت اعتراض سے نہیں بلکہ دلائل سے اور ذاتی خوبی سے ظاہر ہوتی ہے۔

ہاں! چونکہ جس وقت آپ اپنے تجویز کردہ اصول کو پیش کر رہے تھے، فریق ثانی کی طرف سے یہ اعتراض ہوا تھا کہ مالیہ ایک جگہ نہ ہو۔ میں اس امر کی بھی اجازت دے سکتا ہوں کہ اگر وہ لوگ چاہیں تو ان کا مال الگ ہی رہے۔ ہاں جیسا کہ میرے بارہ میں آپ نے بیان کیا ہے، وہ خلیفہ کی ہدایت سے کام کریں۔ پس اگر وہ اس کے لیے تیار ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایک شاخ انجمن کے طور پر وہ اپنے بیت المال کو الگ رکھیں تو اس میں چنداں حرج نہیں۔

دوسرا امر آپ نے یہ لکھا ہے کہ مناسب نہیں کہ کفر کے مسئلہ کے متعلق کچھ بھی لکھا جائے تا لوگوں کے دلوں میں دوبارہ جوش پیدا نہ ہو۔ یعنی یہ اعلان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہم غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں یا نہیں۔ یہ امر ایسا ہے کہ اس پر مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ انہیں اعتراض ہوسکتا ہے۔ پس اگر وہ اس امر پر سکوت اختیار کرنے کو پسند کریں تو مجھے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اور اگر وہ اس مسئلہ کی وضاحت کو پسند کریں تو جس حد تک شریعت اجازت دیتی ہے، اعلان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ یعنی اس قسم کا اعلان بھی کرسکتا ہوں کہ ''حقیقۃ الوحی'' کے صفحہ 165 پر حضرت مسیح موعود نے جو شرائط لکھی ہیں اس قسم کا کوئی آدمی غیر احمدیوں میں سے پیدا ہو، تو میں اسے حسب تحریر حضرت مسیح موعود ہرگز کافر نہیں کہوں گا۔ نہ ایسے شخص کو، جس میں حضرت مسیح موعودؑ کی بیان کردہ شرائط پائی جاتی ہیں، میں اب بھی کافر کہتا ہوں۔ میں اب بھی اگر کوئی ایسا شخص ہو تو اسے مسلمان ہی کہتا ہوں۔

خواہ وہ میری بیعت میں نہ ہو۔

تیسرا امر آپ نے یہ پیش کیا ہے کہ خلافت کا اقرار کیا جائے۔ اور حسب منشا شریعت ایک شخص کے ہاتھ پر سب لوگ بیعت کریں۔ اور ایسا شخص ہمیشہ انتخاب امت کے ساتھ مقرر ہو۔ اور اس کی اطاعت جماعت کے لیے ضروری ہو اور انجمن سے وہ مشورہ لے۔ اگر کسی امر میں اس کے نزدیک انجمن کی رائے قابل قبول نہ ہو تو نفاذ اسی کی رائے پر ہوگا۔ یہ امر بھی عین شریعت کے مطابق ہے اور میں اسے تسلیم کرتا ہوں اور اس عقیدہ پر پہلے سے قائم ہوں۔ کیونکہ اسلام کبھی بغیر اتحاد کے ترقی نہیں کر سکتا۔ اور اس وقت اصل مصیبت اسلام پر یہی ہے کہ لوگ بکھرے بکھرے پھر رہے ہیں۔ کسی ایک ہاتھ پر جمع نہیں ہیں جس کی رائے واجب النفوذ ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر لوگ اس طریق کو قبول کر لیں تو اسلام کی ترقی میں کوئی بھی شبہ نہیں رہ جاتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ میں ان تینوں امور سے متفق ہوں اور بعض باتیں، جن میں ان لوگوں نے اختلاف کیا، ان میں اس حد تک جو میں اوپر لکھ چکا ہوں، ان کی رائے کے مطابق آپ کی پیش کردہ باتوں کو بدلنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتہائی کوشش ہے جو شریعت اور سلسلہ کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے میں کر سکتا ہوں۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم   نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

مکرم و معظم میاں صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا مکتوب مع اس خط کے، جو آپ نے بشیر کمال صاحب کے نام لکھا ہے، ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ بشیر کمال صاحب جو امر میرے ساتھ کر گئے تھے۔ اسے چھوڑ کر انہوں نے آپ کے

حسب منشا آپ کے سامنے اورامور پیش کر دیئے۔ جن کے متعلق انہوں نے مجھ سے دریافت نہ کیا تھا۔ جب وہ قادیان سے حافظ روشن علی صاحب کے ساتھ میرے پاس آئے تو مجھے انہوں نے یقین دلایا کہ آپ اس شرط پر فریقین میں اتحاد سے انکار نہ کریں گے کہ آپ کی جماعت کی طرف سے آئندہ ان لوگوں کی تکفیر نہ کی جائے گی جو سلسلہ احمدیہ میں شامل نہیں ہیں۔ اور جو خط میں نے آپ کے نام لکھا، اس کے تمام الفاظ، جنہیں میں دوبارہ یہاں درج کرتا ہوں، بشیر کمال صاحب کے لکھوائے ہوئے تھے۔ جس کے گواہ حافظ روشن علی صاحب ہیں، جن کے سامنے یہ خط لکھا گیا اور وہ الفاظ حسب ذیل ہیں:

> ’’جماعت احمدیہ لاہور دونوں جماعتوں میں اتحاد واتفاق کی خواہش مند ہے بشرطیکہ جماعت احمدیہ قادیان ان لوگوں کی تکفیر نہ کرے، جنہوں نے اب تک سلسلہ احمدیہ قادیان میں بیعت نہیں کی ہے۔ اور اس کے مطابق آپ کی طرف سے اعلان ہو جائے کہ ہم غیراحمدیوں کی تکفیر نہیں کریں گے۔ اس کے بعد صلح کے قائم ہونے میں ہماری طرف سے کوئی مشکل نہیں ہے۔‘‘

بشیر کمال صاحب نے مجھے یہ یقین دلایا کہ جو الفاظ وہ تجویز کرتے ہیں وہی لکھے جائیں تو آپ کا اتفاق رائے یقینی ہے۔ اور آپ غیر از جماعت لوگوں کی تکفیر نہیں کریں گے۔ بلکہ حافظ صاحب کے یہ کہنے پر کہ ’’یہ نہیں ہوسکتا‘‘، بشیر کمال صاحب انہیں تنگدل اور متعصب کہتے رہے اور کئی دفعہ کہا کہ میں نے خود میاں صاحب سے اس امر کو دریافت کرلیا ہے۔ وہ غیر احمدیوں کی تکفیر نہیں کرتے۔ اور خود اپنے متعلق بیان کیا کہ جب انہوں نے آپ سے یہ کہا کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو نہیں مانتے تو کیا آپ انہیں کافر سمجھتے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں۔ اگر آپ ہماری تکفیر کریں تو ہم آپ کو کافر کہیں گے ورنہ نہیں۔ باوجود حافظ صاحب کے انکار کے بشیر کمال صاحب نے اس بات پر اصرار کیا کہ ایسی گفتگو ہوئی ہے اور آپ ایسا اعلان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اگر بشیر کمال صاحب میری موجودگی میں یہاں آتے تو میں ان سے اس امر کو دریافت کرتا۔ لیکن وہ اب تک مجھے نہیں ملے اور آپ کا خط مجھے بھیج دیا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب واپس آئیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس تحریک کو، جو اتفاق سے شروع ہوگئی ہے، اگر کوئی عملی صورت دے دی جائے تو نہ صرف دونوں جماعتوں کے لیے بلکہ

اشاعت وتبلیغ اسلام کے عظیم الشان کام کے لیے، جو حضرت مسیح موعودؑ کے آنے کا اصل مقصد ہے، یہ بہت مفید ہے۔جس بات پر میں نے اظہار رضا مندی کیا تھا اس کے لیے میں اب بھی تیار ہوں۔یعنی اگر آپ اعلان کر دیں کہ حضرت مسیح موعود کو کافر یا مفتری یا دجال کہنے والوں کو الگ رکھ کر، آپ غیر احمدیوں کو کافر نہیں سمجھتے اور ان کی تکفیر نہیں کریں گے۔تو سوائے ان امور کے، جن میں حضرت مسیح موعودؑ کی کھلی تحریر موجود ہے۔مثلاً یہ کہ ''میرے بعد ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔'' یا یہ کہ ''انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔''، ہماری طرف سے کوئی رکاوٹ دونوں فریق کے متحد ہونے میں نہ ہوگی اور اس صورت میں ایک ہی امیر کے ماتحت دونوں جماعتیں رہ سکتی ہیں اور بیت المال کی صورت بھی وہی ہوسکتی ہے جو آپ نے لکھی ہے۔لیکن اگر آپ اس کے لیے تیار نہیں تو پھر بھی باہم میل ملاپ اور محبت کے بڑھانے کے کئی ایک راستے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر آپ کے خط میں بھی ہے۔

اول

جہاں تک عقائد کا سوال ہے، بوجہ اختلاف ان پر لکھنے کی ضرورت تو ہمیشہ پیش آتی رہے گی۔ بالخصوص اس لیے بھی کہ وہ بات، جس سے سلسلہ کو بدنام کیا جاتا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے، یہی ہے کہ آپ نے ابتداً چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا اور سب سے بڑھ کر اسی بنا پر آج حضرت مسیح موعودؑ کی تکفیر کی جاتی ہے اور سلسلہ کے متعلق تنفر پھیلایا جاتا ہے۔لیکن اگر ایسی تحریریں حسب ذیل قیود کے ماتحت ہوں تو باوجود اختلاف کے دونوں جماعتوں میں تنفر کم ہوتا جائے گا۔

> الف۔ان مسائل پر لکھنے والے تین آدمی آپ کی طرف سے نامزد ہو جائیں۔جن میں سے ایک آپ بھی ہوں۔اور ہماری طرف سے بھی تین آدمی نامزد ہو جائیں۔جن میں سے ایک میں ہوں۔اور دونوں طرف سے لکھنے والے اس بات کے پابند ہوں کہ ایک دوسرے کی تحقیر نہ کریں۔ بلکہ صرف دلائل کے ساتھ متانت سے اپنے اپنے عقائد پیش کریں۔

ب۔ جو مضمون ان مسائل پر آپ کے اخبار میں چھپے، اس کا جواب اور جواب الجواب آپ کی طرف سے ہمارے اخبار میں چھپ جائے۔ جواب الجواب کا جواب اپنے اپنے اخبار میں ہر دو فریق لکھ سکیں گے۔

ج۔ کسی ایسے مضمون میں فریقین کی تحقیر یا تذلیل نہ کی جائے۔ اور نہ کسی کو بُرے الفاظ سے یاد کیا جائے۔

دوم

بشیر کمال صاحب کی کسی تجویز کی بنا پر، جس کا مجھے علم نہیں، آپ نے لکھا ہے کہ

''مناسب نہیں کہ کفر کے مسئلہ کے متعلق کچھ بھی لکھا جائے تا لوگوں کے دلوں میں دوبارہ جوش نہ پیدا ہو۔ یعنی یہ اعلان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ہم غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں یا نہیں۔'' اس پر آپ نے لکھا ہے کہ ''اس پر مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ انہیں اعتراض ہوسکتا ہے''۔

اس معاملہ میں آپ کی رائے درست ہے۔ اس لیے کہ مسلمان کو مسلمان کہنے سے سکوت اختیار کرنا مصالحت کی اصل غرض کو نقصان پہنچاتا ہے۔ کافر کہنے سے سکوت اختیار کرنا تو اس مصلحت پر درست ہے کہ آپس میں مسلمانوں میں کافر کا لفظ ایک گالی کی طرح ہوگیا ہے اور ایک دوسرے کو کافر کہنے سے لوگوں میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کو ترک کرنے سے تعلقات اخوت و محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو ہم مسلمان سمجھتے ہیں۔ اگر انہیں مسلمان کہنے سے سکوت اختیار کریں تو بالکل اس کے برعکس نتیجہ پیدا ہوگا، جو آپ کے سکوت سے پیدا ہوتا ہے۔ ہم اگر اتحاد و اتفاق بین المسلمین کو ترقی دینا چاہیں تو ہمیں تمام کلمہ گوؤں کے مسلمان ہونے کے عقیدہ کا خوب زور سے اعلان کرنا چاہیئے۔ پس جو نتیجہ آپ کے سکوت سے پیدا ہوگا وہی ہمارے اعلان سے پیدا ہوگا۔ اس لیے میں صرف اس قدر کہوں گا کہ اگر ہماری طرف سے سکوت کی شرط کے بغیر آپ مسئلہ تکفیر میں سکوت اختیار کریں تو اچھے نتائج پیدا ہونے کی توقع ہوسکتی ہے۔ اور اگر آپ ہماری طرف سے سکوت کے بغیر سکوت اختیار نہیں کر سکتے تو پھر

اس مسئلہ پر شرط اول کے مطابق بحث ہو سکتی ہے۔

سوم

بشیر کمال صاحب کے نام خط میں آپ نے دوسری بات حسب ذیل لکھی ہے۔

''اس قسم کا اعلان بھی کر سکتا ہوں کہ حقیقۃ الوحی کے صفحہ 165 پر حضرت مسیح موعودؑ نے جو شرائط لکھی ہیں اس قسم کا کوئی آدمی غیر احمدیوں میں سے پیدا ہو تو میں اسے حسب تحریر مسیح موعودؑ ہرگز کافر نہیں کہوں گا۔''

چونکہ آپ نے اسی کے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ اب بھی آپ ایسے شخص کو کافر نہیں کہتے۔لیکن لوگوں کا عموماً یہ خیال ہے کہ ایسا شخص بھی آپ کے نزدیک کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔اس لیے اعلان سے آپ کی پوزیشن بہت صاف ہو جائے گی۔ بلکہ اگر شرائط مصالحت کے طے ہونے میں دیر بھی لگے تو ایسا اعلان آپ کی طرف سے فوراً ہو جانا چاہئے۔تاکہ ایک بڑی بھاری غلطی دور ہو جائے۔

چہارم

اگر ایک مشترکہ اعلان ہو جائے کہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے جلسوں میں دعوتوں میں اور غمی شادی کے موقع پر شرکت اختیار کریں گی اور کسی قسم کی رکاوٹ ایک دوسری کی اشاعت وتبلیغ کے کام میں پیدا نہ کریں گی تو مجھے امید ہے کہ اس سے دونوں جماعتوں کی اشاعت وتبلیغ اسلام کے کام کو بڑی بھاری قوت پہنچے گی۔

پنجم

ہر دو فریق اپنی اپنی جماعت میں یہ اعلان کر دیں کہ آئندہ تقریر وتحریر میں کوئی فریق دوسرے پر ذاتی حملہ نہ کرے گا۔والسلام

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

28 جولائی 1926ء

حضرت امیر کے قلم سے

تحریک احمدیت

تحریک احمدیت ان اسلامی تحریکات میں سے ایک تحریک ہے۔ جو وقتاً فوقتاً اسلام میں دین کی تائید اور اندرونی مفاسد اور غلطیوں کی اصلاح کے لیے ہوتی رہی ہیں۔ اس تحریک کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب چودہویں صدی ہجری کے مجدد ہیں۔

عقائد

ہمارے عقائد بالفاظ حضرت بانی تحریک احمدیت حسب ذیل ہیں۔

''ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ ہمارا اعتقاد، جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بفضل وتوفیق باری تعالیٰ اس عالم گزران سے کوچ کریں گے، یہ ہے کہ حضرت سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النبیین وخیر المرسلین ہیں۔ جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بہ مرتبہ تمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب ساوی ہے۔ اور ایک شوشہ یا ایک نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہوسکتا ہے۔ اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہوسکتا۔ جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیل وتغییر کر سکتا ہو۔'' (ازالہ اوہام مطبوعہ 1891ء صفحہ 137)

''نہ مجھے دعویٰ نبوت وخروج از امت اور نہ میں منکر معجزات اور ملائک اور نہ لیلۃ القدر سے

انکاری ہوں۔ اور آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیّین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آنجناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا۔ اور قرآن کریم کا ایک شوشہ یا نقطہ منسوخ نہیں۔ ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جل شانہ سے ہمکلام ہوں گے اور نبوت تامہ کے بعض صفات ظلّی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں اور بلحاظ بعض وجوہ شان نبوت کے رنگ سے رنگین کیے جاتے ہیں اور ان میں سے ایک میں ہوں۔'' (نشان آسمانی مطبوعہ 1892ء صفحہ 30)

لا دین الّا دین الاسلام ولا کتاب لنا الّا الفرقان کتاب اللّٰه العلام ولا نبی لنا الّا محمد خاتم النبیّن ﷺ ......نشهد انّا نتمسّک بکتاب اللّٰه القران ونتّبع اقوال رسول اللّٰه متّبع الحق والفرقان ونقبل ما انعقد علیه الا جماع بذالک الزمان لا نزید علیها ولا ننقص منها وعلیها نحی وعلیها نموت ومن زاد هٰذه الشریعة مثقال ذرّة اونقص منها اوکفر بعقیدة اجماعیة فعلیه لعنت اللّٰه والملائکته والناس اجمعین (انجام آتھم مطبوعہ 1896ء صفحہ 43)

''واضح رہے کہ ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور **لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کے قائل ہیں اور آنحضرتؐ کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت، جو زیر سایہ نبوت محمدیہ اور باتباع آنجناب ﷺ اولیاء اللہ کو ملتی ہے، اس کے ہم قائل ہیں۔ اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگائے، وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے۔ غرض نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا ہے۔'' (اشتہار اپریل 1897ء)

للّٰه مکالمات و مخاطبات مع اولیآئهٖ فی هٰذه الامّة وانّهم یعطون صبغة

الانبیآء ولیسوا بِنَبِیّنَ فی الحقیقة فان القران اکمل وطر الشریعة ولا یعطون الّا فهم القران ولا یزیدون علیه ول اینقصون منه ومن زاد اونقص فاولٓئک من الشیاطین الفجرة (مواہب الرحمٰن مطبوعہ 1903ء، صفحہ 66، 67)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس امت میں اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمہ ومخاطبہ کرتا ہے۔ اور ان کو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے اور وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے۔ کیونکہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اور انہیں سوائے فہم قرآن کے اور کچھ نہیں دیا جاتا۔ اور وہ نہ اس پر کچھ بڑھاتے ہیں نہ اس سے کچھ کم کرتے ہیں۔ اور جو بڑھاتا یا گھٹاتا ہے، وہ بدکار شیطانوں میں سے ہے۔

''تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گزر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی۔ کیونکہ نبوت محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے۔ اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں۔ نہ اس کے بعد کوئی نئی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں۔ اس لیے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ جس چیز کے لیے ایک آغاز ہے، اس کے لیے ایک انجام بھی ہے۔'' (الوصیت۔ مطبوعہ 1905ء صفحہ 9)

''جس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں کے آخر میں بھیجا تا کہ تمام قوموں کو آپ کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کرے۔'' (تتمہ حقیقۃ الوحی، مطبوعہ 1907ء، صفحہ 44)

بانی تحریکِ احمدیہ کی تحریرات سے یہ چند ایسے حوالہ جات ہیں جو 1891ء سے یعنی ان کے دعویٰ کی ابتدا سے لے کر 1908ء تک یعنی ان کی وفات تک کی تصنیفات میں موجود ہیں۔ اور ان سے صاف ظاہر ہے کہ تحریک احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ محض خدمت اسلام کے لیے ایک تحریک ہے۔ جسے اس صدی کے مجدد نے قائم کیا ہے۔ اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ:

اول: اسلام دنیا کا آخری مذہب، قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور آنحضرت ﷺ خدا کے آخری نبی ہیں۔ نہ اسلام کے بعد کوئی اور دین آسکتا ہے نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب آسکتی ہے نہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی اور نبی آسکتا ہے۔ نیا ہو یا پرانا۔

دوم: اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی تشریف آوری سے پیشتر دنیا کی ہر قوم میں نبی اور رسول بھیجے۔ جن میں سے صرف چند ایک کے نام قرآن کریم میں ہیں۔ اور سب سے آخر محمد مصطفیٰ ﷺ کو کل دنیا کی طرف بھیجا تا کہ دنیا کی ساری قومیں ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہوں۔

سوم: اللہ تعالیٰ کی صفت کلام اس کی دوسری صفات کی طرح کبھی معطل نہیں ہوئی اور نہ معطل ہوگی۔ وہ ہمیشہ کلام کرتا رہا اور اب بھی اپنے برگزیدہ بندوں سے کرتا ہے اور آئندہ بھی کرے گا۔مگر ایسے لوگ نبی نہیں ہوں گے۔ رِجَالٌ یُّکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْبِیَآءُ (حدیث) یَعْطُوْنَ صِبْغَةَ الْاَنْبِیَآءِ وَلَیْسُوْا بِنَبِیّٖنَ فِی الْحَقِیْقَةِ اسی کا ترجمہ مجدد وقت نے کیا ہے۔

چہارم: تمام صحابہؓ اور تمام بزرگان دین یکساں قابل عزت ہیں۔ ہاں وہ انبیاءؑ کی طرح معصوم عن الخطا نہیں۔

پنجم: تمام اسلامی فرقے لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے قائل مسلمان ہیں اور کسی شخص کو حق نہیں کہ کسی کلمہ گو کو کافر کہے۔

ششم: حدیث صحیح :اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْ اُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مَائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا کے ماتحت اس امت میں ہر صدی کے سر پر اصلاح مفاسد کے لیے مجدد ہوتے رہے اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ اس چودھویں صدی ہجری کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی تحریکِ احمدیت ہیں۔

اندرونی اصلاح

تحریکِ احمدیت نے عظمتِ قرآن کو قائم کیا ہے۔ اتحادِ اسلام کی بنیاد رکھی ہے اور اسلام کی طاقتِ روحانی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حالانکہ قرآن کریم ہی مسلمانوں کے لئے روشنی اور ہدایت کا اصل سرچشمہ ہے۔ مگر آہستہ آہستہ آئمہ کے اجتہاد اور حدیث کا مرتبہ قرآن کریم سے بڑھا دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کریم مسلمانوں کی تعلیم سے بالکل نکل گیا۔ اور وہ اپنی زندگی کے اصل سرچشمہ سے نکل کر موت کی حالت کو پہنچ گئے۔ مسلمانوں میں اس وقت غالب مذہب دو قسم کا ہے۔ اول وہ لوگ جو اجتہادِ آئمہ میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ اس کے سامنے قرآن وحدیث کی بھی پرواہ نہیں کرتے بلکہ جہالت نے اجتہادِ آئمہ کی جگہ بھی اب ہر ایک ملا اور پیر کو دے دی ہے کہ اس کا قول ہی سب کچھ ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو اس اندھا دھند تقلید سے قدرے آزاد ہوئے۔ لیکن انہوں نے حدیث کے مرتبہ میں اس قدر غلو کیا کہ ایک طرف اجتہاد سے انکار کیا تو دوسری طرف حدیث کو قرآن پر قاضی ٹھہرایا۔ اور حدیث کے سامنے قرآن کریم کی صراحت کو قابل تاویل ٹھہرایا۔ اور یوں کتاب اللہ اور سنت کی پیروی کے دعویٰ کے باوجود پیروی صرف حدیث کی رہ گئی اور کتاب اللہ پہلے کی طرح متروک کی متروک رہی۔ ان دونوں خیالات کے بالمقابل ایک تیسرا خیال، جو وہ بھی افراط کی طرف چلا گیا، یہ پیدا ہوا کہ حدیث اور اجتہادِ آئمہ ہر دو رد ّی میں پھینکنے کے قابل ہیں۔ تحریک احمدیت نے ان تینوں کا مرتبہ صحیح طور پر قائم کیا۔ یعنی سب پر مقدم اور سب سے پہلے جس چیز کی طرف رجوع کیا جائے وہ قرآن کریم ہے۔ اور ہر ایک مسلمان کا حق ہے کہ اس پاک کتاب کو پڑھے اور اس سے روشنی حاصل کرے۔ حدیث بھی بلاشبہ علم دین کا بڑا حصہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ مگر وہ قرآن کی طرح محفوظ نہیں۔ اور اصول دین کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ حدیث کا تعلق زیادہ تر فروع سے ہے۔ اس لیے حدیث قرآن کریم پر پرکھی جائے گی۔ اور جو حدیث قرآن کریم کے مخالف ہو، خواہ وہ بروئے روایت کیسی ہی ہو، اسے رد کیا جائے گا۔ حدیث کے نیچے اجتہاد کا مرتبہ ہے۔ جس کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ کیونکہ نئی ضرورتیں ہمیشہ دنیا میں پیش آتی رہیں گی اور ان کے لیے نئے اجتہادات کی ضرورت بھی ہوگی اور اجتہاد کا اصل اور اول ماخذ قرآن کریم ہی ہوگا اس کے بعد حدیث۔ اور کوئی اجتہاد خلاف قرآن وحدیث قبول نہ ہوگا۔

ناسخ ومنسوخ کا فیصلہ

آج تک عام طور پر مسلمانوں نے یہ مان رکھا تھا کہ قرآن کریم کے اندر کچھ آیتیں ایسی ہیں جو بعض دوسری آیات سے منسوخ ہو چکی ہیں۔ اس کی بنا نبی کریم ﷺ کی کوئی حدیث نہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ کا ارشاد کسی حدیث میں موجود نہیں کہ فلاں آیت قرآنی منسوخ ہے۔ بلکہ یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ بعض آیات کی بعض دوسری آیات سے تطبیق نہیں ہوسکتی۔ اس لیے وہ منسوخ ہیں۔ حالانکہ ایسا فرض کرنا کہ قرآن کریم کی بعض آیات کی بعض سے تطبیق نہیں ہوسکتی، صراحت قرآنی کے خلاف ہے۔ جو فرماتا ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا. (82:4) یعنی اگر یہ غیراللہ کی طرف سے ہوتا۔ تو اس میں بہت اختلاف پایا جاتا۔

پس یہ نص صریح ہے کہ قرآن کریم میں اختلاف نہیں۔ اور جب اختلاف نہیں تو کوئی دو آیتیں بھی ایسی نہیں ہوسکتیں جن میں تطبیق نہ ہو۔ اس لیے کوئی آیت قرآنی کسی دوسری سے منسوخ نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی فرض کیا گیا تھا کہ بعض آیتیں ایسی بھی ہیں جو قرآن شریف میں نازل ہوئی تھیں مگر ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔ اور حکم قائم ہے۔ اور وہ اب قرآن کریم میں نہیں پائی جاتیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ نعوذ باللہ قرآن کریم نامکمل ہے اور محفوظ نہیں۔ تحریک احمدیت نے ان دونوں غلطیوں کی اصلاح کی اور بتا دیا کہ جن آیات قرآنی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ کوئی آیت قرآنی منسوخ ہے، وہ فی الحقیقت شرائع سابقہ کی منسوخی کے متعلق ہیں۔ اور جن آیات قرآنی میں سمجھا جاتا تھا کہ تطبیق نہیں، ان میں تطبیق کر کے اس غلطی کو اظہر من الشمس کر دیا۔ اور آفتاب کی طرح اس حقیقت کو روشن کر دیا کہ نہ قرآن میں کوئی آیت منسوخ ہے، نہ کوئی قرآنی حکم قرآن سے باہر ہے۔

تکفیر بازی کا علاج

ایک خطرناک بیماری، جس نے مسلمانوں کے اتحاد کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے، ایک دوسرے کی تکفیر کی بیماری ہے۔ جو مسلمانوں میں یہاں تک پھیل گئی ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف پر ایک دوسرے کو کافر بنایا جاتا ہے۔ اس تفرقہ نے قوم کی رہی سہی قوت عمل کو بیکار کر دیا ہے۔ یہ مرض کم وبیش ہر زمانہ میں رہا ہے۔ مگر اس زمانہ

میں اس کی ترقی خطرناک حد تک پہنچ چکی ہے۔ اس بیماری کو دور کرنے کے لیے بانی سلسلہ احمدیہ نے قرآن وحدیث کی بنا پر اس اصول کی تعلیم دی کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اسلام کی ایک ایسی زبردست وجہ ہے کہ اس کے بالمقابل ایک شخص میں کفر کی ننانوے وجوہ بھی ہوں تو ایسا شخص مسلمان ہی کہلائے گا۔ وہ کافر یعنی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔

اسلام کی روحانی فتح

اسلام کی ظاہری شوکت اس کی روحانی طاقت ہی کا نتیجہ تھی اور اسے مخالفین اسلام نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مگر مسلمانوں نے آہستہ آہستہ یہ خیال کر لیا کہ اسلام تلوار ہی سے قائم ہوا اور آئندہ تلوار ہی سے قائم رہے گا۔ چنانچہ مہدی کے تلوار کے ساتھ ظہور کا عقیدہ اسی غلطی کا نتیجہ ہے۔ جسے غلطی سے اسلام کی شوکت کا نشان سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ یہی وہ بات ہے جو غیروں کے دلوں میں اسلام کی طرف سے تنفر پیدا کرتی ہے۔ اور اسی لیے مخالفین اسلام کا سب سے بڑا اعتراض اسلام پر یہی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ تحریک احمدیت نے اس بات کو نہایت صفائی سے ثابت کر دکھایا کہ اسلام اپنی اشاعت میں کبھی تلوار کا محتاج نہیں ہوا۔ اور نہ مہدی کا تلوار لے کر ظاہر ہونا صحیح احادیث پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ مہدی کے ظہور کی کوئی حدیث بخاری اور مسلم میں نہیں ملتی، جو حدیث کی صحیح ترین کتابیں ہیں۔ اسلام پہلے بھی اپنی روحانی طاقت سے غالب آیا۔ اور آج پھر باوجود دنیاوی رنگ میں مغلوب ہونے کے اپنی روحانی طاقت سے غالب آ سکتا ہے۔ اگر آنحضرتؐ نے یا آپ کے صحابہؓ نے تلوار اٹھائی تو یہ اس وقت ہوا جب حفاظت اسلام کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ دشمن تلوار سے اسے نیست ونابود کرنے پر تلا ہوا تھا۔

وفاتِ مسیحؑ

حضرت عیسٰیؑ کے متعلق عیسائیوں کے غلو سے متاثر ہو کر مسلمانوں نے بھی غلو سے کام لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا عقیدہ کہ حضرت عیسٰیؑ دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ موجود ہیں اور باوجود اسی جسد عنصری کے ساتھ ہونے کے کھانے پینے کے محتاج نہیں اور نہ ان میں تغیر آتا ہے، عیسائیت کی تائید کا موجب ہو گیا۔ اور عیسائیوں

نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر ورغلانا شروع کیا کہ تمام بشر رسولوں کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے کہ:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (8:21) یعنی ان کے جسم ایسے نہ تھے کہ وہ کھانے کے محتاج نہ ہوں یا ان میں تغیر نہ آتا ہو۔

مگر مسلمانوں کے مروجہ عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کا جسم ایسا ہے کہ وہ نہ کھانے کے محتاج ہیں اور نہ اس میں تغیر آتا ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰؑ بشر رسول سے بڑھ کر ہوئے اور چونکہ وہ اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ کے مصداق ہیں، اس لیے صفات الوہیت میں شریک ہیں۔ احمدیت نے اس غلطی کو صاف کیا اور قرآن کریم سے قطعی دلائل سے ثابت کر دیا کہ حضرت عیسیٰؑ دوسرے رسولوں کی طرح فوت ہو گئے۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ جن پیشگوئیوں میں ان کے نزول کا ذکر ہے، ان سے مراد ان کے مثیل کا اس امت میں ظاہر ہونا ہے۔ جس طرح بائبل میں الیاس کی دوبارہ آمد سے مراد بموجب بیان حضرت عیسیٰؑ ان کے مثیل کا آنا تھا۔ اور بھی کئی ایک امور میں مسلمانوں نے غلطی سے حضرت عیسیٰؑ کو بعض خصوصیات دے رکھی تھیں جو دوسرے انبیاء کو حاصل نہ تھیں، جن کی وجہ سے عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو رسول اللہ ﷺ پر فضیلت دیتے تھے۔ احمدیت نے اسلام کے چہرے کو ان سب غلطیوں سے پاک کیا اور حضرت عیسیٰؑ کی طبعی موت کو ثابت کر کے اور ان کی قبر کا نشان دے کر عیسائیت کے بنیادی عقیدہ کو باطل کر دیا۔

نظام جمہوریت کا قیام

مسلمانوں میں بڑا بھاری نقص نظام کا نہ ہونا ہے۔ اسلام نے نظام کی اصل جڑ شوریٰ کو قرار دیا تھا۔ چنانچہ: اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (38:42) کو نماز اور انفاق کے درمیان رکھ کر اس کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ مسلمانوں میں حکومت بھی شوریٰ پر مبنی ہوگی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں خود اسی اصولِ شوریٰ پر عمل کر کے دکھایا۔ اور خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں بھی اسی اصول پر عمل ہوتا رہا۔ مگر بعد میں بادشاہت وراثت بن گئی اور آہستہ آہستہ اصول شوریٰ متروک ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آج مسلمانوں میں عام طور پر یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ امیر یا امام مشورہ کرے تو بھی اسی کا اختیار ہے کہ کثرت رائے پر عمل کرے یا جس طرح خود چاہے کرے۔ حالانکہ اس طرح شوریٰ ایک بے معنی کام ہو جاتا ہے۔ مجدد وقت نے شوریٰ کے اصول کو نہایت مضبوطی سے قائم

کیا۔ اور اپنی زندگی میں سارے دینی کاروبار کو ایک انجمن کے سپرد کیا۔ جو تمام چندوں اور املاک قومی کی مالک ہو اور پھر بالصراحت یہ لکھ دیا کہ ہر معاملہ میں جو فیصلہ انجمن کثرت رائے سے کرے، وہی قطعی ہوگا۔ اس اصول شوریٰ کو زندہ کر کے نظام قومی کی اصل بنیاد کو دوبارہ قائم کیا۔

حفاظت اسلام

اسلام میں جس قدر تحریکات وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہیں، ان کا کام زیادہ تر اندرونی اصلاح ہی رہا ہے۔ یعنی جو غلطیاں مسلمانوں میں پیدا ہوئیں ان کا دور کرنا ہی ان کے مدنظر تھا۔ کیونکہ آج تک اسلام کو ظاہری طور پر اس قدر قوت وشوکت حاصل تھی کہ بیرونی حملے اس پر بہت کم تھے۔ لیکن اس زمانہ میں اسلام پر بیرونی حملوں کی کوئی انتہا نہیں رہی اور اسلام چاروں طرف سے اعداء کے نشانوں کا آماجگاہ ہوا ہے۔ اور جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ مسلمانوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ ساری قومیں انہیں کھانے کو دوڑیں گی۔ یہ نظارہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے اس صدی کے مجدد کے ذمہ نہ صرف اندرونی اصلاح کا کام ہوا بلکہ اعداء کے حملوں سے بچانے کا کام بھی ان کے سپرد ہوا۔ اور انہوں نے ہر ایک مذہب کے اسلام پر حملہ کا جواب دیا، بالخصوص ان مذاہب کے حملوں کا جو مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیرنے میں اپنی ساری قوت صرف کر رہے ہیں۔ یعنی عیسائی اور آریہ سماج۔ اور نہ صرف ان جوابات سے ایک قیمتی لٹریچر پیدا کر دیا، جو عام مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک زبردست ہتھیار کا کام دے رہا ہے بلکہ اپنی جماعت کو اس کام پر لگا کر بہت سے آدمی ایسے پیدا کر دیے جن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ دن رات اسلام پر ہر قسم کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔ اور آج عیسائیت کے مقابلہ پر یا آریہ سماج کے مقابلہ پر کسی آدمی کی ضرورت پڑتی ہے تو مسلمان اس تحریک احمدیت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور یہیں سے وہ کتابیں یا آدمی ان کو ملتے ہیں جو غیروں کے مقابل پر ان کے مذہب کی حمایت میں کھڑے ہوتے ہیں۔ جب عام طور پر علماء اپنے ہی اندر کے فروعی اختلافات پر اور باہمی جھگڑوں پر ساری قوت صرف کر رہے ہیں، تحریک احمدیت اسلام کے دفاع کے لیے میدان میں کھڑی ہے اور ہر ایک دشمن دین کا جواب دینے کے لیے موجود ہے۔ تحریک احمدیت بمنزلہ اس فوج کے ہے جو کسی ملک کی سرحد کی حفاظت پر متعین ہو۔ تا کہ دشمن کے

حملوں سے ملک کو بچائے۔ چنانچہ احمدی مبلغین عیسائیت کے مقابلہ کے لیے نہ صرف ہندوستان ہی میں کام کر رہے ہیں۔ بلکہ مختلف اسلامی ممالک میں جا رہے ہیں، جہاں عیسائیت اسلام کو کھا رہی ہے۔ عیسائیت کے خلاف احمدی لٹریچر مختلف اسلامی زبانوں میں ترجمہ ہو کر مسلمانوں کے لیے موجب قوت ثابت ہو رہا ہے۔

اشاعت اسلام

کسی مذہب نے دنیا میں اس سرعت کے ساتھ ترقی نہیں کی جس سرعت سے اسلام نے ترقی کی ہے۔ اور نہ کسی مذہب نے دنیا کی مختلف قوموں سے اس قدر کثیر تعداد اپنے اندر شامل کی ہے، جس قدر اسلام نے کی ہے۔ امر اوّل ایک بدیہی امر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بیس سال کے عرصہ میں سارا ملک عرب مسلمان ہو گیا۔ دوسرا کوئی مذہب اپنے بانی کی زندگی میں یہ کامیابی نہیں دکھا سکتا۔ ایک سو سال کے اندر اندر مذہب اسلام انتہا مشرق سے لے کر انتہا مغرب تک معلوم دنیا میں پھیل گیا۔ یہ ترقی عیسائیت کو یا کسی دوسرے مذہب کو نصیب نہیں ہوئی۔ اور آج پیدائش کے تیرہ سو سال بعد جس قدر تعداد مسلمانوں کی ہے، کوئی دوسرا مذہب یہ تعداد اس قدر عرصہ میں نہیں دکھا سکتا۔

امر دوم بھی چنداں تشریح طلب نہیں۔ عیسائی مذہب بڑا تبلیغی مذہب ہے اور اسلام سے چھ سو سال پہلے میدان عمل میں تھا، لیکن اسلام نے زرتشتی قریباً سب کے سب جذب کیے۔ بدھ کے پیروؤں میں سے کروڑوں جذب کئے۔ خود عیسائیت میں سے کروڑوں جذب کیے۔ مگر عیسائیت سوائے یورپ کی بت پرست اقوام کے، دنیا میں اپنا اثر عام طور پر پیدا نہ کر سکی۔ ہاں اب اپنی حکومت کے زور پر اور روپے کی بہتات سے تھوڑا تھوڑا اثر ہر قوم پر ڈال رہی ہے۔ مگر جس کثرت کے ساتھ اسلام نے دوسری قوموں کو اپنے اندر جذب کیا، عیسائیت کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔ مگر افسوس ہے کہ گزشتہ صدی سے اسلام کی یہ ترقی رکی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور دوسری طرف یورپ کی اقوام، جو اس وقت دنیوی رنگ میں ساری دنیا پر غالب ہیں، اس نعمت سے اب تک محروم ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے سر پر جس مجدد کو کھڑا کیا اور اس قدر جوش اسلام کی اشاعت کا اس کے دل میں ڈالا کہ اس آگ کی کچھ چنگاریوں نے ان کے ارد گرد بیٹھنے والوں کے دلوں کو بھی روشن کیا۔ تحریک احمدیت نے تبلیغ اسلام کا ایسا ولولہ دلوں کے اندر پیدا کیا کہ احمدی جماعت کے افراد دین حق کے پیغام کو لے کر دور دور ملکوں میں

نکل گئے۔ یہاں تک کہ صداقت اسلام کا جھنڈا یورپ میں بھی جا بلند کیا۔ اور آفتاب اسلام، جو اب تک مشرق میں اپنی ضیا پاشیاں کرتا تھا، اب مغرب سے طلوع ہوا۔ اسی تحریک احمدیت کی بدولت انگلستان میں چھ سے زیادہ انگریز اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ جن میں سے دنیوی رنگ میں اس عزت وشہرت کے آدمی ہیں۔ جیسے لارڈ ہیڈلے اور سر آرچ بولڈ ہملٹن۔ جن کو گذشتہ ایام میں البانیہ کا تاج پیش کیا گیا۔ اور علمی رنگ میں بھی بڑے بڑے قابل و فاضل انسان اسلام کو قبول کر چکے۔ پھر اس تحریک احمدیت کی بدولت ہی برلن دارالخلافہ جرمنی میں ایک عظیم الشان مسجد، جو شوکت اسلامی کا نشان ہے، بن گئی۔ ایک رسالہ تبلیغ اسلام پر جرمنی زبان میں جاری ہے۔ اور پچاسی سے زائد آدمی اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ جن میں اعلیٰ درجے کے فاضل لوگ ہیں۔ خود ہندوستان میں تبلیغ اسلام کا کام وسیع پیمانہ پر جاری کیا گیا ہے۔ اور اگر بجائے تحریک احمدیت کی مخالفت کرنے کے، مسلمان اس نیکی کے کام میں اس کے معاون بن جائیں، تو آج بھی اس سرعت کے ساتھ اسلام دنیا میں پھیل سکتا ہے، جیسے پہلے پھیلا۔ اعداد کے لحاظ سے گو ابتدا میں بڑی کامیابی نہ بھی ہو، تاہم صحیح اسلامی تعلیم کا پھیلا دینا بڑی بھاری خدمت اسلام ہے۔ اس وقت چونکہ مہذب دنیا میں اسلام کی وہی سیاہ تصویر دکھائی جاتی ہے، جو یورپ نے اپنی نہایت درجہ کی تاریکی کے وقت میں کھینچی تھی۔ اور جب اس اندھیرے میں عناد نے یورپ کی آنکھوں پر ایک تاریک عینک چڑھا رکھی تھی۔ اس تاریک تصویر نے اسلام کے متعلق یورپ کی ذہنیت کو اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ اس کو صحیح نقطہ وخیال پر لانے کے لیے ایک طویل جدوجہد اور ایک لمبا عرصہ بکار ہے۔ اور سب سے پہلے یہی کام ہماری جماعت کے سامنے ہے۔ ایک طرف اگر احمدیت دشمن سے سرحدِ اسلام کی حفاظت کرتی ہے تو دوسری طرف مملکت اسلام کی توسیع میں پورے زور سے کوشاں ہے۔

مختصر خاکہ

حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی تحریک احمدیت کو ابتدا ہی سے کاروبار دنیا کی طرف کم توجہ تھی۔ اور زیادہ شغف اسلام کے مطالعہ سے تھا۔ غیر مذاہب سے اکثر مقابلہ کرتے رہے اور اسلام کی تائید میں مضامین لکھتے رہے۔ 1884ء میں آپ کی شہرۂ آفاق کتاب ''براہین احمدیہ'' شائع ہوئی۔ آپ کا زہد واتقاء پہلے ہی مسلّم تھا۔ اس کتاب نے آپ کے علم وفضل کے سامنے بھی لوگوں کی گردنیں جھکا دیں۔ اسی اثنا میں عین چودھویں صدی کے

سر پر آپ نے یہ اعلان بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی کُلِّ رَاْسِ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا کے ماتحت آپ کو اس صدی کا مجدد کر کے بھیجا ہے۔ اس وقت لوگ کثرت سے آپ کی بیعت کرنا چاہتے تھے۔ مگر آپ نے کہا کہ مجھے بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا۔ 1889ء میں آپ نے اعلان کیا کہ آپ کو حکم ہوا ہے کہ ایک جماعت تیار کریں اور بیعت لیں۔ 1891ء میں آپ پر کھولا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے چوتھے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کا خیال، جو اس وقت عیسائیت کے لیے موجب تقویت ہو رہا تھا، اور اسلام کی اشاعت کے رستے میں بڑی بھاری رکاوٹ تھا، قرآن وحدیث کی رو سے صحیح نہیں۔ وہ دوسرے انبیاءؑ کی طرح فوت ہو چکے ہیں اور احادیث میں جو پیشگوئی ابن مریم کے آنے کی ہے۔ تو اس سے مراد ایک عیسیٰ صفت انسان ہے۔ اور آپ ہی وہ موعود مسیح ہیں۔ حدیث صحیح لَا مَھْدِی اِلَّا عِیْسٰی کے ماتحت آپ ہی موعود مہدی ہیں اور کہ آپ کو مامور کیا جانے کی سب سے بڑی غرض یہی ہے کہ مسلمانوں میں سے بعض غلطیوں کی اصلاح کی جائے اور اسی لحاظ سے آپ مہدی ہیں۔ اور عیسائیت پر اتمام حجت کیا جائے۔ اور عیسائیت کو دعوت اسلام دی جائے۔ اور اس لیے آپ عیسیٰ ہیں۔

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند ابن مریم مصلحت را نام من بنہادہ اند

اس دعوے سے آپ کے خلاف شور برپا ہوا اور طرح طرح کے الزام لگائے گئے کہ آپ دعویٰ نبوت کرتے ہیں۔ ملائکہ، معجزات اور معراج وغیرہ کے منکر ہیں۔ ان سب کی آپ نے تردید کی اور لکھا کہ میں صرف خادمِ اسلام ہو کر آیا ہوں۔ نبوت کا دعویٰ میرا نہیں۔ نہ میں کسی اجماعی عقیدہ کا منکر ہوں اور اہل سنت والجماعت کے عقائد رکھتا ہوں۔ اور اگر علماء کچھ مدت تک میرے معاملہ میں خاموشی ہی سے کام لیں تو ان پر خود کھل جائے گا کہ میں کیا کام کرتا ہوں؟ مخالفت ابتدا میں بڑے زور پر رہی۔ لیکن تدریجاً کم ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آپ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت ہو گئی۔ اور اس جماعت میں آپ نے ایسی زندگی پھونکی اور اس قدر قوتِ ایمانی بھر دی کہ ان لوگوں نے دین کی اشاعت کے لیے ہر قسم کی قربانیاں کر کے اسلام کا پیغام یورپ تک پہنچایا۔ اور آہستہ آہستہ لوگوں پر کھلنے لگا کہ فی الواقع آپ پر دعویٰ نبوت وغیرہ کے الزامات افتراء ہیں۔ اور آپ دن رات ایک ہی کام میں مصروف ہیں۔ غیروں کے حملوں سے اسلام کی حفاظت کرنا اور ان پر اتمامِ حجت کرنا اور

باوجود مخالفت کے زبردست تصانیف اصول حقہ اسلام کی تائید میں اور دوسرے ہر مذہب کے اصول باطلہ کی تردید میں تصنیف فرمائیں۔ جن کی کل تعداد اسّی تک پہنچتی ہے۔ آپ کی وفات 1908ء میں ہوئی۔ اس کے بعد چھ سال تک احمدیت برابر ترقی کرتی گئی اور لوگوں کے دلوں سے اس کے متعلق خیالات بدخود بخود دور ہونے لگے۔ یہاں تک کہ 1914ء میں عقائد کی بنا پر دو فریق ہو گئے۔

جماعت احمدیہ کے دو فریق

فریق لاہور، جو احمدی یا ''اعتدالیوں'' کے نام سے مشہور ہے، وہی عقائد رکھتا ہے جو اوپر تحریکِ احمدیت کے عقائد بیان ہو چکے ہیں۔ بانی تحریکِ احمدیت کو اس صدی کا مجدد تسلیم کرتا ہے اور تمام کلمہ گوؤں کو مسلمان سمجھتا ہے۔

فریق قادیان۔ یہ قادیانی یا ''افراطیوں'' کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے اور نبوت کا سلسلہ آنحضرتؐ کے بعد جاری مانتا ہے۔ مگر اس رنگ میں کہ شریعت آنحضرت ﷺ پر ختم ہے اور تمام کلمہ گوؤں کو، جو جناب مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا ہے۔ اور اسلام کو صرف اپنے تک محدود سمجھتا ہے۔ یہ غلو جو قادیانی فریق نے اختیار کیا اس نے پھر تحریک احمدیت کے متعلق دلوں میں وہی بدگمانیاں پیدا کر دیں جو ابتدا میں مخالفین نے جھوٹے الزام لگا کر کی تھیں۔ جس طرح پر اور جن الفاظ سے مخالفین نے ٹھوکر کھائی اور بانی تحریکِ احمدیت کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کیا، اسی طرح اور انہی الفاظ سے پیروؤں نے محبت میں غلو کر کے ٹھوکر کھائی۔ اور ضروری تھا کہ ایسا ہوتا کہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ بانی سلسلہ کی مشابہت اسی رنگ میں پوری ہوتی۔ کیونکہ وہاں بھی سخت مخالفین اور خالی پیروؤں ہر دو نے یہی کہا کہ عیسیٰؑ خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ جناب مرزا صاحب نے اپنے پیروؤں کو اس سے ڈرایا بھی تھا۔ جیسا کہ وہ اپنی کتاب ''تحفہ گولڑویہ'' میں غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ .(7:1) کی تعریف میں لکھتے ہیں:

> ''پس اس صورت میں بطور اشارت مسلمانوں کو یہ سکھلایا گیا ہے کہ یہود کی طرح آنے والے مسیح موعود کی تکذیب میں جلدی نہ کریں۔ اور حیلہ بازی کے فتوے تیار نہ کریں اور

اس کا نام لعنتی نہ رکھیں۔ ورنہ وہی لعنت الٹ کران پر پڑے گی۔ ایسا ہی عیسائیوں کی طرح
نادان دوست نہ بنیں اور ناجائز صفات اپنے پیشوا کی طرف منسوب نہ کریں۔''

نام

احمدیہ نام کی وجہ خود بانی تحریک احمدیت نے حسب ذیل دی ہے:

''اور وہ نام جو اس سلسلہ کے لیے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لیے اور اپنی جماعت کے لیے پسند کرتے ہیں وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے۔ اور اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لیے رکھا گیا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے دو نام تھے۔ ایک محمد ﷺ دوسرا احمد ﷺ اور اسم محمد جلالی نام تھا اور اس میں یہ مخفی پیشگوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دیں گے جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا۔ اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا، لیکن اسم احمد جمالی نام تھا۔ جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت ﷺ دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے۔ سو خدا نے ان دو ناموں کی اس طرح تقسیم کی کہ اول آنحضرت ﷺ کی مکہ کی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا۔ اور ہر طرح سے صبر و شکیبائی کی تعلیم تھی اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمد کا ظہور رہا۔ اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی۔ لیکن یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمد ظہور کرے گا۔ اور ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کے ذریعے سے احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئیں گی اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس اسی وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام فرقہ احمدیہ رکھا جائے۔'' (اشتہار 4 نومبر 1900ء)

بیعت

مجدد وقت کو جب یہ حکم ہوا کہ ایک جماعت حفاظت و اشاعتِ اسلام کے لیے تیار کی جائے تو اس کے ساتھ ہی بیعت لینے کا حکم بھی ملا۔ اصل بات یہ ہے کہ ظاہری بیعت سے انسان کے اندر قوت پیدا ہوتی ہے اور اس

کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت نازل ہوتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے وقت نبی کریمؐ نے چودہ سو صحابہؓ سے، جو آپ پر پہلے سے ایمان لائے ہوئے تھے، حکم الٰہی کے ماتحت بیعت لی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بیعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو گیا۔ اور ان کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی۔ ان کے ایمانوں کو بڑھایا اور فتح وظفر کو ان کے لیے سہل کر دیا۔ یہ عملی نمونہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس لیے رکھا گیا کہ تا آئندہ جب خدمت دین کے لیے مسلمانوں کو کوئی خدا کا بندہ حکم الٰہی کے ماتحت بیعت کے لیے بلائے، تو وہ بیعت کر کے اس کے ساتھ ہو لیں۔ بیعت ایک اقرار ہے۔ اور عہد و اقرار کی پابندی انسان کے اندر ایسی مرکوز ہے کہ وہ سخت سے سخت مصیبت کا مقابلہ کر لیتا ہے۔ مال کو چھوڑ دیتا ہے، موت کو قبول کر لیتا ہے مگر اپنے اقرار سے نہیں پھرتا۔ خدمتِ دین میں جو مشکلات پیش آتی ہیں اگر ان کا مقابلہ کرنے والے کسی عہد و اقرار کی پابندی کے نیچے نہیں تو ذرا سی مشکل پر گھبرا جائیں گے۔ پس جب اس زمانہ کے مجدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ضرور ٹھہرایا کہ وہ تمام مذاہب باطلہ کا مقابلہ کرے اور دنیا میں اسلام کو پھیلائے تو اس کے لیے یہ بھی ضرور ہوا کہ وہ ایک جماعت تیار کرے۔ جو ایک عہد کے ماتحت اس سے وابستہ ہو کر اس خدمت دین کے کام پر اپنی پوری ہمت صرف کرے۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی برکت نازل نہیں ہوتی اور نہ کامیابی کا دروازہ کھلتا ہے۔

مجدد ین کا ماننا درحقیقت انبیاءؑ پر ایمان لانے کی طرح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی، جو دنیا میں آیا، اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ لوگوں سے یہ اقرار بھی لیا کہ وہ نبی اللہ ہے۔ لیکن مجدد کبھی یہ اقرار نہیں لیتا۔ بیعت میں جو اقرار حضرت مرزا صاحب لیتے تھے وہ صرف اس قدر تھا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اور خدا کی توحید کے ساتھ اقرار صرف نبوت رسول اللہ ﷺ کا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ بیعت کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار لیا ہے۔ اور عملی رنگ میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد لیا ہے۔ یعنی عمل کا اقرار۔ کیونکہ مجدد تائید دین کے لیے آتے ہیں۔ اور تائید دین کے لیے انہیں انصار کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح وہ محض ایک کام کے لیے آتے ہیں، اسی طرح وہ اپنے ساتھ دوسروں کی شمولیت محض اسی کام کے لیے چاہتے ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم نے بھی ان الفاظ میں ان لوگوں کی معیت کا ارشاد فرمایا ہے:

كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (119:9) تم ان لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ جو خدمتِ اسلام میں صدق دکھاتے ہیں۔

یہ بھی عملی معیت ہی ہے۔ ہاں یادرکھنا چاہئیے کہ جو شخص مجدد کی آواز پر اس کا ساتھ نہیں دیتا، گویا وہ اللہ تعالیٰ کے ایک فعل کو لغو ٹھہراتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ضرورت حقہ کی وجہ سے مجدد دین کو مامور فرماتا ہے اور ایسا شخص خیال کرتا ہے کہ مجھے مجدد کی ضرورت نہیں۔ انسان کی گردن اللہ تعالیٰ کے سارے حکموں کے سامنے جھکنی چاہئیے۔

احمدیت کے متعلق چند غلط فہمیاں

بدقسمتی سے مسلمانوں میں علماء کا گروہ نہایت درجہ تنگ دل واقع ہوا ہے۔ یہ لوگ اسلام کے مصائب سے بے خبر اور مسلمانوں کی بیخ کنی کے در پے ہیں۔ ان کے اپنے معیارِ اسلام سے کوئی ذرا ادھر اُدھر ہوا، تو وہ ملحد، کافر، زندیق بن گیا اور پھر سارا زور اس کے خلاف صرف ہوتا ہے۔ یہ لوگ احمدیت کے مفید کاموں کی طرف توجہ کرنے کی بجائے اس پر نکتہ چینیوں میں اور اسے بدنام کرنے میں مصروف ہیں اور نہیں جانتے کہ جس قدر اس تحریک کو وہ برباد کرنے میں مصروف ہیں وہ نقصان حفاظت و اشاعتِ اسلام کے کام کو پہنچ رہا ہے۔

دعویٰ مسیح موعودؑ

سب سے بڑا اعتراض تحریک احمدیت کے متعلق حضرت مجدد صد چہار دہم کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ مسیح موعودؑ ہیں۔ غور سے کام لیا جائے تو اس میں کوئی امر بھی قابل اعتراض نہیں۔ اصل سوال صرف اصولی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ احادیث میں حضرت عیسٰیؑ کے آنے کا ذکر ہے۔ جو تین حالت سے خالی نہیں۔ یا حضرت عیسیٰؑ، جو بنی اسرائیلی نبی ہیں، خود آئیں یا یہ احادیث ردّ کی جائیں یا ان سے مراد مجازی رنگ میں حضرت عیسٰیؑ کا آنا ہو۔

الف: پہلی شق اس لیے صحیح نہیں کہ حضرت عیسٰیؑ کی وفات قطعی دلائل سے قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ جہاں حضرت عیسیٰؑ پر اس سوال کا ذکر ہے کہ کیا تم نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی تھی کہ تمہیں خدا بنائیں۔ تو حضرت عیسیٰؑ نہ صرف اس سے اپنی برّیت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ: كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا

مَّا دُمۡتُ فِیۡهِمۡ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡهِمۡ (117:5) یعنی جب تک میں ان میں رہا ان پر گواہ تھا (کہ وہ تعلیم حقہ پر قائم ہیں) جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ان پر نگہبان تھا۔ یعنی ان کے عقائد میری وفات کے بعد بگڑے۔ پس اگر عیسائیوں کے عقائد بگڑے تو حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بعد بگڑے۔ اور چونکہ ان کا بگڑا ہوا ہونا مسلم ہے، اس لیے حضرت عیسیٰؑ کی وفات بھی مسلّم ہے۔ لہٰذا وہ واپس نہیں آ سکتے۔

پھر حضرت عیسیٰؑ ایک نبی ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ خاتم النّبیّین ہیں آپؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آ سکتا۔ اگر آنحضرتؐ نے نبوت کے کام کی تکمیل کر دی ہے تو پھر نبی کا آنا بے معنی ہے۔ خواہ وہ پرانا نبی ہو یا نیا۔ اور اگر نبی آئے گا تو ماننا پڑے گا کہ نبوت کے کام کی تکمیل نہیں ہوئی۔

ب: نزول ابن مریم کی احادیث پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ اور یہ احادیث چودہ مختلف صحابہؓ سے مروی ہیں۔ پھر اسی کے ساتھ یاجوج ماجوج کے غلبہ اور دجال کے خروج کی احادیث ہیں۔ اگر ان تمام احادیث کو، جن کا ایک بھاری مجموعہ بنتا ہے اور جو صحیح ترین کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں، رد کر دیا جائے تو حدیث سے بالکل اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ اور علاوہ بریں صحیح اصول یہی ہے کہ حدیث کو رد کرنے کی ضرورت اس وقت ہوگی جب اس کی تاویل نہ ہو سکے۔ پس صرف تیسری صورت رہ جاتی ہے۔

ج: ان احادیث میں نزولِ ابنِ مریم سے مراد مجازی رنگ میں حضرت عیسیٰؑ کا آنا ہے۔ اور اس کی تائید نہ صرف اس بات سے ہوتی ہے کہ دوسری دو شقیں ناقابل قبول ہیں بلکہ خود حدیث کے الفاظ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ حدیث میں اگر نزول ابن مریم کا ذکر ہے تو وہاں اسے اِمَامُكُمۡ مِنۡكُمۡ اور بروایت مسلم امكُمۡ مِنۡكُمۡ بھی کہا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ مسلمانوں میں سے ایک شخص ہے جو مسلمانوں کا امام ہوگا۔ اور پھر اس کا کام بھی کسرِ صلیب اور قتل خنزیر بتایا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ کسرِ صلیب

سے مراد سچ مچ لکڑی یا لوہے یا پتھر یا سونے چاندی کے صلیبوں کو توڑتے پھرنا نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں۔یعنی عیسائی مذہب کے غلط اصول کو باطل کر کے دکھانا اور قتل خنزیر سے مراد سچ مچ سؤروں کا مارنا نہیں، جو مصلح کی شان کے شایان کام ہرگز نہیں، بلکہ صفت خنزیریت کو دور کرنا ہے۔تو جب یہاں ہم مجبور ہیں کہ مجازی معنی لیں تو کیا وجہ ہے کہ نزول ابن مریم میں مجازی معنی مراد نہ لیے جائیں۔یعنی کسی عیسیٰ صفت انسان کا آنا اس سے مراد لیا جائے۔حالانکہ اس تاویل کی صحت پر یہ بھی ایک شہادت ہے کہ اس سے پہلے یہودیوں میں الیاسؑ کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی تھی۔اور انہیں بتایا گیا تھا کہ ضرور ہے کہ مسیحؑ کے آنے سے پہلے الیاسؑ دوبارہ آئے۔مگر حضرت عیسیٰؑ پر یہودیوں نے یہ اعتراض کیا کہ الیاسؑ دوبارہ نہیں آئے۔تو انہوں نے یہی جواب دیا۔جیسا کہ انجیل میں مذکور ہے (متی 13:17) کہ یحییٰؑ کے آنے سے وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔کیونکہ یحییٰؑ الیاسؑ کی خو بو لے کر آئے ہیں۔پس جب حضرت عیسیٰؑ خود یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ الیاسؑ کی دوبارہ آمد سے مراد ان کے مثیل کی آمد ہے۔تو عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد سے کوئی اور معنی ہرگز نہیں لیے جا سکتے۔اور پھر تیسری گواہی یہ موجود ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت عیسیٰؑ اسرائیلی نبی کا حلیہ دیا ہے۔بال گھونگریالے، رنگ سپید۔اور آنے والے عیسیٰ کا حلیہ دیا ہے بال سیدھے۔رنگ گندم گوں۔جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنے والے عیسیٰ اور ہیں۔

پس یہ سوال بھی الگ ہے کہ وہ عیسیٰ موعود مجدد صد چہاردہم ہیں یا نہیں۔اصولی سوال صرف یہ ہے کہ کیا نزولِ ابنِ مریم سے سوائے اس کے کچھ اور مراد لی جاسکتی ہے کہ کوئی مجدد عیسوی صفات والا آ جائے۔یہ وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے مجدد کے قلب پر منکشف فرمائی۔

جہاد

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مجدد صد چہاردہم نے جہاد کو منسوخ قرار دیا۔حالانکہ جیسا کہ اوپر کے حوالہ جات سے ظاہر ہے بانی تحریکِ احمدیت ایک لمحہ کے لیے بھی اس خیال کو قبول نہیں کرتے کہ قرآن شریف

کے کسی حکم کو کوئی منسوخ کر سکے۔ جس جہاد کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اس کے متعلق تو آپ نے صرف اسی قدر کہا ہے:

> وُجُوْهُ الجِهَادِ مَعْدُوْمَةٌ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ وَفِيْ هٰذَا الْبَلَادِ جہاد کی شرائط اس زمانہ میں اوراس ملک میں پائی نہیں جاتیں۔

جس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ جہاد کی صحت کے قائل ہیں۔ البتہ جو غلط خیال بعض لوگوں کے دماغوں میں بیٹھا ہوا تھا کہ امام مہدی تلوار سے لوگوں کو مسلمان کریں گے، اس کی تردید آپ نے بلاشبہ کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ دین کی اشاعت کے لیے تلوار اٹھانے کی اجازت اسلام نے نہیں دی۔ صرف دین کی حفاظت کے لیے ایسی اجازت دی تھی۔ اور کہ مہدی اور عیسٰیؑ ایک ہی ہیں۔ اور وہ ایسا شخص ہے جو دلائل سے دین کی حقانیت کو ثابت کرے گا۔ اور اسلام کے غالب آنے کی وجہ اس کی روحانی طاقت ہے نہ کہ تلوار کی طاقت۔

دعویٰ نبوت کی تردید

تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔ مزید تائید کے لیے وہ حوالہ نقل کیا جاتا ہے جہاں یہ اعتراض خود بانی تحریک احمدیت کے سامنے آیا ہے۔

> ''سوال: رسالہ فتح اسلام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟
>
> الجواب: نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے اوراس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویّہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے۔ جس حالت میں رویائے صالحہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے تو محدثیت، جو قرآن شریف میں نبوت کے ساتھ اور رسالت کے ہم پہلو بیان کی گئی، جس کے لیے صحیح بخاری میں حدیث بھی موجود ہے، اس کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا جائے تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آ گیا؟'' (ازالہ اوہام صفحہ 421-422)

ملائکہ وغیرہ کا انکار نہیں

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ملائکہ وغیرہ کا انکار ہے۔ ملائکہ کا انکار، بہشت دوزخ کا انکار، لیلۃ القدر کا انکار وغیرہ محض مولویانہ افتراء ہیں۔ بانی تحریک احمدیت اور آپ کے سب پیروان جملہ مور کے قائل ہیں۔ جیسا کہ اوپر کے حوالہ جات سے ظاہر ہے۔ ایسا ہی معجزات کا انکار بھی۔ ہاں بہت سے قصے، جن کی قرآن شریف یا صحیح حدیث سے کوئی سند نہیں ملتی اور جو اسلام کے لیے بدنامی کا موجب ہیں، انہیں ہم نہیں مانتے۔ ایسا ہی ہم معراج کے بھی قائل ہیں۔ مگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مذہب پر کہ یہ معراج عالم کشف میں ہوا۔

یاجوج ماجوج وخروجِ دجال

پانچویں بات یہ کہ یاجوج ماجوج اور دجال کے خروج کے متعلق جو پیشگوئیاں ہیں ہم انہیں بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ دوسرے لوگ ان کے پورا ہونے کے منتظر ہیں۔ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ وہ پوری ہوچکیں۔ البتہ یہاں بھی بعض پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارہ ہے۔ یاجوج ماجوج کے خروج کے متعلق قرآن کریم نے موٹا نشان دے دیا ہے:

> وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (96:21) کہ وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے۔ یعنی دنیا کی تمام بلندیوں پر غالب آجائیں گے۔

اور حدیث میں بھی ہے:

> لَايَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ۔ کسی کو ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہ ہوگی۔

اب ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں یورپ کی اقوام کا ذکر ہے۔ اور مسلمانوں کو بطور تسلی بتا دیا گیا تھا کہ ان کے غلبہ سے گھبرا نہ جائیں۔ اسلام آخر ان پر بھی غالب آجائے گا۔ ایسا ہی دجال کے متعلق حدیث میں ہے کہ اس کے فتنے سے بچنے کے لیے سورہ الکہف کی پہلی دس آیتیں پڑھو یا پچھلی دس۔ اور ان دونوں مقامات پر عیسائیت کے باطل عقیدہ اِتّخَاذُ وَلَدٍ کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دجال سے مراد درحقیقت وہی قوم ہے جو کفارہ اور تثلیث

کے باطل عقیدوں سے دنیا کو دھوکے میں ڈال رہی ہے۔ ہم اگر ایک پیشگوئی کے ایسے معنی کرتے ہیں، جن کے لحاظ سے وہ پیشگوئی پوری ہوچکی، تو یہ اس پیش گوئی کی تائید ہے نہ کہ انکار!

❁❁❁

یکم ستمبر 1926ء

گوروگرنتھ صاحب میں سرورِ عالمؐ کا ذکرِ خیر

(شیخ محمد یوسف صاحب گرنتھی کے قلم سے)

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں کہیں کوئی خوبی نظر آئے اس کی تعریف کی جائے۔ عیسائی ہمارے ہم مذہب نہیں، تاہم جس حدتک وہ قوانین حقہ کی پیروی کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس حدتک وہ قابل تعریف ہیں۔ آریہ گو کتنے ہی اسلام کے دشمن ہیں مگر پھر بھی بعض امور مثلاً نکاح بیوگان، اصلاح رسومات وترک توہمات میں وہ قابل تعریف ہیں۔ بدن کو کھلا رکھنا از روئے شریعت نازیبا ہے۔ مگر ایک پہلوان کی طاقت کے کرتبوں کی، جو وہ لنگوٹ باندھ کر کرے، تعریف ہی کی جاتی ہے۔ گانا بجانا حرام تک کہا جاتا ہے۔ مگر جہاں تک خوش گلوئی کا تعلق ہے، ہم ایک معنی میں خوش الحانی کو بھی ضرور سراہتے ہیں۔ علیٰ ہذاالقیاس! کسی چیز میں باوجود صدہا عیوب کے اگر ایک خوبی ہو تو لامحالہ اس کی تعریف زبان سے نکلتی ہے۔ جب یہ امر واقع ہے کہ ہر ایک خوبی کی تعریف کرنا پڑتی ہے تو پھر اگر خوبیوں کے مخزن، مجمع جمیع صفات حسنہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (4:68) کی الٰہی سند رکھنے والے فدااَبِی واُمی کو کسی شیدائی حقیقت نے اپنا دل دے دیا ہو تو جائے تعجب نہیں بلکہ عین انصاف اور دیانتداری اور نیکی ہے۔

دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم بایدا دل بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

اب ہمارا فرض ہے کہ ایسے خیر البشرؐ کی تعریف کرنے والوں کی بھی تعریف کریں۔ گروگرنتھ صاحب کے مصنفین میں سے بعض ایسی قابل ہستیاں بھی ہیں جنہوں نے بلا خوف لومتہ لائم بیاض میں آقائے نامدار کی تعریف کر کے صاف الفاظ میں اپنے مذہب کا اظہار کر دیا ہے۔ اور جب تک ان کی تصانیف دنیا میں باقی رہیں گی، وہ سرور عالمؐ کی صداقت کا ایک بین ثبوت رہیں گی۔ ان مبارک ہستیوں میں وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُوْلٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ (10:56-11) کا درجہ پانے والی شری گورونانک صاحب کی ہستی ہے۔ آپ فرماتے

ہیں:

بابا اللہ اگم اپار پا کی نائی پاک تھائے سچا پروردگار اوہاؤ تیرا حکم نہ جاپی کہڑا لکھ نہ جانے کوئے
جے سو شاعر میلیئے تل نہ بچا دنیہ روئے قیمت کئے نہ پائیا سبھ سن سن آکھنیہ سوئے
پیر، پیغامبر، سالک، صادق، شہدے اور شہید شیخ، مشائخ، قاضی، ملاں در درویش رشید
برکت تن کو اگلی پڑھدے رہن درود (سری راگ محلّہ: 1)

ترجمہ: اے لوگو! اللہ تعالیٰ وراء الورا اور لامحدود ہے۔ اس کے نام سب پاک ہیں۔ اور وہ پاک جگہوں (دلوں) میں رہتا ہے۔ وہ رب العالمین سچا ہے۔ (اے خدا) تیرا کلمہ (مراد کلمات اللہ) نہ معلوم کتنا ہے۔ کوئی اس کو دائرہ افہام میں نہیں لاسکتا۔ اگر صد ہا شاعر جمع کیے جائیں کہ تیرے کلام یا مخلوق کی تعریف کریں تو وہ اپنا تمام زور صرف کر دینے کے باوجود ایک ذرہ کی ماہیت بیان نہیں کر سکتے۔ پوری واقفیت تیری قدرت کی کسی کو حاصل نہیں۔ سب لوگ جتنا کسی سے سنتے ہیں، اتنا ہی بیان کرتے ہیں۔ پیر، پیغمبر، سالک، پیشوا، شہید، شیخ، صوفی، قاضی، مولوی، درویش اور رشید اِن سب کو بڑی بڑی برکتیں حاصل ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ درود شریف کا ورد کرتے رہتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ علیٰ ہذاالقیاس! اور بھی کئی مقامات پر آپ نے سرور عالم کی بڑی تعریف کی ہے۔ جو شخص دوسرے بزرگان دین کو بوجہ درود شریف کے بڑی برکتوں کا وارث قرار دیتا ہو، کیا وہ خود حصول برکت سے محروم رہا ہوگا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ''بن کلمے کل ناہ باجھ محمد بھگت اجائیں'' وغیرہ کلمات سے ظاہر ہے کہ آپ جس طرح دوسروں کو درود کی تلقین فرماتے تھے، اسی طرح خود بھی اس کے عاشق وشیدائی تھے۔

دوسری قابل قدر اور واجب التعظیم ہستی گورو ارجن صاحب کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اٹھے پہر بھوندا پھرے کھاون سنڈڑے سول دوزخ پوندا کیوں رہے جاں چت نہ ہوئے رسول

(گوڑی کی دار محلّہ:5)

ترجمہ: انسان شب وروز حیران وسرگرداں (فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ 15:2) کا مصداق یوں رہتا ہے۔اور کیوں دکھ بھگتتا رہتا ہے۔دوزخ میں کیوں پڑتا ہے۔اس لیے کہ اس کے دل میں حُبِّ رسول نہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی مَنۡ صُلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا

۞۞۞

22 ستمبر 1926ء

نہایت ضروری اعلان جماعت کے نام

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں ایک مدت سے اس کوشش میں ہوں کہ جماعت احمدیہ کے دونوں فریقوں میں، جو اس وقت اپنی اپنی جگہ پر علیحدہ علیحدہ کام کر رہے ہیں، باہم تنفر کی بجائے تعلقات اخوت اسلامی پیدا ہوں۔ اسی لیے میں نے اس سے پہلے بھی ایک دفعہ یہ اعلان کیا تھا کہ فریق قادیان کے متعلق کوئی دل آزار یا سخت کلمات ہماری تحریروں میں نہیں ہونے چاہئیں۔ مگر باوجود اس کے اخبار پیغام صلح کے صفحات اس نقص سے پاک نہیں ہوئے۔ اور اس کی وجہ عموماً مضمون نگاروں یا ایڈیٹر اخبار کی طرف سے یہ دی جاتی ہے کہ چونکہ فریق ثانی کی طرف سے ایسے لفظ استعمال ہوتے ہیں، اس لئے مجبوری سے جواباً ان کو بھی یہ سختی کا طریق اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس دفاع پر مجبور ہوتا ہے۔ لیکن تحریرات کے معاملہ میں مَیں سمجھتا ہوں کہ باوجود ایک فریق کی زیادتی کے دوسرا فریق نرمی کا طریق اختیار کر سکتا ہے اور سختی کا جواب ہر وقت سختی سے دینا ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک اصلاح کے لیے بسا اوقات صبر اور برداشت سے کام لینا پڑتا ہے۔ یہی تعلیم قرآن شریف کی سطر سطر میں نظر آتی ہے کہ جو لوگ ایذا دیتے ہیں ان کے مقابلہ میں صبر و احتیاط کرنا چاہیئے۔ پس جب مخالفین اسلام کے مقابل پر ہمیں یہ حکم ہے کہ نرمی اور صبر اختیار کریں تو اگر دو مسلمان فریق میں باہم بعض مسائل میں اختلاف ہو تو یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے مقابل میں نرمی اختیار کریں۔ اور اگر کوئی سختی دوسری طرف سے ہو بھی، تو اس کو صبر سے برداشت کریں اور اپنے نیک نمونے سے اپنے بھائیوں کے دلوں کو مسخر کر لیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ابتدا اختلاف کا زمانہ ایک جوش کا زمانہ تھا۔ جس میں زیادتی کے مقابل پر زیادتی کا بھی عذر ہوسکتا تھا، لیکن اب وہ زمانہ باقی نہیں رہا۔ اور اب اگر اختلاف باقی بھی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کب تک باقی رہے گا، تو مسائل پر بحث اسی طرح ہو سکتی ہے کہ جس طرح ہم دوسرے غلط عقائد پر بحث کرتے ہیں۔ کسی عقیدہ، کسی غلطی کے اظہار کے لیے نہ کسی خاص شخص کو بُرا کہنے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ اس پر کوئی ذاتی حملہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے اس

اعلان کے ذریعہ سے میں اپنے تمام احباب کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ آئندہ کے لیے ہماری تحریرات کی روش، خواہ وہ اخبار میں ہو یا رسالوں میں، اس کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اور اس امر کہ کسی دوسرے پر کوئی حملہ نہ ہو یا اس کی دل آزاری نہ ہو، ایک نیکی کا کام سمجھ کر اس خُلق کو، جو فی الحقیقت انبیاءؑ کا خُلق ہے، اپنے اندر لینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مسائل اور عقائد پر بحث ضرور رہے گی۔ لیکن اس میں کسی شخص کی ذات پر بھی کوئی حملہ نہ ہو، نہ کسی کے متعلق کسی قسم کے دل آزار کلمات ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ طرزِ تحریر، جس میں نرمی کا پہلو غالب ہو، بالآخر زیادہ مفید نتائج پیدا کرنے والی ہوگی۔

نوٹ: میں اس جگہ یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسی مضمون کی ہدایت مَیں اخبار پیغام صلح کے ایڈیٹر کے نام کوئی پندرہ روز ہوئے بھیج چکا ہوں اور انہیں ہدایت کر چکا ہوں کہ اگر کوئی ذاتی حملہ دوسرے فریق کے متعلق اخبار میں نکلے گا تو وہ اس کے جوابدہ ہوں گے۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

پیٹر برو۔ ڈلہوزی۔ 17 ستمبر 1926ء

میاں محمود احمد صاحب کا اعلان

برادران۔السلام علیکم

میں اس اعلان کے لیے ایڈیٹران، نامہ نگاران و مصنفین سلسلہ احمدیہ کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جو اختلافات سلسلہ میں کسی نہ کسی سبب سے پیدا ہوئے ہیں، ان کی وجہ سے بعض دفعہ مبائعین بھی گو جواباً ہی کیوں نہ ہو ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، جن سے مسئلہ کی تحقیق پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ صرف دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہے۔ گو جواباً بعض دفعہ سختی کرنا ایک قسم کا علاج ہی ہوتا ہے لیکن موجودہ زمانہ میں، جبکہ دنیا کی نگاہیں خاص طور پر ہماری طرف لگی ہوئی ہیں، لوگوں میں یہ امر ہماری جماعت کی سبکی کا موجب ہو جاتا ہے۔ اور یہ میں بارہا بتا چکا ہوں کہ دنیا اخلاق سے فتح ہو سکتی ہے، نہ کہ ہمارے زوردار الفاظ سے۔ اس لیے آئندہ کے لیے میں اپنے تمام احباب کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ جواباً بھی کوئی ایسا کلمہ اپنی تحریرات میں درج نہ کریں، جس سے کسی پر ادنیٰ سے ادنیٰ ذاتی حملہ بھی ہوتا ہو۔ بلکہ صرف مسائل کی تحقیق سے کام لیں۔ چونکہ کسی فریق کے حد سے بڑھ جانے پر بعض دفعہ الزامی جواب کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ اس لیے میں سردست اس اعلان کو تین ماہ کی مدت سے مشروط کرتا ہوں۔ اس تین ماہ کے عرصہ میں تو خواہ کوئی حالات بھی پیش آئیں اور الزامی جواب نہ دینے سے نقصان بھی ہو، تب بھی اس اعلان کو قائم رکھا جائے گا۔ لیکن تین ماہ کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ آیا دوسرے فریق نے کوئی اصلاح کی ہے یا نہیں۔ اگر اس کا رویہ ایسا درست ہوا یا ایسا اشتعال انگیز نہ ہوا کہ جس کی وجہ سے الزامی جواب دینے کی ضرورت پیش آئے، تو پھر اس اعلان کی مدت کو لمبا کر دیا جائے گا۔ ورنہ دوبارہ اعلان کر کے مجبوری کی وجہ سے اس اعلان کو منسوخ کر دیا جائے گا۔ میں دوستوں کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی مصنف یا مؤلف یا مضمون نویس یا ایڈیٹر نے اس کے خلاف عمل کیا اور اس کے اس فعل کی طرف مجھے توجہ دلائی گئی، تو میں تحقیقات کے بعد ایسے شخص کے خلاف اظہار نفرت کرنے پر مجبور ہوں گا۔ پس میری محبت اور میری رائے کی قدر کرنے والے دوستوں کو اپنی تحریرات میں خود ہی ہوشیار رہنا چاہیئے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ایسے سامان پیدا کر دے کہ ہمیں آئندہ کبھی اس اعلان کو منسوخ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ والسلام۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

۞۞۞

30 ستمبر 1926ء

حضرت امیر کے قلم سے

بابی مذہب کا مایہ ناز استدلال

بابیوں کا مایہ ناز استدلال اس امر پر کہ شریعت قرآنی منسوخ ہے،قرآن کریم کی آیت ذیل ہے۔ جو سورہ السجدۃ میں آتی ہے:

> یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ. (5:32)''وہ اس امر کی تدبیر آسمان سے زمین کی طرف فرماتا ہے۔ پھر وہ اس کی طرف چڑھ جائے گا۔ایک دن میں جس کا اندازہ ایک ہزار سال ہے۔اس سے جو تم گنتے ہو۔''

ایک دوست نے لکھا ہے کہ بہائی اس سے یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ ہزار سال کے بعد ہر امر (کلام الٰہی) آسمان پر واپس چلا جاتا ہے۔اور خداوند تعالیٰ پھر اپنا تازہ کلام نازل فرماتا ہے۔جیسا کہ چند ایک پہلے نبیوں کی مثالیں وہ پیش کرتے ہیں اور اس سے نعوذ باللہ قرآن شریف کو منسوخ کرتے ہیں۔اس استدلال کی صحت کے لیے اول ہمیں الفاظ قرآنی پر غور کرنا چاہئیے اور دوسرے واقعات تاریخی پر۔یعنی پہلا سوال یہ ہے کہ:

1۔کیا آیت قرآنی کے وہ معنی صحیح ہیں جو بابی کرتے ہیں؟

یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ میں ایک تو ذکر اَلۡاَمۡرُ کا ہے اور اَلۡاَمۡرُ میں صاف اشارہ ہے کہ یہ ہر ایک وحی یا ہر ایک نبوت کا ذکر نہیں بلکہ خاص امر یعنی نبوت محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے۔دوسرے یہاں اَلۡاَمۡرُ کی تدبیر کا ذکر ہے۔اور تدبیر کے معنی عواقب امور میں فکر کرنا ہیں۔اور اسی لیے کسی امر کے استحکام کو بھی تدبیر کہتے ہیں۔چنانچہ قرآن شریف میں دوسری جگہ آتا ہے فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا (5:79) جس کے معنی استحکام امور کے ہیں۔پس یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ کے معنی یہ نہیں کہ وہ شریعت یا وحی نازل فرماتا ہے بلکہ اس کے معنی وہ اَلۡاَمۡرُ ہیں جو امر اسلام کے خلاف

ہوں گے۔یعنی اس میں کمزوری کا واقع ہونا۔پس آیت قرآنی کا مفہوم یہ ہوا کہ اول امر اسلام کا استحکام اور اس کی مضبوطی ہوگی۔ پھر اس کے بعد ایک ہزار سال کا زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں کمزوری اور اختلال واقع ہوگا۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک ہزار سال کی میعاد معین کرنے میں صاف اشارہ ہے کہ اس کے بعد پھر اس امر کی مضبوطی ہو گی۔نہ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ میں نزول شریعت کا ذکر ہے۔نہ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ میں اس کی تنسیخ کا۔اس کے بعد دوسرا سوال ہے۔

2۔واقعات تاریخی کس معنی کو صحیح ٹھہراتے ہیں؟

اول ہم بابی معنی کو لیتے ہیں۔ایک ہزار سال کے بعد تازہ کلام الٰہی نازل ہوتا ہے۔اب ذرا تاریخ انبیاءؑ کو لوتو یہ ہزار سال کی میعاد محض ایک قصہ نظر آتی ہے۔مثلاً حضرت موسیٰؑ سے شروع کریں۔حضرت موسیٰؑ خود کسی نبی سے ہزار سال بعد نہیں آئے۔حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں پے در پے نبی آئے اور ہزار سال کا فاصلہ نظر نہیں آتا۔حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ میں ہزار سال کا فاصلہ نہیں۔حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ میں ہزار سال کا فاصلہ نہیں۔پارسیوں میں، ہندوؤں میں، چینیوں میں کہیں بھی ہزار سال کے بعد پرانی شریعت منسوخ ہوتی اور نئی شریعت اترتی نظر نہیں آتی۔اور جس امر کے لیے دلیل پیش کی گئی تھی، یعنی باب کے آنے سے شریعت قرآنی کا نسخ، وہاں بھی ہزار سال کا فرق نہیں بلکہ 1260 سال کا فرق ہے۔ باب نے اپنے بعد **من یظھرہ اللّٰہ** کے آنے کی پیشگوئی کی تھی۔اس نے بھی اس کی میعاد ایک ہزار سال نہیں بتائی بلکہ اس کا خیال تھا کہ غالباً پندرہ سو سال تک وہ آئے گا۔اور فی الحقیقت باب کی وفات کے صرف پندرہ سال بعد بہاء اللہ نے **من یظھرہ اللّٰہ** ہونے کا دعویٰ کیا۔ایک ہزار سال کے بجائے پندرہ سال! پھر یہ ہزار سال کا فاصلہ کہاں تلاش کریں؟

آنحضرت ﷺ اور مرزا محمد علی باب کے درمیان جو 1260 سال کا عرصہ ہے، اس کو ایک ہزار سال میں تبدیل کرنے کے لیے بہائیوں کا استدلال بہت عجیب ہے۔ کہتے ہیں کہ چونکہ امام محمد بن حسن عسکری 260ھ میں غائب ہوئے تھے اور مرزا محمد علی باب نے 1260ھ میں دعویٰ کیا۔اس لیے یہ ایک ہزار سال پورا ہوگیا۔مگر کیا بانی اسلام اور شریعت محمدیہ کے لانے والے امام محمد بن حسن عسکری تھے؟ اس طرح اگر ہزار سال پورا کرنا ہے تو کسی

ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کے درمیان بنالینا آسان امر ہے۔ لیکن اگر غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ شریعت محمدیہ کے نزول اور اس کی تنسیخ میں ہزار سال کا فاصلہ ہے اور اس کی طرف ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ میں اشارہ ہے تو یہ ایک عبث کوشش ہے۔

سب سے عجیب بات مرزا محمد علی باب اور بہاء اللہ کا درمیانی فاصلہ ہے۔ بابی یا بہائی لوگ شریعت محمدیہ کو منسوخ باب کے دعویٰ سے قرار دیتے ہیں۔ اور باب نے اپنے پیروؤں کو اس کی جگہ ایک نئی شریعت دی۔ باب کا یہ دعویٰ تھا کہ اس کی شریعت تمام دنیا میں پھیلے گی۔ اور جب تک وہ شریعت دنیا میں پھیل کر غائب نہ ہو جائے، اس وقت تک اس کی جگہ دوسری شریعت نہیں لے سکتی۔ مگر باب کی شریعت کو بہاء اللہ صرف پندرہ سال بعد آ کر منسوخ کر دیتا ہے اور اس کی جگہ ایک اور شریعت دیتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب باب کی شریعت کو سوائے اس کے چند خاص الخاص پیروؤں کے کوئی جانتا بھی نہیں۔ بہائیوں نے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے یہ قصہ بنایا ہے کہ محمد علی باب بہاء اللہ کے لیے صرف بطور ارہاص تھا اور اصل ظہور بہاء اللہ کا ہی ہے۔ مگر یہ صرف اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے ایک غلط عذر بنایا گیا ہے۔ پیروفیسر براؤن نے، جو بابیوں کے بڑے مداح تھے، متعدد مقامات پر اس غلط خیال کی تردید کی ہے اور بالخصوص کتاب ''نقطۃ الکاف'' کے دیباچہ میں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''یہ خیال، جواب بابی پیش کرتے ہیں کہ باب اپنے آپ کو بہاء اللہ کے ظہور کے لیے محض بطور ارہاص یا ایک پیش خیمہ سمجھتا تھا اور اس کو اس سے وہی نسبت تھی جو یوحنا بپتسمہ دینے والے کو یسوع مسیح سے تھی، تاریخی رنگ میں اس کی بنیاد کوئی نہیں اپنے دعویٰ میں۔ اور یہی خیال اس کے پیروؤں کا تھا۔ مرزا محمد علی ایک نئے دور رسالت کا لانے والا تھا جو ایک نئی شریعت ''البیان'' لایا۔ جس نے قرآن کو منسوخ کر دیا۔ جس طرح قرآن نے انجیل کو اور انجیل نے توریت کو منسوخ کر دیا۔''

پس قبل اس کے کہ بہائی صاحبان ہر ہزار سال کے بعد ایک شریعت کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کریں، ان کو اپنے گھر کی مشکلات کا حل کرنا چاہیئے کہ یہ کس طرح ہوا کہ وہ شریعت، جو باب لایا تھا، پندرہ سال کے عرصہ میں منسوخ ہوگئی۔ اور اس کی جگہ بہاء اللہ کی نئی شریعت نے لے لی۔ اور بجائے ''البیان'' کے ''کتاب الاقدس''

بابیوں کی شریعت بن گئی۔ اور وہ کتاب، جو قرآن کو منسوخ کرنے کے لئے دنیا میں آئی تھی، دنیا میں اس کا کوئی نسخہ اگر کہیں ملتا ہے تو اتفاق سے کسی میوزیم میں ملتا ہے۔ اور قبل اس کے کہ ایران کے چند شیعوں کے سوا کسی کو اس کا علم ہو وہ منسوخ ہو کر ہمیشہ کے لیے بھلا دی گئی!

جو معنی آیت کریمہ کے میں نے کیے ہیں، وہ تاریخی طور پر صحیح ہیں۔ اسلام ایک وقت تک استحکام پکڑتا گیا اور یہ زمانہ تین صدی کا ہے۔ جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے: خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ اور اس کے بعد کذب وغیرہ کے ظاہر ہونے کا ذکر ہے۔ ادھر مسلمان کچھ حق سے دور جا پڑتے ہیں اور ادھر عیسائیت اسلام کی ترقی کے رستے میں روک ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام نے مسلمانوں کو یہ خوشخبری دی ہے کہ یہ اسلام کی ترقی کی رکاوٹ کا زمانہ ایک ہزار سال کا ہوگا۔ چنانچہ اس دوسرے وعدے کے آثار بھی ظاہر ہیں کہ علم کی ترقی سے دنیا میں اصول اسلام جو، علم پر مبنی ہیں، خود بخود ترقی پکڑتے جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی، جو اسلام کے نام سے بے خبر ہیں، اصول اسلامی کو خود بخود قبول کرتے جا رہے ہیں۔ اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کرنے کو فرمایا: ذٰلِکَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُا الرَّحِيْمُ (6:32)

جس دوست نے یہ سوال کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ بابی مذہب کے اصول پر مفصل بحث کی جائے۔ میں نے اس مضمون پر ایک کتاب لکھی ہے جو عنقریب شائع ہو جائے گی۔ اخبار کے کالم ایسی لمبی بحث کے لئے موزوں نہیں۔

ریاست پٹیالہ کی اسلام کشی

معاصر ''زمیندار'' کی کسی گذشتہ اشاعت میں ایک مراسلہ نگار کی ایک چٹھی شائع ہوئی تھی جس میں یہ شکایت کی گئی تھی کہ ناظم پٹیالہ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس نے مسلمانوں کو مسجدوں کے اندر قرآن خوانی اور وعظ ونصیحت کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ مسلمانان پٹیالہ کے چند نمائندے ان دونوں افسروں کے پاس پہنچے اور نماز جمعہ کے خطبہ و وعظ کی اجازت چاہی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

اس مراسلت کو شائع ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے لیکن ریاست پٹیالہ کی طرف سے،

جس نے جھوٹی خبروں کی تردید کے لیے ایک محکمہ بھی قائم کر رکھا ہے، ابھی تک اس کی کوئی تردید نہیں ہوئی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اطلاع بالکل سچ ہے۔ یہی خبر مقامی معاصر ''ملاپ'' کی 22 دسمبر کی اشاعت میں ''ریاست پٹیالہ میں ناجائز پابندیاں'' کے عنوان سے اس طرح شائع ہوئی ہے۔

> ''ریاست پٹیالہ کے چند ذمہ دار حکام نے غیر مذاہب کے لوگوں پر چند ناجائز پابندیاں عائد کی ہیں۔ اور ان کو اپنے مذہبی احکام کے مطابق ان کی عبادت گاہوں میں عبادت کی اجازت نہیں دیتے۔ سنا گیا ہے کہ مہاراجہ صاحب کو بھی اس کا علم ہے۔''

۞۞۞

30 ستمبر 1926ء

تبصرہ

''فضل الباری'' ایک فاضل کی نظر میں

جناب مولانا عبدالماجد صاحب بی۔اے کو علمی دنیا میں جو عزت وشہرت حاصل ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ جب حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی تالیف ''خلافت راشدہ'' شائع ہوئی تھی تو آپ نے اس پر منصفانہ تنقید فرمائی تھی۔ اب آپ نے حضرت امیر کے تازہ اردو ترجمہ صحیح بخاری موسومہ ''فضل الباری'' کے پہلے پارہ پر ایک مبسوط ریویو کیا ہے۔ جو معاصر ''سچ'' کی 13 ستمبر کی اشاعت میں ''صحیح بخاری اردو میں'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ یہ ریویو من وعن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ (مدیر)

صحیح بخاری اردو میں

امت اسلامیہ میں کلام مجید کے بعد صحیح بخاری کو جو مرتبہ حاصل ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ ہادی امتؐ کے احکام وہدایات اور سنن واعمال کا یہ ضخیم ومستند ذخیرہ اگر امام بخاری نے اپنی خداداد ذہانت، کاوش وتحقیق، ثقہ اور دقت نظر سے نہ جمع کر دیا ہوتا تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آج امت اسلامیہ کو احکام دین کے جاننے میں اور مسائل شریعت کے پہچاننے میں کس قدر دشواریاں حائل ہوتیں۔ اردو میں کلام مجید کے ترجمے اب بکثرت ہو چکے ہیں۔ احادیث کے ترجمے اتنی تعداد میں تو نہیں، تاہم متعدد موجود ہیں۔ خود صحیح بخاری کے بھی ایک سے زائد ترجمے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ مثلاً فیض الباری، تیسر الباری اور تسہیل القاری وغیرہ لیکن ایک اچھے ترجمے کی ضرورت اور سخت ضرورت اب بھی باقی تھی۔

خداوند کریم کے فضل وکرم سے شاید اس اہم ضرورت کے پورے ہونے کا اب وقت آ گیا اور کارساز حقیقی نے اس خدمت کے لیے ایک ایسے شخص کو چن لیا جو علماء سوء ہی کے نزدیک نہیں بلکہ بہت سے نیک نیت اور برگزیدہ علماء کے نزدیک بھی شاید سرے سے مسلمان ہی نہیں۔ لاہور کی جماعت احمدیہ کے امیر مولانا محمد علی

ایم اے اسلام کے ان چند مخلص ترین فرزندوں میں سے ہیں جو سالہا سال سے خاموشی کے ساتھ اسلام کی نہایت گرانقدر خدمات میں مصروف ہیں۔ چنانچہ ان کا انگریزی ترجمہ قرآن خدا معلوم کتنے بھٹکے ہوؤں کو اب تک راہ ہدایت دکھانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ انہی خدمات جلیلہ کی ایک تازہ قسط ان کا اردو ترجمہ صحیح بخاری ہے۔ جو ''فضل الباری'' کے نام سے انہوں نے شائع کرنا شروع کیا ہے اور جس کا پہلا حصہ ابھی مطبع سے باہر آیا ہے۔

یہ حصہ بخاری کی کتب ذیل پر شامل ہے۔ **کیف کان بدء الوحی، کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الغسل، کتاب الوضو، کتاب الحیض، کتاب التیمم**۔ صحیح بخاری کو جو تین پاروں پر تقسیم کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے پہلا پارہ کتاب الوضو پر ختم ہو جاتا ہے۔ فضل الباری کے اس پہلے حصہ کی ضخامت 96 صفحات کی ہے۔ اس میں کتاب الوضو صفحہ 75 پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد کی تین ''کتابیں'' پارہ دوم سے ہیں گویا اسی حصہ میں ایمان و علم کے علاوہ طہارت سے متعلق بھی سارے ابواب آ گئے ہیں۔ اور دوسرا حصہ کتاب الصلوٰۃ سے شروع ہوگا۔ قدرت کاملہ کو امام بخاری سے چونکہ ایک غیر معمولی کام لینا تھا، اس لیے انہیں دماغ بھی غیر معمولی عطا کیا گیا۔ ابواب کتاب کی ترتیب و تہذیب، عنوانات کا انتخاب، نقل الفاظ، نقد روایات ہر شئے میں انہوں نے جس حکیمانہ نکتہ سنجی، جس دقیقہ رسی، جس نزاکت فہم کا ثبوت دیا ہے، اسے دیکھ کر آج عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (54:5)

احادیث نبویؐ کے جمع کرتے وقت قدرتاً ''سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کی ضرورت کیا ہے؟ ساڑے تیرہ سو برس ہوئے ایک شخص نے کچھ باتیں کہیں اور کیں۔ آج اس اہتمام سے ان کے محفوظ رکھنے کی آخر کیا حاجت ہے؟ جواب یہ ہے کہ وہ شخص محض شخص نہ تھا، وہ بشر محض بشر نہ تھا، اس کی شخصیت کا دامن وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی (3:53) کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس کی بشریت کے سر پر یُوْحٰی اِلَیَّ (110:18) کا تاج تھا جس شئے نے اس کو سارے عالم سے ممتاز کر دیا ہے۔ وحی الٰہی کے ساتھ اس کا رشتہ تھا۔ اس لیے اس کے ملفوظات بیان کرنے سے پیشتر قدرتاً اس کی اسی خصوصیت امتیازی کو بیان کرنا چاہئیے۔ بخاری کی تمہید بدء الوحی کے زیر عنوان اسی ضرورت کے احساس کا عملی ثبوت ہے۔ ضرورت حدیث کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد معاً یہ سوال ذہن کے سامنے آتا ہے کہ جو پیام وہ پیامبر لایا تھا۔ اس کے مہمات اصول، اس کے اہم دفعات اس

کے عنوانات جلی کیا تھے۔ اور وہ پیام کیا تھا؟ اس کے جواب کے لیے کتاب الایمان ہے جس میں اسلام و ایمان کے بنیادی و اساسی اصول بتائے ہیں۔ اس کے بعد ہی بتانے کی ضرورت ہے کہ اس پیام کے جاننے اور پھر اس کے پھیلانے کی کتنی اہمیت ہے۔ اس ضرورت کا عملی حل کتاب العلم سے ہوتا جاتا ہے۔ اس کے بعد ضروریات امت کے مطابق تفصیل سے ہدایات نبوی کے بیان کرنے کی باری آتی ہے۔ رسولؐ کا اصلی کام روح کا تزکیہ، اخلاق کی صفائی، نفس کی پاکیزگی ہوتا ہے۔ لیکن جسم کی پاکیزگی و صفائی بھی ایک بڑی حد تک روح کی صفائی میں مدد دیتی ہے۔ اس لیے غایت نکتہ سنجی کے ساتھ امام بخاری نے سب سے پہلے طہارت ہی کے ابواب جمع کر دیئے۔ اور پھر انہیں وضو، غسل، تیمّم وغیرہ کے مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ''فضل الباری'' کا پیش نظر حصہ ان تمام پر شامل ہے۔ اور ان مباحث کی اہمیت شریعت اسلام کے ہر سنجیدہ طالب پر واضح و ظاہر ہے۔

بخاری کے اکثر ترجموں کے برخلاف یہ ترجمہ بین السطور ہے۔ اور ساتھ ہی سلیس و بامحاورہ۔ اس لیے قدرۃً اصل سے زیادہ قریب ہے۔ اور خشک و بےمزہ بھی نہیں ہونے پایا ہے۔ نمونہ کے لیے دو ایک مثالیں کافی ہوں گی۔ 1۔ ایک مقام پر متن بخاری یہ ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَآ اَحْسَنَ اَحَدُکُمْ اِسْلَامَهٗ فَکُلُّ حَسَنَةٍ یَّعْمَلُهَا تُکْتَبُ لَهٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَآ اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَّ کُلُّ سَیِّئَةٍ یَّعْمَلُهَا تُکْتَبُ لَهٗ بِمِثْلِهَا (کتاب الایمان، باب حسن اسلام المرء) اس کا ترجمہ ''فیض الباری'' (ترجمہ مولوی ابوالحسن مرحوم) میں یوں درج ہے۔:

> ''ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی نے اپنا اسلام سنوارا اور اپنا دین ستھرا بنایا۔ پھر جو نیک بات کرے گا تو اس کی نیکی دس گنی لکھی جائے گی۔ سات سو کے برابر تک۔ اور جو بدی کرے گا وہ اتنی ہی لکھی جائے گی جتنی ہے۔'' (جلد اول صفحہ 98)

اس عبارت میں پہلا خط کشیدہ فقرہ سرے سے افسانۂ مترجم ہے۔ اور دوسرا خط کشیدہ فقرہ مفہوم کو غیر واضح بلکہ غلط کر دیتا ہے۔ ''تسہیل القاری'' (ترجمہ مولوی وحیدالزماں خاں مرحوم) میں اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''ابو ہریرہ سے، کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب کوئی تم میں سے اپنا اسلام اچھا کرے (اعتقاد صحیح واخلاص کے ساتھ) تو جو نیکی وہ کرے گا اس کی دس نیکیاں لکھی جائے گی ساتھ سو نیکیوں تک۔ اور جو برائی کرے گا تو ایک ہی برائی لکھی جائے گی۔'' (جلد اول صفحہ 114)

اس میں بھی جو فقرہ قوسین کے اندر ہے وہ تمام تر اضافہ ہے۔ ان دونوں کے مقابلہ میں اب ''فضل الباری'' کی عبارت ملاحظہ طلب ہے:

''ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب ایک شخص تم میں سے اپنے اسلام کو خوبصورت بناتا ہے۔ تو ہر ایک نیکی، جو وہ کرتا ہے، اس کے لیے دس گُنے سے لے کر سات سو گُنے تک لکھی جاتی ہے۔ اور ہر ایک بدی، جو وہ کرے، ویسی ہی ایک لکھی جاتی ہے۔'' (صفحہ 21)

یہ ترجمہ صرف یہی نہیں کہ پوری احتیاط کے ساتھ لفظی کیا گیا ہے اور ہر قسم کے حشو و زوائد سے محفوظ ہے بلکہ ان دونوں سے سلیس و قریب الفہم بھی زیادہ ہے۔

2۔ ایک دوسرا موقع متن بخاری کے الفاظ ذیل میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِحَآئِطٍ مِّنْ حِیْطَانِ الْمَدِیْنَۃِ اَوْمَکَّۃَ فَسَمِعَ صَوْتَ اِنْسَانَیْنِ یُعَذَّبَانِ فِیْ قُبُوْرِھِمَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَذَّبَانِ وَمَایَعَذَّ بَانِ فِیْ کَبِیْرٍ ثُمَّ قَالَ بَلٰی کَانَ اَحَدُھُمَا لَا یَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِہٖ وَکَانَ الْاٰخَرُ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ ثُمَّ دَعَا بِجَرِیْدَۃٍ فَکَسَرَھَا کِسْرَتَیْنِ فَوَضَعَ عَلٰی کُلِّ قَبْرٍ مِّنْھُمَا کِسْرَۃً فَقِیْلَ لَہٗ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ فَعَلْتَ ھٰذَا قَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَالَمْ تَیْبَسَا.

''فیض الباری'' کا ترجمہ ذیل ہے:

''ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ یا مدینہ کے باغوں میں سے کسی باغ پر گزرے۔ سو آپ نے دو آدمیوں کا آواز سنا جو اپنی قبروں میں عذاب کیے جاتے تھے۔ کسی مشکل کام میں پھر حضرت نے فرمایا۔ ہاں کیوں نہیں۔ ان دونوں سے ایک تو اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ یعنی پیشاب کرتے وقت اس کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرا چغلی کھاتا تھا۔ یعنی ایک دوسرے کی چغلی کر کے آپس میں فساد ڈلواتا تھا۔ پھر حضرتؐ نے منگوائی ایک چھڑی کھجور کی۔ پس اس کر چیر کو دو ٹکڑے کیا۔ پھر دونوں قبروں میں سے ہر ایک قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ سو کسی نے آپ سے عرض کیا کہ یہ کام آپ نے کس واسطے کیا ہے۔ سو آپ نے فرمایا شاید کہ ان سے عذاب کی تخفیف ہو جائے۔ جب تک کہ وہ خشک نہ ہوں یعنی جب تک وہ تر رہیں گی تو خدا کی تسبیح کریں گی۔ اس کی برکت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔''

''تسہیل القاری'' کی عبارت بھی اسی طرح کے حشو و زوائد سے لبریز ہے۔ ان کے مقابلہ میں ''فضل الباری'' کا سلیس، عام فہم و دیانتدارانہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

''ابن عباس سے روایت ہے کہا کہ نبی ﷺ مدینہ یا مکہ کے کسی باغ کے پاس گزرے۔ تو آپ نے دو آدمیوں کی، جن کو قبر میں عذاب دیا جاتا تھا، آواز سنی۔ آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب دیا جاتا ہے۔ مگر کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں۔ پھر فرمایا۔ ہاں (بڑا بھی ہے) ایک ان میں سے اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرا چغلخوری کرتا تھا۔ پھر کھجور کی ٹہنی منگوائی، پھر اس کو دو ٹکڑے کر کے ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا تو کسی نے پوچھا یارسول اللہ آپ نے یہ کام کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ شاید جب تک یہ ٹہنیاں نہ سوکھیں ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے۔'' (صفحہ 69)

ترجمہ کی شستگی اور زبان کی صحت کے بعد ایک اہم شے شرح و تحشیہ ہے۔ اگلے مترجمین نے (خدا ان کی لغزشوں کو معاف کرے) احادیث کے ترجموں کو گویا کتب مناظرہ بنا دیا ہے۔ قدم قدم پر حنفیوں پر حملے، صوفیا پر

طنز وتعریض اور کہیں کہیں تقلید شخصی کو بحیثیت معصیت کبیرہ کے پیش کرنا وغیرہ۔ جبکہ پیش نظر ترجمہ اس عیب اور فرقہ وارانہ مناظرہ ومجادلہ کے داغ سے کلیۃً پاک ہے۔حواشی اس میں بھی بکثرت ہیں۔لیکن ان سے غرض صرف یہ رکھی گئی ہے کہ حدیث کی توضیح وتشریح ہو جائے۔اور ایک حدیث کا دوسری کے ساتھ ربط وتعلق سمجھ میں آ جائے۔ نہ یہ کہ کسی اسلامی فرقہ کی تردید ہوتی رہے۔حدیث کا پورا مفہوم ذہن نشین ہو جانے سے وہ اعتراضات، جو نافہمی وکمی بینی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، از خود رفع ہو جاتے ہیں۔اور اس طرح اس ترجمہ کے مطالعہ سے مطالب حدیث کے علاوہ حدیث نبوی کی عظمت بھی ذہن نشین ہوتی جاتی ہے۔

کتاب الغسل کے باب الْغُسْلِ بِا لصَّا عِ وَنَحْوِہٖ میں ابوسلمہؓ سے یہ روایت ہے:

عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ یَقُوْلُ دَخَلْتُ اَنَا وَاَخُوْ عَآئِشَۃَ عَلٰی عَآئِشَۃَ فَسَاَلَھَا اَخُوْھَا عَنْ غُسْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدَعَتْ بِاِنَآءٍ نَحْوٍ مِّنْ صَاعٍ فَاغْتَسَلَتْ وَاَفَاضَتْ عَلٰی رَأْسِھَا وَبَیْنَنَا وَبَیْنَھَا حِجَابٌ.

ترجمہ: ابوسلمہؓ سے روایت ہے کہ میں اور عائشہؓ کا بھائی عائشہؓ کے پاس گئے تو ان کے بھائی نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے غسل کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے ایک برتن جو صاع کے برابر تھا منگایا پھر غسل کیا۔اور اپنے سر پر پانی بہایا اور ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔

اس پر بعض نافہموں نے اعتراض کیا ہے کہ غیر مردوں کے سامنے حضرت صدیقہ کا غسل کرنا کیا معنی؟ اور ستم یہ ہے کہ شارحین نے عموماً اس حدیث کی جو توضیح کی ہے اس میں یہ بڑھا دیا ہے کہ ''ظاہراً اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل کے وقت حضرت عائشہؓ کا سر اور اوپر کا جسم برہنہ تھا'' حالانکہ اگر ذرا غور سے کام لیا جاتا تو اعتراض کے یہ پہلو پیدا ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ دل میں محبت وعقیدت کے جذبات کو ترقی ہوتی ہے۔

امام بخاری جس طرح اپنی جامع صحیح میں ہر کتاب کو دوسری کتاب سے مربوط رکھتے ہیں، اسی طرح ہر کتاب کے تحتانی ابواب کو بھی ایک دوسرے سے مربوط ومسلسل رکھتے ہیں۔کتاب الغسل کی ترتیب میں قدرتاً

سب سے پہلے ان کا ذہن ضرورت غسل کی جانب جاتا ہے۔ اور وہ پہلے ہی باب میں ''موجب'' غسل کو بیان کر کے وضو وغسل کی ایک اجمالی کیفیت کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ یہ ''موجب'' غسل مرد وعورت دونوں کے لیے غسل لازمی کر دیتا ہے۔ اس لیے معاً سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دونوں ساتھ ہی غسل کریں تو کیا مضائقہ ہے؟ باب دوم اسی سوال کا جواب ہے۔ اب ایک شخص جب غسل کی ضرورت محسوس کر کے غسل پر آمادہ ہوتا ہے۔ تو پہلا ہی سوال پانی کی مقدار کی بابت پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر خصوصاً صحابہ کرام کے دلوں میں، جو زندگی کے ہر ہر جزئیہ میں سید البشرؐ کی پیروی اور ان کے ساتھ تشبہ پیدا کرنے پر شیفتہ تھے۔ تیسرا باب قدرتاً اسی سے متعلق ہے۔ رسول خداﷺ کی عادات مبارک ان امور میں صدیقہؓ سے بڑھ کر کون جان سکتا تھا۔ اس لیے لامحالہ انہی کی طرف رجوع کیا گیا۔ لیکن اس کے لیے کون لوگ آئے تھے؟ اغیار وا جانب نہیں، غیر محرم نہیں بلکہ بھائی اور بھانجے۔ یہ دونوں آ کر پانی کی مقدار کی بابت سوال کرتے ہیں۔ جیسا کہ خود امام بخاری کا باندھا ہوا عنوان باب واضح کر رہا ہے۔ یعنی **باب الغسل بالصاع ونحوہ**۔ اور اس سے بھی زیادہ وضاحت امام مسلم کا باندھا ہوا عنوان کر رہا ہے، یعنی **باب القدر المستحب من المآفی غسل الجنابته**. حضرت عائشہ جواب میں اسی وقت پانی کی ایک خاص مقدار منگاتی ہیں اور پردہ کی پوری احتیاط کے ساتھ اتنے پانی میں غسل سے فراغت کر کے ان کے سوال کا پورا اور عملی جواب دیتی ہیں۔ اب اعتراض کا کوئی سا بھی پہلو باقی رہا؟

مؤلف ''فضل الباری'' اس حدیث پر جو حاشیہ لکھتے ہیں وہ درحقیقت تمام شارحین سابق کے حواشی سے بڑھ کر دل نشین ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''ابو سلمہ بھی حضرت عائشہؓ کے محرم تھے۔ یعنی آپ کے رضاعی بھانجے تھے۔ اَخُوْ عَائِشَةَ سے مراد بعض کے نزدیک عبدالرحمٰن بن ابی اکبر ہیں اور بعض کے نزدیک آپ کی ماں کی طرف سے بھائی طفیل ہیں اور بعض کے نزدیک رضاعی بھائی ہیں۔ اس حدیث سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ کس قدر پانی سے غسل ہو سکتا ہے۔ اور خود حدیث کے الفاظ بھی بتاتے ہیں کہ سوال غسل یعنی نہانے کے پانی کی مقدار سے تھا، نہ کیفیت غسل سے۔ چنانچہ اس سے اگلی حدیث میں بھی فَسَاَلُوْهُ عَنِ الْغُسْلِ (ان سے

غسل کے بارے میں پوچھا) کا جواب یَکْفِیْکَ صَاعٌ (تجھے ایک صاع کافی ہے) دیا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ غسل سے مراد مقدار ہے۔اس لیے یہاں حضرت عائشہؓ نے بھی جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ ایک صاع کے قدر پانی منگایا اور یہ دکھانے کو کہ اس سے آدمی غسل کرسکتا ہے پردہ میں بیٹھ کر اسی وقت غسل بھی کیا۔اور اس میں سے اپنے سر پر بھی پانی ڈالا۔اور اس طرح بتا دیا کہ اگر عورت اتنے بالوں کے ہوتے ہوئے اس قدر پانی سے غسل کرسکتی ہے تو مرد کیوں نہیں کرسکتا۔کیفیت غسل آپ نے قطعاً نہیں بتائی۔اور نہ ان الفاظ کے ہوتے ہوئے کہ ''ہمارے اور صدیقہ کے درمیان حجاب تھا۔کوئی شخص یہ وہم کرسکتا ہے کہ سر اور جسم کا اوپر کا حصہ دکھایا تھا۔'' (صفحہ 77)

عموماً حواشی اسی انداز پر لکھے گئے ہیں۔آئندہ پاروں میں اگر حواشی زیادہ تفصیل کے ساتھ ہوں تو بہتر ہوگا۔تعلیم یافتہ غیر عربی دانوں کو ان حواشی سے فہم حدیث میں بہت زیادہ مدد ملے گی۔

فاضل مؤلف نے حواشی لکھتے وقت زیادہ تر انگریزی تعلیم یافتہ جماعت کو پیش نظر رکھا ہے۔اور حتی الامکان اس کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ ایک طرف حدیث کا مفہوم صحت و دیانت کے ساتھ ادا ہو جائے اور دوسری طرف اس تعلیم یافتہ جماعت کی ذہنیت کو کہیں سے ٹھیس نہ لگنے پائے۔اس کوشش کے ممدوح ہونے میں شبہ نہیں۔اور عموماً یہ کوشش کامیاب بھی رہی ہے۔البتہ چند مقامات پر بعض بہت ہی ضعیف بنیادوں پر فاضل شارح نے روایت کو مشتبہ قرار دے دیا ہے۔اس کی توقع مصنف ''مقام حدیث'' سے نہ تھی۔بخاری نے جو معیار تنقید روایت کا رکھا ہے۔اس کے قریب تک بھی دنیا کی کوئی کتاب کوئی تاریخ (بجز قرآن پاک کے) نہیں پہنچ سکی ہے۔اس کی کسی روایت سے بغیر زبردست شواہد و دلائل کے انکار کرنا سارے ذخیرہ احادیث سے اعتبار اٹھا دینا ہے۔

ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے بھی کتاب گری ہوئی نہیں۔مکررات و اسناد کے حذف کر دینے سے ضخامت لازماً بہت گھٹ گئی ہے۔اور کل 96 صفحات کی ضخامت میں علاوہ ایمان و علم کے کل ابواب طہارت آ گئے ہیں۔ترجمہ کی کتابت متن کے بین السطور ہے۔شکایت کی بات اتنی ہے کہ حاشیہ کا خط بہت باریک و گنجان ہو گیا ہے۔اور اس کے باعث اندیشہ ہے کہ پڑھنے والوں کی تعداد حواشی سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکے گی۔

24 نومبر 1926ء

احمدیہ میوچل ریلیف فنڈ

احبابِ سلسلہ کی خدمت میں التماس ہے کہ انجمن نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ بعض دوستوں کو، جو ایک وقت مرفہ الحال ہوتے ہیں، ناگہانی ابتلا آجاتا ہے یا وفات کی وجہ سے پیچھے یتیم بچے یا بیوائیں رہ جاتی ہیں، تو ان کی امداد کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ فرداً فرداً اگر کوئی احسان کرے بھی تو وہ عارضی ہوتا ہے اور شان خودداری کو صدمہ پہنچاتا ہے اور اس لیے زیادہ مفید نہیں ہوسکتا۔ اس تکلیف کو دور کرنے کے لیے اور انجمن کے افراد کو تباہی سے بچانے کے لیے انجمن نے گذشتہ سال کی احمدیہ کانفرنس کی سفارش پر ایک تجویز کی ہے جس کے اغراض ومقاصد مفصلہ ذیل انجمن کے ریزولیوشن 432 میں درج ہیں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ ہر ایک بھائی کے خاندان کی حفاظت کا پورا سامان کیا گیا ہے۔ اور اگر کُل دوست فوراً اس پر کاربند ہو جائیں تو ہر ایک احمدی کو دوسرے بھائی کی امداد کا موقع بغیر کسی تکلیف کے میسر آسکے گا۔ اس لیے احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ فوراً اس فنڈ کے ممبر بن جائیں۔ اور اپنے داخلہ کا چندہ اور ماہواری چندہ انجمن کے سیکرٹری کو دے کر اپنی درخواست سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے پاس بھجوادیں۔ انتظام کل اس کا انجمن کے ہاتھ میں ہوگا اور خزانہ انجمن ہی میں روپیہ رہے گا۔ سیکرٹری صاحبان انجمن ہائے احمدی مردوزن کو اس کا ممبر بنانے کی کوشش فرمائیں اور ایک روپیہ چندہ داخلہ اور کم ازکم چار آنہ چندہ ممبری ماہوار وصول کر کے بھجوادیں۔ ریزولیوشن نمبر 432 مورخہ 29 مئی 1926ء میں حسب ذیل قواعد احمدیہ میوچل ریلیف فنڈ (سرمایہ امداد باہمی) منظور ہوئے تھے۔

اغراض

اس فنڈ کے قیام کی غرض تکلیف کے وقت جماعت کے ان افراد کی امداد کرنا ہوگا۔ جو اس کے ممبر بنیں گے۔

قواعد

1۔اس فنڈ کا نام احمدیہ میوچل ریلیف فنڈ (سرمایہ امداد باہمی) ہوگا۔

2۔یہ ریلیف فنڈ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی زیرنگرانی کام کرے گا۔

3۔احمدیہ جماعت لاہور کا ہر فرد بالغ خواہ مرد ہو یا عورت اس کا ممبر ہو سکے گا۔

4۔ہر ممبر کو مقررہ رقم ماہوار چندہ کی ادا کرنی ہوگی۔جو کم از کم چار آنے فی ممبر ہو۔اس سے زیادہ جس قدر کوئی چاہے دے سکتا ہے۔

5۔یہ رقم ہر ممبر کے کھاتہ میں جمع ہو کر فنڈ میں بطور امانت جمع رہے گی۔اور کوئی ممبر اس فنڈ سے اپنی رقم واپس لینے کا حق دار نہ ہوگا۔سوائے ان حالات کے جن کا ذکر نیچے علیحدہ کیا گیا ہے۔

6۔کسی ممبر کے انتقال ہو جانے پر اس کا کل جمع شدہ روپیہ مع اس کے حصہ منافع اور امداد ممبران جس کی تعداد ایک روپیہ فی ممبر ہوگی،اس کے ورثاء کو بطور امداد دیا جا سکے گا۔مگر ایسا روپیہ دیتے وقت انجمن اس بات کا اطمینان کر لے گی کہ وہ روپیہ ورثاء کی سود و بہبود پر مفید طور پر لگایا جائے۔

7۔ہر ایک ممبر کو یہ رسید دینا ہوگی کہ بصورت اس کی وفات کے اس کی رقم کن ورثاء کو دی جائے۔

8۔ہر ایک ممبر کو کسی ممبر کے انتقال پر اس کے پسماندگان کی امداد کے لیے ایک روپیہ دینا لازمی ہوگا۔اگر کوئی ممبر خود بخود اس رقم کو نہ بھیجے۔تو تاریخ مطالبہ سے ایک ماہ کے اندر روپیہ وصول نہ ہونے کی صورت میں اس کے جمع شدہ چندہ میں سے لے لیا جائے گا۔

9۔اگر کسی ممبر کی زندگی میں کوئی مصیبت آن پڑے یا اس کو کسی کاروبار کے لیے اشد ضرورت ہو تو انجمن اس کے جمع شدہ روپے میں سے کافی ضمانت پر حسب گنجائش قرض

حسنہ دے سکے گی۔

10۔کل جمع شدہ سرمایہ میں سے نصف سے زیادہ روپیہ کسی صورت میں قرضہ جات میں نہیں دیا جائے

گا باقی ماندہ نصف بطور امانت جمع رہے گا جو انجمن کی معرفت تجارتی کاروبار پر لگایا جائے گا۔

11۔ بعداز وضع مصارف باقی روپیہ منافع ممبران کے کھاتہ میں تقسیم ہوکر چلا جائے گا۔

12۔ اگر کوئی ممبر تین دفعہ متواتر اپنے حصہ کی رقم چندہ اور امداد ادا نہ کرے گا تو وہ ممبری سے علیحدہ کیا جائے گا اور اس کا روپیہ ضبط ہوگا۔لیکن اگر وہ کسی مجبوری کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا تو وہ اگر بقایا روپیہ یکمشت مع تاوان 1/4 بقایا چندہ کا ادا کر دے تو پھر ممبر بن سکتا ہے۔

13۔ممبر بننے کے لیے ایک روپیہ (عہ) فیس داخلہ مقرر کی جاتی ہے۔

14۔اس فنڈ کا علیحدہ صیغہ قرار دے کر آمد و خرچ بطور امانت ہوتے رہیں گے۔

چودھری ظہور احمد
سیکرٹری انجمن

۞۞۞

24 نومبر 1926ء

روح پرور پیغام

برادران مکرم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہمارے سالانہ اجتماع میں صرف ایک ماہ باقی رہ گیا ہے۔اس لیے میں چند امور کی طرف آپ کو توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔اول: مجھے یہ شکایت ہے کہ ہمارے بہت سے احباب سالانہ جلسہ میں شمولیت کو وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔اور تھوڑی سی تکلیف یا خرچ سے بچنے کے لیے بہت سے قومی نقصان کا موجب بن جاتے ہیں۔

اول

اول تو ہماری جماعت ہی ایک قلیل جماعت ہے۔ پھر یہ تھوڑے سے آدمی بھی اگر چھوٹے چھوٹے عذروں کی بنا پر جلسہ سے غیر حاضر رہیں، تو یہ ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی محض چندہ دینے سے نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ہمیں کوئی دکھاوا مقصود نہیں کہ ہم اتنے آدمی ہیں، بلکہ خدمت اسلام کا کام مقصود ہے اور بہت سے احباب کی غیر حاضری سے اس کام کو نقصان پہنچتا ہے۔لہٰذا میں فرداً فرداً سب احباب سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ سالانہ جلسہ کے موقع پر ضرور تشریف لائیں اور اس قومی دعوت کو رد نہ کریں۔ جہاں جہاں جماعتیں ہیں، وہاں کے کارکن احباب کو چاہئے کہ فوراً سب احباب سے اس بارے میں گفتگو کر کے سب دوستوں کو اکٹھا لانے کی کوشش کریں بلکہ حتی الوسع انہیں مجبور کریں کہ وہ جلسہ میں شامل ہوں۔

دوم

ہر ایک دوست کا فرض ہے کہ وہ صرف خود ہی جلسہ میں شامل نہ ہوں۔ بلکہ ایسے احباب کو بھی ساتھ لانے کی کوشش کریں جو ابھی تک جماعت میں شامل نہیں۔تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے ہمارے کام کو دیکھ لیں اور یہ

فیصلہ کرسکیں کہ کیا انہیں بھی اس کارِ خیر میں حصہ لینے کے لیے قدم آگے بڑھانا چاہئیے یا نہیں۔ ہماری جماعت کے اکثر لوگ اس بارے میں بھی تساہل سے کام لیتے ہیں اور جماعت کی قوت بڑھانے کے لیے پورا زور صرف نہیں کرتے۔ میں سمجھتا ہوں بیسیوں بحثوں اور ہزاروں دلائل سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایک شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ یہ جماعت کیا کام کر رہی ہے؟ ہمارے پروگرام جلسہ کا یہ سب سے زیادہ ضروری حصہ ہے جس کی طرف اب جماعت کے ایک ایک فرد کو توجہ کرنی چاہئیے۔ اسلام اور مسلمانوں کی خیرخواہی اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ وہ صحیح عقائد پر قائم ہوں، ان میں قوت عمل پیدا ہو، وہ ایک اعلیٰ درجہ کے نظام میں منسلک ہوں، جس کی بنا پیر پرستی پر نہ ہو اور یہی وہ تین باتیں ہیں جو جماعت احمدیہ لاہور کا خاص نصب العین ہیں۔

سوم

ہر انسان کی خواہش صرف یہی نہ ہونا چاہئیے کہ وہ خود اچھی راہ پر ہو بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی اس اچھی راہ پر قائم کرنے کی خواہش ہونی چاہئیے۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا. (74:25) ہم نے اب تک کامل طور پر اس رنگ میں رنگین ہونے کی کوشش نہیں کی۔ ہماری مستورات اور ہمارے بچے بہت حد تک ہمارے ان مقاصد سے بے خبر ہیں جن کے لیے ہماری جماعت نے اس قدر قربانیاں کی ہیں۔ ان میں ہم نے وہ اہلیت پیدا نہیں کی کہ وہ ہماری ان قربانیوں میں ہمارے معاون ہوں۔ اور ہمارے بعد ان قربانیوں کے سلسلے کو جاری رکھیں یا ترقی دیں۔ اس لیے جہاں تک ممکن ہو ان تین دنوں کے لیے ان کو بھی اس قومی اجتماع میں شامل کرنے کی کوشش کرنا چاہئیے۔ بالخصوص نوجوان بچوں کو کسی طرح پیچھے نہ رکھنا چاہئیے۔

چہارم

سب دوستوں کو چاہیے کہ وہ دو کاموں کے لیے تیار ہو کر آئیں۔ ایک مسجد برلن کی تکمیل کا سوال اور دوسرا اچھوت اقوام میں تبلیغ کا۔ امر اول کے متعلق یہاں منتظمین بھی ہر طرح کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی کوششوں کی کامیابی کا انحصار جماعت کی مجموعی ہمت پر ہے۔ اگر ہمارے احباب اپنی اپنی جگہ کوشش کر کے مسج

د کے لیے تھوڑا تھوڑا چندہ فراہم کر کے لائیں تو یہ کام پورا ہوسکتا ہے۔قریباً دس ہزار روپیہ کا مطالبہ ٹھیکیدار کا اب تک باقی ہے اور ایک لاکھ روپے کے قریب خرچ کر کے تھوڑے سے خرچ کے لیے ایک عظیم الشان کام کو اس ناقص حالت میں ڈال رکھنا ٹھیک نہیں۔اور قوم کی عزت بھی اس میں نہیں۔اس بارے میں کئی احباب نے ان تھک کوشش کی ہے۔ان سے پھر التماس ہے کہ وہ ایک دفعہ پھر کمر ہمت باندھ کر جلسہ پر اس کام کو پورا کر دیں۔ دوسرے سب احباب سے بھی درخواست ہے کہ جس قدر کوشش وہ کر سکیں عنداللہ ماجور ہوں گے۔مارا نظر براندک و بسیار نیست۔مگر اس سے بھی زیادہ اہم کام وہ ہے جو انجمن نے شروع کیا ہے۔یعنی ہندوستان میں تبلیغِ اسلام اور بالخصوص اچھوت اقوام میں۔جلسہ سالانہ پر آپ سن لیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام میں آپ کی جماعت کو کس قدر کامیابی عطا فرمائی ہے اور یہ وقت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص اس کام کے لیے فوراً کمر ہمت باندھ لے۔ تاکہ ہم جلد اس دل خوش کن نظارے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (2:110) کہ تو نے لوگوں کو اللہ (تعالیٰ) کے دین میں فوج درفوج داخل ہوتے دیکھ لیا۔

پس ہمارے احباب برلن مسجد کی تکمیل کے لیے اور تبلیغ ہند کے کام کو کامیاب بنانے کے لیے پوری ہمت صرف کر کے تشریف لائیں اور پھر دیکھیں کہ ان کی اس مجموعی ہمت پر اللہ تعالیٰ کے فضل کس طرح نازل ہوتے ہیں۔اور ایک مختصر سی جماعت کی کوشش سے، جو تعداد کے لحاظ سے شاید کسی شمار میں نہیں۔دنیا میں کس قدر بڑا انقلاب پیدا ہوسکتا ہے۔مجھے امید ہے کہ ہمارے احباب اپنے عزم و ہمت کو اس کام پر لگانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

اور

تحریرات بزرگانِ جماعت

جلد: نہم

انتخاب از رسالہ پیغام صلح نومبر 1924ء تا دسمبر 1926ء

احمدیہ انجمن لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ

نے ادا کیے ہیں

قرآنِ کریم کے عشق اور انسانی ہمدردی سے مخمور، جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور، جماعتِ احمدیہ لاہور کے احباب میں اپنے روح پرور درُوسِ قرآن کے حوالے سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ یہ درُوس وہ عمر بھر اپنی رہائش گاہ یا جماعت کے مراکز میں دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان کی اہلیہ محترمہ سلیمہ فاروقی مرحومہ مغفورہ کا جذبہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان دونوں نے اپنے پیچھے ایک ایسا ورثہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا جس سے جماعت کو اسلام کا پیغام دنیا کے دور دراز کونوں تک پہنچانے کے کام میں مسلسل امداد ملتی رہے۔ اس مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فاروقی صاحب نے اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد وقف کر کے فاروقی سلیمہ ٹرسٹ کی بنیاد رکھی اور اسے احمدیہ انجمن لاہور کی نگرانی میں دیا تا کہ اس کے فلاحی اور دینی کاموں، خاص طور پر قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتب کی طباعت، کے لیے مسلسل سرمایہ فراہم ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اس نیک کام کا اجر دے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

(غیر کاروباری مقاصد اور مفت تقسیم کے لیے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر

ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

محمد اعظم علوی

حرفِ اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی 9 ویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔اس میں اخبار پیغامِ صلح 5 جنوری 1927ء تا 21 دسمبر 1928ء سے انتخاب شامل ہے۔عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔حسب ضرورت قرآنی آیات کا اردو ترجمہ اور تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کر رہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالٰی ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فروگذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار محمد ارشد علوی

انچارج

شعبہ تالیف وتصنیف

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امامِ زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی۔ جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؓ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تا دمِ آخر یہ دونوں فرائض انجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمۃ القرآن جس کی ابتداء 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوا اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ و تفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ''

(انگریزی)1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجنز آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اوراسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم واستحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی۔ اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دولفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ یعنی ''عشقِ قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاءعالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کیے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لیے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی۔ تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعتِ اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کیے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہوگیا تو اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوگئے۔ اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلَہٗ وَ ارۡفَعۡ دَرَجَاتِہٖ۔

خاکسار **عامر عزیز الازھری بن عبدالعزیز**

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

فہرست

فہرست

فہرست

19 جنوری 1927ء

ھدیۂ نیاز

آنسہ آمنہ بنت خان بہادُر میاں غلام رسول صاحب تمیم جھنگ مگھیانہ

اے رسولِ ہاشمیؐ امّی لقبِ خیر الانام
عالمِ روحانیّت کے مہرِ انور لا کلام

پرتوِ روئے نبوت تابشِ مہرِ منیر
تیری پیدائش پہ دنیا ہو گئی روشن تمام

امتیازِ بندہ و صاحب جہاں سے مٹ گیا
کیا مساوات و اخوت کا دیا تو نے پیام

فیض تیری صحبتِ قدسی کا یہ ظاہر ہوا
دستِ شترباں میں آئی ساری دنیا کی زمام

آج تاریخِ عرب کو کھول کر دیکھیں اگر
جاہلیّت میں بہت بدنام ہے عربوں کا نام

چھا رہی تھی ہر طرف گھنگور ظلمت کی گھٹا
وادیٔ فاراں سے چمکا تھا وہ جب ماہِ تمام

ختم ہے سب حسن و خوبی تجھ پہ اے ختمِ رسل
کیوں نہ ہو پھر اولین و آخریں کا تو امام
پڑھ رہے ہیں فرش سے تا عرش سب قدسی درود
آمنہؔ نے نعت کیا لکھی ہے باصد اہتمام

❁❁❁

19 جنوری 1927ء

مذہبی کانفرنس

پر ماتما کا سوروپ

پنڈت چمبوپتی ایم۔اے۔نمائندہ آریہ سماج

مذہبی کانفرنس منعقدہ 24 دسمبر 1926ء بتقریب جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

زیر صدارت علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبال ممبر کونسل پنجاب

پرماتما کا سوروپ مذہب کی جان ہے۔جس جماعت نے اس مضمون پر سب مذاہب کے قائم مقاموں کو اپنے مذہبی نقطہ نظر سے اظہار خیالات کی دعوت دی ہے، اس نے گویا تمام مذاہب کے مرکزی تصور کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم سے معرض ظہور میں آنے کا موقع عطا کیا ہے۔مختلف مذاہب کے پیروؤں میں دیگر موضوعوں پر سر پھٹول ہوتے دیکھی ہے لیکن پرماتما کے متعلق کسی قوم کے ادنیٰ طبقات میں بھی اس قدر گرمی پیدا ہوتے نہیں دیکھی کہ لڑائی جھگڑے تک نوبت آجائے۔دہریئے پرماتما کی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے۔لیکن اہلِ مذاہب ان کے مقابلہ میں خاموش رہتے ہیں۔درحقیقت پرماتما کی ذات میں امن ہے۔ان کے تصور میں امن متصور ہوتا ہے۔جہاں پرماتما کا نام آیا وہیں سچے خدا پرست کے دل میں تمام تنازعوں سے، جھگڑوں سے، قضیوں سے کنارہ کشی کا جذبہ جاگزیں ہوا۔قطع نظر اس سے کہ کسی مذہب کے پرماتما کا موضوع کیا ہے، ہر اہلِ مذہب اس سے سکون پاتا ہے۔طمانیت قلبی حاصل کرتا ہے۔اس لیے مجھے تو آئے دن کے مذہبی تنازعات کا علاج ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذہب کے پیرو پرماتما کی طرف رجوع کریں۔پرماتما کی ذات پر، صفات پر، عادات پر، اعمال پر زور دیں۔جہاں مذہب کے نام پر جھگڑا ہوتا ہے، مجھے معاً خیال آتا ہے کہ یہاں مذہب کے نیچے سے اس کا مرکزی محور خارج ہو گیا۔یہاں خدا کی جگہ غیر خدا نے لے لی۔مذہب کے نام پر جھگڑا میرے نزدیک غیر خدا کی پرستش ہے۔ورنہ جہاں تک پرماتما کا خیال ہے، اس پر لاکھ اختلاف ہوتے لڑائی نہیں ہوتی۔یہ پرماتما کے نام کی خاص

برکت ہے۔ میں انجمن احمدیہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے نہایت موزوں مضمون آج کی کانفرنس کے لیے تجویز کیا ہے۔ پرماتما رحمٰن ہے۔اس کے تصور سے رحمانیت آتی ہے۔

آدھے گھنٹہ میں پرماتما کا سوروپ بتانا ہے۔اس لیے میں یہ مان ہی لوں گا کہ یہاں ایشور کے وجود کو ثابت کرنا مقصود نہیں۔ وجود تو پہلے ہی سے مسلّمہ ہے۔ یہاں اس کے سوروپ یعنی صفات کا اذکار کرنا ہے۔ پرماتما کا سوروپ کیا ہے؟ اس بارہ میں سارا وید رطب اللسان ہے۔ رگ وید آدی بھاشیہ بھونکا میں رشی دیانند فرماتے ہیں:۔

''ایک بھی منتر میں پرماتما کو قطعاً ترک نہیں کیا گیا۔ کیونکہ پرماتما جو علتِ فاعلی ہے اس عالمِ کائنات پر محیط ہے اور معلوم کو ایشور لازم ہے۔''

وید میں ذکر ہے خفیف سے خفیف ذرہ سے لے کر بسیط سے بسیط ذرّہ تک جہاں پرماتما کا ذکر آیا ہے، پرماتما کا ذکر خواہ مخواہ آ گیا اور پرماتما تو اپنا سوروپ آپ ٹھہرے ہی۔ایک نظر ان کا دیدار کر لینا لاکھ توصیفوں کی ایک توصیف ہے۔ پربھو کیسے ہیں؟ اور کوئی کیا کہے؟ وہ اپنا پورا سوروپ آپ ہی جانتے ہیں۔ وید فرماتا ہے:۔

''سارے موجودات اور ان کی تجلّیات و مقامات کو اپنے علم کے احاطہ میں لا کر تمام اطراف اور اطراف کے بیچ کے گوشوں میں چکر لگا کر صداقت کے پہلے ظہور یعنی وید کی ذہنی قربت حاصل کر کے اپنی (آتما کی) وساطت سے پرماتما تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔'' (یجروید 32/11)

پرماتما کا سوروپ کہاں ہے؟ بھوتوں یعنی موجودات میں، لوگوں یعنی ان کے مقامات وتجلیات میں، قدیم وید کے پاکیزہ ترین کلام میں۔ ان تمام کو وسیلہ بنا۔ان سب سے زیادہ اپنے آپ کو اپنی آتما کو وسیلہ بنا، پرماتما وہاں ہے۔ پرماتما کے اور تیرے درمیان میں اور کوئی نہیں۔ وہاں رسائی براہ راست ہے۔سارے وید کو پڑھ، اس کی تعلیمات کو اور اس کی تجلیات کو اپنے میں جگہ دے، تب تُو پرماتما کو پائے گا۔اس کے سوروپ کو جانے گا۔

وید کی قراءت کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے ہر منتر کے شروع میں اوم پڑھا جائے۔ اور اس کے اختتام پر بھی اوم پڑھا جائے۔ کیا مطلب؟ یہی کہ کسی منتر کا دیوتا یعنی مضمون کچھ ہو۔ اس دیوتا کا دیوتا یعنی مضمون کا بھی مضمون اوم ہے۔ ہر مضمون کی ابتدا اوم سے ہے اور انتہا اوم میں۔ دوسرے لفظوں میں سارا وید اوم کے سوروپ کو کہنا ہے۔ تو کیا میں سارا وید پاکیزہ اور قدیم وید آپ کی خدمت میں پڑھ کر سناؤں؟ اس کی تو قراءت کو بھی وقت چاہیئے۔ اور تشریح کی تو نہ استطاعت ہے نہ موقع۔ وید کے ہر منتر کا شروع اوم میں ہے۔ اور ہر رچا کی تار ٹوٹتی ہے اوم میں۔ جب ہی تو رشی فرماتے ہیں کہ وید کا پڑھنا پڑھانا اور سننا سنانا آریوں کا پرم دھرم ہے۔ اسی اوم کے ذکر کی وجہ سے میں اوم کا سوروپ کیا بیان کروں؟ خود پرماتما اپنے سوروپ کے بارہ میں چپ ہیں۔ اور ان کی خاموشی ہی ان کے سوروپ کا سب سے اچھا بیان ہے۔ وید فرماتا ہے:

''اے سروشکتی مان پربھو! آپ خاموش بیٹھے ہوئے (یعنی بے حرکت) اپدیش کرتے ہیں۔ آپ ہمارے نیک ارادے پر نظر رکھ کر ہمارے مفاد کی بات بتایئے۔ آپ کا علو بڑھتا ہی بڑھتا معلوم ہوتا ہے۔ آپ عمل سے نصیحت کرتے ہیں۔ ہم بھی اصلی شجاع ہو کر ادائے فرائض سے اعلیٰ اپدیش کریں۔'' (رگ وید 1:4-13)

پر ماتما اپنا سروپ بتاتے ہیں اپنی خاموشی سے اپنے مسلسل مگر بے حرکت عمل سے۔ مانڈوکیہ اپنشد میں اوم کو جنبش پا دیعنی چار حرفوں سے مرکب کہا ہے۔ ایک حرف ہے ''الف'' دوسرا ہے ''و'' تیسرا ہے ''م''۔ اب چوتھا؟ اس کا نام رکھا ہے اماتر۔ یعنی اس لیے کوئی حرف نہیں۔ وہ حرف کی قید سے بعید ہے۔ عارف ''م'' پر پہنچتے ہی مست ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد لب کشائی فقط ان لوگوں کے لیے ہے جو چوتھی منزل یعنی اس منزل کے سرور میں، جس کے ابجد میں کوئی حرف ہی نہیں، مست نہیں ہو سکتے۔ جو مست ہو گئے ان کے لئے پھر اوم کی قراءت بھی نہیں۔

آنرا که خبر شد خبرش باز نیامد

''الف'' میں موجودات کے ذریعہ پرماتما کا دھیان ہوتا ہے۔ جیسے عام بیداری کی حالت میں ''و'' میں آتما اور من کے ذریعہ پرماتما کا دھیان ہوتا ہے۔ جیسے سپنے کی حالت میں۔ ''میم'' میں اس کیفیت کو پہنچتا ہے جو نیند میں حاصل ہوتی ہے۔ اس میں سب دکھ درد کا خاتمہ ہوتا ہے۔ چوتھی سمادھی یا مراقبہ کی آخر حالت۔ وہ الفاظ

میں نہیں آ سکتی۔ اور اس لیے اسے اماتر کہا ہے۔

اب میں پر ماتما کا کونسا سوروپ، کونسی صفات آپ کے سامنے رکھوں؟ خود وید فرماتا ہے:

''پر ماتما کے سوروپ کا فقط ایک درجہ یعنی ابتدائی منزل کائنات کی تجلیات میں ہے۔ باقی تینوں منازل لایموت میں ہیں۔ عالم علم میں نہیں۔'' (یجر وید 3:31)

آؤ آج تو پہلی ہی منزل طے کریں اس منزل کا مختصر مگر ہم معمولی انسانوں کے لیے جامع خاکہ رشی دیانند نے آریہ سماج کے دوسرے اصول میں کھینچا ہے۔ پہلے اصول میں اس بات پر زور دے کر تمام علوم برحق اور تمام معلوم اشیاء میں معلول کائنات کی علّت اولین یا دوسرے لفظوں میں علت فاعلی پر ماتما ہے۔ دوسرے اصول میں پر ماتما کا سروپ بیان فرمایا ہے۔ رشی لکھتے ہیں پر ماتماؔ۔ سچد انندسروپؔ۔ نراکارؔ۔ سروشکتیمانؔ۔ نیا کاریؔ۔ دیالوؔ۔ اجماؔ۔ اتبتؔ۔ نردکارؔ۔ اناریؔ۔ انوپمؔ۔ سروسادھارؔ۔ سردیشورؔ۔ سردودیاؔ پک۔ سردانتریامیؔ۔ اجرؔ۔ امرؔ۔ ابھے۔ نینہؔ۔ پوترؔ اور سرشٹی کرتا ہے۔ اس کی اپاسنا کرنا یوگیہ ہے۔

وید میں آیا ہے ''اوم ہست یعنی جو ہر ہے۔ مدرک ہے اور سرور کا مخزن ہے۔'' (یجر وید 3:36) یہ گویا پر ماتما کی تعریف ہے۔ یعنی فقط اوم کی مختصر تشریح میں نے اوپر عرض کی ہے کہ حرف ''ا'' کا مفہوم پر ماتما کا وہ جلوہ ہے جو ہمیں بیداری کی حالت میں حاصل ہوتا ہے۔ وہ زیادہ تر مادی اشیاء یا مادی اجسام میں عمل پیرا ارواح کے نظام میں پر ماتما کی تجلی ہے۔ ''و'' کے معنے ہیں ہست۔ قائم بالذات۔ اب قائم بالذات ارواح بھی ہیں۔ مادہ بھی۔ ان سب کی صفت ہے بھو۔ یعنی موجود ہونا۔ ان کے منتظم قوام میں پر ماتما کے سروپ کا جلوہ ہے۔ اگر وجود فقط پر ماتما ہی کا ہوتا تو اسے بھویاست کہنا کافی تھا۔ تعریف کے لیے ایک سے زیادہ صفت بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ جب کسی اور وجود سے تمیز ہی نہ کرنی تھی تو یہی کہنا کافی تھا کہ ''ہے۔'' مگر یہاں تو وجود آتما اور پرکرتی کا بھی ہے۔ موجودات کی گتھی ان کے بغیر بھی نہیں سلجھتی۔ فلسفے میں ان تمام موجودوں کو واجب الوجود کہتے ہیں۔ جن کے بغیر وجود کا معمہ حل نہ ہو۔ بعض کا خیال ہے کہ موجود تو غیر خدا ہے مگر وہ واجب الوجود نہیں۔ ممکن الوجود ہے۔ ممکن الوجود فلسفہ میں اسے کہتے ہیں جس کا نہ وجود لازم ہو نہ عدم۔ یعنی کسی معمہ کے حل کے لیے اس کی ہستی یا نیستی تسلیم کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ لیکن رفتہ رفتہ مذہب اور فلسفہ کا رجوع غیر خدا کو بھی واجب الوجود تسلیم کرنے کی

طرف آ رہا ہے۔ فی الواقع اگر پر ماتما کا وجود تسلیم کر لیا گیا تو پر ماتما کی صفات کے عمل پیرا ہونے کے لیے ایسے دیگر موجود بھی ماننے ہوں گے جن پر ان صفات کا عمل ہو۔ مثلاً پر ماتما مالک ہے۔ تو کیا وہ مالک بغیر ملک کے ہے؟ پر ماتما قیوم ہے تو کیا اس کا قوام بغیر کسی دیگر قائم موجود کے ممکن ہے؟ بعض مذاہب اس پہیلی کو سلجھانے کے لیے دنیا کی نوع کو ازلی ماننے لگے ہیں۔ یہ بھی تو آخر اس لیے تا کہ پر ماتما کی قدیم صفات میں تعطل کا نقص نہ آنے پائے۔ سوال یہ ہے کہ یہ نوع دنیا کیا غیر خدا ہے؟ جب غیر خدا کا وجود خود خدا کی صفات قائم رکھنے کے لیے لازم ہے تو غیر خدا کو بھی واجب الوجود ہی ماننا ہوگا۔ اور ممکن الوجود کے لیے جو وجود اور عدم کے درمیان کوئی موہومہ صورت ہے کوئی مثال ہی باقی نہ رہے گی۔ آخر جائے غور ہے کہ کائنات کا کوئی ذرّہ بھی ایسا ہوسکتا ہے جس کی فلسفیانہ ضرورت نہ ہو؟ یعنی اسے فلسفہ کی رو سے فضول قرار دیا جا سکے۔ مذہب میں تمام موجود لازم ہیں۔ ان سے کوئی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ کوئی ہستی فضول نہیں۔ دوسرے لفظوں میں سب واجب الوجود ہیں۔

پس جب غیر خدا بھی واجب الوجود ہے تو خدا کو فقط ''ست'' یا موجود کہنے سے پر ماتما کی تعریف نہ ہوئی۔ اس پر ایک اور وصف کا اضافہ کیا۔ یعنی وہ بھوہ یعنی چت ہے۔ بھوہ کے معنے ہیں زندہ اور مدرک۔ اس طرح پر ماتما کی پر کرتی سے تو تمیز ہوگئی کہ وہ مدرک نہیں اور پر ماتما مدرک ہے۔ مگر اب ایک اور ذات آ موجود ہوتی ہے جسے ہم روح کہتے ہیں۔ تمام جاندار مدرک ہیں۔ وہ زندہ ہیں اور احساس کی طاقت رکھتے ہیں۔ پس پر ماتما کی تعریف بھور بھوہ یعنی ست چت یا ہست اور مدرک کہنے سے بھی نہ ہوئی۔ وید نے کہا ہے: ''ست چت آنند'' (یجر وید 6:36) مطلب یہ کہ آتما تو ہست اور مدرک ہے۔ مگر آتما کے ادراک میں نقص ہے اور یہ ادراک محدود ہے۔ آتما علیم کُل نہیں۔ اس کے علم میں وہم کا بھی شائبہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسے دکھ ہے۔ اس کی طاقتیں محدود ہیں۔ ان ہی طاقتوں میں سے ایک ادراک ہے۔ اس طاقت کی طبعی کمی ہی تو تکلیف کا باعث ہے۔ پر ماتما کو بھور بھوہ سوہ کہا۔ یعنی وہ ہست ہے۔ مدرک ہے کامل ہے۔ اور کمال کا دوسرا نام سرور یا آنند ہے۔ وید فرماتا ہے: ''پر ماتمن آپ محیط علیم ہیں'' (یجر وید 21:8) پر ماتما کی اس طرح تعریف کر کے رشی دیانند کہتے ہیں کہ وہ نراکار ہے۔ یعنی غیر متشکل پریمان یعنی کمیّت کی تین اقسام ہیں۔ ایک انو یعنی اصغر دوسری وبھو یعنی بسیط اور تیسری مدھیم یعنی ان دونوں کے درمیان کی صورت۔ اصغر اور بسیط دونوں غیر متشکل (نراکار) ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان

دونوں کی لمبائی ہوتی ہے نہ چوڑائی اور نہ اونچائی۔ اصغر کی مثال جیومیٹری کا نقطہ (Point) ہے یہ زمانہ حال کی سائنس کا دریافت کردہ الیکٹرون اس نقطہ کی مقدار نہیں ہوتی۔ لیکن بہت نقطے مل کر ایک لکیر بناتے ہیں۔ جس کی لمبائی ہوتی ہے۔ اور بہت لکیریں مل کر ایک سطح بناتی ہیں۔ جس کی لمبائی بھی ہوتی ہے اور چوڑائی بھی۔ اور بہت سطحیں مل کر ایک چیز بناتی ہیں۔ جس کی لمبائی چوڑائی اور بلندی ہوتی ہے۔ اسی طرح بہت سے الیکٹرون مل کر مختلف اشیاء کی ذات بناتے ہیں۔ جن کی مقدار اور شکل ہوتی ہے۔ یہ حالت پرکرتی کے پرمانوؤں اور جیوآتما کی ہے کہ ان کی اپنی مقدار یا شکل نہیں مگر جب پرمانو ترکیب پا لیتے ہیں تو ان سے مرکب اشیاء متشکل (ساکار) ہوتی ہیں۔ اور آتما کی اپنی شکل نہیں مگر متشکل (ساکار) جسم سے اس کا علاقہ ہوتا ہے۔ اور وہ اس سے کئی صورتوں میں محدود ہوتا ہے۔ تمام متحرکوں کے متحرک ہیں (یجروید 31:5)۔ پرماتما کا علاقہ جسم سے نہیں ہوتا۔ اس لیے اس پر چھید یا پھوڑے پھنسی کا بھی اثر نہیں۔ (یجروید 8:40)

رشی دیانند فرماتے ہیں کہ پرماتما سروشکتی مان ہے اور سروشکتی مان وبھو یعنی بسیط ہی ہوسکتا ہے۔ حق یہ ہے کہ وبھو کے معنے ویبھو والا یعنی قدرت والا قدیر ہے۔ جبھی تو وہ محرک ہے۔ وید میں وبھو کے بعد پرداہن اور اصول میں نراکار کے بعد سروشکتی مان نہایت موزوں واقع ہوا ہے۔ وید بعض سروشکتی مان کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ سب اچھی اور بُری طاقتیں بھی، جو رحمانی صفات کے متضاد ہیں، پرماتما سے منسوب کر دی جائیں۔ اس پر کئی حکیموں نے اعتراض اٹھایا کہ دیکھو خدا مثلثی دائرہ نہیں بنا سکتا۔ اس پر اہل مذاہب نے جواب دیا کہ بھائی مثلث اور دائرہ تو ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ ان کا عدم باہمی ہے۔ یعنی جو دائرہ ہے، وہ مثلث نہیں۔ جو مثلث ہے، وہ دائرہ نہیں۔ مثلثی دائرہ محال مطلق ہے۔ محال مطلق کو پرماتما کی طرف منسوب نہ کرو۔ اسی طرح نیستی سے ہستی کا وجود بھی محال مطلق ہے۔ پرماتما وہی کر سکتا ہے جو اس کی صفات کے مطابق ہے۔ رشی دیانند نے لکھا ہے ''کیا پرمیشور اپنے آپ کو مار...... پاپ کر......اور دکھی ہوسکتا ہے؟ یہ کام ایشور کی صفات، اعمال اور سیرت کے خلاف ہیں''۔ آج رشی کا استدلال مقبول عام ہوا ہے۔ مگر یہ استدلال رشی کا اپنا نہیں۔ وید خود کہتا ہے ''پرماتما کے قانون نہیں بدلتے'' (رگ وید) آریہ سماج کے دوسرے اصول میں سروشکتی مان کے بعد نیاکاری یعنی عدیل اور دیالو یعنی رحیم کا ذکر ہوا ہے۔ وید فرماتا ہے کہ ستر یعنی دیالو ورن یعنی عظیم اور باریما یعنی عدیل پرماتما ہمیں سکھ دے۔

بظاہر دیالو اور نیا کاری رحیم وعدیل ایک دوسرے کے متضاد وصف معلوم ہوتے ہیں۔عدیل اپنی بخشش کے لیے اعمال کا بدلہ چاہتا ہے۔اور رحیم بعض کے خیال میں بغیر اعمال کے عطیات بخشتا ہے۔رشی دیانند نے اس متضاد کا ازالہ یوں فرمایا ہے کہ ایشور کا کامل رحم تو یہ ہے کہ اس نے سب جیوؤں کے مقاصد کی تعمیل کے لئے عالم میں تمام اشیاء پیدا کر کے سب انہیں عطا کی ہیں۔اس سے بڑی دیا کیا ہوگی؟ اور عدل کا پھن ظاہر ہے کہ وہ سکھ دکھ کی تقسیم (ان اشیاء کی) کمی بیشی سے اعمال کا پھل ظاہر کر رہی ہے۔ان دو میں فرق یہ ہے کہ جو من میں سب کو سکھ ہونے اور دکھ سے چھوٹنے کی خواہش اور (اس مقصد سے) عمل ہے۔وہ رحم ہے اور اس خواہش کا عملی اظہار یعنی بندش اور نجات اور سزا و جزا کا انضباط عدل کہلاتا ہے۔(ستیارتھ پرکاش)

پرماتما کا عدل ہی رحم ہے۔رحم ارادے میں ہے۔عدل عمل میں۔عدل اس لیے ہے کہ روحوں کا بھلا ہو۔اگر رحم پر عدل کی قید نہیں، یعنی بغیر اعمال کی قید کے سب پر رحم برستا جائے، تو اعمال کی اصلاح کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔بغیر اعمال کے رحم کرتے جانا، جہاں سزا و جزا کے نظام کو درہم و برہم کرنے کا موجب ہوتا ہے، وہاں بیچارے کی حالت قابل رحم ہو جاتی ہے کہ وہ محض نکما اور نالائق ہو جائے۔رحم عمل سے درحقیقت مقدار میں بڑا ہے۔جزاء میں پرماتما کا انعام شامل ہے۔لیکن انعام کی تقسیم میں پھر اعمال کی کمی بیشی کا لحاظ کیا جاتا ہے۔اگر بالفرض یہ لحاظ نہ ہوتو ''ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا'' کی مثال عائد ہو۔بہرحال افراد کے نیک اعمال میں بھی کمی بیشی ہے۔لوگ مساوی طور پر نیک اعمال نہیں ہوتے۔اب اگر تھوڑی اور زیادہ نیکی پر دونوں کی جزاء ایک ہونے لگے تو نیکی میں اضافہ کرتے جانے کا محرک کوئی قاعدہ نہ ہو سکے۔اس لیے یہ سنہری اصول ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ پرماتما کا عدل رحم کو اور رحم عدل کو باطل نہیں کرتا۔وید فرماتا ہے کہ اے محبت کرنے والے جان سے زیادہ پیارے پربھو! آپ کا یہ اصول برحق ہے کہ اعمال کی بھینٹ لانے والے کو فائز المرام کرنا (رگ وید 12\1-1) پرماتما اجنما ہے۔یعنی اس کا جسم سے تعلق نہیں ہوتا۔ازلی ہونے کو تو پرکرتی بھی ہے۔آتما بھی ہے۔مگر پرکرتی ترکیب پا کر متشکل ہو جاتی ہے۔اور آتما متشکل جسم سے متعلق ہو کر پھر پیدا ہوتا ہے۔پرماتما اس پیدائش کے امکان سے بھی بعید ہے۔میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ وید نے پرماتما کو وبھو اور اکائے یعنی بسیط اور رحیم سے غیر متعلق بتایا ہے پرماتما اننت ہے یعنی اس پر کوئی حد نہیں۔حد یا تو مکان کی ہوتی ہے یا زمان کی یا قوئی کی اور ازلی اور ابدی پر زمان

کی حد نہیں۔ یہ غیر محدودیت آتما، پرماتما اور پرکرتی تینوں میں مشترک ہے۔ پرماتما کی خاص غیر محدودیت اس کی قدرت میں ہے۔ وید فرماتا ہے کہ جس بسیط پرماتما کی طاقت کا انت نہ آکاش (لطیف ترین عنصر) سے پرتھوی (کثیف ترین عنصر) سے ملتا ہے اور نہ سمندر (وسطی عنصر) سے۔ (رگ وید 1-22/14) یعنی مکانا محدود و غیر محدود بسیط غیر محدود کا سہارا لیتے ہیں (رگ وید 10-8/12)۔ یہاں پرکرتی اور آتما دونوں کی علت کی حالت میں غیر محدود یعنی اصغر اور کائنات کی صورت میں محدود یعنی مدھیم پریمان والا بنایا ہے اور پرماتما کو غیر محدود کہہ کر بسیط بھی کہا ہے۔ رشی فرماتے ہیں کہ ''پرماتما نرا کار یعنی غیر متغیر ہے۔'' سارے تغیرات پرماتما کی قدرت سے ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا تغیّر علت سے معلول اور معلول سے علت ہوتا ہے۔ پرماتما علت فاعلی تو ہے لیکن معلول نہیں ہوتا۔ وید فرماتا ہے۔ وہ ایسا مبدا ہے جس کا ناش نہیں ہوتا (یجر وید 1:32) یعنی وہ ایسی علت ہے جو معلول نہیں ہوتی۔ پھر فرماتا ہے۔ واحد بسیط پرماتما اپنے سے مختلف کو معلول کرتا ہے (رگ وید 1-52/14)۔ رشی کہتے ہیں وہ انادی ہے۔ یعنی اس کی ابتدا نہیں۔ ابتدا ہمیشہ معلول کی ہوتی ہے۔ پرماتما ابتداؤں کی ابتداء ہے۔ وید فرماتا ہے اسے قدیم کہتے ہیں وہ ابتدا ہے ہر بار نیا ہے (یعنی پرانا ہو کر بھی پرانا نہیں ہوتا) رات اور دن یعنی سرشٹی اور پرلے یہ صورتیں۔ جو یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں (رگ وید 10-8/2)۔ مطلب یہ کہ معلول اور علت اگرچہ ایک ہی موجود کی دو صورتیں ہوتی ہیں، مگر ان میں تو سرشٹی میں معلوم علت کو پرانا کر دیتی ہے، اور خود نئی ہوتا ہے اور پرلے میں علت معلول کو پرانا کر دیتا ہے اور خود نیا ہوتا ہے۔ پرماتما قدیم ہونے سے پرانا ہے مگر اس کی کوئی معلول صورت اس کی قدیم غیر متغیر ہستی کو پرانا نہیں کرتی۔

رشی فرماتے ہیں کہ ''وہ انوپم ہے یعنی بے مثل''۔ وید فرماتا ہے جس کا نام وردِ زبان خلائق ہے۔ اس کی مثال نہیں (یجر وید 38:32)۔ وید کا لفظ ذو معنی ہے۔ پرماتما کے معنی مثال، تصویر اور مورت کے ہیں۔ تصویر ہمیشہ اس کی ہوتی ہے جس کا مثل ہو۔ کم سے کم کوئی صفت ایسی ہو جسے صفحۂ قرطاس پر لایا جا سکے۔ پرماتما کی کسی صفت کا اپنی کامل صورت میں کسی اور میں تصور بھی تو نہیں ہوتا۔ پھر فرمایا ہے وہ شردھالو ہے۔ یعنی سب کا قیوم ہے۔ وید فرماتا ہے کہ قیوم پرماتما کے سہارے سے لطیف ترین عنصر (دیوہ) اور کثیف ترین عنصر (پرتھوی) یعنی تمام عناصر قائم ہیں (رگ وید 10-8/2)۔ مطلب یہ کہ وجود تو آتما اور پرکرتی دونوں کا اپنا ہے مگر حالت ترکیب میں ان کا

نظام اور صورت انفصال میں ان کا سکوت پرماتما ہی کے سہارے سے ہوتا ہے جن کی ازلی عادت تغیر ہے وہ کسی غیر متغیر ہی کے انضباط سے منضبط طور پر متغیر ہو سکتے ہیں۔ ورنہ مطلق تغیر تو انضباط کا بھی تغیر کر دے گا۔ آتما کیوں اپنی مرضی سے سزا پائے گا؟ غیر مدرک مادہ کیوں اپنے عدم ادراک کے ذریعے منتظم طور پر اشکال بدلنے لگا؟ وہ قیم یعنی سب کو ضابطہ میں قائم رکھنے والا کون ہے؟ سر دیشور یعنی سب کا مالک۔ وید فرماتا ہے۔ وے پرماتن آپ قدیم، علیم، قدرت کے باعث مالک ہیں (رگ وید 8-6/41) یہاں یہ بھی واضح کر دیا کہ پرماتما کی ملکیت کس وجہ سے ہے؟ فرمایا۔ قدرت سے اور قدیم علیم ہونے سے عالم کائنات کے نامکمل قبضے نامکمل علم کے باعث سے ہیں۔ غیر ذی روح پر ذی روح کا قبضہ ہے بے جان پر جاندار کا، اور جانداروں پر انسان کا، جو سب میں علم کے اعتبار سے فائق ہے۔ پھر انسانوں میں بھی علم و دانش میں کمی بیشی انہیں باہم مقبوض اور قابض بناتی ہے۔ قبضے کا منشا ہے بجا استعمال۔ پرماتما بجا استعمال فرماتا ہے۔ کیونکہ اس کے علم اور دانش دونوں میں کمال ہے۔ دنیاوی قبضوں میں نقص ہے اس وجہ سے کہ یہاں علم میں کہیں وہم کا شائبہ ہے اور کہیں محدودیت کا۔

اصول کی عبارت میں سر دیشور کے بعد سر دد یا پک کہا ہے۔ وید فرماتا ہے ''وہ محیط ہے اور مالک ہے'' (یجر وید 1-32/1) کامل مالک محیط کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ مکمل مالک احاطہ چاہتا ہے اور وہ آتما کی صفت نہیں۔ آتما اصغر ہے اس لئے آتما کا مالک بھی صغیر ہیں فرمایا وہ انتر یامی ہے یعنی سب موجود کے اندر بھی موجود ہے۔ وید فرماتا ہے۔ جہاں کائنات ہے وہاں بھی خدا ہے وہ غیر متغیر سب کے اندر بسا ہے پرماتما کو غیر متغیر کہہ چکے اور سب سے بڑا تغیر علت معلول کے تغیر کے چکر کو بتایا ہے۔ اسی چکر کے اندر اندر معلول پر اور تغیرات بھی اثر انداز ہوتے ہیں مثلاً ہر معلول بوسیدہ اور بوڑھا ہو جاتا ہے۔ رشی کہتے ہیں کہ جب پرماتما معلول ہی نہیں تو بوڑھا کیوں ہوگا۔ اور اس کی موت کیوں آئے گی۔ فرمایا ہے وہ اجر اور امر ہے۔ وید ہی کا فرمان ہے۔

''وہ بے خواہش، ذی علم، لایموت، قائم بالذات، سرور سے مطمئن ہر طرح بے نقص ہے
اس علیم بوڑھا نہ ہونے والے لازوال، جوان (یعنی ہر دم تازہ) پرماتما کو جان کر
(عارف) موت سے نہیں ڈرتا'' (رگ وید 10-8/44)

رشی کہتے ہیں وہ ابھے یعنی بے خوف ہے۔ بھلا جس کا علم حاصل کرنے پر عارف بے خوف ہو جاتے ہیں، اسے ڈر

کس کا؟ وید فرماتا ہے سکون بخشنے والا، عالمیان کا مالک، پاپوں کا مٹانے والا، موذیوں کو قابوں میں رکھنے والا، قوی اور قادر، موجودات کا محافظ بے خوف کرنے والے پرماتما کی ہمیں حضوری ہو (رگ وید 1/21-1)۔ رشی آگے فرماتے ہیں وہ نینہ ہے یعنی قدیم، ازلی اور ابدی۔ اس پر زمان کی قید نہیں۔ وید فرماتا ہے پرماتما ہی ہے جو (حال میں) وہی ہے جو تھا اور ہوگا۔ اس پر زمان کی قید نہیں۔ زمان کی تعریف ہے حال، ماضی اور مستقبل جوان تینوں پر جامع، ہو وہ زمان ہے (یجروید 31/2)۔ زمان سے سورج طلوع ہوتا ہے۔ اور زمان میں غروب ہوجاتا ہے۔ جس زمان کی قید میں ہم رہتے ہیں اس کا وجود سورج کے بغیر نہیں۔ اور وید میں اس زمان کا ذکر ہے جس سے سورج طلوع ہو۔ وہ زمان کیا ہے؟ زمان مطلق ہے۔ یعنی زمانہ کی قید سے باہر زمانہ۔ دوسرے لفظوں میں وہ زمانہ جواب بھی ہے۔ جو پہلے بھی تھا اور آئندہ بھی رہے گا۔ اس زمان کو قدامت کہتے ہیں۔ ماضی حال اور مستقبل اس قدامت کے راستہ کی منزلیں ہیں۔ وید فرماتا ہے۔ زمان مطلق ماضی و مستقبل کو پیدا کرتا رہا ہے۔ زمان مطلق سے رگ وید یعنی علم اور یجروید یعنی عمل کا الہام ہوتا رہا ہے (اتھروید 3/54-19) زمانہ حال کا فیلسوف آئن سٹائن زمان مطلق سے کائنات کی پیدائش مانتا ہے۔ یعنی اسے زمان مطلق میں جاملایا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ نینہ ہے، عدیم ہے، لازوال ہے۔ رشی فرماتے ہیں کہ وہ پوتر ہے۔ وید فرماتا ہے کہ وہ غیر متغیر ذات پاکیزہ کرتی ہے۔ اور حفاظت کرتی ہے۔ (رگ وید 6/16-1) وہ پاکیزہ ہے اس میں گناہ کا شائبہ نہیں (یجروید 40/11) میں نے اس بسیط ذرّہ ذرّہ میں موجود تاریکی سے دور، نورعلیٰ نور ذات کو پہچانا ہے۔ اسی کو پہچان کر موت کے پار ہوتے ہیں۔ پار جانے کے لئے اور کوئی راستہ نہیں۔ رشی آخر میں فرماتے ہیں کہ وہ سرشٹی کرتا یعنی خالق ہے۔ وید فرماتا ہے وہ ظرف کون سا تھا؟ وہ علت کون سی اور کیسی تھی؟ جس سے خالق موجودات نے (خاک و کثیف ترین عنصر) کو پیدا کیا جس سے مدرک کل نے اپنی عظیم قدرت سے (آتماؤں کے) ادراک پر اوڑھنا (یجروید 17/18) چڑھایا وید میں جہاں سوال کیا جائے اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ یہاں حواس کی رسائی نہیں۔ قیاس سے کام لینا چاہئے۔ موجودات کا ظرف یعنی آکاش یا خلاقیات ہی کا مضمون ہے، حواس کا نہیں۔ اسی طرح علت مادی بھی علت فاعلی وشوکرما یعنی خالق موجودات پرماتما ہے۔

میں اوپر گزارش کر چکا ہوں کہ ہمارے نزدیک خلقت کے معنی نیستی سے ہستی میں لانا نہیں۔ بلکہ علت

موجود کو معلول کرنا ہے۔ یہی بات وید کا منتر کہہ رہا ہے کہ علت اور ظرف معدوم نہیں موجود ہیں مگر ہاں ان کا قیاس ہی کیا جا سکتا ہے، احساس نہیں۔ پرماتما کی یہ مختصر توصیف فرما کر رشی فرماتے ہیں کہ اسی کی اپاسنا کرنا یوگیہ ہے۔ یعنی وہی ایک معبود ہے۔ وید فرماتا ہے پربھو آپ نور و سرور۔ علوم و موجودات کو قائم رکھنے والے۔ عالمین کے مالک، واحد معبود، واحد سزاوار ستائش عالمیاں ہیں۔ میں انہی آپ کے وید کے طفیل واصل ہوتا ہوں۔ اے نور، اے سرور آپ کو میرا نمسکار رہو۔ آپ کا آشبا نور میں ہے (یعنی عارف کے نورانی دل میں)۔ (اتھروید 1/1-2)

حضرات! میں نے وید کے چند منتر آپ کے گوش گزار کیے اور ابتدا میں یہ کہا کہ وید کے سارے منتر پرماتما کی توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ آخر آپ کو کیا سنایا، ایک شمہ بھی تو نہیں۔ اور شمہ بھی کس کا اوم کے ابتدائی حرف ''الف'' کا۔

❀ ❀ ❀

تصور باری تعالیٰ ۔ برہما سماج کے نقطۂ نظر سے

مسٹر یو۔ این۔ بال، ایم۔ اے کے قلم سے

(اصل مضمون انگریزی میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ مدیر)

برہما سماج کا ایک ممبر ہونے کی حیثیت سے میں بھی ایک ایسی مذہبی کانفرنس کے انعقاد سے خوش ہوں، جس میں تصّورِ ذات باری تعالیٰ پر تبادلہ خیالات ہوگا۔ شہنشاہ اکبر اعظم کے زمانہ میں مختلف مذاہب کے لوگ عبادت خانہ واقع فتح پورسیکری میں مذہبی امور پر بحث کرنے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ بعض اوقات یہ مباحثے مناقشے کی صورت اختیار کر لیتے تھے اور اکبر کو صلح کرانی پڑتی تھی۔ اب دنیا بہت ترقی کر چکی ہے۔ بہت تجربے کے بعد ہم نے یہ بات سیکھی ہے کہ مذہب کسی واحد قوم کی ملکیت نہیں۔ اور انسانی ترقی مستقل تبادلہ خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔ ہر ایک نئی دریافت، جو دنیا کے کسی حصہ میں معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے علم میں ترقی کا موجب ہوتی ہے۔ سائنس کی نئی ایجادات نے بہت سی پرانی خلیجوں کو قابل گزر بنا دیا ہے۔ انسان قدرت کی بہت سی طاقتوں کو مسخر کر چکا ہے اور انسانی زندگی کی بہت سی ضروریات کو بہم پہنچانے کے قابل ہو گیا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اس عالم کے ساتھ وابستہ رہنے پر مجبور ہے۔ ہوا، پانی، خلاء، زمین وغیرہ اس طرح اس کی ملکیت ہیں جس طرح اس کا اپنا جسم، دل اور روح۔ یہ دنیا اس کی خدمت کے لیے ہے اور اسے اس بات کا یقین ہوتا چلا جا رہا ہے کہ ضروریات زندگی کے معاملہ میں سب انسان برابر ہیں۔ ایک لامحدود ہستی کے ماتحت یہ کارخانہ چل رہا ہے۔ گو یہ ہستی آنکھوں سے اوجھل ہے۔ یہ سب کچھ ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ دنیا میں مباحثات نے سخت اندھیر مچا رکھا ہے۔ یہاں تک کہ آج خود ہندوستان میں ہم اک زمانہ سابقہ کی تاریکی میں بسر کر رہے ہیں اور لوگ یہاں فرقہ واری کی دیواریں کھڑی کر رہے ہیں۔ اسی لاہور شہر میں حال میں کئی مذہبی کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں۔ جن میں مختلف مذاہب کے نمائندوں کو اپنے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے دعوت دی گئی تھی۔ یہ ایک مبارک فال ہے۔ کیونکہ اس طرح ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے کے قابل ہو سکیں گے۔ ہم کچھ استعدادیں رکھتے ہیں جو جدوجہد سے ترقی کرتی ہیں۔ دوسروں کے تجربات ہماری ترقی میں مدد دیتے ہیں۔ یہ اصول جسمانی اور روحانی دونوں امور

میں صحیح ہے۔ وہ جو صرف اپنے تجربات پر قانع رہتے ہیں، ان کی نگاہ بہت محدود ہوتی ہے۔ ان کا علم لازمی طور پر محدود اور فرقہ وارانہ ہوتا ہے۔ لیکن وہ لوگ، جو ہر جگہ سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور سب کی تعظیم کرتے ہیں، اپنی ترقی کے ہمیشہ نگراں رہتے ہیں اور ہر موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں اس امر کو ایک کہانی سے واضح کرتا ہوں۔ (اس کے بعد ایک کہانی بیان کی گئی جسے بخوف طوالت حذف کیا جاتا ہے۔ مدیر)

برہما سماج کی تعلیم:

برہما سماج کا اصول یہی ہے کہ ہر جگہ سے استفادہ کیا جائے۔ صداقت ہماری مقدس کتاب ہے۔ ہم ہر پیغمبر اور نبی کی تعلیمات کی عزت کرتے ہیں۔ اور تمام مذاہب کی کتب مقدسہ کا تعظیم وتکریم سے مطالعہ کرتے ہیں۔ وید ہمارے نزدیک ایسے ہی قابل عزت ہیں جیسے بائبل اور قرآن، ژنداوستا یا گرنتھ صاحب۔ یہ ہے ہماری کتاب جس میں ہمیں امور زندگی کا حل ملتا ہے۔ برہما سماج کی طرف سے تمام ممالک کی مقدس کتب کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ راجہ رام موہن رائے (بانی برہما سماج) نے اپنے بچپن کے زمانہ میں عربی اور فارسی پڑھی۔ اس نے سنسکرت پڑھنے میں بھی بنارس میں چند سال صرف کیے۔ بعدازاں اس نے اصل یونانی میں بائبل کا مطالعہ کیا۔ رام موہن رائے کی عقل نے۔ عالمگیر مذہب کو سمجھ لیا۔ اس کے مذہب کا اصول یہ ہے کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں اتفاق پیدا کرنے والا تعلق دریافت کیا جائے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کی وحدانیّت پر ایمان لانا ہے۔ ہر جگہ لوگ اپنے معبود کو اس عالم کا حکمران مانتے ہیں۔ یہ اعتقاد عالمگیر ہے۔ اور اس پر راجہ رام موہن رائے نے زور دیا کہ تمام مذاہب کے لیے توحید کو سمجھنا ضروری ہے۔ انہوں نے مذہب محمدؐ کے چشمے سے بہت کچھ پیا اس نے انسان اور مذہب میں تعلق پیدا کرنے کے لیے ویدک رشیوں کی تلاش کی اور اپنے ایام زندگی انسانی برادری کے خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے بسر کرنے کی کوشش کی۔ ان کے بعد مہارشی وریندرا ناتھ ٹیگور آئے۔ جنھوں نے اسی قسم کے مذہب کی فلسفیانہ تعبیر کی۔ ان کے نزدیک کوئی الہامی کتاب فیصلہ کن سند نہیں تھی۔ مسٹر کشیب چندر سین نے جو اس نئے مذہب کا زبردست پرچار تھا اس دنیا کے تمام بزرگوں کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے اس امر کی اشاعت کی کہ تمام مذاہب کی مقدس کتابیں، جہاں تک ان میں صداقت ہے، قابل عزت ہیں۔ ایسی مقدس کتاب کوئی معنے نہیں رکھتی اگر اس میں ہمیں کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جس کی ہمیں پیروی کرنی چاہئے۔ اس لحاظ سے ہر ایک اچھی کتاب

ہماری مقدس کتاب ہے۔ عالم خدا کی محبت اور عظمت سے بھر پور ہے۔ مصر کی مقدس کتب میں لکھا ہے ''وحدۂ لاشریک کا ہر سر زمین میں ظہور ہے آسمان کی بلندیاں اور سمندر کی گہرائیاں تیرا ہی گیت گا رہی ہیں۔ اور تیری جستجو کرنا عقل کی ابتدا ہے۔'' اسی طرح ہندوستان کی پرانی کتابوں میں لکھا ہے'' اس کی دریافت کرو وہ خدا ہے'' اس عالم کے دیکھنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ خدا واحد لاشریک ہے۔ ابدی اور آنکھوں سے اوجھل ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر ناظر ہے۔ اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ سائنس اور فلسفہ سب اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ایک اعلیٰ و برتر ہستی موجود ہے جو اس دنیا کی نگہبان ہے۔ وہ محض خیالی ہستی نہیں بلکہ وہ زندہ خدا ہے۔ جس کا تعلق ہماری زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ یہ بات ایک زمانہ پہلے اوستا نے بتائی تھی۔ وہ اس عظیم الشان کرہ کا ایک حصہ ہے۔ وہ خود بخود ترقی نہیں کر سکتا۔ اس کی زندگی اپنے ہمسایوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ سوسائٹی ایک حقیقت ہے۔ یہ ایک زندگی اور دل رکھتی ہے۔ اس کی بہت بڑی طاقتیں ہیں۔

یہ تمام حقیقتیں اس خدا کی توحید کی تصدیق کرتی ہیں جو اس جہان کا حاکم ہے۔ ہم اپنے دماغی، اخلاقی اور تمدنی تجربات سے خدا کے نزدیک ہو رہے ہیں۔ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہی وہ چیز ہے جس کے جاننے سے ہم تمام دوسری چیزوں کو جان سکتے ہیں۔ اس حقیقت کے علم سے ہماری استعدادیں سرگرم عمل ہو جاتی ہیں۔ دل وسیع اور سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ اور روح رفعت حاصل کرتی ہے۔ خاندان، گھر، دنیا سب ہی حقیقی بنتے ہیں جب ہم انہیں رضائے مولیٰ کا ظہور تصور کریں۔ ورنہ وہ ہمارے سامنے تیرتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں۔ انسانی تاریخ قوموں اور سلطنتوں کی تباہی کی داستانوں سے پُر ہے۔ خوبصورت شہر نہایت کاریگری سے تیار کیے گئے۔ محلات اور باغات نے مدتوں لوگوں کو مسحور بنائے رکھا۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز زمانہ کے حملہ کی تاب نہ لا سکی۔ اب وہ قدیم شہر کہاں ہیں، جن کی ایک زمانہ میں نسل انسانی توصیف و تعریف کر رہی تھی۔ نہ صرف پرانے شہر، عالیشان محلات اور صنعت کے کام ہی زمانہ کے ہاتھوں تباہ ہوئے بلکہ تمام انسانی نظم و نسق غارت ہو گئے۔ ان تمام انقلابات سے ایک ہی چیز بچی ہے۔ اور وہ خدا کا خیال ہے جو اپنی پوری شان و شوکت میں قائم ہے۔ زمانہ قدیم سے لے کر آج تک لاکھوں نسلیں گزر گئیں۔ لیکن خدا کی روح ہمیں اب تک اسی طرح پکار رہی ہے جس طرح گزشتہ زمانہ میں پکارتی تھی۔ صداقت اپنے آپ کو مختلف صورتوں میں ظاہر کرتی اور انسان کے دل کو گرویدہ

بناتی ہے۔سچائی کاروبار کی تاریکی میں نور کی طرح ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ہم جب صبح اٹھ کر آنکھیں کھولتے ہیں تو آسمان کے مشرق سے روشنی نکلتی ہے اور اس میں ہم اس ابدی نور کی شعاعیں دیکھتے ہیں۔قرآن کریم فرماتا ہے:
اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (35:24) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (1:6) جو علم ہم رکھتے ہیں وہ اسی ابدی نور کی بخشش سے ہے۔ہم اسی روشنی کے ذریعے اپنے آپ کو جان سکتے اور اسی کے ذریعہ ہم دوسروں کے ساتھ مناسب تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں۔انسان تاریکی کے تنگ گڑھے سے اسی وقت نکلتا ہے جب وہ الٰہی نور کی شعاعوں سے منور ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے آپ کو زمین، پانی اور خلا میں محیط پاتا ہے۔اسے اپنے اندر بھی سچائی نظر آتی ہے اور باہر بھی۔خدا اس کے لیے کوئی راز نہیں رہتا۔وہ خدا پر ایمان لانے کا اعلان کرتا ہے۔ بلکہ وہ جسم کے ہر ذرہ اور اپنی زندگی کے ہر تجربہ سے اس پر ایمان لاتا ہے۔
زمانہ قدیم کے ہندوستانی رشیوں نے خدا کو بحیثیت حق کے پیش کیا۔ برہما سماج نے اس قول کو پورے طور پر اخذ کر لیا۔خدا حق اور نور ہے۔اس کے رحم کی کوئی انتہا نہیں۔ کیونکہ اس کے الہام کی کوئی حد نہیں۔ہم چاہے کسی حالت میں ہوں وہ ہمارے پاس آتا ہے۔ وہ ہماری مشکلات، افلاس، بیماری، موت اور مصائب میں ہم پر ظاہر ہوتا ہے۔ جب انسان مصائب میں گھر جاتا ہے اور اپنے آپ کو بے یار و مددگار پاتا ہے تو وہ سوائے اس کے اور کس کے پاس مدد کے لیے جائے۔ایسی حالت میں خدائی روشنی ہی ہمیں مشکلات سے رہائی بخشتی ہے۔اس تاریکی میں خدا ہی ہمارا رہبر ہوتا ہے۔اس کی موجودگی میں ہم اپنی تمام کمزوریوں کو بھول جاتے ہیں۔اور اس کے حسن و محبت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔اس دنیا میں کسی چیز کو قیام نہیں ہے۔ والدین مر جاتے ہیں۔ بچے گزر جاتے ہیں۔ہم خود بھی ایک روز کوچ کر جائیں گے۔موت ہماری زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔تاہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ موت ہی اس زندگی کی انتہا ہے۔ خدا زندگیوں کی زندگی ہے۔ اس کو جان کر ہم موت پر بھی فتحیاب ہو سکتے ہیں۔ خدائی زندگی کے طربِ کراں میں موت ہے اور نہ افلاس۔ عام انسانی نظر سے پرے ایک روحانی دنیا آباد ہے۔ جس طرح ایک بے علم آدمی حساب کے سوالات نہیں سمجھ سکتا، اسی طرح ایک ایسا شخص جو موت اور زندگی کی گہرائیوں سے واقف ہونے کی کوشش نہیں کرتا، خدا کے لامحدود حسن و خوبی کو نہیں سمجھ سکتا۔دروازہ کھلتا ہے جب تم کھٹکھٹاتے ہو۔ہم اس سے بڑھ کر یقین رکھتے ہیں کہ خدا ان سے بھی بے اعتنائی نہیں برتتا ہے جو اس کی تلاش نہیں کرتے۔ وہ داخلہ کے لیے ہمارے دروازہ پر دستک دے رہا ہے۔اور ہماری ملاقات کے لیے موقع کی تلاش میں

ہے۔ہم چاہے اسے باہر نکالیں۔اپنے دلوں کے اندر نہ گھسنے دیں لیکن وہ ہمارے انکار کو قبول نہیں کرتا۔وہ ہم سے بچوں کی طرح محبت کرتا ہے۔وہ مصائب میں ہمیں آرام پہنچاتا ہے۔ہم کو تسلی دیتا ہے اور تمام مشکلات میں ہماری دستگیری کرتا ہے۔جب ہم اس کو جان لیتے ہیں اور اپنے اندر اس کی موجودگی محسوس کرتے ہیں تو رنج وغم دور ہو جاتے ہیں۔وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

لوگوں نے بعض اوقات ایک سے زیادہ خداؤں کا بھی خیال کیا ہے۔لیکن جب انہوں نے علم روحانی میں ترقی کی تو اس نتیجے پر پہنچے کہ خدا ایک ہے۔بندگی اس ایک ہی کے لائق ہے، جو نظروں سے اوجھل ہے۔اس نے نیک لوگوں پر اپنے آپ کو ظاہر کیا اور ہم گنہگاروں پر بھی ظاہر ہوتا ہے۔وہ پاک ہے اور کوئی پلیدی اسے نہیں چھو سکتی۔مقدس آسمانی باپ کی یہ روشن تصویر ہمارے دلوں سے گناہ کی تمام خواہشیں دور کر دیتی ہے۔اس کے عشق کی آگ تمام گناہوں کو جلا دیتی ہے۔تاریکی کے بعد روشنی ہے، جب ہم گناہ کرتے ہیں، وہ سزا دیتا ہے اور ہمیں جہالت سے رہا کرتا ہے۔اور جب ہم اخلاقی تعلیمات کی پیروی کرتے ہیں تو ہمیں زندگی بخشتا ہے۔جو ضمیر ہمارے اندر ہے وہ خدا کی آواز ہے۔ہماری اخلاقی استعدادیں اس سے الہام حاصل کرتی ہیں۔وہ ایک نیک اور منصف جج ہے۔وہ اس دنیا میں اپنے اخلاقی قوانین کے ذریعہ حکومت کرتا ہے۔کوئی خرابی اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی ہم تمام اس کے حکم کے ماتحت ہیں۔جب ہم اس کے نقش قدم پر چلتے ہیں تو زندگی پر لطف ہو جاتی ہے۔وہ اس دنیا کا خالق وحاکم ہے۔وہ اس دنیا کی بھلائی کرنے میں مصروف ہے۔وہ کسی سے غافل نہیں ہے۔اس کی رحمت سب پر حاوی ہے۔خدا ہماری موت، ہمارا گھر اور آخری مقصد ہے جس کی طرف ہر ایک چیز بڑھ رہی ہے۔یہ عالم اس کی خوشگوار خواہشات کا نتیجہ ہے۔اس کو اپنی خوش طبعی کے لیے اس عالم کی ضرورت تھی۔اسے اپنی مسرت کے لیے میری اور آپ کی ضرورت تھی۔اس کی تمام مخلوق اس کی عاشقانہ شفقت پر دلالت کر رہی ہے۔ہماری کتابوں میں خدا کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ حق ہے۔وہ مسرت ہے۔اور اپنے آپ کو ظاہر کرنے والی ہستی ہے۔وہ امن، نیکی اور واحدہٗ لاشریک ہے۔وہ پاک ہے اور گناہ اسے چھو بھی نہیں سکتا۔ہم نہ تو اسے الفاظ میں ظاہر کر سکتے ہیں اور نہ ہمارے دل اس کا احاطہ کر سکتے ہیں۔تاہم وہ ہمارے علم اور تجربہ میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔خدا ایک زندہ ہستی ہے جو ہمیشہ ہمارے چال چلن کی نگرانی کرتی رہتی ہے۔ہم اس کے آگے دعا

کرتے ہیں تا کہ ہم اس کے پاک جلال سے اپنے آپ کی حقیقت پا سکیں۔ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اور وہ ہم سب کو ایک بلند تر اور معزز زندگی کی طرف بلاتا ہے۔ جہاں تمام اختلافات مٹ جاتے ہیں۔ اور جہاں ہم روحانیت کی نہ دکھائی دینے والی روشنی میں زندگی بسر کریں۔

ذات باری کا تصور سکھ مت کے نقطۂ نظر سے

سردار ہرنام سنگھ صاحب ایم۔اے کے قلم سے

حضرات! اس بزرگ تر ہستی کے متعلق، جس کا علم فہم وادارک سے بالا ہے اور جو معمولی گیان اندریوں اور کرم اندریوں سے نہ تو سمجھ میں آ سکتی ہے، اور نہ محسوس کی جا سکتی ہے کچھ کہنا چھوٹا منہ اور بڑی بات کے مصداق ہے۔ میں تو کیا دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا فلاسفر یا سائنسدان بھی اسے بیان نہیں کر سکتا۔ ہاں! گیان کے اس سمندر سے، جو ذات باری تعالیٰ کی طرف سے ان مہا گوروؤں کو عطا ہوا، جن کا میں ایک ادنیٰ ترین سکھ ہوں، کچھ قطرات بطور نمونہ پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

اپنے مضمون کو شروع کرنے سے پہلے میں اس بات کا اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہماری زبان اتنی مکمل نہیں جو ذات باری کے کسی بھی پہلو کو مکمل طور پر بیان کر سکے۔ میرے آقا و مولا ست گورو پنجم بادشاہ راگ گوڑی میں فرماتے ہیں ''کا ہو بول نہ پوچت پرانی۔ اگم اگو چر بر بھ زبانی'' یعنی کسی بولی میں بھی انسان اسے بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ لامحدود اور فہم وادراک سے باہر ہے۔ یہاں ست گوروؤں کو اس کا گیان معمولی انسانی گیان اندریوں کے ذریعہ نہیں بلکہ ایک اور ایسی ''اندریہ'' کے ذریعے پراپت ہوا جس سے عام لوگ اب تک ناآشنا ہیں۔ شری گورو امر داس راگ رام کلی میں فرماتے ہیں

> ''ہر جیو گنا اندر رکھ کے واجا پون وجایا۔ وجایا واجا پون۔ نو دوارے پر گٹ کئے دسواں
> گپت رکھایا۔ گور دوارے لائے بھاونی اکنان دسواں دوار دکھایا۔ تا نک روپ ناؤ نو ندھ
> نایا سدا رنت نہ جائی پایا۔''

اس دسویں دوار کی آنکھوں سے ہمارے پوجینک ست گوروؤں نے ذات باری کا جس طرح مشاہدہ کیا اور وہ جہاں تک ہماری زبان سے ادا ہو سکتا ہے وہ شری گورو گرنتھ صاحب کے آ دمیں یہاں منتر کی صورت میں درج ہے۔ میں جیسا کہ اوپر بیان کر چکا ہوں خود اپنے اندر ذات باری کے سمجھنے کی حقیقتاً کوئی سمجھ نہیں رکھتا۔ لہٰذا

ذات باری کے مسئلہ پر میں اسی گیان کی تشریح پر اکتفا کروں گا جو شری ست گورو نے نانک دیو کے ذریعہ بنی نوع انسان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے یہاں منتر کی صورت میں بیان کیا۔ فرماتے ہیں (یہاں اصل منتر درج ہے)۔

جب نبان میں اونکار سے پہلے ایک کا ہندسہ دینے میں منشائے الٰہی یہ تھی کہ اونکار کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے شارحین شرک سے بچے رہیں۔ اونکار کو ہندو شارحین نے مظہر صفات ثلاثہ بیان کیا۔ اونکار کو انہوں نے اکار۔ اُکار اور مکار بتلایا۔ اور اکار کو برہما پیدا کرنے والی طاقت، اُکار کو بشن پرویش کرنے والی طاقت اور مکار کو ہمیش فنا کرنے والی طاقت یا بالفاظ دیگر تین دیوتاؤں کا مظہر قرار دیا۔ انہوں نے تین لکیروں کو، جن سے اس حرف کی شکل بنتی ہے، آکار، اُکار اور مکار فرض کر کے سارے لفظ کو مظہر تثلیث تسلیم کیا۔ حالانکہ اونکار کا مطلب ومفہوم محافظ خدا کے سوا اور کچھ نہیں۔ ایک کے ہندسے کے اونکار کے پہلے آ جانے سے شارحین کے شرک میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ اس سے اونکار کا مفہوم سوائے ایک پرماتما کے اور کچھ نہیں۔ مثلاً کوئی شخص ایک اونکار سے برہما، بشن و دہیش مطلب ومفہوم نہیں لے سکتا۔ اس سے اونکار کی شکل کے نہیں بلکہ اونکار ہی کے معنے مترجم یا شارح کو کرنے پڑیں گے۔ اور اس کے لیے ''ایک اونکار'' کا مطلب ایک پرماتما تسلیم کرنے کے سوا چارہ کار نہ رہے گا۔ اگر ہندسہ کے بجائے ایک حرف میں لکھا ہوتا تو لفظ ''ایک'' کی شرح کرنے میں بھی شارح غلطی کر سکتا تھا۔ لیکن ایک کے ہندسہ کو کوئی بھی نہ تو ایک سے زیادہ پڑھ سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ ایک کے ہندسہ کا مفہوم ہر حالت میں ایک ہی ہے۔ لہٰذا سکھ دھرم کا پہلا اور بنیادی اصول ایک کا ہندسہ ہے۔ سکھ مذہب کی بنیاد اسی ایک کے ہندسہ سے ہے۔ اسی ایک کی بھگتی وعبادت کی گورومت میں تعلیم دی گئی ہے۔

سکھ مذہب میں توحید کی تعلیم:

ایک جپ ایکو سالاہ۔ ایک سمیرا یکو من را۔ ایکس کے گن گاؤ انت۔ من تن جاپ ایک بھگونت۔ ایکو ایک ایک پراپ۔ پورن پورا ہیو پربھو بیاپ۔ انک سبھار ایک تے بھئے۔ ایک ارادھ پراچھت گئے۔

من تن انتر ایک پربھ ماتا گورو پرشاد نانک ایک جاتا

(گوری سکھ منی محلّہ 5)

ایک ہی کی عبادت کرو، ایک ہی کی تعریف کرو، ایک ہی کو یاد کرو، ایک ہی کی دل میں چاہ رکھو، ایک ہی کے بے شمار گن گاؤ، دل و جان سے ایک ہی خدا کی بھگتی کرو۔ وہ خدا خود ایک ہی ایک ہے۔ پربھ محیط کل ہے اور ہر جگہ طاری ہے۔ اسی ایک کی لاکھوں قدرتیں ہیں اور اسی ایک کی عبادت سے پاپ کٹ جاتے ہیں۔ تن من میں وہ ایک خدا بس رہا ہے۔ اور اسی ابدی گورو کی عنایت سے نانک نے اس کی توحید کو جانا۔ گورومت میں خدا کی بزرگی ہی توحید سے مانی گئی ہے۔ آسا محلّہ 4 کے مطابق یعنی اس پروردگار کی سب سے بڑی خوبی ہی یہ ہے کہ اس سا کوئی اور نہیں۔ نہ پیدا ہوا نہ ہوگا۔ جل تھل اور آسمان میں وہ ایک کردگار طاری ہے۔ یعنی اونکار ہی سے کل کائنات پیدا ہوئی۔

الغرض گورومت توحید پر مبنی ہے۔ توحید پر ایمان لائے بغیر پرماتما پر ایمان لانے کے کوئی معنے نہیں۔ توحید صفت ہے اس موصوف کی۔ جو اس صفت سے منکر ہو وہ موصوف سے بھی انکار کرتا ہے۔ خواہ وہ زبانی سو بار اس کا اقرار کیوں نہ کرے۔ یہاں منتر میں جس قدر بھی صفات بیان کی گئی ہیں وہ سب اس توحید کی تائید کرتی ہیں۔ آگے چل کر ست گورو نانک دیو فرماتے ہیں کہ ''ست نام''۔ وہ ازلی و ابدی مکان و زمان کی قید سے باہر ہے وہ ست نام ہے۔ جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ ایک خدا ہی کی ذات ایسی ہے کہ اس میں زمانہ کے اثرات سے تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ وہ ماضی میں تھا ویسا ہی حال میں ہے اور ویسا ہی مستقبل میں ہوگا۔ نہ وہ بچہ تھا نہ جوان ہوا نہ بوڑھا ہوگا۔ نہ وہ ہوا نہ فنا ہوگا۔ جیسا تھا ویسا ہی ہے اور ویسا ہی رہے گا۔ اس لامثال بزرگ ہستی کے لیے یہ کہنا، کہ وہ ماضی میں ویسا تھا، حال میں ایسا ہے اور مستقبل میں ایسا ہوگا، غلطی ہے۔ کیونکہ وہ کال (زمانہ) کی قید میں نہیں ہے۔ ست گورو فرماتے ہیں کہ گن کرم کے علاوہ تیرے نام بہت سے لیے جاتے ہیں، لیکن ست تیرا ازلی نام ہے۔ جو ست نہیں اس کا نام ست نہیں۔ ست سوائے اس بزرگ ہستی کے، جو فہم و ادراک سے بالاتر ہے اور جس کا مظہر ایک اونکار ہے، اور کوئی نہیں۔ ست ثبوت ہے توحید کا۔ پرماتما کی یہ صفت بجائے خود لاثانی ہے۔ چونکہ وہ ست ہے، اس لیے اس کا نام بھی ست ہے۔ اسم موسوم کے مطابق ہوتا ہے۔ یعنی اگر موسوم فانی ہے تو اسم بھی فنا ہو جائے گا۔ چونکہ پرماتما ست سدا ایک رس رہنے والا ہے، اس لیے اس کا نام بھی ست ہے۔ ست نام کو گورومت میں افضل الذکر مانا جاتا ہے۔ ہر زمانہ میں عارف اس کا ورد کرتے رہے ہیں۔ اور ہر جگ میں بھگت

اسی نام کی بھگتی کرتے رہے ہیں۔ یہ گورومنتر ہے اور کلجگ کے پیغمبر سری گورونانک دیو جی مہاراج نے دنیا کے اونکار کے لئے چار دانگ عالم میں اس کی منادی کردی۔اسی نام کو ست گوروؤں نے جپا۔

صفات خداوندی:

سری ست نام کرتا پورکھ گورورام داس جپے ہے۔ وہ نہ صرف لاشریک اور ازلی ہے بلکہ کرتا پورکھ فاعل کل اور خالق کل ہے یہ خدا کا صفاتی نام ہے۔اور بجائے خود مظہر توحید ہے۔یعنی دنیا میں ایک پرماتما ہی کی ہستی ایسی ہے جو فاعلِ کل ہے۔فاعل کا فاعل نہیں ہوسکتا۔مخلوق خالق نہیں ہوسکتی۔جو مفعول ہے فاعل نہیں اور جو مخلوق ہے خالق نہیں۔ چونکہ پرماتما فاعلِ کل ہے اور کل مخلوقات کا خالق ہے۔اس کے سوا کوئی فاعل کل نہیں۔ چونکہ وہ ایک ہستی خالقِ کل ہے اس لیے معبود و خدا وہی ایک ہے۔فاعل کل پرکرتی کا بھی محتاج نہیں۔ پرکرتی کا اپنا وجود اس کے فعل سے آزاد ہوتا۔مگر وہ فاعل کل ہے اس لیے اس کا فعل حکم ہے۔جو اس کی طرح فہم وادراک میں نہیں آتا۔اس کے سوا باقی کل مخلوق ہے۔ برہما بشن ہمیش کا بھی وہی خالق و فاعل ہے۔ست گوروگنی ندھاں پہلے بادشاہ وارسلار میں فرماتے ہیں۔''برہما بشن ہیش دیواد پایا'' یعنی اس خدا نے برہما بشن ہمیش وغیرہ دیوتا پیدا کیے۔ واہگورو لاشریک ازلی فاعل کل ہے۔وہ بےخوف اور نڈر ہے۔ پرماتما کے سوا اور کوئی دوسری ہستی موجود نہیں۔ وہ ایک خالق ہے باقی سب مخلوق ہیں۔خوف دوسرے سے ہوتا ہے۔اور چونکہ اس کے سوا اور دوسرا ہے ہی نہیں، اس لئے اس کو خوف کس کا ہو؟ وہ بےخوف ہے۔ ہر مخلوق کے لئے خوف شرط ہے۔لیکن خالق کے لیے نہیں۔کوئی اور خالق یا اس کا شریک ہے نہیں۔اور کوئی مخلوق اس کے احاطۂ حکم واختیار سے باہر نہیں۔ جپ جی صاحب بابا نانک ارشاد فرماتے ہیں۔''حکمے اندر سب کو باہر حکم نہ کوئے۔'' یعنی زمین اور آسمان سب امرالٰہی سے، جو بہت سخت ہے، ڈرتے ہیں۔ہوا، پانی اور آگ مع اِندر دیوتا کے ڈرتے ہیں۔ایک خدا ہی بےخوف ہے۔سو وہی سکھی اور آسودہ ہوگا جو گورو سے مل کر اس کے گن گائے گا جیسا کہ مہاں واکوں سے ثابت ہے۔گورومت میں تمام مخلوق کو خوف کی قید میں مانا گیا ہے۔ بےخوف ذات صرف ایک خالق کی مانی گئی ہے۔دیوتاؤں اور اوتاروں کو بھی، جو مخلوق ہیں، خوف کی قید سے آزاد نہیں مانا گیا۔ بیان ہوا کہ گوپیاں اور کرشن گاتے ہیں۔ سیتا اور رام کے راجے اسے گاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ بےخوف ہے جس کا نام سچ ہے اور جس نے تمام جگت کو بنایا ہے۔وہ بےخوف ہی نہیں اور پر

ہے۔بغیر دشمنی ہے۔یعنی اسے کسی سے دشمنی نہیں۔ پر ماتما کی یہ صفت ہی بجائے خود مظہر توحید ہے۔ کیونکہ جب اس کے بغیر اس سا یا اس سے بڑھ کر ہے ہی نہیں تو دشمنی کس سے ہو؟ قادر وہ ایک باقی جو ہے اسی کی قدرت ہے۔ قدرت سے قادر کو کبھی دشمنی نہیں ہو سکتی۔علاوہ ازیں دشمنی غرض سے ہوتی ہے۔ پر ماتما کی کوئی غرض نہیں۔یعنی جو ہے اسی کی قدرت ہے اور اسے اس پر پورا اختیار ہے۔ مایا دشمنی کا کارن مانی گئی ہے۔لیکن مایا بھی پر ماتما کی ہے۔ اور وہ اس سے مستغنی اور بے نیاز ہے۔ نہ صرف پر ماتما کو کسی سے دشمنی نہیں بلکہ وہ اپنی مخلوق کا رازق ہے غفار ہے، رحیم ہے، کریم ہے۔ گورومت میں پر ماتما کو ماں پتا مانا گیا ہے۔ایک منتر میں گورو ارجن دیو فرماتے ہیں۔اے پروردگار! تو ہمارا ماں باپ ہے۔ہم تیرے بچے ہیں۔ تیری عنایت میں بہت راحتیں ہیں۔حقیقی باپ، جس نے ہم کو پیدا کیا، وہی پروردگار ہے۔ جب مخلوق بچے ہیں تو باپ کو بچوں سے کبھی دشمنی ہو سکتی ہے؟ آگے چل کر صاحب فرماتے ہیں کہ وہ قادر مطلق اکال مورت ہے۔ لا فانی ہستی والا ہے۔اکال مورت کا مفہوم یہ ہے کہ پر ماتما کی ہستی لا فانی اور ابدی ہے۔ وقت کی قید اور اثر سے آزاد ہے۔ جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ مرتی بھی ہے۔ جو ہستی پیدا نہیں ہوئی، یعنی ست ہے، وہ مر ہی نہیں سکتی۔یعنی اکال ہے۔جس طرح ازلی کے لیے ابدی ہونا لازمی ہے، اسی طرح ست نام کے لیے کال مورت ہونا لازمی ہے۔سوائے پر ماتما کی ذات پاک کے اور کوئی ہستی لا فانی نہیں۔ سری راگ میں ست گورو گنی ندھان گورو نانک دیو فرماتے ہیں کہ دن رات سورج اور چاند لاکھوں تارے سب فنا ہو جائیں گے۔ سچی بات یہ ہے کہ لا فانی وہ ہی ایک ہے۔ایک پر ماتما ہی کی مورت ایسی ہے جو لا فانی ہے۔ جسے موت نہیں آ سکتی۔ جو زمانہ کے اثر سے ٹوٹ یا مر نہیں سکتی لوگ یہ گمان نہ کرنے لگیں کہ اس کی کوئی ہستی ہی نہ ہو گی۔اس کی مورت اکال بتا کر یہ یقین دلایا گیا ہے کہ باوجود یکہ وہ اجول ہے اکال ہے۔آنکار ہے۔ بایں ہمہ اس کی ہستی ہے اور اسی کی بھگتی لازمی ہے۔ جو پیدا ہوتے اور مر جاتے ہیں وہ خدا نہیں ہو سکتے۔آساوی دار میں ست گورو فرماتے ہیں ''جو مرجے سو کچن کچ''یعنی جو مرتے اور پیدا ہوتے ہیں وہ خام یعنی باطل ہیں۔راگ آسا میں ست گورو نانک دیو جی مہاراج فرماتے ہیں ''نہ اوہ مرے نہ ہووے سوگ''یعنی نہ وہ مرتا ہے نہ اس کا ماتم ہوتا ہے۔سو خدا کی ہستی ہے لیکن وہ خود لا شریک ہستی ہے۔سروپ اس کا وہی ہے جو اس گورو منتر میں بتایا گیا ہے۔اس کے سوا اس کی کوئی مورت نہیں۔ کیونکہ وہ نرنکار ہے۔ست گورو ایک جگہ فرماتے ہیں:

نہ اس کا روپ ہے۔ نہ اس کا جسم ہے۔ نہ اس کا کوئی رنگ ہے۔ تینوں گنوں سے وہ آزاد ہے۔ کیونکہ جس کا روپ، ریکھ، رنگ ہو، وہ قید زمان سے آزاد یعنی ست نہیں ہوسکتا۔ چونکہ پرماتما ست اور اکال ہے اس لیے اس کا نام ست ہے۔ اور مورتی اکال ہے۔ وہ لاشریک ہستی جون سے رہت پیدا نہ ہونے والا ہے۔ یعنی وہ پیدا نہیں ہوا۔ اس کو کوئی علت نمائی نہیں۔ اس کا کوئی ماں باپ نہیں۔ اگر اس کو علت ہوتی تو وہ ست کرتا پورکھ اور اکال نہ ہوتا۔ اس کے ماں باپ ہوتے تو وہ ایک نہ ہوتا۔ اور فاعل کل نہ ہوتا۔ گورومنتر میں جس قدر اسماء اور صفات الٰہی بیان کئے گئے ہیں وہ کمال عمدگی سے ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ اور تمام صفات اس میں لازم وملزوم ہیں۔ یہ گورومنتر ایک کسوٹی ہے۔ ہر معبود کی اس کسوٹی پر پرکھ کرو۔ سوائے پرماتما کے کوئی پورا نہ اترے گا۔ دویت واری لوگ پرکرتی کو بھی اناوی وابنا نتی مانتے ہیں۔ وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ پرماتما ماتا کے گربھ میں آتا ہے۔ اور منشوں کی طرح جنم لیتا ہے۔ یا وہ کسی خاص جگہ یا ملک میں مقیم ہے۔

مسئلہ اوتار کی تردید:

ان سب باتوں کا گورومنتر میں جواب دے دیا گیا ہے۔ جو ست ہو فاعل کل ہو، نربھو ہو، زویر ہو، اکال مورت ہو۔ اور اجونی ہو، وہی ہمارا پروردگار ہے۔ پرماتما جو ست یعنی ازلی ہے، وہ پیدا کیونکر ہوسکتا ہے۔ بعض لوگ اوتاروں کے عقیدہ کے معتقد ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق پرماتما نیشہ وغیرہ جونیوں میں جنم لیتا ہے۔ گورو مت میں اس عقیدہ کو مشرکانہ اور گمراہ کن قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ تمام اوتار پیدا ہوئے، جوان ہوئے اور بوڑھے ہوئے۔ آخر مر گئے۔ نہ تو وہ اجونی کہلا سکتے ہیں اور نہ ان کی مورتی اکال ہوسکتی ہے۔ گورومت میں یہ اعتقاد، کہ پرماتما جنم لیتا ہے، کفر ہے۔ ''سومکھ جلو جت کہوٹھا کرجونی'' وہ منہ جل جائے جو کہے پرماتما جنم لیتا ہے۔ ست گورو نے بڑے زور سے اس عقیدہ کے خلاف آواز بلند کی۔ گورومت میں ہر جگہ اس امر کی خاص طور پر احتیاط کی گئی ہے کہ سوائے اس ست چٹ آنند پرماتما کے، جس کی تعریف گورومنتر میں کی گئی ہے، اور کسی ہستی کو پرماتما نہ مانا جائے۔ اس کے متعلق راگ سورٹھ میں ست گورو فرماتے ہیں:

تاتش مات پتا ست بندھپ نہ تس کام نہ ناری　　　اکل نرنجن اپر پر پستر سگلی جوت تمہاری

یعنی نہ اس کا باپ ہے۔ نہ ماں ہے نہ بیٹے ہیں۔ نہ بھائی بند نہ اس میں شہوت ہے۔ اور نہ اس کی کوئی عورت ہے۔ اے لامحدود پر ماتما ساری روشنی تم سے ہے۔ اس شبہ میں، جو گورو منتر کی تائید کرتا ہے، اوتاروں کے عقیدہ کا رد کیا گیا ہے۔ رام اور کرشن ہندو اوتاروں کے ماں باپ تھے، بیویاں تھیں، بیٹے تھے، بھائی بند تھے۔ ست گورو فرماتے ہیں کہ وہ پر ماتما نہیں تھے۔ کیونکہ پر ماتما کے ماں باپ بیٹے بھائی اور عورتیں نہیں ہوسکتیں۔ منشوں کو خدا جان کر ان کی بھگتی کرنا مشرکانہ عقیدہ و فعل ہے۔ ان کی بھگتی بے سود یعنی اپھل ہے۔ دسمیش شری گورو گوبند سنگھ مہاراج نے اوتاروں کے متعلق نہایت وضاحت سے فرمایا:

جو کہو رام اجوں اجے رت کا ہے کو کوشل لکھ جیو جو

کال ہوں کاں کے جیہ کو کہیہ کا رن کال نے دیں بھیو جو

ست سروپ جبیر کہاوے سوکیوں پتھ کورتھ ہانک رہیو جو

تاہی کو مان پربھو کر کے جیہ کو کود بھید نہ لے نہ لیو جو

اگر کہو کہ رام پیدا نہیں ہوتا تو وہ کیوں کوشیلا کے بطن سے پیدا ہوا۔ جہاں کال ہو کر وہ کس لیے کال کے تابع ہوا۔ بعض اصحاب نے اکالیوں کو اپنے عقیدہ کا معتقد بنانے کے لیے اس مشرکانہ خیال کی ان میں اشاعت کرنے کی کوشش کی کہ دسوں گورو صاحبان بھی پر ماتما کے اوتار تھے۔ لیکن شری ست گوروؤں نے بانگ دہل اس مشرکانہ عقیدہ کی تردید کی ہے۔ ست گورو سچے بادشاہ کی بانی ہے۔

تدھ آگے ارداس ہماری جیو پند سب تیرا

کہو نانک سب تیری وڈیائی کوئی ناؤ نہ جانے میرا

میری دعا تیرے ہی حضور ہے۔ میرا جسم میری روح سب تیرا ہی مال ہے۔ نانک کہتا ہے کہ یہ سب تیری ہی بڑائی ہے ورنہ میرا تو کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ یہ ہے تمام ست گوروؤں کا دعویٰ۔ ست گوروؤں کا اوتار ہوا ہی اس لیے تھا کہ وہ توحید کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا دیں۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ اپنے مشن کی خود تردید

کرتے۔ دہم بادشاہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے اس خیال سے کہ مشرکوں کی صحبت میں سکھ کبھی ان کو بھی پرمیشر ماننا شروع نہ کردیں۔ مندرجہ ذیل زوردار الفاظ میں اس عقیدہ کی جڑ ہی اکھیڑ پھینکی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو مجھ کو پرمیشر کہیں گے وہ سب جہنم کے آتش کدہ میں پڑیں گے۔ مجھ کو خدا کا غلام سمجھو۔ اس میں ذرا بھی شک نہ کرنا۔ جو مجھے خداوند پاک نے کہا وہی کہوں گا۔ میں عالم فنا کی طرف سے زبان بند نہیں کرسکتا۔ دھینہ دھینہ شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج ہیں۔ خدا کی راہ پر آپ نے اپنا سب کچھ نثار کردیا۔ اگر لاکھوں شیران خدا کو اپنے چرنوں میں جھمکتی لاکھوں سورماؤں کو اپنے پوتر سیس پر نثار ہوتے اپنے تئیں اکال پورکھ کے افضال واکرام سے ہر وقت مستفیض ہوتے اور دین دنیا کی تمام دولتوں کو اپنے خزانوں میں دیکھ کر ایک لمحہ کے لیے تکبر کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا، تو وہ انبیاء کے سردار بھگتوں کے پیشوا اور خالصہ کا گورو شری گوبند سنگھ جی مہاراج تھے۔

''سے بھن'' قائم بالذات۔ اپنے آپ سے پرکا شمان۔ وہ پرماتما جو اجونی ہے۔ اکال ہے۔ جس کو کوئی علت غائی نہیں۔ وہ سے بھن ہے۔ یعنی قائم بالذات ہے۔ اپنے آپ سے پرکاشمان ہے۔ سائنسدانوں نے دریافت کیا ہے کہ چاند سورج سے کسب ضیا کرتا ہے۔ بذات خود روشن نہیں۔ لیکن سورج کسی سے روشنی نہیں لیتا۔ اپنے آپ سے پرکاشمان ہے۔ اسی طرح سرشٹی پرماتما نے پیدا کی۔ لیکن پرماتما کو کسی نے پیدا نہیں کیا۔ وہ قائم بالذات ہے۔ اس سوال کو کہ سرشٹی کو اگر پرماتما نے پیدا کیا تو پرماتما کو کس نے پیدا کیا۔ سے بھن حل کردیتا ہے۔ فاعل کا فاعل نہیں ہوسکتا۔ یعنی جس طرح سورج چاند کو تو روشنی دیتا ہے۔ لیکن خود کسی سے روشنی نہیں لیتا۔ اسی طرح پرماتما نے رشٹی کو تو پیدا کیا لیکن اسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔ وہ سے بھنگ ہے۔ راگ دھن سری میں ست گورو نانک دیو فرماتے ہیں ''سبھ لے جوت جوت لے سوے تسدے چانن سبھ یہ چانن ہوئے'' سب میں روشنی ہے روشنی وہی ہے۔ اسی کی روشنی سے سب میں روشنی ہوتی ہے۔

گور پرشاد۔ گور سے مراد ہدایت کرنے والا۔ پرشاد۔ مہربانی مجسم۔ اصل تو یہ ہے کہ جس طرح سورج کی روشنی کے بغیر کام چلنے مشکل ہیں، اسی طرح ہدایت ربی کے بغیر تمام کاروبار ناممکن ہے۔ اور ہدایت ربی ایک نا معلوم طریقہ سے مخلوق تک پہنچتی ہے۔ شہد کی مکھیوں کو معلوم نہیں کہ انواع واقسام کے پھولوں سے رس لے کر شہد کے چھتے بنانا کس نے سکھا دیا۔ مچھلیوں اور مرغابیوں کو تیرنا کس نے سکھایا۔ پورے چوبیس گھنٹے میں دن رات کو

پورا کرنے کا سورج اور زمین کو پابند کس نے بنایا۔ستاروں میں وقت مقررہ پر تبدیلیوں کے چھپنے اور ظاہر ہونے کے قاعدے کس نے بنائے۔زمین کو ہر فصل کو وقت پر پیدا کرنے کا راز کس نے بتایا۔یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب تسلی بخش دینے سے عقل انسانی عاجز ہے۔درحقیقت کسی نہ کسی طریقہ سے اس کی ہدایت مخلوقات تک پہنچتی ہے۔چونکہ وہ نرنکار ہے اور ہم پانچ گیان اندریوں سے اسے محسوس نہیں کر سکتے۔اس کا اپنا گیان بھی ہمیں اسی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے پیغمبروں کے ظمیر اس کی ہدایت کی روشنی سے منور ہوتے ہیں۔اور وہ منشوں میں پرماتما کی پیغامبری کرتے ہیں۔لیکن پرماتما کی زبان نہیں۔پھر کس طرح وہ ہدایت کرتا ہے۔ست گورو کرماندھان پنچم بادشاہ راگ گڑی سکھنی میں فرماتے ہیں:

نرمل نرمل نرمل تیری بانی گھٹ گھٹ سنی سروں سکھانی

بنا میل تیرا کلام ہے۔جو باطن کے کانوں سے سن کر بیان کیا جاتا ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ سری ست گوروؤں نے کسی مدرسہ یا پاٹھ شالہ میں تعلیم حاصل کئے بغیر علم الٰہی باطن کے کانوں کے ذریعہ اکال پورکھ سے حاصل کیا۔اور وہ گورو ہو گئے۔شری مکھ واک شری گورو گوبند سنگھ جی کا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ جس میں جگت کا اوھے اور جس میں جگت کا انت ہے، وہی ہمارا گورو سمجھو۔جگت میں گورو اس مہان گورو کے خلیفہ ہیں۔انہوں نے محض اپنی زبان سے پیغامبری کی۔ورنہ ہدایت وتعلیم کا سرچشمہ وہی ہادی برحق ہے۔سری گوردار جن ولیمہ راگ سوہی میں یوں فرماتے ہیں

''ہو آپے بول نہ جاندا سے کہیا سب حکما چبو۔میں خود تو بول بھی نہیں سکتا۔جو میں نے کہا ارشاد الٰہی ہے۔راگ تلنگ میں ست گورو سچے بادشاہ سری گورونانک دیو کا دا کیہ ہے''

جیسی لے آوے کھسم کی بانی۔میتڑا کرے گیان وے لالو۔اے لالو! مجھے میرا آقا و مولا جیسا کلام کرتا ہے میں اسی علم کی اشاعت کرتا ہوں۔شری گورورام داس مہاراج کا دار گوڑی ہیں بچن ہے۔''ست گور کی بانی ست ست کر جانو۔سیکھو ہر کرتا لکھو کڑھائے۔اے ست گور کا کلام سچ سچ سمجھو۔خالق خدا سے ہمارے منہ سے نکلواتا ہے۔ست گورو گوبند سنگھ مہاراج فرماتے ہیں۔''جو نج پر بھ موسو کہا سو کہہ ہوں جگ باثیہ'' یعنی جو میرے خداوند نے مجھے کہا میں جگت میں وہی کہوں گا۔

یہ ہے ذات باری کا تصور۔ توحید اس کی کنجی ہے۔ اسی ایک پروردگار کی سکھ مذہب میں پرستش جائز ہے۔ کُل دنیا اس کے حکم کے تابع ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کل کائنات میں ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ حکم ہی سے شکلیں پیدا ہوئیں۔ حکم بیان نہیں کیا جا سکتا حکم ہی سے جاندار بنے۔ حکم ہی سے انہیں شرف حاصل ہوتا ہے۔ حکم ہی سے وہ اعلیٰ وادنیٰ بنے۔ حکم ہی سے دکھ سکھ ان کو دیا گیا۔ ایک تو حکم سے بخشے گئے اور ایک حکم سے ہمیشہ تناسخ میں گھومتے رہے۔ سب کچھ حکم کے تابع ہے۔ حکم سے باہر کوئی نہیں۔ بس اس کے حکم کے تابع رہنا ہی سب بیماریوں کی دوا ہے۔ اور اسی کو سکھ اپنی آخری منزل سمجھتا ہے۔

حضرات! آخر میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ذات باری کا تصور ہمارا لفظ تصور تک محدود نہیں۔ بلکہ سکھوں میں ذات باری میں درڑھ وشواش کی شرط لازمی ہے۔ سب سے بڑا گیان سکھ دھرم میں ذات باری پر درڑھ وشواش ہی ہے۔ میرے خداوند ست گوروارجن دیو راگ گوڑی میں فرماتے ہیں۔

''جا کے اوہے بسواس پربھو آیا تت گیان تس من پرکٹایا''۔

یعنی جس نے ذات باری پر درڑھ وشواش کیا۔ اسے گیان کا سار یعنی تت پراپت ہو گیا۔ سکھ پرماتما کی ذات پر اسی طرح وشواش رکھتا ہے جس طرح سکھ کو اپنے ماں باپ، بھائی دوست، بال بچوں اور مال ومتاع کے متعلق، جنہیں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح پرماتما کی ہستی کے متعلق بھی اس کا من شکوک سے آزاد ہوتا ہے۔ سکھ اپنی آخری منزل میں اپنے آپ کو ذات باری میں فنا کر دیتا ہے۔ وہ تسلیم ورضا میں اس طرح مر جاتا ہے جس طرح برف پانی میں۔ بھگتی کے بل سے فنا فی اللہ ہو کر۔ سو صداقت کے متلاشیو! آؤ کہ صداقت کا سرچشمہ گورومت ہی ہے۔ شرک کے جنگلوں میں بھٹکے مانو! آؤ کہ توحید کا ابدیش اور ہر در و دیوار میں اکال پورکھ کے جلوے اسی مارگ پر چل کر دیکھنے نصیب ہوں گے۔ اے اکال پورکھ تیری ہی کرپا سے تمام عالم میں توحید، محبت، مساوات اور اتفاق کا پرچار ہو۔ اے ایشور کے پیارو! ست گورو کی ایک شہادت سنو، جس کے نصیب اچھے اور جس پر خدا کا فضل ہو، وہ اپنے دل میں رکھ لے۔ جب ایشور کی امرت روپی سرشٹ رکھتا کا رس ست گورو کے بچنوں کے ذریعے رفتہ رفتہ چکھا تو اجالا ہو گیا۔ اور اندھیرا اس طرح مٹ گیا۔ جس طرح سورج کے آنے سے رات مٹ جاتی ہے۔ وہ جو دیکھنے میں نہیں آتا وہ اتھاہ ہے جو جانا نہیں جاتا۔ اور جو پاک ہے۔ گورمکھ

پر یشور کے پیارے نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

(شری واہگورو جی کا خالصہ شری واہگورو جی کی فتح)۔ وہ پرماتما کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کانوں سے سنتا ہے۔ اور بالآخر اس منزل کو پہنچ جاتا ہے، جہاں دوئی باقی نہیں رہتی اور آنند کے سوا اور کوئی احساس نہیں رہتا۔

❁ ❁ ❁

تصور باری تعالیٰ عیسائیت کے نقطہ نظر سے

پادری علی بخش صاحب کے قلم سے

بائبل شریف میں خدا تعالیٰ کی ذات کا جو مُکاشفہ مندرج ہے وہ بعض علماء دین نے یوں بیان کیا ہے:۔

''اللہ واحد ذُوالحیات اور برحق ہے۔ وہ ازلی وابدی ہے۔ وہ غیر مجسد وغیر منقسم ہے۔ اور غیر متاثر ہے۔ اس کی قدرت اور حکمت اور خوبی بے حد ہے، وہ سب مرئی اور غیر مرئی چیزوں کا خالق اور حافظ ہے''۔

کتاب مقدس نے خدا کی ہستی کو ہر جگہ مانا ہے۔ اور ایسا ایمان مذہب کی بنیاد ہے۔ بغیر اس ایمان کے مذہب، مذہب کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ عبرانیوں 11:6 میں یوں مرقوم ہے۔

''خدا کے پاس آنے والے کو ایمان لانا چاہیئے کہ وہ موجود ہے اور اپنے طالبوں کو بدلہ دیتا ہے''۔

خدا کا یہ مکاشفہ دو طرح کا بیان ہوا ہے۔ ایک کو ہم جلالی کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو جمالی۔ جلالی مکاشفہ میں خدا بھسم کرنے والی آگ، ہولناک اور ڈراؤنا دکھایا گیا ہے۔ انسان نے خدا کی شریعت کو توڑ کر غضب الٰہی کو خرید لیا۔ اس لیے خطا کار انسان کے لیے وہ اس جلالی صورت میں منکشف ہوا۔ جیسا کہ کوہ سینا پر حضرت موسیٰ نے مشاہدہ کیا۔ اس کی نسبت یہ لکھا ہے کہ

''تم اس پہاڑ کے پاس نہیں آئے جس کو چھونا ممکن تھا۔ اور وہ آگ سے جلتا تھا اور اس پر کالی گھٹا اور تاریکی اور طوفان اور نرسنگے کا شور اور کلام کرنے والے کی ایسی آواز تھی جس کے سننے والوں نے درخواست کی کہ ہم سے اور کلام نہ کیا جائے .... وہ نظارہ ایسا ڈراؤنا تھا کہ موسیٰ نے کہا میں نہایت ڈرتا اور کانپتا ہوں۔'' (عبرانیوں 12:18-22)

جمالی مکاشفہ کا بیان یوں ہوا ہے کہ خدا نے حضرت ایلیاہ سے گویا ہو کر یوں فرمایا۔

''باہر نکل اور پہاڑ پر خداوند کے آگے کھڑا ہو۔ اور دیکھ کہ خداوند گزر گیا اور بڑی شدید آندھی نے پہاڑوں کو پھاڑ ڈالا ہے۔ اور خداوند کے آگے پہاڑوں کو توڑ تاڑ کیا ہے۔ پر خداوند آندھی میں نہیں اور آندھی کے بعد زلزلہ آیا۔ پر خداوند زلزلہ میں نہیں۔ زلزلہ کے بعد آگ آئی۔ پر خداوند آگ میں نہیں اور آگ کے بعد ایک دبی ہوئی ہلکی آواز آئی۔ اور ایسا ہوا کہ ایلیاہ نے سن کے اپنے چہرے کے گرد اپنی چادر کو لپیٹا اور باہر نکل کر اس غار کے منہ پر کھڑا ہوا اور دیکھو اسے یہ آواز آئی کہ اے ایلیاہ تو یہاں کیا کرتا ہے'' (سلاطین 14-11:19)

باری تعالیٰ کے اس دہرے اور ظاہراً متضاد مکاشفے سے ظاہر ہوا کہ اس ذات باری تعالیٰ کی تعریف حیطہ الفاظ سے باہر اور ادراک وقیاس انسانی سے پرے ہے۔ یوں تو ذات کی تعریف کرنا ہی ناممکن ہے۔ مادہ، روح، نور، زندگی بلکہ کسی شئے کی ذات بھی ہم کو کلی طور پر معلوم نہیں ہوسکتی۔ پھر ذات باری تعالیٰ کی تعریف کب ہوسکتی ہے؟ صرف جزوی طور پر کسی قدر اس مکاشفہ کو سمجھنا انسان کے لیے ممکن ہے۔ اگر خدا تعالیٰ ہم کو اپنا مکاشفہ عطا نہ فرماتا تو ہم اب تک تاریکی میں پڑے ٹٹولتے اور اپنا سر پھوڑتے۔ لیکن شکر ہے اس پروردگار کا جس نے اپنی ذات کا مکاشفہ اپنے مختلف ناموں کے ذریعہ ظاہر کیا۔ حضرت موسیٰ سے پہلے خدا کا نام اکثر الوہیم آیا۔ جو ایل یا اللہ کی جمع ہے۔ جس کے لغوی معنے قدرت ہیں۔ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں وہ خدا تعالیٰ کے نام سے ظاہر ہوا۔ جس سے اس نے ظاہر کیا کہ دنیا میں جو قدرتیں پائی جاتی ہیں۔ ان سب سے خدا زیادہ قادر وقوی ہے۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں وہ یاہوا کے نام سے ظاہر ہوا جس کے معنی خدا نے یہ بتائے کہ میں ہوں جو ہوں۔ یا جو عربی زبان میں الحیّ صاحب کہلایا۔ اس یاھواہ کے نام کا مکاشفہ موسیٰ کو ملا

''خداوند خدا رحیم اور مہربان قہر کرنے میں رحیم اور شفقت اور وفا میں غنی ہزاروں پر فضل کرنے والا گناہ اور تقصیر اور خطا کا بخشنے والا''۔ (خروج باب 6:34)

جس کے بغیر ہر شے مردہ اور عدم کا درجہ رکھتی ہے۔ وہی حق اور زندگی ہے۔ اس لیے ہر ناحق کے خلاف اور ضد

ہے۔ رفتہ رفتہ اس انکشاف میں ترقی ہوتی گئی۔ اور اس کی ذات کا مکاشفہ زیادہ زیادہ واضح وروشن ہوتا گیا۔ چنانچہ ایک جگہ مرقوم ہوا۔ اگلے زمانہ میں خدا نے باپ دادوں سے حصہ بہ حصہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کر کے اس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا (عبرانیوں) اس آخری زمانہ کے مکاشفہ میں الٰہی ذات کے بارے میں دو باتوں کا ذکر آتا ہے۔ اول تو یہ کہ وہ نور ہے۔ جو پیغام ہم تمہیں دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ خدا نور ہے۔ اور اس میں ذرا بھی تاریکی نہیں۔ (یوحنا 5:1) دوم یہ کہ خدا محبت ہے۔ آؤ ہم ایک دوسرے سے محبت رکھیں۔ کیونکہ محبت خدا کی طرف سے ہے۔ اور جو کوئی محبت رکھتا ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔ اور خدا کو جانتا ہے۔ جو محبت نہیں رکھتا وہ خدا کو نہیں جانتا۔ کیونکہ خدا محبت ہے............محبت اِس میں نہیں کہ ہم نے خدا سے محبت کی۔ بلکہ اِس میں ہے کہ اُس نے ہم سے محبت کی اور ہمارے گناہوں کے کفارہ کے لئے اپنے بیٹے کو بھیجا ....اگر ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو خدا ہم میں رہتا ہے اور اس کی محبت ہمارے دل میں قائم ہو گئی ہے......خدا محبت ہے اور جو محبت میں قائم رہتا ہے وہ خدا میں قائم رہتا ہے۔ اور خدا اس میں قائم رہتا ہے۔ (یوحنا 4:7۔21) اس اعلیٰ مکاشفہ کی روشنی میں پہلے مکاشفے ماند پڑ گئے اور ذات الٰہی کا زیادہ اعلیٰ علم انسان کو حاصل ہوا۔ اسی نور کے لحاظ سے جو اس آخری زمانہ میں چمکا۔ خداوند مسیح نے فرمایا:

''خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اسی نے ظاہر کیا۔''

خدا کی ذات واحد ہے:

یہ ذات باری تعالیٰ واحد ذات ہے۔ پرانے اور نئے دونوں عہدناموں نے اس وحدت پر زور دیا۔

''سن اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا واحد خداوند ہے''۔ (استثنا 4:6)

خداوند وہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں (استثنا) ''ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں''۔ ''تب دنیا میں کچھ چیز نہیں اور سوائے ایک کے اور کوئی خدا نہیں''۔ (کرنتھیوں 4:8) اس بیان سے بخوبی واضح ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات واحد ہے۔ البتہ ذات واحد کی نسبت علماء

کی یہ بحث تو یاد آ جاتی ہے کہ وہ بحث یا تو جامع صفات ہوگی یا مجموعہ صفات۔ ہر دو صورتوں میں ذات واحد میں کثرت کا ہونا لازمی ہے۔ اور یہ کثرت مسیحی مکاشفہ میں تین طرح سے بیان ہوئی ہے۔ یعنی محبت، حق، قدسیت۔ باقی ساری صفات الٰہی، خواہ وہ عینی صفات ہوں یا غیر عینی، ان تین صفتوں کے ماتحت اور ان میں شامل ہیں۔ ان تین صفات عینی کو تین اقنوم کے طور پر مسیحی یا کلیسائی اصطلاح میں ظاہر کیا۔ باپ محبت ہے۔ بیٹا حق اور روح القدس پاک روح ہے۔ کتاب مقدس میں لفظ اقنوم تو نہیں آیا لیکن ذات الٰہی کا یہ مکاشفہ مندرج ہے۔ جس پر علماء نے اپنی عقل کو دوڑایا اور طرح طرح کے حاشیہ چڑھائے۔ لیکن ان کی پابندی لازمی نہیں۔ پابندی صرف کتاب مقدس کے مکاشفہ کی ہے۔

علاوہ ازیں اس ذات واحد کے بارہ میں یہ مرقوم ہے کہ وہ کل عالم پُر محیط ہے اور عالم العالمین ہمہ جا حاضر و ناظر ہے۔

> ''اے خدا تو مجھے جانتا اور پہچانتا ہے تو میرا بیٹھنا اور اٹھنا جانتا ہے تو خوب میرے خیال کو دور سے سمجھ لیتا ہے...... میری ساری روشوں سے واقف ہے۔ دیکھ میری زبان پر کوئی ایسی بات نہیں جس سے تو اے خداوند بالکل آگاہ نہیں۔ تو آگے پیچھے میرا گھیرنے والا ہے...... میں تیری روح سے بچ کر میں کدھر جاؤں یا تیری حضوری سے میں کہاں بھاگوں۔ اگر میں آسمان کے اوپر چڑھ جاؤں تو تُو وہاں ہے۔ اگر میں پاتال میں اپنا بستر بچھاؤں تو دیکھ تُو وہاں بھی ہے''۔ (زبور 139:1۔8)

کبھی کبھی دلیل تجویز کو اس پاک ذات کی صفات ظاہر کرنے میں استعمال کیا مثلاً

> ''وہ جس نے کان لگایا کیا وہ نہیں سنتا۔ وہ جس نے آنکھ بنائی کیا وہ نہیں دیکھتا...... کیا وہ جو قوموں کو تنبیہ کرتا ہے اور انسان کو دانش سکھاتا ہے سزا نہ دے گا خداوند انسان کو جانتا ہے کہ وہ باطل ہیں''۔ (زبور 94:8۔10)

یعنی خدا سمیع و بصیر اور بدی کی سزا دینے والا ہے۔ اس خدا کی دوسری صفات کا بھی ذکر بائبل شریف میں پایا جاتا

ہے۔مثلاً ازلی۔(زبور2:90)وہ غیر مادی یا روح ہے۔(یوحنا24:4)وہ درست اور غیر متبدل ہے(گنتی)وہ قادر مطلق ہے۔یعنی لا انتہا قدرت رکھنے والا۔(ایوب 2 2:4۔دانیال35:4)وہ حکیم مطلق ہے۔(زبور)وہ ہر شے کا حافظ ہے۔(عبرانیوں3:1)

بخوف طوالت وقلتِ وقت زیادہ لکھنا مشکل ہے۔اتنے ہی پر کفایت کی جاتی ہے۔خدا تعالیٰ کا یہ مکاشفہ بتدریج ہدایت انسانی کے لیے ملتا گیا۔طلوع آفتاب کی طرح بتدریج روشن ہو گیا حتیٰ کہ یسوع مسیح کے ذریعے آخری زمانہ میں یہ سمت الراس پر پہنچ گیا۔اور نور و محبت کے مکاشفے نے ظاہر کر دیا کہ یہ خدا نور ہے اور محبت ہے جس نے اپنی محبت کا ثبوت مسیح کی صلیب پر دیا۔اب محبت کی اس قربانی کا اظہار ہر ایک کی زندگی میں درکار ہے۔اور اسی اظہار کے ذریعہ ذات باری کا علم زیادہ سے زیادہ ہم کو حاصل ہو سکتا ہے اور بقول یونس رسول یہ علم مسیح کی آمد ثانی تک ترقی کرتا جائے گا جب تک کہ ہمیں اسی ذات باری کا دیدار روبرو حاصل نہ ہو اور جس کے پر تو سے ہم سب منور ہو کر اس کی مانند نہ بن جائیں۔چنانچہ یوحنا رسول نے اسی امید کا ذکر یوں کیا۔"ابھی تک یہ ظاہر نہیں ہوا کہ ہم کیا کچھ ہوں گے۔اتنا جانتے ہیں کہ جب وہ ظاہر ہو گا تو ہم بھی اسی کی مانند ہوں گے۔کیونکہ اس کو ویسا ہی دیکھیں گے جیسا وہ ہے(یوحنا)

ذات وصفاتِ باری تعالیٰ اسلام میں

حضرت مولانا صدرالدین مسلم مشنری برلن کے قلم سے

دو قسم کی چیزیں انسان کے علم میں ہیں۔ ایک وہ جس کو اس کے کان آنکھ ہاتھ محسوس کر سکتے ہیں۔ دوسری وہ لطیف اشیاء ہیں، جن کو انسان کے حواس محسوس نہیں کر سکتے۔ مثلاً ہوا یا ایتھر جو ہوا سے بڑھ کر لطیف ہے۔ اسی طرح بجلی بہت ہی لطیف ہے لیکن اس کی صفات اور زبردست قوتوں سے ہم کو اس کا پورا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ان سے بڑھ کر قلب یا روحِ انسانی ہے جس کو نہ تو ہم دیکھ سکتے ہیں اور نہ محسوس کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے متعلق انباروں کے انبار کتابوں کے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ یہ جتنا بھی علم ہے قلب یا روح کی صفات ہیں اور ان صفات کے مجموعہ کا نام قلب ہے۔ اور کسی چیز کی ذات اس کے صفات کے مجموعہ ہی کا نام ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات لطیف سے لطیف ہے۔ اور ایسی لطیف ہے کہ اس کی کوئی مثال اس دنیا میں نہیں ہے۔ اس کی ذات کی معرفت اس کی صفات کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے: لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ وَھُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ (11:42) یعنی خدا کی مثال کوئی نہیں تاہم اس کی ذات کا علم اس کی صفات حسنہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ مثلاً اس کا سمیع و بصیر ہونا۔ اسلام نے خدا تعالیٰ کی صفات کا مکمل علم ہمیں بخشا ہے اور اس معرفت کی غرض یہ ہے کہ انسان کی تعلیم و تربیت کمال کو پہنچ جائے۔

اسلام سے پہلے دنیا کی حالت:

جب اسلام آیا اس وقت کی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ تمام دنیا پر تاریکی چھائی ہوئی تھی جس طرح وہ لوگ شرک میں مبتلا تھے جن کے پاس کوئی آسمانی صحیفہ نہ تھا۔ اسی طرح وہ قومیں بھی گمراہی میں ڈوبی ہوئی تھیں جو اہل کتاب کہلاتی تھیں۔ خود قرآن شریف نے اس کا ذکر کیا ہے ظَھَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ (41:30) یعنی اہل کتاب وغیر اہل کتاب دونوں کی اعتقادی اور عملی کرتوتوں کی وجہ سے ایک فساد برپا تھا۔ اسلام نے آکر اس فساد کی اصل وجہ یہ قرار دی کہ ان لوگوں کو معبود حقیقی کا علم نہیں۔ اور جن کو علم

ہے وہ اس کی صفات صحیحہ کی پوری معرفت نہیں رکھتے۔ ہر ایک نے خدا کو صرف اپنی قوم کا خدا مان رکھا تھا۔ اور اس کے نزدیک دوسری قوم خدا کی برکات سے محروم تھی۔ یہود کے نزدیک یہود اور صرف بنی اسرائیل کا خدا تھا۔ اور صرف بنی اسرائیل ہی اس کی پیاری اور منتخب قوم تھی۔ ان کا دعویٰ تھا: نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (18:5) یعنی ہم خدا کے بیٹے اور پیارے ہیں۔ اور اسی قسم کا دعویٰ عیسائیوں کا تھا۔ وَقَالُوۡا لَنۡ یَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ اِلَّا مَنۡ کَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰی (111:2) یعنی یہود کہتے تھے کہ یہودی کے سوا کوئی جنت میں نہ جائے گا۔ اور نصرانی کہتے تھے کہ عیسائی کے سوا کوئی دوسرا جنت میں نہ جائے گا خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے، جو بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر تھے، فرمایا میں صرف بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کے لیے آیا ہوں انہوں نے ایک کنعانی عورت کو کتّی سے مشابہت دی تھی۔ محض اس لیے کہ وہ یہودن نہ تھی۔ جب اس نے حضرت عیسیٰؑ سے خیر و برکت مانگی تو انہوں نے فرمایا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے لیے آیا ہوں۔ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے نہیں پھینک سکتا۔ اور دوسری جگہ انہوں نے غیر بنی اسرائیل کو سوروں سے تشبیہ دی۔ جبکہ اپنے مریدین کو تلقین کی کہ اپنے موتی سُوروں کے آگے مت پھینکو۔

اسی طرح ہمارے ہندو بھائیوں نے اللہ کو برہما ورتی میں محدود کر رکھا تھا۔ اور اس کی روحانی بارش جو وید کی شکل میں اتری وہ صرف ہندو کے لیے خاص تھی۔ اور ان کا یقین تھا کہ کسی دوسری قوم کو اللہ تعالیٰ نے ایسی روحانی بارش سے مستفیض نہیں فرمایا۔ اور جس طرح یہودیوں نے غیر بنی اسرائیل کو تورات کی تعلیم دینا کفر سمجھا اسی طرح ہندوؤں نے ان قوموں کو جو ہند سے باہر تھیں ملیچھ سمجھا۔ اور ان کو وید کی تعلیم دینا ممنوع یقین کیا۔ وہ تو غیر قومیں تھیں۔ انہوں نے اپنے وطن کی ایک مخلوق کو شودر قرار دے کر وید کی تعلیمات سے محروم کر دیا۔ شودر اگر اتفاق سے وید مقدس کی کوئی شرتی سن لیتا تو سیسہ پگھلا کر اس کے کان میں ڈالنے کی سزا اس کے لیے تھی۔ اور اگر وہ بدقسمتی سے تیز فہم واقع ہوتا اور کسی برہمن سے سن کر کوئی شرتی حفظ کر لیتا تو اس کو چیر کر دو ٹکڑے کر دینے کا حکم تھا۔ غرض یہ ہے کہ ہر قوم نے ''خدا سے محروم قوم'' سے جنگ و جدال کر کے اس کی جان کو تباہ کرنا اور اس کے مال کو اڑا لینا رضائے مولا کے حصول کا بڑا بھاری ذریعہ یقین کر رکھا تھا۔ اس کی طرف قران کریم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا قَالُوۡا لَیۡسَ عَلَیۡنَا فِی الۡاُمِّیّٖنَ سَبِیۡلٌ (75:3) یعنی ان کا اعتقاد ہے کہ کافروں کے جان و مال کے لینے

کے عوض ہم کو کوئی سزا نہ ہوگی۔اسی طرح سے مشرق ومغرب کے سوال نے مغرب کو ایشیا پر سوار کر رکھا ہے اور مغرب مشرق کو ابدی غلامی میں رکھنا چاہتا ہے۔ان کا جان و مال یورپ کے قبضے میں ہے اور وہ ان کے جان و مال کو بے دریغ اپنے نفع کے لئے خرچ کرتا ہے۔

مرض کا علاج:

غرض اسلام نے جب اس فسادِ عظیم کا نظارہ کیا تو اس مرض عالمگیر کا باعث اصلی یوں بیان کیا کہ لوگوں کو معبود حقیقی کی صحیح اور پوری معرفت حاصل نہیں۔اور اس مرض کا یہی علاج ہے کہ ان کو ذات وصفات باری تعالیٰ کا صحیح عرفان اور گیان دیا جائے۔چنانچہ قرآن کریم نے ذات وصفات باری تعالیٰ پر مفصل بحث کی ہے۔اور اس کثرت اور تکرار کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے کہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں شروع سے لے کر آخر تک خدا کی صفات کا ذکر ہے۔اس کا کوئی صفحہ ذکر الٰہی سے خالی نہیں ہے۔بلکہ اکثر صفحات تو ایسے آتے ہیں کہ ہر ایک جملہ یعنی ہر ایک آیت میں خدا تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے۔ہر امر کی تعلیم میں اور ہر بات کی تلقین کے ساتھ خدا تعالیٰ کا ذکر لازم وملزوم کی طرح آتا ہے۔اگر نماز روزے کے احکام میں خدا کا ذکر ہے۔تو ویسا ہی تمدن اور معاشرت کے معاملات میں بھی خدا کا ذکر ہے اگر سیاست اور امور سلطنت میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہے تو خرید وفروخت میں بھی خدا کا ذکر ہے۔غرضیکہ انسان کے پیدا ہونے سے لے کر اس کے مرنے تک جس قدر مراحل ومنازل ممکن طور پر انسان کو طے کرنے ہوں ان سب کا ذکر ہے۔اور ان سب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر لازم وملزوم کی طرح آتا ہے۔تا کہ انسان کے رگ وپے میں ذکر الٰہی اثر کر جائے اور اس کی بیماری کو بیخ وبن سے اکھاڑ دے اور اس کو شفائے کلّی نصیب ہو۔ اسی لیے قرآن شریف کو وَشِفَآءٌ لِّمَافِی الصُّدُوْرِ (57:10) کہا۔اس کا گیان وعرفان قلب کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔اور اس ذکر الٰہی کو ٹانک بھی بیان کیا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (28:13) اور اسی عرفان کو مردہ قویٰ کے لیے موجب حیات بھی بیان کیا ہے۔

عرفانِ الٰہی کا ذکر:

اب میں اس شفا دینے والے، قوت بخشنے والے، حیات جاودانی بخشنے والے نسخے یعنی عرفان الٰہی کا ذکر کرتا ہوں۔ جو قرآن کریم ذیل کے الفاظ میں بیان کرتا ہے: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (1:1) تمام ستائش و عبادت کے لیے صرف وہ ذات مستحق ہے جس کے حسنوں اور کمالات کا اظہار لفظ اَللّٰہُ سے ہوتا ہے۔ اور جس کے لاتعداد احسانات لفظ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ظاہر کرتا ہے۔ لفظ ''اللہ'' کی تشریح قرآن کریم نے بے شمار مقامات پر کی ہے۔ جن میں چند یہ ہیں: وَلِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (17:5) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ (5:39) یعنی اللہ خالق ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو۔ وَلِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَھُمَا (17:5) اللہ نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان دونوں کے درمیان ہے۔ ان دونوں کے درمیان بڑے سے بڑے سیارے بھی ہیں۔ اور چھوٹے سے چھوٹے پودے اور حیوانات بھی ہیں۔ اور زمین آسمان کے درمیان وہ واقعات اور تغیرات بھی ہیں جو سیاروں کے اثرات کا نتیجہ ہیں یا ان کی حرکات سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب کا یوں ذکر کیا ہے: اللّٰہَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰی (95:6) اللہ کے کے انتظامات کا نتیجہ ہے کہ دانہ اور گٹھلی سے ثمر دار اور سایہ دار درخت پیدا ہو جاتے ہیں۔ وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَھَا لَکُمۡ (5:16) حیوانات کو تمہاری خدمات کے لیے بنایا ہے وَمِنۡ اٰیٰتِہِ الَّیۡلُ وَالنَّھَارُ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ (37:41) یعنی ایسے دن رات کے تغیرات اس کے حکم سے ہیں اور خود سورج وقمر کا نظام بھی اسی کا ہے اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسۡجُدُ لَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ (18:22) تم نہیں دیکھتے کہ اللہ رات کو دن کے اندر داخل کر کے موسم گرما اور دن کو رات کے اندر داخل کر کے موسم سرما لاتا ہے پھر فرمایا: وَھُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الَّیۡلَ وَالنَّھَارَ خِلۡفَۃً (62:25) اللہ وہی ذات ہے جس نے رات دن کو لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنا دیا جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَالنَّھَارَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ (73:28) اور یہ اسی کا انتظام ہے کہ اس نے رات اور دن بنائے تاکہ رات میں تم کو سکون حاصل ہو اور دن میں تم روزی کماؤ اور پھر فرمایا: ھُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِیَآءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّقَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَالۡحِسَابَ (5:10) یعنی اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشن بنایا اور قمر کو اس سے مستعار نور حاصل کرنے والا۔ پھر اس کے لیے منازل کا اندازہ مقرر کیا تاکہ تم کو سالوں کی تعداد کا علم ہو اور حساب سیکھو۔ الغرض اللہ اس ساری کی ساری کائنات کے مجموعہ کا خالق ہے اور اس کی تفصیلات اور ذرات کا بھی خالق ہے کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی مخلوق نہ ہو کوئی ملک

ایسا نہیں جس کا وہ خالق نہ ہو اور کوئی قوم ایسی نہیں جس کا وہ خالق نہ ہو۔

وسعتِ قلبی پیدا کرنے والی تعلیم:

اسی طرح وہ رب العالمین ہے یعنی تمام اقوام عالم کا وہ تربیت کرنے والا بھی ہے۔ اس کو صرف ہند کا خدا سمجھنا قلتِ معرفت ہے اس کے برکات و افضال کو صرف بنی اسرائیل کے گھرانے سے مختص کر دینا اس کی جناب میں سوءِ ادبی ہے۔ وہ کسی قوم کے ساتھ اپنے فیضان مختص نہیں کرتا۔ اور نہ کسی ایک قوم کو اپنی برکات سے محروم کرتا ہے۔ بلکہ اس کی برکات اور اس کے انعامات سب قوموں کے لیے یکساں ہیں۔ اس کا سورج، اس کا چاند، اس کی ہوا، اس کا پانی اس کے دن رات اور زمین و آسمان کی تمام چیزیں سب قوموں کے لیے ہیں۔ ہندوستان، شام، چین، عرب، یورپ، افریقہ اور امریکہ سب کے سب ان عام فیضانوں سے پورے طور پر حصہ پاتے ہیں۔ جسمانیات میں جب اس کی برکات عملی طور پر سب کے لیے نظر آتے ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ روحانیات میں ہم اس کی طرف بے جا رعایت یا بخل منسوب کریں۔ وہ فرماتا ہے: وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ (24:35) وَلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ (7:13)۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلٌ (47:10) ایک بھی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی نذیر نہ گزرا ہو۔ ہر ایک قوم کے لیے ہادی ہوا ہے۔ اور ہر ایک قوم کے لیے خدائی پیغام لانے والا ہوا ہے۔

پس خدا کو اور اس کے انعامات کو کسی خاص ملک اور کسی خاص قوم کے لیے محدود خیال کر لینا بڑی غلطی ہے۔ خدا کے اس تنگ تصور سے انسان کا دل تنگ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے جذباتِ ہمدردی صرف محدود ہی نہیں رہتے بلکہ دوسروں کے لیے اس کے سینے میں دشمنی اور عداوت کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ اس آگ کو بجھانے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ انسان خدا کو مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا (17:5) یقین کرے اور اس کو رب العالمین مانے۔ اس صحیح عرفان اور گیان سے اس کا سینہ وسیع ہو جاتا ہے اور اتنا وسیع ہو جاتا ہے جتنے زمین اور آسمان وسیع ہیں۔ اور اس کے ہمدردی کے جذبات ایک قوم کے تنگ دائرے سے نکل کر عالمگیر ہو جاتے ہیں۔ اس سے مشرق و مغرب کا سوال حل ہو جاتا ہے اور موجودہ پولیٹکل مشکلات کا حل اس سے ہوگا کہ یورپ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَرَبُّ الۡمَغۡرِبِ پر ایمان لائے یا مسلمان یورپ میں اس پیغام کو پہنچائیں اور یورپ کو اس کی تعلیم دیں۔ ایک مسلمان کو اس روئے زمین پر ایک قوم بھی ایسی نظر نہیں آتی جس کو اس کے خدا نے پیدا نہ کیا ہو۔

اوراس کوایک قوم بھی ایسی نظر نہیں آتی جس کوجسمانی وروحانی تربیت اس کے خدا نے نہ کی ہو۔جس طرح سے اس کی جسمانی بارش ہرقوم ے لیے ہے اسی طرح سے اس کی روحانی بارش کبھی وید کی شکل میں اور کبھی توراۃ وانجیل کی شکل میں اور کبھی قرآن کریم کی شکل میں نازل ہوئی۔اور ہرقوم کے لیے روحانی معلم آئے۔وہ ابراہیمؑ ہو،موسیٰؑ ہو،عیسیٰؑ ہو،رام چندر جی ہو یا کرشن جی ہوں یا کوئی اور ہوں۔غرض ایک مسلمان تمام قوموں کی آسمانی کتابوں کا وارث ہے۔اورتمام روحانی ہادیوں کی دل سے تعظیم کرتا ہے۔وہ ہندی کہلانے کے بجائے مسلمان اس لیے کہلاتا ہے کہ لفظ مسلم کے اندر ہندی اور یہودی اور عیسائی اورسب دوسرے نام موجود ہیں۔اپنے جامع لفظ کو چھوڑ کر ایک ایسے نام کواختیار کرنا، جوایک حصہ انسانیت کا نمائندہ ہواور جس سے بجائے عالمگیر ہمدردی کے کسی خاص قوم کے ساتھ ہمدردی رکھنے کا خیال پایا جاتا ہو، عالم گیر اخوتِ انسانی کے خلاف ہے۔

نجات اور اسلام:

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا رب العالمین کی طرف سے نجات کے اصول بھی قائم ہیں یا یہ کسی خاص قوم کے لیے ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلام لفظ ''نجات'' استعمال نہیں کرتا۔ کیونکہ اس لفظ کا استعمال بھی کمی معرفت کی وجہ سے ہے۔نجات کے معنی چھڑانا۔کس سے چھڑانا؟ خود سے یا خدا کی سزا سے یا اس کے غضب سے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی جناب میں بڑی گستاخی ہے۔خدا ہمارے ہاں وہ ہے جو رب العالمین ہے۔یعنی اقوام عالم کی تربیت کرنے والا۔لفظ ربٌّ کے معنی امام راغبؒ نے اپنی لغات میں، جو قرآن کریم کی بے نظیر لغت ہے، یوں لکھے ہیں۔رب وہ ہے جو ایک چیز کی تربیت کے لیے مناسب اورضروری سامان بہم پہنچائے اوراس کو ایک مقام سے درجہ بدرجہ دوسرے مقام ترقی تک پہنچانے کے لیے سامان مہیا کرے۔حتیٰ کہ اس کو آخری لفظ ترقی تک پہنچا دے۔یعنی انسان کی تمام قویٰ کی کامل تربیت کرنے والا اور ہرایک قوت کواس کے انتہائی مقام ترقی تک پہنچانے والا۔جب انسان کے قویٰ کامل ترقی پا جائیں تو انسان نے اس غرض کو پالیا جس کے لیے وہ پیدا ہوا تھا۔ اوراسی میں اس کے لیے کامل راحت ہے۔گویا انسان کے قویٰ کی صحیح تربیت کا نام ہے جنت یعنی حقیقی مقام راحت ہے۔اوران قویٰ کی ناقص حالت یا خراب حالت سے تکلیف یا دوزخ پیدا ہوتا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ (4:95) ہم نے انسان کی ترکیب جسمانی اور روحانی

نہایت خوبصورت اور احسن ہیئت میں بنائی ہے۔ جوان قویٰ کے غلط استعمال کے باعث اخلاق فاضلہ سے عاری ہوجاتا ہے، وہ اپنے لیے دوزخ پیدا کرتا ہے۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (5:95) اور جوان قویٰ کے صحیح استعمال سے اخلاق فاضلہ حاصل کر لیتا ہے وہ اپنے لیے جنت پیدا کر لیتا ہے اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (6:95) یہاں یہ فرمایا کہ اس کے اعمال کا نتیجہ ترقی غیر محدود ہے۔ جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ چھوٹ جانا یا نجات حاصل کرنا تو انسان کی بناوٹ جسمانی و روحانی کے لیے موزوں نہیں۔ اس میں تو نہ صرف کمی معرفت الٰہی کی دلیل ہے بلکہ خود انسان کو بھی نہیں سمجھا گیا۔ اسلام اس کے برخلاف کہتا ہے کہ انسان کے قویٰ غیر محدود ترقی کے لیے بنائے ہیں۔ موت پر اس کی ترقیات کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی ترقیات کا میدان اور بھی وسیع ہو جاتا ہے۔ اسی کی گواہی صفت اَلرَّحِيْم بھی دیتی ہے۔ جو انسان کو اپنے دیے ہوئے سامانوں کے استعمال پر کئی گنا اجر عطا کرتی ہے۔ اس نے ہم کو بغیر ہمارے کرموں کے اور بغیر دوسرے استحقاق کے ساری زمین اور آسمان کی چیزوں پر تسلط بخشا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ (13:45) زمین اور آسمان کی تمام چیزوں کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے اور اس کے استعمال کے لیے قویٰ عطا کیے: وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (78:16) تمہیں کان آنکھیں اور دل دے رکھے ہیں۔ ان دونوں کے استعمال سے جس طرح ہم غیر متناہی ترقی کر سکتے ہیں، اسی طرح مادی و روحانی ترقی بھی غیر متناہی ہے۔ جس کا دروازہ موت کھولتی ہے۔

نجات کا اصول:

نجات کی دوسری شق یہ ہے کہ وہ کسی ایک قوم کے لیے نہیں۔ جیسا یہود یا عیسائیوں یا ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ نجات ان کی زرخرید لونڈی ہے۔ اور دوسری کوئی قوم جنت کی وارث نہیں۔ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (111:2) ان کا یہ اعتقاد ہے کہ یہود کے سوا کوئی دوسرا جنت میں نہ جائے گا۔ یا عیسائی کے سوا کوئی دوسرا جنت میں نہ جائے گا۔ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ (111:2) کہو یہ تو تمہاری آرزوئیں ہیں جو بے علمی پر مبنی ہیں۔ نجات کسی قوم یا کسی نام سے وابستہ نہیں ہوسکتی۔ بلکہ نجات، جو ساری اقوام کے لیے ہے، وہ کسی اصول سے وابستہ ہونی چاہئے۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (112:2) اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنے تمام قویٰ کو

خدا کے احکام کے ماتحت کرے اور اس کی مخلوق کے ساتھ نرمی، شفقت اور احسان کا سلوک کرے۔ جتنی زیادہ کسی نے ان دونوں مقاموں میں ترقی کی اتنی ہی زیادہ بلند پایہ جنت اس کو نصیب ہوئی۔

سزا کا مقصد:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ (46:41) جو اچھا کام کرے وہ اس کے لیے مفید ہوگا **وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا** (46:41) اور جو بُرا کام کرے اس کا بدنتیجہ اس کے لیے ہے۔ **وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ** (46:41) اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کسی قسم کا ظلم نہیں کرتا۔ جس طرح ہمارے مشاہدہ میں بدی کا نتیجہ ہر قوم کے فرد کو بھگتنا پڑا ہے۔ اور بدی کی سزا کسی خاص قوم کو نہیں دی جاتی اور نہ کسی خاص قوم کو تمام بدیوں کے نتائج سے محفوظ کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ اصول بھی عام ہے۔ انسان اپنی بداعمالیوں سے دوزخ پیدا کرتا ہے۔ جس طرح وہ اپنے نیک اعمالوں سے اپنی جنت پیدا کرتا ہے۔ ہاں ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہمارے بےشمار قصوروں کی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔ اور یہی انسانی فطرت کی خواہش ہے۔ اسی کے مطابق اسلام کا خدا ستّار، غفّار، غفور ورحیم ہے۔ اس کی شان **وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ** (15:5) ہے کہ وہ اکثر درگزر کرتا ہے۔ **التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ** (54:2) جو شخص بدی کو چھوڑ کر حالت سنوارے اس پر وہ رحم کرتا ہے۔ اور رحمت کی شان سے اس کو ڈھانپ لیتا ہے۔ وہ مالک ہے اور مالک اپنی مملوکہ شے کی بہتری کے لیے تڑپ رکھتا ہے۔ اس کی سرزنش ایک جج کی طرح نہیں ہوتی۔ جو مجرم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور نہ اس کا تعلق ایک بادشاہ کی طرح رعیّت سے محض سیاسی ہے بلکہ وہ ہمارا حقیقی خالق، مالک ہے۔ **لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** (26:31) تمام زمین اور آسمان کی چیزوں کی ملکیت اللہ کی ہے۔ تمام اقوام عالم اور تمام افراد کا وہ مالک حقیقی ہے۔ ان کی بہتری کے پورے سامان کرتا ہے اور ان کی بہتری کے لیے اگر ایک سامان سزا ہے تو وہ بھی جاری کرتا ہے۔ وہ آدم کے ایک گناہ سے ساری مخلوق کو جہنمی نہیں بناتا۔ اور نہ ان کو کروڑ ہا جون کے چکر میں ڈالے رکھتا ہے۔ بلکہ اس کا حقیقی مالک ہونا یا اس کا حقیقی خیر خواہ ہونا متقاضی اس امر کا ہے کہ ہم میں سے کسی ایک کو وہ نہ بھولے اور سرزنش کرے تو ہماری اصلاح کے لیے ہو۔ اس کا نشتر دکھ دینے کے لیے نہ ہو بلکہ ایک رحیم کریم قابل ڈاکٹر کا سا ہو جس کے نشتر چلانے سے ہم کو آرام پہنچتا ہے۔ اس کا دوزخ بمنزلہ ایک ہسپتال کے ہے جس میں مریض اس لیے رکھے جاتے ہیں کہ ان کو صحت حاصل ہو جائے۔ اسی لیے اسلام کی

کتابوں میں لکھا ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ تمام مجرم اس سے نکال کر جنت میں بھیجے جائیں گے اور ایک متنفس بھی اس میں نہ رہے گا۔ کیونکہ خدا شودر کا بھی ایسا ہی مالک ہے جیسا برہمن کا ہے۔ وہ عیسائی کا بھی ایسا ہی مالک ہے جیسا کہ یہود کا۔ اس کی نگاہ میں ہندو مسلمان کا سوال نہیں۔ اور نہ اس کے سامنے کسی انتقام کا سوال ہے۔ اس کی محبت اور رحمت اس کی ستّاری اور غفّاری ہمارے شامل حال رہتی ہے۔ وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ (156:7) ہماری رحمت انسانوں کا تو کیا ذکر تمام اشیا کے شامل حال ہے۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِىْ غَضَبِىْ (حدیث قدسی بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ۔ کنز العمال جلد 4 صفحہ 252) میری رحمت میرے غضب پر بھی غالب ہے كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (12:6) ہم نے اپنے اوپر رحمت کا سلوک لازم کر رکھا ہے۔

عرفان الٰہی ایک سائنس ہے:

اس مختصر سے بیان سے یہ امر واضح ہے کہ عرفان الٰہی ایک سائنس ہے۔ سائنس کس کو کہتے ہیں؟ سائنس یہ ہے کہ ہم مشاہدات عالم کے مطالعہ سے ایسے اصول تک پہنچ جائیں جو ساری کی ساری مخلوقات میں کام کرتا نظر آئے اور اس اصول کی روشنی میں ہم ایک واقعہ کو معقول رنگ میں بیان کر سکیں۔ سائنس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ تمام کائنات کی مجموعی تصویر کو اپنے اندر لیے ہوئے ہو۔ عرفان الٰہی اسی لیے سائنس ہے کہ وہ اس کائنات کی مجموعی ہیئت ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس ساری کائنات اور اس کی تفصیلات اور اس کے ذرّات کا اور تمام اقوام کا خالق و مالک اور ربوبیت کرنے والا ایک ہے۔ زمین و آسمان کے بڑے بڑے سیاروں میں بھی اس کا حکم نافذ ہے۔ اور زمین کی چھوٹی سے چھوٹی روئیدگی میں بھی اسی کے قوانین کام کر رہے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ ہر طبقہ مخلوقات میں اسی ایک خدا کا حکم جاری ہے بلکہ ہر ایک طبقہ مخلوقات دوسرے طبقہ سے رابطہ رکھتا ہے کہاں کروڑوں میلوں پر سورج اور کہاں قمر اور کہاں زمین کی چھوٹی سے چھوٹی روئیدگی۔ لیکن ان دونوں کو ایک دوسرے سے بڑا گہرا تعلق اور اتحاد ہے اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ۔ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (6-5:55) سورج اور قمر جو زمین سے بہت دور واقع ہیں ان کا تعلق زمین کی چھوٹی سے چھوٹی بوٹیوں کے ساتھ اور بڑے سے بڑے درختوں کے ساتھ ہے۔ اور ان سب میں ایک ہی قانون نافذ ہے جو ایک ہی مرکزی حکومت پر دلالت کرتا ہے اور اگر وہ قانون ایک ہی مرکزی حکومت کی طرف سے نافذ نہ ہوتا تو ایک طبقہ کو دوسرے سے کوئی

ربط نہ ہوتا۔ اور مختلف طبقات اور مختلف عالم مخلوقات میں ربط نہ ہوتا تو اس کائنات کی موجودہ خوبصورت ہیئت قائم نہ رہ سکتی تھی۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (22:21) اگر زمین اور آسمان میں مختلف معبودوں کے احکام جاری ہوتے تو ان دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ پس معلوم ہوا کہ اس زمین اور آسمان پر صرف ایک واحد خدا کا راج ہے۔ اور اس کے ساتھ دوسرے شرکاء نہیں ہیں۔

خدا ہر چیز کا خالق ہے:

ہاں! اس سے بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ہستی تمام طاقتوں کی مالک ہے بڑے علم والی بڑی حکمت والی ہے۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (117:2) وہ آسمانوں اور زمینوں کی موجد حقیقی ہے۔ اور اگر وہ موجد حقیقی نہ ہوتو اس صورت میں اس کو پورا علم حاصل نہ ہوگا اور نہ اس کو پوری قدرت اور حکمت نصیب ہوگی۔ مصالح کو ترکیب دینے والے اور مختلف شکلیں دینے والے کو کامل علم نہیں ہوسکتا اور نہ اس کو پوری قدرت اور پورا تصرف حاصل ہوگا۔ بلکہ وہ محتاج ہوتا ہے اس بات کا کہ اشیاء کے خواص کے ماتحت چلے اور اگر ان کے ماتحت نہ چلے کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جو وہ چاہتا ہے نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ہوتا جو اشیا کے خواص کا تقاضا ہو۔ اور اگر وہ ذرات عالم اور ان کے خواص کا حقیقی موجد اور حقیقی خالق ہو تو یقیناً اس کا علم محیط اور کامل ہوگا۔ اسی علم سے اس کی قدرت کاملہ پیدا ہوگی۔ جیسا کہ قران شریف فرماتا ہے خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (101:6) وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (79:36) کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا۔ چونکہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اس لیے وہ ہر ایک چیز کا کامل علم رکھتا ہے۔ اور فرمایا: هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (86:15) چونکہ وہ خالق ہے اس لیے وہ علیم ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ (16:50) ہم نے انسان کو پیدا کیا اس لیے ہم ان خیالات کا بھی علم رکھتے ہیں جو اس کے دل میں گزرتے ہیں۔ اور فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ (14:67) کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا۔ اور اسی سے قدرت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (50:20) ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو خلقت عطا کی۔ اور اسی وجہ سے ہر مخلوق کی غرض وغایت کو کامیابی سے پورا کیا۔ اور مخلوقات کے انتظام کو خوبیوں اور کمالات سے معمور کیا۔ اس لیے اسلام خدا کو اَللّٰهُ الصَّمَدُ (2:112) بیان کرتا ہے کہ خدا قطعاً کسی چیز کا محتاج نہیں بلکہ ساری مخلوق اسی کی محتاج ہے اور اسی لیے فرمایا: بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (117:2) یعنی اس نے،

بغیر کسی سامان کے اور بغیر کسی اسباب و مصالح کے اور بغیر کسی نقشے کے سامنے رکھنے، کے زمین و آسمان کو ایجاد کیا۔ الغرض زمین اور آسمان کا ایک ہی خدا ہے جس کا حکم دونوں جگہ کام کرتا ہے: وَھُوَ الَّذِیْ فِیْ السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ (84:43) اسی خدا کے احکام آسمان میں کام کرتے ہیں اور اسی خدا کے زمین میں۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (9:73) وہی اہل مشرق کی تربیت کرتا ہے اور وہی اہل مغرب کی رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ (8:44) زمانہ ماضی کے باشندگان کا بھی وہی رب تھا اور ہمارا بھی وہی رب ہے یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ (1:4) اس ایک خدا نے انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کیا ایک زمین قرارگاہ بنائی جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا (22:2) اور ایک آسمان کا خیمہ ہم سب پر لگایا وَالسَّمَآءَ بِنَآءً (22:2) اور اس سے سب کے لیے ہر قسم کی خوراک پیدا کی فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ (22:2) ہم نے سب کے لیے ایک سورج اور ایک قمر پیدا کیا جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا (5:10)۔ اور تمام انسانوں کے لیے آدم سے لے کر اس وقت تک مشرق سے لے کر مغرب تک ایک ہی فطرت عطا کی فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (30:30) اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (22:2) اس آسمان سے زمین پر سب کے لیے ایک بارش نازل کی۔ تمام انسانوں کو ایک فطرت دی جو کسی جگہ اور کسی زمانہ میں تبدیل نہ ہوئی اور اسی کے مطابق آدم سے لے کر اس وقت تک مذہب دیا کہ اس عرفان الٰہی نے انسانوں میں پوری مساوات اور کامل حریت پیدا کی۔ ان کے لیے احکام ایک اور ان کے حقوق ایک کر دیئے۔ نہ کوئی شاہ رہا نہ کوئی گدا، نہ کوئی برہمن رہا نہ کوئی شودر، نہ کوئی آقا رہا نہ کوئی غلام، ہم سب کے سب انسان برابر اور ہم سب کے حقوق برابر ہو گئے۔ یعنی مذہبِ فطرت رکھا گیا۔ اسی کا پرچار ہر ایک ہادی نے کیا اور اسی کی یاد دہانی کے لیے محمد رسول اللہ تشریف لائے۔ وہ سارے جہان کے لیے ایک رسول اور ان کا پیغام وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (192:26) اور تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (80:56) رب العالمین سارے جہان کے رب کی طرف سے۔ سارے جہان کا خدا ایک، سارے جہان کے لئے پیغام ایک، اور سارے جہان کے لیے پیغام لانے والا ایک۔ تا کہ سارا جہان ایک ہو جائے۔ غرضیکہ اسلام ایک سائنس ہے جس نے تمام کائنات کو ایک مجموعی صورت میں پیش کیا ہے۔

پیغام صلح:

اس عرفان کا نام توحید الٰہی ہے۔جس سے تمام کائنات میں وحدت پائی جاتی ہے اور وحدت کے ربط کی وجہ سے بیشمار علوم اور بیشمار برکات پیدا ہوئی ہیں۔اور اسی توحید کے عرفان سے بنی نوع انسان میں بھی وحدت پیدا ہوسکتی ہے۔جو ایک بھاری غرض توحید کی تعلیم کی ہے۔اور اسی کی طرف آخری دعوت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دی۔جیسا کہ فرمایا: **یٰۤاَھْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ**(3:64)اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں۔اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے۔یہی عرفان الٰہی کی غرض ہے۔اور یہی ہماری تڑپ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ عرفان سب لوگوں کو عطا کرے۔جس سے دنیا میں سچی محبت وصلح پیدا ہو سکتی ہو اور آخر میں ہم پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ ﷺ پر ہزار ہا درود وسلام بھیجتے ہیں۔جس نے محبت و ہمدردی بھرا یہ پیغام اور عرفان الٰہی ہم کو عطا کیا۔**وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ واٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔**

تبصرہ

’’آئینہ حقیقت نما‘‘

حضرت مولٰینا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور کے قلم سے

مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کی کتاب آئینہ حقیقت نما کئی مہینوں سے میرے پاس آئی ہوئی تھی مگر کم فرصتی کی وجہ سے اسے نہ دیکھ سکا۔ کل مجھے اس کے بہت سے حصے دیکھنے کا موقع ملا تو مجھے افسوس ہوا کہ میں نے ایسی مفید اور قیمتی کتاب کو اس سے پہلے کیوں نہ دیکھا؟ مسلمانوں کی تاریخ دانی اور تاریخ نویسی شہرۂ آفاق تھی۔ مگر آج یہ حالت ہے کہ مسلمان خود اپنی تاریخ سے ناواقف ہیں۔ اور جو کچھ اعداء اسلام کہہ دیتے ہیں اسی کو صحیح سمجھ کر اپنے اسلاف کی بدنامی میں خود معاون ہو جاتے ہیں۔ مصنف کتاب ’’آئینہ حقیقت نما‘‘ نے بڑا بھاری احسان کیا ہے کہ نہایت صفائی کے ساتھ واقعات کو سامنے لا کر اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمان تلوار کے ساتھ داخل نہیں ہوئے بلکہ حق وصداقت کو لے کر داخل ہوئے۔ اور اہل ہند کے ساتھ ان کی جنگ کی وجہ بعض ہندو راجوں کی زیادتی تھی۔ اور جنگ کی ابتدا مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ وہ حتی الوسع اس سے بچتے رہے۔ یہ کتاب بیش بہا تاریخی معلومات سے بھری ہوئی ہے۔ اور اس وقت جب ہندو لیڈروں کی یہ کوشش ہے کہ اسلام کی تعلیم اور مسلمان بادشاہوں کے خلاف پروپیگنڈا کر کے ہندو پبلک کو مسلمانوں کی طرف سے بدظن کیا جائے، تو نہایت ضروری ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی اور بالخصوص ہمارے احمدی احباب اس کتاب کا مطالعہ کریں۔ تاکہ وہ خود اصلیت سے آگاہ ہو کر دوسروں کے لیے بھی ہدایت کا موجب ہوں۔ کاش! ہمارے ہندو اہل وطن بھی اس کتاب کو پڑھتے۔ تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اسلام، جس طرح اس کے لغوی معنے بتاتے ہیں کہ یہ صلح و آشتی کا مذہب ہے، اور مسلمان ہمیشہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ صلح اور محبت کے خواہشمند رہے ہیں۔ اور بحیثیت فاتح بھی انہوں نے ہمیشہ مفتوح قوم کے ساتھ اس فیاضی کا سلوک کیا جس کی نظیر دوسری جگہ ملنی مشکل ہے۔

سراپا کرم تھے رسُولِ کریم ﷺ

کلام مولینا باسط علی

عجب ذات تھی ذاتِ خیرالبشرؐ اسے جانتے ہیں سب اہلِ نظر
کبھی کوئی پیمان توڑا نہیں کسی کا کبھی ساتھ چھوڑا نہیں
کسی روز مکہ میں شاہِ زمن ضرورت سے اک سمت تھے گامزن
کہ اک شخص نے روک کر یہ کہا ''دل و جاں مرے آپ پر ہوں فِدا''
حضورؐ آپ سے ہے مجھے ایک کام ٹھہر جائیں دم بھر کو خیرالانام
پلٹ کر ابھی اے شہِ انس و جاں سناؤں گا جو ہے مری داستاں
رسولِ مکرم نے وعدہ کیا تو خوش ہو کے اس نے لیا راستا
مگر یاد اس کو نہ پھر یہ رہا کہ ہیں منتظر اس کے خیر الوریٰؐ
نہ چھوڑا مگر آپؐ نے وہ مقام رہے منتظر سیّد ذوالکرام
یہاں تک کہ دن گزرا، شب آ گئی اسی حال میں پھر وہ شب بھی کٹی
ہوئی بات یہ دوسرے دن مگر کہ پھر اتفاقاً وہ گزرا ادھر
جو ماہ رسالتؐ کو دیکھا وہاں تو یاد آئی بھولی ہوئی داستاں
ہوا اپنے دل میں بہت منفعل کہا پھر کہ اے مالک جان و دل
خطا میری ظاہر ہے ثابت ہے صاف خدا کے لئے آپؐ کر دیں معاف

کہا آپؐ نے کوئی پروا نہیں		تم انسان ہو کچھ فرشتہ نہیں
مرکب ہے انسان نسیان سے		خطا ہو ہی جاتی ہے انسان سے
یہ اس شخص سے کہہ کے شاہِ زماںؐ		چلے آئے اس جا سے سوئے مکاں
یہ پاسِ مروّت یہ پاس وفا		شہِ دوسرا سا نہیں دوسرا
یہ اخلاق دلکش، یہ لطفِ عمیم		سراپا کرم تھے رسول کریمؐ

پڑھوں کیوں نہ باسطؔ میں صَلّ عَلیٰ
زبانِ ملائک پہ ہے مرحبا

❁❁❁

9فروری1927ء

یادیں

بَزمِ احباب

مارسیلز (فرانس):

اخویم چودھری محمد اقبال صاحب، جواب فرانس سے واپس اٹلی تشریف لے گئے ہیں، لکھتے ہیں کہ حضرت امیر کی خدمتِ بابرکت میں مؤدبانہ سلام عرض کرتا ہوں۔ اللہ اللہ! کس قدر بلند مرتبہ مسلمان ہے۔ خدا گواہ ہے کہ ایسا آدمی آج تک تمام اسلامی دنیا میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ میں نے مولانا موسیٰ جار اللہ (روسی عالم) سے بھی ملاقات کی ہے۔نہایت اعلیٰ اخلاق کا بزرگ ہے۔اور حلم وانکسار کا پتلا ہے۔خیالات میں بلندی اور جدت رکھتا ہے۔مگر جو بات ہمارے امیر میں ہے۔واللہ! اس میں وہ ہرگز نہیں۔ میں یہ خوشامد سے نہیں کہتا اور نہ کوئی خوشامد کی وجہ دیکھتا ہوں۔البتہ جوں جوں دنیا دیکھتا ہوں اور مقابلہ کرتا ہوں تو میری محبت اور عقیدت بڑھتی جاتی ہے۔ میں اندھا دھند تقلید بھی نہیں کرتا۔ ہندوستان میں رہتا تو شاید میری حالت اور ہوتی۔مگر میں مادہ پرست دنیا کے سمندر کے عین وسط میں ہوں، جہاں روحانیات پر مذاق اڑایا جاتا ہے اور اخلاق کی یہ تعریف ہوتی ہے کہ چند خودغرض اور غرباء کا خون چوسنے والے ظالموں نے ایک لفظ اپنی بلندی اور برتری ثابت کرنے کے لئے تراش لیا ہے جس سے غرباء کو دھوکا دینا مقصود ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔تو پھر جو شخص ان لوگوں کے درمیان شب وروز رہتا ہو، وہ کسی کی نیکی یا اخلاق حسنہ کا جلد قائل نہیں ہوسکتا۔اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ بناوٹ اور تصنع نہیں بلکہ حقیقت ہے۔اور حضور قلب سے یہ باتیں تحریر کر رہا ہوں۔آپ احباب پر، جو اس برگزیدہ بزرگ کے حاشیہ نشین ہیں، رشک کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ زندگی بھر میں ایک دفعہ پھر مجھے بھی ان کی زیارت سے مشرف فرمائے۔

گذشتہ پرچہ میں حضرت امیر اور میاں محمود احمد صاحب کی ملاقات اور دعوتوں کے متعلق پڑھ کر بے انتہا

خوشی ہوئی۔ یہ نہایت ہی نیک فال ہے۔ اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ میاں صاحب کے دل کی حالت میں تغیر پیدا کر دیکہ مسلمانان عام پر سے کفر کا فتویٰ اٹھا دیں۔ اور حضرت مجد داعظم کو نبی اللہ کے خطاب سے معاف فرما کر جماعت احمدیہ کو ایک کرنے میں سعی کریں۔ یقین ہے کہ اسلام کی تڑپ ایک نہ ایک دن ان کو اپنی غلطی کا احساس کرا دے گی۔

حضرت شاہ صاحب قبلہ کیسے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھے فراموش کر چکے ہیں۔ لیکن میں انہیں کہاں چھوڑتا ہوں۔ میدان محشر میں بھی ان کی تلاش کرلوں گا۔ کیونکہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب وہاں صرف ایک ہوں گے اور بقول کسے ''انگلیاں سر واٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں'' کی دھوم ہوگی۔ ان سے کہئے گا کہ

اک عمر ہوگئی کہ ہوئے انجمن سے دور   تم سے بعید تھا کہ بُھلا دو اگرچہ ہم

واللہ! اللہ میاں نے کیسے پیارے بزرگ احمدیہ بلڈنگس میں جمع کر دیئے ہیں۔ خدا آپ سب کو سلامت باکرامت رکھے۔ میرے لیے بھی دعا فرمایا کریں اور مجھے یقین ہے کہ میں اس سے کبھی بھی محروم نہیں ہوا ہوں گا۔ حضرت صدرالدین صاحب قبلہ تو ہندوستان میں جا کر بالکل ہندوستانی ہو گئے۔ اور اپنے ایک مخلص کو فراموش کر بیٹھے۔ کب واپس تشریف لائیں گے اور زیارت سے مشرف فرمائیں گے۔ حضرت ڈاکٹر مرزا صاحب قبلہ کو میری طرف سے بھی مبارک باد دیجئے گا کہ وہ سٹیٹ میڈیکل سینٹ کے ممبر ہو گئے ہیں۔ پیغام صلح نے یہ مژدہ سنایا تھا جس سے طبیعت بہت مسرور ہوئی۔ برادرم محمد یعقوب خاں صاحب، چودھری ظہور احمد صاحب، ماسٹر فقیر اللہ صاحب، استاذی مولانا مولوی احمد صاحب و دیگر برادران و بزرگان کی خدمت میں السلام علیکم عرض کرتا ہوں اور درخواست دعا۔

2مارچ1927ء

غازیانِ اسلام

حضرت مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور کے قلم سے

غازی عربی زبان کا لفظ ہے۔ جو غزو سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز کا قصد کرنا یا اسے طلب کرنا۔ اور اسی بناء پر غزا العدو کے معنی ہیں اس نے دشمن کا قصد کیا۔ یعنی اس کے ساتھ جنگ کے لیے نکلا۔ اور غازی وہ شخص ہے جو دشمن کے ساتھ جنگ کے لیے نکلے۔ اسی بناء پر اسلام کے غازی وہ ہوں گے جو اسلام کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کے لئے نکلیں۔ اسی لیے مسلمانوں میں لفظ غازی کی عزت ہے۔ کیونکہ وہ وہ لوگ ہیں جو اعداء اسلام کے مقابل پر اپنی جانیں دینے اور سر کٹوانے کو تیار ہوتے ہیں۔ باقی دوسرا سوال یہ رہ جاتا ہے کہ مسلمان کس طرح لڑائی کے لیے نکلا کرتے تھے۔ کیا جدھر ان کو زمین کا کوئی سرسبز قطع نظر آتا تھا یا دولت نظر آتی تھی، وہ چڑھائی کر کے ان زمینوں پر قبضہ کر لیا کرتے تھے یا دولت لوٹ لیا کرتے تھے۔؟ کیونکہ یہی مفہوم لفظ جنگ کا آج معترضین نے قرار دے لیا ہے۔ اور اسی مفہوم کو لے کر مسلمانوں کو اور تعلیم اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں صرف ایک ہی جگہ لفظ غُزًّی استعمال ہوا ہے۔ یعنی سورۃ آل عمران کی آیت 156 میں۔ جہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو جنگ احد میں لڑائی کے لیے نکلے تو ان میں سے کچھ شہید ہو گئے۔ اب ظاہر ہے کہ جنگ احد مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہوئی۔ اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ اس جنگ میں دشمن عین مدینہ کے اوپر پہنچ گیا تو مسلمان مجبور ہو کر جنگ کے لیے نکلے۔ اور اسلام کی ساری لڑائیاں اسی قسم کی تھیں کہ جب دشمن نے اسلام یا مسلمانوں کو تلوار سے تباہ کرنا چاہا اور مسلمانوں پر چڑھائی کرنے میں پہل کی تو مسلمان میدان جنگ میں نکلے۔ یہی اسلام کے غازی تھے، جنہوں نے بڑے بڑے زبردست اور کثیر التعداد دشمنوں کی پَروا نہیں کی۔ اور اپنے دین اور قوم کی حفاظت کے لیے اپنی خوشی سے، نہ کوئی تنخواہ لے کر، اپنے سر پیش کیے۔

اسلام کے سب سے بڑے غازی تو خود سرورِ دو جہاں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تھے۔ جنہوں نے اس حکم

الٰہی کے ماتحت غزا اختیار کی۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (190:2) اللہ کے راستے میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ آپ تیس ہزار مسلمان غازیوں کو ساتھ لے کر ملک شام کی طرف دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلے تھے۔ مگر جب دشمن کو وہاں نہ پایا تو بغیر جنگ کرنے کے واپس آ گئے۔ اور یہ نہ کیا کہ شام کی سرسبز زمینوں پر اس فوج کے ساتھ قبضہ کر لیتے جب دشمن بھی مقابلہ میں نہ تھا۔ پھر ان غازیوں کو بھی یہ حکم تھا کہ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (61:8) اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو تم بھی صلح کے لیے جھک جاؤ۔ جبکہ حدیبیہ کے موقع پر، جب دشمن نے صلح کا ارادہ کیا مگر شرائط وہ پیش کیں جو مسلمانوں کو مغلوب فریق کی حیثیت دیتی تھیں، تو وہ بھی منظور کر لیں۔ پھر اسلام کے بڑے غازی حضرت ابوبکرؓ صدیق ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے وصال پر سارے عرب کی بغاوت کی پروانہ کی اور اپنے مٹھی بھر رفیقوں کے ساتھ اسلام کی حفاظت کی۔ اور شجاعت کا وہ نمونہ دکھایا جس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ کیونکہ اس بغاوت میں ان علاقوں میں، جو ایران سے ملتے تھے، ایرانی فوجیں بھی باغیوں کی مدد کے لیے ملک عرب میں آئیں۔ تو آپ نے نہ باغیانِ عرب کے مقابلہ میں نہ ایران کی زبردست حکومت کے مقابلہ میں کوئی کمزوری دکھائی، بلکہ ایک پہاڑ کی طرح اس آندھی کا مقابلہ کیا اور آخر اس بغاوت کو فرو کیا۔ اور ایرانیوں کو بھی ان کی زیادتی کی سزا دی جو انہوں نے مسلمانوں پر کی تھی۔ پھر اسلام کے بڑے غازی حضرت عمرؓ ہیں۔ جن کو دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے یعنی رومن امپائر اور ایران سے مقابلہ کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ دونوں سلطنتیں اسلام کو تباہ کرنے کا تہیہ کر چکی تھیں۔ مگر آپ نے دونوں کی پروانہ کی اور دونوں کو نیچا دکھایا۔ یہ لوٹ مار کرنے کے لیے نہ نکلے تھے۔ کیونکہ خود وہی پھٹے پیوند لگے کپڑے پہنتے جو بادشاہت سے پہلے پہنتے تھے اور اسی جھونپڑی میں رہتے اور زمین پر سوتے تھے۔ ایران و روما کی دولت ان کے گھر میں داخل نہیں ہوئی۔ اسلام کے بڑے غازی حضرت خالدؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ ہیں۔ جو تین تین گنا، چار چار گنا بلکہ دس دس گنا دشمن کی بھی پروانہ کرتے تھے۔ یہ شجاعت ان کے اندر کیوں تھی؟ اس لیے کہ وہ حق پر تھے۔ لوٹ مار کرنے والوں کے دلوں میں اتنی شجاعت کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ وہ کمزوروں اور بے ہتھیاروں کو اپنا شکار بنایا کرتے ہیں۔ نہ یہ کہ زبردست سلطنتوں کے ساتھ، جن کے مقابلہ میں ان کی طاقت کچھ بھی نہیں، نبرد آزما ہوں۔

ہاں! اسلام کے ایک غازی عمر میں بہت چھوٹے مگر کارناموں میں بڑے بڑے جرنیلوں پر سبقت لے جانے والے محمد بن قاسم تھے۔ جن کے سپرد ہندوستان کی مہم اس وقت ہوئی جب سندھ کے راجہ کے عمّال نے چھ جہازوں کو، جن میں مسلمان سوار تھے، لوٹ لیا۔ اور مسلمانوں کو، جو حج کے لیے یا اپنے وطن کو واپس جارہے تھے، قید کرلیا۔ جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ اور جب خلیفۃ المُسلمین نے سندھ کے راجہ کو لکھا کہ وہ ان قیدیوں کو چھوڑ دیں تو اس کی بھی کچھ پروانہ کی گئی۔ اور اس سے پیشتر بھی اس راجہ کی طرف سے سرحد پر کچھ زیادتی ہو چکی تھی، تو مجبور ہو کر خلیفہ وقت نے محمد بن قاسم کو، جن کی عمر اس وقت سترہ سال تھی، چند ہزار آدمیوں کے ساتھ بھیجا کہ وہ مسلمان قیدیوں کو چھڑائیں اور ظالم راجہ کو جو بے گناہ مسلمانوں کو پکڑ کر ان پر سخت تشدد اور ظلم کرتا تھا، اس کے ظلم کی سزا دیں۔ چنانچہ اس نوجوان نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے جن کے سامنے عقل انسانی حیران ہے۔ غرض اسلام کے غازی کبھی کسی قوم کو لوٹنے کے لیے نہیں نکلے۔ کبھی غیر مسلموں کی زمینوں کو انہوں نے چھیننا نہ چاہا، مگر جب دشمن نے زیادتی کی یا پہل کی تو انہوں نے کبھی دشمن کی قوت کی پروانہ کی۔ اور خدا کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے دور دراز ملکوں میں تھوڑی فوج کے ساتھ نکل گئے اور کامیاب ہی ہوئے۔ کیونکہ خدا کا ہاتھ مظلوم کی تائید میں ہوتا ہے۔ یہ ایک زندہ قوم تھی۔ جس میں سترہ سال کا نوجوان بھی زبردست فاتح بنا۔

2مارچ1927ء

عرب کا نوجوان شہسوار

مولانا ابوالکمال عبدالودود بریلوی

شمع حق تو نے جلائی آ کے کفرستان میں　　نعرۂ تکبیر پھونکا تو نے ہندوستان میں
تجھ سے آبادی ہوئی اس خانۂ ویران میں　　ہند میں داخل ہوا تھا تو شعبان میں

نامِ تُو اے ابنِ قاسم تا قیامت زندہ باد

گونج اٹھا یہ مُلک تیرے نعرۂ تکبیر سے　　تو نے آزادی عطا کی کفر کی زنجیر سے
فتح حاصل کی ہے تو نے قوتِ شمشیر سے　　یہ سعادت ملتی ہے انسان کو تقدیر سے

نامِ تُو اے ابنِ قاسم تا قیامت زندہ باد

ابتداء تجھ سے ہوئی ہے ہند میں توحید کی　　تو نے توڑیں بندشیں اصنام کی تقلید کی
رحمتِ حق نے بھی تیرے قصد کی تائید کی　　اب ضرورت پھر ہے تیرے کام کی تجدید کی

نامِ تُو اے ابنِ قاسم تا قیامت زندہ باد

پڑ گیا ہے آج پھر خطرہ میں اسلامی مفاد　　ہم سے ہیں آمادۂ پیکار پھر اہل فساد
ان سے ہے درپیش ہم کو ''صرف''، تبلیغی جہاد　　المدد اے روحِ قاسم، المدد رب العباد

نامِ تُو اے ابنِ قاسم تا قیامت زندہ باد

ابن قاسم تھا فقط اک سترہ سالہ جواں　　فتح جس نے کر لیا دروازۂ ہندوستاں

سندھ میں جس نے مٹائے کفر و باطل کے نشاں   لیں سبق اس واقعہ سے آج کل کے نوجواں

نامِ تُو اے ابنِ قاسم تا قیامت زندہ باد

نازش اسلام تھا تو اے عرب کے شہسوار   ہم منائیں گے تیری اے ابن قاسم یادگار

جان سے پیارا ہے ہم کو دین کا عزو وقار   ہم کریں گے دفع باطل ہرطرح مردانہ وار

نامِ تو اے ابنِ قاسم تا قیامت زندہ باد

❁❁❁

25 رمضان 1345ء / 30 مارچ 1927ء

دینیات

مسائل صلوٰۃِ العید

رمضان المبارک قریب الاختتام ہے۔ جس کے بعد عید الفطر آنے والی ہے۔ اس کے متعلق چند مسائل حوالۂ قلم ہیں۔

صلوٰۃ العید دو رکعت ہوتی ہیں۔ پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں۔ قراءت تکبیروں کے بعد پڑھنی چاہئے۔ دونوں رکعتوں میں سورۃ قٓ (50) اور سورۃ القمر (45) تلاوت کی جائیں۔ عید الفطر میں صبح کے وقت صلوٰۃ العید سے پہلے کھانا کھا کر جانا چاہئے۔ کھجوریں کھانا سنت ہے۔ صلوٰۃ العید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ عید کے دن عید گاہ کو راستہ تبدیل کر کے جانا چاہئے۔ یعنی جس راستہ سے جائیں، اسی راستہ سے واپس نہ آئیں۔ عید گاہ کو پیدل جانا چاہئے۔ عید کے دن کپڑے اچھے پہنے، خوشبو وغیرہ لگائے۔ عید گاہ کو جاتے ہوئے راستہ میں تکبیریں پڑھتا جائے۔ ارتفاعِ شمس سے لے کر زوال تک عید کا وقت ہوتا ہے۔ امام خطبہ میں احکام صدقہ بتلائے اور لوگوں کو وعظ کرے۔ ایک ہی خطبہ ہوتا ہے۔ بعد میں دعا امرِ مسنون نہیں۔ عید کے دن عورتیں بھی عید کی نماز پڑھنے کے لیے برعایت پردہ جائیں۔ خطبہ صلوٰۃ العید کے بعد ہوتا ہے۔ عید میں اقامت اور اذان نہیں کہی جاتی۔ اس عید کے موقع پر صدقۃ الفطر کے نام سے کچھ صدقہ ہر ایک مسلمان کی طرف سے دیا جانا واجب ہے۔ ہر ایک وہ شخص جو کسی کنبہ کا کفیل اور صاحب نصاب ہے اس پر واجب ہے کہ اپنے ساتھ اپنے گھر کے تمام لوگوں بلکہ چھوٹے بچوں کا بھی صدقہ دے۔ صدقہ کی مقدار نصف صاع گیہوں ہے۔ صاع چار مد کے برابر ہے۔ مد ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں تیرہ چھٹانک گیہوں آتے ہیں۔ اس حساب سے نصف صاع یا ایک سیر چھٹانک دس گیہوں فی کس یا اس کی قیمت بہ حساب۔ ہر فی روپیہ 4 آنے فی کس واجب الادا ہے۔ صدقۂ فطر کے علاوہ عید کے موقع پر حضرت مسیح موعود نے ایک ایک روپیہ بطور عید فنڈ دینے کے لیے کہا ہے۔ جو اشاعت اسلام کی ضروریات کے لیے بہت کچھ کام آ سکتا ہے۔ عید ایک خوشی کا دن ہے۔ اس لیے جہاں اور بہت

سارو پیہ عیش وعشرت کے سامانوں پر مسلمان خرچ کرتے ہیں، اگر اشاعتِ اسلام جیسے اہم مقصد کے لیے ہی ایک ایک روپیہ دیا کریں تو اس میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ ہمارے تمام احباب کو چاہئے کہ صدقہ عید الفطر اور عید فنڈ اپنی اپنی جماعتوں کے سیکرٹریوں کے پاس نماز عید سے پہلے جمع کرا دیں۔ نماز عید کے بعد صدقہ فطر نہیں ہوتا۔ جہاں باقاعدہ انجمنیں نہ ہوں وہاں سے براہ راست محاسب صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو بھیج دیں۔ امید ہے کہ احباب ان چند ضروری باتوں کو یاد رکھیں گے۔ اور صدقہ فطر اور عید فنڈ جمع کرنے میں پورے اہتمام سے کام لیں گے۔

جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد:

30 مارچ 1927 (حضرت امیر کے قلم سے) اس وقت، جبکہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے شدھی کے مقابلہ اور اچھوتوں میں تبلیغ کے لئے وسیع پیمانہ پر کام شروع کیا ہے اور ٹریکٹوں، رسالوں، اشتہاروں کے ذریعہ آریہ سماج کے پروپیگنڈا کا جواب دے رہی ہے، بعض لوگ ہمارے عقائد کے متعلق وسوسے پیدا کر رہے ہیں۔ اس لیے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مسلمان بھائیوں کی اطلاع کے لیے اپنے عقائد کو شائع کر دوں۔ یہ وہ عقائد ہیں جو جماعت احمدیہ کا فریق لاہور رکھتا ہے:۔

1- ہم اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں۔

2- ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ خاتم النبیّن ہیں۔ آپ کی بعثت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دین کو کامل کر دیا۔ اس لیے آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ہاں مجدد آئیں گے جن کا کام خدمت اسلام اور تائید دین ہے۔

3- ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ قران کریم خدا کا کلام ہے۔ جو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل ہوا۔ اور اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ نہ قیامت تک ہوگا۔ اور وہ قیامت تک واجب العمل ہے۔

4- ہم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔ نبی نہیں مانتے۔

5- ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے اولیاء سے کلام کرتا ہے۔اور ایسے لوگ اصطلاح شریعت میں محدّث کہلاتے ہیں۔اسی پر اولیاء کی اصطلاح میں ظلّی نبوت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ورنہ جیسے ظل اللہ، اللہ نہیں۔ ظلّی نبی، نبی نہیں۔

6- ہم ہر اس شخص کو جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ایمان لاتا ہے، مسلمان سمجھتے ہیں۔

7- ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام بزرگانؒ دین کی عزت کرتے ہیں۔اور کسی صحابیؓ یا امامؒ یا محدث یا مجدد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

8- مسلمانوں کی تکفیر کو ہم سب سے بڑھ کر قابل نفرت فعل سمجھتے ہیں۔اور جو لوگ کسی مسلمان کی یا کسی مسلمان جماعت کی تکفیر کریں ان سے اظہارِ نفرت کے طور پر ہم ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔خواہ ایسے مکفر احمدی ہوں یا دوسرے لوگ۔اور جو لوگ تکفیر کے فتوؤں سے متنفر ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔خواہ وہ احمدی ہوں یا دوسرے مسلمان۔

9- حدیثوں میں جو نزولِ مسیح کا ذکر ہے اسے ہم درست مانتے ہیں۔مگر چونکہ قرآن کریم حضرت مسیحؑ کی وفات کا ذکر صاف الفاظ میں فرماتا ہے، اس لیے اس سے مراد ہم ایک مجدد کا مثیل مسیح ہو کر ظاہر ہونا لیتے ہیں۔

10- دین اسلام ہمارے نزدیک نہ پہلے جبر سے پھیلا، نہ آئندہ کوئی ایسا مہدی ظاہر ہوگا جو اسلام کو بزور شمشیر پھیلائے۔ بلکہ مہدی وہی ہے جو خدا تعالیٰ سے ہدایت پا کر دین اسلام کی صداقت کو قائم کرتا ہے۔

بعض لوگ قادیانی جماعت کے عقائد کو ہماری طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے اس غلو کی کہ وہ حضرت مجدد صد چہاردہم کو منصب نبوت پر کھڑا کرتے اور تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں، ہماری طرف سے تردید ہو چکی ہے۔

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور (پنجاب)

❁❁❁

ایک اعلامیہ

اشاعتِ اسلام کالج لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعالٰی: وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡھَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ (104:3)

ترجمہ: اور چاہیئے کہ تُم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور بُرے کاموں سے روکے۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے چند ماہ ہوئے فیصلہ کیا تھا کہ ایک ''اشاعتِ اسلام کالج'' قائم کیا جائے۔ 3 مئی 1927ء کو انشاء اللہ تعالیٰ اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ اور بیڈن روڈ کوٹھی نمبر 3 میں اشاعتِ اسلام کالج کا افتتاح ہوگا۔ اس کالج کے قائم کرنے کی غرض یہ ہے کہ احیاء دین کے لیے کریم الاخلاق اور وسیع القلب علماء اور مبلغین اسلام پیدا کیے جائیں۔ جو مسلمانوں میں بیداری پیدا کریں اور دوسری اقوام میں اس امر کی تبلیغ کریں کہ تمام کائنات کا اور تمام اقوام عالم کا خالق و مالک ایک خدا ہے۔ جس کی مرکزی حکومت کے بغیر یہ بے ربط، جو مختلف طبقات عالم میں پایا جاتا ہے، غیر ممکن ہے۔ اور جس کی ربوبیت عامہ کے ماتحت یکساں طور پر تمام اقوام عالم زمین و آسمان کی تمام برکات و فیوض سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ اس توحید کا مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان کے اندر وحدت پیدا کرے۔ جس طرح رب العالمین نے تمام قوموں کی جسمانی تربیت کے لیے یکساں سامان بہم پہنچائے، اسی طرح اس نے تمام قوموں کی روحانی تربیت کے لیے ہادی اور رشی بھیجے۔ چنانچہ فرمایا: لِکُلِّ قَوۡمٍ ھَادٍ (7:13) وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡھَا نَذِیۡرٌ (24:35) وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلٌ (47:10) ایک مسلمان کے ایمان کا جزو ہے کہ وہ تمام قوموں کے ہادیوں کی تعظیم کرے۔ چنانچہ ہم یہودیوں، عیسائیوں،

ہندوؤں اور سکھوں کے ہادیوں کی سچے دل سے تعظیم کرتے ہیں۔ اس توحید سے سچی وحدت پیدا ہوتی ہے اور قوموں کے درمیان محبت اور آشتی پیدا ہوتی ہے۔ اس امر کی تبلیغ ہمارے کالج کے مبلغین کی غرض ہوگی۔

دوسرا پیغامِ اسلامی، جس کی تبلیغ قوموں کے لیے برکت ہے، وہ حریّت اور پوری مساوات انسانی ہے۔ جو اسلام نے قائم کی ہے۔ دنیا کے تمام عقلمند تسلیم کرتے ہیں کہ یہ خصوصیت صرف اسلام میں پائی جاتی ہے کہ انسانیت کو حقیقی طور پر بلند کرتا ہے اور انسانوں میں حقیقی مساوات عملاً قائم کر دیتا ہے۔ اسلامی برادری اور اخوت عدیم المثال ہے۔ ذلیل طبقہ انسانیت کو بلند کرنا اسلام کا مقصد اعلیٰ ہے۔ ہمارے کالج کے مبلغین اس خدمت گراں قدر کو بھی سرانجام دیں گے بتوفیقہ وبفضلہ تعالیٰ۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے اس تعلیم اسلامی کو یورپ اور ہندوستان دونوں میں پیش کر کے تجربہ کیا ہے کہ لوگ اس کو اپنے لیے برکت یقین کر کے قبول کر رہے ہیں۔ اس تجربہ سے ہندوستان کے مسلمان فائدہ اٹھائیں اور اپنی اولاد کو اس کالج میں بھیج کر ان کو اپنے دین وملت کے خادم بنائیں۔ انجمن ہائے اسلامیہ کے لیے بڑا ضروری ہے کہ وہ اپنی طرف سے ہوشیار نوجوان یہاں بھیج کر اپنے مبلغ تیار کرائیں۔ ریاستہائے اسلامیہ کے فرماں رواؤں کا فرض اولین ہے کہ اس بھاری خدمت دین کو سرانجام دے کر اپنے خدا اور رسول کو خوش کریں اور اپنی عاقبت سنوار لیں۔

وظائف:

احمدیہ انجمن سردست تیرہ وظیفے دے سکتی ہے۔ ان میں سے تین وظیفے 30,30 روپے ماہوار کے ہوں گے اور باقی 20,20 روپے ماہوار کے۔ بی۔ اے پاس طالب علم کو تیس روپے ماہوار اور انٹرینس تک کی لیاقت کے طالب علم کے لئے بیس روپے ماہوار کا وظیفہ ہوگا۔ یہ وظائف بطور قرض حسنہ ہوں گے۔

فیس کالج و بورڈنگ:

کالج کے ساتھ بورڈنگ بھی ہے۔ دونوں کی فیس پانچ روپے ماہوار ہے۔

مضامین:

قرآن کریم وتفسیر، حدیث شریف و اصول حدیث، فقہ واصول فقہ، سیرت وتاریخ، علم کلام ومقابلہ مذاہب۔ منطق وفلسفہ۔ عربی اورصرف نحو۔ ہندی وسنسکرت۔ کورس تین سال کا ہوگا۔ جس کے بعد ایک سال پوسٹ گریجویٹ سٹڈی کے لیے رکھا جائے گا۔

انتخاب مبلغین:

جن کامیاب طالب علموں کواحمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام مبلغ منتخب کرے گی، ان کے لیے وہ گریڈ مقرر ہوئے ہیں۔ بی۔ اے کے لیے یکصد روپے سے دوصدروپے ماہوار تک۔ اوردوسروں کے لیے ساٹھ روپے سے ایک سودس روپے ماہوار تک۔

سٹاف:

پرنسپل مولانا صدرالدین صاحب۔ انہیں تعلیم وتبلیغ دونوں کا تجربہ ہے، جرمنی اورانگلستان میں بھی کام کیا ہے۔ اور ہندوستان میں بھی جیسا کہ تمام طور پر پبلک کوعلم ہے۔ مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی فاضل سنسکرت وعالم وید۔ مولانا عبدالستارصاحب ادیب وفقیہ۔ مولانا محمد بدیع صاحب۔ یہ عرب ہیں۔ زبان عربی کی خصوصی تقویت کے لیے ان کی خدمات مغتنمات میں سے ہے۔ پنڈت لکشمی نرائن کے ذمہ سنسکرت اور ہندی کی تعلیم و تدریس ہے۔ دوسرے سال سٹاف میں اضافہ ہوگا۔

المعلن

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور،

(ڈاکٹرسید) محمد حسین، (ڈاکٹرمرزا) یعقوب بیگ، (ڈاکٹر) فضل حسین اور (ڈاکٹر) غلام محمد

20/اپریل 1927ء

تابشِ اسلام نے روشن زمانہ کر دیا

(محترمہ رابعہ خاتون پنہاںؔ بریلوی)

تو نے بے پردہ جب اپنا روئے زیبا کر دیا
جلوۂ حُسنِ حقیقی آشکارا کر دیا
اک تبسم سے نظامِ حسن برہم ہو گیا
سینۂ عشق اک نگہ نے طورِ سینا کر دیا
رَشکِ فردوس ہر ذرّہ مدینہ کا ہوا
سجدہ گاہِ دو جہاں، صحرائے بطحا کر دیا
چھا رہی تھیں چرخِ عالم پر گھٹائیں کفر کی
تابشِ اسلام نے روشن زمانہ کر دیا
سرنگوں شاہانِ عالم ہو گئے تکبیر سے
پَرتوِ ایمان نے ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
اللہ اللہ! وہ مساواتِ رسالتؐ کی بہار
دولتِ اسلام نے بندہ کو آقا کر دیا
چاک داماں سینۂ ماہِ منوّر ہو گیا

مسکرا کر ناز سے جب اک اشارہ کر دیا

اے حبیب کبریاؐ! دل ہجر میں بے تاب ہے
چشمِ خونیں نے رواں اشکوں کا دریا کر دیا

آستانِ پاک پر بلوایئے پنہاںؔ کو اب
خنجرِ فُرقت نے سینہ پارہ پارہ کر دیا

❀❀❀

20/اپریل 1927ء

مساجد کے ذریعہ اصلاحِ قوم

از مولانا محمد علی ایم اے، امیر جماعت احمدیہ لاہور

(گو یہ مضمون حضرت امیر نے رسالہ تنظیم امرتسر کے لیے لکھا تھا اور اس کے اپریل نمبر میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ مفید معلومات اور اصلاحی تجاویز سے مملو ہے، اس لیے ہم اس کا ''پیغام صلح'' کے قارئین کرام تک بھی پہنچا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ مدیر)

زمانہ نبویؐ کی مسجدیں:

اسلام میں مسجد کا مقام کسی مندر یا گرجا گھر کی طرح نہیں ہے۔ جہاں کچھ وقت کے لیے خدا کی عبادت کر لی جائے اور پھر اس کے دروازے بند ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تو ساری زمین ہی مسجد ہے۔ یعنی جہاں کسی کو نماز کا وقت آ جائے، وہیں وہ خدا کی عبادت کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی صراحت موجود ہے **جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا** زمین میرے لیے جائے عبادت بنا دی گئی مسجد خدا کی عبادت کی جگہ تو ضرور ہے لیکن خود بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں مسجد کو ایک اور عزت کا مقام بھی حاصل رہا ہے۔ یعنی قومی اصلاح، قومی حفاظت، قومی ترقی اور قومی نظام کا مرکز بھی وہی ہے۔ ابتداء اسلام میں جب آنحضرت ﷺ کو خانہ کعبہ میں خدا کی عبادت کرنے سے روکا گیا تو ارقمؓ کا گھر نماز کے لیے مقرر ہوا۔ اور یہی جگہ تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے قائم کرنے کے لیے بطور مرکز کام دیتی تھی۔ مگر کفار کی ایذا رسانی کے روز افزوں تشدد کے باعث مسلمانوں کے اکٹھا ہونے میں زیادہ مشکلات پیدا ہو گئیں۔ اور وہ آخرکار مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ وہاں داخل ہوتے ہی پہلا کام جو آپ نے کیا وہ مسجد کا بنوانا تھا۔ اس مسجد میں نہ صرف لوگ پانچ وقت نماز کے لیے جمع ہوتے تھے بلکہ یہی وہ مرکز تھا جہاں اسلام کی تمام قومی مہمات فیصل ہوتی تھیں۔ یہیں لوگ آپ سے علم دین حاصل کرنے آتے۔ یہیں ہر ضرورت قومی کے متعلق مشورے ہوتے۔

یہیں سے اصلاحِ قوم کے متعلق ہر ایک قسم کی تجویز ہوتی۔ اگر کوئی قومی خطرہ ہوتا تو اسی جگہ لوگوں کو اکٹھا کیا جاتا۔ یہیں مشورہ ہوتا کہ دشمن سے حفاظت کے لیے کیا تدبیر کی جائے۔ یہیں سوچا جاتا کہ اسلام کی تقویت کے لیے کیا ذرائع اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ مسجد کے سامنے ایک چھتا ہوا چبوترہ تھا۔ جو صفہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ چبوترہ نہ صرف ان لوگوں کے لیے جائے پناہ کا کام دیتا تھا، جن کا کوئی گھر نہ تھا بلکہ اس میں اسلام کے وہ مبلغ بھی رہتے تھے جو قراء کہلاتے تھے۔ اور جو دین اسلام کو سیکھ کر اور اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر دوسری قوموں میں لے جاتے تھے۔ اور بھی کئی ضرورت کے کام اسی مسجد سے لیے جاتے تھے۔ جن کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ لیکن ایک بات جو واضح طور پر اسلام کی ابتدائی تاریخ میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد اسلام کی ہر اصلاح اور ضرورت کا مرکز تھی۔ اور اسی مرکز پر ان کے نظامِ قومی کی بنیاد تھی۔ مسلمانوں کا علم اور طاقت ہر دو اس مسجد سے پیدا ہوتے تھے۔

موجودہ مساجد کی پیداوار:

آج آئمہ مساجد کے جمود ذہنی اور ان کی تنگ خیالی سے ہماری ہر مسجد کچھ ''مسجد ضرّار'' کے رنگ میں رنگین ہے۔ یہاں سے علم اور اصلاح کی لہر اٹھنے کی بجائے جہالت اور تنگ خیالی پیدا ہوتی ہے۔ یہاں قوت عمل پیدا ہونے کے بجائے بیکاری اور گداگری کا نظّارہ نظر آتا ہے۔ یہاں اخلاق فاضلہ پیدا ہونے کی بجائے، جو عبادت الٰہی کا خاصہ ہے، کبر اور رعونت پیدا ہوتی ہے۔ یہاں مسلمانوں کو اعداء اسلام کے حملوں سے بچانے کی تدابیر پر غور کرنے کی بجائے، تفریق بین المسلمین کا وعظ ہوتا ہے اور مسلمانوں کی بھلائی کے مشوروں کی بجائے انہیں تکلیف اور دکھ پہنچانے کی فکر رہتی ہے۔ یہاں اعداء اسلام کی قوت کو توڑنے کی بجائے ان کی تائید کے لیے سامان تیار ہوتا ہے آیت قرآنی وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (107:9) کے مصداق دشمنان اسلام نہیں بلکہ خود مسلمان ہو رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آج بھی تھوڑی سی توجہ سے ہم مسجد کو وہی رونق دے سکتے ہیں جو اس کا ضروری حق ہے اور چند ہی روز میں یہاں سے اصلاح کی وہ لہر اٹھ سکتی ہے جو قوم کی کایا پلٹ دے۔ اور مسلمانوں کو پھر دنیا کا پیشرو بنا دے۔

اکابرِ قوم کا فرض:

آئمہ مساجد کا جمود اور تنگ خیالی ہی ہمارے سارے مصائب کی وجہ نہیں بلکہ ہمارے دنیوی لیڈروں اور رہنماؤں پر اور بھی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ اسلام پر کیا مصیبت ہے۔ اور مسلمان اپنی جہالت اور افلاس سے کس ذلّت کے غار میں گر چکے ہیں۔ اور ان پر وہ موت کس طرح وارد ہو رہی ہے جو دنیا میں غلامی سے موسوم ہے۔ اور وہ کس طرح دوسری قوموں کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ اس علم و آگاہی کے باوجود اس حالت کو دور کرنے کے لیے کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتے۔ وہ آپس میں مل کر اپنے قومی دکھوں کا رونا تو ضرور رو لیتے ہیں مگر اس طرح رونے سے تو کچھ فائدہ نہیں باتیں کرنا بالکل بے سود ہیں۔ اگر اصلاح کے لیے عملی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اگر ان بڑے آدمیوں کا یہ خیال ہے کہ ہم آسودہ حال ہیں۔ حکام اور دوسری قوموں میں ہماری عزت ہے۔ اور ہمیں کچھ مرتبہ حاصل ہے تو وہ یاد رکھیں کہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ ان کی زندگی اور ان کی موت، ان کی عزت ان کی ذلّت ان کی قوم سے وابستہ ہے۔ اگر قوم ذلیل ہے تو ان کی عزت ایک سراب ہے۔ جس کی تہہ میں کوئی حقیقت نہیں۔ ان کی طاقت کا انحصار قوم کی طاقت پر ہے۔ ان کی بات کی کہیں وقعت نہیں ہوگی۔ وہ بڑے بڑے مرتبوں پر پہنچ کر بھی غلام ہیں۔ دوسروں کے اشاروں پر ناچتے ہیں اور خود کچھ نہیں کر سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ایک مردہ قوم کا جزو ہیں۔ اگرچہ بظاہر وہ بلند مرتبہ پر ہیں مگر ان کے اندر وہ قوت نہیں جس سے وہ اپنے بلند مرتبہ کو قائم رکھ سکیں۔ وہ اپنی قوم کا گلا کاٹتے ہیں۔ وہ دوسری قوموں کے ہاتھوں میں اوزار کا کام دیتے ہیں اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے کا وہ کام جو دوسرے لوگ خود نہیں کر سکتے، ان سے کرواتے ہیں۔ وہ جائیں اور اپنی قوم کے افراد میں قوت پیدا کریں۔ تاکہ خود ان کے اندر بھی قوت پیدا ہو، اور اس کی صورت صرف ایک ہے۔ (یعنی مساجد کے اندر اصلاح قوم)

آج باوجودیکہ مساجد نے اپنے اصلی شرفِ عزت کو کھو دیا ہے۔ تاہم وہ عام مسلمانوں کے اجتماع کا مقام ہیں۔ اگر مسلمان قوم کو کہیں دیکھنا چاہو، اگر کہیں ان سے مل کر ان کی اصلاح کرنا چاہو تو وہ مقام مسجد اور صرف مسجد ہے۔ اگر پانچ وقت نہ سہی تو ایک دو وقت ضرور مسلمانوں کا بھاری اجتماع مسجد میں ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کا اعلیٰ طبقہ ان مساجد میں نظر نہیں آتا۔ حالانکہ اگر اس وقت مساجد میں کچھ بے رونقی بھی

ہے تو اعلیٰ طبقہ کے وہاں جانے سے از خود دور ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے نکل آئیں گے جو ان کو دیکھ کر خود بخود مساجد کی طرف کھنچے چلے جائیں گے۔ مسلمانوں کے بڑے طبقہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ایسے اصحاب کے لیے تو مسجد میں جانا کچھ مشکل نہیں۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں خدا کے آگے گردن جھکانے میں اپنی ذلّت معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہی سمجھ لیں کہ اگر وہ حقیقی عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنی قوم کو اٹھانا ہوگا۔ اور قوم کو وہ مسجد میں جا کر ہی اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ قوم چند بڑے بڑے لوگوں کا نام نہیں کہ وہ باہم مل لیں تو قوم کی اصلاح ہو جائے گی یا قوم کے اندر زندگی اور قوت پیدا ہو جائے گی۔ بلکہ قوم اصل میں انہیں افراد کا مجموعہ ہے جن کو انہوں نے اپنی لاپروائی سے لاشے سمجھ رکھا ہے۔ وہی غریب اور درمیانی طبقہ اصل قوم ہے۔ اسی طبقہ سے اعلیٰ درجہ کے انسان پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طبقہ کی قوت سے قوم کی قوت ہے۔ اسی کا احساس، احساس قومی کا معیار ہے۔ اور یہ طبقہ نہ صرف بڑی سہولت سے مسجد میں مل سکتا ہے بلکہ بڑی آسانی سے مسجدوں کو اسی طبقہ کی اصلاح کا موجب بنایا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کام انہی لوگوں کا ہے جن میں خود احساس پیدا ہو چکا ہے، جنہیں دنیا کے حالات سے واقفیت ہے۔ جن کی نظر وسیع ہے۔ جن کا قدرے دنیا میں رسوخ ہے۔ اس لیے جو لوگ خدا کے لیے مسجدوں میں نہیں، جاتے وہ اپنی قوم کے لیے نہیں اپنی بقاء کے لیے ہی مسجدوں میں جائیں۔ پانچ وقت نہ جائیں، ایک وقت ہی جائیں اور مساجد کو اصلاح قوم کا ذریعہ بنائیں۔

مساجد کے متعلق ضروری پروگرام:

مسجد کی آبادی اور اصلاح قوم کے لیے چند ضروری امور حسب ذیل ہیں:

1- ہر مسجد کے ساتھ ایک کتب خانہ اور ریڈنگ روم ہو۔ جہاں کچھ تاریخی اور کچھ سادہ مذہبی کتابیں ہوں۔ اور کچھ ایسے اخبارات رکھے جائیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کی حالت کا ہی نہیں، دنیا کی عام حالت کا بھی علم ہوتا رہے۔ اور جہاں علیحدہ کتب خانہ اور ریڈنگ روم قائم نہ ہو سکے وہاں مسجد ہی میں ایک الماری میں کتابیں رکھی جا سکتی ہیں۔ اور اخبارات کسی کونہ میں رکھے جا سکتے ہیں۔ مسجد کے ساتھ یہ دلچسپی کا سامان ہوگا تو یہ زیادہ کشش کا موجب بھی ہوگا۔

2- ہر ایک مسلمان بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ اور اوپر کے طبقہ کے لوگ کم سے کم نماز مغرب کے لیے مسجد میں جائیں اور نماز کے بعد کچھ دیر کے لئے ٹھہر کر مختلف اخبارات سے روزمرہ کے حالات سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہیں۔ موجودہ حالت مسلمانوں کی بیخبری کی نہایت خطرناک ہے۔ اول تو بہت لوگ پڑھنا نہیں جانتے۔ اور جو جانتے ہیں وہ اخباروں کا پڑھنا ایک فضول امر خیال کرتے ہیں۔ اس لیے عام مسلمانوں کو بہت کم خبر ہوتی ہے کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے یا خود انہیں نیست و نابود کرنے کے لیے کیا راہیں سوچی جا رہی ہیں۔

3- علاوہ اخباری واقفیت کے خواندہ اور فہمیدہ لوگ ایسے اوقات میں اپنے بھائیوں کی رہنمائی کریں۔ اور کم سے کم ہفتہ وار لیکچر ہر مسجد میں ایسے ہوں جن میں اصلاح قوم، حفاظت قوم، ترقی قوم اور نظام قوم کے لیے بالخصوص توجہ دلائی جائے۔ اور رسم و رواج کی اصلاح اور قومی افلاس کو دور کرنے کے لیے عملی تدابیر بتائی جائیں اور ان اصلاحات پر قائم ہونے کا عہد لیا جائے۔

4- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں خاص اوقات میں نیزہ بازی وغیرہ کے کرتب بھی دکھائے جاتے تھے۔ اس لیے اگر ہر مسجد کے ساتھ کوئی ایسا انتظام بھی کیا جائے جہاں مسلمانوں کی جسمانی قوت کو بڑھانے کا سامان ہو، تو یہ بھی قومی ترقی کے بڑے بھاری سامانوں میں سے ہے۔ مثلاً اکھاڑہ ہو یا کوئی جمنازیم یا کوئی اور سامان ہو۔

5- بڑے بڑے لوگ آج جمعہ میں بھی مسجدوں میں نہیں جاتے۔ اور لیجسلیٹو اسمبلی ممبر تک پروا نہیں کرتے۔ بلکہ عین جمعہ کے وقت کونسل کا اجلاس ہوتا ہے۔ یہ بڑی ذلت کی بات ہے۔ اور مسلمانوں کی اخلاقی قوت کے مرجانے کی علامت ہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ جمعہ ہم پر فرض ہے اور اس وقت کوئی کام کرنا منع ہے۔ بڑے لوگوں کو لازماً جمعہ میں مسجد میں جانے کی عادت ڈالنی چاہئے۔

6- جمعہ کے خطبوں کو زیادہ مفید بنایا جائے۔ اور ان میں مسلمانوں کی ہر ایک قسم کی ترقی کی طرف توجہ دلائی جائے۔ کیونکہ اس وقت اگر ایک طرف مسلمانوں کے افلاس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں تعلیم و تجارت نہیں۔ اور ساہوکاروں کے سود کے نیچے دبے ہوئے ہیں، تو دوسری طرف اس بربادی کا بڑا موجب وہ رسوم و رواج ہیں، جن میں وہ عام طور پر مبتلا ہیں۔

7- ہر اس مسجد میں جہاں جمعہ ہوتا ہے عورتوں کے لیے پردہ کا انتظام ہو۔ اور عورتیں جمعہ کے خطبوں میں حاضر ہوا کریں۔ کیونکہ اصلاح رسوم میں کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی جب تک عورتوں میں یہ احساس پیدا نہ ہو۔ اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ مضرّات سے انہیں واقف نہ کیا جائے۔

7/اپریل 1927ء

جماعت احمدیہ سے تعاون کی ضرورت

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی تقریر دلپذیر فرمودہ 27 اپریل 1927ء

میں نے ایک خطبہ میں کہا تھا کہ ہمارے حضرت مسیح موعود نے یہ ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت اور عظمت، جو زبانوں پر رہ گئی تھی اور اس کے منافی عقائد دلوں میں قائم ہو چکے تھے ان عقائد کو دور کر کے دوبارہ آنحضرت ﷺ کی محبت دلوں کے اندر قائم کر دی۔ منہ سے آپ ؐ کو کہا جاتا تھا سید الکونین افضل البشر مگر عقائد کیا کہتے تھے؟ عقائد میں یہ داخل تھا کہ صرف حضرت عیسیٰؑ ہی گناہ سے پاک فطرت لے کر آئے تھے اور ان کے علاوہ گناہ سے کوئی پاک نہ تھا۔ کام کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ عظیم الشان فتنہ جو دجال کا فتنہ ہوگا اس کی اصلاح کے لئے مسیح علیہ السلام آئیں گے۔ گویا محمد رسول اللہ ﷺ کو اس کے دور کرنے کی طاقت نہ تھی۔ تو عقائد میں حضرت عیسیٰ کو فضیلت دی اور کام میں حضرت عیسیٰ کو فضیلت دی۔ اس سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کی اور توہین کیا ہو گی؟

اس کے بالمقابل سب سے پہلا کام، جو حضرت مسیح موعود نے کیا، وہ یہ تھا، کہ ان عقائد کو، جو آنحضرت ﷺ کی عظمت کے منافی تھے، دور کیا۔ اور بڑے زور کے ساتھ ان کو رد کیا۔ لیکن اس کی کیا ضرورت تھی کہ ساتھ دعویٰ بھی کر دیا کہ عیسیٰ میں ہوں۔ بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ سب کچھ سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ سمجھ نہیں آتا کہ یہ دعویٰ کیوں کیا؟ خوب یاد رکھو۔ میں عینی شہادت دے سکتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب بڑے منکسر المزاج تھے۔ کوئی تعلق کسی بڑائی سے نہ تھا۔ جو لوگ آپ کی صحبت میں بیٹھے ہیں وہ بتا سکتے ہیں کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مرید چارپائی کے اوپر بیٹھے ہیں اور مخدوم نیچے ہے! ایسا شخص کیا یہ تعلیم دے سکتا ہے کہ اسے بڑا مانا جائے؟ بات اصل یہ ہے کہ یہ عقائد، جو آنحضرت ﷺ کی محبت کے منافی ہیں، دور نہیں ہو سکتے تھے جب تک یہ نہ کہا جاتا کہ وہ ابن مریم، جو آنے والا تھا، وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ہی ایک انسان ہو سکتا ہے۔ یہ بات تو طے ہو سکتی تھی کہ واقعی

فتنہ دجال کی اصلاح حضرت عیسیٰ کا کام نہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ بتایا جاتا کہ جو کام حضرت عیسیٰ سے وابستہ سمجھتے ہو، وہ اس امت کے ایک فرد کو کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ جوں جوں میرا علم بڑھتا ہے توں توں حضرت مرزا صاحب کی عظمت میرے دل میں بڑھتی جاتی ہے۔ میں نے آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پرکھا۔ جتنا قرآن وحدیث کا ترجمہ میں نے کیا ہے، جتنا علم بڑھتا ہے، اسی قدر آپ کی صداقت اور عظمت واضح ہوتی ہے کہ یہ عظیم الشان انقلاب آپ نے خیالات کے اندر پیدا کیا۔ کس قدر بلند خیالات ہمارے سامنے رکھے۔ افسوس اس دنیا کی بے قدری پر۔ ایک بلند خیال کوئی شخص پیدا کر کے جائے، تو اس کی وجہ سے دنیا اس کی پرستش کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ ایک عظیم الشان کام کوئی شخص پیدا کر دے، دنیا سر جھکانے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔

جانتے ہو محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کیوں ہے؟ اس لیے نہیں کہ کوئی فرضی قصے آپ کی بڑائی کے ہیں۔ بلکہ ان بلند خیالات کی وجہ سے جو آپ نے پیدا کیے۔ خوب یاد رکھیئے کہ اگر اسلام دنیا پر غالب آئے گا تو آخر کار یہی ثابت ہوگا کہ تمام بلند خیالات کا مرکز محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ واقعات اس پر شاہد ہیں۔ اور جوں جوں دنیا زیادہ غور وفکر سے کام لے گی، جوں جوں علم پھیلے گا، توں توں محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت دلوں کے اندر بڑھتی جائے گی۔ آج ہی دیکھ لو وہ یورپ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق خیال رکھتا تھا کہ وہ بت ہے، لٹیرا ہے، وغیرہ، آج وہی یورپ بہت تھوڑا سا قرآن سے واقف ہو کر آپ کی عظمت کا قائل ہوتا جا رہا ہے۔ بہت تھوڑا واقف اس لیے کہا ہے کہ جو تراجم ان کے اندر بالعموم پہنچے ہیں۔ وہ انگریزی زبان میں ہیں۔ اور عیسائیوں کے کیے ہوئے ہیں۔ باوجود اس کے محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت دلوں میں قائم ہوتی جاتی ہے۔

میں نے کہا کہ کوئی شخص ایک بلند خیال دنیا میں قائم کر جائے تو اس کی دنیا عزت کرتی ہے۔ بلند خیال ہی فی الحقیقت عزت کا موجب ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کو بھی اسی پر پرکھو۔ سوچ لو۔ کوئی بلند خیال آپ نے بھی قائم کیا؟ اگر کیا ہے تو اس کے ساتھ ملنے میں کیا حرج ہے۔ لوگ پیروں کی بیعت کرتے ہیں۔ ہم نے ایسی بیعت نہیں کی۔ ہم نے بیعت کی ہے کہ اسلام کو تمام دینوں پر غالب کرنے کی خدمت بجالائیں گے۔ وہ خود خادم اسلام تھا اور اسی راہ پر ہم سب کو لگایا۔ وہ خادم اسلام تھا اور جب تک اسے خادم ہی سمجھا جاتا رہا، ہم ان لوگوں کے ساتھ

رہے جو قادیان میں ہیں۔لیکن اگر کوئی خدمت اسلام سے اٹھا کر آقا کے بلند مقام پر بٹھا دے تو اس سے علیحدہ ہو جانا چاہئے۔اور ہم علیحدہ ہو کر یہاں آ گئے۔حاشا وکلّا۔ہمیں اور کوئی غرض نہیں۔محض اس کام کے لیے آئے ہیں جس پر امام وقت نے ہمیں لگایا۔کیا کام انہوں نے کیا؟ اسلام کی تعلیم تو بہت بلند تھی۔نہایت روشن اور واضح تھی۔ لیکن تاریکی اس قدر پھیلی ہوئی تھی کہ بہت سی باتیں، جو اسلام سے دور تھیں، وہ اس کے اندر داخل ہو گئیں۔ان کو آپ نے دور کیا اور ان بلند خیالات سے دور کیا جو آپ لے کر آئے۔وہ ان خیالات کو پیدا کرنے والے نہیں۔ وہ خیالات قرآن کے اندر پہلے سے موجود تھے۔صحابہ کے دلوں میں موجود تھے لیکن لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے تھے۔انہی کو دوبارہ لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔احمدیت کوئی نئی چیز نہیں۔کوئی نئی بات اس کے اندر نہیں۔ یہ صرف اس اصلی اسلام کی طرف رجوع ہے جس پاک چشمہ سے اسلام نکلا تھا۔اب تمام غلطیوں اور تاریکیوں اور خس وخاشاک سے پاک کر کے دوبارہ اسی پاک سرچشمہ کی طرف اسے لے جانا ہے۔دو باتیں ہیں جو آپ نے بتائیں۔ایک یہ کہ اسلام معقول مذہب ہے۔معقول کے معنی کیا ہیں؟ جب ہم قرآن پڑھتے ہیں تو اس میں جگہ جگہ عقل وحکمت۔غور وتدبر کو اپیل کیا گیا ہے کہیں تو فرمایا ہے: یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (3-1:36) کہیں فرماتا ہے: تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ (1:10)۔اور ایک دفعہ نہیں بار بار ایسی آیات پائیں گے جہاں قرآن کو حکمت سے بھرا ہوا بیان کیا گیا ہے۔حکمت سے مراد ہے سائنس وفلسفہ۔پھر بار بار یہ لکھا ہوا پاؤ گے: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (11:16) افسوس، وہ مذہب، جو عقل، فکر اور تدبر کو اپیل کرنے آیا تھا، آج اس کے نمائندے یہ کہتے ہیں کہ مذہب کو عقل سے کیا واسطہ؟ آج جہاں کوئی مذاہب کے متعلق عقل کی بات کرے، اسے کہتے ہیں یہ مرزائی ہے۔آپ کو معلوم ہے افغانستان میں امیر امان اللہ خاں پر جہاں اور الزامات لگائے گئے، وہیں بعض لوگوں نے یہ الزام لگایا کہ یہ قادیانی ہے۔اسی کی وجہ تھی کہ امیر کو نعمت اللہ خاں کی سنگساری پر دستخط کرنا پڑے۔اس کی غرض محض باغیوں کا دبانا تھا۔ یہ مصیبت کیوں پیدا ہوئی؟ امیر نے کچھ اصلاحات کا اعلان کیا تھا۔خودغرض ملّانوں کے ہاتھ میں یہ بات آ گئی کہ یہ مرزائی ہے۔تو خوب یاد رکھیئے کہ پہلی بات جو حضرت مرزا صاحب نے کہی وہ تھی کہ اسلام عقل کا مذہب ہے۔آپ کا کام تھا اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا۔ یہ کس طرح ہو سکتا تھا؟ اس طرح کہ اس کے اصول اس طرح پر پیش کیے جائیں کہ لوگ قبول کرتے چلے جائیں۔اس کے متعلق پہلا کام یہ کیا کہ اسلام معقول مذہب ہے۔ یہ جو لوگ کہتے تھے کہ دین میں عقل کو کیا دخل؟

اس کو رد کیا۔قر آن نے پہلے بھی امیّوں کو وہ علم وفہم دیا کہ دنیا حیران تھی۔اب بھی اس کا ایک رنگ دیکھیں گے کہ قر آن کا علم اس طبقہ سے نکل کر، جو اس کے وارث سمجھے جاتے تھے، یعنی علما، انگریزی خواں طبقہ میں آ گیا۔ یہ انقلاب حضرت مرزا صاحب نے پیدا کر کے دکھایا۔اس نے بتایا کہ دین عقل وفکر کا نام ہے۔

چنانچہ پہلی بات، جو حضرت مرزا صاحب نے پیش کی، وہ اسلام کی معقولیت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب نے فقہ کے دروازے بھی، جن کو لوگوں نے بند کر دیا تھا، کھولے ہیں۔اس کے یہ معنی نہیں کہ ہمارے نزدیک پہلوں نے جو کچھ کیا وہ درست نہیں۔ یا ہم ان کی عزت نہیں کرتے۔ ہمارے دلوں میں ان کی بہت بڑی عزت وعظمت ہے۔لیکن اس کے باوجود یہ بات بالکل سچی ہے، ہم بھی قر آن وحدیث سے مسائل اخذ کر سکتے ہیں۔اور فقہ کے دروازے بالکل بند نہیں ہو گئے۔

دوسری بات جو آپ نے قائم کی وہ اسلام کی معقولیت کے بعد اسلام کی وسعت ہے۔ ہمارے بھائی عام طور پر تیرہ صدیوں سے مجدد مانتے چلے آئے ہیں۔لیکن چودھویں صدی کا مجدد نہیں مانتے۔اہل حدیث کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ وہ اولیاءؒ کی تحقیر کرتے ہیں۔لیکن احمدی سب کی عزت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔سب آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں۔آئمہ کا مسلک قر آن کریم سے مسائل اخذ کرنے کا تھا۔اور یہی مسلک ہمارا ہے۔ جس مسئلہ کو قر آن وحدیث کے مطابق پایا اس کو لے لیا۔ یہ کوئی نہ سمجھے کہ ہم مفسرین کی عزت نہیں کرتے۔عزت ہم سب کی کرتے ہیں لیکن ان میں بہت اختلاف رائے تھا۔صحابہؓ میں بھی اختلاف رائے موجود تھا۔لیکن باوجود اس کے ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے۔لیکن آج ذرا سا اختلاف ہو جائے تو ایک دوسرے کو کافر کافر بنانے لگ جاتے ہیں! حضرت مرزا صاحب نے ہمیں وسعت اسلام کے اس مقام پر کھڑا کیا ہے کہ باوجود اختلاف رائے کے ہم سب کی عزت کرتے ہیں۔ ہم امام ابوحنیفہؒ کو فقہ میں سب سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔لیکن دیکھیئے ایک بڑی عجیب بات، جس کی طرف حضرت صاحب ہمیں لے گئے ہیں، وہ یہ ہے کہ تمام جھگڑا اور اختلاف جو نظر آتا ہے اس کے اندر ایک بڑا عجیب اصول نکال کر دیا ہے۔کوئی شخص ایک امام کا پیرو ہے، تو کوئی دوسرے کا۔اس سے نکلیں تو کوئی قر آن کی حدیث سے تاویل وتشریح کر کے حدیث کو قر آن پر مقدم قرار دے۔کوئی اور اٹھے تو انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے اقوال کی تحقیر کر کے انہیں ردی میں پھینک دیا۔ آپ نے ان تمام اختلافات میں کیا

اصول رکھا۔؟ بتایا کہ سب سے پہلے خدا کا کلام ہے اس کو اوپر رکھو۔ پھر حدیث ہے۔ چونکہ اس میں غلطیاں راہ پا گئی ہیں اس لئے جو بات خدا کے کلام قرآن کریم کے مطابق ہو، اسے لے کر باقی کو چھوڑ دو۔ خدا کے کلام کے متعلق ایک نکتہ بتایا کہ اصول دین کو محکمات سے لےلو۔

اب دیکھیئے یہ ایک نہایت سادہ تصویر اسلام کی بنادی۔ اوپر قرآن کو رکھو۔ کوئی حدیث قرآن کے مخالف نظر آجائے اُسے چھوڑ دو۔ حدیث کی وجہ سے بہت سی مشکلات لوگوں کو پیش آئی ہیں۔لیکن کیا محکم اصول ہمیں دیا کہ کسی حدیث کو جو قرآن کے مخالف ہو، اسے نہیں لیں گے۔ اگر قرآن یا حدیث کے خلاف کسی امام کا کوئی قول ہوتو اس کو ترک کر دیں گے۔ امام ابوحنیفہؒ نے صاف کہا ہے اُتْرُکُوْا قُوَلِیْ لِقَوْلِ اللّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ کے قول کے مقابلہ میں میرے قول کو چھوڑ دو۔ اولواالامر کی متابعت کرو۔ فرمانبرداری کرو۔لیکن جب جھگڑا پیدا ہو جائے تو یہی حکم ہے کہ اللہ اور رسولؐ طرف لوٹ جاؤ۔ حدیث قرآن کے ماتحت ہے۔ اور جب وہ قرآن کے خلاف ہو جائے تو رد کر دی جائے گی۔ یہ تصویر ہے اسلام کی سادگی کی! معقول اسے بنایا۔ پھر وسعت دی اور پھر سادہ بنایا۔

پھر ایک خیال پھیلا ہوا تھا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ حالانکہ اگر یہ صحیح ہوتا تو کبھی یہ اتنا دیرپا نہ ہوتا۔ حکومت ظاہری قائم نہیں رہ سکتی جب تک دلوں پر حکومت نہ ہو۔ بدقسمتی سے اسلام کی یہ غلط تصویر مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی۔ انہوں نے سمجھا کہ اسلام کی اس میں شوکت ہے۔ پچھلے دنوں قتل مرتد کی بحث میں ایک نے کہا کہ مرتد کو واجب القتل ٹھہرانے سے دوسروں پر رعب پڑتا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو اس رنگ میں اس کو لے لیا۔لیکن دوسروں سے پوچھئے وہ اس کو کیا سمجھتے ہیں؟ مرزا صاحب نے چوتھی عظیم الشان خدمت یہ کی کہ اس الزام کو دور کر کے اسلام کے حسن اور خوبصورتی کو دوبالا کر دیا۔ یہ خیال غلط ہے کہ کوئی مہدی آئے گا اور تلوار کے زور سے اسلام کو پھیلائے گا۔ خوب یاد رکھیئے کہ اسلام اگر پھیلے گا تو اپنے حسن اور خوبصورتی سے پھیلے گا۔

ایک اور بات ہے۔ اسلام کا کمال اس بات میں سمجھا جاتا تھا کہ اسلام محتاج ہے ایک دوسری قوم کے نبی کا۔ اس کے کیا معنی تھے؟ سوائے اس کے کہ اسلام کمال کو نہیں پہنچا خوب یاد رکھو وہ مذہب ہرگز کامل نہیں جس کے اندر ابھی کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی ہے۔ اگر تو تم محمد رسول اللہ ﷺ کے شاگردوں کو اسلام کا خادم قرار

دو۔ وہ خدمت جو مسیحؑ کو آ کر کرنی ہے، وہ انہی سے وابستہ سمجھو۔ جیسا کہ فرمایا: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (62:2-3) اگر تو اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کے ماتحت محمد رسول اللہ ﷺ کے شاگردوں ہی کو اسلام کا خادم سمجھتے ہو تو ایک بات ہے۔ ورنہ جب تم باہر سے کسی کو لاتے ہو، جس کو محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کا فخر نہیں تو اسلام کے کمال پر تم حرف رکھتے ہو۔ لہٰذا حضرت مرزا صاحب نے پانچویں خدمت یہ کی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کو کسی باہر کے نبی کا محتاج تسلیم کرنے کی بجائے آپ ہی کے شاگردوں کو ان انبیاءؑ کے قائم مقام بتایا۔

پھر ایک بات اور ہے۔ دنیا میں تم ترقی نہیں کر سکتے جب تک اتفاق اور اتحاد نہ ہو۔ اسلام نے اتفاق واتحاد کا سبق نہایت مؤثر طریق پر دیا ہے۔ وہ قومیں، جن کے اندر سخت ترین دشمنی تھی، اسلام نے ان کو بھائی بھائی بنا دیا۔ بڑا عظیم الشان انقلاب پیدا کیا۔ جو لوگ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے ہیں، ان کو اخوت کے ایسے مقام پر کھڑا کیا جہاں ہر قسم کا تباغض وتحاسد ان کے اندر سے نکل گیا اور وہ ایک دوسرے کے مدد ومعاون ہو گئے۔

ہمارے حضرت مرزا صاحب نے چھٹی بات جو قائم کی وہ اسلام کے اس اتحاد کو دوبارہ زندہ کرنا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو اسے کافر نہ کہو۔ کفر کے فتوے کو آپ نے مسلمانوں میں سے اٹھانے کی زبردست سعی کی۔ کیونکہ اس کے بغیر اظہار علی الدین نہیں ہو سکتا تھا۔ جب تک آپ مسلمانوں میں اتحاد کی بنیاد نہیں رکھیں گے اسلام کا اظہار دنیا پر نہیں ہو سکتا۔ یہ بات ہے جس کو ہمارے لیڈروں نے نہیں سمجھا۔ رہے علماء۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی وجہ تو نکالو جس سے دوسروں کو کافر کہا جا سکے! کوئی مونچھ کا بال بڑھا ہوا ہو تو یہ بھی ایک وجہ کفر ہے۔ داڑھی کا بال کم ہو تو وہ بھی وجہ کفر ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے جو اخوت اور اتحاد کا کھیت لگایا تھا، اسے ان لوگوں نے اجاڑ دیا ہے۔ خدمت اسلام حضرت مرزا صاحب نے یہ کی کہ جس اخوت کو محمد رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا، اس کو آپ نے زندہ کر دیا۔ بہت سی باتیں آپ کی دنیا کو سمجھ آ رہی ہیں۔ کوئی دو سال ہوئے ہم نے مسلم لیگ میں ایک ریزولیوشن کیا تھا کہ مسلمانوں میں سے باہمی کفر بازی دور ہونی چاہئے۔ پہلے انہوں نے اس ریزولیوشن کو لے لیا۔ لیکن جب آخری مرحلہ پر بات آئی تو مسٹر جناح نے

روک دیا کہ لوگ ناراض نہ ہو جائیں۔لیکن اب دیکھیئے کہ یہ خدا کے احسانات میں سے ہے کہ آج اس ہندوستان میں ندوۃ العلماء کے جلسہ میں وہی ریزولیوشن خود ندوہ کی طرف سے پاس ہوتا ہے۔جس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ جو لوگ اپنے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں،ان کو کافر کہنے والا غلطی کرتا ہے۔یہ چھٹی خدمت اور چھٹا بلند خیال تھا جو مرزا صاحب نے پیدا کیا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے والوں کو کافر نہ کہا جائے۔

ساتویں خدمت یا بلند خیال جو ہمارے حضرت صاحب نے پیدا کیا ہے، وہ اشاعت وحفاظتِ اسلام کا خیال ہے۔اگرچہ اسلام نے شروع سے ہر ایک مسلمان کو اس کی تعلیم دی ہے۔لیکن اس کو بھی لوگوں نے بھلا دیا تھا۔آپ نے دوبارہ اس خیال کو پیدا کیا ہے۔یہ خیال یہاں تک مسلمانوں کے اندر سے مر چکا تھا کہ جہاں کہیں کسی نے تبلیغ اسلام کا نام لیا،لوگوں نے جھٹ کہہ دیا کہ یہ مرزائی ہے۔اگلے دن جمعیۃ دعوت وتبلیغ کی رپورٹ میں مَیں نے پڑھا کہ ان کے سیکرٹری مولوی محی الدین صاحب کے متعلق لوگوں کو یہی شبہ ہوا کہ وہ احمدی ہیں۔تو حفاظت واشاعت اسلام کا خیال آج کون قائم کرتا ہے؟ اس شخص نے یہ خیال قائم کیا ہے جس کو کہا جاتا ہے کہ یہ کافر ہے۔میں نے کہا تھا کہ اسلام معقولیت کا مذہب ہے۔مگر کوئی معقولیت ترقی نہیں کرسکتی جب تک جذبہ ایمانی پیچھے نہ ہو۔اس کو کوئی پیدا نہیں کرسکتا۔نہ زید پیدا کرسکتا ہے نہ بکر پیدا کرسکتا ہے۔نہ آپ پیدا کر سکتے ہیں اور نہ میں۔اس پر لوگوں کو بڑی بڑی ٹھوکریں لگتی ہیں کہتے ہیں فلاں پیشگوئی پوری نہیں ہوئی ہے۔میں بتانا چاہتا ہوں کہ پیشگوئی ایک تائیدی امر ہے۔اصل میں دین نہیں۔اس سے اصول دین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔جس شخص نے اس قدر بلند خیال دنیا میں قائم کئے،جن کو مسلمان بھول چکے تھے،اس کے ساتھ ہونے کے لیے یہی زیادہ سے زیادہ دلیل تھی۔لیکن اگر پیشگوئیوں کو ہی لیں تو پھر ایک پراڑ بیٹھنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ جب بیسیوں پوری ہوئی ہوئی بھی نظر آتی ہیں۔کیا وہ پیشگوئی بھول گئی جو لیکھرام کے متعلق تھی؟ اور آج میرے ایک دوست (شیخ محمد جان صاحب وزیر آبادی) نے ایک اور پیشگوئی کی طرف توجہ دلائی ہے جو سوامی شردھانند کے بارے میں ہے اور لیکھرام والی پیشگوئی کے ساتھ ہی ہے۔چنانچہ لکھا ہے:

''آج جو 2 اپریل 1894ء مطابق 14 ماہ رمضان 1310ھ ہے صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ میں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں اور چند

> دوست بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اس کے چہرے پر سے خون ٹپکتا ہے میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے۔ گویا انسان نہیں ملائک شدّ اد غلاظ میں سے ہے۔ اور اس کی ہیبت دلوں پر طاری تھی اور میں اس کو دیکھتا ہی تھا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے۔ اور ایک شخص اور کا نام لیا کہ وہ کہاں ہے تب میں نے اس وقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اس دوسرے شخص کی سزادہی کیلئے مامور کیا گیا ہے۔''

میں نے پہلے بتا دیا ہے کہ میں تو اسلام کو تلوار کا محتاج نہیں سمجھتا۔ اور جو شخص اسلام کے لیے تلوار سے کام لیتا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ لیکن پیشگوئی کا معاملہ الگ ہے۔ یہ باتیں تھیں جو اسلام کو زندہ اور غالب کرتی تھیں۔ بھلا غور کیجئے کہ لیکھرام والی پیشگوئی سے بھی آپ کی کوئی قوتِ ایمانی بڑھتی ہے یا نہیں؟ جس وقت لیکھرام کا قتل ہوا اس وقت تلاشیاں بھی ہوئیں لیکن کچھ نہ نکلا۔ لیکن پیشگوئیوں کے فہم میں بعض وقت غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے محمدی بیگم والی پیشگوئی پر خاص زور دیا۔ پھر بھی پوری نہ ہوئی۔ لیکن دیکھئے کہ رسول اللہ ﷺ خواب میں دیکھتے ہیں کہ حج کر رہے ہیں۔ آپ اس بنا پر چودہ سو آدمی کو لے کر حج کو نکلتے ہیں۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ تو بات یہ ہے کہ یہ کسی پیشگوئی کا کسی صورت میں پورا ہونا یا نہ ہونا کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔ یہ صرف قوتِ ایمانی کو بڑھانے والی بات ہے۔ اصل بات وہ ہے جو مرزا صاحب نے کی ہے، وہ بلند خیالات ہیں جو آپ نے پیدا کیے اور وہ خدمات اسلام ہیں جو آپ نے سرانجام دیں۔

اب میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں خدا کے لیے غور کیجئے۔ کیا ان خدمات اسلامی میں مرزا صاحب کا ساتھ دینا ضروری نہیں؟ مرزا صاحب اگر اپنے آپ کو رسولوں میں داخل کریں تو بیشک ان کو نہ مانو۔ لیکن اگر ان کا دعویٰ خادمِ اسلام ہونے کا ہے اور محض ان خدمات اسلام کے لیے وہ بلاتے ہیں تو پھر ان کا ساتھ دینے میں کیا حرج ہے؟ مشکلات کا مقابلہ کرنا مرد کا کام ہے۔ یہ بیعت کرنا کیا ہے؟ جس وقت کوئی شخص کوئی عہد کرتا ہے تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے۔ یہی بیعت ہے۔ سب سے زیادہ ضرورت اپنے اندر قوت ایمان پیدا کرنے کی ہے۔ صحابہؓ کے پاس کیا کوئی توپیں تھیں؟ نہیں۔ ان کی تلواریں کند تھیں۔ کیا چیز تھی جو سلطنتیں ان کے

سامنے جھکتی جاتی تھیں۔ یہ صرف قوت ایمانی ہی تھی۔ یہی قوت ہے جو جب تم باہر نکلتے ہو تو قوموں کو تمہارے سامنے گراتی ہے۔

تو میں کہتا ہوں کہ اگر تم کو اسلام کی یہ تصویر پسند ہے کہ معقولیت بھی رکھتا ہو، خوبصورتی بھی رکھتا ہو، سادہ بھی ہو اور وسعت بھی رکھتا ہو تو آؤ ہم سے ملو بیٹھو، دیکھو اور ہمارے مشوروں میں شامل ہو جاؤ۔ اگر تم کو کوئی بری بات ہم میں نظر آئے تو بیشک الگ ہو جاؤ۔ دیکھو کس دن کے انتظار میں ہو۔ سوچو غور کرو۔ کس وقت کے انتظار میں ہو۔ جب اسلام تباہ ہو جائے گا؟ اگر تم کو ہمارے کام میں کوئی بات نظر آئے، جو اسلام سے دور لے جانے والی ہو، تو میرا ذمہ۔ اور اگر تمام باتیں اسلام ہی کی ہیں تو پھر اس میں شامل ہونے میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہتے ہیں تم نے ''احمدی'' نام رکھ لیا ہے۔ جماعت ہوگی تو نام بھی ہوگا۔ بلا نام جماعت نہیں ہو سکتی۔ اور بلا جماعت کام نہیں ہو سکتا۔ اگر کہو کہ فرقہ بنا لیا ہے تو یہ غلط ہے۔ آج فرقے تو سب ایک دوسرے کو کافر بنانے لگے ہوئے ہیں۔ ہم تو کلمہ گو کو مسلمان قرار دیئے جانے پر زور لگا رہے ہیں۔ یہ فرقہ بندی نہیں۔ پھر ہمارے اصول وسیع ہیں۔ وہ کسی فرقہ کے اصول نہیں ہو سکتے۔ ہاں! اختلاف خیالات ہے۔ لیکن اگر ان غلطیوں سے، جو مسلمانوں میں آ گئی ہیں، اختلاف نہ کیا جائے تو ان کی اصلاح کس طرح ہوگی؟ غرض خدمت اسلام سے ہی بیرونی حملوں کا جواب ہو یا اندرونی غلطیوں کی اصلاح۔ اگر اس کو ضروری سمجھتے ہو۔ اور اسلام کی خدمت کے لیے ایک جماعت کی ضرورت مانتے ہو تو سوائے اس کے اور کوئی جماعت تمہیں نہ ملے گی۔ اگر اسلام کی خدمت کے لیے کوئی فوج تم نے دیکھنی ہو تو وہ یہی ایک جماعت ہے۔ اگر میں احمدیت کو یہ نہ سمجھوں کہ یہ اسلام کی خدمت اور حفاظت کے لیے ایک جماعت ہے، تو میں ہرگز اس کے ساتھ شامل نہ ہوں۔

جواہر ریزے:

(22 اپریل 1927ء) 1- مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتانے اور سائل کو ایذاء دینے سے اس شخص کی طرح اکارت مت کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے۔ اور اللہ اور آخرت کا یقین نہیں رکھتا۔ تو اس کی (خیرات کی) مثال چٹان کی سی ہے کہ اس پر کچھ تھوڑی سی مٹی پڑی ہے پھر اس پر برسا زور کا مینہ اور اس کو سپاٹ کر

کے بہا لے گیا (اسی طرح قیامت میں) ریاکاروں کو اس خیرات میں سے، جوانہوں نے کی تھی، کچھ بھی ہاتھ نہیں لگے گا۔ اور اللہ ان لوگوں کو، جو نعمت کی ناشکری کرتے ہیں ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (البقرہ 264:2)

2- مسلمانو! خدا کی راہ میں ان چیزوں میں سے خرچ کرو۔ جو تم نے (تجارت وغیرہ سے) آپ کمائی ہوں۔ یا ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہوں اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ لگو اس میں سے خرچ کرنے۔ حالانکہ وہی چیز کوئی تم کو دینی چاہے تو، تم اس کو کبھی (خوش دلی سے) نہ لو۔ مگر یہ کہ (دیدہ دانستہ) اس کے لینے میں چشم پوشی کرو۔ اور جانتے رہو کہ اللہ بے نیاز اور سزاوارِ حمد وثنا ہے۔ شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا اور شرم کی بات (یعنی بخل) پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اور اللہ اپنی طرف سے مغفرت اور برکت کا تم سے وعدہ فرماتا ہے۔ اور بڑی گنجائش والا اور سب کے حال سے واقف ہے۔ (البقرہ 268,267:2)

3- اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا (کہ اس سے دوسروں کو بھی ترغیب ہوتی ہے) اور اس کو چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے (کہ اس میں نام ونمود کا دخل نہیں ہونے پاتا) اور (ایسا دینا) تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو، اللہ اس سے خبردار ہے۔ (البقرہ 271:2)

4- جو لوگ رات دن چھپے اور ظاہر اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو ان (کے دیئے) کا ثواب ان کے پروردگار کے ہاں ملے گا اور (قیامت میں) ان پر نہ تو کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر ہوں گے۔ (البقرہ 274:2)

ارشادِ نبویؐ:

1- حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ ان بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔ (نسائی)

2-اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو اس کے بندوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری)

3-خدائے رحمان رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔ پس اہل زمین پر رحم کرو۔ تا وہ جو آسمان پر ہے تم پر رحم کرے۔ (ابوداؤد باب فی الرحمۃ)

4-وہ شخص یقیناً بدنصیب ہے جس کے دل سے رحم اٹھ گیا۔ (ترمذی باب رحمۃ الناس)

5-حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ میں نے جہنم میں قبیلہ حمیر کی ایک گندمی رنگ کی عورت کو دیکھا جسے صرف اس گناہ کی پاداش میں عذاب دیا جا رہا تھا کہ اس نے ایک بلی کو بھوکی پیاسی باندھے رکھا۔ اور اسے نہ کچھ کھانے کو دیا نہ اسے کھولا۔ تا وہ چوہے وغیرہ کھا لیتی۔ (مسند امام احمد)

6-حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایک بدکار عورت کو اللہ تعالیٰ نے محض اس لیے بخش دیا کہ اس نے ایک دفعہ ایک کنوئیں کے پاس ایک کتے کو زبان نکالے ہوئے دیکھا اور قریب تھا کہ پیاس کی شدت سے مر جائے۔ اس عورت نے اپنی جوتی نکال کر اپنی اوڑھنی سے باندھی اور کنوئیں میں سے پانی نکال کر اس کتے کو پلایا۔ اس پر وہ بخشی گئی۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ کیا جانوروں پر رحم کرنے کا بھی ثواب ہے۔ فرمایا ہر ایک جانور پر رحم کرنے سے اجر ملتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

7-حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جانوروں کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑانے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

❀ ❀ ❀

8 جون 1927ء

عدالت عالیہ پنجاب کا فیصلہ

مقدمہ رنگیلا رسول

یہ سلسلہ مرافعہ مہاشہ راجپال عدالت عالیہ کے جج مسٹر جسٹس کنور دلیپ سنگھ نے ''رنگیلا رسول'' کے مقدمہ میں مندرجہ ذیل فیصلہ صادر کیا ہے: اس مقدمہ میں عدالت سیشن نے مرافعہ گزار کو زیر دفعہ 153 الف تعزیرات ہند مجرم قرار دے کر چھ ماہ قید بامشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ قید کی سزا دی تھی۔ مرافعہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ تنقیحات مقدمہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا کہ ملزم سے کوئی ایسا جرم صادر ہوا، جس پر دفعہ 153 الف تعزیرات ہند کا اطلاق ہو سکے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ''جماعات'' سے مراد ''مذہبی جماعتیں'' نہیں بلکہ ''نسلیں'' ہیں۔ مجھے اس توضیح کے تسلیم کرنے میں تامل ہے۔ کیونکہ اس سے لفظ ''جماعات'' کے معنی اس طرح محدود ہو جاتے ہیں کہ اس کا ذکر دفعہ محولہ فوق میں موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ موجبات اپیل میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ کسی مذہبی مقتداء کی سیرت پر نکتہ چینی کرنا یا اس کی ہجو لکھنا اس دفعہ کی زد میں نہیں آتا۔ ابتدائی عدالت اس نتیجہ پر پہنچی کہ ملزم کا ارادہ یہی تھا کہ پیغمبر اسلام پر سفیہانہ حملہ کر کے انہیں ہدف نفرت و استہزا بنائے۔ ان کے عقائد کا مضحکہ اڑائے اور اس طرح ان کے متبعین کے احساسات کو صدمہ پہنچائے۔ اور اس لیے عدالت نے قرار دیا کہ اگر واقعی اس کا یہی ارادہ تھا تو اس نے یقیناً جرم زیر دفعہ 153 الف تعزیرات ہند کا ارتکاب کیا ہے۔ فاضل سیشن جج نے قرار دیا کہ رسالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تحریر میں عمداً ایسا پہلو اختیار کیا گیا ہے جس سے مسلمانوں کے مذہبی احساسات مجروح ہوئے ہیں۔

مرافعہ گزار کے وکیل نے بیان کیا ہے کہ کتاب سے اس ارادہ کا اظہار نہیں ہوتا۔ اور تصنیف کتاب سے صرف یہ مقصد ہے کہ تعدد ازدواج اور مختلف العمر اشخاص کی باہمی شادی کے مفاسد سے پردہ اٹھایا جائے۔ مگر میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ کتاب یقیناً بانی اسلام کی ہجو پر مشتمل ہے۔ لیکن مجھے اس میں کوئی بات ایسی نہیں ملی جس سے معلوم ہو سکے کہ اس کتاب کی تصنیف کا مقصد مذہب اسلام پر حملہ کرنا یا اہل اسلام کے خلاف نفرت پھیلانا

ہے۔ برعکس اس کے کتاب میں صراحتاً لکھا ہے کہ لوگوں کو محمد (ﷺ) کے اقوال پر عمل پیرانہ ہونا چاہئے اوران کے افعال کی پیروی نہ کرنا چاہئے۔ اس میں شک نہیں کہ کتاب کا طرز تحریر معاندانہ ہے۔ جس سے مسلمانوں کے احساسات مجروح ہونے کا احتمال ہے۔ بلکہ ان کے دلوں میں نفرت کے جذبات پیدا ہونے کا خیال بھی حق بجانب ہے۔ مگر سوال زیر بحث تو یہ ہے کہ کیا کسی مذہبی مقتداء کی سیرت کے متعلق ہجو آمیز بیانات شائع کرنا دفعہ 153 الف کی زد میں آتا ہے یا نہیں۔ جس جلسہ میں اس کتاب کے خلاف اظہار نفرت وملامت کیا گیا تھا، اس کے صدر کی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کتاب کے خلاف مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہوئے تھے۔ اوراس قسم کی کتاب کی اشاعت کا یہی نتیجہ ہوسکتا تھا۔ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ملزم اس کتاب کا مصنف نہیں، ناشر ہے۔ کتاب کے چار نسخے مسلمانوں نے خریدے اور باقی تمام جلدیں یا تو آریہ سماج کتب فروشوں یا آریہ سماج کے دیگر افراد کے ہاتھ فروخت ہوئیں۔

1- فاضل وکیل سرکار ممبئی ایل آر 22 صفحہ 166 اوراُور کی کتاب تعزیرات جلد اول صفحہ 804 اور آئی ایل آر کلکتہ 91 کے صفحہ 596 کا حوالہ دیا ہے۔ اوراس خیال کا اظہار کیا ہے کہ کسی مذہب کے بانی کی ہجو لکھنا اس مذہب کے پیروؤں کی توہین ہے۔ میرے خیال میں یہ ضروری نہیں۔

2- دوسری بات سرکاری وکیل نے یہ پیش کی ہے کہ کسی مذہبی پیشوا پر ایسے شخص کا حملہ کرنا جو اس مذہب سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ دفعہ 153 کی گرفت میں آتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ اس مذہبی پیشوا کی ہجو اس بنا پر کرتا ہے کہ وہ دوسرے مذہب کا پیرو ہے۔

3- وکیل سرکار نے اپنے دلائل میں یہ بھی کہا ہے کہ اس کتاب میں ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جن سے من حیث الجماعت مسلمانوں کی توہین متصور ہے۔ مگر مجھے کتاب میں ایسے الفاظ نظر نہیں آئے۔

4- اس نے بیان کیا ہے کہ یہ کتاب ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف

حقارت پیدا کر دے گی۔ نیز اس نے تسلیم کیا ہے کہ عدالتہائے ماتحت نے اس پہلو کو قطعی نظر انداز کر دیا ہے۔ وکیل سرکار کے جواب میں وکیل صفائی نے کہا ہے کہ حقارت وعداوت مترادف نہیں ہیں۔ اور دفعہ 144 تعزیرات ہند کے الفاظ دفعہ 153 الف سے وسیع تر ہیں۔ وکیل سرکار نے یہ بیان کیا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی کشیدگی اور مسلمانوں کے جوشیلے پن کو (جو دیگر اقوام کی نسبت زیادہ ہے) پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا صحیح ہے کہ مذہب اسلام کے بانی کی ہجو سے کسی اور مذہب مثلاً عیسائیت کے بانی کی ہجو کی نسبت نفرت وعداوت کے زیادہ جذبات پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ میں اس دلیل کو صحیح خیال نہیں کرتا کہ کسی جماعت کی جہالت یا دیوانگی کسی قانون پر اثر ڈال سکتی ہے۔ اس بنا پر جرم کی نوعیت کا بعض حالات میں شدید تر ہو جانا تو ممکن ہے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ ایک مذہب کے بانی کی توہین تو دفعہ 153 کی زد میں نہ آئے اور دوسرے مذہب کے بانی کے متعلق وہی الفاظ اس لیے اس دفعہ کی گرفت میں آ جائیں کہ ان سے اس مذہب کے متبعین کا نسبتاً زیادہ اشتعال میں آ نا ممکن ہے۔ اس امر کے متعلق کسی مذہب کے بانی کی ہجو اس صورت میں دفعہ 153 الف کی زد میں آ جاتی ہے، جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ ہجو کنندہ نے اختلاف مذہب کی بنا پر ہجو کی۔ میری رائے یہ ہے کہ جو شخص کسی بانی مذہب کا مقلّد ہے، وہ تو کبھی اس ہجو کو نہیں لکھے گا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوگا کہ جب کوئی ایسا شخص، جس کی نسبت یہ علم نہیں کہ وہ کس قوم یا مذہب سے تعلق رکھتا ہے؟ کسی بانی مذہب کی توہین کرے گا تو اس کے تمام معتقدین کے دلوں میں ان تمام اشخاص کے خلاف نفرت وحقارت پیدا ہوگی جو اس پیشوا کے منکر ہیں۔

میرا خیال ہے کہ دفعہ 153 الف ایسے وسیع معنی کے لیے وضع نہیں ہوئی۔ اور میری رائے میں تو یہ دفعہ صرف اس لیے وضع کی گئی ہے کہ کسی شخص یا اشخاص کو ایسی جماعت پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں، جو اس وقت زندہ ہے، نہ اس لیے کہ اس سے گزشتہ مذہبی رہنماؤں کے خلاف حملوں کو روکا جائے۔ خواہ یہ حملے کیسے ہی شر انگیز اور

سفیہانہ کیوں نہ ہوں۔ مثلاً اگر مسلمانوں کی ناراضی اوران کے اشتعال جذبات ہی کو دفعہ 153 الف کے اطلاق یا عدم اطلاق کا معیار مقرر کرلیا جائے، تو تاریخ کی کوئی کتاب، جس میں مصنف نے پیغمبر کی سیرت پر غور کرنے کے بعدان کے متعلق کوئی رائے لکھی، ہو دفعہ 153 الف کی زد میں آ سکتی ہے۔

پس میں یہ رائے قائم نہیں کرسکتا کہ دفعہ 153 الف اس لئے وضع کی گئی تھی کہ اس سے گزشتہ مذہبی رہنماؤں کی حیات وسیرت کو اعتراضات ونکتہ چینی سے بچانے کا کام لیا جائے۔ میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ کتاب زیر بحث میں ایسا طریق اختیار کیا گیا ہے جس سے ہر قوم کے صحیح المذاق افراد کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اوراس سے بعض مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچنا بھی یقینی ہے۔ لیکن میں یہ رائے قائم نہیں کرسکتا کہ یہ کتاب یقیناً ملک معظم کی رعایا کے دوطبقوں کے درمیان نفرت وعناد کے جذبات پیدا ہونے کا باعث ہوگی۔ اغلب ہے کہ یہ نتیجہ بھی اس سے پیدا ہو۔ لیکن اسے دفعہ کے اطلاق کا معیار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ فاضل سرکاری وکیل نے تسلیم کیا ہے کہ تعزیرات ہند کی کوئی اور دفعہ اس پر حاوی نہیں۔ 22 ممبئی ایل آر 126 کے مقدمہ میں دفعہ 153 الف عائد کی گئی ہے۔ مگراس مقدمہ میں ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ، جس شخص کی طرف سے تھا۔ وہ بقید حیات تھا۔ اس لئے مقدمہ مذکورہ میں دفعہ 153 الف کا اطلاق صحیح ہے۔ میری رائے میں دفعہ 297 کے ساتھ اس مضمون کا ایک فقرہ بڑھا دیا جائے کہ کسی شخص کے مذہبی احساسات کو مجروح کرنے کے ارادہ سے کتب ورسائل شائع کرنا اورکسی مذہب کی توہین کرنا جرم قرار دیا جائے۔ مجھے افسوس ہے کہ تعزیرات میں کوئی ایسی دفعہ موجود نہیں اور میں اس مقدمہ میں دفعہ 153 الف کا اطلاق صحیح نہیں سمجھتا۔ لہٰذا میں مرافعہ کو منظور کرتے ہوئے سائل کو بری کرتا ہوں۔

29 ذیقعدہ 1345ھ

ہنگامۂ لاہور اور ہندو لیڈر

(حضرت مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور کے قلم سے)

ہندو مسلم فسادات لاہور کے متعلق میں بھی چند الفاظ رہنمایانِ ملک کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ گو اس میں شک نہیں کہ جب عوام الناس میں آگ لگ جائے تو رہنماؤں کے اختیار سے بات نکل جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی اگر فسادات لاہور کی آخری ذمہ داری کسی گروہ پر عائد ہوتی ہے تو وہ رہنمایان قوم ہیں۔ فساد کا ابتدائی مرحلہ ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت اگر لیڈر ذمہ داری کے تنگ دائرہ سے نکل کر ملک و قوم کے وسیع مفاد کو نظر کے سامنے رکھیں تو وہ حالت کو بہت حد تک سنبھال سکتے ہیں۔ مگر وہ لیڈر، جن کی زبان اور قلم کے چند الفاظ جلتی ہوئی آگ پر پانی کا کام دے سکتے ہیں، موقع پر یا خاموش رہتے ہیں یا اندر بیٹھ کر عوام الناس کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں۔ چنانچہ موجودہ فساد میں گو آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہر طرف سے لیڈر، ''بے گناہ خون'' کا جو گرایا گیا، رونا روتے ہیں اور اس پر نفرت کرتے ہیں، لیکن جس وقت ''بے گناہ خون'' کے گرانے پر افسوس کا وقت تھا، جب ان لیڈروں کی دو سطروں کا ایک اشتہار عوام الناس کے سارے جوش کو دبا دیتا، اس وقت وہ ایسے خاموش تھے کہ گویا ان کے نزدیک ''بے گناہ خون'' کے گرانے ہی میں ان کی قوم کی زندگی اور عزت تھی!

ہندو لیڈروں کی مجرمانہ خاموشی:

میں یقین واثق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر 4 مئی کی صبح کو، جب پہلا بے گناہ خون گرایا گیا تھا بڑے بڑے ہندو لیڈر جو اس وقت بے گناہ خون کے گرائے جانے پر روتے ہوئے نظر آتے ہیں دو سطر کا اعلان کر دیتے کہ ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کے بے گناہ خون کے گرائے جانے پر افسوس ہے اور ہم قاتلوں کے فعل پر اظہار نفرت کرتے ہیں تو فساد کی آگ فوراً دب جاتی۔ اور ہندو مسلمان دونوں قوموں کو ایک دوسرے پر اعتماد پیدا ہو جاتا۔ مگر فی الواقع جو کچھ ہوا وہ، جیسا کہ بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے، ایک قسم کا اظہار مسرت تھا۔ چنانچہ ایک

معزز ہندو دوست نے بیان کیا کہ جب انہوں نے ایک سکھ دوست سے اظہار افسوس کرتے ہوئے یہ کہا کہ یہ کیا ہوا؟ تو انہوں نے بے ساختہ جواب دیا کہ ''کی ہویا خالصہ جی نے چار ترک جھٹکائی دتے''، یعنی سکھوں نے چار مسلمانوں کا جھٹکا کر دیا۔ اور اسی دن 4 مئی کو ایک معزز ہندو طبقہ کے وکلاء میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مسلمانوں کی بہادری کے قصے سنا کرتے تھے مگر انہوں نے کچھ ہمت نہ دکھائی! میں اگر کسی ایک واقعہ کی طرف ان فسادات کو منسوب کرسکتا ہوں تو وہ سات مسلمانوں کا کرپانوں سے زخمی کیا جانا ہی نہیں (چہ جائیکہ اسے ایک مسلمان مرد اور ایک سکھ عورت کے جھگڑے کی طرف منسوب کیا جائے) کیونکہ باوجود اس کے بھی فساد رک سکتا تھا بلکہ وہ ہندو لیڈروں کی مجرمانہ خاموشی ہے جو انہوں نے اس ''بے گناہ خون'' کے گرائے جانے پر اختیار کی۔ اگر آج واقعی ''بے گناہ خون'' کے گرائے جانے پر ان لیڈروں کے خون کے آنسو بہہ رہے ہیں تو یہ اس وقت گرائے جانے چاہئے تھے جب سب سے پہلا ''بے گناہ'' خون گرایا گیا۔ مگر چونکہ وہ مسلمانوں کا خون تھا اور غالباً ہندو لیڈروں کے نزدیک مسلمان کبھی بے گناہ نہیں ہوسکتا، اس لئے وہ دن بے گناہ خون گرانے والوں کی ہمت افزائی میں گذرا میں یہ بھی مانتا ہوں کہ قوموں میں ذلیل اور کمینہ خیالات کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر چند ایسے لوگوں کے مقابلہ پر قوم کا بہتر عنصر غالب ہو تو کچھ نہیں بگڑتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہندوؤں کو یہ یقین نہ تھا کہ یہ مسلمان بے گناہ ہیں تو بعد میں جو لوگ مارے گئے ان کے متعلق بے گناہی کا یقین کس طرح ہو گیا؟ ان کی بے گناہی تو اظہر من الشمس تھی۔ اگر کوئی دنگا ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ ایک بھی ہندو یا سکھ زخمی نہ ہوتا۔

مسلمان بزدل نہیں ہوا کرتا:

جس طرح سات مسلمان کرپانوں کا شکار ہو گئے تھے، اتنے ہی ہندو اس رات مارے جاتے اور مسلمان کوئی زخمی تک نہ ہوتا تو صبح کو ہندو لیڈروں اور اخباروں کی آوازوں سے آسمان کے پردے پھٹ جاتے اور ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک واویلا مچ جاتا کہ ہندو قوم بے گناہ ماری گئی۔ کیا اس موٹی بات سے ان تین مسلمان شہداء کی بے گناہی ثابت نہیں ہوتی کہ تین مرتے اور چار خطرناک طور پر زخمی ہوتے ہیں۔ اور بالمقابل ایک بھی سکھ یا ہندو نہیں جس کو ذرا سی بھی ضرب لگی ہو۔ آخر یہ انسان تھے اور انسان بھی مسلمان۔ اور مسلمان مقابلہ کے وقت کبھی پیٹھ دکھا کر بھاگتا ہوا نہیں مارا جاتا۔ اگر وہ غفلت کی حالت میں نہ پکڑ لیے جاتے اور

جیسا کہ کہانی بنائی گئی ہے سکھوں اور مسلمانوں میں فساد ہوتا تو اتنے مسلمان ایک بھی دشمن کو زخمی کیے بغیر مر نہ جاتے ۔ بلکہ کچھ مرتے تو دو چند تعداد کو لے کر ہی مرتے ۔مسلمان ایسے بزدل نہیں کہ پہلے خود فساد کے لیے آمادہ ہوں اور پھر جب دشمن کا ہاتھ ان پر اٹھے تو کانپتے ہوئے دشمن کے سامنے گر جائیں ۔اور نہ جنگ کے موقع پر مسلمان پیٹھ دکھانے والی قوم ہے۔اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ایک ہی سکھ تھا، جس نے اتنے مسلمانوں کو، جو اس پر حملہ آور ہوئے تھے، مار ڈالا۔ چاہیئے تھا کہ اس سکھ کی پرستش کی جاتی جو سات مسلمانوں کا صفایا کر دیتا ہے اور خود اس کی انگلی کو بھی چوٹ نہیں لگتی ۔غرض واقعات تو صریح تھے کہ بے گناہ نہتے غفلت کی حالت میں جب مسجد سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے، ظالم وحشیوں کی چھریوں کا شکار ہوئے ۔لیکن ہندو لیڈر اگر مسلمانوں کے قتل ہونے پر اظہار ہمدردی کرتے تو انہیں ہندو کون کہتا اور جن کو پہلے خود اکساتے رہے تھے انہیں کس منہ سے جا کر یہ کہتے کہ تم نے یہ بُرا کام کیا اور ہندو مہا سبھا میں لیڈری کی کرسی انہیں کس طرح ملتی؟

ہندو اور مسلمان لیڈروں میں فرق:

افسوس یہ ہے کہ یہ پہلا واقعہ نہیں ۔ جب ہندو لیڈروں نے اپنی قوم کے قاتلوں کی حمایت میں ناانصافی سے کام لیا ہے۔ میں زیادہ مثالیں تو اس وقت بیان نہیں کرتا۔صرف ایک دہلی کا واقعہ ہی لیجیے ۔ادھر سوامی شردھانند مارے جاتے ہیں، ادھر ہندو قوم جوش میں آ کر ایک گھنٹہ کے اندر اندر چار مسلمانوں کو ادھ موا کر دیتی ہے۔اور ایک ان میں سے جان سے بھی گزر جاتا ہے کہنے کو تو مسلمان قوم بہت جوشیلی قوم کہلاتی ہے۔اور مذہبی دیوانگی کا فتویٰ بھی ہمارے مہربان مسلمانوں پر دینے کو تیار ہو جاتے ہیں ۔مگر عملاً فرق دیکھئے کہ سوامی شردھانند کے قتل پر دہلی کے ہندو معاً جوش میں آ کر چار مسلمانوں کو پیٹتے اور ایک کو جان سے مار دیتے ہیں ۔لیکن لاہور میں سات مسلمانوں کا خون بہائے جانے کی خبر پر اور تین کے شہید ہو جانے کی خبر پر اڑھائی لاکھ مسلمان اپنے جذبات کو دبائے رکھتے ہیں ۔اور قریباً 24 گھنٹے تک کسی ہندو پر ہاتھ نہیں اٹھاتے ۔ مذہبی دیوانگی جس قوم کے نام لگی ہوئی ہے وہ تو سات مسلمانوں کے خون پر دم بخود رہتی ہے اور جو قوم اپنے آپ کو بہت ٹھنڈا ظاہر کرتی ہے، وہ ایک آدمی کے خون پر بھی خاموش نہیں رہ سکتی! اس سے بھی زیادہ افسوسناک یہ واقعہ ہے کہ جہاں مسلمان لیڈروں نے جنوب سے لے کر شمال تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک سوامی شردھانند کے قتل کی خبر پہنچتے ہی اس فعل کے

کرنے والے سے جو ان کا ہم قوم تھا اظہار نفرت کیا۔ مسلمانوں کے صدہا مطالبات کے باوجود مفتی محبوب علی کی بے گناہ شہادت پر ایک ہندو لیڈر کا قلم بھی جنبش میں نہ آیا۔ یہاں تک کہ گاندھی جیسے آدمی نے بھی صاف الفاظ میں مفتی محبوب علی کی موت پر اظہار افسوس سے انکار کیا۔ میرے پاس ان کی چٹھی موجود ہے۔

مسلمانوں کا صبر وتحمل:

اب مسلمانوں کے دلوں میں یہ رنج پہلے سے موجود تھا کہ ان کے بے گناہ ہم قوم کے قتل پر ہندو لیڈروں کی زبان سے ہمدردی کا لفظ نہیں نکلتا۔ ہندو بے گناہ مارا جائے تو مسلمان قتل بے گناہ پر اظہار افسوس کریں۔ اور اس موقع پر جو مسلمان مارا گیا اس پر بڑے سے بڑا ہندو بھی مسلمان سے اظہار ہمدردی نہ کر سکا۔ آخر ہر ایک قوم غیرت رکھتی ہے۔ اگر ہندو مسلمانوں سے وہ سلوک نہیں کرتے جس کی خود ان سے توقع رکھتے ہیں تو ہندو مسلم اتحاد کے سب گیت نرے لفظ ہیں۔ جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ علاوہ ازیں اگر مسلمان بے گناہوں کے خون پر ہندو لیڈروں کی زبان یا قلم سے ایک لفظ تک ایسا نہیں نکل سکتا تو کیا ہندو عوام پر اس کا یہ اثر نہ ہوگا کہ لیڈر درحقیقت ایسے حالات میں ان کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں۔ اور فی الحقیقت وہ ایسا سمجھ رہے ہیں۔ اس پہلے واقعہ کے رنج کے ساتھ اس دوسرے واقعہ کو ملاؤ کہ ایک ہی رات میں سات مسلمانوں کا، جو مسجد سے نماز پڑھ کر نکلتے ہیں اور نہتے ہیں، سکھوں کی کرپانوں سے خون بہہ جاتا ہے۔ اور تین فوراً مر جاتے ہیں۔ مگر مسلمان اپنے بے گناہ بھائیوں کے خون پر بھی خاموش ہیں اور ایک رات اور ایک دن پورا گزر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ان شہیدوں کا جنازہ نکلتا ہے تو ہندو قوم کے بعض افراد سے ایک ایسی کمینہ حرکت کا ارتکاب ہوتا ہے جس سے ذلیل تر اور کوئی کمینگی نہیں۔ یعنی ان بے گناہوں کے جنازوں پر اینٹیں برسائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جنازہ سے واپسی پر ابتداء کس قوم کی طرف سے ہوئی۔ اس تاریکی میں، جو 4 مئی کی شام سے شروع ہوئی، بہت سے اور بے گناہوں کا خون بہا۔ وہ خواہ ہندو تھے یا سکھ یا مسلمان۔ قوم کے جن جن افراد کی طرف سے ایسی حرکات کا ارتکاب ہوا ان سے ہر ایک عقلمند اظہار بیزاری کر رہا ہے۔ لیکن اس اظہار بیزاری کا کیا فائدہ ہے؟ ہندو مر جائیں تو اظہار بیزاری یاد آتا ہے۔ مسلمان مر جائیں تو اندر ہی اندر خوش ہوتے ہیں!

ہندو لیڈروں کی افسوسناک ذہنیت:

میں یہ صاف کہنا چاہتا ہوں کہ ہندوقوم کے لیڈروں کی ذہنیت ایسی ہوگئی ہے کہ جب تک وہ تبدیل نہ ہوان فسادات کا سدّ باب کبھی نہیں ہوسکتا۔ سوامی شردھانند کے قتل پر مسلمانوں نے اظہار افسوس کیا تو ہندو اخباروں نے، بجائے اسے ہمدردی کے رنگ میں لینے کے اور شکرگزاری دکھانے کے، حالانکہ ایک کے بدلے ایک کو مار چکے تھے۔ اور تین کوزخمی بھی کر چکے تھے، یہ کہا کہ اظہار ہمدردی منافقانہ ہے۔ گویا ظاہر کیا کہ مسلمانوں نے محض ہندوؤں سے ڈر کر اظہار ہمدردی کیا۔ اور ان کے نزدیک مسلمانوں کے خون کی کوئی وقعت ہی نہیں۔ مسلمان بہت کچھ برداشت کرلیں گے مگر ڈرپوک کہلانا وہ برداشت نہ کریں گے۔ اور نہ ذلیل ہوکر رہنا برداشت کریں گے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کون باغیرت مسلمان ہوگا جو اپنی سچی اظہار ہمدردی کو اس روشنی میں لانے کی وجہ سے آئندہ غیرت نہ دکھائے۔ آئندہ مسلمان اگر بے گناہ قتل پر اظہار افسوس نہ کریں تو ہندو رہنمایانِ قوم یہ یاد رکھیں کہ اس کی ذمہ داری خود ان پر ہے۔ کیونکہ مسلمانوں میں اور نقص خواہ کتنے ہی ہوں لیکن وہ چال اور فریب سے اپنا کام نکالنا نہیں جانتے۔ وہ غلطیاں کرلیتے ہیں مگر ان کی غلطیاں سادگی اور جوش سے وقوع میں آتی ہیں۔ وہ منافق نہیں ہیں نہ اپنے متعلق یہ لفظ سننا چاہتے ہیں۔ خود ہندو لیڈر وطنیت کے حقوق کو بالائے طاق رکھ کر انسانیت کا حق بھی ادا نہیں کرسکتے کہ اپنے بھائی کے بے گناہ خون کے گرنے پر ان کے دلوں میں درد پیدا ہو۔ اگر وہ مسلمانوں کی ہمدردی کو ان کی منافقت پر مبنی سمجھتے ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ اس ذہنیت کے ہوتے ہوئے ہندو مسلمان فسادات کا خاتمہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ ہندو لیڈر یہ بھی یاد رکھیں کہ وہ اپنے ان افعال سے اپنی قوم کے ناعاقبت اندیش مفسدوں کی تائید کرکے فسادات کے معاون ہورہے ہیں۔ اوران فسادات سے باوجود ڈاکٹر مونجی اور لالہ راج پت رائے کی تقریروں کے ہندوقوم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ نہ پبلک کو کوئی فائدہ پہنچے گا۔

قدیم باشندوں سے ہندوؤں کا سلوک:

(31 ستمبر 1927ء) مسٹر ایل سی نائر نے ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' میں برہمنوں کے اس عام سلوک کی شکایت کی ہے جو قدیم ہندوؤں کے ساتھ وہ روا رکھتے اور انہیں اچھوت قرار دے کر نہایت نفرت کا برتاؤ ان کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان عام شاہراہوں پر بھی انہیں چلنے نہیں دیتے جو برہمنوں کے لیے مخصوص ہیں۔ نہ ان کے بچوں کو اپنے مدارس میں داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ مسٹر نائر نے گورنمنٹ سے استدعا

کی ہے کہ وہ ایک ایسا قانون نافذ کرے جس کی رو سے برہمنوں کے اس ناواجب سلوک کو مجرمانہ قرار دیا جائے اور ہندوستان کے یہ قدیم باشندے بھی انسانیت کے سلوک کے مستحق ہوسکیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس قانون میں اس بات کو بھی واضح کر دیا جائے کہ جس سکول میں اچھوت لوگوں کو داخلہ کی اجازت نہ دی جائے گی، وہ اس سرکاری امداد کا مستحق نہ سمجھا جائے گا، جو محکمۂ تعلیم کی طرف سے امدادی سکولوں کو ملتی ہے۔

اس شرمناک سلوک میں، جو قدیم ہندوؤں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے، ہمیں ان سے گہری ہمدردی ہے۔ لیکن اس کا جو علاج انہوں نے تجویز کیا ہے وہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ ہندو مذہب کے اندر رہ کر اگر وہ چاہیں کہ برہمن یا اعلیٰ ذاتوں کے ہندو اُن سے نفرت وحقارت کا برتاؤ کرنا چھوڑ دیں۔ تو یہ ایک محال امر ہے۔ خواہ قانونی امداد ہی انہیں حاصل ہو جائے۔ ہندو سوسائٹی ہرگز اس بات کو قبول نہیں کر سکتی کہ ایک اچھوت کو وہی حقوق حاصل ہوں جو ایک برہمن کو حاصل ہیں۔ اور گورنمنٹ کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتی جس کا اثر کسی قوم کے مذہب پر پڑتا ہو۔ سوائے اس کے کہ اس مذہب سے انسان کی جان کو خطرہ ہو۔ جیسے ستی اور انسانی قربانی کی قدیم ہندوانہ رسم کا انسداد کیا گیا۔

اچھوت یا قدیم باشندوں کو اگر موجودہ ذلّت سے نکلنا ہے تو اس کا ایک ہی طریق ہے کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر اسلامی برادری میں شامل ہو جائیں۔ جہاں اچھوت اور غیر اچھوت کا کوئی فرق پایا نہیں جاتا۔

کہاں ہیں ہمارے وہ آریہ سماجی دوست، جو مسلمانوں پر جبر وتشدد کا الزام لگانے کے عادی ہیں۔ ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے ان قدیم باشندوں کے ساتھ، جن کی نمائندگی مسٹر نائر کی ہے، اس قسم کی ذلّت اور جبر وتشدد کا برتاؤ کن لوگوں کی طرف سے ہو رہا ہے؟ کیا یہ حیرتناک بات نہیں ہے کہ ایک قوم سے، جو اس ملک کی سب سے پہلی مالک ہے اور جس کو ہندوستان کی وطنیت پر آریہ لوگوں سے بڑھ کر ناز ہونا چاہیئے، ہزارہا سال سے اس ذلّت کا سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔ اور انہیں کبھی سر اٹھانے کی بھی اجازت نہیں دی جاتی۔ آہ! ان لوگوں کی کتنی نسلیں اس ذلت ونکبت میں اپنی زندگی بسر کر کے تباہ ہو چکی ہیں۔ اور نہ معلوم ابھی اور کتنی نسلیں اسی شرمناک سلوک کا آماجگاہ ہوں گی۔ کاش! مسلمان اس طرف متوجہ ہوں اور ان بے کس انسانوں کو ایسی ذلیل

غلامی سے نکالنے کی کوشش کریں۔ (دوست محمد)

نیپال میں مذہبی بندش کا قانون:

''پرتاپ'' نے اخبار ''گورکھامی'' سے یہ خبر نقل کی ہے گورنمنٹ نیپال نے ایک قانون نافذ کیا ہے جس کی رو سے ریاست نیپال میں کوئی آریہ سماج، برہما سماج، رادھا کشن پنتھ، جھٹا پٹا، جین، ناستک پنتھ، کبیر پنتھ، عیسائیت اور اسلام وغیرہ کا پرچار نہ کر سکے گا اور نہ کسی آدمی کو شدھ کیا جائے گا۔ جب کوئی موجودہ سناتن دھرم سے دست بردار ہوگا تو سرکار اس پر غور کرے گی اور ان لوگوں کو تین سال قید سخت کی سزا دے گی۔

اگر یہی قانون کسی اسلامی ریاست کی طرف سے نافذ ہوتا تو تمام ہندو پریس زمین آسمان سر پر اٹھا لیتا اور اسلام کو جبر و تشدد کا مذہب ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا۔ لیکن ریاست نیپال کے اس قانون پر ''پرتاپ'' نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ نہ اس کے خلاف آواز بلند کی۔ کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ آریہ سماج کو ریاست نیپال کے اس قانون سے اتفاق ہے؟

فی الحقیقت یہ سب شدھی کی برکات ہیں۔ جہاں جہاں آریہ سماج نے شدھی کی تلقین شروع کی ہے، وہیں فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ریاست نیپال نے اس کو روکنے کے لیے تمام مذاہب کے پرچار کو روک دیا۔ حالانکہ قانون اگر چاہیئے تھا تو شدھی کے غیر واجب طریق کے خلاف چاہیئے تھا۔ جو فتنہ و فساد کا موجب ہوتا ہے۔ تمام مذاہب کو تعلیم و تلقین سے روک دینا اور ایک عام مذہبی بندش اور جبر کا قانون نافذ کر دینا پرلے درجہ کی جہالت کا ثبوت دینا ہے۔ ضرورت ہے کہ مسیحی اور مسلم پریس اس قانون کے خلاف ایک متحدہ آواز بلند کرے کہ ان دونوں مذاہب کی تبلیغ کا کوئی ناخوشگوار اثر آج تک ہندوستان کے کسی گوشہ میں دکھائی نہیں دیا۔ اور اسی وجہ سے انہیں ہر جگہ تلقین و تبلیغ کی پوری آزادی حاصل ہے۔ سوائے اس کے کہ بعض ہندو ریاستوں نے آریہ سماجی اثر کے ماتحت اسلام پر ایسی بندشیں عائد کر دی ہیں جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ (دوست محمد)

غلام ربانی صاحب کا مکتوب:

آپ حضرت امیر کی خدمت میں لکھتے ہیں بعد سلام مسنون عرض ہے کہ آج جناب آفیسر دفتر تحصیل کی

چٹھی خاکسار کے نام موصول ہوئی۔جس میں حضور کی طرف سے ارشاد تھا کہ جرمن مشن نازک حالت میں ہے۔ اور جناب نے حکم دیا ہے کہ میں علاوہ چندہ مقررہ ماہوار کے 12 روپیہ سالانہ مزید چندہ اضافہ کروں۔ عالی جاہ مجھے بسروچشم منظور ہے۔ ساتھ ہی عرض ہے کہ شاید آپ میری حالت جانتے ہی ہوں گے۔ میں غریب آدمی ہوں۔ ماہواری اپنی آمدنی کا ایک حصہ جو دیتا ہوں وہ دیتا ہوں۔ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔حضور کی یہ تحریک محض خدا کے لیے ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے نام کو جرمنی میں روشن کرنے کے لیے ہے۔ یہ ذمہ داری صرف جناب پر نہیں بلکہ سب کلمہ گو ذمہ دار ہیں۔اس لیے میرے اگر 12 روپے سالانہ دینے سے قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ کے نام کے لیے جرمنی میں تبلیغ کا کام جاری رہ سکتا ہے تو پھر میں انشاءاللہ اس رقم کو اس طرح پورا کروں گا۔

اگر میں چھوٹے بچوں کو دوسرے دن پیسہ پیسہ دیتا ہوں تو چوتھے دن دیا کروں گا۔اگر میں چائے استعمال کرتا ہوں تو چینی کے بجائے ذرا سا نمک کبھی کبھی ڈال لیا کروں گا۔اگر میں دس دن کے بعد کپڑے بدلتا ہوں تو بارہ دن کے بعد بدلوں گا۔ اگر میں ایک جوتی چار ماہ کے بعد لاتا ہوں تو پانچ ماہ تک اسی پرانی جوتی میں گزارہ کروں گا۔اگر میں کبھی انٹر کلاس میں سفر کرتا ہوں تو تھرڈ کلاس میں سفر کرلوں گا۔اگر میں ہفتہ میں دس دفعہ گوشت کھاتا ہوں تو دو تین دفعہ دال استعمال کرلوں گا۔اگر میں دال کھاتا ہوں تو کبھی کبھی اچار استعمال کرلوں گا اور جو بچت آئے گی وہ اسلام کی حمایت اور اشاعت کے فنڈ میں داخل کر دیا کروں گا۔صحابہؓ نے اپنے سر پیش کیے تھے۔اور اگر ہم اتنی تکلیف بھی اس وقت، جبکہ اسلام مصائب کا آماجگاہ بن چکا ہے، برداشت نہیں کر سکتے تو پھر اس لَایَسْتَوِی الْقَاعِدُوْن مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (95:4) کے فتویٰ کے نیچے ہیں۔اور پھر حیف ہے ہماری زندگی پر اور ہمارے دعویٰ مسلمانی پر!۔ یہ الفاظ میں سچے اخلاص اور رقت بھرے دل سے لکھ رہا ہوں۔ اگر اسلام کا درد رکھنے والے دوست ذرا توجہ کریں تو تمام مشکلیں حل ہوسکتی ہیں۔

خاکسار **غلام ربانی**

کچہری۔راولپنڈی

❀ ❀ ❀

7 ذی الحجہ 1345ھ

اداریہ

عدالت عالیہ پنجاب کا عجیب وغریب فیصلہ

مقدمہ ''رنگیلا رسول'' میں عدالت عالیہ پنجاب کے جج مسٹر کنور دلیپ سنگھ نے جو فیصلہ صادر کیا ہے اس کا ترجمہ آج کی اشاعت میں کسی دوسری جگہ درج ہے۔ عدالت عالیہ پنجاب کے اس عجوبہ روزگار فیصلہ میں جس منطق سے کام لیا گیا ہے وہ کم ازکم ہماری ناقص سمجھ سے تو بالاتر ہے۔

فاضل جج کا ارشاد ہے کہ ''کتاب یقیناً بانی اسلام کی ہجو پر مشتمل ہے''۔ لیکن اس سے اگلی ہی سطر میں لکھتے ہیں

> ''لیکن مجھے اس میں کوئی بات ایسی نہیں ملی جس سے معلوم ہو سکے کہ اس کتاب کی تصنیف کا مقصد مذہب اسلام پر حملہ کرنا یا اہل اسلام کے خلاف نفرت پھیلانا ہے''۔

گویا جج صاحب کی نگاہ میں اگر کسی مذہب کے بانی پر ہجو آمیز حملے کیے جائیں اور اس کی عملی زندگی کو تاریک سے تاریک صورت میں پیش کیا جائے تو اس سے نہ تو اس کے قائم کردہ مذہب پر حملہ ہوتا ہے۔ اور نہ اس کے پیروؤں کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ سبحان اللہ! کیا اچھوتا نکتہ ہے۔ جب ایک بانی مذہب کو ''عیاش'' ''رنگیلا'' ''شہوت پرست'' ''ڈاکو'' ''لٹیرا'' ظاہر کیا جائے تو اس قسم کے گندے اور دشنام آمیز خطابات، جہاں اس مذہب کے لیے ہجو غلیظ سمجھے جائیں گے، وہاں اس کے مذہب کے لیے بھی توہین آمیز تصور کئے جائیں گے۔ کیونکہ اس منطق سے نادان سے نادان بھی واقف ہے کہ جیسا خود بانی مذہب ہوگا، ویسا ہی اس کا قائم کردہ مذہب بھی ہوگا۔ کسی مذہب کے بانی کی زندگی اس کے مذہب کی تعلیمات کا صحیح نقشہ ہوتی ہے اور اہل اسلام کا تو خصوصیت سے یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ پس بانی مذہب کی عملی زندگی کی توہین وتذلیل کرنا خود اس کے قائم کردہ مذہب کی توہین وتذلیل کرنا ہے۔ اور یہ امر تو مسلّم ہے کہ جب

کسی مذہب کی تعلیمات اوراس کے بانی کے خیالات وحالات کونفرت انگیز رنگ میں کسی قوم کے سامنے پیش کیا جائے گا، تو اس قوم کواس مذہب کے پیروؤں سے نفرت ہو جائے گی۔ پس بانی اسلام پرحملہ کرنا مذہب اسلام پر حملہ کرنا ہے۔ اور بانی اسلام کے متعلق ہجوآمیز اورنفرت انگیز بیانات شائع کرنا اہل اسلام کے خلاف نفرت پھیلانا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اہل اسلام کو بھی اس فرقہ سے نفرت ہو جانا یقینی ہے جو ایسا گندہ لٹریچر شائع کرتا ہے۔ کوئی صاحب فہم وعقل اس سیدھی سادی بات سے انکار نہیں کرسکتا۔ خود فاضل جج نے بھی چند سطور آگے چل کر اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے

''اس میں شک نہیں کہ کتاب کا طرز تحریر معاندانہ ہے جس سے مسلمانوں کے احساسات مجروح ہونے کا احتمال ہے۔ بلکہ ان کے دلوں میں نفرت کے جذبات پیدا ہونے کا خیال بھی حق بجانب ہے''۔

پھر آگے چل کر لکھا ہے

''کتاب زیر بحث میں ایسا طریق اختیار کیا گیا ہے کہ جس سے ہر قوم کے صحیح المذاق افراد کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اوراس سے بعض مسلمانوں کے مذہبی جذبات کوصدمہ پہنچنا بھی یقینی ہے''۔

باوجود ان سب باتوں کے تسلیم کرنے کے جج مذکور کا یہ فقرہ کس قدر تعجب انگیز ہے

''میں یہ رائے قائم نہیں کرسکتا کہ یہ کتاب یقیناً ملک معظم کی رعایا کے دو طبقوں کے درمیان نفرت وعناد کے جذبات پیدا ہونے کا باعث ہوگی''۔

فاضل جج کواس بات کا اعترف ہے کہ ''کتاب یقیناً بانی اسلام کی ہجو پر مشتمل ہے''۔ آپ اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ

''کتاب کا طرز تحریر معاندانہ ہے۔ جس سے مسلمانوں کے احساسات مجروح ہونے اور ان کے دلوں میں نفرت کے جذبات پیدا ہونے کا خیال بھی حق بجانب ہے''

آپ کو اس بات سے بھی انکار نہیں کہ ''اس سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچنا بھی یقینی ہے''۔ لیکن اس کے باوجود آپ کتاب کو ''ملک معظم کی رعایا کے دو طبقوں کے درمیان نفرت وعناد کے جذبات پیدا کرنے کا باعث'' نہیں سمجھتے۔ اور سائل کو یہ کہہ کر بری کر دیتے ہیں کہ مقدمہ مذکورہ میں دفعہ 153 الف کا اطلاق صحیح نہیں۔ اور تعزیرات ہند میں اور کوئی ایسی دفعہ نہیں جس سے گزشتہ مذہبی رہنماؤں کی حیات و سیرت کو کمینہ اور دلآزار حملوں سے بچانے کا کام لیا جائے۔ گویا دنیا کی سب سے بڑی حکومت کا مجموعہ تعزیرات ایسی دفعہ سے یکسر خالی ہے۔ جس کے ماتحت مقدس بانیان مذاہب کی توہین وتذلیل کرنے والے مجرموں کو سزا دی جا سکے۔ اور جب تک دفعہ 297 میں وہ اضافہ نہ کیا جائے جس کی سفارش فاضل جج نے کی ہے، اس وقت تک بدزبانوں کو عام اجازت ہے کہ وہ ''رنگیلا رسول'' اور اس قبیل کی دیگر ناپاک کتابیں شائع کر کے ملک معظم کی کروڑ ہا رعایا کے مذہبی جذبات واحساسات کو مجروح کریں۔ فاضل جج کے نزدیک ملزم نے دفعہ 153 الف کے ماتحت کوئی جرم نہیں کیا۔ لیکن عدالت ماتحت اور سیشن جج دونوں نے ملزم کو زیر دفعہ 153 الف مجرم قرار دیا ہے۔ چنانچہ ماتحت عدالت نے فیصلہ لکھا ہے:۔

> ''اس کتاب کا طرز تحریر نہایت قابل اعتراض، تمسخر، منافرت اور ہجو سے پر ہے۔ اور ہر ایک سطر حضرت محمدؐ اور ان کے چلائے ہوئے مذہب کے خلاف ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ملزم کے اس کتاب کے شائع کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کوئی نہ تھا کہ وہ پیغمبرِ اسلام کے خلاف نفرت پھیلائے۔ اور ان کے مذہب کا مضحکہ اڑائے۔ اور اس طرح ان کے پیروؤں کے جذبات کو ٹھیس لگائے۔ اس لیے اس نے زیر دفعہ 153 الف تعزیرات ہند جرم کا ارتکاب کیا ہے''۔

دونوں عدالتوں نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ ملزم کا مقصد مذہب اسلام پر حملہ کرنا اور اس طرح مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگانا تھا۔ لیکن فاضل جج فرماتے ہیں کہ:

> ''کتاب یقیناً بانی اسلام کی ہجو پر مشتمل ہے۔ لیکن مجھے اس میں کوئی بات ایسی نہیں ملی جس سے معلوم ہو سکے کہ اس کتاب کا مقصد مذہب اسلام پر حملہ کرنا یا اہل اسلام کے خلاف

نفرت پھیلانا ہے۔ برعکس اس کے کتاب میں صراحتاً لکھا ہے کہ لوگوں کو محمدؐ کے اقوال پر عمل پیرا ہونا چاہیئے اور ان کے افعال کی پیروی نہ کرنا چاہیئے۔''

اس ایک بات ہی سے فیصلہ کی ثقاہت و اہمیت کا اندازہ لگ سکتا ہے۔ مصنّف کتاب نے آنخضرتؐ کے اقوال وافعال میں تضاد ظاہر کر کے یہ ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے کہ معاذ اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ کہتے تھے وہ خود نہ کرتے تھے۔ گویا محض زبانی جمع خرچ کرنے والے تھے۔ اور عملی آدمی نہ ہونے کی وجہ سے مذہبی پیشوا کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ لیکن جج صاحب کی سخن شناسی ملاحظہ ہو کہ آپ اس ذم کو مدح سمجھ کر ملزم کی نیک نیتی کا اظہار کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس بات کو سب جانتے ہیں کہ جس شخص کے اقوال، اس کے افعال کے خلاف ہوں، وہ کوئی مذہبی یا دیندار شخص بھی نہیں کہلا سکتا۔ چہ جائیکہ وہ ایک ایسے عظیم الشان مذہب کا بانی ہو، جس کے ماننے والے کروڑوں کی تعداد میں ہوں۔

لطف یہ ہے کہ اسی قسم کا ایک مقدمہ پنڈت کالی چرن مصنف ''وچتر جیون'' پر الہٰ آباد ہائی کورٹ میں بھی چل رہا تھا۔ وہاں جسٹس دلال نے قرار دیا کہ ایسی کتاب یقیناً دفعہ 153 الف کی زد میں آتی ہے۔ اور اس بنا پر جسٹس موصوف نے عدالت ماتحت کے فیصلہ کو بحال رکھا۔ اگرچہ سزا میں تخفیف کر دی۔ ملزم کے وکیل نے جسٹس کنور دلیپ سنگھ کے فیصلہ کو بھی وہاں بطور نظیر کے پیش کیا۔ لیکن الہٰ آباد ہائی کورٹ کے جج نے اس فیصلہ کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا:۔

''جو فاضل وکیل نظر ثانی کی درخواست کے لیے پیش ہے، اس نے مجھے لاہور کی عدالت عالیہ کے ایک آنریبل جج کے فیصلہ کی نقل دکھائی ہے جو اسی نوع کی ایک کتاب ''رنگیلا رسول'' کے متعلق کیا گیا تھا فیصلہ شاید اس لیے میرے سامنے پیش کیا گیا کہ دونوں کتابیں بظاہر ایک ہی نوع کے ہندو پروپیگنڈا کے ماتحت شائع ہوئیں۔ میں فاضل جج وجسٹس کنور دلیپ سنگھ کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھتا ہوا کہتا ہوں کہ انہوں نے ملک معظم کی رعایا کے دو طبقوں میں منافرت وعداوت پیدا کرنے والی کتاب اور مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے والی کتاب میں جو باریک امتیاز پیدا کیا ہے، میں اس کے ساتھ اتفاق کرنے کے

لیے تیار نہیں۔ ذاتی طور پر میں کہتا ہوں کہ میں اس کتاب پر عدالت عالیہ کے ایک فاضل جج کی حیثیت سے نہیں بلکہ ہندوستان کے ایک قصبہ کے عام شہری کی حیثیت سے نظر ڈالتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو ایک مسلمان کی جگہ پر رکھوں گا جو اپنے پیغمبر کا احترام کرتا ہے اور پھر غور کروں گا کہ اس ہندو کے متعلق میرے جذبات کیا ہوں گے جو میرے پیغمبر کی ہنسی اڑاتا ہے۔ اس طرح میں ایک معمولی آدمی کی حیثیت میں مصنّف کی نفرت سے اس جماعت کی نفرت کا اندازہ کروں گا، جس کے ساتھ مصنّف کا تعلق ہو۔ اور جو مصنّف سے ایسی کتاب لکھانے کی محرک ہوئی۔ مجھے خفیف سا بھی شبہ نہیں کہ ایسی کتاب کا لکھنا، جیسی کہ اس وقت میرے زیرِ غور ہے، اور جس کے مضامین کی میں نے اس لیے تشریح نہیں کی، تا کہ ان کی مزید اشاعت نہ ہو، یقیناً ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین منافرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرے گا''۔

ہمارے خیال میں پنجاب ہائی کورٹ کا فیصلہ نہایت خطرناک ہے۔ اس سے شریر لوگ فائدہ اٹھا کر رعایا کے مختلف طبقات میں منافرت و عداوت کے جذبات پیدا کرتے رہیں گے۔ یہ دونوں فیصلے ایک ہی دفعہ کی دو متضاد تعبیریں ہیں۔ جو دو انگریزی عدالتوں نے کی ہیں۔ ہمارے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس دفعہ کا مطلب سمجھنے میں عدالت عالیہ پنجاب نے غلطی کی ہے یا عدالت عالیہ الہ آباد نے۔ بہرحال ان دونوں سے ایک ضرور غلطی پر ہے۔ آخر میں ہم گورنمنٹ کو یہ بتا دینا اپنا ضروری فرض سمجھتے ہیں کہ جسٹس دلیپ سنگھ کے اس فیصلہ سے مسلمان مطمئن نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے ان کے دلوں کو پہلے سے بھی زیادہ صدمہ پہنچا ہے۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں لیکن اپنے برگزیدہ رسولؐ کی توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر حکومت چاہتی ہے کہ ملک کا امن وامان محفوظ رہے تو اسے جلد سے جلد ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان کے مجروح دلوں کا مداوا کرنا چاہئے۔

15 جون 1927ء

حضرت امیر کے قلم سے

ہمارا مستقل سرمایہ

لاہور سے آنے کے بعد میری پہلی درخواست

مجھے کم وبیش چار ماہ کے لیے ہر سال لاہور سے غیر حاضر ہونا پڑتا ہے۔ گو اس میں قدرے مجھے آرام بھی ملتا ہے لیکن بڑی غرض یہ ہوتی ہے کہ تصنیف کے اس مستقل کام پر، جو خدا کے فضل سے بہت مفید ثابت ہوا ہے، دیگر اشغال سے علیحدگی اختیار کر کے کچھ وقت دے سکوں۔ اور اب تک میرا تجربہ یہی ہے کہ لاہور کے آٹھ ماہ میں تصنیف کا کام اس کا ایک تہائی بھی بمشکل ہوتا ہے جو ان چار ماہ میں کر لیتا ہوں۔ لیکن ایک تکلیف دہ امر، جو اس علیحدگی میں بھی میرے لیے پریشانی کا موجب ہوتا ہے، وہ انجمن کے مالیہ کا سوال ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہمارے اخراجات، جو اب تین لاکھ روپے کے قریب قریب ہیں، ان کا بڑا حصہ کسی مستقل آمدنی سے نہیں بلکہ محض چندوں سے پورا ہوتا ہے۔ اور بظاہر کسی مستقل کام کا انحصار محض چندوں پر رکھنا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کسی جماعت یعنی قوم کے منظّم حصے میں استقلال موجود ہو تو چندہ ایسا ہی مستقل ذریعہ آمد ہے، جیسے دنیا میں کوئی اور بڑے سے بڑا مستقل ذریعہ۔ بہت لوگ مستقل سرمایہ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اور عام حالات انسانی شاید اس کے مؤید بھی ہوں۔ لیکن میرے نزدیک انسانوں کی ایک جماعت کا استقلال سرمایہ کے استقلال سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ انسان کا استقلال نہ صرف مستقل سرمایہ کے سوال کو حل کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی خود اس انسان کے اندر ایک ایسا جوہر پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ غرض زندگی کو حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ہمارے احباب کامیابی کے اس راز کی طرف توجہ کریں اور اپنے اندر استقلال کا جوہر پیدا کر کے نہ صرف کام کرنے والوں کے لیے مستقل سرمایہ کے سوال کو حل کریں بلکہ اپنے آپ کو بھی بلند ترین غرض زندگی کے حاصل کرنے کے قابل بنائیں۔

قومی نظام کے استحکام کی بنیاد:

ہماری قوم کا نظام اس امر سے وابستہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس میں شامل ہوتا ہے وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ خدمتِ دین میں مستقل طور پر کچھ حصہ لے گا اور اس اقرار کے پورا کرنے کے لیے وقتی تحریکات کے علاوہ وہ اپنے نفس پر کچھ ماہوار چندہ (سوائے زمینداروں کے جن کی آمدنی ماہوار نہیں بلکہ فصل سے وابستہ ہے) لازم کر لیتا ہے جو تین پیسے فی روپیہ یا آمدنی کا بیسواں حصہ ہے۔ اس ماہوار چندہ پر ہماری انجمن کی بنیاد ہے۔ اس کے استحکام پر ہمارے سارے دینی کاموں کا استحکام ہے۔ اگر ہم ایک شخص سے اس کی سارے سال کی آمدنی کا مطالبہ کریں تو یہ بوجھ شاید ننانوے فیصد لوگوں کے لیے ناقابل برداشت ہو۔ لیکن عملاً اگر ایک شخص اپنی آمدنی کا بیسواں حصہ ماہوار دیتا جاتا ہے تو اس نے گویا اپنی سارے سال کی آمدنی یک مشت ایک مستقل سرمایہ میں داخل کر دی۔ اور یوں اس کی سارے سال کی آمدنی گویا لِلّٰہِ وقف ہوگئی۔ اس میں اگر نقص ہے تو یہی کہ بعض لوگ وعدہ تو کر لیتے ہیں لیکن اس کے ایفاء میں کمزوری دکھاتے ہیں۔ جب ایک مہینے کے بعد ان کی آمدنی ان کے ہاتھوں میں آتی ہے تو وہ اس حصہ کو جو اللہ کی راہ میں دینا تھا اپنی ضروریات پر خرچ کر لیتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس چندہ کو آئندہ ماہ میں ادا کر دیں گے۔ لیکن یہ فی الحقیقت ایک بدعادت کا پہلا قدم ہے۔ اور وہی کمزوری دوسرے ماہ پھر عود کر آتی ہے۔ یہاں تک کہ بقایا بڑھتا چلا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ انسان ایک نیکی کے کام سے بکلّی محروم رہ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ میں کھینچا ہے:

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰـنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ
فَلَمَّاۤ اٰتٰـهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ
قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ

(77-74:9)

اور کچھ ان میں ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل سے ہمیں دے تو ہم ضرور صدقہ دیں گے۔ اور نیکوکاروں میں سے ہوں گے۔ پھر جب وہ اپنے فضل سے انہیں دیتا ہے تو اس میں بخل کرنے لگتے ہیں اور پھر جاتے ہیں۔ اور دور نکل جاتے ہیں۔ سو وہ اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیتا ہے جو

اس دن تک رہتا ہے کہ وہ اسے ملیں۔ اس لیے کہ جو وعدہ اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اس کی انہوں نے خلاف ورزی کی۔ اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (1:5) جو احباب اپنے ماہوار وعدوں کو بقایوں کی حالت میں چھوڑتے چلے جاتے ہیں وہ غور کریں کہ جو اخراجات ان وعدوں کی بنا پر انجمن اپنے ذمہ ڈال لیتی ہے۔ ان کو تو اپنے وقت سے ایک دن ادھر اُدھر نہیں کیا جاسکتا۔ اگر انجمن ایک ملازم کی تنخواہ مقررہ وقت پر ادا نہیں کرتی تو کیا یہ قوم کے لیے بدنامی اور ذلّت کا موجب نہیں اگر وہ ایک کتاب چھپوائے اور اس کا بل وقت پر ادا نہ کرے تو کیا یہ اس کے لیے عار اور ننگ نہیں۔ فی الحقیقت اس ذلّت اور بدنامی اور اس ننگ و عار کے لانے والے وہ لوگ ہیں جو اپنے مقررہ چندوں کو وقت پر ادا نہیں کرتے۔ اور انجمن اور اس کے کارندوں کو طرح طرح کی مصیبتوں میں ڈالتے ہیں۔ اس کا کیا فائدہ کہ وعدہ تو کرلیا اور چندہ لکھوا دیا اور دیا کبھی نہیں۔ خود تو یہ نقصان اٹھایا کہ خدا کے ساتھ وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کی۔ اور خدا کے ساتھ وعدہ کر کے خلاف ورزی کرنے سے بڑھ کر کیا گناہ ہوسکتا ہے جس کی سزا قرآن کریم نے نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِھِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ (77:9) بتائی ہے اور قوم کو بھی بجائے فائدہ کے نقصان پہنچایا۔ کیونکہ اس امید پر ایک کام شروع کیا گیا۔ مگر پھر روپے کے نہ ہونے کی وجہ سے اسے ادھوری حالت میں چھوڑنا پڑا۔ یوں دوسروں کا روپیہ بھی برباد کرانے کا موجب یہ بقایا دار ہوجاتے ہیں۔ بحیثیت قوم ہم اس دن فخر کرسکیں گے جس دن اس ساری قوم میں ایک بھی بقایا دار نہ ہو۔ سوائے اس کے جس کی آمدنی کا ذریعہ بند ہوگیا ہے اور وہ فی الحقیقت بقایا دار نہیں۔

سرکردہ لوگ عملی نمونہ قائم کریں:

اگر ہمارے احباب توجہ کریں تو یہ کوئی مشکل امر نہیں کہ ہماری ساری قوم میں ایک شخص بھی ایسا پست ہمت نہ ہو جو وعدہ کر کے پھر ایفا نہ کرے۔ مگر ضرورت یہ ہے کہ پہلے بڑے لوگ نمونہ قائم کریں۔ بڑے لوگوں سے میری مراد دونوں قسم کے لوگ ہیں۔ وہ بھی جن کے سپرد انجمن کے کاروبار ہیں یا جو کسی جماعت کے عہدیدار ہیں یا مرکزی انجمن کے ٹرسٹی یعنی معتمد ہیں۔ اور وہ بھی جو اپنی مالی حیثیت یا مرتبہ کے اعتبار سے جماعت کے بااثر وجود ہیں۔ جب تک ان احباب کو اپنی ذمہ داری کا پورا احساس نہ ہو، دوسرے لوگ خوابیدہ حالت میں رہیں گے۔ ہماری انجمن کے تمام ٹرسٹی مجلس، منتظمہ کے تمام ممبر، ہر شعبہ کے افسر اور کارکن عہدہ دار تمام انجمن ہائے

مقامی کے عہدہ دار، تمام جماعتوں کے سیکرٹری یا کارکن ممبر، ان میں سے بہر حال ایک بھی ایسا نہ ہونا چاہئے، جس کے نام کے ساتھ بقایا کا ذلت آمیز لفظ لگا ہوا ہو۔ اور ذی ثروت اور ذی اثر احباب، جو بسا اوقات محض بے توجہی سے ہر ماہ چندہ ادا نہیں کرتے بلکہ اکٹھا دو دو چار چار ماہ کا دے دیتے ہیں، ان کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ نیک نمونہ قائم کرنے کے لئے یا تو پیشگی دو چار ماہ کا اکٹھا دے دیا کریں۔ ورنہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ پچھلے ماہ کا چندہ نکال دیا کریں۔ اگر یہ لوگ، جو نظامِ انجمن یا نظامِ قومی کی بنیاد کے طور پر ہیں، اس قدر عزم کر لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ جماعت کے دوسرے افراد میں سے شاذ و نادر ہی کوئی ایسا رہ جائے گا جو اس نظام کی پروا نہ کرے۔ مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی ہماری قوم کی آدھی سے زیادہ قوت بیکار پڑی ہے۔

کمر ہمت باندھ لو:

اب اسلام پر وہ مصیبت کا وقت ہے کہ ہم قوم کی آدھی قوت بیکار رہنے کو معمولی نظر سے نہیں دیکھ سکتے۔ بلکہ بحیثیت قوم ہم سب اس گناہ میں شامل ہیں کہ قوم کی پوری طاقت عمل میں نہیں آتی اور خدا کی دی ہوئی طاقت یوں ضائع ہو رہی ہے۔ اس بیماری کا اب خاتمہ ہونا چاہئے اور ہم کو اپنے قومی عزم اور قومی قوت کا ثبوت دینا چاہئے۔ تمام انجمنوں اور جماعتوں کو اور ان کے تمام ممبروں کو آئندہ اس نظام پر کہ بقایا کسی کے نام پر نہ ہو، پوری طاقت سے عمل پیرا ہونا ہوگا۔ ہاں میں اس انتظار میں رہوں گا کہ کس جماعت کی طرف سے یہ آواز پہلے آتی ہے کہ اس نے اس بات کا فیصلہ کر لیا ہے کہ ان کا کوئی ممبر بقایا دار نہ ہو اور کہ وہ اپنی پوری قوت اس بات پر صرف کرے گی۔ اس کے لیے میں دو عملی تجویزیں بھی پیش کرتا ہوں۔

دو عملی تجویزیں:

اول یہ کہ ہر جماعت میں نماز جمعہ کے بعد اس مضمون کو سنا کر احباب سے دریافت کر لیا جائے کہ کیا وہ یہ فیصلہ کرنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں۔ اور اگر وہ یک آواز ہو کر اس پر آمادگی کا اظہار کریں تو پھر دوسری بات، جس کے لیے انہیں کمر ہمت باندھ لینی چاہئے، یہ ہے کہ اس فیصلہ کو عمل میں لانے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کی جائے۔ انہی تدابیر میں سے ایک یہ ہے کہ ہر ایک انجمن یا جماعت میں سے ایک سب کمیٹی ان افراد کی بنائی جائے

جو خود اپنے ذمہ ماہوار چندوں کا کوئی بقایا نہیں چھوڑتے۔ اور یہ سب کمیٹی بطور وفد ہر اس شخص کے پاس جائے جو باوجود جماعت کے اس فیصلہ کے اپنے چندے کو وقت مقرر پر ادا نہیں کرتا اور اسے درخواست کرے کہ وہ قوم کی عزت اور وقار قائم کرنے کے لیے اس طریق پر عمل پیرا ہو کہ ماہوار چندے کا کوئی بقایا اس کی طرف نہ ہو۔ مگر جہاں افراد سے یہ درخواست ہے کہ وہ ماہوار چندوں کی ادائیگی میں باقاعدگی اختیار کریں، انجمنوں کے سیکرٹری صاحبان اور دیگر ذمہ دار عہدیداران سے التماس ہے کہ وہ انجمن کی وصول شدہ رقم کو مع ضروری کوائف ماہ بماہ دفتر محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور میں بھیجتے رہیں۔ اور ایک ماہ کا چندہ اپنے ممبران کی طرف دوسرے ماہ تک نہ رہنے دیں۔ آئندہ ہر انجمن کے عہدیدار اور کارکن اس بات کے ذمہ دار ہوں گے کہ وہ اپنی جماعت کا پورا چندہ وصول کر کے اگلے ماہ کے اندر اندر بھیج دیں۔ اور مرکزی دفتر تحصیل میں ایک کھاتہ انجمنوں کا اور جماعتوں کا صرف اس طرح پر رہے گا کہ ماہوار رقم موعودہ اس کے نام پر لکھی ہوئی ہوگی۔ اور جو رقم ہر ماہ میں وصول ہو وہ اس کے وصولی کے خانہ میں لکھی جائے گی۔ اگر کوئی بقایا رہے گا تو اس کے ذمہ دار اس کے کارکن و عہدے دار ہوں گے۔ اس تحریک کا جواب میں ہر ایک انجمن کی طرف سے براہ راست اپنے نام چاہتا ہوں۔ جو جماعت یا انجمن اسے عمل میں لانے کے لیے قدم نہیں اٹھاتی وہ عنداللہ ہی نہیں اپنے قومی اجتماع میں بھی جوابدہ ہوگی۔ میں اس کے لیے زیادہ وقت بھی نہیں دے سکتا۔ بلکہ ماہ جون کے اندر اندر سب انجمنوں کو یہ قطعی فیصلہ کر لینا چاہئے کہ ہمیں پوری قوت زندگی کے ساتھ رہنا ہے۔ اور اپنی پوری طاقت کا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ جن جماعتوں میں وہاں کے کارکن احباب اس تحریک کو پیش کرنے میں سستی سے کام لیں، امید ہے کہ وہاں کے دیگر درددل رکھنے والے احباب ان کو متنبہ کر کے اس سوال کو فوراً جماعت کے سامنے لائیں گے۔ البتہ جہاں کوئی مشکلات ہوں اُن سے بے شک مجھے اطلاع دی جائے۔ لیکن بہرحال جو جواب ہو وہ مجھے جون کے اندر اندر مل جانا چاہئے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

پیٹر برو۔ ڈلہوزی

20 جولائی 1927ء

حضرت امیر کے قلم سے

تحفظِ ناموسِ رسول ﷺ

مجھے اللہ تعالیٰ کی حمد کے بعد احباب کا شکر یہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے میری پہلی درخواست پر اسی طرح توجہ کی جو ایک منظّم جماعت کا حق ہے۔ اور قریباً تمام بڑی بڑی جماعتوں کی طرف سے یہ وعدے آ چکے ہیں کہ وہ آئندہ کے لئے حتی الوسع بقایا نہ رہنے دیں گے۔ اور پچھلے بقایوں کو بھی یکمشت یا بتدریج ادا کر دیا جائے گا۔

ایک بات پر مجھے زور دینا ہے۔ وعدہ کر لینا آسان مگر اس کا پورا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کارکن احباب کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان وعدوں کے ساتھ ان کا کام ختم نہیں بلکہ شروع ہوا ہے۔ انہیں ہر جگہ ایک خاص تاریخ مقرر کر لینی ہوگی۔ مثلاً آٹھویں۔ جس تاریخ تک سب احباب کا چندہ وصول ہو جایا کرے۔ اور اگر اتفاق سے کسی دوست کا چندہ اس تاریخ تک نہیں آیا تو سیکرٹری یا دیگر ذمہ دار کارکن کو خود اس دوست کے پاس پہنچنا چاہئے اور اگر ان کے کہنے کا بھی اثر نہ ہو تو جیسا میں پہلے لکھ چکا ہوں جماعت کے معزز احباب کا وفد اس کے پاس جانا چاہئے۔ اس بارے میں اگر تساہل کیا گیا تو یہ ساری تحریک بے اثر رہے گی۔ اکثر غلطی جو ہم لوگ کرتے ہیں وہ یہی ہوتی ہے کہ ایک کام کو آج سے کل اور کل سے پرسوں پر ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بھول ہی جاتا ہے اور پھر دہ چند محنت سے بھی نہیں ہو سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے اندر جس طرح یہ ذہنیت پیدا ہو گئی ہے کہ اشاعت اسلام اور محافظتِ اسلام کے لیے اپنی آمدنی کا ایک مقرر حصہ دینا ضروری ہے، اسی طرح یہ ذہنیت بھی عام ہو جائے کہ بقایا کسی کی طرف نہ ہوگا۔ اور جو وعدہ کیا گیا ہے وہ ایک سچے مسلمان کی طرح اپنے نفس پر دکھ اور تکلیف اٹھا کر بھی پورا کیا جائے گا۔

دوسری درخواست:

اس کے بعد میں ایک دوسری درخواست احباب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور یہ قدرے اس سے

مشکل ہے۔ یعنی احباب جماعت کو اشاعتِ اسلام میں حصہ لینے کے لیے تحریک کرنا اور حتی الوسع اس بات کی تحریک کرنا کہ وہ ایک مقرر رقم ماہوار مستقل طور پر اس غرض کے لیے خرچ کریں۔ یہ فی الحقیقت اس وقت سب سے مہتم بالشان امر بالمعروف کا حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ اس پر اس وقت مسلمانوں کی قومی زندگی کا دارومدار ہے۔ عیسائیت تو ایک مدت سے اسلام کے مٹانے پر تلی ہوئی تھی۔ کوئی اسلامی ملک نہیں جس کے شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں صلیب مسیح کے منادی نہ پہنچ گئے ہوں۔ لیکن آج خود ہندوستان میں مسلمانوں سے تعداد میں چار گنی قوم، تجارت اور دولت کی مالک، سرکاری ملازمتوں کی اجارہ دار، تعلیم میں بہت آگے، اس بات کا فیصلہ کر چکی ہے کہ ہندوستان میں کوئی مسلمان باقی نہ رہے۔ اور اگر عیسائی کروڑوں روپیہ ہر سال اسلام کو مٹانے کے لیے خرچ کرتے ہیں تو ہندو بھی لاکھوں روپیہ اس غرض کے لیے جمع کر چکے اور کر رہے ہیں۔ بالمقابل مسلمانوں کی حالت کو دیکھا جائے تو گو بعض اوقات بڑے بڑے طوفان بھی ان کی قومی زندگی کی سطح پر اٹھتے ہیں مگر عموماً وہ قوم کو فائدہ کی نسبت زیادہ نقصان پہنچا کر چھوڑتے ہیں۔ اور اگر ایک طرف کچھ قومی زندگی کے آثار نظر آتے ہیں تو دوسری طرف اس کو ایک ایسی چوٹ لگتی ہے جو دوبارہ قوم کے اٹھنے میں ایک بڑی بھاری رکاوٹ ہو جاتی ہے۔ گزشتہ چند سال کی ''تحریک خلافت'' سے ہماری جماعت کو ہمدردی رہی ہے۔ لیکن اس امر واقع سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ کم سے کم قوم کا پچاس لاکھ روپیہ محض کارکنوں کی غفلت یا فضول خرچی یا سوء تدبیر سے برباد ہوا۔ جو اگر کسی مفید کام پر خرچ ہوتا تو قوم کے اندر ایک زبردست قوت آگے بڑھنے کے لیے پیدا کر دیتا۔ اور اگر اشاعت اسلام پر صرف ہوتا تو یقیناً آج مسلمانوں کو مٹانے کی فکر کی بجائے ہندوؤں کو اپنی زندگی کی فکر ہوتی۔ مگر ایک بات جو افسوس سے کہنی پڑتی ہے یہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی مستقل کام خاموشی سے کرنے کا گویا مادہ ہی نہیں رہا۔ تحریک شدھی کے خلاف کس قدر مسلمانوں میں جوش اٹھا۔ مگر کیا کوئی مستقل کام بھی ہوا؟ جس پر قوم کی آئندہ زندگی کی بنیاد رکھی جا سکتی۔؟

تحریک شدھی اور مسلمانوں کا ہنگامی جوش:

ہندوؤں نے شدھی کے لیے کئی لاکھ روپے جمع کر لیے اور اس مستقل سرمایہ سے وہ جس قدر قوت چاہیں تحریک شدھی کو دے سکتے ہیں۔ مگر کیا مسلمانوں کی کسی تبلیغی انجمن کے پاس ہزاروں روپے بھی جمع ہوئے۔

ہم سے تو احمدی ہونے کی وجہ سے ناراضگی سہی ۔لیکن اور بھی تبلیغی انجمنیں ہیں ۔کونسی آج اس قابل ہوگئی ہے کہ دو چار مشن کہیں اچھوتوں ہی میں قائم کر سکے ۔یا کچھ لٹریچر ہی پیدا کر سکے ۔شور تو بہت ہوا اور شاید اب بھی ہے ۔لیکن ٹھوس کام کتنا ہوا ۔قومی عمارت کس قدر بلند اور مضبوط ہوئی ۔اس کا جواب شاید نفی ہی میں ہو! ہم نے کچھ سبق انگریزوں سے سیکھے مگر وہ کیا تھے کہ ان کی بری باتوں کو اپنے اندر لینے کے لیے جلدی اور ان کی قومی قربانیوں کی طرف، ان کی جدوجہد کی طرف اور ان کی بلند ہمتی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا ۔ہندوابنائے وطن سے بھی شاید ہم کچھ سیکھ رہے ہیں ۔مگر وہ غالباً صرف ایجی ٹیشن کا حصہ ہے کہ کسی معاملہ میں شور کس طرح ڈالا جائے ۔اور ان کی قربانیوں کو، ان کے اپنے آپ کو قومی کاموں کے لیے وقف کر دینے کو، جس سے وہ قوم بن رہی ہے، ہم نے قابل توجہ نہیں سمجھا ۔ہم نے جب پراپیگنڈا کی طرف توجہ کی تو قوم کے ہزار ہا روپے فضول تاروں پر برباد کر دیئے ۔تاکہ لوگ یہ کہنے لگیں کہ ہم کام کر رہے ہیں ۔اور یہ نہ سوچا کہ کام تو کرنے سے ہوتا ہے ۔باتوں اور تاروں سے نہیں ہوتا ۔وہ اسلامی روح کہ خاموشی سے خدمت قوم یا خدمت دین کا کام کیا جائے، وہ النادر کالمعدوم کے حکم میں ہے ۔ہم فلک شگاف نعروں پر خوش ہو جاتے ہیں ۔اور ارشاد خداوندی وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (10:35) کہ بلندی درجات اچھے کاموں سے ہوتی ہے ۔اس کی طرف توجہ نہیں کرتے ۔ہم گرانے پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے ہیں ۔مگر بنانے کا وقت آتا ہے تو بالکل مردہ حالت ہو جاتی ہے ۔

ٹھوس کام کی ضرورت:

پس احباب سے میری یہ درخواست ہے کہ خدا کے راستے میں کچھ ٹھوس کام کر کے دکھاؤ ۔اور وہ ٹھوس کام یہ ہے کہ اپنی اپنی جگہ مسلمانوں کو اشاعتِ اسلام کے مستقل کام کے لیے بیدار کرو ۔ان کو اشاعت اسلام کے کام پر لگا دینا یہ آج اسلام کی بہترین خدمت ہے ۔آج آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں رسول اللہ ﷺ کی عزت کے تحفظ کے لئے کس قدر زبردست جوش ہے ۔خدا کرے کہ یہ جوش کسی اچھی راہ پر لگ کر مفید نتیجہ پیدا کرنے والا ہو ۔مگر کس قدر احسان اس شخص کا ہے، جس نے ہمیں آج سے چالیس سال پیشتر اس کام میں لگا دیا اور الفاظ سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے، اپنی مالی اور جانی قربانیوں سے رسول اللہ ﷺ کی عزت و احترام کا تحفظ سکھایا ۔اسلام پر کوئی حملہ ہو، رسول اللہ ﷺ پر کوئی حملہ ہو یورپ میں ہو یا امریکہ میں، ہندوستان میں ہو یا چین میں، اس کے

جواب کے لیے تیار کیا۔ اور ایک صاف اور واضح راستہ پر چلا کر لائحہ عمل کے تلاش کرنے کی دقتوں کو دور کر دیا اور ہماری زندگیوں کا ایک نصب العین بنا دیا۔ جس کے لیے ہماری ساری دوڑ دھوپ ہو۔ آج رسول اللہ ﷺ کی عزت کے تحفظ کا سوال مسلمانوں کے سامنے ہے مگر لائحہ عمل کوئی نہیں۔

ہم اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے رضا کار ہیں:

مجھ سے بھی بعض احباب نے دریافت کیا ہے کہ کیا ہم رضا کاروں میں بھرتی ہوں؟ میں نے یہی جواب دیا کہ آپ تو پہلے سے اعلاء کلمۃ اللہ کے رضا کار ہیں۔ اور ان رضا کاروں کو ابھی اپنا لائحہ عمل بنانا ہے۔ مگر ہمارے سامنے تو خدا کے فضل سے خدا کی طرف سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر ایک لائحہ عمل بنا ہی نہیں دیا بلکہ اس پر چلا بھی دیا۔ حفاظت واشاعتِ اسلام کے اندر وہ تمام باتیں آ جاتی ہیں جن کی آج مسلمان ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اور جن کے لیے ان کے دل تڑپتے ہیں۔ آج تو بعض ہندوؤں نے پیغمبرِ اسلام ﷺ پر ناپاک حملے کر کے اپنی بدنیتی کا ثبوت دیا ہے۔ آج سے چالیس سال پیشتر کے واقعات کئی مسلمانوں کو یاد ہوں گے جب عیسائی پادریوں نے اس سے کئی درجہ بڑھ کر ناپاک الزام ہمارے نبی کریم ﷺ پر لگائے۔ اس وقت تو مسلمانوں نے کسی قانون کا مطالبہ بھی نہیں کیا اور کوئی جلسہ بھی نہیں کیا۔ مگر ایک پہلوان رب جلیل نے اٹھ کر وہ حربہ عیسائیت پر چلایا کہ آج عیسائیت کی وہ کتابیں کسی ایسے گوشۂ گمنامی میں پڑی ہیں کہ شاید تلاش کرنے سے بھی بمشکل ملیں!

اشاعتِ اسلام کے ذریعہ ناموس رسولؐ کی حفاظت:

بے شک ہمیں ایسے قانون کی ضرورت ہے جو بانیان مذاہب کی عزت واحترام کا تحفظ کرے۔ اگر ادنیٰ سے ادنیٰ شہری کی عزت کے تحفظ کے لیے قانون ہے تو کیا وجہ ہے کہ ان راست بازوں کی عزت کے تحفظ کے لیے کوئی قانون نہ ہو جن کی محبت کروڑوں دلوں میں اپنے ماں باپ سے بڑھ کر ہے؟ مگر یہ بھی خوب یاد رکھنا چاہئے کہ رسول کریم ﷺ کی عزت کا تحفظ صرف قانون سے نہیں ہوگا۔ اصلی اور مضبوط کام آپؐ کی عزت کے تحفظ کا وہی اشاعت اسلام کا کام ہے۔ جس کی طرف مجدد وقت نے توجہ دلائی۔ اور جس پر آج ہماری جماعت گامزن ہے۔ جس قدر اسلام کی اصلی تعلیم پھیلے گی اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح تصویر ہم لوگوں کے سامنے رکھیں گے، اسی قدر وہ

بدزبانی کا درواز بند ہوگا جو بدقسمتی سے آریہ سماج نے ہندوستان میں کھول دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جو خیالات رسول اللہ ﷺ کی عزت و احترام کے ہمارے دلوں میں ہیں، وہی یا اس کے قریب قریب، غیروں کے دلوں میں بھی ہوں۔ مگر اس حالت کے پیدا کرنے کے لیے ہم کوئی کوشش نہیں کرتے۔ ہندوستان کی کتنی زبانوں میں ہم نے رسول اللہ ﷺ کے صحیح حالات کو یا قرآن کریم کو شائع کر کے لوگوں کو اسلام کی صحیح تصور دکھائی ہے؟ قانون بدزبانی کو روک سکتا ہے مگر دلوں کی حالت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ لیکن اشاعتِ اسلام سے ہم دلوں کی حالت کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ اور ہمارا مطمع نظر دلوں کی حالت کو تبدیل کرنا اور دلوں میں رسول خدا ﷺ کی عزت کا پیدا کرنا ہونا چاہئے۔ ہاں کچھ مجدد وقت کے توجہ دلانے اور کچھ اللہ تعالیٰ کے ایسے حالات پیدا کر دینے سے، جن سے مسلمان متوجہ ہوں جائیں، عام طور پر بھی آج کسی قدر بیداری اشاعتِ اسلام کے متعلق مسلمانوں میں پیدا ہوگئی ہے۔ مگر وہ ابھی بہت کمزور حالت میں ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے مضبوط کریں۔ اَلْحِكْمَةُ ضَآلَّةُ الْمُؤمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا اشاعتِ اسلام کا کام جہاں بھی ہوں اسے ہمیں اپنا کام سمجھنا چاہئے۔ مگر خدا کے فضل سے جن مضبوط راہوں پر آج ہماری انجمن کام کر رہی ہے، ان کی طرف بھی سب مسلمانوں کو توجہ دلانا ہمارا فرض ہے۔

ہندوستان میں تبلیغِ اسلام کے کام کا آغاز:

سال گزشتہ سے پیشتر ہماری توجہ زیادہ تر عیسائی ممالک اور عیسائی اثر کی طرف رہی۔ لیکن سال گزشتہ سے ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کے کام کی طرف قدم اٹھایا گیا۔ اور سال حال کے شروع میں سوامی شردھانند کے قتل پر جو ہندوؤں میں جوش اٹھا تو اس وقت ہم نے اس پہلو میں اپنی ذمہ داری کو بہت بڑھا لیا۔ چنانچہ ایک اشاعتِ اسلام کالج کے علاوہ اس وقت چار یا پانچ مقامات پر اچھوت اقوام میں مشن کھولے جا چکے ہیں اور لٹریچر کے پیدا کرنے کا سلسلہ اس کے علاوہ ہے۔ ان سب کاموں پر مجموعی خرچ تین ہزار روپے ماہوار سے زائد ہو رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پہلے کاموں کے علاوہ اس قدر کثیر خرچ کے مزید بوجھ سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔ لیکن اس کام کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ابھی یہ بھی کچھ کام نہیں۔ ہندوستان اتنا بڑا براعظم ہے کہ اگر اس میں ایک سو مشن بھی کام کرنے والے ہوں تو تھوڑے ہیں۔ عیسائیوں کے مشن اس سے بہت زیادہ ہیں جو کام کر رہے ہیں۔

ہمارا فرض: بہرحال جو اخراجات اس وقت اٹھالیے گئے ہیں ان کا مقابلہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ جہاں کہیں بھی ہماری جماعت کا کوئی فرد ہے، وہ عام مسلمانوں کو جماعت کے اس کام کی طرف توجہ دلا کر انہیں اس میں حصہ لینے کی تحریک کرے۔ اور حتی الوسع مستقل طور پر انہیں اس کام میں شریک کرنے کی کوشش کی جائے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کام میں مشکلات بہت ہیں اور دوسروں سے چندہ لینا آسان کام نہیں، بالخصوص ہماری جماعت کے لیے، لیکن خدا کے راستے میں یہ کوشش ہے۔ اور اگر سو مرتبہ بھی اس میں ناکامی ہو تو بھی آخر کامیابی ہے **وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا** (69:29) خدا کے دین کو پھیلانے کے لیے جہاد ہے۔ خدا کی نصرت یقینی ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ خدا کی نصرت اس وقت آتی ہے جب انسان اس کی راہ میں بڑے بڑے دکھ اٹھاتا ہے۔ پس ہمارے احباب بُرا کہا جانے پر نہ گھبرائیں بلکہ خدا کے فضل کے راستوں کی تلاش میں لگے رہیں۔ دعا سے بھی اور عمل سے بھی۔ اور وہ راستے ضرور کھل جائیں گے۔ میرے ڈلہوزی آنے سے پیشتر ایک خاص اجلاس انجمن کا اس غرض کے لیے کیا گیا تھا۔ جس میں ہمارے مرکزی کارکنوں نے بیرونجات کے احباب کو، جو اس موقع پر تشریف لاتے تھے، اس امر کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی تھی۔ مگر ابھی ہمارے بیرونجات کے احباب کی کوشش **الّاماشاء اللّٰہ** بہت کم ہے۔

کمر ہمت باندھ لو:

میں کہتا ہوں کہ کیا ہم میں سے ہر ایک شخص کسی ایک غیر جماعت پر بھی اثر نہیں ڈال سکتا؟ یقیناً بہت سے احباب ہیں جن کے صرف اس غرض کو لے کر گھر سے باہر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ اور ان کی آواز پر بہت سے مسلمان لبیک کہنے کو تیار ہیں۔ وہ نکلیں اور دیکھیں کہ کس طرح خدا کے راستے میں کام کرنے والوں کو خدا کی طرف سے نصرت آتی ہے۔ اگر وہ ناکام بھی ہوں تو خدا کے حضور تو سُرخرو ہوں گے کہ انہوں نے کوشش کی مگر کسی نے ان کی آواز کو نہ سنا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہم میں سے ایک بھی ایسا شخص ہو جو اس بارہ میں سستی سے کام لے اور جس طرح میری پہلی درخواست کی طرف احباب نے توجہ کی اسی طرح میں چاہتا ہوں کہ اس کی طرف بھی توجہ ہو۔ یعنی ہر جماعت میں جمعہ کے دن یا کوئی اور دن مقرر کر کے اس تجویز کو ساری جماعت کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور جو تجاویز احباب کی کثرت رائے سے اس موقع پر منظور ہوں، ان سے مجھے بھی اطلاع دی جائے۔ اور اگر کسی

موقع پر یہ ضرورت محسوس ہو کہ لاہور سے کسی آدمی کو بھیجا جائے ۔ جو مقامی آدمیوں کے ساتھ مل کر ایسی تحریک پیدا کرے تو اس کے متعلق بھی اطلاع دی جائے ۔ مگر تجاویز سے میری مراد کوئی ریزولیوشن پاس کرنا نہیں بلکہ وصولی چندہ کے لیے عملی تجاویز اختیار کرنا ہے ۔ اور مجھے یہ علم ہونا چاہئے کہ کس مقام سے کس قدر مستقل امداد کی امید ہو سکتی ہے ۔ والسلام

محمد علی

پیٹر برو ۔ ڈلہوزی

❁ ❁ ❁

شذرات

نامہ برلن:

مولانا فضل کریم خاں صاحب درانی مبلغ جرمنی لکھتے ہیں کہ ارشاد ہوا ہے کہ عیب جوئی کروں۔ اول خویش بعدۂ درویش پہلے اپنے ہی گھر سے شروع کرتا ہوں۔ ہمارے خیالات کی تہذیب، ہمارے طرز تکلم وتحریر میں ترقی، بلکہ ہمارے جملہ افعال واعمال میں بہتری صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ گاہے گاہے اپنے اعمال کا جائزہ لیا جائے۔ اور اپنے خیالات کو یکسو ہو کر کلّی علیحدگی کے ساتھ تولا جائے۔ پیغام صلح کے بعض مضامین کو بہانہ ٹھہرا کر چند ایک باتیں عرض کرتا ہوں۔

مولوی ظفر علی خان نے کہیں لکھ دیا کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلم پر حملہ آور ہو تو خواہ وہ اس میں حق بجانب بھی ہو تو بھی ہم ایک مسلم ہی کی مدد کریں گے۔ پیغام صلح کے نزدیک، علماء اسلام کے نزدیک مولوی ظفر علی خاں کا یہ حکم اصول وشرائع اسلام کے خلاف ہے۔ ابوسفیان اسلام کا دشمن، اسلام کے ساتھ برسر پیکار، بانی اسلام کے خون کا پیاسا، عارضی صلح کے دنوں میں تجدید عہد کے لیے، جس کو اس کے لوگوں نے توڑ دیا ہے، مدینہ آتا ہے۔ اسلام کی دریا دلی اور رواداری کا یہ حال ہے کہ وہ اکیلا آتا ہے اور بلا خدشہ مدینہ کی گلیوں میں پھرتا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ مسجد نبویؐ میں گفتگو کرتا ہے۔ اس کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہ کے پاس جاتا ہے۔ امداد کے لیے۔ وہاں سے کورا جواب ملتا ہے۔ حضرت ام حبیبہ ایک دشمن اسلام کو، خواہ وہ ان کا باپ ہی کیوں نہ ہو، اپنے گھر میں پناہ نہیں دیتیں۔ کہو میں پنڈتوں کی باتیں سنوں یا حضرت ام حبیبہ کے اسوہ کو اپنا خضر راہ بناؤں؟

مولویوں کی تنگ نظری نے معاملات کو خلط ملط کر دیا ہے۔ یہ درست اور قطعاً درست ہے کہ اسلام حق وانصاف کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق جاری نہیں رکھتا۔ لیکن کب سے اسلام یکطرفہ مذہب بن گیا؟ قرآن امن اور جنگ دونوں صورتوں کو مدنظر رکھتا ہے۔ قرآن مسلمانوں کو حکماً متنبہ کرتا ہے کہ زمانہ امن کی رواداریاں اور اخلاق جنگ کے دنوں میں ایک قوم کی زندگی کو خطرہ میں ڈال سکتے ہیں۔ یہ بھی حکم ہے کہ مسلمانو! کافروں کو دوست مت رکھو۔ یہ بھی حکم ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ رحم، مروّت اور آشتی کا سلوک رکھو اور ساتھ ہی

یہ بھی بتا دیا کہ کافروں کے ساتھ دوستی نہ رکھنے کا حکم صرف جنگ کی حالت کے لیے ہے۔ امن کی صورت میں مروّت کا حکم ہے۔ تنگ نظر مولویوں نے اسلام کو یکطرفہ مذہب بنا دیا۔ ان سیدھے اور صاف اصولوں کو خلط ملط کر دیا۔ جس کا نتیجہ اسلام کی سیاسی تباہی ہوا!

گئو ماتا کے پرستار:

ہندوستان آج میدان کارزار بنا ہوا ہے۔ اس کی زمین مدتوں سے انسانی خون کی پیاسی زمین، مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن رہی ہے۔ ہندو، عاجز و بے زبان ہندو، معصوم غریب، گئو ماتا کی پوجا کرنے والے، رحم، نرمی اور بے کسی کی مورتیاں ہندو، آج مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو رہے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کو ہندوستان کی سرزمین سے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ انسانی مروّت و اخلاق کا کوئی اصول نہیں۔ رحم اور انصاف کا کوئی جذبہ نہیں جس کو انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کی خاطر پاؤں تلے نہ روند ڈالا ہو۔ میں ان کو برا نہیں کہتا۔ جب قومیں برسرِ پیکار ہوتی ہیں تو وہ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی اور سلوک اخلاق اور محبت کرنے کے لیے نہیں بلکہ ایک دوسرے کو فنا اور نیست و نابود کرنے کے لیے لڑتی ہیں۔ لڑائی کے وقت اگر کوئی قوم اخلاق و آداب محفل پر غور اور عمل کرنے بیٹھ جائے تو اس کے لیے سوائے موت کے اور کچھ نہیں! ہندو مسلمانوں کو فنا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ اسلام کا نام مٹا دینا چاہتے ہیں۔ بابانگِ دہل وہ اپنے ان ارادوں کا اعلان کر رہے ہیں۔ یہ جنگ ہے جنگ۔ ہمارے لیے آج ایک مسلم محض مسلم کہلانے کی وجہ سے ہر ایک ہندو سے، بلکہ ہزاروں لاکھوں ہندوؤں سے، خواہ وہ کیسے ہی بزرگ پارسا سوامی اور مہاتما ہوں، بہتر ہے۔ ایک مسلمان، خواہ وہ گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو، ہمیں تمام دنیا کے غیر مسلموں سے زیادہ عزیز ہے۔ اس لیے کہ وہ مسلمان ہے۔ اس لیے کہ وہ نبی عربی فداہ ابی وامی کی امت مرحومہ کا فرزند ہے۔ کیا آسمان کے نیچے ایک مسلمان سے بڑھ کر بھی کوئی ہستی ہے۔ ترجمان حقیقت نے کیا پتہ کی بات کہی ہے۔

قطرۂ آب وضوئے قنبرے　　دربہا برتر از خون قیصرے

ہندو اخبارات کی افسوسناک ذہنیت:

شومیِ قسمت سے ایک دن خیال آیا کہ کچھ ہندو اخبارات بھی دیکھ لوں۔ دیکھنے کی دیر تھی کہ دوستوں نے ایک طومار بھیج دیا۔ سنہری، سُرخ اور سبز پھڑ کتے ہوئے رنگوں کے متعدد پرچے پہنچ گئے۔ میں نے سرسری نظر سے متعدد مضامین دیکھے۔ ان سے ایک عقدہ تو کھل گیا کہ کیوں مسلمان ہندو اخبارات نہیں پڑھتے؟ ایک تو یہ اخبارات ایسی زبان میں لکھے ہوئے ہیں جو ہندوستان میں کہیں نہیں بولی جاتی۔ دوسرے جو ادبی مذاق ان اخبارات میں پایا جاتا ہے وہ ایسا بلند اور پاکیزہ ہے کہ مسلمانوں کی فطری شرافت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ فحش زبانی، گالی گلوچ، بازاری گفتگو، بیچارے مسلمانوں کا دماغ کہاں کہ ان بلندیوں تک پہنچ سکے۔ مجھے شعروسخن سے انس ہے۔ ان میں اشعار بھی موجود ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔ آریہ ویر مؤرخہ 15 جنوری 1927ء میں ایک شاعر صاحب خودکشی کرنے کی یوں دھمکی دیتے ہیں:

تیغ سے ظالم کی ہم نے سر کٹانا ہے ضرور　　اِک نہ اِک دن زہر قاتل ہم نے کھانا ہے ضرور

بہت مبارک ارادہ ہے۔ ہم تو نہیں روکتے۔ خرچ بھی زیادہ نہیں کہ کفایت شعاری کے اصول کو نقصان پہنچے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے:

ہے سمایا سر میں یہ جوشِ جنون دھرم اب　　جان و دل مال و متاع ہم نے گنوانا ہے ضرور

سبحان اللہ! کیا پاکیزہ جذبات ہیں۔ سر میں ایسا جوش جنون سمایا کہ کفایت شعاری کو بھی چھوڑ دیا۔ ایک ڈاکٹر صاحب ہندوستان میں پاگل خانوں کی قلت کی شکایت کر رہے تھے۔ ممکن ہے ان کا خیال درست ہو!

آریہ سماج کا ''امن پسند'' فرقہ:

آریہ اخبارات کا ایک مطالبہ متفقہ ہے۔ وہ یہ کہ مسلمان اپنی ذہنیت کو بدل ڈالیں۔ میں نے کئی گھنٹے ان مضامین کے مطالعہ پر صرف کیے ہیں۔ میری ذہنیت بالکل بدل گئی ہے۔ آریہ اخبارات کو مبارک ہو۔ ان کے مسلمان ذہنیت کی تبدیلی کے مطالبہ نے ایک اور مسلمان کو شدھ کرلیا۔ ان اخبارات کے مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر

پہنچا ہوں کہ جب تک ایک آریہ سماجی بھی ہندوستان میں موجود ہے، ملک کو امن نصیب نہیں ہوسکتا۔ ہر ایک شخص کا، جس کو مادرِ ہند سے کچھ بھی محبت ہے اخلاقی فرض ہے کہ ہندوستان کی سرزمین کو اس پلیگ سے پاک کرنے میں انتہائی کوشش کرے۔ ہندوستان کی سرزمین کا ذرّہ ذرّہ اس وبا کے زہریلے اثرات سے الامان الامان پکار رہا ہے۔ ہر ایک انسان کا اخلاقی اور ایمانی فرض ہے کہ اس پلیگ کا مقابلہ کرے۔

پیغام صلح پر ایک نظر:

پیغام صلح کو مسلمانوں کی اقتصادی حالت درست کرنے کا بہت خیال ہے۔ پے در پے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ بہت مبارک خیال ہے۔ کامیابی کے لیے استقلال کی ضرورت ہے۔ پیغام صلح کی یہ نیک کوشش ضرور بارآور ہوگی۔ اس ضمن میں ایک افتتاحیہ میں یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ مسلمان مرد اپنی عورتوں کو جبری کفایت شعاری کی غرض سے ایک مقررّہ رقم خانگی اخراجات کے لیے دیں۔ اور کہ تمام کی تمام آمدنی ان کے ہاتھ میں نہیں دینی چاہئے۔ جیسا کہ آج تک دستور رہا ہے۔ اس امر میں ہندوؤں کی تقلید کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مجھے اس سے اختلاف ہے۔ ہندوؤں میں عورتوں کا درجہ بہت گرا ہوا ہے۔ ہندو سوسائٹی اور ہندو قانون اور ہندو مذہب میں عورت کا درجہ محض ایک ادنیٰ خادم کا درجہ ہے۔ مسلمانوں کے لیے ان کی تقلید ناممکن ہے۔

4 صفر 1346ھ

حضرت امیر کے قلم سے

حضرت مرزا صاحب اور اسلام

وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ (17:13)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام قرآن شریف میں ہر ایک مضمون کو طرح طرح کے پیرایوں میں بیان کیا ہے اور اسے عام فہم کرنے کے لیے ایسے موٹے اور سادہ اصول بتا دیئے ہیں جن سے اگر کام لیا جائے تو انسان بہت جلد ایک صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ انہی اصول میں سے ایک وہ ہے جو آیت:

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَقَّ وَالۡبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ (17:13) میں بیان فرمایا ہے۔ جہاں جھاگ کا، جو پانی کے اوپر اٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور پھر خود پانی کا ذکر کر کے فرمایا: كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَقَّ وَالۡبَاطِلَ (17:13) یعنی یہ حق اور باطل کی ایک مثال ہے۔ اور پھر اس کو یوں واضح فرمایا: فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَآءً (17:13) جھاگ رائیگاں جاتی ہے۔ یعنی اس سے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ گویا اسی طرح باطل ہے کہ گو وہ جھاگ کی طرح اوپر اٹھا ہوا ہے۔ گو ایک وقت وہ حق پر غالب نظر آتا ہو، جس طرح جھاگ پانی کے اوپر اٹھتی ہے۔ لیکن اس سے دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور حق کی مثال پانی سے ہے کہ وہ زمین میں سرایت کر کے سبزیاں نکالتا اور طرح طرح کے فوائد کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد فرمایا ہے: وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى

الْاَرْضِ (17:13) جو چیز لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین میں ٹھہرتی ہے۔

گویا حق کی یہ علامت ہے کہ وہ لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے۔ اور چونکہ نفع پہنچاتا ہے اسی لیے زمین میں قائم بھی رہتا ہے اور کوئی مخالفت کی طاقت اسے دنیا سے نابود نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جو چیز نافع ہو اسے خدا کی حکمت ضائع نہیں ہونے دیتی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کا بھی ثبوت ہے کہ وہ نافع چیز کو دنیا میں قائم رکھتا ہے۔ اگر یہ کارخانہ قدرت خود بخود ہوتا۔ اور کسی ہستی بالا کے قبضہ اقتدار میں نہ ہوتا تو نافع چیز کا قائم رہنا ضروری نہ تھا۔ اور یہ خدا کا قانون اس وقت برنگ پیشگوئی بیان کیا گیا جب اسلام کے دشمن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلام کو مٹا ہی چکے ہیں۔ اسلام کے دشمن اگر کبھی غور کرتے تو اسلام کی صداقت کا یہ ایک بین نشان تھا۔ جسے موٹی سے موٹی نظر بھی دیکھ سکتی تھی۔ کیا اسلام کے وجود سے دنیا کو نفع پہنچا یا نقصان؟ اس کا فیصلہ آسان ہے۔ اگر اسلام دنیا میں نہ آیا ہوتا۔ اور اخلاقی تنزل کی وہ حالت قائم رہتی جو اسلام کے آنے سے پیشتر تھی تو ظاہر ہے کہ انسان مدت سے بالکل وحشی ہو چکے ہوتے۔ کیا اس سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے؟ خواہ وہ کیسا ہی دشمنِ اسلام ہو کہ اسلام نے ملک عرب کے اندر سے شرک، بت پرستی، توہم پرستی، جہالت، فساد، نااتفاقی، فسق و فجور، زنا، شراب خوری، جوئے اور سینکڑوں بدیوں کو دور کر کے ان کی جگہ توحید، روشنی، علم، اتفاق، نیکی اور پاکیزگی کو پھیلایا؟ یہ اسلام کا پہلا ظاہر اور کھلا نفع ہے۔ جس سے سخت سے سخت معاند کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ اتنا عظیم الشان فائدہ ہے کہ دوسرے کسی انسان سے اتنا عظیم نفع نسل انسانی کو نہیں پہنچا۔ مگر اسی پر بس نہیں بلکہ اسلام سے اس نفع کا تمام دنیا کی قوموں کو پہنچنا ایک ثابت شدہ امر ہے۔ اسلام کے آنے سے پیشتر کل دنیا کی اخلاقی حالت گر چکی تھی۔ اور اسلامی اخلاق، اسلامی توحید، اسلامی تہذیب اور روشنی نے ان تمام قوموں پر اثر ڈالا جن کے ساتھ اس کا کسی قسم کا تعلق ہوا۔ اگر اسلام نے درمیانی زمانوں میں علم کی مشعل کو روشن کر کے یورپ تک یہ روشنی نہ پہنچائی ہوتی تو آج خود یورپ اور اس کے ساتھ ساری دنیا اندھیرے میں ہوتی۔ یہ کوئی چھوٹا سا احسان اسلام کا دنیا پر نہیں۔ پھر ایران پر، ہندوستان پر، چین پر ہر جگہ اسلام کا یہ پاکیزہ اثر صاف نظر آتا ہے۔ ورنہ یہ تمام ممالک حد درجہ کی اخلاقی ذلّت کو پہنچ چکے تھے۔

حق کی علامت نافع الناس ہونا ہے:

علاوہ اس کے کہ قرآن شریف نے حق کی علامت نافع الناس ہونا قرار دی ہے۔ فطرتِ انسانی کی

طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ اس کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جہاں سے ہمیں فائدہ پہنچے اس سے ہم محبت کرتے ہیں۔ اور جس سے نقصان پہنچے۔ اس کے متعلق ہمارے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا بار بار اسی لیے ذکر کرتا ہے کہ اس سے ہمیں محبت پیدا ہو۔ نیکی کے دینوی اور اخروی فوائد کا بدی کے بدنتائج اور اس سے مضرات کے پیدا ہونے کا طرح طرح کے پیرایوں میں اسی لیے بیان فرماتا ہے کہ نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت ہو۔ پس وہ شخص اپنے آپ سے دشمنی کرتا ہے جو اپنے فائدے اور نقصان کو دیکھے بغیر ایک چیز سے محبت یا نفرت رکھتا ہے۔ وہ گویا صحیح فطرت کے بھی خلاف چلتا ہے۔ پس اس بات کے معلوم کرنے کے لیے کہ ہمیں ایک شخص سے محبت رکھنی چاہئے یا نفرت۔ ہمیں اس کا ساتھ دینا چاہئے کہ اس کا نفع اور زیادہ ترقی کرے یا اس کی مخالفت کرنی چاہئے کہ اس کے مضرات سے اپنے آپ کو یا دوسرے لوگوں کو بچائیں۔ ایک ہی بات فیصلہ کن ہے۔ یعنی اس کی ذات سے ہمیں نفع پہنچا ہے اور پہنچنے کی امید ہے یا نقصان۔ اور اگر نفع اور نقصان دونوں بھی نظر آتے ہوں تو غالب پہلو نفع کا ہے یا نقصان کا۔

حضرت مرزا صاحب کی پرکھ:

آؤ! اس اصول پر ہم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو پرکھیں۔ بہت لوگ ہیں جنہوں نے بغیر سوچے سمجھے حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ وہ کبھی اتنا غور کرنے کی تکلیف نہیں اٹھاتے کہ حضرت مرزا صاحب کے وجود سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچا ہے یا نقصان۔ خوب یاد رکھو کہ نفع یا نقصان کا سوال واقعات کا سوال ہے۔ عقائد اور مسائل کا سوال نہیں۔ اور میں اس وقت اس بات پر بحث کرنا نہیں چاہتا کہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کیا ہیں۔ اور کیا وہ عقائد اہل سنت والجماعت کے کسی طرح خلاف ہیں یا نہیں۔ یہ بحث وہاں کرنے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے جہاں کچھ اشتباہ ہو۔ جو شخص ایک دفعہ نہیں، بیسیوں دفعہ اپنے قلم سے لکھ چکا ہے کہ میرے عقائد وہی ہیں جو اہل سنت کے عقائد ہیں، وہاں عقائد کے سوال میں جانے کی ضرورت بھی نہیں۔ پس میری بحث صرف واقعات سے ہے، اور سوال موٹا ہے۔ کیا مرزا صاحب کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچا ہے یا نقصان؟

تفرقہ کے الزام کی تردید:

نقصان کے پہلو کیا ہیں؟ سب سے بڑا نقصان جو بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے ایک نیا فرقہ پیدا کر کے اسلام کی قوت اتحاد کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہ اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی کہہ دیتے ہیں۔ مگر وہ واقعات پر غور کرنے کی تکلیف نہیں اٹھاتے۔ چونکہ بد قسمتی سے ایک غلط خیال حضرت مرزا صاحب کی طرف سے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس لیے اسے کبھی ایک رنگ دے دیا جاتا ہے کبھی دوسرا۔ کیا یہ امر واقعہ ہے کہ مرزا صاحب سے پیشتر اتحاد اسلام موجود تھا۔ نہیں۔ بلکہ اسلام کی قوت خطرناک طور پر تشتّت اور پراگندہ تھی۔ اور تمام مسلمان ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ اور مسلمانوں کی ساری قوت آپس کے نہایت ہی چھوٹے چھوٹے اور ذلیل جھگڑوں پر صرف ہو رہی تھی۔ اونچی اور نیچی آواز سے آمین کہنے کے جھگڑے ہائی کورٹوں میں جاتے تھے۔ ایک دوسرے کو کافر کہنے کا شغل تھا۔ اتحادِ اسلام کا نام و نشان نہ تھا۔ جس کو نقصان پہنچانے کا نام لیا جائے۔ لیکن ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ یوں نہ سہی یوں سہی کہ مرزا صاحب کے آنے سے اسلام کے موجودہ تفرقہ میں بجائے کمی کے اضافہ ہو گیا۔ فی الواقع اگر حضرت مرزا صاحب اپنی جماعت کو اسی میں لگا دیتے، جس ادنیٰ ادنیٰ مسائل کے جھگڑے میں پہلے مسلمان لگے ہوئے تھے، تو یہ نیا فرقہ یا نئی جماعت بلاشبہ مسلمانوں کے تفرقہ میں اضافہ کا موجب ہوتی۔ لیکن باوجود اس کے کہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی پر ایک سخت طوفان اٹھا اور تکفیر کے نہایت خطرناک فتوے تیار ہوئے۔ اور بعض اندرونی جھگڑے خاصہ وقت بھی لے گئے۔ جسے خود حضرت مرزا صاحب ناپسند ہی نہ کرتے تھے بلکہ اس پر افسوس بھی کرتے تھے کہ علما نے خواہ مخواہ میرے راستے میں رکاوٹ پیدا کی ہے۔ وہ خاموش رہ کر کچھ عرصہ کے لیے میرے کام کو دیکھیں۔ اگر اسے اسلام کے لیے مفید پائیں تو میرے ساتھ ہو جائیں اور اگر نقصان دہ پائیں تو جس قدر چاہیں میری مخالفت کریں۔ مگر کسی نے اس بات کو بھی نہ سنا۔ اس کے باوجود ایک حکیم کی طرح حضرت مرزا صاحب نے اپنی جماعت کی توجہ کا غالب پہلو بیرونی دشمنانِ اسلام کی طرف کر دیا۔ اور عیسائیت اور آریہ سماج پر نہ صرف خود بڑا قیمتی لٹریچر پیدا کیا، جس سے آپ کے اندرونی دشمن تک بھی فائدہ اٹھاتے رہے بلکہ یہی خوبی اپنی جماعت میں بھی پیدا کر دی۔ اور انہیں عیسائیت اور آریہ سماج کے خلاف مضبوط حربے دے کر اس میدان کا پہلوان بنا دیا۔ حضرت مرزا صاحب کے تقریباً ساتھ ہی ساتھ اہل قرآن کی تحریک بھی پیدا ہوئی۔ مگر چونکہ اس تحریک کی بنا یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (15:40) پر نہ تھی۔ اس لیے اس کی تمام تر قوت انہی اندرونی جھگڑوں اور فروعی مسائل پر

ہی خرچ ہوئی۔ جن میں مسلمان پہلے مبتلا تھے۔ اس لیے اگر اس کے متعلق یہ کہا جائے اس نے مسلمانوں کے سابقہ تشتّت اور تفرقہ میں اضافہ کیا۔ تو یہ بات درست ہے۔ لیکن ایک ایسی تحریک، جو باوجود اس کے کہ علماء اسلام نے سب سے بڑھ کر اسے اپنے حملوں کا نشانہ بنایا اور اسے بیخ و بنیاد سے اکھاڑنے کے لیے پورا زور صرف کیا، بجائے اندرونی جھگڑوں میں مبتلا ہو جانے کے اسلام کو قوت پہنچائی۔ اور اس کے دشمنوں کے سامنے سینہ سُپر ہوتی ہے اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے موجودہ تفرقہ میں اضافہ کیا، واقعات کی طرف سے آنکھیں بند کرنا ہے۔ جس دن تمام اسلامی فرقے اس حد تک اعداء اسلام کے مقابلہ کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اور اپنے روپے اور وقت کو اسی طرح اسلام کی حفاظت و اشاعت میں لگا دیں گے، جس طرح احمدی جماعت نے لگایا ہے، اس دن اسلام کا تفرقہ خود بخود دور ہو جائے گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ حضرت مرزا صاحب نے اس اصول کو زندہ کر کے، کہ جس شخص میں ننانوے وجوہ کفر اور ایک وجہ اسلام ہو، اسے کافر نہیں بلکہ مسلمان کہو۔ اسلام کے اتحاد کی وہ عظیم الشان بنیاد گویا از سرِنو رکھ دی ہے۔ جس سے مسلمانوں کی قوت دوبارہ عود کر سکتی ہے۔

فروعی مباحث کی اہمیت:

شاید کہا جائے گا کہ بہت سے فروعی مباحث حضرت مرزا صاحب کے وجود سے بھی پیدا ہوئے۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت مرزا صاحب نے صرف انہی فروعی مباحث کی طرف توجہ کی ہے جو فی الواقع اپنی موجودہ صورت میں اسلام کے نقصان کا موجب اور اعداء اسلام کی قوت کا موجب ہو رہے تھے۔ مثلاً آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے متعلق بحث کو بہت لمبا کیا ہے۔ تو اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کی خدائی کا انکار کرتے کرتے خود مسلمانوں نے اسے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات میں شریک بنا دیا تھا۔ اور یہی باتیں مسلمانوں سے لے کر عیسائیوں نے عیسائیت اور اسلام کی جنگ میں انہیں اسلام کے خلاف خطرناک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ اور حضرت عیسیٰ کی زندگی کے عقیدے کو، جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، کہ وہ چوتھے آسمان پر اسی جسدِ عنصری کے ساتھ بغیر کھانے پینے کی احتیاج کے موجود ہیں، اور ان کے جسم میں بھی کوئی تغیر نہیں آیا، عیسائیوں نے لے کر مسلمانوں کو گمراہ کرنا شروع کیا کہ تمہارے اپنے عقیدے کے مطابق تمہارے پیغمبر زمین میں مدفون ہیں۔ مگر حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ ہیں۔ گویا سب رسولوں سے نرالے ہیں۔ پھر یہ کہ سب رسولوں کے لئے

اللہ تعالیٰ نے قانون بیان فرمایا: وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (8:21) ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں۔ مگر حضرت عیسیٰؑ اس جسد عنصری کے باوجود کھانے پینے کے محتاج نہیں۔ پس وہ بشر رسولوں سے علیحدہ کوئی ہستی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی کہا کہ جس طرح خدا اَلْاٰن کما کان کا مصداق ہے حضرت عیسیٰ بھی الان کما کان کے مصداق ہیں۔ کیونکہ ان کے جسم میں کوئی تغیر دو ہزار سال سے نہیں آیا۔ تو ان ہتھیاروں کو توڑنے کے لئے مرزا صاحب کے لیے یہ ضروری ہوا کہ وہ مسلمانوں کے دلوں سے ایک ایسے عقیدے کو نکالیں جو اعداء اسلام کے لیے قوت اور خود مسلمانوں کے لیے کمزوری کا موجب ہو رہا ہے۔ ایسا ہی یہ خیال کہ امام مہدی تلوار سے لوگوں کو مسلمان بنائیں گے، اعداء اسلام کے لیے قوت کا موجب ثابت ہو رہا تھا۔ کیونکہ یوں ان کا یہ اعتراض اسلام پر پختہ ہوتا تھا کہ اسلام بذریعہ تلوار پھیلا ہے۔ تو اس امر کو بھی حفاظت اسلام کے لیے اور اعداء اسلام کی قوت کو توڑنے کے لئے حضرت مرزا صاحب نے زور سے بیان کیا۔ اور ان دو دعووں سے کہ وہ مسیح اور مہدی، جس کے آنے کی احادیث میں پیشگوئی ہے، میں ہی ہوں، ہمیشہ کے لیے اسلام کے راستے سے ان دو خطرناک رکاوٹوں کو دور کر کے اس کی اشاعت کا راستہ کھول دیا۔ کوئی شخص نہیں دکھا سکتا کہ آپ ایک لمحہ کے لیے بھی ان چھوٹے چھوٹے مباحث میں پڑے ہوں جن میں اس وقت مسلمان علماء عام طور پر سر سے پیر تک غرق تھے۔ بلکہ ان تمام فروعی اختلافات میں اپنی جماعت کے لیے یہ وسیع مسلک قائم کیا کہ باوجود ان میں اختلاف کے تم سب ایک متحد جماعت بن سکتے ہو۔ پس ان کی طرف توجہ بھی نہ کرو۔ یہی راز تھا۔ جس نے آپ کو اس قدر کامیابی کے مقام پر پہنچایا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو ایک نہایت نکمے شغل سے نکال کر اعلیٰ درجہ کے کام پر لگا دیا۔

دعاوی مسیحیّت و مہدویّت کے فوائد:

اگر کچھ بھی غور و فکر سے کام لیا جاتا تو یہی امور، جن میں تحریک احمدیت کو نقصان رساں خیال کیا جاتا ہے، صاف معلوم ہو جاتا، کہ وہ حقیقتاً اسلام اور مسلمانوں کے لیے عظیم الشان نفع کا موجب ہوئے ہیں۔ مسیح موعود اور مہدی ہونے کے دعوؤں کے متعلق یہ سوال کہ ان سے بیکار مباحث کا دروازہ کھل گیا ہے، عدم تدبر کا نتیجہ ہے۔ اسلام کو ان دو باتوں نے یعنی حضرت عیسیٰ کی زندگی کے خیال نے ایک طرف بمقابلہ مسیحیت کی زبردست کوششوں

کے اور اسلام کے تلوار سے پھیلنے کے خیال نے دوسری طرف اس قدر نقصان پہنچا رکھا تھا کہ جن کا ازالہ اور کسی صورت میں ہو ہی نہ سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو مسیح اور مہدی کا نام دے کر بتا دیتا کہ اسلام نہ کسی بنی اسرائیلی نبی کے آسمان سے اترنے کا محتاج ہے اور نہ کسی مہدی کی تلوار کا محتاج ہے۔ بلکہ وہ اپنے پاک اصولوں کی وجہ سے، اپنی روحانی طاقت سے اور اپنی روحانی قوت سے اور اپنی اندرونی کشش سے دنیا میں غالب ہوگا۔ اور یہ وہ عظیم الشان کام تھا، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے چودھویں صدی کے مجدد کو کھڑا کیا۔ تا کہ وہ غلبۂ اسلام کے راستے کو صاف کر دے۔ جن دعوؤں پر مسلمان واقعات کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے کی وجہ سے ٹھوکر کھا رہے ہیں، وہی اسلام اور مسلمانوں کی حقیقی منفعت کا اور اعداء اسلام کی قوت توڑنے کا اور اسلام کو نقصان سے بچانے کا موجب ہیں۔ معلوم نہیں ہماری قوم کی آنکھیں کب کھلیں گی کہ وہ اپنے فائدہ کی بات پر ناراض ہونے کی بجائے خوش ہوں، اور اس شخص کی آواز پر لبیک کہیں جس نے کافر و دجال کہلانا پسند کیا۔ مگر یہ پسند نہ کیا کہ اسلام کی اشاعت کے راستے میں کوئی روک باقی رہ جائے۔ وہ اُس وقت بھی اشاعتِ اسلام کا دنیا میں اکیلا پہلوان مانا جاتا تھا۔ جب اس نے یہ دعاوِی کیے مسلمانوں کے دلوں میں ان دعوؤں سے پیشتر اس کے لیے وہ عزت کا مقام تھا جس کی دنیا کے اکثر لوگوں کو تڑپ ہوتی ہے مگر اس نے اسلام کی منفعت کے لیے اور مسلمانوں کی انجام کار بہتری کے لیے اس دنیوی عزت کے مقام پر بھی لات ماری۔ اس کو یہ پرواہ نہ تھی کہ اس کو اچھا کہا جائے۔ بلکہ اس کے دل میں ایک ہی تڑپ اور ایک ہی زبردست جذبہ تھا کہ اسلام کو اچھا کہا جائے۔ اور اسلام اور محمد رسول اللہ دنیا کے محبوب ہوں۔ اس نے محمد رسول اللہ کے عشق میں دجال کہلانا پسند کیا ؎

بعد از خدا بہ عشق محمدؐ مخمرم گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

تحریک احمدیت کا منفعت بخش پہلو:

یہ تحریک احمدیت کے خیالی نقصان کے پہلو تھے۔ مگر اب اس فائدہ کو بھی دیکھو جو حضرت مرزا صاحب کے وجود سے اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا۔ کیا اس بات سے کسی کو انکار ہوسکتا ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب نہ ہوئے ہوتے تو آج وہ اسلامی لٹریچر دنیا میں نہ ہوتا۔ جسے تحریک احمدیت نے پیدا کیا۔ نہ مسلمانوں کا انگریزی میں کوئی ترجمہ قرآن ہوتا، نہ ان کے کوئی خالص مذہبی رسالے انگریزی اور جرمن میں ہوتے۔ نہ وہ اسلامی تعلیم کے

پاکیزہ اصول آنکھوں کے سامنے آ کر دشمنوں کا منہ بند کرتے، جنہیں آج تحریک احمدیت نے زندہ کیا ہے۔ نہ عیسائیت کے خلاف ان کے ہاتھ میں وہ کاری حربے ہوتے جو ووکنگ، برلن اور لاہور سے نکل رہے ہیں۔ نہ ان کے انگلستان، جرمنی اور امریکہ میں کوئی مشن ہوتے۔ نہ ان ممالک میں سینکڑوں کی تعداد میں پرستاران صلیب حلقۂ بگوشان رسول عربی ﷺ ہو گئے ہوتے۔ نہ ان کفرستانوں میں اللہ اکبر کی آوازیں بلند ہوتیں۔ نہ یورپ کے عین مرکز میں عظیم الشان مسجد برلن کا وجود ہوتا۔ نہ ہندوستان میں آریہ سماج کے مقابلہ میں کوئی لٹریچر ہوتا۔ نہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے احمدی مناظرین ہوتے جو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگاتے اور مسلمانوں کی قوت کا موجب ہوتے ہیں۔ اب ہر شخص خود ہی غور کر لے کہ کیا وہ ان چیزوں کے عدم وجود کو ان کے وجود پر ترجیح دیتا ہے؟ کیا یہ باتیں نہ ہوتیں تو اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ تھا یا ان کے ہونے میں اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ ہے؟ میں ایک دشمن احمدیت سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا احمدیت کے متعلق اس کے حاسدانہ خیالات کا تقاضا کیا ہے۔ کیا وہ حضرت مرزا صاحب یا احمدیت کا نام آنے پر دل میں نہیں کڑھتا۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ وہ آریہ سماج اور عیسائیت کے مقابلہ میں خاموش رہنا گوارا کر سکتا ہے مگر احمدیت کو جب تک مٹا نہ لے اس کے دل کا غضب کم نہیں ہوتا۔ کیا وہ اپنی ساری قوت اعداء اسلام سے ہٹا کر احمدیت کی بربادی پر صرف کرنے کے لیے تیار نہیں؟ مگر میں اس سے یہ بھی پوچھتا ہوں کہ یہ کیوں ہے؟ کیا یہ جذبہ نفرت واقعات پر مبنی ہے؟ کیا اگر تحریک احمدیت پیدا نہیں ہوئی ہوتی تو آج اسلام اور مسلمان بہتر حالت میں ہوتے؟ کیا تحریک احمدیت کے پیدا ہونے سے واقعی اسلام اور مسلمانوں کا کچھ بنا ہے یا کچھ بگڑا ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جس چیز میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع ہے۔ جس تحریک نے مسلمانوں میں ایک منظّم اشاعتِ اسلام کے لیے مالی اور جانی قربانیاں کرنے والی جماعت پیدا کر دی ہے۔ جس تحریک نے اسلام کے شجر کی حفاظت اور اس کے نشوونما میں پوری کوشش کی ہے۔ اس سے نفرت کی جاتی ہے۔ اور اس کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر خوب یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (17:13) جو چیز لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے، وہ برباد نہیں ہوتی۔ تحریک احمدیت نافع الناس ہے۔ اور اس لیے مٹ بھی نہیں سکتی۔ خدا کے قانون کے خلاف زور نہ لگاؤ۔ بلکہ واقعات کو سامنے رکھ کر ان پر غور کر کے نفرت کے سیاہ جذبہ کو دل سے نکال کر اس کی جگہ اس تحریک سے، جو خادم اسلام اور نافع الناس ہے، محبت پیدا کرو۔ تمہاری نفرت اس وقت مرزا صاحب سے نفرت نہیں۔ وہ تو فوت

ہو چکے۔ یہ خدمت اسلام کے اس کام سے نفرت ہے جس کو آج دنیا دیکھ رہی ہے۔ اور اگر تم اس سے محبت کرو گے تو وہ محبت بھی خدمت اسلام سے ہوگی۔

حفاظت و اشاعت اسلام کا احیاء:

میں کہتا ہوں کہ اگر واقعات پر غور کیا جائے تو اشاعتِ اسلام کا جذبہ قوم میں احمدیت ہی نے پیدا کیا ہے۔ مسلمان الّا ماشاءاللہ اس بات سے بالکل بے خبر اپنے جھگڑوں میں مبتلاء تھے۔ بحیثیت جماعت ان میں کوئی انتظام اشاعت اسلام کا نہ تھا۔ حفاظت و اشاعتِ اسلام کے کام کو احمدیت نے زندہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ پر اگر یورپ میں حملے ہوتے دیکھے تو وہاں بھی اسلام کا جھنڈا جا گاڑا۔ ہندوستان میں بھی پادریوں کو جواب، جو اسلام کے خلاف بدزبانی میں آریوں کے استاد ہیں، ایسا دیا کہ انہوں نے اپنا رویہ بدل دیا۔ آریہ سماجیوں کا جواب بھی دے رہے ہیں۔ غرض اشاعتِ اسلام کی طرف، جس سے مسلمانوں کی زندگی اور ان کی ترقی وابستہ ہے، جس میں مسلمانوں کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے، مسلمانوں کو اگر کسی قوم نے متوجہ کیا تو وہ وہی قوم ہے جو اس صدی کے مجدد کے دامن سے وابستہ ہے۔ حفاظت و اشاعتِ اسلام کا جذبہ جو مسلمانوں کے دلوں میں بالکل خوابیدہ ہو گیا تھا۔ تحریک احمدیت ہی نے اسے بیدار کیا ہے۔ اگر وہ کوئی عملی رنگ کا مفید کام نہ بھی ہوا ہوتا تو حضرت مرزا صاحب کا اس جذبہ کو دلوں میں اس طرح بلند کر دینا ہی ایک عظیم الشان خدمتِ اسلام تھی۔ جس کے سامنے ہر ایک کلمہ گو کو ان کا مرہونِ منت ہونا چاہئے تھا۔ نہیں۔ بلکہ اس کام کو قوت دینی چاہیئے تھی۔ کیونکہ اگر ایک چھوٹی سی جماعت نے اس قدر عظیم الشان کام کر دکھایا ہے جو مسلمانوں میں ابھی اتنا بھی نہیں جیسے آٹے میں نمک۔ تو مقام غور ہے کہ اگر سب مسلمان دامن مجدد سے وابستہ ہو کر ایک متفقہ کوشش کرتے تو آج دنیا میں اسلام کے لیے کتنا بڑا انقلاب پیدا ہو گیا ہوتا، ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں اس وقت یورپ میں اور کروڑوں کی تعداد میں ہندوستان میں محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی کا دم بھرنے والے اور آ گئے ہوتے۔ اب غور کیجیے کہ ان کے نہ آنے کا گناہ کس پر ہے؟ کیا انہی لوگوں پر نہیں جو ایک خدمتِ اسلام کے کام کو، اسلام اور مسلمانوں کے فائدہ کے کام کو، ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر پھر بھی اٹھ کر ساتھ نہیں ہوتے کہ اس کام کو قوت دیں؟ کیا یہ غفلت، یہ بے تعلقی، جہاں تک خدمت اسلام کا سوال ہے، مجرمانہ نہیں؟ افسوس کہ اسلام کا پودا پانی کا محتاج ہے۔ اور اس کی

ٹہنیاں اور پتے خشک ہو کر گر رہے ہیں۔ مگر آہ! ہماری غفلت اور لاپرواہی کہ اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ اور شاید بعض وقت ہماری آنکھوں میں آنسو بھی آ جاتے ہیں۔ مگر اس قدر ہمت نہیں کہ اٹھیں اور جس جماعت کو اس کی آبیاری کرتے دیکھ رہے ہیں اس کے ساتھ ہم بھی مل جائیں۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

21 ستمبر 1927ء

مقدمہ ''دی لائٹ''

حضرت امیر ایدّہ اللہ، مولوی محمد یعقوب خاں صاحب ایڈیٹر دی لائٹ اور ان کے رفقاء کی گرفتاری زیر دفعہ 153 الف پر مقدمہ کے متعلق چند ضروری مشورہ طلب امور کی خاطر 15 ماہ حال کو لاہور تشریف لائے۔ 16 ستمبر کو بروز جمعہ آپ نے جو نہایت ہی سبق آموز اور پند و نصائح سے لبریز خطبہ پڑھا وہ اسی اشاعت میں کسی دوسری جگہ درج ہے۔ آپ نے خطبہ کے اختتام پر اس مقدمہ کے خرچ اخراجات کے لیے ایک مختصر اپیل جماعت کے سامنے پیش کی۔ جس پر موجودہ مقامی احباب نے لبیک کہا۔ 527 روپے کے وعدے ہوئے۔ کچھ رقم اسی وقت وصول بھی ہو گئی۔ مردوں کے علاوہ مستورات نے بھی اس کار خیر میں حصہ لیا۔ اور زیورات اور نقدی سے اس فنڈ کو مضبوط کیا۔ بیرونی احباب سے بھی مؤدبانہ مگر پر زور درخواست کی جاتی ہے کہ اس کار خیر میں شامل ہوں۔ اور ہر شخص حسب حیثیت اس میں ضرور حصہ لے۔ اخبار ''دی لائٹ'' کی آئندہ اشاعت میں انشاء اللہ اس چندہ کی مستقل فہرست کھول دی جائے گی۔ جو احباب انگریزی اخبار نہیں منگواتے، ان کے لیے اس کی نقل اخبار ''پیغام صلح''، میں بھی شائع کر دی جایا کرے گی۔ امید ہے کہ احباب حضرت امیر کی اس اپیل پر فوراً لبیک کہیں گے اور دوسرے احباب سے بھی چندہ وصول کر کے فوراً بھیجیں گے اور عنداللہ ماجور ہوں گے۔

محمد منظور الٰہی

سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور

یونان:

احمد راسم آفندی صاحب تھریس (علاقہ یونان) سے لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ ہوا۔ آپ نے لکھا تھا کہ عربی کے بعض الفاظ قرآنی کا صحیح ترجمہ ترکی اور دیگر غیر عربی زبانوں میں نہیں ہو سکتا۔ مثلاً الرحمٰن الرحیم کا صحیح مفہوم ترکی کے کسی ایک لفظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے یہ نوٹ قسطنطنیہ کے اخبار وقت میں پڑھا تھا۔ جس

نے مختصراً آپ کا پتہ لکھا تھا۔لیکن مکمل پتہ نہ ملنے کے باعث میں آپ سے خط وکتابت نہ کرسکا۔اب قسطنطنیہ کے اخبار''جمہوریت'' سے آپ کا مفصل پتہ معلوم ہوا۔اس لیے یہ خط براہ راست لکھتا ہوں۔ میں ترجمۃ القرآن غیر عربی زبانوں میں شائع ہونے کا حامی ہوں اور یہاں مدرسی کا کام کرتا ہوں۔سیاسی حالات کی پیچیدگی کے باعث مذہبی مضامین شائع کرنا ذرا دشوار ہے۔ترکوں کی موجودہ روش دیکھ کر مجھے فکر ہے کہ کہیں وہ آہستہ آہستہ اسلام سے دور نہ چلے جائیں۔

میں نے عرصہ سے احمدیہ جماعت کا حال اور ان کی خدمات اسلام کا حال سنا تھا۔اور میرا بھی اس جماعت سے اس بات میں اتفاق ہے کہ اسلام کو ملاّ نوں اور پیروں کی خرافات سے پاک کر کے صحیح طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ایسی مصلح جماعت کا نام سوائے''احمدی'' کے، جو حضرت نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک ہے اور کوئی موزوں نہ ہوسکتا تھا۔میں سب سے پہلے آپ کی ان کوششوں کا، جو آپ ترقی واتحادِ اسلامی کے لیے کر رہے ہیں دلی شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان مقاصد عظیمہ میں کامیاب و بامراد کرے۔

یورپ کے مختلف مرکزوں میں مساجد کا تعمیر کرنا ایک نہایت متبرک کام ہے۔آپ کو چاہیئے کہ آپ اپنی کارگزاریاں باقاعدہ اخبارات میں شائع کیا کریں۔تاکہ مسلمانان عالم کی دلچسپی آپ کے کام سے بڑھے۔اس بات میں آپ کو عیسائی مشنریوں کی تقلید کرنی چاہیئے۔ میں انگریزی اور فرنچ جانتا ہوں۔اس لیے غیر مسلم لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے کا اہل ہوں۔ اگر آپ مجھ سے کچھ خدمتِ اسلام لینا چاہیں تو میں ہر طرح حاضر ہوں۔ اور بصورت زادراہ مہیا ہو جانے کے ہندوستان میں بھی آنے کو تیار ہوں۔تاکہ آپ کے ساتھ مل کر خدمتِ اسلام کا کام کرسکوں۔

امریکہ:

ملک نور محمد صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے حضرت مولانا صاحب کا پیغام''شبِ برات'' جو انہوں نے مسلمانوں کے نام شائع کیا تھا کہ وہ اپنے روپیہ کو بہترین مصرف پر استعمال کریں، پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ یقیناً ہمیں مسلمانوں اور اسلام کی بہبودی کے لیے ایسا ہی کرنا چاہیئے۔کیا آپ کوئی اور ذریعہ بھی جانتے ہیں جہاں

مسلمانوں کا روپیہ ضائع ہو رہا ہے۔ میرا مطلب اس سے قبروں اور ملانوں اور پیروں کی نذر نیاز ہے۔ اگر ایک مرکزی انجمن بنا کر مختلف اضلاع میں شاخیں قائم کر کے تمام روپیہ ایک جگہ جمع کیا جائے تو یہ مسلمانوں کی تعلیم و دیگر قومی ضروریات میں کام آ سکتا ہے۔ اور مسلمانوں میں عام بیداری اور تعلیمی ترقی پیدا کر سکتا ہے اور اسلامی تعلیم کے پھیلانے میں کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔

دی لائٹ ہمارے لیے بڑا مفید ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن اس کی کمزور شعاعیں اس اندھیرے ملک میں کافی طور پر پھیل نہیں سکتیں۔ تاہم جس قدر رہو رہا ہے، وہ خدا کے فضل سے امید سے بڑھ کر ہے۔ ہمارے بہت سے مسلمان بھائی یہاں کے کالجوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اور بعض کئی سالوں سے کاروبار میں مصروف ہیں۔ چونکہ ہمیں محنت مشقت کر کے اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے پڑتے ہیں، اس لیے ہم آپ کی کافی طور پر امداد نہیں کر سکتے۔ میں دو آدمیوں کے نام بھیجتا ہوں جن کے لیے ''لائٹ'' رہبری کا موجب ہوگا۔ اس میں سے جو لیڈی ہے اس کا میلان طبع اسلام کی طرف ہے۔

سرویا:

برادر مصطفیٰ حسن صاحب لکھتے ہیں کہ آپ کا خط حافظ صابری صاحب کے پاس دیکھا۔ جنہوں نے آپ کے خط کا جواب لکھ کر مجھے دیا کہ اپنے خط کے ہمراہ آپ کی خدمت میں بھیج دوں۔ افسوس کہ مصطفیٰ فورطو صاحب ترجمۃ القرآن کا کام نبھا نہ سکا، اس لئے شیخ الاسلام صاحب کو اس سے اپنی جرات کرنا پڑی۔ امید ہے کہ شیخ الاسلام صاحب بھی اس بارہ میں آپ کو مفصل طور پر لکھیں گے۔ مہربانی فرما کر اپنے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے کام سے ہمیں اطلاع دیتے رہیں۔ تا کہ ہم میں بھی کچھ بیداری پیدا ہو۔

28 ستمبر 1927ء

مکتوبات امیر

موجودہ حالات میں ہماری جماعت کا مَسلک

(گذشتہ ایام میں جو جوش مسلمانوں میں راجپال کی کتاب اور اس کے فیصلہ پر پیدا ہوا تھا اور جس کا اثر اب بھی ہندو معاصرین کے پروپیگنڈے کی وجہ سے باقی ہے۔ اس کے متعلق بعض احباب نے حضرت امیر سے دریافت کیا کہ ہماری جماعت کا مسلک کیا ہونا چاہئے۔ اور کیا ان حالات میں الگ جلسے کرنا ضروری ہیں یا دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہئے۔ ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں حضرت امیر نے جو خط لکھا وہ اس قابل ہے کہ ہدیہ قارئین پیغام صلح کیا جائے۔ نہ صرف اس وجہ سے کہ اس سے ان کوششوں کا پتہ لگ سکتا ہے جو ہماری جماعت نے اس سلسلہ میں کی ہیں۔ بلکہ بعض غیر از جماعت دوستوں کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو سکتی ہے کہ جماعت احمدیہ نے ایسے موقعوں پر مسلمانوں کی ہمنوائی سے احتراز کیا ہے۔ مدیر)

اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا خط بنام سیکرٹری صاحب مجھے کل شام کو ملا۔ جس میں آپ نے یہ دریافت کیا ہے کہ ہمیں اس وقت کیا کرنا چاہئے۔ جہاں تک میں واقعات موجودہ کو سمجھتا ہوں مسلمانوں کو جگانے کے لیے یہ سامان ہوا ہے۔ تعلیم اسلام دنیا میں اس قدر بدنام ہوئی کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ پاکوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایسے ناپاک الزامات لگائے گئے اور آپؐ کی ایسی تصویر کھینچی گئی کہ جس سے آپؐ کے متعلق دلوں میں تنفر پیدا ہو جائے۔ تمام یورپ اس لٹریچر سے بھر گیا۔ اور جب یورپ کا مادی اقتدار دوسرے ملکوں پر بڑھا تو آہستہ آہستہ اس کا اخلاقی اثر بھی پھیلنے لگا۔ اور مسیحی پادریوں نے ان ناپاک باتوں کو ہندوستان میں بھی خوب زور سے پھیلایا۔ ہندو

قوم جو ہمیشہ سے بانی اسلام علیہ السلام سے تو کیا، تمام بزرگانِ اسلام سے حسن عقیدت رکھتی رہی تھی، اس کے خیالات پر اس کا اثر ہوا۔ اور ہندوستان میں آریہ سماج کی صورت میں اس کا زہریلا اثر نمودار ہوا۔ راجپال تو کیا، خود سوامی دیانند نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف سخت زہر اگلا ہے اور کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' میں وہ موجود ہے۔ لیکھرام نے جو حد درجہ کی بدزبانی آپؐ کی شان میں کی ہے۔ وہ بھی مخفی نہیں۔ اس بدزبانی میں ایک نے دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ وقت آ گیا تھا کہ یہ بدزبانی انتہا کو پہنچ کر اس کے انسداد کی کوئی صورت پیدا ہو۔ اور مسلمانوں میں ایک بیداری پیدا ہو جائے کہ وہ رسول خدا ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اور اس طرح تعلیمِ اسلام اپنے صحیح رنگ میں دنیا کے سامنے پیش ہو۔ تا کہ دنیا کو معلوم ہو کہ وہ انسان دنیا کے لیے کس طرح رحمت بن کر آیا ہے جس کی تصویر مخالفوں نے ایسی سیاہ کھینچی ہے۔ راجپال کا مقدمہ ان اسباب کو پیدا کرنے کا ایک ذریعہ بن گیا ہے۔ اور ہائی کورٹ کے فیصلے نے تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک دین اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے لیے غیرت کا جوش پیدا کر دیا ہے۔ اور بتا دیا ہے کہ مسلمانوں میں وہ محبت خدا کی اور اس کے رسولؐ کی اور اس کے پاک کلام کی موجود ہے کہ وہ اپنا سب کچھ ان کے لیے قربان کر سکتے ہیں۔ اب ہمیں اگر ضرورت ہے تو صرف یہ کہ اس جوش کو، جو پیدا ہوا ہے، صحیح راستہ پر لگایا جائے۔ جہاں تک خود اس کتاب کا سوال ہے، جو کوشش عرصہ دو سال میں ہماری طرف سے ہوتی رہی ہے، اس کا علم شاید ہماری اپنی بیرونی جماعتوں کو بھی نہیں۔ جب گورنمنٹ نے راجپال پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا تو آریہ سماج ہی نہیں بلکہ عموماً دوسرے ہندو لیڈر بھی اس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے۔ اور راجپال کو قانونی گرفت سے بچانے کے لیے انتہائی کوشش کی گئی۔ اور درمیان میں ایسے مرحلے بھی آئے کہ جو ناپاک طریق اس کتاب میں اختیار کیا گیا تھا، اس کو اور زیادہ مؤید کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس عرصہ میں ایک ہماری ہی انجمن تھی جو تمام مسلمانوں کی طرف سے اس مقدمہ کی پیروی کے لئے نمائندگی کا حق ادا کرتی رہی۔ جس کا علم اہل لاہور کو خوب ہے۔ جہاں تک جاری طاقت میں تھا ہم نے یہ کوشش کی کہ اس قسم کی تحریریں قانون کے نیچے قابل مؤاخذہ قرار پائیں۔ تا کہ آئندہ ان لوگوں کو، جو مختلف قوموں میں اس طرح تنفر اور عداوت کا بیج بونا چاہتے ہیں، یہ جرأت نہ ہو، اور اگر خدا تعالیٰ کے اخلاقی قانون کی پروا انہیں نہیں، تو کم سے کم ملکی قانون کی گرفت سے ڈرتے رہیں۔ لیکن اگر یہ فیصلہ اسی طرح ہوتا جس طرح

ہمارے دل چاہتے تھے تو یہ جوش محبت مسلمانوں کے دلوں میں پیدا نہ ہوتا۔

پس یہ واقعہ کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ عَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ(216:2) قانون تو بانیاں مذاہب کی عزت کے تحفظ کے لیے موجودہ تعزیرات میں مل جائے گا یا نیا بن جائے گا۔ لیکن ہماری کوئی کوشش مسلمانوں میں اس امر کے لیے کہ عملی رنگ میں رسول اللہ ﷺ کی عزت کی حفاظت کے لیے کھڑے ہو جائیں، وہ جوش پیدا نہ کر سکتی تھی جو ان واقعات نے کر دیا ہے۔ یہ واقعات کوئی ہماری کوشش سے پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ اگر ہماری کوشش کامیاب ہو جاتی اور راجپال قانون کی گرفت میں آ جاتا، تو بہت سے ایسے مسلمان تھے جن کو یہ خبر بھی نہ ہوتی کہ آریہ سماج کیا زہر پھیلا رہی ہے۔ اور کس قدر کوشش کی ضرورت ہے کہ اس کا تریاق پیدا کیا جائے۔ اب موجودہ حالت، یعنی جو آواز اسلامی ہندوستان میں اٹھی ہے، یہ تو صرف مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے ہے۔ اصلی کام جو کچھ ہے وہ ابھی ہمارے سامنے ہے۔ اگر یہ خیال کر لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی عزت کا تحفظ محض ایک قانون بن جانے سے ہو جائے گا، تو یہ ہرگز صحیح نہیں اور نہ کسی مسلمان کو اس بات پر مطمئن ہونا چاہیے۔ بلکہ اب اس بیماری کا، جو دنیا میں پیدا ہو چکی ہے، مستقل انتظام کرنا چاہیے۔ اور اس میں اسلام اور مسلمانوں کی حقیقی کامیابی ہے۔ کیونکہ جس قدر آپ کی صحیح تصویر کو ہم دنیا کے سامنے لائیں گے اسی قدر لوگوں کی گردنیں اسلام کے آگے جھکتی چلی جائیں گی۔ اور یہی امر اسلام کی قبولیت اور ترقی کا موجب ہوتا چلا جائے گا۔ مگر افسوس کہ اس فرض کی ادائیگی میں مسلمانوں نے اب تک سخت کوتاہی کی ہے۔ ہمیں بلا شبہ یہ ضرورت ہے کہ فتنہ پردازوں کے ہاتھ قانون روک دے۔ اور اس کے لیے جس قدر آئینی رنگ میں جدوجہد ہو سکے اس پر مسلمانوں کی متحدہ طاقت خرچ ہونی چاہیے۔ اس میں سنّی، شیعہ، حنفی، اہلحدیث اور احمدی کا کوئی سوال نہیں۔ وہ سب کام متحدہ طاقت سے ہونا چاہیے۔ اس لیے اس امر میں تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ احمدی الگ جلسے کریں اور وہاں اپنے لیکچرار بھیجیں۔ البتہ اگر کسی جگہ جماعت کے احباب یہ ضرورت سمجھیں کہ ان کی طرف سے یہ علیحدہ ریزولیوشن بھی ہو کہ ہائی کورٹ کے فیصلے نے، جو راجپال کے مقدمہ میں ہوا ہے، تمام مسلمانوں میں سخت بے چینی پیدا کر دی ہے اور کہ گورنمنٹ کا فرض ہے کہ ایسی تحریروں کا انسداد کرے، تو یہ اختیار ہے۔ گو میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے مشترکہ جلسوں میں یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی جو ہمارے بھائی اس ایجی ٹیشن میں گرفتار

مصیبت ہوئے ہیں، ان کے ساتھ ہمدردی کرنی بھی ہمارا فرض ہے۔ اوران کے لیے جو رہائی کے مطالبات ہیں، اس میں بھی ہم شامل ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ کچھ ایک وقتی ضرورت ہے اوران تمام باتوں سے بڑھ کر یہ ضرورت ہے کہ اس وقت اس قومی جوش کو صحیح راستے پر لگایا جائے، جس سے اسلام اور مسلمانوں کو مستقل طور پر کچھ فائدہ پہنچے۔ سواس کے لیے ابھی انتظار کی حالت باقی ہے۔ والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس لاہور

14 ربیع الثانی 1345ھ

حضرت امیر کے قلم سے

ہمارے اخبارات کی پالیسی

اخبار ''بندے ماترم'' مؤرخہ 22 ستمبر 1927ء میں ملک محمد امین ایم اے وکیل لاہور کا ایک انٹرویو چھپا ہے۔ جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ملک صاحب اخبار ''لائٹ'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے ہیں۔ اور وہ اس کی پالیسی کو تبدیل کر دیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ مولٰنا محمد یعقوب خاں صاحب کی گرفتاری پر ملک صاحب نے اخبار لائٹ کی ایڈیٹری کے لیے اپنی خدمات پیش کی تھیں، مگر اس وقت انہوں نے اس بات کو ظاہر نہیں کیا کہ وہ اخبار کی پالیسی کو تبدیل کر دیں گے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اخبار ''پیغام صلح'' اور ''دی لائٹ'' دونوں احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے اخبارات ہیں۔ اور ان کی پالیسی فی الحقیقت انجمن کے ہاتھ میں ہے۔ اور ایڈیٹر کا فرض ہے کہ وہ قومی پالیسی پر کاربند ہو۔ بلکہ اُس وقت ملک صاحب کے سارے رویہ سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ قومی پالیسی پر کاربند رہیں گے۔ اس کے بعد بعض وجوہات کی بنا پر انجمن ملک صاحب کی خدمات سے فائدہ نہیں اٹھا سکی اور اخبار کی ایڈیٹری کا دوسرا انتظام کیا گیا ہے۔

اس جگہ پر میں یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اخبار ''پیغامِ صلح'' اور ''دی لائٹ'' ہر دو مذہبی اخبارات ہیں۔ اور ان کی غرض اشاعت وتبلیغِ اسلام ہے۔ جس کے اندر مسلمانوں کی اصلاح کا سوال بھی آ جاتا ہے۔ سیاسیات سے ہم علی الاعلان شروع سے الگ ہیں اور الگ رہیں گے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم ہندو مسلم اتحاد کو نہیں چاہتے۔ اخبار پیغامِ صلح کا نام ہی ہندو مسلم اتحاد کے پیغام سے لیا گیا ہے۔ جو بانی سلسلہ احمدیہ نے ہندوؤں کو دیا تھا کہ جس طرح ہم ان کے بزرگوں کی عزت و احترام کرتے ہیں، اسی طرح وہ بھی ہمارے رسول ﷺ کی عزت و احترام کریں، تو ہم میں اتحاد ہو سکتا ہے۔ اور اس اتحاد کی خاطر ہم مزید قربانیاں بھی کر سکتے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے ہندو ذہنیت پر آریہ سماج کی تعلیم کا وہ حصہ غالب آتا جا رہا ہے، جس میں مسلمانوں کے ساتھ تنفر کے جذبات پیدا کرنا مقصود ہے۔ اس لیے وہ اتحاد بھی دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہم چند دنیوی اغراض کے لیے،

جب تک دلوں میں صفائی نہ ہو، کسی اتحاد کے قائل نہیں۔ نہ اپنے قومی وقار کو گرا کر ان سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ان سے کوئی ایسی بات نہیں چاہتے جو اپنے لیے پسند نہ کرتے ہوں۔ ہم جس طرح اپنی قوم کے حقوق کی حفاظت چاہتے ہیں، اسی طرح اس بات پر تیار ہیں کہ ہندو اپنے حقوق کو لیں۔ ہم پہلے ان کے بزرگوں کا عزت واحترام کرتے ہیں تو پھر ان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے پیغمبرؐ کی عزت واحترام کریں۔ اگر کوئی مسلمان ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں کو، جیسے رام چندر جی یا کرشن جی ہیں، برا کہے تو ہم اس بات کی ذمہ داری لینے کو تیار ہیں کہ تمام مسلمان اس پر اظہار تنفر کریں گے۔ لیکن اگر اس کے بالمقابل ہندوؤں کی ذہنیت یہ ہے جس کا ثبوت ہمیں دن رات مل رہا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ اور وہ، باوجود اس کے کہ مسلمانوں کی طرف سے اس بات کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اظہار نفرت کریں، خاموش رہ کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ دل سے گالیاں دینے والوں کے ساتھ ہیں۔ تو ہماری عزت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ ہم ان کے معاملہ میں خاموش رہیں۔ ہم گالی کا جواب گالی نہیں دیں گے۔ مگر خاموشی کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کریں گے۔ سوامی شردھانند کے قتل پر ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے کھلے الفاظ میں اظہار نفرت کیا۔ مگر ایک دو نہیں، بیسیوں مطالبات کے باوجود اور ہندوؤں کو تو چھوڑو، گاندھی جی تک بھی مفتی محبوب علی کے بے گناہ قتل پر اظہار نفرت نہ کر سکے۔ پھر جب لاہور میں چند بے گناہ مسلمان 4 مئی کو مارے گئے تو ہندو لیڈروں نے اس وقت بھی خاموش رہنا ہی پسند کیا۔ اور ہندوؤں کے اس فعل پر اظہار نفرت نہ کیا۔ جب ان کا یہ معاملہ مسلمانوں کے ساتھ ہے تو ہندو مسلم اتحاد کی پہلی شرط ہی مفقود ہے۔ وہ مسلمانوں کو ذلیل سمجھتے اور ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں ہندو مسلم اتحاد قائم نہیں ہوسکتا جب تک وہ مسلمانوں کو وہی عزت کا مقام نہ دیں جو ایک ہی ملک کی دو ہمسایہ قوموں کو ایک دوسرے کو دینا چاہئے۔ اتحاد کیونکر ہوگا؟ ہم مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح چاہتے ہیں۔ مگر ہمارے مدّنظر ہندوؤں کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اپنی قوم کی مفلسی دور کرنا ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان سودخور ساہوکاروں کے پنجے سے بچیں تو ہمارا مقصود صرف مسلمانوں کو اس ذلّت کی حالت سے باہر نکالنا ہے کہ وہ دوسری قوم کے ہاتھ میں غلام کی طرح ہو جائیں۔ ہندو قوم کو نقصان پہنچانا مقصود نہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ انہوں نے کبھی کسی دوسری قوم کو ذلیل یا برباد کرنا نہیں چاہا۔ اس ملک ہندوستان میں آریہ فاتحین آئے اور انہوں نے یہاں کے اصلی باشندوں کو چوہڑوں اور چماروں کی شکل میں تبدیل کر کے ہمیشہ کے لیے انسانیت کا مرتبہ ان سے چھین لیا۔ اسی

ملک ہند میں مسلمان فاتحین بھی آئے اور انہوں نے آریوں کو فتح کرنے کے باوجود ہمیشہ انہیں عزت واحترام کا مقام دیا۔ اور کوئی تجویز ایسی نہیں کی جس سے وہ اس طرح غلام بنائے جاتے جس طرح انہوں نے پہلے لوگوں کو غلام بنالیا تھا۔ اگر ہندو لیڈر اس ذہنیت کو، کہ مسلمانوں کو غلام بنا کر رکھنا چاہیئے، آج چھوڑ دیں تو ہندو مسلم اتحاد آج ہوسکتا ہے۔ ہم ہندو مسلم اتحاد چاہتے ہیں۔ مگر کسی قوم کے غلام ہوکر رہنے کے لیے مسلم قلب میں جگہ نہیں۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں نے موت کو قبول کرلیا، اور جلاوطنی کو قبول کرلیا مگر غلامی کو قبول نہیں کیا۔ اسلام دوسروں کے لیے آزادی کا پیغام لایا ہے تو مسلم غلام ہوکر کیونکر رہ سکتا ہے۔

محمد علی

چند افسوس ناک واقعات:

چند دنوں سے لاہور میں بعض ایسے واقعات ظہور پذیر ہورہے ہیں جو ہندو اور مسلمان ہردو کے لیے افسوسناک ہیں۔ سب سے پہلا واقعہ 26 ستمبر کا ہے۔ جس میں کہا جاتا ہے کہ خدا بخش نامی کسی مسلمان نے راجپال کو چاقو سے زخمی کیا۔ جس کی پاداش میں اسے تیسرے ہی دن سات سال قید کی سزا دے دی گئی۔ اگرچہ اس کا اپنا بیان یہ تھا کہ وہ راجپال کی دوکان پر ہیر رانجھا کی کتاب خریدنے آیا۔ راجپال نے اسے کچھ دیر ٹھہرائے رکھا۔ جس پر اس نے جلدی کتاب دینے کے لیے اس سے کہا۔ اس نے جواب میں دو چار گالیاں سنا دیں۔ اس سے بات بڑھ گئی اور فریقین باہم لڑنے لگے۔ راجپال نے چاقو سے حملہ کیا۔ لیکن فریق مقابل یعنی ملزم بچ گیا۔ اور چاقو سے خود راجپال زخمی ہوگیا۔ اس کے بعد دوسرا واقعہ 9 ستمبر کا ہے اور کہا جاتا ہے کہ عبدالعزیز نامی غزنی کا ایک مسلمان راجپال کی دوکان پر گیا۔ اور وہاں تین آدمیوں پر اس نے چاقو سے حملہ کیا۔ ملزم کا اپنا بیان ہے کہ وہ راجپال کی دوکان سے گذر رہا تھا اور وہاں دو آدمی بیٹھے ہوئے اسلام اور آنحضرت ﷺ کو گالیاں دے رہے تھے۔ اس نے ان سے کہا کہ میرے مذہب کی توہین نہ کرو۔ پہلے تو وہ کچھ خاموش ہوگئے لیکن بعد میں بہت سے ہندو وہاں جمع ہوگئے اور انہوں نے ملزم کو اور بھی اشتعال دلایا۔ اور اس طرح گالی گلوچ کے بعد ہاتھاپائی کی نوبت آئی۔ اسی اثناء میں کسی ہندو نے اس کے سر پر لٹھ رسید کیا۔ جس سے اس کا ماتھا زخمی ہوگیا اور وہ لہولہان ہوگیا۔ عبدالعزیز نے بھی اس کے جواب میں چاقو نکال لیا اور تین ہندوؤں کو زخمی کردیا۔ اس کے بعد پولیس آگئی اور وہ

گرفتار کرلیا گیا۔

تیسرا واقعہ 10 ستمبر کو رات کے دس بجے کا ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ کسی معمولی حیثیت کے ہندو نوجوان کو، جو بھلے پکوڑیاں بیچا کرتا تھا، کسی نامعلوم شخص نے رنگ محل میں قتل کر دیا۔ قاتل کا ابھی تک پتہ نہیں۔ نہ وجوہات قتل ہی معلوم ہیں۔ بعض مسلمانوں کو شبہ میں پولیس نے گرفتار کیا ہوا ہے۔ دیکھیں کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ واقعات اگر ایک طرف بعض مسلمانوں کی اشتعال پذیر طبائع کا پتہ دیتے ہیں۔ تو دوسری طرف ہندو قوم اور بالخصوص آریہ سماجی حضرات کی اس جارحانہ ذہنیت کا ایک کھلا ہوا نقشہ ہیں۔ جوان واقعات کی حقیقی طور پر ذمہ دار ہے۔ ملزم عبدالعزیز کا یہ بیان کہ راجپال کی دوکان پر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر ناپاک حملے ہو رہے تھے، کہاں تک صحیح ہے، اس کا فیصلہ عدالت ہی کرسکتی ہے۔ کیونکہ اس کا مقدمہ زیر تفتیش ہے۔ لیکن جہاں تک روزمرہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ آریہ سماجی حضرات اسلام اور بزرگان اسلام کی توہین کرنے اور مسلمانوں کو اشتعال دلانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ اور اس لیے ان تمام واقعات کی ذمہ داری حقیقی طور پر انہی پر عائد ہوتی ہے۔ خدا بخش اور عبدالعزیز وغیرہ نے کسی اشتعال انگیز بات سے مشتعل ہو کر اگر قانون سے کوئی تجاوز کیا ہے تو اس کو بھی ہم پسند نہیں کرتے۔ لیکن دیکھنا چاہئے کہ ان افسوسناک حرکات کا اصل موجب کیا ہے؟ آریہ سماج ان واقعات کو مسلمانوں کی خفیہ سازش کا نتیجہ قرار دیتی ہے۔ اور اسی بات پر زور دینے کے لیے ان کا کوئی وفد بھی کل ڈپٹی کمشنر کے پاس جانے والا تھا۔ تا کہ اس مزعومہ سازش کا پتہ لگایا جاسکے۔ لیکن ہم یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ وہ بیشک اس کی اچھی طرح تحقیقات کرالیں۔ ان کا یہ خیال اسی طرح غلط ثابت ہوگا، جیسے سوامی شردھانند کے قتل کے پیچھے کسی سازش کا خیال غلط ثابت ہوا۔ فی الحقیقت جو لوگ ایسے افعال کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ خود ہی ان کے ذمہ دار ہیں۔ عام مسلمان یا کوئی خاص جماعت ان کے پیچھے نہیں۔ ہاں آریہ سماج کو، جس نے توہینِ اسلام کو اپنا مطمع نظر بنا رکھا ہے، اگر ان واقعات کا حقیقی ذمہ دار قرار دیا جائے تو یہ ایک صحیح بات ہے۔

بلیدان چتر اولی اور ''ملاپ'':

راجپال کی دوسری شرانگیز کتاب ''بلیدان چتر اولی'' کے متعلق ''ملاپ'' نے اپنی 14 اکتوبر کی اشاعت میں ایک افتتاحیہ لکھا ہے۔ جس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ کتاب آج سے ڈیڑھ سال قبل کلکتہ کے ویدک

پریس میں طبع ہوئی تھی۔

معزز ہمقلم ''زمیندار'' نے ''ملاپ'' کے اس بیان کی تکذیب میں ذیل کے واقعات کو مبرہن کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو قوم کے بڑے بڑے جرائد اپنے سنگ ٹھنی عیوب کو چھپانے کے لیے اعلانیہ جھوٹ بولنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ معاصر ''زمیندار'' نے لکھا ہے کہ:

''یہ ہمالیہ سے بھی بڑا جھوٹ ہے کہ ''بلیدان چتر اولی'' ڈیڑھ سال کی شائع شدہ ہے۔ یہ کتاب گورو کل کانگڑی کے سالانہ جلسہ پر تقسیم کرنے کے لیے چھپوائی گئی تھی۔ اخبار ''آریہ'' کے مارچ 1927ء کے ایڈیشن میں اس کا اشتہار بدیں الفاظ موجود ہے کہ کتاب ''بلیدان چتر اولی'' عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ جس کا مفہوم بالفاظ دیگر یہ ہے کہ مارچ 1927ء تک یہ کتاب اشاعت پذیر نہیں ہوئی تھی۔ اشتہار بھی راجپال کی طرف سے دیا گیا ہے۔ مہاشے ''ملاپ'' جب بھی آنکھوں سے تعصب کی پٹی اتارنے کو تیار ہوں، ہم متذکرہ صدر اشتہار انہیں دکھانے کے لیے تیار ہیں۔ اگر اپریل 1927ء سے اس وقت تک ڈیڑھ سال کا عرصہ مقتضی ہو چکا ہے تو یقیناً مدیر ''ملاپ'' سچے اور ہم جھوٹے ہیں۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو ''ملاپ'' کے مدیر فاضل خود ہی بتائیں کہ اُن کے لیے کیا خطاب تجویز کیا جائے! ''ملاپ'' کے دروغ بے فروغ کی تردید کی ایک اور صورت بھی ہے۔ اور وہ اس سے بھی دلچسپ ہے۔ کتاب زیر بحث میں سوامی شردھانند کی موت کا بھی ذکر ہے۔ اور یہ حقیقت محتاج تشریح نہیں کہ شردھانند کے قتل کو ابھی ڈیڑھ سال تو کیا ایک سال بھی نہیں ہوا۔ کیا مہاشے راجپال، جو بقول ''ملاپ'' بلیدان چتر اولی کے پرکاشک ہیں، غیب دان بھی ہیں کہ انہوں نے شردھانند کے قتل سے ایک سال پہلے ہی مستقبل کے آئینہ میں اس واقعہ کا نظارہ کر لیا تھا۔ دروغ گورا حافظہ نباشد کی ضرب المثل کسی ایسے ہی موقع پر وضع ہوئی ہوگی۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ صحیح بھی ہو کہ بلیدان چتر اولی کو شائع ہوئے ڈیڑھ سال کا عرصہ منقضی ہو چکا ہے تو کیا یہ دلیل اس کتاب کی شر انگیزی کو زائل کرنے والی ہے؟ مسلمانوں کو جس وقت اس کتاب کا علم ہوا، اسی وقت انہوں نے آواز بلند کی۔ کیا تعجب ہے، سکھوں کا مئی کا حملہ اسی کتاب کی اشتعال انگیزی کا نتیجہ ہے۔ ہمیں حیرانی ہے کہ گورنمنٹ نے ابھی تک اس کتاب کے مصنف طابع اور ناشر کے خلاف کیوں قانونی کارروائی نہیں کی۔ کیا

سلطنت انگریزی کا قانون ہندواور مسلمانوں کے لیے ایک نہیں؟ اگر ایسا ہے تو اس کی وضاحت ہونی چاہیے

2 نومبر 1927ء

ڈاکٹر زویمر احمدیہ بلڈنگس میں

مشہور مسیحی معاند ڈاکٹر زویمر ایڈیٹر ''مسلم ورلڈ'' آج کل ہندوستان آئے ہوئے ہیں۔ گذشتہ 25 اکتوبر کو آپ پروفیسر سراج الدین عیسائی کے ہمراہ حضرت امیر ایدّہ اللہ کے دولت کدہ پر تشریف فرما ہوئے۔ ایک اور انگریز مسیحی ان کے ہمراہ تھے۔ دوران ملاقات ڈاکٹر صاحب نے عرب کے ساتھ اپنی محبت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں میرے دو بچے مدفون ہیں۔ اس وجہ سے مجھے اس مقام اور وہاں کے لوگوں سے محبت ہے۔ وہیں کے ایک شخص کا ذکر کیا کہ اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش! میں مسلمان ہوتا۔ میں نے جواب میں اسے کہا کہ مجھے تمام عمر میں ایک ہی ایسا شخص ملا ہے جو حقیقی طور پر کامل مسلمان ہے۔ اور میں اسی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یعنی یسوع مسیح کے۔

اس پر حضرت امیر ایدّہ اللہ نے ان سے کہا کہ یہ غلط ہے کہ صرف ایک یسوع مسیح ہی کامل مسلمان ہے۔ یہیں آ کر قرآن اور بائبل میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن نے تمام انبیاءؑ یعنی ابراہیمؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور محمد رسول اللہ ﷺ کو کامل مسلمان کہا ہے۔ لیکن آپ لوگ صرف حضرت عیسیٰ کو ہی کامل مسلمان سمجھتے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی عالمگیر ربوبیت کے منافی ہے کہ اس نے صرف ایک ہی انسان کو کامل بنایا اور باقی تمام نسل انسانی کو رد کر دیا۔ حالانکہ اس کی عالمگیر ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کی تمام اقوام اور تمام ممالک میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو کامل مسلمان کہلانے کے مستحق ہوں۔ اور مخلوق الٰہی کی ہدایت و رہنمائی کا موجب ہوں۔ اور یہی قرآن کی تعلیم ہے۔

ڈاکٹر زویمر۔ لیکن صوفیاء میں کامل صرف ایک ہی کو مانا جاتا ہے۔

حضرت امیر۔ یہ صحیح نہیں۔ صوفیاء کے نزدیک بھی بہت سے لوگ ہوتے ہیں جن کو کامل مسلمان کہا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر زویمر۔قرآن نے داوٗدؑ کے متعلق جو نَعْجَۃً وَّلِیَ نَعْجَۃٌ وَّاحِدَۃٌ (23:38) کا قصہ بیان کیا ہے اس سے داوٗد کا بھی گناہ گار ہونا ثابت ہوا ہے (ڈاکٹر زویمر کا اشارہ اس قصہ کی طرف تھا جو بعض لوگوں نے غلطی سے لکھ دیا ہے کہ حضرت داوٗدؑ نے ننانوے بیویوں کے ہوتے ہوئے ''اوریاہ'' نامی کسی شخص کی بیوی کو زبردستی چھین لیا تھا اور اس کو فرشتوں نے آ کر بھیڑوں کے مقدمہ کی صورت میں ان کے سامنے پیش کیا جس پر انہیں ندامت ہوئی۔ایڈیٹر)۔

حضرت امیر۔ یہ بالکل غلط ہے۔نَعْجَۃٌ (دُنبی) کو چھیننے والے حضرت داوٗدؑ نہ تھے بلکہ ایک دوسرا شخص تھا۔اعلیٰ پایہ کے مفسرین نے اوریاہ کے قصہ کو ردّ کیا ہے اور صاف لکھا ہے کہ یہ دراصل ایک مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا تھا۔ایک شخص نے دوسرے کے متعلق کہا کہ اس کی ننانوے بھیڑیں ہیں۔باوجود اس کے وہ میری ایک بھیڑ بھی مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔اس میں حضرت داوٗدؑ کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔حضرت امیر نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن نے انبیاءؑ پر جس قدر الزامات تھے ان سب کو رد کیا ہے۔اس نے الزامات کا ذکر تک نہیں کیا جس کا بائبل میں ذکر ہے۔قرآن میں کہیں اوریاہ کے قصہ کا ذکر نہیں۔اور ایسا ہی حضرت لوطؑ کے متعلق، جو بائبل میں قصہ ہے،اس کا بھی قرآن نے ذکر نہیں کیا۔

ڈاکٹر زویمر۔(کمی وقت کا عذر کرتے ہوئے) میں پھر نومبر میں لاہور آوٗں گا اور اس وقت بعض مسائل میں آپ سے طویل گفتگو کا ارادہ ہے۔پروفیسر سراج الدین آپ سے ملاقات کا انتظام کریں گے۔میں چاہتا ہوں کہ بعض مشترکہ کام آپ کے ساتھ مل کر کیے جائیں اور آپ سے اشتراک عمل کی صورت پیدا کی جائے۔مثلاً انسداد مے خواری میں آپ اور ہم مل کر کام کر سکتے ہیں۔

حضرت امیر۔لیکن مسیحی پادریوں کو رسوم مذہبی میں شراب کا جو استعمال کرنا پڑتا ہے اس کا آپ کیا علاج کریں گے؟

ڈاکٹر زویمر۔مسیحی پادری شراب کا قطعاً استعمال نہیں کرتے۔

حضرت امیر۔کیا عشائے ربانی پر بھی؟

ڈاکٹر زویمر۔ اس موقع پر بالکل معمولی مقدار میں استعمال ہوتی ہے۔ جو چنداں قابل اعتراض نہیں۔

حضرت امیر۔ لیکن تھوڑے سے ہی انسان بہت کی طرف چلا جاتا ہے۔

ڈاکٹر زویمر۔ یہ صحیح نہیں۔ بلکہ انسان زیادہ کے استعمال سے بچا رہتا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور یہ مختصر سی صحبت ان چند پر لطف باتوں پر ختم ہوگئی۔ ڈاکٹر زویمر ایک دراز قد اور وجیہ آدمی ہیں۔ عربی خوب بولتے ہیں۔ آیات قرآنی بھی پڑھ لیتے ہیں۔ ان کی تمام زندگی اسلامی دنیا کی سیاحت اور مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کے کام پر صرف ہوئی ہے۔ قوم کے لحاظ سے امریکن ہیں۔ لیکن ہیڈ کوارٹر انہوں نے قاہرہ (مصر) میں بنا رکھا ہے۔ جہاں رسالہ مسلم ورلڈ کا دفتر بھی ہے۔

❁ ❁ ❁

18 اکتوبر 1927ء

ایک مکالمہ

سازش کس کی؟

''مسلم آؤٹ لک'' کے نمائندے نے 18 اکتوبر کو حضرت امیر ایدّہ اللہ سے ملاقات کی اور ان سے موجودہ صورت حالات کے متعلق بعض اہم سوالات پوچھے۔ جومع جواب درج ذیل ہیں:

تہمتِ سازش:

نمائندے نے پہلا سوال یہ کیا کہ ہندو مسلمانوں پر الزام عائد کر رہے ہیں کہ انہوں نے قاتلانہ حملوں کے لئے سازش کر رکھی ہے۔ اس کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟ مولانا نے جواب دیا کہ یہ سب ہندو پروپیگنڈا ہے۔ ایک طرف سازش کا الزام لگایا جائے اور دوسری طرف ذمہ دار مسلم رہنماؤں پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کھلم کھلا تشدد پر آمادہ کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شریعت اسلامی ایسے حملوں کی ذمہ دار ہے۔ ان سب الزامات کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو دینِ اسلام اور مسلمانوں سے متنفر کیا جائے۔ سوامی شردھانند کے قتل کے وقت بھی ایسا ہی الزام لگایا گیا تھا اور اگرچہ پولیس کو کہیں بھی سازش کا سراغ نہ ملا لیکن ہندو رہنماؤں اور ہندو اخباروں نے اس الزام کو ترک نہیں کیا۔ راجپال پر حملے کی خبر کے چھپتے ہی پھر یہی شور مچا دیا گیا۔ اس کے پس پردہ کوئی سازش ہے۔ ہندو اخبارات کی یہ عادت بنی ہوئی ہے کہ جب کسی ہندو کو نقصان پہنچتا ہے تو جھٹ سازش کا غوغا برپا کر دیتے ہیں، لیکن کسی مسلمان کے قتل کی نسبت ایسی روش اختیار کی جاتی ہے کہ گویا کچھ واقعہ ہی نہیں ہوا۔ ڈھاکر کا مسلمان اسٹیشن ماسٹر اگلے ہی دن گولی سے شہید کر ڈالا گیا۔ پھر کیوں نہ کہا جائے کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے قتل کے لیے سازش بنا رکھی ہے؟ ہندو جرائد کو تو مسلمان قاتل اور ہندو مقتول کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ حال ہی میں ایک مسلمان عورت ریل میں قتل کر دی گئی۔ ایک مسلمان شبہ میں گرفتار ہوا۔ اس پر ہندو جرائد نے شور مچا دیا کہ مقتولہ ہندو ہے۔ امرت سر میں ایک ہندو (چار) ہندوؤں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ لیکن ہندو جرائد

نے کہا کہ قاتل مسلمان ہیں۔ اگر لاہور کے مقامی حکام ہندو رہنماؤں کے ساتھ مل کر انتہائی جدوجہد کے باوجود ہندو دماغوں سے باہر سازش کا کوئی نشان نہیں پاتے تو انہیں کم از کم اس شور کو ضرور بند کر دینا چاہئے (یعنی مسلمانوں پر بار بار سازش کا الزام لگانا) جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے نفاق کی خلیج کو اور وسیع کر رہا ہے۔

اسلام پر حملوں کی منظّم سازش:

نمائندے نے دوسرا سوال یہ کیا کہ آپ کے خیال میں ہندوؤں میں کسی نوع کی منظّم سازش موجود ہے؟ مولانا نے جواب دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ اسلام پر حملوں کے پس پردہ ایک منظّم سازش موجود ہے۔ میری رائے میں ان منظّم حملوں کا مقصد یہ ہے کہ ہندوؤں کے دلوں کو اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف زہر آلود کیا جائے۔ آریہ سماج اس سازش کی پشت پناہ ہے اور ہندو مہاسبھا کے رہنما اس کے زیر ہدایات کام کر رہے ہیں۔

مسلمانوں پر جھوٹا الزام:

ہندو لیڈروں اور اخبارات کی طرف سے مسلمانوں پر ہندو لیڈروں کے خلاف سازش کا جو جھوٹا الزام لگایا جا رہا ہے، اس کے ثبوت میں لالہ لاجپت رائے نے 13 ''شہیدوں'' کی ایک فہرست دی ہے۔ جس میں ایک شخص بلونتا پہلوان کا بھی ذکر کیا ہے جو اندور میں قتل ہوا، یہ فہرست کہاں تک صداقت پر مبنی ہے، اس کا حال ذیل کے اعلان سے معلوم ہوسکتا ہے جو اسی بلونتا کے متعلق اندور کے انسپکٹر جنرل پولیس نے شائع کیا ہے:

> ''15 اکتوبر 1927ء کو اندور کی ہندو پبلک نے ہڑتال کی اور ایک شخص بلونتا کا ماتم منایا۔ ہزار ہا آدمی اس کی ارتھی کے ساتھ گئے اور اس کو ہیرو بنالیا۔ حالانکہ اس دن کی صبح تک ان میں سے اکثر اس کا نام بھی نہ جانتے تھے۔ بلونتا ایک کارخانہ کا مزدور تھا۔ ایک مسلمان اکھاڑے کا ممبر تھا اور اس کے گھر میں ایک مسلمان عورت تھی''۔

مسلم ملزموں کی حمایت:

نمائندے نے دریافت کیا کہ کیا ان حالات میں مسلمان ملزموں کی قانونی حمایت ہونی چاہیۓ؟ مولانا نے فرمایا کہ قانونی وسائل سے کام لے کر کسی ملزم کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے قانونی امداد بہم پہنچانا میری رائے میں قطعاً برا نہیں۔ میری رائے میں ملزموں کے لیے قانونی امداد بہم پہنچانی چاہیۓ۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجسٹریٹ کا بھی فرض تھا کہ وہ ملزموں کو صفائی پیش کرنے کے لیے سہولتیں بہم پہنچاتا۔ اور جن دو مسلمان ملزموں کو لاہور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے حال ہی میں سزا دی ہے، ان کے مقدمات کی کارروائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے لیے ایسا انتظام نہیں ہوا۔

فرقہ وارانہ نیابت اور جداگانہ حلقے:

نمائندے نے مزید پوچھا کہ مسلمانوں کو اصلاحات کے کمیشن کے متعلق کیا روش اختیار کرنی چاہیۓ اور کیا فرقہ وارانہ نیابت کی عدم موجودگی میں مزید اصلاحات قبول کر لینی چاہئیں؟ مولانا نے فرمایا کہ موجودہ حالات میں ہندو جرائد اور ہندو رہنما مسلمانوں کے حقوق کے ساتھ ہر بے انصافی کرنے کے لیے مستعد ہیں۔ اس لیے فرقہ وارانہ نیابت اور جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب اسلامی حقوق کی حفاظت کے لیے ناگزیر ہیں اور مسلمانوں کو ان سے کسی حال میں دست بردار نہیں ہونا چاہیۓ۔ ہندوؤں کی موجودہ ذہنیت جب تک قائم ہے، اس وقت تک فرقہ وارانہ نیابت کی عدم موجودگی میں مزید اصلاحات کرنا مسلمانوں کے لیے سخت نقصان رساں ہوگا۔

اقتصادی اصلاح:

نمائندے نے آخر میں مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح کے وسائل کی نسبت سوال کیا۔ نیز پوچھا کہ بنکوں اور انشورنس کمپنیوں کے ذریعے سے کیا کچھ کیا جاسکتا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ تین چیزیں مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح کے لیے ضروری ہیں۔ سب سے پہلے مسلمانوں کو ملازمتوں میں جائز وواجبی حصہ ملنا چاہیۓ۔ کیونکہ جب تک ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب کم رہے گا، اس وقت تک ان کی اقتصادی اصلاح کی ہر تدبیر ناکامیاب ہونے کا اندیشہ لگا رہے گا۔ دوسرے یہ ضروری ہے کہ مسلمان وسیع پیمانہ پر تجارت میں مصروف ہو

جائیں۔ رسول اللہ ﷺ سے ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ انسانوں کی شکم پروری کا 9/10 حصہ تجارت پر مبنی ہے۔ ہر مسلم موضع میں کم از کم ایک دُکاندار ضرور ہونا چاہئے اور شہروں میں بھی مناسب تعداد میں اسلامی دُکانوں کا کھلنا ضروری ہے۔ اس تحریک کی شدید مخالفت ہوگی۔ اس لیے کہ ہندو مسلمانوں پر مالی تسلط قائم رکھنے کے لیے جدوجہد کریں گے۔ تیسرے یہ ضروری ہے کہ انجمن ہائے امداد باہمی اور انجمن ہائے فک الرہن وسیع پیمانے پر قائم کی جائیں تاکہ مسلمان ان ساہوکاروں کی غلامی سے نجات حاصل کرلیں جو ان کی زندگی کا خون چوس رہے ہیں۔

❀ ❀ ❀

14 دسمبر 1927ء

اتحاد بین المسلمین

(سید عبدالمجید صاحب جج کا مکتوب حضرت امیر ایدّہ اللہ کی خدمت میں)

میں آج ایک نہایت ضروری معاملہ کی طرف جناب کی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ آنجناب اپنے وقت عزیز کا کچھ حصہ اس پر صرف فرما کر مجھے ممنون ہونے کا موقع دیں گے۔ سب سے پہلے میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ''اتحاد بین المسلمین'' کی جو تجویز میں پیش کرنا چاہتا ہوں، وہ فی نفسہٖ جناب کے ذہن میں پہلے ہی سے موجود ہے۔ اس کے متعلق جناب کو کچھ سکھانا مطلوب نہیں ہے بلکہ جناب کی تائید حاصل کرنا مقصود ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ مسلمانانِ ہند کا باہمی مذہبی اختلاف خطرناک حد تک پہنچ گیا ہے۔ شیعہ، سنی، اہلحدیث، اہل قرآن، نیچری، احمدی، رافضی، دیوبندی، رضاء مصطفوی اور پھر ایک فرقے میں اندرونی تحتی فرقے، جیسے قادیانی احمدی، لاہوری احمدی، غزنوی اہلحدیث، ثنائی اہلحدیث وغیرہ وغیرہ جس نظر سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ لوگ انہیں اسلام کے مختلف فرقے سمجھتے ہوں گے۔ مگر میں انہیں جداگانہ مستقل مذہب سمجھتا ہوں۔ اگر یہ مختلف مذہب نہ ہوتے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک قبلہ اور ایک بہشت دوزخ کو مانتے ہوئے بھی کوئی شخص محض فروعی اختلاف کی وجہ سے اسلام سے خارج (کافر) ہو سکے۔ جہاں تک مجھے فرقوں کی باہمی تکفیر کی وجوہات پر غور کرنے کا موقع ملا ہے، میں تو انہیں کفرِ دوں کفر یا ذاتیات پر محمول کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی فرقہ کسی دوسرے فرقے کو اسلام سے ایسا خارج نہیں سمجھتا جیسا کہ مشرک، ہنود، یہودی اور مسیحی ہیں۔ لیکن بایں ہمہ باہمی مذہبی تعلقات اور تمدنی معاملات ان فرقوں کے ایسے ہی ہیں جیسے کہ ایک مسلمان کے ایک غیر مسلم سے ہونے چاہئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سب سے زیادہ ضرورت اس وقت اتحاد بین المسلمین کی ہے۔ اور وہ اس وجہ سے نہیں کہ مسلمان متحد ہو

کر مدافعانہ یا جارحانہ کارروائیاں عمل میں لائیں، بلکہ اس لیے کہ وہ موجودہ عالم لیے برکت ورحمت ثابت ہوں۔ مسلمانوں کی موجود پستی کو دیکھ کر بے اختیار منہ سے نکل جاتا ہے کہ ہم مادرگیتی کے فرزند ہی نہیں۔ اور اگر ہیں تو ناخلف اور بارزمین ہیں۔ فرقان حمید نے یہ فرما کر وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا (103:3) یہ ثابت کر دیا کہ اتحاد کا فقدان بمنزلہ نار جہنم کے ہے۔ اور یہ فرما کر هُوَالَّذِىۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ (63-62:8) ظاہر کر دیا کہ اتحاد ہی ایک ایسی نعمت ہے جو دنیا جہان کے خزانے صرف کرنے پر بھی نہیں مل سکتی، جب تک خدا کی مہربانی نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب صاف یہ ہوگا کہ مسلمان آج کل خدا کی مہربانی سے محروم ہیں۔

مسیحی قوم نے حال ہی میں لوزان کی ایک مخلوط کانفرنس میں تمام مسیحی فرقوں میں اتحاد کے لیے جو تڑپ اور ولولہ ظاہر کیا ہے، قابل صد ہزار ستائش ہے۔ وہ تمام فرقوں کے جزئی اختلاف کو مٹا کر ایک مشترکہ عقیدہ اور روئے زمین کے لیے ایک مشترک مسیحی پیغام تجویز کرنے کی فکر میں ہیں۔ ادھر ہمارے ہندو برادران نے ابھی آریہ کانگریس کے پلیٹ فارم پر اتحاد کے جو روح پرور مناظر پیش کیے ہیں، وہ ہندو مذہب کی تاریخ میں غیر فانی درجہ حاصل کر کے آنے والی نسلوں میں بطور ایک متبرک ورثے کے منتقل ہوتے رہیں گے۔ کیا یہ معجزے سے کچھ کم ہے کہ پنڈت مدن موہن مالوی جیسے پکے سناتن دھرمی، جسے ایک آریہ بت پرست سمجھنے پر اصرار کر رہا ہے، یہ کہتے ہیں کہ ''آریہ سماجی ہمارے پران کے پران ہیں۔ اور ہردے کے ہردے ہیں۔ ان کو ایک ذرا سی تکلیف پہنچانا ہمارے ہردے پر بڑی بھاری چوٹ پہنچانا ہے، مالوی جی کا یہ بیان ایک ایسی ناقابل انکار برکت ہے کہ تمام مسلمانوں کو اکٹھے ہو کر دعا مانگنا چاہئے کہ خدا انہیں توفیق دے کہ اس فقرے میں سے ''آریہ سماجی'' کا لفظ حذف کر کے وہ تمام بنی نوع انسان کی نسبت یہی کہہ سکیں۔ کیونکہ ایک مسلمان کے نزدیک رسول عربی ﷺ کے ارشاد کے مطابق تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ جو اس کے کنبے سے محبت رکھتا ہے وہ خدا کا محبوب ترین بندہ ہے''۔

مذہب کے متعلق اختلاف رائے ہمیشہ رہے گا۔ اختلاف رائے جب تک بڑھ کر مخالفت کی حد کو نہ پہنچے

ایک رحمت ہے۔ اختلافات رہیں لیکن اسلام کو مختلف مذاہب کی صورت میں ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہونا چاہئے۔ جیسے حنفیوں کا اسلام اور شیعوں کا اسلام۔ ان تمام فرقوں کو ایک مرکز پر لانے کے لیے ایک ایسا سالانہ اجتماع نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے جو ان سب کو ایک اور صرف ایک اسلامی مرکز پر لے آئے۔ فرقہ وارانہ جداگانہ جلسے اسلام کے لیے باعث زحمت ہوں گے۔ جبکہ وہ سب فرقوں کے ایک مشترک دین اسلام کی تقویت کے لیے کیے جائیں۔ مگر بدنصیبی یہ ہے کہ ہر ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی بیخ کنی میں اپنی طاقت کا راز پوشیدہ سمجھتا ہے۔ اور فی الحقیقت یہ اسلام کی بیخ کنی کے مترادف ہے۔ جھگڑے کیا ہیں۔ آمین، رفع یدین، خلافت بلافصل، نزول مسیح وغیرہ وغیرہ۔ خطرے کی علامات ظاہر ہو چکی ہیں۔ درودیوار پر تباہی و بربادی کے نشانات لکھے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ غرضیکہ مسلمان ہر حیثیت سے ایک نہایت نازک حالت پر پہنچ چکے ہیں۔ اگر وہ زندہ رہنا چاہتے ہیں اور بنی نوع انسان کے لیے مفید اور سودمند عنصر بن کر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ دو باتوں کے متعلق ان کے خیالات بالکل صاف ہوں۔ 1- دشواریاں جن پر ہمیں غالب آنا ہے۔ 2- قربانیاں جو ہمیں کرنا ہیں۔

میرا خیال ہے کہ مختلف فرقوں کے لیے ایک مشترک پلیٹ فارم پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ جہاں وہ سب مل کر اسلام کی ترقی واستحکام کے متعلق غور کرسکیں۔ یہ غرض ''آل انڈیا مسلم کانفرنس'' کے سالانہ اجتماع سے پوری ہو سکتی ہے۔ متعدد فرقے اور ان کے تحتانی فرقے صورت موجودہ میں اپنے جلسے جس انداز میں کر رہے ہیں، اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ انہیں نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے فرقے سے تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر اسلام کے دو فرقوں کے جلسے اس انداز سے ہوتے ہیں کہ گویا وہ مسیحی اور آریہ مذہب کے جلسے ہیں۔ میرا مقصد ہے کہ ان تمام فرقہ وارانہ جلسوں کے انعقاد کی تاریخیں اسی طریق پر مقرر کی جائیں کہ ایک فرقے کے پیرو دوسرے فرقے کے جلسوں میں شریک ہوں سکیں۔ مثال کے طور پر میں اسے اس طرح واضح کر سکتا ہوں کہ حال ہی میں ندوۃ العلماء کا جلسہ 27,26,25 نومبر کو ہوا ہے اور جمعیۃ العلماء کا جلسہ 4,3,2 دسمبر کو۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسے اپریل میں ایسٹر کی تعطیلات میں ہوتے ہیں۔ اب ان کے انعقاد کی تاریخیں ایسی ہیں کہ ہر فرقے اور ہر خیال کا آدمی انہیں خالص اسلامی تحریکیں سمجھ کر شامل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دوسرے فرقہ وارانہ اجتماعات کی تاریخیں مقرر کر سکتے ہیں۔ اور بڑے دن کی

تعطیلات کے ''چندایام'' آل انڈیا مسلم کانفرنس کے لیے مخصوص کر سکتے ہیں۔ جن میں اور کہیں سرکاری جلسہ نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ فرقوں کے درمیان تحتی فرقوں میں بھی یہ اصول مدنظر رہے تو نہایت مفید نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔ ان تمام امور پر غور کرنے کے لیے بڑے دن کی چھٹیوں میں چند تاریخیں مخصوص کی جا سکتی ہیں۔ جس میں سب فرقوں کے نمائندوں کو شرکت کی دعوت دی جانی چاہئے۔ اگر یہ تجویز غیر موزوں نہیں ہے تو کیا میں توقع رکھ سکتا ہوں کہ لاہوری اور قادیانی جماعت کے احمدی اپنے جلسوں کی تاریخوں میں اس امر کا لحاظ رکھیں گے۔ اس دفعہ آل انڈیا تبلیغ کانفرنس بھی ہوگی۔ لہٰذا ان کے ساتھ خط وکتابت کر کے جو تاریخیں ان کے جلسوں کی ہوں، ان کے علاوہ جو تاریخیں بچیں، ان میں لاہوری اور قادیانی احمدی اپنے جلسوں کی تاریخیں اس طرح مقرر کریں کہ ایک دوسرے کے جلسوں میں شریک ہو سکیں۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ اگر تبلیغ کانفرنس کا اجلاس 26,25,24 دسمبر کو ہو تو مختلف تحتی فرقے 29,28,27 اور 31,30 اور اگلے ماہ یکم پر اپنے جلسے تقسیم کر لیں۔ اس طرح ایک ایسے مسلمان کے لیے، جو فرقے وارانہ اختلافات سے بالاتر ہو کر اصل اسلام کو دیکھتا ہے، ان سب جلسوں میں یا ان میں سے کسی ایک جلسہ میں شامل ہونے کا آسانی سے موقع مل سکے گا۔ بظاہر جلسوں کے یہ ایام کم نظر آتے ہیں مگر کام کرنے والے جانتے ہیں کہ عملی کام کے لیے ایک دن بھی کافی ہے۔ اور خالی ریزولیوشن اور تقریروں کے لیے تو عمرِ نوح بھی ناکافی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس تجویز کو عملی صورت میں لانا اتحاد بین المسلمین کی طرف ایک عملی قدم ہوگا۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

سالانہ جلسہ:

14 دسمبر 1927ء (اہلیہ صاحبہ حضرت امیر کے قلم سے) دنیا کے کام ہوں یا دین کے، بغیر قربانی اور استقلال کے ترقی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ پھر دین اور قوم کے لیے جو کام کیے جائیں، ان میں تو اور بھی عزم و ایثار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ان صفات کو پیدا کرنے یا قائم رکھنے کے لیے وقتاً فوقتاً تحریک کا ہوتے رہنا ضروری امر ہے۔ اسی لیے ہمارے حضرت مسیح موعودؑ نے جلسہ سالانہ کی بنیاد ڈالی تا کہ بیرونجات کے احمدی بھی اپنے مرکز میں جمع ہو کر خدمت دین کے کاموں میں حصہ لیں۔ اپنی جماعت کے حالات بچشم خود دیکھیں۔ نئی نئی امنگوں اور ولولوں کو لے کر اپنے اپنے گھروں کو جائیں اور تازہ جوش وہمت سے کام کریں۔

یہ تو اب تسلیم شدہ امر ہے کہ مستورات کو خدمت دین سے الگ تھلگ اور اپنے سلسلے کے کاموں سے بیخبر رکھنے میں نہ صرف ان کو اس ثواب سے محروم کرنا ہے بلکہ اپنی نئی پود کو بھی ایک حد تک بیگانہ کر دینا ہے۔اس لیے اب اکثر بزرگ اپنی مستورات کو بھی جلسہ پر اپنے ہمراہ لاتے ہیں۔ ہمارے سالانہ جلسے میں تقریباً دو ہفتے باقی ہیں۔ میں اپنی سب احمدی بہنوں کو دعوت دیتی ہوں کہ وہ اس مبارک موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ ہم لوگوں کو وعظ ونصیحت کے مواقع بہت کم نصیب ہوتے ہیں۔ ملنے جلنے سے تبادلہ خیالات ہوتا اور اپنی احمدی بہنوں سے محبت و اخوت بڑھتی ہے۔ روح کو خوشی اور دل کو اطمینان ہوتا ہے۔ ایسے سعید موقع کو ہاتھ سے جانے دینا سخت غلطی ہے۔ سردی کی وجہ سے بچوں کے ساتھ تکلیف تو ہوتی ہے لیکن دینی وقومی کاموں میں تکلیف بھی عین راحت ہے۔ ہماری بزرگ بیبیوں نے، جن کے نام اب ہمارے لیے باعث فخر ہیں، اسلام اور قوم کی خاطر بڑے بڑے دکھ اٹھائے۔ اپنے مردوں کا ساتھ دیا اور ان کا ہاتھ بٹایا ہے۔ ہمیں بھی انہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہئے تا کہ دین و دنیا میں سرخرو ہوں اور ہماری اولاد بھی ہمارے نمونہ کی نقل کر کے سچی مسلمان بنے۔ جب تک ہمارے دلوں میں درد نہ پیدا ہوگا، ہماری اولاد بھی کبھی دین کے لیے سچا جوش لے کر دنیا میں نہیں نکل سکتی۔ مجھے امید ہے کہ میری معزز بہنیں اپنے سلسلہ کے اس ضروری اور مبارک اجتماع میں شامل ہوکر بزرگانِ دین کے اقوال سے مستفید ہو سکیں گی۔ لاہور میں رہنے والی بہنوں کو تو بہت ہی آسانی ہے۔ ہر ایک بہن کی خدمت میں عرض ہے کہ سال میں صرف ایک مرتبہ یہ بابرکت دن آتے ہیں۔ روزمرہ کے کام تو ہمیشہ ہی لگے رہتے ہیں۔ چاہئے کہ دین کو دنیا پر مقدم کر کے اور اپنے تمام کاموں کو ملتوی کر کے اس دینی کام میں حصہ لیں۔ دنیا کے دھندے تو ہمیشہ ہی رہیں گے۔ مگر ایسے موقعے ہمیشہ نہیں ملتے۔ کارکنان جلسہ نے مستورات کے لیے پردہ کا نہایت عمدہ انتظام کیا ہے۔ جہاں سے وہ نہایت آرام وآسانی سے لیکچر وغیرہ سن سکیں گی۔ مستورات کے علیحدہ اپنے جلسے بھی مسلم ہائی سکول کی بالائی منزل میں ہوں گے۔ جن میں ہماری لائق بہنیں تقریریں کریں گی۔ اگر کوئی بہن تقریر کرنا چاہے تو خاکسار کو مطلع فرمائیں۔ باہر سے تشریف لانے والی بہنیں 20، دسمبر 1927ء تک اپنی تشریف آوری کی اطلاع دیں تا کہ ان کی رہائش کا انتظام کیا جاسکے۔ پتہ یہ ہے۔ سیکرٹری انجمن خواتین، احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁ ❁ ❁

14 دسمبر 1927ء

تبصرہ از حضرت امیر

ہندو اخلاق و معاشرت

ایک غیر ملکی سیاح خاتون (جیسا کہ کتاب کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے) ہندوستانی اور یورپین ذرائع معلومات سے امداد حاصل کر کے اسی نتیجہ پر پہنچتی ہے، جس پر ایک وطنی ہندو مصلح پہنچ چکا ہے۔ باوجود اس کے دونوں کے درمیان زمانہ اور ماحول کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس حقیقت نفس الامری کے تسلیم کرنے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ کہیں نہ کہیں ایسی غلطیاں فی الحقیقت موجود ہیں جن کی طرف ہندو لیڈروں کو فی الفور توجہ کرنی چاہئے۔ کتاب کے ریویو کو پڑھ کر، خواہ وہ موافق ہو یا مخالف، کتاب کو بُرا کہا جا سکتا ہے لیکن جب انسان خود اصل کتاب کو اٹھا کر دیکھتا ہے تو ایسے واقعات سے اور اعداد و شمار سے اسے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ جو اسے مجبور کر دیتے ہیں کہ تمام نقائص نا قابل تائید مقاصد کے ہوتے ہوئے بھی جو اس کے اندر پائے جاتے ہیں، سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور و فکر کیا جائے۔

مس میو نے اپنی کتاب کے شروع میں صغر سنی کی شادی کی خرابیوں کو بیان کیا ہے۔ جو ہندوؤں میں عام ہے۔ اور اس موقع پر اس نے بعض مذہبی افعال و رسوم کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو اس کی رائے میں ہندو بچوں کے خیالات کو صغر سنی ہی میں تعلقات زن وشوئی کی طرف مائل کرنے والی ہیں۔ اس بارہ میں اس نے ہندو مذہب کی بعض رسوم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

> ''شیو جی جو بزرگ ترین ہندو دیوتاؤں میں سے ہے۔ اس کی مورتی کو عام شاہراہوں پر، مندروں میں، گھر کی چھوٹی مقدس جگہوں پر یا تعویذوں میں مردانہ عضو مخصوص کی شکل میں نمایاں کیا جاتا ہے۔ اور اس کی اس شکل کی پوجا پاٹ کی جاتی ہے۔ وشنو کے ماننے والے، جو جنوب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، بچپن ہی سے تولید تناسل کا نشان اپنی

> پیشانیوں پر لگاتے ہیں اور مندروں کی دیواروں اور رتھوں، محلات کے دروازوں اور بازاروں کی دیواروں پر ایسی تصاویر اور نقش و نگار موجود ہیں، جن میں تعلقات زن و شوئی کی ایک ایک بات کو، جو وہم اور تصور میں آ سکتی ہے، اصلی اور حقیقی رنگ میں نمایاں کیا گیا ہے۔ گھر کی عورتوں کی زبانوں پر ایسے گیت چڑھے ہوئے ہیں جو اس قسم کی باتوں کی طرف راغب کرنے والے ہیں۔ اور مختصراً یوں کہنا چاہئے کہ ہر اس چیز پر، جو ایک بچہ کے ذہن میں آ سکتی ہے، اس کو تصرف حاصل ہوتا ہے''۔ (صفحہ 32,31)

اب ہندو لیڈر، بجائے اس کے کہ ایسی ناپاک چیزوں کو جو مذہب کے نام پر پائی جاتی ہیں، دور کرنے کے لیے حکومت کی مدد کرتے، انہوں نے تعزیرات ہند کی دفعہ 293 کے ساتھ، جس کی رو سے تمام ناپاک اور فحش چیزوں اور کتابوں کی فروخت، تقسیم یا کرایہ پر دینا جرم ہے، ایک استثنا کا اضافہ کر کے ان کی مستقل موجودگی کا سامان پیدا کر دیا۔ اور وہ استثنا یہ ہے:-

> ''یہ دفعہ کسی ایسی کتاب، پمفلٹ، تحریر، نقشہ یا تصویر پر حاوی نہیں، جو مذہبی اغراض کے لیے رکھی گئی ہو یا استعمال کی جاتی ہو یا کوئی شکل و صورت، جو کسی مندر کے اوپر یا اس کے اندر دیواروں پر بنائی گئی ہو، یا کھدی ہوئی ہو، یا کسی گاڑی کے اوپر ہو، جو بتوں کو لے جائے یا مذہبی کاموں کے لیے استعمال کی جاتی ہو''۔

اب ہندو مذہب کا اس سے بڑھ کر کیا مقابلہ ہو سکتا ہے کہ ملک کے قانونی ضابطہ میں تمام فحش اور گندی چیزوں کی نمائش کو جرم قرار دیا جاتا ہے، لیکن جب مذہب کا نام ان پر آ جائے تو وہ جرم نہیں رہتیں۔ ایک بیرونی دنیا کا شخص اس مذہب کی کیا عزت کر سکتا ہے جو اس قسم کی فحش باتوں کو، جنہیں عام طور پر نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جائز ٹھہراتا ہے؟ اس بارہ میں مس میو کے ان تمام بیانات کی، جو ناخوشگوار اور ہتک آمیز سمجھے جا سکتے ہیں، کوئی حقیقت نہیں رہتی، جب ان کا مقابلہ اس اثر کے ساتھ کیا جائے جو ہندو لیڈر اپنے مذہب کے متعلق یہ کہہ کر پیدا کر رہے ہیں کہ ہر فحش بات جرم ہے، سوائے اس کے کہ جب اس کا ارتکاب مذہب کے نام پر ہو۔ اور ہر فحش چیز قابل مواخذہ ہے، سوائے اس کے کہ عبادت گاہوں میں ان کی نمائش کی جائے۔ اس سے بڑھ کر ہندو مذہب کی توہین

کسی غیر ہندو کے قلم سے نہیں ہو سکتی!

❁ ❁ ❁

15 شعبان المعظم 1346ھ

حضرت امیرایدہ اللہ کے قلم سے

فرقہ بندی اور جماعت احمدیہ

وَلَاتَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ (31:30-32) اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ ان لوگوں میں سے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ ہو گئے ہر ایک گروہ اسی پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔ اور فرمایا: اِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْاشِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ (159:6) جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ ہو گئے ان سے تیرا کوئی تعلق نہیں۔

فرقہ بندی کے مضرات کا احساس:

آج دنیا کی ہر ایک قوم فرقہ بندی کے نقصانات کو محسوس کر کے اس حالت سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہے، عیسائی جن کے اندر اصولی اختلاف موجود ہے، اور ان کے کوئی سے دو فرقے اپنے مذہب کے اصول پر متحد نہیں، آج یہاں تک اس فرقہ بندی سے تنگ آئے ہیں کہ عیسائیت سے بیزار کرنے والی وجوہ میں سے یہ ایک بڑی بھاری وجہ ہو گئی ہے۔ اور وہ آئندہ اگر کوئی اور مذہب اختیار کریں گے تو اس مذہب کو اختیار کریں گے جو فرقہ بندی سے آزاد ہو۔ ہندو، جن سب کا نہ ایک خدا، نہ سب کا ایک رسول، نہ سب کی ایک الہامی کتاب ہے، وہ بھی آج فرقہ بندی کی بلا سے آزاد ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ بلکہ فرقہ بندی سے آزاد ہو کر اپنا ایک اتحاد بنا رہے ہیں۔ جس کی بنا آپس میں محبت نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں سے بغض ہے۔ یہی ان کی سنگٹھن ہے۔ لیکن مسلمان، جو سب سے بڑھ کر فرقہ بندی کے نقصان سے تباہ ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں ایک یہی قوم ہے جس کو اب تک یہ احساس نہیں کہ ان کی فرقہ بندی نے اسلام کو کس قدر کمزور کر دیا ہے۔ وہ مسلمان، جن کا خدا ایک، جن

کی کتاب ایک، جن کا رسول ایک، جن کی نماز ایک، روزے ایک، زکوٰۃ ایک، حج ایک، کلمہ ایک، قبلہ ایک، افسوس ہے کہ اگر اتحاد نہیں کر سکتے تو وہی نہیں کر سکتے۔

قرآن کریم کا فرقہ بندی سے روکنا:

دنیا کی مذہبی کتابوں میں قرآن شریف ہی ایک کتاب ہے جس نے فرقہ بندی سے صریح الفاظ میں روکا ہے۔ جیسا کہ آیات مندرجہ عنوان سے ظاہر ہے۔ بلکہ فرقہ بندی کو اس قدر بُرے رنگ میں دکھایا ہے کہ ایک جگہ تو یہ فرمایا کہ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے اور گروہ گروہ بن جانے والے لوگ مشرک ہیں۔ پس مسلمانوں کو، جو ایک خدا کے پرستار ہیں اور جن کو اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا (105:10) کا حکم ہے نہ چاہئے کہ وہ مشرکوں میں سے ہو جائیں۔ یعنی گروہ گروہ بن کر دین کو ٹکڑے ٹکڑے کریں۔ اور دوسری آیت میں فرمایا کہ ایسے لوگ جو دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے اور گروہ گروہ بن جاتے ہیں، ان سے اے رسول! تیرا کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ انہیں تجھ سے کچھ نسبت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں ہی کا ذکر بطور پیشگوئی ہے۔ عیسائی اور یہود تو کوئی نسبت رسول اللہ ﷺ سے قائم نہیں کرتے جو انہیں یہ کہنے کی ضرورت ہوتی کہ انہیں آپ سے کوئی نسبت نہیں۔ نسبت کی نفی کی ضرورت اسی حالت میں ہے جب ایک قوم اپنی نسبت محمد رسول اللہ ﷺ سے قائم کر رہی ہو۔ انہیں صاف الفاظ میں بتا دیا کہ اگر دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرو گے تو محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ پس فرقہ بندی بروئے قرآن شریف وہ چیز ہے جو مشرکوں میں سے بنا دیتی ہے۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ سے کوئی نسبت رہنے نہیں دیتی۔

فرقہ بندی اور اختلاف:

فرقہ بندی سے کیا مراد ہے؟ قرآن کریم نے اس کے لیے لفظ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا اختیار فرمائے ہیں۔ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور گروہ گروہ بن جانا۔ ان الفاظ کا مفہوم تو ظاہر ہے۔ لیکن بعض دلوں میں ایک غلط خیال جاگزیں ہے۔ اسے دور کرنا بھی ضروری ہے۔ اس حکم کا یہ منشا نہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے کسی قسم کا بھی اختلاف نہ کریں۔ ایک اتنی بڑی قوم کے اندر، جو روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہے،

اختلاف رائے کا ہونا لازمی تھا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ نے تو اختلاف امت کو رحمت فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف میں بھی امت کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ کیونکہ اختلاف اظہار رائے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اظہار رائے سے انسان کے قوائے عقلی و ذہنی منجھتے اور ترقی کرتے ہیں۔ اسلام میں اتحاد بھی بڑا زبردست موجود ہے۔ اور وہ اتحاد اصول دین پر ہے۔ مگر اس میں اختلاف کے لیے بھی اس قدر وسعت ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں۔ فرقہ بندی اور اختلاف دونوں ایک چیز نہیں۔ فرقہ بندی ایک لعنت ہے اور اختلاف ایک رحمت ہے۔ مسائل پر اختلاف خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر موجود تھا۔ حالانکہ ان کے سامنے قرآن شریف نازل ہوا۔ انہوں نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے فیض حاصل کیا اور آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ براہ راست ان کے کانوں تک پہنچے۔

فرقہ بندی کیا چیز ہے:

فرقہ بندی اسلام میں خوارج کے وجود سے پیدا ہوئی۔ جیسا کہ روایات میں صاف طور پر ان کے متعلق آیا ہے۔ شَقُّوْا عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ انہوں نے مسلمانوں کی جمعیت کو توڑ دیا۔ کیوں؟ اس لیے نہیں کہ انہیں بعض مسائل میں صحابہؓ سے اختلاف تھا۔ کیونکہ اختلافات تو صحابہؓ میں بھی موجود تھے۔ بلکہ اس لیے کہ انہوں نے ہی مسلمانوں میں تکفیر کی ابتدا کی۔ اس وقت حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ تھی۔ اور خوارج اصل میں حضرت علی کے طرفدار تھے۔ مگر ان کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو کافر اور خارج از اسلام قرار دیں۔ حضرت علیؓ نے اس سے انکار کیا اور صاف فرمایا: اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَیْنَا لَانُکَفِّرُھُمْ وَلَا نُفَسِّقُھُمْ وہ بھی ہمارے بھائی مسلمان ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔ ہم ان کو کافر اور فاسق قرار نہیں دیتے۔ قرآن کریم کی آیات متذکرہ پر غور کیا جائے تو ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں دو باتوں سے روکا ہے۔ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور گروہ گروہ بن جانا۔ اور یہ دونوں باتیں تکفیر سے پیدا ہوتی ہیں۔ ہر گروہ جو دوسرے کی تکفیر کرتا ہے خواہ وہ بڑا ہو اور اپنے کو سواد اعظم کہہ لے مگر فی الحقیقت جب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ایمان لانے والوں کی تکفیر اس نے کی تو ایک واحد جماعت مسلمین کے گروہ گروہ بنا دیئے۔ اور جو حیثیت سب مسلمانوں کے ایک ہونے کی تھی۔ اسے باقی نہیں رہنے دیا۔ اور دین یوں ٹکڑے ٹکڑے

ہوا کہ اصل دین ان چند مسائل کو سمجھ لیا گیا جن میں ایک گروہ کا دوسرے سے اختلاف ہے۔ اور اصول دین کی کوئی پرواہ باقی نہیں رہی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری بحث ان چند فروعی مسائل پر صرف ہو جاتی ہے۔ اور ان چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں اس قدر انہماک ہوتا ہے کہ اصل دین برباد بھی ہو رہا ہو تو اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ پس فرقہ بندی کی بنیاد تکفیر مسلمین پر ہے اور اس کا ظاہر نشان قوم میں یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ آپس کے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں پڑ کر قوم کی قوت اور استحکام کا کام کرنے کی اہلیت جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ وہ قوت جو دین یا قوم کی ترقی پر صرف ہونی چاہئے تھی ایک دوسرے کی بربادی کی فکر میں صرف ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم نے جب ایک عظیم الشان اسلامی برادری کی بنیاد رکھی اور اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ (10:49) ارشاد فرمایا تو اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے اختلافات کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ عین اسی موقع پر یہ بھی فرما دیا: وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا (9:49) اگر مومنوں کے دو گروہوں کا جہاں تک بھی اختلاف ہو کہ وہ ایک دوسرے سے جنگ کرنے لگیں اور باوجود ایک دوسرے سے جنگ کرنے کے دونوں کو مومن بھی فرمایا۔ یہی وہ سبق ہے جس کو مسلمانوں نے بھلا دیا۔ مسلمانوں میں دوسرے مذاہب کے ساتھ جس قدر رواداری کی تعلیم ہے، اس سے بڑھ کر اپنے اندر رواداری کا حکم تھا کہ ہم ایک دوسرے کے اختلاف رائے کو برداشت کرنا اور اس کے خیالات کی عزت کرنا سیکھیں۔ اور ہماری موجودہ حالت یہ ہے کہ جہاں کسی نے اختلاف رائے کیا فوراً اسے کافر و بے ایمان قرار دے کر ہر قسم کا دکھ پہنچانا اور تکلیف دینا ثواب کا کام سمجھ لیا گیا۔ اسلام کے لیے مصیبت یہ نہیں کہ اس میں ایک دوسرے سے اختلاف رائے رکھنے والے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ اسلام کی ترقی کے لازمی سامانوں میں سے ایک سامان ہے۔ بلکہ مصیبت یہ ہے کہ اختلاف رائے کی برداشت مسلمانوں میں نہیں رہی۔ حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کس قدر فراخدلی سے ایک دوسرے کی اختلاف رائے کو برداشت کرتے تھے۔ اب بالفرض ایک شخص بعض مسائل میں دوسرے سے اختلاف رائے کرتا ہے۔ اور کچھ لوگ ایک کی رائے کو پسند کرتے ہیں اور کچھ دوسرے کی رائے کو۔ اور یوں یہ دو جماعتیں بن جاتی ہیں تو یہ فرقہ بندی نہیں ہے، بلکہ فرقہ بندی اس وقت شروع ہوتی ہے۔ جب اپنے بھائی کو اختلاف رائے کی وجہ سے کافر بنا دیا جاتا ہے۔ اور اسے گردن زدنی قرار دے کر ہر طرح کا نقصان پہنچانا ثواب سمجھا جاتا ہے۔ فرقہ بندی کا ارتکاب اس سے نہیں ہوتا کہ ایک شخص

لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان رکھتا ہو قرآن کریم کو خدا کا کلام یقین کرتا ہو، مسلمانوں کے بعض خیالات کو یا بعض رسوم ورواجات کو خلاف قرآن وحدیث سمجھے اور کہے۔ کیونکہ اس طرح تو مسلمانوں کی اصلاح کا دائرہ ہی ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا۔ بلکہ فرقہ بندی اس چیز کا نام ہے کہ جہاں کسی نے اختلاف رائے کا اظہار کیا تو جھٹ اسے کافر اور بے ایمان قرار دے کر ساری ہمت کو اس کی بربادی پر صرف کر دیا۔ مسلمانوں کے اختلافات اس دن اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ کے مصداق ہو جائیں گے جس دن ان کے اندر سے تکفیر کی لعنت دور ہو گی۔ اور ان کی ہمت ایک دوسرے کی تباہی پر صرف ہونے کی بجائے اسلام کو اپنے دشمنوں سے بچانے پر صرف ہو گی۔ جب تک وہ ایک دوسرے کو کافر ٹھہرا کر اپنی ہی بربادی پر تلے ہوئے ہیں، اس وقت تک وہ اسلام کو اپنے دشمنوں سے کبھی نہیں بچا سکتے۔ یہاں تو دن رات فرضی کافروں کو مٹانے کی فکر ہے۔ اور ادھر حقیقی کافر اسلام کو کھائے جاتے ہیں۔ اس بیماری نے یہاں تک ترقی کی ہے کہ جب مسلمانوں میں کہیں ملکی معاملات میں اختلاف ہوتا ہے اور سیاسی طور پر ایک فریق دوسرے فریق کی رائے سے اختلاف کرتا ہے، تو وہاں بھی سارا زور ان مسلمانوں کو بدنام کرنے اور ان کے طرح طرح کے نام رکھنے اور ان کو ہر قسم کا نقصان پہنچانے میں صرف ہوتا ہے۔ اور اسے خدمتِ اسلام کا کام سمجھا جاتا ہے۔ ایک شخص جسے کل تک ہم سر پر اٹھاتے تھے آج اسے پیروں کے نیچے روند کر خوش ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اس نے سیاسی طور پر ہمارے ساتھ اختلاف رائے کیوں کیا؟

اہل حدیث:

غرض اسلام کے اندر کسی اصلاح کے لیے کسی شخص یا گروہ کا کھڑا ہونا فرقہ بندی نہیں اور نہ یہ فرقہ بندی ہے کہ کچھ لوگ اس کے ساتھ ہو کر اس اصلاح کے کام میں اس کے معاون ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کا مقصد اس بات کو قرار دے لیتے ہیں کہ وہ اس اصلاح کے کام کو تکمیل تک پہنچائیں گے۔ اور نہ یہ فرقہ بندی ہے کہ وہ جماعت ایک خاص نام سے موسوم ہو جاتی ہے۔ یا خود اپنے لیے کوئی نام تجویز کر لیتی ہے۔ مثال کے طور پر میں اہلِ حدیث کی جماعت کو لیتا ہوں۔ جنہیں عام لوگ وہابی کہتے ہیں۔ ابتدا میں اس جماعت کا مسلمانوں کی اصلاح کے ایک کام کو ہاتھ میں لے کر کھڑا ہونا فرقہ بندی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ اس کے یوں کھڑا ہونے سے اسلام کو نقصان نہیں بلکہ یقیناً فائدہ پہنچا۔ اور مسلمانوں کے اندر ایک نئی زندگی اس جماعت کے وجود سے پیدا ہوئی۔ کئی

قسم کی غلامیوں سے اس جماعت نے مسلمانوں کو پاک کیا۔ البتہ یہ میں ضرور کہوں گا کہ اس کی بعد کی حالت پر فرقہ بندی کا نام زیادہ چسپاں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس اصلاحی کام کو چھوڑ کر وہ انہی چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں پڑ گئی۔ اور سارا زور آمین اور رفع یدین کے جھگڑوں پر اور ایک دوسروں کو مشرک اور بے ایمان بنانے پر صرف ہونے لگا۔ اور اس کی آخری حالت اب یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اہلِ حدیث کا گروہ آپس کے اندر اسی قسم کے بے معنی جھگڑوں پر اتر آیا ہے، جن کی پہلے ہی مسلمانوں میں کثرت تھی۔ ایک ادنیٰ اختلاف رائے پر، قرآن شریف کی ایک آیت کی ایک یا دوسری طرح پر تفسیر کرنے پر، ان میں ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگ رہے ہیں۔ اور خدمتِ اسلام کے کام کی طرف سے توجہ ہٹ کر فروعی مسائل پر ساری توجہ صرف ہونے لگی ہے۔

جماعت احمدیہ:

اسی طرح جو لوگ جماعتِ احمدیہ کو اسلام کے فرقوں میں ایک فرقہ کا اضافہ قرار دیتے ہیں وہ بھی اسی اصولی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بانی جماعتِ احمدیہ کا اگر کوئی امتیاز عام علماء سے نظر آتا ہے تو وہ ابتداء سے ایک ہے۔ یعنی یہ کہ شروع ہی سے آپ کی طبیعت کا رجحان فروعی مسائل کے جھگڑوں کی طرف نہیں ہوا۔ حالانکہ اس زمانہ میں جب آپ نے مذہبی میدان میں قدم رکھا مسلمان آپس کے اندر نہایت ہی چھوٹے چھوٹے جھگڑوں پر لڑ مر رہے تھے۔ اور علماء کا سوائے اس کے کچھ شغل نہ تھا کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر ایک دوسرے کی تکفیر کریں۔ مگر آپ کا قدم ابتداء ہی سے ان تمام جھگڑوں سے بلند رہا۔ اور ایک لمحہ کے لیے بھی آپ نے اس کے اندر داخل ہونا پسند نہیں کیا۔ عین جوانی میں، جو جوش جذبات کا وقت ہوتا ہے، آپ اگر کسی کام میں مصروف نظر آتے ہیں تو وہ عیسائیت کی تردید ہے۔ جو اس وقت مسلمانوں کو کھائے جا رہی تھی۔ اس کے بعد آریہ سماج کا ظہور ہوا تو آپ کی توجہ اس طرف بھی ہوئی اور آریہ سماج کی پرزور تردید کی۔ الغرض ابتداء ہی سے بجائے اس کے کہ آپ مسلمانوں کے اندرونی جھگڑوں میں، جو چھوٹے چھوٹے مسائل پر باہم ہو رہے تھے، کوئی حصہ لیتے، آپ کی توجہ خود اسلام کی حفاظت اور اشاعت کی طرف رہی۔ آپ کا دامن فرقہ بندیوں کی نکمی بحثوں سے، جنہوں نے مسلمانوں کو خود نکما کر رکھا تھا، بالکل پاک رہا۔ اور میدان مذہب میں آپ کا قدم اس سطح سے بہت بلند رہا جس سطح پر اس وقت علماء کام کر رہے تھے۔ آپ کے لیے میدانِ عمل مسلمانوں کے اندرونی جھگڑے ایک لمحہ کے لیے بھی

نہیں ہوئے بلکہ آپ کا روئے سخن تمام تر غیر مذاہب کی طرف رہا۔

مسیح اور مہدی کے متعلق مسائل:

مسائل فروعی میں سے دو امور ایسے تھے جن کی طرف حضرت مرزا صاحب نے توجہ فرمائی۔ مگر وہ بھی صرف اس لیے کہ ان کا تعلق اسلام کی اشاعت اور اسلام کی حفاظت سے تھا۔ دو غلطیاں مسلمانوں میں عام طور پر پھیل چکی تھیں۔ جن کا دور کرنا حفاظت و اشاعتِ اسلام کے لیے ضروری تھا۔ یہ دو غلطیاں مسیح اور مہدی کی آمد سے تعلق رکھتی تھیں۔ ایک یہ کہ حضرت مسیح چوتھے آسمان پر اس جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور کسی وقت پھر زمین پر نازل ہوں گے۔ اور دوسرے یہ کہ حضرت مسیح کے نزول کے ساتھ ایک مہدی بھی آئے گا۔ جو دینِ اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلائے گا۔ یہ دونوں باتیں اشاعتِ اسلام کے راستے میں سخت روک تھیں۔ اسلام کا مقابلہ سب سے بڑھ کر اس وقت عیسائیت کے ساتھ تھا۔ اور عیسائیوں کے ہاتھ میں یہ ایک زبردست ہتھیار مسلمانوں کے گمراہ کرنے کے لیے تھا کہ مسیح بشر سے بڑھ کر کچھ اور ہے۔ کیونکہ وہ زندہ آسمان پر ہے اور کھانے پینے کی احتیاج نہیں رکھتا۔ حالانکہ سب بشر حتیٰ کہ رسول بھی بموجب تصریح قرآنی وَمَا جَعَلْنٰـهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (8:21) کھانے پینے کے محتاج تھے۔ اور حضرت مسیح کے جسم میں تغیر نہیں آتا اور وہ اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ کے مصداق ہیں۔ حالانکہ یہ خاصہ صرف ذات باری کا ہے۔ چونکہ اس راستے سے اسلام پر حملہ ہوتا تھا۔ اور خود اشاعتِ اسلام میں یہ رکاوٹ تھی، اس لیے حضرت مرزا صاحب نے اس غلطی کو دور کر کے اشاعتِ اسلام کے کام کو صحیح راستے پر ڈالا۔ ایسا ہی یہ عام خیال، کہ مہدی آئے گا تو تلوار سے اسلام پھیلائے گا، اشاعت اسلام کے راستے میں رکاوٹ تھی۔ اور اس بنا پر غیر مسلموں کو اسلام سے متنفر کیا جا رہا تھا۔ اس لیے اس غلطی کو بھی آپ نے دور کیا۔ اور ہر دو امور کو خلافِ قرآن وحدیث ثابت کر کے اشاعتِ اسلام کی سڑک کو صاف کیا۔

غرض حضرت مرزا صاحب کا کام فرقہ بندی کے خیالات سے پاک اور بہت ارفع تھا۔ آپ کے سامنے اسلام کی حفاظت کا سوال تھا۔ اندرونی چھوٹے چھوٹے جھگڑوں پر آپ نے کبھی ایک لمحہ بھی ضائع کرنا پسند نہیں کیا۔ آپ کے سامنے رفع یدین اور بلند آمین۔ اور سینے پر ہاتھ باندھنے پر کشت وخون ہوئے۔ مقدمات

ہوئے تکفیر ہوئی مگر آپ کی جماعت میں دونوں قسم کے لوگ شامل تھے۔

اس بات کا افسوس ہے کہ آپ کی جماعت کا ایک حصہ فرقہ بندی کے دھندے میں پڑ گیا۔ اور مسلمانوں کی تکفیر کا کام اختیار کر کے اسی سطح پر اتر آیا جس پر پہلے علماء باہم جھگڑ رہے تھے۔ جس کا نتیجہ اگر اس غلطی سے رجوع نہ کیا گیا تو یقیناً یہ ہوگا کہ اشاعتِ اسلام کے کام کی توفیق آہستہ آہستہ چھن جائے گی۔ لیکن خدا کے فضل سے آپ کے صحیح مسلک پر بھی ایک جماعت قائم ہے۔ اور اس کا اثر اور اقتدار روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اسی جماعت نے اپنی آواز کو مسلمانوں کی تکفیر کے خلاف اٹھایا۔ یہاں تک کہ آج اور بھی کئی ایک جماعتیں اس فرقہ بندی کے نقصان کو محسوس کرنے لگی ہیں۔ جو لوگ ہماری اس جماعت کے خلاف فرقہ بندی کا الزام دیتے ہیں، وہ محض غلط فہمی یا حسد سے ایسا کہتے ہیں۔ یہی ایک جماعت ہے جس نے فرقہ بندی کی بنیاد پر زبردست ہتھیار چلایا ہے۔ باقی رہے اختلافات، تو وہ کسی نقصان کا موجب نہیں ہو سکتے۔ اور نہ کسی جماعت کا کوئی نام رکھا جانا فرقہ بندی ہے۔ اگر اسلام میں ایک ہزار جماعتیں بھی ایسی ہوں جن کی اصل غرض ایک یا دوسرے شعبے میں مسلمانوں کی اصلاح یا اسلام کی اشاعت ہو۔ تو وہ فرقہ بندی نہیں۔ کیونکہ وہ سب اسلام کو قوت پہنچانے والی ہوں گی۔

حضور نظام کی دریا دلی:

حضور نظام دکن کی فیاضیاں مشہور ہیں۔ آج کل حاجی لارڈ ہیڈلے حیدرآباد دکن میں ریاست کے مہمان ہیں۔ آپ نے خاص لندن میں تعمیر مسجد کی ضرورت جتائی۔ جس پر حضور نظام نے پانچ لاکھ روپیہ جیب خاص سے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ جس قدر روپیہ درکار ہوگا وہ ریاست کی طرف سے دیا جائے گا۔ اس مسجد کا نام اغلباً نظام ماسک (مسجد نظام) رکھا جائے گا۔ لندن جیسے مرکزی شہر میں واقعی ایک ایسی شاندار مسجد کی ضرورت تھی جس کی تعمیر کا بیڑا حضور نظام نے اٹھایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں میں برکت دے اور اس خانہ خدا کو ہزاروں لاکھوں انگریزوں کی ہدایت کا موجب بنائے۔

برلن مسجد کو علیا حضرت ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال کا عطیہ:

گذشتہ سال مولانا مولوی صدرالدین صاحب ہر ہائینس بیگم صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

اور برلن مسجد کی مشکلات کا ذکر کیا تھا۔ جو اس وقت نامکمل حالت میں پڑی تھی۔ اس پر بیگم صاحبہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ضرور اس کار خیر میں حصہ لیں گی۔ چنانچہ اب 22 جنوری کو مولوی صاحب موصوف اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب پھر ہر ہائینس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر ہائینس نے دریا دلی سے پانچ ہزار روپیہ برلن مسجد کے فنڈ میں عطا فرمایا۔ جزاک اللہ احسن الجزا۔ علیا حضرت کے شاہانہ عطیات دینی اور خیراتی کامیوں میں اتنی کثرت سے نظر آتے ہیں کہ اس کی نظیر شاہان وقت میں کم ملتی ہے۔ اس گرانقدر عطیہ کیلئے ہم تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا دین دنیا میں حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

مسلمان اور سنسکرت:

انڈین ریویو میں مسٹر یعقوب علی صاحب ممبر لیجسلیٹو اسمبلی کا ایک نہایت دلچسپ مضمون شائع ہوا ہے۔ جس سے نہ صرف مسلمانوں کی علم دوستی پر روشنی پڑتی ہے بلکہ یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے قدیم علم وادب اور زبان سنسکرت کو زمانہ کی دستبرد سے بچانے میں بہت کچھ سعی کی۔ اس اہم مضمون کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

> 1- سلطان زین العابدین جس نے کشمیر کو جنت نظیر بنانے میں زرِ خطیر صرف کیا اکبر اعظم سے کئی سو سال پہلے تخت کشمیر پر جلوہ افروز تھا۔ یہ سلطان سنسکرت کا بے مثل عالم تھا۔ اس نے اپنی قلم رو میں ایک عظیم الشان دار الترجمہ قائم کیا۔ جس کے اہتمام میں کئی ایک فارسی اور عربی کی نادر کتب کا سنسکرت میں اور نوادرات سنسکرت کا عربی اور فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ مہابھارت کا بہ زبان فارسی پہلی مرتبہ اسی کے عہد میں ترجمہ کیا گیا۔ عہدِ اکبر کے اکابرِ فضلاء کو مہابھارت کا صحیح ترجمہ کرنے میں اس ترجمے سے بے حد مدد ملی۔
>
> 2- فیروز شاہ تغلق نے کتب خانہ جوالامکھی کی متعدد سنسکرت کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ اور اس زمانہ کے یگانہ روزگار فاضل مولانا عزیز الدین نے ''فیروز شاہی'' کے نام سے ایک کتاب کی صورت میں زبان سنسکرت کی ایک تصنیف کو جو علم ہیئت کے متعلق تھی

فارسی کے قالب میں ڈھالا۔

3- حضرت امیر خسرو کو کون نہیں جانتا۔ آپ کو اکثر علوم میں کافی دسترس تھی۔ آپ اعلیٰ درجہ کے سنسکرت داں تھے۔ اور بھاشا کے ایسے شاعر تھے کہ اس پائے کا شاعر شاید ہی کوئی ہو۔ لیکن یہ جو عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ آپ بھاشا کے سب سے پہلے مسلمان سخن طراز تھے، یہ غلط ہے۔ آپ سے قریباً دو سال پیشتر فاتح سومنات غازی محمود غزنوی کے درباری شاعر سلیمان مسعودی کا ایک دیوان بھاشا میں موجود ہے۔

4- جہانگیر کے زمانہ میں ملا مسیح پانی پتی نے رامائن کو فارسی میں منظوم کیا۔ جہانگیر خود بھی سنسکرت خوب جانتا تھا۔ اس کے عہد میں سوامی جودھروپ ویدوں کا زبردست عالم تھا۔ وہ پرانے بزرگوں کی طرح جنگل میں رہتا تھا۔ جہانگیر اس دشوار گزار صحرا میں بنفس نفیس پہنچا اور وہاں پہنچ کر اس نے وودوان پنڈت کی جو توقیر ومنزلت کی اس کی مفصل کیفیت ''تزک جہانگیری'' میں درج ہے۔ جہانگیر کا بھائی شہزادہ دانیال اور ملا نوری ان قادر الکلام شعراء میں سے ہیں جن پر بھاشا بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔

5- شاہ محمد بلگرامی، جو اکبر اور جہانگیر کے عہد میں حصار کا گورنر تھا، بھاشا میں اس کی بذلہ سنجی اپنا ہمسر نہیں رکھتی۔

6- ایک دفعہ راجہ سورج سنگھ نے ایک ہندو سخنور کو جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا۔ جہانگیر اس کے کلام سے محظوظ ہوا اور ایک ہاتھی بطور داد یا انعام دیا۔

7- محمد ہاشم محترم نے، جو عربی کا علامہ تھا، مہا بھارت کو حفظ کیا۔

8- غازی اورنگ زیب نور اللہ مرقدہ کا فارسی گو شاعر ہندی میں بھی اپنے جذبات کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک کتاب ''علم موسیقی'' بزبان ہندی تصنیف کی۔

9- عہد عالمگیرؒ ہی میں مولانا شیخ غلام مصطفیٰ مراد آبادی بھی تھے۔ جن کو ہندو

لٹریچر پر اتنا عبور تھا اور بھاشا اور ہندی میں اتنا اِدرک تھا کہ کئی ایک بڑے فاضل پنڈت برہمن آپ کے مرید اور چیلے تھے۔

10- محمد شاہ کے زمانہ میں ہیئت کی مشہور ادق اور درسی کتاب ''شرح چغمنی'' کا بعض عربی فضلاء نے بھاشا میں ترجمہ کیا۔

11- دربارِ اکبری کی زینت ''فیضی'' کو اس سلسلے میں جو مقام حاصل ہے وہ محتاج تشریح نہیں۔

مختصر یہ کہ اگر غازی محمود غزنوی سے شروع کر کے محمد شاہ تک کے زمانہ میں تاریخ کو پیش نظر رکھیں تو ہزار ہا واقعات ایسے پیش کیے جا سکتے ہیں کہ مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان پر لاتعداد احسانات کیے ہیں۔ مگر ہمارے برادران وطن، جب حق وانصاف کے گلے پر چھری پھیرنا شروع کرتے ہیں، تو تمام حقائق و واقعات کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اور پھر تمام صفحات تاریخ ہند میں انہیں ہر جگہ یہی مصرعہ لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ ''عالمگیر ہندوکش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا۔''

❀ ❀ ❀

9مارچ1928ء

قسط اول

بیمہ زندگی و بیمہ جائیداد

حضرت امیر ایدّہ اللہ کے قلم سے

اس موضوع پر مولوی عبدالستار صاحب نے پیغامِ صلح مؤرخہ 29 فروری میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ چونکہ ان مسائل کے متعلق عام طور پر سوالات بہت آتے رہتے ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان سوالات کے سارے پہلوؤں پر پوری بحث ہو جائے۔ مولوی عبدالستار صاحب نے بیمہ کے سوال کے ساتھ ہی بنک کے سود کے سوال کو بھی ملا دیا ہے۔ مگر یہ دونوں سوالات بالکل الگ الگ ہیں۔ بنک کے سود کے متعلق حضرت مسیح موعود کا فتویٰ صاف الفاظ میں صرف اس قدر ہے کہ ''ایسا روپیہ اشاعتِ دین کے کام میں خرچ کیا جائے''۔ پس بیموں میں جو حصہ سود کا آئے گا، اسے ہم اسی حکم کے ماتحت رکھیں گے۔ اور بیمہ کے سوال کو بنک کے سود کے سوال سے علیحدہ رکھ کر حل کرنا بہتر ہوگا۔

فی الحقیقت زندگی اور جائیداد کے بیمے ایک ہی رنگ کے ہیں۔ ایک اور قسم کے بیمے بھی ہیں۔ جیسے خطوط اور پارسلوں کے بیمے۔ جن کا جواز قریباً قریباً مسلّم ہے۔ ان بیموں اور زندگی یا جائیداد کے بیموں میں ایک امر مشترک ہے۔ اور ایک فرق بھی ہے۔ امر مشترک تو یہ ہے کہ بیمہ کرنے والی کمپنی (ڈاک خانہ ہو یا ریلوے) بیمہ کرانے والوں سے ہر بیمہ پر تھوڑی سی رقم وصول کرتی ہے۔ اور اگر وہ چیز ضائع ہو جائے تو اس کی پوری قیمت بیمہ کرانے والے کو ادا کرتی ہے۔ زندگی یا جائیداد کے بیمہ میں بھی یہ صورت ہے کہ بیمہ کرنے والی کمپنی بیمہ کرانے والے سے تھوڑی سی رقم سالانہ یا باقساط وصول کرتی رہتی ہے۔ اور اگر وہ جائیداد ضائع ہو جائے یا بیمہ کرانے والے کی زندگی ختم ہو جائے تو جائیداد کی پوری قیمت یا زندگی کے بیمہ کی صورت میں موعودہ رقم کل کی کل ادا کرتی ہے۔ گویا دونوں صورتوں میں بہت سے لوگوں سے تھوڑی تھوڑی رقم وصول کر کے تھوڑے سے لوگوں کو جن کی چیز

ضائع ہوجائے بڑی رقم ادا کی جاتی ہے۔جس میں ایک رنگ باہمی امداد کا آ جاتا ہے۔اورفرق دونوں میں یہ ہے کہ خطوط یاپارسلوں کے بیمہ میں زیادہ حفاظت کے لیے وہ رقم بطور معاوضہ ہوجاتی ہے۔لیکن زندگی یا جائیداد کے بیمہ میں کمپنی کسی چیز کی حفاظت نہیں کرتی البتہ ادائیگی رقم کی ذمہ داری لیتی ہے۔

حضرت مسیح موعود کا جواب:

حضرت مسیح موعود سے بھی یہ سوال ہوا تھا۔جوذیل میں درج ہے۔

سوال:بعض لوگ جوعمارتوں کے بیمے کسی بیمہ کمپنی سے آتشزدگی وغیرہ کے متعلق کراتے ہیں اس کی بابت حضور کیا فرماتے ہیں؟

جواب: سوداور قمار بازی کوالگ کر کے دوسرے اقراروں اور ذمہ داریوں کوشریعت نے صحیح قرار دیا ہے۔قمار بازی میں ذمہ داری نہیں ہوتی، دنیا کے کاروبار میں ذمہ داری کی ضرورت ہے۔پس ان معاملات میں دیکھ لو کہ سود یا قمار کی کوئی جزو تو نہیں۔اگر صرف اقرارات ہوں تو ان کوشریعت نے جائز رکھا ہے کہ جن میں ذمہ داری ہوتی ہے۔(فتاوی احمدیہ جلد2 صفحہ 42)

اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک معاملہ میں قمار یا جوئے کا رنگ ہے تو وہ جائز نہیں اور کسی اقرار نامہ کے ذریعہ سے کوئی ذمہ داری لی جائے تو وہ جائز ہے۔تو پس سوال صرف اس قدر ہوگا کہ کیا زندگی یا جائیداد کے بیمہ میں قمار بازی یا جوا تو نہیں۔ظاہر ہے کہ جُوّا ایک کھیل ہے جس سے اتفاقی ہار جیت سے مال کا ہیر پھیر ہوتا ہے۔لیکن بیمہ میں کوئی کھیل اور نہ کوئی ہار جیت ہے۔بلکہ ایک قسم کے اقرار کے ذریعہ سے ذمہ داریاں پیدا ہوتی ہیں۔البتہ اس کا تعلق اتفاقی حادثہ سے ضرور ہے۔یعنی اتفاقی حادثہ سے جائیداد تلف ہو جاتی ہے۔یا کوئی آدمی مرجاتا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا محض اتفاقی حادثہ کی وجہ سے ان ذمہ داریوں کو جوئے کی تعریف کے اندر لایا جاسکتا ہے جو بیمہ میں لی جاتی ہیں؟اگر اس کا جواب اثبات میں ہو تو یہی اتفاقی حادثات کا سوال خطوط اور پارسلوں کے بیمہ میں بھی موجود ہے اس کا کیا جواب ہوگا؟علاوہ ازیں یہ محض اتفاق نہیں بلکہ ایک ایسا اتفاقی امر

ہے جو انسان کے فعل سے نہیں بلکہ قضا و قدر سے تعلق رکھتا ہے۔ جسے انگریزی میں ایکٹ آف گاڈ یا خدا کا فعل کہا جاتا ہے۔ اور جوئے میں اتفاق انسان کے فعل سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی دو شخصوں کے کھیل سے وہ اتفاق پیدا ہوتا ہے جس سے ایک جیتتا اور دوسرا ہارتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا ہر قسم کا بیمہ قریباً قریباً امداد باہمی کا رنگ تو اپنے اندر نہیں رکھتا۔ یعنی فی الحقیقت مصیبت کے وقت کسی شخص کی امداد تو اس کی تہہ میں نہیں؟ یہ تو ظاہر ہے کہ بیمہ میں فائدہ اسی شخص کو ہوتا ہے جس پر کوئی مصیبت وارد ہوتی ہے۔ اگر چند لوگ باہم مل کر یہ صورت پیدا کر لیں کہ وہ تھوڑا تھوڑا چندہ ادا کرتے رہیں گے اور جب ان میں سے کسی پر کوئی خاص مصیبت آئے تو اسی چندہ سے ایک خاص حد تک اس کی مدد کی جائے گی۔ تو ظاہر ہے کہ یہ صورت کسی طرح قابل اعتراض نہیں۔ بلکہ عین تقاضائے ہمدردی انسانی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا بیمہ خواہ کسی قسم کا ہو اس میں غالب پہلو یہ تو نہیں کہ مصیبت کے وقت کسی شخص کے ساتھ ہمدردی ہو؟۔

علماءِ اسلام کیلئے صلائے عام:

یہ وہ سوال ہیں جو بیمہ زندگی اور بیمہ جائیداد کے متعلق پیدا ہوتے ہیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اس پر کھلی بحث ہو اور نہ صرف اپنی جماعت کے اہل الرائے اور اہل علم احباب کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ وہ ان سوالات پر اپنے خیالات کا اظہار کریں بلکہ جملہ علماءِ اسلام کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ وہ ان سوالات پر ایک غائر نظر ڈال کر اپنی رائے سے ممنون فرمائیں۔ پیغام صلح کے کالم ایسے مضامین کے لیے کھلے ہوں گے۔ اور اگر کوئی صاحب کسی اور اخبار میں اس پر مضمون لکھیں تو اس کی ایک کاپی راقم کو بھجوا دیں۔ سوالات صرف دو ہیں۔

1- کیا بیمہ جائیداد یا بیمہ زندگی میں جوئے کا کوئی حصہ ہے؟ اور یہ محض ایک کھیل ہے جس میں چند اشخاص اتفاقی ہار جیت کے سبب سے شامل ہوتے ہیں؟

2- کیا بیمہ جائیداد میں مصیبت کے وقت کسی شخص کی ہمدردی کا خیال غالب ہے یا نہیں؟ (جاری)

24اپریل1928ء

مراسلت

مسئلہ کفر و اسلام

1926ء میں مفتی عبدالعزیز صاحب ساکن کوٹلہ سلطان خاں علاقہ گنج شہر پشاور نے حضرت امیرایدّہ اللہ کی خدمت میں خط لکھ کر دریافت کیا تھا کہ کیا آپ قادیانی جماعت کو کافر کہتے ہیں یا نہیں۔اس کے جواب میں حضرت امیرایدّہ اللہ نے مفتی صاحب موصوف کوحسب ذیل مکتوب لکھا تھا:-

جناب مفتی صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسلمانوں کو کافر قرار دینا ایک بیماری ہے۔جو ہماری قوم کے رگ وریشہ میں سرایت کرگئی ہے۔آپ کے علاقہ میں تو میں نے سنا ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو حقہ پینے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔اور آج یہی حالت سب مسلمانوں کی ہے۔وہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ کوئی مسلمان، جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اسے کافر بنانے کا راستہ نکل آئے۔اور یہ فکر نہیں کہ کسی کافر کو مسلمان بنانے کے لیے راستہ کھل جائے۔آپ کو بھی دعوت عمل میں اگر کوئی امر مزید دریافت طلب نظر آیا تو یہی کہ میں میاں محمود احمد صاحب قادیانی اور ان کے پیروؤں کو، جو حضرت مرزا صاحب کو نبی کہتے ہیں، کافر قرار دیتا ہوں یا نہیں۔اور پھر آپ نے مجھے یہ الزام دیا ہے کہ میں ''اس قسم کے سوالوں کے جواب میں کچھ گول مول سی بات کہہ جاتا ہوں'' آپ تو مفتی کہلاتے ہیں۔آپ کو چاہئے تھا کہ میری وہ تحریر پیش کرتے۔

میں تو اس معاملہ میں بہت واضح مذہب رکھتا ہوں۔جس کو نہ کہیں گول مول کرنے کی ضرورت ہے نہ چھپانے کی۔میں ہر ایک کلمہ گو کو، جو لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا قائل ہے، مسلمان سمجھتا ہوں۔ہاں جو لوگ کسی مسلمان کو کافر قرار دیں ان پر بروئے حدیث یہ سزاوار دہوتی ہے کہ وہ کفرالٹ کر ان پر پڑتا ہے۔لہٰذا میں ایسے لوگوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔لیکن انہیں دائرہ اسلام سے خارج بھی قرار نہیں دے سکتا۔خواہ وہ

مولوی اور مفتی ہوں، جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کو کافر کہا اور خواہ وہ میاں محمود احمد صاحب کے ایسے پیرو ہوں جو کلمہ گو مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اس پر آپ اعتراض کرتے ہیں کہ اول میں نے لکھا ہے کہ جناب مرزا صاحب دعویٰ نبوت کرنے والے کو کافر اور کاذب جاننے کا اعلان کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے۔ مگر میاں محمود احمد صاحب نے دعوی نبوت نہیں کیا نہ، ان کے پیروؤں نے، جن کی نسبت آپ کو کفر کا فتویٰ بکار ہے۔ رہا یہ کہ وہ آنخضرت ﷺ کے بعد ایک شخص کو نبی مانتے ہیں۔ سو غالباً آپ خود بھی مانتے ہیں۔

دوم یہ کہ میں نے لکھا ہے کہ جس شخص نے بیسیوں مرتبہ کھلے الفاظ میں انکار نبوت کیا، اس کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنا اس سے بڑھ کر غلطی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنانے والوں نے کی۔ یہ بھی درست ہے۔ اس لیے کہ حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا انکار نہایت کھلے الفاظ میں کیا ہے۔ تو ایسے شخص کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنا بلا شبہ بڑی بھاری غلطی ہے اور غلطی کا بڑا ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اس کے خلاف اس قدر واضح دلائل موجود ہیں۔ مگر میں نے اسے غلطی کہا ہے۔ کفر نہیں کہا۔ ایک انسان کو خدا بنانا کفر ہے، مگر آنخضرت ﷺ کے بعد ایک نبی کا ماننا غلطی ہے۔ اور اس غلطی میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو آنخضرت ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے خود آنے کے قائل ہیں، جو یقیناً ایک نبی ہیں۔ مگر اس کے باوجود جب تک وہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے قائل ہیں اور اپنے تئیں مسلمان کہلاتے ہیں، میں بھی انہیں مسلمان ہی کہوں گا۔ بابی اپنے تئیں مسلمان نہیں کہتے۔ میں بھی انہیں مسلمان نہیں کہتا۔ لیکن جو شخص اپنے تئیں مسلمان کہتا ہے میرا حق نہیں کہ میں اسے کافر بناؤں۔ خواہ سو غلطی بھی کرے۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سب غلطیوں پر غالب ہے۔ وہ اس ایک کلمہ کی وجہ سے مسلمان کہلاتے ہیں۔ خواہ کتنی غلطیاں بھی کریں۔ ان غلطیوں کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اور وہ اصلاح بھی اس صورت میں جلدی ہو سکتی ہے کہ ہم انہیں مسلمان قرار دیں۔ نہ کہ کافر!

خاکسار محمد علی

احمد یہ بلڈنگس، لاہور

مسئلہ نماز وامامت

(ایک شخص نے مسئلہ نماز وامامت کے متعلق چند سوالات لکھ کر جواب کے لیے جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے پاس بھیجے تھے۔ جن کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے حسب ذیل تحریر بغرض اشاعت ہمارے پاس بھیجی ہے۔ مدیر)

مخدومی ومکرمی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کے سوالات کا جواب عرض خدمت ہے۔

1- حضرت مسیح موعود کا صاف فتویٰ ہے کہ کسی غیر احمدی مکفر مکذب کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ جس شخص نے دنیا میں آ کر اس اصول کو زندہ کیا کہ کسی کلمہ گو کو کافر نہ کہا جائے، اس نے اس اصول پر چلانے کے لیے اس کے دوسرے پہلو کو بھی لیا کہ جو شخص کلمہ گو کو کافر کہے اس پر تعزیری کفر پڑے گا۔ یعنی اس کے ساتھ ہم مسلمانوں کا سا سلوک نہیں کریں گے۔ اس کے پیچھے ہم نماز نہیں پڑھیں گے۔ اور یہ تعزیر خود رسول کریم ﷺ کی قائم کردہ ہے۔ اکتوبر 1924ء میں ہماری جماعت کی کانفرنس ہوئی ہے۔ اس میں حضرت صاحب کے اس فتویٰ پر بحث ہوئی۔ فتویٰ صاف تھا اور مبنی بر احادیث صحیحہ تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ سوال صرف اس قدر تھا کہ کیا حالات موجودہ میں بھی یہ فتویٰ عائد ہوتا ہے۔ آخر باتفاق یہ فیصلہ ہوا کہ ابھی تک حالات ایسے ہیں کہ یہی فتویٰ ہمارا دستور العمل ہونا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود کے فتویٰ کے ساتھ جماعت کا بلا نفاق یہ فتویٰ شائع ہوا ہے۔ اس کے بعد کسی شخص کو، جو مسیح موعود کو ماننے کا مدعی ہو اور جماعت کے فیصلے کے سامنے، جو شوریٰ سے طے ہو، سر تسلیم خم کرنے کا مدعی ہو، کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

2- جو غیر احمدی مکفر مکذب نہ ہو اس کے پیچھے نماز اگرچہ جائز ہے، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہمارا مستقل امام ہو سکتا ہے۔ ہم کسی ضرورت کے وقت اس کے پیچھے نماز

پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اپنی جماعت ترک کر کے اس کے پیچھے نماز جا پڑھیں۔ یہ قطعاً ناجائز ہے اور جماعت کے انتشار کا موجب ہے۔ اگر سب لوگ اپنے اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھ لیا کریں تو جماعت تو خاک میں مل گئی۔ جو منشا اللہ تعالیٰ کا جماعت بنانے کا تھا، وہ ہم نے اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اور ہم اس کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ خدا نے مسیح موعود کو بھیجا۔ اس کے ذریعہ ایک جماعت بنائی۔ وہ ایک زندہ اور کام کرنے والی جماعت ہے۔ اس کے وجود کو محض اپنی سہل انگاریوں کی وجہ سے برباد کر دینا کیا موجب ناراضگی جناب باری نہ ہوگا۔ ہمارے کُل فرائض اپنے نفس کے لیے ہی نہیں بلکہ کچھ جماعت کے متعلق بھی ہیں۔ جماعت کا ایک جگہ جمع ہونا اور ہر جمعہ کسی نہ کسی نئی تحریک یا کام کے لئے جماعت کا مستعد ہونا اس کی زندگی کی دلیل ہے۔ محض رسمی جمعہ کوئی چیز نہیں۔ یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ جمعہ کو تمام امامتیں باطل ہو کر صرف ایک امامت رہ جاتی ہے۔ پھر سوائے اس شخص کی امامت کے، جسے خدا نے زندہ امام بنایا ہے، اور کس کی امامت جمعہ کو رہ سکتی ہے۔

3- حدیث میں جو جواز ہے کہ فاسق وفاجر کے پیچھے نماز جائز ہے۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ضرورت کے وقت پڑھ لینے میں حرج نہیں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ مستقل طور پر اسے امام بنالو۔ خود حدیث میں شرط امامت ہے کہ امام قرآن سب سے اچھا پڑھتا ہو۔ اچھا جانتا ہو۔ متقی ہو۔ پھر جو شخص امام وقت کو نہیں مانتا اس کو متقی مان کر امام وقت کے ماننے والے پر ترجیح دینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ کیا تقویٰ کا تقاضا یہ نہیں کہ وہ خدا سے ڈر کر امام وقت کے دعوے پر غور کرے۔ اور اسے مانے۔ جو ایسا نہیں کرتا ہم اسے اپنا امام نہیں بنا سکتے۔

4- جمعہ ایسے مریض پر معاف ہو سکتا ہے جو بوجہ مرض کے مسجد نہ پہنچ سکے۔ جو شخص کئی میل صبح کو سیر کرتا ہو۔ تمام دن بیٹھ کر اپنا کام نہایت مستعدی سے کر سکتا ہو، وہ جمعہ

کا یقیناً مکلّف ہے۔ رسول کریم ﷺ نے تو اندھے کو بھی مسجد میں آنے سے معاف نہیں کیا تو اور کونسا عذر قابل قبول ہوسکتا ہے۔ والسلام

خاکسار

بشارت احمد عفی اللہ عنہ

27اپریل1928ء

قسط دوم

بیمہ زندگی اور بیمہ جائیداد

اس مضمون پر کئی ایک مضامین اخبار پیغام صلح میں نکل چکے ہیں اور کافی بحث ہو چکی ہے۔ جہاں تک جائیداد کے بیمے کا سوال ہے، حضرت مسیح موعود نے جو جواب دیا ہے وہ صاف اور واضح ہے۔ وہ سوال و جواب مفصل مَیں پھر نقل کرتا ہوں۔ (فتاوی احمدیہ جلد 2 صفحہ 42)

سوال: بعض لوگ جو عمارتوں کے بیمے کسی کمپنی سے آتشز دگی وغیرہ کے متعلق کراتے ہیں، اس کی بابت حضور کیا فرماتے ہیں؟

جواب حضرت مسیح موعود: سود اور قمار بازی کو الگ کر کے دوسرے اقراروں اور ذمہ داریوں کو شریعت نے صحیح قرار دیا ہے۔ قمار بازی میں ذمہ داری نہیں ہوتی۔ دنیا کے کاروبار میں ذمہ داری کی ضرورت ہے۔ پس ان معاملات میں دیکھ لو کہ سود یا قمار کی کوئی جزو تو نہیں۔ اگر صرف اقرارات ہوں۔ ان کو شریعت نے جائز رکھا ہے کہ جن میں ذمہ داری ہوتی ہے۔ چونکہ اس قسم کے سوالوں کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس لیے حجۃ اللہ نے فرمایا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ (101:5)۔ قرآن شریف میں حکم ہے کہ بہت کھوج نکال کر مسائل نہ پوچھنے چاہئیں۔ مثلاً اب کوئی دعوت کھانے جائے تو اس خیال میں لگ جائے کہ کسی وقت حرام کا پیسہ اس کے آیا ہوگا۔ پھر اس طرح تو آخر دعوتوں کا کھانا ہی بند ہو جائے گا۔ خدا کا نام ستّار بھی ہے۔ ورنہ دنیا میں عام طور پر راست باز کم ہوتے ہیں۔ مستور الحال بہت ہوتے ہیں۔ یہ بھی قرآن میں لکھا ہے لَا تَجَسَّسُوْا (12:49) یعنی تجسس مت کرو۔ ورنہ اس طرح تم مشقت میں پڑو گے۔

سوال تھا کہ عمارتوں کے بیمے لوگ کراتے ہیں۔ جواب ہے کہ سود اور قمار بازی کو الگ کر کے دوسرے اقراروں اور ذمہ داریوں کو شریعت نے صحیح قرار دیا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عمارتوں کے بیمے کو حضرت مسیح موعود نے ان اقرارات اور ذمہ داریوں میں سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ قمار بازی کو الگ کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا کہ قمار بازی میں ذمہ داری نہیں ہوتی۔ اب ظاہر ہے کہ بیمہ میں ذمہ داری ہے۔ پس بیمہ میں قمار بازی کوئی نہیں۔ اور ویسے بھی اگر ادنیٰ تامل سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جوا محض ایک کھیل ہے۔ معاملات کے رنگ کا کوئی معاملہ نہیں۔ اور بیمہ ایک معاملہ ہے۔ محض اسی بات پر کہ جو ایک ایسا کھیل ہے جس میں ہار جیت چانس یا اتفاق پر ہے۔ اور بیمہ میں جو ذمہ داری پیدا ہوتی ہے اس کا تعلق بھی آتشزدگی وغیرہ کے اتفاقی حادثات سے ہے۔ ایک کو دوسرے سے کوئی مشابہت نہیں پیدا ہوتی۔ اگر ان ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر معاملات دنیا کی جوئے سے مشابہت قرار دی جائے تو تجارت کے بہت سے معاملات کو بھی جوئے سے مشابہت ہو جائے گی۔ جہاں نفع نقصان کا تعلق اتفاقی حادثات سے ہوتا ہے۔ اور نہ بیمہ میں قمار کا کوئی جزو نظر آتا ہے۔ اور جہاں تک جائیداد کے بیمہ کا سوال ہے سود کا تو قطعاً اس میں کوئی جزو نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ بیمہ کمپنیاں اپنا روپیہ سود پر لگاتی ہیں۔ مگر اس سے خود بیمہ میں سود کا جزو نہیں آ جاتا۔ ورنہ ہر ایک ایسے شخص سے مالی معاملہ کرنا جو سود لیتا یا دیتا ہو، سود کا جزو بن جائے گا۔ اور دنیا کے کاروبار ناممکن ہو جائیں گے۔ پس جائیداد کا بیمہ حضرت صاحب کے اس فتویٰ کی رو سے ناجائز قطعاً نہیں۔ اور یہی فیصلہ 22 اپریل کو ہماری جنرل کونسل کے اجلاس میں بھی ہوا ہے۔

زندگی کا بیمہ:

اس کے بعد دوسرا سوال زندگی کے بیمہ کا ہے۔ مگر جائیداد کے بیمہ کا سوال حل ہو جانے کے بعد یہ چنداں مشکل نہیں رہتا۔ سوائے اس کے کہ اس میں سود کا ایک جزو شامل ہو جاتا ہے۔ یعنی بعض صورتوں میں کچھ سود جمع شدہ روپے پر بیمہ کرانے والے کو ملے گا۔ سو اس کے متعلق اگر یہ احتیاط کر لی جائے کہ یہ سود کا روپیہ اشاعت اسلام پر خرچ کر دیا جائے۔ تو زندگی کا بیمہ جائیداد کے بیمہ کی طرح ہو جائے گا۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ جائیداد کے بیمہ میں ہر سال نیا معاہدہ ہوتا ہے اور زندگی کے بیمہ میں ایک ہی معاہدہ کئی سالوں پر حاوی ہوتا ہے۔ اصولاً دونوں قسم کے بیمے مصیبت میں ہمدردی کے اصول پر مبنی ہیں۔ اور یہ خیال کہ چونکہ بعض حالات میں جب

اقرارکنندہ قسط دینے سے انکار کردیتا ہے تو اس کا دیا ہوا روپیہ ضبط ہوجاتا ہے۔اس لیے ہمدردی پر اس کی بنا نہیں، صحیح نہیں۔اگر یہ شرط نہ ہو تو کام کا چلنا دشوار ہوجاتا ہے۔اصولاً یہی بات درست ہے کہ بیمہ کی اصل بنیاد ہمدردی پر ہے۔اگر سو آدمی جائیداد کا بیمہ کراتے ہیں تو ان میں سے اغلباً نوّے ایسے ہوں گے جن کی جائیداد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔حالانکہ وہ قسط موعودہ برابر ادا کرتے رہتے ہیں۔اگر سو آدمی زندگی کا بیمہ کراتا ہے تو اس سے کوئی دس آدمی ایسے ہوں گے جو قبل از وقت فوت ہوجائیں گے۔اور باقی نوے اپنی پوری قسط ادا کریں گے۔یہ دس فیصد، جو کسی مصیبت کے ماتحت آجاتے ہیں، فی الحقیقت باقی نوے کی اقساط سے فائدہ اٹھانے والے ہوتے ہیں۔یہ ایک گونہ امانت علیٰ نوائب الحق ہے۔ہاں بیمہ کرنے والی کمپنی بھی اس سے کچھ فائدہ اٹھالیتی ہے۔اور بعض وقت اسے نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔تو اس سے بھی یہ معاملہ، جو فی الحقیقت لین دین کا اقرار اور ذمہ داری ہے، ناجائز نہیں ہوتا۔اصولاً لین دین کا ہر ایک معاملہ شرعاً جائز ہوگا، جب تک کہ اسے ناجائز ٹھہرانے کے لیے کافی وجوہ نہ ہوں۔اور دونوں قسم کے بیموں میں جوئے کا کوئی جزو نہیں۔البتہ زندگی کے بیمہ میں جو سود کا جزو آجاتا ہے، اسے آسانی سے علیحدہ کردیا جاسکتا ہے۔

❋ ❋ ❋

یکم مئی 1928ء

خلع اور حق مہر

مرتبہ مولوی مرتضٰی خان صاحب بی اے

سوال: ایک شخص نے بذریعہ خط دریافت کیا کہ خلع کی حالت میں عورت کو خلع میں صرف مہر ہی دینا پڑتا ہے یا پارچہ جات اور زیور بھی۔ اور پارچہ جات کی حد کہاں تک ہے۔ مثلاً ایک شخص کی بیوی ایک سال بعد خلع حاصل کرتی ہے۔ تو وہ پارچہ جات جو اس کے رخصتانہ کے وقت ملے تھے اب وہ مرد کو واپس دینے پڑیں گے یا نہیں۔ اسی طرح دس سال بعد کیا دینا پڑے گا۔ جمیلہ نے صرف باغ مہر ہی ادا کیا تھا یا اور کچھ بھی۔

جواب: اس کا جواب آپ کی اجازت سے مولانا احمد صاحب نے حسب ذیل دیا ہے:۔

قرآن کریم نے خاوند کے ذمہ عورت کے جو مالی حقوق لازم کر دیے ہیں وہ صرف حق مہر، نان نفقہ، کسوت اور سکنیٰ ہیں۔ زیور کو خاوند کے ذمہ ایک حق لازم قرار نہیں دیا۔ اس لیے زیور کا دینا نکاح کے حقوق لازمہ میں سے نہیں۔ جیسے حقوق مذکورہ کہ وہ بہر حال ادا کرنے پڑتے ہیں۔ مہر اور نان نفقہ کی تو بی بی مالک ہوتی ہے۔ اور مکان میں اسے صرف رہنے کا حق ہوتا ہے۔ مکان کی وہ مالک نہیں ہوتی۔ چونکہ زیور مہر کی طرح حقوق لازمہ میں سے نہیں، اس لیے اگر شوہر بیوی کو زیور دے بھی دے تو جب تک عورت کو اس کا مالک نہ بنا دے، بلکہ صرف بطور زینت کے دے، تب تک وہ اس کی مالک نہیں ہو سکتی۔ اور اگر مالک بنا بھی دے تو بھی وہ نکاح کے حقوق میں سے نہیں گنا جائے گا۔ بلکہ صرف ایک عطیہ ہوگا۔

خلع اس فسخ نکاح کا نام ہے جہاں طلاق یا فسخ نکاح کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہو۔ چونکہ نکاح فسخ کرنے کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہے، اس لیے جب بیوی خاوند سے الگ ہو جائے گی تو خاوند کو اور کسی عورت سے نکاح کی ضرورت پیش آئے گی۔ اور دوسرے نکاح کے لیے بھی وہ ایک مالی بوجھ برداشت کرے گا۔ اور نکاح ثانی کا بوجھ برداشت کرنا اس کے ذمہ بیوی کے مطالبہ فسخ نکاح کی وجہ سے ہوا ہے، اس لیے بیوی کو خاوند کے اس

بوجھ میں حصہ لینے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ جب وہ خاوند سے الگ ہونا چاہے تو وہ خاوند کو کچھ معاوضہ دے۔ تاکہ جو بوجھ اس کے الگ ہو جانے کی وجہ سے خاوند پر پڑا ہے، اس معاوضہ سے وہ ہلکا ہو جائے۔ جو معاوضہ بیوی فسخ نکاح یا طلاق لینے کے عوض دے گی تو وہ صرف اسی مال سے ہو گا جو اسے خاوند سے حقوق نکاح کے طور سے ملا ہے۔ روز مرہ کے اخراجات اور کسوت بھی حقوق نکاح میں سے ہے۔ لیکن جو کچھ خرچ ہو کر فنا ہو گیا یا جو کچھ فسخ نکاح کے وقت موجود ہو، اس میں سے خاوند کو کچھ واپس نہ ہو گا۔ عورت کچھ مدت خاوند کی قید نکاح میں رہی۔ یہ حقوق اس کے عوض میں عورت کے ہیں۔ اس میں سے کچھ بھی خاوند کو نہ دیا جائے گا۔ رہنے کے مکان کی تو وہ مالک ہی نہیں، وہ تو خود بیوی کے الگ ہونے سے خاوند کے پاس رہ جائے گا۔ رہا زیور تو اگر عورت کو اس کا مالک بنایا ہے تو وہ بھی خاوند کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ نکاح کا حق لازم نہیں کہ نکاح کے جاتے رہنے سے وہ شوہر کو واپس کرنا پڑے۔ بلکہ وہ ایک عطیہ ہے۔ اور عطیہ کو خاوند واپس نہیں لے سکتا۔ اگر بیوی کو مالک نہیں بنایا تو وہ خاوند کا مال ہے۔ جب نکاح فسخ ہو جائے تو وہ اسے واپس لے سکتا ہے۔ باقی رہا مہر تو وہ خاوند کو واپس دیا جائے گا۔ تاکہ اسے دوسرے نکاح پر خرچ کرے۔ سورہ البقرہ میں جو فرمایا ہے: فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (299:2) اور سورہ نساء میں جو فرمایا: وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلاَ تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا (20:41) یہ سارا مہر کے متعلق ہے۔ جمیلہ نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے صرف باغ مہر ہی واپس کر دیا تھا۔ دارقطنی کی روایت میں ہے کہ اس باغ مہر سے زیادہ بھی جمیلہ کچھ دینا چاہتی تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اسے فرمایا: اَمَّا الْزِّيَادَةُ فَلاَ یعنی زیادہ کچھ بھی نہیں دیا جائے گا۔

30 ذوالحجہ 1346ھ

مکتوب امیر

نبوت اور حضرت مسیح موعود

افریقہ سے ایک دوست نے دو سوال حضرت امیر کی خدمت میں بھیجے تھے۔ جو مع جوابات درج ذیل ہیں۔

سوال 1: حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ تیرہ سو سال میں نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں۔

سوال 2: ایک جگہ حضرت مرزا صاحب شریعت کی تعریف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شرعی نبی وہ ہے جس کی وحی میں امر و نہی دونوں موجود ہوں۔ اور میری وحی میں امر و نہی دونوں موجود ہیں۔ جس سے شریعت والے نبی ہونے کے دعوے کا مفہوم بھی نکل سکتا ہے۔

جواب 1: ''تیرہ سو سال میں مَیں نبی کا نام پانے کے لیے مخصوص کیا گیا ہوں۔'' اس کا مفصل جواب تو 'النبوۃ فی الاسلام' میں دیکھ لیں۔ مگر مختصراً یہاں لکھتا ہوں۔ نبی کا نام پانے کے لیے لکھا ہے نہ نبی بننے کے لیے۔ اور یہ نبی کا نام کس طرح پایا۔ اس کو خود ہی آگے عربی ضمیمہ میں صفحہ 64 پر ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: **وَسُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ** میں نے اللہ کی طرف سے نبی کا نام مجاز کے طور پر پایا ہے نہ کہ حقیقت کے رنگ میں۔ اب مجاز کا لفظ وہیں استعمال ہوتا ہے جہاں ایک چیز کو دوسرے کا نام دینا ہو۔ اگر آپ فی الواقع نبی ہوتے تو یہ نہ کہتے کہ یہ نام مجھے مجاز کے طور پر دیا گیا ہے۔ شیر کو شیر مجازی طور پر کہنا بے معنی ہے۔ انسان کو مجازی طور پر شیر کہہ سکتے

ہیں۔اسی طرح نبی کا مجازاً نبی نام پانا بے معنی ہے۔ولی کو مجازی طور پر نبی کہہ سکتے ہیں۔ پس آپ بیشک نبی کا نام پانے کے لئے مخصوص ہوئے۔مگر یہ نام مجازی طور پر پایا۔یعنی آپ نبی نہ تھے ولی تھے۔مگر خدا نے مجازاً آپ کو نبی کا نام دیا۔اور ''مخصوص ہوا'' اس لیے فرمایا کہ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں ''عیسیٰؑ نبی اللہ'' کے آنے کا ذکر ہے۔ یہ پیشگوئی صرف آپ کے لیے تھی۔اس لیے آپ ہی اس نام کے لیے مخصوص ہوئے۔

جواب 2: ''شرعی نبی وہ ہے جس کی وحی میں امرونہی ہو۔اور میری وحی میں امرونہی موجود ہے۔'' تو اگر اس کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو قادیانیوں کے خلاف حجت ہے۔وہ کس منہ سے کہتے ہیں کہ حضرت صاحب صاحب شریعت نبی نہیں۔ہم پر اس لیے نہیں کہ ہم ان کو مجاز کے رنگ میں مانتے ہیں۔مجاز اور بروز کے طور پر حضرت صاحب نے اپنے آپ کو ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں خاتم الانبیاء بھی کہا ہے۔آپ نے بار بار اس بات کی تصریح کی ہے کہ بروز یا ظل یا مجاز کے طور پر ایک نام پانے سے وہی بن جانا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسی ''اربعین'' میں یا اس کے کسی دوسرے نمبر میں، جس میں اُوپر والے لفظ ہیں، صاف طور پر یہ فرمایا ہے کہ آپ کو مجاز اور استعارہ کے طور پر نبی کہا ہے۔خط میں زیادہ تفصیل سے لکھنا مشکل ہے۔آپ ''النبوۃ فی الاسلام'' کو ایک دفعہ شروع سے لے کر آخر تک پڑھ جائیں تو یہ مسئلہ نہایت واضح ہو جائے گا۔

30 ذوالحجہ 1346ھ

مذاکرہ علمیّہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تسبیح

(ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن جہلم کے قلم سے)

سوال: میاں محمود احمد صاحب نے سورہ المزمل کی آیت اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا (7:73) کی تفسیر مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے جو الفضل 15 مئی 1928ء میں شائع ہوئی ہے:

''اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا۔ دن کے وقت تجھے بہت شغل اور بہت کام ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے وہ اطمینان نصیب نہیں ہوتا جو رات کی گھڑیوں میں حاصل ہوتا ہے۔ 1- سَبَّحَ کے معنی تیرنے کے ہوتے ہیں۔ مگر جب کوئی انسان حصول معاش میں لگتا ہے تو اس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کرتے ہیں 2- کسی کام سے فارغ ہو جانے کے معنی میں بھی آتا ہے 3- منتشر ہو جانے کے معنی بھی دیتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں سَبَّحَ الۡقَوۡمُ قوم منتشر ہوگئی۔ تو فرمایا اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا کہ دن کو تو متفرق کاموں میں لگا رہتا ہے جو خدا کی خالص عبادت کے نہیں ہوتے۔ اس لیے خدا تعالیٰ سے پورا فیض حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے تمہیں چاہیئے کہ رات کے وقت خدا کے حضور جاؤ اور وہاں سے فیض حاصل کرو۔ اور پھر لوگوں تک اسے پہنچاؤ۔ کیونکہ رات کا وقت اثر حاصل کرنے کا خاص وقت ہے۔ گویا رات کو فیضان الٰہی جذب کرنا چاہیئے اور دن کے وقت اسے لوگوں تک پہنچانا چاہیئے''۔

مذکورہ بالا تفسیر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ دن کو فکر معاش اور دیگر شغل میں منہمک رہتے تھے اور رات کو سورہتے تھے۔ غالباً تھک جاتے ہوں گے۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ کو ہدایت دینے کی ضرورت پڑی

کہ آپ دن کوتو اپنے متفرق کاموں میں، جو خدا کی خالص عبادت کے نہیں ہوتے، منہمک رہتے ہیں تو کم سے کم رات کوتو جاگا کرو اور خدا کی خالص عبادت سے کچھ فائدہ اٹھانے کی کوشش کیا کرو۔

کیا یہ تفسیر صحیح ہے؟ اور کیا رسول اللہ ﷺ سچ مچ دن کو فکر معاش اور اپنے متفرق کاموں میں پریشان رہتے تھے۔ جو خالص خدا کی عبادت کے نہیں ہوتے تھے۔ اور رات سوکر گزار دیتے تھے۔ جس کے لیے جناب الٰہی نے اس طرح تنبیہ کی؟

جواب: افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ تفسیر درست نہیں۔ اور یہ افسوس تعجب سے مبدل ہو جاتا ہے جب یہ تفسیر میاں محمود احمد صاحب کی زبان سے نکلتی ہوئی پاتا ہوں۔ جنہیں تفسیر نویسی کا اتنا بڑا دعویٰ ہے کہ لوگوں کو بالمقابل تفسیر نویسی کے لئے چیلنج دیا کرتے ہیں۔ کجا آنحضرت ﷺ کی دن رات کی خدا تعالیٰ کی عبادت اور تسبیح۔ اس کے نام کی تقدیس اور تعظیم اور اشاعت اور کجا یہ امر کہ آپ دن کو اپنے متفرق کاموں میں لگے رہتے تھے۔ اور غالباً رات کو سو جایا کرتے تھے۔ جس وجہ سے خدا کو ضرورت پڑی کہ رات کو عبادت کرنے کے لیے تاکید کرے۔ اس تفسیر سے تو یہ پتہ لگتا ہے کہ مفسر آنحضرت ﷺ کی زندگی کی شان کو سمجھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں آپ کے متعلق خود گواہی دیتا ہے: قُلۡ اِنَّ صَلٰوتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ (162:6) کہہ دے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میری زندگی اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے۔ گویا خود اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ آپ کی کل زندگی اور مرنا تک اللہ کے لیے ہے۔ پھر یہ کہنا، کہ دن کو آپ متفرق کاموں میں لگے رہتے تھے جو خدا کی خالص عبادت کے نہ ہوتے تھے، کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟ آپ کی تو کل زندگی ہی عبادت تھی۔ وہ زندگی جو خدا کے لیے وقف ہو اور سوائے خدا کی بڑائی اور تسبیح کے اور کوئی مقصد نہ ہو، اس سے بڑھ کر خالص عبادت کی اور کیا شکل متصور ہو سکتی ہے۔ آپ کی تسبیح کی حقیقت سمجھنی ہو تو سورۃ الانبیاء کو پڑھو۔ جہاں اللہ تعالیٰ منہاج نبوت کے طور پر نبیوں کی تسبیح کے متعلق صاف طور پر فرماتا ہے۔ یُسَبِّحُوۡنَ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفۡتُرُوۡنَ (20:21) وہ رات اور دن تسبیح کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔ پس جب کل نبیوں کے لیے یہ قاعدہ کلیہ بیان فرمایا کہ وہ رات اور دن خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں اور کبھی سستی نہیں کرتے تو آنحضرت ﷺ کس طرح اس سے مستثنٰی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ جس قدر تسبیح اللہ تعالیٰ کی آپؐ نے کی، کسی نبی نے نہیں

کی۔

تسبیح کیا چیز ہے:

تسبیح کے معنی ہیں خدا تعالیٰ کو ہر ایک نقص اور عیب سے پاک سمجھنا اور بیان کرنا۔ کیا اللہ تعالیٰ کی صفات اور معرفت کا وہ صحیح علم، جس کے ذریعہ خدا کی ذات اور صفات کو ہر ایک نقص اور عیب سے مبّرا ثابت کیا گیا اور جو آنحضرت ﷺ کی وساطت سے دنیا کو ملا ہے، اس کی کوئی اور نظیر پیش کی جاسکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ **سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ** اور **سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم** یا اور ہمچو قسم کلمات نہ صرف آپ کی زبان ہی پر ہر وقت جاری رہتے تھے بلکہ خدا کی توحید اور معرفت کا سبق، جو صحیح معنوں میں خدا کی تسبیح تھی، اپنے قول اور فعل سے ہر وقت آپؐ نوع انسان کو دیا کرتے تھے۔ یہی حقیقی تسبیح تھی۔ اور عبادت اور زبانی تسبیح کا بھی مقصود یہی ہوتا ہے کہ انسان دنیا میں خدا کی مرضی کے مطابق رہنا اور عمل کرنا سیکھے۔ یہی وہ اصلی عبادت ہے جو قولی اور بدنی عبادت کا ماحصل ہے۔ جو عبادت کرتا ہے اور عمل نہیں کرتا، اس کی عبادت بے معنی ہے۔ عبادت تو تقویٰ کے حصول کے لیے ہے۔ عبادت سے جو تعلق جناب الٰہی سے پیدا ہوتا ہے اس کا پتہ انسان کے عمل سے لگتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا دن رات کا شغل:

پس کیا دن اور رات آپ کا انہماک اور شغل یہی نہ تھا کہ خدا کے نام کی عزت اور تقدیس زمین سے آسمان تک ہو۔ اور اس کی صحیح معرفت اور توحید اور اس کی رضا کی راہوں کا علم دنیا کے گوشوں تک پہنچ جائے اور ان تمام ہدایات اور اصول اور علوم و معرفت کی آپؐ نے اپنے نمونہ سے عملی تفسیر کر کے نہیں دکھائی۔ کیا اس کے سوا آنحضرت ﷺ کا کوئی اور مشغلہ بھی تھا۔ اسی امر کی خاطر طرح طرح کے دکھ اٹھائے۔ قربانیاں کیں۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر خدا کے سامنے عبادت اور زاری اور تڑپ تڑپ کر دعائیں کیں۔ راتوں کی نیند کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ محبت الٰہی اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے جذبہ نے اس حد تک آپ کے قلب پر استیلاء کیا کہ آپ کو ایک لمحہ کے لیے قرار نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ اپنے محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہو کر مخلوق الٰہی کے لیے دعا کرتے رہیں۔ اور اس کی رضا کی راہوں کو تلاش کرتے رہیں۔ راتوں کی تنہائی میں اسی کے سامنے سربسجود رہتے۔ دن کی بھیڑ بھاڑ میں اسی

کے نام کی اشاعت کرتے۔ یہاں تک کہ اس کا اثر آپ کی صحت پر برا پڑنے لگا۔ اور رات رات بھر عبادت الٰہی میں کھڑے رہنے سے آپ کے پاؤں سوج جانے لگے۔

رات کا بوجھ کم کرنے کی ہدایت:

آخر آپ کا یہ عشق اور وفور شوق بے اثر نہ رہا۔ جناب الٰہی کی محبت نے جوش مارا اور اپنے عاشق صادق کو اس طرح بے چین اور بے تاب دیکھ کر کمال رحمت اور مہربانی سے فرمایا: یَآَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَہٗٓ اَوِانْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْعَلَیْہِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا اِنَّا نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًاطَوِیْلًا (73:1-7) کہ اے محبت الٰہی اور شفقت علیٰ خلق اللہ کی چادر میں لپٹ جانے والے رات کو کم کھڑا ہوا کر۔ نصف یا اس کا کچھ کم وبیش۔ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔ بے شک ہم عنقریب تیرے اوپر بہت بوجھ ڈالنے والے ہیں۔ بے شک رات کا جاگنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور کلام میں اثر پیدا کرتا ہے۔ اور دعا بھی خوب خالص نکلتی ہے۔ اور بے شک تیرے لئے دن کو بھی بہت لمبی تسبیح کا کام ہے۔ اوپر کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خدا جانے رات کا کل حصہ یا کم سے کم بہت بڑا حصہ عبادت الٰہی میں گزارتے تھے۔ جسے کم کرکے جناب الٰہی نے نصف یا اس سے کچھ کم وبیش رکھا۔

خدا نے اپنے بندے کے آرام کو چاہا:

محبت اور عبادت الٰہی کے لیے اس قدر تکلیف اور محنت کا بوجھ آپؐ نے اپنے سر پر اٹھا لیا تھا کہ آخر خود جناب الٰہی نے اسے کم کرنے کی سفارش کی اور فرمایا کہ ابھی تو دن بدن رسالت الٰہی کا بوجھ بڑھنا ہے۔ اور بڑے بڑے مصائب اور ذمہ داریوں کے کام راستے میں ہیں۔ اگر چہ رات کا اٹھنا نفس کے تزکیہ کے لیے اور کلام میں اثر پیدا کر لینے کے لیے ضروری ہے اور وہ وقت بھی حضوریٔ قلب اور قبولیت دعا کا ہے۔ مگر تیرا تو تمام دن خدا کی تسبیح ہی میں گزرتا ہے۔ پس ایسی صورت میں رات کو اس قدر محنت شاقہ کی ضرورت نہیں۔ جس شخص کا تمام دن خدا کی تسبیح ہی میں گزرتا ہو اور خدا کے نام کے ذکر اور اس کی عزت کو بلند کرنے کے سوا اور کوئی مشغلہ نہ ہو۔ اور اس کام کی ذمہ داریاں اور بوجھ دن بدن بڑھ رہا ہو۔ اس کے لیے پھر تمام رات بھی اسی مشغلہ اور تسبیح میں گزارنا

تکلیف مالا یطاق تھا۔ اور اندیشہ تھا کہ صحت جسمانی جواب دے جائے۔ پس جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے لڑکے کو ذبح کرتے وقت وحی الٰہی نے درمیان میں آ کر چھری پھیرنے سے روک دیا تھا، اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ کو اپنی جان پر اس طرح چھری پھیرتے ہوئے دیکھ کر محبت الٰہی نے درمیان میں آ کر روک دیا کہ اس قدر تکلیف نہ اٹھاؤ کہ تم اپنی صحت ہی کو جواب دے بیٹھو۔ جب تمام دن خدا کے ذکر ہی میں گزرتا ہے تو رات کو نصف رات کی عبادت کافی ہے۔ آخر بندہ کی محبت نے خدا کی محبت کو کھینچا اور خود خدا نے اپنے بندہ کے آرام کو چاہا۔ کیونکہ وہ بندہ اپنے محبوب کے لیے ہر قسم کے آرام کو حرام کر چکا تھا۔

میاں صاحب کی تفسیر:

پس اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا دن میں بھی خدا کی ہی تسبیح اور ذکر میں انہاک تھا۔ نہ کہ اپنے معاش کی فکر اور متفرق مشاغل میں آپ رہا کرتے تھے۔ نہ معلوم میاں محمود احمد صاحب نے تسبیح کے سیدھے معنی چھوڑ کر دور کی کوڑی ڈھونڈ کر لانے میں کیا مصلحت دیکھی کہ سَبۡحًا کے معنی انتشار کرنے لگے۔ شاید تفسیر میں کوئی جدّت مدنظر ہو۔ مگر نہ سوچا کہ یہ قرآن کریم کی دوسری آیات کے سراسر خلاف ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے مزیل شان ہے۔ یہ ماننا کہ آنحضرت ﷺ کو دن کو اپنے دیگر مشاغل میں انہاک کی وجہ سے انتشار رہتا تھا اور توجہ الی اللہ نہیں رہتی تھی اور انتشار بھی ایسا جسے خدا نے سَبۡحًا طَوِیۡلًا فرمایا یعنی بہت لمبا انتشار۔ خدا جانے شاید سارا سارا دن توجہ الی اللہ نہ ہوتی ہوگی۔ جسے خدا نے طویل کے لفظ سے ظاہر کیا۔ تو پھر فرمایئے آنحضرت ﷺ کی حیثیت کیا باقی رہ جاتی ہے۔ اور جب ان کا یہ حال ہو تو پھر ان کے امتیوں کو تو اگر بالکل خدا کی طرف کسی وقت بھی توجہ نہ ہو، تو کم ہے۔ خود قرآن نے نبیوں کی تسبیح کا ذکر صاف الفاظ میں کر دیا ہے۔ مگر صاف اور سیدھے معنی استعمال کر لینا شاید میاں صاحب کے نزدیک عامیوں کا کام ہو۔ خواص کی یہی شان ہو جو تفسیر سے ظاہر ہوئی۔

توجہ الی اللہ کیونکر پیدا ہوتی ہے:

حضرت مسیح موعود سے ایک بار کسی شخص نے عرض کیا کہ کوئی ایسی ترکیب بتایئے جس سے توجہ الی اللہ

پیدا ہو۔ ہنس کر فرمانے لگے۔ ''ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ غیبوبت کس طرح ہوتی ہے'' یعنی ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ خدا نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ گویا جو لوگ احسان کا درجہ حاصل کر چکے ہوتے ہیں، ان کی نگاہوں سے تو خدا کسی وقت بھی اوجھل نہیں ہوتا۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، خلوت میں، جلوت میں ان کی توجہ خدا سے کسی وقت بھی نہیں ہٹتی۔ گویا عبادت سے ان کا کوئی لمحہ خالی نہیں ہوتا۔ وہ صحیح معنوں میں **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ** (56:51) کا مصداق ہوتے ہیں۔ جب غلاموں کا یہ حال ہو تو ان کے آقا کی نسبت یہ کہنا کہ تمام تمام دن نعوذ باللہ انتشار میں مبتلا رہتے تھے، کس قدر رسول کریم ﷺ کے صحیح مقام کی عدم معرفت پر دلالت کرتا ہے۔ ہمارا اپنی زندگی پر ان کی زندگی کو قیاس کر لینا خطرناک غلطی ہے۔ مولانا رومؒ کیا خوب فرما گئے ہیں ۔

کار پاکاں بر قیاس خو دیگر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

17 محرم 1347ھ

حضرت امیر ایدّہ اللہ کے قلم سے

مسلم و غیر مسلم میں ازدواجی تعلقات

(قارئین پیغام صلح اس امر سے واقف ہوں گے کہ قانون ساز اسمبلی میں آج کل ایک مسودہ قانون پیش ہے۔ جس کا منشا یہ ہے کہ ہندوستان میں بین الاقوامی شادیوں کو جائز قرار دیا جائے۔ اس مسودۂ قانون سے مسلمانوں میں طبعاً یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ کیا مسلمانوں اور غیر مسلموں میں از روئے شرع اسلام ازدواجی تعلقات جائز ہو سکتے ہیں۔ حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اس موضوع پر معزز ہمعصر ''لائٹ'' میں انگریزی زبان میں ایک بسیط مضمون لکھا ہے۔ جس کا ترجمہ پیغام صلح کے قارئین کے افادہ کے لئے درج ذیل ہے۔ مدیر)

دو مجوزہ قوانین:

قانون ساز اسمبلی کے سامنے دو ایسے بل پیش ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک تو بین الاقوامی شادیوں کے متعلق ہے۔ اور دوسرا صغرسنی کی شادی کے بارہ میں۔ ''لائٹ'' کے قارئین میں سے ایک صاحب نے استفسار کیا ہے کہ اس بارہ میں اسلامی نقطہ نگاہ سے میرے کیا خیالات ہیں؟ اس کے علاوہ ایک اور اہم معاملہ بھی ہے جو مسلمانوں کی بہبودی پر بہت گہرا اثر ڈالنے والا ہے۔ اور جسے میں قانون ساز اسمبلی کے مسلمان ممبروں کے علم میں لانا چاہتا ہوں۔ تا کہ ان میں سے کوئی صاحب اس معاملہ کو مناسب قانونی شکل میں لانے کی کوشش کریں۔

مسلمان ممبران اسمبلی کا فرض:

اس مضمون میں مَیں اس مسودہ پر بحث کروں گا جو بین الاقوامی شادیوں کے متعلق اسمبلی میں پیش ہے۔ اور جس کا اثر مسلمانوں پر اور غیر مسلموں کے ازدواجی تعلقات کے مسئلہ پر پڑے گا۔ ہندوستان جیسے ملک میں، جہاں مسلمان تمام آبادی کا ایک چوتھائی ہیں، صرف مسلمانوں کی آواز کسی قانونی تجویز کے فیصلے کے لئے مؤثر نہیں ہوسکتی، لیکن خانگی معاملات (مثلاً ایسے معاملات جو شادی اور طلاق سے تعلق رکھتے ہیں) میں مسلمانوں کو اختیار حاصل ہے۔ اور ایسا اختیار انہیں حاصل ہونا چاہئے کہ شریعت اسلامی کے ماتحت ایسے معاملات کو وہ خود طے کریں۔ کوئی ایسا قانون، جو مسلمانوں پر اثر ڈالنے والا ہو اور اسلامی شریعت کے خلاف ہو، بلا اختلاف نہیں چھوڑا جاسکتا۔ قانون ساز اسمبلی کے ہر مسلمان ممبر کا یہ فرض ہے کہ وہ بین الاقوامی شادیوں کے مسوّدہ قانون کی اس حد تک حمایت کریں جس حد تک اس کی دفعات اسلامی شریعت کے مطابق ہیں۔ اور اگر اس سے مسلمانوں پر کوئی ایسا قانون عائد ہوتا ہو، جو قانونِ قرآن کے خلاف ہو، تو اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس کی مخالفت کریں۔

قرآن کا فیصلہ قطعی ہے:

میں شروع ہی میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ان تمام مباحث میں، جو مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہیں، قرآن کریم ہی قطعی اور آخری قانون ہے۔ یہی ایک سرچشمہ ہے جہاں سے تمام اسلامی تعلیمات اخذ کی گئی ہیں۔ کسی ایک یا دوسرے فقیہ کی رائے بے شک قابل عزت ہے۔ لیکن قرآن کریم ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے سامنے تمام مسلمانوں کے سر قطعاً جھک جانے چاہئیں۔

بین الاقوامی شادیوں کا قانون اور مسلمان:

اس مسئلہ پر مزید روشنی میں کسی دوسرے مضمون میں ڈالوں گا۔ اس وقت جو سوال ہمارے سامنے ہے، وہ یہ ہے کہ بین الاقوامی شادیوں کا قانون، جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، کسی رنگ میں قرآن کریم کے قانون ازدواج کے مخالف ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو کیا اسمبلی کے فاضل ممبران اپنی پوری قوت کے ساتھ اس کے مقابلہ میں کھڑے ہو کر اپنا اسلامی فرض ادا کریں گے، جو مسودہ اسمبلی کے سامنے پیش ہے۔ اس کا منشا تمام بین الاقوامی شادیوں کو جائز ٹھہرانا ہے۔ اور ان میں وہ ازدواجی تعلقات بھی شامل ہیں جو مسلمانوں اور عیسائیوں، مسلمانوں

اور ہندوؤں، مسلمانوں اور سیکھوں، مسلمانوں اور پارسیوں غرض مسلمانوں اور تمام غیر مسلموں کے درمیان قائم ہوں، اس لیے ہمیں دیکھنا چاہئے کہ قرآن کریم مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ازدواجی تعلقات کو کہاں تک جائز رکھتا ہے۔

مشرکوں سے ازدواجی تعلقات:

اس بارہ میں قرآن کریم نے تمام قانون کو تین آیات میں بیان کیا ہے۔ جو تین مختلف سورتوں میں آئی ہیں۔ پہلا حکم سورۃ البقرہ میں ہے اور وہ غالباً ہجرت کے دوسرے یا تیسرے سال نازل ہوا تھا۔ چنانچہ فرمایا ہے: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ (221:2) اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ اور مومن لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگر چہ وہ تمہیں اچھی ہی لگے۔ اور مشرک مردوں سے (مومن عورتوں کے) نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ اور مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے۔ اگر چہ وہ تمہیں اچھا ہی لگے۔

لفظ ''مشرک'' کی تحقیقات:

میں نے لفظ مشرک کا ترجمہ نہیں کیا۔ کیونکہ اس کی تھوڑی سی تشریح کی ضرورت ہے۔ یہ لفظ شرک سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں خدا کے ساتھ اس کی ذات یا اس کی صفات یا اس کے کاموں میں کسی کو شریک کرنا۔ لفظ شرک اور اس کے مشتقات، جن میں لفظ مشرک بھی آجاتا ہے، قرآن کریم میں اسی وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں تک کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی شرک کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ التوبہ (9) کی آیت 31 جس میں یہود اور نصاریٰ کے متعلق فرمایا ہے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اپنے علماء اور راہبوں کو خدا کے سوا اپنے رب بناتے ہیں) ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (31:9)۔ اس کی شان سے یہ بعید ہے جو کچھ اس کے ساتھ ملاتے ہیں۔ لفظ يُشْرِكُوْنَ قابل غور ہے۔ پھر لفظ اَلْمُشْرِكُوْنَ، جو اسی سورۃ کی آیت 33 میں استعمال ہوا ہے، صاف طور پر انہی یہود و نصاریٰ کی طرف اشارہ کرتا

ہے۔سورہ آل عمران آیت 63 میں اہل کتاب کو دعوت دی گئی کہ ایک کلمہ سوا کی طرف آؤ۔ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی چیز کو (نشرک) نہ ملائیں۔ اس جگہ اہل کتاب کی حالت کو صاف طور پر شرک کی حالت قرار دیا ہے۔ ایسا ہی البقرہ آیت 35 میں اَلْمُشْرِکِیْنَ کا لفظ صاف طور پر یہود اور نصاریٰ کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس وسیع مفہوم کے علاوہ لفظ مشرک اکثر موقعوں پر عرب کے بت پرستوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ اور وہاں اہل کتاب یا یہود و نصاریٰ سے انہیں ممیّز کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ البیّنة (98) آیات 1-6 سورہ البقرہ آیت 105 وغیرہ۔ ان تمام مقامات پر جب لفظ مشرک کو علیحدہ بھی استعمال کیا گیا ہے تو اس سے عرب کے بت پرست ہی مراد ہیں۔ جیسا کہ سورہ توبہ آیات 1، 3، 4، 5، 6، 7، 17، 28 اور 36 میں آیا ہے۔ لفظ مُشْرِکٌ کے ان دو صاف استعمالوں کو مدنظر رکھتے ہوئے البقرہ آیت 221 کے امتناعی حکم کو یا تو تمام غیر مسلموں پر لگایا جا سکتا ہے یا صرف عرب کے بت پرستوں پر۔ اور چونکہ یہ مضمون ان جنگوں کے نتیجہ میں بیان ہوا ہے جو مشرکین کے ساتھ ہوئیں، اس لیے آیت کا سیاق و سباق آخری مفہوم ہی کا مؤید ہے۔

سابقہ تعلقات کی تنسیخ:

اس مسئلہ کے متعلق دوسرا حکم چار سال بعد نازل ہوا۔ البقرہ آیت 221 کا امتناعی حکم ان ازدواجی تعلقات میں کسی طرح بھی مخل نہ تھا، جو اس سے پہلے قائم ہو چکے تھے۔ اور ذیل کا حکم اسی قسم کے تعلقات اور معاہدات کے بارہ میں نازل ہوا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَاجَآءَ کُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْھُنَّ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِھِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلاَ تَرْجِعُوْھُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ لَاھُنَّ حِلٌّ لَّھُمْ وَلَاھُمْ یَحِلُّوْنَ لَھُنَّ وَاٰتُوْھُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا وَلَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ وَلَاتُمْسِکُوْ بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْیَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ذٰلِکُمْ حُکْمُ اللّٰہِ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (10:60) اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کرو۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کے ایمان کو جانتا ہے۔ پھر تم جان لو کہ یہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔ وہ (عورتیں) ان پر حلال نہیں۔ اور نہ وہ (کفار) ان (مومن عورتوں) پر حلال ہیں۔ اور کافر

عورتوں سے ازدواجی تعلقات کو قائم نہ رکھو۔

اگرچہ اس آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں اور مکہ والوں میں ایک معاہدہ تھا، تاہم مکہ کے حالات اطمینان بخش نہ تھے۔ وہ جو اسلام کو قبول کر لیتے تھے انہیں کفار کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے مکہ چھوڑنا پڑتا تھا۔ معاہدہ کی رو سے ان لوگوں کو، جنہیں اس طرح مکہ چھوڑنا پڑتا تھا، آنحضرت ﷺ مدینہ میں پناہ نہ دے سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے عیص کے مقام پر، جو ساحل سمندر پر ایک شہر تھا، ایک خودمختار نو آبادی قائم کر لی۔ لیکن ان عورتوں کا، جو مکہ سے ہجرت کر کے آتی تھیں، الگ معاملہ تھا۔ اور اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔ ان کا امتحان ضروری تھا۔ اور اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ وہ مومن عورتیں ہیں، جو ظلم وتشدد سے بچنے کے لئے ہجرت کر آئی ہیں، تو انہیں مکہ واپس نہ کیا جاتا تھا۔ اگر وہ شادی شدہ عورتیں ہوتیں تو ان کے ازدواجی تعلقات کا سوال طبعاً پیدا ہوتا۔ انہیں مکہ واپس نہ بھیجا جا سکتا تھا اور اس لیے ان کے موجودہ ازدواجی تعلقات عملاً بے کار تھے اس لیے غیر مسلموں کے ساتھ ان کے ازدواجی تعلقات کی نفی کر دی گئی اور ان کو نئے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دی گئی۔ لیکن قرآن نے ان غیر مسلم عورتوں کے حق میں بھی پورے انصاف سے کام لیا جو مسلمانوں کے عقد نکاح میں تھیں اور اپنے خاوندوں کے ساتھ انہوں نے ہجرت نہ کی تھی۔ اور مسلمانوں کو اس نے حکم دیا کہ ایسی عورتوں کو عقد نکاح سے آزاد کر دیں۔ تا کہ وہ بھی جدید ازدواجی تعلقات آزادی سے قائم کر سکیں۔ اس لیے جہاں مشرکوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنے کے مسئلہ کو البقرہ آیت 221 میں بیان کیا ہے، وہاں ایسی حالت کو، کہ جب عورت یا مرد اسلام قبول کر لیں، اس آیت (الممتحنہ) میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس لیے یہ اول الذکر آیت کا گویا تتمہ ہے۔

انگریزی ترجمہ قرآن کی برکات:

جس دن سے حضرت امیر ایدہ اللہ کا انگریزی ترجمہ القرآن شائع ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے خاص مقبولیت عطا فرمائی ہے۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلام کے متعلق نہ صرف حسن ظن پیدا کیا ہے بلکہ بہت سے لوگ اسلام کے اندر داخل ہو گئے ہیں۔ اور آئے دن ہو رہے ہیں۔ حال ہی میں ایک انگریز نومسلم کی تصویر عربی لباس میں ''اسلامک ریویو'' میں شائع ہوئی ہے۔ جس کے نیچے یہ لفظ لکھے ہیں:

> ''انگریزی ترجمہ القرآن کی جس کا اعلان ''اسلامک ریویو' میں ہوتا ہے ایک کاپی میں نے خریدی اور ابتدا سے مطالعہ کرنا شروع کیا۔ دوران مطالعہ بارہا میں نے مختلف مسائل پر اپنے مقامی عرب دوستوں سے تبادلہ خیالات کیا۔ اس پاک کتاب کے مسلسل مطالعہ نے مجھ پر روشن کر دیا کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو صراط مستقیم کی طرف لے جاتا ہے۔ اس مذہب کی محیر العقول طاقت وقوت نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا''۔

ان الفاظ میں نہ صرف اسلام کی عظمت وطاقت کا اعتراف کیا گیا ہے بلکہ حضرت امیر کے انگریزی ترجمۃ القرآن کی خوبیوں اور برکات کا بھی یہ ایک کھلا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اس ترجمہ کو دنیا میں پھیلانا اسلام کی بہت بڑی خدمت کرنا ہے۔ اور ایسے لوگ، جن کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے حصہ وافر دیا ہے اس کی مفت اشاعت کر کے اور غیر مسلموں میں اس کو پھیلا کر ثواب عظیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اس وقت بھی ہمارے سامنے ایک غیر مسلم انگریز کی درخواست ہے۔ جس نے اسلام کے مطالعہ کا اشتیاق ظاہر کر کے قران کریم کی ایک کاپی مفت طلب کی ہے۔ کیا قارئین ''پیغام صلح'' میں سے کوئی صاحب اس خواہش کو پورا کر کے اعلاء کلمۃ اللہ کا فرض ادا کریں گے؟

شذرات:

دہلی سے ایک ماہوار مذہبی رسالہ ''مولوی'' کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ جس میں بہت سے فاضلانہ مذہبی مضامین کے علاوہ واقعات حاضرہ پر نہایت قابلیت سے بحث کی جاتی ہے۔ اس رسالے کے بعض مستقل عنوان ہیں۔ جن میں سے ایک عنوان ہے ''قرآن پاک کے قصے''۔ اس عنوان کے نیچے جو مضامین درج ہوتے ہیں، انہیں پڑھ کر ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ قرآن پاک میں یہ قصے کہاں بیان ہوئے ہیں؟

مثلاً 21 ذی الحجہ کے ''مولوی'' میں حضرت موسیٰؑ کا ایک قصہ بیان کیا گیا ہے۔ جس میں بتایا ہے کہ فرعون کی بیوی آسیہ کو خدا تعالیٰ نے اسی جسم کے ساتھ جنت میں داخل کیا۔ ایسا ہی قبطیوں پر طرح طرح کی بلاؤں کے نزول کا ذکر ہے۔ جن میں سب سے زبردست بلا پانی کا خون بن جانا ہے۔ بنی اسرائیل کے خروج کا حال

بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ جب تک حضرت یوسف کا صندوق، جس میں وہ مدفون ہیں، ساتھ نہ لے جاؤ گے تمہاری خلاصی اور کامیابی محال ہے۔ حضرت موسیٰ کو معلوم نہ تھا کہ حضرت یوسف کی قبر کہاں ہے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ جو شخص پتہ بتائے وہ جو مراد مانگے گا پوری ہوگی۔ ایک بوڑھی عورت نے آپ سے شرط کی کہ اگر تو وعدہ کرے کہ جنت میں تیری عورت بنوں، تو پتہ بتادوں گی۔ حضرت موسیٰ نے قبول کیا اور اس کے پتہ بتانے پر صندوق دریا میں سے نکال لیا گیا کہ جہاں قبر تھی۔ وہاں اس وقت دریا بہتا تھا۔

اس قسم کی اور بھی کئی ایک باتیں ہیں جن کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قرآن میں کہاں ان کا ذکر ہے۔ افسوس ہے کہ بائبل کے قصوں کو لے کر، جن پر طرح طرح کے اعتراضات وارد ہوتے ہیں، انہیں قرآن کریم کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ اور جو بات قرآن کی عظمت اور شان کو ظاہر کرنے والی تھی، اس کو ایسے رنگ میں پیش کیا ہے کہ اس کی کوئی وقعت ہی نہیں رہتی۔ مثلاً فرعون کے غرق ہوتے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (92:10) اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ مصر کی ممیوں میں فرعون کی لاش بجنسہٖ موجود ہے جو قرآن کی صداقت اور عظمت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ لیکن ''مولوی'' کے فسانہ نویس نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ قبطیوں کو شک ہوا کہ فرعون غرق نہیں ہوا بلکہ شکار کو گیا ہوا ہوگا۔ اس واسطے اس کی لاش مع زرہ بکتر دریا کے کنارہ پر آ پڑی۔ تمام لوگوں نے اسے دیکھ لیا۔

ہم ''مولوی'' کے فاضل ایڈیٹر صاحب سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ خدا کے لیے قرآن پاک کو ایسی لچر اسرائیلیات کا مخزن نہ بنائیں۔ پہلے ہی ایسے بیہودہ منسوبات کی وجہ سے قرآن کریم کچھ کم بدنام نہیں۔ اگر وہ ان قصوں کو لکھنا ہی چاہتے ہیں تو خدا کے لیے انہیں ''قرآن پاک کے قصے'' نہ کہیں۔ ان کا عنوان ''بائبل کے قصے'' رکھنا زیادہ موزوں ہوگا۔

❁ ❁ ❁

13 جولائی 1928ء

حضرت امیر کے قلم سے

نکاحِ صغیرہ

دوسرا بل جو قانون ساز اسمبلی کے سامنے ہے اس میں عورتوں کا نکاح چودہ سال کی عمر سے پہلے اور مردوں کا سولہ سال کی عمر سے پیشتر ممنوع ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ تجویز فی الحقیقت ہندوؤں کے اس طریق کی اصلاح کی غرض سے کی گئی ہے جو نکاح صغیرہ سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ قانون تمام اقوام پر عائد ہوگا، اس لیے مسلمانوں پر بھی اس کا اثر مساوی ہوگا۔ مسلمانوں کا اصول فی الحقیقت یہی ہے کہ کوئی نکاح ان میں اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ فریقین بلوغت کی عمر کو نہ پہنچ جائیں۔ لیکن استثنائی صورتوں میں ایسی بھی شادیاں ہو جاتی ہیں، جن میں ایک فریق یا دونوں ابھی بہت چھوٹی عمر رکھتے ہوں۔ اگر یہ مجوزہ قانون، جو اسمبلی کے سامنے ہے، پاس ہوگیا تو ایسی شادیاں ملکی تعزیرات میں ناجائز اور قابل سزا متصور ہوں گی۔ اس لیے ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ کیا بچپن کی شادی کو روکنا اور قابل سزا ٹھہرانا اسلامی شریعت کے خلاف ہے۔ اور اس کی مخالفت ہونی چاہئے یا اسلام خود صغرسنی کی شادیوں کے مخالف ہے۔

نکاح صغیرہ اور قرآن کریم:

اس بارہ میں بھی پہلے ہم قرآن کریم ہی کو دیکھیں گے۔ اس پاک کتاب کی رو سے نکاح ایک عہد نامہ ہے۔ جیسے فرمایا: وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقاً غَلِيْظًا (21:4) انہوں نے (یعنی تمہاری بیبیوں نے) تم سے پختہ عہد لے رکھا ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ معاہدہ کے دونوں فریق اس قابل ہوں کہ اس معاملہ میں اپنی عقل اور تدبیر سے کام لے سکیں۔ اس لیے محض یہ امر کہ نکاح قرآن کریم کی رو سے ایک معاہدہ ہے، اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ دونوں فریق، جو اس معاہدہ میں شامل ہوں، عقل اور تدبیر کی عمر کو پہنچے ہوئے ہونے چاہئیں۔ پھر دوسری جگہ قرآن کریم نے صفائی کے ساتھ یہ بھی کہا ہے: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (3:4) ایسی عورتوں سے

نکاح کرو جو تمہیں پسندیدہ معلوم ہوں۔ یہاں بھی انسان کو اپنی عقل اور تدبیر سے کام لینے اور اپنی رفیق حیات کو خود اپنے لئے منتخب کرنے کا حکم ہے۔ایک بچہ، جو ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچا، اس بات کا فیصلہ نہیں کرسکتا کہ کونسی عورت اس کے لئے بہتر ہوسکتی ہے۔قرآن کریم نے اس سے بھی زیادہ صفائی کے ساتھ یہ بتایا کہ بلوغت کی عمر ہی دراصل ازدواجی تعلقات کو قائم کرنے کی عمر ہے۔ چنانچہ یتیموں کا ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتا ہے: وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (6:4) اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو۔ یہاں تک کہ وہ بلوغت (نکاح) کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم انہیں صائب رائے دیکھو تو ان کے مال انہیں واپس کردو۔اس آیت میں بلوغت کی عمر کے لیے نکاح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔جس کے معنی تعلق ازدواج کو قائم کرنے کے ہیں۔اس لئے حَتّٰى بَلَغُوا النِّكَاحَ کے لفظی معنی ہوں گے ''یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں''۔اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائیں۔کیونکہ اس سے اگلے الفاظ میں صاف فرمایا ہے: فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا۔ ''اگر تم انہیں صائب رائے پاؤ''۔اس سے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم جب ''نکاح'' کی عمر کا ذکر کرتا ہے تو گویا اس کا منشا ہے کہ (نکاح) عہد نامہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب انسان ایک خاص عمر کو پہنچ جائے۔اور اس بارہ میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔کیونکہ اَلْيَتٰمٰى کا لفظ دونوں پر حاوی ہے۔اور اس لیے بَلَغُوا النِّكَاحَ کے الفاظ دونوں پر عائد ہوتے ہیں۔یہ ضروری نہیں کہ عمر کی حد بندی دونوں کے لیے ایک ہی ہو۔لیکن یہ امر کہ دونوں کے لیے ایک حد بندی ہونی چاہئے، اس کو یہاں صفائی کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے۔

نکاح صغیرہ اور احادیث:

قرآن کریم کے ان ارشادات کے عین مطابق حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف سے ایک واضح شرط نکاح کے لئے قائم کی گئی ہے۔جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ''بیوہ کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ ہونا چاہئے۔اور کنواری کا نکاح اس کی رضامندی حاصل کئے بغیر نہ ہونا چاہئے'' یہ بہت ہی احمقانہ خیال ہے کہ ایک صغیر سن لڑکی بھی اپنی رضامندی دے سکتی ہے۔اور آنحضرت ﷺ نے ایسی اجازت کو ضروری قرار دے کر بتا دیا ہے کہ قرآن کریم کا منشا دراصل کیا ہے۔صرف وہی عورت اس مرد کے متعلق، جسے اس نے اپنا رفیق حیات بننے کے

لیے چنا ہے، اپنی رضا مندی ظاہر کر سکتی ہے، جو پختگی عقل کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے اس وقت شادی کی جب وہ چھ یا سات سال کی عمر میں تھیں۔ ایسی احادیث کو اگر معتبر سمجھا جائے تو بھی یہ ایک مسلّمہ بات ہے کہ شادی اور طلاق کے قوانین، جو قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں، مدینہ میں نازل ہوئے، اور حضرت عائشہؓ سے آنحضرت کا نکاح اس وقت ہوا جب ابھی آپ مکہ میں تھے۔ اس لیے اگر یہ نکاح فی الحقیقت حضرت عائشہ کی صغر سنی ہی میں ہوا ہو تو بھی اسے اس قانون کے بالمقابل، جو بعد میں نازل ہوا، اور اس کے اس صحیح مفہوم کے خلاف، جو خود آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا، بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کے نکاح کے وقت فی الحقیقت اس قدر صغر سن نہ تھیں۔ معتبر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی بڑی بہن حضرت اسماء سے دس برس چھوٹی تھیں اور حضرت اسماء کی عمر اس وقت، جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ کو ہجرت کی، ستائیس سال تھی۔ اس لحاظ سے حضرت عائشہ کی عمر اس وقت، جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے ایک سال قبل ان سے شادی کی، سولہ سال تھی۔

نکاح صغیرہ اور فقہ اسلامی:

قرآن کریم کے ان صاف اور صریح ارشادات اور آنحضرت ﷺ کے قائم کردہ اصول کے باوجود فقہاء نے عام طور پر اس نکاح صغیرہ کو جائز قرار دیا ہے جو ولی کی اجازت سے ہو۔ لیکن اس بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً نیل الاوطار میں لکھا ہے ''ابن حزم نے ابن شبرمہ سے بیان کیا ہے کہ باپ کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنی صغیر سن بیٹی کا نکاح کرے جب تک وہ بلوغت کو نہ پہنچ جائے اور اپنی رضامندی ظاہر نہ کرے''۔ اور ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں بیان کیا ہے کہ ابن شبرمہ اور ابوبکر اصم دونوں نکاح صغیرہ کے خلاف ہیں۔ جہاں تک صغیر سن بیٹے کا سوال ہے۔ بڑی زبردست رائے اس بارے میں پائی جاتی ہے کہ اس کا عقد نکاح اس کے ولی کی طرف سے نہ ہونا چاہئے۔ عمدۃ القاری میں ابن حزم کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ ''باپ یا کسی اور شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی بچہ کا نکاح کر دے جب تک وہ بلوغت تک نہ پہنچ جائے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو ایسا نکاح ہمیشہ کے لیے فسخ قرار دیا جائے گا۔ یہی خیال بہت سے دوسرے لوگوں کا بھی ہے''۔ اس کی وجہ صاف ہے۔ نکاح سے

انسان متعدد ذمہ داریوں کے نیچے آ جاتا ہے۔ اور ایک بچہ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی سے قاصر ہے۔ لیکن یہی وجہ عورت پر بھی مساوی طور پر عائد ہوسکتی ہے۔ اور وہ بھی اگر صغرسن ہو تو نکاح کی ذمہ داریوں کو اٹھانے سے قاصر ہے۔ یتیم لڑکیوں کے بارہ میں شافعی مذہب کا اصول یہی ہے کہ بلوغت کی عمر سے پہلے اس کا نکاح نہ ہونا چاہئے۔ اس بارہ میں جو دلیل پیش کی گئی ہے اس کی بنا ایک حدیث کے الفاظ پر ہے۔ جس میں یہ ارشاد ہے کہ یتیم لڑکی کی شادی نہ کی جائے جب تک اس سے پوچھ نہ لیا جائے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ایک صغیرسن لڑکی سے (کیونکہ یتیم کا صغیرسن ہونا لازمی ہے) مشورہ نہیں لیا جاسکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہی اشارہ کیا گیا ہے کہ اس کی بلوغت تک، جب وہ رائے دینے کے قابل ہو جاتی ہے، نکاح کو روک رکھا جائے، یہی دلیل ہر صغیرہ پر عائد ہوسکتی ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے نکاح سے پیشتر رضامندی حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ اور جب تک وہ بلوغت کو نہیں پہنچ جاتی اس کی رضامندی بے معنی ہے۔ پس قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے صریح ارشادات کے خلاف ان فقہاء کی آراء کو جو نکاح صغیرہ کو جائز ٹھہراتے ہیں ترک کرنا پڑے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ انہی فقہاء کے نزدیک ایک صغیرہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ کر اس عقد نکاح کو توڑ دے جو اس کے ولی نے باندھا تھا۔

مجوزہ قانون کی حمایت کرو:

پس یہ ایک ظاہر اور کھلی حقیقت ہے کہ وہ مسودہ قانون، جس میں لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاح کی عمر کی حد بندی کی گئی ہے، قرآن اور سنت کے عین مطابق ہے۔ اور تمام مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ایسے قانون کا خیر مقدم کریں۔ اور اس کی حمایت میں غیر مشروط آواز اٹھائیں۔ ذاتی طور پر میں یہی پسند کرتا ہوں کہ لڑکیوں کے نکاح کی عمر 15 سال ہونی چاہئے۔ اور لڑکوں کی 18 سال۔ اگر قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ اس بارہ میں خاموش بھی ہوں، تو بھی مسلمانوں کو اس قانون کی حمایت ہی کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ ایک بالکل غیر معقول بات ہے کہ ایک ایسا معاہدہ، جس پر مرد اور عورت کی تمام زندگی کی خوشی اور خوشحالی کا انحصار ہے، وہ دوسروں کے ذریعہ سے طے ہو جائے۔ اور فریق متعلقہ ان ذمہ داریوں کو سمجھ بھی نہ سکتا ہو جو اس کی وجہ سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔

تعلیمِ اسلام کا عام رجحان:

اُن مسلمانوں کو بھی، جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلام نے نکاح صغیرہ کی اجازت دی ہے، یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ اجازت زیادہ سے زیادہ ایک استثنائی رنگ رکھتی ہے۔ اور تعلیم اسلام کا عام رجحان اس کے خلاف ہی ہے۔ اس لیے ایک ایسا قانون، جس میں نکاح صغیرہ کی ممانعت ہو، تعلیم اسلام کے خلاف نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر دیکھیئے کہ اسلام نے غلامی کو یکلخت ممنوع قرار نہیں دیا۔ لیکن اس کی تعلیم کا عام رجحان یہی ہے کہ غلامی کو بتدریج روک دیا جائے۔ اور اس لیے ایک ایسا قانون، جس میں غلامی کو ممنوع قرار دیا گیا ہو، تعلیم اسلام کے خلاف نہیں سمجھا جا سکتا۔ پس اگر بعض فقہاء نے استثنائی حالات میں نکاح صغیرہ کو جائز بھی ٹھہرایا ہے تو بھی اب وقت آ گیا ہے کہ سب لوگ مل کر ایک ایسی رسم کو موقوف کر دیں جو خود ان لوگوں کے لیے باعث نقصان ہے۔ اور انہیں مشکلات میں مبتلا کرتی ہے، جن کے فائدہ کے لیے اس کی اجازت دی گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

28 محرم الحرام 1347ھ

ادارتی شذرہ

حضرت امیر کا مکتوب مفتوح

10 جولائی کی اشاعت میں احباب کے نام حضرت امیر کا مکتوبِ مفتوح ''احباب سے خطاب'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔جس میں حضرت موصوف نے توسیع جماعت کی طرف توجہ دلائی۔ہمیں امید ہے کہ قارئین کرام نے اسے بغور مطالعہ فرمایا ہوگا۔اگر اب تک یہ تحریر کسی صاحب کی نظر سے نہ گزری ہو تو انہیں کہیں سے اخبار حاصل کر کے پڑھنی چاہئے۔ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری چھوٹی سی جماعت نے چند بڑے بڑے کام کئے ہیں۔جو اس کی نیک نامی اور شہرت کا موجب ہیں۔مگر اس کے ساتھ ہم یہ بات کہنے سے نہیں رک سکتے کہ جس قدر کام آج تک کیا ہے، وہ اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا، جو ہمیں کرنا باقی ہے۔اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنے ارادوں کو مضبوط، ہمتوں کو بلند اور کوششوں کو زیادہ کریں۔ہمارے سامنے جو عظیم الشان اور کٹھن کام ہے، اس کو سرانجام دینے کا بہترین اور آسان ترین طریق یہی ہوسکتا ہے کہ ہم توسیع جماعت کی کوشش کر کے خادمانِ اسلام کی فوج میں مخلص اور جانباز سپاہیوں کا اضافہ کریں۔ہمارے خیال میں ہر ایک احمدی کو یہ عہد کر لینا چاہئے کہ وہ ہر ماہ جماعت میں کم از کم ایک شخص کا ضرور اضافہ کرے گا۔

بھائیو! دشمنوں نے ہر طرف سے ہمیں گھیر رکھا ہے۔چاروں طرف مصیبتوں کی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔انتہائی اور مسلسل جدوجہد قوموں اور جماعتوں کی زندگی کے لیے لازمی امر ہوگئی ہے۔انقلابات کا زبردست اور بے رحم ہاتھ اپنی پوری قوت سے مصروفِ کار ہے۔اب ضرورت ہے کہ اسلام کے خادم بھی میدان میں آئیں۔دشمنوں نے حملے شروع کر دیئے ہیں تو اب دوستوں کو بھی نکلنا چاہئے۔اگر ہم نے اپنے فرائض کو کماحقّہ ادا نہ کیا تو یاد رہے کہ دنیا اور آخرت میں خسران وعتاب کے سوا کچھ نصیب نہ ہوگا۔

24 جولائی 1928ء

قسط اوّل

دعوتِ عمل

احمدیت اور اسلام کے مخصوص تعلقات کی بحث آپ کافی سے زیادہ سن چکے۔ حضرت مسیح موعود کے دعاوی اور مسائل سلسلہ کی اہمیت پورے طور پر واضح کی جا چکی۔ اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ احمدیت ہی اسلام کی وہ اصل تصویر ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر دنیا کو دی گئی۔ اور جس پر درحقیقت مسلمانوں کی زندگی اور قوت کا دارومدار ہے۔

لیکن ان سب باتوں سے بڑھ کر ایک اور اہم سوال ہے جس پر ابھی ہمیں غور کرنا باقی ہے۔ کیا یہ سب باتیں ہمیں اس لئے سکھائی گئی تھیں کہ ہم انہیں لے کر اور اپنی جگہ ان کی اہمیت اور مقبولیت کا ذکر کر کے خوش ہوتے رہیں۔ مجدد وقت جن دعاوی کو لے کر آیا ان کی اصل غرض کیا محض یہ تھی کہ اس کی بڑائی اور فضیلت ان سے ثابت ہو؟ کیا ہمارے جماعتی نظام کی علت غائی محض یہی ہے کہ دوسرے مسلمانوں سے الگ ہو کر اپنی معقولیت اور بڑائی کے گیت گایا کریں اور عملاً کوئی فائدہ اس سے نہ اٹھائیں۔ اگر محض یہی غرض ہمارے سلسلے کی ہے تو یہ کوئی چنداں بڑائی اور فخر کی بات نہیں۔ اس قسم کے بہت سے سلسلے اس وقت مسلمانوں میں موجود ہیں۔ بہت سے پیر، اِس وقت اولیاءاللہ کی گدیوں پر بیٹھے ہیں جن کی غرض سوائے اپنی بڑائی اور فضیلت کو منوانے اور اپنی پرستش کروانے کے اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ہمیں اس لیے کھڑا نہیں کیا کہ ہم دن رات آپ کے محامد و توصیف بیان کرتے رہیں یا آپ کی گدی کے ساتھ اپنے تعلقات وابستہ رکھیں۔ آپ نے کوئی گدی ہی نہیں چھوڑی۔ سوائے ایک انجمن کے جس کا نظام جمہوریت پر مبنی ہے اور یہ آپ کی صداقت کا ایک عظیم الشان ثبوت ہے۔ کوئی دنیا پرست انسان ہوتا تو اور پیروں کی طرح اپنی اولاد کے حق میں کوئی وصیت کرتا۔ اپنی گدی کا وارث انہیں قرار دیتا لیکن اس کے مدنظر کام تھا نہ کہ گدی اور پیری کا سلسلہ قائم کرنا۔ وہ خدمتِ اسلام کے لیے کھڑا ہوا تھا اور اس کے تمام دعاوی کا حقیقی منشا و مفہوم یہی تھا کہ اسلام کی خدمت ان کے ذریعہ سے ہو۔ اسی لیے ایک آدمی کو اس نے اپنا

جانشین قرار دینے کے بجائے اس تمام کام کو انجمن کے سپرد کیا اور اس کے متعلق فرمایا کہ وہ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔کاش وہ لوگ جو آج پیر پرستی کی رَو میں بہے چلے جارہے ہیں اور آپ کی تمام برکات کو آپ کی اولاد میں دیکھنا چاہتے ہیں۔آپ کے ان الفاظ کو غور سے پڑھیں اور انصاف اور ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچیں کہ جب آپ نے خود اپنے قلم سے انجمن کو اپنا جانشین قرار دیا۔تو اس کے بعد کسی اور ''جانشین'' کی گنجائش کہاں باقی رہ جاتی ہے؟ لیکن سوال یہ ہے کہ اس ذمہ داری کو، جو انجمن کے ذریعہ سے ہمارے سر پر ڈالی گئی ہے، ہم نے کہاں تک پورا کیا؟ حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اپنے دو مقالات میں احباب سے خطاب کرتے ہوئے ہمیں اسی ذمہ داری کی طرف پھر توجہ دلائی ہے۔اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس تیرہ چودہ سال کے عرصہ میں جو انجمن کو قائم ہوئے ہو گیا ہے، قریباً ساڑھے چار ہزار آدمی سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔اس میں شک نہیں کہ یہ تعداد ہماری اس حالت اور ان کوششوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، جو اختلاف کے بعد چلی آتی ہیں، بہت بڑی ہے۔جس کو اللہ تعالیٰ کی خاص نصرتوں اور تائیدات کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔لیکن اس کا مقابلہ اگر اس رفتار ترقی سے کیا جائے جو حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں ہوئی اور اس کے ساتھ اس خاص جوش اور اخلاص و محبت کو اگر دیکھا جائے، جو آپ کے وقت میں جماعت کے اندر پائی جاتی تھی، تو ہمارے سر شرم و ندامت کے ساتھ جھک جاتے ہیں کہ ان پہلوں نے جو تھوڑے تھے، جن کے راستہ میں طرح طرح کی مشکلات اور تکالیف تھیں، جن کے سامنے کفر کے فتوے اور اعزہ و اقارب کی مخالفتیں ایک پہاڑ بن کر کھڑی ہوئی تھیں، جن کو طرح طرح کی جسمانی اور مجلسی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، ہم سے بہت زیادہ کام کیا۔آج ہمارے سامنے نہ وہ مشکلات ہیں نہ وہ مخالفتیں ہیں۔ بلکہ سلسلہ کی محبت و عظمت بہت سے دلوں میں قائم ہو چکی ہے۔نہ وہ کفر کے فتوے ہی اثر رکھتے ہیں۔تاہم ہمارے اندر نہ وہ جوش ہے اور نہ وہ اخلاص و محبت۔حضرت مسیح موعودؑ کے وقت ہم میں سے ہر ایک کے سر میں ایک ہی سودا تھا کہ خدا کے مامور کی باتیں لوگوں تک پہنچائی جائیں۔اور خدمت دین کے اس کام کی طرف انہیں بلایا جائے۔جس کے لیے وہ کھڑا ہوا ہے۔نہ اس وقت ہمیں کوئی مصلحت وقت اس کام سے روک سکتی تھی نہ اپنے اعزہ و اقارب حتیٰ کہ ماں باپ بہن بھائیوں کی محبت اس جوشِ تبلیغ میں حائل نہ تھی۔ایک جنون تھا جو ادنیٰ و اعلیٰ سب پر طاری تھا۔نہ اس وقت ہم کسی مبلغ کی ضرورت سمجھتے تھے۔اور نہ ہمیں یہ حاجت تھی کہ بڑے بڑے عظیم الشان جلسے منعقد کر کے قوم کے بڑے بڑے لوگوں کو بلائیں کہ وہ اپنی زبردست اور مدلل تقاریر کے ذریعہ سے سلسلہ حقہ کی صداقت کو لوگوں کے ذہن

نشین کریں۔ جماعت کے اندر خود بخود ایک نظام اور ایک روح کام کر رہی تھی۔ اور تمام افراد جماعت اپنے آپ کو ایسا سمجھتے تھے کہ گویا سگے بھائی ہیں۔ جن کا رنج وراحت ایک دوسرے کے ساتھ مشترک ہے۔ اس وقت دلوں کو گرمانے کی ضرورت پیدا نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ خدا کا مامور ہمارے اندر تھا اور اس کی پیدا کی ہوئی گرمائی اور روح ہمارے اندر کام کر رہی تھی۔ لیکن یہ حالت آج نہیں۔ اور اسی وجہ سے ہمارا قدم اگر چہ پیچھے نہیں، تاہم اس قدر تیزی کے ساتھ آگے بھی نہیں بڑھتا، جس قدر حضرت مسیح موعود کے وقت میں بڑھتا تھا۔ آج ہم میں وہ سوز، وہ گداز، وہ رقت نہیں رہی جو حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں تھی۔ اور اس کا اثر ہمارے جماعتی نظام اور اس عظیم الشان کام پر پڑ رہا ہے۔ جو خدا کے مامور نے ہمارے سپرد کیا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ہمارے احباب اس طرف خاص طور پر توجہ کریں۔ اور اپنے اندر وہ روح پھر پیدا کرنے کی کوشش کریں جو مسیح موعود کے وقت میں تھی۔ تا کہ ہماری ترقیات سُست ہونے کی بجائے پہلے سے دو چند زیادہ ہوں۔ ہمارے سامنے آریہ قوم نے آج سے آٹھ ماہ پیشتر دس ہزار رضا کاروں کے لیے آواز اٹھائی تھی۔ ابھی ایک سال کی مدت ختم بھی نہیں ہوئی کہ دس ہزار رضا کار انہوں نے بھرتی کر لیے ہیں۔ کیا ہماری موجودہ رفتار اس کے بالمقابل کوئی حیثیت رکھتی ہے؟ دوستو! یہ زمانہ بڑا ہی نازک زمانہ ہے۔ جب تک ہم میں سے ایک ایک اپنے آپ کو ایسا نہ سمجھ لے کہ گویا وہ میدان جنگ میں سپاہیانہ لباس پہن کر کھڑا ہے، اس وقت تک کامیابی اور ترقی محال ہے۔ آریوں کے اس دس ہزار کے بالمقابل ہم کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے مقابلہ کے لیے کونسی نئی سپاہ ہم نے بھرتی کی ہے؟ یا آئندہ لوگوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی اہلیت کہاں تک ہم میں پائی جاتی ہے؟ یہ سوالات ہیں جن پر ہم سب کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔ تا کہ ہم اپنے قدم کو جو حضرت امیر ایدّہ اللہ کی تحریک سے پھر حرکت میں آنے والا ہے، زیادہ مضبوطی کے ساتھ اٹھا سکیں۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے زبانی وعظ اور تقاریر اس قدر مفید ثابت نہیں ہو سکتیں، جس قدر ہمارا نمونہ کام دے سکتا ہے۔ عمل ہی ایک چیز ہے جس کی آج دنیا میں ضرورت ہے۔ زبانی وعظ و تبلیغ کرنے والے دنیا میں بہت ہیں۔ اور آج دنیا ان واعظین سے، جن کا اپنا عمل کوئی نہیں، تنگ آچکی ہے۔ ہماری جماعت کو اس بارہ میں وہی امتیاز پیدا کرنا چاہئے جو حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں تھا اور عامۂ قلوب پر اس کا بہت گہرا اثر تھا۔ اگر وہ چیز

ہم میں پھر پیدا ہو جائے تو ہم بہت جلد اپنے مقاصد کو پا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی رہنمائی اور قیادت اس وقت ہمارے ہاتھوں میں دی گئی ہے جس کو ہمیں پورے طور پر نبھانا چاہئے۔ اور اپنے عمل اور نمونہ سے اپنے آپ کو اس قیادت کا اہل ثابت کرنا چاہئے۔

اس کے لئے چند خاص باتوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جن پر ہم آئندہ اشاعت میں مفصل روشنی ڈالیں گے۔ جماعت کے نظام اور سلسلہ کی ترقی کے لیے ان ناچیز خیالات کو سننا اور ان پر غور کرنا ازبس ضروری ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے احباب خود بھی فرداً فرداً باہمی مشورہ سے ایسی تجاویز پر غور کریں جو سلسلہ کی مضبوطی اور جماعت کی اندرونی حالت کو بہتر بنانے والی ہوں۔ اور نہ خود ہی غور کریں بلکہ اخبار کے ذریعہ سے دوسرے احباب کو بھی ایسی مفید تجاویز بتانے کی کوشش کریں تا کہ ہم سب مل کر باہمی مشورہ سے ایک لائحہ عمل تیار کر سکیں اور مسیح موعود کا زمانہ دوبارہ دنیا میں پیدا کرنے کے قابل ہوں۔

اسلام میں فرقہ بندی:

گذشتہ 10 جولائی 1928ء کے ''پیغام صلح'' میں ہم نے مولوی دل محمد صاحب جہلم چھاؤنی کی ایک مبارک تحریک کا ذکر کرتے ہوئے مختصراً بتایا تھا کہ جہاں تک عامۃ المسلمین کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے کا تعلق ہے، احمدی اس بارہ میں مجبور ہیں کہ ان پر اور ان کے امام پر مولوی لوگوں نے کفر کا فتویٰ دے رکھا ہے۔ اور عام مسلمان انہی فتووں کے پیرُو ہیں۔ بجائے اس کے کہ مولوی دل محمد صاحب اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرتے اور اسلام سے فرقہ بندی کو دور کرنے کے لیے جو کوشش انہوں نے شروع کی ہے، اس کی ابتدا اس بات سے کرتے کہ سب سے پہلے تکفیر کا مرض مسلمانوں سے دور کیا جائے۔ جو درحقیقت فرقہ بندی کی اصل بنیاد ہے۔ انہوں نے ''پیغام صلح'' کی تصریحات کو کُلُّ حِزْبٍ بِمَالَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (32:30) کا مصداق قرار دیا ہے اور ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ قرآن سے ہم اس کی سند پیش کریں۔

یالِلعجب! ایک ایسی بات جو سراسر ناجائز اور خلاف حق ہے۔ جو دراصل مسلمانوں کی تمام فرقہ بندیوں کی اصل بنیاد ہے اور جس کو خود مولوی دل محمد بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے، اس کو دور کرنے کے لئے جب کہا جاتا

ہے تو قرآن کی سند ہم سے طلب کی جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا قرآن نے اس بات کو جائز رکھا ہے کہ فروعی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر ٹھہرایا جائے۔ اور پھر ان لوگوں کے پیچھے، جو تکفیر کا حربہ مسلمانوں پر چلاتے ہیں، نمازیں بھی پڑھی جائیں۔

مولوی دل محمد صاحب غور کر کے دیکھیں تو فی الحقیقت مسلمانوں کی تمام فرقہ بندیوں کی جڑ یہیں سے ملے گی کہ انہوں نے فروعی اختلافات پر ایک دوسرے کو کافر ٹھہرایا۔ یہ فتاویٰ تکفیر مولوی دل محمد صاحب جیسے سمجھدار مسلمانوں کی نگاہ میں کتنے ہی بے حقیقت کیوں نہ ہوں، لیکن عوام کے دلوں پر اس کا بہت بڑا اثر ہے۔ اور اب بھی جہاں کہیں موقع ملتا ہے مولوی لوگ عوام الناس پر انہیں فتووں کا رعب ڈال کر انہی سے اپنا کام نکالتے ہیں۔ اس کے خلاف پوری کوشش اور جہاد کی ضرورت ہے۔ اور قرآن نے اس جہاد کا ہمیں حکم دیا ہے۔ جہاں فرمایا: وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَہُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰھُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ (9:49) اگر مسلمانوں کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ اور اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے۔ تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف واپس آ جائے۔ قرآن کی اس صراحت کے بعد مولوی دل محمد صاحب کے لئے پس وپیش کی گنجائش نہیں۔ ہم صفائی سے ان سے دریافت کریں گے کہ کیا وہ فتاویٰ تکفیر کو مکفر مولویوں کی زیادتی سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اگر فی الحقیقت یہ ان کی زیادتی ہے تو انہیں چاہئے کہ قرآن کے ارشاد کے ماتحت اپنی تحریک اتحاد کو اسی بات سے شروع کریں کہ مکفر مولویوں کا ساتھ چھوڑ دیں۔ وہ خود قائل ہیں کہ ملانوں کی باتیں خدا کے حکم کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ تو پھر انہیں فتاویٰ تکفیر کی مخالفت میں پس وپیش کیوں ہے؟

ہم سنجیدگی کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہم مولوی دل محمد صاحب کی تحریک کے مخالف نہیں، بلکہ ہمیں دلی ہمدردی ہے۔ لیکن اس کی عملی صورت ہمارے نزدیک ایک ہی ہے کہ تکفیر کا مرض مسلمانوں سے دور کیا جائے۔ حقیقی صلح اور محبت دلوں میں تب ہی پیدا ہو سکتی ہے کہ ایک دوسرے کو مسلمان سمجھ کر باہم بھائیوں کی طرح معاملہ کیا جائے۔ ورنہ اگر دل صاف نہ ہوں اور ایک دوسرے کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہو، تو ظاہری ملمع سازی کس طرح مفید ہو سکتی ہے۔ اور کس باغیرت انسان کا دل یہ قبول کرتا ہے کہ ایک مکفر کو اپنا امام بنا کر اس کے

پیچھے نماز پڑھی جائے۔

مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک ان میں اس قدر تحمل اور رواداری پیدا نہ کی جائے کہ وہ فروعی مسائل میں اختلاف کو برداشت کرسکیں۔ اس کے لیے وسعت قلب اور روشن ضمیری کی ضرورت ہے۔ جو افسوس ہے کہ آج ہمارے طبقہ علماء میں موجود نہیں (جاری)

27 جولائی 1928ء

میں دنیا پہ دین کو مقدّم کروں گا

محمد نجم الدین صدیقی مبلغ اسلام احمدیہ انجمن مدراس

میں دنیا پہ دین کو مقدّم کروں گا　　اسی عہد پر اپنے قائم رہوں گا
گروں گا، پڑوں گا، جیوں گا، مروں گا　　مگر قول دے کر نہ ہرگز پھروں گا
میں دنیا پہ دین کو مقدم کروں گا

ملمّع ہے احوالِ دنیائے فانی　　محبت زبانی، عداوت نہانی
خوشی اس کی کوئی نہیں جاودانی　　مکدر ہے ہر عیش اور زندگانی
میں دنیا پہ دین کو مقدّم کروں گا

برائی نفاق اور جھوٹی ستائش　　غلاظت نجاست کی زرّیں نمائش
دلوں میں جلن اور سینوں میں کاوش　　جہنم ہے دنیا کی یارو رہائش
میں دنیا پہ دین کو مقدّم کروں گا

اگر دین کو اپنے کر لوں میں قائم　　تو فضلوں کا وارث بنوں گا میں دائم
نہ گزرے گی یہ عمر مثلِ بہائم　　نہ مالک کی خفگی نہ کچھ لومتِ لائیم
میں دنیا پہ دین کو مقدّم کروں گا

یہ اہل جہاں خاص ہو یا کہ عامی　　زر و مال کی کر رہے ہیں غلامی

حکومت کے، عزت کے سب ہیں سلامی　　نہیں دینِ بے کس کا کوئی بھی حامی

میں دنیا پہ دین کو مقدّم کروں گا

خدا کا ادب اور خلقت پہ شفقت　　خلوص و نصیحت، طریقِ محبت

”تخلیق باخلاق باری“ بغایت　　عزیزو! یہی دین کی ہے حقیقت

میں دنیا پہ دین کو مقدّم کروں گا

اسی عہد پر اپنے قائم رہوں گا

(بتاریخ 18 جولائی 1928ء)

27 جولائی 1928ء

حضرت امیر کے قلم سے

قادیان کا یوم خاتم النبیّین

لائل پور (فیصل آباد) سے ایک دوست مجھے لکھتے ہیں کہ الفضل ’’میں سردار حبیب اللہ صاحب کی میرے ساتھ کوئی گفتگو شائع ہوئی ہے۔جس میں الفاظ ذیل میری طرف منسوب کیے گئے ہیں:

’’ہم نے 17 جون کے جلسے کی کوئی مخالفت نہیں کی۔ہم کو اس جلسے سے پوری ہمدردی ہے اور ہم اس تحریک کو اچھا سمجھتے ہیں‘‘۔

مجھے یقین ہے کہ یہ الفاظ سردار صاحب کو دکھا کر شائع نہیں کیے گئے۔میری جو گفتگو سردار صاحب سے ہوئی وہ اس ذیل میں تھی کہ سردار صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ میاں صاحب کا پرائیویٹ سیکرٹری میرے اور شیخ رحمت اللہ صاحب کے پاس آیا تھا۔اور ایک بڑی لمبی تمہید کے بعد یہ مدعا ظاہر کیا کہ میاں صاحب ڈلہوزی کے سرکردہ مسلمانوں کو ایک چائے کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔جس میں مسلمانوں میں باہمی اتحاد کی تلقین کریں گے۔اور کچھ غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں جو ان کے متعلق پھیلائی جارہی ہیں۔جہاں تک مجھے یاد ہے۔سردار صاحب نے کہا کہ انہوں نے ان کو جواباً کہا کہ مسلمانوں میں اتحاد کی تلقین کا کیا مطلب ہے۔جب سارے مسلمانوں کو میاں صاحب کافر قرار دیتے ہیں۔اور غلط فہمیوں کے متعلق بہترین طریق یہ ہوگا کہ میاں صاحب کو کوئی اور شخص مدعو کرلے۔اور جو اعتراضات ان پر ہیں وہ بیان کردے اور میاں صاحب ان کا جواب دے دیں۔پھر وہی جواب اخبارات میں چلا جائے۔اس طرح اگر کوئی غلط فہمی ہے تو اس کا ازالہ ہو جائے گا۔مگر سیکرٹری صاحب نے کہا کہ نہیں میاں صاحب کا منشا یہی ہے کہ وہی بلائیں گے۔اس ذیل میں سردار صاحب نے ان کو نام بتائے اور میرے متعلق بھی دریافت کیا کہ کیا انہیں بھی بلایا جائے گا۔کیونکہ جب آپ دوسرے مسلمانوں سے اتحاد چاہتے ہیں تو وہ اور آپ تو بہت قریب ہیں،ان سے بھی اتحاد چاہیئے۔جس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ میاں

صاحب کو علم ہے۔مگر ان کے اور ہمارے معاملات بہت پیچیدہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔اور یہ بھی ذکر کیا گیا کہ انہوں نے ہمارے جلسہ 17 جون پر مخالفت کا اشتہار شائع کیا ہے (اور فی الحقیقت غلط فہمیوں کے ازالہ میں اشارہ اسی اشتہار کی طرف تھا جو جمعیت احرار المسلمین قادیان نے شائع کیا ہے) اس پر میں نے یہ کہا تھا کہ اشتہار کے شائع کرنے والے ان کے اپنے مرید ہیں، جنھوں نے قادیان سے یہ اشتہار شائع کیا ہے۔البتہ اس کے ساتھ ہی میں نے ان سے یہ ذکر ضرور کیا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر لیکچر ہوں تو بہت اچھا کام ہے۔اور اس کے ساتھ ہر شخص کو ہمدردی ہونی چاہئے۔مگر جن لوگوں کا ختم نبوت پر ایمان نہیں اور آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری کرتے ہیں ان کا دنیا میں یہ اعلان کرنا، کہ ہم یوم خاتم النّبیّن منائیں گے، دنیا کو دھوکہ دینا ہے کہ لوگ یہ خیال کریں کہ واقعی یہ لوگ نبوت کو آنحضرت ﷺ پر ختم مانتے ہیں۔

یہ اس گفتگو کا خلاصہ ہے جو میری سردار حبیب اللہ خاں صاحب کے ساتھ ہوئی۔اور اس میں شک نہیں کہ نیک کام کوئی بھی کرے، اس سے دوسرے مسلمانوں کو ہمدردی ہونی چاہئے۔لیکن غلط پروپیگنڈا کو میں ایک مذموم حرکت سمجھتا ہوں۔مسلمان کو چاہئے کہ صفائی سے جو کچھ اس کے دل میں ہے وہی ظاہر بھی کردے۔مجھے یاد ہے کہ جب یہ مسئلہ تکفیر غیر احمدیاں میاں صاحب نے ایجاد کیا تو اس کی بڑی دلیل یہ دی تھی کہ جب تک ہم ان لوگوں کو کافر نہیں کہیں گے وہ ہماری طرف متوجہ نہیں ہوں گے اور نہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ ہونے کی کوئی ضرورت سمجھیں گے۔اور آج یہ حالت ہے کہ یہاں ڈلہوزی میں میاں صاحب کے ایک سیکرٹری نے ایک معزز آدمی کو، جب انہوں یہ کہا کہ آپ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، یہ جواب دیا کہ ہم انہیں مطلق کافر نہیں کہتے بلکہ کافر بالمرزا کہتے ہیں۔میں نہیں سمجھتا کہ یہ باتیں ایک مذہبی جماعت کے شایان شان ہیں۔یہ کوئی پولیٹیکل معاملات تو ہیں نہیں کہ وقت پر جس طرح کام نکلے نکال لیا جائے۔اخلاق اور صداقت مذہب کی پہلی شرط ہے۔جو کچھ ہمارا عقیدہ ہے، اسے صاف کہہ دینا چاہئے۔جب میاں صاحب اور ان کے مرید آنحضرت ﷺ پر نبوت کو ختم نہیں مانتے، تو یوم خاتم النّبیّن سے لوگوں کو دھوکہ ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ عام مسلمان خاتم النّبیّن کے معنی یہی جانتے ہیں کہ نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہوگئی۔اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔اور قادیانی حضرات خاتم النّبیّن کے معنی کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ہزاروں نبی آئیں گے۔اسی طرح میاں صاحب صاف طور پر لکھ

چکے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو، جو حضرت مرزا صاحب پر ایمان لا کر ان کی بیعت میں داخل نہیں ہوتے، کافر اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں، گو ان لوگوں نے مرزا صاحب کا نام بھی نہ سنا ہو۔ تو اس کا کیا فائدہ کہ پرائیویٹ گفتگو میں اعتراض سے بچنے کے لیے یہ کہہ دیا جائے کہ ہم انہیں کافر بالمرزا کہتے ہیں۔ اور کافر بالمرزا کے معنی دائرہ اسلام سے خارج اپنے ذہن میں رکھے جائیں۔ اور سننے والا اس غلط فہمی میں رہے کہ یہ ہمیں کافر نہیں سمجھتے۔ تعجب ہے کہ جب یہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ ہمارے عقیدے اس قابل نہیں کہ کسی معقول مجلس میں ان کا نام بھی لیا جائے، تو ان سے رجوع ہی کیوں نہیں کر لیتے؟ یہ قابل تعریف نہیں ہوگا۔ مگر جو پیچ دار گفتگوئیں کی جاتی ہیں عوام ان سے دھوکہ کھالیں تو کھالیں، کوئی سمجھدار آدمی دھوکہ نہیں کھا سکتا۔

27 جولائی 1928ء

قسط دوم

دعوتِ عمل ۔ نظامِ قومی

پانچ سال کا عرصہ ہوا۔ حضرت امیر ایدّہ اللہ نے ''احبابِ سلسلہ سے چند باتیں'' کے عنوان سے ایک سلسلہ مضامین ''پیغام صلح'' میں لکھا تھا۔ جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہمارے احباب اس کو بار بار پڑھیں اور قومی زندگی کو اس کے مطابق بنانے کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ کی ایک قسط نظامِ قومی کے موضوع پر تھی۔ جس میں آپ نے اس بات پر خاص طور پر زور دیا تھا کہ قومی نظام کی بنیاد ہمیشہ اصول پر مبنی ہونی چاہئے، نہ کہ شخصی محبت پر۔ اس میں شک نہیں کہ شخصی محبت آج اصول سے بڑھ کر دلوں پر حکمراں ہے۔ لیکن یہی شخصی محبت انسان کو آزادی رائے سے بھی محروم کر دیتی ہے۔ اور اس میں پیر پرستی کا رنگ پیدا ہو کر ہر جائز و ناجائز بات انسان مانتا چلا جاتا ہے اور خدا پرستی کا جذبہ آخر کار رفنا ہو جاتا ہے۔

یہ رنگ آج ہمارے سامنے ہے۔ کس طرح سے ان لوگوں نے، جو شخصی محبت کی رو میں بہے چلے جا رہے ہیں، اپنی آزادی رائے کو ایک شخص کے ہاتھ پر فروخت کر کے قرآن کریم اور مسیح موعودؑ کی تعلیم کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ ہر وہ بات جو میاں صاحب کے منہ سے نکلے بمنزلہ قرآن و حدیث ہے۔ ان کے سامنے قرآن کریم کی صریح تعلیمات کو پیش کیا جائے، مسیح موعود کے کھلے الفاظ ان کے آگے رکھے جائیں اور پوچھا جائے کہ ان میں سے کس کو مانتے ہو، تو صاف ان کے منہ سے یہی نکلتا ہے کہ میاں صاحب کی بات کو۔ کیونکہ وہ ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ یہ ہے پیر پرستی۔ مرزا صاحب فرمائیں کہ میرے دعوے کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا۔ میاں صاحب کہیں کہ مرزا صاحب کے دعوے کا انکار موجب کفر ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو دل سے حضرت مرزا صاحب کو سچا سمجھتے ہوں لیکن بیعت نہ کی ہو، وہ بھی خارج از اسلام ہیں۔ کس قدر بیّن فرق ہے کوئی توجیہ، کوئی تاویل ان دونوں اقوال کو ہم معنی قرار نہیں دے سکتی۔ لیکن میاں صاحب کے مرید یہی کہیں گے کہ نہیں، اس میں کوئی بات ہے جو ہمارے سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور میاں صاحب ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ بعینہٖ ایسا ہی ہے

جیسے کوئی شخص کسی پیر کو شراب پیتے ہوئے دیکھے اور کہہ دے کہ ہمیں شراب نظر آتی ہے، ورنہ دراصل شراب نہیں۔ یا جیسا کہ بعض مرید کہہ دیا کرتے ہیں کہ پیر صاحب کے ہونٹوں سے جب یہ لگتی ہے تو خالص دودھ بن جاتی ہے!

اسی قسم کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اور ہم نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ جب کبھی مریدین میاں صاحب کے سامنے اس قسم کے متضاد اقوال پیش کیے گئے، بلکہ میاں صاحب کی ایسی تحریرات پیش کی گئیں جو باہم متخالف ومتضاد تھیں، تو انہوں نے ان کی توجیہات شروع کر دیں۔ یا بہت زیادہ حق پرستی کی تو انہوں یہ کہہ دیا کہ اچھا ہم میاں صاحب کو لکھ کر ان سے دریافت کریں گے۔ اور پھر تمہیں بتائیں گے، اور یوں اپنا پیچھا چھڑا کر چلے گئے۔

غرض شخصی محبت کے ماتحت جو نظام ہوتا ہے اس میں بظاہر کتنا ہی اتحاد دوسرگرمی کیوں نہ ہو، کتنے ہی بڑے بڑے کام اس سے سرانجام کیوں نہ پائیں، اور ایک شخص کی آواز پر خواہ ہزارہا لوگ قربان ہوتے چلے جائیں لیکن یہ نظام انجام کار قوم کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس سے افراد کی اندرونی طاقت اور آزادئ رائے سلب ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہی اسلام کا سب سے بڑا جوہر ہے کہ وہ آزادئ رائے کو پیدا کرتا ہے اور ہر شخص کو اپنے خیالات اور اعمال کا خود ہی ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ اس نے نظامِ قومی کی بنیاد اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ (38:42) پر رکھی ہے اور اسی اسلامی تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے بعد کسی خاص شخص کو اپنی گدی پر بٹھانے کی بجائے تمام نظامِ قومی کی باگ انجمن کے ہاتھ میں دے دی اور کثرت رائے کو اس کے فیصلوں کا معیار قرار دیا۔

اس لیے سب سے پہلی بات، جو ہمارے احباب کو یاد رکھنی چاہئے، وہ یہ ہے کہ ان کا نظام ایک جمہوری نظام ہے۔ جس کا یہ تقاضا ہے کہ سلسلہ کے تمام سود و بہبود کی ذمہ داری جماعت کے تمام افراد کے اوپر ہو۔ اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں کو انہوں نے اپنا نمائندہ بنا کر اپنی طرف سے انجمن میں بھیجا ہے، ان پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن یہ ذمہ داری سب کے اوپر ہے کہ انجمن کی طرف سے جو احکام نافذ ہوں یا انجمن نے جس شخص کو قوم کا امیر مقرر کیا ہے۔ وہ اس کی طرف سے جس حق امر کی طرف بلائے، قوم اس کی آواز پر لبیک کہے اور کسی شخصی محبت سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ اصولاً اپنا فرض سمجھ کر، بغیر اس خیال کے کہ وہ آواز کس کے منہ سے نکلی ہے،

اس امرِ حق کی سرانجام دہی کے لیے اٹھ کھڑی ہو۔ ہماری جماعت نے جس طرح سے شخصی محبت کو اصول پر قربان کر کے پیر پرستی کی جڑوں کو اپنے اندر سے نکال دیا ہے، اسی طرح سے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کا نظامِ قومی اس مشین کی طرح ہو جس کے تمام کل پرزے باہم اس قدر تعلق رکھتے ہیں کہ ایک پرزے کو چلانے سے تمام مشین حرکت کرنے لگتی ہے۔ ضروری ہے کہ ہمارے اندر وہ جوش اور وہ روح پیدا ہو، جو تمام ان نظاروں کو جو شخصی محبت کے نظام میں ہمیں نظر آتے ہیں، مات کر دے۔ اور اس طرح سے ہم دنیا کو دکھا دیں کہ جمہوریت کا نظام جہاں قوم کو پیر پرستی سے بچاتا اور آزادئ رائے پیدا کرتا ہے، وہاں اس کے اندر قوم کو ایک راہ پر چلانے اور اس سے بڑھ کر قربانی اور ایثار کا مادہ پیدا کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ پیر پرستی کو اگر فی الحقیقت جڑوں سے کاٹنا مقصود ہے تو اس کی یہی ایک راہ ہے کہ جس نظام سے ہم نے وابستگی اختیار کی ہے اس کی حکومت کو پیروں کی حکومت سے بڑھ کر عزت و وقعت دیں۔ اور جس وقت کوئی آواز اس نظام کے ماتحت اٹھے فوراً اس پر لبیک کہنے کے لیے تیار ہوں اور مشین کے پرزوں کی طرح حرکت کریں۔ جب تک یہ مادہ ہمارے اندر پیدا نہ ہو، جب تک اُس طریق پر ہم کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اُس وقت تک ہماری تحریکات پورے طور پر کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتیں۔ اور نہ ہمارا یہ نظامِ جمہوریت کسی کام آ سکتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جس پیر پرستی سے بچ کر ہم نے خالص اسلامی جمہوریت کو قائم کیا اور اس طرح سے مسیح موعودؑ کی وصیت کو عملی جامہ پہنایا، اس کو ہم اپنے طریقِ عمل سے مدد دے رہے ہیں۔ اور اس نظام کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کرنے میں کوشاں ہیں۔ (جاری)

سر ہری سنگھ گوڑ کا مسودہ قانون:

آریہ اور عیسائی ایک عرصہ تک اسلام کے قانونِ طلاق پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے رہے۔ شاید ہی لغت کا کوئی ایسا بُرا لفظ ہو جو انہوں نے اس فطری قانون کی مخالفت کرتے وقت استعمال نہ کیا ہو۔ مگر اس پر زور اور عرصہ طویل کی مخالفت کا نتیجہ کیا ہوا؟ تمام عیسائی ممالک مجبور و لاچار ہو کر اسلام کے اس فطرتی قانون کے سامنے جھک چکے ہیں۔ انہوں نے قولاً و عملاً اس قانون کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو تسلیم کر لیا ہے۔ اب ہندو قوم عیسائیوں کی تقلید پر کمر بستہ نظر آ رہی ہے۔

اس سے قبل بھی ایک سے زائد مرتبہ بتایا جا چکا ہے کہ ہندوؤں کے مشہور رکن اسمبلی سر ہری سنگھ گوڑ

بودے اور ضرر رساں ہندو تمدن و معاشرت سے تنگ آ کر، جس کی وجہ سے بے شمار ہندو عورتوں کی زندگیاں تلخ اور مصیبت بھری نظر آ رہی ہیں، اسمبلی میں ایک مسودہ قانون پیش کیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر نامردی، جنون یا دیگر لا علاج بیماریوں میں مبتلا ہو تو اس کی بیوی کو طلاق حاصل کرنے کا حق حاصل ہونا چاہئے۔ جس کی ہندو دھرم نے مطلق اجازت نہیں دی۔ اس سے قبل ہم سر ہری سنگھ گوڑ کو اس سلسلے میں مبارک باد عرض کر چکے ہیں۔ اس وقت بھی ان کی اس مردانہ جدو جہد کی تعریف کئے بغیر رہ نہیں سکتے جو انہوں نے ہندو عورتوں کی بہبود کے لیے باوجود ایک وسیع اور منظّم مخالفت کے شروع کر رکھی ہے۔ سرِ دست ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس مسودہ قانون کا کیا نتیجہ ہوگا۔ لیکن یہ ہمیں یقین ہے کہ آخرکار ہندوؤں کو مجبوراً عیسائیوں کی طرح اس قانون کے آگے ایک بے بس اور شکست خوردہ کی طرح جھکنا ہوگا۔ کیونکہ ہندو دھرم کی غیر فطرتی اور ضرر رساں پابندیوں اور قوانین کو دنیا اس بیسویں صدی میں زیادہ دنوں کے لیے قائم نہیں رکھ سکتی۔ اس سے قبل ہندو ذات پات اور چھوت چھات کو چھوڑ کر اور بدھوا بوہ کو رائج کر کے عملی طور پر اسلام کی صداقت کو تسلیم کر چکے ہیں۔ کیا ان کا طلاق کی ضرورت محسوس کرنا اسلام کی طرف ایک نیا قدم نہیں؟

آریوں کی مخالفت:

ہم حیران ہیں کہ اس مفید مسودہ قانون کی مخالفت کرنے والوں میں تنگ خیال اور قدامت پسند سناتنی ہندوؤں کے ساتھ ہی روشن خیال اور اصلاح پسندی کے دعویدار آریہ سماجی بھی نظر آ رہے ہیں۔ لاہور کے آریہ اخبارات ''ملاپ'' اور ''آریہ گزٹ'' جو آریوں کی سب سے زیادہ روشن خیال اور آزادی پسند جماعت کالج پارٹی کے آرگن ہیں، اس سلسلے میں سب سے پیش پیش ہیں۔ اس کو ہندو دھرم کی تباہی سے موسوم کیا جا رہا ہے۔ اور باوجود سر ہری سنگھ گوڑ کے جذبۂ اصلاح کی تعریف کرنے کے ہندوؤں کو اس کی مخالفت پر ابھارا جا رہا ہے۔ ہمارے آریہ دوستوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اب اس تحریک کو ان کی مخالفت نہیں روک سکتی۔ واقعات بتا رہے ہیں کہ ہندو خواتین بھی ہندو دھرم کے خلاف فطرت قوانین سے تنگ آ کر بغاوت کے لیے آمادہ ہیں۔ چند روز ہوئے ممبئی کی ہندو خواتین نے کھلم کھلا ایک جلسہ کر کے اس مسودہ قانون کی تائید کی تھی۔ اب آریہ اخبارات اور لیڈروں کی تحریریں اور تقریریں ''منوسمرتی'' اور ''ستیارتھ پرکاش'' کے احکام اس جذبۂ اصلاح کے آگے بالکل بے

حقیقت ہیں ۔ آریہ اخبارات جو یہ لکھ کر ہندوؤں کو اس بل کی مخالفت پر آمادہ کر رہے ہیں کہ یہ قانون ہندو دھرم کے خلاف ہوگا، کیا ہم ان سے پوچھ سکتے ہیں کہ بدھوا بوہ جس کی حمایت اور ترویج میں آریہ سماجی ایڑی چوٹی تک کا زور لگا رہے ہیں ان کا ''عالمگیر'' دھرم اس کی اجازت دیتا ہے؟ ہم ان کی خدمت میں مخلصانہ طور پر عرض کریں گے کہ جب ان کو معلوم ہے کہ آج نہیں تو کل اس قانون کو منظور کرنا پڑے گا تو عقل مندی یہی ہے کہ اس کی مخالفت ترک کر کے اس کو فوراً تسلیم کر لیا جائے ۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ آریہ ہمارے اس مخلصانہ مشورہ پر عمل کریں گے یا نہیں ۔ تاہم ان واقعات سے ہر ایک سمجھدار اور بالغ نظر شخص یہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اسلام اور ویدک دھرم میں سے کون سا مذہب مطابق فطرت اور عالمگیر ہے ۔

عیسائیت کی امیدوں پر اوس:

20 جولائی کی اشاعت میں ہم لنڈن کے مشہور مسیحی اخبار ''چرچ ٹائمز'' کی تحریر کا ایک اقتباس پیش کر چکے ہیں ۔ جس نے ٹرکی میں اصلاحات کا تذکرہ کرتے ہوئے عیسائیوں سے ان الفاظ میں اپیل کی تھی:

> ''ان جدید حالات میں مسیحی مبلغین کے سامنے کامیابی کا ایک عظیم الشان اور بے نظیر میدان موجود ہے ۔ اور اب وقت ہے کہ ساتویں صدی کا انتقام لے لیا جائے ۔ اور ہلال نے ، جن قوموں کو صلیب سے چھین لیا تھا، انہیں پھر صلیب کے تحت میں لایا جائے'' ۔

غالباً ان الفاظ کی روشنائی بھی خشک نہ ہونے پائی ہوگی کہ مشہور ولایتی اخبار ''ڈیلی ٹیلی گراف'' کے نامہ نگار نے آستانہ سے خبر بھیجی کہ روما کے پادریوں کی مجلس نے قرار دیا ہے کہ ارمنی کیتھولک گرجے کو آستانہ سے بیروت میں منتقل کر دیا جائے ۔ یہ فیصلہ اس طرز عمل کو دیکھتے ہوئے کیا گیا ہے ۔ جو ترکی حکومت تمام گرجوں کے خلاف اختیار کرنے والی ہے ۔ گویا یہ خبر ابھی تشریح طلب ہے ۔ مگر اس سے یہ بات تو صاف طور پر ظاہر ہے کہ ٹرکی میں عیسائیت کی دال گلتی نظر نہیں آتی اور حالات نے اسے مجبور کر دیا ہے کہ وہ وہاں سے بستر بوریا باندھ لے ۔ یقیناً یہ خبر ''چرچ ٹائمز'' اور اس کے ہم خیال لوگوں کی امیدوں کے لیے ایک برق جانسوز ثابت ہوگی ۔ لیکن اس میں سراسر ان کا قصور ہے جنھوں نے ترکوں کے کفر والحاد کی فرضی داستانوں پر یقین کر کے اس قدر ''شاندار''

امیدیں قائم کر لی تھیں۔ ہم اس سے قبل بھی کئی بار اپنے مسیحی اور آریہ دوستوں کو بتا چکے ہیں کہ ترک مسلمان ہیں اور مسلمان رہیں گے۔ اور ان کو اسلام سے منحرف کرنے کی کوشش کرنا ان کی خام خیالی ہے۔

۞۞۞

19 صفر 1347ھ

مکتوب امیر ایدّ اللہ تعالیٰ

پیغام صلح کا شمارہ۔ ’’آخری نبی ﷺ‘‘

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ہماری انجمن نے فیصلہ کیا ہے کہ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر، جو 29 اگست کو ہے، پیغام صلح کا ’’آخری نبی نمبر‘‘ نکالا جائے۔ ہماری جماعت نے ہمیشہ اس بات کو پسند کیا ہے کہ اس موقع پر کوئی جلسہ وغیرہ کر کے اس میں نبی کریم ﷺ کے حالات پبلک میں پیش کیے جائیں۔ اس دفعہ اس تبلیغ کو اور زیادہ موثر کرنے کے لیے پیغام صلح کا خاص نمبر تجویز کیا گیا ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ کے ان کمالات اور فضائل پر بلند پایہ مضامین ہوں گے جن کی وجہ سے آپ کو دنیا کا آخری نبی قرار دیا گیا۔ آپ اس سے ناواقف نہیں کہ خود ہم نے اپنے ہندو اہل وطن کے سامنے کس قدر کم اسلام اور رسول اللہ ﷺ کو پیش کیا ہے۔ یہ نمبر انشاء اللہ تعالیٰ اس کمی کی ایک حد تک تلافی کرنے والا ہوگا۔ علاوہ ازیں آج مسلمان خود نبی کریم ﷺ کے کمالات سے بہت کم واقف ہیں۔ جس کی وجہ سے تعلیم یافتہ طبقہ میں بالخصوص مذہب کی طرف سے بے اعتنائی سی ہے۔ مگر آپ کے کمالات کوئی فرضی تصویر نہیں۔ یہ واقعات ہیں جن کے سامنے غیروں کی گردنیں بھی جھک جاتی ہیں تو مسلمانوں کے دلوں پر کیوں اثر نہ ہوگا۔ پھر یہ بھی ضرورت ہے کہ جو بعض خیالات ختم نبوت کے منافی، بعض مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہو گئے ہیں، انہیں دور کیا جائے۔ جن کے دور کرنے میں ہماری جماعت کا قدم اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب سے آگے ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں ہماری جماعت ہی نے اس کے لیے قدم اٹھایا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کی بنیاد ہی یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبی نہیں آ سکتا۔ نہ پرانا نہ نیا۔ افسوس ہے کہ مسلمان اگر اس غلطی میں مبتلا تھے کہ ایک پرانا نبی آنحضرت ﷺ کے بعد آئے گا، جس سے ختم نبوت پر زد پڑتی تھی تو ہمارے دوسرے فریق نے نہایت ہی نادانی سے آنحضرت ﷺ کے آخری نبی ہونے ہی سے انکار کر دیا۔ اور ایک پرانے نبی کی جگہ ہزاروں نئے نبیوں کے آنے کا راستہ کھول دیا۔ ان غلطیوں کا ازالہ ہی درحقیقت احمدیت ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ نمبر احمدیت کو بھی اپنے

اصلی رنگ میں پبلک کے سامنے پیش کرے گا۔

ہمارے ایک عزیز مخلص دوست نے ایک لاکھ پرچے کی تحریک کی ہے اور اپنی جماعت سے ایک ہزار پرچہ پورا کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں دوسرے احباب بھی فوراً توجہ کریں۔ تا کہ جس قدر زیادہ تعداد میں ممکن ہو، یہ نمبر چھپ کر لاکھوں انسانوں کی ہدایت کا موجب ہو۔ 2 آنے/ فی پرچہ (مع محصول) اس کی قیمت ہے۔ بڑی بڑی جماعتوں کو ایک ایک ہزار کاپی کے لینے کا انتظام کرنا چاہیے۔ جہاں جہاں احباب فرداً فرداً ہیں وہ بھی جلد اپنے ارادے سے دفتر میں اطلاع دیں تا کہ تعداد طبع کا فیصلہ ہو سکے۔ خاکسار محمد علی پیٹر برو، ڈلہوزی

مسلمانانِ کشمیر پر مسیحی مبلغین کی یورش:

کچھ عرصہ سے بعض مسلمان یہ خیال کر رہے ہیں کہ مسیحی مبلغین کی تبلیغی سرگرمیاں بہت کچھ کم ہو گئی ہیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ طریقِ کار بیشک بدل گیا ہے۔ زور وشور اور علانیہ تبلیغ کی بجائے خفیہ اور خاموش کام ہو رہا ہے۔ شہروں کی بجائے دیہات اور دور دراز اور جاہل علاقوں کو میدان عمل بنا لیا گیا ہے۔ لیکن مستعدی پہلے سے زیادہ ہے اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے نتائج نہایت نقصان دہ اور خوفناک ہیں۔ تازہ اطلاع ہے کہ آج کل مسیحی مبلغین ایک مدت دراز سے نہایت خاموشی سے سرحدِ کشمیر پر تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ آج کل گر بد اور تلیل کے مقامات ان کی توجہات خصوصی کے مرکز بنے ہوئے ہیں۔ اس علاقے کے مسلمان باشندے سخت جاہل، مفلس اور اسلام کے احکام اور اصول سے بالکل بے خبر ہیں۔ اگر فی الفور عیسائیوں کی اس یورش کو روکنے کی کوئی مؤثر تدبیر نہ کی گئی تو خاکم بدہن ہزاروں مسلمانوں کے مرتد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس علاقے میں ہندو برائے نام ہیں۔ لیکن ان کی حفاظت و مدد کے لیے آریہ پرچارک وہاں پہنچ گئے ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کا کوئی خبر گیر نہیں۔ ہم تمام ذمہ دار تبلیغی انجمنوں کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ بہت جلد اس سیلاب ارتداد کو روکنے کا بندوبست کریں۔ ورنہ مسلمانانِ ہند کو اپنی بدقسمتیوں پر ایک نیا ماتم کرنا پڑے گا۔

علمائے اسلام کہاں ہیں؟

چاروں طرف ارتداد کی خوفناک اور ایمان سوز بجلیاں کوند رہی ہیں۔ گمراہی و تباہی کا طوفان اٹھتا چلا

آ رہا ہے۔ مسلمانوں کے سامنے اس وقت زندگی وموت کا سوال ہے۔ ایک پُر خطر راستے پر وہ سفر کر رہے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہمارے علماء جن کو قوم کی رہنمائی اور امامت کا دعویٰ ہے، بے خبر اور بے فکر ہیں۔ سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ تمام باتیں وہ اپنے کانوں سے سن رہے ہیں۔ مگر ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ زمانہ بدل گیا ہے، ضروریات وحالات کچھ اور ہو گئے ہیں۔ لیکن وہ ابھی تک آمین بالجہر اور آمین بالسرّ، قراءت فاتحہ، رفع یدین وغیرہ کے مسئلوں پر مصروف پیکار ہیں۔ ہم باوجود کوئی امید نہ رکھتے ہوئے ان کی خدمت میں عرض کریں گے کہ وہ وقت اور حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے فرائض کو محسوس کریں۔ اور جمود، سکون، تعصب اور تنگ نظری کو خیر باد کہہ کر تبلیغِ اسلام اور اصلاح کے کام کی طرف متوجہ ہوں۔

مقدسین قادیان کے زہر کا تریاق:

آج کل ''مقدسین قادیان'' اپنی عادت مستمرہ کے مطابق سلسلہ عالیہ احمدیہ لاہور اور حضرت امیر ایدہ اللہ کے خلاف غلط فہمیاں پھیلا رہے ہے۔ مشہور قادیانی اخبار ''الفضل'' تو اس ناپاک کام میں خاص طور پر مصروف ہے۔ میاں محمود احمد صاحب بھی مغالطہ آمیز تحریریں شائع کر رہے ہیں۔ ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت امیر نے گزشتہ اشاعت میں ایک مدلل اور فیصلہ کن مضمون ''میاں محمود احمد صاحب کی عہد شکنی اور اس کی پردہ پوشی کے لیے اظہار غیظ'' کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے۔ احباب کا فرض ہے کہ وہ اس مضمون کو بغور پڑھیں اور قادیانی اصحاب کو بھی پڑھائیں۔ ہم نے اس پرچہ کی کچھ زائد کاپیاں چھپوالی ہیں۔ احباب کو چاہئے کہ وہ حسب استطاعت انہیں خرید کر قادیانی اصحاب میں تقسیم کریں۔ قیمت فی پرچہ ایک آنہ مع محصول ڈاک۔ جس قدر کاپیاں درکار ہوں، جلد منیجر صاحب پیغامِ صلح لاہور سے طلب کیجیے۔

❀ ❀ ❀

16 صفر 1347ھ

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب کی عہد شکنی

دو سال ہوئے اسی جگہ ڈلہوزی میں میاں محمود احمد صاحب نے قادیانی جماعت کی طرف سے اور میں نے جماعتِ احمدیہ لاہور کی طرف سے یہ اعلان کیا تھا کہ آئندہ کے لیے ہر دو فریق اپنے عقائد کی تائید میں یا دوسرے کی تردید میں جو کچھ لکھیں گے اس میں ذاتی حملوں یا فریقین کے آدمیوں کو بُرا کہنے سے اجتناب کیا جائے گا۔ ایسے معاہدات کا، جب تک ان میں بوقت تنازعہ کوئی تصفیہ کی صورت پہلے سے نہ رکھ لی جائے، قائم رہنا صرف فریقین کی رضامندی پر ہوتا ہے۔ فریق قادیان کی اس اثناء میں یہ پالیسی رہی کہ زبانی اور خطوط کے ذریعے پروپیگنڈا سے کام لیا جائے اور اس طرح اپنی جماعت کے تنفر کو، جو ہمارے متعلق پیدا کیا گیا تھا قائم رکھا جائے۔ مگر میں نے اپنے دوستوں سے ہمیشہ یہی کہا کہ ان باتوں پر صبر کرنا چاہیئے اور جس قدر بھی ان امور میں کمی ہو جائے اسے غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اخبار ''الفضل'' میں بھی کبھی کبھی اس کی خلاف ورزی ہوتی رہی، مگر ہم نے اسے چنداں قابل التفات نہ سمجھا۔ لیکن جب گزشتہ نومبر میں میاں صاحب کی جماعت پشاور کے لیڈر قاضی محمد یوسف نے ''درعدن'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں کوئی عقائد کی بحث نہ تھی بلکہ صرف ہم میں سے بعض لوگوں کے متعلق نہایت گندی نظمیں تھیں (یہ وہی کتاب ہے جس میں ہز میجسٹی امیر امان اللہ خاں کو بھی بُرا بھلا کہا گیا تھا) تو ہمارے اخبار میں میاں صاحب کو اس کی طرف توجہ دلائی گئی کہ اس طرح کی گندی نظموں کا شائع کیا جانا اس معاہدہ کے خلاف ہے جو آپ نے ڈلہوزی میں کیا تھا۔ میاں صاحب نے خود اس پر خاموشی اختیار کی اور ان کے مریدوں نے ان کی ہدایت کے مطابق یا اپنی جانب سے یہ جواب دیا کہ یہ پرانی نظمیں ہیں۔ لیکن پھر جب اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی کہ پرانی نظموں کا از سرِ نو شائع کرنا اسی طرح خلاف معاہدہ ہے، جیسے نئی کا لکھا جانا۔ اور چونکہ یہ نہایت گندی ہیں، اس لیے میاں صاحب کو اس کتاب پر بروئے معاہدہ نوٹس لینا چاہیئے۔ تو اس کے جواب میں خاموشی اختیار کر کے معاہدہ کی اس کھلی خلاف ورزی کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ اس پر بھی ہماری

طرف سے کوئی اعلان نہیں کیا گیا کہ ہم معاہدہ کو چھوڑتے ہیں ۔ کیونکہ جیسا کہ میرے اعلان کے الفاظ سے ظاہر ہے میں نے میاں صاحب کی طرح کسی معین مدت کے لیے نہیں بلکہ اپنی جماعت کو اصولاً ہی یہ ہدایت کی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں ہمیں بُرا کہیں مگر ہم اس حصہ کا جواب نہ دیں گے۔ اور صرف عقائد کی بحث کریں گے۔

میاں صاحب پر الزامات:

اس کے بعد میاں محمود احمد صاحب کے خلاف شملہ اور قادیان کے ان کے بعض مریدوں نے کچھ الزامات لگائے اور میاں صاحب سے مباہلہ یا قسم کا مطالبہ کیا۔ میاں صاحب نے قسم کھانے اور مباہلہ کرنے سے انکار کیا تو یہ باتیں دوسرے لوگوں تک پہنچیں اور عام ہو گئیں ۔ یہاں تک کہ شملہ کے ایک مسلمان کا لکھا ہوا پوسٹ کارڈ جو ایک بڑے مولوی صاحب کے نام تھا کہ یہاں ہر کہہ ومہ کی زبان پر یہ باتیں ہیں ۔ وہ خط ایک شہر کے بازار میں پڑا ہوا ہمارے ایک دوست کو ملا۔ جس نے وہ ایک مدت کے بعد مجھے بھیجا۔ پھر بھی ہم نے ایسی باتوں کی اشاعت میں حصہ لینا مناسب نہ سمجھا۔ خود ان کے مریدین کی تحریریں ہمارے پاس پہنچیں ، مگر ہم نے خاموشی اختیار کی ۔ پھر بھی میاں صاحب نے اپنے مریدوں کی نگاہ میں اپنی بریّت کے لیے اس سے بہتر کوئی علاج نہ سمجھا کہ ان باتوں کو احمدیہ جماعت لاہور کی طرف منسوب کیا جائے ۔ چنانچہ انہی کے بعض مریدوں کی تحریروں سے معلوم ہوا کہ ہمارے متعلق اس غلط فہمی کا پروپیگنڈا بڑے وسیع پیمانہ پر جاری ہے۔ اس لیے ایک یا دو مضامین اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے ہمارے اخبار میں لکھے گئے ۔

''الفضل'' کے دلآزار حملے اور میاں صاحب کی عہد شکنی:

اسی اثنا میں میاں صاحب کے سورہ نور کے تفسیری نوٹوں کی ایک کتاب ایک دوست نے مجھے بھیجی ۔ جس میں میاں صاحب کی زبان سے یہ الفاظ چھپے ہوئے تھے کہ اگر تم سچے اعتراض بھی تلاش کر کے میری ذات پر کرو گے تو تم پر خدا کی لعنت ہوگی اور تم تباہ ہو جاؤ گے۔ اس کے متعلق میں نے کسی جمعہ کے خطبہ میں ذکر کیا کہ یہ پیر پرستی کا انتہائی مقام ہے کہ نہ صرف ایک شخص اپنی ذات پر اعتراض سننے کی تاب نہیں رکھتا بلکہ سچے اعتراض کرنے والوں کو عذاب کی دھمکیاں دیتا ہے۔ اس پر میاں صاحب کے اخبار نے کوئی پانچ چھ کالم کا مضمون دریدہ

ڈہنی سے لکھا۔ جس میں بار بار مجھے جھوٹا قرار دیا کہ ایسے الفاظ کبھی نہ میاں صاحب نے کہے نہ کسی کتاب میں موجود ہیں۔ لیکن اگلے ہی ہفتہ خود میاں صاحب کو وہ لفظ مل گئے۔ تو یہ بہانہ کیا کہ یہ 1921ء کی کتاب ہے اور میں نے اسے کوئی نئی لکھی ہوئی کتاب ظاہر کیا ہے حالانکہ میرے الفاظ سے وہم تک بھی پیدا نہیں ہوتا کہ کب کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ نئی ہے یا پرانی۔ اور میاں صاحب نے بجائے اس کے کہ اپنے ایڈیٹر کو ڈانٹتے کہ جب ہم نے ایسے لفظ لکھے تھے تو تم نے کیوں اس قدر دل آزار حملے کیے۔ الٹا میرے متعلق بہت کچھ کہا اور آخر پر یہ لکھا کہ میں گویا میاں صاحب کی کامیابیوں کی وجہ سے بغض وحسد کی آگ میں جل رہا ہوں۔ اور بالآخر اسی غیظ وغضب میں یہ بھی اعلان کر دیا کہ ہمارا ان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں۔ چنانچہ 5 جون کے ''الفضل'' میں یہ اعلان بدیں الفاظ ہے:

> ''میں اعلان کرتا ہوں کہ اب ان کے ساتھ ہمارا کوئی معاہدہ نہیں اور معاہدہ ہمارے درمیان نہیں''۔

میاں صاحب کی شیریں کلامی: مشکل یہ ہے کہ میاں صاحب جب خود دوسرے کو برا کہیں تو وہ کتنا بھی برا کہیں وہ کبھی گالی ہو سکتی ہی نہیں۔ اور ان کی اپنی ذات کے متعلق کوئی اعتراض بھی ہو تو اسے گالی ہی نہیں گالیوں کا طومار اور کیا کیا قرار دے لیتے ہیں۔ اور پھر مریدوں کے سامنے واویلا کرنے بیٹھ جاتے ہیں کہ ''پیغامیوں'' نے ہم پر یہ ظلم کیا اور ہم کو یوں گالیاں دی ہیں۔ اب جو انہوں نے ''پیغام صلح کا پیغام جنگ'' کے عنوان سے مضمون لکھا ہے، اس میں ایک طرف تو یہ شکایت ہے کہ لاہور والے انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف آپ خود آپے سے باہر ہو کر ہمیں بُرا بھلا کہتے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے الفاظ کی نرمی ملاحظہ ہو۔ مضمون کی ابتدا ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

> ''باوجود اس کے غیر مبائعین کے معترض گروہ کی طرف سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور گندے اور غیر شریفانہ پیرایہ میں یہ لوگ مجھ پر اور جماعت احمدیہ پر اعتراض کرتے رہتے ہیں گویا کہ ان کے سینے ایک ذخیرہ ہیں حاسدانہ خیالات کا، اور ایک سمندر ہیں غضب اور غصہ کے احساسات کا۔''

میں حیران ہوں کہ معاہدہ تو میاں صاحب خود توڑیں اور ''دُرِّعدن'' کی طبع و اشاعت وہ پہلی چیز ہے

جس سے یہ معاہدہ توڑا گیا۔ اور اس کی طرف میاں صاحب کو توجہ بھی دلائی گئی مگر انہوں نے اس کی پرواہ تک نہ کی اور پھر دوسروں کو بُرا بھی کہتے جائیں۔ اگر پیغام صلح میں کوئی مضمون ایسا نکلا تھا جس سے اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہوتی تھی تو ان کا فرض تھا کہ وہ ہم کو اس کی طرف توجہ دلاتے۔ مگر اس بارہ میں ان کا خاموش رہنا اور اب معاہدہ توڑنے کے لئے یہ بہانہ بنانا کہ ''بیسیوں دفعہ'' پیغام صلح یہ معاہدہ توڑ چکا ہے، کسی عقلمند کے نزدیک قابل قبول نہیں۔

مریدوں کا ایمان:

رہا یہ امر کہ مریدین جو کچھ وہ کہیں گے اسے سچ مان لیں گے، یہ تو ہم پہلے ہی جانتے ہیں ؎

اگر شہ روز را گوید شب است ایں   بباید گفت نیک ماہ و پرویں

جب میاں صاحب نے یہ کہا اور اپنی کتاب میں اپنی قلم سے لکھ دیا کہ حضرت صاحب کی 1901ء سے پہلے کی تحریریں دربارۂ انکار نبوت منسوخ ہیں۔ اور ان سے حجت پکڑنا غلط ہے۔ تو سب مرید اسی طرح مانتے تھے اور پھر جب انہوں یہ کہا کہ 1901ء سے پہلے کی تحریریں مہمل ہیں جن کی وضاحت 1901ء کے بعد کی تحریروں نے کر دی ہے۔ گویا ضمناً ان کے منسوخ ہونے سے انکار کر دیا تو مرید اسی طرح مانتے رہے۔ اور اب میاں صاحب نے اپنے ایک معترض مرید کو یہ صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ ہم نے کبھی ایسا لکھا ہی نہیں۔ تو اب سو حوالے دو مرید کبھی نہیں مانیں گے کہ میاں صاحب نے یہ لکھا ہے (یہ خط عنقریب چھپ جائے گا)۔

میاں صاحب کا چیلنج منظور ہے:

میاں صاحب نے اس مضمون میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''اگر دوسرے فرقوں بلکہ غیر مذاہب کے غیر جانبدار لوگوں سے بھی پوچھا جائے گا تو وہ بلا تردد یہ گواہی دیں گے کہ پیغام صلح جو کچھ ہمارے خلاف لکھتا ہے اور جس طرز سے لکھتا ہے اس سے بیسواں حصہ بھی ہم نہیں لکھتے، ہمیں یہ چیلنج منظور ہے۔ معاہدہ کے بعد کی دونوں فریق کی تحریروں کو لے لیا جائے۔ اور جماعت احمدیہ سے باہر کوئی تین مسلمان منصف بہ راضی فریقین مقرر کر لیے جائیں۔ بیسویں اور دسویں کے فیصلے کی ضرورت نہیں۔ وہ جن فریق کی طرف سے معاہدہ کے بعد صریح زیادتی کی

ابتداقرار دیں وہ دوسرے فریق سے معافی مانگے۔

بناءِ اعلان جنگ:

جس مضمون میں میاں صاحب اس قدر آپے سے باہر ہوئے ہیں اس کی بنیاد کیا ہے۔ پیغام صلح میں میاں صاحب کے ایک مرید کا خط چھپا ہے۔جس کا عنوان تھا'' دونوں جماعتوں کا رویہ قابل اصلاح ہے'' جس میں خط لکھنے والے نے یہ بتایا کہ میاں صاحب نے جب سیرۃ نبویؐ پر 54 کتابوں کی ایک فہرست شائع کی تو اس میں میری کتاب سیرت خیر البشرؐ اور خواجہ کمال الدین صاحب کی کتاب'' اسوۂ حسنہ'' کا نام نہ لیا۔ جسے انہوں نے قادیانی حضرات کی'' تنگ دلی اور تعصب'' قرار دیا اور'' پیغام صلح'' کے متعلق یہ شکایت کی کہ اس نے میاں صاحب کی تحریک ''یوم خاتم النّبیّن'' کے ساتھ عدم تعاون ہی نہیں کیا بلکہ مخالفانہ ریمارکس لکھے۔ جسے جماعت لاہور کی تنگ دلی اور تعصب قرار دیا۔ یہ میاں صاحب کے ایک مخلص مرید کی رائے ہے۔اوراس میں بھی تنگ دلی اور تعصب کا سہرا تو کم سے کم ضرور میاں صاحب کے سر پر انہوں نے رکھا ہے۔ جماعت لاہور کی طرف سے تنگ دلی اور تعصب نہ ہونے پر نوٹ لکھتے ہوئے آخر پر ذیل کا فقرہ'' پیغام صلح'' نے لکھا:

> '' تنگ دلی اور تعصب پہلے اس شخص کے دل سے نکالنا چاہئے جس کے سامنے جب لاہور میں ان کے ایک سابق مرید نے یہ کہا تھا کہ آپ ہندو مسلمان میں اتحاد کے لیکچر دیتے ہیں۔ پہلے لاہور والوں سے کیوں صلح نہیں کرتے ،تو اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ یہ باغی ہیں،ان سے ہماری صلح نہیں ہوسکتی۔اس کے بعد ڈلہوزی میں صلح بھی کی مگر شاید پھر خیال آ گیا کہ ان کے اصول کے خلاف یہ بات ہے۔ باغیوں کے ساتھ صلح کیسی؟ اس لیے پھر دشنام دہی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ان کا اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں کریں۔صلح کریں یا جنگ کریں،ہم دونوں حالتوں میں ان کے عقائد کے خلاف، جو اسلام میں خطرناک تفرقہ پیدا کرنے والے ہیں، ہر حال میں جنگ کریں گے۔''

عقائد کی جنگ ختم نہیں ہوسکتی:

اس فقرہ کی آخری سطریں نقل کر کے میاں صاحب اپنے مریدین کو بڑا جوش دلاتے ہیں کہ یہ ان کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اور تم سب تیار ہو جاؤ اور اس اعلانِ جنگ کو قبول کرو۔ لیکن اگر یہ اعلانِ جنگ ہے تو یہ جنگ تو ہم نے کبھی بند نہیں کی اور نہ کر سکتے تھے۔ جو معاہدہ تھا اس میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ ہم آپ کے عقائد کے خلاف کچھ نہ لکھیں گے۔ بلکہ بالصراحت ذکر ہے کہ ''مسائل اور عقائد پر بحث ضرور رہے گی''۔ البتہ یہ وعدہ تھا کہ ایسی تحریروں میں ایک دوسرے کی نسبت دل آزار باتیں نہ ہوں گی۔ یہ وہ جنگ ہے جو حق و باطل کے درمیان ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ کیا میاں صاحب نے جب صلح کی تھی تو ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ ہمارے عقائد کے خلاف اور ہم ان کے عقائد کے خلاف نہیں لکھیں گے؟ کیا جب وہ ''ہندو مسلم اتحاد'' کی تلقین کیا کرتے ہیں تو ان کا منشا یہ ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے عقائد کے خلاف اور مسلمان ہندوؤں کے عقائد کے خلاف کچھ نہ لکھیں گے۔ اور اب جو ''اتحاد بین المسلمین'' کا سب سے بڑا علمبردار اپنے آپ کو ظاہر کر رہے ہیں تو کیا ان کا منشا یہ ہے کہ کوئی مسلمان فرقہ دوسرے کے عقائد کے خلاف کچھ نہ لکھے گا۔ وہ کونسی بات ''پیغام صلح'' کے نوٹ میں تھی جس کو پڑھ کر میاں صاحب آپے سے باہر ہو گئے۔ اور اپنی شرافت ان کو اس میں نظر آئی کہ دوسروں کی طرز کو ''غیر شریفانہ'' قرار دیا جائے اور پھر مریدوں کے سامنے اس قدر واویلا کیا کہ اٹھو اور میدان میں نکل پڑو کہ پیغام صلح نے پیغام جنگ دے دیا۔ کیا آپ حیات مسیح کے عقیدہ کے خلاف جنگ نہیں کرتے؟

عقائد کی جنگ سے پریشان ہونے کا موقع نہیں:

اگر ایک شخص یہ کہے کہ ''ہم آپ کے ان عقائد کے خلاف جو اسلام میں تفرقہ پیدا کرنے والے ہیں جنگ کریں گے'' تو اس میں پریشان ہو کر اخبار کی طرف دوڑنے اور آنسو بہانے اور مریدوں کو رلانے کا کیا موقع ہے جس پر مزید رقّت پیدا کرنے کے لیے ایڈیٹر ''الفضل'' کو یہ لکھنا پڑا کہ ''اس مضمون کا ایک ایک لفظ نہایت درد ناک ہے اور ایک فقرہ تو ایسا ہے جو مخلصین کو بے تاب کر دے گا''۔ جن لوگوں کے سچے اعتراض سننے کی تاب میاں صاحب کو نہیں، ان کا بے تاب ہونا کون سا مشکل ہے۔ مگر چلیے اسی امر کو کسی ثالث کے سامنے رکھ دیجیے کہ پیغام صلح کے اس مضمون میں کونسا نیا پیغام جنگ ہے جس پر آپ اس قدر تلملائے۔ اس میں تو صاف لکھا ہے کہ خواہ آپ ہمارے ساتھ صلح رکھیں یا جنگ کریں، یعنی جہاں تک ایک دوسرے کو بُرا کہنے کا سوال ہے یا تنگ دلی اور تعصب

دکھانے کا سوال ہے، خواہ ڈلہوزی والی صلح آپ رکھیں یا نہ رکھیں، دونوں صورتوں میں ہم آپ کے غلط عقائد کے خلاف جنگ کریں گے۔ حوصلہ تو یہ ہوا اور آرزو یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے چالیس کروڑ نام لیواؤں کو کافر بنا کر دنیا بھر کے کافروں کو مسلمان بنالیں گے۔ العجب ثم العجب۔

دل کا دکھنا:

گویا میاں صاحب کے مریدوں کو اکسانے میں کچھ کسر باقی رہ گئی تھی جو ایڈیٹر ''الفضل'' کو ان کی تحریر پر حاشیہ آرائی کی بھی ضرورت تھی کہ کہیں مرید غلطی نہ کھالیں۔ ''پیغام صلح'' کی اس تحریر کا منشا بالفاظ ''الفضل'' کیا ہے۔ ''دشمنوں نے اپنا سب سے بڑا مقصد حضور کا دل دکھانا اور رنج پہنچانا قرار دے لیا ہے۔ اور وہ اس کے لیے ہر ناجائز سے ناجائز طریق اختیار کر رہے ہیں''۔ اب ''حضور کا دل'' دکھنے سے اگر یونہی بچ سکتا ہے کہ جب میاں صاحب کہہ دیں کہ چالیس کڑور مسلمان کافر اور خارج از اسلام ہیں۔ خواہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کا نام بھی نہ سنا ہو تو ہم بھی کہہ دیں کہ ''حضور نے بجا فرمایا'' اور وہ کہہ دیں کہ اب کوئی شخص کلمہ **لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کے پڑھانے سے مسلمان نہیں ہوتا تو ہم بھی دست بستہ عرض کریں کہ بے شک یہ کلمہ منسوخ ہے۔ اور وہ کہہ دیں کہ آنحضرتؐ کے بعد ہزاروں نبی آئیں گے اور ختم نبوت کے معنی اجراء نبوت ہیں تو ہم بھی کہہ دیں گے کہ بے شک لغت جو چاہئے کہے آپ کا ارشاد ہی اب لغت کے بھی قائم مقام ہے۔ اور وہ فرمادیں کہ احمد آنحضرت ﷺ کا نام نہیں اور اس لیے آپ پیشگوئی **وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ** (6:61) کے اصل مصداق نہیں تو ہم بھی کہہ دیں کہ آپ کا ارشاد درست ہے۔ گو رسول اللہ ﷺ خود اپنی زبان مبارک سے اپنے آپ کو بشارت عیسیٰ بھی فرمائیں۔ اور صحابہؓ بھی آپؐ کو احمد کر کے پکاریں۔ تو پھر اس دکھ سے جناب میاں صاحب کو نجات ملنی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ اور پھر دوسری مشکل یہ ہوگی کہ دنیا میں بھی لوگ ہیں وہ ان کے عقائد کے خلاف جنگ کریں گے۔ تو ہمارا زمرہ مریدین میں شامل ہونا بھی کچھ نفع نہ دے گا۔

میاں صاحب کی ذہنیت:

ایڈیٹر الفضل کی یہ حاشیہ آرائی میاں صاحب کے اس دردناک اپیل کا نتیجہ ہے جو مریدوں کو بدیں

الفاظ کرتے ہیں:

''وہ اپنے دماغوں پر اس اعلان جنگ کو لکھ لیں...... ہر ایک جو سچے دل سے بیعت میں شامل ہوا ہے اب اس کا فرض ہونا چاہیے کہ یہ ان لوگوں کے اس اعلان جنگ کو قبول کرے اور ایک سچے مسلمان کی طرح، جو بزدل نہیں ہوتا بلکہ بہادری سے اپنے عقیدہ پر قائم ہوتا ہے۔ اور اپنی ہر ایک چیز کو سچائی کے لیے قربان کرنے کو تیار ہوتا ہے، اس امر کے لیے تیار ہو جائے کہ وہ اس جنگ کو، جو نفسانیّت کی جنگ ہے، جو خود غرضی کی جنگ ہے، جو بے جا تحقیر اور بے سبب بغض کی جنگ ہے، ہر ایک جائز ذریعہ سے جلد سے جلد خاتمہ کرنے کی کوشش کرے گا۔''

جس شخص کی اور جس قوم کی یہ ذہنیت ہو چکی ہو کہ جب یہ کہا جائے کہ تمہارے اس عقیدے سے کہ تم مسلمانوں کو کافر اور خارج از اسلام قرار دیتے ہو، اسلام میں تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔ اور ہم اس عقیدے کے خلاف جنگ کریں گے تو وہ اس جنگ کو ''نفسانیت کی جنگ''، ''خود غرضی کی جنگ'' بے جا تحقیر اور بے سبب بغض کی جنگ قرار دے۔ اس کا علاج عاجز انسان کی طاقت میں نہیں۔ وہ خود سب مسلمانوں کو کافر قرار دیں تو اس سے ان کی بے نفسی ثابت ہو، ایثار ثابت ہو، جن کو کافر قرار دیا گیا ہے ان کی عزت افزائی ہو اور ان کے ساتھ محبت کا ثبوت ہو۔ اور ہم اگر یہ کہیں کہ یہ بات غلط ہے، تمام کلمہ گو مسلمان ہیں اور یوں میاں صاحب اور ان کے مریدوں کو بھی مسلمان مان لیں تو یہ ہماری نفسانیت اور خود غرضی اور ان کی بے جا تحقیر اور ان سے بے سبب بغض ہے!

اظہار عقیدہ میں تقیہ:

میں پوچھتا ہوں وہ کون سا طریق ہے جس سے میاں صاحب کی غلطی کی اصلاح ہو سکے۔ مرید سچا اعتراض کریں تو خدا ان کو پکڑنے کو، مارنے کو تیار ہے۔ اور جو مرید نہیں وہ اگر ان کے عقیدہ کے خلاف کچھ کہیں تو مریدوں کو ان سے جنگ کرنے کے لیے اکسایا جاتا ہے اور ان کو بہادری کی اپیل کی جاتی ہے۔ بظاہر یہ بہادری اظہار عقیدہ میں تو ہے نہیں۔ کیونکہ میاں صاحب کے خاص بلکہ خاص الخاص سیکرٹری، یہاں ڈلہوزی میں معزز

مسلمانوں کے سامنے ان کے اس عقیدہ کی پردہ پوشی کرتے پھرتے ہیں۔اور خلاف واقعہ کہہ کر بھی پردہ پوشی کرنے میں دریغ نہیں کرتے، کہتے ہیں ہم کافر نہیں کہتے بلکہ یہ **کفر بالمسیح** ہے۔حالانکہ **کفر بالمسیح** میاں صاحب کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج کرتا ہے۔شاید یہ کسی اور قسم کی بہادری کے اظہار کے لیے تحریک ہے۔کیونکہ کبھی کبھی میاں صاحب یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کی سزا کے لیے ان کے پاس خالد بن ولید بھی ہیں۔اور یہ بھی فتویٰ دے چکے ہیں کہ جب ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے دوسرا مدعی خلافت ہوتو وہ واجب القتل ہوتا ہے۔بہرحال اگر یہی مراد ہے کہ اظہار عقیدہ میں جرأت اختیار کی جائے تو پہلے میاں صاحب اپنے سیکٹریوں کو سمجھائیں کہ وہ چائے کی دعوت قبول کرانے کے لیے تقیہ سے کام لینا چھوڑ دیں۔جب کوئی شخص ان سے کہے کہ تم ہمیں کافر کہتے ہوتو صاف کہہ دیا کریں کہ بے شک تم پکے کافر بلکہ بقول میاں بشیر احمد صاحب ''اکفر'' ہو۔اگر چاہوتو اس بات کو جانتے ہوئے دعوت قبول کرو، ورنہ نہ کرو۔مگر جہاں چائے پلانے کے لیے بھی اس قدر تقیہ خاص الخاص مریدین کریں، اور غالبًا زیر ہدایت کریں وہاں بیرونی لوگوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ بہادری سے اپنے عقیدہ پر قائم ہو جائیں، آ زروئے باطل ہے۔

میاں صاحب کی سیاسی چالیں:

میں اس سے بھی ایک قدم آگے چلتا ہوں اور کہتا ہوں کہ سیکرٹری خود میاں صاحب کی تعلیم پر عامل ہیں۔اور میاں صاحب کو خود طرح طرح سے اپنے عقیدہ کی پردہ پوشی کرنا پڑتی ہے۔کبھی یوں کہہ دیتے ہیں کہ جو شخص خود اپنے آپ کو مسلمان کہے ہم کو کوئی حق نہیں کہ ہم اسے کافر کہیں۔یعنی دل میں اسے کافر سمجھیں گے اور منہ سے مسلمان کہیں گے۔ہماری مخالفت کے دکھ کا رونا خواہ مخواہ روتے ہیں۔کیا یہ دکھ کافی نہیں کہ منہ سے وہ کچھ کہنا پڑے جو دل میں نہیں۔کبھی مسلمان کی سیاسی تعریف ایجاد کر کے اس کے نیچے پناہ لی جاتی ہے۔جس کا مطلب غالبًا یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کی رو سے تو انہیں کافر ہی کہا جائے گا، لیکن ایک ہی ملک میں رہنے کی وجہ سے چونکہ میاں صاحب کی جماعت کی اغراض سیاسی ان سے وابستہ ہیں، اس لیے انہیں مسلمان ہی کہہ دیں گے۔اس لحاظ سے تو ہندوؤں اور عیسائیوں کو بھی سیاسی طور پر مسلمان کا خطاب مل جائے گا۔

بدگمانی کی انتہا:

اوراب میاں صاحب لکھتے ہیں کہ ’’اس اعلان جنگ کے موجب ہمارے عقائد نہیں ۔کیونکہ انہی عقائد کے معتقد خود مولوی محمد علی صاحب بھی رہے ہیں۔ اور سب فرقہ ہائے اسلام اس کے معتقد ہیں۔ بلکہ ہماری خدماتِ اسلام ہیں‘‘۔ چہ خوش گویا جو شخص خدمتِ اسلام کرے، جماعتِ احمدیہ لاہور اس کی دشمن ہو جاتی ہے۔ اور جھوٹے بیانوں سے اسے گرانا اور ذلیل کرنا چاہتی ہے تا کہ خدمتِ اسلام کا کام رک جائے۔ میاں صاحب جو چاہیں دوسروں کے متعلق کہتے چلے جائیں اور ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتے جائیں کہ حملے کا جواب بھی سختی سے نہیں دیتے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ پیغامِ صلح نے یہ پیغام جنگ اس بات سے چڑ کر دیا ہے کہ ’’کیوں ہم نے رسولِ کریم ﷺ کی عزت کی حفاظت کے لیے اور آپؐ کے خلاف گالیوں کا سدباب کرنے کے لیے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ایک ہی دن سینکڑوں جلسوں کا انعقاد کیا ہے‘‘۔ میاں صاحب کا یہ حسن ظن واقعی اس مرتبہ کے لائق ہے جس کا ان کو دعویٰ ہے۔ یعنی خلافت جو ان کے نزدیک ولایت سے اوپر اور صرف نبوت سے نیچے ہے۔ میاں صاحب نے تمام ’’شریف الطبع لوگوں کی شرافت اور انسانیت سے اپیل‘‘ کی ہے کہ وہ اس اختلاف کے گواہ رہیں اور اس فرق کو مدنظر رکھیں کہ میاں صاحب کا حوصلہ کتنا بڑا اور ان کا مقام کتنا بلند ہے۔ اور میں خود میاں صاحب کی ’’انسانیت‘‘ سے اپیل کرتا ہوں۔ میاں صاحب کے مریدوں کی ’’شرافت‘‘ سے اپیل کرتا ہوں کہ کیا یہ درست ہے کہ ہم میاں صاحب کی مخالفت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی عزت کی حفاظت کرتے ہیں۔ کیا کوئی حق پسند آواز ان میں اسے اٹھے گی اور اپنے مرشد کی اس ہمالیہ کے برابر بدگمانی پر انہیں متنبہ کرے گی؟ مرید عموماً بلا سوچے سمجھے باتوں کو صحیح مانتے ہیں تو کیا ان ہزار ہا انسانوں کے دلوں میں یہ ناپاک خیال پیدا کر کے کہ ہم ان کی مخالفت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی عزت کی حفاظت کرتے ہیں، میاں صاحب اپنے آپ کو عنداللہ بری الذمہ سمجھتے ہیں۔ آنے والی نسلیں ان کو کس طرح یاد کریں گی یہ وہ خود سوچ لیں۔ پہلے اپنے نفس کی شہادت لیں بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ (75:14-15) اور میں بھی میاں صاحب کا چیلنج منظور کرتا ہوں کہ کوئی غیر از سلسلہ مسلمان منصف مقرر کر لیے جائیں جو اس بات کا فیصلہ کر دیں کہ میاں صاحب نے یہ سچ کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر سے گالیوں کا سدباب کرنے اور آپ کی عزت کی حفاظت کرنے کی وجہ سے ہم ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ تیسری بات ہے جس کو میں اپنی یا میاں صاحب کی رائے پر چھوڑنے کی بجائے منصفوں کے فیصلہ پر چھوڑتا ہوں۔ کیونکہ انہوں نے بار بار دوسرے لوگوں سے اپیل

کی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ میاں صاحب ہرگز اس تصفیہ کی طرف رخ نہ کریں گے۔

ہماری مخالفت کی وجہ:

غرض ان باتوں کے لکھنے میں صرف مریدوں کے دلوں میں ہماری طرف سے تنفر پیدا کرنا ہے۔ ورنہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ یہ ہم پر محض افتراء ہے۔ ہم میاں صاحب کی مخالفت صرف ان کے عقیدہ تکفیرِ مسلمانان کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اور میاں صاحب کو ہم سے زیادہ شکایت بھی اس لیے ہے کہ ہم ان کے اس عقیدہ کو طشت از بام کرتے ہیں، جسے وہ خود ہر طرح سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میاں صاحب نے یہ بھی غلط لکھا ہے کہ میں بھی ان عقائد کا معتقد رہا ہوں۔ یہ تو میرے متعلق غلط بیانی ہے۔ مگر اس سے بھی آگے گزر کر یہ بھی لکھ دیا کہ سب فرقہ ہائے اسلام ان کے معتقد ہیں۔ میاں صاحب کا وہ عقیدہ جس کے خلاف میں شروع سے جنگ کر رہا ہوں، تکفیر اہل قبلہ ہے، نبوت کی بحث خود اس کے حل ہونے سے حل ہو جاتی ہے۔ جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی بیعت میں داخل نہ ہونے سے خواہ وہ کسی وجہ سے ہو ایک مسلمان کافر ہو جاتا ہے، وہ حضرت صاحب کی نبوت کا قائل بھی ہوگا۔ اور جو آپ کے انکار سے کسی کو کافر نہیں ٹھہراتا وہ آپ کی ظلی یا مجازی نبوت کا قائل ہوگا۔ جو اصطلاح شریعت میں ولایت یا محدثیت کے نام سے موسوم ہے۔

میرے اور میاں صاحب کے مریدین کے عقائد:

میں میاں صاحب کا چیلنج منظور کرتا ہوا یہ چوتھی بات انہی منصفین کے فیصلے کے لیے چھوڑتا ہوں کہ کیا میں نے کبھی حضرت مسیح موعود کے نہ ماننے والوں کو کافر اور خارج از اسلام کہا؟ اور اگر نہیں کہا اور میری کسی تحریر یا تقریر سے کوئی حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا تو میاں صاحب خود ہی غور کر لیں کہ یہ جو کچھ انہوں نے کہا اس کا کیا نام رکھا جائے۔ یہی نہیں میں اس کے خلاف یہ ثابت کروں گا کہ میں شروع سے تمام کلمہ گوؤں کو مسلمان ہی قرار دیتا رہا ہوں۔ اور اس لیے اگر میں نے لفظ نبی حضرت مسیح موعودؑ کے لیے استعمال کیا تو اسی مجازی معنی کے رو سے تھا جس کی رو سے حضرت مسیح موعودؑ اسے استعمال کرتے رہے۔ جیسا کہ حقیقۃ الوحی کے آخر پر بھی فرمایا کہ **وَسُمِّيْتُ نَبِيًّا مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى طَرِيْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰى وَجْهِ الْحَقِيْقَةِ**۔ اور یہ بھی میں ثابت کروں گا کہ حضرت صاحب

نے مجازی نبوت محدثیت کو کہا ہے نہ نبوت کو۔ اور انہی کا لفظ لغوی یا مجازی معنی کی رو سے غیر نبی پر استعمال کیا جانا میاں صاحب کے مریدوں کو بھی مسلّم ہے۔ جس کی جتنی شہادتوں کی ضرورت ہو میں پیش کر سکتا ہوں۔ میاں صاحب کے استاد مولوی سرور شاہ صاحب کی یا خاص سیکرٹری مفتی محمد صادق صاحب کی۔

تمام فرقہ ہائے اسلام کے عقائد:

پھر کہتے ہیں کہ یہ تمام فرقہ ہائے اسلام بھی انہی عقائد کے معتقد ہیں۔ میں تو کسی ایسے اسلامی فرقہ کو نہیں جانتا جو اس بات کا قائل ہو کہ کسی زمانہ میں کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہ مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰہِ منسوخ ہو جائے گا۔ اور اس کلمہ کا اقرار لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے کافی نہ رہے گا۔ اس لیے میں اس بات کو بھی انہیں منصفین کے فیصلے پر چھوڑتا ہوں کہ کیا ان کے نزدیک تمام فرقہ ہائے اسلامی اس عقیدہ کے معتقد ہیں جو میاں صاحب کا عقیدہ ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ کے نزول پر تمام مسلمان کافر ہو جائیں گے۔ گو انہیں علم بھی نہ ہو کہ عیسیٰ نازل ہو گئے ہیں۔

اصل مابہ النزاع:

میں اول صرف ایک موٹی بات کا فیصلہ چاہتا ہوں۔ اور وہ میاں صاحب کا عقیدہ تکفیرِ مسلمانان ہے۔ اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس دن میاں صاحب مسلمانوں کی تکفیر کے عقیدے سے رجوع کر لیں مجھ پر حرام ہوگا کہ میں ان کی مخالفت کروں۔ میرے اور ان کے درمیان مابہ النزاع اہم امر یہی ایک ہے۔ باقی چھوٹی باتیں ہیں جن کی وجہ سے وقت کو ضائع کرنا اور آپس میں جھگڑتے رہنا میں درست نہیں سمجھتا۔ لیکن مسلمانوں کی تکفیر چونکہ اسلام کے لیے ایک خطرناک مصیبت کا سامنا ہے اور پھر پہلے علماء سو تو ایک ایک گروہ کو اسلام سے خارج کرتے تھے میاں صاحب نے یکمرتبہ ایک ہی جنبش قلم سے سب کو خارج از اسلام قرار دے دیا۔ اس سے بڑا مصیبت کا دن اسلام کے لیے کیا ہوگا؟

میاں صاحب اور اتحادِ اسلامی:

اور پھر طرفہ یہ ہے کہ ''اتحاد مسلمین'' پر ایسا کاری حربہ چلانے کے بعد میاں صاحب یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ اتحاد کا جھنڈا لیے آگے آگے ہوں اور سب لوگ ان کے پیچھے ان کی بزرگی اور تقدس کے گیت گاتے چلیں۔ کیا پُرمعنی فقرہ ہے۔ اپنے مریدوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ ''کوشش کرو کہ مسلمانوں کے اندر اسی صحیح اتحاد کی بنیاد پڑ جائے جس کے بغیر آج مسلمانوں کا بچاؤ مشکل ہے''۔ اور وہ صحیح اتحاد کیا ہے؟ کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کو کافر کہیں، ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، ایک دوسرے کا جنازہ نہ پڑھیں، ایک دوسرے کو اپنی لڑکی رشتہ میں نہ دیں۔ میاں صاحب کے اصول اتحاد ان کی اپنی کتابوں میں یوں مذکور ہیں:۔

1- کل مسلمان جو حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ (آئینہ صداقت صفحہ 35)

2- غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں! جائز نہیں!! جائز نہیں!!! ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ (انوارِ خلافت صفحہ 89-90)

3- غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے، غیر احمدی کا بچہ بھی غیر احمدی ہی ہوا۔ اس لیے اس کا جنازہ بھی نہیں پڑھنا چاہئے۔ (انوارِ خلافت صفحہ 92-93)

4- غیر احمدی کو لڑکی دینے سے بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ اور علاوہ اس کے وہ نکاح جائز ہی نہیں (برکات خلافت صفحہ 73)

یہ گویا میاں صاحب کے مجوزہ اتحاد کی چار دیواریں ہیں۔ غور کیجئے کہ جب ان دیواروں پر چھت پڑے گی تو کیسی عالیشان اور مضبوط عمارت اتحاد کی تیار ہوگی۔ اس اتحاد کی تعریف پر کون مسلمان ہے جو میاں صاحب کے قدموں پر قربان نہ ہو جائے! اور فی الحقیقت اسلام کو زندہ کرنے کے لیے اسی اتحاد کی ضرورت تھی۔ جس کو مسلمانوں نے تیرہ سو سال تک سمجھا ہی نہیں اور جس کے بغیر آج مسلمانوں کا بچاؤ نہیں۔ جیسا کہ جناب

میاں صاحب لکھتے ہیں حتیٰ کہ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی غلطی لگی رہی کہ آپ نے راس الرئیس منافق عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھ لیا۔ اور حضرت علیؓ بھی غلطی میں رہے جنھوں نے حضرت معاویہ کی تکفیر سے انکار کیا۔ اور یہ راز صرف خوارج پر کھلا جنھوں نے تکفیر کی بنیاد رکھی۔ جس عمارت کی تکمیل آج ''ہز ہولی نس'' کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ آج خوشی کے شادیانے بجائیں کہ اتحاد کا راز ان کے ہاتھ آ گیا۔ کیونکہ سارے مسلمان کافر ہو گئے!

جماعت احمدیہ لاہور کے متعلق پیش گوئی:

ہاں ایک بات میں ہماری جماعت میاں صاحب کی ممنون احسان بھی ہے۔ اس لیے کہ اسی مضمون میں فرماتے ہیں:

> ''جیسا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے یہ لوگ دنیا میں قائم رکھے جائیں گے تا کہ آپ لوگ ہمیشہ ہوشیار رہیں''۔

اس سے چودہ سال پیشتر میاں صاحب کو الہام ہوا تھا کہ ہماری جماعت ٹکڑے ٹکڑے کر کے تباہ کر دی جائے گی۔ چنانچہ لَيُمَزِّقَنَّهُمْ کا الہام میاں صاحب کے مریدوں کو بھی یاد ہوگا اور شائع شدہ موجود ہے۔ آج نئے الہام کی رو سے وہ پہلا الہام منسوخ ہو گیا اور اب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ جماعت لاہور قائم رکھی جائے گی۔ البتہ ایک اور بات کا بھی انکشاف جناب میاں صاحب پر ہوا ہے ''خدا تعالیٰ نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ آپ لوگ اُس کے فضل سے ان پر غالب رہیں گے''۔ سو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ میاں صاحب کو اور دو چار سال بعد بتا دے کہ جب باغیوں کی جماعت کو بجائے تباہ کرنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے قائم رکھنے کا فیصلہ کرنا پڑا تو اب یہ بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ان کو میاں صاحب کی جماعت پر غالب بھی کر دیا جائے۔ والسلام

تعدد ازدواج اور افغانستان:

معاصر ''اَمان افغان'' کا یہ اعلان ہندوستان کے مذہبی حلقوں میں خاص اہمیت کی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے کہ ہز میجسٹی امیر امان اللہ خاں نے افسروں کی ایک جماعت کے سامنے تقریر فرماتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا

کہ رشوت ستانی کے اہم اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ سرکاری حکام ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں۔ اس لیے آئندہ اگر کوئی سرکاری ملازم دوسرا نکاح کرے گا تو اسے ملازمت سے مستعفی ہونا پڑے گا۔ ان لوگوں کے متعلق جو پہلے سے متعدد بیویاں رکھتے ہیں اس جرگے میں اعلان کیا جائے گا جو عنقریب قوم کے کثیر التعداد نمائندوں کی موجودگی میں منعقد ہوگا۔ ہمارے ہندو معاصرین کو ایسی باتیں خدا دے۔ انہیں اس بات سے غرض نہیں کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ کن حالات میں کہا گیا ہے۔ اسلام کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے اور اسلام کی مخالفت اس سے کیونکر ہوسکتی ہے؟ صرف وہ اتنا جانتے ہیں کہ اسلام نے تعداد ازدواج کا حکم دیا ہے اور امیر امان اللہ خاں نے اس حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ یہ گویا اس بات کا ثبوت ہے کہ ''ہر ترقی کرنے والی جماعت کو اسلام کے احکام سے لازماً انقطاع کرنا پڑتا ہے''۔ اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اس عقل وفہم کے مالک جہاں ہوں جن لوگوں کو اتنا بھی علم نہ ہو کہ اسلام نے تعدد ازدواج کا کوئی حکم نہیں دیا، جس سے کسی ترقی کرنے والی جماعت کو لازما انقطاع کرنا پڑے بلکہ محض اجازت دی ہے، جو خاص شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ اور ہر شخص ہر حالت میں اس سے فائدہ اٹھانے کا مجاز نہیں، ان سے کسی صحیح رائے کی توقع کیونکر ہوسکتی ہے!

ظاہر ہے کہ شاہ افغانستان کا حکم صرف سرکاری افسروں کے لیے ہے۔ جن میں ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی وجہ سے رشوت ستانی کی عادت بڑھتی جاتی ہے۔ تا کہ خانہ داری کے اخراجات کو پورا کرسکیں۔ اس کو اسلام کے خلاف قرار دینا اپنی عقل وفہم کا ماتم کرنا ہے۔ جو شخص ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتا، جو اپنے جائز وسائل آمدنی سے ان کے اخراجات کو پورا نہیں کرسکتا، اس کو اسلام نے کب زیادہ بیویاں رکھنے کا حکم یا اجازت دی ہے؟ ہمارے ہندو معاصرین کے پاس اگر کوئی ثبوت ہو تو انہیں چاہئے کہ اسے پیش کریں، ورنہ خواہ مخواہ ہر بات کو اسلام کے خلاف قرار دے کر اس پر نیش زنی کرنا کسی طرح جائز اور قرین انصاف نہیں۔

❁ ❁ ❁

31 جولائی 1928ء

حضرت امیر کے قلم سے

پردہ پر میرے خیالات

کسی دوست نے اخبار ''الفضل'' کا ایک ورق بھیج کر مجھے اس مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے جو 6 جولائی کے ''الفضل'' میں نکلا ہے۔ اور جس میں میرا بھی کچھ ذکر کیا گیا ہے کہ کسی سائل عبدالغفور نے پردے کے متعلق مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ میرا دل یہی چاہتا ہے کہ عورتیں ننگے منہ پھریں۔ مگر مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں اسے برداشت کرسکوں۔

مجھے یاد نہیں کہ یہ سائل کون صاحب تھے اور انہوں نے کیا پوچھا تھا۔ مگر ظاہر ہے کہ جو کچھ الفضل میں ظاہر کیا گیا ہے وہ کوئی سوال نہیں۔ جو شخص مجھ سے آ کر سوال کرے گا وہ یہ سوال نہ کرے گا کہ میرا دل کیا چاہتا ہے یا کیا نہیں چاہتا۔ بلکہ یہ دریافت کرے گا کہ آپ کے نزدیک پردہ کی شرعی حدود کیا ہیں؟ چنانچہ اسی سائل عبدالغفور کا سوال وہیں کسی دوسرے شخص سے انہی الفاظ میں منقول ہے کہ اسلامی پردہ کی کیا حدود ہیں؟ یہ سوال نہیں کہ آپ کا دل کیا چاہتا ہے؟

پردہ کے متعلق میں نے آج کوئی نئی بات نہیں لکھی بلکہ 1904ء یا 1905ء میں ریویو آف ریلیجنز میں جب پہلے پہلے دلاور حسین خاں صاحب کے اعتراضات کے جواب میں ایک سلسلہ مضامین میں نے پردہ، تعدد ازدواج، طلاق، غلامی اور سود وغیرہ پر لکھا، تو انہی خیالات کا اظہار اس وقت بھی کیا تھا۔ پردہ کے میں دو حصے سمجھتا ہوں۔ ایک گھر کے اندر اور ایک گھر کے باہر۔ گھر کے اندر ہر شخص کو جانے کی اجازت نہیں۔ اور مردوں اور عورتوں کے کھلے اختلاط کو پسند نہیں کیا گیا۔ گھر سے باہر جب عورتیں اپنی ضروریات کے لیے نکلیں اور ان ضروریات میں جس طرح محنت ومزدوری کے لیے یا اور ضروریات کے لیے نکلنا ہے، سیر کے لیے نکلنا بھی داخل ہے۔ کیونکہ صحت جسمانی کے لیے اس کی ضرورت بھی ہے تو حکم ہے کہ وہ اپنی زینت کو چھپا کر نکلیں سوائے اس کے جو اس سے ظاہر

ہے وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَاظَھَرَ مِنْھَا (31:24) ریویو آف ریلیجنز میں جب میں نے اس مضمون پر پہلے قلم اٹھایا تو حضرت مسیح موعود سے دریافت کر کے اٹھایا تھا۔ اور میرے پاس شاید میرے کاغذات میں اب تک کہیں وہ تصویر پڑی ہوگی جو آپ نے اپنے ہاتھ سے کھینچ کر مجھے بھیجی تھی۔ جس میں الفاظ قرآنی اِلَّا مَاظَھَرَ مِنْھَا کی گویا تفسیر فرمائی کہ چہرہ کا وہ حصہ جس میں آنکھیں ناک اور منہ اور کچھ حصہ رخساروں کا شامل ہے۔ یہ تمام کھلا رہ سکتا ہے۔ یعنی زینت کے جن مقامات کو چھپانے کا حکم ہے، اس میں چہرہ کا یہ حصہ شامل نہیں۔ اور تفسیر اور حدیث کو جہاں تک میں نے اس وقت دیکھا، اور پھر اس کے بعد انگریزی ترجمہ قرآن کریم کے وقت دیکھا جس کو حضرت مولانا نورالدین مرحوم بھی سن چکے ہیں، اور پھر بیان القرآن یعنی اردو تفسیر کے وقت دیکھا، میری یہی رائے ہے کہ ہاتھ اور منہ کو عامہ ضروریات انسان کے لیے اِلَّا مَاظَھَرَ مِنْھَا میں اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ کیا ہے۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے عام طور پر جو خیال اس کے خلاف ظاہر کیا جاتا ہے اس کی بنا صرف اس بات پر ہے کہ چہرہ محل فتنہ ہے۔ مگر اس کا علاج کیا کیا جائے کہ 90 فیصد عورتیں اپنی کاروباری ضروریات کے لیے مجبور ہیں کہ چہرہ کو کھلا رکھیں۔ قرآن کریم ایسا حکم نہ دے سکتا تھا جو زندگی کو محال کر دے۔ کیا ان 90 فیصد عورتوں میں چہرہ محل فتنہ نہیں؟ پس ضروریات زندگی کی خاطر چہرہ کو مستثنیٰ کر دیا۔ اور پھر اس ''محل فتنہ'' سے بچنے کا علاج بھی وہیں قرآن کریم میں مذکور ہے۔ یعنی مردوں کو حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور عورتوں کو حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں۔ یعنی جب ایک دوسرے کے سامنے آئیں تو نگاہیں نیچی کر لیا کریں۔ جو مرد عورتوں کو تاڑتا ہے یا جو عورت مردوں کو تاڑتی ہے، وہ دونوں خلاف شریعت کرتے ہیں۔ اس لیے حدیث میں آتا ہے کہ پہلی نگاہ جو بلا ارادہ عورت کے چہرہ پر پڑتی ہے وہ قابل مؤاخذہ نہیں۔ پھر نماز حج دو ایسی اسلامی عبادتیں ہیں، جہاں ضرورتاً عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہوتا ہے اور ان دونوں کے متعلق یہ امر سب کو مسلّم ہے کہ چہرہ چھپایا نہ جاتا تھا۔ اور اب عورتیں مسجدوں میں تو جاتی نہیں، لیکن حج میں اب بھی چہرہ نہیں چھپایا جاتا۔ تو سوال یہ ہے کہ اگر چہرہ اِلَّا مَاظَھَرَ مِنْھَا کے استثنا میں شامل نہیں تو نماز اور حج میں کس حکم قرآنی کے ماتحت اسے کھلا رکھا جاتا تھا اور کھلا رکھا جاتا ہے۔ اگر اِلَّا مَاظَھَرَ مِنْھَا میں چہرہ داخل نہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اپنا منہ کبھی کھلا نہ رکھیں۔ تو نماز اور حج میں جب عورت کا چہرہ کھلا رہا تو اس حکم کی مخالفت کی وجہ سے وہ کس طرح قابل قبول ہوئی۔ میں نے اس وقت تک جو بحث پردہ کے متعلق مختلف مضمون نویسوں کے قلم سے دیکھی ہے، اس کو دیکھنے کے بعد میں اپنی پہلی رائے پر قائم ہوں اور ایک

بات جانتا ہوں کہ اس بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا مسلک یہی تھی ۔ میں لاہور جا کر حضرت صاحب کی تحریر کو تلاش کرواکے اس کا عکس بھی انشاءاللہ تعالیٰ چھپوادوں گا۔

بہرحال اس معاملہ میں قرآن وحدیث کا حکم ہمارے سرآنکھوں پر ہونا چاہئے ۔کم ازکم میں تو اس حکم کے ماتحت اس امر کا جواز سمجھتا ہوں کہ ہر مسلمان کے گھر میں، چاہے وہ کتنے ہی سخت پردہ کا پابند ہوعورتیں، بعض ایسے مرد رشتہ داروں یا غیر رشتہ داروں کے سامنے کھلے منہ آ جاتی ہیں، جن کے نام سورۂ نور میں محرم رشتہ داروں میں مذکور نہیں۔ جیسے خاوند کا بھائی یا بہن کا خاوند یا بیٹی کا خاوند وغیرہ۔ان لوگوں سے، جو مفتی اور پیر کہلاتے ہیں اور یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے ناجائز ہے کہ عورت اپنے چہرہ کو سوائے ان مردوں کے جن کا ذکر سورۂ النور میں ہے کسی دوسرے کے سامنے کھلا رکھے، میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ وہ خود کس حکم پر عامل ہیں ۔ میں اس کو ایک نہایت مذموم فعل سمجھتا ہوں کہ باہر لوگوں کو یہ فتویٰ دیا جائے کہ عورت کا غیر محرم مرد کے سامنے منہ کھلا رکھنا قرآن کریم کے خلاف ہے اور گھر کے اندر اس بات سے بھی شرم نہ کی جائے کہ بیسیوں اور سینکڑوں مریدنیاں کھلے منہ ہی نہیں اپنی محاسن کو ظاہر کیے ہوئے پیر صاحب کے اردگرد پھر رہی ہوں اور پیر صاحب ان میں بیٹھ کر خوش ہوں بلکہ ان سے ہنسنے کھیلنے میں بھی شرم نہ کریں۔کیا ان کی حالت پر یہ شعر پڑھا جائے ۔

واعظاں کیں جلوہ برمحراب ومنبر میکنند   چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند

14 اگست 1928ء

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک رؤیا

حضرت مسیح موعود حضرت مولوی محمد علی صاحب ایدّہ اللہ کو جس محبت وشفقت کی نظر سے دیکھتے تھے، جو شاندار توقعات آپ کو حضرت مولانا کی ذات سے تھیں، احمدی قوم کا بچہ بچہ ان سے بخوبی واقف ہے۔ یہ توقعات صرف حضرت مسیح موعود کے دل سے ہی پیدا نہ ہوئی تھیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب الٰہی کو حضرت مولانا سے خاص خدمات لینی منظور تھیں۔ اور حضرت مسیح موعود کو اس بارہ میں وقتاً فوقتاً رؤیا اور الہامات بھی ہوتے تھے۔ جن میں حضرت مولانا کے متعلق یہ اشارہ پایا جاتا تھا کہ آپ سے اللہ تعالیٰ خاص خدمات لے گا۔

اسی قسم کا ایک رؤیا ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ جس میں نہ صرف مولانا کو ایک عجیب وغریب قلم عطا ہونے کا ذکر ہے بلکہ بعض اور باتوں کا بھی ذکر ہے جو ممکن ہے سلسلے کے موجودہ اختلافات کی طرف اشارہ کرتی ہوں۔ وھوہٰذا:

> ’’رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور کسی طرف جا رہا ہوں۔ جاتے ہوئے آگے بالکل تاریکی ہوگئی تو میں واپس آ گیا اور میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ واپس آتے ہوئے راستے میں گردوغبار کے سبب بہت تاریکی ہوگئی۔ اور گھوڑے کی باگ کو میں نے ٹٹول کر ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے۔ چند قدم چل کر روشنی ہوگئی۔ آگے دیکھا کہ ایک بڑا چبوترہ ہے اس پر اتر پڑا۔ وہاں چند ایک لڑکے ہیں۔ انہوں نے شور مچایا کہ مولوی عبدالکریم آ گئے پھر میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب آ رہے ہیں ان کے ساتھ میں نے مصافحہ کیا۔ اور السلام علیکم کہا۔ مولوی صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی۔ اور کہا کہ بشپ جو پادریوں کا افسر ہے وہ بھی اس سے کام چلاتا ہے۔ وہ چیز اس طرح سے ہے جیسے خرگوش ہوتا ہے بادامی رنگ اس کے آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے۔ اور نالی کے آگے ایک قلم لگا ہوا ہے۔ اس نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہے جس سے وہ قلم بغیر

محنت کے بآسانی چلنے لگتا ہے۔ میں نے کہا میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا میں مولوی صاحب کو دے دوں گا۔ اس کے بعد بیداری ہوگئی''۔

تعبیر منجانب حضرت مسیح موعود:

عورتوں سے مراد کمزور لوگ ہو سکتے ہیں۔ اور خدا نے قرآن مجید میں امت کے نیک بندوں کو بھی فرعون کی عورت اور مریم سے تشبیہ دی ہے۔ اور قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کر دے کہ وہ مخالفوں کے ردّ میں اعلیٰ مضامین لکھیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

1- پہلی تاریکی سے مراد میاں صاحب کے عقائد باطلہ کی تاریکی ہوسکتی ہے (جس کے متعلق کچھ الہامات آئندہ لکھے جائیں گے) جس سے حضرت صاحب واپس لوٹ آتے ہیں۔ دوسرے راستے میں گرد وغبار تو ابتدا میں حائل ہوتا ہے۔ یعنی جماعت لاہور کے راستے میں۔ مگر بالآخر خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعودؑ کو اسی طرف سے روشنی کی امید دلاتا ہے جیسا کہ رؤیا کے اگلے حصہ سے بخوبی واضح ہے۔

2- آپ کے ساتھ عورتوں کے ہونے سے مراد وہ کمزور لوگ ہو سکتے ہیں جو اگرچہ خیالات میں ہمارے ساتھ متفق ہیں، تاہم میاں صاحب سے بوجہ اپنی کمزور فطرت کے ڈرتے ہوئے ادھر نہیں آتے۔ اس امر واقعہ سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ لڑکوں سے مراد وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو بوجہ قلت فہم دونوں فریقوں میں فیصلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے بددل ہو کر جماعت ہی سے علیحدہ ہو بیٹھے ہیں۔ اور مذبذبین بین ذالک کے مصداق ہیں۔ لڑکوں کی شکل میں ان کا دکھائی دینا بوجہ ان کی عقل کی خامی کے ہے کہ وہ فیصلہ کرنے سے عاجز ہیں۔

3- قلم کا معاملہ بہت ہی دلچسپ اور عجیب ہے۔ اس زمانہ میں جو قلمی خدمات اللہ تعالیٰ

نے حضرت امیر ایدّہ اللہ سے لی ہیں اور جو زبردست قلم اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے آپ کو عطا فرمایا ہے اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ آج تمام دنیا آپ کے قلم کا لوہا مانتی ہے۔ کون ہے جو مولانا محمد علی صاحب کے زورِ قلم سے واقف نہیں۔ خود خلافت مآب کے پاس ان کا ترجمہ شدہ قرآن مجید موجود ہے۔ جسے وہ پہلے ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل بتاتے تھے۔ آج کونسا مسئلہ اسلام کے اندر یا باہر پیدا ہوتا ہے کہ اس پر حضرت امیر ایدّہ اللہ کے قلمِ حقیقت رقم سے فیصلہ صادر نہیں ہوتا۔ کیوں نہ ہو۔ مسیح موعود کی مسیحائی کا یہ ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود کے ماننے والوں کو توفیق دے کہ وہ حضرت مولوی صاحب قبلہ کے دم کو غنیمت سمجھیں اور ان کی حتی المقدور قدر کریں۔ کیونکہ آپ فی الواقع حضرت مسیح موعودؑ کے روحانی فرزند ہیں۔ ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَن یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ. چوہدری محمد سعید بھٹہ۔اوورسیئر

ایک گم شدہ ورق:

ڈلہوزی 3 اگست جمعہ کا دن۔ نماز جمعہ کے وقت حضرت مولینٰا مولوی محمد علی صاحب کی کوٹھی کے مسجد والے کمرے میں، جہاں نمازیں پڑھی جاتی ہیں، ایک شخص اجنبی آیا۔ نمازیوں کے ساتھ مل کر بیٹھا رہا۔ نام پوچھا تو کہنے لگا فضل دین۔ پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا ڈلہوزی سے۔ سمجھا یہ گیا کہ ڈلہوزی بازار سے آیا ہے۔ مگر بعد میں یہ ثابت ہوا کہ یہ حیلہ شرعی تھا۔ خیر مولینٰا صاحب نے جب خطبہ جمعہ، جو چند نصائح پر مشتمل تھا، ختم کیا اور نماز شروع ہونے لگی تو وہ شخص فضل دین نامی پوچھنے لگا کہ وضو کس جگہ کرتے ہیں۔ میں وضو کروں گا۔ اس پر حضرت مولینٰا کا ملازم اسے غسل خانہ میں لے گیا۔ اور پانی اور لوٹا بتا کر چلا آیا۔ نماز شروع ہوگئی وہ بزرگ غسل خانہ ہی میں ہے۔ جب جماعت رکوع یا سجدے میں گئی تو وہ بزرگ غسل خانہ سے نکل کر رفو چکر ہو گئے۔ جماعت نے سلام پھیرا تو میدان صاف تھا۔ سمجھنے والے سمجھ گئے کہ یہ کوئی جاسوس تھا جو قادیان کے دربار سے آیا تھا۔ مگر ابھی تک یہ قیاس محض ظن کا حکم رکھتا تھا۔ اس کے تیسرے دن، جس روز خلیفہ قادیان ڈلہوزی سے واپس قادیان جانے لگے، اسی روز میں بھی ایک دوست کے لیے سیٹ ریزرو کرانے موٹروں کے اڈے پر چلا گیا۔ وہاں کیا دیکھتا

ہوں کہ وہی شخص خلیفہ قادیان کی موٹر میں بیٹھا ہے۔ میں نے وہیں ایک محمودی بزرگ سے پوچھا یہ کون شخص ہے کہنے لگے کہ خلیفہ صاحب کا موٹر ڈرائیور ہے۔ اس کا نام فضل دین ہے۔ اب ظن یقین سے بدل گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ شخص کیوں آیا اور اس نے اپنی نماز جمعہ کیوں ضائع کی۔ کیونکہ جس وقت وہ گیا ہے، وہ خلیفہ صاحب کی کوٹھی تک اس قدر جلد نہ پہنچ سکتا تھا کہ اسے جمعہ مل سکے۔ اور اس نے جھوٹ کیوں بولا کہ وہ وضو کرنا چاہتا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ قیاس ہے کہ یہ شخص جاسوس تھا جو میاں صاحب کے حکم سے آیا تھا۔ چونکہ آج کل خلیفہ صاحب ڈلہوزی میں یہی کام کرتے رہے ہیں کہ ڈلہوزی کے مختلف طبقوں کے لوگوں کو چائے کی دعوت دے دے کر مولوی محمد علی صاحب سے اور ان کی جماعت سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے رہے اور ان کی طرف غلط عقائد منسوب کر کے لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلاتے رہے۔ جو اس لحاظ سے نہایت قابل افسوس ہے کہ ایک مذہبی پیشوا کی شان ایسے گرے ہوئے پروپیگنڈا سے بہت بلند ہونی چاہئے تھی۔ ان کے مرید تو اکثر ایسا کرتے رہتے ہیں مگر خود خلیفہ صاحب کو یہ مناسب نہ تھا۔ بہرحال بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خلیفہ صاحب قادیان نے یہ خیال کیا ہوگا کہ مولوی محمد علی صاحب بھی یہی پروپیگنڈا کرتے ہوں گے۔ اس لیے انہوں نے اپنے ایک مخلص مرید کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ جاسوس بن کر جائے اور پتہ لے کہ مولوی صاحب خطبہ میں کیا بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فضل دین آیا اور بے نیل مرام واپس چلا گیا۔ کیونکہ مولوی صاحب نے ایک لفظ بھی کسی کے خلاف نہیں کہا۔ بعض لوگ یہ قیاس کرتے ہیں کہ وہ صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ کون کون اشخاص جمعہ پڑھنے حضرت مولانا کے پاس آتے ہیں۔ تا ان کے پاس الفضل پہنچا کر پروپیگنڈا کی تکمیل کی جائے۔

معلوم نہیں مذکورہ بالا قیاسات کہاں تک صحیح ہیں۔ ممکن ہے پیغام صلح کے پڑھنے والوں میں سے کوئی بزرگ کسی زیادہ صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ اتنا ضرور کہنا پڑے گا کہ جاسوس اچھا نہ تھا۔ نماز جمعہ تو بہرحال ضائع ہونی ہی تھی۔ جب پیر کے لیے اتنی قربانی کی تھی کہ جمعہ، جو خدا کا فرض تھا قربان کر چکا تھا، تو پھر پیغامیوں کے پیچھے نماز بھی پڑھ لیتا، گھر جا کر دہرا لیتا۔ جس طرح میاں محمود احمد صاحب مکہ میں حج کے موقع پر کرتے رہے تھے۔ لیکن شاید اسے پھر یہ اندیشہ ہوگا کہ نماز کے بعد مزید سوالات سے افشاء راز نہ ہو جائے مگر وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (72:2) خدا چھپی باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ راز تو افشاء ہو گیا!

بعض لوگ حیرت سے انگشت بدنداں ہیں کہ پیر کی خاطر خدا کی فرض نماز کو ترک کر دینا اور جھوٹ بول لینا کہ میں وضو کرنے جا رہا ہوں، کس ذہنیت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی کہ پیر خدا اور رسول سب پر مقدّم ہے۔ اور اس کے جائز و ناجائز ہر ایک حکم کی تعلیم کے لئے فرائض شریعت کو بھی چھوڑ دینے میں تامل نہیں، تو پھر پیر پرستی کا اس سے بڑھ کر اور کونسا مقام ہوسکتا ہے جس پر پہنچنے کی کوئی انسان کوشش کر سکتا ہے۔ یہ قیاس کہاں تک صحیح ہے، قارئین کرام ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہمارے لیے تو حیرت ہی ہے۔ تعجب ہے ڈلہوزی کا یہ واقعہ الفضل نے ڈائری میں درج نہ کیا۔ حالانکہ ڈلہوزی کی بہت سی ادنیٰ ادنیٰ باتیں نہایت رنگ آمیزیوں کے ساتھ ڈائری میں درج ہوتی رہی ہیں۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کمی کی تلافی میں ہی کر دوں۔

راقم عبدالوہاب

❁ ❁ ❁

یکم ستمبر 1928ء

خاتم النّبیّن کے معنی

ازحضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

3 اگست کے ''الفضل'' میں میاں محمود احمد صاحب کا ایک مضمون بعنون ذیل نکلا ہے ''کیا مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء دیانت سے کام لے رہے ہیں؟ مولوی محمد علی صاحب کے نزدیک غیر احمدی ختم نبوت کے منکر ہیں''۔ میں چونکہ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر ایک انگریزی رسالہ کی تیاری میں مصروف تھا۔ اس طرف توجہ نہ کر سکا۔ میں افسوس سے کہتا ہوں کہ میاں صاحب نے پانچ بڑے صفحے اخبار کے لکھ ڈالے مگر امر تنقیح طلب پر ایک حرف نہ لکھا۔ میرا اعتراض یہ تھا کہ میاں صاحب خاتم النّبیّن کے معنی یہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ اور دوسرے مسلمان ان الفاظ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے۔ اور ظاہر ہے کہ میاں صاحب کے معنوں کو مسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں۔ تو اب آنحضرت ﷺ کی سیرت پر لیکچروں کے لیے جلسے کرنا، جس میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل کی درخواست تھی اور اس کا نام یوم خاتم النّبیّن رکھنا، اس کی غرض اس کے سوا کیا تھی کہ دوسرے لوگ یہ سمجھیں کہ خاتم النّبیّن کا مفہوم میاں صاحب کے نزدیک وہی ہے جو دوسرے مسلمانوں کے نزدیک ہے، بجائے اس اعتراض کا صاف صاف جواب دینے کے، یعنی یہ کہنے کے کہ میرے نزدیک خاتم النبیین کے وہی معنی ہیں جو دوسرے مسلمانوں کے نزدیک ہیں کہ نبوت کا دروازہ آنحضرت ﷺ کے بعد بند ہے اور میں نے پہلے معنی سے رجوع کر لیا ہے۔ یا یوں نہیں تو یوں فرماتے کہ بے شک میرے نزدیک خاتم النبیین کے معنی نبوت کا دروازہ کھلا ہونے کے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کے نزدیک بند ہونے کے ہیں۔ مگر اس دن کا نام یوم خاتم النّبیّن رکھنے میں فلاں حکمت تھی۔ ان نئے معنوں کی پردہ پوشی نہ تھی، جن کو عقل اور لغت دونوں دھکے دیتے ہیں۔ ایک لمبا چوڑا بے تعلق مضمون پانچ صفحوں کا لکھ مارا ہے۔ جس میں کچھ تو وہی حسب معمول مجھے اور میرے ساتھیوں کو برا بھلا کہے جانا اور اپنی مظلومیت کا اظہار کرتے جانا ہے، جو مریدوں کو قائل کرنے کے لیے بہترین ہتھیار ہے۔ اور کچھ اس بات پر قسمیں ہیں کہ میاں صاحب

خاتم النبیین کے منکر نہیں بلکہ وہ تو بیعت میں بھی آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا اقرار لیتے ہیں۔ بھلا جب صراحت سے قرآن شریف میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں تو میاں صاحب کو یہ کہنے کے سوا چارہ کیا ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ مگر میرا سوال تو خاتم النبیین کے معنی پر تھا۔ اس کا جواب کیوں نہیں دیتے اور صاف طور پر ایک بات کو تسلیم کیوں نہیں کرتے کہ کیا ان کے نزدیک اور عام مسلمانوں کے نزدیک خاتم النبیین کے معنوں میں یہ اختلاف ہے یا نہیں کہ عام مسلمان کہتے ہیں اس سے مراد ہے بابِ نبوت کا بند ہونا۔ اور میاں صاحب کہتے ہیں اس سے مراد ہے باب نبوت کا کھلا ہونا۔ یہ نہیں کہ میاں صاحب کو یہ علم نہ ہو کہ میرا اعتراض کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس زیر بحث مضمون میں بھی میرے اصل الفاظ کا کچھ حصہ نقل کیا ہے:

> ''جب میاں صاحب اور ان کے مرید آنحضرت ﷺ پر نبوت کو ختم نہیں مانتے تو یوم خاتم النبیین سے لوگوں کو دھوکا ہوگا یا نہیں۔ کیونکہ عام مسلمان خاتم النبیین کے معنی یہی جانتے ہیں کہ نبوت آنحضرت ﷺ پر ختم ہوگئی اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا''۔

اور بڑی صفائی سے اگلے الفاظ ترک کر دیئے ہیں ''اور قادیانی حضرات خاتم النبیین کے یہ معنی کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ہزاروں نبی آئیں گے''۔ یہ الفاظ کیوں چھوڑے۔ تا کہ مریدوں کی توجہ امر تنقیح طلب کی طرف نہ ہونے پائے۔ میاں عبدالحق صاحب وکیل گورداسپور، جو بڑے زور شور سے بات بات میں ہمارے حوالوں کے ادھورے ہونے کا دعویدار تھے اور جنھوں نے دو ماہ بعد اب ایک مکالمہ بنا کر شائع کیا ہے (جس کا جواب دینا میں تضیع اوقات سمجھتا ہوں) اور اس کے ساتھ ایک پٹھان کا قصہ قادیانی پٹھانوں کی حرکات کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑھایا ہے، اپنے پیرومرشد کے اس فعل پر ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ میرے اعتراض کی صورت بگاڑنے کے لیے میاں صاحب آدھے لفظ نقل کر دیتے ہیں اور آدھے چھوڑ دیتے ہیں۔ تو اب پھر غور کر لیں کہ میرا اعتراض یہ ہے کہ لفظ تو دونوں میں مشترک ہے میاں صاحب میں اور عام مسلمانوں میں۔ مگر مفہوم جو دونوں لیتے ہیں اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میاں صاحب کہتے ہیں کہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے اور آنحضرت ﷺ کے بعد ہزاروں نبی آئیں گے۔ بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ میری گردن کی دونوں طرف دو تلواریں رکھ دی جائیں اور یہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبی نہیں آئے گا تو میں کہوں گا تو جھوٹا ہے۔ کذّاب ہے۔ نبی آئیں گے اور

ہزاروں آئیں گے (دیکھوانوارِخلافت۔62 تا65)۔ اور مسلمان سب اس بات پر متفق ہیں کہ آیت خاتم النبیین نص قطعی اس بات پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے۔اگر میاں صاحب بھول گئے ہیں تو کیا ان کی جماعت میں بھی کوئی شخص ایسا نہیں جسے یہ یاد ہو کہ میاں صاحب خاتم النبیین کے کیا معنی کرتے ہیں۔مگر تعجب ہے کہ جن لوگوں کو خاتم النبیین کے معنی نبوت بند کرنے پر جھوٹا اور کذّاب کہہ چکے ہیں، اب بڑے زور شور سے یہ ظاہر کررہے ہیں کہ اِن کا اور اُن کا عقیدہ درحقیقت ایک ہے۔اور پانچ صفحے اس بات کا یقین دلانے میں خرچ کئے ہیں کہ فی الحقیقت ان کے اور دوسرے مسلمانوں کے عقیدۂ ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ میاں صاحب جس قدر چاہیں ہمیں بُرا کہہ لیں کہ ان کی کسی فرضی کامیابی پر ہمیں حسد اور بغض ہے اور اس لیے ہم ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی عظمت کے اظہار کے لیے جلسے کرنا اچھا کام ہے۔مگر یہ کونسا ایسا نیا کام ہے جو پہلے کبھی کسی نے کیا نہیں۔اگر دو تین سو یا چار سو مقام پر جلسے ہو گئے تو کیا اس سے پیشتر ہزاروں مقامات پر ایسے جلسے ہر سال نہیں ہوتے رہتے۔کیا ہر سال ہر انجمن کم سے کم ایک ایسا جلسہ نہیں کرتی جس میں آنحضرت ﷺ کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔پھر کیا میلا دالنبی ﷺ کی تقریب پر ایسے جلسے بہت سے مقامات پر نہیں ہوتے۔ پھر یہ کہنا کہ ہم نے مخالفت کی، یہ بھی غلط بیانی ہے۔ہم نے اگر کچھ کیا ہے تو محض اس قدر کہ ان جلسوں میں میاں صاحب کے ساتھ ہم نے اشتراک عمل نہیں کیا۔اور اسی بنا پر نہ کیا کہ اس سے ایک غلط فہمی پیدا کرنا مقصود ہے۔اور اب ایک ادنیٰ فکر سے کام لینے والا آدمی بھی دیکھ سکتا ہے کہ جو کچھ ہم نے کیا تھا وہی درست نکلا۔میاں صاحب نے اب پانچ صفحات اخبار کے اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے خرچ کیے ہیں کہ ان کا اور عام مسلمانوں کا عقیدہ ایک ہے۔کاش! وہ ایک ہوتا تو ہم کو یہ ذلّت کا دن کیوں دیکھنا پڑتا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا نام بدنام کیا جارہا ہے اور یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ آپ کا تشریف لانا اسلام کے لیے اس روز بد کا سامنا تھا کہ چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے 39 کروڑ 96 لاکھ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے اور صرف چار لاکھ مسلمان رہ گئے۔ وہ اب از سرِنو اشاعت اسلام کریں گے۔قریباً چالیس سال میں تو یہ چار پانچ لاکھ مسلمان بن گئے۔اب جب ایک اور دعویٰ نبوت کا ہوگا، جو ممکن ہے میاں صاحب خود ہی کر دیں،تو ان چار پانچ لاکھ میں سے بھی خدا جانے کتنے مسلمان باقی رہ جائیں گے۔!اگر جناب میاں صاحب کا عقیدہ ختم نبوت کے بارہ میں وہی ہو

جائے جو دیگر مسلمانوں کا ہے، تو اس سے بڑھ کر ہمارے لئے خوشی کا دن کوئی اور نہ ہوگا۔ مگر وہ صاف الفاظ میں یہ اعلان کر دیں کہ وہ بھی خاتم النبیین کے معنی یہی کرتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی احادیث سے ثابت ہیں کہ آنحضرتؐ قصر نبوت کی آخری اینٹ ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جو شخص آپ کے بعد دعویٰ نبوت کرے وہ دجّال اور کذّاب ہے۔ اور کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰہِکا ہر اقرار کرنے والا مسلمان ہے۔ مسیح یا مہدی کا انکار بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرسکتا۔ چہ جائیکہ یہ اعتقاد رکھنا کہ جن لوگوں نے اس مسیح یا مہدی کا نام بھی نہیں سنا، وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔!

پس میں میاں صاحب سے پھر یہ کہوں گا کہ وہ ہمیں جو چاہیں کہہ لیں، مگر امر تنقیح طلب پر کچھ روشنی ڈالیں کہ کیا فی الواقع یہ صحیح ہے یا نہیں کہ خاتم النبیین کا جو مفہوم وہ لیتے ہیں، اور جو دوسرے مسلمان لیتے ہیں، اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ (باقی پیغام صلح جلد 17 شمارہ مؤرخہ 10 مئی 1929ء صفحہ 3)

❁ ❁ ❁

12 ربیع الاول 1347ھ

حضرت امیر کے قلم سے

ختم نبوت اور تکمیل اخلاق

ختم نبوت کے دو ضروری پہلو:

انسان کی روحانی تربیت یا نفس انسانی کا تزکیہ، جو نبوت کی غرض وغایت ہے، دو طرح پر ہوتی ہے۔ اوّل اس ہدایت کے ذریعہ سے جو نبی لاتا ہے اور دوسرے اس تعلیم کا عملی نمونہ دکھا کر، جو نبی اپنی ذات میں پیش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ انسانوں کے لیے انسان ہی روحانی معلم ہوسکتا ہے۔ فرشتہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ فرشتہ انسانوں کو نمونہ کا کام نہیں دے سکتا۔ اسی طرح اگر خدا کا جسم اختیار کرنا کوئی حقیقت بھی رکھتا تو بھی انسانوں کی رہنمائی کے لیے اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ نمونہ کا کام نہیں دے سکتا تھا۔ پس جس طرح نبوت کے یہ دو پہلو ہیں۔ ایک تعلیم اور ایک نمونہ، اسی طرح ختم نبوت کے لیے یہ لازمی ہے کہ ایسا شخص نہ صرف تعلیم کامل لائے، جو ہر قوم اور ہر زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے والی ہو، اور یوں اس کے ذریعہ سے تکمیل ہدایت ہو، بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی ذات میں اس کامل تعلیم کا کامل نمونہ بھی پیش کرے، اور اس کے ذریعہ سے تکمیل اخلاق ہو۔ اسی بنا پر مسلمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم نبوت کے قائل ہیں۔ یعنی ایک طرف قرآن کریم میں ایک کامل تعلیم آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے دنیا کو دے دی گئی۔ اور دوسرے آپ کی ذات بابرکات میں اخلاق کا ایک کامل نمونہ نسل انسانی کو دے دیا گیا۔ اور جب یہ دونوں ضرورتیں ہمیشہ کے لیے پوری کر دی گئیں تو آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔ پس ختم نبوت کی بنیاد کسی خوش عقیدگی پر نہیں بلکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے۔ اس مضمون کا تعلق صرف دوسرے حصہ سے ہے۔

کمال اخلاق کے لئے دو باتوں کی ضرورت:

قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کے کمال اخلاق کا ذکر نہایت ابتدائی وحی میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ

سورہ القلم میں فرمایا: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (4:68) آپ عظیم الشان اخلاق پر قائم ہیں۔ اور سورہ النجم میں فرمایا: فَاسۡتَوٰی وَھُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی (6-7:53) آپ اعتدال پر قائم ہیں۔ اس حالت میں کہ اخلاق کے انتہائی مقامات کو بھی پہنچ گئے ہیں۔ اور حدیث میں ہے: اِنِّیۡ بُعِثۡتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الۡاَخۡلَاقِ میں مبعوث ہوا ہوں کہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق کمال کو پہنچاؤں۔ کمال اخلاق کے لیے دو باتوں کی ضرورت تھی اور انہی دو کی آپ کی ذات میں پائے جانے کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہے۔ یعنی ایک یہ کہ آپ کی ذات میں ہر قسم کے اخلاق ظاہر ہوں اور کوئی پہلو اخلاق کا ایسا نہ ہو جو آپ میں ظاہر نہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ ہر ایک خلق اپنے کمال میں آپ کی ذات میں ظاہر ہوا اور کوئی نقص اس میں باقی نہ رہ جائے۔ اس کو میں مثال سے واضح کرتا ہوں۔ مثلاً ایک انسان انکساری اور فروتنی کے خلق کو تو ظاہر کرتا ہے مگر حالت کمال میں وہ خلق تب ہی اس کے اندر پایا جائے گا، جب وہ عاجزی اور بے کسی کی حالت سے نکل کر طاقت اور مرتبہ کو پائے۔ اگر اس کی زندگی ساری کی ساری غربت میں ہی گزری ہے تو انکساری کے خلق کا گو اظہار اس کے اندر ہوا مگر اس کے کمال کا اظہار نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کی زندگی میں وہ حالت ہی نہیں آئی جب انکسار اور فروتنی کو انسان بھول جاتا ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

تواضع ز گردن فرازاں نکوست   گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

اسی طرح سخاوت کا خلق ہے۔ ایک شخص ہمیشہ غربت کی حالت میں رہتا ہے کہ اس کے پاس روپیہ پیسہ ہوتا ہی نہیں۔ وہ بھی سخاوت کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن جب تک اس پر وہ وقت نہ آئے کہ دولت اس کے قدموں پر نثار ہو رہی ہو۔ اور وہ سارے سامان جمع ہو گئے ہوں جو انسان کو بے اختیار دولت کی محبت کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ اس وقت تک یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے سخاوت کے خلق کو کامل رنگ میں دکھایا ہے۔ یا مثلاً ایک انسان عفو کا نمونہ اس حالت میں دکھاتا ہے جب اس کے پاس طاقت نہیں کہ وہ اپنے دکھ پہنچانے والے سے بدلہ بھی لے سکے، تو گو یہ تو ضرور ہے کہ خلق عفو اس میں ظاہر ہوا، مگر کمال اس خلق کا تب ہی اس میں مانا جائے گا جب بے کسی کی حالت میں دکھ اٹھا کر وہ ایسا وقت بھی پاتا ہے کہ اس کو دکھ دینے والے خود ایک عاجزانہ حالت میں اس کے سامنے آتے ہیں، مگر ہر قسم کی طاقت پا کر پھر بھی وہ عفو سے کام لیتا ہے۔ پس کمال اخلاق کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ اول یہ کہ انسان کو ہر قسم کے اخلاق کے ظاہر کرنے کا موقع اپنی زندگی میں ملا ہو۔ دوسرے یہ کہ اس

نے ان اخلاق کا اظہار ایسے موقع پر کیا، جب حالات اس خلق کے ظاہر ہونے کے کلیتہً مخالف تھے۔ اور یوں بھی بسا اوقات ہوتا ہے کہ ایک انسان ایک خلق کو کمال کو پہنچاتا ہوا یہاں تک لے جاتا ہے کہ دوسری قسم کے اخلاق سے وہ عاری ہوتا ہے۔ مثلاً فروتنی اور انکساری کے اخلاق میں یہاں تک حد کو پہنچ جائے کہ شجاعت کا خلق ہی اس کے اندر سے مفقود ہو جائے یا رحم کے خلق میں اس قدر حد سے بڑھے کہ انصاف ہی کرنے کے قابل نہ رہے، تو ان تمام حالتوں کو جمع کرنے کے لئے فرمایا فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى (53:7-6) آپ حالت اعتدال پر بھی ہیں۔ اور افق اعلیٰ پر بھی ہیں۔ تمام اخلاق کا ظہور بھی آپ سے ہوا اور ہر ایک خلق اپنے کمال میں بھی ظاہر ہوا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب اخلاق کے اس مرتبہ کو ایک انسان پہنچ جائے تو پھر اس کے بعد کسی اور نمونۂ اخلاق کا تلاش کرنا ایسا ہی ہے، جیسا آفتاب کی روشنی سے انسان آنکھیں بند کرلے اور کسی اور روشنی کو تلاش کرے۔

آنحضرت ﷺ کی ذات میں تمام اخلاق کا ظہور:

آنحضرت ﷺ کی ذات میں تمام قسم کے اخلاق کا ظہور ایک ایسا امر ہے جس سے ایک دشمن کو بھی انکار نہیں۔ کیونکہ تمام قسم کے اخلاق کا ظاہر ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ ایسے انسان کو ہر قسم کے حالات میں سے گزرنے کا موقع بھی ملا ہو۔ سو آنحضرت ﷺ کے متعلق ایک دشمن تاریخ نویس بھی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ جس قسم کے متفرق حالات میں سے آپ ہو گزرے، اس کی نظیر کسی دوسرے انسان کی زندگی میں نہیں پائی جاتی۔ آپ یتیم پیدا ہوتے ہیں، والدہ کا بھی انتقال چھ سال کی عمر میں ہو جاتا ہے اور یوں یتیم کے کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ پھر عین جوانی میں، جو جذبات کے ہیجان کا وقت ہوتا ہے، ایک دولت مند بیوہ اپنا مال آپ کے سپرد کرتی ہے۔ دوسرے لوگ بھی اپنی امانتیں آپ کے سپرد کرتے ہیں۔ اور اسی زمانہ میں الامین کا خطاب آپ کو ساری قوم کی طرف سے ملتا ہے، ساری قوم میں آپ کی عزت ہے۔ پھر آپ دعویٰ نبوت کرتے ہیں اور ساری قوم یکا یک آپ کی دشمن ہو جاتی ہے۔ کسمپرسی کی حالت کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ چاروں طرف سے دکھ دیا جاتا ہے۔ عزت واحترام، تحقیر واستہزا سے بدل جاتا ہے۔ پھر بے کسی کے کمال کا نقشہ ہجرت میں نظر آتا ہے۔ جب اکیلے صرف ایک دوست کے ساتھ غار میں چھپے ہوئے ہیں اور دشمن سر پر منڈلا رہے ہیں۔ پھر مدینہ میں آپ کو جاں نثار ملتے ہیں اور دوسری طرف یہودی اور مشرکین بھی آپ کو اپنا حاکم مان لیتے ہیں۔ پھر لڑائیوں کا زمانہ آتا ہے

اور چاروں طرف سے تمام عرب تلواریں لے کر آپ کی بیخ کنی کے در پے ہو جاتا ہے۔ پھر آپ ان دشمنوں پر غالب آتے اور بادشاہ بن جاتے ہیں۔ بے کسی کی انتہائی حالت، طاقت کی انتہائی حالت سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ پھر مدینہ میں آپ کو کتنی حیثیتیں حاصل ہیں۔ آپ بادشاہ بھی ہیں اور لڑائیوں میں خود حصہ لے کر جرنیل کا کام بھی سرانجام دیتے ہیں اور اس سے بھی اور نیچے اتر کر سپاہی کا کام بھی کرتے ہیں۔ جرنیلی اور سپاہیانہ حیثیت کے ساتھ نمازوں کی امامت بھی آپ کراتے ہیں۔ واعظ بھی ہیں۔ پھر قوم کے لیے قانون بھی آپ بناتے ہیں اور ان قوانین کا نفاذ بھی خود فرماتے ہیں۔ یعنی مقنن بھی ہیں اور جج یا قاضی بھی ہیں، تمام جھگڑوں کا فیصلہ بھی کرتے ہیں۔ قوم بنانے میں وہ کمال کہ ایسی جاں نثار قوم دنیا میں کون بنائے گا! غرض وہ مختلف حالتیں، جن میں سے انسان کو ہو کر گذرنا پڑتا ہے، ان سب سے آپ ہو گزرتے ہیں۔ اور وہ تمام مواقع، جن پر انسان کو اپنے اخلاق کے اظہار کا موقع ملتا ہے، آپ پر آتے ہیں۔ یوں تمام قسم کے اخلاق کے ظاہر کرنے کا آپ کو موقع ملتا ہے۔

ہر خلق کا اظہار کامل رنگ میں:

لیکن اس امر سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ آپ سے ہر ایک خلق کا اظہار کامل رنگ میں ہوتا ہے۔ آپ کے متعلق دشمنوں کو بھی یہ اعتراف ہے کہ جوانی کے ایّام میں، جب انسان کی تمام امنگیں اپنی ہی دنیوی ترقی کے لئے ہوتی ہیں، آپ کو کوئی خواہش نہ تھی کہ دولت آپ کے پاس جمع ہو۔ اور تجارت میں آپ محض اس لیے لگے کہ ابو طالب، جو بچپن سے آپ کے کفیل رہے تھے، ان کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ پچیس سال تک مجردانہ زندگی تھی۔ جس میں انسان کو اخراجات کی لمبی چوڑی حاجت نہیں ہوتی۔ جب آپ نکاح کرتے ہیں تو ایک نہایت دولتمند بیوہ سے۔ اور جب وہ اپنا مال آپ کے سپرد کرتی ہے تو اس سارے مال کو غریبوں کی خبر گیری اور غلاموں کی آزادی پر خرچ کرتے ہیں۔ پھر جب قریش دولت کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں تو آپ آنکھ اُٹھا کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھتے۔ آخر جب اللہ تعالیٰ آپ کو بادشاہ بنا دیتا ہے اور عرب کی ساری دولت آپ کے قدموں میں آ پڑتی ہے تو اس وقت بھی وہی فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں جو دولت کے نہ ہونے کی صورت میں کرتے تھے۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے بادشاہت کو چھوڑ کر فقیرانہ زندگی اختیار کی۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کمال یہ نہیں کہ انسان بادشاہت کو چھوڑ کر فقیرانہ زندگی اختیار کرے۔ کیونکہ

بادشاہت کو چھوڑنے سے اس کے لوازم بھی جاتے رہتے ہیں۔ بلکہ کمال یہ ہے کہ بادشاہ رہ کر، جب اس کے اردگرد تمام بادشاہت کے لوازم موجود ہوں، فقیرانہ زندگی اختیار کرے۔اور یہ وہ کمال ہے جو آپ نے کردکھایا۔ بلکہ آپ کی اس صفت سے آپ کے صحابہؓ بھی اس قدر رنگین ہوئے کہ عظیم الشان بادشاہتوں کے چار یکے بعد دیگرے مالک حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم نے بھی بادشاہت اور فقر کو اپنی زندگیوں میں جمع کر کے دکھادیا۔

کمال عفو کا اظہار:

خلق عفو کو لو۔تو کیا دوستوں کے معالہ میں اور کیا دشمنوں کے معاملہ میں آپ سے اس خلق کا اظہار ایسے کامل رنگ میں ہوتا ہے کہ اس کی دوسری کوئی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ دوستوں کے معاملہ میں عفو کو لیجئے۔اُحد کی جنگ میں آپؐ کی فوج کے کچھ آدمی آپؐ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں، جس سے سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، فوج نرغہ میں آجاتی ہے، آپ کے بڑے بڑے پیارے اور عزیز صحابہؓ شہید ہو جاتے ہیں، آپ کو خود زخم آتے ہیں، جن سے بیہوش ہو کر گر جاتے ہیں، مگر ان لوگوں کے ساتھ، جو اس ساری مصیبت کا موجب بنے، سلوک کیا ہوا؟ ان کا کوٹ مارشل نہیں ہوا۔ان کو کوئی سزا نہیں دی گئی، ان کو ملامت تک بھی نہیں کی گئی۔آئندہ کے لیے ان کو ذلیل کر کے نہیں رکھا گیا۔ بلکہ حکم ہوتا ہے: فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْلَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (159:3) ان سے معافی اور درگذر بھی ہے۔ان کی آئندہ بہتری کے لیے دعا بھی ہے۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مجلس شوریٰ کے ممبر بھی ہیں۔ نہ سزا ہے نہ چشم نمائی ہے، نہ تذلیل ہے۔سختی کی ضرورت کے موقع پر اظہار عفو وہ کامل عفو ہے جس پر فرمایا: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (159:3) آپ کی یہ لینت گویا اللہ تعالیٰ کی مجسم رحمت ہے۔ دشمنوں سے عفو کی مثال فتح مکہ سے بڑھ کر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کرسکتی۔جن لوگوں کے ہاتھ سے لگاتار بیس سال دکھ اٹھائے، جنہوں نے دکھ ہی نہیں دیا بلکہ گھروں سے بھی نکالا۔اس پر بھی صبر نہیں کیا بلکہ تلوار لے کر نیست ونابود کرنے پر تلے رہے۔خود رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے سخت سے سخت منصوبے کیے۔ بیگناہوں کے خون کیے اور ایک دو دن نہیں بلکہ لگاتار بیس سال اس خطرناک معاندت کا ثبوت دیا، جو بہت کم دنیا میں ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ دشمنی بلاوجہ تھی۔لیکن آخر جب وہی دشمن مغلوب ہوتے ہیں اور ملزم ہو کر سامنے آتے ہیں تو کوئی گرفت نہیں، کوئی

سزا نہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ان قبیح افعال پر ملامت تک نہیں کی۔ ان کے تمام افعال پر یکسر قلم عفو پھیر دینا یہ دشمنوں کے معاملہ میں کمال عفو کا اظہار ہے جس کی نظیر کسی دوسرے نبیؑ کی زندگی میں نظر نہیں آتی۔

ایک ہی وقت میں متضاد اخلاق کا ظہور:

پھر وہ اخلاق جو بظاہر ایک دوسرے کے متضاد آتے ہیں، وہ سب آپ کے اندر جمع ہیں۔ فروتنی اور انکسار کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی شجاعت کا اظہار بھی ہے۔ کس قدر شجاعت ہے کہ فوج دشمن کے سامنے سے بھاگ رہی ہے اور آپ دشمن کی طرف جا رہے ہیں۔ رحم اس قدر ہے کہ عین اسی حالت میں، جب دشمن سخت نقصان پہنچا تا ہے، خود آپ لہولہان ہو رہے ہیں۔ آپ کے عزیز قتل ہو چکے ہیں تو اس وقت بھی دعا یہی نکلتی ہے کہ اے خدا! تو ان دشمنوں کو سیدھی راہ پر لا کیونکہ وہ جانتے نہیں۔ انصاف کی یہ حالت ہے کہ جب ایک یہودی میں، جو سخت دشمن اسلام قوم ہے اور ایک مسلمان میں، جو اس وقت اپنی جانیں آپ پر فدا کر رہے ہیں، جھگڑا ہوتا ہے تو فیصلہ مسلمان کے خلاف اور یہودی کے حق میں دیتے ہیں۔ طاقت اس قدر کہ ایک وقت میں دس بیویاں بھی آپ کے گھر میں ہیں، اور عفت اس قدر کہ ایک گرم ملک میں تجرد کی حالت میں پچیس سال گذار دیئے ہیں۔ اور سخت سے سخت دشمن ایک حرف آپ کے خلاف نہیں کہہ سکتا۔ پھر مقام غور ہے کہ ایک ہی وقت میں فوج کے جرنیل بھی ہیں اور نماز کے امام اور معلم روحانی بھی۔ دنیا میں اس کی نظیر بھی کوئی نہیں مل سکتی کہ وہی شخص، جو ایک طرف فوج کو دشمن کے مقابلہ پر صف آرا کر رہا ہے، دوسری طرف اس وقت اور اسی حالت میں انہی لوگوں کو سلوک کے منازل اور قرب کے روحانی مراتب بھی طے کرا رہا ہے۔ خدا پر توکل اس قدر ہے کہ چاروں طرف دشمنوں کے ہوتے ہوئے ایک لمحہ کے لیے اپنی حفاظت کی فکر نہیں۔ اور احتیاط اس قدر کے آٹھ دن کے راستے پر بھی دشمن کی حرکت کی خبر ملے تو اس کی سرکوبی کے لیے مہم روانہ فرماتے ہیں۔ تقرب الی اللہ کا یہ شوق کہ ساری ساری رات خدا کے حضور کھڑے گذار دیتے ہیں۔ اور مخلوق خدا کی خدمت کا یہ جوش کہ ایک بڑھیا کا سودا بازار سے خرید کر لا دیتے ہیں۔ ان امور کو شمار میں لانا، اور بالخصوص ایک اخبار کے مضمون میں، مشکل ہے۔ جو شخص چاہے آپ کی زندگی کے واقعات کا مطالعہ کرے اور دیکھ لے کہ کس طرح آپؐ نے تمام اخلاق کو اپنے کمال میں اپنے اندر جمع کیا ہے۔ اس لیے آپ قصر نبوت کی آخری اینٹ ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ**

5 ستمبر 1928ء

مکتوب امیر

ایک دوست کے سوال کے جواب میں

''ایک دوست نے لکھا تھا کہ جماعت لاہور حضرت مسیح موعود کے مقام کے متعلق کچھ تفریط کا پہلو لیے ہوئے ہے''۔

اس کے جواب میں حضرت امیر ایدّہ اللہ کہتے ہیں کہ:

مجھے حضرت مسیح موعود کی تحریروں میں معاملہ صاف نظر آتا ہے۔ وہی چیز جس کا نام اصطلاحِ شریعت میں محدثیت یا ولایت ہے، حضرت صاحب نے اسے باصطلاح صوفیاء جیسے کہ آپ نے انجام آتھم میں صاف لکھا ہے، بروزی یا ظلی یا مجازی نبوت لکھا ہے۔ ان معنوں سے حضرت مسیح موعود ''نبی'' ہیں، جس طرح عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرائیلَ میں اس کی وضاحت بھی فرمادی ہے۔ یعنی ''حقیقۃ الوحی'' صفحہ 97 حاشیہ میں فرمایا کہ وہ نبی، جو فیض محمدیہ سے بنتے ہیں، وہ عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرائیلَ کے مصداق ہیں۔ ''مواہب الرحمٰن'' میں آپ نے لکھا ہے ''اللہ تعالیٰ را باولیائے خود دریں امت مکالمات ومخاطبات است وایشاں رارنگ انبیاء دادہ میشود وایشاں فی الحقیقت انبیاء نیستند زیرا کہ قرآن حاجت شریعت را بہ تکمیل رسانیدہ''۔ ہم حضرت صاحب کے احکام کے پابند ہیں۔ حکم وعدل کے فیصلہ سے افراط اور تفریط اختیار کرنا دونوں غلط راہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عام بول چال میں مجھے نبی نہ کہا کرو۔ اور ''الوصیت'' میں لکھا ہے کہ مجھے صرف نبی نہ کہا جائے کہ اس میں نبوت کاملہ تامہ محمدیہ کی ہتک ہے۔ اور ''امتی نبی'' کا لفظ اپنے لئے اختیار فرمایا۔ جس کے معنی خود ''ازالہ اوہام'' میں کر دیئے ہیں۔ آپ کے الفاظ ہیں:۔

''گو یہ بات، کہ اسی کو امتی بھی کہا ہے اور نبی بھی، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شانیں امتیّت اور نبوّت کی اس میں پائی جائیں گی۔ جیسا کہ محدث میں ان دونوں شانوں

> کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن صاحبِ نبوت تامہ تو صرف ایک شان نبوت ہی رکھتا ہے۔ غرض محدثیت دونوں رنگوں سے رنگین ہوتی ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے ''براہین احمدیہ'' میں بھی اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا اور نبی بھی۔'' (ازالہ اوہام صفحہ 533)

حکم وعدل کے معنی سے اس کی کی ہوئی وضاحت سے جو شخص تجاوز کرتا ہے، وہ غلطی پر ہے خواہ اس کا تجاوز افراط کے رنگ میں ہو یا تفریط کے۔ فرط محبت سے ہو یا فرط عداوت سے۔ اور بالآخر حکم وعدل نے یہ بھی ''حقیقۃ الوحی'' میں سب کچھ لکھنے کے بعد لکھ دیا: **سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ** میرا نام، جو خدا کی طرف سے نبی رکھا گیا ہے، تو وہ مجاز کے طور پر ہے نہ حقیقت کے طور پر۔ پس جہاں تک میں سمجھتا ہوں جماعت لاہور کا مسلک حضرت مسیح موعودؑ کے مرتبے کے معاملہ میں افراط وتفریط دونوں سے خالی ہے۔

> آپ نے بھی اپنے خط کے آخر میں اس مسئلہ کو صاف طور پر بیان کر دیا ہے۔ جہاں یہ لکھا ہے کہ ''اول دائرہ انبیاء علیہم السلام کا ہے جو حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوتا ہے۔ جس طرح نبی کریمؐ نے فرمایا کہ قصر نبوت کی تکمیل میں ایک اینٹ کی جگہ تھی وہ میں ہوں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد دوسرا دائرہ کَاَنْبِیَآءِ کا شروع ہوا'' اور یہی ہم مانتے ہیں۔

محمد علی

دلچسپ سوالات، دلچسپ جوابات:

ذیل میں ہم چند سوالات اور ان کے جوابات درج کرتے ہیں جن سے قارئین کرام کو یہ پتہ لگے گا کہ جب ایک شخص غلط عقائد کو اختیار کرتا ہے۔ اور بعد میں دنیا کا تجربہ اسے محسوس کرا دیتا ہے کہ ان عقائد کو وہ کسی عقلمند کے سامنے پیش نہیں کر سکتا تو وہ کس کس طرح ان عقائد باطلہ کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

(ایک صاحب نے جو میاں محمود احمد صاحب کے مرید تھے چند سوالات میاں صاحب سے

کیے تھے۔ان کے جوابات جومیاں صاحب نے دیئے ہیں وہ قارئین کے تفنن طبع کے لیے
ہم مع اس تنقید کے درج کرتے ہیں جو جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے باطل سوز قلم
نے ان پر کی ہے۔اپنے صحیح عقائد کی پردہ پوشیوں کے لیے کس طرح گول مول جواب
میاں صاحب نے دیئے ہیں۔جس سے رنج ہوتا ہے کہ یہ کیا عقائد ہیں جن کے لیے اس
قدر تقیہ سے کام لیا جاتا ہے۔کاش! میاں صاحب اپنے عقائد کی غلطیوں کا کھلم کھلا
اعتراف کر لیتے تو آئے دن کا جھگڑا ختم ہو جاتا اور یہ ان کی بڑائی کی دلیل ہوتی۔مدیر

نقل خط: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔آپ کا مکتوب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدّہ اللہ بنصرہ کی خدمت بابرکت میں پہنچا۔حضور نے ملاحظہ فرمایا۔سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

سوال: کیا ہم غیر احمدیوں کو مسلمان کہہ سکتے ہیں؟

جواب: آپ کہہ سکتے ہیں اور ہمیشہ کہتے ہیں۔جو شخص اپنا نام مسلمان رکھتا ہے ہم اسے اور کس نام سے پکار سکتے ہیں؟

تنقید: کیا مزیدار جواب ہے۔جو شخص اپنا نام مسلمان رکھے ہم اسے اسی نام سے پکار لیں گے۔مثلاً ایک شخص اپنا نام الفریڈ رکھ لے تو ہم اسے الفریڈ کے نام سے پکاریں گے۔اسی طرح کوئی اپنا نام مسلمان رکھ لے تو ہم اسے اسی نام سے پکاریں گے۔گویا مسلمان کی تعریف کوئی نہیں۔الفریڈ کی طرح صرف ایک بے معنی اور بے حقیقت جامد نام ہے۔جو کوئی رکھ لے ہم اسے اسی نام سے پکارنے لگیں گے۔آئندہ کوئی ہندو مسلمان ہونے آئے گا تو ہم اسے خدا کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کرانے کی بجائے کہہ دیں گے کہ میاں! اپنا نام مسلمان رکھ لو، سب تم کو مسلمان کہنے لگ جائیں گے۔کسی خاص عقیدہ کی ضرورت نہیں۔یہ تو محض نام ہے۔جو رکھ لے اسے اسی نام سے لوگ پکارنے لگتے ہیں۔مسلمان اور اسلام کے اندر حقیقت کوئی نہیں۔یہ نام خدا نے نہیں رکھا جو اس کے اندر کوئی حقیقت ہو بلکہ محض ایک بے معنی نام ہے جسے لوگ آپ ہی رکھ لیتے ہیں۔

سائل نے جو میاں محمود احمد صاحب کو جواب دینے کی تکلیف دی تھی تو یہ سمجھ کر دی تھی کہ اسلام اور

مسلمان کے نام کے اندر کوئی حقیقت ہے۔ جب تک وہ حقیقت کسی میں محقق نہ ہو وہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ مثلاً عرف عام میں خدا کی توحید اور محمد رسول اللہ ﷺ جو رسول زمانہ ہیں، ان کی رسالت کا اقرار جسے کلمہ طیبہ کہتے ہیں جب تک کوئی نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہوتا۔ میاں صاحب کا فرض تھا کہ وہ اسلام کی تعریف کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیتے کہ ایک شخص لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتا ہوا، یعنی خدا کی توحید اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتا ہو، اسلام کے اندر داخل ہے یا نہیں؟ اور مسلمان کا نام اس پر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ لیکن اگر وہ ایسا کرتے تو ان کا وہ عقیدہ سامنے آ جاتا جسے اب وہ عیب کی طرح پوشیدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور عقلمندوں کے سامنے کھلے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے شرماتے اور گھبراتے ہیں۔ اور وہ عقیدہ یہ ہے:

> ''کُل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرے عقائد ہیں۔'' (آئینہ صداقت صفحہ 35) ''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں۔'' (انوارِ خلافت صفحہ 90)

ایک طرف یہ فقرہ رکھو کہ ''ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں'' اور دوسری طرف اسی غیری احمدی کو مسلمان نہ سمجھتے ہوئے مسلمان بھی کہہ لینا، راستبازی، ایمان اور اخلاص کی دنیا میں کیا کہلاتا ہے؟ یہ اہل انصاف و دیانت پر چھوڑتا ہوں۔

> سوال: جو شخص ہمیں کافر نہ کہے اس کی پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

> جواب: کافر کہنے نہ کہنے سے نماز کا کیا تعلق؟ عیسائی آریہ ہندو ہمیں کافر نہیں کہتے۔ ان کے ہاں یہ اصطلاح ہی نہیں۔ یہ سوال ہی درست نہیں۔ اصل سوال یہ ہے کہ جو شخص ہمیں مسلمان نہ سمجھے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ مسلمانوں میں سے کئی لوگوں کا خیال ہے کہ جو توحید کے منکر ہیں وہی اصل کافر ہیں۔ ان کے نزدیک یہودی وغیرہ کافر نہیں۔ پس نماز کا تعلق کافر کہنے یا نہ کہنے سے نہیں۔ کافر کہنا زائد موجب ہے نماز ترک کروانے

کا۔

تنقید: العجب ثم العجب۔ کیا لفظوں کی بھول بھلیاں ہیں! سائل کے کچھ پلے پڑ گیا ہو تو پڑ گیا ہو، ہمیں تو اس جواب سے کچھ پتہ نہ لگا کہ میاں صاحب کا فتویٰ کیا ہے؟ محض سائل کے سوال کی اصلاح ہی ہوتی رہی۔ اس بات کا جواب نہ آیا کہ ''جو شخص ہمیں کافر نہ کہے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں''۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ یہ سوال غلط ہے۔ سوال یوں ہونا چاہئے کہ ''جو شخص ہمیں مسلمان نہ سمجھے، اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں''۔ مگر اس کا جواب بھی کوئی نہ آیا۔ بلکہ ادھر ادھر کی باتوں میں اصل جواب ٹال دیا۔ پہلے تو فرمایا ''کافر کہنے نہ کہنے سے نماز کا کیا تعلق؟ عیسائی، آریہ، ہندو ہمیں کافر نہیں کہتے ان کے ہاں یہ اصطلاح ہی نہیں۔ یہ سوال ہی درست نہیں'' تو سائل نے کب پوچھا تھا کہ عیسائی، آریہ، ہندو کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور پوچھتا کیسے۔ جبکہ ہندو آریہ سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ان کے ہاں یہ اصطلاح ہی نہیں۔ اس لیے اس نے بھی تو صرف انہی لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا تھا، جن کے ہاں کافر کی اصطلاح موجود ہے۔ اور جن میں سے بہتوں کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ پر کفر کا فتویٰ لگا تھا۔ تو سوال میں نقص کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔ خوامخواہ سائل کو لتاڑ دیا۔ اور خیر پھر سوال کی بزعم خود اصلاح کی تھی تو پھر اسی کا جواب دیا ہوتا۔ وہ بھی نہیں۔ کچھ اور ہی ذکر چھیڑ دیا۔ فرماتے ہیں ''مسلمانوں میں سے کئی لوگوں کا خیال ہے کہ جو توحید کے منکر ہیں، وہی اصل کافر ہیں۔ ان کے نزدیک یہودی وغیرہ کافر نہیں۔ پس نماز کا تعلق کافر کہنے یا نہ کہنے سے نہیں''۔ عجیب!! سائل نے میاں صاحب سے ان کا اپنا عقیدہ اور فتویٰ پوچھا تھا۔ نہ کہ ان لوگوں کا جو ڈاکٹر عبدالکریم مرتد کی طرح صرف توحید کے منکر کو کافر کہتے ہیں۔ کیا میاں صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ جو توحید کا منکر ہے وہی کافر ہے۔ باقی سب یعنی یہودی وغیرہ مسلمان ہیں اور کیا اسی وجہ سے تو نہیں میاں صاحب نے غیر احمدیوں کو یہودیوں کی طرح کا مسلمان کہنا شروع کر دیا؟ کیونکہ ان کا اس عقیدہ سے نتیجہ یہ نکالنا کہ ''پس نماز کا تعلق کافر کہنے یا نہ کہنے سے نہیں'' ظاہر کرتا ہے کہ کچھ پانی مرتا ہے۔ یہ کیوں؟ اور اگر میاں صاحب کا یہ عقیدہ نہیں اور وہ دائرہ اسلام کے اندر داخل ہونے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ زمانہ کے نبی کی نبوت اور رسالت پر ایمان لایا جائے تو پھر اس جھگڑے کو درمیان میں لانے کی ضرورت کیا تھی۔ اور اصل جواب پھر بھی ندارد۔ سوال درست کر کے ہی اس کا جواب دے دیا ہوتا۔ مگر

قطعاً کوئی جواب نہیں۔سوائے اس کے کہ'' کافر کہنا زائد موجب ہے نماز ترک کرانے کا''۔جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نماز ترک کرانے کا اصل موجب کچھ اور ہے۔کسی کا کافر کہنا نماز ترک کرانے کا صرف زائد موجب ہے۔ اصل موجب نہیں۔اصل موجب کیا ہے اسے میاں صاحب پی گئے۔پی جانے کی وجہ وہی تقیہ۔کیونکہ اصل عقیدہ ظاہر کرتے اب شرمندگی اور گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے۔اصل موجب سن لو۔خود میاں صاحب انوار خلافت صفحہ 90 پر فرماتے ہیں''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی (مرزا غلام احمد) کے منکر ہیں۔یہ دین کا معاملہ ہے۔اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے۔

❀❀❀

14 ستمبر 1928ء

نذرِ عقیدت

بحضور حضرت امیر جماعت ایدّہ اللہ بنصرہ العزیز

از جناب مولانا مولوی مرتضیٰ خاں بی اے

کشایم لب بہ ذکر کامگارے　　محمد ہم علیِ نامدارے
غیّور و متقی و ناصر دیں　　حلیمِ بے مثال و بُرد بارے
حدیث از علم و فضلِ او چہ گویم　　کہ مثلش نیست اندر صد دیارے
ز زہدو اتّقائے اوچہ پرسی؟　　ز اصحابِ محمدؐ یاد گارے
فقیہ بے عدیل و عالمِ دیں　　امیرِ عادل و پرہیز گارے
زہے واقف رموز معنوی را　　زہے علم و فضیلت رانگارے
زبوے نافۂ علمِ قرآنش　　معطّر شد مشامِ ہر دیارے
دلے دارد پرواز دردِ محبت　　دو چشمانش پئے دیں اشکبارے
گلے از روضۂ دین اِلٰہی　　وجودش گلشن دیں را بہارے
نگینِ خاتمِ دین محمدؐ　　ہمی تابد چو درّ شاہوارے
بہیں نو بادۂ بستانِ احمدؐ　　بصدر مکرمت دارد قرارے
بمال دنیوی میلے ندارد　　توکّل را سپردہ کاروبارے

متانت را وجودش مایۂ ناز   حیا را بے تکلف افتخارے
ہوید عشقِ احمدؐ از جبینش   ز جبینش نورِ احمدؐ آشکارے
ز باغِ احمدی شاخِ ثمر ور[1]   کمال صدقِ مہدی را مدارے[2]
مسیحا نزدِ خود او را نشانید   کہ ہست او صالح و نیکو شعارے[3]
بحقِ ایں چنیں بہتاں تراشی   نمی ترسی نہ قہر آں قہارے
مسیح وقت چوں گوید ثنائش   چہ قدر و قیمتِ صوت حمارے
ز کذب و افتراء بہتاں بہ بندی   سفیہاں را ہمیں باشد شعارے
تو از بیگانگی گوہر چہ خواہی   کہ دارد حرفِ تو کے اعتبارے
بسے گردید ایں گردوں گرداں   نہ دیدہ ایں چنیں صاحب وقارے
تو از کوری خود محروم، ورنہ   درخشد نور او خورشید وارے
بیا! از نورِ او کن نور حاصل   نصیبت گر رفیقے ہست دیارے

[1] حضرت مسیح موعود نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ ترجمۃ القرآن انگریزی کا کام میرا ہے یا اس کا جو میری شاخ میں سے ہوگا۔ یہ کام حضرت مولینا محمد علی صاحب کے ہاتھ سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ [2] حضرت مولانا ایک دفعہ بیمار ہوگئے۔ خیال ہوا کہ شاید طاعونی بخار ہوگیا ہے۔ حضرت مسیح موعود آپ کے پاس تشریف لائے اور نبض دیکھ کر فرمایا کہ اگر آپ کو طاعون ہو جائے تو پھر میرا سارا سلسلہ ہی جھوٹا ہے۔ [3] حضرت مسیح موعود نے اپنی ایک رؤیا میں حضرت مولانا سے فرمایا کہ آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔

29 ربیع الاول 1347ھ

اداریہ

قادیان اور ہم

اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی

قادیان سے جو سوالات مختلف قادیانی جماعتوں کے نام جاری ہوئے ہیں، ان کو پڑھتے ہوئے ایک صاحب بصیرت انسان جہاں یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ دلائل اور عقائد کے مقابلہ میں کس قدر ناپاک اور اوچھے ہتھیاروں سے کام لینے کی کوشش کی جارہی ہے وہاں اس حقیقت نفس الامری کا بھی انکشاف ہوجاتا ہے کہ مقدّسین قادیان کے پاس دلائل وبراہین کا اب خاتمہ ہوچکا ہے اور وہ اس بات کو بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ عقائد حقّہ کے مقابلہ میں جن کمزور دلائل سے وہ آج تک کام لیتے رہے، وہ ان کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ اس لیے دلائل کے میدان کو چھوڑ کر اب ایسے ذرائع کو انہوں نے اختیار کرنا شروع کیا ہے جو مذہب اور اخلاق کے نزدیک کسی طرح بھی جائز اور مستحسن نہیں قرار دیئے جاسکتے۔

باطل کا ہمیشہ سے یہی شیوہ رہا ہے کہ ناجائز سے ناجائز ذرائع وہ اپنی مقصد براری کے لیے استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ دلائل اس کے ہاتھ میں کوئی نہیں ہوتے۔ ہمارے سامنے آریہ سماج نے یہی طریق غریب ملکانوں کو مرتد بنانے کے لئے اختیار کیا۔ انہیں ''روٹی اور بیٹی'' کے وعدے دے کر ان کے ایمانوں کو انہوں نے خریدا اور خرید رہے ہیں۔ کل تک خود قادیانیوں کو یہی شکایت ان سے تھی اور وہ اس کو آریوں کی کمزوری اور بطالت پر محمول کرتے تھے، کیا یہی نتیجہ آج ان پر وارد نہیں کیا جاسکتا۔ کیا ان سوالات کا اجراء اہل قادیان کی طرف سے اس بات کا عملی اعتراف نہیں کہ جن عقائد اور خیالات کو لے کر کھڑے ہوئے ہیں، ان میں کوئی معقولیت اور صداقت پائی نہیں جاتی۔ وہ عقائد وصداقت کے لئے نہیں بلکہ دھڑہ بندی اور جتھا سازی کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے جو بھی ناپاک سے ناپاک طریق اور وسائل انہیں میّسر آسکیں، ان سے کام لینے میں انہیں

پاک نہیں!

یہ وہ امتیازی خصوصیات ہیں جو ہمیشہ سے اہل باطل کے ساتھ رہی ہیں۔ اور قادیانی حضرات نے ان خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کر کے حق اور باطل میں ایک امتیازی خط کھینچ دیا ہے اور اپنے عمل سے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ دلائل کے میدان میں اب ان کا کوئی چارہ نہیں۔ ان کے اس رویہ کے بالمقابل احباب احمدیہ کا طریق عمل کیا ہونا چاہئے؟ ہم اس کے لیے کوئی خاص ہدایات دینا ضروری نہیں سمجھتے۔ جماعت احمدیہ کے جن پاک نفس انسانوں کے لیے یہ دام تزویر بچھایا گیا ہے ان کا ایمان ایسی سستی چیز نہیں کہ ایسے مکروفریب کے پھندوں میں آسانی سے آسکے۔ ایسی چالبازیوں کو وہ خوب سمجھتے اور پہچانتے ہیں۔ ''روٹی اور بیٹی'' کا کوئی لالچ انہیں ایمان سے منحرف نہیں کرسکتا۔ اور نہ میاں صاحب سے انہیں کوئی ایسی عقیدت ہوسکتی ہے جو صراط مستقیم سے انہیں ہٹا دے۔ ہاں ایک بات کا ہمیں ڈر ضرور ہے۔ اور وہ اس لٹریچر سے ان کی ناواقفیت ہے جو عقائد حقّہ کی تائید میں لکھا گیا، اور زیادہ تر ''پیغام صلح'' کے صفحات میں درج ہے۔ ہمارے بہت سے دوست ہیں جو اس لٹریچر سے ناواقف ہیں اور پیغام صلح ان کے پاس نہیں جاتا۔ ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کو اخبار کا خریدار بنایا جائے، اور انہیں اس لٹریچر سے پورے طور پر واقف کیا جائے، جس کے متعلق محمودی سوالات میں پوچھا گیا ہے کہ ''پیغامیوں کے لٹریچر سے ان کو کہاں تک واقفیت ہے''۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ہر احمدی بچہ اور بوڑھا اپنے خیالات اور عقائد کے متعلق دلائل و براہین سے پورے طور پر واقف ہو۔ تا کہ مخالف، جو آج ہر قسم کے کمینہ سے کمینہ ہتھیاروں پر اتر آیا ہے، کسی طرح پر ان کی کمزوری سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ اس لیے تمام مقامات کی احمدی جماعتوں کو اس بات کی طرف خاص طور پر توجہ دینی چاہئے کہ ان کے تمام ممبر اخبار کے خریدار ہوں اور جماعت کے لٹریچر سے پورے طور پر واقف ہوں۔ خدا تعالیٰ نے دلائل کے میدان میں آج انہیں کامل فتح عطا فرمائی ہے اور دشمن نے اپنے عمل سے یہ اعتراف کرلیا ہے کہ اس کے پاس معقولیت اور دلائل نہیں۔ اب وہ ہماری کمزوریوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ عقائد حقّہ کے لٹریچر سے ہم کہاں تک واقف ہیں۔ تا کہ جس قدر ہمیں واقفیت کم ہو، اسی قدر سختی کے ساتھ وہ ہم پر حملہ آور ہو اور ہماری عدم واقفیت سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرے۔ اس کا یہ سوال خود اس بات کا شاہد ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کا لٹریچر ہی ایک چیز ہے جو اس کے باطل عقائد کے

پر خچے اُڑا دینے کے لئے کافی ہے۔ جس قدر اس لٹریچر سے کم واقفیت کسی کو ہو اسی قدر ان کے لیے غنیمت ہے!

صرف لٹریچر ہی نہیں بلکہ احباب احمدیہ کے سوشل حالات اور تعلقات کے متعلق بھی سوالات کیے گئے ہیں۔ جس سے بظاہر یہ منشا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سوشل حالات اگر اچھے نہ ہوں، اگر ہمارے باہمی تعلقات میں کسی قسم کا نقص موجود ہو تو اس سے فائدہ اُٹھانے کی پوری کوشش کی جائے۔ اس لیے ہمیں اپنے باہمی تعلقات کو پہلے سے زیادہ استوار اور بہتر بنانا چاہیئے۔ دشمن ہمارے تعلقات اور سوشل حالات کو بگاڑنے کی کوشش کرے گا۔ ہمیں چاہیئے کہ ان باتوں پر پورے طور پر نگاہ رکھیں اور کوئی ایسی کمزوری اپنے اندر پیدا نہ ہونے دیں جو مخالف کو کسی قسم کا وار کرنے کا موقع دے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپ کو پورے طور پر مضبوط بنائیں، اپنے جماعتی نظام کو مستحکم کریں اور دشمن کی ان چالاکیوں اور چالبازیوں سے اپنے آپ کو بچانے کا پورا سامان کر لیں۔

❁ ❁ ❁

14 ستمبر 1928ء

مراسلت

قادیانی اور لاہوری تنازعہ

سیّد عبدالمجید صاحب پینشنر جج کپورتھلہ اسٹیٹ

سیّد عبدالمجید صاحب کپورتھلہ کا یہ مضمون ہم نے حضرت امیر کی خدمت میں برائے استصواب رائے بھیجا تھا۔ممدوح نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی شامل درج ہے۔

باہمی مخالفت اور نفرت وعداوت، جن سے فساد وفتنہ کی عمارت بلند ہوتی ہے۔اور جو اپنے جلو میں غیر معلوم طریق پر بے اندازہ تباہیاں لاتی ہیں۔خواہ دنیا کے کسی حصہ اور کسی طبقہ میں ہوں، انسانیت کا مقتضی یہ ہے کہ انہیں ہمیشہ مجلسی اور ملکی امن کے لئے مضر سمجھتے ہوئے ان پر غم کا اظہار کیا جائے۔اگر دنیا کے اس سرے پر ہمارے مسیحی بھائیوں میں یا دنیا کے اُس سرے پر ہمارے برادران ہنود میں نفرت وعداوت کے شعلے بلند ہوں اور مذاہب اپنے اندرونی فرقوں کو کسی نہ کسی صورت میں ذلیل کرنے میں مصروف پائے جائیں، تو اس پر اگر کسی کو خوشی ہو سکتی ہے تو صرف اور محض اسی کو جو جوہر انسانیت اور شرافت سے یکسر مبّرا ہو چکا ہو۔ایک مسلمان کے لیے تو دنیا کا ہر ایک فرد ایک عالمگیر برادری کا رکن ہے۔چنانچہ اسی کے متعلق رسول اکرم ﷺ فرما چکے ہیں کہ: **اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَب الْخلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ.**

اس میں شبہ نہیں کہ جس قدر جوہر انسانیت کم ہوگا، دنیا کے فساد اور مخالفتوں کا اسی قدر کم احساس ہوگا۔ اور اگر احساس بالکل ہی نہ رہے تو وہ ایک ایسا درجہ ہے جو انسانیت ہی سے خارج ہے۔اور جنہیں اس پر الٹی خوشی اور راحت ہو تو وہ اس جماعت میں سے ہیں جو دنیا میں فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں۔نہیں معلوم دنیا کس اصول اخلاق پر چل رہی ہے۔اگر ہندوؤں کے دو فرقوں کے اخبارات یا افراد میں باہمی فتنہ وفساد تک نوبت پہنچ رہی ہو، تو مسلمان اس آگ کو بھڑکاتے ہیں اور اگر مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں بغض وعناد کا اظہار ہو رہا ہے تو ہندو

اخبار مزے لے لے کرایک کودوسرے کے خلاف اکسانے میں تأمل نہیں کرتے۔ وہ وقت تو ابھی بہت دورنظرآتا ہے کہ لوگ بنی آدم کو اپنے بھائیوں کی طرح سمجھنے لگیں۔

جب اغیار کے ساتھ رسول عربیؐ کے حسن سلوک کی یہ تعلیم ہے تو بھائی بھائی میں لطف واحسان کی کیا کچھ تاکید نہ ہوگی۔ چنانچہ قرآن میں: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (10:49) نے مؤمنوں میں باہمی اخوت کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔ بھائی بھائی میں عداوت ومخالفت کے سامان دیکھ کر نسبتاً زیادہ صدمہ محسوس ہوتا ہے، اور ایسا ہونا قدرتی ہے۔ کیونکہ تعلقات جتنے قریب پہنچتے جائیں گے اسی نسبت سے ان کے حالات سے رنج ومسرت کے اثرات قلب پر پڑیں گے۔ اور پھر جبکہ بھائی بھی حقیقی ہوں تو صدمہ اور بڑھ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مخالفت نفرت اور ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کی کوشش کو دیکھ کر، جو عرصہ سے قادیانی اور لاہوری جماعت احمدیہ کے درمیان، جماعت کے اخباروں اور افراد جماعت کے رویوں میں پائی جاتی ہیں اور اب انتہا کو پہنچ رہی ہیں، دل کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔

میں اس بارے میں تنہا نہیں ہوں۔ دونوں جماعتوں کے سمجھدار لوگ اسے ضرور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ چنانچہ 17 جولائی کے پیغام صلح میں کسی صاحب مولوی دوست محمد نے بھی مختصراً دونوں جماعتوں کی اس ناپسندیدہ روش کی طرف توجہ دلائی ہے۔ میں محض درددل کے ساتھ اور اس ارادت وعقیدت کو مدنظر رکھتے ہوئے جو مجھے دونوں جماعتوں کے رہنماؤں سے ہے یہ چند سطور لکھنے پر مجبور ہوا ہوں۔ اور میں نے نہایت ایمانداری اور دیانتداری سے وہ آراء قائم کی ہیں جو اس مضمون میں درج ہیں۔ اگر کسی صاحب کے نزدیک اس میں کوئی رائے غلط ہونے کی وجہ سے ناپسندیدہ ہو تو وہ اسے میری بدنیتی پر محمول نہ کریں بلکہ اسے تقاضائے بشریت سمجھ کر معاف فرمائیں۔ یہ سارا معاملہ، جس نے دونوں جماعتوں کے مابین اعلان جنگ تک نوبت پہنچا دی ہے، 17 جون کے ''یوم خاتم النّبیّین'' کے جلسوں سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے ''ختم نبوت اور قادیان'' کے عنوان سے اپنی 8 جون کی اشاعت میں ایک نوٹ لکھا۔ جس میں وہ منجملہ اور امور کے یہ لکھتے ہیں:

''یہ تحریک اور اعلانات بجائے خود ہر طرح سے سزاوار تحسین ہیں اور ہر مسلمان کا فرض ہے

> کہ ایسی تحریک میں حصہ لے۔لیکن سوال یہ ہے کہ وہ جماعت، جو خاتم النبیین کے بعد ایک اور نبی آنا مان کر ختم نبوت کا عملاً انکار کر چکی ہے، وہ جماعت جو تمام مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر اعتقاداً ان سے مقاطعہ کا اعلان کر چکی ہے، اس کی طرف سے ایسے اعلانات نیک نیتی اور خلوص پر مبنی ہو سکتے ہیں؟''

> اس کے بعد یہ لکھا ہے:

> ''اگر قادیانی جماعت مسیح موعود کی نبوت کا انکار نہیں کر چکی تو کس منہ سے جماعت قادیان عام مسلمانوں کو ختم نبوت پر لیکچر دے رہی ہے؟''

اس پر 17 جولائی کے پیغام صلح میں مولوی دوست محمد صاحب حجانہ نے، جو قادیانی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، ایک نوٹ شائع کرایا۔ جس میں انہوں نے دونوں جماعتوں پر تنگ دلی اور تعصب کا الزام لگایا۔ قادیانی جماعت پر تو اس وجہ سے کہ اس نے ان کتابوں میں جو سیرۃ رسول عربیؐ کے متعلق مطالعہ کے لیے تجویز کی گئی ہیں، حضرت امیر کی مشہور کتاب ''سیرت خیر البشر'' کو خارج رکھا۔ اور لاہوری جماعت پر بدیں وجوہات الزام لگایا کہ اس نے ''یوم خاتم النبیین'' جیسی تحریک کی مخالفت کی۔ اس مراسلت کے جواب میں ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے اپنی صفائی پیش کی اور آخر میں یہ لکھ دیا کہ ''ان کا اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں کریں۔ صلح کریں یا جنگ کریں۔ ہم دونوں حالتوں میں ان کے عقائد کے خلاف، جو اسلام میں خطرناک تفرقہ پیدا کرنے والے ہیں، ہر حال میں جنگ کریں گے''۔ اس کے بعد 27 جولائی کے الفضل میں ''خلیفۃ المسیح الثانی'' کے قلم سے ایک مضمون ''پیغام صلح کا پیغام جنگ'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس کی منجملہ اور باتوں کے اس بات نے جماعت احمدیہ لاہور کے دلوں میں ایک خاص ہیجان پیدا کر دیا کہ:

> ''آج کھلے لفظوں میں ''پیغام صلح'' نے ہمیں پیغام جنگ دیا ہے۔ اور صرف اس بات سے چڑ کر کیوں ہم نے رسول کریم ﷺ کی عزت کی حفاظت کے لیے اور آپ کے خلاف گالیوں کا سدّ باب کرنے کے لیے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ایک ہی دن سینکڑوں جلسوں کا انعقاد کیا ہے۔ اور چونکہ اس اعلان کا موجب ہمارے عقائد نہیں کیونکہ انہی

عقائد کے معتقد خود مولوی محمد علی صاحب بھی رہے ہیں۔اورسب فرقہ ہائے اسلام ان کے معتقد ہیں۔ بلکہ ہماری خدمات اسلام ہیں۔''

اس پر حضرت امیر نے 3اگست کے پیغام صلح میں ایک مضمون ''ڈلہوزی کا معاہدہ اورمیاں صاحب کا طرزِعمل'' کے عنوان سے سپردقلم فرمایا ہے۔جس میں اوربھی بہت سی باتیں ہیں۔مگر جن مذکورہ بالاسطورکو میں نے نقل کیا ہے۔ان پر خاص زور دیا ہے اور اسے بدگمانی کی انتہا قرار دیا ہے۔ 17 جون کے جلسوں کے متعلق مسلمانوں نے بھی، جو داخل جماعت نہیں ہیں،اس دعوت پر جو میں نے انہیں مقامی جلسہ میں شرکت کے لیے دی تھی، بعینہٖ یہی اعتراضات کیے تھے جو کہ ''پیغام صلح'' نے پیش کئے ہیں۔ چنانچہ بعض دوست قطعاً شریک نہیں ہوئے۔اب اسے خواہ ان کی تنگ دلی اور تنگ نظری پر محمول کیا جائے یا حقیقت نفس الامری پر۔مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس قسم کی ذہنیت کا اظہار ہندوستان کے طول وعرض میں اکثر ہوا ہے۔ باوجود اس کے ان جلسوں میں اکثر مقامات پر غیر مسلم اصحاب بھی شریک ہوئے ہیں۔اس سے یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ اس کے متعلق خیالات کا اختلاف ضرور پایا گیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مسلمانوں کو، خواہ قادیانی جماعت میں داخل نہ بھی تھے اور لاہوری جماعت احمدیہ کو ان جلسوں میں شرکت کر کے زیادہ وسعت قلبی کا ثبوت دینا چاہئے تھا۔ کیونکہ اگرچہ قادیانی جماعت احمدیہ انہیں کافر اور بقول بعض مسلمانان غیراز جماعت احمدیہ ان سے مشرکین عرب کا سا سلوک کرتی ہے۔ یہ سب کچھ سہی مگر خیالات کی علویّت بھی کوئی شے ہے۔انہیں یہ دیکھنا تھا کہ ان جلسوں میں تو حضور سرور کائنات ؐ کی پاکیزہ زندگی کے پاکیزہ حالات بیان ہوں گے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے آریہ دوست یا مسیحی احباب رسول اکرمؐ کی زندگی پر لیکچر دلانے کا انتظام کریں تو کیا ہم اس میں اس وجہ سے شرکت نہ کریں گے کہ وہ ہمیں ملیچھ سمجھتے ہیں۔یا اگر مسلمان، سری رام چندیا سری کرشن جیسی بزرگ ہستیوں پر لیکچر دلانے کے لیے کوئی جلسہ ترتیب دیں،تو آریہ محض اس وجہ سے اس میں شریک نہ ہوں گے کہ مسلمان ہمیں کافر کہتے ہیں۔کم ازکم میری سمجھ میں نہیں آیا کہ مسلمانوں کے پاس ان جلسوں میں عدم شرکت کی کون سی وجوہ تھیں۔اوراگروہ کوئی تھیں تو کہاں تک معقول تھیں۔

مگر یہ لکھنا کہ لاہوری جماعت کے اس اعلان جنگ کا موجب قادیانی جماعت کی ''خدمات اسلام''

ہیں۔ یا یہ کہ ’’کیوں ہم نے رسول کریم ﷺ کی عزت کی حفاظت کے لیے اور آپ کے خلاف گالیوں کا سد باب کرنے کے لیے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ایک ہی دن سینکڑوں جلسوں کا انعقاد کیا ہے‘‘۔ایک ایسی بات ہے جن کی تائید میں ہمیں کوئی توجیہ ان تمام تحریروں سے نہیں ملتی جو اس معاملہ کے متعلق اخباروں میں آ چکی ہیں۔ لاہوری احمدیہ جماعت تو درکنار بلکہ غیر از جماعت مسلمانوں کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی عدم شرکت کی یہ وجوہ ہیں۔ بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر مجھے یہ کہنے میں بھی تامل نہیں ہے کہ عام طور پر یہ رائے غیر مسلموں کی نسبت بھی قائم نہیں ہو سکتی۔جنہیں محمدؐ (فداہ ابی وامی) سے کوئی بعیدی تعلق بھی نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اکثر شامل ہو کر اس کی عملی تردید کر دی ہے۔ چہ جائیکہ اس کے خادموں کی نسبت یہ رائے قائم کی جائے۔ رہا پیغام صلح کا اعلان جنگ، سو اس کی حقیقت اس سے بڑھ کر نظر نہیں آتی کہ وہ بقول ان کے قادیانی جماعت کے عقائد کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ سو یہ عقائد جنگ رکی کب تھی؟ جو اَب نئے سرے سے شروع ہونی بیان کی جاتی ہو۔ کیا قادیانی جماعت کہہ سکتی ہے کہ وہ لاہوری جماعت کے عقائد کے خلاف جنگ میں ابتدا ہی سے مصروف نہیں ہے۔

زیادہ افسوس کا مقام یہ ہے کہ آپس کی تنگ دلی اب یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ قادیانی جماعت کے سمجھدار افراد تک بھی اپنی لائبریریوں میں آریہ سماجی اور مسیحی اخبارات کا رکھا جانا پسند کر لیں گے، مگر پیغام صلح کی وہاں اجازت نہ ہوگی۔ میں نے اپنے ایک دوست سے، جو تعلیم یافتہ ہیں، اس کی وجہ دریافت کی تو جو کچھ انہوں نے فرمایا اس کا مفہوم یہ تھا کہ آریہ یا مسیحی اخبارات زہر کی کھلی گولیاں ہیں۔ ان سے عوام بچ سکتے ہیں مگر ’’پیغام صلح‘‘ شکر میں لپٹی ہوئی زہر کی گولی ہے۔ اس سے آدمی دھوکا کھا سکتا ہے۔ اللہ اکبر! میں نہیں جانتا کہ لاہوری جماعت کے گریجویٹ اور تعلیم یافتہ اپنی لائبریریوں میں قادیانی جماعت کے اخباروں سے کیا سلوک روا رکھتے ہوں گے (لاہوری جماعت نے کبھی ایسا امتیاز روا نہیں رکھا۔ پیغامِ صلح) اگر یہی ذہنیتیں قابل تعریف ہیں تو پھر ان مسلمان علماء کا کیا قصور ہے۔ جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ احمدی بننے سے آریہ بننا اچھا۔ ایک فرقہ کی دوسرے سے مخالفت اور پھر ایک ہی فرقہ میں باہمی تحتی فرقوں کی الجھن، بغض و عداوت یہ ایسی چیزیں ہیں کہ مجموعی طور پر مل کر اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہیں۔ میں نے اس کے متعلق بذریعہ مضامین توجہ دلائی مگر خدا کی شان ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ادھر تو ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان تمدنی، مذہبی، معاشرتی اور سیاسی حالت کے لحاظ سے ایک جہاد اور جنگ کی حالت میں ہیں۔ پس اسے قومی اور مذہبی فوقیت و برتری کے لیے اپنے انتہائی دلائل صرف کر دینے چاہئیں۔مگر اس طرف ''خلیفہ المسیح'' اور حضرت امیر ''الفضل'' اور ''پیغام صلح'' مع اپنے اپنے پیروؤں کے ایک زبردست محاذ جنگ خود اپنے درمیان میں قائم کر رہے ہیں۔ اُدھر مسلمانوں نے آپس میں اور پھر ان دونوں جماعتوں کے خلاف ایک علیحدہ ہی محاذ جنگ قائم کیا ہے۔اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔یہی دو جماعتیں ایسی تھیں جو تمام دشمنانِ اسلام کے خلاف زبردست استحکامات کا کام دے رہی تھیں۔ جب ان کی آپس ہی میں یہ کیفیت ہے تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔کسی فلاسفر نے درست کہا ہے کہ

> ''راحت و کامیابی کا انحصار گردوپیش کے حالات پر نہیں بلکہ خود ہماری ذات پر ہے۔ بہت قومیں خود اپنے لیے آپ تباہی کا باعث ہوئی ہیں۔ بہ نسبت اس کے کہ کوئی دوسرا انہیں تباہ کرتا''۔

افسوس یہ ہے کہ یہ دونوں جماعتیں باہمی بغض وعناد سے مخالفت کو اس حد پر لے جا رہی ہیں کہ اپنے دشمنوں کو انہوں نے اپنے خلاف منصوبہ بازیوں سے بالکل فارغ البال کر دیا ہے۔

میں نے ہمیشہ اس پر تعجب کیا ہے کہ مسلمانوں میں ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک قبلہ اور پھر اس سے بڑھ کر احمدیہ جماعت میں ایک مسیح موعود۔ اتنی باتیں مل کر بھی انہیں ایک مرکز پر نہیں لاسکتیں۔ مرکز درکنار، آپس میں رواداری اور احترام پیدا نہیں کر سکتیں اور ادھر دوسروں کو ان کے جداگانہ مذہب، جداگانہ کتب، جداگانہ خدا کے باوجود گائے کی عظمت کا مشترک عقیدہ، انہیں 97 فیصد متحد کیے ہوئے ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ سناتنی آریوں پر اور آریہ سناتنیوں پر قربان ہونے کو تیار ہیں، مگر بخلاف اس کے ہمارے ہاں ایک دوسرے کو قربان کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ یہ بھی کم تعجب کی بات نہیں کہ جب چھوٹے چھوٹے اختلافات پر دونوں جماعتوں کے اکابر متحد الخیال نہیں ہو سکتے۔ جب اسلام کے اس آخری زینہ پر پہنچ کر، جہاں سے مسیح موعود کا اعتقاد شروع ہوتا ہے، وہ باہمی مصروف پیکار ہیں۔تو غیر از جماعت لوگوں سے وہ کیا توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اصولی اختلافات میں ان سے متحد ہو سکیں گے۔ اگر یہ درست ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔تو پھر دونوں

جماعتیں آپس میں دست وگریباں ہوکر جونمونہ پیش کررہی ہیں، ان سے کیا سمجھا جائے۔ آج کل دنیا مسلمات اور معتقدات کونہیں دیکھتی بلکہ عمل کو دیکھتی ہے، اور جونمونہ ہم پیش کررہے ہیں وہ کسی تصریح کامحتاج نہیں ہے۔

سب سے بڑھ کرایک نقص یہ ہے کہ موجودہ چپقلش نہ صرف جماعت کے جاہل حصہ پر جسے طبقہ عوام کہنا چاہئے بلکہ تعلیم یافتہ طبقہ پر بھی برا اثر پیدا کررہی ہے۔ جماعت کا ناخواندہ حصہ تو اس آگ میں لکڑیاں ڈال رہا ہے۔ اور تعلیم یافتہ طبقہ میں سے، جو صاحب اس ذلیل کام میں مصروف نہیں ہیں وہ اس پر کم حیران نہیں ہیں کہ دونوں جماعتوں کی تعلیم تو یہ ہے کہ خدائی اخلاق پیدا کرو، دشمنوں سے بھی عداوت نہ رکھو، اپنے قاتلوں سے بھی ہمدردی کرو اور معبود اور عبد میں ایک برزخی کیفیت پیدا کرنے کے لیے اس لوہے کی مانند بن جاؤ جو آگ میں گرم ہوکر آگ کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ مگر اپنی یہ کیفیت ہے کہ جوش میں آکر ایک دوسرے کی نسبت مفتری اور لعنت اللہ علی الکاذبین جیسے الفاظ کہنے میں پرہیز نہیں کیا جاتا۔ تحریروں میں جوش اس قدر ہے کہ اگر تعزیرات ہند میں ازالہ حیثیت عرفی کو جرم نہ قرار دیا گیا ہوتا تو اب تک اس حد تک کبھی کی نوبت پہنچ گئی ہوتی۔ یہ اسی احساس کا اثر ہے کہ مولوی دوست محمد صاحب حجانہ نے جرأت ایمان سے کام لے کر سب سے پہلے اس پر قلم اٹھایا۔ میرے خیال میں پوشیدہ طور پر اور کئی مولوی دوست محمد صاحب ہوں گے جو موجودہ صورت حالات کو نہایت کراہت سے دیکھتے ہوں گے۔ دنیا ان جماعتوں کو دیکھ کر کیا کہتی ہوگی کہ جو لوگ یورپ وامریکہ تک اسلام کی مشعل لے جاکر نور اسلام پھیلانا چاہتے ہیں، وہ خود اپنے گھروں میں اس مشعل کو پھونکوں سے کیوں بجھا رہے ہیں۔ مجھے سب سے بڑا اندیشہ یہ ہے کہ لوگ ان دونوں جماعتوں کو دیکھ کر، جنہیں میں علیٰ وجہ البصیرت دنیا میں بہترین مؤید اسلام جماعتیں سمجھتا ہوں، اسلام کے متعلق کیا فیصلہ کررہے ہوں گے، کہیں لوگ اسلام میں آنے سے نہ گھبرانے لگیں۔ اسلام میں، جسے لوگوں نے فتنہ وفساد کا گھر بنا رکھا ہے، آپس کی اس عالمگیر نفرت، حقارت، نفاق، بغض وعداوت کو دیکھ کر جو اسلام کے مختلف فرقوں میں بڑھتی ہوئی آگ کی طرح پھیل رہی ہے، لوگوں کے لیے یہ فیصلہ مشکل ہو جائے گا کہ وہ کس جماعت میں داخل ہوں۔ یا سرے سے علیحدہ ہی رہیں۔ کہیں وہ علیحدہ رہنے کو زیادہ محفوظ نہ خیال کرنے لگیں۔

ذہنیتیں کچھ ایسی واقع ہوگئی ہیں کہ جو شخص بھی جرأت ایمانی سے کام لے کر دونوں جماعتوں کے

معائب ومحاسن پر ناقدانہ اور منصفانہ نظر کرتے ہوئے دونوں میں معائب ومحاسن کا جائزہ اظہار کرے گا، وہ دونوں جماعتوں میں قابل ملامت سمجھا جائے گا۔ ذہنیت یہ چاہتی ہے کہ ایک جماعت کو ایک عینک لگا کر دیکھو اور دوسری کو دوسری عینک لگا کر۔ اپنی جماعت کے متعلق ایسی عینک ہو جو اس کے معائب کو بھی محاسن ظاہر کرے اور دوسری جماعت کو ایسی عینک سے دیکھو جس میں محاسن بھی معائب بن کر دکھائی دیں۔ کسی کو کسی کا جائز حق نہ دو۔ اگر یہ صورت ہو تو ایک شخص ایک جماعت میں شامل سمجھا جا سکتا ہے، ورنہ دونوں جماعتیں اسے غیر خیال کریں گی۔ اگر کوئی شخص دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کا ادب کرے اور کہے کہ دونوں قابل تعظیم ہیں اور دونوں جماعتیں دنیا بھر میں بہترین کام کر رہی ہیں۔ تو سمجھو کہ وہ دونوں جماعتوں سے منقطع کر دیا گیا۔ قادیانی اسے لاہوری کہیں گے اور لاہوری اسے قادیانی۔ نہیں بلکہ اول الذکر اسے ''پیغامی'' اور مؤخر الذکر اسے ''محمودی'' سمجھیں گے۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ دشمن کی کسی بات کی تعریف کرنے والا بھی دشمن ہی ہوتا ہے۔ اگر یہی ذہنیتیں ہیں تو پھر وسعت خیالی اور انصاف پسندی کا جنازہ اُٹھا دینا چاہئے۔ ان سب باتوں کو بھی ذہن میں رکھتا ہوا میں آخر میں دونوں رہنماؤں، دونوں طرف کے اخباروں اور دونوں جماعتوں سے خدا کے نام پر، خدا کے رسول کے نام پر، مسیح موعود کے نام پر، انسانیت اور قومیت کے نام پر، اسلام کے نام پر اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (103:3) کے نام پر وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (46:8) کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ اس باہمی کشمکش کو بند کر دیں اور آپس میں گلے مل جائیں۔ ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھیں۔ محاذ جنگ قائم کرنے سے اجتناب فرمائیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی تعریف ہی یہ ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ. (29:48

❁ ❁ ❁

14 ستمبر 1928ء

حضرت امیر کے قلم سے

''قادیانی اور لاہوری تنازعہ'' پر تبصرہ

سید عبدالمجید صاحب کپورتھلوی کا خط ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے میرے پاس بھیجا ہے۔ ان کے خیالات کی عزت کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ ان کے دل میں اسلام کے لیے اور تمام اسلامی جماعتوں کے لیے درد ہے اور حق گوئی کی جرأت بھی ہے۔ وہ ان بہت ہی قلیل لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے ظاہری طور پر میاں محمود احمد صاحب قادیانی سے تعلق کے باوجود ان کے عقیدہ تکفیر مسلمین کے خلاف آواز اُٹھائی ہے اور آنحضرت ﷺ کے بعد اجرائے نبوت کے قادیانی عقیدہ کو وہ غلط سمجھتے اور کہتے ہیں۔ اس خیال کے اور بھی بہت لوگ میاں صاحب کی جماعت میں ہوں گے۔ لیکن حق گوئی کی جرأت ہر ایک کے حصہ میں یکساں نہیں آئی۔ ان کے خط کا اول و آخر درد دل سے لکھا ہوا ہے اور ان کی آخری اپیل وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا (103:3) وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا (46:8) اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ (96:23) اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ (10:49) کے سامنے کون مسلمان ہے جس کی گردن نہ جھکے گی!

ان کا خط آنے سے کئی روز پیشتر میں خود یہ سوچ رہا تھا کہ ہماری طاقت، جس کو اس وقت مسلمانوں کے اتحاد اور ان کی مضبوطی پر خرچ ہونے کی ضرورت ہے، آپس کے جھگڑوں میں صرف ہو رہی ہے۔ کیا اس سے نکلنے کا بھی کوئی طریق ہے؟ کیا یہ کسی طرح ہو سکتا ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ہم ان جھگڑوں سے بالاتر ہو کر اپنی ساری قوت کو اسلام اور مسلمانوں کی قوت اور بہتری کے لئے خرچ کر دیں؟ خود جماعت کے اندر دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ ایک وہ جو یہ چاہتے ہیں کہ ان جھگڑوں سے کلیۃً پرہیز کیا جائے۔ اور دوسرے وہ جو یہ چاہتے ہیں کہ جو پروپیگنڈا اس وقت قادیان سے شروع ہوا ہے اور وہ ایک خاص غرض کو سامنے رکھ کر شروع کیا گیا ہے، اس کے ایک ایک لفظ کا جواب دینا ضروری ہے۔ سید صاحب کا خط آنے سے پیشتر مجھے دونوں خیال کے احباب کے خطوط پہنچتے رہے ہیں۔

بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارا تنازعہ معمولی فروعی رنگ کا جھگڑا نہیں۔ اگر قادیان سے تکفیر مسلمین کا اعلان نہ نکلتا تو اس بات کے لیے بھی میں تیار تھا کہ نبوت کے جھگڑے کو ایک لفظی تنازعہ سمجھ لوں۔ مگر کلمہ گوؤں کو کافر قرار دینا ایک دو کو نہیں، چالیس کروڑ کلمہ گووؤں کو، جن کو حضرت مسیح موعود کے نام کی بھی خبر نہیں، خارج از اسلام کہنا اسلام کے لیے ایک مصیبت عظمٰی ہے۔ ہماری جماعت کی خاص بنیاد حضرت مسیح موعودؑ کے اس مسلک پر ہے کہ ایک مسلمان میں اگر ننانوے وجوہ کفر اور ایک وجہ اسلام بھی ہو، تو اسے مسلمان کہا جائے گا۔ اور اتحاد اسلام کا بنیادی پتھر یہی ہے۔ اور یہی ہوسکتا ہے کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے قائل، خواہ ان کے باہمی اختلافات کتنے بھی ہوں، سب مسلمان ہیں۔ جب ہم لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے قائل کو خارج از اسلام قرار دیتے ہیں تو گویا اس کلمہ ہی کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ بالخصوص اس حالت میں جب یہ عقیدہ ساتھ ہو کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل اس لیے کافر ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایک اور نبی پر ایمان نہیں لایا۔ اگر اس خطرناک تفرقہ پیدا کرنے والے عقیدہ کی مخالفت نہ کی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اتحاد اسلام کی جڑوں میں کلہاڑا چلتا دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا بھی گناہ عظیم ہے۔ بلاشبہ آپس کے جھگڑوں کو جس قدر ہو سکے کم کرنا چاہئے۔ تاکہ اتحاد اسلام ترقی کرے۔ لیکن جب ایک خیال اتحاد اسلام کی بنیاد ہی کو اکھاڑ رہا ہو تو کیا اس کے متعلق بھی یہ کہا جائے گا کہ اس کی تردید محض فروعی جھگڑوں میں پڑ کر اتحاد اسلام کو کمزور کرنے کے مترادف ہے؟ کلمہ گوؤں کو کافر قرار دینا خود اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ سے بغاوت ہے۔ اور اس بغاوت کو فرو نہ کرنا سخت غلطی ہوگی۔ اس لیے اس قسم کا تفرقہ پھیلانے والے کے گلے مل جانے کی نصیحت کچھ بے محل سی معلوم ہوتی ہے۔ اور اس بارے میں ہمارا روئے سخن کسی خاص فریق کی طرف نہیں، بلکہ کل شیدایانِ تکفیر مسلمین کی طرف ہے۔ ہاں ایک وہ لوگ ہیں جو دو چار کو یا ایک فرقہ یا ایک جماعت کو ''ضروریات دینی'' کا نام لے کر خارج از اسلام کرتے ہیں۔ اور ایک وہ شخص ہے جو آنحضرت کے بعد ایک نبوت قائم کر کے تمام مسلمانانِ روئے زمین کو خارج از اسلام قرار دیتا ہے۔ ان دونوں میں بھی فرق ہے۔ عزت و احترام کا سوال الگ ہے۔ کافر ہو یا کافر گو ہوں، مگر یہ مناسب نہیں کہ دوسرے مکفرین کی تکفیر بازی کو تو ہم نفرت کی نگاہ سے دیکھیں اور ایک احمدی وہی کام بلکہ اس سے بھی بدتر کام کرے، تو محض اس لیے کہ اس سے ہمارا ایک تعلق ہے اور وہ احمدی ہے، اس کو سر آنکھوں پر بٹھائیں۔ بحیثیت انسان یا بہ حیثیت کلمہ گو اپنی دنیوی حیثیت کے لحاظ سے جس عزت کا وہ مستحق ہے، وہ عزت اس کی کی

جائے، لیکن مسلمانوں کی تکفیر کے فعل پر جب تک ہم کھلے طور پر اظہار نفرت و ملامت نہ کریں، یہ بیماری مسلمانوں کے اندر سے دور نہیں ہوسکتی۔

ہم دو مصیبتوں کے درمیان ہیں۔ اگر تکفیر مسلمین کے بارے میں خاموشی اختیار کریں تو خدا اور اس کے رسولؐ کے سامنے جواب دہی کا خیال ہوتا ہے۔ اور اگر اس کی تردید کریں تو دوسری طرف سے اس اصل امر متنازعہ کی طرف سے توجہ پھیرنے کے لیے بیسیوں قسم کی اور باتیں شروع کر دی جاتی ہیں۔ جن میں پڑ کر بلاشبہ بہت سا وقت ہی ضائع نہیں ہوتا، جو کسی اچھے کام پر صرف ہوسکتا تھا بلکہ دوسروں کی نظر میں ہم قابل ملامت ٹھہرتے ہیں۔ اس موقع پر بھی کوئی اعلان جنگ ہم نے نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے ''اعلاناتِ جنگ'' کا عنوان، جو سید صاحب نے اپنے مضمون پر دیا ہے، ہم پر صادق آ سکے۔ صرف اس قدر ''پیغام صلح'' میں لکھا گیا تھا کہ ان کے عقائد کے خلاف ہم جنگ کریں گے۔ اور سید صاحب نے خود بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ایسا لکھنا کوئی اعلان جنگ نہ تھا۔ مگر جناب میاں صاحب نے محض اس بات پر اپنی جماعت کو خطرناک طور پر اکسایا اور ان کے جذبات نفرت کو، جو پہلے ہی کافی سے زیادہ ہمارے خلاف موجود ہیں، ابھارنے کی کوشش کی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو کشمکش اس وقت ہو رہی ہے اس میں ہماری طرف سے زیادتی کا امکان نہیں یا ہم غیر متعلق باتوں سے کلیۃً علیحدہ رہتے ہیں۔ مگر میری دلی خواہش یہی ہے کہ سوائے اس جھگڑے کے، جو مسلمانوں کی تکفیر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جس سے نبوت کا مسئلہ بھی وابستہ ہے، باقی امور سے ہم بچتے رہیں۔ قادیان والوں کے خیالات میں اس قدر تعالیٰ ہے کہ ان سے کوئی معاہدہ کرنا تو اب میری سمجھ سے باہر ہے۔ لیکن اپنے طور پر کوئی طریق تجویز کر لیں تو اس پر عملدر آمد کچھ مشکل نہیں۔ چونکہ یہ مسئلہ ساری قوم سے تعلق رکھتا ہے اور اس پر قومی شوریٰ کے بعد ہی درست راستہ تجویز ہوسکتا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ پر آئندہ کانفرنس میں، جو ہمارے سالانہ جلسے کے ساتھ ہوتی ہے، پوری بحث ہو جائے۔ اور اس کے بعد ہماری طرف سے جماعتی پالیسی کا اعلان ہو جائے۔ خاص اس امر کے متعلق کوئی اخبار میں بھی لکھنا چاہے تو لکھ سکتا ہے۔ تا کہ جماعت کو ایک صحیح فیصلے پر پہنچنے میں مدد ملے۔ اس وقت تک، جب تک یہ فیصلہ ہو، میں اخبار ''پیغام صلح'' کو یہ ہدایت کرتا ہوں کہ سوائے قادیانیوں کے عقیدہ تکفیر مسلمین اور اجرائے نبوت کے اور کسی مسئلہ پر کچھ نہ لکھیں۔ اور ان مسائل پر بھی جو بحث ہو وہ دلائل کے طور پر اور متانت سے

ہو۔مخالفین اپنے اخباروں میں جس قدر بھی غلاظت چاہیں اچھالیں۔اور ایک اخبار کو محض اس کام پر مامور کر کے ساتھ ساتھ اپنی جماعت کو اس کی توسیع اشاعت کی طرف بھی توجہ دلائیں۔مگر ہمیں جماعتی فیصلہ تک اس حد سے تجاوز نہ کرنا چاہئے۔اگر ذمہ دار کارکن کسی خاص معاملہ میں جواب کی ضرورت سمجھیں گے تو وہ علیحدہ بات ہے۔ لیکن اخبار کی عام پالیسی یہی رہے گی جو میں نے اوپر لکھی ہے۔

خاکسار

محمد علی

پیٹر برو۔ڈلہوزی

16 ربیع الثانی 1347ھ

ایک اداریہ

قادیانی رویہ اور حضرت امیر

اَے دِل تو نیز، خاطرِ ایناں، نِگاہ دار کاخر کنند، دعویِٰ حُبِّ پیمبرَم

جس دن سے میاں محمود احمد صاحب اور جماعت لاہور کے درمیان عقائد کی بحث شروع ہوئی ہے، ہمارا اور تمام جماعت لاہور کا ہمیشہ سے یہ مسلک رہا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ذاتیات کی بحث اور ایک دوسرے پر طعن و تشنیع سے مجتنب رہیں۔ قادیانی جماعت نے ہمیشہ گندے سے گندے طریق پر ہمیں مخاطب کیا اور گالیوں کا طومار باندھا۔ جس کو کوئی سلیم المزاج انسان آسانی سے برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن ہم نے اس قسم کی بہت سی باتوں کا جواب خاموشی سے دیا۔ اور جب کبھی مجبوراً کسی امر پر قلم اٹھایا تو حتی الوسع متانت وسنجیدگی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

گزشتہ دو ماہ سے جب سے کہ میاں محمود احمد صاحب کا ہمارے خلاف ''اعلان جنگ'' الفضل میں شائع ہوا، ان کی جماعت میں ان کے خاص ایماء سے ذاتی حملوں اور افتراء پردازیوں کا جو طوفان ہمارے خلاف برپا ہے، اس کو بھی ہم نے صبر وتحمل کے ساتھ برداشت کیا۔ لیکن جس دن سے قادیانی افتراء پردازیاں اس حد تک پہنچ گئیں کہ انہوں نے پاک ممبران لاہور اور بالخصوص حضرت امیر ایدہ اللہ جیسے متقی انسان پر ایک گمنام خط کے ذریعے سے غلیظ ترین ناپاک اتہامات لگائے، ہمارے صبر کا پیمانہ چھلک گیا اور ہم نے اقتضاء بشریّت کسی قدر درشتی سے کام لینا چاہا۔ اسی اقتضاء بشریت کی وجہ سے ہم نے گزشتہ اشاعت میں وہ مقالہ لکھا جس میں قادیانی سوالات پر کسی قدر تلخ تبصرہ کیا گیا تھا۔ لیکن باوجود اس کے کہ ہماری طاقت برداشت ختم ہوگئی اور ہمارا قلم بھی قادیانی افتراء پردازیوں کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لیے بے تاب ہوا۔ لیکن حضرت امیر کی عالی حوصلگی اور اخلاق محمدی قابلِ صد تحسین ہیں کہ گو غلیظ ترین الزامات آپ کی ذات پر لگائے گئے، مگر اسی اشاعت میں آپ کی

طرف سے یہ ہدایت شائع ہوتی ہے:

''میں اخبار پیغام صلح کو یہ ہدایت کرتا ہوں کہ سوائے قادیانیوں کے عقیدہ تکفیر مسلمین اور نبوت کے اور کسی مسئلہ پر کچھ نہ لکھیں۔ اور ان مسائل پر بھی جو بحث ہو وہ دلائل کے طور پر اور متانت سے ہو۔ وہ اپنے اخباروں میں جس قدر بھی چاہیں غلاظت اچھالیں اور ایک اخبار کو محض اس کام پر مامور کر کے ساتھ ساتھ اپنی جماعت کو اس کی توسیع اشاعت کی طرف بھی توجہ دلائیں۔ مگر ہمیں قومی فیصلے تک اس حد سے تجاوز نہ کرنا چاہئے۔ اگر ذمہ دار کارکن کسی خاص معاملہ میں جواب کی ضرورت سمجھیں گے تو وہ علیحدہ بات ہے۔ لیکن اخبار کی عام پالیسی یہی رہے گی جو میں نے اوپر لکھی ہے''۔

ہمیں افسوس ہے کہ اسی اشاعت سے ہم اس پاک ہدایت پر کاربند نہ ہو سکے۔ کیونکہ مقالہ مذکور اس سے قبل پریس میں جا چکا تھا۔ جس پر حضرت موصوف نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اپنی ہدایت کی طرف سختی سے ہمیں متوجہ کیا۔ اگر قادیانیوں کے سینوں میں دل ہیں اور دلوں میں کوئی پاک احساس باقی رہ گیا ہے تو خدا کے لیے غور کریں کہ کس فرشتہ سیرت انسان کو انہوں نے مجبور کیا کہ اپنی بریت کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ ''پیغام صلح'' اپنے قائم مسلک کے مطابق آئندہ ایسی تحریرات سے قطعاً مجتنب رہے گا جو مسئلہ تکفیر اور نبوت سے متعلق نہ ہوں اور متانت اور سنجیدگی ان میں نہ پائی جائے۔ خواہ قادیانی حضرات اس سے بھی بڑھ کر دشنام دہی اختیار کریں۔

❁ ❁ ❁

18 ستمبر 1928ء

حضرت امیر کے قلم سے

دعویٰ ازالہ حیثیت عرفی کا نوٹس

انجمن کی جنرل کونسل کے فیصلہ کے مطابق حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اپنے وکلاء کی معرفت ذیل کا نوٹس ''الفضل'' کے ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر کو دیا ہے۔

منجانب: 1- میاں عالم دین بی۔اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ۔ 2- حافظ محمد حسن بی اے۔ایل ایل بی ایڈووکیٹ 3- شیخ محمد دین جان بی اے۔ایل ایل بی ایڈووکیٹ 4- ملک محمد امین ایم اے۔ایل ایل بی ایڈووکیٹ

بنام: 1- غلام نبی ایڈیٹر ''الفضل'' 2- عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر پبلشر ''الفضل'' قادیان ضلع گورداسپور۔

7 ستمبر کے الفضل میں ''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ارکان کا کچا چٹھا'' کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے، اس میں آپ نے حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ لاہور و پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے خلاف ایسے الزامات شائع کیے ہیں، جن سے آپ کا مدعا اس عزت وتکریم کو کم کرنا ہے جو پبلک کی نظروں میں حضرت مولانا کو حاصل ہے اور حضرت موصوف کی

☆ سیّد سلیمان صاحب نے جہاں ''معارف'' میں میرے اس مضمون پر تنقید فرمائی ہے، وہاں میرے الفاظ کو نقل کر کے آخر پر استہزایہ فقرہ چسپاں کیا ہے۔ ''غلطی ہائے مضامین مت پوچھ'' غلطی کا تو مجھے انکار نہیں۔لیکن جناب سید صاحب نے اس موقع پر جو استہزا یہ کیا ہے گو میری غلطیاں اسی لائق ہوں، مگر ان کی فضیلت کے شایاں یہ نہ تھا۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ اس مضمون میں ایک نہیں دو غلطیاں ہیں۔اگر میں نے غلطی سے ہجرت سے ایک سال پہلے نکاح ہونا لکھ دیا تو کیا بخاری میں دونوں قول موجود نہیں؟ اور گو اب (معارف جولائی صفحہ 11) سید صاحب نے بخاری کے الفاظ فلبث سنتین او قریباً من ذٰلک و نکح عائشة کی اور توجیہ کی ہے۔مگر سیرت عائشہؓ میں وہ خود اختلاف کو تسلیم کر چکے ہیں:۔

> ''اس اختلاف کے موقع پر خود حضرت عائشہ کا قول زیادہ معتبر ہوسکتا تھا۔لیکن لطف یہ ہے کہ بخاری اور مسند میں خود ان سے دو روایتیں ہیں۔ایک میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین برس بعد نکاح ہوا اور دوسری میں ہے کہ اسی سال کا یہ واقعہ ہے''۔(سیرت عائشہؓ صفحہ 19)

شہرت کو آپ نے صدمہ پہنچانا چاہا ہے۔ حضرت مولانا ایک بہت بڑی جماعت کے امیر ہیں۔ جن میں نہایت اعلیٰ پوزیشن، اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ حیثیتوں کے لوگ شامل ہیں۔ اور آپ اپنے علم وفضل، نیکی اور پارسائی اور باوقار کیریکٹر کی وجہ سے تمام دنیا میں شہرت رکھتے ہیں آپ ایک بہت بڑے مصنف ہیں اور اسلام کے بارہ میں آپ کی تصنیفات مستند سمجھی جاتی ہیں۔ آپ کا انگریزی ترجمۃ القرآن اور اردو بیان القرآن اور آپ کی دیگر تصنیفات دنیا بھر میں پڑھی جاتی ہیں۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام جیسی عظیم الشان مجلس کو آپ کے نام کے ساتھ وابستگی کا شرف حاصل ہے۔ اور آپ کی جماعت کے ہزار ہا انسان اور عامۃ المسلمین آپ کو ایک بڑا با خدا انسان سمجھتے ہیں۔

ان تمام باتوں کو جانتے ہوئے اور حضرت مولانا کی گزشتہ زندگی سے پوری واقفیت رکھتے ہوئے، جس کا بڑا حصہ انہوں نے قادیان میں گزارا ہے۔ آپ نے نہایت ناپاک الزامات ان کے کیریکٹر پر عائد کئے ہیں۔ جو سخت نفرت انگیز اور بدترین قسم کا لیبل ہیں۔ آپ کو یقیناً خوب علم تھا کہ یہ الزامات قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں اور ان کی غرض و مدعا سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ حضرت مولانا کی شہرت کو نقصان پہنچایا جائے۔ اور اس مقدس کام کو تباہ کیا جائے جو حضرت ممدوح کو اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے۔ یہ مضمون فی الحقیقت سب وشتم کے اس باقاعدہ اور متواتر سلسلہ کا ایک جزو ہے جو گزشتہ دو تین ماہ سے آپ نے ''الفضل'' میں جاری کر رکھا ہے۔ اور اس حقیقت کے باور کرنے میں ذرّہ بھر شبہ نہیں ہوسکتا کہ مضمون محولہ بالا ان معاندانہ جذبات کا نتیجہ ہے جو آپ کے دل میں حضرت امیر کے لیے مرکوز ہیں۔ یہ بھی ہمیں علم ہے کہ اس مضمون کو اس جماعت کے ممبروں کے علم میں لانے کا خاص انتظام کیا گیا ہے۔ جس کی امارت کی باگ حضرت مولانا محمد علی صاحب ایدّہ اللہ بنصرہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرے لوگوں میں بھی اسے بہت کثرت کے ساتھ تقسیم کیا گیا ہے۔ اس بات کے جتانے کی ہمیں ضرورت نہیں کہ یہ مضمون بغیر کسی قسم کے اشتعال کے لکھا گیا ہے۔

یہ مضمون حضرت مولانا، آپ کے رشتہ داروں، آپ کے دوستوں، آپ کے مداحوں اور آپ کی جماعت کے ممبروں کے لئے نہایت سخت قلبی تکلیف اور صدمہ کا موجب ہوا ہے۔ ان حالات میں حضرت مولٰینا نے ہمیں یہ ہدایت کی ہے کہ آپ کو اس بات کا نوٹس دیں کہ آپ اس خط کے پہنچنے کی تاریخ سے 15 دن کے اندر حضرت موصوف سے غیر مشروط معافی مانگیں اور ''الفضل'' میں کسی نمایاں جگہ پر اسے شائع کریں۔ اور صوبہ بھر

کے دوسرے اخبارات میں بھی اسے شائع کروائیں۔ ورنہ ہم آپ کے خلاف (50,000) پچاس ہزار روپے ہرجانہ کا دعویٰ دائر کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اور اس کے علاوہ آپ اخراجات مقدمہ کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔ معافی نامہ میں صفائی کے ساتھ یہ لکھ دیا جائے کہ جو الزامات حضرت مولانا پر لگائے گئے ہیں وہ سب کے سب غلط اور بے بنیاد ہیں۔ اور ان کا شائع کرنا آپ کے لیے ایک سخت قابل شرم بات تھی۔ نامہ نگار کا نام بھی (اگر کوئی ہو) اس میں ظاہر کر دیا جائے۔ آپ کو یہ اختیار ہے کہ اگر معافی مانگنے کا ارادہ نہ ہو تو پندرہ دن کے اندر اندر پچاس ہزار روپیہ حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کر دیں۔ پروپرائیٹر ''الفضل'' کے نام علیحدہ نوٹس بھیجا جائے گا۔

(دستخط) میاں عالم دین (بی اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ)، حافظ محمد حسن (بی اے۔ ایل ایل بی۔ ایڈووکیٹ)، شیخ محمد دین جان (بی اے۔ ایل ایل بی۔ ایڈووکیٹ)، ملک محمد امین (ایم اے۔ ایل ایل بی۔ ایڈووکیٹ) مؤرخہ 17 ستمبر 1928ء

جواب نوٹس: حضرت امیر اید ہ اللہ کی طرف سے جو پچاس ہزار روپیہ تاوان کا نوٹس ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر ''الفضل'' کو دیا گیا تھا اور جو 18 ستمبر 1928ء کے ''پیغام صلح'' میں درج ہو چکا ہے۔ اس کا جواب 5 اکتوبر 1928ء کے ''الفضل'' میں شائع ہوا ہے۔ جو حسب ذیل ہے:

''بنام مولوی محمد علی صاحب پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور''

جناب من: مجھے میرے مؤکلین منشی غلام نبی صاحب ایڈیٹر اور بھائی عبدالرحمٰن صاحب پبلشر و پرنٹر اخبار ''الفضل'' قادیان نے ہدایت کی ہے کہ آپ کے نوٹس مؤرخہ 17 ستمبر 1928ء کے متعلق جو میرے مؤکلین کے پاس آپ کے قانونی مشیروں نے مضمون مندرجہ ''الفضل'' مطبوعہ 7 ستمبر 1928ء بعنوان ''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اراکین کا کچا چٹھا'' کے متعلق بھیجا تھا۔ آپ سے دریافت کروں کہ مضمون محولہ بالا میں آپ کے متعلق کون سے الزامات غلط اور توہین کرنے والے ہیں۔ نیز آپ کو یہ اطلاع دوں کہ آپ کی طرف سے اس استفسار کا ایسا جواب آنے پر، جس میں آپ الزامات کو مخصوص فرمائیں گے، آپ کے نوٹس کا جواب بھیجا جائے گا۔

فضل کریم بی اے ایل ایل بی وکیل ۔ چیمبر لین روڈ، بیرون موچی دروازہ ۔ لاہور

جواب الجواب: منجانب 1- میاں عالم دین صاحب بی اے ۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ، 2- حافظ محمد حسن صاحب بی اے ۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ، 3- شیخ محمد دین جان صاحب بی اے ۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ، 4- ملک محمد امین صاحب ایم اے ۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ ۔

بنام: 1- منشی غلام نبی ایڈیٹر ''الفضل'' قادیان (گورداسپور)، 2- شیخ عبدالرحمٰن قادیان پرنٹر پبلشر ''الفضل'' قادیان (گورداسپور) ۔

جناب من: آپ نے ہمارے نوٹس کے جواب میں اپنے یکم اکتوبر 1928ء کے خط میں جو کچھ لکھا ہے، وہ ہمارے لئے موجب حیرت ہے ۔ ہمارا خیال ہے کہ اس طریق سے وقت کو لمبا کر کے آپ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں ۔ اسی وجہ سے آپ نے ہر اس بات کا، جس کا ذکر ہم نے نوٹس میں کیا ہے، جواب دینے سے پہلوتہی کی ہے ۔ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے اس عجیب وغریب مطالبہ میں، کہ ہم مضمون محولہ میں سے ان خاص فقرات کو پیش کریں، جو ازالہ حیثیت کا موجب ہیں اور جن سے حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب (ایدّہ اللہ) کی شہرت کو صدمہ پہنچا ہے، کوئی ہمیں معقولیت نظر نہیں آتی ۔ مضمون مذکور غلط اور جھوٹے الزامات سے از سرتا پا معمور ہے ۔ بلکہ اس میں ایسے خطرناک الزامات بھی لگائے گئے ہیں جو اگر صحیح ہوں تو مولانا موصوف کو فوجداری قانون کی زد میں لے آتے ہیں ۔ باوجود اس کے آپ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم ایسے فقرات پر روشنی ڈالیں جو مضمون مذکور کو لائیبل بنا دیتے ہیں ۔

یہ بھی ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے نوٹس کا جو جواب آپ نے دیا ہے وہ اس بات کا مستحق تھا کہ فوراً مطلوبہ تاوان کا دعویٰ دائر کر دیا جاتا ۔ کیونکہ یہ جواب نہیں بلکہ تضحیک ہے ۔ لیکن حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب (ایدّہ اللہ) انتہا درجہ کے پاک منش بزرگ ہیں ۔ اور سوائے اس کے کہ آپ کی طرف سے انہیں عدالت میں جانے پر مجبور کیا جائے، وہ حتی الوسع اس سے پرہیز کریں گے ۔ وہ ان ناپاک الزامات کا، جو ان کے کیریکٹر پر لگائے گئے ہیں، کوئی نوٹس نہ لیتے ۔ اگر اس مقدس کام پر ان کا اثر نہ پڑتا جس کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کی ہوئی ہے ۔ باوجود اس مایوس کن جواب کے جو آپ نے دیا ہے حضرت مولانا نے ہمیں ہدایت فرمائی ہے کہ

آپ کو مزید دس دن کی مہلت دی جائے کہ آپ ان ناپاک حملوں کے لیے معافی کے طلبگار رہوں جو حضرت ممدوح پر آپ نے کیے ہیں۔

''الخلیل'' کی معذرت:

قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ ''الفضل'' کا وہ گمنام مراسلہ، جس میں اراکین احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور پر بعض غلط الزامات تراشے گئے تھے، معاصر ''الخلیل'' میں بھی کسی صاحب فضل دین کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اس لیے انجمن کی جنرل کونسل کے فیصلے کے مطابق ''الفضل'' کے ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر کے علاوہ ''الخلیل'' کے ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر کو بھی مولوی محمد یعقوب خاں صاحب کی طرف سے نوٹس دیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں ''الخلیل'' نے اپنی 18 اکتوبر 1928ء کی اشاعت میں ذیل کا معذرت نامہ شائع کیا ہے:۔

4 ستمبر 1928ء کے الخلیل میں فضل دین کے نام سے ایک مراسلت شائع ہوئی ہے۔ جس کی بنا پر دو نوٹس جماعت (احمدیہ لاہور) کی طرف سے ایڈیٹر اور پرنٹر پبلشر ''الخلیل'' کے نام موصول ہوئے ہیں۔ جن میں ہم سے معذرت کی خواہش کی گئی ہے۔ واقعات یہ ہیں کہ ''الخلیل'' ہمیشہ فرقہ دارانہ اور جماعتی جھگڑوں سے علیحدہ رہنے کا عادی ہے۔

چنانچہ ''الخلیل'' میں خواجہ کمال الدین اور خواجہ عبدالغنی اور جماعت احمدیہ لاہور کے مضامین بکثرت چھپتے رہے ہیں۔ اس جماعت کے مخالفین کا جب کوئی مضمون شائع کیا گیا ہے۔ اس پر کبھی ایڈیٹر کی طرف سے موافقت میں کوئی نوٹ نہیں لکھا گیا۔ بلکہ ہمیشہ یہ غرض رہی کہ لاہوری جماعت ہمارے اخبار میں اس کا جواب لکھ کر اپنی پوزیشن صاف کر لے۔ غالباً یہ ہماری نیک نیتی کی انتہائی دلیل ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے 14 اکتوبر کے ''الخلیل'' میں بسلسلہ مراسلات وہ نوٹس شائع کر دیا ہے۔ جو امیر جماعت لاہور کی طرف سے ایڈیٹر ''الفضل'' کو دیا گیا ہے۔ اور جو ہمارے پاس بغرض اشاعت بھیجا گیا تھا۔ ہمیں چونکہ جماعتی مناقشات سے دلچسپی نہیں ہے، اس لیے ہم نے ہر دو جماعت کے حالات تحقیق کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی اور نہ ذاتی طور پر ہمیں کسی رکن کی بھلائی یا برائی سے آگاہی ہے۔ مذہبی معلومات کے سوا ہم کسی رکن کی کارگزاریوں یا اس کے ذاتی افعال سے مطلق

بے تعلق ہیں۔ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ہم خود کسی کے ذمہ کوئی الزام لگانا پسند نہیں کریں گے۔ کیونکہ اگر ہم ایسا کریں تو وہ دیانتداری کے خلاف ہوگا۔ اس لیے معذرت میں ہمیں کوئی عذر نہیں۔ کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ حق وصداقت کے خلاف ہم کسی ایسی غلطی کا ارتکاب کریں جس کے حسن و قبح پر ہم کو خود وقوف نہ ہو۔فضل دین کی مراسلت میں جوالزام لگائے گئے ہیں ان کی نسبت ہم صحت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔نہ ہمیں اس قسم کی واقفیت ہے۔ اس لئے ہم اس تحریر کواس نوٹس کے جواب کے طور پر بطریق معذرت استعمال کر رہے ہیں جو ہمیں شیخ محمد دین جان بی اے۔ایل ایل بی ایڈووکیٹ کی طرف سے 26 ستمبر 1928ء کا لکھا ہوا2اکتوبر کوموصول ہوا ہےاور جس میں محمد یعقوب خاں صاحب ایڈیٹر لائٹ کا تذکرہ ہے۔ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری اس تحریر سے محمد یعقوب خاں صاحب اور جملہ ارکان جماعت احمدیہ لاہور مطمئن ہو جائیں گےاور ہم کو بالکل غیر جانبدار اور معذور تصور فرمائیں گے۔

❀ ❀ ❀

18 جمادی الاول 1347ھ

حضرت امیر کے قلم سے

پیغمبر اسلامؐ کے چودہ صد سالہ میلاد کی یادگار

میلاد النبی ﷺ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی مختصر سوانح عمری بنام ''پرافٹ آف اسلام'' (پیغمبر اسلام) میں نے لکھی تھی اور اس کی مفت اشاعت کے لیے خاص خاص دوستوں سے اپیل کی تھی۔ چنانچہ ان احباب کی توجہ سے پانچ ہزار سے زیادہ کاپی اس کتاب کی غیر مسلم زیادہ تر ہندو اصحاب میں مفت تقسیم ہو چکی ہے۔ اس چھوٹی سی کتاب کی اشاعت سے، جواب تک بہت محدود ہے، جس قدر اثر تعلیم یافتہ ہندو پبلک پر ہوا ہے، وہ ان خطوط سے ظاہر ہے جو ہر طرف سے آ رہے ہیں۔ اور زبانی طور پر بھی مختلف احباب نے یہ بیان کیا ہے کہ جن جن ہندو اصحاب کو انہوں نے یہ کتاب پہنچائی ہے، وہ اس سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ اس کتاب کے چھپنے کے فوراً بعد ہمارے مکرم دوست ملک شیر محمد خاں صاحب نے یہ تحریک کی کہ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا جائے اور خود ترجمہ کے کام کو اپنے ذمہ لیا اور اب یہ ترجمہ بالکل مکمل ہو کر میرے پاس پہنچ چکا ہے۔ ترجمہ نہایت سادہ اور سلیس عبارت میں کیا گیا ہے اور بڑی بھاری خوبی یہ ہے کہ یہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا۔ جزاک اللہ احسن الجزا۔ میری اپنی خواہش یہ ہے کہ نہ صرف اُردو میں بلکہ ہندوستان کی متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو کر یہ کتاب کثرت کے ساتھ غیر مسلم پبلک میں پھیلائی جائے تاکہ ہمارے مقتدر اہل وطن کے سامنے آپؐ کی وہ پاکیزہ تصویر آ جائے جو دشمن کو بھی جھکا لینے کی طاقت اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور جو کچھ بدزبانی گزشتہ سالوں میں ہندوؤں کی ایک خاص جماعت کی طرف سے کی گئی ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔ اگر ہر چھ ماہ کے بعد ہم اس کا ترجمہ ایک زبان میں شائع کریں تو تین چار سال کے اندر سارے ہندوستان میں اس ناواقفیت کو، جو اس وقت رسول پاک ﷺ کے حالات سے غیر مسلموں بلکہ خود مسلمانوں کو بھی ہے، ہم دور کر سکتے ہیں۔ اور ان غلط فہمیوں کو جو عملاً یا جہالت سے پھیلائی گئی ہیں رفع کر سکتے ہیں۔ اُردو، گورمکھی، ہندی، بنگالی، مرہٹی، گجراتی، تامل، تیلگو، ملیالم اور چند اور زبانوں میں اس کتاب کی اشاعت تمام ہندوستان میں اس نفرت اور عداوت کو، جو اس وقت موجود ہے۔ محبت کے جذبات میں تبدیل

کرنے میں بہت کچھ معاون ہوسکتی ہے۔ عملی راستہ رسول اللہ ﷺ کی عزت کے تحفظ کا ہے۔ کسی موقع پر صرف یہ آواز بلند کر دینے سے کہ فلاح شخص نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے ہمارا دل دکھایا ہے، حقیقتاً کوئی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات اپنے غیظ وغضب کے اظہار سے بڑھ کر اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر ان گستاخیوں کا سدباب کرنا ہے، اگر اس ملک میں اشاعت اسلام کے لیے کوئی عملی راستہ کھولنا ہے، تو اس کے لیے سب سے بڑھ کر یہ ضروری ہے کہ آنخضرت ﷺ کے صحیح حالات کو ہر طبقہ کے لوگوں تک پہنچایا جائے اور آنخضرت ﷺ کے چودہ صد سالہ میلاد کی یہ یادگار ہو کہ اس ملک کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں آپ کے صحیح حالات کو پہنچایا جائے۔

اس سلسلہ میں، جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں، انگریزی زبان میں پانچ ہزار سے زائد یہ کتاب مفت تقسیم ہو چکی ہے۔ جس کا بوجھ صرف خاص خاص احباب پر تھا۔ ابھی بعض احباب کے ذمے ان وعدوں کا ایفا باقی ہے۔ اس ایفا پر انجمن اس قابل ہوسکتی ہے کہ کوئی دو تین ہزار کاپی اس کتاب کی مختلف کالجوں کے طالب علموں کو بطور تحفہ پہنچائی جائے۔ اس کے علاوہ چونکہ اُردو ترجمہ ہو چکا ہے، اس لیے اردو دان پبلک کے سامنے بھی اس کو جلد سے جلد آ جانا چاہئے۔ انگریزی رسالہ پر محصول ڈاک 3 آنے فی رسالہ کے قریب خرچ پڑا تھا مگر اردو رسالہ پر اس سے کم خرچ آئے گا اور اگر تعداد زیادہ ہو تو غالباً ڈیڑھ آنے اور فی کاپی ورنہ 2 آنے فی کاپی میں یہ کام ہو جائے گا۔ اس کے لیے میں جملہ احباب جماعت ودیگر معاونین سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ دس کاپی فی روپیہ کے حساب سے یا اگر دس سے کم کاپیاں ہوں تو 2 آنے فی کاپی کے حساب سے اپنے اپنے ذمے کچھ کتابوں کی اشاعت لے کر اس کار خیر میں شریک ہوں۔ جو احباب پہلے انگریزی رسالہ کے لیے مدد کر چکے ہیں وہ اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ نہ سمجھیں۔ اور کم سے کم پچیس ہزار اردو رسالہ مفت شائع کرنے کے قابل انجمن کو کر دیں۔ ہر جگہ جہاں جہاں ہماری انجمن موجود ہے اس مضمون کو نماز جمعہ میں پیش کر کے ایک فہرست تیار کر کے بھیج دی جائے کہ کون کون احباب کتنی اشاعت اپنے ذمہ لیتے ہیں۔ آج یہی جہاد ہے جس میں شامل ہو کر ہم کچھ ثواب کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ میں خود اس کی ابتدا ایک سو کاپی سے کرتا ہوں۔ اگر اڑھائی سو آدمی بھی ایسا نکل آئے تو پچیس ہزار کاپی شائع ہوسکتی ہے۔ غرباء کی کمی کو امراء پورا کر دیں تو یہ چند دنوں میں پوری ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ

احباب معاونین کے دل میں اس عظیم الشان خدمت دینی کے لیے جوش پیدا کرے اور اپنے فضل سے ان لوگوں کے مالوں میں برکت دے جو خدا کی راہ میں قدم اٹھاتے ہیں۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

18 ستمبر 1928ء

''الفضل'' کے اتہامات پر جنرل کونسل کا رنج وغصہ

جیسا کہ اخبار احمدیہ میں بتایا جا چکا ہے 16 ستمبر 1928ء کو احمدیہ انجمن کی جنرل کونسل کا ایک خاص اجلاس مسجد احمدیہ انجمن لاہور کی گیلری میں منعقد ہوا۔ بیرونجات سے بہت سے اصحاب کو تاروں کے ذریعے سے بلوایا گیا تھا اور وہ سب کے سب اس بات کو سن کر کہ قادیان سے حضرت امیر ایدّہ اللہ کی ذات پر ناپاک حملے ہوئے ہیں، ان کی انسدادی تدابیر سوچنے کے لیے تاریں دیکھتے ہی لاہور آ گئے۔ ان اصحاب کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

1- جناب خان بہادر مولانا مولوی غلام حسن خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ پشاور، 2۔ خان بہادر غلام رسول تمیم خاں صاحب پنشنر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جھنگ، 3۔ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ڈپٹی کیمیکل ایگزامینر کوہ مری، 4۔ جناب حافظ محمد حسن صاحب بی اے۔ ایل ایل بی وکیل گجرات، 5۔ جناب میاں عالم دین صاحب بی اے۔ ایل ایل بی وکیل شیخوپورہ، 6۔ جناب شیخ نیاز احمد صاحب تاجر چرم وزیر آباد، 7۔ جناب شیخ محمد جان صاحب تاجر وزیر آباد، 8۔ جناب قاضی محبوب عالم صاحب اپیل نویس گوجرانوالہ، 9۔ جناب ڈاکٹر جلال الدین صاحب میڈکل پریکٹیشنر گوجرہ، 10۔ جناب قاضی ثناء اللہ صاحب سپرنٹنڈنٹ میڈیکل سٹورز ڈپو لاہور چھاؤنی۔

ان کے علاوہ مقامی ممبر بھی سب کے سب شامل جلسہ تھے۔ ان سب اصحاب نے متفقہ طور پر ان ناپاک اور غلط ترین الزامات پر نہایت رنج اور غصہ کا اظہار کیا جو حضرت امیر ایدّہ اللہ کی ذات اقدس کی طرف ''الفضل'' کے گمنام نامہ نگار نے منسوب کئے ہیں۔ اور اس بات کا بالاتفاق فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کی رات دن کی شرارتوں اور ایسے ناپاک الزامات کا علاج سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے اور پچاس ہزار روپیہ تاوان کا دعویٰ فوراً ان پر کیا جائے۔ چنانچہ اسی وقت وکلاء جماعت نے مل کر نوٹس کا ایک مسوّدہ مرتب کیا۔ جس کا ترجمہ اس اشاعت میں صفحہ 2 پر ہدیہ قارئین کرام ہے۔ نوٹس باضابطہ جاری کر دیا گیا ہے۔

آخری نبی نمبر:

خدا کے فضل و کرم سے ''پیغام صلح'' کا آخری نبیؐ نمبر تمام ملک میں خاص مقبولیت کی نظروں سے دیکھا گیا ہے۔ اور اسلامی جرائد میں عام طور پر اس پر نہایت عمدہ ریویو شائع ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ بعض احباب نے پرائیویٹ خطوط میں بھی اس نمبر کے متعلق اپنے اعلیٰ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے چند ایک جرائد اور ایک دو اصحاب کی آراء کو نقل کرتے ہیں۔ آئندہ اشاعت میں بزرگان ملت کی آراء درج ہوں گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ

''منادی'':

لاہور کے سہ روزہ اخبار ''پیغام صلح'' نے بہت شاندار میلاد نمبر شائع کیا ہے۔ مگر اس کا نام آخری نبیؐ نمبر رکھا ہے۔ اس نمبر میں تبلیغی لحاظ سے بہت ہی مفید مضامین جمع کیے گئے ہیں۔

''وکیل'':

عید میلاد النبی ﷺ کی تقریب پر محترم معاصر ''پیغام صلح'' نے ''آخری نبیؐ نمبر'' کے نام سے اپنا خاص نمبر شائع کیا ہے۔ جس کے مضامین کو سات حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ 1- ختم نبوت پر اصولی بحث، 2- محاسن و اخلاق نبویؐ، 3- ختم نبوت کے خلاف اعتقادات کا ردّ، 4- غیر مسلم اصحاب کی طرف سے عقیدت کے پھول رحمۃ للعالمین کے قدموں میں، 5- خواتین کے مضامین، 6- متفرقات، 7- نعتیہ نظمیں اور قصائد۔ مضامین ہر حیثیت سے قابل تحسین و ستائش ہیں۔ ضخامت علاوہ سرورق رنگین 32 صفحات۔ کتابت وطباعت اور قرطاس نہایت اعلیٰ۔

''توحید'':

پیغام صلح جو جماعت احمدیہ لاہور کا آرگن ہے اس کا 12 ربیع الاول کا (آخری نبیؐ نمبر) کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ ختم نبوت سیّد المرسلین ﷺ کے متعلق بعض مشہور اہل قلم کے مضامین ہیں۔ جیسے مولوی محمد علی

صاحب ایم اے امیر جماعت احمدیہ اور مولوی صدرالدین صاحب بی اے۔ان مضامین میں نبی صلعم کا خاتم النبیین ہونا ثابت کیا گیا ہے۔حصہ سوم میں اس عقیدہ کے خلاف یعنی جماعت احمدیہ قادیان کی خیالات کی تردید کی گئی ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں بعض مضامین ایسے بھی آ گئے ہیں جن میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مجددیت اور ماموریت کو ثابت کر کے مشہور اسلامی عقیدہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی تردید کی گئی ہے۔لیکن ان کے علاوہ دوسرے مضامین بیشک قابل مطالعہ اور قابل قدر ہیں۔اس کے علاوہ آپؐ کے محاسن، عام اخلاق، مصلحین عالم میں آپؐ کی خصوصیات۔ کامیاب مبلغ، داعی اور مصلح اعظم ہونے کی حیثیت کو نہایت عمدہ طریق پر پیش کیا ہے۔سرورق کے علاوہ 32 صفحات پر یہ پرچہ مشتمل ہے۔سرورق نہایت خوبصورت اور دلآویز ہے۔

سیّد امتیاز علی تاج:

مولانا سیّد امتیاز علی تاج اپنے ایک پرائیویٹ خط میں رقمطراز ہیں۔''میں نے اخبار پیغام صلح کا ''آخری نبیؐ نمبر'' دیکھا۔مفید جامع اور دلنشین مضامین خاص محبت اور کوشش سے اس کے لیے فراہم کیے گئے ہیں۔آج کل، جبکہ مذہب سے عام طور پر بے پروائی برتی جارہی ہے، اس قسم کے نمبروں کی اشاعت اور ایسے مضامین کا مطالعہ بے انتہا فائدہ منداور اشاعت اسلام کے لیے بے حد ضروری ہے۔تمام خوبیوں کے ساتھ اس کی قیمت اس قدر ارزاں رکھی گئی ہے کہ ہر شخص اس دل پسند تحفہ کو آسانی خرید سکتا ہے۔اور اس سے مستفید نہ ہونے کے لیے کوئی بہانہ اس کے پاس نہیں۔

نومبر 1928ء

حضرت امیر کے قلم سے

حضرت عائشہؓ کی عمر

مولانا سیّد سلیمان ندوی کے اعتراضات کا جواب

صغرسنی کی شادی اور حضرت عائشہؓ

: حضرت عائشہؓ کی عمر کا سوال مدت سے میرے دل میں کھٹکتا رہا ہے۔ نہ اس لیے کہ میں نے اس بات کو ناممکن سمجھا ہو کہ نو سال کی غیر معمولی قوت کی لڑکی حد بلوغ کو پہنچ جائے۔ اور اس میں تعلقات از دواجی کی صلاحیت پیدا ہو جائے بلکہ اس لیے کہ ایک طرف اگر وہ احادیث تھیں، جن میں حضرت عائشہؓ کی عمر کا بوقت نکاح چھ یا سات سال ہونا اور بوقت رخصتانہ 9 سال ہونا بیان کیا گیا ہے، تو دوسری طرف بعض ایسی احادیث بھی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت عائشہؓ کا سن اتنا چھوٹا نہ تھا۔ مگر میں نے اس سوال پر کبھی غائر نظر نہیں ڈالی۔ سال رواں میں جب صغرسنی کی شادی کے متعلق ایک بل اسمبلی میں پیش ہوا۔ تو مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ میں بھی اس امر پر اپنے خیالات کا اظہار کروں کہ کیا صغرسنی کی شادی اگر قانوناً روک دی جائے تو یہ امر خلافِ شریعت اسلامی ہوگا؟ میں نے اس مسئلہ پر غور کیا تو میری سمجھ میں یہی آیا کہ ایسی ممانعت خلافِ شریعت اسلامی نہیں۔ کیونکہ شریعت اسلامی کا منشاء بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شادی بلوغ کے بعد ہو۔ چنانچہ میں نے اپنی جماعت کے چند علماء کے خیالات کو بھی معلوم کیا تو ان کی رائے کو اپنی رائے کے موافق پایا اور ایک مضمون اس موضوع پر انگریزی میں لکھ کر اخبار ''لائٹ'' میں شائع کیا۔ اس مضمون کے ذیل میں مجھے اس بات کا جواب دینے کی بھی ضرورت محسوس ہوئی جو صغرسنی کی ممانعت کو خلاف شریعت اسلامی قرار دینے والوں کی طرف سے زور سے پیش کی گئی تھی کہ حضرت عائشہؓ کی شادی صغرسنی میں ہوئی اور جب خود پیغمبر ﷺ اس کے مجوّز ہوں تو اور کسی کو کیا حق ہے کہ وہ صغرسنی کی شادی کو روک سکے!

اصل مبحث: اس مضمون کا اردو ترجمہ منشی دوست محمد صاحب ایڈیٹر پیغام صلح نے خود کر کے پیغام صلح میں بھی شائع کیا۔ پیغام صلح میں یہ جواب ان الفاظ میں تھا:

''اس کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے اس وقت شادی کی جب وہ چھ یا سات سال کی عمر میں تھیں۔ ایسی احادیث کو اگر معتبر بھی سمجھا جائے تو بھی یہ ایک مسلّم بات ہے کہ شادی اور طلاق کے قوانین، جو قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں، مدینہ میں نازل ہوئے اور حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کا نکاح اس وقت ہوا جب ابھی آپؐ مکہ میں تھے۔ اس لیے اگر یہ نکاح فی الحقیقت حضرت عائشہ کی صغرسنی ہی میں ہوا ہو تو بھی اسے اس قانون کے بالمقابل، جو بعد میں نازل ہوا اور اس کے اس صحیح مفہوم کے خلاف جو خود آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا، بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا''۔

اس جواب کے ساتھ ہی ذیل کے الفاظ بھی ہیں جو ''پیغام صلح'' سے ہی نقل کرتا ہوں:

''لیکن یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ سے نکاح کے وقت فی الحقیقت اس قدر صغیر سن نہ تھیں۔ معتبر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں اور حضرت اسماءؓ کی عمر اس وقت، جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ کو ہجرت کی، ستائیس سال تھی۔ اس لحاظ سے حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے ایک سال قبل ان سے شادی کی سولہ سال تھی''۔

اس جواب سے یہ ظاہر ہے کہ میرے مضمون کا اصل مبحث حضرت عائشہؓ کی عمر نہ تھا بلکہ صغرسنی کی شادی تھا۔ اور حقیقی جواب جو میں نے دیا ہے وہ اسی کا تھا کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح مکہ میں ہوا اور نکاح کے قوانین، جو قرآن کریم میں نازل ہوئے، وہ اس کے بعد مدینہ میں نازل ہوئے۔ اور یہ جواب یہ فرض کر کے دیا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی شادی صغرسنی میں ہوئی۔ لیکن ضمناً یہ بات بھی بیان کر دی گئی ہے کہ یہ باور کرنے کے وجوہ بھی ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت اتنی تھوڑی نہ تھی۔

بناءِ استدلال:

اس مضمون کے نکلنے پر، اور پھر اس پر جو تنقید ''معارف'' (جولائی) میں ہوئی، مجھے متعدد خطوط موصول ہوئے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر کے سوال پر پوری روشنی ڈالی جائے۔ مگر سب سے بڑھ کر ریاست علی صاحب ندوی کا اصرار رہا کہ میں ان روایات کا پتہ دوں جس کے لیے انہوں نے متعدد خطوط بھی منشی دوست محمد صاحب کو لکھے کہ میں اپنی غلطی کا اقرار کروں۔ سو یہ تو درست ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کے حضرت اسماءؓ سے دس سال چھوٹے ہونے کا حوالہ میں نے دیا تو میرے ذہن میں ''اکمال'' کا حوالہ بھی تھا جو پچھلے دنوں بصورت اشتہار شائع ہوا اور جس پر سیّد سلیمان صاحب نے ''معارف'' میں تنقید ☆ بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ میرے ایک کرم فرما نے مجھ سے ذکر کیا کہ ان کے پاس ''اسد الغابہ'' کا ایک حوالہ ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت بارہ سال تھی۔ اتفاق سے اسد الغابہ میرے پاس نہ تھی۔ اور چونکہ انہوں نے اعتماد سے یہ کہا کہ ایسا حوالہ موجود ہے مگر کتاب اس وقت نہیں ملی۔ اس لیے میں نے ان کی یادداشت پر اعتبار کیا۔ (البتہ اب جو کتاب اسد الغابہ میں نے منگوا کر دیکھی تو حضرت عائشہؓ حضرت اسماءؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے تذکرے میں مجھے یہ حوالہ نہیں ملا۔ گو میرے وہ دوست اب بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسی عبارت اسد الغابہ میں پڑھی ہے اور فرصت ملنے پر وہ اس کو نکال دیں گے) مگر ان سے بڑھ کر مجھے خود بعض معتبر احادیث کی بنا پر یہ خیال تھا کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت اتنی چھوٹی نہ تھی۔

ضمنی بحث کی وجہ سے کم توجہی:

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق چونکہ ضمنی ذکر کیا تھا اور اصل مبحث کچھ اور تھی جس پر عمر کے چھوٹا یا بڑا ہونے سے کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ اس لیے میں نے اس پر کوئی زیادہ توجہ نہیں کی۔ اور ان امور کی بنا پر، جو میرے ذہن میں موجود تھے، حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق وہ الفاظ لکھے جن کو اوپر نقل کر چکا ہوں۔ ان میں علاوہ عمر کے بڑا ہونے کے یہ ذکر ہے کہ ہجرت سے ایک سال پہلے حضرت عائشہؓ کی شادی ہوئی۔ حالانکہ ایک سال پہلے نہیں بلکہ تین سال پہلے نکاح ہوا تھا۔ گو روایتیں دونوں قسم کی موجود ہیں۔ یعنی بعض روایتوں میں تین اور بعض میں ایک سال قبل ہجرت حضرت عائشہؓ سے نکاح کا ذکر ہے۔

نو سال کی عمر میں نکاح کی روایات:

یہ تو محض تمہیدی باتیں ہیں۔ اب میں اصل مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ روایات کے بڑے حصہ کا اس بات پر اتفاق نظر آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال تھی اور رخصتانہ کے وقت 9 سال تھی۔ اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت اٹھارہ سال تھی۔ لیکن طبقات ابن سعد میں دو روایتیں حضرت عائشہؓ کے ذکر میں ایسی ہیں جن میں نو سال کی عمر میں نکاح کا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ جلد ہشتم صفحہ 41 پر ہے تَزَوَّجَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِيْنَ یعنی رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا جب وہ نو سال کی تھیں۔ اور صفحہ 42 پر ہے نَكَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ وَهِيَ اِبْنَةُ تِسْعِ سَنَوَات اَوْسبع یعنی آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا اور ان کی عمر اس وقت نو یا سات سال کی تھی۔ یہ کہا جائے گا کہ اس اختلاف کی کوئی ایسی توجیہ کرنی چاہئے جو ان روایات کو کثرت روایات کے مطابق کر دے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ کثرت روایات میں جو عمر بتائی گئی ہے وہ بروئے حساب درست نہیں آتی۔ اور روایتاً ان روایات کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ جیسا کہ میں نے کہا کثرت روایات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال اور رخصتانہ کے وقت نو سال تھی۔ اب اگر نکاح اور رخصتانہ کی تاریخوں کو دیکھا جائے تو ان روایات کی صحت میں، گو وہ بخاری، مسلم یا مسند احمد میں ہوں، سخت شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

تاریخ نکاح کی روایات:

حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تاریخ پر روایات میں اختلاف تو ضرور ہے۔ لیکن اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ مستند یہی ہے کہ نکاح 10 نبوی میں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تھوڑے دن بعد ہی ہو گیا۔ اور اس کے بعد معاً ہی حضرت سودہؓ سے نکاح ہوا۔ یعنی حضرت عائشہؓ سے آنحضرتؐ کا نکاح پہلے ہوا اور حضرت سودہؓ سے اس کے بعد ہوا۔ اور چونکہ حضرت سودہؓ سے نکاح 10 نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال پیشتر ہونا ایک مسلم امر ہے۔ جیسا کہ سید سلیمان صاحب نے بھی سیرت عائشہؓ کے صفحہ 69 پر لکھا ہے۔ تو یہی حضرت عائشہؓ کے نکاح کے 10 نبوی میں ہونے پر ایک فیصلہ کن امر ہے۔ حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تاریخ کے متعلق جو اختلاف روایات میں ہے وہ

حضرت خدیجہؓ کی وفات کی تاریخ میں اختلاف سے پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے۔یعنی بعض مؤرخین نے حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہجرت سے پانچ اور بعض نے ہجرت سے چار سال پیشتر مانا ہے۔ان کے نزدیک حضرت عائشہؓ کے نکاح اور حضرت خدیجہؓ کی وفات میں ایک دو سال کا فرق ہوگا۔مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کی وفات 10 نبوی میں ہوئی۔تو اسی فرق کی بنا پر یہ خیال کرلیا گیا کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ہجرت سے ایک یا دو سال پیشتر ہوا۔بہرحال روایات میں اختلاف ہے۔اور خود بخاری کی روایات دونوں طرح کی ہیں۔یعنی بعض میں حضرت عائشہؓ کا نکاح ہجرت سے تین سال اور بعض میں ایک سال پیشتر مانا گیا ہے۔تو ظاہر ہے کہ دونوں روایات میں سے ایک قسم کی روایات یقیناً غلط ہیں۔خواہ وہ بخاری میں ہوں یا مسلم میں۔اس لیے تنقیدی امور میں جذبات کو برانگیختہ کرنا کہ کیا ہم بخاری یا مسلم کو غلط مانیں، صحیح طریق نہیں۔اس میں شک نہیں کہ بخاری بڑے اعلیٰ پایہ کی اور حدیث کی سب سے زیادہ مستند کتاب ہے۔لیکن وہ کتاب اللہ نہیں۔اس لیے غلطیاں اس میں بھی ہیں۔حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تاریخ کے بارے میں جو اختلاف ہے اس میں جمہور محققین نے یہی صحیح مانا ہے کہ 10 نبوی نکاح کی تاریخ ہے۔جیسا کہ خود سید سلیمان ندوی صاحب نے بھی مانا ہے:

> ''جمہور محققین کا فیصلہ یہ ہے اور روایات کا کثیر اور مستند حصہ اسی کا مؤید ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تقریباً تین برس پہلے رمضان میں انتقال کیا۔اور اسی کے ایک مہینے کے بعد شوال میں حضرت عائشہؓ سے نکاح ہوا''۔(سیرت عائشہؓ۔صفحہ 19)

تاریخ رخصتانہ:

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں کب آئیں۔سو اس میں بھی اختلاف تو ضرور ہے۔یعنی بعض روایات میں ہجرت سے آٹھ ماہ بعد اسے قرار دیا ہے اور بعض میں اٹھارہ ماہ بعد۔سید سلیمان صاحب نے سیرت عائشہؓ میں علامہ عینی کے قول کو کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی جنگ بدر کے بعد ہوئی۔یعنی م0ھ میں رد کرتے ہوئے شوال 1ھ کو صحیح قرار دیا ہے(صفحہ 24)اور حاجی معین الدین صاحب ندوی نے ''خلفائے راشدؓین'' میں ہجرت کے بعد دو سال کو صحیح قرار دیا ہے۔(خلفائے راشدین صفحہ 6)سید سلیمان صاحب نے

2ھ میں رخصتانہ کے قول کو صرف اس لیے رد کیا ہے کہ ''اس بیان کے موافق حضرت عائشہؓ کا دسواں سال ہوگا''۔ غالبًا ان کی توجہ اس طرف نہیں گئی کہ اگر ہجرت کا پہلا سال بھی رخصتانہ کا مانا جائے تو حضرت عائشہؓ کی عمر کا ان روایات کے مطابق بھی یہ دسواں سال نہیں، گیارہواں سال تھا۔شوال 10 نبوی میں نکاح ہوااوراس وقت عمر چھ یا سات سال کی بتائی جاتی ہے۔ اس حساب سے شوال 13 نبوی میں یعنی ہجرت سے چھ یا سات ماہ پیشتر حضرت عائشہؓ کی عمر 9 یا10 سال ہوچکی تھی۔اور شوال 1ھ کو بھی تاریخ رخصتانہ اگر مانا جائے تو حضرت عائشہؓ اس وقت ان روایات کے مطابق بھی پورے دس سال کی ہوکر گیارھویں سال میں داخل ہوچکی تھیں۔یا گیارہ سال کی ہوکر بارھویں سال میں داخل ہوچکی تھیں اور نو سال کی عمر کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ٹھہرتی۔لیکن درست وہی ہے جو عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کا رخصتانہ جنگ بدر کے بعد 2ھ میں ہوا۔اسی کے موافق علامہ عبدالبر نے بھی ''اسعیاب'' میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کا رخصتانہ نبوت سے اٹھارہ ماہ بعد ہوا۔تو اس حساب سے حضرت عائشہؓ رخصتانہ کے وقت ان روایات کی بنا پر بھی گیارہ سال کی ہوکر بارھویں سال میں یا بارہ کی ہوکر تیرھویں میں داخل ہوچکی تھیں۔بہرحال اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ اگر یہ روایات درست ہیں تو حضرت عائشہؓ کی اپنی عمر بیان کرنے میں کچھ غلطی لگی ہے۔کیونکہ ان کے نکاح اور رخصتانہ میں پورے پانچ سال کا فرق تھا۔اور چار سال سے کم تو کسی صورت میں نہ تھا۔اس لیے اگر ان کی عمر بوقت نکاح چھ یا سات سال کی مانی جائے، جیسا کہ اکثر روایات میں ہے،تو بوقت رخصتانہ نو سال کی عمر ہونا ناممکنات سے ہے۔

دوسری روایات سے عمر کا قیاس:

اس کے علاوہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح یعنی 10 نبوی میں اس قدر کم نہ تھی یعنی چھ یا سات سال جیسے ان روایات سے معلوم ہوتا ہے۔اور یہی وہ روایات ہیں جن کی وجہ سے مجھے پہلے پہلے یہ شبہ پیدا ہوا کہ ان روایات میں جن میں نکاح کے وقت چھ یا سات سال عمر بتائی گئی ہے، کچھ نقص ضرور ہے۔یہ روایات بھی صحیح بخاری کی ہیں۔ایک روایت کتاب التفسیر میں سورۂ قمر کی تفسیر میں ہے جس کی راوی خود حضرت عائشہؓ ہیں: **قَالَتْ لَقَدْ اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ بِمَکَّۃَ وَاِنِّیْ لَجَارِیَۃٌ اَلْعَبُ (بَلِ السَّاعَۃُ مَوْعِدُھُمْ وَالسَّاعَۃُ اَدْھٰی وَاَمَرُّ** (46:54)۔یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر مکہ میں یہ آیت

نازل ہوئی اور میں اس وقت لڑکی تھی اور کھیلا کرتی تھی، بَلِ السَّاعَةُ مُوْعِدُهُمْ۔ اب یہ آیت سورۂ القمر میں ہے۔ اور سورۂ قمر کا نزول ابتدائی مکی زمانہ کا ہے۔ کیونکہ اس میں معجزہ شق القمر کا ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ معجزہ ابتدائی زمانہ کا ہے۔ کیونکہ بعد میں کفار کی مخالفت آنحضرت ﷺ سے اس قدر سخت ہوگئی تھی کہ انہوں نے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا اور یہ 7 نبوی کا واقعہ ہے۔ اور دوسرے سورۂ نجم اور سورۂ قمر کا باہم بہت تعلق ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے تسلیم کیا ہے۔ اس لیے ان کا نزول بھی ایک ہی زمانہ کا ہونا چاہئے۔ اور سورۂ نجم کا 5 نبوی میں نازل ہونا یقینی امر ہے۔ پس اسی وقت کے قریب قریب سورۂ قمر بھی نازل ہوئی۔ اور جن لوگوں نے آیات سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ (45:54) کا مدینہ میں نازل ہونا مانا ہے، انہیں یہ غلطی اس لیے لگی ہے کہ یہ آیات آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر کے موقع پر تلاوت فرمائی تھیں۔ یہ بتانے کو کہ ان میں وہ پیشگوئی ہے جو بدر کے دن پوری ہوئی۔ تو بعض لوگوں نے غلطی سے ان کا نزول مدینہ میں سمجھ لیا۔ پس 5 نبوی یا 6 نبوی کا ان آیات کا نزول ہے۔ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اس وقت لڑکی تھی اور کھیلا کرتی تھی۔ اور پھر ان آیات کو سن کر سمجھ کر یاد بھی رکھتی تھی۔ تو یہ پانچ چھ سال سے کم عمر کا زمانہ نہیں ہوسکتا۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر 10 نبوی میں بوقت نکاح چھ یا سات سال ہونا قرین قیاس نہیں۔ اور اگر یہ روایات صحیح ہیں تو اپنی عمر کے بیان کرنے میں انہیں غلطی لگی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت:

اسی کی تائید بخاری کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو باب ہجرت النّبی ﷺ میں آتی ہے۔ اور یہ روایت بھی حضرت عائشہؓ کی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے ماں باپ کو دین اسلام پر پایا اور کوئی دن نہیں گزرتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ صبح اور شام ہمارے ہاں آتے تھے۔ پھر جب مسلمانوں پر مصائب آئے تو ابوبکرؓ سرزمین حبش کی طرف نکلے۔ اب حضرت ابوبکرؓ تو پہلے مسلمان ہیں اور حضرت عائشہ کی والدہ ام رومانؓ بھی ابتدائی مسلمانوں میں سے ہیں۔ جن کا اسلام لانا 3 نبوی یا اس سے پیشتر کا ہے۔ کیونکہ وہ سترہ آدمیوں کے بعد اسلام لائیں اور 4 نبوی میں چالیس لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور اس کے ساتھ جو حضرت عائشہ نے واقعہ بیان کیا ہے، یعنی حضرت ابوبکرؓ کا ہجرت کر کے حبش کی طرف نکلنا یہ 5 نبوی کا واقعہ ہونا چاہئے۔ اور اس سے پیشتر رسول اللہ

ﷺ کا حضرت ابوبکر کے ہاں صبح اور شام جانا حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں۔ اور اسے وہ اپنے ہوش کا زمانہ بتاتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہوش کا زمانہ پانچ چھ سال سے کم عمر کا نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ ان روایات کے مطابق، جن میں حضرت عائشہؓ نے اپنی عمر بیان کی ہے، 5 نبوی ان کی پیدائش کا زمانہ بنتا ہے۔

عمر کے متعلق حضرت عائشہؓ کا خیال:

ان روایات کے مطابق 5 یا 6 نبوی حضرت عائشہؓ کے ہوش کا زمانہ نہیں کہلا سکتا۔ اور 7 نبوی سے آنخضرت ﷺ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تھے۔ اس وقت آپ کی آمد و رفت حضرت ابوبکرؓ کے گھر نہ ہوسکتی تھی۔ اور جب شعب سے نکلے تو حضرت خدیجہؓ جلد ہی وفات پا گئیں۔ اور حضرت عائشہؓ سے آنخضرت ﷺ کا نکاح ہو گیا۔ پس حضرت عائشہؓ کا یہ بیان، جس میں بعض واقعات کا ذکر ہے، جس کی تصدیق دوسری طرح بھی ہو سکتی ہے، یقیناً اس کے خلاف ہے، جس میں انہوں نے اپنی عمر بیان کی ہے۔ اس لیے اس بیان کو ترجیح دی جائے گی کہ جس کی تصدیق دوسرے واقعات سے ہوتی ہے اور یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت عائشہؓ کو اپنی عمر کے متعلق کچھ غلط فہمی تھی۔ اور قرین قیاس یہ ہے کہ ان کی عمر نکاح کے وقت گیارہ سال سے اور رخصتانہ کے وقت سولہ سال سے کم نہ تھی۔ ایک اور امر قابل ذکر ہے کہ حضرت عائشہ کے آنخضرت ﷺ سے نکاح کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ وہ ایک جگہ پہلے کہہ چکے ہیں ان سے دریافت کر کے بتاؤں گا۔

صاحب مشکوٰۃ کا قول:

یہ سچ ہے کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ صاحب مشکوٰۃ کے اس قول کی کہ حضرت عائشہؓ اسماءؓ سے صرف دس سال چھوٹی تھیں۔ کیا بنا ہے۔ لیکن یہ کہنا پڑے گا کہ ان کے قول کی بنا کسی روایت پر ہی ہوگی۔ جیسا کہ انہوں نے خود بھی اسے قِیْلَ کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ اس پایہ کا آدمی اپنی طرف سے کوئی بات کہہ کر قِیْلَ کے ساتھ اسے بیان نہیں کرسکتا۔ انہیں کوئی روایت ملی ہوگی جس کی بنا پر انہوں نے یہ لکھا۔ ممکن ہے کہ ایسی کوئی روایت تلاش سے مل بھی جائے۔ میں نے اسے اسی لیے قابل اعتبار سمجھا کہ ایک طرف تو حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ یا سات سال اور رخصتانہ کے وقت نو سال ہونے میں یقیناً کچھ گڑبڑ ہے۔ دوسرے بخاری کی بعض اور احادیث

صاف بتاتی ہیں کہ بعثت کے پانچویں چھٹے سال میں وہ ہوش سنبھالے ہوئے تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے گھر آتے جاتے تھے اور اسی وقت انہوں نے سورۃ القمر کی آیت **بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ** (46:54) کا نزول بھی یاد رکھا۔ پس نکاح کے وقت ان کی عمر چھ یا سات سال ہونا کسی صورت میں صحیح نہیں۔ بلکہ غالباً گیارہ بارہ سال کی عمر ہوگی۔ ممکن ہے مزید تحقیقات سے کچھ اور روشنی اس امر پر پڑ سکے۔ سردست اس اصرار کی وجہ سے جو بعض اطراف سے ہو رہا تھا، میں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔

خاکسار **محمد علی**

احمدیہ بلڈنگس لاہور

22 نومبر 1928ء

8 نومبر 1928ء

روئیداد

ایک تقریبِ نکاح

ذیل کا خطبہ حضرت امیر ایدّہٗ اللہ نے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی صاحبزادی اور عبداللطیف خاں صاحب خلف حضرت مولانا مولوی غلام حسن خاں صاحب کے نکاح کے موقع پر 8 نومبر 1928ء کی شام کو دیا:

آیاتِ مَسنُونہ پڑھ کر فرمایا کہ نکاح کے موقع پر جو خطبہ حضرت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے وہ انہی تین آیات پر مشتمل ہے۔ ان کے متعلق اس مجمع میں کچھ بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ مشترک بات جو ان تینوں آیتوں میں بیان ہوئی ہے وہ ایک ہی لفظ ہے اِتَّقُوا اللّٰہَ جس کے معنی کیے جاتے ہیں ''اللہ سے ڈرو''۔ مگر حقیقتاً عربی زبان میں اس کے معنی ہیں وہ حقوق اور وہ ذمہ داریاں جو انسان پر عائد ہوں ان کی پورے طور پر نگہداشت کرنا، ان کو ادا کرنا۔ اسلام چونکہ زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے، اس لیے کچھ نہ کچھ حقوق اور ذمہ داریاں قرآن کریم نے زندگی کے ہر موقع کے لئے بیان کی ہیں اور ان بارے نبی کریم ﷺ کے اقوال بھی موجود ہیں۔ تو اللہ کے تقویٰ کا وعظ کرنا ان حقوق کو یاد دلا دینا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان پر عائد کیے ہیں۔

مسلمانوں کی مسرفانہ رسوم:

بیاہ اور شادی کے موقع پر بیان کرنے کے قابل جو باتیں ہیں ان میں خاص طور پر مسلمانوں کی آج کل کی وہ مسرفانہ رسوم ہیں جو انہوں نے ایسے موقعوں کے لیے مخصوص کر رکھی ہیں۔ آج کل اس موقع کو کچھ نہ کچھ اسراف کا محل بنا لیا گیا ہے۔ اگر مسلمان قوم کے مالی مصائب کی وجہ تلاش کی جائے تو اس کی ایک بڑی وجہ شادیوں کا اسراف ہے۔ ہزاروں اسی طرح برباد ہو گئے۔ شادیوں میں اس قدر بڑھا چڑھا کر خرچ کیا جاتا ہے کہ وہ بربادی کا موجب ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کے مدنظر یہی ہوتا ہے کہ برادری میں وہ کسی سے کم نہ رہے بلکہ سب سے

بڑھ جائے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ موقع خوشی کا موجب ہو، بربادی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ جوڑا، جس کے لیے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے، بجائے اس کے لیے یہ موقع راحت کا باعث ہو، ہمیشہ کے لیے وہ دکھ اور عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

بڑوں کو نمونہ بننے کی ضرورت:

ایک شخص کو خدا نے زیادہ دیا ہے۔ بلاشبہ اسے اپنی حیثیت کے لحاظ سے ایسے موقع پر زیادہ خرچ کرنا چاہیے۔لیکن عام حالت یہ ہے کہ غریب سے غریب بھی نہیں چاہتا کہ وہ کسی امیر سے پیچھے رہ جائے اور برادری میں اپنے آپ کو بڑھ چڑھ کر نہ دکھائے۔اس بات نے قوم کو تباہ کر دیا ہے۔اس لیے قوم کو اس تباہی سے نکالنے کے لیے ضرورت ہے کہ جو بڑے ہیں وہ نمونہ قائم کریں۔اور ایسے موقعوں پر سادگی کا طریق اختیار کریں۔اس میں شک نہیں کہ مالدار کے لیے تو دس بیس ہزار تک خرچ کرنا بھی کچھ مشکل نہیں، لیکن اس کا یہ طریق دوسروں کی تباہی اور ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔اگر وہ اس موقع پر تھوڑا سا سادگی کا نمونہ دکھاتا ہے تو یہ قوم کے لیے بہت بڑے فائدہ کا موجب ہوگا۔ مجھے بالخصوص آج کے اس موقع کو دیکھ کر خوشی ہوئی ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ سادگی موجب خوشی نہیں ہوتی۔سادگی بھی اپنے اندر ایک شان رکھتی ہے۔علاوہ اس کے کہ میرے دو عزیز دوستوں کے لڑکے اور لڑکی کی شادی کی تقریب ہے، جو بہرحال موجب خوشی ہے۔ جو اثر میرے دل پر ہے وہ یہ ہے کہ کس قدر سادگی سے یہ کام ہوا ہے! اس لیے پہلی بات اپنی قوم کو مالی مصائب سے بچانے کے لیے یہ ہے کہ وہ لوگ جن کا اثر اپنی برادریوں پر ہے وہ اس موقع پر سادگی کا طریق اختیار کریں اور ایسا نمونہ ان کے سامنے رکھیں جو انہیں تباہی اور بربادی کے گڑھے میں گرنے سے بچائے۔

رسم و رواج اور قرآن کریم:

دوسری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم جو رسم و رواج کی اتباع کرتے ہیں تو قرآن کریم اور محمد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کر کے ہی کرتے ہیں۔افسوس یہ ہے کہ اس وقت ہم میں سے بہت کم ہیں جن کی توجہ اس طرف ہو کہ قرآن و رسولؐ کو اپنی زندگیوں کا ہادی اور رہبر بنایا جائے۔ہم جب رسم و رواج کو اختیار کرتے ہیں

تو ہمارے رہبر قرآن ورسولؐ نہیں ہوتے بلکہ وہ برادریاں ہوتی ہیں جنھوں نے وہ رسوم شروع کیں۔

رسول کریم ﷺ کا نمونہ:

شان کو اگر دیکھا جائے تو ضروری نہیں کہ رسم و رواج میں کوئی بڑی شان ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کی شادیوں میں کوئی شان نظر نہیں آتی۔ آپ کی سادگی میں بھی ایک شان پائی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ آپ کے پاس روپیہ نہیں تھا۔ روپیہ آپ کے پاس بہت آتا تھا۔ اور یہ قرآن میں آچکا تھا کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لیے ہے۔ اس لیے اگر آپ چاہتے تو اس روپے سے بہت فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ اور شادی بیاہ پر بہت کچھ خرچ کر سکتے تھے۔ لیکن لکھا ہے کہ جب آپ نے ایک یہودی رئیس کی لڑکی صفیہؓ سے شادی کی۔ اور یہودی تو بڑی امیر قوم ہے۔ ایسی قوم کے ایک رئیس کی لڑکی سے شادی کرتے ہوئے آپ جس قدر امیرانہ شان دکھاتے، بجا تھا۔ لیکن آپ کیا کرتے ہیں۔ دعوت ولیمہ ہوتی ہے۔ تمام دوستوں سے کہتے ہیں کہ اپنا اپنا کھانا گھروں سے لے آئیں اور مل کر بیٹھ کر کھالیں۔ غور کیجئے! وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ دنیادار تھے۔ کیا یہ دنیاداروں کے کام ہیں؟ یہ نمونے اس غرض سے آپؐ نے قائم کیے کہ آپ کے پیروؤں کے لیے کوئی تکلیف کا موقع باقی نہ رہ جائے۔ یہ ممکن ہے کہ ہم اس کامل درجہ کے نمونے پر چل نہ سکیں۔ لیکن قوم کو بچانے کے لئے ایک نہ ایک حد تک سادگی کا طریق ہم اختیار کر سکتے ہیں۔

عورتوں کے حقوق مردوں پر:

اس کے علاوہ ایک بات، جس کا اس موقع سے تعلق ہے، یہ ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد میں حقوق کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں رکھا۔ یعنی یوں نہیں کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہوں لیکن عورتوں کے مردوں پر نہ ہوں۔ صاف طور پر تعلیم دی ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ (228:2) عورتوں کے ویسے ہی حقوق مردوں پر ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر ہیں۔ پھر فرمایا: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْف (19:4) ان سے نیکی اور حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ بڑے عجیب مختصر الفاظ ہیں: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ بہترین برتاؤ کرتا ہے۔

از دواجی زندگی سے اخلاقی سبق:

فی الحقیقت غور کیا جائے تو از دواجی زندگی اخلاق کا بڑا بھاری سبق ہے۔ جب انسان شادی کرتا ہے تو اس کے مال میں اور اس کی راحت میں ایک دوسرا آدمی شریک ہو جاتا ہے۔ ایثار کا پہلا سبق شادی میں انسان سیکھتا ہے کہ اپنے کمائے ہوئے مال اور رنج و راحت میں دوسرے کو شریک کر لیتا ہے۔ قوم کے بننے میں بڑی بھاری رکاوٹ کیا پیش آتی ہے۔ یہی بھاری مصیبت ہے کہ ہر شخص اپنے پر خرچ کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ دوسرے پر خرچ نہیں کر سکتا۔ از دواجی زندگی دراصل ہمارے لیے سبق ہے کہ کس طرح ہمیں اپنی قوم کو اپنا حصہ سمجھنا چاہئے۔ مسلمانوں میں اگر کمی ہے تو یہی ہے کہ اپنی قوم پر اپنا مال اور وقت خرچ نہیں کر سکتے۔ ایک ہندو اپنی قوم کے ادنیٰ سے ادنیٰ دکھ کے لیے مصیبت اٹھانے کو تیار ہے لیکن مسلمان قوم کی بڑی سے بڑی مصیبت کے لیے بھی قربانی نہیں کر سکتے۔

قوم کی خدمت کی ضرورت:

اس طرف ان لوگوں کی توجہ کی ضرورت ہے جو قوم میں بڑے کہلاتے ہیں۔ اپنی قوم کی خدمت کے لیے جب تک بڑے لوگ تکلیف نہ اٹھائیں گے، اپنا مال خرچ نہ کریں گے، اس وقت تک قوم نہیں بن سکتی۔ قوم کی ذلّت اور عزّت کے ساتھ ہی بڑوں کی ذلّت اور عزت وابستہ ہے۔ جو قوم ذلیل ہو، اس کے بڑے خواہ کتنے ہی ذی عزت اور دولت مند کیوں نہ ہوں، ایک ذلیل قوم کے ہی افراد سمجھے جائیں گے۔

خوب یاد رکھئے کہ جب تک قوم ذلیل ہے، میں دولت مند ہو کر بڑا نہیں بن سکتا۔ اس وقت ان باتوں کا موقع تو نہیں، لیکن حالات کے لحاظ سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری قوم نہ صرف ذلت کی طرف جا رہی ہے بلکہ مر رہی ہے۔ میں اس وقت نماز کے متعلق، روزے کے متعلق، حج اور زکوٰۃ کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ ایک ہی بات کہتا ہوں کہ کسی نہ کسی رنگ میں اپنے آپ کو قوم کی خدمت میں لگاؤ۔ جس شخص کو قوم کی خدمت کی طرف توجہ نہیں، اس کی بڑائی اور عزت کسی کام کی نہیں۔

عورتوں کے لیے کام کرنا گناہ نہیں:

میں عورتوں کے حقوق کا ذکر کر رہا تھا کہ اسلام نے عورتوں کو بھی حقوق دیئے ہیں، جیسے مردوں کو دیئے۔اس نے روکا نہیں کہ عورتیں کاروبار کے لیے باہر نکلیں۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ عورتیں میدان جنگ میں جایا کرتی تھیں۔ زخمیوں کو وہ اٹھاتیں۔ ان کی خدمت کرتیں اور مرہم پٹی کرتی تھیں۔عورتیں مزدوری کرتی تھیں۔ محنت اور مزدوری عورت یا مرد کے لیے کوئی گناہ نہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے تو اتنا کمال کیا کہ اپنے ہاتھ سے سب کام کر لیتے تھے۔ کپڑا پھٹا تو اپنے ہاتھ سے سی لیا، جوتی اپنے ہاتھ سے مرمت کر لی، گھر کے برتن خود صاف کر دیئے، ہمسایہ عورتوں کے سودے لے آیا کرتے تھے، کپڑے اپنے دھو لیتے تھے۔ یہ تمام نمونے اس لیے قائم کیے کہ جولاہے، درزی اور مزدور کا کام ذلیل کام نہ سمجھا جائے۔اور ہر کام کرنے والے کو یہ فخر ہو کہ اس کے ہادی اور رہبر ﷺ نے بھی یہ کیا ہے۔ ہر موقع و محل پر آپ کی ذات میں ہمیں نمونہ ملتا ہے۔اس لیے تمام موقعوں پر ہمیں دیکھنا چاہیے کہ آپ کا نمونہ کیا ہے اور اس کی اتباع کرنا چاہیے۔

7 دسمبر 1928ء

دعوت حضرت امیر

احباب جماعت کو دعوت

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہماری جماعت کا سالانہ اجتماع 24-25-26 دسمبر کو قرار پایا ہے۔ اور اس موقع پر میں ہر ایک احمدی بھائی کو جو، جماعت لاہور سے تعلق رکھتا ہے، شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں جماعت میں جو خدمات دینی کا جوش اور جذبہ تھا گو اس کی اصل وجہ تو حضرت صاحب کی قوت قدسی تھی لیکن اس کو تازہ رکھنے کے اسباب میں احباب کا بار بار قادیان جانا اور وہاں اپنا بہت سا وقت گزارنا بھی تھا۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا کے مخمصوں سے الگ ہو کر حضرت مجدد کی صحبت میں جو وقت گزرتا تھا وہ کس قدر روحانیت کو بلند کرنے، دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کرنے اور خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت کا جذبہ قوی کرنے کا کام دیتا ہوگا۔

اس پاک وجود کی کشش بظاہر كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (26:55) کے لاتبدیل قانون کے ماتحت ختم ہوگئی۔ مگر وہ لوگ جن کی زندگی اللہ تعالیٰ کے دین کے احیاء کے لیے ہو وہ خود بھی بَلْ اَحْيَآءٌ (154:2) کا مصداق ہوتے ہیں۔ اور ان کی زندگی ان مقاصد عالیہ میں بسر ہوتی ہے جن کی طرف وہ قوم کو متوجہ کرنے آتے ہیں۔ اس لیے ان کی زبردست کشش فی الحقیقت ان کی دنیوی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہوتی۔

مسیح موعود کی روح اجتماعِ احباب میں:

ہاں وہ جوش اور جذبہ جس کی محرک پہلے حضرت صاحب کی شخصیت تھی، وہ اب احباب کے اجتماع میں ہی مل سکتا ہے۔ کیونکہ جماعت بانی جماعت کی قائم مقام ہے اور جو کچھ فیض متفرق اصحاب نے مختلف رنگوں میں آپ سے حاصل کیا وہ اجتماع احباب سے گویا پھر ایک جگہ جمع ہو جاتا ہے۔ اور وہی روح اس اجتماع میں کام کرنے لگتی ہے۔ اور جماعت کے بعض وجود دوسروں پر اپنا اثر بھی ڈالتے ہیں۔ یوں جماعت کی روحانی ترقیات

اور اس کے ان جذبات عالیہ کے قیام کا، جو خدمت اسلام سے تعلق رکھتے ہیں، بہت کچھ دارومدار اس سالانہ اجتماع پر ہے۔اور اس اجتماع کی بنیاد بھی حضرت مسیح موعودؑ ہی نے اپنے ہاتھ سے رکھی تھی۔اور آپ کی زندگی میں بھی باوجود دیگر مواقع پر کثرت ملاقات کے، سالانہ اجتماع میں سب احباب شامل ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لیے جس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو کھڑا کیا تھا۔اس کو پورا کرنے کے لیے میں پھر اپنے جملہ احباب کو سالانہ اجتماع میں شامل ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔

امام وقت کی روح لاہور میں:

وہ مذہبی علوم جن کا دروازہ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ سے کھولا گیا۔اب لاہور کی اس مختصر سی جماعت کو محض اللہ تعالیٰ کے فضل نے ان کا وارث بنایا ہے۔اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان علوم کو قبولیت عطا فرمائی تھی جو امام وقت پر کھولے گئے محض اپنے فضل سے آج جماعت لاہور کے مذہبی لٹریچر کو بھی وہی قبولیت عطا فرمائی ہے۔ جس سے صاف نظر آتا ہے کہ امام وقت کی روح ہی یہاں کام کر رہی ہے۔ پھر اتحاد اسلام کی وہ زبردست قوت، جس کو حضرت امام نے اس صول کے ذریعے سے زندہ کرنا چاہا کہ ننانوے وجوہ کفر اور ایک وجہ اسلام کی بھی کسی میں ہو تو اسے مسلمان کہو، کافر مت کہو۔اس کو بھی جماعت لاہور نے ہی زندہ کرنے میں پورا زور لگایا ہے۔اور تکمیل دین کی سب سے بڑی خوش خبری، جو اس بات کی متقاضی تھی کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ مانا جائے، خواہ نیا ہو یا پرانا، اس کی گونج بھی آج اس چھوٹی سی جماعت کی عمارت ہی سے اٹھتی ہے۔اشاعتِ اسلام کا زبردست کام، کیا ہندوستان میں اور کیا ہندوستان سے باہر، وسط یورپ میں عالیشان مسجد بنوانا اور اس کام کا صدہا مشکلات کے اندر تکمیل کو پہنچ جانا، دوکنگ میں سینکڑوں انگریزوں کا، جن میں بڑے بڑے نواب اور بلند پایہ علمی لوگ شامل ہیں، اس جماعت کے افراد کے ہاتھ پر حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہو جانا یہ اس مختصر سی جماعت کی حیثیت کے لحاظ سے بہت بڑے کام ہیں۔ جو صورت حال سے قوم کو بلا رہے ہیں کہ آؤ اور مل کر اس کام کو اور قوت دو تا کہ خدا کا نام بلند ہو، خدا کا کلام دنیا میں پہنچے۔ اللہ کے رسولؐ کا نام روشن ہو۔ میری کمزور آواز اگر اس زبردست آواز کو آپ کے کانوں تک پہنچا دے۔ فَھُوَ الْمَرَامُ

جلسہ پر قابل غور باتیں:

ہاں کچھ اور بھی اصلاح کے کام ہیں۔ان پر بھی آپ نے غور کرنا ہے اور مسلمان بھائیوں کے لیے ان میں نمونہ قائم کرنا ہے۔رسم و رواج کی پابندیوں نے اور اسراف کی عادات نے قوم کو تباہ کر رکھا ہے۔زندگی کی سادگی مفقود ہوتی چلی جارہی ہے۔دوسری طرف یورپ کا تتبع قوم کو برباد کر رہا ہے۔اقتصادی طور پر مسلمان غلام ہو چکے ہیں۔ہمارے نوجوان حقیقی مقصد زندگی سے بہت دور پڑے ہوئے ہیں۔ان سب امور پر غور کرنا اور حل مشکلات کا اور آئندہ نسل کو سدھارنے کی کوئی راہ سوچنا ہے۔یہ کام بھی اس اجتماع پر ہونا ہے۔

ہمارا نظام ابھی تک کمزور ہے۔مالی حالت اکثر تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔کام کے مطالبات دنیا کے چاروں کونوں سے آرہے ہیں کہ یہاں آدمی بھیجو، وہاں لٹریچر بھیجو۔اور ہمارے ذرائع بہت محدود ہیں کام کرنے والے تھوڑے ہیں۔کام کی کئی مدات مقروض چلی آتی ہیں۔جرمن مشن کا کوئی مستقل انتظام ادائیگی اخراجات کے لیے نہیں ہے۔پھر ہمارے اخباروں کی پالیسی اور ہمارے تعلقات دوسری جماعتوں سے یہ سب امور قوم کی مجموعی توجہ کو چاہتے ہیں اور ان کے لیے بھی آپ کا یہاں آنا،مشورہ دینا اور بالآخر جو قوم کی رائے سے طے ہوا، اس پر عامل ہونے کے لیے یہاں سے کمر ہمت باندھ کر واپس جانا ضروری ہے۔ایک سال کے لمبے عرصہ کے بعد اپنے احباب کو دیکھنے کی اور اپنی غفلت کو دور کرنے کی خواہش بھی ہوتی ہے۔ان سب باتوں کے لیے مَیں بالآخر پھر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے قومی اجتماع کو وہ اہمیت دیں جو اس کا حق ہے۔اسے سب باتوں پر مقدم کریں اور اکٹھے ہو کر مل کر دعائیں کر کے اللہ کے فضلوں کے جاذب بنیں۔والسلام۔

خاکسار

محمد علی

جماعت کے نوجوانوں کو دعوت:

عزیزانِ مکرم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔میں آپ کو بھی جلسہ میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔ اور آپ کی شمولیت کو بزرگانِ قوم کی شمولیت سے بھی زیادہ ضروری سمجھتا ہوں۔اس لیے کہ آپ سے ہماری آئندہ کی امیدیں وابستہ ہیں۔آپ کل کو ہمارے وارث ہونے والے ہیں اور اس کی تیاری آپ کو آج ہی کرنی

چاہیئے۔ بہترین ورثہ جو ہم آپ کے لیے چھوڑتے ہیں وہ مال و جائیداد کا ورثہ نہیں بلکہ وہ علم دین حاصل کرنے اور خدمت دین بجالانے کا ورثہ ہے۔ یہ وہ پاک ورثہ ہے جو آپ کی زندگیوں کو روشن اور آپ کی قوم کو زندہ کر دے گا۔ آج مسلمان قوم پر موت کی وجہ ہی اس ورثہ سے محرومی ہے۔ ہم نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق جس قدر کوشش کی اس کے اندازہ سے اس ورثہ کو خدا کے مسیح اور اس کے مامور امام وقت سے لیا۔ اور اب چونکہ وہ وقت قریب ہے کہ ہم لوگ اس دنیا سے گزرنے والے ہیں۔ یہ ورثہ آپ کو لینا ہوگا۔ اس لیے آپ اپنے قومی اجتماع کو نہ صرف اپنی موجودگی سے رونق دیں۔ بلکہ یہاں آ کر یہ دیکھیں کہ آپ کو اس ورثہ کے حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ کرنا ہے۔ آپ کی زندگی کا مقصد اعلیٰ کیا ہونا چاہیئے۔ اور اس کے حصول کے لیے آپ کو کیا کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر آپ نے اس ورثہ کو سنبھالنے کی کوشش نہ کی تو یاد رکھیئے کہ آپ نہ صرف ہماری زندگی کے آخری لمحوں کو تلخ کرنے والے ہوں گے بلکہ اس قوم کی بھی کسمپرسی انتہا کو پہنچ جائے گی اور قوم کی ذلت میں آپ کو بھی شریک ہونا پڑے گا۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ خدمت دین کا کام بڑا بلند کام ہے۔ خدمت قوم اس کے اندر آ جاتی ہے اور اس بلند کام کو آپ سخت جدوجہد اور مشقت اٹھائے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم نے بہت مشقت اٹھا کر اپنی زندگیوں کو خرچ کر کے اور اپنے اموال کو خرچ کر کے اس ورثہ کو لیا۔ اور آپ سے ہمیں یہ توقع ہے کہ آپ اپنے کندھوں کو اس بوجھ کے اٹھانے کے لیے ابھی سے مضبوط کریں گے۔ اس جلسہ پر جو جو تجاویز درپیش ہیں۔ ان کو عملدرآمد میں لانا بھی نوجوانوں کی ہمت پر ہی زیادہ تر منحصر ہے۔ کیونکہ ان کے اندر وہ قوت بھی بڑھ کر ہوتی ہے جس کے سامنے مشکلات ہیچ ہو جاتی ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دوسری قوموں کے نوجوان اپنی قوم یا ملک کے لیے کیا کچھ کر رہے ہیں۔ آپ کی قوم مسلمان اور آپ کا ملک اسلام ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ اس سے بڑھ کر ہمت ان بلند مقاصد کے لیے دکھائیں جو دوسری قوموں کے نوجوان دکھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کے دین و دنیا کو بہتر کرے۔ جلسہ کے تین دن کی قربانی پہلی قربانی ہے جو میں آپ سے مانگتا ہوں۔ والسلام

محمد علی

خواتین کو دعوت:

میری محترم بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جو خطاب میں نے اپنے بھائیوں سے کیا ہے آپ بھی

اس میں شامل ہیں۔لیکن اس کے علاوہ بھی ایک دو باتیں آپ سے کہنا ہیں۔آپ میں سے اکثر کا خیال یہ ہے کہ کم ازکم عملی حالت یہی بتائی جاتی ہے کہ آپ کا کوئی حصہ ان اجتماعوں میں نہیں جو قومی بہبودی کے لیے ہوتے ہیں۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ آپ کی شمولیت کے بغیر کوئی اجتماع کامیاب نہیں ہوسکتا۔اگر ہم اشاعتِ اسلام کے کام کا احساس قوم کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو صرف مردوں کے دلوں میں یہ احساس پیدا کرنے سے کبھی کامیابی نہیں ہوسکتی۔کیونکہ اول اگر عورت کے دل میں یہ احساس نہ ہو تو اولاد بھی اس سے محروم رہ جاتی ہے۔چنانچہ بہت سے ہمارے بچے جو خدمت اسلام کے بلند مقصد زندگی سے بے خبر ہیں۔اس کی وجہ عموماً ماؤں کی بے خبری ہے۔جب تک آپ کے دلوں میں یہ احساس پورے زور سے نہ ہوگا۔ہمیں اپنی آئندہ نسل کے متعلق کوئی اچھی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔دوسرے آپ کی مدد کے بغیر مرد بھی اس کام سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔اگر عورتیں ناواقف رہیں گی تو وہ مردوں کے نیک کاموں میں یقیناً رکاوٹ کا موجب ہوں گی۔اس کی بے شمار مثالیں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔اور علاوہ بریں جن مالی قربانیوں یا وقت کی قربانی کی خدمت اسلام کے لیے ضرورت ہے، اس میں عورت کی اعانت بکار ہے۔جب تک عورت، جو گھر کے اخراجات کو چلاتی ہے، اس بات کو نہیں سمجھتی کہ کس قدر ضرورت ہے کہ مال کو حتی الوسع بچا کر قومی کاموں پر یا اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے خرچ کیا جائے، اس وقت تک مرد کی کمائی میں سے کوئی حصہ انفاق فی سبیل اللہ کے لیے نہیں نکل سکتا۔پھر مسلمانوں میں خیرات کے بعض ایسے طریق رواج پا گئے ہیں جو سراسر موجب نقصان ہیں اور ان سے قومی فائدہ نہیں پہنچتا۔اس کی اصلاح بھی عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔مسرفانہ رسم و رواج جو مسلمانوں کو تباہ کر رہے ہیں ان سے بھی قوم اسی قوت نکل سکتی ہے جب عورتوں کو اس کا احساس ہو۔جب تک عورت مرد کی طرح ان کاروبار میں حصہ نہیں لیتی اس کو اپنی علیحدہ ہستی کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔مرد اور عورت دونوں کی ذمہ داری اپنی اپنی جگہ پر ہے۔خاوند کے نیک کام قیامت کے دن عورت کے کام نہیں آئیں گے، نہ عورت کے نیک کام خاوند کے کام آئیں گے۔اس لیے اپنے لیے آپ خود فکر کریں اور ہر نیک کام کے لیے اسی طرح آپ بھی قدم اٹھانے کی فکر کریں جس طرح مرد کرتے ہیں۔ہاں ہمارا اجتماع چونکہ زیادہ سردی کے دنوں میں ہوتا ہے، اس لیے ایسی خواتین، جن کی گود میں بہت چھوٹے چھوٹے بچے ہوں، ایک حد تک معذور ہوتی ہیں۔بہر حال جہاں تک ممکن ہو خدا کی راہ میں قدم اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

والسلام۔ محمد علی

مسلمان بھائیوں کو دعوت:

برادرانِ اسلام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کے خیالات ہمارے متعلق گوناگوں ہیں۔ بعض لوگ تو ہمارا مذہب ہی اسلام سے الگ سمجھتے ہیں۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ ہم گو مسلمان تو ہیں لیکن ایک گمراہ فرقہ ہیں۔ بعض ہماری خدمات اسلامی کے معترف ہیں۔ لیکن باایں بھی ہمارا ہاتھ بٹانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم خدا کے فضل سے مسلمان ہیں لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے قائل ہیں اور کلمۂ طیبہ کے ہر قائل کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کی تکفیر سے سخت بیزار ہیں اور ہر مکفر مسلمین سے خواہ وہ کسی فرقہ میں سے ہو بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ پر نبوت کو ختم مانتے ہیں اور آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کے قائل نہیں، نیا ہو یا پرانا۔ ہاں مجددوں کے آنے کے قائل ہیں، اولیاء اللہ کے کمالات کے قائل ہیں، آئمہ مجتہدین کی بزرگی کے معترف ہیں۔ اصول میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ فروع میں اختلاف ہمیشہ رہے اور رہیں گے۔ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر ہونے کے خیال کو غلط مانتے ہیں اور اس کی پرزور تردید بھی کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس خیال سے عیسائیت کو قوت اور اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ایسے مہدی کے آنے کے قائل نہیں جو تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان کرے۔ اس لیے کہ یہی وہ بات ہے جس کے ذریعہ سے اعداء اسلام، اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔

ہم اسلام کے خادم ہیں۔ اشاعت اسلام کا کام ہمارا نصب العین ہے۔ یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کرتے ہیں، مسجدیں بنواتے ہیں، اسلام کی بہترین تصویر دنیا میں پیش کرتے ہیں، اسلامی لٹریچر یورپ اور امریکہ کی لائبریریوں میں مفت پہنچاتے ہیں۔ ہندوستان میں آریہ سماج کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو شدھی کے حملوں سے بچاتے ہیں۔ ہندوؤں میں تبلیغ اسلام کرتے ہیں۔ ٹریکٹ اور رسالے بکثرت شائع کر کے رسول اللہ ﷺ کا تحفظ اور اعلاء کلمۃ اللہ کرتے ہیں۔ محض خدمت اسلام کے لیے ایک جماعت تیار کرتے ہیں۔ ہمارے متعلق بدگمانی سے خدمات اسلام کے کام کو نقصان پہنچ رہا ہے اس لیے جملہ مسلمان بھائیوں سے التماس ہے کہ وہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے، کہ اسلام پر یہ کیا نازک وقت ہے، جب ساری قومیں اسے کھانے کے لیے دوڑتی ہیں، ہمارے سالانہ جلسے میں شامل ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ہم کون ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ اگر وہ ہمیں

خادم اسلام پاتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ اسلام کی محبت کے لیے، رسول اللہ ﷺ کی عزت کے تحفظ کے لیے، وہ بھی اسلام کے سپاہی بن کر میدان عمل میں ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں۔ یا کم سے کم اس نیک کام کی اعانت کو ہی اپنی زندگیوں کا مقصد بنائیں۔ جو اصحاب بیرونجات سے تشریف لائیں، وہ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کو اطلاع دے دیں۔ان کے قیام اور طعام کا انتظام انجمن کے ذمہ ہوگا۔

اب بیکار رہنے کا وقت نہیں۔ بیکاری اس وقت اسلام سے غدّاری ہے۔اسلام حملوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ ہمارے بھائیوں کو چاہیئے کہ خدا کے لیے اٹھیں اور اسلام کے دفاع کے کام میں اور عمارتِ اسلامی کی تعمیر کے کام میں ہمارے ساتھ ہو جائیں۔اور اگر ہمارے کام میں اس کے سوائے کچھ اور پائیں تو ان کو اختیار ہے جو چاہیں کریں۔والسلام

محمد علی

خراجِ عقیدت

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی بیش بہا خدمات

آنریبل خان بہادر سر شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور

اخبار پیغام صلح کا ''دعوت نمبر'' جس مقصد کی طرف قوم کو توجہ دلانے کے لیے شائع ہو رہا ہے وہ ایسا مقصد ہے کہ جس سے ہر مسلمان کو دلی ہمدردی ہونی چاہیے۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور ایک عرصہ سے اشاعتِ مذہب کے متعلق بیش بہا خدمات انجام دے رہی ہے۔ اس کے سب سے بڑے رکن اور صدر جناب مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ ہیں، جنھوں نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ شائع کر کے انگریزی خوان دنیا کو ممنون احسان کیا ہے۔ آپ ایک ایسے بزرگ ہیں جنہیں اسلام سے سچی محبت ہے اور اہل اسلام بلا لحاظ فرقہ وملت ان کے بے لاگ خدمات کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی قدر کرتے ہیں۔ اس انجمن کا سالانہ جلسہ تعطیلات دسمبر میں منعقد ہونے کو ہے اور پیغام صلح جو اس جماعت کے خیالات کا ترجمان ہے سب مسلمانوں کو بلا رہا ہے کہ وہ جوق در جوق آئیں اور اس جلسہ میں شریک ہوں۔ چونکہ اسلام کی اشاعت سب مسلمانوں کی مشترکہ غرض ہے۔ اور اس جماعت نے بیرونی ممالک میں اس اشاعت کو فرقہ بندی کے خیالات سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور اسلام کی ایسی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی ہے جسے ہر فرقہ کے مسلمان پہچان سکیں۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ سب مسلمان اس دعوت کو خوشی سے قبول کریں گے اور بکثرت اس جلسہ میں شریک ہو کر اس کی رونق بڑھائیں گے اور اسے کامیاب بنائیں گے۔ میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کار خیر میں برکت دے اور ہمارے دوستوں کی مساعی نتیجہ خیز ہوں۔

عبدالقادر

☆

تبلیغ واشاعت اسلام کے اہم مسائل

ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال ایم اے۔ پی ایچ ڈی کا پیغام

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں امسال تبلیغ و اشاعت اسلام کے اہم مسائل پر غور وفکر کیا جائے گا۔ چونکہ تبلیغ کا کام اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے اس واسطے میں یقین رکھتا ہوں کہ عام مسلمان اس جلسہ میں شریک ہوکر تبلیغ و اشاعت اسلام کے ان تمام مسائل پر غور وفکر کرنے میں شریک ہوں گے جو قوم کے سامنے پیش ہیں۔

محمد اقبال

☆

اشاعتِ اسلام کو تمام دوسرے کاموں پر مقدم سمجھو

میر غلام بھیک نیرنگ معتمد جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام۔ انبالہ

میں افسوس کرتا ہوں کہ ''دعوت نمبر'' کے لیے کوئی مفصل مضمون لکھنے کی فرصت نہیں نکال سکتا۔ مگر میں دعوت نمبر کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے یہ بھی نہیں کر سکتا کہ دو چار سطریں بھی نہ لکھ دوں۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی خدمات مشہور اور مسلّم ہیں۔ اشاعتِ اسلام کی ضرورت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ لیکن اسلام پر جو وقت آج پڑا ہے، اس سے بدتر وقت غالباً آج تک کبھی نہیں پڑا۔ جو افراد یا جو جماعتیں ایسے وقت میں ہمہ تن عمل ہوکر خدمت اشاعت اسلام انجام دیں وہ نہایت مبارک ہیں۔ ایسے وقت میں قوم کو میرا پیغام یہی ہے کہ اشاعت اسلام کو دوسرے تمام کاموں پر مقدم سمجھو۔ کوئی شخص خود کو مسلمان کہلانے یا مسلمان سمجھنے کا مستحق نہیں ہے، جو ایسے وقت میں بھی اشاعت اسلام جیسے فرض کا زندہ اور عملی احساس نہیں رکھتا۔ اور زندہ اور عملی احساس یہی ہے کہ خود کام کرو اور کام کرنے والوں کو امداد دو۔

☆

قابل تحسین خدمات

ہز ہائینس والی مانگرول کا اظہار تحسین

میری صحت قابل اطمینان نہیں ہے اور میں اس وجہ سے شرکت جلسہ سے مستفید نہیں ہوسکتا۔ بلا شبہ جماعت احمدیہ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں جو خدمات کر رہی ہے وہ قابل تحسین ہیں۔ میں جماعت کے آئندہ سالانہ جلسے کی کامیابی کے لیے دعا کرتا ہوں۔ آپ کا بہی خواہ

محمد جہانگیر میاں

☆

تبلیغِ اسلام کے کام میں جماعت احمدیہ کا ہاتھ بٹاؤ

مولوی مجیب الرحمٰن صاحب ایڈیٹر ''مسلمان'' کلکتہ کا پیغام

کسی بیدار مغز مسلمان کو انکار نہ ہوگا کہ جو اسلامی خدمات آپ کی انجمن انگلستان، جرمنی و دیگر مما لک غیر میں انجام دے رہی ہے وہ قابل تحسین ہے۔ بلا شبہ ہندوستان کے اندر بھی آپ کی تحریریں اور آپ کے مبلغین کی تقریریں باطل راستوں کی ناپاک کوششوں کا سدّ باب کر رہی ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہندوستان کے بقیہ مسلمان، بجائے اس کے کہ اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں بنائیں اور ایک دوسرے کے کام میں روڑہ اٹکائیں، اعلاء کلمۃ اللہ کی عظیم الشان خدمت میں آپ کا ہاتھ بٹاتے! بہت ممکن ہے کہ آپ کی انجمن کی کارروائی میں کوئی ایسی بات بھی پائی جائے جس کی اصلاح کی ضرورت ہو۔ اور مجھ کو یقین ہے کہ اگر آپ کی کوئی غلطی آپ کو بتائی جائے تو آپ فوراً اس کے دفعیہ کی کوشش کریں گے۔ مگر رونا ہے تو اس بات کا کہ ہمارے مسلمان بھائی اپنی یا اپنے بھائی کی اصلاح کے خواہاں نہیں ہیں۔ ان کو تو ایک دوسرے کی پگڑی اچھال کر اپنا کام بنانا ہے۔ وہ چیز، جو قوم کی زندگی کے لیے مہلک ثابت ہو چکی ہے، آپس کی تکفیر ہے۔ اگلے مسلمان تو کافروں کو حلقہ اسلام میں لایا کرتے تھے اور آج کل کے مسلمان اپنے کلمہ گو بھائیوں کو دائرہ مذہب سے باہر نکال رہے ہیں۔ خدا ان پر رحم کرے۔

طالب ایمان

مجیب الرحمٰن

پندرھویں سالانہ جلسہ کی مبارک باد:

مولانا مولوی محمد عبداللہ خاں صاحب لکھتے ہیں کہ اے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اور اس کے معاونین آپ کو مبارک ہو کہ آپ کا پندرھواں سالانہ جلسہ آنے والا ہے۔ آپ کی مساعیٔ جمیلہ اور آپ کی ان تھک کوششیں وہ سب کی سب دنیا کے ہر ایک گوشہ سے تم کو مبارک باد دے رہی ہیں۔ دوست و دشمن تمہاری للّٰہیت اور تمہارے اخلاص کی داد دے رہے ہیں۔ یہ اجتماع قومی ہمیشہ بہترین نتائج کے پیدا کرنے کا ذمہ دار رہا ہے۔ اور اب بھی ہے اور آئندہ کو بھی رہے گا۔ یہ تمہاری نیک نامی اور اس کے عمدہ نتائج، جو آپ لوگوں کی ہمت کے بہترین شاہد ہیں، ان کا قائم رکھنا اور آئندہ قدم بڑھانا تمہارا اخلاقی اور اسلامی فرض ہے۔ اور لوگ بھی اسی دھن میں اٹھے اور تھک کر بیٹھ گئے۔ مگر تمہارے نظام اور تمہارے حسن نیّت کا ثمرہ ہے کہ آپ بفضل خدا تمام دنیا میں اپنے اس نیک کام کو یوماً فیوماً زیادہ کر رہے ہیں۔ تمہیں مبارک ہو اور خدا کی رحمتیں تم پر نازل ہوں کہ تم نے اس مقدس کام کو اپنے ذمہ لے کر اس کا اپنے آپ کو اہل ثابت کیا ہے۔ خدا تمہارا حامی و مددگار رہو۔ اے جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے متوسلین تم نے جو بات اپنے منہ سے پہلے روز کہی تھی اس کو بوجہ احسن تم نے کر دکھایا۔ جزاک اللہ تعالیٰ۔

تمہارے آقا اور تمہارے محسن مسیح موعود کو خداوند فردوس بریں میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ اس نے تم لوگوں کو اس وقت اس مبارک کام پر لگایا کہ جب محفلوں اور مجلسوں میں مہذب لوگ مذہب کا ذکر کرنا بھی خلافِ تہذیب خیال کرتے تھے۔ اس کی روحانی دانش و بینش کی داد دینی چاہئے کہ جس نے اس وقتِ تاریک میں تم کو اس کام پر لگایا اور تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑا۔ اب چاروں طرف سے مذہب کی پکار اور اشاعتِ اسلام کی ضرورت دنیا محسوس کر رہی ہے۔ مگر چونکہ وہ کسی نظام کے ماتحت نہیں ہیں اس واسطے ان کو کامیابی بہت کم ہوتی ہے اور وہ اس سے نادم بھی ہوتے ہیں۔

خدا کے فضل وکرم سے تم ہی لوگ ہو کہ جن پر چاروں طرف سے اہل اسلام کی نظریں پڑتی ہیں اور وہ مذہبی میدانوں میں تمہاری امداد کے بغیر عہدہ برانہیں ہو سکتے۔ یہ کیا کم حضرت مسیح موعود کی راستی اور راستبازی کی دلیل ہے کہ اسی کی جماعت اور اسی کے غلام اسلامی کاموں میں سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔تمہارا خلوص وہ کام کردے گا جو تمہارے وہم وگمان میں نہیں ہے۔کون جانتا تھا کہ لندن جیسے شہر اور یورپ جیسے ملک میں تمہاری اذانوں کی گونج اٹھے گی اور پرستاران تثلیث کو توحید کے آستانہ پر لا بٹھائے گی۔کون جانتا تھا کہ برلن جیسے کفرستان اور تثلیث گاہ میں اتنی بڑی اسلامی مسجد تمہاری ہمتوں سے کھڑی ہو جائے گی اور جرمن لوگ تثلیث سے کٹ کر توحید سے رشتہ جوڑیں گے۔کس کو معلوم تھا کہ یورپ اور دوسرے ملک تمہارے ہی اسلامی لٹریچر سے مالا مال ہو جائیں گے اور اپنی اپنی زبانوں میں اس کے تراجم کرنے کی تمہارے امیر خلیفہ اور امام سے اجازت طلب کریں گے۔

ہزار آفرین ہے مولوی محمد علی صاحب بالقابہ خلیفہ حضرت مسیح موعودؑ پر جس نے قرآنِ کریم اور اسلامی لٹریچر کو شائع کر کے تمام اسلامی دنیا سے خراج تحسین وصول کیا اور اس کی تحریروں سے دنیائے اسلام نے استفادہ کیا۔ جزاک اللہ احسن الجزا۔ اے احمدیہ جماعت اور اس کے افراد! ہاں بڑھے چلو۔ خدا تمہاری نیتوں اور اخلاصوں کو دیکھتے ہوئے ملائکہ سے تمہاری مدد کر رہا ہے۔ ورنہ تمہاری قلیل جماعت میں کیا طاقت تھی کہ تم ایسے کام کرو جس سے کثرت کے شیدائی اپنے دلوں میں شرمندہ ہو جائیں كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ (249:2)ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (54:5)

❀❀❀

7 دسمبر 1928ء

اداریہ

ہماری جماعتی زندگی کا راز!

جلسہ سالانہ کی خصوصیات

جلسہ سالانہ، جس کی دعوت دینے کے لیے یہ خاص شمارہ ''دعوت نمبر'' احباب کرام کے پیش نظر ہے، جن مقاصد کے لیے ہر سال منعقد ہوتا ہے، ان کی تشریح حضرت مسیح موعود کے اس ارشاد گرامی میں موجود ہے جو کسی دوسری جگہ درج ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت امیر ایدہ اللہ کے وہ پیغامات، جو آپ نے برادران ملت، نوجوانانِ جماعت، خواتین اور عامۃ المسلمین کو اسی پرچہ میں دیے ہیں، جلسہ کی اہمیت وضرورت کو کافی طور پر واضح کر دیتے ہیں۔ وہ لوگ جن کو جلسہ میں کبھی شمولیت کا موقع نہیں ملا۔ یا جو کسی ادنیٰ مجبوری اور معذوری کی بنا پر اس سال شمولیت سے عاری ہوں، ان ارشادات عالیہ سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری قومی ضروریات ہم سے کیا چاہتی ہیں۔ اور قومی زندگی کے لیے اپنی تمام مجبوریوں اور معذوریوں سے قطع نظر کر کے جلسہ میں قوم کے تمام افراد کا جمع ہونا کس قدر ضروری ہے۔

اس سال جلسہ سالانہ میں جو کچھ ہونے والا ہے، اس کا پروگرام دوسری جگہ درج ہے۔ اس کی بعض خصوصیات ایسی ہیں جن کی طرف ہم خاص طور پر توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ عام طور پر جلسوں میں عملی باتوں کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ اور زیادہ وقت تقاریر پر صرف ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں اگر چہ یہ دستور نہیں لیکن گزشتہ جلسوں میں دن کا حصہ عموماً عام تقاریر پر ہی صرف ہوتا رہا ہے۔ اس سال دن کے عام اجلاس دو حصوں میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ جن میں حصہ اول بعض مخصوص قومی مسائل پر غور وفکر میں صرف ہوگا اور دوسرے حصہ میں عام مضامین پر تقاریر ہوں گی۔ ہر سہ ایام جلسہ کے اجلاس میں اول کے لیے ذیل کے قومی مسائل پر گفت وشنید ہوگی 1- جماعت کے باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کی تجاویز 2- ہماری آئندہ نسل 3- اصلاح رسوم۔ ان ہر سہ مضامین کو

حضرت امیر ایدّہ اللہ احباب کرام کے غور کے لیے پیش فرمائیں گے اور اس کے بعد مختلف اصحاب، جن کے نام بعد میں شائع کئے جائیں گے، زیر غور مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار کریں گے اور آخر میں صاحب صدر تمام تقاریر کا خلاصہ بیان فرما کر بحث کو ختم کریں گے۔

اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ ہر سہ امور ہماری قومی زندگی سے کس قدر گہرا تعلق رکھتے ہیں قوم کا ان امور کی طرف توجہ کرنا فی الحقیقت اپنے آپ کو زندہ کرنے کے مترادف ہے۔ امید ہے کہ سالانہ جلسہ پر ان امور کے متعلق قوم کے سامنے ایسا لائحہ عمل رکھا جائے گا جو اس کی آئندہ زندگی کو زیادہ خوشگوار بنانے کا موجب ہو۔ احباب کرام کو ان تینوں مسائل کے متعلق پوری طرح تیار ہو کر آنا چاہئے۔ تا کہ جلسہ میں بہترین تجاویز قوم کے سامنے پیش ہوسکیں۔

عام تقاریر میں بھی بعض ایسے مضامین رکھے گئے ہیں جو ہماری آئندہ قومی سرگرمیوں میں خاص رہنمائی کا موجب ہوں گے۔ مثلاً حضرت امیر ایدّہ اللہ کا مضمون ''روحانی زندگی''۔ مولانا مولوی صدرالدین صاحب کا مضمون ''قوم کو خطاب'' مولوی مصطفیٰ خاں صاحب کا مضمون ''عیسائیوں میں تبلیغ اسلام'' اور مولوی عبدالحق صاحب کا ''ہندوؤں میں تبلیغ اسلام''۔ ان کے علاوہ اور بہت سے مضامین ہیں۔ جو سننے کے قابل ہیں اور احباب کرام کا جلسہ میں خود شامل ہو کر ان کو سننا از حد فوائد کا موجب ہوگا۔

عام جلسہ کے علاوہ احمدیہ کانفرنس ایک ایسی چیز ہے۔ جس کو جس قدر بھی اہمیّت دی جائے کم ہے۔ اس سال احمدیہ کانفرنس میں جو امور مبحث کے لیے رکھے گئے ہیں، ان کی تفصیل کسی دوسری جگہ سیکرٹری صاحب کے اعلان میں موجود ہے۔ ان میں سے ایک ایک مسئلہ ہر فرد جماعت کی خاص توجہ اور غور و فکر کو چاہتا ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ سیکرٹری صاحب کے حسب فرمائش تمام احباب جماعت ان مسائل پر بحث کرنے کے لیے خاص طور پر تیار ہو کر آئیں گے۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ قوم اس وقت خاص مشکلات میں مبتلا ہے، ہم سب کا اکٹھے ہو کر دعائیں کرنا افضال الٰہی کی کشش کا موجب ہوسکتا ہے۔ قوم اور جماعت کی دعاؤں میں خاص برکت ہوتی ہے۔ جو استجابت الٰہی کو بہت جلد کھینچتی ہے۔ ضرورت ہے کہ احباب کرام ایک دفعہ جمع ہوں اور اپنی پرسوز دعاؤں سے نصرت حق کی کشش کا موجب ہوں۔

7 دسمبر 1928ء

ڈاکٹر بشارت احمدؒ کے قلم سے

حیاتِ قومی کا راز

دعوت رسول اللہ ﷺ

''اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ''

جنگ اُحد میں کفار کا چاروں طرف سے حملہ محمد رسول اللہ ﷺ پر تھا۔ اور آپ ایک پہاڑ کے دامن میں تنہا کھڑے تھے۔ مسلمان منتشر ہو چکے تھے۔ آپ نے پکارا کہ اِلَیَّ عِبَادَاللّٰہِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ میں خدا کا رسول ہوں۔ میری طرف آؤ خدا کے بندو۔ اس آواز نے مسلمانوں کے کانوں پر پڑتے ہوئے ان کے قلوب پر بجلی کا اثر کیا۔ ان کو خدا کی آواز نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا (63:24) رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے کی طرح نہ سمجھو۔ اور سن چکے تھے کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (24:8) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو جب وہ تمہیں بلائے۔ کیونکہ وہ اس لیے بلاتا ہے کہ تمہیں زندگی بخشے۔ یہاں رسولؐ کی دعوت کو خدا نے خود اپنی دعوت قرار دیا تھا۔ اور قومی زندگی کا راز اسی آواز پر لبیک کہنے میں بتایا تھا۔ پس مسلمان رسولؐ کی آواز پر پلٹے اور رسول اللہ کی حفاظت کے لیے آپؐ کے گرد حلقہ باندھ کر کفار کے تیروں اور حملوں کے آگے سینہ سپر ہو گئے۔

جاں نثاری کا بے نظیر نمونہ:

جان نثاری کا اس سے بڑھ کر موثر نظارہ چشم فلک نے نہیں دیکھا۔ اللہ اللہ! کفار چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر حملہ کر کے آپؐ کا خاتمہ کر دیں۔ جس کے ساتھ دین اسلام کا بھی خاتمہ تھا۔

مگر مسلمانوں کی دیوار روئیں ☆ کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ کی طرح ہر طرف سے ان حملوں کے مقابلہ میں کھڑی تھی۔ایک قوی ہیکل شخص رسول اللہ ﷺ کو اپنی آڑ میں لیے عین تیروں کی بوچھاڑ میں دشمنوں کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔ پشت اس لیے کر رکھی تھی کہ تیر آتا دیکھ کر بے اختیاری میں وہ کسی طرف کو ہٹ نہ جائے۔اور تیر رسول اللہ ﷺ کی طرف چلا جائے۔ پشت پر تیر لینے کا یہ فائدہ تھا کہ پشت کی طرف سے جو تیر آئے گا وہ نظر نہ آئے گا۔ اور نہ بے اختیاری میں انسان ہٹے گا۔ تیر اس کی پشت پر لگتے تھے اور وہ نکال نکال کر اپنے ساتھیوں کو دیتا تھا کہ کفار کو مارو۔غرضیکہ اس قسم کی جاں نثاریوں کے نمونے اس جگہ بے شمار مسلمانوں نے دکھائے اور اپنے رسولؐ کی حفاظت کی۔اور اس طرح خدا کی رضا کو حاصل کیا۔

موجودہ حالت:

آج بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت پر کفار کا چاروں طرف سے حملہ ہے۔کونسا مذہب باطل ہے جو اسلام اور بانی اسلام پر حملہ نہیں کر رہا۔اور کون سا ناپاک طریق ہے جو اسلام کے استیصال کے لیے عمل میں نہیں لایا جا رہا ؎

تیر بر معصوم می بارد خبیث بدگہر　　آسماں را مے سزد گر سنگ بارد بر زمیں

آنکہ در زندانِ ناپاکی ست محبوس واسیر　　ہست در شانِ امامِ پاکبازاں نکتہ چیں

آج بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی آواز زبان حال سے اِلَیَّ عِبَادَاللّٰہِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ پکار رہی ہے۔مگر مسلمانوں کے کانوں پر مہریں لگی ہوئی ہیں وہ نہیں سنتے۔ یا سنتے ہیں تو لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا پر عمل نہیں کرتے اور رسول کے بلانے کو ایک معمولی انسان کے بلانے کی طرح سمجھ رکھا ہے۔

مجدد وقت کا کام:

آج اس پیارے رسول ﷺ کی آواز کو خدا کے ایک نیک بندے مرزا غلام احمد نے اپنی گوشِ قلب سے

سنا اور خدا کا حکم پا کر وہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے سب سے پہلے خود سینہ سپر ہو کر کفار کے حملوں کا دفعیہ کیا اور ہر طرح مالی وقلمی ولسانی رنگ میں اسلام کی حفاظت واشاعت کے لیے کمر بستہ ہو گیا۔ اور رسول کریم ﷺ پر جو بھی حملے تھے ان کا اس خوبصورتی سے رد کیا کہ آپ کا خوبصورت چہرہ دنیا کے سامنے ظاہر ہو گیا۔ لیکن ایک فرد کب تک یہ کام کر سکتا تھا۔ اس لیے آپ نے خدا کے حکم سے ایک جماعت کی بنیاد ڈالی۔ تا کہ وہ احد کے جاں نثاروں کی طرح اپنے سیّد ومولیٰ رسول کریم ﷺ کے گرد آپؐ کی عزت وناموس کے تحفظ کے لیے سینہ سپر ہو کر کھڑی ہو جائے۔ کون سچا مسلمان ہے جو اپنے پیارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے آج ہر ایک قسم کی قربانی کرنے کے لیے تیار نہ ہو گا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس پیارے رسول کی آواز پر توجہ نہیں۔ کیا زبان حال سے رسول اکرم ﷺ کی آواز اسلام کی مدد کے لئے نہیں بلا رہی؟ سب جانتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں۔ لیکن سستی اور غفلت اور دنیا طلبی قدم نہیں اٹھانے دیتی۔ وہ لاہوری احمدی جماعت کو سربکف اس کفار کے حملوں کے بحر ذخار میں کودتا دیکھتے ہیں اور دور سے بیٹھے واہ واہ کرتے ہیں اور تعریفیں کرتے ہیں۔ مگر عملی طور پر قدم اٹھانا قسم ہے!

امر جامع کے لیے اکٹھے ہو جاؤ:

اگر یہ سچ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی عزت اور آپ کے دین پر آج چاروں طرف سے حملہ ہے۔ اور یہ سچ ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت اس کام کے لیے اپنے بل بوتے سے بڑھ کر سینہ سپر ہے۔ تو کیا ہر ایک مسلمان کا فرض نہیں کہ وہ اس مقدس اسلامی فرض میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ اور آج جب وہ کرسمس کی تعطیلوں میں اسی امر کے لیے جمع ہونے لگے ہیں تو وہاں اسلام کی حفاظت واشاعت کے لیے باہمی صلاح ومشوروں اور اتحاد واتفاق سے ایسی تجاویز سوچیں، جو بیش از بیش کامیاب ہوں اور عملی قدم زیادہ مستعدی اور سرعت سے اٹھائے جائیں۔ تو کیا محبت رسول اور دعوی ایمان اس مر کے لیے مجبور نہیں کرتا کہ ہر ایک سچا مسلمان اس امر جامع کے لیے لاہور میں جمع ہو۔ اور جب تک ان امور کو طے نہ کر لے وہاں سے نہ ہلے۔ خود اللہ تعالیٰ مومنوں کی یہ تعریف کرتا ہے: **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ** (62:24) بے شک مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب اس کے ساتھ کسی ایسے امر کے لیے ہوتے ہیں جس میں جمع ہونا ضروری ہے تو نہیں جاتے جب تک کہ اجازت نہ لے لیں۔ ظاہر

ہے کہ رسولؐ کے ساتھ لوگ جس امر کے لیے جمع ہوا کرتے تھے، وہ حفاظت و اشاعت اسلام کا تھا۔ پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کی تعریف میں، جہاں یہ بیان کیا کہ اللہ رسول پر ایمان لاتے ہیں، وہاں یہ بھی شرط ایمان ٹھہرائی کہ حفاظت و اشاعت اسلام کے لیے جب کوئی امر جامع ہو، جس میں مسلمانوں کا جمع ہونا ضروری ہے تو نہ صرف یہ کہ اس میں شامل ہونا ان کا فرض ہے بلکہ وہاں سے بلا اجازت چلے جانا ایمان کے منافی ہے۔ پس وائے ان لوگوں پر جو رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ اور حفاظت و اشاعت اسلام کے لیے امر جامع میں شامل نہیں ہوتے۔ دوستوں کی دعوتیں اڑاتے رہتے یا اِدھر اُدھر شغل کرتے رہتے ہیں۔

❁❁❁

7 دسمبر 1928ء

اللہ کے لیے دس دن

حضرت امیر ایدہ اللہ کا پیغام جماعت کے نام

جس طرح افراد پر بعض اوقات مشکلات کے دن آ جاتے ہیں، اقوام پر بھی آ جاتے ہیں۔ ہماری قوم بھی آج کل ایک مشکل کے نیچے ہے۔ میں گزشتہ چار پانچ ماہ سے اس مشکل کو محسوس کر رہا تھا۔ اور جہاں تک طاقت تھی بہت غور کیا کہ کسی طرح کوئی صورت اس مشکل سے نکلنے کی پیدا ہو جائے کہ قوم پر مزید بوجھ نہ پڑے۔ لیکن کوئی صورت نظر نہیں آئی اور جو میرے ساتھ کام کرنے والے ہیں وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں۔ جب میں نے قومی وقار کو نقصان پہنچتا ہوا دیکھا تو اپنا فرض سمجھا کہ جو ایک ہی طریق حل مشکلات کا نظر آتا ہے اسے قوم کے سامنے پیش کر دوں۔ چنانچہ ذیل کی چٹھی میں نے کوئی دس دن ہوئے لکھی تھی۔ جو جماعت کے اکثر احباب کے نام بھیجی جا چکی ہے۔ اس میں میں نے ہر ایک دوست سے اس کی دس دن کی آمدنی کا مطالبہ اس قومی مشکل کے حل کے لیے کیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اکثر دلوں میں اپنے دین کی خدمت کے لیے اس قدر جوش دیا ہے کہ وہ احباب، جن کو میں جانتا ہوں کہ وہ خود مشکلات میں تھے، اس قدر شرح صدر سے انہوں نے میری آواز پر لبیک کہا ہے کہ جس کو دیکھ کر میرا دل سرور سے بھر گیا ہے۔ جزاک اللہ احسن الجزا۔ میرے دل سے ان احباب کے لیے دعا نکلتی ہے۔ مگر یہ تو کوئی چیز نہیں اصل تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جو یقیناً ان لوگوں کو ملتی ہے جو اپنے اپنے نفسوں پر تکلیف اٹھا کر اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے اور جو محمد رسول اللہ ﷺ پر ناپاک حملوں کے دفاع کے لیے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالتے ہیں۔ اور حق بھی یہی ہے کہ پہلا مصرف ان اموال کا یہی ہونا چاہئے۔ ابھی بہت سے احباب کی طرف سے چٹھی کے جواب کا انتظار ہے۔ بالخصوص اس طبقہ کی طرف سے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے زیادہ حصہ دیا ہے، ان کی توجہ اس قومی مشکل کو حل کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے۔ میں اب اس چٹھی کو اخبار میں شائع کرتا ہوں۔ تا کہ وہ دوست، جن کو یہ چٹھی براہ راست نہیں پہنچی خواہ اس کی وجہ کچھ ہو، اس کارِ خیر میں حصہ لے سکیں۔ والسلام

خاکسار　　　　　　محمد علی

☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

برادر مکرم معظم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں یہ چھٹی اپنے ہاتھ سے لکھتا۔ مجبوراً چھاپہ کی مدد لیتا ہوں۔ انجمن کی مالی حالت یوں تو گزشتہ دو سال سے نا قابل اطمینان چلی آتی ہے، لیکن گزشتہ گرمیوں کے موسم میں یہ مشکلات اس قدر ترقی کر گئیں کہ بعض بلوں کی ادائیگی دو دو تین تین ماہ تک رکی رہی۔ اور آخر بہت سا روپیہ قرض لے کر اب یہ بل ادا کیے گئے۔ اس سے انجمن یعنی احمدی جماعت کی نیک شہرت کو نقصان پہنچا۔ جس کا مجھے بہت صدمہ ہے۔ انجمن کی مالی حالت اس وقت یہ ہے کہ مد تبلیغ، جس میں تبلیغ جرمنی و دیگر بلادِ غیر اور تبلیغِ ہند مع اشاعت اسلام کالج شامل ہیں، قریباً اٹھارہ ہزار روپے کی مقروض ہے۔ مد اخبارات ''لائٹ'' اور ''پیغام صلح'' قریباً چھ ہزار کی مقروض ہے۔ مدرسے لاہور و بدوملہی قریباً چھ ہزار روپے کے مقروض ہیں۔ باقی مدات مقروض نہیں مگر بمشکل اپنا بوجھ اٹھا سکتی ہیں۔ ان ہر سہ مدّات کا قرضہ تیس ہزار روپے ہے۔

اس قرضہ کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔ تبلیغ جرمنی پر ان پیچیدگیوں کی وجہ سے جو اس سال میں پیدا ہو گئیں کوئی بارہ ہزار روپے کے قریب غیر معمولی خرچ پڑ گیا۔ اشاعت اسلام کالج کے خرچ میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ مگر اس کی آمدنی بالمقابل برائے نام ہے۔ اخبارات میں لگاتار خسارہ چلا آتا ہے۔ مگر ان ہر دو کا زندہ رکھنا قومی زندگی کی سب سے پہلی ضرورت ہے۔ مسلم ہائی سکول لاہور ان ایام سے چار ہزار روپے کا مقروض ہے! جب اس کی عمارت بنوائی گئی۔ بدوملہی سکول کو لیتے وقت جو وعدہ انجمن سے ایک ہزار روپے سالانہ کی امداد کا کیا گیا تھا۔ اس کا ایفا نہ ہوا۔ اب یہ تیس ہزار روپے قرضہ قوم کے سر پر ہے۔ جب تک رقم قرضہ کم تھی گزارہ ہوتا گیا۔ لیکن قرضہ کے اس قدر بڑھ جانے سے کام چلنا دشوار ہو گیا ہے۔ ڈر ہے کہ کسی وقت مشکلات نا قابل برداشت نہ ہو جائیں۔ کوئی دس سال کا عرصہ گزرا ہو گا کہ ایک دفعہ پہلے بھی انجمن ایسی مشکلات میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس وقت

چندان احباب نے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے وسعت عطا فرمائی ہے، بڑی بڑی رقوم سے امداد فرما کر اس دقت کو دور کر دیا۔ اب میں دست سوال ساری قوم کے سامنے پھیلاتا ہوں۔

ایک ماہ کی محنت:

اس قومی مصیبت کو دور کرنے کے لیے میری پہلی درخواست آپ سے یہ ہے کہ جلسہ تک جس قدر وقت باقی ہے روزمرہ کے ضروری فرائض کی ادائیگی کے بعد جس قدر اس میں سے بچ سکے، وہ انجمن کے مالی استحکام کے لیے لگا دیں۔ ہر ایک شخص خاص دائرہ واقفیت کا رکھتا ہے۔ اور اگر وہ کوشش کرے تو اس دائرہ میں کچھ نہ کچھ کام بھی کر سکتا ہے۔ اشاعتِ اسلام کا جو کام ہماری قوم کر رہی ہے وہ آج کسی کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔ اور تنگ دل لوگوں کو الگ کر کے دنیائے اسلام خدمت کا اعتراف اور اس کی عزت کرتی ہے۔ اس کے متعلق ایک ٹریکٹ بھی ہے۔ اسے خود بھی پڑھیں اور اپنے حلقۂ واقفیت میں بھی پہنچائیں۔ اور جہاں تک ہو سکے غیر از جماعتِ احباب کو اس کے ذریعہ سے انجمن کی مالی امداد کی طرف توجہ دلائیں۔ اور کچھ نہ کچھ رقم وصول کر کے اپنے ہمراہ سالانہ جلسہ پر لائیں۔ اگر اس غرض کے لیے کسی امداد کی ضرورت ہو تو اس کے بہم پہنچانے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ اگر آپ کی توجہ پورے زور سے اس طرف ہو گئی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسباب بھی پیدا کر دے گا۔

دس دن کی آمدنی:

میرا دوسرا سوال آپ سے یہ ہے کہ آپ اپنی دس دن کی آمدنی اس ماہ نومبر میں سے دیں۔ اگر دس دن کی آمدنی اکٹھی نہ دے سکیں تو دو یا تین قسطوں میں دے دیں۔ لیکن پہلی قسط بہرحال سالانہ جلسہ پر ادا ہونی چاہئے۔ اور پھر متواتر دسمبر اور جنوری کی آمد سے۔ کیونکہ قرضہ کی واپسی کا وعدہ اسی وقت کے قریب قریب ہے۔ جن احباب کی آمدنی معیّن نہیں یا جو معیّن آمدنی کے علاوہ کچھ غیر معیّن ذرائع آمدنی کے رکھتے ہیں وہ اپنی جگہ پر حساب کر کے اپنی سالانہ آمدنی کا چھتیسواں حصہ غیر معیّن آمد سے دے دیں اور خدا کے راستے میں دے کر قومی قرضہ کے بیباک کرنے میں معاون ہوں۔ جو کچھ کام اب تک ہوا ہے۔ جس قدر لوگوں تک خدا کا نام یا اس کا کلام پہنچا ہے۔ جس قدر رسول خدا ﷺ کی عزت کی حفاظت عملی رنگ میں ہوئی ہے۔ جس قدر انسان راہ ہدایت پر

آ ئے ہیں۔خواہ غیر مسلم تھے اور مسلمان ہوئے یا مسلمان تھے اور اسلام پر پختہ ہوئے۔اس سب کام میں آپ بھی حصہ دار ہیں۔ یہ جو کچھ عمارت اشاعتِ اسلام کی اس وقت کھڑی ہو چکی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قدر بلند ہو چکی ہے کہ دنیا کے دور دراز مقامات سے بھی نظر آتی ہے۔اس پر اگر کچھ غیر معمولی طور پر خرچ کرنا پڑے تو انہی لوگوں کے ذمہ یہ کام ہے جنھوں نے اس عمارت کو تیار کیا ہے۔ جو کام آپ کی ہمت سے ہوا ہے، اسے سنبھالنا اور بچانا بھی آپ ہی کے ذمہ ہے۔اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے آپ کی دس دن کی آمدنی کے لیے میں آپ ہی کی قوم کی طرف سے سائل کی حیثیت میں آپ کے دروازہ پر آیا ہوں وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (10:93) اِنْ اَحْسَنْتُ فَاَعِيْنُوْنِىْ اگر یہ کام، جس کے کرنے میں ہم ایک دوسرے کے شریک کار رہے ہیں، ایک نیک کام ہے۔تو میں حضرت ابوبکرؓصدیق کے الفاظ میں ایک دردمند دل کے ساتھ آپ سے التجا کرتا ہوں کہ''اگر میں اچھا کام کروں تو آپ میری مدد کریں''۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کام یا کسی انسان کو قبول فرماتا ہے تو اس کی قبولیت کے آثار لوگوں کے اندر پیدا کر دیتا ہے۔سو اس کام کی، جو اب تک ہم نے مل کر کیا ہے، قبولیت کے آثار بھی خدا کے فضل سے پیدا ہو چکے ہیں۔اور وہ زبردست آثار ہیں۔اب ہم دو ہی کام کر سکتے ہیں۔ یا اس قبولیت کے پھیلنے میں الٰہی منشا کی تائید کرنے والے ہوں اور یا اپنی کم ہمتی سے یا دنیا کے مال کی محبت سے یا کسی تکلیف یا مشقت کے خیال سے اس حاصل شدہ قبولیت کو بھی گنوا دیں۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ دوسری بات آپ کے وہم سے بھی دور ہے۔اتنی بڑی حاصل شدہ نعمت کو کون انسان گنوانا چاہتا ہے۔لیکن اگر آپ نے اس موقع پر ذرا بھی غفلت کی۔اگر اپنی ذمہ داری کو پورے زور سے محسوس نہ کیا، اگر مال کی محبت رسول خدا کی محبت پر خدا کے کلام کی محبت پر غالب آ گئی، اگر دنیا کو دین پر مقدم کر لیا تو خواہ آپ کے خیال میں بھی یہ بات نہ ہو مگر نتیجہ یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان نعمت، جس کو قوم نے اپنے مالوں کا کثیر حصہ خرچ کر کے حاصل کیا ہے، وہ ہمارے ہاتھ سے چھن جائے گی۔کوئی دوست یہ خیال نہ کرے کہ ایک میں نہ دوں گا تو کیا نقصان ہوگا۔ جو خیال اس کے دل میں آتا ہے وہی اس کے بھائی کے دل میں بھی آئے گا۔ایک کی کمزوری سب کی کمزوری ہے اور ایک کی طاقت میں سب کی طاقت ہے۔ میں نے ایک معیّن رقم نہیں مانگی بلکہ سب احباب سے یکساں سوال کیا ہے لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰـهُ اللّٰهُ (7:65) چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر رزق کی تنگی ہے اسے بھی چاہئے کہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے

اسے دیا ہے۔ میرے دوستو! تھوڑی دیر کے لیے اس بات کو بھول جاؤ کہ کوئی مالدار ہے اور کوئی تنگ حال ہے اور خدا کے راستے میں سب ایک ہو کر قدم اٹھاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بہت دیتا ہے تو وہ خدا کے لیے دیتے وقت بخل نہ کرے۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (94:6) اس ارشادِ خداوندی کو آپ پڑھیں اور زندگی کی غرض پر غور کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کے دھندوں میں ہم اس قدر مبتلا ہو جائیں کہ اصل غرض کو بھی بھول جائیں۔ میں واعظ کی حیثیت میں نہیں کہتا۔ بھائی اور خیر خواہ ہونے کی حیثیت میں کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آخر کار تم ہمارے پاس اکیلے ہی آئے جیسے ہم نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا۔ انسان اس دنیا میں کسی ساز و سامان کے ساتھ نہیں آتا۔ پھر اس دنیا میں وہ اپنے لیے کیا کیا بناتا ہے مگر آخر کار اس سب کو یہیں چھوڑ جاتا ہے فرمایا: وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (94:6)۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے وہ آخر میں چھوڑنا پڑتا ہے اور بالآخر پھر انسان کو اپنی پوری عریانی میں اپنے سارے ساز و سامان سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہوگا۔ نہ مال و دولت ساتھ ہوگا، نہ زن و فرزند ساتھ ہوں گے، نہ جائیداد ساتھ ہوگی۔ ہاں ایک چیز ساتھ ہوگی۔ اور وہ صرف اسی قدر حصہ ہے جو انسان نے اپنے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیا۔ آہ! کس قدر ناسمجھی ہے۔ جو مال ہمارے ساتھ جانے والا ہے۔ اس کو بڑھاتے وقت ہم کس قدر تنگ دل ہو جاتے ہیں۔ اور جو پیچھے چھوڑ جانا ہے اس کو بڑھانے کی کس قدر حرص ہے۔ نہیں ہم مال کو بڑھانے ہی کی حرص نہیں رکھتے، اسے خرچ کرنے پر بھی قادر ہیں اور جہاں چاہتے ہیں دل کھول کر خرچ بھی کرتے ہیں۔ میں اپنی حالت بیان کرتا ہوں۔ خدا کے لیے مانگا جائے تو خیال ہوتا ہے کہ اس قدر دے دیں گے تو ہمارا گزارہ کس طرح ہوگا؟ بال بچے کو کہاں سے کھلائیں گے؟ اپنی ضرورتوں کو کس طرح پورا کریں گے؟ سب راستے بند نظر آتے ہیں۔ فی الحقیقت راستے بند نہیں ہوتے، دل بند ہوتا ہے۔ ابھی کوئی عمدہ عمارت بنانی ہو، کوئی شادی ہو، کوئی تکلیف پیش آ جائے، کوئی مقدمہ پڑ جائے تو سب رستے کھل جاتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہ ہماری ضرورت ہے۔ اس کو پورا کرنا ہے۔ اگر ہم دین کی ضرورت کو اسی قدر اہمیت دیں جس قدر اہمیت اپنی ضرورتوں کو دیتے ہیں تو اس کے پورا کرنے کے لیے بھی دل کھل جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی راستے بھی کھل جائیں۔

سارے سال میں سے میں نے آپ کی دس دن کی کمائی مانگی ہے۔ اس لیے کہ اس کے بغیر اب چارہ

کار نہیں۔ ہمارا قومی وقار ہی برباد نہیں ہوتا بلکہ لاکھوں روپے خرچ کر کے جو کام بنایا ہے اسے نقصان پہنچتا ہے۔ مجبور ہو کر آپ سے سوال کیا ہے۔ اگر مجھے کوئی راستہ اس وقت نظر آتا تو میں آپ کو تکلیف ہرگز نہ دیتا۔ مگر اس ظاہر تکلیف کے نیچے راحت ہے۔ ان قربانیوں ہی میں انسانیت کا شرف ہے۔ اور یہی احمدیّت کا امتیاز ہے۔ میں جانتا ہوں کہ چند دوست ہیں جنہیں میں مصیبت کے وقت بلا سکتا ہوں۔ اور جو کبھی مصیبت کے وقت میری مدد کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔ اگر مجھے ذاتی طور پر بھی کوئی مصیبت ہو تو میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ امداد کا ہاتھ مجھے اس سے نکالنے کے لیے بڑھائیں گے۔ اور یہ تکلیف تو قوم کی تکلیف ہے۔ اور یہ مدد خدا کے دین کی مدد ہے۔ اور یہ خدمت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں ضرور وہ بلند جذبہ پیدا کرے گا جس کے سامنے دنیا کی ساری تکلیفیں ہیچ ہو جائیں گی۔ اے خدا تو ایسا ہی کر اور اپنے دین کو ہر قسم کے مصائب سے نکال کر وہ غلبہ عطا فرما جس کا تو نے خود وعدہ کیا ہے۔ اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے۔

بالآخر ایک عرض ہے۔ میں نے کسی دوست کے خط کا جواب دینے سے پہلوتہی نہیں کی۔ آپ بھی اسے میرا ذاتی خط سمجھیں اور جواب سے محروم نہ رکھیں۔ میری اس امید کو جو آپ سے ہے پورا کریں۔ میں بھی دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امیدوں کو پورا کرے۔ دین کی مشکل کو حل کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات کو حل کرے گا۔ ہاں لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْن (2:61) کی وعید سے ڈرتا ہوا وعدہ کرتا ہوں کہ میں خود اس پر عمل کروں گا جو آپ کو لکھ رہا ہوں۔

صدائے امیر پر لبیک:

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی مندرجہ بالا چٹھی کے جواب میں ہر طرف سے جو صداء لبیک بلند ہوئی ہے وہ احمدی جماعت کی زندہ دلی اور ایثار کوشی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ احباب کی اطلاع کے لیے ان جوابات کے خلاصے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

حضرت مولانا احمد صاحب لاہور:

جناب کا خط مطبوعہ پڑھا۔ دس دن کی آمدنی دینے کے متعلق عرض ہے کہ انا اول المسلمین۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ

یہاں کا گزارہ بہت تکلیف سے ہوتا ہے۔ بہرحال میرے ذمہ دس دن کی آمدنی (ستائیس روپے) کی رقم بنتی ہے۔ اس کا ذکر گھر میں بچوں اور اہلیہ کے سامنے کیا اور جناب کے خط کا بلفظ ترجمہ کر کے سنایا۔ اس پر سب نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس لئے میں بڑی خوشی اور انشراح صدر سے اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ انا اول المسلمین۔

قاضی محبوب عالم صاحب گوجرانوالہ:

حضور کی چٹھی آج نیاز مند کے پاس پہنچی۔ حضور نے جو ارشاد گرامی جس لہجہ میں درج فرمایا ہے وہ تو آپ کے اتقاء کی ایک شان ہے۔ میرے دل میں جو اللہ تعالیٰ نے اس دردبھری آواز سے ڈالا ہے وہ یہ ہے کہ حضور کو کوئی فکر نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ جماعت میں ہزارہا نفوس کی تعداد کو بھی اگر ہم نظر انداز کر دیں اور صرف 300 دوست ایسے منتخب کر لیں جو اس رقم کو پورا کر دیں اور حضور درخواست نہ کریں بلکہ ہم کو حکم دیں کہ فلاں تاریخ تک یہ روپیہ داخل خزانہ ہونا چاہئے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ پس میں اس تجویز کو صرف پیش ہی نہیں کرتا بلکہ حضور کو درخواست کرتا ہوں کہ خاکسار کے ذمہ 50 یا 100 روپیہ کی جو رقم تجویز ہو، وہ میں جلسہ سالانہ پر انشاء اللہ داخل خزانہ کر دوں گا۔

پروفیسر عنایت علی خان صاحب علی گڑھ:

نوازشنامہ حضور کا ملا۔ جواباً عرض ہے کہ مبلغ 50 روپیہ آپ کے حکم کی تعمیل میں ارسال ہیں۔ انشاءاللہ جنوری فروری میں اور بھی ادا کر دوں گا۔ مبلغ 10 روپے ترجمہ پرافٹ آف اسلام کی مد میں ارسال ہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ خدمت دین کی توفیق عنایت فرمائیں۔

جناب بابو عبدالرحمٰن صاحب جہلم:

گرامی نامہ شرف صدور آیا۔ باعث عزت وافتخار ہوا۔ میری آمدنی کا تیسرا حصہ 54 روپے بنتا ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ جلسہ سالانہ کے موقع پر پیش کروں گا اور جو چندہ جمع ہو سکا وہ بھی ہمراہ لاؤں گا۔ خداوند کریم آپ

کی سعی میں برکت عطا فرمائے اور ہماری رہنمائی کے لیے آپ کو بہت دیر تک سلامت رکھے۔

ڈاکٹر جلال الدین صاحب گوجرہ:

آج جناب کی مطبوعہ چٹھی، جو جناب نے قوم کو درد دل سے روانہ کی ہے، ملی۔ جزاک اللہ۔ آپ نے قوم کی زندگی کے لیے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ہر ایک دل، جو اپنے اندر درد اسلام رکھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سچے طور پر محبت اپنے اندر رکھتا ہے اور آپ کی عزت کو دنیا میں روشن کرنا چاہتا ہے، ضرور محبت کے جوش کو ظاہر کرے گا۔ اس لئے میں مبلغ بیس روپیہ کی ناچیز رقم پیش کرتا ہوں۔ اگر خدا نے توفیق دی تو اور بھی کوشش کروں گا۔ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ اسلام پر اور محبت رسول ﷺ پر کرے۔

شاہ محمد خاں صاحب ڈسٹرکٹ انجینئر حصار:

آپ کا مطبوعہ خط مل گیا۔ دس دن کی کمائی کا مطالبہ انشاء اللہ پورا کر دوں گا۔ یہ آپ کی چٹھی واقعی درد ِ دل کی تحریک ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ نے تو بجلی کا کام کیا۔ مزید برآں آپ کا یہ سوال بواسطہ آیت: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ اس قدر موثر ہے کہ سب کچھ قربان کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ہماری جماعت گو قلیل ہے مگر یہ 30 ہزار روپے کا قرضہ انجمن کے ممبران پر کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر 300 ممبران ایسے نکل آئیں جو 100 روپیہ فی کس دے دیں تو یہ رقم پوری ہو سکتی ہے۔

عبدالواحد صاحب دہلی:

میں انشاء اللہ تعالیٰ اس ماہ کی دس دن کی آمدنی جلسہ سالانہ کے موقع پر پیش کروں گا۔ مولوی صدر الدین صاحب کی تشریف آوری پر بھی 40 روپیہ چندہ دے چکا ہوں۔ اس کے علاوہ کچھ اور چندہ میرے ذمہ بقایا تھا وہ بھی ادا کر دیا ہے۔

چوہدری محمد سعید صاحب اوورسیر امرتسر:

آپ کی اپیل ملی۔ اگرچہ بہت تنگ دستی آج کل شامل حال ہے۔ مگر میرا جو کچھ بھی ہے، سب کچھ اسی

اللہ جلشانہٗ کا دیا ہوا ہے اور اسی کا وعدہ ہے کہ مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (11:57) پھر فرمایا: وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّ مُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَاللّٰہِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا (20:73)۔سو انشاء اللہ تعالیٰ مبلغ 20 روپے بھیج دیے جائیں گے۔

مولوی مرتضٰی خان صاحب لاہور:

جناب کی مطبوعہ چٹھی پڑھی۔ میں حسب ارشاد اپنی دس دن کی آمدنی اقساط میں ادا کردوں گا۔ انشاء اللہ العزیز

ڈاکٹر سیّد طفیل حسین صاحب لاہور:

آپ کی اپیل پہنچی۔ میری طرف سے مبلغ 90 روپیہ بطور امداد انجمن قبول فرمائیں۔ میں نے دس دن کی آمدنی سے زیادہ رقم دی ہے۔ دعا کیجیئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اسلام پر مرنے کی توفیق بخشے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلائے۔

دوسرا خط:

میں نے کل دوبارہ آپ کی اپیل کو پڑھا تو اس میں دس دن کی آمدنی کے متعلق تھا۔ میں دسواں حصہ آمد کا خیال کیے بیٹھا تھا۔ اس وجہ سے 90 روپیہ دیے تھے۔ اب جیسا کہ آنجناب نے فرمایا ہے میں دس دن کی آمدنی 200 روپیہ دوں گا۔

جناب عبدالرحمٰن صاحب دہلی:

کل جناب والا کا خط ملا۔ میں حسب ارشاد دوستوں میں تحریک کروں گا۔ اور خود بھی دس دن کی آمدن آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔

❀❀❀

11 دسمبر 1928ء

حضرت امیر ایدّہ اللہ کے قلم سے

سالانہ جلسہ

پروگرام کے متعلق چند ضروری امور

پروگرام کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اس کے دو حصے ایک دوسرے سے بالکل الگ کر دیے گئے ہیں۔ یعنی پہلے حصہ میں بجائے لیکچروں کے چند ایسے امور ہیں جن کا زیادہ تعلق عملی رنگ میں قومی بہود سے ہے۔ اور دوسرے حصہ میں ایسی تقریریں ہیں جن کا زیادہ تر تعلق ازدیادِ علم سے ہے۔ اس لیے مجبوراً لیکچر تھوڑے ہیں اور وقت بھی ان کے لیے تھوڑا رکھنا پڑا ہے۔ چونکہ جلسہ کے تین دن ہیں، اس لیے اس سال حسب ذیل تین امور رکھے گئے ہیں۔ جن پر اڑھائی گھنٹے کے لیے بحث ہوگی۔ اور اس بحث کے آخر میں صدر جلسہ اس بحث کے خلاصہ کو قوم کے سامنے عمل کے لیے پیش کریں گے اور آئندہ ہماری قوم کو اس کے مطابق عمل پیرا ہونا ہوگا۔ یہ تین امور حسب ذیل ہیں۔

1- ہماری آئندہ نسل:

اس بحث کا ماحصل یہ ہوگا کہ ہمیں اپنی اگلی نسل کو خدمت دین کے لیے تیار کرنے کے لیے کن راہوں پر چلنا چاہئے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس وقت نوجوان بہت کچھ مغربی تعلیم کی مادیت کے خیالات سے متاثر ہوتے جاتے ہیں۔ اور یورپین تہذیب کی نقل بلا سوچے سمجھے کی جا رہی ہے۔ ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ ہم مسلمان نوجوانوں کو اور بالخصوص اپنے بچوں کو، جن پر ہمارا خاص اثر ہے، بُرے تاثرات سے کس طرح بچائیں اور ان کی اخلاقی اور دینی تربیت کے لیے کیا راستے اختیار کیے جائیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کریکٹر یا اخلاق صرف علم دینے سے نہیں بنتے جب تک کہ عملی رنگ میں نوجوانوں کو اس کام میں نہ ڈالا جائے جس سے اخلاق بنتے ہیں اور اس غرض کے لیے کچھ نہ کچھ عملی کام سامنے رکھ کر نوجوانوں کو اس کے اندر ڈالنا چاہئے۔ تاکہ نری باتیں نہ رہیں اور وہ کچھ سیکھ بھی لیں۔

مثلاً دوسری قوموں کے اندر ہم دیکھتے ہیں کہ نوجوان کس طرح سیاسی ہی نہیں سوشل خدمات کا جذبہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور کہیں قحط ہو یا وبا ہو یا کوئی اور عام مصیبت آ جائے، تو اس کے لیے کس طرح اپنے آپ کو لگا دیتے ہیں۔ اسلام تو سب سے بڑھ کر یہ تعلیم دیتا ہے کہ دوسروں کے مصائب میں ان کی مدد کی جائے اور اخلاق بھی اس کے بغیر نہیں بنتے۔ اس لیے ایسے عملی کام جو ہمارے ذرائع کے اندر ہوں وہ بھی اس میں آ جاتے ہیں۔ پھر مسلمان نوجوانوں کے سامنے زندگی کا کوئی بلند مقصد نہیں۔ وہ کھانے پینے اور آرام کرنے تک ہی اپنی زندگی کی غرض کو محدود سمجھتے ہیں۔ جب تک ہم ان کے سامنے زندگی کا بلند مقصد، جو خدمت دین ہے، نہ رکھیں گے وہ اس کام کو سنبھالنے کے اہل نہ ہوں گے۔ خواہ ہم کتنا بھی چاہیں۔ اس کے لیے بھی کوئی عملی کام سوچنا چاہئے۔ پھر مسلمان بچے کیا لڑکے اور کیا لڑکیاں، قرآن وحدیث سے، نبی کریم ﷺ کی سیرت سے اور اپنے بزرگوں کی تاریخ سے قطعاً ناواقف ہیں۔ اور ان کے سامنے اپنے سلف کے بلند نمونے نہیں آتے۔ جس سے ان کے اندر بھی بلند جذبات پیدا ہوں۔ اس کمی کو بھی پورا کرنا ہے۔ درس وتدریس کا سلسلہ ہفتہ وار لیکچر اور کئی قسم کے امور اس کے اندر آتے ہیں۔ اس میں مستورات کی حالت کی اصلاح بھی آتی ہے۔ کیونکہ جب تک ماؤں کا علم ترقی نہ کرے اور ان کے دلوں میں بلند جذبات پیدا نہ ہوں اولاد کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

2- باہمی تعلقات:

دوسرا مضمون بحث کے لیے جماعت کے باہمی تعلقات ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم محض ایک انجمن نہیں بلکہ ایک جماعت ہیں۔ انجمن کا کام تو محض اسی قدر ہوتا ہے کہ وہ خاص مقصد جس کے لیے انجمن بنی ہے۔ اس کے لیے چندہ کر کے اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ مگر جماعت کی غرض بہت وسیع ہے۔ اور اس میں ہر قسم کی باہمی اخوت کے تعلقات آ جاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی غرض ایک جماعت کا بنانا تھا۔ تا کہ وہ اخوت اسلامی کا ایک نمونہ ہو اور اشاعت اسلام کا کام بھی کرے۔ ہماری توجہ اب تک استحکام تعلقات اخوت کی طرف بہت کم رہی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ جماعت کا وجود دیرپا ہوتا ہے، انجمن کا نہیں ہوتا۔ انجمن آج بنتی ہے اور کل ٹوٹتی ہے۔ مگر جماعت کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ اس لیے گو اشاعت اسلام کے کام کے لیے ہماری حیثیت ایک انجمن کی ہے کہ اس غرض کے لیے اموال کو جمع کر کے ان کے تحفظ اور صحیح خرچ کا انتظام کیا جائے۔ مگر اس سے

بڑھ کر ہماری حیثیت ایک جماعت کی ہے۔ اور ہمیں اپنے تعلقات اخوت کو اس قدر مضبوط کرنا ہے کہ دوسرے تمام تعلقات پر یہ فائق ہو جائیں۔ پس اس بحث میں یہ غور کرنا ہے کہ وہ کون کون سے عملی طریق ہیں جن سے جماعت کے باہمی تعلقات مضبوط اور جماعتی زندگی کے قیام میں معاون ہوں۔ مثلاً انسانی سوسائٹی میں تعلقات محبت، باہمی رشتہ داریوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اس طرف توجہ دلائی تھی۔ یا مثلاً ہمیں یہ سوچنا ہے کہ جماعت کے اندر جو غرباء کا طبقہ ہے اسے کس طرح اٹھایا جائے اور اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنے لیے معاش کی اچھی صورت پیدا کر سکیں۔ قوموں کی تاریخوں سے یہ پتہ لگتا ہے کہ بڑے بڑے لوگ اس طبقہ سے پیدا ہوئے جن کے ظاہری مالی حالات اچھے نہ تھے۔ خود قرآن شریف میں عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى (80:1-2) کا دائمی سبق موجود ہے۔ اس لیے یہ امر غور طلب ہے کہ کون سے ذرائع اختیار کیے جائیں جن سے اپنے احباب کی مالی مشکلات میں امداد ہو سکے۔ ایسا ہی کچھ سوشل تعلقات بھی قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس سے بھی ازدیادِ محبت پیدا ہوتا ہے۔

3- اصلاح رسوم:

تیسرا امر اصلاحِ رسوم ہے۔ اس بارہ میں مَیں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ہماری جماعت لاہور نے کچھ فیصلہ اس سال اصلاح رسوم کے متعلق کیا تھا۔ جو پیغام صلح 7 اپریل 1928ء میں چھپا ہوا ہے۔ اسے دیکھ لیا جائے۔ اس کے علاوہ بھی جو امور قابل اصلاح ہوں انہیں پیش کیا جائے۔ رسوم درحقیقت قومی عادات ہیں اور بُری عادات کو ترک کر دینا ہی کافی نہیں بلکہ ان کی جگہ نیک عادات اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ جو آئندہ نسلوں کی بھلائی کی موجب ہوں۔

یہ تھوڑی سی وضاحت میں نے اس لیے کر دی ہے کہ احباب، جو اس جلسہ میں شامل ہوں، پورے طور پر تیار ہو کر آئیں۔ وقت، جو ہر ایک مقرر کو دیا جائے گا، وہ 5 منٹ سے لے کر 10 منٹ تک ہوگا۔ لیکن اگر مضامین پر غور کیا ہوا ہو تو مفید طلب باتیں کہنے کے لیے یہ وقت بھی کافی ہوگا۔ علاوہ ازیں چونکہ ان امور میں ہم اس وقت قوم کی رہنمائی کر رہے ہوں گے، قوم کے عمل کے لیے ایک طریق پیش کر رہے ہوں گے، اس لیے بھی ضروری ہے کہ جملہ احباب ان باتوں پر پورا غور و خوض جلسے سے پیشتر رکھیں۔ اور جن اصحاب کو تقریریں کرنا ہوں وہ بہتر ہے

کہ اس کے متعلق نوٹ بھی تیار کر رکھیں۔ یوں بھی یہ ضروری ہے کہ ہماری قوم کے اندر یہ قوت ہو کہ وہ ہر ایک پیش آمدہ مسئلہ پر سوچنے، اور جب وہ طے ہو جائے، تو اس پر عمل کرنے کے عادی ہوں۔ جو احباب ان امور کو لاپروائی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ قوم کی تعمیر کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جو اصحاب ان امور میں سے کسی امر کے متعلق تقریر کرنا چاہتے ہوں انہیں چاہئے کہ وہ فوراً اپنے ناموں سے اطلاع دیں تا کہ آخری پروگرام میں ان کے اسماء گرامی بھی درج کئے جائیں۔

نوٹ:

کانفرنس میں جو امور پیش ہوں گے۔ وہ بھی کسی دوسری جگہ درج ہیں۔ ان امور کے متعلق بھی احباب جماعت پورا غور کر کے آئیں۔ بلکہ جہاں جہاں انجمنیں بنی ہوئی ہیں وہاں انجمن کے احباب کی رائے بھی معلوم کر لی جائے۔ یا ان امور پر کوئی دن مقرر کر کے بحث کر لی جائے۔ تو بہت مناسب ہوگا۔

محمد علی

احمدیہ کانفرنس:

ذیل کی تجاویز آئندہ جلسہ سالانہ میں احمدیہ کانفرنس کے موقع پر پیش ہونے کے لیے مجلس منتظمہ نے منظور کی ہیں:

1- قادیانیوں کے متعلق ہمارے اخبار کی روش کیسی ہونی چاہئے۔

2- جماعت کے باہمی تعلقات کو بہتر کرنے کی تجاویز۔

3- انجمن شادی فنڈ قائم کرے۔ جس میں شادی کے موقع پر ایک معیّن رقم انجمن کو دی جائے۔

4- کوئی احمدی اپنے نام کے پہلے یا پیچھے کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کرے جس سے کسی قوم یا

فرقہ سے تعلق ظاہر ہوتا ہو۔ جیسے سید، مرزا، شیخ، چشتی، قادری، صدیقی، احمدی وغیرہ۔

5-ہمارے گھروں میں صرف شرعی پردہ ہونا چاہئے کم سے کم احمدی احباب کے اندر اس سے زیادہ پردہ جائز نہ رکھا جائے۔

6-سالانہ جلسہ کو دسمبر سے بہار کے مہینے میں تبدیل کر دینا چاہئے۔ اول تو اس ماہ میں سردی کے باعث بھاری بستر اٹھانے پڑتے ہیں۔ دوم ان ایام میں تمام انجمنوں، کانگرس، کانفرنسوں، سوسائٹیوں اور سبھاؤں کے جلسے ہوتے ہیں۔ اور ہمارے جلسے پر آنے والے آدمی اور جگہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اس موسم میں رش بھی تکلیف رساں ہوتا ہے۔ جلسہ سالانہ ہر سال مختلف مقامات پر ہوا کرے۔ اور خرچ اسی ضلع کی انجمنیں دیں جن میں جلسہ ہو۔ جلسہ دو روز سے زیادہ نہ ہو۔ اور چھ لیکچروں سے زیادہ لیکچر نہ ہوں۔ لیکچروں میں قوم کے نظام اور ان کی معاشرت اور تمدن کی اصلاحات اور اخلاق کی درستی مدنظر رکھی جائے۔

7-انجمن کے لٹریچر کی توسیع اشاعت کی تجاویز۔

❀❀❀

14 دسمبر 1928ء

اداریہ

اللہ کے لیے دس دن کا مطالبہ

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

حفاظت اسلام کا احساس:

انجمن کی مالی مشکلات کے حل کے لیے جو ہر ایک دوست سے اس کی دس دن کی آمدنی کا مطالبہ کیا گیا ہے اس کی تہ میں ایک خاص خیال تھا۔ ہوسکتا تھا کہ چند آسودہ حال احباب سے ہی یہ ساری رقم قرضہ پورا کرنے کو کہا جاتا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ تین سو نام انتخاب کر کے، جیسا کہ بعض احباب نے کہا ہے، ایک ایک سو روپیہ ان کے نام پر لگا دیا جاتا۔ ہماری جماعت مالی قربانیاں بہت کرتی ہے۔ اپنی آمدنیوں میں سے پانچ فیصد اور اس سے بڑھ کر دس فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ دینے والے احباب ہیں۔ جزاہ اللہ خیراً۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ ساری قوم کے دل میں حفاظت اسلام کا احساس اس سے بھی زبردست پیدا ہو جو اس وقت ہے۔ اور دس دن کی آمدنی کے مطالبہ میں یہی بات زیادہ تر مدنظر تھی کہ ہم سب کو یہ محسوس ہو کہ گویا ہمیں دس دس دن کے لیے بلایا گیا ہے کہ اپنے کاروبار کو چھوڑ کر خدا کے دین کی حفاظت میں لگا دیں۔ اگر فی الواقع کبھی کوئی ایسا موقع ہو تو جو لذت اس سے قلوب میں پیدا ہوسکتی ہے وہ محض مالی امداد سے نہیں ہوسکتی۔ تاہم یہ خیال کہ ہم سب اکٹھے ہو کر دس دن محض خدا کے دین کی حفاظت کے لیے لگا دیں، دل میں ایک خاص لذت پیدا کرتا ہے۔ اور ان لوگوں کے ساتھ ہمارے لیے ایک نسبت کا موقع پیدا کرتا ہے، جنھوں نے اپنی زندگیوں کو حفاظت دین کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ اور جو سب کے سب رسول اللہ ﷺ کی آواز پر اپنے بال بچہ سے، اپنے کاروبار سے، اپنے آرام سے الگ ہو جاتے تھے۔ دس دن کے لیے نہیں، پندرہ پندرہ، بیس بیس، تیس تیس دن کے لیے۔ سال میں ایک مرتبہ نہیں، کئی کئی بار۔ پھر وہ اپنے کاروبار اور اموال سے ہی الگ نہ ہوتے تھے، اپنی گردنیں بھی کٹوانے کے لیے حاضر کر دیتے تھے، اور

اس میں لذّت محسوس کرتے تھے۔ ان قدسی نفس بزرگوں سے نسبت حاصل کر لینا کوئی چھوٹی سی کامیابی نہیں۔ میں سمجھتا ہوں انسان کی زندگی کے بہترین دن وہی ہیں جو اعلاء کلمۃ اللہ اور حفاظت اسلام جیسے بلند مقصد کے حصول میں بغیر کسی ملونی کے صرف ہو جائیں۔ اور وہ دلی تڑپ، جس کا اعادہ ہم ہر روز بیسیوں مرتبہ کرتے ہیں اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ (1:5-6) عملی رنگ میں ہماری زندگی میں ہر روز نہیں تو چند دنوں کے لیے ہی پوری ہوتی نظر آجائے۔ میرے دل کی یہ آرزو تھی کہ ہم سب اکٹھے ہو کر، جس طرح نماز میں یہ دعا مانگتے ہیں، اسی طرح عملی رنگ میں بھی یہ نمونہ دکھائیں کہ ہم چھوٹے اور بڑے، جوان اور بوڑھے، غریب اور امیر، تاجر اور ملازم سب ایک وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر اسی کی دی ہوئی نعمت زندگی کے دس دن اس کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ ہم اس وقت کو ہر ملونی سے پاک کر کے سب کے سب اپنا اپنا زور خدا کے دین کی حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لگاتے ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر یہ احساس جماعت کے دلوں کے اندر پیدا ہو جائے تو مالی مشکلات کا خاتمہ ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

احباب احمدیہ کی دلی تڑپ:

دین کی جس تڑپ کا اظہار میرے احباب نے کیا ہے وہ میرے بیان سے باہر ہے۔ میں نے بہتوں کی دکھ کی داستان بھی پڑھی ہے۔ بعض احباب کی مشکلات اور تکلیفوں نے میری آنکھوں سے آنسو بھی نکال دیے ہیں۔ مگر قلب میں اس وقت بھی یہ لذت تھی کہ کس قدر زبردست وہ تبدیلی ہے جو مجدد وقت نے ان دلوں میں پیدا کر دی ہے کہ وہ اپنی تکلیفوں کو خدا کے دین یا اپنی قوم کی تکلیف کے سامنے بھول گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ میں نے دل ہی دل میں یہ بھی سوچا ہے کہ کیا میں نے اپنے احباب کو یوں تکلیف پہنچا کر کوئی بُرا کام تو نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوا ہے تو میرا ارادہ یہ نہ تھا۔ میری نیت یہی تھی کہ انہیں اگر تھوڑی تکلیف بھی ہو تو ایک دائمی لذت اور سرور ملے۔ اور مجھے کس قدر خوشی ہوئی جب میرے مکرم دوست مولوی محمد یعقوب خاں صاحب نے پشاور کے ایک دوست کا ذکر کیا۔ جن کے سامنے جب یہ ذکر ہوا کہ کاش چند بڑے بڑے روساء اور نواب اس خرچ کو اپنے ذمہ لے لیں اور بڑی بڑی رقوم امداد کریں، تو اس نے کہا کہ پھر ایسی صورت میں ہم غرباء کے لیے حصول ثواب کا موقع ہی کم ہو جائے گا! میں سمجھتا ہوں یہ جماعت جب تک ایسے پاکیزہ خیالات اس کے

دل میں ہیں خود ہی زندہ رہنے کے قابل ہی نہیں بلکہ دوسروں کو زندہ کرنے کے بھی قابل ہے۔

قوم کے امراء سے خطاب:

ہاں! میں اصل واقعات کے اظہار سے گھبراتا نہیں۔ بہت سے دوست ایسے ہیں، بالخصوص مالدار طبقہ کا زیادہ حصہ ایسا ہے، جنھوں نے ابھی تک میری درخواست کا جواب نہیں دیا۔ کاش ہمارے مالدار دوست بھی اپنے آپ کو اس وقت اپنی قوم میں غرباء کے ساتھ ایک صف میں کھڑے ہونے کا بلند مرتبہ رکھتے اور وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ لبیک کہنے والے غرباء سے بلند مقام پر کھڑے ہیں۔ جب ان کو خدا کی راہ میں دس دن کے لیے کام کرنا دشوار نظر آتا ہے، وہ بلند مقام پر نہیں بہت پست مقام پر کھڑے ہیں۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کا زمانہ ہوا اور دین کی حفاظت کے لیے بلایا جاتا تو کیا پیچھے رہنے والے کسی عزت کے مستحق ہوتے؟

میرے دوستو! یہ دنیا ایک دلدل ہے جس میں تم پھنسے ہوئے ہو۔ اور خدا کی راہ میں خدمت کے لیے جو آواز دی جاتی ہے وہ تمھیں اس دلدل سے باہر نکالنے کے لیے ہے۔ آؤ اور اپنے غریب بھائیوں کی طرح خدا کے دین کی حفاظت کے لیے عاجزی اختیار کرو۔ تاکہ آپ کے دلوں کو بھی وہ لذت حاصل ہو جو خدا کی راہ میں دکھ اٹھانے والوں کو ملتی ہے۔ اور جس سے بعض وقت صاحبانِ مال و جاہ محروم رہ جاتے ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ اس وقت کا بخل یا یہ خیال کہ ہمارے اخراجات بہت ہیں اور ہماری پوزیشن بڑی ہے، اپنے نفس سے بخل ہے اور اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے اور اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے زیادہ دینے کی یہی قدر ہے کہ اپنے نفس کی ضروریات پر، اپنے بال بچے کے لیے، اپنے مکانات بنانے کے لیے، اپنی جائیدادیں بڑھانے کے لیے بے دریغ خرچ کرتے جائیں اور جب اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کہا جائے یا انہیں کہا جائے کہ ان کے مالی ایثار سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ان مشکلات کو دور کر دے گا تو وہ بخل سے کام لیتے ہیں مگر وہ لوگ بدقسمت ہوں گے، جنہوں نے خدا کے دیئے ہوئے مال کو برباد تو بہتیری جگہ کیا مگر جب مفید موقع پر صرف کرنے کا وقت آیا اور دین کی حفاظت کا سوال آیا تو اپنے ہاتھوں کو روک لیا۔ اللہ تعالیٰ تو دلوں کو دیکھتا ہے۔ وہ اکائیوں دہائیوں کو نہیں دیکھتا۔ جب تمہارے غریب بھائی اپنے اور اپنے بال بچے کے پیٹ کاٹ کر خدا کی راہ میں دے رہے ہیں تو تمھیں کیا ہو گیا کہ ان کی تکلیفوں کو دیکھ کر بھی قدم آگے نہیں بڑھاتے! اس کی رحمت تو نہ دینے والوں پر بھی نازل

ہوتی ہے۔ بشرطیکہ دلوں کی حالت وہ ہو جس کا ذکر ان الفاظ میں ہے تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَايُنْفِقُوْنَ (92:9) اللہ تعالیٰ سے ہی دعا ہے کہ وہ ہمارے اوپر کے طبقہ کے دلوں کو بھی اسی طرح کھول دے جس طرح غرباء کے دلوں کو کھول دیا ہے۔

محمد علی

❁❁❁

متفرقات

انگریزی ترجمۃ القرآن کا جدید ایڈیشن:

حضرت امیر ایدّہ اللہ کے انگریزی ترجمہ سے اسلام اور مسلمانوں کو جو فوائد حاصل ہوئے ہیں ان کا اعتراف اشد ترین مخالفین کو بھی ہے۔ آج یورپ کے مختلف ممالک میں اور دنیا کے انگریزی داں طبقہ میں اسلام کے متعلق جو دلچسپی اور عمدہ خیالات پیدا ہو رہے ہیں اس کی ایک بڑی وجہ انگریزی ترجمہ قرآن بھی ہے۔ اس لیے علاوہ کئی ایک مسلمانوں کو، جو دہریت کی طرف مائل تھے بلکہ دہریہ ہو چکے تھے اس ترجمہ کے ذریعہ ہدایت نصیب ہوئی اور اب وہ اسلام کے بہترین فرزند ہیں۔ اس کا موجودہ ایڈیشن زیادہ قیمتی اور عربی متن ہونے کی وجہ سے متوسط اور عربی زبان سے ناواقف اصحاب کے لیے کچھ زیادہ فائدہ مند نہ تھا۔ قارئین کرام یہ معلوم کر کے خوش ہوں گے کہ حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے انگریزی ترجمہ قرآن کا ایک جدید ایڈیشن تیار کیا ہے۔ جس میں صرف انگریزی ترجمہ اور ضروری نوٹ ہوں گے۔ عربی متن نہ ہوگا۔ یہ ترجمہ ولایت میں چھپ رہا ہے اور امید ہے کہ تین ماہ میں بالکل تیار ہو جائے گا۔ اس کا ہدیہ صرف پانچ روپے رکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانے کی کوشش کی جائے گی۔ انگریزی دان غیر مسلم طبقہ میں اس کی مفت یا رعائتی تقسیم سے انشاء اللہ نہایت شاندار نتائج ظاہر ہوں گے۔ یہ جدید ایڈیشن منیجر دارالکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور سے مل سکے گا۔ اپنے نام فوراً رجسٹر کروالیں۔

جلسہ سالانہ:

جلسہ سالانہ اب بہت قریب آ گیا ہے۔ احباب کرام کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ 24 دسمبر سے باقاعدہ کارروائی شروع ہو جائے گی۔ اس لیے ان کا 23 کی شام تک پہنچ جانا ضروری ہے۔ پیغام صلح کے ''دعوت نمبر'' و دیگر ذرائع سے اس قومی اجتماع کی ضرورت و اہمیت کو اچھی طرح واضح کیا جا چکا ہے۔ ہمارے خیال میں اب اس سلسلہ میں سوائے یاددہانی کے اور کچھ کہنا باقی نہیں۔ احباب کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ اس سال جلسہ سالانہ اپنے اندر

بعض خصوصیات رکھتا ہے۔ چند ایک نہایت اہم امور پر غور وفکر کیا جائے گا۔اس لیے ضرورت ہے کہ جماعت کا ہر ایک فرد پہنچنے کی کوشش کرے۔تا کہ زیر غور مسائل پر خوب غور وفکر کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا جا سکے۔

حضرت امیر کی مطبوعہ چٹھی اور محاسب صاحب کا اعلان، جو''دعوت نمبر'' میں شائع ہوا ہے، بہت سے بھائی بہنوں کی نظر سے گزرا ہوگا۔اور ہمیں امید ہے کہ وہ اس کی اہمیت کو خوب اچھی طرح سے سمجھتے ہوں گے۔ ضرورت ہے کہ جماعت کا ہر ایک فرد اس آواز پر لبیک کہتا ہوا اپنے فرائض کو ادا کرے۔ہمیں توقع ہے کہ احباب کی مساعی سے انجمن کی مالی مشکلات کا خاتمہ ہو جائے گا۔اور اس کو اس حد تک مطمئن کیا جائے گا کہ مالی کمی سے دو چار ہوئے بغیر اپنے پیش نظر کام کو بخوبی انجام دے سکے۔''دعوت نمبر'' میں جلسہ پر تشریف لانے والے اصحاب کے متعلق ہدایات شائع ہو چکی ہیں۔اگر احباب کرام ان کو مد نظر رکھیں تو یہ امر منتظمین جلسہ اور خود ان کی سہولت کا باعث ہوگا۔

برلن مسجد کا فرش:

پروفیسر شیخ محمد عبداللہ صاحب کا جو مضمون گزشتہ سے پیوستہ اشاعت میں شائع ہوا تھا۔اس میں ایک جرمن نومسلم کی (جس کو بلال برلن کا نام انہوں نے دیا ہے) تجویز برلن مسجد کے فرش کے متعلق انہوں نے لکھی تھی اس کی یاد ہانی کراتے ہوئے آپ اپنے ایک تازہ خط میں لکھتے ہیں کہ تقریباً عرصہ ایک ماہ ہوا کہ میں نے اس موضوع پر اپنے ایک نوجوان نومسلم دوست مصطفیٰ کی طرف سے ایک اپیل پیغام صلح میں شائع کرنے کے واسطے ایڈیٹر صاحب پیغام صلح کو بھیجی تھی۔میں یہاں صرف دوبارہ اس درخواست کی طرف تمام حضرات کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔اور بالخصوص ان اصحاب کو، جو جلسہ سالانہ پر تشریف لائے ہوں۔میرے دوست کی درخواست کوئی بہت بڑی درخواست نہیں۔گو برلن مسجد اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور آپ لوگوں کی سعی سے تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔مگر اس میں فرش نہ ہونے کی وجہ سے نماز جمعہ نہیں ہوسکتی۔اس فرش کا مہیا کرنا گویا اس مسجد کی اصل تعمیر اور اس کی آبادی کے مترادف ہے۔مسجد کی اس غیر آباد حالت کو دیکھ کر اس نوجوان مسلم کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ اس کے فرش کے واسطے کوشش کی جائے۔چنانچہ جو تجویز ان کے ذہن میں آئی ہے، اس کا تذکرہ قبل ازیں بھی کر چکا ہوں اور اب دوبارہ بالخصوص ان احباب کی خاطر اعادہ کرتا ہوں جو جلسہ سالانہ کے موقع پر تشریف لائے ہوں۔

سیکرٹری صاحب کی خدمت میں درخواست ہے کہ جہاں وہ چندہ کے واسطے قوم سے اپیل کریں، وہاں اس تجویز کو بھی پیش کر دیں۔ امید ہے اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اپنے اس گھر کی آبادی کے لیے بہت سے لوگوں کو اس کارِ خیر میں حصہ لینے کی توفیق دے گا۔

کل رقم، جو اس کے فرش کے واسطے درکار ہے، وہ کم وبیش دوڈھائی سو پونڈ ہے۔ اس نوجوان نے یہ کہا ہے کہ نصف رقم یعنی سوسوا سو پونڈ ہم یہاں، جس طرح بھی ہوگا جمع کریں گے۔ اور بقیہ سوسوا سو پونڈ جماعت اور دیگر احباب مہیا کر دیں۔ اگر سوسوا سو احباب بھی اس میں شریک ہوا اور صرف ایک ایک پونڈ ہی دیں، تب بھی یہ رقم بالکل بآسانی جمع ہوسکتی ہے۔ بعض احباب جو اس قدر گنجائش نہ رکھتے ہوں وہ نصف پونڈ یا اس سے کم بھی دے کر اس کارِ خیر میں شامل ہو سکتے ہیں اور ذی ثروت اصحاب اس سے زیادہ۔ ذیل میں اس نوجوان نومسلم کے اپنے دستخطوں سے چند الفاظ درج ہیں۔ (محمد عبداللہ از برلن)

''امید ہے میری یہ درخواست خالی نہ جائے گی۔'' والسلام ۔ مصطفیٰ

حضرت امیر کی طرف سے دعوت چائے:

14 دسمبر کو تو محض اسلامیہ کالج لاہور کے طلباء کو دعوت چائے حضرت امیر کی طرف سے دی گئی تھی۔ جبکہ 16 دسمبر کو گورنمنٹ کالج، مشن کالج، لاء کالج، مغلپورہ کالج کے تمام احمدی طلبا کو آپ نے مدعو فرما کر دعوت چائے دی اور اپنی قیمتی نصائح سے مستفید فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ قرآن شریف پڑھیں اور روزانہ پڑھیں۔ قرآن شریف کو سمجھ کر پڑھنے اور اس کے مطالب پر غور کرنے سے انسان کے اندر اعلیٰ جذبات اور اعلیٰ خیالات پیدا ہوں گے۔ جب سے لوگوں کے دل سے قرآن شریف کی عظمت کم ہوگئی ہے، مسلمان ذلیل ہو گئے ہیں۔ قرآن مجید کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور اسلامی تاریخ ہے۔ آنحضرتؐ کی سیرت اور آپؐ کے صحابہ کے حالات سے ہمیں معلوم ہوگا کہ جناب سرورِ کائنات اور قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں کے عمل میں اسلام کس طرح آیا۔ سیرۃ نبویؐ اور اسلامی تاریخ سے ہمارے اندر ایک نیا جوش پیدا ہوگا اور طبیعت کے اندر خواہش پیدا ہوگی کہ ہم بھی انہی کے نقش قدم پر چل سکیں۔ آپ خود بھی شعائر اسلامی کی پابندی اختیار کریں اور

دوسروں تک اسلامی لٹریچر پہنچانے کی کوشش کریں۔تقریباً دوتین گھنٹے تک یہ مجلس قائم رہی۔اس کے لیے طلبا نے پھر ماہ جنوری میں جمع ہوکرایک لائحہ عمل تیار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ خاکسار مرتضٰی خان

اسلامی سزائیں:

سوال: سرقہ کی سزا قطع ید ہے۔ڈاکہ کی سزا کیا ہے۔اورفرمایئے کہ حکومت اسلام میں سرقہ اورزنا کی سزامیں کبھی کوئی ترمیم بھی ہوگئی تھی یانہیں؟

جواب: (از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن جہلم) ڈاکہ جس قسم کا ہو ویسی ہی اس کی سزا ہے۔بعض ڈاکومشہور ہوتے ہیں۔جو بار بار وارداتیں قتل اور ڈاکہ زنی کی کرتے ہیں۔اُن کے لیے صلیب پر قتل کرنا ہے تاکہ قتل کے ساتھ تشہیر بھی ہو۔اگر ڈاکو مشہور نہیں اور ڈاکہ میں محض قتل ہو تو صرف قتل کردینا کافی ہے۔تشہیر کی ضرورت نہیں۔اگر ڈاکہ میں کسی نے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے ہیں تو ڈاکو کے ہاتھ پاؤں کاٹ دینے کافی ہیں۔اگر صرف مال ہی چرایا ہو تو سزا صرف قید کی ہے۔

جب ڈاکہ میں مال چرانے کی سزا صرف قید ہے تو سرقہ میں مال چرانے کی سزا صرف قید کیوں ہو۔قطع ید یعنی ہاتھ کا کاٹنا سرقہ یعنی چوری کی انتہائی سزا ہے۔مجسٹریٹ کو اختیار ہے کہ موقع و محل کے لحاظ سے اس سے کم سزا دے۔یعنی قید کردے۔مطلب تو اس کے ہاتھ کے فعل سرقہ کو روکنا ہے۔اگر عارضی طور پر ہاتھ کے باندھ دینے سے وہ مطلب حاصل ہو جائے تو قرآن میں سرقہ پر توبہ اور اصلاح کر لینے پر معافی کا وعدہ بھی موجود ہے۔اور اگر قطع ید عارضی نہ ہو تو توبہ اور اصلاح کا موقع ہی کب مل سکتا ہے۔عارضی قطع ید قید کردینے کا نام ہے۔

آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک دفعہ ایک شاعر آیا۔اس نے آپ کی ہجو کی۔آپ نے حکم دیا کہ **اِقْطَعُوْا عَنِّیْ لِسَانَہٗ** کہ اس کی زبان مجھ سے کاٹ دو۔صحابہؓ اسے باہر لے گئے اور چاہا کہ اس کی زبان کاٹ دیں۔حضرت علیؓ نے سمجھایا کہ آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ نہیں کہ زبان کاٹ دو۔بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسے کچھ دے کر چپ کرادو۔جب چپ ہوگیا تو زبان کٹ گئی۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی عارضی طور پر قطع ید کے معنی قید کرنا ہی پسند کئے تھے۔پس قطع ید کا مطلب چور کے ہاتھ کے فعل کو روک دینا ہے۔خواہ قید سے،خواہ اس

کے کاٹ دینے سے۔البتہ جب چوراپنی اصلاح نہیں کرتااور باوجوداصلاح کا موقع پانے کے وہ اپنی عادت نہیں چھوڑتا تو سوسائٹی کے امن کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔اسی طرح بعض قومیں جرائم پیشہ ہوتی ہیں۔سرقہ ان میں فخر خاندانی سمجھا جاتا ہے۔بعض زمیندارقوموں میں بھی سرقہ قابل فخر ہے۔ان کے ساتھ رعایت کرنا سوسائٹی پرظلم کرنا ہے۔اس لیے ان کا شروع میں ہی اگر ہاتھ نہ کاٹا جائے تو وہ عبرت نہیں پکڑ سکتے۔ اسلام سے قبل عربوں کا بھی یہی حال تھا۔ چوری اور ڈاکہ پران کوفخرونازتھا۔اس لیے انہیں شروع میں ہی اگر عبرت ناک سزائیں دی گئیں تو نہایت مناسب تھا۔ورنہ وہ لوگ اپنی اس راسخ شدہ عادت سے باز آنے والے نہ تھے۔پس یہ حکومت اورعدالت کا کام ہے کہ موقع ومحل کودیکھ کر سزا تجویز کرے۔

زنا کی سزا سو دُرّے ہے۔قرآن کی نص صریح ہے۔دوراسلامی میں ان کے قاضی اور مفتی حکم کیا کرتے رہے۔یہ تاریخی شواہد ہیں۔یہ مؤرخین آپ کو بتائیں گے۔مگر یادرہے کہ قرآن کی صریح نص کے ہوتے ہوئے کسی حاکم کا فعل ہم پر حجت نہیں۔رسول کریم ﷺ کے وقت اگر کوئی سنگسار ہوا تو ظاہر ہے کہ قرآن کی اس صریح نص کے نزول سے قبل ہوا۔بعد میں ہونہیں سکتا۔

انکم ٹیکس اور زکوٰۃ:

سوال: انکم ٹیکس حکومت لیتی ہے۔کیا ایسی حالت میں ٹیکس،گذارکوعلاوہ ٹیکس زکوٰۃ دینا بھی لازم ہے۔

جواب: اس سوال کا جواب قوم کے فقیہ اورمجتہد آپ کو دیں گے۔میرا منصب یہ نہیں۔مگر میرا اپنا خیال زکوٰۃ کے متعلق یہ ہے کہ زکوٰۃ قوم کے مساکین اور یتامیٰ کی حالت درست کرنے اوران کوابھارنے کے لیے تھی۔اسی لیے حکم تھا کہ وہ رقم بیت المال میں جمع ہو۔الگ الگ زکوٰۃ بانٹنا اوراس میں سے چند مسکینوں کوکھانا کھلا دینایا کسی یتیم بچہ کو پیسہ دے دینا اسلام نے پسند نہیں کیا۔کیونکہ اس سے قوم میں گداگری کی عادت پیدا ہوتی تھی اور مسلمانوں سے خودداری اورخودعزتی کے صفات حسنہ معدوم ہوتے تھے۔حکم تھا کہ زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہو۔اور وہاں سے اس مشترکہ قومی سرمایہ سے ایسے وسائل تجویز کیے جائیں۔جن سے مساکین کی حالت درست ہو۔

نوجوان احمدی طلباء میدان عمل میں:

14 دسمبر بروز جمعہ حضرت امیر ایدّہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنی جماعت کے طلباء کو جو اسلامیہ کالج لاہور کی مختلف جماعتوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، دعوت چائے دی۔ اس ضمن میں آپ نے طلباء کو بہت قیمتی اور مفید نصائح سے مستفید فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری قوم کے نوجوانوں کو زندگی کے عملی پہلو کو زیادہ مضبوط بنانا چاہئے۔ ان کے اندر قوم کی محبت اور قوم کی ہمدردی کا جذبہ موجزن ہونا چاہئے اور قومی کاموں سے پوری پوری وابستگی اور دلچسپی کا اظہار کرنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ دوسری قوموں کے نوجوان مسلمانوں سے گوئے سبقت لے جارہے ہیں۔ آپ لوگوں کے سینوں میں بھی اپنی قوم اور اپنے مذہب کی پاسداری کا جذبہ موجود ہونا چاہئے۔ اپنے حلقہ اثر کے اندر حتی الامکان اشاعت اسلام کا کام کرنا چاہئے۔ اور وہ اس طرح سے کہ سلسلہ کی کتابیں اور اخبارات دوسرے لوگوں تک پہنچائیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ شعائر اسلامی کے پابند ہوں تاکہ دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کر سکیں۔ آپس میں تعلقات محبت واخوت کو مضبوط بنانے کی آپ نے بالخصوص تاکید فرمائی۔ غرض تقریباً دو گھنٹہ تک آپ ان سے گفتگو کرتے رہے اور ضروری مسائل کے متعلق ارشاد فرماتے رہے۔ حاضرین نے وعدہ کیا کہ وہ آپ کی نصائح پر عمل کریں گے اور قومی کاموں میں حصہ لینے کے لیے مستعد رہیں گے۔ جس کا سب سے پہلا ثبوت وہ جلسہ سالانہ میں دے سکیں گے۔

منارۃ المسیح:

محترم ایڈیٹر صاحب اخبار پیغام صلح لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ براہ مہربانی مندرجہ ذیل اعلان اپنے اخبار میں شائع فرما کر مشکور فرمائیں۔ منارۃ المسیح قادیان کے لیے جن جن دوستوں نے سوسو روپیہ چندہ دیا ہو وہ اپنے اپنے ناموں سے اطلاع دیں تاکہ منارۃ المسیح پر ان کے نام کندہ کرائے جاسکیں۔ اور اس چندہ کی کوئی رسید دوستوں کے پاس موجود ہو تو اس کا نمبر اور تاریخ بھی لکھ دیں۔ تاکہ تلاش کرنے میں آسانی ہو۔ عبدالرحیم درد (ناظم اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ قادیان)

پیغام صلح:

قادیان کی مندرجہ بالا تحریر تعجب انگیز ہے۔ منارۃ المسیح کے لیے حضرت مسیح موعودؑ نے 1900ء میں

چندہ کی تحریک کی تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے اشتہار مطبوعہ یکم جولائی 1900ء میں فہرست اسماء چندہ دہندگان موجود ہے۔جس میں بعض اصحاب کے اسماء کے آگے لکھا ہوا ہے کہ انہوں نے رقم ادا کر دی۔ چنانچہ ہماری جماعت میں سے حضرت امیر ایدہ اللہ کے ایک سو روپیہ اور شیخ نیاز احمد صاحب تاجر وزیر آباد کے دو سو روپے کی ادائیگی اس میں درج ہے۔اس کے علاوہ جن اصحاب نے بعد میں جو رقمیں ادا کی ہیں ان کے پاس رسیدیں کیونکر ہوسکتی ہیں۔جبکہ ان دنوں کوئی انجمن نہ تھی۔تمام رقوم حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پیش کی جاتی تھیں اور آپ سے رسید کوئی شخص نہ لیتا تھا۔بہرحال اگر چندہ دہندگان کے نام منارہ پر ظاہر کرنا مقصود ہیں تو وہ تمام ناکندہ ہونے چاہئیں جو محولہ بالا اشتہار میں درج ہیں۔

❁ ❁ ❁

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

اور

تحریرات بزرگانِ جماعت

دہم جلد

انتخاب از رسالہ پیغام صلح نومبر 1924ء تا دسمبر 1926ء

احمدیہ انجمن لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ

نے ادا کیے ہیں

قرآنِ کریم کے عشق اور انسانی ہمدردی سے مخمور، جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مرحوم و مغفور، جماعتِ احمدیہ لاہور کے احباب میں اپنے روح پرور درُوسِ قرآن کے حوالے سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ یہ درُوس وہ عمر بھر اپنی رہائش گاہ یا جماعت کے مراکز میں دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں ان کی اہلیہ محترمہ سلیمہ فاروقی مرحومہ مغفورہ کا جذبہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ ان دونوں نے اپنے پیچھے ایک ایسا ورثہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا جس سے جماعت کو اسلام کا پیغام دنیا کے دور دراز کونوں تک پہنچانے کے کام میں مسلسل امداد ملتی رہے۔ اس مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فاروقی صاحب نے اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد وقف کر کے فاروقی سلیمہ ٹرسٹ کی بنیاد رکھی اور اسے احمدیہ انجمن لاہور کی نگرانی میں دیا تاکہ اس کے فلاحی اور دینی کاموں، خاص طور پر قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتب کی طباعت، کے لیے مسلسل سرمایہ فراہم ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اس نیک کام کا اجر دے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

(غیر کاروباری مقاصد اور مفت تقسیم کے لیے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

— محمد اعظم علوی

حرف اوّل

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی دسویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔اس میں اخبار پیغام صلح کی جلد 17 (یکم جنوری 1929ء تا 19 دسمبر 1929ء) اور جلد 18 (3 جنوری 1930ء تا 23 دسمبر 1930ء) سے انتخاب شامل ہے۔اگر چہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولٰینا محمد علیؒ ہیں، تاہم حضرت مولٰینا ممدوح کے رشحاتِ لسان وقلم کے علاوہ دیگر اہل علم وفضل اکابرین سلسلہ کی وہ چیدہ چیدہ قلمی خدمات بھی شامل ہوتی رہیں گی، جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق سلسلہ احمدیہ کے پیش آمد مسائل ومعاملات سے ہو۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی ،عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے صبر آزما مراحل میں جو عزیز دوست فرہادی لگن اور خلوص وایثار سے تعاون کررہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فرد گذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار محمد ارشد علوی

انچارج
شعبہ تالیف وتصنیف

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اوراسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کرکے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لیے منتخب فرمایا۔ آپ نے امامِ زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لیے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابلِ رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی۔ جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؓ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض انجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدماتِ دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمۃ القرآن جس کی ابتدا 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوا اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ وتفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ '' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی)

1923ء میں، ’’تاریخ خلافت راشدہؓ‘ 1924ء میں، ’’فضل الباری‘‘ ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ’’حمائل شریف‘‘ اردو 1930ء میں ’’ریلیجنز آف اسلام‘ انگریزی (جو حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اوراسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسّی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی۔ اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ یعنی ’’عشقِ قرآن‘‘۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاءِ عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کیے جائیں۔ اس غرض کے لیے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجمِ قرآن کے لیے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی۔ تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لیے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعی اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لیے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلَہٗ وَ ارۡفَعۡ دَرَجَاتِہٖ۔

خاکسار

عامر عزیز الازھری بن عبدالعزیز
جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

فہرست

☆انتخاب از پیغام صلح جلد18: 3جنوری1930ء تا23دسمبر1930ء

جنوری1929ء

ارشادامیر

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام اور ووکنگ مسلم مشن

گذشتہ جولائی میں اعلان کیا گیا تھا کہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے جو مسلم مشن ووکنگ اور اس کے حساب کتاب کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے سپرد کیا ہے تو اس میں کچھ امور ابھی تصفیہ طلب ہیں جو خواجہ صاحب کی بیماری کی وجہ سے التوا میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور کہ عنقریب جنرل کونسل میں ان امور کا تصفیہ ہو کر احباب کو اطلاع دی جائے گی۔ چنانچہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر، جب بیرونجات کے احباب بکثرت یہاں موجود تھے، اور جناب خواجہ کمال الدین صاحب بھی موجود تھے تمام امور کا تصفیہ ہو گیا اور خواجہ صاحب نے ووکنگ مشن کو مع اس کے ریز روفنڈ کے انجمن کے سپرد کر دیا۔ اور باقی سب امور بھی جو تصفیہ طلب تھے نہایت خوبی سے طے ہو گئے۔ اسی اثنا میں محاسب انجمن نے ان امور کے متعلق بھی، جن میں بعض اخبارات میں خواجہ صاحب کی دیانت پر حملہ کیا گیا تھا، پوری پوری پڑتال کی اور انہیں اطمینان ہو گیا کہ مشن کا حساب وکتاب غبن کے الزام سے پاک ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک معاملہ، جسے بعض حاسدوں نے ایک نہایت بیش قیمت خدمت اسلام کے کام کو تباہ کرنے کے لیے ذریعہ بنانا چاہا تھا، اس خیر وخوبی سے طے ہو گیا۔ فَالحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ووکنگ مشن خواجہ صاحب کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ اور اگر یہ کام ذاتی طور پر ان کے سپرد ہی رہتا تو اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہ تھا۔ وہ امر، جو مشن کو انجمن کی زیر نگرانی لانے کا موجب ہوا ہے، یہ نہیں کہ خواجہ صاحب کی ذات پر ان کے احباب یا معاونین کو اعتماد نہ تھا۔ آج تک جس قدر روپیہ مختلف لوگوں نے خواجہ صاحب کے سپرد کیا ہے وہ ان کی ذات پر اعتماد کر کے ہی کیا ہے اور اس اعتماد کا انہوں نے اپنے آپ کو اہل بھی ثابت کیا ہے۔ مگر چند سال سے اُن کی صحت بہت خراب ہو گئی۔ اس لئے ان کا مشن کے متعلق مالی پریشانیوں اور حساب وکتاب کے خرخشوں سے آزاد رہنا ضروری تھا۔ اور آج آٹھ نو سال ہو گئے انہوں نے خود ہی اس ضرورت کو محسوس کیا اور اس کے محرک ہوئے کہ یہ سب کام اور اس کا حساب وکتاب انجمن کی زیر نگرانی ہو۔

چنانچہ اس عرصہ میں سوائے تھوڑے وقفہ کے یہ حساب کتاب انجمن کی نگرانی میں ہی آ چکا ہے۔ گو مشن کی پالیسی خواجہ صاحب کے ہاتھ میں ہی ہے اور رہے گی اور انجمن بھی اس کام کے متعلق ایسی پالیسی کو برقرار رکھے گی۔ تاہم حساب و کتاب کی اُلجھنوں سے وہ آزاد رہیں گے۔

محمد علی

تنظیم جماعت کے لیے دورہ:

تنظیم جماعت کے لیے میں (حضرت مولٰینا محمد علی) چاہتا ہوں کہ ان سردیوں میں جن جن مقامات کا ممکن ہو دورہ کروں۔ چونکہ زیادہ دیر لاہور سے غیر حاضر رہنے میں خطوط کے جواب اور دیگر کاروبار میں حرج ہوگا اس لیے میرا ارادہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں دو یا تین دن ایک جگہ صرف کروں۔ اس دورہ میں اصل کام جو میرے مدنظر ہوگا وہ تنظیم اور توسیع جماعت ہے۔ لیکن اگر کسی جگہ احباب پسند کریں گے تو مختصر پیمانے پر لیکچر بھی ہو سکیں گے۔ مگر اس قدر مختصر کہ اصل کام کا حرج نہ ہو اور جماعت کی توجہ تقسیم نہ ہو۔ میرے ساتھ دو تین احباب اور بھی ہوں گے تاکہ تنظیم و توسیع جماعت کے متعلق ہر قسم کا کام تکمیل کو پہنچایا جا سکے۔ میں اس کام کو فوراً شروع کرنا چاہتا ہوں، مگر یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ہر جماعت کی سہولت بھی مدنظر رہے۔ اس لیے سردست ہر جماعت سے یہ اطلاع مطلوب ہے کہ اس کے لیے کونسا موقع موزوں ہوگا۔ لیکن ہر جماعت بجائے ایک تاریخ تجویز کرنے کے تین تاریخیں تجویز کرے۔ کیونکہ ممکن ہے اسی تاریخ کا مطالبہ کسی دوسری جماعت کی طرف سے بھی ہو۔ چونکہ رمضان شریف بھی قریب ہے اس لیے جس قدر جلد ممکن ہو یہ سلسلہ شروع ہو جانا چاہئے۔ رمضان میں یہ سلسلہ بند رکھنا پڑے گا۔ مختلف احباب اور جماعتیں اسی جمعہ میں اپنے اپنے لیے موزوں اوقات کی تجویز کر کے اطلاع دیں۔ مگر تاریخ مجوزہ سے پندرہ دن پہلے ضرور اطلاع ملنی چاہئے۔ کیونکہ اس ذیل میں بعض ضروری امور بھی فیصلہ کے قابل ہوں گے۔ والسلام

محمد علی

مشن جاوا:

باوجود اس مخالفت کے، جو جزائر مشرق الہند کے بداندیش ملا اور دوسرے لوگ جو ان کے زیر اثر ہیں، ہماری تحریک احمدیت کے ساتھ رکھتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ سمجھدار طبقہ کے اندر ایسے وجود پیدا کر رہا ہے جو اس سلسلہ کی صداقت اور اس کی اہمیت کو پہچان لیتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں جو خط مرزا ولی احمد بیگ صاحب مبلغ جاوا کی طرف سے موصول ہوا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ دو مشہور جیّد عالم مولوی شعرانی اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔ عالم لوگوں کا داخل سلسلہ ہونا درحقیقت خاص فضل خداوندی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے احباب اس خبر کے سننے سے بہت خوش ہوں گے کہ جیسا کہ ہمارے بھائی مرزا صاحب نے تجویز فرمایا ہے کہ ہمارے دو احمدی بھائی جو جاوا میں تھے شمولیت تحریک سے مشرف ہونے کے بعد اب سیلبیز اور سماٹرا میں تشریف لے گئے ہیں۔ انہوں نے وہاں تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی میں برکت دے اور ان کا وجود وہاں کے باشندوں کے لیے شمع ہدایت کا موجب ہو۔ مرزا ولی احمد بیگ صاحب ہمیشہ ان کو مفید مشورہ دیتے رہتے ہیں۔ عنقریب دونوں جگہ میں تحریک کے متعلق باقاعدہ شاخیں ایک منظّم صورت میں قائم کر دی جائیں گی۔ اَللّٰھُمّ زِدْفَزِدْ۔

خاکسار

مرتضیٰ خاں

فرنگی اور مسلمان:

فرنگی علوم وفنون، فرنگی عقل وفہم، فرنگی تہذیب وتمدن، غرض نفس فرنگیت کی ہجو و مذمت آپ سینکڑوں مرتبہ پڑھ چکے ہیں۔ لیکن آخر اتنے عیوب کے ساتھ فرنگی قومیں اب تک غالب وحکمران کیوں ہیں؟ آخر کوئی تو وصف ان میں ایسا ہوگا جس سے ہم محروم ہیں۔ جو ان کی قوت وغلبہ، حکومت واقتدار کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس کے جاننے کے لیے کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں۔ محض اپنے گردوپیش کا مشاہدہ اور تھوڑا سا غور وفکر کافی ہے۔

غلط یا صحیح، پست یا بلند، بہرحال ہر قوم کا کوئی نہ کوئی مقصود، نصب العین یا آئیڈیل ضرور ہوتا ہے۔

فرنگیوں نے اپنی زندگی کا مقصود اپنی ''قوم'' کو رکھا ہے۔ فرنگیوں میں سب سے زیادہ سابقہ آپ کو انگریزوں سے رہتا ہے۔ انگریزوں کا نصب العین انگریزی قومیّت ہے۔ اور اس انگریزی قومیت کا مادی مظہر یا نشان ان کی پارلیمنٹ ہے۔ اب انگریز افراد کو لیجئے، جو علاوہ انگلستان کے دنیا کے مختلف حصوں میں بے شمار تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں، ان میں سے کسی فرد سے، خواہ وہ انگلستان میں رہتا ہو یا اپنے مرکز سے ہزاروں میل دور، مصر، ہندوستان، آسٹریلیا، کہیں بھی ہو، آپ ملیے اور اس سے مل کر اسے ہر طرح کا لالچ دے کر اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کیجئے کہ وہ اپنی پارلیمنٹ کی عمارت میں آگ لگا دے۔ آپ بڑی سے بڑی رشوت پیش کیجئے۔ اور وہ فرد خواہ موجودہ انگریزی حکومت سے کتنا ہی ناخوش ہو، لیکن آپ کی کوشش کبھی کامیاب نہ ہوگی۔ اور وہ اس قوم فروشی اور غدّاری پر کبھی بھی آمادہ نہ ہوگا۔

اب اس کے بعد آپ اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملیے اور مل کر اندازہ کیجئے کہ وہ کس آسانی کے ساتھ اور کتنی تھوڑی ترغیب کے بعد اپنے اور آپ کے ہاں کی مقدس سے مقدس مسجد کو گرا دینے، اس میں سرنگ بچھا دینے، اسے کھود ڈالنے پر آمادہ ہو جاتا ہے یا نہیں۔ عام مسجدوں کو تو چھوڑ یئے، حرمین شریفین کی محترم ترین و مقدس ترین مسجدوں کے لئے بھی اگر کافی تعداد میں رشوت کا روپیہ پیش کر دیا جائے تو آپ کے اکثر مسلمان بھائی کونسی گستاخی، کونسی بدتہذیبی، کونسی بے ادبی اٹھا رکھیں گے؟ بم کا گولہ یہ پھینک دیں، سرنگ یہ بچھا دیں، پھاوڑا یہ چلا دیں (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) کیا کچھ یہ کرنے کو چھوڑ دیں بشرطیکہ انہیں اپنی ''کارگزاری'' کی اجرت کافی مل جائے۔

پارلیمنٹ کی عمارت میں کوئی مذہبی تقدس نہیں۔ محض ایک سیاسی و دنیوی مرکزیت کا نشان ہے۔ اس کا یہ احترام اور اس کی یہ وقعت انگریزی قوم کے بچہ بچہ کے دل میں اور آپ کے خانہ کعبہ اور مسجد نبویؐ پر آپ کے دین و ایمان کا دارومدار، ان کے ساتھ آپ کے قلب کو یہ بے تعلقی آپ کی روح کی یہ بیگانگی۔ اس پر بھی آپ کو تعجب ہے کہ آپ محکوم و مقہور ہیں، ذلیل و خوار ہیں اور انگریز حاکم ہیں، طاقتور ہیں اور خوشحال ہیں۔

(ماخوذ از ''سچ'')

جماعت لاہور کی عملی و اصلاحی تدابیر:

6 جنوری 1929ء کی شام کو بعد نماز مغرب لاہور کے احمدی احباب کا ایک جلسہ مسجد احمدیہ میں ہوا۔ جس میں حضرت امیر ایدّہ اللہ نے لاہور میں جماعت کی توسیع اور احباب جماعت میں کام کی روح پیدا کرنے کے لیے حاضرین کو تجاویز پیش کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلی چیز جس کی ضرورت ہے وہ سلسلہ کے متعلق لوگوں میں دلچسپی پیدا کرنا ہے۔ یہ کس طرح سے پیدا کی جائے۔ کیا لٹریچر پھیلایا جائے یا کوئی اور صورت بھی ہو۔ پھر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کو کافی دلچسپی ہمارے سلسلہ کے متعلق پیدا ہو جاتی ہے لیکن کوئی شخص اس کو آگے قدم اٹھانے کے لیے نہیں کہتا، اس کا پیچھا نہیں کیا جاتا تا کہ وہ دلچسپی اس کے جماعت میں شامل ہونے کا موجب ہو۔ ایسا ہی بعض لوگ جماعت کے اندر داخل ہو کر ایسے بے تعلق پڑے رہتے ہیں گویا انہیں کوئی واسطہ ہی نہیں۔ ایسے ذرائع کام میں نہیں لائے جاتے جس سے ان کا جماعت کے ساتھ تعلق بڑھے اور وہ جماعت کے کاموں میں عملی حصہ لے سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ بہت سے لوگ ہیں جن کی شکلیں میری آنکھوں کے سامنے ہیں کہ وہ بیعت کر کے گئے اور پھر نظر نہ آئے۔ بعض لوگ صرف جمعہ کو نظر آتے ہیں اور بعض سرکاری ملازمتوں کی وجہ سے جمعہ کو بھی نہیں آ سکتے اور اس وجہ سے ان میں سستی بڑھتی جاتی ہے۔ ایسے تمام لوگوں کو کام پر لگانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس کے لیے سب احباب اپنی اپنی تجاویز پیش کریں۔

اس پر مختلف احباب نے کئی تجاویز پیش کیں۔ جن میں سے بعض کو بعد میں حضرت امیر ایدّہ اللہ نے ایک ایک کر کے دہرایا۔ اور احباب کے مشورہ سے انہیں پاس یا مسترد کیا گیا۔ پاس شدہ تجاویز حسب ذیل ہیں۔

1- ہر احمدی اپنے گھر کی دیکھ بھال کرے کہ اس کا کوئی بیٹا، بیٹی، بیوی، بھائی، ماں باپ، غرض ان لوگوں میں سے، جو اس کے چولہے پر روٹی کھاتے ہیں، کوئی شخص ایسا تو نہیں جس نے بیعت نہ کی ہو۔ اگر ایسا کوئی ہو تو اس کو جماعت میں شامل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کا اقرار سب احباب نے کیا کہ وہ آج ہی سے اس پر عملدرآمد شروع کریں گے۔

2- گھر کے تمام ممبر کچھ نہ کچھ چندہ ضرور دیں۔ خواہ پیسہ دو پیسہ ہی ہو۔

3- تمام احمدی گھروں کی مردم شماری ہو (اس کے لیے سیکرٹری صاحب احمدیہ

انجمن اشاعت اسلام کو توجہ دلائی گئی۔)

4- ہر شخص سال میں کم از کم دس آدمیوں کو احمدیت کا پیغام ضرور پہنچائے اور ان کا پیچھا کرے اور نتیجہ کی رپورٹ کرے۔

5- لاہور شہر کو مختلف وارڈوں میں تقسیم کر کے مختلف احباب کو ایک ایک وارڈ سپرد کیا جائے جن کا یہ کام ہوگا کہ:

الف: اس وارڈ کے لوگوں کو احمدیت کا پیغام پہنچائیں۔

ب: اس وارڈ کے ممبران جماعت کی نگرانی کرتے رہیں۔ اور اگر ایسا دیکھیں کہ ان کے اثر ورسوخ سے کسی شخص کی حالت اصلاح کی طرف نہیں آتی تو اس کی یہاں رپورٹ کریں۔ تاکہ ذی اثر احباب کا ایک وفد وہاں جا کر اصلاح کی کوشش کرے۔

وارڈوں کی تقسیم کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی گئی جو سات افراد پر مشتمل ہے اور مولوی مرتضٰی خاں صاحب بی۔ اے اس کے سیکرٹری ہیں۔

6- مسجد احمدیہ لاہور میں علاوہ درس کے ہفتہ وار لیکچر ہوں۔

7- سیوا سمتی کی طرز پر ایک ایسی جماعت بنائی جائے جو لاوارث بیماروں کی تیمارداری، مصیبت زدوں کی ہمدردی، لاوارث مُردوں کی تجہیز و تکفین کا کام کرے۔ اور ایسے موقعوں پر جب کسی شخص یا اشخاص پر کوئی آفت ناگہانی نازل ہو مثلاً قحط، وبا یا سیلاب آئے یا آگ لگ جائے تو اپنی جان پر کھیل کر بھی اس کے دفاع کی کوشش کریں۔ اس کے لیے جماعت کے کچھ لوگ اپنے آپ کو والنٹیئر کریں۔ جمعہ کے دن ایسے والنٹیئر وں کا انتخاب ہوگا۔

8- سہ ماہی یا ماہوار ایسے جلسے ہوا کریں جن میں ہر شخص اپنی کارگزاری اور

واقعات پیش آمدہ کی رپورٹ کرے۔

9- ہر احمدی دکاندار کی دکان پر احمدیت کے ٹریکٹ اور اخبارات ایسی جگہ پڑے رہنے چاہئیں جہاں سے عام لوگ انہیں دیکھ سکیں۔

10- ماہوار ہینڈ بل شائع کیے جائیں اور بوقت ضرورت پوسٹر بھی شائع ہوں۔

11- احمدیت کے مسائل خصوصی کا ایک نصاب بچوں کے لیے تیار کیا جائے۔ جس کے متعلق ضروری تجاویز پر غور کرنا ایک سب کمیٹی کے سپرد ہو۔ (یہ سب کمیٹی اسی وقت بنائی گئی۔ جو سات افراد پر مشتمل ہے اور سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب بی۔اے، بی۔ٹی ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول اس کے سیکرٹری ہیں۔)

❀❀❀

11 جنوری 1929ء

اداریہ

نبوتِ کاملہ تامہ اور جزئی نبوت

تبدیلی عقیدہ کا الزام کس پر عائد ہوتا ہے

قادیانی عقائد کی حقیقت کے انکشاف کے لیے ہم نے چند مضامین بعض سابقہ اشاعتوں میں لکھے تھے۔ بجائے اس کے کہ قادیانی صاحبان ان کی مدلّل تردید کرتے کہ فلاں فلاں دلیل فلاں وجہ سے ناقابل قبول ہے، اور میاں محمود احمد صاحب کے جن سابقہ عقائد کو ہم نے پیش کیا تھا، ان کی صحت اور عدم صحت پر کچھ لکھتے، ایک صاحب محمد اسمٰعیل نے ایک لمبا چوڑا سلسلہ مضامین شروع کر رکھا ہے۔ جس میں ہمارے معقول دلائل کو توڑنے کی بجائے وہی فرسودہ باتیں پیش کر دی ہیں۔ کہ حضرت امیر نے ایک ٹریکٹ میں سخت الفاظ استعمال کیے ہیں یا اپنی چند ایک تحریروں میں لفظ ''نبی'' کا استعمال کیا ہے۔ ہم مختصراً ان کے مضامین پر تبصرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اول: مضمون نگار نے اس بات پر زور دیا ہے کہ حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اپنے ایک ٹریکٹ میں سختی سے کام لیا ہے۔ سو جواباً عرض ہے کہ چالیس کروڑ کلمہ گوؤں کو کافر کہنے اور سمجھنے والا اور حضرت مسیح موعود کے متبعین کو منافق اور فاسق کہنے والا گروہ اگر اپنے آپ کو شیریں کلامی کا مدعی گردانے تو مذہبی دنیا میں یہ ایک بے مثل انقلاب سمجھا جائے گا۔ یقیناً ایک مسلمان کلمہ گو کے لیے کافر، منافق اور فاسق کے الفاظ کا استعمال بدتر سے بدتر گالی ہے۔ اور یہ وہ الفاظ ہیں جو قادیانی لٹریچر کا مایہ ناز ہیں۔

دوم: اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ حضرت امیر ایدّہ اللہ نے جو اپنی بعض سابقہ تحریروں میں لفظ ''نبی'' کا استعمال کیا ہے اس سے ثابت ہے کہ حضرت ممدوح بھی حضرت مسیح موعود کو ویسے ہی نبی سمجھتے تھے جیسے اب قادیانی صاحبان مانتے ہیں۔ اس کی

حقیقت تو اسی ایک بات سے ظاہر ہوسکتی ہے کہ حضرت امیر اور دوسرے مصنفین سلسلہ احمدیہ نے، جن میں قادیانی بھی شامل ہیں، یہ لفظ اپنی تحریروں میں استعمال کرنے کے باوجود غیراز جماعت لوگوں کو کافر دائرہ اسلام سے خارج نہ کبھی لکھا اور نہ سمجھا۔ محض لفظ نبی کا استعمال اپنے غیر حقیقی معنوں میں پہلے بھی ہم جائز سمجھتے رہے ہیں اور اب بھی سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود کی نسبت لفظ نبی کا استعمال کر کے جو نتیجہ قادیانی فریق نکالتا ہے وہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں اور آپ کے کچھ سال بعد تک کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا اور خود میاں محمود احمد صاحب کے وہم میں بھی نہ تھا۔ کیونکہ اگر وہ دوسرے مسلمانوں کو کافر دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے تو مکہ معظّمہ میں جا کر ان کے پیچھے نماز نہ پڑھتے۔

نامہ نگار ''الفضل''، جس میں غالبًا سلسلہ احمدیہ کے مخالف مولویوں کی روح حلول کر آئی ہے، بڑی دیدہ دلیری سے لکھا ہے، کہ حضرت امیر ایدّہ اللہ نے قادیانی فریق کے اس اعتراض کا کبھی جواب نہیں دیا۔ حتیٰ کہ ''النبوّۃ فی الاسلام'' میں بھی نہیں دیا کہ وہ کن معنوں کے لحاظ سے لفظ نبی استعمال کرتے رہے۔ حالانکہ اگر وہ حضرت امیر کے دو مختصر رسائل جو ''النبوۃ فی الاسلام'' سے پہلے شائع ہو چکے تھے دیکھتے تو ان پر واضح ہو جاتا کہ ان کے اس اعتراض کا جواب ان میں مفصل موجود ہے۔ چنانچہ ٹریکٹ ''نبوت کاملہ تامہ اور جزئی نبوت میں فرق اور القول الفصل کی ایک غلطی کا اظہار'' میں حضرت امیر نے لکھا ہے:

''میں نے شروع میں کہا تھا کہ مرزا صاحب کو مسیح اور مہدی ماننے میں ہم سب ایک۔ ان کو نبی ماننے میں ایک۔ مگر اختلاف یہ ہے کہ ہم ان کو اسی طرح پر جزوی اور ظلی نبی مانتے ہیں جو جزوی اور ظلی نبوت گو اکمل اور اتم رنگ میں آپ کو دی گئی ہو مگر اس کا دروازہ سب اولیائے امت، سب مجددین کے لیے کھلا ہے۔ اور آپ ان کو جزئی نبی نہیں مانتے۔ جس کے معنی ہیں کہ آپ ان کو کامل نبی سمجھتے ہیں۔ اور ان کی نبوت کو نبوت تامہ کاملہ خیال کرتے ہیں۔ آپ اس حد تک اور بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں کہ بے شک یہی مجددیت والی نبوت ہی اوائل میں حضرت مسیح موعود کو ملی تھی۔ مگر آپ کا خیال ہے کہ کچھ مدت بعد نبوت جزئی

کے مرتبہ سے آپ کو ترقی دے کر نبوت تامہ کاملہ کا خلعت پہنایا گیا اور اس کے مقابل میرا یہ دعویٰ ہے کہ نبوت کاملہ کا خلعت آپ کو کبھی نہیں پہنایا گیا‘‘۔

پھر دوسرے ٹریکٹ ’’النبوۃ فی الاسلام‘‘ کی تمہید کے صفحہ 1 پر آپ نے لکھا ہے:

’’پس اس نبوت کے سوا کسی اور قسم کی نبوت کا دعویٰ آپ کی طرف منسوب کرنے سے پہلے ہمیں وہ اعلان دکھانا چاہئے جس میں آپ نے اپنے پہلے خیالات کو غلط یا منسوخ قرار دے کر بعد میں اپنے لیے نبوت کاملہ کا ادعا کیا ہو یا دوسرے اولیائے امت کے لیے جزئی نبوت کا انکار کیا ہو۔ جب تک کوئی ایسا اعلان نہ دکھایا جائے اس وقت تک حضرت مسیح موعود کی نبوت وہی جزئی نبوت قرار پائے گی جس میں اس امت کے دوسرے اولیاء بھی شریک ہیں، نہ وہ نبوت کاملہ جو آنحضرت ﷺ کو یا آپ سے پہلے انبیاء کو ملی‘‘۔

نامہ نگار الفضل نے اس بات پر بہت پیچ و تاب کھایا ہے کہ چونکہ غیر نبی پر نبی کا لفظ بولنا جائز نہیں اس لئے حضرت امیر کا اپنی بعض سابقہ تحریروں میں حضرت مسیح موعود کو نبی لکھنا یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ بھی اسی قسم کی نبوت کو تسلیم کرتے تھے جیسی اب قادیانی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ محض کج فہمی ہے۔ حضرت صاحب خود فرماتے ہیں:

’’ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے بعد آنحضرت ﷺ نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے۔ مگر مجازی معنوں کی رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے‘‘۔ (سراج منیر صفحہ 2,3)

اب اگر انہی مجازی معنوں کی رو سے کوئی احمدی یہ لفظ حضرت صاحب کی نسبت استعمال کرے تو یہ ناجائز کیسے ہو گیا۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک احمدی جماعت میں یہ لفظ استعمال ہوتا رہا۔ جس کا مفہوم محض مجازی معنوں تک محدود تھا۔ کیونکہ کسی فرد جماعت نے بھی غیر از جماعت مسلمانوں کو جو حضرت مسیح موعود کے منکر تھے، کافر دائرہ اسلام سے خارج کبھی نہیں لکھا۔ اگر یہ صحیح

نہیں تو نامہ نگار ''الفضل'' کو چاہئے کہ وہ جماعت کی ایسی تحریریں پیش کریں جس میں حضرت مسیح موعود کے نہ ماننے والوں کو، حتیٰ کہ ان کو بھی جنہوں نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہو۔ اسی پر اس طول طویل بحث کی سچائی پرکھ لی جائے گی جو ''الفضل'' میں کی جا رہی ہے۔

ایک قابل رشک نوجوان:

احباب کو معلوم ہوگا کہ ٹرینیڈاڈ (جنوبی امریکہ) سے ایک نوجوان مسٹر امیر علی چند سال سے یہاں بغرض تعلیم آئے ہوئے تھے۔ مسٹر موصوف اب تکمیل تحصیل کے بعد ایک اور لمبے سفر پر تشریف لے گئے ہیں۔ ان کا ارادہ عراق عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ میں جا کر علوم عربی میں مہارت تامہ حاصل کرنے کا ہے۔ تا کہ آپ ہر طرح سے ایک مکمل اسلامی مشنری کی حیثیت سے اپنے وطن میں جا کر تبلیغ و اشاعت اسلام کے مقدس کام کو باحسن وجوہ سرانجام دے سکیں۔ اسی ضمن میں یہ کہنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ برادر موصوف ایک بہت مستقل مزاج اور علوم دینیہ کے بڑے شائق نوجوان ہیں اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ۔ کی حدیث کی تعمیل اس زمانہ میں جیسی آپ نے کی ہے اس کی مثالیں بہت کم مل سکتی ہیں۔ ایک دور دراز علاقہ یعنی جنوبی امریکہ سے اس عنفوانِ شباب میں اپنا گھر بار چھوڑ کر آنا اور ایک کافی عرصہ تک مختلف ممالک میں تحصیل علوم کے لیے سفر کی صعوبتیں اٹھانا نہایت قابل رشک مثال ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ برادر موصوف کو اپنے نیک مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ آپ کی روانگی کی تقریب پر حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے آپ کے اعزاز میں دعوت چائے دی۔ جس میں اشاعت اسلام کالج کے جملہ طلباء اور بعض بزرگان قوم بھی شامل تھے۔ 9 جنوری کو بوقت شب بعد از درس قرآن بہت سے احباب کی موجودگی میں آپ کے لیے دعا کی گئی اور اس طرح سے تمام احباب نے فرط محبت سے معانقہ اور مصافحہ کرتے ہوئے آپ کو رخصت کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ہمراہ ہو۔ جیسا کہ برادر موصوف نے ظاہر فرمایا ہے، عربی زباندانی میں مہارت حاصل کرنے کے بعد وطن جانے سے پیشتر آپ لاہور تشریف لانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انشاء اللہ

یہ سفر رفتنت مبارک ہو بسلامت روی و باز آئی!

مسلمان طلبا اور مذہب:

26 دسمبر 1928ء کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ اجمیر میں ڈاکٹر سلیمان نے اپنے فاضلانہ خطبہ صدارت میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیمی ضرورت یہ بتائی کہ تعلیم کو دینیات سے علیحدہ نہ کیا جائے۔انہوں نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے لئے وہ تعلیم بالکل مہمل ہے جس میں اسلامی تہذیب کا عنصر شامل نہ ہو۔ جب تک ایک طالب علم اسلام کی حقیقی روح اچھی طرح نہ سمجھ لے گا اس کی تعلیم ناقص رہے گی۔ جب تک اسے اپنے مذہب اور اپنے پیغمبر ﷺ کی تعلیمات وسوانح حیات سے واقفیت حاصل نہ ہوگی اس کا علم غیر مکمل رہے گا۔صرف کتابوں کا رٹ لینا تہذیب نہیں ہے۔مسلمان جب تک اسلامی تمدن سے روشناس نہ ہو اس میں اسلامی تہذیب پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ ایک بے انتہا افسوسناک اور حیرت انگیز بات ہے کہ وہ چیز، جس سے آج کل کا مسلمان طالب علم سب سے زیادہ ناواقف ہوتا ہے،اس کے آقا ومولا رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور تعلیمات ہوتی ہیں۔جس قدر طلبا یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کر کے نکلتے ہیں۔ان میں سے بہت کم ایسے ہوتے ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ کی سیرت کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی فروگذاشت ہے جس پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے۔آنحضرتؐ کی سیرت کو مسلمان طلباء میں عام کرنے کے لیے انتہائی مساعی کرنی چاہیے۔ یہ امر اس کے بعد ہی ممکن ہے کہ ہم اپنی نوجوان نسل کو تاریخ اسلام کے صحیح علم حاصل کرنے کے قابل بنائیں تاکہ وہ ان ناقدین کا مقابلہ کرسکیں جو ہمارے پیغمبر ﷺ کے خلاف غلط فہمیاں پھیلا کر عوام الناس کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ایک دوسری بدقسمتی یہ ہے کہ مسلمان اسلامی تاریخ کی طرف سے بھی بے پرواہیں۔تاریخی واقعات کے متعلق اس قدر ناواقفیت پھیلی ہوئی ہے کہ مسلمان طلبا کا غیر مسلم مؤرخین کی غلط بیانیوں سے متاثر ہو جانا ہر وقت ممکن ہے۔ جب تک طلباء کی ایک جماعت پورے شوق اور انہماک کے ساتھ اپنے آپ کو اس کام کے لیے وقف نہ کردے یہ قطعی غیر ممکن ہے کہ تاریخ اسلام کو دنیا کی دوسری تاریخوں کے مقابلہ پر صحت اور وسعت کے ساتھ پیش کیا جاسکے۔

ڈاکٹر سلیمان کے خیالات فی الحقیقت نہایت قابل قدر ہیں اور اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلمان طلبا

کو اسلامی تاریخ اور بالخصوص آنحضرت ﷺ کی حیات طیّبہ سے پورے طور پر واقف کیا جائے۔ کم از کم اسلامی مدارس اگر ایسا انتظام کرسکیں تو نہایت ہی فائدہ مند ہوگا۔ پنجاب میں عیسائی مشنوں کی طرف سے امتحان انٹرنس میں کامیاب ہونے والے طلبا کو انجیل کا ایک ایک نسخہ بطور تحفہ دیا جاتا ہے۔ اگر مسلمانوں کی انجمنیں اور اہل ثروت اصحاب سیرت نبویؐ کی کوئی چھوٹی سے کتاب انہیں پیش کرنے کا انتظام کرسکیں تو نہایت ہی مستحسن ہوگا۔ ہمارے خیال میں اس بارہ میں حضرت امیر مولانا مولوی محمد علی ایدّہ اللہ کی انگریزی تصنیف ''دی پرافٹ آف اسلام'' یا اس کا اردو ترجمہ ایک موزوں تحفہ ہوگی۔

شاہنامۂ اسلام:

جلسۂ سالانہ پر جناب ابوالاثر حفیظ (جالندھری) صاحب نے اپنے ''شاہنامۂ اسلام'' سے چند مختلف حصے سنائے تھے، جسے تمام دوستوں نے بیحد پسند کیا تھا۔ یہ کتاب طبع ہو رہی ہے اور پہلا حصہ حضرت آدمؑ سے حضرت نبی کریم ﷺ کی پیدائش تک ہے۔ قیمت حصہ اول ایک روپیہ آٹھ آنے ہے۔ ہمارے احباب کو اس کی کثرت اشاعت میں پورا پورا حصہ لینا چاہئے۔

تمام درخواستیں بنام مینجر دارالکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور مع قیمت پیشگی یا آرڈر وی پی بھیجی جائیں۔

❁❁❁

15 جنوری 1929ء

باطل کی نیرنگیاں

اس مضمون کا پہلا حصہ ''نبوت کاملہ تامہ اور جزئی نبوت'' کے عنوان سے گذشتہ اشاعت میں بطور افتتاحیہ شائع ہو چکا ہے۔ ذیل میں اس کا دوسرا حصہ ہدیہ قارئین کرام ہے۔

حصہ سوم میں نامہ نگار نے حضرت امیر ایدّہ اللہ کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ جن پر ہم تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلی عبارت جو حضرت امیر ایدّہ اللہ کی نقل کی گئی ہے یہ ہے:

''خدا تعالیٰ کا قانون مستمرہ اور سنت جاریہ، جو صحیح مذہبی تاریخ سے ثابت ہوتے ہیں، اس طرح پر واقع ہوئے ہیں کہ جب کبھی دنیا میں سخت ایمانی ضعف چھا جاتا ہے......تو اس وقت خدا تعالیٰ کمال فضل اور رحم سے کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے......''۔

کیا مولوی صاحب اس بات کے قائل نہیں کہ مجددین بھی سخت ایمانی ضعف کے زمانہ میں مبعوث ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ اگر وہ ایسے زمانہ میں نہ آئیں تو ان کی بعثت ایک فضول امر ہے۔ خود حضرت مسیح موعود ''فتح اسلام'' میں فرماتے ہیں:

''آپ لوگوں پر واضح رہے کہ یہ زمانہ جس میں ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں ایک ایسا تاریک زمانہ ہے کہ کیا ایمانی اور کیا عملی جس قدر امور ہیں سب میں سخت فساد واقع ہو گیا ہے''۔ (مطبوعہ 1891ء)

اولیاء چونکہ انبیاء کے منہاج پر آتے ہیں، اس لیے ان کی بعثت کی غرض بھی وہی ہوتی ہے جو انبیاء کی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:

''اور محدث اسی طرح اللہ سے ہمکلام ہوتے ہیں جس طرح نبی ہمکلام ہوتے ہیں۔ اور محدث اسی طرح بھیجے جاتے ہیں جس طرح رسول بھیجے جاتے ہیں۔ اور محدث اسی چشمہ

سے پیتے ہیں جس سے نبی پیتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو وہ نبی ہوتا۔''(حمامۃ البشریٰ،صفحہ 82)

چونکہ نبوت کا دروازہ بند تھا۔اس لیے محدثین ہی انبیاء کے قدم پر آئے اور وہی امت محمدیہ میں مبعوث ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔اور وہ بھی سخت ضعف ایمان کے زمانہ میں۔

2-ایک فقرہ یہ بھی نقل کیا گیا ہے:

''اسی قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ مختلف زمانوں کے اندر مختلف ممالک میں انبیاء نازل فرماتا رہا ہے''۔

یہ بالکل سچ ہے۔مختلف ممالک میں ایمانی ضعف کے وقت مجددین مبعوث ہوتے رہے''جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے مجددیت کی قوت پاتے ہیں......انہیں ان تمام نعمتوں کا وارث بناتا ہے جو نبیوں اور رسولوں کو دی جاتی ہیں۔(فتح اسلام،صفحہ 9)ایک اور فقرہ یہ نقل کیا گیا ہے:

3-پھر جب مسیح علیہ السلام سے چھ سو برس بعد عیسائی دین پر اسی قسم کی موت وارد ہوئی جس کو تیرہ سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ نے حضرت سرور کائنات خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

بہت درست۔حضرت صاحب فرماتے ہیں:

''میں اسی طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح سے وہ شخص بعد کلیم اللہ مرد خدا کے بھیجا گیا تھا۔جس کی روح ہیروڈیس کے عہد حکومت میں تکلیفوں کے بعد آسمان کی طرف اٹھائی گئی''۔(فتح اسلام،صفحہ 10)

4-ایک اور فقرہ یہ ہے:

''پھر اسی قانون اور ان تمام پیشگوئیوں کے مطابق،جو قریباً ہر مذہب میں پائی جاتی ہیں،اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اپنے مسیح موعود کو قادیان میں نازل فرمایا ہے''۔

بالکل صحیح ہے۔ اگر سنت انبیاء اور منہاج نبوت کے مطابق مسیح موعود نہ آتا تو کس سنت کے مطابق آتا۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ چونکہ وہ اس قانون کے مطابق آیا جو انبیاء کے لیے تھا تو وہ حقیقی نبی بن گیا۔ پیشگوئیوں میں جس مسیح موعود کو نبی اللہ کہا گیا ہے اس کی حقیقت خود حضرت صاحب نے بیان فرمادی ہے۔

> ''آنے والے مسیح موعود کا نام جو صحیح مسلم وغیرہ میں زبان مقدس حضرت نبوی سے نبی اللہ نکلا ہے وہ انہی مجازی معنوں کی رو سے ہے جو صوفیائے کرام کی کتابوں میں مسلم اور ایک معمولی محاورہ مکالمات الٰہیہ کا ہے۔ ورنہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کیسا''۔ (انجام آتھم حاشیہ، صفحہ 28)

ابتدائے دعویٰ ہی سے حضرت مسیح موعود وہی فرماتے رہے جو حضرت امیر نے بیس پچیس سال بعد لکھا۔ چنانچہ حضرت صاحب فرماتے ہیں:

> ''ایک مثیل المسیح کا وعدہ دیا گیا اور وہ مثیل المسیح قوت اور طبع اور خاصیت مسیح ابن مریم کی پاکر اسی زمانہ کی مانند اور اسی مدت کے قریب قریب، جو کلیم اول کے زمانہ سے مسیح ابن مریم کے زمانہ تک تھی، یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اترا۔ اور وہ اترنا روحانی طور پر تھا جیسا کہ مکمل لوگوں کا صعود کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کے لیے نزول ہوتا ہے''۔ (فتح اسلام 1891ء، صفحہ 11)

یہ اس وقت کی تحریریں ہیں جب کہ بقول قادیانی فریق حضرت صاحب اپنے آپ کو محدث سے بڑھ کر نہ سمجھتے تھے۔

دوسرا حوالہ:

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے دوسرا حوالہ یہ دیا ہے کہ حضرت امیر نے خواجہ غلام الثقلین کے جواب میں یہ الفاظ لکھے تھے:

''بحث تو یہ تھی کہ سچے اور جھوٹے مدعی نبوت میں امتیازی نشان قرآن کریم نے کیا قرار دیا ہے۔اب خواجہ غلام الثقلین خود ہی بتائیں کہ ان پیش کردہ امور میں سے سوائے تیسرے کے،جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے، باقی مدعی نبوت کون کون ہیں۔کیا شیطان مدعی نبوت ہے؟ کیا بنی اسرائیل کے شیرخوار بچے مدعی نبوت تھے؟ کیا خلفائے اربعہ اور سبطین مدعی نبوت تھے؟اگرنہیں توان باتوں کوامرزیربحث سے کیاتعلق ہے''۔

مولوی فاضل صاحب دریافت فرماتے ہیں کہ

''اس حوالہ میں نبوت سے مراد کونسی نبوت تھی۔کیا انبیاء والی یا حسب اصطلاح مولوی محمد علی صاحب محدثین والی نبوت یعنی محدثیت''۔سو جواباً عرض ہے کہ وہی نبوت جس کا حضرت صاحب کو دعویٰ ہے۔یعنی مجازی نبوت۔ سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَاْ عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ۔(حقیقۃ الوحی ضمیمہ،صفحہ 65)

لیکن مولوی صاحب کی ٹیڑھی عقل کے کیا کہنے ہیں کہ خود ہی لکھتے ہیں کہ حضرت امیر نے اس اعتراض کا ایک جگہ جواب یہ دیا ہے کہ''اس نبوت سے مراد ماموریت تھی''۔لیکن جب اس جواب پر اعتراض کرتے ہیں تو حضرت امیر کا حوالہ''النبوۃ فی الاسلام'' یہ پیش کرتے ہیں کہ''اس امت میں جس قسم کی نبوت ہوسکتی ہے وہ حضرت علیؓ کو ضرور ملی ہے'' حالانکہ مولوی صاحب کو خوب معلوم ہے کہ امت محمدیہ میں ہرزمانہ اور ہرملک میں ہزارہا اولیاء اللہ ہوتے رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرتے رہے ہیں۔اوران پرغیب کی خبریں ظاہر ہوتی رہی ہیں اور وہ پیشگوئیاں بھی کرتے رہے ہیں۔مثال کے طور پر نعمت اللہ ولیؒ کو ہی لے لیجئے۔جس نے اپنے اشعار میں حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کی۔لیکن وہ سب کے سب مامور نہیں کہلا سکتے۔ ہاں جزوی نبی کہلا سکتے ہیں۔امت محمدیہ میں مامور صرف مجددین ہی کہلا سکتے ہیں۔ جو کسی خرابی کی اصلاح کے لیے مامور کیے جاتے ہیں۔گو وہ بھی زمرۂ جزوی انبیاء میں سے ہوتے ہیں۔

اس سے آگے مولوی صاحب نے قاضی سلیمان صاحب کی دلیل صداقت حضرت نبی کریمؐ پر حضرت امیر کی تحریر پیش کی ہے کہ آپ نے وہی دلیل حضرت مسیح موعود کی صداقت پر پیش کی۔لیکن مخالفت میں اندھے ہو

کر مولوی صاحب اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ایک مامور جزوی نبی کی صداقت بھی منہاج نبوت پر ہی پرکھی جائے گی۔اس کے لیے کوئی نیا معیار تو نہ بنایا جائے گا۔حضرت مسیح موعود کو چھوڑ، یہی قاضی سلیمان صاحب والی دلیل، دیگر مجددین امت محمد یہ پر بھی صادق آتی ہے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ساتھ شروع میں کتنے آدمی تھے۔ حضرت معین الدین چشتیؒ کونسا لشکر لے کر ہند میں تشریف لائے تھے۔لیکن چونکہ جیسا کہ حضرت نبی کریمؐ ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر تشریف لائے تھے،اسی طرح چودھویں صدی کا مجدد بھی ساری دنیا کے لیے مجدد ہو کر آیا۔اس لیے حضرت نبی کریمؐ کی صداقت کے دلائل بیّن طور پر اس مجدد اعظم پر بھی صادق آتے ہیں۔اس لیے وہی دلائل دوبارہ اس زمانہ میں ظاہر ہو گئے۔نہ معلوم مولوی صاحب کو اس میں نبوت کہاں سے نظر آ گئی؟

تکفیر مسلمین اور حضرت امیر:

اس سے آگے مولوی صاحب نے کفر کی بحث شروع کی ہے اور دیدہ دلیری سے، جو قادیانیوں کا طرّہ امتیاز ہے، لکھتے ہیں:

> ''اس بات کا ثبوت کہ مولوی محمد علی صاحب بے شمار اہل قبلہ کلمہ گو مسلمان کہلانے والے لوگوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، یہ ہے کہ اول تو مولوی صاحب ان تمام اہل قبلہ کلمہ گو مسلمان کہلانے والے لوگوں کو، جو حضرت مسیح موعود کو کافر یا دجّال کہتے ہیں یا آپ کو کافر و دجّال تو نہیں کہتے مگر وہ آپ کو کاذب کہتے ہیں یا آپ کے متعلق کوئی ایسا لفظ منہ سے کہتے تو نہیں مگر دل میں آپ کو کافر سمجھتے ہیں۔ یا آپ کو دل میں بھی کافر و دجّال نہیں سمجھتے اور نہ ہی منہ سے کوئی ایسا لفظ کہتے ہیں بلکہ منہ سے آپ کو کاذب بھی نہیں کہتے لیکن وہ آپ کو دل میں کاذب سمجھتے ہیں (جس کا پتہ ان سے دریافت کرنے پر لگ سکتا ہے) تو ایسے سب لوگ مولوی محمد علی صاحب کے فتوے کے رو سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔'' (الفضل 4 دسمبر 1928ء)

مولوی صاحب کے ان دعووں کے دلائل بھی سن لیجئے۔فرماتے ہیں:

> ''چنانچہ مولوی محمد علی صاحب اپنے رسالہ ''تکفیر اہل قبلہ'' کے صفحہ 28 پر ایسے لوگوں کے متعلق کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''جو آپ (حضرت مسیح موعود) کو کافر یا کاذب یا دجال کہتا ہے وہ ضرور فتویٰ حدیث کے ماتحت خود کفر کے نیچے آ جاتا ہے''۔

مولوی صاحب کے دعوے کو دیکھئے اور جو دلیل دی ہے اس پر غور کیجئے۔ ان کی عقل کو داد دیجئے۔ دعویٰ مختصراً یہ ہے کہ حضرت امیر اول ان تمام کلمہ گو مسلمان کہلانے والے لوگوں کو، جو حضرت مسیح موعود کو کافر یا دجال کہتے۔ دوم: یا آپ کو کافر دجال تو نہیں کہتے مگر وہ آپ کو کاذب سمجھتے ہیں۔ سوم: یا آپ کے متعلق کوئی ایسا لفظ منہ سے کہتے تو نہیں مگر دل میں آپ کو کاذب سمجھتے ہیں۔ چہارم: یا آپ کو دل میں کافر و دجال نہیں سمجھتے اور نہ ہی منہ سے کوئی ایسا لفظ کہتے ہیں بلکہ منہ سے آپ کو کاذب بھی نہیں کہتے لیکن وہ آپ کو دل میں کاذب سمجھتے ہیں، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

ایسے عقل اور سمجھ سے کورے آدمیوں کو کیا جواب دیا جائے! معلوم ہوتا ہے مولوی صاحب کے ذہن میں چونکہ پیر کے خیالات موجزن ہیں اس لیے وہی انہوں نے حضرت امیر کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ اور حضرت امیر کی عبارت میں کوئی ایسا لفظ پایا نہیں جاتا جس سے ان خیالات کی تصدیق ہو سکے۔ البتہ میاں محمود احمد صاحب نے یہ ضرور لکھا ہے کہ:

> ''پس نہ صرف اس کو جو آپ کو کافر نہیں کہتا مگر آپ کے دعوے کو نہیں مانتا کافر قرار دیا گیا ہے بلکہ وہ بھی جو آپ کو دل سے سچا قرار دیتا ہے اور زبانی بھی آپ کا انکار نہیں کرتا لیکن ابھی بیعت میں اسے کچھ توقف ہے۔ کافر قرار دیا گیا ہے''۔ (تشحیذ الاذہان 1911ء، صفحہ 141)

ان سب فضولیات کی تردید کے لیے حضرت صاحب کا یہ حوالہ کافی ہے۔

> ''ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجّال نہیں ہوسکتا۔'' (تریاق القلوب، صفحہ 13)

اب اگر حضرت صاحب کے نزدیک مسلمانوں کی تکفیر جائز ہوتی تو وہ اپنے دعویٰ کے منکرین کو علی الاعلان کافر لکھتے۔لیکن آپ نے صاف طور سے انکار کردیا اور یہی مذہب حضرت امیر کا ہے۔

کفر دون کفر:

اگر مولوی صاحب یا دوسرے قادیانیوں کی نظر تعلیم اسلام کے بارے میں وسیع ہوتی تو ان پر واضح ہو جاتا کہ اہل قبلہ کلمہ گو پر کسی فروعی غلطی کی وجہ سے بھی کفر کا لفظ استعمال ہو جایا کرتا ہے۔

> جیسا کہ احادیث میں ہے مَنْ اتی حَائِضًا فَقَدْ کَفَرَ یا سِبَابُ الْمُسْلِمِ فَسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ کُفُرٌ یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔یا لایزنی الزانی حین یزنی وهو مؤمن ولا یسرق حین السارق وهو مؤمن۔اسی کے مطابق ابن اثیر نے النہایۃ میں لکھا الکفر صنفان احدهما الکفر باصل الایمان وهو ضده والثانی الکفر بفرع من فروع الاسلام فلا یخرج به من اصل الایمان۔یعنی کفر کی دو قسمیں ہیں۔ایک اصل ایمان کا کفر اور وہ ایمان کی ضد ہے دوسرا کفر فروع اسلام کی کسی فرع کا کفر۔تو اس سے کوئی اصل ایمان سے باہر نہیں نکل جاتا۔یعنی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔حضرت مسیح موعود نے بھی کفر کو دو اقسام پر تقسیم کیا ہے۔(ملاحظہ ہو حقیقۃ الوحی، صفحہ 179)

> ''کفر دو قسم ہے۔اول یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارہ میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے۔اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔پس اس لحاظ سے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے''۔

اس حوالہ میں پہلا کفر تو اصل کا کفر اور ایمان کی ضد ہے، دوسرا کفر فرع کا کافر ہے۔کیونکہ الفاظ ''پس

اس لحاظ سے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا اور رسول کو مانتا ہے ان کا منکر نہیں۔ ہاں خدا اور رسولؐ کے جو بہت سے احکام ہیں، جن میں سے ایک مسیح موعود کا ماننا ہے، اس کو نہیں مانتا۔ پس یہ اصل کا کفر نہیں بلکہ فرع کا کفر ہے۔ اور چونکہ یہ اسلام کا انکار نہیں اس لیے دائرہ اسلام سے خارج کرنے والی چیز نہیں۔ اس پر ایک اعتراض ہوسکتا ہے کہ آگے چل کر حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ ''یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں'' اصل بات یہ ہے کہ حضرت صاحب نے ان کو ایک قسم میں داخل کیا ہے۔ دونوں کو ایک نہیں کہا اور نہ ان دونوں کو برابر کہا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کہے کہ انسان اور گھوڑا دونوں ایک ہی قسم حیوان میں داخل ہیں تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ انسان اور گھوڑا ایک ہیں یا دونوں برابر ہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ ان کی جنس ایک ہی ہے۔ اسی طرح اصل کا کفر اور فرع کا کفر ہر دو قسم بہ معنی انکار ہی میں داخل ہیں ہر دو نہ تو ایک ہیں اور نہ برابر ہیں۔ اور جب اس کے ساتھ حضرت صاحب کے یہ الفاظ ملا کر پڑھے جائیں کہ ''ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میری دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا'' معاملہ صاف ہوجاتا ہے۔ کہ ''حقیقۃ الوحی'' میں بھی مسیح موعود کے کفر کو فرع کا کفر قرار دیا ہے۔ جس سے کوئی کلمہ گو دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوجاتا۔ اس کی مزید تائید کے لیے ایک اور واضح حوالہ دیا جاتا ہے:

> ''دیکھو جس طرح جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کو ماننے کا دعویٰ کر کے ان کے احکام کی تفصیلات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تقویٰ، عبادت کو بجا نہ لاوے اور ان اعمال کو، جو تزکیہ نفس، ترک شر اور حصول خیر کے متعلق نافذ ہوئے ہیں، چھوڑ دے وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اور اس پر ایمان کے زیور سے آراستہ ہونے کا اطلاق صادق نہیں آسکتا۔ اسی طرح سے جو شخص مسیح موعود کو نہیں مانتا یا ماننے کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ بھی حقیقت اسلام اور غایت نبوت اور غرض رسالت سے بیخبر محض ہے۔ اور وہ اس بات کا حقدار نہیں کہ اس کو سچا مسلمان خدا اور اس کے رسول کا سچا تابعدار اور فرماں بردار کہہ سکیں''۔ (تقریر حجۃ اللہ 1908ء)

اس جگہ حضرت صاحب نے ایسے شخص کو مسلمان کہلانے کا مستحق بھی نہیں سمجھا، پھر اس کے ساتھ ہی یہ

بھی واضح کر دیا کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں۔ بعض احکام کو چھوڑنے کی وجہ سے وہ اس بات کا حقدار نہیں کہ اسے مسلمان یا خدا اور رسول کا سچا فرمانبردار کہہ سکیں۔ یہ تمام حوالہ جات میاں محمود احمد صاحب کی اس تحریر کی تردید کرتے ہیں کہ:

> ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے یہ عقائد ہیں''۔(آئینہ صداقت، صفحہ 35، مصنفہ میاں محمود احمد)

میاں صاحب کا سابقہ عقیدہ ختم نبوت:

مولوی صاحب نے اپنے مضمون نمبر 5 میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ میاں محمود احمد صاحب نے 1910ء میں جو یہ لکھا تھا کہ

> ''آنحضرت ﷺ کے دعویٰ کے بعد تیرہ سو برس گزر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوت کا دعویٰ کر کے کامیابی حاصل نہیں کی...... صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی پیشگوئی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں''۔(تشحیذ الاذہان اپریل 1910ء)

اس سے مراد صرف یہ تھی کہ مسیح موعود سے پہلے تیرہ سو برس میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ ہم تو اس کے بالمقابل اس تحریر کے لکھنے والے کا عمل پیش کر دیتے ہیں۔ اس کا عقیدہ اس وقت یہی تھا کہ حضرت مسیح موعود جزوی نبی ہیں اور آپ کے انکار سے کوئی مسلمان کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ وہ مکہ معظّمہ جا کر دوسرے مسلمانوں کے پیچھے نماز نہ پڑھتا۔ باقی رہا مولویانہ ایچا پیچی۔ اس سے تو لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوۃَ (43:4) کو بھی نامعقول لوگ درست سمجھ سکتے ہیں۔ پھر اسی مضمون میں میاں صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

> ''آپ کی (یعنی آنحضرت ﷺ کی) نبوت نہ صرف اس زمانہ کے لیے ہے بلکہ آئندہ بھی کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

لیکن اس کو بھی مولوی صاحب اپنی تائید میں سمجھتے ہیں۔ جہاں ایسے ایسے معقول مولوی بستے ہوں وہاں نامعقولوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔! میاں صاحب زور دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی زمانہ میں بھی نبی نہیں آسکتا۔ اور خوش فہم مولوی صاحب اس سے شرعی نبوت مراد لیتے ہیں اور جتنے حوالے پیش کیے ہیں وہ سب ہماری تائید میں ہیں۔

نبوت اور کلمہ طیّبہ:

چلو ایک سیکنڈ کے لئے ہم اس بات کو مان لیتے ہیں کہ قادیانی صاحبان حضرت نبی کریمؐ کے بعد ایسے انبیاء کا آنا مانتے ہیں جو آپؐ کی تائید کے لیے آتے ہیں اور جو آپؐ کے دین کو منسوخ نہ کریں گے۔ لیکن کیا عملاً بھی یہ بات ان کے عقائد باطلہ سے نکلتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے مزعومہ نبی کے ماننے سے ہر وہ شخص جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو سچا مانتا ہے اور قرآن کریم کی اپنی سمجھ اور طاقت کے مطابق پیروی کرتا ہے، کافر بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ جب تک کہ وہ اس غیر شرعی نبی پر ایمان نہ لائے۔ گویا ایک غیر شرعی نبی پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس کا شرعی نبی پر کا ایمان بھی بے حقیقت ہو گیا۔ میں مولوی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کسی پیغمبر کے زمانہ کا انقطاع اور کس طرح سے ہوا کرتا ہے۔ ایک معقول انسان تو یہی کہے گا کہ جب محض اس پر ایمان لانے سے کوئی شخص دائرہ اسلام کے اندر نہ سمجھا جائے۔ مثلاً آج ایک شخص یہ کہے کہ وہ حضرت محمد رسول اللہؐ کو خدا کا سچا نبی یقین کرتا ہے اس لیے وہ مسلمان ہے اور دائرہ اسلام کے اندر ہے۔ تو قادیانی اسے کہیں گے کہ نہیں، تو ہرگز مسلمان اور دائرہ اسلام کے اندر نہیں۔ بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ گویا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت ایک بے حقیقت چیز ہے۔ سب سے افضل چیز مرزا رسول اللّٰه ہے اور حضرت مرزا کی نبوت کے ماتحت ہی باقی انبیاء کی نبوتوں پر مجمل ایمان کافی ہے۔ جیسا اس زمانہ میں کوئی شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُوْسٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ یا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه عِیْسٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ کہہ کر دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح قادیانیوں کے عقیدہ کی رو سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ایمان لانے سے کوئی شخص دائرہ اسلام کے اندر داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مِرْزَا رَسُوْلُ اللّٰهِ پر ایمان نہ لائے۔ گو مسلمان کے ڈر سے یہ کلمہ زبانی نہ کہے اور دل میں یہی اعتقاد رکھے کہ بغیر اس کلمہ پر ایمان لائے کوئی شخص دائرہ اسلام کے اندر

داخل نہیں ہوسکتا۔ مولوی صاحب کو اجازت ہے کہ وہ اپنے عقائد کی بجز اس کے کوئی اور تاویل پیش کریں!

حضرت مسیح موعود کے ایک پرانے صحابی کا انتقال:

جناب بابا ہدایت اللہ صاحب مشہور پنجابی شاعر، جو حضرت مسیح موعود کے نہایت پرانے صحابیوں میں سے تھے، ایک سو پانچ برس کی طویل عمر پا کر 12 ماہ حال کو انتقال فرما گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ احباب ان کا جنازہ غائبانہ پڑھیں۔ آپ کے مفصل حالات زندگی آئندہ اشاعت میں ہدیہ قارئین کرام ہوں گے۔

❀❀❀

25 جنوری 1929ء

مکتوب امیر

ایک سوال کا جواب

سوال: کیا آپ حضرت مسیح موعود کی تمام تحریریں، تقریریں جو تحریر میں آ چکی ہیں، سب کو بلا عذر تسلیم فرماتے ہیں یا کسی کے خلاف بھی کر لیتے ہیں۔ اگر حضرت مسیح موعود کی کسی تحریر کے خلاف کرتے ہیں تو اس کو کیا سمجھ کر؟ اور جس کو تسلیم کرتے ہیں تو کیا سمجھ کر؟

جواب: مجھے آپ کا خط پڑھ کر قدرے تعجب ہوا۔ یہ سوال کہ سب تحریروں اور تقریروں کو مانتے ہیں یا نہیں، ان لوگوں پر ہونا چاہئے جو حضرت مسیح موعود کی 1901ء سے پہلے کی تحریروں کو منسوخ مانتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت صاحب کو لفظ نبی اور محدث کے معنی 1901ء سے پیشتر نہ آتے تھے۔ میں جب سے حضرت صاحب کو مسیح موعود مانتا ہوں اس وقت سے ان کو حکم وعدل بھی مانتا ہوں اور آپ کی سب تحریروں کو یکساں مانتا ہوں۔ البتہ تقریروں میں چونکہ تقریر لکھنے والے کے خیالات کی ملاوٹ بھی ہو جاتی ہے، اس لیے ان کو تحریروں کی طرح نہیں سمجھتا۔ البتہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت صاحب کی کسی تحریر یا تقریر کا مفہوم لیتے وقت آپ کی دوسری تحریروں اور تقریروں کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے اور وہ معنی لینے چاہئیں جو دوسری تحریروں کے خلاف نہ ہوں۔ اس کے ساتھ صرف اس قدر ایزاد کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کی تفسیر کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ اور حضرت صاحب نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ جس آیت کی تفسیر میں نے کر دی ہے، اس کے اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ بلکہ حضرت صاحب کی زندگی میں حضرت مولوی نورالدین صاحب قرآن کریم کا درس دیتے تھے اور وہ معنی کرتے تھے جو حضرت صاحب نہیں کرتے تھے۔ بلکہ بعض فتنہ پرداز لوگ اس وجہ سے حضرت مولوی صاحب کے درس پر اعتراض بھی کیا کرتے تھے۔

میں نے جو کچھ انگریزی تفسیر میں نوٹ لکھے ہیں، وہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کو قریباً 24 پاروں تک سنا دیئے گئے تھے اور آپ نے صرف ان کو پسند ہی نہیں کیا بلکہ بعض بعض جگہ بڑی بڑی قدردانی بھی فرماتے تھے۔ میں نے سنا ہے کہ ان ایام میں اخبار ''الفضل'' میں میری تفسیر پر اس بنا پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہے کہ میں نے وہ معنی کئے ہیں جو حضرت مرزا صاحب نے نہیں کئے۔ میں حضرت صاحب کی تفسیر کا بہرحال ادب کرتا ہوں۔لیکن جو کچھ میری سمجھ میں آتا ہے اسے بیان کر دیتا ہوں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے محفوظ رکھا ہے کہ یہ علم ہونے کے باوجود کہ حضرت صاحب فلاں آیت سے یہ مفہوم لیتے تھے یوں لکھ دوں کہ ایسا مفہوم لینے والا نادان ہے۔جیسے قادیان سے آواز اٹھی کہ یہ علم ہونے کے باوجود کہ حضرت صاحب آیت وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (64:4) کے معنی یہ کرتے تھے کہ:

''صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہوسکتا اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کی رو سے بکلی ممتنع ہے۔وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لیے بھیجا جاتا ہے اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو۔'' (ازالہ اوہام۔ پرانا ایڈیشن، صفحہ 569)

یہ معنی کئے گئے ہیں:

''بعض نادان کہہ دیا کرتے ہیں کہ نبی دوسرے نبی کا متبع نہیں ہوسکتا۔ اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ''۔ (حقیقۃ النبوۃ، صفحہ 155)

والسلام

خاکسار۔محمد علی

معارف قرآن جاننے کا دعویٰ:

پیرصاحب جب اپنے مریدوں کے حلقہ میں بیٹھتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو خدائی کا مالک سمجھ لیتے ہیں اور مریدوں کی بیجا خوشامد ان کے دماغ کو عرش معلیٰ تک پہنچا دیتی ہے۔غیر از جماعت پیروں کی تعلّیاں تو ہم سننے کے عادی ہو چکے تھے۔لیکن اب کچھ عرصہ سے خلیفہ قادیان بھی اپنے مریدوں کے حلقہ میں بیٹھ کر معارف قرآنی کے بڑھ چڑھ کر دعوے کرتے رہتے ہیں۔گزشتہ سالانہ جلسہ پر انہوں نے ایسے ہی الفاظ ارشاد فرمائے۔اب 22 جنوری1929ء کے''الفضل صفحہ 1'' سے معلوم ہوا کہ لاہور تشریف لاکر بدیں الفاظ معارف قرآنی کا دعویٰ کیا:

''مجھے بھی خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے ایسے معارف سمجھائے ہیں کہ خواہ کوئی ظاہری علوم میں کتنا پڑھا ہوا ہو۔اگر قرآن کریم کے حقائق بیان کرنے میں مقابلہ کرے گا تو ناکام رہے گا''۔

دنیا ضرور ایسے معارف سننے کی بے حد مشتاق ہوگی۔حضرت مسیح موعود نے خدا کی طرف سے مامور ہو کر یقیناً معارف قرآنی کو جاننے کا دعویٰ کیا اور بڑے زور سے کیا اور اپنی تصنیفات کے ذریعہ سے ایسے معارف کا دریا بہا دیا۔لیکن اس کے بالمقابل ایک غیر مامور شخص بھی معارف قرآنی کا مدعی ہے۔اس لیے ہم مؤدبانہ خلیفہ صاحب کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اپنے گزشتہ پندرہ سالہ زمانہ خلافت کے کوئی ایسے معارف قرآنی کا ہمیں پتہ دیں جو حضرت مسیح موعود،حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب اور حضرت مولانا محمد علی صاحب کی تصانیف اور دروس میں نہ پائے جاتے ہوں یا متقدمین کی تصانیف میں موجود نہ ہوں۔خلیفہ قادیان بہت سی تصانیف کرنے کے علاوہ عورتوں اور مردوں میں درس بھی دیتے رہے ہیں۔یقین ہے کہ وہ یا ان کا کوئی مرید ہمیں ایسے معارف سے ضرور آگاہ کرے گا۔ہاں یاد رہے کہ چند معارف جو خلیفہ قادیان نے نئے بیان کیے ہیں ان سے ہم واقف ہیں۔کوئی ان کا مرید وہ معارف ہمارے سامنے پیش نہ کرے۔ان کا یہاں بیان کر دینا ضروری ہے۔

''بعض نادان کہہ دیا کرتے ہیں کہ نبی دوسرے نبی کا متبع نہیں ہوسکتا اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یہ فرماتا ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ''۔(حقیقۃ النبوۃ، صفحہ 155)

''صاحب نبوۃ تامہ ہرگز امتی نہیں ہوسکتا اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے۔ اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کی رو سے بکلی ممتنع ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو۔''(ازالہ اوہام، صفحہ 569)

خلفیہ قادیان کو قرآن کی معرفت ایسی دی گئی ہے کہ غیر مامور ہو کر ایک مامور کو نادان (یعنی معرفت قرآن سے نادان) لکھتا ہے!

2- ''نادان ہے وہ شخص جس نے کہا کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ۔ کیونکہ خدا کے فضل انسان کو گستاخ نہیں کرتے اور سرکش نہیں کر دیا کرتے بلکہ اور زیادہ شکر گذار اور فرمانبردار بناتے ہیں۔''(الفضل 23 جنوری 1929ء)

''اِيْلِيْ اِيْلِيْ لِمَا سَبَقْتَنِيْ کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ۔ اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ تیری بخششوں نے ہمیں گستاخ کر دیا۔''

(براہین احمدیہ، صفحہ 555، 556۔ الہام مسیح موعود)

قرآن کی معرفت ایسی ہی ہونی چاہئے کہ ایک مامور کو بھی معرفت سے نادان سمجھا جائے۔ اور اس کے الہام کو بھی نادانی پر محمول کیا جائے۔

اخلاقی پستی:

ایک شخص ''حضور کا خادم محمد اسمٰعیل اوورسیر ڈسٹرکٹ بورڈ دیپالپور ضلع منٹگمری'' بیعت خلافت کے

عنوان کے نیچے اپنی ایک خواب لکھتا ہے اور اس کی بنا پر قادیانی گروہ میں شامل ہوتا ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ ہر شخص اپنے ضمیر کا مالک ہے، جدھر اس کا ضمیر اس کو ہدایت دے وہ راستہ اختیار کرے۔ خدا نے نیکی اور برائی کے راستے واضح کر دیئے ہیں۔ لیکن ایک بناوٹی بات پر اپنے تقویٰ اور سچی خوابوں کا ڈھنڈورا پیٹنا ایک متقی اور خدا ترس انسان کی شان سے بعید ہے۔ یہ شخص لکھتا ہے کہ وہ لاہور کی جماعت میں شامل رہا ہے۔ اول تو اس پتہ کا کوئی محمد اسمٰعیل ہماری جماعتوں کے رجسٹروں میں درج نہیں۔ نہ چندے کے رجسٹروں ہی میں اس کا کبھی نام نظر پڑا ہے۔ ''پیغام صلح'' کے خریداروں کے رجسٹروں میں بھی مجھے اس کا نام نظر نہیں آیا۔ اور نہ غالباً اس نے کبھی ہمارے سالانہ جلسوں میں شرکت اختیار کی ہے۔ اس لیے وہ کیسے ہمارے ساتھ شامل ہونے کا مدعی ہوسکتا ہے۔ ہم خوش ہوں گے اگر وہ اس بات کو بھی اخبار میں دے دے کہ وہ عملاً ہمارے ساتھ خدمت اسلام وسلسلہ میں حصہ لیتا رہا ہے۔ ورنہ کئی ایک ایسے غیر از جماعت لوگ ہیں جو ہمارا اخبار خریدتے ہیں اور ہمارے کاموں میں عملاً حصہ بھی لیتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے انہیں بیعت میں توقف ہے۔ (آنریری سیکرٹری)

خواتین کا حصہ پیغام صلح میں:

مستورات کی تعلیم وتربیت ان کے اخلاق کی درستی، ان کے اندر دینی احساس اور مذہبی جذبہ پیدا کرنے کی جس قدر ضرورت ہے اس قدر حد تک ہم لوگ تغافل سے کام لے رہے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری آئندہ نسلیں قوم کے لیے مایہ ناز وفخر ہوں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد دنیا کے اندر بہترین اسلامی کیریکٹر کا نمونہ بن سکے۔ تو ضرورت ہے اس امر کی کہ ان کی اخلاقی روحانی اور ذہنی تربیت کا انتظام کریں۔ جہالت کے سلاسل جو ہماری مستورات کے گلے کا ہار ہیں وہ نہیں اتارے جاسکے، جب تک کہ مستورات کو زیور علم وتہذیب سے مزیّن نہ کیا جائے۔ اس کی ذمہ داری براہ راست ہم مردوں پر عائد ہوتی ہے۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم مستورات کے اندر علم کی روشنی پھیلائیں، ان کو اسلامی تہذیب وتمدن سے آگاہ کریں اور ان کے اندر وہ روح پیدا کریں جو کسی زمانہ میں اسلامی مستورات کا طغرہ امتیاز تھی۔ یہ ذمہ داری ہم میں سے ہر ایک شخص پر عائد ہوتی ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ وہ اپنے گھروں کے اندر اس سلسلہ میں جو کچھ کرسکتا ہے وہ کچھ کرے۔ اس غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے پیغام صلح کے ایک دو صفحے خواتین کے لیے وقف کر دیئے ہیں۔ اور ہم انشاء

اللہ العزیز پابندی سے ان کالموں کے اندر ایسے مضامین شائع کریں گے جن کا تعلق خواتین کی علمی تربیت اور ان کی تہذیب اخلاق سے ہوں۔ ان کالموں کے اندر خواتین کے مضامین بھی درج ہوا کریں گے۔ امید کرتے ہیں کہ قوم کی خواتین، جنھیں خدا نے علم کی روشنی سے بہرہ ور کیا ہے، وہ اپنے مضامین بھیج کر ہمیں شکر گذار ہونے کا موقعہ دیں گی۔

❁❁❁

2 جنوری 1929ء

ایک جائزہ

حضرت امیر کی تحریرات میں لفظ ''نبی'' کا استعمال

تبدیلی عقیدہ کا غلط الزام اور میاں محمود احمد صاحب کے سابقہ معتقدات

حال ہی میں قادیان سے حضرت امیر ایدّہ اللہ بنصرہ کی خدمت بابرکت میں بعض خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں آپ سے ان تحریرات کا مطلب دریافت کیا گیا ہے جو قادیانیوں کی طرف سے آئے دن اس بات کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں کہ ان میں حضرت امیر نے حضرت مسیح موعود کو نبی لکھا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ اس لفظ کی تشریح حضرت مسیح موعود اور سلسلہ کے دوسرے اہل قلم اصحاب نے کیا کی؟ اور کیا حضرت امیر ایدّہ اللہ کی تحریرات میں لفظ نبی کا استعمال انہی معنوں میں کیا گیا ہے یا کسی اور معنی میں؟

جہاں تک حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے، ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ آپ نے لفظ نبی کا استعمال صرف لغوی معنوں میں کیا ہے اور اس سے مراد صرف محدّث ہے۔ آپ کی ابتدائی تحریرات میں بھی اس کی تصریح جابجا موجود ہے۔ چنانچہ 3 فروری 1892ء کو آپ نے ایک اقرار نامہ لاہور کے ایک مباحثہ میں لکھ کر دیا۔ جو آپ کے اور مولوی عبدالحکیم کے مابین ہوا۔ اس میں آپ نے صاف لکھا ہے کہ:

> ''میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے۔ جس حالت میں ابتدا سے میری نیت میں، جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ خوب جانتا ہے، اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں بلکہ صرف محدث مراد ہے۔ جس کے معنی آنخضرت ﷺ نے مکلم مراد لیے ہیں...... تو پھر مجھے اپنے مسلمان

بھائیوں کی دلجوئی کے لیے اس لفظ کو دوسرے پیرائے میں بیان کرنے سے کیا عذر ہوسکتا ہے۔سو دوسرا پیرایہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو یعنی لفظ نبی کو کاٹا ہوا خیال فرمالیں۔(مجموعہ اشتہارات،صفحہ 94)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود لفظ نبی کا استعمال صرف محدث کے معنوں میں کرتے تھے اور اس سے بڑھ کر آپ کی کوئی مراد نہ تھی۔اس زمانہ میں بھی جب کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کر لی اور ''ایک غلطی کا ازالہ'' لکھا ہے، آپ کے صاف الفاظ اسی غلطی کے ازالہ میں موجود ہیں کہ نبوت کا لفظ صرف لغوی معنوں میں آپ نے استعمال کیا ہے۔چنانچہ صاف لکھا ہے کہ ''نبی کے معنی لغت کی رو سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے اطلاع پا کر غیب کی خبر دینے والا''۔

آپ کی آخری تحریر جو آپ نے وفات سے محض تین روز قبل اخبار عام میں شائع کرائی اس میں بھی اس بات پر زور دیا ہے کہ میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیشگوئی کرنے والا، یعنی محض لغوی معنوں میں۔لیکن اصطلاح اسلام کی رو سے نبی ہونے سے آپ نے قطعاً انکار کیا ہے۔چنانچہ آپ کے الفاظ ہیں:

''مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں۔یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔اس لیے ہوشیار رہنا چاہئے کہ اس جگہ بھی یہ معنی نہ سمجھ لیں۔'' (خط مسیح موعود 17 اگست 1899ء مطبوعہ الحکم)

غرض حضرت مسیح موعود کی ان تحریرات سے صاف ظاہر ہے کہ لفظ نبی کا استعمال صرف لغوی معنوں میں جائز ہوسکتا ہے، لیکن اصطلاح اسلام کی رو سے آپ نبی نہیں۔چنانچہ آپ کی اتباع میں سلسلہ کے اہل قلم حضرات اس لفظ کو جا بجا اپنی تحریرات میں استعمال کرتے رہے۔اور جب کبھی ان سے ان کے متعلق دریافت کیا گیا انہوں نے وہی جواب دیا جو حضرت مسیح موعود نے دیا تھا۔اس بارہ میں ان لوگوں کی تحریرات زیادہ پائی جاتی ہیں جو اس

وقت میاں محمود احمد صاحب کے مریدین میں داخل ہیں۔ ذیل میں ان میں سے بعض کی تحریرات ہدیہ قارئین کرام ہیں۔

مولوی محمد سرور شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

لفظ نبی کے اپنے مصدروں کے لحاظ سے دو معنی ہیں۔ اول: اپنے خدا سے اخبار غیب پانے والا۔ دوم: عالی رتبہ شخص۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ بکثرت شرف مکالمہ سے ممتاز کرے اور غیب کی خبروں پر مطلع کرے وہ نبی ہے۔ اس رنگ میں میرے نزدیک تمام مُجددین سابق مختلف مدارج کے انبیاء گزرے ہیں۔ (بدر مورخہ 16 فروری 1911ء)

مفتی محمد صادق صاحب شبلی مرحوم سے اپنی ملاقات کا قصہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

شبلی نے دریافت کیا کہ ہم لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اس معاملہ میں ہمارا عقیدہ دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، نہ نیا اور نہ پرانا۔ ہاں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ وہ بھی آنحضرتؐ کے طفیل آپ سے فیض حاصل کر کے اس امت میں ایسے آدمی ہوتے رہے جن کو الہام الٰہی سے مشرف کیا گیا اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے اور الہام الٰہی کے سلسلے میں آپ کو خدا تعالیٰ نے بہت سی آئندہ کی خبریں بطور پیشگوئی کے بتائی تھیں جو پوری ہوتی رہیں، اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے۔ اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں۔ (بدر جلد 9 نمبر 51، 52)

پھر مولوی میر قاسم علی شاہ صاحب، جو بہت سے اخباروں کے ایڈیٹر اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، انہوں نے 1911ء میں ایک کتاب ''دین الحق'' تصنیف کی ہے۔ جس میں انہوں نے حضرت صاحب کی وہی تحریریں پیش کر کے آپ کی طرف دعویٰ نبوۃ کو منسوب کرنا غلط قرار دیا ہے، جواب منسوخ کی جا رہی ہیں۔ اس

کے علاوہ اخبار ''الحق'' جلد 3 نمبر 48 میں لکھتے ہیں:

''الحمد للہ کہ قرآن مجید اور احادیث سے اور صاحب تجربہ بزرگوں سے اور مخالف سلسلہ احمدیہ کی قلم و زبان سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ امت محمدیہ میں مکالمہ و مخاطبہ الٰہی کا انعام افراد کاملہ پر تا قیامت نازل ہوتا رہے گا۔ اس طریق مکالمہ و مخاطبہ کو اپنے مخلص بندوں کے لیے روشنی بنایا ہے۔ اس کے ذریعہ سے ہم جس کو چاہیں راہ سمجھا دیتے ہیں۔ پس کوئی شخص اپنی اصطلاح میں اس کو ظلی نبوت سے تعبیر کرے یا ولایت تامہ نام رکھے یا نبوت غیر شرعی۔ بجز نزاع لفظی کے اور کوئی فرق مکالمہ نبی و مومن میں مِنْ حَیْثُ الْکَلَامِ اللّٰہ نہیں ہے۔''

یہ تو میاں صاحب کے مریدین کی تحریرات ہیں۔ اسی زمانہ میں جب یہ تحریرات لکھی گئی حضرت امیر ایدہ اللہ نے بھی ریویو آف ریلیجنز میں وہی الفاظ رکھے جو دوسرے اہل قلم لکھتے رہے ہیں۔ اس زمانہ میں کسی نے آپ سے یہ سوال نہ کیا کہ آپ کی ان الفاظ سے کیا مراد ہے۔ کیونکہ سب جانتے تھے کہ ان الفاظ کا مفہوم وہی ہے جو خود حضرت مسیح موعود، مفتی محمد صادق، مولوی سرور شاہ اور دیگر اہل قلم حضرات بارہا بیان کر چکے ہیں۔ کسی کو اس بات کا وہم نہ تھا اور نہ ایسا وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ آپ حضرت مسیح موعود کو لغوی معنوں سے بڑھ کر اصطلاح اسلام کی رو سے نبی قرار دے رہے ہیں۔ ایسا نبی جس کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ نہ ان تحریرات میں کوئی ایسا لفظ پایا جاتا ہے جس میں اس قسم کے خیالات کی جھلک بھی پائی جاتی ہو۔ پھر تعجب ہے کہ ان تمام کھلے شواہد کے باوجود کس طرح سے آپ پر تبدیل عقیدہ کا الزام دیا جاتا ہے اور یہ کیونکر سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ نے حضرت مسیح موعود اور تمام سلسلے کے لٹریچر کے خلاف لغوی معنوں سے بڑھ کر حقیقی معنوں میں لفظ نبی کا استعمال کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میاں محمود احمد صاحب کی طرح کبھی آپ کے منکرین کو کافر بھی کہتے۔ لیکن ایک بھی ایسا حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا جس میں منکرین مسیح موعود کو حضرت امیر ایدہ اللہ نے کافر قرار دیا ہو۔

ان تحریرات کا مطلب و مفہوم اگر دریافت کرنا ہے تو مریدین میاں صاحب کے مندرجہ بیانات کو پڑھیئے۔ جو مطلب و مفہوم انہوں نے اپنی تحریرات میں لفظ نبی کا بیان کیا ہے، وہی حضرت امیر ایدہ اللہ کا منشا ہے

اوراس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ نبوت کے متعلق میاں صاحب کے مریدین یعنی مفتی محمد صادق صاحب وغیرہم سے سوالات کیے گئے۔ اور انہوں نے اس کے متعلق جواب دیئے جو اوپر درج کیے گئے۔ آج وہی جواب حضرت امیر ایدہ اللہ کی طرف سے سمجھ لینے چاہئیں۔ ہم اپنے قادیانی دوستوں کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت امیر کی تحریرات پر بحث کرنے کی بجائے بہتر ہوگا کہ مفتی محمد صادق، مولوی سرور شاہ، میر قاسم علی، شیخ یعقوب علی وغیرہم سے یہ دریافت کریں کہ انہوں نے مندرجہ بالا تحریرات کن خیالات کے ماتحت لکھیں اور ان کے موجودہ عقائد ان تحریرات کے کہاں تک مطابق ہیں؟ انہیں چاہئے کہ خود میاں صاحب سے دریافت کریں کہ انہوں نے لفظ نبی کا استعمال کب سے شروع کیا اور کیوں؟ کیا وہ پہلے اس بات کے قائل نہ تھے کہ تیرہ سو سال میں ایک بھی ایسے نبی کا نہ آنا جس نے کامیابی کا منہ دیکھا ہو انقطاع نبوت پر دال ہے جس کا ذکر آیت خاتم النبیین کے اندر کیا گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ 1914ء میں ان کا اپنے ایک مرید کو یہ لکھنا کہ صرف مصلحت وقت کے ماتحت لفظ نبی کا استعمال شروع کیا گیا ہے اور یہ چندروزہ بات ہے۔ حقیقت نفس الامری پر ایک کھلی شہادت ہے کہ تبدیلی عقیدہ خود میاں صاحب کی طرف سے ہوئی ہے۔ اور 1914ء میں انہوں نے اپنے عقیدہ کو کسی مصلحت وقت کے ماتحت بدلا۔ جو اگرچہ ''چندروزہ'' حیثیت رکھتا تھا لیکن امتداد زمانہ نے ایسی مستقل شکل اسے دے دی جس سے ان کا پیچھا چھڑانا مشکل ہے۔

❀❀❀

3 فروری 1929ء

محترمہ زاہدہ خاتون صدیقی

اجتماعی زندگی۔ارکانِ اسلام کا فلسفہ

انفرادی حیثیت سے جو اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کو اختیار کیا جاتا ہے وہ اجتماعی زندگی کے انصرام کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ انفرادی زندگی کی کچھ حقیقت اجتماعی زندگی کے مقابلہ میں نہیں ہے۔ اور نہ فرداً فرداً کسی قسم کی ترقی کی جاسکتی ہے جب تک کہ ان میں اجتماع و انصرام نہ ہو۔ قوم میں جہاں انتشار واختلاف پیدا ہوا وہاں اس کا شیرازہ بکھرا۔

قومی ترقی کے لیے علوم وفنون اور مال و دولت بہت ضروری ہے۔ مگر بلا اجتماعی قوت کے سب بیکار ہے۔ تواریخ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی وحشی اقوام نے مہذب اور شائستہ قوموں پر فتح پائی۔ جن کی بے سروسامانی کی معرکہ آرائیوں میں یہ حالت ہوتی تھی کہ ضروری اسلحہ جنگ اور شکم سیر ہو کر کھانے کو بھی میسر نہ آتا تھا۔ مگر ان میں اجتماعی قوت (بدرجہ) اتم تھی۔ جس کی وجہ سے ہمیشہ فتح وظفر ان کی ہمرکاب تھی۔ نبی مرسل محمد ﷺ نے حیات اجتماعی کو قائم رکھنے پر بہت زور دیا ہے بلکہ میرے خیال سے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ آپ نے اجتماعی زندگی کو انتہا تک پہنچا کر دکھا دیا ہے۔

مگر افسوس اس زمانہ کے بہت لوگ اسلام کی تعلیم کو محض دینی فلاح خیال کرتے ہیں اور کلام مجید کو صرف تصوف اور رہبانیت کے لیے متصور کیا جاتا ہے جو قطعی غلط ہے۔ بلکہ دنیا میں یہ واحد دین اسلام ہے جو صرف حکومت اور سرفرازی کے لیے نازل فرمایا گیا اور اجتماعی زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔

چنانچہ اسلام کا پہلا مسئلہ توحید ہے، جو تمام معبودان باطل اور ارباب متفرقین کی اطاعت گزاری سے چھڑا کر صرف خدائے واحد کا فرمانبردار بناتا ہے۔ جس سے انسانی دل و دماغ کے قویٰ باطنی کو سکون حاصل ہوتا ہے اور انسان کی فطری آزادی قائم رہ

سکتی ہے۔

دوسرا مسئلہ نماز ہے، جو صف بندی پر زور دیتا ہے کہ سر اور پیر سیدھ پر رہیں اور ایک وقت معیّن پر سب کو یکساں پابندی میں برابر رہنا چاہئے۔ جس کی تصریح یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ باہم مل جل کر رہنا اور اکٹھے ہو کر کام کرنا چاہئے۔

تیسرا مسئلہ خیرات اور زکوٰۃ ہے، جو دولت کو ملک وملت پر نثار کرنا سکھاتا ہے نہ کہ دولت کو حیات کا مقصد سمجھ لینا۔

چوتھا مسئلہ روزہ ہے، جو صبر وتحمل کی تعلیم دیتا ہے اور غربا کی حالت سے عملی طور پر امراء کو باخبر کرتا ہے۔ جس سے فاقہ مستوں اور شکم سیروں کو ایک سطح پر لا کر اصول مساوات کو ترقی دی جاتی ہے۔

پانچواں مسئلہ حج ہے، جو اجتماعی قوت اور تمام قومیت کو مستحکم کرتا ہے اور جس طرح دن میں پانچ وقت محلّہ والوں اور ہفتہ میں ایک مرتبہ تمام شہر والوں سے مسجد میں باہمی تعلقات کو مضبوط کرایا جاتا ہے اسی طرح سال میں ایک مرتبہ تمام مسلمانوں کے، جو مختلف نسلوں اور مختلف قوموں سے ہوتے ہیں، باہمی تعلقات کو مستحکم کیا جاتا ہے اور اہل فضل وکمال کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ تبلیغ ودعوت کے اہم اور مقدّم فرض کو انجام دینے کے لیے اسباب سوچیں اور اسلام کی بہبودی وبہتری کی کوئی صورت نکالیں۔ اسلام کے یہ پانچ فرائض ہیں جن کی تصریحات صاف صاف بتا رہی ہیں کہ اس کی تعلیم جہاں داری اور جہانگیری ہے۔

احمدی جماعت اور افغانستان:

گزشتہ جمعہ حضرت امیر ایدّہ اللہ بنصرہٖ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ یہ سوال کیا گیا ہے کہ امیر امان اللہ خاں کی مدد کے متعلق جو مسلمانوں میں خیال پیدا ہوا ہے ہم اس میں شرکت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ میں اس سے پہلے

خطبوں میں کہہ چکا ہوں کہ امیر امان اللہ خاں کا وجود اسلام کے لیے نہایت درجہ کی قوت وشوکت کا موجب ثابت ہوا ہے۔ پس اس لحاظ سے اس کی مدد کسی باغی کے خلاف نہ صرف وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (2:5) میں داخل ہے بلکہ اسلام کے لیے ایسی مدد قوت کا موجب ہے۔ پس جو مدد جائز طور پر ہوسکتی ہے ہم ایسی مدد دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور جو وفد ہلال احمر کا اس غرض کے لیے تجویز ہوا ہے کہ افغانستان میں زخمیوں کی خبر گیری کرے، ہمارے احباب بھی اس میں حصہ لینے کے لیے تیار ہیں۔ ہمارا مسلک یہی ہے کہ ہر ایک اسلامی کام میں شرکت کرنے کے لیے تمام مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام امرتسر:

تنظیم جماعت کے سلسلے میں یہ پہلا خط ہے جو جماعت امرتسر کے سیکرٹری جناب مولوی عزیز بخش صاحب بی اے کی طرف سے موصول ہوا ہے۔ اگر تمام جماعتیں اپنی اپنی جگہ اسی طرح تنظیم جماعت کے لیے کوشش کریں تو کیا ہی اچھا ہو۔ ہم بڑی خوشی سے دوسری جماعتوں کی اس قسم کی کوششوں کے حالات سننے کے منتظر رہیں گے۔ (مدیر)

آج نو بجے صبح احمدیہ انجمن اشاعت اسلام امرتسر کا جلسہ بر مکان مولوی عزیز بخش صاحب بی۔ اے منعقد ہوا۔ بابو ثناء اللہ صاحب صدر جلسہ قرار پائے اور سیکرٹری کا کام بجائے ان کے مولوی عزیز بخش صاحب نے سرانجام دیا۔ سیکرٹری صاحب نے روئیداد اجلاس گزشتہ پڑھ کر سنائی، بعدہٗ قرار دیا کہ:

1- چونکہ جناب شیخ عبدالرحمٰن صاحب پریزیڈنٹ اگست گزشتہ میں امرتسر سے تبدیل ہوکر لائل پور چلے گئے ہیں۔ لہٰذا ان کے بجائے نئے پریزیڈنٹ کی تقرری آئندہ اجلاس میں ہو۔

2- چٹھی سیکرٹری صاحب صدر دفتر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور مؤرخہ 12 جنوری 1929ء پڑھی گئی۔ جس کی رو سے امرتسر سے ایک ممبر مجلس معتمدین کے واسطے منتخب کرنے کی ہدایت ہوئی ہے۔ باتفاق رائے قرار پایا کہ بابو ثناء اللہ صاحب کو منتخب کیا

جائے۔

3- حضرت امیر ایدّہ اللہ کی چٹھی مورخہ 11 جنوری 1929ء پڑھ کر سنائی گئی۔ جس میں آپ نے اپنے دورہ سے پیشتر ہر جگہ کی جماعت کو چند امور کے متعلق ضروری ہدایات فرمائی ہیں۔جس پر تجاویز ذیل پاس ہوئیں۔

اول: حضرت امیر کی خدمت میں عرض کیا جائے کہ یہاں کے واسطے آپ خود کوئی تاریخ جس دن تعطیل ہو مقرر فرما کر آٹھ دس دن پہلے مطلع فرما دیں تا کہ مکان وغیرہ کا کوئی انتظام کیا جائے۔

دوم: مردم شماری جماعت امرتسر کی جائے۔

سوم: رجسٹر چندہ کی تکمیل اور گزشتہ حساب کی پڑتال بھی کی جائے۔

چہارم: جمعہ کا مستقل انتظام پہلے سے ہے اور درس کا اب کیا گیا ہے۔

پنجم: ہفتہ وار اجتماع کا انتظام کیا جائے۔

ششم: لائبریری کے انتظام پر غور کیا جائے۔

ہفتم: مستورات کو ایک جگہ جمع کر کے وعظ سننے کے انتظام پر بھی غور کیا جائے۔

ہشتم: جماعت کے نوجوانوں کو جمع کر کے سلسلے کے کاموں میں دلچسپی لینے کے واسطے ہدایت کی جائے۔

نہم: شہر کے معززین کو حضرت امیر کی تشریف آوری پر وعظ سننے کے واسطے مدعو کیا جائے۔دعا کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔20 جنوری 1929ء

خاکسار عزیز بخش سیکرٹری جلسہ ہذا

8 فروری 1929ء

از قلم شیخ محمد نصیب

حضرت امیر ایدّہ اللہ بدوملہی میں

جیسا کہ احباب کو علم ہے کہ توسیع و تنظیم سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لیے حضرت امیر سلمہ اللہ نے وقتاً فوقتاً دورہ کرنے اور لیکچر دینے کا ارادہ کیا ہے اور یہ بھی حضور نے فرمایا تھا کہ صرف لیکچر کافی نہیں بلکہ احباب کو عملی قدم اُٹھانا ضروری ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت نے بدوملہی تشریف لانے کا ارادہ فرمایا۔ اس کا علم ہونے پر جناب مرزا حبیب الرحمٰن صاحب (خلف الرشید مرزا خدا بخش صاحب) ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول بدوملہی ضلع سیالکوٹ نے حضرت کو مدعو کیا۔ چنانچہ آپ سید غلام مصطفیٰ صاحب مینیجر سکول ہذا اور مولوی عبدالوہاب صاحب مولوی فاضل کی معیّت میں 29 جنوری 1929ء کو ساڑھے آٹھ بجے کی گاڑی سے تشریف لائے۔ مرزا صاحب موصوف اور چوہدری سرفراز خاں صاحب جو سابقین اولین سے ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی چوہدری غلام حیدر خاں صاحب نے جو اس سکول کی بناء رکھنے والے ہیں، قصبہ اور اس کے گردونواح میں اس امر کا اعلان کر رکھا تھا۔ چنانچہ چار پانچ کوس تک کے اردگرد کے لوگ اس موقع پر آ گئے۔ اور اچھی خاصی رونق ہوگئی۔ سٹیشن پر بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ چوہدری صاحب نے حضرت کی آمد کی خوشی اور لوگوں کی اطلاع کے لیے گاڑی سے اُترنے کے وقت گولے چھوڑائے اور استقبال کیا۔ آپ اس مجمع میں سکول میں رونق افروز ہوئے جہاں قیام کا انتظام تھا۔ اس روز صبح اولے پڑے تھے، ہوا تیز و تند اور سردی سخت تھی۔ تاہم ہیڈ ماسٹر صاحب نے طلباء مدرسہ کی سکول بینڈ کے ساتھ ڈرل دکھانے کا باقاعدہ انتظام کیا۔ اور اس غرض کے لیے نارووال سے بینڈ ماسٹر بلایا ہوا تھا۔ حاضرین ڈرل دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ مگر سردی میں طلباء کی تکلیف کے خیال سے حضرت نے ڈرل بند کرا دی۔ اس کے بعد آپ نے سکول و بورڈنگ کا معائنہ کیا اور ضروری امور پر گفتگو ہوتی رہی۔ قریب دو بجے مع حاضرین کھانا تناول فرما کر آپ جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے۔ جہاں ایک بڑی مسجد میں ہر دو نمازیں جمع کر کے پڑھی گئیں۔ اس کے بعد آپ نے چھ سات سو کے قریب آدمیوں کے مجمع میں، جس میں مسلمان، ہندو اور سکھ شامل تھے، قریباً

ڈیڑھ گھنٹہ تک تقریرفرمائی۔آپ نے قرآن مجید کی آیت یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (102:3)فرما کرکہا کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ محض دل سے ماننے اورزبان سے اس کا اقرار کرنے سے انسان مسلمان تو ہوجاتا ہے مگر حقیقی طور پر مسلمان کہلانے کا مستحق تب ہوتا ہے جب اس کے ساتھ دیگرارکان اسلام یعنی نماز،روزہ،زکوٰۃ اور حج کے متعلق عملی صورت اختیار کرتا ہے۔ علاوہ اس کے اس کے دوحصے ہیں۔ایک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جو خدا کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔یعنی یہ کہ اللہ کے سوا کوئی ذات لائق عبادت نہیں۔عیسائی اگرچہ تین خدا مانتے ہیں اور ہندو تینتیس کروڑ دیوتا۔لیکن آخروہ ایک خدا کے بھی قائل ہیں۔اسی طرح ہرایک مذہب کسی نہ کسی رنگ میں ایک خدا کے آگے سرتسلیم خم کرتا ہے تو گویا حکم کے اس حصہ میں اس بات کو منوانا چاہا ہے جو تمام مذاہب میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور اس کا تسلیم کرنا کوئی مشکل امر نہیں، بلکہ ایک فطری بات ہے۔دوم کلمہ کا دوسرا حصہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے جو رسالت سے تعلق رکھتا ہے۔آج ایک مسلمان ہندو یا عیسائی ہو تو وہ لازماً اس اقرار سے ہوگا کہ محمد رسول اللہ نعوذ باللّٰہ جھوٹے نبی تھے۔ اور یہ کہ قرآن کریم خدا کا کلام نہیں۔لیکن اسلام اور اس کے ہادی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ میں برخلاف ان تمام مذاہب کے کیا ہی خوبی ہے کہ ایک ہندو یا عیسائی مسلمان ہو تو وہ لازماً جہاں یہ اقرار کرے گا کہ حضرت محمد ﷺ خدا کے برگزیدہ رسول اور راستباز ہیں اور قرآن کریم خدا کا کلام ہے، وہاں وہ یہ ایمان بھی رکھے گا کہ تمام قوموں میں جس قدر ہادی گذرے ہیں وہ بھی راستباز ہیں۔اور جو کتب خدا کی جانب سے انہیں ملیں وہ برحق ہیں۔ایک ہندو رام چندر جی اور کرشن جی کو خدا کے پیغمبر اور ویدوں کو خدا کا کلام مان کر اور ایک عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا رسول اور انجیل کو خدا کا کلام مان کر بھی مسلمان ہوسکتا ہے۔اس کے لیے ضروری ہوگا کہ کل دنیا کے رسولوں اور کتابوں کو مانے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:وَّلِکُلِّ قُوْمٍ ھَادٍ(7:13)وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَافِیْھَا نَذِیْرٌ(24:35) پھر فرمایا:لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ(285:2)پس اسلام اور دیگر مذاہب کے تسلیم کرنے میں بیّن فرق یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے میں پہلے ہادی کو، جسے وہ مانتا ہے، چھوڑنا نہیں پڑتا۔مگر ایک مسلمان جب مذہب تبدیل کرتا ہے تو اسے مجبوراً اپنے ہادی کو،جس کے نام پر وہ اپنی جان اور مال قربان کیا کرتا تھا، بُرا کہنا پڑتا ہے اور اس کا انکار کرایا جاتا ہے۔حضرت محمد رسول اللہؐ نے دنیا جہاں کے تمام مذاہب،ان کے ہادیوں اور کتابوں پر یہ بڑا بھاری احسان کیا تھا۔اس کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت محمد رسول اللہؐ کی عزت کی جاتی۔مگر آہ!آج جس قدر بے

عزتی اس عظیم الشان محسن کی کی جاتی ہے اور معاذ اللہ جس قدر ظالم اور بدترین انسان اسے بتایا جاتا ہے اور کسی ہادی تو درکنار معمولی انسان کو بھی نہیں کہا گیا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے جہاں مساجد کی حفاظت کا حکم دیا ہے وہاں عیسائیوں کے گرجوں، یہود اور دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں اور راہبوں کی کوٹھڑیوں تک کی حفاظت کرنے کا حکم موجود ہے اور مسلمان بادشاہ اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔ اگر وہ جبراً مسلمان بناتے تھے تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ دہلی کے اردگرد جو مسلمان بادشاہوں کا دارالخلافہ تھا کیوں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے آٹھ گنی ہے، حالانکہ ایک ہندو بھی نہ پایا جانا چاہیئے تھا۔ تو قابل غور امر ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے آخر دنیا میں آ کر کسی کے ساتھ کیا برائی کی ہے جو آپ کو بُرا کہا جاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ ہر مذہب کو خدا کی طرف سے کہا۔ اس کے ہادی، اس کی کتاب کی عزت کرنے اور اس کے عبادت خانہ کی حفاظت کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ بعض لوگ اسی طرح غلطی سے حضرت مرزا صاحب اور ان کی احمدی جماعت کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے نفرت کی جائے۔ بلکہ احمدیت وہی زندہ اور صحیح اسلام کا نام ہے۔ ہمارے وہی عقائد وارکان ہیں جو دیگر تمام مسلمانوں کے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے شریعت محمدیہ سے نہ کچھ کم کیا ہے نہ زائد۔ صرف فرق یہ ہے کہ ہم قرآن کریم کی رو سے حضرت عیسیٰؑ کو مثل دیگر تمام انبیاءؑ کے وفات یافتہ مانتے ہیں اور احادیث کی رو سے حضرت مرزا صاحب کو اس زمانہ کا مجدد اور اس امت میں آنے والا مسیح یقین کرتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت خادم اسلام ہیں اور شب و روز اسلام کے لیے درد رکھنے والے ہیں۔ جس کے دل میں درد ہے وہ ہمارے ساتھ اس کام میں شریک ہو جائے۔ اگر اس کے خلاف پائے تو ہم سے جدا ہو جائے۔ بعض لوگ بیعت کرنے سے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں مگر بیعت کی ضرورت نہیں، یہ ایک غلط خیال ہے۔ بیعت کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی بیعت لی اور مسلمانوں میں اس وقت سے کیا صحابہؓ میں اور کیا اس کے بعد اب تک بیعت کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب نے بھی بیعت لی اور بیعت کرنے والے سے اقرار لیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ یہ ایک خدمت دین کے لیے معاہدہ ہے اور شرفاء کو اپنے اقرار اور اس کی ذمہ داری کا بڑا پاس ہوتا ہے۔ جب تک یہ بات نہ ہو انسان اپنی کوئی ذمہ داری نہیں سمجھتا اور نہ ہی کوئی قوتِ عمل پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ اپنے آپ کو خدمتِ اسلام کے لیے ایک سپاہی سمجھتا ہے کہ جب موقع اور ضرورت ہو خدمات کے لیے میدان میں نکل سکے۔ دیکھو فوج کا سپاہی وہی کہلانے کا

مستحق ہوتا ہے جو اپنا نام فوج میں بھرتی ہو کر درج کرائے ، نہ وہ جو گھر میں بیٹھا رہے اور کہے کہ میں فوجی سپاہی ہوں ۔ نہ ضرورت کے وقت اسے کوئی بلائے گا اور نہ وہ نازک وقت پر اپنی جان مشکلات میں ڈالے گا۔

تقریر کے بعد پندرہ اشخاص نے بیعت احمدیت کی۔ اس کے بعد حضرت واپس سکول تشریف لائے ، جہاں مع دیگر حاضرین ہیڈ ماسٹر صاحب نے چائے اور پھلوں کی دعوت دی۔ اس کے بعد چوہدری محمد سرفراز خاں صاحب اور چوہدری غلام حیدر خاں صاحب حضرت کو اپنے مکان پر لے گئے ، جہاں مستورات جمع تھیں۔ آپ نے ان میں مختصر سی تقریر فرمائی۔ اس کے بعد 31 مستورات نے بیعت کی۔ کل 46 کس بیعت میں شامل ہوئے۔ شام کا کھانا مع ہمراہیان حضرت چوہدری صاحب کے ہاں تھا۔ چونکہ گاڑی ساڑھے چھ بجے شام جاتی تھی اس لیے کھانا ریل میں پہنچایا گیا۔ باوجود تیز، تند ہوا اور سخت سردی کے شام کے وقت آپ کو رخصت کرنے کے لیے بہت سے اصحاب سٹیشن پر تشریف لائے۔ حضرت امیر مع سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب اور مولوی عبدالوہاب صاحب واپس لاہور تشریف لے گئے۔

❁❁❁

19 فروری 1929ء

مرتضیٰ خاں صاحب بی۔اے

الغیاث اے شاہ خوباں الغیاث

الغیاث از فتوی ہائے مفتیاں
الغیاث از دستِ پیراں الغیاث
ظلم شاں بیروں شد از حد و حساب
جور ایشاں را نہ پایاں الغیاث
حسرتا زیں عالماں کافر گراں
حالِ مسلم شد پریشاں الغیاث
مومناں را خارج از ایماں کنند
زیں فقیہاں مولویاں الغیاث
مقصدِ شاں فتنہ و شرّ و فساد
الغیاث از فتنہ جویاں الغیاث
پارہ پارہ دینِ احمدؐ کردہ اند
اے مسلماناں چہ ساماں الغیاث

یارسول اللہ! آب از سر گزشت
الغیاث اے شاہِ خوباں الغیاث

❁❁❁

19 فروری 1929ء

معاہدہ 1926ء کو توڑنے کا الزام

ثالثوں کے تقرر کا مسئلہ

میاں محمود احمد صاحب کے خطبہ کا جواب حضرت امیر ایدّہ اللہ بنصرہ العزیز کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب کا ایک خطبہ الفضل 12 فروری میں چھپا ہے۔ جس میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ وہ اس بات پر راضی ہیں کہ جماعت احمدیہ کے دو فریقوں یعنی جماعت لاہور و جماعت قادیان میں جو معاہدہ ڈلہوزی میں 1926ء میں ہوا تھا کہ ایک دوسرے پر ذاتی حملے نہ کیے جائیں گے اور دل آزار کلمات استعمال نہ کیے جائیں گے۔ اس کی خلاف ورزی کے سوال کا فیصلہ کرنے کے لیے کہ زیادتی کس کی ہے معاملہ کو ایک ثالث آغا محمد صفدر صاحب کے سپرد کیا جائے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے کبھی یہ تجویز بھی کی تھی کہ چار ثالث ہوں۔ یعنی خان بہادر مولوی غلام حسن خاں صاحب اور سید عبدالجبار شاہ صاحب ہماری طرف سے اور خاں صاحب دلاور خاں اور میاں بشیر احمد صاحب ان کی طرف سے۔ اور پھر اپنی جگہ پر ہی یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مجھے اس کے قبول کرنے میں یہ خطرہ ہوگا کہ میرے اپنے ثالث میرے خلاف فیصلہ کر دیں گے۔ اس بارہ میں میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جس طرح انہوں نے ہماری جماعت میں سے دو آدمیوں کا نام لیا تھا۔ حق یہ تھا کہ اپنے دو ثالثوں کو وہ میری مرضی پر چھوڑتے کہ میں ان کی جماعت میں سے انتخاب کر لیتا۔ اب وہ خود غور کر لیں کہ خطرہ ان کو ہے یا مجھے۔ مجھے یہ بھی منظور ہے۔ لیکن جب تک چار کے اوپر پانچواں بے تعلق شخص نہیں ہوگا فیصلہ کس طرح ہوگا۔ اگر دو کی رائے ایک اور دو کی ایک ہوئی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ جہاں بات اب ہے وہیں رہے گی۔ اس کے علاوہ انہوں نے سر محمد اقبال اور سر عبدالقادر کے نام لیے تھے۔ جس کے متعلق ان کے سیکرٹری مفتی محمد صادق صاحب کا ایک خط بھی دونوں فریق کے ایک معزز دوست کے نام آیا تھا۔ اس کا جواب میں نے اسی وقت اس دوست کو دے دیا تھا اور یہ شروع ستمبر کا واقعہ ہے کہ مجھے یہ منظور ہے۔ اس کے بعد تین ساڑھے تین ماہ گزر گئے اور میاں صاحب نے اس کا

جواب انہیں نہ لکھا۔ وسط دسمبر کے قریب پھر اسی معزز دوست سے مجھے یہ اطلاع ملی کہ میاں صاحب کے ایک معزز مرید نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ معاہدہ کوتوڑنے کا معاملہ اور موجودہ جھگڑا جس پر نوٹس دیا گیا ہے آغا محمد صفدر صاحب کے سپرد ہو۔ اور پھر یہ بھی انہی کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ خود میاں صاحب نے بھی اس بات کو پسند کیا ہے۔ لیکن باوجود دو ماہ گزر جانے کے ان کی کوئی تحریر اس کے متعلق میاں صاحب کی طرف سے نہیں پہنچی۔ اور اب اتنی مدت بعد ایک خطبہ میں انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے، اس لیے مجھے اس کا جواب بذریعہ اخبار دینے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ سو اس بارہ میں ابھی میں اسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی تحریر اس کے متعلق اس معزز دوست کے سپرد کر رکھی ہے۔ میاں صاحب کو بھی چاہئے کہ وہ بھی حسب وعدہ اپنی تحریر ان کے سپرد کر دیں۔ مگر اس میں کسی امر کی تعیین ہونی چاہئے تا کہ فیصلہ کی کوئی صورت ہو سکے۔ یہ خیال، کہ کوئی ثالث دو سال کی ساری تحریروں کو بیٹھ کر پڑھے اور پھر وزن کرے کہ مجموعی طور پر کس کے دل آزار کلمات کا وزن زیادہ یا نوعیت سخت ہے، حل مقصد کی طرف ہمیں نہیں لے جاتا۔

محمد علی

❁❁❁

یکم مارچ 1929ء

مرتضیٰ خاں بی۔اے

کافرگروں کی شان میں

لسان العصر حضرت اکبر مرحوم کے تتبع میں

لاکھوں کو آپ خارجِ ایماں بنا چکے
دس پانچ کو تو داخلِ اسلام کیجئے!
عزت کا اپنی پاس نہیں آپ کو اگر
اسلام کا تو نام نہ بدنام کیجئے!
دینِ متیں کی آپ کو خدمت سے کیا غرض؟
عِشرت کا نوش صبح و مسا جام کیجئے!
تبلیغ دیں کا فکر کرے آپ کی بلا!
چندہ وصول کیجئے! آرام کیجئے!
فتویٰ کفر دیجئے پیسے بٹوریئے
یوں مفت میں جناب! کھرے دام کیجئے!
دامن سے اپنے داغِ مذلّت نہ دھوئیے

کافرگروں کی شان میں

ہاں دوسروں کو موردِ الزام کیجئے!
ہو جائے گا حضور کا سرکار میں رسوخ
با صد نیاز دعوتِ حکام کیجئے!
آباد دیر کیجئے! کعبہ کو ڈھایئے!!
لیکن زباں سے دعویٰ اسلام کیجئے!
حکّامِ وقت سے بھی ملاقات چاہئے
عرض از پے وظیفہ و انعام کیجئے!
خاصانِ حق کو شوق سے کافر بنایئے
اور دل سے محو خطرہ انجام کیجئے!
لکھتے ہیں آپ مجھ کو کہ میں ''تیرہ بخت'' ہوں
اے جانِ من! کچھ اور بھی ارقام کیجئے!

❁❁❁

یکم مارچ 1929ء

از قلم مولینا عصمت اللہ

حضرت امیر کا سفرِ مانگرول

احباب دہلی سے ملاقات:

2 فروری کو فرنٹیر میل سے ہم مانگرول کی طرف روانہ ہوئے اور سات بجے صبح دہلی ریلوے سٹیشن پر پہنچے۔ سٹیشن پر جملہ احباب حضرت امیر ایدّہ اللہ کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ سب نے حضرت ممدوح کی خدمت میں اپنی دلی مؤدت وعقیدت کے گلدستے پیش کیے اور جب تک گاڑی کھڑی رہی احباب حضور والا کی مفید اور پر منفعت نصائح سے مستفید ہوتے رہے۔ سوا نو بجے گاڑی روانہ ہوئی اور سب نے حضرت امیر ایدّہ اللہ اور مولانا صدر الدین صاحب کو پرجوش الوداع کہی۔

نواب صاحب مانگرول کی محبت وعقیدت:

23 فروری کی صبح کو ہم سب ریلوے سٹیشن کیشود پر پہنچے۔ عالی جناب نواب صاحب مانگرول کی طرف سے دو نہایت نفیس موٹریں پہلے سے موجود تھیں اور مسٹر خلجی صاحب ایجوکیشنل سیکرٹری حضور نواب صاحب بہادر حضرتِ امیر ایدّہ اللہ کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ ہم سب موٹروں پر سوار نو بجے قریب نواب صاحب بہادر کے عالیشان محل میں پہنچے۔ جہاں حضور نواب صاحب بہادر حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا صدر الدین صاحب و دیگر ہمراہیان سے نہایت خلوص کے ساتھ ملے اور حضرت امیر کی تشریف آوری پر ان کا دلی شکریہ ادا کیا۔ پھر اپنے ہاتھوں سے حضرت امیر و حضرت مولانا صدر الدین و دیگر ہمراہیان کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے۔

اراکین ریاست کا جوش عقیدت:

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد حضرت امیر اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو حضور نواب صاحب بہادر کی شاہی موٹر آ گئی اور حضرت امیر اور مولانا صدرالدین صاحب اس میں سوار ہوئے۔ عالی جناب نواب صاحب بہادر بھی ساتھ ہی تشریف فرما ہوئے۔ دوسری موٹر پر جناب ولی عہد صاحب بہادر اور تیسری موٹر پر خاکسار اور شیخ محمد یوسف صاحب اور چوتھی پر دوسرے معززین سوار ہوئے۔ قیام گاہ پر جملہ اراکین ریاست حضرت امیر ایدہ اللہ کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ سب نے حضور ممدوح کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ اس وقت بیسیوں ہار حضور اور حضور کے ہمراہیوں کے گلے میں ڈالے گئے۔ ساری سڑک موٹروں سے بھری ہوئی تھی۔ معززین ریاست اس طرح حضور کے گرد کھڑے تھے جس طرح چاند کے گرد ہالہ ہوتا ہے۔ اس وقت محبت وعقیدت کا ایک عجیب منظر آنکھوں کے سامنے تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ عالی جناب حضور نواب صاحب بہادر سے لے کر تمام اہلکاروں تک حضرت ممدوح کی محبت وعقیدت کے نشہ میں سرشار ہو رہے ہیں۔

محبت وعقیدت کی باتیں:

حضرت امیر ایدّہ اللہ قیام گاہ کے ہال میں تشریف لائے جہاں نہایت پُر تکلف کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ حضرت امیر اور جناب نواب صاحب بہادر ایک نہایت نفیس صوفے پر جلوہ افروز ہوئے اور جملہ اراکین کرسیوں پر بیٹھے، دیر تک محبت وعقیدت کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر جناب نواب صاحب بہادر نے ارشاد فرمایا کہ آپ تھک گئے ہوں گے، ذرا آرام کر لینا چاہیئے۔ یہ فرما کر نواب صاحب بہادر اپنی شاہی موٹر پر سوار ہو گئے اور جملہ اراکین بھی اپنی اپنی موٹر پر روانہ ہوئے۔

ولی عہد صاحب بہادر کے محل میں لیکچر:

آج شام کے چار بجے حضور ممدوح (حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ) کا ولی عہد صاحب بہادر کے محل میں لیکچر ہوگا۔ اس کی مفصل کیفیت بعد میں عرض کروں گا۔

❀❀❀

7 مارچ 1929ء

احمدیّت اور اس کی ضرورت

تقریر حضرت امیر ایدّہ اللہ برموقعہ جلسہ سالانہ منعقدہ 26 دسمبر 1928ء

جلسہ سالانہ پر جو تقاریر حضرت امیر ایدّہ اللہ اور دیگر بزرگان ملت نے کیں خیال تھا کہ انہیں پیغام صلح کے ایک خاص نمبر کی صورت میں شائع کیا جائے۔ لیکن بعض وجوہات سے اس تجویز کو ملتوی کرنا پڑا ہے۔ اس لیے ذیل میں ہم حضرت امیر ایدّہ اللہ کی آخری تقریر شائع کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ اور بعض دوسرے بزرگان ملّت کی تقاریر بھی یکے بعد دیگرے شائع ہوں گی۔ انشاءاللہ۔ (مدیر)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (3:104)

مسلمانوں کی عدم واقفیت:

پندرہ سال تو ہم کو لاہور میں رہتے ہوئے ہو گئے۔ اور اس سے پیشتر حضرت مرزا صاحب کو اپنا دعویٰ کئے بیس بائیس سال گذر چکے تھے۔ گویا قریباً چالیس سال کا زمانہ احمدیت پر گذر گیا۔ مگر مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ اب تک بہت سے لوگوں کو خبر نہیں کہ احمدی کیا ہیں اور کون ہیں؟ بہت ہیں جو اب بھی ہم سے ملنے سے خائف ہوتے ہیں، ہماری تقریر سننے سے خائف ہوتے ہیں، پاس بیٹھنے سے ڈرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ احمدیت کی حقیقت انہیں معلوم نہیں۔

احمدیت فہم قرآن سے:

احمدیت کیا ہے۔ کیا چیز ہے؟ کیا کوئی نئی بنیاد رکھی گئی ہے؟ میں پسند کرتا ہوں کہ خود اس شخص کے لفظ پڑھ کر سنا دوں جس نے اس تحریک کی بنیاد رکھی۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ کیا اس نے دعویٰ نبوت کیا تھا یا اسلام اور

قرآن کی اشاعت کے لیے وہ کھڑا ہوا تھا۔ ''مواہب الرحمٰن'' آپ کی 1903ء کی تصنیف ہے (یہ 1903ء کا ذکر اس لیے کرتا ہوں کہ بعض ہمارے دوست ہیں جو دوسری جگہ قادیان میں جمع ہیں ان کا خیال ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے 1901ء میں اپنے دعویٰ میں تبدیلی کر لی اور نبوت کا دعویٰ کیا ہے) ''مواہب الرحمٰن'' میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

> ''وخدارا مکالمات ومخاطبات است باولیائے خود دریں اُمت وایشاں رارنگ انبیاء دادہ می شودودرحقیقت انبیاءنیستند زیرا کہ قرآن حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است ووادہ نمی شوند مگرفہم قرآن ونہ زیادہ می کنند نہ کم می کنندازآں قرآن۔'' (مواہب الرحمٰن، صفحہ 67،66)

یہ ایک ایسی تحریر ہے کہ اس کے بعد کسی اور ثبوت اور دلیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ''مواہب الرحمٰن'' مزعومہ تبدیلی عقیدہ کی تاریخ 1901ء کے بعد کی تصنیف ہے۔ اب میں اس کا ترجمہ سنادوں۔ فرماتے ہیں ''خدا تعالیٰ کے اس اُمت میں اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمات ومخاطبات ہوتے ہیں اور انہیں انبیاء کا رنگ دیا جاتا ہے اور وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے کیونکہ قرآن نے شریعت کی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ اور انہیں کچھ نہیں دیا جاتا مگر فہم قرآن۔ اور وہ نہ تو قرآن میں کچھ بڑھاتے ہیں اور نہ اس میں سے کچھ کم کرتے ہیں۔'' اس تحریر نے یہ فیصلہ کر دیا کہ 1901ء کے بعد بھی حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ درحقیقت نبی ہونے کا نہ تھا۔ اگر ہوتا تو یہ نہ لکھتے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو پورا کر دیا ہے اس لیے نبی نہیں ہو سکتے۔

لیکن جس غرض کے لیے اس حوالہ کو میں نے اس وقت پیش کیا ہے وہ کچھ اور ہے۔ احمدیت کیا ہے؟ بقول حضرت مرزا صاحب وہ فہم قرآن ہے۔ ہمارے دوست بھی سن رکھیں جو قرآن کا درس شروع نہیں کرتے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ احمدیت فہم قرآن کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہ صرف فہم قرآن ہوتا ہے جو مجدد لے کر آتا ہے۔

اسلام کی زندگی وفات مسیحؑ میں:

اگر آپ پوچھیں گے کہ وہ کون سافہم ہے جوحضرت مرزا صاحب نے دیا تو اس کے متعلق یہ بتا دینا کافی ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا تھا کہ قرآن کا کونسا ترجمہ پڑھا کریں۔آپ نے کہا کہ یہی جو ترجمے چھپے ہوئے ہیں پڑھ لیا کرو۔صرف مُتَوَفِّیۡکَ کے معنی ''میں تجھے مارنے والا ہوں'' کرلیا کرو۔ یہ اس لیے کہا کہ توفی کے معنی پورا اٹھانے کے کہیں لغت میں نہیں۔مثلاً میں اگر کہوں توفّی اِبْرَاھِیْمَ تو کیا اس کے یہ معنی ہوں گے ابراہیم جسم مع روح پورے اٹھائے گئے یا یہ معنی ہوں گے کہ ابراہیم فوت ہو گئے؟ لغت میں جو معنی ہوں ان کو کسی خاص غرض سے چھوڑنا یہ بڑی غلطی ہے۔مسلمانوں میں سے بعض بڑے بڑے امام ایسے گذرے ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کو وفات یافتہ سمجھتے ہیں۔مثلاً امام مالکؒ کے متعلق لکھا ہے قَالَ مَالِکٌ مَاتَ۔ میں پوچھتا ہوں کیا حضرت عیسیٰ کی وفات سے اسلام کو کوئی نقصان پہنچتا ہے؟ تعجب ہے خدا تو مرے عیسائیوں کا اور پیٹیں مسلمان! پیٹنا تو عیسائیوں کو چاہئے تھا۔مسلمانوں کو اس میں ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔مجدد وقت نے اسلام کی زندگی اس میں دیکھی کہ مسیحؑ کی وفات پر زور دیا جائے اور اس فہم قرآن سے کام لے کر، جو خدا تعالیٰ نے اسے دیا، لوگوں کے ذہنوں میں اس خیال کو بٹھایا جائے۔

اسلامی جہاد:

پھر لوگوں کا مرور زمانہ سے یہ خیال ہو گیا تھا کہ اسلام میں جبر ہے۔تلوار کے ساتھ اسلام کو پھیلایا گیا۔ مرزا صاحب نے کہا کہ جبر کوئی نہیں، نہ تلوار کے ساتھ اسلام پھیلا۔ جولڑائیاں ہوئیں وہ صرف مدافعانہ تھیں۔ قرآن میں صاف ہے اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا (39:22) مسلمانوں پر ظلم ہوا اس ظلم کی مدافعت کرنے والا کوئی نہ تھا۔اس لیے مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اس ظلم کا مقابلہ کریں۔یہی اسلامی جہاد ہے۔مرزا صاحب نے اس جہاد کی مخالفت کی ہے جو اسلام میں جبر کی تعلیم دیتا ہے اور بزور شمشیر اسلام پھیلانے سے منع کیا۔ یہ دو بڑی بھاری باتیں اختلاف کی ہیں، جو ہم میں اور دوسرے مسلمانوں میں ہیں۔اور میں سمجھتا ہوں کہ آج ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ ان دونوں باتوں میں ہمارے ساتھ متحد ہے۔

مسیح موعود کی بعثت کی وجہ:

احمدیّت قرآن کا فہم ہے۔قرآن کے معنی کرنے میں کچھ لوگوں کو غلطی لگی ہوئی تھی اس کو درست کیا۔ لوگ کہتے ہیں تیرہ سو برس میں یہ غلطی کیوں نظر نہ آئی؟ اصل بات یہ ہے کہ پہلے تو کوئی ایسی غلطی نہ تھی۔ پیچھے لوگوں کا خیال بدلتا چلا گیا۔مگر ہر غلطی کی اصلاح وقت پر ہی ہوا کرتی ہے۔مجدد ہمیشہ ضرورت کے مطابق آیا کرتے ہیں۔اس زمانہ میں جو ضرورت اس غلطی کی اصلاح کی تھی وہ ظاہر ہے جب عیسائیت نے اپنا جال پھیلایا تو اس نے اس کے ساتھ اس اعتقاد کو پھیلانا شروع کیا کہ عیسیٰ مسیح دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ ہے اور مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ تیرہ سو برس ہوئے فوت ہو گئے۔ بتاؤ جو زندہ ہے وہ بڑا ہے یا جو مر گیا۔ جب اس خیال پر عیسائیوں نے زور دیا اور لوگوں کو مرتد کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو کھڑا کیا۔جنہوں نے اس خیال کی سختی سے تردید کی اور یہ کہ عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ کا افاضہ روحانیت اب محدث ومجدد ایسے لوگ اس امت میں پیدا کر سکتے ہیں۔

مادہ پرستی سے بچایا اور اسلام پر لگایا:

تو یہ عین وقت پر ایک علاج تھا جو مجدد وقت نے کیا۔اس وقت ایک اور خاص ضرورت یہ پیدا ہوئی کہ اس زمانہ میں ایک طرف مادہ پرستی نے مذہب کو جواب دے دیا اور دوسری طرف پرانے زمانہ کے علماء نے مذہب کی حقیقت کو بھلا دیا اور اس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑنا شروع ہو گئے۔کہیں آمین اور رفع یدین کا جھگڑا ہے، کہیں نماز میں ہاتھ اوپر نیچے باندھنے کی جگہ پر بحث ہے۔ نئے زمانہ والے اپنے نام ونمود کی فکر میں لگے ہیں اور پرانے زمانہ والے جمود میں پڑے ہیں۔اس لیے ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اس جمود سے بھی لوگوں کو اٹھائے اور دوسرے مادہ پرستی سے بھی انہیں بچائے۔ چنانچہ ان دونوں باتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مجدد کو کھڑا کیا۔جس نے مادہ پرستی سے بھی انہیں بچایا اور اسلام کی حفاظت کا سامان کیا۔اور دوسری طرف اشاعت اسلام کی بھی طرح ڈالی۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت:

آج اسلامی ممالک کی حالت کیا ہے؟ اس کو سب سے زیادہ وہ لوگ جانتے ہیں جو پادری کہلاتے

ہیں۔ یہ لوگ اسلامی ممالک سے اس قدر تعلق نہیں رکھتے۔ وہ دنیا کے چپہ چپہ پر پھیلے ہوئے اور مسلمانوں کے حالات کو اور ان کے مذہبی خیالات کو اس نقطہ نگاہ سے مطالعہ کرتے رہے ہیں کہ ان کے لیے عیسائیت کی تبلیغ کی کہاں تک گنجائش ہے۔ اس لیے اسلامی ممالک کی زار حالت کا اندازہ ان کے بیانات سے اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ یہ جو سال گزشتہ فلسطین میں ایک انٹرنیشنل کرسچین کانفرنس ہوئی تھی اس کی ان دنوں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے، جو کئی جلدوں میں ہے۔ اس رپورٹ میں جس قدر مضامین پڑھے گئے اُن سب کو جمع کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے متعلق مضمون ہے۔ اس کے لکھنے والے نے پہلے مسلمانوں کی ایک موٹی تقسیم کی کہ موٹے طور پر تین حصوں میں ان کو تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک مسلمانوں کا روایتی طبقہ ہے، جس کو رجعت پسند متعصب کہنا چاہیئے۔ دوسرا طبقہ آزاد خیال لوگوں کا ہے جو اسلام کو معقول پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ اس طبقہ میں فرقہ احمدیہ کو بھی شامل کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ کھلے طور پر عیسائیت پر حملہ آور ہے۔ تیسرا ان لوگوں کا طبقہ ہے جو خیالات کے لحاظ سے دہریئے اور مادہ پرست ہیں۔ مگر معاشرت کے لحاظ سے اسلام سے وابستہ ہیں۔

احمدیت اور مسیحیت:

آگے چل کر مضمون نویس نے احمدیت کے متعلق کُھل کر لکھا:

> The propaganda of the Ahmdiyat is an Insolent and aggresive atempt by a few to find a new basis for strategy and for publicity tended for Western consumption and it is doing great harm to cause of Chritianity by its inscruption bibles on the Gospel and on Christ.

یعنی احمدیہ فرقہ کا پروپیگنڈا چند لوگوں کی طرف سے بڑی گستاخ اور جارحانہ کوشش ہے۔ جس کی غرض صرف یہ ہے کہ ایک ایسی نئی بنیاد قائم کی جائے جس پر حملہ آوری اور اشاعت

> کے کام کواس طریق سے شروع کیا جائے کہ مغرب آسانی سے اس کوہضم کرے۔اوران غیرمحتاط حملوں کی وجہ سے جوانا جیل اور جناب مسیحؑ پراس فرقہ کی طرف سے کیے جاتے ہیں مسیحیت کے کام کوسخت صدمہ پہنچ رہا ہے۔

یہی اصل بات ہےاور یہ بالکل سچی بات ہے کہ احمدیت کی وجہ سےعیسائیت کو بہت صدمہ اورنقصان اٹھاناپڑا ہے۔

مسلمانوں کو مادیت سے بچانیوالی چیز:

اب دیکھئےعیسائیوں کی وہ کونسل جوتمام دنیا کےمشنریوں کی ہے۔اس کی رائےمسلمانوں کےمتعلق کیا ہے؟اس کے نزدیک مسلمان اب پرانے خیالات سےنکل کر جارہے ہیں۔کس طرف؟ دہریت اور مادیت کی طرف جارہے ہیں۔اوراحمدیت اس کے بالمقابل کیا ہے،آزادخیال لوگوں کا ایک گروہ ہے۔ جواسلام کومعقول پیرایہ میں بیان کرتے ہیں اور دہریت اور مادیت کی سرزمین میں اسلام کو پھیلاتے ہیں۔ یہ عیسائیوں کی کونسل کی رائے ہے۔اور میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آج مسلمانوں کودہریت سے بچانے والی چیز وہی ہے جوایک گاؤں کے رہنے والے نے خدا کی طرف سے بتائی اوربھی بعض لوگ مسلمانوں کوترقی کے راستہ کی طرف لے جانے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں۔لیکن اس راستہ کی طرف وہ نہیں گئے۔سرسید باوجودان بہت بڑی خدمات کے جوانہوں نے مسلمانوں کی کی ہیں اس راہ کونہیں بتاسکے۔انہوں نےمحض انگریزی تعلیم پرزوردیا۔لیکن دہریت سے نکلنے کا راستہ نہ بتایا۔مرزاصاحب نے ایسی راہ بتادی کہ ان کے پیروؤں کوانگریزی تعلیم دہریت کی طرف نہیں لے گئی بلکہ جن لوگوں نے انگریزی تعلیم پائی انہوں نے اپنی جانیں اور مال دین کے لیے وقف کردیا۔

اسلام کی فوج:

لیکن اسلام کی حفاظت اوراشاعت کا کام ایک فوج کو چاہتا تھا،جس ملک کی حفاظت کے لیےکوئی فوج نہ ہووہ محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہمارے حضرت صاحب نے 1882ء میں دعویٰ مجدد ہونے کا کیا۔ چونکہ اس سے پیشتر آپ کی تحریریں لوگوں تک پہنچ چکی تھیں۔اس لیے آپ کا بڑا شہرہ تھا۔لوگ پہلے ہی سے آپ کو کہتے تھے کہ آپ

بیعت لیں لیکن آپ اس وقت یہی جواب دیتے کہ مجھے بیعت لینے کا حکم نہیں۔ ابھی تک آپ کو اسلام کے لیے کوئی فوج تیار کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ چھ سال کے بعد آپ کو الہام ہوا وَاصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَوَحۡیِنَا، اس وقت آپ نے بیعت لینی شروع کی۔

بیعت کیا ہے؟:

لوگوں کو بڑا خیال آتا ہے کہ اس جماعت میں شامل ہونے کے لیے بیعت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کون فوج میں بھرتی کرتا ہے جب تک وفاداری کا حلف نہ اُٹھاؤ۔ یہ بھی وفاداری کی بیعت ہے جو حفاظت اسلام کی فوج میں داخل ہونے والوں سے لی جاتی ہے۔ ایک دوست آئے، انہوں نے کہا کہ میں ہمیشہ اس جماعت کی امداد کروں گا۔ میں نے کہا آپ اقرار کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ میں نے کہا ہم نے ایسا اقرار کرنے والوں کے نام ایک رجسٹر میں لکھے ہوئے ہیں تا کہ جب ضرورت پڑے ان کو بلا لیا جائے۔ کیا آپ کا نام بھی اس رجسٹر میں لکھ لیں۔ کہا بے شک۔ میں نے کہا آپ پختہ اقرار کرتے ہیں کہ جب آپ کو بلایا جائے گا آپ آ جائیں گے۔ کہا ہاں۔ میں نے کہا ہاتھ لائیے۔ انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا اور میرے ہاتھ میں دیا۔ میں نے کہا یہی بیعت ہے۔ فوج کے اندر بکھرے ہوئے لوگ کام نہیں کر سکتے۔ فوج میں کام کرنے کے لیے ضرورت ہے کَاَنَّھُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ ہونے کی۔ قرآن میں کہیں حضرت لوطؑ کے متعلق ذکر ہوتا ہے وَلَا یَلۡتَفِتۡ مِنۡکُمۡ اَحَدٌ (81:11) یہی فوج کا دستور ہے۔ جو وقت آگے بڑھنے کا ہوتا ہے وہ مڑ کر دیکھنے کا نہیں ہوتا۔ کیا اسلام کی حفاظت اور اشاعت کے کام میں شریک ہونا ذلّت ہے؟ انگشت نمائی سے اگر ڈریں گے تو کوئی کام اسلام کا نہ ہو سکے گا!

مولاناؤں کی ذہنیّت:

مجھے یاد ہے پہلے جب خواجہ کمال الدین صاحب نے ولایت (برطانیہ) میں کام شروع کیا تو یہاں اس لاہور میں علماء کرام نے ایک کمیٹی بنائی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ خواجہ صاحب نے ولایت میں غلط اسلام کو پیش کیا ہے اس لیے ان کی غلطیاں نکالی جائیں۔ یہ مولاناؤں کی ذہنیت ہے کہ عیسائی اسلام کو بدنام کریں، آریہ

گالیاں دیں، لیکن ان کو حرکت نہ ہو۔ اور جب ایک مسلمان غیر مسلموں کو کلمہ توحید پڑھانے کے لیے جائے تو اس کی غلطیاں نکالی جائیں۔ ایک شخص نے یہ بھی ہم پر اعتراض کیا ہے کہ تم نے کونسا اسلام انگریزوں کو سکھا دیا؟ ان کی وضع قطع لباس اسلامی کہاں ہے؟ کونسا ان کی عورتوں کو برقعہ پہنا دیا؟ یہ ان لوگوں کا اسلام ہے! میں نے کہا کہ اگر ہمارے کلمہ پڑھا دینے اور ہدایت کے لیے قرآن ہاتھ میں دے دینے کے کام سے تسلی نہیں تو تم خود جاؤ۔ آخر تم پر بھی یہ فرض ہے یا نہیں۔ کلمہ ہم نے پڑھایا، اسلام میں داخل کر دیا، اب وضع قطع تم وہ بنا دو جسے اسلامی سمجھتے ہو!

ہمارے ہتھیار اور ان کا اثر:

یہ نادانیاں ہیں۔ جو فوج کام کرتی ہے وہ خوب جانتی ہے کہ کہاں حملہ کرنا ہے؟ کس جگہ گولی چلانی ہے؟ یہ اس پر رہنے دو کہ وہ کس طریق سے کام کرتی ہے۔ دیکھ یہ لینا چاہئے کہ جن ہتھیاروں کو وہ استعمال کرتی ہے وہ قرآن کے مطابق ہیں یا نہیں۔ ہم جن ہتھیاروں کو استعمال کرتے ہیں، کیا وہ قرآن کے ہتھیار ہیں یا نہیں؟ کیا عیسائیت اور آریہ سماج کے حملوں سے ہم نے اسلام کو بچایا ہے یا نہیں؟ کیا عیسائیت کے مرکز میں جا کر ہم نے اسلام کو پھیلایا ہے یا نہیں؟ اور ان لوگوں کو، جن میں بڑے بڑے امراء اور عالم لوگ ہیں، اسلام کے آستانہ پر گرایا ہے یا نہیں۔ فرض کر لو ہم ان کو احمدی بنا لیں۔ حرج کیا ہوا؟ آخر مسلمان ہی کیا! اسلام کے حلقہ میں ہی داخل کیا ہے۔ کسی آگ کے گڑھے میں تو نہیں گرایا!

اندر آ کر دیکھ لو:

احمدی بھی تو مسلمان ہی ہیں۔ اگر کچھ شک ہے تو خود ان کے اندر آ کر دیکھ لیجئے۔ کیا کوئی خلاف اسلام بات ہم میں ہے؟ بیعت محض اقرار ہے اشاعت اسلام کے لیے۔ ہمیں اس فوج کی ضرورت ہے جو استقلال کے ساتھ ایک نظام کے ماتحت کام کرے۔ جس طرح جسمانی طور پر اکٹھے ہو کر قدم اٹھانا ضروری ہے، ویسے ہی روحانی طور پر بھی اکٹھے قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ ہم اگر دین اسلام کی حفاظت اور اشاعت اسلام کے کام کرتے ہیں تو تمہارا فرض ہے کہ اس کام کے لیے روپیہ بہم پہنچاؤ۔

26 مارچ 1929ء

روئیداد سفر

حضرت امیر لائل پور (فیصل آباد) میں

تنظیمِ جماعت کے سلسلہ میں حضرت امیر ایدّہ اللہ بنصرہ 15 مارچ کو لائل پور تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ مولوی عصمت اللہ صاحب و شیخ محمد نصیب صاحب تھے۔ سٹیشن لائل پور پر مالکان کارخانہ فلور ملز و دیگر ممبران جماعت تشریف لائے ہوئے تھے۔ جھنگ سے خان بہادر میاں غلام رسول خاں صاحب اور گوجرہ سے ڈاکٹر جلال الدین صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ شیخ صاحبان مالکان کارخانہ فلور ملز کی کارخانہ والی مسجد میں، جو نہایت خوبصورت ہے اور جو شیخ صاحبان کی محبت اسلام اور جذبات قلبی کی منہ بولتی تصویر ہے، نماز جمعہ حضرت امیر نے پڑھائی۔

خطبہ جمعہ:

آپ نے خطبہ میں یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ (102:3) اور اس کے ساتھ کی دیگر آیات پڑھ کر جماعت کو باہم اتحاد کے ساتھ کام کرنے اور آپس میں محبت رکھنے کی تلقین فرمائی۔ اور فرمایا کہ ابتدا میں ہر کام بطور بیج کے ہوتا ہے۔ جو آہستہ آہستہ ترقی کر کے مثل درخت ہو جاتا ہے اور پھل دیتا ہے۔ پس انسان غور کرے کہ میرا کام کس قسم کے پھل دینے والا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی جماعت نے ایک درخت کے لیے بیج بویا، وہ درخت اسلام ہے۔ اسے اپنے خون سے ان لوگوں نے سینچا۔ وہ درخت بہت پھولا پھلا اور اس کی جڑیں روئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئیں۔ اس درخت نے بڑے شیریں پھل دیئے۔ مرورِ زمانہ کی وجہ سے ان دنوں اس پر خزاں آئی اور مرجھا گیا۔ جسے سرسبز اور شاداب کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود آئے، آپ نے ایک جماعت بنائی۔ آپ فرماتے ہیں ؎

باغ مرجھایا ہوا تھا، گر گئے تھے سب ثمر

میں خدا کا فضل لایا، پھر ہوئے پیدا شمار

بس حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیے بیج پھیلا رہی ہے۔ آپ لوگ کوشش کریں کہ یہ بیج مثل سابق بڑا بابرکت درخت پیدا کرے۔ جس کے سائے اور پھل وغیرہ سے سارا جہاں متمتع ہو۔ احمدیت زندہ اور صحیح اسلام کا نام ہے جو افراط وتفریط سے پاک ہے۔ آپ لوگ خود بھی عمل پیرا ہوں۔ اپنی مستورات اور اپنی اولاد کو بھی اس طرف زور سے لگا دیں، تا کہ آپ کے بعد صحیح معنوں میں وہ آپ کے جانشین کہلاسکیں۔

نومبائعین:

بعد نماز جمعہ میاں مولا بخش صاحب خلف میاں سلطان محمود مرحوم نے بیعت کی اور وہ سلسلہ احمدیہ میں شامل ہوئے۔ نماز عصر کے وقت شیخ میاں محمد صاحب کے صاحبزادگان یعنی عزیزان شیخ رؤف احمد وظہور احمد نے بیعت کی۔

مستورات کو تلقین:

16 مارچ کو نماز عصر کے وقت جماعت کے جملہ مردوں اور عورتوں کو مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر بھی حضرت امیر نے احمدیت کے متعلق تقریر کی۔ مردوں کو تاکید کی کہ دین کو اپنے تک محدود نہ رکھو بلکہ اپنے دینی کاموں میں مستورات کو بھی شریک کیا کرو، اور عورتوں کو تاکید کی کہ آئندہ نسل کا انحصار تم پر ہے۔ یعنی اس بات پر کہ بچوں کی تعلیم وتربیت عمدہ ہو، تم بچوں کے لیے نمونہ بنو۔ ہر شخص اپنے اعمال کا آپ جواب دہ ہے۔ کسی ایک کے عمل کسی دوسرے کے کام نہیں آئیں گے۔ جب رسول کریم ﷺ نے اپنی بیٹی کو کہہ دیا تھا کہ قیامت کے دن میری بیٹی ہونا تجھے کوئی فائدہ نہ دے گا بلکہ تیرے عمل تیرے کام آئیں گے تو اور کون دم مار سکتا ہے؟ آپ نے یہ بھی تلقین کی کہ ہر شخص کو، جو عاقل بالغ ہو، بیعت کرنی چاہئے اور اشاعت اسلام کے لیے ماہوار چندہ بھی دینا چاہئے۔ اس پر ان مستورات نے، جنھوں نے قبل ازیں بیعت نہیں کی تھی، بیعت کی۔ اور سب نے وقتی چندہ، جس کی میزان پونے تین سو روپے تک ہے، عطا فرمایا اور آئندہ ماہوار چندہ بھی لکھایا۔

دعوت چائے پر تقریر:

شیخ صاحبان (مالکان فلورملز) نے 17 مارچ کو ساڑھے چار بجے شام ڈیڑھ سو کے قریب احباب کو، جن میں وکلاء، رؤسا اور شہر کے دیگر معززین شامل تھے، چائے پر بلایا اور پر تکلف چائے کی دعوت اپنے کارخانہ کی مسجد میں دی۔ اس موقع پر بھی حضرت امیر نے تقریر فرمائی اور اسلام کے جملہ فرقوں کے پیروؤں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ اصول تمام کے ایک ہیں، اختلاف ہے تو فروعی مسائل میں۔ جس سے کسی کے مسلمان ہونے میں کوئی نقص نہیں آ جاتا۔ اس لیے تمام مسلمان فروعی اختلاف رکھتے ہوئے بھی اتحاد عمل کر سکتے ہیں۔ جس سے اسلام کا شیرازہ اور قوت قائم رہے۔ ورنہ ان اختلافات کو طول دینے اور کفر بازی سے اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان ہو رہا ہے۔ اور بالمقابل دیگر اقوام مسلمانوں کی ان غلطیوں سے آگاہ ہو کر عبرت حاصل کر رہی ہیں۔ اور باوجود کثیر اصولی اختلاف کے وہ باہم اتحاد عمل کر کے برکات حاصل کر رہی ہیں۔ اس تقریر میں آپ نے حضرت مرزا صاحب مسیح موعود اور مجدد صدی ہذا کے آنے کی اور جماعت جدا بنانے کی غرض بتائی اور کھول کر بتایا کہ احمدیت کیا ہے اور کیوں اسے قبول کرنا ضروری ہے؟ اور اسلام کو اس سے کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟ حضرت عیسیٰ کو زندہ ماننے کے نقصان اور فوت شدہ ماننے کے فوائد بتائے۔ شیخ محمد امین صاحب مینیجر ڈیری فارم اور شیخ محمد شریف صاحب نے بھی بیعت کی۔

15 مارچ 1929ء کی شام کو شیخ صاحبان اور ساری پارٹی کو شیخ عبدالرحمٰن صاحب سب جج لائل پور نے دعوت طعام دی۔ اور شیخ محمد امین صاحب نے 17 مارچ 1929ء کو صبح کے وقت جملہ احباب کو دعوت چائے دی۔ 18 مارچ کی صبح حضرت امیر ایدہ اللہ واپس لاہور تشریف لے گئے۔

❁❁❁

29 مارچ 1929ء

ضرورت مذہب اور روحانی زندگی

تقریر حضرت امیر ایدّہ اللہ برموقعہ جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام

(منعقدہ 24 دسمبر 1928ء)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ. (25:57)

مذہب کے متعلق موجودہ خیال:

آج کل کچھ مغربی تعلیم کے اثر سے اور کچھ وہی جس کو طول زمانہ کہا ہے فَطَالَ عَلَیْھِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُھُمْ (16:57) (لمبا زمانہ گذر جاتا ہے تو دل سخت ہو جاتے ہیں) مسلمانوں میں بھی دہریت اور لامذہبی کی ہوا چل گئی ہے۔ اور یہ خیال نہ صرف ان لوگوں میں پایا جاتا ہے، جو کھلے طور پر دہریہ کہلاتے ہیں یا مذہب کی ضرورت نہیں سمجھتے، بلکہ میرا خیال ہے وہ لوگ جو مذہب کے پیرو ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو مسلمان کہلاتے ہیں، ان کو بھی اس بیماری نے اندر ہی اندر کھایا ہوا ہے کہ وہ مذہب کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے۔ چنانچہ پچھلے دنوں یہاں لاہور میں ایک لیکچر بھی اس موضوع پر ہوا تھا کہ مذہب کی ضرورت کوئی نہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب کی ضرورت ان کو ہے جن کے دل اور دماغ کمزور ہیں۔ یعنی ان کے اپنے اندر قوت نہیں اور وہ سہارا ڈھونڈتے ہیں جو انہیں خدا کے اندر نظر آتا ہے۔ کسی زمانہ میں اور شاید اب بھی عیسائی ہمارے نبی کریم ﷺ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہ جو آپ کو وحی آتی تھی، جس کا نقشہ حدیث میں یوں کھینچا ہے کہ اس وقت آپ پر غفلت یعنی اس دنیا سے ایک انقطاع کی حالت طاری ہو جاتی تھی، عیسائی کہتے ہیں کہ یہ مرگی کا دورہ تھا جو آپ پر پڑتا تھا۔ اسی کے قریب قریب یہ خیال بھی ہے کہ مذہب ان لوگوں نے بنایا ہوا ہے جن کے دماغ کمزور ہیں اور خدا کو وہ بطور ایک سہارا کے مانتے ہیں۔

بانیانِ مذہب کی قوت و طاقت:

اگر یہ لوگ مذہب کی تاریخ پر یا ان عظیم الشان انسانوں کی زندگی پر جو مذہب کے سب سے بڑے پیشرو ہوئے ہیں نظر ڈالتے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایسے کلمات ان کے منہ سے نہ نکل سکتے تھے۔ جس قدر قوت اور طاقت کا ظہور ان لوگوں کے ذریعہ سے ہوا ہے جو مذاہب کے بانی ہوئے ہیں اس کا دسواں بلکہ سواں بلکہ ہزارواں حصہ بھی کسی دنیادار اور لامذہب انسان کے ذریعہ سے ظہور پذیر نہیں ہوا۔ کوئی شخص دکھائے کہ خدا سے تعلق رکھنے والے انسان کے بغیر اس طاقت کا ظہور کبھی ہوا ہو۔ تجربہ انسانی اور واقعات انسانی کی تاریخ کو کھول کر رکھ لو اور ان لوگوں کے نام انتخاب کر کے رکھ لو جو کسی نہ کسی مذہب کے معلم یا پیشرو ہیں، خواہ وہ ایسے لوگ ہوں جن کے مفصل حالات ملتے ہیں، جیسے آنحضرت ﷺ یا وہ ہوں جن کے حالات اس قدر تفصیل کے ساتھ ہم تک نہیں پہنچے، جیسے رام چندر جی یا حضرت مسیح علیہ السلام۔ اور اس کے بالمقابل کوئی لوگ ہوں خواہ دنیادار اور دنیا پرست ہوں یا دہریہ اور لامذہب فلسفی۔ اور ایک لمحہ کے لیے غور کرو کہ کیا جس طاقت کا ظہور ان لوگوں کے ذریعہ سے ہوا ہے، اس کا ایک شمّہ ان لوگوں کی زندگیوں میں بھی نظر آتا ہے جو دہریہ اور فلسفی ہیں۔ کون سا مرگی زدہ انسان ایسا ہوا ہے جس نے دنیا کی کایا پلٹ دی ہو۔ کسی صحیح سالم دماغ کی بلکہ عقل اور فلسفہ کے مالک کا نام ہی لو، جس نے ایسا انقلاب دنیا میں پیدا کیا ہو جیسے انبیاّء کی زندگیوں میں نظر آتا ہے!

محمد رسول اللہ ﷺ کی بے نظیر طاقت وقوت:

اس کے بالمقابل تمام مذاہب کے بانیوں میں سے اس کامل تاریخی انسان کو لے لو یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو۔ اور اسے آخری بانی مذہب ہونے کی حیثیت میں اور کامل تاریخی انسان ہونے کی حیثیت میں تمام مذاہب کا نمائندہ سمجھ لو اور ان ہر دو حیثیتوں سے اسے حق ہے کہ وہ یہ نمائندگی کرے۔ پھر دیکھو کہ دنیا کے سارے سامانوں کی طاقت، رسم و رواج اور عادات کی طاقت مقابلہ میں ہوتے ہوئے کس قدر عظیم الشان وہ کام ہے جو اس نے کیا۔ کیا اس کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں ملتی ہے؟ اس کا جواب مسلمان دے، کسی اور مذہب کا پیرو دے، کوئی لامذہب دے۔ وہ ایک ہی ہے کہ اس قدر بلند اور عظیم الشان کام کی دوسری نظیر پیش کرنے سے انسانی تاریخ عاجز ہے۔

سیاسی انسانوں کا چندروزہ نام:

اس ایک انسان کے مقابلہ میں مجھے ایک ہی ایسا لامذہب انسان دکھا دو جوان تمام طاقتوں کے مقابلہ میں کھڑا ہوا ہو اور نسل انسانی کے اندر ایسا کوئی نہیں جس نے اس کا عشرِ عشیر انقلاب پیدا کر دیا ہو۔ اگر کسی شخص کا یہ خیال ہو کہ پولیٹکل کام کرنے والے بھی بڑے بڑے انقلاب پیدا کر دیتے ہیں تو یہ واقعات پر مبنی نہیں کہ ان کا نام دنوں میں اوپر آ جاتا ہے؟ مگر اسی طرح جلدی فراموش بھی ہو جاتا ہے۔ ان کا کام وقتی ہوتا ہے۔ مذہبی پیشرووٴں کا کام نسل انسانی کے ہمیشہ مفاد کے لیے ہوتا ہے۔ دیکھ لو کہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی باتیں سرایت کرتی چلی جا رہی ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی طاقت کبھی گھٹنے میں نہیں آتی بلکہ دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ دنیا کی تمام طاقتیں مغلوب ہو گئیں اور آپ کو وہ غلبہ نصیب ہوا جو آج تک باقی ہے۔

اخلاق فاضلہ اور مذہب:

پھر میں کہتا ہوں کہ بڑی بھاری ضرورت مذہب کی کس لیے ہے؟ دنیا میں اگر نیکی کی ضرورت ہے، اگر صداقت اور دیانت کی ضرورت ہے، راستبازی اخلاص اور بےنفسی کی ضرورت ہے، تو خوب یاد رکھو کہ مذہب کی بھی دنیا کو ضرورت ہے۔ مذہب کی ضرورت اس وقت تک ہے جس وقت تک دنیا اخلاق فاضلہ کی ضرورت کو محسوس کرتی ہے۔ اس کے بالمقابل دہریت اور مادیت بھی چلتی ہے۔ اس کو بھی دیکھ لیجئے۔ کیا کچھ اس نے پیدا کیا ہے۔ کیا آپ دیکھتے ہیں کہ مادہ پرستی نے حصول دنیا پر ساری طاقت خرچ کر کے کہیں نیکی، صداقت، اخلاق فاضلہ اور بےنفسی کو بھی پیدا کیا ہے؟ واقعات کو دیکھ لو اور اس گروہ کو انتخاب کر لو جو دنیا میں نیکی اور راستبازی، مخلوق خدا کی خدمت اور بےنفسی پھیلانے والا گروہ ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی دنیا کا مال و دولت ساز و سامان جمع کر لیا، اگر ان کے ہاں باوجود ان سب باتوں کے نیکی اور راستبازی اور اخلاق فاضلہ کی ضرورت ہے، تو خوب یاد رکھو کہ اس کو مذہب کے سوائے کوئی پورا نہیں کر سکتا۔

سچی بات پوچھو تو صرف سچائی ہی ایک چیز ہے جس کے بغیر دنیا زندہ نہیں رہ سکتی۔ موجودہ تعلیم کا اثر یہ ہے کہ ہر شخص کو صرف اپنے نفس کی فکر ہے۔ صداقت کی ضرورت اس حد تک سمجھی جاتی ہے جس حد تک اپنے فوائد

کے لئے ہو۔اس لیےضرورت ہے کہ کوئی طاقت ایسی ہو جو انسان کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ اپنا نقصان کر کے بھی دوسرے کا بھلا کر دے۔ایسی طاقت مذہب کے سوائے اور کوئی نہیں۔

انبیاء کی بےنفسی:

بعض بڑی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں۔اگر آپ کو کسی کے متعلق یہ یقین ہو جائے کہ یہ شخص سچ بولنے والا ہے اور اپنےنفس کے لیے کوئی بات نہیں کہتا۔وہ کوئی ایسی بات کہہ دے جو آپ کے تجربہ کے خلاف ہو تو آپ اسے صحیح یقین کر لیتے ہیں۔فی الواقع صداقت کا بڑا اثر ہے اور اس بارے میں انبیاء کا گروہ جو مذہب کا معلم ہے ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔دنیا میں یہ گروہ انبیاء کا ایسا ہے کہ ان کی صداقت اور بےنفسی پر تاریخ شاہد ہے۔خود ہمارے نبی کریم ﷺ کو لے لیجئے۔یوں تو قرآن میں ہر رسول کا قول نقل کیا ہے لَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اور تاریخ کو دیکھو تو کسی رسول برگزیدہ نے اپنےنفس کے لیے کبھی کوئی اجر نہیں لیا۔محمد رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا، مذہب سکھایا، مخالفتیں اٹھائیں اور بالآخر بادشاہت حاصل کی۔لیکن آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔وہی غربت کی زندگی جو شروع سے چلی آتی تھی بادشاہت کی حالت میں بھی برابر قائم رہی۔صداقت کی یہ حالت تھی کہ دشمنوں نے شہادت دی کہ آپ نے جھوٹ کبھی نہیں بولا۔وہ مشہور واقعہ سنا ہوگا کہ پہاڑی پر چڑھ کر آپ نے سب قبیلوں کو بلایا اور کہا تم مجھے کیسا سمجھتے ہو۔اس پر انہوں نے متفقہ طور پر کہا کہ آپ امین ہیں۔یہ آپ کی صداقت تھی جس کی گواہی دشمنوں نے بھی دی۔کیا یہ صداقت دنیا میں رہنے کی چیز ہے یا نہیں۔خوب یاد رکھیے کہ دنیا کتنی بھی ترقی کر جائے جس وقت دہریت دنیا پر غالب آئے گی دنیا کی حالت وہی وحشیانہ حالت ہوگی جو زمانہ جاہلیت میں تھی!

دو طاقتیں:

لوگ کہتے ہیں کہ مذہب نے دنیا میں آ کر کیا کیا؟ مذہب کے پیروؤں میں بھی نقص پائے جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے۔لیکن وہ نقص اس حد تک ان میں پائے جاتے ہیں جس حد تک وہ مذہب سے دور چلے جاتے ہیں۔جس حد تک خدا کی ہستی کا ان کے دل پر یقین نہیں ہوتا۔مذہب کیا چیز ہے؟ وہی چیز جس کو مذہب کہا جاتا ہے، وہ خدا پر

یقین کا نام ہے۔اور فی الحقیقت خدا پر یقین ہی ایک چیز ہے جو انسان کے اندر اخلاق فاضلہ پیدا کرتی ہے۔ یہ جو آیت میں نے پڑھی ہے۔اس میں دو باتوں کا ذکر ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ (25:57)۔ہم نے اپنے رسول دنیا میں بھیجے اور ان کے ساتھ کھلے کھلے دلائل بھی بھیجے لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (25:57) تا کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہو جائیں۔ دنیا میں نیکی پھیلے اور اس کے ساتھ ہی فرمایا وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ (25:57) لوہا بھی ہم نے اتارا فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (25:57) اس میں بھی بڑی شدت ہے اور لوگوں کے منافع بھی ہیں۔ان دونوں باتوں کا باہم تعلق کیا ہے۔اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں دو ہی طاقتیں ہیں جو سیدھے راستہ پر انسان کو رکھ سکتی ہیں۔ ایک تو ہے خدا پر ایمان کی طاقت اور دوسری طاقت لوہا یا مادی طاقت ہے جو جرائم سے انسان کو روکتی ہے۔تو یہ سچی بات ہے کہ دو ہی طاقتیں ہیں جو انسان کو بدی سے بچانے والی ہیں۔دونوں کی غرض ایک ہے کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں۔

مذہب کی بلند تر طاقت:

لیکن اگر غور کیا جائے کہ کون کون سی باتیں ہیں جن سے مادی طاقت انسان کو بچا سکتی ہے۔تو وہ بہت تھوڑی سی باتیں ہیں۔اور وہ وہی ہیں جن کا ذکر کسی ملک کی تعزیرات میں آجاتا ہے، قتل چوری وغیرہ۔لیکن بڑی طاقت بدی سے بچانے والی خدا پر ایمان ہے۔ ہر ایک حصے پر تو دنیا کی نظر کھلی پڑتی ہے لیکن وہ اخلاقی حصہ جو راستبازی سے تعلق رکھتا ہے اُس پر دنیا کی نظر نہیں پڑتی اور نہ اس پر دنیا کا کوئی قانون گرفت کر سکتا ہے۔اس کو پیدا کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا پر ایمان ہے جس کا دوسرا نام مذہب ہے۔

دولت کا حصول آج کس قدر ضروری سمجھا جاتا ہے۔سوراج کے لیے کتنی قربانیاں کی جاتی ہیں۔لیکن باوجود اس کے کتنے بادشاہ یا پولیٹیکل لیڈر ہوئے ہیں جن کی عزت دنیا کے دلوں میں وہی ہو جو انبیاء کی عزت ہے۔ یہ خدا کی کھلی شہادت ہے، یہ تجربہ انسانی ہے، یہ بلند ترین چیز ہے۔

روحانی زندگی کیا ہے؟:

جیسا کہ میں نے کہا خدا کی ہستی پر ایمان انسان کے دل میں ایک طاقت پیدا کرنے والی چیز ہے۔لیکن

مادی طاقت صرف ڈر کو پیدا کرتی ہے اور انسان کے اندر قوت رُوحانی زندگی سے پیدا ہوتی ہے۔اس لیے میں نے اس لیکچر کا عنوان رکھا ہے ''ضرورتِ مذہب اور روحانی زندگی''۔ روحانی زندگی کیا ہے؟ خدا کی ہستی پر ایمان۔ اس کے علاوہ کوئی روحانی زندگی نہیں۔اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے، کاروبار کرتے ہوئے خدا کی ہستی پر ایمان ہوتو یہ روحانی زندگی ہے؟ ہماری نماز کیا ہے؟ یہ بھی روحانی زندگی پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔انسان کے اندر ایک احساس پیدا ہونا جس کو نیکی کہتے ہیں یہ نماز کا نتیجہ ہے۔لوگوں کو نماز کے متعلق غلطی لگی ہے کہ یہ ڈیوٹی ہے جو پوری کر دی اور مقصد حاصل ہو گیا۔ فی الحقیقت نماز ایک ذریعہ ہے یہ کوئی انجام نہیں۔ یہ ذریعہ ہے روحانی زندگی پیدا کرنے کا۔

اسلامی نماز اور اس کا اثر:

اس لئے یہ نہیں کہ ہفتہ بھر کے بعد ایک دن عبادت کا رکھا ہو۔اسلام نے اس کے خلاف عبادت کا طرز ہی بدل دیا۔انسان اپنے کام میں مشغول ہو اور عین اس وقت حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کی آواز آئے تو اسی وقت کاروبار چھوڑ کر نماز میں شامل ہو جائے۔گویا اس یقین کو انسان کے دل میں میخ کی طرح گاڑنا چاہا ہے کہ ہر وقت، ہر حالت میں خدا اسے دیکھتا ہے۔ وہ اپنی نوکری اور اپنے کاروبار میں مصروف ہے۔آواز آتی ہے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اسی وقت دوڑتا ہے اور اللہ اکبر کہہ کر تمام کاروبار سے انقطاع کر لیتا ہے۔اس کا اثر دوسرے لوگوں کے دلوں پر بھی بڑا ہوتا ہے۔ایک انگریز نے لکھا ہے کہ میں مسلمان سپاہیوں کے ساتھ ایران کے ایک خطرناک جنگل میں جا رہا تھا اور خیال تھا کہ اندھیرا ہونے سے پہلے اس میں سے نکل جائیں۔ابھی ہم جنگل کے اندر ہی جا رہے تھے اور کچھ مسافت باقی تھی کہ مغرب کا وقت ہو گیا۔اس وقت تمام سپاہیوں نے وہیں نماز کے لیے ڈیرے ڈال دیئے۔اس نے لکھا ہے کہ مجھے اس دن سمجھ آیا کہ اگر خدا پر کسی قوم کا صحیح معنی میں ایمان ہے تو وہ مسلمان ہیں۔غرض نماز کو روزانہ کاروبار میں شامل کر کے اسلام نے اللہ تعالیٰ پر یقین اور ایمان کو بڑی تقویت پہنچائی ہے۔کیا یہ سچ نہیں کہ روزانہ کاروبار میں یہ ایک اعلیٰ درجہ کی ورزش ہے۔اگر آپ کسی قوت کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں تو اس کا بہترین علاج اس قوت کی ورزش ہے۔خدا تعالیٰ نے اس روحانی قوت کو مضبوط کرنے کے لیے اور ایمان کو پختہ کرنے کے لیے نماز کو ہمارے کاروبار میں داخل کر دیا۔نماز کا تعلق حقیقت میں دل کے ساتھ ہے۔اسی لیے فرمایا:

قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (2-1:23) وہ مومن کامیاب ہو گئے۔ جن کی روحیں نماز میں خدا کے آگے گر جاتی ہیں، اور دوسروں کے متعلق فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (5-4:107) ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔ دو قسم کے نمازی ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے حقیقت نماز کو سمجھ لیا اور جس انجام کی طرف وہ لے جانے کا ذریعہ ہے اس تک پہنچ گئے۔ اور دوسرے وہ ہیں جو محض ڈیوٹی کے طور پر پڑھتے ہیں اور اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ ان کو نماز کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

ایمان باللہ کا اثر انسانی زندگی پر:

یہ ہماری نماز ایک ایمان ہمارے اندر پیدا کرنے والی ہے کہ واقعی ایک خدا ہے۔ دیکھئے سوئے پڑے ہیں، آرام میں ہیں، اس وقت نماز کے لیے جگا دیا کہ آرام میں بھی خدا کو نہ بھولو۔ کاروبار میں بھی نہ بھولو، سونے کا وقت آئے تو پھر اسے یاد کر لو۔ تو یہ نماز ذریعہ ہے روحانی زندگی پیدا کرنے کا۔ روحانی زندگی یہ نہیں کہ تسبیح پھیر لی اور اللہ اللہ کر لیا۔ بلکہ خدا پر ایک یقین کامل پیدا ہونے اور انسان کے اندر اخلاق فاضلہ پیدا ہونے کا نام روحانی زندگی ہے۔ دنیا کے کاموں سے ہٹا کر خدا کی طرف اسی لیے متوجہ کیا ہے کہ کاروبار مصروفیت کے اندر تم یہ خیال کرو کہ کوئی خدا بھی ہے۔ کیا عجیب تصویر کھینچی ہے قرآن کریم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی۔ بعض قسم کی برائیاں ہوتی ہیں۔ ان کا مقابلہ انسان نہیں کر سکتا جب تک خدائی یقین کامل نہ ہو۔ فرمایا وہ کون سی طاقت تھی جس نے یوسفؑ کو بچایا۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (24:12) اس عورت نے اس کا قصد کیا اور وہ بھی اس کا قصد کرتا اگر اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل کو نہ دیکھ چکا ہوتا۔ یہ خدا پر یقین کامل ہی ہے جو ہر قسم کی بدیوں اور برائیوں سے بچاتا ہے اور نیک اخلاق پیدا کرتا ہے۔

دہریّت اور بربریّت:

خوب یاد رکھو جب نیکی اور راستبازی کی ضرورت ہے اس وقت تک مذہب کی بھی ضرورت ہے۔ ان اوقات میں جب کوئی طاقت روکنے والی نہیں، کوئی دیکھنے والا نہیں، اس وقت خدا پر ایمان ہی انسان کو بدیوں سے

روکتا ہے۔لوگ کہتے ہیں مذہبی لوگ مجنون ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہی مجنون اخلاق فاضلہ اور نیکی کے معلّم ہوئے ہیں۔جس دن اس چیز کا دور دورہ دنیا میں ہوگیا کہ اپنے آرام اور آسائش کے سوا اور کسی چیز کی ضرورت نہیں، اسی دن وحشیانہ پن کا زمانہ آجائے گا۔ بلکہ جہاں آج دہریت اور مادیت کا دور دورہ ہے اور خدا پر سے ایمان اٹھتا جاتا ہے، وہاں وحشیانہ زندگی شروع ہو چکی ہے۔مثلاً شادی کے متعلق یورپ کا آج کیا خیال ہے۔ بعض حلقوں میں نکاح کو ایک غیر ضروری چیز سمجھا جاتا ہے اور بغیر نکاح کے ازدواجی تعلقات رکھنا جائز سمجھا جاتا ہے۔پھر عورتوں کے لباس کے متعلق یہ حال ہوگیا ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔پچھلے دنوں ایک خبر آئی تھی کہ جرمنی میں مردوں اور عورتوں کے ایک گروہ نے لباس اتار پھینکا اور ننگے بازاروں میں پھرنے لگے۔مردوں اور عورتوں کا اکٹھے نہانا تو عام ہے۔روس میں عورت اور دولت دونوں کو مشترک چیز قرار دیا ہے۔ یہ دہریت اور مادیت کا حال ہے۔ مذہب اس کے بالمقابل نیکی اور اخلاق فاضلہ سکھاتا ہے۔خوب یاد رکھیے کہ مذہب ایسی چیز نہیں کہ تم نمازیں پڑھو تو نجات ہو جائے گی۔ بلکہ مذہب کی اصل غرض یہ ہے کہ نیکی اور راستبازی کو پھیلایا جائے اور یہ خدا کے ساتھ تعلق اس پر یقین کامل کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

حضرت مسیح موعود اور لفظ ''نبی'' کا استعمال:

حضرت مسیح موعود نے لفظ نبی پر زور دیا ہے۔اس کی بھی یہی غرض تھی کہ اس وقت، جبکہ دہریت اور مادیت کی طرف لوگوں کا رجحان ہے، ان کو بتایا جائے کہ خدا تعالیٰ موجود ہے۔جس کا مکالمہ اور مخاطبہ آج بھی جاری ہے۔اس سے بڑھ کر اس لفظ ''نبی'' کی اور کوئی حقیقت نہیں۔ایک ہی فقرہ حضرت مسیح موعود کا اس بات کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ آپ کا دعویٰ نبوت کا نہ تھا۔صاف لکھا ہے **سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ**۔ میرا نام اللہ کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا نہ حقیقی طور پر۔ میں نے بارہا پوچھا ہے کہ خدا کے لیے غور کرو جو شخص کہتا ہے کہ مجاز کے طور پر میرا نام نبی رکھا گیا وہ مدعی نبوت کیسے ہوسکتا ہے۔مجاز کے طور پر وہی کہے گا جو نبی نہیں۔کیا کبھی کسی نے حقیقی شیر کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ مجازی شیر ہے؟ جب ایک شخص نے یہ کہہ دیا کہ **سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ**، تو گویا اس نے صاف طور پر کہہ دیا کہ میں نبی نہیں۔ کچھ باتیں نبیوں کی مجھ میں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے مجھے نبی کہہ دیا گیا۔جیسے ایک بڑے بہادر

آدمی کو اس کی بہادری کی وجہ سے شیر کہہ دیا جاتا ہے۔ میں حیران ہوں کس غلط خیال کے پیچھے ہمارے بعض دوست پڑ گئے ہیں۔ اگر ہزار دفعہ بھی حضرت مسیح موعود نے اپنے آپ کو نبی کہا ہو اور کوئی تشریح نہ کی ہو تو بھی صرف ایک جگہ اتنا کہہ دینا کہ میں مجازاً نبی ہوں، اصل بات کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔

الہام سے ایمان باللہ پیدا ہوتا ہے:

میں کہہ یہ رہا تھا کہ حضرت صاحب نے جو اس لفظ کو استعمال کیا ہے اور اس سے توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے۔ اس کی غرض یہی ہے کہ خدا کی ہستی پر ایمان کامل پیدا ہو جائے۔ وہ خدا جو ہم نیچر کو دیکھ کر اس کو مان لیتے ہیں وہ قلب سے باہر رہتا ہے۔ قلب کے اندر خدا کا یقین، جو انسان کو نیکی پر قائم کرتا اور بدی سے بچاتا ہے صرف اس کے کلام کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جتنے راست باز آئے، جنہوں نے نیکی پھیلائی، انہوں نے خدا کی ہستی کا یقین خدا کے کلام کے ذریعہ سے پیدا کیا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ وحی کا نام لیا اور نبوت آ گئی۔ حالانکہ قرآن کریم میں غیر نبیوں کے ساتھ بھی وحی کا ذکر موجود ہے وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّنَ (5:111) وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى (28:7) حواریوں کی طرف اور حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف بھی خدا کی وحی نازل ہوئی۔ وحی میں اولیاء اور انبیاء سب شریک ہوتے ہیں ورنہ وحی اگر صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہو تو دنیا کے خشک عالم کوئی حقیقی نیکی اور قوم کے اندر کوئی قوت پیدا نہیں کر سکتے۔ دیکھتے ہو علماء تو اس زمانہ میں اور بھی ہوئے ہیں۔ سر سید احمد خاں نے کوئی چھوٹا سا کام نہیں کیا۔ لیکن کیا ان کے پیروؤں میں خدا کی ہستی پر کوئی مضبوط ایمان پیدا ہوا ہے؟ مگر مرزا غلام احمد ایک گاؤں میں پیدا ہوتے ہیں اور خدا کی ہستی پر ایسا یقین کامل پیدا کر دیتے ہیں کہ آج ایک قوم کی قوم اس کی گواہ ہے۔ یہ محض اس تعلق باللہ اور اس وحی و الہام کا نتیجہ ہے جو خدا پر ایک یقین کامل پیدا کرنے والا ہے۔

احمدی جماعت کا ایثار:

یہ جماعت کیوں کامیاب ہوئی؟ بوجہ اس ایثار کے جو اس نے کیا۔ آج ہمیں ضرورت پڑتی ہے تو ہر مہینہ بیسواں حصہ آمد کا ہر شخص سے لے لیتے ہیں۔ پھر اور ضرورت پیش آتی ہے تو تیسرا حصہ آمد بھی بخوشی وہ دے

دیتے ہیں۔ میں نے دس دن کی آمد مانگی تھی۔ کئی ایسے لوگ ہیں جو خود مشکلات کے اندر مبتلا ہیں لیکن انہوں نے قرضے اٹھا کر دس دن کی آمد دی ہے۔ یہ ایثار ہے جو اس جماعت کی کامیابی کا موجب ہوا ہے۔ اور فی الحقیقت کامیابی ہوتی ہے ایثار سے۔ یہ ایثار اور قربانی کی روح پیدا ہوئی اللہ پر ایمان کے ذریعہ سے۔ اور یہ ایمان مجدد کے ذریعہ سے پیدا ہوا اور یہی مجدد کے آنے کی غرض ہے۔

مسلمان کیونکر دوبارہ زندہ ہو سکتے ہیں:

ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ مسلمان قوم، جو مر گئی ہے، اس کے اندر وہ قوت اور طاقت پیدا ہو۔ اب ہمیں بتایئے کہ وہ طاقت جو محمد رسول اللہ صلعم نے پیدا کی تھی وہ دوبارہ کس طرح پیدا ہو سکتی ہے؟! سوائے اس کے کہ پھر کوئی شخص اس سرچشمہ سے پانی لے کر دنیا کو سیراب کرے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چلایا تھا۔ اس لیے ہم کہتے ہیں۔ آؤ اور اس مجدد کے ساتھ ہو جاؤ جو ایمان کو دوبارہ دنیا میں لایا ہے۔ دوبارہ اس طاقت کو پیدا کرنے والا ہے جو تمہاری کامیابی اور فتح مندی کی دلیل تھی۔ مجدد کی آنے کی غرض یہی ہے کہ ذرا پھونک مار کر اس چنگاری کو پھر روشن کر دے۔ جو اس آگ کا بقیہ ہے۔ جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلایا تھا۔ انبیاء صرف اس لیے نہیں آتے کہ چند تمدن اور معاشرت کے اصول سکھائیں بلکہ اصل میں روحانی زندگی پیدا کرنا انبیاء کا کام ہے۔

دوستوں سے خطاب:

میں اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ تمہیں تکلیف تو ہوتی ہوگی کہ آئے دن نئے مطالبات ہیں۔ لیکن یہ اس طرح پر ہے جس طرح نماز کے لیے تکلیف ہوتی ہے۔ جس طرح نماز کی تکلیف ایک روحانی زندگی کا موجب ہے، اسی طرح یہ تمہاری قربانی اور ایثار اگرچہ تکلیف کا موجب ہیں لیکن اسی روحانی زندگی کو پیدا کرتی ہے جس کے دل میں یہ ایمان نہیں۔ وہ یہ سمجھ لے کہ اس نے ابھی تک مجدد وقت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

پھر یاد رکھو کہ اگر خدا کی ہستی پر تمہیں پورا پورا ایمان ہو تو تمہارے سامنے بھی دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔ جس طرح محمد رسول اللہ صلعم کے سامنے دنیا کی کوئی طاقت ٹھہر نہ سکی۔

9اپریل1929ء

ایک مظلوم کی اپیل

لیکچر حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ برموقعہ جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

(منعقدہ25دسمبر1928ء)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیۡدًا(28:48)قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک وعدہ ہے جو غالباً دو یا اس سے زیادہ موقعوں پر کیا گیا ہے۔یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ تمام دینوں پر اسے غالب کرے اور اس بات کا گواہ اللہ ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔

اسلام کا غلبہ کیوں مقدّر رہے:

وہی چیز دنیا میں رہتی ہے یا رہنے کا حق رکھتی ہے جو لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے۔جیسا کہ فرمایا ایک پانی ہے اس پر جھاگ آ جاتی ہے۔پانی رہ جاتا ہے فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذۡھَبُ جُفَآءً (17:13)جھاگ چلی جاتی ہے وَاَمَّا مَایَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ (17:13)اور وہ چیز جو لوگوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے۔بالکل یہی مثال آنحضرت ﷺ کے دین کی ہے۔آپ کے دین کا کیوں غلبہ مقدّر کیا گیا؟ کیوں آپ کو وہ دین دے کر بھیجا گیا جو تمام دینوں پر غالب آنے والا ہے؟اس لیے کہ وہ نسلِ انسانی کے لیے نفع رساں ہے۔

وعدۂ الٰہی کا ایفاء آنحضرت ﷺ کی زندگی میں:

کوئی وعدہ قرآن کریم کا نہیں جس کا نمونہ حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں نہ دے دیا گیا ہو۔وعدہ تو بڑا بھاری ہے اس انسان کے ساتھ جو تنہا تمام دنیا کے مقابلہ میں کھڑا ہے۔اس نے ان کے تمام عقائد اور تمام رسوم و

رواج کو، جو صدیوں سے چلے آتے ہیں، برباد کر دینا ہے۔ اتنے بڑے دعویٰ کو لے کر یہ نہیں کہ کوئی سیاسی غلبہ ہو جائے گا۔ سیاسی طور پر عموماً انسان کو ایک وقت غلبہ ہوتا ہے لیکن اس کا اثر لوگوں کے عقائد اور اخلاق پر نہیں ہوتا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق دعویٰ یہ ہے کہ تمام عقائد باطلہ کو، جو صدیوں سے رائج چلے آتے ہیں اور تمام رسموں کو جو گھروں کے اندر پائی جاتی ہیں، جڑ سے اکھاڑ دیا جائے گا۔ تم دیکھتے ہو کہ آج رسموں کو مٹانا کتنا مشکل ہے۔ تو اس زمانہ جاہلیت میں عرب جیسے جاہل ملک میں سے تمام باطل عقائد اور رسموں کو مٹانا کس قدر خطرناک کام تھا۔ لیکن ضروری تھا کہ وہ تمام وعدے جو قرآن کریم میں ہیں کسی نہ کسی رنگ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی پورے ہوں۔ خواہ وہ قیامت کے متعلق ہی ہوں اور پورے ہوئے۔ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ (48:14) کیا کوئی پہچان سکتا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سرزمین وہی سرزمین ہے جو آپ کی بعثت سے پہلے عرب کی سرزمین تھی؟ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (48:14) وہ نظارہ کس قدر عجیب ہوگا کہ وہ ملک، جس کے اندر محمد رسول اللہ ﷺ کی بات بھی کوئی نہ سنتا تھا۔ ایک سے بات کرتے وہ دھتکار دیتا، دوسرے کو تلاش کرتے تو وہ کورا جواب دیتا، تئیس سال کے قلیل عرصہ میں اس ملک کی وہ حالت ہوئی کہ سب کے سب آپ کے تابع فرمان ہو کر اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کو قائم کرنے کے لیے نکل پڑے۔ یہ وہ وعدہ تھا جس کو محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پورا کر کے دکھایا۔ کیوں محمد رسول اللہ ﷺ جنت کو نہ پالیتے۔ جنت کو آپ نے فی الواقع پالیا۔ جب تمام وعدے جو آپ کے ساتھ کیے گئے آپ کی زندگی میں پورے ہو گئے۔ کوئی انتظار باقی نہ چھوڑا اور ہر چیز کو آپ کی زندگی ہی میں پورا کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کے احسانات اور آپ پر مظالم:

پھر فرمایا کہ یہ دین صرف ملک عرب میں نہیں تمام دنیا میں غالب آ جائے گا۔ لیکن آج بجائے اس کے ہمیں نظر آ رہا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کا دین ایک بے کسی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ مگر اس بے کسی کی حالت کو دیکھ کر ہمارا ایمان کمزور نہیں بلکہ زیادہ مضبوط ہونا چاہئے، جو کہ پہلے سے بنادی گئی ہے۔ حدیث نبویؐ کے الفاظ ہیں بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَّ سَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ۔ اسلام کی ابتدا غربت کی تھی اور ایک زمانہ آئے گا کہ پھر اس کی وہی حالت ہو جائے گی۔ آج فی الواقع اسلام اسی طرح غریب ہے جس طرح ابتدائے زمانہ نبوی میں غربت

اس پر طاری تھی۔ وہ سخت ترین مظالم جو ابتدائے زمانہ نبوی میں محمد رسول اللہؐ پر توڑے گئے، آج اس زمانہ میں پھر ان کا اعادہ ہو رہا ہے اور اس سے بڑھ کر ظلم وستم آنحضرت ﷺ کی ذات پر کیا جاتا ہے باوجودیکہ آپ کے بے شمار احسانات دنیا کی ہر قوم اور ہر مذہب پر ہیں۔

عیسائی دنیا پر احسان اور اس کا معاوضہ:

محمد رسول اللہ ﷺ کے کس قدر احسان ہیں اس ساری عیسائی دنیا پر۔ اس قدر احسان آپ کا ہے کہ وہ شخص جس کو انہوں نے اپنی تمام امیدوں کا مرجع بنا رکھا ہے، جس کو اپنے تمام گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں یعنی حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ، جن پر یہود نے طرح طرح کے الزام لگائے تھے، ان کو ان الزامات سے بری اور پاک ثابت کیا۔ حضرت عیسیٰ کی والدہ کے متعلق فرمایا وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا (156:4) مریمؑ پر بہتان عظیم لگائے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہاں تک فرمایا وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (171:4) اتنا بلند اور برتر مرتبہ انہیں دیا۔ محض اس لیے کہ انہیں بُرا کہا جاتا تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ دوسرے انبیاء کلمۃ اللہ نہیں۔ رُوْحٌ مِّنْهُ نہیں۔ بلکہ حضرت عیسیٰ کو چونکہ نعوذ باللہ ناپاک اور ولدالزنا کہا جاتا تھا۔ ان کو ان الزامات سے بری کرنا مقصود تھا۔ لیکن بالمقابل اس احسان کا بدلہ کیا دیا گیا؟ آج اگر کوئی محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق اتنا کہہ دے کہ آپ بڑے راستباز تھے تو اس پر ایک شور برپا ہو جاتا ہے۔ اور آپؐ کی ذات پاک پر طرح طرح کے ناواجب الزامات لگانا شروع کر دیئے جاتے ہیں۔ عیسائیت پر آنحضرت ﷺ کا یہ احسان عظیم اس قسم کا تھا کہ ان کی گردنیں اس احسان کے سامنے جھک جاتیں۔ لیکن عیسائیوں نے کیا بدلہ دیا؟ خطرناک سے خطرناک گالیاں اس معصوم انسان کو دی گئیں اور اس قدر برائی اور عیوب آپؐ کی طرف منسوب کیے گئے کہ خدا کی پناہ! یہ تو حضرت عیسیٰؑ کی صلیب کو روتے ہیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنی ناپاک گالیوں کے ساتھ صلیب پر چڑھاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی ایک صلیب کی اس کے سامنے کیا حقیقت ہے۔ اس شخص کو، جس نے ان پر احسان کیا، انہوں نے بُرا کہا اور اس قدر بُرا کہا کہ کسی دوسرے انسان کو اس قدر گالیاں نہیں دی گئیں جتنی عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ کو دی ہیں۔

دیگر اقوامِ عالم پر آنحضرتؐ کے احسانات:

صرف عیسائیوں کے ساتھ مخصوص نہیں، دنیا کی کوئی قوم نہیں جس کے اوپر آنحضرت ﷺ کا احسان نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے جب ایران کو فتح کیا تو ایرانیوں کے ساتھ وہی سلوک کیا۔ وہی مذہبی آزادی ان کو دی، جو اہل کتاب کو انہوں نے دی تھی۔ ان کی مذہبی عمارتوں کو قائم اور برقرار رکھا، ان کے آتش کدوں کو مسمار نہیں کیا اور انہیں اجازت دی کہ وہ اپنے طریق پر بے شک عبادت کریں۔ یہ اسلام کی رواداری کا ادنیٰ سا نمونہ ہے۔ خوب یاد رکھیے اسلام دنیا میں پہلا مذہب ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے پیرو پہلے لوگ ہیں، جنہوں نے حقیقی مذہبی آزادی دنیا کو دی۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے صرف اتنی ہی مذہبی آزادی دنیا کو نہیں دی کہ عیسائیوں اور دوسری قوموں کو اپنی عبادت کرنے کی اجازت دی بلکہ ان کے پیروؤں کو، جن کو وہ خدا تک مانتے ہیں، عزت سے یاد کرنے کا حکم دیا۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو کسی ہادی، کسی پیشرو اور پیغمبر کو بُرا کہنے سے روک دیا۔ اس نے صاف طور پر فرمایا وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلاَّ خَلاَفِيْهَا نَذِيْرٌ (24:35) کوئی قوم نہیں جس میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ اس لیے ایک مسلمان کو یہ خیال رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ جس کو ہم بُرا کہہ رہے ہوں، وہی اس قوم کا رسول ہو۔ اسی ہندوستان میں ایسے اولیاء اللہ گزرے ہیں جنہوں نے کرشن کو انبیاء میں داخل کیا ہے، اور ہم مسلمان کرشن اور رام چندر کو کبھی بُرا نہیں کہتے۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اس ملک پر بڑا بھاری احسان ہے۔

ہندوؤں کی طرف سے احسانِ عظیم کا بدلہ:

لیکن اس کے بالمقابل آپ کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ آپؐ کے احسان کا کیا بدلہ آپ کو ملا؟ وہ ظلم آپؐ کے ساتھ کیا گیا ہے کہ کیا اس ملک ہند کے اندر اور کیا باہر کسی نبی کو اتنا بُرا نہیں کہا گیا جتنا آپؐ کو کہا گیا۔ اور آج ہندوؤں کے سب سے ترقی یافتہ فرقہ کی مذہبی کتاب، ہاں آج اس مذہبی آزادی کے زمانہ میں ایک مذہبی کتاب کے اندر رسول اللہ ﷺ کی توہین کو اور آپ پر ناپاک الزامات کو داخل کر کے آپ کو گالیاں دینا مذہب کا جزو بنا دیا گیا۔ یہ ہے حقیقی مظلومیت! کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ وہی، جو دنیا کا سب سے بڑھ کر محسن ہے اس پر سب سے بڑھ کر ظلم کیا گیا ہے اور اسی کو سب سے بڑھ کر بُرا کہا گیا ہے۔

مسلمانوں کی حمایت:

مگر اب میں سوال کرتا ہوں کہ کیا مسلمانوں نے اس مظلوم کی حمایت کی؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی اپنے رسول کو چھوڑ دیا۔ جس کی شکایت خود رسول اللہ ﷺ کو ہوگی، یَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. کہا جائے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے نام پر تو مسلمان قربان ہوتے ہیں۔ اور اللہ اکبر کے نعروں سے آسمان پھاڑ دیتے ہیں۔ یہ بے شک صحیح ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جو کچھ آنحضرتؐ کے متعلق کہا گیا تھا، اس کو لوگوں کے دلوں سے دور کرنے کی کوشش انہوں نے نہیں کی۔ اور یہی آپ کے ساتھ بے تعلقی کو ظاہر کرتا ہے۔ دیکھو غور کرو! تمام نبیوں پر الزام دیئے گئے۔ ان کی اپنی قوموں نے ان پر الزامات لگائے۔ نوحؑ، داوٗدؑ، سلیمانؑ، لوطؑ اور دیگر کئی ایک انبیاءؑ پر نہایت خطرناک الزامات لگائے گئے۔ ان تمام الزاموں کو دور کرنے کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ نے تم کو کھڑا کیا تھا۔ اسی لیے تم کو سب قوموں کا پیشرو بنایا تھا۔ مگر آج، جب خود محمد رسول اللہ ﷺ پر آپ کے دشمن الزام لگاتے ہیں، تو کیا مسلمانوں نے کوئی کوشش کی کہ ان الزامات کو آپ کی ذات مقدس سے دور کیا جائے!

آنحضرتؐ خدا نہیں خدا نما ہیں:

میں محمد رسول اللہ ﷺ کی پرستش نہیں کرتا اور نہ کوئی مسلمان آپ کو پوجتا ہے۔ کیا عجیب لفظ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہے۔ جب آنحضرت ﷺ کی وفات پر بعض لوگوں کو یہ خیال ہو گیا کہ آپ فوت نہیں ہوئے اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا: اَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتَ۔ جو شخص محمد رسول اللہ کا عابد اور پرستار ہے وہ خبردار ہو جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو فوت ہو گئے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور وہ کبھی فوت نہیں ہوگا۔ اس لیے کوئی مسلمان محمد رسول اللہ ﷺ کا عبد نہیں۔ مگر کیوں ہم آپ کی عزت کرتے ہیں، کیوں آپ کے لیے ہم جانیں قربان کرتے ہیں؟۔ اس لیے کہ وہ ایک ایسا انسان ہے جس کے ذریعہ سے خدا کی ہستی پر ایمان قائم ہو سکتا ہے۔ کیا ہی پیارے آپؐ کے الفاظ تھے! جب بدر کے دن آپ نے یہ دیکھا کہ زبردست دشمن کے سامنے مسلمانوں کی طاقت کچھ بھی نہیں۔ تو ایک پھوس کی جھونپڑی میں آپ خدا کے آگے گر گئے اور عرض کیا اِنْ اَهْلَكْتَ هٰذَا الْعَصَابَةَ فَلَنْ تَعْبُدَ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔ اے خدا! گر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو

ہلاک کر دیا تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ یہ آپ کا خدا کی ہستی پر یقین تھا۔ اور اس جماعت کے بنانے کی غرض یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر لوگوں میں ایمان پیدا کیا جائے اور اس کی عبادت کے ذریعہ سے نیکی اور اخلاق فاضلہ انسان میں پیدا ہوں۔ اور تاریخ کو پڑھ کر دیکھ لو کہ خدا کی ہستی کا یقین اسلام ہی دنیا میں لایا۔ اس قدر یقین اور ایمان کسی دوسرے مذہب نے پیدا نہیں کیا۔

اول المسلمین کی ذات میں اخلاق فاضلہ کا ظہور:

محمد رسول اللہ ﷺ کو ہم اس لیے آگے کرتے ہیں کہ آپ کے ساتھ خدا کی ہستی پر یقین وابستہ ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جس سے دنیا میں نیکی اور راست بازی پھیلتی ہے۔ کوئی لفظ محمد رسول اللہ ﷺ کے ایسے نہیں، نہ قرآن میں کوئی ایسے الفاظ ہیں جن میں آپ کی یونہی تعریف کی گئی ہو۔ بلکہ جو کچھ آپ کے متعلق کہا گیا وہ حقیقت ہے اور واقعات کے رنگ میں ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (6:162-163) یہ اول المسلمین بھی یونہی تعریفی رنگ میں نہیں کہہ دیا گیا۔ ایک طرف تو یہ حالت ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جس مجلس میں بیٹھے ہوں۔ تو پہچانے نہ جائیں۔ باہر سے لوگ آتے ہیں اور وہ پوچھتے ہیں کہ اَیُّکُمْ مُحَمَّدٌ؟ محمد رسول اللہ تم میں سے کون ہیں؟ اس شخص کو حکم ہوتا ہے کہ کہہ دو اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (6:163) میں سب سے بڑھ کر خدا کا فرمانبردار ہوں۔ غور کرو تو واقعی واقعات کے لحاظ سے آپ اول المسلمین ہیں۔ کوئی حکم قرآن کریم میں نازل نہیں ہوا جس کی سب سے پہلے آپ نے فرمانبرداری نہیں کی۔ یوں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جس قدر مشقت آپ نے اٹھائی، دوسرے کسی پیش رو کی زندگی میں تاریخی رنگ میں وہ نظر نہیں آتی۔ بعض باتیں آپؐ کی زندگی میں ایسی نظر آتی ہیں کہ کسی نبی کی تاریخ میں دکھائی نہیں دیتیں۔

ایمان باللہ کا عملی نقشہ:

کسی نبی کی تاریخ کو پڑھ جایئے۔ اس میں خدا کی ہستی پر وہ ایمان پیدا نہیں ہوتا جو محمد رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی کو پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ میں نے کتاب سیرت خیر البشر لکھی۔ جس قدر میں نے آپ کے

حالات کو مطالعہ کیا اسی قدر خدا کی ہستی پر ایمان بڑھتا چلا گیا۔ وہ شخص جس کو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ عورتوں کا اس قدر شیدا تھا کہ وہ نو نو اور دس دس بیویاں رکھتا تھا۔ اس کا خدا کے ساتھ اس قدر تعلق ہے کہ اس کے دیکھنے بلکہ پڑھنے والوں کا بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان پختہ ہو جاتا ہے۔ وہ شخص جس کو نو نو اور دس دس بیویاں رکھنی پڑیں، جس کو تمام امور خانہ داری کو خود سرانجام دینا پڑا، جس کو دوستوں سے بھی ملنا ہے، ان کی مجالس میں بیٹھنا ہے، ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہے، پھر دشمن کے بالمقابل حفاظت کا سامان بھی بہم پہنچانا ہے، کیا وہ رات کو رنگ رلیاں مناتا ہے؟ کیا وہ آرام کی راتیں بسر کرتا ہے؟ آپ کو اپنے معمولی دنیوی کاموں میں تفریح کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھو کہ تمام ضروری کاموں کو سرانجام دیتے ہیں۔ سارا دن دینی کاموں میں مصروفیت کا گزرتا ہے۔ گھر میں آتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟ اس پاک انسان کی راتوں کی زندگی کا نقشہ بھی موجود ہے۔ اور انبیاء کی تو دن کی بھی زندگی کا نقشہ موجود نہیں۔ لیکن آپ کی رات کی بھی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ آپ آدھی رات بلکہ اس سے بھی زیادہ خدا کے آگے کھڑے رہتے ہیں۔ کیا اس سے صاف نظر نہیں آتا کہ کوئی بڑا ہی زبردست یقین ہے خدا کی ہستی پر، جو آپ کو راتوں کو اٹھاتا ہے۔ کون اپنے آرام کو چھوڑتا ہے جب تک کوئی بڑا افائدہ سامنے نہ ہو یا کوئی مصیبت پیش نہ آئے۔ کیا آپ کبھی رات کو اٹھ سکتے ہیں جب تک کوئی بڑی مصیبت آپ کے سامنے نہ ہو۔! وہ کونسی چیز تھی جو محمد رسول اللہ ﷺ کو راتوں کو اٹھاتی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایک یقین کامل تھا۔ جس کے ذریعہ سے آپ دنیا کی نجات کے لیے اپنے سینے میں تڑپ رکھتے تھے۔

آئندہ نسل کی اصلاح آنحضرتؐ کے نمونہ سے:

دنیا میں کوئی امر واقعہ اگر ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کا خدا کی ہستی پر یقین ایک امر واقعہ ہے۔ یہی ایک چیز ہے جو اگر آج مسلمانوں میں پیدا ہو جائے تو ان کی حالت سنور سکتی ہے۔ یہ جو آج ہمیں آئندہ نسلوں کا رونا ہے کہ نوجوان بچے تعلیم پا کر مذہب سے بیگانہ ہوتے جاتے ہیں۔ ہم کو فکر ہے کہ وہ نماز پڑھیں اور نماز کا نام لیں تو وہ آنا نہیں چاہتے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ انہیں آنحضرت ﷺ کے حالات کا صحیح علم پہنچایا جائے۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے حالات کو ہم ان تک پہنچا دیں تو ان کو بہت جلد مذہب کی طرف کھینچا جا سکتا ہے۔ خوب یاد رکھو کہ محمد رسول اللہ ﷺ اس قدر زبردست ہتھیار ہے کہ جن لوگوں نے آپ کی یہ تصویر کھینچی ہے

کہ ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور دوسرے میں قرآن۔ وہ تلوار تو کوئی ہاتھ میں نہیں لیکن آپ کا وجود ہی فی الواقع ایک تلوار ہے جو دلوں کو گھائل کرتا چلا جاتا ہے۔

دی پرافٹ آف اسلام:

میں نے گزشتہ میلاد کے موقعہ پر ''دی پرافٹ آف اسلام'' کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی تھی۔ اور اس کا کثیر حصہ مفت تقسیم ہوا تھا۔اس کتاب نے خدا کے فضل سے عام طور پر بہت اچھا اثر پیدا کیا ہے۔میرے ایک دو نہیں بہت سے دوستوں نے ذکر کیا ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر لوگوں نے کہا کہ واقعی اگر ایسی کتابیں سامنے آئیں تو بہت جلد بہت سی غلط فہمیاں دور ہوسکتی ہیں۔سلہٹ میں ایک سٹوڈنٹ کانفرنس حال ہی میں ہوئی ہے، وہاں ایک ہندو لیکچرار نے اس کتاب کے بہت سے حصے پڑھ کر سنائے اور اطراف سے بھی بعض ہندوؤں کے خطوط آئے ہیں کہ یہ کتاب فی الواقع بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے کا موجب ہے۔ یہ فخر کی بات نہیں۔ ہم غلام ہیں۔ یہ محض تقسیم کار ہے کہ یہ خدمت ہمارے حصہ میں آئی ہے۔ میں اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس کتاب کی کثرت اشاعت کے لیے روپیہ دیں۔ہم کو یہ غلطی لگتی ہے کہ جب کوئی اشتہار یا کتاب دو چار سو یا دو چار ہزار کی تعداد میں چھاپ لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس اسے ساری دنیا میں پہنچا دیا۔ضرورت یہ ہے کہ فلک شگاف نعروں کی جگہ زمین کے کناروں تک محمد رسول اللہ ﷺ کی صحیح تصویر پہنچا دیں۔اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب ایک چیز مختلف زبانوں میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو۔ نظام اس چیز کا نام ہے کہ لوگوں کے گھروں تک ہم خود اس تصویر کو پہنچائیں۔ میرے سامنے اب یہ تجویز ہے۔ کہ یہ چھوٹی سی کتاب ''دی پرافٹ آف اسلام'' اردو، ہندی، ملیالم، تیلگو، تامل، بنگالی اور ہندوستان کی دوسری مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے تمام ہندوستان میں پھیلا دی جائے۔ہم نے آئندہ سال کا کوئی پروگرام تو تجویز کرنا ہے۔اس وقت یہ پروگرام ہمارے سامنے ہے کہ اس اگلے سال میں اس کتاب کے تراجم شائع کیے جائیں۔ یہ چھوٹی سی کتاب ہے۔اس کو پڑھ لیجئے۔کوئی بات ایسی نہیں جو کسی مسلمان کے اعتقاد کے خلاف ہو۔

جماعت سے اپیل:

میں اپنی جماعت سے بالخصوص اپیل کرتا ہوں۔ وہ کارِ خیر میں حصہ لیں اور اس غرض سے دوسرے مسلمانوں سے بھی چندہ کریں۔ اگر میں اپنے نفس کے لیے مانگوں تو بے شک نہ دو۔ لیکن اگر میں اسلام کے لیے مانگتا ہوں، اگر آنحضرت ﷺ کی عزت کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے آپ کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہوں، تو آپ کا فرض ہے کہ اس طرف توجہ کریں اور خدا کی راہ میں جو کچھ ممکن ہو خرچ کریں۔ مسلمان اس وقت عام طور پر غافل ہیں۔ ان کو جگا دو گے تو اچھا کام کرو گے یا برا؟ ان کو ایک نیکی کی راہ پر لگا دینا اور ان کے مالوں کو اسلام کے راستہ میں خرچ کرانا انہیں زندہ کرنے کا موجب ہوگا۔

جماعت احمدیہ کا ایثار:

دیکھو یہ چھوٹی سی جماعت ہے۔ اس کو بنے ہوئے پندرہ سال ہو گئے ہیں۔ اگلے دن میں نے اس کے خالص چندوں کی آمد کا حساب کرایا تو مجھے معلوم ہوا کہ خدا کے فضل سے اس چھوٹی سی جماعت نے چندہ دینے میں نمایاں ہمت اور سرگرمی سے کام لیا ہے۔ پہلے دو سالوں میں خالص چندوں کی آمد صرف 14460 روپیہ تھی۔ پہلے پانچ سالوں میں 74316 روپیہ۔ یعنی قریباً پندرہ ہزار روپیہ سالانہ۔ اس کے بعد دوسرے پانچ سال کی آمد ہے 240120 روپے یعنی وہی چندوں کی آمد چوہتر ہزار سے اُٹھ کر دولاکھ تک جا پہنچتی ہے۔ بالفاظ دیگر اس کی سالانہ اوسط ابتدائی دس ہزار سے 48 ہزار روپیہ تک پہنچ جاتی ہے۔ یعنی پانچ گنا ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ ہماری جماعت نے خدا کے فضل سے کس قدر ترقی کی ہے۔ یہ اس چھوٹی سی جماعت کی قربانی اور ایثار کا نقشہ ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں شاید ہی کوئی اتنی چھوٹی سی جماعت ہو۔ جس نے اس قدر ایثار اور قربانی کا نمونہ دکھایا ہو۔ ان کی ہمت پر آفرین ہے۔ ہم ان سے ایک آنہ فی روپیہ آمد پر چندہ لیتے ہیں۔ اور پھر اس کے علاوہ خاص ضروریات کے موقعہ پر کچھ اور بھی لے لیا جاتا ہے۔ برلن مسجد ہم نے بنائی ہے، اب اس مسجد کو آباد کرنا ہے، وہاں سے قرآن کے نور کو پھیلانا ہے۔ خواہ یہ جماعت اس کے لیے خوشی سے دے یا ناخوشی سے۔ اور وہ ناخوشی سے نہیں بلکہ انشراح صدر سے دیتے ہیں۔ حال ہی میں جب ان سے دس دن کی آمد مانگی گئی تو بہت سے ایسے دوست تھے، جو خود رکنیت کے اندر نہیں لیکن انہوں نے اس میں انشراح صدر سے حصہ لیا۔ میں نے اس چٹھی میں جو اس غرض سے لکھی تھی ایک فقرہ لکھ دیا تھا کہ جب اپنی مصیبت پیش آتی ہے۔ تو قرضہ لے کر بھی اس کو دور کرتے ہو۔ اسلام

کی مصیبت کے لیے کیوں ایسا نہیں کر سکتے ؟ اس کے جواب میں بہت سے ایسے احباب ہیں جنہوں نے قرضہ لے کر دس دس دن کی آمدنی دی۔

عام مسلمانوں سے اپیل:

یہ تو اس چھوٹی سی جماعت کا حال ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کیا یہ ان چند لوگوں ہی کا کام ہے یا ہر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہنے والے کا کام ہے۔ یہاں کچھ دوست بیٹھے ہیں، انہوں نے کمر ہمت باندھی اور اپنے اپنے شہروں میں کاسہ گدائی لے کر نکلے۔ مثلاً لاہور چھاؤنی میں قاضی ثناء اللہ صاحب نے چند دوستوں کو ساتھ لے کر چندہ جمع کرنا شروع کیا اور ہر گھر اور ہر دکاندار سے چندہ کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ پانسو آدمی سے صرف ایک ایک آنہ لیا گیا۔ کل چندہ جو انہوں نے کیا، وہ تین روپیہ تک پہنچتا ہے۔ غور کیجئے تھوڑی سی ہمت سے کس قدر فائدہ ہوا اور اس کا نتیجہ کیا ہے! جن لوگوں نے دیا بہر حال ان کا مال ایک نیک کام پر لگ گیا۔ اور یہ قاعدہ ہے جب کسی چیز پر خرچ کیا جاتا ہے تو اس سے محبت بھی ہوتی ہے۔ ایک شخص کو اپنے بچے سے محبت ہے۔ جب عید آتی ہے تو وہ اچھے کپڑے بنوا دیتا ہے۔ اسی طرح جتنا اولاد پر انسان خرچ کرتا ہے، محبت بڑھتی جاتی ہے۔ تو اگر کسی کا روپیہ محمد رسول اللہ ﷺ پر خرچ ہو تو محمد رسول اللہ ﷺ سے اس کی محبت بڑھ جائے گی۔ اس لیے اگر آپ ایک ایک دو دو دس دس کا وفد بنا کر نکلیں اور تھوڑا تھوڑا چندہ لوگوں سے لیں تو تمام ضروریات بہت جلد پوری ہو سکتی ہیں۔

''دی پرافٹ آف اسلام'' کے ترجموں کے متعلق جو میں نے کہا ہے۔ کیا ہے؟ اگر ہمت کریں تو کیا بنگال کے لوگ بنگالی ترجمہ کی ذمہ داری نہیں لے سکتے ؟ کیا پنجاب والے اردو ترجمہ کی ذمہ داری نہیں اُٹھا سکتے ؟ ایسا ہی مختلف صوبوں کے مسلمان اگر ایک ایک زبان میں اس کا ترجمہ شائع کرنے کی ذمہ داری لیں تو نہایت آسانی سے یہ کام سرانجام پا سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں ذرا ہمت کرو۔ کیا میرے مسلمان بھائیوں میں ایسے لوگ نہیں جو اس کام میں تھوڑی سی مدد کر سکیں؟ دس نہیں پانچ نہیں، ایک ایک دن کی آمد ہی اگر دیں تو بہت سے دینی کام نہایت آسانی سے سرانجام پا سکتے ہیں۔

دس دن کا جہاد:

میں کہتا ہوں کہ اس وقت محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت کو دنیا میں قائم کرنا اور غیروں کے تیر ونشتر سے آپ کی ذات اطہر کو بچانا ہے۔ اس لیے آؤ اور دس دن کے لیے ایک قطار باندھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ ایسا معلوم ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے دس دن کے جہاد کے لیے تم نکلے ہو۔ خدا کو اجتماع بڑا پسند ہے۔ اور اجتماع کے ساتھ جب ترتیب ہو تو وہ اور بھی پسندیدہ ہے۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ ہیں **بلینا بالضرّآء فصبرنا** یعنی ہمیں مشکلات اور تکلیفوں کے اندر آزمایا گیا، اس وقت ہم نے صبر کیا۔ اور فی الواقع اس قدر صبر کا نمونہ دکھایا کہ گھروں، جائیدادوں اور بال بچوں کو چھوڑا اور صبر اور استقامت کے ساتھ دین کی خدمت کی اور فرمایا: **و بلینا بالسّرآء فلم نصبر** اس کے بعد جب آسائش اور خوشحالی اور مال و دولت آئی اور اس سے ہمیں آزمایا گیا تو ہم نے صبر نہ کیا۔ عموماً آسائش کے موقعہ پر انسان جدوجہد چھوڑ دیتا ہے۔ اس لیے میں اب ان دوستوں کو جنہیں، خدا نے مرتبہ دیا ہے، مال دیا ہے، کہتا ہوں کہ وہ بھی اس وقت قوم کے غربا کے ساتھ ایک صف میں کھڑے ہو جائیں اور دین کی خدمت میں ان کا پورا ساتھ دیں۔ اب جو موجود ہیں ان کو یہ میرا پیغام ہے اور جو رہ گئے ہیں ان کے گھروں پر جا کر بھی ان سے عرض کروں گا۔ عورتوں پر بھی یہ فرض ہے کہ ان چیزوں میں سے جن سے ان کو محبت ہے خرچ کریں۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (92:3) اگر زیوروں اور کپڑوں سے انہیں محبت ہے تو وہی خدا کے راستہ میں دیں۔ اس کے بغیر وہ اس ثواب سے حصہ نہیں لے سکتیں جو مردوں کو ان کی قربانیوں سے ملتا ہے۔

امانت فنڈ:

ذیل کی تجویز ہمارے مکرم دوست محمد فردوس خان صاحب مدرس زیدہ نے حضرت امیر کی خدمت میں لکھ کر بھیجی ہے۔ حضرت موصوف کی خواہش ہے کہ احباب کرام اس پر غور کر کے اخبار میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔ تاکہ سب احباب کی رائے معلوم کرنے کے بعد اس پر باضابطہ کارروائی کی جائے۔ (مدیر)

اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے اکثر احباب بچت کے عادی نہیں اور اس واسطے اکثر نادار بھی ہیں۔ مالداری کے لیے تجارت ضروری شے ہے۔ مگر تمام احباب تجارت بھی نہیں کر سکتے کہ سرمایہ کافی نہیں، اس لیے اگر مرکز ایک ایسی مفید تجویز قوم کے آگے رکھ دے تو امید کہ احباب دولت مند ہو جائیں گے اور دینی و دنیاوی کاموں

میں بڑھ کر حصہ لے سکیں گے۔ پس چاہئے کہ انجمن مرکزی ایک ''فنڈ امانت'' سیونگ بنک کے طرز پر کھولے تاکہ احباب امانتیں جمع کراسکیں۔

الف: سیونگ بنک کے طرز پر پاس بک جمع کرانے والے کے پاس رہے۔ جس میں جمع خرچ بقیہ تاریخ و دستخط دکھایا جایا کرے۔ اس امر کے لیے مقامی انجمنوں کے محاسب صاحبان کے پاس یہ کام مرکزی سلسلے سے منسلک ہونا چاہئے۔ چونکہ مرکز کو روپیہ مہینے میں ایک دفعہ ہی بھیجا جاتا ہے۔ اس لیے اگر امانت دار روپے واپس مانگے تو اس کو روپے مہیا کرنے میں دقت نہ ہوگی۔ مگر امانت کے روپوں کا کچھ حصہ مقامی انجمن کے پاس ہی رہا کرے۔

ب: امانت کا روپیہ تجارت یا اشاعت کتب کے کام پر لگایا جایا کرے۔ بصورت نفع 20 فیصد بہ اغراض انجمن صرف ہو۔ 5 فیصد غربا اور مقروضوں کی امداد میں جایا کرے۔ 5 فیصد جمع کرانے والوں کے سرمایوں میں جمع ہوں۔ بصورت نقصان 20 فیصد انجمن ادا کرے۔ 80 فیصد جمع کرانے والے برداشت کریں۔ غربا اور مقروضوں کی آمد میں کمی نہ آوے۔

ج: غربا اور مقروضوں کے امدادی فنڈ میں جو روپیہ منافع کا ہو وہ بھی تجارت و اشاعت کتب میں لگایا جایا کرے۔ اس روپیہ پر جتنا نفع و نقصان ہو وہ بھی ب کی طرح استعمال ہو۔ البتہ اس صورت میں 20 فیصد نفع و نقصان انجمن برداشت کرے۔ باقی 80 فیصد نفع و نقصان فنڈ غربا و مقروضان برداشت کریں۔ میرے خیال میں اس تجویز پر عمل در آمد کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ حصص منافع میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ قطعی طور پر میں نے اس کو پیش نہیں کیا۔ میوچل ریلیف فنڈ میں روپیہ جلدی اس لیے جمع نہیں ہوسکتا کہ اس کا مفاد ذرا دور تر ہے۔ اور یہ صورت واقعی نفع کی ہے۔ والسلام

محمد فردوس خان

مدرس زیدہ

ہندو سوراج کیوں چاہتے ہیں؟:

اس حقیقت کے چہرہ سے آہستہ آہستہ پردہ اٹھتا چلا جا رہا ہے کہ ہندوؤں کی خواہش ''سوراج'' تمام ابنائے وطن کی آزادی کے جذبات صالحہ کے ماتحت نہیں بلکہ فرقہ وارانہ خیالات اس کی تہہ میں کام کر رہے ہیں۔ اس کا کھلم کھلا اظہار حال ہی میں سوامی شنکر آچاریہ نے آل انڈیا شدھی سبھا کے پلیٹ فارم پر کیا ہے۔ جو ہندو مہاسبھا کے اجلاس سے پیشتر 29 مارچ کو سورت میں منعقد ہوئی۔ سوامی جی نے نہرو رپورٹ کی حمایت کرتے ہوئے صاف طور پر کہا کہ:

> ''مذہب کے معاملہ میں دنیا میں مصالحت نہیں ہو سکتی۔ ہمیں سوراجیہ چاہئے تو دھرم کی رکھشا اور ترقی کے لئے۔''

اس سے زیادہ واضح الفاظ اور کیا ہوں گے؟ سوامی جی نے ہندوؤں کی دلی خواہشات کو، جو کبھی نہرو رپورٹ اور کبھی آل پارٹیز کانفرنس کے لباس میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک مختصر اور واضح ترین جملہ میں بیان کر دیا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی وہ لوگ، جو ہندوؤں کے معاملہ میں پوری حسن ظنی سے کام لینا ضروری سمجھتے ہیں، ہندوؤں کی خیر خواہی پر ایمان لانا ضروری سمجھیں گے؟ ہم نہیں کہتے کہ ہندو اپنے دھرم کی رکھشا نہ کریں۔ لیکن سوراج کی غرض وغایت اسے قرار دینا اور مذہب کے معاملہ میں مصالحت سے صاف طور پر انکار کر دینا بتاتا ہے کہ وہ سوراج کے پردہ میں ہندوراج کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ جس کا مقصد ومنشا اسلام کو مٹا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ معلوم نہیں مسلمان ایسی باتوں کو کن کانوں سے سنتے ہیں کہ ایسے کھلے خطرات سے اسلام کو بچانے کا انہیں خیال تک پیدا نہیں ہوتا۔ اگر مسلمان اشاعتِ اسلام میں پوری تندہی کے ساتھ منہمک ہو جائیں تو ہندوؤں کے تمام خواب بہت جلد خواب پریشان ثابت ہو سکتے ہیں۔

راجپال کا قتل:

لاہور 6 اپریل آج دوپہر کو دو بجے کے قریب رسوائے عالم کتاب ''رنگیلا رسول'' کے پبلشر راجپال کو

اُس کی دوکان واقع ہسپتال روڈ لاہور کسی نے چھرے سے قتل کر دیا۔ قاتل ایک مسلمان نوجوان بیان کیا جاتا ہے۔ جس کی عمر بیس بائیس سال ہے اور ذات کا ترکھان ہے۔

لاہور 7 اپریل آج آریہ سماجیوں نے راجپال مقتول کی ارتھی کا جلوس نکالنا چاہا۔ لیکن پولیس نے اجازت نہ دی۔ ہجوم نے ایک خالی تختے پر پھول ڈال کر جلوس نکالنے کی کوشش کی۔ لیکن پولیس نے مزاحمت کی اور ہجوم پر لاٹھیاں برسائی گئیں۔ جس سے دوسو کے قریب آدمی زخمی ہوئے۔ شہر میں پولیس کا زبردست پہرہ ہے۔ آٹھ روز کے لیے تمام جلسے اور جلوس بند کر دیئے گئے ہیں۔

❀❀❀

9اپریل 1929ء

حضرت امیر کے قلم سے

راجپال کا قتل

راجپال کے واقعہ قتل کے بعد اخبار ''پرتاپ'' کا ایک نمائندہ حضرت امیر ایدّہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس واقعہ کے متعلق آپ کی رائے دریافت کی۔ آپ نے اس کے جواب میں ذیل کا مضمون لکھ کر اخبار ''پرتاپ'' اور دیگر اخبارات کو بھجوایا ہے۔

جو لوگ اس ملک میں ہندو مسلم اتحاد کے لیے سچی تڑپ رکھتے ہیں وہ راجپال کے قتل کے واقعہ کو، جو لاہور میں 6 اپریل کو دن کے دو اڑھائی بجے ظہور پذیر ہوا، رنج اور افسوس کے ساتھ سنیں گے۔ قاتل ایک شخص علم الدین نام بتایا جاتا ہے۔ جو گرفتار ہو چکا ہے۔ اور وجہ قتل مذہبی جنون بتائی جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ راجپال نے چونکہ ایک کتاب شائع کی تھی۔ جس میں پیغمبر اسلامؐ کی سخت توہین کی گئی تھی۔ اس لیے ایک مسلمان نے مذہبی جنون کے جوش میں اسے قتل کر ڈالا۔ کیا واقعی وہی شخص قاتل ہے جسے گرفتار کیا گیا ہے اور وجہ قتل کیا ہے۔ ان ہر دو امور کا فیصلہ عدالت ہی کر سکتی ہے۔ لیکن اگر یہ صحیح بھی ثابت ہو تو یہ ایک انفرادی فعل ہے۔ جس کی وجہ سے نہ مسلمان قوم پر اور نہ تعلیم اسلام پر ہی کوئی الزام دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے افعال ہر قوم اور ہر ملک میں ہوتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ ایسے واقعات کی کوئی خصوصیت نہیں۔ مگر بعض ہندو اخبارات نے شروع سے ہی نہایت ناعاقبت اندیشانہ رویّہ اختیار کیا ہے اور اس کو فرقہ وارانہ رنگ دے کر اس کشیدگی اور تنفر کو بڑھانے کی کوشش کی ہے جو بدقسمتی سے پہلے کافی سے زیادہ موجود ہے۔ اس بارہ میں اخبار ''پرتاپ'' اور ''ملاپ'' سے تو اور کچھ توقع ہی نہ ہو سکتی تھی۔ وہ ہمیشہ ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ لیکن ''بندے ماترم''، جو ایک ملکی اخبار کہلاتا ہے، اس میں بھی یہی رنگ اختیار کیا گیا ہے۔ 9 اپریل کا ''پرتاپ'' اپنے اداریئے میں یوں رقمطراز ہے:

''تو یہ حالات ایسے نہیں جن کی موجودگی میں مسلمان اپنے آپ کو یا اپنے مذہب کی تعلیم کو

بری قرار دے سکیں۔ یقیناً اسلام کی خوفناک تعلیم اس قتل کی ذمہ دار ہے۔ وہ ہزار کہتے پھریں کہ ایسی باتوں کی تعلیم اسلام نہیں دیتا۔لیکن آخر اسلام ان خدا بخشوں عبدالعزیزوں اور علم الدینوں کو کہاں چھپائے گا۔ بدنامی کا یہ دھبہ اسلام کی پیشانی سے مٹ نہیں سکتا جب تک اس قسم کے قاتلوں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ دوسرے لفظوں میں جب تک مسلمانوں کی یہ ذہنیت ختم نہیں ہو جاتی، آریہ سماج تو لیکھ رام، شردھانند اور راجپال پیدا کرتا چلا جائے گا۔''

مجھے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ اس قسم کے ریمارک اتحاد کی جڑوں پر کلہاڑے کا کام دیتے ہیں، جہاں کروڑ ہا انسان آباد ہوں، باہم ان کے اختلافات بھی ہوں، جہالت بھی ان میں موجود ہو، وہاں ایسے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔اس کو کسی مذہب کی تعلیم سے کیا تعلق ہے؟ کیا ہندو ہندوؤں کو مذہبی جنون کی وجہ سے قتل نہیں کرتے رہے۔خود سوامی دیانند کا قتل ہندو مذہبی جنون کی وجہ سے تھا یا نہیں؟ پنڈت رام چندر کا قتل ہندو مذہبی دیوانگی کا نتیجہ تھا یا مسلمانوں کی؟ اور پھر زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ ایک مسلمان کو اپنے رسولؐ کی ہتک پر اس قدر طیش آ گیا کہ ہوش وحواس اس کے ضبط میں نہیں رہے۔اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا تجربہ دوسرے انسانوں میں نہیں ہوتا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس شخص سے ایک انسان پرلے درجہ کی محبت رکھتا ہے وہ اس کی توہین کو برداشت نہیں کرسکتا۔ بلکہ انسان تو انسان ہیں، اس ملک ہندوستان میں وہ لوگ بھی آباد ہیں جو ایک نہیں سینکڑوں خون محض ایک جانور یعنی گائے کی وجہ سے کر چکے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ قتل سے بڑھ کر یہ کہ زندہ انسانوں کو جلا بھی چکے ہیں۔کس جرم پر؟ اس لیے کہ انہوں نے گائے کو ذبح کیا یا ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔اور یہ منظر تو اب تک اس ملک ہندوستان میں ہر سال نظر آتا رہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ مسلمان محض گائے کو قربانی کے لیے لے جانے کی وجہ سے، بلکہ بعض اوقات محض اسی شبہ پر قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ یقیناً یہ مذہبی دیوانگی اس سے بہت زیادہ وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہے جو کسی مسلمان سے اپنے رسولؐ کی ہتک سن کر ظہور پذیر ہو۔ایسے موقعہ پر ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور ہندو مسلم اتحاد کا کچھ خیال ہوتا تو چاہئے یہ تھا کہ جس وقت یہ ناپاک گالیوں کا طومار، جس کا نام ''رنگیلا رسول'' ہی بدترین گالی ہے، نکلا تھا ہندو لیڈر اور اخبار نویس

اس پر اظہار نفرت کرتے۔ یقیناً اگر ایک دو فقرے بھی اظہار نفرت کے ہندو اصحاب کے قلم سے نکل جاتے تو وہ نہ صرف اُن کی قوم کے لیے عزت کا موجب ہوتے بلکہ ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد کو بھی مستحکم کرنے والے ہوتے۔ مگر بجائے اس کے اسی مذموم فعل یعنی پیغمبر اسلام کو گالیاں دینے کی وجہ سے راجپال ہندو قوم کا ہیرو بن گیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ کیا ایک بُرا فعل بھی کسی شخص کو قابل ستائش بنا سکتا ہے؟ اس کا انکار تو ہندوؤں کو بھی نہ ہونا چاہئے کہ کسی مذہب کے بزرگوں کو گالیاں دینا ایک سخت مذموم فعل ہے۔ یہی نہیں بلکہ آج بھی بڑے فخر سے یہ لکھا جاتا ہے کہ ''ایک راجپال کی جگہ ہزاروں لاکھوں راجپال پیدا ہوں گے۔'' (پرتاپ) کوئی لکھتا ہے کہ ''راجپال نے آریہ سماج کا لٹریچر پیدا کرنے میں کمال کر دکھایا ہے۔'' (ملاپ) اور کوئی لکھتا ہے کہ ''یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ اس کتاب کے متعلق اتنا ایجی ٹیشن ہوا۔'' (بندے ماترم)

گویا یہ کتاب اس ملک کے مذہبی لٹریچر میں قابل قدر اضافہ تھا۔ یہ ان قبیح افعال کو روکنے کا سامان نہیں جو آئے دن ملک کے امن کی فضا کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ مسلمان تو ایسے موقعوں پر ہمیشہ اپنا فرض ادا کرتے رہے ہیں۔ مگر ہندو اخبار نویس ''لاکھوں راجپال'' پیدا کرنے کی دھمکی دے کر اس خلیج افتراق کو اور وسیع کر رہے ہیں۔ اور بجائے اس برے کام کی مذمت کرنے کے، جو اُن کے ایک آدمی سے ہوا، اُسے سراہ کر دوسروں کو بھی اُسی راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ ''خدا بخشوں، عبدالعزیزوں اور علم الدینوں'' کو پیدا کرنے والے خود یہی لوگ ہیں جو برے افعال کو سراہ کر ہندو قوم کو غلط رستے پر ڈال رہے ہیں۔ حق ہمسائیگی یہی ہے کہ ہر دو قوم میں ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کریں اور ایک قوم کا آدمی مارا جائے تو دوسری قوم اس پر اظہار افسوس کرے۔ یہی شکایت آج سے دو سال پیشتر بھی مسلمانوں کو تھی۔ جب حویلی کابلی مل میں چار مسلمانوں کے قتل پر، جو ہندوؤں کی مذہبی دیوانگی کا شکار ہوئے، ایک لفظ افسوس کا ہندو اخبار نویسوں نے منہ سے نہ نکلا۔ اور مفتی محبوب علی کے قتل ناحق پر تمام ہندو لیڈروں کی زبان اور قلم پر خاموشی کی مہر لگی رہی!

محمد علی

❀❀❀

3 مئی 1929ء

تقریر حضرت امیر

اصلاحِ رسوم

جماعت احمدیہ لاہور کا آئندہ دستور العمل

گذشتہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر اصلاحِ رسوم پر حضرت امیر ایدّہ اللہ نے جو تقریر فرمائی تھی وہ اس قابل ہے کہ احباب کرام خاص طور پر اسے مطالعہ کریں۔ اور اس پروگرام کو، جو قوم نے متفقہ فیصلہ سے تجویز فرمایا ہے، آئندہ اپنا لائحہ عمل بنانے کی کوشش کریں۔ (ایڈیٹر)

آپ نے سورۂ یٰسین کا پہلا رکوع پڑھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا کہ وہ ملک عرب کی مردہ قوم کو دنیا کی اصلاح کے لیے زندہ کرے تو اُس نے اپنے رسول کو بھیجا۔ جس نے نہ صرف ان اعتقادات کو ہی درست کیا اور نہ صرف اعمال کی ہی اصلاح کی بلکہ ان کے گھروں کے اندر جو رسم و رواج مدتوں سے چلے آتے تھے ان کی بھی اصلاح کر دی۔ پرانی سوسائٹی کی جگہ ایک نئی قوم کھڑی کر دی اور پرانے رسوم و رواج کی بجائے نئے حالات پیدا کر دیئے۔ آپ دیکھیں گے کہ بعض اوقات قرآن مجید کے اندر بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان رسوم کا تعلق شرک کے ساتھ تھا۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے صرف توحید ہی کو قائم کرنا ضروری نہ سمجھا بلکہ وہ تمام امور اور وہ تمام رسم و رواج، جو شرک سے تعلق رکھتی تھیں، ان کی بھی بیخ کنی کر دی اسی لیے قرآن مجید کے اندر اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے۔

بُری رسم کی جگہ نیک عادات:

غور کرو تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں قوم کے احیاء سے تعلق رکھتی ہیں۔ سورۂ یٰسینؔ کی آیات پر غور کرو اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ (8:36) ان کی گردنوں کے اندر طوق ڈالے

گئے ہیں وہ طوق ٹھوڑیوں تک پہنچ گئے ہیں۔ پس وہ اُوپر کے اُوپر ہی اُٹھے رہ جاتے ہیں۔ جانتے ہو وہ اغلال کیا ہیں۔ وہ رسم ورواج کی زنجیریں ہیں جو ان کو حق کی اتباع سے روکتی ہیں۔غرض اصلاح رسوم بڑا بھاری مقصد تھا اسلام کا۔اوراس معاملہ میں عظیم الشان اصلاح اسلام نے کی۔اور محض اصلاح ہی نہیں بلکہ ہر ایک بری رسم کی جگہ ایک نیک عادت اُن کے اندرڈال دی۔

قومی عادات اور رسم ورواج:

یہ رسم ورواج کیا ہے؟ جوفرداًفرداًان تمام لوگوں کے اندر عادات ہوتی ہیں وہی اس قوم کی رسم ورواج کہلاتی ہیں۔ عادت کے کیا معنی ہیں؟ عود کرنے والی چیز۔ایک بچے کو کھیلنے کا شوق زیادہ ہے۔ وہ بار باراُس کی طرف جاتا ہے۔ یہ اُس کی عادت ہے۔فوراً کھیل کی طرف اُس کی طبیعت جائے گی۔اسی طرح ہماری قومی عادات ہوتی ہیں۔ جب موقعہ آتا ہے، جو چیزیں ہماری قومی عادات میں داخل ہو چکی ہیں، وہ اس بچے کی طرح، جو بار بار کھیل کی طرف جاتا ہے،انسان کو مجبور کر کے اس طرف لے جاتی ہیں۔

ہماری رسم ورواج:

فی الحقیقت آج کل جس قدر رسم ورواج مسلمانوں کے اندر پائے جاتے ہیں ان سب میں اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں پیدائش کے موقعہ پر، ختنہ پر، پھر منگنی اور بیاہ اور پھر موت پر بہت سی رسوم عمل میں لائی جاتی ہیں۔ان رسوم نے ہماری قوم کی اقتصادی حالت کو تباہ کر دیا ہے۔قوم کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی علاج نہیں کہ سب سے پہلے رسم ورواج کی اصلاح کی جائے۔

ہندوؤں کی غلامی:

رسم ورواج کی ایک بیماری ہے جو ہماری قوم کو کھائے جاتی ہے۔اگر آج مسلمان قوم ان تباہ کن رسم و رواج کو چھوڑ دے تو یقیناً ہندوؤں کی غلامی سے 3/4 حصہ سے زیادہ گردنیں آزاد ہو جاتی ہیں۔جس غلامی پر آج کل مسلمان رو رہے ہیں وہ دن بدن مضبوط ہو رہی ہے۔اس کا بڑا حصہ رسم ورواج سے تعلق رکھتا ہے اور ان کے

اندر اصلاح درحقیقت ایک بڑی بھاری اصلاح ہے۔ اگر اس اصلاح کی طرف آپ توجہ کریں گے تو بہت بڑا کام خدمت قوم کا آپ سرانجام دیں گے۔ مسلمانوں کی بحیثیت قوم یہ حالت ہے کہ غریب ہیں اور سخت نادار ہیں، راس المال اُن کے پاس نہیں۔ دفتروں میں دیکھو، آفیسر ہندو ہیں اور ماتحت مسلمان۔ اور اس پر مصیبت یہ کہ جو تھوڑا بہت وہ کماتے ہیں وہ کچھ تو کھانے پینے اور کپڑوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا بڑا حصہ برباد ہو جاتا ہے اور وہ کہاں برباد ہوتا ہے۔ برادری کے رسم و رواج پر!

عزت اور ناک:

اگر ان رسم و رواج کو ادا نہ کیا جائے تو ناک کٹتی ہے، عزت پر بٹہ لگتا ہے۔ یہ خیال عزت کا ایسا ہوتا ہے کہ انسان سے بڑے بڑے کام کروا دیتا ہے۔ جس شخص کو عزت کا خیال ہو اُسے جان اور مال کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ ان چیزوں کے مقابلہ میں عزت کو قائم رکھنا ضروری سمجھتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم اپنی عزت کو ملحوظ نہ رکھو۔ مگر جس چیز کو آپ نے اپنی عزت سمجھ رکھا ہے، فی الحقیقت وہ عزت نہیں۔

حقیقی برادری:

یہ آپ کی برادری جو پانچ دس قبیلوں پر مشتمل ہوگی ایک چھوٹا سا دائرہ ہے۔ اور تمہاری حقیقی برادری وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تمہارے اندر پیدا کی۔ اگر تم چاہتے ہو کہ برادری کے اندر تمہاری عزت ہو تو اصل برادری وہ سمجھو جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تمہارے اندر قائم کی۔ وہ ہمارا روحانی باپ ہے۔ جس نے ہمیں نیکیوں کا راستہ دکھایا اور اصل زندگی ہم کو دی۔ اپنے آبا و اجداد سے ہم نے جسمانی زندگی لی۔ روحانی زندگی جس پر ہمیں فخر ہے ہم نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے لی۔ اس لیے حقیقی برادری وہی ہے جو محمد رسول اللہؐ نے قائم کی۔ اس لیے کسی کام کو کرتے وقت خواہ وہ بیاہ کا وقت ہو یا موت کا ہمارے حقیقی باپ کا حکم اور آپؐ کے عمل ہمارے سامنے رہنے چاہئیں۔ اگر اپنی عزت چاہتے ہو تو محمد رسول اللہ ﷺ کے در سے عزت تلاش کرو۔ حقیقی عزت اس مقدس انسان کی اتباع سے وابستہ ہے جو تمام دنیا کے لیے شفیع بن کر آیا۔

اَموال کی حفاظت:

اپنے اموال اور ان اموال کو جن کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمْ قِیٰمًا (5:4) اُن کو برباد نہ کرو۔ جائز اور واجب طریقوں پر مال کے خرچ کرنے کو قرآن شریف نے اعلیٰ درجہ کی نیکیوں میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ جہاں عبادالرحمٰن کا ذکر فرمایا ہے اور ان کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ وہاں مال کے خرچ کے متعلق بھی فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا (67:25) عبادالرحمٰن وہ ہیں کہ جب وہ اپنے اموال کو خرچ کرتے ہیں اسراف نہیں کرتے۔ اسراف کے معنی ہیں بے جا خرچ کرنا۔ اگر ایک شخص اپنے مال کو بے جا طور پر خرچ کرتا ہے وہ اسراف کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عباد الرحمٰن کی صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ بخل بھی نہیں کرتے۔ یعنی جہاں خرچ کرنا ہوتا ہے وہاں خرچ کرنے سے نہیں چوکتے۔ اور جو شخص مناسب جگہ پر مال خرچ نہیں کرتا وہ بخیل ہے۔ پس اگر اپنے آپ کو عبادالرحمٰن بنانا چاہتے ہو تو خرچ کرو لیکن بے جا خرچ مت کرو۔ اور جب خرچ کرنے کا موقعہ آئے تو ایک کوڑی بھی نہ بچاؤ۔

ہمارا نصب العین:

رسم ورواج کی اصلاح کا خیال مدت سے اُٹھا ہوا تھا۔ حالات نے اس خیال کو کچھ قوت دی ہے۔ بعض برادریوں میں اسلام کی طرف قدم اُٹھایا جا رہا ہے۔ ایک قوم جو دنیا کے اندر اسلام کے پھیلانے کے لیے اُٹھی ہے، کیا اس کا فرض نہیں کہ وہ رسم ورواج کی بیڑیوں سے قوم کی گردنیں آزاد کر دے۔ دیکھو یہاں مختلف اقوام کے لوگ موجود ہیں۔ کوئی پٹھان ہے اور کوئی سیّد، کوئی کچھ اور کوئی کچھ۔ لیکن سب ایک برادری میں ہیں۔ یہ برادری کیوں بنائی گئی ہے؟ یہ اس لیے بنائی گئی ہے کہ خدا کا نام دنیا میں پھیلائے۔ یہ برادری، جو صداقت کی اشاعت کے لیے بنی ہے، آج سے اپنے دل میں عہد کر لے کہ وہ ایک اچھی رسم اور ایک نیک رواج کو دنیا کے اندر جاری کرے گی۔

ہمارا آئندہ دستور العمل:

اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے چند ماہ ہوئے یہاں لاہور کے دوستوں کا ایک اجتماع ہوا تھا۔ اور اس میں بہت سی بحث وتمحیص کے بعد چند امور اپنے اوپر لازم کر لیے گئے تھے، جو اخبار پیغام صلح میں شائع بھی ہو گئے

تھے۔ ان تمام رسوم کو پیدائش سے لے کر موت تک گنا گیا ہے۔ اور میں نمبروار ہر ایک بات کو پڑھ دیتا ہوں۔ آپ بھی دیکھ لیں اور جو بات پیش کرنی ہو پیش کر لیں، اس پر بحث کر لیں۔ پھر اس کے بعد ہماری ساری قوم کے لوگ ان باتوں کا اپنے آپ کو ایسا ہی پابند سمجھیں جس طرح وہ اپنے آپ کو برادری کا پابند سمجھتے تھے۔

پیدائش کی رسم:

پہلا امر جو ہم نے اپنے اوپر فرض کیا ہے وہ یہ کہ پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے بعد برادری کی بھاجی، برادری میں مٹھائی کی تقسیم اور برادری کو کھانا کھلانا، یہ سب رسوم بند کی جائیں۔ پیدائش سے، یعنی ابھی بچہ پیدا ہوا بھی نہیں، فضول رسوم کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر پیدائش پر اور پیدائش کے بعد بہت سی تباہ کن رسمیں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ کھانے اور مٹھائیاں بڑے بڑے طشتوں میں لگا کر ہر گھر میں بھیجی جاتی ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ بھلا اس میں کیا فائدہ؟ جس کے گھر وہ مٹھائی یا کھانے پہنچتے ہیں اس کو کس قدر فائدہ پہنچ گیا۔ لیکن جس غریب نے یہ تقسیم کی اس کے سینکڑوں روپوں پر پانی پھر گیا!

باجہ:

اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ باجے، ڈوم اور میراثی پر جو اسراف عمل میں لایا جاتا ہے اُس کو روکا جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارا کس قدر روپیہ ان باجوں اور ڈوموں کی نذر ہو جاتا ہے۔ چاہئے کہ ہم اپنے لوگوں کو اپنی سوسائٹی کا ایک مفید اور کارکن ممبر بنائیں۔

عقیقہ:

عقیقہ ذی استطاعت احباب کریں۔ یہ ضروری نہیں کہ قرض لے کر کیا جائے۔ محض گوشت تقسیم کر دیا جائے۔ رشتہ داروں، دوستوں اور مساکین کے درمیان دعوت کی صورت میں کھانا نہ دیا جائے۔

ختنہ:

ختنہ کے موقع پر کسی دعوت یا کسی دوسری رسم پر روپیہ برباد نہ کیا جائے۔ دعوتیں کرنا دوستوں اور رشتہ

داروں کو جمع کرنا یہ باتیں بربادی کا موجب ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ امیر لوگ کیوں نہ کریں۔لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ جب ایک عادت پڑ جاتی ہے تو پھر غریب بھی تکلیف اُٹھا کر کرتے ہیں۔

ہمارے ملک میں کئی ایک ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بعض نے اپنا سب کچھ بیچ کر ختنے پر لگا دیا۔ اپنے عزیز بھائیوں کی خاطر اس فضولی کو چھوڑ دو۔تمہارے پاس اگر زیادہ روپیہ ہے تو قوم کے تعمیری کام پر خرچ کرو، اشاعتِ اسلام پر خرچ کرو، دیگیں پکا پکا کر لوگوں کو کھانا کھلانا یہ رواج سخت تباہ کن ہیں۔ دیکھو ایک تمہاری فیاضی ایسی ہے کہ جس سے تمہارا روپیہ برباد ہو جاتا ہے اور تم خود تباہ ہو جاتے ہو۔لیکن دوسری فیاضی ایسی ہے کہ روپیہ ایک مفید کام میں صرف ہوتا ہے۔ اگر تم اپنے کاموں کو انجمن کے سپرد کرو تو وہ موقعہ اور محل پر صرف ہوں گے۔ وہ لوگ جن کو تم کھانا کھلاتے ہو ان کو شاید تمہارے پلاؤ کی ضرورت بھی نہیں، وہ پھر بھی اپنا پیٹ بھر لیتے۔ اگر تم اپنی فیاضی کی منظّم صورت اختیار کرو گے تو ایک غریب بھائی کو مرنے سے بچاؤ گے جس کے زندہ رہنے کی کوئی صورت نہیں۔

بسم اللہ کی رسم:

بسم اللہ اور آمین پر کوئی رسم عمل میں نہ لائی جائے۔ نہ شیرینی تقسیم کی جائے اور نہ دعوت دی جائے۔ عام طور پر رواج ہے کہ لڑکے یا لڑکی کی بسم للہ پر مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں۔ آمین پر بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ جس کانفرنس میں یہ امور طے ہوئے تھے اس میں بعض دوستوں نے کہا تھا کہ اگر اس کو رہنے دیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔لیکن کثرت رائے یہ تھی کہ یہ بھی لوگوں کے اندر رسم بن گئی ہے۔ اس لیے اس کا انسداد بھی ضروری ہے۔ اس لئے اس موقع پر بھی کوئی دعوت نہ دی جائے اور شیرینی وغیرہ تقسیم نہ کی جائے۔

منگنی کی رسم:

منگنی کے موقع پر صرف لڑکی اور لڑکے کے لیے مختصر تحائف کا تبادلہ عمل میں لایا جائے۔ باقی تمام برباد کن رسوم کو ترک کیا جائے۔ منگنی اور شادی کے درمیانی عرصہ میں تہواروں پر کچھ صرف نہ کیا جائے۔

شادی کی بارات:

شادی، جس کو دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کی بربادی کہنا چاہئے، اس کے متعلق فیصلہ ہوا تھا کہ بارات مختصر ہونی چاہئے۔ براتیوں کی تعداد پچاس سے متجاوز نہ ہو۔ بارات جس قدر مختصر ہوگی قابل تعریف ہوگا۔ بارات کا بڑا ہونا اب عزت کا نشان نہ ہوگا، بلکہ اس کا مختصر ہونا ہی عزت کا موجب سمجھا جائے گا۔

ولیمہ:

ولیمہ کی دعوت پر بڑا اسراف ہوتا ہے۔ بے شمار آدمیوں کو دعوتوں کے رُقعے بھیجے جاتے ہیں اور کس قدر روپیہ برباد کیا جاتا ہے۔ حتی الامکان اس میں کفایت اور اقتصاد سے کام لینا چاہئے اور یہی امر مسنون ہے۔ جب رسول کریم ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا تو دعوت ولیمہ کے لیے نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اپنے اپنے گھر سے کھانا لے آؤ۔ میں کہتا ہوں کہ کبھی اس مسنون طریق کو بھی عمل میں لاؤ۔ کبھی ایسا بھی کرو جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ اس سے تمہاری عزت ہوگی ذلت نہیں ہوگی۔ ولیمہ کے متعلق ہماری قرارداد یہ تھی کہ دعوت ولیمہ پر اپنی ایک ماہ کی آمد سے زیادہ نہ خرچ کیا جائے۔

حق مہر:

حق مہر کے متعلق فیصلہ ہوا تھا کہ یہ فرضی اور نمود کے طور پر نہ ہو۔ استطاعت کے موافق اور دینے کی نیت سے مقرر کیا جائے۔ مہر وہ ہونا چاہئے کہ لڑکا اپنی کمائی سے دے۔ یہ جو پچھلے دنوں بچپن کی شادی کا قصہ چھڑا تھا۔ اس کے متعلق جو کچھ بھی معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام بچپن کی شادی کے خلاف ہے۔ جب لڑکا کمانے کے قابل ہو تو شادی کرنی چاہئے۔ فرضی مہر ہزاروں روپے کا باندھ دینا ٹھیک نہیں۔ اس کے علاوہ یہ جو خیال ہے کہ کوئی شرعی مہر ہوتا ہے، وہ کوئی چیز نہیں۔ اگر لڑکے کی استطاعت ہے کہ وہ ہزار ہا دے سکتا ہے تو دے۔ اُس کی استطاعت سے بڑھ کر نہ ہو۔ باپ کی استطاعت کا اس میں کوئی سوال نہیں۔ مہر لڑکے کی استطاعت کے مطابق ہونا چاہئے۔

موت کے بعد کی رسوم:

موت پر کوئی رسم نہیں ہوگی۔قل، دسویں، چالیسویں وغیرہ سب ترک کیے جائیں۔ یہ سب غیر مسنون ہوتے ہیں۔ہم نے دیکھا ہے کہ موت کے موقع پر فوج درفوج لوگ آ اکٹھے ہوتے ہیں۔جس قدر فکر پیٹ کا ہوتا ہے اس قدر مرنے والے کا غم نہیں ہوتا۔

نیک رواج قائم کرو:

میری یہ نصیحت ہے کہ دنیا کے اندر اچھے کاموں اور اچھے رواج ڈالنے کی کوشش کرو۔ شادی کے اخراجات پر، جو خواہ جہیز کی صورت میں ہوں یا دعوتوں کی شکل میں، 5 فیصد انجمن کو اشاعت اسلام کے لیے آپ نے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ نیا رواج ہے جو ہماری برادری نے قائم کیا ہے۔اس طرح سے تم ایک نیک سنت کی بنیاد ڈالو گے۔جس کا ثواب تم کو ملتا رہے گا مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا۔ وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهٖ۔آج آپ جس طریق کا رواج ڈالیں گے اس کے مطابق آئندہ لوگ عمل کرسکیں گے۔اس کا اجر بھی آپ کو ملے گا۔

❀❀❀

10 مئی 1929ء

خاتم النّبیّن کے معنی

کیا میاں محمود احمد صاحب اور دوسرے مسلمانوں کے نزدیک ایک ہی ہیں؟

اس موضوع پر حضرت امیر ایدّہ اللہ کا ایک مضمون یکم ستمبر 1928ء کے ''پیغام صلح'' میں شائع ہوا تھا۔ اس کی دوسری قسط، جو اسی وقت حضرت موصوف نے لکھی تھی، بعض وجوہ سے شائع نہ ہوسکی۔ چونکہ اس مضمون میں میاں صاحب کے بعض ان مغالطّوں کو آشکارا کیا گیا ہے جو ختم نبوت کے متعلق 3 اگست 1928ء کے ''الفضل'' میں انہوں نے لکھے تھے اس لیے اس کی اشاعت قارئین کرام کے فائدے کا موجب ہوسکتی ہے۔ (مدیر)

میاں صاحب کا عقیدہ اور ایمان:

میاں صاحب نے اس بات پر بڑی شدید قسمیں کھائیں ہیں کہ جب سے انہوں ہوش نے سنبھالا ہے ان کا عقیدہ یہی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ میں نے کب کہا تھا کہ میاں صاحب کا ایمان قرآن شریف پر نہیں رہا۔ یوں تو ایمان کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن ہم تو ظاہر پر حکم لگانے کے لیے مامور ہیں۔ میاں صاحب کی طرح چالیس کروڑ مسلمانوں کا ایمان قرآن پر ہے جنہیں نہایت دلیری سے کافر اور خارج از اسلام قرار دیا جارہا ہے۔

بیعت میں ''خاتم النّبیّن'' کا اقرار:

اور پھر اپنی صفائی کے لیے نہایت موٹے الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ ''میں بیعت کے وقت ہر مبائع سے یہ اقرار لیتا ہوں کہ وہ رسول کریم ﷺ کو خاتم النّبیّن یقین کرے گا''۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ بیعت تو میاں صاحب حضرت مسیح موعود کے نام پر ہی لیتے ہوں گے۔ جیسے خود حضرت صاحب کا حکم ''الوصیت'' میں ہے۔ لیکن کیا یہ الفاظ حضرت مسیح موعود کے الفاظ بیعت میں بھی تھے؟ کیا یہ الفاظ ان مفصل دس شرائط بیعت میں ہیں جن

میں پہلے حضرت صاحب بیعت لیا کرتے تھے؟ کیا حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم چھ سال تک جو بیعت لیتے رہے اس میں یہ لفظ تھے؟ کیا کبھی کسی مرید نے غور کیا کہ جو الفاظ نہ حضرت مسیح موعود کی دس شرائط میں ہیں نہ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے کبھی ان الفاظ میں بیعت لی، میاں صاحب کو کیا ضرورت پیش آئی کہ ان الفاظ کو بڑھایا؟

نئے مریدین کو مغالطہ:

اس کی ایک وجہ تو ظاہر ہے۔ میاں صاحب آنحضرت ﷺ کے بعد اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔ نئے شامل ہونے والوں میں سے اجرائے نبوت کو ویسے منوانا مشکل تھا۔ اس لیے پہلے ان سے بیعت لی گئی کہ آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین مانوں گا۔ اور پھر آہستہ آہستہ یہ تلقین کی گئی کہ خاتم النبیین سے مراد وہ نبی ہے جس کی مہر سے آئندہ نبی بنا کریں گے۔ نبوت تو اب بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلے تھی، مگر پہلے اللہ تعالیٰ براہ راست نبی بنایا کرتا تھا۔ اب نبی بنانے کی مہر آنحضرت ﷺ کے سپرد کر دی گئی ہے۔

کیا میاں صاحب 1901ء سے پہلے کے حوالہ جات مانتے ہیں:

میاں صاحب نے اس بات پر بہت زور صرف کیا ہے کہ میں بھی دوسرے مسلمانوں کو ختم نبوت کا منکر مانتا ہوں اور اس کی تائید میں میری کتاب ''النبوت فی الاسلام'' کے ضمیمہ سے، جہاں حضرت مسیح موعود کی تحریرات نقل کی گئی ہیں، چند حوالے دیئے ہیں۔ اور نہایت عجیب بات ہے کہ یہ سب حوالہ جات ان کتابوں سے ہیں جو 1901ء سے پہلے کی ہیں۔ جن کے متعلق میاں صاحب اپنی کتاب ''حقیقت النبوت'' میں لکھ چکے ہیں کہ 1901ء سے پہلے کے حوالہ جات دربارہ انکار نبوت منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنا غلط۔ میاں صاحب کو ان حوالہ جات کے پیش کرنے کا حق نہ تھا۔ اور تعجب پر تعجب یہ کہ ان حوالہ جات کو میاں صاحب خود مان لیں تو ان کے اس عقیدہ کا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ہزاروں نبی آئیں گے، کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ کاش! میاں صاحب میرے لیے ان کو نقل کرنے کے بجائے کبھی اپنے لیے بھی نقل کرتے یا اپنے مریدوں کے لیے نقل کرتے۔

میاں صاحب کے نقل کردہ حوالہ جات:

ان کے نقل کردہ حوالہ جات سے میں ذیل کے فقرات لیتا ہوں۔

1- کیونکہ نبوت ختم کر دی گئی ہے۔اور ہمارے رسول خاتم النبیین ہیں۔

2-خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (40:33)اور حدیث میں ہے لَا نَبِی بَعْدِیْ میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور اگر کوئی اور نبی نیا یا پرانا آوے تو ہمارے نبی ﷺ کیونکر خاتم الانبیاء ہیں۔

3- آپ کے بعد اگر کوئی دوسرا نبی آجائے تو آپ خاتم الانبیاء نہیں ٹھہر سکتے۔ اور نہ سلسلہ وحی نبوت کا منقطع ہو سکتا ہے۔

4-اور اگر خدا تعالیٰ کے علم میں وہ نبی ہوں گے تو وہی اعتراض لازم آیا کہ خاتم الانبیا ﷺ کے بعد ایک نبی دنیا میں آ گیا اور اس میں آنحضرت ﷺ کی شان کا استخفاف ہے۔اور نص صریح قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے۔

5- جبکہ شان نبوت اس کے ساتھ ہوگی اور خدا کے علم میں وہ نبی ہوگا تو بلا شبہ اس کا دنیا میں آنا ختم نبوت کے منافی ہوگا۔

6- قرآن شریف جیسا کہ آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ(3:5) اور وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (40:33) میں صریح نبوت کو آنحضرت ﷺ پر ختم کر چکا ہے۔

7-اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے۔نہ قرآن میں نہ حدیث میں یہ فرق موجود ہے۔اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں بھی یہی نفی عام ہے۔

کیا میاں صاحب کا عقیدہ مندرجہ بالا حوالہ جات کے مطابق ہے؟:

مگر اس کے باوجود میاں صاحب کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ان حوالہ جات سے ان کے عقیدہ پر، جس کی رو

سے آنحضرت ﷺ کی مہر سے بالکل ویسے ہی نبی بنا کریں گے جیسے پہلے اللہ تعالیٰ بنایا کرتا تھا، کوئی زد نہیں پڑتی! یاللعجب۔ یہ کیا نکات ہیں؟ الفاظ کیا ہیں؟ ان کے معانی کیا ہیں؟ لغت اور دماغ اس موقع پر سب بیکار ہو جاتے ہیں۔ یعنی حضرت مسیح موعود یہ فرمائیں کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں نبوت کا ختم کرنے والا۔ اور میاں صاحب یہ کہیں کہ نبوت کو اپنی مہر سے جاری کرنے والا۔ تو اس سے میاں صاحب کے عقیدہ پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ حضرت مسیح موعود فرمائیں کہ خاتم النبیین کی تفسیر لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ہے اور میاں صاحب لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی تمام احادیث کو رد کر کے صرف ایک بے سند قول سے، جو حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب ہے (لَاتَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدُہٗ۔ یعنی لَا نَبِیَّ بَعْدُہٗ نہ کہا کرو) استناد پکڑیں تو بھی ان کا اور حضرت مسیح موعود کا عقیدہ ایک ہے۔ اور حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب اسی مضمون میں میاں صاحب کے یہ الفاظ بھی دیکھے جاتے ہیں "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وہی مذہب ہے جو میرا ہے۔ وہ فرماتی ہیں قُوْلُوْا خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَلَاتَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدُہٗ۔ یہ تو کہو کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی اور نبی نہیں۔ یہ عجیب گورکھ دھندا ہے!

ختم نبوت کے متعلق دوسرے مسلمانوں کا عقیدہ:

حضرت مسیح موعود نے بے شک لکھا ہے کہ یہ عقیدہ کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰ تشریف لائیں گے، ختم نبوت کے عقیدہ کے خلاف ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مسلمان، جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں، وہ فی الحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں۔ وہ ختم نبوت کے تو قائل ہیں۔ اسی لیے انہیں کہا جاتا ہے کہ جب تم ختم نبوت کو مانتے ہو اور یہ ایک اصول محکم ہے جس پر تم قائم ہو تو پھر یہ تم کس طرح مان سکتے ہو کہ حضرت عیسیٰ آنحضرت ﷺ کے بعد آئیں گے۔ یہ دونوں عقیدے ایک دوسرے کے مخالف پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت صاحب کے الفاظ کیسے صاف ہیں۔ "ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بدستور اپنی نبوت کے ساتھ دنیا میں آئیں گے اور برابر 45 برس تک جبرائیل علیہ السلام وحی نبوت لے کر نازل ہوتا رہے گا۔ اب بتلاؤ کہ ان کے عقیدے کے موافق ختم نبوت کے بعد ختم وحی نبوت کہاں باقی رہا۔ بلکہ ماننا پڑا کہ خاتم الانبیاء حضرت عیسیٰؑ ہیں"۔ کاش! میاں صاحب اور ان کے مرید کبھی حضرت صاحب کے ان الفاظ پر خود بھی غور کرتے!

میاں صاحب اور حضرت مسیح موعود:

میاں صاحب صاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ وحی نبوت کا سلسلہ جاری ہے اور حضرت صاحب ختم وحی نبوت کے قائل ہیں۔ اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے کو ایک خطرناک غلطی قرار دیتے ہیں۔ حضرت صاحب خاتم الانبیاء کے معنی کرتے ہیں وہ نبی جو سب نبیوں کے آخر پر آئے۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ کو آنحضرت ﷺ کے بعد لاتے ہیں ان کے اس عقیدہ کی رو سے خاتم الانبیاء حضرت عیسیٰؑ ہوئے نہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ کیا میاں صاحب بھی خاتم النبیین کے یہی معنی کرتے ہیں یا ان معنوں کو غلط قرار دے کر خاتم الانبیاء سے مراد ایسا نبی لیتے ہیں جس کی مہر سے آئندہ نبی بنا کریں گے؟

ختم نبوت کے متعلق میاں صاحب اور دوسرے مسلمانوں کے عقیدے میں فرق:

میں پھر اصل بات کی وضاحت کرتا ہوں اور جناب میاں صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ صفائی سے اس سوال کا جواب دیں۔ میرا اعتراض یہ تھا کہ خاتم النبین کے جو معنی مسلمان کرتے ہیں وہ معنی میاں صاحب نہیں کرتے۔ مسلمان خاتم النبیین کے معنی کرتے ہیں آخری نبی وہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ میاں صاحب اس کے معنی کرتے ہیں وہ نبی جس کے بعد ہزاروں نبی آئیں گے۔ بلحاظ نبوت نبی ویسے ہی ہوں گے جیسے آنحضرت ﷺ یا آپ سے پہلے نبی تھے۔ البتہ پہلے نبیوں کو اللہ تعالیٰ براہ راست خود بنایا کرتا تھا۔ اب آنحضرت ﷺ کی مہر سے نبی بنا کریں گے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ معنی آج تک کسی مسلمان نے نہیں کیے، نہ کسی حدیث میں یہ معنی مذکور ہیں۔

13 مئی 1929ء

حضرت امیر کا تبصرہ

مظالم نبویؐ کی فرضی داستان

ایک انگریز مصنف کے بے بنیاد الزامات

حضرت امیرایدّہ اللہ کا ایک انگریزی مضمون ان فرضی مظالم کے بارہ میں، جو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، ''لائٹ'' کے متعدد شماروں میں شائع ہوا ہے۔ قارئین پیغام صلح کے استفادہ کے لیے ہم اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ (مدیر)

ولیم کیش ایک انگریز مصنف نے ''ایکس پینشن آف اسلام'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس کے ساتھ چار صفحات کا ایک تتمہ بھی ہے۔ اس میں مصنف نے بعض ایسی مثالیں جمع کی ہیں، جن کو اس نے ''قتل و غارت'' کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس کا بیان ہے کہ یہ قتل و غارت حضرت نبی کریم ﷺ کے ایما سے ہوئی۔ اور اس لحاظ سے اس نے آپ کو معاذ اللہ ظالم، مکار اور بے رحم قرار دیا ہے۔ (صفحہ 19 کتاب مذکور) یہ تمام مثالیں باستثنا واحد سر ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد'' سے لی گئی ہیں۔ اور ہر واقعہ کو بیان کرتے ہوئے ان کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں جن کو اصل ماخذ کہنا چاہئے۔ ''قتل و غارت'' کے ان فرضی واقعات کی کل تعداد پانچ ہے۔ ان کے علاوہ بنو قریظہ کے قتل کا واقعہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ ساتویں مثال بنی مصطلق کی ایک عورت کی جبری عصمت دری سے تعلق رکھتی ہے۔ جو میور کے بھی علم میں نہیں آئی۔ اور مسٹر کیش نے صرف آنحضرت ﷺ کے کیریکٹر کو مخدوش ثابت کرنے کے لیے اس کو ایسے عنوان سے پیش کیا ہے۔ ورنہ اصل واقعہ میں کوئی ایسی بات پائی نہیں جاتی جس سے آنحضرت ﷺ کا اس واقعہ سے کوئی تعلق ثابت ہو۔

اصل ماخذ:

قبل اس کے کہ ان تمام واقعات پر ایک ایک کر کے نظر ڈالی جائے، میں ان اصل ماخذوں پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں جن کو مسٹر کیش نے ان الزامات کے ثبوت میں بطور سند پیش کیا ہے۔ وہ بڑی بڑی عربی کتب، جن کا ذکر اس ضمن میں کیا گیا ہے، یعنی ابن ہشام، واقدی، ابن سعد، طبری اور حلبی وغیرہ، وہ سب کی سب

کتابیں سیرت اور مغازی سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ دونوں لفظ ابتداً ایک دوسرے کے بدل اور مترادف سمجھے جاتے رہے ہیں۔ اور سیرت کی کتابیں (جو دراصل آنحضرت ﷺ کی سوانح حیات سے تعلق رکھتی ہیں) زیادہ تر ان مغازی کے تذکروں پر مشتمل ہیں جو آپ کو پیش آئے۔

حدیث اور کتب مغازی کا درجہ:

حدیث کی کتابیں ان سے الگ ہیں۔ حدیث میں شریعت کی ان تفصیلات کو بیان کیا گیا ہے جو آنحضرت ﷺ سے سننے میں آئیں۔ اگرچہ اس میں آپ کی جنگوں کے حالات یا آپ کی زندگی کے بعض دوسرے واقعات کو بھی بیان کیا گیا ہے جو اعتقادی امور پر روشنی ڈالنے والے ہیں۔ سیرت اور مغازی پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ بعد کی پیداوار ہیں۔ اور اس تنقید کی وہ متحمل نہیں جس پر حدیث کی کتابیں پوری اترتی ہیں۔ محدثین کا گروہ اربابِ سیّر سے بالکل مختلف ہے۔ اور تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ سیرت کی کتابیں اعتبار کے لحاظ سے کتب حدیث سے بہت کم درجہ رکھتی ہیں۔ بعض سیرت کی کتابیں دوسری کتب کی نسبت زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ قابل اعتماد کتابیں بھی تنقید کے اس معیار پر پوری نہیں اترتیں جس پر حدیث کی کتابیں پوری اتر چکی ہیں۔ اس کے برخلاف ہر ایک وہ بات جو ارباب سیر کو معلوم ہوئی، خواہ وہ سچی ہو یا جھوٹی، انہوں نے اسے اپنے قارئین تک پہنچا دیا۔ حافظ زین الدین عراقی نے، جن سے حافظ ابن حجر کو تعلق شاگردی حاصل ہے، فرمایا کہ ''طالب علم کو یہ بتا دینا چاہئے کہ کتب سیرت میں سچی باتیں بھی ہوتی ہیں اور جھوٹی بھی''۔ امام احمد بن حنبلؒ کتب مغازی کی تنقید میں اور بھی زیادہ سخت واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے ان کو اس قسم کی کتابوں میں شمار کیا ہے ''جو کسی اصول پر مبنی نہیں'' اور ارباب سیر میں واقدی کے مقام کا جہاں تک تعلق ہے، وہ سب سے زیادہ ناقابل اعتبار ہے۔ اور عام طور پر اسے ''کذّاب'' سمجھا جاتا ہے۔

یورپین مصنفین کی سب سے بڑی غلطی:

سب سے بڑی غلطی، جو اسلام اور آنحضرت ﷺ پر بحث کرتے ہوئے یورپین فضلاء سے عام طور پر صادر ہوتی ہے، یہ ہے کہ حدیث کو تو وہ ناقابل اعتبار ٹھہرا کر رد کر دیتے ہیں۔ لیکن ہر ایک اس کہانی کو، جو ارباب سیر نے بیان کی ہو، اس حد تک صحیح اور قابل اعتبار سمجھ لیا جاتا ہے جہاں تک آنحضرت ﷺ کے لیے وہ موجب

نقصان ہوسکتی ہے۔تنقید کے تمام اصول یہاں آ کرمحض اس ایک خیال کے تابع ہو جاتے ہیں کہ جو بات آنخضرت ﷺ کے خلاف ہو، وہ ضرور سچی اور یقینی ہے۔

صداقت کا صحیح معیار:

میں اس بارہ میں تفصیل کے ساتھ بحث نہیں کرسکتا۔لیکن صرف اس قدر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر چہ یہ معلوم کرنا فی الحقیقت بہت ہی مشکل ہے کہ سیرت کی کتابوں میں کون سی باتیں غلط ہیں۔تاہم کتب احادیث سچ اور جھوٹ کے امتیاز میں ہمارے لیے بہت بڑی امداد کا موجب ہوسکتی ہیں۔اورقرآن کریم کی سند تو ایک ایسی چیز ہے جس کو کسی طرح بھی رد نہیں کیا جاسکتا۔اس بات کو یورپین فضلاء نے قطعاً نظر انداز کر دیا ہے۔یہ ایک نا قابل انکارحقیقت ہے کہ قرآن کریم ہی آنخضرت ﷺ کا واحد ہدایت نامہ تھا اور آپ اس کے کسی بھی ارشاد کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے۔قرآن کریم میں بارہا آنخضرت ﷺ سے یہ کہلوایا گیا ہے اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوْحٰی اِلَیَّ (50:6) میں محض اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے۔پھرفرمایااِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ (14:6)۔مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں اس سے بھی بڑھ کر یہاں تک فرمایا گیا ہے اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ(15:6) میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب میں گرفتار نہ کیا جاؤں۔

قرآن کریم پرآنخضرت ﷺ کا عمل:

اس لیے ایک مسلمان کے نقطہ نگاہ سے آنخضرت ﷺ قران کریم کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے۔بلکہ بڑے بڑے نقاد دشمن بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم میں کامل اتحاد پایا جاتا ہے۔اس لحاظ سے جو کچھ بھی آنخضرت ﷺ نے کیا وہ قرآن سے شراکت واتحاد رکھتا ہے۔یہ وہ بات ہے جس کو سرولیم میور اور دوسرے مصنفین نے بار بار دہرایا ہے۔بار بار ہمیں بتایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فلاں فعل کو، جو آپؐ سے سرزد ہوا، جائز ثابت کرنے کے لیے فلاں آیت بنالی۔خواہ آپ نے کسی نازل شدہ حکم کی پیروی کی یا اپنے کسی فعل کو جائز ثابت کرنے کے لیے کوئی آیت بنالی۔دونوں صورتوں میں آپ کا کوئی بھی فعل ایسا نہیں جس کو قرآن کریم کے مخالف قرار دیا جاسکے۔اگر قتل وغارت کے واقعات آپ کے ایما کے ماتحت ہوئے یا عصمت

دری کا ناپاک فعل آپ کی ہدایات کے ماتحت عمل میں آیا تو ضروری ہے کہ قرآن کریم قتل و غارت اور عصمت دری دونوں چیزوں کو جائز قرار دے۔ اور اگر وہ ان دونوں افعال کو ہرگز جائز نہیں ٹھہراتا تو اس نتیجہ سے قطعاً انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے ان افعال کی کبھی اجازت نہیں دی۔

الزامات کی غلط بنیاد:

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک شخص کو کسی امر کا ملزم ٹھہرانے کے لیے بڑی زبردست شہادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ آنحضرت ﷺ جیسی بےنظیر حیثیت کے انسان پر، جس نے عالمگیر امن اور عالمگیر برادری کی بنیاد رکھی۔ جس نے سالہا سال تک سخت ترین مصائب برداشت کیے اور پھر ان تمام اذیت پہنچانے والوں کو اس وقت، جبکہ وہ جنگوں میں مغلوب ہوکر آپ کے قدموں پر گر چکے تھے، غیر مشروط معافی دے دی، جس نے ایک ہی موقعہ پر چھ ہزار اسیران جنگ کو ایک پائی معاوضہ لئے بغیر آزاد کردیا اور جس کی دوست اور دشمن کے ساتھ فیاضی اور سیر چشمی کے کارنامے تاریخ میں سینکڑوں کی تعداد میں مذکور ہیں، کوئی الزام لگایا جاسکے۔ موجودہ معترضین کی یہ ذہنیت سمجھ میں نہیں آسکتی کہ جہاں ہر ملزم کو وہ شک کا فائدہ دے دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں، وہیں محمد رسول اللہ ﷺ جیسے محسن بنی نوع انسان کو ایسے ریکارڈ کی بنا پر، جس کی صحت مسلمہ طور پر مشکوک ہے اور جو قرآن جیسی ناقابل تردید شہادت کے بالکل خلاف واقع ہوا ہے، نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ مجرم ٹھہرا دیتے ہیں۔

قسط دوم: مطبوعہ دراشاعت 25 مئی 1929ء

قتلِ یہود کا الزام:

اب ہم ان واقعات کو لیتے ہیں جن کو مسٹر کیش نے بطور مثال پیش کیا ہے۔ چھ پیش کردہ واقعات قتل میں سے پانچ اور ایک قتل عام کا واقعہ یہود سے تعلق رکھتا ہے۔ یہود اہلِ کتاب تھے اور مسلمان اہل کتاب کے ساتھ مشرکینِ عرب کی نسبت زیادہ نرمی کا برتاؤ کرتے تھے۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ انہی اہل کتاب کو، جن کے انبیاء کا ذکر قرآن کریم میں اکثر موقعوں پر بڑی عزت واحترام کے ساتھ کیا گیا ہے، قتل و غارت کے لیے منتخب کیا جاتا اور ان مشرکینِ عرب کے خلاف ایسے جرائم کا ارتکاب عمل میں نہ آتا جو تیرہ سال تک مکہ میں نہایت بے رحمی کے ساتھ مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے رہے اور اب مدینہ پر ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کے لیے انہوں نے تلواروں کو نیام سے

کھینچ لیا تھا۔

یہود اور مشرکینِ عرب کی گالیاں:

سر ولیم میور اور مسٹر کیش کا بیان ہے کہ ان یہود کا جرم سوائے اس کے اور کوئی نہ تھا کہ انہوں نے ایسے شعر بنائے تھے۔ جو ''مسلمانوں کے لیے دکھ اور اذیّت کا موجب تھے''۔ شعر گوئی یہود کا کوئی خاص مشغلہ نہ تھا۔ اور ایسے اشعار، جن میں اسلام اور مسلمانوں کو گالیاں دی گئی تھیں، یہود کی نسبت مشرکین عرب نے بہت زیادہ بنائے ہوئے تھے۔ یہ فی الحقیقت یہود نہیں بلکہ عرب لوگ تھے۔ جن کا شعر گوئی خاص مشغلہ تھا۔ اور ہجو اور گالیوں سے بھری ہوئی نظموں سے اسلام کی عزت اور شہرت کو نقصان پہنچانے کے لیے انہوں نے ہی خاص طور پر بطور ہتھیار کام لیا۔

مسلمانوں کا صبر وتحمل:

سر ولیم میور نے اپنی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' مسیحیت کے تبلیغی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے لکھی اور مسٹر کیش نے صرف اس کی نقل کی ہے۔ اور ان دونوں میں سے کسی نے بھی ان روایات کی صحت کو جانچنے کی تکلیف برداشت نہیں کی جن کی بنیاد پر انہوں نے دنیا کے سب سے زیادہ رحمدل اور پرلے درجہ کے راستباز انسان کو ظالم اور فریبی (نعوذ باللہ) کے ناپاک الزامات سے متہم کرنا چاہا ہے۔ اگر یہ لوگ اس مسئلہ کی تہ تک پہنچتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ آنحضرت ﷺ اور مسلمان نہایت سخت گالیاں اور دکھ دینے والے اشعار اپنے تمام مخالفین سے خواہ وہ یہود ہوں یا مشرکین عرب نہایت صبر کے ساتھ سنتے رہے۔ انہیں فی الحقیقت قرآن کریم کا نہایت صاف اور واضح حکم تھا کہ تمام گالیوں کو وہ صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہیں۔ خواہ مشرکین عرب کی طرف سے انہیں سننی پڑیں یا یہود اور نصاریٰ کی طرف سے۔

قرآن کریم میں صبر و برداشت کا حکم:

میں صرف ایک آیت اس کے ثبوت میں پیش کرتا ہوں جو اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان اپنے دشمنوں کے بالمقابل برسرپیکار ہو چکے تھے وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (186:3) ضرور تم ان لوگوں

سے، جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکین سے بہت سی دکھ کی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر سے کام لو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ عزم الامور میں سے ہے۔ یہ آیت اس سورۃ میں ہے جس میں جنگ احد کا حال بیان کیا گیا ہے۔ جو ہجرت کے تیسرے سال واقع ہوئی۔ اس لیے اس سال سے پیشتر اس آیت کا نزول ممکن نہیں۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جو اکثر پیش کردہ الزامات قتل سے تعلق رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے متبعین کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ قرآن کریم کے اس صاف اور واضح حکم کے صریحاً خلاف عمل کرتے؟ جیسا کہ میں قبل ازیں بتا چکا ہوں آنحضرت ﷺ قرآن کریم کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کر سکتے تھے۔ قرآن کریم ایک ایسے وقت میں، جبکہ مسلمان مشرکین عرب اور یہود دونوں سے برسرپیکار تھے، صاف طور پر بتاتا ہے کہ مسلمانوں کو بہت سی تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی اور انہیں نہ صرف ان کو برداشت ہی کرنا چاہئے بلکہ ویسی ہی بدی کا ارتکاب کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔ چہ جائیکہ ان گالیاں دینے والوں کو قتل کرنے کے درپے ہوں۔ ایسے صاف اور صریح احکام کے ہوتے ہوئے کس طرح سے آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے قتل کا حکم دے سکتے تھے جو آپ کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ اور کس طرح سے مسلمان ایک ایسے حکم پر عمل پیرا ہو سکتے تھے جو قرآن کریم کے صریحاً خلاف ہے۔ یہ ایک بالکل ناممکن بات تھی۔ اور اگر ابن ہشام یا واقدی کا یہ بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گالیاں دینے والوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو یہ ایک نہایت کمزور شہادت ہے جو رد کر دینے کے لائق ہے۔ اور قران کریم کو، جو آنحضرت ﷺ کے افعال واعمال کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کا مسلّمہ طور پر نہایت قابل اعتماد ذریعہ ہے، ہرگز رد نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم نے حملہ آور دشمن سے جنگ کرنے کی اجازت دی۔ لیکن اس شخص کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی جو اسلام اور اس کے پاک نبی ﷺ کو گالیاں دے۔ بلکہ اس نے صاف لفظوں میں یہ حکم دیا کہ ایسی باتوں کو صبر اور حوصلہ کے ساتھ برداشت کر لیا جائے۔ ایک معاند نقاد کے نقطہ نگاہ سے یہ بات قطعاً باور نہیں کی جا سکتی کہ ایک طرف تو رسول اللہ ﷺ نے ایسے اشعار کی وجہ سے، جن میں آپ کی ہجو کی گئی، قتل کا حکم دیا اور دوسری طرف اسی وقت اور اسی منہ سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ گالیوں کا جواب صبر کے سوا اور کسی طریق پر نہ دیا جائے۔ ایسے موقعہ پر، جب ایسے قتل وغارت کا حکم آپ نے دیا، چاہئے تو یہ تھا کہ ایسی کوئی آیت بنائی جاتی جس میں گالیاں دینے والوں کو قتل کرنے کی اجازت ہوتی۔

قسط سوم: مطبوعہ دراشاعت 31 مئی 1929ء

پہلا الزام قتل اسماء:

اب ہم تمام واقعات کوایک ایک کر کے لیتے ہیں۔ پہلا واقعہ، جس کا ذکر مسٹرکیش نے کیا ہے، وہ قبیلہ اوس کی ایک عورت اسماء سے تعلق رکھتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ ایک شاعرہ تھی اوراس نے بعض ایسے اشعار کہے تھے جن میں آنحضرت ﷺ پر یہ حملہ کیا گیا کہ انہوں نے دفعتہً ادنیٰ حیثیت سے اٹھ کر جنگ بدر میں بڑے بڑے سرداروں کوقتل کر دیا۔کہا جاتا ہے کہ عمیر نامی ایک مسلمان نے اس بدگوئی کی وجہ سے اس عورت کونہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کیا۔اورآنحضرت ﷺ نے نہ صرف اس قتل کو جائز ہی ٹھہرایا بلکہ عمیر کے اس فعل کی تعریف بھی کی۔ اس بارے میں واقدی،ابن ہشام اورابن سعدکی اسناد پیش کی گئی ہیں۔

اس واقعہ کا نا قابل اعتماد ہونا نہ صرف ان دلائل سے ثابت ہے جو پہلے درج ہو چکے ہیں۔اورجن سے پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی گالی دینے والے کوقتل کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ ان صریح ہدایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ جن میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی عورت کوقتل نہ کیا جائے۔خواہ وہ مسلمانوں کے بالمقابل جنگ میں شریک ہی کیوں نہ ہو۔ بخاری جیسی اعلیٰ پایہ کی کتاب میں ''کتاب الجہاد'' کے ذیل میں ''جنگ میں عورتوں کاقتل'' کےعنوان سے ایک باب باندھا گیا ہے۔جس میں ابن عمرؓ سے ذیل کی روایت بیان کی گئی ہے ''ایک جنگ میں،جس میں آنحضرت ﷺ شریک تھے،مقتولین میں ایک عورت پائی گئی۔اس پر آنحضرت ﷺ نے عورتوں اور بچوں کاقتل ممنوع قرار دیا''۔اگرآنحضرت ﷺ ایک عورت کاقتل اس وقت بھی جائز قرار نہیں دیتے جب وہ بالمقابل جنگ میں شریک ہوتو وہ کس طرح محض اس بات کی بنا پر کہ کسی عورت نے کچھ تکلیف دہ اشعار لکھے اس کاقتل جائزٹھہرا سکتے اوراس کی تعریف کر سکتے ہیں! عورتوں کاقتل کرنے کے متعلق آنحضرت ﷺ کے ان سخت امتناعی احکام سے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم خوب واقف تھے۔ یہاں تک کہ جب ابوالحقیق کے قتل کے موقعہ پراس کی بیوی درمیان میں آ گئی تو نیام سے کھینچی ہوئی تلواریں رک گئیں۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو آنحضرت ﷺ کا وہ فرمان یاد تھا جس میں آپ نے عورت کوقتل کرنے سے منع فرمایا ہے (ملاحظہ ہوفتح الباری باب قتل ابوالحقیق (ابورافع) اس کھلی شہادت کی موجودگی میں صرف ایک متعصب انسان ہی اس بات کو مان سکتا ہے

کہ آنحضرتؐ نے ایک عورت کو محض اس بنا پر کہ اس نے اشعار میں آپ کی ہجو کی تھی، قتل کرنے کا حکم دیا اور اس فعل کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا۔ ایسی روایت کو موضوع قرار دینے میں مجھے کوئی تامل نہیں۔

اسماء کے قتل کے الزام پر بحث کرتے ہوئے میں نے یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنگوں میں بھی عورتوں کے قتل کی کھلی ممانعت کر دی تھی۔ اس بارہ میں مَیں نے اسلام کے ایک سب سے زیادہ قابل اعتماد محدث امام بخاری سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اس کا عنوان ہے ''**قتل النساء فی الحرب**'' (جنگوں میں عورتوں کا قتل) اس سے ظاہر ہے کہ عورتوں کے قتل کی ممانعت جنگوں میں بھی ملحوظ رکھی جانی ضروری تھی۔ صرف امام بخاری ہی نے مذکورہ بالا واقعہ اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کو بیان نہیں کیا۔ بلکہ صحاح ستّہ کی ایک کتاب کے سوا باقی تمام کتب میں یہ موجود ہے۔ اس لیے اس کی صحت ایک مسلمہ امر ہے۔

فقہاء کا مذہب:

صرف یہی نہیں بلکہ بعد کے فقہاء نے اس ہدایت کو ایک بنیادی اصول کے طور پر قبول کیا ہے۔ مالک اور اوزاعیؒ کے نزدیک کسی حالت میں بھی عورت کا قتل جائز نہیں۔ اور شافعی اور کوفیوں کے نزدیک عورت کو صرف اس وقت قتل کیا جا سکتا ہے جب وہ محارب ہو۔ ایک مذہب یہ بھی ہے کہ محارب ہونے کی حالت میں بھی عورت کو عمداً قتل کرنا جائز نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ کسی مرد کو مارنے کے لیے اس پر حملہ آور ہو (عون المعبود شرح ابوداؤد باب قتل النساء) لیکن مالکؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک، جیسا کہ ابھی بیان کیا جا چکا ہے، ایک عورت کو کسی حالت میں بھی قتل نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی محارب فوج عورتوں اور بچوں کی پناہ میں آ جائے یا کسی ایسے قلعہ یا جہاز میں پناہ گزیں ہو، جس میں عورتیں اور بچے بھی ہوں، تو اس پر گولی چلانا یا اس قلعہ یا جہاز کو آگ لگانا قطعاً ممنوع ہے۔ (فتح الباری) ان کھلے واقعات کے ہوتے ہوئے یہ بالکل قرین قیاس نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت کو حالت امن میں محض اس بنا پر قتل کرنے کا حکم دیا ہو کہ اس نے بعض اشعار کے ذریعہ سے آپ کی ہجو کی۔

قسط چہارم: مطبوعہ در اشاعت 7 جون 1929ء

دوسرا واقعہ جو مسٹر کیش نے بیان کیا ہے وہ ابوافاک کے قتل سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ایک بوڑھا یہودی

مرتد تھا اور اس کا جرم بھی وہی بیان کیا جاتا ہے جو اسماء کا جرم قرار دیا گیا ہے۔ اسماء کے قتل کی طرح اس کہانی کو بھی ایک بے بنیاد افسانہ طرازی قرار دینے میں مجھے کوئی تامل نہیں۔

بوڑھوں کے قتل کی ممانعت:

اس بارہ میں جو دلیل میرے پاس ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں کے قتل کے خلاف جو ہدایت آنحضرت ﷺ نے دی اس میں بچے اور بوڑھے بھی شامل ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بخاری میں جو روایت آنحضرت ﷺ سے بیان کی گئی ہے اس میں عورتوں اور بچوں ہی کا ذکر ہے۔ بوڑھوں کا ذکر نہیں۔ لیکن ابوداؤد باب **دعاء المشرکین** میں انس بن مالکؓ سے ایک روایت ہے جس میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا گیا ہے کہ کسی بوڑھے آدمی کو نہ مارو۔ نہ ہی کسی بچے یا چھوٹی عمر کے آدمی یا کسی عورت کو قتل کرو۔ آنحضرت ﷺ کا صاف طور پر بوڑھے آدمیوں کو قتل کرنے سے منع کرنا ان ہدایات سے بھی ثابت ہے جو آپ کے خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابوسفیان کو شام میں ایک فوج کی کمان پر بھیجتے ہوئے دیں۔ ان ہدایات میں آپ نے صاف طور پر یہ حکم دیا ہے کہ ''نہ تو بچوں کو قتل کرو اور نہ عورتوں اور نہ بوڑھے آدمیوں کو۔'' (فتح القدیر، جلد 5 صفحہ 203) یہ صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کے کسی ارشاد کے بغیر ایسی ہدایت نہ دے سکتے تھے۔ اس لیے یہ کہنا خلاف حق نہیں کہ بوڑھے آدمیوں کے قتل کے خلاف آنحضرت ﷺ کی ویسی ہی ہدایت موجود تھی جیسی کہ عورتوں کے قتل کی مخالفت میں۔ اور یہ ایک بالکل ناممکن بات ہے کہ آنحضرت ﷺ ایسی کھلی ہدایات دینے کے باوجود ایک بوڑھے یہودی مرتد کو، جیسا کہ ابوافاک کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، قتل کا حکم دیں اور وہ بھی صرف اس جرم کی بنا پر کہ اس نے چند تکلیف دہ اشعار آپ کے متعلق لکھے۔

فقہ حنفی کا فتویٰ:

فی الحقیقت جیسا کہ ''ہدایہ'' میں صاف طور پر لکھا ہے کسی شخص کو جو قاتل نہیں کسی بنا پر بھی قتل نہیں کیا جاسکتا سوائے اس ایک وجہ کے کہ وہ محاربین میں شامل ہو۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

> مسلمانوں کے لئے واجب نہیں کہ وہ کسی عورت یا بچہ یا بوڑھے آدمی کو قتل کریں۔ نہ ہی اس شخص کا قتل کرنا واجب ہے جو جنگ میں حصہ نہ لے اور نہ ہی نابینا کا قتل جائز ہے۔ کیونکہ

ہمارے نزدیک وہ امر جو کسی انسان کو جان سے مارنا مشروع اور جائز ٹھیرانا ہے، وہ صرف اس کا محارب ہونا ہے۔اور یہ مذکورہ بالا اشخاص میں نظر نہیں آتا۔

(هدایه، باب کیفیة القتال)

یہ نتیجہ، جو فی الحقیقت فقہ حنفی کا ایک بنیادی اصول ہے، دراصل حضرت نبی کریم ﷺ کے کھلے ارشاد پر مبنی ہے۔ابوداؤد نے ابن ربیع کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ ''ایک جنگ میں ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک مقام پر لوگ جمع ہیں۔آپ نے ایک آدمی اس غرض سے بھیجا کہ وہ تحقیقات کرے کہ لوگ وہاں کیوں جمع ہیں۔واپس آ کر اس شخص نے بیان کیا کہ ایک عورت ماری گئی ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''وہ لڑتی نہ تھی''۔راوی کا بیان ہے کہ خالدؓ اس وقت سپاہ کی کمان پر تھے۔اس لیے آنحضرت ﷺ نے خالدؓ کی طرف آدمی بھیجا اور انہیں کہلا بھیجا کہ وہ نہ تو کسی عورت کو قتل کریں اور نہ ایسے شخص کو جو معاوضہ پر کام کر رہا ہو۔(باب قتل النساء) ان الفاظ میں کہ ''وہ لڑتی نہ تھی'' آنحضرت ﷺ نے اس بات کو صاف کر دیا کہ دوران جنگ میں بھی صرف انہی اشخاص کو قتل کیا جا سکتا ہے جو فی الحقیقت لڑائی میں حصہ لیں۔آپ نے اس سے نہ صرف عورتوں کو بلکہ معاوضہ پر کام کرنے والوں کو بھی مستثنٰی قرار دیا۔کیونکہ وہ دوسرے کاموں کے لیے معاوضہ پر رکھے جاتے ہیں اور اصل لڑائی میں حصہ نہیں لیتے۔اسی بنا پر فقہ حنفی میں عورتوں، بچوں اور بوڑھے آدمیوں کے ساتھ تمام ان لوگوں کو بھی مستثنٰی قرار دیا گیا ہے جو لڑائی میں حصہ نہیں لے سکتے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے احکام کے مطابق کسی شخص کا قتل اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ لڑائی میں حصہ نہ لے۔اور ہر ایسی روایت، جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ فلاں شخص محارب نہ ہونے کے باوجود قتل کر دیا گیا یا تو غیر صحیح ہے یا ناقص۔خواہ وہ معتبر کتب احادیث میں ہی کیوں نہ پائی جاتی ہو۔اور جہاں تک سیرت کی کتابوں کا تعلق ہے۔ان پر تو اس بارہ میں قطعاً کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

ابن سنینہ کا قتل:

ایسا ہی ابن سنینہ کا واقعہ غلط ہونے کی وجہ سے رد کر دینے کے قابل ہے۔یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ یہ قتل آنحضرت ﷺ کے کسی ایسے حکم کا نتیجہ تھا جس میں یہود کو عام طور پر قتل کر دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔صرف یہی ایک بات اس روایت کو ناقابل اعتماد قرار دینے کے لیے کافی ہے۔کیونکہ نہ صرف ایسا حکم ہی قرآن کریم کے کھلے

ارشادات کے صریحاً خلاف ہے بلکہ اگر کوئی ایسا حکم دیا جاتا تو اس کا نتیجہ صرف ایک ہی یہودی کے قتل کی صورت میں پیدا نہ ہوتا۔

میں یہاں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کا کھلا ارشاد کہ دوران جنگ میں بھی کسی ایسے شخص کو قتل نہ کیا جائے جو لڑائی میں حصہ نہ لیتا ہوا گر چہ وہ ایک جنگ کرنے والی فوج کے ساتھ ہو، خود قرآن کریم پر مبنی ہے۔ کیونکہ جس وقت تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی تو وہ ایسے صاف اور کھلے الفاظ میں دی گئی کہ مقابلہ کرنے والوں کے سوا اور کسی سے لڑائی نہ کی جائے۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (190:2) اور اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور اس حد سے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ ایسا ہی دوسری جگہ فرمایا اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (39:22) ان لوگوں کو (تلوار اٹھانے کی) اجازت دی جاتی ہے جن کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے کہ ان پر ظلم ہوا۔

صرف دو صورتوں میں قتل جائز ہے:

ان ارشادات خداوندی ہی کی تعمیل میں آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں اور بوڑھے آدمیوں کو دوران جنگ میں بھی قتل نہ کیا جائے کیونکہ یہ جنگ کرنے والے نہیں۔ اس لیے کوئی غیر محارب ہرگز قتل نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے اس کے کہ وہ جرم قتل کا مرتکب ہو جس کے متعلق قرآن کریم نے کھلی ہدایت دی ہے کہ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی (178:2) قتل کے بارہ میں تم پر قصاص واجب ہے۔ پس قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی احادیث دونوں میں ایک واضح قانون کی صورت میں بتا دیا گیا ہے کہ کسی شخص کی جان صرف دو ہی صورتوں میں لی جاسکتی ہے۔ یا تو وہ قاتل ہو یا محارب۔ اور صرف انہی دونوں صورتوں کے تحت میں وہ تمام واقعات آجاتے ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے کسی شخص کو جان سے مارنے کا حکم دیا۔

قسط پنجم: مطبوعہ دراشاعت 7 جون 1929ء

کعب بن اشرف:

اب میں اصل واقعات کو لیتا ہوں جو کتب احادیث میں مذکور ہیں، ان میں سے ایک کعب بن اشرف

کا معاملہ ہے۔اس واقعہ پر میں ذرا تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کے متعلق کس قدر غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں۔ کعب بن اشرف قبیلہ طے میں سے تھا۔لیکن مدینہ میں آ کر وہ یہودیوں کے قبیلہ بنونضیر کا حلیف بن گیا اوراس قدر اثر پیدا کرلیا کہ ایک یہودی لیڈر کی لڑکی سے اس کی شادی ہوگئی۔ اس لحاظ سے کعب یہودیوں اور عربوں دونوں سے نہایت قریبی رشتہ رکھتا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں نے آپ سے ایک عہد نامہ کیا۔جس کی شرائط میں یہ لکھا گیا کہ دونوں اپنے اپنے مذاہب کو قائم رکھتے ہوئے وہاں ایک قوم کی حیثیت سے رہیں اور جب مدینہ پرکوئی حملہ ہو یا کسی تیسرے فریق سے مدافعانہ جنگ پیش آئے تو دونوں اس بات کے پابند تھے کہ ایک دوسرے کی امداد کریں۔تمام نزاعات کے تصفیہ کے لئے آنحضرت ﷺ کی ذات پاک کو اپیل کی آخری عدالت تسلیم کیا گیا۔لیکن ہجرت کے دوسرے سال جب ایک مکی فوج مدینہ پر چڑھ کر آئی تو مسلمانوں کو اکیلے ان کا مقابلہ کرنا پڑا۔اور باوجودیکہ ان کی تعداد حملہ آور فوج کے ایک تہائی سے بھی کم تھی اور اسلحہ بھی ان کے پاس گھٹیا اور ناکافی تھے۔تاہم بدر کے میدان میں انہوں نے حملہ آور فوج کو بری طرح سے شکست دی۔مسلمانوں کی فتح یہودیوں کے حسد کو بڑھانے کا موجب ہوئی۔کعب بن اشرف نے، جو مدینہ کے معاہدہ میں اپنے آپ کو پابند کر چکا تھا، اب اپنی شاعرانہ استعداد سے کام لے کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض وعداوت پھیلانا شروع کیا۔صرف یہی نہیں بلکہ وہ مکہ بھی گیا اور وہاں دشمنان اسلام کے ساتھ کھلے طور پر عہد و پیمان کیا اور اس بات کی ضرورت اس نے بیان کی کہ قریش جلد از جلد ایک زبردست فوج کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوں اور کعبۃ اللہ کی یہ قسم اٹھائی کہ جس وقت مدینہ پر حملہ ہوگا وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے کھڑا ہو جائے گا۔یہیں تک نہیں بلکہ وہ مکہ سے اپنے دماغ میں ایسی تجاویز لے کر آیا کہ خفیہ طریق سے آنحضرت ﷺ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

میور اور کیش کی مسیحی سپرٹ:

سر ولیم میور کی خاص مسیحی سپرٹ کا یہ نتیجہ ہے کہ ان تمام واقعات کے بیان کرنے کے لیے اس کی ضخیم کتاب ''لائف آف محمدؐ'' میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں نکل سکی۔حالانکہ کعب کی موت کے متعلق ذرا ذرا سی تفصیلات کے بیان کرنے کے لیے بھی کافی گنجائش اس میں نکل آئی ہے۔اوران واقعات قتل میں سے ایک کے متعلق رائے زنی کرتے ہوئے اس نے جن کمینہ جذبات کا اظہار کیا ہے وہ اس کے ذیل کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

''اسلام کی ترقی جس طریق سے شروع ہوئی ہے وہ اس طریق کے بالکل الٹ ہے جو قرون اولیٰ کی مسیحیت کے عروج میں ہمیں نظر آتا ہے۔ مسیحیت میں اس ثابت قدمی اور استقلال کو دیکھ کر لوگ داخل ہوئے جس کی چٹان پر کھڑے ہو کر اس کے ماننے والوں نے موت کا پیالہ پیا۔ اسلام میں جس پھرتی کے ساتھ اس کے ماننے والے دوسروں پر سزائے موت وارد کرتے تھے اسی کے نظارہ سے متاثر ہو کر لوگ اس کے اندر داخل ہوتے رہے۔ بعض حالات میں تبدیل مذہب ایک ایمان لانے والے کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دینے کا موجب تھا اور بعض حالات میں اس کی جان کو بچانے کا باعث''۔

اور اگر میور نے ان حالات کو چھپایا ہے۔ جن کی رو سے کعب ایک حلیف ہونے کے باوجود محارب بن گیا تو مسٹر کیش نے بھی اصل اسناد کی چھان بین کرنے کے باوجود اسی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہجرت کے تیسرے سال، جس کو مفروضہ واقعات قتل کا زمانہ سمجھا جاتا ہے، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین جنگ جاری تھی۔ پس سوال یہ ہے کہ کیا کعب محاربین میں سے تھا یا غیر محاربین میں سے؟ اگر اس نے دشمنان اسلام کے ساتھ فی الحقیقت اتحاد قائم کر لیا اور ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو مسلمانوں کے بالمقابل مصروف پیکار تھے اور اسی حالت میں مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو گیا تو کیا اس کو دغا بازی، ظلم اور بے رحمی پر محمول کیا جائے گا؟ تمام تاریخی بیانات سے یہ ثابت ہے کہ کعب کھلے طور پر محاربین میں شامل ہو گیا اور ان کا حلیف بن گیا تھا بلکہ بعض بیانات سے تو یہاں تک ثابت ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو دغا بازی کے ساتھ قتل کرنے کی تجویزیں کر رکھی تھیں۔ یہاں میں ان میں سے بعض حوالے نقل کرتا ہوں۔

''وہ قریش کے پاس ان کے مقتولین بدر کا ماتم کرنے اور آنحضرت ﷺ کے خلاف انہیں جنگ کے لیے ابھارنے کی غرض سے گیا۔'' (زرقانی، جلد 2 صفحہ 10)

(آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ) ''اس نے (یعنی کعب نے) کھلے طور پر ہمارے خلاف دشمنی کا طریق اختیار کر لیا ہے اور وہ ہمیں بُرا بھلا کہتا ہے اور مشرکین کے پاس گیا ہے (جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر رہے تھے) اور انہیں ہم سے لڑائی کرنے کے لیے جمع ہونے کی ترغیب اس نے دی ہے۔'' (زرقانی، جلد 2 صفحہ 11)

''کلبی سے روایت ہے کہ وہ کعبۃ اللہ کے پردہ کے آگے قریش کے ایک شوریٰ میں شامل ہوا۔ جس کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کی تدابیر کی جائیں''۔ (ایضاً)

''ایک دعوت کا اس نے سامان کیا اور یہودیوں سے خفیہ طور پر یہ مشورہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کو بلایا جائے اور جب وہ آئیں تو سب یکلخت آپ پر ٹوٹ پڑیں''۔ (ایضاً)

محدثین کا کعب کے محارب ہونے پر اتفاق:

مؤلف ''فتح الباری'' نے بخاری کی اسی روایت پر، جس میں کعب کے قتل کا ذکر ہے، رائے زنی کرتے ہوئے ان تمام روایات کو بیان کیا ہے جن کو میں اوپر زرقانی سے نقل کر چکا ہوں۔ یعنی کعب کا مکہ جانا، قریش کو اشتعال دلانا، اس کا شوریٰ میں، جو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے کعبۃ اللہ کے آگے ہوا، شامل ہونا، آنحضرت ﷺ کو دعوت دے کر آپ کو قتل کرنے کی تجویز کرنا وغیرہ۔ بخاری نے خود ان واقعات کو، جو کعب کی موت سے تعلق رکھتے ہیں، ایسے عنوانات کے نیچے رکھا ہے جن میں ''حرب'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور اسی طرح یہ ظاہر کیا ہے کہ اسے محاربین میں سے سمجھا جاتا تھا۔ ابوداؤد نے اس واقعہ کو اس عنوان کے ذیل میں بیان کیا ہے۔ ''جب دشمن پر حملہ کیا جائے اور وہ تیار نہ ہو''۔ اور اس سے یہ ظاہر کیا ہے کہ کعب کو مسلمان کے بالمقابل جنگ کرنے والا دشمن سمجھا جاتا تھا۔ شارح نے اس پر یہ لکھا ہے کہ ''کعب مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے لوگوں کو اشتعال دلاتا تھا''۔ اسی شارح نے اس بات پر بحث کرتے ہوئے کہ کعب کو اس کے افعال کی سزا دینے کے لیے ایک جماعت کا بھیجا جانا بالکل جائز تھا، یہ لکھا ہے کہ ''ایک دشمن کو ضمانت دے دینے یا اس سے صلح کر لینے کے بعد اس سے ایسے سلوک کی اجازت نہیں بلکہ اسی شخص کے بارہ میں یہ اجازت ہے جو عہد کو توڑے اور مسلمانوں کے قتل میں دوسروں کو مدد دے''۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ ان کے لیڈر کو قتل کر دیا گیا ہے تو ''آپ نے اس کے افعال ان کو یاد دلائے اور بتایا کہ کس طرح قریش پر اس نے زور ڈالا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑائی کرنے پر مشتعل کیا''۔

یہود سے نیا عہد نامہ:

یہ بھی لکھا ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے پھر یہود کو معاہدہ کے لیے بلایا''۔ اور یہ معاہدہ بعدۂ ''حضرت علیؓ

کے قبضہ میں تھا''۔ان تمام شہادات سے نہایت واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کعب کو اس وجہ سے قتل کیا گیا کہ اس نے آنحضرت ﷺ سے عہد شکنی کی اور ان دشمنوں کے ساتھ مل گیا جو آپؐ سے برسرپیکار تھے۔اسی لیے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو ایک محارب سے کیا جاتا ہے۔دوسرے یہودی، جو مخالفت میں اس درجہ تک نہ پہنچے تھے، اگرچہ آنحضرت ﷺ کو برا بھلا کہنے میں وہ کسی سے پیچھے نہ تھے، اس وقت بھی امن کے ساتھ رہتے تھے۔ صرف اسی قدر ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس عہدنامہ پر دستخط کر دیں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ وہ اتحاد نہ کریں گے جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں۔

قسط ششم: مطبوعہ دراشاعت 11 جون 1929ء

کعب کے طریق قتل کی ذمہ داری آنحضرت ﷺ پر نہیں:

قابل غور صرف ایک ہی بات ہے کہ کعب پر بعض مسلمانوں نے یکلخت حملہ کرکے ایسی حالت میں اسے کیوں قتل کیا جبکہ اسے علم بھی نہ تھا کہ اس پر حملہ ہو رہا ہے۔سب سے پہلے اس بات کو صاف طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ جس طریق سے اسے قتل کیا گیا اس کی ذمہ داری آنحضرت ﷺ پر ہرگز عائد نہیں ہوتی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ آنحضرت ﷺ کعب کو واجب القتل ہی سمجھتے تھے۔لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں دیا جاسکتا کہ آپ نے اس طریق کے متعلق کوئی ہدایت دی ہو جو اس کو سزا دینے میں اختیار کیا گیا۔اس کے برخلاف ایک روایت تو یہ ہے کہ جب محمد بن مسلمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ دریافت کیا کہ کیا میں اسے قتل کر دوں تو آپ نے اسے کوئی جواب ہی نہ دیا اور خاموش رہے۔اور دوسری روایت یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا اگر تم ایسا کرنا چاہتے ہو تو جلدی نہ کرو یہاں تک کہ سعد بن معاذ سے اس کے متعلق مشورہ کرلو۔(زرقانی، جلد 2 صفحہ 12)

بہرحال آنحضرت ﷺ کو ان تفصیلات کا کوئی علم نہ تھا جو اس قتل میں مدنظر رکھی گئیں۔اور یہ بھی مشکوک بات ہے کہ وہ تفصیلات کہاں تک صحیح ہیں۔میور کو بھی اس بارہ میں بہت سے شکوک ہیں۔لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ وہ تمام تفصیلات صحیح ہیں تو بھی آنحضرت ﷺ کو ان سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

سزا کا ایک ہی ممکن طریق:

پھر آنحضرت ﷺ کی ذمہ داری کے سوال کو علیحدہ رکھتے ہوئے یہ بھی قابل غور ہے کہ کوئی اور طریق ایسا

نہ تھا جس کو پیش آمدہ حالات میں اختیار کیا جا سکتا۔ معترضین نے یہ فرض کر لیا ہے کہ جن حالات میں آج اس بیسویں صدی میں وہ خود زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ بالکل وہی حالات اس وقت مسلمانوں پر مدینہ میں وارد تھے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کو اس وقت ایک دشمن سے سابقہ تھا۔ اور انہوں نے صرف وہی طریق اس کے بالمقابل اختیار کیا جو اس وقت کے پیش آمدہ حالات میں ممکن طور پر وہ اختیار کر سکتے تھے۔

اختیار کردہ طریق دغا بازی نہیں:

میں بتا چکا ہوں کہ کعب نے شروع میں یہودیوں سے مل کر مسلمانوں کے ساتھ عہد نامہ کیا لیکن بعد میں وہ ان کا دشمن ہو گیا اور آخر کار مسلمانوں اور ان کے پیغمبر ﷺ کو ہلاک کرنے کے لیے دوسرے دشمنوں کے ساتھ اس نے مل کر مشورہ کیا۔ ایک باامن شہری کی حیثیت کو چھوڑ کر وہ کھلا محارب بن گیا اور آنحضرت ﷺ کو دغا بازی سے مار دینے کی بھی کوشش کی۔ ایسی حالت میں وہ یقیناً سزائے موت کا مستحق تھا۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کا اسے غفلت کی حالت میں مارنا کوئی دغا بازی یا ظلم پر مبنی ہے؟ اس بارہ میں دوسرا طریق جو وہ اختیار کر سکتے تھے وہ یہی تھا کہ کسی باضابطہ عدالت سے اپنے حق میں فیصلہ لیتے اور کسی مسلمہ حاکم کے ذریعہ سے اسے سزا دلاتے۔ لیکن مدینہ میں اس وقت کوئی بھی باضابطہ اور مسلمہ حاکم نہ تھا۔ اگر کوئی تھا تو وہ خود آنحضرت ﷺ ہی تھے۔ کیونکہ اس معاہدہ کی رو سے جو آپ کے مدینہ آنے پر مختلف اقوام کے مابین ہوا آپ کو تمام نزاعات میں آخری عدالت اپیل قرار دیا گیا تھا۔ اس لیے یہ ناممکن تھا کہ اس معاملہ کو باضابطہ طور پر عدالت میں لایا جاتا۔ دوسری طرف مسلمان اگر انہیں اپنی جانوں کا ذرا بھی خیال تھا تو ان کا انتظار میں خاموش بیٹھے رہنا ناممکن امر تھا۔ کعب بہت کچھ شرارت پیدا کر سکتا اور سزا سے ہر وقت بچا رہ سکتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کا فرض:

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک معلم روحانی تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ جرنیل کا منصب بھی رکھتے تھے۔ اور آپ کا فرض تھا کہ ایک دوربین جرنیل کی طرح کام کریں اور ایک ایسے دشمن کے بد ارادوں سے مسلمانوں کو بچائیں جو مدینہ میں رہتے ہوئے اگر اس کی فوری مدافعت نہ کی جاتی تو بہت کچھ شرارت پیدا کر سکتا تھا۔ کعب نے مسلمانوں کے ان دشمنوں کے ساتھ، جو ان کے بالمقابل برسرپیکار تھے شمولیت اختیار

کی۔اس لیے تمام انسانی اور خدائی قوانین کی رو سے اس کے ساتھ ایک محارب دشمن کے سوا کوئی سلوک نہیں ہوسکتا تھا۔اسی خیال کو مدنظر رکھ کر آنحضرت ﷺ نے ایک چھوٹی سے جمعیت اس کے بالمقابل ارسال کی۔جس کو سیرت کی کتابوں نے ''سریہ'' یعنی فوج کا ایک دستہ قرار دیا ہے۔اور اس لفظ سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ جمعیت اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔

مہذب حکومتوں کا طریقِ عمل:

لیکن یہ امیر سپاہ کا کام تھا کہ وہ ایسا بہترین طریق اختیار کرے جس سے وہ دشمن کو کاری ضرب لگا سکے۔محمد بن مسلمہؓ نے، جو سپہ سالار تھا، اس طریق کو اختیار کیا جو عربوں میں جائز سمجھا جاتا تھا۔اور مجھے یقین ہے کہ آج بھی مہذب اقوام کی طرف سے ایسے طریق اختیار کیے جاتے ہیں جو دشمن کے بالمقابل ''مؤثر تدابیر'' کے نام سے موسوم ہیں۔میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی مہذب حکومت کو اگر آج ڈاکوؤں کی سرکوبی کرنی پڑے تو اسے بھی ایسا ہی طریق اختیار کرنا پڑے گا۔بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایک مجرم کے ساتھ باامن شہریوں کو بھی وہ بم کا نشانہ بنانے سے دریغ نہ کرے گی۔

امیرِ سپاہ اگر کھلے طور پر کعب پر حملہ آور ہوتا تو بہت زیادہ خون ریزی ہوتی۔اور غالباً کعب کے ساتھ بنو نضیر کے تمام قبیلہ کو بھی نقصان اٹھانا پڑتا۔کعب نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر کے اسے توڑا۔آپ کے خلاف اس نے بغاوت کی۔مسلمانوں کے بالمقابل جنگ کے مشورہ میں وہ شامل ہوا تا کہ انہیں نیست و نابود کر دیا جائے اور خفیہ طور پر آنحضرت ﷺ کی جان لینے کی تدابیر اس نے کیں۔ان میں سے ہر ایک جرم کے لیے وہ سزائے موت کا مستوجب قرار دیا جا چکا تھا۔اس فیصلہ کو عمل میں لانے کے لیے ایک چھوٹی سی جمعیت بھیجی گئی۔اور ایسے طریق سے اس پر سزائے موت وارد کی گئی کہ اگر اس میں یہ نقص پایا جاتا ہے کہ اسے خفیہ رکھا گیا تو اس کے ساتھ ہی یہ خوبی بھی اس میں موجود ہے کہ اصل مجرم کے ساتھ بے گناہ لوگوں کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔جو کھلا حملہ ہونے کی صورت میں یقیناً اٹھانی پڑتی۔لیکن آنحضرت ﷺ پر اس طریقِ سزا کی ذمہ داری کسی طرح بھی عائد نہیں ہوتی۔

قسطِ ہشتم: مطبوعہ دراشاعت 18 جون 1929ء

کعب کے معاملہ پر مفصل روشنی ڈالنے کے بعد ابو الحقیق (ابو رافع) کے واقعہ قتل پر کسی تفصیلی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ فی الحقیقت میور نے اس کے جرم کو خود ہی دبی زبان سے تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ ''ابو الحقیق ایک یہودی سردار کا قتل'' کے زیر عنوان اس نے لکھا ہے:

''بنو نضیر کی ایک جماعت جلا وطنی کے بعد خیبر میں اپنے بھائیوں کے پاس جا کر آباد ہو گئی۔ ان کے سردار ابو الحقیق کے متعلق، جو جنگ احزاب میں جبکہ مدینہ کا محاصرہ کر لیا گیا تھا، اور مسلمانوں کے خلاف دشمن افواج میں نمایاں حصہ لے چکا تھا، اب یہ معلوم ہوا کہ وہ بدو قبائل کی غارت گریوں میں ان کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ اس لیے خیبر کے یہودیوں کے خلاف ایک مہم حضرت علیؓ کے زیر کمان بھیجی گئی۔ ان حملوں کو یقینی طور پر ختم کرنے کے لیے (محمد رسول اللہ ﷺ) نے خود اس یہودی سردار کے وجود کو مٹانے کا ارادہ کر لیا۔ جسے ان حملوں کا بانی سمجھا جاتا تھا''۔

یہ بھی ہمیں بتایا گیا ہے کہ:

''ابو الحقیق کا قتل آنحضرتؐ کے ان خطرات کو دور کرنے کا موجب نہ ہوا جو خیبر کے یہودیوں سے لاحق تھے۔ کیونکہ جو سردار اس کی جگہ منتخب کیا گیا۔ اس نے غطفان سے تعلقات قائم رکھے اور اس کے متعلق یہ رپورٹ بھی پہنچی کہ وہ مدینہ کے خلاف از سر نو تیاریوں میں مصروف ہے''۔

بنو نضیر یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو پہلے مدینہ میں رہتا تھا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ پیمان اتحاد کیے ہوا تھا۔ اس کے متعلق جب یہ معلوم ہوا کہ قریش سے اس کی خط و کتابت ہے اور اس کے علاوہ ایک عرب قبیلہ نے، جس کے ساتھ اس کا پیمان اتحاد تھا، مسلمانوں کو دغا بازی سے قتل کر دیا۔ تو انہیں از سر نو عہد نامہ کرنے کے لیے کہا جس کا انہوں نے انکار کر دیا اور اس لیے آخر کار انہیں مدینہ سے خارج البلد کر دیا گیا۔ وہ خیبر میں، جو یہودیوں کا ایک قلعہ تھا، جا کر آباد ہو گئے اور مسلمانوں کے لیے بہت سے مصائب و مشکلات کا موجب بن گئے۔ کیونکہ مدینہ کے گرد و نواح کے قبائل کو مسلمانوں کے قتل کے لیے انہوں نے اکسانا شروع کر دیا۔ ان کا سردار ابو الحقیق، جنگ احزاب میں بھی، جن میں مشرکین عرب اور یہودی قبائل اسلام کو مٹانے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے، لیڈر کی حیثیت

سے مسلمانوں کے خلاف کام کر چکا تھا۔اس طرح ابوالحقیق اور یہودی مسلمانوں کے خلاف میدان جنگ میں آ چکے تھے۔اورقریش کے شکست کھا کر واپس چلے جانے کے بعد بھی وہ مدینہ کے گرد ونواح کے عرب قبائل کو مسلمانوں کے قتل کے لیے اکساتا رہا۔اس لیے آنحضرت ﷺ خیبر کے یہودیوں کے خلاف مہم بھیجنے میں بالکل حق بجانب تھے۔لیکن اس مہم سے پہلے جو 7ھ میں بھیجی گئی آپ نے 7ھ میں ایک چھوٹی سے جمعیت کے بھیجنے میں یہی خیال مدنظر تھا کہ جہاں تک ممکن ہو خون ریزی نہ ہونے پائے۔اوراگر مفسدین کے سردار کا کام تمام ہو جائے تو شرارت ختم ہو جائے گی۔لیکن ابوالحقیق کی موت بھی مسلمانوں کے لیے امن کا موجب نہ ہوئی اور آخر کار خیبر پر حملہ کر کے اسے فتح کرنا پڑا۔اس جمعیت نے جو ابوالحقیق کے خلاف بھیجی گئی وہی طریق اختیار کرنا مناسب سمجھا جو کعب کے خلاف اختیار کر کے کامیابی حاصل ہوئی تھی۔اس سے بھی آنحضرت ﷺ پر کوئی حرف عائد نہیں ہوتا بلکہ طریق قتل کے انتخاب کی ذمہ داری وہ جمعیت ہے نہ کہ آنحضرت ﷺ۔

قسط ہفتم:مطبوعہ دراشاعت 21جون1929ء

بنوقریظہ کا ذکر قرآن میں:

بنوقریظہ کے معاملہ پر قرآن کریم نے جنگ احزاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِیَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا(33:26-27)اورانہیں،جنھوں نے اہل کتاب میں سے ان کی مدد کی تھی،ان کے قلعوں سے نکال دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ایک فریق کو تم قتل کرتے تھے اور ایک فریق کو قید کرتے تھے۔اور تمہیں ان کی زمین اوران کے گھروں اوران کے مالوں کا وارث بنایا۔اورایسی زمین کا بھی جس پر تم ابھی نہیں چلے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قبائل یہود کی عہد شکنی اور جلا وطنی:

ابتدا میں تین یہودی قبائل مدینہ میں رہتے تھے۔بنوقینقاع،بنونضیر اور بنوقریظہ۔ان تینوں قبائل نے، جیسا کہ قبل ازیں بتایا جاچکا ہے،حضرت نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے پر مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا۔

جس کی رو سے دونوں فریق اس بات کے پابند تھے کہ کسی طرف سے جارحانہ جنگ کے پیش آنے یا مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کی امداد کریں گے۔ لیکن تینوں یہودی قبائل میں سے ایک بھی اس عہد نامہ پر قائم نہ رہا۔ غیر جانبدار بھی وہ نہ رہے۔ بنوقینقاع نے سب سے پہلے اس عہد نامہ کو توڑا۔ چنانچہ ابن ہشام لکھتا ہے کہ ''بنوقینقاع سب سے پہلا یہودی قبیلہ تھا جس نے اس معاہدہ کو توڑا جو ان کے اور پیغمبر خدا ﷺ کے مابین ہوا تھا۔ اور بدر اور احد کی جنگوں کے درمیانی زمانہ میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے خلاف جنگ کا اعلان کیا''۔ ان کا محاصرہ کیا گیا اور آخر کار آنحضرت ﷺ کا فیصلہ انہیں ماننا پڑا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ انہیں مدینہ سے خارج البَلد کر دیا گیا۔ یہ 2ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ باقی دونوں یہودی قبائل نے بھی دشمنان اسلام کے ساتھ خفیہ طور پر اتحاد کر لیا ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے انہیں تجدید معاہدہ کے لیے کہا۔ بنوقریظہ نے اس کو مان لیا، لیکن بنونضیر نے انکار کر دیا۔ ان کا محاصرہ کیا گیا اور آخر کار انہیں خارج البلد ہونا پڑا اور وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔

5ھ مدینہ کی چھوٹی سی مسلمان جماعت کے لیے سخت آزمائش کا سال تھا۔ قریش اور یہودیوں کی کوشش سے بہت سے عرب قبائل مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے اور ایک عظیم الشان فوج نے، جس کی تعداد دس اور پچیس ہزار کے درمیان تھی، مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے، جن کی تعداد دو یا تین ہزار سے زیادہ نہ تھی، ایک خندق کھود کر اپنی حفاظت کا سامان کیا۔ مسلمان قوم کی زندگی میں یہ ایک نازک ترین زمانہ تھا۔ قرآن کریم نے اس وقت کی حالت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا(10:33) جب وہ تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر آ گئے۔ اور جب آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور دل دہشت سے گویا گلوں تک پہنچ گئے۔ اور تم اللہ پر مختلف قسم کے ظن کرنے لگے۔ اس موقعہ پر بنوقریظہ نے پرلے درجہ کی شرمناک دغابازی سے کام لیا۔ میں اس کے لئے صرف میور کے الفاظ نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

''اس اثنا میں ابوسفیان یہودیوں کے ایک ہی باقی ماندہ قبیلہ بنوقریظہ کو محمد (ﷺ) کی اطاعت سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ حیی کو جو ایک جلاوطن شدہ یہودی اور قریش کا حلیف تھا۔ اس نے ان کے قلعہ کی طرف بھیجا۔ پہلے اسے وہاں داخل نہ ہونے دیا گیا۔ لیکن اس نے بار بار کی التجاؤں میں محمد (ﷺ) کی عام

یہودیوں کے ساتھ چھپی ہوئی دشمنی کا ذکر کر کے اور احزاب کے عظیم الشان لشکر کو ایک بے پایاں سمندر قرار دے کر ان کے سردار کعب کو آخر کار رزم کر لیا۔ فیصلہ اس بات پر ہوا کہ قریظہ قریش کی امداد کریں۔ اور ایسی صورت میں کہ احزاب کا لشکر مدینہ پر کوئی کاری ضرب لگائے بغیر واپس چلا جائے۔ حیی کو ان کے قلعہ میں واپس آنا ہوگا۔ اس باغیانہ اقدام کی خبریں محمد (ﷺ) کو جب پہنچیں تو انہوں نے سعد نامی دو اشخاص کو، جو اوس اور خزرج کے سردار تھے، اصلیت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے قریظہ کو نہایت خفگی کی حالت میں پایا۔ ان سے کہا گیا کہ ''کون ہے محمد (ﷺ) اور کون ہے خدا کا نبی کہ ہم اس کی اطاعت کریں۔ کوئی عہد و پیمان ہمارا نہیں جس کی وجہ سے ہم اس کے ساتھ مل سکیں''۔ بہت تیز اور تلخ الفاظ اور دھمکیاں سننے کے بعد ہر دو قاصد واپس آ گئے۔ اور انہوں نے محمد (ﷺ) کو اطلاع دی کہ جس قدر احتمال تھا یہود کا مزاج اس سے بہت زیادہ بگڑا ہوا ہے۔ بنو قریظہ کی دغابازی ایک بدترین جرم ہے۔ جس کی مثال تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ اندازہ کیجئے کہ اگر وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جاتے تو مسلمانوں کا کیا حال ہوتا۔ اس لیے جب محاصرہ کرنے والی افواج بھاگ گئیں اور قریظہ اپنے قلعہ میں واپس آ گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ پچیس دن کے بعد انہوں یہ درخواست کی کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے۔ کیونکہ سعد قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ جو آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے سے پیشتر ان کے حلیفوں میں سے تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور سعد نے یہ فیصلہ کیا کہ جو لوگ ان میں جنگ کرنے کے قابل ہیں، ان کو تہہ تیغ کر دیا جائے اور باقیوں کو غلام بنا لیا جائے۔

فیصلہ یہودی شریعت کے مطابق تھا:

مسیحی نقاد اس فیصلہ کے نفاذ کو ظلم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ خود یہود کو اس کے خلاف کوئی شکایت نہ تھی۔ اور وہ کس طرح اس کو ظلم قرار دے سکتے تھے۔ جبکہ اس کا دارو مدار ان کی اپنی شریعت پر تھا جس میں اس شہر کے متعلق جو جنگ کے لیے کھڑا ہوا اور پھر اس کا محاصرہ کر لیا جائے صاف اور کھلے الفاظ میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ:

> ''اگر وہ شہر تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تیرے خلاف جنگ کرے تو تجھے چاہئے کہ اس کا محاصرہ کرے''۔
>
> ''اور جب خداوند تیرے خدا نے اسے تیرے قبضہ میں دے دیا تو تجھے چاہئے کہ اس کے ہر مرد کو تلوار کے گھاٹ اتار دے''۔

''لیکن عورتیں اور بچے اور مویشی اور وہ تمام چیزیں جو اس شہر میں ہیں بلکہ اس کی تمام لوٹ کی چیزیں بھی تیری ملکیت ہوں گی'' (استثناء:2:14-14)

ہمیں معلوم نہیں کہ کن وجوہ کی بنا پر سعد نے ایسا فیصلہ دیا۔ ہوسکتا ہے کہ یہودیوں کا حلیف ہونے کی وجہ سے اس نے ان سے دریافت کیا ہو کہ ایسے حالات اگر انہیں پیش آئیں تو وہ کیا طریق اختیار کریں گے۔ اور ان کے قانون شرع کا علم حاصل کرنے کے بعد اس نے اس کے مطابق فیصلہ دیا ہو۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے ساتھ گہرے تعلقات ہونے کی وجہ سے وہ ان کے قانون شریعت سے پہلے واقف ہو۔

سعدؓ کا فیصلہ کسی طرح ناجائز نہیں:

دغابازی کا جو شرمناک جرم ان سے سرزد ہوا۔ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے اس قدر صاف بات ہے کہ اگر انہیں مسلمانوں پر فتح حاصل ہو جاتی تو وہ بالکل ویسا ہی سلوک ان سے کرتے۔ یہودی اس کو ظلم نہیں سمجھتے اور نہ عیسائیوں کو ایسا سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ وہ بھی تورات کے مندرجہ بالا حکم کو ایک الہامی قانون سمجھتے ہیں۔ آج اس قدر مدت گزر جانے کے بعد یہ سزا سخت معلوم ہوتی ہے۔ خواہ عہد حاضرہ کی ایک ہی مہذب جنگ میں اس سے دس گنا زیادہ خون کیوں نہ بہہ جائے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قومی ہستی کی ضروریات اسی قسم کی سزا کی متقاضی ہوتی ہیں۔ بنو قریظہ کی طرف سے یہ دوسری دفعہ دغابازی کا ارتکاب ہوا تھا۔ اور ایسے موقعہ پر انہوں نے یہ حرکت کی جب مسلمانوں کی قومی ہستی ایسے خطرہ میں تھی کہ گویا مٹ جاتی۔ فیصلہ اس شخص نے دیا جس کو یہود نے خود اپنی طرف سے ثالث منتخب کیا تھا۔ فیصلہ ان کی اپنی شریعت کے مطابق دیا گیا اور اس شریعت کو وہ خدائی شریعت سمجھتے تھے۔ پس ان حالات میں آنحضرت ﷺ پر کیونکر حرف آ سکتا ہے؟

قسط نہم (آخری): مطبوعہ در اشاعت 24 جون 1929ء

ایک ناپاک جھوٹ:

آخری الزام، جو مسٹر کیش نے آنحضرت ﷺ پر لگایا ہے کہ آپ نے بنی مصطلق کی عورتوں کی عصمت ریزی کی اجازت دی، پرلے درجہ کا ناپاک جھوٹ ہے جو اس سے پیشتر کبھی نہیں بولا گیا۔ اور اس سے بڑھ کر جرأت یہ ہے کہ اس الزام کے ''تمام کتب احادیث'' میں پائے جانے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ میں مسٹر کیش کو چیلنج کرتا

ہوں کہ وہ حدیث کے کسی ایک ہی مجموعہ سے ایسی شہادت پیش کرے جو اس الزام کی مؤید ہو۔ یہ ایک ایسا الزام ہے جس سے میور جیسا معاند مصنف بھی قطعاً ناواقف ہے۔

عارضی نکاح یا متعہ:

احادیث سے جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ صرف ابوسعید خدریؓ کی ایک روایت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اسلامی فوج میں سے بعض لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ ان عورتوں سے، جو اسیران جنگ میں شامل تھیں، عارضی طور پر نکاح پڑھا لیں اور اس سلسلہ میں ایسا طریق اختیار کریں کہ کوئی اولاد نہ ہونے پائے۔ لیکن اس بات کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کہ انہوں نے کبھی اس پر عمل بھی کیا تھا۔ ابوسعید کی اس روایت میں صرف عزل (امتناع پیدائش کا ایک طریق) کے جواز کا ذکر ہے۔ اس میں قطعاً یہ نہیں بتایا گیا کہ بنی مصطلق کی عورتوں سے کیا سلوک کیا گیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام سے پیشتر متعہ و عارضی نکاح کی اجازت تھی۔ قرآن کریم نے اس کو بند کر دیا۔ لیکن یہ تمام اصلاحات تدریجاً نافذ کی گئیں اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

اسیرانِ جنگ کے ساتھ نکاح:

قرآن کریم نے اسیران جنگ کے ساتھ کھلے طور پر نکاح کا حکم دیا ہے اور ذیل کی آیہ کریمہ مسٹر کیش کے بے بنیاد الزام کی کھلی تردید ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَاعَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْاخَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (25:4) یعنی جو شخص تم میں سے اتنی فراخی کی طاقت نہیں رکھتا کہ آزاد مومنہ عورتوں سے نکاح کرے تو پھر ان مومنہ لونڈیوں سے نکاح کر لے جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔ اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تم ایک دوسرے سے ہی ہو۔ سو انہیں ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح میں لاؤ اور ان کی دستور کے موافق ان کے مہر دے دو۔ پاک دامن ہوں، نہ کھلی بدکاری کرنے والی اور نہ در پردہ آشنا رکھنے والی۔ پھر جب وہ نکاح میں لائی جائیں تو اگر بے

حیائی کریں تو ان کے لیے سزا آزاد عورتوں کی سزا سے نصف ہے۔ یہ تم میں سے اس کے لیے ہے جسے ہلاکت میں پڑنے کا خوف ہو۔ اور اگر تم صبر کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اللہ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

جہاں تک اس سلوک کا تعلق ہے جو خاص بنو مصطلق کی عورتوں کے ساتھ کیا گیا۔ تمام کتب احادیث میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ تاریخی شہادت پائی جاتی ہے کہ ان سب کو فدیہ لیے بغیر آزاد کر دیا گیا۔ کیونکہ ان میں سے ایک جویریہؓ کو آنحضرت ﷺ نے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تھا۔

❁❁❁

شذرات

مبارک باد:

(24/28 جون 1929ء) احباب کرام یہ سن کر خوش ہوں گے کہ جناب ڈاکٹر بشارت احمد کے صاحبزادہ نصیر احمد صاحب فاروقی محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے انڈین سول سروس کے امتحان میں کامیاب اور نامزد ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں مبارک باد عرض ہے۔

آریہ مناظر کی عربی کتاب:

(14 مئی 1929ء) لاہور کے ان اسلامی جلسوں میں، جو ینگ مینز اشاعت اسلام یونین کے زیر اہتمام منعقد ہوئے، مولانا مولوی عصمت اللہ صاحب نے آریوں کے دل آزار لٹریچر میں سے پنڈت دھرم بھکشو مشہور آریہ مناظر کی ایک کتاب پیش کی۔ جو عربی زبان میں ہندی رسم الخط میں لکھی ہے۔ کتاب کا نام اور عبارت جو مولوی صاحب نے پڑھ کر سنائی وہ اس قدر دلچسپ ہے کہ سامعین میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس کی اَنمِل بے جوڑ عبارات اور غلط فقرہ بندی پر بے اختیار ہنس ہنس کر مہاشہ جی کی عربی دانی کی داد نہ دیتا ہو۔ پیشتر اس کے کہ ہم ان عبارات کو قارئین پیغام صلح کی ضیافت طبع کے لیے پیش کریں، کتاب کا نام بتا دینا ضروری ہے جو مہاشہ کی علمیت کو چار چاند لگانے والا ہے۔ آپ نے بڑی محنت اور کاوش کے بعد کتاب کا نام یہ تجویز کیا ہے۔ ''اصلی قرآن جو لاہور میں نازل ہوئی''۔ ''ہوئی'' اور ''ہوا'' کی بحث کو اس جگہ نظر انداز کر دینا چاہئے۔ کیونکہ یہ ''اصلی قرآن'' ہے جو آریہ سماج پر ''نازل ہوئی''۔ اور چونکہ مہاشہ دھرم بھکشو اس کو نازل کرنے والے ہیں۔ جو کسی گزشتہ جنم میں استری جاتی کے فرائض ادا کر چکے ہیں اس لیے لازماً وہی محاورات ان کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں جو استری جاتی کے لیے مخصوص ہیں۔ ہمارا خیال ہے۔ اس ''اصلی قرآن'' کے تتبع میں اب آریہ جاتی اپنے ہر پُرش (مرد) کے لئے تانیث کا صیغہ ہی استعمال کیا کرے گی۔ تا کہ ''اصلی قرآن'' کی لانے والی کے ساتھ پورا لسانی اتحاد قائم ہو سکے۔ مثلاً دھرم بھکشو سکست کے بعد لوگوں کا ایسا منہ تک رہی تھی کہ جیسے الفاظ کی بھیک مانگ رہی ہو۔

نام کے بعد اندر کی عبارات کو پڑھیے تو اور بھی پُر لطف ہیں۔ شروع ہی میں یہ الفاظ لکھے ہیں ''**الحمد لله الذّی معبودنا یرزق من یشاء بیے حساب**''۔ یہ ''بے حساب'' کا داخلہ علی الحساب معلوم ہوتا ہے۔ وہ عربی ہی کیا ہو جس میں غیر زبانوں کے گنگا جمنی الفاظ داخل نہ کیے جائیں۔ کمال تو یہی ہے کہ مہاشہ جی عربی بھی لکھیں اور ''بے حساب'' غلطیاں بھی کرتے جائیں۔ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے ''**انا خلقت الانسان من سلسال وجعلنا الارض بالجبال والهمت الشیطان الذی یدی آس والشهر رمضان**۔'' واہ واہ۔ فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے ہیں۔ انا کے جمع متکلم کے ساتھ **خلقت** کا واحد متکلم تو خیر ایک معمولی بات ہے۔ جو ایسے اصلی قرآنوں کا امتیاز خصوصی ہونا چاہئے۔ لیکن اس کے ساتھ **جعلنا الارض بالجبال** کس قدر قابل داد الفاظ ہیں۔ جن میں تمام علم جیالوجی کی کایا پلٹ دی ہے۔ اور اس کے ساتھ **والهمت الشیطان یدی آس والشهر رمضان** کا فقرہ اس قدر بلیغ ہے کہ شاید اصلی قرآن کے اس نازل کرنے والے کے سوا جو ''شیطانوں پر الہام کرنے'' کا عادی ہے کوئی بھی اس کے معنی نہ جانتا ہو۔ مہاشہ بھکشو! آپ سے قبل آپ کے بڑے بھائی ابولہب بھی ایسی ہی سعی ناکام فرما کر منہ کی کھا چکے ہیں۔ وہ عربی النسل ہو کر لاجواب رہ گئے تو آپ نہ صرف عجمی بلکہ ہندی النسل ہو کر کس برتے پر کود رہے ہیں۔ کیا **فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ** کے خدائی چیلنج کا جواب یہی اُول جلول الفاظ کا بے تکا مجموعہ ہے؟ مہاشہ جی اس طرح منہ چڑانے سے، سوائے اس کے کہ آپ لوگوں کو کارٹون نظر آئیں اور کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس خبط سے باز آیئے اور پبلک کے استہزا کا سامان نہ بنئے!

پردے پر دلچسپ بحث:

11 مئی 1929ء کو ڈی اے وی کالج ہال میں لاہور سٹوڈنٹس یونین (مجلس طلبہ لاہور) کے زیر اہتمام ایک مجلس مباحثہ منعقد ہوئی۔ جس میں اس موضوع پر کہ ''پردہ قوم کی فلاح و بہبود کے لیے مضر ہے'' نہایت دلچسپ مباحثہ ہوا۔ متعدد خواتین بھی موجود تھیں۔ شریمتی سوشیلا دیوی جلسہ کی صدر تھیں۔ لاہور کے بہت سے ہندو مسلمان فضلاء نے اس بحث میں حصہ لیا۔ جن کے خیالات ذیل میں ہدیہ قارئین کرام ہیں۔

پنڈت نانک چند:

پنڈت نانک چند ایم۔ایل۔سی نے بحث کا افتتاح کرتے ہوئے رواج پردہ کے خلاف سخت نفرت و حقارت کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ سوسائٹی کو تباہ کر رہا ہے۔مرد وعورت کا درجہ برابر ہے۔پھرانہوں نے نوجوانوں سے صوبہ کے قصبوں اور گاؤں میں جا کر رواج پردہ کے خلاف پرچار کرنے کی اپیل کی اور عورتوں سے کہا کہ وہ ہر ماہ میں ایک دن مقرر کریں اور پردے کے خلاف جلسے کر کے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں۔

مولوی غلام محی الدین:

مولوی غلام محی الدین صاحب نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ پردہ عورت کے لیے ہر حالت میں ضروری ہے۔کیونکہ ان کے خیال میں پردہ پاکدامنی کا مترادف ہے۔چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن نظریں ضروری نیچی ہونی چاہئیں۔ہاں عورتوں سے چوپایوں جیسا سلوک ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔

دیوان چمن لعل،ایم ایل اے:

دیوان چمن لال نے کہا کہ یہ مضمون بے سود ہے اوراس پر بحث کرنا بے سود ہے۔حقیقتاً اس مضمون سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں اور نہ کسی عقلمند کو ہونی چاہئے۔ان کے خیال میں پردہ مردوں کے لیے ہونا چاہئے نہ کہ عورتوں کے لیے، پردہ کے وہ سخت مخالف ہیں۔اس نے انہیں آرٹ کے جوہر کو نمایاں کرنے سے روک دیا ہے۔وہ نہیں سمجھ سکتے کہ کیوں ان کو ایک خوبصورت چیز کی طرف دیکھنے کی خوشی سے محروم کر دیا جائے۔حاضرات میں سے ایک خاص عورت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ یقیناً اسٹیج کے بدصورت مردوں کی طرف دیکھنے کی بجائے اس حسین وجمیل عورت کے دیدار کو ترجیح دیں گے۔ان کے خیال میں ان بدشکل مردوں کو،جن کے خدوخال میں مطلق کوئی دل کشی نہیں، پردہ میں رکھنے کی ضرورت ہے۔اس موقع پر وہ عورت،جس کی طرف دیوان چمن لال نے اپنی تقریر میں اشارہ کیا تھا۔دواورنوجوان لڑکیوں کو ساتھ لیے صدر صاحبہ کو ایک چٹ دے کر ہال سے چلی گئی۔مسز ستیارام کوہلی نے، جواس عورت کے پاس بیٹھی تھیں،اٹھ کر کہا کہ ان تین عورتوں نے جو ہال کو چھوڑ کر چلی گئی ہیں دیوان چمن لال کے اشارہ پرغم وغصہ کا اظہار کیا ہے۔انہوں نے درخواست کی کہ تقریروں میں کسی خاص عورت کے متعلق ذاتی رائے کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔دیوان چمن لال نے ان تینوں عورتوں سے معافی

مانگتے ہوئے کہا کہ ان کا یہ ارادہ ہرگز نہیں تھا کہ ان کے احساسات کو مجروح کریں۔ انہیں سخت افسوس ہے کہ وہ ہال سے اٹھ کر چلی گئیں۔ دیوان چمن لال نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اگر عورتوں کو آزادی نہ دی گئی تو اس ملک کے لیے حصول آزادی کا کوئی موقع نہیں۔

مولوی محمد یعقوب خان ایڈیٹر ''لائٹ'':

مولوی محمد یعقوب خان نے پردہ کی پرزور حمایت کی اور کہا کہ انہیں مغربی قوموں کی تقلید میں پردے کو یک قلم اڑا کر مغربی برائیوں کا غلام نہیں بن جانا چاہیئے۔

ملک برکت علی:

ملک برکت علی نے پردے کی سخت مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں قید رکھنا قوم کی فلاح و بہبود کے لیے بیحد مضر ہے۔ ہندوستان ہرگز آزاد نہیں ہوسکتا اگر اس کی نصف آبادی کو حقوق آزادی سے محروم کر دیا جائے۔

پروفیسر بھٹی:

پروفیسر بھٹی نے کہا کہ وہ پردے کے خلاف تقریر کرنا چاہتے تھے لیکن ملک برکت علی کی تقریر نے ان کی توجہ دوسری طرف منعطف کر دی ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ملک برکت علی پردے کے اس قدر مخالف ہونے کے باوجود اس پر کیوں عمل نہیں کرتے۔ انہوں نے نوجوانوں سے کہا کہ وہ اس آزادی کے مکروہ پہلوؤں کی تقلید نہ کریں جو آپ کی عورتوں کو حاصل ہے۔

پروفیسر دیوان چند:

☆ اس جگہ یہ بحث نہیں کہ حدیثوں میں بعض حدیثیں ناقابل قبول بھی ہیں۔ بلکہ خود حدیث کی اصولی بحث ہے۔ اصولاً حدیث کو یعنی اس تفسیر کو درست مانا جائے گا جو رسول خدا ﷺ نے کی۔ بعض حدیثوں کے قابل اعتبار یا ناقابل اعتبار ہونے کی بحث صرف یہ ہے کہ کیا فلاں تفسیر رسول اللہ ﷺ نے کی یا نہیں۔ یہ بحث بالکل الگ ہے۔

پروفیسر دیوان چند نے رواج پردہ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس سے کئی خطرناک بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

مسٹر ہری موہن چٹر جی:

چٹر جی نے پردہ پر سخت مخالفت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پردہ ان کے معاشرتی وسیاسی زوال کا ایک بڑا سبب ہے۔ انہوں نے کہا کہ بعض پنڈتوں اور مولویوں نے چند احکام بنا لیے اور فتوے دے دیئے ہیں کہ عورتوں کو ہمیشہ گھر کے اندر رہنا چاہیئے۔ نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو ان مولویوں اور پنڈتوں کے فریب میں نہ آنا چاہیئے۔ یہ تو قوم کے لیے لعنت ہیں۔

صدر صاحبہ کی رائے:

شریمتی سوشیلا دیوی نے کثیر التعداد طلبہ کی شرکت پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ ان کے خیال میں پردہ کے رواج نے کیریکٹر کو کمزور کر دیا ہے، دل میں بڑے شبہات پیدا کر دیئے ہیں اور مکر وفریب کو تقویت دی ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ رواج پردہ زیادہ لچک دار ہو۔ جس سے لڑکوں اور لڑکیوں کو معقول آزادی ملے۔ تا کہ یہ ان کی صحت اور دل دونوں کے لیے مفید ہو۔

❁❁❁

☆ جماعت المسلمین چندر کے راجپوتان کا ایک رسالہ اور اس کے ساتھ ایک خط ملا ہے جو ختم ان الفاظ پر ہوتا ہے جو حضرت موسیٰ نے فرعون کو کہے تھے۔ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی (48:20)

28 مئی 1929ء

حضرت امیر کے قلم سے

نکمّی بحثیں۔ نام یا کام

میں نے دیکھا ہے کہ مسلمانوں کی غالب بیماری آج کل یہ ہے کہ فروعی یا فرضی اور نکمی بحثوں میں پڑ کر خدمتِ دین کے کام کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔ فروعی بحثوں کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ لیکن نکمّی بحثوں میں سے ایک تو وہ بحث ہے جو بالآخر چکڑالہ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ یعنی جس کی بنیاد مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی نے رکھی۔ گو اب ان کے شاگرد اس بحث کے بانی مبانی سے بہت آگے نکل کر عملاً نماز روزہ کو جواب دے چکے ہیں۔ اس بحث کو میں فرضی بحث اس لئے قرار دیتا ہوں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن مکمل ہے اس لیے حدیث کوئی چیز نہیں۔ اب کون مسلمان کہتا ہے کہ قرآن مکمل نہیں۔ گویا یہ قرار دیا جاتا ہے کہ جو مسلمان حدیث نبویؐ کو مانتے ہیں وہ نعوذ باللہ قرآن کو ناقص مانتے ہیں یہ ایک محض فرضی بحث ہے۔ کوئی مسلمان نہیں جو قرآن کو ناقص مانتا ہے۔ بلکہ سب کے سب قرآن کو اسی طرح مکمل مانتے ہیں، جس طرح مولوی عبداللہ چکڑالوی مانتے تھے یا ان کے شاگرد مانتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ سب مسلمان یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی وہ تشریح یا تفسیر درست ہے اور قابل اتباع ہے جو پیغمبر خدا ﷺ نے فرمائی اور یہی حدیث ☆ ہے۔ اور مولوی عبداللہ اور ان کے شاگردوں میں سے ہر ایک اس تشریح یا تفسیر کو رد کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کی اور اس کو درست مانتا ہے جو وہ خود کرتا ہے۔

حدیث کو چھوڑنے کا نتیجہ:

مولوی عبداللہ چکڑالوی نے کہا کہ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (43:2) کی تفسیر وہ جو حدیث کی کتابوں میں پائی جاتی ہے صحیح نہیں۔ اور تین سو صفحوں کی ایک کتاب لکھی جس میں خود آیت قرآنی کی تفسیر کر کے نماز اور اس کے اذکار مقرر کیے۔ شاگردوں نے مولوی عبداللہ کی اس ساری تشریح کو ردی کی ٹوکری میں پھینکا اور اب ہر ایک اپنی

رائے کا متبع ہے۔ رسول خدا کو چھوڑنے کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوسکتا تھا۔ افسوس یہ ہے کہ ان لوگوں سے، جنھوں نے یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ قرآن کو دوسرے مسلمانوں کی نسبت زیادہ مرتبہ دیتے ہیں، خدمت قرآن کا کوئی کام نہ ہوسکا اور چالیس سال اسی نکمی بحث اور مسلمانوں کو بُرا کہنے میں لگ گئے۔ اب ان سے کس کام کی توقع ہوسکتی ہے؟ بالکل اس قسم کی ایک نکمی بحث آج کل یہ چھڑی ہوئی ہے کہ ہمارا نام قرآن نے مسلم رکھا ہے۔ یہ بھی محض ایک دماغی ورزش ہے جو بعض لوگوں کو پسند آ گئی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کون مسلمان ہے جو یہ نہیں کہتا کہ ہمارا نام مسلم ہے۔ پس اس سے کیا فائدہ کہ ایک شخص کو جب یہ سوجھی کہ دوسروں کے لیے واعظ بننا اچھا کام ہے خود کچھ کرو یا نہ کرو۔ تو وہ یہ فرض کر کے کہ دوسرے مسلمان اپنے آپ کو مسلم کہلانا پسند نہیں کرتے انہیں کچھ وعید بتانے شروع کر دے۔ اور اسی بات پر اتر آئے جس پر پرانے ملّاں تھے کہ میری بات سے انحراف کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ جو شخص ان کی بات نہ مانے سب عذاب کے وعید اس کے لیے ہیں ☆۔ یہ لوگ خیر خواہی کے دم میں وہی تفرقہ اسلام میں پیدا کر رہے جس نے پہلے سے مسلمانوں کو تباہ کر کے ان سے کام کی قابلیت کو چھین لیا ہے۔ ان کی ساری کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر سے سارے امتیازات کہ فلاں شخص شیعہ ہے یا اہل سنت، حنفی ہے یا اہلحدیث یا احمدی، مٹ جائیں اور سارا زور اسی پر صرف ہو رہا ہے کہ کسی طرح ان ناموں کو مٹایا جائے۔

کام کرنے والی قومیں:

وہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جن قوموں کے مدنظر کام ہوتا ہے وہ کبھی ایسی بحثوں میں پڑتی ہی نہیں۔ کیا انہوں نے دیکھا کہ عیسائی، جن کا اربوں روپیہ اپنے مذہب کی تبلیغ اور توسیع پر خرچ ہو رہا ہے، جن کے لاکھوں آدمی دنیا میں کام کر رہے ہیں، جن کی سینکڑوں مختلف شاخیں اور سوسائٹیاں ہیں، ان کے ہاں کبھی ایک صفحہ بھی اس بحث پر خرچ ہوا ہے کہ فلاں فرقہ پراٹسٹنٹ کیوں کہلاتا ہے اور فلاں رومن کیتھولک کیوں کہلاتا ہے، اور فلاں وہ کیوں کہلاتا ہے۔ کیا انہوں نے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی یہ بحث کی کہ یہ سارے نام مٹائے جائیں پھر ہم عیسائیت کی خدمت کا یا اس کی تبلیغ کا کوئی کام کریں گے! نہیں وہ کام کرنے والی قوم ہے۔ وہ ایسی نکمی بحث میں کیوں پڑے گی۔ یہ تو نکموں کا کام ہے کہ نکمّی بحثیں لے بیٹھیں۔ ان کے سامنے ہندو موجود ہیں جو اپنی قومی ترقی اور اپنے مذہب کی توسیع میں زبردست جدوجہد کر رہے ہیں۔ کیا کبھی کسی نے یہ سنا کہ ان کے ہاں بھی یہ بحث ہوتی ہو کہ

پہلے ہم سناتن دھرم اور جین اور بدھ اور آریہ سماج اور برہمو سماج اور دوسرے سینکڑوں ناموں کو، جو ان کے اندر مختلف قوموں کے ہیں، مٹالیں پھر ہم کوئی کام کریں گے!

یہ، باوجود اس کے کہ کیا عیسائیوں کے مختلف فرقے اور کیا ہندوؤں کے، اصولی طور پر ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں اور ان میں باہم اتفاق شاید ایک اصولی امر میں بھی نہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کے اگر بہتر نہیں، ایک سو بہتر فرقے بھی ہوں، تو وہ بھی اصولی طور پر ایک خدا، ایک رسولؐ، ایک کتاب، ایک نماز، ایک روزہ، ایک زکوٰۃ، ایک حج پر متفق ہیں۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ کسی دوسری قوم، کو باوجود اپنے فرقوں کے اصولی اختلافات کے، وہ بات نہیں سوجھتی جو ہمارے مسلمان بھائیوں کو سوجھتی ہے۔

ہماری قوتِ عمل:

اس بحث کے شیدائیوں کو میں یہ یقین دلاتا ہوں کہ وہ ساری عمر اور ساری قوت بھی اس بحث پر خرچ کر دیں گے تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ ان کی قوت عمل میں رتی بھر بھی اضافہ نہ ہوگا۔ بلکہ جو کچھ تھوڑی بہت قوت عمل اس وقت موجود ہے وہ بھی سب اس نکمی بحث میں پڑ کر ضائع ہو جائے گی۔ یہ وقت ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو سنبھالیں اور دنیا کی قوموں میں کوئی جگہ لینے کی کوشش کریں۔ ان کی جگہ سب سے اوپر تھی۔ مگر اب فروعی اور نکمّی بحثوں نے ان کی قوت کو ضائع کر کے ان کو سب سے نیچے گرایا ہے۔ ان باتوں کو چھوڑیں اور کچھ کام کی طرف توجہ کریں۔

اسلامی فرقوں کو کیا کرنا چاہیئے؟:

امر واقعہ یہ ہے کہ اس بات سے کچھ نقصان نہیں کہ فلاں شیعہ کہلاتا ہے۔ فلاں اہل سنت، فلاں حنفی، فلاں اہل حدیث، جب تک کہ یہ سارے مسلم کہلاتے ہیں۔ بشرطیکہ یہ سب اپنی اپنی جگہ پر اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے کچھ کام کرنے والے ہوں۔ اگر مل کر کام نہیں کر سکتے تو اپنی اپنی جگہ پر علیحدہ علیحدہ ہی کام کریں۔ اور اگر مدد نہ دے سکیں تو نقصان بھی نہ پہنچائیں۔ ہاں جو بات مسلمانوں کو اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا (159:6) کا مصداق بناتی ہے وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دینا اور ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے پر زور

صرف کرنا ہے۔ورنہ جہاں تک محض رائے کا سوال ہے،جس طرح کسی مسئلہ میں باہم اختلاف سے کچھ نہیں بگڑتا، اسی طرح اس بات سے بھی کسی کا کچھ نہیں بگڑتا کہ مسلمانوں میں دس بیس ہزار ایک خاص مسئلہ کو ایک طرح مانتے ہوں اور دس بیس لاکھ دوسرے طرح۔آخر اختلاف تو امت میں ہوگا۔ناممکن ہے کہ ایک سلسلہ جو مشرق اور مغرب میں پھیل گیا ہو اس کے اندر اختلاف خیالات نہ ہو، اختلاف آراء نہ ہو۔یہ تو ایسا ہے جیسا کوئی کہے کہ ایک درخت مشرق اور مغرب میں پھیل بھی جائے اور اس کی شاخ کوئی نہ ہو۔شاخوں کا وجود نقصان رساں نہیں۔جب تک کہ وہ تنا کی خدمت کے ذریعہ سے ایک دوسرے کے معاون ہیں۔بلکہ شاخوں کا ہونا ضروری ہے۔اسی طرح یہ ناممکن تھا کہ اسلام ساری دنیا میں پھیلتا اور اس میں مختلف الخیال لوگ یا مختلف الخیال جماعتیں نہ ہوتیں۔اور جب مختلف الخیال جماعتیں ہوں گی تو ان کے نام بھی آخر ہوں گے۔ہاں اگر وہ یہ حماقت کریں کہ ایک شاخ دوسری شاخ کی دشمن ہو جائے تو وہ گویا تنا کو یا شجر اسلام کو نقصان پہنچانے والی ہوں گی۔

میں فرقوں کے ناموں کے خلاف مضامین لکھنے والوں سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا ان کے نزدیک مسلمانوں میں اختلاف آراہی نہ ہونا چاہئے۔اور اگر یہ ناگزیر ہے بلکہ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ ہے تو کیا یہ امر ممنوع ہے کہ ان میں مختلف الخیال جماعتیں بن جائیں۔کم سے کم یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر مختلف الخیال لوگ ہوں گے تو مختلف الخیال جماعتیں کیوں نہ ہوں گی۔اور اگر یہ دونوں امر ایک جیسے وسیع مذہب میں جو مشرق ومغرب میں پھیلا ہوا ہو لابد ہیں تو ان جماعتوں کے نام رکھ لینے میں کیا تباہی آجاتی ہے، جو اخباروں کے کالم اور صفحات اس پر سیاہ ہو رہے ہیں اور پمفلٹ بازی اس کے لیے شروع ہے۔کیا یہ روپیہ قوم سازی کے کسی بہتر کام پر صرف نہیں ہوسکتا؟

فرض کیجئے کہ بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد خلیفہ حضرت علیؓ کو ہونا چاہئے تھا۔تو کیا پہلے ایسے مسلمانوں کو یہ کہہ کر مٹانا چاہئے کہ اسلام میں کسی شخص کو اختلاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔یا انہیں یہ کہنا چاہئے کہ تم بے شک اختلاف رکھو اور یوں تو کہہ لو کہ ہم مسلمانوں کا ایک ایسا گروہ ہیں جو حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کے قائل ہیں مگر یوں مت کہو کہ ہم شیعہ مسلمان ہیں۔کیونکہ اس طرح تم ''مسلم'' ہونے سے انکاری ہو جاتے ہو۔یا مسلمانوں کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے جو کچھ اجتہاد کئے، وہ

صحیح اصول پر کئے۔ تو اب کونسی صورت اختیار کی جائے کہ ایسے مسلمانوں کو پہلے مٹایا جائے جو امام ابو حنیفہؒ کے اصول اجتہاد کو صحیح مانتے ہیں۔ یا ان کو کہا جائے کہ بے شک تم امام ابو حنیفہؒ کے اجتہاد کو صحیح مانو لیکن اگر تم یوں کہو گے کہ ہم حنفی مسلمان ہیں، تب تم مسلمان نہیں رہتے اور قرآن شریف کے دیئے ہوئے نام مسلم کے منکر ہو جاتے ہو۔ ہاں اگر یوں کہو کہ ہم ایسے مسلمان ہیں جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اصول اجتہاد کو صحیح مانتے ہیں تو یہ جائز ہے۔ تو گویا بحث صرف اس قدر ہے کہ ایک خیال کو ایک فقرے سے ادا کر لینا قرآن شریف کی رو سے جائز ہے، لیکن اسی خیال کو ایک لفظ سے ادا کرنا ناجائز ہے۔ قرآن شریف جیسی پُر حکمت کتاب کی طرف ایسی بات منسوب کرنا میرے نزدیک اس کی ہتک ہے۔ آخر یہ جھگڑا کس بات پر ہے۔ اس پر ہے کہ مسلمانوں میں اختلاف خیال یا اختلاف رائے کیوں ہے؟ یا اس پر کہ اختلاف رکھنے والے ایک گروہ یا جماعت کیوں ہیں؟ ظاہر ہے کہ اگر اختلاف آراء ہوگا تو مختلف الخیال جماعتیں بھی ہوں گی۔ اور اگر مختلف الخیال جماعتیں ہوں گی تو ان کے نام بھی ہوں گے۔

ہاں اگر کوشش اس بات پر صرف کی جاتی کہ ان مختلف الخیال جماعتوں میں، جو ایک دوسرے کے ساتھ عداوت ہے۔ اسے دور کر کے مسلمانوں میں ایک اتحاد پیدا کیا جائے۔ اور ان کو بتایا جائے کہ باوجود ان اختلافات کے وہ ایک ہیں۔ ان کو تو دوسرے مذہب کے ساتھ بھی رواداری کی تعلیم دی گئی ہے۔ تو آپس میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ اگر فروعی اختلاف رکھتے ہیں تو خدمت اسلام کے عظیم الشان کام کے لیے انہیں فروعی اختلافات کو زیادہ اہمیت نہ دینی چاہئے۔ تاکہ باجود اختلاف خیالات اور اختلاف آراء کے وہ خدمت اسلام میں ایک ہو سکیں۔ تو یہ ایک نتیجہ خیز کوشش ہے اور اس میں کامیابی بھی آسان ہے۔ اگر میرا بھائی چند فروعی مسائل میں مجھ سے اختلاف رکھتا ہے تو آخر ہم کسی بات پر متحد بھی تو ہیں اور وہ اتحاد کا امر ہی درحقیقت عظیم الشان امر ہے۔ اختلافی امور کی اس عظیم الشان امر کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ اور اگرچہ ایک جماعت بعض مسائل میں دوسرے سے اختلاف رکھتی ہے تاہم وہ دونوں ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ کیونکہ ایک ہی جڑ ہے جس سے وہ غذا حاصل کرتی ہیں۔ ایک ہی تنا ہے جس پر وہ دونوں کھڑی ہیں۔

باہم بغض اور کینے، اختلافات پر برداشت کا نہ ہونا اور سب سے بڑھ کر ایک دوسرے کی تکفیر مسلمانوں

کے اندر سے دور کرنے کی چیز ہے۔جس دن یہ اپنے بھائیوں کی تکفیر مسلمانوں کے اندر سے دور ہو جائے گی اس دن مسلمان متحد ہو کر خدمت اسلام کا کام کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ شیعہ، سنی، اہل حدیث، حنفی، شافعی، مالکی، احمدی سب ایک ہیں۔وہ سب خدا کو ایک ماننے میں متحد ہیں، وہ سب قرآن کو خدا کی کتاب ماننے میں متحد ہیں، وہ سب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خدا کا رسول اور آخری نبی ماننے میں ایک ہیں۔ان سب کی نماز ایک ہے، ان سب کے روزے ایک ہیں، ان سب کی زکوٰۃ ایک ہے، ان سب کا حج ایک ہے۔فرق کیا ہے؟ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن شریف کی اس آیت کا یہ منشا نہیں ہے۔دوسرا کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان یہ نہ تھا یہ تھا۔مگر آخر مانتے تو دونوں اسی خدا کو اسی قرآن کو اسی رسول (ﷺ) کو ہیں۔

مجھے تعجب ہے کہ ہماری جماعت میں بھی، جس کی نظر زیادہ گہری ہونی چاہئے تھی، اس قسم کی آواز کبھی کبھی سننے میں آتی ہے۔کہ وہ لوگ، جن کو حضرت مجدد وقت مسیح موعود نے اشاعت اسلام کے لیے ایک خاص اصول پر جمع کیا ہے وہ اپنے آپ کو احمدی کیوں کہتے ہیں؟ یا ان کی انجمن کا نام احمدیہ انجمن کیوں ہے؟ نام تو ہمیشہ تمیز کے لیے ہوتا ہے۔اگر کوئی سوال ہے تو یہ سوال ہونا چاہئے کہ ایسے لوگ ہی کیوں ہیں جو حضرت مجدد کے حکم کے ماتحت اشاعت اسلام کے لیے ایک جماعت بنے ہیں۔میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس سوال میں کوئی معقولیت ہے؟ اگر نہیں تو پھر یقیناً اس میں بھی نہیں کہ وہ احمدی کیوں کہلاتی ہے۔اگر جماعت ہے تو وہ کچھ کہلائے گی بھی۔اس کا کوئی نام بھی رکھا جائے گا۔جس طرح افراد کے نام رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، جس طرح قوموں کے نام رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔بالکل اسی طرح متحد الخیال جماعتوں کے بھی نام رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

احمدی نام کیوں رکھا گیا:

ہاں اگر یوں کہا جاتا کہ ان کا ایک متحد الخیال جماعت ہونا اسلام کے لیے قوت کا موجب ہوا ہے، اسلام کی عظیم الشان خدمت کا موجب ہوا ہے۔اس لیے ان کے متحد الخیال جماعت ہونے میں کوئی حرج نہیں۔اور جب الگ جماعت ہے تو تمیز کے لیے اس کا نام بھی ضروری ہوگا۔مگر وہ نام احمدی نہ ہونا چاہئے تو یہ سوال معقول تھا۔بشرطیکہ بتایا جاتا کہ احمدی نام رکھنے میں یہ نقصان ہے۔یہ میں بارہا بتا چکا ہوں اور میں کیا بانی سلسلہ صاف الفاظ میں لکھ چکے ہیں کہ وہ اپنا اور اپنی جماعت کا نام احمدی اپنے نام پر نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے اسم احمد

پر رکھتے ہیں۔ تو اب بتایئے کہ ایک متحد الخیال جماعت کا نام، جو اشاعت اسلام کے خاص اصول پر کام کرتی ہے اور اس اصول میں یہ دوسرے مسلمانوں سے ایک امتیاز خاص بھی رکھتی ہے اگر خود رسول اللہ ﷺ کے نام پر نام رکھ لیا گیا تو کونسا اندھیر چھا گیا؟

بعض کا یہ خیال ہے کہ اگر احمدی کا نام چھوڑ دیا جائے تو آج شاید ہزار ہا لوگ فوراً ہمارے ساتھ مل جائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ متحد الخیال ہونے کے مفہوم پر شاید انہوں نے غور نہیں کیا۔ اگر یہ نام نہ ہوگا تو کوئی اور نام ہوگا۔ یا اگر یہ ممکن ہے کہ ایک جماعت ہو اور اس کا نام کچھ بھی نہ ہو تو اسی طرح سہی۔ مگر ان کو متحد الخیال کرنے میں تبدیلی تو ان کے اندر ہی پیدا کرنی ہوگی جواب کرنی پڑتی ہے۔ بغیر ان کے خیالات میں تبدیلی کرنے کے متحد الخیال ہونا ناممکن ہے اور متحد الخیال ہونے کے یہ کام ان اصولوں پر ہونا ناممکن ہے جن اصولوں پر مجدد وقت نے ہم کو جمع کیا ہے اور جو لوگ ان اصول کو مان لیں گے ان کو احمدی نہ کہا جائے گا تو پھر بھی تمیز کے لیے کہا جائے گا ''وہ مسلمان جو مجدد صدی مسیح موعود کے قائم کردہ اصول اشاعت اسلام کو قبول کر کے اشاعت اسلام کو اپنا مقصد قرار دیتے ہیں'' اور ان کی انجمن کا نام رکھا جائے گا ''انجمن اشاعت اسلام جو مجدد صدی مسیح موعود کے قائم کردہ اصول اشاعت اسلام پر کام کر رہی ہے''۔ گویا ایک فقرے سے مطلب ادا کر لینا جائز ہے مگر ایک لفظ سے نہیں!

یہ میں اپنے احباب کو بتانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ اشاعت اسلام کے لیے قربانیاں چاہتے ہیں تو جب تک حضرت مجدد کے دامن سے لوگوں کو وابستہ نہ کیا جائے گا وہ روح پیدا نہ ہوگی جو جان و مال کی قربانیاں کرا دے۔ اس کے لئے پھر بھی کوشش کرنی ہوگی۔ کاش! یہ ہمارے دوست اب بھی، بجائے اس نکمّی بحث میں پڑنے کے، جن میں بعض دوسرے لوگ اس وقت مبتلا ہو کر اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں، کہ ایک متحد الخیال جماعت کا نام رکھنے سے اسلام مٹ جاتا ہے اپنی قوت لوگوں کو اس اتحادِ خیال کی طرف لانے پر صرف کرتے۔ اور خادمِ اسلام فوج کو قوت دینے کا موجب ہوتے۔ ہاں! سب توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہی میں ہے۔

مسلم مشن ووکنگ (انگلستان):

ووکنگ مسلم مشن (انگلستان) کی تبلیغی جدوجہد کو کامیاب بنانے کے لیے کارکنان مسلم مشن ووکنگ اور

برٹش مسلم سوسائٹی لندن نہایت تندہی و جانفشانی سے ہر وقت ساعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجرعظیم عطا فرمائے۔گزشتہ دو ماہ کی کارگزاری کا خلاصہ قارئین اخبار کے ملاحظہ کے لیے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

☆ جناب ڈاکٹر والٹر والش نے لندن میں ''آزادانہ مذہبی تحریک'' کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔جس کا مقصد یہ ہے کہ تمام مذاہب عالم ایک مرکز پر جمع ہو جائیں اور ایک عالمگیر اخوت اور ہمہ گیر مذہب کی بنیاد پڑ جائے۔ڈاکٹر موصوف اس تحریک کے بانی مبانی ہیں اور مولوی عبدالمجید صاحب ایم۔اے امام مسجد ووکنگ بھی ''یورپ کی تہذیب و تمدن پر اسلام کا اثر'' کے موضوع پر ایک لیکچر اس تحریک کے زیر اہتمام دے چکے ہیں۔

☆ مسلم نماز گاہ لندن واقعہ کمیڈن بل روڈ میں ہر اتوار کو مسلم مشن ووکنگ کا ایک نہ ایک مبلغ اسلام پر لیکچر دیتا رہتا ہے۔گزشتہ چند ہفتوں میں جو اہم اسلامی لیکچر اس مقام پر ہوئے ان کے موضوع اور مقررین کے نام حسب ذیل ہیں۔

☆ جناب مولوی عبدالمجید صاحب ایم۔اے، بی۔ٹی امام مسجد ووکنگ نے ''حضرت نبی کریم ﷺ کے یورپین سوانح نگار'' کے موضوع پر لیکچر دیا۔

☆ عبدالخالق خاں صاحب بی اے، ایم آر۔اے۔ایس مبلغ ووکنگ نے ''ایک صوفی کا مطمح نظر'' اور ''خلقت انسانی کا مدعا و مقصد'' کے موضوع پر دو لیکچر دیئے۔

☆ جناب مولوی عبدالمجید صاحب قائم مقام امام مسجد ووکنگ ہر جمعہ کو مسلم نماز گاہ لندن میں ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے خطبہ و نماز جمعہ پڑھاتے ہیں۔اس طریق سے مشن کی تبلیغی جدوجہد کا حلقہ دن بدن وسیع ہو رہا ہے۔

خادم خواجہ عبدالغنی، سیکرٹری

مسلم مشن ووکنگ۔عزیز منزل، برانڈرتھ روڈ، لاہور

امیر امان اللہ اور افغانستان :

امیر امان اللہ خاں نے ایک مفصل بیان اخبارات کولکھ کر دیا ہے۔جس میں افغانستان کے تاج وتخت سے دست برداری کی اصل وجہ تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔امیر ممدوح نے جہاں اس بات کی تردید کی ہے کہ بچۂ سقہ کے ہاتھ سے عسا کرشاہی کوشکست ہوئی، وہیں بعض قبائل میں غیر متوقع طور پر غلط فہمیوں کے پیدا ہو جانے اوران کےعلم بغاوت بلند کرنے کواپنی ناکامی کا سبب قرار دیا ہے۔اور بار باراس امر پرزور دیا ہے کہ میں اپنی سِیادَت کے حصول کے لیےاس قدرخوفناک خانہ جنگی اورخونباری کا موجب بننانہیں چاہتا۔آخرمیں امیر موصوف نےلکھا ہے کہ:

> ’’میں میدان کوان لوگوں کے لیے چھوڑتا ہوں جو مذہب کےعلمبردار ہونے کے مدعی ہیں اور مذہب کواپنے ذاتی مقاصد کےحصول کے لیے آلہ کار بنا رہے ہیں اور جنھوں نے افغانستان کواس کے موجودہ ابتلا میں مبتلا کر رکھا ہے‘‘۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امیر ممدوح کی علیحدگی کی وجہ مولویوں کےفتوےاوروہ مذہبی خیالات ہیں جو ملاّ نوں کے اندر پائے جاتے ہیں۔افسوس ہے کہ امیر موصوف نے عدم تشدد کے غلط نظریہ کی متابعت میں ملک کو ایسے جاہل طبقہ کے سپرد کر دیا جو نہ صرف مذہب اسلام کی بدنامی کا موجب ہے بلکہ ملک کی آزادی اورخودمختاری کو بھی کسی طرح بحال نہیں رکھ سکتا۔اس موقعہ پر عام طور پرلوگوں کی نظریں جرنیل نادرخاں پر ہیں اوروہ انہیں اپنی امیدوں کا آخری سہارا قرار دے رہے ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی امیدوں کا آخری سہارانہیں ہوسکتا۔اسی سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ کوئی بہتر اورعمدہ نتائج پیدا کرے جو اسلام کے لیے فائدہ کا موجب ہوں۔

جناب کشفی شاہ نظامی لاہور میں :

جناب سید محمد اشرف عرف کشفی شاہ نظامی، جورنگون کے نہایت مخیرّ اور اہل دل اصحاب میں سے ہیں، چند دنوں سے اہل وطن کی حالت کو دیکھنے کے لیے (کیونکہ آپ کا اصل وطن ضلع گورداسپور میں ہے) پنجاب میں

تشریف لائے ہوئے ہیں۔آپ کو ان ایام میں پنجاب کے مختلف مقامات پر جانے کا اتفاق ہوا اور اسی سلسلہ میں دو تین دن کے لیے آپ لاہور میں تشریف فرما ہوئے۔ لاہور میں آپ کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر جناب عبدالمجید صاحب قرشی کی ایک دیرینہ تجویز ''تحریک تنظیم مساجد'' کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی گئی اور اسلامیہ کالج میں چند منتخب رؤساء لاہور اور اس کے بعد مسلم ایڈیٹران اخبارات کے پے در پے جلسے آپ کی صدارت میں ہوئے۔جن میں اس تحریک کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کر کے ان سے استصواب رائے کیا گیا۔ سب نے بخوشی اس کا خیر مقدم کیا اور یہ سن کر اور بھی خوشی کا اظہار کیا کہ اس تحریک کے لیے دس ہزار روپیہ مرحمت فرمایا ہے۔اور یہ وعدہ فرمایا ہے کہ چند آدمیوں کا وفد رنگون میں اگر پہنچ جائے تو چالیس ہزار کا سرمایا فراہم کر دینا کوئی مشکل امر نہیں۔اس طرح پچاس ہزار روپیہ فراہم کرنے کے بعد اس سے ایک ایسا وقف قائم کیا جائے گا جس کی آمد چھ سو روپیہ ماہوار ہو۔اور اس سے ایسی جماعت کھولی جائے گی جس میں دیہات کی اور دوسری مساجد کے لیے زمانہ کی ضرورت کے مطابق آئمہ تیار کیے جائیں گے۔ہم اس تحریک کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کسی آئندہ اشاعت میں تفصیل کے ساتھ کریں گے۔لیکن یہاں ہم جناب کشفی شاہ کے متعلق یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے اس مختصر سے قیام لاہور میں بعض اسلامی انجمنوں اور اداروں اور بعض اسلامی اخبارات کو ان کے فیضِ کرم سے باریاب ہونے کا اچھا موقعہ ملا۔

لاہور میں مسلم سٹوڈنٹس یونین کے زیر اہتمام یکم جون کو شام کے ساڑھے آٹھ بجے ایک پبلک جلسہ میں جناب کشفی شاہ کے زیر صدارت منعقد ہوا۔جس میں انہوں نے مسلمانان پنجاب کے باہمی مناقشات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے انہیں اتحاد و اتفاق کی تلقین کی۔اور تبلیغ اسلام کے اہم ترین کام اور خدمت دین میں بکلی لگ جانے کی نصیحت کی۔اس جلسہ کی مختصر روئیداد دوسری جگہ ہدیہ قارئین کرام ہے۔احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی طرف سے جناب کشفی شاہ کو یکم جون کی شام کو چائے کی دعوت دی گئی اور انجمن کی تبلیغی خدمات اور اس کے کاموں کا مختصر سا خاکہ ان کے سامنے رکھا گیا۔کئی ایک اسلامی ٹریکٹ اور کتابیں، جو مختلف زبانوں میں انجمن کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں، ان کے خدمت میں پیش کی گئیں جن کو انہوں نے رنگون جا کر برمی زبان میں شائع کرنے کا وعدہ کیا۔اس کے علاوہ ایک مبلغ کے اخراجات بھی انہوں نے انجمن کو دینے کا وعدہ کیا۔فجز اک اللہ احسن الجزا۔

2 جون کی صبح کو آپ قادیان تشریف لے گئے۔ جہاں سے اپنے وطن چک قاضیاں میں چند دن قیام کر کے دس بارہ روز کے بعد رنگون چلے جائیں گے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور اسلام کی خدمت کا جوش، جو آپ کے قلب کے اندر پایا جاتا ہے، ہمیشہ کے لیے برقرار رہے، اور اسلام کے راستہ پر مالی قربانیوں کی اس سے بڑھ کر توفیق مرحمت فرمائے۔

❁❁❁

4جون1929ء

مکتوب امیر ''مسلم آؤٹ لک'' کے نام

قرآن کریم کا متن وترجمہ

یکم مئی کے ''مسلم آؤٹ لک'' میں حضرت امیر ایدّہ اللہ کے اس انگریزی ترجمۃ القرآن کو، جو اصل عربی متن کے بغیر ولایت میں چھپوایا گیا ہے، ایک غیر پسندیدہ بدعت قرار دیا گیا ہے۔ جس کے جواب میں حضرت ممدوح نے ایک انگریزی چٹھی ایڈیٹر صاحب ''مسلم آوٹ لک'' کو شائع کرنے کے لیے بھیجی۔ جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔ (مدیر)

جناب من! آپ کی یکم مئی کی اشاعت میں ''غیر پسندیدہ بدعت'' کے عنوان سے ایک نوٹ شائع ہوا ہے۔ جس میں میرے انگریزی ترجمۃ القرآن کی اس نئی ایڈیشن کا ذکر کیا گیا ہے جو عربی متن کے بغیر ہے۔ آپ نے بظاہر دو وجوہ کی بنا پر اس کو نہایت سختی سے ناپسند کیا ہے۔ پہلی وجہ آپ نے یہ بتائی ہے کہ یہود و نصاریٰ کی کتب مقدسہ میں جو تحریف واقعہ ہوئی وہ صرف ایسے ترجموں کا نتیجہ ہے جن کے ساتھ اصل متن کو شامل نہ کیا گیا۔ دوسری وجہ آپ نے یہ بتائی ہے کہ مسلمان علماء ایسے ترجموں کے خلاف ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ تاریخی طور پر کون سے یقینی دلائل آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ جن کی بنا پر آپ کا یہ خیال ہے کہ یہود اور نصاریٰ کے صحف مقدسہ میں تغیر وتبدل ایسے ترجموں کی وجہ سے ہوا جو اصل متن سے خالی تھے۔ یہ کہہ کر آپ گویا اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان صحائف کے دوسری زبانوں میں ترجمہ کیے جانے سے پیشتر کوئی تحریف ان میں نہ ہوئی تھی۔ جہاں تک میرا علم ہے، ترجمہ کیے جانے سے پیشتر بھی ان صحائف میں تبدیلیاں واقعہ ہو چکی تھیں۔ ان کے علاوہ ویدوں اور دوسرے صحائف میں بھی جو کبھی کسی دوسری زبان میں ترجمہ نہیں ہوئے تغیر وتبدل اور تحریف ہو چکی ہے۔

لیکن اس سوال کو چھوڑ کر کہ کتب سابقہ میں تحریف اور تغیر وتبدل کیونکر واقعہ ہوا؟ میں ان لوگوں پر متعجب ہوں جن کا یہ خیال ہے کہ اگر قرآن کریم کا ترجمہ اصل عربی متن کے بغیر شائع ہو تو اس سے متن میں تحریف واقعہ

ہو جانے کا احتمال ہے۔ کیا قرآن کریم کے تراجم یورپ کی کئی ایک زبانوں میں صدیوں سے کیے ہوئے موجود نہیں؟ اور کیا باوجود اس کے قرآن کریم کے متن میں ایک نقطہ کا تغیر واقعہ ہوا ہے؟ یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ ترجمہ اصل متن کو بدل دیتا ہے۔ حالانکہ متن ترجمہ سے الگ بطور خود موجود ہے۔ جب وہ درجنوں تراجم، جو آج تک شائع ہو چکے ہیں، اصل متن پر کسی قسم کا اثر پیدا نہیں کر سکے تو میرے ترجمہ سے ایسا تغیر کیونکر واقعہ ہو سکتا ہے! بالخصوص ایسی حالت میں کہ میرا ترجمہ دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ متن کے ساتھ بھی مل سکتا ہے اور متن کے بغیر بھی۔ اس کے ساتھ یہ بھی میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس کے متن کی صحت اور حفاظت کا دارومدار کسی خاص لکھے ہوئے نسخہ پر نہیں۔ کیونکہ تمام لکھے نسخوں اور متنوں سے آزادانہ طور پر وہ لوگوں کے حافظوں میں موجود ہے۔

پھر اس بے معنی ایجی ٹیشن کا نتیجہ کیا ہے کہ ترجمہ بغیر متن بدعت ہے؟ میں پوچھتا ہوں کیا ترجمہ مع متن بدعت نہیں؟ کیا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں قرآن کریم کے متن کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی موجود تھا؟ اور کیا اسی بنا پر بہت سے علماء آج اس بات کے بھی مخالف نہیں کہ قرآن کریم کا ترجمہ کسی زبان میں نہ ہونا چاہیئے؟ خواہ وہ اصل متن کے ساتھ ہو یا متن کے بغیر؟ حال ہی میں جامعہ ازہر کے علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ کسی بھی زبان میں کرنا بدعت ہے اور شرع اسلام کے رو سے ناجائز۔ کیا کوئی عقلمند مسلمان اس زمانہ میں ایسے فتاویٰ کو مان سکتا ہے؟ اگر کوئی ایسا فتویٰ موجود ہے جس میں ترجمہ بغیر متن کو ناجائز ٹھہرایا گیا ہے (اگرچہ مجھے یقین نہیں کہ ایسا کوئی فتویٰ ہو) تو وہ ویسا ہی غیر معقول ہے جیسا کہ وہ فتویٰ جس میں سرے سے ترجمہ کے خیال ہی کی مخالفت کی گئی ہے۔

ذرا اس حالت کا بھی اندازہ لگایئے جو آج یورپ میں پیدا ہو چکی ہے۔ یورپ کی قریباً تمام زبانوں میں قرآن کریم کے بہت سے تراجم عیسائیوں کے کیے ہوئے آج موجود ہیں۔ جن کے ساتھ اصل عربی متن شامل نہیں۔ وہ ترجمہ جس کے ساتھ متن بھی شامل ہو بغیر متن کے ترجمہ کی نسبت زیادہ ضخیم اور قیمتی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ قابل غور بات ہے کہ وہ لوگ جو متن سے قطعاً ناآشنا ہیں اور اس لیے انہیں کوئی فائدہ اس سے نہیں پہنچ سکتا ان دونوں میں سے کس کو پسند کریں گے؟ میں نہیں سمجھتا کہ اس سوال کے دو مختلف جواب دیئے جائیں۔ یقیناً ایک ہی

جواب اس کا ہوگا کہ وہ اسی ترجمہ کو پسند کریں گے جس کے ساتھ متن شامل نہ ہو۔ پس وہ لوگ جو ترجمہ بغیر متن کے خلاف ایجی ٹیشن برپا کرنا چاہتے ہیں۔ان کا مقصد سوائے اس کے کیا ہوسکتا ہے کہ غیر مسلم دنیا صرف انہی تراجم سے فائدہ اٹھائے جو غیر مسلموں کی طرف سے کیے گئے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس میں کوئی معقولیت پائی جاتی ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ ایسے ترجمہ کی اجازت یورپ میں دی جاسکتی ہے ہندوستان میں نہیں۔تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہندوستان کے کروڑ ہا انسانوں کو ایک مسلمان کے کئے ہوئے ترجمہ سے محروم کر دیا جائے۔حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اسی ترجمہ کو پسند کریں گے جس کے ساتھ متن ہو، اور غیر مسلم بغیر متن کے ترجمہ کو ہی پسند کریں گے۔اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے دونوں قسم کے تراجم شائع کر دیئے ہیں۔کیا اس کا یہ کام اسلام کے لیے نقصان کا موجب ہے؟ ایک مسلمان بھی، جو زیادہ قیمتی ایڈیشن کو خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ سستی ایڈیشن سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔جس کے لیے اسے نسبتاً ایک تہائی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس نوٹ کی ضروری ترمیم اور اصلاح کریں گے جو ایک اچھے اور مفید کام کو غلط رنگ میں پیش کرنے کا موجب ہے۔

خاکسار

محمد علی، احمدیہ بلڈنگس لاہور

پنڈت بھکشو اور پادری پال:

ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے پنڈت دھرم بھکشو کے چند غلط سلط اور بے معنی عربی فقروں پر ظریفانہ انداز میں خوردہ گیری کی۔جس کا مقصود و مدعا بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ مہاراج جی کی عربی دانی کے مضحکہ انگیز دعوے کا پبلک میں بھانڈا پھوڑ دیا جائے۔ایڈیٹر صاحب موصوف نے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے دھرم بھکشو جی کے مضحکہ انگیز فقروں کو ہو بہو نقل کر دینا ہی کافی سمجھا اور انہیں نقل کر دیا۔ پادری سلطان محمد پال صاحب ان نقل کردہ فقروں میں سے ایک فقرے کو صحیح سمجھتے ہیں۔اور اپنی اس سمجھ کی بنا پر ایڈیٹر صاحب پیغام صلح کی عربی دانی پر اعتراض کرتے ہیں۔ پادری صاحب ممدوح میرے دوست ہیں اور مجھے ان سے ذاتی طور پر آشنائی حاصل ہے۔ میں یہ خیال نہیں کرسکتا کہ انہوں نے کسی کاوش کی بنا پر اعتراض کر دیا ہے۔ بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ان کے خیال میں پنڈت دھرم بھکشو کی کتاب ''قرآن جو لاہور میں نازل ہوئی'' عربی زبان میں

عربی حروف میں لکھی گئی ہے۔ اور عربی املا میں اَنَا اور اِنَّا کی کتابی صورت اگر تشدید کا استعمال نہ کیا جائے تو ایک سی ہوتی ہے۔ اور انسان قرائن سے پتہ لگا سکتا ہے کہ اِنَّا بالتشدید ہے یا اَنَا واحد متکلم۔ ایسی صورت میں اگر کوئی انا واحد متکلم کو باوجود کسی واحد متکلم فعل کا فاعل ہونے کے انا جمع متکلم پڑھ لے تو ضرور کہا جا سکے گا کہ ایسے پڑھنے اور لکھنے والا عربیت سے ناواقف ہے۔ لیکن اگر عربی عبارت ہندی حروف میں لکھی جائے اور اَنَا واحد متکلم کو انَّا جمع متکلم لکھ دیا جائے تو وہ کسی صورت میں اَنَا واحد متکلم نہیں پڑھا جا سکتا، اَنَّا جمع متکلم ہی پڑھا جائے گا۔ کیونکہ ہندی میں اعراب اور اظہار تشدید حروف سے کیا جاتا ہے۔ حرکات سے نہیں۔ ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے پنڈت دھرم بھکشو کی کتاب میں اَنَا واحد متکلم کو اَنَّا جمع متکلم لکھا دیکھا اور اعتراض کر دیا۔ مولوی دوست محمد صاحب ایڈیٹر پیغام صلح کا اعتراض بالکل حق بجانب ہے اور اس سے بآسانی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ دھرم بھکشو عربی سے قطعاً ناآشنا ہے۔ اور وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ خَلَقْتُ بصیغہ واحد متکلم کی ضمیر منفصل مرفوع اِنَّا بہ صیغہ جمع متکلم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اَنَا بصیغہ واحد متکلم ہوگی۔ مگر چونکہ اس نے اِنَّا کو تشدید کے ساتھ لکھ دیا ہے اس لیے عبارت غلط اور بے معنی ہوگئی ہے اور اسی بے معنی پن پر مولوی دوست محمد صاحب معترض ہیں۔

میں پادری صاحب کی توجہ پنڈت دھرم بھکشو کی مذکورہ کتاب کے صفحہ 1 کی طرف دلاتا ہوں۔ اس میں اَنَا خَلَقْتُ الْاِنْسَانَ کو اِنَّا خَلَقْتُ الْاِنْسَانَ ہی لکھا ہے۔ پادری صاحب اصل کتاب کو ملاحظہ کرنے کے بعد اپنے بیان کی تصحیح فرمادیں تاکہ پبلک کو کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہو۔

میاں میر چھاؤنی میں جلسہ:

میاں میر کی جماعت کی طرف سے، جو ہر لحاظ سے قابل تعریف وستائش ہے، 8 جون کو ایک جلسہ زیر صدارت جناب مرزا جلال احمد صاحب ایس۔ ڈی۔ او منعقد ہوا۔ سامعین کثرت سے جمع ہوئے۔ تلاوت قرآن مجید اور نعت خوانی کے بعد مولانا مولوی عصمت اللہ صاحب مبلغ اسلام تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے احمدیت پر ایک سیر کن تقریر فرمائی۔ حضرت صاحب کے دعاوی کو واضح کیا اور بتایا کہ حضرت مرزا صاحب کی جماعت نے تبلیغ واشاعت اسلام کے اہم کام میں کس قدر حصہ لیا ہے۔ تقریر نہایت دلچسپ تھی اور اس میں مولانا کے برمحل اشعار نے اور بھی لطف پیدا کر دیا تھا۔ اختتام تقریر تک سامعین ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھے رہے اور کوئی اٹھنے

نہیں پایا۔ تقریر ختم ہونے کے بعد ایک صاحب نے مولانا سے پوچھا کہ آپ کا غیر از جماعت لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا فتویٰ ہے۔ مولانا نے اس مسئلہ کا مدلل جواب دیا۔ مولانا کے بعد مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع تقریر کے لئے اٹھے۔ وقت بہت گزر چکا تھا، تاہم آپ نے اتحاد بین المسلمین کے مسئلہ پر خوب روشنی ڈالی۔ آپ کی تقریر بھی نہایت دلچسپی کے ساتھ سنی گئی اور جلسہ نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔

(فضل حق)

غیر مذاہب کی تبلیغی سرگرمیاں:

(21 جون 1929ء) ہر کام کرنے والی جماعت کا فرض ہے کہ وہ کبھی کبھی ان لوگوں کے حالات اور کاروبار پر بھی نگاہ ڈال لیا کرے جو اس کے بالمقابل کام کرنے کے لیے کھڑے ہیں۔ آریہ سماج کے گزشتہ سال کے کام کی رپورٹ ''پرکاش'' کے تازہ پرچہ میں شائع ہوئی ہے۔ جس کا خلاصہ قارئین کرام کی آگاہی کے لیے حسب ذیل ہے۔

1- گرام پرچار منڈلی کے نام سے دیہات میں پرچار کرنے کے لیے چند آدمیوں کی منڈلی بنائی گئی ہے۔ جسے باجہ اور ڈھولک وغیرہ سامان دیئے گئے۔ ایک چھولداری اور کچھ کھانے پینے کی چیزیں اور بعض دوائیاں بھی اس کے ساتھ رہتی ہیں۔ جس گاؤں میں یہ منڈلی پہنچتی ہے اس کے باہر ڈیرہ لگا دیتی ہے۔ گاؤں میں نگر کیرتن کرتی ہے۔ دونوں وقت اگنی ہوتر ہوتا ہے۔ دوائیاں اور چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ مفت بانٹے جاتے ہیں سنکا ودھی، ستیارتھ پرکاش اور کچھ کتب بھی منڈلی کے پاس موجود رہتی ہیں۔ رات کو میجک لالٹین کے ذریعہ پرچار کیا جاتا ہے۔ دو ماہ میں منڈلی نے 4 دیہات میں پرچار کیا۔ ہندو، مسلمان اور سکھ سب سنتے ہیں۔ پانچ مقامات پر نئی سماجیں قائم کی گئیں۔ دو ماہ میں 524 بیماروں کی دوائیاں بھی مفت تقسیم کی گئیں۔ ہندی، گورمکھی اور اردو کے 700 ٹریکٹ بانٹے گئے۔ میجک لالٹین کے علاوہ گاؤں کے لوگوں سے مل جل کر باہمی بات

چیت کے ذریعہ بھی پرچار کرتی ہے۔

2- کتابیں تیار کرائی گئیں جواب چھپوائی جائیں گی۔ ایک ڈائری تیار کرائی گئی ہے جس میں ویدک سدھانتوں پر دیگر مذاہب کے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں۔ آریہ سماج کی طرف سے دیگر مذاہب پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ بھی اس ڈائری میں دیئے گئے ہیں۔

3- پندرہ روزہ ٹریکٹوں کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ جس میں 10 ٹریکٹ اردو اور ہندی میں شائع ہو چکے ہیں۔ کل تعداد اشاعت 25 ہزار ہے۔ اب ہر ایک ٹریکٹ تین ہزار کی تعداد میں چھپتا ہے۔ اردو کی قیمت 12 آنے سینکڑہ ہے اور ہندی ایک روپیہ سینکڑہ۔ دو ٹریکٹ گورمکھی میں بھی چھپ گئے۔

4- سال زیر رپورٹ میں آریہ سماج کو قریباً ساٹھ ہزار روپے نقد اور جائیدادوں کی صورت میں وصیتوں کے ذریعہ سے جو ملا ان میں سے 34 ہزار روپیہ ایک وصیت شدہ زمین کی فروخت سے اور 20 ہزار روپے کے دو مکانات لاہور میں ملے ہیں۔ ایک دو ہزار روپیہ کا مکان امرتسر میں ملا ہے اور 4755 روپے 13 آنے مظفر گڑھ سے۔ جس سے 150 روپے سالانہ آمدنی ہوگی۔

5- گورودت بھون میں ایک ڈاک خانہ بھی کھل گیا۔ جس کی 4 ہزار روپے کی لاگت سے عمارت بنوائی گئی۔ اس کا 20 روپے ماہوار کرایہ ڈاک خانہ سے ملتا ہے۔

6- 21 ہزار روپیہ سے اپدیشک ودیالہ بھون بنوایا گیا۔ جس میں ہال کا خرچ پنڈت ٹھاکر دت شرما وید موجد امرت دھارا نے دیا۔

7- ودیارتھی آشرم کے لیے 15 نئے کمرے بنوائے گئے جس پر قریباً 12 ہزار روپے صرف ہوئے۔

8-ٹٹیوں پر فلش سسٹم جاری کرایا گیا جس پر قریباً تین ہزار روپیہ خرچ ہوا۔

9-ایک نیا غسل خانہ 1200 روپیہ کی لاگت سے بنوایا گیا جس میں دس ٹونٹیاں ہیں۔اس کے لیے ایک ہزار روپیہ ایک ہندو خاتون کرم کور لاہور نے دیا اور قریباً 200 روپے آریہ سماج نے۔

آئندہ سال کا پروگرام:

اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ گزشتہ سال کے کام کا خلاصہ ہے۔آئندہ سال ان کاموں میں جو توسیع ہونے والی ہے اس کو بھی سن لیجئے۔

1-بیرونی سماجیں جو اپنے نواح میں پرچار کے کام کے لیے اپدیشک وغیرہ رکھیں گی اور ان کی تنخواہ کا 1/3 حصہ سماج کو دیں گی۔ان کو باہر بھی جلسوں میں بھیجا جا سکے گا۔

2-لیکھرام کا یادگاری رسالہ ''آریہ مسافر'' پھر جاری کیا جائے جو ماہوار ہو۔ قیمت دو روپے سالانہ ہوگی۔

3-ہندی اخبار آریہ کا چندہ چار روپے کے بجائے تین روپیہ کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے انتظامات کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے۔

4- گورودت بھون میں لیکچروں اور کھیلوں کے زیادہ انتظام کے ساتھ ایوننگ کلاسز بھی کھولی جائیں گی۔ جہاں ٹائپ رائٹنگ، شارٹ ہینڈ اور اکاؤنٹ وغیرہ سکھایا جائے گا۔نوجوانوں کو روزگار کے لیے ہنر سکھانے کے ساتھ خوراک بھی دی جائے گی۔

5-وید پرچار فنڈ کے لیے تمام سماجوں سے روپیہ مانگا گیا ہے۔

خلیفہ قادیان کے عقائد:

(18 جون 1929ء) قادیان سے کچھ دنوں سے اتحاد اور اخوت اسلامی کی آوازیں اٹھ رہی ہیں جو اس میں شک نہیں کہ اگر خلوص اور صداقت پر مبنی ہوں تو بہت ہی قابل قدر ہیں۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری کہ انہی قادیانیوں بلکہ خلیفہ قادیان کے منہ سے یہ الفاظ سنے جا رہے تھے کہ ''ہمارا فرض ہے کہ ان کو (یعنی غیر از جماعت لوگوں کو) کافر سمجھیں''، لیکن آج کہا جاتا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، ہمارا کیا حق ہے کہ انہیں کسی اور نام سے پکاریں۔ اس سے ہمارے بعض دوستوں کو یہ غلط فہمی ہو رہی ہے کہ میاں صاحب نے اپنے عقائد سے رجوع کر لیا ہے۔ اور وہ اپنے تبدیل شدہ عقائد کا اعلان آہستہ آہستہ گول مول الفاظ میں کر رہے ہیں۔ ہمارے احباب کا یہ حسن ظن ان کی نیک نیتی پر مبنی ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ہماری جماعت کو میاں صاحب کے ساتھ کوئی ذاتی عداوت نہیں بلکہ محض ان کے عقائد اس اختلاف کا سبب ہیں۔ اور اگر وہ ذرا بھی اپنے عقائد سے رجوع کریں تو ہم نہایت خوشی سے ان کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا میاں صاحب کے تازہ اعلانات اور اخوّت و اتحاد کی دعوت خلوص اور صداقت پر مبنی ہے۔ کیا وہ فی الواقع حضرت مسیح موعود کو مدعی نبوت اور غیر از جماعت مسلمانوں کو کافر اب نہیں سمجھتے؟ افسوس ہے کہ اس بارہ میں میاں صاحب کے مریدین کا رویہ اس کے بالکل برعکس ہے!

وہ ایک طرف تو کھلم کھلا ایسے عقائد کو پیش کرنے سے گھبراتے ہیں اور بعض وقت کفر اور نبوت کی وہ تشریح بھی کر دیتے ہیں جو حضرت مسیح موعود کی تحریرات کی بنا پر ہماری طرف سے پیش کی جاتی ہے، لیکن دوسری طرف ہماری جماعت کے افراد سے تخلیہ میں گفتگو کرتے ہوئے، جب میاں صاحب کی تحریرات ان کے سامنے پیش ہوں، تو انہی کی تائید کرتے اور مسیح موعود کی تصریحات کو چھوڑ کر میاں صاحب کے عقائد و خیالات کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں جناب میاں محمود احمد صاحب سے محض رضائے الٰہی اور حق و صداقت کے اظہار کے لئے یہ دریافت کرنا بیجا نہ ہوگا کہ یہ کہاں تک صحیح ہے کہ انہوں نے اپنے عقائد سے رجوع کر لیا ہے۔ اگر فی الواقع وہ ان عقائد کو اب غلط سمجھنے لگے ہیں جو سلسلہ احمدیہ میں موجودہ تفرقہ اور اختلاف کا باعث ہیں، تو میں ان سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ وہ ہر قسم کے دنیوی حجاب اور رکاوٹوں سے اعراض کر کے نہایت جرأت اور مؤمنانہ شان کے ساتھ اس رجوع الی الحق کا اعلان کر دیں۔ یہ کہنا کہ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ہمارا کیا حق

ہے کہ انہیں کسی اور نام سے پکاریں، گول مول فقرے ہیں۔مسلمان کے نام سے پکارنا اور بات ہے اور مسلمان سمجھنا اور بات۔کیا وہ مہربانی کر کے بتائیں گے کہ کیا وہ مسیح موعود کے نہ ماننے والے غیر از جماعت مسلمانوں کو دائرہ اسلام کے اندر داخل سمجھتے ہیں یا نہیں؟ وہ ایک مذہبی جماعت کے امام ہیں۔اس لیے انہیں چاہئے کہ ایسی باتوں میں نہایت صفائی سے کام لیا کریں۔گول مول الفاظ عقائد کے معاملہ میں صحیح نہیں ہوتے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد وہ دن لائے کہ جماعت احمدیہ میں مولانا نورالدین صاحب کے زمانہ کی سی وحدت واخوت کی لہر دوڑتی نظر آئے۔

(خاکسار **عبدالرحمٰن** از ایبٹ آباد)

مولوی ظفر علی خاں کا جہاد:

(11 جون) کچھ دنوں سے مولوی ظفر علی خاں صاحب نے اپنے نوزائیدہ اخبار ''ٹوڈے'' اور سن رسیدہ پرچہ ''زمیندار'' میں حضرت مسیح موعود کے خلاف علم جہاد بلند کر رکھا ہے اور مسلسل مضامین کے ذریعہ نہایت سوقیانہ انداز میں آپ کے عقائد واعمال پر نکتہ چینی کی جارہی ہے۔اور ایسے غلط خیالات اور دَعاوِی آپ کی طرف منسوب کیے جارہے ہیں، جن کی تردید متعدد مرتبہ کی جا چکی ہے۔

ان مضامین کے جواب میں قارئین ''پیغام صلح'' کی طرف سے بعض مراسلتیں ہمیں موصول ہوئی ہیں۔ ہم ان سب دوستوں کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ''پیغام صلح'' اس جہادی اسپرٹ کا قلع قمع کرنے کی پوری تیاری کر چکا ہے۔اور متفرق مراسلتوں کو شائع کرنے کی بجائے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ایک مبسوط اور مسلسل مضمون میں تمام غلط بیانیوں کا مفصل جواب دے دیا جائے جو آئندہ اشاعت سے شروع ہوگا۔انشاءاللہ۔

سب سے زیادہ جمہوریت اسلام میں ہے:

(21 جون) ڈاکٹر سر پی۔سی رائے، جو ہندو جماعت کے ایک معزز ترین رکن اور سیاسی حیثیت سے بھی ملک میں انہیں خاص وقار حاصل ہے، کلکتہ کے اس جلسہ کے صدر تھے، جو سیرت نبویؐ پر تقریریں کرنے کے

لئے منعقد ہوا تھا۔ سر پی۔سی رائے نے صدر کی حیثیت سے ایک تقریر کی جو ان کی عالی دماغی کی ایک کھلی ہوئی دلیل ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اسلام دنیا کے تمام مذاہب میں سب سے زیادہ جمہوری مذہب ہے۔ وہ عالمگیر برادری، عالمگیر امن و رواداری اور خدمت بنی نوع انسان کی تعلیم دیتا ہے۔ اس نازک دور میں، جبکہ فرقہ وارانہ افتراق نے اور سیاسی اختلافات نے ہمیں توڑ کر الگ کر دیا ہے، ہندوستان کو اس رواداری اسپرٹ کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ دنیا میں آج کوئی ایسا مذہب نہیں جو اس ایک ہی امتیاز کا دعویٰ کر سکے۔ عیسائیت بھی نہیں کر سکتی۔ ان میں بھی کئی ایک قسم کی ذاتیں ہیں۔ محض وہی لوگ، جو دولت مند ہیں، پر تکلف ہیں اور امراء ہیں، سینٹ پال کے کلیسا میں جا سکتے ہیں۔ دوسرے لوگ اور خصوصاً وہ، جو نئے عیسائی ہیں وہاں نہیں جا سکتے، ان کے لئے علیحدہ عبادت گاہ بنی ہوئی ہے۔ اب ذرا پلٹ کر دورِ مغلیہ کو دیکھو۔ شہنشاہ کے برابر قلی، سائیس اور فقیر کھڑے ہیں اور دونوں جہان کے خدا کی سب ایک ساتھ عبادت کر رہے ہیں۔

آؤ اب ذرا ہندوؤں کو بھی دیکھ لیں۔ ذات پات کی قیود کے موافق مقدس مندر میں بس برہمن ہی جا سکتا ہے۔ جو لوگ اس سے دوسرے درجہ پر ہیں وہ بس مندر کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر دیوتا کے درشن کر سکتے ہیں۔ میں ہندو ہوں، لیکن اگر ہندو مذہب یہی ہے تو خدا مجھے اس سے بچائے۔ بنگال کی آبادی میں کثرت سے مسلمان ہیں۔ یہ کس طرح ہوا اور یہ کیوں ہے؟ کیا جبراً مسلمان کئے گئے؟ انہیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ ان کے اجداد ہندو تھے، پھر یہ مسلمان کیونکر ہو گئے؟ اعلیٰ ذاتوں کے ہندوؤں کے مظالم سے انہوں نے انسانیت نواز اسلام کی گود میں امن پایا! یہ وجہ ہے کہ بنگال میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ اس وقت ہندوستان فرقہ وارانہ اور برادرانہ جنگ کی وجہ سے افتراق اور پھوٹ میں مبتلا ہے۔ یہی وہ خاص وقت ہے کہ اسلام کی روح پھیلا دی جائے۔

ہم سر پی۔سی رائے کی کشادہ دلی، حق پسندی اور اخلاقی جرأت کی جوش سے داد دیتے ہیں اور اس بات پر ناز کرتے ہیں کہ ہمارے وطنی بھائیوں میں کم از کم ایک شخص ایسا موجود ہے۔ خدا کرے کہ ہمارے سارے غیر مسلم ہموطن ان صفات میں سر پی۔سی رائے کے شریک ہو جائیں۔ (ماخوذ از ہمت)

❀❀❀

16 جولائی 1929ء

ارشادامیر

حصص بنک کا منافع اور اشاعتِ دین

ذیل کا خط چودھری فضل الدین صاحب وکیل کا ہے، جو ہماری جماعت کے معزز افراد میں سے ہیں۔ جس صورت میں انہوں نے بنک کے حصے خریدنے کی تجویز کی ہے کہ ''بنک کے ساتھ یہ معاہدہ ہو کہ ان کے حصص کا سالانہ منافع ہماری انجمن کو اشاعت اسلام کے لیے دیا جائے گا''۔ مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں نظر آتا۔ جس طرح حضرت مسیح موعود نے بنک میں امانت رکھ کر اس کے سود کو اشاعت اسلام پر خرچ کرنے کی اجازت دی ہے اور اب تو بہت سے دیگر علماء نے اس کو صحیح تسلیم کرلیا ہے۔ جس اصول پر ہماری طرف سے پہلے زمیندارہ بنکوں میں حصہ لینے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ جہاں منافع تقسیم نہیں ہوتا بلکہ اگر کبھی تقسیم ہوتا ہے، تو خیراتی اغراض پر خرچ ہوتا ہے۔ اسی اصول پر اس شرط کے ساتھ جو چودھری صاحب نے لکھی ہے، بنک کے سرمایہ میں حصہ لینے میں کوئی حرج بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اب جو لاکھوں روپیہ مسلمانوں کا بیکار پڑا ہے یا اس کا سود بجائے اشاعت اسلام پر خرچ ہونے کے، اسلام کی مخالفت پر خرچ ہوتا ہے وہ مسلمانوں کی قوت کا موجب ہو جائے گا۔ تاہم اگر کسی ہمارے دوست کے دل میں اس پر کوئی اعتراض ہو تو وہ مجھے اطلاع دیں۔ میں ایک ماہ تک ایسے اعتراضات کا انتظار کر کے اور اگر کوئی اعتراض پہنچیں تو ان پر غور کر کے پھر اخبار میں اس کے متعلق احباب کو اطلاع دوں گا۔

محمد علی۔ از ڈلہوزی

خط چودھری فضل الدین صاحب وکیل:

بخدمت حضرت امیر قوم احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، جناب والا کی خدمت میں یہ طویل عریضہ تحریر کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔

بنکوں کا سود اشاعتِ اسلام کے لیے:

جناب کو شاید یاد ہوگا کہ بمقام لاہور میں نے آپ کی خدمت میں اپنی جماعت کے افراد اور عامۃ المسلمین کا بنکوں کے ساتھ لین دین کرنے اور منافع یا سود لینے کے متعلق عرض کی تھی۔ جس کی نسبت جناب نے فرمایا تھا کہ مسلمان بنک سے سود یا منافع لے کر اشاعت اسلام کے لیے صرف کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ایک مقامی بنک نے ایک چٹھی کے ذریعہ سے سیکرٹری انجمن سے دریافت کیا تھا کہ ہماری جماعت کا ایک ممبر اپنے حصص بنک کا منافع اشاعت اسلام کے لیے آپ کی انجمن کو دینا چاہتا ہے۔ کیا آپ اسے قبول فرمائیں گے۔ تو اس کے جواب میں سیکرٹری صاحب نے تحریر کیا کہ انجمن ایسے منافع کو ہر وقت لینے کے لیے تیار ہے۔ اس کے بعد اخبار ''لائٹ'' مورخہ 30 مئی 1929ء میں بھی بسلسلہ سوال و جواب یہ شائع ہوا کہ ہماری انجمن کی رائے ہے کہ بنک کا سود اشاعت اسلام پر صرف کرنے کے لیے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی اخبار نے اغراض اشاعت اسلام کی توضیح 3 جون 1929ء کی اشاعت میں بدیں الفاظ کی ہے۔

All sorts of public and social works fall within its category

یعنی باقی تمام قسم کے پبلک اور اجتماعی کام اسی ذیل میں آتے ہیں۔

ایک ضروری سکیم:

اندریں حالات میری عرضداشت کا مقصد آپ کے سامنے ایک سکیم پیش کرنا ہے۔ جس سے ہماری انجمن کو مستقل طور پر کافی روپیہ سالانہ ملتا رہے گا اور ہماری جماعت کے افراد بھی اپنی مالی مشکلات کے دور کرنے میں سہولت پائیں گے۔ سکیم حسب ذیل ہے:

1- اگر ہماری جماعت کے افراد بنک کے حصہ دار بن کر بنک کے ساتھ یہ معاہدہ کر لیں کہ ان کے حصص کا سالانہ منافع ہماری انجمن کو ادا کیا جایا کرے، تو انجمن اور حصہ داران کو حسب ذیل فوائد حاصل ہوں گے۔

الف: مثال کے طور پر لیجئے کہ ہماری جماعت کے ممبران نے 5000 حصص خرید کئے اور ان کا منافع انجمن کو دینا منظور کر لیا۔ اب بنک کا منافع فی حصہ حسب کاروبار

بنک عموماً چھ فیصد سے لے کر پندرہ فیصد سالانہ ہوتا ہے۔ اور ایک حصہ بنک کی قیمت (100) ایک صد روپیہ ہوتی ہے۔ اگر منافع کی اوسط لی جائے تو نو فیصد کے حساب سے منافع فی حصہ شمار کر لینا بعید از توقع نہیں ہوگا۔ پس اس شرح منافع سے ہماری انجمن کو مبلغ 45000 روپیہ سالانہ کی آمدنی بغیر کسی تکلیف کے ہوتی رہے گی۔ بنک کے حصص ایک مستقل سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کو حصہ داران بنک سے واپس نہیں لے سکتے۔ البتہ وہ ان کو فروخت یا منتقل کر سکتے ہیں۔ مگر ایسا انتقال ہمیشہ تابع شرط منافع بحق انجمن ہوگا۔ علاوہ ازیں ہماری انجمن کے ممبران رقم جو بنک کے ساتھ رکھیں گے اس کا سود بھی اسی مد میں داخل کریں گے مگر حصص سے منافع کی آمدنی ایک زیادہ مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ اس مرحلہ پر اس امر کی بحث کرنا، کہ کیا حصہ داری پر جو روپیہ سالانہ ملتا ہے وہ منافع ہے یا سود، بے سود ہوگی۔ کیونکہ روپے کی کوئی حیثیت بھی قرار دے دی جائے جب اس کا استعمال اغراض اشاعت اسلام پر صرف ہوتا ہے تو کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔

ب: اس سکیم سے حصص خریدنے والوں کو کیا فائدہ ہوگا؟

اوّل: بنک کے فی حصہ کی قیمت (100) سو روپیہ ہے جو باقساط واجب الادا ہوگا۔ حصہ خرید کر روپیہ ادا کرنے سے حصہ دار میں کفایت شعاری اور قومی سرمایہ کی اہمیت کا احساس پیدا ہوگا۔ اور ایسے قومی سرمائے سے کئی ایک مفید کام جاری ہو کر سینکڑوں غریب مسلمانوں کی روزی کے وسائل بہم ہو جائیں گے۔

دوم: افراد جماعت اور عوام میں اشاعت اسلام جیسے پاک مقصد کے لیے منافع کے چند روپوں کی قربانی ان میں ایثار کی سپرٹ کو ترقی دے گی اور امداد باہمی کے قابل بنائے گی۔

سوم: زرحصہ ہمیشہ حصہ دار کی ملکیت ہوگا۔ جس کی کفالت پر اس کو بوقت ضرورت قرضہ مل سکتا ہے۔ اگر حصہ دار چاہے تو حصہ فروخت بھی ہوسکتا ہے۔ غرضیکہ حصہ

دار کے اصل سرمایہ کو نقصان نہیں ہوسکتا۔

چہارم: بنک لمیٹڈ ہے۔ حصہ داروں کی ذمہ داری زرحصہ تک محدود ہے۔ مثلاً ایک حصہ دار کی ذمہ داری صرف (100) سو روپیہ تک ہوگی۔ بنک فیل ہوجائے، کاروبار بگڑ جائے مگر حصہ دار سے (100) سو روپیہ فی حصہ سے زیادہ ہرگز نہ لیا جائے گا۔

یوم ولادتِ رسولؐ اور مسلمانانِ ہند:

17 اگست 1929ء (جناب قریشی کے قلم سے) ایک ایسے زمانہ میں جب کہ اخوت کا چمن لٹ چکا ہے، اتحاد اسلام کا پرچم سرنگوں ہے اور نبی امیؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے نفاق وعناد نے ایام جاہلیت کی یاد تازہ کردی ہے۔ ایک ایسے موسم میں جب کہ محبت کا میکدہ ویران ہے، درد والفت کی سرشاریاں ختم ہوچکی ہیں، بخت ومراد کی شمع بجھ چکی ہے اور فرزندان اسلام ''لات وہبل'' کی نہیں بلکہ ان سے بھی بدتر حسد ونفاق اور بغض وعناد کے 360 بتوں کی پرستش میں مصروف ہیں۔ ایک ایسے دور میں، جو درد وحسرت کا دور ہے، مظلومی اور بے سروسامانی کا دور ہے، مولانا محمد علی، مولانا حسرت، خواجہ عبدالرحمان غازی اور دوسرے دردمند مسلمانوں نے امت مسلمہ سے یوم ولادت رسولؐ کے انعقاد کی استدعا کی ہے۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ مسلمان سچے دل سے اس استدعا کی طرف متوجہ ہوں؟

دعوتِ فکر:

اپیل کرنے والوں کی ''یوم رسولؐ'' سے مراد ''جلسہ اور جلوس'' نہیں بلکہ یہ کھیل تو صدہا مرتبہ ہوکے ختم ہوگئے۔ کیا اُن سے اسلام کے چمن پر کبھی امید کی شگفتگی اور شادابی بھی ظاہر ہوئی ہے؟ اگر نہیں تو قبل اس کہ فرش خاک پر جلسوں اور مظاہروں کا ایک دوسرا دریا رواں ہو، ضرورت ہے کہ ہم اپیل کے الفاظ پر غور کرلیں۔

متحدہ کوشش:

اکابرِ قوم نے (سب سے پہلے) قوم سے ''متحدہ کوشش'' کا مطالبہ کیا ہے۔ ''متحدہ کوشش'' کے معنی ہیں

کسی مقصد کے لئے ملت کے تمام اجزاء کا حرکت میں آ جانا۔ سبحان اللہ ''متحدہ کوشش'' کس قدر مقدس حقیقت ہے؟ اور آہ کہ ہم اس حقیقت سے کس قدر دور ہیں؟ مسلمانو! بکھرے ہوئے ذرّو! تم ''یوم النبیؐ'' کے پیغام کو سمجھو۔ اپیل کرنے والے ''جلسے اور جلوس'' نہیں چاہتے، وہ بکھرے ہوئے ذرّوں کو ان کی آخری پریشانی میں جوڑنا چاہتے ہیں اور محبت رسول کے نام پر جوڑنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم سرورِکونین کی حرمت کے لئے اُٹھو اور اپنی تمام طاقتوں کو ساتھ لے کر اُٹھو۔ تمام آنکھیں جو بیدار ہوسکتی ہیں، بیدار ہوں۔ تمام قدم جو اُٹھ سکتے ہیں راستے پر آ جائیں، تمام زبانیں جو بول سکتی ہیں پیکر تقریر بن جائیں، تمام اُٹھنے والے ہاتھ اُٹھیں، تڑپنے والے دل تڑپیں، لٹنے والی دولتیں لٹ جائیں اور میدان میں آنے والی ہمتیں اور جوانیاں پیچھے نہ رہیں۔ میدان میں آ جائیں تاکہ گلشن امید کے وہ معصوم اور نازک اندام شگوفے، جو خزاں کی گود میں لیٹ رہے ہیں، اور وہ حسین اور بھولی بھالی کامیابیاں جو کم سنی میں یتیم ہو چکی ہیں، ذرا لہلہائیں اور وہ نہال ونخل، جو مدت ہوئی بہار کو رو چکے ہیں، صحن چمن میں پھر عنبر فشانی اور گل فروشی کو دعوت دے سکیں۔

اُمتِ مسلّمہ کا یوم پیدائش:

اپیل کرنے والوں کا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ یہ ''دن'' اپنے حقیقی شرف وعظمت کے مطابق منایا جائے اور اس تاریخ کو ہندوستان کے طول وعرض میں ایک نظام کے ماتحت سیرت نبویؐ کے عنوان پر جلسوں کا انعقاد ہو۔ ایک امریکن مصنف کا قول ہے کہ اس کائنات میں جب کوئی بڑا انسان پیدا ہوتا ہے تو دریا، پہاڑ، سمندر، زمین، آسمان اور دنیا کی تمام طاقتیں لرز جاتی ہیں کہ مبادا اُس کی ناپیدا کنار حوصلہ مندیاں دریا کو صحرا کر دیں، سمندر کو پاٹ دیں، زمین کو آسمان کی طرح بلندی پر لے جائیں اور آسمان کو ٹاٹ کی طرح لپیٹ کر علیحدہ رکھ دیں۔ حضرت محمدؐ پیدا ہوئے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایران کے آتشکدے بجھ رہے ہیں، بیت الحرام کی مورتیں زمین پر گری جاتی ہیں اور نوشیرواں کا سفید محل بید مجنون کی طرح لرز رہا ہے۔ مسلمانو! تم سمجھے؟ حضرت محمد ﷺ کی ولادت پر جس ''قاہرانہ قوت'' کی خائش ہوئی یہ وہی ''قوت'' تھی جو آپ کی غلامی میں آپ کے نام لیواؤں کو ملنے والی تھی۔ یاد رکھو کہ 12 ربیع الاوّل اسی داستان عظیم کے اعادہ وتکرار کا دن ہے اور اسی قاہرانہ قوت کے اظہار ونمائش کی یادگار ہے۔ یہ ایک شخص کی پیدائش کا نہیں بلکہ ایک عظیم الشان امت کی پیدائش کا دن ہے، اس کی

قاہرانہ قوتوں کے اظہار کا دن ہے، ایمان کی زندگی کا دن ہے اور اس لیے ہے کہ 40 کروڑ فرزندان اسلام جس قدر بھی غیرت وحمیت اپنے سینے میں رکھتے ہیں لائیں اور حرمت دین اور تبلیغ اسلام کے لیے میدان میں ڈال دیں۔

مظاہرہ غیرت واتحاد:

تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ ''اس دن ہر مقام پر بڑے سے بڑے پیمانے پر اسلامی اتحاد وغیرت کے مظاہرے کئے جائیں۔ وہ مظاہرے جو حضورؐ کی رفعتِ قدر کے شایان شان ہوں اور جنہیں دنیا محسوس کر سکے''۔ اگر یہ دنیا سنگ دل نہ ہو تو کسی مظلوم کی آنکھ کا ایک آنسو بھی اس قدر اہم ہے کہ اُسے دنیا محسوس کر سکے۔ لیکن موجودہ حالت یہ ہے کہ اگر نالہ ہائے مظلوم کی کثرت سے گولے اور طوفان بھی پیدا ہو جائیں اور خون بے گناہ کی افراط سے دریا اور ندیاں بھی بہنے لگیں تو انہیں کوئی محسوس نہیں کرتا۔ البتہ ایک عظیم الشان طاقت ہے جو دنیا کی ہر بے حسی اور سنگینی کے طلسم کو توڑ دیتی ہے، اور یہ عظیم الشان طاقت کسی قوم کے افراد اور کسی ملت کے اجزاء کا اجتماع و اتحاد ہے۔ اگر مسلمان دنیا کو اپنی قوت و طاقت سے متاثر کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہوگا وہ اپنے اتحاد وغیرت کی زبردست سے زبردست نمائش کریں۔ خلوتوں اور گوشوں سے نکلیں اور میدانوں میں پھیل جائیں اور اتحادِ قومی اور غیرتِ ملی کے مظاہروں کو اس تزک واحتشام سے ترتیب دیں کہ ان کی شوکت سے آسمان پَھٹ جائے، ان کے بوجھ سے زمین جھٹکا کھا جائے اور طوفان نوح کی طرح پہنائے زمین کو اپنے آغوش میں دبالیں۔ وہ بجلی کی طرح چمکیں، وہ ایک بدمست طوفان کی طرح حرکت میں آئیں اور سورج کی روشنی کی طرح سطح زمین پر پھیل جائیں۔

سنتِ ابراہیمؑ کی تجدید:

چوتھا مطالبہ یہ ہے کہ اس تاریخ کو ہر ایک آبادی میں علم اسلام بلند کیا جائے اور تمام فرزندانِ اسلام بلا استثناء اس علم کے نیچے جمع ہو کر عہد کریں اور حلف اُٹھائیں کہ وہ ہر قدم پر اسوہ رسولؐ کی پیروی کریں گے۔ اور ان کی نماز، اُن کی قربانی، ان کی زندگی اور ان کی موت ان مقاصد کے لیے وقف ہوگی جن کی تکمیل کے لئے حضور نبی ٔرحمتؐ اس دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ یہ ہے یوم ولادتِ رسول کی علت غائی۔ اور یہ ہے وہ مطالبہ جو ناموس

اسلام اور حرمتِ رسول کے نام پر مسلمانوں سے کیا گیا ہے۔ مسلمانو! حرمتِ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ سال کے 364 دن تمہارے لئے ہوں۔ تمہاری حرص وہوا کے لیے ہوں، طعن اور رسوائی اور تخریب وتفسیق کے لیے ہوں اور تم ان دنوں میں اپنی بے نیام تلواروں کو مسلمانوں کے خون سے سیراب کرتے رہو۔ لیکن جب دنیا پر 12 ربیع الاوّل کی صبح سعادت نمودار ہو چکے تو پھر سمجھو کہ نفس کی زندگی ختم ہو چکی اور اطاعت اور فرماں پذیری کے دن آ گئے۔ نفاق وعناد کے تنور بجھ گئے اور اتحاد واخوت کی گل افشانیاں شروع ہوئیں، اور وہ عظیم الشان دن آ پہنچا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے وقف ہے، دین کی حریت کے لیے وقف ہے، اعلاء کلمۃ الحق کے لیے وقف ہے۔ اس دن ہر ایک آبادی پر پرچم اسلام اُڑے گا اور اس پرچم کے قدموں میں اتحاد واخوت کا دریا بہے گا اور وہ نفاق، وہ عناد، وہ بدکاریاں، وہ معصیتیں اور مصیبتیں جن میں یہ امت برابر 364 دن تک مبتلا رہی، دریا برد کر دی جائیں گی اور اس کے بعد اُس شاہ وگدا پرور کا آستانہ ہوگا۔ اور فقیرانِ امت کی پیشانیاں، وہ حکم فرمائے گا اور ہم تعمیل کریں گے۔ اور جب یہ عظیم الشان وقت آ پہنچا تو مادر فطرت اپنا وہی گہر بار دامن پھیلا دے گی، آسمان سے فتح و نصرت کے پھول برسیں گے اور زمین عیش ومراد کے ترانوں سے معمور ہو جائے گی۔

❁❁❁

7 جولائی 1929ء

مراسلات

ایک قادیانی کی کھلی چٹھی

(بنام مرزا محمود احمد، بشیر احمد، شریف احمد وغیرہ ہم)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

1- ہماری جماعت احمدیہ (قادیان) کے نزدیک، جس میں آپ حضرات بھی شامل ہیں، حضرت مرزا صاحب نہ صرف مسیح موعود، مہدی اور مجدد وقت ہی تھے بلکہ آپ خدا کے رسول اور نبی تھے۔ جیسا کہ رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے گذر چکے ہیں۔

2- حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو انبیاءؑ کے گروہ میں شامل کرنے سے ان کی جائیداد کے آپ وارث نہیں ہوسکتے بلکہ اس کی وارث جماعت ہوگی۔ کیونکہ رسول عربی ﷺ (جس پر میرے ماں باپ فدا ہوں) اس مسئلہ کا فیصلہ فرما چکے ہیں۔ جیسا کہ ابن سعد مسند عائشہ اور بخاری میں ہے جس کے حوالہ سے ''رحلت مصطفیٰ'' میں مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی نے لکھا ہے۔ ''ہاں چند بیگھہ زمین بھی تھی۔ مگر نہ تو زندگی میں اس نے کبھی اسے اپنا سمجھا اور نہ مرتے وقت اپنے ورثہ میں تقسیم ہونے کے لیے مجبور ہوا۔ زندگی میں بھی وہ مسلمانوں کے لیے وقف تھی اور مرتے وقت بھی اسے مسافروں پر صدقہ کر گیا۔ یہی نہیں بلکہ اپنے وارثوں کو یہ اعلان کر کے صاف لفظوں میں محروم کر گیا کہ جس گروہ کے ہم ہیں (یعنی انبیاء کے گروہ سے) اس کے ہاں وراثت نہیں ہوتی''۔ صاف طور پر حضور سرور دو عالم ﷺ نے واضح کر دیا اور اپنی برائے نام ملکیت کو غیر موروثی

قرار دے کر مثال قائم کر دی، اور اپنے قول و فعل سے ثابت کر دیا کہ گروہ انبیاء کے ہاں وراثت نہیں ہوتی۔ بات بھی صحیح ہے۔ انبیاء اپنی امت کے روحانی باپ ہوتے ہیں اور خود کو ''وقف الامت'' ہی قرار دیا کرتے ہیں۔

3- اگر مرزا صاحب واقعی انبیاء کے گروہ میں شامل تھے۔ تو ان کے ہاں بھی وراثت نہیں ہونی چاہئے۔ اگر مرزا صاحب انبیاء کے گروہ میں نہیں تھے تو پھر جماعت لاہور راستی پر ہے۔ ان کو ان کے ساتھ شامل ہو جانا چاہئے۔ مگر جب تک خلیفۃ المسیح ثانی اور جماعت حضرت مرزا صاحب کو غیر نبی مان کر صرف مسیح موعود مہدی اور مجدد ہی ماننے کا اعلان نہ کرے، آپ کو کوئی حق نہیں کہ آپ ناجائز طور پر حضرت مرزا صاحب کی ملکیت پر قبضہ جمائے رکھیں۔

4- **الف**: اس لئے آپ تینوں حضرات اور باقی اہل بیت کو حضرت مرزا صاحب کی ملکیت سے دستبردار ہو جانا چاہئے۔

ب: تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ، جو حضرت صاحب نے چھوڑی تھی، جماعت احمدیہ کے نام ہونی چاہئے۔

ج: آج تک جس قدر آمدنی اس کی آپ حضرات وصول کرتے رہے ہیں اور جس قدر روپیہ فروخت زمین کا آپ نے وصول کیا ہے، وہ بھی ادا کرنا چاہئے۔

5- حضرت مرزا صاحب نے جو مکان جماعت کے چندہ سے بنوایا تھا، وہ انجمن کے حوالے کرنا چاہئے اور انجمن کو اس کا کرایہ ادا کرنا چاہئے۔

برائے مہربانی اس کا مفصل جواب الفضل میں شائع فرما دیں۔ والسلام

ایف ڈی صدیقی احمدی قادیانی

30 جولائی 1929ء

ارشادامیر

آریہ سماج کے ساتھ مناظرات

بہت جگہ جہاں کوئی اسلامی جلسہ ہوتا ہے اور بعض وقت ہمارے اپنے احباب کی طرف سے تبلیغی جلسوں کے ساتھ آریہ سماج سے مناظرہ لازمی سمجھ لیا گیا ہے اور خود ہی مناظرہ کا فیصلہ کر کے مبلغین کے لیے تاریں دے دی جاتی ہیں میں نے ان مناظروں کا چنداں فائدہ نہیں دیکھا۔ اور اگر کچھ فائدہ ہوتا بھی ہے تو اس سے بڑھ کر نقصان ہوتا ہے۔ بلکہ ہماری اصل غرض کو، جو اسلام کی تعلیم کو نرمی کے پیرائے میں پھیلانا ہے، نقصان پہنچتا ہے۔ دو کیمپ بن جاتے ہیں اور ایک دنگل لگ جاتا ہے اور غرض احقاق حق نہیں بلکہ وقتی ہار جیت ہوتی ہے۔ اور اس میں فریق ثانی کو نیچا دکھانے کے لیے بعض وقت ایسے ہتھیار بھی استعمال کر لیے جاتے ہیں جو مذہب کی اصل غرض کو ہی تباہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ پھر یہ مناظرات ملک کی موجودہ فضا کو بھی خراب کر رہے ہیں اور بجائے اتفاق اور محبت کو پیدا کرنے کے ایک دوسرے سے بغض و عناد کو بڑھا رہے ہیں۔ عموماً جہاں یہ مناظرات طے کئے جاتے ہیں وہاں عذر یہ ہوتا ہے کہ آریہ سماج نے ہمیں چیلنج دیا ہے اور اگر ہم اس چیلنج کو منظور نہ کرتے تو ہماری شکست متصور ہوتی۔ یہ بھی ایک غلط اصول کی تائید کے لیے غلط دلیل ہے۔ غالباً یہی بات آریہ سماج والے کہتے ہوں گے کہ ہمیں دوسرے فریق نے مجبور کیا۔ بہرحال اگر آریہ سماج چیلنج بھی دے تو اس چیلنج کا جواب اس قدر بھی کافی ہے کہ ہم اپنا جلسہ کر کے اس میں ان کے غلط خیالات کی تردید کر دیں۔ ہاں لیکچر کے بعد سوال و جواب کا موقعہ دے دینے میں چنداں حرج نہیں۔ بلکہ اس سے بھی بعض مسائل کی صفائی ہو جاتی ہے لیکن جیسے مناظرے میں نے دیکھے ہیں، یہ میری ہی رائے نہیں اور بھی بہت سے سنجیدہ آدمیوں کی رائے ہے کہ ان سے دونوں فریق کے مناظر کے ہی نہیں بلکہ سننے والی پبلک کے اخلاق بھی تباہ ہوئے ہیں۔ میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ بعض وقت استثنائی حالات میں مناظرے کی ضرورت پڑ جائے لیکن جو اس وقت عام رواج ہو گیا ہے، اس کو میں اپنی جماعت میں بند کرنا چاہتا ہوں اور ہماری تمام انجمنوں کو یہ نوٹ کر لینا چاہئے کہ جب تک کسی مناظرہ کے لیے پہلے مجھ سے

اجازت حاصل نہ کر لی جائے گی، کوئی مبلغ مناظرہ کے لیے نہ بھیجے جائیں گے۔ مناظرہ کو طے نہ کریں جب تک کہ مرکز سے منظوری نہ لے لیں۔ اور نہ ایسے مناظرہ کے طے کرنے میں کسی انجمن کی اعانت کریں۔ خواہ وہ انجمن اپنی جماعت کی ہو یا کوئی دوسری انجمن ہو۔ جس مناظرہ کا فیصلہ بلا اجازت خود مقامی انجمن کرلے گی، اس کے لیے قطعاً مبلغ نہ بھیجے جائیں گے۔

میں دیگر اسلامی انجمنوں سے بھی یہ درخواست کروں گا کہ وہ مناظرہ کے طریق کو بند کر کے زیادہ زور اس بات پر صرف کریں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحیح حالات اور اسلام کی صحیح تعلیم ہندوستان کی تمام زبانوں میں جلسوں، لیکچروں، اشتہاروں، ٹریکٹوں اور رسالوں کے ذریعہ سے دیگر اقوام میں پھیلائیں۔ یہ تعمیری کام ہماری قوم کی قوت کا موجب بھی ہوگا اور غیر مسلموں سے بھی ہمارے تعلقات کو بہتر بنائے گا۔ اگر اسلامی اخبارات جملہ مسلمانوں کی آ گاہی کے لیے اس اعلان کو نقل کر دیں تو یہ ایک مفید کام ہوگا۔ میں اس بات کو بھی بعید نہیں سمجھتا کہ اس طریق عمل سے آریہ سماج دوسروں کو برا لکھنے کی روش کو ترک کر دے۔

محمد علی

مسلمانوں سے عیسائی ہونے والے اسلام کی پناہ ڈھونڈ رہے ہیں:

پادری زویمر نے ایجپٹ انٹرمشن کونسل کی آٹھویں سالانہ کانفرنس میں اس دلچسپ حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ وہ لوگ، جو مسلمانوں سے عیسائی ہوئے ہیں، دوبارہ اسلام میں آنے کے متمنی ہیں۔ پادری صاحب نے خود مسیحی نومریدین کی ایک مجلس کا، جو لاہور میں منعقد ہوئی، بھی حوالہ دیا اور بتایا کہ اس مجلس کے اندر اس بات کی وجوہات بیان کی گئیں کہ کیوں مسلمانوں میں سے زیادہ لوگ عیسائیت میں داخل نہیں ہوتے۔ ان میں سے چند وجوہ حسب ذیل ہیں:-

1- ہندوستانی کلیسا ان مسلمان نومریدوں کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ نہیں کرتا۔
جو پرانے دوستوں کو چھوڑ آئے اور نئے دوستوں کے متلاشی ہیں۔

2- کلیسا میں عبادت اور ذکر الٰہی کا طریق انہیں نظر نہیں آتا۔ عبادت کافی نہیں

ہوتی۔ گرجے ہفتہ بھر کھلے رہنے چاہئیں اور صبح شام وہاں نمازیں ہونی چاہئیں۔

3- اسلام کے اندر مہمان نوازی کی خاصیت ہے کیا عیسائیت کے اندر بھی یہ خصوصیت موجود ہے؟ مسیحیت میں یہ عام طور پر شکایت کی جاتی ہے کہ جب ہم مسلمان تھے تو ہم جس مسلمان کے ہاں چاہیں جا کر چائے پی سکتے تھے۔ لیکن اب جبکہ ہم عیسائی ہیں ایسا نہیں کر سکتے۔

4- بپتسمہ کے بعد تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام نہیں۔

5- مسیحی ہو کر لوگ اسلامی محاسن کو بھول جاتے ہیں اور ان برائیوں میں مشغول ہو جاتے ہیں جو مسیحیوں میں پائی جاتی ہیں۔

6- مسیحیت میں شادی بیاہ کی تکالیف موجود ہیں۔

7- نومریدوں کی دنیوی ضروریات مشنریوں کو ان کی روحانی ضروریات سے اندھا کر دیتی ہیں۔ اور دنیوی ضروریات کے مہیا کرنے میں نومریدوں کی طرفداری بغض وحسد پیدا کر دیتی ہے۔

مڈغاسکر کے مسلمان:

(20 جولائی 1929ء) جزیرہ مڈغاسکر میں ہندوستانی مسلمان بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جن کی تعداد سرکاری اعداد وشمار کے مطابق دس ہزار ہے۔ لیکن مسلم ورلڈ کے ایک مسیحی نامہ نگار کے نزدیک بارہ ساڑھے بارہ ہزار تک پہنچتی ہے۔ جو بوہروں، خوجوں اور سنی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ہر بڑے شہر میں تمام فرقوں کی مساجد موجود ہیں۔ ان کے علاوہ کا مارو میں 125000 مسلمان ہیں، جو سب سنی المذہب ہیں۔ کچھ ہندو بھی ہیں جو بالکل الگ رہتے ہیں اور آپس میں ہی شادیاں کرتے ہیں۔ اندرون ملک میں بعض وہاں کی دیسی عورتوں سے بھی شادی کر لیتے ہیں اور ان کی اولاد کے چنڈال وغیرہ پیدا ہونے کی کوئی پیچیدگیاں پیدا نہیں ہوتی۔ ہندوؤں میں

اناجیل کے گجراتی ترجمہ کی دو ہزار کاپیاں تقسیم کی گئیں۔ وہ مسیحیوں کو پسند کرتے اوران کی امداد پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ بعض خفیہ طور پر مسیحی عبادت میں بھی شامل ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی پروپیگنڈا جاری ہے اور تجویز کی گئی ہے کہ ہندوستان کے ساحلی علاقوں سے کسی ہندوستانی مشنری کو منگوایا جائے تاکہ وہ لوگوں سے زیادہ آزادانہ میل جول رکھ سکے۔

❁❁❁

30 جولائی 1929ء

حضرت امیر کے قلم سے

بزرگان جماعت سے حضرت مسیح موعود کا ایک سوال

میں کئی دنوں سے ارادہ کر رہا تھا کہ ان احباب سے، جو میری طرح پچاس کی حد سے متجاوز ہو چکے ہیں اور سفر آخرت کے لئے تیار بیٹھے ہیں، جن کے سامنے اب اس دنیوی زندگی کی منزل بہرحال تھوڑی رہ گئی ہے، یہ عرض کروں کہ وہ وقت قریب آ رہا ہے جب ہمیں احکم الحاکمین کے سامنے اپنی ذمہ داریوں کا جواب دینا ہوگا۔ یاد رہے کہ وہاں کسی سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ اس نے کس قدر جائیداد پیدا کی؟ کتنا مال جمع کیا؟ کتنی اولاد چھوڑی؟ بلکہ یہ بتانا ہوگا کہ کس قدر جائیداد خدا کی راہ میں وقف کی۔ کس قدر مال اعلاء کلمۃ اللہ پر خرچ کیا؟ اولاد کو خدمت دین کے لئے کس حد تک تیار کیا؟ اتنے میں کل ہی میرے ایک مکرم دوست کا خط آیا۔ جس میں انہوں نے اپنا ایک رؤیا لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کو، جہاں ایک طرف ان باتوں پر، جو نبوت اور تکفیر کے قائل فریق نے آپ کی طرف منسوب کی ہیں، بہت پریشان اور ناراض دیکھا۔ دوسری طرف آپ نے اس مکرم دوست سے بھی یہ سوال کیا کہ **آپ نے کیا کیا ہے؟** یہ سوال فی الحقیقت، جیسا کہ اس مکرم دوست نے سمجھا ہے، اکیلے ان سے نہیں تھا، بلکہ ساری جماعت کے بزرگوں سے تھا۔ جنھوں نے حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اپنے دنیوی کاروبار پر اور دنیا کے تفکرات پر فکر دین، حفاظت دین اور اشاعت دین کے کام کو مقدم کریں گے۔ یہ سوال درحقیقت ہمارے لیے ایک تنبیہ ہے۔ کیونکہ ابھی ہمارے لیے وقت ہے کہ یہاں سے رخصت ہونے سے پیشتر کچھ اس کے جواب کے لیے تیاری کر لیں۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ پھر کوئی مہلت نہ ہوگی۔ اور اس وقت اگر جواب کے لیے تیاری نہیں کی تو پھر حسرت کے کلمات ہی زبان پر ہوں گے یٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَافَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡبِ اللّٰہِ (56:39) مجھ پر افسوس کہ میں نے اللہ کے حقوق کے بارہ میں کوتاہی کی۔ لَوۡ اَنَّ لِیۡ کَرَّۃً فَاَکُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (58:39) اگر میں واپس لوٹ کر جا سکوں تو نیکی کرنے والوں میں سے ہوں گا۔ اس طالب علم سے بڑھ کر بے وقوف کون ہے جس کو یہ بھی پتہ لگ جائے کہ اس سے کیا

سوال امتحان کے وقت ہونے والا ہے اور پھر بھی وہ اس کے لیے تیار ہو کر نہ جائے۔!

کوئی شخص اپنے آپ کو دھوکہ نہ دے:

بسا اوقات انسان اپنے آپ کو دھوکہ دے لیتا ہے اور درحقیقت اپنے نفس کے دھوکے سے بچنا سب سے مشکل کام ہے۔ بہت لوگ ہیں ان کو توجہ دلائی جائے کہ آپ اپنی فلاں ذمہ داری میں کوتاہی کر رہے ہیں تو بجائے اپنی اصلاح کے دوسروں پر خفا ہونے لگ جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کسی کا حق نہیں کہ ہمیں کچھ کہے، ہم نے سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر رکھا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ لَايُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى (262:2) خدا کی راہ میں خرچ کر کے نہ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ احسان جتائیں، نہ کسی کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ کوئی شخص اپنے مال پر بھروسہ نہ کرے۔ خدا کی نظر سونے اور چاندی کے ڈھیروں پر نہیں، اس کی نظر دلوں پر ہے۔ دیکھنے کی چیز دل ہے۔ کیا ہمارے دلوں میں دین کو ترقی دینے کے لیے وہ جوش ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ہے جو اپنی دنیا کو ترقی دینے کے لیے ہے۔ اگر ہے تو ہم نے دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے، ورنہ نہیں۔ کیا اس کے دل میں دین کی وہ فکر ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے، جس قدر اپنی دنیا کی فکر ہے۔ اور دین کی خدمت کے موقع نکالنے کے لیے اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر ذکر میں ڈوبا رہتا ہے، جیسے اپنی دنیا کے اشغال میں شب و روز غلطاں و پیچاں رہتا ہے؟ کیا جو آمادگی وہ اپنی دنیا کے کاموں کے سرانجام دینے کے لیے دکھاتا ہے جس مستعدی سے وہ اپنی ضروریات پیش آمدہ کے لیے راستے نکالتا ہے اس قدر آمادگی اور مستعدی بلکہ اس سے بڑھ کر خدمت دین کے کاموں میں بھی دکھاتا ہے؟ کیا جو تکلیفیں اور مصیبتیں اپنے دنیا کے کاموں کے لیے اُٹھاتا ہے، اس قدر بلکہ اس سے بڑھ کر تکلیفوں اور مصیبتوں کا دینی خدمات کے لیے بھی سامنا کرنے کو تیار ہے؟ کیا جب اسے دنیا کا کوئی خرچ پیش آتا ہے، کوئی عالیشان مکان بنانا ہوتا ہے، کوئی جائیداد خریدنی ہوتی ہے، کسی کاروبار کو ترقی دینا ہوتی ہے، کسی بیٹے یا بیٹی کی شادی کرنا ہوتی ہے، جس فیاضی سے اس وقت خرچ کرتا ہے اور روپیہ بہم پہنچانے کے وسائل بھی اس کے لیے نکلتے چلے آتے ہیں، کیا وہی شرح صدر، وہی فیاضی کی روح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس وقت بھی اس کے اندر ہوتی ہے، جب کوئی دینی ضرورت پیش آتی ہے؟ اگر ان سب سوالوں کا جواب اثبات میں ہے تو اس کے دل کے اندر بیشک اپنے عہد کو کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا، پورا کرنے کی تڑپ موجود ہے اور وہ اس

سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہو چکا ہے کہ آپ نے کیا کِیا؟ ورنہ اپنے نفس کو دھوکہ دینے سے بڑھ کر کوئی دھوکہ نہیں۔

کیا آپ کا دل مطمئن ہے؟:

اس کو بھی چھوڑ یئے کہ خدا کے حضور ہم کیا جواب دیں گے۔صرف اس قدر غور کر لیجیے کہ کیا آپ کا دل اس کام پر مطمئن ہے جو آپ کر رہے ہیں۔کیا اگر اسی آن ہم پر وہ وقت آ جائے جس کا ہر ایک پر آنا اٹل ہے تو ہمارا دل اس اطمینان سے لبریز ہوگا کہ ہم نے اپنی ذمہ داری کو ادا کر دیا؟ اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے ہر ممکن زور لگا دیا؟ کیا ہمارے دلوں میں یہ راحت ہوگی کہ ہم جو کام کر رہے تھے وہ ہمارے یہاں سے جدا ہونے کے ساتھ ختم نہیں ہوگا۔ بلکہ ہماری اولاد اس نیک کام میں ہماری جانشینی کا حق ادا کر کے ہماری زندگی کو قائم رکھے گی؟ کیا ہمارا دل اس سکینت سے بھرا ہوا ہوگا کہ ہم نے اگر اپنی اولاد کو اچھی حالت میں چھوڑا ہے تو ہماری جائیداد کا کوئی حصہ صدقہ جاریہ کے طور پر ہماری ابدی زندگی کا موجب بھی ہوگا؟ اگر باوجود مقدرت کے ہم نے کچھ نہیں کیا تو یاد رکھئے کہ اگر موت کے وقت ہمیں خود یہ سوال تکلیف دے گا کہ ہم نے کیا کیا۔تو بعد موت بھی جب سب پردے دور ہو کر ہمارے اعمال کی تصویر ہمارے سامنے آئے گی تو پھر یہی سوال سامنے ہوگا کہ آپ نے کیا کیا؟

غُلو کے مقابلہ پر تفریط ہوا کرتی ہے اور عقیدہ کی غلطی کے مقابل پر عمل کی کوتاہی۔اس لیے دوبارہ سہ بارہ اپنے حالات کی اور اپنے اعمال کی پڑتال کر لینی چاہئے۔ایسا نہ ہو کہ اگر ایک جماعت عقیدہ سے بہک گئی اور غلو کی راہ پر پڑ گئی تو دوسری عمل میں رہ جائے۔ بالآخر میں بزرگان جماعت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے فرض کو پہچانیں۔ان میں سے ہر ایک عنداللہ ذمہ دار ہے۔

خاکسار

محمد علی

لنڈن میں تبلیغ اسلام:

(30 جولائی) خواجہ عبدالغنی صاحب سیکرٹری ووکنگ مسلم مشن کے ایک مراسلہ سے یہ معلوم کرنا طمانیت بخش ہے کہ وہ انگریز نومسلمین، جو ووکنگ مسلم مشن کی تبلیغی مساعی سے حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، اسلام کی تبلیغ میں پوری جدوجہد سے کام لے رہے ہیں۔ برٹش مسلم سوسائٹی انہی انگریز نومسلمین کی مجلس ہے جس کے زیر اہتمام ہر اتوار کو لندن مسلم نماز گاہ واقعہ کمپڑن ہل روڈ میں اسلام پر لیکچر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ماہ جون میں حسب ذیل لیکچر دیئے گئے ہیں۔ 16 جون کو جناب عبدالخالق خان صاحب بی۔اے، ایم۔آر۔اے۔ایس مبلغ اسلام نے ''درویشانِ اسلام'' کے موضوع پر لیکچر دیا۔ 23 جون کو جناب او۔علی ڈالبن نے ''مذہب اسلام'' کے عنوان سے تقریر کی۔ 30 جون کو جناب مولوی عبدالمجید صاحب ایم۔اے، بی ٹی قائمقام امام مسجد ووکنگ نے اسلام اور دولت کے موضوع پر لیکچر دیا۔ لندن نماز گاہ میں ہر جمعہ کو انگریز مسلمین اور مسلمان نماز جمعہ میں شریک ہوتے ہیں اور مولوی عبدالمجید صاحب خطبہ میں، جو انگریزی زبان میں ہوتا ہے، اسلامی مسائل پر بہترین روشنی ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ان کی ہمت اور کوشش کو بابرکت فرمائے۔

ہزایکسیلنسی حافظ شیخ وہبہ لنڈن مسلم نماز گاہ میں:

خواجہ عبدالغنی صاحب سیکرٹری ووکنگ مسلم مشن اپنے ایک مراسلہ میں اطلاع دیتے ہیں کہ جون کے آخری ہفتہ میں برٹش مسلم سوسائٹی نے رائٹ آنریبل لارڈ ہیڈ لے الفاروق کی زیر سرپرستی ہزایکسیلنسی حافظ شیخ وہبہ نمائندہ حکومت نجد وحجاز کے اعزاز میں ایک شاندار ایٹ ہوم دیا۔ حافظ صاحب موصوف نومسلم انگریز بھائیوں کی کثیر جماعت کو دیکھ کر بہت ہی محظوظ ہوئے۔ اور جس اسلامی تحریک (ووکنگ مشن) کا غلغلہ اخبارات کے ذریعہ سے مدتِ مدِید سے سن رہے تھے اس کے نتائج کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ازحد مسرور ہوئے۔ اس موقعہ پر آپ نے عربی زبان میں ایک تقریر فرمائی۔ جس میں اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یورپ میں اسلام کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں تھیں جو آہستہ آہستہ رفع ہو رہی ہیں۔ آپ نے حاضرین مجلس کو اپنا سلام پہنچایا اور نومسلمین ومعززین کے اس عظیم الشان مجمع میں شمولیت پر فخر وشادمانی کا اظہار فرمایا۔

احادیث نبوی کا اثر:

ماہ جون کے ''اسلامک ریویو'' میں ارنسٹ سی کلارک نامی ایک امریکن کی، جو شکاگو کا رہنے والا ہے، تصویر شائع ہوئی اور اس کے نیچے قبول اسلام کی وجوہ یہ بیان ہیں کہ اسلام کی مقبولیت اور جمہوریت نے میرے دل پر بہت اثر کیا ہے۔ ووکنگ مشن کی طرف سے ملنے والی ''ٹیچنگز آف دی پرافٹ'' اور ''احادیث العمل'' کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر مجھے بہت مسرت حاصل ہوئی ہے۔ میرا اسلامی نام عمر رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسم با مُسمّیٰ بنائے

❀❀❀

16 جولائی 1929ء

مراسلت

''جواب مباہلہ'' کا پروپیگنڈا

ایک دوست کا خط اور حضرت امیر ایدّہ اللہ کا جواب:

قارئین ''پیغام صلح'' کو معلوم ہوگا کہ میاں محمود احمد صاحب کے بعض مریدین ان کے کیریکٹر سے بدظن ہو کر ان کی بیعت سے خارج ہو چکے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے کچھ عرصہ ہوا اخبار ''مباہلہ'' کے نام سے ایک پرچہ جاری کر رکھا ہے۔ جس کے ہر نمبر میں میاں صاحب کے متعلق بعض نہایت ناپاک اور گندے الزامات کو نہ صرف دہرایا جاتا ہے بلکہ ان کی صداقت کو پرکھنے کے لیے انہیں مباہلہ کا بھی چیلنج دیا جا رہا ہے۔ چند دن ہوئے انہی لوگوں کے جواب میں مریدین میاں صاحب کی طرف سے ''انصارِ خلافت'' نام ایک کمیٹی بنائی گئی ہے۔ جس کی طرف سے ''جواب مباہلہ'' کے نام سے ایک پرچہ شائع ہوا ہے، جو لاہور اور بیرونجات میں بکثرت مفت تقسیم ہوا ہے۔ جہاں تک ان دونوں پرچوں کے موضوع کا تعلق ہے ہمیں اس میں دخل دینے کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہم نے آج تک اس بارہ میں اشارۃً یا کنایۃً ان میں سے کسی ایک کی حمایت یا تردید کرنا مناسب سمجھا۔ نہ صرف اس خیال سے کہ یہ صرف میاں صاحب اور ان کے مریدین کا باہمی جھگڑا تھا جس میں کسی تیسرے کو دخل دینے کی ضرورت نہ تھی بلکہ جیسا کہ حضرت امیر ایدّہ اللہ نے لکھا ہے، ایسی باتوں کو اخبارات میں زیادہ شہرت دینے سے تمام سلسلہ بدنام ہوتا ہے اور ہو رہا ہے۔ لیکن ہماری اس خاموشی کو بھی اس بات کی دلیل قرار دیا گیا کہ ہم مباہلہ والوں کے حامی ہیں۔ بلکہ ''جواب مباہلہ'' میں صاف لکھا ہے کہ ان الزامات کی حمایت اور تشہیر میں ہم نے عملی حصہ لیا ہے۔ ''جواب مباہلہ'' کے اس جواب اور بعض دیگر مُزخرفات کو پڑھنے کے بعد ایک دوست نے حضرت امیر ایدّہ اللہ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ جس کا اقتباس حضرت ممدوح نے اپنے نوٹ کے ساتھ برائے اشاعت ارسال کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔ (ایڈیٹر)

حضرت امیر کا نوٹ:

ذیل کا اقتباس ایک ایسے دوست کے خط سے ہے جسے میاں صاحب سے، جیسا کہ خط ظاہر کرتا ہے محبت ہے۔ میں نے بھی اخبار کو دیکھا مگر میں ایسی ذلیل حرکتوں کا کیا جواب دوں۔ شروع سے ان لوگوں نے یہ طریق اختیار کر رکھا ہے کہ ان باتوں کو ہماری طرف منسوب کر کے جماعت کی نفرت کو ہمارے ساتھ بڑھائیں۔ جس دن سے یہ الزامات میاں صاحب کے خلاف شروع ہوئے، اسی دن سے جماعت قادیان اور اس کے رہبروں نے یہ تعلیم دینی شروع کی کہ یہ سب کچھ ہماری وجہ سے ہے۔ حالانکہ میں شروع ہی میں لکھ چکا ہوں کہ یہ باتیں صحیح ہوں یا غلط، اس سے ہمیں وہی نقصان پہنچ رہا ہے جو ان کی جماعت کو پہنچ رہا ہے۔ کیونکہ بدنام تو سارا سلسلہ ہو رہا ہے۔ اگر ان کے نزدیک یہی ثواب کا کام ہے تو شوق سے کرتے رہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ خوش عقیدہ مریدوں سے جو بات چاہیں منوالیں۔ ان باتوں پر تاریخ کا فتویٰ کچھ اور ہوگا۔

خاکسار

محمد علی

خط کا اقتباس:

میاں صاحب کے متعلق مستریوں والا فتنہ اب آب از سر گزشت کا مصداق ہوتا جاتا ہے۔ میں نے ایک اخبار میں دیکھا کہ ایک رسالہ ''جواب مباہلہ'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے اور اس میں میاں صاحب نے چیلنج دیا ہے۔ چونکہ میاں صاحب کے متعلق اس قسم کے الزامات سے مجھ کو صدمہ پہنچتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ اس کا اطمینان بخش فیصلہ ہو جائے اور خدا کرے یہ الزامات غلط ہوں۔ اس واسطے میں نے بڑے شوق سے یہ رسالہ منگوایا۔ مگر میری مایوسی کی کوئی حد نہ رہی، جب میں نے دیکھا کہ مستریوں کے ساتھ مباہلہ کا چیلنج تو نہیں ہے مگر جناب کو چیلنج دیا جاتا ہے کہ وہ اس بات پر کہ اگر مولوی صاحب (جناب) کا یہ عقیدہ ہے کہ ایسے حالات میں مباہلہ کرنا جائز ہے تو اس معاملہ کے متعلق میاں صاحب جناب سے مباہلہ کرنے کو تیار ہیں۔ تعجب ہے کہ ایسے گندے الزام کے متعلق مباہلہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ ایسے حالات میں مباہلہ جائز ہے تو پھر اس

کے ساتھ مباہلہ جائز ہو جاتا ہے۔یعنی ایک الزام کے متعلق جس کی تردید حلفیہ بھی نہیں کی جاتی اور جس کا کوئی صریح ثبوت پیش کرنا یا صریح تردید کرنی تقریباً ناممکن ہے، مباہلہ کرنا خلاف شریعت ہے۔لیکن ایک معمولی مسئلہ کے متعلق، جو جزو ایمان بھی نہیں ہے، اختلاف رائے کرنے پر مباہلہ جائز ہوسکتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ معارف اور دقائق اس جگہ سے نکل رہے ہیں جہاں کے براہین اور دلائل سے دنیا میں تہلکہ مچ رہا تھا۔ پھر مجھ کو تعجب ہوتا ہے کہ جناب کی ذات کو اس معاملہ سے کسی قسم کی وابستگی نہ ہونے کے باوجود کیوں درمیان میں لایا جاتا ہے؟

مراسلات:

(16 جولائی) کافروں کو السلام علیکم کہنا؟ ایک قادیانی بھائی سے کل میرا مکالمہ ہوا۔ نبوت اور کفر و اسلام کا مسئلہ تھا۔ میں نے کہا کہ بے شمار احادیث و اقوال حضرت امام کے باوجود اگر پھر بھی اصرار ہے تو تمہاری مرضی۔ مجھے ایک بات سمجھا دو تو مانوں۔ دل سے کافر سمجھ کر تم لوگ اسلام علیکم غیر احمدیوں کو کیوں کہتے ہو؟ جواب: دعا ہی ہے۔کیا حرج ہے، کافروں کو دعا دیتے ہیں۔

میں: آخر کیا تم لچھمن داس، اودے داس کو بھی السلام علیکم کہتے ہو۔ جواب: نہیں۔ وہ دور کے ہیں، یہ نزدیک کے ہیں۔ اس واسطے رعایت دی جاتی ہے۔ میں نے کہا۔ چوں آب از سر گزشت چہ یک نیزہ چہ یک دست۔ دائرہ سے ایک انچ باہر ہوا یا کوئی دو فٹ باہر ہوا خارج تو یہ بھی ہوگئے وہ بھی، کافر سب ہوگئے۔ پھر بعض پر مہربانی بعض پر قہرمانی۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ جواب ملا کہ ہم تو سلام علیکم کہتے ہیں، السلام علیکم نہیں کہتے۔عرض کیا کہ معاملہ تو ایک ہے۔ آگے آپ کی مرضی۔ پھر اس مسئلہ سے مایوس ہو کر عرض کیا کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے مقابل ہم کس کی مان سکتے ہیں اور اس کے معنی صاف ہیں۔ جواب ملا کہ اس کے معنی ہیں ''میرے ماسوا کوئی صاحب شریعت نبی نہیں''۔ پوچھا کہ ''ماسوا'' اور ''صاحب شریعت'' کہاں سے نکالا۔ جواب میں ایچا پیچی، ادھر سے اُدھر، اُدھر سے ادھر گفتگو چل پڑی۔ پھر پوچھا کہ جن احمدیوں کی لڑکیاں غیر احمدیوں کے گھر میں ہیں، از روئے شریعت آپ فتویٰ دے سکتے ہیں کہ ان کے بچے ناجائز ہیں اور وہ نکاح ناجائز ہیں۔ جواب ملا کہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ میں نے کہا کہ یہ سب باتیں کہنے کو ہیں، آپ کے دل نہیں مانتے۔ عملی رنگ میں بھی یہ خیالات کھو کھلے ہیں اور علمی رنگ

میں خود آپ کے دل نہیں مانتے۔ ورنہ السلام علیکم نہ کہتے۔ اور خاص کر نکاح کے معاملہ میں ضرور آپ لوگ کچھ قانون نافذ کراتے کہ احمدی لڑکیوں کے نکاح شرعاً ناجائز ٹھہرائے جاتے، اگر کبھی ان کے نکاح غیر احمدیوں سے ہوتے۔ نبوت اور کفر و اسلام کا معاملہ نہ معلوم ان لوگوں کے دل میں کیسے رچا ہوا ہے۔ جس کو عملاً خود بھی نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دل میں اِلقاء کرے کہ ہمارے مقابل اس مسئلہ میں ضد چھوڑ دیں تا کہ احمدیت کا چہرہ صاف ہو۔ کیونکہ تنہائی میں ان کے عقائد وہی ہیں جو ہمارے ہیں۔ پھر کیوں ضد نہ چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔

(**نور محمد** نائب ضلعدار نہر۔ از شجاع آباد)

یوم ولادت رسول ﷺ:

(19 جولائی) انسانی تاریخ میں ربیع الاول کے دوسرے شنبہ کو بہت ہی بڑا فخر و شرف حاصل ہے۔ اس دن حضرت **محمد** ﷺ پیدا ہوئے، اسی دن آنحضور ﷺ کو خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا گیا، اسی دن آپ نے اپنے فرائض نبوت کی تکمیل کی اور ہمیشہ کے لئے بارگاہ ایزدی میں تشریف لے گئے۔ اسلام کے محترم علماء و رہنمایان قوم اور برادران اسلام سے ہماری استدعا ہے کہ ہم سب کو اس امر کی متحدہ طور پر کوشش کرنی چاہئے کہ یہ دن اپنے حقیقی شرف و عظمت کے مطابق منایا جائے۔ اس تاریخ کو ہندوستان کے طول و عرض میں ایک نظام کے ماتحت سیرۃ نبویؐ پر جلسے ہوں۔ ہر مقام میں بڑے بڑے پیمانہ پر اسلامی اتحاد اور غیرت کے مظاہرے کیے جائیں۔ ایسے مظاہرے جو حضور کی رفعت قدر کے شایان شان ہوں اور جنھیں دنیا محسوس کر سکے۔ اس دن ہر ایک اسلامی آبادی میں علمِ اسلام بلند کیا جائے اور تمام فرزندانِ اسلام اس علم کے نیچے جمع ہو کر خدا سے عہد کریں اور حلف اٹھائیں کہ وہ ہر قدم پر ''اسوۂ رسولؐ'' کی پیروی کریں گے۔ ان کی قربانی، ان کی زندگی، ان کی موت، ان مقاصد کے لیے وقف ہوگی، جن کی تکمیل کے لیے حضور نبی رحمت ﷺ مبعوث ہوئے تھے۔

❁❁❁

7اگست 1929ء

حضرت امیر کے قلم سے

''دی پرافٹ آف اسلام'' اُردو میں

احباب کو معلوم ہوگا کہ سال گزشتہ آنحضرت ﷺ کے میلاد مبارک پر میں نے انگریزی میں ایک رسالہ ''دی پرافٹ آف اسلام'' کے نام سے لکھا تھا۔ جس کی کوئی پانچ چھ ہزار کے قریب کاپیاں بعض احباب نے خرید کر مفت تقسیم کر دی تھیں۔ یہ رسالہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت مقبول ہوا۔ اسی وقت یہ بھی تجویز تھی کہ اس کے ترجمے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں چھاپ کر شائع کیے جائیں۔ کئی جگہ خود بخود لوگوں نے اس کے ترجمے کر کے شائع کیے۔ حتیٰ کہ چینی زبان میں بھی اس کا ترجمہ وہاں کے ایک عالم نے اپنے رسالہ میں چھاپا ہے۔ ہماری اپنی سب سے پہلی ضرورت یہ تھی کہ اسے اردو میں شائع کیا جائے۔ مگر اردو ترجمہ پر جب میں نے نظر ثانی کی تو معلوم ہوا کہ اسے ایک مختصر سوانح عمری کی صورت دے دینا بہتر ہوگا۔ چنانچہ میں نے اسے نئی ترتیب دے کر ذیل کے سات حصوں میں اسے تقسیم کیا۔

بعثت سے پیشتر، مکی زندگی، مدنی زندگی، بے نظیر کامیابی، آپ کی تعلیم میں رواداری، متعدد نکاح، اخلاق و آداب۔ اور اس طرح یہ ایک سو سے کچھ صفحات اوپر کی کتاب ہوگئی ہے۔ اور یہ اس قابل ہوگی کہ ہر ایک مسلمان بچہ اور ہر ایک غیر مذہب کا آدمی اس سے بآسانی فائدہ اٹھا سکے۔ قیمت اس کی صرف 5 آنے ہوگی۔ لیکن اس کے علاوہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس سال میلاد کے موقعہ پر ہمارے احباب اس کو غیر مسلموں کے ہاتھوں تک پہنچانے کے لیے خاص طور پر کوشش کریں۔ ہمارے احباب کم سے کم اس بات سے خوب واقف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عزت پر جو حملے آج ہو رہے ہیں ان کے دفاع کا طریق صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپؐ کے صحیح حالات غیر مسلم اصحاب تک پہنچائے جائیں۔ بہت حد تک ناواقفیت ہی کی وجہ سے غیر مسلم بعض گمراہ کن لوگوں کے پروپیگنڈا سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عزت کی حفاظت کی ایسی ہی ضرورت ہے، جیسی آپؐ کی زندگی میں، آپؐ کی زندگی کی ضرورت تھی۔ اور جس طرح مخالفین اسلام نے اسلام کے متعلق تنفر پیدا

کرنے کا یہ راستہ سوچا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی پر ناپاک حملہ کر کے آپ کو بدنام کیا جائے، اسی طرح مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق صحیح حالات پھیلا کر آپ کی صحیح عزت لوگوں کے دلوں میں قائم نہ کرسکیں گے، اس وقت تک غیر مسلموں میں تعلیم اسلام کی قبولیت کا دروازہ بند رہے گا۔ جو ہتھیار اس وقت اعدائے اسلام نے اسلام کے خلاف اٹھایا ہے، اسی کا جواب سب سے پہلے ہونا چاہئے۔ اس لیے اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ اشاعت اسلام کا دروازہ کھولنے کے لیے ہم لوگ، جن کا خاص کام ہی اشاعت اسلام ہے، رسول اللہ ﷺ کے صحیح حالات کو غیروں تک پہنچائیں۔ علاوہ ہندوؤں میں پھیلانے کے، میں اس وقت ہندوستان میں عیسائیوں میں بھی آپ کے صحیح حالات کو پہنچانا ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ جیسا کہ ایک بڑے پادری نے اعتراف کیا ہے، اس وقت ان لوگوں میں جو مسلمانوں میں سے عیسائی ہوئے ہیں، اسلام کی طرف ایک خاص تحریک پیدا ہو چکی ہے۔ اور چونکہ ان لوگوں کے بہکانے میں بھی زیادہ حصہ اسی بات کا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر ناپاک اور گندے الزامات لگا کر انہیں اسلام سے متنفر کیا گیا، اس لیے آپ کے صحیح حالات کا ان میں پہنچنا اس تحریک کے لیے خاص طور پر معاون ہوگا۔

اس رسالہ کی تقسیم کے لیے، جس قدر بھی ہم اس وقت تقسیم کرسکیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ ایسے ہاتھوں میں پہنچایا جائے جہاں سب سے زیادہ ضرورت ہو۔ اس لیے علاوہ ان کاپیوں کے جو احباب اپنے طور پر تقسیم کرنے کے لیے منگائیں۔ کم سے کم کوئی دو ہزار رسالہ ایسا ہونا چاہئے جسے ہم خاص طور پر تقسیم کرسکیں۔ مثلاً یہ کہ ہندو اور عیسائی اخبارات میں اشتہار دے دیا جائے کہ جو صاحب آپ کے صحیح حالات کو معلوم کرنا چاہتے ہیں، وہ کارڈ لکھ دیں تو انہیں کتاب مفت بھیج دی جائے گی۔ اس طرح پر وہ لوگ خصوصیت سے فائدہ اٹھا سکیں گے، جن کے دلوں میں کچھ حق کو معلوم کرنے کی تڑپ ہے۔ دوسرے ہر ایک لائبریری میں ایک کاپی بھیج دی جائے۔ اس سے بھی بکثرت لوگ فائدہ اٹھا سکیں گے اور جو احباب اپنے طور پر منگوا کر اپنے شہر میں تقسیم کرنا چاہیں ان کو آٹھ کاپی فی روپیہ کے حساب سے کتاب بھجوادی جائے گی۔ مگر محصول ڈاک ان کے ذمہ ہوگا۔ چاہیں تو وہ بذریعہ وی پی منگوالیں۔ مگر اس کے متعلق جملہ خط و کتابت میرے ڈلہوزی کے پتہ پر کی جائے۔ اور کوئی دوست روپیہ بھیجنا چاہتے ہوں تو وہ بھی اسی پتہ پر بھیج دیں۔ اس قدر میں آخر میں بڑھا دینا چاہتا ہوں کہ یہ صرف ایک نیک کام میں

شرکت کے لیے ذاتی طور پر میری دعوت ہے۔ کوئی قومی تحریک نہیں کہ ہر شخص ضرور اس میں حصہ لے۔ صرف تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (2:5) کے اصول پر یہ تحریک ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میری محنت کا فائدہ دوسروں کو پہنچ کر میرے لیے بھی اور ان احباب کے لیے بھی موجب ثواب ہو جو اس میں حصہ لیں۔

خاکسار محمد علی

کوٹھی پیٹر برو۔ ڈلہوزی

یوم میلاد النبی:

(7 اگست) 12 ربیع الاول 1348ھ یا 18 اگست 1929ء کو میلاد النبیؐ کی تاریخ ہے۔ تجویز ہے کہ اس دن ہندوستان کے طول و عرض میں جلسے منعقد کر کے حضرت نبی کریم ﷺ کے محاسن و اخلاق پر تقریریں کی جائیں اور آپؐ کی سیرت سے ہندوستان کے بچہ بچہ کو واقف کیا جائے۔ یہ تجویز اپنے اندر بڑی معقولیت رکھتی ہے۔ احمدی جماعت کا تو فرض ہے کہ ہر ایسی تجویز کا، جو اسلام اور نبی کریم ﷺ کی تبلیغ سے متعلق ہو، صدقِ دل سے خیر مقدم کرے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر اس موقعہ پر ''دی پرافٹ آف اسلام'' کا اردو ترجمہ، جس کا ذکر آج کے افتتاحیہ میں حضرت امیر ایدّہ اللہ نے کیا ہے، کثرت سے تقسیم کیا جائے تو بڑے فائدے کا موجب ہوگا۔

تہذیب جدید کا سب سے بڑا کارنامہ:

(7 اگست) تہذیبِ جدید کے ان بیش بہا فوائد کے ساتھ، جو علوم سائنس سے پیدا ہوئے ہیں، اگر ان نقصانات پر نظر کی جائے جو اس وقت تک نسل انسانی کو پہنچ چکے ہیں تو خوشی کے بجائے انسان کا دل درد سے بھر جاتا ہے۔ سب سے بڑا کارنامہ، جس پر اس تہذیب کو ناز ہوسکتا ہے، وہ مختلف ممالک کے انسانوں کے دلوں میں وطنیت اور قومیت کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ اور اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہی سب سے بڑی لعنت ہے جو آج نسلِ انسانی پر نازل ہوئی ہے۔ اسلام قومیت اور وطنیت کی حدود کو توڑ کر تمام نسل انسانی کو ایک کرنا چاہتا ہے۔ ان میں باہم برادری اور محبت و اخوت کے جذبات انسانوں میں باہم مُغایرَت اور تباغض و تحاسد پیدا کرنے کا موجب ہیں۔ اس سے بڑھ کر خطرناک بات، جو تہذیب جدید میں نظر آتی ہے، وہ دیسی اور یورپین، کالے اور گورے کی

تفریق ہے۔ اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس بارہ میں اہلِ فرنگ نے بایں ہمہ تہذیب، وحشت و بربریت کے ایسے ایسے ہولناک مناظر پیش کیے ہیں، جن سے انسانی روح لرز جاتی ہے۔ جنوبی افریقہ کا تازہ واقعہ ہے کہ وہاں کے وزیر جنرل ہرٹزوگ نے، جن کا یہ عقیدہ ہے کہ دیسی لوگ صرف سفید اقوام کی خدمت کے لیے پیدا ہوئے ہیں، پارلیمنٹ میں یہ تجویز پیش کی کہ دیسیوں کو خاص رقبہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر زمین خریدنے کی اجازت نہ ہو۔ یہ تجویز اگر کثرت مخالفت کی وجہ سے گر نہ جاتی، تو جنوبی افریقہ میں دیسی آبادی کے محدود حقوق پر یہ ایک اور خوفناک ضرب لگتی، جو بہت سے ہولناک نتائج کا موجب ہوتی۔ معلوم نہیں ان علم برادران تہذیب کو کب یہ احساس پیدا ہوگا کہ جن لوگوں کو وہ دیسی اور کالے کے نام سے پکارتے ہیں وہ بھی انہی کی طرح انسان ہیں۔ اور اپنے اندر ویسا ہی دل رکھتے ہیں جیسا کہ ان کے سینے میں ہے۔ کیا انسان کا انسان پر ظلم کرنا تہذیب کے شایان ہے؟

آخر انتظار کب تک؟:

کسی سابقہ اشاعت میں ہم نے ان لوگوں سے، جو اب تک اس بات کے منتظر ہیں کہ مسیح موعود آسمان سے نازل ہوگا، یہ سوال کیا تھا کہ ایسی حالت میں کہ وہ تمام علامات جو مسیح موعود کے نزول کے متعلق احادیث میں آئی ہیں، پوری ہو چکی ہیں۔ کیوں اس بات پر غور نہیں کیا جاتا کہ مسیح آسمان سے کیوں اب تک نازل نہیں ہوا۔ بالخصوص جبکہ بعض تاریخیں بھی، جو اس کے نزول کے لیے مقرر کی گئی تھیں، ایک ایک کر کے گزر گئیں۔ معاصر ''اہلحدیث'' نے اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی بجائے اس کو کلام شعری قرار دے کر حسب عادت تمسخر واستہزاء سے کام لیا اور یہ سوال کیا کہ کیا ''یہ انتظار کرنے والے لوگ الہامی تھے؟ جو الہام سے ایسا کہتے تھے یا کسی صاحب وحی کے ارشاد کے ماتحت اس زمانہ کی تعیین کرتے تھے؟'' جواباً عرض کیا گیا کہ انتظار کرنے والے تو آپ خود بھی ہیں۔ اس پر کوئی صابری صاحب اٹھے ہیں اور پورے چار کالم کا مضمون ''اہلحدیث'' میں ہمارے جواب میں انہوں نے لکھا ہے، جس میں ادھر اُدھر کی باتوں کو چھوڑ کر ''اصل بات'' صرف اس قدر ہے کہ ایڈیٹر صاحب ''پیغام صلح'' کے لیے ناحق ادھر اُدھر جانے کی نسبت یہ بہتر تھا کہ وہ قرآن مجید کی کسی آیت یا صحیح حدیث سے تیرھویں یا چودھویں یا پندرھویں وغیرہ صدی کا تعین ثابت کر دیتے''۔ صابری صاحب کو چاہئے تھا کہ اس سوال

سے پیشتر اس بات پر غور کر لیتے کہ احادیث میں مسیح موعود کی کیا کیا علامات لکھی ہیں۔ کیا وہ تمام علامات اس زمانہ میں پوری ہو چکی ہیں یا نہیں؟ دجّال کا ظہور، قحط، وباؤں اور حیا سوز مناظر کی موجودگی، جن کی مخبر صادق نے پہلے سے خبر دے رکھی ہے کیا اس زمانہ کو مسیح موعود کا زمانہ ثابت کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر یہ تمام علامات پوری ہو چکی ہیں تو اس سے بڑھ کر زمانہ کا تعین اور کیا ہوگا اور ایسی حالت میں کیا یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ آخر یہ انتظار کب تک؟

❀❀❀

15 اگست 1929ء

حضرت امیر بنام قرشی صاحب

قرآن کریم اور محمد رسول اللہ ﷺ کی عجیب طاقت

ذیل کا پیغام حضرت امیر ایدّہ اللہ نے جناب قرشی کو یوم میلاد النبیؐ کی تحریک کے جواب میں لکھ کر بھیجا ہے۔

''یوم ولادت رسول اللہ ﷺ پر پہلے بھی کہیں کہیں جلسے ہوتے ہیں اور ان میں آپؐ کی سیرت کا بھی کچھ تذکرہ ہوتا ہے۔ مگر جو تحریک اس وقت کی گئی ہے کہ اس مبارک یوم پر سارے ہندوستان میں جہاں کہیں بھی آبادی ہو ایک نظام کے ماتحت جلسے کیے جائیں، نہایت ہی مبارک ہے۔ میری درد دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کامیاب کرے اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اس دن ان جلسوں میں شامل ہونے کو تمام دوسرے اشغال پر ترجیح دیں۔ اور نہ صرف خود شامل ہوں بلکہ اپنے غیر مسلم احباب کو بھی زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک کرنے کی کوشش کریں۔ آنحضرت ﷺ کی پاک سیرت اپنے اندر ایک ایسا جذبہ رکھتی ہے کہ آپ کے صحیح حالات سامنے آنے پر اپنے اور پرائے سب کے دل بے اختیار جھک جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو جو محبت اپنے رسول سے ہے اگر اس کے ساتھ آپ کی پاک سیرت کا نقشہ بھی زیادہ نہیں تو کم از کم سال میں ایک مرتبہ اس تقریب پر ان کی آنکھوں کے سامنے آتا رہے، تو ان کے اندر ایک زبردست قوتِ عمل پیدا ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں دو نہایت ہی زبردست ہتھیار ہیں، جو اس وقت بلا استعمال پڑے ہیں۔ ایک قرآن کریم کی تعلیم اور دوسرا اس تعلیم کا نمونہ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت۔ جس طرح مشہور جرمن فلاسفر گیٹی نے لکھا ہے کہ قرآن میں یہ عجیب طاقت ہے کہ اگر دل میں عناد لے کر بھی اسے پڑھنا شروع کیا جائے تو ختم کرنے سے

پیشتر ہی وہ اپنی محبت دل میں پیدا کر لیتا ہے۔ اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت (جو اس پاک تعلیم کا عملی نمونہ ہے) سخت سے سخت دلوں کو فتح کرنے کی طاقت اپنے اندر رکھتی ہے۔ یہ آپ کے بلند اخلاق ہی تھے جنھوں نے عرب جیسی اکھڑ قوم کے دلوں کو فتح کر کے انہیں اخلاق کے ایسے بلند مقام پر پہنچا دیا تھا۔ آج بھی آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔ ہر مسلمان بھائی سے میری یہی درخواست ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو لوگوں کے سامنے لانے میں جس قدر کوشش ممکن ہو وہ بجالائے''۔

پیغام صلح:

آنحضرت ﷺ کی سیرت پر حضرت امیر ایدّہ اللہ نے ایک نہایت مفید ٹریکٹ تیار کیا ہے۔ جس کو میلاد النبیؐ کے دن کثرت سے غیر مسلموں تک پہنچانا چاہئے۔ جو دوست اس کار خیر میں حصہ لینا چاہیں، وہ جس قدر کاپیاں تقسیم کرانا چاہتے ہوں، پانچ آنے فی کاپی کے حساب سے حضرت امیر ایدّہ اللہ کو پیٹر برو، ڈلہوزی کے پتہ پر قیمت بھیج دیں۔ خود تقسیم کرنی ہوں تو آٹھ کاپی فی روپیہ کے حساب سے منگوالیں۔

گوجرانوالہ میں جلسہ:

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام گوجرانوالہ کا جلسہ مورخہ 11 اگست بوقت ساڑھے آٹھ بجے شام بمقام باغ مہاں سنگھ زیر صدارت شیخ نذیر احمد صاحب ایم۔اے، ایل ایل بی منعقد ہوا۔ موسم کی خرابی اور دیو بندی مخالفت کے باوجود جلسہ خدا کے فضل سے نہایت کامیاب رہا۔ حاضرین جلسہ میں شہر کے معززین اور سمجھدار لوگ مثلاً جناب ملک عبدالقیوم صاحب بیرسٹر ایٹ لاء، پروفیسر منیر الدین صاحب، جناب مسٹر عبدالحمید صاحب وکیل، جناب میر محمد حسین صاحب، میاں محمد ریاض حسین صاحب ہیڈ ماسٹر، ینگ مین برادر ہڈ کے تمام اراکین، میاں محمد حسین پنشنر سب انسپکٹر پولیس، میاں حسن محمد صاحب بٹ، مسٹر امین الدین، ملک غلام محی الدین صاحب، شیخ محمد حسین صاحب پنشنر سب انسپکٹر پولیس اور بہت سے قادیانی دوست بھی شامل جلسہ تھے۔ افسوس ہے کہ دیو بندی

حضرات کی مخالفانہ کوشش اول سے آخر تک جاری رہی۔ انہوں نے فِضا کو بگاڑنے کی بہت کچھ کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے جلسہ کو نہایت کامیاب بنایا۔ سامعین اور صاحب صدارت رات کا نصف حصہ گزر جانے کے بعد بھی مولوی عصمت اللہ صاحب مبلغِ اسلام سے استدعا کرتے رہے کہ لیکچر جاری رہے یا دوسرا لیکچر کرایا جائے۔ اسلام کا صحیح نقشہ قرآن سے سرور کائنات کی زندگی سے اور صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل سے سامعین کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس کا بہت ہی گہرا اثر دلوں پر ہوا اور دوران لیکچر لوگ داد دیتے رہے۔ فاضل لیکچرار نے اسلام کو عالمگیر اور دنیا میں امن اور سلامتی پیش کرنے والا مذہب ثابت کیا اور نہایت عمدہ لطیف اور دلکش پیرایہ میں اس کی تصویر پیش کی اور قرآن کریم کے نکات بیان فرمائے۔ مولانا نے اتحاد بین المسلمین پر خاص زور دیا اور مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کا حل وحدت اسلامی ہی میں بتایا اور فرقہ بندی اور تکفیر بازی کی لعنت کو دور کرنے کی ہدایت کی، جس کو حاضرین جلسہ نے بہت پسند کیا۔ آخر میں صاحب صدر نے مولانا کا شکریہ ادا کیا اور حاضرین سے کہا کہ وہ لیکچر کی سب اچھی باتوں کو ذہن نشین کرلیں۔

عنایت علی خاں از گوجرانوالہ

❁❁❁

19 اگست 1929ء

حضرت امیر کے قلم سے

محمد رسول اللہ ﷺ کی 23 سالہ تبلیغی جدوجہد

کسی مذہب، کسی قوم کا آدمی ہو جب وہ ٹھنڈے دل سے غور کرے گا تو اس امر کے ماننے میں چارہ نہ رہے گا کہ اصلاح انسانی کی تاریخ میں محمد رسول اللہ ﷺ یکتا اور بے نظیر انسان ہیں۔ جن کی دوسری مثال تلاش کرنے سے تاریخ انسانی عاجز ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے کہ ''دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب حضرت محمد (ﷺ) ہیں''۔ عجیب نظارہ ہے کہ 12 لاکھ مربع میل کے رقبہ میں، جس میں وسائل آمدورفت نہیں، جس کے اندر علم کی کوئی روشنی ہی نہیں، صرف 23 سال کے عرصہ میں اس قدر انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا ہے کہ نہایت ذلیل بُت پرستی، پتھروں، درختوں، ریت کے ڈھیروں کی پوجا کی جگہ ملک کے کونہ کونہ سے صدائے توحید بلند ہو کر صحراؤں اور پہاڑوں میں گونج کر فضائے آسمانی کو بھر دیتی ہے۔ اور تمام عرب میں، بستی بستی میں، ڈیرہ ڈیرہ میں پانچ وقت اللہ اکبر کی آواز اٹھتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ توحید کی اصلی غرض بھی پا لیتے ہیں۔ اور سمجھ لیتے ہیں کہ ان چیزوں کے آگے گرنا جن پر حکومت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے انسانیت کے لیے ننگ و عار ہے۔ اور اس لیے توحید کے راز کو پانے سے علمی میدان میں بھی ترقیاں شروع ہو جاتی ہیں اور تاریکی اور جہالت کا دَور دَورہ دُور ہو جاتا ہے۔ توہمات کی جگہ اب عقل لے لیتی ہے، ہر امر میں غور و فکر کرنے کے لوگ عادی ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مذہب میں بھی عقل سے کام لیتے ہیں۔ بدکاری اور فحاشی کی جگہ نیک کام لے لیتے ہیں اور عصمت و عفت سب سے اعلیٰ جوہر قرار پاتا ہے۔ انسان کی عزت اب اس کے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے ہونے لگتی ہے۔ دولت اور نسب کے فخر کی جگہ محنت اور کوشش کی عزت لے لیتی ہے۔ جہاں بیکسوں، یتیموں اور بیواؤں پر ظلم ہوتا تھا، ان کے حقوق کی کوئی حفاظت نہ تھی، وہاں نوعِ انسان کی خدمت، ملک کی خدمت، قوم کی خدمت، یتیموں اور مسکینوں کی خدمت شرفِ انسانیت بن جاتی ہے۔ شراب خواری ایسی غائب ہو جاتی ہے کہ خُم و ساغر بھی خواب و خیال ہو جاتے ہیں۔ جوئے کا نام و نشان باقی نہیں رہتا۔ وقت کی اس

قدر عزت قرار پاتی ہے کہ ان ذلیل کاموں کے لیے کوئی وقت ہی کسی کو نہیں ملتا۔ جہالت پر نازاں ہونے کی بجائے حصولِ علم کے لیے دیوانہ وار دوڑتے ہیں۔ اوراس کے لیے بڑے بڑے سفروں کی صعوبتیں اٹھا کر علم کے مراکز میں پہنچتے ہیں۔ ایک دوسرے سے جنگ وجدال کرنے، ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کی بجائے ایسا زبردست اتحاد ان میں پیدا ہو جاتا ہے کہ کئی صدیوں کی گری ہوئی قوم کی طاقت کے سامنے بڑی بڑی سلطنتیں کانپتی تھیں۔ بلکہ اس طرح گر جاتی تھیں کہ گویا ان کی بنیاد ریت پر تھی۔ دنیا میں بڑے بڑے نیک انسان راستباز، مصلح وہادی ہوئے۔ ہر قوم میں ہوئے، ہر ملک میں ہوئے۔ لیکن تاریخی واقعات ہمیشہ کے لیے گواہی دیتے رہیں گے اور اسی کے سامنے ہر قوم، ہر ملک، ہر ملت کے لوگوں کے سر جھکے رہیں گے کہ جو بیداری محمد رسول اللہ ﷺ کی تئیس سال کی کوشش نے پیدا کر دی، جس کا دامن انسانی جدوجہد کے ہر شعبہ پر پھیلا ہوا تھا، جس کا اثر افراد، قبیلہ، قوم، جماعت ملک سب پر یکساں پھیلا ہوا تھا، جو صرف ظاہری عظمت تک محدود نہ تھی بلکہ اخلاقی ذہنی اور روحانی بلندی کا سرچشمہ تھی، اس میں محمد رسول اللہ ﷺ یکتا اور بے نظیر انسان ہیں۔

''زمیندار'' کی جرأت ومردانگی!:

(19 اگست) افسوس ہے کہ ''زمیندار'' نے اس موقعہ پر بھی نیش زنی سے دریغ نہیں کیا اور قادیانی احمدیوں کی عدم مزاحمت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود اور ''پیغام صلح'' کو خواہ مخواہ لتاڑنا ضروری سمجھا۔ 14 اگست کے ''زمیندار'' میں قادیان کے ''بوچڑ خانے'' پر مسلح سکھوں کا حملہ کے عنوان سے جو افتتاحیہ لکھا گیا ہے اس کے آخری الفاظ قابل غور ہیں۔

> ''مرزا غلام احمد نے مرزائیوں کو وفاداری حکومت کی تعلیم دی ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے سفید آقاؤں کے آستانہ جبروت پر جبیں سائی کرتے رہیں۔ پیغام صلح لاہور بھی، جو لاہوری احمدیوں کا ترجمان خصوصی ہے، مرزائیوں کو یہ تعلیم دیتا رہتا ہے کہ حکومت انگریزی سایہ رحمت ہے اور مرزائیوں کا مذہبی فرض ہے کہ وہ جادۂ وفا سے سرمو انحراف نہ کریں۔ اس طرح مرزائیوں کی غلامانہ ذہنیت بہت زیادہ راسخ ہوگئی ہے۔ اور وہ ہر وقت یہی سوچتے رہتے ہیں کہ کہیں ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جو آئین وفاداری

کے خلاف ہو۔ چنانچہ انہوں نے بوچڑ خانے کی حفاظت کو بھی اپنی وفاداری کے منافی سمجھا۔ حالانکہ خود ان کے سفید آقاؤں کا قانون رعایا کو حفاظت خود اختیاری کا حق دیتا ہے۔ اگر کوئی جماعت کسی جماعت کی جائیداد املاک پر حملہ آور ہو تو مالک اس کی حفاظت اور اپنے بچاؤ کے لیے حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ قادیانی تعلیم انسان کو خودداری اور غیرت کے جذبات سے محروم کر کے اسے بزدلی اور نامردی سکھاتی ہے۔ اور قادیانیوں کی بزدلی کا اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ انہیں پولیس کے اصرار کے باوجود بوچڑ خانے کے تحفظ کی جرأت نہ ہوئی''۔

ہم حیران ہیں کہ اس موقعہ پر ''زمیندار'' کو ایسی نیش زنی کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اول تو یہ امر خود محل نزاع ہے کہ قادیانی احمدی سکھوں کے حملہ کے وقت موقعہ پر موجود بھی تھے۔ کیونکہ ''الفضل'' راوی ہے کہ حملہ ہونے سے پیشتر ''سال ٹاؤن کمیٹی قادیان کے صدر کی معیت میں چند ایک احباب قادیان سے بھی وہاں پہنچ گئے۔ لیکن سب انسپکٹر صاحب نے انہیں واپس ہو جانے کا حکم دیا جس کی تعمیل میں وہ فوراً واپس ہو گئے''۔ لیکن اگر وہ موجود بھی ہوتے تو قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر مسلح سکھوں کے ساتھ قتل و خون کا بازار گرم کر دینا کہاں کی عقلمندی تھی۔ اس کو بھی نظر انداز کر کے ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ آج سے دو سال پیشتر حویلی کابلی مل کے فساد کے موقعہ پر مولوی ظفر علی خاں صاحب مسلح سکھوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو پُر امن رہنے کا جو وعظ کرتے پھرتے تھے، وہ کن سفید آقاؤں کے آستانہ جبروت کی جبیں سائی کا نتیجہ تھا۔

بائبل میں غلط ترجمے کی ایک روشن مثال:

(7 ستمبر 1929ء) چند ایام ہوئے کہ مولوی عبدالمجید صاحب ایم۔اے نے مسجد ووکنگ میں اس امر پر تقریر کی کہ پادری صاحبان کن کن عجیب طریقوں سے اَبنائے وطن کے سامنے چندہ کے لیے اپیل کرتے ہیں۔ دوران تقریر انہوں نے کہا کہ موثر ترین طریقہ یہ ہے کہ سامعین کے سامنے بعض مشرقی ممالک کی عورتوں کی تصویر پیش کی جاتی ہے کہ یہ بیچاریاں تمدنی مشکلات میں گرفتار ہیں، جن کا باعث اسلام ہے۔ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ مغربی عورتوں کی ایک بڑی جماعت کو بھول جاتے ہیں جو مشرقی بہنوں سے زیادہ مشکلات میں ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام ان مشکلات کا ذمہ دار نہیں، اور اسی طرح ہم مسلمان بھی یہ کہنا پسند نہیں کرتے کہ مغرب میں بعض عورتوں کی ذمہ داری مسیحی مذہب پر عائد ہوتی ہے۔ بلا دِ مغرب میں بھی بہت سے عورتیں مختلف مصائب کا شکار ہوتی ہیں۔ بہتوں کو ان کے خاوند نکال دیتے ہیں اور دربدر تباہ حال پھرتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے عیسائیت کو اس صورت حال کے لیے ذمہ دار قرار نہیں دیا۔ حالانکہ بائبل میں ایک آیت بھی ایسی موجود ہے جو اس ذمہ داری کی مؤید ہوسکتی ہے۔ مثلاً یوحنا کی انجیل 3:2 میں یسوع کہتا ہے ''اے عورت مجھے تجھ سے کیا سروکار ہے؟'' اس تقریر میں ایک خاتون بھی تھیں جو لندن سے لیکچر سننے کے لیے آئی تھیں۔ لندن واپس جا کر انہوں نے یسوع کے الفاظ کے متعلق مندرجہ ذیل تحریر روانہ کی۔

ڈیر مسٹر مجید! گزشتہ اتوار کو جو تقریر آپ نے کی تھی اور یسوع کے متعلق جو کچھ آپ نے کہا تھا۔ میں نے کئی بار اس پر غور کیا۔ میں اس ضمن میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ڈاکٹر اسٹائز نے مَواعیظ انجیل کے سلسلہ میں ایک مرتبہ کہا تھا کہ یسوع کا قول مندرجہ آیت سوم باب دوم دراصل صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ یسوع نے یہ الفاظ کہے تھے ''اے عورت تجھ سے مجھ تک'' میں نے سوچا شاید یہ تشریح آپ کے لیے دلچسپ ہو۔ کیونکہ اس کی بنا پر یسوع کے قول سے بالکل مختلف مفہوم حاصل ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظر ثانی ترجمہ اور ڈاکٹر موصوف کی تصریح دونوں ہی غلط ہیں۔ ''اے عورت تجھے مجھ سے کیا سروکار ہے'' یہ بالکل غلط ترجمہ ہے۔ اور ''شٹا'' میں جو آرامی زبان سے بہت ملتی جلتی ہے اور ناصرہ کے علماء اسی زبان میں گفتگو کرتے تھے (یسوع بھی ایک مذہبی آدمی تھا) اس کا ترجمہ یوں ہوگا ''اے عورت مجھے اور تجھے کیا؟'' یعنی اے عورت مجھے اور تجھے اس بات سے کیا سروکار ہے کہ شراب ہے یا نہیں؟ اس جگہ یہ کہنا بے موقعہ نہ ہوگا کہ اس ترجمہ کی رو سے یسوع معجزہ دکھانے سے انکار کرتا ہے۔ قانا میں اس معجزے کے وقوع کی خبر انجیل کے وقائع نگاروں (متی مرقس اور لوقا) میں سے کسی کو بھی نہیں ہے۔ لیکن اہم سوال یہ ہے کہ اب ہم یسوع کے صحیح الفاظ کس طرح معلوم کر سکتے ہیں جو اس نے اپنی مادری زبان میں ادا کیے ہوں گے۔ مختلف تراجم میں سے ہر ایک صحت کا مدعی ہے۔ پھر سچا کسے مانیں؟ اگر کیتھولک چرچ یسوع کے الہامات کا ناشر ہے تو آئے اور ہمیں اصلی الفاظ سے آگاہ کرے۔ ڈاکٹر اسٹائز کا ترجمہ نہ صرف غلط ہے بلکہ پرلے درجہ کا مہمل بھی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں آرامی عبارت یوں نہ ہوتی ''انا مالک ولی''، بلکہ یوں ہوتی ''انا منک لی''۔

قانائے جلیل میں اس شادی کے متعلق برنباس کی انجیل بالکل خاموش ہے۔ متذکرہ بالا تصریحات سے ایک ایسی وحی کی ضرورت صاف طور سے عیاں ہو جاتی ہے جو انسانی دستبرد سے محفوظ ہو۔ مناسب ہوگا کہ ہمارے عیسائی دوست اپنے اپنے دلوں میں اس اہم سوال پر غور کریں۔ اگر بائبل صحیح نہیں ہے اور اگر مختلف انبیاء اور یسوع کے کارناموں کا صحیح حال ہمارے پاس نہیں۔ تو کیا خداوند خدا ہمیں اسی طرح تاریکی میں پڑا رہنے دے گا؟ اسی سبب سے ہم مسلمان یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اگر ایک مرتبہ اس خدا نے ہدایت نازل کی تھی تو دوبارہ بھی جب، سابقہ ہدایت قابل اعتماد نہ رہے، وہ خدائی ہدایت نازل کرسکتا ہے۔ عالم جسمانی میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب پرانی چیزیں بیکار ہو جاتی ہیں تو خدا ان کی جگہ نئی چیزیں پیدا کر دیتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کوئی عیسائی بھی اس امر کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میرے پاس اصلی انجیل موجود ہے اور یہی بات آنحضرت ﷺ کی بعثت پر دلیل ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ان کی پاک کتاب اس وقت تک محفوظ اور صحیح ہے۔ نیز ہمارے پاس آنحضرت ﷺ کی سچی لائف (سوانح عمری) بھی موجود ہے۔

کتاب شفیع المذنبین:

(7 ستمبر) میں نے کتاب شفیع المذنبین کو بعض مقامات سے دیکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر جس قدر بھی کتابیں ہوں کم ہیں۔ یہ کتاب بھی اپنے اندر چند خاص خوبیاں رکھتی ہے۔ اول یہ کہ نہایت مختصر ہے۔ صرف (72) بہتر صفحات کی کتاب ہے۔ مگر اختصار کے باوجود واقعات اور تفصیلات ایک بڑی سیرت کی اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ان واقعات اور تفصیلات کو مصنف نے نقشوں کی صورت میں لاکر ان کا حوالہ تلاش کرنا نہایت آسان کر دیا ہے۔ جزاک اللہ خیرا۔ مجھے امید ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم اس کتاب کو بہت مفید پائیں گے۔ قیمت کتاب مجلد 8 آنے۔ ملنے کا پتہ کریم الدین حسین۔ خیر نگر دروازہ، میرٹھ۔

خاکسار

محمد علی

❁❁❁

7 نومبر 1929ء

حضرت امیر کے قلم سے

جماعت احمدیہ لاہور کی روش

دوسری جماعتوں، فرقوں اور حکومتوں کے متعلق

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے حفاظت و اشاعت اسلام کا کام مختلف ممالک میں شروع کر رکھا ہے اور اس کے ممبر اب ان بہت سے ممالک میں پائے جاتے ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، اور اس کا تبلیغی کام یا تو ان ممبران کے ذریعہ سے سرانجام پاتا ہے یا باقاعدہ مشنوں کے ذریعہ سے۔ یورپ میں ہماری انجمن کے زیر اہتمام دو مشن قائم ہیں۔ ایک ووکنگ مشن، جو انگلستان میں ہے اور جس کے ذریعہ سے ایک ہزار کے قریب غیر مسلم حلقہ اسلام کے اندر داخل ہو چکے ہیں۔ جن میں لارڈ ہیرن اور کئی ایک فاضل انگریز شامل ہیں۔ دوسرا مشن جرمنی میں ہے، جس کے دارالخلافہ برلن میں انجمن نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے خرچ سے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی ہے۔ بعض دوسرے مشن بھی انجمن کے زیر اہتمام چل رہے ہیں۔ اور جو اسلامی لٹریچر انجمن نے پیدا کیا ہے وہ انگریزی، جرمنی، ولندیزی، اطالوی، یونانی، ترکی یہاں تک کہ چینی، جاوی اور کئی ایک دیگر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور جبکہ اس جماعت اور اس کے مبلغین کے متعلق بعض اوقات غلط بیانی سے کام لیا جاتا اور بعض وقت اس کے متعلق غلط فہمی بھی ہو جاتی ہے۔ اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان چند سطور میں اپنی پوزیشن کو صاف کروں اور یہ بتا دوں کہ دوسری جماعتوں اور فرقوں کے متعلق، جن سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے اور ان حکومتوں کے متعلق، جن کے ماتحت ہم زندگیاں بسر کرتے ہیں، ہماری روش کیا ہے؟

دوسرے مذاہب کے ساتھ ہمارے تعلقات:

دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ ہمارے تعلقات نہایت خوشگوار ہیں۔ کیونکہ ہم تمام اقوام کے مذہبی پیشواؤں کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لیے مبعوث فرمایا مقدس سمجھتے ہیں۔ یہ

ایمان قرآن کریم کی اس صاف اور کھلی تعلیم کے عین مطابق ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (24:35) اگر چہ یہ سچ ہے کہ قرآن کریم میں تمام انبیاء کرام کے نام نہیں بتائے گئے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ (78:40) پس جبکہ قرآن کریم نے صفائی کے ساتھ یہ بتا دیا ہے کہ ہر ایک قوم میں انبیاء اور نذیر آتے رہے، تو ہر مسلمان کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ہر قوم کے جلیل القدر بانیانِ مذاہب کی عزت کریں۔ جیسے مثلاً ایران میں جناب زرتشت، ہندوستان میں جناب رام چندر، جناب کرشن اور جناب بدھ اور چین میں جناب تاؤ اور جناب کنفیوشس ایسے پیغمبر ہوگذرے ہیں جو ان انبیاء کے علاوہ ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ وغیرہ ہم۔ قرآن کریم کی اس وسیع تعلیم نے جس پر جماعت احمدیہ نے خاص طور پر زور دیا ہے، دنیا کی مختلف اقوام میں صلح اور اخوت کی بنیاد رکھ دی ہے۔

اسلام کے مختلف فرقوں کے ساتھ ہمارے تعلقات:

اس کے بعد میں ان تعلقات کو لیتا ہوں جو ہمیں اسلام کے مختلف فرقوں کے ساتھ ہیں۔ ہم سب آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ اور ان اولیاء کرام کے، جو اسلام میں پیدا ہوئے، یکساں عزت کرتے ہیں۔ ایسا ہی ان تمام مجددین کی بھی ہم عزت کرتے ہیں جو سنہ ہجری کی مختلف صدیوں میں مسلمانوں کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوتے رہے۔ ہم اسلام کے مختلف فرقوں کو لفظ ''فرقہ'' کے اصل معنوں کے لحاظ سے فرقہ نہیں سمجھتے، بلکہ وہ ایسی جماعتیں اور گروہ ہیں جن میں محض اجتہادی اختلاف پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تک مذہب کے اصولوں کا تعلق ہے، وہ سب کے سب متحد ہیں۔ اسلام کے سب سے بڑے فرقے دو ہیں۔ سنی اور شیعہ۔ لیکن یہ دونوں بھی اصول مذہب میں باہم متحد ہیں۔ ان کے اختلاف کی بنیاد محض اس بات پر ہے کہ کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کے حقدار تھے یا علی رضی اللہ عنہ۔ یہ اختلاف زیادہ تر سیاسی رنگ رکھتا ہے نہ کہ مذہبی۔ ہم ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یکساں عزت کرتے ہیں۔ کیوں کہ ان سب نے اسلام کی نہایت شاندار خدمات سر انجام دیں، اور باوجود اس کے کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے شہنشاہ ﷺ کے جانشین تھے، انہوں نے اولیاء اللہ کی طرح سادہ زندگیاں بسر کیں۔ ہم سنی اولیاء اور شیعہ اماموں کی یکساں عزت کرتے ہیں۔

ہم کسی مسلمان کو کافر کہنا گناہ عظیم سمجھتے ہیں:

علاوہ ازیں ہم اس بات کو بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں کہ کسی مسلمان کو کافر قرار دیا جائے۔ کیونکہ جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل ہے وہ دائرہ اسلام کے اندر داخل ہے۔ اور ایسے شخص کو جو خدا اور رسول کے حکم کے ماتحت دائرہ اسلام کے اندر داخل ہوا ہے اس سے باہر نکالنے کا کسی کو حق نہیں۔ اسلام کی طاقت باہمی اتحاد کے اندر مضمر ہے اور مختلف فرقوں کے مابین اتحاد صرف اسی طریق سے ہوسکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کریں اور جو اختلافِ خیالات دائرہ اسلام کے اندر پیدا ہو، اس کو برداشت کرنا سیکھیں۔

غیر ملکی حکومتوں کے متعلق ہماری روش:

تیسری بات جس کو میں یہاں واضح کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ جس ملک میں ہمارے ممبر بود و باش رکھتے ہیں، وہاں کی حکومتوں کے متعلق ہماری روش کیا ہے؟ چونکہ ہمارا مقصد ان غلط فہمیوں کو، جو اسلام کے متعلق عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں، رفع کرنا اور لوگوں کو اس امر کی دعوت دینا ہے کہ وہ ان عظیم الشان اسلامی صداقتوں کو قبول کریں، جو انسان کی قلبی طمانیّت اور راحت و آرام کا موجب ہیں اور نسل انسانی میں اخوت و برادری کا قائم کرنا ہمارے مقاصد میں داخل ہے۔ اس لیے ہم کسی ایسی حکومت کی سیاسیات کے اندر دخل انداز نہیں ہوتے جس کے زیر حکومت ہم سکونت پذیر ہیں۔ ہم دنیا کی سیاسی جدو جہد کی اہمیت کو کم نہیں کرنا چاہتے، لیکن بحیثیت جماعت ہر قسم کی سیاسی جدو جہد سے بالکل الگ رہتے ہیں۔ تاکہ اس عظیم الشان مذہبی نصب العین کی طرف، جو ہمارے سامنے ہے، ہم اپنی توجہات کو مرکوز رکھ سکیں۔ ہماری اس روش کا یہ طبعی نتیجہ ہے کہ ہمارے ممبر اس حکومت کے مطیع و فرمانبردار رہنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، جو کسی ملک میں قانونی طور پر تسلیم شدہ ہو۔ اگر وہ کسی ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں مسلمانوں کی حکومت ہے تو ان کے لیے ضروری ہے کہ اس اسلامی حکومت کے فرمانبردار رہیں۔ اور اگر کسی غیر مسلم حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے ہیں، تو ضروری ہے کہ اس غیر مسلم حکومت کے وفادار رہیں۔ ہر اس حکومت کے قوانین کی وہ متابعت کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس کے وہ زیر نگین ہیں۔ اور تمام ان شورشوں سے، جو اس حکومت کے خلاف پیدا ہوں، الگ تھلگ رہتے ہیں۔ وہ اگر عرب میں رہتے ہیں تو عرب حکومت کے فرمانبردار رہیں، اگر ترکی میں ہیں تو ترکی حکومت کے، ایران میں ہیں تو ایرانی حکومت کے، افغانستان میں ہیں تو

افغان حکومت کے، مصر میں ہیں تو مصری سلطنت کے، اٹلی میں ہیں تو اطالوی حکومت کے، فرانس میں ہیں تو فرانسیسی حکومت کے، جرمنی میں ہیں تو جرمن حکومت کے، امریکہ میں ہیں تو امریکن حکومت کے اور اگر برطانوی علاقہ میں سکونت رکھتے ہیں تو حکومت برطانیہ کے مطیع و وفا شعار رہتے ہیں۔

ہمارے تعلقات صرف ایک شرط کے ساتھ مشروط ہیں:

ہر حکومت کے ساتھ ہمارے تعلقاتِ فرمانبرداری صرف ایک شرط کے ساتھ مشروط ہیں **لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَّةِ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔ ہندوستان جو ہمارا صدر مقام ہے اور جہاں ہماری جماعت کے ممبر دوسرے ممالک کی نسبت بہت زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں ہم حکومتِ ہند کے فرمانبردار ہیں۔ اور جہاں ایک طرف ہم قومی تحریک سے پوری ہمدردی رکھتے ہیں وہاں دوسری طرف اس سیاسی شورش سے، جو یہاں جاری ہے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں، اور اپنی تمام توجہات کو صرف مذہبی پروپیگنڈا کے کام کی طرف منعطف کیے ہوئے ہیں۔ اس حقیقت نفس الامری کو ہماری جماعت کے بعض دشمنوں کی طرف سے غلط طور پر بیان کیا جاتا ہے اور ہماری جماعت کو اس لیے برا کہا جاتا ہے کہ ہم گویا کسی حکومت کے ایجنٹ ہیں۔ ہم بیشک اس حکومت کے مطیع و فرمانبردار ہیں، جس کے زیرسایہ زندگی بسر کریں۔ اس کے قوانین کی متابعت بھی ہم کرتے ہیں، لیکن ہم کسی بھی حکومت کے ایجنٹ یا وکیل نہیں ہیں۔ ہمارا کام کسی دنیوی حکومت کے مقاصد کی تائید کرنا نہیں، بلکہ ہم محض خدا اور رسولؐ کے کام کے مؤید ہیں۔ اسلام کے مقاصد کی تائید کرتے اور اس عظیم الشان اسلامی برادری کی حمایت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں جو تمام دنیا کے اندر پھیلی ہوئی ہے۔ میں یہاں اس امر کو بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جن باتوں کا ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ صرف اس احمدیہ جماعت کے خیالات ہیں جس کی نمائندہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہے۔ قادیانی جماعت کی نمائندگی اس کے امام سے متعلق ہے جو قادیان میں سکونت پذیر ہیں اور اس جماعت کے بعض سیاسی خیالات کے ہم قطعاً ذمہ دار نہیں۔ فی الحقیقت یہ صرف قادیانی جماعت ہی کے سیاسی خیالات ہیں جن کی وجہ سے ہمارے بعض دشمنوں کو یہ موقع مل گیا ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کو بدنام کریں۔

❁❁❁

7 نومبر 1929ء

اپیل از حضرت امیر

برادرانِ جماعت سے ایک ضروری اپیل

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

انجمن اس وقت مالی مشکلات میں ہے جن سے نکلنے کے لیے فوری صورت جنرل کونسل منعقدہ 27,26 اکتوبر نے یہ تجویز کی کہ ایک سال کے لیے تیس ہزار روپے کی رقم بطور قرضہ لی جائے۔ مگر یہ قرضہ کسی بنک یا ساہوکار سے لیا جانا منظور نہیں ہوا بلکہ خود 80 ممبران مجلس معتمدین پر ڈالا گیا ہے۔ جو حصہ رسدی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق 5 نومبر تک اس رقم کو پورا کر دیں، خواہ وہ خود قرض لے کر ہی دیں۔ یہ صرف ایک عارضی انتظام ہے اور سال کے اندر اندر اس قدر رقم کو فراہم کر کے اس کے بعد ان احباب کو واپس کر دینا ضروری ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ اگر ممکن ہو تو اس رقم کو ان دو ماہ کے اندر چندوں سے پورا کر کے سالانہ جلسہ تک ہی واپس کر دینا چاہئے۔ اور اگر قوم کے افراد بلند ہمتی سے کام لیں تو یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ اس کے لیے میں ذیل کی تجویز ہر ایک احمدی دوست کے سامنے پیش کرتا ہوں:۔

ہمارے سخت سے سخت مخالف کو بھی اس بات سے انکار نہیں کہ حفاظت و اشاعت اسلام کا جو کام اس وقت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کر رہی ہے، اس نے اسلام اور مسلمانوں کی عزت و وقار کو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہندوستان سے باہر بھی بہت بڑھایا ہے۔ جہاں جہاں اسلام پر حملے ہوئے ہیں ان کے دفاع کو انجمن نے اپنا فرض اولین سمجھا ہے اور بعض جگہ مبلغ بھیج کر اور مشن قائم کر کے اس کام کو انجام دیا ہے۔ دوسرے مقامات پر اپنا لٹریچر پہنچا کر وہاں کے مسلمانوں کو اسلام کی عزت و حفاظت کے لیے بیدار کیا ہے۔ سینکڑوں کی تعداد میں قرآن کریم کے ترجمے، ہزاروں کی تعداد میں سیرت نبویؐ انگریزی اور دوسری زبانوں میں، ہزاروں کی تعداد میں اسلام کے اصول پر مختصر اور جامع کتابیں مفت تقسیم کیں۔ انجمن کا انگریزی اخبار ''لائٹ'' بھی پہلے تین

سو ہفتہ وار اور اب بوجہ قلت گنجائش 150 ہفتہ وار بیرونی مملکت میں مفت شائع ہوتا ہے۔ اسلامی اور دیگر مما لک میں مشن قائم کیے، جن سے مسلمانوں کے اندر بیداری پیدا ہوئی اور بڑے بڑے بلند پایہ غیر مسلم اسلام میں داخل ہوئے۔ برلن (دارالحکومت جرمنی میں ایک عالیشان مسجد کا بنوانا اور پھر اس کی آبادی کا انتظام کرنا ہی کوئی چھوٹا سا کارنامہ نہیں، جو فی الحقیقت ایک بادشاہت کا کام تھا۔ مگر اس غریب جماعت کے ہاتھوں سے انجام پایا۔ آریہ سماج اور عیسائیت کے ساتھ مقابلہ کے لیے ایسے قابل آدمی تیار کیے، جن کی قابلیت مُسلّم ہے۔ اور جن کی مانگ ملک کے ہر کونے سے آتی رہتی ہے۔ اس لیے انجمن کے وجود سے جو فوائد پہنچ چکے ہیں اور پہنچ رہے ہیں، وہ جملہ اہل اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہمارا فرض ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو توجہ دلائیں کہ وہ ان نیک کاموں میں حصہ لیں۔ کئی ایک احباب اپنے اپنے طور پر ایسا کرتے رہتے ہیں اور اس نیک تحریک کو دوسروں میں پھیلا کر دینی خدمت کی تحریک کو قوت پہنچاتے ہیں۔ مگر اس وقت میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم سب کے سب ایک نظام کے ماتحت اس کام کو شروع کریں اور ان ڈیڑھ یا دو ماہ میں، جو جلسہ تک باقی ہیں، تیس ہزار قرضہ کی رقم کو پورا کر دیں۔ بظاہر یہ رقم بڑی ہے، لیکن اگر ساری جماعت اسے اپنا مقدم فرض سمجھ لے تو یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ دقت اسی وقت ہوتی ہے جب بعض اجزاء جماعت عضو معطل کی طرح ہو جائیں۔ میں مانتا ہوں کہ ہماری جماعت تھوڑی ہے، لیکن اگر اس وقت ایک ہزار آدمی سرگرمی سے کام کرنے والے نکل آئیں تو یہ رقم پوری ہو سکتی ہے۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (40:22) جو شخص اللہ کے دین کی نصرت کے لیے کھڑا ہوگا اللہ اس کا مددگار ہوگا۔ اصل نقص یہی ہے کہ بہت سے لوگ اپنے آپ کو عاجز سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ وہ عاجز نہیں ہوتے وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، حالانکہ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ صرف عزم کا سوال ہوتا ہے۔ جو کوئی کمر ہمت باندھ لے اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہوتا ہے، ذاتی کاموں میں بھی انسان کے عزم اور ہمت کے سامنے راستے کھل جاتے ہیں۔ خدا کے دین کی نصرت کا کام تو ان سے بہت بلند ہے۔ اس مقصد کو لے کر نکلنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت یقینی ہے۔ مگر ہمت ہونی چاہئے، استقلال ہونا چاہئے۔ مشکلات کے مقابلے پر صبر ہونا چاہئے۔ میں اس وقت صرف ایک ہزار آدمی چاہتا ہوں جو اس عزم سے کھڑے ہو جائیں اور اس چٹھی کو دیکھتے ہی تہیہ کر لیں کہ ہر شخص سالانہ جلسہ میں کم سے کم بیس روپے چندہ فراہم کرنے کے لیے لائے گا۔ اگر ہمارے تمام احباب فوراً اس تجویز پر عملدرآمد شروع کر دیں تو تیس ہزار کی رقم کچھ بھی چیز نہیں۔ کیونکہ بعض احباب ایسے بھی ہوں گے جو بیس سے بہت زیادہ جمع کر لائیں

گے، بلکہ ایسے بھی ہیں جو کمر ہمت باندھ لیں تو سینکڑوں نہیں ہزاروں لا سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جن دلوں میں اللہ تعالیٰ کے دین کا درد ہے اور جن لوگوں نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم کریں گے، وہ اس تجویز پر خوشی سے لبیک کہیں گے۔ اوران کے عزم اور ہمت کے سامنے یہ مشکلات کا پہاڑ دنوں میں اڑ جائے گا۔ میں ہر ایک دوست سے یہ توقع رکھتا ہوں، خواہ وہ جلسہ سالانہ میں شامل ہو یا نہ ہو کہ وہ بیس روپے خدا کے دین کے لیے گداگری کر کے لائے گا اور اس گداگری کو اپنے لیے ذلت نہیں بلکہ عزت کا موجب سمجھے گا۔ اس گداگری میں میں اپنے آپ کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتا نہ کسی اور کو مستثنیٰ سمجھتا ہوں۔ ہر ایک شخص کا دائرہ اثر الگ ہوتا ہے اور اس کے اردگرد اس کے رشتہ داروں میں اور اس کے واقفوں میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن پر اس کی بات کا خاص اثر ہوتا ہے۔ اور اگر ایسا اثر بالفرض نہ بھی ہو، تاہم میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص بھی اپنی جگہ پر ہمت کرے، وہ پھر کر ایک ایک آنہ دو دو آنے جمع کر کے بھی ڈیڑھ ماہ میں بیس روپے کی رقم پوری کر سکتا ہے۔ اکیلے آدمی کو گھبراہٹ ہو تو دو دو آدمی ہو جائیں، جو اس کام میں ایک دوسرے کے رفیق اور معاون بن جائیں۔ اور وہ روزانہ اپنے وقت کا کچھ حصہ اس طرح پھرنے میں لگا دیں، اور ایک ایک دو دو چار چار آنے کی رقم خدا کے دین کی حفاظت اور اشاعت کے لیے مانگیں۔ دو دو آدمی مل کر ایک روپیہ یومیہ بھی چندہ کریں تو ابھی چالیس دن سے زیادہ جلسہ میں باقی ہیں۔

اس تحریک سے میں کسی احمدی دوست کا باہر رہنا پسند نہیں کرتا۔ خواہ اس کی شان کتنی ہی بلند ہو۔ بلکہ جس قدر کسی کی شان بلند ہے اسی قدر اس سے زیادہ امداد کی توقع رکھتا ہوں۔ کیونکہ اس کی بات کا اثر بھی زیادہ ہوگا۔ تکلیف بے شک ہوگی مگر تکلیف اٹھائے بغیر کوئی کام بھی نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح دیہات کے لوگ اور زمیندار، جہاں جہاں ان کا تعلق ہو، دیہات میں گشت لگائیں اور نقد نہ ہو تو تھوڑا تھوڑا غلہ ہی جمع کریں۔ لیکن اس تحریک سے باہر کوئی نہ رہے اور ہر ایک کا عزم یہ ہو کہ کم سے کم بیس روپے کی رقم اس نے پوری کرنی ہے۔ میری یہ اپیل صرف مردوں ہی سے نہیں عورتوں سے بھی ہے بلکہ بچوں سے بھی ہے کہ وہ بھی ہمت کریں۔ اس وقت ان کی ایک ایک دو دو آنے کی مدد سے قوم کو ہزاروں روپوں کی امداد پہنچ سکتی ہے۔ ہماری مستورات اگر اپنے اپنے محلّوں میں کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور کامیاب کرے گا۔ ہر قوم کی خواتین اس وقت اپنی قوم کی تعمیر میں

پورا زور صرف کر رہی ہیں۔ ان حالات میں ہماری خواتین کی خاموشی ایسی غفلت ہے جس کا نتیجہ قوم کے لیے مہلک ہے۔ اس میں کئی ایک فوائد بھی ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ تو یہی ہے کہ مستورات کے باہمی میل جول سے قومی اخوت کا خیال بہت ترقی کرتا ہے۔ دوسروں سے ملنے میں ہمیں ان کے اصل حالات سے آگاہی بھی ہوتی ہے اور بسا اوقات ہم بہت تکلیف یا خرچ اٹھائے بغیر بھی کسی کا کچھ کام کر سکتے ہیں۔ پھر دین کی حفاظت واشاعت کی بات چیت سے جہاں دوسروں کے اندر ہمت پیدا ہوتی ہے، انسان کا اپنا ایمان اور جوش بھی ترقی کرتا ہے۔ اور جس قدر زیادہ مستورات میں دین کی خدمت وحفاظت کا خیال پیدا ہو اسی قدر زیادہ اثر ہماری آئندہ نسلوں پر ہوگا۔ کیونکہ جو جوش ماں کے سینے میں ہوتا ہے، وہ غیر معلوم طریق بچے کے دماغ پر اثر پیدا کرتا ہے۔ مسلمانوں کی قومی ترقی کی رفتار دو چند نہیں، دو چند قوت سے اس دن ترقی کرے گی جب ان کی مستورات کے دلوں میں اس کے لیے سچی تڑپ پیدا ہو جائے گی۔ یہ پہلا سال ہے اگر ایک ایک خاتون بیس نہیں، دس روپے ہی لے آئے تو بھاری کامیابی ہے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ خواتین اگر خواتین سے اپیل کریں تو وہ مردوں سے بھی بڑھ کر کام کر سکتی ہیں۔ اس لیے کہ مستورات کے دل میں دین کی محبت مردوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اور ان کے پاس کچھ نہ کچھ اندوختہ زیورات کی صورت میں ہوتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ اپیل بے اثر نہیں رہے گی۔ یہ اپیل ہماری جماعت کی قوتِ عمل کا امتحان ہے۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ میرے تمام دوست اس امتحان میں کامیاب ہوں۔

والسلام

محمد علی

پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور

❁❁❁

11 نومبر 1929ء

ارشاد حضرت امیر

جماعتی زندگی کا امتحان

ایک ایک دو دو آنوں سے کیا ہو سکتا ہے؟

ہمارے احباب کو یاد ہوگا کہ سال گزشتہ کے سالانہ جلسہ پر جماعت احمدیہ میاں میر نے ایک رقم ساڑھے پانچ سو روپے کی پیش کی تھی۔ جوان احباب نے زیادہ تر ایک ایک دو دو آنوں سے ہی بنائی تھی۔ جس وقت میں نے پچھلے اخبار میں بیس روپے کی تحریک کی تو یہ مثال میرے سامنے نہ تھی۔ اتفاق سے کل ہی یہ بات مجھے یاد آئی اور میں نے جماعت میاں میر کے ممبروں کی تعداد دریافت کی تو وہ بھی پچیس ہی معلوم ہوئی۔ اور یہ صرف کوئی بیس بائیس دن کی محنت کا نتیجہ تھا۔ یعنی بیس بائیس دن ایک منظّم کوشش کرنے سے پچیس آدمیوں نے ساڑھے پانچ سو روپے سے زیادہ رقم وصول کر لی۔ جو بحساب اوسط بیس روپے فی کس سے زیادہ ہے۔ اس مثال نے میرے دل کو بہت قوت دی کہ اب جبکہ ابھی جلسہ میں دو نہیں تو ڈیڑھ ماہ ضرور باقی ہے، اگر کوشش کی جائے تو بحساب اوسط چالیس روپیہ فی کس بھی لایا جا سکتا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ قوم کی زندگی کا امتحان ہے۔ جن جماعتوں اور احباب کے دلوں میں خدمت دین کا جوش ہے، ان کے لیے بحساب اوسط چالیس روپیہ فی کس جمع کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت کرنے والوں کی نصرت کے لیے تیار ہے۔ وَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (40:22) کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا رہا اور آئندہ بھی پورا ہوتا رہے گا۔ اگر انسان کا قدم خدا کی راہ میں تھوڑے سے عزم اور ہمت سے بھی اٹھے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت دو چند کیا کئی چند رفتار سے آتی ہے۔ نقص ہے تو یہی کہ ہم میں سے بہت سے احباب اپنے اس فرض منصبی سے غافل ہیں اور بعض شاید اس کو ذلیل کام سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ذلیل نہیں معزز کام ہے۔ کیا ہمارے رسول پاکؐ چندوں کے لیے تحریک نہ کرتے تھے اور ایسے ایسے لوگوں سے تحریک نہ کرتے تھے جن کے متعلق قرآن کریم کی شہادت موجود ہے۔ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ

الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَايُنْفِقُوْنَ(92:9)ان کے پاس کچھ نہ تھا۔اور کیا منافق تھوڑا دینے والوں پر تمسخر نہ کرتے تھے۔وَالَّذِيْنَ لَايَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ(79:9)اورطعن کے طور پر نہ کہتے تھے يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ(64:5)۔تو جو کام خود رسول اللہ ﷺ نے کیا وہ کونسا انسان ہے جس کے لیے موجب ذلّت ہوسکتا ہے۔بعض اپنے دل ہی دل میں یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم اس کام کے اہل نہیں ۔ یہ سب بہانے ہیں جو دین کی طرف سے لاپرواہی تلاش کر لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلیّت سب کو دی ہے، جو ہمت کرے گا، کوشش کرے گا، اس کی اہلیت بڑھ جائے گی اور جو ایک قوت سے کام نہ لے گا وہ خدا کی دی ہوئی طاقت کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر دے گا۔ خدا کے دین کی حفاظت واشاعت کے لیے چندہ مانگنا آخر کیا چیز ہے۔ایک نیک کام کے لیے دوسرے کو نصیحت اور وعظ کرنا ہے۔ایک نیک کام وہ ہیں جن سے ایک فرد کی بھلائی ہوتی ہے،مگر یہ ایسا نیک کام ہے جس سے ساری قوم کی بھلائی بلکہ قوم کی زندگی وابستہ ہے۔تو اس کی نیکی بھی اس قدر زیادہ ہوگی جس قدر اس کا فائدہ زیادہ ہے۔ پس ایسے نیک کام کے لیے کسی کو نصیحت کرنا سب سے بڑھ کر عزت کا کام ہے۔ ہاں! کوئی لوگوں کو وعظ ونصیحت کرے اور پھر اپنے لیے چندہ مانگے تو وہ بیشک ایک ذلیل کام ہے۔لیکن خدا کے دین کی نصرت کے لیے چندہ مانگنا نہایت درجہ کا معزز کام ہے۔بعض احباب کو یہ غلطی لگتی ہے کہ لوگ دیتے نہیں ۔ میں کہتا ہوں کہ کیا جس قدر لوگوں کو وعظ ونصیحت کی جاتی ہے وہ سب مان لیتے ہیں۔ بالفرض اگر کوئی نہیں مانتا تو اس کا وبال اس پر ہے۔ اس پر کوئی شخص کیوں گھبرائے ، کہنے والے نے اپنا فرض ادا کر دیا اور مایوسی کی بھی کوئی بات نہیں ۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ ایک ہی بات دوسری یا تیسری دفعہ وہ اثر کر جاتی ہے جو پہلی دفعہ نہیں کرتی۔خوب یاد رکھو کہ قوم کی زندگی اسی سے وابستہ ہے کہ لوگ قومی کاموں میں حصہ لیں اور قومی کاموں کے لیے چندہ طلب کرنا فی الحقیقت سوئے ہوئے بھائیوں کو بیدار کرنا ہے کہ وہ بھی قومی اور دینی ضروریات کو محسوس کرنے لگیں۔ یہ بہترین وعظ ہے جو انسان کرسکتا ہے، اور وعظ میں اگر ذاتی غرض نہ ہو بلکہ دوسروں کا بھلا مدِ نظر ہو تو یہ بہترین اور معزز ترین کام ہے۔ ہم لوگوں کو کیا کہتے ہیں؟ صرف یہی کہ اسلام کے قلعہ پر دشمن گولہ باری کر رہا ہے۔آ ؤ! تم بھی اس کی حفاظت میں حصہ لو۔کوئی شخص حصہ لے تو ہم نے ایک آدمی کو نیکی کے راستے پر ڈال دیا۔کوئی نہ لے تو ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

اس کے بعد میں احباب کو یہ توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ ایک لمحہ بھی اور ضائع نہ ہونے دیں۔ بلکہ فوراً اس نیک کام میں لگ جائیں۔ جہاں جہاں اکیلے اکیلے احباب ہیں وہ فوراً اپنی ہمت کے مطابق دفتر سے رسید بک منگوالیں۔ یاد رہے کہ رسید بکوں کے بغیر کوئی چندہ وصول نہ کیا جائے اور نہ کوئی چندہ دینے والے دیں۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنے تعلقات سے ان خاص احباب پر پورا پورا اعتماد رکھتے ہوں۔ جہاں دو دو، تین تین آدمی ہیں وہ مل کر اپنے شہر یا قصبہ میں پھر نکلیں اور جہاں بڑی جماعتیں ہیں وہاں شہر کو حصوں وغیرہ میں تقسیم کر کے جماعت ایک نظام کے ماتحت سب دوستوں کو بانٹ کر اور تین تین چار چار آدمیوں کے جتھے بنا کر مختلف محلوں میں اور دیہات کی صورت میں مختلف دیہات میں کام شروع کریں۔ رسید بکیں اس صورت میں جماعت کے سیکرٹری سے اکٹھی منگوالیں۔ کوئی جگہ، جہاں جماعت موجود ہے کسی فرد کو رسید بک نہ بھیجی جائے گی۔ اور ان رسید بکوں کا حساب دینے کے پابند سیکرٹری صاحبان ہوں گے۔ یہ مضمون ہر جگہ جمعہ میں سنا کر فوراً کارروائی مناسب طریق پر شروع کر دی جائے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر جماعت میں پوری حرکت پیدا ہو جائے اور ہمارے دوست اسے اپنا مقدم فرض سمجھ کر کام میں لگ جائیں تو توقع ہے کہ حالت بہتر ہو جائے گی۔ بلکہ آئندہ کے لیے ایسا راستہ کھل جائے گا کہ ہم اپنے کام کو، جسے ہم اس وقت کم کرنے پر مجبور ہوئے، ترقی دے سکیں گے۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

5نومبر 1929ء

نوجوان احباب سے خطاب

عزیزان من! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتۂ

ہم نے اُس وقت اشاعتِ اسلام کے مقدس کام میں امام وقت کا ساتھ دیا جب ہماری عمارت کی بنیاد صرف ایمان پر تھی۔ اور جو بارآور درخت آج آپ کے سامنے اپنی شاخیں مشرق اور مغرب میں پھیلائے ہوئے ہے، یہ اس وقت محض ایک بیج تھا۔ ایسی حالت میں مخالفت کے طوفان کے اندر ہماری تھوڑی سی جدوجہد کا ثمرہ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑھ کر عطا فرمایا۔ اور آج آپ کی آنکھوں کے سامنے مغرب میں عیسائیت کے مرکزوں میں اللہ اکبر اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی آواز گونج رہی ہے، تو مشرق میں بھی اسلام کو دوسروں کے حملوں سے بچانے کی زبردست کوشش جاری ہے۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ اس کی آواز پر اس حالت میں، جب مادہ پرستی نے طبائع کو خود مذہب سے ہی بیزار کر رکھا ہے، سینکڑوں کی تعداد میں اسلام کے ایسے زبردست شیدائی پیدا ہو گئے کہ انہوں نے علی الاعلان اسلام قبول کر لیا۔ لیکن یورپ اور امریکہ میں مشن قائم کرنے سے جو اصلی مقصد ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے وقار کو دنیا میں قائم کیا جائے۔ پیغمبر اسلام ﷺ پر جو ناپاک حملے کیے جاتے ہیں اور آپ کی بری تصویر دنیا کو دکھائی جاتی ہے اور جس سے مقصود مسلمانوں کو بدنام کرنا ہے، اس کا ازالہ کیا جائے اور آپ کا روشن چہرہ دنیا کو دکھایا جائے۔ ہمارا حقیقی نصب العین یہ ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے بدگمانیاں دور کی جائیں۔ ان کے متعلق غلط خیالات کی تردید کی جائے اور ان کے عزت و وقار کو دنیا میں قائم کیا جائے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی عزت سے ہی مسلمانوں کی عزت وابستہ ہے۔ ہم بحیثیت قوم دنیا میں اس وقت معزز ہو سکتے ہیں جب اسلام اور پیغمبر اسلام کی عزت اور وقار قائم ہو جائیں۔

عزیزان من! لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان نوجوانوں کے اندر قربانی کا کوئی بلند جذبہ اس لیے پیدا نہیں ہوتا کہ ان کے سامنے کوئی بلند نصب العین نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کا نصب العین دنیا کی ہر قوم کے نصب العین سے بلند تر ہے، کیونکہ اس کی وطنیت بھی وسیع تر ہے۔ اس کا وطن ایک خاص ملک نہیں بلکہ ساری دنیا

ہے۔اور اس سے بلند تر نصب العین دنیوی نقطۂ نگاہ سے بھی کیا ہوسکتا ہے کہ ساری دنیا ایک اخوت کے سلسلہ میں منسلک ہو جائے اور انسان انسان بھائی ہو۔اور یہ اخوت سوائے اسلام کے اور کوئی چیز دنیا میں پیدا نہیں کر سکتی۔ اس کو بھی چھوڑ یئے۔کیا اسلام اور پیغمبر اسلام کی عزت کی حفاظت ہر مسلمان کا مقدم ترین اور مقدس ترین فرض نہیں؟ اپنا نفس اپنا کنبہ اپنی قوم اپنا ملک یہ سب چیزیں ہماری محبوب ہوسکتی ہیں اور ان کی حفاظت ہمارے فرائض میں داخل ہے۔ان کی عزت و وقار کو دنیا میں بڑھانا ہمارے فرائض میں داخل ہے۔مگر ان سب سے اوپر اللہ اور اس کا رسولؐ ہے قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (24:9) پس اے میرے عزیز احمدی نوجوان دوستو! تمہارے سامنے دنیا کا بلند ترین نصب العین ہے اور تمہارے سامنے اس نصب العین کے لیے نہایت پاکیزہ جذبات کے نمونے ہیں، اخلاص اور صدق کے نمونے ہیں۔تمہارے سامنے ایک میدان ہے جس کو تم برابر فتح کیے جارہے ہو۔تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ کس طرح مسلمانوں کا کھویا ہوا وقار اس ذریعہ سے واپس آرہا ہے۔تم نے دیکھ لیا ہے کہ کس طرح دنیا اس حق کی حکمت میں، جس کے تم حامل ہو اور اس عمارت سے کیسی روشنی نمودار ہے!

عزیزانِ من! میں چاہتا ہوں کہ تم یہ سمجھ لو کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کا کام جو ہو چکا اب اسے گرنے سے بچانا تمہارے اختیار میں ہے۔اس کو ترقی دے کر اور زیادہ مفید بنانا تمہاری قربانیوں پر منحصر ہے۔ تمہارے اندر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ تم ایک عظیم الشان پیغام کے حامل ہو اور وہ پیغام تم سے بڑی بڑی قربانیاں چاہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں قرآن کریم کے مطالعہ کا اور علوم دینی کے تفحص کا وہ جوش پیدا ہو جائے کہ سب لوگوں کی نظریں علم دین حاصل کرنے کے لیے تمہاری طرف اٹھیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے اندر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے وہ اخلاص اور صدق پیدا ہو جائے کہ تم دنیا کے رہبر بن جاؤ۔تم بیشک اپنے لیے معاش کی فکر کرو، بیشک اپنی دنیا کو بہتر بنانے کی کوشش کرو۔مگر اپنا نصب العین، جس کے لیے تمہارے دلوں میں بلند جذبہ پیدا ہو، اسلام اور پیغمبر اسلام کی خدمت کو رکھو۔

عزیزان من! تم میں مختلف طبائع کے لوگ ہیں۔کوئی علمی ترقی کرسکتا ہے۔کوئی مسلمانوں کی اقتصادی ترقی میں کوشاں ہوسکتا ہے۔کمزوروں، بیماروں، غربا و مساکین کا مددگار بن کر کھڑا ہوسکتا ہے، کوئی معاشرتی، کوئی ملکی خدمت کرسکتا ہے، کوئی تعلیمی جدوجہد میں رہنمائی کرسکتا ہے، کوئی غیروں کے حملوں کا اچھا دفاع کرسکتا ہے، کوئی اسلام کی روشنی دور دراز ملکوں میں پہنچا سکتا ہے، مگر یہ سب اگر ایک نظام کے ماتحت ہوکر کام کریں تو کچھ کام ہوسکتا ہے۔اس لیے میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت میں نوجوانوں کا خاص نظام ہو۔اور ان کو ہر وقت یہ فکر ہو کہ وہ کس پہلو سے اسلام اور مسلمانوں کے لیے اپنے وجود کو مفید بنا سکتے ہیں۔ مجھے اس غرض کے لیے والنٹیر چاہئیں۔جن سے ایک نظام کے ماتحت کام لیا جائے اور ان کے وجود کو قوم اور ملک کے لیے اور خود اسلام کے لیے مفید بنایا جائے۔اس سالانہ جلسہ پر میں اس نظام کو خصوصیت سے قائم کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے الگ وقت رکھا جائے گا۔مگر اس سے پیشتر مجھے معلوم ہونا چاہئے کہ کون کون سے نوجوان دوست اس کام کے لیے تیار ہیں۔ ایسے نام مجھے آخر نومبر تک پہنچ جانے چاہئیں۔اور اس کے ساتھ اگر کوئی تجاویز بھی اس کے متعلق لکھی جائیں تو میں ان پر بھی غور کرکے رکھوں گا۔اور پھر ہم اپنے سالانہ جلسہ پر اس نظام کو مکمل کرکے آئندہ سال سے اس کے مطابق کام شروع کریں گے۔والسلام

خاکسار

محمد علی

قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت 27 نومبر 1929ء

میں نے پانچ سات روز ہوئے اپنے نوجوان احباب کو توجہ دلائی تھی کہ وہ جلد اپنے آپ کو منظّم کرکے دینی و قومی خدمات کے لیے تیار ہوں۔اس کے جواب میں بہت کم خطوط آئے ہیں۔اور یہ بھی دریافت کیا گیا ہے کہ اس تحریک سے کیا میرا یہ منشا ہے کہ جماعت کے نوجوان اپنے دنیوی کاروبار کو چھوڑ کر دینی خدمت کریں؟ میرا یہ منشا ہرگز نہیں۔ بلکہ میرا یہ مطلب تھا کہ نوجوان اپنے لیے دنیوی طور پر جو طریق معاش چاہیں اختیار کریں یا جو تعلیم چاہیں حاصل کریں، مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنے سامنے کوئی بلند مقصد بھی رکھیں اور اس کے حصول کے لیے

بھی کچھ جدوجہد کریں۔ یہی وہ چیز ہے جس سے زندگی میں حقیقی راحت پیدا ہوتی ہے اور اس کو مدنظر رکھنے سے قوم زندہ رہ سکتی ہے۔

میرا منشا اس تحریک سے یہ تھا کہ ہمارے نوجوانوں کا بہت سا قیمتی وقت اور ان کی قابلیت ٹھیک موقع پر نہ لگنے سے ضائع ہو رہے ہیں۔ عام طور پر مسلمان نوجوانوں کی یہ حالت ہے کہ ان کی زندگیاں کسی بلند نصب العین سے خالی ہیں۔ جب ہماری جماعت کے بہت سے نوجوان بھی اسی حالت میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ تو ان کے فارغ اوقات کو کسی مفید کام پر لگانے کے لیے ان کا ایک نظام قائم کرنا ضروری ہے، اور بالخصوص اشاعت و حفاظت اسلام کے مقدس کام پر۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہمارے نوجوان احباب، جو اس تحریک میں حصہ لینے کے لیے تیار ہیں، اپنے ناموں سے اطلاع دیں۔ میری غرض اس میں یہ تھی کہ یہ کام ایک نظام کے ماتحت ہو، اور سالانہ جلسہ پر ان احباب کے علیحدہ اجتماع کا انتظام کیا جائے۔ تا کہ اس میں وہ اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔ اور اس وقت اسے ایک منظّم صورت دی جا سکے۔ اور جو جو احباب جس جس قسم کا قومی یا دینی کام پسند کرتے ہوں اس کے متعلق انہیں خاص ہدایات دے دی جائیں۔ ہر شخص اسی کام کو بہتر طریق پر کر سکتا ہے جس کے لیے اس کی طبیعت میں موزونیّت ہو۔ اور ضرورت بھی ہے کہ مختلف احباب کی توجہ مختلف کاموں کی طرف ہو۔ کیونکہ مقصود ایک امر میں نہیں بلکہ متعدد امور میں ان کے اندر بیداری پیدا کرنا ہے۔

میں اپنے نوجوان احباب کو یقین دلاتا ہوں کہ ان کو کوئی مجبوری نہیں ہوگی کہ وہ کوئی خاص قسم کا کام کریں بلکہ کام کے مختلف شعبے قرار دے کر ہر شخص آزاد ہوگا کہ ان میں سے جس شعبہ کو چاہے اختیار کرے۔ اس کے علاوہ اجتماع کے موقعہ پر ہر ایک امر پر وہ کھلی بحث کر لیں۔ میرا منشا صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنے آپ کو آج سے اس قابل بنائیں کہ آئندہ مشکلات میں قوم کی رہنمائی کر سکیں۔ مسلمانوں کو آج مخلص رہنماؤں کی اور درد دل رکھنے والے نوجوانوں کی ضرورت ہے، اور ہمارے نوجوان جن میں اخلاص کا جذبہ موجود ہے، اس ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ ان کاموں کے لیے اپنے اندر اہلیت پیدا کریں۔ ہر ایک احمدی نوجوان کو ایک مرکز کے طور پر ہونا چاہئے، جہاں سے اسلام اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی بہبودی کی آواز اٹھے۔ ہماری قوم میں بہت سی خوبیاں موجود ہیں اور یہ خیال کہ مسلمان قوم مر گئی ہے، ایک سوءظن ہے۔ ہاں انہیں بیدار کرنے

والوں کی اور ان کے جذبات کو صحیح راہ پر لگانے والوں کی ضرورت ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ ہمارے احمدی نوجوان اس کام کے لئے بالخصوص اپنے آپ کو تیار کریں۔ مگر ان کے مدنظر بڑائی کا حاصل کرنا نہ ہو بلکہ خدمت کرنا ہو۔ بڑائی بھی اللہ تعالیٰ جسے چاہے دے دے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے دوست اس کار خیر میں بڑھ بڑھ کر حصہ لیں گے۔ اور انہیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ اپنا کچھ نقصان کیے بغیر قوم کے زیادہ طاقتور اعضاء بن جائیں گے۔

ایک دوست نے، جن کی عمر چالیس سے اوپر ہے، یہ سوال کیا ہے کہ کیا وہ بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں؟ میں نے انہیں جواباً لکھا ہے کہ ہر ایک جواں ہمت نوجوانوں ہی میں داخل ہے۔

محمد علی

مغرب میں اسلام کی ضیاء باریاں:

(5 نومبر 1929ء) یوں تو ایک مدت سے ان اسلامی فیض پاشیوں کا ذکر ان صفحات میں آتا رہا ہے جن کا موجب مسلم مشن ووکنگ، اسلامک ریویو اور دیگر اسلامی لٹریچر ہوتا رہا ہے۔ لیکن گزشتہ ماہ میں تین متقدر اور سعید نفوس حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔ جن میں سے دو تو خواتین ہیں۔ جن کے نام نامی مسز میری میتھیو (اسلامی نام حلیمہ)، مس جون ڈانسکن (اسلامی نام فاطمہ) ہیں۔ تیسرے بزرگ گلاسکو کے رہنے والے ہیں، ان کا اسم گرامی مسٹر واکر ہے۔ ذیل میں ایک نومسلم اور ایک نومسلمہ بھائی کے اعلانات اسلام درج کیے جاتے ہیں۔ جن کو پڑھ کر امید ہے کہ قارئین کرام مسرور ہوں گے۔

مس جون فاطمہ ڈانسکن لندن کا اعلان:

عیسوی معتقدات وتوہمات تو مجھے اپیل نہیں کرتے لیکن عقائد اسلام اپنی معقولیت اور قابل عمل ہونے کی وجہ سے میرے دل میں گھر کر گئے ہیں۔

جناب مسٹر واکر آف گلاسکو کا قبول اسلام:

گذشتہ کئی ماہ سے میں ایڈنبرا کی ایک لائبریری میں رسالہ ''اسلامک ریویو'' کا مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ اس کے مسلسل مطالعہ نے میرے اندر ایک سچے اور حقیقی مذہب کی روح متجس پیدا کر دی ہے۔ اس ضرورت حقہ کو محسوس کر کے میں نے اسلام قبول کر لیا۔

مس جون فاطمہ ڈانسکن لندن کا قبول اسلام:

قبول اسلام کے بعد تین دفعہ شاہ جہان مسجد ووکنگ میں اسلام کا مطالعہ کرنے کے لیے جا چکی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نومسلمہ موصوفہ کے دل میں اسلام کی تعلیم سے پوری پوری واقفیت حاصل کرنے کی کس قدر تڑپ ہے۔ مسز میری میتھیو حلیمہ نے مسجد ووکنگ سے انگریزی ترجمہ قرآن کا ایک نسخہ خریدا ہے اور بڑے شوق سے اس کے مسلسل مطالعہ میں منہمک ہیں۔ سیکرٹری مشن

دروغ کو فروغ کیوں؟:

(5 نومبر 1929ء) قادیانی اصحاب سے جب کبھی شرف ملاقات ہوتا ہے تو باتوں میں اپنی کثرت اور ہماری قلت کو لے اُڑتے ہیں۔ ہمیں منافق، پیغامی، غیر مبائعین اور خلافت کے بدخواہ کہہ کر اور کئی ایک اسی قبیل کی جلی کٹی باتیں کہہ کر بغلیں بجاتے ہیں اور خوش ہیں کہ خوب مریدی کا حق ادا کیا۔ میں کہتا ہوں کہ شاید ان کو دربار خلافت سے ایسے احکام صادر ہوئے ہیں کہ جب کبھی کوئی پیغامی ملے تو غیر متعلق باتوں سے اس کا قافیہ تنگ کر دیا کرو۔ کیونکہ دلیل وغیرہ تو کوئی ہے نہیں۔ صرف غلطی کے ازالے، حقیقۃ الوحی کے صفحہ 391 اور ایک دو اور سیاق سباق سے قطع کئے ہوئے حوالہ جات پر مدار ہے۔ اور جب ان کا ناطقہ بند کیا جاتا ہے تو پھر وہی پرانی رٹ لگانی شروع کر دیتے ہیں۔ افسوس! جب انسان کسی منحوس ساعت میں کسی غلطی کا ارتکاب کر دیتا ہے تو اس کو اپنی غلطی کی پچ ہو جاتی ہے اور تعصب اس کی آنکھیں بند کر دیتا ہے۔ اور طرّہ یہ ہے کہ بیشتر تو اپنے عقائد سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ مثلاً ''اسمہٗ احمد'' والی پیشگوئی، تکفیر اہل قبلہ، ناسخ ومنسوخ اور میاں صاحب کی کئی اور اس قسم کی تحریریں۔ چونکہ کتب عموماً پاس نہیں ہوتیں، اس لیے عموماً وہ تقیہ سے کام لیتے ہیں۔

اس تمہید سے میرا مطلب یہ ہے کہ اپنی جماعت اور انجمن کو قادیانیوں کے اس طرز عمل سے آگاہ کروں

تاکہ ان کے پروپیگنڈا کے سدباب کے لیے کچھ عملی وسائل اختیار کیے جائیں اور عامۃ الناس کو چاہ ضلالت میں گرنے سے بچایا جائے۔ دروغ کو صرف اس لیے فروغ ہوتا ہے کہ عام لوگ جب مسیح موعود کے کلام معجز نظام اور دعاوی کو دیکھ کر کوئی مسکت جواب نہیں پاتے تو بغیر اس کے کہ مسیح موعود کی اصلی تعلیم سے آگاہ ہوں، شدید غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری طرف سے بالکل اتمام حجت نہیں ہوا۔ اور دیہات میں تو یہ حال ہے کہ پچانوے فیصد لوگ ہمارے وجود، ہمارے عقائد اور مرزا صاحب کے مشن کی حقیقت سے بالکل نابلد ہیں۔ اس کی وجہ محض ہمارا تساہل اور سہل انگاری ہے۔ جب کبھی ایسے مسلمان سے، جس کا تعلق ہماری جماعت سے نہیں ہے، ملنے کا موقعہ ملتا ہے تو وہ چھوٹتے ہی قادیانی عقائد کو ہماری طرف منسوب کر دیتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ لاہور کی احمدی جماعت کے کیا عقائد ہیں اور وہ کیا کر رہے ہیں۔ لیکن جب اس کے سامنے اپنے مسلک وعقائد کی تشریح کی جاتی ہے تو عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ وہی شخص ہمارے عقائد اور کام کو بنظر استحسان دیکھنے لگتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ تو بڑی صحیح اور امن پسندانہ عقائد ہیں۔ افسوس ہے کہ اندرونی اصلاح و توسیع جماعت کے متعلق ہماری کوششوں کا دائرہ بہت محدود ہے۔ انجمن کی بنیاد کو استوار اور محکم بنانے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ بغیر پروپیگنڈا اور اتمام حجت کے ہو نہیں سکتا۔ اگر انجمن اس طرف توجہ منعطف کرے اور اپنے مبلغ و مناظر شہر بہ شہر، قریہ بہ قریہ بھیجے تو ایک سال کے اندر حیرت انگیز نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ کیا انجمن کے ذمہ دار ارکان سالانہ جلسہ میں اس معاملہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں گے۔ میں کہتا ہوں کہ اس طرز عمل کو اختیار کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ بہت سے لوگ احمدیت کے دلدادہ ہیں۔ لیکن نبوت کے مسئلہ پر رک جاتے ہیں۔ اگر یہ روش اختیار کی گئی تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ہماری جماعت میں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی ہوگی اور كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً (249:2) اور سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (45:54) کی آیات صرف اسی طرح اپنا ظہور کریں گی۔ امید ہے کہ میری یہ صدا، صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی۔ والسلام۔

خاکسار

محمد اکبر

چک نمبر 36۔ ضلع سرگودھا

3دسمبر 1929ء

ایک شامی مسلمان کا ہدیۂ ارادت

مرفوعة الٰی حضرت مولوی الامیر محمد علی

رئیس الجمعیة الاحمدیه فی لاهور ایّده اللّٰه

1- بمثلک الاسلام المحبوب یفتخر
ومنک المؤدج الاخلاص یدّخر

2- وما اتیت تروم ایطی من غرر
الاخلاق الا عدت کا لطیب تنتشر

3- وفی سبیل نشر الدین حملت من ثقل
کادت لها الراسیات الشمّ تنفطر

4- فخلد ذکرک الا جیال ذاکرة
منک النهوض بحجدٍ کاد یندثر

5- لِلّٰہ منک یراع لم یخض من الفصاحة الاراح ینتصر لجبًا

6- و همة لک شمّاءٌ یثبتها مزم بنجم الثریا راح یحتقر

ترجمہ اشعار:

1- پیارے اسلام کو آپ جیسی شخصیتوں پر فخر ہے اور چاہئے کہ اخلاص کا نمونہ آپ سے ہی لے کر اسے فراہم کیا جائے۔

2- اور آپ کے بلند اخلاق پوشیدہ نہیں ہیں وہ خوشبو کی طرح پھیل رہے ہیں۔

3- اور دین اسلام پھیلانے کے راستے میں آپ نے اتنا بوجھ اٹھایا ہے کہ اگر بڑے بڑے پہاڑ بھی اسے اٹھائیں تو پھٹ جائیں۔

4- اور قومیں ہمیشہ آپ کا ذکر خیر کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ دین کی بزرگی کا قیام، جو معدوم ہونے والی تھی، آپ سے ہے۔

5- آپ کی فکر رضاء الٰہی کے لیے دریائے فصاحت میں نہیں اترتی مگر نصرت الٰہی اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

6- اور آپ کی ہمت بہت بلند ہے جس کو عقل نے مضبوط کیا ہے۔ ثریا کی اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں ہے۔

7- و متن اوصافک الغراء کاملة مطول شرحه قدعزّ یختصر

8- فی ذمة اللّٰه ما عانیت من نصبٍ فی نصرة الدین یامن فیه یفتخر

9- ما کنت الانبهی الحزم منتهیًا ولست فی عیرا امرالحق تاتمر

10-سهرت فی خدمة الاسلام متبهجًا لم یلوعزمک لا امن ولاخطر

11- رایت تقلد منک العزم طائفةٍ[1] بهائم خلقًا لکنّهم بشر

12-یحفک عون اللّٰه من کل جانبٍ ویرعاک بالالطاف طٰهٰ المطهر

13-تدوم سماء النصر تسقیک ولا زال یابدر العلی لک مظهر
غیثها

ترجمہ اشعار:

7- اور آپ کے پاک بلند اور کامل اخلاق کے متن کی شرح اس قدر ضخیم ہے کہ اس کو مختصر کرنا مشکل ہے۔

8- آپ وہ ہیں جن کی ذات پر فخر کیا جاتا ہے۔ آپ نے اسلام کی راہ میں دین کی نصرت کی راہ میں بہت سی تکالیف اٹھائی ہیں۔

9- آپ عقل کی چوٹی پر پہنچے ہوئے ہیں اور سوائے امر حق کے اور کسی بات کا حکم نہیں دیتے۔

10- آپ خوشی کے ساتھ خدمت اسلام کے لیے راتوں کو جاگتے رہے، آپ کے ارادہ اور حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ نہ خطرہ کی حالت میں کوئی تبدیلی ہوئی۔

11- میں نے دیکھا کہ ایک جماعت آپ کے ارادہ کی تقلید کرتی ہے جس کے اخلاق جانوروں کے ہیں۔ مگر وہ ہیں انسان۔ (یے! اشارة الی المعاندین والخصوم)

12- اللہ کی مدد ہر طرف سے آپ کے شامل حال ہو اور نبی مطہرؐ کے لطف آپ کے محافظ ہوں۔

13- نصرت کے بادل ہمیشہ اپنی بارش سے آپ کی فصل کو سیراب کیا کریں، اور اے چودھویں کے بلند چاند آپ کا ظہور ہمیشہ کے لیے

الخادم- محمد ادیب عبدالعزیز

دمشق۔ الشّام

7 دسمبر 1929ء

حضرت امیر کے قلم سے

حضرت نبی کریمؐ کی مفروضہ وصیّت کا بے بنیاد واقعہ

کچھ عرصہ ہوا مولانا سید نظیر الحسن صاحب کا ایک مضمون اخبار ''مشرق'' گورکھ پور میں شائع ہوا تھا۔ جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں خلافت کی وصیّت کا ارادہ فرمایا۔لیکن جب حضرت عمرؓ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے رسول کریم ﷺ کو وصیت نہ لکھوانے دی۔ ہمعصر ''مشرق'' نے مولانا سید نظیر الحسن صاحب کا مذکورہ بالا مضمون حضرت امیر کی خدمت میں بغرض جواب ارسال کیا۔حضرت امیر نے جواب شائع کرنے سے پہلے مولانا نظیر الحسن صاحب سے وہ حوالے طلب کئے جن کی بنا پر انہوں نے ایک ایسا مضمون لکھا جس سے دنیا کے مصلح اعظم اور خیرالبشر ﷺ کی تعلیم اور سیرت پر حرف آتا ہے۔ ذیل میں حضرت امیر نے اپنی اس مراسلت میں جو آپ نے ایڈیٹر مشرق کے نام تحریر فرمائی ہے، ان حوالوں پر ایک مختصر سا تبصرہ کرتے ہوئے یہ دکھایا ہے کہ جو حوالے مولانا نظیر الحسن صاحب نے اپنے مضمون میں درج کئے ہیں وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں۔اس کے بعد حضرت امیر نے مولانا کے مضمون کا مفصل جواب تحریر کیا ہے۔امید ہے کہ قارئین اس کو دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔(مدیر)

مکرم بندہ جناب ایڈیٹر صاحب ''مشرق'' گورکھ پور!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔مولانا سید نظیر الحسن صاحب کا مضمون جب آپ نے بھیج دیا تو اس کے تھوڑے دنوں بعد ہی اس کا مفصل جواب لکھا گیا اور اس انتظار میں ابھی تک پڑا رہا کہ آپ مولانا سے مطلوبہ حوالے لے کر ارسال فرمائیں تو پھر اس پر غور کر کے جواب آپ کی خدمت میں بھیج دیا جائے۔انتظار میں بہت دن گذر گئے، آج مورخہ 11 نومبر کو مطلوبہ حوالے مل گئے۔ جب ان کا مقابلہ اصل کتابوں سے کیا گیا تو بہت ہی حیرت ہوئی۔

حدیث کا غلط حوالہ:

مضمون نگار مولانا صاحب نے نسیم الریاض، حبیب السیر، مجمع البحار، مسند امام احمد جلد 3 صفحہ 326 وجلد اول صفحہ 332، **فَخَالَفَهٗ عُمَرُ وَقَالَ اَلنَّبِیُّ یَھْجِرُ** اور ابوالحسین امام غزالی کا حوالہ دیا ہے کہ اس میں وہ حدیث موجود ہے۔ جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی اور کہا کہ نبی ہذیان کرتا ہے۔ مسند احمد جلد 3 میں تو یہ حدیث صفحہ 326 میں نہیں اور جلد اول صفحہ 222 وصفحہ 426 پر بروایت ابن عباسؓ حدیث قرطاس کا ذکر ہے۔ مگر اس میں وہ الفاظ قطعاً نہیں ہیں جو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ جواب مضمون میں مفصل ذکر ہے۔ حوالہ ان الفاظ کا مطلوب تھا جو مضمون کے شروع میں حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اور حوالہ دیا گیا ہے مسند احمد بن حنبل کا۔ مگر افسوس کہ مسند کی روایت میں یہ لفظ قطعاً نہیں ہیں اور جو حوالہ دیا گیا ہے اس میں بھی یہ لفظ نہیں۔ مجمع البحار تو حدیث کی کتاب نہیں ہے، اس میں لغت حدیث پر بحث ہے۔ مگر اس میں بھی کسی حدیث کی کتاب سے روایت نقل نہیں کی گئی۔ جس میں حضرت عمرؓ کی طرف ان الفاظ کی نسبت ہو۔ پس یہ حوالہ بھی درست نہیں۔ اس میں صرف یہ الفاظ منقول ہیں **قَالُوْا مَاشانہ اھجر استفھموہٗ**۔ اور مصنف نے اپنی طرف سے یہ لکھا ہے کہ چونکہ ان الفاظ کا قائل حضرت عمرؓ تھا اس لئے اس کا معنی یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت کی طرف ہذیان یا فحش گوئی کی نسبت کی ہے۔ حضرت عمرؓ کو ان الفاظ کا قائل سمجھنا مصنف کی رائے ہے۔ کسی حدیث میں نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس قسم کا کوئی لفظ کہا ہو۔ مگر وہ خود بھی وہ معنی حضرت عمرؓ کی طرف منسوب نہیں کرتے جو مولانا صاحب نے کیے ہیں۔ اور وہ روایت تو مجمع البحار میں سرے سے ہے ہی نہیں۔ جو مولانا کے مضمون کی شروع میں بروایت مسند احمد بن حنبل نقل کی گئی ہے۔ باقی جو حوالے دیئے گئے ہیں وہ کتب حدیث کے حوالے نہیں ہیں۔ اور نقل حدیث میں صرف کتب حدیث کا ہی حوالہ قابل اعتماد ہوسکتا ہے۔ اگر ان کتب میں جن کا حوالہ دیا گیا ہے کوئی حدیث نقل کی گئی ہے تو اسے کسی حدیث کی کتاب میں دکھانا چاہیئے۔ اور اگر کتاب لکھنے والوں کی اپنی رائے ہے تو مولانا اس سے بری الذمہ نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ حوالہ اس حدیث کا مطلوب ہے جو انہوں نے شروع مضمون میں لکھی۔

حضور سرور عالم ﷺ کی آخری وصیت:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. مولانا سید نظیر الحسن صاحب نے جو مضمون حضور کی وصیت آنحضرت ﷺ کی آخری حدیث کے عنوان سے اخبار ''مشرق'' 26 ستمبر 1929ء میں شائع کرایا ہے۔ اس میں مسند احمد بن حنبل کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ جو یہ ہے: ان رسول اللّٰہ ﷺ **دعا عند مَوْته الصحيفة ليكتب فيها كتاباً لا يضلوا بعده فخالفهٗ عمر وقال النّبی يهجر**۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے قریب وفات صحیفہ منگایا کہ اس میں ایک نوشتہ لکھ دیں کہ لوگ اس کے بعد گمراہ نہ ہوں تو حضرت عمرؓ نے اس بارہ میں مخالفت کی اور کہا نبی ہذیان کرتا ہے۔

یہ روایت اس ترجمہ کے ساتھ مولانا نے اپنے مضمون میں نقل کی ہے۔ مگر افسوس کہ مسند احمد کی جلد اور صفحہ کا حوالہ اس میں نہیں دیا۔ جس کی وجہ سے اس کی تلاش میں بڑی دقت واقع ہوئی اور پھر بھی نہیں ملی اور جو حدیث ملتی ہے اس کے الفاظ یہ نہیں۔

آخری وصیّت کے راوی:

جہاں تک میں نے اس حدیث کی تلاش کی تو معلوم ہوا کہ صحابہؓ میں سے صرف عبداللہ بن عباسؓ اس کے راوی ہیں اور کوئی صحابیؓ اس حدیث کا راوی نظر نہیں آیا۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اس وقت کئی صحابہؓ جمع ہیں اور یہ واقعہ ان سب کے سامنے ہے۔ لیکن راوی صرف ابن عباس ہی ہیں اور ابن عباسؓ سے صرف دو راوی اس حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ عبیداللہؒ اور سعید بن جبیرؒ۔ عبید اللہ کی روایت مسلم جلد دوم صفحہ 43 مجتبائی دہلی، بخاری کتاب العلم باب کتابت العلم، کتاب المغازی باب مرض ﷺ، مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ 325 وصفحہ 326 میں موجود ہے مگر اس میں لفظ **هجر** یا **يهجر** کا کوئی لفظ نہیں۔ جس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کی گئی ہو۔ نہ حضرت عمرؓ کی زبان سے اور نہ کسی اور شخص کی زبان سے۔ ان تمام روایات میں حضرت عمرؓ کی طرف صرف یہ لفظ منسوب ہیں: **ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قدغلبه الوجع وعندكم القرآن حسبنا كتاب اللّٰه**۔ رسول اللہ ﷺ کو بیماری کی تکلیف زیادہ ہوگئی ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے۔ کتاب اللہ ہمارے لیے بس ہے۔

حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی نسبت ہجر کا لفظ استعمال نہیں کیا:

سعید بن جبیرؓ کی روایت بخاری کتاب الجہاد، باب جوائز الوفد، کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ، مسلم کتاب الوصایا باب ترک الوصیت، مسند احمد بن حنبل صفحہ 355 جلد اول میں موجود ہے۔ان روایات میں سے مسلم اور مسند احمد کی روایت میں یہ لفظ آتے ہیں: **فقالوا رسول اللّٰہﷺ یھجر** اور بخاری کے باب جوائز الوفد اور باب مرض موت النبی ﷺ میں علی الترتیب یہ لفظ آتے ہیں۔ **فقالوا ماشانہ اھجر استفھموہُ**۔ مگر سعید بن جبیر کی کسی روایت میں یہ نہیں کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرتﷺ کی نسبت **ھجر** یا **یھجر** کا لفظ استعمال کیا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف قالوا جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ یہ قول چند لوگوں کا تھا نہ حضرت عمرؓ کا۔اور آگے چل کر یہ بات صاف کروں گا کہ اس لفظ کے کہنے والوں میں حضرت عمرؓ شامل نہیں ہیں۔

حضرت عمرؓ کی طرف غلط بات کی نسبت:

پس مولانا سید نظیر الحسن صاحب نے جو روایت بحوالہ مسند احمد بن حنبل نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرتﷺ کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ آنحضرتﷺ کا ہذیان ہے مسند احمد بن حنبل میں موجود نہیں۔اور جو حوالہ انہوں نے دیا ہے وہاں بھی یہ لفظ نہیں۔اگر ایسی کوئی روایت موجود بھی ہوتی تو جب تک اس کے راویوں پر تنقید نہ کی جائے،اس وقت تک قابل استدلال نہیں ہے۔تنقید کے بعد بھی بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہیں ہے۔ یہ بحث صرف اس بات کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرتﷺ کی نسبت لفظ **ھجر** کا استعمال کیا یا نہیں؟ اب میں اس بات کو صاف کرنا چاہتا ہوں کہ حدیث کا اصل مضمون کیا ہے۔اور کیا اس میں حضرت علیؓ کی خلافت کی وصیّت کا ذکر ہے یا حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی وصیت کا ذکر ہے۔ پہلے میں ابن عباسؓ کی روایت نقل کرتا ہوں۔ایک بتوسط عبیدؓ اللہ دوسری بتوسط سعید بن جبیرؓ۔ پھر اس کے مضمون پر بحث کروں گا۔

عن عبید اللّٰہ بن عبد اللّٰہ بن عتبة عن ابن عباس لمّاحضر رسول اللّٰہ ﷺ وفی البیت رجال فقال النبّی ﷺ ھلموا اکتب لکم کتٰباً لا تضلّوا بعدہ فقال بعضھم انّ رسول اللّٰہ ﷺ قد غلبہ الوجع و عندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ فاختلف اھل البیت واختصموا

حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت آیا اور گھر میں چند مرد تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا لادو کہ تمہارے لیے ایک نامہ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم راہ راست سے نہ ہٹو۔ تو بعض نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف زیادہ ہوگئی ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے، کتاب اللہ ہمارے لیے

فمنھم من یقول قربوا یکتب لکم کتاباً لا تضلّوا بعدہ ومنھم مَنْ یقول غیر ذالک فلما اکثروا اللّغو والاختلاف قال رسول اللّٰہ ﷺ قوموا عَنِّی.

کافی ہے۔ تو گھر میں جو موجود تھے ان میں اختلاف ہوا بعض نے کہا لے آؤ کہ تمہارے لیے ایک نامہ لکھ دیں کہ اس کے بعد تم راہ نہ بھولو اور بعض کچھ اور کہہ رہے تھے۔ جب ان کا شور اور اختلاف زیادہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔

عن سعید بن جبیر قال قال ابن عباس یوم الخمیس وما یوم الخمیس اشتدّ برسول اللّٰہ ﷺ وجعه فقال ائتونی اکتب لکم کتاباً لن تضلّوا بعده ابدًا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ماشانه اهجر استفهموه فذهبوا یردّون علیه فقال دعونی فالّذی انا فیه خیر ممّا تدعوننی الیه و اوصالهم بِثلٰث قال اخرجوا المشرکین من جزیرة العرب و اجیزوا الوفد بنحو ماکنت اجیزهم وسکت عن الثا لثة اوقال فنسیتها.

حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے کہا: پنجشنبہ کا دن اور وہ کیسا ہی مصیبت کا دن تھا۔ آنحضرت ﷺ کو تکلیف زیادہ ہوگئی تو فرمایا: لادو کہ تمہارے واسطے نامہ لکھ دوں کہ تم اس کی راہ بھول نہ جاؤ۔ تو ان میں اختلاف ہوا۔ اور نبی کے سامنے اختلاف نہ کرنا چاہیئے اور لوگوں نے کہا آنحضرت ﷺ کا کیا حال ہے کیا بیماری کی شدت سے بول رہے ہیں، آپ سے دریافت کرلو۔ تو لوگ آپ سے پوچھنے لگے۔ آپ نے فرمایا: مجھ کو رہنے دو جس حالت میں ہوں۔ وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم بلاتے ہو۔ اور آپ نے تین باتوں کی وصیت کی۔ فرمایا: مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔ اور قوموں کے قاصدوں کو عطیہ دیا کرو جس طرح میں دیا کرتا تھا اور تیسری بات کو بیان نہیں کیا یا میں بھول گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کی بنیاد یہی دو راوی عبیدؒ اللہ اور سعید بن جبیرؒ ہیں۔ دونوں میں ہے

کہ آنحضرت ﷺ نے کہا کچھ لادو، میں تمہارے لیے ایک کتاب لکھ دوں تاکہ تم اس کے بعد ٹھیک راستہ سے بھٹکو نہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس وقت قرآن کریم مکمل ہو چکا تھا اور اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ (3:5) کی آیت بھی نازل ہو چکی تھی۔ پس آپ جو لکھوانا چاہتے تھے اس کا تعلق شریعت سے نہ تھا۔ کیونکہ شریعت مکمل ہو چکی تھی اور سب صحابہؓ کو اس کا علم تھا۔ تو جو بات آنحضرت ﷺ لکھوانا چاہتے تھے، اگر وہ لکھنے سے رہ بھی گئی ہے تو بھی اس سے شریعت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ اور نہ اس سے ناواقفیت کی وجہ سے دین اور شریعت سے گمراہ ہونا لازم آتا ہے۔ وہ بات کیا تھی جو آنحضرت ﷺ لکھوانا چاہتے تھے؟ مولانا سیّد نظیر الحسن صاحب فرماتے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کی وصیّت تھی جسے حضرت عمرؓ اپنی ذہانت کی وجہ سے سمجھ گئے اور انہوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق وصیّت نہ لکھوانے دی۔ مگر اس حدیث میں حضرت علیؓ کی خلافت کی وصیّت کی طرف اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ کونسا لفظ اس حدیث میں ہے جس سے یہ سمجھا جا سکے کہ آنحضرتؐ حضرت علیؓ کی خلافت کی وصیت لکھوانا چاہتے تھے اور حضرت عمرؓ نے مزاحمت کی!

سوءِ ظنّ سے حضرت عمرؓ پر اعتراض:

لہٰذا مولانا کا یہ فرمانا کہ ''مگر حضرت عمر جیسے ذہین شخص یہ سمجھ گئے تھے کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے سخت مخالفت کی''، صرف سوءظنّ کا نتیجہ ہے اور سوءظنّ کی قرآن کریم میں صریح مخالفت ہے۔ اور آنحضرتؐ نے بھی فرمایا ہے: انّ الظنّ اکذب الحدیث جھوٹی باتوں میں سے سب سے زیادہ جھوٹا سوءظن ہے۔ مولانا تو حضرت عمرؓ کو ذہین بتاتے ہیں کہ جس بات کا ذکر حدیث میں کوئی نہیں اسے سمجھ گئے۔ مگر مولانا صاحب حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ ذہین واقع ہوئے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے دلی راز کو سمجھ لیا۔ حالانکہ ذات الصدور کا علم صرف اللہ کو ہی ہے، جو عالم الغیب ہے۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ سے کچھ پتہ نہیں لگتا کہ انہوں نے کیا سمجھا تھا۔ البتہ اور احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ابوبکرؓ کی خلافت کے متعلق وصیّت لکھوانا چاہتے تھے۔

آنحضرتؐ کا حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے لیے وصیّت کرنا:

بخاری اور مسلم دونوں میں یہ حدیث موجود ہے۔

لقد هممت او اردت ان ارسل الٓی ابی بکرو ابنہٖ وَاعُھد اَنْ یّقول القٓائلون او یتمَنّی المتمنّون ثمّ قلتُ یأبٰی اللّٰہ وید فع المؤمنون اَوْ یدفع اللّٰہ وَیَاْبٰی المؤمنون۔ (بخاری کتاب المرضیٰ باب **قول المریض انّی وجع**) یعنی آنحضرتؐ فرماتے ہیں البتہ میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکرؓ اور آپ کے بیٹے کو بلا بھیجوں اور (ابوبکر کے حق میں) وصیّت کردوں اس ڈر سے کہ باتیں بنانے والے باتیں نہ بنائیں اور آرزو کرنے والے آرزو نہ کریں۔ پھر میں نے (دل میں) کہا کہ (ابوبکر کے سوا) اللہ کو منظور نہیں اور مسلمان (بھی ابوبکر کے سوا اوروں کو) رد کردیں گے یا اللہ رد کردے گا اور مسلمان (بھی) منظور نہ کریں گے۔

مسلم کتاب الوصایا باب ترک الوصیت الخ میں بھی یہی مضمون موجود ہے۔ البتہ اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں **ویقول قائل ان اولٰی ویأبٰی اللّٰہ والمؤمنون الّا ابابکرٍ** تاکہ کوئی کہنے والا یہ نہ کہہ دے کہ میں حقدار ہوں اور اللہ تعالیٰ اور مسلمان حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے سوا کسی کی خلافت بھی نہیں مانتے۔ بزاز کی روایت میں ہے **معاذ اللّٰہ ان تختلف الناس علٰی ابی بکرٍ**۔ معاذ اللہ حضرت ابوبکرؓ پر اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ امام نوویؒ مسلم کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کا ذکر ہے۔ اور یہ کہ مسلمان ابوبکرؓ کے سوا اور کسی کی خلافت ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

حاکم کی روایت:

ابوملیکہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قلم دوات اور مونڈھے کی ہڈی لادو کہ میں تمہیں نامہ لکھ دوں۔ تاکہ تم میرے بعد غلطی میں نہ پڑ جاؤ۔ پھر فرمایا اللہ اور مسلمان بجز ابوبکرؓ کے اور کسی کو نہیں چاہتے۔ (ازالۃ الخفاء بحوالہ حاکم)

ان تمام احادیث پر اگر انصاف سے غور کیا جائے تو صاف نظر آجائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے متعلق وصیّت لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ حضرت علیؓ کا نام کسی روایت میں نہیں آیا کہ آپ نے ان کے لیے وصیت کا خیال ظاہر کیا ہو۔ اور حضرت ابوبکرؓ کا نام صراحت سے ان احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق وصیت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں، جو بروایت عبید اللہؓ اور سعید بن جبیرؓ اوپر لکھی جا چکی ہے، اس کا ذکر نہیں ہے کہ آپ کونسی بات کے متعلق وصیت کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان احادیث میں حضرت ابوبکرؓ کا نام صراحت سے ہے اور حضرت علیؓ کا نام نہیں ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ کی روایت کا مضمون بھی یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے متعلق وصیت لکھوانا چاہتے تھے۔ کیونکہ زبانی طور سے آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے متعلق پہلے بھی ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اس وقت آپ اس بات کو تحریر میں لانا چاہتے تھے تا کہ سند رہے اور کسی کو اس کے خلاف کہنے کے لیے گنجائش نہ رہے۔ اور حضرت عمرؓ اس بات کو آنحضرتؐ کے ان فرمانوں سے سمجھ گئے تھے جن میں آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے متعلق وصیت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اور نبی کریم ﷺ کو اس وقت بیماری کی سخت تکلیف تھی اور اس بات کا تعلق بھی شریعت سے کوئی نہیں تھا، کیونکہ وہ مکمل ہو چکی تھی۔ اور اس لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عندکم القرآن حسبنا کتاب اللّٰہ تمہارے پاس قرآن موجود ہے اور کتاب اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ کیونکہ وہ مکمل ہو چکا ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے نامہ لکھوانے کی ضرورت نہ سمجھی کہ اس کا تعلق شریعت سے تھا نہیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے متعلق آپؐ نے زبانی ارادہ ظاہر فرمایا تھا۔ حضرت کی بیماری کی شدت کو دیکھ کر اس وصیت کو تحریر میں لانے کو ضروری نہ سمجھا لا تضلّوا بعدہ تا کہ تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ یہ ان کے متعلق فرمایا جو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اعتراض کرنے والے تھے یا آپ کے بعد اعتراض کرنے والے پیدا ہوں۔

چونکہ حضرت عمرؓ اور نیز دیگر صحابہؓ احادیث مذکورہ بالا سے نیز آنحضرؐت کا اپنی بیماری وفات میں سارے صحابؓہ میں سے امامت نماز کے لیے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کرنے سے سمجھ گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا اپنے بعد حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنانے کا منشا ہے اور آنحضرؐت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ بھی بجز حضرت ابوبکرؓ کے اور کسی کو نہیں چاہتا اور مسلمان بھی نہیں چاہتے۔ اس لیے ان کا خیال تھا کہ آنحضرت کا منشا جو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے متعلق ہے، وہ آپ کے زبانی ارشادات سے بھی پورا ہو جائے گا (اور پورا ہوا بھی) اور آنحضرت ﷺ کو بیماری کی شدت کی حالت میں تحریر لکھوانے کی تکلیف دینے کی ضرورت نہ سمجھی۔ خود حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے

حضرت ابوبکرؓ کو پیارے دین کے لیے (امامت نماز کے لیے) پسند فرمایا تو ہم نے ان کو اپنی دنیا ''خلافت'' کے لیے پسند کیا۔ پس حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی مخالفت نہیں کی بلکہ آنحضرتؐ کے منشا کو بھی پورا کر دیا اور آپ کو تکلیف بھی بیماری کی حالت میں نہیں دی۔ عبداللہ ابن عباسؓ نے جو اس نامہ کے نہ لکھے جانے پر بہت رنج ظاہر کیا وہ بھی اسی وجہ سے تھا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق وصیت تحریر میں آجاتی تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ بعض لوگ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اعتراض کر کے فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تحریر لکھی جاتی تو ان کے سامنے پیش کر دی جاتی۔

حضرت عمرؓ پر آنحضرت ﷺ کی مخالفت کا الزام لگانا واقعات ثابتہ کی طرف سے آنکھیں بند کرنا ہے۔ جس شخص کے اسلام لانے کی وجہ سے مکہ میں مسلمان، جو گھروں میں خفیہ طور سے رہتے تھے اور نماز تک چھپ کر ادا کرتے تھے، گھروں سے باہر آئے اور اسلام کھلم کھلا چمکنے لگا اور مسلمان کھلے طور سے نماز ادا کرنے لگے اور اسلام اور مسلمانوں کو اس کی وجہ سے بڑی تقویت پہنچی۔ جس شخص کی ساری اسلامی زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں گذری جس شخص نے اپنے جان و مال اللہ کے راستہ میں وقف کر دیا، جس شخص کی خلافت کے زمانہ میں اسلامی حکومت دور دور تک پھیل گئی، اسلام کی شوکت بڑھ گئی، جس شخص کی عقل و تدبر، تقویٰ و خدا ترسی، علم و فضل کی ساری دنیا معترف ہے، چاہے دشمن ہو یا دوست، اس کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی مخالفت کی بہت بڑا کفران نعمت ہے!

حدیث بخاری کے راویوں پر جرح:

حضرت عائشہؓ کی روایت جو بخاری میں ہے، جس میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے متعلق وصیت کرنے کا ذکر ہے۔ اس کے راویوں میں سے مولانا نظیر الحسن صاحب نے سلیمان بن بلال اور یحییٰ بن سعید انصاری پر جرح کی ہے کہ سلیمان بن بلال ضعیف ہے اور یحییٰ ابن سعید انصاری دشمن اہلِ بیت تھا۔ لیکن یہ جرح واقعات کے خلاف ہے۔ سلیمان بن بلال کے متعلق مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ وہ مشہور معتبر راویوں میں سے ایک ہیں۔ امام احمد یحییٰ بن معین ابن سعد اور خلیلی نے ان کو ثقاۃ (معتبر) میں سے شمار کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ میں پچھتایا کہ میں نے کیوں اس سے زیادہ حدیثوں کی روایت نہ کی۔ صرف عثمان ابن شیبہ نے ان کی روایت پر

اعتماد نہیں کیا۔ مگر یہ جرح قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ جماعت کی رائے کے خلاف ہے۔ یحییٰ بن سعید کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ وہ اہل بیت کا دشمن تھا یہ بھی غلط ہے اور صریحاً غلط ہے۔ احادیث کی کتب اسماء الرجال میں تنقید کرنے والے راویوں پر جرح بھی کرتے ہیں اور توثیق بھی کرتے ہیں۔ اور جرح کبھی حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ہوتی ہے کبھی روایت میں غلطی کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تو اگر کسی قسم کی جرح خاندان اہل بیت پر کی جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اہل بیت سے دشمنی ہے۔ کیونکہ سہو، نسیان اور غلطی سے اہل بیت بھی پاک نہیں ہیں۔ سہو، نسیان سے ان کا معصوم ہونا کسی دلیل، قرآن یا حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ یحییٰ بن سعید نے بھی اگر اسی قسم کی جرح حضرت امام جعفر پر کی ہے تو ان کی خدمت کی ہے اہل بیت سے دشمنی نہیں کی۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے۔ اور محدثین کے نزدیک زیادہ صحیح حدیث وہ ہے جو دونوں کتابوں میں موجود ہو۔

حضرت عائشہؓ پر غلط الزام:

پھر حضرت مولانا نے حضرت عائشہؓ پر جرح کی ہے کہ وہ حضرت علیؓ کا نام لینا پسند نہیں کرتی تھیں۔ دوسرے یہ کہ ان کی اس روایت سے حضرت ابوبکرؓ کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ ایسی شہادت قابل اعتبار نہیں ہے جس سے اپنے باپ یا بیٹے کو فائدہ پہنچے۔ مگر یہ بھی غلط اور خلاف واقعہ ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کا نام لینا پسند نہیں کرتی تھیں۔ اگر طبریؒ نے یا کسی اور نے یہ ذکر بھی کیا ہے تو ظلم کیا اور حضرت عائشہؓ پر بے جا الزام لگایا ہے۔ اُمت محمدیہ نے ان کا نام صدیقہ رکھا ہے تو وہ جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ جب امت کو ان کی صدیقیت پر اتفاق ہے، وہ صحابیہ ہیں۔ اور کسی صحابی کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرتا ہے۔ تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ سب عدول ہیں۔ اس لیے وہ حدیث کے راویوں میں سے کسی صحابی پر جھوٹ کی وجہ سے جرح نہیں کرتے۔ مسلم میں ایک حدیث ہے، جو اس بات کے لیے کافی شہادت ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کی تعریف بھی کیا کرتی تھیں۔ اور نبی کریمؐ نے جو فضیلت ان کے لیے بیان فرمائی ہے، کھلے دل سے حضرت عائشہ اس کو بیان کرتی تھیں۔ **عن عائشة قالت خرج النبی صلّی اللّٰہ علیه وسلم غداہ وعلیه مرط مرحل من شعراسود فجاء الحسن بن علی فادخله ثم جاء الحسین فدخل معه ثم جاء ت فاطمة فادخلها ثم جاء علی فادخله ثم قال انّما یرید اللّٰہ**

لیذھب عنکم الرجز اھل البیت ویطھر کم تطھیرًا۔ یعنی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ صبح کے وقت نکلے۔ سیاہ بال کی ایک چادر، جو اونٹ کے پالان کے برابر رکھی جاتی ہے، اوڑھی ہوئی تھی تو حضرت حسنؓ بن علیؓ تشریف لے آئے تو ان کو چادر میں لے لیا۔ پھر حضرت حسینؓ تشریف لے آئے وہ بھی ساتھ شامل ہوئے۔ پھر حضرت فاطمہؓ تشریف لے آئیں تو آپ نے ان کو بھی چادر میں لے لیا۔ پھر حضرت علیؓ تشریف لے آئے، آپؐ نے ان کو بھی چادر میں لے لیا۔ پھر فرمایا اللہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت سے ناپاکی دور کر دے اور تمہیں خوب صاف کر دے۔

حضرت عائشہؓ نے ان چاروں حضرات کی فضیلت میں یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔ پس یہ کہنا کہ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کا نام لینا پسند نہیں کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ کے اس قول سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ صحابہؓ ایک دوسرے کے ذکر خیر میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ کی فضیلت بیان کی ہے اور حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے بہت سے فضائل بیان کیے ہیں۔ اور بدقسمتی سے آج ان دونوں عظیم الشان بزرگوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ پر کھڑا کیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ مسلمانوں میں تشتت اور افتراق کے پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

مولانا نظیر الحسن کا آنحضرت ﷺ پر کتمانِ حق کا الزام:

افسوس! حضرت مولانا نے ایک بہت بڑی بات لکھ دی ہے جو ان کو نہ لکھنی چاہیے تھی۔ وہ یہ کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کی حدیث کے مضمون کا واقعہ پنجشنبہ کے دن ہوا اور آپ کی وفات دوشنبہ کے دن ہوئی۔ ان چار دن میں، جو گزرے، آپ نے وہ بات کیوں نہ لکھا دی۔ پھر اس کا جواب یوں دیا ہے کہ بیشک آپؐ وہ بات لکھوا سکتے تھے مگر چونکہ لوگ اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور آپؐ نے دیکھ لیا کہ وہ اس کو بھی ہذیان سمجھ لیں گے اور میری نصیحت کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے اس لیے آپ نے پھر لکھوانا مناسب نہ سمجھا۔ اس کی زد خود رسول اللہ ﷺ پر پڑتی ہے کہ لوگوں کی مخالفت دیکھ کر آپ حق بات کہنے سے رک گئے۔ مگر نبی کی شان بہت ہی اعلیٰ وارفع ہے۔ نبی کا کام ہے کہ حق بات کو بلا خوف لومۃ لائم لوگوں کو پہنچا دے۔ اس پر عمل کرنا نہ کرنا لوگوں کا کام ہے۔ کیا توحید و رسالت اور پیغام قرآن کی مخالفت لوگوں نے نہیں کی؟ کیا اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ وصحابہ

رضی اللہ عنہم کو طرح طرح کی اذیتیں نہیں دی گئیں؟ مکہ سے نکل جانے پر مجبور نہیں کیے گئے؟ مدینہ میں جا کر ان پر تین زبردست حملے نہیں ہوئے؟ خود مدینے میں کچھ کم مخالفت ہوئی۔ اور کیا ان باتوں کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے حق وصداقت کی تبلیغ چھوڑ دی تھی! ہرگز نہیں۔ کیا حق بات چھپانے کے متعلق قرآن وحدیث میں سخت وعید نہیں ہیں۔ کیا آنحضرت ﷺ اس بات سے ان وعیدوں کے ماتحت نہیں آتے؟ اصل بات وہی ہے جو میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کا منشا صحابہ پر ظاہر ہو گیا تھا، اس لیے آپ نے بھی پھر تحریر مناسب نہ سمجھی ورنہ زبان سے ہی فرما دیتے۔ جس طرح اس وقت تین اور باتوں کی وصیت کی کہ مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو اور قوموں کے قاصدوں کو عطیہ دیا کرو اور تیسری بات راوی بھول گیا۔

حضرت علیؓ کا اپنی خلافت کے متعلق وصیّت سے انکار:

حضرت علیؓ کی خلافت کے لیے کوئی وصیّت آنحضرت ﷺ نے نہیں کی۔ خود حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ بخاری کتاب المرضیٰ باب مرض النبی ﷺ میں ہے: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کے مَرَض الموت کے وقت حضرت علیؓ کے ہاتھ کو پکڑا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ عنقریب اپنی اس بیماری سے وفات پانے والے ہیں۔ چلو رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں اور آپ سے دریافت کر لیں کہ اگر یہ امر (خلافت) ہمارا حق ہے تو ہم کو اس کا علم ہو جائے گا اور اگر اور کسی کا حق ہے تو بھی معلوم کر لیں گے۔ اور آنحضرت ﷺ ہماری نسبت (خلیفہ کو) کوئی وصیت کر دیں گے۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر ہم اس بات کو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کریں اور آپ ہم کو نہ دیں تو لوگ کبھی بھی ہم کو نہیں دیں گے۔ اور اللہ کی قسم! میں تو یہ آنحضرت ﷺ سے نہیں پوچھتا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے لئے غدیر خم یا اور کسی موقعہ پر خلافت کی وصیت ہرگز نہیں ہوئی۔ اگر ہوتی تو حضرت عباسؓ فرما دیتے کہ میرے حق میں وصیت ہوئی ہے، پھر پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر مولانا فرماتے ہیں کہ اگر حضرت علیؓ پہلے خلیفہ ہوتے اور وصیّت نامہ لکھا جاتا تو نہ جھگڑے ہوتے نہ دنیا میں گمراہی پھیلتی۔ میں کہتا ہوں یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کے جھگڑے نہ ہوتے۔ آپ کہتے ہیں کہ بنوامیہ کی اہل بیت سے عداوت تھی تو کیا وہ حضرت علیؓ کو شروع میں خلیفہ ہونے دیتے اور مخالفت نہ کرتے؟ اس وقت ایک تو باغیوں کا فتنہ بڑا زبردست اٹھ کھڑا ہوا تھا، ادھر بنوامیہ حضرت علیؓ کی خلافت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ نتیجہ یہ

ہوتا کہ اسلام کا بیڑہ وہیں غرق ہو جاتا۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی شان تھی کہ سب نے اس پر اتفاق کیا اور ان کے حکم کے ماتحت لڑے اور باغیوں کا قلع قمع کر دیا۔ حضرت علیؓ مسلمانوں کے فتنہ کا علاج نہ کر سکے تو باغیوں اور بنوامیہ کا علاج اس وقت کیا کرتے؟

خلافت کی اہلیت:

خلافت اور حکومت کے لیے صرف احکام شریعت جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اعلیٰ انتظام کی بھی ضرورت ہے، جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے پورے طور سے کر کے دکھایا۔ بیشک آنحضرؐت نے فرمایا: **اقضاکم علی**۔ علیؓ بہت اعلیٰ قاضی ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کے متعلق بھی تو فرمایا **اعلمکم ابوبکر** تم سب میں بڑے عالم ابوبکرؓ ہیں۔ ایک ہی حدیث سے ایک لفظ لیا جاتا ہے تو دوسرے کو کیوں نظرانداز کیا جاتا ہے؟ کیا قرآن کریم دنیا میں موجود نہیں؟ تو پھر کیوں دنیا میں گمراہی پھیلی ہوئی ہے۔ کیا قرآن کریم ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے؟ اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ اگر وہ نامہ لکھا جاتا تو گمراہی دنیا میں نہ پھیلتی؟ حالانکہ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں، اس نامہ کا تعلق احکام شریعت سے کچھ بھی نہ تھا بلکہ مدنظر صرف حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی وصیت تھی جو خدا کے حکم سے قائم ہوئی اور اسلام کے لیے بہت مفید ہوئی۔

هجر یا یهجر کے معنی:

هَجر کے معنی ہے جدا ہونا۔ یہ وصل کی ضد ہے۔ اور هُجرُ کے معنی ہیں قابل نفرت باتیں کرنا اور بغیر سمجھ اور ارادہ کے باتیں کہنا۔ بخاری کی دو روایتوں میں لفظ **هجر** موجود ہے۔ ایک جگہ ہے **فقالوا اهجر رسول اللّٰہ** ﷺ اور دوسری جگہ ہے **فقالوا اهجر استفهموه** اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کیا آنحضرت ﷺ ہم سے جدا ہونے والے ہیں جو وصیت لکھوا رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے دریافت کرنا چاہیئے۔ مسلم اور احمد بن حنبل کی روایت میں جو آتا ہے **فقالوا رسول اللّٰہ** ﷺ **هجر** اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے جدا ہونے والے ہیں اور اس معنی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور اگر **هجر** کا دوسرا معنی لیا جائے، یعنی ہذیان کے معنی میں، تو بخاری میں یہ لفظ ہمزہ استفہام انکاری کے ساتھ آیا ہے۔ اور جگہ جہاں ہمزہ استفہام انکاری نہ ہو،

روایات میں موافقت پیدا کرنے کے لئے وہاں بھی ہمزہ استفہام محذوف ماننا پڑے گا۔ اور اس صورت میں یہ قول ان کا ہوگا جو نامہ لکھوانے کے حامی تھے۔ اور چونکہ حضرت عمرؓ شدت تکلیف کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے نامہ لکھوانے کو پسند نہ کرتے تھے، اس لیے حضرت عمرؓ اس قول کے کہنے والوں میں سے نہ تھے۔ اور ہمزہ استفہام انکاری کی صورت میں اس قول کے یہ معنی ہوں گے، کیا رسول اللہ ﷺ بیماری کی وجہ سے بے ہوشی کی حالت میں بول رہے ہیں۔ ہرگز نہیں، بلکہ بحالت قائمی حواس فرما رہے ہیں۔ تو کیوں وہ نامہ لکھوانے نہیں دیتے۔ اس معنی پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن یہ قول حضرت عمر کا نہیں ہے اوروں کا ہے۔ اور صیغہ بھی جمع کا استعمال ہوا ہے **فقالوا رسول اللہ ﷺ یھجر**۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اس کے معنی ہیں کہ آپ ہم سے جدا ہونے والے ہیں۔ جب ایک لفظ کے دو مفہوم کیے جا سکتے ہیں تو وہ مفہوم کبھی نہیں لیا جائے گا جو قائل کی شان کے لائق نہیں۔ یہاں بات کے کہنے والے کوئی صحابیؓ ہیں۔ آج وہ بعض کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ کے طرفدار ہوں یا حضرت علیؓ کے۔ مگر کوئی بھی صحابی رسول اللہ ﷺ کی شان میں ہذیان استعمال نہیں کرسکتا۔ اس لیے ہم ایسی روایات میں **ھجر** سے مراد جدا ہونا ہی لیں گے اور وصیت کے لفظ سے اشارہ بھی جدائی کی طرف ہی پایا جاتا ہے۔

❀❀❀

خدا کے دن

جلسہ سالانہ کی تاریخیں مقرر ہو چکی ہیں۔ یعنی 27,26,25 دسمبر بروز پیر منگل اور بدھ۔ مہتمم جلسہ کی حیثیت سے یہ خوشگوار فرض میرے حصے میں آتا ہے کہ میں جماعت کے بھائیوں، بہنوں، نوجوانوں اور بچوں کو دعوت دوں کہ تشریف لائیں اور سب تشریف لاویں اور جہاں تک ممکن ہو کوئی پیچھے رہنے والوں میں سے نہ ہو۔

ایک احمدی کو وعظ کرنا کہ وہ اپنے اموال اور اوقات میں سے خدا کا حصہ نکالے، میرے نزدیک اس کی ہتک ہے۔ جس مجاہد قوم نے دین کو اپنی زندگی کا واحد نصب العین قرار دیا ہو اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا زبانی عہد ہی نہ کیا ہو بلکہ سال بھر اس اصول پر کاربند رہ کر خدا کے راستہ میں اپنے اموال اس انشراح صدر سے خرچ کرتا رہا ہو جیسے عام لوگ امپیریل بنک میں جمع کراتے ہیں، ایسی مجاہد قوم کے سامنے واعظ بن کر آنا شاید گستاخی میں شامل ہو۔ اس لیے میں محض دعوت دیتا ہوں اور یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ خدا کے فضل سے پھر وہ دن آ گئے ہیں جو ہر ایک احمدی کے نزدیک خدا کے دن ہیں۔ یا بالفاظ دیگر ایسے دن، جو ہم نے سال کے 365 دنوں میں سے صرف اس غرض کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں کہ ہم دور دراز کے مجاہد بھائیوں سے مل کر اجتماعی رنگ میں خدا کا نام بلند کریں۔

یہ یقیناً ایک خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خدمت کے لیے چنا۔ انہی ایام میں ہندوستان کے اندر اور بھی بہتیرے اجتماع ہوں گے۔ کسی کے ہاتھ میں کوئی جھنڈا ہوگا، جسے وہ دنیا میں بلند کرنے پر کمر بستہ ہے، کسی کے ہاتھ میں کوئی۔ لیکن اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہوسکتی ہے کہ ملک کے طول وعرض میں مشیّت ایزدی نے اپنے نام کا جھنڈا جن ہاتھوں کے سپرد کیا وہ احمدی ہاتھ ہیں۔ اور اس قسمت کا اور کیا شکریہ ہوسکتا ہے سوائے اس کے کہ ہم میں سے کوئی ہاتھ نہ ہو جو اس پاک جھنڈے کو بلند کرنے کے لیے آگے نہ بڑھے۔ والسلام۔

خاکسار **محمد یعقوب خاں**

مہتمم جلسہ سالانہ احمدیہ بلڈنگس، لاہور

15 دسمبر 1929ء

مکتوب امیر

حضرت امیر کا پیغام احباب کے نام

احباب کرام۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے ایک تحریک قریباً ایک ماہ ہوا کی تھی کہ انجمن کو موجودہ مالی مشکلات سے نکالنے کے لیے سب احمدی احباب ایک متفقہ کوشش سالانہ جلسہ سے پہلے کریں کہ اپنے حلقہ اثر وواقفیت میں حفاظت واشاعت اسلام کے کام میں، جو ہماری انجمن سرانجام دے رہی ہے، دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی شریک کیا جائے اور ان میں تحریک چندہ کی جائے۔اور ہر ایک دوست کم سے کم بیس روپے چندہ سالانہ جلسہ تک فراہم کر کے اس موقعہ پر داخل خزانہ کرادے۔میرا خیال تھا اور ہے کہ بعض بااثر اصحاب بیس کے بجائے ایک ایک دو ہزار تک بھی چندہ کر سکتے ہیں۔اس تحریک پر بعض احباب کی آواز لبیک تو مجھ تک پہنچ چکی ہے اور بہت سے شاید اپنی جگہ پر کام کر رہے ہوں گے اور انہوں نے مجھے یا دفتر میں کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی ہوگی۔مگر پھر بھی میں اس بات کو دہرانا چاہتا ہوں کہ میں نے انہیں ایک نیکی کے کام، بلکہ حالات موجودہ میں بہترین نیکی کے کام، کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کیونکہ اس وقت اور ان حالات میں یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔اور اس جہاد سے بڑھ کر کوئی نیکی کا کام نہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسولؐ کی حفاظت کے لیے کیا جائے، وہ ملکی اور قومی جہاد سے بدرجہ بہتر چیز ہے۔اس جہاد میں حصہ نہ لینا ان لوگوں سے مشابہت پیدا کرنا ہے جن کو قرآن شریف نے قاعدین یا مخلفین کے نام سے یاد کیا ہے۔میں اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں جو بعض دوست بغیر کوشش کرنے کے کہہ دیتے ہیں کہ ہماری بات کوئی نہیں سنتا یا یہ کہ ہمیں کچھ توقع نہیں یا بعض احباب اس کو شاید گداگری سے مشابہت دے کر اپنی شان سے نیچے سمجھتے ہیں۔مگر میں لکھ چکا ہوں کہ کسی نیکی کے کام کی طرف، ہاں اعلیٰ درجہ کی نیکی کے کام کی طرف، توجہ دلانا گداگری نہیں وعظ ہے۔اور یہ کام یعنی دین کی حفاظت کے لیے لوگوں کو توجہ دلانا یا ان سے امداد طلب کرنا خود رسول خدا ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے بھی کیا ہے۔جو لوگ بلند مرتبہ یا شان رکھتے ہیں وہ اپنے ہم مرتبہ لوگوں میں

کوشش کریں، بلکہ ان کے لیے اور بھی زیادہ سہولت ہے۔ کیونکہ جہاں عام لوگوں کو آنہ آنہ، دودو، چار چار آنے جمع کرنے پڑیں گے وہ دس دس، بیس بیس، پچاس پچاس، سوسو روپیہ ایک ایک شخص سے لے سکتے ہیں۔

میں نے ایک نیک کام کی طرف، جو بقائے دین اور قوم کے لیے اشد ضروری ہے، توجہ دلائی ہے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ میرے احباب بلا کسی استثنا کے اس میں اپنے آپ کو مخاطب سمجھتے ہوئے یہ دکھا دیں گے کہ وہ دین کے کاموں کے لیے کس قدر حریص اور اپنے عہد دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کے کس قدر پابند ہیں۔ اگر وہ ایک ایک قطرہ اکٹھا کرنے کی کوشش کریں تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی نصرت کے دریا کو بھی بہتا ہوا دیکھ لیں گے۔ اس وقت جب یہ مضمون احباب تک پہنچے گا جلسہ سالانہ میں صرف آٹھ دس دن باقی ہوں گے۔ اور جن احباب نے اب تک اس کارِ خیر میں شریک ہونے کا موقع کھو دیا ہے، وہ ان آٹھ دنوں کو بھی اگر غنیمت سمجھیں اور پوری قوت اس پر صرف کریں اور اپنے حلقہ اثر میں تحریک کریں تو وہ اب بھی انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ ایک امتحان ہے، اللہ تعالیٰ سے بھی دعا ہے کہ وہ ہمارے احباب کو اس میں پورا اُترنے کی توفیق دے۔ تا کہ قوم کے اندر زندگی کی لہر چلتی ہوئی نظر آجائے۔ اور دنیا بھی دیکھ لے کہ ایک منظّم جماعت خواہ کتنی بھی تھوڑی ہو کتنا بڑا کام کر سکتی ہے۔ میرے دوستو! اپنے عمل سے دکھاؤ کہ تمہارا سارا فکر صرف دنیا کے لیے نہیں بلکہ دین کی نصرت کے لیے تمہارے دلوں میں سب سے اوپر جگہ ہے۔ ساتھ دو اور دین کے لیے کچھ صدق دکھاؤ کہ یہ وقت ہے۔ میں اپنے مولا کے ہاں سے وہی امید رکھتا ہوں جو میرا مرشد رکھتا تھا۔ ؎

چوں مرا بخشیدۂ صدق اندریں سوز و گداز
نیست امیدم کہ ناکام دریں

خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس لاہور

❀❀❀

19 دسمبر 1929ء

اقتباس خطبہ جمعہ

(فرمودہ حضرت امیر مؤرخہ 13 دسمبر 1929ء)

سورہ الفرقان کے آخری رکوع کی چند آیات، جن میں عباد الرحمٰن کی صفات کا ذکر ہے، تلاوت فرما کر کہا کہ ان میں صرف یہ خواہش نہیں کی گئی کہ انسان کو ایسے ہونا چاہئے۔ بلکہ دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے کہ وہ ایسے لوگ تھے۔ ان میں حد درجہ کی فروتنی تھی۔ وہ راتیں خدا کے حضور سجدے اور قیام میں گزار دیتے تھے، وہ اپنا مال فضول طور پر خرچ کر کے ضائع نہ کرتے تھے، ان کو جب ضرورت حقہ درپیش ہوتی تو پھر ان کے کسی گوشہ دل میں بخل کو جگہ نہ تھی، جو انہیں جائز طور پر مال خرچ کرنے سے مانع ہو۔ چنانچہ سر ولیم میور جیسے خطرناک دشمن اسلام نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اہل عرب کی اصلاح کے لیے یہودی اور نصاریٰ صدیوں تک زور لگاتے رہے مگر ان میں ذرہ فرق نہ آیا۔ وہ ویسے کے ویسے ہی بدیوں میں غرق رہے لیکن جائے حیرت ہے کہ چند سالوں میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے عربوں میں بے نظیر تبدیلی پیدا کر دی۔ متکبروں میں فروتنی اور خاکساری پیدا کر دی، راتیں شراب خوری اور عیاشی میں بسر کرنے والوں کو عبادت گذار اور شب بیدار بنا دیا، وہ ساری ساری رات خدا کے حضور میں کھڑے رہتے اور کوئی کلفت محسوس نہ کرتے۔ مگر وہ راہب نہ تھے کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر عبادت گذار بن گئے ہوں۔ اسلام یہ نہیں سکھاتا کہ تم تارک دنیا ہو کر جنگل میں چلے جاؤ اور عبادت کرو۔ یہ جن لوگوں کی صفات مذکور ہیں، ان کے بیوی بچے بھی تھے۔ جیسا کہ اسی رکوع میں آتا ہے کہ وہ یہ دعائیں مانگتے ہیں رَبَّنَا هَبْ لَنَامِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (74:25) اسلام کا اور قرآن شریف کا بڑا کمال یہ تھا کہ ان لوگوں کے تمام صحابہؓ کو بے جا موقعوں سے ہٹا کر مفید کام میں لگا دیا۔ اگر پہلے دوسروں کے حقوق کو پاؤں تلے روندتے تھے تو اب دوسروں کے حقوق کی عزت کرنے لگے۔ اگر پہلے عیاشی کے لیے راتوں کو جاگتے تھے تو اب عبادت کے لیے جاگنے لگے۔ اگر وہ فضول طور پر اپنے مال ضائع کرتے تھے تو اب وہاں سے بچا کر اس کے بالمقابل اسلام کے لیے ضرورت درپیش آ جانے پر پانی کی طرح بہانے لگ گئے اور ذرا دریغ نہ کیا۔

جیسا کہ فرمایا اِذَآ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا (67:25) حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں آپ کی طبیعت میں سخت تشدد تھا۔ اب کیا حال ہے؟ فرمایا کہ تشدد تو اب بھی ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس وقت اس کا اظہار بے موقع ہو جاتا تھا۔ اب موقع محل پر ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود نے بھی اپنی جماعت کو اپنے اموال رسم و رواج پر اور فضول موقعوں پر صرف کرنے سے منع فرمایا۔ اور اس کے بالمقابل حکم دیا کہ وہ بچائے ہوئے مال حفاظت و اشاعت اسلام جیسے مبارک کام پر صرف کریں۔ اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد لیا۔ فرمایا: لوگ کہتے ہیں کہ ہر وقت چندہ مانگتے رہتے ہو، یہ بھیک منگوں کا کام ہے۔ یہ بات غلط ہے۔ اگر اپنی ذات کے لیے سوال ہو تو بے شک برا ہے۔ اور اگر دین اسلام کی نصرت کے لیے اور حضرت محمد ﷺ کی عزت کے لیے مانگا جائے تو برا نہیں بلکہ مقدس کام ہے۔ جس کے لیے خدا نے بھی حکم دیا۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی چندہ طلب کرتے آئے اور ہمارے حضرت مسیح موعود نے بھی جماعت کو اس راہ پر چلایا۔ اگر غور کیا جائے تو اسلام کا بڑا احسان ہے کہ اس نے اموال کو ایسے طرز پر خرچ کرنے سے منع فرمایا جہاں خرچ کرنے سے انسان کو سراسر نقصان ہے اور ذرہ بھر فائدہ نہیں۔ اور جب اموال اس طرح سے محفوظ ہو گئے تو پھر حکم دیا کہ ضرورت حقہ پر تم انہیں خرچ کرو اور بخل کو پاس نہ آنے دو، اس میں تمہارا سراسر فائدہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم اب مال خرچ کرتے کرتے اس کی محبت میں گرفتار ہو جاؤ اور اسے معبود بنا لو۔ چونکہ یہ نبیوں کا کام ہے، ہم اسے نہیں چھوڑیں گے اور خدا کے دین کی حفاظت و اشاعت کے لیے ضرور لوگوں کو چندہ دینے کے لئے کہیں گے۔ باقی رہا اعتراض، سو رسول کریم ﷺ پر تو اس سے بھی زیادہ اعتراض ہوئے۔ غریب صحابہ دن بھر پانڈی کا کام کرتے، بوجھ کمر پر اٹھا کر کچھ مزدوری حاصل کرتے تو اس میں سے ایک مٹھی بھر جو چندے میں بھی دیتے۔ تو یہود و منافق طعن دیتے کہ مسلمانوں کا خدا بھوکا ہو گیا ہے اور اس سے بنتا ہی کیا ہے۔ اور اگر مال دار صحابہ زیادہ چندہ دیتے تو انہیں ریاکار کہتے! جیسا کہ قرآن میں ان کا نقشہ کھینچا گیا ہے اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُہۡدَہُمۡ فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡہُمۡ (79:9)۔ پھر کہتے یَدُ اللّٰہِ مَغۡلُوۡلَۃٌ (64:5) پھر بعض لوگ کہتے ہیں کہ لوگ ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔ میں حضرت مسیح موعود کے احسانوں میں سے اسے بھی بڑا بھاری احسان جانتا ہوں کہ انہوں نے لوگوں سے کافر کہا کر

ہمیں ایسی باتوں سے مستغنی کر دیا۔کون ہے جس نے کوئی مقدس کام کیا اور لوگوں سے گالیاں نہیں لیں۔پس اپنا کام کئے جائیں اوران کی گالیوں کی مطلق پرواہ نہ کریں۔

میں نے بھی اپنے دوستوں کو کہا تھا کہ جلسہ تک ہر شخص کوشش سے کم از کم بیس روپے چندہ جمع کر کے دے۔بعض احباب نے بڑی دلچسپی سے کام کیا ہے اور مطلوبہ رقم سے کہیں زیادہ رقم جمع کر لی ہے۔اور بعض کوشش کر رہے ہیں،اور بعض ابھی سوچ بچار میں ہیں۔میرا منشا ہے کہ قومی ترقی کے لیے قوم کے ہر فرد کو جہاد میں حصہ لینا چاہئے۔خواہ کسی کو بیس کے بدلے سو روپیہ ملے خواہ ایک پیسہ مگر ہمت نہ ہارنی چاہئے۔قطرہ قطرہ جمع کیا ہوا بڑی ترقی کا موجب ہوسکتا ہے اور ایک بڑی رقم بن جاتی ہے۔جس سے سلسلہ احمدیہ کو تبلیغ اشاعت اسلام کے کام میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

خاکسار۔ **محمد نصیب**

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

سب میرے بعد مل کر کام کرو!!!:

(19 دسمبر) جلسہ سالانہ سے قبل ''پیغام صلح'' کا یہ آخری پرچہ ہوگا جو احباب تک پہنچ سکے گا۔اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس آخری پرچے کے ذریعے احباب تک خدا تعالیٰ کے فرستادہ حضرت مسیح موعود کی مندرجہ عنوان آواز ''سب میرے بعد مل کر کام کرو'' پہنچا دوں۔یہ حضرت صاحب کی **آخری آواز** تھی، جو جماعت کے لیے بطور وصیت چھوڑ گئے۔اور گو الفاظ سادہ اور مختصر ہیں،لیکن درحقیقت حیات قومی کا تمام فلسفہ انہی سادہ الفاظ میں آ جاتا ہے۔اور اس پاک وصیت کا ایک ایک لفظ پکار رہا ہے کہ اس کا سرچشمہ محض انسانی دماغ نہیں بلکہ وہ آسمانی بصیرت تھی جو خدا اپنے پاک بندوں کو دیتا ہے۔

ہمارا سالانہ جلسہ اسی آواز پر لبیک کا دوسرا نام ہے اور اسی آواز کی عزت کا عملی مظاہرہ ہے۔جلسہ سالانہ پر سال بھر کے لیے خدمت اسلام کا پروگرام مرتب ہوتا ہے۔اور سوائے اس کے کہ کوئی خاص مجبوری مانع ہو،اس خادم دین جماعت کا کوئی ممبر ایسا نہیں جو تمام دنیوی ضروریات کو پس پشت ڈالتا ہوا اور مسیح موعود کی آواز پر

لبیک کہتا ہوا جلسہ سالانہ پر نہیں پہنچتا۔ تا کہ وہ سب کے **ساتھ مل کر** خدا کے اس مقرر کردہ کام میں شامل ہو۔ اور اس دن، جبکہ خادمان اسلام کا قومی اجتماع ہو، اس کا نام پیچھے رہنے والوں میں نہ رہے۔

محمد یعقوب خاں

مہتمم جلسہ سالانہ

❁❁❁

19 دسمبر 1929ء

احباب کے نام

حضرت امیر ایّدہ اللہ بنصرہٖ کا اہم مکتوب

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

جلسہ سے پیشتر پیغام صلح کا یہ آخری پرچہ ہے جو آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا۔ اوراس کے ذریعہ سے میں اپنے دلی درد کی چند باتیں آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ اگر ایک دل پر بھی ان میں سے کوئی بات اثر کر جائے تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت اور اخبار کا کاغذ ضائع نہیں ہوا۔

ہم کون ہیں؟:

اس زمانہ میں، جب اسلام چاروں طرف سے حملوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا اور اس کے نام لیوا رسولؐ کی محبت کا دعویٰ کرنے والے اپنے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں مبتلا ہو کر ایک دوسرے کی تکفیر کر کے ایک دوسرے کی تباہی کے درپے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو ان تمام فروعی جھگڑوں سے بلند سطح پر کھڑا کر کے اعدائے اسلام کے مقابلے کے لیے اُٹھایا اور اس کے دل میں دردِ اسلام کی ایک ایسی چنگاری ڈالی جس نے ہزار ہا تاریک دلوں میں روشنی پیدا کر دی اور اس معمار کے ساتھ مزدوروں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی تا کہ تعمیرِ اسلام کے کام میں اس کے معاون ہوں، جب اس معمار کا وقت مقرر قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے دل میں ڈالا کہ اس مقدس کام کو زندہ رکھنے کے لیے ایک انجمن کی ضرورت ہے، جو اس کے بعد اس کام کو جاری رکھے اور پھیلائے۔ اس انجمن کی بنیاد اس مامور من اللہ نے اپنے ہاتھوں سے رکھی۔ اُس نے ابھی بہت عرصہ کام نہ کیا تھا کہ جماعت کا بہت بڑا حصہ پیر پرستی کی رو میں بہہ گیا اور خلاف تعلیم مسیح موعود مسلمانوں کی تکفیر اور نئی نبوت کے عقائد بنا لیے گئے۔ مگر چند آدمیوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط کیا، اور انہوں نے اُسی اصول پر، جو بانی جماعت نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا تھا، اور جو سنہری حرفوں میں لکھ کر رکھنے یا اس سے بھی بڑھ کر دل پر نقش کر لینے کے قابل ہے،

لاہور میں انجمن کی بنیاد رکھی اور وہ اصول یہ تھا:-

''جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہئے۔''

''بعد میں ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔''

اس انجمن کا نام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام رکھا گیا جس کے ہم اجزاء ہیں۔ یہ کام چند ہی آدمیوں نے شروع کیا تھا، ان کے پاس نہ کام کرنے والے آدمی تھے، نہ سامان تھا، نہ جگہ تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی سعی کو مشکور فرمایا اور اپنے محض فضل سے کام کرنے والے آدمی بھی دے دیئے، سامان بھی دیا، جگہ بھی دی۔ دس ہزار سے شروع کر کے دو لاکھ تک آمد وخرچ پہنچا، اس کی شاخیں دور دور تک پہنچیں، اور آج ہندوستان کے مختلف مقامات کے علاوہ ذیل کے مقامات میں اس کی شاخیں قائم ہو چکی ہیں یا اس کے ممبر موجود ہیں۔ ایشیا میں سنگاپور، جاوا، دمشق، فلسطین، بغداد، ایران، ٹرکی، چین۔ یورپ میں انگلستان، جرمنی، فرانس، پولینڈ، البانیا۔ افریقہ میں ٹیونس، الجیریا، نائجیریا، لائبیریا، سیرالیون، گولڈ کوسٹ کانگو۔ جرمن، مشرقی افریقہ کینیا کالونی۔ امریکہ میں ٹرینیڈاڈ، برٹش گائنا، سنٹرل امریکہ، فلپائن۔ جو علم دین یہاں سے پیدا ہوا اس کی قبولیت کا اندازاس سے ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم کے ترجمہ جیسی قیمتی کتاب بارہ تیرہ ہزار کی تعداد میں نکل چکی ہے۔ اور بعض رسائل بیس بیس ہزار یا اس سے بھی زیادہ تعداد میں نکل چکے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جس ملک میں یہ لٹریچر گیا وہاں کے مسلمانوں نے اس کی اتنی قدر کی کہ اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔ چنانچہ ذیل کی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں۔ یعنی ہندوستان میں گورمکھی، ہندی، سندھی، بنگالی، تامل، تیلگو، ملیالم، گجراتی، ہندوستان سے باہر۔ ملائی جاوی، چینی، فارسی، عربی، ترکی، اطالوی، البانی، فرنچ، جرمن۔ ووکنگ مسلم مشن کو کامیابی اسی انجمن کے ممبروں سے حاصل ہوئی، جرمنی میں مشن اسی انجمن نے قائم کیا، برلن میں مسجد اسی انجمن نے بنوائی۔

اس نعمت کی قدر کرو:

میری غرض ان باتوں کو دہرانے سے اپنی جماعت کی تعریف کرنا نہیں۔ جن احباب نے ان کاموں

میں دل کھول کر حصہ لیا اوراس انجمن کی قوت کے موجب ہوئے، ان کو یہی اعتراف ہے کہ وہ خدا کے دین کی مزدوری کا حق ادانہیں کر سکتے۔ میری غرض اس وقت صرف احباب کو یہ بتانا ہے کہ اس قدر کام، اس قدر اثر اور قبولیت کا پھیلنا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے اوراس کی ایک بھاری نعمت ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب نعمت ملتی ہے تو پھر لوگ ناشکرگزار ہو جاتے ہیں۔ پہلوؤں کے فعلوں سے عبرت حاصل کرو اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ کُفۡرًا وَّاَحَلُّوۡا قَوۡمَھُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ (28:14) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو بدل کر ناشکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتارا۔ دنیا کی تاریخ میں بسا اوقات یہ ہوا ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں اور چھوٹے چھوٹے جھگڑوں سے عظیم الشان کام برباد ہوگئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے فتنوں سے سلطنتیں تباہ ہوگئی ہیں۔ میں تو سوائے اس کے کچھ نہیں کرسکتا کہ اپنے احباب کو متنبہ کردوں کہ ہراس بات کو، جو انجمن کو کمزور کرتی ہے، اپنے اندر سے دور کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ اس سے تمہاری قوم کو خطرناک نقصان پہنچے گا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں اور ذاتی جھگڑوں کو چھوڑ واور اگر کچھ رہ بھی جائیں تو قوم کی بہبودی میں، انجمن کے استحکام میں ان کو حارج نہ ہونے دو۔ لڑلو، جھگڑلو، لیکن جب قومی کام کا وقت آئے تو سب بنیان مرصوص کی طرح ہو جاؤ۔ خوب یادرکھو کہ بہت سی ان باتوں سے بھی قوم کو نقصان پہنچ جاتا ہے جن میں نقصان پہنچانے کی اہلیت نہیں ہوتی۔ کام کرنے والوں کے نقائص اگر گنتے رہو گے تو تم سے کام کرنے کی توفیق چھن جائے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تمہارے کام کرنے والوں میں اگر نقائص ہوں تو ان کا نام نہ لو۔ ضرور کہو، مگر ان کے منہ پر کہو یا انجمن میں آ کر کہو۔ مگر ایک بات کو نہ بھولو کہ تمام قومی کاموں میں ''جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہئے''۔ اس کے بعد اپنی مجالس میں اس کے خلاف باتوں کو چھوڑ دو۔ یادرکھو کہ اس انجمن کو جو نقصان پہنچے گا وہ اسلام کی خدمت کے اس عظیم الشان کام کو نقصان پہنچے گا جو تم نے آج تک پچیس لاکھ روپیہ خرچ کر کے بنایا ہے۔ مگر وہ محض پچیس لاکھ سے بھی نہیں بن سکتا، اللہ کے فضل سے بنا ہے اور ناشکری کی باتوں سے فضل دور ہو جاتا ہے۔

میں کیا چاہتا ہوں:

جو شخص یہ کہتا ہے کہ انجمن فلاں شخص کے وجود سے قائم ہے وہ غلط کہتا ہے۔ ایسی باتوں سے قوم کے

اندر بد دلی پیدا ہوتی ہے۔قوم یا انجمن اپنے افراد کی کوششوں سے بنتی اور انہی کی غفلت سے بگڑتی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَابِاَنْفُسِھِمْ (11:13) اگر ہمارے احباب ہر جگہ کوشش اور کام میں لگ جائیں تو کوئی چیز نہیں جو انجمن کو نقصان پہنچا سکے۔ انجمن کو حضرت مسیح موعود نے قائم کیا، کثرت رائے کے اصول پر آپ نے زور دیا، انجمن کے فیصلوں کو صحیح تسلیم کرنے کا حکم آپ نے دیا۔ کوئی شخص آپ کی مریدی کا دعویٰ کر کے ان باتوں میں سے کسی سے انکار نہیں کر سکتا۔ منشا ایزدی یہی ہے کہ اس زمانے میں اشاعت وتبلیغ اسلام کے کام میں از سر نو قوت پیدا ہو، اور وہ اسی طریق پر پیدا ہوگی جس طریق پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کو چلایا۔ میری خواہش یہی ہے کہ ہم سب انجمن کے استحکام کو اپنا فرض اولین سمجھیں۔ جماعت کی توسیع پر اپنا پورا زور صرف کریں اور اپنے قومی کاموں کو مشورہ سے طے کریں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ میرے جو بھائی اس مقصد کی تکمیل کو ضروری خیال کرتے ہیں وہ اس سالانہ اجتماع قوم میں شامل ہونے کو اپنا فرض سمجھیں۔

1- ہم سب مل کر اللہ کے حضور میں جھکیں اور سب اکٹھے اس چوکھٹ پر سر رکھ کر اپنے دلوں کی تڑپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کریں۔

2- ایک دوسرے سے مل کر ایک نئی قوت روحانی حاصل کریں۔ جس سے ہمارے دلوں میں خدمتِ دین کا جوش بڑھے۔

3- ایک دوسرے کے مواعظ حسنہ سے فائدہ اٹھائیں اور دیکھیں کہ ہم نے اس سال کیا کر لیا اور اگلے سال ہمیں کیا کرنا ہے۔

4- اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان اہم قومی امور کے متعلق، جو وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہتے ہیں، اپنی کانفرنس یا مجلس عامہ میں مشورہ کر کے سب ایک راستے پر عمل پیرا ہوں۔ تا کہ ہمارے اندر سے تفرق اور تشتت دور ہو اور دلوں میں یک جہتی پیدا ہو۔

5- میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ہمارے نوجوان بالخصوص اس اجلاس میں شریک ہوں اور وہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر سوچیں کہ ان میں سے کون کون کِس کِس کام کے اہل ہیں اور وہ

اس کام کو اپنے ذمہ لیں۔ کیونکہ ہم لوگ، جو عمر کا بڑا حصہ گزار چکے ہیں، نوجوانوں سے یہی توقع رکھتے ہیں کہ وہ جوش وجذبہ سے اس بار کو اُٹھانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ والدین کو خود غور کرنا چاہئے کہ اگر انہوں نے اپنی اولاد کو اس نیک کام پر نہ لگایا تو کل کو ان کی جگہ کون لے گا۔ اور اگر ان کی اولاد ان کی جگہ نہیں لیتی تو خدمتِ اسلام کا یہ کام کس قدر نقصان برداشت کرے گا؟

6- اور سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ کل کو ہماری اولاد ہماری جگہ لے تو ہمیں آج ہی اپنی بیبیوں کو اس کام میں شریک کرنا چاہئے۔ اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری خواتین کو بھی کچھ علم ہو کہ جو کام ہم کرتے ہیں وہ کیا ہے؟ اور اس میں وہ کس طرح ہماری معاون ہو سکتی ہیں؟ اور دلوں میں وہ تڑپ پیدا ہو جائے تو اولاد کے دلوں میں بھی ضرور پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے انہیں بھی جلسہ میں شریک کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

7- اور بالآخر ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ جن لوگوں پر اس کا کچھ بھی اثر ہے انہیں اپنے ساتھ لائے اور شریک جلسہ کرے۔ تا کہ غلط فہمیاں دور ہو جائیں اور یہ لوگ جماعت میں شامل ہو کر جماعت کی قوت کا موجب بنیں۔ والسلام۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

قادیانی مریدوں کی غلامانہ ذہنیت:

(19 دسمبر) حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے اپنے مطبوعہ اعلان مؤرخہ 28 جنوری 1929ء میں لفظ ''نبی'' کے استعمال کے متعلق خود حضرت مسیح موعود کے حسب ذیل ارشاد کو بطور سند قرار

دیا تھا۔

''اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدث مراد ہے۔''

''بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال کر لیں''۔(ماخوذ از مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود، حصہ اول ص 961)

اس اعلان میں تشحیذ الاذہان اپریل 1910ء کے حوالہ سے یہ دکھایا گیا ہے کہ میاں محمود احمد صاحب، جو اس وقت قادیانی جماعت کے خلیفہ ہیں، خاتم النبیین کی وہی تفسیر کر چکے ہیں جو اس وقت لاہور کی جماعت کرتی ہے۔ پھر نبی کی تشریح کے معاملہ میں بھی میاں صاحب کے مریدوں کے بھی وہی خیالات تھے جو ہماری جماعت کے ہیں۔لیکن جب قادیان کی گدی کی سنہری اور روپہلی اغراض نے میاں محمود احمد صاحب کا زاویہ نگاہ بدل دیا اور انہوں نے لفظ نبی کے متعلق حضرت مسیح موعود کے مذکورہ بالا ارشاد کو، جو روز روشن کی طرح ظاہر ہے، پس پشت ڈالنے میں اپنا فائدہ سمجھا تو مریدوں نے بھی ہوا کا رخ دیکھ کر اپنے ''نئے پیر'' کی خوشنودی کو حضرت مسیح موعود کے مشن کے حقیقی مقصد پر مقدم سمجھا۔غلامانہ ذہنیت کی جس بیڑی کو حضرت مرزا صاحب نے اپنی اجتہادی ضرب سے کاٹ پھینکا تھا اسے پھر محمودیوں نے اپنے پاؤں میں ڈال لیا۔ وہ اگر دیکھتے ہیں تو میاں صاحب کی آنکھ سے، سنتے ہیں تو میاں صاحب کے کان سے، سونگھتے ہیں تو میاں صاحب کی ناک سے اور سوچتے ہیں تو میاں صاحب کے دماغ سے۔ جیسا کہ سید عبدالمجید صاحب احمدی کمرشل ہاؤس کوہ منصوری (امیر جماعت احمدیہ کوہ منصوری) کی حسب ذیل تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو حضرت مولانا محمد علی صاحب کو موصول ہوئی:۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ ۔ جناب کا دو ورقہ اشتہار مؤرخہ 28 جنوری 1929ء نہایت افسوس کے ساتھ واپس کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ آپ کیوں دیدہ دانستہ خلق خدا کو دھوکا دے کر يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (45:7) کے مصداق بنتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر حضرت مرزا صاحب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بقول آپ کے نبی نہ تھے تو یاد رکھیں اور خوب یاد رکھیں کہ اب تو وہ فضل خدا سے نبی (نہ صرف نبی بلکہ جامع نبیّینَ) بن ہی چکے ہیں۔ لہٰذا اب وہ آپ کی چیخ و پکار سے عہدہ نبوت سے معزول نہیں ہو سکتے۔ پس آپ

کے لیے یہ بہتر ہے کہ صبر کریں اور معاملہ سپرد خدا کر دیں۔ اگر واقعی آپ حق پر ہوئے تو آپ کو صبر کا درجہ ملے گا''۔

سید عبدالمجید صاحب اطمینان رکھیں دنیا بہت جلد دیکھ لے گی کہ دنیا کو دیدہ و دانستہ کون دھوکا دے رہا ہے اور خدا کی مخلوق کس کے فریب سے اپنے انجام کو خطرہ میں ڈال رہی ہے؟ پیر پرستی کا جذبہ سید عبدالمجید صاحب کے دماغ پر اس قدر حاوی ہے کہ انہوں نے اپنی تحریر میں حضرت مرزا صاحب کے ارشاد کے متعلق یہ نہیں لکھا کہ یہ صحیح ہے اور اس پر عمل کرنا چاہئے بلکہ اس کو نظر انداز کر کے الٹا حضرت امیر پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ خلق خدا کو دھوکا دے رہے ہیں! میاں صاحب کے مریدوں کی یہ سرگرمی قابلِ داد ہے کہ وہ اپنے پیر سے دس قدم آگے چلتے ہیں۔ ''پیراں نمی پرند مریداں می پرانند'' کی یہ مثال کیسی واضح اور روشن ہے۔ کیا حضرت مسیح موعود کے صاف اور صریح ارشادات کی دنیاوی اغراض کے لیے دیدہ و دانستہ نظر انداز کرنا ایک کھلی غداری نہیں ہے؟

مسلمانوں کی سراب نما بیداری:

اگر مسلمانوں کی نام نہاد بیداری کے متعلق گزشتہ ربع صدی کے ان واقعات پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے جو ہندوستان کی اسلامی دنیا میں رونما ہو چکے ہیں تو ہمیں ندامت کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ فرزندان اسلام کی تمام تحریکوں کی بنیاد بالعموم وقتی جوش اور ہیجان پر ہوتی ہے۔ جس کے لیے کسی الم ناک اور اشتعال انگیز قومی حادثہ کے ظہور کی ضرورت ہے۔ جب تک جوش کی صورت قائم رہتی ہے، مسلمان اپنی سرگرمی اور مستعدی کا ایسا مظاہرہ کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے لیے غیر مسلم اقوام بھی اس سے متاثر ہو جاتی ہیں۔ بعض اوقات یہ جوش ایک جنون کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مسلمان اس جنون کی حالت میں بلاشبہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا سکتے ہیں۔ وہ چند دنوں کے لیے اسلامی ہمدردی اور اخوت کی ایک ایسی روح پرور فضا پیدا کر دیتے ہیں جس کی نظیر شاید غیر اسلامی ممالک میں نہ مل سکے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس جنون میں خلوص پایا جاتا ہے۔ تاہم یہ بھی ایک عارضی جذبہ ہے جو ایک مہیب سیلاب کی طرح ہر شے کو بہالے جانے کی طاقت رکھتا ہے۔ لیکن پھر غیر معمولی سرعت کے ساتھ ہمارے دیکھتے دیکھتے ایسا فرو ہو جاتا ہے کہ اس کا آنا خواب و خیال معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی ابتدا ہمیشہ شاندار اور امید افزا ہوتی ہے لیکن انجام کبھی اچھا ثابت نہیں ہوا۔ اور اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان

کی بیداری سراب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ وہ بظاہر بیدار اور سرگرم دکھائی دیتے ہیں لیکن بباطن جمود و غفلت کا ایک زندہ مجسمہ ہیں۔ ہمسایہ قوم کو مسلمانوں کی اس سراب نما بیداری سے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ اس بیداری کی حقیقت سے خوب آگاہ ہیں اور اس لیے انہیں اپنی فرقہ وارانہ تحریکوں کو بروئے کار لانے اور مسلمانوں کے ان حقوق پر چھاپہ مارنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی، جو انہوں نے اپنے حریف کی کمزوری اور بے پروائی کی وجہ سے غصب کر رکھے ہیں۔ برادران وطن خاموشی اور مستقل مزاجی سے کام کرنے کے عادی ہیں۔ وہ اپنے قومی امور کو کاروباری معاملات کی طرح انجام دیتے ہیں اور نفع نقصان کے تمام پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے ہیں۔ وہ جوش کے مظاہرہ کی بجائے قوت عمل سے کام لیتے ہیں۔ اور اس لیے دنیا کے سامنے اپنی بیداری کے دیرپا نتائج پیش کرتے ہیں۔ عارضی جوش یا جنون ایک مرض ہے جس میں مسلمانوں کی تمام جماعتیں کم وبیش مبتلا ہیں۔

حکیم محمد یار فوق کی علیحدگی:

(19 دسمبر) قارئین پیغام صلح غالباً حکیم محمد یار فوق مسلم مشنری جماعت احمدیہ کے نام سے ناواقف نہیں ہوں گے، جو ایک عرصہ تک انجمن کی نگرانی میں کام کرتے رہے۔ لیکن جب انجمن کو یہ معلوم ہوا کہ ان کی قابل اعتراض روش سے انجمن کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو انہیں معطل کر دیا گیا۔ آخر حکیم صاحب سے کیفیت طلب کی گئی اور انہوں نے دفتر میں پہنچ کر تحریری معافی مانگی۔ اس کے بعد مالی وجوہ کی بنا پر حکیم صاحب کی آسامی تخفیف میں لائی گئی اور انہیں ان کی خدمت سے سبکدوش اور ان کا حساب بے باق کر دیا گیا۔ ہمیں نہایت افسوس سے معلوم ہوا کہ حکیم صاحب اب اس جماعت کے برخلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں جس کی خدمت کو وہ اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ اگر انجمن کے ساتھ حکیم صاحب نے اپنے تعلقات محض ذاتی مفاد کے خیال سے قائم کر رکھے تھے اور ذاتی مفاد کے سلسلہ سے منقطع ہو جانے سے اب وہ جماعت کے خلاف اپنے اندرونی جذبات کا اظہار کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو یہ انسانی فطرت کی پستی کا ایک ناقابل رشک مظاہرہ ہے، جس سے انجمن کے مفاد کو ہرگز نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس لیے کہ خدا کے فضل وکرم سے انجمن کی بنیاد ایسی مستحکم ہے کہ اس پر ایسے حملوں کا، جو نفسانیت اور انتقام پسندی کے جذبہ پر مبنی ہوں، قطعاً کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔

اخبار احمدیہ:

خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ مصائب اور تکالیف میں اس کا کوئی یار غمگسار ہو جو ایسے وقت اس کی امداد کرے اور اس کا شریکِ حال ہو، اور کوئی ایسی ہستی ہو جو مصائب کو دور کر سکے۔ اور یہ بھی چاہتا ہے کہ خوشی کے وقت بھی اس کے یار دوست اس کے ساتھ شریک ہوں۔ سو مصائب کو دور کرنے والی ذات تو اللہ پاک کی ہے۔ جو مضطر کی دعا کو سنتا، قبول فرماتا اور اس کے اضطرار کو دور کرتا ہے۔ اور غمی اور خوشی میں اس کے شریک حال ہونے والے اس کے یار دوست اور رشتہ دار ہوتے ہیں۔ ایسے اوقات میں اگر اس کے متعلقین اس کے ساتھ ہمدردی میں شامل ہوں تو ایک بڑی حد تک اسے تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی تقاضائے فطرت کے ماتحت دوست احمدی احباب کی خدمت میں خوشی یا غمی کی دعا کے لیے لکھتے رہتے ہیں۔ دعا کے لیے تو جو بھی لکھتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ میرے دوست مجھے اپنی نیم شبی درد دل سے نکلی ہوئی دعاؤں میں شامل کریں۔ دعا کرنے والے یا تو ایسا ہی کرتے ہیں یا بعض محض اخبار میں رسمی اور عادت کے طور پر پڑھ لینا اور آخر میں صرف آمین پڑھنے پر اکتفا کرتے ہیں، جو درست نہیں۔ دعا کرانے والا، علی الخصوص وہ جو مصائب میں گرفتار ہے، وہ دل میں درد رکھ کر اور اپنے احباب کی نسبت اچھا خیال رکھ کر کہ میری مدد کریں گے اور ان کی دعا قبول ہوتی ہے، آپ سے دعا کے لیے درخواست کرتا ہے۔ چونکہ آپ ہی اس کے یار دوست ہیں، آپ ہی اس کے عزیز و اقارب ہیں۔ لہٰذا آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے بھائی کی امداد کریں اور اس کے گمان کو ضائع نہ کریں۔ اور اس میں نہ صرف آپ کے بھائی کا ہی فائدہ ہے بلکہ آپ کا بھی۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جب کبھی کوئی آدمی کسی دوسرے کے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے تو خدا کے فرشتے جواب دیتے ہیں کہ یہی دعا پہلے تیرے لیے پھر تیرے بھائی کے لیے قبول ہو۔ پھر جب انسان چاہتا ہے کہ تکالیف کے وقت اس کا کوئی مددگار ہو تو وہ بھی مدد کرے۔ اور پھر اس زمانہ میں وہ تمام لوگ، دعا کی طرف سے جو عبادت کی جڑ ہے، غافل ہیں اور ان کو اتنا یقین نہیں۔ حضرت مسیح موعود نے ہی اس زمانہ میں یہ ہتھیار دعا کا اپنی جماعت کے ہاتھ میں دیا ہے کہ وہ اسے استعمال کرے۔ جیسا نبی کریم ﷺ کی عادت تھی کہ ہر کام میں دعا فرماتے۔ حضرت مسیح موعود نے بھی اپنی جماعت میں قرآن اور مسنون دعاؤں کے علاوہ اپنی مادری زبان میں خدا تعالیٰ کے حضور خضوع و خشوع کے ساتھ دعائیں کرنے کا حکم تاکیدی دیا۔ اور خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآءُ كُمْ (77:25) اگر تم بہت دعائیں نہ کرو تو میرے رب کو تمہاری پرواہ ہی کیا ہے۔ اللہ اللہ خالق و مخلوق میں کس قدر فرق ہے۔ اگر کوئی انسان کسی سے بار بار سوال کرے تو

وہ ناراض اور سخت ناراض ہو جاتا ہے اور خالق سے اگر نہ مانگا جائے تو سخت ناراض ہوتا ہے۔ پھر وہ فرماتا ہے:
اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ (60:40) مجھ سے مانگو میں دوں گا۔

پس یہ کالم اس غرض کے لیے مخصوص کیا گیا ہے، تاکہ احباب ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ ہوں اور دعا سے امداد کریں۔ نیز اس سے وہ باہم ہمدردی، محبت اور ایک گونہ تعلق روحانی پیدا ہوتا ہے جس کو مسیح موعود پیدا کرنے کے لیے آئے۔ تعلقِ اخوت کا پیدا ہونا خدا کا فضل ہے۔ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا (103:3) قرآن مجید میں موجود ہے۔ حضرت امیر نے تنظیم کا کام میرے سپرد کیا ہوا ہے۔ یہ کام چونکہ تنظیم میں ہی آجاتا ہے۔ اس لیے جملہ احباب اس قسم کے خطوط جو زندگی اور موت سے تعلق رکھتے ہوں یا بیماری کے لیے دعا کرانا ہو یا اور اس قسم کے خوشی غمی سے تعلق رکھنے والے امور ہوں، براہ راست حضرت امیر کی خدمت میں روانہ فرمادیں۔ جو اخبار میں درج کرنے کے لیے وہ میرے سپرد فرمادیں گے۔ اور رجسٹر تنظیم میں ضروری نوٹ ہوتے رہیں گے یا میرے نام بھیج دیا کریں۔ میں انشاءاللہ حضرت امیر کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد جواب بھی دے دیا کروں گا اور اخبار میں بھی اعلان ہوتا رہے گا۔

حضرت امیر سلّمہٗ خیریت سے ہیں۔ اور شب و روز خدمتِ اسلام اور سلسلہ کی مضبوطی کے فکر میں مصروف ہیں۔ ڈلہوزی سے آپ چند روز ہوئے واپس تشریف لے آئے ہیں۔

خان صاحب مولوی محمد یعقوب خاں صاحب جن کے سپرد اس سال جلسہ سالانہ کا انتظام ہے، انتظام جلسہ میں مصروف ہیں۔ آپ کو ''لائٹ'' کا کام بھی ہے اور علاوہ ازیں آپ کے گھر سے اب تک بیمار چلے آتے ہیں، ان کی تیمارداری کا بوجھ بھی سر پر ہے۔ احباب دعا کریں اور جلسہ سالانہ کے لیے چندہ اور اجناس روانہ کر کے ان کی امداد فرمادیں۔ جناب مولوی صدر الدین صاحب دورہ سے بیمار ہو کر واپس تشریف لائے ہیں، ان کے لیے دعائے صحت کی جائے۔ خواجہ صاحب کی صحت گو پہلے کی نسبت اچھی ہے۔ تاہم باہر نکلنے اور کام کاج کرنے کے ناقابل ہیں۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایام جلسہ میں سٹیج پر ان کو دیکھیں اور حکم خیر سن سکیں، وہ علی الخصوص اور دیگر احباب بھی درددل سے ان کی صحت کے لیے دعا فرماویں۔ ڈاکٹر مرزا صاحب کی طبیعت اگرچہ خدا کے فضل سے اچھی ہے۔ مگر آج سے تین چار ماہ پہلے کی سی بات نہیں۔ عام جلسوں، مجمعوں اور صلاح مشورہ میں ہم لوگ

مستفیض نہیں ہو سکتے، ان کے لیے بھی دعا کی جائے۔ ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب اگر چہ خدمت سلسلہ میں مصروف رہتے ہیں، لیکن ان کی صحت بھی خراب ہے اور دعا کے لیے بہت ضرورت ہے۔ شیخ محمد نصیب صاحب کا لڑکا بھی مدت سے بیمار ہے، ہسپتال سے گھر واپس لایا گیا ہے، دن کی نسبت رات بیماری کا زیادہ زور ہوتا اور تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے لیے بھی دعا کی جائے۔ میاں خان محمد سب انسپکٹر پولیس کرنال تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے دعاؤں کی ضرورت ہے۔ مگر میں رسمی طور پر نہ کہہ رہا ہوں، نہ ہی چاہتا ہوں کہ احباب اخبار میں رسمی طور پر پڑھ جائیں۔ خواہشمند ہوں کہ درددل سے دعا کی امداد کی جائے۔ مولوی محمد فردوس صاحب مدرس زیرہ بھی اپنی اہلیہ کی بیماری کے مصائب میں گرفتار ہیں، بچے مر جاتے ہیں۔ وہ بھی دعا کے محتاج ہیں۔ جناب عنایت اللہ صاحب ٹیلر ماسٹر ستیاپور کے ہاں خدا نے فرزند عطا فرمایا ہے۔ حضرت امیر نے عطاء اللہ نام رکھا ہے، اس خوشی میں وہ معلوم رقم بطور شکریہ بھیجنے کا فرماتے ہیں۔ احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مولود و مسعود کو عمر دے اور خادم دین بنائے۔ میاں رکن الدین صاحب ٹیری کے ہاں خدا نے فرزند عطا فرمایا ہے، اس کی درازی عمر اور سعادت کے لیے دعا کی جائے۔ ڈاکٹر کے۔ اے خان صاحب سکندر آباد کے ہاں خدا نے فرزند عطا فرمایا ہے۔ آپ نے اس تقریب پر زکوٰۃ اور شکرانہ وغیرہ کی مد میں (چند روپے) ارسال فرمائے ہیں۔ احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بچے کو عمر دے اور خادم اسلام بنائے۔ شیخ فضل الرحمٰن صاحب خلف شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم مالک انگلش ویئر کا لڑکا فوت ہو گیا ہے۔ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ والدین کو صبر جمیل کی توفیق دے اور نعم البدل عطا فرماوے۔ آمین۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب امام مسجد قصاباں جہلم، ساکن موضع سلوانا ضلع گجرات عرصہ تین ماہ سے بعارضہ بخار و کھانسی مبتلا ہیں۔ احباب سے درخواست ہے کہ ان کے لیے دعا کریں۔

محمد نصیب

مبائعین اصحاب کے لیے موقع:

(19 دسمبر) قادیان سے تعلق رکھنے والے بہت سے اصحاب اب تک ایسے ہیں جنہیں یا تو اس بات کا علم ہی نہیں کہ ہمارا اور اہل قادیان کا بنیادی اختلاف مسئلہ نبوت ہے۔ اور جن اصحاب کو علم بھی ہے، انہوں نے اس مسئلہ کے متعلق صرف قادیان کے دلائل اور توجیہات سنی ہیں۔ گویا تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھا ہے۔ ایسے

تمام اصحاب کے فائدے کے لیے ہم نے خاص اہتمام کیا ہے کہ جلسہ سالانہ پر اس مسئلہ پر از روئے قرآن و حدیث روشنی ڈالی جائے۔ مقررین حضرات کی آدھ آدھ گھنٹہ بحث ہوگی۔ متلاشیان صداقت کو سوالات کا موقع دیا جائے گا۔ سوال کے لیے پانچ منٹ اور جواب کے لیے دس منٹ کا وقت ہوگا۔

مہتمم جلسہ سالانہ

❁❁❁

19 جنوری 1930ء

ایک مسرت انگیز تقریب

16 جنوری کی شام کو بعد نماز مغرب مسلم ہائی سکول لاہور کے بورڈران نے اپنے بورڈ نگ میں، جو خواجہ دل محمد روڈ پر واقع ہے، حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کیا، جو ذیل میں درج ہے۔ اس تقریب میں حضرت امیر کے علاوہ ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، مولانا صدر الدین صاحب پرنسپل اشاعت اسلام کالج، مولوی مصطفیٰ خاں صاحب ایڈیٹر اسلامک ورلڈ، مولوی یعقوب خان صاحب اڈیٹر لائٹ، مولوی عصمت اللہ صاحب اور چودھری غلام حیدر خاں اور دیگر حضرات بھی شامل تھے۔ سب سے پہلے مسلم ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب نے، جو اپنے طلباء کی جسمانی اور اخلاقی تربیت کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں اور ان میں قوت عمل کی روح پیدا کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں، بورڈ نگ ہاؤس کا معائنہ کروایا۔ جو ایک ہندو جنٹلمین کی ملکیت ہے۔ کمرے بہت صاف نظر آئے، لڑکے بڑے بشاش اور مستعد معلوم ہوتے تھے۔ ایڈریس سے پہلے نوجوان میز بانوں نے اپنے مہمانوں کو پُر تکلف کھانا کھلایا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے حضرت امیر سے بورڈروں کا تعارف کرایا۔ جن میں دو جاوی طالب علم بھی ہیں۔ ایک لڑکے نے کلام پاک کی تلاوت کی، اس کے بعد جب تین چار لڑکوں کی تقریریں ہو چکیں تو ایڈریس پڑھا گیا۔ ایڈریس کے جواب میں حضرت امیر نے ایک مختصر تقریر میں اپنے نوعمر میز بانوں کا شکریہ ادا کیا۔ پھر انہیں ایک سادہ اور دل نشین پیرایہ میں بتایا کہ حضرت مسیح موعود کے مشن کا سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہ تھا کہ تجدید کے عمل سے اسلام کو مفاسد سے پاک وصاف کر دیا جائے۔ احمدیت یہی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم سمجھا جائے اور اسلام کا پیغام تمام دنیا میں پہنچایا جائے۔ بورڈ نگ ہاؤس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ سر دست انجمن کے سامنے برلن مسجد کی واگذاری کا اہم مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کے حل ہو جانے کے بعد بورڈ نگ ہاؤس کا معاملہ جماعت کی کونسل میں باقاعدہ پیش کر دیا جائے گا۔ بعد ازاں آپ نے طلبا کی کامیابی کے لیے دعا کی۔ خاتمہ پر تین چار کم سن طلباء نے کھیل کی شکل میں انسانی زندگی کے چند ایسے دلچسپ پہلو دکھائے کہ حاضرین

اپنی ہنسی کو ضبط نہ کر سکے۔ غرضیکہ یہ تقریب نہایت کامیاب رہی۔

ایڈریس:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ ۔ بزرگِ قوم ایک عرصہ سے ہماری یہ آرزو تھی کہ ہم حضور کو یہاں قدم رنجہ فرمانے کی تکلیف دیں۔ چنانچہ بفضل تعالیٰ آج ہماری یہ آرزو پوری ہوئی۔

جناب والا، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، ہماری قوم روز بروز پستی کے گڑھے میں گر رہی ہے اور اس کی حالت وہی ہوتی جاتی ہے جو کسی زمانہ میں یہودیوں کی تھی، لیکن ہم ناامید نہیں ہیں۔ کیونکہ اسلام ہمیں ناامیدی کی تعلیم نہیں دیتا۔ اور کیوں ناامید ہوں جبکہ ہمارا تعلق احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے ساتھ ہے۔ اور وہ اپنے ان فرائض کو خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دے رہی ہے جن کا بار اس نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

حضور والا! مذہب اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے دنیا کی سرزمین پر حریت، مساوات اور اخلاق کا ڈنکا بجایا۔ لیکن آج بدقسمتی سے مسلمانوں میں دوگروہ ایسے پیدا ہو گئے ہیں، جو مذہبی باتوں میں اپنے ذاتی اغراض کو مدنظر اور اسلام کی صحیح تعلیم سے لوگوں کو بے بہرہ رکھتے ہیں۔ اگر ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات اسلام کے سدِ راہ نہ ہوتیں تو دنیا کا ایک بڑا حصہ رحمۃ للعالمین کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتا اور آدم کی اولاد آرام وچین کی زندگی بسر کرتی۔ لیکن ہماری بدقسمتی سے خودغرض ملاؤں اور پیروں نے اسلام کے گلشن میں خزاں کا نقشہ دکھا دیا ہے۔ ایسی حالت میں ضروری امر تھا کہ کوئی بزرگ اسلام کی صحیح تعلیم کو دنیا کے سامنے پیش کرے۔ خداوند کریم نے اپنی سنت قدیمہ کے مطابق حضرت مرزا صاحب کو دین کی تجدید کے لیے مامور کیا۔ باوجود شدید مخالفتوں کے اس بزرگ ہستی نے اسلام کا صحیح نقشہ پیش کر دیا۔ ملاؤں اور پیروں کے لیے حضرت صاحب کی دینی خدمت بہت نقصان دہ ثابت ہوئی۔ لیکن اس بزرگ نے دنیا پر دین کو مقدم سمجھا اور اپنے مشن کو پورا کیا۔ آپ کی وفات کے بعد جو نتائج رونما ہوئے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہم اس موقعہ پر اتنا بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ جب 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد ڈالی گئی۔ جس کے گرانبار فرائض کا بار کئی بزرگ ہستیوں نے اپنے ذمہ لیا تو کچھ عرصہ کے بعد انجمن کے اربابِ حل وعقد نے یہ ضرورت محسوس کی کہ پنجاب میں مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم

کے لئے ایک اسلامی درسگاہ قائم کی جائے۔ جس میں نوجوانوں کو دنیا کی کٹھن منزل طے کرنے اور ان قوموں کا مقابلہ کرنے کی غرض سے، جو اسلام کو دنیا سے نیست و نابود کرنے کی فکر کر رہی ہیں، تیار کیا جاتا ہے۔ ہم اس سکول کی ابتدا سے واقف نہیں ہیں، کیونکہ ہم صرف تین چار سال سے یہاں سکونت پذیر ہیں۔ لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ مسلم ہائی سکول کے پرانے طالب علم جس قدر اس سکول کے اخلاقی، مذہبی اور تعلیمی حالات بتاتے رہے ہیں، وہی آج ہمیں اپنی آنکھوں سے نظر آ رہے ہیں۔ بلکہ خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے ترقی کی طرف گامزن ہیں۔ ہم صاف کیوں نہ عرض کریں کہ ہم پہلے پہل اس سکول میں داخل ہونا گناہ کبیرہ خیال کرتے تھے۔ لیکن آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ جو کچھ اس سکول کے فیض سے ہم نے حاصل کیا ہے وہ کسی دوسری جگہ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ ہم کو پہلے ڈرایا جاتا تھا کہ احمدی اسلام کے دائرہ سے خارج ہیں۔ ہمیں یہ علم نہ تھا کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سب سے بڑے رکن یعنی حضور والا نے قرآن شریف کا ترجمہ انگریزی زبان میں چھپوا کر تمام دنیا کو قرآن مجید کی صحیح تعلیم سے واقف کر دیا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ تمام دنیا کے مسلمان اگر آپ کی اس اسلامی خدمت کا شکریہ ادا کرنا چاہیں تو وہ اس فرض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکیں گے۔ خواجہ کمال الدین صاحب و مولانا صدر الدین صاحب اور دیگر بزرگوں نے امریکہ اور یورپ میں تبلیغ کے جو اہم فرائض انجام دیئے ہیں اور حضور والا نے جو اسلامی لٹریچر پھیلایا ہے، وہ مسلمانوں کے لیے باعث فخر ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب ودیارتھی، مرزا مظفر بیگ صاحب اور ہمارے معزز و محترم بزرگ مولوی عصمت اللہ صاحب نے اپنی موثر اور پر جوش تقریروں سے جس حیرت انگیز استقلال کے ساتھ شدھی کے بڑھتے ہوئے فتنہ کو دبایا ہے اور بڑے بڑے مہاشاؤں کو شکست فاش دی ہے، اسے ایک زمانہ جانتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی زبان ان کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ ہمیں نہ صرف قرآن شریف کی تعلیم اور پنج وقتہ نماز کی تلقین کی جاتی ہے بلکہ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہمارے بورڈنگ ہاؤس میں ایک ہفتہ وار جلسہ ہوتا ہے۔ جس میں عمدہ عمدہ مسائل پر بحث کی جاتی ہے، جو ہمارے لیے بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ اس بحث میں جناب شاہ صاحب (ہیڈ ماسٹر) خود بھی حصہ لیتے ہیں اور کفایت شعاری کی تحریک کو فروغ دینے کے لیے ایک سوسائٹی قائم کی گئی ہے۔ جس میں ہر ایک طالب علم ہفتہ وار

کچھ نہ کچھ رقم جمع کراتا ہے۔اور ساتھ ہی باہر کے لوگوں کو بری عادات سے بچانے یعنی آتشبازی وغیرہ بری رسوم کو بند کرنے کے لیے پوری کوشش کی جاتی ہے۔مگر ان تمام امید افزا حالات کے باوجود ہماری ترقی کی رفتار کو ایک بہت بڑی کمی نے روک رکھا ہے۔اور وہ کمی یہ ہے کہ ہمارے پاس اپنا بورڈنگ ہاؤس نہیں،جس کی سہولتوں کا ہماری عملی زندگی سے ایک گہرا تعلق ہے۔ہمارے پاس کوئی گراؤنڈ نہیں،جس میں ہم اپنی صحت کو برقرار رکھ سکیں۔ ہم جناب کو اس امر کی طرف توجہ دلانا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ سکول کے ساتھ اپنا بورڈنگ ہاؤس ہونا چاہئے۔ جو فراخ جگہ پر واقع ہو،تاکہ اس میں کھیلوں کا پورا انتظام ہو سکے۔ہم سب بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر میں آپ کا ہاتھ بٹائیں گے۔جس طرح کہ ہم پہلے بھی انجمن کی خدمت، جہاں تک کہ ہمارے امکان میں ہے،کرتے رہے ہیں۔ ہم آئندہ بھی انشاءاللہ تعالیٰ ایسی تحریکوں میں حصہ لے کر قوم کو فائدہ پہنچائیں گے۔

خاتمہ پر جناب سے یہ مؤدبانہ گذارش ہے کہ جو طلباء میٹرک یا دوسرے امتحانات میں شامل ہونے والے ہیں ان کی کامیابی کے لیے حضور دعا فرمائیں۔والسلام

جناب کے فرمانبردار بورڈران

مسلم ہائی سکول لاہور

یورپ میں تبلیغ اسلام کی مشکلات:

یورپ میں تبلیغ اسلام کی مشکلات اور ازدواجی تعلقات پر عورت کے اسلام لانے کا اثر'' کے مسئلہ کے متعلق مولوی عبدالمجید صاحب امام مسجد ووکنگ نے حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے استفسار فرمایا تھا۔جس کا جواب حضرت امیر نے مولانا احمد صاحب سے لکھوایا ہے۔ ہمیں توقع رکھنا چاہئے کہ جملہ برادران اسلام اور دیگر علماء مذکورہ بالا مضمون کی مذہبی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس پر غور وفکر کریں گے اور اظہار رائے سے ان مشکلات کو حل کرنے میں مدد دیں گے جو ہمیں تبلیغ اسلام کے متعلق بلادِ مغرب میں پیش آرہی ہیں۔حضرت امیر کا جواب حسب ذیل ہے۔(ایڈیٹر)

اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور اس کے ظہور کے ساتھ ہی اس کی تبلیغ کا سلسلہ بھی شروع ہوا ہے۔اللہ

تعالیٰ کی جماعت ہر ایک زمانہ میں انفرادی یا اجتماعی طور سے اسلام کی تبلیغ کرتی رہی۔ یہاں تک کہ مسیح موعود کا زمانہ آیا۔جن کی بعثت کی غرض یہی مذہب اسلام کی تبلیغ اور مخالفین پر اتمام حجت کرنا تھا۔مگر چونکہ تبلیغ اسلام کی راہ میں بعض غلط خیالات سدِ راہ تھے اور مسلمانوں میں ایک مذہبی عقیدہ کا رنگ لے چکے تھے۔حالانکہ ان غلط خیالات کا تعلق اسلام سے کچھ بھی نہ تھا، بلکہ وہ قرآن کریم اور اسلام کی صحیح تعلیم کے بالکل مخالف تھے۔اس لئے مسیح موعود نے تبلیغ کی راہ کو صاف کرنے کی غرض سے پہلے ان خیالات کی تردید کی کہ یہ خیالات قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی عملی زندگی کے بالکل خلاف ہیں۔انہی غلط خیالات میں سے ایک حیات مسیحؑ کا غلط عقیدہ تھا۔اور دوسرا یہ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔حضرت مسیح موعود نے ان دونوں باتوں کی کھلی اور تفصیلی طور سے تردید کی۔ فی الواقع یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کو صحیح مانا جائے تو اسلام کی تبلیغ ناممکن ہو جاتی ہے۔،ان کی تردید سے تبلیغ اسلام کی راہ بالکل صاف ہو جاتی اور ہندوستان اور ہندوستان کے باہر یورپ اور دیگر ملکوں میں بڑی کامیابی کے ساتھ اسلام پھیل سکتا ہے۔

تبلیغ کی راہ میں عملی مشکلات:

اتفاق سے ہماری شامتِ اعمال سے اسلامی حکومتیں برائے نام رہ گئیں اور تقریباً ساری دنیا پر غیر مسلم حکومت ہے اور غیر مسلم حکومت کا ہی قانون ہر ایک جگہ چلتا ہے اور اسی پر عمل درآمد ہے۔اس لیے تبلیغ کی راہ میں عملی مشکلات بسا اوقات حائل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ غیر مسلم حکومت میں تبلیغ کرنا اور وہاں کے لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی راہ میں وہاں کا قانون مشکلات پیدا کرنے کا موجب ہو جاتا ہے۔چونکہ بیرونی دنیا میں ہماری ہی جماعت تبلیغ اسلام کا کام کرتی ہے اس لیے مشکلات بھی ہمارے سامنے آتی ہیں اور ہماری جماعت ہی ان مشکلات کا حل سوچتی اور حل کرنے کے بعد آگے قدم بڑھاتی ہے۔

ان مشکلات کا حل عموماً اسلام کی ابتدائی زندگی کے احکام اور واقعات سے ہی ہوتا ہے۔ جب اسلام کی حکومت ابھی قائم نہ ہوئی تھی۔ یا حکومت اسلامی کی ابتدا تھی اور ابھی حجاز یا جزیرۃ العرب میں بھی قائم نہ ہوئی تھی، بلکہ صرف مدینے اور اس کے اطراف تک ہی محدود تھی اور اس کے باہر اسلامی حکومت نہیں تھی۔ بلکہ قبائل مشرکین یا کسی رئیس کی ایک چھوٹی سی حکومت تھی۔

اسلام کا ظہور:

مکہ شریف سے ہوا۔ جہاں قبائل میں پنچایت کی حکومت کا رواج تھا۔ اس وقت اسلام کی اشاعت کا عجیب وغریب نظارہ نظر آتا ہے۔ باپ مسلمان ہے بیٹا مشرک، بیٹا مسلمان ہے باپ مشرک، بیوی مسلمان ہے شوہر مشرک، شوہر مسلمان ہے تو بیوی مشرکہ۔ ایک ہی خاندان ایک ہی گھر میں ایک وقت میں کوئی خدا پرست ہے، کوئی بُت پرست اور حکومت مشرکین کی ہے۔ بعینہٖ یہی نقشہ آج ہمارے سامنے ہے۔ یورپ میں ہماری جماعت اسلام کی تبلیغ کرتی ہے۔ بیٹا مسلمان ہو جاتا ہے، باپ غیر مسلم ہے، باپ مسلم ہے تو بیٹا غیر مسلم، بیوی مسلم ہے تو شوہر غیر مسلم، یا شوہر مسلمان ہے تو بیوی غیر مسلم۔ ایک ہی خاندان ایک ہی گھر میں ایک ہی وقت کوئی تثلیث پرست ہے تو کوئی خدا پرست۔ کوئی توحید کا قائل اور مسلمان ہے تو کوئی سرے سے ہستی باری تعالیٰ کا منکر ہے، جبکہ حکومت غیر مسلم ہے۔ اس وقت معاشرت اور تعلقات قومی یا مذہبی کی مشکلات سامنے آجاتی ہیں اور یہ مشکلات تبلیغ اسلام کی راہ میں کسی حد تک روک پیدا کرتی ہیں۔

❁❁❁

15 فروری 1930ء

مراسلات

قوم پرستی کا جھوٹا دیوتا

الحاج برونو کروم ایک جرمن مسلم ہیں جن کا اسلامی نام شیخ محمد سعید ہے۔ گذشتہ ہفتہ ڈاک میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کو ان کی طرف سے ایک چٹھی موصول ہوئی۔ جس میں انہوں نے دنیائے اسلام میں اس مجنونانہ تقلید پر دلی رنج کا اظہار کیا ہے جو قوم پرستی کے متعلق مغربی خیالات کی کی جاتی ہے۔ اس بارے میں شیخ محمد سعید صاحب کی رائے حسب ذیل ہے:

''دنیائے اسلام میں قوم پرستی ایک بہت بڑی کمزوری ہے۔ یورپ اس قوم پرستی یعنی جنگ کی بدولت ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ اور ہمارا براعظم جس میں فتحمند ممالک شامل ہیں اس جنگ سے بہت کمزور ہو گیا ہے۔ آپ نے یونائیٹڈ سٹیٹس آف یورپ (یورپ کی ریاست ہائے متحدہ) کے نظام قائم کرنے کی تحریک کا ذکر سنا ہوگا۔ اس خیال سے یقیناً یورپ کو تقویت پہنچے گی۔ مسلمانوں کو ایک زبردست مذہبی خلیفہ کے ماتحت ''یونائیٹڈ سٹیٹس آف اسلام'' (اسلام کی حکومت متحدہ) قائم کرنی چاہیئے تاکہ قدیم قومی خیالات کی کورانہ تقلید کی بجائے اسلام کو پھر وہی سابقہ شوکت وعظمت حاصل ہو جائے جو اسے قرونِ اولیٰ میں حاصل تھی۔ یورپ نے اسلام کے زبردست اثر کی بدولت نشو ونما کے مدارج طے کیے ہیں اور ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر دنیا میں امن اور ترقی کا دور دورہ ہوگا تو صرف اسلام کے صدقہ میں۔ قوم پرستی کے دیوتا نے خدائے واحد کے ساتھ اپنی جگہ بنالی ہے۔ لیکن ہم سوائے اللہ کے دیوتاؤں سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتے۔''

ہمارے جرمن بھائی نے جو خیال ظاہر کیا ہے اس میں ایک بڑی حد تک صداقت پائی جاتی ہے۔ دورِ

حاضرہ میں انسان کی نوے فیصد مشکلات کا باعث قوم پرستی کا یہ جھوٹا دیوتا ہے جس کی مغرب میں پرستش کی جاتی ہے۔ یہ اسی جھوٹے دیوتا بلکہ شیطان کی پرستش کا نتیجہ ہے کہ انسان انسان کو غلام بنا رہا ہے، انسان انسان پر مظالم توڑ رہا ہے، انسان انسان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ہمیں اس امر کے اظہار میں ذرا تامّل نہیں کہ اس قسم کی قوم پرستی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ درحقیقت یہ اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ اسلام ذات، نسل یا رنگ کی تفریق کے بغیر مساوات کا حامی ہے۔ اس کے مقابلہ میں مغرب کی قوم پرستی نے دنیا میں انسانی آبادی کے تین چوتھائی حصہ کو غلامی کی لعنت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ قوم پرستی کا قومی نعرہ ہے ''میرا ملک خواہ وہ حق بجانب ہو یا خطا کار''، اسلام کا نعرہ ہے ''سچائی اور انصاف''۔ دونوں کے نصب العین میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر دنیا میں امن پسندی اور نیک نیتی کی فضا پیدا ہوسکتی ہے تو اس کی صرف ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ راہ اسلام کا نصب العین ہے۔ قوم پرستی کا راستہ دوسری طرف جاتا ہے۔

قوم پرستی کا مجرمانہ تخیل:

شیخ محمد سعید اپنے اس رنج کے اظہار میں بالکل حق بجانب ہیں کہ دنیائے اسلام میں انسانیت کا اعلیٰ معیار قوم پرستی کے ایک تنگ، خودغرضانہ اور مجرمانہ تخیل کے درجہ تک گر گیا ہے۔ یہ تخیل مشرق میں مغرب سے داخل ہوا ہے۔ ہمیں ندامت کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرنا ہے کہ یہ الزام بالکل صحیح ہے۔ کیا ہندوستان کے سربرآوردہ لیڈر بار بار یہ فقرہ اپنی زبان سے نہیں نکال چکے ہیں کہ ''ملک پہلے اور مذہب پیچھے''۔ یہ جیسا کہ ہمارے بھائی سعید نے بجا طور پر کہا ہے مغرب کی نقالی ہے۔ ہم دنیا پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم مغرب کے اقتدار سے آزاد ہونے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کے تفوق کا اثر ہمارے ضمیر کی گہرائی تک پہنچ گیا ہے۔ ہم یورپ کا جسمانی جوا شاید اپنی گردن سے اتار پھینکیں۔ لیکن اس سے زیادہ افسوس ناک منظر اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہم مغرب کا دماغی جوا خوشی کے ساتھ اپنی گردن میں ڈالتے اور اس پر فخر و ناز کرتے ہیں۔ چند سال کی بات ہے کہ ایک امریکن سیاح ترکی میں پہنچا اور اس نے وہاں کے وزیر تعلیم سے سوال کیا کہ ترکی انقلاب کا کیا مقصد تھا؟ وزیر نے جواب دیا کہ ''اس وقت تک ہمارا منہ مشرق کی طرف تھا۔ لیکن اب ہم نے اپنا رخ مغرب کی طرف پھیر لیا ہے۔''

عبادت کی بہترین شکل:

ہم قوم پرستی کی مذمت میں بہت کچھ کہہ چکے ہیں۔ بایں ہمہ ہم صحت بخش قوم پرستی کے قائل ہیں، جو اسلام کی روح ہے۔ ہم یہاں تک کہنے کے لیے تیار ہیں کہ وطن کی محبت اور وطن کی آزادی کے جذبہ میں اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اسلام، جیسا کہ ہم نے بارہا ان کالموں میں بتایا ہے، رسوم کا مجموعہ نہیں ہے۔ حق العباد اسلام کی بہترین عملی صورت ہے۔ اور جو عبادت اس اعلیٰ مقصد کے مدومعاون نہیں، وہ عبادت نہیں۔ انسانی برادری میں اپنی قوم کے آدمیوں کا حق ہم پر زیادہ فائق ہوتا ہے۔ خواہ اسے حبّ وطن کہو یا قوم پرستی یا کچھ اور۔ مگر اسلام کی تعلیم کے مطابق ملک کی آزادی، ترقی اور خوشحالی کے لیے تمام کوششیں عبادت کی بہترین شکل ہیں۔ مگر اس قسم کی قوم پرستی غیر ملکیوں کے خلاف عناد کے ناپاک جذبہ سے معرّا ہوتی ہے۔ اسلام میں ملکی اور غیر ملکی سب برابر ہیں۔ نبی کریمؐ نے اپنے یادگارِ زمانہ الوداعی خطبہ میں اس امر کا اعلان فرمایا تھا کہ آئندہ عرب کو عجم پر کوئی فضیلت نہیں ہوگی۔ اگر انہوں نے (غیر ملکیوں) نے ہمارے حقوق کو غصب کرلیا ہے اور وہ ہمارے خلاف جابرانہ کارروائی کرنے کے مجرم ہیں تو پھر ہمیں ان کے مقابلہ میں منظّم ہونا چاہئے اور مردانگی اور شجاعت کے جوہر دکھا کر انہیں اپنے ملک سے نکال دینا چاہئے۔ اسلام میں ایسی لڑائی جہاد کے پروقار نام سے مشہور ہے، لیکن لڑائی کی ایک خاص حد ہے۔ مسلمان اس حد سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتا۔ غیر ملکیوں سے نفرت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ہے اسلام کی قوم پرستی یا زیادہ صحیح الفاظ میں خود اسلام۔ اس لیے مسلمانوں کو آزادی کی جنگ میں شریک ہونے کا پورا اختیار حاصل ہے۔ انہیں اپنے وطن کی فلاح کے لیے دن رات کام کرنا چاہئے۔ لیکن قوم پرستی کا جھوٹا نشان کیوں استعمال کیا جائے جو مغرب میں بنایا جاتا ہے۔ یہ وہ نشان ہے جس سے ظلم، ناانصافی، لالچ، غضب وغیرہ کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

مغربی تہذیب:

ہمارے خیال میں مغرب میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جنہیں ہم اسلام کے صراطِ مستقیم سے منحرف ہوئے بغیر فائدہ کے ساتھ قبول کرسکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حکمت کا گم شدہ موتی مسلم کی جائیداد ہے اور اسے جہاں کہیں ملے حاصل کرلینا چاہئے۔ اس میں شک نہیں کہ مغربی تہذیب میں دانائی اور اچھائی کی بہت سی

باتیں ہیں۔لیکن یہ یقیناً اس فعل کو حق بجانب قرار نہیں دیتیں، جنہیں ہمارے بھائی سعید ''نقالی'' کہتے ہیں۔ بندر اچھی اور بُری دونوں باتوں کی نقل اُتار لیتا ہے، اس میں تمیز کی قابلیت نہیں۔ اگر مغرب میں بہت سی باتیں اچھی ہیں تو اُن میں سیاہ دھبے بھی موجود ہیں۔قوم پرستی کا جذبہ بھی، جہاں تک کہ اس سے تنگ دلی، علیحدگی اور غاصبانہ روش کا مفہوم پایا جاتا ہے، ایک تاریک دھبہ ہے۔ اس لیے ہمارے قوم پرستوں کو لندن، نیویارک یا ماسکو کا گیت گانے کی بجائے اسلام کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو ان کے لئے قوم پرستی کا بہترین نمونہ پیش کرتا ہے۔ اگر ہم دنیائے اسلام میں انگریزوں اور امریکنوں یا روسیوں کے خیالات کا تتبع کریں گے تو ہمیں اس سے کوئی زیادہ مدد نہیں ملے گی۔ دنیائے اسلام میں تو اسلام ہی کی شان پیدا کرنی چاہئے۔

ہمارا قومی جھنڈا:

ہم نے قومی جھنڈے کے مسئلہ پر بہت غور و فکر کیا ہے اور ہمارا یہ پختہ اور قطعی فیصلہ ہے کہ اگر ہم اسلام سے اپنی پشت پھیر لیں اور لندن یا ماسکو کی طرف اپنے چہرے کا رخ بدل دیں تو یہ انتہا درجہ کی ناشکر گزاری ہوگی۔ اسلام نے ہمیں ایسا ترکہ دیا ہے جس پر دنیا کی طاقتور سے طاقتور قوم بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کے بڑے بڑے لیڈر ممالک غیر کی اقوام کے اصول اختیار کرتے ہیں تو ہمارا سر فرطِ ندامت سے جھک جاتا ہے۔قرآن روح افزا اور حیات افروز باتوں سے بھرا پڑا ہے۔لیکن چونکہ ہم میں میمونی صفات پیدا ہوگئی ہیں اس لئے ہم قرآن کے جواہر ریزوں کو سنگریزے سمجھ کر پھینک دیتے ہیں۔ ہندوستان نے حال ہی میں آزادی کا قومی جھنڈا بلند کیا ہے۔ہمیں ان اغراض و مقاصد سے پوری ہمدردی ہے جو اس جھنڈے سے وابستہ ہیں۔ہم اس جذبہ کی پوری قدر کرتے ہیں جو آزادی کے جھنڈے کا محرک ہے۔لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ہمارے خیال میں مسلمان کے لیے یہ موزوں اور بہتر ہے کہ وہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو جائے، جو ہر پہلو سے قطعی طور پر ایک بہتر جھنڈا ہے۔غور سے دیکھا جائے تو جو جھنڈا جواہر لال نے بلند کیا ہے وہ ہندو راج کی آمد آمد کا نشان ہے۔ کیونکہ اس جھنڈے کا محرک مغرب کی غاصبانہ قوم پرستی کا تخیل ہے۔ جس کا مقصود یہ ہے کہ دوسروں کو نقصان پہنچا کر کامیابی حاصل کی جائے۔ مسلمان کے لیے بظاہر آزادی کا یہ جھنڈا حکومت کے جوئے کی تبدیلی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔لیکن محمدؐ نے جو جھنڈا بلند کیا ہے وہ تمام بنی نوع انسان کی آزادی کا ہے۔تمام قوموں کی مساوات

کا ہے۔سچائی،انصاف اورانسانیت کا ہے۔یہ تو کوئی اچھا سودا نہیں ہے کہ مسلمان محمد ﷺ کے جھنڈے کی بجائے، جس کے نیچے خالدؓ طارقؒ اورضرار جیسے مجاہدین اسلام نے شجاعت وبسالت کے جوہر دکھائے،الہ آبادی پنڈت کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔کیوں نہ بلالؓ کا پروقار علم،جس کے ساتھ صدیوں کے جانبازانہ اورشجاعانہ کارنامے وابستہ ہیں،ہم میں جرأت اوراستقلال کا جذبہ پیدا کرے؟اور کیوں ہم سہ رنگی کھدر کے علم کے گرد جمع ہوں جو ابھی کسی آزمائش میں نہیں پڑا؟(ماخوذ از''دی لائٹ'')

❁❁❁

19 رمضان المبارک 1349ھ

حضرت امیر کے قلم سے

مُجاہدہ کا مہینہ

مسلمانوں کے مجاہدے کا مہینہ ’’رمضان مبارک‘‘ اب ختم ہونے کو ہے اور اس کے آخری عشرہ میں ہم داخل ہونے والے ہیں۔ ہمارے ہادیؐ نے اس ماہ کو دعا اور اِنفاق مال کے لیے خاص کیا ہے۔ کیونکہ یہ دو ایسی چیزیں ہیں جو ہر حالت میں انسان کے مجاہدہ میں معاون ہوتی ہیں۔ اور پھر رمضان میں سے اس کا آخری عشرہ اور بھی زیادہ خصوصیت رکھتا ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے۔ جس میں تہجد کے لیے اپنی بیویوں کو خصوصیت سے جگایا کرتے تھے، جس میں قبولیت کی وہ رات ہے، جسے خدا کے کلام میں لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکہ کہا گیا ہے۔ پس جو کام رسول اللہ ﷺ نے کیا وہ ہمیں بھی کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جہاں آپؐ کی گردن جھکی وہاں ہماری گردن اکڑنی نہ چاہیئے۔

ضرورت دعا:

لہٰذا اول میں دعا کے لیے ہی اپنے احباب سے التجا کرتا ہوں۔ اپنے لیے دعا تو ہر ایک کرتا ہی ہے۔ جب تکلیف ہوتی ہے، جب مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے خدا کے دروازے پر گرتا ہے اور بسا اوقات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے کہ جو مشکل کسی طرح حل نہ ہوتی تھی، وہ آستانہ الٰہی پر سر رکھنے سے حل ہوگئی۔ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لیے بھی انسان کے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہی رہتی ہے۔ میں ایک ایسے امر کے لیے دعا کی درخواست کرتا ہوں جس کے لیے میں جانتا ہوں کہ ہمارے تمام احمدی احباب کے دلوں میں درد تو ہے لیکن بسا اوقات غفلت کے نیچے وہ درد دبا رہتا ہے۔ آج ہماری قوم ایک ایسے سخت ابتلا کے نیچے ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر بھروسا نہیں وہ اس کی زندگی سے اور اس کے دوبارہ دنیا میں اُبھرنے سے مایوس ہو رہے ہیں۔ مگر وہ شخص، جس کا ایمان محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر ہے، جانتا ہے کہ ان ابتلاؤں کے آنے کی خبریں مخبر

صادق نے دی تھیں۔ اور اُن کے دور ہونے کی خبر بھی آپؐ نے دی ہے، اور جو کچھ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اور یہ ایمان ہر احمدی کا بھی ہے۔ بلکہ یہ ایمان ہی وہ اصل چیز ہے جو مجدد وقت نے اپنے دامن سے وابستہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا۔ پس وہ تمام مخالف سامانوں کو دیکھ کر بھی وہی کہیں گے جو نازک ترین وقتوں میں اصحاب رسول اللہ نے کہا وَلَمَّا رَاَالْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔ (22:33) اسی طرح گو آج دنیا میں مسلمانوں کو کچل دینے والے اسباب جمع ہو گئے ہیں لیکن جو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے بے شمار نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہوں ان کا ایمان ان فتنوں اور ابتلاؤں کو دیکھ کر اور بھی زیادہ ہوگا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر ایک احمدی کا ایمان ایسا ہی ہے۔ تو جہاں ان سب باتوں کا مقابلہ کرنا اور ان کو دور کرنے کی کوشش کرنا ہمارا فرض ہے وہیں ان کے مقابلہ کے لیے اپنے آپ کو عاجز پاتے ہوئے آستانہ الٰہی پر گر جانا ہماری فطرت کا تقاضا ہے۔ ہاں! رات کی تنہائی میں، جب نہ صرف دنیا ہی حالتِ سکون میں ہوتی ہے بلکہ انسان کی اپنی طبیعت میں بھی سکون کی حالت پائی جاتی ہے۔ جب خدا کی رحمت انسان سے قریب آ جاتی ہے اس وقت اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (4:1) کی پکار انسان کے دل سے نکلے تو بے اثر نہیں رہتی!

مگر جس طرح ایک قوم کی متحدہ کوشش وہ کچھ کر سکتی ہے جو اکیلے انسان کی کوشش نہیں کر سکتی، اسی طرح ایک قوم کی متحدہ دعا میں بھی غیر معمولی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے میری یہ درخواست اپنے جملہ احباب سے ہے۔ رمضان مبارک کے اس آخری عشرہ میں موجودہ مصائب کے دور ہونے کے لیے ہم سب کے سب خصوصیت سے دعا میں لگ جائیں۔ اگر ہم جسمانی طور پر اکٹھے ہو کر آستانہ الٰہی پر سر نہیں رکھ سکتے تو ایک ہی وقت اس آستانہ پر گر کر اور عملاً ایک ہی آواز میں اس کے فضل اور رحمت کو اور اس کی نصرت اور تائید کو مانگ کر توجہ الٰہی کے جاذب ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے میں چاہتا ہوں کہ ہمارے سب احباب، جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے، پچھلی رات چار اور پانچ بجے کا درمیانی وقت دیں اور سب کے سب نہایت عاجزی سے حضور الٰہی میں یہ دعا کریں کہ وہ ہماری اور ہماری قوم کی دستگیری فرمائے اور ہماری مردہ قوم کو زندہ کرے۔ ان باتوں کو ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے اندر سے دور کرے جو قوم کو تباہی کی طرف لے جا رہی ہیں اور ان رستوں پر چلنے کی توفیق اور طاقت دے جو اس کی

فلاح کا موجب ہیں۔ کیونکہ اگر قوم بچ سکتی ہے تو وہ اپنی حالت کو بدل کر ہی بچ سکتی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ (11:13) وہ اللہ ہماری قوم کو یہ توفیق دے کہ وہ قرآن کریم کو، جس نے پہلی مرتبہ ایسی زندگی دی تھی، اپنا رہنما بنائیں اور ان پاک جذبات کو اپنے دل میں جگہ دیں جو رسول پاکؐ نے اپنی قوم میں پیدا کر دیئے تھے۔ ان میں یہ قوت پیدا کرے کہ وہ اپنے مالوں کو اسراف سے اور رسم و رواج کی ریاکاری سے بچا کر خدا کے راستے میں، اس کے رسولؐ کی عزت کی حفاظت میں اور اپنی قومی بہبود کے کاموں پر خرچ کریں۔ وہ ہماری قوم کی اس ذہنیت کو بدل دے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی مخالفت میں اپنی ساری طاقت صرف کر دیں اور فروعی اختلافات پر ایک دوسرے کو کافر ٹھہرا کر ان کے دشمن ہو جائیں۔ اور ہم میں وہی اتحاد کی لہر پیدا کر دے جس نے پہلے سخت ترین اعداء کو ایک دوسرے کے بھائی بنا کر ان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچایا تھا۔ ہاں! اور اپنے لیے اور اپنی جماعت کے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس قابل بنائے اور ہم سے وہ کام لے کہ ہم اس کے دین کے خادم کہلا سکیں، اور جس غرض کے لیے ہماری جماعت کو کھڑا کیا گیا تھا وہی ہمیشہ ہمارا اصلی نصب العین رہے۔ وہ ہمارے دلوں سے اس بخل کو دور کرے جو خدا کے راستے میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ کیونکہ اشاعت اسلام کا کام، جو ہمارا نصب العین ہے، یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے مالوں کو خوش دلی سے اس کے راستے میں خرچ کریں اور اپنے دنیا کے کاموں کو پیچھے رکھ کر اس کے دین کی ضرورتوں کو مقدم کریں۔ وہ اپنے رسولؐ کی محبت کا جذبہ ہمارے دلوں میں اس قدر زبردست کر دے کہ ہم صحیح معنوں میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے ہوں۔ وہ ہماری خطاؤں اور غفلتوں سے درگزر فرما کر اپنے رحم اور فضل کا معاملہ ہمارے ساتھ کرے اور اپنی نصرتوں اور تائیدات سے ہماری جماعت کو خدّام اسلام کی ایک زبردست جماعت بنا دے۔ ایسے خدام جو یُّحِبُّہُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗۤ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ (54:5) کے مصداق ہوں۔ وہ ہمیں وہ کارکن اور مبلغ عطا فرمائے جن میں اخلاص اور سچائی اور درددل ہو اور جو جماعت کے فیصلوں کی عزت اور احترام کرنے والے ہوں۔ وہ ہماری بیویوں اور بچوں کے دلوں میں اپنے رسولؐ کی محبت اور اپنے دین کی خدمت کا جوش پیدا کر کے انہیں ہمارے لیے قرۃ العین بنائے۔ وہ ہمارے ایمان میں بھی وہ قوت دے کہ اس کے سامنے ہم مشکلات کو ہیچ سمجھیں۔ اور وہ ہماری جماعت کو ان تکالیف سے بھی نجات دے جن میں وہ اس وقت مبتلا ہے۔

اِنفاقِ مال:

دوسری ضرورت ان ایام مجاہدہ کی یہ ہے کہ ہمارے ہاتھ سے کچھ خصوصیت کے ساتھ اللہ کے راستے میں خرچ ہو جائے، کیونکہ دعا بھی وہی قبول ہوتی ہے جو دردِ دل سے نکلتی ہے۔ اور جب انسان کے اندر ایک کام کے لیے دردِ دل پیدا ہو تو وہ اس کو کامیاب کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ انفاقِ مال کے بغیر کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوتی۔ پھر انفاقِ مال سے قربِ الٰہی بھی ملتا ہے، کیونکہ مال کی محبت ہی وہ چیز ہے جو انسان کو خدا سے دور رکھتی ہے۔ اور جب مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو دنیا کی محبت کی جگہ خدا کی محبت لے لیتی ہے۔ مال خدا کے راستے میں خرچ کرنے سے ایمان بھی مضبوط ہوتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ. (265:2) اس وقت انفاقِ مال کے لیے ایک سخت دینی ضرورت بھی ہمارے سامنے ہے اور وہ ہے برلن مسجد کی واگذاری۔ وہ مسجد، جس کو ہم نے مالوں کا کثیر حصہ خرچ کر کے بنوایا، آج ایک ظالم کے ظلم سے ایک یہودی کے ہاتھوں میں رہن پڑی ہوئی ہے اور وہ رہن کا سود بھی ہماری قوم پر ہی پڑ رہا ہے۔ جس قوم کی ہمت نے یورپ کے عین وسط میں ایک اتنی عظیم الشان مسجد کھڑی کر دی، کیا اس کی ہمت کے سامنے یہ بات کچھ مشکل ہے کہ وہ مسجد کو اس چھوٹی سی رقم سے آزاد کرا لے! یہ مسجد کی آزادی نہیں ہماری قوم کی آزادی ہے۔ کیونکہ مسجد رہن نہیں بلکہ ہماری قوم کی عزت رہن ہے۔ اور قرض کی غلامی کا حرف مسجد پر نہیں ہماری قوم پر ہے۔

سالانہ جلسہ پر احباب نے قریب قریب اس قدر رقم کے وعدے کیے تھے کہ وہ اپریل سے پیشتر جمع کر دیں گے، جس سے مسجد واگزار ہو جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ احباب اپنی اپنی جگہ پر ان وعدوں کے ایفا کی کوشش میں لگے ہوئے ہوں گے۔ گو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری قوم کے بعض عمائدین نے اس مشکل وقت میں اپنی قوم کی ایک معمولی اعانت سے دست کشی اختیار کی اور ایک سال کے لیے اس قرضہ کی رقم کو دوبھر سمجھا جس سے مسجد فوراً آزاد ہو سکتی تھی۔ مسجد تو بہر حال آزاد ہو جائے گی لیکن مجھے جو اس سے صدمہ ہوا ہے وہ ذرا مشکل سے دور ہوگا۔ بہر حال جو کام تھوڑے احباب نے کر دینے سے انکار کیا وہ اب ساری قوم کو کرنا ہے۔ جہاں ہم دوسروں سے کچھ لینے نکلیں گے وہاں ہمارا فرض ہے کہ اپنی جیب سے بھی کچھ دیں۔ کوئی ایک پیسہ دے یا ایک روپیہ یا

سینکڑوں روپے دے، یہ اس کا اختیار ہے۔لیکن اس عام تحریک میں ہمارے سب دوست شامل ہوں۔جتنی تھوڑی رقم سے چاہیں شامل ہوں۔ ہماری بیویاں بھی شامل ہوں، ہمارے بچے بھی شامل ہوں،ایک پیسہ ایک بچہ بھی دے سکتا ہے۔ایک روپے سے کوئی غریب نہیں ہو جائے گا۔کسی مال دار کے مال سے ایک سینکڑہ نکل جانے سے کمی نہ آئے گی۔ میں صرف ایک ہی بات چاہتا ہوں کہ یہ تحریک عام ہو اور اس میں بڑے اور چھوٹے مرد اور عورتیں سب شامل ہوں، جس رقم سے چاہیں ہوں۔اس غرض کے لیے میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ عشرہ آخرہ کے دونوں جمعوں میں اس تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کی جائے۔سیکرٹری جماعت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ایک پرچہ، جو اس غرض کے لئے چھپوا کر سب جماعتوں کے پاس بھیجا جاتا ہے، 21 رمضان کے جمعہ میں پہنچا دیں۔اور جو لوگ مسجد میں اس دن نہ ہوں ان کے گھروں میں پہنچا دیں، بلکہ ان کی مستورات کو اور بچوں کو بھی پہنچا دیں۔اور دوسرے جمعہ سے پیشتر جو کچھ کوئی خوشی سے دے لے لیں۔ ہر شخص پر یہ زور تو دیا جائے کہ وہ کچھ دے، مگر اُس پر زور نہ دیا جائے کہ وہ کس قدر دے۔ میں امید کرتا ہوں کہ کارکن احباب اس تجویز کے کامیاب بنانے میں میرے معاون ہوں گے۔اس کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ جہاں جہاں جماعت ہے اور جمعہ ہوتا ہے وہاں یہ میری تحریر خطبہ میں یا خطبہ کے بعد سنا دی جائے اور مرسلہ پرچے تقسیم کر دیئے جائیں۔اور جہاں جمعہ کا انتظام نہیں وہاں کوئی دوسرا انتظام کیا جائے۔اور یہ کل روپیہ برلن مسجد کی واگذاری کے نام سے دوسرے جمعہ تک بھیج دیا جائے۔28 رمضان کا جمعہ اس رقم کی فراہمی کا آخری دن ہوگا۔اس غرض کے لیے کارکن احباب کو یہ سات دن خاص جدوجہد میں صرف کرنے ہوں گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس جدوجہد کو دینی جہاد سمجھتے ہوئے اس میں کسی قسم کی سستی نہ دکھائیں گے۔اگر وہ دن کو یہ جہاد کریں اور رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا میں گزاریں تو اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو ضرور کامیاب فرمائے گا۔

❀❀❀

3 اگست 1930ء

حضرت امیر کے قلم سے

حُبِّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث نبویؐ میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ کہ تم میں سے کوئی شخص ایمان نہیں لاتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کے بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ آپؐ کے قلب مقدس میں یہ خواہش کہ ہر مسلمان کلمہ گو کے دل میں آپ کی محبت کا مقام دنیا کی تمام محبتوں سے بلند تر ہو، کیا معنی رکھتی ہے؟ کیا آپ کو اس سے کچھ ذاتی فائدہ حاصل کرنا مقصود تھا؟ آپ کی سیرت کا ورق ورق اس بات پر گواہ ہے کہ آپ کا دل دوسروں کی غمخواری اور ہمدردی سے اس قدر بھرا ہوا تھا کہ آپ نے اپنی تمام خواہشات کو اللہ کے لیے اور نسل انسانی کی خدمت کے لیے قربان کر دیا تھا۔ بادشاہ ہوکر کوئی محل آپ نے نہ بنوایا بلکہ انہی گارے اور کھجور کی ٹہنیوں کے بنے ہوئے حجروں میں راحت قلب پائی جن میں بادشاہ ہونے سے پہلے رہتے تھے۔ آپ کے لباس میں کوئی فرق نہیں آیا فقر اور بادشاہت کی حالت میں وہی سادہ موٹا لباس رہا۔ آپ کی غذا میں کوئی فرق نہیں آیا اور بادشاہ ہونے کے بعد آپ کے دسترخوان پر کوئی لذیذ یا قیمتی غذائیں نہیں آئیں۔ بلکہ بسا اوقات صرف کھجور پر گزارہ تھا۔ مال اور دولت بادشاہ ہوکر کثرت سے آپ کے پاس آیا۔ مگر آپ کے قلبِ مبارک میں، جو خدا کی محبت سے سرشار تھا، ادنیٰ سے ادنیٰ خواہش مال وزر کے لیے پیدا نہیں ہوئی اور مال آپ کے گھر میں نہیں آیا۔ بادشاہ ہوکر یہ بھی خواہش نہ تھی کہ دوسرے آپ کے نوکروں یا غلاموں کی طرح کام کریں۔ بلکہ بادشاہ ہوکر خود محتاجوں کے کام اسی دلی جوش سے کرتے تھے جیسے ابتدائی زمانہ میں۔ پھر اس خواہش کا کیا مطلب کہ ہر مسلمان کلمہ گو کے دل میں آپ کی محبت تمام محبتوں سے بالاتر ہو۔ حتیٰ کہ اولاد کی محبت سے بھی بالاتر آپ کی محبت ہو؟

آنحضرتؐ سے محبت کی اصل غرض:

اس بات پر قرآن کریم میں اور پھر احادیث نبویؐ میں روشنی ڈالی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس قدر جذبہ محبت پیدا کرنے میں اصل غرض کیا ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (31:3) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ اللہ کی محبت اور اس کے رسولؐ کی محبت ایک ہی چیز ہے۔ پس محبتِ رسول کی غرض یہ ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں اتباع رسول کا جذبہ اور شوق پیدا ہو۔ جب ایک انسان دوسرے کا محبوب ہوتا ہے اور محبت اپنے کمال تک پہنچ جاتی ہے تو محبوب کی ہر ایک ادا پسند ہوتی ہے۔ انسان کو ایک چیز پسند ہو تو طبیعت خود بخود اس کی طرف مائل ہوتی ہے اور وہ اس چیز کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جب اتباع رسول کا عشق دل میں پیدا ہو جائے تو یہی وہ چیز ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے۔ احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت میں ایک حدیث بیان کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ وضو کر رہے تھے تو لوگ آپ کے وضو کے پانی کو تبرکاً لینے لگے۔ فَقَالَ مَايَحْمِلُكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّحِبَّ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْيَصْدِقِ الْحَدِيْثَ وَيُؤَدِّ الْاَمَانَةَ اِذَا ائْتُمِنَ یعنی لوگوں کو وضو کا پانی لیتے ہوئے دیکھ کر آپؐ نے دریافت فرمایا: یہ تم کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے۔ تو آپ نے فرمایا: جس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھے تو چاہئے کہ جب بات کرے سچ بولے اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو امانت کو ادا کرے۔ اس حدیث میں آپ نے ان دو باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جن کی وجہ سے آپ نبوت سے پیشتر بھی اہل عصر میں ممتاز تھے۔ اور جن کی وجہ سے آپ کی نیک شہرت اطراف عرب میں پھیلی ہوئی تھی اور جن کی وجہ سے آپ کو ملک اور قوم نے الامین کا خطاب دیا تھا۔ یعنی صدق اور امانت کا ادا کرنا۔ صدق یا سچائی قول میں بھی ہوتی ہے اور فعل میں بھی۔ اور فعل میں سچائی یہ ہے کہ مشکل سے مشکل بات کی پروا نہ کرے اور جس کام کے لیے انسان کھڑا ہوا ہے اسے پورا کرنے کے لیے اپنی ساری طاقت خرچ کر دے۔ امانت کی ادائیگی کا مفہوم بھی بہت وسیع ہے۔ یعنی اپنے ہر قسم کے فرائض کو بجالانا اور ذمہ داریوں کو پورا کرنا۔ تو آپ نے ان دو باتوں کی طرف توجہ دلا کر یہ بتایا کہ آپ سے محبت کی غرض یہ نہیں کہ آپ کے کپڑوں یا جسم یا دوسری اشیاء کے لیے دل میں تڑپ پیدا ہو یا آپ کی مدح کی جائے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ آپ کے پاکیزہ اخلاق کو حاصل کرنے کے لیے شوق اور جذبہ محبت پیدا ہو۔ اور جو آپ کی زندگی کی اصل غرض

تھی، وہی ہماری زندگی کی اصل غرض بن جائے۔

حضورؐ کی محبت سے صحیح کام:

قرآن شریف اور حدیث نبویؐ دونوں ہم کو اس بات کی ہدایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کی اصل غرض آپ کی اتباع کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ جو کام آپ کو محبوب تھا اس کے لیے عشق پیدا کرنا ہے مسلمان اس حقیقت سے عموماً بے خبر ہیں۔ ان کے دلوں میں بے شک رسول اللہ ﷺ کی محبت کا زبردست جذبہ موجود ہے۔ مگر اس سے صحیح کام نہیں لیا جاتا۔ ہمارے محبت کے دعوے کس کام کے ہیں اگر ہماری آنکھوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی ہتک ہو رہی ہو، آپ کے متعلق طرح طرح کی غلط بیانیوں سے کام لیا جاتا ہو، مگر ہم خاموش بیٹھ رہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ اشتعال میں آ کر کسی سے بدلہ لینے کی کوشش کریں۔ بدلہ لینے سے یا کسی کو مار ڈالنے سے بھی یہ دروازہ بند نہیں ہو جاتا۔ آپؐ کی زندگی میں آپ پر دونوں طرح حملے ہوتے تھے۔ یعنی جسمانی رنگ میں بھی اور بدگوئی سے بھی۔ اور مسلمانوں کی محبت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ دونوں طرح دفاع بھی کرتے تھے۔ آج صرف دوسرا رنگ باقی ہے۔ مسلمانوں کی محبت کا یہ تقاضا ہے کہ جو حملے آج آپ کی مقدس ذات پر کیے جاتے ہیں ان کا جواب دیں، آپ کی صحیح تصویر کو دنیا میں پیش کریں۔ آپ کی زندگی کی جو غرض تھی، یعنی اعلاء کلمۃ اللہ، اس غرض کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ میلاد کی محفلوں کا پرانا رنگ متروک ہو کر اب اس کی جگہ ایسے جلسے لے رہے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے صحیح حالات پیش کیے جاتے ہیں، جن سے مسلمان اور غیر مسلم دونوں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر اس سے ایک قدم اور آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت قلوب میں پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اصل غرض کو بھی واضح کیا جائے اور مسلمانوں کو یہ سمجھایا جائے کہ اعلائے کلمۃ اللہ یا اشاعت اسلام کا کام، جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی اصل غرض تھی، اس کے لیے جدوجہد کرنا ہمارا سب سے پہلا فرض ہے اور اسی میں ہماری قومی ترقی کا راز مضمر ہے۔

❀❀❀

3 اگست 1930ء

ماہِ یثرب

نتیجہ فکر محترمہ ح۔ب صاحبہ

جب حرا کے غار سے چہرہ دکھایا آپؐ نے　　نورِ وحدت سے جہاں کو جگمگایا آپؐ نے

کفر اور باطل زمانے سے مٹایا آپؐ نے　　دین کا سیدھا ہمیں رستہ دکھایا آپ نے

چُپکے چُپکے بُت پرستی کو گھٹایا آپؐ نے　　رفتہ رفتہ حق پرستی کو بڑھایا آپؐ نے

کر دیا شمعِ حقیقت کا اُجالا چار سو　　مہر عالمتاب کو نیچا دکھایا آپؐ نے

آدمیت پر بھی کتنا آپؐ کا احسان ہے　　نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا آپؐ نے

جھیل کر سو سختیاں سہہ کر ہزاروں کلفتیں　　صبرو استقلال کانقشہ جمایا آپؐ نے

باعثِ رحمت ہوئے سارے جہاں کے واسطے　　رحمۃللعالمینؐ القاب پایا آپؐ نے

بس کہ اوصاف حمیدہ جمع تھے سب آپؐ میں
احمد و محمود و حامد نام پایا آپؐ نے

❁❁❁

11 اگست 1930ء

خدا کا کام

(از قلم محترمہ بیگم حضرت امیر ایّدہ اللہ)

میری عزیز بہنوں کو یاد ہوگا کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے سال گذشتہ سے دستکاری فنڈ جاری کیا ہے، جس کی آمد اشاعت اسلام میں دی جاتی ہے۔ پچھلے دسمبر میں دستکاری کی نمائش اور سالانہ جلسہ محترمہ لیڈی عبدالقادر صاحبہ کی زیر صدارت نہایت پُر رونق اور کامیاب ہوا اور انجمن خواتین کو صرف دستکاری سے پانچ سو روپے کے قریب آمد ہوئی۔ مگر

؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مجھے اپنی احمدی بہنوں سے جتنی امید تھی اتنی سرگرمی ظاہر نہ ہوئی۔ لاہور کی بہنوں کے علاوہ بیرونجات کی خواتین نے بہت کم حصہ اس نیک تحریک میں لیا۔

اس سال تمام شہروں کے سیکرٹری صاحبان کے نام چٹھیاں بھیجی گئیں، تا کہ وہ اپنے اپنے حلقے میں تحریک کریں اور دستکاری فنڈ کے لیے ممبر بنائیں۔ پہلے تو مجھے اپنی بہنوں سے شکایت تھی، مگر اب افسوس کے ساتھ کہنا پڑا کہ ہمارے محترم بھائیوں نے بہت کم توجہ فرمائی۔ جب مردوں کا یہ حال ہے تو عورتوں کا خدا حافظ! میں اپنے معزز احمدی برادران کی خدمت میں ادب سے عرض کرتی ہوں کہ یہی چھوٹی چھوٹی ناچیز باتیں آخر کار بڑے بڑے نتائج پیدا کرتی ہیں اور بعض وقت ادنیٰ سی لاپروائی نقصانِ عظیم کا موجب بن جاتی ہے۔ ہم نے خدا کے مسیح موعود سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔ اس لیے ہمیں اپنے اس عہد کو ہر وقت پیش نظر رکھنا اور اپنے دلوں میں ایسی تڑپ اور جوش پیدا کرنا چاہیئے کہ خدا کے نام پر جو تحریک مرکز سے نکلے۔ ہم اپنی پوری قوت وانہاک سے اس میں حصہ لیں۔ کیونکہ صرف اسی طرح قوم میں زندگی اور قوت عمل قائم رہ سکتی ہے۔ اور یہی وہ خصوصیت ہے جو احمدی جماعت کو دیگر جماعتوں سے ممتاز کرتی ہے۔

دستکاری فنڈ کی تحریک اس لیے شروع کی گئی ہے کہ احمدی خواتین میں خدمتِ دین کے لیے شوق و جوش پیدا ہو اور گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر بھی وہ اشاعتِ اسلام میں اپنی محنت سے حصہ لے سکیں۔ کرسچین لیڈیز اور ہندو خواتین میں یہ تحریک عام ہے۔ مشن سکول، مشن ہسپتال، مندر اور آشرم وغیرہ کو اس ذریعے سے بیش بہا امداد ملتی ہے۔ مگر صد افسوس کہ ہماری مسلمان بہنیں اس تحریک سے غافل ہیں۔ اس لیے احمدیہ انجمن خواتین نے یہ قرار داد پاس کی کہ ہر ایک بہن، جو اپنے نفس اور اپنے متعلقین کے لیے دن رات کام کاج میں منہمک رہتی ہے، وہ ہفتے میں کم از کم ایک گھنٹہ خدا کے کام کے لیے بھی وقف کرے اور اس گھنٹے میں کوئی کام کر کے اپنی محنت سے اشاعتِ اسلام میں حصہ لے۔ مرکز کی بہنیں تو پھر بھی کافی حصہ لے رہی ہیں۔ مگر باہر کی جماعتوں میں سے صرف ایک شہر جہلم کی احمدی خواتین ہیں جنہوں نے بحیثیت جماعت کے حصہ لیا ہے۔

اب پھر میں اپنی عزیز بہنوں کی خدمت میں یاد دہانی کے لیے حاضر ہوئی ہوں کہ وقت کو غنیمت سمجھیں۔ کیا معلوم کہ کل سورج ہم پر چمکے گا یا نہیں۔ عمر بیتی جا رہی ہے اور وقت پر لگائے اُڑا جا رہا ہے۔ دنیا کے دھندوں میں عمر کا بڑا حصہ ضائع ہو چکا اور ہو رہا ہے، موت کا کوئی وقت معین نہیں۔ کل ہم خدا کے سامنے کیا جواب دیں گے کہ اتنا لمبا عرصہ دنیا میں رہے اور کچھ نہ بنایا۔ نہ کچھ عبادت کی اور نہ خدمتِ دین کی۔ یاد رکھیے! وہاں کوئی عذر اور بہانہ کام نہ آئے گا اور اپنی اس غفلت اور سہل انگاری پر پچھتانا پڑے گا۔ خوش قسمت وہ جس نے عمر کو غنیمت سمجھا، وقت کی قدر کی اور خدا کے دین کی خدمت کر کے آخرت کا گھر بنا لیا اور خدا و رسول ﷺ کے سامنے سرخرو ہونے کا سامان کر لیا۔ آج دین کے لیے ہمارے سامنے وہ مصیبتیں جھیلنے اور جانفشانیاں کرنے کا موقع نہیں جو ہماری بزرگ خواتین سلف کو پیش آیا۔ بلکہ آرام سے گھر میں بیٹھ کر دستکاری کے ذریعے کچھ خدمت دین کرنا ہے۔ جو ظاہر ہے کہ ان مصائب کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جو اسلام کی قابل ناز بیٹیوں نے محض اشاعت اسلام و خدمت قوم کے لیے اٹھائے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے خدمت دین کی راہیں ہمارے لیے ایسی سہل کر دی ہیں کہ تھوڑی سی محنت میں ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب مل سکتا ہے۔ دینی خدمت، جس رنگ میں بھی ہو، جہاد کا حکم رکھتی ہے۔ اور انسان کا وقت خدا کے لیے جس طریق پر بھی صرف ہو وہ عبادت میں شمار ہوگا۔ پس یہ مفت کا ثواب ہے۔ خوش قسمت ہے وہ جو اسے لوٹے، محروم القسمت ہے جو اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔ دستکاری کی دستکاری اور

عبادت کی عبادت۔ بظاہر معمولی سا کام لیکن حقیقت میں جہاد فی سبیل اللہ!

اپنے محترم بھائیوں کی خدمت میں بھی اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح ایک چرواہا اپنے ریوڑ کا ذمے دار ہے، اسی طرح تم بھی اپنے خاندان کی دینی تربیت ونشوونما کے ذمہ دار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جب آنحضرت ﷺ کو مبعوث کیا تو سب سے پہلے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ.(214:26) کا حکم دیا کہ اپنے کنبے کے لوگوں کو اور اعزا واقربا کو ڈرا۔ لیکن کیا افسوس کا مقام نہیں کہ آپ لوگ دنیا کے دور دراز مقامات تک تبلیغ واشاعت دین کے لیے سرگرم ہیں لیکن اپنے گھروں کی خبر نہیں! وہاں کوئی دین کا درد نظر نہیں آتا۔ آپ ان کے دنیاوی آرام وآسائش کے لیے کتنے پاپڑ بیلتے ہیں مگر افسوس کہ ان کی دینی تربیت کی طرف سے غافل ہیں۔ آپ کے گھر خدمتِ دین کے درخت بمنزلہ جڑوں کے ہیں۔ اگر یہ جڑیں اپنے اندر دینی زندگی اور خدمت اسلام کا میلان نہ رکھیں گی تو یاد رکھیئے کہ اشاعت اسلام کا درخت کبھی سرسبز نہیں رہ سکتا۔ وہ سوکھ جائے گا، وہ گر جائے گا، وہ مر جائے گا۔ خدا کے لیے ان جڑوں کی یعنی اپنے گھروں کی سب سے پہلے فکر کیجیے۔ ان میں خدمت دین کی روح پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اپنی بیویوں اور بچوں کو اس نشے سے سرشار کردیں جس کے لیے خدا نے اپنے مامور کو بھیجا۔ ورنہ خدا کے سامنے آپ کیا جواب دہی کریں گے؟ یورپ وامریکہ میں اشاعت وتبلیغ کی روشنی اور گھر میں اندھیرا! خدارا اس روشنی سے سب سے پہلے اپنے گھر کو منور فرمائیں تاکہ آپ کی اولاد آپ کے لیے قرۃ العین بنے۔

میں اپنی قابل قدر بہن آمنہ بیگم بنت مولوی محمد عبداللہ صاحب سری نگر کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ باوجود اپنی علالت اور دیگر مصروفیتوں کے وہ سری نگر کی خواتین میں دستکاری کی تحریک کو کامیاب کرنے کے لیے از حد کوشش کر رہی ہیں۔ اور جہاں تک مجھے علم ہے سری نگر کی مستورات میں یہ پہلی آواز ہے جس نے خدمت دین کے لیے دعوت دی ہے۔ باوجود مشکلات کے انہوں نے نہایت اولوالعزمی سے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہمت میں برکت ڈالے اور کامیابی کا تاج ان کے سر پر رکھے۔ منتظر ہوں کہ اور کس کس مقام سے لبیک کی آواز آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دینی خدمت کی توفیق دے کہ اسی کو یہ توفیق ہے۔

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر　　زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

30 اگست 1930ء

حضرت امیر کے قلم سے

کونسل اور اسمبلی کے ممبران کا انتخاب

ووٹ دینے میں ہماری جماعت کو کن امور کو مدنظر رکھنا چاہئے

کونسل اور اسمبلی کے ممبران کا انتخاب عنقریب ہونے والا ہے۔ میں اپنے احباب کو اس موقعہ پر چند امور کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔

1۔ جن امیدواران کے متعلق مرکز سے سفارش ہوگی۔ وہ جملہ حالات پر غور کرنے کے بعد ہوگی۔ اور ہمارے احباب کو چاہئے کہ ووٹ دینے میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ اس کی ضرورت دو وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اول اس لیے کہ سب احباب کے لیے، جو متفرق طور پر پھیلے ہوئے ہیں، یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے کہ مختلف امیدواران میں سے کون سا اس بات کا زیادہ اہل ہے کہ اس کے حق میں رائے دی جائے۔ دوم اس لیے کہ اس طرح جماعت کی قوت اور اس کا اثر واقتدار بڑھتا ہے۔

2۔ لیکن بیشتر حصہ ایسا ہوگا کہ مقامی احباب کو خود فیصلہ کرنا ہوگا کہ کس کے حق میں رائے دی جائے۔ اس کے متعلق ذیل کے امور کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

اول: جو مسلمان نمائندہ آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے مطالبات کا کھلے طور پر مؤید ہو، اس کے حق میں رائے دی جائے۔ پنجاب خلافت پارٹی کی موجودہ پالیسی چونکہ مسلمانوں کے لیے مضر ہے اور وہ اسلامی اکثریت کا ساتھ دینا پسند نہیں کرتے۔ اس لیے اصولاً ہم ان کی تائید نہیں کر سکتے۔ کام کرنے کے معاملہ میں جب تک یہ اصول نہ رکھا جائے کہ قلت اپنی رائے کو کثرت پر قربان کر دے گی، اس وقت تک وحدت قائم نہیں رہ

سکتی۔ اور اسلامی وحدت کا قائم رکھنا سب سے بڑھ کر ضروری امر ہے۔ کیونکہ اس میں مسلمانوں کی ترقی کا راز ہے۔ ہماری انجمن اپنے تمام معاملات میں خود اس اصول پر عمل پیرا ہے۔

دوم: کسی مسلمان امیدوار کے ساتھ اس بنا پر پرخاش نہ ہونی چاہیے کہ وہ فلاں قوم یا ذات کا آدمی ہے یا فلاں اسلامی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ صرف اس کی قابلیت اور اہلیت دیکھنی چاہیے۔ خواہ وہ سنی ہو یا شیعہ، مقلّد ہو یا غیر مقلّد، قادیانی ہو یا احمدی۔ ذاتوں اور فرقوں کی تفریق نے مسلمانوں کی وحدت کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ ان انتخابات میں اگر ہم امتیازات کو مٹانے کی کوشش کریں تو وحدت اسلام کے استحکام کے لیے بہت مفید ہوگا۔ اور اس بارے میں نہ صرف ہمارے احباب کو اپنی رائے ہی بلاتفریق دینی چاہیے بلکہ ہر مقام پر، جہاں تک ممکن ہو، دوسرے مسلمانوں کو بھی اسی اصول کی طرف لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

سوم: جہاں تک گورنمنٹ سے تعلق کا سوال ہے، افراط اور تفریط دونوں پہلو اچھے نہیں۔ جس طرح حکومت کی بے جا مخالفت نقصان دہ ہے اسی طرح اس کی بے جا خوشامد بھی نقصان رساں ہے۔ مسلمانوں میں احساسِ قومی کافی قوت کے ساتھ موجود نہیں۔ اور بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ اپنی چھوٹی چھوٹی اغراض کے لیے حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے کو تیار ہوتے ہیں، گو اس سے ان کے اپنے ملک اور قوم کو کتنا بھی نقصان پہنچتا ہو۔ ایسے آدمی کونسلوں میں جا کر کوئی فائدہ نہ اپنی قوم کو پہنچا سکتے ہیں اور نہ ملک کی کوئی خدمت کر سکتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کو ووٹ دینا خود نااہلوں کو اپنے نمائندے بنا کر بھیجنا ہے۔ اس لیے رائے دینے میں اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہیے کہ اس امیدوار کو رائے دی جائے جو افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ پر چلنے والا ہو۔ اور جس میں اس قدر آزادی موجود ہو کہ اگر حکومت کے خلاف بھی کوئی بات کہنی پڑے تو اپنے قومی مفاد کے

لیے اسے کہہ دے۔

چہارم: بہت سے لوگ کونسلوں میں اس لیے نہیں جاتے کہ وہ قوم اور ملک کی خدمت انجام دیں بلکہ اپنی ذاتی اغراض کے حصول کے لیے جاتے ہیں کہ کسی کو زمین مل جائے یا کوئی عہدہ یا کوئی خطاب یا کسی کا کوئی عزیز کہیں ملازم ہو جائے! ایسے لوگ کسی صورت میں بھی اس قابل نہیں کہ انہیں ووٹ دیا جائے۔ اور گو یہ نہایت ضروری ہے کہ ہمارے احباب ووٹوں کے دینے میں تساہل سے کام نہ لیں۔ کیونکہ یہ بھی ایک قومی ضرورت ہے۔ لیکن جہاں مختلف امیدوار سب اس رنگ کے ہوں وہاں ووٹ دینے سے نہ دینا بہتر ہے۔ البتہ جہاں کوئی ترجیح کی وجہ ہو وہاں ووٹ اس شخص کے حق میں دے دیا جائے۔

پنجم: علمی قابلیت اور تقریر کرنے کی قابلیت کا خیال بھی ضروری ہے۔ کیونکہ کونسلوں میں بڑی قابلیت کے لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر ہمارے نمائندے علمی قابلیت یا تقریر کرنے کی قابلیت سے عاری ہوں گے تو وہ قوم یا ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ خواہ ان کی نیت کیسی اچھی بھی ہو۔ اس بارہ میں جو زمیندار اور غیر زمیندار کا سوال پیدا ہو گیا ہے، وہ بھی موجب نقصان ہے۔ رائے دینے میں یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ فلاں شخص شہری ہے یا زمیندار۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ علمی قابلیت کس میں زیادہ ہے اور اپنی بات کو بہتر طریق پر کون شخص پیش کر سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شہری مسلمانوں کو عامۃ المسلمین کی بہبود سے زیادہ تعلق عام طور پر نہیں ہوتا اور ان کی خاطر کوئی تکلیف اٹھانا نہیں چاہتے، مگر انتخاب کا یہ طریق آہستہ آہستہ ان میں یہ بات بھی پیدا کر دے گا۔ کیونکہ جب ان کو یہ معلوم ہوگا کہ وہ بھی کسی بات میں اپنے غریب اور دیہاتی بھائیوں کے محتاج ہیں تو ان کے کام کرنے کے لیے بھی ان میں رغبت پیدا ہو گی۔ گو اس وقت تک یہ حالت ہے کہ ممبران کونسل انتخاب کے وقت تو گاؤں گاؤں پھر کر ہاتھ جوڑتے پھرتے ہیں اور

جب منتخب ہو جاتے ہیں تو معزز آدمی بھی ان کے دروازے پر آ جائے تو پروانہیں کرتے۔ بہر حال پھر بھی قومی ترقی کے نقطہ نگاہ سے اس وقت علمی قابلیت اور تقریر کرنے کا مادہ مقدم کرنے کی چیزیں ہیں۔ اس وجہ سے یہ خواہش بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ کونسلوں میں لوگ سوالات پیش آمدہ کے متعلق اپنے آپ کو خوب تیار کر کے جائیں۔ چونکہ اکثر حالات میں فرداً فرداً ان کے امور کے متعلق بھی فیصلہ کرنا مشکل ہو گا۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ مقامی احباب مل کر ان امور کا فیصلہ کریں کہ کونسا امیدوار سب سے زیادہ مستحق ہے اور اگر ضرورت ہو تو مرکز سے رائے لے لیں۔

(دستخط حضرت امیر)

❁❁❁

3 ستمبر 1930ء

حضرت امیر کے قلم سے

اشاعتِ سیرتِ نبویؐ کی اہمیت

ہر ایک مذہب دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔ ایک وہ امور ہیں جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں ہم کسی عقیدہ کے صحیح یا غلط ہونے کے متعلق فلسفیانہ اور عقلی بحثیں کرتے ہیں۔ دوسرے امور وہ ہیں جن کا تعلق اہل مذاہب کے جذبہ عمل سے ہوتا ہے۔ یہ دوسرا حصہ درحقیقت مذہب کی روح ہے اور عقیدہ سے بھی زبردست چیز ہے۔

عیسائیت کی روح:

اگر اس دوسرے معنے کا لحاظ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عیسائیت کی روح صلیب ہے۔ کیونکہ یہ وہ نشان ہے جس سے عیسائیت کے پیروؤں میں جذبہ عمل پیدا ہوتا ہے۔ عیسائی، فلسفیانہ اور عقلی بحثوں میں سو دفعہ ہار جائیں، تثلیث اور کفارے کی تشریح نہ کر سکیں گے، لیکن جب ان کے سامنے مسیحؑ کی صلیب آ جاتی ہے تو ان کے عقائد کی کمزوری پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے اور محض صلیب کے نام اور نشان (✝) سے ان کے دلوں میں وہ عشق و عمل کا جذبہ اور جوش و فداکاری کا وہ ولولہ پیدا ہو جاتا ہے جو ان کو عقائد کی کمزوری کے متعلق ذرا بھی سوچنے کا موقع نہیں دیتا۔ ایک عیسائی بڑے فخر سے یہ کہتا ہے کہ اسلام عقلی طور پر کتنا بھی بلند ہو۔ مگر اس میں ''مسیح کی صلیب'' نہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے جس پر ایک سچا عیسائی فخر کر سکتا ہے اور اس میں اس قسم کے شریف اور بلند جذبات پیدا ہوتے ہیں جو کسی دوسرے ذریعہ سے پیدا نہیں ہو سکتے!

ہندو دھرم کی روح:

اسی طرح اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندو مذہب کی روح گائے کی پرستش یا عظمت ہے۔ ہندو

کہلانے والوں میں اصولی اختلاف ہوا کریں، ان کا خدا ایک نہ ہو، ان کی الہامی کتابیں ایک نہ ہوں، ان کے پیغمبر یا اوتار ایک نہ ہوں، مگر جب گائے کا نام آجاتا ہے تو وہ اپنے تمام اختلافات بھول جاتے ہیں اور گائے کے لفظ سے ان میں عمل اور اتحاد کی وہ روح پیدا ہوتی ہے جو مذہب کے کسی بلند سے بلند عقیدے سے بھی پیدا نہیں ہو سکتی!

اسلام کی روح:

اگر عیسائیت کی عظمت کا نشان صلیب اور ہندو مذہب کی عظمت کا نشان گائے ہے۔ تو اسلام کی روح اور اسلام کی عظمت کا نشان حضرت محمد ﷺ کا وجود ہے۔ یہ نام پاک ایک مسلمان کے دل میں واقعی معنوں میں بجلی کی قوت، طوفان کا جوش اور پہاڑ کی استواریاں پیدا کر دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک مسلمان کے لیے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی آواز بھی کچھ کم ولولہ انگیز نہیں۔ مگر جہاں اللہ کا نام اصل ہے، اس کا ظاہری نشان یعنی اٰیَۃُ اللّٰہِ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اور واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ مسلمانوں کا بلند ترین قومی جذبہ حضرت محمد ﷺ ہی کے نام پاک سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے: لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں!

مسلمانوں کی دُکھتی ہوئی رگ:

یہ عجیب بات ہے کہ اعدائے اسلام نے بھی جب کبھی اسلام سے لوگوں کو متنفر کرنا چاہا ہے تو مسلمانوں کی اس دکھتی ہوئی رگ کو پکڑا ہے۔ یعنی وہ اُٹھے ہیں اور حضرت محمدؐ کی بُری سے بُری تصویر کھینچ دی ہے۔ وہ اسلام کے عقائد پر نکتہ چینی نہیں کرتے بلکہ بسا اوقات اسلام کی بلند توحید اور اس کی عالمگیر خوبیوں کا اعتراف کر لیتے ہیں۔ لیکن جب موقعہ ملتا ہے تو پیغمبر اسلام کی ذات پر ضرور وار کر دیتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اعداء اسلام کے حملے کی زد جس قدر حضرت محمدؐ کے پاک نام پر پڑی ہے اتنی اسلام کے خدا اور اسلام کی کتاب فرقانِ حمید پر نہیں پڑی۔ یورپ کو دیکھ لو یا اپنے ملک ہندوستان کی حالت کا اندازہ کر لو۔ جن لوگوں نے اسلام سے تنفر پیدا کرنے کا

بیڑا اٹھایا ہے، اسی ذریعے سے اٹھایا ہے۔ شاید وہ جانتے بھی نہ ہوں کہ مسلمانوں کے دل میں اس نام پاک سے کس قدر بلند جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ مگر کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح ایک تاریکی کا فرزند طبعی طور پر نور سے تنفر رکھتا ہے، اسی طرح دشمنانِ اسلام بھی قدرتی طور پر محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات پاک کو اپنے حملوں کی آماجگاہ بنا لیتے ہیں۔

فتح مبین کے حصول کی راہ:

پس اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کی قوم کے اندر قوت عمل پیدا ہو اور اسلام کی بڑائی اور عظمت دنیا میں پھیلے اور وہ کائنات میں اپنی جائز جگہ حاصل کریں۔ تو اس کی راہ ایک ہی ہے، اور وہ حضرت محمدؐ کی پاک سیرت کی اشاعت اور آپ کے اخلاق عالیہ کی تبلیغ ہے۔ اور ان باتوں کا ملیا میٹ کر دینا ہے جو نادانی سے یا تعصب سے آپؐ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا. لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ وَمَا تَاَ خَّرَ وَیُتِمَّ نِعۡمَتَہ، عَلَیۡکَ وَیَھۡدِ یَکَ صِرَ اطًا مُّسۡتَقِیۡمًا. (2-1:48) صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کا قول موجود ہے کہ یہاں فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ اور ابن جریرؒ میں حضرت عمرؓ کی روایت موجود ہے کہ جب نبی ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آتے ہوئے انہیں یہ سورۃ سنائی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا صلح حدیبیہ والا واقعہ ہی فتح مبین ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

صلح حدیبیہ کو فتح مبین اس لیے کہا ہے کہ اس صلح کی بدولت مشرکین اور مسلمانوں کا میل جول ہو کر مشرکین کو یہ موقع ملا کہ وہ حضورؐ کے اخلاق کو دیکھیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے حضور کے اخلاق کو دیکھا، ان کے دل پکڑے گئے اور وہ بلا تامل فوج در فوج اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔

غفر ذنوب کی تفسیر:

اسی طرح جب ملک عرب کے اندر جنگ ختم ہوئی اور ملک میں امن وامان قائم ہو گیا تو لوگ گروہ در گروہ داخل اسلام ہوئے اور یہ جو فتح مبین کا نتیجہ غفر ذنوب فرمایا ہے، تو اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ فی الحقیقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ گناہ پہلے کیے تھے اور کچھ بعد میں کرنے تھے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ) یہ چیز قرآن کریم کی صراحت کے خلاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ نے نہ بعثت سے پہلے کوئی گناہ کیا تھا اور نہ منصب رسالت پر مامور ہونے کے بعد۔ مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی. (2:53) نہ آپ عقیدہ میں کبھی غلطی پر تھے اور نہ عمل میں۔ اس لیے یہاں ذَنْبِکَ سے مراد وہ گناہ (الزام) ہیں جو آپ کی طرف منسوب کیے جاتے تھے۔ عربی زبان میں اس قسم کے منسوبات کے لیے بھی عام طور پر اضافت کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ کہنا اَیْنَ شُرَکَآءِ یَ (62:28) (میرے شریک کہاں ہیں؟) اس کا یہ مطلب نہیں کہ سچ مچ خدا تعالیٰ کے شریک ہیں۔ یعنی منسوب کردہ شریک بالکل اسی طرح ذَنْبِکَ سے مراد ہے منسوب کردہ گناہ۔

ہم کہہ رہے تھے کہ جب صلح کی وجہ سے باہم میل جول اور اختلاط ہوا تو لوگوں نے دیکھ لیا کہ جو ناپاک باتیں آپ کی طرف منسوب کی جاتی تھیں وہ سب کی سب غلط ہیں۔ اور آپ ایک اعلیٰ درجہ کے پاک، بےنفس اور بلند اخلاق انسان ہیں۔ اس پر ان کی گردنیں جھک گئیں اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مَاتَقَدَّمَ سے مراد وہ الزامات ہیں جو حضورؐ پر اس آیت پاک کے نزول سے پہلے لگائے گئے، تاکہ لوگوں کو اسلام سے نفرت پیدا ہو۔ اور مَاتَاَخَّرَ سے مراد وہ الزامات ہیں جو آئندہ زمانے میں لگائے جانے والے تھے۔ مَاتَاَخَّرَ کی حدود بے حد وسیع ہیں۔ اس میں وہ تمام ناپاک باتیں آتی ہیں جو غیر مسلم دنیا میں آپ کی طرف منسوب کی جارہی ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان سب کے غفران کی بشارت دی ہے، مگر اس کی صورت ایک ہی ہے۔ اس وقت تو لوگ آپ سے مل کر دیکھ لیتے تھے کہ وہ الزامات جو آپ پر لگائے جارہے ہیں غلط ہیں۔ آج یہ فرض مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ حضورؐ کی صحیح تصویر دنیا میں پیش کر کے ان الزامات کا تدارک کریں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم حضورؐ کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کر دیں اور حضور کا اسوہ حسنہ لوگوں کی اپنی زبان میں ان تک پہنچا دیں تو اس تبلیغ واشاعت کا نتیجہ آج بھی اسلام کے لیے فتح مبین کے رنگ میں ظاہر ہوگا!

اتحادِ ملت کا حقیقی ذریعہ:

باتیں تو بہت سی ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لیے صرف ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ اسلام کی طاقت مسلمانوں کے اتحاد میں ہے۔ جب تک ہم آپس میں لڑ رہے ہیں تو ہم

مغلوب ہوتے چلے جائیں گے۔ جس وقت ہم متحد ہو جائیں گے تو اسلام کا قدم آگے بڑھے گا اور اتحاد کی لہر جو حضرت محمد ﷺ کے پاک نام پر مسلمانوں میں پیدا ہوسکتی ہے وہ اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوسکتی، اس کے شاہد واقعات ہیں۔ گذشتہ سال جہاں کہیں سیرت کے جلسے ہوئے ہیں ان میں سب مسلمان ایک نظر آئے ہیں۔ سو مسائل میں ہمارا ایک دوسرے سے اختلاف ہو مگر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ میاں علم الدین مرحوم کے جنازہ پر جو نظارہ نظر آیا وہ بھی واقعات ہی کی ایک شہادت تھی۔ اس شہادت سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آج بھی حضرت محمد ﷺ کی زندہ طاقت ہم میں اتحاد کی بے نظیر روح پیدا کرسکتی ہے۔ پس اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ ان میں اتحاد پیدا ہو تو اس کا ذریعہ بس یہی ایک ہے کہ یوم النبیؐ کی تحریک کو فروغ دیا جائے۔ اور حضور کی سیرت پاک کا صحیح نقشہ بچے بچے کے دل میں بٹھا دیا جائے۔

❀❀❀

3 ستمبر 1930ء

محمد یوسف گرنتھی کے قلم سے

تاریخ گورو گرنتھ صاحب

امرتسر کے ایک سکھ بھائی سیوا سنگھ نے اسلام پاک کے خلاف گورمکھی زبان میں چند کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں سے ''قرآن دی کہانی'' اور حضرت محمد صاحب'' یہ دو کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کتاب ''قرآن دی کہانی'' میں بھائی صاحب نے بعض غلط روایات اور ضعیف احادیث کی بنا پر ایڑی چوٹی کا زور اس بات پر لگایا ہے کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں بلکہ (نعوذ باللہ) حضرت محمد ﷺ کے من گھرٹ خیالات کا مجموعہ ہے اور وہ بھی اب اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں۔ بلکہ اس میں سے کثیر حصہ تحریف، تبدیل اور ضائع ہو چکا ہے۔ دوسری کتاب میں پاکوں کے سردار حضرت محمد ﷺ کی پاک سیرت کو عیسائیوں اور آریوں کا جھوٹا کھاتے ہوئے نہایت بُرے اور نفرت انگیز پیرایہ میں بیان کیا ہے اور آپ کی ذات بابرکات پر طرح طرح کے الزامات لگائے ہیں۔ میں نے ان ہر دو کتب کا مکمل جواب دو حصوں میں تیار کیا تھا۔ حصہ اول میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور اقوال آئمہ کرام سے یہ ثابت کیا تھا کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف وتبدیل سے پاک ہے۔ اور حصہ دوم میں بطور الزام یہ ثابت کیا تھا کہ قرآن مجید بفضلہٖ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (12:12) کے وعدے کے ماتحت اب تک جوں کا توں بالکل محفوظ ہے۔ اور حکم ایزدی لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ(42:41) کے ماتحت اس پر کسی دشمن کا ہاتھ کامیاب نہیں ہوا۔ مگر گورو گرنتھ صاحب اور بالخصوص گورونانک صاحب کا کلام بہت کچھ محرف مبدل اور ضائع ہو چکا ہے۔ حصہ اول کے متعلق بعض بزرگوں نے رائے دی کہ اول تو موجودہ فضا کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قسم کی بحثوں میں پڑنا ٹھیک نہیں۔ دوسرے جن غلط روایات کو تحریف قرآن کے متعلق پیش کیا جاتا ہے، ان کو کوئی ذی علم مسلمان تسلیم ہی نہیں کرتا۔ تیسرے یہ کہ حضرت امیر کی تصنیف جمع قرآن اس قسم کے جملہ اعتراضات کا کافی جواب ہے۔ اس لیے اس پر مزید لکھنا یا چھپوانا تحصیل حاصل ہے۔

رہی دوسری کتاب، سو محمد مصطفیٰ ﷺ کی لائف کی صحیح تصویر پیش کر دینا ہی اس کا کافی جواب ہے۔ اور

حضرت امیر کی تصنیف ''محمد مصطفیٰ'' کی اشاعت نے بہت حد تک اس مقصد کو پورا کر دیا ہے۔ البتہ گوروگرنتھ صاحب اور کلام نانک کی تاریخ کے متعلق چونکہ مسلمانوں کو بھی کوئی علم نہیں ہے لہٰذا اس کو ضرور شائع کرنا چاہئے۔ میں نے اس رائے کو بہت پسند کیا اور صرف حصہ دوم کی اشاعت پر اکتفا کیا۔ مگر چونکہ انجمن کے بعض ضروری کاروبار کی وجہ سے اکثر کتب کے چھپنے میں تاخیر ہوتی ہے۔ جیسا کہ ''محمد مصطفیٰ'' کے ترجمے گورمکھی اور ہندی کے چھپنے میں ہو رہی ہے۔ لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ اخبار ''پیغام صلح'' میں قسط وار اس مضمون کو شائع کرا دوں۔

تاریخ گوروگرنتھ صاحب:

گوروگرنتھ صاحب کی تاریخ گورونانک صاحب کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے۔ گورونانک مہاراج کی پیدائش بقول بعض کاتک سدی پورن ماشی اور بقول بعض یکم ویساکھ 1526 بکرم ہوئی (خالصہ رہت پرکاش مصنفہ تیجا سنگھ بھسوڑ۔ ریاست پٹیالہ) گورونانک صاحب اپنی زندگی میں جو تعلیم لوگوں کو دیا کرتے یا وعظ و نصیحت کیا کرتے وہ زیادہ تر اشعار میں ہوتی تھی۔ اس تعلیم کا کچھ حصہ تو اس وقت گوروگرنتھ صاحب میں موجود ہے اور اکثر حصہ ساکھیوں اور دیگر مسودوں میں پایا جاتا ہے۔ آپ کے زمانے میں گورمکھی کا رواج نہیں تھا۔ یہ نئی زبان آپ ہی نے ایجاد فرمائی۔ گو زبان گورمکھی کے حروف تہجی آپ نے ایجاد کیے۔ مگر آپ کی حینِ حیات میں کوئی کتاب گورمکھی میں لکھی نہیں گئی۔ آپ کے زمانہ میں آپ کی تعلیم کو لوگوں نے کچھ فارسی، کچھ ہندی بھاشہ اور کچھ لنڈے (صرافی یا مہاجی) حروف میں لکھا اور بہت سا حصہ زبانی یاد کیا۔ آپ کی وفات کے بعد گورمکھی کا کچھ رواج ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلی کتاب جو گورمکھی میں لکھی گئی وہ بھائی بالے والی مشہور جنم ساکھی یعنی گورونانک صاحب کی سوانح عمری تھی۔ جس کو دوسرے گوروانگد صاحب کے حکم سے بھائی بالا، جو گورونانک صاحب کے ہمراہ کچھ مدت رہے تھے، لکھواتے گئے اور بھائی پیڑے موکھے نے لکھی۔

اس کے بعد جوں جوں گورمکھی کا رواج سکھوں میں بڑھتا گیا توں توں گورونانک صاحب کا کلام، جو پہلے فارسی، ہندی وغیرہ حروف میں تھا، گورمکھی میں لکھا جانے لگا۔ مگر بہت عرصہ تک کوئی باترتیب صورت آپ کے کلام کے متعلق قائم نہ ہوسکی۔ جتنا جس کے پاس تھا اتنا اس نے لکھ لیا۔ اس صورت میں ایسا ہی تھا کہ اگر ایک حصہ ایک کے پاس نہیں تو دوسرا دوسرے کے پاس نہیں۔ اسی طرح ایک مدت گزر جانے کے بعد یعنی گورونانک

صاحب کے قریباً سو سال بعد جب پانچویں گوروارجن صاحب کا زمانہ آیا تو آپ نے گورونانک صاحب اور دوسرے ماسبق گوروصاحبان کے کلام کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے اس مقصد کے لیے تمام سکھوں کے نام فرامین جاری کئے کہ گورونانک صاحب اور دوسرے ماسبق گوروصاحبان کا کلام جس کسی کے پاس لکھا ہوا یا زبانی یاد ہو لا کر حاضر کرے۔ اس حکم کے ملتے ہی اکثر سکھوں نے جتنا کلام ان کے پاس تھا لا کر حاضر کیا۔ گوروارجن صاحب نے اس میں سے جتنا مناسب سمجھا لکھ لیا۔ (تواریخ گوروخالصہ 740 اردو، 724 گورمکھی)

اس وقت بھائی بختا اروڑا جلال پوری حسن ابدال کا رہنے والا گوروصاحب کا ایک سکھ تھا۔ اس کے پاس ایک قلمی کتاب تھی، جس میں پہلے گورونانک صاحب سے لے کر چوتھے گوروررام داس صاحب تک کا کلام لکھا ہوا تھا۔ وہ اس کتاب کو گوروارجن صاحب کا حکم سن کر آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے اس میں سے جتنا مناسب یا صحیح سمجھا لکھ لیا اور کتاب اس کو واپس دے دی۔ وہ کتاب اب تک بمقام راولپنڈی بوٹا سنگھ عطار کے گھر میں موجود ہے۔ رسم الخط پرانا ہے، ہر ایک نہیں پڑھ سکتا۔ وزن اس کتاب کا اتنا ہے کہ ایک آدمی اٹھا نہیں سکتا۔ اس کتاب میں دسوں گوروصاحبان کے دستخط موجود ہیں۔ کیونکہ اس کتاب کے متولی اپنے اپنے زمانہ میں ہر ایک گورو کے دستخط اس پر کرواتے رہے۔ (تواریخ گوروخالصہ 740 اردو، 724 گورمکھی)

ایسی ہی دو قلمی کتابیں موضع گوئندوال میں بھائی موہن جی کے پاس تھیں۔ جن میں گورونانک صاحب و دیگر گوروصاحبان کا کلام جمع کیا ہوا تھا۔ یہ موضع گوئندوال امرتسر سے پندرہ کوس جانب شرق ترن تارن کے قریب دریائے بیاس کے کنارے واقع ہے اور بھائی موہن جی تیسرے گوروامرداس صاحب کے صاحبزادے اور گوروارجن صاحب کے ماموں تھے۔ یہ کتابیں بھائی موہن کے صاحبزادے باوا سہنسر رام کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اور اس وقت کے تمام مسودوں میں یہ زیادہ معتبر تھیں۔ کیونکہ گورو کے خاندان میں تھیں۔ گوروارجن صاحب نے پہلے بھائی گورو داس جی کو موہن جی کے پاس یہ کتابیں لینے بھیجا۔ بھائی موہن جی چوبارے میں اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر چند بھائی گورو داس نے بلانے کی کوشش کی مگر آپ بولے نہیں اور بھائی گورو داس جی کو ناکام لوٹنا پڑا! زاں بعد گوروارجن صاحب نے بابا بڈھا جی کو اس کام کے لیے بھیجا۔ بابا بڈھا جی اس وقت تمام سکھ جماعت میں ایک ولی اللہ کی حیثیت سے معزز اور واجب التعظیم مانے جاتے تھے۔ امید تھی کہ آپ ضرور کتابیں

لے آئیں گے۔مگر باباجی کی ہزار کوششوں کے باوجود بھائی موہن نے مراقبہ سے سر نہ اٹھایا اور باباجی کو بھی بے نیل مرام واپس آنا پڑا۔

بالآخر گوروارجن صاحب خود گوئندوال پہنچے اور بھائی موہن جی کے مکان پر جا کر شبد گانا شروع کیا۔

موہن تیرے اونچے مندر محل اپارا موہن تیرے سوہن دوار جیو سنت دہر سالہ

موہن تیرے بچن انوپ چال نرالی موہن تو مانے ایک جی اور سب رالی

موہن تدھ ست سنگت دھیاوے درس دھیانا موہن جم نیڑ نہ آوے سدھ جچھے ندآنا

موہن توں سپھل پھلیا سن پر وارے موہن پُتر میت بھائی کٹنب سب تارے

(گوڑی محلّہ۔5۔چھنت)

یہ شبد سن کر بھائی موہن جی مراقبہ سے بیدار ہوئے۔آنکھ کھلی تو گوروارجن صاحب سامنے نظر آئے۔ پہلے تو بہت خفا ہوئے اور گالیاں بھی دیں، کیونکہ کچھ خاندانی عداوت تھی۔مگر پھر گوروصاحب کا صبر دیکھ کر کچھ گفتگو شروع کی۔جب گوروصاحبان کے کلام کو جمع کر کے کتابی صورت میں ایک گرنتھ بنانے کا حال اور اس کے لیے اُن مسودوں کے مطالبے کو سنا تو دونوں مسودے گوروارجن صاحب کے حوالے کر دیئے۔گوروصاحب ان کتابوں کو اپنے سرِ مبارک پر رکھ کر پابرہنہ امرتسر پہنچے۔ان ہر دو کتب سے بھی گوروصاحب نے جو مناسب سمجھا نقل کر لیا۔یہ دونوں کتابیں اب تک موجود ہیں۔رسم الخط پرانا ہے، پڑھا نہیں جاتا۔زبانی کلام یاد ہو تو کچھ پڑھا جاتا ہے۔ان میں سے اس وقت ایک کتاب امرتسر کٹڑہ مہاں سنگھ میں ہے اور دوسری موضع گوئندوال میں بدھ سنگھ و چیت سنگھ کے گھر میں ہے۔(تواریخ گوروخالصہ 740 اردو، 724 گورمکھی، گوروتیرتھ سنگھ مصنفہ پنڈت تاراسنگھ صفحہ 40 اتہاس، گوروخالصہ مؤلفہ لابھ سنگھ اینڈ سنز کتب فروش بازار مائی سیواں امرتسر صفحہ 100، بانی بیورا شائع کردہ از خالصہ ٹریکٹ سوسائٹی امرتسر)

اپنے کلام کی ایک قلمی کتاب گورونانک صاحب سنگلادیپ (سیلون) میں راجہ شونابھ کے ہاں چھوڑ

آئے تھے۔اس کتاب کا نام پران سنگل تھا۔گوروارجن صاحب نے بھائی پیڑے موکھے کو بھیج کر یہ نسخہ بھی وہاں سے منگوا لیا اور اس میں سے بھی جتنا مناسب سمجھا لکھ لیا۔اس کتاب کا مفصل ذکر بھائی بنو والی بیڑ میں ہے۔ (تواریخ گورو خالصہ 741 اردو، 725 گورمکھی) پران سنگل کا نسخہ کم یاب ہے۔ایک مرتبہ مولوی عصمت اللہ صاحب کے ہمراہ کتب خانہ حفظ العلوم دیکھنے کا اتفاق ہوا۔وہاں خاکسار نے ایک پرانا قلمی نسخہ پران سنگل کا دیکھا۔جو شاہ فرخ کے زمانہ میں جسونت سنگھ سیال کوٹی نے اصل نسخہ سے نقل کیا معلوم ہوتا ہے۔کتب خانہ حفظ العلوم لاہور میں ڈاکٹر حفظ الرحمٰن صاحب کا کتب خانہ ہے۔جس میں پرانی قلمی کتابیں ہیں جو ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت اور صرف کثیر سے بہم پہنچائی ہیں۔

محمد یوسف گرنتھی، مبلغِ اسلام

❁❁❁

27 ستمبر 1930ء

حضرت امیر کے قلم سے

درسِ قرآن، قرآن کریم کی روشنی میں

تفسیر قرآن بالقرآن ایک مسلّمہ اصول ہے اور خود قرآن شریف نے ہی قائم کیا ہے۔ اس کو عملی رنگ میں لانے کے لیے میں یہ چاہتا ہوں و باللہ التوفیق کہ اس موسم سرما میں قرآن کریم کا درس اس رنگ میں شروع کیا جائے کہ ایک ایک مضمون کو لے کر اس پر حتی الوسع کل آیاتِ قرآنی کو جمع کیا جائے۔ اور پھر ان کو لغت کی، اور جہاں ضرورت ہو، حدیث کی مدد سے تطبیق دے کر قرآن کریم کے اصل مفہوم اور منشا کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ قرآن کریم ایک ترتیب اور اصول پر مبنی ہے اور اس میں جو تذکرے انبیاءؑ کے آجاتے ہیں یا جو بنیادی اصول مذہب کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی توحید، اس کی صفات، اعمال کی جزا و سزا، حساب و کتاب، بہشت و دوزخ، نبوت، وحی، کتاب یا جو دیگر خوابیں جیسے معجزات پیشگوئیاں، مسائلِ تقدیر و توکل وغیرہ یا جو اخلاق فاضلہ کے متعلق تعلیم ہے یا تمدن اور معاشرت وغیرہ کے بیان ہوئے ہیں یا دیگر مذاہب، ان کے عقائد یا کتب کے متعلق جو بیان فرمایا ہے، وہ متفرق مقامات پر اس مقام کی ضرورت کے لحاظ سے بیان ہوا ہے۔ اور قرآن کریم کے اصل منشا اور مفہوم کے سمجھنے کے لیے یہ ضرورت ہے کہ ان سب آیات پر، جن میں کسی خاص مضمون کا ذکر یکجائی طور پر غور کیا جائے تا کہ ایسا نہ ہو کہ ایک مقام کو ہم ایسے طریق پر حل کریں کہ وہ قرآن کریم کی اپنی تشریح کے خلاف ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح پر قرآن کریم کو پڑھنے سے نہ صرف پڑھنے والوں کا علم ہی ترقی کرے گا بلکہ باہمی اختلافات بھی بہت کم ہو جائیں گے۔ یہ درس امید ہے کہ 15 اکتوبر کے قریب شروع ہو سکے گا۔ کس ترتیب سے ہوگا؟ ٹھیک کونسی تاریخ سے شروع ہوگا؟ کس مقام پر ہوگا؟ ہفتے میں کتنے ایام اور کونسے اوقات میں ہو گا؟ ان سب امور سے بعد میں اطلاع دے دی جائے گی۔ بیرونجات سے اگر کوئی احباب تشریف لانا چاہیں تو وہ 15 اکتوبر سے پہلے پہنچنے کی کوشش کریں اور اطلاع بھی دیں تا کہ ان کی رہائش وغیرہ کا انتظام ہو سکے۔ ایسے احباب اگر پسند کریں گے تو ان کی یہاں اقامت کے ایام میں زبان عربی حدیث یا دیگر دینی کتب کی تعلیم کا انتظام

بھی ہو سکے گا۔ والسلام

محمد

❁❁❁

27 ستمبر 1930ء

از مرزا مظفر بیگ ساطع

شذرات

قادیانیوں پر خدا رحم کرے کہ اگر ایک طرف انہوں نے حضرت صاحب کے الہام اِنَّھُمْ یَتَزَایَدُوْنَ کے مطابق غلو کیا تو دوسری طرف وہ اِنَّھُمْ قَدْ مَالُوْااِلٰی سِیرَتِھِم الْاُوْلٰی کے مطابق اپنے زمانہ جاہلیت کی باتوں کی طرف پھر پہل کر گئے اور یوں خدا کے مامور کے یہ دونوں الہام حرف بحرف پورے ہو گئے۔ اول الذکر چیز یعنی غلو کے متعلق تو کچھ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ دنیا جانتی ہے کہ ان لوگوں نے کس قدر غلو کیا اور کتنا آگے بڑھ گئے۔ البتہ مؤخر الذکر چیز کے متعلق آج کی فرصت میں ہم قارئین شذرات کے تفنن طبع کا کچھ سامان مہیا کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ کن توہمات میں پڑے ہوئے ہیں!

ماشاء اللہ! آج اگر خلافت مآب کی دعاؤں سے کسی کو بیٹا مل رہا ہے تو کسی کو ملازمت اور کسی کو بیماری سے شفا ہو رہی ہے تو کسی کے کاروبار میں ترقی۔ غرض قادیانیوں کے سارے دھندے آج حضرت کی دعاؤں سے ہی چل رہے ہیں۔ اور یوں حضرت کی دعا ''امرت دھارا'' کی طرح ہر مرض کا علاج ثابت ہو رہی ہے۔ اگر یہ معاملہ اسی حد تک رہتا تو ہمیں کوئی اعتراض نہ تھا۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ اگر کسی غیر قادیانی کے سر میں بھی درد ہو تو بغلیں بجائی جاتی اور بتلایا جاتا ہے کہ تمہاری یہ تکالیف حضرت خلافت مآب کی مخالفت اور آپ کی بد دعا کی وجہ سے ہے۔ قادیانی غیر قادیانیوں کے مصائب اور مشکلات پر زیرِ لب خندہ ہو کر انہیں ڈراتے دھمکاتے رہتے ہیں کہ حضرت کے آگے جھک جاؤ، ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ گویا ایک طرف اگر حضرت کی دعا ''امرت دھارا'' کا کام دے رہی ہے تو دوسری طرف آپ کی بد دعا پلیگ پھیلانے والے چوہوں کو بھی مات کر رہی ہے۔ اور خدا مجبور ہے کہ آپ کے ہاتھوں موم کی ناک بن کر الٹے سیدھے چکر کاٹے۔ اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ ہو۔

الفضل کا مطالعہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہ ہوگا اس کے پہلے صفحہ کا کالم اکثر جناب خلیفہ کی ناسازیٔ

طبع کی تشہیر کے لیے وقف رہتا ہے۔ خاندانِ نبوت کا یہ چشم و چراغ اکثر بیمار ہی سنا جاتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے کہ مریدوں پر اثر ہو کہ حضرت اتنی تکالیف جسمانی کے باوجود کام کرتے اور بارِ خلافت کو اٹھائے پھرتے ہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ جن کی دعاؤں سے دوسروں کی بیماریاں کافور ہو جاتی ہیں وہ خود آئے دن انواع و اقسام کی بیماریوں کے ہاتھوں یوں بے طرح کیوں مجبور ہیں۔ اور آپ کی امرت دھارا ''دعا کی شیشی'' قصرِ خلافت کی کس الماری کے کس کونے میں دھری رہ جاتی ہے کہ آپ تکلیف اٹھاتے ہیں۔ یا ہم یہ سمجھیں کہ آپ کو اپنی دعا سے فائدہ نہیں ہوتا۔ کیا پنڈت ٹھاکر دت جی، موجد ''امرت دھارا'' اس پر روشنی ڈالنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ کیا جب وہ خود بیمار ہوتے ہیں انہیں ان کا ایجاد کردہ ''امرت دھارا'' کچھ فائدہ دیتا ہے کہ نہیں۔ غرض اگر یہ صحیح ہے کہ حضور خلیفہ صاحب آئے دن بیمار رہتے ہیں اور قادیانی بھی بیکاری، اولاد سے محرومی، ملازمت سے برطرفی، تجارتی نقصان، فصلوں کی بربادی اور جسمانی امراض وغیرہ وغیرہ ہر طرح کے سمندر میں ڈبکیاں کھاتے رہتے ہیں تو سوال ہے کہ آخر انہیں یہ تکالیف کس کی مخالفت کی وجہ اور کس کی بد دعا کے نتیجہ میں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے توہمات سے ہر مسلمان کو بچائے۔ یہ صرف انبیاءؑ اور مامورین کا مقام ہے کہ مخالفین پنپنے نہیں پاتے۔ ورنہ یہ منہ اور مسور کی دال!

ایک دفعہ ہم اپنے ایک قادیانی سب اسسٹنٹ سرجن دوست کے ہاں بیٹھے ذکر کر بیٹھے کہ آج کل مسلمانوں کو پیروں نے ایسا اُلو بنا رکھا ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ ایبٹ آباد میں ایک پیر صاحب تشریف لائے تو زیارت کی خاطر لوگ جوق در جوق جمع ہوئے۔ محفل خوب گرم تھی کہ ایک صاحب نے کوئی چبھتا ہوا اعتراض کر دیا۔ بس پھر کیا تھا، حضرت کی رگوں میں خون کھولنے لگ گیا۔ اور بنفس نفیس اٹھ کر لاتوں اور گھونسوں سے اوپر نیچے جوابات عطا کئے۔ پٹ جانے کے بعد معترض صاحب نے ہوش سنبھالی تو بگڑ کر کہا! اخلاق کا کیا ہی اچھا نمونہ ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو محمد رسول اللہ ﷺ کے جانشین قرار دیتے ہیں۔ کیا حضورؐ کے بھی نعوذ باللہ یہی اخلاق تھے۔ اس پر حضرت پیر صاحب کے خلفاء آگے بڑھے۔ پٹ جانے والے معترض کے ارد گرد ہو کر مبارک سلامت کا شورِ محشر بپا کر دیا اور کہنے لگے میاں مبارک ہو تم تو بڑے خوش قسمت ہو۔ تمہارے بھاگ کھل گئے۔ حضرت نے تمہیں بنفس نفیس پیٹا۔ کیا تم نے قلندر کا طمانچہ نہیں سنا کہ انسان کو کیا سے کیا بنا دیتا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ معترض اُلو کو اپنی ساری

ذلت فراموش ہوگئی اور حضرت پیر صاحب کے قدموں پر گر پڑا اور بیوقوف اپنی قسمت پر پھولا نہ سمایا!

یہ واقعہ ہم نے اپنے قادیانی دوست کو سنانے کے بعد کہا کہ پیر اور ان کے خلیفے بھی کیسے ہوشیار ہوتے ہیں۔ اپنی انتہائی بد اخلاقی کو کس خوبصورتی سے ٹال دیا اور یہ ساری مصیبتیں مسلمانوں پر صرف جہالت اور توہمات پرستی کی وجہ سے ہیں۔ ہمارے دوست ڈاکٹر ہمارے ایک ایک لفظ کی تائید کرتے چلے گئے کہ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ اسی وقت ڈاکٹر صاحب کے نام کی ڈاک آئی۔ اس میں ''الفضل'' بھی تھا۔ جو ہم نے اٹھا کر پڑھنے کی غرض سے کھول ڈالا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ہمیں ''الفضل'' کے صفحات میں بھی ایک ایسا ہی قصہ مل گیا اور ہمیں بے حد افسوس ہوا۔

''الفضل'' کے اس پرچہ میں ایک قادیانی بزرگ نے لکھا تھا کہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ کی بات ہے کہ ان کا بیٹا اور شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم کا بیٹا آپس میں لڑ پڑے۔ آخر کسی نے حضرت مسیح موعود سے شکایت کر دی کہ شیخ رحمت اللہ صاحب کے بیٹے کو فلاں لڑکے نے مارا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اس لڑکے کو پکڑ لاؤ اور میرے پیش کرو۔ چنانچہ ان کے لڑکے کو پکڑ کر حضرت کے پیش کیا گیا۔ حضرت نے سزا کے طور پر ان کے بیٹے کے منہ پر طمانچہ مارا۔ چند آدمیوں نے کہنا شروع کیا کہ دیکھئے ایک دولت مند کے بیٹے کی رعایت کی گئی اور محض اسے اور اس کے دولت مند باپ کو خوش کرنے کی غرض سے حضرت صاحب نے ایک غریب کے بیٹے کو مارا۔ قادیانی بزرگ فرماتے ہیں کہ خود مجھے بھی صدمہ ہوا کہ غریب ہونے کی وجہ سے ہم سے یہ سلوک روا رکھا گیا ہے۔ لیکن آج معلوم ہوا کہ وہ طمانچہ قلندر کا طمانچہ تھا۔ جس کی برکت سے میرا بیٹا بیرسٹر بن گیا ہے ؎

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

ہم نے اپنے قادیانی دوست کو ''الفضل'' دکھاتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! ایبٹ آباد والے اس پیر کے قصے اور ''الفضل'' کے اس قصہ میں کیا فرق ہے؟ اور خیال فرمائیے کہ آپ کی جماعت کن توہمات کا شکار ہو رہی ہے۔ کیا یہی اسلام ہے؟ ڈاکٹر صاحب سخت خفیف ہوئے اور آخر فرمانا ہی پڑا کہ صاحب یہ سب فضول باتیں ہیں اور ویسے ہی خوش فہمیاں ہیں۔ (ہم اپنے تجربہ کی بنا پر کہتے ہیں کہ ''الفضل'' کا پرچہ پہنچنے سے قبل اگر ایبٹ آباد والے پیر صاحب کا ذکر نہ ہو چکا ہوتا تو ڈاکٹر صاحب ضرور اکڑ جاتے۔ مگر بدقسمتی سے پہلے اقرار کر بیٹھے

تھے۔ساطع)

حضرت مسیح موعود تو ان توہمات اور پیر پرستوں کو دنیا سے مٹانے آئے تھے۔مگر آہ! آج قادیان والے انہی باتوں پر آ گئے ہیں۔''اِنَّھُمْ قَدْ مَالُوْا اِلٰی سِیرَتِھِمُ الْاُوْلٰی'' (کہ اوشاں سوئے عادتہا پیش میل کردہ اند) یقیناً کسی انسان کا کلام نہیں ہوسکتا۔بلکہ یہ اس خدائے عزوجل کی طرف سے اطلاع ہے جو علیم کل ہے اور آج ہم اس الہام کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں۔

3 نومبر 1930ء

درس قرآن کریم

تفسیر القرآن بالقرآن

چند تمہیدی باتیں!:

سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضرت مولٰینا محمد علی نے فرمایا کہ اس سلسلہ درس میں خیال یہی ہے کہ پہلے جو مضمون لیا جائے وہ ہستی باری تعالیٰ ہو۔ کیونکہ یہی مضمون مذہب کی بنیاد ہے۔ اگر ہستی باری تعالیٰ کو ثابت کر دیا جائے تو پھر مذہب کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کو شروع کرنے سے پیشتر میں چند باتیں بطور تمہید کہنا چاہتا ہوں۔ تاہم یہ چند باتیں انشاء اللہ حسب دستور تمہید مولویان نہ ہوں گی کہ سارا وقت تمہید میں ہی خرچ کر دیا جائے۔ بلکہ چند ضروری باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو کچھ سنایا جائے وہ ایک خاص مقصد کو سامنے رکھ کر سنایا جائے۔ یعنی ہماری غرض ازدیاد علم ہو۔ ورنہ یہ طریق مفید نہیں کہ میں کچھ بول دوں اور آپ صرف سن جائیں۔ علم حاصل کرنے کے لیے اور اصل غرض اور مقصد کو سمجھنے کے لیے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں بھی کچھ تیار کر کے لاؤں اور آپ اس کو نوٹ کرنے کے لیے تیار ہو کر آئیں۔ جو کچھ سنا جائے اس کی کوئی یادداشت رکھ لی جائے تو زیادہ مفید ہوگا۔ نوٹ کرنے سے توجہ بھی سنتے وقت زیادہ کرنی پڑتی ہے اور جو شخص نوٹ نہیں کرتا اس کی توجہ سننے کی طرف بھی عموماً اس قدر نہیں رہتی۔ چونکہ ہم لوگوں کو اکثر دوسروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے، یاد رکھی ہوئی اور نوٹ کی ہوئی باتیں کبھی نہ کبھی کام دے جاتی ہیں۔ اب میں مختصر طور پر ان چند باتوں کو بیان کرتا ہوں۔

تفسیر القرآن بالقرآن سے مراد:

اصول تفسیر القرآن بالقرآن جس کو کہا جاتا ہے یہ ضروری امر ہے کہ میں پہلے اس کی تشریح کر دوں۔ اس اصول سے مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف میں جتنی آیات کسی ایک مضمون کے متعلق آتی ہیں ان کو جمع کر کے

ایک آیت کو دوسری آیت کی روشنی میں حل کیا جائے۔ یوں تو بعض لوگوں نے تفسیر القرآن بالقرآن کے نام سے کتابیں لکھی ہیں۔ مگر انہوں نے اس اصول کو کسی وسیع پیمانہ پر ملحوظ نہیں رکھا اور نہ اس اصول کو پورے طور پر ہر جگہ مدنظر رکھا ہے کہ ایک مضمون کے متعلق جس قدر آیات قرآن شریف میں آئی ہیں ان سب کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے اور ان سب پر ترتیب وار نظر ڈالی جائے۔ بلکہ اکثر ایسا کیا ہے کہ ایک آیت کی تفسیر اپنے خیال میں جس آیت میں نظر آئی اس کو لے لیا ہے اور اس مضمون کی باقی آیات کو چھوڑ دیا۔ ہمارے مدنظر یہ طریق ہے کہ ایک مضمون کے متعلق جملہ آیات کو جمع کر لیا جائے۔

دوسری بات جو میں مدنظر رکھوں گا وہ یہ ہے کہ ان جمع کردہ آیات کا مطلب سمجھنے کے لیے ان آیات کو، جن میں کوئی عام اصول بیان ہوا ہے، دوسری آیات پر مقدم کیا جائے۔ قرآن شریف کے سمجھنے کے لیے یہ اصول خود قرآن کریم نے بیان کیا ہے: هُوَالَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (7:3) یہاں بیان یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف میں دونوں قسم کی آیات ہیں۔ یعنی کچھ محکم اور کچھ متشابہ۔ اس آیت کے متعلق تفصیلی بحث تو پھر کسی وقت آئے گی۔ یہاں میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جن آیات کو محکمات کہا گیا ہے۔ ان کو اُم الکتاب کہا ہے۔ اُم کہتے ہیں ماں کو یا اصل جڑ کو۔ گویا آیات محکمات کیا ہیں؟ وہ ام الکتاب یا اصول کتاب ہیں۔ اس آیت میں قرآن شریف کی تفسیر کا طریق بیان فرمایا ہے اور بتایا یہ ہے کہ وہ آیات جن میں اصول بیان ہوئے ہیں یا کسی بات کا اصول بتایا ہے، تمام آیات میں ان کو مقدم کر لیا جائے۔ مثال کے طور پر میں بتاتا ہوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا جہاں جہاں ذکر ہے، اس میں ایسے الفاظ بھی آجاتے ہیں کہ جن سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ یہاں بھی کم وبیش، گو اعلیٰ پیمانہ پر ہی سہی، ایک انسان ہے۔ ایک جگہ یہود کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھوں کا ذکر بھی ہے۔ فرمایا وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (64:5) یہود نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بند ہیں۔ انہی کے ہاتھ بند کیے گئے ہیں، وہ اپنے اس قول کی بنا پر لعنت کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے اور فراخ ہیں۔ اس پر ایک اعتراض یہ ہوسکتا ہے کہ کیا اس کے ہاتھ بھی دو ہیں؟ جیسے انسان کے دو ہاتھ ہیں۔ اس قسم کے اور الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن شریف میں آئے ہیں۔ ان تمام کے جواب میں ایک جگہ

اصول کے طور پر بیان فرمایا لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ (11:42) یہاں قرآن شریف نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق ہمیں اپنی عقل اور فکر سے جواب دینے کا محتاج نہیں چھوڑا کہ ہم خود یہ اندازہ لگائیں کہ اس کی ذات ان الفاظ کی متحمل ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اگر ایک جگہ ہاتھوں کا ذکر کیا تو دوسری جگہ جواب دے دیا کہ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ (11:42) کہ اس کی مانند کوئی شئے نہیں۔ ہم اس کو دنیا کی کسی چیز پر قیاس نہیں کریں گے۔ یعنی اس کے ہاتھ مخلوق کے ہاتھوں کی مانند کوئی مادی اور جسمانی ہاتھ نہیں۔ ایسی آیات کے بارہ میں یہ ایک اصول ہے کہ جو قرآن شریف نے بیان فرمادیا ہے یا ایک دوسری جگہ ایک اور اصول کو بیان کیا ہے: خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ (16:13) اللہ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ بلکہ ایک اور جگہ اس سے بھی بڑھ کر صاف الفاظ میں بیان فرمایا: اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوۡا کَخَلۡقِہٖ فَتَشَابَہَ الۡخَلۡقُ عَلَیۡہِمۡ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّہُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَھَّارُ۔ (16:13) کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بالمقابل ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اس کی ہی مخلوق پیدا کی ہو۔ پھر ان کو ساری مخلوقات یکساں نظر آتی ہو۔ کہو اللہ ہی ساری چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ایک ہی سب پر غالب ہے۔

اس آیت میں صاف طور پر ذکر ہے کہ کوئی اور شخص اس قسم کی چیز خلق نہیں کرسکتا کہ جو خدا کی مخلوق کے ساتھ مشتبہ ہو جائے اور یکساں معلوم ہوتی ہو۔ اس آیت کی بنا پر خلق خاصہ باری ہے اور یہ خاصہ کسی اور کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا۔ اور اگر یہ لفظ کسی اور کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی اور لیے جائیں گے، ورنہ وہ اصول کے خلاف ہوں گے۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جو قرآن شریف کے مطالب کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ پس ہر ایک مضمون کے متعلق تمام آیات کو جمع کرنے کے بعد پہلے اصول کو لینا ہے اور پھر باقی آیات کو اس اصول کے ماتحت کرنا ہے۔ اس طرح سے قرآن کریم کی تمام آیات اَللّٰہُ یَسۡتَھۡزِئُ بِھِمۡ (15:2) اور خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِھِمۡ (7:2) وغیرہ کو اصول کے ماتحت کر کے حل کرنا چاہئے ورنہ اس کے بغیر اگر آپ قرآن شریف کو حل کرنا چاہیں گے تو بھول بھلیاں میں پڑ جائیں گے۔

تیسری بات جو میں بتانا چاہتا ہوں گو وہ قرآن شریف کے سمجھنے میں ضروری نہ ہو مگر اس کو مدنظر رکھنے سے انسان کے اندر علم اور تحقیقات کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے اس تیسرے اصول کو بھی تفسیر کرتے ہوئے مدنظر رکھنا چاہئے۔ اور وہ قرآن شریف کی ترتیب نزولی سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف اس وقت جو ہمارے

پاس اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے لے کر وَالنَّاسِ تک موجود ہے یہ اسی ترتیب پر نازل نہیں ہوا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ پر سب سے پہلی سورۃ جو نازل ہوئی وہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. (1:96) ہے اور یہ موجودہ ترتیب میں نمبر 96 کی سورۃ ہے۔ اور اس کے بعد جو سورۃ نازل ہوئی وہ یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَاَنْذِرْ. (74:1-2) ہے۔ یہ بھی اس ترتیب میں 74 پر ہے۔ اس طرح سارے قرآن شریف کی ترتیب نزولی اور ہے اور موجودہ ترتیب اور ہے۔ اس پر یہ شبہ بھی ہوسکتا ہے کہ ترتیب نزولی الٹ پلٹ کیوں کر دی گئی۔ یہ مضمون بھی اپنی جگہ پر آجائے گا۔ مختصر طور پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ موجودہ ترتیب بھی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے ماتحت ہے۔ اور اس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ (17:75) اور حدیث میں بھی ہے کہ جس وقت آپؐ پر کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی تھی تو رسول اللہ ﷺ کاتب کو بلا کر حکم دیتے تھے کہ اس آیت یا سورۃ کو فلاں موقع پر رکھو۔ یعنی قرآن شریف ایک ترتیب پر نازل ہوتا تھا اور پھر کسی حکمت کے ماتحت اس کو ایک دوسری ترتیب پر جمع کیا جاتا تھا۔ اور یہ ترتیب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہی تھی، اسے خواہ وحی خفی کہہ لو۔ ترتیب نزولی کسی مضمون کے سمجھنے کے لیے بہت مفید ہے۔ اور اس کو مدنظر رکھنے سے یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ وہ مضمون رفتہ رفتہ کس طرح اپنے کمال کو پہنچا۔ اس طرح پر قرآن شریف کو دیکھنے سے اس کا ایک بہت بڑا اعجاز نظر آتا ہے کہ کس طرح سے ایک لمبے زمانہ کے متفرق پڑے ہوئے خیالات درحقیقت ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔ اس ترتیب سے انسانی دماغی کام نہیں کرسکتا۔ وہ لوگ کہ جو تصنیف کا کام کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ انسان کس طرح ایک مضمون کو شروع سے آخر تک پہنچانے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اس طرح متفرق خیالات کو متفرق اوقات پر ایک لمبے عرصہ میں تکمیل تک پہنچانا انسانی دماغ کا کام نہیں۔ پھر ایک شخص کی زندگی میں بیشمار تغیرات آتے ہیں۔ آج وہ کہیں ہے دو سال بعد کہیں۔ کبھی گھر کے اندر ہے اور کبھی باہر۔ مصیبت کے وقت اور بادشاہت کے وقت جنگوں میں اور سفر میں، دن کے وقت اور رات کے وقت ایک شخص پر کلام نازل ہو رہا ہے۔ مگر وہ سارا کا سارا کلام ایک عرصہ کے بعد متفرق خیالات کا مجموعہ نہیں رہتا۔ بلکہ نہایت کامل اور مکمل مضامین کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ انسان کی عادت ہے کہ وہ ایک ہی مرتبہ خیالات کو جمع کر کے مکمل کرنا چاہتا ہے۔ مگر قرآن شریف تئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ مگر اس کا ہر ایک بعد میں نازل ہونے والا ٹکڑا پہلے کی تکمیل کرتا ہے۔ پس ترتیب نزولی کے لحاظ سے قرآن کریم کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ مگر اس کو جلدی مکمل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر آج اس طرز پر قرآن شریف کی تفسیر کا سلسلہ شروع کر دیا

جائے تو آئندہ کسی وقت یہ قرآن کے اعجاز کو ثابت کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہو جائے گا۔

کسی مضمون پر اس ترتیب کے لحاظ سے کچھ بیان کرنے سے پہلے قرآن شریف کی ترتیب نزولی کو نوٹ کر لینا چاہئے۔ کیونکہ ترتیب مضامین دینے کے لیے اس کا نوٹ کرنا نہایت ضروری ہے۔ شاید کوئی شبہ کرے کہ ترتیبِ نزولی کا علم پورا پورا نہیں ہے۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ترتیبِ نزولی کا بھی ہمیں ایک حد تک علم ہے۔ جس قدر قرآن شریف طبع شدہ ملتے ہیں ان سب میں لکھا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور یہ مدنی ہے۔ اور یہ بھی ابتدا سے، یعنی جب سے قرآن شریف لکھا گیا، لکھا ہوا موجود ہے۔ اس سے قرآن شریف کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔ اس ترتیب کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عموماً مکی سورتوں کا زیادہ حصہ ایک وقت میں نازل ہوتا تھا اور مدنی سورتوں میں تھوڑا تھوڑا حصہ نازل ہوتا تھا۔ البتہ مکی سورتوں کے سال معین نہیں ہو سکتے، زمانے متعین ہو سکتے ہیں۔ اور میں نے اس حصہ کو تین زمانوں پر تقسیم کیا ہے۔ پہلے پانچ سال کو ابتدائی مکی زمانہ رکھا ہے۔ اس کے بعد پانچ سال درمیانی زمانہ مکی اور آخر 3 سال آخری مکی زمانہ قرآن۔

قرآن کریم کی ترتیبِ نزولی:

قرآن کریم کی آخری سورتیں پارہ 29 سورہ الملک نمبر 67 سے لے کر 114 سورۃ الناس تک سب کی سب سورتیں ابتدائی مکی زمانہ کی ہیں۔ سوائے ایک سورۃ النصر کے جو بلحاظ مقام مکہ میں نازل ہوئی لیکن بلحاظ زمانہ مدنی ہے۔ کیونکہ اس کا نزول حجۃ الوداع میں ہوا۔ ابتدائی کل سورتوں میں یہ آپ عجیب بات دیکھیں گے کہ ان میں زیادہ حصہ پیشگوئیوں کا ہے کہ جو آخری زمانہ میں جا کر پوری ہوتی ہیں۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترتیب بھی الٰہی ہے۔ یوں اس سورۃ النصر میں گویا تمام ابتدائی مکی سورتوں کی، جو پیشگوئیوں سے بھری ہوئی ہیں، تکمیل ہے۔ اس لیے اسے ان کے خاتمہ پر رکھ دیا ہے۔ گویا یہ کل 47 سورتیں ابتدائی مکی زمانہ کی ہیں۔ اور سورہ الفاتحہ بھی بہت ابتدائی زمانہ کی ہے۔ ان 48 کے علاوہ سات سورتیں قٓ سے لے کر الواقعہ تک اسی ابتدائی زمانہ کی ہیں اور پانچ سورتیں بنیٓ اسرآئیل، الکھف، مریم، طٰہٰ، الانبیاء بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہیں، یہ کل 60 سورتیں ہیں۔

درمیانی مکی زمانہ:

ان تمام سورتوں میں خصوصیت سے یہ بات نظر آتی ہے کہ کس طرح سے قرآن شریف کا روئے سخن ابتداً کل اقوام کی طرف ہے۔ عیسائیت کی تاریخ اور تردید ابتدائی مکی سورتوں میں ہے۔

ترتیب کے لحاظ سے دوسری بات، جو یاد رکھنے کے قابل ہے، بعض سورتوں کے مختلف مجموعے ہیں۔ مثلاً حٰمٓ کی سات سورتیں سورہ المؤمن سے الاحقاف تک۔ اسی طرح سے ایک الٓمٓ کی سورتیں ہیں کہ جن میں سے دو مدنی ہیں۔ یعنی سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران اور چار مکی ہیں یعنی العنکبوت، الروم، لقمان اور السجدہ۔ ایک مجموعہ الٓرٰ کا ہے کہ جو دسویں سورۃ یعنی یونس سے لے کر 15 ویں سورۃ الحجر تک ہے۔ سورۃ النحل بھی اسی مجموعے میں داخل ہے۔ گو وہ الٓرٰ سے شروع نہیں ہوتی۔ ایسا ہی ایک مجموعہ طٰسٓ اور طٰسٓمٓ سورتوں کا ہے۔

درمیانی مکی زمانہ کی نازل شدہ سورتیں ایک تو الٓمٓ کی چاروں مکی سورتیں ہیں اور دوسری سورتیں جو ان کے بعد آتی ہیں یعنی سبا، فاطر، یٰسٓ، الصّٰٓفّٰتُ، الزمر (ان دونوں کے درمیان ایک مدنی سورۃ الاحزاب ہے، جو نمبر 33 پر ہے) اور اس کے بعد حٰمٓ کی سات سورتوں کا مجموعہ ہے۔ گویا انتیسویں سورۃ سے لے کر چھیالیسویں تک سوائے الاحزاب کے سب اس درمیانی مکی زمانے کی سورتیں ہیں۔

آخری زمانہ کی مشہور اور لمبائی میں بھی سب سے زیادہ سورتیں الانعام اور الاعراف ہیں۔ الانعام میں توحید کا مضمون ہے اور الاعراف میں نبوت کا۔ ان کے ساتھ الٓرٰ والی سات سورتیں اور الحج، المومن اور الفرقان اور مجموعہ طٰسٓ تین سورتیں ہیں۔ البقرہ، آل عمران، النسآء اور المائدۃ یعنی دوسری تیسری چوتھی پانچویں سورتیں ہیں جو اس ترتیب سے نازل شدہ ہیں۔ پھر 9,8 بھی مدنی ہیں۔ جن میں سے الانفال جنگ بدر کے متعلق اور ابتدائی زمانہ کی ہے اور التوبۃ آخری زمانہ کی جنگوں کے متعلق ہے۔ اور سب سے آخری مدنی زمانہ کی نازل شدہ ہے۔ پھر سورۃ 24 یعنی النور مدنی ہے۔ پھر سورۃ نمبر 33 یعنی الاحزاب مدنی ہے۔ پھر 47 یعنی سورۃ محمد اور 48 یعنی سورۃ الفتح اور 49 یعنی سورۃ الحجرات مدنی ہیں۔ پھر 57 سے لے کر 66 تک دس مدنی سورتیں ہیں۔ یہ قرآن شریف کی تاریخی ترتیب ہے کہ جس کو مضامین کی زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے یاد رکھنا چاہئے۔

ہستی باری تعالیٰ پر دلائل:

اب میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے پہلے ہم ہستی باری تعالیٰ کے مضمون کو لیں گے۔ اس مضمون کے متعلق ساری آیات کو میں نوٹ نہیں کرواتا، اس کو اگلے درس پر رکھتا ہوں۔ سب سے پہلی بات، جو یاد رکھنے کے قابل ہے، وہی ہے کہ پہلے اصول کو لے لو تو اس کے معنوں کے سمجھنے میں دقت کم ہو جائے گی۔

ہستی باری تعالیٰ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ میں اس کو کتاب کی طرح بتا دوں کہ جس طرح یہ کتاب میرے ہاتھ میں ہے، اس طرح خدا یہ ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ وہ ذات حواس سے ماخوذ کرنے کی چیز نہیں۔ حواس جن سے ہم چیزوں کو محسوس اور معلوم کرتے ہیں وہ ان سے محسوس نہیں ہو سکتا۔ البتہ غیر مادی چیزوں کا جس طرح علم حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح اس کی ہستی کا علم بھی ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اس اصول کو خود ہی بیان کیا ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے قرآن شریف میں سب سے پہلی سورۃ البقرہ ہے کہ جس سے قرآن شریف کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس میں فرمایا: الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (3:2) وہ لوگ کہ جو اَلْغَیْبُ پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اَلْغَیْبُ کہا ہے۔ لیکن لغت میں اَلْغَیْبُ کس کو کہتے ہیں۔ مفردات راغب میں ہے، اور یہ اعلیٰ درجے کی قرآن شریف کی فلسفیانہ لغت ہے۔ اس لغت میں لکھا ہے کہ بِالْغَیْبِ وہ چیزیں ہیں کہ جن کو ہم اپنے حواس ظاہری سے نہیں پا سکتے۔ پس سب سے پہلے اللہ کی ذات کے متعلق یہ بات یاد رکھیئے کہ وہ اَلْغَیْبُ ہے۔ یعنی دیکھنے سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی کوئی چیز نہیں۔ بلکہ اس کا علم ایسے طریق پر حاصل ہوتا ہے کہ جس طرح غیب یعنی حواس سے نہ محسوس ہونے والی چیزوں کا علم حاصل ہونا چاہیئے۔ ایک مشہور غیب آئندہ کے ہونے والے واقعات ہیں۔ جن کا علم ان حواس سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ خواب، کشف، الہام اور وحی سے وہ علم حاصل ہوتا ہے۔ دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہوں گے، مسلمان ہوں یا غیر مسلم جنہوں نے خود اپنی زندگی میں اس قسم کے غیب کا مشاہدہ کیا ہوگا۔ یعنی کوئی سچی خواب دیکھی ہوگی جو پوری ہو کر رہی۔ تو غیب کے معلوم کرنے کے لیے جو ذریعہ ہے کہ جن سے غیب کی اور باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس ذریعے سے خدا کا علم بھی آتا ہے۔ یعنی انبیاءؑ کے ذریعے سے آتا ہے۔ دلائل اور عقل کی بنا پر زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس دنیا کی کوئی علت العلل ہے، کوئی First Cause ہے۔

اس کے موجود ہونے کا یقین یا اس کی صفات کا علم حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ انبیاءؑ اس کے متعلق شہادت نہ دیں۔ نیچر کا مطالعہ کہ جو ایک ادنیٰ علم ہے، اس کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکتا۔ دنیا میں اس کی ذات کا علم انبیاءؑ کے ذریعے سے ہی آیا۔ اس کے سوا کسی عقلمند کی عقل نے اس کو دریافت نہیں کیا۔ بلکہ وہ وحی انبیاءؑ کے ذریعے سے دنیا کو حاصل ہوا، اس کی تفصیل میں آئندہ بیان کروں گا۔ اس وقت صرف اتنا بتادوں کہ وہ ذریعہ کہ جو خدا کی ہستی پر یقین پیدا کرسکتا ہے، وحی ہے۔ قرآن شریف نے اس کو پہلی وحی میں بتا دیا ہے۔ فرمایا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ. (96:1-5) یہ صرف پانچ آیات ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا علم کس طرح آسکتا ہے۔ انہی کی تشریح قرآن شریف میں دوسرے مواقع پر وقتاً فوقتاً آپ پائیں گے۔ اس میں بیج کس طرح سے دلیل کے لئے بتایا گیا ہے۔ جس طرح بیج سے آہستہ آہستہ درخت بنتا ہے۔ بالکل اسی طرح بیج کے طور پر یہاں اس کا علم دے دیا گیا ہے اور پھر بعد میں متفرق آیات کے اندر مکہ میں، درمیان میں اور مدینہ میں یعنی آخری وحی میں اس کو کھول کھول بتا دیا ہے۔

<u>قسط دوم: (مطبوعہ دراشاعت مورخہ 11 نومبر 1930ء)</u>

> قرآن مجید کا وہ معرکۃ الآراء درس، جو 30 اکتوبر سے احمدیہ مسجد میں جاری ہے، اس کے پورے طور پر نوٹ لینا بہت مشکل ہے اور ان کا تفصیل کے ساتھ اخبار میں شائع ہونا دشوار تر ہے۔ خاکسار ایڈیٹر اپنے دماغ میں جو کچھ محفوظ رکھ سکتا ہے اسے قارئین اخبار تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ اپنی دوسری خدمات میں بے حد مصروفیت کی وجہ سے اس پر نظر ثانی نہیں کر سکتے۔ (ایڈیٹر)

ہستی باری تعالیٰ:

سورۃ العلق: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ. کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی.

اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجۡعٰی۔اَرَءَ یۡتَ الَّذِیۡ یَنۡھٰی. عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی. اَرَءَ یۡتَ اِنۡ کَانَ عَلَی الۡھُدٰٓی. اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰی. اَرَءَ یۡتَ اِنۡ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی. اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی. کَلَّا لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہِ لَنَسۡفَعًۢا بِالنَّاصِیَۃِ . نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ. فَلۡیَدۡعُ نَادِیَہٗ. سَنَدۡعُ الزَّبَانِیَۃَ. کَلَّا لَا تُطِعۡہُ وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ. (96:1-19) کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ میں نے گذشتہ درس کے دن ہستی باری تعالیٰ کے مضمون کو شروع کیا تھا۔قرآن شریف کی سب سے پہلی وحی میں ہستی باری تعالیٰ کے دلائل کے ذرائع کو بیان کیا گیا ہے۔مگر اس میں یہ سارا مضمون بطور بیج کے رکھ دیا گیا ہے اور اسی کی تشریح وقتاً فوقتاً بعد کی وحی میں ہوتی رہی ہے۔تمام روایات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں اور اس سورۃ کا باقی مضمون بعد کا نازل شدہ ہے۔ان پانچ آیات میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق علم کہاں سے حاصل ہوسکتا ہے۔اِقۡرَاۡ کے معنی ہیں پڑھ، یہ امر کا صیغہ ہے۔قَرَأَ اس کا مادہ ہے۔لفظ قرآن بھی اسی سے ہے۔کثرت سے پڑھی جانے والی کتاب۔ان آیات کے نزول کے متعلق بخاری کی حدیث ہے کہ جب فرشتہ وحی لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو اس نے کہا اِقۡرَاۡ (پڑھ) تو آپ نے فرمایا مَآ اَنَا بِقَارِیءٍ۔میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔یہ آپ نے اس لئے فرمایا کہ آپؐ امی تھے۔لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔اور یہ امر تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ آپؐ لکھنا نہ جانتے تھے۔غرض فرشتہ نے دو تین بار آپ کو کہا اِقۡرَاۡ (پڑھ) اور پھر اس کے بعد یہ پانچ آیات پڑھائیں۔ اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ. خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ. اِقۡرَاۡ وَرَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ . الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ. عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَالَمۡ یَعۡلَمۡ. (96:1-5) کہ اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھ کہ جس نے تجھے پیدا کیا۔انسان کو علقہ سے پیدا کیا۔پڑھ اور تیرا رب بہت بڑی عزت والا ہے کہ جس نے قلم کے ساتھ علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا کہ جو وہ نہیں جانتا تھا۔

یہ مضمون پانچ حصوں پر منقسم ہے۔رَبٌّ جس نے پیدا کیا ایک حصہ۔علقہ سے انسان کو بنایا دوسرا حصہ۔علقہ کے معنی میں ابھی بتاؤں گا۔تیرا رب بہت بڑی عزت والا ہے تیسرا حصہ ہے۔جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا یہ چوتھا حصہ ہے۔اور انسان کو وہ علم دیا کہ جو وہ نہیں جانتا تھا، یہ پانچواں حصہ ہے۔تو پہلی آیت میں کہا کہ اپنے رب کے نام سے پڑھ۔وہ رب کون ہے؟ بتایا وہ ہے جس نے پیدا کیا ہے۔رب کے معنی پہلے بتا چکا

ہوں کہ اس کے معنی ہیں درجہ بدرجہ تربیت کرنے والا کسی چیز کی یہاں تک کہ وہ اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ اس کے بعد بتاتا ہے کہ وہ کل مخلوق کا خالق ہے۔ چونکہ یہ پہلی وحی بطور بیج کے آئی تھی۔ اس لیے اس میں یہ کھول کر بیان نہیں کیا، اس لیے کس طرح پیدا کیا اور کیا پیدا کیا، ان تفصیلات کو چھوڑ دیا ہے۔ صرف اتنا بتا دیا کہ وہ خالق ہے۔ گویا ہستی باری تعالیٰ پر پہلی دلیل اس کی صفت خلق سے لی ہے۔ اس لیے جو چیز کسی کے ہاتھ سے بنے گی، بنانے والے کا نشان اس میں ضرور ہوگا۔ کسی چیز کو بنے ہوئے دیکھ کر ہم اس کے بنانے والے کا پتہ لگا سکتے ہیں کہ یہ فلاں کی بنائی ہوئی ہے۔ ایک مصنف، جو تصنیف کا کام کرتا ہے، اس کی کتابیں پڑھنے والا اس کی طرزِ تحریر سے واقف ہو جاتا ہے اور اگر اس کی کسی کتاب پر نام نہ بھی لکھا ہوا ہو تو اس کی عبارت کو دیکھ کر بتایا جا سکتا ہے کہ یہ فلاں شخص کی تحریر ہے۔ اس لیے پہلی دلیل، جو ہستی باری تعالیٰ پر دی، وہ ہے الَّذِیْ خَلَقَ. اس نے پیدا کیا ہے (سب کو) اس نے بنایا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس کی پہلی دلیل مخلوق میں ہو۔ یہاں خلق کا مفعول نہیں بتایا۔ مطلب یہی ہے کہ ہر چیز جو مخلوق ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ بتاتا ہے خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ (101:6) اس کے اندر اس کی بناوٹ میں خالق کی دلیل ہے کہ وہ کیسا ہے۔ تیسری جگہ اس کی تفصیل بھی کرے گا اور کھول کھول کر بتائے گا کہ اس نے یہ یہ بنایا ہے۔ اس کے بعد دوسری آیت میں خلق کو مخصوص کر لیا۔ اور فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (2:96) اس نے انسان کو بھی علق سے پیدا کیا۔ اس میں بھی ہستی باری تعالیٰ کی دلیل ہے۔ ایک عام قانون بیان کر دینے کے بعد کسی کو خاص کر لینا یہ بھی کسی خاص وجہ سے ہوتا ہے۔ یعنی ایک تو سب کا مخلوق ہونا۔ اس میں سب اینٹ، پتھر اور درخت بھی شامل ہیں۔ زمین، آسمان، جانور سبھی آجاتے ہیں۔ مگر اس کے بعد ایک خاص دلیل دی کہ وہ انسانوں کو بھی پیدا کرنے والا ہے۔ مگر اس دلیل کو مِنْ عَلَقٍ سے مخصوص کر دیا کہ انسان کا علق سے پیدا ہونا دلیل باری ہے۔ علق کے معنی ہیں ایک کا تعلق دوسرے سے ہو گیا۔ اصل معنی اس کے لگاؤ ہوتے ہیں۔ آگے چل کر قرآن شریف نے اس آیت کی بھی تشریح کی ہے۔ اور جہاں انسان کی پیدائش کے مختلف مراتب بتائے ہیں وہاں علقہ کو انسان کی پیدائش کا ایک درجہ بتایا ہے۔ یا تو انسان کی پیدائش کا ذکر مٹی سے آتا ہے اور یا نطفہ سے۔ اور یہی دو ابتدائی سٹیج انسان کی پیدائش کے ہیں۔

پہلے سٹیج میں اس کی پیدائش ایسی ہی ہے کہ جیسے زمین سے ہر چیز کا نکلنا۔ جس طرح اور سب چیزیں

سبزیاں وغیرہ زمین سے پیدا ہوتی ہیں، اسی طرح انسان بھی گویا زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ ایک جگہ صاف الفاظ میں وَاللّٰهُ اَنۡبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ (17:71) بتایا کہ اللہ نے تم کو زمین سے اُگایا۔ جیسے نبات زمین سے اُگتی ہے۔ تو جس طرح زمین سے تمام چیزیں بنتی ہیں اسی طرح انسان بھی مٹی اور زمین سے پیدا ہوا ہے۔ اس کو بھی مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ (59:3) انسان کو مٹی سے بنایا اور کبھی یوں فرمایا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ (2:76) ہم نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔ نطفہ کے معنی قلیل کے بھی ہیں مگر کثیر کو بھی نطفہ کہہ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ سمندر پر بھی اس کا اطلاق ہو جاتا ہے اور اس سے مراد وہ چھوٹے چھوٹے جرمز ہیں کہ جن کو سپرم کہتے ہیں۔ عام طور پر انسان کی پیدائش میں دو ہی چیزوں کا ذکر آتا ہے۔ مٹی سے یا نطفہ سے۔ مگر علق کا ذکر صرف اسی جگہ سے خاص ہے۔

انسانی پیدائش میں علقہ کونسی حالت ہے۔ اس کے لیے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو کچھ اس کے متعلق نئی تحقیقات ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ سپرم اور اووم دونوں کے ملنے سے ہی رحم کے اندر تعلق پیدا ہوتا ہے۔ اور اس لیے اس کو انگریزی میں BORE کرنا کہتے ہیں۔ جب یہ دونوں چیزیں مل کر رحم میں تعلق پکڑ لیتی ہیں اور اس کو غذا خون کے ذریعے سے پہنچنے لگ جاتی ہے، اس کو اصطلاح میں علقہ کی حالت کہتے ہیں۔ یعنی جب وہ بیج رحم کے اندر پیوست ہو گیا اور اس کو غذا پہنچنے کا رستہ مل جاتا ہے تو وہ علقہ کہلاتا ہے۔ علقہ کے دوسرے معنی محبت کے بھی ہیں۔ اس لحاظ سے خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ (2:96) کے دو معنی ہوئے۔ ایک تو یہ کہ انسان کو علقہ کی اس خاص حالت سے پیدا کیا۔ اور دوسرے یہ کہ اس کو محبت سے پیدا کیا۔ محبت سے پیدا کرنے کا کیا مفہوم ہے؟ یعنی اس وقت خدا کے ساتھ انسان کا تعلق ہو جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا تعلق اس کی فطرت کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ یعنی شروع سے ہی اس کا تعلق خدا کے ساتھ ہو جاتا ہے یا اس کی فطرۃ میں اللہ تعالیٰ کا تعلق موجود ہے تو لازمی طور پر اس سے بھی ہستی باری کی ایک دلیل پیدا ہوتی ہے۔ جیسے مخلوق کو دیکھ کر خالق کے لیے دلیل پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح فطرۃ انسانی میں خدا کی ہستی کا نقش ہونا یہ دوسری دلیل ہے۔ اس کو بھی قرآن شریف دوسری جگہ بیان کرتا ہے اور خاص طور پر ذکر فرماتا ہے: وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِيۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ قَالُوۡا بَلٰى شَهِدۡنَا. (172:7) اس آیت میں اسی عہد فطرت کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس کو بعض مفسرین

نے فطرۃ کی شہادت مانا ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ انسان سے دریافت کرے کہ کیا میں تیرا رب نہیں تو اس کی فطرۃ پکار اٹھتی ہے کہ ہاں وہ ہمارا رب ہے۔ اس کو کوئی ایک طرح سے بیان کیا ہے اور پھر رَبٌّ کی دوا اور صفات کا ذکر کیا ہے اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. (4:96) وہ جو علم دیتا ہے قلم سے۔ یہ بھی ہستی باری تعالیٰ کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ اس دلیل کے دینے میں تعجب اس بات پر ہے کہ وہ شخص، جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا، بلکہ اس کا اس کی قوم میں رواج تک نہیں۔ سکول و کالج تو اس ملک میں کیا ہوں گے، معمولی نوشت وخواند کا بھی وہاں کوئی تذکرہ نہیں۔ ایسا شخص کہ جو ایسے ملک میں پیدا ہوتا ہے، اس کی وحی میں علم قلم سے سکھانے کا ذکر ہے۔

خلق یا پیدا کرنا یہ بڑی بھاری صفت ہے۔ اور ہستی باری تعالیٰ کو انسان کی فطرۃ میں نقش کر دینا یہ اس امر سے بھی زیادہ روشن دلیل ہے۔ اسی طرح یہ دلیل کہ وہ قلم سے علم سکھاتا ہے، نہایت اہم امر ہے۔ قلم سے علم سکھانا اس لیے کہا کہ علم قلم کے بغیر محفوظ نہیں ہوتا۔ یہ علم کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ زبانی علم انسان کی زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ مگر قلم سے لکھا ہوا علم ایک زمانہ کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ سے یہی مراد ہے کہ انسان جو علم کوشش سے حاصل کرتا اور اس کا ذخیرہ کرتا ہے۔ اس سے بھی خدا کی ہستی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ زمین اور آسمان جو کچھ نظر آتا ہے، چھوٹے چھوٹے ستارے جو آسمان پر موجود ہیں۔ غرضیکہ تمام مخلوقات کا علم قلم کے ذریعے سے ملتا ہے۔ اور قدرت کی تمام طاقتوں کو مسخر کر کے انسان نے جو علم حاصل کیا ہے، خواہ وہ حیوانات کا علم ہو یا دیگر مظاہر قدرت کا، اس کے حاصل کرنے کا قلم بہت بڑا ذریعہ ہے۔ باوجود امّی ہونے کے رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے علم کو قلم سے ہی محفوظ کرایا۔ اس کے بعد کی آیت عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ. (5:96) سے مراد وہ علم نہیں کہ جو بالقلم حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد وہ علم ہے کہ جو کوشش سے حاصل نہیں ہوتا۔ یعنی وہ علم جو انسان اپنی کوشش اور سعی سے نہیں جانتا۔ اور وہ وحی الٰہی ہے کہ انبیاءؑ کے ذریعہ سے انسان کو ملتا ہے۔

تو ان آیات میں ہستی باری تعالیٰ کے متعلق چار اقسام کے دلائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تو مخلوق کو دیکھ کر خالق کی تلاش۔ دوسرے انسان کی اپنی فطرت کی شہادت کہ جس میں اس کی محبت کا نقش کندہ ہے۔ تیسرے نیچر کا علم کہ جو قلم کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور چوتھے وحی الٰہی یا انبیاءؑ کے ذریعہ سے علم کا دیا جانا۔ انسانی فطرت میں ہستی باری تعالیٰ کے متعلق جو نقش کندہ ہے وہ اگرچہ نہایت زبردست ثبوت اس ہستی کا ہے۔ مگر کبھی کبھی

وہ نقش دھندلا پڑ جاتا ہے۔ اس لیے اس نقش کو تیز کرنے کے لیے انبیاءؑ کی وحی کے ذریعہ اس کا علم دیا جاتا ہے کہ جو آکر اس نقش کو روشن کرتی ہے۔ یہ چار ذرائع کہ جن سے اس کی ہستی کا علم ہوتا ہے، ان کو قرآن شریف میں الگ الگ مقامات پر تشریح کر کے اور کھولا گیا ہے۔ یہاں ان چار آیات کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دو آیات اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ (3:96) سے ادھر ہیں اور دو اس کے بعد ہیں۔ ایک اَلْاَکْرَمُ کے معنی ہیں کہ تیرا رب بزرگی اور عظمت والا ہے۔ رَبٌّ کے معنی ہیں تربیت کرنے والا۔ مگر وہ جو درجہ بدرجہ پرورش کر کے کمال کو پہنچائے۔ پس رَبُّکَ الْاَکْرَمُ (3:96) کے معنی یہ ہوئے کہ تیرا ربّ ربوبیت کرنے والا، بزرگ اور اشرف ہے۔ جس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ چونکہ تیرا ربوبیت کرنے والا بزرگ ہے اس لیے جس کی وہ پرورش کرے گا، اس میں بھی بزرگی اور عزت پیدا ہو جائے گی۔ یہ علم کہ جس سے بزرگی اور عزت ملتی ہے خواہ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ یعنی قلم سے حاصل ہونے والا دنیوی ہو یا مَالَمْ یَعْلَمْ. یعنی وحی الٰہی سے حاصل ہونے والا۔ اخلاقی اور روحانی علم، یہ دونوں ہی بزرگی اور عزت کے حصول کے ذرائع ہیں۔ خواہ وہ دنیا کا کسبی علم ہو یا دین کا وہبی اور خدا کا عطا کردہ۔

غرض ان پانچ آیات میں بیج کے طور پر اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس کا علم کیونکر حاصل ہوتا ہے (یہاں پر اس اعتراض کے جواب میں کہ فطرۃ میں جو علم ہستی باری تعالیٰ کا نقش ہے اس کا اکثر لوگوں کو علم نہیں۔ اس لیے یہ دلیل پر حجت نہیں ہوسکتی) آپ نے فرمایا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ علم کہ جو فطرۃ میں نقش ہے تاریکی کو پورے طور پر دور نہیں کرتا اور نہ وہ اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ وہ شکوک اور شبہات کو دور کر سکے، تاہم منکر بھی جب کبھی ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ اس کی طرف جھکتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ خود بھی First Cause یا علت اولیٰ کو مانتے ہیں۔ بت پرست بھی بتوں کے پیچھے ایک نظر نہ آنے والی ہستی کو مانتے ہیں۔ غرض یہ آیات کہ جن میں ہستی باری تعالیٰ کے ذرائع علم کا بیان ہے ترتیب کے لحاظ سے ان کے اندر بھی دلائل ترقی کرتے ہیں۔ سب سے پہلی دلیل یعنی مخلوق کا مشاہدہ ہمیں صرف اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ اس مخلوق کا کوئی پیدا کرنے والا ہونا چاہئے۔ اس کے بعد فطرۃ کا نقش بھی اسی طرف کشش کرتا ہے۔ انسانی روح کی اس طرف طبعی کشش کا ذکر بعد کی آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی. اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی. اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی. (8-6:96) انسان اگرچہ سرکشی کرتا ہے۔ جب اپنے آپ کو وہ بے پروا سمجھتا ہے۔ مگر بالآخر

تیرے رب ہی کی طرف اسے لوٹنا ہے۔ وہ کشش جو اس کی فطرۃ میں موجود ہے اس کی وجہ سے انسان غافل ہو کر بھی بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف کھنچتا ہے۔ یہ دوسرے درجہ کی دلیل ہے۔ اسی طرح قلم کی شہادت سے انسان کی نظر وسیع ہوتی ہے۔ اور جوں جوں وہ نیچر کے علم کا مطالعہ کرتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس وسیع کائنات میں جتنی بھی بے شمار اور مختلف اشیاء نظر آ رہی ہیں وہ ساری کی ساری ایک قاعدہ اور ترتیب پر ہیں۔ ایک ہی قانون ان سب پر حاوی ہے۔ کہیں بے ترتیبی اور خلل نظر نہیں آتا۔ تو وحدتِ قانون کی بنا پر ہستی باری تعالیٰ پر اور تسلی ہوتی ہے۔ مگر ان سب سے بڑھ کر اس ذات کا حقیقی علم اور اس کی صفات کا صحیح پتہ وحی الٰہی سے ہی ملتا ہے۔ اور اس سے انسان کے اندر یقین پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہستی فی الواقع موجود ہے۔ اس کے سوا اور کوئی ذریعہ یقینی طور پر اس کا علم عطا نہیں کرتا۔

یہاں یہ بھی اعتراض ہو سکتا ہے اور لوگوں نے کہا بھی ہے کہ خدا کو ماننے کا یا اس کی ہستی پر ایمان لانے کا فائدہ کیا ہے اور اگر ہم اس کو نہ مانیں تو حرج کیا ہے؟ اور اگر مان لیں تو فائدہ کیا؟ اس کی ہستی کو ماننے کا فائدہ اور اس کے نہ ماننے کا حرج بھی وحی الٰہی خود ہی بتاتی ہے۔ فی الحقیقت کسی چیز کا محض مان لینا کوئی ایسی فائدہ کی چیز نہیں۔ البتہ اس کی صفات کو اگر انسان اپنا آئیڈیل بنا لے تو خدا کی ہستی پر ایمان ایک فائدہ کی چیز ہے۔ اس کی صفات سے فائدہ اٹھائے اور ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے اور وہی اخلاق پیدا کرے۔

اب خلاصہ کے طور پر اس مضمون کو سن لو کہ سب سے پہلی دلیل ہستی باری تعالیٰ کی خلق اور مخلوق پر نظر کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسری شہادت اس کی اپنی فطرۃ کی شہادت ہے اور تیسری یہ کہ علم سے بھی اس کے نشانات ملتے ہیں۔ مگر ان سب پر ایک اور بہت بڑا ذریعہ وحی کشف اور رؤیا کا ہے کہ جس کے ذریعے سے علم حاصل ہوتا ہے جو فی الحقیقت ایک اور علم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ مخلوق پر غور کرنے سے صرف چند ایک صفات کا انسان کو علم ہو سکتا ہے، باقی کا نہیں۔ مثلاً مخلوق پر غور کر کے اس کے مدبر، علیم اور طاقتور ہونے کا علم ہو سکتا ہے۔ اس ہستی کو ماننے کی جو غرض ہے وہ تو پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ غرض تو دل پر اثر پیدا کرنا ہے اور وہ اس طرح پوری ہو سکتی ہے کہ انسان اس کی صفات پر کامل غور اور توجہ کر کے اپنے اندر صفاتِ حسنہ پیدا کرے اور اپنے آپ کو نقص اور عیب سے بچا لے۔ اور مذہب کے آنے کی یہی غرض ہے اور اس کی وحی نے واضح طور پر تعلیم دی ہے۔ نیز اس

وحی کے بغیر آپ اس کو معلوم نہیں کر سکتے البتہ اس کی تائید ضرور ہوتی ہے۔

اس مضمون کے متعلق اور آیات قرآن شریف بھی آپ نوٹ کر لیں۔قرآن شریف کا کمال یہ ہے کہ کس ترتیب کے ساتھ ہر ایک مضمون کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ یہ ترتیب محمد رسول اللہ ﷺ کے تو وہم میں بھی نہ ہوگی کہ اس طرح پر درجہ بدرجہ ایک مضمون ترتیب دیا جائے۔ یہاں پہلی وحی میں تو تمام اصولوں کو مختلف الفاظ میں جمع کر دیا ہے۔اب آگے چل کر اس کی تفصیل کرتا ہے مثلاً فرمایا: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی. الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی. وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی. تسبیح بیان کر اپنے اعلیٰ رب کی جس نے پیدا کیا۔ پھر اس کا تسویہ کیا۔جس نے ہر چیز کی ایک حد بندی کی اور پھر اس کو ترقی کی راہ پر لگا دیا۔ یہاں خلق کے ساتھ تین اور چیزوں کا ذکر ہے۔ پیدا ہوتے وقت ہر چیز کمزور ہوتی ہے اس لیے یہاں خَلَقَ کے بعد فَسَوّٰی فرمایا۔یعنی ترقی کرتے کرتے کمال کو حاصل کرتی ہے۔اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِیْ قَدَّرَ اس نے ہر شے کی ایک حد بست اور اندازہ مقرر کر دیا، ہر چیز کی ایک تقدیر بنا دی ہے۔مگر یہ مولویوں والی تقدیر نہیں۔اس قسم کی تقدیر کا کوئی ذکر قرآن شریف میں نہیں۔غرض جو چیز پیدا ہوئی ہے۔آگ، ہوا، پانی، آسمان، زمین اور حیوانات ہر ایک کی ایک حد بندی کی، وہ اس سے باہر نہیں جا سکتی۔انسان کے بچہ کو خواہ کتنی بھی غذائیں کیوں نہ دو وہ ہاتھی کا بچہ نہیں بن سکتا۔ دو درخت مختلف قسم کے قریب قریب لگا دیجئے۔ ہر ایک اپنی تقدیر کے مطابق پیدا ہوگا اور بڑھے گا۔مگر مقررہ انداز سے آگے نہیں جا سکتا۔اس کے بعد چوتھا درجہ ہدایت ہے اور اس کے معنی ہیں ترقی دے کر منزل مقصود پر پہنچا دینا۔ وہ اللہ صرف پیدا ہی نہیں کرتا بلکہ اس کے اندر ترقی کی استعداد اور قابلیت رکھتا ہے۔ پھر منزل مقصود پر پہنچانے کا سامان بھی خود ہی عطا کرتا ہے۔دوسری جگہ ایک اور آیت ہے اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ(4:10) ابتدا بھی وہی کرتا ہے اور پھر لوٹاتا بھی ہے۔ابتدا اور ہے اور اعادہ کا قانون اور ہے۔اس کے علاوہ ایک جگہ فرمایا: الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ.(3:67) جس نے سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کو یکساں بنایا ہے۔رحمٰن کی خلق میں تم تفاوت نہ پاؤ گے۔ ہر چیز کو غور سے دیکھو۔تو کیا تمہیں اس خلق میں کوئی فتور نظر آتا ہے؟ تفاوت سے نقص مراد ہے۔کیا اس وسیع مخلوقات میں کہیں کوئی خلل نظر آتا ہے۔اور فتور یہ ہے کہ ایک وقت کام کرے اور دوسرے وقت نہ کرے۔اس طرح ایک دو آیات سورہ الطّور کی اَمْ خُلِقُوْا مِنْ

غَیۡرِ شَیۡءٍ الخ (35:52) قابل غور ہیں اور ایک آیت سورہ اَلذّٰرِیٰتُ کی وَالسَّمَآءَ بَنَیۡنٰھَا بِاَیۡدٍ وَّ اِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ (47:51) ہے۔

قسطِ سوم: (مطبوعہ دراشاعت 19 نومبر 1930ء)

بادۂ عرفان کے چند قطرے:

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی. الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی.
وَالَّذِیۡ قَدَّرَ فَھَدٰی. وَالَّذِیۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی. فَجَعَلَہٗ غُثَآءً اَحۡوٰی. (5-1:87)

پچھلے درس میں میں نے سورۃ العلق کی آیات اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ. خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ. اِقۡرَاۡ وَرَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ. الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ. عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَالَمۡ یَعۡلَمۡ. (5-1:96) پر یہ بیان کیا تھا کہ ان میں، جو دلائل ہستی باری تعالیٰ پر دیئے جاسکتے ہیں، ان سب کا ذکر کر دیا ہے۔ ایک مخلوق سے خالق پر استدلال یعنی الَّذِیۡ خَلَقَ. میں ان دلائل کا ذکر ہے جو مخلوق میں توجہ کرنے سے دلائل پیدا ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ ثبوت کہ جو انسان کی فطرت کے اندر نقش ہے۔ یا لفظ علقہ سے اس دلیل کی طرف اشارہ ہے کہ جو ہستی باری تعالیٰ پر فطرۃ میں شہادت رکھی گئی ہے اور اس سے جو دلائل مستنبط ہوتے ہیں۔ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ (4:96) سے وہ دلائل مراد ہیں کہ جو علوم سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور چوتھے وہ دلائل کہ جو انبیاءؑ یا وحی الٰہی کے ذریعہ سے دیئے جاتے ہیں اور جن کا ذکر عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَالَمۡ یَعۡلَمۡ. (5:96) میں ہے۔ ہستی باری تعالیٰ کے متعلق علم ان چار ذرائع کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی کے متعلق ایک دو باتیں اور کہنا چاہتا ہوں۔ مِنۡ عَلَقٍ کے معنی ہیں علقہ سے پیدا کیا اور وہ انسان کی ابتدائی حالت کا نام ہے۔ یعنی وہ چھوٹی سی چیز جب ماں کے رحم کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتی ہے اور غذا کے لیے براہ راست راستہ پکڑ لیتی ہے تو اسے علقہ کہا جاتا ہے۔ ان آیات میں پہلے درجہ کا نام خلق ہے۔ دوسرے کا علقہ رکھا ہے۔ پہلے پہل جب میں نے قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا تو اس لفظ کے معنی محبت کئے تھے۔ مگر اول معنی اس کے تعلق کے ہی ہیں۔ مِنۡ عَلَقٍ کے معنی تعلق سے پیدا کیا۔ مگر یہ ترکیب بعینہٖ ایسی ہی ہے جیسے کہ فرمایا: خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ (37:21) انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا

ہے۔یعنی عجلت پسند ہے اور ایک اور جگہ فرمایا خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ (54:30) تم کو کمزوری سے پیدا کیا یعنی تمہارے اندر کمزوری ہے۔تو اس طرح مِنْ عَلَقٍ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق انسان کی فطرۃ میں ہے۔

دوسری بات جو میں بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ .(5:96) میں وحی الٰہی مراد ہے، کیونکہ دوسری جگہ قرآن شریف میں آتا ہے: وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (113:4) اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب کو نازل کیا اور حکمت عطا کی اور سکھایا تجھ کو جو تو نہیں جانتا تھا۔تو یہاں مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (113:4) سے مراد وحی ہی ہے۔پس مَالَمْ یَعْلَمْ . (5:96) سے مراد وہاں بھی وحی الٰہی ہی ہے۔اس میں اب کوئی شبہ نہیں رہا۔

میں نے اس دن چند آیات نوٹ کروائی تھیں۔ان میں سے دلیل خلق کو جہاں بطور شہادت لیا ہے اور کھولا ہے وہ سورہ الاعلیٰ کی وہ آیات ہیں کہ جن کو میں نے ابھی تلاوت کیا ہے۔گویا دلیل خلق کی اس سورۃ الاعلیٰ کی ان آیات میں زیادہ وضاحت کی ہے۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی...الخ پاک ہے نام تیرے اعلیٰ رب کا کہ جس نے خلق کیا پھر اس کا تسویہ کیا۔وہ، جس نے پیدا کیا ہے، وہ کون ہے اور اس کی دوسری صفاتِ خلق کون کون سی ہیں؟ یہاں پہلی بات یہ بتائی کہ فَسَوّٰھُنَّ خلق کی دلیل ہے۔یعنی خلق کے ساتھ کچھ اور باتیں بھی ہیں اور وہ یہ کہ وہ علم اور قدرت والی ہستی بھی ہے۔اس نے پیدا کیا اور فَسَوّٰی اس کو مساوی اور یکساں بنایا۔خلق عام طور پر دو طرح کی سمجھی گئی ہے۔ایک تو یوں جیسے آدم کی پیدائش کہ مٹی کا ایک بت بنا دیا اور اس میں پھونک مار کر اس کو زندہ کر دیا اور وہ انسان بن گیا۔مگر یہ صحیح نہیں۔جو ترکیب اور قاعدہ دوسری اشیاء کے بننے کا ہے اسی طرح آدم بھی بنا ہوگا۔یعنی مٹی سے سبزیاں ترکاریاں اور پھر ان سے حیوان کی پیدائش ہوتی ہے۔یہاں خَلَقَ کے بعد فَسَوّٰی فرمایا ہے۔سَوّٰی کہ جس کا مصدر تسویہ ہے۔اس کے معنی کمال کو پہنچانے کے ہیں۔جیسا کہ آیت وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا (7:91) میں اس کی طرف اشارہ ہے۔مفردات امام راغب نے سَوّٰی اور فَاسْتَوٰی کو بطور لازم و متعدی لیا ہے یعنی کمال کو پہنچا اور کمال کو پہنچایا۔اردو کا لفظ مساوی اسی سے ہے، یعنی برابر و یکساں کرنا۔سَوّٰی متعدی ہے اور استوٰی لازم ہے۔فَاسْتَوٰی میں ان قوتوں کے اندر رکھ دینے کی طرف اشارہ ہے کہ جن کو ترقی اور کمال کے حاصل کرنے کے لیے اندر رکھا ہے۔اللہ تعالیٰ کسی شے کو پیدا کرنے کے بعد کچھ قوتیں اور استعدادیں اس کے

اندر رکھ دیتا ہے کہ جس سے وہ شے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ کسی شے کو پہلے ہی کمال پر نہیں پیدا کیا جاتا، بلکہ اندر رکھی ہوئی قوتوں سے ہی وہ کمال کو پہنچتی ہے۔ فَاسۡتَوٰی کے معنی ہیں کمال کو پہنچایا۔ مگر یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح آدم کے متعلق فرمایا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا (31:2) آدم کو ہم نے تمام علوم سکھا دیئے۔ یعنی علم کے حاصل کرنے کی استعداد اس میں رکھ دی۔ اس میں آدم کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہر ایک زید بکر کے اندر یہ قابلیت موجود ہے اور ہر انسان اس کا مصداق ہے۔ غرض تسویہ کے معنی یہی ہیں کہ اس کے کمال تک پہنچنے کی اس میں قوتیں رکھ دی ہیں۔

تقدیر یا قدر کس چیز کا نام ہے؟:

اس کے بعد دوسرا لفظ فرمایا قَدَّر۔ اس کا باب تفعیل سے تَقۡدِیۡرٌ، تقدیر کے دو معنی ہیں۔ یعنی قدرت اور طاقت دینا اور خاص اندازہ پر رکھنا۔ پہلے یہ فرمایا کہ اس کے اندر استعداد اور قویٰ رکھے۔ اب فرماتا ہے کہ ان کے ساتھ ایک حد بندی مقرر کر دی۔ اس اندازہ مقررہ اور حد بندی سے وہ شے باہر نہیں جا سکتی۔ اور یہ دائرہ حد بندی تمام مخلوق میں مقرر کیا گیا ہے۔ یا ہر چیز اپنی ترقی کے لحاظ سے ایک قید کے اندر مقید ہے۔ خواہ سورج ہو یا چاند اور دیگر سیارے۔ زمین ہو یا اس کی روئیدگیاں، درخت، کیڑے، مکوڑے، حیوانات اور خواہ انسان۔ یہ سارے کے سارے حد بندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں کہ جن سے باہر وہ نہیں نکل سکتے۔ اگر ایک چیز کے اندر کچھ قوتیں اور استعدادیں ہیں تو دوسری چیز اس کو ضائع نہیں کر دیتی۔ ہر ایک پر اس لیے حد بندی لگا دی ہے کہ ایک چیز دوسری کو برباد نہ کر دے۔ یہ تیسری چیز ہے جو خلق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ چوتھی بات فَهَدٰی میں بیان کی گئی ہے یعنی اس کو ہدایت دی۔ ہدایت کیا چیز ہے؟ لغت عربی میں اس کے معنی لکھے ہیں: اَلرَّشَادُ وَالدَّلَالَةُ بِلُطۡفٍ اِلٰی مَا یُوَصِّلُ اِلَی الۡمَطۡلُوۡبِ. لطف اور نرمی کے ساتھ لے جانا اور رہنمائی کرنا اس کی طرف کہ جو مطلوب یعنی منزل مقصود تک پہنچا دے، یہ چوتھا درجہ ہے۔

ان آیات میں اس مضمون کو بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ اس پر بات ختم نہیں ہو جاتی۔ پھر اس کے اندر ترقی کے لیے قویٰ اور استعدادیں رکھتا ہے۔ لیکن یہ قویٰ اور استعدادیں بھی کسی کام نہیں آتیں۔ اگر باہر خارج میں ترقی کے سامان موجود نہ ہوں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ قوت جو اندر رکھی گئی ہے کام ہی نہ دے۔ اس

لیے باہر بھی سامان موجود ہیں کہ ان کی مدد سے وہ ترقی کرے اور بڑھے۔ ہدایت فی الحقیقت خارجی سامان ہیں۔ جب تک یہ موجود نہ ہوں، اندر کی قوتیں کام ہی نہیں دیتیں۔ مثلاً آنکھ کے اندر دیکھنے کی قوت (بینائی) موجود ہے۔ لیکن اگر باہر روشنی نہ ہو تو یہ بینائی کسی کام کی نہیں۔ کانوں میں سماعت موجود ہے، مگر ہوا نہ ہو تو کوئی شخص سن نہیں سکتا۔ اسی طرح ہر چیز کی ترقی کے لیے خارجی سامان موجود ہیں کہ جن سے وہ اپنی منزل مقصود کو پہنچتی ہیں۔ کسی بنی ہوئی چیز کو یہ سمجھ لینا کہ کسی نے بنایا ہوگا کافی نہیں، مثلاً یہ لوہے کا گاڈر۔ اگر کوئی اس کو دیکھ کر کہے کہ اس کو کسی نے بنایا ہوگا تو اس کا کیا فائدہ؟ ان ساری باتوں میں غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ خلق کے پیدا ہونے کے بعد باقی مراتب اور درجات کی کس قدر ضرورت ہے۔ ہر چیز خلق ہوتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ ادنیٰ حالت سے اعلیٰ منزل مقصود کو پہنچتی ہے۔ اور یہ لفظ رَبٌّ کا تقاضا ہے کہ جس کے معنی ہی یہ ہیں کہ ادنیٰ سے اعلیٰ حالت کی طرف لے جانا، آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ ترقی دیتے ہوئے۔ موجودہ سائنس نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ یہ قانون ساری چیزوں میں جاری ہے۔ مگر قرآن شریف خود سائنس ہے کہ جس نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر اللہ تعالیٰ کے اس قانون کی طرف توجہ دلائی۔

آیات تلاوت کردہ مذکورہ بالا میں ایک طرف تو رَبٌّ کا نام لیا کہ جو درجہ بدرجہ کمال تک پہنچانے والا ہے اور پھر خلق کا ذکر کر کے ہر چیز جس طرح ترقی کرتی ہے اس کا ذکر کیا اور ہر چیز کی ترقی کی حد بندی کو بتا کر یہ بھی بتا دیا کہ خارج میں بھی اس کی ترقی کے سامان موجود ہیں۔ اور یہ چاروں چیزیں اس کی ہستی پر دلالت کرتی ہیں۔ یہیں تک مضمون ختم نہیں ہو جاتا۔ قرآن شریف میں پھر ان میں سے ہر ایک درجہ کو لے کر مزید تشریح اور توضیح کی گئی ہے۔ اول خلق کو لیجئے۔ عربی میں یہ لفظ دو طرح پر استعمال کیا گیا ہے۔ ایک خلق کے معنی پیدا کرنا ہے، بغیر مادہ اور آلہ کے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ایک چیز سے دوسری چیز بناتا ہے۔ ابداء الشَّیْءِ مِنْ غَیْرِ اَصْلٍ وَّلَا اِحْتَذَاءٍ یعنی ایک چیز کا بالکل نیا وجود میں لانا۔ جس کی نہ کوئی اصل موجود ہے اور نہ کوئی نمونہ ہے۔ اس طرح کی خلق کو بغیر مادہ اور آلہ بنانا کہتے ہیں یا نیستی سے ہستی کرنا۔ اس زمانہ میں آریہ سماج ایک نیا ہندوؤں کا فرقہ نکلا ہے جنہوں نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ پرمیشر بغیر مادہ کے کچھ نہیں پیدا کر سکتا۔ قرآن کریم نے اس عقیدہ کی تردید کی ہے اور جہاں اس نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز کو فلاں سے پیدا کیا ہے۔ مثلاً خَلَقَکَ

مِنْ تُرَابٍ (37:18) خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ (5:22) تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ یہاں تُرَابٍ گویا مادہ ہے، اس سے پیدا کر دیا گیا۔ مگر یہی لفظ وہاں بھی استعمال ہوتا ہے جہاں پیشتر سے کوئی مادہ موجود نہیں۔ مثلاً خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (101:6) اس نے ہر شے کو بنایا ہے۔ یہاں روح اور مادہ سب اس کے اندر آ گئے۔ یا فرمایا بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (117:2) آسمان اور زمین کو نیست سے ہست کرنے والا ہے۔ اس مسئلہ کا سمجھنا انسان کے لیے خواہ کتنا بھی مشکل کیوں نہ نظر آئے، بلکہ انسان کی نگاہ میں ناممکن ہی کیوں نہ ہو، مگر خدا کا علم اور اس کی طاقت انسان سے بالاتر ہے۔ اور وہ اپنے کاموں میں ان آلات اور مادہ کا محتاج نہیں کہ جن کے بغیر انسان کچھ نہیں بنا سکتا۔ انسان کے دیکھنے کے لیے آنکھیں بکار ہیں تو کیا خدا کی بھی آنکھیں ہیں؟ اسی طرح انسان آواز سننے کے لیے ہوا کا محتاج ہے۔ لیکن خدا کے دیکھنے کے لیے نہ روشنی کی ضرورت ہے اور نہ سننے کے لیے ہوا اور کانوں کی ضرورت ہے۔ قرآن شریف میں خَلَقَ کا لفظ نیستی سے ہستی کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور کئی ایک آیات میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ایک جگہ فرمایا: رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى.(50:20) وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (6:101-102) هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ.(24:59) قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ.(16:13) وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (84:43) یعنی جو چیز شئے کہلاتی ہے وہ اس کا خالق ہے۔ شئے کے معنی ہیں وہ چیز کہ جس پر خدا کا قانون یا مشیت وارد ہو یا خدا کی چاہی ہوئی چیز۔ اس قسم کی بکثرت آیات ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ کے بلا مادہ پیدا کرنے پر دلائل موجود ہیں۔

انسان کے پیدا کرنے کے متعلق بھی بکثرت آیات قرآن شریف میں موجود ہیں۔ کہیں یہ ذکر ہے کہ ہم نے اس کو مٹی سے بنایا، کہیں یہ کہ نطفہ سے بنایا اور کہیں علقہ یا لوتھڑے سے بنانے کا بیان ہے۔ قرآن شریف کا اعجاز یہ ہے کہ بعض اشیاء کو بعض ایسی چیزوں سے خلق کرنے کا ذکر کیا ہے کہ ان کا انکشاف اس وقت نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کے بعد بھی مدت تک نہ ہوا تھا۔ مگر وہ سب انکشافات آج کل ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَايَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (45:24) اللہ تعالیٰ نے ہر ایک جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ ہر ایک جاندار کا پانی سے پیدا ہونا اب مسلّم ہے۔ اس زمین پر جانداروں کی پیدائش سے پہلے پانی ہی پانی تھا۔ ایک دوسری جگہ اسی کے متعلق فرمایا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (30:21) ہم نے ہر ایک چیز کو پانی سے زندگی بخشی۔ اس کے بعد جانداروں میں سے سب سے پہلے رینگنے والے جانور پیدا ہوئے۔ اس کے بعد دو پاؤں والے پرند پیدا ہوئے اور سب سے آخر پر چار پائے پیدا ہوئے اور انسان بھی انہیں میں شامل ہے۔ قرآن کریم نے گویا ان جانوروں کی ترتیب پیدائش وہی بیان کی ہے جو اب سائنسدانوں کے نزدیک اصولِ ارتقاء کے ماتحت نیا انکشاف ہوا ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت ہے: سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ (36:36) تمام نقائص اور عیوب سے پاک ہے وہ جس نے زمین کی تمام روئیدگیوں کے جوڑے جوڑے پیدا کیے ہیں اور نسل انسانی کو بھی جوڑے بنایا، اور پھر ان چیزوں کے بھی جوڑے بنائے ہیں جن کو انسان ابھی جانتے بھی نہیں۔ یعنی وہ ننگی آنکھ سے نظر بھی نہیں آتیں بلکہ وہ خوردبین سے دکھائی دیتی ہیں۔ قرآن شریف کا یہ کتنا بڑا انکشاف ہے کہ جس کی اب تصدیق ہوئی ہے۔

اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَابَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَایَشَآءُ قَدِیْرٌ. (29:42) اور اس کی نشانیوں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے۔ اور ان دونوں آسمانوں اور زمین میں اس نے جانداروں کو پھیلایا ہے اور وہ ان کے جمع کرنے پر جب چاہے قادر ہے۔ قدما مفسرین کو اس آیت کی تفسیر میں بہت سی مشکلات آئی ہیں۔ کبھی یہاں دَآبَّةٌ سے مراد ملائکہ لیے ہیں اور کبھی مطلق حیّ یا زندگی رکھنے والے۔ لیکن ملائکہ دَآبَّةٌ میں سے نہیں۔ نہ یہاں مطلق جان رکھنے والے مراد ہیں، بلکہ دَآبَّةٌ چار پایوں کو کہتے ہیں۔ غرض پیدائش اور خلق کے متعلق قرآن کریم نے بعض ایسے ایسے انکشافات کا ذکر کیا ہے کہ جس کا اس وقت علم کسی کے وہم وخیال میں بھی نہ تھا۔ یہی آیات جو شروع کی وحی میں ہیں انہی کو آگے چل کر مختلف رنگوں میں پھیلایا ہے۔ اور سورۃ الاعلیٰ کی ابتدائی آیات میں یہ ذکر ہے کہ اس نے ہر چیز کو خلق کیا ہے۔ پھر اس میں ترقی کے لیے قویٰ اور استعدادیں رکھی ہیں۔ اور خارج میں وہ اسباب اور سامان پیدا کیے ہیں کہ جن سے یہ استعدادیں ترقی کرتی ہیں۔

اس کے متعلق کچھ اور آیات بھی نوٹ کر لیں۔ ان آیات کے بعد اس سورہ میں فرمایا: وَالَّذِیٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی. (4:87) وہ اللہ جس نے چارہ کو نکالا یا پیدا کیا فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی. (5:87) اور پھر اس کو کوڑا کرکٹ یا سیاہ بنا دیا۔ پہلی چیز جو انسان کے لیے ضروری تھی وہ یہی سبزیاں اور نباتات ہیں اور ان کے بغیر کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ چونکہ یہ سب سے پہلے ضرورت کی چیز ہے اس لیے اس کا ذکر پہلے فرمایا اور پھر اس الْمَرْعٰی (چارہ) کے متعلق دوسری جگہ فرمایا: اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَ هَا وَمَرْعٰهَا. (31:79) اس زمین سے پانی نکالا اور چارہ اُگایا۔ پانی کا ذکر اس لیے پہلے ہے کہ پانی کے بغیر چارہ ہو نہیں سکتا اور چارہ کے بغیر جانور نہیں ہو سکتے۔ اور یہاں پانی کی نسبت جو کہا اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَ هَا (31:79) زمین سے پانی نکالا۔ اس کے لیے سائنس کو دیکھ لیجئے کہ پانی کہاں سے نکلتا ہے۔ اوپر سے بھی اگر پانی آتا ہے تو وہ بھی نیچے سے ہی اُوپر گیا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو دوسری جگہ صراحت کے ساتھ بتایا ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ. وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ. (12-11:86) شہادت ہے آسمان کی جو لوٹا دینے والا ہے یعنی پانی کو واپس کر دیتا ہے۔ پہلے بخارات کے ذریعے پانی اوپر چڑھتا ہے۔ اس سے بادل بنتے ہیں اور وہ پھر اسے لوٹا دیتا ہے۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ. (12:86) زمین اس کے ساتھ پھٹ جاتی ہے، اس میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح ایک اور جگہ فرمایا: فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ. اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا. ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا. فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا. (27-24:80) انسان اپنے کھانے کی طرف دیکھے۔ پہلے ہم خوب پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم زمین کو شق کرتے ہوئے پھاڑتے ہیں اور پھر اس میں اناج اگاتے ہیں۔ یہاں زمین پھاڑنے کی تشریح کر دی ہے کہ اس سے مراد اس کا پھٹ کر روئیدگیاں نکالنا ہے۔ ایک اور آیت میں فرمایا: بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ. وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ. (10-9:41) اللہ جس نے زمین کو دو وقتوں میں پیدا کیا...... اور اوپر سے اس میں پہاڑ رکھے اور اس زمین میں برکت دی اور اس میں قویٰ اور قوتیں پیدا کیں چار وقتوں میں۔ یہاں بھی صاف طور پر اشیاء میں طاقتیں اور قوتیں رکھنے کا ذکر ہے۔

قسط چہارم: (مطبوعہ در اشاعت مورخہ 23 نومبر 1930ء)

دلائل ہستی باری تعالیٰ:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ. وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ. وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ. فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰهِ اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ. وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ. کَذٰلِکَ مَآ اَتَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ. اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ. فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ. وَّ ذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ. وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ. مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ. اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ. فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا یَسْتَعْجِلُوْنِ. فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ یَّوْمِهِمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ. (60-47:51)

گذشتہ درس میں مَیں نے خلق کے مضمون کو یا اس سے ہستی باری تعالیٰ کے جو دلائل پیدا ہوئے ہیں، ختم کر دیا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ دلائل ختم ہو گئے ہیں یا خود ہی اس کو طول دینا نہیں چاہتا۔ بلکہ اس لیے بھی کہ مجھے اس قدر فرصت نہیں ملتی کہ میں اس مضمون کو کما حقہ تیار کر سکوں اور حقِ درس مجھ سے ادا نہیں ہوتا۔ ایسے کام کے لیے جس قدر فرصت کی ضرورت ہے وہ مجھے میسر نہیں آتی اور یہاں لاہور میں آ بھی نہیں سکتی۔ خلق سے دلیل ہستی باری تعالیٰ کے میں نے چار پانچ حصے کیے تھے۔ اور پہلے حصے کو بیان کر دیا تھا، اب میں دوسرے حصہ کو لیتا ہوں۔ سب سے پہلی وحی کی آیات اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. (2-1:96) میں مَیں نے بتایا تھا کہ تمام اقسامِ دلائل کو جمع کر دیا گیا ہے۔ سب سے پہلی آیت اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. (1:96) میں فرمایا ہے یعنی تیرا رَبٌّ جس نے پیدا کیا ہے۔ یوں نہیں کہا بِاسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ. یعنی اللہ کے نام سے نہیں کہا۔ بلکہ لفظ رَبٌّ کو اختیار کیا ہے۔ حالانکہ لفظ اللّٰہ اسم اعظم ہے اور اس میں تمام صفات الٰہی آ جاتی ہیں۔ لفظ رَبٌّ کو اس لیے لایا کہ اس کے ساتھ لانے میں خلق پر دلیل پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دلیل لفظ اللّٰہ لانے سے پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ رَبٌّ کے معنی ہیں کسی کو چیز کو ادنیٰ حالت سے آہستہ آہستہ اعلیٰ حالت کی طرف لانے والا، اور

اس کا مفصل بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اس کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ زمین، آسمان، سورج، چاند ستارے اور ان کے اندر انواع مخلوقات جو کچھ بھی ہمیں نظر آ رہا ہے یا ان کے متعلق جو کچھ علمی تحقیقات آج تک دریافت کر چکی ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ادنیٰ حالت سے اعلیٰ درجے کو پہنچا ہے۔ یعنی یہ سب کچھ رَبٌّ کی مخلوق ہے۔ کل جو کچھ تھا وہ آج نہیں ہے اور آج جو کچھ ہے وہ آئندہ کل میں نہ ہوگا۔ ہر ایک چیز ترقی کر رہی ہے۔ جوں جوں مخلوق کو دیکھتے ہوئے پیچھے کی طرف چلے جائیں، خواہ دن لے لو، سال لے لو یا صدیاں لے لو، ہر قدم پر ادنیٰ سے ادنیٰ حالت نظر آئے گی۔ شروع میں وہ ادنیٰ حالت کیا تھی؟ اس کو ہم نہیں بتا سکتے!

قرآن کریم اور علوم جدیدہ:

سائنس کی تحقیقات ہمیں صرف اس قدر بتاتی ہے کہ یہ تمام جرمز جو آج بڑے بڑے کرّوں کی شکل میں نظر آتے ہیں، یہ سب ابتری کی حالت سے نکلے ہیں اور آہستہ آہستہ ترقی کرتے چلے آئے ہیں، اور یہ اصولِ سائنس کو آج مسلم ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کا لفظ رَبٌّ اشارہ کرتا ہے۔ لیکن اس ابتری کی حالت کا ذکر بھی قرآن شریف نے کیا ہے۔ فرمایا: اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (30:21) زمین اور آسمان ابتری کی حالت میں تھے۔ ہم نے ان کو الگ الگ کر دیا۔

خلق کے دلائل کے بعد دوسری دلیل خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (2:96) سے دی ہے۔ عَلَقَ کے معنی میں نے تعلق اور محبت کے بتائے تھے۔ یعنی انسان کے اندر اپنی محبت کے مادے کو رکھ دیا۔ اس ذیل میں صرف چند دلائل پیش کر سکوں گا۔ یہ مضمون نامکمل ہے، اس پر کافی غور کا موقعہ نہیں ملا۔ اس لیے اس کا گویا جو حق ہے وہ ادا نہیں ہوگا۔ اس مِنْ عَلَقٍ یعنی فطرتِ انسانی کے ساتھ تعلق رکھنے والے دلائل ہستی باری تعالیٰ دوسری قسم کے دلائل ہیں۔

انسان اور دوسری مخلوق میں وجہ تمیز احساس ہے:

انسان اور دوسری مخلوق میں فرق احساس کا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ انسان میں یہ احساس باقی مخلوق کی نسبت بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس مخلوق میں جمادات نباتات اور حیوانات سب ہی ہیں۔ ان سب میں ایک نہ ایک

قسم کا احساس ہے۔لیکن جمادات میں بہت کم ہے۔نباتات میں اس سے زیادہ ہے اور حیوانات میں اس سے بہت زیادہ ہے۔اور پھران میں سے بھی انسان میں سب سے زیادہ ہے، اوراس طرح سے مخلوق میں یہ احساس ترقی کرتا چلا آیا ہے۔انسان میں آ کر یہ صفت بہت ترقی کرگئی ہے۔اس لیے انسان کو گویا باقی مخلوقات سے تمیز کرنے والی صفت احساس ہے۔اس احساس میں اللہ تعالیٰ کی محبت اوراس کی طرف کشش بھی شامل ہے۔یوں تو اس ذات کے ساتھ ہر چیز کا تعلق اور لگاؤ ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اس کی طرف کھنچتی ہے۔جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایاوَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ(44:17) ہر چیز میں اس کی محبت اوراس کی طرف کشش ہے۔لیکن تم اس احساس اور کشش کو سمجھ نہیں سکتے۔تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ(44:17) تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ اس میں ہے ہستی کا احساس رکھتے ہیں۔مگر انسان کے اندر وہ احساس الگ رنگ میں موجود ہے۔اور مِنۡ عَلَقٍ میں اس طرف توجہ دلائی ہے۔گویا انسان کی بناوٹ میں یہ چیز موجود ہے۔اور پھراس کے ترقی کرنے سے یہ دلیل اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔مگر فی الحقیقت یہ دلیل احساس اسی فطرۃ میں منقوش ہے۔اس پر جوآیات دلالت کرتی ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں۔فرمایا:فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ (30:30) اللہ کی بنائی ہوئی فطرۃ کہ جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔اس اللہ کی خلق کو تبدیل مت کرو۔دوسری جگہ فرمایاوَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ قَالُوۡا بَلٰى (172:7) کہ جب تیرے رب نے اقرار لیا بنی آدم سے جبکہ وہ اپنے آبا کی پشت میں ان کی ذریت تھی اوران کو اپنے آپ گواہ ٹھہرایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں کیوں نہیں، ہم اس پر شہادت دیتے ہیں۔ایک جگہ اور فرمایا سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ.(9:43) اگرتو ان منکرانِ ہستی باری تعالیٰ سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں کواور زمین کو پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ ان کوایک غالب حکمت والے نے پیدا کیا ہے۔اور پھراس سورۃ کے آخر میں فرمایا:وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ. (87:43) اگرتو ان سے سوال کرے کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔پھر یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ایسے ہی دو آیات سورۃ الطّور کی ہیں۔اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَيۡرِ شَىۡءٍ اَمۡ هُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ. اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بَلۡ لَّا يُوۡقِنُوۡنَ.(35-36:52) کیا ان کو کسی اور چیز نے پیدا کیا ہے۔یا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں۔کیا انہوں نے

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ اس کا تو اُن کو یقین ہی نہیں۔ اسی طرح سورۃ العنکبوت میں ایک آیت ہے۔ فرمایا وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ (61:29) اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

قسط پنجم: (مطبوعہ دراشاعت 27 نومبر 1930ء)

اللہ تعالیٰ کی محبت فطرۃ انسانی میں نقش ہے:

ان آیات میں سب سے پہلی آیت فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا (30:30) ہے۔ اللہ کی فطرۃ جس پر لوگوں کو اس نے بنایا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت موجود ہے۔ یہ فطرۃ تمام انسانوں کی ہے، اس کے اندر خدا کی ہستی کا انکار یا کوئی اور گناہ موجود نہیں۔ بلکہ اس کی ہستی کا اقرار اور معصومیت موجود ہے۔ چنانچہ بخاری میں اس کے متعلق حدیث ہے: مَامِنۡ مَوۡلُوۡدٍ اِلَّا يُوۡلَدُ عَلٰى فِطۡرَتِهٖ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوۡيُنَصِّرَانِهٖ اَوۡيُمَجِسَّانِهٖ، ہر ایک بچہ فطرۃ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا لیتے ہیں یا عیسائی بنا لیتے ہیں یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ گویا ہر بچہ فطرۃ اللہ پر پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کے اندر خیالات کی تبدیلی ماں باپ کے عقائد اور اردگرد کے حالات سے ہو جاتی ہے۔ اسلام کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر ایک بچہ کی فطرۃ کو صحیح اور سالم قرار دیتا ہے۔ عیسائیت کا عقیدہ یہ ہے کہ بچہ، خواہ عیسائی ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوا اور خواہ غیر عیسائی ماں باپ سے ہو، گنہگار پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بالمقابل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ بچہ، خواہ مسلم ماں باپ کے گھر میں پیدا ہو یا غیر مسلم کے گھر میں، وہ مسلم اور معصوم ہی پیدا ہوتا ہے اور فطرۃ اللہ پر پیدا ہوتا ہے۔ یعنی اس کی فطرۃ معصوم ہے اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی محبت کا نقش منقوش ہے۔

دوسری آیت ہے: وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ قَالُوۡا بَلٰى شَهِدۡنَا. (172:7) کہ تیرے رب نے اقرار لیا بنی آدم سے جب کہ وہ اپنے آباء کی پشت میں ان کی ذریت تھی اور ان کو اپنے آپ پر گواہ ٹھہرایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں

نے کہا: ہاں۔ کیوں نہیں! ہم اس پر شہادت دیتے ہیں۔ یہ کیا قصہ ہے؟ یہ اقرار نسلِ انسانی سے یا ہم سے کب لیا گیا؟ یہ تو کسی کو یاد نہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جتنے بچے اپنے آباء کی پیٹھ سے نکلتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ بھی فطرۃ کی شہادت ہے۔ یہاں اس آیت میں سوال کرنے والی بھی فطرت اور جواب دینے والی بھی فطرت ہے۔ ہر شخص کی جان کو ہی اس کا گواہ ٹھہرایا ہے۔وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ یہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔اپنے پر خود ہی گواہ ہونا یہ فطرت کی شہادت ہے۔یعنی ہماری فطرۃ خدا کی ہستی کا اقرار کرتی ہے۔

اکثر دہریہ بھی منکر ذاتِ باری نہیں:

اس کے متعلق ایک اور بات جو قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ مخلوق کی کثرت قَالُوْا بَلٰى (172:7) کی قائل ہے۔جیسا کہ کتابوں، اخباروں اور علوم کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ حصہ بلکہ بکثرت لوگ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ہی قائل ہیں۔ وہ لوگ جو دہریہ کہلاتے ہیں ان کے متعلق دو باتیں یاد رکھیے۔ان میں کا ایک بہت بڑا حصہ منکر خدا نہیں۔ لا ادریئے ہیں کہ جو فی الحقیقت ذاتِ باری کے منکر نہیں۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق کافی دلائل کے نہ ملنے کے شاکی ہیں۔اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ اور دلائل کے متلاشی اور طالب ہیں اور یا یہ کہ ان میں عقل کم ہے۔اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہر انسان کی فطرۃ میں تو اس کی شہادت موجود ہے مگر اس پر پردے پڑ جاتے ہیں۔بعض لوگوں کو جب اچھا کھانے اور پینے کو ملتا ہے اور کوئی شغل بھی نہیں رہتا تو آزاد خیال ہو جاتے ہیں۔ کئی لوگ تو فرعون بے سامان ہوتے ہیں، مگر بعض فرعون باسامان بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی گواہی دینے والی فطرۃ پر پردہ آجاتا ہے اور پھر بعض میں وہ نقش دھندلا ہو جاتا ہے اور بعض میں ترقی کرتے کرتے بالکل تاریک ہو جاتا ہے۔مگر اس کے خلاف بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی فطرۃ عام لوگوں کی نسبت زیادہ روشن ہوتی ہے اور یہ لوگ انبیاءؑ ہیں۔ ان کی فطرۃ چونکہ مصفا اور مجلّٰی ہوتی ہے اس لیے ان کے اندر یہ نقش بھی زیادہ روشن ہوتا ہے۔آنحضرت ﷺ کے متعلق قرآن شریف میں آتا ہے: مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (35:24) اس کے نور کی مثال ایک طاق ہے کہ جس میں ایک روشن چراغ ہے۔اور وہ چراغ ایک قندیل میں موجود ہے کہ جس سے وہ

قندیل گویا ایک چمکدار ستارہ ہے کہ جس کو روشن کیا جاتا ہے ایسے شجر مبارکہ کے تیل سے کہ جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ تیل ایسا مصفا کہ وہ چمک اٹھے۔ اگر چہ اس کو آگ بھی نہ چھولے۔ نور کے اوپر یہ ایک نور ہے۔ یعنی آپ کی فطرۃ اس قدر روشن تھی کہ اس میں کسی قسم کا بھی دھندلا پن اور تکدر موجود نہ تھا۔ اس لیے اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا نور نہایت صفائی کے ساتھ جلوہ فگن ہوا تھا۔ غرض انبیاءؑ کی فطرۃ میں اس کا عکس مصفا ہوتا ہے۔ ان کے خلاف دہریوں کا گروہ ہے کہ جن کی فطرۃ پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ اس لیے اکثر دہریوں کو اس کی ہستی کی دلیل نہیں ملتی۔ مگر ان میں سے بعض تو ایسے بے عقل اور بیوقوف ہوتے ہیں کہ وہ اپنی نادانی کے ذریعہ سے خدا کی ہستی کو معلوم کرنا چاہتے ہیں!

ایک مشہور دہریہ کا ذکر ہے کہ وہ گھڑی نکال کر کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر کوئی خدا ہے تو مجھے پانچ منٹ میں ہلاک کرے۔ پانچ منٹ انتظار کرنے کے بعد پھر تمسخر سے کہتا کہ کوئی خدا نہیں ہے ورنہ مجھے ضرور ہلاک کر دیتا۔ ایسے لوگوں کو یہ سمجھ نہیں کہ اگر خدا ایسا ہوتا تو مخلوق ہی کیوں ہوتی؟

دھریوں کے خیال میں بھی کوئی علت العلل ہے:

تاہم دہریہ علت العلل کے تو قائل ہیں۔ خواہ اس کو مدبر بالا رادہ نہ مانیں مگر علت العلل (First Cause) کو مانتے ہیں۔ اس کا تو کوئی سلیم العقل انسان انکار نہیں کرسکتا۔ اس دلیل کو قرآن شریف نے یوں بیان کیا ہے: سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ. (9:43) اگر اے مخاطب تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو ایک غالب حکمت والے نے پیدا کیا ہے۔

غرض ہر ایک انسان اس کا یہی جواب دے گا کہ کوئی نہ کوئی مخلوق کا پہلا باعث اور علت العلل ہے۔ ساری کی ساری مخلوق ناقص حالت سے کامل کی طرف جا رہی ہے۔ اور جس قدر بھی پیچھے کی طرف نگاہ دوڑائیں ادنیٰ سے ادنیٰ حالت نظر آتی چلی جاتی ہے، اور اس سلسلہ کو آپ کہیں بھی ختم نہیں کر سکتے جب تک کہ یہ سب کچھ نیستی پر نہ پہنچ جائے۔ ابتدا میں ایٹم یا مادہ کے ذرات تھے۔ اس سے پیشتر الیکٹرون تھے اور اس سے پیشتر کیا تھا کیا

نہیں تھا۔ یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا، جب تک کہ شروع میں نیستی سے ہستی نہ ہو۔قرآن شریف میں ایک اور جگہ فرمایا: اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ ھُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ. (35:52) کیا وہ بغیر کسی پیدا کرنے کے پیدا کیے گئے ہیں یا خود ہی اپنے آپ کو پیدا کرنے والے ہیں۔غرض اس قسم کے سوالات کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی فطرۃ کو اپیل کیا جائے اور وہ خود ہی اس کا جواب دیتی ہے کہ یقیناً کوئی نہ کوئی علت العلل ضرور ہے۔ دہریت کے رنگ میں بھی فطرۃ انکار نہیں کرتی۔

یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر فطرۃ میں اللہ تعالیٰ کی شہادت موجود ہے۔تو پھر دنیا میں کثرت سے تعداد اِلٰہ کے ماننے والے ہیں یا تعدد اِلٰہٗ کے قائل ہیں۔ وہ اس کے ساتھ ایک خدا کی ہستی کے بھی قائل ہیں۔توحید فی التثلیث ایک میں تین اور تین میں ایک مانتے ہیں۔اسی طرح بت پرست بھی ایک پر متفق ہیں۔اس لحاظ سے بھی یہ ایک فطرۃ کی شہادت ہے کہ باوجود تعدد اور کثرت کے خیال کے وحدت کا نقش دل سے نہیں مٹا۔

محبت الٰہی اور انسانی فطرۃ:

اور دوسری آیات، جو انسانی فطرۃ کی شہادت پر ہیں، ان میں خدا کے لیے کشش اور محبت انسان کے اندر ہونے کا ذکر ہے۔ان میں سے ایک آیت خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ. (2:96) ہے۔یعنی ہم نے انسان کو تعلق اور محبت سے پیدا کیا ہے یا اس کی فطرۃ میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور کشش ہے۔ایک اور آیت ہے وَالسَّمَآءَ بَنَیۡنٰھَا بِاَیۡدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ. وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰھَا فَنِعۡمَ الۡمٰھِدُوۡنَ. وَمِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَیۡنِ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ. فَفِرُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ اِنِّیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ. (50-47:51) اس میں آسمان اور زمین میں زوجیت کا تعلق بیان کیا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر فرمایا کہ ہر چیز کا جوڑا ہے۔تو انسان میں بھی خدا کے لیے کشش اور محبت ہے۔

ایک جگہ صاف طور پر حضرت موسیٰؑ کے متعلق فرمایا: وَاَلۡقَیۡتُ عَلَیۡکَ مَحَبَّةً مِّنِّیۡ (39:20) اے موسیٰؑ! ہم نے تیرے اندر فطری طور پر محبت رکھ دی۔محبت تو ہر ایک کے اندر رکھی ہے۔مگر انبیاءؑ کے اندر یہ فطری نور اور بھی چمکتا ہے۔اور یہ تجربہ عالم ہے کہ ہر قوم میں ایسے لوگ ہوئے ہیں کہ جن کے اندر یہ نور چمکتا نظر آتا

ہے۔اوراس نوراور کشش کی وجہ سے نہ صرف وہ خود خدا کی طرف کھنچتے ہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو کھینچ لے جاتے ہیں۔ یہ کشش اور محبت بظاہر نظر نہیں آتی ،مگراس کے ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔جس طرح آسمان کی نسبت فرمایا: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (10:31) کہ آسمانوں کو اٹھا رکھا ہے ایسے ستونوں سے کہ جو نظر نہیں آتے۔ یہ ایک قانونِ قدرت ہے کہ اتنے بڑے بڑے بوجھل اور وزنی اجرام کو ایسے ستونوں سے تھام رکھا ہے کہ جو نظر نہیں آتے۔ اور ستون محض کشش کے ستون ہیں اور غیر مرئی طاقت ہے کہ جس نے اس زمین اور اجرام سماوی کو ہاتھ میں تھام رکھا ہے۔مگر وہ خدا، جس نے اس ساری مخلوقات کو اور ایسے بھاری اجرام کو بنایا ہے، وہ زیادہ زبردست ہے اور اس کی کشش بھی بے اندازہ ہے۔ یوں تو بہت لوگ کہہ سکتے ہیں کہ ہم میں خدا کی محبت کا کوئی نشان نہیں۔مگر اس کا بین ثبوت ان اشخاص میں ملے گا جو انبیاء کہلاتے ہیں،جن کی فطرۃ صحیح ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی کی فطرۃ میں ایک چیز موجود ہو۔مگر اس پر اس قدر پردے پڑ گئے ہوں کہ اس کا کوئی سراغ نہ مل سکے۔مگر ان لوگوں کے اندر کہ جن کی فطرۃ سلیم ہے، اس کا کھلم کھلا ثبوت مل سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کی نسبت فرمایا وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ (39:20) کہ میں نے تجھ پر اپنی محبت انڈیل دی۔ اور اس کا اثر یہاں تک ہوا کہ لاکھوں آدمی اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف کھنچے گئے۔ جتنا کوئی اس فطری تعلق کو ترقی دے کر بڑھانا چاہے اسے بڑھا سکتا ہے اور اس سے اتنی ہی محبت بڑھے گی۔مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ محبت ہوتی تو ہر شخص میں ہے مگر کم ہونے کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتی۔تاہم یہ بھی سچ ہے کہ کسی شخص میں پیدائش سے زیادہ ہوتی ہے مثلاً انبیاءؑ میں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ہر شخص میں اس کا نشان کیوں نہیں ملتا۔تو یاد رکھو کہ ایک نہ ایک وقت انسان کی زندگی میں ایسا آجاتا ہے کہ اس کی فطرۃ پکار اٹھتی ہے۔ اور وہ وقتِ مصیبت اور بے چارگی کا وقت ہوتا ہے۔جس وقت انسان عیش وآرام میں ہوتا ہے تو اس وقت وہ اس خدا کی ذات سے غافل ہو جاتا ہے۔لیکن جب تنہائی میں مصیبت کا وقت ہوتو پھر وہی فطرتی جوہر چمک اٹھتا ہے۔ جب بھی انسان اس فطرت کی طرف آئے گا اور جس قدر وہ اس تعلق کو ترقی دے گا اتنے ہی پردے اس پر سے اٹھتے جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح سے جس طرح دنیوی کاموں اور علوم میں محنت کرنے سے لوگوں پر اعلیٰ اعلیٰ انکشافات ہوتے رہتے ہیں۔ دوسری آیت اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (28:13) ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ جو لوگ اس کی طرف آتے ہیں اور اپنے دلی تعلق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط کرتے ہیں۔ان کے دلوں میں ایک اطمینان، راحت اور سکون

پیدا ہوتا ہے۔

قسط ششم (آخری): مطبوعہ در اشاعت 1930ء

بادۂ عرفان کے چند قطرے:

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ. ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ. لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ. قَدْجَآءَ کُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْھَا وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ. وَ کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَہٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ اِتَّبِعْ مَآاُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ. لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ.

(106-101:6)

پچھلے درس میں مضمون ختم نہیں ہوا تھا کہ فطرۃ انسانی میں ہستی باری تعالٰی کے متعلق کیا شہادت ملتی ہے۔ اس کے متعلق دو شہادتوں کو جو نفسِ انسانی کے اندر ملتی ہیں پیش کیا تھا۔ ایک آیت میں تو یہ فرمایا کہ انسان کے اندر اس کی فطرت میں گواہی موجود ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا. (172:7) جب تیرے رب نے اقرار لیا بنی آدم سے جب کہ وہ اپنے آباء کی پشت میں ان کی ذریت تھی اور ان کو اپنے آپ پر گواہ ٹھہرایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں کیوں نہیں۔ اور دوسری آیت میں فرمایا فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا (30:30) اللہ کی فطرۃ کہ جس پر اللہ نے لوگوں کو بنایا ہے۔ یعنی انسان کی فطرۃ میں اس کی ہستی کا نقش ہے۔ پہلی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف اس کی ہستی میں شہادت موجود ہے۔ بلکہ اس کی فطرۃ آواز بھی دیتی ہے کہ اس کی کوئی ربوبیت کرنے والا ہے۔ دوسری بات فطری شہادت پر یہ پیش کی تھی کہ اللہ کے ساتھ انسان کا تعلق فطری ہے اور

اس کے اندر اس کی محبت مرکوز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی محبت صاف فطرۃ والوں کی ہوتی ہے۔ معمولی آدمیوں میں اس کا پتہ لگانا کچھ مشکل سی بات ہوتی ہے۔ اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اس کی وجہ کچھ تو ان کا دنیاوی کاموں میں انہماک ہوتا ہے اور کچھ ضد کی وجہ سے نہیں مانتے۔ صاف اور بین شہادۃ انہی لوگوں میں ملتی ہے کہ جن کی فطرۃ پاک اور صاف ہوتی ہے اور انہی کی زندگی میں اس کا کھلم کھلا ثبوت ملتا ہے۔ تیسری دلیل رجوع الی اللہ کی انسانی فطرۃ میں ہے۔ اس پر بھی چند آیات پڑھتا ہوں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلق انسان کی فطرۃ میں نقش ہے۔ ایک آیت اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (4:1) ہے۔ اس آیت میں فطرۃ کی شہادت کس طرح ہے؟ اس کو یوں سمجھو کہ عبادت کرنے والا ایک شخص ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی مدد مانگتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ یہ مدد مانگنا بھی فطرۃ کی آواز ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں پہلے اللہ کی تعریف اور صفات کا ذکر ہے۔ ان صفات کو دیکھ کر انسان کے دل سے آواز نکلتی ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (4:1) تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے مدد مانتے ہیں۔ یہ دونوں شہادتیں بتاتی ہیں کہ دعا کرنا انسان کی فطرۃ میں لکھا ہے۔ اس کے حضور گرنا، جھکنا اور اس سے کچھ مانگنا فی الحقیقت دعا اور عبادۃ ایک ہی چیز ہے۔ انسان اپنی بیکسی اور عاجزی کے وقت کسی طرف جھکتا ہے اور کبھی عبادت کے رنگ میں خدا کی عظمت سامنے آجاتی ہے۔ یہ رجوع الی اللہ بھی سب میں ہے، مگر کم و بیش۔ کہیں یہ جذبہ بھی دب جاتا ہے اور کہیں کھل کر ظاہر ہو جاتا ہے۔ فطرۃ صحیحہ والے لوگ بکثرت خدا کی طرف جھکتے اور اس سے دعائیں مانگتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے متعلق لکھا ہے کہ آپؐ بکثرت عبادت اور دعا کرنے والے تھے۔ ایک حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں ایک دن میں 70 مرتبہ دعا کرتا ہوں۔ اس پر لوگوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ آپ معاذ اللہ گنہگار تھے۔ مگر آپ کا دعا مانگنا گناہوں کی معافی کے لیے نہ تھا بلکہ گناہوں سے محفوظ رہنے کے لیے تھا۔ ستر مرتبہ بھی کوئی عدد کامل نہیں بلکہ اس سے مراد ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت طلب کرنا ہے۔ سستی، غفلت اور طبیعت کے آرام طلب ہو جانے اور اکثر اوقات تعیش اور سامانِ خورد و نوش بکثرت مل جانے کی وجہ سے یہ رجوع الی اللہ کا جذبہ دب جاتا ہے، اس پر پردے پڑ جاتے ہیں اور ایسے اشخاص میں اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن وہ لوگ کہ جن کا نفس صاف اور متجلّی ہوتا ہے، ان کے متعلق فرمایا: یٰۤاَیَّتُہَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ. ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً. فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ. وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ (89:27-30) اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف رجوع

کر۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں آ جا۔ یعنی ایسے نفوس کو آواز آتی ہے کہ تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ اور اس کے خلاف وہ لوگ کہ جن کے نفس میں یہ جذبہ دب جاتا ہے، ان کے متعلق فرمایا: كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى. (96:6-7) انسان کبھی سرکش ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو غنی پاتا ہے پھر اس کا خدا کی طرف رجوع نہیں رہتا۔ کھانے پینے کو ذرا زیادہ ملا بس بگڑ بیٹھے۔ لیکن وہ لوگ کہ جو پاک فطرۃ ہوتے ہیں، وہ کبھی نہیں بگڑتے، ان کی فطرۃ کبھی خراب نہیں ہوتی اور ایسے لوگوں کا اعلیٰ نمونہ انبیاءؑ ہیں۔ ہمارے آنحضرت ﷺ یتیم تھے۔ آپ کو بادشاہت ملی، مال و دولت ملی، مگر آپ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ رجوع الی اللہ دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا۔ لیکن انبیاءؑ کے خلاف دوسری طرف ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جن کو کچھ ملا اور وہ پھر گئے۔ لیکن اس امر کا ثبوت کہ یہ جذبہ ظاہر ہو جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رجوع الی اللہ ایک جوہر ہے کہ جو پاکوں میں صاف چمکتا ہے۔ عام لوگوں میں اپنی حالت کے بموجب ظاہر ہوتا ہے اور کبھی کبھی پردے پڑ کر بالکل بھی دب جاتا ہے۔ لیکن جس سامان کی فراوانی سے یہ پردے پڑ جاتے ہیں، جب وہ سامان لئے جائیں تو پھر اکثر وہ جوہر ظاہر ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس پر بہت سی آیات ہیں۔ ایک جگہ فرمایا: وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ (67:17) جب تمہیں دریا میں تکلیف پہنچے تو پھر سوائے اس ایک کے اور سب بت وغیرہ بھول جاتے ہیں۔

11 نومبر 1930ء

برادرانِ اسلام سے اپیل

(حضرت امیر ایّدہ اللہ بنصرہٖ کی طرف سے یہ اپیل ایک ٹریکٹ کی صورت میں شائع کی گئی ہے۔ دوستوں کو دفتر سے بذریعہ ڈاک ارسال ہے۔ جن کو ابھی تک نہیں پہنچی وہ دفتر سے اس کی کچھ کاپیاں منگوا کر مسلمانوں میں تقسیم کریں اور اس کو کامیاب بنانے کی مقدور بھر کوشش کریں۔ یہ ایک ایسا کام ہے جس کے کرنے کی بہت جلد ضرورت ہے۔ ایڈیٹر)

مسلمانوں کی موجودہ حالت:

ہندوستان میں مسلمانوں پر جو حالت گزر رہی ہے اس سے آج کون ناواقف ہے۔ جہالت، افلاس، قرضہ، فضول خرچی، سستی، بے پروائی اور سب سے بڑھ کر پراگندگی تفرقہ اور کسی نظام کے نہ ہونے نے ان کی وقعت دوسری قوموں کے دلوں سے نکال دی ہے۔ ان کی آواز کی شنوائی کہیں نہیں ہوتی۔ نہ ابناء وطن ان کی پروا کرتے ہیں نہ غیر ملکی حکومت کو ان کے حقوق کا خیال ہے۔ وہ بھی غالب فریق کے ساتھ ہے۔ مگر ہم دوسری قوموں کا رونا کیوں روئیں کہ وہ مسلمانوں کو کھا جانے کے لیے تیار ہیں۔ کمزور، کم ہمت مٹ ہی جایا کرتے ہیں۔ یا رہتے ہیں تو ذلیل ہو کر رہتے ہیں۔ غیروں کا رونا رونا فضول ہے۔ انگریز ہو یا ہندو۔ مخبر صادق کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ سب کچھ تیرہ سو سال پہلے بتا دیا ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِکُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَا عَى الْاٰكِلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَآئِلٌ اَوَ مِنْ قِلَّةٍ نَّحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ اَنتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَّلٰكِنَّكُمْ غُثَآءٌ كَغُثَآءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمُهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ. قَالُوْا وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَآ وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ. (سنن ابی داؤد مترجم، جلد 3 ص 330) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وقت آتا ہے کہ قومیں تمہارے اُوپر اس طرح گریں گی جس طرح بہت کھانے والے بڑے پیالہ پر گرتے ہیں۔ تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ اس لیے ہوگا کہ ہم اس دن تھوڑے ہوں گے۔ فرمایا نہیں بلکہ تم اس دن تعداد میں بہت ہو گے۔ لیکن تم اس کوڑے کرکٹ کی طرح ہو

گے جسے سیلاب بہالے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے سینوں سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں خداوَھن (کمزوری، کم ہمتی، کام کرنے کی نا قابلیت) ڈال دے گا۔ لوگوں نے پوچھا وَھن کیا ہے؟ فرمایا دنیا کی محبت اور (خدا کے رستے میں) جان دینے کو ناپسند کرنا۔ یہ نقشہ ہماری حالت کا، جو مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھینچا ہے، کتنا صحیح نقشہ ہے۔ آج واقعات کے گہرے مطالعہ کے بعد بھی ایک باریک بین نگاہ اسی نتیجہ پر پہنچے گی جو آپؐ کے قلب صافی نے تیرہ سو سال پہلے کھینچ دیا۔ ہم میں سستی، عمل کی کمزوری اور ایمان کی کمزوری پیدا ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ہر قسم کی بلند ہمتی کے کام میں ہمارا قدم پیچھے ہے اور دنیا کی قوموں کے دلوں سے ہماری عزت اور ہمارا رعب نکل گیا ہے۔

سعیٔ عمل کی ضرورت:

موجودہ حالت جو کچھ ہو سو ہو۔ اس سے بہت زیادہ بھیانک منظر مسلمانوں کے مستقبل کا ہے۔ اگر دوسری قومیں بھی اسی طرح سوئی ہوئی ہوتیں جس طرح ہم سوئے ہوئے ہیں تو شاید ہم کچھ دن اور اسی غفلت میں رہ کر زندہ رہ سکتے۔ مگر تمام قومیں بیدار ہیں اور اپنی ترقی کی جدوجہد میں دیوانہ وار مصروف ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بچے اور عورتیں بھی قومی ترقی کے نشے میں سرشار ہیں۔ حتّٰی کہ وہ اچھوت قومیں، جن کی غلامی اور ذلت پر صدیاں نہیں ہزاروں سال گزر چکے، وہ بھی آج بیدار ہیں اور جدوجہد میں مصروف ہیں۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم قوم کی حالت پر روتے ہیں مگر کرتے کراتے کچھ نہیں۔ اپنے بھائیوں پر افسوس کرتے ہیں کہ وہ نہیں کرتے۔ مگر خود کبھی توجہ نہیں کرتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ کسی نے لیڈروں کو کوس لیا، کسی نے پیروں اور ملانوں کو بُرا کہہ لیا۔ مگر اس سے قوم کا کچھ نہیں بن سکتا۔ اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ لیڈروں، پیروں اور علماء کی خودغرضیوں نے قوم کو تباہ کیا۔ لیکن ان کا علاج بھی یہی ہے کہ قوم میں قوتِ عمل پیدا ہو، اسی قوت سے ہی وہ خودغرضوں کے پنجے سے نجات حاصل کرسکتی ہے اور ہر فرد واحد یہ سمجھے کہ قوم کی ڈوبتی ناؤ کو پار لگانے کے لیے اس نے بھی کچھ سہارا دینا ہے۔ درحقیقت ابھی تک قوم کے دل میں پورا احساس نہیں کہ ان کی حالت کیا ہے اور کیا ہونے والی ہے۔ ورنہ ہر قوم کا فرد دیوانہ وار قوم کو بچانے کی جدوجہد میں مصروف ہو جاتا۔ ہر مسلمان بھائی کے سامنے آج پہلا سوال یہ ہونا چاہئے کہ میں خود کیا کر رہا ہوں یا کیا کرسکتا ہوں۔ اگر ہم میں سے ہر شخص کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ

میں اپنے وجود کو قوم کے لیے کس طرح مفید بنا سکتا ہوں تو ہماری قوم بھی دنوں میں بن سکتی ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو قوم کے لیے مفید بنانے کی کوشش کرے گا۔ وہ نہ صرف قوم کو بنا دے گا بلکہ خود اپنے آپ کو بھی کچھ بنا لے گا۔ لہٰذا میری ہر مسلمان بھائی سے یہ درخواست ہے کہ وہ یہ سوچے کہ وہ اپنے وجود کو قوم کے لیے کس طرح مفید بنا سکتا ہے۔

ایک تجویز:

میں بھی اس وقت آپ کے سامنے ایک بات پیش کرتا ہوں جس سے آپ اپنے وجود کو اسلام کے لیے اور مسلمانوں کے لئے مفید بنا سکتے ہیں اور اپنا نقصان کیے بغیر ایسا کر سکتے ہیں۔ میں ایک خیالی بات آپ کے سامنے پیش نہیں کرتا۔ وہ بات پیش کرتا ہوں جسے میں نے خود آزمایا اور پھر اکیلے میں نے ہی نہیں آزمایا۔ میری طرح اور ہزاروں نے آزمایا کہ یہ نسخہ اس وَھن کو دور کرتا ہے جسے مخبر صادق ﷺ مسلمانوں کی ساری بیماریوں کی جڑ قرار دیتے ہیں اور اس قوت ایمانی کو پیدا کرتا ہے جس کے سامنے ساری دنیا کی مخالفت ہیچ ہو جاتی ہے۔ قوت ایمانی کے پیدا کرنے والے تو انبیاءؑ ہی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جب نبوت کو آنحضرتؐ پر ختم کیا تو قوت ایمانی کو بار بار زندہ کرنے کے لیے مجددین کا سلسلہ قائم کیا۔ **اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا.** اسی وعدہ الٰہی کے مطابق چودہویں صدی کے سر پر امام وقت نے مسلمانوں کو پکار کر کہا کہ اسلام خطرہ میں ہے، اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو چھوڑ و اور اسلام کو دشمن سے بچانے کی جدوجہد میں مصروف ہو جاؤ۔ مخالفت کا طوفان برپا ہوا۔ محض اس لیے کہ دشمن جس جس موقعہ سے اسلام پر حملہ کرتا تھا اس کا سدباب اس روحانی پیشوا نے کیا اور وہ باتیں مسلمانوں کے مروجہ خیالات کے خلاف تھیں۔ مگر مجدد وقت اور اس کے ساتھیوں نے کسی مخالفت کی پروانہ کرتے ہوئے دشمن کے حملوں کا دفاع شروع کیا اور اسلام اور محمد رسول اللہ

---

[1] مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروؤں کے اس وقت دو فریق ہیں۔ جن میں ایک فریق، جو جماعت احمدیہ لاہور (یا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) کے نام سے موسوم ہے، انہی صحیح عقائد پر قائم ہے جن کی تعلیم بانی سلسلہ نے دی تھی۔ اور دوسرا فریق قادیانی ہے، جنہوں نے غلو کر کے بانی سلسلہ کو نبی کا مرتبہ دیا ہے۔ اور اس نئی نبوت کے قائم کرنے کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ دنیا کے تمام کلمہ گو مسلمانوں کو، جو ان کے ساتھ نہیں، کافر سمجھتے ہیں۔ مگر کام وہ بھی اشاعت اسلام کا ہی کرتے ہیں۔ گو اسی طرح غلو اختیار کر لیا ہے جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے پیروؤں نے حضرت عیسیٰؑ کے حق میں غلو کر کے انہیں نبوت سے اٹھا کر خدائی کے مرتبہ تک پہنچا دیا۔

ﷺ کی عزت کی حفاظت کو سب باتوں پر مقدم کیا۔ یہی جماعت احمدیہ ہے جس کی بنیاد صرف اسلام کی حفاظت واشاعت کے لئے رکھی گئی ہے۔ جس کے افراد اعدائے اسلام کے مقابل پر اسلام کے سپاہی ہیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ قلیل جماعت اسلام کے بدترین دشمنوں کے دلوں میں اپنا رعب بٹھا چکی ہے اور اس کی بلندیٔ ہمت کا اس بات سے کافی ثبوت ملتا ہے کہ اس زمانہ میں، جب مسلمانوں پر چاروں طرف مایوسی چھا رہی ہے، اس جماعت نے اسلام کا علم عیسائیت اور دہریت کے مرکز یورپ کے اندر جا کھڑا کیا ہے۔ ان ممالک میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی آواز کو بلند کیا ہے۔ جہاں آج تک یہ آواز سنی نہ گئی تھی اور جہاں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی نہایت تاریک تصویر کھینچی جاتی تھی اور جہاں اسلام کو وحشیانہ مذہب بتا کر لوگوں کے دلوں میں اس سے تنفر پیدا کیا جاتا تھا۔ وہاں اس کے خوبصورت چہرہ کو ایسی خوبی سے دکھایا ہے کہ سینکڑوں دلوں کو مسخر کر کے محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں داخل کرلیا ہے۔ اگر صلیب اور ہلال کی جنگ کسی زمانہ میں مادی رنگ میں تھی تو آج وہی جنگ روحانی رنگ میں جاری ہے اور جس جماعت نے دشمن کے عین مرکز میں اسلام کا جھنڈا بلند کیا ہے اس نے خدمت اسلام کا چھوٹا سا کام نہیں کیا۔ آپ دنیا میں بلند مرتبہ پر ہوں یا ایک معمولی انسان کی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ مگر کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ بھی اس جماعت میں شامل ہوں۔ جس کی ہمت اس قدر بلند ہے، جس کا ایمان اس قدر مضبوط ہے کہ وہ اسلام کے غلبہ کو ایک حقیقت ثانیہ یقین کرتی ہے۔ جو خدمت اسلام کے لیے ہر ایک قربانی کرنے کو تیار ہے۔ اگر یہ اچھے اوصاف ہیں تو آپ ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے کیوں قدم نہیں اٹھاتے اور اس میں کیا روک ہے؟ جس جماعت میں شامل ہوں گے یقیناً ایک ادنیٰ کوشش سے اس کے رنگ میں رنگے جائیں گے اور اس کے دو فائدے ہوں گے۔ ایک آپ خود اوصاف بلند کے مالک بن جائیں گے اور وہ وَهن، جس نے مخبر صادقؐ کے قول کے مطابق اس وقت مسلمانوں کو غُثَآءٌ کَغُثَاءِ السَّیْلِ (سیلاب کے آگے بہنے والا کوڑا کرکٹ) بنا رکھا ہے، آپ کے دل سے نکل جائے گا اور اس کی جگہ ایک زبردست قوت ایمانی پیدا ہو جائے گی۔ اور دوسرے آپ کی قوم آپ کی اس چھوٹی سی خدمت سے دنیا میں بلند مقام پر پہنچ جائے گی۔

کامیابی کی راہ:

اشاعتِ اسلام کے کام کی اہمیت نہ صرف اس لحاظ سے ہے کہ یہ خود حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے نقشِ قدم پر قدم ہے، بلکہ اس ملک ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل اگر روشن رہ سکتا ہے تو صرف اشاعت اسلام کی تحریک سے۔ اگر ہم نے کوئی زبردست کوشش اسلام کو غیر مسلموں تک پہنچانے اور ان کو دائرہ اسلام میں لا کر اپنے لئے موجب قوت بنانے کی نہ کی تو وہ بہرحال تہیہ کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے لئے پورا زور لگائیں اور ان کی تعداد کو کم کر کے اور ان کی روایات کو مٹا کر ان کو ایک مغلوب فریق کی حیثیت میں ہندوستان میں جگہ دیں۔ تعجب آتا ہے جب ایک طرف ان لوگوں کا جذبہ اپنے مذہب کو پھیلانے کا دیکھا جاتا ہے جنہوں نے آج تک کبھی اپنے مذہب کو تبلیغی مذہب نہ سمجھا تھا اور اس کے بالمقابل مسلمانوں کی پست ہمتی کو دیکھا جاتا ہے جن کے ساتھ نہ صرف اللہ تعالیٰ کا کھلا اور صاف وعدہ تھا کہ وہ دین اسلام کو تمام دینوں پر غالب کر دے گا بلکہ اس وعدہ کا ایفا خود ملک عرب میں نبی کریم ﷺ کی زندگی میں کر کے دکھایا گیا اور اس کے بعد بھی اسی وعدے کا ظہور تھا کہ یہودی، عیسائی، آتش پرست، ہندو، بدھ مذہب کے پیرو، کنفیوشس کے پیرو لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ہر ملک میں اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔ اور دوسرے کسی مذہب کی نہ تو کتاب میں یہ وعدہ ہے کہ اس دین کو سب دینوں پر غالب کر دیا جائے گا اور نہ ہی عملاً ایسا ہوا۔ حتیٰ کہ عیسائیت، جو اسلام سے چھ سو سال پہلے میدان تبلیغ میں موجود تھی، وہ اگر اپنے اندر جذب کر سکی تو صرف بت پرست اقوام کو۔ مگر اس کے بالمقابل اسلام ہر مذہب سے اپنا خراج وصول کرتا رہا ہے۔ جو درحقیقت اسی وعدہ الٰہی کا ایفا ہے جو قرآن شریف میں مسلمانوں کو دیا گیا تھا کہ: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (28:48) خدا وہ ہے جس نے اپنا رسولؐ ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔ تا کہ وہ انجام کار اس دین حق کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اسلام کے اصول ہی ایسے ہیں کہ جوں جوں دنیا میں علم کی روشنی پھیلے گی، ان کی قبولیت بھی دلوں میں گھر کرتی جائے گی۔ آج اسلام کی خالص توحید کے سامنے کس شخص کا دل نہیں جھک جاتا۔ اسلام کی اخوت اور مساوات نسل انسانی کا اصول کس سے خراج تحسین وصول نہیں کرتا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام تمام قوموں میں خدا کی طرف سے روشنی بھیجا جانے کا اور پیغمبروں کے مبعوث کیا جانے کا اصول قائم کر کے تمام دنیا کے مذاہب میں امن، صلح اور اتحاد کی بنیاد رکھتا ہے۔ تو ایک طرف وعدہ الٰہی، دوسری طرف اس کے ایفا پر دنیا کی تاریخ کی شہادت اور تیسرے اس کے اصول کی زبردست کشش۔ ان باتوں

کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کی اشاعتِ اسلام کی تحریک کی طرف سے غفلت اور بے پروائی اور وہ بھی اس وقت جب دوسری قومیں ان تینوں باتوں سے محرومی کے باوجود اپنے اپنے مذہب کے پھیلانے کے لیے پورا زور صرف کر رہی ہیں۔ اس پر ایک غور کرنے والے کے تعجب کی انتہا نہیں رہتی۔ آج پالیٹکس میں محویت دنیا کی دوسری قوموں کو بھی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کو پھیلانے پر بھی ہر قوم اپنا پورا زور صرف کر رہی ہے۔ اپنے مذہب کی اشاعت سے اگر غافل ہیں تو صرف مسلمان۔ جن کی پالیٹکس بھی فی الحقیقت اشاعتِ اسلام سے وابستہ ہے اور جن کا مستقبل بھی اشاعتِ اسلام کے سوا تاریک نظر آتا ہے۔ کیونکہ گو وہ ہر ملک میں پہنچ گئے اور گو ہر قوم سے انہوں نے ایک بھاری تعداد کے رنگ میں خراج وصول کر لیا۔ مگر پھر بھی وہ تھوڑے ملکوں کو چھوڑ کر ہر جگہ اقلیت میں ہیں اور اس اقلیت کو اکثریت میں تبدیل کرنے کا حربہ صرف اشاعتِ اسلام ہے۔ جو ایک تجربہ شدہ حربہ ہے۔ کاش! اسے مسلمان پوری قوت سے استعمال کرتے اور دیکھتے کہ ان کی دینی ترقی اور ان کا دنیوی غلبہ بھی کس طرح اس سے وابستہ ہے۔ غرض اشاعتِ اسلام کا اہم مقصد اس جماعت کا سب سے پہلا مقصد ہے اور آپ اگر اس جماعت میں شامل ہو جائیں گے تو یہی مقصد آپ کی زندگی کا بھی سب سے بلند مقصد ہو جائے گا اور آپ کا وجود قوم کے لیے بہت سے فوائد کا موجب ہو جائے گا۔

اشاعتِ اسلام کے مزدور:

آج ایک نہیں ہزاروں اور لاکھوں دل اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ واقعی جماعت احمد یہ ایک منظّم جماعت ہے۔ واقعی اس نے اسلام کی خدمت کا بڑا عظیم الشان کام کیا ہے۔ واقعی اس نے اسلام کے دشمنوں کے دلوں میں اسلام کا رعب قائم کیا ہے۔ اور حالانکہ ان کا دل چاہتا ہوگا کہ خدمتِ اسلام کا یہ کام اور زیادہ ترقی کرے، مگر وہ آگے نہیں بڑھتے اور خود اس کے اندر شامل ہو کر اس کو ترقی دینے کی کوشش نہیں کرتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بعض کے دلوں میں تو کچھ خوف ہے اور بعض میں ابھی تک کچھ غلط فہمیاں احمدیت کے مفہوم اور اس کی غرض وغایت کے متعلق ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جس چیز سے لوگ ڈرتے ہیں وہی درحقیقت خوبی پیدا کرنے والی چیز ہے۔ جس سے ایک شخص کا وجود اپنے لیے اور قوم کے لیے زیادہ مفید بنتا ہے۔ بہت لوگ ہیں جن کے دلوں میں یہ خیال ہے کہ ہم کیوں ایک وسیع اسلامی اخوت کو چھوڑ کر ایک محدود جماعت کے اندر شامل ہوں؟ یہ بڑی بھاری غلط

فہمی ہے۔ آپ احمدی ہو کر بھی اس وسیع اسلامی اخوت کے اندر اسی طرح ہیں جس طرح دوسرے مسلمان۔ بلکہ اس کے اندر شامل ہو کر آپ اسلامی اخوت کی ایک ایسی مضبوط چٹان پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جس کو کوئی اختلاف کا طوفان متزلزل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جماعت احمدیہ[1] نے مسلمانوں کی اخوت کا آج وہی اصول دنیا میں زندہ کیا ہے جو اسلام نے ابتدا میں پیدا کیا تھا۔ یعنی یہ کہ ہر کلمہ گو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرنے والا مسلمان ہے اور کوئی شخص حق نہیں رکھتا کہ اسے کافر یا دائرہ اسلام سے خارج قرار دے۔ ہماری جماعت (جماعت احمدیہ لاہور) کی بنیاد ہی اسی اصول پر ہے کہ مسلمانوں کی تکفیر کے خیال کو دنیا سے مٹا دیا جائے اور وہ ایک دوسرے کے اختلافات کی برداشت ہی نہیں عزت کرنا سیکھیں۔ تو ایسی جماعت کا فرد بن کر آپ بھی اس اصول کے عملی مؤیدین میں داخل ہو جائیں گے اور اسلامی اخوت کے خوبصورت چہرے سے تکفیر کے بدنما داغ کو مٹا کر اسے دنیا کے لیے اور زیادہ موجب کشش بنا سکیں گے اور اخوت اسلامی کو اپنی اس اصلیت پر دوبارہ قائم کر دیں گے جس پر اس کی بنیاد ابتدا میں رکھی گئی تھی۔

احمدیت کا نصب العین:

کبھی کسی شخص کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ ہمیں مجدد وقت سے وابستگی کی کیا ضرورت ہے؟ قرآن شریف ہمارے پاس ہے اور وہ ہمارے لیے بس ہے۔ ہمیں کسی امام وقت کی ضرورت نہیں۔ یہاں بھی وہی غلط فہمی ہے۔ مجدد وقت کے ساتھ وابستگی کے یہ معنی نہیں کہ ہم قرآن شریف کو چھوڑ کر اپنے لیے کوئی امام تجویز کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ وابستگی درحقیقت قرآن کریم پر ازدیادِ ایمان کا موجب ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ احمدیوں کا ایمان قرآن کریم کی طاقت پر اس قدر ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام اپنی روحانی طاقت سے ساری دنیا کو فتح کرے گا۔ تو مجدد وقت کے دامن سے وابستگی آپ کے قرآن شریف پر، قرآن شریف کے دنیا کو فتح کر لینے کی طاقت پر، ایمان کو نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ اسے اور زیادہ کرتی ہے۔ اگر ایک احمدی کا ایمان قرآن شریف پر اس قدر طاقتور نہ ہوتا تو وہ صلیب اور دہریت کے مرکز یورپ میں کیونکر قرآن شریف کو لے کر پہنچتا! اور پھر مقام غور ہے کہ آخر قرآن شریف ہی يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (15:40) اور كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. (119:9) میں مجددین کی بشارت دیتا ہے۔ اور ان کے ساتھ ہونے کا حکم دیتا ہے اور حدیث نبویؐ اس

کی صراحت فرماتی ہے اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا اور امت کے اندر وہ بزرگ، جن کی روحانیت کے سامنے کل مسلمانوں کی گردنیں جھکتی ہیں، جیسے ہمارے ملک میں مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولیؒ اللہ، اس کے عملی گواہ ہیں۔تو کیا اس قدر صراحت کے ہوتے ہوئے یہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کی نافرمانی ہوگی کہ ہم مجدد وقت کا ساتھ دینے سے انکار کریں! پھر وہ مجدد بھی کس لیے آپ کو اپنے ساتھ ہونے کی دعوت دیتا ہے۔صرف اس لیے کہ آپ خدمت اسلام کے کسی کام کے اہل ہو جائیں۔ حفاظت واشاعتِ اسلام کا کچھ کام کریں۔اس نے ان لوگوں کو، جنہوں نے اس کا دامن پکڑا تھا، اس خدمت کا اہل بنا کر دکھا دیا کہ واقعی اس پر آسمان سے کوئی روح نازل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے ایک نئی زندگی کا موجب بنایا ہے۔کیونکہ یہ زندگی اس نے ان لوگوں کے اندر پیدا کر دی ہے جو اس کے پاس آئے اور بیٹھے۔غرض کہ مجدد کا ساتھ دینا، جس سے بعض طبائع خائف ہیں، خدا اور اس کے رسول کے حکم کی فرمانبرداری ہے، خدمت اسلام کی اہلیت حاصل کرنا ہے، قرآن شریف پر ازدیادِ ایمان کا موجب ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ سے زبردست جذبہ محبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔تو یہ نقصان نہیں فائدہ کا موجب ہے۔آپ کے لیے، آپ کی قوم کے لیے فائدہ کا موجب ہے۔اور اس میں تساہل کرنا، سستی کرنا اچھا نہیں۔کیونکہ یہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کی نافرمانی ہو جائے گی۔

وفاتِ مسیحؑ میں حیاتِ اسلام ہے:

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم کسی مجدد یا مسیح کے آنے کو نہ مانیں تو ہمارا کیا نقصان ہے اور اسلام کا کیا بگڑتا اور اسلام کا کیا نقصان ہے؟ اس کا جواب دینے سے پہلے میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ اگر آپ مان لیں گے تو آپ کا کیا بگڑتا ہے۔لیکن اگر آپ ذرا بھی غور سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ واقعی نہ ماننے میں نقصان بھی ہے۔ مان لینے میں تو اسلام کا فائدہ اور آپ کا بھی فائدہ ہے۔کیونکہ آپ اسلام کے سپاہی اور اس کے خادم بن جاتے ہیں۔اور آپ کے دل سے وَھن دُور ہو کر اسلام کی طاقت پر ایک نیا ایمان آپ کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔تو کیا اپنے فائدہ کی بات کو چھوڑ نا نقصان نہیں؟ جو شخص اپنے فائدہ کی بات کو چھوڑتا ہے، اپنی قوم کے فائدہ کی بات کو چھوڑتا ہے، وہ یقیناً اپنا بھی نقصان کرتا ہے اور اسلام کا بھی نقصان کرتا ہے۔پھر آخر مسیحؑ کے آنے کی پیشگوئیاں

حدیثوں میں صراحت سے موجود ہیں۔ اور صحیح سے صحیح حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ کیا ان پیشگوئیوں کو غلط قرار دینے سے آپ کو کچھ فائدہ ہوگا۔ یہ تو آج زمانہ شہادت دے چکا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے اور وہ واپس نہیں آئیں گے۔ تو جن حدیثوں میں ان کی آمد کا ذکر ہے، ان کو یا آپ جھوٹا کہیں گے یا اُن کی تاویل کر کے سچا مان لیں گے۔ جھوٹا کہہ دینے سے آپ کو کچھ حاصل نہیں۔ آخر کتنا بھی حدیث کو آپ گرائیں ظن کا مرتبہ تو دیں گے۔ پھر جو بات ظن کے طور پر بھی آنحضرت ﷺ کی زبان سے آئندہ زمانے کے متعلق پیشگوئیاں نکلیں، جن میں سے بعض اس وقت بالصراحت پوری ہو رہی ہیں اور بعض تاویلی رنگ میں۔ لیکن مسلمانوں کے لیے وہ دونوں بہر حال ازدیادِ ایمان کا موجب ہیں۔ مسیحؑ کی آمد کے متعلق تین باتوں میں سے ایک بات آپ کو ماننی پڑے گی۔ یا حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی کا انتظار کیا جائے یا ان حدیثوں کو صحیح مان کر یہ تاویل کی جائے کہ اس سے مراد ان کے مثیل کا آنا ہے، جو ہو چکا۔ صورت اول خلاف قرآن شریف ہے۔ جو بالتصریح حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا ذکر کرتا ہے اور علاوہ اس کے یہ انتظار کی حالت مسلمانوں کی قوتِ عملی کو بے کار کیے ہوئے ہے۔ صورت ثانی اس لیے غلط ہے کہ اس طرح بہت سی دینی صداقتوں کو رد کرنا پڑے گا۔ اور خود مجموعہ حدیث سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ کیونکہ نہ صرف صحیح ترین کتب حدیث میں ان احادیث کا ذکر ہے جو حضرت مسیحؑ کے نزول سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ چودہ مختلف صحابیؓ ان احادیث کے راوی ہیں۔ اور علاوہ ازیں ان کو رد کر کے بہت سی پیشگوئیوں کو، جو آج اپنے ظاہری معنے میں بھی پوری ہو چکی ہیں، کس طرح غلط کہا جائے گا؟ جب ایک حصہ ظاہری معنے میں پورا ہو چکا تو وہ دوسرے حصہ کے مجازی رنگ میں پورا ہونے پر خود ایک زبردست گواہ ہے۔ اور خود یہ بات بھی خلاف اصول ہے کہ جب ایک پیشگوئی اپنے مجازی معنے سے پوری ہو چکی ہے تو اسے جھوٹا کہا جائے کیونکہ پیش گوئیوں میں لازماً مجاز اور استعارہ ہوتا ہے۔ تیسری صورت کی تائید ہر طرف سے ہوتی ہے۔ کیونکہ جہاں پیشگوئیوں میں ایک طرف مسیح کی آمد کا ذکر ہے اس کے ساتھ ہی یہ لفظ موجود ہیں اِمَامُكُمْ مِّنْكُمْ وہ تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ یعنی باہر سے نہیں آئے گا۔ اور پھر انہی احادیث (بخاری) کی چار حدیثوں میں حضرت عیسیٰؑ نبی اللہ (بنی اسرائیل) اور آنے والے عیسیٰ کے دو الگ الگ حلیے موجود ہیں۔ یعنی دو حدیثوں میں حضرت عیسیٰ نبی اللہ کا حلیہ دیا گیا ہے۔ گورا رنگ، گھنگریالے بال۔ اور دو میں آنے والے عیسیٰ کا حلیہ دیا گیا ہے۔ گندم گوں رنگ اور سیدھے بال۔ ادنیٰ تامل سے بھی کام لیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ، جو بنی اسرائیل میں آئے تھے، وہ خود دوبارہ نہیں آئیں گے۔

کیونکہ اول وہ ہم میں سے نہیں اور حدیث کہتی ہے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ. دوسرے ان کا حلیہ الگ ہے۔آنے والے مسیح کوامت محمدیہ کا ایک فرد قرار دیا گیا ہے اوراس کا حلیہ بھی اور دیا گیا ہے۔جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام مسیح رکھنا روحانی مشابہت کی وجہ سے ہے۔اور مطلب صرف اس قدر ہے کہ جیسے حالات میں بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰؑ آئے جب یہود کی حکومت اٹھ گئی تھی اور وہ خود لفظ پرستی کے جھگڑوں میں پڑ کر نکمے ہو گئے تھے، ایسے ہی حالات میں امتِ محمدیہ میں ایک مسیح آئے گا جو اس وقت کا مجدد ہوگا۔اس وقت مسلمانوں کی بھی قریباً وہی حالت ہوگئی ہے۔حکومت ہاتھ سے نکل گئی ہے اور وہ لفظ پرستی کے جھگڑوں میں پڑ کر نکمے ہو گئے ہیں۔مسیح موعود ان تمام فرقی جھگڑوں سے انہیں بلند کر کے اشاعت وحفاظت اسلام کے مقدس کام کی طرف توجہ دلاتا ہے۔جس سے ان کے جھگڑے ختم ہوں اور وہ اسلام کی حقیقت پر قائم ہو جائیں۔ بہرحال اس عقیدہ سے کہ آنے والا مسیح آ چکا، ماننے والے کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور اسلام کو بھی۔ کیونکہ اس وقت تک تو مسلمان سب امیدیں اس پر لگائے بیٹھے ہیں کہ مسیحؑ آسمان پر سے اُترے اور وہ اشاعت اسلام کا کام کرے۔لیکن جب اس کا آنا مان لیا جائے تو حالتِ انتظار ختم ہو کر انسان کام میں لگ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت احمدیہ سرگرمی اور جوش سے اشاعت اسلام کے کام میں لگی ہوئی ہے۔ کیونکہ اسے سمجھ آ گیا ہے کہ یہ کام ہمارے ہی کرنے کا ہے، باہر سے آ کر کوئی اور نہیں کرے گا۔

گھبراہٹ کی باتیں:

اور بھی چند چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن کی وجہ سے جماعت احمدیہ میں شامل ہونے سے بعض دلوں میں گھبراہٹ سی پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ سب باتیں انسان کے اپنے لیے بھی فائدہ کا موجب ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس وقت، جب ابھی جماعت احمدیہ کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں اور دوسری طرف قادیانی عقائد نے غلو کر کے جماعت کو بدنام کر رکھا ہے، اس جماعت میں شامل ہونے سے بدنامی یا کم از کم انگشت نمائی ہوتی ہے۔ یہ بات تو درست ہے۔لیکن یہی انگشت نمائی ہی وہ چیز ہے جو غیر اللہ کا خوف دل سے دور کر کے انسان کو صحیح معنے میں موحد بناتی ہے۔ یہ خواہش کہ کوئی ہم کو برا نہ کہے یا بُرا نہ سمجھے، آج ہماری قوم میں سے بہت سی خوبیوں کو نابود کر چکی ہے۔اور جو شخص اس قدر اخلاقی جرات دکھائے گا کہ وہ حق بات کے قبول کرنے میں کسی کی پروانہ کرے۔ وہ

یقیناً بہت سی خوبیوں کا مالک بھی ہو جائے گا۔ ایسا بھی ممکن ہے کسی کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہو کہ اس جماعت میں شامل ہونے سے چندوں کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ اس جماعت میں شامل ہوتے ہیں ان کے شامل ہونے کی غرض یہی ہوتی ہے کہ وہ خدمتِ دین میں حصہ لیں اور اس خدمت کے لیے کچھ قربانی کر کے دکھائیں۔ اور اگر یہ نہیں تو پھر اس جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت بھی کچھ نہیں۔ مگر خوب یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربانی، بلکہ کسی قسم کی بھی قربانی دین کے لئے ہو یا ملک کے لیے ہو یا قوم کے لیے ہو، یہی انسانیت کا سب سے بڑا جوہر اور انسان کا بلند سے بلند مقام ہے۔ جس قدر کوئی زیادہ قربانی کرے گا، اسی قدر بلند مقام پر پہنچ جائے گا۔ اگر کسی آوارہ مزاج بچے کا یہ خیال ہو کہ کسی مدرسہ میں داخل ہو کر محنت کرنی پڑتی ہے اس لئے مدرسہ میں داخل ہی نہ ہونا چاہئے، تو وہ اپنی ساری عمر برباد کرے گا۔ اور جو جس قدر محنت کرے گا اسی قدر پھل پائے گا۔ اسی طرح انسانیت کے بلند مقام پر پہنچنے کے لیے اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو بنانے کے لیے قربانی ہی سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور پھر سب سے بڑی قربانی خدا کے لیے قربانی ہے۔ اور مسلمان جو اس قدر گرے ہوئے ہیں تو صرف اس لیے کہ ان میں قربانی کا شوق نہیں رہا۔ جب تک یہ تڑپ ان کے سینوں کے اندر موجود تھی وہ دنیا کی قوموں میں سب سے آگے تھے۔ اس جوہر کے جاتا رہنے سے انہوں نے اپنا بلند مقام کھو دیا اور آج اسی قربانی کی تڑپ کے ہی سینوں میں پیدا ہونے سے وہ پھر بلند مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ ورنہ خدا کے لاتبدیل قانون کے مطابق، جو قوم قربانی کرنا نہیں چاہتی، وہ دنیا میں بھی ذلیل ہو جاتی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ جب ہم کسی کو قربانی کرتا دیکھتے ہیں، خواہ وہ کتنے بھی ادنیٰ مقصد کے لیے ہو، تو ہم بے اختیار اس کے مدّاح ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اپنی فطرت بھی اس بات پر گواہ ہے کہ قربانی اچھی چیز ہے۔ پس اگر اس جماعت میں شامل ہونے سے یہ خوبی آپ کے اندر پیدا ہو جائے کہ آپ کچھ قربانی اپنے دین اور اپنی قوم کے لیے کر سکیں تو اس سے آپ کا نقصان کچھ نہیں ہوا، بلکہ آپ ایک بلند مقام پر پہنچ گئے اور انہی قربانیوں سے تھوڑے دنوں میں آپ کی قوم بھی ایک معزز قوم بن جائے گی۔ یہ خیال کہ ہمیں کچھ مال دینا پڑے گا ہمارا نقصان ہو گا، محض ایک وسوسہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ (268:2) یعنی یہ شیطان ہے جو تم کو ڈراتا ہے کہ خدا کی راہ میں دے کر تم فقیر ہو جاؤ گے۔ خدا کی راہ میں کسی قسم کی قربانی دینے سے کوئی فقیر نہیں ہوتا، بلکہ قومی عمارت بنتی ہی اسی طرح ہے۔ اور جب قوم کی حالت بہتر ہو گی تو اس کے ہر ایک فرد کی حالت خود بہتر ہو گی۔ ہمارے نبی کریم ﷺ

نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خدا کی راہ میں دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔

بیعت، خدمتِ اسلام اور پیری مریدی میں فرق:

بعض لوگ بیعت کے نام سے گھبراتے ہیں اور یہ خیال کر لیتے ہیں کہ یہ بھی کوئی پیری مریدی کا سلسلہ ہے۔ اور چونکہ پیری مریدی کے سلسلہ نے مسلمان قوم کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور بہت سے پیر صرف مریدوں کے مال پر عیش اُڑاتے بلکہ طرح طرح کے فسق وفجور کے کام کرتے ہیں۔ اس لیے بیعت کا نام سن کر بعض دلوں میں شاید یہ خیال پیدا ہو کہ یہاں بھی یہی صورت نہ ہو! اس سلسلہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب چونکہ اپنی نیکی اور تقویٰ اور علم وفضل کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے، اس لیے بعض دفعہ لوگ ان سے یہ خواہش کرتے تھے کہ آپ ہم سے بیعت لے لیں۔ مگر آپ ہمیشہ انکار کرتے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا حکم نہیں ملا۔ آخر جب آپ کو یہ حکم ہوا کہ حفاظت واشاعتِ اسلام کے عظیم الشان کام کے لیے ایک جماعت تیار کرو۔ تو اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی ہوا کہ ایسے لوگوں سے، جو اس غرض کے لیے آپ کا ساتھ دیں، بیعت بھی لو۔ پس خود بانیٔ سلسلہ کی بیعت پیری مریدی کے رنگ میں نہ تھی، بلکہ اس رنگ کی بیعت تھی جس کی نظیریں خود نبی کریم ﷺ کی زندگی میں پائی جاتی ہیں کہ اپنے صحابہؓ سے بیعت بھی لیا کرتے تھے۔ بیعت عقبہ اور بیعت رضوان اسی قسم کی مشہور بیعتیں ہیں۔ یہ بیعت دشمن کے مقابلہ کے لیے ایک اقرار تھا کہ ہم کو خواہ اپنے سر دینے پڑیں، ہم دین اسلام کی حفاظت میں قدم پیچھے نہ ہٹائیں گے۔ ایسی ہی بیعت حضرت مرزا صاحب نے لی کہ دین اسلام کی حفاظت کے لیے ہمارا قدم پیچھے نہ ہٹے گا۔ اس لیے آپ کے الفاظ بیعت میں ایک بڑا اقرار ہے ”میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔“ یعنی دین کے لیے ہر قسم کی قربانی کروں گا۔ ظاہر ہے کہ آپ کو مجددیت کے مقام پر کھڑا کرنے کی غرض تو یہ تھی کہ دین اسلام کی حفاظت واشاعت کی جائے۔ اور اتنا بڑا مقصد حاصل نہ ہوسکتا تھا جب تک کہ ایک جماعت آپ کے ساتھ اس کام کو انجام دینے والی نہ ہو، جس میں نسلاً بعد نسل لوگ شامل ہوتے رہیں۔ تا کہ یہ جماعت اور اس کے ساتھ حفاظت واشاعت اسلام کا کام ترقی کرے اور اس میں بڑے بڑے مقابلے اور بڑی بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ اس لیے جو شخص اس جماعت میں شامل ہونا چاہے وہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار کرتا ہے کہ اسے جس وقت بلایا جائے حفاظت واشاعتِ اسلام کے کام میں اپنی طاقت کے مطابق

کوشش کرے گا۔خواہ کتنی بھی مشکلات کا مقابلہ ہو۔اور جب انسان ایک دفعہ اقرار کر لیتا ہے تو پھر اس کے اندر ایک کام کرنے کے لیے عزم بھی زیادہ پیدا ہو جاتا ہے۔صرف یہی بیعت ہے جو احمدیہ جماعت لاہور میں شمولیت کے لیے لی جاتی ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ بیعت میں ایک تعلق روحانی بھی پیدا ہوتا ہے اور روحانی رنگ میں بھی بیعت کرنے والا ایک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔مگر نہ یہاں پیری مریدی اپنے عام معنے میں ہے، نہ نذر و نیاز ہے۔ جو کچھ کوئی دیتا ہے وہ محض حفاظت و اشاعت اسلام کی نیک غرض پر خرچ ہوتا ہے اور سیدھا انجمن کے خزانے میں جاتا اور وہاں سے قواعد و ضوابط کے مطابق خرچ ہوتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت نہیں کیا:

بعض دلوں میں اب تک یہ خیال جاگزیں ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا اور اس وجہ سے وہ جماعت احمدیہ میں شامل ہونے سے انکار کرتے ہیں۔اس بات کا بار بار اعلان ہو چکا ہے کہ یہ خیال غلط ہے۔خود حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں ان پر یہ الزام دیا گیا کہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔تو انہوں نے ایک دفعہ نہیں، بیسیوں مرتبہ یہ لکھا کہ یہ تمہاری غلطی ہے۔''نبوت کا دعویٰ نہیں محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا۔'' ''میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں''، ''ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں''۔''اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پُرانا''، ''ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔'' جب آپ کی زندگی میں آپ کے سامنے آپ پر ایک الزام لگا اور آپ نے خود اپنے قلم سے اس کا جواب بیسیوں مرتبہ لکھ دیا اور خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میرا دعویٰ نبوت کا نہیں۔تو اب کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرے۔اور یہ خیال کہ اگر آپ دعویٰ نبوت نہ کرتے تو قادیانی جماعت کیوں ایسا مانتی؟ یہ ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ خدائی کا دعویٰ نہ کرتے تو عیسائی انہیں خدا کیوں مانتے؟ افراط و تفریط ہمیشہ سے عوام الناس کی عادت رہی ہے۔بعض لوگ تو ایک شخص کی نیکی کا بھی انکار کر دیتے ہیں اور بعض اس کے حق میں غلو کر کے اسے اپنے حقیقی مرتبہ سے بہت بڑھا دیتے ہیں۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت سے بھی انکار کیا اور عیسائیوں نے انہیں نبوت سے اٹھا کر خدا کے مرتبہ پر بٹھا دیا۔حضرت مرزا صاحب کو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے اور یہی رنگ

یہاں نظر آتا ہے۔ ایک طرف تو وہ مسلمان ہیں! جو باوجود آپ کی کھلی کھلی خدمات دینی کے اور خدا کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے اور ایک جماعت کے قائم کر دینے سے جو طرح طرح کی قربانیاں کر کے خدا کے دین کی خدمت میں مصروف ہے، آپ کے مجدد ہونے کا بھی انکار کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف آپ کے پیروؤں میں سے ایک گروہ نے غلو کر کے آپ کے لیے مقام نبوت تجویز کیا اور لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرنے والوں کو کافر کہنے کا بارِ عظیم اپنی گردن پر لیا اور پیری مریدی کا وہ رنگ قائم کر دیا جسے دور کرنے کے لیے آپ تشریف لائے تھے۔ مگر ان غلطیوں کا بار انہی لوگوں پر ہے جنہوں نے یہ کیں۔ حضرت مجدد اس کے ذمہ دار نہیں۔ اور خدا کے فضل سے آپ کا سادہ اور صحیح مذہب احمدیہ جماعت لاہور میں موجود ہے۔ اور ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ افراط و تفریط سے بچتا ہوا مجدد وقت کا ساتھ دے اور حفاظت و اشاعتِ اسلام کے اس کام میں مدد دے جس کے لیے آپ مامور ہوئے۔ اگر آپ امت محمدیہ میں یہ تفرقہ نہیں دیکھنا چاہتے کہ ایک نئی نبوت قائم ہو تو اس غرض کو بھی آپ اسی طرح حاصل کر سکتے ہیں کہ حضرت امام کا ساتھ دیتے ہوئے اس جماعت کو قوت دیں جو اس عقیدہ کو باطل کرتی ہے۔

بیداری کا وقت:

آخر پر میں آپ کو پھر اسلام کی موجودہ بیکسی کی حالت کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اس وقت ہماری جماعت نے باوجود قلت تعداد کے اسلام کی خدمت کا بڑا بھاری کام کیا ہے۔ جو کام ہمارے سامنے ہے، اس سے اس کام کو کچھ نسبت نہیں، جو ہوا۔ ہماری جماعت کے سامنے صرف یہی مقصد نہیں کہ دین اسلام کو دنیا کے تمام ممالک میں پہنچایا جائے، قرآن کریم کے ترجمے مختلف زبانوں میں کیے جائیں، نبی کریم ﷺ کی سیرت کا صحیح نقشہ دنیا کی تمام زبانوں میں کھینچا جائے، اسلامی مشن جگہ جگہ قائم کیے جائیں، بلکہ اس کے ساتھ ہمارے سامنے دوسرا اہم مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت میں اصلاح ہو۔ جیسا کہ میں نے شروع میں کہا سودی قرضوں، رسم و رواج کی پابندیوں، افلاس، بیکاری، فضول خرچی، جہالت اور دیگر امور کی وجہ سے اس ملک کے اندر مسلمانوں کی حالت روز بروز دوسری قوموں کے مقابلہ میں گرتی جا رہی ہے۔ ان امور کی اصلاح کے لیے بڑے وسیع پیمانہ پر انتظام کی ضرورت ہے۔ اور علاوہ اشتہاروں، پوسٹروں، ٹریکٹوں کی صورت میں پروپیگنڈے کی یہ

ضرورت ہے کہ ایک نظام کے ماتحت درد دِل رکھنے والے مبلغین دیہات میں پھریں اور مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کریں، انہیں قوم کے مفید اجزاء بنائیں۔ ایسا ہی مسلمانوں کی تعداد گورنمنٹ سروس میں بہت ہی قلیل ہے اوران پر یہ دروازہ روز بروز بند ہوتا چلا جاتا ہے۔ مسلمان نوجوان بے کار پھرتے ہیں اور ضرورت ہے کہ اس دروازے کو کھولنے کی سخت جدوجہد کی جائے۔ خدا کے فضل سے ہماری جماعت میں ایک نظام موجود ہے۔ کارکن بھی اللہ کے فضل سے اچھے میسر آسکتے ہیں۔ لیکن جب تک ہمارے مسلمان بھائی کثیر تعداد میں جماعت کے اندر شامل ہوکر ان کاموں کو تکمیل دینے کے لیے کھڑے نہ ہوجائیں اور قربانیاں کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اس وقت تک نری باتوں سے یہ کام نہیں ہوسکتا۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے سوتے سوتے ہماری قوم اوراس کے ساتھ ہم خود تباہ ہوجائیں۔ میں بزرگانِ قوم سے، نوجوانوں سے، امراء اورغرباء سب سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہمارے ساتھ شامل ہوکر اشاعت وحفاظت اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کے کاموں کو قوت دیں۔ دوسری قومیں دوڑتی ہوئی آگے جارہی ہیں، ہم میں ابھی تک حرکت بھی نظر نہیں آتی۔ خدا کے لئے وہ لوگ، جن کو کچھ بھی حالات کا علم ہے، بے حسی اور بے حرکتی کو چھوڑیں، انگشت نمائی کے خیال کو بھی چھوڑیں، جہاں اچھا کام ہوتا دیکھیں۔ اس میں کود پڑیں۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

27 نومبر 1930ء

حضرت امیر کے قلم سے

یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ

احباب کو دعوتِ عمل

میں اس سے پیشتر دو چٹھیاں برادرانِ جماعت کے نام بھجوا چکا ہوں۔ جن میں سے ایک چٹھی میں مَیں نے یہ توجہ دلائی ہے کہ سب احباب اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں کوشش کر کے کچھ چندہ جمع کریں۔ تا کہ انجمن موجودہ مالی مشکلات میں سے نکل سکے۔ اور دوسری چٹھی میں احباب کو یہ توجہ دلائی ہے کہ وہ جلسہ سالانہ پر پورے تین دن کے لئے خود بھی آئیں اور اپنے نوجوان بچوں کو اور ممکن ہو تو اپنی خواتین کو بھی ساتھ لائیں۔ اور اپنے دوسرے احباب کو بھی جو جماعت میں شامل نہیں جلسہ سالانہ میں شامل ہونے کی تحریک کریں بلکہ ساتھ لانے کی کوشش کریں۔

میری غرض یہ ہے کہ اس وقت، جب ایک طرف اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا مشاہدہ بھی ہم کر رہے ہیں کہ انجمن کی بنیادیں ظاہری طور پر بھی مضبوط ہو رہی ہیں اور اس کی تعلیم اور اس کا لٹریچر پھیل کر روحانی طور پر بھی مضبوط ہو رہی ہیں اور دوسری طرف انجمن کو مالی مشکلات کا غیر معمولی سامنا ہے، اس نسخہ کو بھی ہم آزما کر دیکھیں کہ جماعت کی متفقہ کوشش کے ثمرات کیسے ہیں۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ جماعت میں ایسے ایسے جوشیلے اور باہمت احباب بھی ہیں جو ایک تحریک کو دیکھتے ہی مصروفِ عمل ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایک حصہ جماعت کا بیکار بھی پڑا ہے، اور مجھے ڈر ہے کہ یہ حصہ کام کرنے والے حصہ سے بہت زیادہ ہے۔ اور ہماری مشکلات کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جب کوئی تحریک کی جاتی ہے تو وہی چند احباب اس میں حصہ لیتے ہیں اور باقی خاموشی سے وقت کو ہاتھ سے گنوا دیتے ہیں۔

میں اپنے کسی خطبہ میں بھی صاف کہہ چکا ہوں اور اسی کا اعادہ یہاں کرنا چاہتا ہوں کہ جماعت کو کام

کرنے والے افراد کی ضرورت ہے۔ غافل اور سست تو کروڑوں کی تعداد میں مسلمان موجود ہیں۔ حضرت صاحب نے اگر جماعت بنائی تو صرف اس غرض کے لیے کہ کچھ کام کرنے والے ایسے اکٹھے ہو جائیں جن کے دلوں میں ایک ہی جذبہ موجزن ہو، جن کے دماغوں پر ایک ہی خیال غالب ہو، جن کے اعضاء ایک ہی کام کے لیے حرکت کرنے والے ہوں۔ ورنہ اس جماعت کو الگ بنانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ خیالات کا اتحاد، جذبات کا اتحاد اور سب سے بڑھ کر عمل کا اتحاد ایک ایسی طاقت ہے جو نصرت الٰہی کو ساتویں آسمان سے کھینچ لاتی ہے۔ میں اپنے ان احباب کو، جو بیکار بیٹھے ہیں، جنہیں تحریک کی جائے تو ان کے قلوب پر کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا، جو خدا کے دین کی خدمت کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانا پسند نہیں کرتے، یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان کی اس سستی کا بدنتیجہ ساری جماعت بھگت رہی ہے۔ اس کی وجہ سے جماعت کی توسیع بھی رکی ہوئی ہے اور وہ کام جو آج چاہئے تھا کہ ہم کر چکے ہوتے شاید دس سال آگے پڑ گیا ہے۔ یہ سب اس صورت میں کہ ہم اب بھی فوراً اس غفلت کو ایک غلاظت سمجھ کر اپنے سے دور کر دیں۔

میرے دوستو! اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لو کہ ایک تو وہ لوگ ہیں جو خدماتِ اسلام کے کام سے غافل پڑے ہیں، وہ یقیناً قابل ملامت ہیں کہ وہ اب تک سوئے پڑے ہیں، ہلاکت کی طرف جا رہے ہیں مگر کروٹ نہیں لیتے۔ تاہم ان سے بہت بڑھ کر عنداللہ قابلِ مواخذہ اور عندالناس قابلِ ملامت وہ لوگ ہیں جو ایک جگانے والے کی آواز پر اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک مامور من اللہ یا اس کے کسی جانشین کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر پختہ اقرار کیا کہ ہم خدا کے دین کی خدمت میں جس قدر زور ممکن ہوگا لگائیں گے۔ ہاں شغل معاش، بیوی بچوں کے تعلقات، دوستوں کے تعلقات، برادریوں کے تعلقات بھی ہمیں خدمت دین سے نہ روکیں گے۔ بلکہ ہم ہر ایک بات پر خدمت دین کو مقدم کریں گے۔ ہم حفاظت و اشاعت دین کی فوج کے سپاہی ہوں گے۔ مگر یہ سب کچھ اقرار کر کے پھر بیٹھ گئے اور یہ سمجھ لیا کہ ہم نے خدا کے دین پر کوئی بڑا احسان کیا ہے جو اس زمانہ کے مجدد کو مان لیا ہے اور شاید کبھی چند پیسے بھی دیئے ہیں۔ لوگ تو ہمیں جو ملامت کریں گے سو کریں گے۔ کیا خود ہمارے اندر وہ دل نہیں رہے جو ملامت کریں۔ اگر یہ حالت ہے تو یہ مصیبتوں سے بڑی مصیبت ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ اَللّٰھُمَّ اِھْدِنِیْ وَاِھْدِ قَوْمِیْ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ وَارْحَمْ قَوْمِیْ.

بزرگو عزیزو!! اپنی فرضی عزت مت بناؤ۔ ہماری عزت محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت سے اور اس کے دین اور اس کی خدمت سے ہے۔ اگر ہماری آنکھوں پر پردہ نہ ہو تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ہر وہ ذلت، جو دین محمد ﷺ کی خاطر ہمیں برداشت کرنے کی توفیق ملتی ہے وہی عنداللہ ہماری عزت میں چار چاند لگانے والی چیز ہے۔ یاد رکھو جماعت کہلانے کے مستحق وہ لوگ ہیں جو ایک آواز پر ایک کل کے پرزوں کی طرح حرکت میں آ جاتے ہیں۔ وہ بارش کے قطروں کی طرح الگ الگ آتے مگر دریا کی طرح اکٹھے ہو کر بہتے ہیں، اور جب کسی جماعت کی یہ حالت ہو تو وہ تعداد میں کتنی بھی قلیل کیوں نہ ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل اس قدر ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی پیشرو جماعت بن جاتی ہے۔ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت کو دیکھنا چاہتے ہوں تو جماعت بن کر دکھانا چاہئے اور جماعت بننا یہی ہے کہ اس وقت تمام متفرق امور سے توجہ ہٹا کر صرف ایک کام پر اپنی ساری توجہ کو لگا دیں کہ اپنے اس قومی اجتماع کو جس میں اب صرف ایک ماہ باقی رہ گیا ہے ہم کس طرح کامیاب کر سکتے ہیں۔ جہاں کہیں اس جماعت کا کوئی فرد بلکہ کوئی معاون یا ہمدرد بھی ہے۔ اس سے یہی درخواست ہے کہ وہ تمام اختیاری امور کی طرف سے توجہ کو ہٹا کر، خواہ وہ اپنی جگہ اچھے ہی کام ہوں، صرف اس ایک کام پر اپنی توجہ کو لگائے اور اپنی طاقت کا کوئی حصہ بیکار نہ پڑا رہنے دے۔ اس وقت اپنی قوت کو بیکار چھوڑنا، جب جماعت کو اس کی اشد ترین ضرورت ہے، گناہ کے حکم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہر ایک دوست کو بچائے۔ والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❋❋❋

30 نومبر 1930ء

گورنمنٹ کالج لاہور میں حضرت امیر کی تقریر

(جو مورخہ 18 نومبر 1930ء کو مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن لاہور کی استدعا پر کی گئی)

اسلام کے متعلق یورپین نکتہ نگاہ میں تبدیلی: مجھے اس موقعہ پر اس کالج کے ہال میں حاضر ہونے کی خوشی ہے۔ کیونکہ میں اس اپنی پرانی درس گاہ سے آج سے 35 سال پیشتر اپنا آخری امتحان پاس کر کے نکلا تھا۔ دوسری خوشی اس بات کی ہے کہ یہاں کے مسلمان طلباء نے مسلم ایسوسی ایشن بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ایسوسی ایشن کو سرسبز کرے اور طلباء کے لیے نفع کا موجب بنائے۔

حضرات! آج کے مضمون کے متعلق میں کچھ خیالات کا اظہار کروں گا۔ زیادہ تفصیل کے ساتھ اس پر بولنا بہت وقت کو چاہتا ہے۔ دنیا میں تھوڑے عرصہ میں ہی ایک خاصا انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ یا یوں سمجھیں کہ یورپ میں مذہبی خیالات کے متعلق انقلاب رونما ہو گیا ہے۔ خصوصًا ان سوالات میں کہ جو اسلام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ پیشتر شاذ و نادر ہی کوئی شخص نظر آتا تھا کہ جو اسلام کے متعلق اچھے خیالات رکھتا ہو۔ بلکہ ان ممالک کے اکثر علماء اسلام اور بانیٔ اسلام کے متعلق بہت غلط خیالات رکھتے اور سخت غلط فہمیوں میں مبتلا تھے۔ آج یہ حالت بدل گئی ہے اور اکثر علماء کا نکتہ نگاہ اسلام کے متعلق اصلاح پذیر ہو گیا ہے۔ جنرل بلیکنی گو مسلمان نہیں مگر آنحضرت ﷺ کی سیرت کے عاشق ہیں۔ انہوں نے ایک لیکچر اس موضوع پر دیا ہے:

Does Islam hold the key to the peace of the world?

یعنی کیا اسلام دنیا کے امن و امان کی چابی اپنے پاس رکھتا ہے؟ اگر غور کیا جائے تو اس کے جواب کے لیے لفظ اسلام ہی کافی ہے۔ اسلام کے معنی ہیں صلح اور سلامتی کا پیغام۔ اسلام کے متعلق لوگوں کو یا بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہے اور ایک عرصہ تک رہی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک خطرناک تلوار کا مذہب ہے کہ جو کسی غیر مسلم کو دیکھنا برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلام کے نام کے ساتھ ایک مذہبی دیوانگی (Fanaticism) کو لازم و ملزوم سمجھ

لیا گیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے جس قدر نسل انسانی میں صلح اور اتحاد کی بنیاد رکھی ہے وہ دوسرے کسی مذہب میں نہیں۔بعض وجوہات سے کئی ایک غلط فہمیاں تعلیم اسلام کے متعلق پیدا ہو گئی ہیں۔

ایمان بر توحید کا فلسفہ:

آپ سب کو معلوم ہے کہ اسلام کا سب سے بھاری اصول توحید یعنی خدا کو ایک ماننا ہے اور یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جس کو غیر مسلم بھی کم و بیش جانتے ہیں۔لیکن آج سے کچھ عرصہ پیشتر یورپ میں اسلام کو بت پرستی کا مذہب سمجھا جاتا تھا اور اس پر کئی ایک کتابیں لکھی گئی ہیں کہ جن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ محمد ﷺ گویا ایک بت ہیں، جس کی مسلمان پوجا کرتے ہیں۔اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام کے متعلق ان لوگوں میں کس قدر غلط فہمی ہے۔اسلام کے دو بڑے بھاری اصول ہیں۔ایک توحید الٰہی اور دوسرا وحدتِ نسلِ انسانی۔ بلاشبہ توحید اسلام کا بہت بڑا رکن ہے۔لیکن دوسرا اصول جو اسلام نے پیش کیا ہے۔یعنی وحدتِ نسلِ انسانی، یہ بھی دنیا کی نجات کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔خدا کا ایک ہونا اور تمام نسلِ انسانی کی وحدت یہ بڑے ہی بلند خیالات ہیں۔

اس سے پیشتر کہ ان دو اصولوں پر کچھ بیان کیا جائے ایک غلط فہمی رفع کرنے کے لیے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام بعض مذاہب کی طرح چند عبادات کے مجموعہ کا نام نہیں۔اگرچہ اس میں عبادات کے طریقوں کا بھی ذکر ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن دنیا کے پیش آمدہ مسائل مہمہ کا جواب بھی رکھتا ہے۔اور یہ مسائل خواہ آج پیدا ہوئے ہیں یا پیشتر سے پیدا ہو چکے ہیں کہ جن کا تعلق افراد اور قوموں کی بہتری کے ساتھ ہے۔ان سب کا حل اس میں موجود ہے۔اسلام کی توحید بھی ایک خشک مذہبی مسئلہ نہیں۔اس کو آپ یوں نہ سمجھیں کہ جیسے کسی نے ایک خدا مان لیا، کسی نے دو مان لیے، کسی نے تین اور کسی نے ہزاروں خدا مان لیے یا کسی نے ایک خدا کی عبادت کر لی تو کسی نے دو کی کر لی اور کسی نے بتوں کی پوجا کر لی۔توحید کا یہ منشا نہیں بلکہ یہ ایک اہم مسئلہ نسلِ انسانی کی بہتری کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔قرآن شریف نے توحید کے مسئلہ کو بلکہ تمام اہم مسائل، جو دین کے اصول کے طور پر ہیں، ان کو بیان ہی نہیں کیا بلکہ ان سب کی تکمیل بھی کر دی ہے۔وہ ہر ایک مسئلہ پر سیر کن بحث کرتا ہے اور کسی مسئلہ پر بھی پیاس کو باقی نہیں چھوڑتا اور ہر مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ بظاہر تو توحید کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا ایک ہے اور اس کی عبادت کرو۔لیکن جہاں بھی اس کو بیان کیا ہے، کوئی نہ کوئی اس سے عملی سبق بھی

دیا ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں ہماری کیا بہتری سکھائی ہے۔ ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات سے مستغنی ہے کہ اس کو کوئی ایک مانے یا نہ مانے۔ اگر ایک شخص بھی دنیا میں اس کو نہ مانے تو اس سے اس کی ذات میں کوئی کمی نہیں آجاتی۔ اور اگر ساری دنیا اسے ماننے لگ جائے تو اس کی شان میں کچھ زیادتی نہیں ہو جاتی۔ ماننے یا نہ ماننے کا اثر انسان کی زندگی پر ہونا چاہئے۔ لوگ اس کو مانتے ہیں یا نہیں، اس کا اثر خدا پر کچھ نہیں پڑتا۔ اس میں لوگوں کی ہی بہتری مقصود ہوتی ہے۔

اسلام اور مَبادیاتِ سائنس:

مذہب صرف چند احکام کا نام نہیں۔ اسلام بتاتا ہے کہ ہم کیونکر دنیا میں رہیں یا ہماری زندگی کے کونسے طریقے بہتر ہیں۔ توحید کا ذکر بھی اسی رنگ میں کیا ہے۔ تمام اجرام سماوی، زمین، بڑی بڑی قوتیں اور طاقتیں ہر ایک چیز مخلوق ہے۔ اور ان سب کا ایک خالق ہے کہ جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور بار بار کہا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ سورج، چاند، سیارے، پہاڑ، درخت، حیوانات، سمندر وغیرہ وغیرہ جو طاقتیں کام کرتی نظر آتی ہیں، ان سب کو تمہارا مسخر کر دیا ہے۔

بعض قوموں میں مذہب کی اصلیت صرف اتنی ہے کہ بڑی طاقت کو دیکھ کر جھک جاتے تھے۔ پانی، زمین، سورج، چاند جتنی طاقتیں ہیں، انسان ابتدا میں ان کو دیکھ کر ان سے مرعوب ہو کر جھکتا تھا۔ بعض مذاہب میں اب بھی آپ دیکھیں گے کہ ان مظاہرِ قدرت کی عظمت اور پرستش کا ذکر ہے۔ اگنی، سورج، پہاڑ، دریاؤں، درختوں اور جانوروں سے مرعوب ہو کر ان کی پرستش کرتے ہیں اور بعض چیزوں کے نقصان پہنچانے کے خیال سے نہیں بلکہ نفع پہنچانے کے خیال سے پوجا ہوتی ہے۔ قرآن شریف نے اس خیال کو دور کرنے کے لیے توحید کو مذہب کی بنیاد ٹھہرایا ہے کہ عبادت کے لائق صرف ایک خدا ہے اور اس نے ہر ایک چیز تمہارے فائدہ کے لیے پیدا کی ہے۔ تم ان کو قابو میں لا کر کام لے سکتے ہو۔ چنانچہ فرمایا: وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ (140:7) تم تمام دنیا اور کل کائنات سے افضل ہو۔ یہ چیزیں تمہارے جھکنے کے لیے نہیں بلکہ کام لینے کے لیے تمہاری خادم ہیں۔ یہ بڑی بھاری بات ہے کہ جو اسلام نے لوگوں کے دل میں پیدا کی اور آج سے 13 سو سال پیشتر پیدا کی۔ لیکن سائنس کی ترقی سے وہ اس وقت سامنے آگئی ہے۔ ورنہ سب سے پہلے اس خیال کو قرآن شریف نے پیدا کیا کہ ان

طاقتوں کو تمہارے ماتحت رکھا گیا ہے۔ کتنا بلند خیال تھا جو پیدا کیا کہ تمہارے جھکنے کے لیے صرف ایک خدا ہے، باقی سب کچھ تمہارے فائدہ کے لیے ہے۔ اسلام میں توحید کا اصلی خیال یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں مذہبی ترقی اور عملی ترقی پہلو بہ پہلو چلی آتی ہے۔ اور یہ بھی خود قرآن کریم نے ہی بتایا تھا: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ. الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَاخَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (3:190-191) آسمان اور زمین کی بناوٹ میں دن اور رات کے اختلاف میں عقلمندوں کے لئے نشانات ہیں۔ عقل والے کون لوگ ہیں؟ اس کی تشریح میں فرمایا: وہ جو اللہ کا ذکر اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور وہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں فکر کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ عبث نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ کے ہر وقت ذکر کرنے سے مراد دل میں احساس کا ہونا ہے، کسی وقت بھی یہ احساس دل سے نہیں نکلنا چاہئے۔ خواہ تم اپنے کام پر کھڑے ہو یا بیٹھے اور یا آرام کر رہے ہو۔ اس کا خیال تمہارے دل پر مستولی رہنا چاہئے۔ مگر اس کے ساتھ ہی دوسرا خیال بھی پیدا ہونا چاہئے اور وہ یہ کہ ایسے لوگ آسمان اور زمین کی مخلوق میں غور اور فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلاً (3:191) اے ہمارے رب تو نے اس سب کو عبث پیدا نہیں کیا۔ یہاں کی کوئی چیز بھی بے نتیجہ نہیں۔ ہر چیز کی پیدائش میں کوئی نہ کوئی عِلّت ہے۔ اس سے سائنس کا دروازہ کھلتا ہے۔

یہ سائنس اور علم کہاں سے پیدا ہوتا ہے یہ محض اشیاء میں مخلوق میں فکر دوڑانے سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ جس قدر گہری فکر مخلوق میں دوڑائی جائے گی اسی قدر سائنس ترقی کرے گی اور علم بڑھے گا۔ مگر اس فکر میں یہ خیال بھی دل کے اندر ہونا چاہئے کہ دنیا کی کوئی چیز بھی عبث، بے نتیجہ اور فائدہ سے خالی نہیں۔ اسلام نے صرف یہ خیال ہی پیدا نہیں کیا بلکہ اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ علمی ترقی بھی برابر ہوتی رہی ہے۔ اور یہ امر تاریخ اسلام سے ثابت ہے۔ دنیا کے دیگر مذاہب میں سے اور کوئی مذہب ایسا نہیں کہ جس کی ترقی اشاعت کے ساتھ علم نے بھی ترقی کی ہو۔ اسلام کی ترقی کا زمانہ بہترین مسلمان دماغوں کا زمانہ ہے کہ جو ایک ہی وقت میں اگر مذہبی زمانہ ہے تو اس کے ساتھ ہی علمی اور سائنٹفک زمانہ بھی ہے۔ مسلمان ایک ہی وقت میں دونوں طرف ترقی کرتے چلے

گئے ہیں۔ اور جب سو گئے ہیں تو دونوں طرف سے سو گئے ہیں۔

دنیا میں مذہب اور سائنس میں جھگڑا سمجھا جاتا ہے۔ مگر اسلام اور سائنس میں کوئی جھگڑا نہیں، بلکہ یہاں دونوں نے ایک ساتھ ترقی کی ہے۔ اور اس بنا پر دوسری عجیب بات جو آپ اسلامی تاریخ میں دیکھیں گے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں علمی ایجادات اور سائنٹفک تحقیقات کی بنا پر کبھی کسی کی مخالفت نہیں کی گئی۔ دوسرے مذاہب میں ہمیں نظر آتا ہے کہ جب بعض لوگوں کے خیالات عوام کے مطابق نہیں ہوتے تو علماء کو جسمانی تکالیف اور سزائیں دی جاتی رہیں۔ لیکن اسلامی تاریخ میں کبھی اس بنا پر کسی کو دکھ نہیں دیا گیا۔ اس کے خلاف عیسائی مذہب میں علمی تحقیقات کو ہمیشہ مذہب کے خلاف سمجھا گیا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں عقائد کی بنا پر تو علماء کو دکھ اور تکلیف دی گئی ہے۔ مگر علمی تحقیقات کی بنا پر کبھی دکھ اور تکلیف نہیں دی گئی۔ جیسا کہ یورپ میں کہ جب کوئی شخص کوئی علمی ایجاد کرتا تھا تو وہ پادری اور مذہبی لوگوں میں مطعون ہو جاتا تھا اور اس کو سخت سے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ یا نظام کائنات کے متعلق کوئی نئی تحقیقات کرتا تھا تو اس کو دہریہ کا خطاب دے کر اس کو دکھ دیا جاتا تھا۔ مگر اسلام کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔

توحید اور وحدتِ نسل انسانی:

یہ تو میں نے مسئلہ توحید کا ایک پہلو بیان کیا ہے۔ اصل مضمون، جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ اس کا دوسرا حصہ ہے۔ اس کے متعلق بھی باتیں تو بہت سی ہیں لیکن میرا ارادہ صرف ایک ہی بات بیان کرنے کا ہے۔ نسلِ انسانی کی وحدت یا کل نوع بنی آدم کا ایک ہونا۔ یہ وہ بلند خیال ہے جو اسلام نے اپنی آمد کے ساتھ ہی پیدا کیا اور اس سے پہلے یہ خیال کہیں بھی موجود نہیں تھا۔ لوگوں کی یہ ایک عام عادت ہے کہ جب کوئی بات بڑے آدمی کے منہ سے نکلتی ہے تو لوگوں کے دلوں میں اس سے ایک راحت پیدا ہوتی ہے اور دنیا میں اس کو لے اُڑتے ہیں۔ مگر یہ ایک بہت ہی بڑی بات ہے کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے منہ سے نکلی۔ دنیا کے اکثر جھگڑوں کو طے کرنے کی یہی ایک صورت ہے اور دنیا کی ترقی اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب تک وحدت نسل انسانی کا خیال اقوام میں پیدا نہیں ہوتا دنیا کے امن وامان کے راستہ میں بے شمار رکاوٹیں لگی ہوئی ہیں۔ قرآن کریم نے اس اصول کو بڑے صریح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (2:213) تمام کے تمام لوگ ایک ہی

جماعت اور گروہ ہیں، ان میں پیدائش کے لحاظ سے کوئی اونچ نیچ نہیں۔ اسلام نے اس خیال کو دنیا کے اندر پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اس خیال کو لوگوں کے اندر اس قدر مضبوط کرنا چاہا ہے کہ مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی میں اس کو ڈال دیا ہے۔ قرآن شریف کے شروع میں ایک فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (1:1) ہے کہ جسے ایک مسلمان کو شب و روز میں پانچ وقت پڑھنے کا حکم ہے۔ کم وبیش لوگ دو تین چار یا کم از کم ایک مرتبہ پڑھ ہی لیتے ہوں گے۔ مسلمانوں کی حالت کا سوال نہیں۔ اسلام کا منشا دیکھنا ہے کہ کیا ہے؟ پانچ وقت کی نماز میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن شریف کے شروع میں ایک سورۃ سات آیات کی ہے۔ جسے الفاتحہ کہتے ہیں، چھوٹی سی سورۃ ہے۔ امید ہے گورنمنٹ کالج کے مسلمان طلباء بھی اس کو جانتے ہوں گے۔ ابتدا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے ہوتی ہے۔ قرآن شریف نے اس سورۃ کو بار بار دہرانے کا حکم دیا ہے۔ اب اس پر غور کرو کہ کسی قوم یا لوگوں کے اندر کوئی ذہنیت پیدا کرنے کا ایک ہی طریق ہے۔ جس طرح بازو کو مضبوط کرنے کے لیے ورزش کرنے یا بار بار اس کو ہلانے کی ضرورت ہے۔ اب اسلام نے جس خیال کو مسلمانوں کے اندر پیدا کرنا چاہا ہے اس کو بار بار سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ یوں تو پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔ اگر کم از کم کوئی ایک مرتبہ بھی صبح بستر سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر اس کو پڑھ لیتا ہوگا۔ صبح کی نماز اس لیے کہا کہ اس وقت بہر حال منہ ہاتھ تو دھونا ہی ہوتا ہے۔ کالر اور نکٹا ئیاں وغیرہ بھی اتری ہوئی ہوتی ہیں۔ اس وقت کوئی ہاتھ منہ دھوئے اور نماز کے لیے کھڑا ہو جائے تو اتنی تکلیف نہیں ہوتی اور نماز بھی بہت مختصر ہوتی ہے۔ باقی نمازیں تو لمبی ہیں اور وہ اشغال جو نمازوں کو روک دیتے ہیں وہ بھی اس وقت موجود ہوتے ہیں۔ اس وقت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھے۔ یعنی اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں اور خوبی کی باتیں ہیں کہ جو تمام اقوام اور جہانوں کو ترقی دینے والا ہے۔ یہ ایک بہت ہی بھاری اور بلند تعلیم ہے کہ جو قرآن کریم نے ان الفاظ میں دی ہے۔

لفظ رَبٌّ کے معنی عربی لغت میں اِنْشَآءُ الشَّیْءِ حَالًا فَحَالًا اِلٰی حَدِّ التَّمَامِ. کسی چیز کو ترقی دینا ہے درجہ بدرجہ اس کے کمال تک۔ اگر آپ غور کریں گے تو اس ایک لفظ رَبٌّ کے اندر سارا مسئلہ ارتقا موجود ہے۔ یعنی رب وہ ہے جو تمام چیزوں کو ادنیٰ حالت سے اٹھاتا اور ترقی کی طرف لے جاتا ہے۔ مگر یہ مسئلہ جس وقت دریافت ہوا تو مذہبی لوگوں نے شور برپا کر دیا کہ اس نے تو عیسائیت کو اکھاڑ دیا اور مذہب کو برباد کر دیا۔ مگر

قرآن کریم نے پہلے ہی جملہ میں اس کو رکھا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی صفت جو بیان ہوئی ہے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ (1:96) میں وہ یہی ہے کہ وہ ہر ایک چیز کو ادنیٰ حالت سے اٹھا کر درجہ بدرجہ اعلیٰ حالت کی طرف لے جانے والا ہے۔

اسلام کا سب سے بڑا اصول:

رَبّ کے ساتھ جو لفظ لایا ہے وہ اَلْعٰلَمِیْنَ ہے کہ جس کے معنی کل اقوام اور جہانوں کے ہیں۔ جس سے یہ تعلیم دماغ پر نقش کرنا مقصود ہے کہ ربّ کسی ایک انسان کا نہیں۔ صرف ربّ ہند بھی نہیں اور نہ صرف ربّ شام ہے۔ وہ صرف مسلمانوں کا ہی ربّ نہیں بلکہ وہ تمام اقوام کا ربّ ہے۔ بلکہ ایک جگہ دشمنوں کو مخاطب کر کے اس کی تشریح میں یوں بھی فرمایا وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وہ ہمارا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔ کتنا بلند خیال ہے کہ جو اسلام نے مسلمانوں کے دل میں پیدا کرنا چاہا ہے۔ نہ صرف معمولی طور پر اس کو سکھایا ہی ہے بلکہ اس کو عملی زندگی کا جزو بنایا ہے۔ اور پھر اس کو کمال تک پہنچایا ہے کہ تمام اقوام مساوی اور متحد الاصل ہیں۔ اور پھر اس خیال کو مضبوط کرنے کے لیے طرح طرح کے ذرائع اختیار کیے ہیں تا کہ یہ خیال دماغ پر ہمیشہ نقش ہوتا رہے کہ وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ تمام اقوام کو ترقی دینے والا ہے اور وہ تمام اقوام کا یکساں رب ہے۔

یہ خیال مسلمانوں کے دل پر اس قدر نقش ہو گیا تھا کہ مسلمانوں نے کہیں بھی اپنی حکومت کے دنوں میں غیر اقوام کو نہیں مٹایا اور مسلمانوں کی یہ عادت ان کی تمام دنیا کی قوموں سے ممتاز کرنے والی ہے۔ باقی قوموں نے جہاں جہاں بھی حکومت کی ہے غیر اقوام کا نام ونشان تک نہیں چھوڑا۔ مگر مسلمانوں نے جہاں بھی حکومت کی ہے وہاں اب بھی غیر اقوام بکثرت موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے دماغ پر یہ نقش ہے کہ وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ اس لیے مسلمان کو کسی پر جبر کا حق نہیں۔ اور دوسری جگہ قرآن شریف میں فرمایا بھی ہے لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (256:2) دین کے معاملہ میں کسی پر جبر نہیں۔ بلکہ اس کو ایک اور جگہ کھول کر بتایا ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (30:30) اللہ کی وہ فطرۃ کہ جس پر اس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ تمام لوگوں کے بچے (صرف مسلمانوں کے ہی نہیں) اسلام پر پیدا ہوتے ہیں یا مسلمان پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تشریح کرتے ہوئے ایک حدیث میں فرمایا: كُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَتِهٖ فَاَبَوَاهُ

يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ ہر ایک بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ اسی فطرۃ اسلامیہ پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا لیتے ہیں یا نصرانی اور مجوسی وغیرہ۔ گویا تمام بچے جو دنیا میں پیدا ہوتے ہیں، خواہ عیسائی ماں باپ سے پیدا ہوں یا ہندو ماں باپ سے یا کسی اور مذہب کے ماں باپ سے، وہ سب فطرۃ اللہ یعنی اسلام پر اور معصوم پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں لکھا ہے کہ دنیا میں جتنے بچے بھی نابالغی کی حالت میں مر جاتے ہیں، ان کو کشف میں حضرت ابراہیمؑ کی گود میں دیکھا گیا ہے۔ یعنی بہشت میں یا نجات یافتہ دیکھا گیا ہے۔ پس قرآن کریم اور احادیث کی بنا پر تمام بچے، خواہ وہ مشرکوں کے گھر میں ہی کیوں نہ پیدا ہوئے ہوں، تمام اسلامی حالت پر پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی پیدائش میں کوئی فرق نہیں اور وہ اسلام ہی ہے۔ گویا بلحاظ پیدائش ذات، قوم اور مذہب دیئے جانے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں۔ بلکہ اس کے بعد بھی جب بچہ بڑھتا ہے، تو جب تک وہ کسی دوسری قسم کے کام نہ کر لے، اسی فطرت پر رہتا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق فرمایا: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ. وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ. (99:7-8) جو شخص ذرّہ برابر نیکی کا کام کرتا ہے وہ اس کا نتیجہ پالے گا اور جو شخص ذرہ بھر بُرائی کرتا ہے وہ اس کا وبال چکھے گا۔ یہاں بھی مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ نہیں کہا۔ کوئی بھی ہو جو نیکی کرے گا وہ نیکی کا بدلہ نیک پائے گا اور جو بدی کرے گا وہ اس کا پھل کھائے گا۔ یعنی غیر مذاہب کے لوگ بھی اپنی نیکی کا اجر پائیں گے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ پیدا ہونے اور بڑھنے کے بعد بھی لوگوں کا معاملہ اعمال کے مطابق ہے۔ ہر شخص بلا لحاظ مذہب و ملت نیکی اور بدی کا بدلہ پاتا ہے۔

قسط دوم (آخری): مطبوعہ در اشاعت 3 دسمبر 1930ء

وحدتِ نسل انسانی کا ایک اور ثبوت:

اس سے بڑھ کر وحدتِ نسل انسانی کے عملی ثبوت کے لیے ایک اور بات ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ ہر مذہب نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ خدا کی ہدایت اور روشنی یا مذہبی تعلیم صرف میری ہی قوم کے اندر ہے۔ میرا ہی مذہب خدا کی طرف سے ہے اور باقی مذاہب بالکل باطل ہیں۔ چنانچہ انجیل میں سامری عورت کا قصہ مذکور ہے کہ جب وہ جناب مسیحؑ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئی تو جناب مسیحؑ نے اس کو غیر قوم کی عورت قرار

دے کر اس کو تعلیم دینے سے انکار کر دیا۔ اسلام نے چونکہ یہ خیال پیدا کیا ہے کہ کل نسل انسانی میں مساوات ہے، اس لئے مذہب اور الٰہی روشنی کو بھی کسی خاص ایک قوم کے ساتھ محدود نہیں کیا بلکہ فرمایا: اِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیۡهَا نَذِیۡرٌ (24:35) مذہب کی روشنی صرف عرب میں محدود نہیں اور نہ صرف شام میں اور ہندوستان میں محدود ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ ہی صرف نبی نہیں اور نہ نبوت انبیاء بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ بلکہ کوئی قوم نہیں کہ جس کے اندر کوئی نہ کوئی رسول نہیں گزرا۔ یہاں گویا حصر کر دیا ہے کہ کسی قوم کو بھی ہدایت دیئے بغیر نہیں چھوڑا۔ البتہ بعض اوقات لوگوں کو خیال آتا ہے کہ غیر ممالک کے دوسرے انبیاءؑ کا قرآن شریف میں نام نہیں۔ صرف بائبل کے انبیاء کا ہی ذکر کیوں ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ بائبل میں جن انبیاء کے نام ہیں ان کے علاوہ بھی قرآن شریف میں انبیاءؑ کے نام ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس معاملہ کو یوں صاف کر دیا ہے کہ وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَیۡکَ (164:4) ایسے بھی رسول ہیں کہ جن کا ذکر ہم نے کر دیا ہے اور ایسے بھی ہیں جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا۔ قرآن شریف کوئی تاریخ کی کتاب نہیں کہ وہ کل دنیا کے انبیاء کا ذکر نام بنام کرتا۔ جتنا اس نے مناسب سمجھا انبیاء کا ذکر کر دیا اور اصول کے طور پر بتا دیا کہ ان انبیاءؑ کے علاوہ اور بھی انبیاءؑ ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن شریف میں وحدتِ نسل انسانی کو لوگوں کے دلوں میں نقش کرنے کے لیے ایک تیسری بات بھی ہے۔ یوں تو لوگ ایک دوسرے کے بزرگوں کے لحاظ سے عزت کر لیتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف کا کمال یہ ہے کہ تمام دنیا کے انبیاءؑ اور کل قوموں کے ہادیوں پر ایمان لانا ایک مسلمان کی تعریف میں داخل کر دیا ہے۔ شروع میں ہی فرمایا وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ (4:2) مسلمان وہ ہے کہ جو اے محمد ﷺ تجھ پر وحی نازل ہوئی ہے اس پر ایمان لاتا ہے اور جو وحی تجھ سے پہلے نازل کی گئی اس پر بھی ایمان لاتا ہے۔ غور کیجئے یہ کتنا مشکل کام ہے کہ اپنی قوم کو کل دنیا کے انبیاءؑ پر ایمان لانے والی بنا دیا اور اس کو مسلمان کا جزو ایمان ٹھہرا دیا۔ پھر یہی نہیں اس کے ساتھ تمام انبیاء کو بھی گویا ایک جماعت بنا دیا اور ان کی وساطت سے ان کی امتوں کو بھی باہم بھائی بھائی بنا دیا۔ چنانچہ انبیاءؑ کے متعلق ایک جگہ فرمایا: وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُکُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً (52:23) تمہاری یہ جماعت ایک ہی جماعت اور ایک ہی گروہ ہے کہ جو نسلِ انسانی کی ہدایت کے

لئے آیا۔ ان تمام اقوام کے انبیاءؑ اور رسولوں پر ایمان لا کر ایک مسلمان، مسلمان ہوتا ہے۔

مسلمان تمام مذاہب کی صداقتوں پر ایمان لاتا ہے:

گویا مسلمان کون ہے وہ عیسیٰؑ پر ایمان لا کر عیسائی ہے، حضرت موسیٰؑ پر ایمان لا کر یہودی بھی ہے اور اسی طرح پارسیوں کے انبیاءؑ پر ایمان لا کر پارسی ہے تو ہندوؤں کے انبیاءؑ پر ایمان لا کر ہندو بھی ہے، مگر وہ ہر ایک کی غلطیوں سے پاک ہے۔ غرض جتنے مذاہب دنیا میں موجود ہیں ان سب کو ماننے والا مسلمان ہے۔ البتہ بعض انبیاءؑ پر وہ بنام ایمان لاتا ہے۔ مگر بعض انبیاءؑ کے نام قرآن شریف میں موجود نہیں۔ تاہم جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان اقوام کے اندر ہدایت اور مذہب موجود ہے تو ہم یقین کرتے ہیں کہ ان میں بھی یقیناً انبیاءؑ آئے ہیں۔ اس طرح سے ایک مسلمان کل مذاہب عالم کا گویا مجموعہ ہو جاتا ہے۔ مگر ان سب میں صلح اور اتحاد پیدا کر کے مجموعہ بنتا ہے۔ کیونکہ موجودہ عیسائیت میں بعض ایسے مسائل ہیں کہ جن کو ہندو نہیں مانتے اور ہندوؤں میں بعض ایسے مسائل ہیں کہ جن کو عیسائی نہیں مانتے، اور بعض مسائل پارسیوں اور یہودیوں سے مخصوص ہیں۔ تو اسلام یا ایک مسلمان ان تمام مذاہب کے اختلافات کا مجموعہ نہیں بلکہ ان تمام مسائل اور مذاہب میں جو چیز اتحاد کے رنگ میں نکلتی ہے یا متفقہ طور پر سب میں پائی جاتی ہے وہی اسلام اور مسلمان ہے۔

چنانچہ قرآن شریف میں اس مضمون کی ایک آیت ہے: قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۭ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ (64:3) اور یہ وہ آیت ہے کہ جس کو محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے بادشاہوں کو بطور تبلیغ لکھا تھا۔ تاریخ سے یہ امر ثابت ہے کہ قیصرِ روم کو یہی آیت لکھی تھی اور یمن، حبشہ اور مصر وغیرہ سب کو جو اپنے تبلیغی خطوط لکھے ان سب میں یہ آیت موجود تھی کہ اے اہل کتاب! اس مشترک بات کی طرف آ جاؤ۔ اس پر ایمان لے آؤ کہ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر کی بات ہے۔ کہ ہم سوائے اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں۔ مختلف اقوام کے مذاہب دنیا میں موجود ہیں۔ لیکن ان سب میں سے انسان کا مذہب نکالو کہ کیا ہے۔ تو وہ وہی مذہب ہوگا جو کل اقوامِ عالم کا متفقہ اور متحدہ مذہب ہے۔ اور وہ ہے اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ (64:3) اس ایک اللہ کے سوا اور کسی کی ہم عبادت نہ کریں۔ اسی طرح باقی مسائلِ مذاہب میں بھی اسلام نے اصولِ متحدہ کو لے لیا ہے اور اختلافات کو رد کر دیا ہے۔ یہ ایک خیال ہے اتحاد مذاہب عالم یا اقوام عالم کا کہ جس کو محمد رسول اللہ

ﷺ نے پیدا کیا۔ تمام بادشاہوں کو خطوط لکھوا کر دعوت دی۔ یعنی صرف ایک خیال ہی دنیا کے اندر نہیں پھینک دیا۔ انسان کی زندگی میں اس کو لے آنا یہ کمال ہے۔ بعض عقائد کو اصولاً منوا لینا اور بات ہے، مگر عوام کے دلوں کے اندر اور ایمان میں ان کو جاگزیں کر دینا یہ بہت ہی مشکل کام ہے۔

تمام مذاہب کا درمیانی رشتہ اسلام ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (1:1) کو بار بار نمازوں میں دہرانے کا حکم دے کر، جتنی باتیں اقوام میں تنافر پیدا کرنے والی تھیں، ان سب کو دور کر دیا۔ اور اصولاً منوا دیا کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا کی اقوام کی جسمانی اور روحانی ربوبیت کرنے والا ہے۔ اس اختلاف مذاہب کے بعد ایک اور فرق زبان کا ہے کہ جس سے یہ کمبخت اختلافات اور دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان کے بارہ میں فرمایا: وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ (22:30) آسمانوں اور زمین کی پیدائش، تمہاری زبانوں اور رنگوں کے اختلاف اللہ تعالیٰ کے نشانات میں سے ہیں۔ اس سے تمہاری انسانیت میں کچھ فرق نہیں پڑ جاتا۔ غرض اسلام نے رنگوں اور زبانوں کے اختلاف کو بھی مٹا دیا۔ علاوہ ازیں دنیا میں ایک بہت بڑا اختلاف اقوام کا ہے۔ اس قومیت اور ملکی اختلافات کو یوں مٹایا کہ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (13:49) یہ تمہاری قومیں اور قبیلے محض ایک دوسرے کی جان پہچان کے ذرائع ہیں۔ ان سے تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکتے ہو۔ ان کو وحدتِ نسلِ انسانی میں تفریق کا ذریعہ نہ بناؤ۔ چنانچہ اس اختلاف رنگ وزبان کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ایک خاص خطبہ دیا۔ اور وہ آپؐ کا مشہور آخری خطبہ ہے۔ اس میں آپؐ نے فرمایا: کُلُّکُمْ بَنِیْ اٰدَمَ وَالْاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ لَافَضْلَ لَعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ لَا لِاَسْوَد عَلٰی اَحْمَر وَلَا لِاَحْمَر عَلٰی اَسْوَد اِلَّا بِالتَّقْوٰی. تم سب کے سب آدم کے بیٹے ہو۔ آدم مٹی سے پیدا شدہ ہے۔ عربی کو عجمی پر بلحاظ پیدائش اور اختلاف زبان کوئی فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر کوئی پیدائشی تفوق حاصل ہے۔ نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی درجہ حاصل ہے، سوائے اس کے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے قانون کی پیروی کرتا ہو۔

اس موجودہ زمانہ میں بھی لوگ کبھی کبھی کہہ دیتے ہیں کہ یورپ کو ایشیا پر کوئی فضیلت نہیں۔ لیکن اس

سے ان کا مقصد اپنی عزت اور فضیلت جتانا ہوتا ہے۔ اسلام سے پیشتر ہر ایک قوم دوسری قوم کو حقارت سے دیکھتی تھی۔ اسی طرح عرب بھی دوسرے ممالک کو عجمی یعنی گنگ کہتے تھے۔ ان کو اپنی زبان پر بڑا فخر تھا۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کا کمال یہ ہے کہ آپؐ نے ان کے اس خیال کو دور کیا اور آئندہ کے لیے اس قسم کی فضیلت جتانے سے ان کو منع کر دیا۔ غرض اسی طرح سے قرآن شریف نے نسلِ انسانی کی وحدت کے مضمون کو بہت وسیع کیا ہے اور اس کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا۔ اور بکثرت دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ تم ایک ہی نسلِ انسانی کے ممبر ہو۔

قوم پرستی کا بت بھی خطرناک ہے:

یہ وہ پیغام ہے کہ جس کی آج بھی مہذب دنیا کو ضرورت ہے۔ بغیر اس کے دوسری قوموں کے خون چوسنے کے خیالات دور نہیں ہو سکتے۔ ورنہ سب کو مساوی سمجھنے کا دعویٰ صرف زبانی دعویٰ ہے۔ ایک گورے رنگ کا انگریز کالے رنگ والے ایشیائی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا۔ ایشیا والے کے نزدیک یورپ والے حقیر ہیں۔ اور پھر یورپ میں کہ جہاں مذہب ایک ہے علم بھی بہت ہے۔ مگر جرمن، فرانسیسیوں کے دشمن نظر آتے ہیں تو اٹلی، آسٹریا کا۔ بلکہ ہر ایک قوم اور ملک ایک دوسرے کا دشمن ہے۔ اور یہی قومیت کا خیال ہے جس سے یہ خطرہ ہے کہ ملک دشمنی کی آگ سے جل کر خاکستر ہو جائے۔ گذشتہ یورپ کی عظیم جنگ اس قومیت کے خیال سے ہوئی تھی کہ جس نے ایک دنیا کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ قومیت کا یہ خیال ایک لعنت ہے جس نے پہلے بھی یورپ کو تباہ کیا اور ابھی تک اس فساد کا مادہ موجود ہے۔ قومیت کے بت کو مٹانے کے لیے اسلام نے وحدتِ نسل انسانی کا زبردست خیال پیدا کیا۔ یہ جو آج کل نیشنلزم کہلاتا ہے، یہ بھی تباہی کا سامان ہے جو قوموں کو قومیت کی بنا پر ایک دوسرے سے لڑوا کر تباہ کر دے گا۔ ایک پادری نے لکھا ہے کہ یہ اسلام کے زوال کے آثار میں سے ہے کہ اسلامی ممالک میں قومیت کا خیال پیدا ہو گیا ہے۔ ترک، عرب، ایرانی، چینی اور افغانی الگ الگ حصوں میں مسلمان تقسیم ہو رہے ہیں اور ان کے اندر وہ جو ایک رشتہ مذہب تھا، اس کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اسلام اس نیشنلزم کے خلاف ہے۔ جس طرح قومیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک فرد کے اغراض اور مقاصد کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اسی طرح نسل انسانی کے اتحاد کے لیے قومیت کو توڑنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ کمیونزم، جو اس کے خلاف ہے، اس میں دوسرے نقائص موجود ہیں۔ ان کا حل بھی قرآن شریف میں موجود ہے۔ یہ کمیونزم بھی کوئی نئی بات نہیں۔ بظاہر اس کا آج کل

فروغ نظر آتا ہے۔لیکن اس کے بھی بعض بعض شعبوں کو قبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ مثلاً کمیونٹی آف وومن (اشتراک نسواں) کو۔صرف مادہ پرستی کی وجہ سے اشتراک دولت کے خیال کو کچھ رونق ہوگئی ہے۔کیپٹل ازم کی وجہ سے لوگ بہت تنگ تھے۔ کیونکہ اس سے قوم کا بیشتر حصہ روپیہ سے محروم تھا۔اس لئے اس کا ردِعمل شروع ہوا اورانہوں نے کہا کہ قوم کی دولت مشترک ہونی چاہئے جس کوکسی نے غیر مساوی کمائی کے مساوی تقسیم کا نام دیا ہے۔اسلام نے اس کا علاج پہلے سے بتلا دیا ہوا ہے۔کیپٹل ازم (مذہب سرمایہ) کا علاج اس نے زکوٰۃ پر اس قدر زور کیوں دیا ہے کہ اس کو اسلام کا ایک رکن بنا دیا ہے۔ یہ ایک قسم کا ٹیکس ہے جو سرمایہ پر لگایا گیا ہے۔اس کیپٹل ازم اور کمیونزم پر پھر کسی وقت تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا۔انشاءاللہ

اخبار احمدیہ:

حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ حسب معمول خدمات دینی میں مشغول ہیں ۔ درس با قاعدہ دوشنبہ اور جمعرات کو ہوتا ہے۔گذشتہ چہارشنبہ اور جمعرات کو ایک جرمن سیاح فریڈرک ویگ ملاقات کے لیے آیا۔ یہ ایک بہت باہمت شخص ہے کہ جس نے پیکن (چین) سے لاہور تک پیدل سفر کیا ہے اور ڈیڑھ سال کے عرصہ میں ہمالیہ کو عبور کر کے جموں کے راستہ سے لاہور پہنچا ہے۔احمدیت کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کا اس کو خاص شوق ہے اور اس کی وجہ اس نے یہ بیان کی ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ احمدی دوسرے مسلمانوں کی طرح تنگ دل نہیں ہیں اور نہ کافروں کے خواہ نخواہ قتل کے شائق ہیں۔اس شخص کا ایک کاروباری آدمی ہوکر مذہبی باتوں میں دلچسپی لینا بہت ہی قابلِ تعریف ہے۔مولوی عصمت اللہ صاحب کے درس کی وجہ سے لوگ شائق تھے کہ درس جاری رہے۔ اس لئے مولانا صدرالدین صاحب سیالکوٹ میں قرآن مجید کا درس دے رہے ہیں۔28 نومبر کو انتظامی معاملات سے متعلق ایک ضروری مشورہ کے لیے بہت سے معزز ممبران جماعت باہر سے بھی تشریف لائے۔

سامانہ ریاست پٹیالہ میں 23، 24، 25 نومبر کو جلسہ ہوگا۔مرزا مظفر بیگ صاحب، شیخ بشیر احمد صاحب اس تقریب پر تشریف لے جائیں گے اور خاکسار ایڈیٹر بھی انشاءاللہ پہنچے گا۔

مرزا مظفر بیگ صاحب اور بشیر احمد صاحب سامانہ سے فاتحانہ چال چلتے ہوئے لاہور پہنچے۔وہاں سے

جلسہ اور مناظرہ کی مفصل رپورٹ، وہ جو ایک دبلے پتلے صاحب محمد شفیع ہیں، لکھیں گے اور پھر اخبار میں شائع ہوئی تو پڑھ کر خود بھی خوش ہوں گے اور اوروں کو بھی خوش کریں گے۔

❀❀❀

7 دسمبر 1930ء

ارشادات امیر

سالانہ جلسہ اور آپ!

جس وقت یہ اخبار آپ کے ہاتھ میں پہنچے گا، اس وقت پندرہ دن سالانہ جلسہ میں باقی ہوں گے۔ یہ دن تھوڑے بھی ہیں اور کام کرنے کے لئے بہت بھی ہیں۔ اب بھی اگر آپ اپنے آپ کو کام کرنے کے لیے آمادہ کر لیں تو حسب ذیل کام آپ کے سامنے ہیں۔ لیکن یاد رکھیے کہ اب ان تھوڑے دنوں میں ایک دن کا بھی غفلت میں ضائع کر دینا ایسا نقصان دہ ہوگا جس کی تلافی مشکل ہوگی۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ اگر آپ نے اب بھی ان ایام کو ضائع کر دیا تو آپ کو اس سے فائدہ کوئی نہیں اور حق کو نقصانِ عظیم ہے۔ اور اگر آپ نے ان ایام میں کچھ کر لیا تو آپ کا بھی فائدہ ہے اور آپ کی قوم کا بھی۔ میرے دل میں صرف ایک ہی آرزو ہے کہ ساری جماعت میں اکٹھی حرکت پیدا ہو۔ اور کوئی فرد اس میں ایسا نہ ہو جو قُمْ کے حکم کی تعمیل نہ کرے۔ ساری جماعت میں ایک ہی لہر اُٹھے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی تیز رفتاری سے آئے۔ اس وقت آپ کے سامنے ایک ہی کام ہو یعنی سالانہ جلسہ کے اجتماع کو کامیاب بنانا۔ اگر یہ جوش جماعت کے ہر ایک فرد کے دل میں پیدا ہو جائے تو کام کے راستے نکل آئیں گے۔ کامیابی کا حقیقی انحصار تو اس اثر پر ہے جو آپ یہاں سے لے کر جائیں گے۔ جس پر آپ کے آئندہ سال کے کام کا دارومدار ہے۔ لیکن اگر ہر ایک احمدی دوست ذیل کے امور کی طرف پوری تن دہی سے متوجہ ہو اور جہاں تک اس کا حلقہ اثر ہے ان امور کی تعمیل پر پورا زور لگائے تو کامیابی یقینی ہے۔

1۔ استحکام جماعت:

آپ نے اپنی قوم کو مالی مشکلات سے باہر نکالنا ہے۔ اس کے لیے آپ کو یہ چند یوم اس کام کے لیے وقف کر دینے چاہئیں کہ آپ اپنے عزیزوں، دوستوں، تعلق والوں، زیر اثر لوگوں سے کافی رقم جمع کر کے لائیں۔ اگر آپ پندرہ دن لگاتار دو یا تین گھنٹے روزانہ بھی اس کام کے لیے وقف کر دیں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد کرے

گا۔

2۔توسیعِ جماعت:

آپ نے جماعت کی توسیع کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا ہے۔سالانہ جلسہ کے موقعہ پر چونکہ ایک شخص کو نہ صرف سلسلہ کے تمام حالات سے مختلف تقریروں کے ذریعہ سے پوری واقفیت ہو جاتی ہے بلکہ وہ اپنے سامنے جماعت کا عملی نمونہ بھی دیکھ لیتا ہے اور عملی نمونہ باتوں سے بہت زیادہ موثر ہوتا ہے۔اس لئے تبلیغ کا یہ بہترین موقعہ ہے۔مگر اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے یہ ضرور ہے کہ آپ اپنے ساتھ ایسے دوست واحباب کو لائیں جو ابھی تک جماعت میں شامل نہیں ہوئے۔اگر ہر ایک دوست کی یہ کوشش ہو تو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر جماعت کی تعداد میں بڑی ترقی ہو سکتی ہے۔

3۔جماعت میں احساس پیدا کرنا:

یہ افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ ایک طرف ہمارے پاس مبلغوں کا انتظام ناکافی ہونے کی وجہ سے اور دوسری طرف کثیر احباب کی اس غفلت سے کہ وہ سالانہ جلسہ پر شامل ہونے کو ضروری نہیں سمجھتے، جماعت کے اندر سے کام کرنے کا احساس کم ہوتا جا رہا ہے۔یہ سچ ہے کہ جلسہ میں آدمیوں کی تعداد اتنی اہمیت نہیں رکھتی مگر بیشتر حصہ جماعت کا شامل نہ ہونا ان کے اندر سے اشاعتِ اسلام کے کام کی اہمیت کے احساس کو کم کر رہا ہے۔جبکہ کام کی ترقی کا انحصار صرف اس جوش پر ہے جو خدا کے دین کی خدمت کے لیے دلوں میں ہو۔اس جوش کو قوت دینے کے لئے اور جن قلوب میں یہ جوش ٹھنڈا پڑ چکا ہے اس کو گرم کرنے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ حتی الوسع سب احباب کو جلسہ سالانہ میں شامل کرنے کی کوشش کی جائے۔اس لیے آپ آج سے ہی یہ بھی اپنا فرض سمجھیں کہ احمدی بھائیوں کو بیدار کرنا اور جلسہ سالانہ پر ساتھ لانا بھی آپ کے فرائض میں داخل ہے۔اگر کم سے کم اس قدر تہیہ ہر ایک احمدی دوست کرے کہ وہ اپنے سمیت دو بھائیوں کو اٹھا کر ساتھ لائے گا تو آئندہ سال جماعت دگنے تگنے جوش سے کام کر سکتی ہے۔

4۔آئندہ نسل کو تیار کرنا:

ایک بڑی بھاری غفلت ہمارے احباب میں یہ رہی ہے کہ انہوں نے اپنے نوجوان بچوں یا دیگر تعلق والوں کو خدمتِ دین کے واسطے تیار کرنے کے لیے کوشش نہیں کی۔ آج کل کی مادی تعلیم کا، جو کالجوں اور سکولوں میں ملتی ہے، یہ زہریلا اثر طبائع پر خود بخود پڑ جاتا ہے کہ دین اور شعار دینی کی طرف سے ایک لا پرواہی سی ہو جاتی ہے۔ اس کا کم سے کم اس قدر ازالہ تو کرنا چاہئے کہ سال میں ایک دفعہ ہی ہمارے نوجوان بھی اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ ان کے بزرگوں نے کیا کام کیا اور وہ خود ان کی جگہ لینے کے لیے کس حد تک تیار ہیں۔ بہت سے ہمارے نوجوان، جو یہاں یا دوسری جگہ کالجوں میں پڑھتے ہیں، کرسمس کی تعطیلات میں والدین سے ملنے کے لیے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ میں اپنے احباب سے یہ کہنا چاہتا ہوں، جن کے بچے کیسی ہی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، وہ ان کو لکھ دیں کہ وہ سالانہ جلسہ میں شمولیت کے بعد گھر آنے کا ارادہ کریں۔ اگر وہ گھروں میں چار دن کم رہ لیں گے تو کچھ بگڑ نہیں جائے گا۔ مگر جلسہ میں چار دن کے لیے شامل ہو کر اپنی زندگی کو بہت مفید بنا سکتے ہیں۔ اور جو نوجوان بالغ بچے گھروں میں ہیں، انہیں اپنے ساتھ جلسہ میں لائیں۔ خوب یاد رکھیئے کہ اگر آپ نے اپنے بچوں کو موقع ہی نہیں دیا کہ وہ ان باتوں کو دیکھیں اور سنیں تو اس کا گناہ آپ پر ہے۔ ہاں آپ ان کو موقع دیں اور وہ خود اس طرف رخ نہ کریں تو بار اُن پر ہے۔

5۔ گھروں میں احمدیت کا چرچا:

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے گھر میں بھی خدمت دین کا چرچا ہو اور نور اسلام کی روشنی سے آپ کا گھر منور ہو تو یاد رکھیئے کہ گو یہ کتنا بھی مشکل کام نظر آئے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی بیویوں، بہنوں، بیٹیوں، ماؤں کو یہ موقع دیں کہ وہ بھی اس قومی اجتماع میں شامل ہوں۔ بہت لوگ، جو سمجھتے ہیں کہ عورتوں کو ان باتوں سے کیا تعلق ہے، وہ خوب یاد رکھیں کہ وہ نصف حصہ قوم کو تاریکی میں رکھ کر خود روشنی میں نہیں رہ سکتے۔ آخر آپ کی مستورات برادریوں کے تعلقات میں سفر بھی کرتی ہیں۔ تو کیا دین کی غرض کے لیے ہی سفر کی مشکلات رونما ہوتی ہیں؟

ان چند امور کی طرف ہر ایک احمدی آج سے توجہ دے اور جہاں جماعتیں ہیں ان کے سیکرٹری اپنی جماعت کے کل افراد کی ضرورت کو معلوم کر کے دفتر جلسہ میں اطلاع دیں۔ اور جہاں ایک ایک دو دو احباب ہیں

وہ خود دفتر جلسہ سے خط و کتابت کریں اور ہر ایک امر کے متعلق جلسہ سے ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیں۔

خاکسار۔ **محمد علی**

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

ایک دردمند دل کی آواز:

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کئے ہوئے

اے ہند کے خفتہ مسلم کروٹ بدل، آنکھ کھول اور دیکھ کہ ہندوستان کی وحشی اقوام تیرے مقابلہ کے لیے اور تیری بربادی کے لیے ادھار کھائے بیٹھی ہیں۔ مگر تو پرواہ کر کہ شدھی اور سنگھٹن تجھ کو اور تیرے کام کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں اور چپہ چپہ پر تیری اور تیری معصوم اولاد کی قربانیاں روا رکھتے ہیں۔ مگر اے بہادر! تو شہادت کے خون سے ہند کو لالہ زار ہونے دے۔ اگر سوراج کی آواز تجھے لالچ دلاتی ہوئی پکار رہی ہے تو تُو خاموش ہو جا، جواب مت دے۔ کیونکہ ایک مسلم کبھی اپنی شان کے خلاف زمین کے لیے نہیں لڑ مرتا۔ تیرا وجود دنیا کے لیے ایک رحمت ہے۔ تیری آفرینشِ اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ تو ایک خاص کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تیرا کام بہت ہی عظیم الشان ہے۔ تو اگر اپنے کام کا پروگرام چاہتا ہے تو اُٹھ اور دیکھ تیرے سردارؐ نے آج سے تیرہ سو برس قبل تجھے تیرے کام کا دوامی پروگرام مرتب فرما کر عنایت فرمایا ہے۔

دیکھو اور غور سے دیکھو! اس دوامی پروگرام میں تیرا کام تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (110:3) اور تیرا مقام اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (110:3) اور تجھے اور تیری ذات سے روشناس کرنے والے سردار کا نام رَحْمَةً لِّلْنَاسِ ہے اور تیرے پروگرام کا نام هُدًى لِلنَّاسِ ہے۔ اے مسلم! کیا تو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا۔ دیکھ تیرا وہ مقام ہے جس کے لئے انبیاءؑ ماسبق نے دعا کی کہ اے خدا! ہم کو اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ بنا۔

الف: اے ہند کے پیارے مسلم! اگر تو ابھی تک سویا ہے تو بیدار ہو اور اگر بیدار ہے تو فوراً ہوشیار ہو۔ اگر ہوشیار ہے تو تیار ہو، اگر تیار ہے، تو اُٹھ اور ہادیؐ اقوام عالم

کی شان بتا، بلا امتیاز اقوام عالم کو صراط مستقیم پر بُلا۔ تجھے جو حق دیا گیا ہے اس حق کی اشاعت کر۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ تجھ سے پہلے بھی ایسے مذاہب گذرے ہیں جن میں سے ایک نے کمزور گُم کردہ راہ صنفِ نازک کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ''بچوں کی روٹی کتوں کے آگے نہیں ڈالی جاتی''۔ مگر اے مسلم! تیرا خوانِ نعماء عام ہے۔ تیرا وجود مبارک ہے اور تو تمام اقوام عالم کا سردار ہے۔ تیرا کام تمام کاموں کا سردار، تیرا سردار دونوں جہاں کا سردار یعنی رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین سردار عالم (جگت گرو، ورلڈ ٹیچر) ہے۔

ب: اے مسلم! تو بخوبی جانتا ہے کہ عرب کی سرزمین میں انقلاب ہو چکا۔ ایران نے آزادی کی صورت دیکھ لی۔ ٹرکی نے خلافت کا خاتمہ کر دیا اور افغانستان نے جمہوریت حاصل کر لی۔ جاپان نے زلزلوں کا مزا پالیا اور فرقہ قادیان نے اجرائے نبوت کے مسئلہ میں طوفان برپا کر دیا۔ شدھی اور سنگھٹن کی آواز نے ہندوستان میں جو جو فتنے برپا کرنے تھے کر دیئے۔ لاکھوں تیرے بھائیوں کو صرف ایک گاؤکشی پر بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ تو ان واقعات سے نابلد نہیں ہے۔ بے شک تیرے ارادے میں کانگرسی مسلمان روڑے اٹکانے کی فکر کریں گیا ور وہ نادان مسلمان بھی، جنہوں نے آئندہ کی کچھ غور و فکر نہ کی، تیرے مقابلہ کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے اور ہر میدان میں تجھ کو شکست دینے کی ناجائز کوشش کریں گے، مگر اے شیر دل توحید کے متوالے نوجوان مسلم! تو ان کا جواب مت دے۔ تو ان کا مقابلہ مت کر بلکہ اپنے ان نادان بھائیوں کے لیے صراط مستقیم کی دعا کر۔ اس لیے کہ تجھے علم ہے کہ یہ وہ مبارک زمانہ ہے، جس کا ذکر احادیث پاک میں موجود ہے۔ ایسے سعید زمانہ میں آپس کی خانہ جنگی، روٹھنا اور بگڑنا چھوڑ دے۔ یاد رکھ یہ زمانہ تجھ کو معمولی قربانی کے بعد نہیں ملا ہے۔ بلکہ تیری ہزاروں پیاری پیاری جانیں قربان ہو گئیں، تیری عظیم الشان زبردست سلطنتیں تباہ ہو گئیں، تجھ جیسے لاکھوں مسلم دل سولی پر چڑھا دیئے گئے،۔ سینکڑوں مرتد ہو گئے۔ تیری وہ جاگیرات، تیرے وہ مکانات اور

تیرے وہ خطابات، جن پر تجھ کو آج تک گھمنڈ تھا، افسوس تجھ سے وہ سبھی چھین لیے گئے۔ کیا تجھے معلوم ہے یہ سب کیوں ہوا؟ اس لیے کہ کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اے مسلم بیدار ہو اور ہر گھر میں اسلام کے پیغام کی تعلیم پہنچا۔ تو فرقہ بندی کے کام بند کر دے۔ تو آپس کی تکفیر بازی کو یک لخت مٹا دے۔ فروعی جھگڑوں کو چھوڑ کر ایسی منظّم اور مستحکم جماعت ہو جا جیسی کفار کے مقابلہ میں 1300 تیرہ سو کی تھی۔

تو میدان میں کود پڑ۔ خدا تیری مدد کرے گا۔ وہ رحمت کے فرشتوں کو تیرے لیے نازل کرے گا۔ تو ایسا کام کر کہ جیسے کفار عرب کے مقابلہ میں تیرہ سو سال پیشتر آنحضرت ﷺ نے کیا اور تو ایسا کام کر جیسے کفارِ ہند کے مقابلہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے کیا اور تو ایسا کام کر جس طرح حضرت محبوب سبحانی قطب ربانیؒ نے کفر وظلمت کو مٹا کر توحید کی روشنی گھر گھر پہنچا دی۔ تو ایسا کام کر کہ جیسا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ایک تبلیغی جماعت اسلامی دعوت پہنچانے کے لیے یورپ کو روانہ کی۔ تو ایسے کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس لیے تیرا نام مسلم ہے۔

اے تبلیغی جماعت والو! آگے بڑھو۔ اے تنظیم کے علمبردارو میدان میں کود پڑو۔ اے علماء اسلام میدانِ عمل میں آ جاؤ۔ اے اسلام کے سیاسی لیڈر صاحبان وخلافت کے مدعیان وکانگریس کے حامی آؤ، دنیا کی جدوجہد چھوڑ دو۔ اب نئی نئی تحریکات کے ڈوبنے کا وقت قریب ہے۔ تبلیغِ دین کی تحریک میں شریک ہو جاؤ۔ پہلے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا کمال دکھاؤ پھر اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا وقت اپنے آپ آ رہا ہے۔

❀❀❀

20 رجب المرجب 1349ھ

حضرت امیر کے قلم سے

ہماری مشکلات اور قادیانی جماعت

خدا کی شان ایک زمانہ وہ تھا کہ ایک بھائی کو تکلیف پہنچتی تھی تو دوسرا اس کی مدد کرتا یا کم سے کم اظہار ہمدردی ہی کرتا۔ لیکن آج یہ ذہنیت یہاں تک بدلی ہے کہ ایک تکلیف میں ہوتو دوسرا خوش ہوتا ہے۔ میں نے ایک خطبہ میں اپنی جماعت کو اس کی موجودہ مالی مشکلات کی طرف توجہ دلائی تھی اور یہ بتایا تھا کہ موجودہ مالی مشکلات اس بات کا نتیجہ ہیں کہ ہم اپنی سعی اور جدوجہد میں، جو خدا کے دین کے لیے ہم کرتے تھے، کچھ سست ہو گئے ہیں۔ اور جماعت کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ خدا کی نصرت کو جذب کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی جدوجہد میں قوت پیدا کریں۔ اس پر قادیان کا سرکاری اخبار خوشی میں پھولا نہیں سماتا اور ''غیر مبائعین کا قدم تنزل کی طرف'' عنوان قائم کر کے دو ورق سیاہ کرتا ہے۔ جائے تعجب ہے کہ قادیان والے جہاں ساری دنیا کے مسلمانوں کو خارج از اسلام قرار دیتے ہیں وہاں ہم پر اتنی مہربانی تھی کہ یہ مسلمان تو ہیں مگر فاسق۔ بھلا فاسق ہی سہی، آخر ان کے نزدیک ہم مسلمان تو تھے۔ تو انہیں اس بات پر کیوں خوشی ہوئی کہ مسلمانوں کی ایک جماعت مشکلات میں پھنسی۔ ان کی ساری تحریر کے نیچے یہ چھپی ہوئی خوشی نظر آتی ہے کہ بس اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور لَیُمَزِّقَنَّھُمْ کی پیشگوئی پوری ہو جائے گی۔ اور پھر صرف ہم قادیان والے ہی مسلمان روئے زمین پر رہ جائیں گے اور باقی سب کفر ہی کفر ہوگا۔ یہ ذہنیت بھی عجائبات عالم میں سے ہے کہ صرف ہم چند متنفس ہی جنت کے وارث ہوں اور باقی اردگرد سب کفر ہی کفر ہو، ظلمت ہی ظلمت نظر آئے۔ اس مشہور کہانی کے مطابق جو اچھوت اقوام کے کسی فرد کی نسبت بیان کی جاتی ہے، بہشت ''کھچ خانہ'' نہ بن جائے۔

اس قدر تو قادیان والوں کو علم ہے کہ ہم بھی آخر اشاعتِ اسلام ہی کرتے ہیں۔ اور اشاعتِ اسلام کے کام کو کوئی بھی کر رہا ہو، نقصان پہنچے تو یہ کسی مسلمان کے لیے خوشی کا موجب نہیں ہوسکتا۔ لیکن پھر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کیا ایسے اوقات ہر فرد پر اور ہر قوم پر نہیں آ جاتے۔ ایک وقت خوشحالی کا ہوتا ہے تو بعض حالات کے ماتحت

ایک وقت تکلیف کا بھی آجاتا ہے۔اس موجودہ مشکل کو تو میں کوئی بڑی مشکل نہیں سمجھتا۔ذرا سی غفلت کا نتیجہ ہے۔ جماعت میں کام کے لیے وہی پہلی روح پیدا ہو جائے گی تو وہی ترقی کا قدم اُٹھنے لگے گا۔ایسے ایسے راستبازوں پر، جن کی قربانیوں سے ہماری قربانیوں کو کوئی نسبت ہی نہیں۔وہ مشکلات کے اوقات بھی آجاتے ہیں جن کا نقشہ یوں کھینچا ہے: مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (214:2) اور میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں بہت سے آدمی خدا کے فضل سے اسی مقام پر کھڑے ہیں کہ اگر قوم کو بچانے کے لیے انہیں اپنا سب کچھ بھی خدا کی راہ میں دینا پڑے تو وہ دے دیں گے۔

اس وقت بھی میں سمجھتا ہوں کہ باوجود اس غفلت کے، جو گذشتہ دو تین سال میں ہماری طرف سے ہوئی ہے، اس چھوٹی سی جماعت کا باسٹھ ہزار روپیہ صرف بطور چندہ جمع کر لینا کوئی چھوٹی سی کامیابی نہیں۔باتیں بنا لینا تو آسان ہے۔لیکن اگر کوئی ہمت ہے تو بالمقابل اپنے چندہ کے اعداد پیش کریں اور ہمیں سو میں ایک یا دو بتانے والے یہی دکھا دیں کہ ان کا سالانہ چندہ ہم سے پچاس گنا نہیں، دس گنا ہے، چلو پانچ گنا ہی دکھا دیں۔یوں تو اعداد کا پیش کر دینا بھی آسان ہے کہ یہاں سے میاں صاحب ولایت کو تشریف لے گئے۔تو چار یا پانچ لاکھ جماعت کی تعداد بتا رہے تھے۔اور ولایت پہنچ کر وہ تعداد دس لاکھ بن گئی۔اخبار میں ''لاکھوں'' روپے سالانہ چندہ بتا لینا کوئی مشکل نہیں۔ایک سال کے چندہ کے اعداد اپنے رجسٹرات کے پیش کریں۔مگر صرف چندہ جو ان کی انجمن کو ملا ہے۔

بسا اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ جماعت کی قربانی نہیں بلکہ دوسرے مسلمانوں سے چندہ لینے کا نتیجہ ہے۔یوں ہی سہی۔تو کیا دوسروں سے چندہ یوں ہی آجاتا ہے۔پھر اب تو کئی سال سے قادیان والے ہم سے بھی زیادہ کوشش دوسروں سے چندہ لینے کی کرتے ہیں۔انہوں نے خود بھی آزما لیا ہوگا کہ یہ کوئی آسان کام نہیں۔میر غلام بھیک صاحب کی حیثیت کا شخص، ایک ایسی جمعیت تبلیغ کے لیے جو ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے، چندہ کرنے نکلتا ہے تو دو ہزار روپے ماہوار تک اوسط پہنچتی ہے۔یہ اس جمود کی وجہ سے ہے جو مسلمانوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے اور پھر تبلیغ و اشاعت کی طرف سے بالخصوص بے پروائی برتی جاتی ہے۔اسی سے اندازہ کر لیں کہ ہم کس قدر

وصول کر لیتے ہوں گے۔ ہاں ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہمارے بعض معاون بڑی فراخ دلی سے ہماری مدد کرتے ہیں۔ لیکن عامہ حالت جمود کی ہی ہے۔

میں تو فی الحقیقت اس جماعت کے وجود کو اعجاز سمجھتا ہوں۔ ہمیں چار پانچ آدمی کہا جاتا تھا جب ہم الگ ہوئے ہیں۔ ہمارے پہلے سالانہ جلسہ پر آنے والوں کی تعداد قادیان کے اخبارات نے ساٹھ لکھی تھی۔ اور مجھے اب بھی اقرار ہے کہ ہماری تعداد قادیان کی جماعت کے بالمقابل بہت قلیل ہے۔ لیکن چند آدمیوں کا الگ ہو کر از سرنو کام شروع کر کے اور ایسی حالت میں شروع کر کے کہ نہ ان کے پاس مکان ہے نہ دفتر، نہ جائداد ہے نہ کوئی کتاب یا ٹریکٹ ہے، نہ کوئی مبلغ ہے، پندرہ سولہ سال کے عرصہ میں اسے یہاں تک پہنچا دینا کہ آج وہ قوم سات آٹھ لاکھ کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کی مالک ہے۔ دو ہائی سکول اس عرصہ میں بنا لیے، جگہ جگہ مشن قائم کر لئے، لاکھوں کی تعداد میں ٹریکٹ اور رسالے دنیا کے کناروں تک پہنچائے۔ ایک اردو، ایک انگریزی، ایک جرمن، ایک جاوی، ایک ملائی اخبارات جاری کر لیے۔ برلن جیسے مقام میں، جہاں سے قادیان کی اتنی بڑی جماعت ہمت ہار کر چلی آئی، مسجد بنالی۔ غور کر کے دیکھ لو تو یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اعجاز کے رنگ میں اس چھوٹی سی جماعت کے ساتھ نظر آتی ہے یا نہیں۔ قادیان میں قومی جائداد اختلاف کے وقت سے آج تک کتنی بڑھی؟ اس کا نام لینے کی بھی جرأت نہ ہوگی۔ ہائی سکول سے، جو اس وقت کامیابی سے چل رہا تھا اور ڈیڑھ سو کے قریب اس میں بورڈر تھے، کیا کالج بن گیا؟ یا بورڈروں کی تعداد وقت کی تعداد سے ایک تہائی کے قریب رہ گئی؟ چندوں نے اس وقت سے کس قدر ترقی کی؟

میں قادیان کی جماعت کی قربانیوں کا انکار نہیں کرتا۔ ان میں بھی بڑی بڑی قربانیاں کرنے والے لوگ ہیں۔ لیکن یہ میرا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت جو ہماری اس چھوٹی سی جماعت کے ساتھ ہے، وہ اعجازی رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔ ہاں اگر قادیان میں اس سے بہت بڑھ کر خدا کے دین کو قوت پہنچانے کے لیے کام ہو، مسلمانوں کی تکفیر کے لیے نہیں، کافروں کو مسلمان کرنے کے لیے ہو تو ہمارے لیے یہ بھی خوشی کا موجب ہوگا۔

دو باتیں اور بھی ہیں جن کی طرف میں معمولی حالات میں توجہ نہ کرتا۔ لیکن چونکہ اب یہ مضمون میرے سامنے آ گیا ہے، اس لیے چند لفظ ان کے متعلق بھی لکھتا ہوں۔ قادیان کے سرکاری اخبار کو اس بات پر بڑی خوشی

ہوئی ہے کہ میرے دوست بھی مجھ پر کچھ الزام دیتے ہیں۔ شاید اس نے یہ سمجھا کہ یہ اس کا بدلہ ہو گیا جو میاں صاحب کے مریدوں نے میاں صاحب پر الزام لگائے ہیں۔ لیکن میں کسی اعتراض کو، جو مجھ پر کیا جائے یا کسی الزام کو جو مجھ پر دیا جائے، یہ کہہ کر ٹالنے کے لیے تیار نہیں کہ مجھ پر اگر کوئی شخص جھوٹا اعتراض بھی کرے گا تو اس پر عذاب آئے گا۔ قادیان کی پیری مریدی کی ذہنیت میں یہ باتیں چل جاتی ہیں۔ ہمارے ہاں آزادی رائے ہے، اس لیے ایسی باتوں سے میرا کام نہیں چلتا۔ میں جانتا ہوں کہ آزادی رائے کے نقصانات بھی ہیں جب وہ آزادی صحیح محل پر استعمال نہ ہو۔ لیکن قومی ترقی کے لیے اس کو باوجود اس کے نقصانات کے بھی لینا ضروری ہے۔ اور دوسرے یہ اسلام کا دیا ہوا حق ہے۔ اگر میرے کسی دوست نے اس خیال کا اظہار کیا ہو کہ میں تصنیف میں مشغول رہنے کی وجہ سے انتظامی کام کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتا، تو میرا فرض ہے کہ میں حقیقت کو اس پر ظاہر کر دوں کہ میں شروع سے ہی دونوں کام یعنی تصنیف اور انتظام اکٹھے کرتا رہا ہوں۔ قادیان میں جب میں ترجمہ قرآن شریف کا کام کرتا تھا تو سکول اور بورڈنگ ہاؤس کی ساری عمارت اپنی نگرانی میں بنوائی۔ یہاں تک کہ اینٹیں بھی بازار سے لینے کی بجائے اپنی نگرانی میں تیار کرائیں۔ اور یہ علاوہ اس سارے کام کے تھا جو انتظام کے متعلق مجھے کرنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ چندہ کی تحصیل کا انتظام بھی میں خود ہی کرتا تھا۔ اور دفتر سیکرٹری میں ایک یا دو کلرک میرے ساتھ تھے۔ اب بھی میں اسی طرح دونوں کام کرتا ہوں۔

دو سال ہوئے جب قادیان کے سرکاری اخبار نے ایک فرضی چٹھی، جس میں مجھ پر طرح طرح کے حملے کئے گئے تھے، شائع کی۔ جس کے لیے بالآخر انہوں نے معافی مانگی۔ ممکن ہے اس کے بعد خفیہ پروپیگنڈا کی صورت اس کو دے دی ہو۔ مگر میں اس کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ وہ ہر وقت اس فکر میں ضرور ہیں کہ کسی طرح ہم ناکام ہوں۔ اس لیے اگر کوئی اعتراض ان وساوس کی بنا پر جو جماعت میں اس طرح پر پھیلائے جا رہے ہیں، ان کے پھیلانے والے قادیانی حضرات ہوں یا کوئی اور، مجھ پر کئے جائیں تو میں ان کا جواب دینے کے لئے ہمیشہ تیار ہوں۔ اور میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ کسی شخص سے میرے دل میں اعتراض کی بنا پر کبھی رنج نہیں ہوا۔ اعتراض کو میں خوبی کی بات سمجھتا ہوں، خواہ وہ غلط ہی ہو۔ مگر اعتراض یہ ہے کہ میرے سامنے میری غلطی بیان کر دی جائے۔ جو باتیں میری پیٹھ کے پیچھے کی جائیں گی وہ یا غیبت میں داخل ہوں گی یا

بہتان میں۔ اس لئے اعتراض کرنے والے کو میں تو اپنے دوستوں میں ہی سمجھتا ہوں، اپنے خیر خواہوں میں سمجھتا ہوں۔ تو اگر میں نے یہ کہہ دیا کہ ''بعض دوست'' میری تصنیف پر الزام دیتے ہیں تو اس میں کونسی عجیب بات تھی۔ جو الزام تھا اس کی نوعیت بھی بتا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ خیال غلط ہے۔ شاید یہ جواب قادیان کے سرکاری اخبار کو اس لئے بُرا معلوم ہوا کہ قادیان میں الزامات کے جواب دینے کا اور طریق مروّج ہے۔ ہاں اس اخبار نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ الزام اس لیے درست ہے کہ میں نے ڈلہوزی جیسی جگہ پر کوٹھی بنوائی ہے اور کہ جب مجھ پر روپے کے متعلق سوال کیا جاتا ہے'' تو کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ میری تصانیف کی آمدنی ہے۔ اور اپنی دیدہ ریزی سے میں نے جو کچھ کمایا ہے وہ اس پر صرف کیا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے تصانیف کی آمدنی سے ہی کوٹھی بنی تو یہ بھی آمدنی انہی لوگوں کی جیبوں سے نکلی جن سے مولوی صاحبان کی انجمن کو چندے وصول ہوتے تھے'' (الفضل)۔ ایک طرف تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں چندسو آدمی ہیں اور پھر یہ چندسو آدمی بھی کمال کر دکھاتے ہیں کہ ان میں انگریزی خوانوں کی تعداد ہی اس قدر بڑھ گئی کہ بارہ ہزار ترجمۃ القرآن انگریزی جنہوں نے خرید لیا، بارہ ہزار سیرت بھی وہی خرید لے گئے۔ حالانکہ قادیان کی اتنی بڑی جماعت میں، جو ہم سے پچاس یا سو گنا اپنے آپ کو کہتے ہیں، میاں صاحب کی کوئی کتاب شاید دو ہزار تک بھی نہ بکتی ہو۔ دوسرے میں حیران ہوں کہ میری طرف جو جواب منسوب کیا گیا ہے، وہ کہاں سے لیا گیا۔ میں نے تو آج تک یہ کبھی نہیں کہا اور جو کہا تھا اُسے یونہی اخبار اپنی اشاعت 12 مئی میں نقل کر چکا ہے بدیں الفاظ:

> ''میری کچھ زمین قادیان میں تھی۔ جس کا ایک حصہ میں نے اڑھائی ہزار میں فروخت کر دیا۔ کچھ زمین والد مرحوم کی وفات پر میرے حصے آئی۔ ساڑھے چار ہزار کے قریب اس میں سے فروخت کر دی ہے۔ تین چار دوستوں نے مجھے مدد دی ہے (کوئی دو اڑھائی ہزار کے درمیان) اور اس طرح مجھے مکان بنانے کا موقعہ مل گیا۔''

میں حیران ہوں کہ جو اخبار خود یہ نقل کر چکا ہے کہ میرا بیان اس روپے کے متعلق جس سے ڈلہوزی میں مکان بنوایا گیا ہے، وہ اب اتنا بڑا جھوٹ کیوں بناتا ہے کہ میری طرف وہ بات منسوب کرتا ہے جو میں نے کبھی کہی نہیں۔ حالانکہ اگر میں بالفرض اپنی تصنیف کی آمد سے بھی اپنے لیے مکان بنواؤں تو کسی شریعت کا، کسی ملک کا، کسی

سوسائٹی کا کوئی قانون مجھے اس پر الزام نہیں دے سکتا۔ کیا حضرت مسیح موعود اپنی کتابوں کو قیمت پر فروخت نہ کرتے تھے۔ مجھے علم نہیں میاں صاحب اپنی کتابوں کی فروخت سے فائدہ اٹھانا یا ان سے اپنا گزارہ کرنا جائز سمجھتے ہیں یا نہیں۔ لیکن بہرحال ان کے گزارہ کی بھی کوئی صورت تو ہوگی۔ اور اگر انہوں نے لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی جائداد پیدا کر لی ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے علم ہے اس کے باوجود بھی اور نذرونیاز کے روپے کے علاوہ بھی وہ چھ سو روپیہ ماہوار لیتے ہیں۔ گو اس کا نام قرضہ رکھ کر لیتے ہوں۔ میں نے اگر اپنی جائداد کو بیچ کر مکان بنا لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انجمن کو چھ سو روپے سالانہ کی بچت ہوگئی۔ جو وہ پہلے بطور کرایہ دیتی تھی تو یہ قوم کا نقصان نہیں فائدہ ہے۔ قادیان میں قصرِ خلافت بنے تو اعتراض نہیں، وہ جائز ہے۔ لیکن میرا اپنی جائداد بیچ کر مکان بنوانا اور اس سے قوم کو ہی فائدہ پہنچانا قابلِ اعتراض ہے!

ایک بڑا موٹا عنوان یہ بھی رکھا گیا ہے کہ ''میں امارت سے الگ ہونے کو تیار ہوں۔'' ان مذبوحی حرکات سے قادیانی اصحاب جماعت لاہور کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ میں نے یہ لفظ کہے تھے:

> ''اگر جماعت کو آگے چلانے کا کام میرے سپرد کیا گیا ہے تو مجھے تو سوائے اس کے کوئی رستہ نظر نہیں آتا کہ اس جماعت کے ممبر وہی لوگ ہوں جو اس کے کاموں میں حصہ لیتے اور اس کے استحکام میں ساعی ہیں اور اگر جماعت اس پر خوش نہیں تو وہ اپنے لیے کسی اور امیر کا انتخاب کر سکتی ہے۔ اور میں خوشی سے اس منصب سے الگ ہونے کے لیے تیار ہوں گا۔''

اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ میں امارت سے الگ ہونے کو تیار ہوں، بگڑے ہوئے دماغ کا کام ہے۔ میں نے اس بات کو ایک ایسی شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے جو پائی نہیں جاتی۔ یعنی یہ کہ اگر جماعت اس پر خوش نہیں۔ معلوم نہیں قادیان میں یہ خبر کس نے پہنچائی کہ جماعت میری اس تجویز پر خوش نہیں کہ جماعت کے ممبر وہی لوگ ہوں گے جو عملی طور پر اس کے کاموں میں حصہ لیں اور اس کے استحکام میں ساعی ہوں۔ میں تو ساری جماعت کو اس پر خوش دیکھتا ہوں۔ کیونکہ حضرت صاحب نے خود لکھا ہے کہ جو تین ماہ تک چندہ ادا نہ کرے وہ جماعت میں شامل نہیں۔ ہاں یہ بھی میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں امارت کو وہ چیز نہیں سمجھتا جو اہل قادیان سمجھتے ہیں۔ جس کے پیشوا نے خلافت ملنے پر یوں اظہار تشکر فرمایا تھا۔ ؎

شکر للہ مل گیا مجھ کو وہ لعل بے بدل

مجھے اب یہ یاد نہیں کہ کیا اس کا دوسرا مصرعہ بھی ساتھ تھا یا نہیں۔ یعنی ؎

کیا ہوا گر قوم کا دل سنگِ خارا ہو گیا

غالباً تھا۔ میں تو امارت کو قوم کی بہتری اور فائدہ کی ایک چیز سمجھتا ہوں۔ جو خلافت یا امامت قوم کے دل کو سنگ خارا بنا کر ملے، وہ لینے کے لائق نہیں۔ اور یہ ایک بار ہے جو بعض وقت طاقت ور اور بعض وقت ناتواں کندھوں پر ڈالا جاتا ہے۔ اور میں اپنے آپ کو مؤخر الذکر میں ہی شامل کرتا ہوں۔ اگر میں اس قابل نہ ہوں کہ قوم کو فائدہ پہنچا سکوں یا اس کی صحیح معنی میں قیادت کر سکوں یا میں دیکھوں کہ میری قوم میرے ساتھ چلنا نہیں چاہتی تو قوم کو اختیار ہے کہ وہ مجھے الگ کر دے اور مجھے اختیار ہے کہ میں خود الگ ہو جاؤں۔ ہاں میں وہ نہیں جس نے یہ کہا تھا کہ میں خلافت کو اب کسی صورت میں چھوڑ نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ اگر ایک بھی شخص مجھے خلیفہ نہ مانے تو بھی میں ہی خلیفہ ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے یہ چند باتیں لکھنی پڑیں، جن میں سے شاید بعض باتیں قادیانی اصحاب کو ناگوار معلوم ہوں۔ مگر میں نے مجبوراً یہ لکھی ہیں۔

❁❁❁

11 دسمبر 1930ء

حضرت امیر کے قلم سے

اخویکم مکرم خواجہ کمال الدین صاحب کا رؤیا

ہمارے محترم دوست خواجہ کمال الدین صاحب کو جیسا کہ وہ فرماتے ہیں، کچھ مدت سے دوسرے کام میں انہماک کی وجہ سے سلسلہ کی طرف سے بے اعتنائی رہی۔ بلکہ بعض حالات میں ان کے طرز بیان نے ہمارے بعض احباب کے دلوں میں یہاں تک خیال پیدا کر دیا کہ وہ گویا احمدیت سے ہی انکار کر رہے ہیں۔

خواجہ صاحب کی خدماتِ دینی ایسی اعلیٰ درجہ کی ہیں کہ ان سے دوست دشمن کسی کو بھی انکار نہیں۔ لیکن جس محسن نے انہیں اس بلند مقام پر پہنچایا، اس کی طرف سے غفلت یا بے پروائی کسی صورت میں بھی جائز نہ تھی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ آخر یہ امر ان پر بذریعہ رؤیا منکشف ہوا۔ سال گذشتہ انہیں اس بارہ میں ایک مکاشفہ ہوا اور اب حال ہی میں پھر ایک رؤیا ہوا۔ جس کے ایک حصہ سے بعض احباب کے دلوں میں کچھ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ یہ رؤیا خواجہ صاحب نے اپنی کتاب ''مجدد کامل'' کے اشتہار میں شائع کرایا ہے اور اس کے ابتدائی الفاظ حسب ذیل ہیں:

> ''صبح کے کوئی ساڑھے چار بجے ہوں گے جب میں نے نہایت رفیع الشان عمارت دیکھی۔ باہر میں کھڑا تھا کہ اچانک ایک شخص اس کے دروازے سے نکلا۔ جو مجھے کسی عدالت کا اردلی نظر آیا وہ نہایت ہی خوفزدہ تھا۔ جب وہ میرے نزدیک آیا تو وہ حضرت قبلہ مولوی محمد علی تھے۔ انہوں نے مجھے اس خوف زدگی میں اشارہ کیا کہ میری طلبی اندر ہوئی ہے۔''

مجھے تعجب ہے کہ اس سے کسی کا خیال اس طرف جائے کہ اس میں میری کوئی تحقیر ہے۔ ''امیر قوم اردلی ہے'' کا فقرہ بعض احباب کو شاید ناگوار معلوم ہو۔ لیکن اگر اسی کو بدل کر یوں کہہ دیا جائے کہ ''**سید القوم**

خادمھم''تو اس کو کوئی بُرا نہیں منائے گا۔ بلکہ اس پر فخر کیا جائے گا۔ حالانکہ دونوں کے معنی اور مفہوم میں کچھ فرق نہیں۔ بلا شبہ جس شخص کو قوم اپنی قیادت کے لیے چنے وہ ان کا خادم ہی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ان کی خدمت نہیں کرتا تو اس منصب کا اہل نہیں۔ مجھے اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ میں قوم کی خدمت کا، جس کے لیے انہوں نے امیر بنایا تھا، حق ادا نہیں کر سکا اور شاید خواجہ صاحب کے رؤیا میں ایک یہ غرض بھی ہو کہ قوم کی خدمت کی طرف زیادہ توجہ کی جائے۔ لیکن اس رؤیا کو پڑھ کر میرا ذہن جس بات کی طرف گیا ہے وہ یہ ہے کہ عدالت کا اردلی ہونے کی حیثیت میں ملزموں کو یعنی ان لوگوں کو جو اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت اور بے پروائی سے کام لیتے ہیں اِس دربار عالی میں پیش کرنے کا دشوار کام بھی امیر کے سپرد ہے۔ جیسا کہ اس موقعہ پر بھی خواجہ صاحب کو بھی میں نے کہا کہ آپ کی طلبی اندر ہوئی ہے اور وہ ان کی طلبی بحیثیت ملزم تھی۔ جیسا کہ ان کے رؤیا میں آگے ذکر ہے۔ اصل میں تو لفظ اردلی انگریزی لفظ Orderly ہے اور آرڈرلی اس Non-commissioned افسر کو کہا جاتا ہے جس کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ کسی اعلیٰ افسر کے احکام یا پیغام آگے پہنچائے۔ سو اس میں شک نہیں کہ امیر ہونے کی حیثیت سے میرا یہی کام ہے کہ میں مامور وقت مجدد زمانِ مسیح موعود کے احکام اپنی جماعت کو پہنچاؤں۔ یا اس کام پر اپنی جماعت کو لگائے رکھوں جس کی انجام دہی کے لیے حضرت مسیح موعود تشریف لائے تھے۔ عدالت کا اردلی بھی جب ملزم کو بلاتا ہے تو وہ اس کی اپنی آواز نہیں ہوتی بلکہ اس اعلیٰ افسر کی آواز ہوتی ہے جو حکم دینے کا مجاز ہے۔

اگر خواجہ صاحب مجھ سے مشورہ لیتے تو میں انہیں رؤیا کی اشاعت کا مشورہ نہ دیتا۔ اس لیے کہ ہمارے خواب کتنے ہی صاف ہوں، آخر ہم لوگ مامور نہیں۔ شاید بعض احباب کے دل میں یہ خیال گزرے کہ خواجہ صاحب نے اس اشتہار میں اپنے آپ کو مامور بھی لکھا ہے۔ مگر وہاں لفظ مامور اپنے اصل معنی پر نہیں۔ خواب میں خواجہ صاحب کو ایک تنبیہ ہوئی ہے کہ تم نے غفلت اور لاپروائی کیوں اختیار کر رکھی ہے۔ جس سے مطلب صرف اس قدر ہے کہ غفلت کو چھوڑ دو۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا اور خواب میں اسے کہا جائے کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اب وہ نماز پڑھنے کے لیے مامور ہو گیا۔ نماز پڑھنے کے لیے تو ہم سب مامور ہیں۔ ایسا ہی حضرت مسیح موعود کو پیش کرنے کے لیے بھی ہر ایک احمدی مامور ہے۔ مگر یہاں بھی لفظ مامور اپنے اصلی معنی پر نہیں۔ اسی طرح وہ لفظ خواجہ صاحب کی تحریر میں استعمال ہوا ہے۔ ورنہ غفلت پر تنبیہ ہونے سے ماموریت کا

مقام مل جانا بے معنی ہے۔

میں جو کچھ حضرت مسیح موعود کی تعلیم کو سمجھا ہوں۔ اس سے مجھے یہی نظر آتا ہے کہ آپ نے جہاں اللہ تعالیٰ سے مکالمہ مخاطبہ کے سلسلہ کو بڑی اہمیت دی ہے اور مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ نبوت کا دروازہ بند ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ وہیں اس کوچے کی مشکلات سے آگاہ بھی کیا ہے۔ اس بارے میں ہمارے قادیانی دوستوں کو بھی بڑی ٹھوکر لگی ہے کہ وہ اپنے خوابوں کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ واقعات کو بھی ان کے سامنے ہیچ سمجھتے ہیں۔ حضرت صاحب نے کتاب ''حقیقۃ الوحی'' میں جہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کا ذکر کیا ہے وہیں اس بات سے ڈرایا بھی ہے کہ اپنے خوابوں اور الہاموں پر اس قدر بھروسہ نہ کرو کہ محکمات کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہ سمجھو۔ چنانچہ پہلے ہی صفحہ پر لکھتے ہیں کہ:

''اکثر لوگ اپنے خوابوں اور الہاموں پر بھروسہ کر کے اپنے ناراست اعتقادوں اور ناپاک مذہبوں کو ان خوابوں اور الہاموں سے فروغ دینا چاہتے ہیں۔''

اور پھر صفحہ 2 پر لکھتے ہیں کہ:

''بعض ایسے بھی ہیں کہ چند خوابیں یا الہام ان کے جو ان کے نزدیک سچے ہو گئے ہیں ان کی بنا پر وہ اپنے تئیں اماموں یا پیشواؤں یا رسولوں کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔''

چنانچہ آپ نے خواب والہام کے لحاظ سے لوگوں کی تین قسمیں کی ہیں۔ جن میں قسم اول تو قابل ذکر ہی نہیں۔ اس میں مسلم، کافر، فاسق، فاجر سب شامل ہیں۔ اور قسم دوم میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کو بعض اوقات سچی خوابیں آتی ہیں یا سچے الہام ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا انسانی قالب شعلہ نور سے جل کر نیست ونابود نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس ذیل میں آپ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو ''کسی حد تک زہد وعفت کو اختیار کرتے ہیں اور علاوہ اس بات کے ان میں رؤیا اور کشف کے حصول کے لیے ایک فطرتی استعداد ہوتی ہے...... وہ اپنی اصلاح نفس کے لئے بھی کسی قدر کوشش کرتے ہیں اور ایک سطحی نیکی اور راستبازی ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی آمد سے ایک محدود دائرہ تک رویائے صادقہ اور کشوف صحیحہ کے انوار ان میں پیدا ہو جاتے ہیں۔'' ایسے لوگوں کے متعلق لکھا

ہے کہ وہ حالت خطرہ میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نفسانی خواہشات بکلی منقطع نہیں ہوئی ہوتیں اور لکھا ہے کہ:

''ایسے لوگوں کو بھی کسی قدر کچھ معارف اور حقائق معلوم ہو جاتے ہیں۔ مگر اس دودھ کی طرح جس میں پیشاب بھی پڑا ہو۔''

اور تیسری قسم ان لوگوں کی بیان کی ہے۔ جو ''خدا تعالیٰ سے اکمل اور اصفٰی طور پر وحی پاتے ہیں اور کامل طور پر شرف مکالمہ ومخاطبہ ان کو حاصل ہے......اور نفسانی قالب ان کا شعلہ نور سے جل کر بالکل خاک ہو جاتا ہے۔'' ایسے لوگوں کے متعلق لکھا ہے کہ ''خدا کا کلام اس پر اسی طرح نازل ہوتا ہے جیسا کہ خدا کے پاک نبیوں اور رسولوں پر نازل ہوتا ہے۔''

ظاہر ہے کہ اس تیسری قسم میں وہی لوگ آسکتے ہیں جو مامور ہوں۔ یا کوئی ایسے اولیاء اللہ جو فنا فی اللہ کے مرتبہ کو پہنچ چکے ہوں اور ان کی نفسانی خواہشات بالکل مرچکی ہوں۔ مگر تعجب ہوتا ہے جب ایک آدمی سوتا ہے اور ایک خواب دیکھتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو اس حال میں دیکھا اور فلاں کو اس حال میں دیکھا۔ اور پھر اپنے اس رویا پر اسے اتنا فخر ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث کی بھی اس کے مقابل کچھ پروا نہیں ہوتی۔ یہ ایک خطرناک حالت ہے جس میں بہت لوگ مبتلا ہو گئے ہیں اور موجودہ قادیانی بزرگوں نے انہیں اسی راہ پر ڈالا ہے۔ بلکہ اسی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ قادیانی جماعت میں نبی پر نبی پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر ایک اور دقّت ہے کہ ایک رؤیا تو وہ ہیں جن میں کوئی آئندہ کی بات بتائی جائے۔ لیکن آج کل جو زیادہ خوابوں کا سلسلہ جاری ہے تو اس میں زیادہ تر ایک آدمی کو دوسرے کی حالت خواب میں نظر آتی ہے۔ اور یہ ایسا خطرناک معاملہ ہے کہ میں نے قادیان میں بعض خواب بینوں کو دیکھا کہ آج کسی پر خوش ہیں تو خواب میں وہ فرشتہ نظر آتا ہے اور ذرا اس پر ناراض ہوئے تو اگلے ہی دن وہ عقرب کی شکل میں نظر آ گیا۔ سو اس قسم کی خوابیں محض اپنی خواہشات کا آئینہ ہوتی ہیں کہ فلاں کو ہم نے اس حالت میں دیکھا اور فلاں کو فلاں حالت میں دیکھا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسی خواب سوائے مامور من اللہ کے کسی شخص کی بھی اس قابل نہیں کہ اس پر کوئی عمارت بنائی جا سکے یا اسے کچھ قابلِ توجہ سمجھا جائے۔

اس لیے میں اپنی جماعت میں خوابوں کی اشاعت کے سلسلہ کو ناپسند کرتا ہوں اور میں خواجہ صاحب کو کبھی یہ مشورہ نہ دیتا کہ وہ اپنی خوابوں کو شائع کریں۔ ہاں! جو خوابیں کسی کو آئیں ان سے وہ جو فائدہ چاہے اٹھا

سکتا ہے۔ بلکہ مجھے جب خواجہ صاحب نے اپنی اس خواب سے پہلے اطلاع دی۔ تو عربی میں لکھ کر اطلاع دی تھی۔ گو چونکہ وہ عربی لکھ نہیں سکتے، میں اس کا پورا مطلب ان کی عربی سے نہ سمجھ سکا تھا۔ مگر یہ خیال مجھے اسی وقت گذرا تھا کہ اس میں کوئی ایسی بات ہے جس کو وہ پسند نہیں کرتے کہ دوسرے لوگوں تک پہنچایا جائے۔

خواجہ صاحب کے اسی اشتہار سے ایک اور غلط فہمی بھی بعض احباب کو شاید ہو کہ گویا انجمن نے بھی تبلیغ احمدیت میں کوتاہی کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ ایک خیال ہے جو قادیان کی طرف سے ان کی جماعت کے دلوں میں ڈالا گیا ہے کہ ہم تبلیغ احمدیت نہیں کرتے اور انہوں نے اسی وسوسہ کو آگے پھیلایا ہے۔ تبلیغ احمدیت دو طرح پر ہو سکتی ہے۔ ایک لٹریچر کے ذریعہ سے، ایک مبلغین کے ذریعہ سے۔ مبلغین کی ہمارے پاس کمی ضرور ہے، مگر لٹریچر کا جہاں تک سوال ہے اس کے ذریعہ سے ہم نے جس قدر ممکن تھا تبلیغ کی ہے۔ بلکہ شاید اس قدر لٹریچر پھیلایا ہے کہ قادیانی جماعت بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ انجمن اب تک حضرت مسیح موعود کی کتابوں میں سے تصنیفات احمدیہ کے نام سے چار ہزار سے زیادہ صفحات دوبارہ چھپوا چکی ہے۔ اور ان کو بالکل معمولی قیمت پر اور بہت سا حصہ مفت دیتی رہی ہے۔ اور اب بڑی تعداد میں نصف قیمت کر کے بھی یہ کتابیں دوسروں کو پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اس قیمتی لٹریچر کے علاوہ انگریزی اور اردو میں وہ کتابیں ہیں جو میں نے سلسلہ کے متعلق لکھی ہیں۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ کتابیں زیادہ قیمتی ہونے کی وجہ سے باہر نہیں نکلیں وہ بھی غلط ہے۔ ''النبوۃ فی الاسلام'' پانچ سو صفحات کی کتاب تھی، جو ایک ایک روپے بلکہ دوسروں کے لیے بارہ آنے پر بکتی رہی۔ ''مسیح موعود'' تین سو صفحات کی کتاب تھی۔ جو ایک روپے پر بکتی رہی۔ کیا اس سے ارزاں کوئی دے سکتا ہے؟ اب دوسرے ایڈیشن میں شاید ان کتابوں کی قیمت بوجہ گرانی کاغذ کچھ بڑھا دی ہے۔ ہاں انجمن کی یہ غلطی ضرور ہے کہ اس نے ان کتابوں کے نکلنے کے ساتھ احباب کو یہ توجہ نہ دلائی کہ وہ ان کی بیس بیس پچاس پچاس سو سو کا پیاں خرید کر مفت تقسیم کریں۔ اگر انجمن ایسا کرتی تو ہزار ہزار، ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار کی بجائے یہ کتابیں پانچ پانچ، دس دس ہزار کی تعداد میں نکل جاتیں اور ان میں سے بالخصوص کتاب ''مسیح موعود'' ایسی مدلل لکھی ہے کہ جس شخص نے اسے پڑھا ہے اس پر سلسلہ کی صداقت بالکل روشن ہوگئی ہے۔ پھر اس کے علاوہ انجمن نے جو مفت ٹریکٹوں کا سلسلہ جاری کیا ہے جس میں چالیس چالیس، ساٹھ ساٹھ، اسّی اسّی صفحات کے بھی ٹریکٹ ہیں، جو مفت دیئے جاتے ہیں اور جو تعداد میں دس دس، پندرہ پندرہ،

بیس بیس ہزار چھپے ہیں۔ ''ضرورت مجدد'' شاید اب تک کوئی پچیس ہزار چھپ چکا ہوگا۔ عیسائیت کا آخری سہارا غالباً پندرہ ہزار چھپ چکا ہے۔ ''دعوت عمل'' کوئی بیس ہزار چھپ چکا ہوگا۔

مجھے افسوس ہے کہ انجمن میں کوئی شخص کافی پروپیگنڈا کرنے والا نہیں کہ احباب کو ان امور کی اطلاع دے تا کہ کوئی غلط فہمی ان کو نہ ہو۔ جب لارڈ ہیڈ لے آئے اور ان کو ایڈریس دیا گیا تو اس وقت جس قدر مفت ٹریکٹ انجمن کی طرف سے چھپ چکے تھے ان کا حساب میں نے کیا تھا تو ساٹھ لاکھ صفحات بنتے تھے۔ اس کے بعد بھی میرا خیال ہے اور چار پانچ لاکھ صفحات ہو چکے ہوں گے۔ یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں۔ انجمن خاموشی سے جس قدر کام کرسکتی تھی کرتی رہی ہے اور اگر اس قدر لٹریچر شائع نہ ہوتا اور پھر اس کا کثیر حصہ مفت شائع نہ ہوتا تو اس وقت تمام ممالک میں احمدی جماعتیں کس طرح بن جاتیں۔ اصل بات صرف یہی ہے کہ ہمارا پروپیگنڈا کا حصہ کمزور ہے۔

میں اس غلط فہمی کو بھی دور کرنا چاہتا ہوں کہ ہم کتاب لکھ دیں تو تبلیغ احمدیت کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ اصلی تبلیغ کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اس کتاب کو پھیلاتے ہیں۔ اور یہ جس قدر کام انجمن نے کیا وہ درحقیقت انہی ماہوار چندوں سے اور دوسرے وقتی چندوں سے ہوا جو جماعت دیتی ہے۔ اور اگر میں نے یہ کتابیں اور ٹریکٹ لکھے ہیں تو میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔ ان کو دوسروں تک پہنچانے اور صحیح معنی میں تبلیغ کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کا روپیہ اس پر خرچ ہوا۔ اس حیثیت سے میرا حق اس میں اسی قدر ہے جتنا ایک فرد جماعت ہونے کے لحاظ سے میرا اس میں خرچ ہوا۔ اب ان لوگوں پر، جن کے روپے سے یہ کام ہوا، کوئی ملامت نہیں کہ انہوں نے خود اپنی قلم سے کیوں نہیں لکھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر خواجہ صاحب جماعت کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ہی اس میں حصہ لیتے رہتے اور دوسرے افراد جماعت کی طرح چندہ دیتے رہتے تو بھی وہ اس زجر کے نیچے نہ آتے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی انہیں کسی مزید رؤیا کی ضرورت نہ ہوگی کہ وہ اس حصہ غفلت کو دور فرمائیں اور بحیثیت فرد جماعت بلکہ ٹرسٹی ہونے کے چندہ بھی دیتے رہیں۔ تا کہ ان کے مال کا کچھ حصہ اس با قاعدہ نظام کے ماتحت، جو انجمن کے ذریعہ سے قائم ہے اور جس کے اصل قائم کرنے والے خود حضرت مسیح موعود ہیں، تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ تبلیغ احمدیت پر خرچ ہوتا رہے۔ مگر کام کرنے والی جماعت بھی بڑھے اور مستحکم ہو اور

فی الحقیقت یہ بھی اشاعت اسلام ہی ہے۔

شاید یہ خیال بعض قلوب میں گزرے کہ خواجہ صاحب کے رؤیا میں یہ نظر آتا ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ بحیثیت ملزم بلایا گیا ہوں۔ مگر رؤیا کے پہلے حصہ میں صاف موجود ہے۔ انہوں نے مجھے عدالت کے کمرے کے اندر سے آتے ہوئے دیکھا اور ایک اردلی کی حیثیت میں دیکھا اور کہ میں انہیں بلا کر اندر لے گیا ہوں۔ تو یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اردلی بھی ملزموں میں شمار کر لیا جائے۔ جب میں ایبٹ آباد میں تھا تو میں نے وہاں ایک جج کا قصہ سنا تھا کہ فریقین میں صلح کرانے کے لیے اس نے ایک تیسرے معزز کو، جو وہاں موجود تھا مقرر کر دیا، تھوڑی دیر کے بعد ثالث اور فریقین آئے اور انہوں نے کہا کہ صلح نہیں ہوتی۔ تو جج نے حکم دیا کہ تینوں کو یعنی فریقین کو بھی اور ثالث کو بھی حوالات میں لے جاؤ۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ عدالت دربار الٰہی تھا۔ جس کا نقشہ خواجہ صاحب نے کھینچا ہے۔ تو وہاں اتنا اندھیر کہاں ہوگا کہ ایک اردلی کو بھی ملزم بنا لیا جائے۔ باقی رہا خوف کا طاری ہونا، سو خوف کی حالت میں تو خواجہ صاحب نے خود حضرت مسیح موعود کو بھی دیکھا کہ آپ بھی کانپ رہے تھے اور ایسے مقام پر کھڑا ہو کر کون نہیں کانپے گا۔ میرا خیال ہے کہ خواجہ صاحب نے اس محبت کی وجہ سے، جو انہیں میرے ساتھ ہے، مجھے یہاں بھی اپنے ساتھ رکھنا پسند کیا۔ اور اسی لیے انہوں نے اس خطاب سے جو حضرت مسیح موعود نے کیا یہ سمجھا کہ وہ ہم دونوں سے تھا۔ حالانکہ آخر میں خطاب بھی صرف انہی سے ہے۔

بہر حال یہ محض ایک توجیہہ ہے مگر اپنی بریت کے لئے نہیں بلکہ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے کہ میں یا ہماری انجمن نے اس بارے میں اسی قدر غفلت برتی ہے جیسی خواجہ صاحب نے۔ اگر اس کام کے ہوتے ہوئے، جس کا میں نے اوپر مختصر طور پر حوالہ دیا ہے، پھر بھی میں ملزم ہوں تو مجھے اعتراف بھی ہے کہ میں ان احسانات کا، جو حضرت مسیح موعود کے مجھ پر ہیں کہ ایک ذرہ سے مجھے کہاں تک پہنچایا، حق ادا نہیں کر سکا۔ اور اگر خواجہ صاحب مجھے اپنے ساتھ ملزموں میں ہی رکھنا چاہتے ہیں تو بھی میں خوش ہوں۔ ''پائے در زنجیر پیش دوستاں'' ہی سہی۔

❀❀❀

15 دسمبر 1930ء

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا سالانہ جلسہ

مفصل پروگرام تو انشاء اللہ عنقریب شائع ہو جائے گا۔ سرِ دست قارئین کی اطلاع کے لیے وہ اہم مضامین دیئے جاتے ہیں جن پر جلسہ سالانہ میں تقریریں ہوں گی۔

اچھوت اقوام میں تبلیغ:

اس کی اہمیت، اس کی مشکلات، اب تک اس میں کیا کامیابی ہو چکی ہے؟ آئندہ کے لیے توقعات، لائحہ عمل، احباب اس میں کس طرح مدد دے سکتے ہیں؟ مقرر: مولوی عبدالحق صاحب ودیارتھی فاضل سنسکرت، ایڈیٹر پیغام صلح۔

دنیا کا آئندہ مذہب:

موجودہ دنیا میں خیالات کا انقلاب نئے اور اہم مسائل اور ان کا حل کہاں ملتا ہے۔ دوسرے مذاہب اس کو کہاں تک پورا کرتے ہیں؟ واقعات کی شہادت۔ مقرر: مولانا صدرالدین صاحب مبلغ انگلستان و جرمن۔

مغرب میں تبلیغِ اسلام:

کیا مغرب میں مذہب کے لیے کوئی جستجو تو نہیں؟ ہم مغرب میں تبلیغ اسلام پر کیوں زور دیتے ہیں؟ اس کے متعلق بعض اعتراضات کا جواب۔ مقرر: جناب مولوی مصطفیٰ خاں صاحب بی۔ اے، ایڈیٹر اسلامک ورلڈ۔

اگر سلسلہ احمدیہ نہ ہوتا:

سلسلہ احمدیہ سے پہلے مسلمانوں کی عام ذہنیت۔ اسلام کے متعلق غیر اقوام کے خیالات۔ اسلام کے

متعلق مسلمانوں کا اپنا تخیل (مہدی اور مسیح کا انتظار، مکالمہ ومخاطبہ سے انکار، قرآن سے بے اعتنائی، تلوار اور اسلام) کیا احمدیت نے تفریق کو بڑھایا؟ علیحدہ نام کیوں رکھا گیا؟ سلسلہ احمدیہ میں بیعت کا مفہوم؟ مسلمانوں کو کیوں شامل ہونا چاہئے؟ مقرر: حضرت امیر ایدہ اللہ۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے آنے والے خطرات:

مسلمانوں میں احساس کی کمی، قوت عمل کی کمزوری، اقتصادی بربادی، توکل اور تقدیر کا غلط مفہوم، رسم ورواج میں اسراف، پس انداز نہ کرنے کی عادت، افلاس اور ارتداد، اسلامی تہذیب وتمدن کے مٹانے کی کوشش، پریس اور پروپیگنڈا کی کمزوری۔ مقرر: مولانا محمد یعقوب خاں صاحب ایڈیٹر ''لائٹ''۔

سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو کر میں نے کیا دیکھا:

مختلف احباب تھوڑا تھوڑا بیان کریں گے۔

ختم نبوت کے متعلق مناظرہ:

کیا حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کے انکار سے کوئی مسلمان کافر ہوسکتا ہے (مناظرہ)

انگریزی لیکچر:

1۔ سیام میں اسلام: ڈاکٹر عبدالوہاب صاحب فاضل مقرر خاص طور پر جلسہ میں شرکت کی غرض سے تشریف لا رہے ہیں۔ وہ سیام میں اشاعت اسلام کے موضوع پر لیکچر دیں گے۔

2۔ ہنگری میں اسلام: از پروفیسر ڈاکٹر جومنوس۔ پروفیسر موصوف ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹیگور کی یونیورسٹی شانتی نکیتن میں اسلامیات کے استاذ ہیں اور اپنی اہلیہ محترمہ سمیت جلسہ میں شریک ہوں گے۔

ہمارا سالانہ جلسہ 28,27,26 دسمبر کو ہوگا: ہز ہائنس حضور نواب صاحب بہاولپور نے ایک اجلاس کی صدارت قبول فرمائی ہے۔

❁❁❁

15 دسمبر 1930ء

مکتوب امیر

سالانہ جلسہ کے متعلق آخری اعلان

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ اس وقت تک اپنے قومی اجتماع میں شریک ہونے کے لیے تیار ہو چکے ہوں گے یا نہ شامل ہونے کا فیصلہ کر چکے ہوں گے۔ یہ دوسری صورت کسی قوی وجہ پر بھی ہو سکتی ہے اور اس لیے بھی ہو سکتی ہے کہ آپ اپنے قومی اجتماع کو کافی اہمیت نہیں دیتے۔ اور انسان کا نفس بسا اوقات اسے دھوکہ دیتا ہے کہ جب وہ ایک کام کی اہمیت کو نظر انداز کر دے تو اس میں نہ شامل ہونے کے لیے اسے ادنیٰ سے ادنیٰ عذر بھی قوی معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اس موقع پر پھر اس پر غور کر لیں۔

اس اجتماع کی بنیاد اس شخص نے ڈالی جس کو اللہ تعالیٰ نے مامور فرمایا تھا۔ اور اس وقت تو قوم میں روح پھونکنے کے اور بھی بہت سے ذرائع تھے۔ مگر اب صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔ تقریر اور لیکچر اس اجتماع کے فوائد میں سے صرف ایک ہے۔ ممکن ہے آپ کا یہ خیال ہو کہ ایسی تقریریں آپ نے پہلے بھی سنی ہوئی ہیں یا وہ بذریعہ اخبارات آپ کے پاس پہنچ جائیں گی۔ قومی بہتری اور قومی استحکام کی تجاویز پر عمل پیرا ہونا ہی اصل کام ہے اور وہ آپ تک ضرور پہنچ جائیں گی۔ لیکن اس اجتماع کی ایک برکت ایسی ہے جس کو یقیناً آپ اس کے اندر شامل ہوئے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ کوئی میلہ نہیں، کوئی دنیوی اجتماع نہیں، کسی گدی کا عرس نہیں۔ بلکہ ان لوگوں کا اجتماع ہے جنہوں نے اللہ کی رضا کے لیے اور اپنے بال بچوں کے پیٹ کاٹ کر اپنے مالوں کو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے، محمد رسول اللہ ﷺ کے ناموس کی حفاظت کے لیے، خدا کے کلام کو اور اس کے رسولؐ کے اخلاق حمیدہ کو دنیا میں پہنچانے کے لیے خرچ کیا ہے۔ ایسے لوگوں کا اجتماع پھر اس کی غرض بھی سوائے اس کے کچھ نہ ہو کہ خدا کے دین کو قوت پہنچے۔ ایسی برکات کے نزول کا محل ہے جس سے ہر شامل ہونے والا فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہی وہ مواقع انسان کی

زندگی میں ہیں جب اس کے قلب پر ایک سکینت نازل ہوتی ہے اور ایک پاک قلب کا اثر دوسرے پر پڑ کر کئی قسم کی تاریکیوں کو دور کر دیتا ہے۔ اور پھر ایک ہی وقت میں خدا کے حضور گر کر بہت سے دلوں سے درد کی صدا نکلتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے عرش تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ وہ فائدہ ہے جس کو آپ گھر بیٹھے حاصل نہیں کر سکتے۔ کسی کتاب اور اخبار سے وہ نہیں مل سکتا۔ یہی ایک قوم ہونے کا فائدہ ہے۔ جسے کسی دوسرے طریق سے کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے اگر آپ فیصلہ بھی کر چکے ہیں کہ آپ اپنے قومی اجتماع میں شامل ہونے کی تکلیف نہیں کریں گے تو ابھی وقت ہے کہ اس فیصلے پر غور کریں اور اس وقت تک آپ کا دل غیر حاضری پر مطمئن نہ ہو جب تک ہمارے ایک مکرم بزرگ کی طرح، جو اپنی سرکاری ملازمت سے مجبور ہیں، دل میں یہ احساس پیدا نہ ہو کہ جلسہ سے محرومی ایک بدقسمتی بلکہ شامت اعمال ہے۔ ہاں اگر آپ ان خوش قسمت انسانوں کی طرح ہوں، جنہیں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو نہ ملتا تھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے تھے کہ خدا کے دین کی تنگی کے وقت میں انہیں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو نہیں ملتا۔ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَايُنْفِقُوْنَ. (92:9) تو آپ نے جلسہ کی غرض کو پالیا اور غیر حاضر رہ کر بھی حاضرین میں شمار ہو گئے۔ اور اگر آپ شمولیت کا فیصلہ کر چکے ہیں مگر اپنی قوم کو قوت پہنچانے کے لیے جو کوشش ضروری تھی اس کا حق آپ نے ادا نہیں کیا تو بھی ایک بات آپ اب بھی ایسی کر سکتے ہیں جو اس فروگذاشت کا کفارہ ہو سکتی ہے۔ آپ صرف اس عزم کو ساتھ لے کر آئیں کہ آپ نے اپنی جماعت کی مشکلات کو دور کر دینا ہے اور اسے کامیابی کی منزل مقصود تک پہنچا کر آرام کرنا ہے۔

انسان کا عزم، پھر وہ عزم جو ایمان پر مبنی ہو، دنیا کی سب طاقتوں سے بڑی طاقت ہے۔ اس کے سامنے کوئی روک باقی نہیں رہتی۔ پھر اگر ایک جماعت کے اندر یہ عزم پیدا ہو جائے اس میں قوت بھی اسی لحاظ سے پیدا ہو گی۔ خوب یاد رکھو کہ کمی اگر کوئی ہے تو وہ ہمارے اندر ہی ہے باہر نہیں۔ اگر انسان کا عزم پختہ ہو تو اسباب خود بخود مہیا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ انسان کے عزم کے سامنے سب طاقتیں جھکتی چلی جاتی ہیں۔ اپنے عزم سے ہی خدا کے فرستادے ناممکن کو ممکن دکھاتے رہے ہیں اور اگر ایسا ہی عزم ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائے تو وہ ثمرات، جو خدا کے برگزیدوں کو ملتے ہیں، وہ ہمیں بھی مل سکتے ہیں۔ وہ انسان کسی کام کا نہیں جس کے فیصلے روز بدلتے رہتے ہیں۔ آج ہوا کا ایک جھونکا آتا ہے وہ دین کے لیے قربانی پر قربانی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے اور اس کا

جوش پھوٹ پھوٹ کر نکلتا ہے اور ذرا با دِمخالف کا جھونکا آیا اور ذرا وسوسہ کسی نے دل میں ڈال دیا تو نہ خدا باقی رہتا ہے، نہ رسولؐ اور نہ اس کا دین۔ یہ مردانگی نہیں۔ مردانگی یہ ہے کہ انسان ایک دفعہ سوچ لے کہ یہ کام، جس کے لئے میں قدم اٹھانے لگا ہوں، کیا ہے۔ لیکن جب سوچ کر ایک دفعہ قدم اٹھا لے تو پھر جب تک ایک مجنون کی طرح کام نہیں کرتا وہ انسانیت کے بہت ادنیٰ مقام پر ہے۔ ایسا انسان دنیا میں بھی کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ فرشتے خدا کی نصرتیں لے کر ضرور نازل ہوتے ہیں مگر کب؟ جب انسان اپنے آپ کو اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (30:41) کا مصداق بنائے۔

دنیوی کامیابی کا انحصار بھی انسان کے عزم پر ہے۔ سو اس جوہر کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو تو ساری کمزوریوں کی ستّاری ہو جائے گی۔ زید اور بکر کو اپنا معبود مت بناؤ۔ فلاں نے اچھا نمونہ نہیں دکھایا، فلاں دو شخص باہم لڑ رہے ہیں، فلاں نے ہم پر زیادتی کی، یہ محض وساوس ہیں۔ تم نے نہ فلاں کی خاطر خدا کو اپنا معبود بنایا نہ فلاں کی خاطر خدمت دین کا بیڑا اٹھایا۔ جو کچھ تم نے کہا خدا کے لیے کہا، جو کچھ تم نے کیا خدا کے لیے کیا۔ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (105:5) جو گمراہ ہے وہ ہو۔ اس سے تمہارے عزم میں فرق کیوں آئے۔ کام خدا کا ہے، اس کا نہیں۔ آپ آئیں اور اس عزم کو ساتھ لے کر آئیں کہ ہم نے اس خدا کے دین کی خدمت کرنے والی جماعت کو کامیابی کے بلند مینار پر پہنچانا ہے۔ یقیناً ہم نے اشاعت اسلام کے مقصد کو سامنے رکھ کر بلند ترین مقصد کو اپنا نصب العین بنانا ہے۔ اگر ایسے بلند مقصد کے لیے تمہارے اندر عزم پیدا نہیں ہوسکتا تو کسی چھوٹے مقصد کے لئے کیا ہوگا؟

میرے دوستو! یہ شیطان ہے جو تمہارے دلوں میں طرح طرح کے وساوس پیدا کر کے تمہارے عزم کو کمزور کرنا چاہتا ہے اور تمہیں دین کی خدمت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ تم شیطان کو کس قدر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہو۔ کاش! تم اس کے کام کو اس قدر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اس کا کام وسوسہ اندازی ہے۔ جو اس کو قبول کر لیتا ہے اسے شیطان سے نفرت کہاں باقی رہ سکتی ہے! جب ذرا سا وسوسہ تمہارے سامنے آتا ہے تو اس کو تم اپنے دلوں میں جگہ دے دیتے ہو اور تم کو خود بھی علم ہوتا ہے کہ اس وسوسہ کی وجہ سے تم خدمت دین سے محروم ہو گئے ہو۔ لیکن اس شیطانی وسوسہ کو تم دھکا نہیں دیتے، اسے اپنی چیز سمجھتے ہوئے اس پر اصرار کرتے ہو، اس کو پختہ کرنے کی کوشش

کرتے ہو۔ ایک پختہ اصول یاد رکھئے۔ جس بات سے تمہارا ایمان خدا پر کمزور ہو، تم خدا سے دور ہو جاؤ، خدمت دین سے محروم ہو جاؤ، خوب یاد رکھو کہ وہ شیطانی وسوسہ ہے، وہ دھکا دینے کے قابل ہے۔ خدا نے تمہاری دستگیری فرمائی کہ تمہیں ایک مجدد کے ذریعے سے اٹھایا اور اپنے دین کی خدمت پر لگایا۔ کیا تمہیں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس خدمت سے پیچھے ہٹانے والی چیز، اس میں سست کرنے والی چیز، خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ تمہاری فطرتوں کا خالق تمہیں آگاہ کرتا ہے کہ شیطان خناس ہے۔ وہ چھپ کر آتا ہے اور وسوسہ اندازی سے اپنا کام لیتا ہے۔ تمہارے ہاتھ میں ایک معیار ہے اور وہ بڑا موٹا معیار ہے کہ جو چیز تمہیں خدمتِ دین میں سست کرے یا اس سے محروم کر دے، خدا پر تمہارے ایمان کو کمزور کر دے، وہ شیطانی وسوسہ ہے۔ اسے جلد دل سے نکالنے کی کوشش کرو۔ جہاں وسوسہ سے تمہارا عزم کمزور ہوا، تمہاری ہمت پست ہو جائے گی اور نیکی کی توفیق چھن جائے گی۔ اگر تم خدا کے دین کی خدمت کے لیے اپنے اندر عزم پیدا کرنا چاہتے ہو تو ہر ایک ایسے وسوسہ کو دل سے دور کرنے کی کوشش کرو۔

آخر میں پھر اس بات کو دہراتا ہوں۔ اس اجتماع میں شریک ہونے کو اپنے لیے برکت کا موجب سمجھیں، جس کی بنیاد ارشادِ الٰہی پر ہے۔ اگر معذوری ہے تو اپنی بے بسی پر اور اس کے ساتھ ہی دینِ اسلام کی بیکسی پر چار آنسو ہی بہا دیجئے۔ آپ شامل ہوں اور اس عزم کے ساتھ شامل ہوں کہ ہم اپنی طاقت کی ایک ایک رتی اپنی قوم کو کامیاب بنانے کے لئے خرچ کر دیں گے اور ادھر اُدھر پھر کر نہیں دیکھیں گے اور ہر دم سرگرم رہیں گے۔ جب تک قوم کو مشکلات سے باہر اور ترقی کی شاہراہ پر دوڑتا ہوا نہ دیکھ لیں گے۔ اگر وہ درد اور یہ عزم تمہارے دلوں میں پیدا ہو جائے تو تم نے مجدد کو شناخت کیا ہے ورنہ تم باوجود اپنے اقراروں کے اس سے ابھی ناآشنا ہو۔

والسلام۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

15 دسمبر 1930ء

نوجوان احباب سے خطاب

عزیزان مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے ہمیشہ اس بات کا افسوس ہوتا ہے سالانہ جلسہ پر کہ میں اپنے نوجوان احباب کو بہت کم تعداد میں دیکھتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے والدین نے خود ان پر اس کی اہمیت کو واضح نہیں کیا اور کوئی ظاہری سامانِ کشش اس میں ایسا موجود نہیں جو خود بخود ان کو اس طرف کھینچ لے۔ مگر نوجوانوں کی یہ غفلت قوم کے مستقبل کے لیے بڑی خطرناک ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کو اس ملک ہند میں ایک سخت جدوجہد کا سامنا ہے۔ یوں بھی دنیا کی تاریخ میں یہی نظر آتا ہے کہ کسی قوم کی زندگی اور ترقی کا انحصار اس جدوجہد پر ہے جو وہ کرتی ہے۔ مگر اس جدوجہد کی ضرورت اور بھی زیادہ اس وقت نظر آتی ہے جب اردگرد بجائے ہمدردی کرنے والوں کے وہ لوگ ہوں جن کی ذہنیت بدقسمتی سے یہ ہو چکی ہو کہ دوسری قوم کے انسانوں کو ذلیل حالت میں رکھنے میں ہی ان کی قوم کی کامیابی ہے، اور ہماری ہر کمزوری کو وہ اپنی فتح سمجھتے ہوں۔ اس لیے قوم کے نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ آسانی اور آرام طلبی کے خیالات کو رخصت کر کے اپنے آپ کو اس سخت ترین جدوجہد کے لیے تیار کریں، جس سے مسلمان قوم اس ملک میں عزت کی زندگی بسر کر سکتی ہے۔ اس کے لیے میں اپنے احمدی نوجوان احباب کو جلسہ میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔ کیونکہ آئندہ قوم کی خدمت گزاری کا بوجھ انہوں نے ہی اٹھانا ہے۔ بعض احباب کا یہ خیال کہ ان کے آنے یا نہ آنے سے اتنے مجمع میں کونسا فرق پڑ سکتا ہے یا یہ خیال کر کے کہ وہ کوئی اہم کام سرانجام دینے کے قابل نہیں، وہ اپنے آپ کو محروم کر لیتے ہیں۔ آنے نہ آنے کا سوال تو یہ ہے کہ جس طرح ایک شخص کے دل میں یہ خیال اٹھتا ہے، دوسرے کے دل میں بھی یہی اُٹھے گا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ نوجوان بہت کم آتے ہیں۔ رہا کام کرنے کا اہل یا اہل نہ ہونا، سو اللہ تعالیٰ نے تو تمام انسانوں کو ہی کام کرنے کا اہل بنایا ہے۔ نااہل انسان اپنے آپ کو اپنی غفلت سے بنا لیتا ہے۔ جو جس قدر کسی کام کی طرف توجہ کرے گا اسی قدر اس کی اہلیت اس کے اندر پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ جو کوئی انسان کوئی جائز و مناسب قدم اٹھائے خدا تعالیٰ مدد کرنے کو تیار رہے۔

مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ ہمارے اکثر نوجوان احباب نے اپنی قوم کے کام کو نہیں سمجھا۔ اور سمجھ بھی کیونکر سکتے ہیں جب وہ اس کام میں عملی حصہ اتنا تھوڑا لیتے ہیں۔ میں اپنے نوجوان دوستوں کو یقین دلاتا ہوں کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا عظیم الشان کام، جو اس نے چند سالوں میں سرانجام دیا ہے، یہ ہے کہ دنیا کا نقطہ خیال اسلام کے متعلق بدل دیا ہے۔ اسلام کو جس قدر دنیا کے لوگوں نے تنگ خیالی کا مترادف سمجھا ہوا تھا، آج انجمن کے لٹریچر سے، جو دنیا کے کناروں تک پہنچ چکا ہے، لوگوں کو یہ معلوم ہونے لگا ہے کہ آزادی اور وسعت خیال کا بہترین مرقع ہی اسلام ہے۔ اگر عیسائیت نے مذہب سے تنفر کو پیدا کیا ہے تو یقیناً یاد رکھیے کہ اسلام کی وجہ سے پھر دنیا میں مذہب سے محبت اور مذہب کا احترام پیدا ہوگا۔ اور جوں جوں اسلام کی عزت دنیا میں زیادہ ہوگی اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی محبت اور عزت بھی بڑھے گی۔ تو کیا اسلام اور مسلمانوں کے وقار کو دنیا میں قائم کر دینا کوئی چھوٹی سی بات ہے؟ اسی غرض کے لیے میں اپنے نوجوان احباب کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ آئیں اور سوچیں کہ اسلام کے اس وقار کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے اور لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف کھینچنے کے لیے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت و احترام کو پیدا کرنے کے لیے وہ کس کس طرح مدد دے سکتے ہیں اور وہ اپنی اپنی جگہ پر کیا کیا کام کر سکتے ہیں۔

یہاں لاہور میں ایک ینگ مین اشاعت اسلام یونین ہمارے احمدی نوجوانوں نے قائم کی ہوئی ہے۔ جس میں دوسرے مسلمان نوجوان بھی شامل ہوتے ہیں اور ایک بیداری اور عمل کی روح کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر جماعت کے سارے نوجوان مل کر اسی طرح کام شروع کر دیں، تو وہ ہر جگہ جہاں جماعت کی تعداد اچھی ہے مسلمان نوجوانوں میں کام کے لیے بیداری پیدا کر سکتے ہیں۔ اس دفعہ بالخصوص انگریزی میں چند نہایت قیمتی لیکچروں کا انتظام کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک لیکچر ''ہنگری میں اسلام'' پر ہوگا۔ ہنگرین فاضل پروفیسر یہ لیکچر دیں گے۔ جنہیں صرف اسی غرض کے لیے ہماری انجمن نے شمولیت جلسہ کی دعوت دی ہے اور انہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ پروفیسر صاحب آج کل ٹیگور یونیورسٹی میں پروفیسری کا کام کر رہے ہیں۔ ان کے لیکچر سے یہ اندازہ کرنے کا موقعہ ہوگا کہ وسط یورپ میں اسلام نے کیا فتوحات حاصل کی ہیں اور اس کی وہاں توسیع کا کیا کیا موقع اور کس قدر سامان ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر عبدالوہاب خاں پٹنی (سیام) سے تشریف

لا رہے ہیں، جو ’’سیام میں اسلام‘‘ کے موضوع پر لیکچر دیں گے اور بتائیں گے کہ اس ملک میں اسلام کے لیے کس قدر کامیابی کا موقع ہے۔ امید ہے انشاء اللہ اس قسم کے چند اور بھی قیمتی لیکچر انگریزی اور اردو میں ہوں گے جو ہمارے نوجوانوں کے خیالات اور معلومات میں بیش قیمت اضافہ کا موجب ہوں گے۔

ایسے مواقع جہاں اتنی اتنی دور سے ایسے فضلاء جمع ہوں، بہت کم میسر آتے ہیں۔ اس لیے میری اپنے محترم بزرگوں سے بھی درخواست ہے کہ وہ جماعت کے نوجوانوں کو ساتھ لائیں اور خود ان نوجوان احباب سے بھی درخواست ہے کہ وہ اس فائدہ کے مقابل، جو شمولیت جلسہ سے انہیں حاصل ہوگا، ان تکالیف کو جو سفر میں پیش آتی ہیں ہیچ سمجھیں۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

شعبان المعظم 1349ھ
3 جنوری 1931ء

تا

صفر المظفر 1351ھ
31 جون 1932ء

جلد: 11

احمدیہ انجمن لاہور

نام کتاب	:	افکارِ محمد علیؒ (جلد:11)
ناشر	:	دارالکتب علمیہ، 5 عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
باہتمام	:	محمد ارشد علوی
طبع	:	اول
تعداد	:	300
مقام اشاعت	:	5۔عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ نے ادا کیے ہیں۔(برائے مفت تقسیم)

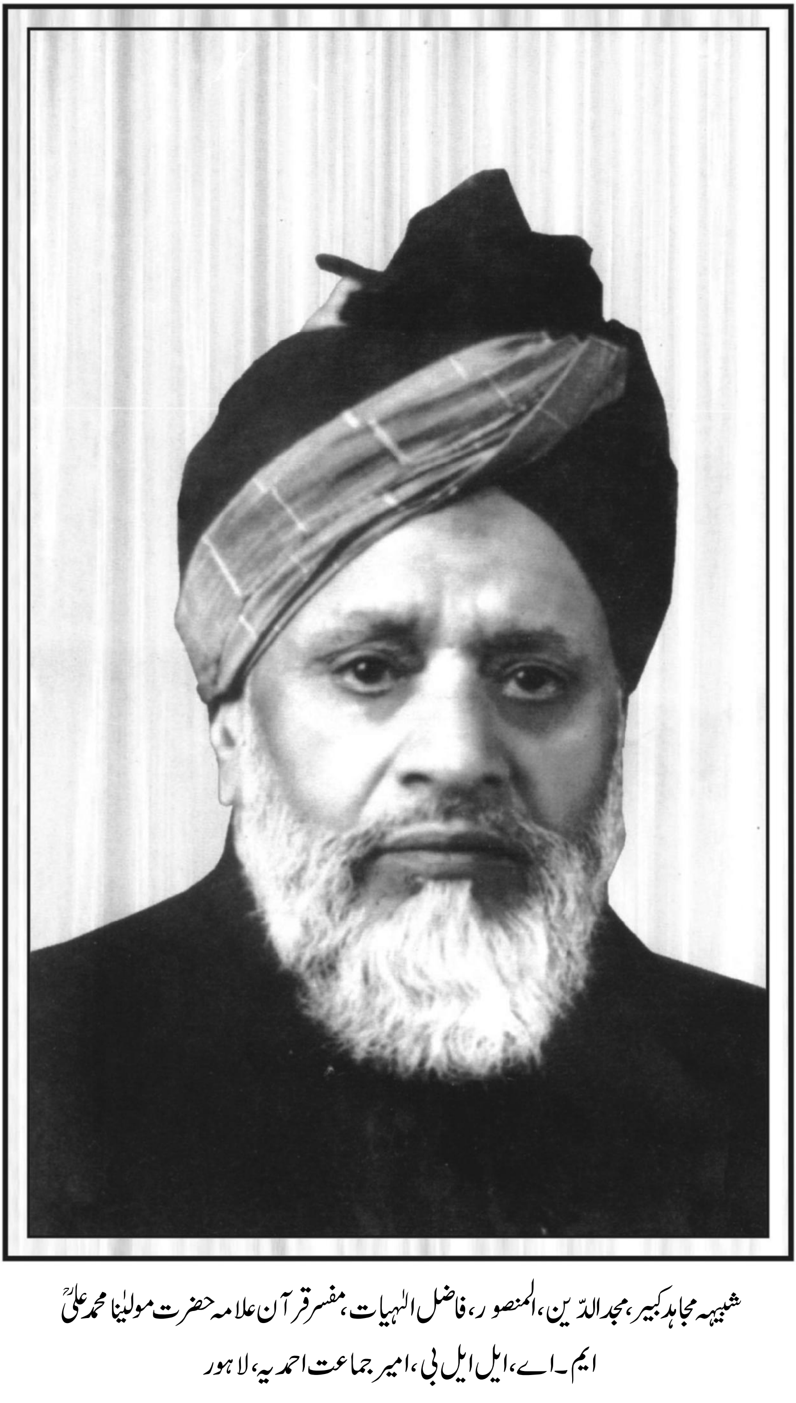

شبیہہ مجاہد کبیر، مجدد الدّین، المنصور، فاضل الٰہیات، مفسر قرآن علامہ حضرت مولیٰنا محمد علیؒ

ایم۔اے، ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس وقمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر
— محمد اعظم علوی

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی۔ جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نور الدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض انجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمہ القرآن جس کی ابتداء 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کی دوسری ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوئی اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ وتفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی) 1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجنز آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت

اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اور اسی طرح سال بہ سال حضرت مولانا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی۔ اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ''عشق قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی۔ تا کہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعی اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلَہٗ وَ ارۡفَعۡ دَرَجَاتِہٖ۔

خاکسار

عامر عزیز بن عبدالعزیز الازھری

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

حرف اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی 11 ویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔ اس میں اخبار پیغام صلح 3 جنوری 1931ء تا 11 جون 1932ء سے انتخاب شامل ہے۔ اگرچہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولٰینا محمد علیؒ ہیں۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔ حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔ عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کررہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فرو گذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار
محمد ارشد علوی
انچارج شعبہ تالیف وتصنیف

فہرست

شخصیّت:　صفحہ　الف

حرف اول:　صفحہ　ج

☆ انتخاب از پیغام صلح جلد 19:3 جنوری 1931ء تا 30 دسمبر 1931ء

3 جنوری 1931ء

اداریہ

انجمن کا مستقل سرمایہ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا (34:14)

ترجمہ: اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں گن نہ سکو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان کا جو نظارہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر دکھایا ہے وہ اتنا عظیم الشان ہے کہ سجدہ شکر میں آستانہ الٰہی سے انسان سر اُٹھانا چاہے تو اُٹھا نہیں سکتا۔ جیسا کہ احباب کو علم ہے اس سال کے خاص افضال الٰہی میں سے اکتالیس مربعے زمین ہے جو انجمن نے حاصل کی ہے۔ جن ضروریات کے لئے یہ اراضی حاصل کی گئی ہے وہ اشاعت اسلام سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ یہ انجمن کی ایک مستقل بنیاد ہے۔ اور اگر ہم اسے انجمن کا ایک مستقل سرمایہ قرار دیں تو یہ اراضی ایسی ہی ہے جیسے ہم نے چار پانچ لاکھ روپے کا مستقل سرمایہ جمع کر لیا ہو۔ کیونکہ اوسط آمدنی فی مربع چار یا پانچ سو روپے سمجھ کر اس اراضی کی کُل آمد 16 اور 20 ہزار سالانہ کے درمیان قرار دی جاسکتی ہے۔ اور سولہ یا بیس ہزار روپے کی سالانہ آمد کے لئے چار یا پانچ لاکھ روپے بنک میں جمع ہونے چاہئے تھے۔ پس اس اراضی کا حصول اغراض انجمن کے لئے ایسا ہی ہے جیسے چار یا پانچ لاکھ روپے سرمایہ کا جمع کر لینا۔ اب اگر چار یا پانچ لاکھ روپے کہ مستقل سرمایہ کے لئے اپیل کی جاتی تو ہماری قوم کی موجودہ مالی حالت کے لحاظ سے اس رقم کا جمع کرنا ناممکن سا ہی تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے یہ سامان کر دیا۔ اس پر ہمارا زیادہ سے زیادہ بیس ہزار روپیہ خرچ ہوگا۔ جس میں قسط اول کی ادائیگی اور قبضہ لینے کے اخراجات اور کچھ اور اخراجات ہوں گے۔ جن کی ضرورت فوری ہے۔ چنانچہ اس وقت تک قریباً چودہ ہزار روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ مگر بیس ہزار کے خرچ کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ اس زمین کی آمد ہی اس کے اخراجات اور اقساط کی ادائیگی کے لئے کافی ہوگی۔ تو گویا ایک بیس ہزار روپے کے خرچ سے ہم نے انجمن کے لئے یہ مستقل سرمایہ حاصل کر لیا۔ جس کا اندازہ چار پانچ لاکھ روپے ہے۔ اس سے بڑھ کر فضل اور کیا ہو سکتا ہے؟

اس بات کو پیش کرتے ہوئے میں نے جلسہ سالانہ پر اپیل کی کہ یوں بھی انجمن اس وقت سخت مالی مشکلات میں ہے اور اس پر یہ مزید ضرورت بغیر خاص چندہ کے پوری نہیں ہوسکتی۔احباب نے اس اپیل پر جس اخلاص اور خوشی سے لبیک کہا وہ میں سمجھتا ہوں کہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ ملک کے لئے قربانی کرنا آسان ہے۔ پیر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دینا بھی آسان ہے لیکن محض خدا کی رضا کے لئے دینا بہت ہی مشکل کام ہے۔مگر جس انشراح صدر سے احباب نے خدا کی راہ میں مالی قربانی کا نمونہ دکھایا وہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض احباب نے ،جن کے نام کوئی رقم لکھنے کی جرأت میں خود نہ کرسکتا تھا،خود ایک ایک دو دو ہزار کی رقم اپنے ذمہ لی۔اس بارے میں بالخصوص قابل ذکر نام ڈاکٹر حکیم اللہ خاں صاحب پشاور کا ہے۔جنہوں نے خود بخود ایک ہزار روپیہ نقد اور اس کے علاوہ غالبًا اسی قدر جمع کردینے کا وعدہ فرمایا۔اسی طرح ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے دو ہزار روپے کا وعدہ فرمایا۔ حالانکہ میں نے ان کے نام پر صرف ایک ہزار روپیہ تجویز کیا تھا۔ایک ایک یا دو دو ہزار روپے کی رقم احباب ذیل کے نام پر ہے۔جن میں سے اکثر احباب جو اس وقت موجود تھے منظوری دے چکے ہیں اور باقی احباب سے درخواست ہے کہ وہ بھی اپنی منظوری سے بہت جلد مطلع فرمائیں۔

ڈاکٹر حکیم اللہ خاں صاحب	2000 روپے
ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب	2000
فرزندان شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم و شیخ عبدالرحمٰن صاحب مع فرزندان	1000
محمد علی مع برادران و دیگر اعزہ	1000
ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مع متعلقین	1000
شیخ محمد اسمٰعیل صاحب لائلپور	1000
حاجی شیخ مولا بخش صاحب	1000
شیخ جان محمد صاحب	1000
شیخ نیاز احمد صاحب مع برادران وزیرآباد	1000
خان بہادر میاں غلام رسول صاحب مع فرزندان	1000

حاجی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹ	1000
میزان	13000 روپے

پانچ پانچ سو روپے کی رقوم حسب ذیل احباب کے نام ہیں

مخدوم محمد اشرف صاحب شملہ	500 روپے
ملک غلام محمد صاحب لاہور	500
ملک شیر محمد صاحب جموں	500
ڈاکٹر غلام محمد صاحب لاہور	500
ڈاکٹر سید طفیل حسین صاحب لاہور	500
قاضی ثناء اللہ صاحب لاہور چھاؤنی	500
مولوی عالم دین صاحب وکیل شیخوپورہ	500
میاں شمس الدین صاحب جہلمی افریقہ	500
چودھری محمد اسمٰعیل فیروزپور	500
شیخ محمد حسین صاحب ٹھیکیدار فیروزپور	500
مولوی عبدالہادی صاحب بنوں	500
شیخ نظام الدین صاحب شاہ پور	500
میزان	6000 روپے

ان کے علاوہ حسب ذیل رقوم کے جو اس وقت وعدے ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

ڈاکٹر حسن علی صاحب گوجرانوالا	300 روپے
حافظ محمد حسن صاحب وکیل گجرات	250
مولوی غلام ربانی صاحب وکیل مانسہرہ	200
میاں غلام محمد صاحب دفتری لاہور	50
منشی محمد بخش صاحب ڈیرہ غازیخان	40

چودھری اللہ دتہ صاحب 20

میزان 860 روپے

باقی احباب جو موجود تھے ان سب نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی دس یوم کی آمد اس غرض کے لئے دیں گے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ رقم دس اور پندرہ ہزار کے درمیان ہونی چاہیئے۔ میں نے اس وقت بھی احباب سے یہ کہا تھا اور اب بھی دوہراتا ہوں کہ ایسے موقعے قوموں کی زندگی میں ہمیشہ نہیں آتے۔ یہ ایک عظیم الشان مستقل فنڈ کی بنیاد ہے۔ اور خدا کے اس فضل کے شکریے میں ہمیں یہ مالی قربانیاں کر کے اس کے مزید فضلوں کا مستحق اپنے آپ کو ثابت کرنا چاہیئے۔

یہ تحریک محض ایک القاء کے طور پر میرے دل میں ڈالی گئی اور میرے لیکچر سے صرف چند منٹ پیشتر ہی ڈالی گئی۔ اس لئے میں کسی دوست سے اس کے متعلق مشورہ بھی نہیں کر سکا۔ مگر جس رنگ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے دروازے کھل گئے ہیں اور تمام قلوب اللہ تعالیٰ کے اس فضل کو دیکھ کر اس کے آگے جھکے جا رہے تھے، میں اُمید کرتا ہوں کہ غیر حاضر احباب بھی اسی خوش دلی سے اس آواز پر لبیک کہیں گے۔ جس دوست یا عزیز کے نام جو رقم میں نے ڈالی تھی اس نے اس سے بھی بڑھ کر دینے پر خوشی ظاہر کی۔ فجز اہم اللہ احسن الجزاء۔ چنانچہ شیخ محمد حسین صاحب ٹھیکیدار فیروز پور نے اپنے نام کی رقم سن کر اسی وقت پانچ سو روپے کا چیک میرے حوالہ کیا۔ جزاہ اللہ خیرا۔ اور بھی بعض احباب جن کے نام پر رقوم مندرجہ بالا ہیں یا جو اپنی دس یوم کی آمد دیں گے ان سے درخواست ہے کہ وہ جنوری، فروری، مارچ تین ماہ کے اندر اندر ان رقم کو ادا کر دیں۔ اگر اخراجات زمین سے رقم بڑھ گئی تو اس کا بقیہ برلن مسجد پر صرف کیا جائے گا۔

میں نے جو رقم ایک ہزار اور پانچ سو کی لکھی ہیں۔ وہ فہرست مکمل نہیں۔ صرف یادداشت سے کام لے کر ایک فوری فہرست بنائی تھی۔ مجھے اُمید ہے کہ دیگر احباب میں سے بعض اصحاب اس کارِ خیر میں سبقت کر کے اپنی دس یوم کی آمد سے زیادہ رقم عطا فرمائیں گے۔ اگر اس وقت ہمارے احباب تھوڑی سی ہمت سے کام لیں تو انجمن کی کُل مشکلات مالی دور ہو سکتی ہیں۔ معاونین انجمن سے بھی یہی التماس ہے کہ وہ اس انجمن کی، جس کا اشاعت اسلام کا کام دنیا کے کناروں تک پہنچا ہوا ہے، بنیادیں مضبوط کرنے کے لئے امداد فرمائیں۔

میں انجمن میں بھی یہ تجویز پیش کررہا ہوں کہ بیس ہزار کے اس مستقل سرمائے کے ساتھ اراضی اوکاڑہ کا کام شروع کر کے اس کی آمد و اخراجات کو بالکل الگ رکھا جائے۔ جیسے کہ مستقل فنڈ کی صورت ہوتی ہے۔ اور یہ روپیہ انجمن کی معمولی ضروریات پر خرچ نہ ہو۔ مجھے یقین ہے کہ جو احباب اس کارِ خیر میں سبقت فرمائیں گے۔ ان کے دل آج سے پندرہ بیس سال بعد اس راحت کے ساتھ لبریز ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ذریعہ سے اس انجمن کے کام کو کس قدر مستحکم کر دیا ہے۔

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس

لاہور

3 جنوری 1931ء

ناقدانہ نظر

صلیب مسیحؑ بحوالہ اناجیل

شیخ غلام حسین صاحب سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سیال کوٹ

زمانہ حال کے ایک نہایت مشہور اور بلند پایہ مورخ نے کتنے پتے کی بات لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''فلسفہ تاریخ کا یہ ایک راز ہے کہ جو واقعات جس قدر زیادہ شہرت پکڑ جاتے ہیں اسی قدر اُن کی صحت زیادہ مشتبہ ہو جاتی ہے۔ دیوار قہقہہ، چاہِ بابل، آبِ حیواں، مارِ ضحاک، جامِ جم سے بڑھ کر کس واقعہ نے شہرت عام کی سند حاصل کی ہے۔ لیکن کیا ان میں سے ایک بھی اصلیت سے کچھ علاقہ رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر واقعات کسی خاص وقتی سبب سے شہرت کے منظر پر آ جاتے ہیں۔ پھر عام تقلید کے اثر سے جو خاصہ انسانی ہے شہرت عام کی بناء پر لوگ اس پر یقین کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور کسی کو تنقید یا تحقیق کا خیال تک نہیں آتا یہاں تک کہ وہ رفتہ رفتہ مسلمات عام میں داخل ہو جاتے ہیں۔''

بالکل یہی حال واقعہ صلیب مسیح علیہ السلام کا ہے۔ ہم نے تنقیدی رنگ میں دیکھنا ہے کہ اس واقعہ کی اصلیت کیا ہے۔ اس معاملہ میں درائت اور روائت کی رو سے یہاں تک تو ہماری راہبری ہوتی ہے کہ فی الواقعہ حضرت ممدوح کو یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ یہودیوں کے استغاثہ کے بموجب رومی گورنمنٹ کے حکم سے ضرور صلیب پر کھینچے گئے۔ اس بات کی تائید نہ صرف انجیلوں کے بیان سے ہوتی ہے بلکہ یہودیوں اور رومیوں کی تاریخیں بھی اس واقعہ کی شاہد ہیں۔ پس اتنا بڑا اور اہم واقعہ جو تین مختلف العقائد اور عظیم الشان اقوام کی تاریخ میں مندرج ہے اس سے کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا۔ جہاں تک صحیح تاریخ سے اس واقعہ کا تعلق ہے ہم اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اس سے اگلا قصہ یعنی یہ کہ مسیح علیہ السلام نے صلیب پر جان بھی دے دی تھی۔ بوجوہات و دلائل ہم قبول نہیں کرتے۔ اور جو شخص بھی محققانہ طور پر

ان حالات کو پرکھے گا وہ یقیناً ہماری رائے سے متفق ہوگا۔قبل اس کے کہ ہم واقعات پر غور کریں سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس مقدمہ میں فیصلہ پر پہنچانے کے لئے ہمارے سامنے شہادت کس پایہ کی ہے۔سو اس کے متعلق دو قسم کی شہادتوں پر غور ہونا چاہیئے۔اول بائبل کی الہامی حیثیت، دوم امر واقعہ کی شہادت مندرجہ اناجیل۔قسم اول کی نسبت کتاب استثناء باب 34 آیت 5-6 میں حضرت موسیٰ پر وحی ہوتی ہے ''سوخدا کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے مطابق موآب کی سرزمین میں مرگیا اوراس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغفور کے مقابل گاڑا پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کونہیں جانتا۔''

معلوم نہیں ہوتا کہ بعد مرگ موسیٰؑ پر یہ الہام کس طرح ہوا اور پھر کس طرح موسیٰؑ نے اپنی کتاب میں یہ الہام درج کیا اس سے کتاب کی الہامی حیثیت کا پتہ لگ سکتا ہے۔

دوم کتاب یرمیاہ نبی باب 32 آیت 36 میں لکھا ہے ''تب یرمیاہ نے دوسرا طومار لیکے باروک بن نیریاہ مسافر کو دیا اوراس نے اس کتاب کی ساری باتیں، جسے یہوداہ کے بادشاہ نے آگ میں جلایا تھا۔یرمیاہ کے منہ سے اس میں لکھیں اوران کے سوائے ویسے ہی بہت سی باتیں اس میں ملائیں۔''

یہ تو پرانے عہد نامہ کا حال ہے۔اب ایک دو حوالے نئے عہد نامہ سے عرض کرتا ہوں۔لوقا کی انجیل اس طرح پر شروع ہوتی ہے ''چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقعہ ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں۔جیسا کہ اُنہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے انہیں ہم کو پہنچایا۔اس لئے اے معزز تھیوفلس میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے انہیں تیرے لئے ترتیب سے لکھوں۔'' مطلب اس عبارت کا صاف ہے لوقا کہتا ہے چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقعہ ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں۔کمر باندھنے سے مطلب یہ ہے کہ الہام سے نہیں بلکہ اپنی محنت اور کوشش سے اناجیل کا سلسلہ تالیف وتصنیف عمل میں آیا ہے اور جس طرح دیگر انجیل نویسوں نے اپنی اپنی کوششوں سے نہ الہام سے اناجیل مرتب کیں ٹھیک اسی نہج پر لوقا دریافت کرکے اپنی کتاب کو لکھا۔قائین لوقا کے اس بیان سے اندازہ لگائیں کہ اناجیل کا الہامی پایہ کس رتبہ کا ہے۔اسی طرح بلکہ اس سے بھی واضح تر پولوس رسول (1) کرنتھیوں باب 7 آیت 25 میں ارشاد فرماتے

ہیں کہ "کنواریوں کے حق میں میرے پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں۔ لیکن دیانت دار ہونے کے لئے جیسا کہ خداوند کی طرف سے مجھ پر رحم ہوا اس کے موافق اپنی رائے دیتا ہوں۔" اس سے آگے الہام الٰہی سے نہیں بلکہ اپنی رائے سے لکھی ہے کہ پس اس قسم کے الفاظ سے کہ "میرے پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں اپنی رائے دیتا ہوں۔" اس سے الہامی کتاب کی کیا وقعت اور حیثیت رہ جاتی ہے۔ قارئین خود اندازہ لگائیں۔ دوسری قسم کی شہادت کی نسبت ہم نے دیکھنا ہے کہ اناجیل نے نتیجہ صلیب کے متعلق چشم دید شہادت کون سی پیش کی ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق متی باب 26 آیت 57، مرقس باب 14 آیت 50 میں ہے کہ بموقعہ گرفتاری سارے شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور لوقا باب 23 آیت 48 میں ہے۔ اور جتنے لوگ اس نظارے کو دیکھنے کے لئے آئے تھے لوٹ گئے۔ یہاں تک کہ بموقعہ صلیب مسیحؑ نے اپنی ماں کو بھی ایک شاگرد کے سپرد کر دیا۔ جو لکھا ہے کہ اس کو اسی وقت لے کر چلا گیا یوحنا 19:27

یہی وجہ ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ صلیب پر کھینچے جا چکنے کے بعد شاگردوں کی کوئی چشم دید شہادت آئندہ واقعہ کے متعلق نہیں ہے۔ اور الہامی شہادت اور حیثیت کی طرف بھی میں نے اوپر حوالہ جات درج کئے ہیں۔ ان حالات نے مجھے مجبور کیا کہ میں مسیح علیہ السلام کے صلیبی واقعات مندرجہ اناجیل اور ان سے جو نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے، اس پر ناقدانہ نظر ڈالوں۔

قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت 7 جنوری 1931ء

انجیلی بیان کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کو اس مسافر خانہ ہستی میں کل 33 سال تک کام کرنے کی مہلت ملی۔ یا یہ کہ یہ ناگوار واقعہ یعنی واقعہ صلیب ان کو زندگی کے تینتسویں سال میں پیش آیا۔ افسوس ہے کہ اناجیل میں ان کے کام کی تیس سال کی تفصیل نہیں ملتی ہے۔ واللہ عالم دانستہ یا نادانستہ یہ اغماز عمل میں آیا۔ ہاں عیسائی لٹریچر سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس عرصہ میں اُنہوں نے پرانے عہد نامہ کا نہایت غور اور خوض سے گہرا مطالعہ کیا اور بلحاظ حالات ان کو ارامی، یونانی اور عبرانی زبانوں کو پڑھنا اور سیکھنا پڑا۔ عبرانی زبان اس لئے کہ عہد نامہ عتیق اس میں نازل ہوا تھا۔ یہ گویا مذہبی زبان تھی۔ مگر اس زمانہ میں، جس میں کہ مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے، عبرانی زبان مٹ چکی تھی اور پرانا عہد نامہ یونانی زبان میں ترجمہ ہو چکا تھا۔ اس لئے علاوہ عبرانی زبان کے یونانی زبان کا سیکھنا بھی ضروری تھا۔ علاوہ براں ملکی

زبان اس زمانہ میں ارامی یعنی اریمیک تھی۔جس طرح کہ آج کل ہندوستان میں زبان اردو ملکی زبان تصور ہوتی ہے۔اور جب تیس سال زندگی کے ختم ہوئے تو اُنہوں نے پبلک زندگی میں قدم رکھا اور اپنا دعوٰی پیش کیا۔اس وقت یہودیوں میں بہت سے فرقہ تھے۔جن میں قابل ذکر یہ ہیں۔فریسی یہ فرقہ نسبی شرافت کا دلدادہ تھا۔اور محض یہودی ہونا ہی باعث نجات خیال کرتا تھا۔ان میں سے کچھ فقیہہ تھے جو تفاسیر اور روایات پر مٹے ہوئے تھے اور پرانی روایات کو مذہب کا اصل الاصول قرار دیتے تھے۔ایک فرقہ صدوقی تھا جو اپنے آپ کو کتاب اللہ کے متن کا حامل ظاہر کرتا تھا۔جیسا کہ ہمارے ملک میں اہل قرآن ہیں۔فریسی اور فقیہہ متوسط طبقے کے لوگ تھے۔اور صدوقی فارغ البال اور خوشحال طبقہ تھا۔علاوہ ازیں ایک فرقہ ہیرروی تھا۔اس فرقہ کا ذکر بھی انجیلوں میں ہے۔یہ گروہ معہ صدوقیوں کے خیر خواہ سلطنت اور ست بچنیوں کا گروہ تھا۔ان سب فرقوں کی ایک مجلس صدر مجلس کے نام سے موسوم تھی۔جس کا مستقر یا ہیڈ کوارٹر یروشلم تھا۔صدر مجلس کا ایک پریذیڈنٹ تھا۔جس کو سردار کاہن کہا جاتا تھا۔جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں ان دِنوں ایک بزرگ کائفا نام سردار کاہن تھے۔یہ مختصر سی حالت اس زمانہ کی ہے جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا۔اس دعوٰی کی نشر و اشاعت کے لئے حسب تصریح اناجیل ان کو تین سال کا موقعہ ملا۔ہم نے اس وقت اپنے آپ کو ان کے دعوٰی اور کام کی تفصیل سے الگ رکھنا ہے۔مگر تسلسل بیان کے لئے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہودیوں نے آپ کو مسیح موعود تسلیم نہ کیا اور اگرچہ حسب اندراج اناجیل اُنہوں نے معجزات بھی دکھائے۔مگر یہودی معجزات کو معیارِ صداقت نہیں سمجھتے تھے۔کیونکہ بموجب استثناء جھوٹے نبی بھی معجزات دکھا سکتے ہیں۔اس لئے یہودیوں نے نعوذ باللہ ان کو جھوٹا مسیح قرار دے کر اور ان پر فتوٰی لگا کر واجب القتل قرار دیا۔اس قسم کے مجرموں کی سزا یہودی شریعت میں صلیب تھی کیونکہ مصلوب لعنتی تصور ہوتا تھا۔جیسا کہ استثناء باب 21 آیت 23 میں درج ہے۔یہودی اپنے مذہب کی رو سے فتوٰی قتل تو دے سکتے تھے جیسا کہ اُنہوں نے دیا۔مگر وہ صلیب دینے کے خود مجاز نہ تھے کیونکہ سلطنت رومیوں کی تھی دیکھو یوحنا باب 18 آیت 32۔اس لئے یہودیوں نے جہاں مذہبی طور پر فتوٰی قتل تیار کیا ساتھ ہی ایک دوسرا الزام بھی لگایا کہ مسیح علیہ السلام رومی سلطنت کے باغی ہیں اور خود سلطنت کے دعویدار ہیں۔تا کہ موجودہ گورنمنٹ کو ان کے برخلاف کاروائی

کرنے کا موقعہ ملے ۔ یہ منصوبہ یہودیوں نے اپنی عید فسخ کے موقعہ پر کیا۔ عید سے چند یوم پیشتر مسیح علیہ السلام معہ شاگردوں کے یروشلم میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس عید کی تقریب پر عیسائی فضلاء کے اندازہ کے مطابق یہودی 20/22 لاکھ کی تعداد میں یروشلم میں آ کر جمع ہوا کرتے تھے۔ گویا یہ دن یہودیوں کے لئے حج اکبر تھا۔ اس وقت علماء یہود نے مسیح علیہ السلام کی گرفتاری اور قتل کی تجویز کی مگر شورش کی وجہ سے اعلانیہ اس تجویز کو عمل میں لانا پسند نہیں کرتے تھے۔ دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی یہودیوں کے اسی منصوبہ کا کسی نہ کسی طرح علم ہو گیا۔ اس لئے بجائے اس کے کہ وہ شہر میں رہائش اختیار کرتے وہ شہر سے باہر ایک باغ گتسمنے نام میں شب باشی کی خاطر معہ چند شاگردوں کے تشریف لے جاتے تھے۔ اس خلوت نشینی اور گوشہ عزلت اختیار کرنے کی بظاہر یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک دو یوم جو بقایا عید فسخ کے تہوار کے باقی تھے وہ بے کھٹکے گذر جائیں اور ریاضت اور یاد الٰہی کے لئے تنہائی کا وقت بھی دستیاب ہو جائے۔ مگر تضا دقدر کے آگے یہ مآل اندیشی کام نہ آئی۔ اور اپنے ہی شاگردوں میں سے ایک یہودا اسکریوطی نام طمع نفسانی کی خاطر یہودیوں کے ساتھ مل گیا۔ تیس روپے اجرت گرفتاری مقرر ہوئے۔ یہودا اسکریوطی کو جائے رہائش کا سارا حال معلوم تھا۔ وہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات کو سپاہیوں کی گارڈ ہمراہ لے کر گرفتاری کی خاطر موقعہ پر پہنچا۔ آگے حضرت مسیح علیہ السلام یا تو اس واقعہ کی نسبت مقامی حالات کی وجہ سے اطلاع پا چکے تھے یا وحی الٰہی سے متنبہ کئے گئے تھے۔ بہر حال وہ آنے والے خطرہ کا تصور کر کے اور ہمہ تن استغاثہ بن کر دعا اور مناجات میں مصروف تھے۔ انجیلوں میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

''وہ غمگین اور بے قرار ہونے لگا۔ اس وقت شاگردوں سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی۔ تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر تھوڑا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کے یہ دعا مانگی۔ اے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ تاہم جیسا میں چاہتا ہوں ویسا نہیں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہو۔ پھر شاگردوں کے پاس آ کر انہیں سوتے پایا اور پطرس سے کہا تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے۔ جاگو اور دعا کرو تا کہ آزمائش میں نہ

پڑو۔روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے۔پھر دوبارہ اس نے جا کر یہ دعا مانگی۔اے میرے باپ! اگر میرے پئے بغیر یہ نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو اور آ کر پھر انہیں سوتے پایا کیونکہ ان کی آنکھیں نیند سے بھری ہوئی تھیں اور انہیں چھوڑ کر پھر چلا گیا اور وہی بات پھر کہہ کر تیسری بار دعا مانگی۔'' متی 26:37-47، مرقس 14:33-42، لوقا 22:40، یوحنا 16:27

مسیح علیہ السلام کی یہ دعا چاروں اناجیل میں درج ہے۔مگر لوقا کی انجیل میں کچھ وضاحت ہے۔اس میں لکھا ہے:

''پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے دعا مانگنے لگا اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔''

قارئین! حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا کے ان کلمات کو اچھی طرح ذہن میں رکھیں۔کیونکہ مضمون کے آخر پر میں نے اس پر کچھ عرض کرنا ہے۔

غرضیکہ آدھی رات کے وقت حضرت مسیح علیہ السلام گرفتار کر لئے گئے اور صبح تک پولیس کی حراست میں رہے۔کیونکہ یہودیوں کے دستور کے مطابق رات کے وقت کارروائی مقدمہ نہیں ہو سکتی تھی، چنانچہ اگلے دن جمعہ کے روز صدر مجلس کا انعقاد ہوا۔اس مجلس نے اول آپ کو حنا نام کاہن کے پاس پیش کیا۔حنا گو ان ایام میں کہانت کے عہدے پر نہ تھا مگر ایک تو بزرگانہ حیثیت کی وجہ سے دوئم اس وجہ سے کہ پہلے کاہن رہ چکا تھا اور موجودہ سردار کاہن کا خسر تھا، اس لئے حضرت مسیح اس کے روبرو پیش کئے گئے۔حنا نے معمولی بات چیت کے بعد ان کو موجودہ سردار کاہن کائفا کے پاس بھیج دیا۔جہاں سماعت مقدمہ عمل میں آئی اور ان کے برخلاف شہادت لی گئی۔پھر اس کے بعد سردار کاہن کائفا نے دوبارہ صدر مجلس میں ان کو واپس کیا تا کہ حاکم وقت یعنی پلوطوس کے پاس پیش کئے جائیں اور جب پلوطوس کے پاس پیش کئے گئے تو مطابق بیان لوقا باب 6:33 پلاطوس نے یہ بات معلوم کر کے کہ مسیح یہودیہ کا رہنے والا ہے جو ہیرودیس کی عملداری میں ہے مقدمہ ہیردریس کے پاس بغرض سماعت منتقل کر دیا۔ہیرودیس ان ایام میں بتقریب عید فسخ یروشلم میں ہی مقیم تھا۔اس نے حضرت مسیح کے

اظہار لینے چاہے مگر اُنہوں نے کسی وجہ سے خاموشی اختیار کی۔ اس پر اس سے جس قدر ہو سکا تفریحاً ہنسی اور ٹھٹھا کیا اور پھر از جاع مقدمہ کی خاطر پلوطوس کے پاس واپس کر دیا۔ یہاں باضابطہ شہادت استغاثہ کی سماعت عمل میں آئی۔ شہادت استغاثہ کے بعد پلاطوس جس نتیجہ پر پہنچا وہ الفاظ میں اناجیل سے اس جگہ نقل کرتا ہوں۔ چاہیے کہ ہر ایک عقلمند ان پر غور کرے۔ کیونکہ صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے یہ حالات بطور مشعل راہ ہیں۔

دوران مقدمہ میں سب سے اول پلاطوس کو اس کی بیوی ان الفاظ میں سفارش کرتی ہے۔

''جب وہ تخت عدالت پر بیٹھا ہوا تھا تو اس کی بیوی نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب سے بہت دُکھ اُٹھایا ہے۔'' متی باب 27 آیت 19۔ یہ خواب پلاطوس کو مسیح علیہ السلام کے برخلاف آئندہ کوئی کارروائی کرنے کے لئے ایک تازیانہ اور تحدید تھی۔ اور یہ بھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ مشیت ایزدی اور ارادہ الٰہی اس سے کیا تھا۔ پس کیا عین اس حالت میں کہ مقدمہ کی تجویز عمل میں آ رہی ہے پلاطوس کی بیوی کی یہ سفارش، جو کہ ایک خواب کی بناء پر تھی اس کا کچھ اثر نہ ہوا ہوگا، ضرور اثر ہوا۔ جس کا ثبوت آئندہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ بعد سماعت شہادت استغاثہ پلاطوس نے جو رائے اس مقدمہ کی نسبت ظاہر کی وہ انجیل متی باب 24-17:27 اور لوقا باب 23:12-15 میں اس طرح پر درج ہے:

> ''تم لوگ اس شخص کو لوگوں کا بہکانے والا ٹھہرا کر میرے پاس لائے ہو۔ دیکھو میں نے تمہارے سامنے ہی اس کی تحقیقات کی مگر جن باتوں کا الزام تم اس پر لگاتے ہو ان کی نسبت نہ میں نے اس میں کچھ قصور پایا نہ ہیرودیس نے۔ کیونکہ اس نے اسے ہمارے پاس واپس بھیجا ہے۔ اور دیکھو اس سے کوئی ایسا فعل نہیں ہوا کہ وہ قتل کے لائق ٹھہرتا۔ پس میں اسے پٹوا کر چھوڑ دیتا ہوں۔ تب سب چلا اُٹھے پلاطوس نے یسوع کے چھوڑ دینے کے ارادہ سے پھر ان سے کہا لیکن وہ چلا کر بولے کہ اسے صلیب دے۔ اس نے تیسری بار ان سے کہا۔ کیوں اس نے کیا برائی کی ہے۔ میں نے اس کے قتل کی کوئی وجہ نہیں پائی۔ پس اسے پٹوا کر چھوڑ دیتا ہوں مگر وہ چلا چلا کر

سر ہوتے رہے کہ اسے صلیب دی جائے۔''

دیکھئے پلاطوس نہ صرف ایک یا دوبار بلکہ بار بار مسیح کے بے گناہ ہونے کا اعلانیہ اعتراف کرتا ہے۔ اس اعتراف اور یقین کا اثر جو کچھ اس کے دل و دماغ اور ضمیر پر ہوا ہوگا وہ محتاج بیان نہیں۔ مگر چونکہ وہ قیصر روم کا ماتحت تھا۔ اس خدشہ سے کہ یہ سڈیشن کیس ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر وہ مسیح علیہ السلام کو چھوڑ دے تو یہودی اس کی شکایت قیصر کے پاس کر دیں۔ وہ ان کو یہودیوں کے حوالہ کر دیتا ہے جو کہ ان کو صلیب پر لے جاتے ہیں۔

اس جگہ ایک ضمنی بات قابل گذارش ہے کہ قتل کا یہ مقدمہ 6 مختلف عدالتوں میں ایک ہی دن پیش ہوتا ہے۔ خیال فرمایا جائے کہ کس قدر وقت اس کی سماعت اور تحقیقات کے لئے صرف ہوا ہوگا۔ پھر انفصال مقدمہ اور انصرام کارِ صلیب کے لئے بھی کچھ وقت درکار رہے۔ کیونکہ فوجداری اور دیوانی کے خفیف سے خفیف مقدمات کے انفصال کے لئے عرصہ درکار ہوتا ہے۔ آخر رومی عدالتیں بھی باضابطہ عدالتیں تھیں۔ اس کے ساتھ ہی جاننا چاہیئے کہ وہ دن سردیوں کے دن تھے۔ جیسا کہ گرفتاری کی رات پطرس کا آگ تاپنا۔ مرقس 15:14، 67:14، لوقا 55:22 یوحنا 18:18 میں درج ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آگ کا تاپنا سردی کے موسم میں ہی ہوتا ہے۔ میرا مدعا اس تمہید سے یہ ہے کہ واقعات اور حالات سے پایا جاتا ہے کہ سردی کے موسم میں دن کے وقت ایسا سنگین، جس کی کئی کئی مختلف عدالتوں میں سماعت ہو، جس کا ملزم نہ صرف مذہبی فتوٰی کی رو سے ہی قابل دار ہو بلکہ جرم بغاوت کی وجہ سے بھی سزائے موت کا مستوجب ہو، ایسا مشہور اور دلچسپ مقدمہ اگر تفریحاً بھی کسی حاکم کے سامنے پیش ہو تو اسے حالات اور واقعات کی سماعت کے لئے کئی کئی گھنٹے بکار ہیں۔ اس روئیداد پر نظر کرنے سے پایا جاتا ہے۔

قسط سوم: مطبوعہ دراشاعت 11 جنوری 1931ء

دن کے آخری حصہ میں حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے۔ اور جیسا کہ قدرتی اسباب میں سے دو کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ یعنی پلاطوس اور اس کی بیوی کا مسیح علیہ السلام کی صریح طرف داری کرنا، ایسا ہی چند اور سامان ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن سے صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کو منظور ہی نہ تھا کہ یہودیوں کا یہ منصوبہ بار آور ہو۔ بلکہ یہ منظور تھا کہ مسیح علیہ السلام اس جانگداز

سانحہ سے نجات حاصل کریں۔ اول بموقعہ صلیب ایک خطرناک آندھی اور بھونچال کا آنا جس سے سورج کی روشنی کا جاتے رہنا اور ملک میں اندھیرا چھا جانا۔ متی باب 27:45، مرقس 15:35، لوقا 23:45 میں مرقوم ہے۔ ایسی وحشت ناک تاریکی میں مسیح علیہ السلام کو امداد پہنچ سکنا غیر ممکن نہ تھا۔ دوئم ان کی ٹانگوں کا نہ توڑا جانا۔ جس کے متعلق یوحنا باب 19 آیت 33 تا 37 میں فخریہ لکھا ہے۔ ''نوشتہ پورا ہوا کہ اس کی کوئی ہڈی توڑی نہ جائے گی۔'' دن کے آخری حصہ میں صلیب دیا جانا۔ آندھی اور بھونچال کا آنا، ہڈیوں کا نہ توڑا جانا اور سب سے بڑھ کر عجیب اتفاق یہ میسر آتا ہے کہ بموجب استثناء باب 21 آیت 23 رات کو کوئی نعش صلیب پر رکھنی منع تھی۔ اس کے ساتھ ہی سرِ شام سبت شروع ہونے والا تھا اور بحوالہ انجیل یوحنا باب 19 آیت 3 سبت کو کوئی نعش صلیب پر نہیں رہ سکتی تھی۔ اب حامیانِ صلیب خود ہی غور فرمائیں کہ اس قدر مراعات کے باوجود چند لمحوں میں صلیب پر موت کا واقعہ ہونا کس طرح ممکن ہوسکتا ہے!

اس مقام پر یعنی صلیب کے وقت مسیح علیہ السلام کا چند الفاظ بولنا اناجیل میں مندرج ہے اور وہ یہ ہیں ''ایلی ایلی لما سبقتنی'' ان الفاظ کا نقاد شارحین اناجیل نے بحوالہ زبور باب 22 قرار دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ زبور کا یہ حوالہ واقعہ صلیب کو حل کر دیتا ہے کہ ایسے وقت میں زبور کے ان الفاظ میں دعا کرنے سے جناب روح اللہ کا مدعا کیا تھا۔ زبور کے اصل الفاظ یوں ہیں:

> ''اے میرے خدا! اے میرے خدا!! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے تو میری رہائی سے اور میرے کراہنے کی باتوں سے کیوں دور رہا۔ اے میرے خدا میں دن کو چلاتا ہوں پر تو نہیں سنتا۔ رات کو بھی۔ اور مجھے قرار نہیں مگر تو قدوس ہے تو اسرائیل کی مدح میں سکونت کرنے والا ہے۔ ہمارے باپ دادوں نے تجھ پر توکل کیا۔ اُنہوں نے توکل کیا اور تو نے انہیں چھوڑایا۔ اُنہوں نے تجھ سے فریاد کی اور رہائی پائی اُنہوں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور شرمندہ نہ ہوئے۔''

ان الفاظ کے وظیفہ سے مطلب صاف ظاہر ہے کہ جنہوں نے خدا پر توکل کیا خدا نے انہیں چھڑایا اور جنہوں نے خدا کے حضور فریاد کی اُنہوں نے رہائی پائی پس صاحبو! ایسا ہی میرا بھی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے خدا پر توکل کیا اور خدا نے انہیں صلیبی موت سے چھڑایا۔ اور اُنہوں نے

خدا سے فریاد کی اور خدا نے انہیں صلیبی موت سے رہائی بخشی ۔ یہ تکلف اور بناوٹ نہیں، نہ یہ کوئی من گھڑت تاویل ہے بلکہ زبور کے اصلی الفاظ ہیں اور کسی ایماندار کو اس کے انکار کی مجال نہیں ہونی چاہئے۔ پھر گذشتہ واقعات کا سلسلہ اس طرح پر ہے کہ جب گذشتہ حالات رونما ہو چکے تو ایک شخص یوسف آرمتیا نام، جو مسیح کا شاگرد تھا اور صدر مجلس یہودیوں کا ممبر اور سلطنت کا بھی مشیر تھا، اس نے قبل از غروب آفتاب پلاطوس سے جسم مسیح علیہ السلام کا مطالبہ کیا۔ اب اس سے آگے اس درخواست کے جواب میں پلاطوس کے الفاظ مندرجہ مرقس باب 15 آیت 44 نقل کرتا ہوں۔ ''پلاطوس نے تعجب کیا کہ وہ ایسا جلد مر گیا۔'' یہ تعجب حالات حاضرہ کی بناء پر تھا۔ کیا اس حقیقت کا راز طشت از بام نہیں ہوتا۔ یہیں پر بس نہیں بلکہ صوبہ دار کو جو صلیب کی ڈیوٹی پر متعین تھا اس کو بلا کر پوچھا کیا اس کو مرے ہوئے دیر ہوگئی ہے۔ جب صوبہ دار سے حال معلوم کر لیا تو لاش یوسف کو دلا دی۔ مرقس باب 15 آیت 45۔ اس جگہ اس بات کا اظہار کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہ صوبہ دار جس کا ذکر ہوا اور اس کے سپاہی مسیح پر ایمان لا چکے ہوئے تھے۔ مرقس 15:19، متی 27:54، لوقا 23:45 میں اس صوبے دار اور اس کے سپاہیوں کے متعلق لکھا ہے ''پس صوبہ دار اور جو اس کے ساتھ یسوع کی نگہبانی کرتے تھے بھونچال اور تمام ماجرا دیکھ کر بہت ہی ڈرے اور بولے کہ بے شک یہ خدا کا بیٹا تھا''

غور کرنے والے غور کریں کہ پلاطوس، پلاطوس کی بیوی، یوسف آرمتیا، صوبہ دار، صوبہ دار کے سپاہی یہ سب طرف داران مسیح کا گروہ ہے۔ اور باقی لوگ بحوالہ لوقا 23:48 وہاں سے جا چکے تھے۔ اس قسم کا تخلیہ تائید الٰہی کے سوائے کس طرح میسر آ سکتا ہے۔ ایسے وقت میں یقیناً جس قدر سہولتیں بچاؤ کی ہو سکتی تھیں، ان بزرگوں نے اس سے دریغ نہیں کیا ہوگا۔ اب اس مزیدار مکالمے کو پھر ایک دفعہ ان حالات کی روشنی پڑھ جائیں۔ ایک دولت مند شاگرد، جس کا رسوخ نہ صرف یہودی سوسائٹی سے ہی ہے بلکہ گورنمنٹ کا مشیر ہے، موقعہ پا کر شام سے پہلے پلاطوس سے جسم مضروب کا مطالبہ کرتا ہے۔ حاکم کے مدنظر نہ صرف اپنی بیوی کا خواب ہے بلکہ تحقیقات سے مجرم کو بے گناہ قرار دے چکا ہے۔ ہر قسم کی مراعات پر آمادہ ہے۔ دعویداروں سے میدان خالی ہے۔ بلحاظ حالات درخواست پر تعجب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسی جلدی موت واقعہ ہوگئی؟! پلاطوس کا تعجب کرنا سرسری نظر سے دیکھنے کے قابل نہیں۔ اپنے

استعجاب کا ازالہ صوبے دار کے ذریعہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر اتفاق سے صوبہ دار بھی ایماندار ہے۔ جب صوبہ دار سامنے حاضر ہوتا ہے تو وہ اس سے ان الفاظ میں پوچھتا ہے کہ اس کو مرے ہوئے دیر ہوگئی۔ عجیب الفاظ ہیں۔ پھر آگے لکھا ہے کہ جب صوبہ دار سے حال معلوم کرلیا۔ کیا حال معلوم کرلیا؟! اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ لاش یوسف کو دلا دی۔ کیا یہ سب کے سب اسباب اور سامان حضرت روح اللہ کے واقعہ صلیب سے بچنے کے لئے تائید غیبی نہیں؟! ماسوائے اس کے یوحنا کی انجیل کے انیسویں باب 35 آیت میں ایک واقعہ لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام صلیب پر مرے نہیں تھے بلکہ زندہ تھے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس وقت بطور آزمائش کسی نے مسیح کی پسلی چھیدی تو اس میں سے خون اور پانی نکلا۔ اب خون کا نکلنا صریح علامت زندگی کی ہے۔

قسط چہارم (آخری): مطبوعہ در اشاعت 15 جنوری 1931ء

اس مقام پر میں ایک خاص امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جس پر غور کرنے سے ایک اصول اور معیار ہمارے ہاتھ آجاتا ہے اور اس اصول اور معیار کو تسلیم کرکے واقعہ صلیب کی حقیقت پورے طور پر روشنی میں آجاتی ہے۔ متی کی انجیل کے باب 27 آیت 50 میں لکھا ہے:

> ''اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے، جو سو گئے تھے (یعنی مر چکے ہوئے تھے)، جی اُٹھے اور جی اُٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے۔''

مردوں کا زندہ ہوکر یروشلم میں آجانا اتنا بڑا واقعہ ہے کہ اگر فی الحقیقت ایسا وقوع میں آیا تھا تو اس کے متعلق اس وقت کے یہودیوں یا رومیوں کی تاریخوں میں ضرور اس امر کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔ اگر کوئی صاحب یہ ثبوت ان اقوام کی تاریخ سے پیش کرسکیں تو ان کی نہایت مہربانی ہوگی۔ خود یروشلم میں بیس بائیس لاکھ نفوس کا اجتماع عید فسخ پر ہوا کرتا تھا۔ کیا اتنا بڑا معجزہ، کہ بہت سے مردے قبروں سے نکل کر شہر میں آگئے تھے، ان کو دیکھ کر 20 لاکھ کے 20 لاکھ انسان ہی ایمان نہ لے آتے۔ اور یہ اتنا بڑا حیرت ناک واقعہ دنیا کی تاریخ میں جلی حروف سے لکھا جاتا! دوستو! خوب یاد رکھو۔ مردے دنیا میں کبھی دوبارہ واپس نہیں آتے۔ ایوب نبی نے اس بارے میں کیا خوب نبوت فرمائی ہے ''جو گور میں اُترا پھر نہ آئے گا'' (کتاب ایوب۔ باب 7:14-16)

ایوب نبی کی وحی میں نہ ایک دفعہ، نہ دو دفعہ بلکہ تین بار مردوں کے دوبارہ آنے کی نفی کی گئی ہے۔ ان معقولی اور منقولی شواہد کی موجودگی میں جو واقعات بطور قصہ اور کہانی کے بیان ہوں گے ان کی یا تو تاویل کی جاوے گی یا بوجہ خلاف عقل اور نقل ہونے کے مسترد کر دیئے جائیں گے۔ اس اصول کے لحاظ سے بھی ہم مسیح علیہ السلام کی دوبارہ زندگی کے عقیدے کو غلط سمجھتے ہیں۔ کیونکہ واقعات اور اصول کا جہاں تضاد ہو، چاہئے کہ اصول کو برقرار رکھ کر واقعات کی تاویل کر لی جائے۔ مثلاً اوپر جو لکھا ہے کہ مردے قبروں میں سے نکل کر شہر میں آ گئے۔ یہ واقعہ فی الحقیقت وقوع پذیر نہیں ہوا، بلکہ کسی بزرگ انجیل نویس کا خواب یا کشف ہے۔ اس تاویل سے اور ایوب نبی کے حوالہ جات محولہ بالا سے، کہ مردے واپس نہیں آیا کرتے، اس مقام کی مطابقت بھی ہو جاتی ہے۔ ورنہ عند العقلاء یہ بات قابل پذیرائی نہیں ہے کہ مردے دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں۔

پھر ہم نفس مضمون کی طرف متوجہ ہو کر لکھتے ہیں کہ خلاف مراعات مندرجہ بالا کے ایک قدرتی رعایت یہ ہوئی کہ جہاں حضرت مسیح کے جسم کا رکھنا بیان ہوا ہے وہ کوئی قبر نہیں تھی بلکہ ایک ہوا دار چٹان تھی۔ دوم اس جگہ پہلی رات کو کوئی پہرہ مقرر نہیں ہوا بلکہ بحوالہ انجیل متی باب 27 آیت 22 اس فروگذاشت کو محسوس کر کے پہرہ دوسرے دن متعین کرایا جاتا ہے۔ جائے غور ہے کہ طرفداران جناب مسیح کو یہ کتنا بڑا موقعہ ملا۔ ان جملہ مراعات کا یہ نتیجہ ہوا کہ تیسرے دن علی الصبح جب دیکھا گیا تو حضرت مسیح کا جسم اس چٹان میں ندارد تھا۔ دیکھو متی باب 27 آیت 1 تا 10، مرقس باب 16، لوقا باب 24۔

جب جسم قبر میں نہ ملا تو لکھا ہے کہ انہوں نے پہرہ داروں کو رشوت دی اور کہا یہ کہہ دینا کہ رات کو جب ہم سوتے تھے تو اس کے شاگرد آ کر اسے چرا لے گئے۔ پس اُنہوں نے روپے لے کر، جیسا کہ سکھائے گئے تھے، ویسا ہی کہا۔ اور یہ بات آج تک یہودیوں میں مشہور ہے۔ متی باب 28 آیت 12 تا 16 یہ فقرات متی کی انتہائی سادگی پر دلالت کرتے ہیں۔

پہرہ داروں کی فروگذاشت پر بجائے اس کے کہ ان کو زجر و توبیخ کی جاتی اور ان کی غفلت کی پاداش میں سزا دی جاتی، اُلٹا ان کو رشوت دینے کا کیا مفاد تھا۔ دوئم اس بیان کا اختراع کرنا، کہ اس کے شاگرد آ کر اسے چرا لے گئے، یہ بھی سادہ لوحی کی حد ہے۔ کیونکہ اگر فی الحقیقت حضرت مسیح مر گئے ہوتے تو مردہ جسم کو چوری کرنے کی شاگردوں کو ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ مردہ جسم بیکار تھا اور نعش کے متعلق

شاگردوں کو یہودیوں سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔جسم کا چوری ہوجانا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اس میں آثار زندگی ہنوز باقی تھے۔اس لئے مرہم پٹی کی خاطر سربرآوردہ شاگردوں نے اس کو اُڑا لیا۔اگر یہ بات مدنظر نہ ہوتی تو مردہ جسم کی خاطر اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا عقلمندی کا فعل نہ تھا۔اس موقعہ پر دوبارہ جی اُٹھنا یا آسمان پر چڑھ جانا جو بیان ہوتا ہے وہ اگر سچ ہے تو مخالفین یہود اور رومیوں کی آنکھوں کے سامنے یہ نظارہ ہونا چاہئے تھا نہ کہ پوشیدہ طور پر۔تا کہ کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہ ہوتی۔چونکہ مخالفوں اور موافقوں میں سے کسی نے بھی ایسا کوئی واقعہ بچشم خود نہیں دیکھا اس لئے یہ گمان، کہ زندہ ہوگیا تھا، صحیح نہیں۔اور صحیح بات وہی ہے جو اوپر لکھی گئی۔

واقعات صلیب کے بعد جو حالات انجیلوں میں مندرج ہیں ان سے اور بھی صفائی کے ساتھ اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ صلیب پر موت وارد نہیں ہوئی تھی۔اور بحوالہ انجیل یوحنا باب 20 آیت 16 تا 20 اور باب 22 آیت 27 مختلف موقعوں پر حضرت مسیح کا واقعہ صلیب کے بعد شاگردوں سے ملنا، ان کے ساتھ کھانا کھانا صریح اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صلیب پر مرے نہیں تھے۔انجیل لوقا باب 24 آیت 35 تا 42 میں ان کا مکالمہ شاگردوں کے ساتھ اس طرح پر لکھا ہے۔

> ''میرے ہاتھ اور میرے پاؤں کو دیکھو کہ میں ہی ہوں مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے ہڈی نہیں ہوتی جیسا کہ مجھ میں دیکھتے ہو۔یہ کہہ کر انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے......اور انہیں کہا کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔اُنہوں نے اسے ایک بھونی ہوئی مچھلی کا قتلا دیا۔اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔''

سارے بیان کی مختلف کڑیوں کو ملا کر اگر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر مرے نہیں تھے بلکہ زخموں کی وجہ سے بے ہوش ہوگئے تھے۔اسی حالت میں شاگردوں نے اپنے اثر و رسوخ سے ان کا مضروب جسم حاصل کرلیا۔اور شورش کے خوف سے پہلے ان کو ایک ہوادار چٹان میں رکھا اور پھر خفیہ طور سے وہاں سے بھی نکال لیا۔اور کچھ اس قدر دلسوزی اور سرعت کے ساتھ معالجہ عمل میں آیا کہ وہ تھوڑے دِنوں میں سفر کے قابل بھی ہوگئے۔حسن اتفاق سے شاگردوں میں سے لوقا طبیب بھی تھے۔دیکھو (کلیسون باب 15:4) بالآخر صحت یاب ہوکر پھر اپنے شاگردوں سے ملتے

اور کھاتے پیتے رہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد جتنا عرصہ وہ گلیل کی طرف رہے پوشیدہ رہے۔

ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ مسیحؑ نے اپنے قتل اور دوبارہ جی اُٹھنے کے متعلق پیش گوئی کی تھی۔ اور کہ انجیلوں میں لکھا ہے کہ اس نے صلیب پر جان دی۔ بجواب اس کے عرض ہے کہ ان سب حالات اور واقعات کی موجودگی میں، جو ہم نے اس مضمون میں شروع سے اخیر تک اناجیل سے بیان کئے اس خیال کی سراسر تردید ہوتی ہے۔ مشیت ایزدی نے قدم قدم پر ایسے سامان پیدا کئے کہ دشمن اپنے منصوبے میں ہرگز کامیاب نہ ہوا۔ اور خدا کا مقدس رسول اس حالت سے نجات پا گیا جس کا نتیجہ لعنت اور خدا سے محرومی تھی۔ علاوہ بریں اگر حضرت مسیح کی موت اور دوبارہ زندگی کی تشریح مطلب ہو تو اس مشکل کو بھی آپ کی ایک دوسری پیشگوئی نہایت صفائی کے ساتھ حل کر دیتی ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں۔ پر یونس نبی کے نشان کے سوا اور کوئی نشان ان کو نہ دیا جاوے گا۔ کیونکہ جیسے یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔''

اس پیشگوئی کے مطابق صاف ظاہر ہے کہ جس طرح حضرت یونسؑ بحالت زندگی رہے اس طرح پر یہ پیشگوئی مسیح علیہ السلام کے صلیب سے زندہ رہنے کی صریح دلیل ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جو دعا مسیح علیہ السلام نے گت سمنی باغ میں بحوالہ متی 26 آیت 27 تا 57 اور مرقس 14 آیت 33 تا 42 اور لوقا 22 آیت 40 اور یوحنا 12 آیت 27 مانگی، جس کے متعلق جناب کا فرمودہ ہے کہ میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے اور منہ کے بل گر کے دعا کی۔ اے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ اس دعا کی قبولیت کی نسبت عبرانیوں باب 15 آیت 7 میں اس طرح پر لکھا ہے کہ اس نے اپنی بشریت کے دِنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اسی سے دعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی۔ اگر یہ دعا سنی گئی تو یقیناً یاد رکھو کہ مسیح علیہ السلام کی موت بھی صلیب پر واقع نہیں ہوئی۔ اور یہی ثابت کرنا تھا۔

❁❁❁

3 جنوری 1931ء

مراسلات

احمدیہ انجمن لاہور کی تبلیغی خدمات

مخدوم مکرم معظم جناب مولٰینا مولوی محمد علی صاحب ایدہ اللہ بنصرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ آج ہم مسلمانان سامانہ (پٹیالہ) اس قابل ہوئے کہ جناب والا کی خدمت بابرکت میں مبارکباد عرض کرتے ہوئے یہ مژدہ روح افزا سنادیں کہ جناب والا نے ہم خاکساروں کی بہت دیرینہ تمناؤں اور آرزوؤں کو بار آور فرماتے ہوئے مولانا عبدالحق صاحب فاضل سنسکرت اور مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع مسلم مشنری و شیخ بشیر احمد صاحب نومسلم کو بموقعہ جلسہ اسلامیہ سامانہ 23-24-25 نومبر 1930ء اجازت شمولیت مرحمت فرما کر جملہ اہل اسلام کی روح کو تازگی بخشی۔ منجملہ ان مسرت بخش و روح پرور تقاریر کے، جو ہر سہ بزرگان نے فرمائیں ایک مناظرہ بھی آریہ سماج سامانہ سے ہوا۔ جس میں خداوند تعالیٰ نے محض اپنے فضل و احسان سے اسلام اور قرآن پاک کی عظمت کا سکہ اہل اسلام کے دِلوں پر بالخصوص اور عام لوگوں کے دِلوں پر بالعموم بٹھا دیا۔ اور ایسی شاندار اور نمایاں فتح ہوئی کہ ایک عرصہ تک وہ مناظرہ روح افزا آنکھوں کے سامنے رہے گا۔ خداوند کریم نے اس کامیابی اور فتح مندی کا سہرا پہلوان اسلام جناب مرزا مظفر بیگ صاحب مسلم مشنری کے سر باندھا۔

مرزا صاحب موصوف کے دلائل و براہین اس قدر معقول، زبردست اور ایسے اچھوتے طریق کے تھے کہ آریہ مناظر باوجود کہنہ مشق ہونے کے تمام دم خم بھول گیا۔ اور آخر میں ایسا مبہوت اور پریشان ہوا کہ اس کی زبان نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور لکنت پیدا ہونے کے سبب کہتا کچھ تھا اور زبان سے کچھ نکلتا تھا۔ وید کی صداقت پر مناظرہ کرتے کرتے خود بھی بید بے ثمر کی طرح لرزنے لگا۔ غرضیکہ سناتنی پنڈتوں نے بھی اس بات کو مان لیا کہ آریہ مناظر کو اسلامی مناظر کے مقابلہ میں سخت ندامت اور ذلت اُٹھانی پڑی۔ بلکہ چند آریہ سماجی ممبران نے بھی اپنی ذلت کا اظہار کیا۔ غرض جس شان اور خوبی سے یہ مناظرہ ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ سامانہ میں اس سے قبل کبھی کوئی ایسا شاندار اور معرکتہ

الآراء مناظرہ نہ ہوا تھا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے۔ **اللّٰھم ذدفزد**

آپ اور آپ کے ہم خیال جس قدر خدمت اسلام کر رہے ہیں وہ واقعی قابل تحسین اور قابل تقلید ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ان نیک ارادوں میں کامیاب فرماوے اور آپ کی ان تمام کوششوں کو، جو ترقی اسلام کے لئے کر رہے ہیں، بارآور فرماوے۔ آمین ثم آمین۔

مکرر آنکہ ہم نہایت شرمندہ ہیں کہ آپ کے مبلغین کی خدمت جیسا کہ حق تھا ادا نہ کر سکے۔ جس کا ہمیں نہایت ہی افسوس اور رنج ہے۔ اُمید ہے کہ جناب بھی مبلغان ممدوح کو بعض وجوہ سے معذور سمجھ کر معاف فرمادیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ سال اگر زندگی نے وفا کی خدا داد توفیق کے موافق خدمت ادا کریں گے۔ نیز بعد ملاحظہ اصل ہذا کو اخبار پیغام صلح میں شائع فرمادیا جاوے۔ سید محمد رضا رضوی، سید باقر حسین زیدی سامانہ، محمد ہاشم، سید تصدق حسین سیکرٹری انجمن حسینیہ، حکیم دلبر حسین، سید تسلیم حسین، سید سرور حسین سامانہ، غفار داد خاں، ڈاکٹر شفاخانہ پرائیویٹ سامانہ، مرزا الیاس بیگ پوسٹماسٹر سامانہ، سید امیر حیدر ذیلدار سامانہ، ملک فضل محمد خاں پنشنر سابق تحصیلدار، ساکن تلونڈی ملک، سید کاظم حسین، اختر حسین، منشی خاں پرشین ٹیچر سٹیٹ ہائی سکول سامانہ، محمد رمضان بی۔اے۔ایس۔اے۔این، عبداللطیف خاں راجپوت، سردار محمد بیگ کپتان پنشنر، سید اقبال حسین نمبردار، عبدالعزیز، سید سجاد حسین جوائنٹ سیکرٹری انجمن حسینیہ سامانہ، سید محمد حسین بخاری، لائق حسین، حافظ شیخ احمد حسین اہلمد سابق، عبدالحمید، محمد اتفاق خاں، خان محمد اشرف خان، گڑھی نذیر متصل سامانہ، سرفراز حسین محرر دفتر چونگی سامانہ، خدا بخش، شیخ نتھو شوز مرچنٹ، محمد اسحٰق خاں محرر چونگی سامانہ، شیخ محمد حنیف، محمد حسین، قادر بخش ساکن ماجری، محمد علی شاہ تار بابو، خان محمد اکبر خاں گڑھی نذیر۔

۞۞۞

7 جنوری 1931ء

ہمارا قومی پروگرام ۔1931ء کے لئے

ہر ایک دوست اس مضمون کو اول سے آخر تک پڑھ کر ضروری اُمور نوٹ کر لے جن میں وہ حصہ لے سکتا ہے اور اگر کسی امر میں اسے مرکز سے امداد کی ضرورت ہو تو اس کی اطلاع مجھے دے

کامیابی کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔اول اپنے اغراض و مقاصد کو اپنے سامنے رکھنا دوسرے ان کے لئے سب افراد قوم کا جدوجہد کرنا۔اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے احباب کے سامنے اس پروگرام کو رکھ دوں جو اس نئے سال میں ہمارے مدنظر ہو۔اور ان سے درخواست کروں کہ ہر ایک دوست جہاں تک ممکن ہو ان اغراض کے حصول کے لئے کچھ نہ کچھ ہاتھ پاؤں ہلاتا رہے۔ایک ایک فرد کی تھوڑی تھوڑی حرکت کا مجموعی اثر ایسا ہی ہوتا ہے جیسے قطرہ قطرہ مل کر دریا ہو جاتا ہے۔مگر قبل اس کے کہ میں اپنے احباب کے سامنے اس پروگرام کو رکھوں میں اس بات کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں۔کہ میرا دل احباب کرام کی ان قربانیوں کے احساس سے لبریز ہے جو اُنہوں نے سالانہ جلسہ پر کیں۔اور میں نے اپنی آنکھوں سے زندگی کی اس زبردست لہر کو دیکھا ہے جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہماری قوم کو عطا فرمائی ہے۔اس بات پر نہ مجھے فخر ہوا ہے اور نہ ہمارے کسی قومی کارکن کو۔بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جس نے احباب کرام کو ان قربانیوں کی توفیق دی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے دل اپنے مالک کے سامنے بہہ نکلے ہیں۔دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کے ایفاء کا یہ ایک ایسا نقشہ تھا جو اس دنیا کی مادی کششوں کے اندر کبھی کبھی ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ہاں جہاں ہمارے لئے زیبا نہیں کہ اس کامیابی پر نازاں ہو بیٹھیں، کیونکہ اس کا یقینی نتیجہ یہ ہوگا کہ قوم کا قدم سست ہو جائے گا۔اس کے ساتھ ہی میں اس بات کو ظاہر کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ قوم کے اندر ان قربانیوں کا نمونہ دیکھنے کے بعد جو شخص ہماری قوم کو نا کام خیال کرتا ہے وہ حقیقت سے بے خبر ہی نہیں اپنی قوم پر اور خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ہاں جس طرح ایک عارف کے دل پر یہ احساس ہوتا ہے کہ **مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ** اسی طرح کام کرنے والی قوم کے دل پر اس احساس کا ہونا ضروری ہے کہ جو حق خدمت تھا وہ ہم سے ادا نہیں ہوا۔یہی احساس ہے جو کام کے لئے انسان کے دل کے اندر نئی قوت پیدا کرتا ہے۔

اول۔ 1931ء کے پروگرام میں سب سے پہلے میں اشاعت اسلام کے کام کو لیتا ہوں کیونکہ یہی ہماری اصل غرض ہے۔اشاعت اسلام کا ایک کام تو وہ ہے جو انجمن کر رہی ہے۔مثلاً ہمارے بیرونی مشن، ہندوستان کے مشن، اشاعت لٹریچر وغیرہ۔مگر قومی پروگرام میں رکھنے سے میرا مطلب کام کے اس حصے کو احباب کے سامنے لانا ہے جو وہ اپنے طور پر کر سکتے ہیں۔اور اسی ذیل میں مَیں تین باتیں احباب کے سامنے پیش کروں گا۔

1۔ہمارے پاس کم وبیش ہر مذہب کے متعلق کچھ ٹریکٹ وغیرہ مفت اشاعت کے ہیں جن کو پھیلانے میں ہمارے احباب ہماری اعانت کر سکتے ہیں۔ دوسری قومیں اور ممالک تو کیا خود جو لوگ ہمارے بھائی ہیں ہندو ہوں یا سکھ یا عیسائی وہ بھی مذہب اسلام کے اصول سے اور پیغمبر اسلام کی صحیح تصویر سے بہت حد تک نا آشنا ہیں۔ان کو ان اُمور سے واقف کرنا اسلام کی خدمت ہی نہیں ملک اور قوم بلکہ انسانیت کی خدمت بھی ہے۔ہم میں سے بہت لوگوں کو یہ علم بھی نہیں کہ انجمن اس علمی رنگ میں کس قدر خدمت اسلام کر رہی ہے۔اور خود بے خبر ہونے کی وجہ سے وہ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ انجمن کچھ کام ہی نہیں کر رہی۔وہ خود اپنے آپ کو کام میں لگائیں اور پھر جس چیز کی ضرورت ہو ان کے متعلق اطلاع دیں جو ٹریکٹ وغیرہ تیار ہوں گے وہ بھیج دیئے جائیں گے اور جن اور ٹریکٹوں کی ضرورت اس طرح پر محسوس ہوگی وہ تیار کرا لئے جائیں گے۔

2۔علاوہ ان ٹریکٹوں کے قیمتی لٹریچر ہے۔اس کی اطلاع دوسروں کو پہنچانا ضروری ہے۔ کیونکہ خود مسلمانوں میں سے بہت سے لوگوں کو علم نہیں کہ کیا کیا لٹریچر یہاں سے نکل رہا ہے۔تو دوسرے مذاہب والوں کو کیا واقفیت ہوگی۔قرآن کریم کا ترجمہ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی اور چھوٹی سیرت تو مشہور کتابیں ہیں۔مگر ان کے علاوہ بھی بہت سا لٹریچر ہے جس کا علم دوسروں کو ہونے پر ممکن ہے کہ وہ اسے منگوا کر فائدہ اُٹھائیں۔اس کا آسان طریق یہ ہے کہ بکڈپو سے فہرست کتب منگوا کر جہاں موقعہ ہو پہنچا دی جائے۔ یہ بھی ایک خدمت کا کام ہے۔

3۔تیسرا کام جس کی طرف میں احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ دوسرے مذاہب کی تحریکات کی طرف توجہ رکھنا اور جہاں ضرورت ہو ان کے متعلق مرکز میں اطلاع دینا ہے۔بعض وقت یہی تحریکات

اسلام کی اشاعت کے کام میں معاون ہو جاتی ہیں اور اس طرح سے عام طور پر مسلمانوں میں ایک بیداری پیدا کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔

میں نے یہ چند باتیں ان کی اہمیت کے لحاظ سے لکھ دی ہیں۔ میری اصل غرض یہ ہے کہ ہماری جماعت کے ہر ایک فرد کے دل میں یہ پورا پورا احساس ہو کہ وہ جہاں کہیں بھی ہیں درحقیقت اشاعت اسلام کا ایک مرکز ہے اور وہ تھوڑی سی توجہ سے بہت سا فائدہ مسلمانوں کو پہنچا سکتا ہے۔

دوم۔ دوسرا بڑا امر ہمارے پروگرام میں توسیع و استحکام جماعت ہے۔ کیونکہ اسی پر یہ انحصار ہے کہ ہم اپنی اصل غرض اشاعت اسلام میں کس حد تک کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک ایک آدمی جو جماعت میں شامل ہوتا ہے وہ ہمارے کام میں ایک مستقل معاون ہو جاتا ہے بلکہ اور بہت سے مستقل معاون پیدا کرنے کا موجب ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح جماعت کے باہم تعلقات اخوت کو بڑھا کر جس قدر یہ جماعت مضبوط ہوگی اسی قدر زیادہ کام ہو سکے گا۔ پس توسیع و استحکام جماعت درحقیقت اشاعت اسلام کے کام میں استقلال اور قوت پیدا کرنے کا موجب ہے۔ اگر کسی شخص کا یہ خیال ہو کہ ہم صرف چندوں سے کام چلا سکتے ہیں تو وہ غلطی پر ہے۔ یہ جماعت کی قوت ہی ہوتی ہے جو بڑی بڑی مشکلات پر غالب آ جاتی ہے۔ اور پھر جماعت بھی وہ جس کی بنیاد امام وقت اور مسیح اُمت نے رکھی ہے۔ توسیع و استحکام جماعت کے لئے ذیل کے اُمور کی طرف اپنے احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اگر ان اُمور کی طرف توجہ ہوئی تو اس سال ہماری جماعت کی حالت تعداد اور مضبوطی کے لحاظ سے بہت ترقی کر جائے گی۔

1۔ ہر ایک احمدی کو اسے اپنا اولین فرض سمجھنا چاہئے کہ وہ جہاں ہے ایک مبلغ احمدیت ہے اور یہ تبلیغ حسب سنت انبیاء اپنے گھر اور اپنے قریبیوں اور عزیزوں سے ہی شروع ہونی چاہئے۔ سو سب سے پہلے ہر ایک احمدی اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو سلسلہ میں شامل کرے۔ سہل ترین کام ہونے کے باوجود ہمارے اکثر احباب اس سے لاپرواہ ہیں اور اسی لاپروائی کا نتیجہ ہے کہ جہاں دوسرے لوگ احمدیت کی خدمت اسلام کو دیکھ کر اس میں شامل ہو رہے ہیں اور اس کے لئے قربانیاں کر رہے ہیں، ہمارے بعض اپنے عزیز دوستوں کی اولاد اس سے بے خبر ہونے کی وجہ سے بہت دور جا پڑی ہے۔ بچے

جب پندرہ سولہ سال کی عمر تک پہنچ جائیں، جو سنِ تمیز ہے، تو انہیں بیعت کرا کر جماعت میں شامل کرنا چاہیئے۔ یہ خیال، چونکہ ہم احمدی ہیں، اس لئے ہماری اولاد بھی احمدی ہے، صحیح نہیں۔ احمدیت تو فی الحقیقت ایک خدمت دین کا اقرار ہے جو شخص اس اقرار میں سے ہو گذرتا ہے اس کے دل پر اس کا کم یا زیادہ احساس بھی ہوتا ہے اور جو اس اقرار میں سے نہیں گزرتا اس کی لاپروائی عموماً روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے جس شخص نے خود بیعت کی ہے اس کا فرض ہے کہ سب سے پہلے اپنی بیوی اور بچوں کو بھی بذریعہ بیعت سلسلہ میں داخل کرے۔ اس کے بعد اپنے دوسرے عزیزوں رشتہ داروں دوستوں زیر اثر لوگوں اپنے حلقہ واقفیت والوں کو تبلیغ کرے۔ اس غرض کے لئے بھی ہمارے پاس بہت سے ٹریکٹ مفت اشاعت کے ہیں۔ وہ ہر ایک دوست جب چاہیں مفت منگوا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ قیمتی کتب کا سلسلہ ہے۔ خود حضرت مسیح موعود کی کتب کے چار ہزار سے زیادہ صفحات دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔ اور ایک جامع کتاب مسیح موعود ہے جس کا کثرت سے پڑھنے والوں نے اعتراف کیا ہے کہ اس کو پڑھ کر وہ صداقت سلسلہ کے قائل ہوئے ہیں۔

2۔ توسیع جماعت کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اس غلط تعلیم کا مقابلہ کیا جائے جو فریق قادیان پھیلا رہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعود نے دعوٰی نبوت کیا ہے یا دنیا کے چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود نے قسمیں کھا کھا کر دعوٰی نبوت سے انکار کیا ہے اور کسی کلمہ گو کی تکفیر کو جرم عظیم قرار دیا ہے اور خود فرمایا ہے کہ میرے دعوٰی کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا چونکہ مسلمانوں کی تکفیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ کھولنا جماعت کی ترقی میں بھی سخت روک ہے اور یہ مسائل مسلمانوں کی قوت کو بھی پاش پاش کرتے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود پر یہ دو عظیم الشان بہتان ہیں اس لئے ان کا مقابلہ بھی ہر ایک احمدی کے فرائض میں داخل ہے۔ اس کے متعلق بھی مفت اشاعت کے کثرت سے ٹریکٹ موجود ہیں اور ایک قیمتی کتاب ''النبوۃ فی الاسلام'' ہے۔

3۔ ہر جگہ اپنی لائبریری قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ انجمن اس غرض کے لئے اپنی کل کتب نصف قیمت پر دیتی ہے اور وہ نصف قیمت بھی باقساط وصول کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر ہر شہر میں اپنی لائبریری بنانی چاہیئے۔ ہمارا سلسلہ ایک علمی سلسلہ ہے اور اس کی ترقی کا

دارومدار ہی علم کی ترقی پر ہے۔ جس شہر میں احباب لائبریری بنائیں اس کی اطلاع یہاں بھی دیں۔ تا کہ دوسروں کی تحریک کے لئے اخبار میں اس کا نوٹ کیا جائے۔ جہاں لائبریریاں بنی ہوئی ہیں وہ احباب بھی اطلاع دیں۔

4۔ ہر جماعت میں امور ذیل کا انتظام ہونا ضروری ہے۔ نماز جمعہ کا اپنا انتظام کرنا، درس قرآن کریم کا انتظام کرنا، ہفتہ میں ایک بار ایسے اجتماع کا انتظام کرنا جس میں اہم مضامین پر جو اشاعت اسلام یا تبلیغ احمدیت سے تعلق رکھتے ہوں تقریریں کرنا، جمعہ یا عیدین میں قریب قریب کے احباب کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

5۔ ہر ایک ضلع یا ریاست کے ہیڈ کوارٹر کے احباب نہ صرف اپنے شہر کی جماعت کی تعظیم کریں۔ بلکہ جو مفصلات ان اضلاع کے متعلق ہیں وہاں بھی تنظیم جماعت کا انتظام کریں اور کبھی کبھی دیہات میں جایا کریں۔

6۔ تعلقات اخوت کو مضبوط کرنے کے لئے حتیٰ الوسع احمدی احباب کو آپس میں رشتہ داریاں کرنی چاہئیں۔

7۔ اخبار ''پیغام صلح'' ہر ایک دوست کے پاس جانا چاہیئے اور اخبار ''لائٹ'' بھی ہر ایک انگریزی خواں دوست بالخصوص سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے نوجوانوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ اور والدین کو خود اس کا انتظام کرنا چاہیئے تا کہ ان کی اولاد کے دِلوں میں اسلام کی عزت و احترام باقی رہے۔

سوم۔ عام طور پر مسلمانوں کی اصلاح یا بہتری کا ہر ایک کام بھی درحقیقت ہمارے اغراض ومقاصد کے اندر شامل ہے اور بعض کام اس وقت انجمن اس قسم کے کر بھی رہی ہے لیکن ایک کام جس کو میں اپنے قومی پروگرام میں اہمیت دینا چاہتا ہوں وہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی اصلاح ہے اور اس اقتصادی اصلاح میں بھی بالخصوص 1931ء کے لئے میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے بے سوچے سمجھے قرضہ اُٹھاتے چلے جانے کی ذہنیت کے خلاف ایک جہاد عظیم کی ضرورت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں سے پناہ مانگنے کی دعا سکھائی ہے اعوذبک من غلبة

الدین و قھر الرجال ایک قرضہ کا غلبہ دوسرے لوگوں کی حکومت کے ماتحت اخلاق فاضلہ اس قدر تباہ نہیں ہوتے جس قدر قرضہ کے نیچے آنے سے تباہ ہوتے ہیں۔اس بات کی شائد ہی کوئی نظیر مل سکے کہ جہاں کوئی شخص بلائے قرضہ میں گرفتار ہو گیا ہو اس کا دین یا اس کی دنیا دونوں میں سے کوئی چیز بچی ہو! حالانکہ غیر حکومت کے نیچے انسان کی یہ حالت نہیں ہوتی۔اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس سال ایک خاص جہاد ہماری قوم کی طرف سے قرضہ لینے کے خلاف ہو۔اس بارے میں میرا ارادہ ہے کہ ایک سلسلہ پوسٹروں اور ٹریکٹوں کا نکالا جائے۔اور ان کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے نہ صرف احمدی احباب کی امداد طلب کی جائے۔بلکہ دوسرے مسلمانوں سے بھی ایسی مدد لی جائے۔ اور یہ مدد دو طرح پر ہوگی۔ایک یہ کہ ان پوسٹروں اور ٹریکٹوں کو لوگ لاگت پر منگوالیں۔اور دوسرے یہ کہ وہ یہ ذمہ لیں کہ انہیں خاص علاقوں میں تقسیم کر دیں گے۔بعض احباب پوسٹروں اور اشتہاروں کی اشاعت کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔حالانکہ پوسٹروں اور اشتہاروں سے بعض وقت وہ کام نکلتا ہے جو بڑی بڑی کتابیں نہیں کر سکتیں۔ان کا مضمون مختصر ہوتا ہے اور جلد ذہن نشین ہو جاتا ہے اور یہ خاص و عام تک پہنچ جاتے ہیں۔راہ چلتا اور گھر بیٹھا آدمی بھی ان کو پڑھ لیتا ہے اور بات تو اگر دل پر اثر کر جائے تو مختصر ہی ہوتی ہے۔اگر غرض اصلاح قوم ہے تو جس طریق سے اصلاح قوم ہو جائے وہی طریق درست ہے۔اگر ہر مضمون پر بڑی بڑی کتابیں لکھ کر ان کی چند کاپیاں چند دولت مندوں کی بدولت مفت تقسیم کر دی جائیں۔یا کتب خانوں میں بند پڑی رہیں تو قوم ترجیح تعلیم سے محروم رہ جائے گی۔پس اس حصہ میں میری یہ خواہش ہے کہ ایسے احباب اپنے اسمائے گرامی سے اطلاع دیں جو 1۔پوسٹروں اور اشتہاروں کو لاگت پر خرید یں گے۔2۔جو خاص خاص علاقوں میں انہیں تقسیم کر دینے کا ذمہ لیں گے۔ خاکسار محمد علی احمدیہ بلڈنگس، لاہور

آہ رئیس الاحرار: اے خدا! اس قحط الرجال کے زمانہ میں بدنصیب و مظلوم مسلمان اس درد انگیز اور منحوس خبر کو کس طرح سنیں کہ رئیس الاحرار شہید ملت مولانا محمد علی جوہر ایڈیٹر کامریڈ ہمدرد کا 4 جنوری کو لنڈن میں انتقال ہو گیا۔آہ عالم اسلامی کا یہ مایہ ناز فرزند مسلمانان ہند کا جلیل القدر رہنما، اتحاد اسلامی کا علمبردار سیاست اسلامی کا ماہر چل بسا۔شمع ملت کا پروانہ جل بجھا، دین و وطن کا شیدائی آخر دین وطن پر

قربان ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ۔

آہ! اب محمد علی مرحوم کے بعد کون ہے جو مسلمانان ہند کی سیاسی قیادت کا دم بھر سکے۔ معزز معاصر ''انقلاب'' کے یہ الفاظ بالکل سچ ہیں۔ کہ آج ملت اسلامیہ ہند بیوہ ہو گئی۔ اس کا سہاگ لٹ گیا۔ اور اس کا دولہا اسے گرداب حیات میں تھپیڑے کھانے کے لئے چھوڑ گیا۔ مرحوم کے سیاسی و مذہبی عقائد و مسلک سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ ان کے طریق کار پر اعتراضات ممکن ہیں لیکن ان کی غیرت دینی، حب وطن، بے نظیر علمی و ادبی قابلیت، سیاسی تدبر، استقلال، تحمل شدائد اور جوش و ایثار کے اشد ترین مخالفین بھی قائل ہیں۔

مرحوم کا وطن ریاست رام پور تھا۔ آپ 1878ء میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ اور آکسفورڈ میں تحصیل علم کے بعد ریاست رام پور اور بڑودہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ اس کے بعد کلکتہ سے اپنا مشہور انگریزی اخبار ''کامریڈ'' نکالا۔ جو بعد کو دہلی میں منتقل ہو گیا۔ آغاز جنگ یورپ میں آپ نظر بند کر لئے گئے۔ 1919ء میں رہا ہونے کے بعد تحریک خلافت و کانگرس میں نمایاں حصہ لیا۔ 1920ء میں وفد خلافت کے صدر کی حیثیت سے انگلستان تشریف لے گئے۔ 1921ء میں آپ کو ایک تقریر کی بنا پر دو سال قید کی سزا ہوئی۔ 1923ء میں آپ کناڈا کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ 1928ء میں نہرو رپورٹ کی بناء پر کانگریس سے علیحدہ ہو گئے۔ اور مردانہ وار تحفظ حقوق المسلمین اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے مسلسل کوشش کرتے رہے۔ گذشتہ سال سے آپ امراض قلب اور ذیابطیس کی وجہ سے بیمار تھے۔ لیکن اپنی علالت کی پروا نہ کرتے ہوئے گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے اور آج کل اسی کانفرنس کے سلسلہ میں لنڈن میں مقیم تھے کہ فرشتہ اجل نے ان کو ہم سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا۔

اس حادثہ عظیم میں ہمیں محترمہ بیگم محمد علی، علی برادران اور مرحوم کے دیگر اعزہ و احباب سے دلی ہمدردی ہے۔ دعا ہے کہ خداوند کریم مرحوم کو اپنے دامن رحمت کے سایہ میں جگہ دے۔ پس ماندگان اور تمام مسلمانان ہند کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔ ثم آمین۔

اخبار احمدیہ: (11 جنوری 1931ء) حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ 9 جنوری جمعہ گذشتہ کو لائل پور تشریف

لے گئے۔اس کے بعد گوجرہ اور شیخوپورہ تشریف لے جائیں گے۔اس سے اگلا جمعہ سیالکوٹ پڑھائیں گے۔اور وہاں سے جموں تشریف لے جائیں گے۔

مولانا صدرالدین صاحب رہتک کے مسلمان معززین کی درخواست پر ڈاکٹر سٹینلے جونس کے 17 جنوری کے لیکچر کی صدارت کے لئے تشریف لے جائیں گے۔اور 18 جنوری کو آپ کا ایک لیکچر اسلام اور عیسائیت پر ہوگا۔ڈاکٹر سٹینلے جونس مشہور پادری ہیں کہ جو افریقہ سے چل کر سارے ہندوستان میں لیکچر دینے کے لئے آئے ہیں۔اس لیکچر بازی سے کامیابی تو ان لوگوں کو جو کچھ ہوتی ہے وہ معلوم ہی ہے۔مگر ان کی ہمت ضرور قابل داد ہے۔اس سے پیشتر پادری زویمر امریکہ سے چل کر یہاں لیکچر بازی کے لئے آیا تھا۔اور پھر اس کی جوگت یہاں لاہور میں بنی وہ لاہور کی پبلک کو معلوم ہے۔

مولانا محمد علی برادر مولانا شوکت علی صاحب کی وفات کی خبر حسرت آیات سن کر انجمن نے اپنے مسلم ہائی سکول لاہور میں تعطیل کر دی۔ووکنگ میں امام مسجد ووکنگ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔نماز میں ہر طبقہ اور خیال کے لوگ موجود تھے۔

میاں عبدالعزیز صاحب ریٹائرڈ سول سرجن، جو اس جماعت کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے اور ہمیشہ نیک تحریکات میں اعانت کرتے تھے، 2 جنوری کو باغبان پورہ میں اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آفتاب اسلام کی ضیاء پاشیاں: راجن پور ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ہمارے مبلغ مولوی نیاز احمد صاحب کی کوشش سے 25 اشخاص حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔کوٹ آہدیاں میں چالیس فرد مسلمان ہوئے تھے۔ان کی اب درخواست آئی ہے کہ ان کی دینی تعلیم کے لئے کوئی معلم بھیجا جائے۔

دورہ مبلغین: مولانا عصمت اللہ صاحب کا ہیڈ کوارٹر اس سال سیالکوٹ رہے گا۔اور مفصلہ ذیل مقامات میں وہ اپنا دورہ رکھیں گے۔گوجرانوالا، وزیرآباد، پسرور، جموں، چانگڑیاں، گجرات، جہلم، راولپنڈی بمعہ مفصلات۔یہاں کی جماعتوں کو جس وقت ضرورت ہو ان کو بلا سکتے ہیں۔ملک لال حسین صاحب کے سپرد، شیخوپورہ، لائل پور، سرگودھا، جھنگ، بدوملہی، چندر کے مگولے (جہاں محمودیوں کو

ہندو، مسلمان، عیسائی اور ایک معزز محمودی کی رائے میں شکت فاش ہوئی تھی) سن (شاہدرہ) نواں کوٹ، علاوہ اس کے ان کے ذمہ مردم شماری اور تحصیل چندہ کا کام بھی رہے گا۔ قاضی شیر محمد خاں اور مولوی نیاز احمد صاحب نظامی اضلاع ڈیرہ غازی خاں، مظفر گڑھ، ملتان کی جماعتوں میں تنظیم و تبلیغ کریں گے۔ مرزا مظفر بیگ صاحب اور شیخ بشیر احمد صاحب سابق روشن لعل متفرق دورہ پر رہیں گے۔ جہاں ضرورت ہوگی وہاں ان کو بھیجا جائے گا۔

مصر کے الطائف المصورہ میں سلسلہ احمدیہ کا ذکر: مصر کے عربی مجلّہ اللطائف المصورہ میں حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ، برلن میں مجلس مولود، مسجد برلن اور جناب بابو منظور الٰہی صاحب کی عکسی تصاویر شائع ہوئی ہیں۔ محفل مولود میں جرمن نومسلمین مصری اور ہندی طلباء بھی موجود ہیں۔ اور ایک کثیر حصہ جرمنی کے معززین کا بھی ہے۔ اس کے نیچے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ جماعت احمدیہ لاہور کا مشن ہے کہ جس نے جرمنی میں اپنا تبلیغی مشن قائم کیا ہے۔ یہ جماعت لاہور الگ ہے قادیان کی اس جماعت سے۔ جس کو امیر شکیب ارسلان نے دشمن اہل سنت والجماعت لکھا ہے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کی عکسی تصویر: اس کے نیچے یہ نوٹ لکھا ہے کہ یہ عالم جلیل اور فلاسفر اعظم جماعت احمدیہ کا امیر ہے۔ وہ جمعیت احمدیہ کہ جو دین اسلام کی تبلیغ کے لئے لاہور میں قائم ہے جنہوں نے برلن میں مسجد بنانے کا فخر حاصل کیا ہے، صاحب تصویر دینی، تاریخی اور مختلف علوم کی کتابوں کا مولف ہے۔ آپ نے زبان انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر سات سال کی متواتر محنت کے بعد کیا ہے۔ آپ کا ترجمہ نہایت بے نظیر اور ضرورت زمانہ کے مطابق ہے۔ دنیا کے شرق اور غرب سے اس ترجمہ کے لئے صدائے تحسین بلند ہوئی ہے۔

خان صاحب بابو منظور الٰہی صاحب کی تصویر: اس پر لکھا ہے کہ یہ تصویر بہت بڑے فاضل محمد منظور الٰہی صاحب کی ہے کہ جو اس جمعیت احمدیہ کے سیکرٹری ہیں جو اشاعت اسلام کے لئے لاہور میں قائم ہے۔ آپ محکمہ ٹیلیگراف میں ایک عہدہ جلیلہ پر فائز ہیں۔ باوجود اس کے آپ جمعیۃ احمدیہ کی خدمت دلی اخلاص اور خوشی کے ساتھ کرتے ہیں۔ آپ نے اپنا فارغ وقت اور مال اشاعت اسلام کے لئے قربان کیا ہوا ہے۔ اور آپ مسجد برلن کی تعمیر میں بہت بڑھ کر حصہ لینے والوں میں سے ہیں۔

مسجد برلن کا فوٹو: اس پر نوٹ ہے کہ یہ اس مسجد کا بیرونی منظر ہے کہ جس کو جماعت احمدیہ لاہور نے جرمنی میں بنایا ہے۔ احمدی جماعت نے اس پر ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا ہے۔ اور یہ عام جلیل اور فاصل حکیم امیر جماعت محمد علی کی ہمت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔

مورخہ 7 جنوری کو شہزادہ محمد اسلم خان صاحب بی۔اے (کیمبرج) ایبٹ آباد سے تشریف لائے اور حضرت امیر ایّدہ اللہ بنصرہٖ سے ملاقات کی۔ آپ انگلینڈ اور جرمنی میں اپنی عمر کا بہت سا حصہ گذار چکے ہیں جرمنی میں آپ کو حضرت امیر کی بلند پایہ تصانیف کو دیکھ کر آپ کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔

۞۞۞

11 جنوری 1931ء

حضرت امیر کے قلم سے

احباب قادیان سے اپیل

اس اخوت کے لحاظ سے جو اسلام میں ہم سب کو حاصل ہے اور پھر مسیح موعود کو ماننے میں ہم ایک ہیں۔ ہمارا (جماعت احمدیہ لاہور کا) حق ہے کہ آپ ہماری بات کو سنیں اور اس پر غور کریں۔ اور مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ آپ کا بھی ہم پر حق ہے کہ ہم آپ کی بات سنیں اور غور کریں۔ آج ہمیں آپ سے جدا ہوئے قریباً سترہ سال گذر گئے۔ یہ کافی لمبا عرصہ ہے جس میں آپ نے دیکھ لیا ہے کہ ہم کیا کام کر رہے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کوششوں کو، جو اس کے دین کی خدمت کے لئے تھیں، بارآور کیا ہے۔ ہمارے متعلق ابتداء میں شاید آپ کو یہ بدگمانی رہی کہ ہم نے مسیح موعود کو چھوڑ دیا ہے۔ یا کم سے کم یہ کہ ہم سلسلہ کو لوگوں کے سامنے پیش نہیں کرتے۔ ان دونوں خیالات کی غلطی آپ میں سے ان اصحاب پر جن کو ہمارا کام دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، کھل چکی ہے۔ آج خدا کے فضل سے اس ترقی کے علاوہ، جو ہندوستان میں ہماری جماعت کو ملی ہے، دس بیرونی ممالک میں ہمارے ہاتھوں سے سلسلہ احمدیہ کی بنیاد قائم ہو چکی ہے اور وہاں جماعتیں بن چکی ہیں۔ علاوہ اس اسلامی لٹریچر کے، جس نے اسلام کی عزت کو دنیا میں بہت بڑھایا ہے، چار ہزار سے زیادہ صفحات حضرت مسیح موعود کی تحریروں کے ہم دوبارہ چھپوا کر اس کا بڑا حصہ تقسیم کر چکے ہیں۔ اور ٹریکٹ تیس تیس چالیس چالیس بلکہ اسی اسی صفحات کے بھی دس دس پندرہ پندرہ بیس بیس ہزار کی تعداد میں مفت شائع کر چکے ہیں۔ صرف اردو انگریزی میں ہی نہیں بلکہ دنیا کی اور کئی زبانوں میں بھی۔ آپ کو علم ہے کہ جب ہم آپ سے جدا ہوئے تھے تو اس وقت ہم کتنے آدمی تھے؟ لیکن اب آپ ہی غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر کام خدمت دین کا ہمارے ہاتھوں سے لیا۔ یہ محض اس کا فضل ہے۔ اور پھر کس قدر نصرت عطا فرمائی کہ وہ علوم، جو ہم کو حضرت مسیح موعود سے ورثہ میں ملے تھے، انہیں ہم نے دنیا کے دور دور کے کناروں تک پہنچایا ہے۔ یورپ اور امریکہ کی ہزارہا لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر پہنچایا، مشن قائم کئے، وسط یورپ میں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی۔ سینکڑوں بلند پایہ فضلاء مبلغین کی وساطت سے اسلام میں داخل ہوئے، پانچ اخبار

اور رسالے صرف انجمن کی طرف سے اس وقت پانچ مختلف زبانوں میں نکل رہے ہیں۔ دو ہائی سکول کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ 64 ممالک کے مسلمانوں میں خط و کتابت کے ذریعہ سے بیداری پیدا کی ہے۔ ابتدائی سال کے پندرہ ہزار سے بھی کم روپوں کے چندے سے کام شروع کر کے آج ساٹھ ستر اسی اور نوے ہزار کے قریب قریب پہنچایا اور کم و بیش دو لاکھ روپے کا سالانہ بجٹ ہے۔ کیا ایک بے سروسامانی کی حالت میں نکل کر اللہ تعالیٰ کی خاص نصرتوں اور تائیدات کے بغیر یہ کام ہم کر سکتے تھے؟ آپ غور فرمائیں تو پہلی بات جو آپ کو نظر آئے گی وہ یہی اللہ تعالیٰ کی نصرت اور معیت کا ہاتھ ہے۔

رہا اختلاف کا سوال۔ تو یہ خیال آپ لوگوں کے دِلوں میں ڈالا جا تا رہا ہے کہ اس کی غرض محض اس قدر تھی کہ میں اپنے لئے نمبرداری حاصل کرلوں۔ آپ جانتے ہیں کہ ایسی نمبرداری کی خواہش اُسے ہوسکتی ہے جسے اس سے کچھ ذاتی منفعت بھی پہنچے۔ اور یہ بھی آپ میں سے اکثر لوگوں کو علم ہوگا اور جسے نہیں وہ آسانی سے دریافت کرسکتا ہے کہ مجھے اس امامت و امارت سے ذاتی منفعت کوئی نہیں۔ اختلاف ان اُمور پر تھا جو عقائد سے تعلق رکھتے تھے۔ ان پر بھی غور کریں۔ میں مختصر باتیں ہی کہوں گا۔ اول ہم میں اختلاف ہے کہ کیا حضرت مسیح موعود نے دعوٰی نبوت کیا؟ اس کا جواب صحیح وہی ہوگا جو حضرت مسیح موعود خود دیں۔ اگر حضرت صاحب نے دعوٰی نبوت کیا ہو تو ہمیں اس کا انکار نہ ہونا چاہئے۔ اور اگر حضرت صاحب نے دعوٰی نبوت سے خود انکار کیا ہو تو آپ کے لئے یہ زیبا نہیں کہ ان کی طرف ایسا دعوٰی منسوب کریں۔ ہماری بحث اس بات میں نہیں کہ حضرت صاحب نے لفظ نبی مجاز یا استعارہ کے رنگ میں یا اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے استعمال کیا ہے، بلکہ اس لفظ کے استعمال کے متعلق جس طرح آپ نے پہلی کتابوں میں صاف طور پر لکھا ہے کہ آپ نے مجاز اور استعارہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اسی طرح آخری کتاب ''حقیقۃ الوحی'' میں بھی لکھا ہے کہ میرا نام نبی محض مجاز کے طور پر رکھا گیا ہے۔

اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ حضرت مسیح موعود نے دعوٰی نبوت کیا ہے یا نہیں؟ آپ کے ذمہ یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اپنی کس کتاب میں دعوٰی کیا ہے۔ اور اگر صریح الفاظ میں نہ دکھا سکیں تو ہمارا دعوٰی، کہ حضرت صاحب نے دعوٰی نبوت نہیں کیا، خود ہی ثابت ہو جاتا ہے۔

تاہم ہم اس بات کو ایک دو نہیں متعدد تحریرات سے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت صاحب نے کھلے الفاظ میں دعویٰ نبوت سے انکار کیا ہے۔ بلکہ ایسے دعویٰ کو اپنے اوپر افتراء قرار دیا ہے نیچے دو کالم بنا دئے ہیں۔ ایک کے حوالجات تو مجھے ملے ہیں۔ مگر دعویٰ نبوت کا حوالہ حضرت صاحب کی تحریرات سے مجھے کوئی نہیں ملا۔

کیا حضرت مسیح موعود نے دعویٰ نبوت کیا؟	کیا حضرت مسیح موعود نے دعویٰ نبوت سے انکار کیا؟
1۔ کوئی حوالہ نہیں	1۔ ازالۂ اوہام صفحہ 421 ''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔''
2۔ کوئی حوالہ نہیں	2۔ حمامۃ البشریٰ صفحہ 8 ''اور ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔''
3۔ کوئی حوالہ نہیں	3۔ حمامۃ البشریٰ صفحہ 79 ''ایک یہ اعتراض ہے کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے میں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔''
4۔ کوئی حوالہ نہیں	4۔ حمامۃ البشریٰ صفحہ 79 ''مجھے کہاں حق پہنچتا ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کروں اور اسلام سے خارج ہو جاؤں۔''
5۔ کوئی حوالہ نہیں	5۔ ''یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں مسلمان ہو کر نبوت کا ادعا کروں۔''
6۔ کوئی حوالہ نہیں	6۔ حمامۃ البشریٰ صفحہ 81 ''یہی کہا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا یہ قول صریح کذب ہے۔''

7۔کوئی حوالہ نہیں	7۔حمامۃ البشریٰ صفحہ 83 ''مت گمان کرو کہ میں نے جو بات کہی ہے اس میں ادعائے نبوت کی کچھ بو پائی جاتی ہے۔''
8۔کوئی حوالہ نہیں	8۔جنگ مقدس صفحہ 67 ''میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں آپ کی یہ غلطی ہے۔''
9۔کوئی حوالہ نہیں	9۔انوار اسلام صفحہ 34 ''اور اگر یہ اعتراض ہے کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کلمہ کفر ہے تو بجز اس کے کیا کہیں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین المفترین۔''
10۔کوئی حوالہ نہیں	10۔انجام آتھم صفحہ 182 ''یہ سراسر افتراء ہے کہ ہماری طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ ہم خود دعویٰ نبوت کرتے ہیں۔''
11۔کوئی حوالہ نہیں	11۔انجام آتھم صفحہ 27 ''کیا ایسا بد بخت مفتری، جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے۔''
12۔کوئی حوالہ نہیں	12۔''اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کا استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اسے بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔''

13۔کوئی حوالہ نہیں	13۔ کتاب البریہ صفحہ 182 ''افتراء کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے۔''
14۔کوئی حوالہ نہیں	14۔ مجموعہ اشتہارات حصہ چہارم صفحہ 333 ''دوسرے الزامات جو میرے پر لگائے جاتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے یہ سارے الزامات باطل اور دروغ محض ہیں۔ان تمام اُمور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت و الجماعت کا مذہب ہے۔''

غور فرمائے کہ حضرت صاحب نہ صرف دعوٰی نبوت سے بار بار شدت سے انکار کر رہے ہیں بلکہ ایسا دعوٰی کرنے کو صریح کفر قرار دیتے ہیں۔اور اپنے قلم سے ایسا دعوٰی کرنے کو کفر قرار دیتے ہیں اور اپنی طرف ایسا منسوب کیا جانے کو کذب اور افتراء قرار دیتے ہیں۔اور ایسے کذب پر لعنت بھی کرتے ہیں۔تو کیا آج آپ کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنا انہی وعیدوں کے ماتحت نہیں؟ کیا آپ ان حوالجات کو غلط اور منسوخ قرار دیتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو جوانمردی سے صفائی کے ساتھ یہ اعلان کر دیں کہ حضرت صاحب نے مخالفوں سے خطاب کر کے یہ جو کچھ کہا تھا وہ سب غلط تھا۔اور مخالف دعوٰی نبوت آپ کی طرف منسوب کرنے میں سچے تھے۔مگر یہ یاد رکھئے کہ حضرت صاحب اس شدت کے انکار کے بعد کبھی دعوٰی نبوت نہ کر سکتے تھے۔ورنہ ان کی اپنی تحریرات کی رو سے کفر ہوتا۔اس کو بھی چھوڑ یئے۔اگر نبی ہونے کے باوجود وہ نبوت کا انکار کرتے رہے،جیسے جناب میاں صاحب کا خیال ہے،تو یہ بھی یقینی کفر ہے۔خواہ غلطی سے ہی انکار کیا ہو۔کیونکہ انکار نبوت،عمداً ہو یا غلطی سے،آپ کے نزدیک بھی کفر ہے۔بلکہ خود نبی اگر اپنی نبوت کا انکار کرے تو وہ دوسرے کے کہنے سے شدید تر کفر ہے۔دو باتیں اور بھی غور طلب ہیں ۔ یہ الفاظ کہ ''نبوت کا دعوٰی نہیں بلکہ محدثیت کا دعوٰی ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔'' بتاتے ہیں کہ دعوٰی محدثیت اور انکار نبوت دونوں خدا کے حکم سے ہوئے۔تو یہ حضرت صاحب کی

ہی غلطی نہ ہوئی بلکہ خدا کو بھی غلطی لگی۔ نعوذ باللہ کہ اس نے غلط حکم دے دیا۔ اور حکم ہی غلط نہیں دیا بلکہ خدا کا علم بھی غلط نکلا۔ کیونکہ سراج منیر میں صفحہ 3 پر فرماتے ہیں کہ بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے بے شک ہیں لیکن اپنے حقیقی معنوں میں اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا۔ کیا نبوت کا دعویٰ آپ کی طرف منسوب کر کے ایک طرف خدا کے حکم کو غلط قرار دیں گے؟ اور دوسری طرف خدا کے علم کو غلط قرار دیں گے۔

دوسرا اختلافی مسئلہ کفر ہے۔ یعنی آپ لوگ حضرت مسیح موعود کے دعویٰ سے بے خبر مسلمانوں کو بھی کافر قرار دیتے ہیں۔ مگر حضرت صاحب اس کے خلاف اپنے دعویٰ کا انکار کرنے والوں کو بھی کافر قرار دیتے نہیں دیتے۔ ’’ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا‘‘ (تریاق القلوب صفحہ 130) حضرت صاحب کے ان صریح الفاظ کے ہوتے ہوئے آپ کس طرح یہ عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ یا تو حضرت مسیح موعود کے ان الفاظ کو آپ غلط قرار دیں یا ان کا منسوخ ہونا حضرت صاحب کی کسی تحریر سے ثابت کریں۔ تیسری صورت آپ کے لئے کوئی نہیں۔ اور ویسے بھی غور فرمائیے کہ کیا اس عقیدہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے نزدیک کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ منسوخ ہے۔ کیونکہ تیرہ سو سال تک اسی کلمہ کو پڑھ کر لوگ مسلمان ہوتے تھے۔ مگر اب اس کو پڑھنے سے کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ تو کلمہ تو منسوخ ہی ہوا۔ تو جس دین کا کلمہ منسوخ ہے وہ دین کہاں باقی رہا؟! باتیں تو بہت صاف ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کے سینے کو کھول دے تو حضرت مسیح موعود کی صحیح تعلیم کی حفاظت میں آپ ہمارا ساتھ دیں۔ ایسا نہ ہو کہ جس طرح پہلے مسیحؑ کے حق میں غلو ہو کر اس کی اصل تعلیم ہی دنیا سے مٹ گئی، وہی حالت پھر ہو۔ اس غلو سے خود حضرت صاحب نے ڈرایا ہے۔ ’’چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں اسلام میں فتنہ پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے۔ اس لئے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں۔ اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہئے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی...... جو شخص انکار میں حد سے گذرتا ہے جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں ہے۔ اسی طرح وہ جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گذر جاتا ہے۔‘‘ محمد علی۔ احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

11 جنوری 1931ء

اسلام کا احسان دنیا پر

از محترمہ زکیہ سلطانہ تمیم صاحبہ بنت جناب محمد بخش صاحب تمیم پنشنز انسپکٹر جھنگ

دنیا میں جس قدر انبیاء علیہم السلام آئے وہ اپنی اپنی قوم کی اصلاح اور بہبود کی خاطر پوری تندہی اور کوشش سے توحید کی تعلیم دیتے رہے۔ مگر لوگوں کی طبائع میں اس قدر ضلالت تھی کہ ان انبیاء کی قومیں جیسا کہ چاہئے تھا راہ راست پر نہ آئیں۔ کسی نے انکار کیا کسی نے اقرار کے بعد انکار کر دیا۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چند یوم علیحدگی کی وجہ سے بچھڑے کی پرستش قوم نے شروع کر دی۔ علیٰ ہذا القیاس اور انبیاءؑ کی قوموں کا بھی اسی طرح سے حال ہے۔ دور کیوں جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال دیکھ لیں۔ قوم نے ان کے ساتھ اس قدر ظلم اور غلو کیا کہ خدا کا بیٹا بنا دیا اور پاک دامن بی بی مریم پر ایسا بہتان باندھا جن کی تردید کے واسطے خود خدا کو دنیا کے سامنے قرآن مجید کے ذریعہ عیسیٰ ابن مریم کے متعلق اعلان کرنا پڑا۔ یعنی کہ مریمؑ پاک دامن ہے۔

ہر ایک نبیؑ کی زندگی اسی طرح مصائب سے پُر ہے۔ لیکن وہ اپنے اپنے فرائض کو پورا کرتے چلے گئے ہیں۔ تاہم تکمیل تعلیمِ توحید نہ ہوئی کیونکہ وہ تمام دنیا کے واسطے مامور نہ ہوئے تھے صرف اپنی اپنی قوم کی اصلاح مدنظر تھی اور یہ اپنی قوم کی خدمت بھی ایک عظیم الشان خدمت تھی۔ اس لئے وہ اپنے اپنے زمانہ کے عظیم الشان نبی تھے۔ مگر ان سب کی صفات کا مجموعہ حضرت سرور دو عالم افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو رحمت للعالمین اور ختم المرسلین کا لقب خداوند تعالیٰ سے پا کر جلوہ افروز ہوئے ہیں۔ جنہوں نے کہ ان تمام انبیاء کی تصدیق کی جن کی تصدیق ان کی قوم نے بھی بہت کم کی تھی۔ یہ غیر مذاہب پر کتنا بھاری احسان ہے۔ جس کا بدلہ وہ تا قیامت ادا نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ ان کی ناشکری اور کفران نعمت کی بین دلیل ہے کہ اُلٹا آپ کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔

حضور پُر نورؐ کا ظہور ایسے گمراہی کے وقت میں ہوا جب کہ یورپ بت پرستی اور تثلیث پرستی میں مبتلا تھا اور ایشیاء آتش پرستی اور بت پرستی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور خاص کر ملک عرب، جو دنیا کا مرکز ہے، جہاں حضورؐ کا ظہور ہوا، ایسی حالت میں گرا ہوا تھا کہ چوری، ڈاکہ، قتل و غارت، خونریزی، قمار بازی،

بے حیائی، شراب خوری، بردہ فروشی، عصمت دری ان کا معمولی روزانہ کا مشغلہ تھا۔ اور جنگ وجدال اور قتال کا تو یہ حال تھا کہ معمولی سی معمولی بات پر قبائل میدان جنگ میں مسلح ہو کر نکل آتے اور آن واحد میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کا سر تن سے جدا کر دیتے تھے۔ آپؐ ہاشمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ جو شرافت، عزت اور بہادری میں اس قدر مشہور تھے کہ سارے کا سارا عرب ان کی عظمت اور شان و شوکت کا قائل تھا۔ اور نیز اس لحاظ سے بھی کہ خانہ خدا ان کی تحویل، نگرانی اور حفاظت میں تھا۔ جہاں بتوں کی پرستش ہوتی تھی اور تمام ملک کا ملک عرب بت پرست تھا۔ عیسائیت کا بلحاظ سلطنت بڑا زور تھا۔ وہ تبلیغ پر روپیہ پانی کی طرح بہاتے تھے اور طرح طرح کے لالچ عرب والوں کو دیتے تھے مگر عرب والوں نے اپنی عادات اور بت پرستی کو نہ چھوڑا۔ اگر کوئی قبیلہ عیسائیت میں داخل ہو جاتا تھا تو انہیں سے اکثر آدمی اپنے پرانے عقائد پر واپس آ جاتے تھے۔

حضور کی تعلیم کا اثر: جب حضورؐ نے توحید کی تبلیغ شروع کی تو تمام قبائل مخالف ہو گئے۔ حتیٰ کہ اپنے خاندان کے آدمی بھی سوائے ابو طالب کے آمادہ فساد ہوئے۔ اور ان میں سے چند آدمی جو اسلام میں داخل ہوئے تھے ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ مگر باوجود اس قدر رُکاوٹ کے اسلام ترقی کرتا گیا۔ آخر سرداران قریش نے کہا کہ اگر چاہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیں یا آپ چاہیں تو نہایت پاکیزہ اور خوبصورت لڑکی سے شادی کر دیتے ہیں یا جس قدر خزانہ درکار ہو پیش کر دیتے ہیں۔ مگر آپ بتوں کی مذمت چھوڑ دیویں۔ حضور نے جواب دیا کہ اگر سورج اور چاند کو میرے ہاتھوں پر رکھ دیویں تو بھی تبلیغ توحید کو نہیں چھوڑ سکتا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ کیا استقلال تھا اور خدا پر یقین کس قدر مضبوط اور کامل تھا! آخر اُن کے قتل کی تجویز پاس ہوئی۔ آپؐ نے بموجب حکم خداوندی مکہ معظمّہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت اختیار فرمائی۔ غرضیکہ تمام کا تمام عرب، جس کو عیسائیت باوجود بادشاہت، آبائی مذہب سے نہ ہٹا سکے، چند سالوں کے عرصہ میں ایک بے سرو سامان انسان کی حمایت میں اپنے بتوں اور تمام بدرسومات اور جنگ وجدال کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گیا اور سب ایک جان و قالب ہو گئے۔ یہ صداقت کا کیسا عظیم الشان نشان ہے۔ اور اس کے تھوڑے عرصہ بعد مصر، ترکستان، اندلس، ہندوستان، چین، جاپان وغیرہ دور دراز ممالک میں اسلام پھیلتا گیا۔ کیا یہ حضور کے رحمت للعالمین ہونے کا ثبوت نہیں؟ کیا کوئی کسی نبی

کی زندگی میں ایسا اعجاز پیش کرسکتا ہے؟! یہ بھی اسلام کی صداقت کا بھاری نشان ہے۔

حضورؐ کا رحم: مکہ معظّمہ سے، جو حضورؐ کا آبائی وطن تھا، دشمنان اسلام نے نہایت دُکھ اور اذیت دے کر نکال دیا۔ آپؐ نے اُن کی سختی کی وجہ سے ہجرت اختیار فرمائی۔ خوشا شان ربی۔ وہی مکہ معظّمہ آپؐ کے ہاتھ پر فتح ہوتا ہے اور وہی دشمنان اسلام پیش کئے جاتے ہیں۔ جن کو خوف ہے کہ ایک ہی اشارہ سے سرتن سے جُدا ہونے والا ہے مگر حضور پُر نور کے رحم اور عفو کی یہ شان ہے کہ بغیر کسی معاوضہ یا قصاص کے اعلان عفو عام ہوتا ہے۔ کیا کوئی تاریخ کسی بادشاہ یا جرنیل کے متعلق کوئی ایسی مثال پیش کرسکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔

مساوات: زیدؓ آپ کا غلام ہے اور عرب یا اس اہل عرب میں سے نہیں۔ آپ اس کو آزاد فرماتے ہیں۔ ایران کی طرف مہم درپیش ہے۔ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ اور سرداران فوج موجود ہیں۔ حکم جاری ہوتا ہے اور زید کو اس عظیم الشان فوج کا، جس میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت خالدؓ جیسے جری اور بہادر جرنیل، بڑے بڑے سرداران قریش اور عرب قبیلہ دار موجود تھے، سپہ سالار اعظم بنایا جاتا ہے۔ گویا سرداران فوج کو اس آزادہ شدہ غلام کے زیر حکم کیا جاتا ہے اور تابعداری کا ایسا سبق پڑھایا گیا ہے کہ کسی کو چون و چرا کی جرأت نہیں۔ کیا کوئی مذہب ایسی مثال پیش کرسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ (باقی نادارد)

15 جنوری 1931ء

حضرت امیر کے قلم سے

قابل تقلید نمونے

میری تحریک سالانہ جلسہ پر حاضر احباب نے جس شرح صدر سے لبیک کہا وہ بہت ہی دل خوش کن نظارہ تھا مگر مجھے خوشی ہے کہ جو احباب بعض مجبوریوں کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکے وہ بھی نہ صرف مطلوبہ رقم کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں بلکہ اپنی خوشی سے اس سے بہت بڑھ کر حصہ لے رہے ہیں جس قدر ان سے مطالبہ تھا۔ ابھی مجھے دو خط ملے ہیں۔ ایک چودھری محمد اسمٰعیل صاحب کا خط فیروز پور سے ہے۔ جنہوں نے پانچ سو روپے کے مطالبہ کو، جو ان سے تھا خود کم قرار دیا ہے اور دو ہزار کا مزید وعدہ فرمایا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ دوسرا خط شیخ عبدالرحمٰن صاحب سب جج کا ہے۔ جن کے ذمہ میں نے دوسو روپیہ ڈالا تھا۔ جو ان کی دس یوم کی آمد سے زیادہ تھا۔ اُنہوں نے اسے خوشی سے قبول کیا اور اس کے ساتھ ہی ان کی بیگم صاحبہ کا خط ملا جس میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ وہ بھی اس تحریک میں حصہ لینے سے محروم رہنا پسند نہیں کرتیں۔ اور اس دوسو کے علاوہ پچاس روپے اپنی طرف سے پیش کریں گی۔ یہی قربانی کے نمونے ہیں جن کی آج اسلام اور مسلمانوں کو ضرورت ہے۔

اس وقت میں اپنے احباب سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر اس وقت سب احباب اسی طرح قربانیاں کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو نہ صرف مستقل فنڈ کا روپیہ حسب ضرورت جمع ہوسکتا ہے بلکہ انجمن کا تیس ہزار روپے کا قرضہ بھی پورا ہوسکتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کئی احباب مشکلات میں ہوں گے۔ کئی مقروض ہوں گے۔ کئی مشکل سے اپنا گذارہ کر سکتے ہوں گے۔ لیکن میرا یہ ایمان ہے کہ جو انسان خدا کے دین کی خدمت کے لئے مشکلات میں پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات کو آسان کر دیتا ہے۔ اور جو خدا کی راہ میں دینے کے لئے مقروض ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وسعت عطا فرماتا ہے۔ اور جو اپنے آپ کو تنگی میں ڈال کر خدا کے دین کی تنگی کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کشائش عطا فرماتا ہے۔ میں جملہ احباب سے عرض کروں گا کہ یہ وقت افضال الٰہی کے نزول کا ہے۔ اس وقت تمام مشکلات کو دور کرنے کے لئے سب کی ذرا سی ہمت کی ضرورت ہے۔ اگر انسان دنیا کے لئے مشکلات

میں پڑ سکتا ہے تو دین کے لئے مشکلات میں پڑنا کیوں ناگوار ہے۔ بہت سے آسودہ حال احباب ہیں جن کے لئے میرے دل میں تڑپ ہے کہ وہ اپنی مطلوبہ رقم سے بڑھ کر دیں۔ بات بڑی نہیں مگر اس سے ان کی اپنی روح کو بھی خوشی ہوگی اور قوم بھی بن جائے گی اور قربانیوں کا ایک ایسا نمونہ پیش ہوگا جن کو دیکھ کر دوسروں کے دلوں میں بھی اُمنگ پیدا ہوگی۔

عنقریب جملہ احباب کے نام دفتر سے خطوط جاری ہوں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے دِلوں میں اپنے دین کے عشق کا ایسا جذبہ پیدا کرے کہ وہ تمام پست خیالات پر غالب آجائیں اور دنیا کو نمونہ دکھائیں کہ ایک سچا مسلمان خدا کی راہ میں کس طرح قربانی کر سکتا ہے۔ میں یہ مضمون لکھ چکا تھا جب مجھے اطلاع ملی کہ ہمارے پرانے اور مخلص دوست سعادت علی خاں صاحب نے رامپور سے پانچ سو روپے بھیج دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہت بہت جزائے خیر دے۔ سب احباب بھی اس باہمت بزرگ کے لئے دعا کریں۔ میں خاں صاحب کو جانتا ہوں۔ وہ ایک قلیل پنشن پر گذارہ کر رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اُنہوں نے اپنی عمر کا اندوختہ راہ خدا میں دے دیا ہے۔ یہ پاک نمونے قوم کی زندگی کا ثبوت ہی نہیں دے رہے بلکہ قوم کے اندر ایک نئی زندگی کی لہر پیدا کر رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی احباب کے دل میں بھی یہ ڈالے کہ وہ اس وقت تھوڑی سی بلند ہمتی سے کام لے کر قوم کو قرضہ کے بوجھ سے آزاد کر دیں۔

محمد علی
احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

۞۞۞

15 جنوری 1931ء

اداریہ

حضرت یسوع مسیحؑ کا دعوٰی خدائی

حضرت مسیح موعود اور ہم احمدی لوگ جب کبھی بھی حضرت یسوع مسیحؑ کی زندگی پر نظر کرتے ہیں اس سے بعض لوگ ایک غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہم ایک اولوالعزم نبی (علیہ السلام) کی ہتک کرتے ہیں۔ ایک مسلمان اور ایک نبی اور رسول کی ہتک کرے! یہ اس کے ایمان کے صریحاً خلاف ہے وہ قرآن شریف میں پڑھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (49:3) اور فرمایا وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (45:3) اور صاحب کتاب نبی تھے۔ جب تک اس کا ایمان قرآن شریف پر ہے وہ اس کے خلاف اپنا اعتقاد رکھنا کفر سمجھتا ہے۔ تاہم بعض اوقات لوگ ہماری اس تصریح کے خلاف ہم پر ہتک مسیح علیہ السلام کا الزام لگاتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک کے متعلق بعض ایسی باتیں لکھتے اور بیان کرتے ہیں کہ جو اُن کی عصمت کے خلاف ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اولوالعزم فرشتوں اور قدسیوں تک پر الزام اور بہتان باندھنے سے ان کے پرانے اور نئے سے نئے مفسرین نے باک نہیں کیا۔ مگر ہمارا اعتقاد اور یقین اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان انبیاءؑ کے متعلق بہت بلند اور پاک ہے۔ یعنی ہم ان کے بالمقابل عصمت انبیاءؑ کے قائل ہیں۔ اس صراحت کے بعد بھی جو شخص ہمارے اوپر افتراء اور بہتان باندھتا ہے اس کا معاملہ ہم خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ وَهُوَ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ۔

یہ کہنا کہ ہم یسوع کے متعلق کچھ لکھتے ہیں اور یسوع جناب مسیح علیہ السلام ہی تھے۔ جیسا کہ پادری ایس ایم پال نے ثابت کرنے کی تکلیف اُٹھائی ہے۔ دوسروں کو ہی غلط فہمی میں نہیں ڈالنا بلکہ اپنی خوش فہمی کا ثبوت بھی دینا ہے۔ ہمارے ڈاکٹر اقبال نے ''بلبل کی فریاد'' ایک نظم لکھی۔ کسی نے اس پر اعتراض کیا کہ اس نظم میں جن احساسات کا اظہار منقار بلبل سے ہوا ہے وہ بلبل کے دل میں قطعاً نہیں ہوتے۔ یہ اُڑتی سی خبر ہمارے دوست پادری پال کے کان میں بھی جا پہنچی۔ اُنہوں نے جھٹ موسیٰ

خاں کو آواز دی۔ لا نا ہمارا قلمدان ہم یہ ثابت کر کے چھوڑیں گے کہ اس بلبل سے مراد وہی پرندہ ہے کہ جس کو عرف عام میں لوگ بلبل، عندلیب اور نائیٹنگل کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اس کے اڑنے، دانہ چگنے اور گھونسلہ بنانے کا ذکر ہے۔ یا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے دال کی فریاد لکھی۔ کوئی لال بجھکڑ اس بات پر تل جائے کہ واقعی یہ نخود کی دال ہے کہ جو دال بگھارنے والی لڑکی سے فریاد کرتی ہے۔ بعض لوگ لکھ دیتے ہیں۔ آج کل کے ظفر علی سے 15 سال پہلے کے ظفر علی کا مکالمہ۔ اب اس پر کوئی صاحب یہ ثابت کرنے لگ جائے کہ یہ دونوں ظفر علی الگ الگ ہیں یا ایک ہی ظفر علی ہے، تو ایسے دھوبی اور کچھوہ کی سی عقل والے لوگوں کو کہ جن کی سمجھ میں اپنے مقدس استاد کی کوئی بات سیدھی طرح سے نہ آئی (انجیل) ہم کیونکر کہیں سے عقل خرید کر دے سکتے ہیں۔ بات درحقیقت کیا ہے۔ جناب مسیحؑ کی ایک تصویر انجیل پیش کرتی ہے اور اس کا ایک تصور قرآن شریف نے پیش کیا ہے۔ قرآن شریف کا زاویہ نگاہ مسیحؑ کے متعلق یہ ہے کہ وہ نبی اولوالعزم اور رسول برحق تھا۔ لیکن انجیل ہمیں بتاتی ہے کہ وہ خدائی کا دعوٰی دار تھا۔ قرآن انسان ہو کر خدائی دعوٰی کرنے والے کو مردود کافر اور ملحد قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک نبی اللہ کے دعوٰی سے بڑھ کر کوئی اشد اور لعنتی دعوٰی نہیں۔ قرآن آپ کی والدہ ماجدہ کو صدیقہ اور ملہمہ قرار دیتا ہے لیکن انجیل بتاتی ہے کہ وہ ہرگز ایماندار نہ تھی۔ قرآن بتاتا ہے کہ مسیحؑ کو اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کا حکم تھا۔ لیکن انجیل بتاتی ہے کہ مسیحؑ نے اس کو حقارت آمیز سوقیانہ لفظ سے خطاب کیا کہ جس کی سزا بائبل کی بناء پر سنگساری ہے۔

نہ صرف قرآن کریم بلکہ بائبل بھی ایسے مسیحؑ کو، جو خدائی کا دعوٰی کرے، قتل اور صلیب کا مستحق سمجھتی ہے اور اگر یہود نے اپنی کتب مقدسہ کی بناء پر اسے صلیب دیا تو کوئی گناہ نہیں کیا۔ بلکہ ایسے شخص کا صلیب پا جانا ہی ان کی کتاب کی بناء پر اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل تھا۔ اس پیشگوئی یا قانون کے الفاظ قابل غور ہیں۔ استثناء باب 13 میں مذکور ہے کہ اگر کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا نشان یا معجزہ دکھائے اور بات واقعہ کے مطابق ہو پھر وہ معجزہ دکھانے والا نبی۔ اگر ایسے معبودوں کی طرف بلائے جنہیں تم نے نہیں جانا تو اس کے کہنے پر کان مت دھریو۔ کیونکہ وہ آزمائش ہے اور ایسا نبی قتل کیا جاوے گا۔ اس پیشگوئی کی اجزاء یہ ہیں۔

الف: کاذب اور جھوٹے نبی بھی معجزات دکھا سکتے ہیں۔

ب: بنی اسرائیل جن معبودوں کو نہیں جانتے اگر ان کی طرف کوئی بلائے تو وہ جھوٹا ہے۔

ج: جھوٹا نبی قتل کیا جائے گا۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ انجیلی یسوع نے معجزات دکھائے تو بھی چونکہ اس نے غیر معبودوں باپ، بیٹا، روح القدس کی طرف لوگوں کو بلایا کہ جن کو بنی اسرائیل مطلق نہیں جانتے تھے، اس لئے وہ سچا نہیں۔ مجسم خدا بھی یہود کا جانا ہوا نہ تھا۔ اس لئے بھی وہ صادق نہ ٹھہرا۔ یسوع قتل ہوا۔ پس اس میں کوئی مشبہ نہ رہا کہ وہ کتاب استثناء کی بناء پر سچا نہ تھا۔

یسوع مسیح کی قبر مل گئی: مسلم اوٹ لک میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ ایک جرمن مستشرق کو یوروشلم میں کھدائی کرتے ہوئے ایک قبر ملی ہے کہ جس پر یہ کتبہ کنندہ ہے کہ یہ یسوع ابن یوسف کی قبر ہے۔

میسور مسلم کانفرنس کا اجلاس: از میر حسن صاحب احمدی ٹمکور۔ مدراس مورخہ 30 و 31 دسمبر 1930ء کو بمقام ضلع ہامن علاقہ میسور میں مسلم کانفرنس کا اجلاس ہونا قرار پایا تھا۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ علاقہ میسور کے ڈاون گیرہ میں اہل ہنود نے اہل اسلام کی مسجدوں کو توڑا اور ان میں سؤروں کو ذبح کر کے خون چھڑکا اور قرآن پاک جلا دیا وغیرہ جس کا مقدمہ چل رہا ہے۔ اب گورنمنٹ میسور اس مقدمہ میں معزز سا ہو ہنود پر رحم کر کے مسلمانوں سے یہ کہتی ہے کہ مقدمہ واپس لے کر آپس میں سمجھوتہ کر لیا جائے۔ اس کے خلاف کانفرنس مذکور نے رزولیشن پاس کر کے جناب مہاراجہ صاحب بہادر میسور کو 35 روپیہ کے صرفہ سے اسی روز تار دیا۔ اس جلسہ میں اکثر احباب کی تقریریں ہوئیں۔ ان میں ایک صاحب کی تقریر بہت مقبول ہوئی۔ جن کا نام نیچے درج ہے۔ تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کانفرنس اس لئے قرار پائی ہے کہ علاقہ میسور کے اہل اسلام کا نفاق وانشقاق دور کر کے ان میں تنظیم قائم کی جائے۔ سب سے بڑھکر تنظیم کا مرکز حج بیت اللہ ہے۔ جہاں تمام دنیا کے اہل اسلام اپنے اپنے ملکی لباس اور وضع کو چھوڑ کر ایک سادہ لباس بغیر سلائے بطور یادگار کفن پہن لیتے ہیں۔ اس میں یہ ارشاد ہے کہ محبت الٰہی میں ہر ایک شخص اپنے کو فنا کر کے بیوی بچوں وطن اور مال کی محبت سے منہ موڑ کر ایک نئی زندگی میں زندہ ہوتا ہے جس کو حیاۃً طیبہ کہا جاتا ہے۔

حج کے احکام میں جو کچھ فلاسفی ہے اس کو بیان کیا گیا اور بتایا کہ عبادت حج کے بڑے بڑے ضروری احکام یہ ہیں۔ احرام باندھنا، طواف کعبہ اور میدان حج میں پہنچ کر خطبہ کے بعد لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے پھرنا۔ وہاں سے لوٹ کر قربانی کرنا۔ پھر طواف کعبہ کرنا کچھ سر کے بال اُتارنا وغیرہ۔

ان سب اُمور میں تنظیم اسلام کا عجیب وغریب رازِ روحانیت ہے۔ وہ یہ ہے کہ میدان حج میں سب اکٹھے ہوکر لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ کی صدا بلند کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں اِنَّ الْحَمْدَ وَالْنِعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اس میں یہ حقیقت ہے کہ اگر کل جہان کے مسلمان اسی طرح آپس میں اتفاق کر کے مرنے سے پہلے راہِ حق میں قربان ہونے کے لئے تیار ہو جائیں تو مسلمان اور اسلام کی عزت وعظمت دنیا میں قائم ہو سکتی ہے۔

۞۞۞

19 جنوری 1931ء

اداریہ

میری تحریر میں لفظ ''نبی'' کا استعمال

اس نام کا ایک ٹریکٹ میری طرف سے جنوری 1918ء میں شائع ہوا تھا۔ اور اس سے بھی تین سال پیشتر 1915ء میں اسی مضمون پر ایک ٹریکٹ بعنوان ''تبدیلیٔ عقیدہ کا الزام کس فریق پر عائد ہوتا ہے'' میں نے لکھا تھا۔ مگر جس طرح ہر معترض کا قاعدہ ہے قادیانی اصحاب میرے جواب کی طرف توجہ کئے بغیر اپنی بات کو بار بار دوہراتے جاتے ہیں۔ اور آج کل اس بات پر خصوصیت سے زور دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ جواب شائع ہوئے دیر ہوگئی ہے اور پہلا ٹریکٹ اب دفتر میں موجود بھی نہیں۔ مجبوراً مجھے اس مضمون پر دوبارہ قلم اُٹھانے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔

ایک بہت ہی موٹی بات ہے جس کو اگر ہمارے دوست سمجھ لیں تو نبوت کے متعلق تمام مباحثات ختم ہو جاتے ہیں۔ لغت میں ایک لفظ کے معنے میں وسعت ہوتی ہے اور مذہبی اصطلاح میں اس کے معنے محدود ہو جاتے ہیں۔ مثلاً صلوٰۃ لغت میں دعا ہے۔ اور وسیع معنے میں قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ مگر مذہبی اصلاح میں صلوٰۃ نماز کی وہ صورت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی۔ کافر لغت میں عام ہے۔ اصطلاحی معنی میں مراد خارج از اسلام ہے۔ اور اس کی مثالیں جتنی چاہیں دے سکتے ہیں۔ اسی طرح لفظ نبی نباء سے مشتق ہے۔ جس کے معنے خبر ہیں۔ اور لغوی معنے کی رو سے اس شخص پر بھی بولا جا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ خبر پا کر پیشگوئی کرتا ہے۔ مگر اصطلاح میں اس سے مراد ایسا شخص ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام لاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے صراحت سے ثابت ہے کہ بنی آدم کو مخاطب کر کے ایک جگہ فرمایا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (38:2) اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور دوسری جگہ فرمایا اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (35:7) اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو

میری آیتیں تم پر پڑھیں تو جو کوئی تقوٰی کرے اور اصلاح کرے ان پر کوئی ڈر نہیں نہ وہ غمگین ہوں گے۔ پس اصطلاح مذہبی میں رسالت اور نبوت ہدایت کا لانا ہے اور اصطلاح لغت میں نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی غیب کی خبر پانا ہے۔ گو وہ محض پیشگوئی ہو۔ اس موٹے فرق کو مدنظر رکھنے کی وجہ سے قادیانی اصحاب کو حضرت مسیح موعود کی نبوت کے مسئلہ میں ایسی ٹھوکر لگی ہے کہ اُنہیں تمام کلمہ گو مسلمانوں کو جو حضرت مسیح موعود کے نام سے بھی بے خبر ہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا پڑا ہے۔ جو اسلام میں ایک خطرناک تفرقہ کی بنیاد ہے۔ اور اسی فرق کو مدنظر نہ رکھنے کی وجہ سے وہ بار بار مجھ پر بھی اعتراض کر رہے ہیں۔ جس طرح اس سے پہلے دوسرے لوگ اسی فرق کو مدنظر رکھنے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود پر بھی معترض ہوئے۔

جو بات آج مجھے پیش آئی ہے وہی بات اس سے پیشتر خود حضرت مسیح موعود کو اور اس کے بعد دوسرے لوگوں کو بھی پیش آ چکی ہے۔ یہی لفظ نبی حضرت مسیح موعود نے بھی اپنی تحریروں میں اسی لغوی معنے میں استعمال کیا۔ اس سے غلط فہمی پیدا ہوئی اور آپ کو مدعی نبوت قرار دے کر آپ پر کفر کا فتوٰی لگایا گیا۔ اس کے جواب میں آپ نے دعوٰی نبوت سے انکار کیا بلکہ مدعی نبوت کو کافر اور کاذب فرمایا۔ اور اپنا ایمان محکم اسی بات پر ظاہر فرمایا کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ 1892ء میں جب لاہور میں آپ میں اور مولوی عبدالحکیم صاحب میں بحث ہو رہی تھی تو مولوی صاحب کی طرف سے جب یہ اعتراض پیش ہوا کہ آپ نبوت کا دعوٰی کرتے ہیں تو حضرت صاحب کی طرف سے ذیل کی تحریر پہنچی جس کی بناء پر مباحثہ ختم ہو گیا۔ یہ واقعہ اور یہ تحریر آٹھ معزز اصحاب کے دستخطوں سے اسی وقت شائع ہوگئی۔ میں حضرت صاحب کی اس تحریر کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں:

> ’’تمام مسلمانوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام و توضیح مرام و ازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنے میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے۔ یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کئے گئے ہیں......سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرتا ہوں کہ

اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں۔ جس حالت میں ابتداء سے میری نیت میں جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد حقیقی نہیں بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکلم لئے ہیں یعنی محدثوں کی نسبت فرمایا ہے قَدْ کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ رِجَالٌ یُکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْبِیَآء ......سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو یعنی لفظ نبی کو کاٹا ہوا خیال فرمالیں۔''

پھر 17 اگست 1899ء کو حضرت مسیح موعود نے ایک دوست کو خط لکھا جو اسی تاریخ کے ''الحکم'' میں چھپا ہوا ہے۔ جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

''حال یہ ہے کہ اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہوا ہے۔ اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آ گیا ہے۔ لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوت اور رسالت ہے جس سے انسان خود صاحب شریعت کہلاتا ہے بلکہ رسول کے لفظ سے اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا اور نبی کے لفظ سے صرف اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم پا کر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانے والا۔ سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں اسلام میں فتنہ پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے۔ اس لئے اپنی جماعت کے معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہئے کہ نبوت آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (40:33۔مرتب) اس آیت کا انکار کرنا یا استخفاف کی نظر سے دیکھنا درحقیقت

اسلام سے علیحدہ ہونا ہے۔ جو شخص انکار میں حد سے گذرتا ہے جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں ہے اسی طرح وہ جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گذر جاتا ہے جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے......اور نبی اور رسول کے لفظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں۔ رسالت لغت عرب میں بھیجے جانے کو کہتے ہیں اور نبوت یہ ہے کہ خدا سے علم پا کر پوشیدہ حقائق اور معارف کو بیان کرنا سو اسی حد تک مفہوم کو ذہن میں رکھ کر دل میں اس کے معنے کے موافق اعتقاد کرنا مذموم نہیں مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی اُمت نہیں کہلاتے۔'' الخ

پھر اس مشہور تقریر میں، جو وفات سے صرف نو روز پیشتر آپ نے عمائدین لاہور کے سامنے کی اور جو 25 جون 1908ء کے اخبار بدر میں چھپی ہوئی ہے، آپ فرماتے ہیں:

''آدم سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک برابر وحی ہوتی رہی پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجدد پیدا کرنے کا وعدہ ہے...... یہ الزام کہ میں نبوت کا دعوٰی کرتا ہوں اور مجھے فکر پڑی ہوئی کہ میں الگ قبلہ بنالوں اور نئی شریعت ایجاد کروں ان تہمتوں کا جواب بجز لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ کیا دوں۔ میرا دعوٰی تو صرف یہ ہے کہ چونکہ دین زندہ ہے اس لئے ہر صدی کے سر پر موجودہ مفاسد کے لحاظ سے مصلح پیدا ہوتا ہے جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے۔ جب خدا کسی سے بکثرت ہم کلام ہو اور اپنی غیب کی باتیں کثرت سے اس پر ظاہر کرے تو یہ نبوت ہے مگر یہ حقیقی نبوت نہیں نباء کا لفظ خود اس پر شاہد ہے......تم جسے مکالمہ الٰہیہ کہتے ہو ہم اسے نبوت کہہ لیتے ہیں......حضرت مجدد سرہندی بھی ایسے مکالمہ کے قائل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرتا ہے تو اسے عربی میں نبوت کے سوا اور کیا

کہیں گے۔ تعجب ہے کہ جب وہی بات پنجابی میں کہی جائے تو مانتے ہیں اور جب پنجابی کی بجائے عربی لفظ اختیار کیا جائے تو نہیں مانتے۔‘‘

ایسا ہی اخبار عام کے نام خط میں، جو وفات سے صرف تین روز پیشتر لکھا ہے، فرماتے ہیں:

’’میں صرف اسی وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنے ہیں کہ خدا سے الہام پاکر بکثرت پیش گوئی کرنے والا۔‘‘

اب ان چاروں جوابوں پر غور کرو۔ جن میں سے ایک دعویٰ مسیحیت کے ابتدائی زمانہ کا، ایک درمیانی زمانہ کا اور دو آخری ایام کے ہیں۔ کہ کس صفائی سے یہ بتادیا ہے کہ آپ نے لفظ نبی اپنے لئے صرف اس کے لغوی معنی سے استعمال کیا۔ جس معنے سے ہر ایک محدث اور مجدد نبی کہلاتا ہے۔ بلکہ اس معاملہ کو یوں صاف کر دیا کہ جہاں آپ نے اپنے آپ کو نبی کہا ہے اسے کٹا ہوا سمجھ کر وہاں لفظ محدث رکھ لیا جائے۔ پھر یہ بھی بتادیا کہ یہ صرف لغوی معنے میں ہیں اس لئے عام بول چال میں آپ کو نبی نہ کہا جائے۔ کیونکہ اصطلاح اسلام کے معنے الگ ہیں اور عام استعمال سے لوگوں کو غلطی لگ کر فتنہ پڑتا ہے۔ اور یہ بھی بتادیا کہ اس سے مراد صرف پیشگوئی کرنے والا ہے۔ حالانکہ انبیاء صرف پیشگوئیاں کرنے کے لئے نہیں آتے۔ جیسا کہ اوپر قرآن شریف سے دکھایا جا کا چکا ہے۔ آپ کے بعد بھی سلسلہ کے بڑے بڑے آدمیوں پر جب کبھی کسی نے یہ اعتراض کیا کہ تم لوگ حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہو تو یہی جواب یہ لوگ دیتے رہے کہ ہم نبی صرف لغوی معنے کے لحاظ سے کہتے ہیں۔ ورنہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا نہیں مانتے۔ ان کی تحریروں کے حوالے میں اپنے رسالہ ’’مسیح موعود اور ختم نبوت‘‘ میں دے چکا ہوں۔ مولوی سید سرور شاہ صاحب، مفتی محمد صادق صاحب، میر محمد سعید صاحب حیدر آبادی، مولوی عمر الدین صاحب شملوی، مولوی غلام نبی صاحب اور میر قاسم علی، میاں صاحب کے مرید ہیں۔ مگر میاں صاحب کی مریدی میں داخل ہونے سے پہلے سب اس اعتراض کا کہ تم لوگ مرزا صاحب کو نبی کہتے ہو یہی جواب دیتے رہے کہ وہ استعمال بمعنی محدث ومجدد ہے۔ چنانچہ مولوی سرور شاہ صاحب کے الفاظ ہیں:

’’لفظ نبی کے معنے اپنے سے مصدروں کے لحاظ سے دو ہیں۔ اول اپنے خدا سے اخبار

غیب پانے والا۔ دوم عالی رتبہ شخص۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ بکثرت شرف مکالمہ سے ممتاز کرے اور غیب کی خبروں سے مطلع کرے وہ نبی ہے۔ اس رنگ میں میرے نزدیک تمام مجددین سابق مختلف مدارج کے انبیاء گذرے ہیں۔‘‘

مفتی محمد صادق صاحب کے الفاظ ہیں:

’’شبلی نے دریافت کیا کہ ہم لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارا عقیدہ اس معاملہ میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہیں نہ نیا اور نہ پرانا......مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں۔‘‘

باقی حوالہ جات کو میں اختصار کی خاطر چھوڑتا ہوں۔ مجھ پر اعتراض کرنے والوں کو یہ سب علم ہے کہ حضرت صاحب نے خود لفظ نبی استعمال کیا۔ اور جب اعتراض ہوا کہ نبوت کا دعویٰ ہے تو جواب دیا کہ آپ نے صرف لغوی معنے سے اسے استعمال کیا ہے۔ سلسلہ کے دوسرے مصنفین پر جب یہ اعتراض ہوا کہ تم مرزا صاحب کو نبی کہتے ہو تو اُنہوں نے یہی جواب دیا۔ مگر اس علم کے باوجود آج اُن کو ایک سبق یاد ہے کہ جب اور کوئی جواب نہ ملے تو یہ کہہ دیا جائے کہ تم پہلے مرزا صاحب کو نبی مانتے رہے ہو۔ یہ حق تو بے شک ہر شخص کو ہے کہ وہ میری تحریر میں لفظ نبی دیکھ کر یہ سوال کرے کہ تم نے مرزا صاحب کے لئے لفظ نبی کیوں استعمال کیا۔ مگر جب میں اس کا جواب بارہا انہی الفاظ میں دے چکا جن الفاظ میں حضرت مرزا صاحب نے اپنے معترضین کو، مولوی سرور شاہ صاحب نے اپنے معترض کو اور مفتی محمد صادق نے اپنے معترض کو دیا۔ تو کیا یہ دیانتداری ہے کہ بجائے اس جواب کی صحت کو تسلیم کرنے کے، اسی اعتراض کو رٹتے چلے جائیں۔ کیوں اپنے موجودہ پیشرو سے نہیں پوچھتے کہ حضرت مسیح موعود کا یہ جواب، جو اُنہوں نے اپنے مخالف معترضین کو دیا، صحیح ہے یا غلط؟ کیوں اپنے بڑے بڑے لیڈروں سے دریافت نہیں کرتے کہ تم نے جو کچھ جواب میاں صاحب کی بیعت سے پہلے دیا تھا وہ صحیح تھا یا غلط؟ اگر وہاں سے یہ جواب ملے یہ سب جواب غلط تھے یا محض معترضین کو دھوکا دینے کے لئے تھے اور فی الحقیقت مرزا صاحب اپنے آپ کو نبی سمجھتے اور ان کے مریدین بھی ان کو نبی سمجھتے تھے۔ تو پھر بے شک میرے لفظ نبی کے استعمال پر

اعتراض کریں۔ اعتراض ایک ہی ہے۔ جو تین جگہ پر ہوتا ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعود پر، میاں صاحب کے مریدین پر مرید ہونے سے پہلے اور سب سے آخر مجھ پر۔ اور میرا جواب وہی ہے جو حضرت مسیح موعود نے دیا۔ جو میاں صاحب کے مریدین نے مرید ہونے سے پہلے دیا۔ مجھ پر اعتراض اس وقت نہیں ہوا۔ آج ہوتا ہے۔ اور آج میں جواب اپنے الفاظ میں نہیں دیتا۔ بلکہ حضرت مسیح موعود کے 1892ء کے الفاظ میں دیتا ہوں تو میری تحریر میں ''بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں۔''

یہ وہ الفاظ تھے جنھوں نے مولوی عبدالحکیم جیسے مخالف کا منہ بند کر دیا اور اُنہوں نے بحث کو چھوڑ دیا۔ مولوی عبدالحکیم کے سامنے تو ایک ایسے شخص کے لفظ تھے جن کی مخالفت پر کھڑے ہو کر وہ بحث کر رہے تھے۔ لیکن میں قادیانی اصحاب کے سامنے ان کے مرشد و ہادی کے الفاظ رکھتا ہوں جن کی قدر کرنا ان کا فرض ہے۔ اور اب بھی اگر وہ اس بحث کو فیصلہ شدہ نہ سمجھیں تو سوائے اس کے کیا کہا جائے گا کہ وہ مسیح موعود کو چھوڑ کر اپنی حرص و ہوا کی اتباع کر رہے ہیں۔ وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اس بات پر صلح ہوسکتی ہے اور وہ تمام جھگڑوں کو چھوڑ دیں گے کہ میں اپنی سابقہ تحریرات کو، جن میں لفظ نبی استعمال کیا گیا، ہے ایک جگہ کر کے اپنے دستخط سے شائع کر دوں۔ میں اس شرط پر اس کے لئے تیار ہوں کہ اس رسالہ کے، جس میں ایسی تحریریں اکٹھی کی جائیں، پہلے صفحہ پر جلی قلم سے حضرت مسیح موعود کے یہ الفاظ کہ ''بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں۔'' لکھ دیئے جائیں اور دوسرے صفحہ پر خاتم النبیّن کی وہ تفسیر درج کر دی جائے جو میاں صاحب نے اپریل 1910ء میں اپنے رسالہ ''تشحیذ الاذہان'' میں کی ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ:

> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوٰی کے بعد تیرہ سو برس گذر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوت کا دعوٰی کر کے کامیابی حاصل نہیں کی...... ہم نے آپ کو خاتم النبین بنایا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور کوئی جھوٹا آدمی بھی ایسا دعوٰی نہ کرے گا کہ ہم اس کو ہلاک نہ کر دیں۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی پیشگوئی ہے کہ اس کا رد کسی سے ممکن نہیں اگر ہے تو ہمارے سامنے پیش کرو۔ مگر اس طرح نہیں کہ کسی نے دعوٰی کیا ہو اور لاکھ دو لاکھ آدمی اس کے پیرو ہو گئے ہوں۔ بلکہ ایسا آدمی

کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اس سے پہلے نبیوں کی طرح کامیابی حاصل کی ہو۔ مگر کوئی نہیں جو ایسی نظیر پیش کر سکے۔''

اور اس کے تیسرے اور چوتھے صفحہ پر میاں صاحب کے مریدین کی شہادت مندرجہ رسالہ ''مسیح موعود اور ختم نبوت'' ہو۔ اور ان چاروں صفحوں پر میاں محمود احمد صاحب کی تصدیقی دستخط ہو جائیں۔ ان چاروں صفحات کا خرچ میں ادا کروں گا۔ اور باقی میری تحریروں میں سے جو کچھ وہ دینا چاہیں دے دیں۔ اس پر اپنے تصدیقی دستخط میں کر دوں گا۔ اب میں دیکھوں گا کہ کیا اس قوم کے اندر حق گوئی کے لئے کچھ بھی جرأت باقی ہے یا نہیں۔ میرا جواب تو یہی کافی ہے۔ میں نے حضرت مسیح موعود کو اصطلاح شرعی میں کبھی بھی نبی نہیں مانا۔ بایں اگر یہ کہا جائے کہ پھر میں نے لفظ نبی کے استعمال میں غلطی کی تو اس غلطی کی ذمہ داری بھی مسیح موعود پر ہی آئے گی۔ جنہوں نے اس لفظ کے لغوی استعمال کی اجازت دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر کسی کو اس پر اعتراض ہو تو اسے یہ کہہ دو کہ وہ نبی کے لفظ کی جگہ محدث کا لفظ سمجھ لے اور نبی کا لفظ کٹا ہوا تصور کرے۔ مسیح موعود کے مخالف اگر اس تشریح کو قبول نہ کریں تو ان کا اختیار ہے۔ مگر مسیح موعود کے متبع کہلانے والوں کو ان الفاظ سے انکار کی ادنیٰ سے ادنیٰ گنجائش بھی نہیں۔ میں کہتا ہوں تم دن رات جتنی دفعہ چاہو حضرت مسیح موعود کو نبی کہا کرو۔ لیکن ایک دفعہ اس اقرار نامہ کو بھی دوہرا لیا کرو جو آپ کے ہادی و رہنما نے کیا تھا کہ ''بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں''۔ مسلمانوں میں تو ادنیٰ سپاہی بھی اگر دشمن سے اقرار کر آتا تھا تو ان کا جرنیل اس اقرار کی عزت کرتا تھا۔ لیکن تم کیسے مسلمان ہو کہ تمہارے جرنیل یعنی تمہارے ہادی نے جو اقرار اپنے مخالف سے کیا تھا تم ادنیٰ سپاہی ہو کر اس اقرار کی عزت نہیں کرتے! خدا کے لئے مسیح موعود کو بے وقوف نہ بناؤ۔ اور اس کے اقرار کی عزت کرو۔ اور آج دنیا میں صرف یہی ایک سطر شائع کر دو۔ نہ میاں صاحب کی تحریروں کی ضرورت ہے نہ میری تحریروں کی ضرورت ہے نہ ان پر کسی بحث کی ضرورت ہے۔ یہ ایک ہی سطر تمہیں دنیا اور آخرت میں عزت کے مقام پر پہنچا دے گی۔ اور اگر میری ہی تحریروں کو زیر بحث لانا مقصود ہے تو پھر ان کو بھی سب کو پڑھو۔ کیا یہ دیانتداری ہے کہ ریویو آف ریلیجنز میں سے اپنے مطلب کے حوالے نکال کر پیش کر دیئے اور جو اپنے خلاف تھے ان کا نام نہ لیا۔ مجھے تو اس قدر فرصت نہیں کہ میں ساری ریویو کی

جلدوں کو اب دوبارہ پڑھوں۔ کیونکہ میں اپنی تحریروں کی بناء پر کوئی عمارت بنانی نہیں چاہتا۔ میں تو حضرت مسیح موعود کا خادم ہوں۔ اور اگر میرے ہزاروں صفحے بھی حضرت صاحب کی تحریر کی کے خلاف ہوں تو ان کی کچھ وقعت نہیں۔ لیکن چونکہ بعض لوگوں نے پبلک کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے کہ میں گویا حضرت مسیح موعود کو حقیقی معنوں میں نبی مانتا تھا، اس لئے صرف ایک جلد 3 ریویو 1904ء میں سے چند عبارتیں یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ تا لوگوں کو ان بحث کرنے والوں کی دیانتداری کا پتہ لگ جائے جو اپنے ہادی و مرشد کے الفاظ کی بھی پروا نہیں کرتے۔ ان تحریروں میں سے بعض میری اپنی لکھی ہوئی ہیں اور بعض حضرت مسیح موعود کی تحریرات ہیں۔

صفحہ 14۔ ''صوفی کہتے ہیں کہ مجددین کے اسماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہی ہوتے ہیں یعنی ظلّی طور پر۔ وہی نام ان کو کسی ایک رنگ میں دیا جاتا ہے۔''

صفحہ 15۔ ''اللہ تعالیٰ نے جو کمالات سلسلہ نبوت میں رکھے ہیں مجموعی طور پر وہ ہادی کامل پر ختم ہو چکے۔ اب ظلّی طور پر ہمیشہ کے لئے مجددین کے ذریعہ سے دنیا پر اپنا پرتَو ڈالتے رہیں گے۔''

صفحہ 117۔ ''اور اگر **باب نبوت مسدود نہ ہوتا** تو ایک محدث اپنے وجود میں قوت اور استعداد نبی ہو جانے کی رکھتا تھا اور اس قوت اور استعداد کے لحاظ سے محدث کا حمل نبی پر جائز ہے یعنی کہہ سکتے ہیں **اَلْمُحَدَّثُ نَبِیٌّ** ...... **وَمِثْلُ ھٰذَا الْحَمْلِ شَائِعٌ مُتَعَارَفٌ فِیْ عِبَارَاتِ الْقَوْمِ۔**''

صفحہ 120۔ ''اور ہر ایک صدی کے سر پر، جو ایمان اور دیانت سے دور پڑ گئی ہے اور بہت سی تاریکیاں اپنے اندر رکھتی ہے، ایک قائم مقام نبی کا پیدا کر دیتا ہے جس کے آئینہ فطرت میں نبی کی شکل ظاہر ہوتی ہے اور وہ قائم مقام نبی متبوع کے کمالات کو اپنے وجود کے توسط سے لوگوں کو دکھلاتا ہے۔''

صفحہ 131۔ ''یہی اُمت ہے کہ **اگر چہ نبی تو نہیں** مگر نبیوں کی مانند خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہو جاتے ہیں۔ اگر اور **اگر چہ رسول نہیں** مگر رسولوں کی مانند خدا تعالیٰ کے روشن

نشان ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں۔''

صفحہ 200۔ ''صدی کے سر پر مجدد کا آنا سب نے تسلیم کیا ہے اور یہ بھی مانا ہے کہ مسیح بھی بطور مجدد صدی کے سر پر آئے گا۔''

صفحہ 383۔ ''ایسے لوگوں کو اصطلاح اسلام میں **نبی** اور **رسول** اور **محدث** کہتے ہیں۔ اور وہ خدا کے پاک مکالمات اور مخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں۔''

ان تحریرات میں **باب نبوت کو مسدود** بھی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ محدث کی استعداد باطنی کی وجہ سے اس پر نبی کا لفظ اطلاق پا سکتا ہے۔ اور یہ بھی صفائی سے بیان کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ بھی اس اُمت میں آئیں گے **وہ نبی نہیں**۔ مگر نبیوں کے ہمرنگ ہوں گے اور **رسول نہیں** مگر رسولوں سے مشابہہ ہوں گے۔

انہی تین باتوں سے میرا مذہب صاف ہو جائے گا۔ جس ریویو میں حضرت مرزا صاحب کے لئے لفظ نبی استعمال کیا گیا ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ باب نبوت مسدود ہے اور محدث کو ایک معنے سے نبی کہا جا سکتا اور اس اُمت میں نبی نہیں آئیں گے۔ پس میرا حضرت مرزا صاحب کو نبی لکھنا بمعنی محدث یا لغوی معنے میں تھا۔ اور یہ حضرت صاحب کے اقرار شائع کردہ کے مطابق ہے۔ جس سے قادیانی اصحاب منحرف ہیں بلکہ اسے پس پشت پھینک رہے ہیں۔ دوسری دلیل اس بات کی، کہ میں نے حضرت مرزا صاحب کو اصطلاح معنے میں کبھی نبی نہیں لکھا، یہ ہے کہ میں کلمہ گوؤں کی تکفیر کا کبھی قائل نہیں ہوا۔ جو نبوت قادیان والے حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر مانا جائے۔ جیسا کہ میاں محمود احمد صاحب نے صاف طور پر اپنی کتاب آئینہ صداقت (صفحہ 35) میں لکھ بھی دیا ہے۔ کہ ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ اُنہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سُنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔'' مگر میری تحریر میں وہ کبھی نہیں دکھا سکیں گے کہ میں نے بھی مسلمانوں کو اس طرح کافر ٹھہرایا۔ محمد علی۔ احمد بلڈنگس، لاہور۔ 4 فروری 1929ء

☆☆☆

کیا جماعت احمدیہ کا وجود ضروری ہے: (از قلم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب میڈیکل افیسر گورنمنٹ کالج لاہور) یہ سوال ان شکوک وشبہات کا ایک واضح پیرایہ ہے جو مختلف قلوب میں اکثر دفعہ اُٹھتے ہیں۔ ہماری جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام کی اخوت میں ہر وہ شخص داخل ہے جو کلمہ طیبہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتا ہے تو ایک تو ہمارے قادیانی احباب ہم سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر یہی صحیح ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے تو پھر تم لوگوں کو جماعت احمدیہ میں شمولیت کی دعوت کس لئے دیتے ہو؟ اسی طرح پر غیر احمدی احباب بھی کئی دفعہ سوال کرتے ہیں کہ جب جماعت احمدیہ لاہور کسی نئے نبی کو تسلیم نہیں کرتی، نہ اس کے نزدیک کوئی نئی شریعت اور نیا مذہب ہی آیا ہے وہی کتاب وہی شریعت وہی رسولؐ ہے تو یہ الگ سے جماعت کا بنانا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور اس میں مسلمانوں کو داخل ہونے پر کس لئے زور دیا جاتا ہے! صرف قادیان اور غیر از جماعت اصحاب ہی ایسے ایسے اعتراضات نہیں کرتے بلکہ یہی باتیں ہماری جماعت کے کئی کمزور دِلوں میں بھی مختلف رنگوں میں موجزن ہوتی ہیں اور ہماری جماعت کی ترقی ووسعت میں عملی طور پر ایک رُکاوٹ کا باعث بن گئی ہے۔ اگر ایک طرف یہ افراط ہوئی ہے کہ جماعت احمدیہ کو مسلمانوں سے ایک الگ چیز قرار دیا جاتا ہے تو دوسری طرف اس بات کا خطرہ لاحق حال ہے کہ اس جماعت کے وجود کو غیر ضروری خیال کیا جائے اور عملی رنگ میں یہ بات جماعت احمدیہ لاہور کی توسیع میں ایک بڑی روک ہو رہی ہے۔ ان وجوہ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلو کو واضح کیا جائے۔

مسئلہ کفر واسلام: پہلا سوال قادیانی اصحاب کا ہے۔ جس کا حل اس مضمون کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ اگر جماعت احمدیہ میں شمولیت کے بغیر بھی ایک شخص دائرہ اسلام میں ہے تو جماعت احمدیہ کے وجود کی ضرورت نہیں۔ یہ قادیانی منطق کا خلاصہ ہے۔ ادنیٰ تدبر بھی اس نتیجہ کو صحیح تسلیم کرنے میں مانع ہے۔ میرا خیال ہے کہ جن لوگوں کو واقعی یہ بات سمجھ نہیں آئی اُنہوں نے دو الگ الگ باتوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ایک چیز ہے اور اسلام کے اعلیٰ مدارج طے کر کے مسلمانی کے کمال کو حاصل کر لینا دوسری شئے۔ اسلام ایک مدرسہ کا حکم رکھتا ہے اور اس میں داخلہ کی شرط حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان اور قرآن کو اپنا ہادی تسلیم کر لینا ہے۔ جو شخص بھی یہ شرط پوری کر دیتا

ہے وہ اس مدرسہ کا طالب علم تصور ہوگا۔ اگر ایک شخص باوجود ساری عمر اس مدرسہ میں داخل ہونے کے روحانی مدارج میں بہت اعلیٰ ترقی نہیں کرسکا تب بھی وہ اسلام کے سکول سے خارج نہیں ہوجائے گا۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس نے وہ نفع نہیں اُٹھایا جو اسے حاصل کرنا چاہئے تھا۔ پس شریعت کے نزدیک اسلام میں داخل ہونے کی شرط صرف یہی ہے کہ کلمہ طیبہ کا اقرار کیا جائے۔ ورنہ اگر اسلام میں داخل ہونے کے لئے اعمال شرط قرار دے دیئے جائیں تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ کیونکہ جہاں کسی نے اسلام کے رُکن کو بجالانے میں سستی و غفلت کی، جھٹ وہ کافر ہوگیا اور جب اصلاح کرلی تو مسلمان تصور ہونے لگا۔ گویا کہ اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے تو یہ ناممکن ہے کہ ہم معلوم کرسکیں۔ اس لئے کہ ہر وقت اعمال کے معیار سے کئی لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور کئی نکل جاتے ہیں۔ غرض کہ دائرہ اسلام میں آنے کے لئے اعمال کو معیار قرار دینا قطعاً ناممکن ہے اور نہ ہمارے قادیانی اصحاب خود اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ ورنہ اس معیار پر خود قادیانی مسلمانوں کی تعداد بھی ہم نہیں جان سکتے اور نہ ہی خود قادیانی اصحاب آپس میں ایک دوسرے سے مسلمانی کا سلوک روا رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ جہاں کسی قادیانی نے جھوٹ بولا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا۔ اب نہ وہ مسلمان کہلا سکتا ہے اور نہ دوسرا قادیانی اس سے مسلمانوں کو رویہ رکھ سکتا ہے۔

عالمگیر اخوت کی بنیاد: کس قدر واضح اور روشن اصول ہے کہ اسلام سے قبل ہر ایک مذہب صرف اپنی اپنی قوم میں مساوات سکھلانے آیا۔ لیکن اسلام نے تمام دنیا کے لئے ایک اخوت کا پیغام دیا۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خصوصیت دوسرے انبیاءؑ سے ممیّز کرتی ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ جہاں دوسرے انبیاء کا مقصد ایک قوم یا ایک ملک کو متحد کرنا تھا وہاں حضرت خاتم الانبیاء نے تمام قوموں اور ملکوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کرنا ہے۔ اسلام نے قومیت سے اوپر اتحاد نسل انسانی کا سبق دیا۔ اب جبکہ یہ اصول اس قدر محکم ہے تو چاہئے یہ کہ ہم کچھ بھی اعتقاد رکھیں لیکن کوئی اعتقاد ایسا نہ ہو جو اس اخوت نسل انسانی کو، جو حضرت خاتم المرسلین کے وجود سے قائم ہوتی ہے، توڑنے والا ہو۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ جو لوگ اس دائرہ اخوت اسلامی میں داخل ہونے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور پر ایمان لانا ضروری قرار دیتے ہیں، کیا وہ اس محکم اور بنیادی اصول کو نہیں توڑتے؟ کیا

جب ایک لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا پڑھنے والا اس اخوت اسلامی کے دائرہ میں نہیں آ تا تو اس کا یہی مطلب نہیں کہ اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تمام اقوام کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع نہیں کر سکتا؟ مذاہب کا ارتقاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے کمال کو پہنچا کہ تمام بنی نوع انسان کو بغیر امتیاز نسل و رنگ کے عالمگیر سلسلہ اخوت میں لانا ہے۔ اب کیا یہی کمال باطل نہیں ہو جاتا جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے باوجود ابھی اس سلسلۂ اخوت میں نہیں آیا کتنا بین اور بنیادی اُصول ہے۔ کاش! ہمارے قادیانی حضرات رقیق تاویلات سے اوپر اُٹھ کر اصولوں کو قائم کرنا سیکھیں۔

اخبار احمدیہ: (حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کی تنظیم جماعت کے سلسلہ میں مساعی جمیلہ) خاکسار 16-17-18-19 جنوری 1931ء کو حضرت امیر ایدہ اللہ کی معیت میں سیالکوٹ، جموں اور وزیرآباد رہا۔ حضور نے جمعہ سیالکوٹ میں پڑھایا۔ جہاں اپنی تمام جماعت اور کچھ معاونین وغیرہ بھی موجود تھے اور خوب رونق ہوگئی تھی۔ اس روز نماز مغرب کے بعد حاجی محمد اسمٰعیل صاحب کنٹریکٹر کے مکان پر مستورات کو جمع کر کے لیکچر ہوا۔ حضور نے اپنے ان مواعیظ حسنہ میں اسلامی دنیا کی حالت اور تحریک سلسلہ احمدیہ اور اس کے کاموں کی طرف توجہ دِلا کر ہر ایک کو، مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، قوت کے ساتھ اس کام کے لئے اُٹھ کھڑے ہونے اور اس میں لگ جانے کی دعوت دی اور ہر ایک کو اس کے تبلیغ اسلام اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے فرض کی طرف توجہ دلائی۔ دوسرے دن اپنی جماعت میں تنظیم کا کام مکمل کیا گیا۔ نومبر 1930ء میں اس جماعت کے ماہوار چندہ کی میزان 60 روپے ہوئی تھی جو 82 روپے ماہوار آئندہ کے لئے مقرر ہوئی۔ جن دوستوں نے اس اضافہ میں حصہ لیا اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین بدلہ اپنی جناب سے عطا فرمائے۔

اس موقعہ پر ماسٹر اللہ لوک صاحب گورنمنٹ ہائی سکول، آفتاب عالم ولد حکیم خورشید احمد صاحب متعلم جماعت نہم، محمد آصف خاں متعلم جماعت دہم ولد ڈاکٹر میر خاں صاحب نے حضرت کے ہاتھ پر سلسلہ میں شمولیت کے لئے بیعت کی۔ اور حافظ محمد شفیع صاحب کا صاحبزادہ اور چودھری محمد یوسف علی صاحب کا ملازم بھی داخل سلسلہ ہوا۔

حاجی محمد اسمٰعیل صاحب کا بے نظیر ایثار تعریف کے قابل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک سلیم دل دیا ہے۔ جس میں خدا کے کاموں پر خرچ کرنے کے لئے پورا انشراح موجود ہے۔ آپ نے یک صد روپیہ خود ہی نقد پیش فرمایا اور زمین اوکاڑہ کے مستقل فنڈ کے لئے، جو ایک ہزار روپیہ آپ کے نام ڈالا گیا تھا، اسے خوش دلی سے فروری میں ادا کرنا منظور کیا۔ آپ فرمانے لگے کہ دل میں یہ خواہش اور اِرادہ رکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اپنا فضل کرے تو اس کی راہ میں پورا ایک لاکھ روپیہ ایک ہی وقت انجمن کو دوں۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی بعید نہیں کہ وہ آپ کی پاک خواہش کے پورا کرنے کے سامان پیدا فرما دے۔ ضرورت ہے کہ قوم کا ایک ایک ممبر مرد ہو یا عورت شروع سے ہی اپنے اندر یہ ولولہ اور جوش پیدا کرے۔ جب دل کے اندر یہ حرکت اور تڑپ موجود ہو تو اس کے پورا ہونے کے سامان بھی بیسیوں مرتبہ زندگی میں نکلتے رہتے ہیں۔ اور خدا کی راہ میں قربانیاں، جہاں کوئی فوری فائدہ سامنے موجود نہیں ہوتا، ایک دن کی عادت سے نہیں ہوتیں بلکہ اس کے لئے ایسے جذبات کا دِلوں کے اندر موجود رہنا ضروری ہے۔ اور جس حالت میں بھی انسان ہو اپنی طاقت کے مطابق اپنے عمل سے اس کا اظہار کرتا رہے تو بڑے بڑے مواقع بھی اس کی زندگی میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ مال و دولت کا بافراط انسان کے ہاتھ میں آنا خدا کے فضل پر منحصر ہے۔ جو لوگ خلوص نیت سے خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کی عادت ڈالتے ہیں، خدا ان کے مالوں کو واقعی بڑھاتا ہے اور ان کے لئے ضرور اپنی رحمت کے دروازے کھولتا ہے۔ کوئی شخص خدا کی راہ میں مال خرچ کر کے نقصان میں نہیں رہا۔ یہ زندہ شہادتیں اس وقت بھی ہماری جماعت میں موجود ہیں۔ صرف دل کو سمجھانے اور اپنے آپ کو عملی طور پر اس راہ پر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

سیالکوٹ میں علاوہ جماعت کے درس میں باقاعدہ شمولیت کے نمازوں میں شریک ہونے کا انتظام کیا گیا۔ نوجوانوں کو مل کر ہفتہ وار اجلاس کر کے لیکچر کرنے کی عادت ڈالنے اور عملی طور پر جماعت اور مسلمانوں کی عام بہبودی کے کام کرنے کی ہدایت کی گئی۔ مستورات میں مہینہ میں دو بار مولوی عصمت اللہ صاحب کے لیکچر کا انتظام کیا گیا اور جماعت کے احباب کو مہینہ میں ایک بار اکٹھا کر کے کام کرنے پر لگایا گیا۔ جموں میں بھی مستورات اور احباب جماعت میں حضرت نے اس قسم کی تقریر فرمائی اور اپنے قیام اور نیک اثر سے جماعت کے قلوب کو بھائیوں کی طرح جوڑ دیا۔ جماعت میں جو سستی نظر

آتی تھی وہ کافور ہوگئی اور ان کے درس اور نمازوں میں شمولیت وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ اسی طرح نوجوانوں سے کام پر لگنے کا اقرار لیا گیا۔ جنہوں نے ہر قسم کی مستعدی دکھائی اور مستورات سے درخواست کی گئی کہ وہ اشاعت اسلام کے کام میں تین طریق پر بالضرور مدد پہنچائیں۔

اول۔ اپنے گھروں کو رسم ورواج سے پاک کریں۔ اپنے اور اپنے خاوندوں کے مالوں کی حفاظت کریں۔ کیونکہ یہ حصہ زیادہ تر ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

دوم۔ اپنی اولاد کی تربیت میں اس بات کا پورا خیال رکھیں کہ ان کے دِلوں میں اسلام کی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھے اور جب وہ بڑے ہوں تو دین کے لئے ان کے سینے فراخ ہوں۔ اور اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے خود اس کام میں پورے حصہ دار بنیں۔ جس طرح کہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں مستورات بھی شامل تھیں۔

سوم۔ ہر سال جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اپنے ہاتھ سے کوئی نہ کوئی چیز تیار کر کے دستکاری فنڈ میں بجھوائیں (قریباً یہی باتیں سیالکوٹ میں بھی مستورات کو کہی گئی تھیں۔ بالخصوص یہ کہ ہر ایک عورت دستکاری فنڈ میں اپنے ہاتھ سے کچھ چیز تیار کر کے بھیجے) اس جماعت کے ماہوار چندہ کی تعداد جو بہت ہی کم ہو چکی تھی۔ 50 روپے ماہوار قائم ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

اس دورہ میں بہت راحت کا سامان موجود تھا۔ صبح 6 بجے سے رات کے گیارہ بجے تک ہم اور ساری جماعتیں مل کر بیٹھتی رہیں اور دین اسلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کے عظیم الشان کام پر سوچ وبچار کرتی رہیں اور اپنی جماعت کو، جو منظّم طور پر صرف ایک ہی جماعت ہے، جو دشمنان اسلام کے مقابل اس وقت سینہ سپر ہے، اس کے بڑھانے اور اس میں قوت پیدا کرنے کے وسائل سوچتی رہی۔ اس کے لئے ہر ایک نے اپنی طاقت کے مطابق اس کام کو قوت دینے کے لئے ہر طریق پر حصہ لیا جس میں ہر قسم کے لوگ موجود تھے۔ اور نظر آتا تھا کہ واقعی حضرت اقدس مسیح موعود جس مقصد کے لئے تشریف لائے تھے وہ پورا ہو رہا ہے اور آپ کے تاثرات کام کر رہے ہیں۔

واپسی پر حضرت امیر ایدّہ اللہ لویری والا میں چودھری غلام حسن صاحب کی خبر گیری کے لئے تشریف لے گئے۔ چودھری صاحب کی حالت پہلے سے اچھی ہے۔ اگرچہ کمزوری ابھی بہت ہے۔ ان

کے لئے احباب درددل سے دعا فرماویں (خاکسار غلام محمد محصل و آڈیٹر انجمن ۔ 20 جنوری 1931ء)

☆☆☆

نامۂ مدراس کا ضروری اقتباس: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ اخبار پیغام صلح 21 شعبان المعظم 1349ھ نمبر 3 میں خاکسار کی نسبت جو کچھ یاد دہانی کی گئی ہے اس کا شکریہ۔ محترم ہم نے مرکز لاہور کو بھلا نہیں دیا۔ تبلیغ کا بوجھ پہلے سے زیادہ ہمارے سرپر ہے۔ حضرت مولانا صدیق دیندار عرف چن بشویشر، جن کو حضرت امیر سے قرآن سیکھنے کا فخر حاصل ہے، وہ اور ہم تبلیغ کر رہے ہیں، آج کل صاحب موصوف حیدرآباد میں ہیں۔ ترجمہ قرآن کنٹری زبان میں 13 پارہ تک ہو چکا ہے۔ خدا کرے مکمل ہو کر طبع ہو جائے۔

اب تک کئی سو ہندو آپ کی صداقت کو مان کر اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اور ہزاروں اسلام کی توحید کے قائل اور بت پرستی سے توبہ کر کے اسلام کے قریب ہو رہے ہیں۔ اب نو مسلموں کے لئے مرکز بنا کر مدرسہ جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اب تک کئی انجمنیں بنام دیندار انجمن قائم ہیں۔ دس پندرہ مبلغ کام کر رہے ہیں۔ ایک اخبار دیندار بزبان کنٹری گدک سے نکل رہا ہے۔ چونکہ علاقہ میسور میں مہاراجہ بہادر کے ہندو ہونے کی وجہ سے اہل ہنود کی اکثر چل جاتی ہے۔ وہ لوگ شر و فساد کشت و خوب کی دھمکیاں دیتے ہیں تو سرکار کو مجبوراً انتظام کرنا ہوتا ہے۔ حال میں بمقام دھاڑواڑ جلسہ ہوا تو وہاں کے مسلمانوں نے ہندوؤں سے مل کر صدیق صاحب کی زبان بندی کرادی کہ یہ قادیانی ہے۔ درپردہ ہندوؤں کو مسلمان کرانے کے بہانے سے لوگوں کو قادیانی بنا رہا ہے۔ حاصل یہ کہ ہم نچلے نہیں بیٹھے۔ ماہوار کئی سو روپے تبلیغ میں صرف ہو رہے ہیں۔ پانچ کتابیں کنٹری زبان میں طبع ہو کے شائع ہوئی ہیں۔ اور ایک کتاب آنحضرت کی سوانح عمری حضرت امیر کی سیرۃ النبیؐ کے انتخاب سے ترجمہ کر کے دس ہزار کی تعداد میں طبع کرا کے شائع کی ہے۔ مولیٰنا صدیق اس عقیدہ کے سخت مخالف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی آئے۔ ہندوؤں کی کتابوں کی پیشگوئیوں سے پتہ چلتا ہے کہ قادیانی اپنے غالی عقیدہ سے توبہ کریں گے۔ مولوی عبداللہ صاحب تیماپوری بھی آپ کے ساتھ ہو کر کام کرتے ہیں۔ ان کی کتابوں اور تقریروں سے قادیانی غلو کی بہت کچھ اصلاح ہو چکی اور ہوتی جاتی ہے۔ اکثر محمودی اس

سلسلہ میں داخل ہوتے رہتے ہیں اور غیر احمدی احمدیت کو قبول کر رہے ہیں۔

جرمن مسلم مشن: پروفیسر محمد عبداللہ صاحب امام مسجد برلن تازہ خط میں لکھتے ہیں کہ آپ یہ معلوم کر کے خوش ہوں گے کہ علاوہ قرآن اور عربی درس کے میں نے اب نماز کا درس بھی شروع کر دیا ہے۔ یہ نومسلم جرمنوں کو عربی میں نماز یاد کرانے اور طریق نماز کے لئے ہے۔ ہر جمعہ کے دن قرآن و عربی کا درس ہوتا ہے اور یہ درس ہر اتوار 2 بجے سے 4 بجے دوپہر تک ہوا کرے گا۔ نماز کے درس کے ساتھ ہی جرمن نو مسلموں کو اسلام کی تربیت اور تمدنی تعلیم سے آگاہ کیا جائے گا۔ افسوس ہے کہ میں اکیلا ہوں اور مجھے خود ہی ہر چیز کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ جہاں تک ہوسکتا ہے کام کئے جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری مدد کرے۔ آپ کی مخلصانہ دعاؤں کی ہر وقت ضرورت ہے (محمد منظور الٰہی آنریری جائنٹ سیکرٹری)

ایک قابل قدر عطیہ: جی۔ایچ مسلم ہائی سکول بدوملہی میں کچن کی سخت ضرورت تھی۔ چنانچہ چودھری غلام حیدر خاں صاحب نے اپنی گرہ سے بہ لاگت دو ہزار روپیہ سے نہایت عمدہ دو کچن ایک مسلمان طلباء کے لئے اور ایک ہندو طلباء کے لئے بنوا دیئے ہیں۔ بورڈنگ کا کرایہ بمشاہرہ 10 روپیہ اور 5 روپیہ تنخواہ سپرنٹنڈنٹ۔ اب یہ 15 روپے انجمن کو ماہ فروری 1931ء کو ادا نہیں کرنے پڑیں گے۔ کیونکہ سکول کی بلڈنگ میں جس جگہ مسلمان طلباء کا کچن تھا وہ اب ہندو طلباء کا بورڈنگ ہو جاوے گا۔ اب مسلمان و ہندو طلباء کے لئے بورڈنگ یہی کافی ہو گیا ہے۔ اور کچن بھی اچھے پیمانہ پر ہو گئے ہیں۔ چودھری صاحب کے اس قابل قدر عطیہ کے ہم بہت ہی مشکور ہیں۔

۞۞۞

23 جنوری 1931ء

ہم اشاعت اسلام میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں؟

از قلم محترمہ بیگم صاحبہ حضرت مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور

آغاز اسلام سے لے کر آج تک صنف نازک کو مذہب سے خاص لگاؤ رہا ہے۔ اگرچہ بعض وقت لاعلمی کی وجہ سے وہ اس کے مناسب اظہار سے قاصر رہی ہوں۔ موجودہ زمانے میں اسلام پر ویسا ہی شدائد کا زمانہ گذر رہا ہے جیسا کہ ابتداء میں تھا۔ عیسائیت تو عرصے سے فرزندان توحید کو تثلیث کے جال میں پھنسانے کی کوشش میں سرگرم ہے۔ مگر اب اہل ہنود بھی شدھی کا ہتھیار لے کر میدان تبلیغ میں آن کودے ہیں۔ ''رنگیلا رسول'' اور ''ورتمان'' جیسے ناپاک رسائل لکھ کر مسلمانوں کے دل وجگر پر نمک پاشی کر رہے ہیں۔ یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان کیا کر رہے ہیں؟! خدا را! اس حقیقت کو بے نقاب نہ کریئے۔ شبلی مرحوم کا یہ شعر ہی کافی ہے ؎

دن رات کیا کرتے ہیں تکفیرِ مسلمان بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

علماء دین، جن کا کام اعلاء کلمۃ اللہ تھا، وہ تو باہم لڑنے لڑانے میں مشغول ہیں اور مذہب کو تنگ نظری اور فرسودہ خیالی کا ایک مجموعہ بنا رکھا ہے کہ تعلیم یافتہ وروشن خیال طبقہ ان حرکات سے بیزار ہو کر مذہب ہی کو خیر باد کہنے کو تیار ہے۔ مگر ان مصائب کے بادلوں کی تاریکی میں کہیں کہیں روشنی کی چمک بھی نظر آ رہی ہے۔ یہ بعض دردمندان اسلام کی وہ کوششیں ہیں جو وہ حفاظت اسلام کے لئے کر رہے ہیں۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام بھی تبلیغ دین کا ایک درخشندہ ستارہ ہے۔ جس کی روشنی ہندوستان کے علاوہ مغربی ممالک کو بھی اسلام کے نور سے منور کر رہی ہے۔ جس کے اردو انگریزی ترجمۃ القرآن وتفسیر سے ہزارہا بندگان خدا نے فیض پایا ہے۔ جس کے بے نظیر اور زمانہ حاضرہ کے موزوں حال لٹریچر نے اسلام کا اصلی وروشن چہرہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور جو ہندوستان میں ہزارہا اچھوت اقوام میں تبلیغ اسلام کر کے مسلمانوں کی تقویت کا موجب ہو رہی ہے۔ چونکہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے سے اس انجمن کی خدمات مخفی نہیں ہیں۔ اس لئے میں اس وقت اس تفصیل میں نہیں پڑتی۔ البتہ اپنی مسلمان بہنوں سے اپیل کرتی ہوں کہ وہ اپنی روائتی شان کو برقرار رکھنے کے لئے تبلیغ و

خدمت دین میں اس سرگرمی سے حصہ لیں جیسا کہ ان کی بزرگ ماؤں نے قرون اولیٰ میں نمونہ دکھایا تھا۔ آپ یہ پوچھ سکتی ہیں کہ ہم چار دیواری میں رہنے والیاں کس طرح اشاعت اسلام میں حصہ لے سکتی ہیں؟ اس کے کئی طریق ہیں۔

اول۔ ہر بہن کے پاس کچھ نہ کچھ زیور ہے۔ وہ اپنی زکوٰۃ کا ایک ایک حصہ اشاعت اسلام میں دے سکتی ہیں۔

دوم۔ جن بہنوں کا روپیہ بنکوں میں جمع ہے وہ اس کا سود تبلیغ دین کے لئے دے دیں۔

سوم۔ جب خدانخواستہ کوئی موت ہو جائے تو بجائے دیگیں پکا کر برادری کو کھلانے کے وہی روپیہ مرحوم کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے ترقی اسلام پر صرف کریں۔

چہارم۔ شادی بیاہ اور خوشی کے موقعوں پر انعامات تقسیم کرتے وقت بھی اپنے پیارے مذہب کو نہ بھولئیے۔

پنجم۔ وصیت کرتے ہوئے اپنی جائداد کا ایک حصہ اشاعت اسلام کے لئے وقف کر کے صدقہ جاریہ کو قائم کریں۔ آپ کے مرنے کے بعد بھی آپ کو ثواب پہنچتا رہے گا۔

ششم۔ صدقے و خیرات میں سے کچھ رقم انجمن اشاعت اسلام میں بھیجیں۔ جو غریب نومسلموں پر خرچ کی جائے گی۔

ہفتم۔ اپنے ماہوار خرچ میں سے کچھ پس انداز کر کے خدا کی راہ میں دیجئے اور عقبیٰ میں وصول کریئے۔

ایسے ہی اور بھی کئی ایک طریقے ہیں جن کے ذریعہ ہم مستورات نہایت آسانی سے خدمت دین کر کے خدا اور رسولؐ کے سامنے سرخرو ہو سکتی ہیں۔ مگر یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ہمارے دِلوں میں مذہبی اہمیت کا احساس ہو۔ افسوس کہ ہم مذہب کی حالت اور اس کی ضرورت کی طرف سے غافل ہیں۔ اسی لئے لاہور میں ایک انجمن خواتین قائم کی گئی ہے۔ جس کا مقصد طبقہ نسواں میں مذہبی بیداری و اتحاد پیدا کرنا ہے۔ انجمن پانچ سال سے قائم ہے اور ہر فرقے اور ہر طبقے کی خواتین اس کی معاون ہیں۔ اس کا سالانہ اجلاس ماہ دسمبر میں ہوتا ہے۔ اور اسی موقعہ پر دستکاری کی نمائش بھی کی جاتی ہے۔ ''دستکاری''

ایک خصوصی تحریک ہے جو احمدیہ انجمن خواتین اسلام نے اشاعت دین میں مدد دینے کے لئے شروع کی ہے۔ یعنی ہر بہن جو اشاعت اسلام میں مدد دینا چاہے سال بھر ہفتے میں ایک گھنٹہ کچھ دستکاری جو وہ جانتی ہوں بنائیں۔ اور شروع دسمبر میں خاکسار کے پاس بھیج دیں۔ سالانہ جلسے پر یہ دستکاری فروخت کر کے روپیہ اشاعت اسلام میں دے دیا جاتا ہے۔ ہر دختر اسلام کا فرض ہے کہ وہ اس مبارک تحریک میں حصہ لے اور اپنی دیگر بہنوں کو بھی ترغیب دے۔ تاکہ مستورات کی طرف سے ان کے عزیز مذہب کے لئے ایک معقول رقم پیش کی جاسکے۔ اپنی چھوٹی چھوٹی بچیوں کو بھی شامل کریئے کہ بچپن سے ان کے دِلوں میں مذہب کی محبت اور خدمت کا شوق پیدا ہو۔ غریب سے غریب بہن کو بھی اس سے محروم نہ رہنا چاہئے کہ اس وقت اسلام کے لئے ایک پیسہ بھی اشرفی کی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اور ہماری باحیثیت بہنوں کو بھی حسب حیثیت اس میں حصہ ڈالنا چاہئے کہ دولت خدا کا عطیہ ہے اور اس عطیہ میں قوم کا بھی کچھ حق ہے۔ اگر آپ ''دستکاری'' میں شامل نہیں ہیں تو آج ہی ایک کارڈ لکھ کر خاکسار کو اپنا نام درج رجسٹر کرنے کی اطلاع دیجئے۔ نیکی کی تحریک جلد زائل ہو جاتی ہے۔ اس لئے وقت کو غنیمت سمجھ کر اسی وقت خدمت اسلام میں عملی حصہ لینے کا عہد کر لیجئے۔ یہ دنیا کے دھندے اور خانہ داری کی مصروفیتیں تو تمام عمر یونہی رہیں گی۔ اور خواہ کتنی لمبی عمر ملے، آخر خدا کے حضور حاضر ہونا ہے، تو وہاں کیا جواب دیں گے کہ ساری عمر اپنے نفس کی آسائش میں گذاری اور خدا کے کام کے لئے کوئی وقت نہ نکالا جو آج کام آتا۔ مگر بعد پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ پیاری بہنوں! عقبیٰ کی شرمساری سے بچنے کے لئے یہی موقعہ ہے کہ اپنی مصروفیتوں میں سے کچھ نہ کچھ وقت بچا کر اور دستکاری کر کے مجاہدات اسلام میں شامل ہوں۔ کئی بہنیں اس سوچ میں ہوں گی کہ وہ کیا چیز بنائیں۔ اندازے کے لئے میں چند اشیاء کے نام لکھتی ہوں۔ ململ کے کڑھے ہوئے دوپٹے اور چُنیاں، ریشمی ازار بند، کامدانی کے دوپٹے، بچوں کے فراک، گرم سویٹر، موزے، میز پوش، لیڈیز رومال، بچوں کی ٹوپیاں، دیواروں پر آویزاں کرنے کے قطعے، بچوں کے کھلونے، گدیاں، کاتا ہوا سوت، کھدر پر ریشم کے کام کے پردے، مخملی فیتے، ٹی کوزی، پلنگ کی چادر، کاغذ اور موتیوں سے پھول گلدستے، مصنوعی پھل وغیرہ وغیرہ۔

تعلیمات مرزا: تمسخر، ضلالت، کذب، بطالت ان چار اجزاء کا معجون مرکب مولانا ثناءاللہ امرتسری

نے شائع کیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص **لم یکذب ابراھیم الا ثلاث** کا قائل ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام پر دھوکا دہی کا بہتان باندھتا ہے۔ جھوٹ بول کر متقی بنے رہنے پر ایمان رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا مباحثہ جبل پور میں مرتکب ہوتا ہے۔ خود منافقانہ تفسیر کرنے کا حرم پاک میں اقرار کرتا ہے۔ وہ اگر اپنی دُکان چلانے کے لئے مسیح موعود پر اعتراض نہیں کرتا تو اس کی اور غرض کیا ہوسکتی ہے؟ مولوی دوست محمد صاحب مہربانی کرکے وہ کتاب، جو ثناء اللہ کے کردار پر 500 صفحات کی لکھی گئی ہے، شائع کرنے کا انتظام کریں۔ تاکہ دنیا میں مسیح موعود کے اشد ترین دشمن کا گندہ کیرکٹر بھی آنے والی نسلوں کے حق و باطل میں فیصلہ کرنے کے لئے باقی رہے۔

ایک دیوسماجی (دہریہ) کا خراج تحسین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق: بابو ہیرانند صاحب دیوسماجی اپنی بے تعصبی کا ذکر کرنے کے بعد حضرت امیر کی خدمت میں لکھتے ہیں کہ:

دلی عزت کے مستحق جناب مولوی صاحب جی۔ میں نے کچھ سال ہوئے دیوسماج کی اخبار آتمک پتن اور جیون میں خلیفہ ابوبکر صاحب کی زندگی کے مختصر حالات پڑھے۔ ان کی کمال درجہ کی قربانی اور دیانت داری اور سادی زندگی اور اپنے دین یا ہادی کے لئے مر مٹنے کا ارادہ وغیرہ، خوبیوں نے میرے دل کے اندر گھر کرلیا ہے۔ یعنی سینکڑوں شخصوں کے روبرو ان کی اتنی قربانیوں کا دلی جوش سے ذکر خیر کیا ہے اور ایسی تمام اعلیٰ خوبیوں کو اپنی زندگی میں پہلے کے مقابل بڑھایا ہے اور سچ مچ سبق حاصل کیا ہے۔ کچھ دن ہوئے میرے ایک لڑکے کو جو (مشن سکول میں نویں جماعت میں تعلیم پاتا ہے) اپنے کسی مسلمان دوست نے آپ کی تصنیف کردہ چھوٹی سی کتاب سوانح عمری حضرت محمد صاحب دی۔ جس کو میں نے اپنے گھر میں دیکھ کر چند دِنوں میں تھوڑا تھوڑا کرکے پڑھا۔ یوں میرا پہلے سے خیال تھا کہ میں باقی کے خلیفہ صاحبان کی زندگی کو مطالعہ کرکے ان سے بھی لطف اُٹھاؤں مگر مجھے کوئی ایسا موقعہ نہیں ملا۔ میرا یہ یقین ضرور تھا کہ جس ہادی نے اپنے اثروں سے خلیفہ اول کو اس قدر اعلیٰ خوبیوں کا وارث بنادیا ہے وہ خود ان سے بدر جہا زیادہ خوبیوں کے صاحب ہوں گے۔ اس لئے میں نے اس کتاب کو دل کی لگن کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ گو بعض باتوں کے لحاظ سے میرا آپ سے اتفاق نہیں مگر اس کتاب کے مطالعہ سے جو مجھے اچھے اثر ملے ہیں میں ان کی داد دیتا ہوں۔ آپ نے اس کتاب کی تصنیف میں ہماری

بہت بڑی تعظیم کے مستحق جناب حضرت محمد صاحب کی زندگی کے روشن پہلوؤں کو جس سنجیدگی کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اس سے آپ کے اچھے دل کا زندہ ثبوت ہے کہ آپ نے اپنے ہادی کی شان کو بڑھانے اور ان کے متعلق غلط فہمیوں کو دفع کرنے کا جو سوہاونا کام کیا ہے وہ ہر طرح سے بجا ہے۔ نیز کسی نیک دل اور شریف انسان کا فرض ہے کہ جس ہادی سے ان کو کوئی فیض ملا ہو اس کی وہ داد دیوے۔ سو آپ نے ایسا ہی کیا ہے جس کے لئے میں آپ کو آفرین کہتا ہوں۔

یعنی حضرت صاحب کی مختلف زندگی کے خوبصورت پہلوؤں کو آپ کی لکھی ہوئی کتاب سے دیدار کیا ہے۔ جس سے میرے دل کے اندر ان کی عزت بڑھی ہے۔ خاص کر حضرت محمد صاحب کے حسب ذیل روشن پہلو قابل ذکر ہیں۔ سادہ اور صاف جسمانی زندگی، جفاکشی، فاقہ کشی، بردباری، استقلال، امانت داری، منصف مزاجی، مہمان نوازی، دولت دنیا سے بے پرواہی، یتیم اور قابل مدد انسانوں کی مدد، اپنے رشتہ داروں کی ناواجب محبت سے اوپر رہنا، کسی چھوٹے درجہ کے کام کو کر دینے میں کوئی جھجھک یا تکلیف محسوس نہ کرنا، حد درجہ کی شرمیلی زندگی، ایسی ہی چوٹی کی خوبیوں کی بدولت مسلمانوں نے دنیا میں اقبال حاصل کیا ہے۔ میں یہ بھی سچی شہادت دینے کو مجبور ہوں کہ ایسے ہی اپنے ہادی کے اثروں سے کتنے ہی اچھے دل والے مسلمان ہیں جو مذہبی اختلاف رکھ کر بھی میرے ساتھ بہت نیک سلوک کرتے رہے ہیں یا اب بھی کرتے ہیں۔ خصوصاً بابو محبوب عالم صاحب مرحوم سابق تحصیلدار راولپنڈی۔ جو مجھے ہمیشہ یاد آتے ہیں اور تادم زندگی یاد رہیں گے۔ میں یہ بھی شہادت دینے سے نہیں رُک سکتا کہ عیسائی مذہب کے مقابل میں آپ کا درجہ دوسرا ہے۔ وہ لوگ زیادہ بردبار ہیں۔ آپ لوگوں سے کمتر سکھ اور سب سے گھٹیا درجہ کے ہندو۔ اور ان میں سے بھی دیانندی بزدل، جن میں مذہبی بردباری عنقا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بردباری کی سپرٹ کے باعث ہندوؤں کے مقابل میں سب قومیں افضل اور صاحب اقبال ہیں۔ (صدق دل سے ہیرا نند دیوسماجی، کمیشن ایجنٹ جائداد، راولپنڈی)

۞۞۞

27جنوری1931ء

حضرت امیر کے قلم سے

ووکنگ مسلم مشن اور انجمن کے تعلقات

''مجدد کامل'' میں خواجہ کمال الدین صاحب کا اظہار خیالات

مجھے جناب خواجہ صاحب کی نئی تصنیف ''مجدِدِ کامل'' کے بعض حصوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔اس سے پہلے خواجہ صاحب نے اسی کتاب کے اشتہار میں بھی بعض خیالات کا اظہار کیا تھا۔جس پر بعض احباب کو بہت رنج ہوا۔ اور اُنہوں نے بالمقابل کچھ لکھنا چاہا۔مگر یہ خیال کر کے کہ ان معاملات کوطول دینے سے اصل کام کونقصان پہنچتا ہے، انہیں روک دیا گیا۔مگر افسوس ہے کہ خواجہ صاحب نے ان اُمور کو نہ صرف پھر شروع کر دیا بلکہ کتاب ''مجدد کامل'' کے کئی اوراق اس ذکر سے بھر دیئے۔اگر ان کا اور انجمن کا بعض معاملات میں اختلاف رائے تھا تو اختلاف رائے دوستوں میں ہو ہی جاتا ہے۔لیکن اس اختلاف رائے کو اتنی اہمیت دینا، کہ اسے ایک مستقل کتاب کا حصہ بنا دیا جائے۔قوم کے لئے بہت نقصان رساں ہے۔اور پھر وہ کتاب، جس کی غرض یہ تھی کہ اسے کثرت سے مفت تقسیم کیا جائے اور جس کے ذریعہ سے تبلیغ احمدیت مقصود تھی،اس میں اس قسم کی باتوں کو درج کرنے سے اسی تبلیغ کو ہی نقصان پہنچتا ہے۔عقائد کے متعلق جس قدر ذکر فریق قادیان اور فریق لاہور کے اختلاف کا ہے وہ تو بلاشبہ تبلیغ کے لئے ضروری تھا۔لیکن جو چند دوستوں میں تبلیغ کے طریق کار کے متعلق اختلاف تھا اسے کتاب میں لانا اور پھر بعض جگہ نامناسب الفاظ میں انجمن اور اس کے کاموں کی طرف اشارہ کرنا بہت احباب کے لئے رنج کا موجب ہوا ہے۔کیونکہ انجمن اور قوم دو چیزیں نہیں۔اور علاوہ ازیں بہت سا وہ اثر جو کتاب کے پہلے حصہ کے مطالعہ سے ایک اجنبی کے دل پر پیدا ہوگا، پچھلے حصہ سے وہ اثر دور ہو جائے گا۔افسوس یہ ہے کہ اس اختلاف کا نفس مضمون کتاب سے ادنیٰ تعلق بھی نہ تھا۔اور علاوہ ازیں جو اور بعض امور اعتراض کے رنگ میں انجمن کے متعلق اس کتاب میں لکھے ہیں وہ بھی قابل افسوس ہیں۔اس لئے کہ جناب خواجہ صاحب خود اس انجمن کے ارکان میں سے ایک ہیں۔اور جو اعتراض انہیں انجمن کے کسی کام پر تھا اسے انجمن میں پیش کرنا چاہئے تھا، نہ

کتابوں اور اشتہاروں میں لانا۔ میں سمجھتا ہوں کہ خواجہ صاحب کی طویل بیماری ایک حد تک ان امور کا موجب ہے۔لیکن کیا اچھا ہوتا کہ مطبع میں بھیجنے سے پیشتر وہ مسودہ پر کسی اور کی نظر ڈالوا لیتے۔ان باتوں کا نقصان خود اس کام کو پہنچتا ہے جو وہ اور ہم کر رہے ہیں۔اس قوم کو پہنچتا ہے جس کی تائید کے لئے اُنہوں نے یہ کتاب لکھی ہے اور اس تبلیغ کو پہنچتا ہے جو کتاب کے لکھنے میں ان کے مدنظر تھی۔ چونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اب ان اُمور پر جماعت میں کوئی بحث چھڑے،اس لئے میں ووکنگ مشن اور انجمن کے تعلقات کے صرف آخری واقعہ کا ذکر کر کے احباب سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ وہ ان اُمور کی طرف زیادہ توجہ نہ دیں۔اور نہ اس بحث میں پڑیں کہ فلاں نے فلاں وقت کیا کیا اور فلاں نے کیا کیا۔ بلکہ ان باتوں کو چھوڑ کر اپنے کام کی طرف پوری توجہ کریں۔ مجھے اس قدر لکھنے کی بھی ضرورت نہ ہوتی اگر بعض اُمور میں غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا۔ باقی جو اعتراضات خواجہ صاحب کو اس امر کے متعلق ہوں کہ انجمن کو فلاں کام یوں کرنا چاہئے اور فلاں یوں نہ کرنا چاہئے۔یہ کتابوں اور اشتہاروں میں لکھنے کی باتیں نہیں۔ بلکہ خود گھر میں سوچنے کی باتیں ہیں۔خدا کے فضل سے ہماری انجمن میں مشکل سے مشکل مسائل پر بھی بعض وقت بحث ہوئی ہے۔اورآخر کار ساری قوم ایک ہی نتیجہ پر پہنچی ہے۔ایک اکیلے شخص کی رائے غلط ہوسکتی ہے۔لیکن جب مشورے میں ایک بار آجائے تو اس کے مضرات یا منافع کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔اور اگر دل ذاتی اغراض کے خالی ہو تو عموماً سب ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔

1929ء کے آخر میں ووکنگ مشن کا تعلق انجمن سے منقطع ہوا۔گو اس سے پہلے بھی ایک دفعہ ایک ایسی ہی صورت پیش آ گئی تھی۔اس آخری علیحدگی کے واقعات کا علم ہماری جنرل کونسل کے ممبران کو تو ہے لیکن ان کی عام اشاعت کو مفید نہ سمجھا گیا تھا۔صرف آخری فیصلہ اخبار میں شائع کر دیا گیا تھا۔بات صرف اس قدر ہے کہ خواجہ صاحب کا یہ خیال تھا کہ مشن کا انتظام ایک ایسی کمیٹی کے ہاتھ میں ہونا چاہئے جس کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو۔اور انجمن کا یہ خیال تھا کہ ایسا تعلق کسی نہ کسی رنگ میں ضرور رہنا چاہئے۔ کیونکہ انجمن نے بحیثیت جماعت مشن کے لئے ایسی قربانیاں کی ہیں جو مسلمانوں کی کوئی دوسری جماعت نہ کرسکتی تھی۔اپنے بہترین آدمیوں کو ایسے وقت

میں مشن کے چلانے کے لئے بھیجا جب خواجہ صاحب کی غیر حاضری اور پھر بیماری کی وجہ سے مشن کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ اور کم و بیش دس سال سے مشن کا انتظام انجمن کے ہاتھ میں تھا۔ اور گو اس میں شک نہیں کہ اس عرصہ میں خواجہ صاحب اور انجمن کے درمیان بعض اُمور میں اختلاف رائے ہوتا رہا، مگر کام کو اس کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اور آخر دسمبر 1928ء میں تمام اختلافات کا آخری فیصلہ کر کے خواجہ صاحب نے اپنی تحریر انجمن کو دے دی تھی کہ آئندہ انجمن کی جنرل کونسل کے تمام فیصلے ان کے لئے قطعی ہوں گے، تو ان اُمور کی بناء پر انجمن نہ چاہتی تھی کہ اس کا تعلق ووکنگ مشن سے منقطع ہو۔ گو وہ اس بات پر راضی ہوگئی تھی کہ بعض دوسرے اشاعت اسلام کے کام میں دلچسپی لینے والے بزرگ اس انتظام میں شامل ہو جائیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب مشن کا انتظام انجمن کے ہاتھ میں تھا تو خواجہ صاحب نے افریقہ میں دورہ کر کے کوئی قریباً چالیس ہزار روپے کی رقم جمع کی تھی۔ مگر اس رقم کو انہوں نے ایک الگ ٹرسٹ بنام لٹریری ٹرسٹ بنا کر اس کے سپرد کیا۔ 1929ء کے غالباً اپریل میں انہیں یہ خیال پیدا ہوا کہ مشن اور ٹرسٹ کا الحاق کر دیا جائے۔ اور اس کے متعلق اُنہوں نے مجھ سے ذکر کیا اور کہا کہ میں نے مشن اور ٹرسٹ کے الحاق کی ایسی تجویز سوچی ہے کہ آٹھ ممبران احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے ہوں گے اور چار اصحاب ایسے ہوں گے جو احمدی نہ ہوں۔ اس الحاق سے اُنہوں نے دو فائدے بتائے۔ ایک یہ کہ یہ ٹرسٹ والا چالیس ہزار روپیہ مشن کے مزید استحکام کا موجب ہو جائے گا۔ اور دوسرے یہ کہ مشن کے انتظام میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے ممبران کے علاوہ بعض دوسرے اصحاب کے آجانے سے ریاستوں کی امداد جاری رہنے کا بہتر سامان ہو جائے گا۔ اور کسی کو اس شرارت کا موقعہ نہ رہے گا کہ یہ کام صرف احمدیوں کا ہے۔ میں نے اس وقت ان کی تجویز کو پسند کیا۔ البتہ خواجہ صاحب نے میری طرف جو الفاظ منسوب کئے ہیں کہ ''اگر مشن موجودہ حالت میں رہا تو مر جائے گا'' اس میں کچھ غلط فہمی معلوم ہوتی ہے۔ میں یہ لفظ نہ کہہ سکتا تھا۔ مشن انجمن کے انتظام میں کم و بیش دس سال رہا اور گو بہت دفعہ انجمن اور خواجہ صاحب میں اختلاف رائے سے بدمزگی پیدا ہوتی تھی۔ مگر مشن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس اثناء میں بلکہ اس سے چھ سال پیشتر بھی 1914ء سے انجمن اپنے بہترین آدمی اپنے دوسرے کاموں کو نقصان پہنچا کر بھی مشن کی خدمت کے لئے بھیجتی

رہی۔ اور فی الحقیقت یہی آدمی تھے۔ یعنی مولانا صدرالدین، مولوی محمد یعقوب خاں، مولوی مصطفیٰ خاں، جنہوں نے مشن کو خواجہ صاحب کی عدم موجودگی میں سنبھالا ہی نہیں بلکہ مشن کی زندگی میں وہ زمانہ بالخصوص مولانا صدرالدین صاحب کے کام کا زمانہ، نومسلمین کی تعداد کے لحاظ سے اور رونق کے لحاظ سے بہترین زمانہ نظر آتا ہے۔ ہاں یہ میرا خیال ضرور تھا کہ اس نئی تجویز سے مشن کا استحکام بہتر ہوجائے گا اور ایسے ہی کوئی لفظ میں نے کہے ہوں گے۔ بہرحال اس تجویز کو ہماری مجلس منتظمہ کے اکثر ممبروں نے بھی پسند کیا۔ لیکن اس کی آخری منظوری جنرل کونسل نے دینی تھی۔ غالبًا اگست کا مہینہ تھا اور میں ڈلہوزی میں تھا۔ خواجہ صاحب کشمیر میں تھے کہ اُنہوں نے مجھے لکھا کہ جنرل کونسل فوراً ہوکر ٹرسٹ ڈیڈ کو مکمل کیا جائے۔ اس کے جواب میں مَیں نے انہیں لکھا کہ اس وقت تو کونسل کا ہونا مشکل ہے۔ مگر ادھر سے تو ایک حد تک معاملہ طے ہو چکا ہے۔ آپ ان مجوزہ ممبران ٹرسٹ سے، جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے ممبر نہیں، خط و کتابت کر کے ان کی منظوری لے لیں تو میرے لاہور جانے پر جنرل کونسل کا اجلاس ہوجائے گا۔

اسی اثناء میں خواجہ صاحب نے ایک اعلان بھی کرایا۔ جس پر مجھے اچھی طرح یاد ہے میں نے انہیں یہ بھی لکھا کہ آخری منظوری سے پہلے ایسا اعلان درست نہ تھا۔ بہرحال جب اکتوبر میں یہ معاملہ جنرل کونسل میں پیش ہوا تو جنرل کونسل نے اس تجویز کو پسند نہ کیا کہ انجمن کا تعلق مشن سے منقطع ہو اور اس کی وجہ وہی تھی جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے کہ اتنی مدت تک ایک کام کے لئے اس قدر قربانی کر کے اس کام سے الگ ہونا ممبران جنرل کونسل کو ناپسند تھا۔ اور آخر بڑی بحث کے بعد جنرل کونسل نے صرف اس قدر تعلق پر اکتفا کیا کہ جو ممبران ووکنگ کمیٹی کے ممبران میں سے اس وقت نئے ٹرسٹ میں لینے منظور کئے جارہے ہیں وہ انجمن کی طرف سے نامزد شدہ متصور ہوں۔ اور باقی تجویز سب وہی رہے جو خواجہ صاحب نے کی ہے۔ بظاہر اس وقت یہی سمجھا گیا تھا کہ اس تجویز پر خواجہ صاحب متفق ہوجائیں گے لیکن ایسا نہ ہوا۔ اگر خواجہ صاحب چاہتے تو اتنا تغیر ٹرسٹ ڈیڈ میں آسانی سے ایک ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں ہوسکتا تھا۔ مگر قریباً ڈیڑھ ماہ گذرنے کے بعد ان کی تحریر پہنچی۔ جس میں اُنہوں نے یہ لکھا کہ جنرل کونسل کی اس تجویز کو وہ منظور نہیں کرتے۔ اس لئے دسمبر میں یہ معاملہ پھر

جنرل کونسل میں پیش ہوا۔اور فیصلہ یہ ہوا کہ انجمن خواجہ صاحب کی دسمبر 1928ء کی تحریر کو اصل قرار دے کر اسی فیصلہ پر قائم ہے۔جس کی رو سے مشن کو دوبارہ انجمن کے سپرد کیا گیا تھا۔ یہ فیصلہ 25 دسمبر کو ہوا اور چونکہ یہ جلسہ سالانہ کا موقع تھا،اس کے بعد کچھ اور احباب بھی آئے اور ادھر خواجہ صاحب کی طرف سے مزید تحریک ہونے پر دوبارہ معاملہ 28 دسمبر کو پیش ہوا۔جس میں خواجہ صاحب کی وہ تحریر پڑھی گئی جو اُنہوں نے اخبار مدینہ میں لکھی تھی۔اور جس میں اُنہوں نے بہت نامناسب الفاظ میں انجمن کے تعلق کا ذکر کیا تھا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب احباب نے یہی پسند کیا کہ خواجہ صاحب کو آزادی دے دی جائے کہ وہ جس طرح چاہیں مشن کو چلائیں۔غرض صرف یہ تھی کہ کام چلتا رہے۔ چنانچہ اس آخری فیصلہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

> ''چونکہ خواجہ صاحب نے کونسل ہذا کے فیصلہ مورخہ 28 اکتوبر 1929ء کو منظور نہیں کیا اور یہ لکھا ہے کہ ان کی پیش کردہ تجاویز کو نامنظوری کی صورت میں وہ اپنی ذمہ داری پر مشن کے متعلق خود مناسب کارروائی کرلیں گے۔اور کونسل ان کی تجاویز کو منظور نہیں کرسکتی۔ کیونکہ ان میں مزید جھگڑے پیدا ہوں گے۔اس لئے ان تمام جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے کونسل ہذا ان کو اجازت دیتی ہے کہ وہ جس طرح بہتر سمجھیں مشن کا انتظام کرلیں۔''

اگر خواجہ صاحب کا اس وقت بھی یہ ارادہ ہوجاتا کہ مشن انجمن سے علیحدہ نہ ہو تو کچھ مشکل نہ تھا۔انجمن نے ان کو اجازت دی تھی کہ وہ جو انتظام بہتر سمجھتے ہیں کرلیں اور اُنہوں نے بہتر یہی سمجھا کہ انجمن کے نام کا اس قدر تعلق بھی مشن کے ساتھ نہ رہے کہ نئے ٹرسٹ کے احمدی ممبر انجمن کی طرف سے نامزد ہوا کریں۔احمدی ممبر اُنہوں نے اب بھی کچھ رکھے ہیں۔مگر اب انہوں نے خود انہیں نامزد کیا ہے۔اگر وہ جنرل کونسل کی تجویز کو منظور کرلیتے تو بات پھر بھی وہی ہوتی مگر انجمن کا تعلق مشن سے منقطع نہ ہوتا۔

یہ صرف واقعات کا اظہار ہے جو مجھے مجبوراً کرنا پڑا ہے۔میں نے شروع سے پسند نہیں کیا کہ یہ چھوٹے چھوٹے اختلاف اشاعت میں لاکر قلوب میں بدمزگی پیدا ہو۔اب ان کے ایک کتاب کی

صورت میں آنے سے یہ چند واقعات لکھنے پڑے ہیں۔ یہ گو بعض طبائع پر شاق بھی گذریں گے لیکن اگر وہ غور کریں تو بات تو صرف اس قدر ہے کہ انجمن مشن کے ساتھ تعلق قطع کرنا پسند نہ کرتی تھی اور خواجہ صاحب اسے رکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ اگر وہ قوم کی آواز کے آگے سر جھکا دیتے تو یہ قوم کے لئے خوشی کا موجب ہوتا۔ اس کے بعد اُنہوں نے مجھ سے ایک سے زیادہ دفعہ اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں بھی اس نئے ٹرسٹ کی ممبری منظور کرلوں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ٹرسٹ میں تغیر وتبدل کا انحصار ان کی رائے پر ہے۔ اور ممکن ہے پھر کبھی انجمن کی تجویز کو منظور کرلیں۔ لیکن میرا طریق عمل یہی ہے کہ اگر قوم کا فیصلہ میری رائے کے خلاف بھی ہو تو مجھے قوم کا فیصلہ منظور کرنا چاہئے۔ صرف یہی ایک اصول ہے جس پر کاربند رہنے سے ہمارا قومی نظام درست رہ سکتا ہے۔ اور ہم سب نے اس انجمن کو اسی اصول پر بنایا تھا جو حضرت صاحب نے قادیان کے صدر انجمن کے لئے مقرر کیا تھا کہ

''میرے بعد ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔''

محمد علی

❁❁❁

27 جنوری 1931ء

اسلامی پردہ

(بیگم صاحبہ حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کے قلم سے)

گذشتہ دسمبر میں مشہور فاضل مستشرق مسٹر جرموس اوران کی میم صاحبہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے سالانہ جلسے میں شرکت کے لئے کلکتے سے آئے تھے۔ احمدیہ انجمن خواتین اسلام کے جلسہ سالانہ منعقدہ 24 دسمبر میں مسز جرموس موجود تھیں اوران کی خاطر سورہ فاتحہ کا ترجمہ وتفسیر انگریزی میں بھی سنائی گئی تھی۔ بعد فراغت جلسہ مسز جرمنوس مجھ سے ملنے آئیں۔ مسز عبدالوہاب، جوگنٹو (مدراس) سے تشریف لائی تھیں، اس وقت موجود تھیں۔ مختلف موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ پردے کا ذکر آیا تو میں نے اسلامی پردے کی وضاحت کی۔ مسز جرمنوس کہنے لگیں کہ اتنا پردہ تو سوسائٹی کوخراب اخلاق سے بچانے کے لئے ضروری ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ جنگ عظیم تک یورپ میں اس قدر بے حیائی نہ تھی۔ اور ایک جوان لڑکی کسی غیر مرد کے ساتھ شام کے اندھیرے میں سیر کو نہ نکل سکتی تھی۔ مگر جنگ کے بعد کایا پلٹ گئی اور حیا سوز نظارے منظر عام پر آ گئے۔ مسز موصوفہ نے کہا کہ یورپ میں لومیرج (Love marriage) یعنی محبت کی شادی کا رواج ہے۔ اور ہندوستان میں شادی کا اہتمام والدین کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ مگر یورپ کی ہندوستانی شادی شدہ زندگی زیادہ خوش وخرم اور کامیاب ہوتی ہے۔ اس کی وجہ بھی پردہ ہے۔ ہندوستان کی شادی باہم وفاداری سے بسر کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ مگر یورپ وامریکہ میں صرف طلاق کے لئے متعدد عدالتیں قائم ہیں۔ جن میں ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر طلاق کی درخواستیں آتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ میرا شوہر میرے کتے کو پیار نہیں کرتا یا کھاتے وقت چپڑ چپڑ کی آواز نکالتا ہے۔ اس لئے مجھے طلاق دلوائی جائے۔ یہ سب خرابیاں بے پردگی اور مرد وعورت کے خلاملا کا نتیجہ ہیں کہ ایک چیز پر قناعت کر کے وفاداری اور ایثار سے زندگی بسر کرنا معدوم ہو چلا ہے۔ اور مخلوط سکولوں و کالجوں کی بدولت بارہ سال کی عمر میں لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے سے واقف ہو جاتے ہیں۔

مسز موصوفہ کے بیان میں ہمارے ان بھائیوں اور بہنوں کے لئے درسِ عبرت موجود ہے جو محض یورپ کی تقلید میں نہ صرف پردے کے مخالف ہیں بلکہ مخلوط پارٹیوں میں عورتوں کے بن سنور کر

جانے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بے شک اسلام نے عورت کو قید نہیں کیا۔ سیر و تفریح سے منع نہیں کیا، تعلیم و تدریس، خرید و فروخت سے نہیں روکا۔ اور اپنی زیبائش کو چھپا کر باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔ مگر اب تک جنہوں نے موجودہ پردے کو اُڑایا اور اپنی خواتین کو برقعہ کی قید سے آزاد کیا ہے، وہ عموماً اسلامی پردے کی حد سے بھی باہر نکل گئے ہیں۔ اُن کی خواتین خوبصورت بھڑکیلے لباس میں مردانہ مجالس میں آزادی سے آتی جاتی ہیں بلکہ بعض غیر مرد کے ساتھ ناچتی بھی ہیں۔

کیا ہمارے یہ آزاد خیال بہن بھائی اپنی قوم کو کچھ فائدہ پہنچا رہے ہیں؟ ہرگز نہیں! بلکہ وہ تو پردے کے حامیوں کے ہاتھ میں یہ زندہ دلیل دیتے ہیں کہ پردہ توڑ کر انسان اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ میری معزز بہنو! کانفرنسوں میں پردے کے ریزولیشن پیش کر کے غیر مسلم اقوام کو اسلام پر ہنسی کا موقع دینے سے یہ بہتر ہے کہ ہم لوگ غیر اسلامی پردے سے نکل کر اسلامی پردے کا نمونہ پیش کریں۔ گذشتہ ہفتے آل انڈیا ومیز کانفرنس میں پردے پر قرارداد پیش ہوئی۔ میں اس اجلاس میں موجود تھی۔ اگرچہ ہر سمجھدار مسلمان خاتون اس سخت پردے کے خلاف تھی جو ہندوستان کے بعض حصوں میں اب تک موجود ہے۔ مگر تقریباً تمام بہنوں کی رائے تھی کہ اس قسم کے ریزولیشن ایسی مجالس میں پیش نہیں ہونے چاہئیں۔ جن کے ڈیلیگیٹ، جن کو رائے دہی کا حق ہوتا ہے، ان میں مسلمانوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہو۔ یہ مانا کہ پردہ مختلف اقوام میں کم و بیش موجود ہے یا موجود رہا ہے۔ مگر عموماً یہ اسلامی مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اپنی مسلمان بہنوں سے میری یہ گذارش ہے کہ وہ نہ صرف باہمی مجالس میں ان تجاویز پر بحث کریں بلکہ اپنا عملی نمونہ بھی پیش کریں کہ اسلامی پردہ یہ نہیں کہ عورت ایک تنگ چار دیواری میں قید ہو کر تازہ ہوا، قدرتی مناظر اور تعلیم و تفریح سے محروم کر دی گئی ہو، اور نہ ہی یہ اسلامی شعار ہے کہ ایک مسلمان خاتون باریک دلکش زرق برق لباس میں آراستہ ہو کر مخلوط کلب یا پارٹیوں میں شریک ہو، غیر مردوں سے ہاتھ ملائے اور ایک غیر شخص کے ساتھ ناچے، مرد عورت کی پارٹیوں کو علیحدہ علیحدہ رہنے دو۔ اور اپنے اپنے حلقے میں ہر فرد آزادی سے حصہ لینے کا حق دار ہے۔

۞۞۞

3فروری1931ء

تحریک احمدیت

تقریر حضرت امیر برموقعہ جلسہ سالانہ 1930ء

تشہد،تعوذ اورتسمیہ کے بعدآیات اَنۡـزَلَ مِـنَ السَّـمَـآءِ مَـآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِیَۃٌۢ بِقَدَرِھَا فَـاحۡتَـمَـلَ السَّیۡلُ زَبَدًا رَّابِیًا وَمِمَّا یُوۡقِدُوۡنَ عَلَیۡہِ فِی النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡیَۃٍ اَوۡمَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُہٗ کَـذٰلِکَ یَـضۡـرِبُ اللّٰہُ الۡحَقَّ وَالۡبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذۡھَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ. (17:13) وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّـمَا نُمِدُّھُمۡ بِہٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِیۡنَ . نُسَارِعُ لَھُمۡ فِی الۡخَیۡرٰتِ بَلۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ. اِنَّ الَّذِیۡنَ ھُمۡ مِّنۡ خَشۡیَۃِ رَبِّھِـمۡ مُّشۡـفِـقُـوۡنَ . وَالَّـذِیۡـنَ ھُمۡ بِاٰیٰتِ رَبِّھِمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ . وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ بِرَبِّھِمۡ لَا یُشۡـرِکُـوۡنَ . وَالَّـذِیۡـنَ یُـؤۡتُـوۡنَ مَآاٰتَوۡا وَّقُلُوۡبُھُمۡ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمۡ اِلٰی رَبِّھِمۡ رٰجِعُوۡنَ . اُولٰٓئِکَ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ وَھُمۡ لَھَا سٰبِقُوۡنَ (23:55-61) کی تلاوت کے بعدآپ نےفرمایا:

حضرات! میں نے اس وقت قرآن مجید کے دومختلف مقام سےآیات پڑھی ہیں۔ان میں سے پہلی آیت سورہ الرعدکی ہے۔جبکہ دوسری آیات سورۃ المؤمنون میں سے ہیں۔سورۃ الرعدکی تلاوت کردہ ا یت میں اللہ تعالیٰ فرماتاہے اَنۡـزَلَ مِـنَ السَّـمَـآءِ مَـآءً اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی برسایا فَسَـالَـتۡ اَوۡدِیَۃٌۢ بِقَدَرِھَـا اس بارش کی قدر کےموافق ندی نالےاوردریا بہہ نکلتے ہیں فَـاحۡتَـمَلَ السَّیۡـلُ زَبَـدًا رَّابِیًـا پھراس پانی کے ریلے نےاوپر چڑھی ہوئی جھاگ کواُٹھالیایااس سیل پرجھاگ چڑھ گئی وَمِمَّا یُوۡقِدُوۡنَ عَلَیۡہِ فِی النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡیَۃٍ اَوۡمَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُہٗ جس طرح یہ ایک قدرتی نظارہ ہے کہ جوانسان کوبارش کےموقع پرنظرآتاہے۔ایساہی طریق انسان کی اپنی بعض کارروائیوں میں یہی نظرآتاہے۔یاوہاں بھی وہی کیفیت پیداہوتی ہے جب کبھی اس نے زیور بنایا ہوتا ہے تو سونے چاندی وغیرہ کوآگ میں ڈھالتے ہیں تواُس میں بھی جھاگ اُٹھتی ہے۔ان دونظاروں کوایک قدرتی اور دوسراتمہاری اپنی صنعت کوپیش کرکےفرماتاہے کہ ان دونوں کےپیش کرنے کایاان کی طرف توجہ دلانے سے ہمارامطلب کیاہے کَـذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡحَقَّ وَالۡبَاطِلَ یوں ہی اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی

مثال بیان کرتا ہے۔ جھاگ تو ضائع ہو جاتی ہے۔ **فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ** مگر وہ چیز جو لوگوں کے لئے نفع دینے والی ہوتی ہے وہ زمین میں موجود رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان کرتا ہے۔ حق اور باطل کی یہ مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جو چیز نافع الناس ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ مگر جو باطل ہوتا ہے وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ مثال اس لئے بیان فرماتا ہے کہ تم غور اور فکر سے کام لو۔ یہ بات قرآن کریم کے ان کمالات سے ہے کہ جن کو کوئی شخص گن نہیں سکتا کہ چھوٹے چھوٹے فقروں میں ان عظیم الشان صداقتوں اور باتوں کو بیان کر جاتا ہے کہ جن کے سامنے دنیا کو بالآخر سر جھکانا پڑتا ہے۔ یہ امر کس قدر ثابت شدہ امر ہے کہ جو چیز نافع الناس ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ انہی نافع الناس چیزوں اور فضول چیزوں وغیرہ کی مثال حق اور باطل کی مثال ہے۔ باطل کتنا بھی اوپر چڑھ جائے مگر وہ ضائع ہونے سے رُک نہیں سکتا۔ اور حق کے خلاف کوئی کتنا بھی زور لگائے مگر کوئی اس کو مٹا نہیں سکتا۔ نفع دینے والی چیز زمین میں ٹھہر جاتی اور قائم رہتی ہے۔ یہ بھی خدا کی ہستی کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ وہ جو ان چیزوں کے نازل کرنے والا، بنانے والا یا پیدا کرنے والا ہے، وہ ان چیزوں کو ضائع ہونے سے بچا لیتا ہے اور حق کو کبھی ضائع ہونے نہیں دیتا اور باطل کو کبھی قائم نہیں رہنے دیتا۔

اسلام کی صداقت کا ایک بین ثبوت: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے سچا ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس وقت نازل کئے گئے کہ جس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت کمزور تھی۔ اور ان پر مصائب اپنی انتہاء کو پہنچ چکے تھے اور جن کو تباہ کر دینا کچھ مشکل نظر نہ آتا تھا۔ صحابہؓ نے کفار کے آئے دن کے مصائب سے تنگ آ کر حبش میں پناہ لی تھی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین سال سے گویا محصور تھے۔ کوئی شخص آپ کی بات سننے کے لئے تیار نہ تھا۔ اور آپ کے پیچھے لوگ لگے ہوئے تھے۔ کوئی آپ کو مجنون کہتا تھا تو کوئی ساحر اور کاہن۔ ایسی حالت میں کوئی نشان نہ تھا کہ یہ کمزور سی چیز کامیاب یا غالب ہو گی۔ بلکہ حق کے مٹانے کے لئے لوگ جمع ہو چکے تھے۔ اس وقت یہ کہنا، کہ اسلام حق اور نافع الناس ہے اور وہ یقیناً زمین میں قائم رہے گا۔ اور باطل گو اس وقت غالب ہے مگر یہ جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا، یقیناً انسانی علم نہ تھا۔ لوگوں نے اس کے تباہ کرنے کے لئے کتنا

زور لگایا اور مخالفوں کی طاقت اس کے بالمقابل کتنی زبردست تھی، مگر کیا وہ اس کو تباہ کر سکی؟ نہیں، وہ زبردست طاقتیں مٹ گئیں اور اسلام دنیا میں تمام مخالف طاقتوں پر غالب آ گیا۔ اس کے بعد اسلام کی تاریخ کے اندر بھی اگر غور کرو گے تو سینکڑوں تحریکات پیدا ہوئیں۔ ان میں سے بعض نافع الناس تھیں اور بعض بیہودہ اور سراسر لغو تھیں۔ ان میں سینکڑوں بے فائدہ اور فضول بحثیں پیدا ہوئیں۔ اور فرقہ پر فرقہ بنتا چلا گیا۔ مگر آج وہ فضول بحثیں اور جھگڑے کہاں ہیں۔ دنیا میں تو وہ آج کہیں نظر نہیں آتے۔ بالکل گمنامی کی حالت میں یا پرانی تاریخوں کے اوراق پر پڑے ہوئے ہوں گے۔ لیکن وہ تحریکات کہ جو نافع الناس تھیں وہ دنیا میں ٹھہری رہیں۔ اور جو فضول اور بے فائدہ تھیں وہ تباہ و بے نام ونشان ہو گئیں۔ لیکن مفید تحریکات کو یوں سمجھئے کہ وہ ایک عمارت تھی جو بنتی چلی گئی یا اسلامی عمارت کی تکمیل ہوتی چلی گئی۔

تحریک وہابیت: ہمارے اس زمانے سے کچھ عرصہ پیشتر مسلمانوں میں ایک تحریک پیدا ہوئی کہ جو نافع الناس تھی۔ وہ تحریک فی الواقع مفید تحریک تھی۔ لوگوں نے اس تحریک کا نام تحقیر کے طور پر جو رکھا ہوا ہے۔ وہ وہابیت ہے۔ مگر خود اُن لوگوں نے اپنا نام اہل حدیث رکھا۔ الگ نام رکھنے پر لوگ خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہیں۔ دیکھئے یہ تحریک پیدا ہوئی۔ لوگوں نے اس کا حقارت آمیز نام رکھا یا اس لئے ان کو خود اس کے بالمقابل اپنا نام رکھنا پڑا۔ اسی طرح جہاں کہیں بھی کوئی تحریک پیدا ہوگی۔ اگر وہ خود اپنا نام نہ رکھے گی تو دوسرے خواہ مخواہ اس کا کوئی نہ کوئی نام رکھ دیں گے۔ تحریک احمدیت کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔

بہرحال وہابیت ایک تحریک تھی کہ جس کو میں نافع الناس سمجھتا ہوں۔ میں اس نام کو تحقیر کے لئے نہیں سہولت کے لئے استعمال کرتا ہوں۔ لوگوں نے اس تحریک کی بڑی سخت مخالفت کی۔ اور اس کو مٹانا چاہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی نظریں بہت تنگ ہوگئی ہیں۔ وہ کسی مفید تحریک کا کھلے دل سے اقرار کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ غرض مسلمانوں نے اس تحریک وہابیت کو بھی بہت بُری نگاہ سے دیکھا۔ لیکن دوسرے مذاہب کے باریک بین علماء نے شہادت دی ہے کہ اس وہابیت کی تحریک نے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ وہابیت سے میری مراد رفع یدین، آمین اور ہاتھوں کا نماز میں اوپر باندھنا نہیں۔ یہ مسائل تحریک وہابیت کی اصل نہیں۔ یہ چھوٹے اور فروعی اُمور ہیں۔ اس تحریک کی اصل

روح یہ ہے کہ اُس نے مسلمانوں کو اس تقلید کے پھندے سے نکالا جس کے نیچے مسلمانوں کی گردن پھنسی ہوئی تھی۔ جس نے مسلمانوں کے دماغ کو برباد اور بیکار کر دیا تھا۔ پس اس تحریک کا اصل پیغام نافع الناس تھا۔ اس لئے یہ تحریک زندہ اور قائم رہی۔ اور اس نے یہ کام کر کے دکھا دیا۔ کسی چیز کے حق ہونے کی یہی دلیل ہے کہ وہ چیز دنیا میں قائم رہتی اور لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے۔

اہلِ قرآن کی تحریک: ایک اور تحریک ہندوستان میں آج سے قریباً 30 سال پیشتر مسلمانوں میں پیدا ہوئی۔ یہ اہلِ قرآن کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں سوائے ایک فضول جھگڑے کے کچھ نہیں۔ میں اس کو نافع الناس نہیں سمجھتا۔ اس 30 سال کے عرصہ میں اس نے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچایا ہے؟ ہاں قوم کی بہت طاقت کو برباد کیا اور غلط راستے پر لگایا ہے۔ تحریک وہابیت ایک نیک تحریک تھی کہ جس نے مسلمانوں کی اندرونی اصلاح کی۔ میں اُس بزرگ کی، کہ جس نے اس تحریک کو شروع کیا، عزت کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اس تحریک نے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ مگر اس کا فائدہ صرف قوم کی اندرونی اصلاح سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مقابلہ اعداءِ اسلام سے نہ تھا۔

تحریک احمدیت کا فائدہ: لیکن وہ تحریک جس کو ہم تحریک احمدیت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کا نفع دو پہلوؤں سے ہے۔ ایک مسلمانوں کی اندرونی اصلاح کے لحاظ سے، دوسرا اس لحاظ سے کہ اُس نے اعداءِ اسلام کے بالمقابل حفاظتِ اسلام کا بیڑا اُٹھایا۔ اس لئے تحریک احمدیت کا فائدہ مسلمانوں کے لئے دونوں رنگوں میں مفید اور نفع دینے والا ہوا۔ اگر مسلمانوں کو ایک طرح سے فائدہ دینے والی تحریک نہیں مٹی تو میں نہیں خیال کر سکتا کہ وہ تحریک کہ مسلمانوں کو دو طرح سے نفع پہنچانے والی ہے وہ کیونکر مٹ سکتی ہے۔ خواہ اُس کے بالمقابل کتنی ہی اشد مخالفتیں کیوں نہ موجود ہوں۔ اگر یہ حق ہے تو یہ یقیناً غالب آ کر دنیا میں زندہ اور باقی رہنے والی چیز ہے۔ گو اس وقت کوئی ہماری بات سنے یا نہ سنے۔ ہماری کتابوں کو پڑھیں یا پھینک دیں۔ دلائل کو مانیں یا نہ مانیں۔ کام کو دیکھیں یا آنکھیں بند کر رکھیں۔ مگر کل وہ وقت آئے گا کہ اس نفع کو تسلیم کریں گے اور افسوس کریں گے کہ ہم نے اس وقت اس کا ساتھ کیوں نہ دیا۔ یہی معاملہ پہلے بھی ہوتا رہا۔

نافع الناس تحریک مٹ نہیں سکتی: حضرت نوح علیہ السلام کی تاریخ میں ہمارے لئے سبق ہے: قَالَ

رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّنَهَارًا. فَلَمۡ یَزِدۡهُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا. وَاِنِّیۡ كُلَّمَا دَعَوۡتُهُمۡ لِتَغۡفِرَ لَهُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَهُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَاسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَهُمۡ وَاَصَرُّوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوا اسۡتِكۡبَارًا. ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُهُمۡ جِهَارًا. ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَهُمۡ وَاَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ اِسۡرَارًا. فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا. یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡكُمۡ مِّدۡرَارًا. وَّیُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِیۡنَ وَیَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ وَّیَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا. مَالَكُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰهِ وَقَارًا. (13-5:71) کہا اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات اور دن تیری طرف بلایا۔ مگر میری دعا اور پکار نے اُن کو دور بھاگنے اور پرے ہٹنے میں ہی بڑھایا۔ جتنا میں ان کو بلاتا تھا وہ اور دور ہٹتے چلے گئے۔ اور جب کبھی میں نے ان کو تیری بخشش کے لئے بلایا اُنہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنے کپڑے لپیٹ لیئے۔ اُنہوں نے ضد کی اور اور بہت ہی بڑا تکبر کیا۔

کانوں میں انگلیاں ڈالے سے مراد یہ نہیں کہ اُنہوں نے اپنے کانوں میں واقعی اُنگلیاں ڈال لیں بلکہ اس سے مطلب یہ ہے کہ اُنہوں نے میری باتیں سننے سے انکار کر دیا۔ کہ بات ایسے طریق پر سُننا کہ وہ دل تک نہ پہنچے۔ ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُهُمۡ جِهَارًا (8:71) پھر میں نے ان کو پکار پکار کر بلایا۔ ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَهُمۡ (9:71) پھر میں نے ان کو اعلان کر کے ظاہر کر کے کھول کھول کر سمجھایا۔ وَاَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ اِسۡرَارًا (9:71) اور خفیہ طور پر آہستہ آہستہ بھی سمجھایا فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا (10:71) میں نے ان کو کہا کہ تم اپنے رب کی پناہ میں آجاؤ۔ وہ عفو کرنے والا اور پناہ دینے والا ہے۔ یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡكُمۡ مِّدۡرَارًا (11:71) وَّیُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِیۡنَ وَیَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ وَّیَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا (12:71) اگر تم دنیا پر ہی مرے ہوتے ہو تو بھی اس کی طرف آ ؤ تو وہ تمہیں دنیوی آرام و آسائش کے سامان بھی دے دے گا۔ تم پر برسنے والے بادل بھیجے گا۔ تم کو مال اور اولاد سے مدد دے گا اور تمہارے لئے فراخی کر دے گا۔ مَالَكُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰهِ وَقَارًا (13:71) تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کے ہاں سے عزت اور توقیر کی اُمید اور آرزو نہیں رکھتے وہ ایک قوم تھی کہ جس نے نوح علیہ السلام کی کسی بات کو نہ مانا۔ مگر کیا اس سے وہ تحریک مٹ گئی۔ حق مٹنے کے لئے نہیں آتا۔ نفع دینے والی چیز کبھی مٹ نہیں سکتی۔ اس کے قبول نہ کرنے والے لوگ مٹا دیئے جاتے ہیں۔ مگر وہ تحریک کبھی مٹ نہیں سکتی۔

اسی طرح فرمایا طٰہٰ. مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی. اِلَّا تَذۡکِرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی. (20:1-3) اے مردکامل! ہم نے تجھ پر قرآن کو اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو ناکام ہو۔ یہ تو جو فرمانبرداری اختیار کرتا ہے اُس کے لئے نفع رساں نصیحت ہے۔

تحریک احمدیت کی ضرورت: اسی طرح میں بھی اپنی قوم کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اگر قرآن کو اپنے سامنے رکھیں گے تو ہرگز ناکام نہ ہوں گے۔ مخالفتیں خواہ اندرونی ہوں یا بیرونی ہوں۔ جب تک قرآن ہمارے سامنے ہے ہم ناکام نہیں ہو سکتے۔ یہ تحریک احمدیت کیا چیز ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے میں ایک حدیث آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ **یوشک الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الاکلۃ الی قصعتھا فقال قائل اومن قلۃ نحن یومئذ قال بل انتم یومئذٍ کثیر و لکنّکم غثآء کُغثآءِ السیل ولینز عنّ اللّٰہُ من صدور عدوکم المھابۃ منکم ولیقذفن اللّٰہ فی قلوبکم الوھن قالوا وما الوھن قال حُبّ الدنیا و کراھیۃ الموت** ۔ اس حدیث میں اُمت مسلمہ کا اس زمانہ کا نقشہ کھینچا ہے کہ قومیں مسلمانوں کی طرف اس طرح دوڑیں گی جس طرح بہت کھانے والے آدمی گوشت کے پیالے کی طرف دوڑتے ہیں۔ اس کو سُن کر صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا اس وقت مسلمان تھوڑے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ بہت زیادہ ہوں گے۔ مگر اُن کی حالت ایسی ہوگی کہ جیسے کوڑا کرکٹ پانی کے سیل پر بہتا جاتا ہے۔ ان کے دشمنوں کے دِلوں سے ان کا رعب جاتا رہے گا۔ اوران کے دِلوں میں وہن یا کام کرنے کی ناقابلیت پیدا ہوجائے گی۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! وہن کیا ہے۔ فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت کی کراہیت۔

صداقتِ حدیث کی ایک زبردست دلیل: لوگ تو آج حدیث کی بے قدری کرنے والے پیدا ہوگئے ہیں۔ کوئی کہتا ہے ''بخاری'' کو کنویں میں ڈال دو۔ اور کوئی کہتا ہے صحیح مسلم اور صحاح ستہ کو پھینک دو۔ مگر یہ حدیث معجزہ ہے صداقت حدیث کا۔ اور اس قدر عظیم الشان معجزہ ہے کہ اس قدر بڑا نہ عصاءِ موسیٰ کے سانپ بن جانے کا معجزہ ہے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردہ زندہ کردینے کا اور مٹی کے پرند بنانے کا۔ اس پر غور کیجئے کہ یہ حدیث آج نہیں بنی ہے۔ اور نہ کہیں سے اب نکلی ہے۔ بلکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسو سال بعد سے کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ جس زمانہ میں یہ حدیث لکھی گئی وہ

وہ زمانہ تھا جب تمام ممالک پر مسلمانوں کا رعب اس طرح کام کر رہا تھا کہ لوگ ان سے دور بیٹھے ہوئے کانپتے تھے۔ افریقہ، ایشیاء اور یورپ کے ایک بڑے حصہ پر مسلمانوں کی حکومت اور سلطنت قائم تھی۔ مسلمانوں کی اس وقت کی شان پر غور کرو کہ کس طرح چاروں طرف ان کی شوکت اور سلطنت کا رعب تھا اور یہ شوکت و رعب دن بدن بڑھتا ہوا چلا جاتا تھا اور کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایک وقت مسلمانوں کا یہ رعب جاتا رہے گا۔ ایسے وقت میں وہ اس حدیث کو لکھ دیتے ہیں کہ یہ رعب ایک وقت آئے گا اور دور ہو جائے گا۔ اور اس کی جگہ مسلمانوں کے دِلوں میں وہن، سستی، بیکاری اور پست ہمتی آ جائے گی۔ دنیا کی قومیں ان کو کھانے اور ہڑپ کرنے کے لئے دوڑ پڑیں گی۔

کیا یہ حدیث، حدیث کی صداقت کی دلیل نہیں؟ کیا آج وہ زمانہ ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں آ گیا؟ اس وقت کی حالت پر غور کرو کہ لوگ کس طرح اسلام کو نگلنے کے لئے دوڑ پڑے ہیں۔ جب مسلمانوں کا چاروں طرف دنیا میں رعب تھا، سلطنت اور حکومت تھی، اس وقت کے یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں کہ لوگوں کے دِلوں سے تمہارا رعب نکال دیا جائے گا۔ اور قومیں تمہاری طرف اس طرح دوڑیں گی جس طرح بھوکے ایک پیالہ گوشت پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ مسلمانوں کا آج کا نقشہ دیکھو اور اس وقت کو دیکھو جب یہ الفاظ لکھے گئے۔ اگر اس پر بھی کسی کے اندر حدیث پر ایمان پیدا نہیں ہوتا تو پھر اس کا اللہ ہی حافظ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نقشہ اس وقت کے مسلمانوں کا کھینچا ہے وہ ہو بہو ہمارے سامنے ہے۔ یہ یاد رکھو کہ مسلمانوں کی اس مصیبت کا علاج احمدیت ہے۔ اس بات کو سمجھو یا نہ سمجھو مگر میں ''اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا '' کی طرح علی الاعلان اور خفیہ ہر طرح اس کو بتا دینے کے لئے تیار ہوں کہ یہ تحریک احمدیت اسی وہن کا علاج ہے جو مسلمانوں کے دِلوں میں پیدا ہو چکا ہے۔ اور وہن نہیں دور ہو سکتا جب تک کہ وہ اس تحریک احمدیت کو قبول نہیں کر لیتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی بیماریاں متعدد ہیں۔ کہیں ان کو افلاس نے گھیر رکھا ہے اور کہیں جہالت کا دور دورہ ہے۔ مگر یہ یاد رکھئے کہ ان تمام بیماریوں کی اصل جڑ وہن ہے۔ اگر وھن نکل جائے تو اور سب بیماریاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔ مسلمانوں کی اصل بیماری وھن ہے۔

مسلمانوں کے اندر سستی، پست ہمتی اور بیکاری کی بیماری پیدا ہوگئی ہے۔ ورنہ کیا ضرورت تھی کہ ان کی اصلاح کے لئے مجدد پیدا کیا جائے! کیا علماء، قرآن اور علمِ دین موجود نہ تھا۔ اس کی کیا ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے کسی کے ساتھ باتیں کرے۔ علماء قرآن کریم اور علم دین کو پڑھ کر مسلمانوں کی بیماریوں کا علاج کر سکتے تھے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان صرف دلائل سے پید انہیں ہوتا اور نہ نیچر پر غور کرنے سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ایمان تو خدا کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے۔ جب تک کوئی اس کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ کے ذریعہ سے اس کی ہستی کا نشان نہ دکھائے، اس وقت تک اس پر ایمان پختہ نہیں ہوتا۔

مسلمانوں میں مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ سے انکار: خود مسلمان اس کے منکر ہو گئے تھے کہ خدا کے ساتھ کوئی مکالمہ اور مخاطبہ بھی کر سکتا ہے۔ اہل حدیث بھی منکر ہو گئے۔ حالانکہ حدیث کی کتابوں میں صاف لکھا تھا کہ رِجَالٌ يُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْبِيَآء یعنی ایسے لوگ بھی اس اُمت میں ہوں گے کہ وہ انبیاء تو نہ ہوں گے تاہم ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ ہوگا۔ مگر خود مسلمانوں نے کہا کہ خدا کا کلام اس زمانہ میں نہیں ہوسکتا۔ پہلی اُمتوں میں تو عورتوں اور غیر انبیاء کو یہ نعمت نصیب ہو، مگر اس نعمت سے یہ خَيْرُ اُمَّةٍ بےنصیب رہے! پس مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کے خیال اور اعتقاد کو از سرِ نو زندہ کرنے کی ضرورت تھی۔ دِلوں سے یہ خیال اُٹھ چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں نہیں بلکہ ہر زمانہ میں کلام کر سکتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے دِلوں کے اندر مضبوط ایمان پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ اصل چیز دل ہے۔ وہ اگر ٹھیک ہو جائے تو انسان کے سارے معاملات ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةٌ اِنْ صَلَحَ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِنْ فَسَدَ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ انسان کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ بگڑ جائے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے۔ جب وہ بگڑ گیا تو پھر کچھ نہیں بن سکتا۔ اس کے درست کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس اُمت میں مجددین کا سلسلہ رکھا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا اللہ تعالیٰ اس اُمت کی اصلاح کے لئے ہر ایک صدی کے سر پر ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہے گا جو تجدید دین کا کام کرتے

رہیں گے۔ مسلمانوں کے دِلوں سے فساد کودور کر کے لوگوں کے اندر حرکت پیدا کر دیا کریں گے۔

ابناءِ فارس میں سے ایک مصلح کے متعلق پیشگوئی: اور پھر اس زمانہ کے متعلق خاص طور پر تاکید کر کے فرمایا **لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مَعَلَّقًا بِالثُّرَيَا لَنَا لَهُ رَجُلٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ** ایمان اگر ثریا پر بھی چلا گیا ہوگا تو ابناءِ فارس میں سے ایک شخص اس کو نیچے اُتار لائے گا۔ غور کیجئے کہ دونوں باتوں کی بنیاد حدیث پر ہے۔ یعنی مسلمانوں میں وھن آجانے کا ذکر بھی حدیث میں ہے اور اس کے علاج کے لئے ابناءِ فارس میں سے ایک شخص کا پیدا ہونا بھی حدیث میں ہے۔ یعنی وہ مسلمانوں کی اس بیماری اور وہن کا علاج آسمانی تعلق سے کرے گا۔

گویا ان احادیث میں تین باتیں مذکور ہیں۔ ایک تو مسلمانوں کے اندر وھن کی بیماری۔ دوسرے ابناء، فارس سے ایک شخص کا مبعوث ہونا۔ اور تیسرے آسمانی تعلق سے اس کا مسلمانوں کی اصلاح کرنا۔ پس احمدیت کی تحریک کیا چیز ہے۔ وہ اسی ایمان کو دوبارہ مسلمانوں کے اندر پیدا کرنے کا نام ہے۔ ایمان ہی سے زندگی اور حرکت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے انسان مردوں میں سے اُٹھ کر آگے چلتا اور ترقی کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ** (24:8) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسولؐ کی بات کو مانو۔ جب وہ تمہیں زندہ کرنے کے لئے بلائے۔ جس شخص کو اسلام کے متعلق شبہ ہو وہ دیکھے کہ اسلام کے ظہور سے عرب میں ایک قلیل عرصہ میں کس قدر زندگی پیدا ہوئی۔ دنیا کی تاریخ میں فی الحقیقت یہ ایک عجیب نظارہ ہے۔ بیس سال کا عرصہ کیا چیز ہے کہ اس کے اندر زندگی کی اتنی بڑی لہر پیدا کی۔ جس کو کوئی پہاڑ کوئی دریا بلکہ سمندر بھی نہ روک سکا۔ اور ایک اقل قلیل مدت میں سارے کے سارے ملک کو زندہ کر دکھایا۔ احمدیت کی تحریک میں بھی وہی زندگی کی لہر تھی۔ تیرہ سو سال کے عرصہ میں جس قدر نیک تحریکات اسلام کے اندر پیدا ہوئیں وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدا کردہ زندگی کی لہر کے اثر ہی سے تھیں۔ حضرت مرزا صاحب خود فرماتے ہیں ''واو یک ثمرہ است از باغ او و یک قطرہ از بارش او وسایہ تنک از روشنی او'' میں اس کے باغ کا پھل ہوں اور اس کے بارانِ رحمت سے ایک قطرہ ہوں اور اس کی روشنی میں سے ایک ہلکا سایہ ہوں۔ مگر یہ قطرہ بھی اپنے اندر وہی کیفیت رکھتا ہے جو سمندر رکھتا ہے

کہ وہ بھی مردہ اقوام کو زندگی دے دیتا ہے۔ جس طرح سے ظاہری پانی کا قطرہ اپنے اندر زندگی رکھتا ہے، اسی طرح روحانی سمندر کا قطرہ بھی زندگی کی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ جس طرح سے ایک چنگاری بھی وہی خاصیت اپنے اندر رکھتی ہے جو آگ رکھتی ہے۔

احمدیت کی تحریک نے مسلمانوں کے اندر حرکت پیدا کی: پہلی بات، جو میں احمدیت کے اثر کے متعلق کہوں گا، وہ یہی ہے کہ احمدیت کی تحریک نے مسلمانوں کے اندر حرکت پیدا کی ہے۔ اس سے پیشتر مسلمانوں کی عام ذہنیت کیا تھی! اصول دین کو بھول چکے تھے اور فروع میں پڑتے پڑتے یہاں تک پہنچ گئے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ فروع پر لڑائیاں اور جھگڑے اور مقدمہ بازیاں! اور لوگ شاید آج اس کو بھول گئے ہوں مگر وکیلوں کو تو ضرور معلوم ہوگی۔ ججوں اور مجسٹریٹوں کو بھی معلوم ہوگی کہ کس قدر روپیہ مسلمانوں نے ان فضول مقدمات پر ضائع کیا۔ کتنے بھائی اپنے بھائیوں کے دشمن ہو گئے۔ کتنے خاندان اس فساد کی آگ میں تباہ و برباد ہو گئے۔ اس تفریق کو دیکھ کر کتنے مسلمان غیر مذاہب کا شکار ہو گئے۔ یہ جھگڑا نماز پر نہ تھا کہ ایک فریق پڑھتا ہو ایک نہ پڑھتا ہو۔ نماز کے اوقات پر نہ تھا۔ نماز کی رکعتوں پر نہ تھا۔ رکعتوں، قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ کی ترتیب پر نہ تھا۔ اس پر نہ تھا کہ نماز میں کیا پڑھنا ہے اور کیا نہیں پڑھنا۔ آمین کہنے نہ کہنے کا جھگڑا نہ تھا۔ ہاتھ باندھنے اور نہ باندھنے کا جھگڑا نہ تھا بلکہ یہ سب کچھ دونوں فریق کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آمین دونوں فریق کہتے تھے اور ہاتھ بھی دونوں باندھتے تھے۔ صرف اونچی نیچی آمین اور اوپر نیچے ہاتھ باندھنے کے جھگڑے تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ ایماندار اور بے ایمان بنا دیا۔ کافر اور مسلمان بنا دیا۔ احمدیت کی تحریک سے پہلے یہ ذہنیت عام مسلمانوں کی تھی۔ ایک شخص صبح کی نماز پڑھنے لگا ہے۔ صرف دو رکعت فجر کی نماز پڑھنی ہیں۔ ایک شخص نے سورہ الفاتحہ کے بعد آمین بلند آواز سے کہہ دی۔ بس مسجد میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اور اکثر جان بوجھ کر دوسروں کو اکسانے کے لئے آمین بلند آواز سے کہہ دیتے تھے اور ایک میدان کارزار بپا ہو جاتا تھا! اسی طرح ہاتھ اوپر نیچے باندھنے کا جھگڑا تھا۔ اور اس پر نماز کے قبول ہونے اور نہ ہونے کے فتاوٰی ملتے تھے۔ گویا خدا نے بھی ایک ناپ رکھا ہوا ہے کہ اس ناپ سے ذرا ہاتھ اوپر نیچے کھسک گئے تو وہ ڈھیروں ڈھیر ثواب، جو ملنا تھا، نہ صرف وہی نہ ملا بلکہ نماز ہی سرے سے ضائع چلی گئی!

احمدیت سے پہلے مولویوں کے مشاغل: اس کے علاوہ فضول فقہی مسائل نے قوم کی حالت کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ قرآن، جو مسلمانوں کے لئے زندگی کا پیغام تھا، اسے بالاء طاق رکھ کر ہمارے لئے کیا چیز تھی، حدیث۔ نہیں اس سے بھی نیچے اُتر کر فقہ بلکہ اس فقہ حنفیہ سے بھی نیچے ''فتاوٰی عالمگیری'' اور ''قاضی خاں'' اور ان سے بھی نیچے چلتے چلتے شریعت کا دارومدار ''راہ نجات'' اور ''پکی روٹی'' پر تھا۔ اور پھر بڑی بڑی فتاوٰی کی کتابوں میں مسائل کیا کیا نکال رکھے ہیں۔ ان کو کسی مجلس میں بیان کرنا تو کجا میں اپنے عزیز سے عزیز دوست کے سامنے تنہائی میں بھی بیان نہیں کر سکتا۔ اگر کسی کو زیادہ تحقیقات منظور ہو تو وہ مولوی عصمت اللہ صاحب سے ان کتب کے حوالہ جات پوچھ سکتا ہے۔

غرض اس وقت کے مسلمانوں کی ذہنیت یہ تھی کہ ان باتوں پر لڑائی ہوتی ہے۔ آمین کے اونچے نیچے کہنے پر لڑائی تھی۔ ہاتھ اُٹھانے پر لڑائی تھی۔ اوپر نیچے باندھنے پر لڑائی تھی۔ تراویح کی تعداد پر لڑائی تھی۔ پاجاموں پر لڑائی تھی۔ انگریزی پڑھنے پر فتاوٰی تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ اردو پڑھنا کیوں کفر نہ تھا! یہ ان لوگوں کی ذہنیت تھی۔ اور دن رات یہی ان کے جھگڑے اور مسائل تھے۔ وہ دوسری طرف اسلام کے باہر آریہ، عیسائی اور غیر مذاہب کی طرف توجہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ مسلمانوں کو ان مولویوں کے بات بات پر کفر کے فتوؤں نے باہم لڑا لڑا کر تباہ کر رکھا تھا۔ یہاں ایک مرتبہ ہمارے چند معزز دوستوں نے مولوی کفایت اللہ صاحب سے ان فتاوٰی کے بارہ میں توجہ دلا کر کہا کہ مسلمان، جو باہمی تکفیر کی چھری سے قتل ہو رہے ہیں، اس کو روکنے کی بھی کوشش کیجئے۔ مولٰینا نے اس پر کیا خوب جواب دیا کہ فتوٰی کفر کے سوا عام لوگوں کو ڈرانے کے لئے ہمارے پاس اور کون سا ہتھیار ہے؟! اپنی طرف سے یہ لوگوں کی بہتری کر رہے ہیں۔ مگر قوم کو ان کفر کے فتوؤں نے تباہ کر رکھا ہے۔

حضرت مسیح موعود کا زرّیں کارنامہ: مرزا صاحب نے اگر اور کوئی کام نہیں کیا، تو کیا ان کا یہ کارنامہ کم ہے کہ آپس کے چھوٹے چھوٹے مسائل کے جھگڑوں سے باہر نکال کر دشمنانِ اسلام کے محاذ میں لا کھڑا کیا۔ وہ فضول بحثیں اور مباحثے چھڑا دیئے۔ وہ لوگ، جنہوں نے حضرت صاحب کا زمانہ دیکھا ہے اور ان کے ساتھ کبھی نماز پڑھی ہے، اُنہوں نے یہ نظارہ دیکھا ہوگا کہ دو شخص پہلو بہ پہلو کھڑے ہیں۔ ان میں سے ایک مرشد ہے اور ایک مرید۔ مرشد نے ہاتھ اوپر باندھے ہوئے ہیں اور

مرید نے نیچے۔ مرید بلند آواز سے آمین کہتا ہے اور مرشد آہستہ۔ کبھی کوئی کسی کو بُرا نہ کہتا تھا۔ پھر یہ روزمرہ کی بات تھی کہ مرشد اور مرید گھٹنے سے گھٹنا لگا کر بیٹھتے ہیں۔ یہ تو ایک چھوٹی سی بات ہے۔ اس کو میں اس لئے نہیں بیان کرتا کہ وہاں مرشد اور مرید برابر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ بلکہ وہاں تو اس سے بھی بڑھ کر نظارے نظر آتے تھے کہ کبھی مرشد فرش پر بیٹھا ہے تو مرید چارپائی پر بیٹھ گیا ہے۔ وہ شخص جو گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھا ہے اس کی داڑھی منڈی ہوئی ہے کیونکہ اس زمانے میں مونچھیں منڈوانے کا ابھی فیشن نہ نکلا تھا۔ ایک مرید کو، جو اہل حدیث میں سے تھا، یہ دیکھ کر غصہ آ گیا اور کہا کہ یہ بے ایمان ڈاڑھی منڈا آپ کے ساتھ گھٹنا ملائے بیٹھا ہے! یہ کیا بات ہے؟! آپ نے مسکرا کر اس بات کا جواب دیا کہ آپ کو داڑھیوں کی فکر ہے مجھے دِلوں کی فکر ہے!

احمدیت کی کامیابی کا راز: چھوٹی چھوٹی باتوں اور جھگڑوں سے کس قدر بلند سطح پر اُٹھایا ہے۔ یہی احمدیت کی کامیابی کا راز ہے کہ فروع سے نکل کر اصول پر قائم ہو گئے۔ اپنی طاقت کو آپس میں جھگڑ کر برباد کرنے کی بجائے دشمنان اسلام کے بالمقابل لگایا۔ وہ لوگ، جنہوں نے حضرت صاحب کو دیکھا ہے، وہ یہ بھی جانتے ہوں گے جس وقت کوئی شخص آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آتا تھا تو آپ خود مسئلہ نہیں بتاتے تھے۔ کبھی آپ حضرت مولٰینا نورالدین صاحب مرحوم سے فرماتے کہ آپ بتا دیجئے اور کبھی حضرت سید محمد احسن صاحب مرحوم سے کہہ دیتے کہ آپ ان کو مسئلہ بتا دیں اور خود کبھی ان فقہی مسائل کے اندر نہیں پڑے۔ آج کل تو ان کو نبی بنایا جاتا ہے۔ اور انبیاء سے بھی افضل ٹھہرایا جاتا ہے۔ مگر غور کا مقام ہے کہ مسئلہ نبی سے پوچھا جائے تو وہ اپنے کسی مرید کا حوالہ دے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اس سے بڑھ کر کیا کیا کہ مسلمانوں میں ایک فرقہ اور بڑھا دیا۔ مگر ان کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تحریک احمدیت فرقہ کی تعریف میں نہیں آتی۔ اس کی بناء اشاعت اسلام پر ہے۔ باقی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی وغیرہ وغیرہ فرقوں کی طرح کسی فقہی مسئلہ پر نہیں بلکہ مرزا صاحب نے آ کر لوگوں کو ان فقہی مسائل کے جھگڑوں سے نکالا کہ جن میں پڑ کر مسلمانوں کی طاقت اور قوت برباد ہو رہی ہے۔ مرزا صاحب کا یہ کام کوئی معمولی کام نہیں۔ ایک بہت بڑے مشہور عیسائی مصنف نے لکھا ہے کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا کمال یہ تھا کہ وہ عرب کی قوم، جو ادنیٰ ادنیٰ بات پر لڑتے تھے اور

ایک معمولی سی بات پر قبیلوں کے قبیلے کٹ مرتے تھے، اس کو آپس کی خانہ جنگی سے نکال کر غیر اقوام کے مقابل میں لا کھڑا کیا اور ان کے اندر اتحاد اور اتفاق کی وہ روح پھونکی کہ وہ بیس سال کے عرصہ میں دنیا کو فتح کر گئی۔ وہ تحریک جن کی نسبت شروع میں یہ خیال تھا کہ تھوڑے سے لوگ ہیں ان کا جلد خاتمہ ہو جائے گا مگر حق ترقی کرتا گیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ جھگڑے، جو قوم میں بھائی کو بھائی کا دشمن بنانے والے تھے، نکل گئے۔ آمین بالجہر اور آمین بالخفی، رفع یدین اور ضاد اور داود کے سب جھگڑے نکل گئے۔ یہ چھوٹا سا کام نہیں ہے کہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کے اندر سے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ مرنے کی ذہنیت نکال دی ہے۔ کوئی آمین بلند آواز سے کہہ دے یا آہستہ آہستہ کہہ دے۔ رفع یدین کرے یا نہ کرے۔ ہاتھ اوپر باندھ کر نماز پڑھ لے یا نیچے باندھ کر، بلکہ اگر کوئی ہاتھ چھوڑ کر بھی نماز پڑھ لے، مگر نماز پڑھ لے تو نماز رد نہیں ہو جاتی۔ ان باتوں میں مَیں وسعت سمجھتا ہوں۔

احمدیت کا دوسرا کارنامہ: غرض حضرت مرزا صاحب نے باہمی خانہ جنگی اور لڑائی کی ذہنیت کو نکالنے کی طرف قدم اُٹھایا۔ اور بتایا کہ اگر لڑنا ہے تو عیسائیت سے لڑو۔ شدھی کے مقابل پر لڑو۔ گویا اس ذہنیت کو نکال کر دشمن کے مقابلہ کی ذہنیت کو دِلوں میں ڈال دیا۔ اس لئے ہم میں وہ فقہ کے چھوٹے چھوٹے مسائل پر جھگڑے نظر نہیں آتے بلکہ ہمارے علماء بھی شاید اس کو بھول گئے ہوں گے۔ کیونکہ ان تمام فقہی مسائل کی جگہ قرآن کو ہمارے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ اور بتا دیا کہ تمہارے اپنے سامنے بھی صرف قرآن ہو اور اسی کو دشمن کے سامنے رکھو۔ تمام کتابوں کو چھوڑ کر قرآن اور سب جگہ قرآن سامنے رکھنے کا خیال پیدا کر دیا ہے۔ جو لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ مرزا صاحب اور تحریک احمدیت نے کیا کیا، سوائے اس کے کہ مسلمانوں میں ایک فرقہ اور بڑھا دیا۔ ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ مرزا صاحب اور تحریک احمدیت نے فرقہ کوئی نہیں بنایا بلکہ فرقہ بندی کرنے کے لئے فروع پر جھگڑے کرنے کی ذہنیت کو مٹا کر اصول کے ساتھ عشق اور محبت کی ذہنیت کو پیدا کیا اور یوں کل فرقوں کے لئے ایک ہی ذہنیت پیدا کر دی۔ فروعات پر لڑنے جھگڑنے کو دور کیا۔

احمدیت نے مسلمانوں کی پرانی ذہنیت کو بدل دیا: دوسری ذہنیت تحریک احمدیت نے جمود سے حرکت کی پیدا کی۔ اس سے پیشتر مسلمان اپنے پیروؤں اور موعود اماموں کے پیچھے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔

احمدیت نے اس خیال کو دور کیا اور بتایا کہ تم نے خود ہی جو کچھ کرنا ہے، کرنا ہے۔ اور اس کے لئے اپنی طاقت اور مال کو خرچ کرنا ہے۔ یہ ایک حرکت کی حالت ہے۔ گویا وہ قوم جو تقدیر اور قسمت کے بھروسہ پر بیٹھی تھی، اس میں کام کرنے کی قوت، طاقت اور محبت پیدا کر دی ہے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ لاہوری احمدی اب پیچھے ہٹنے لگے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ملتے جاتے ہیں۔ یہ اعتراض عام لوگ بھی کرتے ہیں اور قادیان والے بھی کرتے ہیں۔ بہت اچھا! اگر ہم مسلمانوں کی ان پرانی ذہنیتوں کی طرف جا رہے ہیں۔ بلاشبہ ہم احمدیت سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اگر ہم حرکت سے جمود کی طرف آ رہے ہیں تو ہم یقیناً دوسرے لوگوں کی طرف جا رہے ہیں۔ اور اگر خود ان میں ہی حرکت پیدا ہو رہی ہے اور ان کی ذہنیت ہی بدلتی جا رہی ہے تو وہ یقیناً ہماری طرف آ رہے ہیں؟! اب غور کیجئے کہ مسلمانوں کی ذہنیت کس قدر بدل گئی ہے۔ وہ بات بات پر کافر کہنے کی عادت اب کہاں ہے۔ بڑے سے بڑے کٹر لوگوں کو دوسرے کو کافر کہتے ہوئے شرم آ جاتی ہے۔ وہ فروع پر اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے اب اس کثرت سے نہیں۔ قرآن کریم کی طرف توجہ روز بروز زیادہ ہے۔ گویا مسلمانوں میں اب صحیح ذہنیت پیدا ہو رہی ہے۔

احمدیت نے دوسرے مسلمانوں کے خیالات پر کیا اثر ڈالا: مسلمانوں کے دِلوں اور دماغوں پر جو غلط خیالات کا نقشہ کھچا ہوا تھا، صحیح خیالات کے کھلے کھلے نقش وہاں بھی پڑ رہے ہیں۔ بڑی بڑی باتیں جو احمدیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً وفات وحیات مسیحؑ وغیرہ۔ اب تعلیم یافتہ اور روشن خیال لوگ کھلم کھلا وفات ماننے لگے ہیں۔ اور علماء بھی روز بروز اس کو قبول کرتے چلے جا رہے ہیں۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اگر یہ کہا جائے کہ تم قریب آ گئے ہو تو لوگوں کو بُرا کیوں لگتا ہے! یہاں ہی دیکھ لیجئے کہ جتنے مسلمان ہماری تقریریں سننے کے لئے آ جاتے ہیں۔ آج سے دس سال پہلے کہاں آتے تھے۔ کسی چھوٹی اور باریک بات کو لے کر دیکھ لو کہ لوگوں کے دِلوں کا رُجحان احمدیت کے مسائل کی طرف ہے۔ ایک وقت تھا کہ مولوی دجال اور خر دجال کو عیسائی اور ریل نہ ماننے کے لئے قسم کھائے بیٹھے تھے۔ مگر اب عیسائیت کو دجال خود اخباروں اور رسالوں میں لکھتے ہیں۔ دجال کے متعلق اخبار ''سچ'' نے کوئی پچاس اقوال نقل کئے تھے کہ وہ یہی عیسائیت ہے۔ مسیحؑ کے آنے کا انتظار بھی اب کم ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہ خیال

اب مضحکہ سمجھا جاتا ہے کہ جناب مسیح دمشق کے مینارہ پر فرشتوں کے پروں پر سوار پہنچ جائیں گے اور مسلمان وہاں سے ان کو اُتارنے کے لئے سیڑھی لے کر دوڑیں گے! یہ خیال اب بدلتا جارہا ہے اور بڑے بڑے مولانا بھی اب اس سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اسی طرح ایک خیال یہ بھی تھا کہ امام مہدی تشریف لا کر کافروں کو تلوار کے ذریعہ خوب قتل کریں گے اور مسلمانوں میں خوب مال اور روپیہ تقسیم کریں گے۔ یہ خیال بھی اب بدلتا جارہا ہے۔ اگر یہ ذہنیت بدل گئی تو کوئی بڑی بات نہیں ہوئی۔ یوں کوئی اپنے منہ سے کہتا رہے کہ احمدی ہمارے قریب آگئے ہیں۔ یوں ہی سہی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی ذہنیت بدل رہی ہے۔ یوں تو کسی نیک بات یا تحریک کا قبول کر لینا کوئی بُری بات نہیں۔ مثلاً میں نے ابھی تحریک وہابیت کی تعریف کی ہے۔ اور میرے دل میں اس کا احترام ہے۔ اور ہم تمام مجددوں، بزرگوں اور آئمہ کو، خواہ وہ سنی ہوئے ہوں یا شیعہ، مسلمان سمجھتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ اور اصولاً اس امر کے قائل ہیں کہ **مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ** ۔ **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** پڑھنے والے کی تکفیر نہیں کرتے اور بموجب حدیث **مَنْ کَفَرَ اَھْلَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَھُوَ اِلَی الْکُفْرِ اَقْرَبُ** کسی کلمہ گو کی تکفیر کرنے والا خود کفر کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ یا جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ کفر اسی پر اُلٹ پڑتا ہے۔ کسی کلمہ گو کو کافر کہنا حدیث اور قرآن کریم کی بناء پر جائز نہیں۔ بعض لوگوں نے، جو ضروریات دین کا فرضی ڈھونگ رچا کر، ان کے منکر کو کافر کہا ہے، یہ بھی غلط خیال ہے۔ اور مولویوں نے خود ہی اسے پیدا کیا ہے۔ ہم ہرگز کسی کلمہ گو کی تکفیر نہیں کرتے۔ اور نہ ان جھگڑوں میں پڑتے ہیں۔ احمدیت کا پیغام اسلام کو دنیا میں پہنچانا ہے۔ مگر اسلام کا پیغام دنیا میں نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ مسلمانوں میں اتفاق اور اتحاد پیدا ہو کر آپس میں فضول جھگڑے ختم نہیں ہو جاتے۔

نمازوں کی علیحدگی تکفیر سے انتہائی بیزاری کی وجہ سے ہے: پھر یہ ایک سوال کیا جاتا ہے کہ جب کسی کلمہ گو کو کافر نہیں سمجھتے تو دوسرے لوگوں کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ اگر مرزا صاحب اور ان کی جماعت کو کافر نہ کہا گیا ہوتا تو یہ تفریق کبھی پیدا ہی نہ ہوتی۔ خود حضرت مرزا صاحب اپنے دعوٰی کے پانچ سال بعد تک قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلاتے رہے اور دوسرے لوگوں

کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔مگر بایں علماء آپ کو کافر ہی کہتے رہے اور اپنی ضد سے باز نہ آئے۔تب نمازوں کے علیحدہ کرنے کا حکم دیا۔اس لئے کہ آپ اس امر کو واضح کرنا چاہتے تھے کہ مسئلہ تکفیر سے آپ کس قدر بیزار ہیں۔اور اس غلطی کو نکالنا چاہتے تھے کہ کلمہ گو کو کافر کہنا ہرگز جائز نہیں۔ ہر چند آپ نے لوگوں کو سمجھایا اور ان کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے رہے۔مگر جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ عمداً انکار کر رہے ہیں اور اس انتہائی ظلم سے باز نہیں آتے اور اس تکفیر کے مسئلہ نے ہی مسلمانوں کو پاش پاش کر دیا ہے۔تو آپ نے اس سے بیزاری کا اعلان کرنے کے لئے جماعت کی نمازوں کو علیحدہ کرلیا۔فی الحقیقت یہ تکفیر کا مسئلہ جب سے مسلمانوں میں شروع ہوا ہے اس نے مسلمانوں کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے خوارج نے اہل قبلہ کو کافر کہا۔اسی لئے ان کے متعلق کہا گیا ہے قَدْ شَقُّوْا عَصَاءَ الْمُسْلِمِیْنَ اُنہوں نے مسلمانوں کی جماعت کو شق کر دیا۔ جماعت کو عصاء یا سوٹا کیوں کہتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ عصاء کے اصل معنی اجتماع کے ہیں۔سوٹے پر بھی چونکہ انگلیاں جمع ہوتی ہیں، اس لئے اس کو عصاء کہتے ہیں۔مسلمانوں کی جمعیت کو ان مکفرین نے پاش پاش کر دیا اس کا کوئی علاج بھی کرو گے یا نہیں؟! ہم تو ہر کلمہ گو کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے تیار ہیں مگر جب ایسے شخص کو امام بنایا جائے کہ جو مسلمانوں کو کافر کہتا ہے تو گویا مسلمانوں کی جماعت کو پاش پاش کرنے والے کو ہم نے امام جماعت بنایا۔ میں کہتا ہوں ایک شخص نے سور کھا۔یا شراب پی یا اور کوئی ایسا یہ گناہ کیا۔اس نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ پھر ایک شخص ہے کہ جو نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا، گناہ کرتا ہے۔مگر اس کے گناہ کا اثر اس کی اپنی ذات تک ہے۔مگر جس نے کسی کلمہ گو جماعت کی تکفیر کی یا کسی مسلمان کو کافر کہا یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ جس کا اثر صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رہا۔اس نے مسلمانوں کی جماعت کے اندر تفرقہ کی بنیاد رکھی ۔مسلمانوں کی جمعیت کو پاش پاش کر دیا۔اسلام کی قوت اور شوکت کو نقصان عظیم پہنچایا۔اور خدا کے اس حکم کی توہین کی وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) جو تمہیں السلام علیکم کہے اس کو بھی مت کہو کہ تو مومن نہیں۔فرمایئے قرآن کریم کے اس صریح حکم کی مخالفت ہو رہی ہے یا نہیں؟!

مسلمانوں کی تکفیر کرنے والا قومی غدار ہے: ہم صرف مرزا صاحب کے مکفروں کے ہی پیچھے نماز

نہیں پڑھتے بلکہ جو کوئی بھی کسی مسلمان کی تکفیر کرتا ہے، خدا کے حکم اور قوم کے اجتماع کو توڑتا ہے، وہ سب سے بڑھ کر قومی غدار ہے اور خدا کے حکم کا نافرمان ہے۔ ہمارے ہاں دو دن تک اس مسئلہ پر بحث رہی۔ مگر فیصلہ یہی رہا کہ ہم کسی مکفر اور مکذب کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ تکفیر کرنے والا اس قابل نہیں کہ اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے یا اس کو جماعت کا امام بنایا جائے۔ ایسے لوگ مرد میدان بن کر آئیں اور ہم پر سے اپنا فتوٰی واپس لے لیں تو میں اور میری جماعت اس جگہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار ہے۔ غیروں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کو بطور علاج اختیار کیا ہے۔ علاج ہو جائے تو ہم سو دفعہ پڑھنے کو تیار ہیں۔

حضرت مرزا صاحب کا انکار مستلزم کفر نہیں: حضرت مرزا صاحب کے آنے سے کوئی شخص کافر نہیں ہوا۔ اس پر حضرت مرزا صاحب نے کئی ایک مضامین لکھے۔ اشتہار عام لکھ کر اعلان کئے۔ اور اپنی کتاب تریاق القلوب کے صفحہ 130 پر نہایت صفائی سے لکھا کہ میرے دعوٰی کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ بے خبر لوگوں کو مرزا صاحب کو نہ مان کر کفر کے فتوٰی کے نیچے آ جانا تو اور بھی ظلم ہے!

قبول احمدیت کی راہ کے دو پتھر: احمدیت کے قبول کرنے میں لوگوں کو جو دو پتھر نظر آتے ہیں یعنی ایک وفات مسیحؑ کا مسئلہ اور دوسرے مہدی کا خیال۔ تو یہ فی الحقیقت اشاعت اسلام کے راستے میں دو رُکاوٹیں تھیں۔ اور اس مجدد کا، جسے دنیا میں اشاعت اسلام کے لئے خاص طور پر مامور کیا گیا تھا، یہ فرض تھا کہ ان دو رُکاوٹوں کو دور کرتا۔ حیات مسیح کا عقیدہ عیسائیت کی قوت اور اسلام کی کمزوری کا موجب ہو رہا تھا۔ مہدی کا تلوار لے کر لوگوں کو مسلمان کرنے کا قیاس اسلام سے نفرت پیدا کر رہا تھا۔ ان دو خیالوں کو دور کئے بغیر اشاعت اسلام کے کام کی صحیح بنیاد نہ رکھی جا سکتی تھی۔ غیروں کے دِلوں میں جو اسلام کی تصویر تھی وہ یہ تھی کہ اسلام اپنی صداقت کی بناء پر نہیں بلکہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ اور مسلمانوں کا یہ خیال، کہ امام مہدی آ کر تلوار کے زور سے کافروں کو مسلمان کرے گا، گویا اس اعتراض کی تائید کرتا تھا۔ اسلام کی یہ کتنی بدنما تصویر ہے! حضرت مرزا صاحب نے اس خیال کو دور کیا اور بتایا کہ نہ تو پہلے اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور نہ آئندہ کبھی پھیلے گا۔ بلکہ اس کی صداقت تلوار سے بے نیاز

ہے۔اسی طرح حیات مسیح بھی چونکہ اشاعت اسلام میں بہت بڑی رُکاوٹ تھی،اس لئے اس کے خلاف وفات مسیح کے عقیدہ پر زور دینا پڑا۔

جماعت کا نام الگ کیوں رکھا: اپنی جماعت کا نام الگ رکھنے پر بھی بحث فضول ہے۔حضرت صاحب نے جماعت کا کوئی نام دس سال تک نہیں رکھا۔مگر لوگوں نے اس کے پیدا ہوتے ہی اس کا نام رکھ لیا اور مرزائی قادیانی لکھنا شروع کر دیا تھا۔اگر مرزا صاحب کو یہ شوق ہوتا کہ اپنے نام کو شہرت دیں یا اپنے مولد کے نام کو شہرت دیں تو انہی ناموں میں سے ایک رہنے دیتے۔مگر آپ نے جماعت کا نام احمدی رکھ کر گویا اپنے نام کو درمیان سے مٹا دیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محمد اور احمد دونوں نام ہیں آپ نے اپنی جماعت کا نام احمدی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام احمد پر رکھا۔اور صاف لکھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے نام احمد پر اپنا اور اپنی جماعت کا نام احمدی رکھتا ہوں۔یعنی نہ صرف میری جماعت ہی احمدی ہے بلکہ میں خود بھی احمدی ہوں۔

احمدیت اسلام کی غربت کا زمانہ ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام **مُحَمَّدٌ** غلبہ اور شوکت کے زمانہ کو ظاہر کرتا ہے اور **اَحْمَدُ** بے کسی کے زمانہ پر دلالت کرتا ہے۔مسیح موعود کا زمانہ چونکہ بے کسی اور دین کی غربت کا زمانہ ہے،جیسا کہ پیشگوئی میں بھی آتا ہے، **بَدَءَ الْاِ سْلَامُ غَرِیْباً وَّسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ** اسلام کی شان وشوکت کا زمانہ چونکہ ختم ہو گیا اور پھر مکی زمانہ عود کر آیا اور اسلام از سر نو مظلوم ہو گیا۔اس لئے اس جماعت کو احمدی نام سے یاد کیا گیا کہ جو اشاعت اسلام کو بے سروسامانی کی حالت میں لے کر آگے بڑھی ہے۔گویا اس کے نام سے ہی اس کا مقصد ظاہر ہے۔اس کو نرمی،آشتی اور محبت سے ہی اپنا کام کرنا چاہیئے۔اور لوگوں کے طعن وتشنیع سے مشتعل نہیں ہونا چاہئے۔میں اس قیاس کو دور کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ احمدی کوئی فرقہ ہے۔فرقوں کی بنیاد جن اُمور پر ہوتی ہے،ان اُمور پر جماعت احمدیہ کی بنیاد نہیں۔بلکہ فقہی مسائل ہیں۔جن کی بناء پر عام طور پر فرقے بنتے ہیں۔جماعت احمدیہ کا مسلک آزاد ہے۔دین کو پھیلانے کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی اور کسی جماعت کو ممیّز کرنے کے لئے اس کو نام دینے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔اسی تمیز کے لئے اس اشاعت اسلام کرنے والی جماعت کا نام،ان اُمور کی بنیاد پر جو اسے دوسرے لوگوں سے ممیّز کرتے ہیں،احمدی رکھا گیا۔

جماعت احمدیہ میں بیعت کا مقصد: جماعت احمدیہ میں بیعت کا مقصد بھی صرف تحریک اشاعت اسلام کو قوت دینا ہے۔ یہ کوئی پیری مریدی کی بیعت نہیں۔ یہ امر جماعت کے طریق عمل سے ظاہر ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے شروع میں کسی سے کوئی بیعت نہیں لی۔ لوگوں نے بارہا بیعت کے لئے کہا بھی مگر آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے لوگوں سے بیعت لینے کا کوئی حکم نہیں۔ آپ سے پیشتر مسلمانوں میں بیعت کا سلسلہ صوفیوں کے ہاں جاری تھا۔ اور یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہ تھی۔ مگر آپ نے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ تاہم 1887ء میں، جب آپ کو اشاعت اسلام کے لئے جماعت تیار کرنے کا حکم ملا تو آپ نے اس غرض کے لئے لوگوں سے بیعت لینی شروع کی۔ اگر آپ کو بیعت لینے کا یا پیری مریدی کا شوق ہوتا تو پہلے بیعت لینے سے انکار کیوں کرتے کہ جب بہت سے لوگ اس کے لئے تیار بھی تھے۔ آپ نے صرف اشاعت اسلام کی غرض سے ایک جماعت بنائی۔ اور ان سے اس لئے بیعت لی کہ وہ اس کام کے کرنے کا عہد کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی زندگی میں مسلمانوں سے کئی دفعہ بیعت لی۔ جیسے مثلاً بیعت عقبہ اور بیعت رضوان۔ پہلی بیعت میں آپ نے انصار مدینہ سے یہ عہد لیا تھا کہ جب آپؐ اور آپ کے صحابہ ہجرت کر کے مدینہ جائیں تو انصار ان کی حفاظت اسی طرح کریں گے جس طرح اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ دوسری بیعت مسلمانوں سے آپؐ نے اس وقت لی کہ جب آپ کو خانہ کعبہ کے حج سے روکا گیا اور قریش کی نیت مسلمانوں کے خلاف فاسد نظر آتی تھی۔ اور مسلمان گھروں سے جنگ کے لئے تیار ہوکر نہ گئے تھے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے یہ بیعت لی کہ اگر قریش جنگ کریں تو وہ پیچھے قدم نہیں ہٹائیں گے۔ ہماری بیعت بھی ایسی ہی دینی ضرورت کے لئے ہے۔ یہ اشاعت اسلام کے لئے ہے۔ جب تک کسی قوم میں قربانی کی روح پیدا نہیں ہوتی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ دین کا عشق پیدا کرنے کے لئے یہ بیعت ہے۔ اور فی الحقیقت یہ عظیم الشان مقصد اشاعت اسلام کرایہ کے اور تنخواہ دار مبلغوں کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کی ضرورت ہے۔ جن کے دِلوں میں اس کی آگ لگ گئی ہے ان کے سامنے خواہ کیسی ہی مشکلات کیوں نہ آجائیں وہ اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹاتے۔ اس کے سوا احمدیت میں بیعت کا اور کوئی

مطلب نہیں۔ ہاں! اس میں شک نہیں کہ بیعت سے ایک روحانی تعلق بھی پیدا ہوتا ہے۔ مگر اصل غرض اس کی یہی ہے کہ انسان میں یہ عزم پیدا ہو کہ وہ کسی حالت میں بھی اشاعت اسلام کے کام میں قدم پیچھے نہ ہٹائے گا۔

اپنی جماعت کو خطاب: اب میں چند ایک باتیں اپنی جماعت کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اگر تم لوگ بیعت کی اس حقیقت پر قائم ہو تو یقیناً تمہاری بیعت درست ہے۔ ورنہ خالی اقرار کر لینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں اس وقت مشکلات کا سامنا ہے۔ کل سالانہ رپورٹ میں آپ نے ان مشکلات کی تفصیل کو سن لیا ہوگا۔ اس وقت تمہاری انجمن بوجھ کے نیچے دبی ہوئی ہے۔ مخالف بھی ہماری اس حالت پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ میں ذاتی طور پر کسی مخالف کے گرنے پر خوشی منانا بہت ہی بُرا فعل سمجھتا ہوں۔ مسلمانوں کی خواہ کوئی بھی جماعت کیوں نہ ہو، اس کی مصیبت پر خوشی منانا ایک کمینہ فعل ہے۔ اگر تم لوگ اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم ہو تو اس وقت مشکلات کے مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم اس وقت مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے احسانات کو دیکھیئے کہ کس قدر ہیں وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (34:14) اگر تم ان نعمتوں کو گننا بھی چاہو تو گن نہیں سکتے۔ عین اس وقت، جبکہ ہماری انجمن اس قدر مشکلات کے نیچے آ گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا۔ بظاہر اس کی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی کہ 41 مربعہ زمین کیا چیز ہے۔ لیکن اگر تم غور کرو تو یہ تمہاری انجمن کا ایک مستقل سرمایہ ہے۔ اس وقت کیا تم میں یہ طاقت تھی کہ تم اپنی انجمن کے لئے چار پانچ لاکھ روپے کا سرمایہ جمع کر لیتے! یہ کئی لاکھ کا مستقل سرمایہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں دے دیا ہے۔ یہ 41 مربعہ زمین ہے۔ اور اس کی سالانہ آمد 20 ہزار روپیہ ہے۔ کم از کم بھی بارہ ہزار سالانہ سے کم نہیں۔ تو یہ گویا کم سے کم بارہ ہزار روپیہ سالانہ آمد کا ایک مستقل سرمایہ مل گیا۔ بارہ ہزار سالانہ کی مستقل آمد کے لئے اگر نقد روپیہ جمع کرنا ہوتا تو تین لاکھ روپیہ چاہئے تھا۔ اور سولہ ہزار کی آمد کے لئے چار لاکھ۔ اور بیس ہزار کے لئے پانچ لاکھ نقد سرمایہ بکار تھا۔ یہ ہماری طاقت سے باہر تھا۔ پس یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے تمہاری جماعت کو اتنے بڑے سرمایہ کے جمع کرنے سے، جو تمہاری طاقت سے باہر تھا، مستغنی کر دیا۔

اور اپنے فضل سے ایک پندرہ ہزار پیشگی روپے سالانہ کی مستقل آمد کا انتظام کر دیا۔ اس قدر سالانہ رقم کامل جانا خدا کا بہت بڑا انعام ہے۔ اب اس زمین پر قبضہ لینے اور دوسری ضروریات کے لئے بیس ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین اس وقت ہماری مشکلات میں ایک اور اضافہ ہے۔ یعنی ہم کو اس پر بیس ہزار روپیہ خرچ کرنا پڑے گا۔ مگر اس سے جو آمد ہوگی وہ بہت بڑی آمد ہے۔

اپنی انجمن کی مشکلات کو حل کرو: ہمیں اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی جائداد اپنے فضل سے دی ہے۔ اس کا احسان بہت بڑا ہے۔ مگر بغیر قربانیوں کے احسانات کا پورا شکریہ ادا نہیں ہوسکتا۔ مختلف اوقات میں مَیں نے اس کے لئے اپیلیں کی ہیں۔ مگر مصائب کا پہاڑ اب تک کھڑا ہے۔ آپ لوگ بھی کوشش کریں کہ ہمیں اس سے نجات ملے۔ لیکن خدا کے اس نئے فضل کے لینے کے ہم مستحق نہیں ہو سکتے جب تک کہ کم سے کم اتنی قربانی نہ کریں کہ بیس یا تیس ہزار روپے کی رقم جمع کر کے یہاں سے اُٹھیں۔ تا کہ اس زمین کے ابتدائی اخراجات پورے ہو جائیں۔ یہ تمہارے بیس یا تیس ہزار روپے چار پانچ لاکھ روپے کے قائم مقام ہیں۔ پس آپ اپنے دلوں کو اس قربانی کے لئے تیار کرلیں۔ ورنہ یہ خدا کی دی ہوئی نعمت نہیں مل سکتی۔ دین کی ضرورت کے لئے اپنے دلوں کو مال کی محبت سے خالی کردو۔ دوسری آیات جو میں نے شروع میں پڑھی ہیں وہ سورہ المؤمنون کی یہ آیات ہیں اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ . نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ. اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ . وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ . وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ . وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ . اُولٰٓئِكَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ (23:55-61) کیا وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو ان کو مال اور اولاد سے مدد دے رہے ہیں۔ ہم ان کے لئے اچھی چیزیں جلدی بھیج رہے ہیں۔ نہیں۔ وہ اصل حقیقت کو محسوس نہیں کرتے۔ وہ لوگ جو کہ اپنے رب کے خوف کی وجہ سے ڈرتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ وہ دیتے ہیں اس حالت میں کہ ان کے دل خوف سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے

والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جو نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور وہ ان نیکیوں کی وجہ سے سبقت لے جانے والے ہیں۔

مال و دولت فی الحقیقت کوئی حقیقی اطمینان قلب کا ذریعہ نہیں۔ جو لوگ دین کو دنیا پر غالب کرنے کے لئے نکلتے ہیں وہ مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے تنگ دل نہیں ہوتے۔ بلکہ مال تو کیا چیز ہے وہ تو جانیں دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور اپنی ہر ایک چیز اس پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ لوگوں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا ہے تو آپ اس عہد کو پورا کر کے دکھایئے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اس ضرورت کو پورا کر کے یہاں سے گھروں کو جائیں۔ جب آپ لوگوں نے مجھے امیر بنایا ہے تو میرا کام ہے کہ جس کام میں مَیں قوم کی بہتری سمجھوں اس کی طرف آپ کو بلاؤں اور آپ کا فرض ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں اور میری آواز پر لبیک کہیں۔ میں نے جو بعض دوستوں کے نام اس فہرست چندہ میں اپنے طور پر لکھے ہیں، باقی دوستوں کو کم از کم دس دن کی آمدنی اس مقصد کے لئے دینا ہوگا (یہ فہرست علیحدہ شائع ہوئی ہے جس کی مجموعی میزان انیس ہزار کے قریب ہے) اور یہ رقوم اور یہ دس دن کی آمدنی تین مہینوں جنوری، فروری اور مارچ میں ادا کرنا ہوں گی۔

3 فروری 1931ء

ایک جائزہ

رُوح اللہ

ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے قلم سے

اخبار پیغام صلح میں متواتر کئی اشاعتوں میں ایک مضمون نکل رہا ہے۔ جس کا عنوان ہے ''حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیبی واقعات پر ایک ناقدانہ نظر'' فاضل مضمون نگار صاحب کی نظر انجیل پر بہت وسیع اور محیط نظر آتی ہے اور وہ جو کچھ لکھ رہے ہیں نہایت محققانہ طریق پر لکھ رہے ہیں۔ اور بہت خوب لکھ رہے ہیں۔ لیکن مجھے اس امر سے حد درجہ تعجب ہوا جب میں نے انہیں اسی مضمون میں حضرت مسیحؑ کو حضرت ''رُوحُ اللہ'' بار بار لکھتا ہوا پایا۔ کچھ شک نہیں کہ حضرت مسیح بڑے اولوالعزم نبی تھے۔ مگر یہ ''حضرت روح اللہ'' کیا ہوا۔ اس کی جگہ نبی اللہ لکھتے۔ رسول اللہ لکھتے۔ یہ ''رُوحُ اللہ'' کیا محاورہ ہے۔ جسے وہ بار بار زیب رقم فرماتے ہیں۔

بچپن میں مَیں نے ایک دفعہ ایک چھوٹی سی کتاب میں، جو ایک مولوی کی بنائی ہوئی تھی اور جس کا نام زبردستی دعا گنج العرش رکھا ہوا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عِیسٰی رُوْحُ اللّٰهِ لکھا ہوا پڑھا تھا اور مجھے خوب یاد ہے جب میں نے اس کے بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا تو مجھے سخت صدمہ ہوا اور مجھے سخت غیرت آئی کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ''رسول اللہ'' ہی رہے اور عیسیٰ ''روح اللہ'' بن گئے۔ اس کے تو یہ معنے ہوئے کہ عیسیٰ خدا تھے۔ کیونکہ خدا کی روح کے اور کیا معنے ہوں گے۔ مشن اسکول اور کالج میں تعلیم پانے کی وجہ سے رات دن پادریوں کو کہتے سنا کہ مسلمانوں کے قرآن میں عیسیٰ ''روح اللہ'' لکھا ہوا ہے۔ جس کو سن کر میں سوائے پیچ و تاب کھانے کے اور کچھ نہ کر سکا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت مسیح موعود کے دامن سے وابستہ کیا۔ اور میں نے قرآن پر خود تدبر کیا تو مجھے قرآن میں کہیں حضرت عیسیٰ کو ''روح اللہ'' لکھا ہوا نظر نہ آیا۔ جس سے مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ حد بیان سے باہر ہے۔ ایک دفعہ مجھے ایک مشنری لیڈی سے اسی ''روح اللہ'' پر بحث کرنے کا موقعہ ملا۔ جسے میں اپنے الفاظ میں اپنے احباب کی دلچسپی کے لئے عرض کئے دیتا ہوں:

راولپنڈی میں میرے مکان پر ایک مشنری لیڈی انگریزی پڑھانے آیا کرتی تھی۔ ان لوگوں کا جس طرح دستور ہے کہ چند سطریں انگریزی کی پڑھائیں اور پھر انجیل کھول کر بیٹھ گئیں۔ وہی وہ کیا

کرتی تھی۔ ہمارے ہاں مستورات چونکہ عیسویت کے تار و پور سے خواب واقف تھیں، اس لئے خوب گرما گرم بحث ہوا کرتی تھی۔ ایک دن جو میں باہر سے آیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ آج خلاف معمول مس صاحبہ کا پالا زبر ہے۔ وہ بار بار للکار کر کہہ رہی تھیں کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ کو روح اللہ لکھا ہے اور تمہارے پیغمبر کو صرف رسول اللہ لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ روح اللہ تو خدا کی روح ہوئی اور رسول تو محض ایک فرستادہ ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ہماری مستورات ذرا زچ پڑی ہوئی ہیں۔ اس لئے میں نے بلند آواز سے کہا کہ ''مس صاحبہ قرآن میں حضرت عیسیٰ کو کہیں روح اللہ نہیں لکھا ہے''

مس صاحبہ (چونک کر) ''کیا کہا آپ نے! کیا قرآن میں مسیح کو روح اللہ نہیں کہا؟ ضرور کہا ہے۔ سب مسلمان کہتے ہیں۔''

میں۔ ''مسلمانوں کے کہنے کی سند نہیں۔ مسلمان تو مسیحؑ کو آسمان پر زندہ بھی مانتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ وہ مر گئے۔ اس طرح مسلمان جو مرضی چاہے پڑے کہیں۔ قرآن مسیح کو روح اللہ نہیں کہتا۔ ہرگز نہیں کہتا۔ ہرگز ہرگز نہیں کہتا۔''

مس صاحبہ۔ ''ہائیں۔ ہائیں۔ ہائیں۔ آپ ایسا غضب تو نہ کریں۔''

میں۔ ''غضب تو آپ کر رہی ہیں جو قرآن کی طرف ایسی بات منسوب کر رہی ہیں جو وہ نہیں کہتا۔''

مس صاحبہ۔ ''ہم آپ کو قرآن میں مسیحؑ کو روح اللہ لکھا ہوا دکھائیں گے۔''

میں۔ ''اگر آپ دکھا دیں گی تو پھر میں بپتسمہ بھی لے لوں گا۔ کیونکہ مجھے روح اللہ کو چھوڑ کر رسول اللہ کے ماننے کی ضرورت نہیں۔''

مس صاحبہ۔ ''اچھا؟؟؟؟''

میں۔ ''جی''

مس صاحبہ۔ ''یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''

میں۔ ''میں اس سے بھی عجیب تر یہ بات سناؤں کہ قرآن مجھے اور آپ کو ہر ایک انسان کو روح اللہ کہتا ہے اور مسیحؑ کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کرتا۔''

مس صاحبہ۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

میں۔ ’’ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔قرآن کی آیت سن لو الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ . ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِیۡنٍ . ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـئِدَةَ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ (9-7:32) خداوہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کو گیلی مٹی سے شروع کیا۔ پھر اس کی نسل ایک حقیر پانی کے خلاصہ سے چلائی۔ پھر اسے ٹھیک ٹھاک بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنایا۔تھوڑے ہیں جو ان نعمتوں کی قدر کرتے ہیں۔

کہیے مس صاحبہ! یہاں ہر ایک انسان میں خدا نے اپنی روح پھونکنے کا ذکر کیا ہے یا نہیں۔ پھر ہر ایک انسان، خواہ میں ہوں یا تم ہو، اس حساب سے روح اللہ ہوئے یا نہیں؟! اسی طرح انسان کو جب بنا کر ملائکہ کو اس کی فرمان برداری کرنے کا حکم دیا تو وہاں بھی یہی فرمایا کہ فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ (29:15) جب میں اسے ٹھیک ٹھاک بنا لوں اور اس میں اپنی روح پھونکوں تو تم سب اس کی فرمان برداری کرو۔ پس جب سب انسانوں میں خدا نے اپنی روح پھونکی تو ہر ایک انسان ’’روح اللہ‘‘ ہوا۔ مسیحؑ کی اس میں کیا خصوصیت ہوئی! اگر وہ انسان تھے تو وہ بھی ایسا ہی روح اللہ تھے جیسا کہ ہر ایک انسان ہوتا ہے۔ اگر مسیح روح اللہ کہو گی تو ہر ایک انسان کو روح اللہ کہو۔ کیونکہ سب میں خدا کی روح پھونکی گئی ہے۔ اور قرآن نے تو اتنا اہتمام کیا ہے کہ مسیحؑ کو عام انسانوں کی طرح یہ بھی نہیں کہا کہ ان میں خدا نے اپنی روح پھونکی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل سے جانتا تھا کہ مسیحؑ کے متعلق غلو ہونا ہے اور انہیں انسان سے اُٹھا کر خدا بنا دینا ہے۔ اس لئے قرآن نے مسیحؑ کے متعلق صرف اتنا کہا کہ رُوۡحٌ مِّنۡهُ (171:4) کہ وہ ایک روح تھی جو خدا کی طرف سے آئی تھی۔ یعنی نہ خدا تھا نہ خدا کا بیٹا۔ جس طرح دنیا میں انسانی روحیں آتی ہیں اور اپنی عمر گذار کر چلی جاتی ہیں اسی طرح وہ بھی خدا کی طرف سے ایک روح تھی۔ جو آئی اور دوسرے انسانوں کی طرح اپنا کام کر کے چلتی ہوئی۔ لفظ روح کو نکرہ رکھ کر کس طرح مسیحؑ کی خصوصیت توڑی ہے کہ انسان قرآن کی اس طرز ادا پر قربان ہو جاتا ہے۔‘‘

مس صاحبہ۔ ’’ہر ایک انسان میں خدا نے اپنی روح پھونکی؟ اس کا کیا مطلب؟‘‘

میں۔ ’’اس کا یہ مطلب کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں جو روحانی حصہ رکھا ہے وہ بالقوۃ ان تمام

اخلاق الٰہیہ کا پرتو اپنے اندر رکھتا ہے، جن کے نشو و نما پانے پر انسان، انسان کامل بن جاتا ہے۔ اور یہاں تک ترقی کر جاتا ہے کہ مسجود ملائکہ بن جاتا ہے۔ یعنی ملائکہ بھی اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور وہ اخلاق الٰہیہ میں اس طرح رنگین نظر آتا ہے جس طرح لوہا آگ میں پڑ کر آگ کی طرح سرخ نظر آتا ہے۔ پس رُوۡحِیۡ سے مراد یہ نہیں کہ خدا کی روح جسم انسانی میں حصول کر آتی ہے بلکہ یہاں روح اللہ کو اضافت جو جناب الٰہی سے دی گئی ہے وہ بوجہ اس شرف کے ہے جو اخلاق الٰہیہ کا پرتو اپنے اندر رکھنے سے اسے حاصل ہے۔ اور جس شرف کے اظہار کے لئے جناب الٰہی نے اُسے اپنی طرف مضاف کیا۔ یہ اضافت جناب الٰہی سے بر سبیل تشریف ہے نہ کہ بوجہ تملیک۔ جس طرح اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ (125:2) کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو۔ یہاں بَیۡتِیَ سے مراد یہ نہیں کہ خدا کا وہ گھر ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ بلکہ بیت کی اضافت خدا سے بوجہ اس کے شرف اور عزت کے ہے۔ پس روحی میں بھی اضافت بہ وجہ شرف اور عزت ہے۔ جو انسانی روح کو اپنے اندر اخلاق الٰہیہ کو منعکس کرنے کی استعداد رکھنے سے حاصل ہے۔ ورنہ ہر ایک انسان کی روح حضرت مسیحؑ کی روح کی طرح رُوۡحٌ مِّنۡهُ ہی ہے۔

مس صاحبہ۔ ''(کھڑے ہو کر) ہم نے یہ بالکل نئی باتیں سنی ہیں۔ ایسا ہم نے کبھی نہیں سنا۔ ہم پادری صاحب سے پوچھ کر آئیں گے۔ پھر آپ سے گفتگو کریں گے۔''

میں نے دل میں کہا کہ اب تم نہ آئیں۔ چنانچہ وہ نہ آئی۔ ایک دن راستہ میں ملیں تو میں نے پوچھا بھی کہ ''آپ نے پادری صاحب سے کچھ نہ پوچھا۔ وعدہ کر کے پھر نہ آئیں۔'' کہنے لگیں ''ہاں ہاں ہم آئیں گے ہم آئیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ یہ جا۔ وہ جا غائب شد ہو گئیں!

پس بڑے ادب سے حضرت مضمون نگار کی خدمت میں عرض ہے کہ مہربانی فرما کر یہ ''حضرت روح اللہ''، ''حضرت روح اللہ'' کی تکرار کو اگر بس کر دیں تو بڑی عنایت ہو۔ لوگوں کو ناحق کی غلط فہمی ہوتی ہے۔ میرے دل میں حضرت مسیحؑ کی بڑی عزت ہے۔ وہ خدا کے رسول تھے نبی تھے۔ مقربین الٰہی میں سے تھے۔ مگر یہ روح اللہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر آپ نے اسی طرح روح اللہ کی تکرار قائم رکھی تو ڈر ہے کہ جذبہ توحید و وحدت مجھے ایک مجذوب کی طرح رٹ لگا دینے پر مجبور کر دے کہ ہمارے فاضل نامہ نگار روح اللہ! ایڈیٹر پیغام صلح روح اللہ! میں روح اللہ! آپ روح اللہ۔ سب روح اللہ۔

❁❁❁

3 فروری 1931ء

حضرت امیر کے قلم سے

جہاد کرنے والوں کی ضرورت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِیۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (41:9)

ترجمہ: ہلکے اور بوجھل نکل پڑو اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔

بیشتر احباب تو ایسے ہیں کہ اپنے معاش کے لئے یا اپنے عیال کے فکر کے لئے انہیں اپنی اپنی جگہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ خدمت دین کے کام کو، جس قدر ان سے ہوسکتا ہو، اسی جگہ سرانجام دے سکتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہیں، خواہ ان کی تعداد بہت ہی کم ہو، جو مرکز میں جمع ہوکر دین اور قوم کے لئے قوت کا موجب ہوسکتے ہیں۔ خواہ ہمارا کام اس وقت کتنا بھی بڑا نظر آتا ہو اور یہ سچ ہے کہ اللہ کے فضل سے یہ چھوٹی سی جماعت محض اپنی تنظیم اور قوت عمل کی وجہ سے اشاعت اسلام اور مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے کا عظیم الشان کام سرانجام دے رہی ہے۔ جس کا احساس مسلمانوں اور غیر مسلموں کے دِلوں پر یکساں ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ جماعت کے کام کی قوت کا انحصار مرکز میں کام کرنے والوں کی جمعیت پر ہے۔ اور اس پہلو میں ہم میں اب تک بڑی کمی ہے۔ جس کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کو دور کرنے کے لئے چند احباب کی تھوڑی سی توجہ بکار ہے۔

یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ یہاں چند احباب ایسے بھی موجود ہیں جو اپنے دنیوی کاموں کے ساتھ ساتھ دینی خدمات کے کام کو بھی جوش کے ساتھ سرانجام دے رہے ہیں۔ اور پھر ساتھ ساتھ ہی مالی خدمات میں بھی قابل قدر نمونے دکھا رہے ہیں۔ اور اُنہوں نے سخت ترین جدوجہد سے اس کام کو اس ترقی کی حالت تک پہنچایا ہے کہ آج دنیا کے کناروں تک ہماری انجمن کا کام پہنچا ہوا ہے۔ لیکن جس قدر کام ہمارے سامنے ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ اب وہ ہمارے احباب یہاں جمع ہوجائیں جن کے لئے دنیا کے تفکرات کم ہوگئے ہیں۔ میری مراد ایسے احباب سے ہے جو ایک طرف اولاد کی فکر سے

فارغ ہو چکے ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے کچھ سامان معاش کا بھی ان کے لئے کر دیا ہے۔ جیسے مثلاً وہ احباب جو سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو گئے ہیں یا اور کسی وجہ سے فکر معاش سے آزاد ہیں۔ میری آرزو یہ ہے کہ ایسے احباب محض اللہ کی رضاء کے لئے یہاں مرکز میں جمع ہو جائیں اور سب فکروں کو چھوڑ کر بقیہ حصہ عمر صرف خدا کے دین کی خدمات کے فکر میں گذار دیں۔

میں ایسے احباب کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنی اپنی جگہ پر ان کے لئے کتنی بھی دلچسپیاں ہوں، اگر فی الواقع دلچسپیاں ہیں، انہیں ابھی اور دنیا کمانے کا کتنا بھی خیال ہو، اگر ایسا خیال ہے، مال اور جائداد بڑھانے کی فکر ہو۔ اگر فکر ہے، لیکن اگر وہ غور کریں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ وہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو، جو خدا جانے کتنے باقی رہ گئے ہیں، بہت کم قیمت پر بیچ رہے ہیں۔ وہ اگر ایک دفعہ اپنی ان چھوٹی چھوٹی خواہشات کی قربانی کر کے اور ایک جست لگا کر اُس خلیج کو عبور کر لیں جو اُن میں اور خدمت دین میں حائل ہے تو اُنہیں معلوم ہوگا کہ ان کے لئے تمام دلچسپیوں سے بڑھ کر یہاں ایک دلچسپی موجود ہے اور تمام جائدادوں سے بڑھ کر بنانے کے قابل ایک جائداد ہے۔ ہاں وہ ایسی دلچسپی ہے جو ان کے قلوب کو راحت سے بھر دے گی اور قوم میں زندگی کی ایک زبردست لہر چلا دے گی۔ مسلمان قوم کے اندر اس قدر قوت برداشت ہے کہ یہ نہ تو نیچے دب کر رہ سکتی ہے اور نہ ہی مر سکتی ہے۔ اور قوت برداشت سے ہی قوت عمل پیدا ہوتی ہے۔ ہاں! اس کو کام میں لگانے کے لئے کچھ آدمی نکلنے چاہئیں۔ اور وہ آدمی وہی ہو سکتے ہیں جو پہلے خود قربانی کا نمونہ دکھائیں اور اپنی قلیل آمدنیوں پر گذارہ کرتے ہوئے خدا کے دین کی خدمت کی تڑپ اپنے اندر پیدا کریں۔

کیا افسوس کا مقام نہیں کہ آج دنیوی اغراض کے لئے اور ملکی اغراض کے لئے لوگ قربانیاں کر رہے ہوں، اپنی آمدنیوں پر لات مار رہے ہوں، تکلیفیں جھیلنے کے لئے اپنے آپ کو جیل خانوں کی آگ میں ڈال رہے ہوں، اور وہ لوگ، جنہوں نے اپنی زندگی کا مقصد خدا کے دین کی خدمت کو قرار دیا تھا، جنہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا تھا، کسی معمولی انسان کے سامنے نہیں، خدا کے مامور کے ہاتھ پر کیا تھا، وہ بیٹھے سوچ رہے ہوں کہ ہم اگر اپنے گھر کو چھوڑیں تو ہمیں یہ تکلیف ہوگی، وہ بے آرامی ہوگی، آسائش میں یوں کمی آجائے گی اور قبر میں جانے سے پیشتر چند اور سونے اور چاندی کی

ٹھیکریاں ہمارے قبضے میں نہ ہوں گی ۔ اور اپنی آنکھوں سے یہ بھی دیکھ رہے ہوں کہ ان کی قوم ان کے سامنے بظاہر جان توڑتی نظر آتی ہے ۔ وہ کونسی چیز ہے جس نے دِلوں کو اس قدر سخت کر دیا ہے کہ وہ خدا کے دین کی مصیبت پر اور قوم کی ہلاکت پر بھی نرم نہیں ہوتے اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (16:57) اے عزیزو! یہ زندگی کے لمحات گذر جائیں گے اور جب یہاں سے چلنے کا وقت آئے گا تو کیا یہ آواز تو دل کے کسی کونے سے نہ نکلے گی یٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ (56:39)

ہجرت تو بڑی چیز ہے ۔ اور اس کی شان بہت بلند ہے ۔ لیکن جو شخص خدا کے دین کی خدمت کے لئے اپنے گھر سے نکل پڑتا ہے وہ ہجرت کا ثواب ہی حاصل کر لیتا ہے ۔ آؤ اور یہاں جمع ہو کر دیکھو کہ تمہارے ایک ایک قدم اُٹھانے سے خدا کا دین کس طرح دنیا میں پھیلتا ہے ۔ اور قوم کس طرح ترقی کے منازل کو طے کرتی ہے ۔ اور تمہاری زندگیاں کس قدر کام کی ثابت ہوتی ہیں ۔

میرے دوستو! دنیا کی فکر کب تک تمہارے دِلوں کو کھاتی رہے گی ۔ کیوں اپنی زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے ۔ جس سے نہ صرف تمہارے اپنے کام زندہ رہ جائیں بلکہ تمہاری قوم زندہ ہو جائے ۔ آخر جب تک آپ کی یہ جائداد بنانے کی خواہش ختم نہ ہو گی ، دین کی خدمت کی وہ زبردست خواہش کس طرح پیدا ہو گی ، جس سے قوم کی زندگی وابستہ ہے ۔ اس کو اب ختم کرو اور اپنی زندگیاں خالص خدا کے لئے کر دو ۔ ان جائدادوں کو آج ہی ان کے سپرد کر دو جو کل کو ان کے مالک ہوں گے ۔ اور خود ایسے مجاہد فی سبیل اللہ بن جاؤ جن کے سامنے سوائے دین کی ترقی اور قوم کی خدمت کے اور فکر نہ ہو ۔ اگر آپ لوگ یہاں آ جائیں تو ایک قوم کی خدمت یا اشاعت اسلام کا عظیم الشان کام آپ کے سپرد ہو سکتا ہے ۔ اور یہ عمارت ، جس کی بنیاد آپ آج کمزور سے ہاتھوں سے رکھیں گے اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کل کو سر بفلک عمارت نظر آئے گی ۔ اگر یہ نیک نمونہ آپ آج قائم کر دیں تو کل کو یہ اور بہت سے لوگوں کی ہدایت کا موجب ہو گا ۔ خاکسار ۔ محمد علی ۔ احمدیہ بلڈنگس ۔ لاہور

11 فروری 1931ء

سراپا مدعا ہوجا

خواجہ غلام نبی مہجور پسروری

حجابِ بیخودی کو پھاڑ دے، ہاں خود نما ہوجا — نکل کر ''کُـلُّ مَـنْ'' سے وارثِ سرِ بقا ہوجا
سنانِ خالدی اور شانِ حیدری یاد کر غافل — بیادِ رفتگاں پیچیدہ و روبر قفا ہوجا
تماشاء یدِ قدرت میں ہے مشغول خالق بھی — حیاتِ جاوداں چاہے تو محوِ ماسوا ہوجا
خدا کا فضل ہیں نعماء دنیا، ان کو حاصل کر — ہمہ تن آرزو بن جا، سراپا مدعا ہوجا
تڑپ جن میں نہیں ہے، چھوڑ دے اُن ہم نشینوں کو — اُٹھا لے رنجِ فرقت اور اُن سے بیوفا ہوجا
خودی اور بیخودی میں زندگی اور موت پنہاں ہے — خودی کا درس لے کر واقفِ رمزِ خدا ہوجا
ملے گر نوشدارو بھی، نہ لے ہرگز رقیبوں سے — شفاء گر چاہتا ہے تو مریضِ لا دوا ہوجا
عزیزوں کے لئے ہر وقت دل میں جوشِ اُلفت ہو — برائے خرمنِ جانِ عدو برقِ فنا ہوجا

بظلمت روسبق از کرمکِ شب تاب حاصل کن
خودت را باکنارِ شاہدِ مقصود واصل کن

۞۞۞

15 فروری 1931ء

اداریہ

تحفۂ شِو راتری

بانی آریہ سماج سوامی دیانند کا ہوش سنبھالا

شِو ہندو الٰہیات میں تریمورتی (تثلیث) کا ایک دیوتا ہے کہ جس کی غالب صفت تباہ و برباد اور فنا کرنا ہے۔اس کے علاوہ دو دیوتا برہما پیدا کرنے والا اور وِشنو حفاظت کرنے والا ہے۔ ویدوں میں جس دیوتا کو رولو یعنی رونے والا اور رُلانے والا کہا گیا ہے،اسی کو ہندو افسانوں میں شِو کہا گیا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ ویدوں کے رُولا دیوتا اور شِو جی کی صفات باہم ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ ہندو مذہب میں جس طرح دیوتا الگ الگ صفات کے مظہر ہیں،اسی طرح ان کی پرستش کرنے والوں کے گروہ بھی الگ الگ فرقوں یا مذاہب میں منقسم ہیں۔خصوصیت سے شو جی کے پیروؤں کو شومت یا شئیو کہتے ہیں کہ جو شو جی کے بت کی پوجا کرتے ہیں۔شو جی کی مورتی یا ان کا بت سیاہ رنگ کا گلے میں کھوپریاں اور سانپ کی مالا (ہار) سر پر چپکے ہوئے لمبے لمبے بالوں کے اندر گنگا کی دھار کو تھامے ہوئے تا کہ زمین آسمان سے گرتی ہوئی گنگا کے بوجھ سے دب نہ جائے، پیشانی میں تین آنکھیں ایک درمیانی آنکھ کے اوپر ہلال کی شکل، گلا زہر نوشی کے اثر سے نیلا، ہاتھ میں ترشول اور اس کے ساتھ ہی ایک ڈمرو لئے ہوئے ہوتا ہے۔شاکت مذہب یا دام مارگی لوگ اس کی بیوی کالی کی پوجا کرتے ہیں۔اس کا بت اس شکل کا بنایا جاتا ہے کہ وہ شراب پی کر اپنے خاوند کی چھاتی پر رقص کر رہی ہے۔شو جی کو عشق اور محبت کا دیوتا بھی سمجھا جاتا ہے۔

شو جی کے اس مختصر سے تعارف کے بعد اب شوراتری کی وجہ تسمیہ بھی سن لیجئے۔سنسکرت میں راتری رات کو کہتے ہیں۔ یہ ایک خاص رات کا نام ہے کہ جو ہندو مہینہ ماگھ میں چاند کی آخری نمود کی رات ہوتی ہے دن کو تمام دن ہندو شو جی کی پوجا کا روزہ رکھتے ہیں، قمار بازی کرتے اور اشنان کرتے ہیں۔چھوٹی موٹی اور بھی بہت سے رسوم ہیں کہ جو اس موقعہ پر ادا کی جاتی ہیں۔

ہندو دھرم کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ: ایسی مقدس رات میں کہ جس کی تاریکی میں شاکت مت

والے یا دام مار گئے اور شیوٴ مت کے لوگ پوجا اور پرستش کے نام سے وہ وہ کام کرتے ہیں کہ جن کے بیان کرنے کا قلم کو یارا نہیں۔ آج سے سو سال پیشتر ایک نوجوان لڑکا اپنے باپ کے ساتھ شو جی کی پوجا میں مصروف تھا۔ شو جی کے بت کے سامنے نذر نیاز کی نعمتیں موجود تھیں کہ یکا یک اس نوجوان نے اونگھ سے آنکھ جھپک کر دیکھا کہ ایک موش (چوہا) شو جی کی اس مورتی کے آگے نذر نیاز کے تحائف پر مچل مچل کر قلابازیاں کھا رہا ہے اور وہ دلی ارادتمندی سے شو جی کے حضور پیش کی ہوئی شیرنیاں اپنے تصرف میں لئے جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر نوجوان کے دل میں یہ خیال گدگدایا کہ کیا ایسے شو جی کی پوجا کرنی چاہیئے کہ جو ایک چوہے سے بھی زیادہ کمزور اور اپاہج ہے۔ اس کے دل سے وہ بات نکلی کہ جس سے بڑھ کر 1300 سال پیشتر قرآن کریم نے فرمایا تھا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ. مَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ. (74-73:22) یعنی ان بتوں سے ایک مکھی اگر کوئی چیز چھین لے جائے تو اس سے اس کو چھڑا نہ سکیں، مانگنے والا اور جس سے وہ مانگتا ہے دونوں کمزور ہیں۔ ان میں اللہ کی وہ قدر نہیں کہ جو اس کی قدر کا حق ہے۔ اللہ تو بہت قومی اور غالب ہے۔ یہ کمزور بت انسان کو کیا دے سکتے ہیں کہ جو اپنی حرکت کے لئے بھی دوسروں کے محتاج ہیں!

بت کی اس کمزوری کے نظارہ نے اس کو بت پرستی سے ایک وقت کے لئے بیزار کر دیا۔ کہتے ہیں کہ وہ توحید کا جذبہ لے کر گھر سے نکل آیا۔ لیکن افسوس فطرت کی یہ آواز اس کے اندر ابھی مضبوط نہ ہوئی تھی۔ وہ ایک مدھم سا نقش تھا اور ہلکا سا ہوا کا جھونکا کہ جس نے اس کو اپنے گھر سے تو نکال دیا لیکن بت پرستی سے اُسے کامل نجات نہ دی۔ کیونکہ اس کے ایک عرصہ بعد بھی ہم اس نوجوان کو دوبارہ شیو مت میں پاتے ہیں کہ جس کا وہ نہ صرف ایک ممبر ہی تھا بلکہ اس کا پرجوش مبلغ تھا۔ یہ شخص کہ جس کے اصلی اور یقینی نام سے آج کوئی شخص واقف نہیں اور نہ اس کے ماں باپ اور جائے پیدائش کا کوئی شناسا ہے۔ مختلف مذاہب و خیالات ہندو دھرم بلکہ برہمو سماجیوں اور تھیوسوفسٹوں تک کی سیر کرتا ہوا بالآخر ایک سنیاسی کے روپ میں دیانند کے نام سے تاریخ ہندوستان کے اندر پکارا گیا۔ اس کی خود نوشت سوانح عمری لالہ لاجپت رائے کی تالیف اور آریہ سماج کے اتھاس مرتبہ پنڈت نردیو شاستری پرنسپل گوروکل جوالا پور سے

پتہ چلتا ہے کہ اس کی زندگی سراپا انقلاب، خیالات اور عقائد کی زندگی تھی۔ وہ ایک کامیاب مناظر تھے لیکن ایسے کامیاب کہ جو ہر مناظرہ سے ایک نیا سبق اور نیا عقیدہ حاصل کرتے تھے۔ ان کے دل میں سچائی کی تلاش کے لئے ایک تڑپ تھی کہ جو ساری عمر قائم رہی۔ نہیں کہہ سکتے کہ اگر وہ اب تک زندہ رہتے تو بقول نردیو شاستری کن خیالات اور عقائد کی فضاء میں موجود ہوتے۔ افسوس ہے کہ حالات کی ناسازگاری اور اردو، فارسی اور عربی سے ناواقفیت کی وجہ سے اسلام کی صحیح تعلیم ان تک نہیں پہنچ سکی۔ ہمارے حضرت مرزا صاحب نے ابتداء میں ان کو دو تبلیغی خط رجسٹری کر کے بھیجے۔ پھر ایک انعامی اشتہار طبع کرا کے بھیجا۔ مگر زبان یار من ترکی و من ترکی نمے دانم والا معاملہ رہا۔ حضرت صاحب سنسکرت نہ جانتے تھے۔ اور سوامی دیانند جی اردو نہ جانتے تھے۔ اور یہ ہمعصری کا وقفہ بھی بہت ہی محدود نکلا۔ ورنہ سوامی جی نے جس طرح ہندو مذہب میں چند ایک اسلامی تعلیمات کا پیوند لگایا تھا، اس سے اُمید تھی کہ ایک عرصہ کے بعد یقیناً وہ حق کو پالیتے!

سوامی جی کے کام پر ایک نظر: موسم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ جس طرح زمین اور اس کی روئید گیوں میں تروتازگی اور پژمردگی کے دور آتے رہتے ہیں، اسی طرح قوموں کی تاریخ میں بھی زندگی اور موت کے پیغام آتے ہیں۔ بعض مصلحین زمانہ کی آمد سے قومیں زندہ ہوتی اور بعض کے ہاتھوں موت سے ہم آغوش ہوتی ہیں۔ ہندو دھرم ان پرانے مذاہب میں سے ایک مذہب ہے کہ جس کی تاریخ زمانۂ تاریخ نویسی سے بہت پہلے کی ہے۔ اس لئے یہ آسانی سے نہیں بتایا جا سکتا کہ اس مذہب کی داغ بیل کس نے ڈالی۔ خود اس کی اپنی تاریخ افسانوں اور دور از قیاس خیالات اور استعاروں میں گم ہے۔ تاہم اس قدر وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس دھرم کے قدیم سے قدیم لٹریچر سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس مذہب کی روح رواں چند ایک اصول ہیں۔ جن پر اس کی عمارت ہزار ہا سال سے کھڑی ہے۔ ایمانیات میں سب سے اول درجہ ویدوں کا ہے کہ جن کی تشریح برہمن گرنتھوں کے اندر موجود ہے۔ وید بذات خود مظاہر قدرت کے قصیدہ خواں ہیں۔ اور برہمن گرنتھ عملی رنگ میں ان کی پرستش، عبادت اور نذر نیاز پیش کرنے کے طریق بیان کرتے ہیں۔ گذشتہ مفسرین وید نے اپنی کتب کی مدد سے ویدوں کے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں بھاشیہ کئے ہیں۔ ان سب کے ترجموں اور معانی میں ایک یگانگت پائی جاتی ہے۔

لیکن آج سے قریباً نصف صدی پیشتر سوامی دیانند جی مہاراج نے اس میں مغربی خیالات کا پیوند لگا کر اس کو زمانہ کے حسب حال بنانے کی کوشش کی۔ اور یوں اس خالص اور قدیم مذہب کو جدید خیالات میں خلط ملط کر کے مذہب کی اصلی روح کو بدل دیا۔ ان کے ارادہ اور نیت کو شائد اس قدر بُرا نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ وہ ہندو دھرم کو زمانہ کی ہوا کے ساتھ ساتھ چلانا چاہتے تھے۔ ان کے سامنے متعدد جدید تحریکات تھیں کہ جو ہندو دھرم کے نقشہ کو یکسر پلٹ دینا چاہتی تھیں۔ لیکن سوامی جی کی کوششیں پرانے ڈھانچے کو قائم رکھ کر نئے ساز وسامان سے منڈھ دینا تھا اور بس۔

اُنہوں نے مذہب کا نام تو وہی ویدک دھرم رکھا۔ لیکن اس کے بڑے بڑے ارکان کو اپنے زعم میں بوسیدہ سمجھ کر بدل دیا۔ ویدوں کا اصل موضوع مظاہر قدرت کی ستائش، پرستش اور ان سے اپنا مایحتاج طلب کرنا تھا۔ ایک شخص کی پیدائش سے لے کر موت تک کے جس قدر بھی رسم ورواج انسانی تخیل نے اس وقت تجویز کر رکھے تھے، ان میں کسی نہ کسی دیوتا کی پرستش کے یگیہ رچائے جاتے تھے، نذریں پیش کی جاتی اور دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ چھ چھ مہینہ تک یہ یگیہ جاری رہتے اور ان کے اندر بے شمار رسومات کا ایک سلسلہ تھا کہ جو برہمن گرنتھوں کی تصریحات کے مطابق انجام تک پہنچایا جاتا۔ سوامی جی نے ویدوں کی انہی تعلیمات کو اپنی دماغی قابلیت اور قوت ایجاد سے مشینری، توپ، بندوق، حکومت کے طور طریقے، احکام جنگ، قوانین صلح، زمین کی گردش، تار برقی اور ہوائی جہازوں کی شکل میں اُڑا کر دکھا دیا۔ ہون کی کڑچھیاں بڑے بڑے کارخانوں کے پرزے بن گئے۔ ویدی کی اینٹیں لکھی پڑھی خوبصورت استریاں، گائے کا اپنے کھونٹے کے اردگرد پھرنا، زمین کا سورج کے گرد چکر کاٹنا ثابت کر دیا۔ فضلاء سنسکرت انگشت بدنداں تھے اور حیرت سے کہتے تھے سوامی جی ویدوں کا ترجمہ کر رہے ہیں یا اپنے خیالات کے نئے وید بنا رہے ہیں۔ خیر یہ تو ویدوں کی اصلاح کا ایک پہلو تھا جو سوامی جی نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ عقائد اور ایمانیات میں جو اُنہوں نے اصلاح کی وہ اس سے زیادہ عجیب ہے

1۔ تمام دیوتاؤں کو جمع کر کے ایک ایشور کے گُن یا صفات بنا دیا۔

2۔ ویدوں کے متعلق یہ خیال پیدا کیا کہ وہ چار رشیوں پر نازل شدہ ہیں۔

3۔ ویدوں کے نزول کی جگہ ہندوستان کی بجائے تبت قرار دی۔

4۔الہام کو صرف چار ویدوں تک محدود کر دیا۔

5۔الہام کو آکاش بانی کی بجائے اندرونی خیالات کی موج قرار دیا۔

6۔اوتاروں کے خیال کو باطل قرار دیا۔

7۔پرانے اور طولانی یگیوں سے قوم کو نجات دے دی۔

8۔خدا کو مشین کی طرح فاعل بالاضطرار قرار دیا۔

9۔نجات اور مکتی کو پہلے دائمی پھر میعادی بنایا۔

10۔نرک اور سورگ (دوزخ اور بہشت) کو محض اس دنیا کی کیفیات قرار دیا۔

11۔ذات پات کو ضروری مگر صفات کے لحاظ سے مخصوص کر دیا۔

12۔رسم ستی کے خلاف کچھ نہ لکھا۔ بیوہ کا نکاح ناجائز قرار دیا۔

13۔عورتوں کے حقوق وراثت وغیرہ میں کوئی اصلاح نہ کی بلکہ اسی طرح لڑکوں کی موجودگی میں ان کو غیر وارث رہنے دیا۔

14۔تعلیم برہمن، چھتری، اور ویش تک محدود رکھی۔ شودروں کو رسم زنار سے کہ جو حصول تعلیم کا لائسنس ہے محروم رکھا۔ غرض عقائد میں اس قسم کی بیسیوں نئی نئی تعلیمات داخل کیں کہ جن میں سے بعض اب آریوں کے گلے کا ہار ہو رہی ہیں۔ اور آریہ ان سے بیزار ہو رہے اور ہو چکے ہیں۔

غیر مذاہب کے ساتھ آپ کا سلوک متشددانہ تھا۔ تمام مذاہب کے بزرگوں کو فحش اور سخت دل آزار گالیاں دیں۔ ان کے مذہب، ان کی کتابوں اور ان کے خیالات کا مذاق اُڑایا اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں کہ جن کو وہ مذاہب ہرگز نہیں مانتے۔ چنانچہ مہاتما گاندھی لکھتے ہیں:

> ''میں نے آریہ سماجیوں کی ''بائبل'' ستیارتھ پرکاش کو پڑھا ہے۔ جب میں برودہ جیل میں آرام کر رہا تھا تو احباب نے اس کی تین کاپیاں بھیجی تھیں۔ میں نے اتنے بڑے ریفارمر کی تصنیف کردہ اس سے زیادہ مایوس کن کتاب کوئی نہیں پڑھی۔ سوامی دیانند نے محض منہ سے سچ پر کھڑا ہونے کا دعوٰی کیا ہے۔ لیکن اُنہوں نے جانتے ہوئے جین دھرم، اسلام، عیسائیت اور خود ہندو دھرم کا غلط طور پر ذکر کیا ہے۔ جس شخص کو ان مذاہب

کا سرسری علم بھی ہے وہ بآسانی ان غلطیوں کو معلوم کر سکتا ہے۔ اُنہوں نے صفحہ دنیا پر برد بار اور آزاد مذہب میں سے ایک کو تنگ بنانے کی کوشش کی ہے اگرچہ وہ بت پرستی کے خلاف تھے۔ لیکن وہ ایک نہایت لطیف صورت میں بت پرستی کا بول بالا کرنے میں کامیاب ہوئے کیونکہ اُنہوں نے ویدوں کے الفاظ کی مورتی بنادی ہے اور ویدوں میں ہر ایک علم کو جو سائنس نے معلوم کیا ہے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔''

بانی سماج نے چونکہ غیر مذاہب کو گالیاں دینے کی طرح ڈالی تھی اس لئے سماج نے بھی اس میں خوب دل کھول کر ترقی کی۔ چنانچہ مہاتما گاندھی جی لکھتے ہیں:

''آریہ سماجی اُپدیشک کو اتنی خوشی کبھی نہیں ہوتی جتنی کہ دیگر مذاہب کی بدگوئی کرنے کے وقت ہوتی ہے۔''

آریہ سماجیوں نے اس کے جواب میں مہاتما گاندھی کو گالیاں دیں اور بیسیوں مضامین لکھے۔ اس کے جواب میں گاندھی جی لکھتے ہیں:

''میں نے جو کچھ لکھا وہ پوری سوچ بچار کا نتیجہ تھا۔ لیکن اگر کوئی آریہ سماجی مجھے یقین دلاسکتا ہے کہ کسی ایک امر میں بھی مَیں نے غلطی کی ہے تو میں خوشی سے اپنی غلطی کو قبول کرلوں گا اور معافی مانگتے ہوئے اپنی رائے واپس لے لوں گا۔''

لیکن ابھی تک مہاتما جی نے آریوں اور سوامی دیانند جی کے متعلق یہ اپنی رائے واپس نہیں لی۔

۞۞۞

15 فروری 1931ء

صدقہ فطر کا نظام قائم کرنے کی ضرورت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی سے مسلمانوں کا لاکھوں روپیہ کس طرح تباہ ہو رہا ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں کا ہر کام اس نظام کی حالت کو چھوڑ چکا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری ٹھہرایا تھا۔ اور مسلمانوں کی تمام قوت اور طاقت اور ان کا روپیہ اور مال محض نظام کے ماتحت نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو رہا ہے۔ یہی حال صدقہ فطر کا ہے۔ حدیث بخاری میں ہے **عَنْ اِبْنِ عُمَرَ فَرَضَ النَّبِیّ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدَقَۃَ الْفِطْرِ اَوْ قَالَ رَمَضَانَ عَلَی الذَّکَرِ وَالْاُنثٰی وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوْکِ صَاعًا مِّنْ تَمرٍ اَوْ صَاعاً مِنْ شَعِیْر** یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطرت یا صدقہ رمضان مرد اور عورت اور آزاد اور غلام سب پر فرض ٹھہرایا۔ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو۔ اور بعض احادیث میں ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر بھی آتا ہے۔ اور بخاری میں ہی ایک باب ہے **صَدَقَۃُ الْفِطْر عَلَی الصَّغِیْرِ وَالْکَبِیرِ** صدقہ فطر چھوٹے اور بڑے سب پر ہے۔ اور یہی عملدرآمد صحابہؓ کا تھا کہ چھوٹے سے چھوٹے بچوں کی طرف سے بھی دیتے، صاع ایک حساب کی رو سے تقریباً چار سیر اور ایک حساب کی رو سے قریباً تین سیر بنتا ہے۔ مگر مختلف اشیاء کے وزن کے لحاظ سے قیمتیں مختلف ہوں گی۔ آج کل کے نرخ کے لحاظ سے جَو اور گندم کو ایک ہی حکم میں رکھ کر اس کا اندازہ قریباً تین آنے فی کس ہوگا۔

اسی حدیث کے آخر پر ہے **کَانُوْا یُعْطُوْنَ لِیُجْمَعَ لَا لِلْفُقَرَآءِ** صدقہ فطر صحابہؓ اکٹھا کرنے کے لئے دیتے تھے۔ اپنے اپنے طور پر فقیروں کو نہ دیتے تھے۔ اور دوسری جگہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں **وَکَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ بِحِفْظِ زَکٰوۃِ رَمَضَانَ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سپرد یہ کام کیا تھا کہ میں صدقہ رمضان کی حفاظت کروں۔ جس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے جمع کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور سارا مال ایک جگہ جمع ہو کر حسب ضرورت تقسیم کیا جاتا تھا۔

اور حدیث ابن عمرؓ میں ہے **کَانُوْا یُعْطُوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِیَوْمِ اَوْ یَوْمَیْنِ** یعنی یہ صدقہ عید

سے ایک یا دو دن پہلے ادا کرتے تھے۔ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔اور وہ اس طرح نہ دیا جاتا تھا جس طرح آج مسلمانوں کی بدنظمی کی وجہ سے ہر ایک شخص جہاں چاہے دے چھوڑتا ہے۔اس طرح الگ الگ اسے تقسیم کردینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ روپیہ ضائع جاتا ہے۔کچھ بھیک مانگنے والوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔اگر سنت نبوی کی پیروی کی جائے تو صدقہ فطر کو ایک جگہ جمع کرکے اس میں سے حسب ضرورت خرچ کرنا چاہئے۔

غور کیا جائے تو مسلمان صدقہ فطر کے اس نظام کو توڑ کر، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، اپنا روپیہ جو ان کی قوم کے لئے عظیم الشان قوت کا موجب ہوسکتا ہے، برباد کررہے ہیں۔مثلاً لاہور کو ہی ہم لے لیں۔اگر ایک لاکھ آدمی بھی صدقہ فطر ادا کرتا ہو تو اس کی کل میزان بیس ہزار روپیہ ہوتی ہے۔یہ بیس ہزار روپیہ اگر ایک جگہ آئے، جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا، تو کس قدر قومی کام اس سے نکل سکتے ہیں! کس قدر غرباء کی تعلیم کا انتظام ہوسکتا ہے۔لیکن ہم اپنے ہاتھوں سے برباد کررہے ہیں اور اپنی قوم کو کمزور کررہے ہیں۔صرف ایک پنجاب کو ہی لے لو۔اگر اس کی نصف آبادی نہ سہی، ایک تہائی بھی صدقہ ادا کرنے والی ہو اور یقیناً ہے، تو ہر سال پنجاب کے مسلمان پندرہ سولہ لاکھ روپیہ برباد کرتے ہیں۔جس سے ایک یونیورسٹی بن سکتی ہے یا قوم کی عامہ حالت سدھر جاتی ہے۔اس وقت مسلمانوں میں کتنی انجمنیں موجود ہیں۔اگر مسلمان بھائی اپنے صدقہ فطر کو بجائے ادھر اُدھر پھینکنے کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کرنے کے، ان انجمنوں کے سپرد کریں۔جیسے مثلاً حمایت اسلام ہے یا انجمن اسلامیہ ہے یا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یا اور کوئی انجمن ہو تو وہ ان انجمنوں کی قوت کو بڑھا کر اپنی قوم کو کس قدر طاقت ور بنا سکتے ہیں۔مگر موجودہ حالت میں کیا ہو رہا ہے؟ مسلمانوں کی جیبوں سے روپیہ نکلتا ہے۔اور اپنی طرف سے وہ ایک فریضہ ادا بھی کرتے ہیں۔لیکن آدھا حکم مانتے ہیں۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا روپیہ بھی گیا اور حکم نبویؐ کی اصل غرض بھی پوری نہ ہوئی۔میری دردِ دل سے سب مسلمان بھائیوں کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے مال کو، جسے اللہ تعالیٰ نے قوم کی زندگی کا موجب بتایا ہے، ضائع ہونے سے بچائیں اور سنت نبویؐ کے مطابق اپنا روپیہ قومی ضروریات کے لئے کسی انجمن کے سپرد کریں۔خاکسار محمد علی پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

پیغام صلح: صدقہ فطر ہر جگہ احباب جمع کر کے، ضرورت ہوتو مقامی مساکین پر نصف رقم تک خرچ کر کے، باقی یہاں عید فنڈ کے ساتھ بھیجی جائے۔ نیز عید فنڈ، جو اس زمانہ کے مجدد نے اشاعت اسلام کے لئے ضروری قرار دیا ہے، فی کس کے حساب جمع کر کے بہت جلد انجمن میں بھجوا دیں۔

قبول اسلام کی پاداش میں ضبطی جائداد: قارئین کرام کو غالباً یہ معلوم نہیں کہ ریاست کشمیر میں قبول اسلام کی سزا ضبطی جائداد ہے۔ اور یہ وہ ریاست ہے جس کے والی سری حضور مہاراجہ بہادر اپنی تاجپوشی کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرما چکے ہیں کہ گو میں ہندو قوم سے ہوں لیکن میرا مذہب انصاف ہے۔ اور میں ہندو مسلم رعایا کو ایک نظر سے دیکھتا ہوں۔ اور عملاً بھی سری حضور عید کی نماز کے موقع پر تشریف لا کر مسلمان رعایا سے اپنی محبت کا اظہار فرماتے رہے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ مہاراجہ بہادر کے ہندو ملازم حضور کے اس اعلان انصاف کی ہمیشہ خلاف ورزی کرتے ہیں اور اپنے آقا کی حکومت کو ہندوستان بھر میں بدنام کر رہے ہیں۔

اگرچہ یہ بات بے انتہاء عجیب معلوم ہوتی ہے کہ آج کل کی روشنی اور تہذیب کے زمانے میں کسی مقام پر قبول اسلام کی سزا ضبطی جائداد ہو۔ لیکن ہم قارئین کو یقین دلاتے ہیں کہ کشمیر کے متعلق یہ بالکل صحیح ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے ایک نومسلم کی سرگذشت سنیئے۔ ریاست جموں کی تحصیل اودہم پور میں ایک موضع سنگوتہ واقع ہے۔ اس موضع کے نمبردار کا نام اندر تھا۔ اس نمبردار کے دو بیٹے تھے۔ موتی رام اور سنتو اِندر۔ 583 کنال اراضی کا واحد مالک تھا۔ اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنی جائداد دونوں بیٹوں میں تقسیم کر دی۔ اور خود موتی رام کے ہاں رہنے لگا۔ اور موتی رام ہی بطور سربراہ نمبرداروں کے فرائض انجام دیتا رہا۔ تقریباً دو سال کے بعد اِندر کا انتقال ہو گیا۔ جس پر دونوں بھائیوں کے نام ان کے حصے کی اراضی کا داخل خارج حسب ضابطہ ہو گیا۔ تقریباً 261 کنال ہر ایک کے حصے میں آئی۔

اِندر کی وفات کے تقریباً بارہ سال بعد موتی رام برضا و رغبت مشرف باسلام ہو گیا۔ اس کا مسلمان ہونا تھا کہ لالہ نند کشور تحصیلدار نے کاغذات مال سے اس کا نام خارج کر دیا۔ ابھی موتی رام (جو اَب نظام الدین تھا) اس اخراج کے خلاف چارہ جوئی ہی میں مصروف تھا کہ اس کے بھائی سنتو نے

ریاست کے ہندو حکام کی امداد سے اس کو اراضی مذکور سے، جس پر وہ دس سال تک اپنے باپ کی زندگی میں اور بارہ سال تک اس کی وفات کے بعد قابض تھا، جبراً بے دخل کر دیا۔ اور اس کے مکانات اور اثاث البیت پر بھی قبضہ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نظام الدین، جو کبھی 261 کنال اراضی کا مالک اور معزز زمیندار تھا، روٹیوں تک کا محتاج ہو گیا۔ دس کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اس غریب کو سر چھپانے کی جگہ بھی میسر نہیں۔ اور حقیقۃً ایک گداگر کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس دس سال کے دوران اس نے مسلمانوں کی مالی امداد سے صد ہا روپیہ صرف کر کے حکم بے دخلی کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی۔ آخر لالہ بندرابن سب جج اودہم پور کی عدالت میں مقدمہ دائر ہوا۔ جس کی سماعت کے دوران میں نظام الدین مذکور سے صاف طور پر کہا گیا کہ اگر تم آج شدھ ہو جاؤ تو نہ صرف تمہاری جائداد واپس دے دی جائے گی بلکہ جو کچھ تمہارا خرچ ہوا ہے اس سے کئی گنا روپیہ ہندوؤں سے چندہ فراہم کر دیا جائے گا۔ لیکن اس سچے مسلمان نے شدھ ہونے سے صاف انکار کر دیا۔

اب پچھلے مہینے کا ذکر ہے سب جج صاحب نے مقدمے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ جس میں آپ نے لکھا ہے کہ برطانوی ہند میں قانون نمبر 7، 1832ء اور قانون نمبر 21، 1850ء نافذ ہوئے تھے۔ جن کا منشاء یہ تھا کہ دھرم شاستر کی رو سے جو شخص ہندو دھرم ترک کر دے۔ وہ دیوانی نقطہ نگاہ سے مردہ تصور کیا جائے اور اس کی جائداد چھین لی جائے۔ یہ قانون اب برطانوی ہند میں تو منسوخ ہو چکے ہیں۔ لیکن ریاست میں شاستر کا یہ قانون رائج ہے۔ کہ اگر کوئی ہندو مذہب تبدیل کرے تو اس کی جائداد ضبط کر لی جائے۔ لہٰذا مدعی کا دعوٰی دخل یابی خارج کیا جاتا ہے۔

کیا رواداری یہی ہے: اب قارئین کرام کو یقین آ گیا ہوگا کہ ریاست کشمیر میں قبول اسلام کے جرم کی سزا ضبطی جائداد ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر فی الواقع دھرم شاستر کا قانون یہی ہے جو لالہ بندرابن نے بیان کیا ہے اور برطانی ہند میں یہ قانون منسوخ العمل ہو چکا ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ریاست کشمیر میں اسے بدستور نافذ رکھا جائے۔ جس حالت میں اس ریاست کی 90 فیصد آبادی مسلمان ہے۔ شاستر کے جو قوانین، آج کل کے مہذبانہ خیالات کے خلاف ہیں، ان کو کوئی روشن خیال ہندو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ اور خود سری حضور مہاراجہ صاحب بہادر کشمیر بھی ان معاملات میں بہت بالغ نظر واقع ہوئے ہیں۔

مثلاً اچھوت کا مسئلہ ہندو دھرم شاستر کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ لیکن سری حضور کا حکم ہے کہ جو اچھوت شدھ ہو کر ہندوؤں میں شامل ہو جائیں، انہیں ہندوؤں کے کنوؤں سے پانی بھرنے کی اجازت دینی چاہئے۔ سناتن دھرمی ہندوؤں نے اس پر بہتیری چیخ و پکار کی۔ لیکن سری حضور نے اپنی پولیس کی نگرانی میں اس حکم کی تعمیل کرادی۔ اور حق وانصاف کے سامنے دھرم شاستر کے ایک پرانے فرسودہ قاعدے کی کچھ پروانہ کی۔ پھر خدا جانے لالہ بندرابن ایسے کہاں سے راسخ العقیدہ ہندو ہیں کہ انہیں سری حضور سے بھی زیادہ دھرمشاستر کا پاس ہے۔ جس کی پابندی میں وہ حق وانصاف کو پس و پشت ڈال رہے ہیں!

اچھوتوں سے تو یہ رعایت کہ اگر وہ شدھ ہو جائیں تو ہندوؤں کے کنوؤں سے پانی تک بھرلیں۔ اور مسلمانوں سے یہ پُرخاش کہ اگر کوئی ہندو مسلمان ہو جانے تو اس کی تمام جائداد منقولہ وغیر منقولہ ضبط کر کے اسے بھوکا پیاسا اور بے خانماں بنا دیا جائے۔ کیا یہی انصاف ہے؟ کیا اسی کا نام رواداری ہے؟ کیا یہی وہ انداز حکومت ہے جس سے کام لے کر ہندو اخبارات، جو آئے دن مذہبی آزادی اور ہندوؤں کی رواداری کے راگ الاپا کرتے ہیں؟ اگر انصاف کوئی چیز ہے اگر رواداری کوئی معنی ہیں تو کیا اس موقع پر محض حق وانصاف کی خاطر، وہ اور ہنود رہنما ریاست کشمیر کے اس ظالمانہ قانون کے خلاف آواز بلند کرنے میں ہمارے ہم آہنگ ہوں گے؟! تمام اسلامی اور علی الخصوص تبلیغی انجمنوں کا فرض ہے کہ اس قانون کے خلاف شدت سے صداء احتجاج بلند کریں تمام مسلمان اخباروں کو چاہئے کہ ہمارے اس مقالہ کو نقل کریں۔ اور خود بھی اس ظالمانہ قانون کے خلاف اظہار خیالات کریں۔

☆☆☆

دس یوم کی آمد کا مطالبہ خیرات یا صدقہ کا مطالبہ نہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت ہے جو شخص اس چھوٹے سے مالی جہاد میں ساتھ دینے سے انکار کرتا ہے۔ وہ غور کر لے کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا تو مال اور جان دونوں حاضر کرنے پڑتے۔ ورنہ مسلمان نہ رہ سکتا تھا۔ خدا کے دین کی حفاظت کی آج بھی وہی ضرورت ہے جو پہلے تھی۔ اور سب برادران کے ساتھ دینے کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح پہلے تھی۔ خاکسار محمد علی

۞۞۞

23 فروری 1931ء

حضرت امیر کے قلم سے

مستقل سرمایہ کی ایک اور تجویز

ایک آنے سے پچاس ہزار روپے

مستقل سرمایہ کی ایک تجویز احباب کے سامنے ہے۔ جو میں نے سالانہ جلسہ پر پیش کی تھی۔ وہ ایک فوری ضرورت کی چیز تھی اور اس لئے میں نے احباب سے اسی وقت یہ کہہ دیا تھا کہ یہ رقم جنوری، فروری اور مارچ تین ماہ کے اندر اندر ادا ہو جانی چاہیئے۔ ورنہ انجمن کے کام کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ چند احباب نے اپنے وعدے کو ایسی مستعدی سے پورا کیا کہ ان پر رشک آتا ہے۔ ان میں خان بہادر ڈاکٹر حکیم اللہ خاں صاحب کا ایک ہزار روپیہ بالخصوص قابل ذکر ہے۔ اس لئے کہ یہ بزرگ، حالانکہ روحانی رنگ میں بہت سے احمدی احباب سے آگے نکلے ہوئے ہیں، ابھی ظاہر طور پر ہماری جماعت میں شامل نہیں، گو ان الفاظ پر بھی مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے **المرا فع من احب** اور اُنہوں نے اپنی محبت کا عملی ثبوت بھی دے دیا ہے۔ بہت سے احباب اقساط سے یا یکمشت اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر رہے ہیں۔ کئی ایک اپنی دس یوم کی آمد سے بڑھ کر دے رہے ہیں۔ ان کی تازہ ترین مثالیں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب پشاور، مرزا رحمت بیگ صاحب مردان اور مخدوم محمد اشرف صاحب شملہ ہیں۔ بہت سے ہیں جنہوں نے اپنی غربت کے باوجود اپنی بساط سے بہت بڑھ کر حصہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزاء خیر دے۔

جو احباب اب تک خاموش ہیں ان سے درخواست ہے کہ یہ کام تو بہر حال کرنا ہے۔ اگر آپ خود ہی اس میں حرکت کریں تو اس سے آپ کے قلب کو بھی زیادہ خوشی پہنچے گی اور میرے دل کو بھی۔ ورنہ جب آپ اقرار کر چکے ہیں کہ دین کو دنیا پر مقدم کریں گے تو اس دینی جہاد میں مجھے آپ کو پیچھے چھوڑنا گوارا نہیں۔ آپ میری محنت کو کم یا زیادہ کر سکتے ہیں مگر اس دینی جہاد میں شمولیت سے انکار نہیں کر سکتے۔

جموں سے مجھے ایک دوست نے کہا کہ بڑی بڑی رقوم دینے والوں کی قدر رہے۔ مجھے اس

سے تو انکار نہیں کہ دولت بھی اللہ کا ایک فضل ہے۔ اور جب اس دولت کا مالک اپنی حیثیت کے مطابق اس میں سے زیادہ دیتا ہے تو وہ زیادہ قابل قدر بھی ہے۔لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ تھوڑی رقم کی یا اس کے دینے والے کی قدر نہیں، بلکہ ممکن ہے کہ بعض وقت عنداللہ ایک غریب، جو اپنی بساط سے بڑھ کر دیتا ہے، اس دولت مند سے زیادہ قابل قدر ہو جو اپنی بساط کے مطابق حصہ نہیں لیتا۔ اس لئے کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ ایک پیسے کے دینے کی بھی تحقیر کرے یا اسے عزت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ جہاں تک مجھے نظر آتا ہے مسلمانوں میں (اور ہم بھی مسلمان ہیں) غریب اور متوسط طبقہ دینے میں قومی اور دینی کاموں میں حصہ لینے میں بہت وسیع دل رکھتا ہے اور بڑے آدمیوں اور امراء کا طبقہ الّا ماشاءاللہ بہت تنگ دل واقع ہوا ہے۔ اور خدا کے راستے میں خرچ کرتے وقت ان کے دل میں قبض پیدا ہوتی بلکہ انکار ہی کر دیتے ہیں۔ اور خدا چاہے گا تو مسلمانوں میں سے یہی غرباء کا طبقہ امراء کے بخل کی کمی کو پورا کر دے گا **طوبیٰ للغرباء** غربا کے لئے خوشخبری ہے۔ کیونکہ گو ان کے پاس تھوڑا مال ہے مگر غرباء مال کے مالک ہیں۔ اور وہ امراء جو خدا کے راستے میں دینے میں بخل کرتے ہیں اپنے دلوں میں قبض پاتے ہیں وہ امراء مال کے غلام ہیں۔ اور غلام، غلام ہی ہے۔ گو مال کا غلام ہو یا انسان کا غلام ہو۔ اور گو وہ غلامی کی ذلت کو محسوس کرے یا نہ کرے۔

بہر حال اب میں احباب کے سامنے اپنی اس تجویز کو رکھتا ہوں جو اس رمضان میں اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالی ہے۔ اور جو احباب کی ہی ان دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ جو وہ قوم کی مالی مشکلات کے دور ہونے کے لئے کرتے رہے ہیں۔ اور جیسے میں نے لاہور کی جماعت میں خطبہ عید میں پیش کیا۔ اور وہ تجویز یہ ہے کہ ہم ایک مستقل فنڈ کی بنیاد ایک آنہ چندہ سے رکھیں۔ ظاہر ہے کہ ایک آنہ ایک غریب سے غریب آدمی پر بھی بوجھ نہیں۔ ایک مزدور پر بھی بوجھ نہیں۔ ایک گھر میں بیٹھنے والی خاتون پر بھی بوجھ نہیں۔ ایک مدرسہ میں پڑھنے والے بچے پر بھی بوجھ نہیں۔ بوجھ یہ کسی پر نہیں۔ مگر اس ایک آنے سے قوم بن جاتی ہے۔ شرط صرف ایک ہے کہ کل کے کل احباب اس میں حصہ لیں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ہمارے سب احباب اس کام میں شامل ہونے کا تہیہ کر لیں تو دس سال کے عرصہ میں کم سے کم رقم اس ایک آنے سے پچاس ہزار روپے بن سکتی ہے۔ بلکہ اگر پوری ہمت اس کی کامیابی پر صرف کی جائے تو

ایک لاکھ کی رقم کا جمع ہونا بھی مشکل نہیں۔ میں اس کے لئے ذیل کی تجاویز پیش کرتا ہوں:

1۔ ہر ایک احمدی مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا، کماتا ہو یا خرچ کرتا ہو، ایک آنہ ماہوار مستقل فنڈ میں دے۔ اگر چار ہزار ایسے آدمی بھی نکل آئیں۔ تو اڑھائی سو روپیہ ماہوار کی آمد اس ذریعہ سے ہوسکتی ہے۔ جو سال میں تین ہزار تک پہنچ جائے گی۔

2۔ چند احباب، جن کی تعداد کم سے کم تین سو ہو، ایسے ہوں جو سال میں ایک ایک کاپی ایک ایک آنے والی سور سیدوں کی بیرون از جماعت کوشش کر کے پورا کر دیں۔ اس ذریعہ سے دو ہزار روپے سالانہ کی آمد ہوسکتی ہے۔

یوں ایک آنے سے پانچ ہزار روپیہ سالانہ کی رقم مستقل فنڈ میں جاسکتی ہے۔ چونکہ یہ چندہ ایسا ہے کہ یہ کسی پر بھی بوجھ نہیں۔ اس لئے اس سے کسی پہلے چندہ پر یا تحریک پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ ماہوار کی صورت یہ ہے کہ اگر مثلاً ایک شخص دو روپے ماہوار چندہ دیتا ہے تو پھر اسے صرف دو روپے ایک آنہ ماہوار دینا ہوگا۔ اگر 8 آنے دیتا ہے تو 9 آنے ماہوار دینا ہوگا۔ البتہ جو شخص مثلاً بیس پچیس روپے ماہوار چندہ دیتا ہے۔ وہ اگر پسند کرے تو بجائے اور زیادہ دینے کے ایک روپیہ ماہوار زیادہ دے دے۔ اور سولہ آدمی کا قائم مقام ہوجائے۔ یا جو شخص 4 آنے ماہوار زیادہ دے دے۔ تو چار آدمیوں کا قائم مقام ہوجائے۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کے لئے ایک روپیہ یا چار آنے کوئی بوجھ نہیں۔ ورنہ عام طور پر یہ چندہ صرف ایک آنہ ماہوار ہوگا۔ اسی طرح ایک طالب علم جو کالج یا سکول میں فیس ادا کرتا ہے اس کے لئے یہ کوئی بوجھ نہیں کہ ایک آنہ ماہوار اس پر بڑھائے۔ یا جس خاتون کے ہاتھ میں گھر کا خرچ ہے اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ وہ ایک آنہ ماہوار کسی خرچ سے بچائے خواہ کتنے بھی چھوٹے پیمانے پر وہ خرچ ہو۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ تجویز صرف اس صورت میں کامیاب ہوسکتی ہے کہ ہر مرد اور عورت اور بچہ اس پر عامل ہو۔ ہر جگہ جماعتوں کے سیکرٹریوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ چندہ وصول کرتے وقت چندہ دہندگان سے ایک ایک آنہ زیادہ وصول کریں۔ اور خواتین سے اور نوجوانوں سے بھی جو خود کچھ نہیں کماتے ایک آنہ ماہوار کے حساب سے وصول کریں۔ اور مرکزی دفتر میں چندہ بھیجتے وقت صرف اس امر کی تصریح کر دیں کہ مستقل فنڈ کا چندہ اس میں اس قدر ہے۔ اس تجویز کو کامیاب کرنے کی صورت یہ

ہے کہ احباب اس کی اہمیت کو پہلے خود محسوس کریں کہ کس طرح اس ایک ایک آنے سے، جو کسی پر بوجھ نہیں، قوم کے لئے کتنا بڑا بھاری ذریعہ آمد کا ہوسکتا ہے کہ دس سال کے عرصہ میں پچاس ہزار روپیہ جمع ہو جائے گا۔ یہ ایک آسان سا کام ہے اور پھر اس پچاس ہزار روپے کو کسی کام میں لگا کر اس سے تین چار ہزار روپے سالانہ کی آمد ہوسکتی ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آج سب مسلمان اپنی غربت کی حالت میں اگر اس تجویز پر ہی عامل ہو جائیں تو ان کی قوم لاکھوں روپوں کی مالک ہو کر بڑے بڑے قومی کام اس سے سرانجام دے سکتی ہے۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ ہماری جماعت میں ایک نظام موجود ہے۔ جس کے ماتحت یہ اکنیاں (ایک آنہ کی نقدی) وصول کرنا کسی مزید خرچ کو نہیں چاہتا اور جہاں ان کے وصول کرنے والوں پر خرچ کرنا پڑے وہاں ان اکنیوں کی وہ اہمیت نہیں رہتی جو ایک صاحب نظام جماعت میں ہوسکتی ہے۔

میں دوبارہ اس بات پر زور دیتا ہوں کہ ہر بڑے اور چھوٹے اور مرد اور عورت کو اس میں شامل کرنا ضروری ہوگا۔ اور چونکہ یہ بوجھ کچھ نہیں، اس لئے صرف کارکن احباب کی تھوڑی سی توجہ بکار ہے اور ان کی اس تھوڑی سی توجہ سے کام کے لئے عظیم الشان سرمایہ پیدا ہوسکتا ہے۔

ایسا ہی جو احباب اس تجویز کے مطابق کاپیاں لیں انہیں بھی یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر وہ ذرا سی توجہ بھی کریں گے تو اس سے ان کی قوم کو بڑا بھاری فائدہ پہنچے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ آج کسی کھاتے پیتے آدمی کو یہ کہا جائے کہ ایک آنہ اشاعت اسلام مستقل فنڈ قائم کرنے کے لئے دیں تو وہ انکار کر دے گا۔ بلکہ بالکل قرین قیاس ہے کہ ایک آنے کے بجائے وہ چار آنے دے دے۔ ایک سال میں سو رسیدوں کی ایک کاپی ختم کرنے کے لئے ایک ماہ میں صرف آٹھ شخصوں سے ایک آنہ وصول کرنا ہوگا بلکہ میرا خیال ہے کہ روزانہ اگر ایک آنہ کسی سے وصول کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ بھی کوئی مشکل امر نہیں اور اس صورت میں تین ماہ میں ایک رسید بک سو پرت کی ختم ہوسکتی ہے۔ اور سال میں چار کاپیاں ختم ہوسکتی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس کا اثر اس عام تحریک پر نہ پڑے جو جرمن مشن یا اچھوتوں میں کام یا مفت لٹریچر کی اشاعت وغیرہ کے لئے پہلے سے ہو رہی ہے۔ بلکہ یہ صرف ایک زائد کام کے طور پر ہو۔

ہر جگہ احباب سے یہ التماس ہے کہ وہ اس کام کو فوراً شروع کر دیں۔ اور اس میں ایک دن کا بھی توقف نہ ہو۔ سر دست جو رسید بکیں ایک آنہ والی موجود ہیں وہ دے دی جائیں گی۔ اس کے بعد اس کے لئے خاص رسیدات چھپوائی جائیں گی۔ جہاں جماعتیں ہیں وہ جمعہ میں اس تحریک کو پیش کر کے دو کام کریں۔ اول سب احباب سے عہد لیں کہ وہ خود بھی اس تجویز پر عامل ہوں گے اور اپنی خواتین اور بچوں کو بھی اس پر عامل ہونے کے لئے کہیں گے اور دوم ان احباب کے نام لکھ لیں جو ایک ایک سو پرت کی رسید بک ایک آنہ والی لینے کی آمادگی ظاہر کریں۔ اور پھر وہ سارے نام یہاں میرے پاس بھیج دیں تا کہ ان کے نام یہاں سے رسید بکیں بھجوا دی جائیں۔ آخر پر میں پھر اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے آج تک جو تحریک کی ہے اس پر خود بھی عمل کیا ہے اور اب بھی میں اس تجویز پر اسی وقت سے عملدرآمد کرتا ہوا آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ یکم مارچ سے جس قدر چندے وصول کئے جائیں۔ ان سب کے ساتھ یہ ایک آنہ ماہوار جو حسب توفیق مستقل طور پر زیادہ دے اس قدر زیادہ وصول کیا جائے۔ اور حتی الوسع کوئی مرد کوئی عورت کوئی بچہ اس سے باہر نہ رہے۔

☆☆☆

23 فروری 1931ء

مکتوب بشارت

ایمان کا معیار از روئے قرآن کریم

یہ خط حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے اپنے ایک عزیز کے نام مستقل فنڈ کی تحریک کے متعلق لکھا تھا۔ مگر چونکہ اس کا مضمون عام ہے۔ اس لئے جماعت کے فائدے کے لئے آپ نے اس کی نقل اخبار میں بھیج دی ہے۔ ایڈیٹر)

مجی اخویم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

انجمن کے مستقل فنڈ کے چندہ پر آپ کا یہ عذر ٹھیک نہیں کہ اخراجات بہت ہیں۔ روپیہ بچتا نہیں۔ اور مطلب تو صدقہ وخیرات سے ہے سو ہم کرتے ہی رہتے ہیں۔ غریبوں اور مسکینوں کو کچھ نہ کچھ دیتے رہتے ہیں۔ لہٰذا انجمن کے چندہ کے لئے اس شدومد سے اصرار کچھ سمجھ نہیں آتا۔

جو کچھ آپ نے صاف صاف فرمایا یہی غلط فہمی بعض اور دوستوں کو بھی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انجمن کا چندہ زکوٰۃ کی طرح فرض تو نہیں محض نفل ہے۔ دیا تو ثواب مل گیا نہ دیا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ہماری جماعت کے بعض احباب کی چندوں میں سستی کا اصل موجب بھی یہی ہے کہ ان کی نگاہ میں اس چندہ کی اتنی اہمیت نہیں۔ حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے۔ اشاعت اسلام کے لئے حضرت مسیح موعود نے جو جماعت بنائی وہ خدا کے حکم سے بنائی اور جو کام حفاظت واشاعت اسلام کا شروع کیا وہ خدا کے حکم سے کیا۔ ایک تو قرآن کا حکم **وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا** (52:25) یعنی قرآن کو ہاتھ میں لے کر اس کے ساتھ بہت بڑا جہاد کرو۔ دوسرے خود حضرت اقدس کو بھی وہی الہام ہوا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے بیعت رضوان کے متعلق ہوا تھا کہ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ** (10:48) کہ بے شک جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں وہ خدا کی بیعت کررہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس بیعت کی اہمیت کس قدر تھی۔ یہ بیعت ایک ایسے جان جوکھوں کے وقت لی گئی تھی۔ جب اسلام کے نیست و نابود ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا اور مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کفار کے نرغہ میں تھی۔ اس وقت صحابہؓ سے جاںنثاری اور ہر ایک قسم کی قربانی

کا اقرار لیا گیا تھا۔ اور اس بیعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی اہمیت دی کہ حضرت عثمان چونکہ موجود نہ تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ تا حضرت عثمانؓ اس بیعت سے محروم نہ رہ جائیں۔ اور آخر کار خدا کی وحی نے اس بیعت پر اپنی کمال رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اسی قسم کا نازک وقت آج پھر اسلام پر آتا ہے۔

اسلام پھر نرغہ میں ہے چاروں طرف سے اسلام پر حملے مذاہب باطلہ اور دہریت و مادہ پرستی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ایک خلیفہ رسول کو کھڑا کیا اور اس نے اسی قسم کی بیعت پھر مسلمانوں سے لینی چاہی۔ جیسا کہ الہام مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ اور اس نے اسی لئے اپنے نام غلام احمد سے بیعت نہیں لی بلکہ احمدی کے نام سے بیعت لی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے اور بوجہ فنا فی الرسول ہونے کے بروزی اور مجازی طور پر آپ کو اس نام سے پکارا گیا تھا تا کہ ظاہر ہو کہ اس بیعت کی اہمیت بھی اسی بیعت کے رنگ میں ہے جو حدیبیہ کی بیعت کو حاصل تھی۔ یہ بیعت اس قسم کی جانثاری اور قربانی کو چاہتی ہے جس کی حدیبیہ کے موقعہ پر ضرورت تھی۔ فرق یہ ہے اس وقت جان و مال دونوں کی قربانی کی ضرورت تھی۔ آج چونکہ دشمن تلوار سے حملہ نہیں کر رہا اور تحریر و دلائل سے حملہ کر رہا ہے۔ اس لئے مال اور دل و دماغ کے خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ پس جس طرح قربانی کی ضرورت اس وقت تھی اسی طرح قربانی کی ضرورت آج ہے۔ جس طرح اس وقت یہ بیعت اور قربانی تمام فرائض پر مقدم تھی اسی طرح آج یہ بیعت اور قربانی ہر فرض پر مقدم ہے۔ اور عین خدا کے حکم وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (72:8) ''کہ اللہ کے راستہ میں جہاد مال اور اپنی جانوں کے ساتھ کرو'' کے مطابق اسی جہاد کے لئے خدا نے اپنے مامور کو بھیجا۔

جہاد منسوخ نہیں ہوا: بدقسمتی سے ہمارے بعض دوستوں نے سمجھ لیا ہے کہ حضرت صاحب نے جہاد منسوخ یا ملتوی کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ حضرت صاحب نے تو یہ فرمایا تھا کہ چونکہ دشمن تلوار سے مذہب پر حملہ نہیں کر رہا اس لئے قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (190:2) کے ماتحت (کہ اللہ کے راستہ میں صرف انہی لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو یعنی ان لوگوں سے نہ لڑو جو تم سے نہیں لڑتے) ہم مجبور ہیں کہ ان سے تلوار سے نہ لڑیں اور ان سے اسی رنگ میں

مقابلہ کریں جس رنگ میں وہ حملہ کر رہے ہیں۔ یعنی دلائل و براہین سے۔ چنانچہ جب حضرت مولانا نور الدین نے بیعت کی تو حضرت اقدس سے دریافت فرمایا کہ آپ کے ہاں وظیفہ کیا ہے جو میں کیا کروں۔ فرمانے لگے جہاد۔ مولانا مرحوم حیران رہ گئے۔ عرض کیا کہ جہاد کس طرح کروں۔ فرمایا عیسائیوں کے خلاف کوئی کتاب لکھو۔ چنانچہ اسی ارشاد کے ماتحت مولانا نے ''فضل الخطاب'' کتاب لکھی۔ جس میں عیسائیوں کے اعتراضات کو رد کیا ہے۔ اس کے بعد حاضر ہوئے تو فرمایا اب آریوں کے خلاف کتاب لکھو۔ چنانچہ آپ نے پھر کتاب ''تصدیق براہین احمدیہ'' لکھی۔ غرضیکہ مامور من اللہ کی بعثت کا مقصد ہی جہاد ہے۔ اور جو کچھ حفاظت و اشاعت اسلام کے رنگ میں انجمن کام کر رہی ہے یہ سب جہاد ہے نفل نہیں۔ اگر نفل ہے اور فرض نہیں تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ مامور من اللہ کی بعثت ہی بے معنی ہے۔ ایک ایسے کام کے لئے، جس کا کرنا چنداں ضروری نہیں تھا، خدا کا ایک شخص کو کھڑا کرنا اور اس کی بعثت کے ساتھ مخالفت اور تکفیر کا طوفان اُٹھنا سب کچھ بے معنی اور لا حاصل تھا۔ اگر خدا تعالیٰ نے سچ مچ کسی مجدد کو مامور من اللہ بنا کر بھیجا ہے اور اس کی بعثت میں مشیت الٰہی کام کر رہی ہے تو پھر اس شخص کی بیعت میں داخل ہو کر عملی طور پر اس جہاد میں حصہ نہ لینا اسی طرح قابل مواخذہ ہے۔ جس طرح زمانہ نبویؐ میں یا بعد میں جہاد کے وقت مسلمانوں کا گھر میں بیٹھ رہنا گناہ کبیرہ تھا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا نام عملی منافق نہیں رکھا؟! کیا قرآن ان عملی منافقین کے حالات سے بھرا ہوا نہیں۔ کیا ان کا خاص طغراء امتیاز یہی نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر عملی طور پر جہاد میں حصہ لینے سے ہچکچاتے تھے۔ جاؤ۔ سورہ انفال اور سورہ التوبہ پڑھو اور غور کرو کیا جہاد کے وقت بیٹھ رہنے والے وعید کے نیچے نہیں ہیں؟ کیا تین صحابی، جو مختلف جہادوں میں جان نثاریاں کرتے رہے، صرف غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے مورد عتاب نہ ہوئے؟ کیا ان سے بائیکاٹ نہ ہوا۔ اور جب تک اُنہوں نے سچی توبہ نہ کی ان کا قصور معاف نہ ہوا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم قرآن پر غور کر کے اپنے آپ کو ان راہوں سے نہ بچائیں جن سے ایک مسلمان وعید کے نیچے آ جاتا ہے۔ اور ان راہوں کو اختیار نہ کریں جن سے ایک مسلمان خدا کی رضاء کو حاصل کر لیتا ہے۔ اسی وجہ سے خود حضرت مسیح موعود نے فرمایا تھا کہ جو شخص تین ماہ چندہ نہیں دیتا وہ میری جماعت سے نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے مرزا کو اس وقت لالچی سمجھا (نعوذ باللہ) لیکن حق یہ ہے کہ ایسا

سمجھنے والا پرلے درجہ کا احمق تھا۔ وجہ یہ کہ حضرت کی بعثت کا منشاء جہاد تھا۔ اور وہ جہاد انفاق فی سبیل اللہ کے رنگ میں یہی چندہ ہے۔ پس جو چندہ نہیں دیتا وہ اس جہاد میں عملی حصہ نہیں لیتا۔ اور مسیح موعود کی بعثت کو لایعنی سمجھتا ہے۔ پس کس طرح اسے جماعت کا ممبر کہا جاسکتا ہے! قرآن کریم نے تو ایسے لوگوں کو، جو روپیہ رکھتے ہوئے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے ہچکچاتے اور بہانے بناتے ہیں، بڑے سخت لفظوں میں یاد کیا ہے فرمایا **وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۔ فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۔ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ** (9:75-77) اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا سے عہد کرتے ہیں کہ اگر خدا ہمیں اپنے فضل یعنی مال و دولت سے حصہ دے تو ضرور خدا کے راستہ میں دیں گے۔ اور صالحین میں بن جائیں گے۔ پھر خدا نے اپنے فضل سے دیا تو بخل کرنے لگے اور پیٹھ پھیری اور اعراض کیا۔ پس اپنے وعدہ کے خلاف کرنے کی وجہ سے خدا نے ان کے دِلوں میں نفاق بطور نتیجہ پیدا کر دیا اس دن تک جب وہ خدا سے ملیں گے۔

ذرا اس آیت کو ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس وعید پر نظر دوڑائیں اور غور کریں کہ ہم جو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کئے ہوئے ہیں کہاں تک اس وعدے پر ٹھیک اُترے اور کہاں تک خدا کی راہ میں مال دے کر ہم اپنے عہد کو پورا کرنے والے ٹھہرے۔ میں مفتی نہیں ہر ایک بندہ کا معاملہ خدا سے الگ ہوتا ہے۔ اپنے معاملہ کو خدا سے صاف رکھو اور اس جوابدہی کو مدنظر رکھو جو خدا کے حضور میں ہمیں کرنی ہوگی۔ اور سنو **فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ خِلٰفَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوۡۤا اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَالُوۡا لَا تَنۡفِرُوۡا فِى الۡحَرِّ قُلۡ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوۡ كَانُوۡا يَفۡقَهُوۡنَ** (9:81) پیچھے رہ گئے ہوئے لوگ اللہ کے رسول کے خلاف پیچھے گھروں میں بیٹھ رہنے پر بہت خوش ہوئے اور انہیں ناپسند ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اور کہنے لگے کہ گرمی میں نہ نکلو۔ کہہ دے کہ جہنم کی آگ اس سے بہت زیادہ گرم ہے۔ کاش! کہ لوگ سمجھ سے کام لیتے ذرا غور کیجئے۔ ان کو کچھ عذر تھا کہ گرمی بہت ہے۔ ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ فرمایا اس کا نتیجہ جہنم ہے جو بہت زیادہ گرم ہے۔ وجہ خود بتلائی کہ جب خدا کے رسولؐ کو تمہارے جان اور مال کے

ساتھ جہاد کی ضرورت ہے تو پھر پیچھے بیٹھ رہنا کیا معنی! اب فرمائیے کہ جان کے جہاد سے بچنے کے لئے تو عذر گرمی کا ہوا مال کے جہاد کے بچنے سے سوائے اس کے کیا عذر ہوسکتا ہے کہ ہمارے اخراجات زیادہ ہیں۔ لیکن جو جواب وہاں ملا وہی جواب یہاں سمجھ لیجئے۔ اگر وہاں گرمی کی شدت کا عذر نہیں سنا گیا تو یہاں روپیہ نہ بچنے کا عذر کس طرح قابل قبول ہوسکتا ہے! بات اصل میں یہ ہے کہ قربانی تو اس امر کی متقاضی ہے کہ انسان کچھ دُکھ اور تکلیف اور نقصان اور خسارہ برداشت کرکے بھی اپنے فرض اور ڈیوٹی کو ادا کرے۔ جب تک انسان اپنے اوپر تکلیف نہ اُٹھائے اور اپنے نفس کی ضروریات کو پس پشت ڈال کر خدا کے دین کی خدمت کے لئے نکل کھڑا نہ ہوا اور اپنی مالی ضروریات کو ذبح کرکے خدا کے دین کے لئے مال خرچ نہ کرے، اس وقت تک اس کا نام قربانی نہیں رکھا جاسکتا۔ قربانی کہتے ہی ہیں ادائیگی فرض کے وقت اپنے مال یا جان پر کھیل جانے کو۔ ادائیگی فرض کے وقت منطق اور فلسفہ نہیں چلا کرتا۔ دشمن تلوار لئے سامنے ہو اور سپاہی منطق اور فلسفہ سے کام لے کر باتیں بناوے اور تلوار لے کر مقابل پر کھڑا نہ ہو، وہ سپاہی یقیناً ایک بزدل انسان ہے اور سپاہی کہلائے جانے کا مستحق نہیں۔ بلکہ محکمۂ جنگ اس قسم کے سپاہی کو گولی سے اُڑا دیتا ہے۔ سپاہی وہ ہے کہ قربانی کے وقت حکم کے ماتحت اپنی جان پر کھیل جائے۔ اسی طرح دینی ضرورتوں کے لئے جب مالی قربانی کا موقعہ ہو تو وہاں اگر کوئی منطق چھانٹنے لگے اور باتیں بناتا رہے اور اپنی قربانی کا ثبوت اپنے عمل سے نہ دے تو وہ خدا کے دین کا سپاہی ہرگز نہیں۔ منطق اور دلائل کا وقت ہوتا ہے جب اصول اور عقائد پر بحث ہو۔ لیکن ادائیگی فرض اور قربانی کے وقت منطق اور دلائل سے کام نہیں چلتا۔ وہاں خدا کا سپاہی وہی ہے جو مال اور جان کی قربانی کرکے اپنے ایمان اور اخلاص کا ثبوت اپنے عمل سے دے۔ آپ کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ یاد ہوگا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کہا میں رؤیا میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں۔ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ اللہ اللہ! بیٹے نے کیا پرازایمان جواب دیا۔ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَاتُؤْمَرُ (102:37) کہ اباجان جو حکم ہوتا ہے کر ڈالو۔ اس کا نام ہے قربانی۔ آج کے مسلمان ہوتے تو بیٹے صاحب باپ سے بڑی زبردست بحث کرتے اور کہتے کہ آپ کو تو دن رات مذہبی شغف کی وجہ سے ایسی ہی لایعنی خوابیں آتی رہتی ہیں۔ آپ بہتر ہوگا اپنے دماغ کے متعلق کسی ڈاکٹر سے مشورہ لیں۔ لیکن

حضرت اسماعیلؑ نے جو نمونہ قربانی کا دکھایا وہ بے نظیر ہے۔ ایمان اور اخلاص کی شان ہی یہی ہے کہ ادائیگی فرض کے وقت مومن باتیں نہ بنائے اور عذر معذرت نہ کرتا پھرے۔ بلکہ جان اور مال کی قربانی سے اپنے ایمان پر مہر لگا دے۔ چنانچہ قرآن نے انہی قربانیوں کو ایمان کا معیار ٹھہرایا ہے۔ سورہ الحدید پڑھو۔ فرماتا ہے اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡہِ (7:57) اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ جس کے تم وارث بنے ہو۔ ذرا کمال ملاحظہ ہو مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡہِ (7:57) فرما کر اشارہ کیا کہ مال تو ایسی چیز ہے کہ اگلے چھوڑ گئے تم اس کے وارث ہو گئے۔ تم چھوڑ جاؤ گے اور لوگ اس کے وارث بن جائیں گے۔ پس تمہارا وہی ہے جو تم خدا کے راستہ میں خرچ کر جاؤ اور اس طرح اپنے ایمان پر مہر لگا جاؤ۔ یہاں ایمان باللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔ مطلب یہ کہ خدا پر ایمان کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان اس کی راہ میں مال اور جان قربان کرنے میں دریغ نہ کرے۔ گویا اللہ پر ایمان کی عملی شکل انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ چنانچہ اس کے آگے فرماتا ہے فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَاَنۡفَقُوۡا لَھُمۡ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ (7:57) جو تم میں سے ایمان لائے اور خدا کے راستہ میں خرچ کرے اس کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ گویا اجر کے لئے ضروری ہے کہ ایمان لائے اور ایمان لا کر خدا کے راستہ میں خرچ بھی کرے۔ بغیر اس کے دعویٰ ایمان بیکار ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ انفاق فی سبیل اللہ درحقیقت ایمان کی عملی شکل کا ہی نام ہے۔ آگے پڑھو تو بات زیادہ صاف ہو جاتی ہے فرماتا ہے وَمَا لَکُمۡ لَا تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ لِتُؤۡمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ وَقَدۡ اَخَذَ مِیۡثَاقَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ (8:57) اور تمہیں کیا ہو گیا۔ جو تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ حالانکہ رسول تمہیں بلاتا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور بے شک خدا تم سے عہد لے چکا ہے۔ اگر تم مومن ہو۔ اب ذرا انصاف سے فرمائیے کہ مخاطب یہاں کافر تو نہیں بلکہ مومن ہیں جیسا کہ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ سے ظاہر ہے۔ پس یہاں رسول کی دعوت سے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے متعلق تھی۔ یہ تو مراد نہیں ہو سکتی کہ کافر سے مسلمان بن جاؤ کیونکہ یہ تو مومنوں کو خطاب ہے۔ غور کیجئے کہ مومنوں کو رسول جو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا تھا وہ کون سا ایمان تھا جس حالت میں کہ وہ اللہ اور رسول پر پہلے ہی ایمان رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ عملی ایمان تھا جس کو یہاں انفاق فی سبیل اللہ کے نام

سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا (7:57) فرما کر ایمان باللہ کو انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ لازم طور پر بیان کیا تھا۔ اور ایمان کا نتیجہ عملی انفاق فی سبیل اللہ کو قرار دیا تھا۔ اس آیت میں دونوں کو مترادف قرار دے کر بجائے اَنْفِقُوْا فرمانے کے لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فرمایا۔ اور جس عہد کا یہاں ذکر کیا ہے وہ بھی وہی عہد ہے جو اللہ تعالیٰ مومنوں سے لے چکا تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (111:9) کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے مال اور جان اس وعدے پر خرید لیئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے۔ اس عہد کی یاددہانی سے بات اور بھی صاف ہوگئی۔ مومنوں کو یاددلایا کہ جب رسول تمہیں عملی ایمان کی طرف بلاتا ہے تو اب اس ایمان کو عمل سے ثابت کرو۔ جس کے تم مدعی ہو اور اس عہد کو پورا کرو جو خدا سے کر چکے ہو۔ یعنی خدا کے راستہ میں مال خرچ کرو اور ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

پس ان آیات کی رو سے ایمان کی عملی شکل کا نام انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اور دونوں کو ایک دوسرے کا مترادف قرار دیا ہے۔ پس جو جس قدر قربانی اور انفاق فی سبیل اللہ کرتا ہے، اتنا ہی اس میں خدا پر ایمان بھی ہے۔ اور یہ معنے میرے نہیں بلکہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی معنے کئے ہیں۔ ان قرآنی احکام کے ماتحت جب آپؐ نے صحابہؓ کو انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا نصف مال لے آئے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا مال لے آئے تو آپؐ نے کیا ارشاد فرمایا یہی کہ ''عمر کا ایمان بھی ابوبکر سے آدھا ہے۔'' دوسرے لفظوں میں یہ کہ انفاق فی سبیل اللہ اور قربانی ایمان کے ناپنے کا پیمانہ ہے۔ جس کسی کے ایمان اور اخلاص کو ناپنا منظور ہو تو اس کا انفاق فی سبیل اللہ اور قربانی دیکھ لو۔ پتہ لگ جائے گا کتنا ایمان اس کے اندر ہے۔ گویا یہی قربانی اور انفاق فی سبیل اللہ ایمان کا معیار ہیں۔ اور سچ بھی یہی ہے۔ جتنا خدا پر ایمان ہوگا اتنا ہی اس کی راہ میں انسان قربانیاں کرنے کے لئے تیار ہوگا۔ جتنی کمزوری ایمان میں ہوگی اتنا ہی قربانی میں پس و پیش انسان کرے گا۔ ایک تاجر جس سودے میں جتنا زیادہ نفع تصور کرے گا اتنا ہی سرمایہ اس میں لگائے گا۔

ممکن ہے آپ کے دل میں وسوسہ گذرے کہ قرآن میں قُلِ الْعَفْوَ (219:2) بھی تو آیا ہے

کہ جتنا تم آسانی سے خرچ کرسکو۔ سواول تو وہ جہاد کے لئے نہیں اور اگر مان بھی لیا جائے تو جتنا ایمان جس میں زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی آسانی اسے مال اور جان قربان کرنے میں ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کو نصف مال دے دینے میں بھی آسانی معلوم ہوئی۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے لئے سارا مال دے دینے میں بھی آسانی ہی تھی۔ یاد رکھو جہاد ادائیگی فرض کا نام ہے۔ جب خدا کے دین کو ضرورت ہو جان کی۔ اس وقت کوئی یہ آیت پڑھنے لگ جائے کہ **وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ** (195:2) کہ اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور خدا کے دین کو ضرورت پڑے مال کی تو **قُلِ الْعَفْوَ** (219:2) کوئی پڑھنے لگ جائے کہ آسانی سے دینے کا حکم ہے۔ ہمیں تو ایک پیسہ بھی دینا مشکل ہوتا ہے۔ اور سچ بھی ہے بخیل کو تو ہزاروں روپے ہوتے ہوئے بھی ایک پیسہ دینا مشکل ہوتا ہے تو فرمایئے دنیا میں اس طرح کبھی جہاد فی سبیل اللہ ہوسکتا ہے۔ جہاد کے موقعہ کے تو احکام ہی الگ ہیں وہ ایک قربانی کو چاہتے ہیں اور قربانی نام ہے اپنے اوپر تکلیف اُٹھا کر اپنا نقصان کر کے خدا کے راستہ میں مال اور جان کو لگا دینا۔ جس چیز کی ضرورت نہیں اسے خدا کے راستہ میں دے دیں گو نیکی تو ضرور ہے مگر اسے قربانی نہیں کہا جاسکتا۔ قربانی بھی کہلائے گی جب ہمیں مال کی ضرورت ہے اور پھر اپنی ضرورت پر دین کی ضرورت کو ہم مقدم رکھیں تو ہمارا عہد بھی دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا سچا اور ہمارا ایمان کا دعوٰی بھی صحیح۔

پس خلاصہ اس سب تحریر کا یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے حفاظت واشاعت اسلام کے لئے مامور کیا اور آپ کے مشن کا کام ہے جہاد کرنا یعنی اپنی زندگی اور مال کو خدا کے دین کی حفاظت کے لئے لگا دینا۔ جو چندہ آپ کے مشن میں دیا جاتا ہے وہ جہاد فی سبیل اللہ کے ماتحت فرض ہے۔ اور فرض بھی وہ جو تمام فرضوں پر مقدم ہے کیونکہ جہاد تمام فرضوں پر سبقت رکھتا ہے اور ایسے جہاد میں جو قربانیاں کی جاتی ہیں۔ وہ درحقیقت ایمان اور اخلاص کے موازنہ کے لئے معیار ہیں۔ جس کے ذریعہ مومن کے ایمان کا اندازہ لگ جاتا ہے پس اپنے ایمان کو اس پیمانہ سے ناپو۔ اگر پورا اُترے تو اپنے نفس کو مبارک باد دو اور اگر پورا نہ اُترے تو عاقبت کی فکر کرو اور اپنے ایمان کے دعوٰی سے شرماؤ۔ جہاد ادائیگی فرض کا نام ہے۔ اس موقعہ پر منطق اور دلائل سے حیلے اور عذر تراشنے کی کوشش نہ کرو کہ یہ اللہ کے

ہاں مقبول نہیں ہیں۔فرض کی ادائیگی کے وقت ایک ہی چیز ہے جو رضائے الٰہی کو جذب کرتی ہے۔اور وہ ہے قربانی۔اپنی منطق اور دلائل کو عقائد اور اصول کی بحثوں کے لئے تہہ کر رکھو۔فرض کی ادائیگی قربانی کو چاہتی ہے اور بس اور قربانی اس بات کی مقتضی ہے کہ اپنے نفس کی تکلیف اور مال کے نقصان کی پروانہ کرتے ہوئے خدا کے دین کی خدمت کرنا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔علیٰ ہذا القیاس اشاعت اسلام کے لئے مستقل فنڈ کا چندہ کس قدر اہم ہے۔مقصود تو یہ ہے کہ اشاعت اسلام کا کام اپنے پاؤں پر مضبوط طریقہ پر کھڑا ہو جائے۔جس سے اس کے مٹنے کا اندیشہ نہ رہے۔انشاءاللہ تعالیٰ۔خدا کے دین کے لئے یہ کتنا بڑا جہاد ہے۔اس جہاد میں حصہ نہ لینا اور ٹال مٹول سے کام لینا کیا ہمیں مخلّفون میں سے تو نہیں بنا دیتا۔اور ہم قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا (81:9) کے وعید کے نیچے تو نہیں آ جاتے۔

میری جان! یہ نفلی چندہ نہیں ہے۔یہ مالی جہاد ہے۔جس میں حصہ نہ لینے والا سن لے هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْآ اَمْثَالَكُمْ (38:47) سنو جی تم کو بلایا جاتا ہے کہ اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرو مگر تم میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتے ہیں وہ اپنے نفس سے ہی بخل کرتے ہیں۔اور اللہ بے نیاز ہے اور تم اس کے محتاج ہو۔اور اگر تم اس حکم سے منہ پھیرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سوا دوسری قوم کو تمہاری جگہ بدل کر لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

3 مارچ 1931ء

خطاب بہ حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ

محمد مرتضیٰ خاں صاحب بی۔اے۔ مانگرول

بردرو بامت بہ بینم نورِ حق تا بدھے زانکہ تاباں عالمے از نور قرآں کردہٖ
درشبِ تاریک و تیرہ مشعلے افردختی مجلس اسلامیاں را مر چراغاں کردہٖ
ہاں دینِ منت تو ہندو پیں زنگ وفرنگ اسود و احمر ز لطفت زیرِ احسان کردہٖ
گلشن اسلام را وادی بہارِ تازہ خانۂ الحادِ کفر و شرک ویراں کردہٖ
از رموزِ معنوی کردی شناسا عالمے آشکارا در جہاں اسرارِ پنہاں کردہٖ
رشحِ کلکِ تو بہ بخشد چشمۂ آبِ حیات فیض را نازم کہ ارزاں آبِ حیواں کردہٖ
دولتِ دنیا چہ ارزد پیشت اے مردِ خدا چوں متاعِ جان ودِل ہم نذرِ جاناں کردہٖ
سیر گاہت گلشنِ علم وعمل صبح و مسا از حقائق و ز معارف گل بداماں کردہٖ
قربِ تو جوئیند شاہانِ زماں با صد نیاز زانکہ حاصل قربتے باشاہِ شاہاں کردہٖ
ہاں بعہدت شد علیٰ وجہ الاتم کسرِ صلیب داغ ناکامی نصیبِ قسیسیاں کردہٖ
کامیاب و کامراں گشتی علیٰ زعمِ عدو دشمنانت را اسیرِ یاس و حرماں کردہٖ
احمدیت را وجودت مایۂ صد افتخار قومِ احمد را بعالم فخرِ دوراں کردہٖ
تیرہ بختاں کجرواں قدرِ ترانشاہ ختند جان ودل را درغم شاں گر چہ بریاں کردہٖ

شعلۂ از آتشِ خود در دلم انداختی
ذرۂ ناچیز را مہرِ درخشاں کردہٖ

۞۞۞

3 مارچ 1931ء

حضرت امیر ایّدہ اللہ کی پُر درد اپیل پر جماعت سے اپیل

حضرت امیر ایدہ اللہ کی اپیل اور اس پر پانچ بڑے بڑے اعلیٰ اراکین انجمن کی طرف سے لبیک کہنا اور اپنی بقیہ زندگیوں کو خدا کے دین کے لئے اور اشاعت اسلام کے ان کاموں کے لئے، جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور شب در وز سرانجام دے رہی ہے، وقف کر دینا جماعت کے لئے مبارک ہو۔ اور اس کے لئے پھر مبارک ہو کہ خدا تعالیٰ مشکلات کے اندر وہ سامان پیدا کر رہا ہے کہ پست حوصلہ رکھنے والوں کے لئے تسلی کا موجب ہو اور خدا کے مامور کی صداقت کا بار بار عینی مشاہدہ ہو۔ اے وہ جماعت، جو ایک مامور کے ہاتھ سے کھڑی کی گئی ہے، تجھے معلوم ہے کہ تیرا نصب العین کیا رکھا گیا۔ اور تو کس کام کے لئے کھڑی کی گئی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کی نصرت اور مدد کے لئے تیرا وجود ظہور میں آیا۔ اور یہ وہ ذات پاک اور وہ دین ہے جس کو خدا نے اس وقت نصرت فرمائی جب دشمن مسلح ننگی تلواریں نکالے ہوئے سر پر کھڑے تھے۔ اور وہ خدا کا محبوب اور پیارا وہ دنیا کا لال اور غم کھانے والا بمعہ اپنے رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے، پہاڑ کے اندر ایک غار میں چھپے بیٹھے تھے اور اُس وقت ان کا کوئی بھی مددگار سوائے اس ذات کے نہ تھا جس کا راج واقعی زمین و آسمان پر ہے۔ اور جو واقعی سب پر غالب ہے۔ کیا بزور اور طاقتور اور دِلوں کو ہلا دینے والے وہ الفاظ ہیں جو اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ. اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ . اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ .** (9:38-40) لیکن کیا یہ واقعہ یہ ذکر صرف کہانی کی طرح ہی ہے۔ نہیں اور ہر گز نہیں۔ بلکہ یہ ہر زمانہ میں ہدایت اور عرفان کے لئے وہ جادو کے الفاظ ہیں کہ اگر ایک دل پر بھی ان کا حقیقی اثر

ہو جائے تو یقیناً اسی قسم کے نظارے اور عجائبات ہر زمانہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور اس قسم کی خدا کی راہ میں قربانیوں اور استقامتوں کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (40:9) خدا کی جناب سے ایک اطمینان ایک سکینت نازل ہوتی ہے اور خدا واقعی ایسے لشکروں سے ایسے انسانوں کی مدد فرماتا ہے جن کو یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دشمنوں اور کافروں کے ارادوں اور کوششوں کو خدا ناکام کرتا اور اپنی بات اور اپنے مددگاروں کو کامیاب اور بامراد فرماتا ہے۔

اے میرے محسنو! اور میرے بزرگوار! میری جماعت کے غم خوار! یہ وقت بھی واقعی دین اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اسی طرح کا وقت ہے جس طرح ابتداء اسلام میں اس کی نصرت کی ضرورت تھی۔ جس وقت صحابہؓ کی نہ تجارتیں باقی رہی تھیں، نہ گھر باقی رہے تھے، نہ وطن باقی رہے تھے۔ اور اُن کی ان قربانیوں اور ان بے خوف اور ان تھک کوششوں کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ خدا نے وہ بے نظیر کامیابی انہیں اپنی زندگیوں میں دکھا دی جس کے لئے تم ترستے ہو اور حیران ہوتے ہو کہ فلاں چیز بھی جھٹ پٹ ہو جائے اور فلاں نتیجہ بھی ہم فوراً دیکھ لیں۔ اگر جرأت انگیز نتیجے دیکھنے ہیں۔ اگر دِلوں کی راحت کے سامان حاصل کرنے ہیں۔ اگر خدا کے ان لشکروں کا اور اس کی اس خاص مدد کا ملاحظہ کرنا ہے تو صحابہ کرامؓ جیسی زندگی اختیار کرو۔ ہاں تو کسی کو بھی اس میں مایوس ہونے کی وجہ نہیں۔ چھوٹا ہو یا بڑا ۔ امیر ہو یا غریب۔ خدا کے دربار میں اور خدا کی جناب میں سب کے لئے دروازہ کھلا ہے اور اس کا ارشاد سب کے لئے یکساں ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (158:2) اس کی نگاہ میں اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (13:49) ہے۔ اور واقعات میں ہمارے سامنے اگر بڑے بڑے صحابہؓ اور بڑے بڑے نامی گرامی حضرات نظر آتے ہیں تو حضرت خالدؓ اور حضرت زبیرؓ بھی ایک سپاہی ہو کر اپنے زور بازو سے وہ وہ کارہائے نمایاں کر جاتے ہیں کہ آج ہمیں ان کی زندگیوں پر فخر ہے۔ میرا دل آج لذت سے بھرا ہوا ہے کہ کس کی خفیہ اور پُر درد دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ میرے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ علاوہ تقریروں وغیرہ کے قلمی طور پر ٹریکٹوں کے ذریعہ، جو کسی خاص نظام سے انجمن کی طرف سے شائع ہوں، سلسلہ، اس کے مددگاروں اور دیگر اہل اسلام اور

مخلوق کی کوئی خدمت کروں۔ کیا پاک ارادے اور پاک جذبات اور دل کی پاک تصویریں ہیں جو گذشتہ شمارے میں میرے مکرم محترم قبلہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے اپنے ایک عزیز کو خط لکھتے ہوئے قلمبند فرمائے ہیں۔ سو اے خادمان دین اسلام اور غیرت مندان ملت وحمیت اپنے جرنیل کی آواز پر غور کر اور جس قدر تیری زندگی کی گھڑیاں باقی ہیں انہیں ہمہ تن دین کی نصرت میں لگا دے۔ اور اس کے علاوہ انجمن کی کوئی خاص امداد کر کہ جس کے ساتھ وہ پیش از پیش خدمت اسلام کر سکے۔

ایک ضروری گذارش: جماعت کے جس بھائی کو کوئی راحت یا خوشی کا موقع آتا ہے میرا دل اس کے ساتھ اس کی راحت اور خوشی میں شامل ہونا بھی فخر کا موجب سمجھتا ہے۔ اگر کوئی بزرگ اور دوست اس تعلق کو عزت کی نگاہ سے دیکھے تو میرے لئے دعا کرے کہ میں ان کا اور ان کی قوم کا خادم ثابت ہوں اور اگر کوئی مجھے براہ راست یاد فرمانا چاہے تو انشاء اللہ تعالیٰ میں بھی اسے اپنے دینی سفروں کی دعاؤں میں ضرور یاد رکھوں گا۔ (خاکسار غلام محمد محصل وآڈیٹر انجمن)

۞۞۞

7مارچ1931ء

سلسلہ احمدیہ کی ترقی کیونکر ہو؟!

محترمہ بیگم صاحبہ حضرت مولانا محمد علی

قریباً ہر سال احمدیہ کانفرنس میں سلسلہ احمدیہ کی توسیع و استحکام پر غور و فکر کیا جاتا ہے۔اس سال تو خصوصیت سے برادران کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی تھی کہ وہ جماعت کی ترقی کے متعلق تجاویز پیش کریں۔ مجھے معلوم نہیں کہ کانفرنس میں کیا کیا تجاویز آئیں اور کیا فیصلہ اُن پر ہوا۔مگر کتنی بھی مفید اور اعلیٰ تجویز ہو، جب تک عمل نہ ہو، کسی فائدے کی توقع عبث ہے۔اور نہ قوم کو اُس سے کوئی نفع پہنچ سکتا ہے۔ہم نے عملاً کیا کیا؟ یہ ہر شخص اپنے مشاہدے سے اندازہ کرسکتا ہے۔ظاہر ہے کہ سلسلہ کی مزید ترقی موجودہ حالت کے جوش اور حرکت پر منحصر ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى (39:53) جب تک بیداری نہ ہو کسی تجویز کا بارور ہونا مشکل ہے۔جنہوں نے جماعت کی حالت پر غور کیا ہے اُنہوں نے محسوس کیا ہوگا کہ ہماری نئی پود میں وہ جوش اور تڑپ نہیں ہے جو حضرت مسیح موعود کے صحبت یافتہ اصحاب میں تھی یا ہے۔اُس وقت تنخواہ دار مبلغ نہ ہوتے تھے بلکہ ہر احمدی بجائے خود مبلغ تھا۔اور یہ حقیقت ہے کہ جس خاندان میں سے ایک فرد احمدی ہوا، اس نے تمام گھرانے کو اپنا ہم خیال بنالیا۔سچ ہے اُس وقت مخالفت زوروں پر تھی۔اس لئے مدافعت کی قوت بھی پوری طاقت پر موجزن تھی۔اب جبکہ دنیا نے اُن صحیح اسلامی اصولوں کے سامنے سر جھکا دیا جو کبھی صرف احمدیت سے مخصوص سمجھے جاتے تھے اور ہر سمجھدار مسلمان نے ہمارے کام کو قدر اور وقعت سے دیکھا تو فطرتاً ہم بھی مطمئن اور قدرے بےفکر ہو گئے۔ یہاں تک کہ اب خود اُس کام کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے جو ہمارا نصب العین ہے۔ یہ غلطی ہے کہ ہم اشاعت اسلام کی وسعت اور اہمیت میں محو ہو کر اپنے وجود سے لاپرواہ ہورہے ہیں۔حالانکہ جس نے اس عظیم الشان بوجھ کو اُٹھا رکھا ہے اور جو اس راہ میں تمام مسلمانوں کی راہبر ہے، اس کی طاقت اور سلامتی کی پہلے فکر چاہئے تھی۔یعنی جماعت احمدیہ کی ترقی ہی اشاعت اسلام میں کامیابی کی کلید ہے اور اس کلید کو تلاش کرنا ہر احمدی کا فرض ہے۔ دور کیوں جائیں۔ پہلے اپنے گھر پر نظر ڈالیں۔ ماں باپ، بیوی بچے، بہن بھائی، عزیز و اقارب سب مستحق توجہ ہیں۔جس کو خدا نے اس صدی کے مجدد کو پہچاننے کی توفیق دی

اور مسلمانوں کی مصیبت کا صحیح علاج جاننے کی سمجھ عطا کی ہے، اُس کا فرض ہے کہ وہ اپنے لواحقین کو بھی اُس سے محروم نہ رکھے۔ احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں ہے کہ مسلمان کا بچہ بھی مسلمان سمجھا جائے۔ بلکہ یہ تو ایک اقرار ہے جو ہر فرد و بشر کو خود کرنا چاہیئے۔ کس کا دل نہیں چاہتا کہ ان کی اولاد دین و دنیا کے حسنات کی وارث نہ بنے۔ مگر اپنی بھلائی کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں تو اس کا کیا علاج۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَلرَّجُلُ رَاعٍ فِیْ اَھْلِہٖ وَمُسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ یعنی مرد اپنے گھر کا حاکم ہے اور اس سے اپنی رعیت یعنی گھر والوں کے متعلق باز پُرس ہوگی۔ یہ قول کس قدر حکمت اور سچائی پر مبنی ہے۔ واقعی والدین، خصوصاً باپ اپنی اولاد کی تربیت کا ذمہ وار ہے بیوی کو ہم خیال بنانا بھی شوہر کا فرض ہے۔ اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ بچے پر ماں کا اثر نہایت گہرا ہوتا ہے۔ جب ماں ہی احمدیت سے بیگانہ ہوگی تو بچوں پر کسی نیک اثر کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر بیوی ہم مذاق نہ ہو، تو گھر میں کسی اصلاح کی تحریک بھی دشوار ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آتی ہیں کہ جس سے طبیعت کی طمانیت اور گھر کی راحت میں خلل پڑ جاتا ہے۔ بیوی کا عدم تعاون نہ صرف شوہر کی قوتِ عمل کو کمزور کر دیتا ہے بلکہ اولاد بھی اس سے متاثر ہو جاتی ہے۔ اور ہر ایک احمدی کی یہ دلی آرزو ہے، کہ اُس کی اولاد دنیوی رنگ میں بھی اس کی جانشین ہو، پوری نہیں ہوتی۔ خدارا! تبلیغ گھر سے شروع کیجئے اس وہم میں نہ رہیئے کہ جب ہم احمد ہیں تو ہماری بیوی بچے تو سب احمدی ہوئے۔ فرداً فرداً ہر ایک سے بیعت کرائیں اور کبھی کبھی نیک کلمہ اُن کے کانوں میں ڈالتے رہیے۔ آپ گھر میں اپنے بچوں میں بیٹھتے ہیں تو بیسیوں قسم کی گفتگو ہوتی ہے۔ کبھی سلسلے کے متعلق بھی ذکر کریں۔ ترغیب و تحریص دیں، حوصلہ دلائیں، احمدیہ لٹریچر کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائیں، پڑھ کر سنائیں اور اگر کوئی قومی تحریک ہو مثلاً جلسہ نماز جمعہ وغیرہ تو اپنی بیویوں کو ہمراہ لے جائیں۔ چندے کی تحریک ہو تو بچوں کے جیب خرچ میں سے دلوائیں، یہ معمولی باتیں ہیں مگر نتیجہ نہایت اہم ہے۔ ہماری جماعت میں عورتوں کی کم ہمتی اثر پذیر ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ خواندہ بہنیں اِدھر اُدھر کے رسائل و اخبارات پڑھتی ہیں۔ مگر اخبار پیغام صلح نہیں دیکھتیں۔ کبھی نظر پڑ گیا تو اُٹھا کر دیکھ لیا۔ ورنہ پرواہ تک نہیں میں اپنی بہنوں اور تعلیم یافتہ نوجوان بچیوں سے ملتی ہوں۔ تو اکثر یہ سوال کرتی ہوں کہ آپ پیغام صلح دیکھتی ہیں۔ تو عموماً مجھے نفی میں جواب ملتا ہے۔ وہی

جس کو خدا نے اپنے گھر کا حاکم بنایا وہ زمانہ گیا کہ جس طرف گھر کے مالک نے منہ کیا بیوی بچے بھی اُدھر چل پڑے۔ اب تو نرمی محبت، دلائل اور ہمت سے بات منوانے کا زمانہ ہے۔ یہ نفس پرستی ہے کہ عورت کو مرد کے آرام، آسائش اور گھر کے انتظام کی مشین سمجھ لیا جائے۔ خواہ اُس کی روح اندھیرے میں بھٹکتی پھرے۔ خدا کے لئے احمدیت کا بیج اپنے گھر میں بوئیے۔ اپنی سعی وکوشش کے پانی سے سینچیئے۔ تا کہ آپ کی اولاد بھی وہ پھل چکھے جو آپ نے حضرت مسیح موعود سے پایا ہے۔ جماعت کی ترقی سلسلے کی شان وشوکت اور آپ کی عزت وراحت کا یہ ایک ہی راز ہے۔ مقلب القلوب سے اِلتجاء ہے کہ آپ کے دِل میں اس بات کی اہمیت کا خیال ڈالے۔

احمدی بھائیوں سے اپیل: پیارے لاہوری احمدی بھائیو! السلام علیکم۔

آج میں آپ کی خدمت میں چند الفاظ لکھنے کی جرأت کرتا ہوں۔ مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی ایڈیٹر پیغام صلح نے چند دن ہوئے ہیں مجھے قیس تبلیغ کہہ کر اخبار کے کالموں میں مخاطب کیا ہے اوراس کا خاص شکریہ۔ اورآپ نے سچ لکھا ہے کہ ہم کبھی یہاں نچلے نہیں بیٹھے۔ یہ خطاب مجھے اس قدر مرغوب اور پسند ہے کہ مجھے نائٹ اوراس سے بھی اعلیٰ تر خطاب مل جائے تو اس کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہ ہوگی۔ اور میں اس خطاب کو عزیز رکھ کر ہمیشہ استعمال کیا کروں گا۔ میں مدراس میں نوجوان مشہور ہوں۔ اوراب تو سارے شہر میں نام سے زیادہ نوجوان ہی شہرت پا چکا ہے۔ اپنی ایک سوسائٹی ہے ''مسلم ویوس ایکسچینج'' اوراس کی تقاریر کے حلقۂ اثر کو وسیع کرنے کے لئے ایک پندرہ روزہ اخبار نوجوان میں نے نکلوایا۔ اس کا ایڈیٹر ایک نوجوان احمدی ہے محمد ناصرالدین۔ نہایت مخلص، نہایت نیک نیت اور نہایت متقی اور وہ محمد علی کا عاشق ہے۔ خاندان کرناٹک کا وظیفہ خوار ہے۔ تعلیم یافتہ ہے، اخبار کی ہر دلعزیزی نے اخبار کو پندرہ روزہ سے ہفتہ وار بنا دیا اور مطبع اپنا ہوگیا۔ پھر نوجوان ہفتہ وار سے اب روزانہ ہوگیا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اخبار کے چلانے والے کام کرنے والے لوگ ہیں۔ اخبار کے سارے خریدار چونکہ اب تک غیر احمدی رہے۔ اخبار میں پیغام صلح کے سارے خطبے مخصوص خیالات کے حصوں کو علیحدہ کر کے شائع ہوتے رہے۔ گویا یہ بات ناپسند بھی رہی۔ کیونکہ نوجوان کا اصل کام حق کے لئے اور صداقت کے لئے رواداری پیدا کرنا ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ انجمن کو ایک پریس، ایک

روزانہ اخبار اور ایک حلقہ اثر پیدا کرنے کے لئے کس قدر محنت درکار تھی۔ جب یہ باتیں خود بخود پیدا ہو گئی ہیں تو ان آلات سے فائدہ اُٹھانا کیا اُس کے لئے ضروری نہیں۔ اگر کم از کم سو احمدی بھائی ماہوار ایک روپیہ دے کر اس کے خریدار ہوں تو تبلیغ کے لئے ایک بڑا ذریعہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اور ہم ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار بھی یہاں نکال سکیں گے۔ مسلمانوں کا کوئی پرچہ یہاں انگریزی میں نہیں۔ گو یہاں کی زبان انگریزی ہے۔ اور یہ کام تو یقیناً ہم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ روزانہ اخبار نکال کر ہمیں خریداروں کے اشتہارات کا اندازہ ہو گیا ہے۔ اور خدا چاہے تو کیا عجب کہ جس طرح ہفتہ وار اخبار روزانہ ہوا، ہفتہ وار انگریزی بھی روزانہ ہو۔ اور جب احمدی ان کے ڈائرکٹ مالک ایڈیٹر ہوں تو کس قدر تقویت تبلیغ کے کام میں اس طرف ہو سکے گی۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ احمدی بھائی اس اپیل کو دیکھ کر جوق در جوق خریداری کے لئے خطوط بھیج دیں گے (خاکسار محمد عزیز اللہ۔ 2 فروری 1931ء)

جناب مسٹر لینچ کا اعلان اسلام: مسٹر آر۔ ای ڈاکٹر نے گذشتہ سال اسلام قبول کیا تھا۔ ان کا فوٹو رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کے جنوری 1930ء نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔ جناب ڈاکٹر موصوف نے مسٹر لینچ کو اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ مسٹر ڈاکٹر رقمطراز ہیں کہ "یہ نوجوان اس مذہب سے بیزار متنفر ہو چکے ہیں۔ جس کی بنیاد اساطیر الاولین پر ہے۔ انہیں کشمکش حیات میں ایک ایسی بنیان مرصوص کی ضرورت بھی تھی جس پر وہ اپنا قیام کر سکیں۔ اس جویاءِ حق کو یہ امور کلیسائی مذہب میں دکھائی نہ دیئے اس لئے اُنہوں نے آستانہ اسلام پر ناصیہ سائی کی۔

ذیل میں لینچ کا اعلان اسلام ہدیہ قارئین کرام کیا جاتا ہے۔ میں فریز لینچ کا بیٹا آرنسٹ لینچ اپنی رضا و رغبت سے صمیم قلب کے ساتھ اسلام قبول کرتا ہوں۔ میں ایک ہی خداء واحد کی عبادت کرتا ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے پیغمبر اور اس کے بندہ ہیں۔ میرے دل میں تمام انبیاء کرام حضرت ابراہیم، جناب موسیٰ، جناب عیسیٰ علیہ السلام کی مساویانہ عزت واحترام ہے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ ایک مخلص مسلم کی زندگی آئندہ بسر کروں گا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(خادم خواجہ عبد الغنی۔ 23 فروری)

۞ ۞ ۞

15 مارچ 1931ء

مکتوب امیر

مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

میں نے شروع جنوری میں آپ کے سامنے اپنا 1931ء کا پروگرام رکھتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ جو اُمور مسلمانوں کی تباہی کا موجب ہو رہے ہیں ان میں بالخصوص ہم اس سال کوشش کریں گے۔ اس سلسلہ میں پہلا ٹریکٹ اب شائع ہوتا ہے۔ جس کی تعداد پچاس ہزار ہے۔ اس ٹریکٹ کو نہ صرف پھیلا دینا مقصود ہے بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ اس کے مطابق مسلمانوں سے عہد لیا جائے۔ کیونکہ عہد سے انسان کے اندر ایک کام کرنے کے لئے قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس غرض کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہے جو اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ اس کام کو بھی اپنا فرض منصبی سمجھے۔ جو لوگ اس خدمت اسلام کے کام کو اپنے ذمہ لیں وہ حقیقتاً خدام اسلام ہیں۔

سب سے پہلے میں یہ چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے نوجوان اس کام کے لئے کھڑے ہو جائیں اور پھر وہ دوسروں کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کریں۔ اور جو احباب اس تحریک میں شامل ہوں وہ اپنے نام یہاں لکھوا دیں۔ تاکہ ابتداء میں جس جس تحریک کی ضرورت سمجھی جائے وہ ان کے ذریعہ سے کی جا سکے۔ ہر کام کرنے والے کو پہلے خود اس کے مطابق اقرار کرنا ہوگا۔ جو جو احباب اس کام میں حصہ لینا چاہیں وہ اطلاع دے کر حسبِ ضرورت ٹریکٹ منگوا لیں۔ پچاس ہزار کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اگر ہمارے احباب ہمت کریں اور فی پانچ سو ٹریکٹ ایک روپیہ انجمن کو بھیج دیں تو یہ ٹریکٹ کئی لاکھ کی تعداد میں آسانی سے شائع ہو کر ہر کہ و مہ کے ہاتھ تک پہنچ سکتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ہر جماعت کے احباب خود بھی اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیں گے اور ان کے تعلق اور واقفیت والوں میں اگر اور ایسے مسلمان دوست ہوں جو مسلمانوں کی عام بہتری کے لئے کچھ کام کرنا چاہتے ہوں تو انہیں بھی اس طرف متوجہ کریں گے اور اس تحریک میں شامل کریں گے۔ اس وقت کثرت سے کارکنوں کی ضرورت ہے۔ خاکسار محمد علی

مسلمان قوم پر جو پریشانی کی حالت اس وقت آئی ہوئی ہے، اسے ہر ایک مسلمان کا دل محسوس کر رہا ہے۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ بحیثیت قوم ہم میں کوئی قوت نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اپنی موجودہ حالت میں ہم قوم کہلانے کے مستحق نہیں۔ کیونکہ قوم کے معنے ہیں کھڑا ہونے کے یا اپنے معاملات کے متکفل ہونے کے یا اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کے۔ اور اس وقت ہم اپنے پیروں پر نہیں کھڑے، نہ اپنے حقوق کی خود حفاظت کر رہے ہیں بلکہ ہم دوسری قوموں کا سہارا تلاش کر رہے ہیں۔ اور جس راہ پر دوسرے ہمیں لے چلیں ادھر چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ دوسری جگہ دو دو تین تین ملکوں کو ملا کر بھی اس قدر تعداد نہیں بنتی۔ ہم سات کروڑ ہیں اور اپنے آپ کو ایک قوم کی حیثیت نہیں دیتے۔ اسی ہندوستان میں جو قومیں ہمارا بیسواں حصہ بمشکل ہیں وہ بھی ایک قوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور اپنی قلت کے باوجود اپنے حقوق کی حفاظت آپ کرتی ہیں بلکہ اپنے حقوق سے بہت بڑھ کر مطالبات پر اَڑی بیٹھی ہیں۔ اگر مسلمان بھی یہ عزم کر لیں کہ پنجاب میں ہم اپنی کثرت کو قلت یا مساوات میں تبدیل نہ ہونے دیں گے تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں جو ان کے حقوق ان سے چھین سکے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ نہ موجودہ گورنمنٹ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرے گی نہ کانگریس کی اکثریت ان کے حقوق کی حفاظت کرے گی۔ گورنمنٹ کو اپنی فکر ہے۔ اور وہ جس بات میں اپنے حقوق کا تحفظ سمجھتی ہے اسی بات کو اختیار کرتی ہے۔ اگر ایک طاقتور قوم کو خوش کر کے اور اپنے ساتھ ملا کر وہ اپنا بچاؤ کر سکتی ہے تو اس کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ایک کمزور قوم کے حقوق کی حفاظت کی خاطر طاقتور قوم سے بگاڑے! مسلمانوں نے ملازمتوں کے متعلق دیکھ لیا ہے کہ بڑی بڑی کھلی ناانصافیوں کے باوجود، جو ملازمتوں کے معاملہ میں ان کے ساتھ ہو رہی ہیں، گورنمنٹ ان کا بچاؤ نہیں کر سکتی۔ اگر دو چار مقابلہ کے امتحانوں میں دس بیس آسامیاں مل گئیں تو یہ کون سی بات ہے۔ جب مسلمانوں پر وہ دروازے بند ہیں جہاں ان کے ہزار ہا بیکار نوجوانوں کو روٹی مل سکتی ہے۔ کونسل میں نمائندگی کے متعلق بھی سائمن کمیشن یا گورنمنٹ نے مسلمانوں کے حقوق ان کو دلانے کی کوئی تجویز نہیں کی۔ اس لئے کہ مسلمان آپ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے پورا زور نہیں لگا رہے۔ کانگریس کا غالب عنصر بھی اس بات کے صریحاً خلاف ہے کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں ان کی اکثریت قانوناً قائم رکھی جائے۔ یہ

کام مسلمانوں کا اپنا ہے کہ وہ اپنی اکثریت کو قائم رکھیں۔ کانگریس کے ساتھ مل کر کام کریں یا الگ ہو کر کام کریں اپنی زندگی کی اس شرط کو تو مٹنے سے بچالیں کہ جہاں ہماری اکثریت ہے وہ اکثریت قانوناً قائم رکھی جائے اور اسے مساوات یا اقلیت میں تبدیل کرنے کی تمام کوششوں کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ خوب یاد رکھئے کہ جو مسلمان اس وقت پنجاب یا بنگال میں اقلیت یا مساوات پر راضی ہو جائے، خواہ اس کا نام قوم پرست رکھا گیا ہو یا سرکار پرست، وہ مسلمان قوم کے ساتھ غداری کا مرتکب ہے۔ یہ سوال ہماری اسلامی زندگی کی حیات و ممات کا سوال ہے۔ اور مسلمان ہو کر زندہ رہنا، مسلمان ہو کر ترقی کرنا، یہ ہمارے لئے سب دوسری باتوں پر مقدم ہے۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ سات کروڑ ہونے کے باوجود ہم اپنے ان حقوق کی حفاظت بھی نہیں کر رہے جن پر ہماری زندگی کا مدار ہے۔ اس کی وجہ ہماری قومی قوت کی بربادی ہے۔ قومی قوت دو باتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک قومی مال سے اور ایک قومی اتحاد سے۔ مگر جس قوم کے افراد کی حالت یہ ہوگئی ہو کہ افلاس کی گھٹائیں ان پر منڈلا رہی ہوں۔ جائدادیں ان کے ہاتھ سے نکل رہی ہوں۔ ان کی ساری کمائی اپنی نہیں بلکہ دوسری قوموں کی قوت کا موجب ہو رہی ہو۔ اس کا قومی مال کہاں سے آئے گا اور قومی قوت کے کام کس طرح سرانجام پائیں گے! جہاں ہر قوم قومی ترقی کے کاموں پر کروڑ ہا روپے سالانہ صرف کر رہی ہے، مسلمان بغیر روپے کے ویسے ہی کام اپنی ترقی کے لئے کس طرح کر سکیں گے؟ اس وقت پنجاب میں صرف مسلمان زمینداروں پر ایک ارب سے بہت زیادہ قرضہ ہے۔ اور مسلم پنجاب کا سارا قرضہ غالباً ڈیڑھ ارب سے کم نہ ہوگا۔ جس کا سود کم سے کم اٹھارہ کروڑ روپیہ ہوگا۔ بلکہ بنیوں کی شرح سود کے لحاظ سے پچیس اور تیس کروڑ کے درمیان ہوگا اور پنجاب کے ایک کروڑ چودہ لاکھ مسلمانوں کی کُل سالانہ آمدنی پچاس کروڑ سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اوسط آمدنی ہر ہندوستانی کی صرف پچاس روپے سالانہ ہے۔ اور مسلمانوں میں گداؤں کی، غرباء کی، مزدوری پیشہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تو ان کی اوسط آمدنی یقیناً چالیس روپے فی کس سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ اب جس قوم کی پچاس کروڑ آمد میں سے بیس یا پچیس کروڑ یعنی نصف صرف سود کی ادائیگی میں نکل جائے اور وہ سارے کا سارا سود دوسری قوموں کی جیب میں جا رہا ہے، اس کے پنپنے کا سامان کیا ہے؟ صرف یہی نہیں کہ

مسلمان اپنی آمدنی کے مالک آپ نہیں، صرف یہی نہیں کہ ہمارے زمینداروں کی کُل کی کُل کمائی ساہوکاروں کے گھر میں چلی جاتی ہے بلکہ ہماری شہری جائدادیں نصف سے زیادہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر ساہوکاروں کے ہاتھ میں جارہی ہیں اور اپنی نصف کمائی یوں اپنے ہاتھوں سے گنوا کر باقی نصف کا بھی کوئی سامان اپنے ہاتھ میں رکھنے کا نہیں۔ کیونکہ جو کچھ ہم کماتے ہیں وہ ہمیں ضروریات زندگی پر صرف کرنا ہوتا ہے۔جیسی بُری بھلی وہ پوری کرسکیں مگر ضروریات زندگی ہم کہاں سے لیتے ہیں۔ وہ بھی قریباً کل کی کل دوسری قوموں سے لیتے ہیں۔ کیونکہ تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔تو اس کا صاف صاف مطلب کیا ہوا کہ جو کچھ ہم کماتے ہیں، اس کے مالک دوسرے لوگ ہیں، یا یوں کہیئے کہ ہماری حیثیت اس ملک میں محض غلام کی ہے۔ کیونکہ غلام کی کمائی اپنی نہیں ہوتی۔اس کے آقا کی ہوتی ہے۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے فلک شگاف نعروں پر ہی خوش ہوتے رہیں گے تو واقعات کی منطق کچھ نتائج ہماری آنکھوں کے سامنے لا چکی ہے اور کچھ کل کو لے آئے گی۔

اگر مالی لحاظ سے جو ہماری قومی قوت کا بیرونی سامان ہے، ہماری یہ غلامی کی حالت ہے تو کیا قومی قوت کا اندرونی سامان کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے؟! یعنی کچھ اتحاد ہمارے اندر ہے؟ نہیں۔ بلکہ اس اندرونی سامان کو، جو بیرونی سامان کے نہ ہوتے ہوئے بھی ہمیں زندہ رکھ سکتا تھا، ہمارے علماء نے مسلمانوں کی تکفیر کا ہتھیار چلا کر برباد کر رکھا ہے۔اور ایک دوسرے کو یہاں تک کافر بنایا گیا ہے کہ اگر آج وہ مسلمان تلاش کرنا چاہیں، جس کو کسی دوسرے مسلمان نے کافر نہ کہا ہو، تو شاید ساری دنیا میں نہ مل سکے۔ اپنی کمائی تو اپنے ہاتھوں سے یوں دے چکے ہیں۔ اور اب ایک دوسرے کی دشمنی اور بدخواہی سے اور بھی ایک دوسرے کو نیچے گرانے کی کوشش میں ہیں۔ جب ہم خود ہی ایک دوسرے کو نیچے گرانے کی کوشش میں ہوں گے تو دوسرے کو ہماری بربادی کے لئے بہت قوت خرچ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا محض ایک اشارہ یا تھوڑا سا ہاتھ ہلا دینا بھی کافی ہوگا۔ بلکہ جس طرح پہلے مسلمانوں نے جہاں حکومت کھوئی یا مٹ گئے وہ باہمی تفرقہ سے ہی ہوا، اس طرح اب بھی ہماری قوم کو ہم مسلمانوں کے ہاتھوں سے برباد کرنے کا کام لیا جا رہا ہے۔ اور ہم نہیں سمجھتے کہ ہم اسی شاخ کو کاٹ رہے ہیں جس پر خود بیٹھے ہیں!

ہماری یہ حالت ہے خدا اور اس کے رسولؐ کے کھلے احکام کو چھوڑ کر۔ اللہ تعالیٰ نے مال کو ہمارے لئے زندگی کا موجب بتایا تھا اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (5:4) ہم نے اپنے اس قومی خون کو خود بہایا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قرضہ کے غلبہ سے ڈرایا۔ اور دعا سکھائی تھی اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ خدا میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ قرضہ ہم پر غالب آجائے اور دوسرے لوگ ہم پر مسلط ہو جائیں۔ آپ نے مقروض کا جنازہ پڑھنے سے انکار کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ سود دینا سود لینے کی طرح حرام ہے۔ آپ نے ہمیں تعلیم دی تھی کہ اسراف سے بچنا خدا کے راستبازوں کی صفت ہے۔ اور اسراف کیا ہے یہ کہ اپنی آمدنی سے زیادہ اپنا خرچ رکھا جائے یا مصیبت کے وقت کے لئے کچھ بچا کر نہ رکھا جائے۔ اور جو کچھ ملے ساتھ کا ساتھ تباہ کر دیا جائے۔ آپؐ نے نمونہ سے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (21:33) ہمیں یہ سکھایا تھا کہ سادہ زندگی بسر کرو، سادہ غذا ہو، سادہ لباس ہو، سامان عیش کو بڑھانے کی حرص سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔ آپ نے رسم ورواج پر مال تباہ کرنے سے یہ کہہ کر ڈرایا تھا کہ یہ ریا کاری کی باتیں ہیں جو مسلمان کے اندر نہ ہونی چاہئیں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِیْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (264:2) آپ نے اتحاد کی تعلیم پر اس قدر زور دیا کہ قرآن شریف میں اسلام کی نشانی محض السلام علیکم کہنا ہے اور جو شخص ہمیں السلام علیکم کہے۔ اسے کافر کہنے سے منع کیا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا کہ جس طرح مسلمان بھائی کا خون کرنا اور اس کا مال لینا جائز نہیں اسی طرح اس کی عزت پر حملہ کرنا بھی جائز نہیں۔ آپ نے فرمایا جو شخص کلمہ کا قائل ہو اس کو کافر کہنے والا خود کفر کے قریب ہو جاتا ہے مَنْ كَفَرَ اَهْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَهُوَ اِلَى الْكُفْرِ اَقْرَب. آپ نے فرمایا تھا کہ کسی اہل قبلہ کو کافر نہ کہو لَا تَكْفُرْ اَهْلَ قِبْلَتِكَ آپ نے فرمایا تھا دس میں سے نو حصہ رزق تجارت میں ہے۔ مگر ہم کیا کر رہے ہیں۔ ہم اُٹھتے ہیں اور نادانی سے یا چند پیسوں کے لئے یا ایک

جھوٹے خطاب عزت کے لئے یا چند گز زمین کے لئے اپنی قوم کو اور اپنے دین کو بیچ دیتے ہیں۔ ہم کلمہ پڑھنے والوں، ایک خدا کے ماننے والوں، محمد رسول اللہ پر ایمان لانے والوں، قرآن کریم کی پیروی کرنے والوں کو کافر کہہ رہے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ ہم خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کی کھلی خلاف ورزی بھی کر رہے ہیں۔ اور اپنی قوم کو بھی تباہ کر رہے ہیں۔ ہم دس دس بیس بیس روپے قرض لے کر ہزار ہا روپیہ سود کا ادا کرتے چلے جاتے ہیں اور اس مال کو، جو ہماری اولاد کی بہتری پر صرف ہونا چاہئے تھا، یوں تباہ کر کے اپنی اولاد کو مفلس اور دوسروں کے دروازے پر دھکے کھاتے چھوڑ جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے اپنی اولاد کے ختنے، منگنی اور بیاہ کرنے کے لئے پورا زور لگاتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو برباد کر کے خوش ہوتے ہیں۔ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (16:57) کیا اپنی اس ہلاکت اور بربادی کے کھلے نشانوں کو دیکھ کر بھی ہم پر وہ وقت نہیں آیا کہ ہمارے دل خدا کے اور اس کے کلام کے آگے جھک جائیں۔ اگر وقت آ گیا ہے تو ہر ایک مسلمان اُٹھے اور آج یہ اقرار کرے اور دیکھ لے کہ بیس سال کے عرصہ میں قوم کس طرح ان تمام ذلتوں سے نکل کر کامیابی کی منزل مقصود پر پہنچ جاتی ہے اور جو کام دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔ اور جو قرضہ دنیا کا کوئی بنک ادا نہیں کر سکتا وہ کس طرح ادا ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ اقرار کر لے:

اول۔ میں اسلام اور مسلمانوں کے فائدے کو دوسرے تمام فوائد پر مقدم کروں گا۔

دوم۔ میں کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہوں گا اور جہاں تک میری طاقت ہوگی بلا لحاظ فرقہ ہر مسلمان کی اعانت اور ہمدردی کروں گا۔

سوم۔ میں حتیٰ الوسع اپنے اخراجات کو اپنی آمدنی کے اندر رکھنے کی کوشش کروں گا۔

چہارم۔ میں مسلمانوں میں تجارت کو فروغ دینے کے لئے پوری کوشش کروں گا اور جہاں تک ممکن ہوگا اپنی ضروریات کو اپنے مسلمان بھائیوں سے خرید کروں گا۔ یا ان کے ذریعہ سے پورا کروں گا۔

پنجم۔ میں پیدائش یا ختنہ یا منگنی یا بیاہ یا موت کی کسی رسم کے ادا کرنے کے لئے یا شادی پر کسی خرچ کے لئے کوئی قرضہ سود پر نہ لوں گا۔ اور نہ کوئی جائداد اس غرض کے لئے رہن یا فروخت کروں گا۔ خاکسار محمد علی۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور، 12 مارچ 1931ء

ایک ضروری حوالہ: پیغام صلح کے ماہوار ایڈیشن مورخہ 3 مارچ 1931ء میں حضرت امیر کے مضمون میں صفحہ نمبر 15 کالم 2 و 3 پر حضرت صاحب کی مندرجہ ذیل تحریر نقل کی گئی ہے۔ جس کا حوالہ غلطی سے رہ گیا۔ بہت سے احباب نے خطوط کے ذریعہ استفسار کیا ہے۔ ان سب کی اطلاع کے لئے عرض کیا جاتا ہے کہ یہ ازالہ اوہام صفحہ 588 سے نقل کی گئی ہے۔ ماہوار ایڈیشن میں یہ تحریر صفحہ 15 کے دوسرے کالم کی آخری سطر سے شروع ہو کر تیسرے کالم کے آخر پر ختم ہوتی ہے۔ احباب کو استفسار کی جو زحمت ہوئی۔ اس کے لئے ہم معافی کے خواستگار ہیں۔ ایڈیٹر

''واضح ہو کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم بھی اسی کام کے لئے آئے تھے اور اس زمانہ میں آئے تھے جب کہ یہودیوں کے مسلمانوں کی طرح بہت فرقے ہو گئے تھے۔ سو آنحضرت صلعم نے اس اُمت کو بشارت دی تھی کہ آخری زمانہ میں تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔ بہت سے فرقے تم میں نکل آئیں گے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کو یہودیوں کی طرح کافر سمجھے گا اور اگر ننانوے وجوہ اسلام کی موجود ہوں تو صرف ایک وجہ کو کفر کی وجہ سمجھ کر کافر ٹھہرایا جائے گا سوا سی تکفیر کی وجہ سے سخت نفرت اور بغض اور عداوت باہم پیدا ہو جائے گی اور بوجہ اختلاف رائے کے کینہ اور حسد اور درندوں کی سی خصلتیں پھیل جائیں گی اور وہ اسلامی خصلت جو ایک وجود کی طرح کامل اتحاد کو چاہتی ہے اور محبت اور ہمدردی باہمی سے پر ہوتی ہے بکلّی تم میں سے دور ہو جائے گی اور ایک دوسرے کو ایسا اجنبی سمجھ لے گا کہ جس سے مذہبی رشتہ کا بکلّی تعلق ٹوٹ جائے گا اور ایک گروہ دوسرے کو کافر بنانے میں کوشش کرے گا جیسا کہ مسیح ابن مریم کی بعثت کے وقت یہی حال یہود کا ہو رہا تھا اور اس اندرونی تفرقہ اور بغض اور حسد اور عداوت کی وجہ سے دوسری قوموں کی نظر میں نہایت درجہ کے حقیر اور ذلیل اور

کمزور ہو جائیں گے اور اس معکوس ترقی کی وجہ سے جو اندرونی جھگڑوں کی طفیل سے کمال کو پہنچے گی فنا کے قریب ہو جائیں گے اور کیڑوں کی طرح ایک دوسرے کے کھا جانے کا قصد کریں گے اور بیرونی حملوں کو اپنے اوپر وارد ہونے کا موقع دیں گے جیسا کہ اس زمانہ میں یہودیوں کے ساتھ ہوا جو اندرونی نفاقوں کی وجہ سے ان کی ریاست بھی گئی اور قیصر کے تحت میں غلاموں کی طرح بسر کرنے لگے سو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کی معرفت فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایسا ہی تمہارا حال ہوگا۔ تمہاری مذہبی عداوتیں اپنے ہی بھائیوں سے انتہاء تک پہنچ جائیں گی۔ بغض اور حسد اور کینہ سے بھر جاؤ گے۔ اس شامت سے نہ تمہاری دنیا کی حالت اچھی رہے گی نہ دین کی نہ انسانی اخلاق کی۔ نہ خدا ترسی باقی رہے گی نہ حق شناسی۔ اور پورے وحشی اور ظالم ہو جاؤ گے۔ اور وہ علم جو دِلوں پر نیک اثر ڈالتا ہے تم میں باقی نہیں رہے گا......سو ان مما لک مشرقیہ میں سے ملک ہند جب زیادہ تر محل کفر اور فتن اور نفاق اور بغض اور کینہ ہو گیا ہے ایسا ہی وہ زیادہ تر اس بات کے لائق تھا کہ مسیح بھی اسی ملک میں ظہور کرے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے کھلے طور پر اپنی امت کے حق میں فرما دیا تھا کہ تم آخری زمانہ میں بکلی یہودیوں کے قدم پر قدم رکھ کر یہودی بن جاؤ گے......تب اس یہودیت کی بیخ کنی کے لئے مسیح ابن مریم نازل ہوگا یعنی مامور ہو کر آئے گا۔''

❁ ❁ ❁

23 اپریل 1931ء

حضرت امیر کے قلم سے

ایک نیا فتنہ

1919ء میں خاں محمد سلیم خاں کی استدعا پر میں نے ایک مختصر سا رسالہ لکھا تھا جس کے تمہیدی الفاظ میں یہاں نقل کرتا ہوں:

''ایام جلسہ میں آپ نے مجھ سے مولوی عبداللہ صاحب تیماپوری کے متعلق دریافت کیا تھا کہ میں ان کی کتابوں کو پڑھ کر آپ کو ان کے متعلق اپنی رائے سے اطلاع دوں۔ مولوی عبداللہ صاحب کا دعوٰی مامور من اللہ ہونے کا ہے۔ اور اس وقت چند اور افراد سلسلہ نے بھی اسی قسم کا دعوٰی ماموریت کا کیا ہے۔ اس لئے میں نے جہاں مولوی عبداللہ صاحب کی کتابوں کو پڑھا، ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ دراصل ماموریت کے سب دعاوی ایک ہی ذیل میں آتے ہیں، اس لئے بحیثیت مجموعی میں نے ان سب کے متعلق، جن کو ایسا دعوٰی ہو یا جو آئندہ ایسے دعوٰی کرنے والے ہوں، کچھ لکھ دینا ضروری سمجھا۔ میں نے اس طرف آج تک زیادہ توجہ نہیں کی۔ اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ ہماری طاقت انہی خانگی جھگڑوں پر صرف ہو کر ہم اصل کام سے نہ رہ جائیں۔''

جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے مجھے اس وقت ہی یہ اندیشہ تھا کہ ماموریت کے دعوٰی کرنے والے ابھی اور بھی ہوں گے۔ فی الحقیقت یہ ہماری جماعت کی ایک بیماری ہے کہ وہ اپنی خوابوں یا خیالات پر بڑی بڑی عمارتوں کی بنیاد رکھ دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں عبدالحکیم خاں نے ایک ایسا فتنہ کھڑا کیا اور سلسلہ کو تباہ کر دینے کی بڑی بڑی دھمکیاں دیں۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب کے سامنے بھی کئی ایسے مدعی پیدا ہوئے جو مصلح موعود اور مامور ہونے کا دعوٰی کرتے تھے۔

اسی قسم کے بلند آہنگ دعاوی کے اعلانات آج کل انجمن کے ایک سابق ملازم شیخ غلام محمد کی طرف سے آرہے ہیں جو اپنے آپ کو مصلح موعود، قدرت ثانی امام زمان مامور اور خدا جانے کیا کیا گمان

کر بیٹھے ہیں اور ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ بہت جلد انجمن کو توڑ دیں گے مگر ان کے دعاوی میں جو سب سے عجیب بات ہے جو وہ ان کا دَآبَۃُ الْاَرْضِ ہونے کا دعویٰ ہے۔ دَآبَۃُ الْاَرْضِ کے لفظی معنے ہیں زمینی جانور اور اس کے مفہوم میں بہت سا اختلاف بھی ہے۔ حضرت مسیح موعود نے نزول المسیح میں اس سے مراد طاعونی کیڑے کو لیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ کو کشف میں یہ جانور دکھایا گیا اور ''دل میں یہ ڈالا گیا کہ یہ طاعون کا کیڑا ہے۔'' صفحہ 39 اور تحفہ گولڑویہ میں لکھا ہے:

> ''دابتہ الارض سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی زبانوں پر خدا ہے اور دل بھی عقلی طور پر اس کے ماننے سے خوش ہوتے ہیں لیکن آسمان کی روح ان کے اندر نہیں محض دنیا کے کیڑے ہیں۔ وہ روح کے بلائے نہیں بولتے بلکہ کورانہ تقلید یا نفسانی اغراض ان کی زبان کھولتے ہیں۔ خدا نے دابتہ الارض ان کا نام اسی وجہ سے رکھا ہے کہ کوئی آسمانی مناسبت ان کے اندر نہیں۔'' (صفحہ 109و110)

اور حمامۃ البُشریٰ میں مختلف احادیث کو نقل کر کے اور یہ دکھا کر، کہ ان میں تطبیق ناممکن ہے، تحریر فرمایا ہے:

> ''ان (احادیث) کے درمیان تطبیق ممکن نہیں سوائے اس کے کہ ہم یہ کہیں کہ دابتہ الارض سے مراد علمائے سوٴر ہیں جو اپنے قول سے تو یہ گواہی دیتے ہیں کہ رسول حق ہے اور قرآن حق ہے پھر ناپاک کام کرتے ہیں اور دجال کی خدمت کرتے ہیں گویا ان کے وجود کے دو جزو ہیں۔ ایک جز اسلام کے ساتھ ہے اور ایک جز کفر کے ساتھ ہے ان کی باتیں مومنوں کی باتوں کی طرح ہیں اور ان کے کام کافروں کے کاموں کی طرح ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے خبر دی کہ وہ آخری زمانہ میں بہت ہوں گے اور ان کا نام دابتہ الارض اس لئے رکھا گیا کہ وہ زمین کی طرف جھک گئے اور انہوں نے چاہا کہ آسمان کی طرف اُٹھیں اور دنیا اور اس کی خواہشات پر مطمئن ہو گئے۔ اور ان کے دل انسان کے دل کی طرح نہ رہے اور ان میں درندوں اور سوٴروں اور کُتوں کی سی خصلتیں جمع ہو گئیں'' (ترجمہ از صفحہ 86)

اور ازالہ اوہام میں تحریر فرمایا ہے:

''لیکن دابتہ الارض کے ساتھ زمین کی غلاظتیں ہوتی ہیں اور نیز وہ انسان کی پوری شکل نہیں رکھتی بلکہ اس کے بعض اجزاءمسخ شدہ بھی ہوتے ہیں۔'' (صفحہ 869)

بہر حال خواہ یہ دعاوی دماغی اختلال کا نتیجہ ہوں یا عمداً یہ راہ اختیار کی گئی ہو، میں اتنا اپنے احباب کو بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض لوگوں نے مامور ہونے کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے۔ حالانکہ یہ بڑا بلند مقام ہے۔ بڑے بڑے اولیاء، بڑے بڑے مجاہدین، بڑے بڑے خدام دین، بڑے بڑے علماء سے بھی آگے یہ مقام ہے۔ مگر ''ہرچہ گیرد علتی علت شود'' والا معاملہ ہے۔ ایک شخص رات کو اچھا بھلا سوتا ہے اور صبح اُٹھ کر مامور بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور پھر ساری دنیا کی اصلاح کا مدعی بن بیٹھتا ہے۔ جن لوگوں کو نماز باجماعت تک ادا کرنے کی توفیق نہ ملتی ہو، جن کو یہ خبر نہ ہو کہ دین اسلام کو آج کیا مقابلہ درپیش ہے، جن کا علم دین شدبود سے آگے نہ ہو، وہ اُٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پر چودہ طبق روشن ہو گئے! یہ لوگ دین اسلام کی، حضرت مسیح موعود کی اور عقلِ انسانی کی بھی ہتک کرتے ہیں۔ کیا حضرت مسیح موعود اسی طرح مامور بنے تھے؟ کیا مامور ہونے سے پندرہ بیس سال پیشتر آپ میدان مذہب کے اکیلے پہلوان نہ تھے؟ اور کیا آپ کی شہرت اس حیثیت میں ہندوستان کے کناروں تک نہ پہنچ چکی تھی؟ کیا آپ کے زہد وتقویٰ کے سب لوگ قائل نہ تھے؟ کیا آپ کے علم وفضل کے سامنے گردنیں نہ جھکتی تھیں۔ کیا آپ کا مستجاب الدعوات ہونا اظہر من الشّمس نہ ہو چکا تھا؟ کیا آپ کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کی گواہی غیر لوگ نہ دے چکے تھے؟ یہ سب کچھ ہوا تب آپ کو مامور کہا گیا۔ مگر بعض احمقوں کا خیال ہے کہ پہلے انسان مامور بن جاتا ہے اور پھر یہ چیزیں اس کو حاصل ہوتی ہیں۔ یہ دین کے ساتھ ہنسی اور کھیل ہے اور آج جب دین اسلام غیروں کی طرف سے بھی اس قدر دُکھ اُٹھا رہا ہے اس کے پیروؤں کی اس طرح کی حرکات اور اسے بدنام کر رہی ہیں۔

جیسا کہ میں نے ذکر کیا میں نے 1919ء میں محمد سلیم خاں صاحب کی تحریک پر وہ رسالہ لکھا جس کا نام ''شناخت مامورین'' ہے آج ان نئے حالات میں وہی رسالہ کام دے سکتا ہے۔ جو احباب چاہیں اسے منگوا کر پڑھیں۔ یہاں میں اس میں سے صرف چند اقتباس دیتا ہوں اور حضرت مسیح موعود

نے خود ایسے مدعیوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کی طرف اپنے احباب کو توجہ دلاتا ہوں۔ ذیل کی عبارت اسی رسالہ شناخت مامورین میں سے ہے۔

اپنی جماعت میں جب حضرت مسیح موعود نے کثرت خواب بینی اور الہام کو دیکھا تو ایک سچے حکیم کی طرح، جس کا فرض یہ ہوتا ہے کہ کسی قوت کو حد اعتدال سے بڑھنے نہ دے، اس بارہ میں جو خطرات واقع ہو سکتے تھے، ان سے اپنی جماعت کو متنبہ کیا اور اس غرض کے لئے کتاب ''حقیقۃ الوحی'' لکھی۔ اس لئے میں اس مختصر مضمون کو کتاب ''حقیقۃ الوحی'' کی تمہید سے ہی شروع کرتا ہوں:

''مجھے اس رسالہ کے لکھنے کے لئے یہ ضرورت پیش آئی ہے کہ زمانہ میں جس طرح اور صدہا طرح کے فتنے اور بدعتیں پیدا ہوگئی ہیں اسی طرح یہ بھی ایک بزرگ فتنہ پیدا ہوگیا ہے کہ اکثر لوگ اس بات سے بے خبر ہیں کہ کس درجہ اور کس حالت میں کوئی خواب یا الہام قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔ اور کن حالتوں میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ شیطان کا کلام ہو نہ خدا کا۔ اور حدیث النفس ہو نہ حدیث الرب۔ ممکن ہے کہ ایک خواب سچی بھی ہو۔ اور پھر بھی شیطان کی طرف سے ہو اور ممکن ہے کہ ایک الہام سچا ہو اور پھر بھی وہ شیطان کی طرف سے ہو۔ کیونکہ اگرچہ شیطان بڑا جھوٹا ہے لیکن کبھی سچی بات بتلا کر دھوکا دیتا ہے تا ایمان چھین لے۔ ہاں وہ لوگ جو اپنے صدق اور وفا اور عشق الٰہی میں کمال کے درجے پر پہنچ جاتے ہیں۔ ان پر شیطان تسلط نہیں پا سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ (42:15۔مرتب) سو ان کی یہ نشانی ہے کہ خدا کے فضل کی بارشیں ان پر ہوتی ہیں۔ اور خدا کی قبولیت کی ہزاروں علامتیں اور نمونے ان میں پائے جاتے ہیں۔ جیسا ہم اس رسالہ میں انشاءاللہ درج کریں گے۔ لیکن افسوس کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ ابھی شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہیں۔ مگر پھر بھی اپنی خوابوں اور الہاموں پر بھروسہ کر کے ناراست اعتقادوں اور ناپاک مذہبوں کو ان خوابوں اور الہاموں سے فروغ دینا چاہتے ہیں۔ بلکہ بطور شہادت ایسی خوابوں اور الہاموں کو پیش کرتے ہیں اور بعض ایسے بھی

ہیں کہ چند خوابیں یا الہام اُن کے، جو اُن کے نزدیک سچے ہو گئے ہیں، ان کی بنا پر اپنے تئیں اماموں یا پیشواؤں یا رسولوں کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ خرابیاں ہیں جو اس ملک میں سخت بڑھ گئی ہیں۔ اور ایسے لوگوں میں بجائے دینداری اور راستبازی کے بیجا تکبر اور غرور پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ حق اور باطل میں فرق پیدا کرنے کے لئے یہ رسالہ لکھوں۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ بعض کم فہم لوگ ایسے لوگوں کی وجہ سے ابتلاء میں پڑتے ہیں۔ خصوصا جب وہ دیکھتے ہیں کہ مثلا زید اپنی خواب اور الہام پر بھروسہ کر کے بکر کو، جو اس کے مقابل پر دوسرا ملہم ہے، کافر ٹھہراتا ہے۔ اور خالد جو ایک تیسرا ملہم ہے دونوں پر کفر کا فتوٰی لگاتا ہے۔ اور عجب تر یہ کہ تینوں اپنی خوابوں اور الہاموں کے سچا ہونے کا دعوٰی بھی کرتے ہیں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ 281)

اس کے بعد حضرت مسیح موعود نے چار باب بنائے:

"باب اول۔ ان لوگوں کے بیان میں جن کو بعض سچی خوابیں آتی ہیں یا بعض سچے الہام ہوتے ہیں۔ لیکن ان کو خدا تعالیٰ سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ باب دوم ان لوگوں کے بیان میں جن کو بعض اوقات سچی خوابیں آتی ہیں یا سچے الہام ہوتے ہیں۔ اور ان کو خدا تعالیٰ سے کچھ تعلق تو ہے لیکن بڑا تعلق نہیں۔ باب سوم ان لوگوں کے بیان میں جو خدا تعالیٰ سے اکمل اور اصفٰی طور پر وحی پاتے ہیں۔ اور کامل طور پر شرف مکالمہ و مخاطبہ ان کو حاصل ہے اور خوابیں بھی ان کو فلق الصبح کی طرح سچی آتی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے اکمل اور اتم اور اصفٰی تعلق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے پسندیدہ نبیوں اور رسولوں کا تعلق ہوتا ہے۔ باب چہارم اپنے حالات کے بیان میں۔ یعنی اس بیان میں کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم نے مجھے ان اقسام ثلثہ میں سے کس قسم میں داخل فرمایا ہے۔"

ان میں سے قسم اول کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں۔ قسم دوم اور سوم میں فرق نہ کرنے کی وجہ

سے بہت سے لوگ ٹھوکر کھا لیتے ہیں۔اس لئے ان میں جو فرق حضرت مسیح موعود نے کیا ہے اس کو غور سے دیکھنا چاہئے۔قسم دوم کا ذکر کرتے ہوئے یوں شروع کرتے ہیں۔

''دنیا میں بعض ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ وہ کسی حد تک زہد اور عفت کو اختیار کرتے ہیں اور علاوہ اس بات کے ان میں رؤیا اور کشف کے حصول کے لئے ایک فطرتی استعداد ہوتی ہے اور دماغی بناوٹ اس قسم کی واقع ہوتی ہے کہ خواب اور کشف کا کسی قدر نمونہ ان پر ظاہر ہو جاتا ہے۔اپنی اصلاح نفس کے لئے بھی کسی قدر کوشش کرتے ہیں اور ایک سطحی نیکی اور راستبازی ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی آمد سے ایک محدود دائرہ تک رویائے صادقہ اور کشوف صحیحہ کے انوار ان میں پیدا ہو جاتے ہیں۔لیکن تاریکی سے خالی نہیں ہوتے بلکہ ان کی بعض دعائیں بھی منظور ہو جاتی ہیں۔مگر عظیم الشان کاموں میں نہیں۔''

اور اس کا خاتمہ ان الفاظ پر کرتے ہیں:

''ہاں ایسے لوگوں کو بھی کسی قدر کچھ معارف اور حقائق معلوم ہوتے ہیں مگر اس دودھ کی طرح جس میں کچھ پیشاب پڑا ہو۔اور اس پانی کی طرح جس میں کچھ نجاست بھی ہو۔اور اس درجہ کا آدمی اگرچہ بہ نسبت درجہ اول کے اپنی خوابوں اور الہامات میں شیطانی دخل اور حدیث النفس سے کسی قدر محفوظ ہوتا ہے۔لیکن چونکہ اس کی فطرت میں ابھی شیطان کا حصہ باقی ہے اس لئے شیطانی القاء سے بچ نہیں سکتا۔اور چونکہ نفس کے جذبات بھی دامن گیر ہیں اس لئے حدیث النفس سے بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔''

اور قسم سوم کے لوگوں کے متعلق حضرت صاحب نے بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے لیکن میں صرف ایک جملہ پر اکتفا کرتا ہوں:

''پھر ہم کہتے ہیں کہ مقبولوں اور غیر مقبولوں میں فرق تو بہت ہے جو کسی قدر اس رسالہ میں بھی تحریر ہو چکا ہے۔لیکن آسمانی نشانوں کی رُو سے ایک عظیم الشان یہ فرق ہے کہ

خدا کے مقبول بندے جو انوار سبحانی میں غرق کئے جاتے اور آتش محبت سے اُن کی ساری نفسانیت جلائی جاتی ہے وہ اپنی ہر شان میں کیا باعتبار کمیت اور کیا باعتبار کیفیت غیروں پر غالب ہوتے ہیں۔ اور غیر معمولی طور پر خدا کی تائید اور نصرت کے نشان اس کثرت سے ان کے لئے ظاہر ہوتے ہیں کہ دنیا میں کسی کو مجال نہیں ہوتی کہ ان کی نظیر پیش کر سکے'' (حقیقۃ الوحی صفحہ 19-20)

مگر یہ تیسری قسم کے لوگ بھی سب مامور نہیں ہوتے اور نہ اللہ تعالیٰ ان سب کو امام الزمان کے مرتبہ پر فائز کرتا ہے۔ بلکہ امام الزمان کے لئے کچھ اور بھی ضرورتیں ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے ''ضرورت الامام'' میں بیان فرمایا ہے:

''اب ایک ضروری سوال یہ ہے کہ امام الزمان کس کو کہتے ہیں اور اس کی علامات کیا ہیں اور پھر اس کو دوسرے ملہموں اور خواب بینوں اور اہل کشف پر ترجیح کیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امام الزمان اس شخص کا نام ہے کہ جس شخص کی روحانی تربیت کا خدا تعالیٰ متولی ہو کر اس کی فطرت میں ایک ایسی امامت کی روشنی کر دیتا ہے کہ وہ سارے جہان کے معقولیوں اور فلسفیوں سے ہر ایک رنگ میں مباحثہ کر کے ان کو مغلوب کر لیتا ہے وہ ہر ایک قسم کے دقیق در دقیق اعتراضات کا خدا سے قوت پا کر ایسی عمدگی سے جواب دیتا ہے کہ آخر ماننا پڑتا ہے کہ اس کی فطرت دنیا کی اصلاح کا پورا سامان لے کر اس مسافر خانہ میں آئی ہے اس لئے اس کو کسی دشمن کے سامنے شرمندہ ہونا نہیں پڑتا۔ وہ روحانی طور پر محمدی فوجوں کا سپہ سالار ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر دین کو دوبارہ فتح کرے اور وہ تمام لوگ جو اس کے جھنڈے کے نیچے آتے ہیں ان کو بھی اعلیٰ درجہ کے قوٰی بخشے جاتے ہیں اور وہ تمام علوم، جو اعتراضات کے اُٹھانے اور اسلامی خوبیوں کے بیان کرنے کے لئے ضروری ہیں، اس کو عطا کئے جاتے ہیں۔ اور بایں ہمہ چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کو دنیا کے بے ادبوں اور بدزبانوں سے بھی مقابلہ پڑے گا اس لئے اخلاقی قوت

بھی اعلیٰ درجہ کی اس کو عطا کی جاتی ہے۔‘‘(ضرورت الامام صفحہ 6و7)

مجھے اس بات کو دیکھ کر بہت ہی رنج ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی ان کھلی کھلی تحریرات کے ہوتے ہوئے ہمارے بعض احباب نے یہاں تک ٹھوکر کھائی ہے کہ صرف چند خوابوں یا کشوف کی بنا پر مامور من اللہ اور امام الزمان ہونے کا دعوٰی کر دیا اور یوں بھی لوگوں کو خوف دلایا کہ مامور کے نہ ماننے سے کیا کیا نقصان ہوسکتا ہے۔ گویا جب کوئی شخص ماموریت کا دعوٰی کر دے تو فوراً سب لوگوں کو مان لینا چاہئے۔ خواہ اس کے دعوٰی کے کوئی دلائل ہوں یا نہ ہوں۔ اور خواہ قرآن وحدیث ایسے مامور کے آنے کی شہادت دیتے ہوں یا نہ دیتے ہوں۔ بلاشبہ ایسے مقام پر یہ غلطی ہوسکتی ہے کہ تفریط سے ڈرنے والے لوگ افراط کی طرف چلے جائیں۔ کیونکہ جن لوگوں نے یہ دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی صداقت کا انکار کر کے مخالفت کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ وہ شاید یہ خیال کرلیں کہ جب کوئی شخص مامور ہونے کا دعوٰی کرے تو طریق تقوٰی یہی ہے کہ فوراً سے قبول کرلیا جائے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ جس طرح سچے مامور کا انکار اور اس کی مخالفت موردِ غضب الٰہی ٹھہراتی ہے اسی طرح ایک غلطی خوردہ یا جھوٹے کے بلا سوچے سمجھے ساتھ ہوجانا موجب نقصان ہے۔ صراط مستقیم وہ ہے جو تفریط وافراط ہر دو سے خالی ہو۔ خدا تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ جب کوئی مامور اس کا آیا کرے تو لوگ بغیر سوچنے سمجھنے اسے قبول کرلیا کریں۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس خداداد غور وفکر کے مادہ سے کام لیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر رکھا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم بار بار غور اور فکر کی تاکید فرماتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح یہ گناہ ہے کہ ایک صادق مامور کی انسان مخالفت کرے، اسی طرح یہ گناہ ہے کہ ایک جھوٹے یا غلطی خوردہ انسان کے ساتھ ہوجائے۔ پس تصدیق اور تکذیب دونوں میں بغیر غور وفکر کے کام لینا جائز نہیں۔

۞۞۞

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو عبرت انگیز سند:

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن کے قلم سے

جہلم کے دوستوں کو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی پھکڑ بازی اور گندہ ذہنی یاد ہوگی جب وہ جہلم میں اثنائے وعظ میں حضرت مرزا صاحب کے متعلق نہایت سوقیانہ الفاظ استعمال کرتا تھا۔ اور بار بار ''آبچہ جموریا'' کے وزن پر ''آبچہ مرزیا'' کہہ کہہ کر بازاری لوگوں کو ہنساتا تھا۔ جس سے معقول پسند مسلمان شرم سے گردنیں نیچے کر لیتے تھے کہ مذہب اسلام کے واعظ اور مقتداء اس قسم کے نقال رہ گئے ہیں۔ جو صرف بھانڈوں کی طرح نقلیں کر کر کے مجلس کو گرما سکتے ہیں۔ ورنہ اپنے اندر نہ کوئی نیک نمونہ رکھتے ہیں نہ زبان میں کوئی اثر ہے اور نہ تقریر میں کوئی علمی بات پیدا کر سکتے ہیں۔ بخاری صاحب کو چونکہ قدرت نے آواز بہت بلند اور گلا نہایت سریلا عطا کیا ہے اس لئے گا گا کر اور کچھ پھکر بازیاں کر کر کے وہ عوام الناس کو خوب خوش کر سکتے ہیں۔ ورنہ ان کی تقریر میں کوئی علمی یا معقولی بات نہیں ہوتی۔ آواز اور گلا اور مسخرا پن ہر بات کی پردہ پوشی کرتا رہتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان اخباروں میں ان کی شیریں مقالی اور عذب البیانی اور طوطا گفتاری کا چرچا زوروں پر تھا۔ لیکن خدا کا وعدہ اپنے بندہ کے ساتھ تھا کہ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اھَانَتَکَ کہ جو تیری توہین کرے گا میں اس کی توہین کروں گا۔ آخر زمانہ نے رنگ بدلے اور بخاری صاحب کے مستعار رنگین پَر گر گئے اور وہ اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو گئے۔ اور پبلک کے سامنے ان کی صحیح تصویر خدا نے پیش کر دی۔ اخبار انقلاب کے سنڈے ایڈیشن میں، جو 12 اپریل کو شائع ہوا ہے، ذرا یہ نوٹ پڑھو اور عبرت پکڑو۔ لکھا ہے:

''مسلمانوں کے درمیان خونریزی۔ بمبئی سے ایک نہایت دردناک اطلاع موصول ہوئی کہ وہاں ایک جلسہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تقریر کی اور اس تقریر میں حقوق طلب مسلمانوں کے خلاف بعض ایسی نازیبا باتیں کہہ دیں کہ جس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ اور ان کے درمیان لاٹھیاں اور چاقو چلنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک غالبًا مسلمان رضا فوت ہو گیا اور دس پندرہ آدمی بُری طرح زخمی ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مسلمانوں میں اتحاد کے لئے ایک عملی کوشش: (15 مئی 1931ء) حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ نے مسلمانوں کے تشتت اور پراگندگی کے خوف ناک نتائج سے متاثر ہوکر، جس کی وجہ سے میونسپل انتخابات کے موقعہ پر مسلمانوں کا لاکھوں روپیہ ضائع ہوجاتا ہے اور دن بدن مسلمانوں کے باہمی افتراق کی خلیج وسیع تر ہوتی جاتی ہے، ایک بورڈ کے قیام کے لئے نہایت ضروری اور مفید کوشش کی ہے۔ جو اس حد تک کامیاب ہوگئی ہے کہ مسلمان اکابر لاہور اس میں شامل ہوگئے ہیں۔ اب آئندہ جن مسلمان ممبروں کی بورڈ سفارش کرے گا وہی ممبر منتخب ہوسکیں گے یہ ایک ایسی مبارک تحریک ہے کہ جس سے نہ صرف مسلمانوں کا لاکھوں روپیہ ضائع ہونے سے بچ رہے گا بلکہ اس باہمی آویزش سے قوم میں بغض وحسد کے جو جراثیم پرورش پاتے ہیں ان کا بھی قلع قمع ہوجائے گا اور میونسپلٹی میں مسلمانوں کے قابل اور بہی خواہان قوم ہی ممبر منتخب ہوسکیں گے۔ حضرت امیر کی یہ کوشش قابل مبارک باد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس سعی کو کامیاب فرمائے۔ آمین۔

15 مئی 1931ء

اتحاد بین المسلمین

10 مئی کے جلسہٗ لاہور میں حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کی تقریر

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولٰینا نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ. یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَاللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ. اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ. (4-1:61)

اور فرمایا کہ ہم مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ہمیں اس وقت کیا مرحلہ درپیش ہے۔ اور اس میں سے گذرنے کے لئے ہم کیا تیاری کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے کل ہندوؤں کے جلوس میں شرکت کی ہو ان کو یا جنہوں نے اخبار میں پڑھا ہے ان کو یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس جلوس میں ہندو نوجوانوں کا نعرہ کیا تھا؟! اگر کسی کو علم نہیں تو میں اس کو بیان کر دوں؟ کیونکہ اکثر مسلمان اس سے ناواقف ہوں گے۔ وہ نعرہ 'ٹربیون' میں چھپا ہے اور وہ یہ ہے We shall not tolerate Muslim Raj یعنی ہم مسلم راج کو ہرگز یہاں نہیں ہونے دیں گے۔ اس نعرہ کا ایک دوسرا حصہ تھا ''ہندو دھرم کی جے'' بلاشبہ ہر قوم کو اختیار ہے جو جی چاہے وہ نعرہ لگائے۔ لیکن دیکھنے کے قابل یہ چیز ہے کہ ''ہندو دھرم کی جے'' کا نعرہ کس کے بالمقابل ہے۔ یعنی ''مسلم راج ہم نہیں ہونے دیں گے'' کے بالمقابل ''ہندو دھرم کی جے'' کا نعرہ ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو کہ ہندو نوجوانوں کے نعرہ کا مقصد یہ تھا مسلم راج نہیں ہونے دیں گے بلکہ حکومت ہندو کی ہوگی۔

بات اصل میں یہ ہے کہ پنجاب میں مسلمانوں کی کثرت ہے جیسا کہ میں نے گذشتہ جلسہ میں بیان کیا تھا کہ اب حکومت جمہوریت کی ہوگی۔ یعنی جس کی کثرت ہے اسی کی حکومت ہوگی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی چند صوبوں میں کثرت ہے۔ ان میں سے ایک تو پنجاب ہے اور باقی صوبہ سندھ، سرحد اور بنگال ہے۔ ہندو قوم بحیثیت قوم فیصلہ کر چکی ہے کہ ہم مسلمانوں کی کثرت والے صوبوں میں بھی مسلمانوں کی حکومت نہ ہونے دیں گے۔ ہندوؤں کی کثرت والے صوبوں میں تو ہندوؤں کی

حکومت ہوگی ہی لیکن جن میں مسلمانوں کی کثرت ہے ان میں مسلمانوں کی حکومت نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ اس جلسہ کے بالمقابل، جو جلسہ ہندوؤں کا آج کل ہو رہا ہے، اس میں یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ ہم مسلمانوں کو کہیں بھی اکثریت کا حق نہیں دیں گے۔ صوبہ سرحد میں جہاں مسلمانوں کی آبادی 93 فیصد ہے وہاں کے متعلق اُنہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہاں اصلاحات نہیں ہونا چاہئیں۔ گویا اس میں حکومت اپنی قوم کی نہ ہو یا ہندوستانی کی نہ ہو بلکہ انگریز کی رہے۔ صوبہ سرحد کے علاوہ صوبہ سندھ کے متعلق ان کا یہ فیصلہ ہے کہ چونکہ وہاں مسلمانوں کی کثرت ہے اس لئے اس کو صوبہ بمبئی کے ساتھ ملا کر مسلمانوں کی اکثریت کو تباہ کر دیا جائے۔ کیونکہ سندھ کو بمبئی کے ساتھ ملانے میں سارے صوبہ میں کثرت ہندوؤں کی ہوگی۔ پنجاب کے متعلق بھائی پرمانند کے الفاظ یہ ہیں کہ صوبہ پنجاب میں مسلمان اکثریت چاہتے ہیں لیکن ہم کبھی بھی قانوناً ان کی حکومت قائم نہیں ہونے دیں گے۔ کیا وہ محض برائے نام اکثریت یعنی 52 فیصد ہونے کی وجہ سے ہم پر حکومت کریں گے؟ صوبہ بنگال میں وہ یورپین آبادی کو ساتھ لا کر مسلمانوں کو محکوم بنانا چاہتے ہیں۔ آپ کے سامنے نیا نظام حکومت ہے۔ جس میں ہندوستانیوں کو کچھ حقوق ملنے والے ہیں۔ لیکن ہندو مسلمانوں کو اس میں سے کوئی حصہ دینے کے لئے تیار نہیں۔ آپ کے سامنے دو صورتیں ہیں۔ ایک تو ہندوؤں کے ساتھ صلح کی صورت ہے اور ایک جنگ کی۔ ان دونوں میں سے جو بھی صورت ہندوؤں کو پسند ہو مسلمانوں کو اس کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ صلح کی صورت تو یہ ہے کہ مسلمان ہندوؤں کی حکومت برداشت کرنے کے لئے تیار رہیں۔ بشرطیکہ ہندو بھی مسلمانوں کی حکومت برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس کے سوا ہماری اور ان کی صلح نہیں ہوسکتی۔

گذشتہ جلسہ میں مَیں نے ذکر کیا تھا کہ گاندھی جی نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ مسلمان اپنا متفقہ مطالبہ میرے پاس لے آئیں تو میں اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس پر میں زیادہ بحث کرنے کے لئے تیار نہیں۔ صرف ایک بات کی طرف آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔ یہ تو ایک مشہور بات ہے کہ نیشنلسٹ مسلمانوں نے آل انڈیا مسلم کانفرنس یا باقی مسلمانوں کے ساتھ اپنے مطالبات کے پیش کرنے میں اتفاق نہیں کیا۔ لیکن متفقہ مطالبہ ہمیشہ اکثریت کا ہوتا ہے۔ اور جب اکثریت بہت زیادہ ہو تو ہمیشہ اس اکثریت کا فیصلہ متفقہ فیصلہ سمجھا جاتا ہے۔ نیشنلسٹ مسلمانوں کی تعداد بہت ہی قلیل ہے۔ آل انڈیا

مسلم کانفرنس میں جب ان کو دعوت دی گئی کہ وہ آ کر مسلمانوں کے سامنے اپنے دلائل پیش کریں۔تو وہ اپنی قلت کی وجہ سے اس کانفرنس میں نہ آ سکے۔ان کی قلت اور کثرت کے سوال کو چھوڑ کر میں آپ سے ایک فیصلہ چاہتا ہوں کہ کیا گاندھی کا مطلوبہ متفقہ مطالبہ بھی پورا ہو چکا ہے یا نہیں۔نیشنلسٹ مسلمانوں نے بھی جو کچھ مانگا ہے وہ بھی وہی ہے جو آل انڈیا مسلم کانفرنس نے طلب کیا ہے۔اس میں برائے نام تھوڑا سا اختلاف ہے۔مثلاً نیشنلسٹ بھی یہی کہتے ہیں کہ فیڈرل نظام حکومت میں صوبوں کو اختیارات دیئے جائیں۔صوبۂ سرحد کو اصلاحات دی جائیں اور صوبہ سندھ کو علیحدہ رکھا جائے۔ان متفقہ مطالبات پر بھی تو گاندھی نے اپنا کوئی فیصلہ نہیں دیا۔مسلم کانفرنس اور نیشنلسٹ مسلمانوں کے جس قدر مطالبات متفقہ ہیں،ان کے متعلق گاندھی کو فیصلہ دے دینا چاہیئے تھا کہ جتنا حصہ دونوں کا متفقہ ہے اس کو ہم منظور کر لیتے ہیں۔بڑے آدمیوں کی حیثیت بڑی ہوتی ہے۔مگر گاندھی سے تو اتنا بھی نہ ہو سکا کہ وہ متفقہ مطالبہ پر دستخط کر کے اپنی بڑائی کا ثبوت دیتے۔اور دوسرے ہندوؤں سے اس پر دستخط کرا دیتے۔بہر حال آل انڈیا مسلم کانفرنس اور نیشنلسٹ مسلمان اپنے اختلافی امر میں بھی تین باتوں میں متفق ہیں۔یعنی

1۔صوبہ جات میں خودمختاری ہو۔

2۔سندھ الگ صوبہ ہو۔

3۔صوبہ سرحد میں اصلاحات کا نفاذ ہو۔

ان کی بناء پر میں نے گاندھی کے نام ایک کھلی چٹھی لکھی ہے۔جس سے مقصد اس پر اتمام حجت کرنا ہے کہ کیا وہ ان تینوں باتوں پر،جن میں مسلمانوں کا مطالبہ متفقہ ہے،دستخط کرنے کے لئے تیار ہے۔اگر کانگریس اور گاندھی جی واقعی ملک کی مشکلات کو حل کرنا چاہتے ہیں تو حسب وعدہ مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ پر دستخط کر دیں۔لیکن اس وقت تک،باوجود اس علم کے کہ مسلمان اپنی بہت سی باتوں میں متفق ہیں،گاندھی نے اس پر کچھ توجہ نہیں دی۔بات اصل میں یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی رواداری کا اصول برتنے کے لئے تیار نہیں۔فی الحقیقت کانگریس اندر سے ہندو مہا سبھا ہے۔اور ہندو مہا سبھا گاندھی ہے۔اگر یہ بات نہیں تو گاندھی صورت حالات کو دیکھ کر،جس قدر مطالبہ متفقہ ہے،اس پر کیوں دستخط نہیں کر دیتے۔باقی باتیں جن میں اختلاف ہے وہ بعد میں دیکھ لی جاتیں۔فیصلہ

ہمیشہ ایک ایک کر کے ہی ہوتا ہے۔اس لئے اگر ان تین باتوں کو وہ مان لیں تو ہم فیصلہ سے زیادہ قریب ہوجاتے ہیں۔

ہندوؤں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ ہندوستان میں کہیں بھی مسلم راج نہ ہونے دیں گے۔ اس کے جواب میں ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم ہندوستان میں مسلم راج قائم کریں گے۔ کیونکہ یہ انصاف کی بات نہیں۔ ہاں! ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ جن صوبوں میں ہماری کثرت ہے وہاں جمہوریت کی حکومت ہوگی۔ انہوں نے اپنے منہ سے ایک ایسی بات کہہ دی ہے جو ان کے دلی خیال کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ اپنی ساری طاقت اور قوت اس پر صرف کردیں گے کہ مسلمانوں کا راج کہیں نہ ہو۔ اب ان کے بالمقابل تم بھی اپنا ارادہ اور عزم مضبوط کرلو۔ لیکن اس سے پیشتر کہ تم کوئی بات اپنے منہ سے نکالو ان آیات پر غور کرو جو اس تقریر کو شروع کرنے سے پہلے میں نے تلاوت کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے **لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ** (2:61) تم وہ بات اپنے منہ سے کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ یہاں یہ نہیں کہا جو تم کرتے نہیں وہ کہتے کیوں ہو۔ بلکہ کہا یہ ہے کہ وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ کہنے کو کرنے پر اس لئے مقدم رکھا ہے کہ بات کو پہلے ہی سوچ سمجھ کر کہنا چاہیئے۔ تا ایسا نہ ہو کہ وہ قابل عملدرآمد ہی نہ ہو۔ اب جب تم نے ایک بات سوچ سمجھ کر کہہ دی تو پھر چاہے موت قبول کرنا پڑے یا اپنی بات پر سر بھی دینا پڑے تو دینا ہوگا۔ کیونکہ اس کے بعد فرمایا **كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَاللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ** (3:61) اللہ کے نزدیک یہ بڑے غضب کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں۔ اب اس عہد واثق اور مضبوط اقرار کی تلقین کے بعد قرآن کریم، جو مسلمانوں کے لئے کامل ہدایت نامہ ہے کام میں کامیابی حاصل کرنے کا طریق بیان کرتا ہے۔ یعنی جب تم نے کسی بات کو سوچ سمجھ کر اقرار کرلیا کہ ہم اس کو کر کے رہیں گے تو اس میں کامیابی کے لئے خود ہی ایک طریق کار بتایا ہے۔ اور وہ یہ کہ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا** (4:61) اللہ ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ صف باندھ کر یا کامل اتحاد کے ساتھ مل کر۔ مگر کیسی صف اور کس قسم کا اتحاد **كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ** (4:61) دشمن کے مقابلہ پر ایسے کھڑے ہو جیسے دیوار کھڑی ہوتی ہے۔ پھر وہ دیوار بھی معمولی گارے اور چونے کی نہیں۔ بلکہ جس کی اینٹوں کی درمیانی درزوں میں

سیسہ پلا دیا گیا ہو۔ اور وہ یک جان ہو کر گویا لوہے کی دیوار بن گئی ہو۔ جب بھی تم دشمن سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تو اس طرح دشمن کے سامنے کھرے ہو جاؤ جیسے لوہے کی دیوار ہوتی ہے۔ جس کی کوئی اینٹ اپنی جگہ سے نہیں ہلتی۔ یہ وہ اتحاد و اتفاق کا نقشہ ہے جو قرآن نے تمہارے لئے پیش کیا ہے۔ اگر تم اس طرح کامل اتحاد اور اتفاق کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تو تمہارے لئے نصرت اور غلبہ ہے۔ اور اگر تم نے جنگ میں خدا کے اس ارشاد کو پورا کر کے نہ دکھایا تو پھر کامیابی کی اُمید بہت کم ہے۔ کیونکہ فتح اور کامیابی کا ایک ہی اصول ہے اور وہ یہی ہے کہ تم متحد ہو کر ایک مضبوط دیوار بن جاؤ۔ ایسے نہ رہو جیسے اینٹوں کا ایک ڈھیر ہوتا ہے گذرنے والا اس کو ٹھکرا کر گذر جاتا ہے یا ان کو اُٹھا کر اِدھر اُدھر پھینک دیتا ہے۔ بلکہ ایک منظّم شکل میں دیوار بن جاؤ کہ اس میں سے کوئی شخص کسی اینٹ کو نکال نہ سکے۔ جب تک تم ایسی شکل اختیار نہیں کرتے تمہاری کوئی قیمت نہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کی بناء پر آپس میں تفرقہ کرنا اور پھوٹ پیدا کرنا بہت بُرا ہے۔ مسلمانوں کے تمام فرقے سنی، شیعہ، اہلِ حدیث اور دوسرے مسلمان سب میں اصول اتحاد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی رسالت پر یقین ہے۔ کلمہ کے اس رشتہ نے تم سب کو ایک نظام میں منسلک کر رکھا ہے۔ تمہیں خبر ہے کہ دشمن جو تمہیں کھانا چاہتے ہیں۔ وہ تمہاری کسی کمزور سے ہی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اس لئے تم سب ایک ہو جاؤ۔ اور اس امر پر غور کرو کہ آج وہ حالت نہیں کہ تم آپس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ کر کامیاب ہو جاؤ۔ ہندوؤں کے دل میں جو خیالات تمہاری نسبت ہیں وہ ایک حد تک ظاہر ہو چکے ہیں۔ لیکن قرآن کریم بتاتا ہے کہ قَدْبَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ (118:3) ان کے منہ سے بغض ظاہر ہو چکا ہے۔ مگر جو کچھ ان کے دِلوں میں مخفی ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ تم خود سوئے ہوئے ہو۔ لیکن ان کے سینوں میں تمہاری نسبت بڑی بڑی باتیں ہیں۔ قرآن کریم نے جو بات بھی کہی ہے وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اس لئے کہ اب تک اس نے جو کچھ کہا ہے وہ ہمیشہ پورا ہو کر رہا ہے۔ پس یہ بات بالکل سچ ہے کہ ان کے منہ سے جو کچھ نکل چکا ہے اس سے بڑھ کر ابھی ان کے دِلوں میں موجود ہے۔

پس تم اپنے حقوق لینے کے لئے ڈٹ جاؤ۔ اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہو جاؤ۔ کسی کا سہارا

مت لو۔ اب بہت تھوڑے دن فیصلہ کے رہ گئے ہیں۔ ہر شخص بوڑھا جوان اور عورت کوئی ایک عزم لے کر اُٹھے اور وہ یہ کہ جہاں مسلمانوں کی کثرت ہے وہاں ہم اکثریت کے حقوق لے کر رہیں گے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ جداگانہ انتخاب کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہندو تہذیب اور مسلم تہذیب ایک نہیں۔ ہندوؤں کے سامنے بھائی پرمانند نے سیواجی اور بندہ بیراگی کو رکھا ہے۔ آج ہندو قوم ان کی پرستش کرتی ہے۔ اور ان کی یاد کو ہندوؤں کے دِلوں میں مسلمانوں کے خلاف تازہ کرنے کی تاکید کی ہے۔ مسلمانوں کے سامنے اُنہوں نے اورنگ زیب اور محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کو رکھا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے کبھی کسی کے مذہب اور تہذیب کو مٹانے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن سیواجی اور بندہ بیراگی کی یاد کو ہندو دِلوں میں اس لئے تازہ کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب اور تہذیب کو مٹایا جائے۔ مسلمانوں نے اپنی حکومت کے دِنوں میں ہندوؤں کے مذہبی رسوم میں کبھی دخل نہیں دیا۔ لیکن ہندو ابھی سے مسلمانوں کے نشانات مٹانے کی کوشش کررہے ہیں۔ یہ ایک خواہش ہے جوان کے دِلوں میں پیدا ہوگئی ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس ملک میں دیکھنا نہیں چاہتے۔ ہندوستان میں تمہارے لئے بہت سی مشکلات ہیں جب تک تم سب ایک نہ ہوجاؤ مسلمانوں کے سامنے ان کے خلفائے راشدین کا نمونہ ہے۔ کہ وہ کس طرح دشمن سے مقابلہ کے وقت ایک ہوجاتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کی قوم مذہب اور تہذیب ہندوؤں سے الگ ہے۔ اپنے نمائندے ہمیں خود انتخاب کرنے کا حق ہونا چاہئے۔ جو قوم ہم کو مٹانے کا عزم کرچکی ہے اس کے ہاتھوں میں اپنے نمائندے انتخاب کرنے کا اختیار دینا کوئی عقلمندی نہیں اگر تم میں اتفاق اور اتحاد پیدا ہوگیا تو کامیابی یقینی ہے۔ پس تم سب ایک ہوجاؤ۔ اور بڑے زور سے اپنے حقوق حاصل کرنے پر ڈٹ جاؤ۔

اس کے بعد جناب ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے ایک مختصر سی تقریر کے بعد آل انڈیا مسلم کانفرنس کے ریزولیوشن سنائے۔ اور مسلمانوں نے بڑے جوش وخروش سے ان کی تاکید کی۔ اور آخر پھر ایگزیکٹو آفیسرز بل کے خلاف ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ اور اس کی نقل گورنر پنجاب کو بھیجنے کی تجویز پاس ہوئی۔

☆☆☆

پیغامِ حق

ہندو ریاستوں میں مسلمانوں پر جو جو ستم توڑے جاتے ہیں وہ اب کوئی خفیہ اور پوشیدہ باتیں نہیں رہیں۔ ''پیغامِ حق'' میں ریاست ریواں (سنٹرل انڈیا) میں جو جو مظالم مسلمانوں پر ہو رہے ہیں ان کو اختصار کے ساتھ بیان کر کے علماء سے فتویٰ پوچھا گیا ہے کہ ایسی جگہ میں ان کو کیا طریق عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں کی عام واقفیت اور گورنمنٹ کی توجہ کے لئے ہم اس استفتاء اور علماء کے جواب کو درج ذیل کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہندوؤں سے اپیل کرتے ہیں کہ اگر اسی قسم کا سلوک کسی مسلم ریاست میں ہندوؤں کے ساتھ کیا جائے تو کیا ہندو اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے؟! اگر ایسا نہیں تو ''آنچہ برخود مپسندی بر دیگراں مپسند'' کے اصول پر کیا وہ اس ہندو ریاست کو اس ظلم عظیم سے باز رکھنے کے لئے مسلمانوں کے ساتھ مل کر آواز نہ اُٹھائیں گے۔ استفتاء اور جواب استفتاء درج ذیل ہے۔ مدیر

اپیل بخدمت جمیع مسلمانان ہند: برادران اسلام! ہم بے کس و مظلوم اہل اسلام آپ کی خدمت میں یہ چند اوراق پیش کر کے بہ ادب ملتجی ہیں کہ انہیں غور سے ملاحظہ فرمایا جائے۔ یہ پمفلٹ ہماری قابل رحم صورت حال کا آئینہ ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہم گوناگوں ناقابل برداشت مصائب میں مبتلا ہیں۔ اور دم نہیں مار سکتے۔ یہاں سینکڑوں میں سے چند تکالیف کا اظہار کیا گیا ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ یہ بھی ہماری ناگفتہ بہ حالت کا اندازہ لگانے کے لئے بہت کافی ہیں۔ اور ہم آپ کے دِلوں سے خراج رحم حاصل کرنے میں بہت کچھ کامیاب ہوں گے۔ جی چاہتا ہے کہ ہم اپنی پوری داستان بیان کریں لیکن افسوس کے ساتھ اس سے باز رہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ نہ آپ سننے کی تاب لاسکیں گے نہ ہم سنانے کی۔ کیونکہ ع ''نغمۂ عیش نہیں ساز مصیبت میں ہم''

شکر ہے کہ اسی آئینہ میں ان تمام مصائب سے نجات ملنے کی صورت بھی نظر آتی ہے۔ یعنی حکیمان اُمت محمدی کے بتائے ہوئے وہ نسخے جو درد جگر کو کافور اور زخم ہائے دل کو یقیناً مندمل کر سکتے ہیں۔ لیکن آہ! ہم بستر مرگ پر بے حس و حرکت پڑے ہوئے ہیں۔

نزع کا عالم ہے!

جسم سے جان نکلتی ہے!
زندگی بخش نسخے سامنے رکھے ہوئے ہیں!
نظریں اِدھر اُدھر جاتی ہیں اور ناکام واپس آتی ہیں!
دل اور بیٹھ جاتا ہے۔
آہ! یہ منظر تو دیکھو کتنا یاس انگیز ہے!!
یہ صورت کیوں ہے؟ کس بات کی کمی ہے؟
غم خوار تیمارداروں کی!

ضرورت ہے کہ آپ کے مضبوط ہاتھ اس نازک وقت میں ان نسخوں کے اجزاء کا مرکب بنا کر حلق میں اُتار دیں اور زندگی کا سبب ہو کر شکستہ دِلوں کی دعائے خیر اور ثواب دارین لیں۔

دعوتِ عمل: اُٹھ اور کمر باندھ!

ہم اپنے مقامی مصیبت زندہ بھائیوں کو دعوت اشتراک عمل دیتے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ ہمارے ساتھ وہ بھی بے خوف وخطر میدان عمل میں آئیں۔ اور اپنی قوم کی مشکلات کے حل کرنے میں ہمت سے کام لیں۔ خدا ہم سب کی مدد کرے گا۔

دیکھئے! آپ کی ساتھی مظلوم قومیں میدان میں آ چکی ہیں اور اپنے اپنے مطالبات بغیر کسی خوف کے پیش کر چکی ہیں۔ اور کسی نہ کسی طرح کامیاب ہوتی جاتی ہیں۔ ہم کیوں کامیاب نہیں۔ قرآن شریف میں ہے ”خدا اس کی حالت نہیں بدلتا جو خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہیں کرتا۔

3 جون 1931ء

حضرت امیر کے قلم سے

مسیح موعود ہونے کا دعوٰی

مسیح موعود کا نام مجدد صد چہاردہم کو کیوں دیا گیا: اندرونی مفاسد کی اصلاح کے سلسلے میں اور بھی بہت سے کام آتے ہیں جو بحیثیت مجدد آپ نے کئے۔لیکن ان تفصیلات کو چھوڑ کر اب میں مجدد کے کام کے دوسرے پہلو کو پیش کرتا ہوں جو بیرونی مفاسد سے تعلق رکھتا ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ آپ کا دعوٰی مسیح موعود آپ کے دعوٰی مجدد پر کوئی ترقی ہے جو بعد میں آپ نے کی۔ کیونکہ مجدد ہونے کا دعوٰی آپ نے 1300ھ میں کیا۔اور مسیح موعود ہونے کا دعوٰی 1308ھ میں کیا۔اس وجہ سے یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ آپ تدریجاً نئے نئے دعوے پیش کرتے جاتے تھے۔ یہ ایک بڑی بھاری غلط فہمی ہے۔آپ کا مسیح موعود کا دعوٰی مجدد کے دعوٰی سے الگ نہ تھا۔ بلکہ مسیح موعود کا دعوٰی مجددیت کے دعوٰی کا ہی دوسرا نام تھا۔ جو اندرونی مفاسد کی اصلاح نہیں بلکہ بیرونی فتن کے سدباب سے تعلق رکھتا تھا۔ چنانچہ 1300ھ میں جب آپ نے دعوٰی مجدد کیا تو اس کے الفاظ یہ تھے:

> ’’اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں۔ اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت اور مشابہت ہے۔‘‘

فی الحقیقت مسیح موعود کے دعوٰی کے نیچے اصل حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اس مجدد صد چہاردہم کو حضرت عیسٰی علیہ السلام سے ایک شدید روحانی مشابہت ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح آپ نے خود اپنی کتاب ’’آئینہ کمالات اسلام‘‘ میں فرمائی ہے:

> ’’اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مسیح موعود ہونے کا دعوٰی ملہم من اللہ اور مجدد من اللہ کے دعوٰی سے کچھ بڑا نہیں ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جس کو یہ رُتبہ حاصل ہو کہ وہ خدا تعالٰی کا ہم کلام ہو اس کا نام منجانب اللہ خواہ مثیل مسیح ہو اور خواہ مثیل موسٰی ہو یہ تمام نام اس کے حق میں جائز ہیں۔جس شخص کو مکالمہ الٰہیہ کی فضیلت حاصل ہوگئی۔ اور

کسی خدمت دین کے لئے مامور من اللہ ہو گیا تو اللہ جلشانہٗ وقت کے مناسب حال کوئی نام اس کا رکھ سکتا ہے...... اس زمانہ کے مجدد وقت کا نام مسیح موعود رکھنا اس مصلحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اس مجدد کا عظیم الشان کام عیسائیت کا غلبہ توڑنا اور ان کے حملوں کو دفع کرنا اور ان کے فلسفہ کو جو مخالف قرآن ہے دلائل قویہ کے ساتھ توڑنا اور ان پر اسلام کی حجت پوری کرنا ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی آفت اس زمانہ میں اسلام کے لئے، جو بغیر تائید الٰہی دور نہیں ہو سکتی، عیسائیوں کے فلسفیانہ حملے اور مذہبی نکتہ چینیاں ہیں۔ جن کے دور کرنے کے لئے ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی آوے۔'' (آئینہ کمالات اسلام صفحہ 340)

بیرونی فتن میں سے عیسائیت کا فتنہ اسلام کے لئے سخت ترین ہے: اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں اسلام کا مقابلہ ایک مذہب سے نہیں بلکہ سب مذاہب سے ہے۔ اور کم و بیش اسلام کو یہ مقابلہ پہلے بھی پیش آتا رہا ہے۔ لیکن یہ وہ زمانہ ہے، اور اس نے پہلے ایسا کوئی زمانہ اسلام پر نہیں آیا، جب عیسائیت نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانے کا تہیہ کیا ہو۔ اس سے پیشتر اسلام اور عیسائیت کی ملکی رنگ میں بڑی بھاری جنگ رہی جو صلیبی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن جو کچھ سامان اسلام کو بحیثیت مذہب مٹانے کے لئے اس زمانہ میں کیا ہے۔ اور جس طرح پر روپیہ اس غرض کے لئے پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ اور پادریوں کی فوجیں تمام اسلامی ممالک پر حملہ آور ہو رہی ہیں اور مفت لٹریچر کثرت کے ساتھ پھیلایا جا رہا ہے۔ اور طرح طرح کے لالچ دے کر لوگوں کو پھسلایا جاتا ہے اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ خود مسیحی پادریوں نے اس بات کو محسوس کیا ہے اور بار بار دہرایا ہے کہ دنیا میں غیر مسیحی مذہب تو بہت ہیں مگر Anti Christian یعنی عیسائیت کا مدمقابل صرف ایک ہے۔ یعنی اسلام۔ آج دنیا کے واقعات کو ایک سرسری نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو صاف نظر آجاتا ہے کہ باوجود مسلمانوں کی ہر قسم کی کمزوری کے ایک عظیم الشان مقابلہ اسلام اور عیسائیت کا اس وقت لگا ہوا ہے اور گو ساز و سامان کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت کا ہاتھ اوپر ہے۔ لیکن دوسری طرف عیسائیت کے اصول خود بخود گرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ تو بہر حال آج کی بات ہے۔ لیکن آج سے قریباً ساٹھ

سال پیشتر جب حضرت مرزا صاحب نے مقابلہ مذاہب کے میدان میں قدم رکھا تو آپ کی توجہ سب سے بڑھ کر عیسائی مذہب کی طرف ہی رہی۔1864ء میں جب آپ سیالکوٹ میں ملازم تھے اور جس پر آج قریباً ستر سال کا عرصہ گذرتا ہے عیسائی پادریوں کے ساتھ آپ برابر مباحث میں لگے رہتے تھے۔ اور اس کے بعد بھی عیسائیت کے خلاف آپ کے مضامین نکلتے رہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ اگر ایک طرف آپ دعوٰی مجددیت کے ساتھ ہی یہ ظاہر فرماتے ہیں کہ آپ کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ اشد روحانی مناسبت ہے تو دوسری طرف اس سے بھی مدت پیشتر عملی رنگ میں آپ کی طبیعت کا رجحان بھی اسی طرف زبردست تھا کہ عیسائیت کا مقابلہ کیا جائے۔ اور اسلام کی روشنی کو عیسائی ممالک میں پھیلانے کا جذبہ روز بروز آپ کے اندر اس قدر قوت پکڑتا گیا کہ بالآخر آپ کی جماعت میں اسی جذبہ نے سب سے نمایاں رنگ اختیار کیا۔ غرض دعوٰی سے پیشتر ہی مسیح موعود کا عملی کام آپ کے اندر ظاہر ہو چکا تھا۔

احادیث میں مسیح کی آمد کا ذکر: مسیح موعود سے کیا مراد ہے اور شرعی نقطۂ نگاہ سے مسیح موعود کی آمد کو کیا حیثیت حاصل ہے۔ یہ وہ سوال ہے جو اس بحث میں سب سے پہلے ہمارے سامنے آتا ہے۔ احادیث نبویؐ میں عیسٰی ابن مریم یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے اس اُمت میں آنے کا ذکر ہے۔ بخاری میں نزول ابن مریم کی حدیث صرف حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے تین جگہ آئی ہے۔ کتاب البیوع (34) اور کتاب المظالم (46) میں اور کتاب الانبیاء (60) میں۔ آخری موقعہ پر باب نزول عیسٰی بن مریم علیہ السلام کے ماتحت یہ حدیث ان الفاظ میں آئی ہے:

''والّذی نفسی بیدہٖ لیوشکنّ ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر و یضع الحرب ویفیض المال حتّٰی لا یقبلہ احد حتّٰی تکون السجدۃ الواحدۃ خیرًا من الدنیا و ما فیھا ۔ترجمہ۔قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریب ہے کہ ابن مریم تم میں نازل ہو حکم وعدل ہو کر۔ پس وہ صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا اور لڑائی کو موقوف کرے گا۔ اور مال بہت ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ اور پھر ان الفاظ میں **کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم**

و امامکم منکم یعنی تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوگا۔اور وہ تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔

پہلے دو موقعہ پر اول روایت سے ملتے جلتے الفاظ ہیں۔سوائے اس کے کہ **عدلا** کی جگہ **مقسطا** ہے۔اور **یضع الحرب** کی جگہ **یضع الجزیّہ** ہے۔اورآخری الفاظ **حتّٰی تکون** سے آخر تک نہیں ہیں۔صحیح مسلم میں بھی متفرق مقامات پر عیسیٰ بن مریم کے نزول کی احادیث ہیں۔ایک جگہ الفاظ بخاری کی پہلی دو روایتوں کے ہیں۔ایک جگہ بخاری کی مختصر سب سے آخری روایت کے ہیں۔اور بعض جگہ یوں الفاظ ہیں **کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم فامّکم** تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوگا پس وہ تمہارا امام ہوگا۔اور ایک روایت میں آخر پر **فامّکم** کے بجائے **فامّکم منکم** ہے(پس وہ تمہارا امام تم میں سے ہوگا)اور ایک راویت جابر بن عبداللہؓ کی ہے اور ایسا ہی اور کئی صحابہؓ سے اس قسم کی روایات ہیں جن میں عیسیٰ ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے۔مثلاً ابن عمرؓ، انسؓ،ثوبانؓ وغیرہم۔

آنے والے مسیح مسلمانوں سے ہی ہیں: اگر صرف ہم ان احادیث کو ہی لیں تو ان میں ایک عجیب بات نظر آتی ہے کہ باوجودیکہ ذکر تو یہاں نزول ابن مریم کا ہے۔لیکن ان کے ساتھ مختلف قسم کے الفاظ بڑھائے ہیں۔جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن امریم اس اُمت محمدیہ میں سے ہی پیدا ہوں گے۔یہ الفاظ حسب ذیل ہیں **وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ . فَاَمَّکُمْ. فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ.** پہلے الفاظ **وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ** کے معنے عموماً یوں سمجھے گئے ہیں کہ تمہارا امام تم میں سے(کوئی اور)ہوگا۔اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ مراد اس سے مہدی ہے۔مگر اس کے خلاف دو زبردست باتیں ہیں۔اول یہ کہ یہ احادیث جن میں لفظ **وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ** آتے ہیں بخاری اور مسلم کے ہیں۔اور بخاری اور مسلم میں مہدی کے آنے کا قطعاً ذکر نہیں۔جب بخاری اور مسلم مہدی کے آنے کو ہی نہیں مانتے تو ان کے نزدیک ان الفاظ کے یہ معنے بھی نہیں ہو سکتے کہ مہدی اس وقت امام ہوں گے۔مگر اس سے بھی زیادہ صاف بات یہ ہے کہ مسلم نے اگر الفاظ **وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ** کی روایت کی ہے تو اس کے ساتھ ہی اور الفاظ کے بھی روایت کی ہے۔جن کے معنے سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہو سکتے کہ وہ عیسیٰ ابن مریم جو

آنے والے ہیں وہ تم ہی میں سے یعنی اُمت محمدیہ میں سے ہی تمہارے امام ہیں۔ یعنی باہر سے نہیں آئیں گے۔ مسلم کے لفظ دو طرح پر ہیں کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا اَنْزَلَ فیکم ابن مریم فامکم تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے پس وہ تمہارے امام ہوں گے۔ اور کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فیکم ابن مریم فامّکم تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور وہ تمہارے امام تمہیں میں سے ہوں گے۔ اب اَمّکُمْ یا اَمّکُمْ مِنْکُمْ دونوں جملے صراحت سے بتا رہے ہیں کہ یہ عیسیٰ ابن مریم جن کے نزول کا ذکر ہے مسلمانوں کے امام ہیں اور اُمت محمدیہ میں سے ہی ہیں۔ مِنْکُمْ باہر سے نہیں۔ کسی اور اُمت میں سے نہیں آئے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس نزول کے ساتھ کَیْفَ اَنْتُمْ کے الفاظ فرمائے ہیں۔ جو تعجب کے لئے ہیں۔ تمہاری اس وقت کیا حالت ہوگی اور اس تعجب میں یہی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا خیال تو یہ ہوگا کہ ابن مریم باہر سے آئیں مگر وہ تمہیں میں سے ہوں گے۔ پس یہی معنے وَاِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ کے بھی ہیں۔ کہ آنے والے عیسیٰ مسلمانوں میں سے ہیں اور مسلمانوں کے امام ہیں اور ظاہر ہے کہ مجدد اپنے وقت کا امام ہوتا ہے اور یہ ان کے مجدد ہونے کی طرف ہی اشارہ ہے۔

قرآن کریم کی شہادت کہ اس اُمت کا مسیح اس اُمت میں سے ہی ہوگا: احادیث تو قرآن کریم کی ہی تفسیر ہیں اور قرآن کریم کی شہادت سب سے بڑھ کر ہے۔ جب ہم اس کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو خلفاء آئیں گے وہ اُمت محمدیہ میں سے ہی ہوں گے۔ چنانچہ سورہ النور میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ صریح الفاظ میں ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (55:24) اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے جو تم میں سے، ایمان لائے اور اچھے کام کرتے ہیں، وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں خلیفے بنائے گا۔ ان کی مانند جنہیں ان سے پہلے خلیفے بنایا۔ ان پہلوں سے مراد بنی اسرائیل لئے گئے ہیں۔ یعنی جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا گیا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (15:73) اسی طرح خلفاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل خلفاء موسیٰ قرار دیا گیا۔ پس یہ آیت اس بات کی متحمل

نہیں ہوسکتی کہ اس اُمت میں خود حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لائیں جو خلفائے موسیٰ میں سے ہیں۔ بلکہ آیت کا صریح مطلب یہ ہے کہ جیسے حضرت موسیٰ کی اُمت میں مسیح علیہ السلام آئے تھے انہی کے مثیل کوئی مسیح اس اُمت محمدیہ میں آئے۔ بالفاظ دیگر آیت قرآنی کا منشاء یہ ہے کہ اس اُمت میں مثیل عیسیٰ آئے اور خود حضرت عیسیٰ کے تشریف لانے کے یہ آیت متحمل نہیں ہوسکتی۔

دوسری شہادت: دوسری شہادت اسی امر کے متعلق یہ ہے کہ قرآن کریم نبوت کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کرتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن کریم کی تصریح کے مطابق نبی تھے۔ پس یہ ناممکن ہے کہ وہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آئیں۔ اور اگر وہ آئیں تو خاتم النبیّن حضرت عیسیٰ ہوں گے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیونکہ نبوت کا خاتمہ اس پر ہوگا جو سب سے پیچھے دنیا میں آئے۔ اور یہ خیال، کہ گو سب سے پیچھے حضرت عیسیٰ آئیں مگر بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیچھے ہے اس لئے وہ آخری نبی ہیں، باطل ہے۔ فرض کرو ایک میدان کو فتح کرنے کی ضرورت ہے۔ تو اس میدان کا آخری جرنیل وہ نہیں ہوگا جس کے مقرر کئے جانے کی تاریخ پیچھے ہو۔ بلکہ وہ ہوگا جس نے بالآخر اس میدان کو فتح کیا۔ اگر زید اور بکر دو جرنیل ہوں۔ زید کا تقرر پہلے ہو اور بکر کا بعد میں۔ اور زید ابھی زندہ تھا کہ بکر کا انتقال ہوگیا۔ اور زید نے ہی بالآخر اس میدان کو فتح کیا۔ تو کوئی عقلمند بکر کو آخری جرنیل نہیں کہے گا۔ بلکہ سب لوگ زید کو ہی آخری جرنیل کہیں گے۔ جو سب سے پیچھے جرنیل کا کام کرتا رہا۔ اسی طرح اگر حضرت عیسیٰ نبی اللہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آجائیں اور دین کا غلبہ انہی کے ہاتھ پر ہو تو آخری نبی وہی کہلائیں گے۔ علاوہ ازیں ایک اور امر بھی حضرت عیسیٰ نبی اللہ کے آنے میں مانع ہے کہ حضرت عیسیٰ کو قرآن کریم نے صاف طور پر رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ (48:3) کہا ہے تو وہ دوسری کسی قوم کی طرف رسول نہیں ہوسکتے۔ اس لئے بھی وہ اُمت محمدیہ میں نہیں آسکتے۔ تیسری دقت اس بارے میں یہ ہے کہ نبی نبوت کے کسی کام کے لئے ہی بھیجا جاتا ہے۔ پس اگر یہ مانا جائے کہ حضرت عیسیٰ نبی اللہ آنے والے ہیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ نبوت کے کام کی تکمیل بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے نہیں ہوئی اور یہ صریح نص قرآنی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (3:5) کے خلاف ہے۔ انہی مجبوریوں کی وجہ سے اہل تحقیق کو یہ ماننا پڑا ہے کہ حضرت عیسیٰ رسول نہیں بلکہ مجدد ہوکر آئیں گے۔

جیسے فتح البیان میں ہے حِیْنَ یَنْزِلُ یَنْزِلُ عَامِلًا عَلٰی شَرِیْعَۃِ مُحَمَّد صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کَاَنَّہٗ بَعْضُ اُمَّتِہٖ یا جیسے فتح الباری میں ہے یَکُوْنُ عِیْسٰی حَاکِمًا مِّنْ حُکَّامِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ لیکن اس میں بھی کئی قسم کی دقتیں ہیں۔ اول تو یہ بات ہی بے معنی ہے کہ نہ نبوت کا کوئی کام باقی ہے نہ کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو دو ہزار سال سے زندہ رکھا ہوا ہے کہ اسے پھر دنیا میں بھیجا جائے۔ یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ نبوت کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہوئی۔ اور نہ دین کامل ہوا تو پھر مسیح آئے گا اور نبی ہو کر آئے گا۔ اور اگر مسیح نے مجدد ہو کر ہی آنا ہے تو یہ بات ہی بالکل بے معنی ہے کہ مجدد کے کام کے لئے ایک نبی کو زندہ رکھا جائے۔ اور دوسری دقت یہ ہے کہ اگر وہ مجدد ہو کر آئیں تو نبوت کے کام سے الگ ہو کر آئیں گے۔ تو حضرت مسیح کا نبوت سے معزول کیا جانا بھی بے معنی ہے۔ نبی کا فوت ہو جانا بھی سنت الٰہی ہے۔ اس کے زمانہ کا ختم ہو جانا بھی قابل تسلیم ہے۔ لیکن اس کا نبوت سے معزول کیا جانا یہ بالکل خلاف اصول دین ہے۔ اور ان ساری باتوں کے باوجود ابھی یہ دقت باقی رہتی ہے کہ اگر حضرت مسیح نے شریعت محمدیہ پر عمل کرنا ہے اور قرآن کریم اور حدیث کے مطابق ہی فیصلے صادر کرنے ہیں تو قرآن کریم اور حدیث کی تعلیم وہ کس طرح حاصل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون دو ہی طرح پر ہے ایک وہ علم جو وہ بذریعہ وحی عطا کرتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو انسان بذریعہ اکتساب کرتا ہے۔ اب اگر وہ قرآن وحدیث کا سارا علم بذریعہ وحی حاصل کریں تو ان کی نبوت میں کیا شبہ رہا اور اگر بذریعہ اکتساب کریں تو آسمان سے اُتر کر پہلے کئی سال قرآن وحدیث پڑھنا پڑے گا۔ بلکہ پہلے عربی زبان کی تحصیل کرنی ہوگی۔ غرض حضرت مسیح کا دوبارہ اس دنیا میں آنا تمام محکمات قرآنی کو باطل کرتا ہے۔ اس لئے لازماً ہمیں نزول ابن مریم کی تاویل کرنی پڑے گی۔

قرآن کریم سے تیسری شہادت کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر مفصل بحث میں نے کتاب ''مسیح موعود'' میں کی ہے۔ یہاں میں صرف مختصراً قرآن کریم کی ان آیات کا حوالہ دیتا ہوں جن سے صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

اول کُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ (117:5) اور میں ان پر (یعنی اپنے پیروؤں پر) گواہ تھا جب تک میں ان میں رہا۔ پھر جب تو

نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی ان پر نگہبان تھا۔ یہ جواب حضرت عیسیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں ہے ءَ اَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰـہَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ (116:5) کیا تُو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو۔ یعنی سوال حضرت عیسیٰ کی اُمت کے باطل عقیدہ کے متعلق تھا۔ جس کے رو سے اُنہوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا بنا لیا تھا۔ اور جواب یہ ہے کہ جب تک میں ان میں رہا میں ان پر گواہ تھا۔ یعنی ان کا عقیدہ نہیں بگڑا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تجھ کو ہی خبر ہے کہ اُنہوں نے کیا عقیدہ بنا لیا۔ اس آیت سے بصراحت ثابت ہے کہ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہو گئے اس وقت تک ان کی خدائی کا عقیدہ بھی نہیں بنا۔ پس اگر قرآن کریم کے نزول سے پہلے حضرت عیسیٰ کی خدائی کا عقیدہ بن چکا تھا اور اگر یہ ذکر قرآن شریف میں موجود ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات بھی پا چکے تھے۔ یہ نتیجہ ایسا بدیہی ہے کہ کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر اس کی بداہت کو بخاری کی حدیث اور بھی واضح کرتی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض آپ کی اُمت کے لوگ دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے تو بعینہٖ وہی آپ عرض کریں گے جو اوپر حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب ہے دیکھو بخاری کتاب التفسیر باب قولہ کُنۡتُ عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡہِمۡ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡہِمۡ (117:5)

دوم۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ (144:3) اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف رسول ہیں۔ آپ سے پہلے سب رسول گزر چکے۔ یہاں ال استغراقی ہے۔ اور کسی صورت میں معنے نہیں بنتے سوائے اس کے کہ الرسل کے معنے سب رسول لئے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت ابوبکرؓ نے اسی آیت سے آپ کی وفات پر دلیل لی۔ یعنی جب پہلے سب رسول فوت ہو چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فوت ہو جانا بھی سنت الٰہی کے مطابق ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ کچھ رسول فوت ہو گئے تو صحابہ میں سے جو لوگ یہ کہتے تھے کہ آپ فوت نہیں ہوئے وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ جب بعض رسول ابھی زندہ ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ رہنے چاہئیں۔

سوم۔ مَا الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ وَ اُمُّہٗ صِدِّیۡقَۃٌ

كَـانَا يَاكُلٰنِ الطَّعَامَ (75:5) مسیح ابن مریم صرف ایک رسول تھے ان سے پہلے سب رسول گذر چکے اور ان کی ماں راستباز تھیں وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ یہ الفاظ حضرت مسیح کی خدائی کے ابطال کے لئے لائے گئے ہیں۔ اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جس طرح حضرت مریم اپنی زندگی کے لئے کھانے کی محتاج تھیں اسی طرح حضرت عیسیٰ بھی اپنی زندگی کے لئے کھاناے کے محتاج تھے۔ دونوں کو ایک آیت میں رکھ کر یہ بتایا کہ جس طرح وہ فوت ہو گئیں، حضرت عیسیٰ بھی فوت ہو گئے۔ وہ دونوں کبھی کھانا کھاتے تھے اور زندہ تھے اب نہ کھانا کھاتے ہیں نہ زندہ ہیں۔

چہارم۔ اَوْصٰـنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّا (31:19) اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں۔ یہ کس قدر واضح دلیل حضرت عیسیٰ کی وفات پر ہے۔ کیونکہ یہاں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کو لازم قرار دیا گیا ہے جب تک وہ زندہ رہیں۔ اب اگر آسمان پر نماز اور وضو اور طہارت وغیرہ کا انہیں متکلف بھی خیال کر لیا جائے تو زکوٰۃ کس کو دیتے ہوں گے۔

پنجم۔ وَالَّـذِيْـنَ يَـدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ . اَمْوَاتٌ غَيْـرُ اَحْيَـآءٍ وَمَـا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (21-20:16) جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود مخلوق ہیں وہ سب مر چکے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ انہیں کب اُٹھایا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہاں ان معبودوں کا ذکر ہے جو انسانوں میں سے بنائے گئے ہیں۔ کیونکہ بعد موت اُٹھائے جانے کا بھی ذکر ہے۔ اور ان سب کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ مر چکے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں۔ ان معبودوں میں سے دنیا میں اول نمبر تو حضرت مسیح کا یہی ہے۔ اگر وہی زندہ ہیں تو یہ ساری دلیل بے معنی ہے۔ غرض ان آیات سے کھلے طور پر ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ زندہ نہیں فوت ہو چکے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے حضرت مسیح علیہ السلام کا دیگر انبیاء کی طرح فوت ہو جانا قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے۔ مگر بنظر اختصار میں ان کو چھوڑتا ہوں۔ کیونکہ فی الحقیقت صراحت سے ایک آیت سے بھی ایک بات ثابت ہو جائے تو کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

حضرت عیسیٰ کی وفات پر ایک اور گواہی: احادیث میں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ

آسمان پر اُٹھائے جانے کا ذکر کسی مرفوع حدیث میں نہیں وہاں ایسی احادیث پائی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔خود حدیث معراج کو دیکھا جائے تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حدیث معراج میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰؑ کو ایک ہی جگہ دیکھا۔اب حضرت یحیٰؑ بالاتفاق وفات پا چکے ہیں۔اور زندہ اور وفات یافتہ کے لئے الگ الگ حالت اور الگ الگ مکان ہیں۔پس حضرت عیسیٰ کا حضرت یحیٰؑ کے ساتھ ہونا صاف بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ بھی وفات یافتہ تھے۔حدیث معراج کی کسی راویت میں اشارہ تک نہیں کہ آپ نے حضرت عیسیٰ کو اور حالت میں دیکھا اور دوسرے انبیاء کو اور حالت میں دیکھا۔پھر اس کے علاوہ ایک حدیث ابن کثیر جلد 2 صفحہ 246 اور الیواقیت والجواہر صفحہ 22 پر اور زرقانی جلد 6 صفحہ 374 پر منقول ہے جس کے الفاظ ہیں **لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وُسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِيْ (يَامَكَانَ مِنَ اتِّبَاعِهٖ)** اگر موسیٰ وعیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت شدہ سمجھتے تھے۔ایسا ہی ایک اور حدیث ابن کثیر جلد 2 صفحہ 242 اور زرقانی جلد 1 صفحہ 42 پر منقول ہے جس کے الفاظ ہیں **اِنَّ عِيْسٰى ابْنَ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِيْنَ وَمِأَةَ سَنَةٍ** حضرت عیسیٰ ایک سو بیس برس تک زندہ رہے۔یہ حدیث بھی بصراحت بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے اور ان کی وفات ایک سو بیس برس کی عمر میں ہوئی۔اور زرقانی میں ہے **اَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ بِسَنَدٍ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ عَنْ عَائِشَةَ** یعنی یہ روایت طبرانیؒ نے کبیر میں ایسی سند سے حضرت عائشہ سے بیان کی ہے جس کے راوی معتبر ہیں۔اور اس کے ابتدائی حصہ میں ہے کہ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں حضرت فاطمہؓ سے فرمائی تھی۔اور اس کے آخر پر ہے کہ میں ساٹھ سال کے سر پر وفات پانے والا ہوں۔ظاہر ہے کہ یہ حدیثیں وضعی نہیں ہوسکتیں۔اس لئے کہ ان میں حضرت عیسیٰ کے وفات پانے کا ذکر ہے حالانکہ عام خیال اس زمانہ میں یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ائمہ اربعہ میں سے امام مالک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں۔جیسا کہ مجمع بحار الانوار میں لفظ حکم کی بحث کے نیچے ہے **وَقَالَ مَالِكٌ مَاتَ**

یعنی امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ فوت ہوگئے۔ امام ابن خزم کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ جلالین معہ کمالین صفحہ 109 پر ہے وَتَمَسَّکَ ابْنُ حِزْمٍ بِظَاهِرِ الْآيَةِ وَقَالَ بِمَوْتِهٖ یعنی ابن خزم آیت يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ (55:3) کو ظاہر پر حمل کر کے ان کی (حضرت عیسیٰ کی) موت کے قائل ہیں۔ اور محی الدین ابن عربی کا مذہب نزول ابن مریم کے متعلق یہ ہے وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلّقِهٖ بِبَدَنٍ آخَرَ یعنی ان کا نزول آخری زمانہ میں دوسرے بدن کے ساتھ ہوگا۔ جس کو صوفیوں کی اصطلاح میں بروز کہتے ہیں۔ اور اقتباس الانوار صفحہ 52 پر ہے وبعضے برآنند کہ روح عیسیٰ درمہدی بروز کند ونزول عبارت ازیں بروز است۔ یعنی بعض (اہل اللہ) اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ کی روح مہدی میں بروز کرے گی اور نزول سے مراد یہی بروز ہے۔ یہ دونوں اقوال حضرت عیسیٰ کے نزول کے مسئلہ کو بالکل صاف کر دیتے ہیں۔

نزول ابن مریم سے مراد کسی دوسرے شخص کا آنا ہے: اوپر کے دونوں اقوال سے یہ ظاہر ہے کہ پہلے بھی بعض اولیاء اللہ اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول جس کا ذکر احادیث میں ہے اس سے مراد بروزی نزول ہے☆ یعنی حضرت عیسیٰ کی روحانیت کا کسی دوسرے شخص میں ظاہر ہونا۔ اور خود حدیث نزول میں اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ اور کہہ کر اور یہ بتا کر کہ وہ عیسیٰ ابن مریم، جس کے نازل کا

☆ لفظ نزول سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ اس لئے کہ نزول کے لئے لفظ کا استعمال زبان عرب میں بہت وسیع ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ (26:7) ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانکتا ہے۔ حالانکہ لباس سوت سے اور سوت کپاس سے اور کپاس زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ اور فرمایا وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ (25:57) اور ہم نے لوہا نازل کیا۔ حالانکہ لوہا زمین سے نکلتا ہے اور صاف کیا جاتا ہے۔ بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث کرنے کو بھی لفظ اَنْزَلَ سے ہی تعبیر کیا ہے قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۔ رَّسُوْلًا (11-10:65) اللہ نے تم پر ذکر نازل کیا یعنی رسول۔ پس نزول ابن مریم سے مراد صرف ابن مریم کا آنا ہے۔ اوپر سے اُترنا اس کے معنے میں ضروری نہیں۔

ذکر ہے، وہ مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہی ایک شخص ہوگا، اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ کی وفات کا بالتصریح ذکر فرما کر دوسرا قرینہ اس بات پر قائم کر دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ خود آنے والے نہیں بلکہ ان کی صفات یا روحانیت کا کسی دوسرے شخص میں ظہور ہوگا۔ اور یہ احادیث بخاری ہی میں ہیں۔ اور ان میں حضرت عیسیٰ کا حلیہ اور دیا ہے اور آنے والے مسیح کا حلیہ اور دیا ہے۔ حالانکہ نام وہاں بھی ایک ہی ہے۔ چنانچہ باب **وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ** کے نیچے حدیث معراج میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **وَلَقِيتُ عِيسٰى** ...... **فَقَالَ رَبْعَةٌ اَحْمَرُ** میں عیسیٰ کو ملا فرمایا وہ متوسط گورے رنگ کے تھے۔ اسی حدیث میں حضرت موسیٰ کا حلیہ بھی دیا ہے۔ یہ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے۔ اس کے ساتھ ہی ابن عمرؓ کی روایت ہے جس میں حضرت عیسیٰ کا ذکر ان الفاظ میں ہے **فَاَمَّا عِيسٰى فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيضُ الصَّدْرِ** یعنی عیسیٰ گورے، گھونگریالے بالوں والے، فراخ سینے والے تھے۔ اور آگے چل کر جہاں مسیح الدجال کے ساتھ مسیح ابن مریم کا ذکر کیا ہے جو گویا آنے والے مسیح ہیں۔ وہاں فرمایا **وَّاَرَانِي اللَّيْلَةَ عِنْدَالْكَعْبَةِ فِي الْمَنَامِ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ كَاَحْسَنِ مَايُرٰى مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهٗ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ رَجُلُ الشَّعَرِ** ...... **فَقَالُوْا هٰذَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ** آج رات کو خواب میں مَیں نے اپنے آپ کو کعبہ کے پاس دیکھا۔ سو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی گندم گوں رنگ کا گندم گوں لوگوں میں سے نہایت خوبصورت اس کے سر کے بال کانوں سے سے نیچے کندھوں کے درمیان پڑے ہوئے تھے اور وہ سیدھے بالوں والا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ کہا یہ مسیح ابن مریم ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسری حدیث میں لفظ ہیں **قَالَ بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ بَسْطُ الشَّعَرِ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا اِبْنُ مَرْيَمَ** خواب کی حالت میں دیکھتا ہوں کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں تو ایک شخص گندم گوں سیدھے بالوں والا ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے کہا یہ ابن مریم ہے۔

پہلی دونوں حدیثوں میں جہاں معراج کی رات میں انبیاء کے ساتھ عیسیٰ ابن مریم کو دیکھا تو دونوں حدیثوں میں یہ فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم گورے رنگ کے اور گھونگریالے بالوں والے تھے۔ اور یہاں دونوں حدیثوں میں جہاں طواف کعبہ میں ابن مریم کو دیکھنے کا ذکر ہے اور اسی حدیث میں

دجال کا بھی ذکر ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ مسیح ہیں جو اس اُمت میں آنے والے ہیں۔ تو ان کا حلیہ یہ بیان فرمایا کہ رنگ گندم گوں اور بال سیدھے۔ ان دلیلوں کے بعد کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ قرآن وحدیث کی رو سے حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل اور آنے والے مسیح دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ اور ایک نام دینے کی غرض یہ تھی کہ یہ بتایا جائے کہ روحانیت کے رنگ میں یا صفات کے رو سے دونوں ایک ہیں۔

نزول یا دوبارہ آمد کی پیشگوئی پہلی کتب میں: ایک اور بڑا بھاری قرینہ، اس بات پر کہ نزول یا دوبارہ آمد کی پیشگوئی سے مراد خود اس شخص کا آنا نہیں ہوتا بلکہ اس کی صفات یا اس کی روحانیت کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا آنا ہونا ہے، پہلی کتب مقدسہ میں ملتا ہے۔ لیکن اس بات کی کوئی نظیر پہلی کتب میں نہیں ملتی کہ کبھی ایک ہی شخص دوبارہ دنیا میں آیا ہو۔ بائبل کی ایک کتاب میں یہ پیشگوئی ہے ''خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیا نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا (ملاکی 5:4 اور 2 سلاطین 1:3 اس کی بنا پر یہودیوں کا یہ خیال تھا کہ حضرت الیاسؑ زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے ہیں۔ اس لئے وہ پیشگوئی سے یہی سمجھتے تھے کہ حضرت مسیح کے زمانہ سے پیشتر حضرت الیاس دوبارہ آسمان سے نازل ہوں گے۔ چنانچہ جب حضرت مسیح ظاہر ہوئے تو علمائے یہود نے یہی اعتراض ان کے سامنے پیش کیا اور اس کا جواب حضرت مسیح نے یوں دیا'' اور اس کے شاگردوں نے اس سے کہا پھر فقیہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضروری ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ الیاس البتہ پہلے آوے گا اور سب چیزوں کا بندوبست کرے گا۔ پر میں تم سے کہتا ہوں کہ الیاس تو آ چکا۔ لیکن اُنہوں نے اس کو نہیں پہچانا۔ تب شاگردوں نے سمجھا کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا'' (متی 17:11-13) اور یہی ذکر مرقس کی انجیل میں بھی ہے۔ اور لوقا کی انجیل میں حضرت یحییٰ کے ذکر میں یہ لفظ ہیں ''اور وہ اس کے آگے الیاس کی طبیعت اور خو کے ساتھ چلے گا۔'' اب یہاں ایک تو عہد نامہ قدیم کی شہادت ہے کہ حضرت الیاسؑ کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی تھی اور اس عہد نامہ جدید کی تین انجیلوں کی شہادت ہے کہ حضرت مسیح پر اعتراض ہوا تو اُنہوں نے یحییٰ کو الیاس قرار دیا۔ اور اس کی وجہ یہ قرار دی کہ وہ الیاس کی خو اور طبیعت میں آئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کو امکانی طور پر

تحریف نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ پرانے عہد نامہ اور جدید عہد نامہ دونوں کی شہادت اس پر ہے۔ اور پھر حضرت مسیح کے دعویٰ کے خلاف یہ ایک زبردست امر تھا۔ اس لئے عیسائی تحریف کر کے خود حضرت مسیح کے دعویٰ کو کمزور نہ کر سکتے تھے۔ اور یہ درحقیقت ایک نمونہ سے واضح کر دیا گیا تھا کہ خود حضرت مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی سے غلطی نہ لگے۔ کیونکہ الیاس کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کا مفہوم صاف بتا دیا گیا کہ اس سے مراد انہی صفات کے کسی دوسرے آدمی کا آنا ہے۔ تو حضرت مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی پر قرآن و حدیث کی شہادت کے علاوہ سابقہ کتب کی شہادت بھی ہوگئی کہ اس سے مراد ایک مسیحی صفت مجدد کا آنا ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ جب بانی سلسلہ احمدیہ نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تو اس دعویٰ کے اندر ہی وہ لفظ موجود تھے۔ جن سے آپ کا مسیح موعود ہونا ثابت ہوتا تھا۔ حالانکہ اس کا انکشاف آپ پر کوئی سات آٹھ سال بعد ہوا۔ چنانچہ دعویٰ مجددیت کے یہ الفاظ قابل غور ہیں:

> ''اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک دوسرے سے بشدت مناسبت اور مشابہت ہے۔''

پیشگوئیوں میں مجاز: اِن دلائل کی صحت پر ادنیٰ شبہ کی گنجائش بھی نہیں۔ لیکن بااِیں یہ کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے کھلے کھلے ذکر کے باوجود اس سے مجازاً ان کا کوئی ہم صفت مراد کیوں لیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ جب ایک عبارت ظاہر پر محمول نہ ہو سکے تو لازماً اس سے مراد مجاز لیا جائے گا۔ اور یہ امر یقینی طور پر ثابت ہے کہ ''عیسیٰ ابن مریم'' کو ظاہر معنے پر محمول کرنے سے قرآن کریم کی، احادیث کی بلکہ خود حدیث نزول کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اس لئے مجاز مراد لینے پر ہم مجبور ہیں۔ لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو خود اس حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہاں ظاہر کے معنے مراد لئے جا سکتے ہی نہیں۔ کیونکہ حدیث میں مسیح ابن مریم کا کام لکھا ہے **يَكْسُرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخَنْزِيْرَ** اب اس کو اگر ظاہر پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ نازل ہو کر تمام دنیا میں صلیبیں توڑتے پھریں گے اور سؤروں کو مارتے پھریں گے۔ اور یہ ایسا کام ہے جو آج تک کسی نبی ولی مجدد کے سپرد

نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی مامور ہوا، خواہ نبی کے رنگ میں مامور ہوا یا مجدد کے طور پر، اس کا کام اصلاح خلق یا حفاظت دین ہی ہوا۔ اس لئے لازماً ہم کو یہاں مجازی معنی مراد لینے پڑیں گے۔ کہ صلیب چونکہ عیسائی مذہب کا نشان ہے، اس لئے کسر صلیب سے مراد ابطال عیسویت ہے۔ اور اسی طرح خنزیز چونکہ نجاست اور پلیدی پر منہ مارتا ہے اس لئے قتل خنزیر سے بعض خبیث صفات کا کسی قوم کے اندر سے دور کرنا ہوسکتا ہے۔ لیکن فی الواقعہ لکڑی یا چاندی یا سونے کی صلیبوں کو توڑتے پھرنا اور سؤروں کو مارتے پھرنا ایک نبی یا مجدد کا کام نہیں۔ اور ایک ادنیٰ عالم کے بھی یہ شایان شان نہیں۔ چہ جائیکہ ایک نبی کو دو ہزار سال سے اس غرض کے لئے زندہ رکھا جائے۔ اور حق یہ ہے کہ پیشگوئیوں میں اکثر استعارہ اور مجاز کا ہی دخل ہوتا ہے۔ اور یہی حال ابن مریم کی پیشگوئی کا ہے۔ جس میں الفاظ ابن مریم اور کسر صلیب اور قتل خنزیر سب مجازاً آئے ہیں۔ اور جو شخص یہ اصرار کرتا ہے کہ ابن مریم سے سوائے ظاہر کے اور کوئی مراد نہیں لی جاسکتی ہے تو وہ صرف قرآن کریم اور احادیث کی ہی تکذیب نہیں کرتا بلکہ ابن مریم کا کام بھی ایسا تجویز کرتا ہے جو کسی خدا کے مامور کی طرف منسوب کرنا، نہ صرف بے معنی ہے، بلکہ ماموریت پر جگ ہنسائی کرانا ہے۔

اگر پیشگوئی میں مجاز مراد نہ لیا جائے تو احادیث سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے: اگر ابن مریم، کسر صلیب، قتل خنزیر کے الفاظ کو مجاز پر محمول نہ کیا جائے تو پھر سوائے اس کے چارہ نہیں کہ احادیث کا ایک بڑا بھاری ذخیرہ فرضی قرار دینا پڑتا ہے۔ یعنی نہ صرف ان احادیث کو وضعی ماننا پڑے گا جن میں ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے اور بخاری اور مسلم دونوں کی کتابوں میں ایسی احادیث کئی ایک ہیں بلکہ اس کے ساتھ ایک بڑا بھاری ذخیرہ احادیث کا وضعی ماننا پڑتا ہے۔ یعنی وہ احادیث جن میں دجال کا، یاجوج ماجوج کا، دابتہ الارض کا اور ایسا ہی بعض دیگر فتنوں کا ذکر ہے جو اس موجودہ زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جن میں سے بعض پیشگوئیاں ایسی کھلی کھلی پوری ہوچکی ہیں کہ آج وہ مسلمان بھی، جو سلسلہ احمدیہ میں شامل نہیں، ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا مان لیا جائے تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ عیسیٰ ابن مریم کے آنے کی پیشگوئی بھی پوری ہوچکی ہے۔ یہ معاملہ ایک معمولی معاملہ نہیں، جسے ایک خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانے والا بے پروائی کی نظر سے دیکھ سکے۔

فروعی مسائل میں ہمارے اندر سینکڑوں اختلافات ہوں ہرج نہیں۔ ایک شخص اگر ایک حدیث کی بناء پر ایک مسئلہ کو درست مانتا ہے اور دوسرا اس کے خلاف دوسری حدیث کی بناء پر دوسرے مسئلہ کو درست مانتا ہے تو اس میں صرف ایک حدیث کو ماننے اور دوسری کو رد کرنے کا سوال ہے۔ لیکن احادیث نزول ابن مریم، احادیث آثار قیامت وغیرہ احادیث سب ایک ذیل میں آتی ہیں۔ اور دو حال سے خالی نہیں۔ یا ان کو بحیثیت مجموعی قبول کرنے کے یہ معنے نہیں کہ ان کے ایک ایک لفظ پر ایمان لایا جائے۔ کیونکہ ان میں یقیناً راویوں کے خیالات کی کچھ ملاوٹ بھی ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کا قبول کرنا یہی ہے کہ ان میں جو اُمور مذکور ہیں ان کو ظاہر طور پر یا مجاز کے رنگ میں درست مانا جائے۔ جیسا کہ قرائن سے اور غالب شہادت سے معلوم ہو۔ اور یا ان کو کلیتہً رد کیا جائے۔ دوسری صورت کو اختیار کرنے کے یہ معنے ہیں کہ اس سارے مجموعہ حدیث کو، جن میں ان اُمور کا ذکر ہے، اکاذیب اور اباطیل کا مجموعہ قرار دیا جائے۔ اور ایسی جرأت ایک مسلمان سے، جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے، ہو نہیں سکتی۔ اور علاوہ ازیں یہ ایسا بے اصولا پن ہوگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری تاریخ کو ہی باطل قرار دینا پڑے گا۔ اور دنیا میں کوئی امر بھی قابل اعتبار نہ رہ جائے گا۔ یہ اسلام کے ساتھ ایک بڑی بھاری بے انصافی ہوگی کہ جو امور ظاہر رنگ میں یا مجاز کے طور پر پورے ہو کر مسلمانوں کے ازدیاد ایمان کا موجب ہو سکتے ہیں انہیں محض اس لئے رد کر دیا جائے کہ ان کی وجہ سے نزول ابن مریم کو ماننا پڑتا ہے۔

7 جون 1931ء

مراسلت

جماعت لاہور اور قادیان میں اتحاد

کسی صاحب نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ کی خدمت میں جماعت قادیان اور لاہور میں اتحاد کے متعلق ایک خط لکھا ہے۔ خط پر نویسندہ کا نام نہیں، اس لئے اس کا جواب اخبار میں شائع کر دیا جاتا ہے۔ شاید نویسندۂ خط کی نظر سے گذرے۔

اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں آپ کے خیالات کی قدر کرتا ہوں۔ اتحاد کی خواہش بہت اچھی چیز ہے۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ اختلاف کی وجہ لفظ نبوت کی لفظی بحث نہیں بلکہ میاں محمود احمد صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کے تمام کلمہ گو مسلمان حتّٰی کہ وہ بھی جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کا نام تک نہیں سنا اور اپنی جگہ بے خبر پڑے ہوئے ہیں اور وہ بھی جو دل سے بھی حضرت صاحب کو سچا مانتے اور زبان سے بھی اقرار کرتے ہیں مگر بیعت اُنہوں نے نہیں کی، یہ تمام لوگ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ قادیانی احمدی ہوں یا لاہوری آخر مسلمانوں کی ایک جماعت ہیں۔ تو ہمارا اتحاد اسی وقت تک مفید ہوسکتا ہے جب تک کہ اسلام کا اتحاد قائم رہے۔ جب اسلام کا اتحاد پاش پاش ہوتا نظر آئے تو پھر اس بڑے اتحاد کی خاطر چھوٹے اتحاد کو قربان کرنا پڑا۔ اگر یہ ایک امر درمیان میں نہ ہوتا تو ہمیں علیحدہ جماعت بنانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ میاں صاحب کا یہ عقیدہ حضرت صاحب کی کھلی کھلی تحریروں کے خلاف ہے۔ یہی اعتراض ڈاکٹر عبدالحکیم خاں نے آپ کی زندگی میں آپ پر کیا تھا کہ آپ اپنے نام سے بے خبر لوگوں کو کافر کہتے ہیں تو آپ نے تحدی سے ''حقیقت الوحی'' میں لکھا کہ یہ مجھ پر افتراء ہے۔ اگر میں نے کبھی ایسا لکھا ہے تو ڈاکٹر عبدالحکیم خاں میری وہ تحریر پیش کریں۔ مگر آج یہی بات ''آئینہ صداقت'' میں جناب میاں صاحب کے قلم سے نکلی ہوئی موجود ہے کہ حضرت مسیح موعود کے نام سے بے خبر لوگ بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور کوئی پوچھتا تک نہیں کہ یہ کیا انقلاب ہے؟! جس بات کے متعلق عبدالحکیم خاں کے بالمقابل خود حضرت مسیح موعود نے متحد یانہ دعوٰی کیا وہی بات آج میاں صاحب کہہ رہے

ہیں۔آپ بھی اس پر غور فرمائیں کہ کیا اس طرح کروڑ ہا مسلمانوں کو کافر کہہ دینا کوئی چھوٹی سی بات ہے۔ وہ حدیث کا وعید اس وقت کیوں ہمارے سامنے نہیں آتا کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہتا ہے وہ کفر اُلٹ کر اس پر پڑتا ہے۔حضرت صاحب نے ''ازالہ اوہام'' میں لکھا ہے کہ میری بعثت کی غرض یہ ہے کہ میں مسلمانوں کے اندر سے باہمی تکفیر کو دور کروں۔کیا جناب میاں صاحب چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دے کر اس غرض کو پورا کر رہے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب کا الہام کہ رسوا کرنے والی باتیں کوئی باقی نہ رکھی جائیں گی۔تو کیا اس بات سے حضرت صاحب کی عزت ہوتی ہے کہ ان کی طرف اس تعلیم کو منسوب کیا جائے کہ آپ چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دیتے تھے۔اس سے بڑھ کر رسوا کرنے والی اور کیا بات ہے۔اس کو دور کرنے کی کوشش کریں تو مخزیات خود اُٹھ جائیں گی۔اسلام کا بھی بھلا ہوگا۔اور جماعت کو بھی لوگ سر آنکھوں پر جگہ دیں گے۔ہاں اگر بد باطن بُرا کہتے رہیں تو کہتے رہیں۔کیا صحابہ کو بُرا کہنے والے آج موجود نہیں؟ والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس۔لاہور

❁❁❁

19 جون 1931ء

بیگم صاحبہ حضرت امیر کے قلم سے

چند منٹ خدا کے لئے

خواتین سلسلہ سے اپیل

سلسلہ احمدیہ جس پاک مقصد کو لے کر عالم وجود میں آیا۔ وہ وہی برگزیدہ مقصد ہے جو خدا نے اپنے انبیاء وصالحین کے سپرد فرمایا تھا۔ یعنی اعلاء کلمۃ اللہ۔ اسلام کے اصولوں کی تلقین ہی وہ حقیقی تعلیم ہے جو دنیا میں صحیح راہ عمل بتا کر انسان کو ایک کامیاب و نافع زندگی بسر کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس لئے ہر ایک شخص کا، جس کے دل میں خدا کے بندوں کی خدمت و بھلائی کا خیال ہو، اس کا فرض ہے کہ وہ جس رنگ میں بھی ہو سکے اشاعت اسلام میں معاون ہو۔ اور نہ صرف خود بلکہ اپنے عزیزوں کو بھی اس راہ ہدایت کی طرف بلا کر عنداللہ ماجور ہو۔

اس وقت سارا ہندوستان آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ اور طلبی حقوق نے ہر فرد بشر کو بے چین کر رکھا ہے۔ مسلمان اپنے مستقبل کے لئے فکر مند ہیں۔ کاش! وہ اس راستے پر آئیں جو ایک آزاد و با اقتدار قوم جیسی زندگی بسر کرنے کی طرف راہبری کرتا ہے اور جو آج سے قریباً نصف صدی پیشتر مجدد وقت نے قوم کے سامنے پیش کیا تھا۔ آج قدم قدم پر کثرت وقلت کا مسئلہ در پیش ہے۔ اگر ہم غور کریں تو اشاعت اسلام میں ہی ہماری تمام مشکلات کا حل موجود ہے۔ لاہور کی احمدی جماعت کو خدا نے جن مضبوط اور پسندیدہ اصولوں پر قائم کیا ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی تمام قوم کو اسی میں شامل کرنے کے لئے ہر دم جدوجہد میں لگی رہے۔ اور جو قومیں کامیابی کا منہ دیکھنا چاہتی ہیں ان کا بچہ بچہ میدان عمل میں نکل پڑتا ہے۔ ہمارے سامنے بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ اس وقت برادران وطن کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ آزادی کے حصول کے لئے اور دراصل اپنی قوم کو طاقتور مضبوط بنانے کی خاطر کس طرح ان کے مردان کی عورتیں اور بچے سرگرداں ہیں۔ افسوس ہے کہ مسلمان اپنی روایات کو چھوڑتے جا رہے ہیں اور غیر ان سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

احمدیہ جماعت جہاں دیگر اسلامی روایات قدیمہ کو زندہ کر رہی ہے وہاں اس کا یہ بھی فرض

ہے کہ وہ طبقۂ نسواں کو بھی اشاعت اسلام میں حصہ لینے کا اپنے دوش بدوش موقعہ دے۔ اور یہی وہ بنیادی کام ہے جس کا اثر آئندہ نسلوں پر بھی پڑے گا۔ ہم عورتوں نے بھی سلسلہ میں شامل ہوتے وقت دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عہد کیا ہے۔ اور قدم قدم پر اس عہد کو پورا کرنے کا سوال آجاتا ہے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت، رشتہ داروں سے سلوک، رسم و رواج، برادری کے تعلقات غرض بیسیوں موقعے ہمیں درپیش ہیں۔ جن میں ہم اپنے اس عہد کو پورا کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ جب ہمارے دِلوں میں ادائیگی فرض کا خیال ہو۔ جنگ کے اثناء میں ہر فرد پر کچھ زائد ذمہ داریاں بھی آپڑتی ہیں۔ آج بھی مسلمانوں کی زندگی وموت کا سوال ہے۔ اس لئے ہر فرد اسلام کا فرض اول ہے کہ وہ قومی تحریکوں میں دل سے حصہ لے۔ اس وقت ہمیں ضرورت نہیں کہ ہم صحابیاتؓ کی طرح پانی کی مشکیں اپنے کندھوں پر اُٹھا کر زخمیوں کو پانی پلائیں۔ یا میدان جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔ بلکہ نہایت آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھ کر اپنے وقت میں سے چند منٹ بچا کر کوئی مفید کام کریں۔ جس سے ہماری قوم کو قوت ملے۔ ہم میں سے قریباً ہر ایک کا کچھ نہ کچھ حصہ وقت کا رائیگاں بھی چلا جاتا ہے۔ تو مبارک ہے وہ وقت جس میں ہمارا خیال خدا کی طرف متوجہ ہو اور ہم کچھ دین اسلام کے لئے کر سکیں۔

احمدی بھائیوں اور بہنوں کو علم ہے گذشتہ دو سال سے احمدیہ انجمن خواتین لاہور نے اپنی صنف میں قوت عمل پیدا کرنے کے لئے دستکاری فنڈ کی تحریک شروع کر رکھی ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اسی میں ترقی ہو رہی ہے۔ پہلے سال کی نسبت دوسرے سال میں زیادہ بہنوں نے شرکت کی اور ہندوستان کے دور دراز حصوں میں سے بھی کئی بہنوں نے چیزیں بنا کر بھیجیں مگر اس عملی کام کی حیثیت سے جو احمدی جماعت کا طغرائے امتیاز ہے۔ اس طرف کم توجہ ہوئی۔ گذشتہ سال سیکرٹری خواتین کی طرف سے مختلف شہروں کے سیکرٹری صاحبان کی خدمت میں چٹھیاں بھیجی گئی تھیں۔ کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں دستکاری کی تحریک کریں۔ اب پھر میں اس تحریر کے ذریعہ ان کی خدمت میں یاددہانی کراتی ہوں کہ وہ اپنے شہر کے تمام احمدی گھروں اور واقف کار غیر احمدی گھروں میں بھی دستکاری کی تحریک کریں۔ نماز جمعہ میں جماعت میں تحریک کی جائے کہ وہ اپنی مستورات کو اس میں شامل کریں۔ اور پھر ماہ نومبر میں تمام جگہوں سے اشیاء وصول کر کے مرکز میں ارسال فرمائیں۔

ابتدائے تحریک سے خواتین جماعت جہلم نہایت خلوص و ہمت سے اس میں حصہ لیتی رہی ہیں۔ ان کا نمونہ اس قابل ہے کہ تمام جماعتیں اس کی تقلید کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس سال بھی وہ حسب دستور اشاعت اسلام کے مددگاروں کی صف اولین میں شامل ہوں گی۔ گذشتہ سال محترمہ بہن بنت محمد عبداللہ صاحب وکیل سری نگر کی کوشش سے ہماری کشمیر کی بہنوں نے بھی معقول حصہ لیا۔ بہن موصوفہ کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس سال بھی یاددہانی کرا کے سب بہنوں کو آمادہ عمل کریں۔ اور اگر وہ مناسب سمجھیں تو کشمیر کی دستکاری کو وہیں پر فروخت کر کے روپیہ بھجوا سکتی ہیں۔ اس طرح فرداً فرداً بھی کئی بہنوں نے بیش بہا مدد دی ہے۔ جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔ اور ناقدری ہوگی اگر میں ان بہنوں کا ذکر نہ کروں جو بظاہر تو احمدی جماعت میں شامل نہیں ہیں مگر دل سے ہمارے کام میں معاون ہیں اور دستکاری میں حصہ لے رہی ہیں۔ خداوند کریم سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ اور بیش از بیش خدمت دین کی توفیق بخشے۔

میں دوبارہ اپنی تمام بہنوں سے، جنہوں نے پہلے حصہ لیا ہے اور جو کسی وجہ سے تا حال شریک نہیں، بھی عرض کروں گی کہ موقعہ کو غنیمت سمجھ کر اپنے وقت میں سے چند منٹ خدا کے لئے بھی نکالئے۔ اپنی سہیلیوں اپنی بہنوں اور اپنی بچیوں کو بھی شامل کریں۔ گھر کے ہر فرد کو جدا جدا حصہ لینا چاہئے۔ جن بہنوں نے گذشتہ نمائش دستکاری دیکھی ان کا دل کس قدر خوش ہوا یہ دیکھ کر کہ لاہور کی جماعت میں سے اکثر چھوٹی چھوٹی بچیوں نے بھی اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے گڑیاں اور مختلف کھلونے بنا کر دیئے تھے۔ ان کی ہمت کو دیکھ کر بے اختیار دل سے دعا نکلتی تھی۔ خوش نصیب ہیں وہ والدین جو اپنی اولاد کے دل میں بچپن سے ہی خدمت دین کا بیج بوتے ہیں۔ یہ بھی بتا دینا چاہتی ہوں کہ دستکاری میں حصہ لینے کے لئے کسی خاص لیاقت یا ہنر کی ضرورت نہیں۔ ہر قسم کا کام دیا جا سکتا ہے۔ پچھلی دفعہ ایک غریب بہن نے مٹی کا چولھا بنا کر دیا تھا۔ جو دس آنے میں فروخت ہو گیا تھا۔ سوت، ازار بند، کڑھے ہوئے دوپٹے، مردانہ گرم جرابیں، بچوں کے فراک، ٹوپیاں، سوئٹر، کھلونے، ٹیبل، کلاتھ، پلنگ پوش، فیتے مردانہ رومال، لیڈیز رومال، موتیوں کا کام، برقع کی ٹوپیاں، رومال وغیرہ وغیرہ جو بھی آپ بنا سکیں اپنے حالات کے مطابق تیار کریں۔

❁❁❁

27 جون 1931ء
مکتوبات امیر۔1

برادران جماعت کے نام

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

میں آپ کو چند اُمور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جن کا تعلق ہمارے قومی نظام سے ہے۔ یہ بہتر ہوتا اگر میں علیحدہ علیحدہ خطوط اپنے سب احباب کو لکھتا مگر اس کے لئے جس قدر وقت اور محنت کی ضرورت ہے وہ مجھے میسر نہیں۔ اس لئے میں سب سے پہلے اپنے احباب سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ ان خطوط کو اسی توجہ سے پڑھیں جس طرح ایک دوست اپنے دوست کے پرائیویٹ خط کو پڑھتا ہے۔ اور دوسری درخواست یہ ہے کہ ہر ایک دوست اسے اپنے نام کا خط سمجھ کر اگر اس میں کوئی امر ایسا پائے جو اس کی رائے میں قوم کے لئے مفید نہیں۔ اور جس کی طرف وہ مجھے توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہے تو وہ فوراً مجھے لکھ دے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ اس پر پوری توجہ کروں گا۔ اور جو بات اس قابل پاتا ہے کہ اس کے قبول کر لینے میں دین کو یا قوم کو قوت پہنچتی ہے تو اسے فوراً عمل میں لانے کی کوشش کرے۔ کیونکہ ایک اچھی تجویز کو فوراً عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہ کی جائے تو بسا اوقات انسان اس نیکی میں شمولیت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور اس کو عمل میں لانے میں انسان کا اپنا فائدہ ہوتا ہے۔ بہت لوگ ہیں جو نیک تحریکات کی صحیح قدر نہیں کرتے۔ کسی شخص کو راستے میں چلتے ایک پیسہ یا ایک روپیہ مل جائے تو وہ فوراً اسے اُٹھا لے گا۔ لیکن اس کے سامنے ایک نیک تحریک یا اچھی تجویز آئے تو وہ اسے نہیں لیتا۔ حالانکہ بسا اوقات وہ پیسوں اور روپیوں سے بہت زیادہ مفید ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (269:2) جو شخص حکمت کی بات کو لے لے وہ بہت بڑے مال کا مالک ہو جاتا ہے۔ گویا نیک بات ایک خزانہ ہے۔ اور فی الحقیقت بھی دنیا میں جو مال یا خزانہ انسان کو ملتا ہے وہ کسی مفید بات پر ہی عمل کرنے سے ملتا ہے۔ بہت سی ہماری بھلائی کی باتیں ہوتی ہیں جو ہر روز ہمارے سامنے آتی ہیں۔ مگر چونکہ ان کو ہم عمل میں نہیں لاتے اس لئے ان کا ہونا نہ ہونا ہمارے لئے برابر ہوتا ہے۔ وہی بات ہوتی ہے کہ ایک شخص اس کو اپنے عمل میں لے آتا ہے اور اس سے

بے حساب خزانوں کا مالک بن جاتا ہے۔ یہ دنیا میں جتنے دولت مند نظر آتے ہیں ان کی دولت کسی تجویز پر عمل کا نتیجہ ہی ہوتی ہے۔قرآن شریف کی حکمت کی باتیں آج یورپ کے عمل میں ہیں اور وہ خزانوں کا مالک ہے۔ ہم صرف زبان سے پڑھ چھوڑتے ہیں اور فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا اچھی بات مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں اسے پائے فوراً اُٹھالے۔خود یہ کلام کس قدر پُر حکمت ہے۔اچھی بات مومن کی اپنی چیز ہے۔جو اس کے ہاتھ سے گویا کہیں گر گئی ہے۔گری ہوئی چیز کو اُٹھا لینے کا خواہش مند تو ہر ایک انسان ہوتا ہے۔ لیکن ایک نیک انسان دوسرے کی گری ہوئی چیز کو اپنی سمجھ کر نہیں اُٹھاتا۔اس لئے فرمایا کہ اچھی بات جس میں تمہارا یا تمہاری قوم کا یا تمہارے دین کا یا نسل انسانی کا فائدہ ہے اپنا کھویا ہوا خزانہ سمجھو اور جب وہ بات سامنے آجائے تو اس شوق سے اُٹھاؤ کہ جس شوق سے انسان اپنے گم شدہ مال کو اُٹھا لیتا ہے۔ میں جو چند باتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں تو اسی توقع پر رکھتا ہوں کہ آپ انہیں اپنی گم شدہ چیزیں سمجھ کر اُٹھالیں۔مگر اُٹھا لینے کے معنے یہ نہیں کہ آپ انہیں پڑھ کر خوش ہو جائیں۔ یا مجھے جزاک اللہ کہہ دیں۔ بلکہ اُٹھا لینے سے مراد یہ ہے کہ انہیں عمل میں لانے کی کوشش کریں۔اور وہ آپ کے دل و دماغ کے سامنے رہیں جب تک کہ آپ اپنے عمل میں ان کو نہ لے آئیں۔جب انسان ایک تجویز کو عمل میں لے آتا ہے تو وہ خود ہی اس کے دل و دماغ پر مسلط ہو جاتی ہے۔اور اس کام کا شوق اس کے اندر اس قدر زبردست پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اسے کیئے بغیر رہ نہیں سکتا۔

سب سے پہلی بات جو مجھے نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے احباب اب تک اس غفلت یا بیکاری کی حالت سے باہر نہیں نکلے جس میں مسلمان قوم عام طور پر مبتلاء ہے۔حضرت مسیح موعود نے یہ عظیم الشان کام کیا تھا کہ ان چند احباب کے دِلوں میں، جو ان کے اردگرد جمع ہو گئے تھے، ایک زبردست حرکت پیدا کر دی تھی۔غفلت کو دور کر کے خدمت اسلامی کا بلند احساس پیدا کر دیا تھا۔ تمام چھوٹے چھوٹے جھگڑوں سے بلند کر کے اعداء اسلام کے مقابل پر خدمت اسلام کے کام میں لگا دیا تھا۔احمدیت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا یہی کام تھا کہ اس نے سوتے ہوؤں کو جگا دیا۔اور بیکاروں کو کام میں لگا دیا۔اس وقت آپ کے پاس کوئی مبلغ نہ تھا۔ جسے آج یہاں اور کل وہاں بھیج

دیتے۔ جس شہر میں کوئی ایک احمدی تھا۔ اس کے اندر اس قدر زبردست قوت عمل نظر آتی تھی کہ وہاں اس نے اپنے نمونے سے اور ان زبردست دلائل صداقت سے جو اس کے ہاتھ میں تھیں ایک جماعت بنالی۔ ایک ایک آدمی ایک ایک شہر میں اپنی حرکت کی وجہ سے ایک نمایاں شخصیت تھی۔ اور وہ اپنی نیکی کی وجہ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ آج جہاں ہماری خاصی بڑی جماعتیں ہیں۔ وہاں سے بھی یہی آواز آتی ہے کہ کوئی مبلغ ہمارے درمیان آئے تو ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ صرف ایک ہی کہ ان اصحاب میں احمدیت کی اصل روح یعنی کام اور جدوجہد میں لگے رہنا کمزور ہوگئی ہے۔ بعض لوگ تو فی الواقعہ ایسی حالت میں ہیں کہ احمدیت میں داخل ہوئے اور ان کا تعلق مرکز سے کم رہا۔ اور ان میں ایک طرف علم کی کمی تو دوسری طرف احساس کی کمی ہے۔ بعض وہ ہیں جن کے اندر ضروریات جماعت کا احساس تو موجود ہے مگر وہ احساس بھی پیدا نہیں ہوا جو انسان میں قوت عمل پیدا کرتا ہے۔ اور اس میں وہ دیوانگی پیدا کر دیتا ہے جس کے سامنے ہر ایک عاجل منفعت ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔ بعض وہ ہیں جن کے اندر علم بھی موجود ہے احساس بھی موجود ہے مگر ان کی نگاہ میں خدمت اسلام کے کام کی وہ وقعت نہیں جو ہونی چاہئے۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں خدمت دین کا کام ہماری شان کے لائق نہیں۔ بعض خود تبلیغ کو یعنی کلمہ حق دوسروں کو پہنچانے کو اپنی شان کے لائق نہیں سمجھتے۔ اور حق یہ ہے کہ خدمت دین یا خدمت قوم کا ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی اس قدر عظمت رکھتا ہے کہ بلند سے بلند مرتبہ انسان کے لئے وہ موجب فخر ہونا چاہئے آخر ہم کس کے نام لیوا ہیں۔ اس رسولؐ کے جو مزدوروں میں مزدور بن جاتا تھا۔ پھاوڑے اور ٹوکرے سے کام کرسکتا تھا، جنگل سے ایندھن اکٹھا کر کے لاسکتا تھا، بوڑھی عورتوں کا سودا خرید کر لاسکتا تھا۔

تو سب سے پہلی بات جو میں آپ سے عرض کروں گا وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو علم کے لحاظ سے اس قدر مضبوط اور کام کے لحاظ سے اس قدر صاحب ہمت ثابت کریں کہ آپ مبلغین کے محتاج نہ ہوں۔ بلکہ خود مبلغ ہوں۔ کلمۂ حق دوسروں کو پہنچانا معزز ترین کام ہے۔ جو انسان کے سپرد کیا گیا ہے۔ یہی وہ کام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے ان راستباز بندوں کے سپرد کرتا رہا ہے جن کی عزت آج ساری دنیا کرتی ہے۔ پھر اور کون ہے جو کہہ سکے کہ یہ کام اس کی شان کے لائق ہیں۔ آپ اپنے اندر کمزوری کیوں

محسوس کرتے ہیں ۔اس لئے کہ اپنی طاقت کو استعمال نہیں کرتے ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں کو استعمال میں نہیں لاتا وہ اس پہلو میں کمزور رہ جاتا ہےاوراس کے اندر سے اس کام کے کرنے کی ہمت لے لی جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک اٹل قانون ہے۔آج علم حاصل کرنے کے سب ذرائع گھر گھر تک پہنچ چکے ہیں ۔اخبارات ہیں کتابیں ہیں آپ اپنا وقت بجائے بیکاری میں گزارنے کے، بجائے آج کل کے محبوب شغل گپ زنی کے،علم کے حاصل کرنے میں لگائیں۔ اپنے اخبارات منگوائیں ، ان کو پڑھیں ۔اور غور کی نگاہ سے پڑھیں ۔سلسلہ کی کتب منگوائیں اوران کو غور سے پڑھیں ۔ بلکہ جس چیز کو پڑھیں اس میں سے ہر ایک اہم بات کو نوٹ کرلیا کریں ۔اس کے دو فائدے ہیں ۔ایک تو اس طرح نوٹ کر لینے کا نقش انسان کے دل ودماغ پر بڑا گہرا ہوتا ہےاور بوقت ضرورت وہ بات بوجہ اپنے گہرے نقش کے خود انسان کے سامنے آجاتی ہے۔دوسرے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس طرح انسان مضامین کو ایک ترتیب کے ساتھ اپنے پاس جمع رکھ سکتا ہے۔اور جب ضرورت پڑے ان کا حوالہ نکال سکتا ہے۔ بہت تھوڑا پڑھے ہوئے آدمی اس تجویز سے اپنے علم کو اس قدر پختہ کر سکتے ہیں کہ وقت پر وہ اپنے علم سے اس شخص کی نسبت بہت زیادہ فائدہ حاصل کر لیتے ہیں جو پڑھتا تو بہت کچھ جاتا ہے مگر محفوظ کچھ نہیں رکھتا۔ اور پھر علم کو اس طرح جمع کر کے اسے استعمال میں بھی لائیں ۔جس طرح وہ لوگ ایک دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں جن کی ساری ہمت اسی بات پر صرف ہو جاتی ہے کہ وہ روپیہ جمع کریں اور بڑے مالدار بن جائیں مگر اس کو خدا کی راہ میں اور مخلوق کی بھلائی پر خرچ کرنے کی کوشش نہیں کرتے ۔اسی طرح وہ شخص بھی دھوکے میں ہے جو صرف علم کو جمع کرتا چلا جاتا ہے۔اوراس سے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رشک کے قابل دو شخص ہیں ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ مال دے اور اسے اس کے خرچ کرنے کی توفیق بھی دے۔اور دوسرا وہ جسے وہ علم دے اوراس علم سے مخلوق کو فائدہ پہنچانے کی ہمت بھی دے۔پس میری اپنے احباب سے یہ عرض ہے کہ وہ علم حاصل کریں اور پھر اسے مخلوق خدا کے نفع کے لئے خرچ کریں۔ ہر احمدی کے دل میں یہ تڑپ ہو کہ میں اپنا علم کس طرح بڑھاؤں ۔اور دوسری تڑپ یہ ہو کہ اس علم کو دوسروں کے فائدے کے لئے کس طرح خرچ کروں ۔میرا مطلب مبلغ بننے سے یا علم کو خرچ کرنے سے صرف یہ نہیں کہ پیشہ ور واعظوں کی طرح کچھ باتیں انسان رٹ چھوڑے اور پھر

لوگوں کی واہ واہ سننے کے لئے انہیں اچھے پیرائے میں بیان کردے۔ بلکہ مبلغ بننے سے مراد یہ ہے کہ ہم قوم اور دین کے نفع کی باتیں خود سیکھیں اور پھر ان باتوں سے دین کی خدمت اور قوم کے فائدے کے کاموں کو انجام دیں۔ انہی میں تبلیغ احمدیت بھی آجاتی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں سب سے اوپر آتی ہے کیونکہ احمدی بنانے سے مطلب یہی ہے کہ ایک شخص کو قوم اور دین کا خادم بنایا جائے۔

اس وقت یہ انتظام کیا گیا ہے کہ چند آدمی، جو پہلے بھی بعض مقامات پر تبلیغ کے کام میں لگے ہوئے تھے، ان کے ساتھ چند اور اصحاب کا اضافہ کر کے جنہیں دوسرے کاموں سے فارغ کر دیا گیا ہے، مختلف مقامات میں دورہ کریں۔ ان کے خاص خاص حلقے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ وہ پہلے بڑی بڑی جماعتوں سے کام شروع کریں گے۔ اور ایک ایک ماہ مختلف جماعتوں میں سردست ٹھہریں گے۔ احباب کو چاہئے کہ اس موقعہ سے فائدہ اُٹھائیں۔ اور ہر دوست یہ کوشش کرے کہ وہ اس موقعہ سے اپنے علم کو بڑھانے کا فائدہ حاصل کرے۔ ان اصحاب کو جماعتوں میں لگانے کی بڑی غرض یہی ہے کہ جماعت اپنے اصل کام کی طرف متوجہ ہو اور غفلت اور بیکاری کو چھوڑ کر ہر شخص اپنے آپ کو اپنے دین اور اپنی قوم کے لئے مفید بنانے کی کوشش کرے۔ ایک ماہ کا عرصہ بیشک تھوڑا ہے۔ مگر آدمیوں کی قلت کی وجہ سے سردست اسی قدر انتظام ہو سکا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آئندہ اس سلسلہ کو اور مضبوط کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ سردست دس اصحاب اس کام پر نکلیں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ احباب جماعت ان کے اس دورہ سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے۔ والسلام۔ محمد علی

<u>دوسرا خط: مطبوعہ دراشاعت 3 جولائی 1931ء</u>

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اپنے پہلے خط میں مَیں نے آپ سے یہ درخواست کی تھی کہ ہر ایک احمدی کو بجائے خود ایک مبلغ بننا چاہئے۔ اب میں ایک اصول کے طور پر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انسان کسی کام کے کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا جب تک کہ اس کام کی محبت اور شوق دل میں نہ ہو۔ اور جس کام کی دل میں محبت ہو اس میں اگر ہزار ہا مشکلات بھی سامنے آجائیں تو اسے ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔ بڑے سے بڑا کام اگر اس کی محبت دل میں ہو تو نہایت سہل ہو جاتا ہے اور چھوٹے سے چھوٹا کام اگر اسے چٹی یا بوجھ سمجھ کر کیا جائے

تو ایک پہاڑ بن جاتا ہے۔ یہ حالت ہمیں اپنے روزمرہ کے کاموں میں بھی نظر آتی ہے۔ اس اصول کی طرف قرآن کریم نے بھی توجہ دلائی ہے **وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا . فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا** (5-1:79) وہ نفوس جو شوق کے ساتھ کام میں ڈوب جاتے ہیں۔ اور جو دِلوں میں نشاط پاتے ہوئے خوشی سے کام کرتے چلے جاتے ہیں اور جو تیرتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سبقت کرتے ہوئے دوسروں سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور معاملات میں خوب تدبیر کرتے ہیں۔ یہاں سب سے پہلا مرتبہ نٰزِعٰت کا ہے۔ نَزۡعِ کے اصل معنے جذب یعنی کھینچنا ہیں۔ اور جب کسی چیز کی طرف انسان کا اشتیاق اور محبت اسے کھینچتا ہوا لے جائے گویا وہ بے اختیار اس کی طرف جا رہا ہے تو کہتے ہیں نَزَعَ اِلَیۡہِ اور اس کے ساتھ غَرۡقٌ کا لفظ بڑھایا ہے۔ کہ وہ اس طرح کام کی طرف کھینچتے ہوئے اس کام میں کمال محویت حاصل کر لیتے ہیں گویا اس میں غرق ہی ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس کام میں انہیں اس قدر انہماک ہوتا ہے کہ اس کو کرتے وقت دوسری طرف توجہ نہیں ہوتی بلکہ نشاط پیدا ہوتی ہے۔ انسان محنت بھی کرتا ہے اور اس کا دل خوش بھی ہوتا ہے۔ محنت اس کے لئے کلفت نہیں ہوتی بلکہ محنت کر کے اس کے دل میں راحت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے دوسرا مرتبہ **نَاشِطَاتِ نَشۡطاً** کا ہے۔ نشاط کے معنے راحت کے ہیں۔ یعنی جو انسان کمال اشتیاق سے ایک کام میں محو ہو جائے اسے اس کام کے لئے محنت کرنے میں لذت ملتی ہے۔ اور طبیعت تکلیف اُٹھا کر بھی خوش ہوتی ہے۔ تیسرا مرتبہ سَابِحَاتِ کا ہے اور سَبۡحٌ پانی یا ہوا میں تیرنے کو کہتے ہیں۔ اسی سے ہے **کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ** (33:21) تمام اجرام اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں۔ اور یہاں ان کام کرنے والوں کو، جو شوق سے کام کرتے اور کام کرنے میں راحت پاتے ہیں، تیرنے والوں سے مشابہت اسی لئے دی کہ سیال اجسام میں چلتے سے رکاوٹ کم ہوتی ہے۔ جس قدر زیادہ رقیق جسم ہوگا اسی قدر اس میں چلنے سے رُکاوٹ کم ہوگی۔ تو مطلب یہ ہے کہ کام کے کرنے میں جو رکاوٹیں ہوتی ہیں جو انسان کی ہمت کو بعض وقت کمزور کر دیتی ہیں، رُکاوٹیں اشتیاق اور محویت سے کام کرنے والوں کو روک کے طور پر دکھائی نہیں دیتیں بلکہ وہ ان میں سے ایسی صفائی سے گذر جاتے ہیں جیسے ایک انسان پانی یا ہوا میں سے گذر جائے۔

اس کے بعد چوتھے مرتبہ کو ف سے شروع کیا ہے فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا (4:79) یعنی اس طرح کام کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان دوسروں پر سبقت لے جاتا ہے۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (5:79) اور اس امر کے متعلق اچھی سے اچھی تدابیر اس کے ذہن میں آتی رہتی ہیں۔ جہاں وہ شخص جو کام کو محبت اور شوق سے نہیں کرتا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا ہے۔ شوق سے کام کرنے والے کے دل میں اس کام کے ساتھ لگاؤ کی وجہ سے خود مختلف قسم کی تدبیریں آتی رہتی ہیں۔جن پر عمل پیرا ہو کر وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

دنیا میں ہر انسان اپنی بہتری کے کام تو کیا ہی کرتا ہے۔مگر انبیاءؑ اور مصلحینؒ کا گروہ ہے جن کے سپرد دوسروں کی اصلاح اور دوسروں کی بہتری کا کام کیا جاتا ہے۔اپنی بہتری کے کام کے ساتھ انسان کے دل میں محبت کا پیدا ہو جانا ایک فطری امر ہے۔گو دنیا میں بہت لوگ ہیں کہ ان کو یہ بھی میسر نہیں۔اور وہ اپنی بہتری کے کاموں کو بھی ادھورے دل سے کرتے ہیں۔اور شوق اور محبت سے نہیں کرتے۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگیاں ناکامی اور تلخی اور مصائب کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔مگر دوسروں کی بہتری،ان لوگوں کی بہتری،جن سے انسان کا کچھ تعلق یا رشتہ بھی نہیں،اس کے لئے دل میں محبت اور اشتیاق کا پیدا ہونا بہت ہی مشکل کام ہے۔اور اگر دوسروں کی محبت دل میں نہ ہو تو ان کی بہتری یا ان کی اصلاح کا زبردست جذبہ پیدا ہو سکتا ہی نہیں۔مگر اس گروہ انبیاء و مصلحین کے دِلوں کے اندر دوسرے انسانوں کی اصلاح کا جذبہ اس قدر زبردست ہوتا ہے کہ وہ اس کی خاطر ہر دُکھ اُٹھانے کو تیار ہوتے ہیں۔اور انہی لوگوں کے ہاتھوں سے دُکھ اُٹھانے کو تیار ہوتے ہیں جن کی اصلاح اور بہتری ان کے مدنظر ہو۔مال تو کوئی چیز نہیں اپنی جان تک دینے کو تیار ہوتے ہیں۔وہ کون سی چیز تھی جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شب و روز بے تاب کئے ہوئے تھی۔آپ کی آنکھوں کے سامنے وہ انسان تھے۔ جنہوں نے قسم قسم کی ناپاکیوں سے اپنے آپ کو ذلیل کر رکھا تھا۔ان کا غم آپ کے دل کو کھا رہا تھا۔ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (3:26) آپ چاہتے تھے کہ یہ لوگ اچھی راہ اختیار کریں۔ایک دوسرے کے حقوق کی پروا کریں۔ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا برتاؤ کریں۔اور اپنے مالک حقیقی سے تعلق پیدا کریں۔مگر اس خیر خواہی کے لئے آپ کو اس قدر تکلیفیں دی جاتی تھیں کہ جن

کے تصور سے بھی انسان کانپ اُٹھتا ہے۔ بایں آپ کا قدم ایک لمحہ کے لئے بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔ دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ مصائب کا نشانہ بنتے ہیں۔ طرح طرح کی باتیں سنتے ہیں۔ بظاہر بات کو کوئی قبول نہیں کرتا۔ لیکن آپ کا قدم آگے ہی آگے اُٹھتا ہے۔ جس طرح انسان کے سامنے کوئی نہایت ہی دل خوش کن منظر ہو تو وہ اس کی طرف بھاگتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح آپؐ کے لئے خدا کی راہ میں دُکھ اُٹھانے کا منظر تھا۔ اس کی وجہ دوسرے انسانوں کی خیر خواہی، ہمدردی اور محبت کا وہ بلند جذبہ تھا جس سے دنیا کے کسی عشق کو کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ عاشق جو تکلیف اُٹھاتا ہے۔ کتنی بھی بڑی تکلیف ہو اور کتنی بھی خوش دلی سے اُٹھائے وہ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اُٹھاتا ہے۔ لیکن انسانوں کی اصلاح کا عشق جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں موجزن تھا وہ تمام خواہشات اور اغراض نفسانی سے آسمان کی طرح بلند ہونے کے باوجود اس سے بھی بڑھ کر خوش دلی سے ہر قسم کی تکالیف کا مقابلہ کرنا تھا۔

یہی کام کے عشق کا نظارہ ہم نے اپنی آنکھوں سے حضرت امام زمان کی زندگی میں دیکھا ہے آپ اسلام کو دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس پر جو حملے ہوں ان کے لئے سینہ سپر ہوتے ہیں۔ اپنی جان اور مال کو اس راہ میں لگا دیتے ہیں۔ مگر آپ کی سب سے بڑھ کر مخالفت کرنے والے اور سب سے بڑھ کر دُکھ دینے والے خود مسلمان ہو جاتے ہیں۔ لیکن کام کا عشق اس قدر ہے کہ باوجود اپنی قوم کی مخالفت کے قدم پیچھے نہیں ہٹتا۔ علماء کی طرف سے مخالفت کا وہ طوفان اُٹھتا ہے کہ جو اولیاء اللہ میں سے بھی ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ مگر اس مخالفت کے اندر ان تکالیف کے اندر بھی ایک لذت محسوس کرتے ہیں۔ اور کام کا عشق کشاں کشاں آگے ہی لئے جاتا ہے۔ خدا کے دین کی محبت کا زبردست شعلہ آپ کے قلب سے اُٹھتا ہے اور کئی دلوں میں اپنی چنگاریاں ڈال دیتا ہے۔ جب تک ہم میں سے ہر ایک دل اس چنگاری کو اپنے اندر محسوس نہیں کرتا، اس نے مجدد وقت کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کچھ فائدہ نہیں اُٹھایا۔ چاہے اس کو کوئی اچھا منائے یا بُرا منائے۔ احمدی وہ نہیں جو یہ کہہ دے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا گئے۔ اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی اس صدی کے مجدد اور آنے والے مسیح اور مہدی کی پیشگوئیوں کے مصداق ہیں۔ احمدی وہ ہیں جس نے اس محبت اور عشق سے حصہ لیا جو آپ کے قلب میں اسلام کے لئے موجزن تھا۔ رسمی احمدی ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حقیقی احمدیت یہی ہے۔ جس شخص کے دل میں حفاظت و اشاعت

اسلام کے کام سے عشق پیدا ہو گیا ہے، وہ مبلغ بھی بن جائے گا اور کامیاب مبلغ بن جائے گا۔ مبلغ بننے کے لئے علم دوسری ضرورت ہے۔ پہلی ضرورت وہ جذبہ محبت ہے جس کے بغیر کسی کام میں زندگی پیدا نہیں ہوتی۔ جب زندگی پیدا ہو جائے گی تو علم کے حاصل کرنے کے ذرائع خود پیدا ہو جائیں گے۔

مبلغ بننا تو ایک طرف رہا جو کام بھی انسان اختیار کرے ایک محبت کے جذبے سے اختیار کرے تو اس میں اس کا اپنا فائدہ ہے۔ انسانیت کا مرتبہ کرایہ سے بلند ہے۔ میں فلاں کام کیوں کروں؟ اس لئے کہ اس میں اس قدر پیسے ملیں گے۔ یہ بڑی پست غرض ہے۔ انسان کو انسان بننا چاہئے کرایہ کا ٹٹو نہ بننا چاہئے۔ جو کام کوئی شخص اختیار کرتا ہے اس لئے اختیار کرے کہ وہ اس طرح انسانوں کو کس قدر فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ حکیم یا ڈاکٹر بننا چاہتا ہے تو غرض یہ ہونی چاہئے کہ وہ دوسروں کی خیر خواہی کرے۔ بیماری اور تکلیف میں دوسروں کے کام آئے۔ جس کی ڈاکٹر بننے میں یہ غرض ہو گی اس کو خدا پیٹ بھرنے کے لئے بھی دے دے گا۔ کوئی کام کرے محنت کرے خدا اس کا نتیجہ ضرور دیتا ہے وَاَنَّ سَعۡیَہٗ سَوۡفَ یُرٰی (40:53) لیکن اگر غرض یہ ہو کہ اس ذریعے سے خوب پیسے کماؤں تو بسا اوقات ڈاکٹر انسانی دُکھ کو کم کرنے کے بجائے اس کو بڑھانے کا موجب ہوتے ہیں۔ فیس کا لالچ اس قدر ان کو گرا دیتا ہے کہ بیمار کو عمداً لٹکاتے ہیں تاکہ اس سے خوب پیسے وصول کریں۔ ایک شخص معلم بنتا ہے تو غرض یہ ہو کہ وہ نسل انسانی کو علم کے مال سے متمتع کرے۔ اور بچوں کے اخلاق کو سنوارے۔ پیسے خود مل جائیں گے۔ آج مدرسوں میں اساتذہ کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ آسودہ حال بچوں کو عمداً بھی کمزور رکھتے ہیں تاکہ گھر پر جا کر پڑھانے کی ڈیوٹی مل جائے اور کچھ پیسے وصول ہو جائیں۔ اللہ پر ایمان تو بڑی چیز ہے۔ انسان بھی دوسرے کو اپنا کام نیک نیتی اور اخلاص سے کرتا دیکھتا ہے تو اس کا معاوضہ دینے کی خواہش اپنے دل میں پاتا ہے۔ کوئی شخص کسی سرکاری یا نیم سرکاری عہدہ کو چاہتا ہے۔ تو غرض یہ ہونی چاہئے کہ اس کے وجود سے مخلوق خدا کو آرام پہنچے۔ اور ان کے حقوق دلانے میں وہ معاون ہو۔ آج تو یہ حالت ہے کہ جو شخص ای۔اے۔سی بن جائے وہ اپنے آپ کو دوسرے انسانوں سے، ہاں اپنے ہی بھائی بندوں سے پیروں اور خلیفوں کی طرح الگ قسم کی مخلوق سمجھنے لگتا ہے۔ لیکن اس سے نیچے جو لوگ ہیں وہ بھی بجائے کسی کو فائدہ پہنچانے کے اپنی حکومت نقصان پہنچا کر جتاتے ہیں۔ اور دجالیت کے اثر سے پیسے کی ہوس تو اس

قدر بڑھی ہوئی ہے کہ هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ (30:50) کا نعرہ ہے۔ بلاشبہ اس آگ کا مقابلہ مشکل ہے۔ کیونکہ یہ آگ انسانوں کے سامنے جنت کی شکل میں پیش ہورہی ہے۔ یہ دجال کی جنت ہے۔ اور اس کے دوزخ ہونے پر یہی کافی شہادت ہے کہ اس کی بھڑک بھڑکتی چلی جاتی ہے۔ اگر آج کوئی جماعت یہ نمونہ پیش کرے کہ وہ بلند جذبات کو لے کر ہر قسم کا کام کرے تو یقیناً نہ صرف اپنی عزت کو بڑھالے گی بلکہ بہتوں کو اچھے راستہ پر ڈال دے گی۔

میں اپنے احباب کو پھر یہ کہتا ہوں کہ وہ مبلغ بننے کی کوشش کریں۔ لیکن تبلیغ کی بنیاد انسانی ہمدردی اور خیر خواہی پر ہو۔ اور کوئی ادنیٰ غرض سامنے نہ ہو کہ میں مبلغ بن کر روٹی کمالوں یا فلاں فائدہ اُٹھالوں۔ یہ بڑا بلند کام ہے۔ انبیاء اور مصلحین کا کام ہے۔ اس کو تمام قسم کے نفسانی اغراض سے، تمام خواہشات سے اور تمام ہار جیت کے خیالات سے اور تمام بڑا بننے کے خیالات سے پاک رکھنا چاہئے۔ اگر آپ ان باتوں سے اوپر نہیں اُٹھ سکتے تو تبلیغ کے نیک اور پاک کام کو اپنے نفسانی خیالات سے ملوث نہ کریں۔ یہ بات میں ان احباب سے بھی کہنا چاہتا ہوں جنہوں نے یا تبلیغ کو کام کے طور پر اختیار کیا ہے اور یا ہمارے دفاتر میں کچھ اور کام کرتے ہیں۔ یہ کام بڑا نیک ہے جو اُنہوں نے اختیار کیا ہے۔ مگر یہ بلند کام بھی ہے۔ اگر وہ اس غرض کے لئے ہمارے ساتھ ہوئے ہیں کہ اس نیک کام میں معاون ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور اگر ان کی غرض دفتر میں کچھ گھنٹے کام کر کے یا تبلیغ کا کوئی فرض ادا کر کے تنخواہ اور ترقیاں لینا ہے تو یہ امر نہ صرف ان کی ٹھوکر کا موجب ہوگا بلکہ اور بھی بہت سے لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب ہوگا۔ حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے کہ اس راستے میں جو آپ نے اختیار کیا ہے بہت سے خاردار جنگل ہیں۔ جن کے پاؤں نازک ہیں وہ بہتر ہے کہ پہلے ہی الگ رہیں۔ آج بھی تبلیغ کے کام میں ویسی ہی مشکلات ہیں۔ جو لوگ گریڈوں اور ترقیوں کی خاطر آتے ہیں وہ نہ آئیں۔ اور جو لوگ اپنے دِلوں میں تبلیغ کا جوش پا کر اس کام کی طرف اس لئے آتے ہیں کہ ان کے شوق اور ان کی محبت ان کو اِدھر کشاں کشاں لا رہی ہے اور وہ ہر قسم کی تکلیف اُٹھانے اور مصیبت جھیلنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ بے شک اس کام کو اختیار کریں۔ ان کے لئے یہ کام مبارک ہے۔ اور ان کی دینی اور دنیوی فلاح کا موجب ہوگا۔ والسلام۔ محمد علی

19 جولائی 1931ء
حضرت امیر کے قلم سے

بحث دجال اور یاجوج و ماجوج

احادیث نبویؐ میں یورپ اور اسلام کی موجودہ کشمکش کی تصویر

برادران مکرم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

اس وقت میرے زیر تالیف سلسلۂ احمدیہ پر ایک مبسوط کتاب ہے جس میں ضمناً میں نے دجال و یاجوج ماجوج کے خروج پر بھی بحث کی ہے۔اس سلسلہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی اس اُمت میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث دجال و یاجوج ماجوج میں یورپ اور عیسائیت کے خط و خال کو دیکھا اور کسی مخالفت کی پروانہ کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ وہ ندائے حق تھے اور آج اس کی صدائے بازگشت ہر فہمیدہ مسلمان کے دل سے نکل رہی ہے۔گو بہت کم لوگوں میں یہ جرأت ہے کہ وہ ایک حق بات کو علی الاعلان کہہ بھی دیں۔اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی کو اور مولوی عبداللہ شاہ صاحب قادری حیدر آبادی کو کہ موخر الذکر بزرگ نے حضرت مجدد صد چہاردہم کے چالیس سال بعد اس موضوع پر سیر کن تحقیقات کی اور اول الذکر بزرگ نے اپنے اخبار ''سچ'' میں درج کیا۔ اور ان ہر دو بزرگوں نے دیگر علماء کو بھی دعوت دی کہ وہ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کریں اور تین سال سے اس سلسلہ کو برابر جاری رکھا ہے۔ان مضامین میں بہت بیش قیمت باتیں ہیں۔ جو ہمارے احباب کی توجہ کے بھی قابل ہیں۔درحقیقت یہ ایک بڑی بھاری خدمت اسلام ہے۔اس سے نہ صرف ایک مسلمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر نیا ایمان حاصل ہوتا ہے کہ کس طرح آپؐ نے آج کے واقعات کا تیرہ سو سال پیشتر نقشہ کھینچ کر رکھ دیا تھا۔ بلکہ اس مقابلہ میں، جو اس وقت اسلام اور عیسائیت میں دنیا کی نگاہوں سے مخفی ہو رہا ہے، اسے صحیح راہ بھی ملتی ہے۔ جس پر اسے گامزن ہونا چاہئے۔ میں نے اس مضمون کو کتاب کی اشاعت سے بھی پیشتر اپنے احباب تک پہنچانا اس لئے ضروری سمجھا ہے کہ وہ اس غفلت کو ترک کرکے، جو مرور زمانہ کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے، نئے ایمان اور نئی قوت کے ساتھ اس مقابلہ میں اپنے آپ کو لگادیں جو اس وقت اسلام اور عیسائیت میں

ہو رہا ہے۔اور حضرت مسیح موعود کی رکھی ہوئی بنیاد پر تعمیر کا کام تیزی اور قوت سے کرتے چلے جائیں۔اور اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو جاہلیت کے ہر ایک اثر سے بچانے کی کوشش کریں۔کیونکہ اسی صورت سے ہم اس عظیم الشان مقابلہ میں عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔جس میں ایک طرف تمام مادی طاقتیں اور تمام مال و دولت ہے اور دوسری طرف محض متاع ایمان ہے۔مگر ایمان ہی درحقیقت دنیا کی تمام طاقتوں سے زیادہ طاقتور شے ہے۔اس نے پہلے بھی مخالفت کے پہاڑوں کو پاش پاش کیا اور اب بھی کر کے رہے گا۔یہ مضمون طویل اور اخبار ''پیغام صلح'' میں عنوان بالا کے تحت تھوڑا تھوڑا کر کے نکلتا رہے گا۔والسلام　محمد علی

ضرورت بحث دجال و یاجوج ماجوج: تحریک احمدیت کی بحث میں دجال و یاجوج ماجوج کا ذکر صرف اس لحاظ سے ہی ضروری نہیں کہ مسیح موعود کے آنے کی پیشگوئیاں اور خروج دجال و خروج یاجوج ماجوج کی پیشگوئیاں ایک ہی زنجیر کی دو کڑیاں ہیں اور ایک پر بحث دوسری کے بغیر مکمل نہیں ہوتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے لئے جو اس وقت عظیم ترین فتنہ درپیش ہے اس کا علاج انہی پیشگوئیوں میں ہے۔کون نہیں جانتا کہ اس وقت یورپ اور اسلام یا عیسائیت اور اسلام کی ایک خطرناک جنگ ہو رہی ہے۔یورپ نے اسلام کی قوت کو دنیا کے لئے ایک خطرہ عظیم قرار دے کر اس کو مٹانے اور اس کے سیاسی اقتدار کو تباہ کرنے کے لئے پورا زور لگایا ہے۔اور مذہبی رنگ میں آج اعلانیہ کہا جا رہا ہے کہ سب مذاہب نان کرسچین یا غیر عیسائی ہیں مگر اسلام اینٹی کرسچین یا ضد عیسائیت ہے۔اور عیسائی مشنری جہاں کہیں تمام دنیا میں پھیل گئے ہیں۔اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی خالص جدوجہد ہے۔یہ ایسے واقعات نہیں کہ جن کو ایک مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھے اور خاموش بیٹھا رہے۔مگر افسوس یہ ہے کہ مسلمان اپنے چھوٹے چھوٹے فروعی اختلافات میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ ان کی ساری توجہ وہیں صرف ہو رہی ہے۔اگر دشمن سے مقابلہ کی طرف بھی کچھ ان کی توجہ ہوتی تو آج انہیں صاف نظر آ جاتا کہ دجال کے کارنامے اور یاجوج ماجوج کے عجائبات قصے اور کہانیاں نہیں۔بلکہ یورپ اور عیسائیت کی موجودہ تگ و دو کی تصویر ہے جو احادیث میں کھینچی گئی ہے۔اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سو سال بعد آنے والے واقعات کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ گویا یہ سب واقعات آپ کی آنکھوں کے سامنے ہو رہے ہیں۔اس لئے اس مقابلہ میں، جو اس وقت اسلام کو درپیش ہے، مسلمانوں کو آمین اور رفع یدین اور دیگر جزئی

بحثوں کی احادیث کی نسبت ان آخری زمانہ کے فتن کی احادیث پر بہت زیادہ غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اسلام کی زندگی اور اس کی کامیابی کا دارومدار اس مقابلہ پر ہے جو اس وقت ہورہا ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے اُمور پر نہیں جن کے ایک یا دوسری طرح کر لینے سے مسلمانوں کا کوئی عظیم الشان نفع یا نقصان وابستہ نہیں۔

دجال اور یاجوج ماجوج کی لغوی تحقیقات: دجال کا ذکر احادیث میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اور یاجوج ماجوج کا ذکر علاوہ احادیث کے قرآن شریف میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور ان دونوں کا خروج یا ظہور نزول مسیح کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لفظ دجال دجل سے مشتق ہے۔ اور **رجل شیءً** کے معنے میں **غطاہ** یعنی اس نے اس شئے کو ڈھانک لیا۔ اور لسان العرب میں دجال کی بحث میں کئی قول نقل کئے ہیں۔ کہ یہ ڈھانکنا کیا ہے۔ ایک قول میں دجال کذاب ہے۔ یعنی بڑا جھوٹا۔ اس لئے کہ جھوٹ سے حق پر پردہ ڈالا جاتا ہے اور ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ دجال کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ اپنی جماعتوں کی کثرت کے ساتھ زمین کو ڈھانک لے گا۔ اور ایک اور قول نقل کیا ہے کہ دجال کو دجال (ڈھانکنے والا) اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ ڈھانک دے گا۔ اور ایک قول ہے کہ وہ لوگوں پر اپنے کفر کا پردہ ڈال دے گا۔ اور ایک قول ہے کہ دجال سے مراد بڑا گروہ ہے۔ جو اپنی کثرت کی وجہ سے ساری زمین پر پھیل جائے۔ اور ایک قول ہے کہ وہ ایسا گروہ ہے جو اپنا سامان تجارت کے لئے اُٹھائے پھرے۔ (گویا زمین کو اپنے سامان تجارت سے ڈھانک دے) اور ایک قول ہے کہ دجال کو دجال اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ جو کچھ دل میں رکھتا ہے اس کے خلاف ظاہر کرتا ہے۔

دجال بروئے قرآن کریم: یاجوج ماجوج **اجّ** یا **اجیج** سے یفعول اور مفعول کے وزن ہیں۔ اور **اجیج** آگ کے شعلہ مارنے یا بھڑکنے کو کہتے ہیں۔ اور اجّ کے معنی اسراع بھی ہیں۔ یعنی تیز چلا۔ یہ لسان العرب میں ہے۔ اور مفردات راغب میں ہے کہ یاجوج ماجوج کو ان کی کثرت اضطراب کی وجہ سے شعلہ مارنے والی آگ سے اور موجیں مارنے والے پانیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

یاجوج ماجوج کا ذکر قرآن کریم میں دو جگہ ہے۔ دجال کا نام مذکور نہیں۔ لیکن صحیح حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ سورہ الکھف کی پہلی یا پچھلی دس آیات فتنہ دجال سے حفاظت کے لئے ہیں۔ یوں ان آیات

میں ذکر دجال ہونے کا شارہ ہے۔ چنانچہ مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور احمد کی روایت ہے کہ **من حفظ عشر آیات من اول الکھف عصم من الدجال** جو شخص سورہ کہف کی پہلی دس آیتوں کو یاد رکھے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ اور مسلم، ترمذی، احمدی کی روایت میں ہے **من قراء العشر الا واخر من سورۃ الکھف عصم من فتنۃ الدجال** جو شخص سورہ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھے گا وہ فتنۂ دجال سے بچا رہے گا۔ ہوسکتا ہے کہ پہلی دس اور آخری دس کا ذکر کر کے مراد ساری سورۃ ہی لی ہو۔ اور اس ساری سورۃ میں عیسائیت کے فتنہ کا دو رنگ میں ذکر ہے۔ ایک مذہبی رنگ میں اور ایک دنیوی عروج کے رنگ میں۔ لیکن ویسے بھی دیکھا جائے تو پہلی دس آیات میں عیسائیت کے فتنے ہی کا ذکر ہے۔ اور پہلے ان کے مذہبی فتنے کا ذکر ہے۔ یعنی اول ایک انذار عام کا ذکر کیا **لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ** (2:18) اور اس کے ساتھ ہی ایک انذار خاص کا ذکر کیا **وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا** (4:18) یعنی ان لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ کا بیٹا ہے۔ اور آگے چل کر زمین کی زینت کے ذکر میں گویا ان کے دنیوی کارناموں کا ذکر ہے۔ اور آخری دس آیات میں بھی یہی ذکر ہے۔ یعنی اول بندوں کو خدا بنانے والوں کا ذکر ہے۔ پھر ان کے ہمہ تن دنیوی زندگی پر گر جانے اور صنعت کے کام بنانے کا ذکر ہے **اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا** (104:18) وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ صنعت کے اچھے اچھے کام کر رہے ہیں۔ یوں قرآن شریف سے بھی دجال کا کچھ پتہ مل سکتا ہے۔

قرآن کریم میں یاجوج ماجوج کا ذکر: یاجوج ماجوج کا ذکر قرآن شریف میں دو جگہ آتا ہے۔ ایک تو سورہ کہف کے آخر میں۔ جہاں یاجوج ماجوج کے ذکر کو دجال کے ذکر کے ساتھ ملا دیا ہے۔ اور دوسرا سورہ انبیاء کے آخر میں۔ سورہ الکہف میں ذوالقرنین کے ذکر میں یاجوج ماجوج کا ذکر اس طرح آتا ہے کہ اول ذوالقرنین کے (جو تاریخی طور پر داراء اول شاہ ایران ثابت ہوتا ہے☆) مغربی سفر کا ذکر ہے۔

☆۔ ذوالقرنین۔ قرن کے معنے سینگ ہیں۔ اور ایک زمانہ یا نسل کو بھی قرن کہتے ہیں۔ پس ذوالقرنین کے منعے ہوئے دو سینگوں والا یا دو دو نسلوں یا زمانوں کا مالک۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ (جاری اگلے صفحہ پر)

بعض کے نزدیک اس سے جو بحیرہ اسود پر ختم ہوتا ہے حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ (86:18) جب اپنی مملکت کی مغربی سرحد پر پہنچا تو اسے یعنی سورج کو ایک سیاہ کیچڑ والے پانی میں ڈوبتا ہوا پایا۔ یہ صریحاً بحیرۂ اسود ہے۔ پھر اس کے مشرقی سفر کا ذکر ہے حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ (90:18) یہاں تک کہ اپنی مملکت کے اس طرف پہنچا جدھر سے سورج نکلتا تھا۔ پھر اس کے شمالی سفر کا ذکر ہے حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ (93:18) یہاں تک کہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا۔ جو آرمینیا اور آذربائیجان کے پہاڑ ہیں۔ اس آخری شمالی سفر میں ذوالقرنین کو ایک قوم ملتی ہے جس کی زبان الگ ہے۔ یعنی وہ فارسی زبان کو نہیں سمجھتی تو وہ کہتے ہیں یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَکَ خَرْجًا عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا (94:18) اے ذوالقرنین! یاجوج ماجوج اس ملک میں فساد کرتے ہیں تو کیا ہم کچھ روپیہ جمع کر دیں کہ آپ ان کے اور

مراد دو بادشاہتوں کا مالک ہے۔ یعنی روم اور فارس کا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے سر میں دو سینگوں سے مشابہہ کوئی چیز تھی۔ اکثر کا یہ قول ہے کہ وہ ایک نیک بندہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے حکومت بھی دی تھی اور علم و حکمت بھی۔ اور اس کی نبوت کے بھی قائل ہیں۔ بائبل کی کتاب دانیال میں دانیال کی ایک رویا کا ذکر ہے جس میں دو سینگ کے مینڈھے کا ذکر ہے اور اس کی تعبیر وہیں یوں کی ہے ''وہ مینڈھا جسے تو نے دیکھا کہ اس کے دو سینگ ہیں۔ سو مادہ اور فارس کے بادشاہ ہیں۔'' (دانیال 20:8) مادہ اور فارس کے بادشاہوں میں سے داراء اول (521 تا 485 قبل مسیح) وہ شخص ہے جس پر قرآن کریم کا بیان صادق آتا ہے۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ ''دارا ایران کی شہنشاہیت کی تنظیم کرنے والا تھا اس کی فتوحات نے اس کی سلطنت کی حدود کو آرمینیا اور کوہ قاف اور ہندوستانی اور تورانی پہاڑوں اور وسط ایشیاء کے مرتفع میدانوں میں درست کر دیا۔ اور انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا میں ہے ''دارا اپنے کتبوں کی رو سے زردشت کے سچے مذہب کا پکا پیرو معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ بڑا مدبر اور بڑا منتظم بھی تھا۔ فتوحات کا وقت انجام کو پہنچ گیا تھا اور دارا نے جو لڑائیاں اختیار کیں ان سے یہ فائدہ ہوا کہ سلطنت کے لئے مضبوط قدرتی حدود مل گئیں۔ اور اس کی حدود پر جو وحشی اقوام تھیں ان کی طرف سے امن ہو گیا۔ چنانچہ دارا نے بالٹک اور آرمینیا کے پہاڑوں کی وحشی اقوام کو مسخر کیا۔ اور سلطنت ایران کی حدود کو کوہ قاف تک وسیع کیا۔'' قرآن کریم کا بیان ان تاریخی باتوں پر لفظاً لفظاً صادق آتا ہے۔ بعض مسلمان مورخوں نے ذوالقرنین کو غلطی سے سکندر اعظم قرار دے دیا ہے۔

ہمارے درمیان ایک دیوار بنا دیں۔ اس کے بعد ذکر ہے کہ ذوالقرنین نے یہ دیوار بنادی** اور اس میں لوہے اور تانبے کے استعمال کا بھی ذکر ہے۔ کہ یہ دروازوں کے لئے تھا۔ اور آیت 97 میں ذکر ہے کہ جب یہ دیوار تیار ہوگئی **فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا** (97:18) یاجوج ماجوج اس قابل نہ تھے کہ اس دیوار پر چڑھ سکیں۔ اور نہ اس میں سوراخ کر سکتے تھے اور آیت 98 میں ذکر ہے کہ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ دیوار بھی ایک وقت ہی تک کام دے گی اور آخر کار گر جائے گی۔ اور اس کے بعد ایک اور نظارہ کا ذکر ہے **وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ** (99:18) اور اس دن ہم انہیں ایک دوسرے پر موجیں مارتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

قسط دوم۔ مطبوعہ 27 جولائی 1931ء

دجال اور یاجوج ماجوج ایک ہیں: اس کے بعد ہی آیت 102 میں پھر دجال کا ذکر شروع ہوجاتا ہے **اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ** (102:18) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف نے دجال اور یاجوج ماجوج کو ایک ہی قوم تصور کیا ہے۔ صرف ان کے دو کاموں کے لحاظ سے دو الگ الگ نام ہیں۔ یاجوج ماجوج کے متعلق مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ وہ آدم کی نسل سے ہیں جیسا کہ صحیحین سے ثابت ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ بعض کے

** یہ دیوار وہ مشہور دیوار ہے جو دربند پر جو بحیرہ خضر کے کنارے ہی بنی ہوئی ہے۔ مراصد الاطلاع میں بھی اس کا ذکر ہے۔ اور ابن الفقیہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں اس دیوار کا حسب ذیل ذکر ہے۔

> ''دربند ایران کا ایک شہر ہے۔ جو علاقۂ قاف میں داغستان کے صوبہ میں ہے۔ اور بحیرہ خضر کے مغربی کنارے پر ہے۔ جنوب کی طرف دیوار قاف کا سمندر کی طرف کا سرا واقع ہے۔ جو پچاس میل لمبی ہے۔ اور جسے سد سکندر کہتے ہیں...... یہ دیوار جب سالم تھی تو 29 فٹ اونچی تھی۔ اور موٹائی میں قریباً دس فٹ تھی۔ اور اپنے لوہے کے دروازوں اور بے شمار حفاظت کے برجوں کے ساتھ سرحد ایران کا نہایت قیمتی استحکام تھی۔''

نزدیک وہ یافث بن نوح کی اولاد سے دو قبیلے ہیں اور ترک بھی انہی میں سے ہیں جو دیوار سے ادھر چھوڑا جانے کی وجہ سے ترک کہلائے (تُـرِکَ چھوڑا گیا) اور قرآن کریم کا اپنا بیان بھی صاف ہے کہ وہ انسان ہی ہیں جن کے حملوں کو روکنے کے لئے دیوار بنائی گئی۔ دوسری جگہ یاجوج ماجوج کا ذکر قرآن کریم میں ہے حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ (96:21) یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور ہر ایک بلندی سے نکل پڑیں گے۔ ہر بلندی سے نکل پڑنے کا مفہوم صریحاً یہ ہے کہ ان کا غلبہ اور تسلط سب جگہ ہو جائے گا۔ یوں قرآن کریم میں دونوں جگہ یاجوج ماجوج کا ذکر بتاتا ہے کہ ایک وقت ان اقوام کا غلبہ روئے زمین پر ہو جائے گا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقوام پہلے سے موجود ہیں لیکن ایک وقت تک ان کی حرکت رُکی ہوئی ہے اور پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ ساری دنیا پر غالب آجائیں گے۔

قرآن کریم نے دجال کا نام کیوں نہیں لیا: جب یہ امر ثابت ہے کہ دجال اور یاجوج ماجوج ایک ہی ہیں۔ یعنی ایک ہی قوم کے دو نام ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن شریف نے یاجوج ماجوج کا ذکر تو نام لے کر کیا لیکن دجال کا ذکر نام لے کر نہیں کیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ دجال کے لغوی معنے کذّاب یا فریبی کے ہیں۔ اور کوئی شخص یا قوم خواہ کتنا ہی جھوٹ بولے اور لوگوں کو فریب دے وہ پسند نہیں کرتا کہ اسے اس نام سے یاد کیا جائے۔ اور قرآن کریم نے برے سے بُرے لوگوں کے ذکر میں بھی الفاظ نہایت نرم اختیار کئے ہیں۔ تاکہ سامع کے کانوں پر وہ الفاظ گراں نہ گذریں۔ یاجوج ماجوج چونکہ قوموں کے نام ہیں اس لئے انہیں کوئی بُرا نہیں منا سکتا۔ حتی کہ انگریز قوم نے تو یاجوج ماجوج کے مجسمے اپنے سب سے بڑے کونسل ہال کے سامنے نصب کر رکھے ہیں۔ اس لئے وہ لفظ قرآن شریف نے اختیار کر لیا ہے۔ احادیث نے لفظ دجال کو اختیار کیا۔ اس لئے کہ یہ نام اور دجال کے ظہور کی پیشگوئیاں پہلی کتابوں میں موجود تھیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ بتا دیا جائے کہ وہ پیشگوئیاں کس رنگ میں پوری ہونے والی ہیں۔ علاوہ ازیں دجال نام صرف ایک پہلو کا ذکر کرتا ہے۔ یعنی ان اقوام کے جھوٹ اور مکر وفریب کو خواہ وہ دینی معاملات میں ہو جیسا ایک انسان کو خدا بنانے میں یا دنیوی معاملات میں کہ وہ دوسرے انسانوں کے حقوق کو جو کچھ دل میں ہے اس کے خلاف ظاہر کر کے دباتے ہیں۔ ورنہ ان میں خوبیاں بھی ہیں۔

دنیوی رنگ میں ان کی جتنی ترقی ہے آخر وہ بھی ایک خوبی ہے۔اسی لئے دجال کی دنیوی آنکھ کو احادیث میں ''کَوْکَبٌ دُرِّی '' چمکتا ہوا ستارہ کہا ہے۔اور قرآن شریف میں بھی ان کی صفتوں کا ذکر ہے۔ قرآن شریف نے بجائے دجال کے عیسائی اقوام کے لئے الفاظ اَصْحَابُ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ اختیار کئے ہیں۔جس میں تاریخ عیسائیت کے دونوں پہلو آ جاتے ہیں۔یعنی ابتدائی حالت اس کی اصحاب الکھف کی ہے یا غار میں رہنے والے۔کیونکہ ابتدائی حالت عیسائی کی رہبانیت کی تھی کہ دنیا کے کاروبار کو بالکل ترک کر کے عبادت میں مصروف رہتے تھے۔یعنی دین کی خاطر دنیا کو چھوڑ رکھا تھا۔اور آخری حالت ان کی اصحاب الرقیم کی ہے۔رقیم کے معنے ہیں لکھی ہوئی چیز اور بالخصوص تجارتی اشیاء کپڑوں وغیرہ پر قیمتوں کے لکھنے کو رقم کہا جاتا ہے۔تو یہ ان کے دنیا میں انہماک کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ خود ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (104:18) سے بھی ظاہر ہے۔پس عیسائی اقوام کی ابتدائی حالت اگر یہ تھی کہ دین کی خاطر دنیا کو بالکل ترک کر دیا تھا تو ان کی آخری حالت یہ ہے کہ دنیا کی خاطر دین کو بالکل ترک کر دیا ہے۔اور یہ اقوام بالکل مادہ پرستی اور دولت پرستی پر گر گئی ہیں۔اور چونکہ وہ دنیوی معاملات میں سب قوموں پر سبقت لے گئی ہیں اس لئے دوسری اقوام بھی دنیا کے عاجل نفع کو دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گئی ہیں۔اور یوں نہ صرف اپنے عقائد مذہبی کی رو سے بلکہ اپنی مادہ پرستی سے وہ دوسروں کو گمراہ کر رہی ہیں۔اور اسی لحاظ سے حدیث نے ان کا نام دجال رکھا ہے۔

یاجوج ماجوج از روئے بائیبل: بائیبل میں یاجوج ماجوج کا ذکر کھلے الفاظ میں ہے اور ان کی تعیین میں کوئی بھی شبہ نہیں رہ جاتا۔حزقیل 38:1-4 میں ہے:

> ''خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا اور اس نے کہا کہ اے آدم زاد تو جوج کے مقابل جو ماجوج کی سرزمین ہے اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر اور کہہ کہ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے جوج روش اور مسک اور توبال کے سردار میں تیرا مخالف ہوں اور میں پھر تجھے پھرا دوں گا اور تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا۔''

یہاں جوج کا ذکر تو صریح الفاظ میں ہے اور جوج وہی ہے جسے قرآن کریم میں یاجوج کہا گیا

ہے کہ وہ روش اور توبال اور مسک کا سردار ہے۔اور ماجوج کے متعلق صرف اس قدر ذکر ہے کہ ماجوج بھی ماجوج کی سرزمین کا رہنے والا ہی ہے۔ بائبل میں جو تین نام مذکور ہیں۔یعنی روس اور ماسک اور توبال۔ یہ تینوں کوہ قاف کے شمال میں موجود ہیں۔ روس ملک کا نام ہے، ماسک اور توبال دو دریا ہیں۔جن میں سے اول پر ماسکو کا شہر آباد ہے اور دوسرے پر توبالک کا۔اور یہ دونوں روس کے مشہور ترین شہر ہیں۔تو اتنی صراحت کے ہوتے ہوئے یاجوج ماجوج کے متعلق ادنیٰ شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔ان میں سے ایک یعنی یاجوج روس ہے اور روس سلانی قوموں کا مسکن ہے اور دوسرے یعنی ماجوج کا پتہ یوں بتا دیا کہ جوج اور ماجوج دونوں ایک ہی سرزمین کے رہنے والے ہیں۔اب ظاہر ہے کہ ایک طرف یاجوج کو روس کا سردار یا مالک کہا ہے اور دوسری طرف اسے ماجوج کی سرزمین کا رہنے والا قرار دیا ہے۔تو وہ سرزمین جس میں روس واقع ہے وہ یورپ ہے۔اور یورپ کی ساری آبادی دو بڑے حصوں میں تقسیم ہوتی ہے یعنی ایک سیلانی اقوام اور دوسری ٹیوٹن اقوام۔موخرالذکر میں انگریز اور جرمن آتے ہیں۔پس جہاں یہ صراحت سے ثابت ہے کہ یاجوج یورپ کی مشرقی اقوام کا نام ہے۔وہیں یہ بھی صراحت سے ثابت ہے کہ ماجوج یورپ کی مغربی اقوام کا نام ہے۔یعنی وہ اقوام جو ٹیوٹن کے نام سے مشہور ہیں۔اور یہ بھی ظاہر امر ہے کہ ابتدائی مسکن ان سب اقوام کا ایک ہی تھا۔ممکن ہے کہ یاجوج ماجوج ان دو اقوام کی جد امجد کے نام یا خطاب ہوں اور اس پر شہادت یہ بھی ہے کہ یاجوج ماجوج کے مجسمے پرانے زمانے سے لنڈن گلڈ ہال کے سامنے نصب ہوئے چلے آتے ہیں۔اگر ان ناموں کا تعلق اس قوم کے بزرگوں سے کچھ نہ ہوتو ان کے مجسمے لندن میں گلڈ ھال کے سامنے کیوں نصب ہوتے۔بلکہ ایک طرف بائبل کے بیان سے اور دوسری طرف مجسموں کی اس تاریخی شہادت سے یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ یاجوج ماجوج کوئی فرضی نام نہیں بلکہ اقوام یورپ کے ہی دو ٹکڑوں کے دو نام ہیں۔اور ان دونوں ناموں میں سارا یورپ آجاتا ہے۔اس شہادت کے بعد قرآن کریم کے اس بیان کے کہ آخری زمانہ میں یاجوج ماجوج ہر ایک بلندی سے نکل پڑیں گے۔ایک ہی معنے ہو سکتے ہیں یعنی یہ کہ یورپ کا تسلط دنیا پر ہو جائے گا بلکہ **کُلُّ حَدَبٍ** (96:21) کا لفظ استعمال کر کے یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ تسلط صرف ملکوں اور جسموں پر ہی نہ ہوگا بلکہ خیالات اور علوم پر بھی ہوگا۔کیونکہ **حدب** کے معنے کے اندر یہ امور بھی آجاتے ہیں۔اور یورپ

کا دنیا کے ممالک اور دنیا کے عام خیالات پر تسلط الفاظ قرآنی کی صداقت کا کھلا گواہ ہے۔تو جو امر اس وقت اسلام کی کمزوری اور مغلوبیت ظاہری کا سامان ہو گیا ہے۔خود ہی اسلام کی صداقت کی بھی بین دلیل ہے۔

احادیث میں ذکر دجال: احادیث میں ذکر دجال کے متعلق چند باتیں بطور تمہید سمجھ لینی ضروری ہیں۔سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ پیشگوئیاں اس بارے میں مروی ہیں ان کی بنیاد عموماً آپ کے کشوف یا رؤیا پر ہے۔اور وہ متفرق نظارے ہیں جو دجال کے متعلق آپ کو متفرق موقعوں پر دکھائے گئے ہیں۔نواس بن سمعان کی مشہور حدیث دجال میں جس کی روایت ترمذی نے کی ہے یہ لفظ بھی آتے ہیں کَاَنِّیْ اَشْبَھُهٗ بِعَبْدِ الْعزٰی گویا کہ میں اسے عبدالعزٰی سے مشابہت دیتا ہوں یہ کَاَنِّیْ کا لفظ بتاتا ہے کہ آپ عالم رؤیا یا کشف کا معاملہ بیان فرمارہے ہیں۔اور ضروری ہے کہ پیشگوئیوں کی بنا کشوف یا رؤیاء پر ہو۔اور بعض وقت کسی صحابی کے رؤیا کو ہی آپ نے لے لیا ہے۔ لیکن روایت میں عموماً کشف یا رؤیا کا ذکر رہ بھی جاتا ہے۔اب کشف یا رؤیا کے معاملات عموماً تعبیر طلب ہوتے ہیں۔مثلاً خود قرآن شریف میں کئی ایک رویا کا ذکر ہے جن کے الفاظ کچھ ہیں اور ان کے نیچے مفہوم کچھ اور ہے۔مثلاً حضرت یوسفؑ سورج اور چاند کو سجدہ کرتے دیکھتے ہیں۔تعبیر اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو برگزیدہ بنائے گا۔ایک بادشاہ دبلی گائیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ موٹی تازی گائیوں کو کھا گئی ہیں۔تعبیر یہ ہے کہ قحط کے سالوں میں فراوانی کے سالوں کا اندوختہ کھالیا جائے گا۔اسی طرح احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوابوں کا ذکر ہے۔جن کی تعبیر کچھ اور ہے۔مثلاً دو کنگنوں سے مراد دو کذاب تھے۔ہاتھ کی لمبائی سے مراد سخاوت تھی۔علاوہ ازیں پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارہ کا ہونا ایک مسلم امر ہے۔اس لئے سب سے پہلی بات جس کا یاد رکھنا ضروری ہے یہ ہے کہ ان تمام پیشگوئیوں میں جو دجال کے متعلق ہیں استعارہ اور مجاز بہت ہے۔دوسری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ چونکہ یہ پیشگوئیاں احکام شرعی سے کچھ تعلق نہ رکھتی تھیں اس لئے راویوں نے اول تو ان کی حفاظت میں اس قدر تعاہد سے کام نہیں لیا جس قدر احکام شریعت کی احادیث میں۔اور دوسرے چونکہ پیشگوئی کے پورا ہونے سے قبل اس کی اصلیت کا کوئی علم نہیں ہوتا۔بسا اوقات غلط فہمی ہو جاتی ہے اور پھر اس غلط فہمی کے ماتحت

اصل الفاظ میں بھی تصرف ہو جاتا ہے۔ اس لئے پیشگوئیوں کی احادیث کے ایک ایک لفظ کے پورا ہونے کی توقع رکھنا غلط ہے۔ متفق علیہ روایت میں ہے کہ جابر بن عبداللہ نے قسم کھا کر کہا کہ ابن صیاد دجال ہے۔ اور جب کسی نے سوال کیا کہ آپ کس طرح قسم کھاتے ہیں تو فرمایا کہ میں نے حضرت عمر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسی بات کی قسم کھاتے دیکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں کیا* اور نافع کی روایت میں ہے کہ ابن عمر بھی قسم کھا کر کہتے تھے کہ مجھے کچھ بھی شک نہیں کہ ابن صیاد دجال ہے ** حالانکہ دجال کے جو نشان احادیث میں مذکور ہیں وہ اس میں نہ پائے جاتے تھے۔ اس کے ماتھے پر ک ف ر نہ لکھا تھا۔ اس کے ساتھ دوزخ اور بہشت نہ تھے۔ وہ نہ بارشیں برساتا تھا۔ نہ مردوں کو زندہ کرتا تھا نہ اس کے پاس سفید گدھا تھا جس کے کانوں میں ستر باع کا فاصلہ ہو۔ باایں یہ بزرگ اسے دجال کہتے تھے بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس معاملہ میں خاموشی اختیار فرمائی۔ حالانکہ آپ نے خود وہ سب نشانات دجال کے بیان کئے تھے اور حضرت عمر کو یہ فرمایا جب اُنہوں نے ابن صیاد کو قتل کرنا چاہا کہ اگر یہ وہ ہے تو تم اس کے صاحب نہیں۔ مگر یوں جزم سے نہ فرمایا کہ یہ وہ نہیں *** جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام پیشگوئیوں کے لفظاً لفظاً پورا ہونے کی توقع نہ آپ رکھتے تھے نہ صحابہ رضی اللہ عنہم۔ آج اگر کوئی شخص اس بات پر اصرار کرے کہ دجال کے متعلق پیشگوئیوں کا ایک ایک لفظ پورا ہونا چاہیئے۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے طریق کے خلاف چلنے والا ہوگا۔ پس یہ

* رایت جابر بن عبداللّٰہ یحلف باللّٰہ ان ابن الصیاد الدجال قلت تحلف باللّٰہ قال سمعت عمر یحلف علیٰ ذالک عندالنّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فلم ینکرہ النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم (متفق علیہ۔ مشکوۃ صفحہ 479)

** کان ابن عمر یقول واللّٰہ ما اشک ان المسیح الدجال ابن صیاد (رواہ ابوداؤد۔ مشکوۃ صفحہ 479)

*** قال عمر یا رسول اللّٰہ اتاذن لی فیہ ان اضرب عنقہ قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ان یکن ہو لا تسلّط علیہ وان لم یکن ہو فلا خیر لک فی قتلہ۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ 478)

دو باتیں اس بحث میں یاد رکھنی ضروری ہیں اول یہ کہ ان پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارہ بہت ہے دوسرے یہ کہ ان میں راویوں سے تصرف اور خلط بھی ہو گیا ہے۔لیکن احادیث کی مجموعی شہادت ہر طرح قابل وثوق ہے۔

بروئے قرآن غلبہ صلیب اور فتنہ دجال ایک ہی ہیں: میں ابھی اوپر بیان کر چکا ہوں کہ قرآن کریم میں دجال کا نام نہیں۔لیکن صحیح حدیث نے سورہ کہف کو فتنہ دجال کا علاج بتایا ہے۔اور سورہ کہف بالخصوص عیسائیت اور اس کے فتنہ پر ہے۔اور اس کی پہلی دس آیتوں اور پچھلی دس آیتوں میں عیسائیت کے عقیدہ اور عیسائی اقوام کے کاموں کا ذکر ہے۔تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے غلبہ عیسائیت کو ہی فتنہ دجال قرار دیا ہے۔بالفاظ دیگر جس چیز کو حدیث میں فتنہ دجال کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔اس سے مراد فتنہ مسیحیت ہی ہے۔احادیث نے فتنہ دجال کو تمام فتنوں سے بڑھ کر فتنہ قرار دیا ہے اور بار بار اس کے متعلق فرمایا ہے کہ ہر ایک نبی اپنی قوم کو فتنہ دجال سے ڈراتا رہا ہے۔اور پھر صاف الفاظ میں فرمایا **مابین خلق ادم الٰی قیام الساعۃ امر اکبر من الدجال** آدم کی پیدائش سے لے کر قیامت تک دجال سے بڑھ کر کوئی امر نہیں۔اس امر پر احادیث کا اتفاق ہے اور اس کو طرح طرح کے پیرایوں میں بار بار بیان کیا ہے۔تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر شد و مد سے بیان فرماتے اور اس کو بدترین فتنہ قرار دیتے ہیں۔کیا قرآن کریم میں اس کا ذکر تک نہیں؟ یہ ہو نہیں سکتا۔یاجوج ماجوج کے فتنہ کو احادیث نے بیان کیا تو قرآن کریم نے بھی اس کا ذکر کیا اور یہی دو بڑے فتنے مسلمانوں کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔یعنی ایک فتنہ دجال اور ایک فتنہ یاجوج ماجوج۔تو یہ ہو نہیں سکتا کہ فتنۂ دجال کا ذکر تک قرآن شریف میں نہ ہو۔دوسری طرف اگر قرآن کریم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہاں بھی ایک سخت ترین فتنہ کا ذکر ہے۔مگر اس کا نام فتنہ دجال نہیں بلکہ فتنہ عیسائیت رکھا ہے۔قرآن کریم نے ہر قسم کے شرک کی تردید کی۔ذلیل سے ذلیل قسم کے شرک کا بھی ذکر کیا ہے۔مگر کسی شرک کا ذکر ایسے شدید الفاظ میں نہیں کیا جیسے شرک عیسائیت کا۔ **تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا. اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا** (19:90-91) قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں کہ یہ

رحمٰن کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اور مقامات پر بھی قرآن کریم میں اشارات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت کا غلبہ ایک وقت تک اسلام کی ترقی میں روک رہے گا۔ لیکن بالآخر یہ فتنہ مٹ کر اسلام غالب آئے گا۔ پس فتنہ دجال غلبہ عیسائیت کا ہی دوسرا نام ہے۔

بروئے احادیث فتنہ دجال غلبہ مسیحیت کا ہی نام ہے: احادیث پر غور کیا جائے تو ان سے بھی یہی حقیقت مذکورہ بالا واضح ہوتی ہے۔ سب سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ جس قدر احادیث نزول حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں ان میں حضرت عیسیٰ کا کام صرف یہ بیان کیا گیا ہے **یکسر الصلیب ویقتل الخنزیر** وہ صلیب کو توڑ دے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا۔ یہاں قتل دجال کا نام تک نہیں۔ حالانکہ جب فتنہ دجال بروئے حدیث اشد ترین فتنہ ہے جو دنیا میں کبھی واقع ہوا اور یہ فتنہ آنے والے مسیح کے ہاتھ سے دور ہونا مقدر تھا تو آنے والے مسیح کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا کام تو احادیث میں قتل دجال ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اس کی بجائے وہ کام کسر صلیب قرار دیا ہے۔ جس سے صاف نظر آتا ہے کہ کسر صلیب اور قتل دجال درحقیقت ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے دو لفظ ہیں۔ مقام غور ہے کہ جہاں فتنوں کا ذکر آتا ہے وہاں سارا زور دجال پر ہے۔ اور اسی کا بار بار ذکر طرح طرح کے پیرایوں میں پایا جاتا ہے۔ اور جہاں ان فتنوں کے علاج کا ذکر آتا ہے وہاں دجال کا نام چھوڑ کر کسر صلیب کا لفظ اختیار کیا ہے۔ آنے والے مسیح کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا کام کسر صلیب قرار دینا اور فتنوں میں غلبہ صلیب کا نام تک نہ لینا دوسری طرف احادیث فتن میں دجال کے فتنے کو شدید ترین فتنہ قرار دینا اور آنے والے مسیح کے کارناموں میں قتل دجال کا نام تک نہ لینا اس بات پر کھلی اور قطعی شہادت ہے کہ فتنہ دجال اور غلبۂ صلیب ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اور کسر صلیب اور قتل دجال ایک ہی امر کو ظاہر کرنے کے دو مختلف پیرائے ہیں۔

<u>قسط سوم۔ مطبوعہ در اشاعت 3 اگست 1931ء</u>

دجال کا نام المسیح الدجال کیوں رکھا: اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو خود دجال کے نام المسیح الدجال میں یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے۔ دجال کو مسیح کیوں کہا گیا ہے اس لئے کہ دجال اپنا کام مسیح کے نام کے نیچے کرتا ہے۔ ورنہ فی الحقیقت مسیح تو ایک پاک نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے الہاماً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو

دیا۔تو ایک راستباز بندے کا خطاب دجال کو دینا اسی بات کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ دجال اپنا کام اس راستباز بندے کے نام کے نیچے کرے گا۔اور یہی درحقیقت اس کا دجل اور فریب سازی ہے کہ نام تو وہ مسیح کا لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اور راستباز بندہ تھا اور کام وہ کرتا ہے جو اس کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔حضرت مسیح تو یہ تعلیم دیں کہ خدا ایک ہے اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔دجال نے خود مسیح کو خدا بنالیا۔حضرت مسیح کی تعلیم تو یہ تھی کہ خدا کے پیغمبر سب کے سب اس کے راستباز بندے ہیں۔دجال نے تمام پیغمبروں کو گنہگار قرار دیا۔کیونکہ جب تک سارے راستباز جن کو خدا دنیا کی ہدایت کے لئے چُنتا رہا گنہگار نہ ٹھہرائے جائیں ایک بے گناہ بیٹے کے کفارہ بننے کی ضرورت کوئی نہیں رہتی۔حضرت مسیح کی تعلیم تو یہ تھی کہ ہر انسان اپنے اعمال کی جزاوسزا پاتا ہے۔دجال مسیح کے نام کے نیچے یہ تعلیم دے رہا ہے کہ خدا کا بیٹا ساری عیسائی دنیا کے گناہوں کے لئے کفارہ ہو گیا۔حضرت مسیح کی تعلیم تو یہ تھی کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہوسکتا۔دجال حضرت مسیح کے نام کے نیچے یہ تعلیم دے رہا ہے کہ تمام دنیا کی دولت اکٹھی ہو کر عیسائیوں کے گھروں میں چلی جائے،تو ہی ان کی نجات ہوتی ہے۔خواہ یہ دولت مکرو فریب سے حاصل کی جائے۔خواہ دوسرے انسانوں کا گلا گھونٹ کر۔خواہ ان کو مغلوب اور ذلیل کر کے خواہ مار کر اور تباہ وبرباد کر کے۔غرض احادیث میں دجال کا نام المسیح الدجال رکھ کر اس بات کو صاف کر دیا ہے کہ موجودہ مسیحیت کا نام ہی دجالیت ہے۔نام تو مسیح کا اور مسیحیت کا لیا جاتا ہے مگر ہے وہ درحقیقت دجالیت۔پس اس نام میں خود یہ شہادت موجود ہے کہ فتنۂ دجالیت فتنۂ مسیحیت کا ہی دوسرا نام ہے۔

احادیث دجال پر سرسری نظر: احادیث دجال اس قدر کثرت کے ساتھ ہیں اور اس قدر صحابہؓ سے مروی ہیں کہ ان کی مجموعی شہادت پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہوسکتا۔گو جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں ان کی ایک ایک تفصیل کے لفظاً پورا ہونے کا خیال درست نہیں۔ان احادیث کو صحیح ترین کتب حدیث نے لیا ہے۔بخاری اور مسلم میں بھی بہ کثرت یہ احادیث موجود ہیں۔اور صرف مسند احمد میں ہی ایک سو کے قریب ایسی احادیث ہیں۔اور ذیل کے جملہ اصحاب ان کے راوی ہیں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ،حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ،سعد بن ابی وقاص،عبداللہ بن عباس،عبداللہ بن عمر،عبداللہ بن عمروؓ،ابو ہریرہؓ،ابوسعید خدریؓ،انس بن مالکؓ،جابرؓ،ہشام بن عامرؓ،سمرہ بن جندبؓ،ابی بن کعب،سفینہؓ،عمران بن حصین،عبادہ

ابن سمعان، ام شریکؓ، فاطمہ بنت قیسؓ، ابی بکرؓ، عبادہ ابن صامتؓ، ابوعبیدہؓ بن الجراحؓ، اسمٰؓ بنت یزید، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہؓ بن یسر المازنی، ان کے علاوہ اور بھی کئی صحابی احادیث دجال کے راویوں میں سے ہیں جن کے نام معلوم نہیں۔اس قدر کثیر تعداد صحابہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار دجال کا ذکر کیا اور بعض صحابہ کے یہ الفاظ ہیں کہ اُنہوں نے دجال کے متعلق بڑی کثرت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور آپ نے بار بار دجال کے فتنہ سے ڈرایا۔اور کسی فتنہ پر جو اسلام کو پیش آنے والا تھا اتنا زور نہیں دیا جتنا زور دجال کے فتنہ پر دیا۔

کیا دجال سے مراد فرد واحد ہے یا قوم: اس میں شک نہیں کہ اکثر احادیث کا مفہوم ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دجال ایک فرد واحد ہوگا۔جس کی ایک آنکھ ہوگی اور جس کے ماتھے پر ک۔ف۔ر لکھا ہوگا۔اور جس کے ساتھ ساتھ ایک گدھا اور ایک نہر اور ایک آگ ہوگی۔لیکن ان احادیث کو اگر قرآن کریم کی روشنی میں پڑھا جائے تو کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ دجال ایک فرد واحد کا نام نہیں بلکہ یہ درحقیقت اس قوم یا ان قوموں کی تصویر ہے جن پر یہ احادیث صادق آتی ہیں۔قرآن کریم نے قطعیت کے ساتھ دجال کو عیسائی اقوام قرار دیا ہے۔اور پھر یاجوج ماجوج اور دجال کو ایک ہی قرار دیا ہے۔کیونکہ دونوں کے فتنہ کا ذکر اکٹھا ہے۔اور یاجوج ماجوج کے اقوام یورپ ہونے پر بائیبل کی صریح شہادت موجود ہے۔تو پس دجال اور عیسائی اقوام یورپ کے ایک ہونے پر کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔اور احادیث کی شہادت سے بھی میں اوپر ثابت کر چکا ہوں کہ فتنۂ دجال غلبۂ مسیحیت ہی ہے۔اس کے علاوہ صحیح مسلم کی ایک حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح روم اور فارس وغیرہ کا بھی بحیثیت ایک قوم کے ذکر ہے، اسی طرح دجال کا بھی بحیثیت ایک قوم کے ذکر ہے **قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم تغزون جزیرۃ العرب فیفتحھا اللّٰہ ثم فارس فیفتحھا اللّٰہ ثم تغزون الروم فیفتحھا اللّٰہ ثم تغزون الدجال فیفتحہ اللّٰہ** ۔مشکوٰۃ ص466 باب الملاحم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم (یعنی مسلمان) عرب سے جنگ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اسے فتح کر دے گا۔پھر فارس سے جنگ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اسے فتح کر دے گا۔پھر روم سے جنگ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اسے فتح کر دے گا۔پھر دجال سے جنگ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اسے فتح کر دے گا۔اب یہاں جس طرح پر عرب، فارس اور روم کے ساتھ

جنگ کا ذکر ہے اسی طرح دجال کے ساتھ جنگ کا ذکر ہے۔ پس جس طرح وہ اقوام ہیں یہ بھی ایک قوم یا اقوام ہیں۔ ممکن ہے اس میں صلیبی جنگوں کی طرف اشارہ ہو یا موجودہ زمانہ کی طرف۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ فارس اور روم کی طرح دجال سے مراد بھی ایک قوم یا بعض اقوام ہیں۔

رہا یہ امر کہ احادیث میں دجال کا ذکر فرد واحد کی طرح ہے اور اس کا حلیہ بھی دیا ہے۔ تو اس سے اس کے ایک قوم یا بعض اقوام ہونے میں کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے یہ پیشگوئیاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کشوف ہیں۔ اور کشف یا رؤیا میں جب ایک قوم دکھائی جائے گی تو ایک فرد واحد کی صورت ہی میں دکھائی جائے گی۔ کیونکہ کشف اور رؤیا میں ایک چیز متمثل ہو کر یعنی کوئی شکل اختیار کر کے سامنے لائی جاتی ہے۔ اس لئے قوم کو سامنے لایا جائے گا تو ایک انسان کی صورت میں متمثل کر کے ہی لایا جائے گا۔ بالخصوص جب ایک قوم کی بعض نمایاں خصوصیات کو سامنے لانا مقصود ہو اور ذکر دجال میں عیسائیت کے غلبہ کی نمایاں خصوصیات کو ہی سامنے لانا مقصود تھا۔ تو اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ ان خصوصیات کو ایک فرد واحد کے رنگ میں دکھایا جائے۔ عرف عام میں بھی قوموں کا ذکر افراد کی طرح کیا جاتا ہے۔ خود قرآن شریف کو پڑھو تو بنی اسرائیل کا یا دوسری اقوام کا ذکر اسی طرح ہے جیسے کہ گویا وہ ایک فرد واحد ہے۔ مثلاً انہی الفاظ پر غور کیجئے يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ (122:2) اب مخاطب تو وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہیں۔ اور ذکر ان لوگوں کا ہے جو حضرت موسیٰ کے یا اس سے بعد کے زمانہ میں گزر چکے۔ انعام تو ان پہلے لوگوں پر تھے۔ اور یہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ذلیل اور مقہور قوم تھی مگر ذکر ایسے ہی کیا ہے جیسے گویا ساری قوم ایک فرد واحد کے طور پر ہے۔ پس اگر ایک دجال قوم کو اللہ تعالیٰ نے ایک فرد واحد کے رنگ میں دکھا دیا۔ اور اس کا قوم ہونا خود قرآن شریف سے ثابت ہے تو اس میں کیا نقص ہے؟

حلیۂ دجال میں اقوامِ یورپ کا خط و خال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پیشگوئیوں میں یہ کس قدر کمال ہے کہ آج جو کچھ ہمیں یورپ کا خط و خال ان آنکھوں سے نظر آتا ہے اس خط و خال کو دجال کے حلیہ میں بیان کر دیا ہے۔ ان اقوام میں کچھ اختلافات بھی ہیں۔ لیکن بعض اُمور ان میں مشترک بھی

پائے جاتے ہیں۔ انہی امور مشترک کو حلیہ دجال کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ حلیہ کیا ہے۔ میں احادیث کے صرف انہی حصوں کو لیتا ہوں جن میں حلیہ دجال کا ذکر ہے۔ اول صحیح بخاری کو لو۔

1۔ **واذا انا برجل جعد قطط اعور العلین الیمنی فسالت من ھذا فقیل المسیح الدجال** (کتاب اللباس) اور میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ گھنگریالے، چھوٹے بالوں والا، دائیں آنکھ سے کانا، میں نے کہا کہ یہ کون ہے۔ کہا گیا مسیح الدجال ہے۔

2۔ **رجل احمر جسیم جعد الراس اعور العین الیمنی** (باب التعبیر) ایک شخص گورا رنگ موٹا تازہ سر کے بال گھونگریالے دائیں آنکھ سے کانا۔

3۔ **الا انه اعور ...... وان بین عینیه مکتوب کافر** (کتاب الفتن) سنو! وہ کانا ہے ......اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہے کافر۔

مسند احمد کی احادیث میں بھی ایسے ہی الفاظ آتے ہیں۔ اور قریباً سب احادیث میں اسے اعور یعنی کانا کہا ہے۔ اور ابن عباس کی ایک روایت میں ہے **اعور ھجانااز ھر** کانا سفید چمکتا ہوا رنگ (جلد1 صفحہ 240) اور ایک میں ہے **اقمر ھجانا احدیٰ عینیه قائمة کانّه کوکب دری** بڑے جسم والا سفید روشن۔ اس کی ایک آنکھ چمکتے ہوئے ستارے کی طرح روشن (جلد1 صفحہ 374) اس طرح بیشتر روایات میں ہے **مکتوب بین عینیه کفر یا کافر یا ک ف ر** اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کفر یا کافر یا ک ف ر لکھا ہوا ہے۔ اور بعض میں اس کے ساتھ بڑھایا ہے **یقرؤہ کل مؤمن امّی او کاتب** اسے ہر مومن پڑھ لے گا خواہ وہ ان پڑھ ہو یا لکھنا جانتا ہو (جلد2 صفحہ 206) یا **کُل مومن کاتب او غیر کاتب** (جلد2 صفحہ 228) یا **کل مومن قارئ او غیر قارئ** (جلد2 صفحہ 250) ہر مومن لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، یا پڑھنا جانتا ہو، یا نہ جانتا ہو وہ دجال کے ماتھے پر کفر یا کافر لکھا ہوا پڑھ لے گا۔

ظاہری حلیہ: اس حلیہ میں چند باتیں نظر آتی ہیں۔ جسم کے لحاظ سے اسے قوی الجثہ کہا گیا ہے۔ رنگ کے لحاظ سے سفید اور روشن رنگت والا، سر کے بال چھوٹے اور گھونگریالے، اب یہ تینوں باتیں یورپین اقوام کے ظاہری خط و خال پر صادق آتی ہیں۔ عموماً یہ لوگ قوی الجثہ ہیں۔ اچھے قد آور اور موٹے ہیں۔ بال

چھوٹے اور گھونگریالے ہیں اور اب تو عورتوں کے بال بھی چھوٹے ہو گئے ہیں۔ رنگ سفید اور روشن ہیں۔ تو یہ تین باتیں یورپ کی اقوام کے ظاہری خط وخال پر صادق آتی ہیں۔ اور ان کی ممتاز نشانیاں ہیں۔

باطنی حلیہ اور دجال کا کانا ہونا: باقی دو باتیں ایک دجال کا دائیں آنکھ سے کانا ہونا اور دوسرے اس کے ماتھے پر کفر یا ک۔ف۔ر لکھا ہونا، ان کی روحانی حالت کا اظہار ہیں۔ اگر جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے کہ دجال ایک قوم کا نمائندہ ہے، تو ظاہر ہے کہ ساری قوم ظاہر معنوں سے کانی نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں جہاں اسے دائیں آنکھ سے کانا بتایا ہے دوسری آنکھ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اس قدر چمک رہی ہوگی کہ گویا وہ ایک روشن ستارہ ہے۔ یعنی دائیں آنکھ تو بالکل ماری ہوئی ہے۔ اور بائیں آنکھ حد سے زیادہ روشن ہے۔ امام راغبؒ نے دجال کی دائیں آنکھ نہ ہونے کے جو معنے لکھے ہیں۔ وہ نہایت محققانہ توجیہہ ہے۔ لفظ مسیح کی لغوی تحقیق میں وہ لکھتے ہیں کہ مسیح کسی چیز کا مٹا دینا بھی ہے اور پھر لکھتے ہیں **وقد روی ان الدجال ممسوح الیمنی و عیسٰی ممسوح الیسری قال ویعنی بان الدجال قد مسحت عنه القوة المحمودة من العلم والعقل والحلم والاخلاق الجمیلة وان عیسٰی مسحت عنه القوة الذمیمة من الجهل والشره والحرص و سائر الاخلاق الذمیمة۔** یعنی روایت کی گئی ہے کہ دجال کی دائیں آنکھ ماری ہوئی ہے اور حضرت عیسٰی کی بائیں آنکھ ماری ہوئی ہے۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ دجال سے علم اور عقل اور حلم اور اچھے اخلاق کی قابل تعریف قوت جاتی رہی ہے۔ اور حضرت عیسٰی سے جہل اور لالچ اور حرص اور برے اخلاق کی قابل نفرت قوت جاتی رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام راغبؒ نے بھی دجال کے کانا ہونے کو ظاہر پر محمول نہیں کیا مجاز پر محمول کیا ہے۔ اور مراد اس سے اچھے اخلاق کا نہ ہونا لیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے جو توجیہہ اس کی فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ انسان کی دو آنکھیں وہ ہیں جن میں سے ایک دینی اور روحانی امور کو دیکھتی ہے۔ اور دوسری جسمانی اور مادی امور کو دیکھتی ہے۔ اور چونکہ دین اور روحانیت اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔ اور امور جسمانی و مادی ادنیٰ مرتبہ رکھتے ہیں، اس لئے دائیں آنکھ کے نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ دجال کی توجہ دینی اور روحانی امور کی طرف سے ہٹی ہوئی ہوگی۔ اور یہی حالت آج اقوام یورپ کی نظر آتی ہے کہ ان کی ساری توجہ جسمانی اور مادی اُمور کی طرف ہے۔ اور ان امور میں ان

کی ترقی بے نظیر ہے۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ اس کی دوسری آنکھ روشن ستارے کی طرح ہوگی۔ یعنی مادی اور جسمانی امور میں وہ ایسی ایسی باتوں کو دیکھ لے گا جن کو اور لوگ نہیں دیکھتے۔ گویا اس کی مادی آنکھ ایک روشن ستارہ ہے۔ مگر اس کی روحانی آنکھ بالکل ماری ہوئی ہے کیونکہ اس کی ساری قوت مادیت اور جسمانیات تک محدود ہے۔ اس میں کمال ترقی کا یہ نتیجہ ہے کہ دوسری آنکھ ان کی بند ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ کی یہ کیسی اعلیٰ درجہ کی توجیہہ ہے جو یقیناً وحی خفی سے قلب مبارک نبویؐ پر روشن ہوئی۔ قرآن کریم دجال کے ذکر میں فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (104:18) وہ جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں غرق ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے بڑے کاریگری کے کام کر رہے ہیں۔ حدیث نبویؐ نے اسے یوں بیان فرمایا کہ دجال کی بائیں یا دنیا کی زندگی والی آنکھ ستارہ کی طرح روشن ہے اور قرآن کریم ان کی اخروی زندگی یا حالت کے متعلق بیان فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ (105:18) اُنہوں نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کر دیا۔ حدیث نے یوں بیان فرمادیا کہ دجال کی دائیں یا دین کی آنکھ ماری ہوئی ہے۔

دجال کے ماتھے پر کفر لکھا ہوا ہونا: اسی طرح یہ دوسری علامت دجال کی کہ اس کے ماتھے پر کفر یا کافر یا ک ف ر لکھا ہوگا اس کی روحانی حالت کے متعلق ہے۔ کسی چیز کا دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر لکھا ہونا عرف عام میں یہی ہے کہ وہ بات اس میں ظاہر نظر آئے۔ پس مطلب یہ ہے کہ اس کا کفر ظاہر ہوگا۔ اور خود حدیث کے الفاظ سے نظر آتا ہے کہ منشاء تو یہی ہے۔ کیونکہ اول تو اس میں ہے کہ ہر مومن اسے پڑھ لے گا۔ یہ نہیں کہ ہر شخص اسے پڑھ لے گا۔ اور پھر مومن کے متعلق بھی مزید تشریح ہے۔ امی او کاتب قارئ او غیر قارئ یعنی ہر ایک مومن اسے پڑھ لے گا۔ خواہ وہ اُمی ہو یا لکھنا جانتا ہو، خواہ وہ پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ تو جس تحریر کو اول مومن ہی پڑھتا ہے اور مومن بھی ہر ایک پڑھ لیتا ہے خواہ وہ پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، ظاہر ہے کہ وہ تحریر الفاظ میں نہیں ہوسکتی۔ اگر الفاظ کی تحریر ہوتی تو نہ مومن کی شرط ہوتی نہ ان پڑھ کے پڑھ لینے کا ذکر ہوتا۔ الفاظ کی تحریر کا تعلق ایمان سے نہیں۔ اسے ہر ایک پڑھنے والا پڑھ سکتا ہے۔ اور ان پڑھ خواہ کتنا بڑا مومن ہو نہیں پڑھ سکتا۔ پس یہ تحریر ایسی ہے جو اسکے افعال سے

ظاہر ہے۔ اور صرف مومن کی شرط اس لئے ہے کہ کافر تو کفر کو کفر نہیں سمجھتا۔ یہ مومن ہی دیکھ سکتا ہے کہ یہ کفر ہے۔

قسط چہارم۔ مطبوعہ دراشاعت 15 اگست 1931ء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دجال کی جائے رہائش: صحیح مسلم میں فاطمہ بنت قیس کی روایت میں ذکر ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نماز لوگوں کو جمع رکھا اور فرمایا کہ تمیم داری عیسائی تھا وہ آ کر مسلمان ہوا۔ اور اب اس نے مسیح الدجال کے متعلق ایک بات بیان کی ہے جو اس کے مطابق ہے جو میں تم سے بیان کرتا تھا۔ اس کے بعد تمیم داری کے قصہ کا ذکر ہے کہ وہ قبیلہ لخم و جذام کے کچھ آدمیوں کے ساتھ سمندر میں نکلے۔ اور ان کی کشتی ایک مہینہ کے بعد ایک جزیرہ پر جا لگی۔ جہاں انہیں پہلے ایک عجیب الخلقت جانور ملتا ہے جو اپنے آپ کو جساسہ کہتا ہے۔ یہ جساسہ انہیں ایک شخص کا پتا بتاتی ہے جو ایک گرجا میں ہے اور وہ اس گرجا میں اس کے پاس جاتے ہیں۔ اور ایک بہت بڑے انسان کو دیکھتے ہیں۔ جس کے ہاتھ گردن سے بندے ہوئے ہیں۔ اور جس کے گھٹنوں سے لے کر ٹخنوں تک جسم لوہے سے بندھا ہوا ہے۔ وہ اس سے باتیں کرتے ہیں۔ اور وہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بھی دریافت کرتا ہے۔ اور آخر پر کہتا ہے کہ میں مسیح دجال ہوں۔ اور قریب ہے کہ مجھے خروج کی اجازت دی جائے اور میں ساری زمین میں پھر نکلوں گا۔ سوائے مکہ اور مدینہ کے۔ اس سارے قصہ میں جو بات صاف نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ واقعہ نہیں بلکہ ایک رؤیا کی صورت ہے اور روایت میں رؤیا کا لفظ گر گیا ہے۔ کیونکہ اس میں دجال یہ بھی دریافت کرتا ہے **اخبرونی عن نبی الامیین مافعل** مجھے امیوں (یعنی عرب) کے نبی کے متعلق اطلاع دو کہ اس نے کیا کیا۔ تو وہ جواب میں کہتے ہیں **قد خرج من مکۃ و نزل یثرب** آپ مکہ سے نکل کر یثرب میں چلے گئے ہیں اور ایک روایت میں ہے **قال مافعل ھذا الرجل الذی خرج فیکم** (کنزل العمال جلد 7 صفحہ 2024) یہ شخص جو تم میں ظاہر ہوا اس نے کیا کیا ہے۔ آخر اس شخص کو یہ اطلاع یہ کس طرح ہوئی۔ کہ نبی عرب ظاہر ہو گئے ہیں۔ کیا اسے بھی وحی ہوتی تھی؟ یہ تو ناممکن ہے۔ وہ کوئی نبی یا ولی نہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ علم غیب اپنے رسولوں پر ہی ظاہر کرتا ہے۔ ہاں قیاساً بھی بعض لوگ آئندہ باتوں کے متعلق کہہ دیتے ہیں۔ مگر یہ قیاس

نہ تھا۔اسے علم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو گئے ہیں۔دیگر واقعات جو اس قصہ میں مذکور ہیں وہ بھی سب اسی بات پر دلالت کرتے ہیں۔دجال کے ہاتھ گردن سے کس نے باندھے اس کے پاؤں میں زنجیریں کس نے ڈالیں؟ یا کیا وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہی اس طرح ہوا تھا؟ پھر کیا وہ اس کی جساسہ ہی اس کی زنجیروں کو نہ کھول سکتی تھی؟ اگر اس کو تمیم داری کا رؤیا قرار دیا جائے تو تمام مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بھی اس بارے میں جس قدر حالات معلوم ہوئے بذریعہ مکاشفات ہی ہوئے تھے۔ایسا نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس جزیرہ میں لے جا کر کوئی اصل دجال دکھا دیا ہو۔بلکہ متعدد مکاشفات میں دجال کی صفات کو آپ پر ظاہر کیا۔تمیم داری کی رؤیا کو بھی آپ نے ان مکاشفات کی تصدیق قرار دے کر بیان کر دیا۔جس طرح اور بعض صحابہ کے خوابوں کو آپ لے لیتے تھے۔اب دجال کے متعلق جو اُمور اس حدیث سے ظاہر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اول وہ کسی جزیرہ کا رہنے والا ہے۔دوم وہ جزیرہ ساحل شام سے بادبانی کشتی کا ایک ماہ کا سفر ہے۔سوم اس کے محل وقوع کے متعلق **حین مغرب الشمس** کے لفظ کافی ہیں۔اگر **حین** کے لفظ میں راوی کا تصرف نہیں تو مغرب کے وقت وہاں پہنچنے میں اشارہ اس جزیرے کے مغرب میں ہونے کی طرف ہے۔ایک اور بات جو خصوصیت سے اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت بھی دجال موجود ہے۔لیکن ابھی اس کو خروج کی اجازت نہیں۔اس کو میں الگ بیان کروں گا۔یہ تین باتیں دجال کے وطن کا پتہ بتاتی ہیں۔یورپ میں گو اور بھی اقوام آباد ہیں لیکن انگریز قوم کو جس قدر عروج حاصل ہوا ہے وہ اور کسی قوم کو حاصل نہیں ہوا۔اس لئے مغربی جزیرہ کو بالخصوص وطن دجال قرار دیا گیا ہے۔

دجال کا مذہب: دجال کون ہوگا۔بعض احادیث میں ذکر آتا ہے کہ یہودی اس کا ساتھ دیں گے۔یا اس کے ساتھ یہودیوں کے لشکر ہوں گے۔اس سے یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ وہ یہودی ہوگا۔مگر قرآن کریم میں صراحت سے مذکور ہے کہ اس سے مراد وہ اقوام ہیں جو خدا کا بیٹا بناتی ہیں۔اس لئے اس کے عیسائی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔یہودیوں کا اس کا ساتھ دینے سے کیا مراد ہے؟ وہ میں آگے بیان کروں گا۔یہودیوں کے اس کے ساتھ مل جانے سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بھی یہودی ہے۔یوں اُمت محمدیہ میں سے بھی کچھ لوگوں کے اس کے ساتھ مل جانے اور اس کے دھوکے میں آجانے کا ذکر ہے۔

یتبع الدجال من اُمتی سبعون الفا (مشکوٰۃ صفحہ 477) بلکہ خود اس کا نام مسیح الدجال جیسا کہ اوپر ذکر ہوا بتاتا ہے کہ وہ مسیح کا نام لیوا ہے۔تمیم داری کی حدیث جو اوپر بیان ہوئی وہ بھی اس بارے میں قطعی ہے **انطلقوا الٰی ھٰذا الرجل فی الدیر** اس شخص کی طرف جاؤ جو گرجا گھر میں ہے۔ظاہر ہے کہ گرجا گھر میں کون لوگ جاتے ہیں۔ وہ عیسائی ہیں۔جس قوم کا نمائندہ گرجا گھر میں دکھایا گیا ہے وہ عیسائیوں کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ دجال کی جساسہ لوگوں کو یہی ترغیب دیتی ہے کہ تم بھی گرجا گھر جاؤ۔یعنی عیسائی ہو جاؤ۔ یہ گرجا گھر جو تم دیکھ رہے ہو اس میں جاؤ۔اس کے خدائی کے دعوے سے کیا مراد ہے اسے میں آگے بیان کرتا ہوں۔

دجال کی جائے ظہور: یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف دجال کا مقام رہائش ملک شام سے مغرب کی طرف دکھایا گیا ہے اور اس کے ظہور کا مقام مشرق قرار دیا گیا ہے۔اور اس بارے میں صراحت سے ذکر موجود ہے۔ **لا بل من قبل المشرق ماھو، من قبل المشرق ماھو ، من قبل المشرق ماھو** نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف ظاہر ہوگا، وہ مشرق کی طرف ظاہر ہوگا، وہ مشرق کی طرف ظاہر ہوگا۔ (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2988) **بل ھو فی بحرالعراق ، بل ھو فی بحر العراق، بل ھو فی بحرالعراق** بلکہ وہ عراق کے سمندر (خلیج فارس) میں ہوگا بلکہ وہ عراق کے سمندر میں ہوگا۔ بلکہ وہ عراق کے سمندر میں ہوگا۔(کنز العمال) تفصیلی اختلافات کو چھوڑ کر ایک بات جس پر احادیث کا اتفاق ہے وہ مشرق کی طرف سے اس کا ظہور ہے۔ایک روایت کے الفاظ ہیں **فخطہ النّبّی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نحو المشرق ماھو قریب من عشرین مرۃ** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2991) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی 20 مرتبہ مشرق کی طرف نشان دیا اور مسلم کی حدیث میں ہے **لا بل من قبل المشرق ماھو** کے بعد ہے **فاومأ بیدہ الی المشرق** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے بھی مشرق کی طرف اشارہ کیا۔اب مقام غور ہے کہ ایک طرف دجال کا مسکن مغرب میں ایک جزیرہ بتایا جاتا ہے۔دوسری طرف اس کا خروج یا اس کے فتنوں کا ظہور مشرق میں بتایا جاتا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ دجال کے غلبہ سے مشرق کو نقصان پہنچے گا۔اور آج یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ یورپ کا فتنہ اپنے ملک میں کچھ نہیں۔ بلکہ وہ اپنے ملک میں ایک قوم کے ساتھ ہر طرح اچھا سلوک کرتے

ہیں۔ان کا فتنہ یہی ہے کہ مشرق کو اپنی اغراض کے لئے اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ وہ ان کے عقائد باطلہ کو قبول کر لے۔اور ان کا غلام ہو کر رہے۔اس بلند مقام پر کبھی نہ پہنچے کہ ان کی برابری کا دعوٰی کر سکے۔اور ان کا مال اور دولت ان کے ملکوں سے نکل جائے اور سب یورپ میں پہنچ جائے۔اور یہی مطلب دجال کے خروج یا کھول دیئے جانے کا ہے۔موجود تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی تھا۔مگر اس وقت اس کے ہاتھ پاؤں دونوں بندے ہوئے تھے۔اور یہی حالت اقوام یورپ میں نظر آتی ہے کہ ایک وقت وہ اپنے ممالک میں مقید ہیں۔مگر ایک وقت کے بعد وہ دنیا میں اپنا تسلط اور اقتدار اس حد تک جما لیتی ہیں کہ دنیا کے کل ملک یا ان کے قبضہ میں آجاتے ہیں یا ان کے اقتدار کے نیچے آجاتے ہیں کہ ان کے اشارہ پر چلتے ہیں۔یہی مراد اس کے خدائی کے دعوٰی سے ہے کہ اس کا تسلط دنیا کی اقوام پر اس قدر ہو جاتا ہے کہ ہر ایک قوم اس کے اشاروں پر چلنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔اس کے زندہ کرنے اور مارنے سے بھی یہی مراد ہے کہ جس قوم کو چاہا ذلیل کر دیا جس قوم کو چاہا برباد کر دیا۔

عظیم ترین فتنہ: صحیح مسلم میں ہے **مابین خلق آدم الٰی قیام الساعة امر اکبر من الدجال** (مشکوٰۃ صفحہ 472) ابتدائی آفرینش سے لے کر آخر تک کوئی امر فتنۂ دجال سے بڑھ کر نہیں۔اسی قسم کے الفاظ اور احادیث میں بھی آتے ہیں **یا ایّھا الناس انہ لم تکن فتنة علٰی وجہ الارض منذ ذراء اللّٰہ ذریّہ آدم اعظم من فتنۂ الدجال** (کنز العمال۔جلد 7 صفحہ 2028) اے لوگو! جب سے اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو پیدا کیا ہے فتنۂ دجال سے بڑھ کر کوئی فتنہ روئے زمین پر نہیں ہوا۔**ما کانت فتنة ولا تکون حتّٰی تقوم الساعة اعظم من فتنة الدجال** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2096) یا اس سے ملتے جلتے الفاظ ہیں۔یہ بجائے خود ایک شہادت ہیں کہ فتنۂ دجال یہی موجودہ غلبہ یورپ و فتنۂ صلیب ہے۔اگر تاریخ عالم کو اُٹھا کر دیکھا جائے تو اس کے برابر کوئی فتنہ نظر نہیں آتا۔گو اس سے پہلے بھی دنیا میں بڑے بڑے فاتح ہوئے۔مگر کسی کو روئے زمین پر اس قدر عام غلبہ حاصل نہیں ہوا۔آج نہ ایشیاء کی کوئی بستی یورپ کے تسلط و اقتدار سے باہر ہے، نہ افریقہ کی نہ خشکی نہ تری۔اور اس غلبہ کے ساتھ جس قدر غلامی کی زنجیروں میں ان اقوام نے نسل انسانی کو جکڑا ہے۔اس کی بھی پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی۔پھر ہر قسم کے گمراہ کرنے کے سامان ان کے ساتھ ہیں۔کہیں تعلیم کے ذریعہ سے گمراہ کیا جاتا ہے۔کہیں

مذہب کے ذریعہ سے۔ کہیں دنیا کی آرائش کے سامانوں کے ذریعہ سے۔ غرض تاریخ عالم کو تلاش کرنے سے اس فتنہ کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ جس کو واقعات عالم نے دنیا کا عظیم ترین فتنہ ثابت کردیا۔ وہی فتنہ دجال ہے۔

دجال کی علامات: میں یہاں متفرق احادیث سے چند ٹکڑے درج کرتا ہوں۔ اور پھر انہیں الگ الگ لے کران پر مختصر بحث کروں گا۔

1۔ **انہ یجئی معہ بمثل الجنۃ والنّار فالتی یقول انھا الجنۃ ھی النار** (متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ 473) وہ آئے گا اور اس کے ساتھ بہشت اور دوزخ کے مثل کچھ ہوگا۔ تو جسے وہ کہے گا کہ یہ بہشت ہے وہ آگ ہوگی۔

وان معہ ماءً وناراً فاما الذی یراہ الناس ماء فنار تحرق اما الذی یراہ النا س ناراً فماء بارد عذب (متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ 473) اور اس کے ساتھ پانی اور آگ ہوگی تو جسے لوگ پانی سمجھیں گے وہ آگ ہوگی جو جلا دے گی۔ اور جسے لوگ آگ سمجھیں گے وہ ٹھنڈا میٹھا پانی ہوگا۔

یجئی بنار و نھر فمن وقع فی نارہ وجب اجرہ وحط وزرہ (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2975) اس کے ساتھ آگ ہوگی اور پانی کی نہر جو اس کی آگ میں گرے گا اس کا اجر واجب ہوگیا۔ اور اس کا بوجھ اُتر گیا۔

معہ جبال الخبزوا نھا را لماء (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2985) اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہریں ہوں گی۔ **معہ نھران نھر من ماء ونھر من النار** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2985) اس کے ساتھ دو نہریں ہوں گی ایک پانی کی نہر اور ایک آگ کی نہر۔

یخرج الدجال و معہ نھر و نار فمن دخل نھرہ وجب وزرہ وحط اجرہ ومن دخل نارہ وجب اجرہ وحط وزرہ (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2029) دجال نکلے گا اور اس کے ساتھ نہر اور آگ ہوگی تو جو کوئی اس کی نہر میں داخل ہوگا اس پر اس کا بوجھ واجب ہوگیا۔ اور اس کا اجر جاتا رہا اور جو کوئی اس کی آگ میں داخل ہوا اس کا اجر واجب ہوگیا اور اس کا بوجھ اُتر گیا۔

وان من فتنتہٖ ان معہ جنۃ ونارا فنارہٗ جنۃ وجنتہٗ نار فمن ابتلی بنارہٖ

فليستغث بالله وليقراء فواتح الكهف فتكون برداً وسلاماً (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2028) اور اس کے فتنوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے ساتھ جنت اور آگ ہوں گے۔ تو اس کی آگ جنت ہے اور جنت آگ۔ جو شخص اس کی آگ میں ڈالا جائے وہ اللہ کی مدد مانگے اور سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔ وہ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی ہوگی۔

ومعه مثل الجنة ومثل النار وجنته غبراء ذات دخان وناره روضة خضراء (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2074) اور اس کے ساتھ بہشت اور دوزخ کے مانند ہوں گے اور اس کی جنت دھویں والا غبار ہوگا۔ اور اس کی آگ سبز باغ ہوگا۔

وان معه جنة ونار فناره جنة وجنتهٗ نار فمن ابتلى بناره فليغمض عينه وليستعين بالله يكون عليه برداً وسلاماً (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2079) اس کے ساتھ جنت اور نار ہوگی جو کوئی اس کی آگ سے آزمایا جائے۔ چاہیئے کہ اپنی آنکھ بند کر لے اور اللہ کی مدد مانگے وہ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی ہوگی۔

كيف بكم اذا ابتليتم بعبد قد سخرت له انهار الارض وثمارها (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2090) تمہاری کیا حالت ہوگی جب تم ایسے انسان سے آزمائے جاؤ گے جس کے لئے زمین کی نہریں اور اس کے پھل مسخر کر دیئے گئے ہیں؟

يسير معه جبلان احدهما فيه اشجار وثمار وماء واحدهما فيه دخان ونار يقول هذهِ الجنة وهذهِ النار (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2110) اس کے ساتھ دو پہاڑ چلتے ہوں گے۔ ایک میں درخت اور پھل اور پانی ہوں گے۔ اور دوسرے میں دھواں اور آگ ہوں گے۔ کہے گا یہ جنت ہے اور یہ دوزخ ہے۔

2۔**قلنا يا رسول الله وما اسراعه فى الارض قال كالغيث استد برته الريح** (مشکوٰۃ صفحہ 473) ہم نے دریافت کیا یا سول اللہ! وہ زمین پر کتنا تیز چلے گا فرمایا جیسے بادل جسے ہوا اُڑائے لئے جا رہی ہو۔

تطوى له الارض منهلا يتناول السحاب بيمينه ويسبق الشمس الى مغيبها

یخوض فی البحر الیٰ کعبیه امامه جبل دخان (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2998) زمین اس کے لئے لپیٹ لی جائے گی۔ وہ بادل کو اپنے دائیں ہاتھ سے لے لے گا۔ اور سورج سے پہلے اس کے غائب ہونے کی جگہ پر پہنچ جائے گا۔ ٹخنوں تک سمندر میں چلے گا۔ اس کے آگے دھویں کا پہاڑ ہوگا۔

ینزو فی مابین السمآء والارض (ابوداؤد) وہ آسمان اور زمین کے اندر اُچھلتا پھرے گا۔

وله حمار یرکبه عرض مابین اذنیه اربعون ذراعا (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2104) اور اس کا ایک گدھا ہوگا۔ جس پر وہ سوار ہوگا۔ اس کے دونوں کانوں کے درمیان 40 گز کا فاصلہ ہوگا۔

یخرج الدجال علیٰ حمارا قمر مابین اذنیه سبعون باعا (مشکوٰۃ صفحہ 477) دجال ایک سفید رنگ کے گدھے پر نکلے گا۔ جس کے دونوں کانوں کے درمیان ستر ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔

تحته حمارا قمر طول کل اذن من اذنیه ثلاثون ذراعاً مابین حافر حماره الی الحافر الاخر مسیرة یوم ولیلة (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2998) اس کے نیچے سفید گدھا ہوگا جس کے دونوں کانوں میں سے ایک کی لمبائی 30 گز ہوگی اور اس کے گدھے کے ایک پاؤں اور دوسرے کے درمیان ایک دن رات کے سفر کا فاصلہ ہوگا۔

3۔ **ویمر بالخربة فیقول لها اخرجی کنوزک فتتبعه کنوزها کیعا سیب النحل** (مشکوٰۃ صفحہ 473) اور وہ ویرانہ پر گذرے گا۔ اور اسے کہے گا اپنے خزانے نکال دے تو اس کے خزانے اس کے پیچھے اس طرح چلیں گے جیسی شہد کی مکھیاں اپنی بڑی مکھی کے پیچھے چلتی ہیں۔

4۔ **فیأتی علی القوم فیدعوهم فیؤمنون به فیامر السماء فتمطر والارض فتنبت ...... ثم یاتی القوم فیدعوهم فیردون علیه قوله فینصرف عنهم فیصبحون ممحلین لیس بایدیهم شئ من اموالهم** (مشکوٰۃ صفحہ 473) وہ ایک قوم پر آئے گا اور انہیں بلائے گا تو وہ اس پر ایمان لائیں گے۔ سو وہ آسمان کو حکم دے گا اور وہ مینہ برسائے گا۔ اور زمین کو حکم دے گا تو وہ اُگائے گی...... پھر ایک اور قوم پر آئے گا اور انہیں بلائے گا تو وہ اس کی بات کو رد کر دیں گے اور وہ ان سے پھر جائے گا۔ تو وہ قحط زدہ ہوں گے۔ ان کے ہاتھوں میں ان کے مالوں میں سے کچھ نہ رہے گا۔

وان من فتنته ان یمربالحی فیکذبونه فلا تبقی لهم سائمة الا هلکت وان من فتنته ان یمربالحی فیصد قونهٔ فیامرالسماء ان تمطرو یا مرالارض ان تنبت فتنبت (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2028) اوراس کا ایک فتنہ بھی ہوگا۔ کہ ایک قبیلہ پر گذرے گا تو وہ اسے جھٹلائیں گے۔تو ان کا کوئی مال مویشی نہ رہے گا۔ سب ہلاک ہو جائیں گے۔اوراس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ ایک قبیلہ پر گذرے گا تو وہ اس کی تصدیق کریں گے تو وہ آسمان کوحکم دے گا کہ پانی برسائے۔ اورزمین کوحکم دے گا کہ اگائے تو وہ اگائے گی۔

قد سخرت لہ انهار الارض وثمارها فمن اتبعه اطمعه و من کفره ومن عصاه حرمه ومنعهٔ (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2090) اورزمین کی نہریں اوراس کے پھل اس کے لئے مسخر کردیئے جائیں گے تو جواس کی پیروی کرے گا۔ وہ اسے کھلائے گا اور جواس کی نافرمانی کرے گا اسے اس سے محروم کردے گا۔اوراس سے رزق روک دے گا۔

لیصحبن الدجال اقوام یقولون انا لیصحبه وانا لنعلم انه الکافرو لکنا نصبحه ناکل من طعامه ونرعی الشجر (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2092) دجال کے ساتھ کچھ لوگ ہوں گے کہیں گے ہم اس کے ساتھ ملتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ وہ کافر ہے۔لیکن ہم اس کے ساتھ ملتے ہیں اوراس کے کھانے سے کھاتے ہیں اور درختوں سے مویشی چراتے ہیں۔

ومعه جبال من خبز و الناس فی جهد الّامن اتبعهٔ (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2104) اوراس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ ہوں گے اورلوگ تکلیف میں ہوں گے سوائے ان کے جواس کی پیروی کریں۔

5۔**ویبعث معه الشیاطین علی صورة مات ما من الا باء والاخوان** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2065) اوراس کے ساتھ شیاطین ہوں گے جو وفات یافتہ باپوں اور بھائیوں کی صورت پر اُٹھائے جائیں گے۔

معه شیاطین مشبهون بالاموات یقولون للحی تعرفنی انا اخوک انا ابوک او ذوقرابة منه (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2078) اس کے ساتھ شیاطین ہوں گے جن کی شکلیں مردوں

سے ملتی ہوں گی وہ زندہ کو کہیں گے کیا مجھے پہچانتا ہے۔ میں تیرا بھائی ہوں۔ میں تیرا باپ ہوں یا کوئی قرابت والا۔

ویبعث معه شیاطین تکلم النّاس (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2104) اوراس کے ساتھ شیاطین اُٹھائے جائیں گے جو لوگوں سے باتیں کریں گے۔

6۔**وورا ء ہ الدجال معه سبعون الف یهودی** (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2028) اور اس کے پیچھے دجال ہوگا اوراس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔

اکثر من یتبعه الیهود والنسآء والاعراب (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2065) اکثر لوگ جواس کی پیروی کریں گے۔ یہودی اور عورتیں اور گنوار لوگ ہوں گے۔

فاکثر من معه الیهود والنساء (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2114) اوراکثر جواس کے ساتھ ہوں گے یہودی اور عورتیں ہوں گی۔

یخرج الدجال عدو اللّٰه معه جنود من الیهود واصناف الناس (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2974) اللہ کا دشمن دجال نکلے گا اوراس کے ساتھ یہودیوں کے لشکر اور قسم قسم کے لوگ ہوں گے۔

7۔**فیکون آخر من یخرج الیه النساء حتّی ان الرجل لیرجع الٰی امهٖ وابنتهٖ واختهٖ وعمتهٖ فیوثقها رباطا مخافة ان تخرج الیه** (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2116) سب سے پیچھے جواس کی طرف نکلیں گی وہ عورتیں ہوں گی یہاں تک کہ ایک شخص اپنی ماں اوراپنی بیٹی اوراپنی بہن اوراپنی پھوپھی کی طرف آئے گا۔ پھرانہیں مضبوط باندھے گا۔ اس ڈر سے کہ ان کی طرف نکل نہ جائے۔

8۔**الا ان الدجال اکثر شیاعه واتباعه الیهود واولاد الزنا** (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2998) خبردار رہو کہ دجال کے اکثر ساتھی اور پیروی کرنے والے یہودی اور حرامی بچے ہوں گے۔

9۔**وتشبهن بالرجال وتشبه الرجال بالنساء** (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2998) اور عورتیں مردوں سے مشابہت اختیار کرلیں گی اور مرد عورتوں سے مشابہت اختیار کرلیں گے۔

10۔**وانه یبرئ الا کمه والابرص ویحی الموتی** (کنزالعمال جلد 7 صفحہ 2080) وہ اندھوں اور کوڑھیوں کا علاج کرے گا اور مردوں کو زندہ کرے گا۔

11۔من سمع بالدجال فلينأ عنه فواللّٰه ان الرجل لياتيه وهو يحسب انه مومن فيتبعه ممايبعث بهٖ من الشبهات (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2057) جو شخص دجال کے متعلق سنے تو وہ اس سے الگ رہے۔خدا کی قسم ایک شخص اس کے پاس آئے گا اور وہ گمان کرتا ہوگا کہ وہ مومن ہے پھر وہ اس کا پیرو ہو جائے گا۔ان شبہات کی وجہ سے جو وہ اس کے دل میں ڈالے گا۔

12۔ ثم قال لو انفلت من وياتى هذا لم ادع ارضا الا وطئتها برجلى هاتين الّا طيبة (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2291) پھر دجال نے کہا اگر میرے یہ بندھن کھول دیئے جائیں تو میں کوئی زمین نہیں چھوڑوں گا جس پر اپنے ان قدموں سے پھر نہ جاؤں سوائے مدینہ کے۔

وانه لا يبقى شئ من الارض الا وطئه وظهر عليه الا مكة والمدينة (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2028) اور زمین کا کوئی حصہ نہ رہ جائے گا جس پر وہ پھر نہ نکلے اور غالب نہ آجائے سوائے مکہ اور مدینہ کے۔

وانى اوشک ان يؤذن لى فى الخروج فاخرج فاسير فى الارض فلا ادع قرية الا هبطتها فى اربعين ليلة غير مكة وطيبة (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2988) اور قریب ہے کہ مجھے نکلنے کی اجازت دی جائے۔اور میں نکلوں گا اور زمین میں پھروں گا تو میں کوئی گاؤں نہ چھوڑوں گا جس میں چالیس رات کے اندر پھر نہ نکلوں۔سوائے مکہ اور مدینہ کے۔

قسط پنجم: مطبوعہ در اشاعت 19 اگست 1931ء

1۔دجال کی جنت اور دوزخ: میں نے مختلف احادیث سے، جو ہر قسم کی کتابوں سے کنز العمال اور مشکوٰۃ میں جمع کی گئی ہیں، دجال کے یہ بارہ نشانات بیان کئے ہیں۔اب میں ان میں سے ہر ایک کو بالتفصیل لیتا ہوں۔سب سے پہلی اور سب سے بڑی علامت دجال کی یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے ساتھ بہشت اور دوزخ ہوں گے۔اس میں سب سے پہلی بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ اگر کسی حدیث میں لفظ جنت اور نار ہے تو متعدد احادیث میں اس کی تشریح موجود ہے۔ مثلاً کہیں ہے مثل الجنة والنار یعنی وہ جنت اور نار کی مثال ہے۔فی الحقیقت جنت اور نار نہیں۔اور کہیں جنت و نار کی جگہ ہے ماء و نار یعنی جنت کی جگہ لفظ ماء (پانی) رکھا ہے اور کہیں نهر و نار ہے۔یعنی جنت کی

جگہ لفظ **نھــر** ہے۔ اور کہیں ہے دو نہریں ہوں گی ایک پانی کی نہر اور ایک آگ کی نہر۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت سے مراد وہی ہے جو پانی یا نہر سے ہے۔ اور پھر اس پانی یا نہر کی بھی خود ہی تشریح کر دی ہے۔ کیونکہ ایک جگہ آتا ہے **معه جبال جبزو انهار الماء** اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہریں ہوں گی۔ اور کہیں جنت و نار کی جگہ ہے **جبلان احدهما فيه اشجار و ثمار وماء واحدهما فيه دخان و نار** دو پہاڑ ایک پہاڑ میں درخت اور پھل اور پانی ہوگا۔ اور ایک میں دھواں اور آگ۔ تو جو جنت ہے وہی کبھی نہر ہے اور کبھی پہاڑ اور جو نار ہے وہ بھی کبھی نہر ہے اور کبھی پہاڑ۔ تو ان الفاظ سے مراد نہ سچ مچ کی جنت و نار ہے نہ سچ مچ کی پانی اور آگ کی نہریں۔ اور نہ سچ مچ کے پھلوں اور دھویں کے پہاڑ۔ بلکہ یہ الفاظ بطور مجاز و استعارہ استعمال ہوئے ہیں۔ اور مراد اول سے سامان معیشت اور عیش و عشرت کے سامانوں کی فراوانی اور دوسرے سے ان چیزوں سے محرومی ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ ہولے گا وہ اول میں شریک ہوگا۔ اور جو اس کی مخالفت کرے گا اس پر دجال سامان معیشت کو بھی تنگ کر دے گا۔ اور ان چیزوں کے ساتھ ساتھ ہونے سے بھی یہ مراد نہیں کہ سچ مچ دجال ایک تاجر کی طرح ہے کہ وہ اپنا سامان تجارت لئے پھرتا ہے فراوانی اور تنگی کے سامانوں کو ساتھ ساتھ لئے پھرے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ اس کے قبضہ میں ہوں گے۔ چنانچہ خود ایک حدیث میں ہی اُس کی بھی تشریح موجود ہے **قد سخرت له انهار الارض وثمارها** زمین کی نہریں اور اس کے پھل اس کے لئے مسخر کر دیئے گئے ہوں گے۔ اور یہی ان سب الفاظ سے مراد ہے کہ دنیا کی زندگی کے عیش اور عشرت کے ہر قسم کے سامان اس کے قبضہ میں ہوں گے۔ وہ جن کو چاہے یہ سامان دے دے اور جن سے چاہے چھین لے۔ عیش کے سامانوں کی فراوانی ظاہری جنت ہے اور یہی دجال کی جنت ہے۔ اور یہی حقیقتاً آخرت کی نار ہے۔ کیونکہ جو شخص دنیا کی زندگی میں عیش و عشرت میں پڑ جاتا ہے۔ ناچ ہے، رنگ ہے، تماشے ہیں، تھیٹر ہیں، سینما ہیں، عورتوں اور مردوں کا کھلا میل جول ہے، شراب ہے، جوا ہے، زنا کاری ہے، بھلا جو شخص ان میں منہمک ہوگا اس کو خدا کب یاد آئے گا۔ اور آخرت اور روحانیت کا اس میں کیا حصہ ہوگا۔ انہی چیزوں سے محرومی اس کی دوزخ ہے۔ ان چیزوں سے محروم رہ جانے میں آج انسان سمجھتا ہے کہ لطف زندگی ہی کوئی باقی نہیں رہتا۔ ساری ساری رات

برج (جوئے) میں گذر جائے تو کچھ تکلیف معلوم نہیں ہوتی۔تھیٹر اور سینما میں رات کے دو بج جائیں تو راحت ہی راحت محسوس ہوتی ہے۔گھر اور بال بچوں تک کی فکر نہیں رہتی۔نو جوان تعلیم کو چھوڑ کر سینما اور تھیٹروں کے نظارے دیکھنے میں محو ہیں۔ایک دو پیک چڑھا لینا معیوب کہاں، فیشن میں داخل ہے۔ یہی ''لطف زندگی'' دجال کی جنت ہے۔اوران چیزوں سے الگ رہنا یہی اس کی دوزخ ہے۔ جو اس دوزخ کو قبول کرلے گا وہ بچ گیا۔اور جس نے ''لطف زندگی'' کا نشہ پی لیا وہ ہلاک ہو گیا۔

2۔ **دجال کی تیز رفتاری، زمین، پانی اور ہوا میں اُس کی سواریاں:** جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ دجال کس قدر تیز چلے گا تو فرمایا **کالغیث استدبرته الریح** یہ بات کہ کوئی شخص دنیا میں اس قدر تیز چل سکتا ہے جیسے بادل جسے ہوا اُڑائے لئے جارہی ہو کسی وقت ایک قصہ اور کہانی کے رنگ میں یا کم سے کم حد درجہ کا مبالغہ نظر آتی ہوگی۔مگر آج دجال کی تیز رفتار سواریوں پر یہ کیسے صادق آتے ہیں! آج ان کے ہوائی جہاز خود ہوا کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔پھر فرمایا **تطوٰی له الارض** زمین اس کے لئے لپیٹ دی جائے گی۔یعنی وہ زمین پر اس قدر تیز چلے گا کہ معلوم ہوگا کہ زمین لپیٹ لی گئی۔پھر اس کے چلنے کا ذکر ان الفاظ میں ہے **یتناول السحاب بیمینه** وہ بادلوں کو اپنے دائیں ہاتھ سے لے لے گا۔یعنی بادلوں کے اندر چلتا پھرے گا۔پھر اور بھی تصریح فرمائی۔ **ینزوفی مابین السمآء والارض** وہ زمین اور آسمان کے درمیان اُچھلتا پھرے گا اور اس قدر تیز چلے گا کہ **یسبق الشمس الی مغیبھا** آج انگلستان سے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر اٹلی میں دو پہر کا کھانا کھاتے ہیں اور غروب آفتاب سے پہلے انگلستان میں واپس پہنچ جاتے ہیں۔پھر سمندر کے اوپر نہیں۔کیونکہ اوپر تو کشتیاں اور اس وقت بھی چلتی تھیں اندر چلنے کے متعلق فرمایا کہ سمندر اس کے ٹخنوں تک آئے گا۔یعنی وہ پانی کے اندر تک چلے گا۔آج آبدوز کشتیوں نے ان الفاظ نبویؐ کو بھی لفظاً پورا کر دکھایا ہے۔ **امامه جبل دخان** اس کی سواریوں کے آگے آگے دھوئیں کا پہاڑ بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔سواری کے لئے لفظ **حمار** ہی موزوں ہوسکتا تھا۔اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا کہ وہ سفید رنگ یا چمکتا ہوا ہوگا۔اس کے دونوں کانوں کے درمیان ستر گز کا فاصلہ بتایا۔پانچ پانچ سو فٹ لمبے جہازوں اور ریلوں کا نقشہ اس سے بہتر الفاظ میں نہ کھینچا جاسکتا تھا۔اور ایک پاؤں اُٹھا کر دوسرا پاؤں رکھنے تک ایک

رات دن کا سفر طے ہو جاتا ہے۔ یعنی جو فاصلہ ایک رات دن میں آدمی چل سکتا ہے وہ محض اس کا ایک قدم ہے۔ اصل غرض یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس کو نیچر کی طاقتوں پر اس قدر تصرف حاصل ہوگا جیسے انسان کو قدرت نے گدھے پر تصرف دیا ہے کہ وہ اس سے سواری اور بار برداری کا کام لیتا ہے۔ ان چیزوں میں یعنی ان تصرفات میں اس کی کسی بُرائی کو ظاہر کرنا مقصود نہیں۔ ہاں یہ بتانا ضرور مقصود ہے کہ اس تصرف کو حاصل کر کے وہ اپنے آپ کو قدرت کا پورا مالک سمجھنے لگے گا۔ اور عبودیت کی حد سے تجاوز کر جائے گا۔ مگر کس قدر زبردست قوت کشفی ہے کہ قدرت کی ان تمام طاقتوں پر ایک قوم کے تصرف کو تیرہ سو سال پیشتر، جب ان باتوں کا وہم وگمان بھی نہ ہو سکتا تھا، دیکھ لیا۔

3۔ ویرانوں کو زرخیز بنانا: دنیا کا وہ کون سا ویرانہ ہے جہاں سے دجال نے سونا پیدا نہیں کیا۔ جہاں کوئی خزانہ زمین کے نیچے مخفی ہے، خواہ وہ سونے اور چاندی کے رنگ میں ہے، خواہ تیل اور کوئلہ کے رنگ میں، اور خواہ کسی اور رنگ میں، ان سب خزانوں کا پتہ لگا لیا ہے۔ اس کا کسی جگہ کو حکم دینا یہی ہے کہ وہ اس پر اپنے تصرف سے کام لیتا ہے۔ پہلے اپنے آلات کے ذریعہ سے پتہ لگاتا ہے کہ یہاں سے تیل پیدا ہو سکتا ہے، یہاں سے کوئلہ نکل سکتا ہے، یہاں سے سونا نکل سکتا ہے، پھر اپنے آلات کے ذریعہ سے اسے نکال لیتا ہے۔ علاوہ ازیں بڑے بڑے ریگستانوں میں نہریں اور پانی پہنچا کر وہاں سے اس قدر پیداوار حاصل کی ہے کہ ویرانوں کو لے کر مالا مال ہو گیا ہے۔ جہاں دجال کا قدم پڑا ہے، وہیں زمین کے خزانے نکل آئے ہیں۔ اس کی معدنیات، اس کی پیداوار، اس کے پھل یہ سب زمین کے خزانے ہیں۔ اور پھر یہ دجال کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ یعنی ان سے فائدہ بالآخر انہی اقوام یورپ کو پہنچتا ہے اور باقی کل دنیا کے لوگ اس کے لئے بمنزلہ مزدور کے رہ گئے ہیں۔ روئے زمین کا سارا سونا اور سارے خزانے خواہ وہ ہندوستان میں پیدا ہوں یا براعظم افریقہ مین یا جزائر میں، وہ سب کے سب کھینچ کر یورپ اور امریکہ کی طرف چلے جارہے ہیں۔ کیسا پاک اور زبردست مکاشفہ آج کے حالات کا آج سے تیرہ سو سال پہلے قلب مبارک نبویؐ پر ہوا۔ کاش! وہ لوگ، جو یورپ کی اس طاقت سے متحیر ہو کر اس کے سامنے سر جھکائے بیٹھے ہیں، تھوڑا سا غور سے کام لیتے تو اس مقدس انسان کی زبردست روحانی طاقت کے سامنے ان کے سر جھکتے۔ جس نے آج کا تمام نقشہ اس کی ایک ایک تفصیل کے ساتھ عرب کے اُمیوں کو بتا دیا تھا۔

4۔ ساتھیوں کی خوشحالی اور مخالفت کرنے والوں کے مصائب: دجال کی اطاعت اور ساتھ دینا اس کے مذہب کو اختیار کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے مذہب کو اختیار کیا ہے ان پر بھی یہ احادیث لفظاً لفظاً صادق آتی ہیں۔ اس ملک ہندوستان کو ہی لے لو۔ چوہڑے چماڑ اور دیگر نیچ اقوام کے لوگ جو اس ملک میں ذلیل ترین زندگیاں بسر کرتے تھے، آج امیر بنے ہوئے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کی دولت جو پہلے تمام دنیا سے کھینچ کر ان ممالک میں پہنچتی ہے پھر وہاں سے تھوڑی بہت نکلتی ہے تو ان لوگوں کے گھروں میں پہنچتی ہے جو دجال کے مذہب کو اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کے لئے تنخواہیں اور وظیفے مقرر ہو جاتے ہیں **ومعه جبال من خبز و الناس فی جهد الّا من اتبعه** اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ ہیں جو اس کی پیروی کرتے ہیں ان کو خوب کھانے کو ملتا ہے۔ دوسرے لوگ انہی کے ساتھ کے سخت مشقت اور تکلیف میں ہوتے ہیں۔ وہ صاحب بہادر بن جاتے ہیں۔ یہ چوہڑے چمار رہ جاتے ہیں **فمن اتبعه اطعمه و اکفره** جو اس کے ساتھ ہو جائے اسے خوب کھلاتا پلاتا ہے۔ مگر کافر بھی بنا دیتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی اگر غور کیا جائے تو بہت لوگ ہیں جو چند پیسوں کی خاطر اس کی ہاں میں ہاں ملاتے یا اس کی خوشامد کرتے ہیں۔ **یقولون انا لنصحبه و انا لنعلم انه کافر و لکنا نصحبه نا کل من طعامه** ہم اس کی رفاقت اختیار کرتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ وہ کافر ہے۔ لیکن ہم اس کی رفاقت اختیار کرتے ہیں۔ اس کے کھانے میں سے کھاتے ہیں۔ یہ پیٹ کے بندے ہیں جو اس کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ اور اپنے مذہب، اپنی قوم اپنے ملک کی اغراض کے منافی کارروائیاں صرف روٹی کے لئے کرتے ہیں۔ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ تھوڑا سا کسی قسم کا لالچ دے کر انہیں لا مذہب کر دے۔ اور اگر وہ عیسائی نہیں ہوتے تو اپنے مذہب پر بھی قائم نہ رہیں۔ اس قدر کالج سکول مشنوں نے بنائے ہیں۔ ان کی غرض کیا ہے؟ بلکہ خود ساری تعلیم کا جو اس دجالی عہد میں دی جاتی ہے میلان صرف ایک ہی ہے کہ لوگوں میں مذہب کے ساتھ خدا کے ساتھ کوئی تعلق نہ رہے اور اس تعلیم میں لالچ کیا ہے۔ کہیں ملازمت مل جائے گی۔ صرف وہی روٹی کا سوال ہے۔

5۔ دجال کا گذشتہ ارواح سے ملاقات اور باتیں کرنا: اس قدر دنیوی سامانوں کے اندر وہ فطرت کی اس آواز سے غافل نہیں کہ انسان کے لئے اس زندگی کے سوا کوئی اور بھی زندگی ہے۔ اس لئے

سپر یچوٹلزم کے نام کے ماتحت وہ یہ کرتب بھی دکھاتا ہے کہ کس طرح فوت شدہ ارواح سے ملاقات اور بات چیت ہوسکتی ہے ویبعث معه الشیاطین علیٰ صورة من قدمات من الا باء والا خوان کسی کا باپ فوت ہو گیا ہے کسی کا بھائی مر گیا ہے۔ تو شیاطین اس کے ساتھ ہیں جو ان کی صورت اختیار کر کے آجاتے ہیں۔ تکلّم النّاس اور وہ باتیں بھی کر جاتے ہیں۔ یہ سپر یچوئلزم کا نقشہ جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر مخبر صادق نے کھینچا ہے کس قدر آپ کی قوت کشفی کی دلیل ہے۔ مکان خاص طور پر بنے ہوتے ہیں۔ ان میں خاص طور پر نہایت دھیمی روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے۔ پھر روح کو بلانے والے ہوتے ہیں۔ جو بسا اوقات خود ہی اس اندھیرے میں آکر اس روح کے رنگ میں متمثّل ہو جاتے ہیں اور دو چار باتیں کر کے غائب ہو جاتے ہیں۔ اور بعض وقت دیکھنے والا اپنی قلبی کمزوری سے ان تمام حالات سے، جو ملاقات روح کے وقت پیدا کئے جاتے ہیں، اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ جیسے ہمارے ملک میں بہت لوگ فرضی بھوتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ بہر حال خواہ اس سپر یچوئلزم کے نیچے کچھ حقیقت ہے اور خواہ نہیں مخبر صادق نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر دجال کی ان کارروائیوں یا شعبدہ بازیوں کا نقشہ بھی کھینچ دیا تھا۔

6۔ دجال کی پشت پر یہودیوں کی طاقت: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دجال کے متعلق یہ پیشگوئی نہایت ہی زبردست شہادت ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح آنے والے واقعات کو تفصیلاً دکھا دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ آپ نے دجال کا مقام تو گرجا گھر بتایا۔ اور قرآن کریم نے اس کا پتہ بھی ان الفاظ میں بتایا وَّيُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (4:18) ان لوگوں کو ڈرایئے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔ اور یہودیوں کو جو عداوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی اس کا نقشہ بھی کھول کھول کر کھینچا۔ یہاں تک کہ ان کی مقدس والدہ پر جو بہتان لگائے گئے تھے ان کا ذکر بھی کیا وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا (156:4) واقعی یہود کی حضرت عیسیٰ کے ساتھ عداوت اشد ترین عداوت تھی۔ جو کسی قوم کو کسی شخص کے ساتھ ہوسکتی ہے وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ (64:5) یہودی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس سے پیشتر عیسائیوں کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھاتے رہے تھے اور اُٹھا چکے تھے۔ اور اس کے مدت بعد تک بھی۔ بلکہ یوں کہیئے کہ جب تک خروج

دجال نہیں ہوا یہودی ان کے مظالم کا تختۂ مشق بنے رہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں **معـه سبعون الف یهودی** اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ **اکثر من یتبعهٗ الیهود** ۔اس کے اکثر اتباع یہود میں سے ہوں گے۔ **یخرج الدجال عدو اللّٰه ومعه جنود من الیهود** اللہ کا دشمن دجال خروج کرے گا اور اس کے ساتھ یہودیوں کے لشکر ہوں گے۔اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں یہ کہیں نہیں کہ دجال خود یہودی ہوگا۔ بلکہ صراحت سے عیسائی اقوام کو دجال قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی قرآن کریم نے یہ بھی بتادیا ہے کہ عیسائیت ہمیشہ یہودیت پر غالب رہے گی **وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ** (55:3) جہاں حضرت عیسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں قیامت تک تیرے پیروؤں کو یعنی عیسائیوں کو تیرے منکروں یعنی یہودیوں پر غالب رکھوں گا۔مگر بایں آج یہ حقیقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور عجیب ترین واقعات میں سے ہے کہ عیسائی حکومتیں یہودیوں کے بل بوتے پر چل رہی ہیں۔ اور بڑی بڑی سلطنتوں کے وزراء یہودیوں کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہودیوں کے ہاتھ میں روپیہ ہے۔ اور وہ روپے سے حکومتوں کو امداد دیتے ہیں۔ خود انگریزی حکومت اپنی ساری عظمت واقتدار کے باوجود یہودیوں کو اُٹھا کر مسلمانوں کو علاقہ فلسطین میں تباہ کر رہی ہے۔ وہاں مسلمان مفلس ہوگئے ہیں۔ زمین ان کے ہاتھوں سے نکل کر یہودیوں کے قبضہ میں جا رہی ہے اور یہودی وہاں آ آ کر آباد ہو رہے ہیں۔ **سبعون الف** (ستر ہزار) یہودی سے مراد کثرت ہے اور یہ مسلم ہے کہ عربی میں سات اور ستر کے الفاظ عدد کامل کے لئے ہیں۔ اگر کسی کو یہ خبر نہ بھی ہو کہ اندرونی طور پر یہودی کس قدر انگریزی حکومت اور یورپ کی دیگر حکومتوں کی پشت پناہ بنے ہوئے ہیں۔ تو انگریزی حکومت کا فلسطین میں لا کر ان کو آباد کرنا اس پیشگوئی کی صداقت کو آفتاب نصف النہار کی طرح دکھا رہا ہے۔ مگر یہود اور یورپ کی ملی ہوئی طاقت سے کسی مسلمان کے دل میں خوف پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگر اسے یہ علم ہو کہ ان سب باتوں کی خبر اور اس کے ساتھ ہی اسلام کے آخری غلبہ کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سو سال پہلے دے چکے ہیں۔

قسط ششم: مطبوعہ در اشاعت 19 اگست 1931ء

7۔عورتوں پر دجال کا اثر: یہ خبر بھی صاف الفاظ میں دی گئی ہے کہ دجال کا اثر عورتوں پر بھی ہوگا۔ جتنی انسان کی بہتری کی باتیں ہیں ان کے لئے انسان کی روح میں گو تڑپ موجود ہو مگر ان کے اختیار کرنے کے لئے ایک جدوجہد بکار ہوتی ہے۔ جیسے انسان کو بلندی پر چڑھنے کے لئے خاص کوشش کرنی پڑتی ہے۔ مگر اخلاقی طور پر انسان کے گرنے کے لئے یا بلندی سے پستی کی طرف آنے کے لئے طبائع جلد تیار ہو جاتی ہیں۔ یورپ نے عورتوں اور مردوں کے فحش تعلقات کے کھلے نظارے پیش کئے ہیں۔ رات دن تھیٹروں اور سینما میں جو کچھ نظر آتا ہے اور جس کی خاطر زیادہ نوجوان ان کی طرف بھاگے چلے جاتے ہیں۔ اور ننگی تصویریں، ننگے ناچ، نیم برہنہ لباس، ان چیزوں نے طبائع میں ان باتوں کی طرف ایک میلان پیدا کر دیا ہے اور جب دن رات یہ نظارے آنکھوں کے سامنے ہوں تو طبائع کا اس اثر کو قبول کر لینا ایک قدرتی امر ہے۔ یورپ میں جو کچھ فواحش ہو رہے ہیں ان کی طرف سے طبائع میں تنفر کم ہو رہا ہے۔ زنا اور زنا کے مبادی کو اب اس نفرت سے نہیں دیکھا جاتا اور ہمارے ملک میں مردوں میں اب یہ میلان پیدا ہوتے ہوتے آخر عورتیں بھی اس سے متاثر ہونے لگی ہیں۔ کیا سچ الفاظ ہیں جو آج سے تیرہ سو برس پیشتر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے **اخر من یخرج الیه النسآء** سب سے پیچھے عورتیں اس کی طرف نکلیں گی۔ عورتوں کی طبعی حیا نے ایک مدت تک دجالیت کے ان فتنوں کا مقابلہ کیا۔ مگر آخر وہ بھی اس کے اثر کے نیچے آ گئیں۔ اور گو ابھی وہ حالت نہیں جو اقوام یورپ میں ہو چکی ہے۔ لیکن بہت بیبیاں ہیں جنہوں نے اسلامی حیاداری کو خیر باد کہہ کر مغربی نیم برہنہ پن اختیار کر لیا ہے۔ اور کلبوں ہی میں نہیں، بالوں (مردوں اور عورتوں کے مخلوط ناچ) میں جانا شروع کر دیا ہے۔ اگر اثر دجالیت اسی طرح غالب آتا گیا اور اسلامی تہذیب کی جگہ مغربی تہذیب لیتی گئی تو ایک دن وہی حالت مرد اور عورت کے تعلقات کی ہمارے ملک میں ہوگی جو آج یورپ میں ہے۔ کہ زنا کاری اور اس کے مبادی سے نفرت نہ رہے گی۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام اس پردہ کے لئے عورتوں کو مجبور نہیں کرتا جو آج ہندوستان میں مروج ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلام عورت کو اپنے ہاتھ اور منہ کھلا رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ عورت اپنے کاروبار کے لئے اپنی ضروریات کے لئے باہر نکل سکتی ہے اور ہر ایک

کام، جس کی ضرورت انسانی مقتضی ہو، کرسکتی ہے۔ مزدوری کرسکتی ہے، تجارت کرسکتی ہے، ملازمت کرسکتی ہے، لیکن عورتوں اور مردوں کے بلاضرورت اختلاط کی۔ اور ضروری اختلاط کے موقعوں پر تبرج کی اجازت نہیں دیتا۔ اور تبرج یہ ہے کہ عورت اپنے محاسن کا اظہار ایسے رنگ میں کرے جو موجب فتنہ ہو۔ اور یہی تبرج اور مردوں اور عورتوں کا کھلا اختلاط ہی دجالیت کا وہ اثر ہے جو آج اعلیٰ طبقہ کی مسلمان خواتین پر بھی ہورہا ہے۔ ایک اور رنگ میں دجالیت کا اثر مسلمان خواتین پر یوں ہورہا ہے کہ مسلمانوں نے شریعت حقہ سے انحراف کرکے عورت سے طلاق حاصل کرنے کا حق چھین لیا ہے۔ حالانکہ بروئے قرآن وحدیث عورت کو ان تمام وجوہ پر طلاق حاصل کرنے کا حق ہے جن وجوہ پر مرد کو حق حاصل ہے کہ عورت کو طلاق دے۔ اس طرح عورتوں کے حق شرعی کو چھین لینے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کثرت سے عورتیں طلاق حاصل کرنے کے لئے تبدیل مذہب کرتی اور عیسائی ہوجاتی ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو حدیث میں آتا ہے **ان الرجل یرجع الی امہٖ وابنتہٖ واختہٖ وعمتہٖ فیوثقھا رباطا مخافۃ ان تخرج الیہ** یعنی عورتیں اس طرح دجال کی طرف نکلنا شروع کریں گی کہ مرد ان کو گھر میں رہنے کے لئے مجبور کرنے لگیں گے۔ فی الحقیقت صحیح بات یہ ہے کہ دجالیت کا جس قدر اثر مسلمانوں پر ہورہا ہے وہ صرف اس لئے ہورہا ہے کہ اُنہوں نے شریعت غراء کو چھوڑ دیا ہے۔

8۔ دجال اور اولادزنا: مرد اور عورت کے تعلقات میں یورپ نے جو غلطی کھائی ہے اس کا اثر حرامی بچوں کی کثرت ہے۔ جن سے آج یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے شہر بھرے پڑے ہیں۔ اس کا انکشاف بھی قلب مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا **الا ان الدجال اکثر اشیاعہ واتباعہ الیھود واولاد الزنا** دیکھو سن رکھو کہ دجال کا اکثر گروہ اور اس کی پیروی کرنے والے یہودی اور حرامی بچے ہوں گے۔ بیشمار حرامی بچے تو وہ ہیں کہ ان کی دجالی قانون سے پردہ پوشی ہوجاتی ہے مثلاً اگر زانی اور زانیہ کی شادی بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہوجائے تو ایسے بچے قانون انگریزی کی رو سے ولدالزنا نہیں کہلا سکتے۔ بلکہ اب تو قانون نے یہاں تک وسعت اختیار کرلی ہے کہ زانی اور زانیہ کبھی بھی شادی کرلیں ان کی پہلی ساری اولاد ولدالزنا کی حیثیت سے نکل جاتی ہے۔ ایسے ایسے قوانین کے باوجود لاتعداد بچے یورپ کے ہر بڑے شہر میں ولدالزنا کہلاتے ہیں۔ اور جنگ عظیم کے

دوران میں تو جو ایسے حرامی بچے پیدا ہوتے تھے وہ جنگ کے بچوں (وار سنز) کے معزز نام سے ملقب ہوتے تھے۔ اور مرد اور عورت کے تعلقات کی جو حالت اب یورپ اور امریکہ میں ہوتی جاتی ہے اس کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ان اقوام کا قدم فاحشات کی طرف اسی سرعت سے اُٹھتا چلا گیا تو عنقریب تہذیب کے بجائے وحشیانہ پن کی حالت عود کر آئے گی۔ اور حرام و حلال کی تمیز انسانوں کے اندر سے اُٹھ کر ان کی زندگیاں چار پایوں کی طرح ہو جائیں گی۔ یہاں ہندوستان میں بھی حرامی بچوں کے وارث مشنری خوشی سے بنتے ہیں۔ اور ایک خاصی تعداد عیسائیوں کی ان بچوں سے بن جاتی ہے۔

9۔ عورتوں کا مردوں سے اور مردوں کا عورتوں سے مشابہت پیدا کرنا: دجال کے زمانہ کی یہ خصوصیت کہ عورتیں مردوں سے مشابہت اختیار کرلیں گی اور مرد عورتوں سے۔ آج سے بیس پچیس سال پیشتر سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ مگر آج یہ حقیقت بھی اظہر من الشّمس ہے کہ عورتوں نے مردانہ فیشن بال کٹوانا، مردانہ لباس پہننا، مردانہ شغل اور کھیلیں اختیار کر لیئے ہیں۔ اور مردوں نے داڑھی مونچھ کا صفایا کر کے عورتوں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہاں تک کہ مرد اور عورت میں تمیز کرنا بعض وقت مشکل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نظارے جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نہ دکھائے ہوتے کوئی انسانی قیاس اس طرف نہ جاسکتا تھا جس کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ **وتشبھن بالرجال وتشبه الرجال بالنسآء۔**

10۔ علاج امراض میں کمال: مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اقوام کی خوبیوں اور ان کے عیوب کو روشن کر دیا ہے۔ چنانچہ ایک پیشگوئی یہ بھی فرمائی کہ یہ لوگ علاج امراض میں کمال دکھائیں گے۔ **انه یبرئ الا کمه والابرص ویحی الموتٰی** وہ اندھے اور کوڑھیوں کا علاج کرے گا۔ اور مردوں کو زندہ کرے گا۔ مردوں کو زندہ کرنے سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ ذلیل اقوام کو اُٹھا کر بلند مقام پر پہنچا دے۔ اور یہ بھی دجال کے کارناموں میں سے ہے۔ لیکن یہاں اس کا جوڑ بیماریوں کے علاج سے ہے۔ اس لئے **یحی الموتٰی** سے مراد یہی ہے کہ ایسی ایسی بیماریوں کا علاج کرے گا کہ گویا مردہ کو زندہ کرے گا۔ بیماریوں کے علاج میں واقعی ان اقوام نے کمال دکھایا ہے۔ اور یہ اچھا فعل ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اُمور کو فتن دجال میں گنا ہے۔ جیسا کہ اس کی تیز رفتاری،

زمینی اور آبی اور ہوائی سواریوں کو فتن میں رکھا ہے۔ اس لئے کہ ان چیزوں کی بناء پر یہ ایک گونہ خدائی تصرفات کا دعوٰی کر رہے ہیں۔ اور بعض نیک کاموں کو، جیسے ہسپتالوں یا سکولوں کالجوں کا قائم کرنا، بُری اغراض یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

11۔ دجال کی وسوسہ اندازی: گو اوپر جو کچھ بیان ہوا اس سے ظاہر ہے کہ دجال تلوار کے زور سے یا جبر سے کسی کو گمراہ نہیں کرے گا بلکہ طرح طرح کے لالچ دے کر اور دنیا کی زیب و زینت اور دنیا کی عیش کے سامان دکھا کر لوگوں کو باطل کی طرف بلائے گا۔ اور اپنے تصرفات نیچر اور اپنے علوم سے لوگوں پر تصرف حاصل کرے گا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو اور بھی صاف کیا ہے اور بتا دیا ہے کہ دجال کا سب سے بڑا ہتھیار وسوسہ اندازی ہے **من سمع بالدجال فلينأ عنه فو اللّٰه ان الرجل لياتيه و هو يحسب انه مومن فيتبعه مما يبعث به من الشبهات** جو شخص دجال کی خبر سنے اس سے الگ رہنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ ایسا ہوگا کہ ایک آدمی اپنے آپ کو مومن یقین کرتا ہوا اس کے پاس آئے گا لیکن وہ اس کے دل میں اس قسم کے شبہات پیدا کرے گا کہ وہ اس کا متبع ہو جائے گا۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس قدر وسوسہ اندازی سے کام یورپین اقوام نے لیا ہے اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایسی ایسی باریک راہوں سے وسوسہ اندازی کرتے ہیں کہ دوسرے انسان کا وہم و گمان بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ تعلیم ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان کے خیالات درست یا غلط ہو سکتے ہیں۔ مگر ان اقوام نے تعلیمی کورس ایسے رکھے ہیں کہ ان کو اس بات کی بھی پروا نہیں کہ ان باتوں سے عیسائیت پر زد پڑتی ہے بلکہ ان کی اصل غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنے مذہب پر قائم نہ رہے۔ اس لئے باوجود خدا کی ہستی کے قائل ہونے کے خدا کی ہستی کے متعلق بھی وساوس پیدا کرنا ان کا کام ہے۔ باوجود وحی و رسالت کے قائل ہونے کے، باوجود حیات بعد الموت کے قائل ہونے کے، مختلف پیرایوں میں ان امور کے متعلق بھی شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں، بسا اوقات ایک خیال کی یا ایک شخص کی تعریف بھی کریں گے تا کہ پڑھنے والا یہ خیال کرے کہ یہ بڑے انصاف پسند ہیں۔ مگر اسی تعریف کے اندر ایسی نیش زنی بھی کریں گے کہ انسان کے دل سے ایک عقیدہ یا ایک برگزیدہ انسان کا احترام بالکل اُٹھ جائے۔ غرض ان کی جس قدر صفات بیان ہوئی ہیں ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ دجال

وسوسہ اندازی سے لوگوں کو حق سے پھیرے گا۔ اور یہی یورپین اقوام کی بین خصوصیت ہے۔

12۔ دجال کا ظہور اور غلبہ کل روئے زمین پر ہوگا: دجال کی صفات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کل روئے زمین پر پھر نکلے گا۔ **لایبقی شئ من الارض الّاوطئہ وظھر علیہ** زمین کا کوئی حصہ نہ رہ جائے گا جس کو وہ پامال نہ کرے گا۔ اور اس پر غالب نہ آ جائے گا۔ اور پھر دجال کی زبان کے یہ الفاظ، **لا ادع قریتہ الا ھبطتھا** کوئی ایسی انسانی بستی نہیں ہوگی جہاں میں نہ داخل ہوں گا۔ نہ صرف ایک کامل قوت کشفی کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دجال ایک آدمی کا نام نہیں۔ بلکہ ایک بڑے بھاری گروہ یا بڑی بھاری قوم کا نام ہے۔ جس کے افراد ہر جگہ پہنچ جائیں کیونکہ ایک انسان کے لئے خواہ وہ کتنا بھی تیز رفتار ہو یہ ناممکن ہے کہ جو کچھ دجال کے متعلق لکھا ہے وہ سب باتیں ایک فرد میں پوری ہوسکیں۔ کہ وہ اپنی جنت و نار کو بھی ہر جگہ دکھائے اور لوگوں کے سامنے اپنے دعاوی کو پیش کرے۔ اور جو اسے قبول کرے اسے خوشحال کرتا چلا جائے۔ اور اپنے مخالفین کو مصائب میں مبتلا کرتا چلا جائے۔ پھر کوئی بستی اس کے ورود سے خالی بھی نہ رہے۔ یہ سب کچھ ایک فرد کے لئے ناممکن محض ہے کیونکہ یہ سوال صرف تیز رفتاری کا نہیں بلکہ سوال دعوت دینے کا، لوگوں کو کچھ کہنے کا، انہیں انعام یا سزا دینے کا ہے۔ جب ہر بستی میں یہ ہوتا ہے تو ایک بستی سے دوسری بستی تک جانے میں، خواہ کتنا ہی کم وقت لگے گا، لیکن دعوت دینے میں اور اس کے لوازمات میں یقیناً وقت خرچ ہوگا۔ اگر ایک گھنٹہ بھی وہ ایک انسانی بستی میں ٹھہرے تو صرف ہندوستان کے سات لاکھ گاؤں میں پھرنے کے لئے ہی ایک سو سال کا عرصہ بکار ہے۔ لیکن اگر انہی باتوں کو قوم پر چسپاں کیا جائے تو یہ سب باتیں آسانی سے سمجھ میں ہی نہیں آ جاتیں بلکہ آج بطور واقعہ کے ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہی ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کشفی کے کمال کو حق الیقین کے طور پر دکھا رہی ہیں۔ کہیں ان اقوام کی تیز رفتاری کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ چالیس کیا شاید دس دنوں کے اندر ساری روئے زمین کا چکر لگا رہی ہیں۔ کہیں ان کے ایک بستی میں پہنچنے اور اس پر کامل تصرف کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ کہیں ان کی روٹیوں کے پہاڑوں کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ کہیں ان کی عیش پرستیاں نظر آتی ہیں۔ کہیں ان کے تصرفات آتے ہیں۔ کہیں ان کی تعلیم کا جال نظر آتا ہے۔ جس سے وساوس پیدا کئے جاتے ہیں۔ کہیں ہسپتال بنا کر لوگوں کی ہمدردی اپنے ساتھ

کر رہے ہیں۔ کہیں سپر یچوئلزم کے کرشمے دکھا رہے ہیں۔ غرض ایک قوم یا چند اقوام کو ان کا مصداق قرار دیں تو سب باتیں صاف ہیں۔ مگر ایک فرد واحد اسے ٹھہرا کر کوئی بات بھی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ یہی کل روئے زمین پر پھرنے اور سب پر غالب آنے کی پیشگوئی لے لی جائے۔ اگر ایک فرد واحد ہی اس کا مصداق ہو تو کروڑوں انسانوں کے بغیر وہ اپنے اس تصرف کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ لازماً اس کی مصداق قوم ہی ہوگی۔ بہر حال یہ پیشگوئی، کہ دجال روئے زمین کی ساری انسانی بستیوں میں اور ساری زمین پر غالب آجائے گا، آج صراحت کے ساتھ یورپ کی اقوام میں ہماری آنکھوں کے سامنے پوری ہو رہی ہے۔ کب تک ہم آنکھیں بند کر کے ایک خیالی دجال کے منتظر رہیں گے۔ خود سارے روئے زمین پر غلبہ کا خیال، اور ایک ایک گاؤں میں پھر نکلنے کا خیال، بالخصوص آج سے تیرہ سو سال پیشتر ان کے دماغ میں نہ آسکتا تھا۔ مگر آج غور کر کے دیکھو۔ کون سے ملک میں کون سی بستی ہے جہاں دجال پھر نہیں نکلا۔ صحراؤں اور جنگلوں میں، چھوٹے اور بڑے شہروں میں، جزائر میں، پہاڑوں اور وادیوں میں، کون سا مقام باقی رہ گیا ہے جہاں دجال کا گزر نہیں ہوا۔ انسان کے تو وہم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی۔ مگر آج ہم اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہے ہیں۔ اور جو انسان ان واقعات کو دیکھے گا اس کا سر بے اختیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کشفی کے کمال کے سامنے جھک جائے گا۔ اور وہ پکار اُٹھے گا کہ یہ انسانی تخیل کی باتیں نہیں بلکہ علم غیب کا زبردست انکشاف ہے جو خدا نے اپنے رسولؐ پر کیا۔

قسط ہفتم: مطبوعہ دراشاعت 3 ستمبر 1931ء

احادیث نبویؐ میں یاجوج ماجوج کا ذکر اور انہی کا دجال ہونا: میں شروع میں دِکھا چکا ہوں کہ قرآن کریم نے سورہ الکھف کے آخر میں یاجوج ماجوج کے ذکر کے اندر ہی عیسائی اقوام کا ذکر شروع کر دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہی عیسائی اقوام کو ہی اس نام سے پکارا گیا ہے۔ جن کو احادیث میں دجال کے نام سے پکارا گیا ہے اور بائیبل نے تو بصراحت بتایا ہے کہ یاجوج ماجوج روس اور دیگر اقوام یورپ ہیں۔ احادیث یاجوج ماجوج کے متعلق ایک غلط فہمی یہ ہے کہ گویا بروئے حدیث یہ کوئی خاص قسم کی مخلوق ہے۔ حالانکہ بہت سی احادیث میں صاف طور پر یہ ذکر آتا ہے کہ وہ ہماری طرح انسان ہی ہیں۔ انّ یاجوج وماجوج من ولد آدم (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2058) یاجوج ماجوج آدم

کی اولاد میں سے ہی ہیں۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مسیح کی طرف وحی کرے گا۔ **انی قد اخرجت عبادا لی لا یستطیع قتلھم الّا انا** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 3021) میں نے اپنے کچھ بندے پیدا کئے ہیں جن کے قتل کی میرے سوا کسی کو طاقت نہیں۔ ایسا ہی ان کے اولاد آدم ہونے پر دیکھو کنز العمال جلد 7 صفحہ 3022 یہ غلطی فہمی کہ وہ کوئی اور قسم کی مخلوق ہے۔ شاید حدیث کے اس بیان سے پیدا ہوئی ہے کہ وہ زمین کا سارا پانی پی جائیں گے **ویشربون میاہ الارض حتّٰی ان بعضھم لیمر بالنھر فیشربون مافیه حتّٰی یترکوہ یبسًا** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2157) وہ زمین کے پانی پی جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض دریا پر گذریں گے تو جو کچھ اس میں ہے سب پی جائیں گے۔ یہاں تک کہ اسے خشک چھوڑ دیں گے۔ اور ایک میں ہے کہ یاجوج ماجوج کا پہلا حصہ بحیرہ طبریہ پر گذرے گا تو وہ اس کا سارا پانی پی جائیں گے۔ **فیمر صدر یاجوج و ماجوج علٰی بحیرۃ الطبریة فیشربونھا** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 3021) اور یہ عجیب بات ہے کہ تمیم داری والی حدیث میں دجال بھی تمیم داری سے بحیرہ طبریہ کے متعلق ہی سوال کرتا ہے **اخبرونی عن بحیرۃ الطبریة ...... ھل فیھاماء** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2027) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دجال اور یاجوج ماجوج ایک ہی ہیں۔ لیکن دجال یا یاجوج ماجوج کے پانی پی جانے سے مراد اصل یہی ہے کہ زندگی کے تمام سامان ان کے قبضہ میں ہوں گے۔ کیونکہ پانی زندگی کا سب سے پہلا سامان ہے۔ اور یہ بات کہ دجال اور یاجوج ماجوج دونوں کا ذکر اس اُمت میں آنے والے مسیح کے ذکر میں کیا گیا ہے یہ بھی ان کے ایک ہونے پر دلیل ہے۔ اور ذرا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دجال اور یاجوج ماجوج دونوں کا ذکر قریباً ایک ہی مفہوم کو مختلف الفاظ میں ادا کر رہا ہے۔ دونوں کے متعلق یہ ذکر ہے کہ ان کی زمینی طاقت کمال کو پہنچی ہوئی ہوگی۔ ہر قسم کے سامان پر ان کا تصرف ہوگا۔ ان کے مقابلہ کی طاقت کسی کو نہ ہوگی۔ اور وہ ساری زمین پر چھا جائیں گے۔ اور مسلمانوں کے لئے سخت ترین ابتلاؤں کا موجب ہوں گے۔ اس سے بھی ان کا ایک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور دونوں کی صفات یورپین اقوام پر صادق آتی ہیں۔ دو نام مختلف قسم کی صفات کو ظاہر کرنے کے لئے اختیار کئے گئے ہیں۔ ایک ان کے دجل اور دنیا کے سامانوں کے ذریعہ سے فریب دہی کے اظہار کے لئے اور دوسرا ان کے ملکی اور جنگی طاقت کے اظہار

کے لئے۔ یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ عیسائی اقوام کے غلبہ کی پیشگوئیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کیں جب ان قوموں کا دنیا میں کوئی شمار نہ تھا۔ اور یہی پیشگوئیاں مسلمانوں نے اس زمانہ میں کتابوں میں لکھیں جب ان کی اپنی طاقت اور حکومت کے سامنے یہ سب طاقتیں ہیچ نظر آتی تھیں۔

16۔ دجال کے نشانات کے ذکر میں استعارہ: یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایک طرف احادیث میں دجال کے ایسے کھلے نشان بتائے گئے ہیں کہ موٹی سے موٹی عقل کا آدمی بھی اس کو شناخت کر لے۔ دوسری طرف یہ بھی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ کثرت سے اس کے فتنے میں آ جائیں گے۔ اگر یہ ساری باتیں کہ دجال کی دائیں آنکھ بیٹھی ہوئی ہوگی اور اس کی بائیں آنکھ ستارے کی طرح چمک رہی ہو گی اور اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوا ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ایک عجیب الخلقت گدھا ہوگا۔ جس کے دونوں کانوں کے درمیان ستر گز کا فاصلہ ہوگا۔ اور اس کے ساتھ بہشت اور دوزخ ہوں گے اور اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ ہوگا اور اس کے ساتھ پانی کی نہر ہوگی۔ اور وہ بادلوں سے مینہ برسائے گا وغیرہ، اپنے ظاہری معنوں میں پوری ہونی تھیں تو دجال کے دجال ہونے میں کسی کو شبہ نہ ہو سکتا تھا۔ پھر اس کے کیا معنی کہ مومنوں میں سے ایک خاص آدمی ہوگا وہ اس دجال کو پہچان لے گا۔ اور لوگوں میں اعلان کرے گا کہ واقعی یہی دجال ہے۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا تھا **فیقول رجل من المؤمنین لا نطلقنّ الٰی ھذا الرجل فلا نظرنّ اھو الذی انذر نا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم ام لا** ۔ مومنوں میں سے ایک شخص کہے گا میں اس کی طرف جاتا ہوں۔ اور میں دیکھوں گا کہ کیا یہی شخص ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا تھا یا نہیں۔ پھر اس کے کیا معنی کہ وہ اسے دیکھ کر پہچان لے گا۔ **ثم ینادی فی الناس** اور پھر لوگوں میں اس کے دجال ہونے کی منادی کرے گا۔ دجال تو اپنے ان نشانوں کے ساتھ ہئیت کذائی خود ایسی منادی ہے کہ کسی کے منادی کرنے کی ضرورت باقی نہیں چھوڑتا۔ اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ نشان اپنے ظاہری معنوں میں نہ تھے بلکہ بطور مجاز اور استعارہ تھے۔ اور ایک شخص پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ ان سے کیا مراد ہے۔ وہ لوگوں کو اطلاع دے گا کہ یہ دجال ہے۔

ھٰذا الدجال الّذی ذکرہ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کس نے کہا: پھر یہ

اس سے بھی عجیب بات ہے کہ یہ انکشاف، کہ یہی اقوام یورپ ہی دجال اور یاجوج و ماجوج کی پیشگوئیوں کے مصداق ہیں، ایک گاؤں کے رہنے والے زاہد گوشہ نشین پر ہوتا ہے جو دنیا کے حالات سے بہت ہی کم خبر رکھتا ہے۔ آج سے پورے چالیس سال پہلے جب تمام دنیا اس بات سے بے خبر تھی کہ دجال اور یاجوج ماجوج کون ہیں۔ اور کسی کا وہم بھی اس طرف نہ جاسکتا تھا کہ وہ اقوام جو اس وقت دنیا پر پورا تسلط رکھتی تھیں اور اس ملک میں بھی ان کی حکومت تھی وہی دجال اور یاجوج ماجوج کی پیشگوئیوں کی مصداق ہیں۔ بلکہ تمام قلوب پر ایک ہی خیال مسلط تھا کہ دجال ایک کانے عجیب الخلقت انسان کا نام ہے۔ جس کے ساتھ ایک عجیب الخلقت گدھا اور دوسرے عجائبات ہیں۔ عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے مجدد کے قلب صافی پر اس عظیم الشان حقیقت کو ظاہر کیا کہ دجال اور یاجوج ماجوج یہی عیسائی اقوام ہیں جو دنیا پر پورا تسلط حاصل کر چکی ہیں۔ اور جن کی دنیا کی آنکھ حد درجہ کی تیز اور دین کی آنکھ اندھی ہے۔ اور جس بات کے کہنے کی جرأت کوئی نہ کر سکتا تھا اس کا اعلان بے دھڑک قادیان کے ایک گوشہ نشین زاہد نے کیا۔ ساری دنیا کی مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے حکومت کی پروا بھی نہ کرتے ہوئے اور اس زمانہ میں جو پادریوں کا اثر حکام پر تھا اس کی بھی پروا نہ کرتے ہوئے آپ نے 1891ء میں **ھٰذا الدجال الذی ذکر رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم** کی آواز بلند کی۔ لوگ دجال کو دجال نہ سمجھتے تھے۔ اور بعینہٖ وہی حالت تھی جس کا ذکر احادیث میں بھی ہے۔ مجدد وقت نے انہیں خبر دی کہ دجال یہی ہے۔ بھولے نہ رہو۔

> ''ہم اس قریب الشرک بلکہ سراسر شرک سے بھرے ہوئے کلمے کو کیوں منہ سے بولیں کہ دجال یک چشم خدا تعالیٰ کی طرح اپنے اقتدار سے مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور صریح صریح خدائی کی علامتیں دکھائے گا۔ مگر ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ دجال سے مراد با اقبال قومیں ہوں اور گدھا ان کا یہی ریل ہو جو مشرق اور مغرب کے ملکوں میں ہزارہا کوسوں تک چلتے دیکھتے ہو۔'' (ازالہ اوہام صفحہ 146)
>
> ''ضرور تھا کہ مسیح الدجال گرجا میں سے نکلے۔'' (ازالہ اوہام صفحہ 478)
>
> ''لیکن گرجا سے نکلنے والا دجال جس کے بارے میں امام مسلم نے اپنی صحیح میں فاطمہ

بنت قیس سے روایت کی ہے اور جس کو نہایت درجہ کا قوی ہیکل اور زنجیروں سے جکڑا ہوا بیان کیا ہے۔ اور اس کی ایک جساسہ کی خبر بھی لکھی ہے۔ اور یہ دجال وہ ہے جس کو تمیم داری نے کسی جزیرہ کے ایک گرجا میں دیکھا۔" (ازالہ اوہام صفحہ 478)

"یاد رکھنا چاہئے کہ لغت میں دجال جھوٹوں کے گروہ کو کہتے ہیں۔ جو باطل کو حق کے ساتھ مخلوط کر دیتے ہیں۔ اور خلق اللہ کو گمراہ کرنے کے لئے مکر اور تلبیس کو کام میں لاتے ہیں۔" (ازالہ اوہام صفحہ 488)

"ظاہر ہے کہ یہ کرسچین قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں اور سحر کے اس کامل درجہ کا نمونہ ہے جو بجز اول درجہ کے دجال کے جو دجال موعود ہے اور کسی سے ظہور پذیر نہیں ہو سکتیں۔" (ازالہ اوہام صفحہ 494)

"یک چشم سے مراد درحقیقت یک چشم نہیں۔ اللہ جلشانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے **مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى** (72:17۔ مرتب) کیا اس جگہ نابینا سے جسمانی نابینائی مراد ہے بلکہ روحانی نابینائی مراد ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ دجال میں دینی عقل نہیں ہوگی۔ گو دنیا کی عقل اس میں تیز ہوگی۔ اور ایسی حکمتیں ایجاد کرے گا۔ اور ایسے عجیب کام دکھلائے گا کہ گویا خدائی کا دعوٰی کر رہا ہے۔ لیکن دین کی آنکھ بالکل نہیں ہوگی۔ جیسے آج کل یورپ اور امریکہ کے لوگوں کا حال ہے۔ کہ دنیا کی تدبیروں کا اُنہوں نے خاتمہ کر دیا ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ 501)

"اور یاجوج ماجوج کی نسبت تو فیصلہ ہو چکا ہے جو یہ دنیا کی دو بلند اقبال قومیں ہیں جن میں سے ایک انگریز اور دوسرے روس۔ ان دونوں قوموں کا بائیبل میں بھی ذکر ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ 502)

"ایسا ہی یاجوج ماجوج کا حال بھی سمجھ لیجئے۔ یہ دونوں پرانی قومیں ہیں جو پہلے زمانوں میں دوسروں پر کھلے طور پر غالب نہیں ہو سکیں اور ان کی حالت میں ضعف رہا۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں یہ دونوں قومیں خروج کریں گی۔ عین

اپنی جلالی قوت کے ساتھ ظاہر ہوں گی۔ جیسا کہ سورہ کہف میں فرماتا ہے وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ (99:18) یعنی یہ دونوں قومیں دوسروں کو مغلوب کر کے پھر ایک دوسرے پر حملہ کریں گی۔'' (ازالہ اوہام صفحہ 508)

اَقْرَبُ اُمتِی منّی درجة: اس آواز کا جو قادیان سے اُٹھی اور ان قوموں کے خلاف اُٹھی جو دنیا میں اپنی حکومت کی وجہ سے اپنے آپ کو خدائی کے مرتبہ پر سمجھ رہی تھیں پہلا اثر یہ ہوا کہ ایک طرف مسلمانوں نے اپنے معتقدات کے خلاف اسے سمجھ کر اس کی مخالفت میں پورا زور لگایا۔ دوسری طرف پادریوں نے اپنے اوپر ایک خطرناک حملہ سمجھ کر اس آواز کے اُٹھانے والے کو پورے زور سے دبانا چاہا۔ یہاں تک کہ اقدام قتل کا مقدمہ اس پر کر کے اسے مروانے کی کوشش بھی کی۔ اور اس مقدمہ میں عیسائی، آریہ اور مسلمان تینوں گروہ مل گئے۔ مگر اس مرد خدا نے کسی کی پروانہ کی۔ اور مخالفت کے طوفان عظیم میں ایک پہاڑ کی طرح کھڑا رہا۔ لوگوں نے ہنسی کی۔ خود مسلمانوں نے ٹھٹھا کیا کہ مسیح موعود ہو کر یہ خود دجال کے گدھے پر سوار ہوتے ہیں۔ مگر حق بڑی زبردست چیز ہے۔ اور وہ دِلوں پر اپنا اثر کر جاتا ہے۔ اس ساری مخالفت کے باوجود دجال کے ساتھ مسلمانوں کے ایک گروہ کے مل جانے کے باوجود، یہود کے گروہ کی جگہ ہنود کے گروہ کے مل جانے کے باوجود، وہ بات، جو اللہ تعالیٰ نے امام وقت کے قلب پر ظاہر فرمائی تھی، روز بروز قبولیت حاصل کرتی گئی۔ یہاں تک کہ آج خواندہ اور ناخواندہ مسلمان سب اس بات کے کھلے قائل کہ وہ دجال اور یاجوج ماجوج، جن کا ذکر احادیث نبوی میں ہے، وہ یورپ اور امریکہ کی اقوام ہی ہیں۔ یہی خدائی تصرف کا دعویٰ رکھنے والی اقوام ہیں۔ اور خرِ دجال بھی یہی ان کی ریل وغیرہ ہی ہے۔ اخبارات میں اب اس کا ذکر کسی عجیب بات کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ ایک امر متعارف کے طور پر ہوتا ہے۔ گویا سب لوگ دجال اور یاجوج ماجوج کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ یہ آواز، کہ دجال کون ہے، سب سے پہلے دنیا میں کس نے اُٹھائی۔ کیا یہ وہی مرد خدا نہیں جس کا ذکر حدیث میں ہے کہ وہ کہے گا **یاایّھا الناس ھذا الدجال الذی ذکرہٗ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم** اے لوگو! یہ وہ دجال ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور جس کے متعلق آتا ہے **ثم نادیٰ فی الناس الا ان ھذا لمسیح الکذاب فمن اطاعہ فھو فی النار ومن**

عصاہ فھو فی الجنۃ وہ لوگوں میں منادی کرے گا کہ یہ مسیح دجال ہے جو اس کی اطاعت کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔اور جو اس کی نافرمانی کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔اگر یہ صحیح ہے کہ **ھٰذا الدجال الذی ذکرہٗ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم** کی ایک ہی آواز ہے جو دنیا میں اُٹھی اور یہ وہی آواز ہے جو امام وقت مجدد زمان مسیح دوران نے بلند کی اور یہ وہی ندا ہے جس کی گونج آج ہر مسلمان کے دل سے اُٹھ رہی ہے۔تو خوب یاد رکھیئے کہ اس مرد صادق کے متعلق جو کچھ حدیث میں آیا ہے وہ بھی درست ہے **فذاک الرجل اقرب امتی منی درجۃ** میری اُمت میں سے یہ شخص مجھ سے سب سے زیادہ قریب مرتبہ میں ہے۔ **ھذا اعظم الناس شھادۃ عند رب العالمین** جہانوں کے پروردگار کے نزدیک یہ سب سے بڑھ کر شہادت کے مرتبہ والا ہے۔جس شخص کو ہلاک کرنے کی کوشش کی جائے اور اللہ تعالیٰ اسے بچالے وہ بھی شہادت ہے۔اور دجال کے دجال ہونے کی گواہی دینا سب سے بڑی شہادت ہے۔جو اُمت میں سے کوئی شخص ادا کرسکتا ہے۔بات تو صاف ہے کہ جس شخص نے اُمت کو مسیح دجال کا پتہ بتایا اس کے سوا کسی اور مسیح موعود کا انتظار کرنا بے سود ہے۔اور انتظار کے معنے ہی کیا ہوئے جو **اقرب اُمتی منی درجۃ** ہے وہی اس اُمت کا مسیح ہوگا۔ہاں صحابہ کی بے نظیر قربانیاں اور ان کے مراتب قرب کو جو درجہ حاصل ہے وہ الگ ہے۔

<u>قسط ہشتم: مطبوعہ دراشاعت 12 ستمبر 1931ء</u>

قتلِ دجال اور مسیح موعود: شاید اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ حضرت مرزا صاحب ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے دجال کا پتہ بتایا اور **ھٰذا الدجال الذی ذکرہٗ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم** کی آواز بلند کی۔لیکن بعض قلوب میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ مسیح موعود وہی شخص ہوسکتا ہے جو دجال کو قتل کرے اور حضرت مرزا صاحب نے دجال کو قتل نہیں کیا۔اس میں شک نہیں کہ احادیث میں مسیح موعود کے دجال کو قتل کرنے کا ذکر آتا ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ قتل دجال سے مراد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ جب دجال ایک فرد واحد کا نام نہیں بلکہ ایک قوم یا چند اقوام کا نام ہے،تو اس کے قتل سے مراد بھی سچ مچ ایک انسان کا قتل کرنا نہیں ہوسکتا۔اور نہ ہی ساری عیسائی اقوام یا یورپ اور امریکہ کی اقوام کا قتل مراد ہوسکتا ہے۔کیونکہ ان اقوام کا تاقیامت موجود رہنا قرآن شریف سے ثابت ہے **وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ**

فَوۡقَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ (55:3) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروان کے منکروں پر قیامت تک غالب رہیں گے۔جس سے لازم آتا ہے کہ آپ کے متبع اور منکر دونوں قیامت تک رہیں گے۔لازماً قتل دجال سے کوئی مجازی معنے مراد ہوں گے اور وہ قتل مراد نہیں لیا جا سکتا جو عوام کے ذہن میں ہے۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب دجال کے متعلق جو کچھ ذکر ہے وہ سب استعارہ اور مجاز کے طور پر ہے۔اس کی جنت فی الواقع جنت نہیں۔نہ اس کی آگ فی الواقع دوزخ ہے۔اس کے پانی کی یا آگ کی نہریں،اس کا روٹیوں کا پہاڑ،اس کا گدھا،اس کا مینہ برسانا،اس کا مردوں کو زندہ کرنا یہ سب کچھ بطور مجاز ہے۔تو اس کا قتل بھی مجازی ہونا چاہئے۔اگر احادیث پر غور کیا جائے تو وہاں بھی قتل دجال کا معاملہ مشکلات سے پُر نظر آتا ہے۔اول تو الفاظ جو احادیث میں دجال کے متعلق آتے ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ دجال خود بخود پگھل جائے گا۔جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے **ذاب کما یذوب الملح فی الماء ینماث کما ینماث الملح فی الماء** تو جب وہ خود پگھل جائے گا تو اس کے قتل کرنے کے معنے کیا ہوئے۔دوسرے انہی احادیث میں ہے **ولایحل لکافر یجدریح نفسہٖ الّامات ونفسہٖ ینتھی حیث ینتھی طرفہ** کسی کافر کے لئے یہ جائز نہیں کہ مسیح موعود کا سانس اس تک پہنچے مگر وہ مر جائے گا۔اور اس کا سانس وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں تک اس کی نظر پہنچے گی۔تو جب دجال ایک کافر قوم کا ہی نام ہے پھر قتل دجال اس سے علاوہ کیا چیز ہے؟

دجال قتل ہوتا ہے یاجوج ماجوج نہیں۔اس کی وجہ: یہ امر ثابت شدہ ہے کہ دجال اور یاجوج ماجوج ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔دجال اس کا نام بلحاظ اس کے دجل اور فریب دہی کے ہے۔اور یاجوج ماجوج اس کا نام بلحاظ اس قوت کے ہے۔تو اب یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ احادیث میں یہ ذکر کیوں ہے کہ مسیح موعود دجال کو قتل کر دے گا۔لیکن یاجوج ماجوج کو قتل کرنے پر قادر نہ ہوگا۔اگر دجال قتل ہو گیا تو یاجوج ماجوج بھی ساتھ ہی قتل ہو گئے۔ **فیوحی الی المسیح انی قد اخرجت عباد الی لا یستطیع قتلھم الّا انا** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 3021) میں نے اپنے کچھ بندے نکالے ہیں۔جن کے قتل کرنے پر میرے سوا کوئی قادر نہیں۔اور نواس بن سمعان کی مشہور حدیث میں ہے **فیطلبہ حتی یدرکہ بباب لُدٍ فَیقتلہ ثم یاتی عیسٰی قوم ...... فبینما ھو کذالک اذا وحی اللّٰہ الٰی عیسٰی انی قد اخرجت عباد الی لا**

یدان لاحد بقتالھم فحرّز عبادی الی الطور ویبعث اللّٰہ یاجوج و ماجوج وھم من کل حدب ینسلون (مشکوٰۃ صفحہ 473) پھر (حضرت عیسیٰ) اسے (یعنی دجال کو) تلاش کریں گے۔ یہاں تک کہ اسے باب لد میں پائیں گے اور قتل کردیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ کے پاس ایک قوم آئے گی۔ اور وہ اس حال میں ہوں گے جب کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کی طرف وحی کرے گا کہ میں نے اپنے کچھ بندے نکالے ہیں جن کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت کسی کو نہیں۔ اس لئے میرے بندوں کو طور پر پناہ میں لے جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو اُٹھائے گا اور وہ ہر ایک بلندی سے نکل پڑیں گے۔ اب دجال قتل بھی ہوجاتا ہے اور حضرت عیسیٰ کے دم میں اتنی برکت بھی ہے کہ جس کافر کو پہنچے وہ مرجاتا ہے۔ اور دم بھی حد نظر تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن بایں یاجوج ماجوج ایسی زبردست ہستیاں ہیں کہ ان سے پناہ لینے کے لئے پھر طور کی طرف رجوع کی ہدایت کی جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ یاجوج ماجوج حضرت عیسیٰ کے دم سے مریں حضرت عیسیٰ ان سے پناہ لیتے پھرتے ہیں۔ اور یہ ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج کے ساتھ جنگ کرنے کی یا ان کو قتل کرنے کی طاقت حضرت عیسیٰ کو بھی نہیں اور دجال کو قتل کرنے سے حاصل کیا ہوا جب اس سے زبردست قومیں آموجود ہوئیں۔ پس قتل دجال سے مراد نہ تو ایک شخص کا قتل ہے کیونکہ دجال ایک شخص ہی نہیں۔ نہ ان اقوام کا مغلوب ہوجانا ہے۔ کیونکہ باوجود قتل دجال کے یہ اقوام اسی طرح موجود رہتی ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی ہوتی ہے کہ تم ان کا مقابلہ کرکے انہیں مغلوب نہیں کرسکتے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اقوام کا فتنہ برنگ مذہب دجال کے نام سے موسوم ہوا ہے۔ کہ لوگوں کو فریب وہی سے صداقت اسلامی سے پھیر دیں گے۔ اور یاجوج ماجوج کی حیثیت میں ان کا فتنہ ملکی رنگ میں ہے۔ جس رنگ میں وہ **وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ** (96:21) کے **لایدان لا حد بقتالھم** کے مصداق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قتل دجال تو ہوجاتا ہے۔ مگر یاجوج ماجوج پھر بھی رہ جاتے ہیں۔ گویا ان کے مذہبی فتنہ کا علاج تو مسیح موعود کرلیتا ہے مگر ان کا ملکی فتنہ دور کرنا اس کا کام نہیں۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی اور سامان پیدا کردے گا۔ ممکن ہے یہ علاج اسی طرح ہو جو قرآن کریم میں مذکور ہے **وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا.** (99:18) یعنی وہ خود ہی ایک دوسرے کو تباہ کردیں گے۔ یا یہ علاج ہو کہ ان کا بڑا حصہ مسلمان ہوجائے۔ جس کی طرف اشارہ

طلوع الشمس من مغربھا میں ہے۔یعنی مغرب سے صداقت اسلام کا آفتاب طلوع کرے گا۔اور ممکن ہے احادیث میں جو ذکر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اس میں بھی یہی اشارہ ہو کہ وہ بالآخر مسلمان ہو جائے گا۔اور ایک حدیث میں جو مسیح کے مغرب کی طرف سے آنے کا ذکر ہے اس میں بھی یہی اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دجال کو دلائل سے مغلوب کرنے کا خیال اور قتل دجال کی حقیقت: احادیث کو اگر غور سے پڑھا جائے تو یہ توجیہہ جو قتل دجال کی اوپر کی گئی ہے اس کی مزید شہادت خود احادیث سے ملتی ہے۔ایک نہیں متعدد احادیث میں یہ لفظ آتے ہیں **ان یخرج و انا فیکم فانا حجیجه و ان یخرج ولست فیکم فامرٔ حجیج نفسهٖ** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2026) اگر وہ نکلے اور میں تمہارے درمیان ہوں تو میں اس سے بحث کر کے اسے مغلوب کروں گا۔اور اگر وہ نکلے اور میں تمہاے درمیان نہ ہوں تو ہر شخص اپنی ذات سے اس سے بحث کرے۔اور بعض احادیث کے الفاظ یوں ہیں **فان یخرج وانا بین اظهرکم فانا حجیج لکل مسلم وان یخرج فیکم بعدی فکل امرء حجیج نفسهٖ** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2025و2079) **نهایة** میں **انا حجیجه** کے معنے میں لکھا ہے **ای محاجه و مغالبه باظهار الحجّة علیه والحجة الدلیل والبرهان** یعنی **حجیجه** کے معنی ہیں اس سے بحث کرنے والا اور اس پر غالب آنے والا،اس پر حجت کے ذریعہ سے۔اور **حجة** دلیل اور برہان ہے۔اب ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی دجال ہوتا تو آپ اس پر بذریعہ دلائل اتمام حجت کرتے۔تو کیا وجہ ہے کہ آنحضرت تو اس سے دلائل سے بحث کریں اور حضرت عیسیٰ بحث کا نام نہ لیں بلکہ اسے قتل کر دیں۔اگر فی الواقعہ دجال قابل قتل تھا تو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی نکلا تو چاہئے تھا کہ آپ اسے قتل کر دیتے۔یا کروا دیتے۔اور اگر آپ اسے قتل کرنے کا نام نہیں لیتے بلکہ اسے دلائل و براہین سے مغلوب کرنے کا ذکر کرتے ہیں تو یہی کام حضرت عیسیٰ کر سکتے ہیں۔وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تجاوز نہیں کر سکتے۔جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے اسے قتل کرنے سے وہی مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے **حجیج** ہونے سے۔یعنی مراد اس سے یہی ہے کہ دلائل کے ذریعہ سے مغلوب کریں گے۔یا اس کی شر سے لوگوں

کو محفوظ کریں گے۔ یا اس کی دعوت کا ابطال کریں گے۔ کیونکہ اس پر غلبہ یہی ہے کہ اس کی دعوت کو باطل کیا جائے۔ اور اس کی شر سے لوگوں کو بچایا جائے۔ لفظ قتل کے یہ معنی لغت عرب میں آتے ہیں۔ چنانچہ نہایہ میں جو لغت حدیث کی کتاب ہے لکھا ہے کہ حدیث ثقیفہ میں **قتل اللّٰہ سعدا** کے معنے ہیں **دفع اللّٰہ شرہ** اللہ تعالیٰ اس کی شر کو دور کرے۔ اور جہاں دو خلیفوں کی بیعت کے ذکر میں ہے **فاقتلوا الاخر** وہاں معنے کئے ہیں **ابطلوا دعوتہ** اس کی دعوت کو باطل کر دو۔ پس جب لفظ قتل دیگر احادیث میں ابطال دعوت یا دفع شر کے معنے میں استعمال ہوا ہے اور قتل دجال سے مراد سچ مچ ساری عیسائی اقوام کا قتل نہیں۔ تو لازماً اس سے مراد وہی دوسرے معنے لئے جائیں گے۔ جن میں یہ لفظ حدیث میں استعمال ہوا ہے۔ اور جس کو اہل لغت نے تسلیم کیا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نسبت یہ فرما دیا کہ اگر آپ خروج دجال کے وقت زندہ ہوں تو آپ اسے بذریعہ دلائل مغلوب کریں گے۔ اور یہ بھی فرما دیا کہ اگر آپ اس وقت زندہ نہ ہوں **فامرئ حجیج نفسہٖ** تو ہر مسلمان اپنی طرف سے یہی کام کرے تو حضرت عیسیٰ کے قتل دجال سے کوئی اور معنی مراد لینا احادیث کی صراحت کے خلاف چلنا ہے۔

مزید شہادت کہ قتل دجال سے مراد اس کی دفع شر ہے: دیگر احادیث پر غور کیا جائے تو قتل دجال سے اس کی دفع شر ہونے پر مزید شہادت ملتی ہے۔ کتنی احادیث ہیں جن میں یہ ذکر آتا ہے کہ جو شخص سورہ کہف کی ابتدائی آیات یا آخری آیات پڑھے وہ دجال کے شر سے محفوظ رہے گا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال لوگوں کو قتل نہیں کرتا پھرے گا۔ بلکہ ان کے دلوں میں وساوس پیدا کر کے ان کو حق سے پھیرنے کی کوشش کرے گا۔ اور س کی شر سے بچنے کا طریق بتا دیا کہ سورہ کہف کو پڑھ لیا کرو۔ مقام غور ہے کہ جس کی شر کا ازالہ دوسرے طریق پر ہوسکتا ہے اس کے قتل کرنے کی ضرورت کی ہے۔ اور اس کا قتل کرنا جائز کس طرح ہوسکتا ہے۔ اور یہ بات، کہ دجال کا کام دلوں میں شبہات پیدا کرنا ہے، نہ ان کو مارنا اور لوٹنا، تمام احادیث دجال سے ظاہر ہے۔ اور ایک حدیث میں صاف الفاظ بھی ہیں **فواللّٰہ ان الرجل لیاتیہ وھو یحسب انہ مومن فیتبعہ ممایبعث بہ من الشبھات** اور پھر کسی حدیث میں ہے **طعام المومن فی زمن الدجال طعام الملائکۃ۔ التسبیح و التقدیس فمن**

کان منطقه یومئذ التسبیح والتقدیس اذھب اللّٰہ تعالٰی عنه الجوع (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2041)اور کسی میں ہے **من قال اللّٰہ ربی حتّٰی یموت علٰی ذالک فقد عصم من فتنة الدجال** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2080)اور کسی میں ہے **ان اللّٰہ تعالٰی یعصم المومن یومئذ بما عصم به الملائکة من التسبیح** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2090)اس قسم کی احادیث سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس سے ایک مسلمان دجال کے فتنے سے کلی طور پر محفوظ رہ سکے گا۔اور یہاں یہ مراد نہیں کہ سچ مچ انسان اس وقت روٹی کھانا چھوڑ دیں گےاور تسبیح وتقدیس سے بچیں گے۔ بلکہ مراد یہاں اس کے فتنے سے محفوظ رہنا ہے۔اس میں شک نہیں کہ بعض احادیث میں دجال سے جنگ کا ذکر بھی ہے۔جس طرح فارس وروم سے جنگ کا ذکر ہے۔لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ صلیبی جنگوں کی طرف اشارہ ہواور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں اشارہ ان لڑائیوں کی طرف ہو جو جنگ عظیم میں ترکوں اور انگریزوں میں ہوئیں۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ بھی کوئی جنگ پیش آئے۔لیکن ایک بات جو قطعی اور یقینی ہے وہ یہ ہے کہ دجال کےاس فتنے کا علاج، جو مذہب سے تعلق رکھتا ہے،روحانیت سے ہے۔اس لئے کبھی یہ فرمایا کہ میں اگر زندہ ہوا تو اسے دلائل اور براہین سے مغلوب کروں گا۔اور یہی نصیحت مسلمانوں کو فرمائی کہ اگر میرے بعد وہ ظاہر ہوتو تم ایسا ہی کرنا۔کبھی فرمایا کہ سورہ کہف کی طرف رجوع کرنا۔کیونکہ اس میں بالخصوص عیسائیت کی تاریخ اوراس کےعقائد کا ذکر ہے۔گویا اس سے مطلب یہی تھا کہ قرآن کریم کی طرف رجوع کرکے اپنے اندر قوت پیدا کرو۔کبھی فرمایا تسبیح وتقدیس کی طرف رجوع کرو۔کیونکہ اس ذریعہ سے ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے پیدا ہوکر اس کے اندر روحانی قوت پیدا ہوتی ہے۔نزول مسیح کی غرض بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کے اندر ان ذرائع سے روحانی قوت پیدا کی جائے۔اس لئے مسیح کا قتل دجال بھی یہی ہے کہ اس کی دعوت کا ابطال کیا جائے اوراس کے شر سے لوگوں کو محفوظ کیا جائے۔

پادری فتنہ مذہبی کے نمائندے ہیں: چونکہ نزول مسیح کا تعلق ابتدا دجال کے مذہبی فتنے کے دور کرنے سے ہے۔اور سیاسی یا ملکی فتنہ جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے یا تو اسی ذریعے سے دور ہوجائے گا۔ اور یا جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کچھ اور اسباب پیدا کرے گا۔مثلاً ان کی باہمی آویزش۔اور چونکہ مذہبی فتنے کے نمائندے پادری صاحبان ہیں اس لئے حضرت مسیح موعود

نے اپنی تحریروں میں پادریوں کو سب سے آگے رکھا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آپ نے جو نشانات بیان کئے ہیں مثلاً ان کی دنیوی آنکھ کا تیز ہونا یا ان کی تیز رفتار سواریاں یا مادی اسباب پر ان کا تصرف یا دنیا میں ان کا غلبہ وہ بحیثیت مجموعی اقوام یورپ پر صادق آتے ہیں۔ اور آپ نے صاف طور پر نام بھی ان اقوام کا لیا ہے۔ بلکہ ان میں خصوصیت سے دو سب سے بڑی قوموں یعنی روس اور انگریزوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر باایں آپ نے زیادہ زور پادریوں کے دجال ہونے پر دیا ہے۔ پس یہ کہنا درست نہیں کہ آپ نے دجال اور یاجوج ماجوج کی پیشگوئوں کا مصداق یورپ کو نہیں بلکہ پادریوں کو قرار دیا ہے۔ آپ نے مصداق تو یورپ کو ہی قرار دیا ہے۔ لیکن چونکہ آپ کی بعثت ان کے مذہبی فتنے کو دور کرنے کے لئے تھی، اس لئے آپ نے زیادہ زور پادریوں کے فتنہ پر دیا ہے۔ اور اگر ذرا واقعات پر غور کیا جائے تو پادری ہی سیاسی فتنوں کے پیدا کرنے والے بھی ہوئے ہیں۔ کیونکہ جہاں جہاں یورپ نے ایشیا یا افریقہ میں تصرف حاصل کیا وہ اسی طرح کیا کہ پہلے وہاں پادری پہنچے۔ اور مذہبی تبلیغ کا نام لے کر رسوخ پیدا کیا۔ پھر آہستہ آہستہ وہاں اس قوم کا قدم جمتا گیا۔ گویا یوں کہنا چاہئے کہ مسیح موعود نے ہی پادریوں کو دجال ہونے میں مقدم نہیں کیا۔ خود دجال نے بھی پادریوں کو ہی آگے رکھا ہے۔ وہ مذہبی رنگ میں بھی اپنا کام کرتے اور لوگوں کو باطل کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور دجال کی سیاست کی سفر مینا کا کام بھی دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی نظر ان اقوام کے حالات کے متعلق کس قدر تیز تھی۔

<u>قسط نہم: مطبوعہ دراشاعت 29 ستمبر 1931ء</u>

دلائل اور براہین کا غلبہ: بعض لوگ اس بات کو کہ کسی مذہب کے دلائل اور براہین سے غالب آنے کا نام لیا جائے بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آج مادیت کی رو اس قدر زبردست ہے کہ وہ لوگ، جو خود اس بات کے قائل ہیں کہ دجال کی دائیں آنکھ نہ ہونے کے یہ معنے ہیں کہ وہ روحانی امور کو دیکھ نہیں سکتا اور اس کا سارا زور مادیت اور مادہ پرستی پر ہے، خود اس مادیت کے اس قدر اثر کے نیچے ہیں کہ اگر بذریعہ دلائل غلبہ کا نام لیا جائے تو وہ یہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ منہ کی باتوں سے بھی کبھی کوئی غلبہ دنیا میں حاصل ہوا ہے۔ اور قتل دجال کی اس تاویل کو، کہ اس سے مراد بذریعہ دلائل شر دجال کو دور کرنا ہے، وہ محض لچر اور پوچ کہنے کے لئے تیار ہوں گے۔ لیکن میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس الفاظ کا واسطہ دیتا ہوں ان

یخرج و انا فیکم فانا حجیجه ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی زندہ ہوتے تو دجال کو بذریعہ دلائل ہی مغلوب کرتے۔اس لئے کسی دوسرے کے لئے ہم قتل دجال سے اور کوئی مراد نہیں لے سکتے۔یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض وقت انبیاء اور مصلحین کو سیاست بھی عطا فرماتا ہے۔مگر سیاست نبوت کے لئے ضروری نہیں۔بہتیرے نبی دنیا میں ایسے گذرے ہیں جن کے ساتھ کوئی سیاست نہ تھی۔اور مذہبی فتنوں کی اصلاح دنیا میں سیاست سے نہیں بلکہ دلائل سے ہی ہوا کرتی ہے۔خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی عطا فرمائی تھی۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے یہی ہیں کہ اگر میری زندگی میں دجال کا ظہور ہو تو میں اسے بذریعہ دلائل مغلوب کروں۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بائیبل اور تاریخ (از خود قرآن کریم) کی شہادت موجود ہے کہ آپ کو نبوت کے ساتھ سیاست یا بادشاہت نہیں دی گئی تھی اور پہلے نزول میں آپ نے جو کچھ کیا دلائل اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے ہی کیا۔تو دوسرے نزول میں ان کے لئے سیاست اور بادشاہت کیوں تجویز کی جاتی ہے۔اگر سیاست اور قتل کے ذریعہ سے ہی دجال کے فتنہ کا دور کرنا مقصود تھا تو اس کے لئے مسیح کی ضرورت کیوں پیش آئے جس کے نام کو ہی سیاست سے تعلق نہیں اور مسیح کو فتنہ دجال کے لئے یہاں تک خاص کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ابن صیاد کو دجال سمجھ کر اس کے قتل کرنے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ دجال ہے تو تمہارا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ابن مریم اس کا صاحب ہے۔غرض دلائل اور براہین اپنی جگہ ایک قوت رکھتی ہیں اور وہ قوت مادی طاقتوں پر بھی غالب آجاتی ہے۔اسلام بھی جب غالب ہوا تو اپنی روحانی قوت اپنی حقانیت کے دلائل و براہین سے غالب آیا۔اور جوں جوں وہ غالب آ کر لوگوں کو اپنا حلقہ بگوش کرتا گیا توں توں مادی رنگ میں بھی غالب آتا گیا۔اسلام کے غالب آنے کے لئے کسی تلوار کی ضرورت نہ تھی۔تلوار کی ضرورت مسلمانوں کو اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لئے تھی۔جب انہیں نیست نابود کرنے کے لئے تلوار اُٹھائی گئی۔غرض یہ ایک بڑی بھاری غلط فہمی ہے جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ دجال پر غلبہ بذریعہ تلوار ہوگا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسے غلبہ بذریعہ دلائل و براہین قرار دیا ہے۔

کیا مسیح موعود کو ایسا غلبہ حاصل ہوا: حضرت مرزا صاحب نے جو کچھ کیا اس کو عام مولویانہ بحثوں کی طرح ایک بحث سمجھنا واقعات کو نظر انداز کرنا ہے۔جو کچھ آپ سے پیشتر علماء کرتے تھے اور جو کچھ آپ

نے کیا ان دونوں کا نام اگر کوئی چاہے تو بحث یا مناظرہ رکھ لے۔ مگر ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ علماء کی عامہ ذہنیت حضرت مرزا صاحب کے ظہور سے پیشتر اسی حد تک تھی کہ خفیف سے خفیف باتوں اور فروعی جھگڑوں پر ان کی ساری قوت صرف ہوتی تھی۔ اور اعدائے اسلام کے مقابلہ کا وہ نام بھی نہ جانتے تھے۔ الا ماشاءاللہ۔ کوئی دو چار مستثنیات ہوں تو الگ بات ہے۔ اور بات بھی موٹی ہے کہ جس قوم کی قوت باہمی جھگڑوں پر برباد ہوگی وہ دشمن کا مقابلہ کیا کرے گی؟ حضرت مرزا صاحب کی نظر ان جھگڑوں سے بہت بلند تھی۔ وہ فروعی اختلافات کی پروا تک بھی نہ کرتے تھے۔ بلکہ اپنے ہوش کے زمانہ سے آپ کو ایک ہی جنون تھا اور وہ جنون اعدائے اسلام کے مقابلہ کا تھا۔ اس لئے آپ نے اپنی ساری قوت اسی کام پر لگا دی کہ اعدائے اسلام کا مقابلہ کیا جائے۔ خواہ وہ عیسائی پادری ہوں یا ان کے نقش قدم پر چلنے والے آریہ سماجی ہوں۔ خواہ کوئی اور ہوں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ سب سے بڑھ کر مقابلہ آپ کے مدنظر عیسائی مذہب سے تھا۔ اور اسی کام پر بالخصوص آپ نے اپنی جماعت کو لگایا۔ آج بھی لوگ اس کی وجہ دریافت کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی جماعت کا زیادہ رُخ یورپ میں تبلیغ اسلام پر کیوں ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ دجال کا مقابلہ آپ کا سب سے بڑا کام تھا۔ اور جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں آپ کے اپنے دل کی یہ تڑپ تھی جسے بار بار آپ نے اپنی تحریروں میں بھی ظاہر کیا کہ یورپ میں تبلیغ اسلام ہو۔ کیونکہ یہی دجال پر اصلی غلبہ ہے۔ اور دجال کی دجالیت کو قتل کرنے کا یہی سامان ہے۔ عیسائی مذہب پر اتمام حجت کے لئے آپ کو خاص ہتھیار دیئے گئے۔ اور ان میں بالخصوص قابل ذکر وفات مسیح کا ہتھیار ہے۔ جس سے عیسائیت کا بت پاش پاش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عیسائیت کا سارا دارومدار ہی اس بات پر ہے کہ حضرت مسیح زندہ آسمان پر ہیں۔ آپ نے اس کی بجائے زمین پر ان کی قبر کا پتہ بتایا۔

دجال کی مغلوبیت: اس موقع پر میں یہ بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ خیال کہ بذریعہ دلائل بھی اگر مغلوب کرنا تھا چاہیئے تھا کہ دجال ایسا مغلوب ہو جاتا کہ وہ دنیا کو بہکانے کا کام ہی چھوڑ دیتا اور آپ کی زندگی میں آپ کی آنکھوں کے سامنے یہ کام ہو جاتا۔ یہ خیال بھی ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ دنیا کی مذہبی اصلاح کے کام ایک دن کے نہیں ہوا کرتے۔ یوں تو یہ آیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (33:9) کہ

اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے۔ تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے۔ لیکن کیا یہ غلبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کمال کو پہنچ گیا۔؟ نہیں۔ بلکہ اس کی بنیاد رکھ دی گئی۔ اور تیرہ سو سال بعد اس غلبہ کا نظارہ ہم کو نظر آ رہا ہے۔ آپ کی زندگی میں عرب کا کثیر حصہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ پھر آپ کے بعد جس جس ملک میں اسلام یا مسلمان جاتے ہیں وہاں کے مذاہب اور قوموں سے برابر خراج وصول کرتے ہیں۔ یعنی ہر مذہب اور ہر قوم کے لوگ اسلام میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ ایشیاء اور افریقہ تک محدود رہتا ہے۔ یورپ میں اسلام جاتا تو ہے لیکن چونکہ یہ دجال سے مقابلہ تھا اور اس کی بنیاد مسیح موعود کے ہاتھ سے رکھی جانی مقدر تھی۔ اس لئے یورپ میں اسلام کو وہ تبلیغی کامیابی نصیب نہیں ہوئی جو ایشیاء اور افریقہ میں ہوئی۔

مسیح موعود کی کامیابی دجال کے مقابلہ میں: حضرت مسیح موعود کی کامیابی دجال کے مقابلہ میں کئی رنگ میں ہے۔ سب سے پہلے دجال کا جو فتنہ مسلمانان مشرقی ممالک میں جو اس کی اصل جائے ظہور تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر طرح طرح کے بہتانات تراشنا اور آپ کو بدترین الفاظ سے یاد کرنا تھا اس کا سدباب اگر کیا تو وہ حضرت مسیح موعود نے ہی کیا۔ یہ دجال کے حملہ کا دفاع تھا۔ یہ اس تفصیل کا موقع نہیں کہ آپ نے کس طرح یہ عظیم الشان کام سرانجام دیا۔ یہ آپ کی غیرت ایمانی کا نتیجہ تھا کہ جب عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہنے میں حد سے گذر گئے تو آپ نے ان کے سامنے یسوع مسیح کی اس فرضی تصویر کو پیش کیا جو ان کی اپنی کتابوں میں دکھائی گئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کو سمجھ آ گئی کہ مسلمانوں کو ان کے ایسے کلمات سے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وہ لکھتے یا بولتے ہیں، کس قدر رنج پہنچتا ہے۔ اور اُنہوں نے اپنا طریق عمل بہت حد تک تبدیل کر لیا۔ پھر ایک اور رنگ میں عیسائیت کے فتنہ کا سدباب مشرق میں اس طرح پر بھی ہوا ہے کہ وہ لٹریچر جو آپ نے اور آپ کے متبعین نے پیدا کیا اور جس میں اسلام یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تصویر دکھائی گئی ہے یا جس میں عیسائیت کے اصول باطلہ کی تردید کی گئی ہے وہ جس قدر پھیل رہا ہے، اسی قدر مسلمان عیسائیت یعنی دجالیت کے اثر سے محفوظ ہو رہے ہیں۔ اور یقیناً مسلمانوں میں عیسائیت کی ترقی کی رفتار جو آج سے چالیس سال پیشتر تھی، دسویں حصہ سے بھی کم رہ گئی ہے۔ یہ لٹریچر ہندوستان اور ایشیاء کی

متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو کر مختلف ممالک میں پھیل رہا ہے۔

مرکز دجال میں تبلیغ اسلام: ان سب سے بڑھ کر بات جس نے دجالیت کے فتنے کو روکا ہے مرکز دجال یعنی یورپ کے اندر تبلیغ اسلام کے مرکز قائم کرنا اور یورپین زبانوں میں اسلامی لٹریچر کا پھیلانا ہے۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں کہ وہ دجال، جو مغرب سے نکل کر مشرق میں فتنہ پیدا کرنے آیا تھا، اس کے گھر میں جا کر اسلام کا جھنڈا نصب کر دیا گیا ہے۔ اور سینکڑوں نہیں ہزاروں تک ان لوگوں کی تعداد پہنچ چکی ہے جو علی الاعلان مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور باقی کے خیالات بھی اسلام کے متعلق پلٹا کھا رہے ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا۔ اس سے مراد صداقت اسلام کا آفتاب ہی تھا۔ جس نے پہلے مشرق کو روشن کیا اور اب مغرب میں پہنچ رہا ہے۔ گویا وہاں سے طلوع ہو کر از سر نو دنیا کو روشن کرے گا۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ثم یجئی عیسٰی بن مریم من المغرب مصدقاً بمحمّد** (کنز العمال جلد 7 صفحہ 2079) پھر عیسیٰ بن مریم مغرب کی طرف سے آئیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہوئے۔ یہاں مسیح موعود کے مغرب سے آنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ اکثر احادیث میں آپ کا ظہور مشرق سے قرار دیا ہے۔ اس میں یہی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تبلیغ اسلام کا جھنڈا مغرب میں گاڑے گا۔ اور وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوگی جہاں دجال کا اصل مرکز ہے۔

مسیح موعود کا ڈالا ہوا بیج: اس کام کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ یہ ایک بیج ہے جو مسیح موعود نے ڈالا ہے۔ اور ایسے مصلحین کا کام بیج کا ڈالنا ہی ہوتا ہے جو ان کے پیچھے نشوونما پاتا رہتا ہے۔ اس بیج کی ترقی کے آثار اس سے ظاہر ہیں کہ یورپ کے بہترین دماغ آج خود بخود اصول اسلامی کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ اور جو اصول دنیوی ترقی کے یورپ نے لئے ہیں وہ بھی فی الحقیقت اسلام سے ہی لئے ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں کہ باقی ہر قسم کی باتوں کا تجربہ کر کے آخر کار یورپ کو سمجھ آ جائے کہ اسلام میں ہی اس کی نجات ہے۔ اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے اگر ضرورت ہے تو اس بات کی کہ مسلمان قوم اپنی متحدہ طاقت سے اس کام کو اپنا سب سے پہلا نصب العین قرار دے۔ اور اس پر اپنی پوری قوت خرچ کرے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک مصلح کا کام وہی نہیں جو اس کی زندگی میں یا اس کی آنکھوں کے سامنے

ہو جائے بلکہ وہ سارا کام، جس کی بنیاد اس کے ذریعہ سے رکھی جاتی ہے اور جسے اس کے پیرو سرانجام دیں، وہ اسی کا کام شمار ہوتا ہے۔ اس لئے مسیح موعود نے جس راہ پر اپنی جماعت کو ڈالا ہے یا جو کچھ بیداری مسلمانوں کے اندر پیدا کی ہے یا ان کو کوئی راہ دکھا کر کسی کام پر لگا دیا ہے۔ ان ذرائع سے جو کام دجالیت کے اثر کو دور کرنے کا ہو رہا ہے، وہ سب مسیح موعود کا ہی کام ہے۔ (قسط آخر)

دجال پر حضرت امیر کے مضامین اور ''معارف'': (3 ستمبر 1931ء) حضرت امیر ایدہ اللہ کی طرف سے ''دجال'' پر جو سلسلہ مضامین ان کالموں میں شائع ہو رہا ہے۔ وہ بیرونی حلقوں میں خاص طور پر پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا گیا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی اپنے رسالہ ''معارف'' کی تازہ اشاعت بابت اگست 1931ء میں کسی ''فاضل مہربان'' کے مضامین قتل مرتد اور دجال کی شکایت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ''دجال کا جواب مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور اپنے رنگ میں دے رہے ہیں۔ ان جوابات سے مصنف سلسلہ زیر بحث کے اعتراضات کی بے مائیگی کا راز کافی حد تک بے نقاب ہو چکا ہے لیکن یہ صدائے حق بھی اپنی جگہ پر منفرد ہے۔ حالانکہ ضرورت یہ ہے کہ اہل علم ادھر توجہ فرمائیں اور خصوصاً علماء زمانہ کا رنگ پہچانیں۔''

یہ فی الحقیقت صحیح ہے کہ علماء کو آج زمانہ کا رنگ پہچاننا چاہئے اور اس قسم کے مسائل میں تحقیق و تفتیش سے کام لے کر اپنی آزاد خیالی اور روشن ضمیری کا ثبوت دینا چاہئے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ کے مضامین کا رنگ جو کچھ بھی ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ ایسا نہیں جو دجال کی علامات و پیشگوئیوں کو دیا جا سکے۔ چنانچہ ''سچ'' نے مولوی عبداللہ شاہ صاحب حیدر آبادی کے جو مضامین ''اسلام اور یورپ'' کے عنوان سے شائع کئے، وہ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ بہرحال ہم مولانا سید سلیمان ندوی کے ممنون ہیں کہ اُنہوں نے حضرت امیر کے دلائل کی وزنیت کو مخالفانہ ''اعتراضات کی بے مائیگی'' کے الفاظ میں تسلیم کر لیا۔ خدا نے چاہا تو جلد وہ وقت آنے والا ہے جب حضرت مسیح موعود کی ایک ایک بات کو زمانہ کی ضرورت خود تسلیم کرا کر رہے گی۔

27 جولائی 1931ء

حضرت امیر کے قلم سے

محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

انسان کی اس عزت یا محبت کا، جو دوسرے انسانوں کے دِلوں میں وہ حاصل کر سکتا ہے، انحصار اس فائدہ پر ہے جو اس کی ذات سے نسل انسانی کو پہنچتا ہے۔ **جبلت القلوب علٰی حبّ من احسن الیھا** فطرت انسانی کے گہرے مطالعہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ انسانوں کے دل ایسے بنائے گئے ہیں کہ جو شخص بھی ان پر احسان کرے۔ اس کی محبت ان میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ جس طرح نیچر یا قدرت کے بعض اٹل قانون ہیں اسی طرح فطرت انسانی کے بھی بعض اٹل قانون ہیں۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ لوگ ایک وقت آنکھیں بند کر کے ایک شخص سے عداوت کرنے لگتے ہیں۔ یا آنکھیں بند کر کے ایک شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ مگر فطرت انسانی آخر غالب آتی ہے۔ اور بیجا محبت یا بیجا عداوت قائم نہیں رہتی۔ وہ ایک ایسے درخت کی طرح ہوتی ہے جس کی مثال قرآن کریم نے دی ہے **اِجۡتُثَّتۡ مِنۡ فَوۡقِ الۡاَرۡضِ مَا لَهَا مِنۡ قَرَارٍ** (26:14) اور وہ محبت جو نسل انسانی کے فائدے کے کاموں پر مبنی ہو وہ ہمیشہ ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ اور **اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِی السَّمَآءِ** (24:16) کی مصداق ہوتی ہے۔ اس اٹل قانون کو خدا کے پاک کلام قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے **اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا** (96:19) جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں خدائے رحمان ان کے لئے (قلوب انسانی میں) محبت پیدا کر دیتا ہے۔ ان الفاظ کی صداقت ہر قوم کی تاریخ میں جلی حروف میں لکھی ہوئی نظر آئے گی۔ جس قوم کی تاریخ کو اُٹھا کر دیکھو آخر محبت اسی کی انسانوں کے دِلوں میں رہ گئی ہے جس نے انسانوں کو کوئی بہت بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔ اب اگر غور کیا جائے تو اس بات کے ماننے سے کسی کو چارہ نہیں کہ نسل انسانی پر سب سے بڑھ کر احسان حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہ عقیدہ کی بات نہیں واقعات کی بات ہے جس سے مسلمان تو کیا ایک ہندو یا عیسائی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ نسل انسانی کے سب سے بڑے محسن وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں کو انسانوں کی بہتری کے لئے لگا دیا۔ اور انسانوں کی زندگیوں میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ ایسے محسن ہر قوم کے اند

رہ پائے جاتے ہیں اور ہر قوم کا فرض ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی انسان نے نسل انسانی کے کسی حصہ کی خدمت کا کوئی نمایاں کام کیا ہو اس انسان کی محبت اور عزت کو اپنے دل میں جگہ دے۔ حضرت موسیٰؑ ہوں، یا مسیحؑ، رام چندر جی ہوں یا کرشن جی، رزتشت ہوں یا کانفیوشس یا گوتم بدھ یہ سب بزرگ سب قوموں کے لئے یکساں قابل عزت و احترام ہیں۔ اس بنا پر اگر دیکھا جائے تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نسل انسانی کے سب سے بڑے محسن نظر آتے ہیں۔ اور اسی لحاظ سے سب سے بڑھ کر آپ کے لئے قلب انسانی میں محبت اور احترام کا جذبہ ہونا چاہئے آپ نے جو کچھ عرب کے لئے کیا کوئی دوسرا مصلح کسی قوم یا ملک کے لئے نہیں کر سکا۔ آپ نے بیس سال کے عرصہ میں اس قوم کے اندر سے ہر ایک قسم کے بدخیالات اور غلط عقائد ہی کو دور نہیں کیا بلکہ ہر قسم کی بدعملیوں اور بدکاریوں سے بھی انہیں نجات دی۔ جو قوم کی تباہی کا موجب ہو رہی تھیں۔ آپ نے ان لوگوں کے اندر جو تمدن معاشرت وغیرہ کے اصولوں سے قطعاً ناواقف تھی۔ ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا جس کی دوسری نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اور اسی لئے یورپ کے عیسائی مورخین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ دنیا کے تمام مصلحین اور مذہبی شخصیتوں میں آپؐ سب سے زیادہ کامیاب انسان ہیں۔ آپ نے ایک توہم پرست اور جاہل قوم کو علم اور روشنی، سائنس اور تہذیب کا علم بردار بنا دیا۔ یہاں تک کہ کل دنیا نے اپنے چراغوں کو اسی مشعل سے روشن کیا۔ آپ نے ایک متفرق اور پراگندہ قوم کو جو اقوام عالم میں سب سے زیادہ گمنام قوم تھی ایک متحد اور فاتح قوم بنا دیا۔ جس نے دنیا میں عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں اور اعلیٰ درجہ کا نظام حکومت قائم کیا جو مشرق سے مغرب تک پھیل گیا۔ ہر ایک قوم ہر ایک ملک اپنے حالات پر غور کر کے دیکھے۔ کیسا کسی ہادی یا کسی مصلح نے اس قدر تھوڑے عرصہ میں ایسی گری ہوئی قوم کو ایسے بلند مقام پر پہنچایا۔ اگر یہ صحیح ہے کہ اس قدر عظیم الشان کام اپنی قوم یا اپنے ملک میں اور کسی نے نہیں کیا۔ تو یہ بھی یقینی ہے کہ نسل انسانی پر جس قدر احسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور کسی انسان کا نہیں۔

لیکن آپ کی ہمت بلند دوسرے مصلحین کی طرح صرف اپنی قوم اور اپنے ملک تک محدود نہ تھی بلکہ آپ نے دوسری اقوام پر بھی وہی احسانات کئے جو اپنی قوم پر کئے اور جس قوم نے آپ کا دامن پکڑا وہی قوم دنیا میں بلند ترین مقام پر پہنچ گئی۔ خواہ وہ عرب تھے یا ایرانی یا ترک یا افغان یا کوئی اور قوم۔

پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اخوت کا ایک ایسا عالمگیر سلسلہ قائم کیا جس میں عرب اور عجم، سیاہ اور سفید رنگ کی اقوام یکساں حصہ دار تھیں۔ سب کے یکساں حقوق تھے۔ اور جس طرح سفید رنگ کا انسان بلند سے بلند مقام پر پہنچنے کا حق رکھتا تھا۔ سیاہ رنگ کے انسانوں کو بھی یہی حق حاصل تھا۔ اور بہت سے حبشی اور غلام ائمہ مجتہدین اور بادشاہت کے مقام تک پہنچے۔ یہ خیال بھی بجائے خود ایک ایسا خیال ہے کہ آپ سے پیشتر کسی انسان کے دماغ میں نہیں آیا مگر آپ نے نہ صرف اخوت عالمگیر کا خیال پیدا کیا بلکہ اس کو عملی رنگ میں بہتر سے بہتر لباس پہنایا۔ اور قوموں اور رنگوں اور زبانوں کی وجہ سے جو انسان اور انسان میں امتیاز کیا جاتا تھا، اسے قطعاً مٹا دیا۔ یقیناً جس شخص کے اتنے احسانات نسل انسانی پر ہوں اس کا نسل انسانی پر یہ حق بھی ہے کہ وہ اسے سب سے بڑا محسن پا کر سب سے زیادہ اپنے دِلوں میں محبت اور احترام کا مقام دے۔ اس سے بھی بڑھ کر نسل انسانی پر آپ کا ایک اور احسان عظیم ہے۔ آپ اس وقت آئے جب دنیا پر تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایک ملک میں نہیں بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ وہ مشعل، جو مصلحین نے اپنے اپنے ملکوں میں روشن کی تھی، اس وقت تک مدھم پڑ چکی تھی بلکہ بجھ ہی چکی تھی۔ یہودی مذہب، ہندو مذہب، بدھ مذہب، کانفیوشس کے مذہب، زرتشت کے مذہب کی صورت تو بظاہر قائم تھی۔ مگر ان کے اندر سے وہ روح نکل چکی تھی جو اپنے پیروؤں پر نیک اثر ڈالتی ہے۔ اپنے بزرگوں کا نیک اثر قبول کرنا تو ایک طرف رہا اب ان بزرگوں کے پیروان بزرگوں کی طرف بدترین افعال کو منسوب کر کے بتا رہے تھے کہ ان کی ذہنیت روح مذہب سے کس قدر دور جا پڑی تھی۔ سب سے آخری مذہب عیسائیت تھا۔ جس کے عقائد کو تو ایک طرف رکھو، لیکن اس کی عملی حالت کا نقشہ خود میور جیسے متعصب عیسائی کے الفاظ میں یہ تھا کہ ساتویں صدی کی عیسائیت نہایت گری ہوئی اور ذلیل حالت میں تھی۔ اگر ملک عرب میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مشعل نہ جلائی ہوتی تو دنیا میں تاریکی کا ہی دور دورہ رہتا اور تہذیب و علم دنیا سے مفقود ہو جاتے۔ یہ وہ خیال ہے جسے اگر قرآن کریم نے تیرہ سو سال قبل ظَهَرَا لْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (41:30) میں ظاہر کیا۔ تو آج اس وقت کی تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہوئے ایک محقق بھی اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ چنانچہ ڈینی سن اپنی کتاب ''ایموشن ایز دی بیسس آف سولیزیشن'' میں اسلام کے تذکرہ میں لکھتا ہے:

''پانچویں اور چھٹی صدی عیسائیت میں مہذب دنیا ابتری کے گڑھے کے کنارے پر کھڑی تھی۔ قدیم علمی خیالات، جن کی بنیاد جذبات پر تھی اور جنہوں نے تہذیب انسانی کو ممکن بنایا تھا اس لئے کہ اُنہوں نے لوگوں میں اتحاد کا خیال اور حکام کے لئے عزت و احترام کا خیال پیدا کیا تھا، بالکل زائل ہو چکے تھے۔ اور کوئی چیز ان کی جگہ لینے کے لئے پیدا نہ ہوئی تھی۔''

''ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عظیم الشان تہذیب، جو چار ہزار سال کے عرصہ میں بنی تھی ابتری کے کنارے پر پہنچ چکی ہے اور کہ نسل انسانی بھی قدیم وحشیانہ پن میں قدم رکھنے کو تیار ہے۔ تہذیب، اس عظیم الشان درخت کی طرح جس کی شاخیں دنیا کے کناروں تک پہنچ چکی ہوں، اب جڑ سے اُکھڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اور اندر تک کھائی جا چکی تھی۔ کیا کوئی ایسی جذباتی تحریک تھی جو ایک دفعہ پھر انسانوں کو متحد کر سکے اور تہذیب کو فنا ہونے سے بچا سکے۔''

اس سوال کے جواب میں مصنف عرب کا ذکر کرتا ہے اور پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان عظیم کا۔

''یہ وہ لوگ تھے جن میں وہ انسان پیدا ہوتا ہے جس نے مشرق اور جنوب کی تمام معلوم دنیا کو وحدت کی زنجیر میں منسلک کیا۔''

پس یہ بالکل درست ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تہذیب کو باقی رکھا۔ ورنہ نسل انسانی ہمیشہ کے لئے جہالت کے گڑھے میں گر گئی ہوتی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ احسان عظیم ہے جس سے نسل انسانی کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ افسوس ان لوگوں پر جو اپنے اس سب سے بڑے محسن، ہاں اس کی عظمت و احسان کے لحاظ سے واحد محسن سے محبت اور احترام کی بجائے نفرت اور عداوت کو پھیلا رہے ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ خدا کا قانون اٹل ہے آخر دنیا اپنے اس محسن کی قدر کو پہچانے گی۔ اور اپنے ان بڑوں کے حق میں، جو اس وقت آنکھیں بند کر کے اپنی ترقی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھنے میں سمجھ رہے ہیں، کوئی کلمہ خیر نہ کہے گی۔ خوش قسمت وہ ہیں جن کی آنکھیں آج کھل جائیں اور بہتیروں کی کھل رہی ہیں۔

15 اگست 1931ء

آخری اعلان

حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن اسلام لاہور و حضرت خواجہ صاحب و دیگر اراکین انجمن پر میری طرف سے ہر قسم کے الزامات کی بریت۔ شیخ غلام محمد صاحب۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

خاکسار کی طرف سے گذشتہ چند ماہ میں پے در پے 9 اعلانات اپنی متغیر حالت جنون میں، جسے میں نے اب واقعی دماغی عارضہ محسوس کرلیا ہے، شائع کیے گئے تھے۔ جنہیں میں اب اپنی موجودہ صحیح اور درست حالت میں دیکھتا ہوں تو بہت ندامت، شرم اور تکلیف محسوس کرتا ہوں کہ میرے وجود سے میرے محسنوں اور مخدوموں کو کیا کیا تکلیفات میری ذات سے پہنچ گئے۔ جو اپنے آپ کو ماموریت اور مصلح موعود وغیرہ کے مقامات عالیہ پر دیکھنے کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ حالانکہ میں اپنی ساری زندگی میں خود اپنی ذات کی تکمیل اور اعمال میں قوت انہی بزرگوں کے مواعظ حسنہ، نیک نمونوں اور اعلیٰ درجہ کی قربانیوں سے پیدا ہوتے ہوئے دیکھتا تھا۔ اور مجھ میں نیک راہوں اور تھوڑی بہت خدمت دین وقوم کرنے کی روح انہی ہستیوں کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ لہٰذا جبکہ میری حالت بیماری میں میری طرف سے اس قدر تکلیفات اور ناگوار اُمور کو میرے بزرگوں نے مجھ سے سہا، تو اب میرا یہ مذہبی فرض ہے کہ میں اپنی موجودہ حالت میں ان کے احسانوں کا بدلہ جس طرح بھی ہو ادا کر کے عنداللہ وعندالناس سرخرو ٹھہروں۔ سو میں اس اعلان کے ذریعہ سے اپنی دماغی بیماری وتکلیف، جس کی بہت سے ڈاکٹروں، حکیموں اور دیگر اشخاص نے، جو مجھے دیکھتے اور ملتے رہے، تصدیق کی اور اب میری ذاتی حالت کے انقلاب اور اعتدال نے خود مجھے یہ امر محسوس کرا دیا ہے، اظہار کرتے ہوئے یہ اعلان کرتا ہوں کہ حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب کی ذات گرامی اور دیگر اراکین انجمن جس جس کے متعلق میری طرف سے جس جس قسم کا کوئی الزام یا ناگوار ذکر کیا گیا وہ سب ان سے بری ہیں۔ اور وہ جملہ امور ایسے تھے جو میرے بیمار دل و دماغ کے بدنما اور غلط تصورات تھے۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں کبھی ان تمام بزرگوں کو غلط راہ پر قدم مارتے ہوئے یا کسی دنیاوی لالچ میں کام کرتے ہوئے نہ محسوس کیا تھا اور نہ اب پاتا ہوں۔ بلکہ ان کے ارادوں کو بہت بلند، دینی اور قومی تفکرات میں منہمک اور خدا کی راہ میں پورے انہماک و

خلوص سے کام کرتے ہوئے پایا اور جس قدر قومی ذمہ داریاں ان پر پڑی ہوئی ہیں ان میں جان لڑاتے ہوئے دیکھا۔ لہٰذا اس قسم کے بے لوث انسانوں اور مقتدر ہستیوں کے متعلق جو کچھ بُرے رنگ میں میرے دماغ نے دیکھا اور لکھا وہ صحیح دماغ کا نتیجہ نہیں تھا۔ جبکہ میں خود اسی جماعت کا ایک پر جوش ممبر تھا۔ میں اس کے ساتھ ان جملہ بزرگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھ سے اس عرصہ میں کسی قسم کی تکلیف کو سہا اور حتی المقدور نیک ظنی سے میری ہمدردی کو ملحوظ رکھا۔ اور دعا کے لئے عرض کرتا ہوں کہ پروردگار ہر شخص کو ایسی تکالیف اور ابتلاؤں سے بچائے۔

آخر میں یہ ذکر بھی صاف طور پر کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری اس حالت جنون میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی مجلس معتمدین نے جو فیصلہ میری طرف سے الزامات کی تردید کا کیا تھا وہ صحیح اور درست ہے۔

شیخ غلام محمد

احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

❁❁❁

19 اگست 1931ء

حضرت امیر کے قلم سے

مسئلہ تکفیر اور حضرت مسیح موعود

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال۔ ایک صاحب کوہاٹ سے لکھتے ہیں کہ قادیانیوں کا یہ اعتراض ہے کہ مولوی ثناء اللہ اور دوسرے مولوی جو حضرت مسیح موعود کو کافر اور دجال کہتے ہیں انہیں ہماری جماعت بموجب حدیث کافر کیوں نہیں سمجھتی؟

جواب۔ حقیقت تو یہی ہے کہ جو شخص کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کرتا ہے وہ مسلمان ہے۔ البتہ مسلمان کو کافر کہنے والے پر بروئے حدیث کفر اُلٹ کر پڑتا ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ ایسا شخص سچ مچ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو ایک مولوی ثناء اللہ یا مکفرین حضرت مسیح موعود کے متعلق ہی نہیں بلکہ سب سے پہلے خود قادیانی اصحاب کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے جو چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں!

حضرت مسیح موعود اور عام مسلمانوں کی تکفیر میں فرق: میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ ایک معمولی مسلمان کو کافر کہنے میں اور حضرت مسیح موعود کو کافر کہنے میں فرق ہے۔ گو بروئے حدیث دونوں کی تکفیر بحیثیت مسلمان ہونے کے یکساں ہے۔ مگر وہ شخص جو اس وقت ایک عظیم الشان مقصد کو لے کر کھڑا ہوا ہے۔ جس سے اسلام کے فوائد وابستہ ہیں۔ اور جو جناب الٰہی میں بڑا مقام رکھتا ہے اس کی تکفیر سے جو نقصان اسلام کو پہنچتا ہے وہ ایک معمولی مسلمان کی تکفیر سے نہیں پہنچتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف یہ امر قابل غور ہے کہ اگر ایک معمولی مسلمان کی تکفیر بھی اتنا بڑا گناہ ہے تو چالیس کروڑ مسلمانوں کی تکفیر، جن میں یقیناً بڑے بڑے صلحاء بھی موجود ہیں اور کثرت ان کی ہے جو حضرت مسیح موعود کے نام سے بھی بے خبر ہیں، یہ کتنا بڑا گناہ ہوگا۔ پس حدیث کو حقیقت پر محمول کرنے سے، کہ مسلمان کی تکفیر کرنے والا سچ مچ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، نہ صرف چند مکفرین حضرت مسیح موعود کو ہی بلکہ خود قادیانی جماعت کو بھی دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا پڑے گا۔

مسیح موعود کی بیعت نہ کرنے والے صلحاء: میں نے اوپر کہا ہے کہ ان لوگوں میں جن کی تکفیر قادیانی جماعت کر رہی ہے بڑے بڑے صلحا موجود ہیں۔ اس پر بھی شاید قادیانی احباب کو اعتراض ہو اور وہ کہیں کہ اب سوائے حضرت مسیح موعود کی بیعت کے صالح کوئی ہو ہی نہیں سکتا اور ان کے نزدیک جب مسلمان ہی نہیں ہو سکتا تو صالح کا مقام تو بلند ہے۔ لیکن میں ان کو حضرت خواجہ غلام فرید مرحوم چاچڑاں شریف والے کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو ان کے عقائد کی رُو سے تو کافر ٹھہرتے ہیں۔ مگر حضرت صاحب ان کے متعلق اپنی کتاب ''سراج منیر'' میں لکھتے ہیں: ''اے فرید وقت در صدق وصفا''

حدیث کا منشاء: تو یہ دائرہ اسلام سے خارج کر دینے کا مسئلہ اتنا آسان نہیں جتنا قادیانی احباب نے سمجھا ہوا ہے کہ ہم جس کو چاہیں مسلمان کہہ سکتے ہیں اور جس کو چاہیں کافر کہہ سکتے ہیں۔ حدیث کا منشاء ہو سکتا ہے کہ صرف تہدید و تنبیہ ہو یا یہ کہ صرف سزا کے طور پر ہم مکفر کو کافر کہہ دیں۔ یا یہ کہ مسلمان کی تکفیر بھی وجہ کفر ہے۔ ان تینوں صورتوں میں سے کسی میں بھی ضروری نہیں ٹھہرتا ہے کہ ہم کفر کا فتویٰ کسی پر لگاتے پھریں۔ کیونکہ اگر کسی شخص میں ایک وجہ کفر ہو بھی تو اس ایک وجہ کفر پر جب اس میں دیگر وجوہ اسلام موجود ہیں، اس کے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ بہر حال چاہے ایک مکفر کو سزا کے طور پر کافر کہہ لیں یا یہ کہہ لیں کہ اس میں ایک وجہ کفر ہے۔ حقیقتاً اسے اسلام سے خارج نہیں کہا جا سکتا۔

قادیانی جماعت کا مسلک: قادیانی جماعت کا مسلک بھی اب روز بروز بدل رہا ہے۔ اور وہ خود اس فتویٰ کفر سے آہستہ آہستہ رجوع کر رہے ہیں گو زبان سے نہ کہیں۔ کیونکہ یہ ذرا مشکل کام ہے مگر عمل سے وہ یقیناً رجوع کر رہے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ کہتے تھے کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو کافر سمجھیں اور غیر احمدیوں کا فرض ہے کہ ہمیں کافر سمجھیں۔ اب یہ فرض پس پشت ڈالا ہوا ہے۔ کبھی تشحیذ الاذھان میں لکھا گیا تھا:

> ''ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم غیر احمدیوں سے قطعی طور پر الگ رہیں۔ تیسرے یہ کہ جو ایسا نہیں کرتا اس پر خدا کا الزام ہے چوتھے یہ کہ ایسے شخص کے اعمال حبط ہو جائیں گے۔''

مگر آج ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ غیر احمدیوں سے مل کر رہیں اور انہیں مذہبی طور پر نہیں تو سیاسی طور پر مسلمان سمجھیں۔ اور نہ خدا کے الزام کے نیچے آنے کی فکر ہے نہ اعمال کے حبط ہو جانے کی۔

اور پھر لکھا گیا تھا:

''ان سے بکلّی قطع تعلق نہ کرنے والا شیطان کے پنجے میں ہے اور آپ پر ایمان نہیں رکھتا۔''

مگر اب شیر و شکر ہو کر رہنے سے بھی نہ شیطان کا پنجہ محسوس ہوتا ہے نہ مسیح موعود پر ایمان کہیں چلا جاتا ہے۔ پھر لکھا گیا تھا:

''ہم ان لوگوں سے صلح کرتے ہوئے ان آیات قرآنی کو کہاں لے جائیں الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (139:4)

اب صلح بھی ہوگئی اور آیات قرآنی بھی منسوخ نہیں ہوئیں۔ وہ دن نہایت مبارک ہوگا جس دن یہ کفر کا فتوٰی کھلے طور پر منسوخ کر کے سب کلمہ گوؤں کے بھائی بھائی ہونے کا اعلان ہو جائے گا۔ والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

3 ستمبر 1931ء

تصوف اور اسلام

مسلمانوں کو آج جہاد بالقرآن کی ضرورت ہے نہ کہ تصوف کی

حضرت امیر ایدہ اللہ کا مکتوب ایک دوست کے نام

ایک دوست نے حضرت امیر ایدہ اللہ کو ایک خط کے دوران لکھا ہے:

''سب سے بڑھ کر یہ تکلیف محسوس کر رہا ہوں کہ تصوف، جس کا مسلمانوں میں بہت چرچا ہے، ہماری جماعت میں مفقود ہے۔ طبیعت مصائب کی وجہ سے کوئی ایسا مامن ڈھونڈتی رہی ہے جو خدا تک پہنچا دے۔ اور یہ چند روزہ زیست خدا کے لئے ہی ہو رہے۔ اپنے طور پر بہت تکلیف کے ساتھ تبلیغ کا کام سرانجام دیتا رہا ہوں لیکن اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا ہے۔ دعائیں مستجاب نہیں ہوتی ہیں۔ خیال آتا ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جاؤں۔ لیکن ماں باپ بیوی بچوں کی طرف خیال آتا ہے کہ ان کو کس مپرسی میں چھوڑ جانا بے مروتی ہے۔ غالباً انہی خیالات سے متاثر ہو کر بھائی صاحب، جو خاکسار کی احمدیت کا باعث ہوئے تھے، کے حلقۂ عقیدت میں شامل ہو گئے ہیں۔ اور ان کی آمد و رفت ان کے ہاں کثرت سے ہو گئی ہے۔ کہاں پہلے احمدیت کی تبلیغ میں پیر پرستی کی دھجیاں بکھیرا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ عالم ہے عرس پر شامل ہوتے ہیں اور تبلیغ احمدیت کا نام تک بھی نہیں لیتے۔ معلوم نہیں کہ ہماری جماعت نے تصوف کو پروگرام میں شامل کیوں نہیں کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے بھی شرح صدر ہو جائے۔ میری زبان میں تاثیر ہو جائے۔ میری دعائیں مقبول ہو جائیں۔ میں نے اپنی طبیعت میں اکثر دیکھا ہے کہ اگر کسی کام کے لئے بہت لگاتار کوشش کروں تو وہ کام نہیں ہوتا ہے۔ میرا تجربہ تو یہ کہتا ہے کہ انسان خدا کی طرف دھیان رکھے تو وہ کام خود بخود ہی ہو جاتا ہے۔''

حضرت امیر ایدہ اللہ کا جواب: اس کے جواب میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے جو مکتوب گرامی ان کے نام لکھا ہے اس کی نقل قارئین کرام کے افادہ کے لئے درج ذیل ہے:

ڈلہوزی 27 اگست 1931ء

اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا خط پہنچا۔ وہ تصوف، جس کا مسلمانوں میں بہت چرچا ہے اور جس کی تلاش میں آپ کے قدم کو تعرش ہوئی، اس زمانہ کی ایجاد ہے جب مسلمانوں کا قدم جہاد کے راستے سے ہٹا اور بدعات کی طرف بڑھا۔ ہمیں اس چیز کی تلاش کرنی چاہیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا طریق عمل: کیا یہ تصوف کے طریقے، جن کی تعلیم آج ان گدیوں میں دی جاتی ہے، ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگیوں میں نظر آتے ہیں۔ اگر آج کل کا کوئی صوفی اس مجلس میں جا نکلتا، جہاں تیر اور تلواریں تیار ہو رہی تھیں۔ تاکہ اسلام کو دشمن سے بچایا جائے تو وہ وہاں سے یقیناً گھبرا کر بھاگتا کہ یہاں تو اطمینان قلب میسر نہیں آتا۔ ترک جہاد نے اس کی جگہ ان تصوف کے طریقوں کے لے لینے نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔

حضرت مسیح موعود اور جہاد: حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اسی لئے بھیجا کہ وہ مسلمانوں کو پھر جہاد کے راستہ پر لگائیں۔ چنانچہ آپ نے جہاد بالقرآن کے خیال کو از سرنو زندہ کیا۔ مسلمانوں نے غلطی سے یہ خیال کر لیا تھا کہ جہاد صرف تلوار کے ذریعے سے ہی ہوتا ہے۔ اور چونکہ اس زمانہ میں ایک طرف بروئے تعلیم قرآنی اس جہاد بالسیف کی ضرورت نہ تھی۔ جس کے لئے اجازت اسی شرط کے ساتھ مشروط تھی کہ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (190:2) اور دوسری طرف ان اقوام کا ظہور ہو چکا تھا جن کے متعلق حدیث میں پیشگوئی تھی کہ ان کے مقابلہ کی طاقت کسی قوم کو نہ ہوگی۔ لایدان لا حد بقتالھم اور قرآن شریف میں پیشگوئی تھی کہ وہ سب بلندیوں سے نکل پڑیں گے وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ (96:21) جہاد بالسیف یوں گیا۔ اور جہاد بالقرآن کو چھوڑ کر وہ خود تزکیہ نفس کے دوسرے طریقے، جن کو تصوف نے راوج دیا تھا، اختیار کر چکے تھے۔ یوں جہاد

بالقرآن کا خیال بھی ان کے دِلوں سے نکل گیا۔ اس سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ شروع شروع میں جب حضرت مرزا صاحب نے جہاد بالقرآن یا تبلیغ اسلام کے کام کو شروع کیا تو جو شخص تبلیغ اسلام کا کام کرتا تھا اسے احمدی کہا جاتا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد بالقرآن کے خیال سے مسلمان کس قدر دور نکل گئے تھے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ دنیا میں کہیں کہیں مسلمان تبلیغ کا کام بھی کرتے تھے مگر یہ بھی ایک عادت کے ماتحت تھا۔ یہ خیال، کہ جہاد بالقرآن سے ہی اسلام زندہ ہوسکتا ہے، قریباً قریباً مفقود تھا۔

جہاد کے بغیر قوم کی زندگی نہیں: آپ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ تصوف، جس کا مسلمانوں میں بہت چرچا ہے، ہماری جماعت میں مفقود ہے۔ میں اس کا علاج آپ کو کیا بتاؤں؟ میں تو خدا سے دعا کرتا ہوں کہ یہ تصوف مسلمانوں میں بھی مفقود ہوجائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ والا تصوف پیدا ہوجائے، جنہوں نے اس گر کو سمجھ لیا تھا کہ جہاد کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی!

مسیح موعود کا بتایا ہوا وظیفہ: حضرت مولوی نورالدین صاحب نے جب حضرت مسیح موعود کی نئی نئی بیعت کی تو آپ سے عرض کیا کہ کوئی ایسا وظیفہ بتایئے جس سے تزکیہ نفس اور اطمینان قلب حاصل ہو۔ تو آپ نے فرمایا عیسائیت کے بالمقابل ایک کتاب لکھو۔ آپ نے وہ کتاب لکھی اور پھر اسی طرح دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ آریہ سماج کے بالمقابل ایک کتاب لکھو۔ یہ اپنی قوم کی رہنمائی کی تھی کہ اب اوراد وظائف والے تصوف کا زمانہ گیا۔ اور جہاد بالقرآن سے تزکیہ نفس کا زمانہ آگیا ہے۔

ترک دنیا اور اسلام: آپ نے لکھا ہے کہ آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہوجاؤں۔ غور کیجئے کہ تعلیم اسلام سے یہ کس قدر دور بات ہے۔ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دنیا کو چھوڑ دیا تھا۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کبھی آپ نے پڑھے۔ صحابہ کرامؓ کے حالات پڑھیئے۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ کے حالات آپ نے پڑھے۔ کیا ان کے حالات مین آج کل کے پیروں کی زندگی کی کوئی جھلک آپ کو نظر آتی ہے۔ آخر آپ کس کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو پڑھیئے۔ صحابہ کرام کے حالات کا مطالعہ کیجئے۔ اور اپنی زندگی میں وہ کیفیت پیدا کرنے کی کوششیں کریں۔

اطمینان قلب کا حقیقی ذریعہ: اطمینان قلب کے لئے تو ایک نماز کافی ہے۔ جسے پانچ وقت اَلْحَمْدُ

لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (1:1) بار بار کہہ کر اطمینان قلب نہیں ملتا، اسے کوئی تصوف اطمینان نہیں دے سکتا۔ باقی اپنا فرض اپنی ڈیوٹی سمجھ کر کام کریں۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ آپ خدا کے دین کی خدمت کے کام کو خوش دلی سے کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔ اگر آپ کو خدمت دین میں لذت نہیں آتی تو یقین جانیے کہ ابھی آپ اس مقام سے دور پڑے ہیں۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ آپ اور زیادہ قوت سے خدمت دین کے کام میں لگ جائیں۔ جیسا کہ ہمارے حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ ؏ از دعا کن چارۂ آزارِ انکارِ دعا

خدمت دین میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو لذت آتی تھی۔ آپ کے صحابہ کو لذت آتی تھی۔ آئمہ کبار کو لذت آتی تھی۔ حضرت مسیح موعود کو لذت آتی تھی۔ اور جسے اس کام میں لذت نہیں آتی وہ ابھی پوری قوت کے ساتھ اس کام میں نہیں لگا۔ اسے ضرورت ہے کہ پہلے سے دو چند سہ چند قوت سے اس کام کو کرلے۔ کسی کو ولی بنانا یا مستجاب الدعوات بنانا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ زبان میں تاثیر پیدا کرنا خدا کا کام ہے۔

بندے کا کام مزدور بننا ہے: بندے کا کام یہ ہے کہ وہ خدمت دین میں لگا رہے۔ اپنے آپ کو ایک ادنیٰ چاکر سمجھے۔ ہمارے حضرت صاحب نے ایک دفعہ کہا تھا کہ خدا کے دین کو پھیلانے کا جوش مجھ میں اس قدر ہے کہ اگر مجھے یہ آواز بھی آجائے کہ خدمت دین کی وجہ سے تمہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا تو میں اس کام کو ترک نہیں کرسکتا۔ آپ کس خیال کے پیچھے لگے ہیں کہ خدمت دین میں لذت نہیں آتی۔ اس لئے کسی پیر کا دامن پکڑنا چاہئے۔ ان تمام خیالات کو دل سے نکال دیجئے کہ آپ نے ولی بننا ہے یا مستجاب الدعوات بننا ہے۔ اور اس خیال کو دل میں مضبوط کیجئے کہ آپ نے اسلام کا مزدو ربننا ہے۔ اسلام کا سپاہی بننا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کی آج ضرورت ہے۔ جس نے اسے نہیں سمجھا اس نے حضرت مجدد کے پیغام کو بھی نہیں سمجھا۔ آپ ہمیں ان مریدیوں سے آزاد کرنے آئے تھے۔ جن میں آج کل کے اہل تصوف نے مسلمانوں کو غرق کر رکھا ہے۔ اسلام کو آج ولیوں کی اتنی ضرورت نہیں جتنی سپاہیوں اور مزدوروں کی ضرورت ہے۔ ہاں جس طرح اسلام نے پہلے اُمیوں کو صاحب حکمت اور سپاہیوں کو ولی بنادیا وہ آج بھی مزدوروں اور سپاہیوں کو ولی بنا سکتا ہے۔

حقیقی لذت کے ملنے کا ذریعہ جہاد ہے: بہرحال اپنے قدم کو لغزش سے بچائیں۔ لذت اور اطمینان ایسے الفاظ ہیں جن سے انسان کو دھوکہ بھی لگتا ہے۔ ایک بت پرست کو بت کی پرستش میں بھی لذت آجاتی ہے۔ ایک گائے پرست کو گائے کی پرستش میں لذت آجاتی ہے۔ ایک مسیح پرست کو مسیح کی پرستش میں لذت آجاتی ہے۔ بسا اوقات لذت محض ایک سراب کی طرح ہوتی ہے۔ وہ حقیقی لذت جس سے اطمینان قلب میسر آتا ہے وہ سخت جہاد کے بعد ملتی ہے۔ لہٰذا ہمیں سارے خیالات کو چھوڑ کر اس جہاد کے پیچھے لگنا چاہئے۔ یہ درست ہوگا جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ اگر آپ کسی کام کے لئے بہت زور لگاتے ہیں تو وہ ہوتا نہیں اور اگر خاموش بیٹھ رہیں تو ہو جاتا ہے۔ مگر آپ کے دو چار اُمور کے تجربہ سے خدا کا قانون باطل نہیں ہوسکتا۔ **وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی** (39:53)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلو: میں پھر یہی کہوں گا کہ آپ غور کریں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو کر خدا میں دھیان لگا کر بیٹھ رہا کرتے تھے؟ یا دن رات جدوجہد میں لگے رہتے تھے۔ آپ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں یا اپنے خیالات کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔

شیطان کا دھوکا: اور یہ بھی شیطان کا ایک دھوکا ہے تاکہ خدا کی بتائی ہوئی راہ سے ہٹاوے۔ شیطان ایسی باریک راہوں سے آتا ہے کہ انسان سمجھ نہیں سکتا۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ کو آواز آئی کہ اے عبدالقادر! اب تم اس مقام قرب پر پہنچ گئے ہو کہ نماز، روزہ وغیرہ تکلفات کی ضرورت نہیں رہی، تو آپ نے کہا۔ اے شیطان! میں تجھے پہچانتا ہوں۔ جس بات کی ضرورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی میں اس سے آزاد نہیں ہوسکتا۔ والسلام۔ محمد علی

احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

❁❁❁

26 ستمبر 1931ء

برلن مسجد کی مرمت

غریب کا ایثار اور امیر سے اپیل!

حضرت امیر ایدہ اللہ کی طرف سے

اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے ڈاکٹر کے اے خاں کو۔ برلن مسجد کی مرمت مالی مشکلات کی وجہ سے ایک سے دوسرے اور دوسرے سال سے تیسرے سال پر ملتوی ہوتی چلی آتی تھی۔ چند ہی روز کا ذکر ہے کہ اخبار میں ایک نہایت ہی دردانگیز خط شائع ہوا تھا کہ مرمت نہ ہونے کی وجہ سے برلن مسجد کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر کے اے خاں نے جو مالی لحاظ سے جماعت کے غرباء میں سے ہیں مگر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لحاظ سے امراء میں سے ہیں۔ ایک ہی قدم میں اس مشکل کو حل کر دیا۔ یعنی نصف خرچ مرمت کا اپنے ذمہ لے لیا۔ اور باقی نصف کے لئے جماعت کے دیگر بزرگان کو اپیل کی ہے۔ جماعت میں خدا کے فضل سے وہ بزرگ موجود ہیں جنہوں نے، ایک ایک آدمی نے ہزار ہا روپوں کے خرچ سے ایک ایک مسجد اپنی جگہ پر بنوا دی ہے۔ کیا ان امراء میں کوئی ایسا صاحب دل نہیں کہ برلن مسجد کی حالت پر، جو تثلیث کے مرکز میں توحید کا نشان ہے، اس کے دل میں درد پیدا ہو اور وہ نصف خرچ کو فوراً پورا کر دے۔ کوئی بڑی رقم نہیں۔ کل خرچ مرمت ایک سو پونڈ کا اندازہ ہے۔ نصف خرچ پچاس پونڈ کی رقم ہے۔ اگر ایک غریب کے دل میں اس قدر جوش پیدا ہوتا ہے کہ وہ نصف خرچہ ادا کرے تو کیا کسی امیر کے دل میں یہ جوش پیدا نہ ہوگا؟ مگر آدمی ایک ہی چاہئے جو یہ کام کر دے۔ اور اس کے لئے میں صدا بلند کرتا رہوں گا۔ جب تک کہ کوئی لبیک کہنے والا کھڑا ہو۔

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

16 اکتوبر 1931ء

خدمت دین میں ہمارا حصہ

احمدی خواتین کے لئے قابل توجہ اور مفید باتیں

بیگم صاحبہ حضرت مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور

سلسلہ احمدیہ کے قیام کی غرض: یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ سلسلہ احمدیہ کے قیام کی غرض وغایت کیا تھی کسی نئے فرقہ کی بنیاد رکھنی یا پیری مریدی کا کوئی نیا سلسلہ چلانا نہ تھا۔ بلکہ صرف اشاعت اسلام اور اصلاح مسلمین۔ خدا کا مامور آیا اس نے ایک فوج تیار کی۔ جو خدا کے دین کے لئے ہر دم سینہ سپر رہے۔ اسی مقصد کو مدنظر رکھ کر اس فوج کے ہر سپاہی سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ مَیں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا یا کروں گی۔

ہر احمدی کا نصب العین: یہی نصب العین ہے جو ہر احمدی کے ہر وقت سامنے رہتا ہے یا رہنا چاہئے۔ ملازمت میں، بیکاری میں، کام کاج میں، کھیل کود میں، جلسوں پارٹیوں میں، تنہائی کے لمحوں میں، شادی میں، غمی میں، سفر میں، حضر میں، تنگی میں، فراخی میں، خانہ داری کی مصروفیتوں میں فرصت کے اوقات میں، مصیبت میں، راحت میں، تندرستی میں، بیماری میں، جوانی میں، بڑھاپے میں، غرض کہ ہر حالت میں ہر احمدی مرد اور عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنے عہد کو نہ بھولے۔ اور دنیاوی کشمکش میں بھی خدا کی خوشنودی حاصل کرتا رہے۔ اور یہی وہ امتیاز ہے جو حضرت مسیح موعود نے اس جماعت میں پیدا کرنا چاہا۔

نفس کا محاسبہ: مگر نفس سرکش ہر دم غفلت کی گہرائی میں دھکیلتا ہے۔ اس لئے اس کا کبھی کبھی محاسبہ کرتے رہنا چاہئے کہ اس سال ہم نے اپنے عہد کو پورا کرنے کے لئے کیا کوشش کی ہے۔ تین سو ساٹھ دنوں کے کتنے دن یا گھنٹے ہم نے خدا کے لئے صرف کئے اور ان ہزار ہا نعمتوں میں سے، جو اس نے ہمیں عطا کیں، کس قدر ہم نے ضائع کر دیں اور کتنی دوسری دنیا کے لئے جمع کیں۔ تا کہ آئندہ سال اپنی غفلت کی تلافی کر سکیں۔

مرد و عورت کا جداگانہ طریق عمل: جس طرح خدا کی نعمتوں میں مرد عورت برابر کے شریک ہیں اسی طرح باز پرس بھی دونوں سے یکساں ہوگی۔ ہندوستانی مسلمانوں کی پست حالت نے مرد عورت کی

زندگی میں وسیع خلیج حائل کر دی ہے۔ مرد ایک علیحدہ دنیا میں رہتا ہے۔ عورت ایک اور ہی عالم میں عمر بسر کرتی ہے۔ مرد کچھ سوچتا ہے، عورت کسی دوسری ادھیڑ بن میں لگی رہتی ہے۔ مرد کی منزل مقصود کچھ ہوتی ہے۔ عورت کی اس کے برعکس کچھ اور۔ اس لئے باوجود میاں بیوی ہونے اور ایک گھر میں رہنے کے پھر بھی دونوں کی راہ عمل جدا جدا ہوتی ہے۔

آغاز اسلام میں اشتراک عمل: مگر آغاز اسلام میں یہ حالت نہ تھی۔ اس وقت اگر مردوں نے اسلام کی خاطر مصیبتیں جھیلیں، دُکھ اُٹھائے تو عورتوں نے بھی اُٹھائے۔ مردوں نے دین پر سے جانیں قربان کیں تو عورتوں نے بھی کیں۔ مردوں نے خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا تو عورتوں نے بھی کیا۔ مردوں نے گھر بار چھوڑ کر ہجرت اختیار کی تو عورتوں نے بھی کی۔ مردوں نے قرآن وحدیث کے درس دیئے تو عورتوں نے بھی دیئے۔ غرض کوئی پہلو بھی ایسا نہ تھا جس میں مرد عورت کا اشتراکِ عمل نہ ہو۔

اسلام اور عورت: یہ سب کیوں تھا؟ کیا اس وقت عورتوں کے لئے کالج اور درس گاہیں تھیں جنہوں نے ان میں بیداری پیدا کر دی تھی یا جب عورتوں کے ذمہ بچوں کا پالنا اور گھر کا کام کاج نہ تھا۔ اس لئے وہ آزادی سے ہر کام میں حصہ لیتی تھیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا باعث وہ اعلیٰ درجہ کی ذہنیت تھی جو اسلام نے عرب کے جاہل وحشی بدوؤں میں پیدا کر دی تھی۔ کہ عورت بھی ذی روح چیز ہے۔ اس سے بھی نیک و بداعمال سرزد ہوتے ہیں۔ وہ بھی یہ حق رکھتی ہے کہ آخرت کے لئے کچھ توشہ جمع کرے اور دنیا میں بھی اس کا اثر قوم پر نہایت گہرا پڑتا ہے۔ گویا یہ زندگی ایک گاڑی ہے اور مرد عورت اس کے دو پہیے ہیں۔ اور دونوں کو اس گاڑی کے کھینچنے میں یکساں کوشش کرنی چاہئے۔ تاکہ آسانی سے منزل مقصود پر پہنچ سکیں۔

عورت کی ممتاز حیثیت دنیاءِ اسلام میں: اور یہ مدد صرف اتنی ہی نہیں کہ مرد کما کر لائے اور عورت پکا کر کھلائے۔ بلکہ وہ اپنے شوہر کی مشیر ہے۔ وہ آئندہ نسل کی ماں ہے۔ قوم کے بچوں کی تربیت اس پر منحصر ہے۔ اور سب سے بڑھ کر وہ دختر اسلام ہے۔ کچھ مذہب کے فرائض بھی اس پر عائد ہیں۔ اسلام نے عورت کو جو حقوق عطا کئے ہیں اور اس کی ہستی کو تسلیم کیا ہے۔ اس کی بناء پر ہر دختر اسلام فخر سے سر اُٹھا کر کہہ سکتی ہے کہ وہ دنیائے اسلام میں سب سے ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ موجودہ حالت میں سر جھکانا پڑتا ہے۔

مجدد وقت کے بعد: مگر اس خیال سے دل کو تسلی تھی کہ مسلمان قوم ہی پستی میں پڑی ہے۔ اور اسلامی

شعار سے بیگانہ ہے تو مرد و عورت سب پر گردش ہے۔ مگر آج حالت برعکس ہے۔ خدا نے اپنی سنت کے مطابق صدی کے سر پر مجدد کو بھیجا جس نے آ کر سوتوں کو جگایا۔ اور خدمت دین وقوم کی تڑپ ان کے دل میں پیدا کر دی۔ تو اس وقت میں یہ سوال کرنے کا حق رکھتی ہوں کہ کیا عورتیں بھی اس بیداری میں مردوں کے شریک ہیں۔ کیا وہ بھی قوم کی ترقی میں حصہ لے رہی ہیں؟ صاف نظر آ رہا ہے کہ اگرچہ زمانے کی مار نے مسلمانوں کو مجبور کیا ہے کہ وہ عورتوں کو بھی تعلیم دلائیں۔ مگر دین رخصت ہو رہا ہے۔

موجودہ تعلیم اور احمدی قوم: سرکاری سکولوں میں دینی تعلیم کا انتظام نہیں۔ خود مسلمانوں میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ اپنے بچوں بچیوں کے لئے سکول کھولیں۔ گھروں سے اسلامی روایات رخصت ہو رہی ہیں۔ اب بچے دین سیکھیں تو کہاں سے۔ اور یہی وجہ ہے کہ موجودہ تعلیم قوم و مذہب کے لئے اتنی مفید ثابت نہیں ہو رہی جتنی ہونی چاہئے تھی۔ اس وقت احمدی جماعت صحیح اسلامی تعلیم پر کاربن ہونے کی مدعی ہے۔ اور تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دے رہی ہے۔ تو ان کو اس پہلو پر بھی خاص توجہ کرنی چاہئے تا کہ وہ مسلمانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ بنیں۔ اسلام کے احکام اور قرون اولیٰ کا نمونہ ان کے سامنے ہے۔ وہی جذبہ وہی تڑپ اپنی بچیوں اور بیوی میں بھی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ان کی تھوڑی سی توجہ سے گھر میں دین کا چرچا پیدا ہو سکتا ہے۔

ہر احمدی خاتون کا فرض: ہر احمدی خاتون کے دل میں یہ تڑپ ہونی چاہئے کہ اپنے مال میں سے پس انداز کر کے خدا کی راہ میں خرچ کرے اور کچھ عملی کام بھی کرے۔ اسی لئے دستکاری فنڈ کی تحریک جاری ہے۔ تا کہ سب بہنیں اور بچیاں اپنے ہاتھوں سے کشیدہ وغیرہ کر کے اپنی خالص محنت سے خدمت دین کی سعادت حاصل کر لیں اور ان کو یہ احساس ہو کہ ہم بھی قومی خدمت میں حصہ لے رہی ہیں۔ سال میں ایک دفعہ یہ ایک معمولی سی مدد ہے۔ جو بغیر کسی تکلیف یا دقت کے ہم کر سکتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اپنی جماعت میں سے کوئی بہن بھی اس سعادت سے محروم نہ رہیں گی۔ قطرہ قطرہ سے تالاب بھر جاتا ہے۔ سب بہنیں اپنے فرض کو پہچانیں تو وہ ایک بیش قرار مدد دے سکتی ہیں۔ اور ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ خدمت دین میں ہمارا حصہ ہے۔

سعادت علی خاں صاحب سعادت لے گئے!: ایک اور غریب کا ایثار!! میں نے پچھلے پرچہ میں

جرمن مسجد کے پچیس پونڈ کے لئے اپیل کی تھی۔ اس اخبار کو پڑھتے ہی ہمارے رامپور کے دوست منشی سعادت علی خاں صاحب نے مجھے اطلاع دی ہے کہ علاوہ ایک حصہ سوا سو روپے فک مکان برلن کے برلن مسجد کی مرمت کے لئے پچیس پونڈ وہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بڑی بڑی رحمتیں نازل فرمائے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ آج برلن مسجد کی مرمت کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے بے فکر کر دیا۔ یہ سعادت یو پی کے دو دوستوں اور بمبئی کے ایک مخیّر انسان کے حصہ میں ہی آئی۔ مجھے اُمید ہے کہ ہمارے قابل احترام دوست ڈاکٹر کے اے خاں کی اپیل کے بقیہ حصے یعنی فک مکان برلن کے حصے کو پنجاب کے دوست پورا کر دیں گے۔ بات تو صرف دل کی ہے۔ یہ دونوں بزرگ یعنی ڈاکٹر کے اے خاں اور منشی سعادت علی خاں امراء کے طبقہ میں سے نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قدر توفیق عطا فرمائی کہ جس بات پر جماعت کے امراء خاموش رہے وہ کام اللہ تعالیٰ نے ان سے کرا دیا۔ خدا کے فضل سے جماعت میں وہ بزرگ موجود ہیں جن میں سے ایک آدمی ہی فک مکان کے اسّی حصے مجوزہ ڈاکٹر کے اے خاں لے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے گا ہماری اس مشکل کو بھی حل کر دے گا۔ محمد علی

مولانا محمد یعقوب خان صاحب کشمیر میں: مسلمانوں کی طرف سے گرم جوشانہ خیر مقدم۔ قارئین کرام کے لئے یہ سننا باعث مسرت ہوگا کہ مولانا محمد یعقوب خان صاحب ایڈیٹر ''لائٹ'' 14 اکتوبر 1931ء کو کشمیر کمیٹی کی طرف سے سرینگر تشریف لے گئے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کے جو مطالبات ہز ہائنس مہاراجہ صاحب کی خدمت میں پیش ہونے والے ہیں، ان میں حصہ لے سکیں۔ سرینگر پہنچنے کے بعد مولانا ممدوح نے حسب ذیل تار ارسال فرمایا ہے:

> ''سرینگر 16 اکتوبر 1931ء۔ پبلک کی طرف سے نہایت گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ حکومت نے اپنا مہمان بنانا چاہا لیکن ہم نے پبلک کی مہمانی قبول کی۔ مطالبات دوشنبہ کو پیش ہوں گے۔''

قارئین کرام سے استدعا ہے کہ کشمیر کے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے لئے درد دل سے دعا کریں کہ ان کے مطالبات کے پورا ہونے میں کوئی دقت حائل نہ ہو۔ ایڈیٹر

۞۞۞

19 اکتوبر 1931ء

اداریہ

تصوف اور جہاد بالقرآن

ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ

تصوف اور اسلام کے عنوان سے حضرت امیر ایدہ اللہ کا ایک مکتوب پیغام صلح کی 3 ستمبر کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنے مؤقر جریدہ ''سچ'' میں اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے (امیر جماعت احمدیہ لاہور) اپنی متانت تحریر کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔ان کے قلم کی ہر ہر سطر غور توجہ و وقعت سے پڑھی جانے کی مستحق ہوتی ہے۔''

لیکن ساتھ ہی ہمارے معزز معاصر کو، مکتوب مذکور کے اس تحتی عنوان سے کہ ''مسلمانوں کو جہاد بالقرآن کی ضرورت ہے نہ کہ تصوف کی'' اور اصل مکتوب کے بعض ان فقرات سے جن میں تصوف اور جہاد بالقرآن کا مقابلہ کیا گیا ہے، اختلاف ہے۔ چنانچہ سوال کیا ہے کہ:

''تصوف اور جہاد بالقرآن میں تضاد اور اختلاف کیسا! خدمت قرآنی تو عین تصوف اور جان سلوک ہے۔اکابر صوفیہ کی تصریحات کثرت سے موجود ہیں۔جس نے اللہ کے کلام کو پس پشت ڈال کر اللہ تک پہنچنے کا وعدہ کیا وہ وہ صوفی نہیں۔ بہروپیا ہے اور بھیڑ کے لباس میں بھیڑیئے کس گروہ میں نہیں ہوتے۔''

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''اعراس (واحد عرس۔مرتب) مروجہ کو تصوف کا لازمی جزو قرار دینا بھی صاحب مکتوب سے عجیب ہے۔جن بدعات سے محققین صوفیہ خود تنگ ہوں، انہیں ان کی جانب منسوب کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ علیٰ ہذا ''گوشہ نشینی'' بھی مقاصد تصوف میں داخل نہیں۔''

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ ہمارے معزز معاصر کو ''تصوف اور جہاد بالقرآن'' کے الفاظ کے محل استعمال سے غلطی لگی ہے۔ ورنہ جس تصوف کی تردید حضرت امیر ایدہ اللہ نے کی ہے، وہ ''اکابر صوفیہ'' کا تصوف نہیں۔ جس کو ''خدمت قرآنی'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ بلکہ وہ فی الحقیقت انہی لوگوں کا تصوف ہے'' جو اللہ کے کلام کو پس پشت ڈال کر اللہ تک پہنچنے کا دعویٰ کرتے ''بہروپیا'' اور بھیڑ کے لباس میں ''بھیڑیئے بنے'' ہوئے ہیں۔

حضرت امیر نے مکتوب مذکور کے کسی فقرہ میں ''اعراس مروجہ'' کو تصوف کا لازمی جزو قرار نہیں دیا۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں ''تصوف'' ان بدعات ہی کا نام ہے، جن سے محققین صوفیہ خود تنگ ہیں، اس لئے آپ نے جہاد بالقرآن اور تصوف کو دو مقابل کی چیزیں قرار دیا۔ تصوف کا لفظ، اگر غور کر کے دیکھا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی ایجاد ہے۔ جس کو مرور زمانہ نے ایسا مفہوم دے دیا ہے جو ''جہاد بالقرآن'' کے مفہوم کے قطعی منافی ہے۔ اس لئے اس کی بجائے جہاد بالقرآن کے الفاظ زیادہ موزوں اور زیادہ موثر ہو سکتے ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ان الفاظ پر زور دیا جائے اور مسلمانوں کو ''تصوف'' کے بجائے ''جہاد بالقرآن'' کی دعوت دی جائے تو بہت بڑے فوائد کا موجب ہو سکتا ہے۔

5 نومبر 1931ء

مکتوب امیر

جہاد کا اعلان

خدا کے لئے دس دن کا مطالبہ

ذیل کا مکتوب حضرت امیر ایدہ اللہ کی طرف سے احباب جماعت کو فرداً فرداً بھیجا گیا ہے۔ مکرر یاددہانی اور ایسے احباب کی اطلاع کے لئے جن تک ابھی یہ آواز نہیں پہنچی اسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے اس چٹھی میں جس درددل کے ساتھ احباب کو اس دینی جہاد کی طرف بلایا ہے جو ہماری قوم کی اہم ترین ضروریات میں سے ہے اس پر احباب کرام کی خاص توجہ درکار ہے۔ اور ہمیں اُمید ہے کہ آپ کی اس آواز کا نہایت حوصلہ افزاء جواب دیا جائے گا۔ احباب کرام کے ان خطوط کو جو اس کے جواب میں موصول ہوں ہم اطلاع کے لئے اخبار میں درج کرنے کی کوشش کریں گے۔ مدیر

برادر مکرم و معظم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اس دفعہ سالانہ جلسہ پر انجمن کی مالی مشکلات کے ساتھ جماعت کے سامنے اس بات کو بھی رکھا گیا تھا کہ اراضی اوکاڑہ کی وجہ سے انجمن کو کثیر خرچ کا سامنا درپیش ہے۔ جس کا اندازہ بیس ہزار روپیہ کیا گیا تھا۔ یعنی وہ ابتدائی اخراجات جو زمین پر کرنے پڑیں گے قبل اس کے کہ اس کی آمد شروع ہو اس میں قریباً نو ہزار روپیہ ابتدائی قسط کا تھا اور کچھ خرچ پولیس ومقدمات کا، جو حفاظت اور قبضہ لینے کے لئے ضروری تھا اور باقی زمین کے اور انجمن کے مستقل اخراجات تھے۔ سوآخر ستمبر تک وہ بیس ہزار روپیہ قریباً خرچ ہو چکا۔ مگر اس کے علاوہ ابھی ایک غیر معمولی خرچ انجن وغیرہ کی قیمت کا باقی ہے جو شاید چار پانچ ہزار روپے ہوگا۔

اراضی اوکاڑہ کا غیر معمولی خرچ: یوں کل غیر معمولی خرچ اراضی پر اس سال میں قریباً 25 ہزار روپیہ ہے۔ جس میں سے پانچ ہزار روپے کی رقم بہت جلد ادا کرنی ضروری ہے۔ اس خرچ کو پورا کرنے کے

لئے جماعت سے جو اپیل کی گئی تھی وہ چند خاص احباب کے نام، جن میں امراء بھی شامل تھے اور غرباء بھی، ایک ایک ہزار اور پانچ پانچ سو روپے کی رقوم تھیں۔ جن کی میزان سولہ سترہ ہزار تک پہنچی تھی۔ اور اس کے علاوہ ساری جماعت سے دس یوم کی آمد مانگی گئی تھی۔ مگر ہمارے بھائیوں نے یہاں تک غفلت سے کام لیا ہے کہ اس وقت 25 ہزار روپے کے زائد خرچ کے مقابل، جو اراضی پر انجمن کو کرنا پڑا، صرف قریباً دس ہزار روپے اس تحریک میں وصول ہوئے ہیں اور باقی پندرہ ہزار کے زائد خرچ نے جس کے کرنے سے چارہ نہ تھا، انجمن کو سخت مالی مشکلات میں ڈالا ہوا ہے۔

عام اقتصادی حالات: اس وقت ملک میں کچھ عام حالات ایسے پیش آ گئے ہیں کہ جن انجمنوں کو خاص مزید اخراجات کا سامنا نہیں، انہیں بھی اس وقت خاص تحریکات سے کام لینا پڑا ہے۔ ہمارے قادیانی احباب سے سال گذشتہ بھی علاوہ ان کے ایک آنہ فی روپیہ ماہوار چندوں کے خاص فوری امداد مانگی گئی تھی۔ اور اس سال پھر علاوہ ماہوار چندوں کے فی کس ایک ماہ کی آمد طلب کی گئی ہے۔ اس کے بالمقابل ہماری انجمن نے اپنے معمولی اخراجات کو تو بہت کم کیا۔ تا کہ احباب پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔ اور صرف زمین کے غیر معمولی خرچ کے لئے، جو ایک ایسی مجبوری تھی جس سے چارہ نہ تھا، خاص تحریک کرنی پڑی ہے۔ اور وہ بھی صرف دس یوم کی آمدنی کے لئے۔ مگر ان احباب کی بے توجہی پر افسوس ہے جو انجمن کی ان مشکلات کو دیکھ کر اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ قومی استحکام کی کس قدر مضبوط بنیاد خدا کے فضل سے رکھی گئی ہے۔ دفتر کی یاد دہانیوں کو خاموشی سے ٹال دیتے ہیں اور یا معمولی سا عذر کر دیتے ہیں۔ گویا یہ ایک معمولی سی بات ہے دیا تو کیا اور نہ دیا تو کیا۔ ہم احمدی تو ہیں ہی اور ماہوار چندہ بھی کچھ دیتے ہیں۔

ہمارا جہاد: میں آپ پر اس بات کی اہمیت کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ہمارا جہاد ہی ہے جس کی طرف میں نے آپ کو بلایا ہے۔ ہماری قوم کی بنیاد ہی جہاد پر رکھی گئی ہے۔ مگر یہ جہاد جانی قربانیوں کو اس قدر نہیں مانگتا جس قدر مالی قربانیوں کو مانگتا ہے۔ سچ تو یہی ہے کہ جس شخص کے دل میں خدا کی راہ میں مال دینے کی تڑپ بلکہ اس سے بڑھ کر جان دینے کی تیاری نہیں، اس کا ایمان بہت کمزور ہے۔ جب ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تڑپ یہ ہو کہ آپ کو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے۔ پھر زندہ کیا جائے، پھر

قتل کیا جائے پھر زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے پھر زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے **لوددت ان اقتل في سبيل الله ثم احي ثم اقتل ثم احي ثم اقتل** تو کون شخص، جس کے دل میں یہ آرزو نہیں، آپ کا سچا متبع کہلا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبع وہی ہوں گے جن کے دِلوں میں وہی تڑپ ہو جو آپ کے دل میں تھی۔ کیونکہ پیروی تو درحقیقت قلب کا فعل ہے۔ جب ہمارے دل میں وہ خواہش پیدا نہیں ہوتی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تھی تو اتباع کہاں ہے؟ کیا یہ بات کسی کی آنکھوں سے مخفی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو مومن کہلانے کے وہی لوگ حق دار تھے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر دشمن کے سامنے اپنی جانیں پیش کر دیتے تھے۔ اور گردنیں کٹواتے تھے۔ یہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع تھے۔ اور جو ایسا کرنے کے لئے تیار نہ تھے ان کا نام قرآن کریم نے منافق رکھا ہے۔ جو لوگ قرآن کریم کے نکتوں پر شیدا ہیں وہ خدا کے لئے اس نکتہ پر غور کریں!

خدا کے راستہ میں جان دینے کی تڑپ: تو آج اگر ہمیں یہ موقعہ نہیں ملتا کہ ہم اپنی جانیں اپنے رسولؐ پر فدا کریں تو کم سے کم یہ تڑپ تو دل میں ہونی چاہئے کہ ہماری جان خدا کی راہ میں جائے۔ حضرت مسیح موعود کی جب پنڈت لیکھ رام کے قتل کے سلسلہ میں تلاشی ہوئی تو پولیس کو آپ کی ایک تحریر ہاتھ لگی تھی جس میں اس حدیث کا ذکر اور اس بات کا ذکر تھا کہ آپ کے دل میں بھی یہی خدا کی راہ میں قتل کیا جانے کی تڑپ ہے۔ آپ نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں فدا کر کے اپنی زندگی کو خدا کے دین کی خدمات کے لئے وقف کر کے اپنی جائداد اور اپنے مال کو غربت کے زمانہ میں اس راہ میں لگا کر بتا دیا کہ واقعی یہی آپ کے دل کی تڑپ تھی۔ تو اگر آپ نے اس زمانہ میں مجدد کے دامن سے وابستہ ہو کر اس تڑپ کو اپنے اندر نہیں لیا تو باتیں کر لینے سے کچھ فائدہ نہیں!

مال دینے میں گھبراہٹ کیوں؟: ہاں جس شخص کے دل میں یہ تڑپ ہوگی۔ اسے اپنا مال بھی خدا کی راہ میں دینے میں کوئی گھبراہٹ پیدا نہیں ہوگی۔ اس سے جب خدا کے دین کی خدمت کے لئے خدا کی راہ میں جہاد کے لئے اپنے رسول کی عزت کی حفاظت کے لئے اپنے امام کے کام کو زندہ رکھنے کے لئے

کچھ مانگا جائے گا تو وہ بیٹھ کر روئے گا نہیں۔ کہ ہائے ہم سے ماہوار چندے بھی لئے جاتے ہیں۔ اور پھر وقتی چندے بھی لئے جاتے ہیں۔ بلکہ خوش ہوگا کہ خدا نے اسے ایک اور موقعہ اپنے دین کی خدمت کا دیا۔ جب کسی کا کاروبار بگڑ رہا ہو۔ تو اپنی جائداد بیچ کر بھی اس کو درست نہیں کرتا؟ پھر کیا دین کے بگڑے ہوئے کاروبار کو درست کرنے کے لئے اس کی جیب میں پیسے نہیں رہتے۔ کسی کا بچہ بیمار ہو تو کیا یہ گھبراہٹ ہوتی ہے کہ ہائے اب ہمارے اتنے روپے خرچ ہو جائیں گے۔ یا اس وقت قرض لے کر بھی انسان اس کے علاج میں لگ جاتا ہے۔

مال کے غلام: کیا دین حق کی بیماری اور بے کسی پر ہی اسے ترس نہیں آتا۔ اور اس کو مصیبت سے باہر نکالنے کے لئے ہی اس کا ہاتھ اپنے جمع شدہ مال میں سے کچھ دینے کو نہیں اُٹھتا۔ یا اپنی ضروریات کو کم کر کے بلکہ اپنے اوپر تنگی وارد کر کے وہ دین کی مصیبت کو دور کرنے کے لئے قدم اُٹھانا پسند نہیں کرتا؟ خدا کی راہ میں جو شخص اپنا ہاتھ روکتا ہے وہ شاید اپنے آپ کو اپنے مال کا مالک سمجھتا ہو۔ مگر وہ یاد رکھے کہ خدا نے اسے مال کا امین قرار دیا ہے۔ اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے رکنا اس امانت میں خیانت ہے۔ مال کا مالک وہ ہے جو اسے خدا کی راہ میں خرچ کر سکتا ہے۔ اور جو نہیں کر سکتا وہ مال کا مالک نہیں بلکہ اس کا غلام ہے۔

امیر کا انکار: میں نے ایک سخت قومی ضرورت کے موقعہ پر نہایت خطرناک حالت سے قوم کو نکالنے کے لئے آپ سے اپیل کی۔ یہ ہماری قوم کا جہاد ہے۔ جو اس جہاد میں امیر کا ساتھ نہیں دیتا وہ حدیث مَنْ عَصَى الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِىْ کا مصداق ہے۔ میں نے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جس میں پہلے قدم نہیں اُٹھایا اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو شامل نہیں کیا۔ اپنے عزیز ترین دوستوں کو شامل نہیں کیا۔ ناواجب بوجھ کسی پر نہیں ڈالا۔ بلکہ عموماً صرف دس یوم کی آمد مانگی۔ سوائے دو قسم کے۔ لوگوں کے اول جن کو خدا نے دل بہت وسیع دیئے ہیں۔ دوسرے جن کو خدا نے مال سے وافر حصہ دیا ہے۔

دس دن کا مطالبہ: میرا فرض ہے کہ جب تک اس قوم کی قیادت میرے ہاتھ میں ہے، اس کو نقصان کے موقعوں سے بچاؤں۔ قوم کو مصیبت سے نکالنے کے لئے یا قوم کو زندہ رکھنے کے لئے۔ ہاں اس قوم کو جو اس وقت اسلام کی زندگی کا موجب ہو رہی ہے، آپ سے دس دس دن مانگے ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ

سب احباب جو جماعت لاہور سے تعلق رکھتے ہیں گذشتہ غفلت پر افسوس کرتے ہوئے اپنا حصہ فوراً تکلیف اُٹھا کر قرض لے کر جس طرح بھی ہو دے دیں گے۔ اور مجھے پھر کہنے کی ضرورت نہ ہو گی۔

ڈاکٹر کے اے خاں کی تحریک: مجھے ڈاکٹر کے اے خاں کی تحریک پر نہایت خوشی ہوئی ہے۔ جو اُنہوں نے برلن مسجد کے فک کرانے کے لئے کی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ جس درددل سے اُنہوں نے اس تحریک کو پیش کیا ہے اور سب سے پہلے خود نہ صرف ایک وافر رقم سے حصہ لیا ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ ایک کثیر رقم برلن مسجد کی مرمت کے لئے بھی دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان کا یہ درددل اور یہ عمل میں سبقت اس تحریک کو کامیاب کرے گی۔ اور سب سے پہلے میں نے خود اس تحریک پر لبیک کہا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ کسی کام کو ادھورا کرنے سے جماعت کو بہت نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے میں پہلے سال گذشتہ کی تحریک پر اپنا پورا زور صرف کروں گا۔ مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ جب انجمن کی مشکلات کی یہ حالت ہے تو ایسا نہ ہو کہ برلن مسجد کے فک کے رقم اور ضروریات پر خرچ ہو جائے۔ اس لئے سب سے پہلے انجمن کی ان مالی مشکلات کو رفع کرنا ہے۔ اور مجھے اُمید ہے کہ اس جہاد میں شامل ہونے سے کوئی دوست، جس نے اس سلسلہ میں شمولیت اختیار کی ہے، انکار نہ کرے گا۔

دعا: اور میں اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ جو لوگ اس جہاد پر شامل ہو کر قوم کی قوت کا موجب بنیں اللہ تعالیٰ ان کے اموال میں اور ان کے سارے کاموں میں بڑی بڑی برکات عطا فرمائے۔ اور جس طرح وہ اسلام کی مصیبت کے دور کرنے میں ساعی ہوں اللہ تعالیٰ ان کے مصائب کو دور فرمائے اور ان کی تکلیف کے وقت ان کا حافظ و ناصر ہو۔ والسلام۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

7 دسمبر 1931ء

پیغام حضرت امیر

جہاد فی اللہ کا ایک سہل راستہ!

عملاً ہمارے ساتھ کون ہے؟

برادران مکرم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔

میں نے آپ سب کو دفتر کی معرفت چٹھیاں بھجوائی ہیں ۔ جن میں چند اُمور کی طرف آپ کو توجہ دلائی ہے ۔ میں بذریعہ اخبار بھی اس بات کو دہرانا چاہتا ہوں کہ آپ کو اس موقعہ پر اپنے زندہ اور منظّم قوم ہونے کا ثبوت دینا چاہیئے ۔ اور اس بات کا ثبوت دینا چاہیئے کہ ایک مسلم کی ہمت کے سامنے سب مشکلات ہیچ ہو جاتی ہیں ۔ میں آپ کو پھر کہنا چاہتا ہوں کہ عملاً ہمارے ساتھ وہی شخص ہے جو آواز پہنچنے پر اُٹھ کر کام میں لگ جاتا ہے ۔ اس لئے میں اپنے ایک ایک دوست تک اس بات کو پہنچانا چاہتا ہوں کہ اُنہوں نے اگر اب تک اس کام کو شروع نہیں کیا تو وہ اب فوراً کام میں لگ جائیں ۔ اور جلسہ کو کامیاب بنانے اور اپنی قوم کو مشکلات سے نکالنے کے لئے ہر ممکن کوشش سے کام لیں ۔ اگر دل میں ایک کام کے لئے آمادگی موجود ہو تو انسان اس کو ایک طرح نہیں تو دوسری طرح پورا کر سکتا ہے ۔ ہمارے ایک نہایت مکرم دوست اور سلسلہ کے پرانے مخلص اور بڑے بھاری معاون ہیں ۔ انہی مذکورہ خطوط میں ان کے نام بھی خط گیا تھا کہ آپ اپنے شہر سے ایک سو روپیہ جمع کر کے لائیں ۔ وہ اپنی عمر اور بعض اور وجوہ کی بناء پر اس قابل نہ تھے کہ پھر کر چندہ کر سکتے ۔ اُنہوں نے فوراً ایک سو روپیہ اپنی جیب سے بھیج دیا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ یہ ان کے اپنے چندوں کے علاوہ ہوگا ۔ اور دس یوم کی آمد کی تحریک میں بھی وہ حصہ لیں گے ۔ یہ کام کرنے کی روح ہے ۔ وہ شے ہے جو مطلوب ہے ۔ اور جو عند اللہ قابل قدر ہے ۔ بعض احباب نے اس مستقل فنڈ کی طرف توجہ دلائے جانے پر فروری سے سارا حساب کر کے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پچھلا چندہ بھیج دیا ۔ یہ دل ہے جس کے جماعت میں پیدا ہونے کی ضرورت ہے ۔ مجھے بڑی خوشی اس بات سے ہے کہ یہ سب کچھ محض اِبۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ (265:2) ہے ۔ پیری مریدی کے سلسلہ میں تو اکثر لوگ پیر کو خوش کرنے کے لئے بہت کچھ کر گذرتے ہیں ۔ مگر ہماری جماعت کے نظام کا مرکز اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے ۔ تو میں احباب کو پھر ان اُمور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں ۔

اول: یہ کہ ہر ایک دوست خواہ اسے دفتر کی طرف سے چٹھی پہنچی ہے یا نہیں۔ کچھ نہ کچھ رقم اور کم از کم دس روپے سالانہ جلسہ پر دوسروں سے چندہ جمع کر کے لائیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو لوگ اسے سوال کی حیثیت دیتے ہیں اور اس لئے اس کام سے گھبراتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ سوال تو اپنی ذات کے لئے ہوتا ہے۔ دینی اور قومی کاموں کے لئے مانگنا فی الحقیقت امر بالمعروف ہے۔ ہمارا کام صرف توجہ دلانا ہے کہ اشاعت اور خدمت دین کا یہ نیک کام ہو رہا ہے۔ یہ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس میں شامل ہو۔ تھوڑے سے ہو یا بہت سے۔ اگر جس کو کہا جائے وہ اس نیکی کے کام میں شامل نہیں ہوتا تو اس سے امر بالمعروف کرنے والے کا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ سب دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ اس امر بالمعروف کے کام میں لگ جائیں۔ اور اپنی قوم کی قوت کا موجب بنیں۔ مَنْ جَدَّ وَجَدَ جو کوشش کرتا ہے پالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (69:29) جو شخص اس میں لگ جائے گا اللہ تعالیٰ اسے کامیاب بھی کرے گا۔

دوم: اور مستقل فنڈ کی طرف بھی کئی بار توجہ دلائی گئی ہے۔ جن لوگوں نے اس ہلکی سی خدمت کی طرف توجہ نہیں کی اور خدا کے لئے ایک ایسے کام کا کرنا بھی پسند نہیں کیا جس میں ان کو کچھ محنت کرنی پڑتی تھی اُنہوں نے بڑی غفلت کی ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ وہ اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا چندہ فروری سے اب تک کا یکمشت ادا کریں۔ اور آئندہ ماہ بھی ادا کرنے کا انتظام کریں۔ جماعتوں کے سیکرٹری صاحبان اس ایک آنہ کا اضافہ سب چندوں میں کر کے پہلے چندہ سے ایک آنہ زیادہ وصول کریں۔ یہ قوم کو ترقی دینے کی ایک نہایت سہل ترکیب ہے۔ اور اگر ہمارے احباب کوشش کرتے تو وہ اپنی جماعت سے ہی نہیں باہر سے بھی ایک آنہ کی بہت سی رقوم ماہوار وصول کر سکتے تھے۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ہمارے احباب جماعت کو ترقی دینے کی اس قسم کی سہل تجاویز سوچیں اور جلسہ سالانہ پر ایسی باتوں کو جماعت کے سامنے بھی کانفرنس میں پیش کریں۔ سوم: چندوں کے بقائے بھی سالانہ جلسہ تک وصول ہو جانے چاہئیں۔ چہارم: خواتین اپنی دستکاری سے قومی فنڈ کو مضبوط کریں اور اپنے ہاتھ سے خدا اور اس کے رسول کے کام کرنے کی راحت قلبی حاصل کریں۔ دستکاری کی چیزیں 15 دسمبر تک پہنچ جانی چاہئیں۔ والسلام محمد علی

❁❁❁

11 دسمبر 1931ء

خواتین کا جذبہ ٔخلوص وایثار

بیگم صاحبہ حضرت امیر ایدہ اللہ کا مکتوب گرامی

اخبار پیغام صلح اور خطوط کے ذریعہ اطلاع دی جا چکی ہے کہ دستکاری 15 دسمبر تک پہنچ جانی چاہئے۔ گذشتہ سال بھی نمائش کے بعد تک دستکاری آتی رہیں۔ اس لئے بہنیں خاص طور پر توجہ کریں اور جلد از جلد اشیاء ارسال فرمائیں۔ جن بہنوں کی اشیاء آرہی ہیں۔ ان میں سے بعض بہنوں کے خلوص نے میرے دل پر بے حد اثر کیا۔ چونکہ اُن سے اجازت نہیں لی۔ اس لئے بغیر ناموں کا اظہار کئے چند اقتباس درج کرتی ہوں۔ ایک بہن جالندھر سے تحریر فرماتی ہیں: ''دستکاری ارسال ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میں کوئی خاص امداد جلسے کو کامیاب بنانے میں دوں۔ جس میں مجھے کافی محنت اور تکلیف اُٹھانی پڑے۔ مہربانی فرما کر کوئی کام ضرور میرے ذمہ ڈالیں۔ اور کاپیاں بھی ارسال کریں تا کہ میں باہر سے چندہ جمع کر کے لاؤں۔

ایک اور بہن (جو چند ماہ ہوئے جوان بیوہ ہوگئیں) لکھتی ہیں۔'' آپ نے اس دفعہ مجھے دستکاری کے لئے نہیں لکھا۔ شاید میری موجودہ مصیبت سے رُک گئیں۔ آہ! آپ کو کیا علم کہ اب خدا کے کام ہی سے میرے دل کو راحت ملتی ہے۔ اس لئے نہایت محبت سے یہ اشیاء بنا کر بھیجتی ہوں۔'' ایک بہن جو جماعت میں شامل نہیں لکھتی ہیں'' کہ اشاعت اسلام کے لئے دستکاری ارسال ہے۔ میرا بچہ بیمار رہتا ہے۔ اس کی صحت کے لئے دعا کریں'' ایک اور بہن تحریر فرماتی ہیں'' کہ خرابیٔ صحت کی وجہ سے خدمت دین میں اس قدر حصہ نہیں لے سکتی جس قدر کہ میرا دل چاہتا ہے۔ تاہم خدا کی شکر گزار ہوں کہ اُس نے مجھے اس قدر زندگی دی کہ اس سال بھی حسب وعدہ مندرجہ ذیل اشیاء بھیج رہی ہوں۔'' یہ خط بطور نمونہ نقل کئے ہیں۔ وہ بہنیں جن کو خدا نے آسودگی اور صحت عطا کی ہے، کیا وہ اس کے شکریے میں کچھ خدا کے لئے بھی کرنے کو تیار ہیں۔ دولت، صحت سب فانی چیزیں ہیں۔ ان میں مبتلا ہو کر ابدی زندگی کو نہیں بھولنا چاہئے۔ اس دنیا کا آرام وآسائش چندروزہ ہے۔ ہمیشہ کی رہائش کا فکر کیجئے۔ دین کے لئے آپ کا تھوڑا سا ایثار آپ کو ابدی راحت کا مالک بنا دے گا۔

11 دسمبر 1931ء

حضرت امیر کے قلم سے

ہمارا سالانہ جلسہ

خواتین جماعت کا فرض

عرب جاہلیت میں عورت سے سلوک: امام راغبؒ نے لَا تَقْتُلُوْآ اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ (151:6) کی تفسیر میں لکھا ہے **قیل ان ذٰلک نھی عن شغل الاولاد بمایصدھم عن العلم** یعنی اس کے معنے یوں بھی کئے گئے ہیں کہ قتل اولاد سے مراد ان کو علم سے محروم رکھنا ہے۔ اور اسی سے یہاں منع کیا ہے۔ عرب میں ایام جاہلیت میں بڑے بڑے لوگوں کے دِلوں میں عورت کے لئے جھوٹی غیرت اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ وہ لڑکی کو زندہ درگور کرتے تھے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی جیتی جاگتی اولاد کو گڑھے میں دھکیل کر مٹی ڈال دیتے تھے۔ اور ان کے دِلوں میں رحم کا جذبہ جھوٹی غیرت کے بہانے بالکل مردہ ہو جاتا تھا۔

موجودہ مسلمانوں کا عملی سلوک: آج بھی عملاً مسلمانوں میں عورتوں سے یہی سلوک ہو رہا ہے اور غیرت کا تقاضہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ جہالت کے گڑھے میں دفن ہوئی رہیں۔ اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، دین کی ضروریات، دین کے مصائب کا ان کو علم تک نہ ہو۔ اور نہ وہ کسی دینی یا قومی کام میں حصہ لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیویاں تو مسجدوں میں نمازیں شامل ہوں، مجالس وعظ میں جائیں، جنگوں میں شامل ہوں، زخمیوں کی مرہم پٹی اور خبر گیری کریں، ضرورت ہو تو دشمن کا مقابلہ بھی کر لیں۔ مگر آج ہماری غیرت اس قدر ترقی کر گئی ہے کہ ہماری مستورات کے لئے یہ تمام امور معیوب ہو گئے ہیں۔ یہ بات غور طلب ہے کہ ہم کس کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اور کیا آج عملاً ہم اپنی عورتوں کو زندہ درگور نہیں کر رہے؟ جس کے متعلق کل کو ہم سے باز پرس بھی ہوگی۔ وَاِذَالْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ . بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (81:8-9)

احمدیت جہاد بالقرآن کا دوسرا نام ہے: احمدیت کیا ہے؟ یہ جہاد بالقرآن کا دوسرا نام ہے۔ جو

اسلام کا اصل جہاد ہے۔ بیشک جہاد بالسیف کی بھی کبھی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ مگر جہاد بالقرآن کا حکم ہر وقت ہے۔ اور ہر حالت میں ہر مسلمان کے لئے ہے۔ مرد ہو یا عورت، ہماری جماعت کی بنیاد ہی اس جہاد بالقرآن پر ہے۔ اور ہمارا دن رات کا یہی کام ہے۔

مستورات کی جہاد سے محرومی: مگر ہمارے بہت سے احباب نے اپنی مستورات کو اس جہاد سے محروم رکھا ہوا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری اپنی قوت اس دینی جہاد میں نصف نہیں چوتھائی سے بھی کم رہ گئی ہے۔ جب تک یہ جہاد کا خیال ہماری مستورات میں نہ پہنچے۔ ان کے دِلوں میں احساس پیدا نہ ہو۔ ہمارے گھروں میں اس کا چرچا نہ ہو۔ ہماری اولاد بھی یقیناً اس احساس سے دور پڑی رہے گی۔ اور یوں ہم عورتوں کو اس جہاد میں شمولیت سے محروم کر کے اپنی آدھی قوت کو ہی ضائع نہیں کر رہے بلکہ اس کے ساتھ ہی اپنی اولاد کے قلوب میں بھی اس احساس کو پیدا ہونے سے روک رہے ہیں۔ اور ہماری قومی قوت بالکل بیکار ہوئی جارہی ہیں۔ میں اپنے ان احباب کو، جو اس فرض سے اب تک غافل ہیں، صاف صاف کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک وہ احمدیت کو اپنے گھروں میں داخل نہیں کرتے، اپنی مستورات کو اس میں حصہ دار نہیں بناتے، مجھے ڈر ہے کہ ان کے جنازوں کے ساتھ ہی ان کے گھروں سے احمدیت کا جنازہ بھی نکل جائے گا۔ ہماری جماعت کا صدر مقام لاہور ہے۔ اور خدا کے فضل سے یہاں کی مستورات میں یہ بیداری پیدا ہورہی ہے۔ مجھے بعض دوستوں پر تعجب آتا ہے کہ انہیں جب کچھ کام کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ یہ عذر کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے ہیں کہ احمدیت کی بڑی مخالفت ہے۔ لوگوں کی مالی حالت بہت بُری ہے۔ کوئی اشاعت اسلام کی تحریک میں حصہ نہیں لیتا۔ کیا کریں۔ یہ صرف گھر میں بیٹھ رہنے کے عذرات ہیں۔ قاعدین کو ہمیشہ ایسے عذرات مل ہی جاتے ہیں۔ جو کام کرنے کا عزم کرلیں ان کے سامنے سے کل مشکلات خود ہی ہٹتی چلی جاتی ہیں۔

مستورات کی ہمت: میں نے جب جماعت سے پندرہ ہزار روپے کا مطالبہ کیا تو صرف لاہور کے ذمہ پانچ ہزار روپے ڈالا۔ اور مجھے اُمید ہے کہ میں لاہور سے اس رقم کو پورا کرلوں گا۔ اس پانچ ہزار میں سے جماعت لاہور کی خواتین کے ذمہ میں نے 750 روپے ڈالے۔ اور یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ میں نے باہر کی کسی سالم جماعت کے ذمہ بھی اتنی رقم ڈالنے کی جرأت نہیں کی۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ ہماری باہمت خواتین اس

طرح پر مصروف کار ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ دوسروں سے بھی پہلے اپنے حصہ کو پورا کر لیں گی۔ اُنہوں نے اس اصول کو سمجھ لیا ہے کہ یہ ایک جہاد ہے جس میں ان کا حصہ لینا ضروری ہے۔ اور وہ اس جہاد میں شب و روز مصروف ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان میں سے بہت سی خواتین ایسی ہیں کہ وہ مردوں کے دوش بدوش چلتی ہیں۔ ماہوار چندے بھی دیتی ہیں۔ جلسہ سالانہ میں چندے دیتی ہیں اور کوئی دینی ضرورت پیش آجائے تو اس میں بھی حصہ لیتی ہیں۔ اور مردوں سے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے کچھ بنا کر دستکاری کے رنگ میں بھی خدمت کا کام کرتی ہیں۔ سالانہ جلسہ پر باہر سے آئی ہوئی مہمان خواتین کی بھی خدمت کرتی ہیں۔ مستورات کے جلسہ کا انتظام بھی کرتی ہیں۔ اور باایں آج کل سالانہ جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے بھی چندہ جمع کرنے میں پوری تگ و دو کر رہی ہیں۔ اور اس جدوجہد سے کام میں لگی ہوئی ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنے والے مردوں کے لئے شرم کا مقام ہے۔

بیرونی بہنیں کیوں خاموش ہیں: لیکن میں اپنے بیرونی احباب سے اور باہر کی بہنوں سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ساری قوم کے کسی تحریک میں حصہ لئے بغیر قوم کامیاب ہو سکتی ہے؟ وہ کیوں خاموش ہیں؟ اگر ان کی لاہور کی بہنیں ماہوار چندے بھی دے سکتی ہیں۔ دوسروں سے بھی کچھ جمع کر کے لا سکتی ہیں۔ تو وہ کیوں یہ سب کچھ نہیں کر سکتیں۔ بات یہ ہے کہ وہ بھی سب کچھ کر سکتی ہیں مگر ان کو یہ موقع نہیں ملتا کہ وہ ان ضروریات دینی سے واقف ہوں۔ اسلام کے مصائب کا نقشہ کھینچنے والا ان کے سامنے کوئی نہیں۔ ان کو بتانے والا کوئی نہیں کہ آج وہ بھی تھوڑا سا ہاتھ ہلا کر یا تھوڑی سی حرکت کر کے قیامت کے دن سرخرو ہو سکتی ہیں۔ انہی اغراض کے لئے سالانہ جلسہ ہوتا ہے۔ جو کل قوم کا اجتماع ہے جس سے کام کرنے والوں کے دِلوں میں ایک نیا جوش اور نیا ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ ایک نئی روح ساتھ لے کر یہاں سے جاتے ہیں۔

مردوں کے چھوٹے چھوٹے عذرات: مگر افسوس کہ اس سالانہ جلسے کی اہمیت کو ہمارے بعض دوستوں نے بھی اب تک نہیں سمجھا۔ کچھ تو ایسے ہیں جو ادھورے دل سے ایک آدھ دن کے لئے آ جاتے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں جو چھوٹے چھوٹے عذرات کو ہمالیہ پہاڑ کے برابر روک بتا کر گھر میں بیٹھ رہتے ہیں۔ کون سفر کی تکلیف برداشت کرے۔ مگر یاد رکھئے کہ اس تکلیف کے برداشت نہ کرنے میں ہی قوم

کی موت ہے۔اور اگر زندگی چاہتے ہیں تو وہ ان تکالیف کو برداشت کئے بغیر نہ مل سکے گی۔اگر آپ کی ہمت چھوٹے چھوٹے عذرات پر غالب نہیں آسکتی۔تو یاد رکھئے کہ کم ہمتی اور زندگی اور کم ہمتی اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔

جلسہ سالانہ کی تکلیف: میں آپ کو یہ وعدہ نہیں دے سکتا کہ یہاں آپ کو تکلیف نہیں ہوگی۔تکلیف اُٹھانے کے لئے ہی دعوت دیتا ہوں۔اور صرف آپ کو ہی دعوت نہیں دیتا بلکہ آپ کے گھروں میں جو مستورات ہیں ان کو بھی دعوت دیتا ہوں۔وہ یہاں آئیں تو ان کو کچھ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خبر ملے۔کچھ دین کی ضروریات کا علم ہو۔کچھ دین کے مصائب کا اندازہ کر سکیں۔کچھ احساس ان کے دِلوں میں خدمت دین کے لئے پیدا ہو۔اور ان سب باتوں میں ان کا ہی بھلا نہیں آپ کا بھی بھلا ہے۔کیونکہ صرف اسی طرح وہ آپ کی سچی رفیق زندگی بن سکتی ہیں۔آپ کی اولاد کا بھی بھلا ہے۔جس کے بھلے کے لئے آپ ہر ایک قربانی کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ان تمام فوائد کے مقابل پر ایک تھوڑی سی سفر کی تکلیف کو اور تھوڑے سے خرچ کو زیادہ اہمیت نہ دیں۔کیا برادری کی ضروریات کے لئے شادی اور مرگ کے لئے آپ کی مستورات دور دور کے سفر اختیار نہیں کرتیں۔جب اپنی دنیوی ضروریات کے لئے سب کچھ ہوتا ہے تو دینی ضروریات کے لئے آپ کے سامنے کیوں رکاوٹوں کے پہاڑ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں!

ایک ستر سالہ بزرگ کی قوت ایمانی: ایک ستر سالہ بزرگ جو حالت آسودگی میں بڑے کھلے دل سے خدمات دینی کرتے رہے ہیں۔ان کا مجھے کل ہی خط ملا ہے۔کہ ان کا ارادہ برلن مسجد میں حصہ لینے کا تھا۔مگر ایک مقدمہ میں جو ان کے خلاف تھا بہت سے روپے کا بوجھ ان پر پڑ گیا۔مگر معاً یہ خیال دل میں آیا کہ اپنی دنیوی ضرورت کے لئے تو میں نے قرضہ کا انتظام بھی کر لیا۔دینی ضروری کے لئے کیوں قرضہ نہیں لے سکتا۔اللہ تعالیٰ ان کو بہت بہت جزائے خیر دے۔یہ وہ ایمانی قوت ہے جس کی آج ضرورت ہے۔اسی دل کو ساتھ لے کر آئیں اور جہاں تک ممکن ہو مستورات کو بھی ساتھ لائیں۔

میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جو اصحاب مستورات کے ساتھ آئیں وہ اگر 23 دسمبر کی شام تک یہاں پہنچ جائیں تو انہیں خود بھی آرام رہے گا۔اور مستورات 24 دسمبر کے جلسۂ مستورات میں بھی شامل

ہو سکیں گی۔ مگر ایسے تمام اصحاب کو چاہئے کہ فوراً اس کی اطلاع افسر جلسہ کو یہاں دیں۔ تا کہ ہر قسم کا ضروری انتظام ہو سکے۔ محمد علی

احباب اور جماعتوں کی خاص توجہ کے قابل: میں سب احباب کو یہ توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت انجمن سخت مالی مشکلات میں سے گزر رہی ہے۔ جو خدا چاہے گا تو جلد دور ہو جائیں گی۔ مگر اس وقت جبکہ سالانہ جلسہ آ رہا ہے۔ اس کے لئے مزید اخراجات کی ضرورت ہے۔ اس لئے جملہ انجمنیں اور احباب دو باتوں کو نہ بھولیں۔

اول۔ یہ کہ سالانہ جلسہ کے خرچ کے لئے جس رقم یا فنڈ کے متعلق ان کو دفتر سے اطلاع پہنچی ہے۔ اسے فوراً روانہ کر دیں۔ تا کہ ضروریات مہیا کی جا سکیں۔ جہاں انجمنیں ہیں ان کے سیکرٹری صاحبان فوراً سب ممبروں سے روپیہ جمع کر کے 15 دسمبر سے پیشتر دفتر محاسب انجمن میں پہنچا دینے کی کوشش کریں۔ جہاں انجمنیں نہیں، دو دو یا تین تین یا اکیلے اکیلے احباب ہیں، وہ اکیلے اکیلے یا جمع کر کے اسی طرح اپنا چندہ 15 دسمبر تک پہنچا دیں۔ دو چار آنے فیس منی آرڈر کا خیال نہ کریں۔ بلکہ اس بات کا خیال کریں کہ انجمن مہمانداری کا مناسب انتظام اسی صورت میں کر سکتی ہے کہ اس کے پاس اس خرچ کے لئے روپیہ پہنچ جائے۔ میں دیہاتی جماعتوں کو بالخصوص متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ان اخراجات میں کم حصہ لیتی ہیں۔ حالانکہ اگر وہ نقد نہ دے سکیں تو بصورت جنس ہی جو چیز ہو بھیج دیں۔ ان کی وہی مدد کافی ہو گی۔

دوم۔ ماہ نومبر کا چندہ جو دسمبر میں انجمن میں پہنچنا چاہئے اس کا بھیجنا اس خیال سے ملتوی نہ کریں کہ جلسہ سالانہ پر یہ رقم ادا کر دی جائے گی۔ تھوڑی سی لاپروائی کر کے بہت سے احباب انجمن کی مالی مشکلات میں اضافہ کرنے کا موجب ہوتے ہیں۔ سوائے اس چندے کے جس کے متعلق علیحدہ تحریک کی گئی ہے کہ جلسہ سالانہ پر سب احباب جمع کر کے لائیں۔ باقی ہر قسم کے چندے اور زکوٰۃ کا روپیہ جس قدر جلد ممکن ہو وصول کر کے بذریعہ منی آرڈر محاسب کو بھیج دیا جائے۔ صرف وہ رقوم جو تحریک عام کے ماتحت جرمن مشن کے لئے دوسرے برادران اسلام سے جمع کرنی ہیں ایام جلسہ تک ہر جگہ جمع ہوتی رہیں اور جلسہ پر بھیج دی جائیں۔ محمد علی

۞ ۞ ۞

15 دسمبر 1931ء

پیغام حضرت امیر

جلسہ سالانہ کے پانچ ضروری کام

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

اس وقت جب آپ جلسہ سالانہ پر آنے کے لئے تیاری میں مصروف ہوں گے۔ میں بھی آپ کو چند اُمور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ تاکہ آپ صحیح معنے میں تیار ہو کر آئیں۔ آج چالیس سال گزرتے ہیں کہ ہماری قوم خدا کے دین کی خدمت کے لئے اُٹھی اور ایسے حالات میں اُٹھی کہ اعدائے اسلام کا مقابلہ گھر کے مقابلہ کے سامنے ہیچ معلوم ہوتا تھا۔ حضرت مسیح موعود نے مسلمانوں کو اعدائے اسلام کے مقابلہ کے لئے بلایا۔ مگر علماء نے اُلٹا آپ کے کام میں طرح طرح کی رُکاوٹیں پیدا کیں اور مسلمانوں کے دلوں کو طرح طرح کی بدگمانیوں سے بھر دیا۔ ابتداء میں تو شاید ایک حد تک بعض لوگ معذور بھی ہوں۔ مگر آج باوجود اس امر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے کہ کس طرح اس چھوٹی سی جماعت نے ہر قسم کی مخالفت کے باوجود خدمت اسلام کے کام میں قدم بڑھایا ہے۔ کس طرح خدا کے کلام کو دنیا میں پھیلایا ہے۔ کس طرح دین اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر قسم کے حملوں میں سینہ سپر ہو رہی ہے۔ کس طرح اپنی ساری طاقت کو اور اپنے اموال کو خدا اور اس کے رسول کے نام پر قربان کیا ہے۔ بعض کوتہ اندیش اس کی مخالفت کے درپے ہیں۔ ان ایام میں بالخصوص یہ طوفان مخالفت پھر خاص طور پر جوش میں آیا ہے۔ مگر میں آپ کو یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ اس جماعت نے ہمیشہ اسی وقت ترقی کی ہے جب عاقبت نااندیشوں نے اس کو برباد کرنے کی ٹھانی ہے۔ کاش وہ دیکھتے کہ ان کی چالیس سال کی کوششیں کچھ نہ کر سکیں تو اب بھی ان کو چھوڑ دیں۔ جب خدا کے فضل سے یہ جماعت بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً (15:46) کی مصداق ہو چکی ہے۔ غور کرتے کہ جب حضرت مرزا صاحب اکیلے تھے اور مخالفت کا طوفان اپنے پورے زوروں پر تھا، اس وقت بھی یہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا اس طوفان میں سلامت ہی نہیں رہا بلکہ بڑھتا چلا گیا ہے۔ یہاں تک کہ آج اس کے ثمرات سے ایک دنیا فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ لیکن جن کی آنکھوں پر خدا پردہ ڈال دے، اسے کون اُٹھا سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد

خدمت اسلام کے سوا اور کچھ نہیں۔ جس طرح چاہو اپنا اطمینان کرلو۔ وہ کہتے ہیں ہم تمہیں تباہ کر کے چھوڑیں گے تو ہمارا ایسے وقت میں کیا طریق ہونا چاہئے۔ وہ ہمارے بھائی ہیں، مسلمان ہیں۔ گو بھولے ہوئے ہیں، اس لئے ہمارا کام یہی ہے کہ ان کو بُرا کہنے کی بجائے ان کی غلط فہمیوں کو دور کریں۔ ان کی بدگمانیوں کا ازالہ کریں۔ اور درد دل سے ان کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اس حق کو دیکھنے کی توفیق دے۔ تا کہ ہم سب مل کر خدمت اسلام کے کام کو دُگنی نہیں ہزار گنی قوت سے کر سکیں اور اگر آج ہمارے چار مشن تبلیغ اسلام کے لئے مرکز عیسائیت میں ہیں تو کل کو چار ہزار ہو جائیں۔ اور اگر آج ہم نے چند ہزار اچھوتوں کو داخل اسلام کیا ہے تو کل کو یہ چند کروڑ بن جائیں۔ مگر یہ نتائج دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی جدوجہد کو بڑھائیں۔ میں نے تو خوب غور کیا ہے۔ ہماری مالی تکلیف اور مخالفت کی تکلیف کی ایک ہی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ ہمارے قدم کا سُست ہو جانا ہے۔ اور یہ جو کچھ ہوا ہے۔ یہ محض ہمارے جگانے کا سامان ہے۔

اگر ہم کو یہ سمجھ آجائے کہ ہمارا قدم کس طرح سُست ہو گیا ہے۔ اگر ہمارے اندر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ خدا کے دین کی خدمت کا جو حق تھا وہ ہم سے ادا نہیں ہوا۔ اگر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا وہ مرتبہ ہم کو مل جائے جس کے متعلق خدا فرماتا ہے **وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ** (165:2) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوتا ہے **لايؤمن احدكم حتّٰى اكون احب اليه من والده و ولده والنّاس اجمعين** اگر ہمارے دِلوں میں دنیا کے مال کی، دنیا کی عزت کی محبت کچھ کم ہو کر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کچھ بڑھ جائے۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ کسی راہ میں بھی دیوانگی کے بغیر کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ضرورت ہے کہ ہم دیوانہ وار خدمت دین میں لگ جائیں اور یہ سمجھ لیں کہ یہ مصائب اور یہ مخالفت ہماری بہتری کا سامان ہے۔ ہماری ترقی کی اصلی راہ ہے۔ سو میں اس جلسہ کی تیاری کے موقعہ پر اپنے احباب کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ان کے اس قومی اجتماع کے متعلق، جس میں شمولیت محض حصول رضائے الٰہی کے لئے ہے، نہ اس میں کوئی دنیوی غرض ہے، نہ کسی انسان کو خوش کرنے کی خواہش ہے، آپ سب کے کچھ فرائض ہیں:

اول۔ ہمارے احباب کا ایک حصہ جلسہ میں شمولیت کے معاملہ میں سُست ہے۔ اور اس قومی اجتماع کو، جو قوم کو زندہ رکھنے کا اور گونا گوں روحانی برکات کا موجب ہے، وہ اہمیت نہیں دیتا جس کا یہ مستحق ہے۔ بے شک سردی کے موسم میں باہر نکلنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ سفر بھی آسان نہیں۔ خرچ بھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ مگر جماعت کی قوت اور استحکام کے لئے ان سب چیزوں کو برداشت کرنا چاہئے۔ تو میں ان احباب سے جو عموماً شامل ہو جاتے ہیں یہ چاہتا ہوں کہ وہ پہلی کوشش تو یہ کریں کہ اپنے سُست بھائیوں کو بھی اُٹھائیں اور ان کو اپنے ساتھ لائیں۔ جماعت کے ایک حصہ کا اس طرح غافل پڑا رہنا جماعت کے لئے بہت نقصان کا موجب ہو رہا ہے۔ جہاں پر جماعتیں ہیں وہاں کے احباب سے یہ درخواست ہے کہ وہ اس جمعہ میں اس امر پر خاص طور پر زور دیں اور ان احباب کو ساتھ لانے کی کوشش کریں۔ اور جہاں ایک ایک دو دو احباب ہیں وہ خود ہی میری اس عرضداشت پر توجہ فرمائیں۔

دوم۔ ہمارے نوجوانوں کے ایک حصہ میں تبلیغ دین کے جوش کی کمی ہے۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انہیں کامل طور پر جماعت اور اس کے لٹریچر سے مس نہیں۔ سالانہ جلسہ میں ان کی شمولیت اس نقص کو دور کرنے میں بہت حد تک معاون ہوگی۔ اس لئے جملہ احباب ایسے نوجوانوں کو جو سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں جلسہ پر ضرور ساتھ لائیں۔ تا کہ ان میں خدمت دین کی روح پیدا ہو اور وہ زہریلی ہوا جو آج کالجوں اسکولوں کے نوجوانوں کے ایمان کو برباد کرتی ہے۔ اس کے مسموم اثر سے ہمارے نوجوان بچے رہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود کی تعلیم میں اور جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں یورپ کی زہریلی مادی ہوا کا واحد علاج ہے۔ اگر آج آپ اپنے بچوں کی حالت کی طرف توجہ کر کے ان میں سچے جذبات پیدا نہیں کرتے تو آپ کو خود افسوس کرنا پڑے گا۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو مستورات کو بھی جلسہ میں شامل کرنا چاہئے۔ اس کے متعلق میں پہلے علیحدہ بھی لکھ چکا ہوں۔

سوم۔ ایک بڑی بھاری غفلت جو جماعت میں عام پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے احباب غیر از جماعت احباب کو ساتھ لانے کے لئے پوری توجہ نہیں کرتے۔ انشاء اللہ پروگرام سب احباب کو

چار پانچ دِن کے اندر پہنچا دیا جائے گا۔ اسے پڑھ کر شہر میں خصوصیت سے ایسے لوگوں کو پہنچانا چاہیئے جن سے توقع ہوسکتی ہے کہ وہ اس دینی مجمع میں شامل ہوں اور اس کے ساتھ ہی ہر ایک دوست کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ اپنے ساتھ کسی نہ کسی ایسے دوست کو لائیں جو سلسلہ میں شامل نہیں۔ کم سے کم یہ لوگ اپنی آنکھوں سے یہ تو دیکھ لیں کہ ہم کیا کچھ کررہے ہیں۔ اور کیا ہمارا کام خدمت اسلام کے سوا کچھ اور بھی انہیں معلوم ہوتا ہے۔ جماعت کی توسیع کے لئے اسے بہتر اور کوئی طریق نہیں۔

چہارم۔ اس امر کی طرف کہ ایک رقم ہر ایک درست یا جماعت کے ذمہ ڈالی گئی ہے۔ میں پھر آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ اس کو نہ بھولیں کہ یہ رقم لازماً آپ نے جمع کر کے دینی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر ہمارے کام میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ جن احباب کے نام کوئی خاص رقم معین نہیں کی گئی وہ اپنے آپ کو اس سے باہر نہ سمجھیں۔ کم سے کم دس روپے ہر دوست جمع کر کے ضرور لائے۔

پنجم۔ جلسہ کے لئے پورے تین دن فارغ کر کے آئیں۔ جمعہ کے دن تو اس کی ابتداء ہے جس طرح اس میں آپ کا شامل ہونا ضروری ہے اسی طرح آخری دن تک شامل رہنا ضروری ہے۔ مستورات کا جلسہ 24 کو ہوگا اس لئے وہ ایک دن پیشتر پہنچیں۔ والسلام۔ محمد علی

طلباء مسلم ہائی سکول کا جوش اسلامی: میرزا عزیز الرحمٰن صاحب سیکرٹری سٹاف ایسوسی ایشن مسلم ہائی سکول لاہور۔ مطلع فرماتے ہیں کہ: زیر صدارت سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں متعدد طلباء نے جوش اسلامی سے بھری ہوئی تقریریں کیں اور اشاعت اسلام کی ضرورت کا اعتراض کرتے ہوئے اس کے لئے پوری کوشش اور جدوجہد کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔

حافظ محمد رفیع جماعت ہفتم و حافظ غلام محی الدین جماعت ہفتم نے جلسہ کا افتتاح تلاوت قرآن مجید سے کیا۔ محمد سعید جماعت ششم نے ایک نعت پڑھی۔ اس کے بعد راجہ الہ یار خاں صاحب ٹیچر نے اپنے ایک نعتیہ کلام سے حاضرین کو محظوظ کیا۔ میاں بشیر احمد جماعت ہفتم نے اشاعت اسلام اور فراہمی چندہ پر تقریر کی اور بتایا کہ ہر فرزند اسلام کو جان و مال سے اسلام جیسے پاکیزہ مذہب کی اشاعت میں حصہ لینا چاہیئے۔ اور اس کا عملی ثبوت دیتے ہوئے اپنی بساط کے مطابق چار آنے چندہ اپنے جیب خرچ سے اسی وقت دیا۔ پھر قمر الاسلام جماعت ہشتم نے ایک مضمون میں جس کا عنوان تھا

''اسلام کی دنیا کو ضرورت اور اس کی اشاعت''اسلام کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے توحید، ضرورت نماز، اسلامی اخوت ومساوات وغیرہ پر مختصراً تبصرہ کیا۔ اور بتایا کہ جس طرح ایک سپاہی ہتھیاروں کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا، اسی طرح ایک تبلیغی انجمن کا بغیر سرمایہ کے زندہ رہنا یا عملی کام کرنا ناممکنات سے ہے۔ حبیب اللہ جماعت دہم نے اس کے بعد پُر زور الفاظ میں ایک پُر معنی تقریر کی۔ اور اس بات کا نہایت افسوس سے اظہار کیا کہ آج کل مسلمانوں کی حالت ایسی ہو چکی ہے کہ اگر قوم کے لئے کسی رہنما کی مثال بھی دینی ہو تو وہ بھی غیر مسلموں ہی سے دینی پڑتی ہے۔ اور بتایا کہ کوئی کام بغیر کوشش کے نہیں ہو سکتا۔ اگر آج ہم انجمن کو مالی مشکلات سے نکالنے کا عہد کر لیں تو ممکن نہیں کہ ایسا نہ کر سکیں۔ اس کے بعد حضرت امیر ایدہ اللہ نے طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے مسٹر حبیب اللہ کے الفاظ کی تائید کی اور فرمایا کہ جس قوم پر زوال آجائے بدقسمتی سے اس کا کوئی فرزند بھی مشعل ہدایت کا کام نہیں دے سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ گو آج کل ہماری حالت ایسی ہو چکی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی حالت ہمیشہ سے ایسی نہ تھی۔ ایک مٹھی بھر قوم نے دنیا کی کایا پلٹ دی۔ اور جس طرف اس کے افراد چلے گئے علم وعمل کا ایک سمندر اپنے ہمراہ لیتے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ جنگ بدر اور جنگ اُحد کے موقعوں پر بارہ بارہ اور تیرہ تیرہ سالہ بچوں نے وہ وہ کام کئے کہ تاریخ آج ان پر نازاں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نوعمر بچے اس بات پر اصرار کرتے تھے کہ انہیں جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دی جائے۔ وہ ایک دوسرے کو کشتی میں پچھاڑتے اور ایڑیاں اُٹھا اُٹھا کر اپنے قدموں کو اونچا کر کے دکھاتے تھے۔ اور یہ سب کچھ محض اُن کے جوش عمل اور شوق شہادت کا نتیجہ تھا۔

آپ نے حضرت محمد ابن قاسم فاتح ہند کی بینظیر شخصیت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ جب مسلمانوں کے کچھ جہازوں کو ہند کے باشندوں نے لوٹ لیا تو خلیفۃ المسلمین نے ہند پر ایک فوج بدلہ لینے کے لئے روانہ کی۔ اس جلیل القدر لیکن مختصر سی فوج کی عنان ایک نوعمر بچے کے سپرد کی۔ جس کی عمر بمشکل 16 یا 17 سال تھی۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ اس بچے نے یہاں آکر اسلامی اخلاق اور سرگرمی کے کیا کچھ جوہر دکھائے۔ پس اگر آپ بھی اپنی روایات قدیمہ کو زندہ کرنا چاہتے ہیں تو روحِ عمل پیدا کریں۔ قوم کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرنا سیکھیں۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو تکفیر نے بالکل تباہ کر دیا ہے۔ ان

کی قومیت اوراخوت کا خود مسلمانوں کے رہنماؤں نے خون کر دیا ہے۔ ہر وہ شخص جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتا ہے۔ وہ مسلمان ہے۔ اسلام اور اشاعت اسلام کی خاطر ہر فرد و بشر کو جو کلمہ پر ایمان رکھتا ہے پوری کوشش کرنی چاہئے کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا مقصد محض اشاعت اسلام ہے۔ اس کی نیک کام میں اعانت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت انجمن کے پروگرام کے دو نہایت اہم پہلو ہیں۔ ایک تو بلاد غیر میں تبلیغ اسلام اور دوسرے خود ہندوستان میں تبلیغ جس میں اچھوت اقوام بالخصوص پیش نظر ہیں۔ ہر مسلمان کو خواہ وہ بوڑھا ہو یا بچہ ہو اس کارِ خیر میں حصہ لینا چاہئے۔ ہر انسان اپنے افعال سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کسی نیک کام میں مصروف ہے تو آپ تمام حضرات کو چاہئے کہ وہ اس کام میں ہر طرح انجمن کی مدد کریں۔ کیونکہ یہ اُمت مسلمہ کا ایک نہایت ضروری اور اہم کام ہے۔

اس کے بعد صاحب صدر نے حضرت امیر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں یقین دلایا کہ سکول کے طلباء خدا کے فضل و کرم سے اسلامی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ان کے جذبات اور ان کے خیالات پاکیزہ ہیں۔ یہ طلباء ہر حالت میں انجمن کی خدمت بجا لانے کی کوشش کریں گے۔ آپ نے طلباء کو بھی نہایت موثر الفاظ میں ہدایت کی کہ حالاتِ حاظرہ کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے انہیں ہر طرح کی تکالیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ انہیں کافر بھی کہا جائے گا۔ لیکن ایسی باتوں سے نیک کام میں حصہ لینے سے قدم ڈگمگا نہ جائیں۔ جماعت چہارم کے ایک بچے کی مثال آپ نے دی کہ دو ہی روز پیشتر اس نے ایک مغرور انگریز سے چندہ طلب کیا۔ لیکن بجائے چندہ کے اس نے اسے ڈیم فول کہہ کر دھتکار دیا۔ جاتے ہوئے اس نیک بچے نے اسے تھینک یو (شکریہ) کہا۔ اس پر وہ شرم سے پانی پانی ہوگیا۔ اور اپنے ملازم کے ذریعہ بچے کو دوبارہ بلوایا اور دو روپیہ چندہ دے دیا۔ اس مثال کو پیش کرتے ہوئے اُنہوں نے فرمایا کہ آپ کا جو قدم اُٹھے وہ اپنے سامنے ایک شاندار مستقبل لئے ہوئے ہو۔ اور قوم میں روح پھونکنے والا ہو۔ اخیر پر اُنہوں نے حضرت امیر کا تہ دل سے پھر شکریہ ادا کیا کہ اُنہوں نے اپنا نہایت قیمتی وقت سکول کی نذر کیا ہے۔ اور باقی وقت کے لئے سکول کو بند کر دیا تا کہ فراہمی چندہ میں طلبہ حصہ لے سکیں۔

۞۞۞

21دسمبر1931ء

تبصرہ

تحریک احمدیت

حضرت امیر ایدہ اللہ کی ایک معرکۃ الآرا تصنیف

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ چند ماہ ہوئے حضرت امیر ایدہ اللہ کے کچھ مضامین دجال اور یاجوج ماجوج پر ان کالموں میں مسلسل شائع ہوئے تھے۔ یہ مضامین، جو حضرت امیر ایدہ اللہ کے مخصوص عالمانہ طریق استدلال کی وجہ سے ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں، اس معرکۃ الآراء کتاب کا ایک حصہ تھے جو ''تحریک احمدیت'' کے نام سے حضرت ممدوح نے حال ہی میں تصنیف فرمائی ہے۔ یہ کتاب اسی ہفتہ میں چھپ کر شائع ہوجائے گی، اور اس میں سلسلہ احمدیہ کے متعلق بہت سے ضروری مضامین پر ایک بالکل نئے انداز میں نہایت سیر کن بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں تحریک احمدیت کی مختصر تاریخ ہے۔ جو پورے 26 صفحات میں ختم ہوئی ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود کے ابتدائی ایام زندگی اور دعوٰی مجددیت، آپ کی بے نظیر خدمات اسلام، دعوٰی مسیحیت ومہدویت، اشاعت اسلام کے لئے آپ کی تڑپ اور بعض دیگر حالات وواقعات پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے باب میں بانی سلسلہ کے دعاوی پر مفصل اور سیر کن بحث کی گئی ہے۔ اور تمام پہلوؤں پر نہایت وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اور اس کے ساتھ آپ کے انکار از دعوٰی نبوت پر بھی فصاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تیسرے باب میں خروج دجال یاجوج ماجوج اور دیگر نشانات پر سیر کن بحث ہے۔ چوتھے باب میں تحریک احمدیت کا صحیح مفہوم بیان کیا گیا ہے جو اپنے موضوع کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں بتایا ہے کہ تحریک احمدیت مشہور معنوں میں فرقہ نہیں بلکہ اسلام کی صحیح تصویر ہے۔ اسی ضمن میں احمدیت کی بعض امتیازی خصوصیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ سے انسان کی ہم کلامی کو ثابت کرنا اس کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔ ایسا ہی اس نے اسلام کو تلوار کے اعتراض سے پاک کیا۔ قرآن کریم کو تمام اسلامی کتب پر مقدم قرار دیا۔ اسلام کو ایک عقلی اور علمی مذہب ثابت کیا۔ اخوت اسلامی کو از سر نو زندہ کیا۔ اسلام میں اجتہاد کا دروازہ کھلا بتایا۔ مسلمانوں میں اتحاد کی طرح ڈالی، بہشت و دوزخ، ثواب و

عذاب کی صحیح نوعیت بیان کی، قرآن کریم میں ناسخ ومنسوخ ہونے کے خیال کو دور کیا۔ غلبۂ اسلام کا یقین اور اس کے لئے جوش پیدا کیا۔ پانچویں باب میں بتایا کہ احمدیت نے کیا کام عملاً کر کے دکھایا ہے۔ اس ضمن میں جماعت احمدیہ کے تبلیغی کارناموں، یورپ اور ہندوستان کے مشنوں پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ غرض یہ کتاب ہر پہلو سے احمدیت کا ایک صحیح آئینہ ہے۔ جس سے اس تحریک کی اصلیت اور مفاد کا پتہ پورے طور پر لگ سکتا ہے۔ اور حضرت امیر ایدہ اللہ کا قلم اس بات کی بہترین ضمانت ہے کہ یہ کتاب کس قدر مفید اور احمدیت کے متعلق ہر قسم کے شکوک وشبہات کے ازالہ کا موجب ہوسکتی ہے۔ حضرت مسیح موعود کا فوٹو بھی اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ پانچ اور تصاویر ہیں۔ جن میں سلسلہ کی اہم کتب اور اخبارات ورسائل کے فوٹو ہیں۔ یاجوج ماجوج کی تصویر اور اور بھی بعض تصاویر ہیں۔ غرض اپنی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے یہ کتاب سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں بہترین تصنیف ہے۔ اور اس قابل ہے کہ ہمارے تمام احباب نہ صرف خود اس کو پڑھیں بلکہ غیر از جماعت لوگوں میں بھی اس کو پھیلائیں۔ اس وقت سلسلہ عالیہ کی جومخالفت چاروں طرف سے ہورہی ہے، اس کا ازالہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اس کتاب کو جہاں تک ممکن ہو کثرت سے شائع کیا جائے اور سنجیدہ اور فہمیدہ غیر از جماعت لوگوں میں اسے پہنچایا جائے۔ کتاب مجلد ہے۔ اور قیمت اندازاً ایک روپیہ آٹھ آنے ہوگی۔ جلسہ سالانہ پر احباب کرام کو مل سکے گی۔ اُمید ہے کہ ہمارے احباب اس کی کثرت اشاعت کے لئے پوری کوشش کریں گے کہ یہ جماعت کی قوت اور ہمارے تبلیغی کاموں میں بہت بڑی امداد کا موجب ہوگی۔

21 دسمبر 1931ء

جماعت احمدیہ اور اتحاد بین المسلمین

نماز میں علیحدگی کی وجہ

معزز معاصر ''انقلاب'' نے اپنی 18 دسمبر 1931ء کی اشاعت میں ایک شذرہ لکھا تھا۔ جس میں جماعت احمدیہ کو دوسرے مسلمانوں سے اتحاد صلوٰۃ کا مشورہ دیا تھا۔ ذیل کا مضمون اسی کے جواب میں اسے لکھ کر بھیجا گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس نے چھاپنے سے انکار کر دیا۔ مدیر

مکرمی ایڈیٹر صاحب ''انقلاب''۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ نے 18 دسمبر 1931ء کے ''انقلاب'' میں ''مسجد اقصیٰ میں شیعہ امام کے پیچھے نماز'' کے عنوان سے ایک شذرہ لکھا ہے جس میں مسجد اقصیٰ کے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے، کہ وہاں مؤتمر اسلامی کے مختلف العقائد مندوبین نے ایک شیعہ عالم کے پیچھے نماز پڑھی، اس بات پر زور دیا ہے کہ احمدی فرقہ کو بھی دوسرے مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے کا طریق اختیار کرنا چاہئے۔

آپ کے اس مشورہ کو، جو اخلاص پر مبنی ہے، دلی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم خود کسی فرقہ بندی کی بناء پر نماز میں علیحدگی کو پسند نہیں کرتے اور کسی سنی یا شیعہ یا اہل حدیث کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار ہیں۔ صرف ایک شرط کے ساتھ، کہ ایسا شخص کسی کلمہ گو کو کافر قرار نہ دیتا ہو۔ اور جو لوگ کلمہ گوؤں کو کافر قرار دیتے ہیں، ان کے پیچھے ہم نماز نہیں پڑھتے۔ خواہ وہ احمدی فرقہ کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ جس طرح ہم ان لوگوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے جو حضرت مسیح موعود جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے منکر ہیں، اسی طرح ہم ان احمدیوں کے پیچھے بھی نماز نہیں پڑھتے۔ جو ان مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت نہیں کی۔

اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال گذرے کہ یہ بھی تو آخر ایک تفریق ہے تو میں عرض کروں گا کہ یہ تفریق نہیں۔ یہ اس تفریق کا حقیقی علاج ہے جو تکفیر کے ذریعہ سے مسلمانوں میں پیدا کی جا رہی ہے۔ ہمیں فرقی اختلافات سے کوئی بحث نہیں۔ ایک فرقہ ایک خیال رکھے۔ دوسرا فرقہ دوسرا خیال

رکھے۔ اس سے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا نہیں ہوتی۔ ایسے اختلافات کو خوش دلی سے برداشت کرنا چاہئے۔ لیکن جب ایک شخص کلمہ گوؤں کو کافر قرار دے تو یہی وہ چیز ہے جس سے مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوتی ہے۔ آخر اس تفریق کا بھی تو کوئی علاج ہونا چاہئے۔ جب اس قسم کی تفریق پید اکرنے والوں کو ہم اپنے روحانی پیشوا قرار دے کر امام بنائیں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اور بھی اس بارہ میں تشدد اختیار کریں گے اور امام ہونے کی حیثیت میں دوسروں پر بھی یہ بد اثر ڈالیں گے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو کافر کہیں۔

ہمارا فیصلہ صرف اس قدر ہے کہ جو شخص جماعت مسلمین میں تفریق پیدا کرتا ہے وہ جماعت کا امام نہیں ہوسکتا۔ اور اگر آج مسلمان یہ پختہ فیصلہ کر کے شائع کردیں کہ وہ کسی کلمہ گو کی تکفیر کرنے والے اور اس طرح جماعت اسلام میں تفریق پیدا کرنے والے کو جماعت کی امامت کے لائق نہیں سمجھیں گے اور نہ اسے اپنا امام بنائیں گے تو تکفیر کی بیماری دِنوں میں مسلمانوں کے اندر سے دور ہو کر ایک ایسا اتحاد بین المسلمین پیدا ہوسکتا ہے جس کے ساتھ مسلمان ساری دنیا کو فتح کرسکتے ہیں۔ والسلام

خاکسار دوست محمد

ایڈیٹر ''پیغام صلح''

احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

❁❁❁

21 دسمبر 1931ء

احمدی خواتین کے لئے قابل تقلید نمونہ

ایک نیک دل خاتون کا خط حضرت امیر کی اپیل کے جواب میں

یہ پہلی چٹھی ہے جو مجھے اپنی اپیل کے جواب میں پہنچی ہے۔ یہی وہ نمونہ ہیں جو بتاتے ہیں کہ احمدی جماعت میں محض خدا کے فضل سے خدا اور رسولؐ کے لئے قربانی کی کیسی روح پیدا ہو چکی ہے۔ اگر دوسری احمدی بہنیں بالخصوص وہ، جن کو خدا نے اپنے فضل سے بڑا حصہ مال دنیا کا دیا ہے، اس مثال کو سامنے رکھیں تو انجمن کا سارا قرضہ صرف خواتین جماعت ہی اُتار سکتی ہیں۔ محمد علی

قبلہ ام جناب مولوی صاحب دام ظللکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جو چٹھی آپ نے مستورات کے نام لکھی ہے ابھی بوقت شام موصول کی۔ خداوند عزوجل سے ہزار ہزار دعا ہے آپ کی ذات مبارک کے لئے، خداوند کریم آپ کو ہماری جماعت میں عرصہ دراز تک رکھے۔ آمین اور آپ ہمیشہ ہمیشہ ہمیں اسی طرح خواب خرگوش سے جگاتے رہیں۔ ثم آمین۔ بڑا افسوس ہے کہ میں فوری آپ کی چٹھی کی پوری تعمیل نہیں کر سکتی۔ مگر مجبور ہوں چونکہ ہم سرحد میں رہتی ہیں اس لئے زیورات وغیرہ کبھی پاس نہیں رکھا بلکہ وہاں گھر پر ہی چھوڑا ہوا ہے۔ میں نے آج ہی اس خط کے ذریعے ایک عدد مالا طلائی، جس کے طلائی کا وزن تقریباً 9 یا 10 تولے ہوگا، انجمن کا کر دیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آج ہی گھر بھی خط لکھ دیا ہے۔ اُمید ہے کہ جلسہ تک زیور پہنچ جائے گا۔ میں تو کہتی ہوں کہ خدا کرے کہ روز روز انجمن پر ایسی مصیبتیں آئیں اور روز روز ہمیں اپنے ایمان کا امتحان دینا پڑے۔ اور روز روز یہ سعادتیں نصیب ہوں۔ والسلام

خاکسار

اہلیہ ڈاکٹر عبدالمجید صاحب ایم بی ایس۔ انچارج سول ہسپتال، ٹوپی (صوابی)

ہر ایک دوست اس کو پڑھ لے: 1۔ سالانہ جلسہ کی بنیاد خود حضرت مسیح موعود نے رکھی ہے۔ اس لئے اس کو آپ کی ایک یادگار سمجھ کر اس میں شامل ہونے کی کوشش کریں۔

2۔ جن احباب کو مکان یا کھانے کی تکلیف کا خیال ہو وہ اطلاع دیں تو انشاءاللہ ہر طرح سے ان کے حسب منشاء انتظام کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس عذر پر اپنے آپ کو جلسہ کی شمولیت سے محروم نہ رکھیں۔

3۔ سفر کی تکلیف دنیا کے لئے بھی ہم برداشت کر لیتے ہیں۔ خدا کے لئے برداشت کرنے میں تو خوشی ہونی چاہئے۔

4۔ جب باوجود مالی تنگی کے ہم اپنی دنیوی ضروریات کو پورا کر ہی لیتے ہیں تو ایک دینی ضرورت کے لئے مالی تنگی کا عذر کرنا خدا کے نزدیک پسندیدہ فعل نہ ہوگا۔

5۔ کوئی اہم واقعہ ہو جائے تو ہم اپنے کاروبار کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ خدا کی رضا کے لئے، اگر چھوڑیں گے تو وہ انشاءاللہ کاروبار میں برکت بھی دے گا۔ محمد علی

احباب سے ضروری گذارش: 25 دسمبر کے جلسہ میں قادیانی احباب کو شامل کرنے کی خاص کوشش کی جائے۔ بیشتر حصہ لاہور کے راستہ سے گذرتا ہے۔ اور اس کے لئے ایک دن یہاں ٹھہر جانا کچھ مشکل نہیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ ہمارے احباب خاص طور پر اس کے لئے کوشش کریں۔ محمد علی

30 دسمبر 1931ء

ہندوؤں کی سفا کی

احمد یہ انجمن اشاعتِ اسلام کا ریزولیوشن

27 دسمبر 1931ء کو احمد یہ انجمن اشاعت اسلام کے سالانہ جلسہ میں مولانا محمد یعقوب خان صاحب مدیر ''لائٹ'' نے ہندوؤں کے اس سفاکانہ فعل کا ذکر کرتے ہوئے، جو 26 دسمبر کو انارکلی لاہور میں سیوادل کے جلوس سے سرزد ہوا۔ ایک مسلمان نوجوان کو چاقو سے شہید کر دیا اور مسلمانوں کی دُکانیں لوٹ لیں، ذیل کا ریزولیوشن پیش کیا:

> ''احمد یہ انجمن اشاعت اسلام کے اس عظیم الشان جلسہ نے یہ خبر نہایت رنج وغصہ سے سنی کہ ایک معصوم مسلمان نوجوان کو کل بعد دوپہر ہندوؤں کے ایک جلوس نے بمقام انارکلی لاہور جام شہادت پلایا اور اس طرح سے اس خطرناک ذہنیت کا عملی نمونہ دکھایا جس کو ہندوؤں کے اندر پیدا کرنے کی ایک مدت سے ایک منظّم جدوجہد کی جارہی ہے۔''

مولانا عصمت اللہ صاحب نے اس ریزولیوشن کی تائید فرماتے ہوئے کہا کہ جن حالات سے آج کل ہمیں گذرنا پڑرہا ہے، ہندو بھائیوں کا فرض تھا کہ وہ ان میں ہمارا ساتھ دیتے۔ لیکن بجائے اس کے وہ ظلم کی حمایت کرنے اور مسلمانوں کو کچلنے کے درپے ہیں۔ آپ نے ہندوؤں کی افسوسناک ذہنیت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ سوامی شردھانند کو شہید بتایا جاتا ہے۔ حالانکہ شہید عربی کا لفظ ہے۔ جو اسلام پر قربان ہونے والوں کے لئے ہے۔ کچھ عرصہ ہوا ''تیج'' کا شہید نمبر نکلا تو اس پر یہ شعر تھا۔

لازم اللزما ہوئی ہے ہم پر شدھی بالشدید ہوگیا دہلی میں شردھانند جی کا قتل عام

یہ ہندو شاعری کا نمونہ ہے۔ لازم کی جمع بنائی گئی ہے ''لازم اللزما''۔ جو اردو لغت میں ہندو علمیت کا بیش بہا اضافہ ہے۔ اور یہ آج معلوم ہوا کہ سوامی شردھانند کا قتل بھی ''قتل عام'' کا حکم رکھتا ہے۔ مولانا نے اس سلسلہ میں ہندو ذہنیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں نے مظلومین کشمیر کی حمایت میں جلوس نکالے اور نعرے یہ لگائے ''شہیدان کشمیر زندہ باد''۔ اس کے بالمقابل ہندوؤں نے نعرے

لگائے ''اسلام مردہ باد''۔ حالانکہ اسلام کے معنے ہیں ''امن'' تو گویا وہ ''امن'' کو مارنا اور فساد کو پھیلانا چاہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ اس قسم کے اشتعال انگیز نعروں کو سن کر ایک نیک دل نوجوان نے صرف اتنا کہا کہ ایسے نعرے لگانے اچھے نہیں۔ اس پر اسے چاقو مار کر شہید کر دیا گیا۔ اتنا نہ سوچا کہ یہ معمولی خون نہیں۔ یہ دنیا میں شور برپا کر دے گا۔ ان حالات میں اس قتل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے بڑے زور سے اس ریزولیوشن کی تائید کرتا ہوں۔

اس کے بعد صاحب صدر نے ہندوستان کی اس بدقسمتی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہ اس میں مختلف طبائع کے لوگ آباد ہیں اور ہندوؤں کی اسی ذہنیت کا ماتم کرتے ہوئے کہ مظلوموں کی حمایت کے بجائے وہ ظلم پر آمادہ ہیں، حاضرین سے ریزولیوشن کے متعلق رائے دریافت کی۔ جو سب کے اتفاق رائے سے پاس ہوا۔

۞۞۞

7 جنوری 1932ء

مستقل فنڈ

حضرت امیر ایدہ اللہ کا ارشادِ گرامی

سب احباب اور انجمن نوٹ کر لیں کہ آئندہ مستقل فنڈ کے لئے حسب ذیل شرح سے چندوں میں اضافہ یکم جنوری سے کر دیا جائے۔

ایک سو روپیہ ماہوار سے کم آمد والے ایک آنہ ماہوار۔ ایک سو سے تین سو روپے تک آمد والے احباب 4 آنے ماہوار، تین سو سے زائد آمد والے احباب ایک روپیہ ماہوار۔

سکرٹری صاحبان جملہ احباب سے اس کے مطابق مستقل فنڈ کا چندہ وصول کریں اور جو احباب براہ راست چندہ بھیجتے ہیں وہ اس اضافہ کے ساتھ چندہ بھیجیں۔

جو احباب اس حصہ کو ادا نہ کریں گے ان کے نام وہ رقم بطور بقایا یکم جنوری سے درج ہوتی جائے گی۔

7 جنوری 1932ء

حضرت امیر کے قلم سے

مذہبی آزادی کا قانونی مفہوم

گلینسی کمیشن میں ہندوؤں کے قانون وراثت کا مسئلہ

گلینسی کمیشن کے اغراض و مقاصد میں اس سوال کے شامل ہونے پر، کہ ہندو مذہب ترک کرنے والوں کو جائداد کا حقدار ٹھہرایا جاسکتا ہے یا نہیں نہ صرف کشمیری ہندوؤں نے بلکہ بیرون ریاست کی کثیر ہندو آبادی نے بھی سخت اعتراض کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ امر ہندو مذہب میں مداخلت ہے۔ کیونکہ ہندو شاستروں میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ مذہب کی تبدیلی اور ذات سے اخراج پر وراثت سے محروم کیا جاسکتا ہے۔ یہ امر کشمیر کے ہندوؤں کے لئے تو قدرے قابل معافی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وہ حکمران خاندان کے ہم مذہب ہونے کی وجہ سے صرف اپنی مذہبی آزادی کا خیال کر سکتے ہیں اور شاید انہیں ابھی تک اس بات کا علم نہیں کہ سب کے لئے مذہبی آزادی کے کیا معنی ہیں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ برطانوی ہندوستان کے ہندو کشمیری ہندوؤں کے اس اعتراض کی کیونکر حمایت کر رہے ہیں۔ کیونکہ انہیں اچھی طرح سے علم ہے کہ ہندو دھرم چھوڑنے پر وراثت سے محروم کر دینے کا جو قاعدہ ہندوؤں کے شاستروں میں مندرج ہے اس کو اسّی سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ اس مذہبی آزادی کے منافی ہونے کی وجہ سے مسترد کیا جاچکا ہے جو حکومت برطانیہ نے تمام اقوام و ملل کو دی ہے۔

قانون کیا ہے: ایکٹ 21۔1850 ء کے ذریعے سے جس کو بجا طور پر مذہبی آزادی کا قانون کہا جاتا ہے یہ پابندی دور ہوچکی ہے کہ ہندو دھرم چھوڑنے اور مذہب سے خارج ہو جانے پر کسی کو وراثت سے محروم کیا جائے۔ اس قانون میں بالوضاحت درج ہے کہ:

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے ماتحت علاقوں میں اگر کسی نافذ العمل قانون یا ضابطہ کے کسی جزو کی وجہ سے کسی مرد یا عورت کے اپنا دھرم ترک کرنے یا مذہب کے دائرے سے خارج کئے جانے پر برادری سے نکالے جانے پر حقوق یا جائداد ضبط ہوتی ہو یا کسی طرح سے اس کے حق وراثت پر ضرب لگتی ہو تو آئندہ ان علاقوں میں اس قانون کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی عدالتوں اور رائل چارٹر کی رو سے قائم شدہ

عدالتوں میں قانون تسلیم نہیں کیا جائے گا اور نہ اس پر عمل درآمد کیا جائے گا۔

کیا برطانوی ایکٹ مذہب میں مداخلت ہے: وہ ہندو جو برطانوی ہند کے باشندہ ہیں اور جن پر دفعہ 201 باب 9 منودھرم شاستر کے بجائے ایکٹ 21۔1850ء اثر انداز ہے۔ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ریاست میں ایسے قانون کے نفاذ سے، جس کو انہوں نے اسّی سال قبل خود تسلیم کیا تھا کشمیری ہندوؤں کی مذہبی آزادی سلب ہو جائے گی۔ یا کیا ہم یہ خیال کریں کہ برطانوی ہند کے ہندوا یکٹ 21۔1850ء کو اپنے مذہب میں مداخلت تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سوراج کے حصول پر یہ خرابی دور ہو جائے گی اور 1850ء کے ایکٹ 21 کے بجائے منودھرم شاستر باب 9 دفعہ 201 نافذ کر دی جائے گی۔

مذہبی آزادی: عجیب بات ہے کہ تمام ہندوستان کے ہندوں میں سے کسی ایک شخص نے بھی آواز بلند نہیں کی اور نہ کسی کانگرسی نے اس طرف توجہ دلائی ہے۔ جس کی جماعت کو ہندوستان کے تمام طبقوں کی نمائندگی کا دعوٰی ہے کہ منودھرم شاستر مذہبی آزادی کے ابتدائی اصولوں کے منافی ہے۔ نیز اگر مذہبی آزادی سب کے لئے یکساں نہ ہو تو وہ بالکل بے معنی ہے۔ مذہبی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص جو مذہب چاہے شہریت کے کوئی حقوق کھوئے بغیر اختیار کر سکے۔ منو ہندوستان کے موجودہ حالات کا کس طرح اندازہ کر سکتا تھا۔ جہاں اب صرف ہندوؤں ہی کے حقوق کا خیال نہیں بلکہ بدھوں، یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے حقوق بھی ہندوؤں کے حقوق کی طرح مقدس سمجھے جاتے ہیں۔

مذہبی آزادی سے محروم کرنے کی کوشش: افسوس کا مقام ہے کہ مسلمانان کشمیر کے اس مطالبہ کی، کہ ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کر لینا حقوق جائداد پر اثر انداز نہ ہونا چاہئے، حمایت کرنے کے بجائے برطانوی ہند کے ہندو کشمیری ہندوؤں کو گلنسی کمیشن کے مقاطعہ کا مشورہ دے رہے ہیں اور یہ محض اس لئے کیا جا رہا ہے کہ کہیں مسلمانوں، عیسائیوں کو مذہبی آزادی حاصل کرنے کا موقع نہ مل جائے۔ کیا کشمیر کے 30 لاکھ مسلمانوں کو اس مذہبی آزادی سے ہمیشہ کے لئے جواب دے دیا جائے گا۔ جو ان کے ہم مذہبوں کو برطانوی ہند میں اسّی سال سے زیادہ عرصہ ہوا مل چکی ہے اور یہ اس لئے کہ چند لاکھ ہندو دوسرے باشندوں کی مذہبی آزادی کو اپنے دھرم پر حملہ تصور کرتے ہیں۔

کشمیر کی خاص حالت: کہا جا سکتا ہے کہ کشمیر کا معاملہ، جس کا حکمران ایک ہندو ہے، برطانوی ہند سے

جداگانہ ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک ہندو حکمران ہندو شاستروں پر عمل کرانے پر مجبور ہے۔ یقیناً ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ کوئی ہندو حکمران اپنی ہندو رعایا پر ہندو شاستروں کو نافذ کرے۔ برطانوی حکومت نے بھی ہندوؤں کو اپنے شاستروں ہی پر عمل کرنے کا اختیار دے رکھا ہے اور ان کے تمام معاملات میں شاستروں کے لفظ لفظ پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ درپیش نہیں ہے کہ کیا ریاست میں ہندو شاستروں کا نفاذ ہو یا نہ ہو۔ یہ بالکل جداگانہ مسئلہ ہے۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ کیا شاستروں کا نفاذ اس شخص پر کہا جائے گا جو ہندو دھرم چھوڑ کر عیسائی یا مسلمان ہو چکا ہے۔ ہندو شاستروں کے مطابق اسے ذات سے گرا ہوا کہا جا سکتا ہے۔ جس کے حقوق جائداد زائل ہو گئے۔ لیکن جب وہ ہندو دھرم چھوڑ چکا ہے تو اس پر ہرگز ہندو قانون کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ ایک ایسے تنازعہ میں، جہاں پر فریقین ہندو ہیں، ہندو قانون عمل پر ہوگا۔ خواہ یہ قانون عدالت کے نزدیک انصاف کے منافی ہی ہو۔ لیکن جب فریقین میں ایک ہندو اور دوسرا عیسائی یا مسلمان ہے تو اس بات کا مطالبہ کرنا کہ ہندو قانون ہی استعمال کیا جائے سخت حماقت ہے۔ لہٰذا کسی ہندو حکمران کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ فریقین میں سے اگر ایک ہندو نہ ہو تو اس پر بھی ہندو قانون نافذ کرے۔ ایسے معاملات میں اسلامی یا عیسائی قوانین بھی نافذ نہیں کئے جا سکتے۔

مذہبی آزادی سے انکار: انہی حالات کے ماتحت 1850ء میں ایکٹ 21 کے منظور کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی تھی۔ لیکن اس کے بعد اسّی سال سے زائد عرصہ تک مسلمانان کشمیر کو مذہبی آزادی کے اس ابتدائی حق سے محروم رکھا گیا ہے۔ لیکن یہ حالت ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی۔ اس سے بہتر تو یہ بات ہے کہ کشمیر کا حکمران یہ کہہ دے کہ مسلمانوں کو اس کی حکومت میں کوئی مذہبی آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔ برخلاف اس کے الفاظ میں آزادی عطا کرنے کے بعد اسلام قبول کرنے والوں کو ان کی جائداد سے محروم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ امر مذہبی آزادی کے بالکل منافی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کشمیر کے ہندو اس معاملہ میں زیادہ معقول روش اختیار کریں گے اور برطانوی ہند میں ان کے ہم مذہب کو عمدہ مشورہ دیں گے۔

15 جنوری 1932ء

حضرت امیر کے قلم سے

رمضان مبارک کا جہاد عظیم

اس مضمون کو 13 رمضان المبارک کے جمعہ میں ہر جگہ سنایا جائے اور اس پر فوری عمل درآمد کیا جائے۔ محمد علی

رمضان مبارک کئی قسم کے مجاہدات کا مہینہ ہے۔ جن سب کی غرض رضاء اور قرب الٰہی کا حصول ہے۔ اس غرض کے حصول کے لئے رمضان کو چند امور سے خاص کیا گیا ہے۔ اول جائز خواہشات طبعی کا مقررہ اوقات کے اندر ترک کرنا۔ یعنی کھانے پینے وغیرہ سے رکنا اور جائز طبعی خواہشات کو ترک کرنے کے اندر ناجائز خواہشات کا ترک کرنا خود ہی آجاتا ہے اس لئے ہر قسم کے جھوٹ غیبت وغیرہ سے زبان کو پاک رکھنا اور اکل حرام اور ناجائز خواہشات سے بچنا اسی مفہوم کے اندر شامل ہے۔ روزے کے اس مفہوم کو کم وبیش سب روزہ دار جانتے ہیں۔ لیکن میں اس وقت چند اور امور کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جن کی طرف عام طور سے توجہ کم ہے۔

ان میں ہے۔ امر اول دعا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ رمضان کے ذکر میں بھی فرمایا ہے **وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ** (186:2) جب بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے تو اسے **فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ** کی آواز آتی ہے اور پھر اسی قرب کو حاصل کرنے کا بھی یہ ذریعہ بتایا ہے کہ دعا کرنے والے کے دل میں جب اللہ تعالیٰ کے قرب کی سچی تڑپ پیدا ہوتی ہے اور اس کی وہ تڑپ سچے جوش کے ساتھ زبان پر آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول بھی فرمالیتا ہے۔ گویا قرب اور رضاء الٰہی کو حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ دعا ہے۔ اور اس کا خصوصیت سے ذکر رمضان میں اس لئے کیا کہ دعا کے لئے جو کیفیت قلبی رمضان میں پیدا ہوسکتی ہے وہ دوسرے اوقات میں نہیں ہوسکتی۔ یعنی ایک طرف روزے کی وجہ سے خواہشات جسمانی مغلوبیت کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ دوسری طرف دعا کے لئے بہترین وقت انسان کو میسر آتا ہے اور وہ تہجد کا وقت ہے۔ اگر دعا کو کمال کو پہنچانا چاہتے ہو تو نماز تہجد اختیار کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسی سے انسان مقام محمود پر پہنچا ہے **وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ**

مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (79:17)اور رمضان میں تہجد کے لئے خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تاکید بھی فرماتے تھے۔ان ایام میں نیند کو ترک کرنے کے لئے سامان تو خود روزہ ہی ہے۔جس کی حد اسی لئے قبل از صبح صادق رکھی ہے۔طلوع آفتاب نہیں رکھی۔تاکہ انسان اپنے آپ کو کچھ نیند کی آسائش سے بھی محروم کرے اور یہی وقت تہجد کا ہے۔اس وقت ایک طرف عالم سکون کی حالت میں ہوتا ہے دوسری طرف خود انسان کے اندر ایک سکون کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔کھانے کی گرانی نیند کی گرانی یہ سب باتیں دور ہو چکی ہوتی ہیں اور کچھ خارجی سکون کا اثر بھی انسان کے قلب پر پڑتا ہے۔تو جیسے اس وقت انسان دعا میں لذت محسوس کرتا ہے اور جیسے اس وقت اس کے دل پر خدا تعالیٰ کی عظمت کا اثر ہوتا ہے۔یہ کیفیت دوسرے اوقات میں اسے کم میسر آسکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں خود بھی تہجد کے لئے زیادہ تاکید فرماتے تھے اور ساتھ والوں کو بھی تاکید فرماتے تھے۔بعد میں اسی تہجد کی جگہ لوگوں نے تراویح مقرر کر لی۔مگر ظاہر ہے کہ تراویح میں وہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی ہے جو تہجد سے مخصوص ہے۔پس ہمارا اصل مجاہدہ ماہ رمضان یہی ہونا چاہئے کہ تہجد کے ذریعے دعا کو کمال کو پہنچایا جائے۔

ہماری دعا کیا ہو: بہترین دعا تو وہی ہے جو قرآن کریم کا خلاصہ ہے اور جس کو ہمارے لئے ہر نماز ہر رکعت میں ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔یعنی سورۃ الفاتحہ۔مگر میں اس کے دو حصوں کی طرف خصوصیت سے احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔پہلے حصہ میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ . (1:1) کی طرف۔اگر ان الفاظ کی طرف انسان کی توجہ ہو تو قلب انسانی میں یہ ایک ایسی سکون کی حالت پیدا کر دیتے ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے بہت قریب کر دیتی ہے۔ان الفاظ کو پڑھتے ہوئے انسان کے دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور فضلوں پر ایک ایسی راحت کی حالت پیدا ہو جانی چاہئے جو اس کے تمام رنجوں اور غموں کو دور کر دے اور اپنے مولیٰ پر کسی قسم کی شکایت اس کے قلب میں باقی نہ رہے۔کیونکہ وہ سارے جہانوں کی ربوبیت کرنے والا ہے۔بعض وقت میری تکلیف میں میری اپنی ربوبیت مدنظر ہوتی ہے۔یعنی وہ میری تکلیف میری اپنی ہی کسی بہتری کا موجب ہوتی ہے۔اور بعض وقت اس تکلیف میں کسی دوسرے کی یا میری قوم کے لئے ربوبیت کی نظر ہوتی ہے۔تو بہر حال اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ . (1:1) کہتا ہوا انسان اپنے اندر ایک سکون کی حالت پیدا کرے اور اگر وہ حالت پہلی دفعہ کہنے سے نہیں ہوتی تو دوسری

دفعہ تیسری دفعہ ان الفاظ کو دھرائے۔ یہاں تک کہ اس کے قلب میں ایک کامل سکون کی حالت محسوس ہو۔ اس سکون کی حالت کا پیدا کرنا دعا کی پہلی ضرورت ہے۔اور پھر اس پاک دعا کا دوسرا حصہ **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ .** (5:1) ہے جس پر خاص طور پر زور دینے کی ضرورت ہے۔سب سے بڑھ کر غلطی خوردہ وہ انسان ہے جو یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں کمال پر پہنچ چکا ہوں۔ جب تک انسان اپنی کمزوری اور اپنی عاجزی اور اپنے اندر قصوروں کا اعتراف نہیں کرتا **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ .** (5:1) یعنی اس کے دل کے اندر سے ابل کر نہیں نکلتا اور دعا میں جوش تب ہی پیدا ہوتا ہے جب یہ الفاظ دل کے اندر سے پھوٹ پھوٹ کر نکلیں۔اس دعا کو بار بار دوہرائے۔کبھی اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈالے کہ میں کس قدر کمزوریوں میں مبتلا ہوں اپنے انہاک اشغال دنیا پر نادم ہو۔اس بات پر افسوس ہو کہ کس طرح اس کے دل پر دنیا کی محبت غالب آ کر خدا اور اس کے رسول کی محبت کے جذبہ کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔کس طرح قربانیوں کے وقت اس کے دل میں انقباض پیدا ہوتا ہے۔ان بے نفس انسانوں کے نقش قدم پر چلنے کی تڑپ پیدا ہو۔ جو انعامات الٰہی کو حاصل کرتے ہیں۔کبھی اپنے متعلقین اپنے بھائی بندوں اپنی بیوی بچوں اپنے دوستوں کے لئے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔سب مل کر خدا کی رضا کی راہوں پر چلنے والے ہوں اور ایک دوسرے کے حقیقی طور پر مددگار ہوں۔کبھی اپنی جماعت کے بھائیوں کی طرف توجہ کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔اور مجدد کا دامن پکڑ کر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کر کے، پھر ان کا قدم پیچھے نہ ہٹے بلکہ ترقی کرتا ہوا آگے ہی چلے اور اپنی قربانیوں سے وہ دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کریں اور باہم محبت سے رہیں۔کبھی اپنے مسلمان بھائیوں کی حالت پر غور کرے کہ کس طرح وہ اس عظیم الشان نعمت سے محروم ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کی بہتری کے لئے مجدد وقت کی صورت میں نازل فرمائی تھی۔کس طرح وہ بھولے پڑے ہیں کہ وہی امر جس سے ان کی حالت سنور سکتی ہے۔اسی سے وہ بھاگ رہے ہیں۔اور آنکھ کھول کر نہیں دیکھتے کہ جس شخص نے مردہ دلوں کے اندر خدا اور اس کے رسول کی محبت کا اس قدر بلند جذبہ پیدا کر دیا کیا وہ جھوٹا ہو سکتا ہے؟ اور بہر حال ہم کو تو وہ بہتری کے راہوں پر ڈالتا ہے۔ ہماری اپنی بہتری ہماری قوم کی بہتری، ہمارے دین کی بہتری کی راہ پر ہم کو لگاتا ہے اور کچھ مانگتا نہیں۔اور اگر وہ مسیحا ہے تو کتنی بڑی محرومی کہ ہم اس کی طرف

آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں امام وقت کو پہچاننے اور اس کا ساتھ دینے کی توفیق دے۔ کبھی اس سے بھی زیادہ اپنی نظر کو وسیع کرے کہ کس طرح ابھی تک دنیا اس صداقت اور روشنی سے دور پڑی ہوئی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس تاریکی میں پڑی ہوئی دنیا کو اسلام کی روشنی سے مالا مال کر دے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ . (5:1) کے اندر یہ ساری دعائیں آجاتی ہیں اور بہت کچھ دین اور دنیا کے امور بھی آجاتے ہیں۔ مگر اس کے علاوہ سجدے کی حالت کی دعا میں انسان کے دل کے اندر ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی عاجزی کا انتہائی مقام ہے۔ یہ گویا عبودیت کا انتہائی مقام ہے اور اسی لئے سجدے کی تسبیح میں ربوبیت کے علو کا انتہائی مقام یاد دلایا ہے۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى تا کہ عبودیت اور ربوبیت کا حقیقی تعلق پیدا ہو۔ حالت سجدہ میں علاوہ تسبیحات کے جو دعا چاہے اور جس زبان میں چاہے کر سکتا ہے اور اس حالت کی دعا سب سے زیادہ مؤثر ہے۔

جس طرح دعا کا انسان کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ ایک امر کا بھی رمضان کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ دوسرا تعلق انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ جو حصول قرب رضائے الٰہی کا موجب ہے۔ قرآن کریم میں کس قدر زور انفاق فی سبیل اللہ پر دیا گیا ہے۔ وہ کسی مسلمان پر پوشیدہ نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں لکھا ہے کہ آپ اَجْوَدُ النَّاسِ تھے۔ یعنی سب لوگوں سے بڑھ کر سخی تھے۔ وَكَانَ اَجْوَدُ مَايَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ لیکن آپ رمضان میں عام ایام سے بڑھ کو سخاوت کرتے تھے۔ پس ماہ رمضان سخاوت کا مہینہ ہے۔ یوں تو ہر شخص اللہ کی راہ میں کچھ نہ کچھ خرچ کرتا ہے مگر رمضان کو خاص کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس میں معمول سے علاوہ خرچ کیا جائے۔ اس لئے تمام احباب سے گزارش ہے کہ حکم رمضان کی پوری تعمیل کے لئے علاوہ روزے کے ان دونوں مجاہدات سے برکات حاصل کریں۔ یعنی دعا اور خیرات کا خاص طور پر تعاہد کریں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں ایک اور بات کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ جماعت کی دعا اور جماعت کے انفاق میں اللہ تعالیٰ نے خاص برکت رکھی ہے اور متفرق اور پراگندہ طور پر کام کو کرنے سے کبھی وہ فوائد حاصل نہیں ہوتے جو جماعت کے رنگ میں کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہی ہمارے فرداً فرداً مجاہدات اگر ایک خاص غرض کو سامنے رکھ کر کئے جائیں تو ان دونوں امور میں جہاد کا رنگ پیدا ہو سکتا ہے۔ جس صورت میں تم سب ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے تو دعا میں اتحاد کا رنگ

یوں پیدا ہوسکتا ہے کہ ایک امر کو ہم سب دعا کے لئے مخصوص کر لیں۔اور اپنی اپنی جگہ پر اور جو دعا چاہیں وہ تو کریں۔اور ایک امر ہم سب کی دعائے تہجد میں مشترک ہو۔تو اس طرح پر ہماری وہ دعا جماعت کی دعا بن جائے گی۔وہ امر کیا ہو۔اس وقت ہمارے اس ملک میں جو کچھ مخالفت احمدیت کی ہوئی ہے اور جس قسم کے گندے اور ناپاک حملے بانی احمدیت اور تحریک احمدیت پر کئے گئے ہیں،اس کا ہم سب کو علم ہے۔اپنی اپنی جگہ پر ہمارے سب احباب نے اس بات کو محسوس کیا ہے کہ احمدیت کی مخالفت کا یہ رنگ ایک مدت کے بعد پیدا ہوا ہے۔گویا غلطی خوردہ علماء اور ان کے جاہل پیروؤں کے ایک حصہ نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ احمدیت سے مسلمانوں کے دلوں میں ایک زبردست تنفر پیدا کر کے احمدیت کو مٹا دیں۔حالانکہ ہم کئی بار کہہ چکے ہیں کہ اگر احمدیت تم کو اسلام کی خدمت کرتی نظر آتی ہے اور کون ہے جو آج اس کھلی بات کا انکار کر سکتا ہے۔تو اس کو مٹانا،اس شاخ کو کاٹنا ہے جس پر تم خود بیٹھے ہو۔مگر آج احمدیت کو حد درجہ ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔جس میں بعض زبردست اخبار نویسوں کا بھی ہاتھ ہے۔تا کہ اس ذریعہ سے پبلک میں جوش پیدا ہو کر ان کو پیسے ملتے رہیں۔لکھا ہے کہ احد کی جنگ میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں چوٹیں آئیں اور دانت شہید ہو گئے اور کفار نے مسلمان شہداء کی لاشوں تک کا مثلہ کیا تو کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان کی ان زیادتیوں کی وجہ سے ان پر بددعا کریں تو آپ نے یوں دعا کی اَللّٰهُمَّ اِهْدِ قَوْمِیْ اِنَّهُمْ لَایَعْلَمُوْنَ اے میرے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما کہ وہ جانتے نہیں اور لاعلمی سے میری مخالفت کر رہے ہیں اور اسلام کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔آؤ آج ہم سب اسی نعمت نبوی پر عمل کریں اور جس قوم نے ہمیں تباہ کرنے کے لئے پورا زور لگایا ہے،اس کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس غلطی اور جہالت سے باہر نکالے جو اسلام کو بھی بدنام کرنے کا موجب ہوئی ہے۔تو میں دوستوں کو دعوت دیتا ہوں کہ جو احمدیت کو اپنی نادانی سے برباد کرنا چاہتے ہیں۔ان کے لئے ہم سب مل کر دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔بسا اوقات ہوتا ہے کہ اس قسم کے لوگ خود اپنی غلطی پر نادم ہوتے ہیں اور شاید یہ مخالفت ہمیں جگانے کے لئے ہی ہوئی ہے۔اگر ہم بیدار ہوتے تو یہ مخالفت بھی نہ ہوتی۔مگر یاد رکھئے کہ گالیوں سے ذلیل کرنے کی کوشش دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔وہ ایک عارضی بات ہوتی ہے جو چند دن لوگ کر کے آخر خود تھک جاتے ہیں اور طبائع خود بخود ملامت کرنے لگتی ہیں کہ یہ ہم نے کیا فعل کیا۔اگر انہوں نے احمدیت کو گالیوں

سے ذلیل کرنا چاہا ہے اور اس سے نفرت پیدا کرنا چاہا ہے تو آؤ ہم دعا سے احمدیت کو محبوب کر دیں۔ مگر یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے لئے اکٹھے ہو کر مجاہدہ کریں۔ کوئی احمدی نہ ہو۔ مرد ہو یا عورت جو اس رمضان میں نماز تہجد میں اپنی دعا کا بڑا حصہ اس بات پر صرف نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مسلمان بھائیوں کو اپنے محسن دوست اور دشمن میں تمیز کرنے کی توفیق دے۔ اور ان کو دکھا دے کہ احمدیت اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا ہی نام ہے۔ اور وہ خود گروہ در گروہ اس خدمت کے کام کو شوق سے اپنے ذمہ لیں۔ تا کہ خدا کا کام دنیا میں بلند ہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح عزت دلوں میں قائم ہو۔ اسلام کی صداقت ظاہر ہو اور جس طرح ہم دعاؤں میں یوں اکٹھے ہو سکتے ہیں کہ احمدیت کی ترقی ہم سب کی دعاؤں کا مشترک اور ضروری حصہ ہو، اسی طرح ہم اس انفاق میں بھی اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ جس کے بغیر انسان کا مجاہدہ مکمل نہیں ہوتا۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ جاری دعا اور ہمارا انفاق ان دونوں کی غرض اس وقت متحد ہونی چاہئے۔ جس طرح ہم ایک طرف اپنی دعاؤں سے احمدیت کی ترقی کے خواہاں ہوں اور ہمارے دلوں میں جوش اور تڑپ پیدا ہو کہ ہمارے مسلمان بھائی مجدد وقت کے دامن سے وابستہ ہو کر خدمت اسلام کے کام میں مصروف ہوں۔ جس طرح ہمارے دلوں کے اندر یہ آرزو پیدا ہو کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کی جہالت دور ہو۔ اسی طرح ہمارا انفاق بھی اس وقت ایک ہی غرض کے لئے ہو کہ احمدیت کی صحیح تصویر لوگوں کو دکھائیں اور اس لاعلمی کو، جس کی وجہ سے احمدیت کی مخالفت ہو رہی ہے، دور کریں۔ کیونکہ اگر ہمارے دل میں ایک تڑپ ہو اور یہی دعا ہے مگر عمل اس کے ساتھ نہ ہو تو اس خالی تڑپ پر بھی کوئی نتائج مرتب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ صحیح تڑپ نہیں کہلائے گی۔ نہ وہ حقیقتاً دعا ہو گی۔ تو ہم رمضان کے احکام کا احترام کرتے ہوئے خدا کی راہ میں اپنے مال بھی خرچ کریں۔ اور سب اکٹھے ہو کر ایک غرض واحد پر خرچ کریں۔ اور وہ غرض واحد ہو بھی وہی، جو اس وقت ہماری دعاؤں کی غرض واحد ہو۔ تو ایک طرف جماعت کی اس دعا اور دلی تڑپ سے کہ اللہ تعالیٰ ہماری قوم کی جہالت کو دور کر کے، ان کو احمدیت کے صحیح رنگ میں دیکھنے کی توفیق دے اور دوسری طرف جماعت کے اس متحدہ عمل سے، کہ احمدیت کی صحیح تصویر دکھا کر لوگوں کی لاعلمی کو دور کیا جائے، یقیناً اللہ تعالیٰ کے وہ افضال اور برکتیں نازل ہوں گی جو خود ہمارے وہم و گمان میں نہیں۔ تو کیا ہم سب کے سب اکٹھے ہو کر دعا سے انفاق سے احمدیت کی ترقی کا مجاہدہ اس رمضان میں کریں گے؟ میں امید کرتا ہوں

کہ میری یہ درددلی کی صدا بیکار نہ جائے گی اور میرے بھائی اس وقت دوسرے تمام خیالات سے الگ ہو کر اس عظیم الشان جہاد میں لگ جائیں گے۔ میری تجویز اس دوسرے پہلو کے متعلق یہ ہے کہ ہر ایک جگہ ساری جماعت کو جمعہ میں یا خطبہ جمعہ کے بعد یہ مضمون سنا دیا جائے اور جہاں ایک طرف سب احباب اس دعا میں میرے ساتھ شریک ہونے کا وعدہ کریں۔ اس کے ساتھ ہی حسب حیثیت احمدیت کے لٹریچر کو پھیلانے کے لئے چندہ جمع کیا جائے۔ اور جس قدر رقم جمع ہو وہ فوراً الگ کی الگ دفتر محاسب میں بھیج دی جائے اور جہاں احباب جمعہ میں جمع نہیں ہوتے وہاں اس اخبار کو پڑھ کر وہ اپنی اپنی جگہ پر فوری عمل کے لئے تیار ہو جائیں۔ میں دوسری دفعہ اس کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ جو لوگ میری آواز پر لبیک کہنا چاہتے ہیں وہ پہلی آواز پر ہی مصروف عمل ہو جائیں۔ میرے مدنظر ذیل کی باتیں ہیں۔

اول۔ پانچ سو کے قریب جلد "تحریک احمدیت" کی مفت شائع کی جائے۔ بہت سے دوست اس غرض کے لئے یہ کتاب طلب کر رہے ہیں۔ اس غرض کے لئے اس کی قیمت صرف ایک روپیہ ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ جو لوگ اس کو پڑھیں گے وہ احمدیت کی صداقت اور فوائد کے ضرور قائل ہو جائیں گے۔

دوم۔ پچاس ہزار یا ایک لاکھ کی تعداد میں ایک مختصر اشتہار شائع کیا جائے۔ جس میں احمدیت کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے۔ لیکن اگر کوئی دوست ایسی خواہش کریں کہ ان کا دیا ہوا روپیہ کسی اور رنگ میں احمدیت کی تبلیغ پر صرف ہو تو اس کا روپیہ اسی طرح صرف ہوگا۔

چند ضروری گزارشات: جیسا کہ جلسہ سالانہ پر فیصلہ کیا گیا تھا۔ تمام جماعتوں کو اپنی اپنی جگہ ایک سب کمیٹی چند سرکردہ احباب کی بنا کر حسب ذیل کاموں کو جلد تکمیل کر کے اس کی اطلاع صدر میں دینی چاہئے اور اس کے مطابق ہی آئندہ کام ہونا چاہئے۔

اول۔ چندہ ماہوار پچاس روپے ماہوار آمدنی تک نصف آنہ فی روپیہ اور اس سے اوپر ایک آنہ فی روپیہ سب سے وصول ہونا چاہئے۔ یہی شرح مجلس معتمدین کی مقرر کردہ ہے۔ اور اسی پر انجمن کی مستقل بنیاد ہے۔ جس قدر احباب اس سے کم شرح کے حساب سے چندہ دے رہے ہیں۔ ان سے اس کے مطابق ایزادی کرا کر آئندہ وصولی نئے حساب سے ہونی چاہئے۔ اور جو دوست چندہ بالکل نہیں دے رہے ہیں، انہیں اس نظام میں بالضرور شامل کیا جائے۔ اس کے علاوہ اپنی اولاد اور مستورات کو بھی اس

نظام میں شامل کیا جائے۔ خواہ ان کی رقم قلیل سے قلیل کیوں نہ ہو۔

دوم۔ قرضہ فنڈ کی تحریک کی رقم کو جلد پورا کرنے کے لئے فیصلہ کیا گیا تھا کہ سب جماعتیں کچھ کچھ رقم اپنے ذمے ڈال کر اطلاع دیں۔ جسے دو تین ماہ کے اندر پورا کر دیں اور مستورات اپنے زیورات کی قربانی کریں۔

سوم۔ مستقل فنڈ کو حسب اعلان حضرت امیر ایدہ اللہ یکم جنوری 1932ء سے اسی طرح رائج کیا جائے جس طرح ماہوار چندے دیئے جاتے ہیں۔

امید ہے سب جماعتیں ان امور پر جلد کارروائی فرما کر اطلاع دیں گی اور جو احباب علیحدہ علیحدہ دیں وہ بھی اپنی اپنی جگہ اس پر عمل درآمد فرما کر اطلاع دیں گے۔ محمد دین خان افسر تحصیل و تبلیغ۔

جنوری 1932ء
تبصرہ از حضرت امیر

"تفصیل البیان فی مقاصد القرآن"

مولوی سید ممتاز علی صاحب کی ایک اہم تالیف

مسلمانوں میں ہر زمانہ میں قرآن کریم کی خدمت کا بہت شوق رہا ہے۔ اور سوائے اس کے جو زمانہ حال کے عیسائی معتقدین نے بائیبل یا اناجیل کے مطالعہ پر کافی محنت خرچ کی ہے اور بائیبل سوسائٹیوں نے اس کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع کئے ہیں۔ کسی قوم نے اپنی کتاب مقدس کی اس قدر خدمت نہیں کی، جیسے مسلمانوں نے قرآن کریم کی کی ہے۔ اور یہ بہت ہی خوشی کی بات ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ مسلمانوں کی حالت بہت ہی گر چکی ہے، قرآن کریم کی خدمت کا شوق ان میں پھر زندہ ہو رہا ہے۔ اور درحقیقت مسلمانوں کے از سرِ نو دنیا میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کرنے کے لئے یہی ایک شعاع امید ہے۔ سید ممتاز علی صاحب نے اپنی عمر کے اس حصہ میں، جسے لوگ بیکاری اور آرام کا زمانہ سمجھتے ہیں، خدمت اسلام کا ایک نہایت بیش بہا کام انجام دیا ہے۔ اور کتاب تفصیل البیان فی مقاصد القرآن لکھ کر قرآن کریم کے مطالعہ کا ایک نیا دروازہ کھولا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی کتابیں پہلے بھی لوگوں نے لکھی ہیں۔ مگر وہ عموماً ایک بہت محدود دائرے کے اندر ہیں۔ تفصیل البیان میں سید ممتاز علی صاحب نے ایک طالب علم کی محنت شاقہ کے ساتھ کام کیا ہے۔ اور کوشش کی ہے کہ نہ صرف ہر ایک اہم مضمون پر بلکہ ہر ایک مضمون کے مختلف پہلوؤں پر کل آیات قرآنی کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ مضامین کی تقسیم اور پھر ان کے مختلف پہلوؤں کو جمع کرنا شدید محنت کو ہی نہیں بلکہ قرآن کریم سے گہری واقفیت کو چاہتا تھا۔ اور تفصیل البیان کا محض سرسری طور پر مطالعہ کرنے والا بھی سید صاحب کی محنت شاقہ اور ان کی نظر غائر کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنِّي عَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ۔ ہاں یہ سچ ہے کہ قرآن کریم کے اندر جس قدر علم وحکمت کے خزانے ہیں وہ قیامت تک نئے سے نئے رنگ میں کھلتے رہیں گے۔ کتنے اہم مضامین ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ لیکن ایک زمانہ میں اس ضرورت کے پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے وہ نظروں سے اوجھل رہے تو دوسرے زمانہ میں کھل گئے۔ اور

اس طرح جو باتیں آج ہماری نظروں سے مخفی ہیں وہ آئندہ نسلوں پر کھلتی رہیں گی۔ مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ سید ممتاز علی صاحب کی محنت نے اس نظر سے قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے، کہ اس پاک کتاب میں فلاں مضمون کے متعلق کیا روشنی ڈالی ہے، رستہ نہایت سہل کر دیا ہے۔ اور یہ کتاب ایسے لوگوں کے لئے اور قرآن کریم کا درس دینے والوں کے لئے ایک بیش قیمت معاون ہوگی۔ میری درد دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سید صاحب کو اپنے پاک کلام کی خدمت کے لئے صحت اور لمبی عمر عطا فرمائے۔ اور تکمیل کتاب کے علاوہ ان سے اور بھی اپنے پاک کلام کی خدمت کا کام لے۔ اس کتاب کی ابھی چار جلدیں شائع ہوئی ہیں جن کی مجموعی قیمت پندرہ روپے ہے۔ محمد علی

قابل تقلید نمونہ: دفتر انجمن سے افسر تحصیل مطلع فرماتے ہیں کہ جناب مولانا عبد الحق صاحب فاضل سنسکرت مبلغ انجمن سے گذشتہ سال اراضی اکاڑہ کی خرید کے سلسلے میں ایک سال کے لئے یک صد روپیہ قرض انجمن نے لیا تھا۔ جس کو مزید ایک سال واپس نہ لینے کی درخواست کی گئی۔ جس کے جواب میں ان کا حسب ذیل خط آیا ہے۔

’’آپ کا خط انجمن کے ذمہ میرے قرضہ کے بارے میں وصول ہوا۔ میں خود اپنے ابتداء ملازمت کے زمانہ سے انجمن کے احسانات کا مقروض ہوں۔ میں نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ انجمن کے فیضان سے حاصل کیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس قابل نہ ہوا کہ انجمن کی خدمت مفت کر سکتا۔ میں صرف بارہ مہینے کے لئے اس قرضہ کی توسیع نہیں کرتا بلکہ اس کو انجمن کی نذر کرتا ہوں‘‘

مولانا صاحب کے ذمہ کچھ رقم جلسہ سالانہ پر بمبئی سے فراہم کر کے بھیجنے کے لئے لگائی گئی تھی۔ اس کے جواب میں بھی آپ نے اپنی گرہ سے پچاس روپے ادا کر دیئے۔

❁❁❁

25 جنوری 1932ء

خادم بنے تو دین کا حامی ترا خدا ہو

اہلیہ صاحبہ حضرت امیر ایدہ اللہ

میرے چھوٹے بھائی نصیر احمد آئی سی ایس کے بخریت مراجعت وطن پر جن محترم بہنوں نے مجھے مبارکباد کے خطوط لکھے ہیں میں ان کی نہایت مشکور ہوں اور خدا کا شکر کرتی ہوں کہ اس نے مجھے ایسی مخلص بہنیں عطا کی ہیں۔ منجملہ ان کے میری ایک نہایت عزیز بہن ہیں جنہوں نے مجھے اشعار میں مبارکباد لکھ کر بھیجی ہے۔ وہ اشعار میں یہاں لکھتی ہوں۔ اور چاہتی ہوں کہ ہر احمدی بی بی کی یہ دلی تمنا اور خواہش ہو کہ اس کی اولاد خادم دین وملت بنے۔ وہ اشعار یہ ہیں۔ جو شاعرانہ نہیں بلکہ خواہرانہ حیثیت سے لکھے گئے ہیں۔

اے خواہرِ مکرم میرا سلام پہنچے
پھر آپ کے ذریعے سب تک پیام پہنچے

میری دلی مبارک پہلے جناب لیجئے
پھر اپنے گھر میں سب کو میری طرف سے دیجئے

ماں باپ بہن بھائی سب کو میری مبارک
پھر خاص طور پر ہو دادی کو بھی مبارک

آئے نصیر احمد ہیں کامیاب ہو کر
سجداتِ شکر لازم ہیں رب کے آستاں پر

رحمت خدا کی تم پر اے حق کے نیک بندو!
سو بار ہو مبارک فضلِ خدا یہ تم کو

خوش آمدی عزیزم آنا تجھے مبارک
پھل اپنی محنتوں کا پانا تجھے مبارک

یورپ میں جا کے رہنا اور کامیاب آنا
اعمال صالحہ سے پھر بہرہ یاب آنا!!

نعمت یہ بیکراں ہے رحمت کا یہ نشاں ہے
شکر اس کا کرسکیں ہم طاقت ہمیں کہاں ہے

ان کی ہے یہ تمنا جو ہیں ترے دعا گو
خادم بنے تو دیں کا حامی ترا خدا ہو

دنیا کا بن کے حاکم خادم ہو دیں کا پکّا
تاحق کی رحمتوں کا مظہر بنے تو سچّا

☆☆☆

25 جنوری 1932ء

روئیداد

جزائر فجی سے دستکاری

دستکاری میں جن بہنوں نے مدد دی ہے ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر ہماری پر جوش بہن اہلیہ محمد عبداللہ صاحب مسلم مشنری فجی ہیں۔ بہن موصوفہ کے دل میں خدمت دین کی تڑپ ہے انہوں نے فجی جاتے ہی وہاں کی خواتین میں دستکاری کے لئے تحریک کی اور چند ماہ کے بعد ہی ایک معقول تعداد چیزوں کی نمائش کے لئے بھیج دی۔ افسوس ہے کہ یہ اشیاء وقت پر نہ پہنچیں۔ اس لئے نمائش میں نہ رکھی جا سکیں۔ مگر بحیثیت دستکاری کے اس قدر نفیس، خوبصورت اور کارآمد تھیں کہ آتے ہی سب فروخت ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ بہن موصوفہ کو جزائے خیر دے۔ ان کے ذریعے سے خدا نے اور کئی بہنوں کو خدمت اسلام کی توفیق بخشی ہے۔ ہماری دیگر بہنوں کو بھی غور کرنا چاہئے کہ ایک بہن سینکڑوں کوس دور ایک غیر ملک میں تھوڑی سی کوشش سے کئی بہنوں کو آمادہ عمل کر کے قدر مدد دے سکتی ہیں تو کیا وہ اپنے وطن میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے ہوئے اپنی رشتہ بی بیوں میں اور اپنے حلقہ ملاقات میں یہ تحریک نہیں کر سکتیں۔ یقیناً کر سکتی ہیں۔ صرف تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے۔ اور جب انسان کسی بات کا عزم کر لیتا ہے تو تمام روکاوٹیں دور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ میں امید کرتی ہوں کہ اس سال ہماری سب بہنیں اپنی پوری توجہ اور کوشش اس نیک کام میں صرف کر دیں گی۔ خداوند کریم توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سکرٹری احمدیہ انجمن خواتین لاہور

خواتین کا جلسہ: 24 جنوری 1932ء کو برکت علی محمڈن ہال میں احمدیہ انجمن خواتین اسلام لاہور کا ایک جلسہ سر محمد شفیع مرحوم و مغفور کی بے وقت اور اندوہناک وفات پر اظہار غم کے لئے منعقد ہوا۔ جس میں متعدد لایق اور معزز بہنوں نے تقاریر کیں۔ اور سر محمد شفیع مرحوم کی ملکی و ملّی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی وفات کو مسلمانوں کے لئے ایک نقصان عظیم قرار دیا۔

❁❁❁

29 جنوری 1932ء
ارشاد حضرت امیر

صدقہ جاریہ۔ مستقل آمد کا ذریعہ

جن لوگوں کے پاس روپیہ ہو ان کو ہمیشہ یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کا روپیہ کسی ایسے کام میں لگ جائے جہاں سے ایک مستقل آمد ہوتی رہے اور فی الحقیقت روپیہ فائدہ وہی دیتا ہے جو کسی نفع کے کام میں لگا رہے۔ ہماری شریعت نے مسلمانوں کو صدقہ جاریہ کی صورت میں بعض ایسے کاموں کی طرف توجہ دلائی ہے جن کا فائدہ انسان کو لگاتار پہنچتا رہے۔ مثلاً ایک مسکین کو ایک وقت کھانا کھلا دیتا ہے یا کچھ مال امداد دیتا ہے۔ وہ بھی ثواب کا کام ہے۔ لیکن اس کا فائدہ اسی حد تک محدود ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کنواں لگوا دیتا ہے ہے یا پل بنوا دیتا ہے یا سرائے بنوا دیتا ہے تو اس کا فائدہ اس صدقہ کرنے والے کو اس وقت تک پہنچتا رہتا ہے، جب تک یہ چیزیں لوگوں کے مصرف میں آتی رہتی ہیں۔ ہر زمانہ کی اپنی اپنی ضروریات ہوتی ہیں۔ جہاں تک میں دیکھتا ہوں اس زمانہ میں صدقہ جاریہ کی بہترین صورت دینی کتب کا لوگوں تک پہنچانا ہے اور بالخصوص ان کا ایسی جگہ رکھوانا جہاں عام لوگوں کے مطالعہ میں آسکیں اور کسی خاص آدمی کی ملک نہ ہو جائیں۔ ایسے ہی ایک صدقہ جاریہ کے کام سے ہماری قوم نے کسی وقت سینکڑوں کی تعداد میں قرآن کریم کے انگریزی ترجمے اور انگریزی سیرت کی کاپیاں یورپ اور امریکہ کی متعدد لائبریریوں میں بجھوائی تھیں۔

اسی جلسہ کے اختتام پر مسٹر محمد خیرالدین سگو بیرسٹرایٹ لاء یہاں تشریف لائے تھے۔ اور چونکہ وہ عرصہ سے انجمن کے لٹریچر کو بھی دیکھ رہے تھے اور کاروبار کے بھی مداح تھے اس لئے انہوں نے خود ہی شمولیت جماعت کی خواہش ظاہر کی۔ اور بیعت کی۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے ایسے ایک صدقہ جاریہ کے کام کی طرف توجہ دلائی ہے اور کہا کہ جس قدر فراغت کا وقت آدمی کو جہاز کے سفر پر ملتا ہے اور کم میسر آتا ہے اس لئے اگر جہازوں کی لائبریریوں میں ترجمۃ القرآن اور سیرت کی کاپیاں رکھوا دی جائیں تو ہزارہا مخلوق، جو ان جہازوں پر آتی جاتی رہتی ہے، ان

کتابوں سے فائدہ اٹھاتی رہے گی۔ ہماری جماعت میں خدا کے فضل سے کئی ایک مالدار دوست ہیں۔ وہ جہاں اپنے اموال کو اور نفع کی جگہوں پر لگانے کے خیال میں رہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں ڈالے اور اس دائمی نفع کے کام پر وہ کچھ روپیہ لگا دے جو ہمیشہ کے لئے لوگوں کی ہدایت کا موجب ہوتا رہے گا۔ تو یقیناً اس کے مال کا یہ حصہ بہترین منفعت کے کام پر لگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہی کسی صاحب مال کے دل میں ڈالے۔ والسلام۔ محمد علی

4 فروری 1932ء

شمع بزمِ عارفاں!

حضرت امیر ایدہ اللہ کی ذات گرامی

وہ امیرالمومنینِ، وہ شمع بزمِ عارفاں! روئے پُر تنویر سے جس کے ہوتابانِ جہاں
ملک روحانی کی شاہی جس کو دی اللہ نے جس پہ ہے فضل خدا مثلِ ہما سایہ کناں
پُر زِ اسرار و رموزِ معرفت جس کا کلام جس کی خاموشی میں بھی مرکوز ہے لطفِ بیاں
فخر دین رازی سے جو وا ہو سکے نہ عمر بھر کھول کر سب رکھ دیئے اس نے وہ اسرارِ نہاں
اس نے دنیا میں کیا ارفع مقامِ میرزؔا احمدیت کو بنایا اس نے مقبولِ جہاں
اس کو ورثہ میں ملا ہے علم سلطان القلم کہہ گئے ہیں اس کی نسبت مہدی آخر زماں
''دعوۃ و تبلیغ دیں کا کام تیرا کام ہے! تجھ سا باہمت نظر آتا نہیں کوئی جواں''
مضطرب رکھتی ہیں جو دین کے لئے اس کو مدام برق مضطر میں بھی وہ دیکھی نہیں بیتا بیاں
تو فدا ہو جائے اس کے حسنِ دل افروز پر گر خدا سے ہو میّسر تجھ کو چشمِ عاشقاں
ہوشدار! اے ہرزہ گوے! دم مزن درشان او بہر تعظیمش ستادہ بادشاہانِ جہاں!!
''قدرِ زر زر گر بداند قدر جوہر جوہری''
قدرِ علم وعقل وعرفاں چیست پش ابلہاں

محمد مرتضیٰ خاں صاحب بی اے۔ مانگرول

❁❁❁

4 فروری 1932ء

بہار جاویداں

حضرت امیر ایدہ اللہ کی ذات گرامی

جلوہ فرما ایک دن تھے برسرِ منبر حضور اور لسانِ صدق سے یوں ہو رہے تھے دُرفشاں
دردِ ملت سے نہیں پڑتی مجھے کل ایک دم درد سے میں ہوں تڑپتا مثلِ مرغِ نیم جاں
اے عزیزو! یہ غمِ دیں جاں کو میری کھا گیا کاش ہوتا کوئی تم میں میرے غم کا رازداں!
میں نے تو رو رو کے دامن کر دیا تر درد سے کیا تمہارے کان تک پہنچی نہیں میری فغاں؟
سر سے پانی اب گزر جانے کو ہے اے غافلو! کچھ تو اب جاگو خدارا! چھوڑ دو خوابِ گراں!
گر یہی غفلت رہی، میں جاں سے جاؤں گا گزر کیا یہ ٹھانی ہے کہ تم لے کر رہو گے میری جاں!
خدمتِ دیں کے لئے اللہ نے تم کو چنا دینِ احمدؐ کے تمہی ہو اس جہاں میں پاسباں
کیا نہیں تم چاہتے اے زمرۂ ابرارِ دیں! گلشن احمدؐ میں پھر آئے بہار جاوداں؟
اس قدر پھر کیوں یہ غفلت؟ اس قدر کیوں یہ جمود کیا خدا کو بھول بیٹھے اے گروہِ عاقلاں؟
مشکلاتِ دین سب آسان ہو جائیں گی، ہاں تم اگر راہِ خدا میں کچھ کرو قربانیاں
زندگانی پاؤ گے مر کر خدا کی راہ میں ہاں ملے گی دیں کی خدمت سے حیاتِ جاوداں
مال و دولت اے عزیزو! اب نثارِ دیں کرو وقت نازک ہے بہت، شاہد ہے ربِ دو جہاں
میں سوالی بن کے پھیلاتا ہوں دامانِ سوال جو مجھے دے گا، خدا اس کو کرے گا شادماں!

از پئے دینِ محمدؐ من گدائے آمدم!!
حسبۃً للہ مر چیزے مرا صاحب دلاں

از محمد مرتضیٰ خاں صاحب بی اے۔ مانگرول

❁❁❁

4 فروری 1932ء

مکتوب حضرت امیر

احمدی خواتین سے اپیل

آپ کا مال وہ نہیں جو آپ کے صندوق میں بند ہے بلکہ جو آپ نے خدا کی راہ میں دے دیا ہے۔

ذیل کا مکتوب حضرت امیر ایدہ اللہ نے احمدی بیگمات کی خدمت میں فرداً فرداً ارسال فرمایا۔ مدیر

خواہر محترمہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دسمبر میں میں نے آپ سے اپیل کی تھی کہ آپ بھی خدمت دین کے لئے کچھ قربانی کریں اور اپنے زیور کا کوئی حصہ خدا کی راہ میں دیں۔ اس اپیل کا جواب جس رنگ میں مجھے ملا ہے۔ اس سے مجھے افسوس بھی ہوا اور خوشی بھی۔ افسوس اس لئے کہ صرف بیس خواتین نے اس آواز پر لبیک کہا۔ خوشی اس لئے کہ ان بیس نے قربانی کا ایسا اچھا نمونہ دکھایا کہ قریباً پندرہ سو روپے کی رقم ان کے زیورات سے وصول ہو جانے کی امید ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ یہ جواب ابھی صرف اسی حصہ سے ملا ہے جو امراء کی تعریف میں نہیں آتے۔ بلکہ سب سے بڑا عطیہ، جس کی قیمت سوا چار سو روپیہ ہے، ایک ایسی بی بی کی طرف سے ہے جو خود تکلیفوں میں مبتلا ہیں۔ اور وہ اپنا نام بھی ظاہر کرنا پسند نہیں کرتیں۔ مگر ان صالح بندوں کے کام اللہ تعالیٰ خود ہی تکمیل کو پہنچاتا ہے جو اس کے دین کی حاجت کے وقت کام آتے ہیں۔ ایک اور بی بی ان میں ہیں جو متواتر قومی تحریکات میں اپنا زیور دیتی رہی ہیں۔ یہاں تک کہ اس موجودہ تحریک میں انہوں نے قریباً اپنا آخری زیور دے دیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس طرح وہ اپنے زیور سے محروم نہیں ہوئیں بلکہ ایک طرف انہوں نے اس زیور کو ہمیشہ کے لئے اپنا بنالیا ہے اور دوسری طرف اپنی قوم کو بنا دیا ہے۔

خدا کے حق کو لا پروائی سے دیکھنا اچھا نہیں: بہر حال میں آپ کی پہلی خاموشی کی وجہ سے مایوس نہیں ہوتا۔ اور پھر آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کے مال میں خدا کا بھی حق ہے۔ جس نے یہ سب کچھ آپ کو دیا ہے۔ خدا کے حق کو لا پروائی سے دیکھنا اچھا نہیں۔ یہ دنیا ہمیشہ کے رہنے کی جگہ نہیں اور آخر یہ سب کچھ یہیں چھوڑ کر جانا ہے۔ ہمارے ساتھ صرف اسی قدر جائے گا جو ہم نے اپنے ہاتھ سے خدا کی راہ میں دے دیا ہے۔ یہ میں نہیں کہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی

احادیث میں بار بار اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ تمہارا مال وہی ہے جو تم خدا کی راہ میں خرچ کر دو اور وہی ہمیشہ تمہارے کام آتا رہے گا۔

دوسروں کے اعمال کا فائدہ نہیں پہنچ سکتا: یہ بھی اللہ تعالیٰ نے ہی فرمایا ہے کہ ایک انسان کے نیک اعمال کا دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ اگر کسی بی بی کا خاوند ساری رات تہجد پڑھتا رہے اور وہ خود بے نماز ہے تو خاوند یا باپ کی نماز سے اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اگر کسی بی بی کے خاوند نے ہزار ہا روپے خدا کی راہ میں دے دیئے مگر اس کو خود کچھ خرچ کرنے کی توفیق نہیں ملی تو خاوند کا خرچ کیا ہوا اس کے کام نہیں آئے گا۔ اس وقت خدا کا دین سخت احتیاج کی حالت میں ہے۔ اگر کسی مفلس محتاج، بیمار کو دیکھ کر آپ کے دل میں رحم آ جاتا ہے تو دین کی احتیاج اور بیکسی پر کیوں رحم نہیں آتا؟!

آپ کا مال: آپ کا مال وہ نہیں ہے جو صندوق میں بند ہے۔ وہ آپ کی آنکھوں کے بند ہوتے ہی دوسروں کا ہوگا۔ بلکہ آپ کا مال وہ ہے جو آپ نے اپنے ہاتھ سے خدا کی راہ میں دے دیا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ جائے گا۔ آپ اپنے زیور کا جو حصہ خدا کی راہ میں دیں گے، وہی آپ کے اس وقت کام آئے گا جب نہ بیٹا، نہ بیٹی، نہ خاوند، نہ باپ کچھ کام آسکیں گے۔ وہ ہمیشہ کے لئے آپ کا اپنا ہوگیا۔ نہ اس کو چور چرا سکتا ہے نہ اس پر ڈاکہ پڑ سکتا ہے۔ نہ موت اسے آپ کے ہاتھ سے چھین سکتی ہے۔

بھائیوں سے التجا: یہ تحریک میں رمضان کے ایام میں کر رہا ہوں۔ رمضان میں خدا کی راہ میں دینا اور بھی زیادہ ثواب کا کام ہے۔ میں اپنے ان بھائیوں سے بھی، جن کے ذریعے سے یہ خط آپ کے ہاتھوں تک پہنچے گا، یہ التجا کرتا ہوں کہ جب وہ خود دین کی ضروریات کے لئے سینکڑوں اور ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے خوش ہوتے ہیں کہ ان کا مال خدا کے دین کے کام آ گیا، تو وہ اپنی بیویوں سے کیوں بخل کرتے ہیں۔ وہ کیوں انہیں نہیں کہتے کہ وہ بھی اپنے لئے کچھ توشہ آخرت جمع کر لیں۔ تا کہ جس طرح دنیا میں وہ ان کے ساتھ ہیں، آخرت میں بھی اپنے نیک اعمال کی وجہ سے ان کے ساتھ ہوں۔

غریب بہنوں سے سبق: ہماری جماعت میں بہت سی متمول بیبیاں ہیں۔ جن کو اپنی اس غریب بہن سے سبق لینا چاہئے جس نے اپنا سب سے قیمتی زیور اٹھا کر خدا کی راہ میں پھینک دیا ہے کہ دین کو قوت

پہنچے۔ گو وہ خود تکلیف اٹھائیں اور وہ تو بغیر تکلیف اٹھانے کے اپنے قیمتی زیوروں کو، جو صرف صندوقوں اور شیلفوں میں پڑے ہیں خدا کے خزانے میں داخل کر سکتی ہیں۔ جہاں ان کو اس کا اجر کئی گنا ہو کر ملے گا۔ جس طرح بیج وہی بڑھتا ہے جو کھیت میں ڈالا جاتا ہے۔ اسی طرح مال وہی بڑھتا ہے اور بالآخر انسان کے کام آتا ہے جو خدا کی راہ میں دیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن شریف میں فرماتا ہے کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (261:2) وہ اس دانہ کی طرح ہوتا ہے جو اگتا ہے تو سات خوشے بنتے ہیں اور ہر خوشہ میں سو دانہ ہوتا ہے۔

میں نے یہ تحریک دلی درد سے کی ہے اور اس پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے کہ مال کی محبت کو خدا کی محبت پر قربان کر دیں۔ اور اس کی برکتوں اور فضلوں کے وارث ہوں۔ والسلام

خاکسار

10 رمضان المبارک

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

4 فروری 1932ء
ارشاد حضرت امیر

جماعت کے آنریری کارکن اور مبلغ

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ جو تحریک گزشتہ سال کی گئی تھی کہ جو لوگ گورنمنٹ سروس سے ریٹائر ہوتے ہیں وہ بلا معاوضہ لاہور میں یا جہاں انجمن مناسب سمجھے خدمت دین کے کام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ وہ بار آور ہو رہی ہے۔ سب سے پہلے میرے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب نے، جو پنشن لینے کے بعد امرتسر میں ایک معقول تنخواہ پر کام کر رہے تھے اور وہاں بھی ایک مفید کام کر رہے تھے، اس آواز پر لبیک کہا اور گزشتہ مئی میں بلا کسی معاوضہ کے اپنی خدمات کو انجمن کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد خان بہادر میاں غلام رسول صاحب نے اسی ذیل میں دس یوم ماہوار کا وعدہ کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان موانع کو دور فرمائے جو قوم کو ان کی ان خدمات سے اب تک محروم کر رہے ہیں۔ اس کے بعد 4 اکتوبر کو جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ریٹائر ہو کر خدمات دینی کو سرانجام دینے کے لئے لاہور میں آ کر مقیم ہو گئے ہیں اور علاوہ درس قرآن کریم کے دیگر کئی ایک ضروری کام جن کا اب تک کوئی انتظام نہ تھا ان کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ انشاء اللہ تعالیٰ بیرونی جماعتوں میں بھی تھوڑا تھوڑا قیام کیا کریں گے۔ اور سردست رمضان کے بعد دہلی آپ اسی غرض کے لئے تشریف لے جائیں گے۔ اس کے بعد اب خان صاحب چودھری منظور الٰہی صاحب نے، جو 12 جنوری کو ریلوے سروس سے ریٹائر ہو رہے ہیں، گو ان کو کوئی پنشن بھی نہیں ملے گی، مگر محض ابتغاءً لِوَجہ اللّٰہ اپنی خدمات کو کلی طور پر انجمن کے سپرد کر دیا۔ چودھری صاحب موصوف نے اس سلسلہ کو بیرونی ممالک میں پہنچانے اور اس کے پودے مختلف ممالک میں لگانے میں جو عظیم الشان کام کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارا لٹریچر چودہ غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور کم از کم تین اخبار یں ایک چین ایک پولینڈ اور ایک عرب میں نکل رہی ہیں۔ وہ بے نظیر کام ہے۔ یہ سب کام انہوں نے اس حالت میں کیا ہے جب وہ اپنے دفتر کا کام بھی ساتھ کرتے تھے۔ میں نے ان کے اس عشق کو دیکھا ہے کہ تکان کا نام تک ان کے پاس نہ آتا تھا۔ اور وہ دفتر کے کام سے فارغ ہو کر آتے تو بجائے گھر میں آرام کرنے کے، جو اکثر لوگوں کی خواہش ہوتی ہے، دفتر میں آ بیٹھتے اور آدھی آدھی رات تک کام میں لگے رہتے۔ ان کے اس اخلاص اور محنت کا اللہ تعالیٰ نے جماعت کی توسیع کے رنگ میں اتنا بڑا پھل دیا ہے کہ ہماری جماعت اس کا کافی طور پر شکریہ ادا

نہیں کر سکتی اور مجھے یقین ہے کہ اب جبکہ وہ سب کاموں سے فارغ ہو کر اسی للہی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے ہیں، تو ہندوستان میں تبلیغ کی توسیع پر بھی خاص توجہ دیں گے۔ دو بزرگ اور بھی ہیں۔ جو انشاء اللہ اپریل سے اسی طرح اس للہی خدمت میں آلگیں گے۔ یعنی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب جالندھری۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو بہت وسیع کرے اور اپنے دین کی خدمت کا جوش ہمارے احباب کے سینوں میں ایسا پیدا کر دے کہ وہ دیوانہ وار اس کے لئے کام کرنے والے ہوں۔ ان بزرگوں سے جس قدر قوت سلسلہ کے کام کو ان کی ملازمت کے اثناء میں ملی ہے وہ بھی بہت بڑی ہے۔ مگر ان کے ہمہ تن دینی خدمت پر لگ جانے سے انشاء اللہ اس جماعت کی ترقی کا ایک نیا دور شروع ہو گا۔ اسی سلسلہ میں میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ احباب جو اس وقت ملازمت میں ہیں یا اور کوئی صورت معاش رکھتے ہیں۔ جس سے وہ کچھ وقت بچا سکتے ہیں۔ وہ بھی آنریری طور پر اپنے اپنے علاقہ میں تبلیغ کا کچھ کام اپنے ذمہ لے لیں۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو ان کے لئے پنشن کے بعد دینی خدمت میں لگنا بہت سہل ہو جائے گا۔ دوسرے اس طرح ان کے علم میں ترقی شروع ہو جائے گی۔ یہ دو ذاتی فوائد ہیں۔ اور قوم کو اور دین کو جو فائدہ پہنچے گا اسے خدا ہی جانتا ہے۔ بہر حال اگر کچھ احباب اپنے دل میں یہ شوق پاتے ہوں تو وہ مجھے اطلاع دیں کہ وہ کس قسم کا کام کر سکتے ہیں۔ کس علاقہ میں کر سکتے ہیں۔ کتنا اور کونسا وقت دے سکتے ہیں۔ مثلاً صرف اتوار کا دن ہی دے سکتے ہیں یا اور کوئی وقت بھی روزانہ یا ہفتہ میں ایک دو دفعہ دے سکتے ہیں۔ اور انہیں کس قسم کا لٹریچر بکار ہو گا۔ اور کس قسم کی مدد کی ضرورت ہو گی۔

اس کے ساتھ ہی زمیندار احباب یا دوسرے احباب سے، جن کو یہ موقعہ حاصل ہو، یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقہ میں اس بات کی ٹوہ میں لگے رہیں کہ کیا کوئی اچھوت چوہڑے چمار یا دوسری قوم کے لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو بہتر بنانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ تو اسلام ان کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بلند مقام پر پہنچا سکتا ہے۔ جہاں ایسے لوگ موجود ہوں ان سے مل کر ان کو اسلام کی طرف لانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اس بارے میں جس قسم کی امداد کی ضرورت مرکز سے ہو گی اس کی اطلاع مجھے دی جائے۔ خاکسار

محمد علی

❁❁❁

19 فروری 1932ء

ہماری جماعت کا ممبر کون ہے؟!

حضرت مسیح موعود کا آخری فیصلہ

حضرت امیر ایدہ اللہ کا ایک نہایت ضروری اعلان

یہ اشتہار کوئی معمولی تحریر نہیں بلکہ ان لوگوں کے ساتھ، جو مرید کہلاتے ہیں، یہ آخری فیصلہ کرتا ہوں کہ مجھے خدا نے بتلایا ہے کہ میرا انہی سے پیوند ہے۔ یعنی وہی خدا کے دفتر میں میرے مرید ہیں جو اعانت اور نصرت میں مصروف ہیں۔ مگر بہتیرے ایسے ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ سو ہر ایک شخص کو چاہئے کہ اس نئے انتظام کے بعد نئے سرے سے عہد کر کے اپنی خاص تحریر سے اطلاع دے کہ وہ ایک فرض حتمی کے طور پر اس قدر چندہ ماہواری بھیج سکتا ہے۔ مگر چاہئے کہ فضول گوئی اور دروغ کا برتاؤ نہ کرے۔ ہر شخص جو مرید ہے اس کو چاہئے کہ اپنے نفس پر کچھ ماہواری مقرر کر دے۔ خواہ ایک پیسہ ہو اور خواہ ایک دھیلہ۔ اور جو شخص کچھ بھی مقرر نہیں کرتا اور نہ جسمانی طور پر اس سلسلہ کے لئے کچھ بھی مدد دے سکتا ہے۔ وہ منافق ہے۔ اب اس کے بعد وہ سلسلہ میں نہیں رہ سکے گا۔ اس اشتہار کے شائع ہونے سے تین ماہ تک ہر ایک بیعت کرنے والے کے لئے جواب کا انتظار کیا جائے گا کہ وہ کیا کچھ ماہواری چندہ اس سلسلہ کی مدد کے لئے قبول کرتا ہے۔ اور اگر تین ماہ تک کسی کا جواب نہ آیا تو سلسلہ بیعت سے اس کا نام کاٹ دیا جائے گا اور مشتہر کر دیا جائے گا۔ اگر کسی نے ماہواری چندہ کا عہد کر کے تین ماہ تک چندہ کے بھیجنے سے لاپروائی کی اس کا نام بھی کاٹ دیا جائے گا اور اس کے بعد کوئی مغرور اور لاپروا جو انصار میں داخل نہیں اس سلسلہ میں ہرگز نہیں رہے گا۔ المشتہر مرزا غلام احمد مسیح موعود از قادیان ضلع گورداسپور

حضرت مسیح موعود کے ان الفاظ کے نقل کر دینے کے بعد مجھے کچھ مزید لکھنے کی ضرورت نہیں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں، جیسا کہ میں نے خطبہ عید میں اعلان کر دیا تھا، آئندہ کے لئے اس ارشاد پر پورا عمل درآمد ہوگا۔ جہاں ایک بڑا حصہ جماعت کا اپنی بے نظیر قربانیوں سے خدا کے دین کی خدمت میں مصروف ہے، ایک حصہ احمدی کہلانے والوں کا وہ ہے جو یا تو بار بار کی تحریکات کے باوجود ماہوار چندہ

مقرر ہی نہیں کرتے یا مقرر کر کے پھر اسے ادا نہیں کرتے۔ اور جب دو تین تین سال کا بقایا ہو جاتا ہے تو پھر کہہ دیتے ہیں کہ ہم میں اتنا چندہ اکٹھا دینے کی توفیق نہیں۔ میں اس بات کو بھی صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ ماہوار چندہ یعنی اپنی آمد سے ایک معین حصہ خدا کے دین کی حفاظت اور اشاعت کے لئے الگ کر دینا اس سلسلہ کا جہاد ہے۔ اور جس طرح اس جہاد بالسیف میں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے زمانہ میں کرنا پڑا، شامل نہ ہونے والوں کو قرآن شریف میں منافق کہا گیا ہے، اسی طرح اس جہاد میں شامل نہ ہونے کو حضرت مسیح موعود نے منافق کہا ہے۔ اس وقت میں اسی ارشاد کے مطابق ان لوگوں کے لئے جو ہماری جماعت لاہور سے تعلق رکھتے ہیں یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ

1۔ ہر ایک شخص جو خود کوئی ذریعہ آمد رکھتا ہے اس کا ماہوار چندہ اس کی کمائی کے مطابق ہو گا۔ یعنی اپنی آمدنی کا ایک مقررہ حصہ دے گا۔ یہ حصہ ہماری انجمن نے اس طرح پر مقرر کیا ہے کہ پچاس روپے ماہوار سے کم آمد والے اصحاب تین پیسہ فی روپیہ کے حساب سے چندہ دیں اور اس سے زیادہ آمد والے ایک آنہ فی روپیہ۔ یہ چندہ کی شرح بعض لوگوں کو زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن وہ غور کریں کہ زمانہ نبویؐ میں جس جہاد کی طرف بلایا جاتا تھا، کیا اس کا بوجھ اس سے کئی گنا زیادہ نہ تھا؟! میں نے دیکھا ہے کہ یہ بخل عموماً انہی طبائع میں پیدا ہوتا ہے، جن کو خدا نے اپنے فضل سے زیادہ دیا ہے۔ ان کی آمد زیادہ ہے وہ ہر خرچ کے موقعہ پر خرچ زیادہ کرتے ہیں۔ دنیا کا کوئی خرچ ہو تو انہیں خیال ہوتا ہے کہ ہم مجبور ہیں۔ اپنی حیثیت سے کم خرچ نہیں کر سکتے۔ لیکن جب خدا کی راہ میں دینے کا وقت آئے تو اس وقت اپنی حیثیت کو بھول جاتے ہیں اور اپنے دوسرے اخراجات کو عذر بنا کر خدا کی راہ میں کمی کرتے ہیں۔ عہد تو یہ کیا تھا کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ لیکن عملاً دنیا کو دین پر مقدم کیا جاتا ہے۔

2۔ عورتیں اور بالغ لڑکے اور لڑکیاں، جن کا اپنا ذریعہ آمد کوئی نہیں، انہیں اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں دیں۔ مگر اس میں بھی عموماً اپنی حیثیت کا خیال رکھنا چاہئے۔ بہت سے دوست ہیں جو عورتوں کی طرف سے خود ہی جواب دے دیتے ہیں کہ ہمارا چندہ سارے گھر کی طرف سے ہے۔ ایسے احباب کے خیال میں نماز بھی شاید سارے گھر کی طرف سے ایک ہی کافی ہو جائے۔ خدا اور اس کے رسول نے

عورت کی شخصیت کو الگ قائم کیا ہے۔ اسے اپنے گھر کے اندر بادشاہ قرار دیا ہے۔ وہ اپنے دینے کا ثواب لے گی۔ قیامت کے دن کوئی شوہر بیوی کے کام نہ آئے گا۔ نہ باپ بیٹی کے نہ بھائی بہن کے۔ اسی طرح لڑکے لڑکیاں جب سولہ سترہ سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں الگ چندہ دینے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ خواہ ایک آنہ دو آنہ ہی دیں۔ حضرت مسیح موعود نے جو ایک پیسہ تک ادنیٰ حد قرار دی ہے تو وہ ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے یا ان کے لئے جو فی الواقعہ سخت مشکلات میں ہیں۔

3۔ زمیندار اصحاب کی صورت میں بھی بہتر تو یہ ہے کہ وہ اگر نقد نہیں دے سکتے تو ماہوار کچھ غلہ ہی مقرر کر لیں۔ جہاں بڑی بڑی جماعتیں ہیں ایسا کرنے میں کوئی دقت نہیں۔ جمع شدہ غلہ ماہوار فروخت ہو کر نقدی انجمن کو بھیجی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر وہ ہر فصل پر بھی ایک سیر فی من کے حساب سے ہر جنس سے الگ کر دیا کریں تو حضرت مسیح موعود کے ارشاد کا منشاء پورا ہو جاتا ہے۔

4۔ جن احباب نے چندے مقرر کر کے تین تین چار چار ماہ سے یا بعض صورتوں میں تین تین چار چار سال سے چندے ادا نہیں کئے۔ وہ اگر آئندہ کی ادائیگی کو باقاعدہ کر دیں تو پچھلے بقائے کی جس قدر ہلکی قسط ممکن ہو کر دی جائے گی۔ لیکن بقایا بہر حال ادا کرنا ہوگا۔ کئی دوست ایسے ہیں کہ انہوں نے یہی طریق بنا لیا ہے کہ دو تین سال بعد پچھلا بقایا چھوڑ دیا جائے۔ آئندہ ایک دو ماہ دے کر پھر خاموش ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس وقت سوائے خاص صورتوں کے یہ بقایا نہ چھوڑا جائے گا۔ انجمن کا اس وقت مقروض ہونا اور طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا ہونا انہی اصحاب کی لاپروائی کا ثبوت ہے۔

آخر پر میں اس بات کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے وفائی نہ کرو۔ جو ایسا کرے گا وہ دنیا میں بھی سکھ نہ پائے گا۔ جو شخص دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کر کے پھر دین کا حصہ نہیں نکالتا وہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ بے وفائی کرتا ہے۔ اور اپنے عہد کو توڑتا ہے۔ اور یاد رکھو کہ غدار اور عہد شکن احمدی اس شخص سے بدتر ہے جو ابھی جماعت میں داخل نہیں۔ میری یہ آخری التجا ہے کہ خدا کے لئے سب دوست اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور خدا کے سامنے فرمانبرداری کا طریق اختیار کریں۔ جس بڑائی پر وہ بھولے ہوئے ہیں وہ محض ایک دھوکا ہے۔ بڑا وہی ہے جو خدا

کے راستے میں زیادہ دیتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ عیداضحیٰ تک سب احمدی دوست جو چندہ مقرر کرتے ہیں یا باقاعدہ ادا کرنے کا وعدہ کرتے ہیں ان کی فہرست مکمل ہو جائے اور جو لوگ ہمارا ساتھ نہیں دینا چاہتے وہ علی الاعلان الگ ہو جائیں۔ خواہ مرد ہوں یا عورتیں یا نوجوان۔ محمد علی

دستوری کمیٹیاں اور مسلمان: آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اگزیکٹیو بورڈ نے 9 اگست 1931ء کو یہ فیصلہ کیا تھا کہ مسلمانوں کو فرقہ وار حقوق کے اطمینان بخش فیصلے سے قبل گول میز کانفرنس میں کوئی حصہ نہ لینا چاہئے۔ گول میز کانفرنس کے گزشتہ اجلاس منعقدہ لندن میں مسلمان علی العموم اس فیصلے کے پابند رہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہندوؤں کے زور دینے کے باوجود مرکزی ذمہ داری کا فیصلہ کانفرنس میں نہ ہو سکا۔ اور حکومت نے اس بارہ میں کوئی اعلان کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اب اسی سلسلہ میں دستوری کمیٹیوں کی ترتیب عمل میں لائی گئی ہے جو ہندوستان کے آئندہ دستور و آئین اور مرکزی ذمہ داری پر غور و خوض کریں گی۔ یہ دیکھنا موجب حیرت ہے کہ ان کمیٹیوں میں اسی مسلم کانفرنس کے بعض ممتاز اراکین شامل ہیں۔ حالانکہ جہاں تک فرقہ وارانہ حقوق کا تعلق ہے۔ ان کا ابھی کوئی اطمینان بخش فیصلہ نہیں ہوا۔ اور نہ ایسے فیصلہ کے لئے اب تک کوئی عملی قدم اٹھایا گیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز امر یہ ہے کہ خود مسلم کانفرنس نے اپنے ایک قریبی اجلاس میں دستوری کمیٹیوں سے بے تعلقی کی قرارداد کے متعلق بحث و تمحیص کو ملتوی کر دیا اور یہ بھی فیصلہ نہ کیا کہ دوران التوا دستوری کمیٹیوں کے مسلم اراکین کس طریق پر عمل پیرا ہوں۔

یہ حالات از حد افسوسناک اور موجب نقصان عظیم ہیں۔ ایسے وقت میں جبکہ ہندوستان کی آئندہ قسمت کا فیصلہ ہو رہا ہو اور ہندو قوم کا موجودہ طریق عمل ان کے عزائم اور ارادوں کو کسی طرح بھی اطمینان بخش ثابت نہ کرتا ہو مسلمانوں کو ایک پختہ اور مستحکم اور متحدہ نظام عمل اختیار کرنا چاہئے۔ مسلم کارکنوں کو اس وقت اپنے ذاتی مفاد کے خیال سے الگ ہو کر تمام قوم کی سود و بہبود کو اپنا نصب العین بنانا چاہئے کہ اسی میں ان کی اور ان کی آئندہ نسلوں کی عزت و وجاہت مضمر ہے۔

ایک لاکھ مسلمانوں کے ارتداد کا خطرہ: معزز معاصر انقلاب نے کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں ایک لاکھ مسلمان کہاروں کے مرتد ہو جانے کا خطرہ ظاہر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ آل انڈیا چندر بنسی کشتری سبھا کے

اجلاس میں جو پچھلے دنوں ہزاروں باغ کلکتہ میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں تین سو کہاروں کو زنار پہنا کر کشتری بنایا گیا اور یہ اعلان کیا گیا کہ کاٹھیاواڑ میں ایک لاکھ مسلمان کہار اشدھ ہونے کے لئے تیار ہیں۔ جن کا دعوتی رقعہ ابھی کانفرنس کو پہنچا ہے۔ یہاں سے ہم لوگ فرصت پا کر کاٹھیاواڑ جائیں گے۔ اور ان کو شدھ کر کے جاتی میں شامل کر لیں گے۔

یہ اطلاع فی الواقعہ تشویش ناک ہے اور ضرورت ہے کہ مسلمان اس کے متعلق تحقیقات کر کے اپنے ایک لاکھ بھائیوں کی حفاظت کا فوری بندوبست کریں۔ اس بارہ میں سب سے پہلے ہماری نظر جناب نواب صاحب مانگرول کی طرف اٹھتی ہے۔ کیونکہ ان کی ریاست کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں ہے۔ اور وہ اس خطرہ کا سدباب زیادہ سہولت کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ اس کام کے لئے حسب ضرورت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اپنے مبلغین کے ذریعہ سے بہترین امداد بہم پہنچا سکتی ہے۔ امید ہے کہ نواب صاحب ممدوح مناسب ذرائع سے کام لے کر اس خبر کی صحت کا پتہ لگائیں گے اور اصل واقعات اور پیش آمدہ خطرہ کے سدباب کے متعلق اپنی مناسب رائے اور ارادہ سے پبلک کو مطلع فرمائیں گے۔

ایک سکول ماسٹر کا انعامی چیلنج: 5 فروری 1932ء کے ''اہلحدیث'' میں اسلامیہ ہائی سکول کوہاٹ کے (نظام الدین نام) ایک سائنس ماسٹر نے ایک انعامی چیلنج شائع کیا ہے۔ جس میں کسی غیر مسلم بیرسٹر یا وکیل کو منصف منتخب کر کے 1 حضرت مرزا صاحب کو ''سچے آدمی'' ثابت کرنے اور 2۔ آپ کے چیدہ چیدہ الہامات کو خدائے محمد رسول اللہ کی طرف سے ثابت کرنے کی دعوت دی گئی۔ ان ہر دو امور کے ثابت ہو جانے پر ایک ایک سو روپیہ انعام دینے کا وعدہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے ''اپنے دعوے کے ثابت کرنے کے لئے قرآن حکیم، حدیث نبوی علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام اور اکابر علماء امت پر جھوٹ، افترا باندھا ہے۔ میں مرزا صاحب کے صرف پچاس جھوٹ پیش کروں گا۔ اور ہر ایک جھوٹ کو سچا ثابت کرنے پر مبلغ دو روپے فی جھوٹ پیش کئے جائیں گے۔'' ہم نہیں سمجھتے کہ سائنس ماسٹر صاحب کو ان امور کے لئے انعامی چیلنج دینے اور منصف مقرر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا منتخب شدہ منصف خدا سے الہام پا کر فیصلہ کرے گا کہ فلاں فریق سچا ہے اور فلاں جھوٹا۔ سوائے اس

کے کہ فریقین کے دلائل کو سن کر وہ کوئی رائے قائم کرے اور فیصلہ دے۔ اور کیا کر سکتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی رائے، خواہ وہ احمدیوں کے حق میں ہو یا خلاف، ضرور صحیح ہوگی۔ اور پھر ایک غیر مسلم اسلامی معاملات اور مسائل کو سمجھنے کی اہلیت ہی کہاں رکھتا ہے۔ اس سے ہزار درجہ یہ بہتر ہے کہ سائنس ماسٹر صاحب اپنے اعتراضات کو اخبار کے ذریعے سے پبلک میں پیش کر دیں۔ جن کا جواب ہماری طرف سے اسی اخبار میں شائع ہو جائے۔ ہم اس بات کے لئے بھی تیار ہیں کہ ان کے اعتراضات کو پیغام صلح میں نقل کر دیا جائے۔ بشرطیکہ ''اہلحدیث'' یا جس دوسرے اخبار میں وہ ان اعتراضات کو پیش کریں وہ ہمارے جوابات کو بھی شائع کرنے کے لئے تیار ہو۔ اس کے بعد معاملہ ان کی منصفانہ رائے (بشرطیکہ وہ تعصب کی آلودگی سے پاک ہو) کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ انعام کی ہمیں خواہش نہیں۔ اگر تحقیق حق منظور ہے تو آؤ اور دلائل کے میدان میں اتر کر صداقت کو آزماؤ کہ یہی حق کو معلوم کرنے کا بہترین طریق ہے۔ ورنہ یوں اگر کوئی غیر مسلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو کسی منصف کی رائے پر منحصر کرنے کا مطالبہ کرے تو کیا سائنس ماسٹر صاحب اس کے لئے تیار ہوں گے؟!

بڑی بڑی جماعتوں میں دورہ: حضرت امیر کا ارشاد حضرت صاحب کے اس ارشاد کی تعمیل کے لئے، جو کسی دوسری جگہ اس اخبار میں درج ہے، میرا ارادہ تھا کہ میں خود مختلف جماعتوں میں دورہ کروں۔ اور احباب کو اس ارشاد کی تعمیل کے لئے توجہ دلاؤں۔ تاکہ کوئی دوست اس جہاد سے باہر نہ رہے، جس کے لئے حضرت مسیح موعود کی بعثت ہوئی ہے۔ مگر بعض وجوہات سے میں زیادہ سفر کی کوفت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے خان بہادر میاں غلام رسول صاحب اور جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب سے میں نے یہ درخواست کی ہے کہ وہ اس مقصد کو اپنے ذمہ لیں۔ ان ہر دو بزرگوں نے یہ منظور فرمایا اور انہوں نے بڑی بڑی جماعتوں میں اپنا دورہ شروع کر دیا ہے۔ اس دورہ کی چار بڑی بھاری اغراض ہیں۔

1۔ یہ کہ جماعت میں کوئی ایسا دوست باقی نہ رہے جو کچھ نہ کچھ ماہوار چندہ ادا نہ کرتا ہو، حتیٰ کہ مستورات اور جوان لڑکے لڑکیاں بھی اس جہاد میں شامل ہوں۔ خواہ ایک ایک دو دو آنے سے ہی ہوں۔

2۔ ماہوار چندہ کی مقدار حسب فیصلہ کانفرنس انجمن ہائے احمدیہ ایک آنہ فی روپیہ تک لانے کی کوشش کی جائے۔ ایک حصہ جماعت کا اس پر اب بھی عامل ہے۔ مگر ایک بڑا حصہ اس معیار سے اب

تک نیچے ہے۔

3 ۔جن احباب کے ذمہ بقایا ہیں وہ سب اس وقت یکمشت وصول کئے جائیں اور خاص حالات میں باقساط وصولی کا انتظام کیا جائے۔

4۔ایک آنہ مستقل فنڈ کو ساری جماعت میں مروج کیا جائے۔اور ہر ایک ممبر جماعت کے چندے میں یہ اضافہ رجسٹرات میں کر دیا جائے۔اس کے علاوہ اور کام تنظیم جماعت کا بھی یہ بزرگ کریں گے۔جماعتوں کے سکرٹری اور صدر صاحبان اور جملہ ممبران ان کی اعانت کریں۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس،لاہور

۞۞۞

27 جنوری 1932ء

جواب مؤدت نامہ

حضرت امیر ایدہ اللہ کی قلم سے

مؤدت نامہ کا خلاصہ: مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ایک اشتہار بنام مؤدت نامہ شائع کیا ہے۔ جس میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے

> ''آپ کا ہمارا جتنا مذہبی اختلاف ہے اس کا اصل الاصول جناب مرزا صاحب قادیانی کی شخصیت خاصہ ہے۔ یہی ایک حد فاصل ہے جو ہم کو ایک جگہ جمع ہونے نہیں دیتی...... میرے وجوہات میں سے بڑی وجہ مرزا صاحب کا وہ اعلان ہے جو انہوں نے ''مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ کے عنوان سے 15 اپریل 1907ء کو شائع کیا تھا......یہی ایک سد سکندری ہے جس کی بابت آج بھرے دل سے آپ کا احترام ملحوظ رکھ کر آپ کو متوجہ کرتا ہوں کہ آپ اپنے علم وفضل سے مجھے فائدہ پہنچائیں۔ جس کی صورت بہت سادہ اور آسان ہے کہ بمقام لاہور مجلس خاص احباب میں اس آخری فیصلہ پر تھوڑا سا وقت محض مخلصانہ گفتگو ہو جس میں ہر فریق کی یہی کوشش ہو کہ دوسرے فریق کے دل میں بات پہنچائے نہ طعن، تشنیع۔ نہ غلاظت کلام، نہ سومزاجی۔''

اختلاف عقائد اور حضرت مرزا صاحب: ان الفاظ میں مولوی صاحب نے باہمی مذہبی اختلاف کو حضرت مرزا صاحب کی ''شخصیت خاصہ'' تک محدود قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ''یہی ایک حد فاصل ہے جو ہم کو ایک جگہ جمع ہونے نہیں دیتی'' جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اختلاف عقائد میں ان سے جتنا چاہوں رکھوں، بیشک یہ مانوں کہ اس امت میں اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کا سلسلہ جاری ہے اور ایسے لوگ اس امت میں ہوتے رہے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے رہے ہیں۔ گو وہ نبی نہ تھے۔ یہ بھی مانوں کہ ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا ضروری ہے۔ پہلے بھی آتے رہے اور چودھویں صدی کے سر پر بھی کوئی مجدد آیا

ہے۔ یہ بھی مانوں کہ حضرت عیسیٰؑ اس جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر نہیں اٹھائے گئے۔ بلکہ جس طرح دوسرے نبی فوت ہوئے وہ بھی فوت ہوگئے۔ یہ بھی مانوں کہ آنے والا مسیح اسی امت کا ایک مجدد ہوگا اور اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کا مصداق۔ یہ بھی مانوں کہ حضرت عیسیٰؑ کا اس امت میں آنا ختم نبوت کے منافی ہے۔ یہ بھی مانوں کہ مسیح اور مہدی دو الگ الگ شخصیتیں نہیں بلکہ ایک ہی مصلح ربانی کے دو نام ہیں۔ لَامَهْدِیُ اِلَّا عِیْسٰی ۔ یہ بھی مانوں کہ مسیح موعود کا کام جو کسر صلیب اور قتل خنزیر بتایا گیا ہے تو اس سے سچ مچ یہ مراد نہیں کہ مسیح لکڑی وغیرہ کی صلیبوں کو توڑتا پھرے گا اور سؤروں کو قتل کرتا پھرے گا۔ یہ بھی مانوں کہ مہدی تلوار کے زور سے کسی کو مسلمان نہیں کرے گا۔ یہ بھی مانوں کہ حدیث قرآن پر قاضی نہیں بلکہ قرآن حدیث پر مقدم ہے جس طرح قرآن وحدیث فقہ پر مقدم ہیں۔ یہ بھی مانوں کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں اور کہ مولوی صاحبان قرآن کریم کی بعض آیات کو دوسری آیات سے منسوخ قرار دینے میں سخت غلطی کر رہے ہیں۔ یہ بھی مانوں کہ اجتہاد کا دروازہ حضرت رسالت مآبؐ نے کھولا اور آئمہ اربعہ نے جو اجتہادات کئے وہ جب تک قرآن وحدیث کے ماتحت ہوں ماننے کے قابل ہیں اور ان آئمہ اربعہ کے بعد بھی اجتہاد کا دروازہ اسی طرح کھلا ہے جیسا کہ ان سے پہلے تھا۔ یہ بھی مانوں کہ دوزخ کا عذاب ہمیشہ کے لئے بلکہ بطور علاج کے ہے اور آخر کار دوزخ پر فنا آجائے گی اور سب لوگ مسلمان ہوں یا غیر مسلم اپنی اپنی بیماریوں کے علاج کے بعد دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے۔ یہ بھی مانوں کہ نہ ہی کسی کو تلوار کے زور سے مسلمان کرنا جائز ہے نہ ہی مسلمان کے سر پر تلوار کا خوف رکھنا جائز ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا اور بالآخر یہ بھی مانوں کہ تمام صحابہؓ تمام ائمہ علیہم السلام خواہ دو مقلدین کے آئمہ ہوں یا غیر مقلدین کے یا اہل السنّت کے ہوں یا اہل تشیع کے اور تمام مجددین اور محدثین اور اولیاء اللہ قابل احترام ہیں۔ تو ان تمام باتوں کو مانتے ہوئے مولوی صاحب میرے ساتھ ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر میں یہ کہوں کہ وہ شخص بھی قابل احترام ہے جس نے یہ سب باتیں مجھے سکھائیں اور جس کے پاس بیٹھ کر میرے سینے میں باوجود انگریزی خواں اور وکیل ہونے کے خدمت اسلام کی تڑپ پیدا ہوئی یا اس کو چودھویں صدی کا مجدد مانوں یا چودھویں صدی کے مجدد کو مسیح اور مہدی تسلیم کروں۔ جس کے اس امت میں آنے کا وعدہ دیا گیا ہے تو پھر مولوی صاحب میرے ساتھ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ العجب!

دشمنی کی وجہ کیا ہے؟: میں اگر یہ کہوں کہ حدیث مجدد صحیح ہے اور ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا ضروری ہے۔تو مولوی ثناءاللہ صاحب اس صورت میں ہنسی خوشی میرا ساتھ دیں گے۔لیکن اگر اس کے ساتھ یہ بھی کہوں کہ اس چودھویں صدی میں اور کوئی مجدد مجھے ملتا نہیں اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی اس کے مجدد ہیں، جنہوں نے مجدد کا کام بھی کیا اور مجددیت کا دعویٰ بھی کیا تو مولوی صاحب میرے قریب نہیں پھٹکیں گے۔ بلکہ میری مخالفت کو ہی دین اسلام کی سب سے بڑی خدمت سمجھیں گے۔اور اگر یہ کہوں کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے اور ان کا اس امت میں آنا ختم نبوت کے منافی ہے اور اسی لئے آنے والا مسیح اسی امت میں ایک مجدد ہونا چاہئے تو مولوی صاحب کو مجھ سے کوئی پرخاش نہیں۔ بلکہ ہم شیر وشکر ہوکر رہ سکتے ہیں۔لیکن اگر میں یہ کہوں کہ میرے نزدیک وہ مسیح ہی چودھویں صدی کا مجدد ہے تو مولوی صاحب میرے ساتھ بیٹھنے کے روادار نہیں ہو سکتے اور سارا زور اس جماعت کی بیخکنی پر صرف کر دیں گے جو میرے ساتھ خدمت دین کے کام میں مصروف ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب اس بات کو صاف کر دیں کہ ان کی دشمنی اس وجہ سے ہے کہ میں حضرت مرزا صاحب کا احترام کرتا ہوں یا انہیں چودھویں صدی کا مجدد اور مسیح موعود تسلیم کرتا ہوں یا اس وجہ سے کہ میرے وہ عقائد اور خیالات ہیں جن کا ذکر میں نے اوپر کیا۔اور کیا ان کا میرے ساتھ مل جانا اس شرط سے مشروط ہے کہ میں مرزا صاحب کو چھوڑ وں یا اس سے کہ میں اپنے ان عقائد اور خیالات کو بھی ترک کر دوں۔

راستبازوں کے ساتھ لوگوں کا عناد: مولوی صاحب شاید اس بات کو تو جانتے ہوں گے کہ جو نفرت اور بغض انہیں حضرت مرزا صاحب سے ہے یا ان عقائد اور خیالات سے ہے جو حضرت مرزا صاحب کی وجہ سے مروج ہوئے ہیں، وہی نفرت اور بغض ایک وقت بڑے بڑے مسلمان علماء کو امام عبدالوہاب نجدی سے اور ان کے خیالات وعقائد سے تھا۔ جو امام موصوف کی وجہ سے مروّج ہوئے۔اور احمدیت کے ساتھ جس نفرت اور بغض کی علمبرداری پر مولوی صاحب کو آج فخر ہے، وہابیت یا اہل حدیث کے ساتھ ایسی ہی نفرت اور بغض کا جذبہ اور دلوں میں بھی موجزن تھا اور اب بھی ہے۔اور یہ بھی جانتے ہوں گے کہ اسلام کے کتنے بزرگ ہیں۔حضرت ابوبکرؓ جیسے بے مثل مومن سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک جن کی مخالفت لوگوں نے نہیں کی، انہیں بُرا نہیں کہا، ان کو تباہ کرنے کے لئے زور نہیں لگایا، اور یہ بھی

جانتے ہوں گے کہ نہ یہ جذبات نفرت کوئی محمود شے ہیں۔ نہ ہی یہ دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ نہ ہی ان سے اسلام کو کبھی فائدہ پہنچا ہے بلکہ ہمیشہ نقصان کے موجب ہوتے ہیں۔

اشتہار دعائے مباہلہ مولوی ثناء اللہ کے بغض وعناد کا نتیجہ تھا: رہی وہ تجویز جس کا ذکر مولوی صاحب کے اشتہار میں ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے آخری فیصلہ والے اشتہار کے متعلق ان کا اطمینان ہو جائے تو وہ میرے ساتھ مل جائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خلوص پر مبنی نہیں۔ ان کے اس بارہ میں خلوص پر شبہ کرنے کے میرے پاس قوی وجوہات ہیں۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ

> ''میرے وجوہات میں سے بڑی وجہ مرزا صاحب کا وہ اعلان ہے جو انہوں نے ''مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ'' کے عنوان سے 15 اپریل 1907ء کو شائع کیا تھا...... یہی ایک سد سکندری ہے جس کی بابت آج بھرے دل سے آپ کا احترام ملحوظ رکھ کر آپ کو متوجہ کرتا ہوں۔''

اس عبارت کے پڑھنے والے کو بظاہر یہ خیال گزرے گا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے بارے میں کسی لمبی چوڑی مخالفت کا بیڑا نہیں اٹھایا۔ جب تک کہ 15 اپریل 1907ء کے اشتہار سے کچھ امور پیدا نہیں ہوئے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اس اشتہار کا شائع کرنا اس سخت بغض وعناد کا نتیجہ تھا جو مولوی ثناء اللہ صاحب کو حضرت مرزا صاحب کے ساتھ ان کے دعوے کے شروع سے تھا اور اس خطرناک مخالفت کا نتیجہ تھا، جس نے یہاں تک نوبت پہنچائی ہوئی تھی کہ حضرت مرزا صاحب بھی ان کو مباہلہ کے لئے سالہا سال سے دعوت دیتے تھے اور مولوی صاحب بھی حضرت مرزا صاحب کو بُرا کہنے اور گالیاں دینے میں اول نمبر پر تھے۔ مولوی صاحب کو علم ہے کہ وہ اس اشتہار سے بہت سال پہلے حضرت مرزا صاحب کو دجال، کذاب، مردود، شیطان، مفتری کے الفاظ کے سوا دوسرے نام سے یاد نہ کرتے تھے۔

دعائے مباہلہ کو مخالفت کی وجہ قرار دینا صحیح نہیں ہے: تو آخر اس اشتہار سے پہلے بھی کوئی بڑی بھاری وجہ موجود ہوگی۔ جس کی بنا پر مولوی صاحب نے ایک خادم دین اسلام کو، ایک ایسے شخص کو، جس کے سینے میں خدا اور اس کے رسول کی محبت کی آگ ایسی شعلہ زن تھی کہ ہزاروں دلوں کو جنہیں آپ سے

ادنیٰ تعلق بھی تھا روشن کر دیا۔ایسے شخص کو کذاب اور دجال کے نام سے بار بار یاد کیا اور پھر تقلیداً بھی نہیں بلکہ ''علی وجہ البصیرت''۔جیسا کہ اس اشتہار میں مولوی صاحب نے دعوٰی کیا ہے۔ایسا کرنا بغیر زبردست اور قوی وجوہات کے نہ ہوسکتا تھا۔اس لئے مولوی صاحب کا اس اشتہار کو سب سے بڑی وجہ قرار دینا اور یہ کہنا، کہ اگر اس اشتہار کے معاملہ میں ان کو قائل کر دیا جائے تو پھر وہ حضرت مرزا صاحب کو کذاب ودجال کہنا چھوڑ دیں گے،مولوی صاحب کے قلب کی اصل حالت کا اظہار نہیں۔

بحث دعائے مباہلہ پر نہیں بلکہ عقائد پر ہونی چاہیئے: جب تک وہ باتیں پہلے صاف نہ ہوں جن کی بنا پر مولوی صاحب نے حضرت مرزا صاحب کو کذاب ودجال کہنا شروع کیا،اس اشتہار پر بحث بے سود ہے۔ممکن ہے مولوی صاحب کو خود بھی دھوکا لگا ہو۔لیکن اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ مولوی صاحب کی مخالفت کی اصل وجہ کچھ اور ہے۔اور جب تک وہ بات صاف نہ ہو مولوی صاحب کا دل بھی حضرت مرزا صاحب کی مخالفت سے صاف نہیں ہوسکتا۔مولوی صاحب کی اور دیگر علماء کی مخالفت کی وجہ،جیسا کہ کل دنیا جانتی ہے، وہ عقائد اور خیالات ہیں جن کو ان علماء نے تعلیم اسلام کے خلاف سمجھا۔یعنی یہ کہ حضرت عیسٰیؑ فوت ہوگئے ہیں اور کہ آنے والا مسیح اسی امت کا ایک مجدد ہوگا۔

مخلصانہ گفتگو دو شرائط سے منظور ہے: اس لئے میں مولوی صاحب کی تجویز کو کہ ''بمقام لاہور مجلس خاص احباب میں مخلصانہ گفتگو ہو'' ذیل کی دو شرائط کے ساتھ قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔اور یہ شرائط محض اس لئے پیش کرتا ہوں کہ ان کے بغیر بات کبھی فیصلہ کن نہ ہوگی۔

(ا)۔کیا ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا ضروری ہے یا نہیں۔اور چودھویں صدی کا مجدد کون ہے؟۔

ب۔کیا حضرت عیسٰیؑ فوت ہوگئے ہیں یا بجسد عنصری چوتھے آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں؟

ج۔کیا حضرت عیسٰیؑ کے خود واپس آنے سے ختم نبوت کا عقیدہ باطل ہوتا ہے یا نہیں؟

د۔کیا اس امت میں آنے والا مسیح حضرت عیسٰیؑ نبی اللہ ہیں یا کوئی اور؟

ہ۔دجال اور یاجوج ماجوج کون ہیں؟

و۔کیا حضرت مرزا صاحب اشتہار ''آخری فیصلہ'' سے صادق ثابت ہوتے ہیں یا مفتری؟

2۔دوسری شرط یہ ہے کہ مجلس خاص میں جس قدر احباب شامل ہوں ان میں سے نصف

احمدی اور نصف غیر احمدی ہوں۔ احمدیوں کا انتخاب مولوی ثناء اللہ صاحب کریں اور غیر احمدیوں کا انتخاب میں کروں۔ اور روزانہ جس مسئلہ پر گفتگو ہو اس کے آخر پر اس مجلس کی رائے لے لی جایا کرے کہ کثرت رائے کس کے حق میں ہے یا کیا فریقین کے حق میں رائے کی مساوات ہے۔ اور اس کو دونوں فریق کے دستخط سے شائع کر دیا جایا کرے۔ اس شرط کے بغیر گفتگو بے سود ہے۔ ان سب مسائل پر کتابوں میں بحث موجود ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ دلائل کا وزن کس طرف زیادہ ہے۔ اور وہ اسی طرح معلوم ہوگا کہ کیا میں غیر احمدی احباب کو قائل کر سکتا ہوں یا مولوی ثناء اللہ صاحب احمدی احباب کو قائل کر سکتے ہیں۔ یا دونوں صرف اپنے اپنے ساتھیوں کو ہی قائل کر سکتے ہیں۔

آخر پر میں اس بات کو بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ شاید دس سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ ہو گیا ہے کہ میں اپنے رسالہ ''آیت اللہ'' میں اس آخری فیصلے کے متعلق مفصل بحث کر چکا ہوں۔ جس کا کوئی جواب آج تک مولوی ثناء اللہ صاحب کے قلم سے میری نظر سے نہیں گزرا۔ میں نے اس رسالہ میں ان تمام باتوں کا جواب دیا ہے جو مولوی ثناء اللہ صاحب نے پیش کی تھیں۔ اگر مولوی صاحب ٹھنڈے دل سے اس رسالہ ہی کو پڑھ لیتے تو کافی تھا۔ جو اصحاب اسے دیکھنا چاہیں۔ دار الکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور سے طلب فرمائیں۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

۞۞۞

7 مارچ 1932ء

قوم کی علمی ترقی کے لئے ایک مفید تجویز

علوم دینیہ میں سہ ماہی امتحان کا سلسلہ

حضرت امیر ایدہ اللہ کا ایک نہایت ضروری اعلان

برادران مکرم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ہماری جماعت کو جو مقام آج دنیا میں حاصل ہے، وہ محض ان کی مذہبی حیثیت کی وجہ سے ہے۔یعنی اس وجہ سے کہ اس جماعت نے اسلام کے صحیح اصول کو سمجھا اوراس کو دنیا میں پھیلایا۔اسی غرض کے لئے ہماری جماعت قائم ہوئی اوراسی اپنی بنیادی روایت کوقائم رکھ کرہی ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔ہم میں سے جن لوگوں نے حضرت مسیح موعود کا زمانہ پایا، انہوں نے آپ کی صحبت میں رہ کر نہ صرف علم دین حاصل کیا بلکہ علم دین کے حصول کے لئے ایک ایسا جوش ان کے دلوں کے اندر پیدا ہو گیا جس سے وہ علم نشوونما پاتا رہا۔اورآج خدا کے فضل سے وہ علم دنیا میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔لیکن ہماری نئ نسل والدین کی کافی توجہ یا حصول علم دین کے کافی ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے ہماری ان علمی روایات کو قائم رکھنے میں سست نظر آتی ہےاوراس کا ہمیں جلد فکر کرنا چاہئے اوراپنے نوجوانوں کے اندر اسلامی علوم کے حاصل کرنے کے لئے اشتیاق پیدا کرنا چاہئے۔اس کے لئے جن جن سامانوں کی ضرورت ہے۔وہ ابھی ہماری مقدرت میں نہیں۔لیکن ایک بات ایسی ہے جس کی طرف ہم بغیر کچھ زیادہ صرف کرنے کے اپنی قوم کوعلمی ترقی کی راہ پر ڈال سکتے ہیں۔اوراسی کی طرف میں اس وقت اپنے احباب کوتوجہ دلانا چاہتا ہوں۔اگر ہمارے احباب صرف تھوڑی سی توجہ کریں تو وہ بڑی آسانی سے اپنی قوم کوعلمی ترقی کی راہ پر ڈال سکتے ہیں۔اوراس کی صورت یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر نوجوان اپنے وقت کا کچھ حصہ روزانہ علوم اسلامی کے حاصل کرنے پر صرف کریں۔ بسا اوقات انسان ارادہ کرتا ہے مگر کوئی خاص غرض سامنے نہ ہونے کی وجہ سے اس کوعمل میں نہیں لاسکتا۔اس لئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ ماہوار یا سہ ماہی خاص خاص کتابوں میں امتحانات کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ سردست پہلا امتحان آج سے تین ماہ بعد مئی کے آخر پر تجویز کیا گیا ہے۔اگر سہ ماہی امتحان ہی تجویز ہوئے تو دوسرا اگست کے آخر پر ہوگا اور تیسرا نومبر کے آخر پر۔یعنی اس

سال صرف تین امتحان ہی ہو سکیں گے۔ آئندہ سال پورے چار ہوں گے۔ پہلے امتحان کے لئے جو مئی کے آخر پر تجویز کیا گیا ہے صرف دو مضامین ہوں گے۔ یعنی قرآن کریم سورہ البقرہ کے آخر تک یا اڑھائی پارے۔ ایک پرچہ۔ اور فتح اسلام، توضیح مرام، ازالہ اوہام دوسرا پرچہ۔

تجویز یہ ہے کہ قرآن کریم، حدیث، تاریخ اسلام، مسائل سلسلہ، غیر مذاہب، زبان عربی ان سب مسائل و مضامین کو مدنظر رکھا جائے اور اگر ہو سکا تو ایک مکمل کورس پہلے سال کا تجویز کر کے اعلان کر دیا جائے گا۔ امتحان میں ہر وہ شخص شامل ہو سکے گا جو اپنا نام بھیج دے۔ سر دست یعنی پہلے امتحان میں شمولیت کے لئے ناموں کے اندراج کا 20 مارچ تک انتظار کیا جائے گا۔ اس تاریخ سے پہلے سب احباب کے نام معلوم ہو جانے چاہئیں جو ان امتحانات میں شامل ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ امتحان کے لئے یہاں آنے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ امیدواروں کے نام معلوم ہونے پر مختلف سنٹر مقرر کر دیئے جائیں گے۔ جہاں امتحان لیا جائے گا۔

امتحانوں کے اس سلسلہ میں زیادہ دلچسپی پیدا کرنے کے لئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ جو امیدواران امتحانات میں اعلیٰ نمبر حاصل کریں انہیں انعامات دیئے جائیں۔ اس طرح پر کہ سال میں جس قدر امتحانات ہوں ان سب کے نمبر جمع کر لئے جائیں اور دس انعام رکھے جائیں۔ جو غالبًا پانچ روپے سے لے کر بیس روپے تک ہوں گے۔ لیکن یہ ضروری ہوگا کہ امتحان میں شامل ہونے والوں کی تعداد کم سے کم پچاس ہو ورنہ اسی نسبت سے انعامات کی تعداد کم کر دی جائے گی۔ یہ انعامات جلسہ سالانہ کے موقع پر تقسیم کئے جائیں گے۔ ان انعامات کے لئے احباب جماعت کو ہی اپیل کی جائے گی۔ لیکن جس قدر کمی رہے گی اسے امید ہے انجمن خود پورا کر دے گی۔

چونکہ حصول علم مردوں کا ہی نہیں بلکہ خواتین کا بھی حق ہے، اس لئے خواتین کے لئے بھی یہ سلسلہ انعامات کا ہوگا۔ لیکن چونکہ خواتین اپنی علمی استعداد میں موجودہ حالات میں پیچھے رہی ہوئی ہیں۔ اس لئے ان کے لئے یہ سلسلہ انعامات کا الگ ہوگا اور ان کا امتحان بھی علیحدہ رنگ میں ہوگا۔ یعنی جہاں ضرورت ہوگی انہیں کسی خاص جگہ امتحان کے لئے جمع ہونے کے لئے مجبور نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے کسی محرم کی ذمہ داری پر پرچے ان کے گھر پر بھیجنے کا انتظام کر دیا جائے گا۔ پہلی سہ ماہی کے لئے

ان کے کورس میں دو پرچے ہوں گے۔ ان میں سے پہلے پرچہ میں قرآن کریم کا پہلا پارہ ہوگا اور دوسرے پرچے میں ''مسیح موعودؑ''۔ ان کے انعامات کی تعداد پانچ ہوگی۔ بشرطیکہ کم سے کم پندرہ خواتین امتحان میں شامل ہونے والی ہوں۔ ورنہ اسی نسبت سے انعامات کی تعداد کم کر دی جائے گی۔ مگر رقم انعام مردوں کے انعامات سے کم نہ ہوگی۔ انعام حاصل کرنے کے لئے یہ شرط ہوگی کہ ہر پرچہ میں کم سے کم 33 فیصدی نمبر حاصل کئے جائیں۔ اور کل میزان میں مردوں کی صورت میں کم سے کم پچاس فیصد اور عورتوں کی صورت میں چالیس فیصد۔ اس اعلان کو سب جماعتوں میں سنا دیا جائے اور جو اصحاب اپنے نام دینا چاہیں وہ فوراً اطلاع دیں۔ ایسا ہی جو بزرگ انعام کے لئے کچھ رقم دینا چاہیں وہ بھی اسی وقت اطلاع دیں۔ کم سے کم رقم انعام کی پانچ روپے ہوگی۔ اس سے کم رقم کسی صاحب سے قبول نہ کی جائے گی۔ محمد علی

ہماری طرح انسان: 4 مارچ 1932ء کے ''نور افشاں'' میں پروفیسر قدیر چند بی اے گوجرانوالہ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس کا عنوان ہے ''مسیح یسوع کی اخلاقی خوبیاں الہام بائبل کا ثبوت ہیں'' اس مضمون میں جناب مسیحؑ کی جن اخلاقی خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے دو کے متعلق ہم اپنے دوست پادری ایس ایم پال ایڈیٹر ''نور افشاں'' سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کہاں تک صحیح ہیں:

> ''یسوع مسیح کی خوبی اس میں ظاہر ہوتی ہے کہ وہ انسان بنا اور فطرتی طور پر انسانی
> زندگی کے تمام مرحلوں میں سے گزرا۔ بچہ پیدا ہوا اور بچوں کی طرح لاچار تھا۔
> ماں کی حفاظت کی ضرورت ہوئی۔ لڑکپن سے جوانی کے تمام مدارج میں سے
> گزرا۔ غرض سوائے گناہ کے وہ سب باتوں میں ہماری طرح انسان تھا۔''

یہ اقبالی ڈگری ہے۔ اگر یسوع ''ہماری طرح انسان'' تھا تو اس کی الوہیت کا دعویٰ باطل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان کی طرح ہندوستان میں بھی یسوعین مانا جائے آہستہ آہستہ اسی بات کی طرف آ رہے ہیں کہ یسوع کو خدا ماننے کے بجائے ''ہماری طرح کے انسان تھے۔''

۞۞۞

3 اپریل 1932ء

اسلام میں از سر نو فقاہت و اجتہاد کی ضرورت

اسلام اور مسلمانوں کی ترقی احمدیت میں

ملاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ اوہام اور ڈاکٹر سر محمد اقبال

''تمہارے دین کی عظیم الشان بلند نظری ملاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ اوہام میں جکڑی ہوئی ہے اور آزادی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے ہم خیالات و جذبات کے ایک قید خانے میں محبوس ہیں۔ جو صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر لیا ہے۔''

یہ وہ الفاظ ہیں جو ڈاکٹر محمد اقبال نے آل انڈیا مسلم کانفرنس کے خطبہ صدارت میں اسلام کی بلند نظری اور وسیع اصولوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمائے۔ اور اس میں شک نہیں کہ مسلم قوم کی حقیقی نبض شناسی کی ہے۔ فی الحقیقت اگر غور کر کے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے موجودہ تنزل و ادبار کا حقیقی سبب یہی ہے کہ انہوں نے اجتہاد اور تفقہ فی الدین سے کام لینا چھوڑ دیا اور ان بزرگان دین کو، جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں وقتی حالات کے مطابق مسائل دینی میں اجتہاد کیا، خدا اور رسول کے درجہ پر کھڑا کر دیا۔ حالانکہ ان بزرگوں نے اپنے بعد اجتہاد کا دروازہ بند نہیں قرار دیا۔

موجودہ انحطاط کے اسباب: اس وقت بے شمار اسلامی مسائل ہیں جو ملاؤں اور فقیہوں کے ''فرسودہ اوھام'' میں جکڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے مسلم اقوام کو انحطاط کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اور اگر ذرا بلند نظری سے کام لے کر اس صحیح عینک سے انہیں دیکھا جائے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی صورت میں ہمیں عنایت کی ہے تو ان کا رنگ بالکل بدل جاتا اور مسلمان ترقی کی بلند ترین منازل پر پہنچ سکتے ہیں۔ غور کر کے دیکھ لیا جائے۔ آخر وہ کیا بات تھی جس نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو اعلیٰ مدارج پر پہنچایا۔ کیوں انہوں نے دنیا میں بڑے بڑے نام پیدا کئے اور علمی ترقیاں کیں؟ ان کے سامنے ایک چیز تھی قرآن کریم۔ اس کو انہوں نے سامنے رکھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی روشنی میں اپنے زمانہ کی ضروریات کے مطلب سمجھنے اور دنیا کو سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن آج جبکہ خود قرآن ہی کو ایک ثانوی چیز سمجھ لیا گیا ہے اور اس کا سمجھنا اور سمجھانا تو ایک طرف اس کا ترجمہ کرنا بھی گناہ

سمجھ لیا گیا ہے۔ اور صرف فقیہوں اور ملاؤں کے خیالات دین سمجھ کر ان پر قناعت کر لی گئی ہے تو مسلمانوں کو غور وفکر کرنے اور قرآن کریم کے بلند اصولوں سے فائدہ اٹھا کر ترقی کی طرف قدم بڑھانے کی کیا ضرورت رہ گئی۔

قرآن کا ترجمہ اور مصری علماء: آپ حیران ہوں گے کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنا کس نے گناہ قرار دے دیا؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مصر کی مشہور علمی اور دینی یونیورسٹی جامع ازھر کے مفتی نے اس بات کو ناجائز قرار دیا ہے کہ قرآن کریم کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے اور اسی وجہ سے حضرت امیر ایّدہ اللہ کے انگریزی ترجمۃ القرآن کا بھی مصر میں داخلہ بند کر دیا گیا۔ دوسری زبان میں ترجمہ ہی کا سوال نہیں بلکہ اگر خود عربی زبان میں حالات حاضرہ کی روشنی میں قرآن کریم کی کوئی تفسیر لکھی جائے تو وہ بھی مصری علماء اور بیشتر ہندوستانی علماء کے نزدیک موجب کفر والحاد ہے۔ ابھی حال ہی میں ایک مصری عالم کی تفسیر کا جو حشر ہوا اس کا ذکر آپ حضرت امیر ایّدہ اللہ کے خطبہ میں پڑھ چکے ہیں۔ جس قوم کی ذہنیت یہ ہو۔ جس کے علماء اور پیشر و انہیں قرآن کریم کی طرف راغب کرنے کے بجائے اس سے ہٹانے اور دور رکھنے کی کوشش میں منہمک ہوں۔ وہ کب ترقی کی طرف قدم اٹھا سکتی اور کسی بلند مرتبہ پر پہنچ سکتی ہے۔ آج بڑے بڑے مغربی علماء کی یہ رائے ہے کہ قرآن کریم ہی مسلمانوں کی زندگی کے لئے آب حیات ہے۔ جس قدر اس کی طرف رجوع کریں گے۔ اسی قدر اپنی فلاح و بہبودی کی طرف قدم بڑھائیں گے اور جس قدر اس کی طرف سے منہ موڑیں گے اسی قدر ذلت اور انحطاط کے گڑھے میں گرتے جائیں گے۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ مسلم قوم علی العموم ''فقیہوں اور ملاؤں ہی کے فرسودہ اوہام'' میں جکڑے رہنا پسند کرتی ہے۔ اور جب کوئی مصلح وقت انہیں اس قید سے نکال کر زمانہ کی صحیح روشنی میں لے جانا اور عامل بالقرآن بنانا چاہتے تو وہ اس طرف توجہ ہی کرنا پسند نہیں کرتے۔

معاشرتی وتمدنی مسائل: انہی ''فرسودہ اوہام'' اور قرآن کریم سے بے رغبتی یا یوں کہیئے کہ اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا یہ نتیجہ ہے کہ معاشرتی اور تمدنی اعتبار سے بھی مسلمان تنزل وانحطاط کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے کتنے گھر ہیں جو تسکین قلب اور رافت ورحمت کا موجب ہونے کے بجائے جہنم کا نمونہ ہیں۔ کتنے نام کے مسلمان ہیں جو عورت ذات کو ان حقوق وفوائد کے بہرور دیکھنا چاہتے ہیں

جو اسلام اور قرآن کریم نے انہیں عطا کئے ہیں۔ کتنے مسلمان ہیں جو تعلیم، نکاح، طلاق، خلع اور دیگر تمدنی ومعاشرتی اصولوں میں اسلام کے صحیح رستہ پر گامزن ہیں؟ تعلیم کے معاملہ میں تو خیر فقیہوں اور فریسیوں کے فرسودہ اوہام سے ایک حد تک نکل چکے ہیں اور اگر یہی رفتارِ ترقی رہی تو انشاء اللہ نکل آئیں گے۔ لیکن دوسرے بیسیوں تمدنی ومعاشرتی مسائل ہیں جن میں حقیقی اسلامی تعلیم سے دور جا پڑنے یا ملاؤں کے دور پھینک دینے سے نت نئے مصائب کا سامنا انہیں کرنا پڑتا ہے۔ صغرسنی کی شادی، پردہ کی بے جا قیود اسلامی تصور کے قطعاً خلاف ہیں۔ اسی ناواجب پردہ کی وجہ سے مرد وعورت کی بلا رضامندی انہیں رشتہ ازدواج میں جکڑ دینا اور بعد میں طبائع کی غیر موافقت پر عورت کو معلقہ کی حالت میں چھوڑ دینا یا اور طرح طرح کے ظلم وستم اس پر روا رکھنا جو آخر کار اسے تبدیلی مذہب کی طرف راغب کر دیتے ہیں اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات پیش آ چکے ہیں کہ خاوندوں کے مظالم سے نکلنے یا دیگر وجوہ کی بنا پر مسلمان عورتوں نے عیسائیت کا بپتسمہ لے لیا۔ حالانکہ جہاں تک فسخ نکاح کا تعلق ہے از روئے قرآن تبدیل مذہب سے نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن مرتد کے واجب القتل ہونے کے غلط نظریہ نے اصل اسلامی تعلیم سے دور لے جا کر فسخ نکاح کے لئے ایک ناجائز رستہ بنا دیا ہے۔ غرض یہ اور اسی قسم کے بیسیوں مسائل ہیں جو زمانہ حال کے ملاؤں کی تنگ نظری کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں اور جب تک وہ خیالات وجذبات کے اس قید خانہ سے باہر نہ نکلیں، جو ملاؤں نے تعمیر کر دیا ہے، اس وقت تک وہ کبھی ترقی کے راستہ پر گامزن نہیں ہو سکتے۔

مجوزہ علاج: اس قید خانہ سے باہر نکلنے کا راستہ کیا ہے؟ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تجویز یہ ہے کہ:

> ”ایک جمعیت علماء قائم کی جائے جس میں وہ مسلمان خاندان لازماً شامل ہوں جنہوں نے جدید قانونی تعلیم حاصل کی ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ شرع اسلامی کی حفاظت کی جائے۔ اس کو وسعت دی جائے اور اگر ضروری ہو تو حالات جدیدہ کی روشنی میں نئے سرے سے اس کی ایسی تعبیر وتاویل کی جائے جس میں اس کے اصول اساسی کی سپرٹ کی خلاف ورزی ہرگز نہ ہونے پائے۔“

تجویز بظاہر بہت شاندار ہے اور اس میں شک نہیں کہ اگر مسلمان علماء اور قانون دان اصحاب

مل کر اخلاص کے ساتھ اس کو سرانجام دینا چاہیں تو اسلام کی بہت بڑی خدمت سرانجام دیں گے۔ لیکن وہ کون سے علماء ہیں جو اس کام کو کرنا پسند کریں گے؟ کیا موجودہ زمانہ کے علماء خود ان فقیہوں اور ملاؤں کے فرسودہ اوہام میں مبتلا نہیں۔ جنہوں نے خیالات و جذبات کے قید خانہ میں مسلمانوں کو محبوس کر رکھا ہے؟ یہ کیا بات ہے کہ جمعیۃ علماء بنانے کی اب پھر نئے سرے سے ضرورت پیش آ رہی ہے۔ حالانکہ اسی نام سے ایک جمعیت دہلی میں بنی ہوئی موجود ہے؟ کیا اس کے تلخ تجربہ کے بعد بھی یہ امید باقی ہے کہ کوئی ایسے علماء ہوں گے جو نئی جمعیت علماء کی صورت میں منظّم ہو کر اور جدید قانون دان طبقہ سے مل کر شرع کو اسلامی وسعت دینے اور حالات جدیدہ کی روشنی میں نئے سرے سے اس کی تعبیر و تاویل کرنے کے لئے تیار ہوں گے؟!

علماء سے توقع بے سود ہے!: شرع اسلامی کو وسعت دینا یا اجتہاد کا دروازہ کھولنا تو دور کی بات ہے، وہ کبھی ان فرسودہ اوہام سے باہر آنے کے لئے بھی تیار نہ ہوں گے جن میں وہ خود مبتلاء چلے آتے ہیں۔ جن علماء کی ذہنیت اس حد تک گری ہوئی ہو کہ ذرا ذرا سے اختلاف پر وہ کفر کے فتوے دینے کے لئے تیار ہوں اور موجودہ جمعیت علماء کے روشن خیال اراکین میں شمار ہونے کے باوجود تکفیر کو اپنا سب سے بڑا ہتھیار سمجھتے ہوں (جیسا کہ مولوی کفایت اللہ صاحب نے ایک موقعہ پر کہا) ان سے یہ توقع کرنی کہ وہ جدید قانون دان طبقہ سے مل کر شرع اسلامی میں اجتہاد کا دروازہ کھولیں گے۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

آخر نئی جمعیت علماء میں بھی ایسے ہی علماء شریک ہوں گے۔ جو پہلے ہی جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو باہر نکال کر موجودہ جمعیت علماء کے واحد اجارہ دار بنے ہوئے ہیں۔ پھر ان سے اس کے خلاف عمل کرنے کی توقع کیونکر ہو سکتی ہے؟!

احمدیت کی امتیازی خصوصیت: ایسی حالت میں اگر مجدد وقت کے اس عظیم الشان کارنامہ کی طرف توجہ دلائی جائے جو اس تجویز کی غرض و غائت کو پورا کرنے کا موجب ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ کام، جو ڈاکٹر اقبال ایک نئی جمعیت علماء سے لینا چاہتے ہیں اور واقعات و قرائن اسے ایک تخیل سے بڑھ کر ثابت نہیں کرتے، وہ مجدد وقت نے کر کے دکھا دیا اور ایک جماعت پیدا کر دی۔ جس نے ''فقیہوں اور ملاؤں

کے فرسودہ اوہام'' سے نکل کر صحیح اسلامی تعلیم پر گامزن ہونا ضروری سمجھا۔ اجتہاد کا وہ دروازہ جو آج مسلمانوں نے عملاً اور اعتقاداً اپنے اوپر بند کر رکھا ہے اور جس نے ان کی ترقی کے راستوں کو مسدود کر دیا ہے، احمدیت نے اسے کھول کر اسلام اور مسلمانوں کو اس شاہراہ ترقی پر ڈال دیا ہے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا حصہ تھا۔ کاش! وہ تخیل پرستی اور فرسودہ اوہام سے نکل کر مجدد وقت کی آواز پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ یہی حقیقت میں ان کی کامیابی کی راہ ہے۔ اسی امر کی طرف حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے آج سے چند ماہ پیشتر اپنی تازہ تصنیف ''تحریک احمدیت'' میں بدیں الفاظ توجہ دلائی کہ ''آج دنیا میں اس قدر نئے خیالات پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کے لئے از سر نو فقاہت اور اجتہاد کی ضرورت ہے۔ احمدیت نے از سر نو اجتہاد کا دروازہ کھول کر اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے راستے کو کھول دیا ہے۔'' کیا مسلمانوں کے سنجیدہ اور فہمیدہ اصحاب اس پر غور کریں گے؟

افسوس ناک طریق عمل: آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس میں 21 مارچ کی شب کو اور 22 مارچ کو تیسرے پہر جو منظر عوام الناس کی طرف سے دیکھنے میں آیا وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے حد افسوسناک ہے۔ عین اس وقت سید محمد حسین صاحب بیرسٹر الہ آباد کی طرف سے دستوری کمیٹیوں کے مقاطعہ کی تحریک پیش ہو رہی تھی اور سید حبیب ایڈیٹر سیاست اس کا ترجمہ سنا رہے تھے۔ ہر طرف سے نعرہ ہائے تکبیر بلند ہونے شروع ہوئے جو کسی طرح رکنے میں نہ آتے تھے اور جن کی غرض بظاہر جلسہ کو درہم برہم کرنے کے سوائے اور کوئی نہ تھی۔ عام طور پر یہ خیال کیا گیا کہ مجلس احرار کی طرف سے یہ شور و غل برپا کرایا جا رہا ہے۔ اور اس وجہ سے شیخ عبدالمجید سندھی نے بآواز بلند رضا کاران احرار کی قربانیوں کی مدح و ثنا کر کے اس شعور و ہنگامہ کو بند کرایا۔ لیکن دوسرے دن جب عوام الناس کو اجلاس میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی گئی تو پنڈال سے باہر ہر طرح کی خلاف انسانیت حرکات سے کام لیا گیا۔ اینٹ اور پتھر پھینکے گئے اور خیموں کے رسّے کھولنے کی کوشش کی گئی۔ جس کو منتظمین جلسہ نے، بہ دشواری روکا اور جلسہ کی کاروائی نہایت عجلت کے ساتھ ختم کی گئی۔ ہم حیران ہیں کہ اس قسم کی خلاف تہذیب حرکات مسلمانوں کو کیوں مرغوب ہیں۔ خود اپنی ہی جماعت کے رہنماؤں اور معززین پر آوازے کسنا اور باہر سے آئے ہوئے اصحاب کی اس التجا کے باوجود کہ ہم تمہارے مہمان ہیں۔ میزبانی کا یہ طریقہ اختیار کرنا کہاں کی

دانشمندی اور کس اسلام کی تعلیم ہے۔ آخر ان حرکات سے غیر اقوام پر تمہارا کیا اثر پڑتا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا یہ ارشاد، کہ یہ قومی بیداری کا نشان ہے، ممکن ہے صحیح ہو۔ لیکن جو بیداری شتر بے مہاری کی حد تک پہنچ جائے اور اخلاق اسلام کا اس میں نشان نہ ہو وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس پر فخر کا اظہار کیا جائے۔

''مسلم ریوائیول'': احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے انگریزی سہ ماہی رسالہ ''مسلم ریوائیول'' کا پہلا شمارہ، جو بلند پایہ علمی مضامین کا ہندوستان بھر میں اپنے رنگ کا ایک ہی مجموعہ ہے، نکل آیا ہے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ کے معرکۃ الآراء مضمون بہ عنوان ''بابی تحریک'' کے علاوہ ذیل کے نامی گرامی اہل قلم حضرات کے عالمانہ خیالات پر مشتمل ہے۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال لاہور، لالہ رامچند منچندا لاہور، جناب ایس واجد علی صاحب کلکتہ، جناب ایس عبدالحق صاحب کرنال، جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لاہور،

اس کے علاوہ دنیا بھر کے چیدہ چیدہ واقعات وتحریکات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ ہم خرما وہم ثواب خریدار بن کر آپ نہ صرف اپنے دماغی اور روحانی افق کو وسیع کریں گے بلکہ انجمن کے فنڈز کو مضبوط کر کے اشاعت اسلام کے کام میں ممد و معاون ہوں گے۔ خود خریدار بنیں اور دوسروں کو خریدار بنائیں۔ ایک سو سے اوپر صفحات۔ باتصویر۔ سالانہ چندہ پانچ روپے معہ محصول ڈاک، فی پرچہ سوا روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

مینجر ''مسلم ریوائیول'' احمدیہ بلڈنگس، لاہور۔

☆☆☆

فرنچائز کمیٹی اور حضرت امیر ایدہ اللہ

کسی دوسری جگہ خبروں کے ذیل میں حضرت امیر کے فرنچائز کمیٹی میں شہادت دینے کے ارادہ کا ذکر کیا گیا ہے اس بارہ میں ذیل کا مکتوب حضرت ممدوح نے ''انقلاب'' کو لکھا ہے۔:

بخدمت شریف جناب ایڈیٹر صاحب اخبار ''انقلاب'' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

2 اپریل کے اخبار ''انقلاب'' میں فرنچائز کمیٹی پر آپ کا نوٹ میں نے پڑھا ہے۔ جس میں میری شہادت کا بھی ذکر ہے۔ واقعات یہ ہیں کہ جس وقت میں نے ارادہ کیا اس وقت میں اکیلا نہ تھا۔ بلکہ لاہور کی تین بڑی انجمنوں یا کانفرنسوں کے نمائندے ایک جگہ جمع تھے۔ جنہوں نے مل کر فیصلہ کیا تھا کہ سر دست فرنچائز کمیٹی کے سوالات کا جواب دے دیا جائے اور اگر مسلم کانفرنس یہ فیصلہ کر دے کہ فرنچائز کمیٹی کے سامنے شہادت نہ دی جائے تو یہ جوابات واپس لے لئے جائیں۔ اس باہمی قرارداد کے مطابق میں نے ان سوالات کے جواب لکھ کر بھیج دیئے تھے۔ مسلم کانفرنس کے ریزولیوشن جب میں نے دیکھے تو میری رائے ہوئی کہ مسلم کانفرنس نے ہر قسم کی کاروائی کو تین ماہ کے لئے ملتوی کر دیا ہے اور اس کے متعلق مسلم کانفرنس کے ایک بڑے بھاری رکن سے میں نے استفسار کیا تو ان کی بھی یہی رائے تھی کہ فرنچائز کمیٹی سے عدم تعاون کو آخر جون تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔ لیکن جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ جو بزرگ میرے ساتھ تھے انہوں نے سوالات کے جوابات نہیں بھیجے اور ادھر آپ کے اخبار سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی طرف سے بطور نمائندہ کوئی شخص بھی فرنچائز کمیٹی کے سامنے پیش نہیں ہوگا تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اس ریزولیوشن کا وہی مفہوم لینا چاہیئے جو عملاً دوسرے مسلمانوں نے لیا ہے۔ اور بہر حال عملی روش سب مسلمانوں کی ایک ہی ہونی چاہیئے اس لئے میں نے آج ہی حسب ذیل چٹھی مسٹر مائلز ارونگ کے نام لکھ دی ہے۔

''جناب مسلم کانفرنس منعقدہ لاہور کے فیصلہ جات اور مختلف اسلامی انجمنوں کے طرز عمل کو مدنظر رکھتے ہو میں خیال کرتا ہوں کہ میرا فرنچائز کمیٹی کے سامنے شہادت دینا کسی غرض کو پورا نہیں کرتا اور اس لئے مجھے 4 اپریل کو کمیٹی مذکور کے سامنے حاضری سے معذور سمجھا جائے۔ فرنچائز کمیٹی کے سوالات کا جو جواب میں نے دیا ہے میں اسے واپس لیتا ہوں۔ خاکسار محمد علی پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

7اپریل1932ء

سلسلہ امتحانات

پہلا امتحان 15 جولائی کو ہوگا!

کالج کے بعض نو جوان احباب کی خواہش پر یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ پہلے امتحان میں کچھ تاخیر ڈال دی جائے۔ تا کہ وہ اپنے امتحانات سے فارغ ہوکران دینی امتحانات کی تیاری کرسکیں۔ چنانچہ اب پہلا امتحان بجائے آخرمئی کے 15 جولائی کو ہوگا۔ اور دوسراامتحان آخر اکتوبر میں۔ اوراس سال صرف یہ دو ہی امتحان ہوں گے۔ البتہ وقفہ بڑھ جانے کی وجہ سے تعداد مضامین وکتب زیادہ کردی گئی ہے۔ یعنی

پہلا مضمون	قرآن کریم	سورہ بقرہ
دوسرا مضمون	مسائل سلسلہ	فتح اسلام، توضیح مرام، ازالہ اوہام، تحریک احمدیت
تیسرا مضمون	سیرت وتاریخ	سیرت نبوی پر کوئی کتاب مقرر نہ ہوگی اور تاریخ پر تاریخ خلافت راشدہؓ ہوگی۔

ان امتحانات میں کثرت سے احباب کو حصہ لینا چاہئے۔ بالخصوص کالجوں کے طلباء کو جن کے لئے دس امتحانات میں سے تین انعام مخصوص ہوں گے اور اپنے نام جلد بھیج دینے چاہئیں۔ مستورات کے امتحان میں حسب ذیل مضامین ہوں گے:

پہلا مضمون	قرآن کریم	پارہ اول
دوسرا مضمون	مسائل سلسلہ	مسیح موعود
تیسرا مضمون	سیرت	سیرت خیرالبشرؐ

ابھی تک امتحان دینے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ محمد علی 5اپریل

جرمن ترجمۃ القرآن: ہمارے احباب کے لئے یہ خبر باعث مسرت ہوگی کہ جرمن ترجمۃ القرآن، جو 19 فروری 1932ء کوشروع کیا گیا تھا، باقاعدہ جاری ہے۔ چنانچہ 30 مارچ کواس کے دو پارے ختم ہوں گئے تھے۔ بتوفیقہٖ تعالیٰ۔ صدرالدین 5 مارچ

❁❁❁

مئی 1932ء

ترانہ احمدی

جناب ثاقب کانپوری

توحید کے نعروں سے مغرب کو ہلا دو تم پھر دہر میں الہامی آواز سنا دو تم!

اسلام کے احیاء کا پیغام سنا دو تم سوتی ہوئی قوموں کو یعنی کہ جگا دو تم

پھر وادی مغرب میں آواز اذاں گونجے پھر شمع کلیسا کو مغرب کی بجھا دو تم

پھر زیب بلندی ہو اسلام کا سیارہ بچھڑی ہوئی قوموں کو رستے پہ لگا دو تم

مسلم ہوں، وہی مسلم، مومن ہوں، وہی مومن سینے میں محبت کی گر آگ لگا دو تم!!

''باہم رہو الفت سے پھر زندہ اخوت ہو'' دنیا کو مجدد کا پیغام سنا دو تم

عالم میں نہیں چرچا اب علم وفضیلت کا اقراء کے ترانوں سے دیوانہ بنا دو تم

ایمان ہو جب رخصت پھر خاک جیئیں ثاقبؔ

یا ہم رہیں عزت سے یا ہم کو مٹا دو تم!!

۞۞۞

3 مئی 1932ء

ارشاداتِ نبویؐ

حضرت امیر ایدہ اللہ کے ترجمہ صحیح بخاری کا ضروری انتخاب

ایثار کی روح: حضرت ابو موسٰیؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اشعری لوگ جب لڑائی میں محتاج ہو جاتے ہیں یا مدینہ میں ان کے عیال کا کھانا کم پڑ جاتا ہے تو جو ان کے پاس ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں اکٹھا کر لیتے ہیں۔ پھر اسے آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں تو وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ (بخاری کتاب فی الشرکۃ)

تفسیری نوٹ: یہ الفاظ (فَھُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْھُمْ) کمال اتحاد اور محبت کے اظہار کے لئے بولے جاتے ہیں۔ قبیلہ اشعری کے لوگ آپس میں ایثار اور ہمدردی کرتے تھے۔ تنگی کے وقت سب اپنا بقیہ اناج اکٹھا کرتے۔ پھر برابر تقسیم کرتے۔ اس طرح سب کی حالت یکساں ہو جاتی اور یہ نہ ہوتا کہ بعض تو بے فکری سے کھانے کو ضائع کرتے ہیں اور بعض پر فاقے گزرتے ہیں۔ اسی ایثار کی روح کی وجہ سے آپ نے فرمایا فَھُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْھُمْ

پیغامِ صلح: وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود کے الہام اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ کو قابل اعتراض سمجھتے ہیں وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ پر غور کریں۔ بخاری کتاب الصلح میں بھی ہے وَقَالَ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ . حضرت علیؓ سے فرمایا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔

مال مرہونہ سے نفع اٹھانا: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گروی جانور پر اس کے خرچ کے عوض سواری کی جائے۔ جب وہ گروی ہو۔ اور دودھ والے جانور کا دودھ پیا جائے اس کے خرچ کے عوض جب کہ وہ گروی ہو۔ اور جو سواری کرے اور دودھ پئے وہی خرچ اٹھائے (بخاری کتاب الرہن)

تفسیری نوٹ: یہ حدیث رہن کے معاملہ میں ایک مضبوط اصول قائم کرتی ہے۔ یعنی جو چیز رہن رکھی جائے اس سے مرتہن نفع اٹھا سکتا ہے۔ صرف ایک شرط سے کہ وہ اس پر خرچ کرے۔ جن لوگوں نے

اسے حدیث نمبر 1160 سے منسوخ قرار دیا ہے۔ انہوں نے غلطی کی ہے۔ کیونکہ 1160 میں صرف یہ ذکر ہے کہ کسی کے دودھ والے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہیں دوہا جا سکتا۔ مگر رہن کی صورت میں راہن خود مرتہن کو قبضہ دے کر اس کی اجازت دیتا ہے۔ اور نہ ہی آیت ربوا سے یہ منسوخ ہے۔ اس لئے کہ اس حالت میں جب انسان خرچ کرتا ہے اور نفع اٹھاتا ہے کبھی خرچ زیادہ ہوگا اور نفع کم اور کبھی نفع زیادہ ہوگا اور خرچ کم۔ اور یہ تجارت کی صورت ہے نہ سود کی۔ اور اسی اصول کے مطابق زمین اور مکانات کے رہن سے بھی ان پر خرچ کر کے نفع اٹھانا جائز ہے۔

ہدیہ اور رشوت: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا تحفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تحفہ ہوتا تھا اور آج رشوت ہے (بخاری کتاب الہدیہ)

تفسیری نوٹ: اس امر کو حضرت ابن عباسؓ نے یوں روایت کیا ہے کہ عمر ابن عبدالعزیزؒ نے سیب کی خواہش ظاہر کی اور اپنے گھر میں کچھ نہ پایا جس سے سیب خرید لیں پھر گر جا کے لڑکے سیب سے بھرے ہوئے طباق ان کے لئے لائے۔ عمر ابن عبدالعزیز نے ایک سیب لے کر اسے سونگھا اور طباقوں کو واپس کر دیا۔ میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ ہدیہ قبول نہ فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا ان کے لئے ہدیہ تھا اور یہ آج حکام کے لئے رشوت ہے۔ اسی کا نام آج کل ڈالی ہے جو حکام کو دی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عمال کے لئے یعنی حاکموں کے لئے تحفہ کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ہدیہ اور رشوت میں فرق یہ ہے کہ ہدیہ دوست کو دوست کا کچھ بھیجنا ہے اور رشوت اہل غرض کا حاکم کو کچھ دینا۔

۞۞۞

7 جون 1932ء

اداریہ

اسلام میں احمدیت

مذہب کی ایک نئی شاندار تصویر

احمدیت کا پیغام، جو دراصل اسلام ہی کی وہ اصل تصویر ہے جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے بنی، آج دنیا کو ایک نئی چیز معلوم ہوتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے کوئی نیا مذہب بنانا چاہا ہے۔ جس کو اسلام سے کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں۔ حالانکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے اور بانئ احمدیت کی تحریرات اور خیالات کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا صحیح اور اصل فوٹو پیش کرنے کے سوا اور کوئی غرض اور مقصد آپ کے سامنے نہ تھا۔

عشق رسولؐ: اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق ومحبت اس پاک انسان کو تھا۔ جس دلی درد اور تڑپ کے ساتھ اس نے اسلام کی حالت زار کا نقشہ کھینچا ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس عاشقانہ جوشِ محبت کا اظہار کیا ہے اس کی نظیر موجودہ زمانہ میں شاید مشکل سے ملے گی۔ وہ اسلام کی دردناک حالت کا ذکر ان دردانگیز الفاظ میں کرتا ہے ؎

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید   دین حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدینؒ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عشق ومحبت کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں ؎

آتش عشق، از دم من ہمچو برقے می جہد   یک طرف اے ہمدمان خام از گرد و جوار

یہ مضمون بجائے خود ایک علیحدہ اور مستقل حیثیت رکھتا ہے (جس پر اسی اشاعت میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جا چکی ہے) لیکن ان دوشعروں سے کم از کم اتنا پتہ چل جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے دل میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درد وعشق ایک طوفانی سمندر کی طرح جوش مارتا تھا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر منقولہ بالا الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے یوں کہنا چاہئے کہ عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ آپ کے ہر تنفس سے اس طرح نکلتی تھی جیسے بجلی کی رو ہے۔ اس شخص کے متعلق یہ کہنا، کہ وہ

نعوذ باللہ دین اسلام کی تخریب کے لئے پیدا ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو کر کوئی نیا دین بنانا چاہتا ہے، پرلے درجہ کی کور باطنی اور حق ناشناسی کا ثبوت دینا ہے۔

اسلام کی موجودہ تصویر: لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو تصویر اسلام کی حضرت مرزا صاحب نے احمدیت کے رنگ میں پیش کی وہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ان خیالات اور اس مذہب سے بہت کچھ مختلف ہے جو عام طور پر اس زمانہ میں مسلمانوں میں رائج ہے۔ اسلام کی جو شکل وصورت آج مسلمانوں نے بنا رکھی ہے اس کے بالمقابل احمدیت کا نقشہ جو اسلام کی اس اصل تصویر کو پیش کرتا ہے جو قرونِ اولیٰ میں تھی۔ ایک بالکل نئی چیز ہے اور اس لئے بعض لوگ یہ خیال کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ ایک نیا مذہب مرزا صاحب نے ان کے سامنے رکھا ہے۔ طرح طرح کے خلاف عقل معتقدات اور یہودیوں اور نصرانیوں کے خیالات مسلمانوں کے ایمانیات میں ایسے داخل ہو چکے ہیں کہ گویا وہی اصل دین ہیں۔ اسلام کو انہوں نے ایک ایسا مذہب سمجھ رکھا ہے جس کے منوانے کے لئے تلوار کے سوا اور کوئی چیز کام نہیں دے سکتی۔ اور چونکہ خود اتنی بھی ہمت نہیں رکھتے کہ تلوار پر ہاتھ ڈال سکیں۔ اس لئے ایک ایسے مہدی اور مسیح کے منتظر بیٹھے ہیں جو آسمان سے نازل ہو کر تلوار کے ذریعہ سے دین کو غالب کرے اور اپنے تنفس سے، جو ان کے نزدیک کئی کئی ہزار میل تک پہنچ سکتا ہے، کفار کو مارتا چلا جائے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی، جو تیرہ سو سال تک برابر کام کرتی چلی آئی اور ہر زمانہ میں آپ کے پیروؤں میں سے کوئی نہ کوئی ایسا انسان پیدا ہوتا رہا جو دین کو ہر قسم کی خرابیوں اور غلطیوں سے پاک کرتا اور امت مرحومہ کو صراط مستقیم پر قائم کرتا تھا، آج زائل شدہ سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ آج مسلمانوں کو راہ ہدایت دکھانے کے لئے اسی امت میں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی غلام کھڑا نہیں ہوسکتا اور باہر کے ایک اسرائیلی نبی کو اس عظیم الشان کام کا اہل سمجھا جاتا ہے۔ آج وحی والہام کا سلسلہ ایسا ہی منقطع سمجھا جاتا ہے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ باوجود یہ کہ حدیث میں صاف ہے کہ تم سے پہلی امتوں میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جو نبی نہ ہونے کے باوجود مکالمات ومخاطبات الٰہیہ سے مشرف تھے اور اس امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گئے۔ باوجودیکہ گزشتہ تیرہ سو سال میں ہزار ہا ایسے اولیا پیدا ہوئے جن کو ملہم من اللہ ہونے کا دعوٰی تھا اور آج تک ان کے الہامات کو الہامات ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ عام طور پر اس زمانہ

میں مسلمانوں کی حالت ایسی خراب ہو چکی تھی کہ الہام کا نام ہی ان کے لئے ایک اچنبھا اور عجیب بات تھی۔ الہام اور مکالمہ آلٰہیہ کا سلسلہ قرب الٰہی کو چاہتا ہے اور یہاں خدا تعالیٰ سے اس قدر بعد ہو چکا تھا کہ بہت سے لوگ دین سے بیزار ہو کر نہ صرف عملاً بلکہ اعتقاداً اسے ترک کر چکے تھے۔ اس لئے الہام کا سلسلہ ان کے لئے ایک غیر ممکن بات ہوگئی اور تو اور علماء کا طبقہ بھی شریعت کی چند ظاہری باتوں کو جاننے کے سوا قرآن کے مغز اور حقیقت سے قطعاً بے خبر ہو گیا۔ اسی وجہ سے جب ان سے کوئی سوال ہوتا اور دین کے کسی مسئلہ کی معقولیت کو کوئی شخص جانچنا چاہتا تو ان کی طرف سے کافر کے خطاب اور ڈنڈے کی مار کے سوا کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ قرآن کو بجائے اس کے کہ غور اور فکر کے ساتھ وہ پڑھتے اور اس کے مطالب کو اس طریق سے سمجھنے کی کوشش کرتے کہ غیروں کے اعتراضات کا دفعیہ ہو، انہوں نے خود ایسے معنی کرنے شروع کر دیئے۔ جن پر سو سو اعتراضات وارد ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ جس آیت کو انہوں نے بظاہر دوسری آیت کے خلاف سمجھا اسے منسوخ قرار دے دیا اور اس طرح سے قرآن کا ایک بڑا حصہ ان کے لئے عملاً بیکار ہو گیا۔ دین کو محض رسمیات کے اندر محدود کر دیا گیا۔ جس میں نماز روزے کے علاوہ تسبیحات و ادوار، قبروں اور خانقاہوں پر چلہ کشی، پیروں اور فقیروں سے مرادیں مانگنا اور مردوں کی فاتحہ خوانی وغیرہ امور پر بہت زور تھا۔ اور اب بھی ایک بڑا طبقہ انہی باتوں کو دین و ایمان سمجھتا ہے۔ اگرچہ اہلحدیث نے ان باتوں سے کنارہ کشی اختیار کی لیکن ان سطحی باتوں کو چھوڑنے کے علاوہ اسلام کی حقیقت کو سمجھنے اور قرآن کے مغز کو تلاش کرنے کی انہوں نے بھی کوشش نہ کی۔ وہی ناسخ و منسوخ کے جھگڑے۔ وہی عیسیٰؑ کا دوبارہ نزول اور تبلیغ دین کے لئے تلوار کی ضرورت ان کے دماغوں پر بھی مسلّط رہی۔

’’نیا اسلام‘‘: ایسی حالت میں دین کے اس عام نقشے کے بالمقابل مرزا صاحب نے کھڑے ہو کر اگر یہ کہا کہ اسلام ایک ایسا معقول مذہب ہے کہ اسے منوانے کے لئے کسی تلوار کی حاجت نہیں نہ کسی خونی مہدی اور مسیح کی حاجت ہے بلکہ خود اس کے اندر ایسی خوبیاں اور اس قدر معقولیت پائی جاتی ہے کہ دنیا کے معقول ترین انسان کے سامنے بھی اگر اسے پیش کیا جائے تو اسے تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہ ہوگا۔ انہوں نے اگر یہ کہا کہ آج دین کا مقابلہ تلوار کے ساتھ نہیں بلکہ قلم کے ساتھ ہے اس لئے جہاد بالسیف کی آج کوئی ضرورت نہیں۔

❁❁❁

7 جون 1932ء

مجدد وقت اور عشق قرآن

قرآن کریم کے ساتھ مسیح موعود کا اظہار محبت

از حضرت امیر ایدہ اللہ

نسل انسانی کی بہتری کا کس قدر بلند وہ کام ہے، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اتنا بلند کام ہے کہ اس کام کو دیکھ کر متعصب سے متعصب عیسائیوں کی گردن جھک گئی ہے اور یہ اقرار کرنا پڑا ہے کہ دنیا کے تمام مذہبی معلمین میں سب سے زیادہ کامیاب انسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن اسی قوم میں وہ بھی گروہ ہے جس کا کام یہی ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر کوئی اعتراض تلاش کرتے رہتے ہیں اور دو چار اعتراض جمع کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے بڑا عظیم الشان کام کیا کہ نسل انسانی کے اس سب سے بڑے خیر خواہ اور سب سے بڑے محسن کو بزعم خود جھوٹا ثابت کر دیا۔

خدمت اسلام کا عظیم الشان کام: اسی طرح آج ہمارے بھائی مسلمانوں کی حالت ہے۔ ایک طرف اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے کتنا بڑا عظیم الشان کام خدمت اسلام کا کیا۔ کس طرح سینکڑوں کی تعداد میں یورپ کے بڑے بڑے لوگوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔ عیسائیت کے مرکزوں میں مسجدیں بنائیں۔ اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تصویر پیش کر کے مہذب دنیا سے کس قدر غلط فہمیوں کو دور کیا۔ اسلام پر ہر ایک حملہ کا جواب کس خوبی سے دیا۔ مگر مسلمانوں ہی کا ایک گروہ ہے جن کا شغل دن رات یہی ہے کہ کوئی ذلیل سے ذلیل اعتراض مل جائے تو حضرت مرزا صاحب کو جھوٹا کہہ کر اپنے دلوں کو خوش کر لیں۔ کس قدر افسوس ہے اس قوم پر کہ جس شخص نے اسلام کی عزت کو، اور خود اس قوم کی عزت کو دنیا میں اس قدر بڑھایا، اسی کو دشمن اسلام ثابت کرنے سے ان کو خوشی ہوتی ہے!

تکذیب مجدد کا نتیجہ: یہ لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اگر آپ کی تمام خدمات اسلام کی طرف سے

آنکھیں بند بھی کر لی جائیں اور نعوذ باللہ آپ کو جھوٹا ہی ثابت کر دیا جائے تو اس سے ان کا کیا مقصد حاصل ہوا؟! صدی کے سر پر جو مجدد ہونے کا دعویدار ہے وہ تو جھوٹا ہو گیا اور اپنی ساری خدمات اسلام کے باوجود دشمن اسلام قرار پایا۔ مگر کیا تم اب اس گزری ہوئی صدی کے سر پر کوئی مجدد پیدا بھی کر لو گے۔ یاد رکھو کہ یہ کام تم سے نہ ہو سکے گا۔ اور حضرت مرزا صاحب کو جھوٹا قرار دے کر اب تم صرف اس خدائی وعدہ ہی کو جھوٹا ثابت کرو گے جو **اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِئَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا** میں دیا گیا ہے۔ جو مجدد پیدا ہوا تھا اسے تو تم نے دجال و کذاب کہہ کر دل خوش کر لیا۔ مگر اور پیدا کرنا تمہارے لئے ناممکن ہے۔ نصف صدی گزر گئی۔ اب یہ تمہاری کوشش آیات اللہ کے ساتھ کھلی ہنسی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟!

صرف ایک کام: حضرت مرزا صاحب کے ایک ایک کام پر غور کرو۔ ان عظیم الشان خدمات کو الگ رکھو جو دوسرے مذاہب کے مقابل پر کی ہیں۔ ان کے حملوں کا جواب دیا ہے۔ ان میں اسلام کو پھیلایا ہے اور ان کاموں میں سے، جو مسلمانوں کی اندرونی اصلاح کے متعلق آپ نے کئے ہیں، صرف ایک کام کو لے لو جو شاید بہت لوگوں کی نگاہ سے مخفی ہی ہے۔ اور وہ ہے قرآن کریم کو اس بلند مقام پر بحال کرنا جس کے لئے یہ نازل ہوا تھا۔ وہ کیا مقام تھا **ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ** (2:2)

منزل مقصود تک پہنچانے والی کتاب: غور کرو کہ یہ آیت سورۃ الفاتحہ کے بعد قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت ہے۔ اور اس میں ایک دعوٰی کیا گیا ہے کہ یہ کتابوں قرآن کریم متقیوں کو منزل مقصود تک پہنچانے والی ہے۔ ہدایت یا راہ دکھانا ایک تو یہ ہے کہ کسی کو کہہ دیا جائے کہ یہ راستہ فلاں منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ اور ایک یہ ہے کہ کسی کے ساتھ ہو کر اس کی رہنمائی کی جائے اور اس کے ساتھ ہو کر اسے منزل مقصود تک پہنچا دیا جائے۔ پہلے معنی میں یہ کتاب **هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ** (2:2) ہے۔ سب لوگوں کو سب قوموں کو بتاتی ہے کہ یہ راستہ ہے۔ ادھر آؤ۔ مگر کچھ اس پر کان دھرتے ہیں کچھ نہیں دھرتے۔ **اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا** (3:76) کان دھرنے والوں کے لئے، شاکروں کے لئے، پیغام حق کو قبول کرنے والوں کے لئے، متقیوں کے لئے، مسلمانوں کے لئے یہ دوسرے معنی میں ہدایت ہے۔ ان کی رہنمائی کر

کے انہیں منزل مقصود پر پہنچا دیتی ہے۔

مسلمان اور قرآن کریم: جس قوم نے اسے اپنا رہنما بنایا وہ دنیا میں کس طرح کامیاب ہوئی! مگر افسوس کہ آج مسلمانوں نے اس کتاب کو اپنا رہنما نہیں رکھا۔ ہر ایک ملا اور پیر کو اپنا رہنما سمجھا۔ ہر ایک فقہ کے امام اور فقہ کی کتاب کو اپنا رہنما سمجھا۔ اور بہت ترقی کی تو حدیث کو اپنا رہنما سمجھا۔ مگر قرآن کو اپنا رہنما نہ سمجھا۔ قرآن نے بلند آواز سے کہا تھا۔ سب سے پہلی آیت میں کہا تھا کہ اس کتاب کے رہنما ہونے میں شک نہ کرنا۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہاں متقیوں ہی کو کہا ہے۔ جن کا ذکر یہاں ہو رہا ہے۔ اس بات میں ذرا بھی شک نہ کرنا کہ یہ کتاب ہی تم کو منزل مقصود تک پہنچانے والی ہے۔ مگر اسی کتاب کو مسلمانوں نے چھوڑا ہوا ہے۔

مجدد وقت کی آواز: اس صدی کا مجدد ہی وہ شخص ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ظاہر فرمایا کہ مسلمان قوم کی کامیابی کے لئے آج اس ایمان کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے جس کا ذکر **ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ** (2:2) میں ہے۔ اس لئے جب آپ نے قوم کو بیدار کرنے کے لئے آواز دی تو سب سے پہلی آواز یہی تھی کہ "قرآن کو اپنا رہنما بناؤ"۔ اور مختلف پیرایوں میں قرآن شریف کو ہر مسلمان کی زندگی میں داخل کرنے کی کوشش کی اور ہر مشکل میں اسی مشعل سے راستہ تلاش کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ان پیرایوں میں سے چند ایک کا ذکر میں یہاں کرتا ہوں۔

تاریخ تصوف میں ایک نیا باب: 1۔ صوفیوں نے تزکیہ نفس کے لئے طرح طرح کے چلّے اور وظائف اور اوراد بنائے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب پر بھی ایک وقت ایسا آیا کہ آپ نے دنیا سے الگ ہو کر ایک مجاہدہ اختیار کیا اور یہ کئی ماہ کا ایک لمبا مجاہدہ تھا۔ مگر اس مجاہدہ میں آپ کا وظیفہ کیا تھا۔ صرف قرآن کریم کا مطالعہ اور بار بار اس کا پڑھنا۔ یوں آپ نے اپنے عمل سے یہ ظاہر کیا کہ اگر آج کوئی تزکیہ نفس کے لئے ضرورت محسوس کرتا ہے تو وہ مجاہدہ وہ ریاضت شاقہ قرآن کریم کا مطالعہ ہے۔ تاریخ تصوف میں آپ کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھا جانے کے قابل ہے۔ آپ نے گویا اس طرح تاریخ تصوف میں ایک نیا باب کھولا ہے۔

قرآن کریم کی صداقت پر دلائل کا مجموعہ: 2۔ سب سے پہلی کتاب جو آپ نے لکھی۔ جو "براہین

احمدیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ جو صرف قرآن کریم کی صداقت پر دلائل کا ایک مجموعہ ہے۔ اور انہی دلائل کے ذریعہ سے ہر ایک مذہب پر اتمام حجت کیا ہے۔ چنانچہ اس کا پورا نام ہے ''البراہین الاحمدیہ علیٰ حقیقۃ کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ''۔ اور یوں یہ دوسری بات اپنے عمل سے بتائی کہ اگر مخالفین پر اتمام حجت کا کوئی ذریعہ ہے تو وہ قرآن کریم ہی ہے۔ اگر آج ہم کوئی جہاد کر سکتے ہیں تو وہ قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر ہی کر سکتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو دنیا میں روشن کر سکتے ہیں تو وہ قرآن کریم کے ذریعہ سے ہی کر سکتے ہیں۔

پیش آمدہ مشکلات میں قرآن سے امداد: 3۔ آپ کا عمل یہ تھا کہ جب کسی اہم مسئلہ پر لکھنے کی ضرورت پیش آتی تو ایک دفعہ سارے قرآن شریف کو اس مسئلہ کو ذہن میں رکھ کر پڑھتے کہ قرآن کریم سے اس کے متعلق ہدایت اور روشنی حاصل کریں۔ یہ بھی مسلمانوں کے لئے ایک عملی نمونہ تھا کہ وہ پیش آمدہ مشکلات میں قرآن کریم سے مدد لیں۔

قرآن کریم کے ساتھ اظہار محبت: 4۔ قرآن کریم کو اس طرح ورد بنانے کا، بار بار پڑھنے کا، وہیں سے ہر صداقت کی بات تلاش کرنے کا یہ نتیجہ تھا کہ قرآن کریم کی محبت آپ کے دل کے اندر کھب گئی۔ جہاں آپ نے اشعار میں اللہ تعالیٰ سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار محبت کیا ہے، جو پہلے بھی عاشقان خدا اور رسول کرتے رہے ہیں، وہیں آپ اس بارہ میں سب پر ممتاز ہیں کہ آپ نے قرآن کریم کے ساتھ بھی اشعار میں اظہار محبت کیا ہے۔ میں صرف نمونہ کے طور پر آپ کی چند نظموں میں سے ایک ایک دو دو شعر یہاں دیتا ہوں۔

جمال وحسنِ قرآں نور جان ہر مسلماں ہے — قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے
بہار جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں — نہ وہ خوبی چمن میں ہے، نہ اس سا کوئی بستاں ہے

اے عزیزو! سنو کہ بے قرآں — حق کو ملتا نہیں کبھی انساں
ہے یہ فرقاں میں اک عجیب اثر — کہ بناتا ہے عاشقِ دلبر
دل میں ہر وقت نور بھرتا ہے — سینے کو خوب صاف کرتا ہے

اس کے اوصاف کیا کروں میں بیاں　　وہ تو دیتا ہے جان کو اک جاں
بحرِ حکمت ہے وہ کلام تمام　　عشق حق کا پلا رہا ہے جام

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا　　پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا!
حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا　　ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفٰی نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ　　وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

ویں صفت، ہست خاصۂ فرقاں　　ہر اصولش موثق از برہان
آفتاب رہ صواب ست ایں　　بخدا، بہ زِ آفتاب ست ایں
ہست فرقاں، آفتاب علم و دیں　　تا برندت، از گماں سوئے یقیں
ہست فرقاں، از خدا حبل المتیں　　تا کشندت سوئے ربّ العالمین
ہست فرقاں، روزِ روشن، از خدا　　تا دہندت روشنی دیدہ ہا

از نورِ پاک فرقاں، صبحِ صفا دمیدہ　　بر غنچہ ہائے دلہا باد صبا وزیدہ!
اے کانِ دلربائی، دانم کہ از کجائی　　تو نورِ آں خدائی، کیں خلق آفریدہ

از وحی خدا، صبح صداقت بدمیدہ　　چشمے کہ ندید آں صحف پاک، چہ دیدہ
آں دیدہ کہ نورے نگرفت ست از فرقان　　حقّا کہ ہمہ عمر ز کوری نہ رہیدہ
آں چراغ ہدیٰ ست دنیارا　　رہبر و رہنما سست دنیا را
وہ چہ دارد، خزائنِ اسرار　　دل و جانم فدائے آں انوار
ہست آئینہ بہر روئے خدا　　عالمے راکشید، سوئے خدا

ہست فرقانِ مبارک از خدا، طیّب شجر نونہال و نیک بود و سایہ دار و پر ز بر
ور نیا ید باورت در وصفت فرقان مجید حسنِ آں شاہد بپرس از شاہداں یا خود نگر

جائے غور ہے کہ جس شخص کے دل میں اس قدر محبت قرآن ہے۔ جو قرآن کریم کی خوبیوں کا نقشہ کھینچتا چلا جاتا ہے اور تھکتا نہیں۔ جس کے قرآن کریم کی تعریف کی صرف اشعار کی ایک کتاب بنتی ہے۔ کیا یہ عاشق قرآن قرآن کا ہی دشمن ہے؟! کیا دنیا میں آپ لوگ واقعات کو اسی نگاہ سے دیکھا کرتے ہیں؟! اگر قرآن کا ایسا پر جوش عاشق، جس کے جذبہ محبت سے ہزاروں اور دل بھی روشن ہو جاتے ہیں، کاذب ہے تو دنیا میں صدق اور وفاداری کو کہاں تلاش کریں؟!

عظمت قرآن کے متعلق تین باتیں: 5۔ عظمت قرآن کو مخالفین کے مقابل جس خوبی کے ساتھ آپ نے رکھا ہے اور انہیں لاجواب کیا ہے، اس میں آپ کی نظیر متکلمین میں نہیں ملے گی۔ آپ نے تحدّی کے طور پر یہ تین باتیں مخالفین کے سامنے پیش کیں اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی آسمانی کتاب کو ان میں سے کسی ایک معیار پر پرکھ کر دکھائیں۔

الف۔ یہ کہ قرآن کریم تمام مذہبی صداقتوں کا جامع ہے اور کوئی مذہبی صداقت ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جو کسی مذہبی کتاب نے پیش کی ہو یا آج کسی شخص کے ذہن میں وہ آسکے اور وہ قرآن کریم میں نہ ہو۔

ب۔ قرآن کریم نے تمام عقائد باطلہ کی، جو دنیا کی کسی قوم میں پائے جاتے ہوں، تردید کی ہے۔

ج۔ قرآن کریم نہ صرف ہر ایک دعوے کو خود پیش کرتا ہے بلکہ اس کے دلائل بھی خود دیتا ہے۔

جنگ مذاہب میں عظیم الشان حربہ: کسی کے سینے میں دل ہو تو میں اس سے پوچھتا ہوں کہ جو شخص قرآن کریم کی اس عظمت کو دنیا میں ظاہر کرتا ہے کیا تم اسی کو دجال اور دشمن اسلام کہتے ہو! حضرت مرزا صاحب وہ شخص ہیں کہ انہوں نے اسی کتاب الٰہی کو، جس کو مسلمانوں نے محض تعظیم یا زیادہ سے زیادہ تلاوت کے ثواب کے لئے سمجھا ہوا تھا، جنگ مذاہب میں دنیا کا زبردست ترین حربہ ثابت کیا۔ مگر اس ناشکری کا کیا علاج کہ اسی عظیم الشان محسن کو دشمن اسلام ثابت کرنے کی کوشش ہو رہی ہے!

علم وحکمت کی کتاب: 6۔نہ صرف آپ نے غیر مذاہب کے مقابلہ میں قرآن کریم کی عظمت کوظاہر کیا بلکہ آپ نے قرآن کریم کوعلم وحکمت کی کتاب بھی ثابت کیا۔اور یہ دکھایا کہ آج جس قدر وساوس اور اعتراضات دہریت اور مادی تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں، ان سب کا علاج بھی قرآن شریف میں موجود ہے۔اوراس کے ساتھ ہی یہ بھی دکھایا کہ جس قدرعلم دنیامیں ترقی کرے گا اسی قدر قرآن کریم کی عظمت بھی زیادہ ظاہر ہوگی۔

مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کا علاج قرآن سے: 7۔جس طرح غیر مذاہب پرآپ نے قرآن کریم کے ذریعے سے اتمام حجت کیا۔مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کا علاج بھی قرآن کریم ہی کو بتایااورتمام اختلافات کواس طرح حل کیا کہ قرآن کریم کوسب پرمقدم کیا جائے۔حدیث کواس حدتک قبول کیا جائے کہ وہ قرآن کریم کے خلاف نہ ہو۔اوراجتہاد دآئمہ کواس حدتک کہ قرآن وحدیث کے وہ خلاف نہ ہو۔یوں مسلمانوں کوبھی قرآن کریم کی اس عظمت کی طرف توجہ دلائی جس کا یہ مستحق ہے۔

قومی جدوجہد میں حل مشکلات کا ذریعہ: 8۔نہ صرف آپ نے مسلمانوں کی دینی مشکلات کوقرآن کریم سے حل کرنے کی راہ بتائی بلکہ آج جو ہرقسم کی جدوجہدقومی جاری ہے اس میں بھی قرآن کریم کو مسلمانوں کی ہرقسم کی مشکلات کا ذریعہ بتایا۔اورانہیں بتایا کہ ان کی دنیوی ترقی اوردوسری قوموں پر برتری بھی قرآن کریم کوہی مشعل راہ بنانے سے وابستہ ہے۔جس طرح پہلے انہوں نے صرف قرآن کو اپنا رہنما بنا کر دنیوی فلاح حاصل کی، آج بھی ان کی دنیوی فلاح قرآن کریم سے ہی وابستہ ہے۔اور یوں توجہ دلائی کہ ہرایک مسلمان کا فرض ہے کہ قرآن کریم کو پڑھےاوراس پرعمل کرنے کی کوشش کرے اوراس سےنوروہدایت حاصل کرے۔

قرآن کومسلمانوں میں مروج کرنے کی بنیاد: 9۔مگرآپ کا کام اس حدتک نہیں ہوگیا کہ قرآن کریم مسلمانوں کے لئے مجاہدات اورتزکیہ نفس کا ذریعہ قراردیں۔جہاد بالقرآن کوان کی زندگی کا سب سے بڑامقصدٹھہرائیں۔قرآن کریم کی محبت دلوں میں داخل کی جائے۔اس کی بےنظیرعظمت کے مقابلہ سے سب مذاہب کوعاجز دکھایا جائے۔اسے مسلمانوں کی دینی ودنیوی مشکلات کاعلاج بتایا جائے۔بلکہ آپ نے ان تمام باتوں کے ساتھ قرآن شریف کوعام طور پرمسلمانوں میں مروج کرنے کی بنیادرکھی اور

اس کے دو پہلو اختیار فرمائے۔ ایک طرف کتابوں، رسالوں اور ٹریکٹوں کے ذریعہ سے تعلیم قرآنی کو عام کیا۔ دوسری طرف درس قرآن کی بنیاد اپنی جماعت میں ایسی مضبوط رکھی کہ جماعت احمدیہ کی زندگی کا یہ جزو ہو گیا ہے کہ جہاں کہیں جماعت احمدیہ ہے وہاں درس قرآن کا سلسلہ بھی کم و بیش جاری ہے۔ میں ہر مسلمان سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی جگہ پر غور کرے کہ جس شخص نے قرآن کریم کی تعلیم کو اس طرح پھیلایا، کیا وہ کذاب یا دجال ہے؟! یا فی الواقعہ ایسا شخص ہے جس کی قوم کو آج ضرورت تھی!

قرآن کو غیر مسلم دنیا میں پہنچانے کی بنیاد: 10۔ اور آخری بات اس کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب قادیانی ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے نہ صرف مسلمانوں میں تعلیم قرآن کو ترویج دی بلکہ اس پاک کتاب کو تراجم کے ذریعے سے غیر مسلم دنیا میں پہنچانے کی بنیاد رکھی۔ اس میں شک نہیں کہ بزرگان دین نے قرآن کریم کی بیش بہا خدمات کی ہیں۔ اس کی تفسیریں لکھی ہیں۔ اردو اور فارسی میں ترجمے بھی کئے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ مسلمان قوم تک محدود تھا۔ آج ضرورت تھی کہ قرآن کریم کے ذریعے سے غیروں پر اسلام کی فتوحات حاصل ہوتیں۔ تا کہ اسلام کا قدم دنیا میں آگے بڑھتا۔ سو اس کی بنیاد مسلمانوں میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے رکھی۔ مسیح موعود کے دعوے کا اظہار آپ نے جس کتاب میں کیا ہے اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ میرے دل میں یہ آرزو ہے کہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر کر کے انگریزوں میں اس کو پہنچاؤں۔ آپ کی اس آرزو کو آپ کے خدّام نے تکمیل کا جامہ پہنایا اور آج آپ کی بدولت نہ صرف انگریزی میں ترجمہ قرآن ہوا بلکہ دنیا کی اور کئی زبانوں میں بھی ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے۔ جیسے فرنچ، جرمن، چینی۔ اور احمدیہ جماعت اس عظیم الشان مقصد کو اپنے سامنے رکھتی ہے کہ قرآن کریم کو دنیا کی ہر زبان میں ترجمہ کر کے ہر ملک کے لوگوں تک پہنچائے۔ میں پھر ان مسلمانوں سے پوچھتا ہوں جن کے سینوں میں اسلام کا کچھ درد ہے کہ کیا وہ شخص، جس نے قرآن کریم کو دنیا کے ان ملکوں میں پہنچایا، جہاں یہ آج تک نہ پہنچا تھا، اور جس نے ایسی بنیاد رکھی کہ دنیا کے ایک ایک ملک میں اور ایک ایک کونہ میں خدا کا کلام قرآن شریف پہنچے کیا تم اسی کو کذاب اور دجال کا خطاب تو نہیں دے رہے؟!

کیا یہ عاشق قرآن ہے یا دشمن قرآن: اس قدر خدمت قرآن کرنے والا انسان، تزکیہ نفس کے لئے

قرآن کو مقدم کرنے والا انسان، جہاد کے لئے قرآن کو آگے کرنے والا انسان، اظہار محبت عشق کے لئے قرآن کو چن لینے والا انسان، مشکلات کے لئے قرآن کو مشعل راہ بنانے اور بتانے والا انسان، سینکروں مقامات پر درس قرآن سلسلہ جاری کرنے والا انسان، قرآن کی اس عظمت کو ظاہر کرنے والا انسان، جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کی قومیں عاجز ہیں، تراجم کے ذریعہ سے قرآن کریم کو دنیا کے تمام ملکوں میں پہنچانے والا انسان، کیا یہ عاشق قرآن ہے یا دشمن قرآن؟! کیا تمہارے دلوں میں ان لوگوں پر نفرین کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا جو ایسے عاشق قرآن کو کذّاب اور دجال قرار دیتے ہیں۔ اور اس پر استہزا کرتے ہیں

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا (46:34)

آج سے دس سال بعد (7 جون 1932ء) آپ کے ایک ایک آنے اور ذی استطاعت اصحاب کی صورت میں چار چار آنے اور ایک ایک روپے سے آپ کی قوم کے ہاتھ میں 50000 روپیہ ہوگا۔ جس سے آپ قومی بہبود کا کوئی عظیم الشان کام کر سکتے ہیں۔ کوئی مشن قائم کریں یا روانہ اخبار چلائیں۔ یا کالج بنائیں۔ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست۔ محمد علی

☆☆☆

7 جون 1932ء

نور محمد نائب ضلع دار شجاع آباد

حضرت مسیح موعود کے زمانہ کی ایک خصوصیت

جماعت احمدیہ کے غور کے قابل

مجھے خود حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل ہے۔ حضور کا جوش اسلام آپ کی تصانیف سے ظاہر ہے۔ آپ کے زمانہ میں آپ کی جماعت کے ہر فرد کی یہ خصوصیت اور پہچان تھی کہ ہر جگہ خلوت، جلوت، دعوت احمدیت اور تبلیغ سلسلہ میں ان کو منہمک دیکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے ذاتی کام کو بھول جاتے تھے۔ کوچہ بازار میں کھڑے کھڑے گھنٹے گزر جاتے تھے اور مخاطب کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔ خبطی اور مجنون کا لقب انہیں دیا جاتا تھا۔ یہ اس عشق کا اثر تھا جو خود بانی سلسلہ میں مستولی تھا۔ اگر کوئی آدمی نہ ملتا تو پھر کتابیں مطالعہ میں رہتیں۔ اور درثمین کی نظم زبان پر ہوتی۔ دور سے ہمیں انگشت نمائی کی جاتی تھی۔ تبلیغ دین ہی احمدیت کا نشان تھا اور یہی اک چیز ہے جس کی آج بھی ضرورت ہے۔ مردہ رگوں میں پھر بجلی پیدا کرنے والی یہی تبلیغ ہے۔ آج بھی اسلام کا جلال جہاں ظاہر ہوتا ہے اس کے ظاہر کرنے والے احمدی ہوتے ہیں۔ ولایت میں پادری بول اٹھے کہ ہندوستان میں اسلام اور ہے اور یہ لوگ اور اسلام پیش کرتے ہیں۔ خوبصورت چہرہ اسلام کا دیکھتے ہیں اور حیرانی سے یہ سوال کرتے ہیں۔ ایسا اسلام کون پیش کرتے ہیں۔ احمدی۔ ہاں احمدی۔ تو پھر احمدیت اسلام کی بہترین تشریح نہ ہوئی تو کیا ہوئی۔ سچ ہے مسلم احمدی ہے اور احمدی مسلم۔ اسلام احمدیت ہے اور احمدیت اسلام۔ ضرورت اس جنون اور درد اور بے آرامی کی ہے جو دن رات دین کے لئے ہمیں بے چین رکھے۔ وہ جنون موت تک ہمارے ساتھ رہے۔ اگر ایسا ہو تو ہم اَوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ (20:9) کا مقام حاصل کر کے یورپ کیا، ایشیا، افریقہ تک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا غلغلہ پیدا کر دیں گے۔

ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ کیا وہ رنگ مسیح موعود کا اس میں باقی ہے۔ کیا مطالعہ کتب مسیح موعود اور تبلیغ احمدیت کا جنون دن رات اسے ہے۔ کیا سوتے وقت اور پھر جاگتے وقت اسے یہ خبط احمدیت کا لگا ہوا ہے اور ''درّثمین'' کے اشعار سے لبریز ہے۔

۞۞۞

7 جون 1932ء
حضرت امیر کے قلم سے

نبیوں، صدیقوں، شہدا اور صالحین کی معیت

مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ کا صحیح مفہوم

ایک قادیانی دوست نے خاص طور پر یہ فرمائش کی ہے کہ میں اپنے قلم سے ایک مضمون عنوان بالا پر مسیح موعود نمبر میں لکھوں، صرف اس کو مدنظر رکھتے ہوئے میں یہ چند لفظ لکھتا ہوں، ورنہ اس پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ مزید لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے اس دوست کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت تو بظاہر چار مقامات کا دروازہ کھولتی ہے۔ یعنی اس کی رو سے اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والا یا نبی بن سکتا ہے یا صدیق یا شہید یا صالح، تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ان میں سے تین کا دروازہ کھلا سمجھا جائے اور چوتھے کا بند!

الفاظ آیت: الفاظ آیت یہ ہیں۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (4:69) جس کے اردو معنی میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ یعنی ترجمہ یوں ہوگا ''اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ تو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا۔ نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین میں سے اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔''

دو گروہ: بظاہر یہاں دو گروہوں کا ذکر ہے۔ ایک یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ اور ایک اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ۔ یعنی ایک اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والے اور ایک وہ جن پر اللہ کا انعام ہوا۔ نبی، صدیق، شہید، صالح۔ اور یہ بات ظاہر بھی ہے کہ خدا پر ایمان لانے والے موٹے طور پر دو گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کی زندگیاں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے وقف ہو جاتی ہیں۔ دوسرے وہ جو اپنے دنیا کے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں اور حتی الوسع احکام الٰہی کی تعمیل بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں نبیوں صدیقوں، شہیدوں، صالحین کو ایک گروہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ گو وہ بلحاظ مراتب الگ الگ ہیں۔ لیکن سب کی زندگیوں کی غرض ایک ہے۔ اللہ کے نام کو دنیا میں پھیلانا اور لوگوں کو خدا کی طرف بلانا۔ تو یہاں یہ فرمایا ہے کہ عام مومنین کو، جو گو اپنے دنیا کے کاروبار میں مصروف ہیں مگر اللہ اور

رسول کے احکام کی اطاعت کی بھی کوشش کرتے ہیں۔اس کامل گروہ کی رفاقت حاصل ہوگی۔جن کی زندگیوں کا مقصد ہی اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔خواہ وہ نبی ہوں یا صدیق یا شہید یا اولیاء۔

نبیوں اور صدیقوں کی محبت: احادیث نبویؐ اسی معنی کی موید ہیں۔ترمذی کی روایت میں ہے **اَلتَّاجِرُ الصّدّوق والامینمَعَ النَّبِیّنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ.** تاجر جو سچ بولتا ہے اور دیانتدار ہے، وہ نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ تجارت کرتے کرتے ایک شخص نبی بن جاتا ہے یا صدیق بن جاتا ہے۔بلکہ مطلب یہ ہے کہ گو وہ کاروبار تو دنیا کا کرتا ہے اور اپنی دنیوی ترقی میں کوشاں رہتا ہے۔لیکن اگر وہ سچائی اور دیانتداری سے کام کرتا ہے تو اسے بھی کاملین کی معیت حاصل ہوجائے گی اور ایک صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کے متعلق پوچھا گیا۔جو ایک قوم سے محبت کرتا ہے اور حضرت انسؓ کے مرتبے کو نہیں پہنچا تو فرمایا **اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ** انسان ان کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت رکھتا ہے اور حضرت انسؓ کی روایت میں ہے۔**انّی احب رسولَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیہ وسلّم وَاحب ابابکرٍ وعُمَرَ رضی اللّٰہ عنھما وارجو ان اللّٰہ یبعَثُنِیُ مَعَھُمْ وَان لمْ اعمل کَعملھم.** میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ سے محبت رکھتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے ساتھ مبعوث کرے گا۔گو میں نے ان جیسے عمل نہیں کئے۔

اصحاب الیمین اور مقربین: علاوہ ازیں خود قرآن کریم میں مومنوں کے دو گروہوں کا ذکر ہے۔ایک سابق یا مقربین اور ان مقربین میں امت کا ایک گروہ شامل ہے۔صرف انبیاء نہیں **ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ . وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ** (56:13-14) اور ایک اصحاب الیمین۔اور یہ سابقین یا مقربین کا گروہ ہی ہے۔جس کو یہاں **اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ** کہا ہے۔اور دوسرا گروہ اصحاب الیمین کا وہی جس کا **وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ** میں ذکر ہے۔بعض جلدباز کہیں گے کہ کیا **اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ** اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والوں میں شامل نہیں۔یہ ایسا ہی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ کیا مقربین اصحاب الیمین نہیں ہیں۔پس اس آیت قرآنی کا صاف صریح مفہوم، جو قرآن کریم کے دوسرے مقامات کے مطابق ہے، یہ ہوا کہ ایک گروہ مومنوں کا وہ ہے جو اپنے کاروبار میں مصروف ہیں۔مگر اللہ اور رسول کی اطاعت کو مدنظر رکھتے ہیں۔اور ایک گروہ مومنوں کا **اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ** میں شامل ہے جس کی غرض بھی اعلاء کلمۃ اللہ

ہے۔تو اس پہلے گروہ کو بھی دوسرے گروہ کی معیت حاصل ہوگی اور اس معیت کی تصریح خود آیت میں فرما دی وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا (69:4) یعنی وہ ان کے رفیق ہوں گے۔

عام مومنین کے لئے بشارت: تو یہ معنی اپنے اندر ایک خوشخبری رکھتے ہیں کہ جو لوگ نبوت کے مقام پر نہیں پہنچے، صدیقیت کا کمال انہوں نے حاصل نہیں کیا، شہادت کا مقام بلند انہیں میسر نہیں، کیا ولایت کے مقام عظمٰی تک اس کی رسائی نہیں ہوئی۔ وہ بھی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ یہاں نہ نبی بننے کا ذکر ہے نہ صدیق بننے کا نہ شہید بننے کا نہ کوئی خاص دروازہ کھلنے کا۔ صدیق شہید ولایت وغیرہ کے مراتب کے حاصل کرنے کا ذکر دوسری جگہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ تو یہ تو واقعی ایک مفہوم ہے جو اپنے اندر ایک حقیقت اور ایک بشارت بھی رکھتا ہے کہ اطاعت کرنے والا گروہ گو نبی نہ ہو مگر نبیوں کے ساتھ ہوگا۔ گو صدیق نہ ہو مگر صدیقوں کے ساتھ ہوگا۔ گو شہید نہ ہو مگر شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ گو ولی نہ ہو مگر ولیوں سے ساتھ ہوگا۔

قادیانی مفہوم: لیکن ہمارے قادیانی دوست اس سیدھے سادے مفہوم کو، جو خود قرآن و حدیث کے مطابق ہے، چھوڑ کر اپنی طرف سے کچھ آیت میں بڑھاتے ہیں اور بڑھا کر بھی مفہوم کچھ نہیں بنتا۔ بڑھاتے تو یوں ہیں کہ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ کے معنی یوں کرتے ہیں۔ جو لوگ کامل اطاعت اللہ اور اس رسول کی کرتے ہیں حالانکہ یہاں کامل اطاعت کا کوئی ذکر نہیں اور مفہوم پھر بھی نہیں بنتا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک کامل اطاعت سے انسان یا نبی بن جاتا ہے یا صدیق یا شہید یا ولی۔ تو گویا آیت کا مفہوم یوں ہوا کہ جو لوگ کامل اطاعت کر کے نبی، صدیق، شہید، ولی بن جاتے ہیں۔ وہ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں، ولیوں کے ساتھ ہوں گے۔ ایک شخص کامل اطاعت اختیار کر کے نبی بن گیا۔ وہ نبیوں کے ساتھ ہوگا۔ دوسرا اس سے کمتر اطاعت کر کے صدیق بن گیا۔ وہ صدیقوں کے ساتھ ہوگا۔ تیسرے کی اطاعت میں اور کچھ نقص رہا۔ وہ شہید بن کر شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ چوتھا جو اس سے بھی کم اطاعت کے مرتبہ پر ہے۔ وہ ولی بن کر ولیوں کے ساتھ ہوگا۔ کیا آیت کا منشا یہ ہے کہ غیر نبی بھی نبیوں کے ساتھ ہوں گے۔ یا یہ کہ نبی نبیوں کے ساتھ ہوں گے اور پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ساری امت ان چار گروہوں پر ہی تقسیم ہے۔ اس امت میں سے کچھ نبی بن جائیں گے، کچھ صدیق، کچھ شہید، کچھ

صالح، مگر کیا نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اولیاء کے علاوہ بھی کوئی لوگ ہوں گے یا نہیں۔

واقعات کی مخالفت: پھر یہ معنی واقعات کے بھی خلاف ہوئے۔ اس لئے کہ کامل اطاعت سے تو صرف نبی بنیں گے۔ اور نبی اس امت میں کوئی ہوا نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ تیرہ سو سال تک کسی شخص نے اللہ اور رسول کی کامل اطاعت ہی نہیں کی۔ وہ لوگ جن کی کامل اطاعت کا اقرار دشمنوں کو بھی ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دیگر اجلّہ صحابہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا۔ جس نے کامل اطاعت کی ہو اور تمام مجددین اور اولیاء اسی ناقص حالت پر ہی گزر گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ.

مفہوم کو نہ بگاڑو: غرض اس آیت میں ہرگز یہ ذکر نہیں کہ اطاعت اختیار کر کے نبی بنتا ہے یا صدیق یا شہید یا ولی۔ اس میں صرف یہ ذکر ہے اور صاف الفاظ میں ذکر ہے کہ عامہ مومنین اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کو مقربین اور سابقین کی، جن کی زندگیوں کا مقصد واحد اعلاء کلمۃ اللہ ہے، رفاقت حاصل ہوگی اور یوں مفہوم کو بگاڑ کر تو عیسائی مسیحؑ کی خدائی قرآن شریف سے ثابت کرنے کو تیار ہیں اور ہندو تناسخ کا عقیدہ بھی نکالنے کے لئے تیار ہیں۔ اس کا کوئی علاج نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کیا پھر اس امت میں صدیق اور ولی بھی نہیں ہوتے تو اس کے لئے دوسرے مقامات کو دیکھو۔

۞۞۞

7 جون 1932ء

حضرت مسیح موعود کے بعض نشانات

حضرت امیر ایّدہ اللہ اور برادران سلسلہ کے متعلق چند حقائق

شیخ غلام حسین صاحب سیالکوٹی کے قلم سے

حضرت مسیح موعود نے ماہ ستمبر 1904ء کو بمقام لاہور ایک لیکچر کے دوران میں فرمایا ''اسی طرح اور بہت سے نشان ہیں۔ اگر وہ لکھے جائیں تو ممکن نہیں کہ وہ مضمون اس دن میں ہی ختم ہو سکے۔ ان نشانوں کے گواہ ایک دو نہیں بلکہ کئی لاکھ انسان گواہ ہیں...... وہ تمام نشان کئی قسم کے ہیں۔ بعض آسمان میں ظاہر ہوئے بعض زمین میں۔ بعض دوستوں کے متعلق ہیں۔ بعض دشمنوں کے متعلق جو پورے ہو چکے۔ بعض میری ذات کے متعلق ہیں۔ بعض میری اولاد کے متعلق' ایسا ہی ''حقیقۃ الوحی'' میں آپ نے متعدد مرتبہ ان کلمات کا اعادہ فرمایا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس ارشاد میں حضور نے چند حقائق ارشاد فرمائے ہیں۔ اول نشانات کی تعداد اس قدر ہے کہ دس یوم تک بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ پھر اقسام نشانات تحریر فرمائے ہیں۔ جو بعض آسمان میں ظاہر ہوئے بعض زمین میں۔ بعض دوستوں کے متعلق ہیں۔ بعض دشمنوں کے متعلق ہیں۔ بعض اپنی ذات کی نسبت اور بعض اولاد کے حق میں۔ حضرت نے اپنی اور اپنے اعداء کی نسبت

ارضی وسماوی آیات ونشانات کے بارے میں، جو حضور کی نصرت اور تائید میں ظاہر ہوئے، اپنی متعدد تصنیفات میں نہایت شرح وبسط سے تحریر فرمایا ہے۔ ایسا ہی اولاد کے حق میں جو حضور کی پیشگوئیاں ہیں ان پر بھی موافق اور مخالف نکتہ خیال سے اچھی طرح طبع آزمائی ہو چکی ہے۔ اس لئے آج کی صحبت میں ہم حضور کی تالیفات سے چند حقائق دوستوں کے متعلق پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے اول ہم آپ کا وہ الہام درج کرتے ہیں جو 14 جنوری 1906ء کو ہوا اور 17 جنوری 1906ء کے الحکم میں شائع ہوا۔ وحی الٰہی کے الفاظ ہیں۔ ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں بظاہر یہ ایک چھوٹا سا فقرہ ہے مگر اپنے اندر بے شمار معارف کو لئے ہوئے ہے۔ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ دو تاریخی شہر ہیں۔ مکہ معظّمہ بلحاظ پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ظہور اسلام ہونے کی حیثیت سے اور مدینہ منورہ بلحاظ

نشر واشاعت اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی جگہ کے مشہور ہیں۔اب حضور پر یہ وحی ہوئی کہ ''ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں'' دشمن کی نظر میں ان الفاظ کی خواہ کوئی وقعت ہو یا نہ ہو،مگر جن لوگوں کو حضرت کے منجانب اللہ ہونے کا ایمان اور یقین ہے۔ان کو تو ضرور اس کلام پر غور کرنا چاہئے۔ اس الہام میں بطور مجاز کے دوشہروں کی تعین ہے۔اور یہ واقعات ہیں کہ حضرت امام کی پیدائش قادیان میں ہوئی اور وفات لاہور میں۔اب خدا کے کام نے خدا کے کلام کی تعیین کرنی تھی۔سو واقعات گواہ ہیں کہ یہ شرف کن مکانوں اور کونسے مکینوں کو حاصل ہوا۔

دوسرا الہام 13 دسمبر 1900ء کا ہے جو الحکم 17 دسمبر 1900ء میں شائع ہوا۔''لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں'' یہ الہام بھی خاص غور کے قابل ہے۔خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ تو اس ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں موجود ہے۔ پھر لاہور کی اس میں کیا خصوصیت ہے۔ دونوں الہامات کو اگر ملا کر دیکھا جائے تو پہلے الہام میں جس مقام پر وفات کی خبر ہے اسی بستی کے اہل کے حق میں یہ دوسری وحی ہے۔اس میں یہ بھی ہے کہ لاہور کے ان ممبروں کو پاک کہا گیا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لاہوری ممبروں کے تقوٰی اور راستبازی پر خود جماعت کے اندر سے اعتراض ہونے والے تھے۔ اس لئے پہلے سے ہی ان کی تطہیر کر دی گئی ہے۔سلسلہ کی تفریق کے بعد جماعت تبلیغ اسلام کے لئے لاہور میں کھڑی ہوئی ہے۔ یہ الہامات اسی کے متعلق ہیں۔اور حقیقت میں ان لوگوں سے زیادہ اہل ان پاک نوشتوں کا اور کون ہوسکتا ہے۔جنہوں نے اس وقت سے لے کر جب بیعت کے لئے ہاتھ میں ہاتھ دیا پھر آج تک خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ کی تائید ونصرۃ میں کسی طرح منہ نہیں موڑا۔اسی اطاعت وقربانی کا نتیجہ تھا کہ خدا تعالیٰ کا موعود امام انہی بزرگوں کے پاکیزہ ہاتھوں اور مقدس گھروں میں واصل بحق ہوا۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ہر ایک احمدی کے لئے قابل توجہ ہیں۔

اسی ضمن میں ''ازالہ اوھام'' سے حضرت کا ایک کشف۔لکھا جاتا ہے جو ہمارے سلسلہ کی حقانیت کا زبردست شاہد ہے۔حاشیہ صفحہ 41-43 پر یہ کشف اس طرح پر درج ہے ''کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت پر دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں۔ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے۔تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت

ہے۔مگر وہ چپ رہا۔ اوراس نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔تب میں نے اس دوسرے کی طرف رخ کیا جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا اوراسے میں نے مخاطب کر کے کہا مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے وہ میری یہ بات سن کر بولا کہ ایک لاکھ نہیں پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا۔تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگرچہ پانچ ہزار تھوڑے آدمی ہیں ۔ پر اگر خدا تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ(249:2)

اس کشف کی مصداق صحیح طور پر اگر کوئی جماعت ہوسکتی ہے تو وہ یہی جماعت ہے۔جس کے کارناموں سے دوست دشمن آگاہ ہیں۔جس کے مذہبی علم کلام نے بڑے بڑے معاندین سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔جن کے نشر وتبلیغ نے چار وانگ عالم کو مسخر کر لیا ہے۔جن کی نیم شبی دعاؤں اور حقائق ومعارف سے لبریز وعظوں اور لیکچروں نے فضلاء یورپ کو حلقہ بگوش اسلام بنایا ہے۔لاریب یہ کشف صریح طور سے انہی مجاہدوں پر صادق آتا ہے۔

قلت وکثرۃ کے اس صحیح تصفیہ کے بعد اس وحی الٰہی کے الفاظ پر بھی نظر کرو۔ جو 17 اپریل 1907ء کو خدا کے فرستادہ پر ہوئی اور 24 اپریل 1907ء کے اخبار الحکم میں شائع ہوئی کہ ’’خدا دو فریق میں سے ایک کا ہوگا۔پس یہ پھوٹ کا ثمرہ ہے‘‘۔بظاہر یہ کلام مبہم ہے اور ایک محقق دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو سچا قرار دینے کے لئے مجبور ہے۔مگر جب وہ پہلے الہام (ایک لاکھ نہیں ملیں گے مگر پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا) کی روشنی میں اس مشکل کو حال کرنا چاہے تو اس نتیجہ پر بے غل وغش پہنچ جائے گا کہ اس نزاع میں راستی پر وہ گروہ ہے جس کی تعداد قلیل ہے۔اس مقام پر ہم ان لوگوں کو، جو اس قلیل گروہ پر بے دریغ زبان طعن دراز کیا کرتے ہیں محتاط رہنے کے لئے اپیل کرتے ہیں۔خدارا وہ ان پاک کلمات کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے، جو وحی ربانی کے چشمے سے نازل ہوئے ہیں، اپنے ان مخلص احباب کو یاد کرتے وقت مہذب الفاظ میں مخاطب فرمایا کریں۔

اسی طرح ’’ازالہ اوہام‘‘ میں حضرت اقدس نے اپنا ایک اور رؤیا تحریر فرمایا ہے۔فرماتے ہیں کہ ’’اس عاجز پر جو ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ممالک مغربی، جو قدیم سے ظلمت کفر وضلالت میں ہیں، آفتاب صداقت سے منور کئے جائیں گے

اوران کو اسلام سے حصہ ملے گا اور میں نے دیکھا کہ میں شہر لندن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے اور شاید تیتر کے جسم کے موافق ان کا جسم ہوگا۔ سو میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ میں نہیں مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کے شکار ہو جائیں گے۔

اس رؤیا میں مغربی ممالک کا صداقت اسلام سے منور ہونا اور لندن میں سفید پرندوں کے پکڑنے کا ذکر ہے۔ اب واقعات پر نگاہ ڈالو اور دیکھو کہ یہ پاک نوشتہ جن بزرگ ہاتھوں سے پورا ہوا وہ اسی سلسلہ کے دو قائد ہیں۔ یعنی حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اور حضرت مولانا مولوی صدرالدین صاحب۔ بلاشبہ ان مقدس ہستیوں کے بعد اور ان کی متابعت میں اور بزرگوں کو بھی اس شرف سے حصہ ملا اور خدا کرے قیامت تک اور لوگوں کو بھی یہ عزت اور مرتبہ حاصل ہو مگر اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے مصداق اور مستحق یہی بزرگ ہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

یہ مضمون یقیناً ناتمام رہے گا اگر تبرکاً اس کو حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے کارہائے نمایاں کے ذکر سے زینت نہ دی جائے۔ اس لئے ہم چند ایسے نوشتوں کا حوالہ دینا ضروری اور فرض سمجھتے ہیں جن میں حضرت مسیح موعود کے الہام اور کلام میں حضرت امیر کے مرتبہ اور شان کا ذکر ہے۔

15 نومبر 1906ء کو دیکھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور کسی طرف جا رہا ہوں۔ جاتے ہوئے آگے بالکل تاریکی ہوگئی تو میں واپس آ گیا اور میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ پس آتے ہوئے راستہ میں گرد و غبار کے سبب بہت تاریکی ہوگئی اور گھوڑے کی باگ کو میں نے ٹٹول کر پکڑا ہوا ہے چند قدم چل کر روشنی ہوگئی آگے دیکھا کہ ایک بڑا چبوترہ ہے اس پر اتر پڑا وہاں چند ایک لڑکے ہیں انہوں نے شور مچایا کہ مولوی عبدالکریم آ گئے پھر میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب آ رہے ہیں ان کے ساتھ میں نے مصافحہ کیا اور السلام علیکم کہا مولوی صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی اور کہا کہ بشپ جو پادریوں کا آفیسر ہے وہ بھی اسی سے کام چلاتا ہے۔ وہ چیز اس طرح سے ہے جیسے خرگوش ہوتا ہے۔ بادامی رنگ اس کے آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے اور نال سے آگے ایک قلم لگا ہوا ہے۔ جس سے

وہ قلم بغیر محنت کے بآسانی چلنے لگتا ہے میں نے کہا کہ میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگایا ہوگا۔ میں نے کہا کہ میں مولوی صاحب کو دے دوں گا۔ اس کے بعد بیداری ہوگئی۔ اس رؤیا کی خود ہی تعبیر فرمائی ہے کہ قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کرے کہ وہ مخالفین کی رد میں اعلیٰ مضامین لکھیں۔ یہ اعجازی قلم جو بطور تحفہ حضرت مسیح موعود کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضور نے اس تحفہ کا اہل مولوی محمد علی صاحب کو تجویز فرمایا۔ حضور کا یہ انتخاب کس حد تک حق بجانب ثابت ہوا۔ اس کا ثبوت واقعات سے ملتا ہے۔ اور دوست دشمن کو اس کا اعتراف ہے۔ اس علمی زمانہ میں اسلام کی جو شاندار خدمت حضرت ممدوح کے قلم سے ظہور میں آئی ہے، وہ مذہبی دنیا میں ہمیشہ بطور یادگار باقی رہے گی۔ آپ نے جس دن سے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں زانوے تلمند طے کیا تب سے تبلیغ اسلام کو اپنا اڑھنا بچھونا بنالیا اور اس دن سے آج تک یہ شغف وانہماک زیادہ سے زیادہ بڑھتا گیا۔ حضرت مسیح موعود کے ساتھ جس وجود کو انگریزی زبان میں نشر د تبلیغ اسلام کی نمایاں خصوصیت حاصل ہے وہ سلسلہ احمدیہ میں صرف حضرت مولوی صاحب کا وجود ہی ہے۔ اس خصوصیت کے ساتھ جب قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ اور اردو تفسیر کے کام کو دیکھا جائے تو آپ کی پوزیشن کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ یہ سعادت عظمیٰ ابتدائے اسلام سے آج تک آپ کی ذات کے لئے ودیعت تھی۔ اس صدی کے امام اور مجدد نے یورپ اور امریکہ میں تبلیغ کے عنوان سے اور قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر کی نسبت کتنی فراست کی بات تحریر فرمائی ہے۔

> ''میری صلاح یہ ہے کہ بجائے ان وعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جیسے مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ سے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔ (ازالہ اوہام صفحہ 387)

اس ارشاد کو بار بار پڑھو اور پھر واقعات پر نگاہ کرو کہ یہ اجر اور ثواب کس کے حصہ میں آیا؟!

اگر یہ صداقت اور حقیقت ہے تو ہم مسیح موعود کے نام لیواؤں کی خدمت میں بہ ادب عرض کرتے ہیں کہ اتنے بڑے جلیل القدر وجود کے سامنے اپنی عقیدت وارادت کی نذر پیش کریں۔ تا حضرت مسیح موعود کی روح کو فرحت حاصل ہو۔

اس مضمون کی زیادہ توضیح اور تشریح اس کشف سے ہوتی ہے جو براہین احمدیہ کے صفحہ 503 حاشیہ درحاشیہ نمبر 3 میں اس طرح پر درج ہے۔ ''ایک مرتبہ عین بیداری میں ایک تھوڑی سی غیبت جو خفیف نشاء سے مشابہ تھی ایک عجیب عالم ظاہر ہوا کہ پہلے ایک دفعہ چند آدمیوں کے جلد جلد آنے کی آواز آئی جیسے بسرعت چلنے کی حالت میں پاؤں کی جوتی اور موزے کی آواز آتی ہے پھر اسی وقت پانچ آدمی نہایت وجیہہ اور خوبصورت سامنے آ گئے۔ یعنی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی وحسنین وفاطمہ زہرا رضی اللہ علیہم اجمعین۔ اور ایک نے ان میں سے، اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے، نہایت محبت وشفقت سے مادر مہربان کی طرح اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔ پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی جس کی نسبت یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔''

اب خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے کہ سلسلہ میں جس شخص کو تفسیر قرآن لکھنے کی توفیق حاصل ہوئی ہے، وہ مولوی محمد علی صاحب کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اور اگر آپ کے نام اور کام کو الگ کر دیا جائے تو فرمایئے بلحاظ نام کے یہ کشف کس پر منطبق ہوگا؟!

علاوہ ازیں ایک اور عظیم الشان خوشخبری ناظرین ''پیغام صلح'' گزشتہ اشاعت میں پڑھ چکے ہوں گے کہ قرآن شریف کا ترجمہ جرمنی زبان میں حضرت مولانا مولوی صدرالدین صاحب کے زیر اہتمام شروع ہو چکا ہے۔ خداوند کریم اس کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین۔ دوستو! ان سب انعاموں اور فضلوں کا سلسلہ حضرت امیر کی ذات تک پہنچتا ہے۔ اور پھر ان نیک ہستیوں پر جو قرآن شریف کے اس ترجمہ کی تالیف واشاعت میں مالی حصہ لیں۔ ہاں ایسے لوگوں کے حق میں جو روز وشب اسلام کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہیں کسی طرح بدگمانی اور سوئے ظنی مناسب نہیں۔ ان مجاہدوں کے پروگرام میں اسلام کے اندرونی فرقوں کی مخالفت نام کو نہیں ہے۔ یہ بزرگ کبھی اور کسی وقت بھی اندرونی نزاع یعنی

رفع یدین اور آمین بالجہر اور فاتحہ خلف امام وغیرہ اختلافی مسائل میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ان کے مسلک میں یہ بات داخل ہے کہ ہچوں قسم اختلافی مسائل میں شوق سے جو شخص جس امام کی تقلید کرے وہ ان کی نظر میں مسلمان ہے۔ پس اس قدر وسیع القلب جماعت ہی حقیقت میں مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کہلانے کی مستحق ہے۔جس میں اندرونی کاوش اور فرقہ بازی کی بیماری نہیں ہے۔اس جماعت کے کام کی اگر تفصیل مطلوب ہوتو حال میں حضرت مولوی محمد علی صاحب نے ایک کتاب ''تحریک احمدیت'' تحریر فرمائی ہے۔اس کتاب کا صفحہ 214 لغایت 231 دیکھنا کافی ہے۔ساتھ ہی صفحہ 232 اور 233 پر تالیفات سلسلہ کا ایک خاکہ درج کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ بزرگان سلسلہ نے کن کن زبانوں کے ذریعہ سے پیغام اسلام کو دنیا میں پہنچایا ہے۔علم دوست اصحاب کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہ صرف از دیاد ایمان ومعرفت کا ہی باعث ہوگا بلکہ خدمت اسلام کے لئے ایک ترغیب وتحریص بھی ہوگی۔

چونکہ ذوق سخن مضمون کے سمیٹنے کی اجازت نہیں دیتا اس لئے اخیر پر ہم دو تین ایسے سارٹیفکیٹوں کی نقول پیش کرنے سے باز نہیں رہ سکتے جو خدا کے مامور نے حضرت امیر کو بصلہ حسن خدمات خوشنودی مزاج کے طور پر عطا فرمائی امید ہے کہ احمدی دوست ان کے مطالعہ سے محظوظ ہوں گے۔کتاب حقیقۃ الوحی میں نشان نمبر 103 کے متعلق اس طرح رقم فرماتے ہیں۔

> 1۔''ایک دفعہ طاعون کے زور کے دنوں میں جب قادیان میں بھی طاعون تھی مولوی محمد علی صاحب ایم اے کو سخت بخار ہوگیا اور ان کو ظن غالب ہوگیا کہ یہ طاعون ہے اور انہوں نے مرنے والوں کی طرح وصیت کردی اور مفتی محمد صادق صاحب کو سب کچھ سمجھا دیا اور وہ میرے گھر کے ایک حصہ میں رہتے تھے جس گھر کی نسبت خدا کا الہام ہے۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ تب میں ان کی عبادت کے لئے گیا اور ان کو پریشانی اور گھبراہٹ میں پاکر میں نے ان کو کہا کہ اگر آپ کو طاعون ہوگئی ہے تو پھر میں جھوٹا ہوں اور میرا دعوٰی الہام غلط ہے۔ یہ کہہ کر میں نے ان کی نبض پر ہاتھ لگایا۔ یہ عجیب نمونہ قدرت الٰہی دیکھا

کہ ہاتھ لگانے کے ساتھ ہی ایسا بدن سرد پایا کہ تپ کا نام ونشان نہ تھا (حقیقۃ الوحی صفحہ 253)

2 ۔ ہماری جماعت میں اول درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم اے ہیں۔ جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے۔ اور بہت سا اپنا ہرج اٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام کے لئے یعنی بعض میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں۔ اور میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں۔ ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع ، باحیا، نیک اندروں، پرہیز گار آدمی ہے اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے ہونہار لڑکے جو بہمہ صفت موصوف ہوں اور ہر طرح لائق اور معزز درجہ کے آدمی تلاش کرنے سے نہیں ملتے (از مجموعہ اشتہارات 9 اگست 1899ء جلد ہشتم)

3 ۔ اور مجھے ان سے بہت خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا تعالیٰ کے فضل کو پا کر ہماری جماعت میں داخل ہوا ہے۔ یعنی محبی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے پلیڈر ہیں۔ میں ان کے آثار بہت عمدہ پاتا ہوں اور وہ ایک مدت سے دنیاوی کاروبار کا ہرج کر کے خدمت دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب سے حقائق ومعارف قرآن شریف سن رہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرلے گا اور یقین ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تقوی اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونہ دکھائے گا جو

ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین (از مجموعہ اشتہارات 4 اکتوبر 1899ء جلد ہشتم)

برادران یہ پاک نوشتے حضرت مسیح موعود کی تالیفات سے اس غرض کے لئے پیش کئے گئے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے سلسلہ کی پوزیشن کیا ہے۔ علاوہ ازیں کام کے لحاظ سے ہمارے پیش نظر یہ کوئی گدی اور نہ پیری مریدی کا سلسلہ ہے۔ فرقہ بازی، تفرقہ اندازی اور فتوے سازی سے ہمیں عار ہے۔ ہمارا عمل قرآن پاک کے اس ارشاد کی تعمیل و تفسیر ہے **وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** .(104:3) یہی سچی تڑپ ہے جو ہمیں ہر کلمہ گو سے تعاون کی تحریک کرتی اور بخل سے یاد رکھتی ہے۔ ہم نے ہمیشہ اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر شیعہ، سنی، نیچری، وہابی، چکڑالوی وغیرہ کو یکساں دعوت عمل دی ہے۔ اگر یہ عمل اور یہ مسلک مستحسن اور قابل تقلید ہے تو ہماری دعوت پر لبیک کہنا ہر بہی خواہ اسلام کا فرض ہے۔ جزئی تنازعات کا احترام اور اخوۃ و اتحاد کا سبق محض ہماری جماعت کے ذریعہ ممکن ہے۔ اختلاف آراء سے تو دنیا میں کوئی چارہ نہیں۔ باوجود اس کے ہمارے اختلافات کا اثر اندرونی فرقہائے اسلام سے نہیں بلکہ تبلیغ اسلام کا راستہ صاف کرنے کی غرض ہے۔ محض نیک نیتی کے ساتھ بیرونی دنیا سے ہے۔ اس لئے بجائے منافرت اور مغائرت کے ہمارے ساتھ ارتباط اختلاط کی ضرورت میں بھی اسی کا مقتضی ہے۔

❁❁❁

11 جون 1932ء

خلیفہ قادیان کا عتاب مریدین پر

27 مئی کو میاں محمود احمد صاحب نے جو خطبہ جمعہ پڑھا۔ اس میں اپنے مریدوں اور ان کی آل واولاد اور بیویوں پر جو لعنتوں کا مینہ برسایا گیا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ قارئین پیغام صلح کے مطالعہ میں لایا جائے۔ لہٰذا ہم اس کے اہم حصص کا اقتباس ذیل میں درج کئے دیتے ہیں۔ مدیر

مجھے تعجب ہوتا ہے اور رنج بھی ہوتا ہے۔ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ جماعت جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا کیا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اس لئے قائم کیا ہے تا وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر کرے۔ اس کے بعض افراد کی اولاد نہایت ہی گندہ اور شرمناک نمونہ اخلاق دکھا رہی ہے اور وہ اپنے خبث باطن کی وجہ سے دنیا کی خبیث ترین وجودوں سے مشابہت رکھتی ہے۔ پھر مجھے حیرت آتی ہے ان والدین پر جو آنکھیں بند کر کے اس خباثت کو بڑھانے میں دن رات کوشاں ہیں اور انہیں کبھی خیال نہیں آتا کہ وہ اس کا علاج کریں...... مجھے حیرت آتی ہے کہ وہ قرآن میں روز پڑھتے ہیں کہ یہ اولاد اور بیویاں تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ مگر پھر وہ اس فتنہ سے بچتے نہیں۔ نہ معلوم ان کا نور بصارت کس وقت اور کس گناہ کی وجہ سے مارا گیا اور نہ معلوم وہ کیوں ظاہری نور میں لپٹے ہونے کے باوجود اندھے ہو جاتے ہیں۔ کیا چیز ہے تمہاری اولاد، وہ تو ایک لعنت ہے۔ ......اور کون ہے جو لعنت کا طوق اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ پھر کون ہے جو ایسی گندی اور خبیث اولاد رکھنے کے لئے تیار ہو سکے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی لعنت کو لعنت سمجھتے۔ اگر تم گندی چیزوں کو گندی سمجھتے۔ اگر ناپاکی کو ناپاکی سمجھتے تو بجائے ایسی اولاد کی تائید میں کھڑے ہونے کے تم اسے پھینک کر الگ ہو جاتے۔ اگر تم کہتے ہو کہ تم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ تو تم مومن نہیں...... پھر کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہاری اولادیں تمہیں خدا سے ملا دیں گی۔ یا کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اولادیں تمہارے لئے سہارا ہیں۔ یا وہ تمہارے بڑھاپے کا سہارا ہوں گی۔ وہ تو تمہاری جوانی کے لئے بھی لعنت کا باعث بن سکتی ہیں۔ کجا یہ کہ تمہارے بڑھاپے میں کسی کام آ سکیں...... تم سے بعض اپنی بیویوں کے ڈر کے مارے اپنی اولادوں کو خراب ہونے دیتے ہیں اور ان کا کوئی علاج نہیں کرتے۔ بلکہ نہایت بے حیائی سے کام لیتے

ہوئے مجھے لکھتے ہیں کہ ہماری بیویاں سخت ہیں۔ہم کیا کریں اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر لعنت ہے تمہارے مرد ہونے پر۔......پھر کیوں تم نے ایسی خبیث عورت کو اسی وقت علیحدہ نہ کر دیا جب وہ تمہارے گلے ڈالی گئی تھی۔اور کیوں تم نے اللہ تعالیٰ کے قانون طلاق سے کام لیتے ہوئے اس گندے عضو کو کاٹ کر نہ پھینک دیا۔اگر تم نے اس وقت ایسا نہیں کیا تو ہر دن جو تمہاری زندگی میں سے گزرا۔اس دن تم نے اپنے گھر میں لعنت کا بیج بویا اور لعنت کے درخت کو پانی دیا۔اور تم اپنے لئے بھی اور اپنی اولادوں اور ان کی اولادوں کے لئے بھی لعنت کا باعث بنے۔کیا تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور حضرت مسیح موعود کی تعلیم لے کر کھڑے ہوگے۔یا وہ لعنتیں لے کر کھڑے ہوگے جو تم نے دنیا میں اس طرح کمائیں کہ تو نے ایک عورت کے لئے ایک ذلیل چیتھڑے کے لئے خدا کے دین کو برباد کیا۔پھر کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہاری یہ اولادیں تمہارے لئے سکھ اور آرام کا موجب ہوں گی اگر وہ گندے کھڑے رہیں گے۔تو ان کے بڑے اعمال کی وجہ سے لوگ یہی کہیں گے کہ لعنت ہو ان پر اور ان کے باپ پر۔اور جانتے ہو مومن کی لعنت کتنی سخت چیز ہوتی ہے۔مومن کی لعنت نہایت ہی خوفناک چیز ہے......پھر مجھے ان لوگوں پر بھی تعجب آتا ہے جو اس فتنہ اور فساد کو دیکھتے ہیں۔اصلاح کے مدعی بن کر لڑکوں کو درست کرنے اور ان کی اصلاح کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ان کی اصلاح تو کیا ہوتی ہے۔وہ آگے سے بھی زیادہ فتنہ وفساد پیدا کر دیتے ہیں۔وہ احمق سمجھتے ہیں کہ بدمعاش کا بدمعاشی سے علاج کیا جاسکتا ہے اور لٹھ لے کر اٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔گویا وہ خدائی فوجدار ہیں کہ انہی کے سپرد خدا نے لوگوں کی اصلاح کی ہے......کیا اللہ تعالیٰ کی تمہاری نظروں میں اتنی بھی عظمت نہیں جتنی روم کے بادشاہ کی حضرت مسیح کے حواریوں کے دل میں تھی۔پھر تمہاری کیا ہستی ہے کہ تم قانون کو ہاتھ میں لیتے ہو اور وہ حق، جو اللہ تعالیٰ نے اپنا مقرر کیا ہے، اسے اس سے چھینتے ہو۔پھر تم کہتے ہو کہ تمہاری اولادیں خراب ہیں، اور ان کی اصلاح نہیں ہوتی۔تم پہلے اپنی اصلاح کرو۔اگر تم اپنی اصلاح نہیں کرتے تو دوسروں کی اصلاح کے لئے کس طرح مدعی بنتے ہو......مگر تم قرآن تو پڑھتے نہیں۔لیکن جس وقت تمہیں مشکلات پیش آتی ہیں۔اس وقت قرآن بند کر کے علیحدہ رکھ دیئے ہو اور اپنی دماغی تدبیروں سے اصلاح کے مدعی بنتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ ہم مصلح ہیں۔

اگر تم مصلح ہو تو پھر مفسد کس شخص کا نام ہے۔تم تو اس وقت انہی لوگوں میں شامل ہوتے ہو

جن کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (12:2) یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی مفسد اور فتنہ پرواز یں ہیں۔ مگر یہ سمجھتے نہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم مصلح ہیں۔ اسی طرح تم ہو کہ تم انسانی تدبیروں سے اصلاح کے مدعی بنتے ہو اور اس امر کو بھول جاتے ہو کہ پہلے اپنے نفس پر موت وارد کرو۔ لیکن قرآن پر تو غور نہیں کریں گے اور غصے اور دیوانگی کی حالت میں دوسرے کو سزا دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ یہ کبھی خیال نہیں کریں گے کہ اپنے دل میں دوسروں کے لئے درد اور سوز پیدا کریں اور اپنے بچوں کے غم میں گداز ہو جائیں۔ مگر مارنے کے لئے فوراً کھڑے ہو جائیں گے اور پھر شکوہ کریں گے کہ لڑکوں کی اصلاح نہیں ہوتی۔ شکایت کریں گے کہ ہماری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیا تم نے کبھی شیشہ میں اپنا منہ بھی دیکھا ہے۔ کیا تمہارے چہروں پر وہ رقت وہ نور وہ نرمی اور وہ محبت بھی پائی جاتی ہے۔ جو دلوں کی اصلاح کر سکے۔ تم بھیڑیوں کے سے چہرے لے کر فرشتوں کا سا کام کرنا چاہتے ہو اور پھر شکایت کرتے ہو کہ ہمارے لڑکے درست نہیں...... ہوتے اور تمہیں کچھ خیال نہیں آتا کہ تم خود بھی بیس دفعہ دن میں خطا کرتے ہو۔ غلاظت سے لتھڑے ہوئے ہاتھ سے کون کسی کا کپڑا صاف کر سکتا ہے۔ ایک نابینا کب کسی دوسرے کو راستہ بتا سکتا ہے۔ ایک ناپاک اور گندہ انسان کب دوسرے کو پاک اور مطہر بنا سکتا ہے۔ پس پہلے اپنے دل صاف کرو۔ پہلے اپنے آپ کو اصلاح کے قابل بناؤ۔ پھر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصلاح کے لئے قابلیت بھی مل جائے گی۔ پہلے اپنی نابینائی دور کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ کا وہ نور بھی تمہیں ملے گا...... قرآن مجید نے تمہیں بتایا ہے کہ جب تم کسی بچہ کو بدی کرتے دیکھو تو بجائے لٹھ مارنے کے اس کے لئے روؤ اور چیخو اور چلاؤ کہ ہائے ہمارے اس بچہ کو کیا ہو گا۔ اگر اس کا باپ نیک آدمی تھا یا نیک آدمی ہے تو تم اس بچے کو علیحدگی میں لے جاؤ اور سمجھاؤ کہ تمہارا باپ نیک آدمی ہے۔ بڑی عزت رکھتا ہے مگر تم میں یہ غلطی پائی جاتی ہے۔ اس کی اصلاح کرلو...... مگر تم اس وقت اصلاح کے طریق نکالتے نکالتے قرآن شریف کو اس طرح چھوڑ رہے ہو۔ جس طرح نعوذ باللہ پرانی جوتی کو اتار کر پھینک دیا جاتا ہے۔ یا جس طرح میلا کپڑا اپنے جسم سے اتار پھینکتے ہو۔ تم نہ احمدی کہلا سکتے ہو اور نہ مسلمان۔ تمہاری حالت تو نہایت ہی ابتر ہے اور تم تو کہیں کے بھی نہیں رہے...... پہلے اپنی اصلاح کرو اور پھر دوسروں کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوؤ۔ اسی طرح وہ لوگ جن

کے گھروں میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ظالم بچے دیئے ہیں۔ان کا فرض ہے کہ یا تو وہ ان کی اصلاح کریں یا قوم کے حوالے کر دیں کہ ان کی اصلاح کرو۔اسی طرح وہ بیوی، جو اپنے آوارہ گرد بچوں کا ساتھ دیتی ہے اور سمجھانے پر بھی باز نہیں آتی، تمہارا فرض ہے کہ تم اسے طلاق دے کر علیحدہ کر دو۔غرض والدین کا کام تو یہ ہے کہ وہ بچوں پر سختی کریں اور دوسروں کا کام یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔جس وقت ایک باپ اسلام اور دین کی غیرت سے اپنے بچے کو گھر سے نکال دیتا ہے تو اس وقت تمہارا فرض یہ ہے کہ تم اپنے دروازے اس کے لئے کھول دو۔اور اسے سمجھاؤ کہ تمہارے باپ نے تمہیں نکال دیا ہے۔ مگر ہم تمہیں پناہ دیتے ہیں......پس گند کو دور کرو اور یقیناً دور کرو۔اور اگر دور نہیں کرو گے تو آئندہ آنے والی نسلیں تمہیں بددعائیں دیں گی......اور مجھے تعجب آتا ہے کہ اچھے اچھے پڑھے لکھے مولوی بھی قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔کیا یہ عجیب بات نہیں کہ خود تو وہ قانون توڑتے ہیں۔لیکن دوسروں سے کہتے ہیں کہ وہ قانون نہ توڑیں۔جب تم خدا کے بنائے ہوئے قانون کو توڑ کر خود قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہو تو تمہارا کیا حق ہے کہ تم دوسروں سے کہو کہ وہ تمہارے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی کریں۔کیا وہ آگے سے یہ جواب نہ دیں گے کہ جب تم نے خود قانون توڑ دیا۔تو ہمیں کیوں حق نہیں کہ ہم بھی قانون توڑیں۔تم خود تو قادیان توڑ کر یہ خیال کرتے ہو کہ تم نے کوئی جرم نہیں کیا۔لیکن اگر کوئی اور قانون توڑ دے۔تو اسے مجرم قرار دیتے ہو۔پھر کیا قوم میں جو خرابیاں پیدا ہوں خدا کے حضور ان کے لئے تم جواب دہ ہو۔تمہیں خدا نے قوم کا مصلح نہیں بنایا۔پھر تم کون ہو جو قانون کو توڑ کر اصلاح کرنے کی کوشش کرتے ہو۔یہ سلسلہ خدا کا ہے تمہارا نہیں۔اگر تم خدا کے لئے دکھ اٹھاؤ اور مصیبت میں رہتے ہوئے قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لو۔تو وہ خود بخود لوگوں کی اصلاح کی صورت پیدا کر دے گا۔کیا تم سمجھتے ہو خدا کو اپنے بندوں کے متعلق تمہارے جتنی غیرت بھی نہیں ہے۔لیکن اگر تم خود ہی قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لو گے۔تو چاہے تم لڑکوں کے سر پھوڑ دو۔تو بھی ان کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔پس یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (6:66) اپنے آپ کو اور اپنی اولادوں کو آگ سے بچاؤ۔اگر تم اندھے ہو اپنی اولاد کی اصلاح کا خیال نہیں کرتے تو تم نہ صرف خود جہنم میں جاتے ہو اور اپنی اولادوں کو جہنم میں لے جاتے ہو۔بلکہ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو بھی جہنم میں ڈالنا چاہتے ہو۔پس وہ لوگ

جن کے بچے آوارہ ہیں اور وہ لوگ جن کی عورتیں ایسے بچوں کی حمایت کرتی ہیں۔ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں اور عورتوں کو اگر وہ حدیث العہد ہیں تو نصیحت کریں اور ان کی اصلاح کے لئے کوشش کریں اور اگر ان کی متواتر نصیحتوں کا ان بچوں پر کوئی اثر نہ ہو تو وہ انہیں محلے والوں کے سپرد کر دیں کہ ان کی اصلاح کریں۔اے موقعہ پر محلّہ والوں کا کام یہ ہے کہ وہ نرمی اور محبت سے انہیں سمجھائیں۔گویا والدین کا تو یہ کام ہے کہ وہ اپنے بچوں پر سختی کریں اور محلے والوں کا یہ کام ہے کہ وہ ان کے بچوں کے ساتھ نرمی کریں...... پھر اپنے جوشوں میں تو تم ڈانڈا اُٹھا لیتے ہو۔لیکن جب کہتا ہوں کہ تم اپنے ہاتھوں میں سونٹا رکھا کرو۔تو تم میری بات نہیں مانتے۔گویا میرے حکم پر تو تم ڈنڈا نہیں اٹھاتے۔لیکن جب تمہیں شیطان اکساتا ہے تو پھر فوراً ڈنڈا سنبھال لیتے ہو۔اور پھر جماعت کے والی وارث بننے کا دعوٰی کرتے ہو۔جسے خدا نے جماعت کا والی بنایا ہے۔وہ تمہیں کہتا رہے کہ اپنے ہاتھوں میں سونٹا رکھو تو تم نہیں مانتے۔لیکن جب تمہیں تمہارا نفس شیطانی تحریک کے ماتحت کہتا ہے کہ ڈنڈا اُٹھاؤ تو اس وقت فوراً اٹھا کر دوسرے کو مارنے کے درپے ہو جاتے ہو۔گویا اس کے حکم پر، جس کے ہاتھ پر تم نے بیعت کی، اپنے نفسانی جوشوں کو ترجیح دیتے ہو۔اور خدا کے حکم کو شیطان کے حکم پر قربان کر دیتے ہو۔اور پھر لوگوں کے مصلح بنتے ہو...... تمہارے لڑکوں کی خرابی تمہارے اپنے گند کی وجہ سے ہے۔باجماعت نماز ہوتی ہے۔مگر لوگ کم آتے ہیں۔درس ہوتا ہے مگر کئی لوگ نہیں آتے۔خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے۔تم خود گندے ہو گئے۔اس لئے تمہیں دیکھ کر تمہاری اولادیں بھی گندی ہو گئیں۔اور اگر آئندہ بھی تم نے اپنی اصلاح نہ کی تو خدا تعالیٰ تمہاری اولادوں کو اور زیادہ گند میں بڑھا دے گا۔اور چاہے تم اُن کا سر پھوڑ و۔ان کا گند دور نہیں ہوگا۔میں اُن لوگوں سے، جو آج محلوں میں آوارہ گرد لڑکوں کے لئے لٹھ لئے پھرتے ہیں، پوچھتا ہوں کہ کتنے ہیں اُن میں سے، جو درسوں میں شامل ہوتے ہیں۔کتنے ہیں اُن میں سے جو نمازوں میں آتے ہیں...... پھر کتنے ہیں جو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ گناہوں سے محفوظ ہیں۔تم بڑے بڑے گناہوں کو نظر انداز کر دیتے ہو اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑتے ہو۔اسے اگر ہم نابینائی نہ کہیں تو اور کیا کہیں...... اگر تمہیں بڑے عیب تو نظر نہیں آتے۔لیکن چھوٹے چھوٹے گناہوں پر لٹھ اٹھا لیتے ہو۔تو یہ تمہاری نابینائی نہیں تو اور کیا ہے۔ہاں اگر اصلاح کے لئے صلح اور محبت کے ذرائع اختیار کرو تو پھر ساری جماعت

تمہارے ساتھ ہو گی۔ کون چاہتا ہے کہ ایک پیپ سے بھرا ہوا پھوڑا اس کے بدن پر رہے۔ ہم آوارہ گردوں کی اصلاح کے لئے غلط قدم اٹھاتے ہیں۔ آوارہ گردی آوارہ گردی سے دور نہیں ہو سکتی...... یہ مت خیال کرو کہ ایک چور کو چور کہہ کر تم اس کی اصلاح پر قادر ہو سکتے ہو۔ یا ایک آوارہ گرد کو آوارہ گرد کہہ کر اسے درست کر سکتے ہو...... میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی وقت سزا کا نہیں ہوتا۔ مگر سزا اس کی طرف سے ملنی چاہئے۔ جس کے ہاتھ میں خدا نے جماعت کا نظام رکھا ہے۔ اور سزا بھی ثبوت مہیا ہونے کے بعد دینی چاہئے۔ میں نے تین سال تک مستریوں کی شرارتوں کو دیکھا۔ بیسیوں آدمی مجھے کہتے کہ ان کا کوئی علاج کریں۔ ورنہ یہ جماعت کو خراب کر دیں گے۔ مگر میں ہمیشہ انہیں یہی کہتا کہ میرے ہاتھ قرآن مجید نے باندھ رکھے ہیں۔ جس دن قرآن مجید کے بتائے ہوئے اصول شہادت کے ماتحت ان کا قصور ثابت کر دو گے میں انہیں سزا دے دوں گا۔ لیکن جب تک تم یہ ثابت نہیں کر سکتے۔ خواہ وہ سالہا سال تک شرارتیں کرتے چلے جائیں۔ میں ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ میں ہمیشہ ایسے دوستوں کو یہی جواب دیتا تھا۔ حالانکہ میں سمجھتا تھا کہ ان کی باتیں درست ہیں۔ لیکن چونکہ عدالتی رنگ میں میرے پاس ثبوت مہیا نہ تھا اس لئے میں تین سال تک خاموش رہا۔ اسی طرح میرے ساتھ ابتدائے خلافت سے یہ سلوک ہوتا چلا آیا ہے۔ مگر میں ہمیشہ اس امر کو دیکھتا ہوں کہ جہاں قرآن نے میرے ہاتھ بند کر رکھے ہیں۔ میں وہاں اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا...... اور سب سے پہلے اپنے نفسوں کی اصلاح کرو۔ یقیناً بچوں کا خراب ہو جانا بہت بڑا المیہ ہے اور ہر احمدی کا، جس کے دل میں احمدیت کا درد ہو، فرض ہے کہ وہ اس دھبہ کو مٹانے کی کوشش کرے۔

☆☆☆

ارشادات نبویؐ

(حضرت امیر کے ترجمہ صحیح بخاری کا ضروری انتخاب)

سادہ زندگی: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لائے تو ان کے پاس اندر تشریف نہیں لائے۔ حضرت علیؓ آئے تو حضرت فاطمہؓ نے ان سے اس کا ذکر کیا، انہوں نے اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا میں نے ان کے دروازے پر دھاریدار پردہ دیکھا اور فرمایا کہ میرا اور دنیا کا کیا تعلق ہے۔ حضرت علیؓ فاطمہؓ کے پاس آئے اور انہیں یہ بات بتائی۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا اس بارہ میں جو حکم چاہیں دے دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے فلاں گھر والوں کو بھیج دو (بخاری کتاب التنبیہ)

تفسیری نوٹ: یہ پردہ صرف زینت کے لئے تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح خود سادہ زندگی بسر کرتے تھے جن لوگوں سے آپ کا خاص تعلق تھا اور جوامت کے لئے نمونہ کا حکم رکھتے تھے ان کے لئے بھی آپ وہی سادہ زندگی پسند فرماتے تھے۔ اس لئے حضرت فاطمہؓ کو فرمایا کہ یہ یہاں فضول ہے کسی محتاج کو دے دو۔ تو اس کے کام آئے گا۔ ازدواج مطہرات میں بھی یہی نمونہ قائم کیا اور یہی نمونہ خلفائے راشدینؓ نے دکھایا۔

راستہ کا حق: حضرت ابوسعید خدریؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا راستوں میں بیٹھنے سے بچتے رہو۔ انہوں نے عرض کیا (اس سے) ہمیں چارہ نہیں۔ یہی ہمارے بیٹھنے کی جگہیں ہیں۔ ان میں ہم بات چیت کرتے ہیں۔ فرمایا جب تم وہاں بیٹھنے پر مجبور ہو تو راستہ کا حق ادا کیا کرو۔ انہوں نے عرض کی راستہ کا حق کیا ہے۔ فرمایا نگاہ نیچے رکھنا اور تکلیف کی چیز کو دور کرنا اور سلام کا جواب دینا اور نیک کام کی ہدایت کرنا اور بُرے کام سے روکنا (بخاری کتاب المظالم والغضب)

تفسیری نوٹ: غض بصر کا حکم اس لئے دیا کہ راستوں پر سے عورتیں بھی گزرتی ہیں۔ 05ھ کے بعد مدینہ میں غیر مسلم کوئی نہ رہا تھا اور اسی وقت پردہ کا حکم نازل ہوا۔ اگر راستوں پر عورتیں عام طور

پر نہ گزرتی ہوتیں اور یہ مسلمان عورتوں کے سوائے اور ہو نہیں سکتیں، تو غض بصر کی ضرورت نہ پڑتی اور اگر عورت سر سے پیر تک ڈھکی ہوئی ہوتی تو نگاہ کا اونچا اور نیچا رکھنا برابر تھا۔ غض بصر کی ضرورت اسی صورت میں پیش آتی ہے کہ سامنے کوئی چیز ہو جو انسان کی توجہ کو کھینچ سکے۔ **کف اذیٰ** کو یہاں راستہ کا حق قرار دیا ہے اس لئے راستہ میں کسی اذیت دینے والی چیز کا پھینکنا خلاف شریعت ہے۔

۞۞۞

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

ربیع الاول 1351ھ
3 جولائی 1932ء

تا

ربیع الاول 1353ھ
11 جون 1934ء

جلد:12

احمدیہ انجمن لاہور

www.aaiil.org

نام کتاب	:	افکارِ محمد علیؒ (جلد:12)
ناشر	:	دارالکتب علمیہ، 5 عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
باہتمام	:	محمد ارشد علوی
طبع	:	اول
تعداد	:	300
مقام اشاعت	:	5۔ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ نے ادا کیئے ہیں۔ (برائے مفت تقسیم)

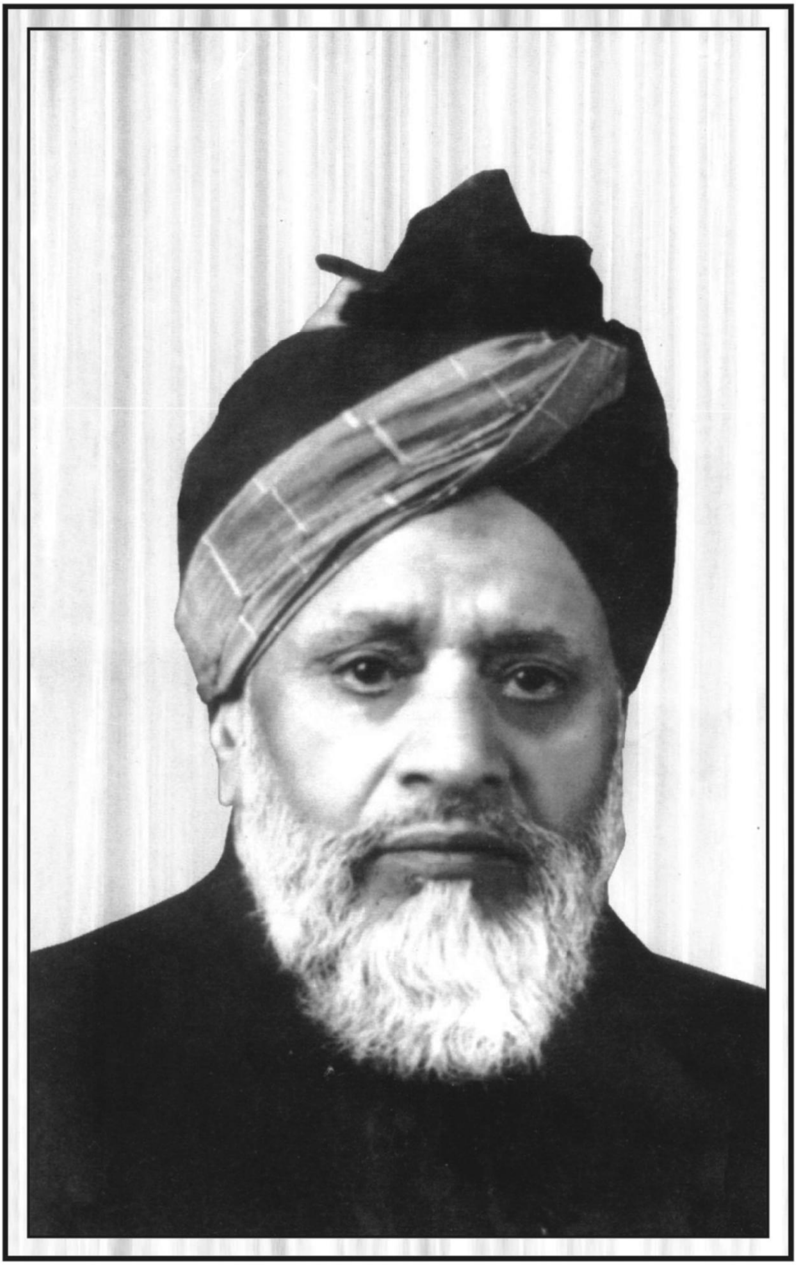

شبیہہ مجاہد کبیر، مجدد الدّین، المنصور، فاضل الٰہیات، مفسر قرآن علامہ حضرت مولٰینا محمد علیؒ
ایم۔اے، ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاءِ شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

— محمد اعظم علوی

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی۔ جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض انجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمہ القرآن جس کی ابتداء 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کی دوسری ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوئی اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ وتفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی) 1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجنز آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت

اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اور اسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی۔ اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ''عشق قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی۔ تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعی اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِہٖ۔

خاکسار

عامر عزیز بن عبدالعزیز الازھری

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

حرف اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی 12 ویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔ اس میں اخبار پیغام صلح 3 جولائی 1932ء تا 11 جون 1934ء سے انتخاب شامل ہے۔ اگرچہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولٰینا محمد علیؒ ہیں۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔ حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔ عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کرر ہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجروثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فرد گذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار

محمد ارشد علوی

انچارج شعبہ تالیف وتصنیف

فہرست

شخصیّت:　　صفحہ　الف

حرف اول:　　صفحہ　ج

☆انتخاب از پیغام صلح جلد 20:3 جولائی 1932ء　تا 19 دسمبر 1932ء

☆انتخاب از پیغام صلح جلد 22:7 جنوری 1934ء تا 11 جون 1934ء

29 ستمبر 1926ء (جلد 14)
حضرت خواجہ کمال الدینؒ

تصویر افکار

عشق است و ہزار بدگمانی

الا ! زخمِ تغافلہا علاج از غیر کے یابد　　مگر کو آتش انداز دہموں آبے بر اندازد
مرا زخمے حکایت مبدہد ازاو، منہ مرہم　　جراحت داستان گوید ولم زولدتے یابد
زخود بینی تو آئینہ دل پارہ پارہ شد　　چساں آئینہ ساز، ایں گوہرے بشکستہ پیوندد
کنوں رسوائیم از دستِ اوشد باعث شہرت　　چرا کرسی عزت بہرما او شوخ بنشاند
زدستِ دیگراں آبادیِ ویرانم مشکلِ　　مگر تعمیر از دممکن کہ از بخیم براندازد
شدم بیروں ز زنجیر خرد، پایم چرا بندی　　جنوں ہر دم خیالِ دشت وصحرا پیش ما آرد
خوشا سودا، چہ احسانش، کہ صحرایم وطن کردہ　　تکلف برطرف، خارے مرا خوشتر ز گل آمد
بکوئی نیکنامی راہ دادن، ایں چہ بوالعجبی!　　کسے را، کو زِ وحشت شوق سنگِ کو دکا داد
چہ زنجیر ہاسازی مگر دانی کہ مجنو نے　　بجز زنجیر بشکستن دگر چیزے نمی داند
زدُکانِ خرد، سودائے سر بازی نمی یابی　　ببازارِ جنوں آید، کسے کیں جنس میخواہد
رقیباں جمع کردن از پئے تو بیخ مجنو نے　　غلط کردی! مگر وحشت فزوں راحت پسند آمد
بیا تنہا بکا شانم، جنو نے را علاج اینک　　ازیں ہو ہائے مردم وحشت دل تیز تر گردد
جنو نے کو کہ از قیدِ خرد بیروں کند مارا　　کنوں تقلید کوری ہم بمیدانِ خرد آمد
سر تسلیم خم کردن رواجِ عاشقان بیشک　　مگر شوریدہ سر بیروں ز آئین جہاں باشد

بگویم ہر چہ گوئی، گر خوشت آید، مگر دانی! صدائے بازگشتہ، بر پشیزے ہم نمی ارزد
چرا ایں غازہ جوئی، از دکانِ دیگراں جاناں چو حسنِ سادہ ات داری کہ سحر بیکراں دارد
برائے قتل یک نفسے چرا ایں مجلس آرائی اگر خواہی سرِ ما وقفِ فتراکِ شماباشد
پئے تیغ آزمودن فتوی گیری کار لا حاصل تو مشق نازکن جاناں دیت برگردنم آید
نیم تنہا، خیالِ بیکسی ام، انجمن سازد مرا اخراج از کویت بہ بزمِ دیگرے آرد
زہے یاری شدم بایار، چورو تافتہ یاراں زہے بے یاری ام، کو جاذبِ فضل الہٰ آمد
خدایت نیستی آخر چرا ایں کار، چوں دانی اگر انسان درے بندد، درِ رحمان بکشاید
اگر تر دامنم از ابر رحمت دامنم ترشد بگو آں پاک دامن را مرا معذور ہم دارد
مرادر منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم کسے الزام می آرد، کسے بندد، کسے کوبد

خدارا داد من بستاں ازائے شحنہ مجلس
کہ یاراں درخمار ہستند و از من سرگراں دارد

3 جولائی 1932ء

مکتوب امیر

جرمن قرضہ اور ماہوار چندے

قوم کے معتمدین اور دوسرے احباب سے اپیل

برادران مکرم: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جس طرح انسان پر بعض ابتلاء قضاء قدر کی طرف سے ایسے آجاتے ہیں۔ جن کی غرض ان کا اصطفا ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بعض مصائب کے ذریعے سے انسانوں کو ان کے بعض کمالات کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔ اسی طرح قوموں پر بھی بعض ابتلاء ان کو بلند درجات پر پہنچانے کے لئے آتے ہیں۔ اسی قسم کے دو معاملے ہمارے ساتھ جرمنی میں پیش آئے ہیں۔ پہلا قرضہ گیارہ ہزار کا، جس کا اس وقت تک سود قریباً ایک ہزار روپیہ سالانہ ہم ادا کرتے رہے ہیں، اس کی میعاد اب ختم ہو رہی ہے۔ اور ان دو تین ماہ کے اندر اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ مگر بدقسمتی سے پونڈ کی قیمت گر جانے سے وہ قرضہ اب گیارہ ہزار روپے کی بجائے پندرہ ہزار روپیہ بن گیا ہے۔ اور ایک نئی مصیبت اور آپڑی ہے۔ جو پہلے تو بڑی رقم نظر آتی تھی۔ مگر اب شاید پانچ ہزار روپے سے ٹل جائے۔ اس کی تفصیل پھر کسی وقت ہوگی۔ یہ بیس ہزار روپے کی رقم محض ایک ابتلاء کے رنگ میں ہماری قوم پر آپڑی ہے۔ ورنہ اپنے معمولی قرضہ کو اس سال ہم بہت نیچے لے آئے۔ تو اب بیس ہزار کی یہ رقم اور دس ہزار دوسرے قرضہ کی رقم باقی رہ گئی ہے۔ جس کی ادائیگی ہم نے کرنی ہے۔

جرمنی کا بیس ہزار کا قرضہ تو دو تین ماہ کے اندر ادا ہونا چاہیئے بلکہ اس میں سے کچھ رقم فوراً بھیجنے والی ہے۔ سال گزشتہ ہمارے ایک نہایت ہی مخلص دوست نے برلن کے قرضہ کی ادائیگی کے لئے یہ تجویز کی تھی کہ اسّی نوے آدمی سوا سوا سو روپیہ ادا کریں۔ ان میں سے پانچ سات احباب نے نقد سو روپیہ فی کس ادا بھی کر دیا تھا۔ جن میں خود ڈاکٹر خان ایک تھے۔ اور شاید دس بارہ احباب کے وعدے بھی ہیں۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ ساری رقم تیس ہزار روپے کے لئے ساری قوم کو اپیل کی جائے۔

یہ رقم ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے، جس کے افراد اپنی آمدنیوں میں سے ماہوار ایک

مقررہ حصہ ادا کرتے رہتے ہیں، بڑی بھی نظر آتی ہے۔لیکن جماعت کی ہمت کے سامنے اس کی کوئی حقیقت بھی نہیں۔اور سچ تو یہ ہے کہ جماعت میں وہ اصحاب بھی موجود ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس قدر دیا ہے کہ ان میں سے ایک ہی انسان اس سارے قومی بوجھ کو ایک لمحہ میں اہلکا کر سکتا ہے۔ آہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج عیسائیوں میں، ہندوؤں میں تو دولت مندوں میں ایثار کے یہ نمونے نظر آتے ہیں کہ ایک ایک مالدار آدمی ایک کالج ایک لائبریری ایک ہسپتال ایک مشن قائم کر دیتا ہے۔لیکن وہ قوم جس کی تربیت میں یہ بات داخل کی گئی تھی اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (111:9) مال جوان کے ہاتھ میں دیا گیا ہے اس کا حقیقی مالک خدا ہے۔ اور جب خدا کے راستے میں ضرورت پیش آئے تو انہیں بلا چون و چرا دے دینا ہوگا۔جن کی قربانیوں نے ایک وقت دنیا کو حیران کر دیا تھا۔آج وہ اس تربیت کے اصول سے اس قدر دور پڑی ہوئی ہے کہ اس کے مالداروں میں مال کی محبت نے خدا کی محبت کی جگہ لے لی ہے۔اور سب سے بڑھ کر افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارا آسودہ حال طبقہ اپنے ماہوار چندوں میں غرباء کے طبقے سے بہت پیچھے ہے۔غرباء تو اپنی آمدنیوں میں سے ایک آنہ فی روپیہ یا تین پیسے فی روپیہ ماہوار خوشی سے پیش کر دیتے ہیں۔لیکن آسودہ حال اصحاب سے اگر اس کے مطابق مطالبہ کیا جائے تو انہیں اس کا پورا کرنا ایک پہاڑ کی طرح مصیبت نظر آتا ہے۔یہ احباب غور کریں کہ ایک وقت ان پر بھی غربت کا تھا۔کیا وہ کہیں اس آیت کے مصداق تو نہیں ہو رہے۔ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ (76:9) جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دیا تو خدا سے ہی بخل کرنے لگے۔کیا وجہ ہے کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کی صف میں کھڑے نہیں ہوتے؟ اِ

ایک سو دو سو روپے ماہوار کمانے والا خدا کے دین کی ضرورت کا احساس رکھتا ہوا پانچ چھ یا دس بارہ روپے ماہوار دے دے گا۔لیکن جو شخص پانچ سو روپیہ ماہوار کماتا ہے، وہ چالیس پچاس روپے سے آگے ہونے کا نام نہیں لیتا۔الّا ماشاء اللہ۔وہ بھی ہیں جو پانچ سو روپے کماتے ہیں تو اس کا دسواں حصہ باقاعدہ ادا کرتے ہیں۔لیکن بہت سے دوست ہیں جو اپنے اخراجات کے عذر تو پیش کر دیتے ہیں کہ ہماری حیثیت ایسی ہے کہ ہم کو خرچ زیادہ کرنا پڑتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حیثیت کو ذلیل کرنے میں انہیں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔اور جو لوگ دو دو چار چار ہزار ماہوار کماتے ہیں وہ چالیس پچاس

روپے سے آگے ہونے کا نام نہیں لیتے۔ حالانکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ گورنمنٹ تھوڑی آمدنی والوں سے بالکل ٹیکس نہیں لیتی۔ اور معمولی آمدنی والوں سے چار پانچ پائی فی روپیہ لیتی ہے۔ اور جن کی آمدنیاں ہزار ہا روپے ماہوار تک پہنچتی ہیں، ان سے سو پر ٹیکس وصول کرتی ہے اور ایک آنہ ڈیڑھ آنہ دو آنے فی روپیہ بھی وصول کر لیتی ہے۔ تو خدا، جو فی الحقیقت ان اموال کا دینے والا ہے، اس کے راستے میں وہ الٹے راستے پر کیوں چلتے ہیں کہ ان کے غریب بھائی تو ایک آنہ فی روپیہ دیں اور وہ اتنا بھی نہ دیں! خدا کی مالکیت پر اتنا ایمان تو ہونا چاہئیے جتنا گورنمنٹ کی حکومت پر ہے۔ اور اگر نسبتاً اپنے غریب بھائیوں سے زیادہ نہیں تو ان کے برابر دیں۔ کیا یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ ان کے کام تو وہی مال آئے گا جو خدا کے راستے میں آگے بھیج دیں گے۔ اور جو یہاں جمع کر کے چھوڑ جائیں گے وہ تو دوسروں کا مال ہوگا۔ وہ جس طرح چاہیں گے اسے خرچ کریں گے۔ تو کیا یہ خدا کے حق میں کوتاہی اپنی جانوں سے ہی بخل نہیں؟ وَيَدْعُ الْإِنسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهُ بِالْخَيْرِ (11:17) کم عقل انسان بھلائی کی جگہ اپنے لئے ہی برائی مانگتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ افسوس کی بات ہے کہ بعض آسودہ حال اصحاب کے ماہوار چندوں کے بقایا سینکڑوں اور بعض صورتوں میں ہزار ہا روپوں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اور وہ ان کی ادائیگی کے لئے آگے آگے تاریخیں ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ آج ان کی یہ دنیوی تجویز ساری توجہ کو چاہتی ہے اور اس پر روپیہ خرچ ہو رہا ہے تو کل ایک دوسری سامنے آ جاتی ہے۔ اور اس کے لئے ہزار ہا روپیہ بھی خرچ کر لیں گے۔ قرضہ لے کر ہی خرچ کر لیں گے۔ مگر جو خدا کی راہ میں دینا تھا، اس کو ہضم کرتے چلے جائیں گے! میرے دوستو! خدا کسی کا طرف دار نہیں۔ وہ رسولوں اور نبیوں اور اولیاء کی اولاد کا بھی طرفدار نہیں۔ تو یہ خیال نہ کرو کہ چونکہ یہاں جماعت میں ہمیں ذرا بلند مرتبہ حاصل ہے یا لوگ ہماری دنیوی حیثیت کی وجہ سے ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس لئے خدا کی نگاہ میں بھی ہمیں عزت کا مقام حاصل ہے۔ نہیں اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (13:49) خدا کی نگاہ میں اسی کی عزت ہے۔ اور وہی قیامت کے دن بھی معزز ہوگا جو اس کے حقوق کو ادا کرنے میں محتاط ہے۔ جن لوگوں کی طرف چندوں کے بقائے ہیں یا جنہوں نے سالہا سال چندہ ادا نہیں کیا، انہوں نے خدا کا مال کھایا ہوا ہے۔ بہتر ہے کہ وہ اسے فوراً ادا کر دیں۔ چاہے قرض لے کر ہی ادا کریں۔ میں پسند نہیں کرتا کہ وہ لوگ جن کی جماعت میں ان کی دنیوی

حیثیت کی وجہ سے یا ان کی پہلی خدمات کی وجہ سے عزت ہے، ان کے ذمے یہ الزام باقی رہے۔ بلکہ اس بات نے بہت سے لوگوں کے دلوں میں کمزوری پیدا کر دی ہے کہ بڑے لوگ چندوں کے معاملے میں اور خدا کے حقوق کی ادائیگی میں اس قدر لا پروا ہیں۔ اول تو اپنی آمدنیوں میں سے اس حساب سے نہیں دیتے جو غربا اور متوسط الحال لوگ دے رہے ہیں۔ اور پھر جو کچھ دینے کا وعدہ کرتے ہیں، اسے بھی پورا نہیں کرتے قُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ ‎.(238:2) خدا کے سامنے سب کے سب یکساں طور پر فرمانبردار ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ حق تو یہ تھا کہ بڑے آدمیوں میں، جن کی طرف دوسروں کی نگاہیں اٹھتی ہیں اور جن کی ٹھوکر دوسروں کے لئے ٹھوکر کا جواب ہوتی ہے، دوسروں کی نسبت زیادہ احساس اور زیادہ جوش ہوتا۔ لیکن اگر اور نہیں، تو پیچھے رہنا تو چھوڑ دیں۔ اور اپنے غریب بھائیوں کے دوش بدوش چل کر اس بات کا ثبوت دیں کہ ہمارا خدا پر ایمان نرا زبانی دعوٰی نہیں۔

چونکہ دفتر کے خطوط کی طرف ہمارے احباب توجہ نہیں کرتے اس لئے میں خود اب ایسے بقایا داروں کو خط بھی لکھ رہا ہوں۔ میرے دوست مجھے مشورہ تو یہ دے رہے ہیں کہ تم کام کم کر دو۔ اور اپنی لاپروائی سے میرے کام کو بڑھا رہے ہیں۔ اور میری پیٹھ پر مزید بوجھ ڈال رہے ہیں۔ کم سے کم اب تو میرے حال پر رحم کرنا چاہئیے جب میری صحت زیادہ بوجھ کے اٹھانے کی اجازت نہیں دیتی۔ بقایا کی بات تو ضمناً آ گئی ہے یعنی وہ قرضہ جو ان احباب کے ذمے ہے۔ لیکن اصل بات، جس کی طرف اس وقت میں جماعت کو بلانا چاہتا ہوں، وہ تیس ہزار روپے کا، علاوہ معمولی ماہوار چندے، کے ان تین ماہ یعنی جولائی، اگست، ستمبر میں اکٹھا کر دینا ہے۔ اس کے لئے میں نے علیحدہ اپیل بھی کی ہے۔ دل تو یہی چاہتا تھا کہ کوئی صاحب ہمت دوست اٹھیں اور اکیلے نہیں تو دو تین مل کر ہی اس کام کو کر دیں۔ لیکن جب تک یہ صورت میسر نہیں آتی، اس بوجھ کو برابر ساری جماعت پر تقسیم کر دینا ہے۔ یہ تیس ہزار روپیہ ہماری قوم کے سر پر قرضہ ہے۔ اور اس کی ادائیگی کی سہل ترین صورت یہی ہے کہ قوم کے سب افراد اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لے کر اسے پورا کر دیں۔ کسی کے حصے دس روپے آئیں گے، کسی کے سو، کسی کے دو چار یا پانچ سو۔ مگر یہ بوجھ اسی طرح تقسیم کر کے ہی اب اٹھایا جا سکتا ہے۔ اسی کے مطابق دفتر رقوم کا تعین کر کے ہر ایک دوست کو عنقریب اطلاع دے دے گا۔ سب دوستوں کو اپنی اپنی جگہ اس کی فکر پہلے

سے کر لینی چاہیئے ۔ میں ان احباب سے ، جو قوم کے معمار کہلاتے ہیں بالخصوص یہ اپیل کرتا ہوں کہ ان کا فرض ہے کہ وہ میرا ہاتھ بٹائیں ۔ اور جہاں جہاں کوئی جنرل کونسل کا ممبر ہے ، وہ اسے اپنا فرض سمجھے کہ سب سے پہلے خود اس نے اپنا حصہ ادا کرنا ہے ۔ اور اس کے بعد دوسرے احباب سے ان کا حصہ ادا کرانا ہے ۔ جولائی ، اگست ، ستمبر یہ تین ماہ میں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت اپنی کل طاقت اس بات پر صرف کرے کہ یہ تیس ہزار روپے کی رقم پوری ہو جائے ۔ علاوہ معتمدین کے میں دوسرے احباب سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ جماعت میں دو دو تین تین آدمی ایک سب کمیٹی بنا کر سب دوستوں کے پاس پھر جائیں ۔ ہر شہر کے جو احباب اس فرض کو اپنے ذمہ لیں وہ مجھے اطلاع دیں کہ وہ فلاں علاقہ میں اس تحریک کو کامیاب کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کریں گے ۔ جماعت کے دوست جمعہ میں اس خط کو سنا کر ایک ایک سب کمیٹی فوراً بنالیں ۔ جو اس کام کو فوراً اپنے ہاتھ میں لے لے ۔ والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس ، لاہور

29 جون 1932ء

۞۞۞

3 جولائی 1932ء
بیگم صاحبہ حضرت امیر کے قلم سے

حیات جاوید

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. (169:3)

والدہ محترمہ کی حیات صالحہ کا ایک ورق

عرض حال: میری پیاری والدہ کی اچانک وفات پر جو رنج وغم ہم بہن بھائیوں اور تمام خاندان کو ہوا وہ فطرتی امر تھا۔ مرحومہ مغفورہ تمام خاندان کے لئے ایک مرکز اور آیہ رحمت تھیں۔ ان کا پاک اور نافع وجود نیکی وخوش اخلاقی کا مجسمہ اوران تمام خصوصیات کا حامل تھا جو هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (5:2) کی تفسیر ہیں۔ اور ان کی حیات ایک دختر اسلام کا صحیح نمونہ تھی۔ اس قدر بابرکت اور شفیق ہستی کا اٹھ جانا یقیناً اندوہناک اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مگر یہ بھی میرے رب کا احسان ہے کہ اس نے ایسے غم وہم کے وقت میں اپنی رحمت سے ہمارے دلوں کو ڈھارس دی اور یہ توفیق دی کہ صبر ورضا کے ساتھ اس کی مشیّت کے سامنے اپنے سروں کو جھکا دیں اوراس کی خوشنودی کو حاصل کرنے کی آرزو بے پایاں میں اپنے آپ کو کھو دیں۔

فانی دنیا: اہل نظر کے لئے منظر ہستی کا ایک ایک لمحہ دفتر عبرت ہے۔ نہ معلوم کب سے یہ سلسلہ جاری ہے اور کب تک رہے گا۔ ہزارہا آئے اور چلے گئے۔ سینکڑوں محفلیں بنیں اور بگڑ گئیں۔ بیشمار پھول کھلے اور مرجھا گئے۔ مگر کارخانہ ہستی میں فرق نہ آیا۔ زمانہ کا دور اور زندگی کی دلچسپیاں بدستور باقی ہیں۔ اس خاکستان میں وہ بدقسمت لوگ بھی ہیں جو دنیا کی آلودگی سے اپنے انجام کو فراموش کر کے خدا کو بھول چکے ہیں۔ اور وہ برگزیدہ وجود بھی ہیں، جو اس زندگی فانی کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے حیات ابدی کی فکر میں غلطاں ہیں۔

مقدس ہستی: والدہ مرحومہ انہیں مقدس ہستیوں میں سے ایک تھیں۔ جو حقیقی مقصد حیات سے ایک دم کو بھی غافل نہ ہوئیں۔ اس لئے یہ غم کا موقعہ نہیں بلکہ مسرت کی جا ہے کہ وہ اس مجازی قیام گاہ میں منشائے الٰہی کے ماتحت اپنی زندگی بسر کر کے اور ہمیشہ نیکنامی وحیات ابدی کو لئے ہوئے نفس مطمئنہ کے ساتھ

اپنے معبودِ حقیقی سے جاملیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. والدہ مرحومہ کا نام حلیمہ النساء بیگم تھا۔ چھپن سال کی عمر پائی۔ نہایت دیندار، علم دوست بی بی تھیں۔ دقیق سے دقیق مسائل پر صحیح اور صائب رائے دیتی تھیں۔ کتنا مضبوط کیرکٹر تھا۔ اللہ تعالیٰ پر کس قدر کامل بھروسہ اور پختہ ایمان تھا کہ مصائب اور مشکلات کی زبردست لہریں ان کے ایمان کی مضبوط چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی تھیں اور مایوسیوں کے تاریک بادل ان کے قلب منور پر سایہ پذیر نہ ہو سکتے تھے۔ مگر دوسرے کی مصیبت پر تڑپ جاتیں اور تشفی و دل دہی کرنے میں خاص ملکہ رکھتی تھیں۔ جب دیکھتیں کہ کوئی بہن کسی ابتلاء میں گرفتار ہیں تو فوراً ان سے ملتیں اور اپنی ہمدردی اور تسلی بھری گفتگو سے مایوس دل کو ڈھارس بندھا دیتیں اور جب بھی موقع ملتا تو صبر و شکر کی تلقین کرتیں۔ جو ایک بار بھی ان سے ملا وہ ان کی خوش اخلاقی وملنساری کا گرویدہ ہو گیا۔

احمدیت: ہمارے خاندان میں احمدیت کا قدم بھی والدہ مرحومہ کی تحریک سے آیا۔ 1901ء میں حضرت مسیح موعود کی تصنیف ''برکات الدعا'' والدہ مغفورہ کی نظر سے گزری۔ اتفاق سے انہیں دنوں میرے بھائی ممتاز احمد (جواب انجینئر ہیں اور کلکتہ میں مقیم ہیں) بعارضہ ٹائیفائڈ فیور سخت بیمار ہو گئے۔ بخار کا حملہ نہایت تیز تھا۔ یہاں تک کہ زندگی کی امید نہ رہی۔ والد صاحب اگرچہ عرصہ سے حضرت مسیح موعود کی کتابوں کو پڑھتے اور ان کے دل سے مداح تھے۔ لیکن کبھی قادیان جانے کا موقع نہ ملا تھا۔ اس موقع پر والدہ مرحومہ نے تحریک کی کہ وہ قادیان جائیں اور حضرت مسیح موعود کی خدمت میں بچے کی صحت کی دعا کے لئے عرض کریں۔ والد صاحب فوراً قادیان روانہ ہو گئے اور حضرت اقدس کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ بیعت بھی کی اور بچہ کی صحت کے لئے دعا بھی کروائی۔ حضرت صاحب نے اسی وقت نہایت درد دل سے دعا کی۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ اسی شب کو بچہ کا بخار یک بیک ٹوٹ گیا۔ جس سے تمام ڈاکٹر اس معجزہ پر حیران وششدر رہ گئے!

سفر قادیان: 1906ء میں والدہ مرحومہ خود قادیان تشریف لے گئیں۔ حضرت مسیح موعود نے کمال مہربانی اور شفقت کا اظہار فرمایا۔ پہلے خاص اپنے مکان ''دارالبرکات'' میں جگہ دی۔ اور پھر نواب محمد علی خاں صاحب کے مکان میں رہائش کا انتظام فرما دیا۔ والدہ مرحومہ اکثر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو

کر ان سے گفتگو کرتیں اور آپ کی اقتداء میں نمازیں پڑھتیں ۔سوء اتفاق سے وہ بیمار ہو گئیں اور چند دن نہ آ سکیں ۔حضرت اقدس اپنے ہاتھ سے دوا بنا کر بھیجتے اور خبر خیریت دریافت فرماتے ۔ بیماری کے بعد جب حاضر ہوئیں تو حضرت بیوی صاحبہ نے پوچھا کہ تم اتنے دن کیوں نہ آئیں ۔والدہ نے بیماری کا عذر کیا۔ بیوی صاحبہ نے سن کر فرمایا کہ بیمار ہونا تھا تو قادیان کیوں آئیں! حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ ہمیشہ نیت کا پھل ملتا ہے یہ نیک نیت سے یہاں آئی ہیں ان کو اس کا ثواب مل چکا۔ پھر کسی شخص کے بلند و بالا مکان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کام محض نام و نمود کے لئے کیا جائے اس میں خیر و برکت نہیں ہوتی ۔غرض والدہ مغفورہ کا یہ سفر محض سطحی نہ تھا بلکہ انہوں نے سب باتوں کو بغور دیکھا اور اکثر ہم سے حضرت مسیح موعود کے اقوال کا ذکر کرتی رہتی تھیں ۔1909ء میں پھر قادیان گئیں ۔اور حضرت مولانا نور الدین مرحوم مغفور کے درس و نصائح سنے ۔انہی دنوں قادیان میں مستورات کا پہلا جلسہ ہوا۔ جس میں والدہ صاحبہ مرحومہ نے بھی نہایت موزوں اور مفید تقریر کی ۔ دو ماہ کے قیام کے بعد بھیرے واپس آ گئیں ۔کیونکہ میرے والد صاحب مکرم ان دنوں وہیں تھے ۔ چند مہینوں کی کوشش سے بھیرے میں ایک مجلس مستورات قائم ہوئی ۔جس کی صدر والدہ مرحومہ قرار پائیں ۔1910ء میں جب میری شادی ہوئی اور درس قرآن کے موقعہ پر حضرت مولانا نور الدین مرحوم کی خدمت میں خاکسار اپنی شادی کے بعد پہلی دفعہ حاضر ہوئی تو آپ نے اہل مجلس بہنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے ڈاکٹر بشارت احمد کی بیوی اور ماں میں خاص نور پایا ہے ۔اور ایسا ہی محمد علی اور ان کے والد میں نور دیکھا ہے ۔اس لئے میں نے اس تعلق پر زور دیا اور آج میں بہت مسرور ہوں کہ یہ دو نورانی خاندان ایک ہو گئے ۔ پھر آپ نے سب کو دعا میں شریک ہونے کو کہا اور دیر تک میرے سر پر ہاتھ رکھ کر نہایت توجہ سے دعا فرماتے رہے ۔

جوشِ تبلیغ اور اصلاح رسوم: 1925ء میں لاہور احمدیہ انجمن خواتین کے سالانہ جلسہ کی صدارت کی ۔ اور نہ صرف اس موقعہ پر بلکہ ہمیشہ ہی اپنی غیر معمولی فراست و دانائی سے اپنی ہم جنسوں کی رہنمائی کی ۔ اخبارات میں بھی ان کے مضمون چھپتے تھے ۔اور اکثر مجالس خواتین میں برجستہ و مؤثر تقریر کرتی تھیں ۔ سننے والیاں ان کی وسعت معلومات اور قابلیت پر عش عش کرتی تھیں ۔تبلیغ کا بہت جوش تھا۔ بارہا مشنری لیڈیز سے بحث مباحثہ ہوئے ۔احمدیت کی نہایت ہی معقول پیرایہ میں تبلیغ کرتیں اور مختلف موقعوں مثلاً

دعوتوں، پارٹیوں اور ریل کے سفروں میں بھی وقت کو ضائع نہ کرتیں اور باتوں باتوں میں ہی نہایت دلچسپ پیرایہ میں برمحل تبلیغ کر جاتیں۔

اصلاح رسوم کا بہت خیال تھا۔ انہی کی سعی سے ہمارے تمام خاندان نے رسم ورواج سے آزادی حاصل کی اور میری شادی پہلی شادی تھی۔ جو بالکل سادہ اور مسنون طریقہ پر ہوئی۔ اور میری پھوپی صاحبہ کی وفات پہلی موت تھی جس پر کوئی رسم مرگ ادا نہ ہوئی۔ علاوہ اپنے گھرانے کے اپنے حلقہ ملاقات میں بھی اصلاحی تحریکات کرتی رہتیں اور ان کے فیض سے بیسیوں خاندان مستفیض ہوئے۔

عورت کی تین حیثیتیں: دنیا میں عورت کی تین حیثیتیں زیادہ نمایاں ہیں۔ بیٹی، بیوی اور ماں۔ والدہ مرحومہ مغفورہ اس کسوٹی پر بھی پوری اتریں۔ بیٹی تھیں تو ایسی حلیم اور تابعدار کہ میکے میں سوتیلے رشتہ داروں سے بھی ایسا حسن وخوبی سے بنا رہا کہ آج ان میں اور حقیقی رشتہ داروں میں قطعاً فرق نہیں ہے۔ بیوی بنیں تو اس قدر محبت شعار اور منتظم کہ اپنی بے نفسی اور ایثار سے گھر کو نمونہ جنت بنا دیا۔ اپنے شوہر کی سچی رفیق۔ خدمت دین اور فی سبیل اللہ روپیہ صرف کرنے میں مشیر ومعاون تھیں۔ انہوں نے اپنی گھریلو ضروریات کو محدود کر کے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا موقع بہم پہنچایا اور اس میں ہی راحت محسوس کی۔

ان کے ماں ہونے کا پہلو تو خصوصیت سے زرّیں حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ یہ موقع بہت اہم اور نازک ہے۔ قوم کی تعمیر اور آئندہ نسل کی باگ ماں کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے یہ فرائض نہایت عقلمندی سے ادا کئے۔ وہ ایک جاں نثار ماں تھیں۔ اپنے بچوں کو نہایت نازونعم میں پالا۔ اور ان کی خاطر اپنی صحت وآرام کی پروانہ کی۔ مگر ساتھ ہی ان کی صحیح تربیت سے بھی غافل نہ رہیں۔ خداء واحد کی عظمت اور دین کے لئے غیرت ان کے خون میں سے بچوں میں سرایت کر گئی۔ انہوں نے ان کی چھاتی سے اشاعت اسلام کے جوش سے فلٹر کیا ہوا دودھ پیا اور ان کی گود میں بہادران اسلام کے قصے سنے۔ والدہ مرحومہ نے اپنی اولاد کو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی تعلیم دی۔ اور خود عمل کر کے نمونہ قائم کیا۔ یقیناً یہ خدا کا فضل اور ان کی تعلیم کا اثر تھا کہ ان کے بچے ممالک یورپ میں سالہا سال تک رہنے کے باوجود صراط مستقیم سے متزلزل نہ ہوئے۔ وہ نمازوں میں خشوع وخضوع سے سب کے لئے دعائیں کرتیں اور سب کی بہتری وبہبودی کی خواہاں رہتیں۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ وہ مجھ پر سب سے زیادہ

مہربان ہیں۔اوران کے دامن شفقت میں ہم سب کوایک اطمینان وراحت حاصل تھی ۔

دفترِ ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

وفات: 11 مئی 1932ء کووہ ڈلہوزی موسم گرما بسر کرنے کوتشریف لائیں اور چند دن کے بعد ہی بیمار ہو گئیں۔ بخار رہا۔ پھرنمونیا ہوگیا۔ ایام بیماری نہایت حوصلہ اور صبر سے گزارے۔ کبھی کوئی کلمہ بیقراری نہ کہا۔ بخار کی غنودگی میں بھی کلمہ استغفار زبان پر رہا۔ دس بارہ دن کے بعد بخار اتر گیا اور طبیعت سنبھل گئی۔ ڈاکٹر ان کی صحت کی طرف سے مطمئن ہوگئے کہ اچانک خدا نے بلا لیا۔ وہ ہروقت اپنے مولا سے ملنے کو تیار تھیں ۔ چنانچہ 4 جون مطابق 28 محرم الحرام کوعلی الصبح صدائے اللہ اکبر کے ساتھ میری نہایت پیاری اور صابرہ والدہ نے کامل اطمینان وسکون سے اپنے آپ کوارحم الرحمٰن کے حوالے کر دیا اور سب سے بے خبر ہوکر گہری نیند سوگئیں ۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

شکریہ: اپنی مرحومہ مغفورہ والدہ کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کرتے ہوئے میں اپنی ان کثیر التعداد مہربان بہنوں کی ممنون ہوں جنہوں نے بذریعہ تار وخطوط اس صدمہ میں مجھ سے اظہار ہمدردی کیا اور نہایت محبت اور درد بھرے خط لکھے۔ جن کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ میں فرداً فرداً جواب دینے سے معذور ہوں۔ میرا دل حزیں ان کی محبت اور خدا کی شکرگزاری سے لبریز ہے۔ جس نے محض اپنے فضل واحسان سے مجھے اس قدر مخلص اور محبت شعار بہنیں عطا کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دین ودنیا کے حسنات عطا کرے اور ان کا حامی وناصر ہو۔ وہ بھی میرے لئے دعا کریں کہ مولا کریم مجھے اتنی توفیق دے کہ اس کی رضا کو حاصل کرلوں کہ اس میں راحت ابدی ہے۔

23 جولائی 1932ء

میری اپیل کا جواب

حضرت امیر اید ہ اللہ بنصرہٖ کے قلم سے

ان احباب کا، جنہوں نے اس وقت ضرورت دینی کو محسوس کر کے ایثار کے قابل قدر نمونے دکھائے ہیں، شکریہ بھی ادا کرتا ہوں اور درد دِل سے ان کے لئے دعا بھی کرتا ہوں کہ جس طرح انہوں نے خدا کی راہ میں قلت مال کے باوجود وسعت قلبی سے کام لیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضلوں کو ان پر وسیع فرمائے۔ اس کے ساتھ ہی میں ان احباب کی خدمت میں اور ان دوسرے احباب کی خدمت میں، جنہوں نے ابھی تک اس کام جو انہوں نے کرنا ہے ہمت سے ہاتھ نہیں ڈالا، چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

اول۔ یہ کہ میں نے جو اپنی اپیل میں ذکر کیا تھا کہ ہم پر جرمنی میں ایک نئی چٹّی آپڑی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہم نے برلن میں زمین اس وقت خریدی جب مارک کی قیمت بہت گری ہوئی تھی اور گو ہم نے اس وقت خاصی قیمت ادا کی۔ جو سات سو پونڈ سے اوپر تھی۔ مگر پھر بھی وہ زمین کی اصل قیمت سے کم تھی۔ لیکن بعد میں جرمن گورنمنٹ نے ایک قانون بنایا جس کے ساتھ ان لوگوں کو، جنہوں نے مارک کی اس گری ہوئی حالت میں، کہ ایک ایک پونڈ کے کئی کئی کروڑ بلکہ ارب مارک ملتے تھے، اپنی جائیدادوں کو فروخت کیا تھا، کچھ معاوضہ دلایا گیا۔ اسی قانون کے ماتحت ہماری زمین پر بھی چٹّی پڑی۔ اور اس کمپنی نے، جو اس کی اصل مالک تھی، بیس ہزار مارک کا مطالبہ کیا۔ اور اسی طرح کے مطالبات ان لوگوں سے بھی کئے جنہوں نے اس زمین کے اور حصے خریدے ہوئے تھے۔ جس طرح دیگر مالکان نے بجائے مقدمات میں پڑنے کے کمپنی کے ساتھ سمجھوتہ کے لئے بات چیت کی، ہمارے مبلغ پروفیسر محمد عبداللہ صاحب نے بھی یہی کیا۔ اور آخر چار ہزار مارک پر تصفیہ ہو گیا۔ جس کے لئے کوئی آج پندرہ دن ہوئے پروفیسر عبداللہ صاحب کی تار پہنچی کہ یہ روپیہ فوراً بذریعہ تار بھیجا جائے۔ چنانچہ چار ہزار مارک، جن کی قیمت روپوں میں 3624 روپے بنی، بذریعہ تار پروفیسر صاحب کو بھیج دیئے گئے۔

دوم۔ انجمن پر جو سولہ ہزار مارک کا قرضہ ہے، اس کی ادائیگیاں ایک دو ماہ کے اندر ہونی ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پروفیسر محمد عبداللہ صاحب، جن کو اب جرمنی میں کام کرتے پانچ سال

ہو گئے، اور وہ وہاں کے حالات سے خوب واقف ہو گئے ہیں، وہ اکتوبر میں واپس آ رہے ہیں اور نئے مبلغ کو ان جھمیلوں میں ڈالنا مناسب نہیں، اس لئے ضروری ہے کہ قرضہ پروفیسر عبداللہ صاحب کی وہاں موجودگی میں ادا ہو جائے۔ ویسے بھی اس کی میعاد 15 دسمبر 1932ء کو ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے بھی اس کی فوراً ادائیگی کی ضرورت ہے۔ اور اس وقت فوراً روپیہ بھیجنے میں ایک بڑا بھاری فائدہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس بنک کا یہ قرضہ ہے اس کے بانڈ واقرارنامے اس وقت ستر اور پچھتر روپے سینکڑہ کے حساب سے مل جانے ممکن ہیں۔ تو اگر روپیہ اس وقت پروفیسر صاحب کے ہاتھ میں ہو تو وہ ان ایک دو ماہ کے اندر جس قدر بانڈ مل سکیں خرید لیں گے۔ اگر ساری رقم کے بانڈ مل جائیں تو گویا پندرہ ہزار کے بجائے گیارہ ہزار روپے میں قرضہ ادا ہو جائے گا۔

سوم۔ انجمن کے اپنے کام میں بھی اس وقت کچھ رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ چار ہزار مارک جو اس وقت برلن بھیجا گیا، جو اگر فوراً نہ بھیجا جاتا تو مقدمہ چل پڑنے کا خطرہ تھا، وہ ایسی حالت میں بھیجا گیا کہ انجمن کے دوسرے کاموں کو روکنا پڑا۔ جس سے کارکنان کو سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ ان تینوں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میری یہ خواہش ہے کہ بجائے تین ماہ پر پھیلانے کے ہمارے احباب اس کل رقم کو، جو ان کے ذمہ ڈالی گئی ہے، فوراً ادا کر دیں۔ اگر اس وقت پندرہ ہزار روپیہ فوراً انجمن کے ہاتھ میں آ جائے تو خدا چاہے تو چار ہزار روپیہ بچ سکتا ہے۔ اتنے بڑے فائدہ کے مقابل یہ تکلیف جو ہمیں فرداً فرداً اٹھانی پڑے گی بہت تھوڑی ہے۔ اس لئے میری یہ درخواست اپنے احباب سے ہے اور بالخصوص ان سے جن کو خدا نے اپنے فضل سے زیادہ دیا ہے اور جن کے ذمہ سو روپیہ یا اس سے زیادہ کی رقم ڈالی گئی ہے کہ وہ اپنے ذمہ کی رقم فوراً ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اگر وہ قرضہ لے کر بھی دیں اور وہ قرضہ سودی بھی ہو تو بھی عنداللہ ان کا یہ فعل اجر کے قابل ہوگا۔ کیونکہ جس طرح اضطراری حالت میں انسان اپنے لئے قرضہ لے لیتا ہے اور اس حالت میں اگر اسے سود بھی دینا پڑے تو وہ معذور ہے، اسی طرح ایک قومی ضرورت کے وقت جو اضطراری حالت پیدا ہو گئی ہے اس کا معاملہ ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ جولائی کے مہینے کے اندر اندر اپنے اپنے ذمہ کی رقم انجمن کے خزانہ میں پہنچا دیں گے۔ اور جو احباب اب تک خاموش ہیں یا سوچ رہے ہیں وہ بھی زیادہ سوچ میں وقت ضائع نہ

کریں گے۔ جب ایک کام ہم نے کرنا ہے اور اس سے چارہ نہیں، جیسا کہ جرمن قرضہ کے بیس ہزار روپے سے ہمارے لئے کوئی چارہ نہیں، تو اس کو اگر احسن طریق پر کیا جائے تو اس میں جماعت کی نیک نامی بھی ہے۔ اور بظاہر چار ہزار روپے کی بچت بھی ہے۔ اور دوسرے اس طریق پر کام کرنے سے ہمیں کچھ نسبت ان مقدس ہستیوں سے بھی پیدا ہو جائے گی جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اپنے مال (اور مالوں سے بڑھ کر جانیں جن کا موقعہ آج بہت کم ملتا ہے) حاضر کرنے پڑتے تھے۔ میں نے سنا ہے کہ ہماری جماعت کے ایک دو بزرگوں کا یہ خیال ہے کہ وقتی چندوں کی تحریک جماعت کے لئے پریشانی کا موجب ہے اور جس مقدس نبیؐ کے نقش قدم پر ہمیں چلنا چاہئے۔ یعنی ہمارے سرکار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ لوگوں سے اس طرح چندے طلب نہ کرتے تھے۔ مجھے یہ دونوں خیال درست نظر نہیں آتے۔ کسی قوم یا جماعت کے اندر زندگی پیدا ہی ان ایثار کے نمونوں سے ہوتی ہے جو فوری تحریکات پر ظہور میں آتے ہیں۔ یہ وقتی تحریکات جماعت کی پریشانی نہیں بلکہ اس کی زندگی اور اس کی قوت کا موجب ہیں۔ اور ایثار کرنے والے جب ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر قدم رکھتے ہیں تو اس سے دوسرے دلوں میں قلبی محبت کی ایک ایسی آگ پیدا ہوتی ہے جو ان سے بھی وہی کام کرا دیتی ہے۔ کیا ہمارے احباب نے ہمارے سالانہ جلسہ کا نمونہ کبھی نہیں دیکھا کہ کس طرح اپنے تو ایک طرف رہے غیر بھی ہمارے احباب کے ایثار کے نمونوں کو دیکھ کر وہ اثر لے جاتے ہیں جو ہزاروں چپت پٹے وعظوں سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہنسانا اور رولانا تو اب ایک پیشہ بن گیا ہے۔ قوت عمل قوم کے اندر انہی ایثار کے نمونوں سے پیدا ہوتی ہے۔ میں تو اس وقت بھی دیکھتا ہوں کہ گو بمشکل ایک ہفتہ اس تحریک پر گزرا ہوگا۔ میرے پاس ایسے ایسے خط پہنچے ہیں جن سے خود میرے ایمان نے بہت ترقی کی ہے اور میرا دل ایک مضبوط پہاڑ کی طرح ہوتا جا رہا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ بعض احباب کو پریشانی بھی ہوتی ہے۔ مگر وہ خود اپنے دلوں میں سوچ کر دیکھ لیں وہ پریشانی صرف مال کی محبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ پریشانی تو ہونی چاہئے تھی غرباء میں۔ مگر ان میں تو مجھے پریشانی کا کوئی نشان نظر نہیں آتا بلکہ وہ خوش ہو ہو کر خدا کی محبت کی آگ میں کود پڑتے ہیں۔ تو ان احباب کے لئے بھی، جن کی طبیعت میں پریشانی پیدا ہوتی ہے، ہم سب کو دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کر کے اپنی محبت، اپنے رسولؐ

کی محبت، اپنے دین کی محبت کی اس آگ کو پیدا کرے کہ ان کی تمام پریشانیوں خس وخاشاک کی طرح جل جائیں اور وہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فرزانوں کی طرح نہیں بلکہ دیوانوں کی طرح کام کرنے والے ہوں۔ زندگی کا لطف تو جب ہی آتا ہے جب انسان خدا کی محبت میں دیوانہ ہو جائے اور اپنے دنیوی منافع کو بھول جائے۔ ہمارے بھائی کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اشاعت اسلام کا جوش نہیں۔ میں کہتا ہوں اور کس کام کے لئے جوش ہے۔ دوسری قوموں کی دیوانگی کو بھی آج دیکھو کہ کس طرح ان کے مالدار لاکھوں روپیہ قومی ضروریات پر صرف کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنی قوم کی حالت کو بھی دیکھو کہ کس طرح ان کا ہر کام، ملکی معاملات سے تعلق رکھتا ہو، تعلیم سے تعلق رکھتا ہو یا تمدن سے، معاشرت سے، کسی قسم کی قومی ضرورت سے تعلق رکھتا ہو، کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ تو مجدد وقت نے آپ لوگوں کی جماعت کیوں بنائی؟ صرف اسی لئے کہ آپ کچھ دیوانگی کے نمونے دکھائیں اور ان لوگوں کے نقش قدم پر نہ چلیں جو خدا کی راہ میں کام کرنے کا نام آئے تو سوچ بچار میں پڑ جاتے ہیں!

ایسا ہی یہ خیال بھی غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چندے نہ مانگتے تھے۔ آپؐ کی مدنی زندگی میں تو شاید کوئی مہینہ خالی جاتا ہوگا کہ ایسے چندوں کی ضرورت نہ پڑتی ہو۔ جنگ کے لئے کس قدر روپیہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ آج کسی قوم کی جنگ کی تاریخ کو پڑھ کر دیکھ لو۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے بڑے غزوات کی تعداد اور مختصر مدنی زندگی پر ان کو پھیلاؤ، تو شاید ہر سال میں پانچ چھ سے کم نہیں آئیں گے۔ تو ان جنگوں کے لئے کہاں سے روپیہ آتا تھا؟ انہی غریب مگر دل کے غنی مسلمانوں کی جیبوں سے نکلتا تھا جو خدا کے راہ میں دیتے جاتے اور خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے کہ ہمیں خدا کی راہ میں دینے کا یہ ایک موقعہ تھا۔ ہم میں بھی آج وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کی یہی حالت ہے۔ مگر میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کی یہی حالت ہو۔ اس سے ہماری اپنی زندگی میں راحت پیدا ہوتی ہے۔ اسی سے قوم بنتی ہے۔ اسی سے آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت دنیا میں قائم ہوتی ہے۔ اسی سے خدا کا نام دنیا میں بلند ہوتا ہے۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (51:55)

۞ ۞ ۞

3 اگست 1932ء

بین الاقوامی صلح واتحاد مذہب کے ذریعہ سے

واشنگٹن (امریکہ) کی عالمگیر مذہبی کانفرنس میں حضرت امیر ایدہ اللہ کا مضمون

مذہب کے متعلق پانچ اہم سوالات کے جوابات

پیرس کی عالمگیر کانفرنس نے، جو مذاہب کے ذریعہ سے بین الاقوامی صلح واتحاد کی علمبردار ہے، حضرت امیر ایدّہ اللہ سے درخواست کی تھی کہ اس کے آئندہ اجلاس کے لئے جو واشنگٹن (امریکہ) میں ماہ نومبر 1932ء میں منعقد ہونے والا ہے۔ آپ ایک مضمون لکھ کر بھیجیں۔ کانفرنس نے پانچ سوالات لکھ کر بھیجے تھے جن کے جواب میں ذیل کا مضمون انگریزی زبان میں حضرت امیر ایدّہ اللہ نے لکھ کر کانفرنس کو ارسال کیا ہے۔ مدیر

سوال 1۔ بین الاقوامی صلح واتحاد کے متعلق آپ کے مذہب کی تعلیم کیا ہے؟

جواب۔ اسلام، جس کے لغوی معنی صلح وامن کی حالت میں داخل ہونے کے ہیں، اس کی تعلیم دو وسیع اصولوں توحید الٰہی اور وحدت نسل انسانی سے مشتق ہے۔ یہ دونوں اصول قرآن کریم میں صفائی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور دونوں باتوں کی پورے طور پر وضاحت کر دی گئی ہے۔ کوئی صلح واتحاد اس سے زیادہ موثر نہیں ہوسکتا۔ جتنا ایک خاندان کے افراد میں ہوتا ہے اور قرآن کریم نے ایک خدا اور ایک نسل انسانی کے دو عظیم الشان اصولوں پر اسلام کی بنیاد رکھ کر ایک نہایت زبردست بین الاقوامی صلح وامن کی بنیاد رکھی ہے۔

وحدت انسانی کی بنیاد توحید الٰہی پر: جہاں اس حقیقت کو فی الفور تسلیم کر لیا جائے گا کہ وحدت نسل انسانی کا خیال بین الاقوامی صلح وامن کی حقیقی بنیاد ہے، وہیں یہ شبہ بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ توحید الٰہی کا خیال خواہ روحانی طور پر کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، کیا بین الاقوامی صلح وامن کے دنیوی پہلو پر کوئی اثر ڈال سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ وحدت نسل انسانی کی بنیاد اسلام نے توحید الٰہی پر رکھی ہے۔ اور ایک خدا اسلامی اصطلاح میں دوسری چیزوں سے بڑھ کر ایک باپ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ محبت ورحم جو تمام انسانی

رشتوں کے اندر ہم قیاس کر سکتے ہیں، ایک ربّ اس سے بہت بڑھ کر محبت ورحم کے ساتھ نسل انسانی کو کمال تک پہنچاتا ہے۔ اسلام میں وحدت نسل انسانی کا خیال توحید الٰہی کے خیال سے ایسا گہرا تعلق رکھتا ہے کہ ایک خیال دوسرے کے بغیر بالکل غیر مکمل رہ جاتا ہے۔

وحدت نسل انسانی کی تعلیم: یہ امر، کہ توحید الٰہی کی تعلیم پوری صفائی اور پختگی کے ساتھ زوردار پیرایہ میں قرآن کریم میں دی گئی ہے، غالباً اسلام کے بہت سے مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے۔ لیکن بہت لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ وحدت نسل انسانی کی تعلیم بھی اسی صفائی اور پختگی اور اسی زوردار پیرایہ میں قرآن کریم کے اندر دی گئی ہے۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ** سب سے پہلے الفاظ ہیں۔ جن سے قرآن شروع ہوتا ہے۔ ان الفاظ سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ عربی لفظ رَبٌّ، جس کا ترجمہ انگریزی میں بہتر مترادف نہ ملنے کی وجہ سے ''لارڈ'' کے لفظ سے کیا جاتا ہے، لغوی طور پر اس کے معنی ہیں کسی چیز کو ایسے طریق سے نشوونما دینے والا کہ وہ ایک حالت سے دوسری حالت اختیار کرتا ہوا حد کمال تک پہنچ جائے۔ اس لئے **رَبُّ الْعَالَمِیْنَ** کے الفاظ صاف طور پر اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ دنیا کی تمام اقوام ایک باپ کی اولاد ہیں اور کہ وہ سب کی حفاظت مساوی طور پر کرتا ہے اور وسب کو درجہ بدرجہ حد کمال تک پہنچاتا ہے۔ پھر اس کے علاوہ صفائی کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ **کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً** (213:2) تمام لوگ ایک ہی قوم ہیں **یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ** (13:49) اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں شعوب اور قبائل بنایا ہے۔ تا کہ تم پہنچانے جاؤ۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے بڑھ کر متقی ہے۔ پھر وہ الفاظ جن پر قرآن کریم ختم ہوتا ہے۔ وہ بھی اس بارہ میں ویسے ہی صاف ہیں کہ تمام نسل انسانی کو ایک کنبہ قرار دیا گیا ہے **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ .مَلِکِ النَّاسِ اِلٰہِ النَّاسِ.** (2-1:114) کہہ دے میں پناہ چاہتا ہوں لوگوں کے رب کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی۔

تمام نسل انسانی کی یکساں ربوبیت: جیسا کہ میں نے کہا، وحدت نسل انسانی کا خیال نہ صرف صفائی کے ساتھ قرآن کریم نے ظاہر کیا ہے بلکہ حد کمال تک اس کو پہنچایا ہے۔ یہ امر، کہ اللہ تعالیٰ نے جسمانی

ربوبیت کا سامان دنیا کی تمام اقوام کے لئے پیدا کیا ہے، ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کسی نے بھی آج تک کبھی اس کی تردید نہیں کی۔ تاہم صرف اسلام ہی ایک مذہب ہے جس میں اس کے بالمقابل اس خیال پر بھی زور دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے روحانی ربوبیت کا سلسلہ بھی دنیا کی تمام اقوام کے لئے جاری ہے۔ نہ صرف قرآن کریم کے ان ابتدائی الفاظ میں، جن کا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں، یہ بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ تمام اقوام کا رب ہے۔ یعنی وہ بادشاہ جو انسانوں کی ربوبیت ایسے طریق سے کرتا ہے جس سے وہ حد کمال کو پہنچ جائیں، جہاں روحانی تکمیل کے بغیر یقیناً کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اس حقیقت نفس الامری کو بھی نہایت صفائی اور پختگی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے کہ وہ الہام الٰہی، جس سے انسان کی روحانی تربیت ہو سکتی ہے، دنیا کی تمام اقوام کو دیا گیا۔ چنانچہ فرمایا **اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ** (24:35) کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا۔ پھر فرمایا **وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ** (7:13) اور ہر ایک قوم کے لئے ایک ہادی آیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اسرائیلی نبیوں کے ساتھ بہت سے غیر اسرائیلی انبیاء کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً ہودؑ اور صالحؑ یعنی وہ دو نبی جو عرب کے گردونواح میں مبعوث ہوئے۔ ایک نبی حضرت لقمان کا بھی ذکر قرآن کریم نے کیا ہے۔ (13:31) پھر اس نبی کا بھی ذکر ہے جو سوڈان میں مبعوث ہوئے اور جو حضرت موسیٰؑ کے ہم عصر تھے۔ (60:18) اور فارس کے بادشاہ نبی ذوالقرنین (یا دو مملکتوں کے بادشاہ) کا بھی ذکر کیا ہے۔ (83:18) جو دارا اول کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور اس بیان کی عمومیت پر زور دیتے ہوئے قرآن کریم نے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ ایسے بھی نبی ہوئے ہیں جن کے نام قرآن کریم کے اندر نہیں آئے۔ چنانچہ فرمایا **وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ** (164:4) اور کچھ رسول ہیں جن کا حال ہم تجھ سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور کچھ رسول ہیں جن کا ہم نے تجھ سے ذکر نہیں کیا۔ اس طرح اس نظریہ کی، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی روحانی نعمت کے لئے ایک ہی قوم کو خاص طور پر چن لیا، اسلام نے تردید کی ہے۔ اور بجائے اس کے تمام اقوام میں اخوت کی بنیاد رکھ دی۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ سب قوموں کو ایک انسانی خاندان کے ممبر سمجھا جاتا ہے۔ جن کا بادشاہ اور مالک ایک خدا ہے۔ جو ان سے جسمانی اور روحانی معاملات میں یکساں سلوک کرتا ہے۔

قومی اختلافات اسلام کی نظر میں: اسلام نے نہ صرف قومی پاسداری کے خیال کو ہی رد کیا بلکہ اس نظریہ کی بھی تردید کی ہے کہ کوئی خاص قوم اللہ تعالیٰ کی نظر میں راندۂ درگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ خواہ ان کا مذہب اور قومیت کچھ ہو۔ وہ سب کی مغفرت اور بخشش کرنے والا ہے اور سب کے اچھے افعال کی انہیں جزاء دیتا ہے۔ وہ ان اقوام میں، جو مختلف ممالک سے تعلق رکھتیں، مختلف نسلوں سے پیدا ہوتیں، مختلف آراء اور خیالات کا اظہار کرتیں، مختلف رنگوں سے ممتاز ہوتیں اور مختلف زبانیں بولتی ہیں، کوئی تمیز دارانہیں رکھتا۔ اس نے تمام انسانوں کو ایک جیسا بنایا اور ایک روحانی فطرت کے ساتھ انہیں پیدا کیا **فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا** (30:30) اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اس نے اصل حالت میں پیدا کیسا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی فرمایا ہے **لَاتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ.** (30:30) اللہ کی پیدا کی ہوئی حالت کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ قائم رہنے والا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اسلام میں کوئی لونی یا لسانی روک حائل نہیں۔ لونی یا لسانی اختلافات، جنہوں نے ایک قوم کو دوسری قوم کے بالمقابل کھڑا کر دیا ہے، قرآن کریم کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے نشانات ہیں۔ **وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ.** (22:30) اور اس کے نشانوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں علم والوں کے لئے نشان ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اس حقیقت نفس الامری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ رنگوں اور زبان کے تمام اختلافات کے باوجود ایک ہی انسانی فطرت ہر جگہ ودیعت کی گئی ہے۔ میں قرآن کریم کی چند آیات نقل کرتا ہوں جن میں فرمایا ہے کہ:

1۔ سب لوگوں کی دعائیں اللہ تعالیٰ سنتا ہے:

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (60:40) اور تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری (بات) قبول کروں گا۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّاتَذَکَّرُوْنَ. (62:27) بھلا کون اضطرار والے کو جواب دیتا ہے جب وہ

اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور تمہیں ملک کے حاکم بناتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ بہت ہی کم تم نصیحت قبول کرتے ہو۔

2۔اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحم یکساں طور پر سب کے لئے ہے:

وَرَحْمَتِی وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (156:7)اور میری رحمت ہر شے پا حاوی ہے۔

رَبَّنَاوَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَحْمَةً وَّعِلْمًا (7:40) ہمارے رب! تو رحمت اور علم سے ہر چیز پر حاوی ہے۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (53:39) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔اللہ سب ہی گناہ بخش دیتا ہے ہاں وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْمَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ (6:13)اور یقیناً تیرا رب لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے معاف کرتا رہتا ہے۔

3۔تمام لوگوں کو ان کے عملوں کے مطابق جزا سزا دی جائے گی:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ. (99:7-8)تو جو کوئی ایک ذرّہ کے وزن کے برابر بھلائی کرتا ہے اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ایک ذرّہ کے وزن کے برابر بدی کرتا ہے اسے دیکھ لے گا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا (160:6) جو کوئی نیکی کرتا ہے اس کے لئے دس اس کے مثل ہیں اور جو کوئی بدی کرتا ہے اس کی مثل ہی اس کو سزا دی جائے گی۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا (47:21)اور ہم قیامت کے دن انصاف کی میزانیں رکھیں گے پس کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

مختلف اقوام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا برتاؤ: ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام میں توحید الٰہی کا

عقیدہ نہ صرف اس حقیقت کا ہی مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اقوام عالم کا مشترک باپ ہے۔ بلکہ یہ بھی اس کا ایک کھلا نتیجہ ہے کہ مختلف انسانوں اور اقوام کے ساتھ اس کا برتاؤ بھی ایک جیسا ہے۔ اس لئے وحدت نسل انسانی توحید الٰہی کا طبعی نتیجہ ہے۔ جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں کہ تمام انسانوں کو قرآن کریم نے بار بار ایک ہی قوم کہہ کر پکارا ہے۔ یٰٓا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (13:49) اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شعوب اور قبیلے بنایا تا کہ تم پہچانے جاؤ۔ اس انسانیت کے کنبہ میں کسی ایک ملک کا باشندہ ہونا موجب عزت نہیں اور نہ کسی دوسرے ملک کا باشندہ ہونا موجب ذلت ہے۔ اور نہ ہی کسی قوم کا رنگ یا اس کی زبان اس کی بڑائی کا معیار ہے۔ کیونکہ مذکور بالا الفاظ کے ساتھ ہی فرمایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (13:49) یقیناً خدا کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو اپنے فرائض پر سب سے زیادہ نگاہ رکھتا ہے۔ اسلام کے انہی بنیادی اصولوں کو رائج کرنے کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں کھلے الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ آپ کی اپنی قوم عربوں کو عجمیوں پر کوئی فضیلت حاصل نہیں'' اور امام بخاری نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ''اگر ایک یہودی کو تم پر حاکم مقرر کیا جائے تو تم اس کی سنو اور اطاعت کرو۔''

دوسری اقوام کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ: باہمی معاملات میں بھی اسی وسیع اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے ایک مسلم کی تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کی ہے کہ ''جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ بچے رہیں۔'' اور قرآن کریم میں ایک مسلمان کے اخلاق و اطوار کے متعلق یہ سنہرا اصول بیان کیا گیا ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوْا اللّٰہَ (8:5) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے (حقوق کی) حفاظت کرنے والے، انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو۔ یہ تقوٰی سے قریب نہ ہے اور اللہ کا تقوٰی کرو۔

پھر فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (135:4) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف کی پوری محافظت کرنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو۔ گو معاملہ تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قریبیوں

کے خلاف ہو۔ اور پھر ایک اور جگہ فرمایا وَلَا یَجْرِ مَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (2:5) اور کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تم کو حرمت والی مسجد سے روکا تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر لے کہ تم زیادتی کرو۔ اور نیکی اور تقوٰی پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ انصاف کو پوری سختی کے ساتھ ملحوظ رکھنا ایک عام اصول زندگی ہے۔ جو ایک مسلمان کو اس وقت پیش نظر رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے جب وہ دوسرے لوگوں اور اقوام بلکہ ان لوگوں کے ساتھ بھی معاملہ کر رہا ہو جنہوں نے مسلمانوں کو دکھ اور اذیتیں پہنچائی ہوں اور ان سے ظالمانہ برتاؤ کیا ہو۔ نہ صرف انصاف، بلکہ سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ جنگ ہو، تمام اقوام کے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت احسان کا برتاؤ کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ. (8:60) اللہ تمہیں ان سے نہیں روکتا جنہوں نے تمہارے ساتھ دین کے بارہ میں لڑائی نہیں کی۔ اور تمہیں اپنے گھروں سے نہیں نکالا کہ ان سے بڑے احسان کرو اور ان سے انصاف کرو۔ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

بین الاقوامی صلح و امن میں اسلام کی زبردست امداد: جنگ کے متعلق قرآن کریم کی تعلیم کو اگر بہ نظر غور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ جس جنگ کی قرآن کریم نے اجازت دی ہے وہ فی الحقیقت نہایت ضروری چیز ہے جو بین الاقوامی صلح و اتحاد کو پیدا کرتی ہے۔ قرآن کریم نے جارحانہ جنگوں کو نہایت صاف اور کھلے الفاظ میں روک دیا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا. اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (190:2) خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اور زیادتی مت کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ سب سے پہلی آیت جو جنگ کے بارہ میں نازل ہوئی وہ بھی ویسی ہی صاف ہے۔ فرمایا اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ . الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ

وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (40-39:22) ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ جو اپنے گھروں سے بغیر کسی صحیح وجہ کے نکالے گئے سوائے اس کے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھریاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں، جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے، گرادی جاتیں۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں آیات میں، جو جنگ کی اجازت کے متعلق ابتدائی احکام میں سے ہیں، صرف مدافعانہ جنگ کی ہی اجازت دی گئی ہے اور وہ بھی ایسے شاندار مقصد کی خاطر کہ تمام اقوام کی آزادی کی حفاظت کی جائے۔ راہبوں کی کوٹھریاں، مسیحی گرجے، یہودیوں اور دوسری اقوام کے معبد اور مسجدیں مسمار ہونے سے بچی رہیں۔ گویا فی الحقیقت تمام اقوام کے مذہبی مقامات کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور جارحانہ جنگ سے صاف الفاظ میں منع کیا ہے۔ ان دونوں آیات کے بعد جس قدر احکام جنگ کے بارہ میں نازل ہوئے وہ ان بنیادی شرائط پر مبنی ہیں۔ جو ان آیات میں بیان کی گئی ہیں اور یہی بنیادی اصول حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے لئے ہدایت و رہبری کا کام دیتے ہیں۔ جارحانہ جنگ کے خلاف یہ ممانعت بین الاقوامی صلح واتحاد کو قائم کرنے میں اسلام کا ایک زبردست امدادی کام ہے۔

سوال 2۔ کیا آپ کے مذہب میں کوئی ایسی عبادات یا دعائیں ہیں جو بین الاقوامی صلح واتحاد سے تعلق رکھتی ہوں؟

جواب۔ اسلام کی اہم ترین دعا، جو روزانہ پنج وقت نمازوں کا لازمی حصہ ہے، قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت ہے۔ یہ دعا ایک مسلمان کی طرف سے روزانہ مختلف اوقات میں تقریباً تیس مرتبہ دہرائی جاتی ہے۔ جو صبح بستر سے اٹھتے ہی اس کا سب سے پہلا کام اور رات کو بستر پر جاتے وقت آخری کام ہوتا ہے۔ اس دعا کی اہمیت ایک مسلمان کے نزدیک اس سے بہت زیادہ ہے جس قدر ایک مسیحی کے نزدیک خداوند کی دعا۔ یا کسی مذہب کے پیرو کے نزدیک اپنی مذہبی دعا کو اہمیت حاصل ہے۔ اور ایک مسلمان کی زندگی کا یہ ایک نہایت ضروری حصہ ہے۔ جو اس کے اخلاق کو درست کرتا اور اس کی ذہنیت کو سنوارتا ہے۔ یہ ایک نہایت چھوٹی سی سورت ہے۔ جو سات چھوٹی چھوٹی آیات پر مشتمل ہے۔

1۔اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ . (1:1) سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

2۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . (2:1) بے انتہاء رحم والا۔ بار بار رحم کرنے والا

3۔مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ . (3:1) جزاء کے وقت کا مالک

4۔اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ . (4:1) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

5۔اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ . (5:1) تو ہم کو سیدھے راستہ پر چلا

6۔صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (6:1) ان لوگوں کا راستہ دیکھا جن پر تو نے انعام کیا۔

7۔غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ . (7:1) نہ ان کا جن پر غضب ہوا۔ اور نہ گمراہوں کا۔

اس دعا کا اثر مسلمانوں کے قلب پر: میں صرف دو آیات پر، جو بین الاقوامی یا عالمگیر صلح واتحاد سے تعلق رکھتی ہیں، چند ریمارک کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلی آیت میں اس تعریف کا ذکر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ جو تمام اقوام کا رب ہے۔ ان کی پرورش کرنے والا اور ان کی نشوونما کرنے والا ہے اور جو ترقی کے راستہ پر انہیں درجہ بدرجہ چلاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی حد کمال کو پہنچ جائیں۔ وہ تنگ ذہنیت، جس کی وجہ سے انسان اپنی قوم کو دوسری تمام اقوام پر فضیلت دینے کی کوشش کرتا ہے اور جو درحقیقت تمام قومی تباغض وتحاسد، قومی تنافر اور قومی عداوتوں کی جڑ ہے اس آیت کریمہ میں ہمیشہ کے لئے ختم کر دی گئی اور ایک مسلمان اس سب سے زیادہ ہر دلعزیز نصب العین کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی شروع کرتا ہے۔ جس کو حاصل کرنے کی طاقت قلب انسانی میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جاتی ہے بوجہ اس حفاظت، اس محبت اور اس پرورش کے جو وہ سب کی کرتا ہے۔ صرف میری ہی نہیں۔ نہ ہی صرف میری قوم یا میرے کنبہ کے لوگوں کی، بلکہ دنیا کی تمام اقوام اور اس سے بھی بڑھ کر تمام جہانوں کی پرورش، محبت اور حفاظت کرتا ہے۔ اس خیال کو انسان کی روزانہ زندگی میں بار بار پیش کرنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اس کے خیالات میں سب سے بلند جگہ حاصل کر لیتا اور قلب انسانی پر اپنی حکومت جما لیتا ہے

اور بعینہ اسی طرح جیسے انسان اس خدا کی تعریف کرتا ہے۔ جو تمام اقوام کی یکساں حفاظت اور ایک جیسی محبت ان سے کرتا ہے، وہ خود بھی اسی سپرٹ کو اپنے اندر لے کر سب سے مساویانہ محبت کرنے لگتا ہے۔ اس کے ذرائع بے شک محدود ہوں۔ وہ اپنے معمولی حالات میں صرف چند لوگوں تک پہنچ سکتا ہو۔ لیکن اس کی خواہش اور تڑپ کا دائرہ اتنا وسیع ہوتا ہے جتنا کہ ممکن ہے۔ اس کا نصب العین اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو، جو سب سے یکساں محبت اور سب کی حفاظت سے تعلق رکھتی ہے، اپنے اندر پیدا کرتا ہوتا ہے۔ دعا آخر کیا چیز ہے؟ یہ ایک ذریعہ ہے جس سے انسان خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرتا اور اخلاق الٰہی کے سرچشمہ سے سیراب ہوتا ہے۔ وہ شخص، جو سب کی مساویانہ ربوبیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے، اگر اپنے اندر صداقت رکھتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ بھی ہمیشہ سب کے ساتھ نیکی کرنے اور تمام نسل انسانی کی خدمت بجالانے کا خیال اپنے اندر پیدا کرے۔

مسلمانوں کی دعا تمام انسانوں کے لئے: دوسری آیت، جس کا میں یہاں ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ اس دعا کی پانچویں آیت ہے۔ اس آیت میں عبادت کرنے والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہدایت و رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ لیکن دعا کے الفاظ میں اِھْدِنَا فرمایا ہے۔ یعنی ہم کو ہدایت دے۔ اِھْدِنِیْ یعنی مجھے ہدایت دے نہیں کہا۔ اس طرح سے ایک مسلمان کو صرف اپنے ہی لئے دعا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ اپنے علاوہ دوسروں کے لئے بھی دعا کرنا سکھایا گیا ہے۔ اور یہ دوسرے لوگ کون ہیں؟ وہ صرف اس کے اپنے خاندان کے لوگ یا اس کے دوست ہی نہیں، نہ ہی صرف اس کی قوم کے لوگ ہیں۔ سب سے پہلی آیت میں ایک مسلمان کو یہ سکھایا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو انسانیت کے اس وسیع کنبہ کا صرف ایک فرد سمجھے جو دنیا کی تمام اقوام پر مشتمل ہے اور جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ یکساں طور پر کرتا ہے۔ اس لئے اس کے بندہ کو سکھایا گیا ہے کہ وہ اس تمام کنبہ کے صراط مستقیم پر چلنے کی دعا کرے اور اپنے لئے صرف اس کنبہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے دعا کرے۔

سوال 3۔ کیا آپ کے مذہبی ادارے نے کوئی ایسے ریزولیوشن پاس کئے ہیں جو بین الاقوامی صلح و اتحاد سے تعلق رکھتے ہیں؟

جواب۔ ہماری سوسائٹی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور دنیا کی پچیس سے زیادہ مختلف

زبانوں میں مفت لٹریچر تقسیم کر کے اس عظیم الشان کام کو سرانجام دے رہی ہے۔ اس لٹریچر کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ مذہب کی بالعموم اور اسلام کی بالخصوص آزادانہ روش کو نمایاں کرتا ہے اور تمام اقوام عالم سے اللہ تعالیٰ کے مساوی سلوک پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔

بانی سلسلہ احمدیہ کی ایک تجویز: چوبیس سال ہوئے جناب میرزا غلام احمد صاحب بانی جماعت احمدیہ نے ''پیغام صلح'' کے نام سے ایک تجویز شائع کی۔ جس کو اگر ہندو قوم قبول کر لیتی تو بہت سی ہندو مسلم کشید گیاں اور فسادات ختم ہو جاتے۔ اس کتاب میں آپ نے یہ تجویز کی کہ چونکہ مسلمان دنیا کی تمام اقوام میں نبیوںؑ کا آنا مانتے ہیں۔ وہ اس اقرار نامہ پر دستخط کرنے کے لئے تیار ہیں کہ وہ ہندوستان کی دو بڑی شخصیتوں رامچند ر اور کرشن کو خدا کے نبی مانتے ہیں۔ بشرطیکہ ہندو بھی ایک اسی قسم کے اقرار نامہ پر دستخط کر دیں۔ جس میں لکھا ہو کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا نبی مانتے ہیں۔ اور کہ اگر اس اقرار نامہ پر ہندو قوم کے نمائندے دستخط کر دیں تو مسلمان یہ بھی اقرار کرنے کے لئے تیار ہیں کہ وہ اپنی خوراک اور قربانیوں کے لئے ذبح گاؤں کے حق پر زور نہ دیں گے۔ لیکن ہندوؤں نے اس تجویز کو منظور کرنا مناسب نہ سمجھا ورنہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین صلح و اتحاد کبھی کا ہو چکا ہوتا۔

مذاہب عالم کو مشترک پلیٹ فارم پر دعوت: قرآن کریم نے بھی ایک ایسی تجویز پیش کی ہے جو دنیا کے مختلف مذاہب کے پیروؤں میں اتحاد پیدا کرنے والی ہے۔ اس نے حسب ذیل طریق سے ایک مشترک امر پر جمع ہونے کی تجویز کی ہے۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. (64:3) کہو اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سواء کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کسی کو کوئی اللہ کے سوا رب بنائے اور اگر وہ پھر جائیں تو تم کہو گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ تمام مذاہب جو اپنی بنیاد الہام الٰہی پر رکھتے ہیں اور اس لئے اللہ تعالیٰ پر ان کا ایمان ہے اس اصول کی بنیاد پر ایک مشترک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب میں ایک مشترک چیز یقیناً موجود ہے۔ کیونکہ نسل انسانی کا مذہبی عقیدہ بنیادی طور پر ایک ہی ہے۔ یہ

مشترک بنیاد **ایک خدا** پر ایمان ہے۔ اور اسی مشترک عقیدہ پر ایمان لانا قرآن کریم نے دنیا کے بین الاقوامی اور بین الفرقی صلح و اتحاد کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔

سوال 4۔ کیا آپ کے مذہب میں کوئی ایسے ادارے موجود ہیں جو بین الاقوامی صلح و اتحاد کے لئے کام کر رہے ہیں؟ اگر ہیں تو وہ کونسے ہیں؟

جواب۔ تمام اسلامی دنیا میں چار قسم کے ادارے پائے جاتے ہیں۔ جو نسل انسانی کے اتحاد کی غرض کو پورا کرنے والے ہیں۔ اور اس طرح بین الاقوامی صلح و اتحاد کے قائم کرنے کے لئے بڑی وسیع بنیادوں پر سرگرم عمل ہیں۔ یہ چار ادارے اس میں شک نہیں کہ روحانی اثر بھی اپنے اندر رکھتے ہیں لیکن اتحاد انسانی کے عظیم الشان مقصد کو پورا کرنے میں بھی وہ کچھ کم اہمیت نہیں رکھتے۔ یہ چاروں ادارے حسب ذیل ہیں 1۔ نماز 2۔ روزہ 3۔ زکوٰۃ 4۔ حج

نماز کا اثر اتحاد انسانی پر: سب سے پہلا رکن روزانہ زندگی میں انسانوں کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے لئے ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ روزانہ پانچ وقت مسجد میں جمع ہوں اور بڑے چھوٹے، امیر غریب، آقا اور غلام، بادشاہ اور رعایا، اعلیٰ اور ادنیٰ، اس حکم الحاکمین کے سامنے ایک دوسرے کے دوش بدوش کھڑے ہوں اور اس کے محامد کے گیت گائیں۔ کیونکہ وہ سب کی حفاظت کرتا اور سب سے محبت رکھتا ہے۔ اس طریق سے ایک مسلمان کی آنکھوں کے سامنے روزانہ پانچ مرتبہ انسانی مساوات کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔ اور یہ نقشہ اس کے ہم جنسوں کے متعلق اس کی توجہات پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اگر ایک ہی محلّہ کے رہنے والوں کو روزانہ کئی مرتبہ اکٹھا کیا جاتا ہے تو ہر جمعہ کے دن تمام آبادی کو نماز جمعہ کے لئے ایک جگہ جمع ہونا پڑتا ہے۔ اور پھر سال میں کم از کم دو مرتبہ دونوں عیدوں کے موقعہ پر دیہاتی اور شہری سب ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔

روزہ کا اثر اتحاد انسانی پر: روزہ نسل انسانی کو مصائب اور دکھوں میں جمع کرنے کے لئے ہے۔ پورا ایک مہینہ ایک امیر کبیر کو اپنے غریب بھائی کی طرح بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ مصائب میں اشتراک انسان کو اتحاد کے زبردست بندھنوں میں مضبوطی کے ساتھ جکڑ دیتا ہے اور اسلام نے ہر سال میں ایک ماہ کے روزے مقرر کر کے اس مضبوط بندھن میں ہمیں جکڑ دیا ہے۔ ایک یا دو دن

کے لئے مشترک طور پر دکھ اٹھا لینا مطلوبہ اثر پیدا نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے پورا ایک مہینہ مقرر کیا گیا۔ جس میں ضروری ہے کہ تمام مسلمان ایک ہی جیسی تکلیف برداشت کریں۔

زکوٰۃ کا اثر اتحاد نسل انسانی پر: زکوٰۃ یا خیرات کا رکن دولت اور امیری میں نسل انسانی کو متحد کرنے کے لئے ہے۔ کوئی مسئلہ قلب انسانی کو اس قدر پریشان کرنے کا موجب نہیں ہوا، جس قدر پریشانی مال و دولت کی غیر مساوی تقسیم نے پیدا کی ہے۔ بعض لوگ تو بالکل روپے کے اندر کھیلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو بھوکے مر رہے ہیں۔ زکوٰۃ کی تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کی ہے کہ یہ ایک ٹیکس ہے جو امراء پر غرباء کے فائدہ کے لئے عائد کیا گیا ہے۔ ہر امیر آدمی کی دولت کا چالیسواں حصہ ہر سال لے لیا جاتا اور اسے ایک بیت المال کے اندر جمع کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس سے غریبوں اور مصیبت زدوں کے مصائب کو دور کیا جا سکے۔ یہی وہ فنڈ ہے جس سے حاجت مندوں کی حاجت کو پورا کیا جاتا۔ قیدیوں یا غلاموں کو آزاد کیا جاتا۔ مقروضوں کے قرضے ادا کئے جاتے ہیں اور اس بات کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی جاتی کہ وہ محتاج یا قیدی یا غلام یا مقروض کس قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر سال دولت ان لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر، جنھوں نے اسے جمع کیا ہے، غریبوں اور محتاجوں کے پاس پہنچتی رہتی ہے۔ اور اس طریق سے امیر اور غریب میں ایک توازن قائم ہو جاتا ہے جس سے نہ تو امیر بہت زیادہ امیر ہو جاتا ہے اور نہ غریب بہت زیادہ غریب بن جاتا ہے۔

حج کا اثر اتحاد نسل انسانی پر: حج کا طریق نسل انسانی کو مرتبہ اور قومیت کے اعتبار سے متحد کرنے کے لئے ہے۔ سال بھر میں ایک مرتبہ تمام اقوام کے لوگوں کو مکہ میں اکٹھا کیا جاتا ہے اور اس طریق سے جو اتحاد نسل انسانی کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے نظیر ہے۔ سطح ارض کی تمام اقوام نہ صرف ایک جگہ جمع ہوتی ہیں۔ بلکہ انہیں یہ سمجھ آ جاتی ہے کہ وہ سب کے سب ایک ہیں اور کوئی بھی ان میں سے بڑھ چڑھ کر نہیں۔ ان سب کو ایک ہی طرح کے کپڑے پہنائے جاتے ہیں جس سے قومیت اور مرتبہ کا آخری امتیاز بھی قطعاً مٹ جاتا ہے۔ اور ایک یورپین اور ایشیائی اور بادشاہ اور گدا میں امتیاز کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے مکہ کا حج نسل انسانی کے اتحاد اور قوموں کے باہمی ملاپ کا بہترین تخیل اور اس کے ساتھ ہی ایک بہترین عملی مظاہرہ ہے۔

سوال 5۔ آپ کے مذہب نے بین الاقوامی صلح و اتحاد کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے کس طرح بالواسطہ طور پر امداد کی ہے؟

جواب۔ 1۔ **مذہبی ذہنیت**: اسلام کی مذہبی تعلیمات نے ایک ایسی قوم پیدا کی ہے جو اپنی مذہبی روش کے لحاظ سے بہت آزاد خیال واقعہ ہوئی ہے۔ یہ خیال، کہ ہم ایک ایسی قوم میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی منظورِ نظر ہے اور دوسری تمام اقوام راندہ درگاہ الٰہی ہیں، ایک مسلمان کی ذہنیت سے قطعاً معدوم ہے۔ اس کی تربیت ان روایات کے اندر ہوئی ہے۔ جن کا یہ منشا ہے کہ تمام لوگ اور تمام اقوام اللہ تعالیٰ کی نظر میں مساوی ہیں اور کہ ان سب سے وہ مساویانہ سلوک کرتا ہے اور کہ ان سب کی طرف اس نے اپنا الہام بھیجا ہے۔ اس تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ قومی تباغض وتحاسد ایک مسلمان کے دل میں قطعاً راہ نہیں پا سکتا اور یہ روش بین الاقوامی صلح وامن کو بہت حد تک ترقی دینے کی موجب ہے۔

پیشوایان مذاہب اور اسلام: بین الاقوامی تباغض وتحاسد کو پیدا کرنے میں یہ امر بہت حد تک ممد و معاون ہوا ہے کہ ایک قوم نے دوسری کے مذہبی پیشواؤں کی عزت کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ انہوں نے عملاً ان کو گالیاں دیں اور سخت ترین الفاظ میں ان پر سب وشتم روا رکھی۔ اسلام کی روش دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں کے بارہ میں بالکل اس کے متضاد ہے۔ ان کی عزت واحترام ہی نہیں بلکہ ان پر فی الحقیقت ایمان پیدا کرتی ہے۔ ایک مسلمان صرف انہی باتوں پر ایمان نہیں رکھتا جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں، بلکہ ان پر بھی، جو کسی دوسری قوم کے کسی نبی پر الہام ہوئی ہوں۔ قرآن کریم کی صاف اور کھلی تعلیم کے مطابق انبیاء ہر قوم میں آتے رہے۔ اس لئے ایک مسلمان کا عقیدہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. (136:2) تم کہو ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور اس پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا اور اس پر جو نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے دیا گیا ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔ چنانچہ دوسری اقوام کے انبیاء اور خود اپنے نبی پر ایمان لانے کی وجہ سے ہر ایک مسلمان اقوام عالم میں محبت وخوش دلی کے

جذبات کو عملی طور پر ترقی دینے والا ہے۔

اسلامی حکومت میں مذہبی آزادی: یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو بھی ملک مسلمانوں نے فتح کیا۔ وہاں کے لوگوں کو انہوں نے پوری مذہبی آزادی دی۔ جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں اسلامی جنگوں کا مقصد مسجدوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ کلیساؤں اور معبدوں کی حفاظت بھی تھا۔ یہودیوں، مسیحیوں، زرتشتوں، بدھوں، ہندوؤں اور تمام دوسری اقوام کو، جن سے اسلام کو بحیثیت ایک فاتح مذہب کے تعلق پیدا ہوا، پوری مذہبی آزادی دی گئی۔ بلکہ اپنی تہذیب وتمدن کو ترقی دینے کی بھی آزادی دی گئی۔ اور بعض اوقات مساجد کے علاوہ دوسرے مذہبی مقامات کی مرمت اور ان کا کام چلانے کے لئے اسلامی حکومت کے خزانہ سے امداد دی جاتی رہی۔ اسلام کے فاتح اعظم حضرت عمرؓ نے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خلیفہ تھے، ایک مسیحی کلیسا کی حدود میں اس لئے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا کہ مبادا بعد میں آنے والے مسلمان اس جگہ کو مسجد بنا لیں۔ کسی قوم کو اسلام نے اس وجہ سے نیست ونابود نہیں کیا کہ وہ کسی اور مذہب کی قائل ہے۔ آج کے دن تک مصر، شام اور ترکی میں مسیحی موجود ہیں۔ ایران میں زرتشتی پائے جاتے ہیں۔ اور ہندوستان میں ہندو اور بدھ اب تک باقی ہیں۔ دہلی ہندوستان میں مغلیہ بادشاہوں کا دارالخلافہ رہا ہے۔ لیکن صوبہ دہلی کی آبادی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک مسلمان کے بالمقابل آٹھ ہندو پائے جاتے ہیں۔ اگر بعض افراد سے انفرادی طور پر کوئی غلطیاں سرزد ہوئی ہوں تو وہ اسلام کی مذہبی ذہنیت کی مظہر نہیں ہوسکتیں۔

تمام جماعتوں اور اقوام کے ساتھ انصاف: (2) مجلسی انصاف: میں نے ابھی قرآن کریم کی وہ آیات نقل کی ہیں جن میں ہر مسلمان کو تمام جماعتوں اور سب اقوام کے ساتھ، حتیٰ کہ ان سے بھی جنہوں نے اسے دکھ دیا ہو انصاف کا برتاؤ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ **وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا** (8:5) کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مائل نہ کرے کہ تم ان سے انصاف کا برتاؤ نہ کرو۔ **وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا** (2:5) اور کسی قوم کی دشمنی، کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا، تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرتے کہ تم زیادتی کرو۔ انصاف کے معاملہ میں کسی جماعت، عقیدہ، مذہب یا قومی امتیازات کو روا نہیں رکھا جاتا۔ اسلام کے سب سے پہلے

خلیفہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ''تم میں سے سب سے زیادہ کمزور میری نظر میں طاقتور ہے جب تک میں اسے اس کے جائز حقوق نہ دلا دوں۔ اور تم میں سے سب سے طاقتور میری نظر میں کمزور ہے جب تک میں ان ذمہ داریوں اور حقوق کی ادائیگی پر اسے مجبور نہ کروں جو اس پر عائد ہوتے ہیں۔'' یہی وجہ ہے کہ بادشاہوں اور خلفاء کو، جب کبھی ان کے خلاف کوئی دعوٰی دائر ہوتا، رعایا کے ادنیٰ ترین افراد کی طرح عدالت میں حاضر ہونا پڑتا اور انہیں قاضی کے فیصلہ کے آگے سر جھکانا پڑتا تھا۔ عرب اور عجم کے لوگ ایک ہی مساوی حیثیت میں اور ایک ہی قانون کے تابع ہوتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا۔ جس میں ایک فریق مسلمان تھا اور دوسرا یہودی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ غیر مسلم اور غیر عرب اپنی جائدادوں پر ہی مالکانہ حقوق رکھتے تھے۔ جو مسلمانوں اور عربوں کو حاصل تھے۔ اور عورتوں کو بھی ویسے حق حاصل تھے جیسے کہ مردوں کو۔ بیویوں کو اپنے خاوندوں کے خلاف ایسے ہی اختیارات تھے جیسے بیویوں کے خلاف ان کے خاوندوں کو حاصل تھے۔ اس لئے مجلسی انصاف کے تخیل نے اس طریق سے اسلام میں پوری نشوونما حاصل کی اور اس نے بلا واسطہ طور پر بین الاقوامی صلح وامن کے خیال کو ترقی دی ہے۔

مختلف ذاتوں کے باہمی تعلقات: (3) اب سب سے آخری سوال سامنے آتا ہے۔ اسلام نے مختلف ذاتوں کے باہمی تعلقات سے بین الاقوامی صلح واتحاد کے مقصد کو کہاں تک پورا کیا ہے۔ اس معاملہ میں اسلام نے جو امداد دی ہے۔ وہ بالواسطہ ہی نہیں بلکہ بلا واسطہ امداد ہے۔ اس نے بین الاقوامی صلح واتحاد کے مقصد کو ذیل کے دو طریقوں سے پورا کیا ہے۔

1۔ بلا واسطہ طور پر۔ براہ راست ایک اسلامی اخوت قائم کر کے۔ جس کا دائرہ تمام دنیا پر محیط ہے اور تمام جماعتی، لونی اور ذاتی امتیازات اس میں مفقود ہیں۔

2۔ بالواسطہ طور پر

الف۔ دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کر کے

ب۔ جماعتی، لونی اور ذاتی امتیازات کے خلاف (جو بین الاقوامی صلح واتحاد کی راہ میں ایک ہی سب سے بڑی روک ہے) آہستہ آہستہ دنیا کی رائے پر اثر ڈال کر۔

اخوت اسلامی کا زبردست عملی تجربہ: جہاں تک اول الذکر امر کا تعلق ہے اخوت اسلامی بجائے خود اس بات کا ایک زبردست عملی تجربہ ہے کہ بین الاقوامی صلح واتحاد اس ذریعہ سے من کل الوجوہ قائم ہوسکتا اور جماعتی، لونی اور ذاتی تعصّبات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ سکتے ہیں۔ اس مقصد کا حصول اسلام کی ان اغراض میں سے ہے جن کا اعلان روز اول ہی سے کر دیا گیا۔ اور قرآن کریم نے صاف اور کھلے الفاظ میں یہ بتا دیا کہ وہ تمام نسل انسانی کی ایک ایسی برادری قائم کرنے کے لئے آیا ہے جس میں مختلف ذاتوں اور اقوام کے لوگ ایک ہی خاندان کے ممبر سمجھے جائیں۔ کوئی شخص اپنی ذات، رنگ یا قوم کی وجہ سے دوسروں پر بڑائی اور فضیلت کا دعوٰی نہ کر سکے۔ اور ہر شخص کو ترقی کرنے اور اپنا فرض سرانجام دینے کا پورا موقع حاصل ہو۔ اس بارہ میں قرآن کریم کی بعض آیات اس سے پہلے نقل کی جا چکی ہیں۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے کا عرب اپنے حبشی ہمسایہ کو بُرا سمجھتا اور اس سے نفرت کرتا تھا۔ اگر زیادہ نہیں تو کم از کم اسی قدر جس قدر آج کا مہذب مغربی انسان اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ غلامی انسانی خاندان کے معزز ترین انسان کو حقیر ترین بنا دیتی ہے۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشی غلاموں کو عرب کے معزز ترین خاندان قریش کے ہم پلہ بنا دیا۔ بلالؓ ایک حبشی غلام کو اسلام میں بہت عزت کی جگہ حاصل تھی اور قریش کے بہترین افراد کے برابر ان کا مرتبہ تھا۔ اور ایک بلالؓ ہی پر کیا منحصر ہے؟ اس مصلح اعظم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ عام حکم جاری ہو گیا کہ ''اگر اللہ تعالیٰ ایک غلام کو تم پر مسلط کر دے، جس کے کان اور ناک کٹے ہوئے ہوں، اور وہ قرآن کریم کے حکم کے ماتحت تمہیں موت کے منہ میں دھکیلے تو اس کے حکم کو پوری توجہ اور اطمینان سے سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ پھر فرمایا۔ اگر ایک حبشی تم پر مسلط کیا جائے تو اس کی سنو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ اس کا سر ایک مرجھائے ہوئے انگور کی طرح گنجا کیوں نہ ہو۔ اور اکثر ایسا ہوا کہ ایک آزاد غلام کو مغرور قریشیوں پر حاکم بنا دیا گیا۔ اور بڑے بڑے اعلیٰ خاندان کی عورتیں بھی ایک غلام سے، جسے اسلام نے اس کے اعلیٰ اندرونی خصائل کی وجہ سے عزت وعظمت کے مرتبہ پر بٹھا دیا تھا، شادی کرنا موجب فخر سمجھتی تھیں۔

اسلام کی وسیع برادری: اخوت اسلام کے ان اعلیٰ نمونوں کی، جو ابتداء اسلام میں دیکھنے میں آئے، اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ وسیع پیمانہ پر پیروی ہوتی رہی۔ اسلام کی برادری میں عرب، ایرانی،

یونانی، ہندوستان، چینی، ترک، یورپین اور حبشی سب ایک قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ بہت سے غلاموں نے بادشاہت کے اعلیٰ مراتب حاصل کئے۔ اور بعض روحانی بادشاہ اور اسلام کے عظیم الشان مجتہد بن گئے۔ آج تک اسلام کی یہ ہموار کرنے والی طاقت دنیا کے لئے ایک عجوبہ بنی ہوئی ہے۔ آریا قوم کا قابل نفرت انسان اور ایک حقیرا چھوت، جس کا سایہ بلکہ شاہراہ عام یا پبلک تالاب سے 50 فٹ کے اندر اس کا قدم رکھنا بھی پرلے درجہ کی ناپاکی پیدا کرنے کا موجب سمجھا جاتا ہے جونہی اسلام کا کلمہ پڑھ لیتا ہے اس کی تمام ناپاکیاں دھل کر صاف ہو جاتی ہیں۔ اور پان اسلام ازم کا وہ ہوّا جسے بہت خطرناک چیز سمجھا جاتا ہے سوائے اس کے کیا ہے کہ ایک اخوت کا احساس ہے۔ جو ہر مسلمان کے قلب کو زندہ رکھتا اور دوسرے مسلمانوں کی، خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہوں اور کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، ہمدردی اور محبت کی آگ اس کے اندر روشن کئے ہوئے ہے۔ اخوت اسلامی کا وہ عظیم الشان عملی نقشہ، جو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جو تمام ممالک اور ذاتوں اور اقوام پر حاوی ہے، اس بات کا ایک زندہ ثبوت ہے کہ بین الاقوامی صلح وامن نری خواب نہیں بلکہ نسل انسانی آخرکار ایک ایسے رشتہ میں منسلک ہوسکتی ہے جو اسے مجموعی طور پر متحد کر دے۔

غیر مذاہب کے ساتھ اسلام کا سلوک: بالواسطہ طور پر اسلام نے دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے متعلق محبت کے جذبات پیدا کر کے بین الاقوامی صلح واتحاد میں امداد دی ہے۔ یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ اسلام نے اگر قومی اور لونی امتیازات کو معدوم کر دیا ہے تو اس کے ساتھ ہی مذہب کی ایک زبردست روک بھی کھڑی کر دی ہے۔ دوسرے مذاہب کے ساتھ اسلام کے تعلقات پر اوپر مفصل لکھا جا چکا ہے۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اسلام نے صرف قومی، جماعتی، لونی اور نسلی امتیازات کو ہی دور نہیں کیا بلکہ مذہبی خصوصیت کی بہت بڑی روک کو بھی اس نے دور کر دیا اور جو کچھ اس نے نظری طور پر دنیا کو سکھایا، اس کے متبعین نے اسے عمل میں لا کر دکھا دیا۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اس کی نمایاں مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اس بات کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غیر مسلم وفود آئے اور آپؐ نے ان کی مناسب عزت وتکریم کی۔ کس طرح آپؐ نے غیر مسلموں کے ساتھ معاہدات کئے۔ کس طرح آپؐ نے غیر مسلموں کو تحائف بھیجے۔ اور ان کے تحائف کو قبول کیا۔ کس طرح

آپ ؐ نے غیر مسلم بیماروں کی عیادت کی اور کس طرح غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ کیا۔ بہت سی جنگوں میں مسیحی قبائل مسلمانوں کے دوش بدوش ایرانیوں اور خود اپنے ہم مذہبوں کے بالمقابل نبرد آزما ہوئے اور ایرانیوں نے مسلمانوں کے ساتھ ایسے معاہدات کئے جن میں صرف یہی ایک فرض ان کے ذمہ لگایا گیا کہ دشمنوں کے حملوں کی مدافعت کے لئے وہ مسلمانوں کی امداد کریں گے۔ یہ قبائل عیسائی ہوں یا مجوسی کبھی جزیہ نہ دیتے تھے۔ اور جب حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی کو بھیک مانتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فوراً حکم دیا کہ تمام ذمیّوں کو، جو اسلامی سلطنت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور اپنی قوت لا یموت پیدا کرنے سے قاصر ہیں، بیت المال سے وظائف دیئے جایا کریں۔ اور بستر مرگ پر آپ نے اپنے جانشین کو وصیت کی کہ وہ ذمیّوں کے ساتھ نرمی اور سلوک کا برتاؤ کریں۔ اس طرح اسلام نے مذہب کو غیر مسلموں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے میں کبھی روک قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس کے خلاف اس نے مذہبی خصوصیت کی روک کو بھی ویسے ہی دور کیا جیسے قومی اور لونی رکاوٹوں کو۔

مستقبل کا مذہب: آخری بات پر میں کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہبی اور قومی خصوصیت آہستہ آہستہ مٹتی چلی جا رہی ہے۔ اور اس کی جگہ اقوام عالم میں بہتر افہام وتفہیم کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ نسل انسانی کے ساتھ انصاف آخرکار غالب آ کر رہے گا۔ اور وہ وقت آنے والا ہے جب ہر شخص اپنے آپ کو انسانی خاندان کا ایک فرد سمجھے گا اور ایک تنگ دل محبّ وطن سے بڑھ کر، جو ایک ہی ملک یا ایک ہی قوم سے اپنا تعلق سمجھتا ہے، تمام دنیا کو اپنا گھر یقین کرے گا اور انسانیت، نہ کہ قومیت، مستقل کا مذہب ہوگا۔

11 اگست 1932ء

حضرت امیر کے قلم سے

ایک آنہ مستقل فنڈ کی کامیابی

احباب لائلپور (فیصل آباد) کا قابل قدر نمونہ

میں نے جس وقت ایک آنہ مستقل فنڈ کی تحریک کی تو اس وقت میرے مدنظر دو باتیں تھیں۔ ایک بات تو یہ تھی کہ دس سال کے عرصہ میں ہمارے پاس پچاس ہزار روپیہ مستقل سرمایہ ہو جائے گا اور اس سے ہم کوئی عظیم الشان کام خدمت دینی کا کر سکتے ہیں۔ آج دنیا میں بڑے ضروری اور اہم کام ہیں جو بڑے سرمایہ کو چاہتے ہیں۔ میں اس بات کا قائل تو نہیں کہ ہمیں فلاں کام کے لئے اس قدر سرمایہ جمع کر کے اس کے سود سے کام چلانا چاہئیے بلکہ ہمارے کام خدا کے فضل سے جماعت کی قربانیوں سے چل رہے ہیں اور اگر ہم کام چلالیں اور کوئی جماعت نہ بنائیں تو میں سمجھتا ہوں ہمارا کام ادھورا ابھی نہیں ہوا۔ میں جماعت بنانے کو، اس جماعت کی تنظیم کو، اس میں قربانی کی روح پیدا کرنے کو، ایک رنگ میں اشاعت اسلام کے کام پر بھی مقدّم سمجھتا ہوں۔ کیونکہ جس طرح بغیر فوج کے ملک کی حفاظت نہیں ہو سکتی، ملک گیری نہیں ہوسکتی، اسی طرح بغیر جماعت کے اشاعت وحفاظت اسلام کا کام نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ** تو میرا مقصد پچاس ہزار سرمایہ سے یا ایک لاکھ سرمایہ سے ہرگز یہ نہیں کہ اس کے سود سے انجمن کا گزارہ ہوتا رہے اور احباب کی قربانیوں کی ضرورت نہ رہے۔ بلکہ میرا مقصد صرف اس قدر ہے کہ آج بعض بڑے بڑے کام ہیں جو ہم اختیار نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ کام شروع کرنے کے لئے ہمارے پاس کافی روپیہ نہ ہو۔ اس پچاس ہزار سے کل کو ایک روزانہ اخبار چلا لیا جائے۔ یا کوئی کالج بنا لیا جائے یا کسی ملک میں کوئی مشن قائم کر لیا جائے۔ یا خود ہندوستان میں ہی اچھوتوں کے لئے کوئی مشن قائم کیا جائے۔ جس کے ساتھ کوئی کارخانہ وغیرہ بنا کر ان لوگوں کی دنیوی حالت کی بھی اصلاح ہو سکے۔ یا اور کوئی اہم کام جو اس وقت سامنے آجائے کر لیا جائے تو یہ ہمارے سامنے ایک نظیر ہوگی کہ کس طرح ایک ایک قطرے سے ایک دریا بن سکتا ہے۔ ایک آنے سے کسی کو تکلیف نہیں۔ جن لوگوں میں کچھ بھی احساس دین ہے وہ اشاعت اسلام کے

لئے ایک آنہ دینے میں دریغ نہیں کرتے۔مگر اس ایک ایک آنے سے تعمیر قومی یا خدمت اسلام کا کوئی عظیم الشان کام ہوسکتا ہے۔ جسے آج ہم ہاتھ ڈالنے کے قابل نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وقت تک زندہ رکھا تو میں انشاء اللہ احباب کو بتا دوں گا کہ ان کے اس ایک ایک تنکا ملانے سے کس طرح پہاڑ کی طرح ایک مضبوط عمارت بن گئی ہے۔جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مجھے انجمن کے متعلق ایک ہی فکر ہے کہ یہ کوئی خدمت دین کا کام کر کے دکھائے۔ اگر کام بغیر روپے کے چل جاتے تو مجھے روپے کی کوئی فکر نہ ہوتی۔ ایک دوست نے طعن کیا ہے کہ تم نے قادیان میں انجمن کی اس قدر جائداد بنائی، پھر وہاں سے بیک بینی و دو گوش نکال دیئے گئے۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ میں نے جو کام کیا خدا کے دین کو قوت پہنچانے کے لئے کیا۔سو آج بھی خدا کے فضل سے کام سے دین کی تائید ہی ہو رہی ہے۔ میرا اگر اس سے تعلق نہیں تو کیا ہوا اور کیا اگر وہاں سے ہم لوگوں کو نکال دیا گیا تو یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس سے بڑھ کر کام اپنے دین کی تائید کا ہم لوگوں سے نہیں لیا۔ یہ اس کا احسان ہے کہ گو ہم کو قادیان سے نکال دیا گیا لیکن جس غرض کے لئے ہم وہاں گئے تھے اس کی تکمیل میں ہمارے راستہ میں کوئی روک نہیں۔ بلکہ ایک جگہ سے نکال دیئے جانے کے بعد دوسری جگہ اتنی ہی بڑی عمارت خدمت دین کے کام کے لئے اور تیار ہوگئی۔ میرے دل میں اور میرے احباب کے دل میں اب بھی وہی تڑپ ہے کہ خدا کا دین دنیا میں غالب ہو۔اور وہ محض اپنے فضل سے ہمیں وہ سامان عطا فرما رہا ہے جس سے وہ غرض پوری ہو رہی ہے۔

اس ایک آنہ مستقل فنڈ کے قائم کرنے میں میری ایک اور بھی غرض تھی۔ جو کسی کام کے لئے نرا سرمایہ جمع کر لینے سے بھی میرے نزدیک مقدم تھی۔ میں چاہتا تھا کہ میرے احباب کے اندر اور بالخصوص نوجوانوں کے اندر خدا کے دین کے لئے کام کرنے کی روح پیدا ہو۔تو میں نے ان کے سامنے کام کی ایک نہایت سہل صورت رکھی تھی۔سو جب میں اس ایک آنہ فنڈ کی تحریک کو کامیاب کہتا ہوں تو میرے مدنظر زیادہ تر یہ دوسری بات ہے۔اس میں شک نہیں کہ بہت سے احباب ابھی تک غفلت کی حالت میں پڑے ہیں۔لیکن کام پر لگانا بڑا مشکل کام ہے۔اگر وہ لوگ جو انجمن کے معتمدین کہلاتے ہیں اس کام میں سب کے سب شریک ہو جاتے تو یہ کامیابی اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی۔مگر اس بارہ میں

بہت تھوڑوں نے مدد دی۔ ہاں اس تجویز کی قبولیت کا یہ نشان ہے کہ اللہ تعالیٰ خود دلوں میں اس کے متعلق تحریک پیدا کر رہا ہے۔ اس وقت میرے سامنے احباب لائل پور کا قابل قدر نمونہ ہے۔ اس تحریک کے ابتدائی ایام میں ہمارے قابل قدر بھائی ڈاکٹر نبی بخش صاحب لاہوری بڑھاپے اور رعشہ کے باوجود اس تحریک کے کامیاب بنانے میں سب سے آگے تھے۔ پھر اور کئی صاحبان نے قدم اٹھایا ہے۔ کل ہی ہمارے واجب الاحترام رکن انجمن میاں مولا بخش صاحب لائل پوری کے چھوٹے فرزند میاں شریف احمد نے جن کی عمر شاید پندرہ سولہ سال ہوگی مجھے تین سو روپے کی گران قدر رقم ایک آنہ مستقل فنڈ میں جمع کر کے دی ہے۔ میرے دل سے ان کے لئے دعا نکلتی ہے اور مجھے یقین ہے کہ میرے جو احباب میری اس تحریر کو پڑھیں، وہ بھی عزیز شریف احمد کے لئے دعا کریں گے۔ یہ رقم انہوں نے سات آٹھ ماہ کے عرصہ میں جمع کی ہے۔ اور ایسے استقلال سے انہوں نے کام شروع کیا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ پانچ سو روپے سالانہ کی رقم صرف ایک ان کی ہمت سے اس مستقل فنڈ میں آتی رہے گی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ مکرمی میاں محمد اسمٰعیل صاحب کے صاحبزادگان بھی اسی طرح کچھ رقوم جمع کر کے مستقل فنڈ میں بھیجتے رہے ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے ان تینوں بزرگوں یعنی شیخ میاں محمد اسمٰعیل صاحب، حاجی میاں مولا بخش صاحب، شیخ میاں محمد صاحب کے صاحبزادے زیادہ نہیں تو کم از کم ایک ہزار روپیہ سالانہ کی رقم باقاعدہ مستقل فنڈ میں جمع کر کے دیتے رہیں گے۔ خود ان بزرگوں کے لئے کس قدر خوشی کا مقام ہے کہ ان کی اولاد اس طرح ان کی آنکھوں کے سامنے خدمت دین کے کام میں لگ گئی۔ ان نوجوانوں میں، جن میں سے آج کل چار پانچ ڈلہوزی میں آئے ہوئے ہیں، میں نے اس قدر دین کی محبت کا جوش دیکھا ہے جس سے دل باغ باغ ہوتا ہے۔ خدمت دین کے اس جوش کے علاوہ عشق قرآن بھی ان کے دلوں میں ہے۔ اور یہاں پہنچتے ہی انہوں نے سب سے پہلے یہ کام کیا ہے کہ جناب ڈاکٹر احمد صاحب کے درس قرآن کا سلسلہ یہاں شروع کرا دیا ہے۔ جس میں علاوہ ان کے کچھ اور نوجوان بھی شامل ہوتے ہیں۔

میری غرض اس امر کی بیان کرنے سے کچھ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے نوجوان کیا اور معمر کیا اپنی زندگیوں کو دین کے لئے مفید بنانے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ کیا ہمارے ان

لائل پوری نوجوانوں کی طرح دوسری جماعتوں کے نوجوان بھی اٹھیں گے؟ کیا لاہور کے نوجوان لائل پور کی چھوٹی سی جماعت سے پیچھے رہ جائیں گے؟ نہیں بلکہ وہ کوشش کریں تو ایک ادنیٰ سی حرکت سے دو ہزار روپے آسانی سے اس مستقل فنڈ میں بہم پہنچا سکتے ہیں۔ اور وزیر آباد، سیالکوٹ، جموں، جہلم، راولپنڈی، پشاور، دہلی کی جماعتیں اگر توجہ کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ کم سے کم پانچ پانچ سو روپے کی رقم ہر سال مستقل فنڈ میں جمع نہ کرا دیں۔ ان کے علاوہ متفرق احباب اور دوسری جماعتیں، جن میں بعض بڑی بڑی جماعتیں تھی ہیں اور دو تین ہزار روپے کی رقم آسانی سے جمع کرا سکتی ہیں اور یوں دس سال کا کام پانچ سال میں ہو جاتا ہے۔ پانچ سال کا بچا لینا کوئی چھوٹی سی بات نہیں۔ میں جہاں ان جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں، اپنے جملہ احباب کو فرداً فرداً بھی توجہ دلاتا ہوں کہ اگر آپ خدا کے دین کی خدمت کے لئے ہاتھ ہلائیں گے تو اس کا فائدہ آپ ہی کو پہنچے گا۔ اور خود آپ میں کام کرنے کی قابلیت پیدا ہوگی۔ ہر ایک دوست کو چاہئے کہ ایک آنہ والی ایک رسید بک ہر وقت اپنے ہمراہ رکھے۔ اور جب تک دو چار آنے کی رقم روزانہ وصول نہ کر لے، اسے چین نہ آئے۔ میرے دوست بے شک غور کر لیں کہ میں ان کو ان کے فائدہ کے کام پر ہی لگاتا ہوں۔ اور اگر وہ کام کرنے کا جوہر اپنے اندر پیدا نہیں کرتے تو ان کا شمار دنیا کی زندہ قوموں میں نہیں ہو سکتا۔

سالانہ جلسہ کے موقعہ پر میں ہر ایک دوست سے توقع رکھوں گا کہ وہ ایک آنہ مستقل فنڈ میں ضرور کچھ نہ کچھ رقم پیش کرے۔ مگر اس کے لئے کوشش آج سے ہونی چاہئے۔ جلسہ کے قریب جا کر اور کئی قسم کی تحریکات ہوں گی اور ان پر توجہ صرف کرنے کی ضرورت ہوگی۔ آج ہی دفتر میں لکھ کر ایک آنہ کی رسید بکیں منگوا لیں اور فوراً کام شروع کر دیں اور دیکھیں کہ کس طرح ایک طرف آپ کے دل کے اندر کام کرنے کی قابلیت اور خدا کے دین کی محبت پیدا ہوتی ہے تو دوسری طرف خدا کے دین کو آپ کی اس حرکت سے قوت پہنچتی ہے۔ خاکسار　محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

15 اگست 1932ء

حضرت امیر کے قلم سے

تحریک قرضہ برلن

اسودہ حال احباب، عہدیدان انجمن اور معتمدین انجمن کی توجہ کے قابل

تحریک قرضہ برلن غالباً جولائی میں کسی وقت احباب کو پہنچی ہو گی۔ میں نے دفتر سے حساب مانگا تو معلوم ہوا کہ 31 جولائی تک صرف چودہ سو روپے کی رقم اس تحریک میں موصول ہوئی ہے۔ حالانکہ قریباً 3200 روپے معمولی اخراجات کے علاوہ صرف نئے تصفیہ کے لئے ہی جولائی میں بھیجنا پڑے۔ ویسے بھی ان ایام میں کسی قدر مالی تنگی ہو جایا کرتی ہے۔ ان حالات میں احباب نے جیسا کہ چاہئے تھا روپیہ جلد بھیجنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ پروفیسر محمد عبداللہ صاحب اکتوبر میں واپس آرہے ہیں اور اس سے پیشتر پندرہ ہزار روپیہ اور بھی ان کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ تاکہ قرضہ ادا ہو جائے۔ اور نو وارد مبلغ اس بوجھ سے آزاد ہو کر اپنے کام میں لگ سکے۔ اور علاوہ ازیں اس وقت روپیہ مل جانے سے تین چار ہزار روپے کی بچت بھی ہو جانے کی امید ہے۔ ان وجوہات پر میں نے احباب سے درخواست کی تھی کہ وہ تھوڑی سی قربانی کر کے اپنے اپنے حصہ کا روپیہ بجائے تین ماہ پر پھیلانے کے فوراً بھجوا دیں۔ مگر آخر جولائی تک صرف چودہ سو روپیہ کی رقم کا آنا بتاتا ہے کہ احباب نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ میں اس بات کو دہرانا چاہتا ہوں کہ اس وقت قوم اگر توجہ کرے اور پندرہ ہزار روپے کی رقم فوراً برلن بھجوا دی جائے تو قوم کا تین چار ہزار روپیہ بچ سکتا ہے۔ مجھے جو خطوط اس وقت تک پہنچے ہیں ان میں فرداً فرداً احباب نے بڑی قربانیوں کا نمونہ دکھایا ہے اور اپنی بڑی سے بڑی مشکلات کے باوجود تحریک کا روپیہ کسی نہ کسی طرح بھجوا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو بہت بہت جزائے خیر دے۔ بعض احباب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو رقم دفتر نے ان پر ڈالی ہے وہ ان کی آمد کی نسبت سے بہت زیادہ ہے۔ اور دس تا پندرہ یوم کی آمد کے اصول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ باوجود اس کے وہ مطالبہ کو ادا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نصرت کو ان کے شامل حال کرے۔ جس طرح انہوں نے خدا کے دین کی نصرت میں اپنے نفس

پر تکلیف اٹھا کر اور اپنے حصہ رسدی سے بڑھ کر حصہ لیا ہے واقعی دفتر سے جو مطالبات ہوئے ہیں ان میں کئی ایک احباب کی حالت میں میں نے دیکھا ہے کہ دفتر نے ان کے ذمہ رقم ڈالتے وقت ان کی آمدنی کو مدنظر نہیں رکھا بلکہ ان کے دل کو دیکھا ہے اور یہ سچ ہے کہ ایک اچھا دل خدا کی نعمتوں میں سے عظیم الشان نعمت ہے اور بہت مال سے بڑی نعمت ہے۔ مثلاً رامپور میں ہمارے ایک مسکین بھائی حاجی سعادت علی خاں صاحب ہیں۔ جنہوں نے خود اپنی عمر کا اندوختہ پانچ پانچ سو روپے کے دو عطیوں کی صورت میں انجمن کی نذر کر دیا ہے اور پانچ سو روپیہ کا ایک عطیہ ابھی برلن مسجد کی مرمت کے لئے انہوں نے دیا ہے۔ انہیں بہت ہی قلیل پنشن ملتی ہے۔ مگر دفتر نے ان کے ذمہ سوا سو روپیہ کی رقم پھر ڈال دی ہے۔ مجھے ان کی ہمت پر اور ان کے ایثار پر تعجب آیا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ میں اس مطالبہ کو بھی پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ تو جہاں یہ فرداً فرداً مثالیں ایثار کے عظیم الشان نمونے ہیں، تین قسم کے احباب سے میں فوراً کوئی ہمت افزا جواب سننے کی خواہش رکھتا ہوں۔ ان تین قسم کے احباب کی فوری توجہ کے بغیر قوم کا وہ چار پانچ ہزار روپیہ نہیں بچ سکتا، جس کے متعلق میں پہلے مفصل ذکر کر چکا ہوں۔

اول۔ اسودہ حال اصحاب ہیں۔ جن کے پاس خدا کا دیا ہوا مال موجود ہے۔ یا جن کی آمدنیاں معقول ہیں اور جنہوں نے اپنے خرچ بھی اپنی حیثیت کے مطابق رکھے ہوئے ہیں۔ احباب کا یہ حصہ اگر توجہ کرے اور اس بات کو مدنظر رکھے کہ جس خدا نے انہیں اپنے فضل سے زیادہ دیا ہے اب اس کے دین کی ضرورت کے لئے ان سے بھی مانگا جاتا ہے تو انجمن کی پیش آمدہ مشکلات فوراً حل ہو جاتی ہیں۔ خدا کی نعمتوں کی عملی شکر گزاری یہی ہے کہ جس قدر اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی نعمت زیادہ دی ہے اسی قدر زیادہ وہ اس کو خدا کی راہ میں خرچ بھی کرے۔ لیکن اگر کوئی دوست ایسے ہوں کہ وہ اپنے ذمہ کے مطالبہ کو اپنی پندرہ یوم کی آمد سے زیادہ سمجھتے ہوں تو ان کا اختیار ہے کہ وہ اپنے انداز سے اپنی پندرہ یوم کی آمد بھیج دیں۔

لطف کن مارا نظر بر اندک و بسیار نیست

دوم۔ انجمن کے عہدیداروں میں سے صرف راولپنڈی کی جماعت اور جماعت

گوجرانوالہ نے توجہ کی ہے۔ باقی جماعتوں کے اراکین اگر کچھ اپنی جگہ کر بھی رہے ہیں تو مجھے اس کا علم نہیں۔ کامیابی کا زیادہ انحصار صرف دو گروہوں پر ہے۔ ایک آسودہ حال احباب کا طبقہ۔ ایک انجمنوں کے ذمہ دار اراکین۔ انجمنوں کے سکرٹری اور پریزیڈنٹ اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ وہ تحریک کو کامیاب کریں۔ اگر وہ سستی سے کام لے رہے ہیں تو ان کی ساری جماعت کی غفلت کا بوجھ ان پر ہے۔

سوم۔ تیسرا گروہ معتمدین انجمن کا ہے۔ ان احباب پر قوم نے اعتماد کر کے انہیں اپنا نمائندہ بنایا ہے ان کا فرض ہے کہ وہ قوم کے بوجھ کو سب باتوں پر مقدم کریں اور اس وقت رقم مطلوبہ کے پورا کرنے کے لئے دیوانہ وار کام کریں۔ باوجود میرے پہلے بھی ان کو خصوصیت سے توجہ دلانے کے بہت تھوڑے معتمدین نے اس تحریک کے کامیاب بنانے میں دلچسپی دکھائی ہے۔ یہ لوگ قوم کے سردار ہیں۔ اور اگر سردار سست ہو جائیں گے تو قوم میں چستی اور زندگی پیدا نہیں ہوسکتی۔ میں خصوصیت سے ان تین گروہوں کو متوجہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے فرائض کو سمجھیں۔ موجودہ بیس ہزار کی چٹی ایک مصیبت کے رنگ میں ہم پر آ پڑی ہے۔ ایک دوست نے ذکر کیا کہ ان کے ایک دوست (قادیانی) نے ان پر طنز کی کہ تم کو جرمن مشن بہت مہنگا پڑا۔ ان کا جواب تو اسی قدر رہے کہ جرمن مشن اور جرمن مسجد سے بلا شبہ ہماری قوم پر بہت بوجھ پڑا۔ لیکن یہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس بوجھ کے برداشت کرنے کے قابل بنایا اور ہم نے ان کی طرح مسجد کو فروخت نہیں کیا۔

میں یہ بھی احباب کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس جماعت کو باوجود اس کی قلت کے اور باوجود ان کمزوریوں کے جو ہمیشہ گھر کے اندر والوں کو زیادہ نظر آیا کرتی ہیں۔ خدا کے دین کی اشاعت میں ایک عظیم الشان مقام حاصل ہے۔ خدا نے اس کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچایا ہے۔ دنیا کے قریباً ہر ملک میں اس کی جڑ لگا دی ہے۔ اس کے ذریعہ سے قرآن کریم اور اسلامی تعلیم 25 سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ ہو کر پہنچ گئی ہے۔ اور ابھی یہ کام پورے زور سے جاری ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ جماعت خدا کے فضل سے حضرت مسیح موعود کی صحیح تعلیم پر قائم ہے۔ اور اس کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کے نام لیواؤں کا غالی حصہ آہستہ آہستہ حق کی طرف آ رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں

کہ ہماری اٹھارہ سال کی کوشش جماعت کے غالی حصہ کی اصلاح کے لئے ناکام نہیں ہوئی۔ بلکہ مسلمانوں کی تکفیر کا عقیدہ اب ان میں بہت کمزور ہو گیا ہے۔ اور آہستہ آہستہ نابود ہو رہا ہے، اور شاید جلد ہی اس کا نام لینے والا بھی کوئی نہ رہے۔ ان کامیابیوں کے علاوہ، جو اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو اسلام اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت میں عطا فرمائی ہیں، یہ کوئی چھوٹی سی کامیابی نہیں۔ اب لے دے کر نبوت پر زور ہے۔ لیکن آپ یاد رکھیں کہ جس دن مسلمانوں کی تکفیر کا عقیدہ گیا، اسی دن نبوت کا عقیدہ خود جاتا رہے گا۔ دیوار گر گئی تو چھت کھڑی نہیں رہ سکتی۔ بہر حال یہ وقت ہے کہ ہمارے احباب عقائد صحیحہ کے ساتھ پورے جوش سے کام کریں۔ کیونکہ کامیابی کا انحصار زیادہ تر ہمارے کام پر ہی ہے۔ والسلام

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

۞۞۞

3 ستمبر 1932ء

خوش قسمت انسان

جو کھوئے گا وہ پائے گا

حضرت مسیح موعود کا فرمان

''خدا تعالیٰ نے متواتر ظاہر کر دیا ہے کہ واقعی اور قطعی طور پر وہی شخص اس جماعت میں داخل سمجھا جائے گا کہ اپنے عزیز مال کو اس راہ میں خرچ کرے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ تم دو چیز سے محبت نہیں کر سکتے اور تمہارے لئے ممکن نہیں کہ مال سے بھی محبت کرو اور خدا سے بھی۔ صرف ایک سے محبت کر سکتے ہو۔ پس خوش قسمت وہ شخص ہے کہ خدا سے محبت کرے اور اگر کوئی تم میں سے خدا سے محبت کر کے اس کی راہ میں مال خرچ کرے گا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اس کے مال میں بھی دوسروں کی نسبت زیادہ برکت دی جائے گی۔ کیونکہ مال خود بخود نہیں آتا بلکہ خدا کے ارادہ سے آتا ہے۔ پس جو شخص خدا کے لئے بعض حصہ مال کا چھوڑتا ہے وہ ضرور اسے پائے گا۔ لیکن جو شخص مال سے محبت کر کے خدا کی راہ میں وہ خدمت بجا نہیں لاتا جو بجا لانی چاہیئے وہ ضرور اس مال کو کھوئے گا۔''

ارشاد حضرت امیر ایدہ اللہ ''میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم ایک دفعہ آخری کوشش اس قرضہ سے نکلنے کے لئے کریں۔ ہمارا بیرونی قرضہ جرمن قرضہ کو شامل کر کے اس وقت تیس ہزار روپیہ کی رقم ہے۔ اور اگر جماعت کے امراء اور غرباء مل کر توجہ کریں تو ہماری قوم کا یہ بوجھ فوراً دور ہو سکتا ہے۔''

3 ستمبر 1932ء

ہندوستانی کس طرح ایک متحدہ قومیت بن سکتے ہیں

حضرت امیر ایدہ اللہ کا تبصرہ موجودہ ملکی حالات پر

گورنمنٹ کے اس فیصلے نے جس کی رو سے مختلف اقوام کی نشستوں کی مختلف کونسلوں میں تعین کر دی گئی ہے ملک کے بعض حصوں میں ایک ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ مگر یہی موقعہ ہے کہ رہنمایان قوم حالات پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے اپنی اپنی قوم کو صحیح راہ پر ڈالیں۔ لبرل پارٹی کے بعض ممبر اور کانگرس تو اس اوارڈ کے اس لئے مخالف ہیں کہ اس کے ذریعے جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کو قائم رکھا گیا ہے۔ ہندو اور سکھ اس لئے مخالف ہیں کہ اس سے پنجاب میں مسلمانوں کو اکثریت مل گئی۔ اور ان کے خیال میں مسلم راج قائم ہو گیا۔ مسلمان خود شاکی ہیں کہ ان کی پنجاب کی اکثریت جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کے ذریعہ سے قائم نہیں ہوئی بلکہ اس کا انحصار چند مخلوط حلقہ ہائے انتخاب پر ہے۔ اور کہ بنگال میں ان کی 56 فیصد آبادی کو 48 فیصد نشستیں ملی ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جس امر کے سلجھانے کے لئے خود مختلف اقوام کے رہنما کم وبیش دس سال مصروف کار رہے اور وہ مشکل حل نہ ہو سکی۔ کسی تیسرے فریق کے لئے، خواہ وہ گورنمنٹ انگلستان ہوتی یا کوئی اور ثالث ہوتے، یہ ناممکن تھا کہ کوئی ایسی صورت پیدا کر لی جاتی جس سے یہ سب فریق خوش ہو جاتے اور ہندوستان کی مشکلات کی گتھی سلجھ جاتی!

اقلیتوں کا عدم اعتماد: جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستانی ایک متحد قومیت بن جائیں اور متحدہ قومیت بننے میں ہی ہندوستان کی مشکلات کا حل ہے۔ انہیں بے صبری سے کام لینے کے بجائے واقعات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔ واقعات یہ ہیں کہ ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہیں۔ اور ہندو مسلم فسادات نے نہایت خطرناک نوعیت اختیار کر لی ہے۔ ان حالات میں اگر دوسری اقلیتوں کا سوال نہ بھی ہوتا تو آٹھ کروڑ مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے بغیر کوئی گورنمنٹ جداگانہ انتخاب کے اصول کو، جو انہیں مشکلات کی وجہ سے مروج کیا گیا تھا، چھوڑ نہ سکتی تھی۔ ہندو مسلم سوال گورنمنٹ کا پیدا کردہ یا خود ہندو مسلمانوں کا پیدا کردہ ہے۔ اس سوال میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اختلاف موجود ہے اور ایسا خطرناک اختلاف موجود ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ بات پر دونوں

قومیں ایک دوسرے کے بے گناہ آدمیوں کو قتل کرنے پر اتر آتی ہیں۔

ہندو مسلم فسادات: کسی شہر میں ایک افواہ نکل جائے کہ کسی مسلمان کو ہندوؤں نے قتل کر دیا ہے یا کسی ہندو کو مسلمانوں نے مارا ہے تو مسلمان ہندوؤں پر اور ہندو مسلمانوں پر حملے کے لئے نکل پڑتے ہیں۔ اور رہگزروں اور پر امن محلّہ داروں میں سے جو قابو آجائے اس کو وحشیانہ رنگ میں قتل کرتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور عورتیں اور بوڑھے، جن کو قانون جنگ بھی قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا، بے خبری میں مارے جاتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ ان حالات میں مخلوط انتخاب ہندوستانیوں کو ایک متحدہ قوم بنادے گا یا جلتی ہوئی آگ پر تیل کا کام دے گا!

مخلوط انتخاب فساد کو بڑھانے کا موجب ہے: انتخاب کے ساتھ تو فساد لازم ملزوم کی طرح لگا ہوا ہے۔ جہاں دو مسلمان ایک دوسرے کے بالمقابل ہوں یا دو ہندو امیدوار ایک دوسرے کے مقابل ہوں وہاں بھی مدتوں کے تعلقات ہی منقطع نہیں ہو جاتے بلکہ اس کی جگہ دشمنی پیدا ہو کر فساد تک نوبت پہنچتی ہے۔ لیکن یہ فسادات کوئی زیادہ خطرناک صورت اس لئے اختیار نہیں کرتے کہ مسلمانوں کے اندر آپس میں اور ہندوؤں کے اندر آپس میں پھر بھی ایک اتحاد اور اعتماد موجود ہے۔ لیکن جب ہندو کے مقابل پر مسلمان امیدوار ہوگا اور مسلمان کے مقابل پر ہندو، اور ایک طرف سے ہندو سور مالٹھ باندھ کر اپنے ہندو امیدوار کی تائید میں کھڑے ہوں گے اور دوسری طرف مسلمان مسلمان کی تائید میں زور شور سے نکلیں گے تو پولیس کے سارے انتظاموں کے باوجود تصادم کا واقع ہونا یقینی بات ہے۔ مگر یہ فساد دو امیدواروں کے حامیوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ جہاں یہ خبر نکلی کہ ایک مسلمان کا سر پھٹ گیا ہے۔ یا ایک ہندو کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے، وہاں وہی آگ مشتعل ہو جائے گی جو ہمارا روز کا تجربہ ہے۔ اور ہندو مسلمانوں کو اور مسلمان ہندوؤں کو مارنے کے لئے گھروں سے نکل پڑیں گے۔ اور اس وقت وہ لیڈر جو اس وقت بغیر سوچے سمجھے مخلوط انتخاب کی رٹ لگا رہے ہیں، خواہ گھروں میں بیٹھے باتیں کرتے رہیں، خواہ مصالحت کی تجویزیں کرتے رہیں، ہر شہر کانپور اور بمبئی بن جائے گا۔

مخلوط انتخاب کی اشتہاری دوائی: یہ کوئی فرضی تصویر نہیں واقعات ہیں۔ جو ہر شہر میں ادنیٰ سے ادنیٰ جھگڑے پر نمودار ہوئے اور جو ہم میں سے ہر ایک ہر روز دیکھتا ہے۔ تو جب کونسلوں کا انتخاب بیک وقت سارے شہروں اور دیہات میں ہوگا اور جگہ جگہ یہ تصادم ہوں گے تو کوئی پولیس بھی نہ انتظام کو قائم رکھ

سکے گی نہ فساد کو فرو کر سکے گی۔ مخلوط انتخاب تو ضرور آنا چاہئے مگر اسی وقت اس کا آنا مفید ہو سکتا ہے۔ جب ہندوؤں اور مسلمانوں کی موجودہ ذہنیت بدل جائے اور ہندو کے قتل کے نام پر ہندو اندھے نہ ہو جائیں اور مسلمان کے قتل کے نام پر مسلمانوں کی آنکھیں بند نہ ہو جائیں۔ ورنہ مخلوط انتخاب بجائے متحدہ قومیت پیدا کرنے کے ایسی آگ لگائے گا کہ جو کچھ اتحاد کی امید ہے وہ بھی جاتی رہے گی۔ مخلوط انتخاب آج محض ایک اشتہاری دوائی بنی ہوئی ہے۔ اور سمجھا جاتا ہے کہ جس طرح امرت دھارا کی ایک شیشی گھر میں رکھ لینے سے ساری بیماریاں دور ہو جاتی ہیں، اسی طرح جس دن شام کو مخلوط انتخاب کا اعلان ہو گیا، ایک رات کے اندر اندر ہندوستان کی تمام بیماریاں کافور ہو جائیں گی اور صبح کو ہندو مسلمانوں کے گلے مل رہے ہوں گے اور مسلمان ہندوؤں کے۔ اور تمام کے تمام بندے ماترم کے نعرے لگا رہے ہوں گے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی ذہنیت سوتے سوتے بدل جائے گی اور شاید صبح اٹھتے ہی یہ احساس بھی ملک میں نہ رہے گا کہ رات کو کون ہندو تھا اور کون مسلمان؟!

قوم کی موجودہ تربیت: آج اگر قوم کی تربیت کو دیکھو تو اس رنگ میں ہو رہی ہے کہ پرانی تاریخ سے جو کوئی چھوٹا موٹا واقعہ مل سکے کہ فلاں مسلمان نے فلاں ہندو پر ظلم کیا تھا، اسے ایک ظلم کا پہاڑ بنا کر مسلمان حکم رانوں کی ایسی تصویر کھینچی جاتی ہے کہ یہ گویا دنیا کی بدترین قوم ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی صرف اس غرض کے لئے کی جاتی ہے کہ اس سے وہ واقعات نکالے جائیں جہاں کسی مسلمان نے کسی ہندو کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو یا کسی ہندو نے مسلمانوں کا مقابلہ کر کے انہیں خوب مارا ہو۔ اور یہ لوگ ہیرو بنائے جاتے ہیں اور ان کی یادگاریں قائم کی جاتی ہیں اور برسیاں منائی جاتی ہیں۔ تاکہ نفرت کے یہ نظارے ہر سال تازہ ہو کر قوم کے دلوں کو مسموم کرتے رہیں۔ قوموں میں نفرت پھیلے اور ایک دوسرے پر اعتماد بالکل زائل ہو جائے۔ ہندو پرانے ظلموں کو رو رہے ہیں۔ اس بات پر فخر کیا جاتا ہے کہ نوجوانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض پیدا کیا جائے۔ ایک قوم دوسری قوم کی کسی خوبی کا ذکر کرنا گناہ سمجھتی ہے۔ ایک دوسرے کے مذہبی پیشواؤں کو جو بُرا کہے اس کی پشت پر ساری قوم ہوتی ہے۔ لٹریچر وہ اچھا بکتا ہے جس میں دوسروں کو بُرا کہا گیا ہو۔ ایک ناہنجار پراگراس کی ناپاک تحریروں کی وجہ سے مقدمہ چلتا ہے تو ساری قوم اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ ان واقعات پر غور کرو۔ پہلے اعتماد پیدا کرو۔ یہ سب کچھ

ہمارے اندر ہو رہا ہے یا نہیں۔ تو کیا وہ ذہنیت جو آج مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے کی دشمنی میں اندھا کر رہی ہے، وہ مخلوط انتخاب سے دور ہو گی یا مخلوط انتخاب اس آگ پر تیل کا کام دے گا؟ پہلے ان اسباب کو دور کرو جو دونوں قوموں میں بغض اور نفرت پھیلا رہے ہیں۔ قوم کی تعلیم اور تربیت کے وہ سامان فراہم کرو جن سے ایک دوسرے پر اعتماد پیدا ہو۔ ایک دوسرے کے بزرگوں کا احترام دلوں میں ہو۔ ایک قوم دوسری پر اعتماد کرنا سیکھے۔ پھر مخلوط انتخاب خود ہی آ جائے گا۔

ہندوؤں اور سکھوں کی کونسل آف ایکشن: مگر عوام الناس کی حالت کا کیا کہنا جب خود لیڈروں کی یہ حالت ہے کہ ایک قوم کو دوسری پر اعتماد سکھانا تو ایک طرف رہا، سب سے پہلے وہ خود کھڑے ہوتے ہیں کہ دوسری قوم کو نیچا دکھائیں گے۔ اور اس طرح اپنی قوم کے اندر ہیرو بنیں گے۔ ایک طرف تو قومیت کا رونا ہے اور سوراج کی پکار ہے۔ لیکن اگر اس سوراج میں کہیں مسلمانوں کو اکثریت مل جائے تو ایک طرف سکھ ایک کونسل آف ایکشن بنا کر گرو گرنتھ صاحب پر حلف لے رہے ہیں کہ مٹ جائیں گے مگر مسلم راج قائم نہ ہونے دیں گے اور دوسری طرف ہندو بھی پیچھے نہیں رہتے۔ وہ ایک کونسل آف ایکشن بنا کر سکھوں کی پشت پناہ بنتے ہیں۔ آخر یہ مٹنے کی تیاری کس بات پر ہے؟ کوئی قوم مر مٹنے کا فیصلہ اس وقت کرتی ہے جب اسے یہ معلوم ہو کہ اس پر نہایت درجہ ظلم کر کے اسے ذلیل کر کے مارنے کی تجویز کی گئی ہے۔ تو کیا اس اوارڈ میں سکھوں اور ہندوؤں پر کوئی ظلم عظیم ہوا ہے اور کیا ان کی ہستی معرض خطر میں پڑ گئی ہے؟!

مختلف صوبوں کی فرقہ وار نشستیں: اوارڈ میں یہ ہوا ہے کہ جداگانہ انتخاب کی بنا پر ہر ایک صوبہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں اور دیگر اقوام کی نشستیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ اور کچھ مخصوص حلقے عموماً مخلوط رکھ لئے گئے ہیں۔ اب مختلف صوبوں کی یہ حالت ہے کہ جداگانہ انتخاب کے ذریعہ سے مدراس میں ہندوؤں کو 71 فیصد نشستیں حاصل ہوں گی اور مسلمانوں کو گیارہ فیصد۔ بمبئی میں ہندوؤں کو ساڑھے تراون اور مسلمانوں کو ساڑھے اکتیس (اگر سندھ ساتھ رہے ورنہ بمبئی میں ہندوؤں کو 68 فیصد اور مسلمانوں کو 7 فیصد۔ یو۔ پی میں ہندوؤں کو 63 فیصد مسلمانوں کو 29 فیصد۔ بہار اڑلیہ میں ہندوؤں کو 61 فیصد مسلمانوں کو 62 فیصد ممالک متوسط میں ہندوؤں کو 32 فیصد اور مسلمانوں کو 48 فیصد صوبہ سرحدی میں مسلمانوں کو 72 فیصد اور ہندوؤں اور سکھوں کو 26 فیصد اور بالآخر پنجاب میں مسلمانوں کو 49 فیصد اور ہندوؤں اور

سکھوں کو 43 فیصد۔

ہندو مسلم راج: اب آئینی اکثریت جداگانہ انتخاب کے ذریعہ سے پانچ صوبوں میں ہندوؤں کو حاصل ہے۔ ایک میں مسلمانوں کو۔ دو میں کسی کو بھی نہیں اور انہی دو میں پنجاب بھی ہے۔ البتہ مخلوط انتخاب میں پنجاب میں مسلمانوں کو اس قدر نشستیں لے لینے کی توقع ہے کہ وہ پنجاب میں ساڑھے اکاون فیصد ہو جائیں۔ مگر بنگال میں وہ بہرحال اقلیت ہی میں رہیں گے۔ تو اب اگر بربنائے جمہوریت حکومت اکثریت کی مانی جائے تو پانچ صوبوں میں ہندو حکمران ہوں گے اور زیادہ سے زیادہ دو میں مسلمان۔ یا اگر ہمارے ہندو اور سکھ دوستوں کی منطق اور اصطلاح لی جائے تو پانچ صوبوں میں ہندو راج ہوگا اور دو میں مسلم راج۔ پس مسلم راج کے ماتحت ہندوؤں نے مر مٹنے کے لئے تیار ہونا ہے تو ہندو راج کے ماتحت مسلمان مر مٹنے کو تیار ہو جائیں گے۔

اگر ہندو مسلم راج کے ماتحت نہیں رہ سکتے تو مسلمان ہندو راج کی ماتحتی کیوں قبول کریں گے۔ اگر ہندوؤں اور سکھوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ پنجاب کو وہ خود مختار صوبہ نہیں ہونے دیں گے جب تک وہاں مسلم راج یا مسلمانوں کی اکثریت ہے تو کیا مسلمان یہ کہنے میں حق بجانب نہ ہوں گے کہ وہ ہندوستان کے باقی پانچ صوبوں کو خود مختار نہ ہونے دیں گے جب تک کہ وہاں ہندو راج یا ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ تو ہمارے ہندو اور سکھ دوست ایک لمحہ کے لئے ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ جس بات کو وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتے، اسے دوسرے کے لئے کیوں پسند کرتے ہیں؟ اور جس بات کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اسے دوسرے کے لئے کیوں پسند نہیں کرتے! کیا اس بنا پر ہمسائیگی کے تعلقات قائم رہ سکتے ہیں۔ کیا ان باتوں سے کبھی ہندوستان میں متحدہ قومیت قائم ہو سکتی ہے؟!

ہندو مسلم راج کی تفریق کرنے والے کون ہیں؟: اگر ہمارے ہندو اور سکھ دوستوں کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان کو متحدہ قوم بننا چاہئے اور اگر واقعی انہیں جداگانہ انتخاب ناپسند ہے تو انہیں اس بات کا نام بھی نہ لینا چاہئے کہ پنجاب میں مسلم راج قائم ہو گیا اور اگر پنجاب میں مسلم راج ہے تو کیا ہندوستان کے باقی پانچ صوبوں میں ہندو راج نہیں؟ مگر وہ غور کریں کہ یہ ہندو اور مسلم راج کی تفریق پیدا کرنے والے کون لوگ ہیں؟ وہی لوگ جو قوم پرستی کے مدعی ہیں، وہی جو چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں متحدہ قومیت

ہو۔ وہی جو کہتے ہیں کہ ہندو مسلمان کا نام مت لو۔ سب کو ہندوستانی کہو۔ افسوس کہ جن کو فرقہ واری کے جذبہ سے معمور کہا جاتا ہے وہ تو ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتے کہ پانچ صوبوں میں ہندو راج قائم ہو گیا اور وہ جو قوم پرست کہلاتے ہیں اور اپنے اندر قومیت کا جذبہ بتاتے ہیں، وہ ہندو اور مسلم راج کی تفریق پیدا کر رہے ہیں اور مسلمانوں سے اس قدر بیزار ہیں کہ قسمیں کھا چکے ہیں کہ پنجاب میں انگریزی حکمران رہیں مگر مسلمان نہ ہوں۔ کیا یہی وطن پرستی ہے؟ یہی قومیت کا جذبہ ہے۔

پنجاب کی اکثریت اور فیڈریشن: مسلمان تو یہ بھی جانتے ہیں کہ پنجاب میں ان کی ڈیڑھ فیصد کی کثرت کس قدر کمزور کثرت ہے اور باوجود اس کے ان کے سر پہ ہند کی حکومت اعلیٰ ہے۔ فیڈریشن ہے جہاں ان کے ایک کے مقابل دو ہوں گے۔ تو پنجاب میں ڈیڑھ فیصد اکثریت ان کو کیا فائدہ دے گی۔ مگر یہ کمیونسٹ تو ہندوستان کی حکومت کو اپنی حکومت کہتے ہیں۔

حکومت نیشنلسٹوں کی ہوگی: اور ابھی یہ ڈیڑھ فیصد کی کثرت بھی ایک موہوم امر ہے۔ کیونکہ ہندوؤں اور سکھوں میں سے کسی کا مسلمانوں کے ساتھ ملنا تو ایک موہوم امید ہے۔ بلکہ اس وقت یونینسٹ پارٹی کے ہندو ممبر بھی اسی مسلمانوں کی ڈیڑھ فیصد اکثریت کو رو رہے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا تو ایک گروہ، جو نیشنلسٹ کہلاتا ہے، ہندوؤں کے ساتھ ہے۔ اور ہر بات میں ان کا ہمنوا ہے۔ ہمارے ہندو دوست بھی ایک دلچسپ قوم ہے۔ جب جداگانہ اور مخلوط انتخاب کا سوال ہو تو کہتے ہیں کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ لیکن ان کو یہ بھول گیا ساڑھے اکاون فیصد میں نیشنلسٹ بھی تو ہیں جو ان کے ساتھ ہیں۔ اگر ان کی کثرت ہے تو پھر تو سمجھئے کہ مسلم راج بمشکل بیس فیصد رہ گیا۔ اور حکومت نیشنلسٹوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔

لیکن اگر نیشنلسٹ دس فیصد بھی ہیں تو پھر بھی 90 میں سے نو نشستیں وہ لے جائیں گے اور وہ مسلمان، جن پر مسلم راج کا نام آتا ہے، 80 یا 81 رہ جائیں گے اور نیشنلسٹ، جن میں ہمارے ہندو اور سکھ اور کچھ مسلمان نیشنلسٹ شامل ہیں، 95 ہو جائیں گے۔ پھر بھی حکومت نیشنلسٹوں کی ہوئی۔ اگر وہ 5 فیصد بھی ہوں اور 5 نشستیں بھی لے جائیں اور اس کے قریب قریب تعداد پہلے چھوٹی سی پنجاب کونسل میں بھی مسلمان نیشنلسٹوں ہی کی رہی ہے تو بھی کثرت نیشنلسٹوں کی ہی ہوئی۔ تو فرمائیے کہ مسلم راج کہاں ہے؟! راج تو بہر حال نیشنلسٹوں کا ہوا۔ خواہ چار ہی مسلمان نیشنلسٹ کونسل میں آویں۔

مسلمان نیشنلسٹ اور ہندو: اب اگر ان نیشنلسٹوں کا یہ جرم ہے کہ وہ مسلمان کہلاتے ہیں، اس لئے ان پر ہندوؤں اور سکھوں کو اعتماد نہیں۔ تو جو سب کچھ ہندوؤں کے لئے دے چکے، ان پر بھی اگر ہندوؤں کو اعتماد نہیں تو فرمائیے کہ باقی مسلمان ان حالات کو دیکھ کر ہندوؤں کے ساتھ ہونے کے لئے کس طرح تیار ہوں گے! رہا یہ کہ اس بے اعتمادی کی صورت میں بھی ہمارے نیشنلسٹ بھائیوں کے اندر غیرت ملی پیدا ہوگی یا نہیں؟ یہ وہ جانیں۔ مگر نیشنلسٹ ہندوؤں نے نیشنلسٹ مسلمانوں کی ذلت میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ خواہ وہ خود یہ کہیں کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں پھر مسلمان۔ مگر ہندو نیشنلسٹ انہیں ہندوستانی ماننے کے لئے تیار نہیں۔

ظلم کس کے ساتھ ہوا؟: افسوس کہ ہمارے سکھ بھائیوں نے بہت ہی جلد بازی کی اور ہندوؤں نے، جو اس جلد بازی کو خوب سمجھتے ہیں، محض مسلمانوں کو نیچا دکھانے کے لئے ان کی پیٹھ ٹھونکی ہے۔ ورنہ ظلم نہ سکھوں کے ساتھ ہوا نہ ہندوؤں کے ساتھ ہوا۔ اگر ہوا تو مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ مسلمان، جو پنجاب میں ساڑھے باون فیصد تھے، ان کو ساڑھے اکاون فیصد کی نیابت ملی۔ اور بنگال میں اکاون فیصد تھے ان کو 48 فیصد نیابت ملی اور ہندوؤں کی اکثریت کسی صوبہ میں اس قدر تنگ نہیں۔

اگر مخلوط انتخاب چاہتے ہو!: بہر حال آخر میں یہ عرض ہے کہ ہمارے ہندو اور سکھ اہل وطن واقعات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اور بجائے ایسی حلفیں اٹھانے کے، جن کی غرض اپنے مسلمان بھائیوں پر ظلم کرنا اور ان کو ان کی جائز اکثریت سے محروم کرنا ہے، کوئی ایسا طریق اختیار کریں جس سے باہمی محبت اور اعتماد ترقی کرے۔ اور ان دس سال کے اندر ہم ایک متحدہ قومیت قائم کر کے دس سال کے بعد دنیا کو یہ کہنے کے قابل ہوں کہ ہم ہندوستانی اب ایک متحدہ قومیت ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے پر اعتماد ہے۔ اس لئے جداگانہ انتخاب کی بجائے ہمیں مخلوط انتخاب دیا جائے۔ اور اگر اس وقت عاقبت اندیشی سے کام نہ لیا گیا تو نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ ذہنیت، جو آج ہندو مسلمانوں کو لڑوا رہی ہے، ترقی کرتی جائے گی اور جداگانہ انتخاب کو مسلمان اور دیگر اقلیتیں کبھی چھوڑنے کو تیار نہ ہوں گی۔ اور اتنی بڑی قوم کے اطمینان کے بغیر کوئی گورنمنٹ ان کے سر پر مخلوط انتخاب کو نہ لا سکیں گی۔ محمد علی پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

۞۞۞

3 ستمبر 1932ء

حضرت امیر کے قلم سے

مولوی ثناء اللہ صاحب کا ''محبت نامہ''

جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا ایک اور اشتہار بنام ''محبت نامہ'' مجھے موصول ہوا ہے۔اس سے پہلے وہ ایک اشتہار بنام ''مؤدت نامہ'' شائع کر چکے ہیں۔جس کا جواب میں نے لکھ دیا تھا۔مگر تعجب ہے کہ مولوی صاحب نے اپنی پہلی تحریر کو تو دہرایا مگر میرے جواب کا ذکر تک نہیں کیا۔

مولوی ثناء اللہ صاحب اور میں: یہ عجیب بات ہے کہ مولوی صاحب اپنے ہر دو اشتہار کے عنوان تو ''مؤدت نامہ'' اور ''محبت نامہ'' تجویز کرتے ہیں۔لیکن اپنے ہر دو اشتہاروں میں مجھے خطاب کرتے ہوئے انہیں اسلام علیکم تک کہنے کی توفیق نہ ملی۔میں جانتا ہوں کہ مولوی صاحب میدان مناظرہ کے پرانے پہلوان ہیں۔اور ان تمام باتوں سے واقف ہیں۔جن سے اپنے ساتھیوں سے داد لینا اور ''شیر'' اور ''فاتح'' کا خطاب حاصل کر لینا آسان ہے۔اور غالباً اشتہارات کے شائع کرنے سے بھی ان کا منشا یہی ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ مولوی صاحب جیت گئے۔مگر میں انہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرا مذاق ان سے بعد المشرقین رکھتا ہے اور میں وقت کو باہمی جھگڑوں میں ضائع کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔جب تک کہ کوئی غرض حاصل نہ ہوتی ہو۔اور اسی کی طرف میں نے انہیں ان کے ''مودت نامہ'' کے جواب میں توجہ دلائی تھی۔

''شریفانہ'' یا ''ظریفانہ'' گفتگو: مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ وہ تحریری مباحثہ کرنا نہیں چاہتے۔یہ چاہتے ہیں کہ لاہور میں ایک معزز مجلس کے نام سے ایک دنگل لگایا جائے۔وہ فرماتے ہیں کہ ''لاہور ایک علمی مرکز ہے۔اس میں ہر طرح کے تعلیم یافتہ، ہر طرح کے معزز چوٹی کے لوگ رہتے ہیں۔ممبران کونسل، ممبران انجمن حمایت اسلام، ممبران انجمن اہلحدیث، ممبران انجمن احمدیہ قادیان اور لاہور، ججانِ ہائیکورٹ، ممبران بلدیہ، علمائے کرام، صوفیاء عظام، پروفیسران وغیرہ ہم کو دعوتی کارڈ بھیجے جائیں۔گویا یہ دعوت بھیجنا ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ مولوی صاحب اپنی پرانی عادات کو چھوڑ دیں گے اور بجائے پھبتیاں اڑانے کے، جو ان کا مناظرانہ طریق ہے، ''شریفانہ'' گفتگو کریں گے۔کاش! ایسا لکھنے سے پہلے مولوی صاحب چند ممبران کونسل، ججان ہائیکورٹ اور پروفیسروں سے وعدے بھی لے لیتے کہ اگر

مولوی صاحب اس قسم کا دنگل قائم کریں گے تو وہ ضرور کئی دنوں تک کونسلوں اور ہائیکورٹ کو چھوڑ کر ان کی شریفانہ یا ظریفانہ گفتگو سننے کے لئے تشریف لائیں گے۔ رہا مولوی صاحب کا یہ یقین دلانا کہ ان کی گفتگو ''شریفانہ'' ہوگی۔ سو اور مقامات کے متعلق تو صرف میری شنید ہے۔ البتہ دربار رام پور میں آج سے کوئی بیس بائیس سال پیشتر کا میرا تجربہ ہے۔ جہاں باوجود نواب صاحب کی موجودگی کے وہ اپنی زبان کو روک نہ سکے تھے۔ اور ہمارے فریق کو مباحثہ بند کرنا پڑا۔

ثنائی دلائل کا نمونہ: مشکل یہ ہے کہ جو صورت مولوی صاحب تجویز کرتے ہیں۔ اس میں نتیجہ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ مولوی صاحب کے ساتھی، جن کی کثرت ہوگی، مولوی صاحب کی ''فتح'' پر نعرے لگا دیں گے۔ اس فتح کا فیصلہ تو پہلے سے ہو چکا ہوگا۔ بات وہ ہے جو تحریر میں آ جائے اور اس کے موازنہ کرنے کا موقع ہو۔ میں تو حال میں ایک معزز مجلس میں مولوی صاحب کے دلائل کا مشاہدہ کر چکا ہوں جہاں عورتوں کو ورثہ دینے کا سوال تھا اور اس رواج کے بجائے، جس کی رو سے عورتیں محروم الارث ہیں قانون شریعت کو ملکی قانون بنانے کا سوال تھا، وہاں مولوی صاحب نے عورتوں کو زمینیں اور جائدادیں دینے کے خلاف یہ انوکھی دلیل دی تھی کہ قرآن شریف میں حکم ہے لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (5:4) یعنی کم عقل لوگوں کے حوالے اپنے وہ مال نہ کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے قیام کا موجب بنایا ہے۔ تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ سب عورتیں سفہاء میں داخل ہیں۔ اس لئے جائدادیں ان کو نہ دینی چاہئیں۔ اگر اس قسم کی دلیل مولوی صاحب کسی مناظرہ میں دیں تو ان کے ساتھی پھر بھی ان کو ''شیر'' اور ''فاتح'' کا خطاب ہی دیں گے!

گفتگو کی شرائط: میں اپنا وقت ایک دنگل لگا کر ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے میں نے پہلے بھی مولوی صاحب کو یہ لکھا تھا کہ جب تک دلائل کے موازنہ کی کوئی صورت نہ ہو، تب تک میں ایسی گفتگو کو تضیع اوقات خیال کرتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کے مختلف پہلو بھی لکھ دیئے تھے۔ اگر مولوی صاحب کو وہ میری تحریر منظور ہے تو وہ اعلان کر دیں۔ اگر نہیں تو اس اشتہار بازی سے وہ شاید اپنے کام کو تو فائدہ پہنچا رہے ہوں گے، مگر میرے کام کو نقصان پہنچتا ہے۔ جو ہمارا وقت اور روپیہ اعداء اسلام کے مقابل پر خرچ ہونا چاہئے وہ نکمی بحثوں پر اور اپنی مزعومہ فتح منانے پر خرچ ہو رہا

ہے۔اب میں مکرر یہ اعلان کرتا ہوں کہ ذیل کی تین شرائط سے میں مولوی صاحب سے گفتگو کرنے پر تیار ہوں۔ان سے میں ایک بات کو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔یہ بھی مولوی صاحب کے اصرار کی وجہ سے ہے۔

اول۔ یہ کہ جو کچھ دلائل ہوں وہ تحریری ہوں۔تا کہ سوائے چند سننے والوں کے وہ دوسرے لوگوں تک بھی پہنچ سکیں۔

دوم۔ یہ کہ ان تمام مسائل پر اسی ترتیب سے دلائل ہوں گے، جو میں پہلے مولوی صاحب کے مودت نامہ کے جواب میں لکھ چکا ہوں۔وہ یہ ہیں۔

الف۔کیا ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا ضروری ہے یا نہیں۔اور چودھویں صدی کا مجدد کون ہے؟

ب۔کیا حضرت عیسٰیؑ فوت ہو گئے ہیں۔یا بجسد عنصری چوتھے آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں؟

ج۔کیا حضرت عیسیٰؑ کے خود واپس آنے سے ختم نبوت کا عقیدہ باطل ہوتا ہے یا نہیں؟

د۔کیا اس امت میں آنے والا مسیح حضرت عیسٰی نبی اللہ ہیں یا کوئی اور؟

ھ۔دجال اور یاجوج و ماجوج کون ہیں؟

و۔کیا حضرت مرزا صاحب اشتہار ''آخری فیصلہ'' سے صادق ثابت ہوتے ہیں یا مفتری؟

سوم۔ یہ کہ دلائل کے موازنہ کے لئے بارہ آدمی مقرر ہوں گے۔ چھ احمدی جن کا انتخاب مولوی صاحب کریں گے۔ چھ غیر احمدی جن کا انتخاب میں کروں گا۔ ہر ایک مسئلہ پر سوال وجواب ہو چکنے کے بعد یہ بارہ آدمی اپنی رائے کا اظہار کر دیں گے۔اگر سات آدمی یا سات سے زیادہ میرے دلائل کے غالب ہونے کی رائے ظاہر کریں گے تو مولوی صاحب اپنی مغلوبیت کا اعتراف کر لیں گے۔ اور اگر سات آدمی یا اس سے زیادہ مولوی صاحب کے دلائل کے غالب ہونے کی رائے ظاہر کریں گے۔تو میں اپنی مغلوبیت کا اعتراف کرلوں گا۔اگر ہم اپنے فریق مخالف میں سے ایک کو بھی قائل نہیں کر سکتے تو فتح کا ڈنکا بجانا،ایک طرف سے ہو یا دونوں طرف سے، بے معنی ہے۔

اگر دلوں میں عاقبت کا خوف ہے:ان تینوں شرائط میں سے اگر ایک بھی مولوی صاحب کو منظور نہیں تو میں اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔مولوی صاحب کی تحریریں بھی دن رات نکلتی ہیں۔ مجھے بھی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے اس کے مطابق امر حق کو ظاہر کرتا رہتا ہوں۔ ما بخیر وشما بسلامت۔اپنی اپنی جگہ کام

میں لگے رہیئے۔ اور اگر واقعی ہمارے دلوں میں عاقبت کا خوف ہے اور یہ احساس ہے کہ اب ہم جلد خدا کو ملنے والے ہیں تو اس کو اپنی روش میں ظاہر کرنا چاہیئے۔ دعوؤں سے کچھ نہیں بنتا۔

گالیوں کا وظیفہ: ہاں! میں مولوی صاحب کو ایک اور راستہ بھی بتاتا ہوں۔ جس پر چلنے سے ان کی خواہش مقابلہ بھی پوری ہو سکتی ہے اور خدمت اسلام کے کام کو بھی قوت پہنچ سکتی ہے۔ کیوں نہ اس رنگ میں مقابلہ کریں وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (148:2) یہ تو ارشاد خداوندی ہے کہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اگر مولوی صاحب تنہائی کی گھڑیوں میں حضرت مرزا صاحب کو دجال قرار دینے اور گالیاں دینے اور ان کی مخالفت کرنے میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں تو عظیم الشان خدام دین کے لئے گالیوں کا وظیفہ کرنے والے پہلے بھی مسلمانوں میں موجود ہیں۔ مگر گالیوں سے نہ گالی دینے والے کا کچھ بنتا ہے نہ جس کو گالی دی جائے اس کا کچھ بگڑتا ہے۔ اور میں مولوی صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ تنہائی کی گھڑیوں میں خوب سوچ سمجھ کر سب باتوں پر غور کر کے، حضرت مرزا صاحب کی جو کچھ مخالفت ہو رہی ہے، اس کو بھی سامنے رکھ کر، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب ہی اس صدی کے مجدد ہیں۔ اور وہی اسی امت کے مسیح موعود ہیں اور کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں۔ اور واپس آنے والے نہیں۔ باللہ العظیم میں اس بات کو حق سمجھتا ہوں تو مولوی صاحب مجھے میرے طریق پر چھوڑ دیں۔ بقول مجدد ؎ رو بہ اسلام خود و مارا بکفر ما گذار

تین سال کے لئے ایک تجویز!: لیکن ہم دونوں اپنی اپنی جماعت کے ساتھ کسی نیکی کے کام میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ مجھے مولوی صاحب نے ایک تبلیغی جماعت کا سردار لکھا ہے تو میرا فرض تبلیغ ہے۔ اور خدا کے فضل سے میں اور میری جماعت حتی المقدور اس فرض کو ادا کر رہے ہیں۔ یورپ میں بھی تبلیغی مرکز قائم کئے ہیں۔ ایشیاء میں بھی۔ خود ہندوستان میں بھی۔ قرآن کریم اور سیرت نبوی کو کئی زبانوں میں ترجمہ کر کے یورپ اور ایشیاء کی مختلف قوموں تک پہنچایا ہے۔ کفرستانوں میں مسجدیں بنائی ہیں۔ مولوی صاحب کو خود بھی اس پر فخر ہونا چاہیئے کہ وہ دین اسلام کے مبلغ بنیں۔ تو جو کچھ کام ہم دونوں اس وقت کر رہے ہیں۔ اس میں اگر کوئی حصہ ایک دوسرے کی مخالفت کا ہے تو اسے تین سال کے لئے چھوڑ دیں۔ اگر بفرض محال حضرت مرزا صاحب بُرے ہی تھے تو میں نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن یہ مواخذہ بھی کسی سے کرے گا کہ تم نے فلاں شخص کو دجال اور کذاب کیوں نہیں کہا۔ یا یہ کہ گو تم نے ساری عمر تو فلاں شخص کو دجال اور کذاب کہنے میں صرف کی۔ لیکن تمہاری زندگی میں تین سال ایسے بھی گزرے، جب تم نے اپنے مسلمان بھائی کو، جس نے تم سے بڑھ کر خدمت اسلام کی اور جس نے اپنے ساتھیوں میں خدمت اسلام کے لئے قربانی کرنے کا جذبہ پیدا کیا، اور جس کی وجہ سے قرآن شریف اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا کی مختلف آبادیوں میں پہنچا اور جس کی تحریک سے ان کفرستانوں میں اللہ اکبر کی آواز بلند ہوئی، جہاں ساڑھے تیرہ سو سال میں یہ آواز نہ سنی گئی تھی، تو چونکہ تم نے تین سال تک اس شخص کو دجال اور کذاب کہنا چھوڑ دیا تھا، اس لئے تمہارے سارے نیک عمل حبط ہو گئے اور تم کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ ہمارا خدا اس سے بہت بڑھ کر رحیم وکریم ہے۔ وہ تو **یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ** (53:39) کی خوشخبری سناتا ہے۔ تین سال تک کسی کو گالی نہ دینے کا گناہ اتنا بڑا نہیں کہ وہ **اِنَّ اللّٰهَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ** (48:4) کے وعید کے نیچے آجائے۔

تین سال کا کام: اور جس طرح مولوی صاحب اور ان کی جماعت تین سال تک احمدیوں کے خلاف اپنی زبان کو بند رکھیں، اسی طرح میں اور میری جماعت اہلحدیث کے خلاف اپنی زبان کو بند رکھیں۔ اور میں نے تو اہلحدیث کی تحریک کو ہمیشہ ایک نیک تحریک ہی سمجھا ہے۔ اور اس کی تعریف ہی کی ہے۔ گو اس کے موجودہ نام لیوا اصل مقصد سے نکل گئے ہیں۔ بہرحال ایک دوسرے کے خلاف اپنی اپنی زبان کو بند کر کے ان تین سالوں کو صرف تبلیغ اسلام پر لگا دیں۔ اور ایک ایک علاقہ اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کے لئے ہم دونوں الگ کر لیں۔ ہماری جماعت جو کچھ تبلیغ اسلام کا کام پہلے کر رہی ہے یہ کام اس کے علاوہ ہوگا۔ اور مولوی صاحب جو کچھ تبلیغ اسلام کا کام کر رہے ہیں، کرتے رہیں، صرف حضرت مرزا صاحب کو گالیاں دینے کا کام کم کر دیں اور اس پر اچھوتوں میں تبلیغ کا کام بڑھا لیں۔

تین سال کے بعد: یہ نہ سمجھا جائے کہ مولوی صاحب کی حضرت مرزا صاحب کی مخالفت سے کچھ میرے کام میں نقصان ہوتا ہے۔ میں تو ان کی مخالفت کو اپنی جماعت کی ترقی میں کھاد کے قائم مقام سمجھتا ہوں، میں خلوص دل سے یہ چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کی توجہ بہرحال ایک ادنیٰ کام سے ہٹ کر ایک اعلیٰ کام پر لگ جائے۔ تاکہ اس اعلیٰ کام میں ان کو زیادہ کامیابی حاصل ہو۔ ان کے ساتھ اہلحدیث کا

ایک گروہ ہے۔ وہ اسے بھی اس کام پر لگائیں۔ اور تین سال بعد لاہور میں وہی معزز مجلس ججان ہائیکورٹ اور ممبران کونسل کی بلا کر، جسے مولوی صاحب اب بلانا چاہتے ہیں، ہم دونوں ان کے سامنے اپنا تبلیغ کا، یہ کام جو اچھوتوں میں کیا ہو، پیش کریں اور وہ بھی غالباً اس سے بہت خوش ہوں گے اور خدا اور اس کا رسولؐ تو یقیناً خوش ہو گے۔ اور اس مقابلہ میں خوبی یہ ہوگی کہ جو جیتا وہ بھی جیتا اور جو ہارا وہ بھی جیتا۔ اور شاید اس عرصہ میں ہماری عادات تبدیل ہو کر ہم اسلام کے زیادہ مفید مزدور بھی بن سکیں۔ کیا مولوی صاحب اس تجویز پر لبیک کہیں گے؟!

دلائل کے موازنہ کی شرط: موازنہ کرنے والوں کی شرط کو میں اس لئے ضروری خیال کرتا ہوں کہ اگر ہمارے دلائل اس قابل ہیں کہ ان کا اثر دوسرے لوگوں پر ہو سکے اور صرف ہمارے اپنے ہم خیال ہی ہماری فتح کا نقارہ بجانے والے نہیں تو ضرور ہم دوسرے فریق کے چھ آدمیوں میں سے ایک نہ ایک کو قائل کر لیں گے۔ اور اگر مولوی صاحب کو یہ خیال ہے کہ میں تو کسی غیر احمدی کو قائل کر سکوں گا مگر وہ کسی احمدی کو قائل نہ کر سکیں گے، جس کا انتخاب بھی انہوں نے خود ہی کیا ہے، تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اس صورت میں ان کی مخالفت احمدیت ایک بے سود کوشش ہے۔ اور ہو گا یہی کہ ہم تو روز بروز ان میں سے آدمی لیتے جائیں گے اور وہ ہم میں سے نہ لے سکیں گے۔ اگر مولوی صاحب ذرا غور کر سکتے تو وہ اب سب دیکھ سکتے تھے کہ ان کی اور بہت سے دیگر علماء کی زبردست مخالفت اتنی مدت میں احمدیت کی ترقی کو روک نہ سکی۔ اگر گزشتہ چالیس سال میں سر توڑ کوشش کر کے وہ احمدیت کو برباد نہیں کر سکتے تو یہ سبق کافی ہے۔ بشرطیکہ انسان عبرت حاصل کرنے کے لئے تیار ہو۔ خاکسار محمد علی۔

دارالسلام۔ ڈلہوزی

15 ستمبر 1932ء

حضرت امیر کے قلم سے

فرقہ وار فیصلہ اور مسلمان

کیا مسلمانوں کے ساتھ رعایت ہوئی ہے؟!

''ٹربیون'' 9 ستمبر کے ایڈیٹوریل نوٹ میں وائسرائے کی تقریر پر تنقید کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ اوارڈ میں مسلمانوں کے ساتھ رعایت ہوئی ہے اور ہندوؤں کے ساتھ ناانصافی۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ پنجاب میں مسلمان اکثریت کو کونسل میں اکثریت دے دی گئی ہے۔ لیکن بمبئی اور آسام میں ہندو اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس بات کا اعادہ بہت سے ہندو لیڈروں نے بھی کیا ہے۔ حالانکہ یہ واقعات کے سراسر خلاف ہے۔ اور جس قسم کی اکثریت مسلمانوں کو پنجاب میں ملی ہے، اس سے بہتر اکثریت بمبئی اور آسام میں ہندوؤں کو ملی ہے۔

واقعات یہ ہیں کہ کسی صوبہ میں ہندوؤں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل نہیں کیا گیا۔ لیکن ایک صوبہ میں مسلمان اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیا گیا ہے۔ یعنی بنگال جہاں 54 فیصد مسلمان اکثریت کو ساڑھ سنتالیس فیصد اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اور مخصوص حلقہ جات بھی کوئی ایسے نہیں جہاں سے ایک فیصد مسلمان بھی آسکیں۔ پھر چار صوبوں میں ہندوؤں کو کھلی آئینی اکثریت دے دی گئی ہے۔ یعنی مدراس، ممالک متحدہ، بہار واڑلیہہ۔ ممالک متوسط، بمبئی پانچواں صوبہ ہے۔ جس میں ہندوؤں کو آئینی اکثریت حاصل ہے۔ لیکن ذرا نام کے فرق سے یعنی 200 میں سے 97 نشستیں ہندوؤں کو عام نشستوں کے نام سے حاصل ہیں۔ اور 10 اچھوت اقوام کے نام سے۔ یعنی کل 107۔ اب یہ فرق صرف دکھاوے کا ہے۔ اچھوت اقوام ایسے ہی ہندو ہیں جیسے دوسرے ہندو۔ لیکن صرف ایک اس امتیاز کے رکھ دینے کی وجہ سے یہ پروپیگنڈا ہو رہا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ ناانصافی ہوئی کہ بمبئی میں ان کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا۔ آج تک کسی ہندو لیڈر نے ان اقوام کو غیر ہندو قرار نہیں دیا۔ مردم شماری کرتے وقت انہیں ہندو قرار دیا جاتا ہے اور کونسل کی نشستوں میں انہیں غیر ہندو قرار دیا جاتا ہے۔ بات تو دونوں میں سے ایک ہی درست ہو سکتی ہے۔ اگر یہ اقوام ہندو ہیں تو اس

صورت میں صوبہ بمبئی میں ہندوؤں کو آئینی اکثریت حاصل ہے۔ اور اگر یہ غیر ہندو ہیں تو پھر ہندوؤں کی مردم شماری سے بھی ان کو خارج کر دینا چاہئے۔ اور اس صورت میں مردم شماری میں بمبئی میں ہندو اکثریت قائم نہیں رہ سکتی۔ علاوہ ازیں جب ہم مخصوص حلقوں کو دیکھتے ہیں تو ان میں صوبہ بمبئی میں تجارت کی 8 نشستوں میں سے 3 ہندوؤں کی ہیں باقی یورپین۔ بڑے زمینداروں کی 3 نشستیں ہیں ان میں سے 2 یقیناً ہندوؤں کی ہیں۔ لیبر کی 8 نشستیں ہیں۔ ان میں سے 7 ضرور ہندوؤں کی ہیں۔ یونیورسٹی کی ایک نشست ہے۔ وہ بھی ہندوؤں کی ہے۔ تو عملی رنگ میں یہ 13 نشستیں اور ہندوؤں کو حاصل ہیں۔ اور ان کی عملی اکثریت بمبئی میں 60 کی ہوئی۔ مگر باوجود اس کے کہا جاتا ہے کہ بمبئی میں ہندو اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا ہے!

اب آسام کو لو۔ وہاں 108 نشستوں میں سے 44 عام نشستوں کے نام سے اور 4 اچھوت اقوام کے نام سے ہندوؤں کو حاصل ہیں۔ یعنی کل 48۔ تو گو یہاں آئینی اکثریت حاصل نہیں مگر مخصوص حلقوں کے ذریعہ سے عملی رنگ میں ان کو اکثریت حاصل ہے۔ 11 نشستیں تجارت کی ہیں۔ جن میں 8 یورپین اور 3 ہندوؤں کی ہوں گی۔ 9 پسماندہ علاقہ جات کی ہیں۔ وہ غالباً سب کی سب ہندوؤں کو جائیں گی۔ ممکن ہے ایک آدھ عیسائیوں کے ہاتھ چلی جائے۔ 4 لیبر کی ہیں۔ وہ سب ہندوؤں کے ہاتھ میں جائیں گی۔ اور کل نشستیں ہندوؤں کے ہاتھ میں 108 میں سے 60 کے قریب قریب ہوں گی۔ گویا انہیں آسام میں بھی عملی اکثریت 56 فیصد حاصل ہو گی۔ اس کے بالمقابل مسلمانوں کو صرف ایک صوبہ سرحد میں، جو ایک نہایت چھوٹا سا صوبہ ہے، آئینی اکثریت ملی ہے۔ پنجاب میں انہیں آئینی اکثریت نہیں ملی۔ عملی اکثریت کی توقع ہے، جو صرف تین یا زیادہ سے زیادہ پانچ کی ہو گی۔ مگر اس پر بھی یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ رعایت ہوئی ہے۔ حالانکہ ہندوؤں کی عملی اکثریت کسی صوبہ میں اتنی کم نہیں جتنی مسلمانوں کی پنجاب میں ہے۔

مختصراً یہ کہ ہندوؤں کی اکثریت کو کسی صوبہ میں اقلیت میں تبدیل نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں کی صوبہ بنگال کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ہندوؤں کو آئینی اکثریت پانچ صوبوں میں حاصل ہے۔ مسلمانوں کو صرف ایک چھوٹے سے صوبہ سرحد میں۔ جس ایک صوبہ میں ہندوؤں کی آئینی

اکثریت نہیں ملی۔ وہاں بھی ان کی عملی اکثریت 12 کی ہے۔ لیکن مسلمانوں کو جس صوبہ میں عملی اکثریت دی گئی ہے وہ صرف تین یا پانچ کی ہے۔ اور ابھی کہا یہ جاتا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے۔ اور کہ مسلمانوں کا گورنمنٹ کے ساتھ کوئی خفیہ معاہدہ ہے۔ ہمارے علم میں تو ایسا کوئی معاہدہ نہیں۔ لیکن اگر ہے تو پھر مسلمانوں کو سمجھ آ جائے گی کہ انگریزوں کے ساتھ خفیہ معاہدہ کرنے والوں کی نسبت ان کے خلاف خفیہ سازشیں کرنے والے فائدہ میں رہتے ہیں۔

گاندھی جی اور اچھوت: مہاتما گاندھی نے برودا جیل سے وزیر اعظم کے ساتھ جو خط و کتابت فرقہ اور حقوق کے فیصلہ کے متعلق کی ہے وہ شائع ہو چکی ہے۔ اس میں یہ دیکھنا موجب حیرت ہے کہ گاندھی جی نے اچھوتوں کی علیحدہ نیابت کو منسوخ کرانے کے لئے فاقہ کشی کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اور صاف لکھا ہے کہ:

> ''اگر اچھوتوں کو جداگانہ نیابت دے دی گئی تو میرے لئے ضروری ہوگا کہ میں برت رکھ کر اپنی زندگی کا خاتمہ کروں۔''

یہ بھی لکھا ہے کہ:

> ''میں صرف پانی یا سوڈا اور نمک والا پانی استعمال کروں گا۔ یہ برت ختم ہو جائے گا اگر حکومت برطانیہ خود بخود یا رائے عامہ سے متاثر ہو کر اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے گی۔ وہ پست اقوام کی جداگانہ نیابت کی سکیم واپس لے لے اور انہیں مخلوط نیابت عطا کرے۔ جس میں حق رائے وہی کافی وسیع ہو۔ اگر اس میں مجوزہ ترمیم نہیں کی گئی تو آئندہ 20 ستمبر کی دوپہر سے برت شروع ہو جائے گا۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ گاندھی جی اچھوت اقوام کو کسی طرح اوپر اٹھتے ہوئے دیکھ نہیں سکتے۔ فرقہ وار فیصلہ میں اچھوتوں کو جو حق نیابت دیا گیا ہے۔ وہ بہت ہی محدود ہے۔ عام طور پر ہندوؤں کے ساتھ ہی ان کو بھی ووٹ دینے کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن بعض صوبوں میں انہیں علیحدہ بھی حق انتخاب دیا گیا ہے جو بہت ہی محدود ہے۔ افسوس ہے کہ گاندھی جی اس کو بھی برداشت نہ کر سکے اور خود کشی پر اتر آئے۔ وزیر اعظم نے ان کے اس عزم پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ہندو قوم اور خود گاندھی جی کے لئے باعث شرم ہیں۔ لکھا ہے:

''اچھوت طبقہ کی نمائندگی کے مسئلہ پر ہم نے خوب غور کیا۔ اچھوت طبقہ کی بے شمار اپیلوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اور ان کی پستی اور اس سلوک کو جو اس سے کیا جاتا ہے اور جس کا آپ نے بھی اعتراف کیا تھا ہم نے انہیں لچس لیچر میں مناسب نمائندگی دے کر ان کے تحفظ کا بندوبست کرنا اپنا فرض سمجھا اور اس میں ہم نے اس بات کی پوری پوری احتیاط کی کہ یہ طبقہ ہندو دنیا سے بالکل علیحدہ نہ ہو جائے۔''

آگے چل کر لکھا ہے کہ:

''اچھوتوں کے لئے خاص فائدہ یہ ہے کہ وہ عام ہندو حلقوں کے علاوہ خاص حلقوں کی طرف سے بھی اپنے نمائندے کونسلوں میں بھیج سکتے ہیں۔ آپ کی فاقہ کشی کے فیصلہ کا مقصد یہ ہے کہ اچھوتوں کو چند نشستیں کونسلوں میں نہ ملیں۔''

قابل غور بات ہے۔ اچھوتوں کی پستی اور ذلت آمیز سلوک کو دیکھ کر ایک غیر قوم کے انسان کا دل پسیج جاتا ہے اور وہ چند علیحدہ نشستیں انہیں دیتا ہے۔ تاکہ وہ بھی اپنی آواز حکومت تک پہنچا کر اپنی بہتری اور ترفع کا سامان کر سکیں۔ لیکن گاندھی جی کو، جو اچھوتوں کے سب سے بڑے خیر خواہ اپنے آپ کو قرار دیتے ہیں، یہ کسی طرح گوارا نہیں۔ اور وہ اس کی مخالفت میں فاقہ کشی کر کے خودکشی کر لینے کے لئے بھی تیار ہیں۔ یہ کہاں کی انسانیت ہے؟! کہاں کا انصاف ہے۔ کیسی عالی حوصلگی اور مردانگی ہے؟ کیا مسلمانوں پر فرقہ پرستی کا الزام دینے والے بتا سکتے ہیں کہ گاندھی جی کا اچھوتوں کے معاملہ کو زیادہ تر اخلاقی اور مذہبی قرار دے کر اونچی ذات کے ہندوؤں کی پاس داری کرنا قومیت پرستی کا کونسا شعار ہے؟ کل تک تو کہا جا رہا تھا کہ کانگریس میں مذہب کو کوئی دخل نہیں، آج کانگریس کا قائد اعظم اعلیٰ اور ادنیٰ ذاتوں کی تقسیم کو بھی مذہبی رنگ دے کر سیاسیات میں داخل کرنا چاہتا اور ہندو مذہب کی خاطر مر مٹنے کو تیار ہے۔

بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

۞۞۞

19 ستمبر 1932ء

جہاد بالقرآن کرنے والی جماعت

سیام کے ایک نوجوان مسلمان کا خط

حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کی خدمت میں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سیدی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ **یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا** (13:49) ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم شاخیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہنچانو۔''

یہ آیت مجھ میں اس بات کی جرأت پیدا کرتی ہے کہ میں آپ کی خدمت میں یہ چند سطریں لکھوں۔ میں مشرق اقصیٰ کے سیامی مسلمانوں میں سے ایک نوجوان ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنا تعارف اپنے مسلمان بھائیوں سے کراؤں۔ جب سے ہمارے پاس مولانا محمد عرفان صاحب تشریف لائے ہیں تو میں ان سے سنتا رہتا ہوں کہ ہندوستان میں ایک انجمن ہے۔ جسے حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردھم اور مسیح موعود نے بنایا ہے۔ جس کے امیر حضرت مولانا محمد علی مترجم قرآن کریم انگریزی ہیں۔ اور اس انجمن کے قیام کی غرض وغایت مجاہدین کی ایک جماعت تیار کرنا ہے جو بوقت ضرورت اللہ کی راہ میں جانی اور مالی قربانیوں کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہو۔ اور جس جہاد کے لئے وہ کوشش کر رہے ہیں وہ بہ تعمیل آیت **وَجَاھِدْ ھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا**۔ (52:25) جہاد بالقرآن اور دین اسلام کی نشر واشاعت ہے۔ جس کا سب سے بڑا ذریعہ آج کل قلم اور پریس ہے اور محمد عرفان اسی جماعت کے ایک مشنری ہیں جنہیں انجمن نے تبلیغ اسلام کے لئے یہاں بھیجا ہے۔ اسی عظیم الشان نیک کام کی وجہ سے میرا دل آپ کی محبت سے لبریز ہے۔ اور اسی نیک کام کو مدنظر رکھ کر میرے دل میں یہ جوش پیدا ہو گیا ہے کہ میں آپ کی انجمن کے جھنڈے کے ماتحت آپ کے ساتھ شامل ہو کر خدمت دین میں لگ جاؤں۔ اپنی عقلی اور فکری طاقتوں کو اسی راہ میں خرچ کروں جس کے لئے انجمن کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ میں نے آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتاب ''الرجوع الی القرآن'' کا ترجمہ سیامی زبان میں

شروع کر دیا ہے۔ جب ترجمہ ختم ہو جائے تو بھائی محمد عرفان آپ کی خدمت میں روانہ کر دیں گے۔

دوسرا خط خان صاحب منظور الٰہی صاحب کی خدمت میں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مولانا محمد عرفان صاحب نے جو خط آپ کی خدمت میں بھیجا ہے وہ میرے اور آپ کے درمیان تعارف کے لئے کافی ہے۔ جو علم مجھ کو آپ کے بلند اخلاق اور ہمدردی اسلام اور مسلمانوں کے متعلق حاصل ہوا ہے وہ مجبور کرتا ہے کہ میں آپ کا بھائی بنوں اور آپ کی خدمت میں یہ عریضہ لکھوں۔

یہ میرا پہلا خط ہے جو آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ مجھ کو اپنی اخوت میں شامل کرنے کو قبول فرمائیں گے۔ کیونکہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں اور مسلمانوں کی کامیابی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ سیامی مسلمان ہندوستانی مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے۔ اور عرب کا مسلمان عجمی مسلمان اور مصری مسلمان ملائی مسلمان اور سیامی مسلمان جاوی مسلمان کو اپنا بھائی سمجھتے۔ اور اسلام کے حکم کے مطابق اسی طرح سب مسلمان بھائی بھائی بن سکتے ہیں میری قومی امید ہے کہ جمعیت احمدیہ مجھ کو اشاعت اسلام کے کام میں اپنے ساتھ شریک کرے گی۔ میری عمر بھی کم ہے اور علمی سرمایہ بھی کم ہے۔ مگر میں اپنی توفیق کے مطابق اس ملک میں اشاعت اسلام کے کام میں کوئی دقیقہ فردگذاشت نہیں کروں گا۔ یہاں کی آبادی کا ایک حصہ تو مسلمان ہے اور دوسرا حصہ ایسے کافروں کا ہے جو یہ بھی نہیں جانتے کہ دین یا مذہب کیا چیز ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو میں اور مولانا عرفان صاحب ان کو توحید اور عبادت الٰہی اور اخوت واتحاد کی طرف دعوت دیتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کامل کرنے کے بعد میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ دینی کتابوں کا ترجمہ اپنی قومی زبان میں کروں اور اس کی پہلی کڑی ''الرجوع الی القرآن'' کا ترجمہ ہے۔ جو سیامی زبان میں میں کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ اسی ماہ میں ترجمہ ختم ہو جائے گا۔ آپ سے قومی امید ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری کامیابی کے لئے دعا کرتے رہیں گے۔ اور یہ کہ انجمن میرے کاموں کو کامیاب بنانے کے لئے ممکن امداد سے دریغ نہیں کرے گی۔

3اکتوبر1932ء

ادار یہ

کی صحیح تعریف

’’ضروریات دین‘‘ ایک ایسا لفظ ہے جو مولویوں کی زبانوں سے آئے دن سننے میں آتا ہے۔آئے دن ان کی طرف سے ایسے فتوے شائع ہوتے ہیں۔جن میں مسلمانوں کے کسی گروہ یا قوم کے کسی فرد کو محض اس بات پر کافر ٹھہرایا جاتا ہے کہ وہ’’ضروریات دین‘‘ کا منکر ہے۔فسخ نکاح کے اس مقدمہ میں بھی جو بہاولپور میں ایک قادیانی احمدی کے خلاف چل رہا ہے، دیوبندی مولویوں نے بار بار اس لفظ کو استعمال کیا ہے اور بتایا ہے کہ احمدی’’ضروریات دین‘‘ کے منکر ہیں۔اس لئے مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

مولوی انور شاہ کا بیان: وہ ضروریات دین کیا ہیں؟ مولوی انور شاہ دیوبندی نے اس پر کسی قدر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ:

> ’’ہمارے دین کا ثبوت دوطرح سے ہے۔تواتر یا خبر واحد۔اور تواتر ہمارے دین میں چار قسم کا ہے۔پہلا تواتر اسنادی ہے اور اسی قسم سے نزول مسیحؑ کی احادیث ہیں۔تہتر حدیثیں جن میں سے چالیس حدیثیں صحیح ہیں۔اگر کوئی انکار کرے تو وہ کافر ہے۔دوسرا تواتر طبقہ ہے۔یعنی یہ نہ معلوم ہو کہ کس نے کس سے لیا۔بلکہ یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی نسل سے سیکھا۔جیسے قرآن مجید کا تواتر،اس کا منکر بھی کافر ہے۔مسواک کا ثبوت بھی دونوں طرح سے متواتر ہے۔اگر کوئی ترک کردے تو چنداں وبال نہیں۔لیکن اگر اس کا علم رکھتے ہوئے انکار کرے تو وہ کافر صریح ہے۔اور اگر کوئی کہہ دے کہ جُو حرام ہے تو وہ ازروئے شریعت کافر ہے۔تیسرا تواتر قدر مشترک ہے۔حدیثیں کئی ایک خبر واحد آئی ہیں۔لیکن ان اخبار احاد میں ایک مضمون ملتا ہے جو متفق علیہ ہے۔ان کا منکر بھی کافر ہے۔چوتھا تواتر تو۔تواتر توارث ہے۔جیسے ساری امت کا عقیدہ ہے کہ خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔اس کا انکار بھی کفر

صریح ہے۔ان تمام متواترات میں تاویل کرنا اور بات بگاڑنا کفر صریح ہے۔

اہل سنت والجماعت میں اور احمدیوں میں قانون کا اختلاف ہے۔اور علماء دیوبند اور علماء بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے۔قانون کا نہیں۔اگر کسی آیت قرآنی کی مراد پر صحابہؓ اور امت کا اجماع ہو تو اس سے انحراف کرنا اور اس کی تحریف کرنا کفر صریح ہے۔

مولوی صاحب کی بیان کردہ ضروریات دین: اس بیان میں مولوی صاحب نے جن باتوں کو ضروریات دین میں سے قرار دیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

1۔خبر متواتر خبر احاد پر ایمان

2۔مسواک پر ایمان

3۔نزول مسیح کی احادیث پر ایمان

4۔جو کے حلال ہونے پر ایمان

5۔امت کے اجماعی عقیدہ پر ایمان

6۔متواترات کو نا قابل تاویل سمجھنے پر ایمان

7۔آیت قرآنی کے متعلق صحابہؓ اور امت کے بیان کردہ مفہوم پر ایمان۔

اسی طرح سے اگر گنتے چلے جائیں تو اس بیان میں بہت سی باتیں ہیں۔جن کو ضروریات دین میں سے قرار دیا گیا ہے اور ان کے منکر کو کافر۔اور صرف یہی نہیں۔اگر ان تمام فتاویٰ کفر کو دیکھا جائے جو مولویوں نے ایک دوسرے کے خلاف دیئے ہیں،تو ان کی پیش کردہ ضروریات دین کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے۔

کیا قرآن نے ''ان کو ضروریات دین'' کہا ہے؟: قطع نظر اس بات کے کہ مولوی انور شاہ کی بیان کردہ ''ضروریات دین'' کے متعلق جماعت احمدیہ کا کیا خیال ہے،ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ان باتوں کو ''ضروریات دین'' میں سے قرار دینا اور ان کے اوپر ایمان اور کفر کی بنیاد رکھنا قرآن کریم کے کہاں تک مطابق ہے؟! قرآن کریم نے مسلمان کی جو تعریف کی ہے کیا اس میں ان تمام ضروریات دین کا ذکر کیا ہے؟ اور سارے قرآن میں کہیں یہ آیا ہے کہ جو شخص خبر متواتر فلاں قسم کی خبر احاد پر ایمان

نہیں لائے گا وہ کافر ہے؟ کہیں قرآن کریم میں ایمانیات کے اندر مسواک کا بھی ذکر پایا جاتا ہے؟ نزول مسیحؑ کی احادیث پر ایمان لانا بھی قرآن کریم نے کسی جگہ مسلمان ہونے کے لئے ضروری ٹھہرایا ہے۔ اور کہیں یہ بھی اس نے کہا ہے کہ جو کو حرام کہنے والا کافر ہے؟ کیا کہیں امت کے اجماعی عقیدہ اور آیات قرآنی کے اس مفہوم، کو جس پر صحابہؓ اور امت کا اجماعی عقیدہ اور آیات قرآنی کے اس مفہوم کو، جس پر صحابہؓ اور امت کا اجماع ہو، اس نے شرائط ایمان میں سے قرار دیا ہے؟ اگر یہ نہیں۔ اور ہرگز نہیں۔ تو مولوی انور شاہ صاحب کا کیا حق ہے کہ ان باتوں کو ''ضروریات دین'' میں سے قرار دے کر لوگوں کے ایمان اور کفر کا فیصلہ کرتے پھریں؟!

متقی کی تعریف قرآن میں: قرآن کریم نے مسلمان کی جو تعریف کی ہے، ایمان کی جو شرائط بیان کی ہیں، وہ اس قدر صاف اور واضح ہیں کہ ان میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ شروع ہی میں اس نے متقیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی یہ تعریف کی ہے کہ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۔ (4-3:2) یعنی متقی وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور خدا کے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو کچھ تجھ پر نازل ہوا اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر بھی جو تجھ سے پہلے نازل ہوا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس میں کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ مسواک کا منکر کافر ہے اور امت کے اجماعی عقیدہ کا منکر کافر ہے یا متقی وہ ہے جو خبر متواتر وغیرہ پر ایمان لائے۔

نیکی کی تعریف قرآن میں: دوسری جگہ قرآن کریم نے اللہ اور یوم آخر پر ایمان، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان اور قریبیوں، یتیموں، مساکین، ابن سبیل، سائلین اور غلاموں کو خدا کی محبت کے لئے مال دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، عہد کو پورا کرنا اور تنگیوں اور مشکلات میں صبر سے کام لینا بہت بڑی نیکی قرار دی ہے۔ اس میں بھی ان ''ضروریات دین'' کا کوئی ذکر نہیں، جن کا انکار مولوی انور شاہ نے موجبات کفر میں سے قرار دیا ہے۔ پھر حیرت ہے انہوں نے کس بنا پر ان کو ضروریات دین میں سے قرار دیا؟!

شرائط ایمان اور ضروریات دین: وہ شرائط ایمان جو عام طور پر کسی غیر مسلم کو مسلمان کرتے وقت پڑھائی جاتی ہیں۔ یعنی اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ

وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ (ایمان مفصل) ان میں مسواک اوراجماعی عقیدہ وغیرہ پر ایمان کا کوئی ذکر نہیں۔ نہ ہی کبھی کسی شخص کو مسلمان کرتے وقت یہ سکھایا گیا کہ تم ایمان لاؤ کہ مسواک کرنا، امت کے اجماعی عقیدہ کو ماننا، جو کو حلال سمجھنا ضروری ہے۔ پھر کس بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ چیزیں ان ''ضروریات دین'' میں سے ہیں جن کا انکار موجب کفر ہے۔

حدیث میں پانچ بناءاسلام: ممکن ہے احادیث میں ان کو ''ضروریات دین'' میں سے قرار دیا گیا ہو۔ اور مولوی انور شاہ صاحب چونکہ شیخ الحدیث ہیں، اس لئے ان کی نظر ایسی احادیث پر ہو، جن میں ان تمام باتوں کا ماننا ضروری قرار دیا گیا ہو۔ لیکن تمام کتب حدیث پر نظر ڈال لیجئے۔ کہیں بھی ان باتوں پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس کے خلاف اسلام کی بناء صرف پانچ چیزوں پر قرار دی گئی ہے۔

1۔ توحید اور رسالت پر ایمان

2۔ اقامت صلوٰۃ

3۔ رمضان کے روزے

4۔ ادائیگی زکوٰۃ

5۔ حج

ایمان اور اسلام کی تعریف حدیث میں: ایک اور حدیث میں حضرت جبریل کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کی لقا پر اس کے رسولوں پر اور بعث کے دن پر ایمان لائے۔ اور اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے جو فرض ہے اور رمضان کے روزے رکھے اور بشرط قدرت حج کرے۔

ان دونوں احادیث میں ایمان اور اسلام کی جو شرائط بیان کی گئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان کے ماننے والا مسلمان ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتا ہے تو مولوی انور شاہ صاحب کی بیان کردہ ''ضروریات دین'' کیا ہوئیں؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرائط ایمان و اسلام کو ماننے کے باوجود

کوئی شخص مولوی انور شاہ کی ''ضروریات دین'' کو نہ ماننے سے کیونکر کافر ہو سکتا ہے؟!

مسلم کی تعریف: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس شخص کو بھی مسلم قرار دیا ہے اور اس کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ کو اور اپنے آپ کو قرار دیا ہے جو ہماری نماز پڑھے۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے۔ اور قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ فرمایا **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا** (94:4) جو شخص تمہیں سلام علیکم کہے تم اسے بھی کافر نہ کہو۔ لیکن نہیں۔ مولوی انور شاہ صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے نزدیک دین یہیں تک محدود نہیں، بلکہ ہر اس چیز پر ایمان لانا ''ضروریات دین'' میں سے ہے جو کسی مولانا کے دماغ کی ایجاد اور اختراع ہو!

مسلمان کی صحیح تعریف کیا ہے؟: کل تک تو ہندوؤں کو طعنہ دیا جاتا تھا کہ ان کے مذہب کی کوئی جامع ومانع تعریف نہیں ہو سکتی۔ لیکن آج خود مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ مسلمان اور اسلام کی جامع ومانع تعریف کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ سنی اور شیعہ، حنفی اور وہابی اور اہل قرآن اور اہل حدیث، دیوبندی اور بریلوی سب کی ''ضروریات دین'' الگ الگ ہیں اور کسی ایک فرقہ کی ''ضروریات دین'' کو مان لینا مسلمان ہونے کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ ان پر دوسرے فرقوں کی طرف سے تکفیر کا فتوی عائد ہے۔ ایسی حالت میں مسلمان کی صحیح تعریف کیا ہے؟ کیا بہاولپور کے فاضل مجسٹریٹ اس پر روشنی ڈالنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے!

۞۞۞

3 اکتوبر 1932ء

خدا کے فرستادہ کا احسان

حضرت مسیح موعود کا فرمان جماعت کے نام

یہ مت خیال کرو کہ مال تمہاری کوشش سے آتا ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور یہ مت خیال کرو کہ تم کوئی حصہ مال کا دے کر یا کسی اور رنگ سے کوئی خدمت بجالا کر خدا تعالیٰ اس اس کے فرستادہ پر کچھ احسان کرتے ہو۔ بلکہ یہ اس کا احسان ہے کہ تمہیں خدمت کے لئے بلاتا ہے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تم سب کے سب مجھے چھوڑ دو اور خدمت اور امداد سے پہلو تہی کرو تو وہ ایک قوم پیدا کر دے گا کہ اس کی خدمت بجالائے گی۔ تم یقیناً سمجھو کہ یہ کام آسمان سے ہے اور تمہاری خدمت صرف تمہاری بھلائی کے لئے ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ تم دل میں تکبر کرو اور یا یہ خیال کرو کہ ہم خدمت مالی یا کسی قسم کی خدمت کرتے ہیں بار بار تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تمہاری خدمتوں کا ذرا محتاج نہیں۔ ہاں تم پر یہ اس کا فضل ہے کہ تم کو خدمت کا موقعہ دیتا ہے۔ تھوڑے دن ہوئے کہ بمقام گورداسپور کو الہام ہوا کہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنَـا فَـاتَّـخِذْنِیْ وَکِیْلًا یعنی میں ہی کہ ہر ایک کام میں کارساز ہوں پس تو مجھ کو ہی وکیل یعنی کارساز سمجھ لے اور دوسروں کا اپنے کاموں کچھ بھی دخل مت سمجھ۔ جب یہ الہام مجھ کو ہوا تو میرے دل پر ایک لرزہ پڑا اور مجھے خیال آیا کہ میری جماعت ابھی اس لائق نہیں کہ خدا تعالیٰ اس کا نام بھی لے اور مجھے اس سے زیادہ کوئی حسرت نہیں کہ میں فوت ہو جاؤں اور جماعت کو ایسی ناتمام اور خام حالت میں چھوڑ جاؤں۔'' (ضمیمہ ریویو آف ریلجنز ستمبر 1903ء)

۞۞۞

27 اکتوبر 1932ء

مردِ کامل

ازحکیم احمد شجاع بی اے (علیگ) اسسٹنٹ سکرٹری پنجاب کونسل

یہی معیار ہے دنیا میں بس اک مرد کامل کا — نہیں مرعوب ہوتی اس کی آنکھیں قر شوکت سے
پیامِ حق سنا دیتا ہے وہ کسرٰی کی محفل میں — نہیں ڈرتا کسی نظّارۂ باطل کی ہیبت سے
وہ نانِ خشک پر ہی اپنی راتیں کاٹ لیتا ہے — اگر حاصل ہو ہاتھوں کی مشقت دن کی محنت سے
وہ سیدھا تیرتا ہے شیر کی مانند دریا میں — نہیں جھکتا کسی فرعون بے ساماں کی طاقت سے
نہیں شرمندۂ دستِ کرم دستِ سوال اس کا — نہیں پھٹتا وہ عزت سے، نہیں گھٹتا وہ ذلّت سے
وہ ٹکراتا ہے پتھر سے، وہ لڑتا ہے مقدّر سے — جگہ اپنی بنا لیتا ہے دنیا میں وہ ہمّت سے
اگر ذلّت سے نعمت ہو میسر، تھوک دیتا ہے — وہ اپنا پیٹ بھر لیتا ہے فاقے کی مصیبت سے
سمجھ لیتا ہی ہے سنجاب و قاقم بوریا اس کا — اگر بچھ جائے ہاتھوں سے، اگر مل جائے عزت سے
ادا کرتا ہے اپنے فرض کو وہ فرض کی خاطر — نہیں رسوا ہے اس کی حق شناسی طمع دولت سے

ان ہی اوصاف کا حامل کسی دن تھا مسلماں بھی
ملے تھے جوہر کامل اسے صنّاعِ فطرت سے

❁❁❁

23 نومبر 1932ء

احمدی خواتین کے نام ایک خط

محترم بہنو! اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو علم ہوگا کہ احمدیہ انجمن خواتین اسلام لاہور نے اشاعت اسلام میں مدد دینے کے لئے ایک دستکاری فنڈ جاری کیا ہے۔ یعنی ہر ایک بی بی کوئی سا دستکاری کا کام اپنے ہاتھ سے بنا کر سال میں ایک دفعہ دیں اور یہ سب اشیاء جمع کر کے سالانہ جلسے پر جو دسمبر میں ہوتا ہے بذریعہ نمائش فروخت کیا جائے اور روپیہ اشاعت اسلام پر صرف ہو۔ چنانچہ تین سال سے یہ نمائش ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ اب تک بہت کم بہنوں نے اس مبارک کام میں حصہ لیا ہے۔ اگر یہ تحریک عام ہو جائے تو اشاعت اسلام کو گراں قدر امداد خواتین کی طرف سے مل سکتی ہے۔ اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ آپ بھی اس نیک و مفید تحریک میں شامل ہو کر ثواب دارین حاصل کریں اور اپنی بچیوں و دیگر رشتہ دار بیبیوں کو بھی شریک کریں۔ آپ جانتی ہیں کہ آج کل مسلمانوں پر کس قدر مشکلات کا زمانہ گزر رہا ہے۔ ان کی ہستی چار طرف سے معرض خطر ہے، ناموس اسلام پر گندے حملے ہوتے ہیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپاک ترین الزامات لگائے جاتے ہیں۔ تو کیا ہمیں یونہی خاموش بیٹھے رہنا چاہئے۔ ہرگز نہیں۔ مذہب اسلام نے طبقہ نسواں کو ذلیل ترین حالت سے نکال کر بام عروج پر پہنچایا اور ان کے حقوق قائم کئے۔ تو ہر ایک دختر اسلام کا فرض ہے کہ وہ تن من دھن سے اپنے پیارے دین کی حفاظت کے لئے تیار ہو جائے۔ آپ چار دیواری کے اندر سے بھی بذریعہ دستکاری حفاظت اسلام جیسے زبردست جہاد میں حصہ لے کر دین دنیا میں سرخرو ہو سکتی ہیں۔ غریب سے غریب بہنیں بھی خادمہ اسلام ہونے کا شرف حاصل کرنے میں تاخیر نہ کریں۔ جس قسم کی دستکاری آپ کو آتی ہو وہ آپ تیار کر سکتی ہیں۔ اور اگر پسند نہ ہو تو اس کو دوبارہ خود ہی خرید سکتی ہیں۔ اس قدر خیال رکھنا چاہئے کہ کم قیمت، خوبصورت و پائیدار چیز ہو۔ ایک قیمتی چیز سے متعدد ہلکی قیمت کی چیزیں بہتر ہیں۔ آج کل مندرجہ ذیل اشیاء کی زیادہ کھپت ہے۔ مثلاً کڑھے ہوئے دوپٹے، ازار بند، بچوں کے سویٹر، موزے (ٹوپی کا رواج بہت کم ہے) ٹیبل کلاتھ، غلاف، تکیہ، کرسیوں کے کشن، بچوں کے کھلونے، پلنگ پوش، کاتا ہوا سوت، کڑھی ہوئی قمیض، لیڈیز رومال، دیواروں پر آویزاں کرنے کے خوبصورت قطعے وغیرہ وغیرہ یہ تمام اشیاء دسمبر کے پہلے ہفتے میں خاکسار کے پاس پہنچ جانی چاہئیں۔ والسلام خاکسار۔ اہلیہ محمد علی۔ آنریری سکرٹری احمدیہ انجمن خواتین اسلام لاہور

۞۞۞

23 نومبر 1932ء

حضرت امیر ایّدہ اللہ کا خط

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج میں آپ کو یہ خوشخبری سنانے کے قابل ہوں کہ برلن مسجد کے وہ تفکرات، جنہوں نے گذشتہ کئی سال سے ہمیں پریشان کیا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان سے ہمیں آج آزاد کر دیا ہے۔ پہلے مسجد کا خرچ اندازہ سے بہت بڑھ گیا اور ایک عرصہ تک مسجد کی تکمیل کے لئے اپیلیں ہوتی رہیں۔ وہ بوجھ مشکل سے اترا تھا کہ بیس ہزار روپے کا ایک نیا بوجھ آ پڑا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ جماعت نے ان مشکلات کے مقابلہ میں ہمت نہیں ہاری اور ان کی قربانیوں کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا ثمرہ عطا فرمایا۔ ورنہ ہم سے بہت بڑی جماعت اس سے پیشتر اسی جگہ اسی سے کمتر مشکلات کا مقابلہ نہ کرسکی۔ میری آخری اپیل کے جواب میں کثیر حصہ احباب نے ایسی خوش دلی سے لبیک کہا کہ آج قرضے کی پوری رقم ہم جرمنی بھیج چکے ہیں۔ گو اس میں شک نہیں کہ سردست کچھ قرضہ لے کے انتظام کیا گیا ہے۔ مگر وہ قرضہ اسی قدر ہے جو آخری اپیل کی بعض رقوم سے، جو بعض آسودہ حال احباب نے اب تک ادا نہیں کیں، مگر جن کے ادا ہو جانے کی پوری امید ہے، انشاء اللہ پورا ہو جائے گا۔

ہمارا کام ختم نہیں ہوا: برلن کی مشکلات سے نکل جانے کے یہ معنی نہیں کہ ہمارا کام ختم ہو گیا اور اب ہم آرام کر سکتے ہیں۔ ہر ایک جدوجہد کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان میں نئی جدوجہد کے لئے طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور ہمارے ان مشکلات کے اندر ڈالے جانے کا مطلب یہی تھا کہ ہم میں جدوجہد کی ایک نئی قوت پیدا ہو جائے۔ تاکہ ہم اپنے کام میں اور زیادہ تن دہی سے لگ جائیں اور اس کے دائرہ کو وسیع کرتے جائیں۔

آئندہ کے لئے ہمارے فرائض: اسلام کا پیغام تمام دنیا میں پہنچانا بہت بڑا کام ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ قرآن کریم، سیرت نبوی، تعلیم اسلام کو مختلف قوموں تک ان کی اپنی زبان میں

پہنچایا جائے اور دنیا کے مختلف ممالک میں تبلیغ اسلام کے مرکز قائم کئے جائیں۔ مگر اس کا انحصار جماعت کی قوت پر ہے۔ اگر ہماری جماعت ترقی نہ کرے تو ہمارا کام بھی ترقی نہیں کر سکتا۔ قبل اس کے کہ ہم مزید کام کا بوجھ اپنے ذمہ لیں۔ یہ ضروری ہے کہ ایک عظیم الشان جدوجہد اپنی جماعت کی توسیع کے لئے کی جائے۔

توسیع جماعت: اس لئے اس وقت جو کام میں اپنے احباب کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ جماعت کی توسیع کا کام ہے۔ اور گو اس وقت مخالفت کا طوفان زور پر ہے۔ مگر میں یقین رکھتا ہوں کہ یہی وقت جماعت کی ترقی کا بھی ہے۔ کیونکہ مخالفت کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ایک حرکت پیدا ہو رہی ہے۔ اس حرکت کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ ہم بھی احمدیت کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے پیش کریں تا کہ وہ موازنہ کر کے دیکھ لیں کہ کس گروہ میں شامل ہونا ان کے لئے اور اسلام کے لئے موجب نقصان ہے اور کس جماعت میں داخل ہو کر وہ اپنے آپ کو قوم کا زیادہ مفید عنصر بنا سکتے ہیں اور اسلام کو قوت پہنچا سکتے ہیں؟ اس گروہ میں جن کے مدنظر اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی تباہی اور ہلاکت ہے اور جو کلمہ گوؤں کی تکفیر کر کے مسلمان قوم کے اتحاد کو توڑ رہے ہیں اور روز بروز فروعی بحثوں کی دلدل میں اور زیادہ دھنستے چلے جا رہے ہیں یا اس جماعت میں جس کے مدنظر اعداء اسلام کا مقابلہ ہے۔ جو اشاعت اور تبلیغ اسلام کے مرکز قائم کرتے چلے جاتے ہیں۔ ہزار ہا لوگوں کو اسلام میں لانے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ قرآن کریم کو دنیا کے دور دور کے کناروں تک پہنچا رہے ہیں۔ کفرستانوں میں مسجدیں کھڑی کر کے اللہ اکبر کی آواز بلند کر رہے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ جس طرح ہم نے پہلے اپنے کاموں میں جماعت کے رنگ میں توجہ کی ہے اور ہم میں سے مرد تو ایک طرف رہے عورتوں نے بھی اس جہاد میں حصہ لیا ہے، اسی طرح اب اس توسیع جماعت کے کام کی طرف کل جماعت کی توجہ ہو اور ہم میں سے ہر ایک فرد اس کام کو اپنے سامنے رکھ لے۔ صرف تھوڑی سی توجہ بکار ہے۔ راستہ تو خود ہماری پاک کتاب نے کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا اور اس حکم میں آپ کا ہر ایک متبع شامل ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (214:26) اپنے قریبیوں کو سمجھاؤ۔

ہماری پہلی ضرورت توسیع جماعت کے لئے یہ ہے کہ ہم سب کے سب اس آیت قرآنی پر عامل ہونے کی کوشش کریں۔ اور ہر ایک شخص بڑا ہو یا چھوٹا، مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان، خدمت دین کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکا ہو یا اپنی طاقت کے مطابق خدمات دینیہ میں حصہ لے رہا ہو، اس آیت کو ایک خوشنما قطعہ کی صورت میں اپنے قلب کے کرے میں آویزاں کرے۔

توسیع جماعت کا طریق: اسی غرض کے لئے میں یہ عریضہ آپ کو لکھ رہا ہوں۔ کسی کا بیٹا ہو یا باپ، کسی کی بیوی ہو یا کسی بی بی کا خاوند ہو، کسی کا بھائی ہو، دور نزدیک کا کوئی رشتہ دار ہو، کسی کا دوست ہو، آج ہم میں سے ہر ایک ان کی ایک فہرست تیار کر لے اور پھر دو طرح پر کوشش شروع کر دے، ایک ان کے لئے خدا کے لئے خدا کے آگے گر جائے اور درد دل سے دعا کرے کہ وہ ہمارے ان عزیزوں کے دلوں کو ہر ایک غلط فہمی سے پاک کر دے۔ ان کے اندر سے ہر ایک کمزوری کو دور کر دے۔ ان کے دلوں میں خدمت دین کے لئے ایک جوش اور ولولہ پیدا کر دے۔ ان کو اسلام کا سپاہی بنا دے۔ اور دوسرے خود ان کو سمجھائے۔ زبانی گفتگو سے یا خط و کتابت سے یا ان کو لٹریچر پہنچائے۔ اس لٹریچر کا کچھ حصہ چھوٹے چھوٹے رسالوں اور ٹریکٹوں کی صورت میں مفت انجمن کے دفتر سے مل سکتا ہے۔ اور کچھ کتابیں کم قیمت پر مل سکتی ہیں۔ اگر کسی دوست کو اپنے کسی عزیز یا دوست سے کہنے میں حجاب مانع ہو۔ یا اور کسی قسم کی مشکلات ہوں تو وہ ایسے اعزہ اور احباب کے اسماء اور پتوں سے یہاں اطلاع دیں۔ اور جو لٹریچر ان کو بھیجنے کی ضرورت ہو۔ اس سے بھی اطلاع دیں۔ بہر حال خالی کوئی نہ رہے۔ ہر ایک دوست فوراً اس جدوجہد میں لگ جائے۔ اگر ساری جماعت اس کوشش میں لگ جائے تو چند دنوں میں جماعت کی تعداد دو چند سہ چند ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ ضرورت ہے کہ ہر ایک دوست کے دل میں اس کام کے لئے ایک جوش پیدا ہو جائے۔ اس کے لئے میں احباب کو بار بار تحریک بھی کرتا رہوں گا۔ حسب ضرورت لٹریچر بھی مہیا کرنے کا انتظام کروں گا اور دعا میں بھی لگا رہوں گا۔ کیونکہ دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اور اس کے فضل سے دلوں میں وہ تڑپ پیدا ہوتی ہے جو انسانوں اور قوموں کو کامیاب کر دیتی ہے۔

احباب لاہور کی مساعی کا نتیجہ: میں نے کوئی آج سے دو ہفتے پیشتر خطبہ جمعہ میں احباب لاہور کو

اس طرف توجہ دلائی تھی۔ گو میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ان احباب نے اس طرف توجہ کر لی ہے۔ لیکن یہ مجھے یقین ہے کہ جماعت میں اس طرف ایک حرکت پیدا ہونے والی ہے۔ ان دو ہفتوں میں خدا کے فضل سے پینسٹھ آدمی سے زیادہ جماعت میں شامل ہو چکے ہیں۔ یہ صرف ہمارے بعض احباب کی توجہ سے ہوا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نصرت کی ہوا چلا دی ہے۔ تاکہ ہمارا قدم نصرت الٰہی کی پیش قدمی کو دیکھ کر سرعت کے ساتھ آگے بڑھے۔ میری یہ درخواست ہر ایک احمدی دوست سے ہے۔ خواہ وہ کتنا بلند مرتبہ رکھتے ہوں اور خواہ اپنے آپ کو خدا کے دین کا ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت گار سمجھتے ہوں۔

جلسہ سالانہ اور ایک معزز مہمان: دوسری بات جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جماعت کی ترقی کا ایک عظیم الشان موقعہ ہمارے سامنے پانچ ہفتوں کے اندر اندر آ رہا ہے۔ یعنی ہمارا سالانہ جلسہ۔ اس جلسے کے متعلق میں آپ کو ایک بڑی بھاری خوشخبری بھی سناتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ عین اس موقعہ پر پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ ہمارے مبلغ برلن کے ساتھ، جو پانچ سال کے بعد ہندوستان آ رہے ہیں، آسٹریا کے ایک نومسلم نواب بیرن عمر ایرنفلز بھی تشریف لا رہے ہیں۔ اپنے اس قابل مبلغ کی ملاقات کے لئے ہر ایک دوست کو تکلیف کر کے آنا ہی چاہیئے تھا۔ مگر اب تو ان کے ساتھ ایک نہایت معزز نومسلم بھی ہمارے مہمان ہو کر آ رہے ہیں۔ اکرامِ ضیف اسلام اور پیغمبر اسلام کی ایک ممتاز خصوصیت ہے۔ اس لئے اپنے معزز مہمان کی ملاقات کے لئے سب احباب کا فرض ہے کہ تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر یہاں پہنچیں۔ علاوہ ازیں سالانہ جلسہ پر مختلف اطراف سے احباب جمع ہوتے ہیں اور دور دور کے رہنے والے احباب سے یہ ایک ملاقات کا موقع ہوتا ہے۔

اجتماع کے فوائد: چونکہ یہ میل ملاقات محض حصول رضاءِ الٰہی کے لئے ہے اور اس میں کسی قسم کی دنیوی غرض نہیں، اس لئے ایسے اجتماع پر اللہ تعالیٰ اپنی برکات بھی نازل فرماتا ہے اور اس میں ایک مجاہدہ کا رنگ بھی ہے۔ محض حصول رضاءِ الٰہی کے لئے اور دین کو قوت پہنچانے کے لئے سفر میں جو بھی صعوبت ہو یا جو بھی بھوک، پیاس، تکان، بے آرامی کی تکلیف اٹھانی پڑے، اس سب کا اجر اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا

يَّغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ (120:9) مجاہدہ کیا ہے۔خدا کی راہ میں کچھ تکلیف اٹھانا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے مجاہدات وہی تھے۔ جن سے دین کو بھی قوت پہنچتی تھی اور اعداء دین کا مقابلہ ہوتا تھا۔ بعد میں صوفیوں نے ایسے مجاہدات تجویز کئے جن سے انسان تکلیف تو اٹھاتا اور اس سے کچھ تزکیہ قلب بھی ہوتا۔ مگر دین کو کوئی قوت نہ پہنچتی۔ نہ اعداء اسلام کا مقابلہ ہوتا۔

حضرت مسیح موعود نے مجاہدات دینی کو پھر قائم کیا: حضرت مسیح موعود نے مجاہدات دینی کو پھر اپنی اصلیت پر قائم کیا اور خدمت دین کے لئے تکلیف اٹھانا ہماری جماعت کا اصل مجاہدہ قرار دیا۔ اسی ذیل میں آپ نے ایک سالانہ اجتماع کی بنیاد رکھی۔ ہماری جماعت کے بہت سے لوگ اس سالانہ اجتماع کو وقعت نہیں دیتے۔ بعض محض سستی سے اپنی جگہ نہیں چھوڑتے۔ یا سفر کی بے آرامی سے ڈرتے ہیں۔ بعض چند پیسوں کی خاطر۔ بعض اپنے دنیوی کاموں کی خاطر اس قومی اجتماع میں شامل نہیں ہوتے۔ ان سب دوستوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنی ذراسی آسائش کے لئے خدمت دین کے کام کو بڑا بھاری نقصان پہنچاتے ہیں۔ ہماری جماعت ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ اس قلت کا احساس ہمارے دلوں پر ہوتا تو ہم میں سے ہر ایک دوست اپنے قومی اجتماع کو رونق دینے کے لئے اور اسے دین کی قوت کا موجب بنانے کے لئے ہر ایک تکلیف کو اس سفر کے مقابل ہیچ سمجھتا۔ مگر حالت یہ ہے کہ بڑی بڑی جماعتوں میں سے بعض جگہ سے دو چار اور بعض جگہ سے دس بارہ آدمی مشکل سے آتے ہیں۔ اور جو آتے ہیں ان میں سے بھی کئی ایک دنیوی تفکرات کا بڑا بھاری بوجھ ساتھ لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ دکھ اور تکلیف اٹھانے کے لئے نہیں آتے۔ دنیوی تفکرات سے آزاد ہو کر اور اپنے قلب کو روحانیت کے لئے فارغ کر کے نہیں آتے۔ بڑے چھوٹے باہم مل کر بیٹھنے اور جماعت کی ترقی اور استحکام اور خدمت دین کے راستوں کو سوچنے کے لئے نہیں آتے۔ سب کے سب اکٹھے ہو کر خدا کے حضور گرنے کے لئے نہیں آتے۔ عزیزو! وقت ہاتھ سے جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس سستی کی حالت میں ہم بلا لیئے جائیں۔ کچھ خدا کے دین کے لئے تکلیف اٹھانے کی عادت ڈالو۔ کچھ خدمت کا کام انجام دے لو۔ تاکہ جب ہمارے بلائے جانے کا وقت آئے۔ تو ہمارے دل

اس راحت سے بھرے ہوئے ہوں کہ ہم خدا کے دین کی خدمت کا کچھ کام کر کے اس کے حضور جا رہے ہیں۔

ایک اور بات کی طرف بھی میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جماعت کی قوت کا اندازہ سالانہ اجتماع کی کامیابی سے ہوتا ہے۔ کثرت بھی بلا شبہ اپنا اثر رکھتی ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر کام کا اثر ہوتا ہے۔ آپ کی انجمن جس قدر مالی رنگ میں مضبوط ہوگی اسی قدر آپ کی قوم کے ہاتھ مضبوط ہوں گے اور آپ کے کام میں وسعت اور ترقی ہوگی۔ آپ اپنے طور پر ضرور مالی قربانیاں کرتے ہیں۔ لیکن اس امر کی ضرورت ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کو بھی خدمت اسلام کے اس کام میں شامل کریں۔ سال گذشتہ اور اس سے پہلے بھی ایک دو سال ہمارے اکثر احباب کچھ نہ کچھ چندہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں سے جمع کر کے لاتے رہے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جہاں ہماری مالی قربانیاں ایک خاص امتیاز حاصل کر چکی ہیں، ہمارے وقتوں کی قربانیاں بھی یہی امتیاز حاصل کریں اور ہم میں سے ہر ایک شخص کچھ نہ کچھ امداد دوسروں سے حاصل کر کے جلسہ میں شامل ہو۔ خواہ وہ چند آنوں کی مدد ہو یا چند روپوں کی۔ لیکن جس طرح ہر ایک دوست اپنی کمائی میں سے کچھ ضرور دیتا ہے۔ اسی طرح وہ اس بات کو بھی اپنا فرض سمجھے کہ اس نے کچھ دوسروں سے جمع کر کے قومی بیت المال کو مضبوط کرنا ہے۔ میں نے گذشتہ سال یہ اپیل کی تھی کہ ہر وقت بیس روپے جمع کر کے لائے۔ بہت سے احباب اس سے بہت زیادہ لائے۔ لیکن بہت سے ایسے تھے کہ جنہوں نے اس میں حصہ نہیں لیا۔ اب میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ہر ایک دوست کچھ نہ کچھ چندہ دوسروں سے کر کے ضرور لائے۔ خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی رقم کیوں نہ ہو۔ مگر اس کار خیر میں ہر ایک دوست شریک ضرور ہو۔ میں اب اپنی گذارشات کو مختصر کرتا ہوں۔

1۔ اپنے عزیزوں، قریبیوں اور دوستوں کو جماعت میں شامل کریں۔

2۔ خود جلسہ میں پورے تین دن کے لئے شامل ہوں۔

3۔ اپنے بچوں اور عزیزوں کو ساتھ لائیں۔

4۔ اپنی مستورات کو بھی شامل کرنے کی کوشش کریں۔

5۔غیر از جماعت احباب کو شمولیت جلسہ کے لئے تحریک کریں۔

6۔اپنے حلقہ اثر سے چندہ جمع کر کے لائیں۔

جن احباب نے رخصت کا انتظام کرنا ہو۔وہ اس بات کو مدنظر رکھیں کہ 24 کی شام تک وہ لاہور پہنچ جائیں۔

نوٹ: چندہ کرنے کے لئے سہل تجویز یہ ہے کہ ایک ایک آنے چار چار آنے ایک ایک روپے والی کاپیاں اپنے سیکرٹری کی معرفت یا جہاں انجمن باقاعدہ نہیں مرکزی دفتر سے حسب ضرورت منگوالیں اور ایسا ہی انجمن کے کاموں کے متعلق بھی لٹریچر منگوالیں۔خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس ،لاہور

30 نومبر 1932ء

غرباء جماعت کی تقویت کے لئے کیا کر سکتے ہیں!

حضرت امیر ایدہ اللہ کے نام دو خط

جناب چوہدری فضل داد صاحب کمپ کلرک انسپکٹر کواپریٹو سوسائیٹیز لالہ موسٰی ضلع گجرات نے گذشتہ ہفتہ حضرت امیر ایّدہ اللہ کی خدمت میں مندرجہ ذیل دو خط لکھے:

لالہ موسٰی 22 نومبر 1932ء

مکرم و محترم جناب حضرت امیر سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضور کا نوازش نامہ بصورت ٹریکٹ مورخہ 17 نومبر 1932ء، جس میں آپ نے توسیع جماعت کی طرف جملہ احباب کی توجہ دلائی ہے، مجھے 21 نومبر 1932ء کو ملا۔ پڑھ کر جملہ کوائف سے آگاہی ہوئی۔ حضور کے لئے درد دل سے دعا نکلتی ہے کہ مجھ جیسے نابکار کاہل انسان کو نیک تحریک میں شامل ہونے کے لئے بیدار کرتے رہتے ہیں۔

2۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آپ برلن مسجد کے موجودہ قرضہ کی ادائیگی سے بےفکر ہوئے۔

3۔ آپ کے ارشاد کے مطابق آیت قرآنی وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (214:26) کو ایک خوشنما قطعہ کی صورت میں اپنے قلب کے کمرے میں آویزاں کر لیا ہے۔ چنانچہ درمیانی رات 21-22 نومبر 1932ء کو اپنے خاص گھر والوں کو جمع کر کے احمدیت کی خوبیاں اور جماعت بندی کے فوائد ذہن نشین کرائے گئے۔ اور میری محترمہ والدہ صاحبہ نے بصد خوشی وخرمی مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کی خدمت میں عرض کروں کہ ان کی ثابت قدمی کے لئے درد دل سے دعا فرما دیں۔ اور والدہ صاحبہ کا نام زینب بی بی درج رجسٹر فرمالیویں۔ نیز محترمہ والدہ صاحبہ نے اگلے سالانہ جلسہ پر سوت کات کر دینے کو قبول فرمالیا ہے۔ یہ بھی کہا کہ ضرور ماہ بماہ آٹے کی صورت میں یا اناج کی صورت میں کچھ دیا کروں گی۔ والدہ صاحبہ گو اس سے پہلے باقاعدہ طور پر شامل جماعت نہیں تھیں، تاہم جب کبھی چندہ وغیرہ مانگا بڑی خوشی سے دیا۔ والدہ صاحبہ نے کئی اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے بچت کر کے کچھ نقدی دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ میں نے اپنی حقیقی پھوپھی سے بھی عرض کی۔ انہوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ روزانہ ایک چھٹانک آٹا

بوقت گوندھنے کے علیحدہ کر دیا کروں گا اور ہر ماہ کے اخیر پر فروخت کر کے اشاعت اسلام میں دیا کروں گا۔ میری محترمہ پھوپھی صاحبہ نے واگذاری برلن مسجد میں پہلے تیرہ روپے کی رقم ادا کر دی ہوئی ہے۔ انشاء اللہ امید ہے کہ وہ بھی داخل جماعت ہو جائے گی۔ زیادہ اور بار بار کیا عرض کروں۔ آج سے فوراً اس جدوجہد میں لگ گیا ہوں۔ آپ کے لفظ لفظ پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کروں گا۔ آپ دعا سے مدد فرماتے رہیں۔

حرکت میں برکت ضرور ہے۔ 22 نومبر 1932ء کا دن تقریباً اسی جدوجہد میں گزارا ہے۔ امید ہے کہ چند ایک خواہش مند غیر از جماعت لوگوں کو اپنی گرہ سے کرایہ دے کر ہمراہ لاؤں گا۔ تا کہ وہ دیکھ لیں کہ جماعت سوائے اشاعت اسلام کے اور کچھ کام نہیں کر رہی۔ والسلام

خاکسار فضل داد کمپ کلرک انسپکٹر کواپریٹو سوسائٹیز لالہ موسیٰ ضلع گجرات

☆☆☆

لالہ موسیٰ ضلع گجرات 23 نومبر 1932ء

مکرم و محترم جناب حضرت امیر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضور نے توسیع جماعت کے متعلق جو جو مبارک تجاویز کیں ہیں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ میری اپنی ذاتی رائے یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو قومی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اور تجویزیں بھی سوچتے رہنا چاہیئے۔ قبلہ حضرت صاحب! میں اپنے تجربہ کی بنا پر یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر احمدیت کی صحیح تصویر کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے اس پر عمل کر کے دکھلایا جائے تو دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوتی ہے۔ میں نے آپ کے دست مبارک پر دسمبر 1925ء پر سالانہ اجتماع کے موقع پر بیعت کی۔ گھر میں پہنچتے ہی مخالفت کا ایک طوفان برپا ہوا۔ دوسروں کا کیا ذکر کروں، والد صاحب اور سسرال نے برملا کہہ دیا کہ اگر تم نے توبہ نہ کی تو ایسی سخت سزا دی جائے گی جس کی نظیر دنیا میں ملنی مشکل ہوگی۔ میں نے نہایت انکساری اور عاجزی سے جواب دیا کہ اگر میرا کوئی فعل خلاف شریعت آپ پائیں تو آپ کو اختیار ہے کہ جو سزا تجویز کریں۔ مجھے منظور ہے۔ انہوں نے اس کے جواب میں صاف صاف کہہ دیا کہ فلاں احمدی کا باپ مر گیا۔ اس نے جنازہ نہ پڑھا، فلاں کی ماں مر گئی اور اس نے جنازہ نہ پڑھا

اور یہ بھی فرما دیا کہ تم مرزا کو نبی مانتے ہو وغیرہ وغیرہ۔ میں نے اپنی دانست کے مطابق ان سے عرض کیا۔لیکن چونکہ وہ ایک عملی نمونہ دیکھ چکے تھے۔اس لئے ان کی تسلی نہ ہوئی۔ میں غالباً چار یوم گھر رہا اور ان ایام میں جو جو تکلیفیں مجھے دیکھنی نصیب ہوئیں۔ بیان سے باہر ہیں۔ میرا کام تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو جاتا اور خوب گڑگڑا کر اور رو رو کر دعا کرتا۔ میں آپ سے سچ سچ عرض کرتا ہوں کہ جو لطف ان ایام کی نمازوں میں آیا ابھی تک نہیں آیا۔اس کے بعد میں نے حتی الوسع کوشش کی کہ لوگوں کے دلوں کو بالعموم اور والدین اور قریبی رشتہ داروں کے دلوں کو بالخصوص تحریک احمدیت کی طرف راغب کروں۔ اللہ کے فضل وکرم سے اب یہ نوبت ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ دار تو درکنار، جوان ایام میں میرے جانی دشمن تھے،آج میرے مداح ہیں۔ وہ لوگ جو مجھے تکلیف پہنچا کر خوش ہوتے تھے۔آج مجھ سے صحیح رائے طلب کرتے ہیں۔اور یہ عام مشہور ہے کہ یہ لڑکا جھوٹ سے نفرت کرتا اور صحیح راستہ سے نہیں بھٹکتا۔ میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کو گن نہیں سکتا کہ جو جو احسانات اس تحریک احمدیت میں شامل ہونے سے عطا فرمائے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک احمدیت کے رنگین رنگ میں انسان رنگا نہ جائے۔احمدی نام لکھانا بجائے اس کے کہ فائدہ ہو۔ جماعت کو بدنام کرنا ہے۔ میں یہ ضرور کہوں گا کہ ایک گاؤں سے ایک آدمی کو احمدیت کے رنگ میں رنگین کرنا سالم گاؤں کے غیر احمدیوں سے بہتر ہے۔یا سالم گاؤں صرف نام کا احمدی ہو جائے۔ چنداں فائدہ نہیں ہے۔آپ جملہ احباب کو اس طرف متوجہ کریں کہ احمدیت کی صحیح تصویر بن جائیں۔تاکہ لوگ اس کو اپنا صحیح رہنما تصور کریں۔ جب تک لوگوں کو اعتماد نہ ہوگا کوئی بات نہیں سنیں گے۔ پہلے اعتماد پیدا کرنا ضروری اور لابدی ہے۔ میں یوں کہوں گا کہ احمدیت ایک پکے مسلم کا دوسرا نام ہے۔احمدی نام رکھ کر جب تک تبدیلی واقع نہ ہو۔احمدیت کو بدنام کرنا ہے۔

توسیع جماعت لازمی اور لابدی ہے۔اس زمانہ میں کثرت اور قلت کا جو سوال ہے۔ بڑا اہم سوال ہے۔ میں اس ضمن میں یہ عرض ضروری کروں گا کہ ایسے لوگوں کو تحریک احمدیت میں شامل کرنے کی دعوت دینی چاہئے۔جن کے دلوں میں اشاعت اسلام کا ولولہ اور جوش کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو۔ جو اپنی ضروریات دنیوی کو لات مار کر تبلیغ دین حق کی اشاعت میں دل وجان سے لگ جائیں اور جہاں

کہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر حملہ ہوتے دیکھیں وہاں اپنی جان تن من دھن کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ بالفاظ دیگر یوں سہی کہ ہمارا جینا ہمارا مرنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی صحیح تصویر پیش کرنے میں ہو۔ جملہ اوصاف حمیدہ ووصف پسندیدہ ایک احمدی میں ہونے چاہئیں۔ ہماری ایک بہت ہی معمولی سی جماعت ہے۔لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اشاعت اسلام کو جملہ دیگر امووارات دنیوی سے اہم سمجھتی ہے اور جس طرف لگ جاتی ہے کچھ کر کے دکھلا دیتی ہے۔ ورنہ ہمارے دوسرے مسلمان بھائی ہم سے کئی لاکھ گنا زیادہ ہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں اور آپ کی ہمت ہے۔آپ میرے لئے درددل سے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جملہ نیک ارادوں میں کامیاب کرے۔آمین۔خاکسار

خاکسار فضل داد کمپ ۔کلرک انسپکٹر۔کواپریٹو سوسائیٹیز۔لالہ موسیٰ ضلع گجرات

۞۞۞

15 دسمبر 1932ء
دعوت امیر

احباب جماعت کی جلسہ سالانہ میں شمولیت

برادر مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جلسہ سالانہ پر شمولیت کے لئے احباب کی خدمت میں یہ میری دوسری چٹھی ہے اور میں اسے مختصر کرتا ہوں۔ جلسہ کی اہمیت کے متعلق صرف ایک بار پھر آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

اول۔ ایک سالانہ اجتماع کی بنیاد خود حضرت مسیح موعود نے رکھی اور اس میں شمولیت کی ضرورت کے متعلق میں حضور کے ہی الفاظ نقل کرتا ہوں۔

''حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتیں سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آ جانا چاہیئے اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا مشغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔ اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے۔ وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔''

دوم۔ ہمارا سالانہ جلسہ کیا ہے۔ ایک مجاہدہ ہے۔ جس میں تین دن کے لئے ہر ایک دنیوی شغل سے الگ ہو کر ہم سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں کہ اعلاء کلمۃ اللہ کس طرح ہو، خدا کا دین دنیا میں کس طرح پھیلے، خدا کا کلام دنیا کی متفرق آبادیوں میں کس طرح پہنچایا جائے۔ یہ وہ کام ہے جو سردار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی غذا تھا۔ اس سے بہتر کام کے لئے اور کوئی اجتماع نہیں ہوسکتا۔ سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے منفرد کر دیا ہے۔

سوم۔ ہمارے ایک نہایت معزز مہمان۔ ایک نومسلم نواب۔ یورپ سے تشریف لا رہے ہیں۔ یورپ جیسے تثلیث اور دہریت کے مرکز میں یہ اسلام کی فتوحات کے وہ نشان ہیں جو مغرب سے

طلوع آفتاب کے مصداق ہو کر ہمارے ایمانوں کو تازہ کرنے والے ہیں۔ ایسے مہمان کا اکرام اور اس کی ملاقات سے قوت ایمانی کو تازہ کرنا یوں بھی ہمارا فرض تھا۔ مگر وہ بھی اگر آتے ہیں تو اس وقت صرف ایک غرض کو مدنظر رکھ کر آتے ہیں کہ خدا کا سچا دین اسلام کس طرح ان ممالک میں پھیلے جہاں آج تک اسلام کی روشنی نہیں پہنچی۔ جس طرح ہمارا ایمان ہے کہ یورپ کا مستقبل اسلام ہے، ان کا بھی یہی ایمان ہے اور وہ واقعات کی بنا پر ہے۔ ایک نو مسلم ناز و نعمت میں پلا ہوا محض خدا کے دین کو قوت پہنچانے کے لئے ہزار ہا میل کا سفر کر کے آتا ہے۔ کیا ہم چند میل ریل میں بیٹھ کر سفر نہیں کر سکتے کہ اپنے اس بھائی سے ملیں جس کی ملاقات شائد زندگی میں ایک ہی دفعہ ہو سکتی ہے۔

چہارم۔ یہ غور کر لیں کہ جو بھی عذر کر کے آپ اس ثواب عظیم سے محروم رہتے ہیں، اس عذر نے کبھی آپ کو اپنے ضروری دنیوی کاموں سے بھی روکا ہے؟

جہاں جماعتیں ہیں وہ جمعہ میں یا علیحدہ اجتماع کر کے ایک دوسرے کی تقویت کا موجب ہوں۔ اور جو کمزور ہیں انہیں دوسرے بھائی اس نیک کام کی، جس پر ہماری قوم کی زندگی اور استحکام کا دارومدار ہے، تحریص دلائیں اور سب مل کر یہ کوشش کریں کہ کوئی دوست اس موقعہ پر پیچھے نہ رہے۔ دو اور باتوں کی طرف بھی توجہ دلانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

1۔ خدا کے دین کی تائید کے لئے حرکت کرنا، تکلیف اٹھانا۔ ذلت اٹھانا، زندگی راحت اور عزت کا موجب ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ ہر ایک دوست کچھ نہ کچھ رقم ضرور جمع کر کے ساتھ لائے۔ ایسا سائل بننا گناہ نہیں جو اپنے نفس کے لئے نہیں، بلکہ خدا کے دین کو قوت پہنچانے کے لئے سوال کرے۔ بلکہ یہ ثواب کا کام ہے۔ اس طرح، اس طرح پر آپ کو تبلیغ کا بھی موقعہ مل جائے گا۔ ابھی آٹھ دن باقی ہیں۔ ان کو ضائع نہ ہونے دیں۔ ہمت کر کے نکلیں اور دیکھیں کہ خدا کتنی برکت دیتا ہے۔

2۔ جماعت کی توسیع کی کنجی یہ ہے کہ ہر ایک دوست اپنے قریب والوں کو رشتہ دار ہو یا دوست سلسلہ میں شامل کرنے کی کوشش کرے۔ جلسہ سالانہ بڑا اچھا موقعہ ہے کہ ایسے لوگوں کو ساتھ لائیں۔ کام آنکھوں سے ہوتا دیکھ کر بہت لوگوں کے دلوں میں نیک کام میں شمولیت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس موقعہ کو یونہی نہ گنوا دیں۔ خاکسار محمد علی

15 دسمبر 1932ء
پیغام صلح کا ''جلسہ نمبر''

مسلم اکابر کے پیغامات

''جلسہ نمبر'' کے لئے مسلم اکابر کی طرف سے مندرجہ ذیل پیغامات موصول ہوئے ہیں۔ ایڈیٹر

جماعت احمدیہ لاہور کی بیش بہا دینی خدمات (از جناب جسٹس شیخ سر عبدالقادر بالقابہ) پیغام صلح کا ''جلسہ نمبر'' جس مقصد کی طرف قوم کو توجہ دلانے کے لئے شائع ہو رہا ہے، وہ ایسا مقصد ہے جس سے ہر مسلمان کو دلی ہمدردی ہونی چاہئیے۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ایک عرصہ سے اشاعت دین کے متعلق بیش بہا خدمات انجام دے رہی ہے۔ اس کے سب سے بڑے رکن اور صدر جناب مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ ہیں۔ جنہوں نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ شائع کر کے انگریزی خواں دنیا کو ممنون احسان کیا ہے۔ آپ ایک ایسے بزرگ ہیں۔ جنہیں اسلام سے سچی محبت ہے اور اہل اسلام بلالحاظ فرقہ وملت ان کی بے لاگ خدمات کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی قدر کرتے ہیں۔ اس انجمن کا سالانہ جلسہ تعطیلات دسمبر میں منعقد ہونے کو ہے اور پیغام صلح، جو اس جماعت کے خیالات کا ترجمان ہے، سب مسلمانوں کو بلا رہا ہے کہ وہ جوق در جوق آئیں اور اس جلسہ میں شریک ہوں۔ چونکہ اسلام کی اشاعت سب مسلمانوں کی مشترکہ غرض ہے اور اس جماعت نے بیرونی ممالک میں اس کی اشاعت کو فرقہ بندی کے خیالات سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور اسلام کی ایسی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔ جسے ہر فرقہ کے مسلمان پہچان سکیں۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ سب مسلمان اس دعوت کو خوشی سے قبول کریں گے اور اسے کامیاب بنائیں گے۔ میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کار خیر میں برکت دے اور ہمارے دوستوں کی مساعی نتیجہ خیز ہوں۔ عبدالقادر

اللہ تعالیٰ انجمن کی کارگزاریوں میں برکت دے: (از جناب ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب بیرسٹر۔ لاہور) ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ میں بھی ''جلسہ نمبر'' کے لئے چند سطور بطور پیغام تحریر کر دوں۔ جس میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی تبلیغی خدمات کا ذکر ہو۔ میں اس انجمن کی کارگزاری سے کئی سالوں سے واقف ہوں اور اب میں نے اس ٹریکٹ کو بھی دیکھا ہے۔ جو دفتر

پیغام صلح سے میرے پاس بھیجا گیا ہے اور جس میں انجمن کے عقائد اور اس کی خدمات دینی و علمی درج ہیں۔ مجھے یہ معلوم کر کے نہایت مسرت ہوئی کہ اس انجمن کے ارکان اور عامۃ المسلمین کے درمیان توحید و رسالت کے متعلق کوئی فرق نہیں۔ اور یہ چیز چونکہ میرے نزدیک اساسی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے میں اس کو بہت اہمیت دیتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ جو تبلیغی کام اس عقیدے کے ماتحت کیا جائے گا وہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی پر منتج ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انجمن کی کارگزاریوں میں برکت دے اور اس کا جلسہ کامیاب ہو۔ (شجاع الدین)

پیام اہل ''پیغام'' کے نام: (از جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی ایڈیٹر اخبار ''سچ'') پیام حقیقی تو بس وہی ایک تھا جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل دنیا کو مل چکا۔ ''پیام سچا''، اس پیام کا لانے والا سچا اور اب ہمارے آپ کے، سب کے فخر و شرف کا منتہیٰ بس یہی ہے کہ اس سچے اور اچھے پیام کی سچائیوں کے ماننے، جاننے، برتنے اور پھیلانے میں اپنے اپنے ظرف، حوصلہ کے مطابق اپنی عمریں صرف کر دیں۔

آپ کے امیر جماعت اور خواجہ کمال الدین صاحب دونوں مستحق مبارکباد ہیں کہ اپنی زندگیاں اس مبارک مشن کے لئے وقف کر دی ہیں۔ ولادت مسیح، وفات مسیح، ظہور مسیح موعود وغیرہ اہم مسائل میں ہمارا آپ کا اختلاف ہے۔ وہ واضح و ظاہر ہے۔ لیکن جو عام خدمات اسلامی آپ کی جماعت ہمت و سرگرمی، جوش و انہماک کے ساتھ انجام دے رہی ہے، ان کی داد نہ دینا ظلم ہے۔ اور داد کیا معنی مجھے تو بار بار رشک آ چکا ہے۔ یورپ، امریکہ میں تبلیغ اسلام کی کوششیں، آپ کے امیر جماعت کا انگریزی ترجمہ قرآن، اردو تفسیر قرآن، سیرت خیر البشرؐ، تاریخ خلافت راشدہ، مقام حدیث وغیرہ متعدد انگریزی اور اُردو تصانیف، نیز خواجہ صاحب کا اسلامک ریویو، ان سب کے ذریعہ سے انگریزی خوانوں تک جو روشنی پہنچ رہی ہے اس کے فیض سے کوئی واقف کار کیسے انکار کر سکتا ہے۔ اللہ ہم کو، آپ کو، سب کو اپنے دین کا سیدھا راستہ دکھائے اور اس کی خدمت کی بیش از بیش توفیق مرحمت فرمائے۔ والسلام

عبدالماجد (ایڈیٹر سچ)

پیغام کشفی: (از جناب سید کشفی شاہ صاحب نظامی) یہ پیغام ہے۔ جو تم کو دیا جاتا ہے تو اس پر عامل ہو

جا۔ مسلمان اس وقت سو رہے ہیں۔ وہ اس پیغام کو بھول گئے ہیں جو ان کو دیا گیا تھا کہ کفر کے قلعوں پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا علم بلند کرو اور ان کفر کی آندھیوں کو دور کر کے توحید کی روشنی پھیلا دو۔ مغربی دنیا پر کفر کی آندھیاں چھائی ہوئی ہیں۔ تو لاہور کے مرکز سے اٹھی اور مغربی دنیا کے مرکزوں تک پہنچ کر کے تو نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا پیغام سنا دیا۔ تو نے ان ہستیوں کو، جو کفر کے باعث تڑپ رہی تھیں، پیغام حیات ان کو سنا دیا۔ تو نے ان کی سرزمین میں اسلام کا بیج بو دیا۔ جو کہ اب نشو ونما پر آ رہا ہے۔ مگر بیج بو کر کے اس کو چھوڑ دینا اور اس کی پرورش نہ کرنا۔ دوبارہ نیند کی غفلت میں سو جانا ہے تو اس سے زیادہ قربانی کے لئے تیار ہو جا۔ تو اس سے زیادہ جان نثاری دکھا۔ تو اس سے زیادہ مبلغوں کی جماعت تیار کر۔ جو صرف مغربی دنیا کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے قریہ قریہ میں پھیل جائیں اور توحید کا پیغام غافل ہستیوں تک پہنچا دے۔ تو اپنے میں ایسی قوت اور جذبہ پیدا کر جس سے کفر کی آندھیاں دور ہو جائیں۔ تو یہ مت دیکھ کہ دوسرے مسلمان کیا کر رہے ہیں یا کیا کہہ رہے ہیں۔ تو اپنا فرض ادا کر اور اس سے زیادہ کر جو اب تک کیا گیا ہے۔ قدرت ربانی تیرے کام کو دیکھ رہی ہے۔ وہی تیری معاون و مددگار ہے۔ اسی کے بھروسہ پر کفر کے شکر میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا نغمہ سنا دے (خادم کشفی نظامی۔ دہلی)

پیغام قریشی: (از جناب مولانا عبدالمجید صاحب قریشی۔ مدیر اخبار ایمان پٹی)۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ آپ کا عمل ہے۔ اصول وضع کرنے بڑے آسان ہیں۔ کتابیں لکھنا بھی آسان ہے۔ باتیں کرنا اور وعظ کہنا بھی آسان ہے۔ کسی تعمیری کام کی تحقیر کرنا اور اس پر مضحکہ اڑانا بھی آسان ہے۔ لیکن کوئی زندہ اور پائیدار تعمیری عمل اور تنظیمی اقدام بڑا مشکل ہے۔

میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے کام کا چنداں مداح نہ تھا۔ اب میں چار سال سے تحریک یوم النبیؐ کے کام میں مصروف ہوں اور چار سال کی شبانہ روز کوششوں اور محنتوں کے باوجود، حالت یہ ہے کہ ابھی اس تعمیری کام کا پہلا قدم بھی نہیں اٹھا سکا۔ اس ذاتی تجربہ کے بعد پہلی دفعہ میں اس حقیقت کا احساس کر سکا ہوں کہ انجمن کا کام کس قدر اہم اور عظیم الشان ہے۔

بے شک! احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی تبلیغی کارگزاری عظیم الشان ہے۔ انجمن کی کامیاب

کوششوں نے کائنات عالم کی تاریخ میں اپنے لئے ایک زرّیں ورق حاصل کرلیا ہے۔ انجمن نے برلن مسجد کی تعمیر، ووکنگ کی آبادی اور انگریزی اور جرمن ترجمۃ القرآن کی صورت میں ملت اسلامیہ کے لئے ایک اتنی بڑی دولت پیدا کردی ہے۔ جس پر ہماری آئندہ نسلیں فخر کریں گی اور فخر کے ساتھ اس دولت کی حفاظت کریں گی۔

انجمن کا ایک اور بہت ہی بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے ان لوگوں پر صاف الفاظ میں ملامت کی جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل ایک نئی اور مستقل نبوت بتدریج قائم کررہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کو بہکا کر منتشر کردیں۔ اور اپنی چھاؤنی آباد کر لیں۔ آج تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ اتنی بڑی دشمنی کبھی نہیں کی گئی۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی اگر تمام مساعی حسنہ سے قطع نظر کرلی جائے تو اس کا صرف یہ والہانہ اعلان کہ ''ہم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو نبی ہرگز نہیں مانتے'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اتنی بڑی خدمت ہے کہ اس کے سامنے گردن بے اختیار جھک جاتی ہے۔

بعض مشہور دینی اور سیاسی مسائل میں ہمارا اختلاف احمدیہ جماعت سے بالکل واضح ہے۔ لیکن اس جماعت کے نظام کی وسعت اور باقاعدگی اس کے کارکنوں کی گرم جوشیاں، اس کے مبلغوں کی عالمگیر حرکت، اس کی مطبوعات کی اشاعت اور ہمہ رسی، ہر سال دو لاکھ روپیہ کی باقاعدہ آمد، اور دو لاکھ روپے کا باقاعدہ خرچ، ایسی خبریں ہیں۔ جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر زبان انکار کرے تو دل انکار نہیں کرسکتا۔ انجمن کا کامیاب تبلیغی پروگرام، اس کا باقاعدہ نفاذ، اس کی مستقل سیر و حرکت اور مسلسل اقدام ہندوستان کے سات کروڑ منتشر مسلمانوں کے لئے درس عبرت ہے۔ سات ہزار احمدیوں کا اتحاد واجتماع تبلیغی میدان میں جو کچھ کررہا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہم سات کروڑ حنفیوں، وہابیوں اور شیعوں کو میسر ہے؟!

میری موجودہ جدوجہد کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم نیکی اور خیرات وحسنات کے کاموں میں انجمن احمدیہ کا زبردست مقابلہ کریں۔ ہم زبان کو چھوٹا کریں اور اعمال کو بڑھائیں۔ ایک لکیر انجمن نے کھینچی ہے ہم اس کے پاس ایک بڑی لکیر کھینچ دیں۔ تاکہ انجمن کی لکیر چھوٹی ہو جائے۔ مجھے اپنی ملت

کے معمار پر حسرت ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اعمال کو دلائل اور الفاظ سے شکست دیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ منہ کی پھونکوں اور ہاتھوں کی تالیوں سے ایک فولادی قلعے کو توڑ دیں۔ یہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ لوگ احمدی ہوں یا نہ ہوں۔ مجھے اس امر کا پورا پورا یقین ہے کہ احمدیہ انجمن کی کامیاب اور عظیم الشان مثال، ایک دن تمام امت کے لئے بیداری کا پیغام ثابت ہوگی۔ اگر ایک دیا سلائی لکڑی کے ایک بہت بڑے ڈھیر کو آگ لگا کر خود فنا بھی ہوجائے تو اس کی یہ فنا نہایت مبارک ہے۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو نیکی فیوض، خدمت دین اور اعلاء کلمۃ الحق کی توفیق دے۔ خاکسار عبدالمجید قرشی۔ (ایڈیٹر ''ایمان'' پٹی ضلع لاہور)

پیغام مہر: (از جناب مولانا غلام رسول صاحب مہر مدیر روزنامہ انقلاب لاہور)۔ مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب ''پیغام صلح''۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میں پیغام صلح کے ''جلسہ نمبر'' کے لئے کوئی مضمون لکھ دوں۔ گزارش ہے کہ مصروفیتوں کے ہجوم کے باعث اتنے قلیل وقت میں کوئی تفصیلی چیز لکھنا بالکل غیر ممکن ہے۔ چند سطریں خدمت گرامی میں بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ انہیں قابل اشاعت سمجھیں تو شائع فرمادیں۔

احمدیہ جماعت سے بعض خاص امور میں اختلاف کے باوجود میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی وسیع دینی وملی خدمات کا ہمیشہ معترف ومداح رہا ہوں۔ غیر مسلموں کے مقابلے میں اسلام کی حفاظت، غیر مسلم ممالک کے مراکز میں مستقل تبلیغی ادارات کا قیام مختلف حلقوں کی ضروریات کے مطابق موزوں ومناسب مبلغین کی تیاری۔ ان میں سے ہر کام اتنا اہم اتنا ضروری اور اس درجہ لازم ہے کہ ہر دردمند مسلمان کو اس کی بجا آوری پر زیادہ سے زیادہ خوش ہونا چاہئیے۔ خواہ ایسے کام انجام دینے والی جماعت سے بعض دوسرے امور میں کتنا ہی اختلاف ہو۔ اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام تو یہ سب کام بیک وقت انجام دے رہی ہے۔ علاوہ بریں انجمن نے پندرہ سولہ ملکی وغیرہ ملکی زبانوں میں مفید اسلامی لٹریچر کا بیش قیمت ذخیرہ جمع کردیا ہے۔ قرآن حکیم، حدیث، سیرت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔ سیرت خلفاء راشدینؓ اور اصول اسلام کے متعلق انجمن کی تحریری خدمات قبول عام کا درجہ حاصل کرچکی ہے۔ تعلیم اور اصلاح معاشرت کے دائرے بھی خالی نہیں رہے۔ انجمن کے زیر اہتمام دو

ہائی سکول چل رہے ہیں۔ نیز دیہاتی آبادی میں مسرفانہ وغیر شرعی رسوم کو روکنے اور غریب مسلمانوں کو سودخواروں کی گرفت سے بچانے کی طرف بھی توجہ مبذول ہے۔ میری دلی آرزو ہے کہ انجمن کی ان مفید مذہبی دملی خدمات کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو جائے۔ اور تمام اسلامی انجمنیں اور جماعتیں اسی استقلال وسرگرمی سے مسلمانوں کی اصلاح وترقی اور دین کی حفاظت اشاعت کو اپنا شعار بنالیں۔ مہر

پیغام سالک: (از جناب مولانا عبدالمجید صاحب سالک۔ مدیر روزنامہ انقلاب لاہور) احمدیوں سے کسی کو عقائد کے معاملے میں کتنا ہی اختلاف ہو لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے ہند اور بیرون ہند کے ممالک میں اسلام اور شارع اسلام کے خلاف شائع ہونے والی غلط بیانیوں کی اصلاح، انسداد ارتداد اور تبلیغ اسلام کے سلسلے میں جس قدر عظیم الشان کام کیا ہے، اس کا اعتراف ہر منصف مزاج انسان کو کرنا پڑتا ہے۔ اس انجمن کے صدر محترم حضرت مولانا محمد علی ایم اے علم ومتانت کے پیکر اور فضل ودیانت کے مجسمے ہیں۔ اور عامہ مسلمین کی مفید تحریکات میں ہمیشہ مخلصانہ شریک ہوتے ہیں۔ لاہوری احمدیوں میں ایک اور امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ اغیار میں تبلیغ کرتے وقت اپنے فرقے کے مخصوص عقائد پر زور نہیں دیتے۔ اور سب سے پہلے غیر مسلم کو اسلام کا حلقہ بگوش بنانے پر اپنی توجہ مرتکز کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس انجمن کو بلا امتیاز فرقہ تمام مسلمانوں کی حمایت حاصل ہے۔ چندروز میں اس انجمن کا سالانہ اجلاس منعقد ہو رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اجلاس کامیاب ہوگا۔ اور انجمن اپنے مفید کام کو پیش از پیش اطمینان اور سرگرمی سے جاری رکھنے کے قابل ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کو لاہوری احمدیوں کے علاوہ عام مسلمانوں کی طرف سے بھی مالی امداد ملتی ہے اور یقیناً ملنی چاہیئے۔ عبدالمجید سالک (ایڈیٹر انقلاب)

پیغام منصور: (ڈاکٹر ابوالحسن منصور احمد صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی) میں نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی کارروائی برلن میں دیکھی ہے اور ایک حد تک لاہور میں بھی میں اس سے وابستہ ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ جو کوشش اور ہمت اس انجمن نے اشاعت اسلام کے متعلق صرف کی ہے، اس کی نظیر آج کل دنیاء اسلام کی کوئی انجمن پیش نہیں کرسکتی۔ تمام مسلمانان ہند و دیگر ممالک اسلامیہ کے لئے میرا یہ مشورہ ہے کہ اشاعت اسلام کے بارے میں اس انجمن کی تقلید وتائید کریں (ابوالحسن منصور احمد)

پیغام واحدی: (از جناب ملا واحدی صاحب ایڈیٹر رسالہ نظام المشائخ دہلی) ۔محترم علیکم السلام ۔آپ کے کئی گرامی نامے ملے ۔آپ کو شائد کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے جو مجھ سے پیغام صلح کے ''جلسہ نمبر'' کے لئے پیغام طلب کر رہے ہیں ۔افسوس ہے کہ میں اتنی قابلیت اور حیثیت نہیں رکھتا کہ کسی جماعت کو پیغام دے سکوں ۔البتہ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کی جماعت میں عمل کی جو قوت ہے ۔وہ برقرار رہے اور ترقی کرے اور مسلمانوں کی دوسری جماعتوں میں بھی یہی بات پیدا ہو۔آپ کی جماعت کی تبلیغی کوششیں اس دور میں تعارف و توصیف سے مستغنی ہیں (خیر طلب) ''واحدی''

☆☆☆

جلسہ پر آنے والے احباب غور کریں کہ خدا کے دین کو قوت پہنچانے کے لئے وہ کیا ساتھ لا رہے ہیں ۔ابھی آٹھ دن باقی ہیں ۔ان سے فائدہ اٹھائیں ۔

محترم بہنوں سے التماس

آپ کے دینی کاموں میں حصہ لینے سے قومی زندگی کی لہر میں قوت پیدا ہوتی ہے ۔سالانہ جلسہ پر شامل ہونے کی کوشش کریں تا کہ آپ کے ایمان کو اور خدا کے دین کو قوت پہنچے ۔محمد علی

15 دسمبر 1932ء

بزرگان واحباب سلسلہ کے پیغامات

ایڈیٹر پیغام صلح کی درخواست پر بزرگان واحباب سلسلہ نے مندرجہ ذیل پیغامات ''جلسہ نمبر'' کے لئے عنایت فرمائے۔ جو بصد شکریہ شائع کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا صدرالدین صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی: میرا یقین ہے کہ قومی اجتماع پر اللہ تعالیٰ کی جناب سے برکات نازل ہوتی ہیں۔ ہمارے دوستوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ ان برکات سے حصہ حاصل کریں۔ علاوہ اس کے یہ اجتماع ہمارے دوستوں کے وجدان اور عرفان کو زیادہ کرنے کے لئے ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ بیرن عمر کی زیارت کرنا گویا مجدد زمان کی صداقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ یہ وہ صداقت ہے جس کا انکار دشمن بھی نہیں کرسکتا۔ احباب کرام کو علم ہے کہ بیرن صاحب کی تشریف آوری کی ایک غرض یہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ جرمن زبان میں کیا جارہا ہے۔ اس پر ایک غائر نظر ڈالیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ تیرہ پارے تک کا ترجمہ ان کی آمد کے دن تک ختم ہو چکا ہوگا (صدرالدین)

حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب: لوگ کہتے ہیں کہ احمدیہ جماعت لاہور دوسرے مسلمانوں میں جذب ہوتی جاتی ہے اور یہ اب احمدیت کی تبلیغ نہیں کرتی۔ اگر ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ احمدیت کوئی اسلام سے باہر چیز ہے تو وہ غلطی پر ہیں۔ اور اگر ان کی یہ مراد ہے کہ احمدیت اشاعت اسلام کرنے والے گروہ کا نام ہے۔ تو بھی ان کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ ہم خدا کے فضل سے اپنی حیثیت کے مطابق مالی اور قلمی جہاد میں مصروف ہیں۔ ہمارے علم کلام کا اثر ہمارے مخالفین میں بھی موجود ہے۔ وہ غیر مذاہب سے مباحثات میں اس سے کام لیتے ہیں۔ آج دنیا میں اسلام کی صحیح تصویر سوائے اس جماعت کے لٹریچر کے اور کہیں نہیں پائی جاتی۔ پھر اشاعت اسلام اور حفاظت کے کام میں جو نصرت الٰہی اس جماعت کے شامل حال ہے۔ وہ پکار پکار کر بتا رہی ہے کہ اللہ کا فضل ہمارے ساتھ ہے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے　　لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

یورپ اور ایشیاء میں جہاں کہیں بھی اس جماعت نے تھوڑا سا قدم اٹھایا، اللہ نے اس کے

لئے فتح کے دروازے کھول دیئے۔ کسر ہے تو یہ ہے کہ ہم نے ابھی تک اشاعت اسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف نہیں کیا اور نہ حقیقی طور پر دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے۔ اگر جلسہ سالانہ میں اس کے لئے کوئی تجویز کی جائے تو امید ہے اللہ کی جناب سے ایسے ایسے فضلوں کی بارش ہو۔ جن کی روشنی ساری دنیا کو چکا چوند کردے۔ بے شک ہم پولیٹیکل جماعت نہیں ہیں۔ ہم میں جھوٹا پروپیگنڈا کرنے کی قابلیت نہیں۔ ہم چالبازی کی راہوں سے بالکل ناواقف ہیں۔ ہم گورنمنٹ کی خوشامد نہیں کر سکتے۔ ہم مسلمان ہیں۔ مسلمانوں سے محبت کرتے ہیں۔ ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ جو کہتا ہے کہ ہم ان میں جذب ہو جائیں گے اسے معلوم ہونا چاہئیے کہ ہم ان سے جدا پہلے بھی نہیں ہیں۔ ہم خادم اسلام ہیں۔ اس سے زیادہ ہمارا اور کوئی دعوٰی نہیں۔ ہاں جو مذہب ملانوں نے اسلام کی جگہ تجویز کیا ہے۔ اس کی اصلاح ہمارا کام ہے اور وہ ہو رہا ہے۔ اگر کسر ہے تو یہ کہ ہم جو کوشش کا حق ہے وہ ادا نہیں کر رہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے والی ساری قوم جمع ہو اور سوچے کہ غفلت کس طرح دور کی جا سکتی ہے۔ اس لئے التماس ہے کہ برادران اس جلسہ سالانہ میں ضرور تشریف لائیں اور وہ کام دنیا کو کر کے دکھائیں جس نے صحابہ کرامؓ کو ساری دنیا میں متاثر کر دیا تھا۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔ خاکسار سید محمد حسین

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب: میں اپنے جملہ برادران طریقت کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اپنے قومی سالانہ جلسہ میں شامل ہو کر اپنے اس دینی فرض کو ادا کریں جو اشاعت اسلام کے لئے مال اور نفس کے جہاد کے طور پر قرآن نے ان کے سر پر ڈالا ہے۔ ہماری جماعت ایک مجاہدین کی جماعت ہے اور ہر ایک قدم جو وہ حفاظت واشاعت کے لئے اٹھاتی ہے، اس جہاد کبیر کا حصہ ہے جس کے لئے اس نے اپنے امام وقت کے ہاتھوں پر عہد کیا تھا۔ یہ کوئی نفل نہیں کہ دل چاہا تو اس میں حصہ لے لیا اور دل چاہا تو نہ لیا۔ قرآن کی اشاعت اقصاء عالم میں جہاد کبیر ہے۔ جو فرض اولٰی ہے۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا. (52:25) اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کو قرآن کریم نے مخلّفین کا نام دیا ہے۔ سورہ توبہ پڑھو اور دیکھو کہ مخلّفین کا شمار کن لوگوں میں ہے۔ ان کے لئے کیا کیا وعید ہے پس دعا کرو اور کوشش کرو کہ ہم مخلفین سے پیچھے رہ جانے والوں میں سے نہ ہوں۔ اور خدا کے لئے سب سے پہلے مال اور جان سے جہاد کرنے میں سبقت لے جانے والوں

میں سے ہوں۔ اس جہاد کا بوجھ صرف انجمن کے سر سمجھنا غلطی ہے اور ان کے سر پر ڈال کر بیٹھ رہنا اپنی ذمہ داری سے دانستہ یا نادانستہ غفلت ہے۔ جو عنداللہ نا قابل معافی ہے۔ کیونکہ ہم اس کے ایک مامور کے ہاتھ پر عہد کر چکے ہیں۔ عہد کا توڑنے والا فاسق کہلاتا ہے۔ پس اس سے بچو۔ انجمن محض جماعت کی ایک نمائندہ ہے۔ اور اس کے افراد محض انتظام کے لئے جماعت نے مقرر کئے ہیں۔ اصل کام یہ ساری جماعت کا ہے۔ جس کا چھوٹے سے چھوٹا فرد خدا کے سامنے اسی طرح ذمہ داری ہے جیسا کہ بڑے سے بڑا افرد۔ پس اپنے فرض اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور اس جلسہ میں، جس کا مقصد فقط خدمت دین ہے، شامل ہو کر عنداللہ ماجور ہوں۔ والسلام علیٰ من اتّبع الھدیٰ نے۔ خاکسار بشارت احمد۔

(ہم حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ کے بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے پیغام کے علاوہ مضمون بھی عنایت فرمایا۔ جو اسی اشاعت میں درج ہے)

جناب مولانا محمد یعقوب خاں صاحب۔ بی۔ اے ایڈیٹر لائٹ: کوئی خدا کی طرف ایک قدم چلتا ہے، خدا اس کی طرف دس قدم چلتا ہے۔ ویسے تو احمدیوں کی مجاہد قوم بارہ مہینے اپنے اموال اور اوقات سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مصروف جہاد رہتی ہے اور یہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنا ہے۔ لیکن لفظی معنوں میں خدا کے راستے میں گھر سے نکل پڑنا اور چل پڑنا اپنے اندر ایک خاص کیفیت رکھتا ہے۔ ممکن ہے ایک دنیادار کی آنکھ میں یہ بھی ایک قسم کا جنون ہو۔ لیکن اس جنون کے سرور کو اس آسمانی سلسلہ کے احباب، جو سال بہ سال اس سالانہ اجتماع میں شامل ہوتے ہیں، بخوبی جانتے ہیں۔ میں خود اس نعمت سے محروم ہوں۔ اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی لاہور سے کہیں باہر سکونت پذیر ہوتا اور اس موقع پر بستر باندھ کر احباب کی معیت میں خدا کے راستے میں چل کر آتا۔ اس مادیت اور دہریت کے زمانہ میں ایک سعید باخدا انسان کی ملاقات اور محبت ایک بڑی نعمت ہے۔ چہ جائیکہ سالانہ جلسہ جیسا عظیم الشان اجتماع ہو۔ جس میں دور دراز کے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کی سعید روحیں کشاں کشاں محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبت کے لئے جمع ہوتی ہیں۔ سال کا آخری ہفتہ ہندوستان میں جلسوں اور جلوسوں کا ہفتہ ہوتا ہے۔ یہ سب جلسے اور جلوس دنیاوی اغراض کے لئے ہوتے ہیں۔ اور انسانی ہاتھوں کے قائم کردہ۔ انسان کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز خدا کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز کا کب مقابلہ کر سکتی ہے۔

ہمارا سالانہ اجتماع صرف خدا کی رضا کے لئے ہے۔ بلکہ خدا کے پاک اور طاقتور ہاتھ کا قائم کردہ ہے۔ مجھے اس دوست سے ہمدردی ہوگی جو کسی وجہ سے اس نعمت سے محروم رہے اور خدا کے راستے میں چلنے والوں کی فہرت میں اس کا نام نہ آسکے۔ محمد یعقوب خاں

مولانا عصمت اللہ صاحب مبلغ اسلام: سالانہ جلسہ کے دن قریب آپہنچے ہیں۔ میرا ارادہ تھا کہ احباب کی خدمت میں خود حاضر ہوتا اور حاضر ہو کر تاکید کرتا کہ اس قومی اجتماع کو ہر حیثیت سے کامیاب بنانا نہایت ضروری ہے۔ مگر بخار اور پھوڑے نے لاچار کر دیا اور میں اپنی اس آرزو کو پورا نہ کر سکا۔ مجبوراً ان چند سطروں کے ذریعہ سے التماس کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ احباب کرام میرے اس نیاز مندانہ پیغام کو توجہ سے پڑھیں گے اور دوسروں کے کانوں تک پہنچائیں گے۔

مخالفین اپنی مخالفت میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور آئے دن احمدیت کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے سوچتے رہتے ہیں۔ جو قوم شدت مخالفت کی حالت میں اپنے بچاؤ کی تدبیر نہیں کرتی اور اپنے حصار کو مستحکم نہیں بناتی اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتی ہے، وہ کامیابی کی منزل مقصود سے بہت دور جا پڑتی ہے۔ اس لئے ضروری اور نہایت ضروری ہے کہ احباب کرام اب کے سالانہ جلسہ پر نہ صرف خود ہی تشریف لائیں بلکہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی ساتھ لانے کی پوری پوری کوشش فرما دیں۔ اور ثابت کر دیں کہ احمدیوں میں بھی جان ہے۔ اور ان کا یہ عہد، کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے، اتنا بڑا پکا عہد ہے۔ جس کو دنیا کی کوئی طاقت توڑ نہیں سکتی۔ اس کے ساتھ یہ بھی التجاء ہے کہ اوقات عبادت میں اس اپنے خادم کو بھی یاد رکھیں اور بارگاہ مجیب الدعوات میں دعا فرما دیں کہ وہ اس عاجز کی بیماری کو دور کرے اور کچھ مزید مہلت خدمت دین کی مرحمت فرمائے۔ بندہ عصمت اللہ

جناب مولانا احمد صاحب: **يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ**. (31:46) ترجمہ: اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔ وہ تمہارے قصور تمہیں معاف کر دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔

اس آیت میں ''داعی اللہ'' سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مگر امام وقت اور مجدد عصر چونکہ آپ کا خلیفہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا مامور۔ اس لئے اس کو قبول کرنا اور اس کے بنائے ہوئے راستوں

پر چلنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت اور آپ کی ہدایتوں پر چلنا ہے۔ اور قصوروں کے معاف ہونے کا موجب ہے اور عذاب الیم سے بچنے کی راہ ہے۔ ہر ایک قوم اور جماعت اپنی سمجھ اور اجتہاد سے اپنے لئے راہ عمل تجویز کرتی ہے اور اس پر گامزن ہوتی ہے اور اس کے لئے ہر ایک قسم کی قربانی کرتی ہے۔ یہ ایک یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو پھیلانا جہاد کبیر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی منشاء کو پورا کرنا ہے۔ اور اسی لئے انبیاءؑ بھیجے جاتے ہیں اور یہ جہاد دائمی اور غیر موقت فریضہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ جماعت احمدیہ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو امام اور مامور کر کے اپنا منشاء ان پر ظاہر کیا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان آپ کو تسلیم کر کے تبلیغ اسلام میں لگ جائیں۔ ہمارے سالانہ جلسے کا مقصد چونکہ اسلام کے کام میں قوت پیدا کرنا اور اسے توسیع دینا ہے۔ یا بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کے منشاء کو پورا کرنا ہے۔ جو ذاتی اغراض اور خواہشات سے پاک ہے اور یہی انسان کا سب سے اعلیٰ اور بلند مقصد ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہمارے دوستوں پر لازم ہے کہ اپنے چھوٹے چھوٹے مقاصد اور اغراض اس بڑے مقصد پر قربان کر دیں۔ اور جلسہ سالانہ میں شرکت اور اس کے مقاصد کو باقی تمام ضروریات پر مقدم کریں۔ کیونکہ یہی کامیابی کی راہ ہے۔ اور داعی اللہ کی قبولیت اور اس کے بنائے ہوئے راہوں پر چلنا ہے اور یہی ہماری کمزوریوں کا علاج اور دکھوں سے نجات کا راستہ ہے۔ اور یہی رضاء الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ سے۔ جناب حافظ محمد حسن صاحب۔ بی اے۔ ایل ایل بی وکیل گجرات: مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب پیغام صلح۔ السلام علیکم۔ آپ مجھ ایسے غفلت شعار سے قارئین پیغام صلح کے لئے کوئی پیغام چاہتے ہیں! خوب!!! اس سال پنجاب بھر میں مخالفت کا ایک طوفان احمدیت کے خلاف رہا۔ اخباروں کے ذریعے لیکچروں اور پوسٹروں کے ذریعے، فحش گیتوں، پھبتیوں کے ذریعے، تمسخر اور استہزاء کے رنگ میں غرضیکہ ہر طور طریق پر ہمارے علماء کرام اور لیڈران ملت نے تحریک احمدیت کے خلاف زہر اگلا اور ایسی فضاء پیدا کر دی کہ بظاہر اس سلسلہ کے نشو ونما کا کوئی امکان نہ رہا۔ مگر اس زندہ اور کارکن جماعت کو کوئی طاقت مرعوب نہ کر سکی۔ ان کی رفتار ترقی پہلے سے زیادہ تیز ہوگی۔

اس سال کساد بازاری اور اقتصادی بدحالی نے یورپ کی متمول اقوام کی کمر توڑ دی ہے۔

ہماری جماعت تو کوئی متمول جماعت ہے نہیں۔ ہمارے اہل صنعت وحرفت، زراعت پیشہ اصحاب اور مزدور طبقہ سخت قلاّ اور مفلس ہو رہے ہیں۔ مگر آفرین ہے ان کی ہمتوں پر کہ جماعت کے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہونے دی۔ ہر سال خاصی تحریکات بھی کی جاتی ہیں۔ اور ہمیشہ زندہ دلان جماعت اپنی اپنی طاقت سے بڑھ کر لبیک کہتے رہے ہیں۔ اس سال حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کی دردناک اپیل نے جماعت میں ایک زبردست زندگی کی لہر دوڑا دی ہے اور سرفروشوں نے قربانی کی وہ سپرٹ دکھلائی کہ مخالفین حیران رہ گئے۔ انجمن کی تمام مشکلات آن واحد میں حل ہوگئیں۔ اسی جماعت کے لئے آپ مجھ سے پیغام چاہتے ہیں۔ میرا پیغام یہی ہے کہ خدا اس جماعت کے ان افراد میں، جو میری طرح غفلت اور کاہلی میں اپنا قیمتی وقت کھو رہے ہیں، نور ایمان پیدا کرے۔ انہیں عمل کی طاقت بخشے۔ خدا میرے جیسے ناکاروں کو جماعت کے لئے مفید اور کارآمد بنائے۔ آمین ثم آمین۔ خاکسار محمد حسن از گجرات

از جناب سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی سکول لاہور: برادران من۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جلسہ سالانہ بہت قریب آرہا ہے۔ لہٰذا میں احباب کی خدمت میں پرزور اپیل کرتا ہوں کہ سالانہ جلسہ میں ضرور شامل ہوکر تمام دیگر اقوام کے سامنے اپنے اتحاد اور اخوت کا نمونہ پیش کریں۔ جب دیگر اقوام اپنے باطل معبودوں کے سامنے سر جھکاتی ہیں اور زور شور سے اپنے قومی اجتماع کے نمونے پیش کرتی ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم جو صرف اعلاء کلمۃ الحق کے لئے قومی اجتماع کرتے ہیں۔ کیوں جمع ہو کر دعاؤں میں شامل نہ ہوں۔ اور ثواب دارین حاصل کریں۔

اس دفعہ یہ سالانہ جلسہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ آپ کے دو معزز بھائی ڈاکٹر پروفیسر محمد عبداللہ صاحب امام مسجد برلن اور بیرن عمر انفلز بڑی دور سے تشریف لا رہے ہیں۔ اس لئے میں بھی احباب کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ کم از کم اس دفعہ ضرور باقی تمام مصروفیتوں کے باوجود جلسہ میں شمولیت کو ضروری سمجھیں اور اپنے معزز مہمان کی آمد پر ثابت کر دیں کہ آپ بھی ایک زندہ قوم ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ زندہ رہنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ یہ درست ہے کہ سالانہ جلسہ پر ہم سے آپ کی کماحقہ خدمت نہیں ہوسکتی۔ لیکن آپ جس غرض کو لے کر اس موقعہ پر شمولیت اختیار کر رہے ہیں۔ اس کے حصول کے لئے ایسی رکاوٹیں بالکل ہیچ ہیں۔ اور جو قوم پہلے ہی مجدد وقت کے ہاتھ میں ہاتھ

دے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا وعدہ کر چکی ہو، وہ ایسی ایسی ناچیز باتوں کو کب خاطر میں لاتی ہے! وہ تو اس نشہ میں سرشار ہوتی ہے کہ ہم نے اس مقصد اعلیٰ کو حاصل کرنا ہے جس کی غرض سے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ سبحان اللہ! کیا ہی اعلیٰ وارفع مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے اس کے سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین

جناب خان بہادر میاں غلام رسول صاحب تمیم جھنگ: اول تو انسانی فطرت ہی اس کارزار دنیا میں خارجی تاثرات کی محتاج ہے۔ جس طرح آنکھ بصارت کی پوری استعداد رکھنے کے باوجود سورج کی اور کان سماعت کی مکمل طاقت رکھتے ہوئے ہوا کا محتاج ہے، اسی طرح قوت عمل بھی تحریک، تحریص، صیقل اور نمونہ کی محتاج ہوتی ہے۔ اور اس کا بہترین اور موثر ترین ذریعہ تمدن اور اجتماع ہوتا ہے۔

یہ حقیقت بھی مسلّمہ پر سورج سے بھی روشن تر ہے کہ دنیا نے اپنی عمر بھر کے علوم اور تجربات کے بعد آخر ترقی کا راز باہمی اجتماع میں پایا اور یہ زمانہ بھی اجتماعات کا زمانہ ہے۔ اور بڑے سے چھوٹے تک ہر ایک اشتراک خواہ نسلی ہو یا اعتقادی یا اقتصادی، اسی اصول اجتماع کے ماتحت ترقی کے کارزار میں سرتوڑ ساعی ہے اور اجتماع کی طاقت اور سعی کے زور کے مطابق مکافات عمل کا انعام یا اس راز سے بےعلمی یا غفلت کے ماتحت سزا بار رہا ہے۔

مگر اس ترقی کی رو میدان مادیات میں ہے اور دنیا میں روحانیت کے دھندلے سے بقایا آثار بھی اسی سیل کی رو میں بہہ جانے کو ہیں اور دنیا کا یہ گرم خون خود اس کے اپنے ہی خرمن کو جلا دینے کو تھا کہ اللہ کریم نے اپنی قدیمی سنت کریمانہ کے مطابق عین وقت پر اپنا ایک مامور قرآنی نسخہ کے ساتھ ہم میں مبعوث کیا۔ تاکہ وہ چودہ سو برس گذشتہ والے انقلاب کا اعادہ کر کے الٰہی وعدوں کے مطابق پھر وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا سماں دنیا میں قائم کر دے۔ چنانچہ مامور اپنا فرض احسن طور پر پورا کر کے اپنے خدا سے جا ملا اور وہ بار امانت تم نے اللہ کو گواہ کر کے اپنے کندھوں پر لیا اور یوں دنیا بھر میں اپنے اعتقاد اور قوت عمل کے مسند پر امتیاز کا علم بلند کیا اور اعلاء کلمۃ اللہ میں دنیا کو چیلنج کیا۔ ایک طرف اپنی بے مائگی اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی نصرت بجائے خود ایک معجزہ ہے اور محتاج بیان نہیں۔ اسی کام میں سعی مزید اور تدابیر مفید کے مراسلہ کے لئے ہمارا بھی یہ سالانہ اجتماع ہے اور اسی مامور کے

جانشین انجمن کی طرف سے دعوت ہے۔ تمہارا جرمنی کا مجاہد بھی چھ سات سال کے جہاد کے بعد ایک آسٹرین نومسلم نواب کے ساتھ اس موقع پر آ رہا ہے اور تمہاری طرف سے صرف تین دن کا وقت اور کرایہ وغیرہ کے چند پیسے درکار ہیں۔ اب آپ ہی فیصلہ کر لیں کہ اس موقع پر آپ کا کیا فرض ہے اور آپ کہاں تک اس کی ادائیگی پر تیار ہیں۔ والسلام مع الاکرام غلام رسول

جناب میاں عالم الدین صاحب ایڈووکیٹ شیخوپورہ: برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! بدستور سابق اجتماع قومی تعطیلات دسمبر میں منعقد ہونا قرار پایا ہے۔ برادران قوم کے لئے اس سال جلسہ کی اہمیت از بس ضروری ہے۔ علاوہ دیگر فیوض وبرکات کے جو اجتماع قومی کے انعقاد سے ہر سال حاصل ہوتے ہیں۔ انجمن کی کوشش سے ایک معزز مہمان اور نئے حلقہ بگوش اسلام ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب مبلغ اسلام امام مسجد برلن کے ساتھ جلسہ کے ایام میں لاہور تشریف لا رہے ہیں۔ جلسہ کی رونق بڑھانے کے لئے اور ان معزز مہمانوں کا خیر مقدم کرنے کے لئے جماعت کے ہر فرد کا فرض اولین ہے کہ وہ خود بھی جلسہ میں موجود ہو اور دیگر احباب کو بھی ساتھ لاوے۔

صحیح واقعہ یوں ہے کہ دور بیٹھے بٹھائے ہر کام کا صحیح اندازہ بذریعہ اخبارات وکتب نہیں ہوسکتا ہے۔ جو جیسی شاہدہ سے ہونا لازمی ہے۔ مزید برآں اس موقعہ پر قوم کے جملہ اکابر و بزرگ جمع ہوں گے۔ ان کے کلام اور صحبت سے فائدہ اٹھانا جماعت کے ممبران کے لئے باعث حسنات وبرکات ہوگا۔ جماعت کی بزرگ ترین ہستیوں سے حصول فیضان کا یہ بھی ایک نادر موقعہ ہے۔ ہر جماعت کی حیات کے لئے یہ لازمی ہے کہ ممبران جماعت آپس میں بار بار ملنے، تبادلہ خیالات کرنے اور ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اجتماع سے نئی طاقت حاصل کرنے اور گذشتہ خامیوں اور فرد گزاشتوں کو دور کرنے کی سعی میں مصروف رہیں۔ نیز کارکنان انجمن ممبران جماعت سے توقع کرتے ہیں کہ وہ کام کا خود ملاحظہ کر کے جہاں جہاں صلاح اور مشورہ کی ضرورت ہووے، ان کو اپنی مفید رائے سے مستفیض فرماویں۔ ممبران جماعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ساتھ غیر از جماعت احباب کو بھی ساتھ لانے کی کوشش فرماویں۔ جنہیں اسلام سے دلچسپی ہو۔ تاکہ وہ خود آ کر دیکھیں کہ ہماری مختصر سی جماعت نے کس قدر اہم کام اپنے ذمہ لے رکھے ہیں۔ اور کس خوش اسلوبی کے ساتھ تبلیغ اسلام اور اشاعت کتب دینیات

کے کام کر رہی ہیں۔ سالانہ جلسہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی تھی اور ہماری جماعت، جو حضرت مسیح موعود کی حقیقی جانشین اور ان کے مبارک مشن کی حقیقی علمبردار ہے، ہمیشہ سے سے جلسہ کی اہمیت کو تسلیم کرتی رہی ہے اور اس کی کامیابی کے لئے کوشاں رہی ہے۔ میں جماعت کے ہر ایک فرد سے امید رکھتا ہوں کہ وہ خود بمعہ اپنے کنبہ و خاندان جلسہ میں حاضر ہونے کی کوشش کرے گا۔ جو احباب جلسہ کی اہمیت اور احباب جماعت سے میل جول کی اہمیت کو تسلیم نہیں کرتے، مجھے ڈر ہے کہ وہ نامعلوم طور پر جماعت سے دور جا رہے ہیں۔ خاکسار عالم دین ایڈووکیٹ

مخلص اسلامی کارکنوں کی جماعت: (از جناب عبدالمجید خاں لشاری خلف الرشید جناب خان صاحب ملک فتح شیر خان صاحب میونسپل کمشنر و آنریری مجسٹریٹ لاہور)۔ ارباب عقل وخرد سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ اسلام اور اہل اسلام کی ترقی و بہبود صرف اتحاد و تنظیم میں مرکوز رہی ہے۔ جب تک اہل اسلام اتفاق واتحاد اور یک جہتی کے زریں اصول پر کاربند رہے، ہر طرح اور ہر جگہ یہ لوگ ایک سیلاب عظیم کی طرح میدان عروج و ترقی میں بڑھتے رہے اور جب سے عام اسلامیوں نے ان اوصاف حمیدہ کو خیر باد کہی تو دین و دنیاوی برکات نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ لیکن زمانہ کبھی بھی مخلص اسلامی کارکنوں سے خالی نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین متین کی خدمت کے لئے کوئی نہ کوئی گروہ پیدا کرتا رہا ہے۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی، جبکہ عام اہل اسلام غفلت و جمود کی گہری نیند میں خراٹے لے رہے ہیں، مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت بطریق احسن اسلامی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ میری مراد اس سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس جماعت نے بلا مبالغہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کو از سر نو تازہ کر دیا۔ اس چھوٹی سی مگر نہایت دیندار منظّم جماعت نے وہ وہ کام کر دکھائے کہ باید و شاید۔ فتنہ ارتداد کے دبانے میں انہوں نے بھی دیگر مسلمانوں کی طرح نہایت ایثار و اخلاص سے کام کیا۔ مجھے مولوی عبدالمالک آف کھوڑیاں (سابق مشیر مال ریاست بہاولپور) کی وہ نہایت منصفانہ رائے ہمیشہ یاد رہے گی کہ فتنہ ارتداد کو دبانے اور مسلمانوں کے گھروں میں صدائے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پہنچانے میں جس قدر تن وہی اور جانفشانی سے احمدی مبلغوں نے کام کیا ہے۔ اس کا نمونہ صرف سلف صالحین میں ہی نظر آتا ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ احمدیہ انجمن اشاعت

اسلام لاہور نے نہایت اہم اسلامی خدمات سرانجام دی ہیں۔ انجمن ہذا یورپ میں بھی سب سے بڑی اسلامی خدمت یعنی تبلیغ اسلام کا کام کر رہی ہے۔ چنانچہ ووکنگ کا اسلامی مشن، جو یورپ کی سرزمین میں پہلا اسلامی مشن ہے، اس جماعت کا ہی قائم کیا ہوا ہے۔ جس کی محنت شاقہ و بلیغ جدوجہد سے لارڈ ہیڈلے جیسے معزز انگریز دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ علیٰ ہذا القیاس برلن دارلسلطنت جرمنی میں بھی تقریباً دولاکھ روپے کے خرچ سے اس انجمن نے ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی ہے۔ جہاں پر ہر روز پانچ دفعہ اللہ اکبر کی آواز اہل کفر والحاد کے کانوں میں پہنچ رہی ہے۔ اس انجمن نے اپنے اکثر مبلغین غیر ممالک مثلاً جاوا، سماٹرا، سیام، افریقہ وغیرہ میں بھیج رکھے ہیں۔ انجمن ہذا مسلمانوں کی بہبودی عام کے فرائض سرانجام دینے سے کبھی کسی طرح قاصر وکوتاہ دست نہیں رہی۔ چنانچہ اس نے دو مسلم ہائی سکول کھول رکھے ہیں۔ ایک تو یہیں لاہور میں اور دوسرا دیہاتی طبقہ کی تشنگی علم بجھانے کے لئے قصبہ بدوملہی ضلع سیالکوٹ میں۔ علاوہ ازیں دیگر زبانوں میں عقائد اسلامی کا لٹریچر پھیلانے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔ انجمن کی تصنیفات ہی اس پر شاہد عادل ہیں۔ عبدالمجید خاں

ایک نوعمر بچی کا پیغام: (عزیزہ رشیدہ لشاری بنت جناب خان صاحب ملک فتح شیر خان صاحب میونسپل کمشنر و آنریری مجسٹریٹ لاہور) آج مسلمانوں کے ایمان کی شکستہ کشتی دریائے فنا میں ہچکولے کھا رہی ہے اور جبکہ کفر و جہالت کی ابھرتی ہوئی لہریں اس کمزور نیا کو پاش پاش کر دینا چاہتی ہیں۔ ہمیں ضرورت ہے کہ ہم ہوش سے کام لیں۔ کبھی اہل اسلام کی دینی محبت اور خدا کی وحدت کے بلند نعرے فضا میں گونجا کرتے تھے۔ لیکن آج انہی مسلمانوں کی بیقرار آرزوئیں خاموشی کی حسرتیں بن چکی ہیں۔ وہ بہادر اور غیور مسلمان، جن پر اسلام کو ناز تھا، آج بستر خود فراموشی پر غفلت کی نیند سوتے ہیں۔ ان کے جذبات مردہ ہو چکے ہیں۔ ولولے ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ ان کی روح خوابیدہ ہے۔ آزادی کے لمحے دل سے فراموش ہو چکے ہیں اور اخوت باہمی کے کارنامے اب گزری ہوئی داستانیں بن کر رہ گئی ہیں۔ ایسے میں انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں روشنی کی کرن ہے۔

عرض حال: ''جلسہ نمبر'' جس کا اعلان پیغام صلح کی گذشتہ چند اشاعتوں میں ہوتا رہا ہے، آپ کے سامنے ہے۔ یہ پیغام صلح کی طرف سے قوم اور قارئین کی خدمت میں ایک معمولی نذر ہے امید ہے۔ وہ

اسے قبول فرمائیں گے افسوس وقت کی قلت اور دوسری مشکلات کی وجہ سے ہم اسے اپنے ارادے اور خواہش کے مطابق تیار نہ کر سکے۔ یہ جو کچھ بھی آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ خدا کے فضل اور بزرگوں اور دوستوں کی امداد کا نتیجہ ہے۔

دسمبر کا مہینہ قومی کارکنوں اور رہنماؤں کے لئے سخت مصروفیت کا زمانہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اکثر قومی اجتماعات اسی مہینہ کے ہفتہ کے آخر میں منعقد ہوتے ہیں۔ لاہور کے بزرگان واحباب سلسلہ سالانہ جلسہ کی تیاریوں میں منہمک ہیں اس سال آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس بھی لاہور میں منعقد ہو رہا ہے۔ لاہور کے اکثر مقتدر مسلمان اس کے انتظامات میں مصروف ہیں۔ علاوہ ازیں ہندوستان کے بہت سے قومی کارکن گذشتہ ہفتہ لکھنو کانفرنس اور لاہور کانفرنس کی طرف متوجہ رہے۔اس لئے ہمیں بزرگان واحباب سلسلہ اور دیگر حضرات کے مضامین و پیغامات حاصل کرنے میں بہت وقت اور تاخیر ہوئی۔ تاہم ان تمام احباب کے، جنہوں نے ہماری استدعا پر جلسہ نمبر کے لئے اپنی نہایت ہی قیمتی تحریریں عنایت فرمائیں، بے حد ممنون ہیں۔ خداوند کریم ان کو جزائے خیر دے۔

قومی کاموں کی کامیابی کے لئے نوجوانوں اور خواتین کی شرکت لازمی ہے۔ تاریخ اور خاص کر تاریخ اسلام ہمیں بتلاتی ہے قوم کے ان دو طبقوں کی شرکت کے بغیر قومی تحریکات بے جان ہیں۔ نوجوان قوم کی قوت عمل کی روح ہوتے ہیں۔ عورت قومی گاڑی کا ایک پہیہ ہے۔ ایک پہیہ کو بیکار اور روح عمل سے قطع تعلق کر کے ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں؟ جس طرح ہم نے قومی اجتماعات کے لئے ہمیشہ نوجوانوں اور خواتین کو خاص طور پر پکارا ہے، اسی طرح ''جلسہ نمبر'' کی تیاری کے لئے بھی ان کو دعوت دی۔ خدا کا شکر ہے جلسہ نمبر کے صفحات ہمارے قابل قدر نوجوانوں اور بعض مقتدر مسلم خواتین کی تحریروں سے مزین ہیں۔ ہم معزز خواتین کے خاص طور پر ممنون ہیں جنہوں نے بہت ہی قلیل وقت میں اخبار کے لئے پیغامات تحریر کر دیئے۔ غیر از جماعت مقتدر خواتین کے پر جوش ومخلصانہ پیغامات اس حقیقت کا واضح اور روشن ثبوت ہیں کہ دین دار اور روشن خیال مردوں کی طرح پابند مذہب اور تعلیم یافتہ خواتین بھی جماعت احمدیہ لاہور کی دینی وعلمی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی اور مسلم قوم اور مسلم خواتین کے مفاد کو اس مبارک تحریک سے وابستہ سمجھتی ہیں۔ یہ بات ہمیں نہایت ہی روشن مستقبل کی طرف اشارہ

کرتی ہوئی نظر آتی ہے بشرطیکہ ہم ہمت بلند سے کام لیں۔

آخر پر یہ عرض دینا بھی ضروری ہے کہ جلسہ نمبر کا مقصد وحید جلسہ سالانہ کو کامیاب بنانا ہے۔ پیغام صلح قوم کا ایک ادنیٰ خادم ہے۔ اس نے اپنے جذبہ بے اختیار سے مجبور ہو کر یہ قدم اٹھانے کی جرات کی تھی۔ ہمیں اعتراف ہے کہ وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا ہو تا ہم امید ہے کہ اس سال جلسہ سالانہ میں نسبتاً سرگرمی میں اس کا ضرور حصہ ہوگا۔ انشاءاللہ ایڈیٹر۔ پیغام صلح

۞۞۞

15 دسمبر 1932ء

مقتدر مسلم خواتین کے پیغامات

جماعت احمدیہ لاہور کی دینی خدمات: (از محترمہ لیڈی عبدالقادر صاحبہ) احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے سالانہ جلسے کے موقعہ پر میں اس انجمن کے بزرگ صدر جناب مولانا محمد علی صاحب اور دیگر اراکین کو مبارک باد دیتی ہوں کہ یہ انجمن ہمارے مقدس مذہب کی اشاعت کے متعلق بیش بہا خدمات کر رہی ہے۔ ممالک غیر میں اس کی طرف سے تبلیغ کا کام جاری ہے۔ اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں بھی مبلغ موجود ہیں۔ مجھے پچھلے سال انگلستان کے سفر میں ووکنگ جانے کا اتفاق ہوا۔ اور وہاں میں نے اس مشن کے کام کو دیکھا۔ مسجد ووکنگ کے امام صاحب اور ان کے رفقاء بہت محنت اور توجہ سے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور ان کی بدولت اذان کی مبارک آواز سرزمین انگلستان میں بلند ہو رہی ہے۔ اور کئی انگریز مسلمان ہوئے ہیں۔ جرمنی کے دارلحکومت میں جو مسجد انجمن نے بنائی ہے اس کی بھی تعریف سنی ہے۔ گو ابھی دیکھی نہیں۔

قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ، جو اس انجمن نے شائع کیا ہے، وہ بہت مقبول ہوا ہے۔ اب یہ معلوم کر کے نہایت خوشی ہوئی کہ جرمن زبان میں بھی کلام پاک کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ خدا اس کی تکمیل کا دن جلد لائے۔ امید ہے کہ قوم ان خدمات کی پوری قدر کرے گی۔ میری دعا ہے کہ آنے والا سالانہ جلسہ پہلے جلسوں سے بھی زیادہ کامیاب ہو۔ اس کے ساتھ زنانہ دستکاری کی ایک نمائش بھی ہونے والی ہے۔ جس کا اہتمام میری محترمہ بہن بیگم مولانا محمد علی صاحبہ کر رہی ہیں۔ خدا ان کی ہمت میں برکت دے اور ان کی سعی کو مشکور فرمائے۔ لیڈری عبدالقادر

ایک بابرکت انجمن: از محترمہ ازکیہ ظفر صاحبہ۔ اس کفر وضلالت کے زمانہ میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ایک بابرکت انجمن ہے۔ اس کا وجود مسلمانوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس انجمن کا مقصد اشاعت اسلام ہے اور سالہا سال سے یہ ایسوسی ایشن اسلام کی سچی خدمت کر رہی ہے۔ قلمے، درمے۔ قدمے سخنے۔ یہ انجمن تبلیغ اسلام کے لئے کوشاں ہے۔ ہندوستان میں اور اس سے باہر اس کے مبلغ موجود ہیں۔ جو

دشمن اسلام قوموں میں اسلام کی سچی اور صحیح تعلیم مدلل طور پر بیان کر کے بحث مباحثوں میں انہیں قائل کرتے ہیں۔ بانئ اسلام پر دشمنوں کے غلط اور ناپاک حملوں کی تردید اور ان کی روک تھام کے لئے سینہ سپر رہتے ہیں۔ مختلف اوقات میں زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ، سیرت نبوی اور اصول اسلام پر کتابیں اور پمفلٹ شائع کرنا اور انہیں ضرورت کے مطابق زیادہ تر مفت تقسیم کرنا مرتد اور اچھوت لوگوں کو دائرہ اسلام میں شامل کرنے کے لئے کوشش کرنا اور انہیں پناہ دینا، بیرون ہند میں اسلامی مشن قائم کرنا، جیسے ووکنگ مشن اور جرمن مشن وغیرہ علاوہ ہیں یہ انجمن عامہ بہبود کے سلسلہ میں بھی کام کرتی رہتی ہے۔ مثلاً اس کے مبلغ مختلف دیہاتوں وغیرہ میں دورہ کر کے عام مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لوگوں کو رسم ورواج اور سودی روپیہ لینے کی برائیوں سے آگاہ اور انہیں تجارتی کاروبار میں حصہ لینے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ اس انجمن کے دو ہائی سکول بھی ہیں۔ جہاں پر طلباء کو اسلامی رنگ میں تعلیم دی جاتی ہے۔ غرضیکہ یہ انجمن اسلام کی اشاعت وحفاظت، مسلمانوں کی بہبودی، پیغمبر اسلام کی عزت کی حفاظت، نو مسلموں کی امداد ودیگر اس قسم کے مفید اور ضروری کام نہایت مستعدی سے سرانجام دے رہی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ تفرقوں میں نہ پڑیں۔ وسیع نظر سے کام لیں اور اس انجمن کی مدد کو ضروری سمجھیں۔ احمدی یا قادیانی، شیعہ یا سنی، حنفی یا وہابی تفرقوں میں ہرگز نہیں پڑنا چاہیئے۔ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ جس نے خدا کو ایک مانا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا۔ بس وہ مسلمان ہے۔ اس وقت مسلمان منتشر ہو رہے ہیں۔ کس لئے۔ کہ وہ تفرقوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ سب فرقہ بندیاں چھوڑیں اور ایک اسلامی جماعت بن جائیں۔ جہاں انہیں تفرقہ یا جھگڑا نظر آئے وہاں بردباری اور سمجھ سے کام لے کر جھگڑا مٹائیں۔ اور سب اسلامیوں کو یکجا کریں۔ اگر مسلمانوں کی اکثریت اس بات پر تل جائے کہ ہم نے مسلمانوں کو ایک جماعت بنانا ہے اور تفرقے مٹانے ہیں تو میرے خیال میں یہ مشکل آسان ہو جائے۔ اگر سب دینی بہن بھائی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہی کو اصل اسلام سمجھیں اور خواہ مخواہ ذرا ذرا اختلافات کو نہ بڑھائیں۔ بلکہ انہیں نظر انداز کر دیں۔ اگر آج ہماری ایک جماعت ہو جائے تو بہت سی مشکلیں ہماری یک قلم دور ہو جائیں۔ وَاعْتَـصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (103:3) اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے سب مل کر پکڑیں اور تفرقوں میں نہ پڑیں۔ خاکسار (از کیہ ظفر)

انجمن کی بیش بہا خدمات: (از محترمہ ایس۔قلندر علی خاں صاحبہ) اگرچہ میں ذاتی طور پر اس فرقے سے تعلق نہیں رکھتی۔تاہم اپنے غیر متعصّبانہ خیالات کا اظہار کیئے بغیر نہیں رہ سکتی۔اوراس انجمن کی بیش بہا خدمات دینی کا اعتراف اپنا اخلاقی فرض سمجھتی ہوں۔میں امید کرتی ہوں کہ میری یہ چند سطور میرے خیالات کے اظہار کے لئے کافی ہوں گی۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور جس جانفشانی،صدق دل بلکہ سرفروشی کے ساتھ اس دینی خدمت کو ایک مدت سے سرانجام دے رہی ہے۔وہ محتاج بیان نہیں۔واقعات اور مشاہدات ہمیں صاف دکھارہے ہیں اور بتارہے ہیں کہ صداقت کی آبپاشی نے تشنہ دلوں اور پیاسی روحوں کو کس قدر سیراب اور کتنا سرسبز کردیا ہے؟ یورپ،امریکہ جاوا سماٹرا اور بہت سے بیرونی ممالک کے لوگ،جوق درجوق دائرہ اسلام میں آرہے ہیں اوران کی ضمیروں نے اس وحدانیت کی صدا کو کس جوش وخروش سے لبیک کہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس انجمن نے اسلام کی ڈوبتی کشتی کو بچالیا ہے۔اور ایک آزمودہ کار ناخدا بن کر برق وبادتند کے تھپیڑوں اور سمندر کے بے پناہ موجوں سے منجدھار سے نکال کر سلامتی کے ساتھ ساحل کی طرف کھینچ لاتی ہے۔اس نازک زمانے میں،جبکہ اسلامی عقائد میں تزلزل،مذہبی شعار میں غفلت احکام خداوندی کی بجاآوری میں کوتاہی رونما ہورہی تھی،اس انجمن نے اپنی ہستی سے معجزنما اثر دکھایا باطل عقیدوں کو خلوص،صداقت واستقامت کے رنگ میں رنگا۔مذہبی شعار میں پوری توجہ پیدا کردی احکام خداوندی کی تعمیل میں اپنی جانیں تک پیش کردیں۔زنگ آلود روحوں کو جلادی۔گویا کہ اسلامی حلقوں میں عقیدت،خلوص،ایثار،خدمت خلق اور اخوت کی ایک لہر پیدا کردی اور مذہبی دنیا میں ایک نئی روح پھونک دی۔سچ پوچھو تو اس انجمن نے اپنی سرتوڑ کوششوں اوران تھک محنتوں سے اسلام کی لاج رکھ لی۔ اور دشمنان اسلام پر ثابت کردکھایا کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی اسلام کے نام لیوا،اللہ اوراس کے رسولؐ پر جانیں فدا کرنے والے،اسلام کی عزت وناموس پر اپنی گردنیں حاضر کرنے والے بہت موجود ہیں۔کہو اسلام کی فتح۔مسلموں کا بول بالا۔نصر من اللہ فتح قریب۔پس ہم تمام مسلمان بہن بھائیوں کا فرض ہے کہ وہ تعصب کی عینک اتار کراور فرقہ وارانہ خیالات کو برطرف کرکے دامے،درمے،قدمے سخنے،اس انجمن کی مدد کریں اور اشاعت اسلام کو اپنا فرض اولین سمجھیں۔تاکہ اسلام دن دگنی رات چوگنی

ترقی پر ہو اور مسلموں کا بول بالا رہے۔ پھر کہو۔ اسلام کی فتح! مسلموں کا بول بالا (راقمہ ایس۔قلندر علی خاں)

جماعت احمدیہ لاہور کی ایک اہم خدمت: (از محترمہ بسم اللہ صاحبہ عصمت) جماعت احمدیہ لاہور کی دینی قومی اور علمی خدمات محتاج تعارف نہیں ہیں۔ جماعت کے اشد ترین مخالفین کی زبانیں نہیں تو کم از کم ان کے دل تو لازمی طور پر اس کا اعتراف کر رہے ہیں۔ مگر اس وقت میں صرف ایک اہم خدمت کے ذکر پر ہی اکتفا کروں گی۔ ہندوستانی مسلمان آج کل افراط وتفریط کے مرض میں مبتلا ہیں۔ مسلم خواتین بھی اسی بیماری کی مریض ہیں۔ ہماری پابند مذہب بہنوں پر تاریک خیالی کا غلبہ ہے اور تعلیم یافتہ اور روشن خیال بہنیں مذہب سے بے پرواہ اور مغربی تہذیب کی دیوانی ہو رہی ہیں۔ جماعت احمدیہ لاہور نے مردوں کے علاوہ عورتوں کے لئے ایک ایسا معتدل مسلک اور پلیٹ فارم تیار کیا ہے جو افراط وتفریط سے بالکل پاک ہے۔ چند مخصوص عقائد سے قطع نظر وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مسلم خواتین کا مستقبل بھی جماعت احمدیہ لاہور کی نسوانی تحریکات کے ساتھ وابستہ ہے۔ مسلم قوم کو روشن خیال اور پابند مذہب بیٹیاں صرف اسی جماعت سے مل سکتی ہیں۔ دوسرے تمام طبقوں میں تاریک خیالی یا آزاد خیالی کے مظاہروں کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا۔

ان الفاظ کے ساتھ میں انجمن کے ایام کرسمس میں منعقد ہونے والے زنانہ ومردانہ اجتماعات کی کامیابی کے لئے دعا اور مسلم خواتین سے ان میں شمولیت کی درخواست کرتی ہوں۔ خاکسار عصمت

15 دسمبر 1932ء

نوجوانوں کے پیغامات نوجوانوں کے نام

ہم نے چند نوجوان احباب سے بھی جلسہ نمبر کے لئے کچھ لکھنے کی درخواست کی تھی۔ چونکہ وقت بہت کم تھا اس لئے ان میں سے اکثر طویل مضامین نہ لکھ سکے۔ صرف مختصر پیغامات عنایت فرما دیئے۔ جو شکریہ کے ساتھ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ ہم عمروں کی آواز بسا اوقات غیر معمولی اثر رکھتی ہے۔ کیا ہم توقع کر سکتے ہیں کہ ان چند اصحاب کی آواز جماعت کے نوجوانوں کے لئے باعث کشش ہو گی اور وہ ضرور جلسہ سالانہ میں شامل ہو کر اپنے دینی وقومی فرائض کو ادا کریں گے۔ ایڈیٹر

قومی اجتماعات کی کامیابی نوجوانوں پر منحصر ہے: (از جناب میاں نصیر احمد صاحب فاروقی) مجھے یقین ہے کہ ہر احمدی کے دل میں سالانہ جلسہ کی محبت ہوتی ہے اور وہ شوق سے اس کا انتظار کرتا ہے۔ سالانہ جلسہ پر نوجوانوں کی تعداد زیادہ نظر نہیں آتی۔ سردی یا تھوڑی سی تکلیف کا بہانہ ہمارے نوجوان نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی ادنیٰ چیزوں کے لئے بڑی بڑی تکلیف اٹھالیا کرتے ہیں۔ خدا کے لئے بھی تھوڑی سی تکلیف اٹھالیں۔ ہمارا ایک نوجوان بھائی اس موقعہ پر آسٹریا سے چل کر آرہا ہے۔ اس کے استقبال اور ملاقات کا بھی موقعہ ہے۔ ہمارے نوجوان بھائی اس کو سمجھ لیں کہ سالانہ جلسہ ہو یا بیرن عمر ایرنفلز کا استقبال، کسی میں سرگرمی پیدا نہیں ہوسکتی جب تک نوجوان نہ آئیں۔

احمدی نوجوانو! فتح اسلام کے پروگرام میں حصہ لو: (از جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب) ہر قوم اس وقت مصروف عمل ہے۔ ہر قوم کے نوجوان سرگرمی، جوش اور دلی تڑپ سے اپنی اپنی قوم کو اٹھانے کے لئے ہر ممکن قربانی کر رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے نوجوانو! آپ کی قوم کو اٹھے ابھی چالیس برس ہوئے ہیں۔ اس قوم نے ابھی اپنی بنیادیں بھی استوار نہیں کیں۔ کیا اس حالت میں آپ اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے؟ آپ کا دائرہ عمل کل عالم پر محیط ہے۔ آپ نے دلوں اور دماغوں میں انقلاب پیدا کرنا ہے۔ کیا آپ نے اس فریضہ عظیم سے سبکدوش ہونے کی استعداد وہمت پیدا کر لی ہے؟ کیا آپ کے اپنے اندر وہ تبدیلی وانقلاب پیدا ہو چکا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آپ کیوں خاموش

ہیں؟ کیوں حرکت میں آ کر قوم پر فدا نہیں ہو رہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے آپ کے عمل کے لئے فتح اسلام کا ایک مکمل پروگرام آپ کو دے دیا ہے۔ جو اصحاب اس پر عمل پیرا ہوئے، وہ کامیابی کے مالک ہو رہے ہیں۔ کیا آپ کو یہ امنگ نہیں کہ آپ بھی اسی فلاح کے حصہ دار ہوں۔ کیا آپ کا خون اس لئے جوش میں نہیں آیا کہ اسلام کی فتح کا انقلاب لانے میں آپ کی ادنیٰ خدمت بھی شامل ہو؟ آپ کی قوم کا سالانہ اجتماع ہے۔ سستی وغفلت دور کرنے اور نئے سرے سے عزم کرنے کا ایک شاندار موقع ہے۔ اگر آپ اس معمولی اور ابتدائی منزل کو طے کریں گے، خالص طور پر دین کی راہ میں یہ تکلیف گوارا کر کے آئیں گے اور محض رضاء الٰہی کے لئے کوئی تڑپ پیدا کر کے جائیں گے، تو آپ کی دین و دنیا میں فلاح ہے (ڈاکٹر صاحب نے پیغام کے علاوہ مضمون بھی عنایت فرمایا۔ جس کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں۔ (ایڈیٹر)

ایک ''فوجی سپاہی'' کی آواز: (از جناب مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع مبلغ اسلام) میں ایک فوجی آدمی ہوں اور میرا کام آریوں سے لڑنا ہے۔ ہمارے جنگی مرکز میں مخالفین اسلام سے آئندہ سال جنگ لڑنے کے پروگرام پر غور وخوض کے لئے 26,25,24 دسمبر 1932ء کو اجتماع قرار پایا ہے۔ میں اپنے ان تمام بھائیوں کو دعوت دیتا ہوں جنہوں نے سلسلہ عالیہ میں شامل ہو کر اس جنگ کو جاری رکھنے کا عہد کیا ہوا ہے کہ تشریف لا کر اپنے مرکز کو رونق بخشیں۔ اس موقع پر بہت سے اسلامی پہلوان وجنگجو اپنے اپنے ہنر پیش کر کے آپ کے لئے دلچسپی کا سامان ہم پہنچائیں گے۔ خود آیئے۔ دوسروں کو لایئے۔ خود دیکھیئے اور دوسروں کو دکھایئے کہ آپ کا فوجی نظام کس قدر اعلیٰ اور مضبوط ہے۔ اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم ایک سال کے لئے تو ضرور آپ اپنے سینوں میں خدمت دین کی حرارت لے کر جائیں گے۔

ہمارا قومی اجتماع بھی ایک عید ہے: (از جناب مرزا مسعود بیگ صاحب بی۔اے) خدا تعالیٰ کے پیاروں اور برگزیدوں کا زمانہ انوار وبرکات کے لحاظ سے انتہائی خوشی کا زمانہ اور عید کی مانند ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں خدا کے فضل کی بارش ہوتی ہے۔ جو مردہ دلوں کو زندگی اور ناامیدوں کو قوت بخشتی ہے۔ ہمارے حضرت کا الہام ہے ''عید ہے چاہے کرو یا نہ کرو'' گویا مسیح موعود کا زمانہ مسلمانوں کے لئے بڑی برکت کا زمانہ ہے۔ بس مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے امام وقت کو شناخت کر کے حقیقی راحت کو حاصل

کیا اور اس عہد میں شامل ہوئے جس کی مدت سے دنیا منتظر تھی۔ اگر واقعی دوست واحباب کے باہم ملنے سے دلوں میں راحت اور قوت پیدا ہوتی ہے تو سالانہ جلسہ سے بہتر ملاقات کا اور کونسا موقع ہوسکتا ہے۔ ہمارے نوجوان بھائیوں کو چاہیئے کہ نہ صرف وہ خود اس عید میں شامل ہوکر سرور وثواب حاصل کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شریک کریں اور مایوس دلوں کو بشارت دیں اور انہیں اسلام کی ترقی کا یقین دلائیں اور امام موعود کی بعثت کا مژدہ سناتے ہوئے ان الفاظ میں انہیں مدعو کریں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے　　لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

جلسہ سالانہ کے متعلق احمدی نوجوانوں سے اپیل: (از جناب سید اختر حسین صاحب سکرٹری ینگ مینز احمدیہ ایسوسی ایشن) قوموں کا خوش آئند مستقبل، وہ مستقبل جس سے ان کی تمام امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ بہت حد تک نوجوانوں کی سعی وکوشش پر منحصر ہوتا ہے۔ جماعت کے مقاصد کو پورا کرنے کا شغف اور مرکز قومی سے اتصال۔ یہ ایسے دو زریں اصول ہیں جن پر پوری طرح عمل کرنے میں حیات قومی کا راز مضمر ہے۔ اور پھر جب جماعت کا مقصد بھی توحید الٰہی کو دنیا میں پھیلانا ہو تو ان صفات سے متصف قوم دینی اور دنیوی برکات کی وارث ہوسکتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو روح اس برگزیدہ جماعت میں پیدا ہوئی تھی۔ اس نے اسے دنیا کا مالک بنائے بغیر نہ چھوڑا۔ ان کوششوں میں بیشتر حصہ ان نوجوانوں کا تھا جو بڑھتے ہوئے جوش اور بلند ارادوں کو لے کر کلمۃ الحق کی تبلیغ کے لئے جانی ومالی قربانیاں کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔

خدائے رحیم وکریم نے اس زمانہ میں ہماری تنظیم اور اصلاح کے لئے ایک مامور مبعوث فرمایا جس نے ادیان باطلہ پر اسلام کا غلبہ دکھانا تھا۔ اس مرد ربانی نے اسلام کا درد رکھنے والوں سے اپیل کی کہ میدان عمل میں نکل کر اس کے معاون ہوں۔ چنانچہ وہ بزرگ، جو آج ہمیں اپنے سامنے نظر آتے ہیں، نوجوانی کے عالم میں خدمت اسلام کا جذبہ لے کر اس سے اکتساب فیض کرنے کے لئے دوڑے اور ان کے اندر وہ روح پیدا ہوئی کہ ان کے کارناموں سے مشرق ومغرب کو اسلامی تعلیم سے آگاہی نصیب ہوئی۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے۔

بکوشید اے جواناں، تا بہ دیں قوت شود پیدا　　بہار و رونق، اندر روضۂ ملت شود پیدا

ان دو اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر ایک احمدی نوجوان کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف خود مرکز کے اس عظیم الشان اجتماع میں شامل ہو۔ بلکہ اپنے غیر از جماعت دوستوں کو بھی ساتھ لانے کی کوشش کریں۔ اس سال بیرن ایرنفلز جیسے ذی مقتدر یورپین کے آغوش اسلام میں آنے اور ان کے جماعت احمدیہ لاہور کے مرکز میں تشریف لانے سے ایک غیر معمولی رونق ہو گی۔ جس میں حصہ لینا اور مختلف بزرگوں کے احکام، انجمن کی مساعی اور کامیابیوں کا تذکرہ سننا ہمارے اِزدیادِ ایمان کا باعث ہوگا۔

بیرن عمر ایرنفلز و پروفیسر محمد عبداللہ صاحب کو چائے کی دعوت: ینگ مینز احمدیہ ایسوسی ایشن کی طرف سے 26 دسمبر کی شام کو بیرن عمر ایرنفلز و پروفیسر محمد عبداللہ صاحب مبلغ جرمنی کو دعوت چائے دی جائے گی۔ جس میں جماعت کے بزرگوں اور نوجوانوں کے علاوہ شہر کے رؤسا و امراء کو بھی، جو جماعت احمدیہ کے کارناموں کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں، مدعو کیا جائے گا۔ سید اختر حسین

(سیکرٹری ینگ مینز احمدیہ ایسوسی ایشن)

۞۞۞

15 دسمبر 1932ء

احمدیت کی خصوصیات

ایک خاتون کے پاکیزہ خیالات

از محترمہ س۔ب بنت داروغہ نبی بخش صاحب

میں نے احمدیت میں کیا خصوصیت دیکھی! میں احمدی ہونے سے پہلے شرک اور توحید کے مسئلہ کو بالکل نہ سمجھ سکتی تھی۔لیکن جب میں نے احمدیوں کی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے جانا شروع کر دیا اور حضرت امیر اور دیگر بزرگان کے خطبات سنے اور قرآن کریم کے عجیب وغریب معارف جو انہوں نے بیان فرمائے اور میرے سننے میں آئے تو میرے دل میں بھی قرآن کریم کو باترجمہ پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔مگر ظاہری طور پر میرے شوق کے پورا ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ یہ میرے ہی جذبہ دل کا اثر تھا کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے مستورات کی دینی تعلیم کو ضروری سمجھ کر حضرت مولانا مولوی عبداللہ خاں صاحب کو مستورات کی تعلیم کے لئے مقرر کیا۔ میں کس منہ سے ایسے فرشتہ خصلت استاد کی تعریف کروں! جنہوں نے اپنی حقیقی بیٹیوں سے بڑھ کر ہم پر شفقت کی اور بڑے اخلاص اور محبت کے ساتھ مجھ کو اور میری دو بھتیجیوں کو باترجمہ قرآن شریف پڑھایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کو جزائے خیر دے۔اوران کے قیمتی وجوہ کو لڑکیوں کی دینی تعلیم کے لئے دیر تک سلامت رکھے۔ ہمارے بزرگ استاد نے ہمیں اور مولویوں کی طرح صرف قرآن کریم کا ترجمہ نہیں پڑھایا بلکہ بہت سے مسائل جو غیر احمدی مولویوں نے گھڑ رکھے ہیں، جو تعلیم اسلام کے سراسر مخالف ہیں، ان کی برائیاں ہمارے بزرگ استاد نے اتنی خوبی سے ہمارے ذہن نشین کیں کہ ان سب مشرکانہ باتوں سے ہمارا دل سخت متنفر ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے ہمارے ایمان کو توحید اسلام کے نور سے منور کر دیا۔ باتیں تو اس قدر ہیں کہ ان کے لکھنے کے لئے ایک دفتر چاہئیے۔مگر میں مجبور ہوں جناب ایڈیٹر صاحب کا ارشاد ہے کہ مضمون بہت ہی مختصر ہو۔ یہی اختصار کا ڈر ہے جو میری قلم کو چلنے نہیں دیتا۔ کیونکہ مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں میرا مضمون طویل ہو جانے سے ایڈیٹر صاحب یہ عذر کر دیں کہ افسوس اخبار میں گنجائش نہ تھی۔اس لئے آپ کا مضمون چھپ نہ سکا۔ پس میں مختصر طور پر ہی ان ملانوں کے اعتقادات کا کچھ ذکر

کرتی ہوں اور ان کا ذکر کرنا اس لئے ضروری سمجھتی ہوں کہ ان کے ان اعتقادات کے ماتحت دین اسلام پر سخت حملے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ان کا جو یہ اعتقاد ہے کہ مسیحؑ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی کس قدر مذہب عیسائیت کو تقویت پہنچاتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ (101:6) اس کے یعنی اللہ کے ہاں بیٹا کہاں سے ہو۔ کیونکہ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى (13:49) ہم نے انسانوں کو مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کھول کر بیان کر دیا ہے کہ جب تک ماں اور باپ دونوں کا وجود نہ ہو، تب تک کسی کے ہاں اولاد پیدا ہو نہیں سکتی۔ مگر یہ ملا نے ان آیات پر غور نہیں کرتے، بلکہ عالم جہلاء کو بجائے توحید پرستی کے عیسیٰ پرستی کی تعلیم دیتے ہیں۔ پھر ان کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ مسیح اس جسد عنصری کے ساتھ اٹھائے گئے اور دو ہزار برس سے بغیر کھانے پینے کے زندہ ہیں۔ لیکن قرآن کریم ان کے اس اعتقاد کو بھی اس آیت کریمہ سے برابر جھٹلا رہا ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے ''ہم نے رسولوں کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور ہمیشہ ایک حالت پر رہیں۔'' غرض میں کہاں تک ان کی مشرکانہ باتوں کا ذکر کروں۔

حضرت مسیحؑ کے علاوہ ان مولویوں نے دیگر انبیاءؑ کی طرف ایسی باتیں منسوب کر رکھی ہیں جن کو سن کر کوئی شریف آدمی انہیں نبی تو کجا ایک راست باز انسان ماننے کے لئے بھی تیار نہیں۔ میں کہاں تک ان کے گندے اعتقادات کا ذکر کروں۔ مگر خدا کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے عین موقعہ پر حضرت مسیح موعود کو مبعوث فرمایا۔ اور انہوں نے آ کر ہم کو ان گندے اعتقادات سے نجات دی اور سب نبیوں کی معصومیت کا ثبوت بہم پہنچایا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو بڑھایا۔ میری پیاری بہنو! یہ اسی مجدد وقت کا فیض ہے جس نے ایسی جماعت تیار کی جو دنیا کے کناروں تک دین اسلام کی اشاعت کر رہی ہے۔ انگلینڈ میں بہت سے انگریز اسی جماعت کے مشن سے مسلمان ہو چکے ہیں۔ جرمن میں اسی جماعت نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ کر کے ایک مسجد بنوائی۔ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ عرصہ ہوا یہ جماعت شائع کر چکی ہے۔ جس کو پڑھ کر بہت سے انگریز مسلمان ہو چکے ہیں۔ اب جرمن زبان میں بھی جماعت قرآن کریم کا ترجمہ تیار کر رہی ہے۔ میری پیاری بہنو! ایسی جماعت کی امداد کرنا گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی امداد کرنا ہے۔ اس لئے میں سب بہنوں کی خدمت میں درد دل

سے درخواست کرتی ہوں کہ اس انجمن کے سالانہ جلسہ پر جو 26,25,24 دسمبر کو مقرر ہوا ہے۔ اور 22 دسمبر کو مستورات کے جلسہ اور دستکاری کی نمائش میں ضرور تشریف لا کر ثواب حاصل کریں۔ ہر ایک بہن کو چاہیئے کہ وہ اس دینی کام کو دنیاوی کاموں پر مقدم سمجھ کر اس میں ضرور شامل ہوں کر دینی خدمات میں حصہ لیں۔ دستکاری جو اس موقعہ پر مختلف بہنوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہے اس کی آمد اشاعت اسلام پر ہی خرچ ہوتی ہے۔ اس لئے امید ہے کہ آپ دستکاری یا نقد امداد سے اس جلسہ کو کامیاب بنانے کی کوشش فرمائیں گی۔

دوسرے دنیاوی کام تو ہر روز ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ان کے مقابل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا بھی آپ پر حق ہے۔ اگر سچ پوچھو حقیقی حق دین ہی کا ہے۔ مگر عام طور پر آج کل اس کی طرف سے غفلت ہے۔ پس اس غفلت کو چھوڑ کر دین اسلام کے حق کی طرف توجہ فرمائیں۔

ہمارا سالانہ جلسہ اور اس کی غرض: (بیگم صاحبہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ) جیسا کہ قبل ازیں اعلان ہو چکا ہے۔ مردانہ جلسے کی تاریخیں 26,25,24 دسمبر مقرر ہوئی ہیں۔ جلسہ خواتین جگہ کی قلت کی وجہ سے ایک دن پہلے کیا جاتا تھا۔ مگر اب 23 کو جمعہ آ گیا ہے۔ اس لئے مجبوراً جلسے کی تاریخ 22 دسمبر مقرر کی گئی ہے۔ اس جلسہ کی صدر محترمہ لیڈی شفیع صاحبہ ہوں گی اور نمائش بھی اسی دن شروع ہوگی۔ چونکہ 22 تاریخ تک بہت کم بہنیں پہنچ سکیں گی۔ اس لئے ایک جلسہ 25 کو بھی ہوگا۔ نمائش 26 تاریخ تک رہے گی۔ 22 تاریخ کو مسلم ہائی سکول میں جلسہ ہوگا اور 25 تاریخ کو مسجد احمدیہ بلڈنگس کی گیلری میں ہوگا۔ دونو جلسے صبح دس بجے شروع ہوں گے اور دو بجے ختم ہو جائیں گے۔ نمائش تمام دن رہے گی۔

لاہور میں رہنے والی بہنوں سے درخواست ہے کہ وہ خود بھی ہر دو جلسوں میں شریک ہوں اور اپنے ساتھ دیگر بہنوں کو بھی کثرت سے لائیں۔ کلمہ حق کو دوسروں تک پہنچانا ہماری جماعت کا طرۂ امتیاز ہے۔ ہر احمدی مرد و عورت، پیر و جوان داعی الحق ہے۔ اور سالانہ جلسہ بہترین موقعہ ہے کہ ہم اپنے اس فرض کو ادا کریں اور دنیا کو بتائیں کہ ہمارے کیا خیالات ہیں اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ بیرونی احمدی بہنوں کو بھی میں دعوت دیتی ہوں کہ وہ لاہور آ کر سلسلہ اخوت کو تازہ کریں۔ بزرگان دین کے نصائح سنیں اور اپنے قومی اجتماع میں حصہ لے کر اس خدمت دینی کے ولولہ کو اپنے دلوں میں پیدا کریں جو

حضرت مسیح موعود نے اپنی جماعت کے لئے ورثہ چھوڑا ہے۔

میری محترم بہنو! میں جانتی ہوں کہ یہ اشد ترین سردی کے دن ہیں اور بچوں کے ساتھ گھروں سے نکلنا بڑی ہمت اور ایثار کو چاہتا ہے۔ مگر آپ جانتی ہیں کہ ہمت کا حامی خدا ہے۔ جب ہم اپنے دنیوی اغراض کے لئے سخت گرمی اور سردی میں سفر اختیار کرتے ہیں تو یہ تو ایک خالص دینی فرض ہے۔ گھر کے آرام کو چھوڑ کر دینی غرض کے لئے تکلیف کو اختیار کرنا بھی ایک مجاہدہ ہے۔ اور ہر ایک بہن کو اس جہاد میں حصہ لے کر اپنی قومی زندگی کا ثبوت دینا چاہئیے۔ ہم مسلمان عورتوں کو بہت کم ایسے موقع میسر ہوتے ہیں کہ مل کر تبادلہ خیالات سے اپنے علم میں اضافہ کریں۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے نوجوان بچوں اور بچیوں کو ساتھ لائیں تا کہ وہ ان تعطیلات میں قدرے دینی فیض سے بھی بہرور ہوں اور سلسلہ سے اُنس پیدا ہو۔

اجتماع ایک برکت ہے اور اسلام نے نمازوں اور حج میں ہمیں جمع کر کے یہ راز ہم پر کھول دیا ہے۔ حضرت اقدس نے بھی سالانہ جلسے کو ایک میلے یا عرس کی غرض سے قائم نہ کیا تھا۔ بلکہ اس کی واحد غرض یہی ہے۔ جب ہم اس قومی اجتماع کے لئے اپنے گھروں کو چھوڑیں تو ہمارے دلوں میں یہی دھن ہو کہ ہم نے اپنے آرام وآسائش اور مال کی قربانی صرف اسی غرض کے لئے کی ہے۔ تا کہ خدا کا نام دنیا میں پھیلے اور ہم ایک جگہ بیٹھ کر دیکھیں اور سوچیں کہ ہم نے سال بھر کیا کیا۔ اور کتنی کمی رہی۔ اور وہ کون سے طریقے ہیں جن کے ذریعے ہم اپنی قومی خصوصیت اور وقار کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ تا کہ سال آئندہ کے لئے تازہ جوش، زبردست قوت عمل اور بلند ہمت کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس لوٹیں۔

۞۞۞

15 دسمبر 1932ء

جماعت احمدیہ لاہور کی دینی و علمی خدمات

جناب سید عبدالقادر ایم۔اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعاوی کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے۔لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے قریباً ربع صدی کی مسلسل کوشش اور جدوجہد سے مسلمانوں کے ایک اچھے خاصے طبقے کو، جسے جماعت احمدیہ کہتے ہیں، منظّم کر کے خدمت اسلام کے لئے کمر بستہ کر دیا۔گو مرزا صاحب کی وفات کے بعد اس جماعت کے دو حصے ہو گئے۔لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں جماعتیں نہایت تندہی اور ہمت کے ساتھ سرگرم عمل ہیں اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں اپنے اپنے طریق پر اسلام اور مسلمانوں کی قابل قدر خدمت سرانجام دے رہی ہیں۔دونوں جماعتوں کے کام اور طریق کار کا موازنہ کرنے کا یہ موقع نہیں۔لیکن یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ لاہوری جماعت کی تبلیغی سعی اور علمی خدمت قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ہمت اور مستعدی کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کرنے والی ہے۔اس وقت اس جماعت کے تبلیغی مشن لندن اور برلن میں بڑی سرگرمی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔اور بہت سے خاندانوں میں، جن پر ضلالت اور گمراہی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، اسلام کی روشنی پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ روپیہ کی قلت کی وجہ سے یہ جماعت دوسرے ممالک میں اپنے تبلیغی مشن قائم نہیں کر سکتی۔اگر اس جماعت کے ایثار پیشہ افراد کی طرح دوسرے مسلمان بھی اپنے دست کرم کو تھوڑا دراز کر دیں اور اس جماعت کی اس نیک کام میں امداد کریں تو مغرب کا ظلمت کدہ بہت جلد اسلام کے نور سے منور ہوسکتا ہے۔یا یوں کہئے کہ آفتاب اسلام مغرب سے طلوع ہوسکتا ہے۔

اس جماعت کی مستعدی کی بدولت نہ صرف ممالک مغرب میں بلکہ خود ہندوستان میں بھی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔اور فتنہ ارتداد کے وقت قادیانی جماعت کے مبلغین کی طرح اس جماعت کے مبلغ بھی ہمیشہ مسلمانوں کے کام آتے رہتے ہیں۔مرزا غلام احمد صاحب مرحوم نے اپنی حین حیات میں قادیان کو خطعہ یونان بنا دیا تھا اور وہاں سے علم فضل کے چشمے اُبل اُبل کر نکلتے تھے اور سارے

ملک کو سیراب کرتے تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد تمام چشمے خشک ہو گئے ہیں۔ کیونکہ کئی سال سے میں نے وہاں کی کوئی ایسی تصنیف نہیں دیکھی، جسے ہم فخر کے ساتھ اسلامی یا غیر اسلامی دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ مرزا صاحب کے لگائے ہوئے باغ کے چند پودے لاہور میں موجود ہیں۔ اور وہ اپنی اپنی تصانیف و تالیفات سے اسلام اور مسلمانوں کی نہایت مفید خدمت کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ دور حاضرہ میں لاہوری جماعت نے اپنی تصانیف کے ذریعہ مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچایا ہے اور ان کی وجہ سے اب یورپ اور امریکہ کے بہت سے شہروں میں اسلام کا چرچا ہو گیا ہے۔ اس جماعت کی مطبوعات سے احمدی اور غیر احمدی یکساں طریق پر مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس جماعت کی امداد کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ مسلمان ان کتابوں کو اپنے مطالعہ کے لئے خریدیں اور دوستوں اور عزیزوں کو بھی ان کی خریداری پر آمادہ کریں۔

آخر پر میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تبلیغ اسلام کا کام ہم سب مسلمانوں کو محبوب اور عزیز ہے۔ اور یہ کام یہ جماعت نہایت احسن طریق پر کر رہی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس نیک کام میں اس جماعت کا ہاتھ بٹائیں اور جہاں تک ہو سکے زور نقد سے اس کی امداد کریں۔ اس جماعت کے کارکن نہایت خلوص اور ایثار کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ اور اپنی استطاعت سے بڑھ کر خدمت دین میں مصروف ہیں۔ خدا کرے کہ ان کی کوشش بارور ہو۔ انہیں اپنے مقصد میں کامیابی نصیب ہو اور ہمیں بھی خدمت دین کی توفیق حاصل ہو۔ والسلام

15 دسمبر 1932ء

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کیا کر رہی ہے

1۔ جرمنی، جاوا، سیام میں تبلیغ اسلام کے باقاعدہ مشن چل رہے ہیں۔ جرمنی میں تقریباً ڈیڑھ سو جرمن مسلمان ہو چکے ہیں اور ایک عظیم الشان مسجد بن چکی ہے۔

2۔ ہندوستان میں اچھوتوں میں تبلیغ اسلام ہو رہی ہے۔ چار ہزار کے قریب اچھوت داخل اسلام ہو چکے ہیں۔

3۔45 مختلف ممالک میں خط و کتابت اور مفت تقسیم لٹریچر کے ذریعہ سے تبلیغ ہو رہی ہے۔

4۔ پچیس مختلف زبانوں میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا اسلامی لٹریچر پھیل چکا ہے۔

5۔ ہزارہا کی تعداد میں رسالے اور ٹریکٹ مختلف زبانوں میں مفت تقسیم ہو رہے ہیں۔

6۔ دو کامیاب ہائی سکول چل رہے ہیں۔

7 ذیل کی زبانوں میں تبلیغی اخبارات اور رسالے نکل رہے ہیں۔

اردو، انگریزی، عربی، جرمن، ڈچ، ملائی، پولش اور چینی۔

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں: میرا نبوت کا دعویٰ نہیں۔ بلکہ محدثیت کا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ میں نبوت کا مدعی نہیں۔ بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

☆☆☆

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا گذشتہ سال کا کام

1۔655 چوہڑے اور سانسی داخل اسلام ہوئے۔

2۔ جرمنی میں کئی آدمی داخل اسلام ہوئے۔ جن میں ایک بیرن یعنی نواب ہیں۔ بیرن عمر ایرنفلز بمعہ لیڈی ایرنفلز ایک پادری ہیں۔ ایک پی ایچ ڈی کی طالب علم لڑکی ہے۔

3۔ جرمنی میں مسلم سوسائٹی قائم ہوئی۔ جس کے ممبران کی تعداد ایک سو ہے۔

4۔ بمبئی میں ایک مشن اشاعت قرآن کریم کے لئے کھولا گیا۔ جس میں دو فاضل مشنری کام کر رہے ہیں۔

5۔ پچاس ہزار ٹریکٹ مسلمانوں میں باہم اتحاد پیدا کرنے، قرضہ اور مسرفانہ رسوم سے بچنے کے لئے شائع کئے گئے۔

6۔ پانچ ہزار رسالہ انگریزی اصول اسلام پر، پانچ ہزار رسالہ انگریزی نماز پر مفت تقسیم ہوئے۔

7۔ بیوہ، یتامیٰ، مساکین اور کالجوں کے طلباء کو مدد دی گئی۔

8۔ ایک مشنری جزائر فیجی میں بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔

9۔ 18976 روپے بیرونی مشنوں پر 5891 روپے تبلیغ ہند پر خرچ کئے۔

10۔ کل آمد تمام شعبوں کی 152572 ہوئی۔ اور کل خرچ 46872! روپے ہوا۔

☆☆☆

خلاصہ تحریک احمدیت

احمدیت علمی رنگ میں: 1۔ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ جس کے کامل پیروؤں کو اللہ تعالیٰ اپنی ہمکلامی کا شرف عطا فرماتا ہے۔

2۔ اسلام کامل وحدت کا مذہب ہے۔ جس کے پیرو سب بھائی بھائی ہیں اور کوئی شخص کسی اختلاف کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا۔ جب تک کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل ہے۔

3۔ اسلام کامل وسعت کا مذہب ہے۔ جو تمام نسل انسانی کی وحدت کو اور ہر قوم کے اندر نبیوں کے آنے کو تسلیم کرتا ہے۔

4۔ اسلام ایک فاتح مذہب ہے۔ جو تمام مذاہب پر غالب آئے گا اور جس کے اصول عام طور پر دنیا میں مقبولیت حاصل کرتے جاتے ہیں۔

5۔ اسلام ایک علمی مذہب ہے۔ اور اس کے اصول اور فروع علم و عقل کے مطابق ہیں۔

6۔ اسلام میں اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ اور جو نئی ضروریات مسلمانوں کو پیش

آ ئیں ان کا حل بذریعہ اجتہاد رہے گا۔

7۔قرآن شریف شریعت اسلامی کا اصل اور غیر متبدل ماخذ ہے۔اور مسلمانوں کی زندگی کا اصل سرچشمہ ہے۔اور سب سے بلند مقام رکھتا ہے۔حدیث قرآن کے ماتحت ہے اور فقہ یا اجتہاد آئمہ قرآن وحدیث کے ماتحت ہے۔

8۔قرآن شریف قیامت تک نسل انسانی کی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔اس کی کوئی آیت نہ پہلے کبھی منسوخ ہوئی۔نہ آئندہ ہوگی۔

9۔قرآن شریف عظیم الشان روحانی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے۔اور اپنی روحانی طاقت سے قلوب کو فتح کرنا ہے۔اپنی فتوحات کے لئے تلوار کا نہ یہ کبھی پہلے محتاج ہوا نہ آئندہ ہوگا۔

10۔قرآن شریف تمام مذہبی صداقتوں کا جامع ہے۔تمام مذہبی مسائل پر اعلیٰ درجہ کی روشنی ڈالتا ہے۔مذہبی مسائل پر نہ صرف تمام دعاوی کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے بلکہ ہر دعوٰی کے دلائل بھی پیش کرتا ہے۔

11۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاءؑ کے کمالات کو اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔اس لئے یہ امت کسی دوسرے نبی کی محتاج نہ پہلے ہوئی۔نہ آئندہ ہوگی۔

12۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔نہ نیا نہ پرانا۔مجدد ہر صدی کے سر پر آتے رہیں گے۔تاکہ غلطیوں کو دور کر کے مسلمانوں کو سیدھی راہ پر ڈالیں اور محدث اور اولیاء ہوں گے۔جن سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوگا۔

احمدیت عملی رنگ میں: 1۔دنیا کی تمام قوموں کے مذہبی پیشواؤں اور کتب مقدسہ کا احترام کیا جائے۔

2۔تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،تمام آئمہ (خواہ وہ کسی فرقہ کے ہوں) تمام اولیاء اور تمام مجددین کا احترام کیا جائے۔

3۔تمام اسلامی فرقوں کو ایک درخت کی مختلف شاخیں سمجھا جائے۔قرآن اور رسولؐ پر سب کا اجتماع ہے۔خواہ فروع میں کتنے بھی اختلاف ہوں۔

4۔احکام شریعت کی تابعداری اور شعار اسلامی کا احترام کیا جائے اور قرآن شریف کی

حکومت کو کلی طور پر قبول کر کے ہر ایک رسم و رواج سے اجتناب کیا جائے۔

5۔ تمام بنی نوع انسان سے ہمدردی رکھی جائے۔ خواہ کسی مذہب، کسی ملک، کسی قوم کے لوگ ہوں۔

6۔ ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھ کر بحد طاقت اس کی مدد کی جائے۔

7۔ خدمت دین امام وقت اور مجدد کے ساتھ ہو کر اس کے حکم کے مطابق کی جائے۔ قوم کے اندر سے ہر ایک غلطی کی اصلاح کے لئے ایمانی جرأت سے کام لیا جائے۔

8۔ اسلام، اسلام کی کتاب اور اسلام کے پیغمبر پر جو حملے ہوں، ان کا دفاع کیا جائے اور اپنے آپ کو اسلام کی محافظ فوج کی حیثیت دی جائے۔

9۔ تبلیغ اسلام میں اپنے آپ کو ایک مجاہد فی سبیل اللہ سمجھا جائے۔ اور خدا کے کلام کو اور پیغام اسلام کو دنیا کی تمام قوموں تک پہنچایا جائے۔

10۔ اپنے وقت اور اپنے اموال کا کم سے کم ایک حصہ دین کی حفاظت اور اشاعت کے لئے وقف کیا جائے۔

11۔ خدا کے دین کے لئے ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف اور ذلت کو خوش دلی سے برداشت کیا جائے۔

12۔ دین کو دنیا پر مقدم کیا جائے۔ رسول خدا کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو۔ دین اسلام کے لئے غیرت تمام غیرتوں پر فائق ہو۔ امت محمدیہ کی خیر خواہی تمام خیر خواہوں سے بڑھ کر ہو۔

۞۞۞

19 دسمبر 1932ء

الہ آباد کے فیصلے مسلمانوں کے لئے سخت مضر ہیں

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

الہ آباد اتحاد کانفرنس کے سلسلے میں خلافت کانفرنس کی طرف سے مجھے بھی دعوت شمولیت دی گئی ہے۔ مگر ایک تو اس میں بعض مسلمانوں کا خود بخود جا کر شامل ہونا خلاف آئین واصول ہے۔ دوسرے اس کے فیصلے، جن پر ہمارے بعض بھائی خوش ہو رہے ہیں، مسلمانوں کے لئے سخت نقصان رساں ہیں۔ خلاف آئین اس لئے ہے کہ جس صورت میں مسلم کانفرنس تمام مسلمانوں کی آئینی مجلس موجود ہے تو مسلمانوں کی طرف سے نمائندگی صرف اس کانفرنس کے ذریعہ سے ہو سکتی تھی۔ صرف یہی ایک ذریعہ تھا جس سے مسلمانوں کا اتحاد قائم رہ سکتا تھا۔ اس کے بغیر جو کچھ کیا گیا ہے۔ وہ مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے والا ہے۔ ہندو مسلم اتحاد بے شک اچھی چیز ہے۔ اور ہم سب کو اس کے لئے کوشش کرنی چاہئیے۔ لیکن ہمارے بعض بھائیوں کا مسلمانوں سے اتحاد توڑ کر ہندوؤں کے ساتھ اتحاد قائم کرنا ایک طرف مسلم اتحاد پر کافی ضرب ہے اور دوسری طرف یہ ہندو مسلم اتحاد نہیں۔ بلکہ بعض مسلمانوں کا ہندوؤں کے ساتھ اتحاد ہے۔ بعض عاقبت نااندیش ہندوؤں کے لئے بے شک خوشی کا مقام ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا اتحاد توڑ دیا۔ لیکن مسلمانوں کے لئے یہ افسوس کا مقام ہے۔ ہاں! اگر مسلمان پہلے آپس میں اتحاد قائم کر کے پھر ہندوؤں کے ساتھ اتحاد قائم کرتے تو یہ وہ چیز ہوتی جس کی ضرورت تھی۔ اگر الہ آباد اتحاد کانفرنس کے فیصلوں کو دیکھا جائے تو وہ بھی مسلمانوں کے فوائد کے سراسر منافی ہیں۔

جداگانہ اور مخلوط انتخاب: اول سب سے بڑا سوال جداگانہ انتخاب اور مخلوط انتخاب کا ہے۔ مسلمانوں کی بڑی بھاری اکثریت ہمیشہ جداگانہ انتخاب کا مطالعہ کرتی رہی ہے۔ اور ہندو جداگانہ انتخاب کے خلاف رہے۔ مسلمانوں کا یہ مطالبہ ملک کے لئے مفید ہے یا نہیں۔ یہ سوال اس وقت نہیں۔ مسلمانوں نے اپنی قوم کی حالت پر غور کر کے اس کے حقوق کی حفاظت کے لئے جداگانہ انتخاب کو نہایت ضروری سمجھا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح بعض دوسری اقلیتیں مثلاً اچھوت بھی جداگانہ انتخاب کو اپنے لئے بہتر سمجھتی ہیں۔ لیکن گاندھی جی کی فاقہ کشی کی دھمکی پر انہوں نے مخلوط انتخاب منظور کر لیا۔ مگر بلا معاوضہ نہیں بلکہ

انہوں نے جداگانہ انتخاب کو اس وقت ترک کیا، جب اس کا بہت بڑا معاوضہ نشستوں کے رنگ میں لے لیا۔ یعنی جہاں انہیں جداگانہ انتخاب کی رو سے تھوڑی سی نشستیں حاصل تھیں، پونا کے میثاق کے ذریعہ سے انہوں نے جداگانہ انتخاب کا حق تو چھوڑا، لیکن اپنی نشستیں دو چند کرالیں۔ اس سے صاف نظر آتا ہے کہ خود ہندوؤں کی نظر میں بھی جداگانہ انتخاب اقلیتوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور وہ اس کا اتنا بڑا معاوضہ دینے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ اچھوتوں کو برٹش گورنمنٹ کے ''اوارڈ'' کی نسبت دگنی نشستیں دے کر جداگانہ انتخاب ترک کرنے پر راضی کرتے ہیں۔ پس اکثریت نے بھی اقلیت کے لئے جداگانہ انتخاب کو بڑی قیمتی چیز سمجھا۔ قلت تو ایسا سمجھتی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائیوں نے جداگانہ انتخاب کا حق کو کس معاوضہ پر دیا۔ یا ہاتھ جوڑ کو یوں ہی ہندو دیوتاؤں کے آگے چڑھا دیا اس سوال کا جواب الہ آباد کانفرنس کے فیصلوں سے یہ معلوم ہوگا کہ جداگانہ انتخاب کے قیمتی حق کو ہمارے مسلمان بھائیوں نے بلا معاوضہ ہی نہیں دیا۔ بلکہ اس کے ساتھ اور بھی کچھ اپنی گرہ سے ادا کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر مسلمانوں کی حق تلفی اور کیا ہوسکتی ہے۔ ان ہندو ہندوؤں کے ساتھ سودا کرنے جاتے ہیں تو جداگانہ انتخاب کے حق کو چھوڑنے کے لئے بڑی بھاری قیمت ادا کر کے آتے ہیں اور بھولے بھالے مسلمانوں سے سودا کرنے آتے ہیں تو جداگانہ انتخاب کا حق بھی لے جاتے ہیں اور کچھ معاوضہ دینے کے بجائے ان سے بہت کچھ اور بھی لے جاتے ہیں!

پنجاب کی اکثریت: دوسرا نقصان، جو مسلمانوں کے فوائد کو الہ آباد کانفرنس نے پہنچایا ہے، وہ یہ ہے کہ پنجاب میں: ان کی اکثریت کو کم کر دیا اور اس اکثریت کی وزرات پر ایسی شرطیں رکھ دیں۔ جن سے وہ وزرات اقلیت کے رحم پر ہوگی۔

برٹش گورنمنٹ کے اوارڈ میں مسلمانوں کو 175 نشستوں میں سے آٹھ اور کم سے کم چھ کی اکثریت ملتی تھی۔ اتحاد کانفرنس اسے کم کر کے دوسو نشستوں میں سے 102 مسلمانوں کو دے کر ان کی اکثریت صرف چار کی رکھتی ہے۔ مگر یہ اکثریت کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ جب پنجاب کی وزرات پر یہ شرط عائد کر دی جاتی ہیں کہ سکھ یا ہندو وزیر اکثریت کا اعتماد حاصل کرنے کے محتاج نہ ہوں گے بلکہ اگر وہ اکثریت کا اعتماد کھو بھی دیتے تو وزرات سے الگ نہیں ہو سکتے۔ جب تک ساری وزرات گر نہ جائے

پنجاب کی وزارت کی ایک ٹانگ تو یوں توڑ دی گئی اور دوسری ٹانگ یوں توڑ دی گئی کہ اگر ہندوؤں اور سکھوں کے تین چوتھائی ممبر کسی تجویز کو اپنی اغراض کے منافی سمجھیں تو اس تجویز کو وزارت واپس لے لے گی اور اگر واپس نہ لے تو گورنمنٹ ہند (جو لازماً ہندو حکومت ہوگی) تین ججوں کی ایک ٹربیونل مقرر کردے گی۔ جس میں زیادہ سے زیادہ ایک مسلمان ہوسکتا ہے۔ اس کا فیصلہ وزارت کو تسلیم کرنا پڑے گا اور نہ تسلیم کرے تو وزارت ٹوٹ جائے گی۔ گویا ادنیٰ ادنیٰ معاملات میں، جہاں تین چوتھائی سکھ اور ہندو ممبر کسی معاملہ پر اڑ جائیں، وزارت بیکار ہوجائے گی، اور تعجب یہ کہ اس قسم کی کوئی شرط کسی ہندو اکثریت والے صوبے کی وزارت کے ساتھ نہیں رکھی گئی۔ سوائے بہار اور بمبئی کے۔ جہاں مسلمانوں کی تعداد اس قدر کم ہے کہ دوسری اقلیتوں کے مقابلہ میں کبھی اس شرط سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

مسئلہ علیحدگی سندھ: 3 سندھ کے ساتھ، جو دوسرا صوبہ مسلمان اکثریت کا ہے، جو سلوک ہوا ہے، وہ پنجاب سے بھی بدتر ہے۔ اور سندھ کے مسلمانوں نے ان تجاویز کو رد کردیا ہے۔

صرف دس سال کے لئے: 4۔ لیکن سب سے بڑی بات، جس کی رو سے مسلمانوں کے جملہ حقوق ہمیشہ کے لئے تلف کردیئے گئے، الہ آباد کانفرنس کی یہ شرط ہے کہ نشستوں کی ہر ایک قسم کی تخصیص اور خاص حلقہ رائے دہندگی کے حقوق کے لئے دس سال ہیں۔ اس کے بعد خود بخود کالعدم ہوجائیں گے۔

ظاہر ہے کہ موجودہ حق رائے دہندگی کا جو معیار ہے، وہ عموماً جائداد ہے۔ اور مسلمان قوم بوجہ اپنی عزت کے اور ان کی جائداد پر دوسری قوم کے قابض ہوجانے کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ جن صوبوں کی اکثریت بھی ہے۔ جیسے بنگال اور پنجاب، وہاں مسلمان رائے دہندگان کی تعداد موجودہ حق نیابت کی رو سے غیر مسلموں کی تعداد سے کم ہے۔ اسی کمی کا علاج مسلمانوں کی نشستوں کی تخصیص کی صورت میں کیا گیا ہے۔ تو اب میں اتحاد کانفرنس میں شامل ہونے والے مسلمان بزرگوں سے دریافت کرتا ہوں کہ دس سال کے بعد مسلمان رائے دہندگان کی بنگال اور پنجاب میں تعداد بڑھ جائے گی۔ ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ دس سال کے لئے تو پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کو اکثریت دے دی گئی ہے۔ لیکن دس سال کے بعد ان دونوں مسلمان اکثریت کے صوبوں میں بھی کونسل میں اکثریت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہوگئی اور غالباً یہی حالت سندھ میں ہوگی۔ صرف ایک سرحدی صوبہ رہ جائے گا اور

باقی تمام صوبہ جات میں مسلمانوں کی آبادی کی اکثریت کے باوجود حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہوگی۔ کیا اس کے صاف معنی یہ نہیں کہ دس سال کے لئے اکثریت کا کھلونا (مجوزہ شرائط کے ساتھ اکثریت کے کھلونے سے بڑھ کر نہیں) لے کر ہمارے مسلمان بھائیوں نے قوم کو کلیۃً ہندو اکثریت کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اور اس مسلمان کی فروخت پر خود مسلمانوں سے مہر ثبت کرانے کے لئے اب دعوت دی جاتی ہے کہ وہ بھی آئیں اور اپنی موت کے وارنٹ پر دستخط کر لیں اور پھر ہمیشہ ہمیشہ ان کے لئے غلامی ہے۔ اور باوجود اس کے یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے تیرہ نکات منظور ہو گئے ہیں۔ معلوم نہیں مسلمانوں کے مطالبات میں کونسا مطالبہ یہ تھا کہ دس سال کے بعد ہم ہمیشہ کی غلامی منظور کرتے ہیں!

میں تو سمجھتا ہوں کہ الہ آباد میں چند مسلمان بزرگوں نے اپنی قوم کو فروخت کر دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اور اگر کہا جائے کہ دس سال کے بعد ہم از سر نو پھر بحث اٹھائیں گے اور پھر حقوق کا فیصلہ کرنے بیٹھیں گے تو یہ ایک احمقانہ خیال ہے۔ پنڈت مالوی جی سے اب دریافت کر لیں۔ دس سال کے بعد پھر یہ جھگڑا از سر نو ہوگا۔ فیصلہ کے الفاظ صاف ہیں کہ دس سال کے بعد نشستوں کی تخصیص کالعدم ہوگی۔ اس کے سوا باقی کسی بات کے کالعدم ہونے کا ذکر نہیں۔ جس کے صاف معنی ہیں کہ دس سال بعد ہر جگہ مسلمان اکثریت خود بخود اقلیت میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور باقی باتیں اسی طرح رہیں گی۔

☆☆☆

جلسہ سالانہ پر آنے والے احباب غور کریں کہ جو عذر آپ دینی اجتماع میں نہ آنے کے لئے کیا کرتے ہیں، کیا اس عذر نے کبھی آپ کو اپنے دنیوی کاموں سے بھی روکا ہے؟! محمد علی

7 جنوری 1933ء
حفیظ جالندھری

خیر مقدم

یہ غیر مطبوعہ نظم ابوالاثر حفیظ جالندھری نے 24 دسمبر 1932ء کو جلسہ سالانہ کے پہلے اجلاس میں وقت ورود جناب بیرن عمر ایرنفلز پڑھی۔ مدیر

تجھے اسلام کے آغوش میں آنا مبارک ہو ــــ مئے توحید پی کر ہوش میں آنا مبارک ہو
محبت ہے بہت اس ملتِ نادار سے تجھ کو ــــ اخوّت کھینچ لائی ہے سمندر پار سے تجھ کو
میں تیرے جذبہ اخلاص کی تعریف کرتا ہوں ــــ مگر جب اپنی حالت دیکھتا ہوں، آہ بھرتا ہوں
پھلا پھولا ہے تو آزاد دنیا کی ہواؤں میں ــــ گھرے ہیں، مدتوں سے ہم غلامی کی بلاؤں میں
دوامی تلخ کامی کو گوارا کر لیا ہم نے ــــ سلف کی یاد شیریں سے کنارا کر لیا ہم نے
جہاد فی سبیل اللہ سے منہ ہم نے موڑا ہے ــــ شہادت اور غزا کے عہد دیرینہ کو توڑا ہے
ہماری یہ اذانیں، یہ نمازیں دیکھی نہیں جاتیں ــــ دکھانے کی ہیں سب رسمیں، دکھانے کی ہیں سب باتیں
بظاہر وعظ بھی ہوتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں ــــ ہماری غیرتیں لیکن مزے کی نیند سوتی ہیں
نہیں حُبِّ رسول اللہ کا کچھ ہم میں اثر باقی! ــــ نہ وہ ایمان کا نشہ، نہ وہ محفل نہ وہ ساقی
پڑے ہم تو سب ایماں کی بازی سے تھکے ہارے ــــ ہمیں اس رنگ میں کیا دیکھنے آیا ہے تو پیارے
ترا آنا ہماری شان کا اعزاز کا باعث ــــ ہمارے فخر کا باعث ہمارے ناز کا باعث

مگر اے مہربان اے دوست ہم سے دور ہی رہنا
ہمیں اخلاق و آزادی کے بارے میں نہ کچھ کہنا

کہیں غیرت نہ آجائے ہمیں پیغام سے تیرے
عمرؓ کی یاد تازہ ہو نہ جائے نام سے تیرے

عمرؓ کے نام سے ہم کو مجاہد یاد آتے ہیں
جو تلواریں اٹھاتے تھے وہ زاہد یاد آتے ہیں

نظر کے سامنے آتا ہے نقشہ ان دلیروں کا
کہ جن کا نام سن کر دل دہل جاتا تھا شیروں کا

فسانے زندہ ہو جاتے ہیں اُن شمشیر گیروں کے
جو محسن تھے شریفوں کے جو قاتل تھے شریروں کے

وہی اللہ کے بندے جو مسجد کے نمازی تھے
مگر میدان کے اندر مجاہد اور غازی تھے

عمر کا نام غیرت کے لئے اک تازیانہ ہے
مگر غیرت بکار آمد ہیں۔ نازک زمانہ ہے

علیٰ الاعلان اظہارِ صداقت سے میں ڈرتا ہوں
تو بھائی ہے مرا، میں تیرا استقبال کرتا ہوں

۞۞۞

7 جنوری 1933ء
خواجہ غلام نبی مہجور

کلامِ مہجور

یہ نظم جلسہ سالانہ میں 26 دسمبر 1932ء کو پڑھی گئی۔

آپ کے لب پر سدا دشنام ہے　　کام میرا خدمتِ اسلام ہے
دونوں پہنچے منزلِ مقصود پر　　الغرض دونوں کا روشن نام ہے
میری ان کی ہے لڑائی دین کی　　روم کی کہتا ہوں میں، وہ چین کی
مشرق ومغرب کا دونوں میں ہے بعد　　دھن جدا ہے اپنی اپنی بین کی
ہر گھڑی آمادۂ پیکار ہیں　　میری بربادی پہ وہ تیار ہیں
ہے پدر دونوں کا سلطانِ عرب　　میں فدا اُن پر، وہ میرے یار ہیں

کام کی بات

بہت آساں ہے بزمِ غیر میں تقریر کر لینا　　دلوں کو گرم کر کے بستۂ زنجیر کر لینا
نہیں ہے غیر ممکن ابر دودِ آہ سے اپنے　　بزیرِ آسماں اور آسماں تعمیر کر لینا
کسی کو جھڑک دنیا عالمِ رنج ومصیبت میں　　امیر صاحبِ توقیر کی توقیر کر لینا
نہیں دشوار کچھ ایسا ہجومِ یاس وحرماں میں　　جگر پر ہاتھ رکھ کر نالۂ شبگیر کر لینا
پہن کر خرقہ سالوس قومِ سادہ بوحوں کو　　جکڑ لینا بدامِ حیلہ و تزویر کر لینا
جھکا کر سر کسی فتنہ گرِ عالم کے قدموں پر　　کتابِ دردِ دل کو کھول کر تفسیر کر لینا
کوئی مضموں سجا کر زیورِ الفاظ ومعنی سے　　طفیل طبع موزوں نظم میں تحریر کر لینا
گرانا سہل ہے ایوانِ ملت کے ستونوں کا　　نہیں مشکل ہے جاری فتوی تکفیر کر لینا
مگر مومن بنانا کافروں کو سخت مشکل ہے
یہ وہ منزل ہے جس پر پاؤں دھرنا ایک منزل ہے

مگر یہ کام کرتے ہیں خدا کے چاہنے والے لگاتے ہیں یہ بازی مصطفیٰؐ کے چاہنے والے
مقدم دین کو رکھتے ہیں وہ نعمائے دنیا پر عجب ہوتے ہیں مولا کی رضا کے چاہنے والے
اڑا دیتے ہیں پرزے، ظلمتِ عصیاں کے پردوں کے شبِ تاریک میں اٹھ کر ضیا کے چاہنے والے
مثالِ کرگساں گرتے ہیں جو مردار دنیا پر وہ پروانے نہیں نورِ ہدٰی کے چاہنے والے
فدا کرتے ہیں اپنے عہد پر مالِ زر وجان کو انوکھے ہیں زمانے سے وفا کے چاہنے والے
اٹھاتے ہیں ہزاروں سختیاں ملت کے ہاتھوں سے ستم کے چاہنے والے، جفا کے چاہنے والے
مٹا دیتے ہیں شان وشوکت وفترِ حکومت کو زلیخا کی طرح یوسف لقاء کے چاہنے والے
خدا سے لو لگاتے ہیں مصیبت کے زمانے میں ہمیشہ سایۂ بالِ ہما کے چاہنے والے

نخستیں خود بہ اصلاحِ نفس مشغول می مانند
مپس آئینہ خود راسوئے دگراں بگر دانند

انہیں کے نور سے پھر ایک عالم جگمگاتا ہے انہیں کے نور سے بھٹکا ہوا بھی راہ پاتا ہے
انہیں کا نور کرتا ہے تجلّی آسمانوں میں انہیں کا نور جسمانی کو روحانی بناتا ہے
انہیں کے نور سے ہوتا ہے پھر ظلمت کدہ روشن انہیں کا نور پھر مردہ چراغوں کو جلاتا ہے
انہیں کا نور دنیا سے برائی دور کرتا ہے انہیں کے نور سے شیطان بھی آنکھیں چراتا ہے
انہیں کا نور پھر آب بقا بن کر برستا ہے پیامِ زندگی مردہ دلوں کو پھر سناتا ہے
انہیں کا نور پانے کو فرشتے بھی ترستے ہیں انہیں کا نور حوروں کی تمنا بن کے آتا ہے
انہیں کا نور دیتا ہے تسلی بے قراروں کو انہیں کے نور سے ہر مضطرب تسکین پاتا ہے
انہیں پر پرتوِ حسن وجمال یار پڑتا ہے انہیں کے نور میں نورِ خدا جلوہ دکھاتا ہے

تلاشِ نور ہے جن کو، وہ میری انجمن دیکھیں
پھلا پھولا مسیح موعود کا آکر چمن دیکھیں

❁❁❁

11 جنوری 1933ء

پیامِ مہجور

غلام نبی مہجور پسروری

نوجوانوں کے لئے ہے زندگی میرا پیام — جو عمل اس پر کریں گے پائیں گے اعلیٰ مقام
سب مذاہب کا ہے سرچشمہ خدائے ذوالجلال — لانے والے ان کے گذرے ہیں جہاں میں باکمال
سب کی عزت جو کریں گے وہ بھی عزت پائیں گے — شان و شوکت پائیں گے اور مال و دولت پائیں گے
مفسدوں کو اس جہاں میں کچھ نہیں ملتا وقار — لاد لیتے ہیں وہ اپنی پشت پر لعنت کا بار
اہل دنیا کے لئے بنتا ہے جب کوئی مفید — بارور کرتا ہے اس کو مالکِ عرشِ مجید
وہ اسی دنیا میں پاتا ہے حیاتِ جاوداں — پھولتا پھلتا ہے اس کا گلشنِ ہستی یہاں
ہر جگہ اس کی مدد کرتا ہے خود ربّ کریم — اس پہ غلبہ پا نہیں سکتا ہے شیطان رجیم
جنت الفردوس میں پاتا ہے وہ قُربِ حضور — نارِ دوزخ کو خدا رکھتا ہے اس سے دور دور

ہر کہ بر مخلوقِ عالم مہربانی می کند
خالقش در ہر مصیبت پاسبانی می کند

11 جنوری 1933ء

خواجہ کمال الدینؒ

حکیم احمد شجاع ایوبی الانصاری۔ بی اے (علیگ) اسسٹنٹ سیکرٹری پنجاب لیجس لیٹیو کونسل

کمال الدین اے اسلام کے عاشق مبارک ہو ۔۔۔ تجھے تکمیل مقصد کر کے دنیا سے سفر کرنا
کسے بخت رسا تجھ سا میّسر زمانے میں ۔۔۔ خدا کے واسطے جینا، خدا کے واسطے مرنا
فقیرِ بینوا ہو کر کیا تسخیر ملکوں کو ۔۔۔ کچھ ایسا جوش ایمان تھا، کچھ ایسی تجھ میں ہمت تھی
تیرے قلبِ صفا پرور میں، تیرے دست و بازو میں ۔۔۔ ولید وعتبہ وموسیٰ وطارق کی شجاعت تھی
تیرا عزمِ صمیم اس نورِ ایمان سے منور تھا ۔۔۔ کیا فاراں کی چوٹی سے جس نے اِک جہاں روشن
خدا چاہے تو اک دن نورِ عرفاں کی تجلّی سے ۔۔۔ کریں گے تیرے شیدائی زمین وآسمان روشن
زہے بخت رسا تو عازمِ مغرب ہوا جس دن ۔۔۔ خدا کا نام اور اس کا پیامِ آخریں لے کر
کسے معلوم تھا آئے گا اتنا شادماں ہو کر ۔۔۔ جو جاتا ہے دیارِ غیر میں قلب حزیں لے کر
تری تکبیر سے گونجی فضائے مشرق و مغرب ۔۔۔ ہوئے تثلیث کے شیدا شناسا ذاتِ واحد سے
سبق بھولا ہوا پھر ذہنِ انساں میں کیا تازہ ۔۔۔ ہوا نزدیک تر معبودِ واحد عبد عابد سے
تو ایثارِ مجسم تھا، تو اک مردِ مجاہد تھا ۔۔۔ بڑھا مغرب میں تو، بانگِ درائے کارواں ہو کر
نتیجہ اپنی محنت کا خود اپنی آنکھ سے دیکھا ۔۔۔ نہیں جاتی کسی کی اتنی محنت رائیگاں ہو کر
زمانہ لاکھ سر پٹکے، مگر اب مٹ نہیں سکتا ۔۔۔ نشاں توحید کا مغرب میں جو تو چھوڑ آیا ہے
وہ معبد کفر و مستی کے، صنم باطل پرستی کے ۔۔۔ خدا شاہد ہے اپنے ہاتھ سے تو توڑ آیا ہے
تری اس خاک کے ذرّوں سے پیدا ہونے والی ہے ۔۔۔ وہ امت، دعوتِ حق دے گی جو اقوام عالم کو
بنی آدم کی ذہنیّت کو جو بیدار کر کر کے ۔۔۔ دلوں پر نقش کر دے گی خدا کے اسم اعظم کو

11 جنوری 1933ء

مسلمانان لاہور کا عظیم الشان تعزیتی جلسہ

حضرت خواجہ صاحب کی وفات پر اظہار افسوس ہمدردی

8 جنوری 1933ء اتوار تین بجے دو پہر حبیبیہ ہال (اسلامیہ کالج لاہور) میں حضرت خواجہ کمال الدین کی وفات پر اظہار افسوس و ہمدردی اور دعائے مغفرت کرنے کے لئے مسلمانان لاہور کا ایک عظیم الشان جلسہ بصدارت آنریبل سر شہاب الدین صاحب صدر پنجاب کونسل منعقد ہوا۔ اس جلسہ کے داعیان میں لاہور کے تقریباً تمام مقتدر مسلمان شامل تھے۔ حاضرین میں سے سر فیروز خاں صاحب نون بالقابہ وزیر تعلیم، سر عبدالقادر صاحب بالقابہ جج ہائیکورٹ، جناب بیرن عمر ایرنفلز، جناب نواب شاہ نواز خان صاحب آف ممدوٹ۔ ملک برکت علی صاحب۔ خلیفہ شجاع الدین صاحب، مولوی غلام محی الدین صاحب وکیل، شیخ عظیم اللہ صاحب وکیل، سیکرٹریان حمایت اسلام لاہور۔ خان بہادر شیخ امیر علی صاحب پنشنر سیشن جج، حکیم احمد شجاع صاحب، آغا محمد صفدر صاحب، حضرت امیر اید ہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا صدرالدین صاحب، مولوی سید ممتاز علی صاحب ایڈیٹر تہذیب نسواں، سید غلام مصطفیٰ صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول لاہور، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، ملک محمد امین صاحب وکیل اور پروفیسر عبدالمجید صاحب کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ سب سے اول حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ اس کے بعد محمد صدیق صاحب نے نہایت خوش الحانی سے نعت پڑی۔

صاحب صدر کی تقریر: صاحب صدر نے فرمایا کہ حاضرین میں سے اکثر اصحاب خواجہ صاحب مرحوم کو جانتے ہوں گے۔ لیکن ایسے بہت کم ہوں گے جو مرحوم سے اتنے طویل عرصہ واقف ہوں جتنے عرصہ سے میری ان کی دوستی تھی۔ یہ زمانہ پینتالیس چھیالیس سال کا ہے۔ ہماری سکول کے زمانہ سے دوستی تھی۔ ہم نے اکٹھے ہی انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد وہ مشن کالج میں اور میں گورنمنٹ کالج میں داخل ہو گیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ بی۔ اے کے امتحان میں بھی ہم نے ایک ساتھ کامیابی حاصل کی۔

اور وکالت کا امتحان مرحوم نے مجھ سے ایک سال قبل پاس کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے چھ سال تک پشاور میں وکالت کی اور اس جگہ ان کا بہترین قانون دانوں میں شمار ہونے لگا۔ چونکہ بعض مقدمات کے سلسلے میں انہیں بار بار لاہور آنا پڑتا تھا، اس لئے مستقل طور پر لاہور ہی میں قیام پذیر ہو گئے۔ یہاں بھی ان کی وکالت خوب چمکی قانونی اور شہرت کے لحاظ سے کافی کامیابی حاصل کی۔ لیکن مذہب کی خدمت کا مرحوم کو شروع سے شوق تھا۔ میں بے تکلف دوست کی حیثیت سے انہیں بار ہا کہتا رہا کہ آپ وکالت کا کام کریں یا مذہب کے لئے وقف ہو جائیں۔ آخر کار انہوں نے مجھے ایک روز کہا کہ میں نے آپ کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے اپنے تئیں مذہبی خدمت کے لئے وقف کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد وہ بالکل بے سروسامانی کی حالت میں تبلیغ اسلام کے لئے ولائت روانہ ہو گئے۔ دیار مغرب میں مرحوم نے جو محیر العقول کامیابی حاصل کی، جو انقلاب انگیز کام کیا، وہ محتاج بیان نہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم مرحوم کی بے وقت موت پر اظہار افسوس و ہمدردی اور دعائے مغفرت کرنے کے علاوہ اس کام کو بھی جاری رکھنے کی کوشش کریں، جو مرحوم نے شروع کیا اور جس کے لئے اپنی جان تک دے دی۔

صاحب صدر کے بعد سر عبدالقادر نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ خواجہ صاحب مرحوم شروع سے نہایت ذہین اور محنتی تھے۔ اگر وہ وکالت کا کام جاری رکھتے تو دنیوی لحاظ سے بہت زیادہ ترقی کرتے۔ میں انہیں طویل عرصہ سے جانتا ہوں۔ نوجوانی میں وہ پاکیزہ ادبی مذاق کے مالک تھے۔ ان کی نظم ونثر دونوں سے واقف ہوں۔ تقریر بھی وہ خوب کرتے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ ان کا کارنامہ قابل ذکر وفکر یہ ہے کہ انہوں نے سب سے اول دیار مغرب میں تبلیغ اسلام کی ابتداء کی۔ ووکنگ میں میں نے خود جا کر دیکھا ہے۔ وہاں نہایت مفید کام ہو رہا ہے۔ مرحوم کو خدمت اسلام کا عشق تھا۔ انہوں نے اس راستے میں اپنا سب کچھ نثار کر دیا۔

بعد ازاں سر فیروز خاں صاحب نون بالقابہ وزیر تعلیم نے اظہار افسوس و ہمدردی کی تجویز کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ مجھے ایام انگلستان میں خواجہ صاحب سے نیاز ہوا۔ اس وقت میں نوجوان تھا اور مذہب کے متعلق مجھے بہت سے شکوک پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن خواجہ صاحب مرحوم کی ملاقات اور کتب نے مجھے اسلام پر قائم رکھا۔ ورنہ خطرہ تھا کہ میں عیسائی ہو جاؤں۔ میرے خیال میں مرحوم نے مسلمانوں کے

لئے جو مفید کتب تحریر فرمائی ہیں وہ ان کی سب سے بڑی خدمت اسلامی ہے۔ پیش کردہ ریزولیوشن مندرجہ ذیل الفاظ پر مشتمل تھا۔

''مسلمانان لاہور کا یہ اجتماع خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلغ اسلام کی شاندار اسلامی خدمت کا اعتراف کرتا ہے اوران کی مغفرت کے لئے درگاہ رب العزت میں بخشوع وخلوص ملتجی ہے اوران کے پسماندگان سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔''

حضرت امیر کی تقریر: اس کے بعد حضرت امیر نے ایک مختصر تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ خواجہ صاحب کے حالات زندگی میرے دو مکرم دوستوں یعنی صاحب صدر اور سر عبدالقادر بالقابہ نے بیان فرما دیئے ہیں۔ خواجہ صاحب مرحوم مشن کالج کے طالب علم تھے۔ عیسائی درس گاہوں میں دو قسم کے طلباء ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جن میں غیرت اسلامی دوسرے مسلمانوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرے وہ جو عیسائیت کا اثر قبول کر لیتے ہیں۔ خواجہ صاحب مؤخرالذکر لوگوں میں سے تھے۔ اور قریب تھا کہ وہ عیسائی ہو جائیں۔ لیکن ان کی ملاقات ایک مرد کامل (حضرت مرزا صاحب) سے ہوئی۔ اس سے خواجہ صاحب میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا۔ حتّٰی کہ انہوں نے عیسائیت کو مغلوب کر لیا۔

یورپ وامریکہ کے عیسائی مشنری ہمارے ملک اور دنیا کے تمام ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے زبردست جدوجہد کر رہے ہیں۔ خواجہ صاحب موجودہ زمانے میں پہلے انسان تھے، جنہوں نے دیار مغرب میں جا کر اسلام کا پیغام پہنچایا۔ لیکن عیسائی مشنریوں اور خواجہ صاحب میں ایک فرق ہے۔ عیسائی مشنریوں کے ساتھ تنظیم اور روپے کی زبردست طاقت ہے۔ ان کی قوم اربوں روپے عیسائیت کی تبلیغ پر خرچ کرتی ہے۔ لیکن خواجہ صاحب نے مفلسی کی حالت میں یہ قدم اٹھایا اور فتح حاصل کی۔ یہ ایک شخص کا اثر تھا جس نے مرحوم کو تبلیغ اسلام کا دیوانہ کر دیا۔ خدا اور رسولؐ پر ایمان اور اسلام کے غالب ہونے کا یقین ہی تھا جس نے مرحوم میں اس قدر عظیم الشان کام کرنے کی طاقت پیدا کر دی۔ خواجہ صاحب نے بیشک کافی تعداد میں انگریز مسلمان کئے۔ جن میں سے اکثر بلند دنیوی وعلمی درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن مرحوم نے اس سے بڑا کام یہ کیا کہ مغربی ممالک میں اسلام کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں، ان کو بڑی حد تک دور کر دیا۔ مرحوم کے فرزند، بیگم صاحبہ اور دوسرے رشتہ داروں سے

بے شک آپ کی ہمدردی ہونی چاہیئے۔ لیکن اس کے مستحق مرحوم کے وہ رفقاء کار بھی ہیں، جو انگلستان کے علاوہ جرمن اور دوسرے ممالک میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ممدوح نے مرحوم کی تصنیفات، جرمن مشن اور جناب بیرن عمر اہرنفلز کا بھی مختصر الفاظ میں ذکر کیا۔

حکیم احمد شجاع کی نظم: حضرت امیر کی تقریر کے بعد جناب حکیم احمد شجاع صاحب نے ایک پر اثر نظم پڑھی جو اسی اشاعت کے صفحہ 7 پر درج ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور نوجوان شاعر سید امداد علی شاہ صاحب امدادؔ نے مرثیہ پڑھا۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں درج کیا جائے گا۔

دوسرا ریزولیوشن: جناب خلیفہ شجاع الدین صاحب نے تجویز پیش کی کہ مرحوم کی یادگار کے طور پر ایک میموریل فنڈ قائم کیا جائے۔ اور اس فنڈ کا سرمایہ ووکنگ مسلم مشن کے اغراض و مقاصد کی تکمیل پر صرف کیا جائے اور اس کے (فنڈ) انتظام کے لئے ایک کمیٹی بھی بنائی جائے۔ جس کے لئے 9 مقتدر مسلمانوں کے نام پیش کئے گئے۔ تقریر کرتے ہوئے خلیفہ صاحب نے فرمایا کہ جب خواجہ صاحب قیام مشن کے لئے پہلی مرتبہ ولایت گئے تو میں انگلستان میں طالب علم کی حیثیت سے موجود تھا۔ مجھے نہایت ندامت سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ میں نے اس وقت اس عظیم الشان مقصد کی مخالفت کی۔ کیونکہ میں اس کو ناممکن خیال کرتا تھا۔ لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میں غلطی پر تھا۔ میری پرورش ایسے ماحول میں ہوئی تھی جس میں احمدیت کے خلاف کچھ تعصب پایا جاتا تھا۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ ہم جماعت احمدیہ لاہور سے نبوت وغیرہ کے مسائل میں متفق ہیں۔ ملک برکت علی صاحب ایڈووکیٹ نے اس ریزولیوشن کی تائید کی یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جناب بیرن نے مختصر الفاظ میں حضرت خواجہ صاحب کو خراج تحسین ادا کیا۔ دعائے مغفرت کے بعد جلسہ ختم ہوا۔

❁❁❁

15 جنوری 1933ء

سید امداد علی شاہ امدؔاد

مرثیہ حضرت خواجہ کمال الدینؒ

اشعار ذیل مسلمانان لاہور کے اس تعزیتی جلسہ میں پڑھے گئے جو حضرت خواجہ صاحب کی وفات پر اظہار افسوس و ہمدردی کے لئے منعقد کیا گیا تھا۔ جس کی روئیداد گذشتہ اشاعت میں شائع ہو چکی ہے۔

ہوا زمانے میں قحط الرجال صد افسوس — وہ چل بسے کہ نہ رکھتے تھے جو عدیل و مثیل
وہی کہ جن کا تکلّم میں تھا کلیم خطاب — وہی جنہیں لب عیسٰی سے دیتے تھے تمثیل
وہ جن کے پیش نظر تھے ہزاروں استدلال — وہ جن کی بات کرامت تھی، معجزہ تھی دلیل
وہ پختہ قول تھا جن کا اور عزم راسخ تھا — قضا وقدر بھی جن کو نہ کر سکے تبدیل
اٹھے وہ لے کے فقط ایک ہمت مرداں — کفیل تھا نہ کوئی، اور تھی نہ کوئی سبیل
جہاں کہ گونجتی تثلیث کی صدائیں تھیں — لگایا جا کے وہاں پر وہ نعرۂ تہلیل
سنا جو شرک پرستوں نے کلمۂ توحید — ہوئے وہ جلد مسلماں جو تھے فہیم و عقیل
جہاں میں ان کے وہ مشہور کارنامے ہیں — بیاں مَیں کارِ نمایاں کی کیا کروں تفصیل
گواہ لارڈ ہیں، شاہد ہے مسجدِ ووکنگ — یہ کام وہ ہیں جنہیں جانتا ہے ربِّ جلیل
غرض کہ جن کو کہا کرتے تھے کمال الدین — ہمیشہ کرتے تھے اکملت لکم کی جو تکمیل
انہی کے سوگ میں اہلِ کمال آئے ہیں — کمال رنج ہے سب کو، ہوئے کمال رحیل
کمال خواجہ کا مشہور ہے یہ لندن میں — کہ لوگ پڑھتے ہیں قرآن چھوڑ کر انجیل
نہ مجھ میں تابِ سخن ہے نہ وصف گویائی — یہ ہے خواجؔہ کے امدؔاد حکم کی تعمیل

۞۞۞

19 جنوری 1933ء

فریادِ اسلام

سید عبدالمجید عاصمؔ جج کپورتھلہ

کیوں کہتے ہو کہ جو ہر قابل نہیں رہا — کیوں کہتے ہو کہ بندۂ کامل نہیں رہا
کیوں اعتقاد ختم نز دلِ ملائکہ — کیوں اب طریقِ رُسل رسائل نہیں رہا
کہتے ہو کیوں، کہ بند ہوئیں ہم کلامیاں — کیا اب خدا کلام کے قابل نہیں رہا
کہتے ہو کیوں کہ ہے یہ گلستاں خزاں زدہ — کہتے ہو کیوں کہ شور عنا دل نہیں رہا
کہتے ہو کیوں کہ ختم ہوئی داستانِ عشق — کہتے ہو کیوں کہ لیلیٰ ؤ محمل نہیں رہا
خالق وہی ہے اور ہے مخلوق بھی وہی — دونوں کو جو کہ دیکھ سکے دل نہیں رہا
جس کو ملا ہومہدئ موعود۔ پھر کوئی — خوش قسمتی میں اس کا مقابل نہیں رہا
اس کی نگہ سے کٹ گئیں بیماریاں سبھی — دل پائے بند طوق و سلاسل نہیں رہا
محبوب وہ ملا، جو خدا کا حبیب ہے — دل اب کسی کے حسن کا قائل نہیں رہا
ہم بحرِ احدیت میں ہوئے جب سے غوطہ زن — دل میں خیالِ منزل وساحل نہیں رہا
وہ کیا ملے کہ گوہرِ مقصود مل گیا — اب دل اسیرِ دعوٰی باطل نہیں رہا
جس ہاتھ پہ ہے ہاتھ، خدا کا وہ ہے یہی — دیکھے وہ جو خدا کا بھی قائل نہیں رہا
تسلیم کیجئے، ہے اسی میں سلامتی — اب وقت پیش وپس کا بھی، غافل نہیں رہا
کہتا ہوں میں بھلے کی، تمہارے بھلے میں ہوں — کیوں اعتبار مجھ پہ، میرے دل نہیں رہا
شکر و رضاو قربِ خدا، نفس مطمئن — کیا کیا ملے گا، اور تمہیں کیا مل نہیں رہا
خالق کو جس نے پایا نہیں اس جہان میں — مخلوق سے وہ اُنس کے قابل نہیں رہا
ہے ابتداء اسی کی، اک اچھی ابتداء — جو دل مآلِ کار سے غافل نہیں رہا
جس دل کو مجھ پہ ناز ہے، وہ دل تو ہے مگر — جس دل پہ مجھ کو ناز تھا، وہ دل نہیں رہا

عاصمؔ سے شکوہ حضرت ملاّ کو ہے عبث
اب ان کی محفلوں کے وہ قابل نہیں رہا

23 جنوری 1933ء
حسبِ اجازت حفیظ

عید

مولانا ابوالاثر حفیظ جالندھری خالقِ شاہنامہ اسلام

یہ عید ہے روزہ داروں کی　　محبوبِ خدا کے پیاروں کی
جن کی طاعت مشکور ہوئی　　پروان چڑھی، منظور ہوئی
سجدوں نے جبینیں چمکائیں　　منت کی مرادیں بر آئیں
محنت کا شجر پھل لایا ہے　　دن فصلِ خدا کا آیا ہے
یہ بخشش کی امید کا دن
یاروں کے لئے ہے عید کا دن

رحمت کی گھٹائیں چھائی ہیں　　قبلے کی طرف سے آئی ہیں
وا ہیں توحید کے میخانے　　اور گردش میں ہیں پیمانے
ساقیٔ ازل کی چوکھٹ ہے　　مستانِ الست کا جم گھٹ ہے
یہ سب اللہ کے دیوانے　　شمعِ وحدت کے پروانے
توحید کے نغمے گاتے ہیں
مِل جُل کر عید مناتے ہیں

ہم بدقسمت، ہم بیچارے　　آزارِ فرقت کے مارے
عید آئی۔ یہ کیسے جانیں؟　　ہم عید کی خوشیاں کیا جانیں؟
یثرب سے نہیں پیغام آیا　　غربت میں ماہِ صیام آیا
محبوب کے در سے دور ہوئے　　لاچار ہوئے، مجبور ہوئے
جب نورِ خدا کی دید نہیں
یہ عید ہماری عید نہیں

❁❁❁

23 جنوری 1933ء

عید مبارک

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

تیس دن کے روزوں کے بعد عید یا خوشی کا دن آنے کا کیا مفہوم ہے؟ یہ کہ خدا کے لئے بعض خواہشات کو ترک کرنے سے انسان کو حقیقی راحت حاصل ہوتی ہے اور یہ کہ جب تک کسی مشقت کو مسلسل جاری نہ رکھا جائے تو کامیابی کی خوشی کو انسان نہیں دیکھ سکتا۔ عید مبارک ایک تو خوشی کے موقعہ کی رسمی دعا ہے اور ایک یہ تڑپ ہے کہ واقعی یہ دن ہمارے لئے برکات لانے کا موجب ہو۔ اسی تڑپ کے ساتھ میں نے اپنے احباب کو عید مبارک کہا ہے۔ اس کو واقعی مبارک بنانا آپ کے اپنے اختیار میں ہے۔

ا۔ کیا آپ اپنی مصروفیتوں میں سے یا اپنے فراغت کے اوقات میں سے کوئی وقت نکال سکتے ہیں کہ کسی اپنے بچے کو، کسی عزیز کو، کسی دوست کو کسی اجنبی کو، کسی دشمن کو اپنی زبان سے یا اپنے قلم سے یا کسی اور ذریعہ سے ایک کلمہ حق پہنچا دیں۔ اور پھر اس کوشش کو مسلسل جاری رکھیں۔ یہاں تک کہ اسے اس کلمہ حق پر عامل دیکھ لیں۔

ب۔ کیا آپ اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں سے مہینہ میں تین دن کے لئے کسی چیز کی کمی کر کے وہ رقم الگ کر سکتے ہیں کہ خدا کے راستے میں خرچ ہو۔

ج۔ کیا آپ اپنے لباس میں یا اور بعض ضروریات میں سادگی اختیار کر کے اس بچی ہوئی رقم کو الگ کر سکتے ہیں کہ اس سے خدا کے دین کی عمارت بنے۔ اگر آپ اس عید کے موقعہ پر اس پر عامل ہوں اور عید پڑھانے والے اصحاب خطبہ عید میں اپنے احباب کو اس طرف توجہ دلائیں تو گیارہ ماہ میں جو پھر رمضان آنے تک باقی ہیں، ایک عظیم الشان عمارت ہی تیار نہیں کر لیں گے بلکہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی ایک نیک نمونہ قائم کر دیں گے جس سے قوم میں زندگی پیدا ہو جائے۔

عید کا بہترین تحفہ: عید پر آپ اپنے عزیزوں کو تحائف دیتے ہیں۔ مگر بہترین تحفہ جو آپ دے سکتے ہیں ایک مترجم قرآن کریم کا اس کے ہاتھ میں دے دینا ہے۔ اگر وہ موجود ہے تو لائٹ یا پیغام صلح کا اس کے نام جاری کرا دینا ہے۔ جس سے وہ سال بھر خوشی اُٹھائے گا۔ بلکہ دائمی راحت کا سامان حاصل کرے

گا۔ اگر وہ بھی جاری ہے تو ایک ''تحریک احمدیت'' اس کے ہاتھ میں دے دینا ہے۔ جس سے اس کے اندر اشاعت اسلام کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ خاکسار۔ محمد علی۔ احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

صدقہ فطر کا نظام قائم کرنے کی ضرورت: بدقسمتی سے آج مسلمانوں کا ہر کام اُس نظام کی حالت کو چھوڑ چکا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری ٹھہرایا تھا۔ اور مسلمانوں کی تمام قوت اور طاقت اور ان کا روپیہ اور مال محض نظام کے ماتحت نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو رہا ہے۔ یہی حال صدقہ فطر کا ہے۔

حدیث بخاری میں ہے **عَنْ اِبْنِ عُمَرَ فَرَضَ النّبیّ صلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدَقَۃَ الْفِطْرِ اَوْ قَالَ رَمَضَانَ عَلَی الذّکَرِ وَالْاُنْثٰی وَالْحرِّوَ الْمَمْلُوْکِ صَاعاً مِّنْ تَمرٍ اَوْصَاعاً مِّنْ شَعِیْرٍ** یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر یا صدقہ رمضان مرد اور عورت اور آزاد اور غلام سب پر فرض ٹھہرایا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو۔ اور بعض احادیث میں ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر بھی آتا ہے۔ اور بخاری میں ہی ایک باب ہے **صَدَقَۃُ الْفِطْرِ عَلَی الصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ** ۔صدقہ فطرت چھوٹے اور بڑے سب پر ہے۔ اور یہی عملدرآمد صحابہؓ کا تھا کہ چھوٹے سے چھوٹے بچوں کی طرف سے بھی دیتے۔ صاع ایک حساب کی رو سے تقریباً چار سیر اور ایک حساب کی رو سے قریباً تین سیر بنتا ہے۔ مگر مختلف اشیاء کے وزن کے لحاظ سے قیمتیں مختلف ہوں گی۔ آج کل کے نرخ کے لحاظ سے جَو اور گندم کو ایک ہی حکم میں رکھ کر اس کا اندازہ قریباً چار آنے فی کس ہوگا۔ اسی حدیث کے آخر پر ہے **کَانُوْ ایُعْطُوْنَ لِیُجْمَعَ لَا لِلْفُقَرَآءِ** صدقہ فطر صحابہؓ اکٹھا کرنے کے لئے دیتے تھے۔ اپنے اپنے طور پر فقیروں کو نہ دیتے تھے۔

اور دوسری جگہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں **وَکَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِحِفْظَۃِ زَکٰوۃِ رَمَضَانَ ۔** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سپرد یہ کام کیا تھا کہ میں صدقہ رمضان کی حفاظت کروں۔ جس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اسے جمع کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور سارا مال ایک جگہ جمع ہو کر پھر حسب ضرورت تقسیم کیا جاتا تھا۔

اور حدیث ابن عمرؓ میں ہے **کَانُوْا یُعْطُوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِیَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ** یعنی یہ صدقہ

عید سے ایک یا دو دن پہلے ادا کر دیتے تھے۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور وہ اس طرح نہ دیا جاتا تھا جس طرح آج مسلمانوں کی بدنظمی کی وجہ سے ہر ایک شخص جہاں چاہے دے چھوڑتا ہے۔ اس طرح الگ الگ اسے تقسیم کر دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ روپیہ ضائع ہو جاتا ہے کچھ بھیک مانگنے والوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ اگر سنت نبویؐ کی پیروی کی جائے تو صدقہ فطر کو ایک جگہ جمع کر کے اس میں سے حسب ضرورت خرچ کرنا چاہئے۔

غور کیا جائے تو مسلمان صدقہ فطر کے اس نظام کو توڑ کر، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، اپنا روپیہ جو ان کی قوم کے لئے عظیم الشان قوت کا موجب ہوسکتا ہے۔ برباد کررہے ہیں۔ مثلاً لاہور کو ہی ہم لے لیں۔ اگر ایک لاکھ آدمی بھی صدقہ فطر ادا کرتا ہو۔ تو اس کی کُل میزان پچیس ہزار روپے ہوتی ہے۔ یہ پچیس ہزار روپیہ اگر ایک جگہ آئے، جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا، تو کس قدر قومی کام اس سے نکل سکتے ہیں۔ کس قدر غرباء کی تعلیم کا انتظام ہوسکتا ہے۔ لیکن ہم اپنے ہاتھوں سے اس روپے کو برباد کررہے ہیں۔ اور اپنی قوم کو کمزور کررہے ہیں۔ صرف ایک پنجاب کو ہی لے لو۔ اگر اس کی نصف آبادی نہ سہی، ایک تہائی بھی صدقہ ادا کرنے والی ہو اور یقیناً ہے تو ہر سال پنجاب کے مسلمان پندرہ سولہ لاکھ روپیہ برباد کرتے ہیں۔ جس سے ایک یونیورسٹی بن سکتی ہے۔ یا قوم کی عامہ حالت سدھر سکتی ہے۔ اس وقت مسلمانوں میں کتنی انجمنیں موجود ہیں۔ اگر مسلمان بھائی اپنے صدقہ فطر کو بجائے اِدھر اُدھر پھینکنے کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کرنے کے ان انجمنوں کے سپرد کریں۔ جیسے مثلاً انجمن حمایت اسلام ہے یا انجمن اسلامیہ ہے یا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہے یا کوئی اور انجمن ہو تو وہ ان انجمنوں کی قوت کو بڑھا کر اپنی قوم کو کس قدر طاقتور بنا سکتے ہیں! مگر موجودہ حالت میں کیا ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی جیبوں سے روپیہ نکلتا بھی ہے۔ اور اپنی طرف سے وہ ایک فریضہ ادا بھی کرتے ہیں لیکن آدھا حکم مانتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا روپیہ بھی گیا اور حکم نبویؐ کی اصل غرض بھی پوری نہ ہوئی۔

میری درد دل سے سب مسلمان بھائیوں کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے مال کو

جسے اللہ تعالیٰ نے قوم کی زندگی کا موجب بتایا ہے، ضائع ہونے سے بچائیں۔ اور سنت نبویؐ کے مطابق اپنا روپیہ قومی ضروریات کے لئے کسی انجمن کے سپرد کریں۔ خاکسار۔ محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

لاہور

☆☆☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک پر جلسہ خواتین

مکرم بہنوں! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ چونکہ 28 جنوری بروز ہفتہ عید ہونے کی اُمید ہے۔ اس لئے حسب معمول 27 جنوری بروز جمعۃ المبارک مسجد احمدیہ بلڈنگس، برانڈرتھ روڈ، متصل اسلامیہ کالج میں خواتین کے لئے نماز جمعہ کا انتظام ہوگا۔ اور بعد نماز اسی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک پر جلسہ ہوگا۔ جس کی صدارت ہماری لائق ومحترم بہن لیڈی عبدالقادر صاحبہ فرمائیں گی۔ اور دیگر معزز و لائق خواتین تقریریں کریں گی۔ حمد ونعت وغیرہ پڑھی جائے گی۔ تمام اسلامی بہنوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس مبارک جلسہ میں شامل ہوکر ثواب عقبیٰ حاصل کرلیں۔ نماز جمعہ ایک بجے شروع ہوگی۔ اور جلسہ اڑھائی بجے منعقد ہوگا۔ جو بہن جمعہ کا وعظ سننا چاہیں وہ براہ کرم ایک بجے تشریف لے آئیں۔ اگر 27 جنوری بروز جمعہ عید ہوگئی تو اسی جگہ خواتین کے لئے نماز عید کا انتظام ہوگا۔ عید کی نماز گیارہ بجے ہوگی۔

آپ کی بہن

خاکسار بیگم محمد علی

آنریری سیکرٹری احمدیہ انجمن خواتین اسلام۔ لاہور

27 جنوری 1933ء

خواجہ کمال الدین مرحوم کی زبردست قوت ایمانی اور شاندار کام

خطبہ جمعہ 30 دسمبر 1932ء فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولٰینا نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ .الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاتَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (67:1-2)

ترجمہ: بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں حکومت اور بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تا کہ تمہیں آزمائے یا تمہیں انعام دے جو کوئی تم میں سے اچھے عمل والا ہے۔

موت ایک دروازہ ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے موت اور زندگی کا سلسلہ ہم نے پیدا کیا ہے۔ انسانوں کو انعام دینے یا آزمائش کے لئے دونوں کا مفہوم اصل میں ایک ہی ہے۔ اب بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موت کو پہلے رکھا ہے اور زندگی کو بعد میں۔ اگر اس ترتیب کو لیا جائے تو حیات میں دوسری زندگی کی طرف اشارہ ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے موت بنائی ہے۔ اس کے بعد حیات بنائی ہے کہ اچھے عمل کرنے والوں کو انعام دے۔ تو فی الحقیقت موت ایک دروازہ ہے۔ جس کے راستے انسان ایک دوسری زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ اور داخل ہو کر ان انعامات کو حاصل کرتا ہے جو اس زندگی کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ یہ اٹل قانون تمام موجودات کو اپنے دائرہ کے اندر لئے ہوئے ہے۔ اور بادشاہ ہو، گدا ہو، نیک ہو، بد ہو سب کو اس راستہ سے گذرنا پڑتا ہے۔ خدا کے وہ انعامات، جو انسان کے اچھے عمل سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی جو کچھ کیفیت دوسری زندگی سے ہوگی وہ تو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ **مَــــالَا عَیْــن رَأتْ وَلَا اُذُن سَمِعتْ وَلَا خَطر عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ**۔ لیکن نیک اعمال کا نتیجہ دنیا میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو نیک عمل کرنے والے کے اعمال کا نتیجہ اس دنیا میں بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ ایک وہ انسان ہیں اور ایک کثیر حصہ انہی لوگوں کا ہے جو پیدا ہوتے اور مر جاتے ہیں اور کوئی اپنا نشان پیچھے نہیں چھوڑتے۔ اور ایک وہ ہیں جو مر کر بھی نشان پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے کتنے بڑے نشان اپنے پیچھے چھوڑے۔ایک دنیا کی آپؐ نے کایا پلٹ دی۔اور اتنی پلٹی کہ وہ سلسلہ انقلاب روحانی کا قیامت تک چلتا ہے۔ اور صرف روحانی انقلاب ہی پیدا نہیں کیا بلکہ ایک بادشاہت بھی اپنے پیچھے چھوڑی۔ اور وہ بادشاہت بھی اتنی عظیم الشان کہ تیرہ صدیوں تک برابر چلتی ہے۔اور آئندہ کی بھی توقع ہے۔کسی دوسرے کو یہ میسر نہ آیا ہوگا۔تو دونوں رنگ میں ایسا نشان آپ چھوڑ گئے کہ عامی آدمی بھی دیکھ سکتا ہے۔

محترم دوست خواجہ کمال الدین صاحب: ہمارے حضرت مسیح موعود نے بھی ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کیا۔اور اسی انقلاب کا ایک نتیجہ ہمارے محترم دوست خواجہ کمال الدین صاحب تھے۔جن کو پرسوں ہم نے سپرد خاک کیا۔ بظاہر ہم نے ان کو مٹی میں دفن کر دیا۔لیکن ایسے انسانوں کو، جن کا نام آسمان پر روشن ہو جائے، مٹی کے نیچے دفن کرنے سے فرق نہیں آجاتا۔میرا ذاتی تعلق ان سے ایک لمبے عرصہ سے ہے۔ 1894ء میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔اس وقت ہم دونوں اکٹھے اسلامیہ کالج میں پڑھاتے تھے۔ ویسے اُنہوں نے بی۔اے کا امتحان مجھ سے ایک سال پہلے دیا تھا۔وہی میری بیعت کا بھی موجب ہوئے۔گو حضرت مرزا صاحب کا علم مجھے پہلے سے حاصل تھا اور اسی وقت سے محبت پیدا ہوگئی تھی۔اور آپ کے دعوؤں کی تصدیق بھی کرتا تھا۔ابتداء ہی میں جب میں نے آپ کی کتاب ازالہ اوہام دیکھی تو آپ کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہوا۔ہم دونوں بھائی مولوی عزیز بخش صاحب اور میں اس کے گواہ ہیں۔ کیونکہ ہم دونوں اکٹھے ایک ہی جماعت میں پڑھتے تھے۔اور دونوں کی قلبی کیفیت ایک ہی تھی۔ تیسرے ہمارے والد بزرگوار بھی تھے۔

حضرت مسیح موعود کی بیعت: لیکن حضرت مرزا صاحب کی بیعت میں شامل ہونا اس کے محرک یہی میرے محترم دوست تھے۔جن کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ وہ مجھ سے بہت پہلے بیعت کر چکے تھے اور وہی مجھ کو 1897ء میں قادیان لے گئے اور وہاں پہنچ کر میں حضرت صاحب کی بیعت میں شامل ہو گیا۔ میں اس حقیقت کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ بیعت سے میرے اندر ایک بڑا بھاری انقلاب پیدا ہوا۔اس میں شبہ نہیں کہ بچپن سے نماز کی عادت تھی اور والد صاحب کی وجہ سے دینداری کا اثر غالب تھا۔لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ خشک نماز سے انسان کا قدم اسلام پر کس وقت تک رہے اور کس وقت ٹھوکر کھا جائے۔ حضرت مسیح

موعود کی بیعت جب میں نے کی تو پہلی حالت اور دوسری حالت میں ایک بڑا فرق پیدا ہو گیا۔ اور مَنْ لَمْ یَشْکُر النَاسَ لَمْ یَشْکُر اللّٰہَ خواجہ صاحب اس بارہ میں میرے رہنما ہیں۔ اگر اس پہلی حالت میں پڑا رہتا تو جو کچھ خدمات کا مجھے موقعہ ملا اور جو روشنی حاصل ہوئی اس سے محروم رہتا۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں اس محترم دوست کا بڑا حصہ ہے اس نیکی میں سے، جو مجھے نصیب ہوئی۔ یہ 1897ء کا ذکر ہے۔ تو اس وقت سے ہمارے تعلقات اور بھی گہرے ہو گئے اور خدا کے فضل سے یہ تعلق آخر دم تک قائم رہا۔

خواجہ صاحب کی زبردست قوت ایمانی: یہ تو میرے ذاتی تعلق کا پہلو ہے۔ دوسرا پہلو وہ ہے جو تاریخ دنیا پر اپنا عظیم الشان اثر چھوڑ گیا۔ میری اور خواجہ صاحب کی بہت باتیں بسا اوقات اکیلے حضرت مسیح موعود اور سلسلہ کے متعلق ہوتی تھیں۔ اور میں دیکھتا تھا کہ حضرت مسیح موعود پر ان کا ایمان بڑا زبردست تھا۔ اور یہی ایمان تھا جس نے یہ ووکنگ مشن کا کام ان سے کرایا۔ کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں کہ خواجہ صاحب نے ووکنگ مشن کی بنیاد رکھی۔ اور یہ ایک معمولی سی بات نظر آتی ہے۔ لیکن کس قدر زبردست قوت ایمانی تھی جو ان کو کھینچ کر انگلستان لے گئی۔ اور پھر وہاں ان لوگوں کو مسلمان کرنا، جن کی وجہ سے ہمارے نوجوانوں میں دہریت پھیل گئی ہے، یہ بڑا عظیم الشان کام ہے۔ مجھے یاد ہے۔ ان دِنوں میں جب خواجہ صاحب انگلستان تشریف لے گئے، ایک بیرسٹر صاحب کی مجھ سے ریل میں ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے کہا خواجہ صاحب انگلستان میں کس غرض سے گئے ہیں۔ میں نے بتایا کہ تبلیغ اسلام کے خیال سے وہاں گئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا یہ تو اُنہوں نے بڑی لغو حرکت کی ہے۔ مذہب سے تو وہ لوگ بیزار بیٹھے ہیں۔ اسلام کو کون قبول کرے گا! یہ اس وقت عام خیال تھا۔ مگر فی الواقعہ وہ زبردست قوت ایمانی تھی جس نے اتنا بڑا کام کرایا کہ ایک گروہ کا گروہ ہمارے اس محترم دوست کی وجہ سے اسلام کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ آئندہ بھی جتنے مسلمان ہوں گے وہ انہی کے نام پر لکھے جائیں گے۔

ابتداء کرنے والا راستہ کھولتا ہے: بلکہ میں تو کہوں گا کہ ابتداء کرنے والا ایک راستہ کھولتا ہے۔ جتنے مشن ان کے بعد قائم ہوئے یا قائم ہوں گے ان کے ثواب کا ایک حصہ ان کو بھی پہنچے گا۔ مَن سنّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجرُهَا وَاَجرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ لیکن اس وقت جو بات ہمارے مدنظر ہونی چاہئے کہ وہ کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کیا ہم بھی وہ کام کر سکتے ہیں جو خواجہ صاحب نے کیا؟ ہمارے ہر ایک نوجوان کے

سامنے یہ بات آنی چاہئے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا ہے **قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ** (110:18) کہہ دے میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہی ہوں۔ یہ فی الواقعہ بڑا احسان ہے نسل انسانی پر، کہ انسانی مساوات پیدا کر کے یہ قوت پیدا کر دی ہے کہ کوشش کر کے ہر انسان بلند سے بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق ہی ہر شخص ترقی کر سکتا ہے۔ لیکن کوشش کو اس میں بڑا دخل ہے۔ اور ہزار ہا ایسے انسان ہیں جن کی استعدادیں اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتی ہیں، مگر وہ غلط راستے پر لگ جانے کی وجہ سے ان استعدادوں کو ضائع کر لیتے ہیں۔

ہر ایک نوجوان کو خواجہ صاحب کی تقلید کرنی چاہئے: اب ہمارے ہر ایک نوجوان کے دل میں یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ میں بھی خواجہ کمال الدین بن جاؤں۔ اور بہتیرے ایسے پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس ایمان اور جذبہ کا پیدا کرنا مشکل ہے۔ لوگ کچھ ایسے دنیا میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کے تماشے ان کی توجہ کو ایسا جذب کر لیتے ہیں کہ اس جذبہ کو وہ چنداں اہمیت نہیں دیتے۔ اس میں شک نہیں کہ ملک کی خدمت بھی ایک بڑا اچھا کام ہے لیکن یہ عارضی چیزیں ہیں اور دین کی خدمت ایک دائمی چیز ہے۔ مذہب کی خدمت جو کچھ چاہتی ہے وہ پرلے درجہ کی بے غرضی اور بے نفسی ہے۔ دنیا سے اس کا صلہ نہیں ملتا۔ بلکہ دنیا سے اُلٹا صلہ ملتا ہے۔ کافر کہنے والے ملتے ہیں مگر اس کی قدر پیچھے معلوم ہوتی ہے۔

خواجہ صاحب کی موت سے سبق: تو ہم کو اپنے اس محترم دوست کی موت سے جو سبق لینا چاہئے وہ یہی ہے کہ ہم اسی طرح خدمت اسلام میں فنا ہو جائیں گے۔ اور واقعی ووکنگ مشن کے لئے خواجہ صاحب کو جو جنون تھا وہ ایسا ہی تھا جس طرح اپنی اولاد کی محبت میں انسان کو جنون ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے بعض اوقات ان سے اختلاف بھی ہو جاتا تھا۔ جس کو لوگوں نے بڑی اہمیت دینے کی کوشش کی۔ حالانکہ کوئی اتنی بڑی اہمیت اس کو حاصل نہ تھی، کام کرنے والوں میں اختلاف بھی ہوتے ہیں۔

خدمت دین میں ہی اصلی عزت ہے: اس وقت میرے دل میں جو غالب خیال اور جو جوش پیدا ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ ہمارے نوجوان اس راستہ کو بھی اختیار کر کے دیکھیں۔ یہ صحیح ہے کہ ایک شخص ملکی معاملات میں عزت حاصل کر لیتا ہے لیکن اس کو وہ عزت ایک صوبہ میں یا زیادہ سے زیادہ ایک ملک میں حاصل ہوتی ہے۔ مگر تمام دنیا میں عزت حاصل کرنا یہ بڑا مشکل کام ہے۔ ایک جج اپنے صوبہ میں عزت

کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اور یہی وہ منصب ہے جس پر خواجہ صاحب پہنچ سکتے تھے۔ اگر وہ اپنی وکالت کو ترک نہ کرتے۔ لیکن آج صرف ہندوستان ہی نہیں، باہر ہر جگہ کے لوگ خواجہ کمال الدین کو جانتے اور عزت کے ساتھ نام لیتے ہیں۔ تو اتنی بڑی عزت یہ دین کی خدمت کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں لوگ روپیہ کس غرض سے پیدا کرتے ہیں؟ اس کا بھی منتہاء عزت ہی ہے۔ تو کیا ہمارے نوجوانوں میں یہ خواہش نہیں پیدا ہوتی کہ وہ بھی اس عزت کو حاصل کریں۔ بے شک اس وقت اپنے کام کریں لیکن دین کی خدمت کے لئے بھی اپنے آپ کو تیار کریں۔ کام کرنے کے لئے بہت ہے لیکن آدمی نہیں ہیں۔ کام کرنے والے ہونے چاہئیں۔ کوئی فرانسیسی زبان پڑھے، کوئی جرمن سیکھے، کوئی ہسپانوی زبان کا علم حاصل کرے تا کہ وہ ان ممالک میں جا کر کام کر سکیں۔ حالات خواہ کیسے ہوں لیکن کام کے لئے عزم اور تیاری ہونی چاہئے۔ کیا خواجہ صاحب کے سامنے کوئی اُمیدیں اس وقت تھیں جب اُنہوں نے کام شروع کیا۔ لیکن کام کرنے کے لئے جب اُٹھے تو خدا نے خود ہی راستے کھول دیئے۔ یہ قرآن کے ترجمہ ہی کے کام کو دیکھ لو کس طرح ایک غریب جماعت قرآن کا ترجمہ کر سکتی ہے! لیکن جب آپ نے تہیہ کر لیا تو خدا نے بھی فضل کے دروازے کھول دیئے۔ جرمنی کا کام کس طرح ہو گیا؟ گو بہت لوگوں کے روتے روتے ہوا لیکن کام خدا نے کر دیا۔ اور آج اس کام کو دیکھ کتنی خوشی حاصل ہوتی ہے!

انسان کی سب سے بڑی خوش قسمتی: پھر اس شخص سے بڑھ کر کون خوش قسمت ہے جس کے آخری لمحات خوشی کے ہوں۔ لکھا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس دنیا کی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے حجرہ کی کھڑکی سے، جو مسجد کے اندر کھلتی تھی، پردہ اُٹھایا۔ لوگ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ آپ دیکھ کر مسکرائے کہ جس کام کے لئے خدا نے بھیجا تھا وہ تکمیل کو پہنچا۔ اور انسانوں نے اپنے مولیٰ کے سامنے جھکنا سیکھ لیا۔ جن دوستوں کی ملاقات خواجہ صاحب سے آخری ایام زندگی میں ہوئی ہوگی، ان کو علم ہوگا کہ خواجہ صاحب کس قدر اس بات پر خوش تھے کہ وہ دنیا سے کامیاب جا رہے ہیں۔ ہماری تو دعا ہے کہ اس جماعت کے اندر خواجہ صاحب کی اولاد اور ان کے اقرباء کے اندر ایسے لوگ خدا پیدا کرے جو ان کا اور اپنے نام روشن کرنے والے ہوں۔

خواجہ صاحب کی تقلید کرو: میں پھر کہتا ہوں کوئی بڑی بات نہیں۔ محمد علی لاکھوں اور ہزاروں ہو سکتے

ہیں خواجہ کمال الدین لاکھوں اور ہزاروں ہو سکتے ہیں۔ ذرا ہمت کرنے کی دیر ہے۔ خدا کی طرف اختیار کرلو۔ جس نے خدا کی طرف اختیار کرلی، اس کا نام ہمیشہ کے لئے دنیا میں روشن ہوگیا۔ یوں تو دنیا میں ہزاروں اور لاکھوں بڑے ذی وجاہت لوگ ہوئے ہیں لیکن شاید انہی چند لوگوں کی قبریں بھی دنیا میں قائم رہ جاتی ہیں۔ جنہوں نے خدا کی طرف اختیار کرلی۔ ورنہ کوئی کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ اس لئے میں تو اپنے دوستوں کو اسی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ اس محترم دوست کی موت سے یہ سبق حاصل کریں کہ اس کے کام کو اختیار کرکے اس کے نام کو بھی دنیا میں روشن کریں۔

27 جنوری 1933ء

اچھوتوں کی مشکلات کا حل صرف اسلام ہے

مسلمان قوم کے نام ایک ضروری اپیل!

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

ہندوؤں کا اچھوتوں کے ساتھ سلوک: پنجاب میں اس وقت بیس لاکھ کے قریب اچھوت اقوام ہیں۔ اور کل ہندوستان میں سات کروڑ کے قریب۔ ان قوموں سے جو سلوک ہندو کرتے ہیں دنیا کے اور کسی ملک میں انسانوں نے انسانوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا۔ اور بدترین غلامی اچھوت پن کے مقابلہ میں ایک نعمت معلوم ہوتی ہے۔ یہ سلوک کسی رسم ورواج پر مبنی نہیں جو اس رسم کے چھوڑنے سے دور ہو سکے۔ بلکہ ہندوؤں کی مقدس ترین کتابوں میں صراحت سے اس کا حکم موجود ہے۔ اور اس لئے باوجود اس نئی تحریک کے جو پولیٹیکل وجوہات پر ہندوؤں میں شروع ہوئی ہے کہ اپنی طاقت کو بڑھانے کے لئے اچھوتوں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔ خود ہندو مذہب ان کی حالت کی اصلاح میں ایک سدّ آہنی کی طرح حائل ہے۔ اور جب تک ہندوؤں کا ایمان ویدوں اور سمرتیوں پر ہے یہ ناممکن ہے کہ گاندھی جی کی خودکشی کی دھمکیوں سے وہ اپنی سب سے زیادہ عزیز چیز مذہب کو خیر باد کہہ دیں۔

مسلمانوں کا فرض: ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ہم مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ ہم اپنے ان مظلوم اہل وطن کی بہتری کے لئے ہر ایک ممکن کوشش کریں۔ اور اگر غور کیا جائے تو اسلام ہی دنیا کی وہ اکیلی روحانی طاقت ہے جو اچھوت پن کی لعنت کو دور کر سکتی ہے۔ ہندو اگر اپنی کتب مقدسہ کی خلاف ورزی کریں گے بھی، تو اسی حد تک کریں گے کہ ان کو اپنے کنوؤں سے پانی بھر لینے دیں۔ لیکن یہ کہ وہ ان کو اپنی چار مسلمہ ذاتوں میں سے، جن میں کل ہندو تقسیم ہوتے ہیں، ایک ذات میں ان کو داخل کر کے ان کے ساتھ مساوات کا سلوک کریں۔ انہیں اپنی برادری میں شامل سمجھیں۔ ان کے ساتھ تعلقات رشتہ داری قائم کریں، یہ محض ناممکن ہے۔ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت دی ہے کہ اس نے حبشی غلاموں اور عرب کے قریش سرداروں میں آناً فاناً نہ صرف مساوات قائم کر دی بلکہ برادری اور رشتہ داری کے

تعلقات بھی قائم کر دیئے۔ اور آج بھی اسلام میں یہ طاقت موجود ہے کہ جہاں اس کا قدم جاتا ہے ہر قسم کی تفریق کو دور کر کے سب انسانوں کو انسانیت کے ایک ہی مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے۔ آج دنیا کی تمام قومیں اس بات کا اعتراف کرتی ہیں کہ اسلام میں جو طاقت ذاتوں اور قوموں اور رنگوں کی تفریق کو مٹانے اور سب انسانوں کو یکساں انسانیت کے مرتبہ پر پہنچانے کی ہے، وہ اور کسی قوم یا کسی مذہب میں موجود نہیں۔ اور ان تمام تفریقات کا، جو آج روئے زمین پر انسان کو انسان کا دشمن بنا رہی ہیں اسلام علاج واحد ہے۔

ایک اچھوت لیڈر کے خیالات: گذشتہ سال علاقہ مدراس کی ایک اچھوت قوم کے فاضل ممبر نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا۔ وہ چٹھی لائٹ 24 اکتوبر 1932ء میں چھپی ہوئی موجود ہے۔ اس چٹھی میں مسٹر سکومارن بی۔ اے نے، جو اچھوتوں کے لیڈر اور مشہور لکھنے والے ہیں، اچھوتوں کو پہلے یہ توجہ دلائی ہے کہ وہ ایک سخت دھوکے میں مبتلا ہیں۔ جو یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ہندو ہیں:

> ''تھیا (مالا بار کی ایک اچھوت قوم) اور اس قسم کی دوسری اقوام نیادیوں تک (جو ذلیل ترین اچھوت قوم ہے) اس غلط خیال میں مبتلا ہیں کہ وہ ہندو ہیں، ہندو قوم صرف چار ذاتوں پر مشتمل ہے۔ اور پانچویں ذات کوئی نہیں۔ جو ہندوؤں میں شامل ہو سکے۔ ان اچھوتوں کا، جن کو پنچم (پانچویں) کہا جاتا ہے، ہندو سوسائٹی میں شامل ہونا محض اونچی ذات کے ہندوؤں کا ایک دھوکا اور مسخرا پن ہے۔ جس سے وہ حکام کی آنکھوں میں خاک ڈال رہے ہیں۔ اور انہیں یقین دلا رہے ہیں کہ پولیٹیکل فریق ہونے کے لحاظ سے ہندوؤں کو دوسری قوموں پر کثرت حاصل ہے۔ حالانکہ پنچم فی الواقع ہندویت کے دائرہ سے بالکل باہر ہیں۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ وہ لوگ جو اس کتے میں جو ایک اچھوت کے پاخانہ کو کھاتا ہے۔ کوئی ناپاکی نہیں پاتے، خود اس اچھوت کے قریب آجانے سے بھی ناپاک ہو جاتے ہیں۔''

اچھوتوں کو مشورہ: اس کے بعد اس نے اچھوتوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ ان کے لئے وقت آ گیا ہے کہ وہ ہندوؤں سے بالکل الگ ہو جائیں۔ اور کوئی دوسرا مذہب اختیار کر کے اپنی انسانیت کو قائم کریں۔

''تھیوں کے لئے یہ وقت آ گیا ہے کہ وہ اس مذہب کو بکلی خیر باد کہیں۔ جو بحیثیت ایک غیور قوم کے ان کی ترقی، ان کی آزادی اور ان کی آسائش کے حاصل کرنے میں روک ہو رہا ہے۔ اور کسی دوسرے مذہب میں شامل ہو جائیں۔ فی الحقیقت ہم ایک ایسے نازک مرحلہ کی دہلیز پر کھڑے ہیں، جہاں ہم کو ہندو مذہب سے اس طرح بچنا ہوگا جیسے ایک ظالم شیطان سے بچنا چاہئے۔ اور اس سے اس طرح بھاگنا ہوگا جس طرح انسان ایک زہریلے وبائی مقام سے بھاگتا ہے۔ ہاں اس ہندو مت سے علیحدہ ہو جانا ہوگا جو ان قابل نفرت رسوم کی وجہ سے، جو ایک ہزار ایک جماعتوں اور ذاتوں کی تفریق سے پیدا ہو گئی ہیں۔ ہر اس چیز کا مزرع ہو گیا ہے جو بیہودہ، کمینہ، قابل نفرت، قابل حقارت اور نکمی ہے۔ ایک پنچم جو اپنے اندر ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی خودداری دکھاتا ہے، اسے اب ہندو مذہب کے اندر نہ رہنا چاہئے۔''

مختلف مذاہب کے متعلق نویسندہ مضمون کے خیالات: اس کے بعد نویسندہ مضمون نے مختلف مذاہب کو لیا ہے کہ ہم کس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے بدھ مذہب کو لے کر بتایا ہے کہ اس مذہب میں بدھ کے بتوں کی پرستش ہوتی ہے۔ اور یوں یہ بھی ایک بت پرستی کا مذہب ہو گیا ہے۔ پھر بتایا ہے کہ بدھ مذہب کے پیرو ہندوستان میں ہیں بھی بہت تھوڑے۔ اور پھر اس مذہب میں اور ہندو مذہب میں بہت سی باتیں ملتی جلتی ہیں۔ ''اس پانی کو بھی چھوڑ دینا چاہئے جو کسی کی طرف بہتا چلتا جا رہا ہے۔'' اس کے بعد عیسائی مذہب کو لیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ عیسائیت میں جا کر ذاتوں کی تفریق اسی طرح باقی رہ جاتی ہے، جیسے ہندو مذہب میں۔ اور وہاں بھی ذاتوں ذاتوں میں، بڑے چھوٹے میں، کالے گورے میں فرق کیا جاتا ہے۔ اس لئے تھیا لوگ عیسائی مذہب کو اختیار کر کے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ اور نہ ان کی مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد اسلام کو لیا ہے۔

اچھوتوں کی اُمیدوں کا مرکز صرف اسلام ہے:

''میری رائے میں پنچم لوگوں کے لئے اسلام ہی تمام اُمیدوں کا مرکز ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ تمام مذاہب میں سے اسلام ہی ایک مذہب ہے جس کے

پیروؤں میں اتحاد اور قوت کا خیال بلند ترین مقام پر پہنچا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہم لوگوں میں اسلام کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔ لیکن یہ خیال کرنا محض حماقت ہے کہ چونکہ ماپلے (مالا بار کے مسلمان) ناصاف رہتے ہیں۔ اور ظالم اور بیوقوف ہیں۔ اس لئے ہندوستان کے سب مسلمان ایسے ہی ہیں۔ سوائے مسلمانوں کے کوئی قوم ایسی نہیں جس میں اخوت کا احساس اس قدر مضبوط ہو گیا ہو۔ اور اس لئے اگر پنچم لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے نام پر جو داغ ہے وہ دور ہو جائے اور ان کی جو درگت بنتی ہے اور ان کی جو تحقیر کرتی ہے، اس کا خاتمہ ہو۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کی خودداری، عزت اور وقار بغیر کسی داغ کے ہو۔ اگر وہ اپنے حقوق اور اختیارات کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ بازاروں میں معزز آدمی کی طرح اپنا سر اونچا رکھ کر چلنے کے آرزومند ہیں، تو میں لاکھ مرتبہ، لاکھ سے بھی زیادہ مرتبہ کہوں گا کہ انہیں چاہئے کہ مناسب احترام کے ساتھ اسلام اور صرف اسلام کو قبول کر لیں۔ اس وقت بھی مسلمان ہندوؤں کی ایک تہائی ہیں۔ مگر جنہیں ہندو کہا جاتا ہے، اس کی تین چوتھائی پنچم ہیں۔ جب یہ پنچم اسلام کو قبول کر لیں گے تو ہندوستان کی 4/5 آبادی مسلمان ہو جائے گی۔ میرا مضبوط ایمان ہے کہ اگر ہندوستان سوراج یا اپنی حکومت چاہتا ہے تو ہندو آبادی، جو ہر ایک خباثت اور بیہودگی کا منبع ہے، کم ہونی چاہئے اور مسلمانوں کی تعداد بڑھنی چاہئے۔''

پنچم صرف پیغمبر اسلام کا مذہب قبول کر سکتے ہیں:

''اس سے اس بات کا امکان نظر آتا ہے کہ ہندوستان عنقریب ایک اسلامی سلطنت بن جائے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی ہندوستان کو اپنی حفاظت اور ترقی کے لئے ضرورت ہے۔ نقشہ پر ایک نظر اس کی صداقت کو واضح کر دے گی۔ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک نہایت موزوں مقام پر افغانستان، بلوچستان اور ترکستان کے ممالک ہیں۔ اور اس سے اور پرے چلے جائیں تو ایران ایشائے کوچک، عرب اور

ٹرکی کے مما لک ہیں۔ اس سے بھی آگے افریقہ کا عظیم الشان براعظم ہے۔ جس میں یا مسلمان مما لک ہیں یا ایسے مما لک ہیں جن میں مسلمانوں کی آبادی کی بڑی بھاری اکثریت ہے۔ پس سوائے پیغمبر عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور کس کا مذہب پنچم قبول کر سکتے ہیں؟ یہ وقت موزوں ہے کہ مسلمان اچھوتوں کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھائیں''۔

مسٹر سکو مارن کے یہ آخری الفاظ ہر ایک مسلمان کے لئے دعوت ہے کہ وہ اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کے فرض کی طرف خصوصیت سے توجہ کریں۔ احمد یہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے آج سے پانچ چھ سال پہلے یہ کام شروع کیا۔ پہلے ضلع مظفر گڑھ میں اڑھائی ہزار سے زیادہ چوہڑوں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ اس کے بعد ضلع ڈیرہ غازیخاں میں پانچ سو کے قریب چوہڑوں کو مسلمان کیا۔ پھر بازیگروں اور سہنسیوں میں کام شروع کیا۔ اوراس وقت مہاشوں میں بھی کام شروع کر دیا ہے۔ اس وقت ہمارے چار مبلغ اور کچھ ان کے مددگار صرف اس کام پر لگے ہوئے ہیں۔ اگر ہمارے مسلمان بھائی اس طرف توجہ کریں۔ تو پنجاب کی بیس لاکھ پست اقوام میں سے نصف، کو جو مسلمان دیہات میں آباد ہیں، ساتھ ملا لینا کچھ بھی مشکل نہیں۔

چند مشکلات: البتہ اس دوسرے نصف کے متعلق مشکلات زیادہ ہیں۔ جو ہندو دیہات میں آباد ہیں۔ کیونکہ وہاں نومسلموں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں۔ اور دونوں جگہ آریہ سماج کے ساتھ، جو پوری قوت سے ان کے اسلام میں آنے کو روک رہی ہے، مقابلہ ہے۔ اس لئے یہ کام کثیر اخراجات چاہتا ہے۔ میں اپنے مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے اپنے آپ کو اندرونی جھگڑوں سے آزاد کر کے، جو روز بروز ہماری کمزوری کا موجب ہو رہے ہیں، اس مفید کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ ان لوگوں کو اسلام میں داخل کر کے نہ صرف وہ اپنے دینی فرض کو پورا کریں گے۔ اور ایک مظلوم قوم کو، جس سے حیوانوں سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے، انسانیت کے مرتبہ پر پہنچا دیں گے۔ بلکہ ان لوگوں کا اسلام میں آجانا خود مسلمانوں کے لئے بڑی قوت کا موجب ہے۔ اور جیسا کہ مسٹر سکو مارن نے کہا ہے۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت بھی اس ذریعے سے قائم ہو سکتی ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ انجمن کو

کافی مالی امداد پہنچے۔ اس انجمن کا کام اب دنیا کے کناروں تک پہنچا ہوا ہے۔ اور بہتر سے بہتر آدمی اس کے پاس ہے۔ روپے کی ضرورت نہ صرف مبلغین کے لئے ہے بلکہ خود ان اقوام کی دنیوی رنگ میں اصلاح اور بہتری کے لئے بھی روپے کی ضرورت ہے۔

برادران اسلام سے اپیل: میں ہر ایک مسلمان بھائی سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ ذیل کے طریقوں میں سے جس طریق پر چاہیں انجمن کی امداد کریں۔ انجمن اس حصہ کام کی کل آمد وخرچ کی اور اس میں جو کامیابی ہو اس کی رپورٹ ان معاونین کو بھیجتی رہے گی جو باقاعدہ ماہوار یا سالانہ چندہ اس کام کے لئے دیتے رہیں گے۔ اور جو روپیہ اچھوتوں کے لئے بھیجا جائے گا، اسے کسی دوسرے کام پر خرچ نہ کرے گی۔ امداد کے طریق یہ ہیں:

1۔ کام کی ابتداء کے لئے آپ کی طرف سے ایک معقول عطیہ ہو۔

2۔ کام کو جاری رکھنے کے لئے اپنی ماہوار آمد میں سے ایک رقم مقرر کر دیں۔ جس کی وصولی کا انتظام انجمن خود کر لے گی۔

3۔ اپنی زکوٰۃ میں سے ایک حصہ اس کام کے لئے الگ کر دیں۔

4۔ اگر آپ کا روپیہ بینک میں جمع ہو، تو اسکے سود کی رقم بجائے بینک میں رہنے دینے کے، جو عموماً عیسائی مشنوں پر خرچ ہوتی ہے یا اس شکوک رقم کو اپنے خرچ میں لانے کے، اشاعت اسلام کے لئے اس انجمن کو بھیج دیں۔ روپیہ بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس لاہور، بھیجا جائے۔ اور کوپن میں تصریح کر دی جائے کہ یہ روپیہ صرف اچھوتوں میں تبلیغ کے لئے ہے (خط وکتابت سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سے کریں)

خاکسار محمد علی

پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس، لاہور

۞۞۞

3 فروری 1933ء

احمدیت کے متعلق غلط فہمیاں اور اعتراضات کے جواب

تقریر حضرت امیر ایدہ اللہ برموقعہ جلسہ سالانہ منعقدہ 24 دسمبر 1932ء

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد سورۃ شریفہ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضرت مولٰینا نے فرمایا کہ کسی امر کے متعلق صحیح راستہ کا ملنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ خواہ وہ امر ہماری دنیا سے تعلق رکھتا ہو، خواہ دین سے۔ اس لئے ہمارے مذہب نے ہم مسلمانوں کو ایک دعا سکھائی ہے۔ جس دعا کو ہم روزانہ کئی کئی مرتبہ، بعض وقت شاید غفلت کی حالت میں بعض وقت دل کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں کرتے ہیں۔ وہ دعا کیا ہے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ (5:1) اے خدا ہمارے کاموں میں ہمیں سیدھے راستہ پر چلا۔ کس قدر مشکل ہوتا ہے انسان کے لئے کہ وہ ہر بات کو صحیح طور پر سمجھ کر سیدھے راستہ کو اختیار کر سکے!

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کارنامے: آپ غور کیجئے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے کارناموں کے سامنے دوست دشمن سب یکساں سر جھکاتے ہیں، بلکہ شاید واقعات کے علم کے لحاظ سے دشمن زیادہ آپ کی عزت کرتے ہیں، کسی مسلمان نے تو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تعریف کے رنگ میں چند باتیں کہہ دیں اور آپ کا مرتبہ بہت بلند قرار دے دیا۔ سید عالم، رحمۃ للعالمین، سرور کائنات، فخر موجودات وغیرہ وغیرہ الفاظ آپ کے متعلق دوہرا دیئے۔

غیروں کا اعتراف: مگر یاد رکھو۔ تمہارے اگر منہ سے نکلتے ہیں تو غیر مسلموں کے دل سے یہی لفظ نکلتے ہیں۔ بلکہ بعض وقت ان کی زبانیں بھی ان الفاظ کو ادا کر جاتی ہیں۔ وہ جو کچھ عزت کرتے ہیں وہ عقیدت سے نہیں بلکہ واقعات کی بنا پر کرتے ہیں۔ کیا وہ شخص سید عالم، رحمۃ للعالمین، خاتم النبین کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں۔ جس کے متعلق یہ اعتراف ہے کہ جو انقلاب اس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا میں پیدا کیا، جو اصلاح اس نے بدترین انسانوں کی کی، اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ عیسائی ہونے کے باوجود، عیسیٰ کو خدا اور خدا کا بیٹا ماننے کے باوجود اس بات پر ایمان رکھنے کے باوجود کہ حضرت عیسیٰ نے ان کے گناہوں کو اُٹھا لیا، ان کا کفارہ ہو گئے۔ کوئی عیسائی حضرت عیسیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے اس رنگ میں نہیں لاسکتا کہ اُنہوں نے بھی کوئی انقلاب دنیا میں پیدا کیا۔

چھوٹے چھوٹے اعتراضات: لیکن باوجود اس کے بعض چھوٹے چھوٹے اعتراضات ہیں، جن کو رات دن رٹتے رہتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بیویاں کیں، اتنے جنگ کیئے، اتنے دشمنوں کو قتل کیا، اس قسم کی سینکڑوں باتیں ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت کے راستہ میں روک ہوجاتی ہیں۔ حالانکہ جس شخص کے متعلق یہ اعتراف ہے کہ اس نے نسل انسانی کی بہبودی کے متعلق اتنا بڑا کام کیا، ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کیا، اس کے متعلق ایسے چھوٹے چھوٹے اعتراض کیا حقیقت رکھتے ہیں! اعتراض سے کوئی شخص خالی نہیں۔ لیکن وہ شخص جس نے سب سے بڑا انقلاب دنیا میں پیدا کیا، اپنے پیروؤں کو اخوت کے اس بلند مقام پر پہنچایا، جس سے آگے انسانی دماغ نہیں پہنچ سکتا، جس نے اعلیٰ درجہ کے ذہنی ارتقاء کے مقام پر انسان کو کھڑا کیا، اتنے بلند مقام پر کہ دنیا میں کوئی شخص وہاں نہیں پہنچ سکا، اس کے متعلق ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں پیش کرنا، جو خالی از صداقت ہیں، انتہائی بغض و تعصب کا ثبوت ہے۔

عیسائیوں کا تعصب: حالانکہ یہ سب وہی باتیں ہیں جن کو عیسائی اپنے سارے پیغمبروں میں مانتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے تو انہی باتوں کو آپ کے کذب پر بطور دلیل پیش کرنے لگ جاتے ہیں۔ فرمایئے حضرت ابراہیم، جن کو تمام عیسائی دنیا بڑے احترام سے یاد کرتی ہے، کیا تعداد ازواج ان کی زندگی میں نہیں پایا جاتا؟ کیا داؤدؑ کے گھر میں ایک سو بیویاں نہ تھیں۔ کیا لڑائیاں اُنہوں نے نہیں کیں؟ ابھی اس کو چھوڑو کہ اُنہوں نے کیوں کیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں؟ مگر وہی اعتراض جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں، اپنے بزرگوں کی زندگی میں دیکھتے ہوئے کیوں ان کو نبی مانتے ہیں؟!

بعض مسلمانوں کی جرأت ایمانی: خدا بھلا کرے ان بزرگوں کا، جنہوں نے اس قسم کی باتیں سن کر نہ کسی مسلمان کی پروا کی، نہ عیسائی کی، اور وہ منہ توڑ جواب دیئے کہ جن کا جواب عیسائیوں کے پاس کوئی نہیں۔ ہمارے ہی ملک میں مولوی رحمت اللہ صاحب ہوئے ہیں۔ بڑے مشہور مناظر تھے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شہوت پرست ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ

نے ایک سے زیادہ بیویاں کیں تو اُنہوں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت میں یہ بھی کہہ دیا کہ اگر داؤد اوریا کی جورو سے زنا کرنے کے باوجود نبی ہوسکتا ہے، تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے قبیلے کی مطلقہ جورو سے نکاح کرنے پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟! منہ توڑ جواب ہے۔ کسی شریر کو ہاتھ باندھ کر جواب دینا اور اس کے سامنے صفائی بیان کرتے پھرنا۔ یہ تو کمزوری ہے۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہو تو خوب ڈٹ کر جواب دو۔ اور پروا نہ کرو کہ مخالف کو تکلیف پہنچتی ہے یا کیا ہوتا ہے۔ غور کر لیجئے زہد اور تقوٰی اس بات کا نام نہیں کہ مسجدوں میں تسبیح پکڑ کر بیٹھ جائیں بلکہ وہ غیرت دِلوں میں پیدا ہونی چاہئے جو ایک مخالف کا منہ بند کر دینے والی ہو۔ ذرا ذرا سے اعتراضات کو لے کر بیٹھ جانا، جو خود دوسرے انبیاءؑ میں مانتے ہیں، کہاں کی حق پرستی ہے!

مخالفین احمدیت کا طرزِ عمل بالکل یہی ہے: یہی حالت آج احمدیت کی ہے۔ اگر آج سے پیشتر ہمارے اس شہر لاہور کے مسلمان کلمہ گوؤں کے لئے احمدیت قابل توجہ نہ ہوئی تھی، تو آج بیرن عمر کے ذریعہ سے ان پر الزام قائم ہے۔ بیرن صاحب کا آنا ان پر ایک حجت ملزمہ ہے۔ وہ اس بات پر غور کریں کہ یہ کس کا پھل ہے کہ اتنا بڑا عظیم الشان انسان اور ایسے کئی ایک ذی وقار یورپین آج اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ جو دن رات اس بات میں لگے ہوئے ہیں کہ احمدیت کو تباہ کر دیں اور اس سلسلہ کا نام ونشان مٹا دیں، وہ جو ہمیں دشمن اسلام اور کیا کچھ قرار دیتے ہیں، وہ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ جن کے ہاتھوں سے یورپ میں مسجدیں بن جائیں۔ بڑے بڑے لارڈ، بڑے بڑے منصف، بڑے بڑے فاضل انسان مسلمان ہو جائیں، قرآن کے ترجمے یورپین زبانوں میں شائع ہوں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اسلام کی صداقت پر نہایت قیمتی لٹریچر شائع ہو، بجائے اس کے کہ ان کا ہاتھ بٹائیں، ان کی امداد کریں، ان کو کافر قرار دیتے ہیں! یہ دشمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ خدا تعالیٰ کے اس دین کے ساتھ ہے جس کا نام اسلام ہے۔ آج وہ لوگ اس لاہور میں موجود ہیں جن کا فتوے ہے کہ احمدی کافر۔ جو ان کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر۔ ان سے ملنے والے کافر۔ فتوٰی لکھے گئے ہیں کہ جن کی رو سے احمدیوں کے مال کو لوٹ لینا، ان کی عورتوں کو نکال لینا جائز قرار دیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک احمدی کو اسلامی قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔ مسجد میں احمدی کے داخل

ہونے سے مسجد پلید ہو جاتی ہے۔ ہمارے سامنے مسجد یں دھلوائی گئیں۔ مسجدوں کے فرش اُکھڑوا دیئے گئے۔ کیونکہ کوئی احمدی ان میں داخل ہو گیا!

احمدیت کی مخالفت بعض لوگوں کا ذریعہ معاش ہے: پھر ایک اور طبقہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں یہ ذریعہ ہے روٹی کمانے کا کہ احمدیت کی مخالفت کی جائے۔ جس شخص کو روٹی کمانے کے لئے اور کوئی ذریعہ نہ ملے، اس کے لئے وہ ذرائع ہر وقت موجود ہیں۔ ایک پیری اور ایک حضرت مرزا صاحب کو گالیاں دینا۔ پیری بھی روٹی کمانے کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔ اور مرزا صاحب کو گالیاں دینا یہ تو بڑا ہی کامیاب طریق ہے۔ جن لوگوں کو کوئی اور علم نہیں، وہ کسی مجمع میں جا کر احمدیوں کو خوب گالیاں دے کر فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ بعض اخباروں کے لئے بھی ہر دلعزیزی حاصل کرنے کا اچھا خاصہ ذریعہ ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ ان باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعد، جن سے کوئی آج لکھا پڑھا انسان انکار نہیں کر سکتا، ان پر ایک الزام ہے کہ وہ چیز جس نے اسلام کو اس قدر قوت اور فائدہ پہنچایا، اس کی بیخکنی کے درپے ہیں۔

بے حقیقت اعتراضات: میں نے کہا تھا کہ وہی باتیں، جن کو عیسائی اپنے پیغمبروں میں مانتے ہیں، جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جائیں تو ان کے کذب کی دلیل بن جاتی ہیں۔ بعینہٖ یہی احمدیت کو معاملہ پیش آیا ہے۔ وہی باتیں جو اپنے بزرگوں میں مانتے ہیں، وہی حضرت مرزا صاحب میں پائی جائیں تو ان کے کذب کی دلیل بن جاتی ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیا کوئی احمدی یہاں ہے جس کو تنہائی کی گھڑیوں میں کبھی یہ وہم بھی گذرا ہو کہ مرزا صاحب خدا ہیں۔ جواب ہرگز نہیں۔ مگر اس شہر لاہور میں ایک دو اخبار ایسے ہیں جن کا سب سے بڑا زور اسی بات پر ہے کہ مرزا صاحب نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور بعض بڑے بڑے متین اخبار بھی اس کی تائید کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے تو سمجھ نہیں آتا کہ کس طرح ایسی باتیں منسوب کر دی جاتی ہیں! اگر کبھی ہمارے دل میں یہ خیال بھی گذرا ہو کہ کبھی ہم نے مرزا صاحب کو خدا مانا تھا تو کچھ بات بھی ہے۔ لیکن کن باتوں کی بناء پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ یہ حضرت مرزا صاحب کا ایک کشف ہے ''آئینہ کمالات اسلام'' میں۔ اس میں لکھتے ہیں:

''رَأَیْتُنِیْ فِی الْمَنَامِ عَیْنُ اللّٰہِ وَتیقّنْتُ اِنَّنِیْ ھُوَ وَلَمْ یَبْقَ لِیْ ارادۃ وَلَا

فطرۃ وَلَا عمل فِیْ جِھَۃِ نَفْسِیْ''

اب کسی اخبار میں صرف یہی لکھ دیا جائے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں **اِنَّنِیْ عَیْنُ اللّٰہِ** تو کون ہے جو ان کو الوہیت کا مدعی نہ مانے گا!

حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال: مگر دیکھئے قرآن میں لکھا ہوا ہے۔ حضرت یوسفؑ کہتے ہیں **یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ** (4:12) میں نے گیارہ ستارے دیکھے اور سورج اور چاند کو دیکھا۔ ان سب کو دیکھا کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ وہاں نہیں لکھا کہ **رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ** خواب میں ایسا دیکھا۔ بہت اچھا۔ اب سجدہ کس کو ہوتا ہے۔ کیا خدا کے سوائے کسی اور کو سجدہ ہو سکتا ہے؟ وہ تو خدا نے قرآن میں فرما دیا **وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** (15:13) تو فرمایئے کیا حضرت یوسفؑ بھی خدا بن گئے؟ وہاں کس طرح چھٹکارا کرتے ہیں؟ وہاں کہتے ہیں کہ یہ خواب کا معاملہ ہے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب جب خود صاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایسا دیکھا تو اس کی کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ اور آپ کی طرف دعوٰی الوہیت منسوب کیا جاتا ہے ایک خواب کی بناء پر۔ حالانکہ خواب میں انسان معذور ہوتا ہے۔ جو کچھ اُسے دکھایا جاتا ہے وہ دیکھتا ہے۔ اس میں اس کا اختیار کچھ نہیں ہوتا۔ اور کبھی خواب کی بناء پر عقائد نہیں بنتے۔

حدیث کا بیان: حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے خدا کو دیکھا تو اس نے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھا **وَجَدْتُ بَرْدًا نَامِلَہٗ** اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک کو میں نے محسوس کیا۔ کیا کوئی مسلمان اس بات کو مانتا ہے کہ خدا کا اسی طرح کا ہاتھ ہے۔ اور اس کی انگلیاں بھی ہیں جو سردی گرمی سے متاثر ہوتی ہیں۔ کسی مسلمان کا یہ خیال نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ ایک خواب ہے۔ اور خواب ہمیشہ تعبیر طلب ہوتا ہے۔ تو حضرت مرزا صاحب اگر اپنے خواب کو بیان کریں تو کون سا اندھیر چھا گیا!

حضرت مرزا صاحب کا ارشاد: ایک بات بطور اصول کے بتا دوں۔ اگر فی الواقعہ کوئی مثالیں نہ بھی ہوتیں تو اس آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ 21 پر حضرت مرزا صاحب کا اپنا لکھا ہوا ہے **اِنْ کَانَ الْاَمْرُ خِلَافُ ذَالِکَ عَلٰی فَرضِ الْمحَالِ فنبذنا ہ مِنْ اَیْدِیْنَا کَالمتاع الردی وَمَادَۃِ السُّعَالِ** فرمایئے۔ کیا یہ بات ان کی بریت کے لئے کافی نہیں؟ وہ تو اُنہوں نے معیار بتا دیا اپنے الہام اور کشف

کا کہ اگر کوئی قرآن کے خلاف ہو تو اسے بلغم کی طرح پھینک دیا جائے۔ پھر اپنے کشف کی تشریح بھی لکھی ہے۔فرماتے ہیں **فَکُنْتُ کَشَیْءٍ لَا یرٰی اَوْ کَقَطْرَۃٍ رَجَعَتْ اِلَی الْبَحْرِ فَسَتَرَہُ الْبَحْرُ بروائہ** کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ قطرہ سمندر بن گیا؟ صاف ظاہر ہے کہ اپنی مثال حضرت نے احدیّت کے مقابلہ میں ایک قطرہ سے دی۔ یہ ایک مقام ہے **فَنَا فِی اللّٰہِ** کا۔ جس کو تمام اولیاء اللہ نے مانا ہے۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اپنی کتاب ''صراط مستقیم'' میں فرماتے ہیں کہ جس طرح لوہا آگ میں پڑ کر بغیر اپنی ماہیت بدلنے کے آگ بن جاتا ہے، اولیاء اللہ پر بھی ایسے حالات آتے ہیں۔ جب وہ **اَنَا الْحَقُّ** کا زمزمہ بلند کرتے ہیں۔ اس مقام پر وہ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ اس لئے ایسا واقعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب کا یہ کشف کوئی ایسی چیز نہیں جس کی مثال اولیاء اللہ میں پائی نہ جاتی ہو یا جس کو ان کا دعوٰی الوہیت قرار دیا جا سکے۔

ایک اور بے حقیقت اعتراض: ایک اور اعتراض ہے کہ تم لوگ مرزا صاحب کو خدا کا بیٹا مانتے ہو۔ بھئی! یہ جتنے احمدی یہاں بیٹھے ہیں۔ کیا کوئی مانتا ہے کہ مرزا صاحب خدا کا بیٹا ہیں؟ (جواب ہرگز نہیں) ڈاکٹر منگانا کے متعلق آپ نے سنا ہوگا۔ اس نے قرآن شریف کے محفوظ نہ ہونے کا عجیب ثبوت پیش کیا ہے۔ پرانے زمانہ میں تو لوگ عموماً پتوں یا چمڑے وغیرہ پر ہی لکھا کرتے تھے۔ کوئی اسی زمانہ کی پارچمنٹ ☆ کی تحریر انہیں مل گئی۔ جس پر کسی نے کبھی قرآن شریف کی کچھ آیات لکھی ہوئی تھیں۔ اور پھر کسی نے ان کو رگڑ کر ان کے اوپر کچھ اور عبارت لکھی۔ تو منگانا نے خیال کیا کہ آؤ اسی سے محرف ہونا ثابت کر دو۔ حالانکہ اس کے لئے اتنے پرانے پارچمنٹ کو لینے کی کیا ضرورت تھی۔ یہاں کشمیری بازار میں بہتیرے قرآن شریف کے نسخے فروخت ہوتے ہیں۔ جن میں بیسیوں ایسی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ تو خیر ڈاکٹر منگانا نے بتایا کہ اس پارچمنٹ میں **لَنْ یَّنَالُوْا** کو **لَنْ یَّنْطَلوا** لکھا ہوا ہے۔ اس لئے قرآن میں بڑا بھاری اختلاف ہے۔ حالانکہ یہ سیدھی بات تھی کہ **یَنَالُوْا** کا الف اور لام مل گئے اور

☆ Parchment : Material made from animal skin for writing on or a kind of paper like this.

درمیان میں فاصلہ باقی نہ رہا۔ جو ممکن ہے رگڑے ہوئے حروف کا نتیجہ ہو۔

مخالف اسلام ڈاکٹر منگانا کی تقلید: تو بعینہٖ یہی بات یہاں ہوئی۔ کہیں حضرت مرزا صاحب کا الہام تھا اُسْمَعُ وَارٰی یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ بابو منظور الٰہی صاحب جو لکھوانے بیٹھے ''البشرٰی'' کو تو کاتب نے ارٰی کے الف اور رے کو باہم ملا دیا۔ اور یوں واؤ ساتھ مل کر وہ وَلَدِیْ بن گیا۔ اب اس پر بنا رکھی جاتی ہے کہ مرزا صاحب نے خدا کا بیٹا ہونے کا دعوٰی کیا ہے!

ہاں یہ الہام ہے اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ یہ بیشک حضرت مرزا صاحب کا الہام ہے۔ لیکن بیٹا نہیں کہا بلکہ بمنزلہ بیٹے کے کہا ہے۔ جس کی تشریح حضرت مرزا صاحب نے ہی نہیں اوروں نے بھی یوں کی ہے کہ جس طرح بیٹا اپنی بعض صفات باپ سے لیتا ہے، اسی طرح اولیاء اللہ خدا تعالیٰ کی بعض صفات کو اپنے اندر عکسی طور پر لیتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ خدا کے بیٹے ہوتے ہیں۔ بلکہ جو نسبت بیٹے کو باپ سے ہوتی ہے، وہی اولیاء اللہ کو خدا تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ یا تو یہ مدعی اُٹھیں اور یہ صاف کہیں کہ جو ایسا کہے گا ان سب پر کفر کا فتوٰی لگائیں گے۔ ورنہ یہ کیا مطلب ہے کہ دوسرے اس سے بڑھ کر کہیں تو بھی نیک اور بزرگ ہیں۔ اور مرزا صاحب کے لئے یہی وجہ کفر بن جائے! لیجئے ایک اور بہت بڑے بزرگ ہیں۔ ان پر فتوٰی لگانے کی کوئی جرأت کرے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

اولیاء اطفال حق اند اے پسر

یہاں تو صاف ''اطفال'' کہہ دیا۔ بِمَنْزِلَةٍ کا لفظ بھی نہیں۔ اگر ایمان داری ہے تو ان پر بھی کفر کا فتوٰی لگایئے۔ یا کم از کم یہی کہ اُنہوں نے خلاف قرآن و حدیث لکھا ہے۔ یاد رکھو۔ یہ بہت بڑا صاحب علم انسان تھا۔ اگر آج خواجہ صاحب کی یا میری تحریروں سے کوئی روشنی ملتی ہے، تو وہ مرزا صاحب ہی کے نور علم کی ایک شعاع ہے۔ وہ یہاں تک صاحب علم انسان تھا کہ خواجہ صاحب نے کہا کہ ولایت میں اُنہوں نے دہریت پر ایک لیکچر دیا۔ جس کے بعد ان پر سوالات کئے گئے۔ ان میں سے کوئی ایسا سوال نہ تھا جس کا جواب اُنہوں نے مرزا صاحب کی کتابوں میں پڑھا ہوا نہ تھا۔ اور یہ ان کا ایک دفعہ کا نہیں، بارہا کا تجربہ تھا۔ ایسا صاحب علم انسان وہ بھلا لکھ سکتا تھا کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔ یہ تو کسی احمدی کے وہم میں بھی نہیں آ سکتا!

احمدی جہاد کے منکر نہیں: ایک اور اعتراض ہے کہ احمدی جہاد کے منکر ہیں۔ پوچھو ہم سے کہ ہم جہاد کے قائل ہیں یا نہیں؟ ہمارے ایک بہت بڑے شاعر ڈاکٹر اقبال نے بھی مہربانی سے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے کہ مرزا صاحب جہاد کے قائل نہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ جن لوگوں نے یہ بات احمدیت کی طرف منسوب کی ہے، ان کا خیال ہے کہ ہم جہاد کے متعلق قرآن کا حکم منسوخ سمجھتے ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ کوئی احمدی قرآن کے ایک حرف کو بھی منسوخ نہیں سمجھتا۔ تعجب ہے کہ وہ لوگ، جو قرآن کی پانچ سو آیات کو منسوخ سمجھتے ہیں، وہ تو مسلمان ہیں، اور ہم، جو ایک حرف کو بھی منسوخ نہیں سمجھتے، کافر ہیں۔ یہ خوب ترازو ہے! شاید اسی لئے مسلمان تجارت میں کامیاب ہیں! میں نے ڈاکٹر اقبال کو لکھا کہ جہاد کے متعلق مرزا صاحب کے اپنے لفظ ہیں وُجُوْهُ الْجِهَادِ مَعْدُوْمَةٌ فِيْ هٰذَا الزَّمَنِ وَهٰذِهِ الْبِلَادِ جہاد کی شرائط اس زمانہ اور اس ملک میں مفقود ہیں۔ اور جو شخص یہ لکھے وہ جہاد کی منسوخی کا قائل نہیں ہوسکتا۔ ظاہر ہے کہ جہاد کے لئے کوئی نہ کوئی شرائط ماننی پڑیں گی۔ کیا کوئی مسلمان ہے جو یہ مانتا ہو کہ جہاد کی شرط کوئی نہ تھی؟ پس جو بھی شرائط ہوں اس ملک اور اس زمانہ کے لئے وہ مفقود ہیں۔ صرف اتنا ہی گناہ ہے مرزا صاحب کا۔ جس کو جہاد کی منسوخی پر محمول کیا جاتا ہے!

مسلمانوں کا ایک غلط خیال: مشکل یہ ہے کہ خود مسلمان اسی بات کے قائل ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ ایک قابل مسلمان وکیل سے میں نے ذکر کیا کہ فلاں کتاب میں (جو درسی کتابوں میں تھی) فلاں مؤرخ اسلام کی اشاعت کو تلوار کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ تو اُنہوں نے کہا اس پر کیا اعتراض ہے؟ یہ تو درست ہے۔ جہاد کی تعلیم اسلام میں اسی غرض سے دی گئی ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ اسلام نے جس جہاد کی تعلیم دی ہے، یعنی تلوار کے جہاد کی، وہ خاص شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ اور اس کے علاوہ ہر ایک کوشش، جو دین کے لئے کی جائے، جہاد ہی میں داخل ہے۔ لیکن انہی فضلاء سے اگر یہ دریافت کیا جائے کہ حدیث میں ابن مریم کے نزول میں ہے یَضَعُ الْحَرْبَ اس کا کیا مطلب ہے؟! تو صاف کہہ دیں گے کہ ابن مریم حکم جہاد کو منسوخ کر دیں گے۔ اس وقت یہ خیال نہیں آتا کہ یہ ایک حکم قرآنی کا انکار ہے۔

توہین انبیاءؑ کا الزام: ایک بات اور ہے۔ توہین انبیاء بھی ایک بڑا الزام حضرت مرزا صاحب پر ہے۔ کہا جاتا ہے حضرت مرزا صاحب نے انبیاءؑ کی بڑی توہین کی ہے۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ کوئی شخص

مسلمان ہو کر کسی نبیؑ کی توہین کرے! اور توہین بھی کی۔ تو کس کی؟ جس کے مثیل خود بنتے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی۔ اور ذرا ان تفسیروں کو، جن کے لکھنے والوں کو نیک اور بزرگ مانا جاتا ہے، اُٹھا کر دیکھو تو بیسیوں باتیں انبیاء علیہم السلام کے متعلق ایسی لکھ دی ہیں، جو اس توہین سے بہت بڑھ کر ہیں جو حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ کہیں حضرت آدمؑ کی نافرمانی کا ذکر ہے، کہیں حضرت ابراہیمؑ کو جھوٹ بولنے والا قرار دیا جاتا ہے، کہیں حضرت موسیٰ کو قاتل بنادیا ہے، کہیں حضرت ہارون کو مشرک بنادیا ہے، کہیں حضرت داؤد پر تہمت لگائی جاتی ہے، کہیں حضرت یوسف کی طرف دھوکا دہی منسوب کی جاتی ہے، کہیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گنہگار ہونے کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ انبیاء کی وحی میں شیطان کا دخل مانا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ جن تفسیروں میں ایسی باتیں لکھی ہیں، کیا ان کے لکھنے والوں کو کبھی کسی نے کافر کہا ہے؟ یہ حضرت مرزا صاحب کا ہی کارنامہ ہے کہ توہین انبیاء پر پانی پھیرا اور تمام انبیاء کی عصمت کو ثابت کیا۔ مجھے کوئی دوسرا شخص دکھادو، جس نے عصمت انبیاء پر اتنا زور دیا ہو، جیسا حضرت مرزا صاحب نے دیا۔ اور یہ احمد یہ ہی تھے جنہوں نے انبیاء کے اوپر سے تمام الزامات کو دور کیا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق: اب یہ بھی دیکھ لیجئے کہ حضرت مرزا صاحب نے وہ کون سی باتیں لکھی ہیں جن کو آج توہین انبیاء قرار دیا جاتا ہے۔ عیسائی پادریوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سخت درشت کلامی سے کام لیا۔ اور حضرت مرزا صاحب وہ شخص تھے کہ کوئی سخت کلامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق برداشت نہ کر سکتے تھے۔ میں خود گواہ ہوں۔ ان آنکھوں کے سامنے اپنی ذات کے متعلق اگر کوئی باتیں سنتے تو اتنا رنج نہ ہوتا بلکہ ہنس کر فرماتے کہ گالیوں سے بھرے ہوئے خطوط آتے ہیں۔ ہم نے ایک بوری ان سے بھری ہے۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض کرتا تو چہرہ سرخ ہو جاتا۔ اور جب تک اس کا جواب نہ دے لیتے، دم نہ لیتے تھے۔ تو جب ان عیسائیوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حد درجہ کی تذلیل کرنا چاہی اور قاتل اور زانی اور چور کہنے سے دریغ نہ کیا تو آپ نے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اعتراضات کا جواب ہم دیں گے۔ لیکن ذرا اپنے یسوع کی تصویر کو تو دیکھو۔ انجیلوں کے اندر کیا نظر آتی ہے۔ اور پھر جو عیسائیوں کے مزعومہ خدا یسوع کی حالت اناجیل سے نظر آتی ہے، اسے کھول کر عیسائیوں کے سامنے رکھ دیا۔ اس الزام میں آپ پکڑے ہوئے

ہیں۔ حالانکہ آپ نے ہی انبیاء کی عصمت کو قائم کیا۔ دوسرے لوگ زیادہ سے زیادہ نبوت کے بعد انبیاء کو معصوم مانتے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے بچپن سے آخر دم تک انبیاء کو معصوم ثابت کیا۔ اور جو باتیں انجیلوں کی بناء پر عیسائیوں کے مقابلہ پر لکھیں تو ان کی صاف تشریح کر دی کہ یہ باتین اس مسیح کے متعلق نہیں، جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ انہیں ہم خدا کا پیغمبر مانتے ہیں بلکہ یہ باتیں اس یسوع کے متعلق ہیں، جس کی اناجیل نے یہ تصویر کھینچی ہے کہ وہ خدائی کا دعوٰی کرتا تھا۔ اس بات کو ہمارے علماء کب مانتے تھے؟! انہیں تو عوام میں ہیجان پھیلانے کے لئے ایک ہتھیار کی ضرورت تھی وہ مل گیا۔ کوئی ایمانداری کی تحقیقات نہ تھی۔ لیکن جب خود اس قسم کے اعتراض سامنے آتے تو وہی کچھ کہا جو حضرت مرزا صاحب نے کہا تھا۔ اکرام الحق ایک شخص نے عیسائیوں کے چند اعتراضات کو نقل کر کے علماء کے سامنے پیش کیا کہ ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت مسیح کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، تو اس کے جس قدر جواب علماء نے دیئے، سب میں اس بات کو دوہرایا ہے کہ انجیل کا مسیح اور ہے اور قرآن کا مسیح اور۔ یہ دونوں ایک نہیں، بلکہ ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت نہیں۔ میں ان جوابات کو پڑھ کر حیران ہوتا تھا کہ یا اللہ! یہ ہمارے علماء جواب دے رہے ہیں یا حضرت مرزا صاحب کی تحریر ہے۔ یہاں چند تحریریں نقل کرتا ہوں:

> ’’جس شخص کو عیسائی صاحبان غلطی سے مسیح سمجھتے ہیں، وہ قرآن حکیم کے رو سے دشمن مسیح تھا جس کا اسلام اور قرآن سے کوئی تعلق نہیں اور نہ کسی مسلمان کا اس پر ایمان ہے۔‘‘

مخالفین اسلام کو علماء کے جوابات: یہ تو خیر ایک حصہ ہوا۔ اور میں اتنا جانتا ہوں کہ اگر آج ہمارے علماء کو خدا اتنی توفیق دے دے کہ بجائے مسلمانوں کو گالیاں دینے کے غیروں کا جواب دیں تو حضرت مرزا صاحب پر جس قدر اعتراض کئے جاتے ہیں وہ خود ہی دور ہو جائیں۔ ایک اعتراض تھا کہ مسیح آسمان پر چلے گئے اور وہاں دو ہزار سال سے زندہ ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین میں مدفون ہیں۔ ایک مولوی صاحب اس کا جواب دیتے ہیں کہ کیا چیلیں اور کوے آسمان پر نہیں اُڑتے۔ دوسرا کہتا ہے کیا شیطان آسمان تک نہیں پہنچ جاتا۔ تیسرا کہتا ہے کہ کیا شیطان کی عمر لمبی نہیں۔ یہ سب باتیں اس مسیح کے متعلق لکھی جاتی ہیں جس کے متعلق مرزا صاحب پر الزام ہے کہ اُنہوں نے اس کی توہین کی ہے۔ لیکن ایک بات جو مجھے خاص طور پر چبھی وہ یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ کو کیوں آسمان پر اُٹھالیا۔ اس لئے کہ وہ ناکام اور

بے بس تھا۔ اور جس طرح ایک ماں اپنے کمزور بچہ کو حملہ کے وقت اُٹھا کر کوٹھے پر چڑھ جاتی ہے اور بہادر فرزند کو مقابلہ کے لئے بھیج دیتی ہے، اسی طرح مسیح کو خدا نے آسمان پر اُٹھا لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیج دیا۔ ایک نے نہیں کئی جواب دینے والوں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح ناکام ہوئے اور آسمان پر لے جانے کے سوائے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اگر کسی احمدی کے قلم سے ایسے الفاظ نکلیں تو کیا کہیں:

''حضرت مسیح علیہ السلام اپنے کام میں اس قدر ناکام اور بے بس ثابت ہوئے اور خدا
کی زمین آپ پر اس قدر تنگ ثابت ہوئی کہ دشمن کے مقابلہ میں ٹھہرنا دشوار ہو گیا۔''

حیات مسیح کا عقیدہ رکھنے والوں سے ایک سوال: اب فرمایئے خدا تو کہتا ہے **اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا** (51:40) ہم اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو دنیا کی زندگی میں مدد دیتے ہیں۔ لیکن یہ فرماتے ہیں کہ مسیح ناکام گئے۔ اور تو کوئی نبی ناکام نہ ہوا کہ اسے آسمان پر اُٹھا لیا جاتا۔ ایک مسیح ہی بے بس اور ناکام رہا۔ اور تعجب ہے کہ اس کو دوبارہ دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا جائے گا۔ جو شخص چند یہودیوں کا مقابلہ نہ کرسکا وہ تمام دنیا کا مقابلہ کیا کرے گا! اور دوبارہ بھیجنا ہی تھا تو اس بہادر کو بھیجا جاتا جس نے پہلے بھی کامیابی حاصل کی۔ ناکام کو بھیج کر کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟ پھر چند یہودیوں کے حملے سے تو اس طرح بچ گئے کہ آسمان پر چڑھ گئے مگر آج تو دجال آسمان پر پرواز کر کے پکڑے گا۔ اس وقت بے بسی کی کیا حالت ہوگی! یہ ان اعتراضات کی حقیقت ہے جو احمدیت پر کئے جاتے ہیں۔ اور بلا شبہ میں مانتا ہوں کہ آپ لوگوں کو کچھ اعتراضات نظر آتے ہیں۔ کیونکہ جو باتیں بار بار سامنے لائی جائیں ان کا ضرور اثر ہوتا ہے۔

احمدیت کے کام پر بھی غور کرو: لیکن کبھی اس پر بھی غور کرو کہ احمدیت نے جو کام کیا ہے وہ احمدیت کا کیا نقشہ دکھاتا ہے۔ کیا یہ مجنون لوگ ہیں کہ کوئی انگلستان میں جا کر اللہ اکبر کی آواز بلند کرتا ہے اور توحید کا نعرہ لگاتا ہے۔ کوئی کسی ملک میں نکل جاتا ہے۔ پھر کوئی جاتا ہے تو جرمنی میں جا کر اسلام کا جھنڈا گاڑتا ہے۔ جہاں کی زبان بھی نہیں آتی؟ بات یہ ہے کہ یہ کام اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک خدا اور اس کے رسول کی محبت جنون کے درجہ تک نہ پہنچ جائے۔ اس تاریخ کو دیکھو جو احمدیت کی لکھی گئی ہے۔ کہیں انگلستان میں اسلام کا جھنڈا گاڑا جاتا ہے۔ اور وہ بڑے بڑے لوگ اس کے نیچے آتے ہیں جو دنیوی وجاہت اور علمی حیثیت سے بلند درجہ رکھتے ہیں۔ کہیں جرمنی میں بیرن عمر اور حمید مارقوس جیسے انسان

انہی مجنون لوگوں کی وجہ سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے ہیں۔

احمدیت کا حقیقی منشاء: یہ ایک مجنون قوم کے جنون کا اثر ہے۔ مگر آج مسلمانوں کے سینوں میں اسی جنون کی ضرورت ہے۔ کیا آپ کا دل چاہتا ہے یا نہیں کہ اس جنون کو خریدو؟ اگر چند اعتراضات کا برداشت کر لینا ہی اس جنون کی قیمت ہے تو یہ مہنگا سودا نہیں۔ میں تو تنہائی کی گھڑیوں میں غور کرتا ہوں کہ ان کھلے نتائج کو دیکھ کر کیوں آپ کے دلوں میں احمدیت کی محبت پیدا نہیں ہوتی؟ میں اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری نظر میں واقعی احمدیت نے کوئی کام کیا ہے تو وہ خدا اور رسول کی محبت کا نتیجہ ہے۔ آؤ اور خدا اور رسولؐ کی اس محبت کو تم بھی ان چھوٹے چھوٹے اعتراضات کے عوض میں خرید لو، جو احمدیت پر کئے جاتے ہیں۔ احمدیت کا حقیقی منشاء اگر دیکھنا ہو تو وہ اس کے کاموں میں دیکھو یا اگر احمدیت کو اچھا نہیں سمجھتے تو وہی جنون اپنے اندر پیدا کرو جو احمدیت نے ہمارے اندر پیدا کیا ہے۔

قوم کا فیصلہ اور حضرت امیر ایدہ اللہ کا ارشاد: (7 فروری 1933ء) موجودہ زمانے میں اخبار بڑی طاقت ہے۔ آج کل کوئی قوم، کوئی جماعت اور کوئی ملک اچھے اخبارات کے بغیر اپنے آپ کو مضبوط و محفوظ نہیں بنا سکتا۔ اسی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے امسال جلسہ سالانہ پر احمدیہ کانفرنس میں قوم نے فیصلہ کیا تھا کہ سلسلہ کے اخبارات کو مضبوط بنایا جائے جس کی سب سے بہتر اور آسان صورت یہ تجویز ہوئی تھی کہ جو احباب خریدار نہیں وہ خود خریداری قبول فرمائیں۔ اور جو خریدار ہیں وہ دوسروں کو اس کے لئے آمادہ کریں۔ حضرت امیر ایدہ اللہ ایام جلسہ میں اور اس کے بعد کئی مرتبہ اس کے متعلق قوم کو مخاطب کر کے ارشاد فرما چکے ہیں۔

اخبار ''پیغام صلح'' جماعت کا واحد اردو آرگن اور تقریباً ربع صدی سے خدمت دین و قوم میں مصروف ہے۔ اور اس لحاظ سے آپ سب کی توجہ کا اولین مستحق ہے۔ اس لئے آپ کا فرض ہے کہ حضرت امیر کے ارشاد اور قوم کے فیصلے کی طرف متوجہ ہوں۔ اگر آئندہ تین ماہ میں ہمیں صرف چار صد جدید خریدار مل جائیں اور پرانے خریدار باقاعدہ چندہ ادا کرتے رہیں تو اخبار کی مشکلات بڑی حد تک دور ہو سکتی ہیں۔ اور وہ ترقی کی طرف تیزی سے قدم اُٹھائے گا۔ اس لئے آپ کو جلد سے جلد اپنے قومی اخبار کو ترقی دینے کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ قوم کی ترقی اخبار کی ترقی سے وابستہ ہے۔

7 فروری 1933ء

خواجہ کمال الدینؒ کی یاد میں

مولٰینا محمد عبداللہ خان

کمال الدین، کمال ہی رنج ہے تیری جدائی کا مسلمانوں کے لشکر کا تو اک جنگی سپاہی تھا
کئے حسنِ حصین سَر تو نے اپنے زورِ بازو سے لگائی ایڑی مرکب کو تو جھٹ مغرب میں جا پہنچا
علَم اسلام کا تھامے ہوئے ووکنگ جا اُترا لگایا تیرے ہاتھوں نے وہاں اسلام کا جھنڈا
ہوئے سب فلسفی یورپ کے تیرے فلسفہ سے دنگ براہین نے ترے، اُن کے سروں کو کر دیا نیچا
تو بستر مرگ پر بھی خدمتِ اسلام کرتا تھا مبارک ہے یہی جینا، یہی مرنا یہی مرنا
ترے اخلاق حسنہ کی مجھے جب یاد آتی ہے تو ہو جاتا ہے خوشبودار دل اپنا دماغ اپنا
خدا بخشے تجھے اے جانے والے دارفانی سے مبارک ہو تجھے اب جنت الفردوس میں جانا
یہ سنت مستمرہ ہے، نہیں اس سے مفر ہرگز رہے گا اس طرح جاری، یہی جانا یہی آنا
خدا رکھے سلامت اب امیرِ قوم کو اپنی قلم کا جس کے لوہا، مشرق و مغرب نے ہے مانا

ہمیشہ قومِ جرمن اُس کا یہ احسان مانے گی
پہنایا جس کے ہاتھوں نے انہیں اسلام کا بانا

۞۞۞

19 فروری 1933ء

اداریہ

اللہ کی صندوقچی

دینی کاموں سے وابستگی پیدا کرنے کی بہترین تجویزیں

حضرت امیر ایّد ہ اللہ کی دو تجویزیں: گذشتہ عید پر حضرت امیر ایّد ہ اللہ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ ''پیغام صلح'' کی 11 فروری کی اشاعت کے صفحہ 2 پر شائع ہو چکا ہے۔ اُمید ہے کہ تمام قارئین نے اس کا بغور مطالعہ کیا ہوگا۔ اگر کوئی دوست اس سے اب تک محروم ہوں تو وہ اسے اپنی پہلی فرصت میں پڑھیں۔ اس میں حضرت ممدوح نے عید کی مسرت کا راز بیان فرماتے ہوئے قومی مسرت کے اسباب پر روشنی ڈالی تھی۔ اور قوم کے سامنے دو ایسی مفید، سہل اور ضروری تجویزیں رکھی تھیں جن پر عمل کرنے سے ہماری انفرادی و قومی زندگی مسرتوں اور کامیابیوں سے لبریز ہو سکتی ہے۔

پہلی تجویز: ان میں پہلی تجویز تو یہ تھی کہ ہر ایک شخص کلمہ حق کو دوسروں تک پہنچائے۔ اور ہم میں سے ہر ایک فرد کو عہد کر لینا چاہئے کہ میں اپنے کسی بھائی، بچے یا کسی اور رشتہ دار دوست یا دشمن کو اس وقت تک کلمہ حق پہنچاتا رہوں گا جب تک کہ زیرِ تبلیغ آدمی کو اس پر عامل نہ دیکھ لوں۔ اگر اس زریں نصیحت پر عمل شروع ہو جائے تو دِنوں میں ایک ایسا حوصلہ افزا اور پُر اُمید ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔ جس میں مایوسی، جمود، ناکامی اور پست ہمتی کے لئے کوئی جگہ ہی باقی نہیں رہے گی۔ قومی کاموں کے لئے جمود اور پست ہمتی نہایت نامبارک چیزیں ہیں۔ جب کسی قوم کے افراد جذبہ عمل اور صحیح جوش سے محروم ہو جائیں تو اس کا مستقبل محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس کے ساتھ یہ بھی دنیا کی بار بار آزمائی ہوئی ایک حقیقت ہے کہ کام میں شرکت اور وابستگی ہی سے جذبہ عمل میں ترقی ہوتی اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ہمارا سب کا فرض ہے کہ امیر قوم کے اس ارشاد کو اپنی روزانہ زندگی کا حصہ بنائیں۔ ہم انشاءاللہ کسی قریبی اشاعت میں اس موضوع پر مفصل لکھیں گے۔

دوسری تجویز: دوسری تجویز یہ تھی کہ ہر ایک فرد جماعت مہینہ کے تیس دِنوں میں سے صرف تین دن کے لئے اپنے خورد و نوش اور دوسرے اخراجات میں کچھ کمی کر دیا کرے۔ مثلاً جو دوست پلاؤ یا قورمہ کھاتے

ہیں، وہ معمولی سالن کھالیا کریں۔ جو گوشت کھاتے ہیں وہ دال پر گذارہ کریں۔ جن کے ہاں دال پکتی ہے وہ چٹنی یا نمک مرچ کے ساتھ روٹی کھالیا کریں۔ اوراس طرح جو رقم پس انداز ہو وہ انجمن کے بچت فنڈ میں دے دی جایا کرے۔ جس کی صورت یہ ہوگی کہ صندوقچیاں گھروں پر رکھوادی جائیں گی۔ ان کی چابی انجمن کے محصل کے پاس رہے گی۔ ہر مہینے محصل جا کر صاحب خانہ کے سامنے صندوقچی کھولے گا۔ اور جمع شدہ رقم نکال کراس کی رسید ان کے حوالے کردے گا۔ مہینے میں تین نفلی روزے ہوتے ہیں۔ اسی مناسبت سے بچت کے تین دن رکھے ہیں۔ یقیناً کسی صاحب ہوش کو اس سہل تجویز کی اہمیت، ضرورت اور نفع رسانی سے انکار نہیں ہوسکتا۔

احساس کی طاقت: احساس بڑی چیز ہے۔ دنیا میں جتنے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں۔ یا ہورہے ہیں، ان سب کی بنیاد قلب انسانی کی اسی محیر العقول طاقت پر ہی قائم ہوئی ہے جسے احساس کہا جاتا ہے۔ احمدیہ جماعت کے سامنے بھی ایک بلند مرتبہ اور عظیم الشان کام ہے۔ ایسا کام جس پر ملت مسلمہ کے مستقبل اور نوع انسانی کی فلاح کے دامن کا دارومدار ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنے دینی احساس کو ہر وقت بیدار رکھیں۔ چنانچہ اس تجویز سے ایک بڑی غرض خدمت اسلام کا احساس پیدا کرنا ہے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ کا ارشاد: جیسا کہ حضرت امیر نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

> ''اس بچت فنڈ سے قوم کو مالی فائدہ کے علاوہ یہ فائدہ بھی ہوگا کہ تمام افراد کے دل میں خدمت دین کا ایک احساس پیدا ہوجائے گا۔ جب کوئی اپنے کسی خرچ میں کمی کرکے صندوقچی میں کچھ ڈالے گا تو اس کو خواہ مخواہ انجمن کے کام سے وابستگی پیدا ہوجائے گی۔ بچوں کے دِلوں میں ابتدائے عمر سے خدمت دین کا جذبہ پیدا ہوجائے گا۔ دراصل اس تجویز کے ذریعہ انجمن کے لئے مالی امداد کا ایک ایسا ذریعہ پیدا کرنے کے علاوہ، جس سے تکلیف کسی کو نہ ہو اور قطرہ قطرہ مل کر ایک دریا بن جائے، میں اس احساس کو بھی قوت دینا چاہتا ہوں جو ہمارے دِلوں میں خدمت اسلام کے لئے ہے۔ یقیناً اس ذریعہ سے یہ احساس ترقی کرے گا۔ اور جس قدر ترقی کرے گا اسی قدر زیادہ خدمت اسلام کا کام ہم سے ہوسکے گا۔''

افراد جماعت کا فرض: ہمارے خیال میں اس تجویز کے متعلق کچھ زیادہ کہنا بلا ضرورت ہے۔ اس کی ضرورت، اہمیت، فوائد سب کے سامنے ہیں۔ اور یہ امیر قوم کی طرف سے پیش ہو رہی ہے۔ ہر ایک فرد جماعت کو کسی تاخیر کے بغیر اس پر عامل ہو جانا چاہئے۔ تمام احمدی گھرانوں میں مجوزہ صندوقچی کا ہونا لازمی ہے۔ دیہات میں، جہاں اخراجات سے نقد رقوم علیحدہ نہیں کی جا سکتی ہیں، وہاں غلہ وغیرہ علیحدہ کرنے کے لئے ایک مٹی کا برتن رکھ لینا چاہئے۔ بچوں کو بھی اس نیک کام میں شرکت کا موقعہ دینا چاہئے۔ اور کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اپنے جیب خرچ میں سے ہر روز نہیں تو کبھی کبھی ضرور صندوقچی میں ایک پیسہ دو پیسے یا ایک آنہ ڈال دیا کریں۔ اس صندوقچی کو اللہ کی صندوقچی سمجھنا چاہئے۔ اس کا گھر میں رکھنا اور اس میں کچھ نہ کچھ ڈالنا آپ کے لئے بہت سے روحانی و دنیوی فوائد کا باعث ہوگا۔ اللہ کے نام پر کچھ علیحدہ کرنے سے مالوں میں کمی نہیں بلکہ ترقی ہوتی ہے۔ مہینے میں تین روز اخراجات میں کمی کرنے کے لئے آپ کو جو معمولی سی تکلیف ہوگی اس میں بھی آپ ایسی روحانی لذت محسوس کریں گے جن کے سامنے تمام دنیوی لذائذ ہیچ ہیں۔

صندوقچیاں تیار ہو گئی ہیں: صندوقچیاں تیار ہو کر احباب لاہور میں تقسیم ہو رہی ہیں۔ حضرت امیر ایدہ اللہ و اکثر بزرگان لاہور نے مذکورہ تجویز پر عمل شروع کر دیا ہے۔ گو ماہ فروری کے بہت سے دن گذر چکے ہیں لیکن حضرت امیر کا ارشاد ہے کہ ابتداء اسی مہینے سے کی جائے۔ اور مہینے کے باقی ایام میں ہی تین دن کے لئے اخراجات میں بچت کی جائے۔ لاہور کے جن احباب کو صندوقچیاں نہ ملی ہوں وہ منگوا لیں یا اطلاع دے دیں محصل خود پہنچا دے گا۔

بیرونی جماعتیں توجہ کریں: بیرونی جماعتوں کی خدمت میں بھی تاکیداً عرض ہے کہ جلد از جلد صندوقچیاں منگوا کر مذکورہ تجویز پر عمل شروع کر دیں۔ اس میں تاخیر و تساہل ہرگز نہ ہو۔ حضرت امیر ایدہ اللہ کی خواہش ہے کہ قوم کا ہر ایک فرد جلد سے جلد اس پر عمل پیرا ہو۔

❁❁❁

19 فروری 1933ء

منشی محمد صدیق حسن دھلوی

جناب بیرن کا قبول اسلام

6 فروری کو دہلی کے مشہور نوجوان ومخیرّ رئیس شیخ حافظ انجم العارفین صاحب نے بیرن کے اعزاز میں ایک شاندار ڈنر دیا۔اس موقعہ پر معزز میزبان نے منشی صاحب موصوف سے چند اشعار کی فرمائش کی۔وہ ابھی مصروف فکر ہی تھے کہ مجلس ختم ہوگئی اور وہ اپنا ذیل کا کلام ھد یہ حاضرین نہ کرسکے۔مدیر

ہے غلط یہ کہ ہے اسلام رہین شمشیر اس کی فطرت نے خود ہی اس کی بڑھائی توقیر

عمر بیرن ہیں یہاں جاگتی جیتی تصویر حُسن اسلام کی سن لے کوئی اُن سے تفسیر

شان رحمت نے دکھایا وہ نرالا جلوا

خیرگی جس سے ہوئی ان کی نظر میں پیدا

سُن کے اخلاق محمدؐ کے زباں سے چرچے کھچِ گئے دل پہ خود ہی مہرووفا کے نقشے

اس کی اقلیم میں چلنے لگے حق کے سکے جلوے آنے لگے کثرت میں نظر وحدت کے

کلمہ پڑھ کے خود ہی یہ تو مسلمان ہوئے

دین احمدؐ پہ دل وجان سے قربان ہوئے

تھی نہ تحریص نہ ترغیب نہ تحریک کا نام ذکر احمدؐ☆ نے کیا بڑھ کے وہ تلوار سے کام

آپ بیرن ہوئے خود حلقہ بگوش اسلام پی لیا خود نے وحدت کا چھلکتا ہوا جام

جام عرفاں کی یہ مستی سے جو سر جوش ہوئے

مستِ توحید، گناہوں سے سبکدوش ہوئے

کوئی خنجر تھا نہ بھالا تھا نہ تلوار کہیں جبرواکراہ کا تھا نام نہ زنہار کہیں
باعثِ بندہ نوازی ہوئے سرکار کہیں مہروالفت تھی کہیں آپ کا ایثار کہیں
جذبۂ خلقِ محمدؐ کی یہ تاثیر تھی بس
موم پتھر کو بنانے کی یہ تدبیر تھی بس
ہم میں ہو جائیں جوصدیقؓ یہ پیدا جوہر کام بگڑے ہوئے بن جائیں ہمارے یکسر
فرض ہم سمجھیں جو تقلیدِ جنابِ سرورؐ کلمہ پڑھنے لگیں دنیا میں ہمارا اکفر
پھر زمانہ میں ہر ایک صاحب ایماں ہو جائے
کلمہ پڑھ پڑھ کے جہاں سارا مسلماں ہو جائے

۞۞۞

☆اسم احمد کی ضمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔صدیق دھلوی

23 فروری 1933ء

ترانۂ مسلم

اسلام کی عزت پہ گھر بار لٹا دیں گے

زندہ ہیں اگر زندہ ہم تم کو بتا دیں گے — مشرق کا سِرا اٹھ کر مغرب سے ملا دیں گے
اسلام کے شیروں کو مت چھیڑنا تم ورنہ — تکبیر کے نعروں سے دنیا کو ہلا دیں گے
ہم سینۂ ہستی میں انگارے ہیں انگارے — شعلے بھڑک اٹھیں گے، جھونکے جو ہوا دیں گے
اسلام زمانہ میں مٹنے کو نہیں آیا — ہم مٹتے مٹاتے بھی غیروں کو مٹا دیں گے
اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے — اُتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے
سردارِ دو عالمؐ کی امت ہیں، ہمیں غم کیا — خود کشتئِ اُمّت کو وہ پار لگا دیں گے

ہم خادم احمدؐ ہیں، مرنے سے نہیں ڈرتے
اسلام کی عزت پہ گھر بار لٹا دیں گے

۞۞۞

3 مارچ 1933ء

اداریہ

مشہور ماہر اقتصادیات لالہ ہرکشن لال کے فرزند ارجمند

مسٹر کنھیّا لال گوبا کا حضرت امیر کے دست مبارک پر قبول اسلام

لالہ ہرکشن لال: اس ہفتہ کا ایک نہایت ہی مسرت انگیز اور ایمان افروز واقعہ مسٹر کنہیا لال گوبا بیرسٹر لاہور خلف الرشید لالہ ہرکشن لال صاحب سابق وزیر پنجاب کا معہ اہل وعیال قبول اسلام ہے۔ لالہ ہرکشن لال صاحب کا اسم گرامی محتاج تعارف نہیں۔ کیونکہ موصوف پیپلز بنک، بھارت بیمہ کمپنی ودیگر بے شمار بنکوں، کارخانوں اور کمپنیوں کے سلسلہ میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ آپ ہندوستان کے تجارتی اور اقتصادی حلقوں میں زبردست شخصیت کے مالک ہیں۔ پنجاب کونسل کے ابتدائی ایام میں کچھ عرصہ کے لئے وزیر زراعت بھی رہ چکے ہیں۔ مسٹر کنھیا لال گوبا لالہ جی کے غالباً سب سے بڑے فرزند ہیں۔

مسٹر کنھیّا لال گوبا: اخبار بین اصحاب اور پنجاب کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ مسٹر کنھیا لال گوبا بار ایٹ لاء سے بھی پورے طور پر واقف ہے۔ آپ ایک کامیاب تاجر اور اخبار نویس ہیں۔ عرصہ تک اپنے والد کے وسیع کاروبار کو بھی کامیابی سے چلاتے رہے ہیں۔ کئی برسوں تک لاہور کے مشہور انگریزی اخبار ''سنڈے ٹائمز'' کے ڈائرکٹر رہے۔ چندسال قبل آپ نے مس میو کی مشہور کتاب ''مدر انڈیا'' کے جواب میں ''انکل شام'' ایک مدلل کتاب لکھی تھی جو ہندوستان کے سیاسی وادبی حلقوں سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ اور متعدد ہندوستانی زبانوں میں اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

قبولِ اسلام کی کیفیت: اس مبارک واقعہ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ لاہور کے متعدد مسلم اکابر، جن میں سے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ، علامہ عبداللہ یوسف علی، ڈاکٹر سر محمد اقبال، نواب شاہنواز خاں ممدوٹ۔ ملک فیروز خاں نون، چودھری ظفر اللہ خان، نواب آغا رضا علی خان، مولانا سید ممتاز علی، نواب مولا بخش، مولوی محبوب عالم اور ڈاکٹر ایس ڈی مظفر کے اسماء خصوصیت سے قابل ذکر ہے، یکم مارچ کی شام کو مسٹر موصوف کی کوٹھی پر جمع ہوئے۔ سب سے اول حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے مسٹر موصوف اور ان کی اہلیہ

محترمہ کو اسلامی تعلیمات کی خصوصیات و برکات اور ارکان اسلام سے آگاہ کرے بعد فرمایا کہ آپ لوگ ہندو مذہب کے ترک اور اسلام کے قبول کرنے سے کچھ کھو نہیں رہے۔ بلکہ بہت کچھ حاصل کر رہے ہیں۔ کیونکہ اسلام ایک مکمل مذہب ہے۔ تمام مذاہب کی اچھی تعلیمات اس میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں قبول اسلام سے آپ ایک عظیم الشان عالمگیر برادری کے معزز رکن بھی بن گئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ممدوح نے مسٹر موصوف، ان کی اہلیہ صاحبہ اور بچوں کو کلمہ پڑھایا۔ حاضرین نے مبارکباد دی اور بکثرت پھولوں کے ہار پہنائے۔ مسٹر موصوف کا اسلامی نام خالد لطیف اور ان کی بیگم صاحبہ کا حسن آرا بیگم تجویز ہوا۔

محترمہ حسن آراء بیگم: محترمہ حسن آراء بیگم بھی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ مضمون نگاری اور نقاشی میں موصوفہ کو خاص مہارت حاصل ہے۔ اخبار سنڈے ٹائمز اور دوسرے انگریزی اخبارات میں آپ کے مضامین اور تصاویر بکثرت شائع ہوتی رہی ہیں۔

چودھری ظفر اللہ خاں کی تقریر: بعد ازاں چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے معزز نو مسلموں کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ ممکن ہے آپ کو قبول صداقت کی وجہ سے کچھ مشکلات بھی پیش آئیں۔ لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اس کے بعد علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب نے ایک مختصر تقریر فرمائی۔

مبارکباد: شیخ خالد لطیف، محترمہ حسن آراء بیگم اور ان کے بچوں کا قبول اسلام یقیناً تمام اسلامی ہند خصوصاً مسلمانان پنجاب کے لئے بے حد باعث مسرت اور ان کی قبول حق کی جرأت مستحق صد تعریف ہے۔ ہم ان کا دلی خلوص کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہوئے مبارکباد کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔ اسلام ذات، نسل، قومیت اور وطن کے بندھنو کے قطعی طور پر آزاد ہے۔ ہر ایک کلمہ گو، خواہ وہ بیسیوں پشت کا مسلمان ہو یا چند روز کا نو مسلم، اسلامی برادری میں بالکل یکساں حقوق و درجہ رکھتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس نو مسلم بھائی اور ہماری نو مسلم بہن کو استقامت اور بے شمار دینی و دنیوی ترقیاں عطا فرمائے۔

11 مارچ 1933ء

حضرت امیر کے قلم سے

اچھوت اور ہندو دھرم شاستر

گاندھی جی کا سراسر غلط طریق کار

آج کل ہندوؤں اور اچھوتوں میں جو زبردست جنگ بپا ہے۔ ہندوؤں کے مختلف الخیال فرقوں نے اچھوتوں کے متعلق جس جس قسم کا رویہ اختیار کر رکھا ہے اور گاندھی جی اور ان کے ہم مشرب اچھوتوں کی اصلاح کے نام سے جو کچھ کر رہے ہیں۔ یہ تمام باتیں قارئین پیغام صلح کو بخوبی معلوم ہیں۔ دور حاضرہ کے اس اہم موضوع پر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے انگریزی زبان میں ''اچھوت اور ہندو دھرم شاستر'' (Untouchability and Hindu Shastras) کے عنوان سے ایک نہایت ہی عالمانہ اور پراز معلومات مضمون لکھا تھا۔ جو بصورت ٹریکٹ اور ہمارے سہ ماہی رسالہ ''مسلم ریوایول'' میں شائع ہو چکا ہے۔ ذیل میں اس کا اردو ترجمہ شائع کیا جاتا ہے۔ اچھوتوں کے اہم مسئلہ پر غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس مضمون کا مطالعہ ازبس مفید ہوگا۔ ایڈیٹر

اچھوت پن کے سوال کی اہمیت: ہندوستان میں اچھوت پن کے سوال نے ایسی اہمیت پیدا کر لی ہے کہ اُس کے آگے دوسرا ہر ایک مسئلہ غیر اہم ہو گیا ہے۔ لیکن مہاتما گاندھی کے اس عزم کے باوجود، کہ وہ اچھوت پن کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنی جان پر کھیلنے سے دریغ نہ کریں گے، یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکا۔ ایک طرف تو وہ معزز ہندو لیڈر ہے۔ جس کے لئے ہندوستان کے تمام ہندوؤں کی غیر محدود محبت اور عزت موجود ہے۔ اور جس کی پیروی میں وہ موت کے منہ میں بھی جانے کے لئے تیار ہیں۔ اور دوسری طرف وہ مقدس رشتہ ہے جو ہندو مذہب کو اس کے آسمانی صحائف اور ان روایات سے وابستہ کرتا ہے جنہیں نہایت طویل عرصہ گذر چکا اور ان کی جڑیں بہت گہری ہو چکی ہیں۔ ساٹھ ہزار ہندو اس بہت بڑے لیڈر کی متابعت جیل کے اندر جا کر کر چکے ہیں۔ اور اسی قدر اب پھر جیل کی چار دیواری میں مقید ہیں۔ لیکن ابھی تک یہ کہنا مشکل ہے کہ ہندو دل و دماغ اس جذبہ اطاعت کو، جو وہ اپنے آسمانی صحائف

کے ساتھ رکھتا ہے، ایک سیاسی لیڈر کی طرف منتقل کر دے جو آخر کار ایک کمزور اور ضعیف ہستی ہے۔

گاندھی جی کے رویہ میں تبدیلی: مندروں کے داخلہ کے متعلق مہاتما گاندھی اور قدامت پسند ہندوؤں میں جو بحث ومباحثہ جاری ہے، اس کا نتیجہ خواہ کچھ ہو، اس امر میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ موجودہ حالات میں حصول آزادی کے لئے ہندوستانیوں کی عظیم الشان سیاسی جدوجہد اپنی جگہ اچھوت پن کو دے رہی ہے۔ اس بات کے آثار وقرائن موجود ہیں کہ مہاتما گاندھی اس مہم کو اس طرح پورے جوش کے ساتھ سرانجام دینا چاہتا ہے کہ سول نافرمانی کا خیال انہیں اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو کم از کم کچھ عرصہ کے لئے ترک کرنا پڑے گا۔ ایک وقت تھا کہ اس عظیم الشان لیڈر نے اس امر کو پوری صفائی کے ساتھ واضح کر دیا تھا کہ یا تو وہ ہندوستان کے لئے آزادی حاصل کریں گے یا اس عظیم الشان سیاسی جدوجہد میں جو سول نافرمانی کے نام سے جاری ہے، اپنی جان دے دیں گے۔ لیکن آزادی کا نصب العین ہمیشہ کی طرح بہت دور ہونے کی وجہ سے اب وہ اس بات پر مرنے کے لئے تیار ہیں کہ اچھوتوں کو مندروں میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔

گول مول باتیں: مہاتما گاندھی کے رویہ میں خود ان کے پیروؤں نے بھی تبدیلی محسوس کی ہے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ انہیں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ کانگرسیوں میں اس امر پر سخت لے دے ہو رہی ہے کہ اچھوت پن کے خلاف جو شورش اُنہوں نے برپا کر رکھی ہے، وہ سول نافرمانی کی تحریک کو، جو انہیں اور ان کے پیروؤں کو جیل کے اندر لے جانے کا موجب ہوئی، لچکدار بنا دیتی ہے۔ دو مہمیں ایک ہی وقت میں جاری نہیں رکھی جاسکتیں۔ اور فی الحقیقت ان میں سے ایک کو دوسری کے لئے قربان کرنا پڑے گا۔ مہاتما گاندھی نے اس سوال پر براہ راست غور نہیں کیا۔ اور یہ کہہ کر بات کو ٹال دیا ہے کہ خود اپنے لئے اُنہوں نے ایک اور چیز کا اضافہ اپنے پروگرام میں کر لیا ہے۔ لیکن دوسروں کو سول نافرمانی یا اچھوت پن کے خلاف جہاد کے کاموں میں سے کوئی ایک اپنے لئے منتخب کر لینا چاہئے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''یہ میری بیوقوفی ہوگی۔ اگر گناہ نہیں۔ کہ میں ان تمام استعدادوں کو جو مجھے دی گئی ہیں استعمال نہ کروں۔ جبکہ مجھے ان کے استعمال کا موقعہ دیا جائے۔ میں نے تمام استعدادوں کو، جو میں رکھتا تھا، سول نافرمانی کے لئے استعمال کیا۔ میں نے دیکھا کہ

ہریجنوں کی خدمت کے لئے بھی مجھے قابلیت عطا کی گئی ہے۔ جسے میں استعمال کر سکتا ہوں۔ اور میں اسے استعمال کرتا ہوں۔ ایسا کرنے میں مَیں نے اپنے موجودہ دھرم یا فرائض دینی سے اعراض نہیں کیا۔ بلکہ میں نے اس کے ساتھ اچھوتوں کی خدمت کے کام کو بڑھالیا ہے۔ اس لئے انتخاب کا کوئی سوال میرے سامنے نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ جو لوگ جیل خانہ کی چار دیواری سے باہر ہیں ان کا معاملہ اور ہے۔ وہ لوگ جو سول نافرمانی کرنے والے ہیں انہیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اسی کام کو جاری رکھیں یا اچھوت پن کے خلاف کام شروع کریں۔''

گاندھی جی کی پوزیشن عقلمندانہ نہیں: یہ پوزیشن، جو مہاتما گاندھی نے اختیار کی ہے، عقلمندانہ یا صاف پوزیشن نہیں۔ اگر وہ اپنے موجودہ فرائض کے ساتھ اچھوت پن کے خلاف جہاد کا کام کر سکتے ہیں تو دوسرے لوگ کیوں ایسا نہیں کر سکتے۔ اور اگر دوسروں کو سول نافرمانی اور اچھوت پن کے کام میں انتخاب کرنا ہے تو انہیں خود ایسا کیوں نہیں کرنا چاہئے۔ اور ہر شخص جو آپ کے بیان کو پڑھے گا یہ یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مہاتما جی نے اچھوتوں کے لئے جان دے دینے کا فیصلہ کر کے پہلی ہی اس کام کو اپنے لئے انتخاب کر لیا ہے۔ آپ رہا ہونے کے بعد اس فیصلہ کے اس طرح پابند ہوں گے جس طرح اب جیل کے اندر اس کے پابند ہیں۔ اور پھر بعینہٖ اسی پوزیشن میں ہوں گے جس میں اب سول نافرمانی کرنے والوں کو رکھتے ہیں۔ اور وہ پوزیشن خود انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

''لیکن ایک سول نافرمانی کرنے والا کسی خاص ضرورت کے ماتحت اچھوت پن کے خلاف کام شروع کر سکتا ہے۔ اگر وہ یہ خیال کرتا کرتی ہے کہ کوئی منضبط طاقت مقاومت اس میں باقی نہیں رہی یا مقاومت کی سپرٹ ختم ہو چکی ہے۔ یا اب سول نافرمانی جیسی کوئی تحریک ہی باقی نہیں رہی اور تمام قسم کی آئینی مخالفت اور مقابلہ خلاف اخلاق یا خلاف تہذیب ہے۔''

راسخ العقیدہ ہندوؤں کے جذبات: لیکن اگر مہاتما گاندھی اپنی تمام طاقت اچھوت پن کی مہم پر صرف کر دیں۔ جیسا کہ قبل ازیں سول نافرمانی کی تحریک میں اُنہوں نے اپنی پوری طاقت صرف کی۔ تو

بھی اس پیچیدہ سوال کے حل کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ داخلہ منادر کے خالص مذہبی سوال پر وہ فاقہ کشی کر کے اپنے آپ کو موت کے منہ میں دے سکتے ہیں، جیسا کہ قبل ازیں مخلوط یا جداگانہ انتخاب کے سیاسی سوال پر وہ ایسا کر چکے ہیں۔ لیکن اگرچہ اس سیاسی سوال میں انہیں کامیابی حاصل ہوگئی مگر اسی مذہبی سوال میں کامیابی کی اُمید بہت ہی موہوم امر ہے۔ کیونکہ اس کا اثر راسخ العقیدہ ہندوؤں کی وسیع اکثریت کے مذہبی معتقدات پر پڑتا ہے۔ وہ شاستروں کو، اگر وہ عقل عامہ انصاف و مساوات کے اصولوں کے خلاف ہوں، پرے پھینک سکتے ہیں۔ لیکن راسخ العقیدہ ہندوؤں کی ذہنیت یہ نہیں۔ سناتن سبھاؤں نے تمام ملک کے طول و عرض میں اپنی پوزیشن کو صاف کر دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہندو منادر میں اچھوتوں کا داخلہ شاستروں کے خلاف ہے۔ اور ایک قانون بنا کر اس کو عمل میں لانا حکومت کی مذہب میں مداخلت اور مذہبی غیر جانبداری سے اعراض ہے۔ بہت سی عرضداشتیں وائسرائے کی خدمت میں پہنچ چکی ہیں جن میں یہ درخواست کی گئی ہے کہ داخلہ منادر کے بل کو منظور نہ کیا جائے۔ اور تازہ ترین برقی پیغامات میں ''ملک میں ایک مذہبی جنگ'' برپا ہونے کا امکان ظاہر کیا گیا ہے۔

گاندھی جی کا دعوٰی اور دلائل: مہاتما گاندھی کا خیال ہے کہ راسخ العقیدہ ہندوؤں کا ایک فریق ان کی حمایت میں ہے۔ ایک بیان اُنہوں نے شائع کیا ہے جس میں بتایا ہے کہ سناتنیوں کے دو گروہوں میں اُنہوں نے مناظرہ کرایا۔ اور اس مناظرہ سے انہیں یہ یقین ہوگیا کہ جو پوزیشن اُنہوں نے اختیار کی ہے، وہ ہندو شاستروں کے عین مطابق ہے۔ اس فریق کی طرف سے، جو داخلہ منادر کی حامی ہے، انہیں بتایا گیا ہے کہ ہندو دھرم شاستروں میں اچھوتوں کی تمام جماعتوں کا ذکر ہے۔

1۔ وہ لوگ جو پیدائشی طور پر اچھوت قرار دیئے گئے ہیں۔ یعنی وہ جو ایک شودر مرد اور برہمن عورت کے اختلاط کا نتیجہ ہیں۔

2۔ وہ لوگ جو پانچ بدترین گناہوں اور ایسے اعمال کے مرتکب ہیں جنہیں ہندو مذہب میں بہت برا قرار دیا گیا ہے۔

3۔ وہ لوگ جو ایک ناپاک حالت میں ہیں۔

اس بیان میں آگے چل کر یہ لکھا ہے کہ کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ ان

اقوام میں سے، جنہیں اب اچھوت کہا جاتا ہے، کوئی ایک بھی درجہ اول میں آسکے۔ دوسرے درجہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ صرف افراد پر منطبق ہوتا ہے۔ اور تمام قوم کا بحیثیت مجموعی اس سے کوئی تعلق نہیں۔ تیسرے درجہ کے متعلق مہاتما جی فرماتے ہیں کہ وہ تمام ذاتوں اور اقوام میں موجود ہے۔ خواہ وہ اچھوت سمجھے جاتے ہیں یا نہیں۔ اور آگے چل کر لکھا ہے کہ شاستروں میں کوئی ایسی صراحت نہیں جس سے یہ سمجھا جائے کہ چمار، بھنگی اور دوسرے لوگ صرف اپنے کاروبار کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے اچھوت ہو گئے ہیں۔ ان فاضل پنڈتوں نے جس قسم کے دلائل دیئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ شاستروں میں اچھوتوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ تاہم وہ اچھوت جن کا وہاں ذکر ہے، وہی نہیں جن سے اچھوت پن کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اور اس لئے ان کے لئے داخلہ منادر کے راستہ میں کوئی روک نہ ہونی چاہئے۔

قسط دوم: مطبوعہ 15 مارچ 1933ء

بے جان دلائل: یہ سمجھ نہیں آتا کہ مہاتما جیسا آدمی ایسی لچر دلیل سے کیونکر مطمئن اور گمراہ ہوسکتا ہے۔ شاستروں میں اچھوتوں کا ذکر موجود ہے۔ اور سات کروڑ یا اس سے زائد اچھوت ہندوستان میں ہمیں ملتے ہیں۔ جن کے ساتھ راسخ العقیدہ ہندو وہی برتاؤ کرتے ہیں۔ جو شاستروں کا حکم ہے۔ لیکن مہاتما گاندھی کو مشورہ دینے والے فاضل پنڈت محض اس بناء پر، کہ یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ وہی اچھوت ہیں جن کا شاستروں میں ذکر ہے، انہیں اچھوت قرار دینے کے لئے تیار نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مہاتما گاندھی نے اپنی اچھوت پن کی مہم میں داخلہ منادر کے سوال کو مقدم کر کے سخت ترین غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ داخلہ منادر کو ایک ایسا سوال قرار دینے سے پہلے، جس پر ان کی اپنی زندگی یا موت کا انحصار ہے، اُنہوں نے شاستروں کا پورے طور پر مطالعہ نہیں کیا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایک مدت سے اچھوت پن کو دور کرنے کے خیال میں تھے۔ لیکن اُنہوں نے کبھی اس سوال پر ایسا غور نہیں کیا جیسا کہ کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ ان کی توجہ بالکل اسی سیاسی جدوجہد کی طرف مبذول تھی جس کی وہ رہنمائی کر رہے تھے۔ اور اب جبکہ وزیراعظم کا ریوارڈ جیل میں اچھوت پن کے سوال کو یکا یک ان کے سامنے لے آیا ہے، اُنہوں نے سمجھا کہ داخلہ منادر ہی اس کا واحد علاج ہے۔ اور اس کو وہ راسخ العقیدہ ہندوؤں میں اس ذریعہ سے رواج دے سکتے ہیں، جسے تپسیا کے نام سے پکارتے

ہیں۔لیکن حقیقت میں وہ خودکشی کی ایک دھمکی ہے۔مگر راسخ العقیدہ ہندو ایسے آسان طریق سے اپنے مذہبی اصولوں کو ہاتھ سے دے کر جبر وتعدی کا شکار ہونا نہیں چاہتے۔

راسخ العقیدہ ہندوؤں کی پوزیشن مضبوط ہے: ہندوؤں کے مقدس صحائف پر نظر ڈالتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ راسخ العقیدہ ہندوؤں کی پوزیشن بہت مضبوط ہے۔امور تنقیح طلب یہ ہیں کہ کیا ہندو شاستروں کے مطابق پیدائشی اچھوت پن موجود ہے یا نہیں۔اور اگر موجود ہے تو کیا وہ صفائی کے ساتھ رہنے یا مناسب پاکیزہ کرنے والی رسوم کی ادائیگی سے دور ہوسکتا ہے۔یا نہیں۔جن پنڈتوں کا مہاتما گاندھی نے ذکر کیا ہے، ان کی رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ شاستروں کے مطابق پیدائشی اچھوتوں کی صرف ایک ہی جماعت ہے۔اور وہ وہی ہے جو ایک شودر کے ساتھ ایک برہمن عورت کے تعلق پیدا کرنے سے ہوئی ہے۔اور ان کا اچھوت پن بھی صاف ستھرا رہنے یا وشنو کی پرستش میں لگ جانے سے دور ہوجاتا ہے۔یہ دونوں پوزیشنیں شاستروں کے قطعاً خلاف ہیں۔اگر ایک شودر اور برہمن کے اختلاط سے پیدا شدہ اولاد اچھوت ہے، تو یہ اسی وجہ سے ہے کہ شودر خود اچھوت ہے۔فی الحقیقت وہ خود اس قدر ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ایک برہمن عورت کے ساتھ اس کا اختلاط اولاد کو ناپاک بنا دیتا۔اور اسے اچھوت کر دیتا ہے۔یہ ایک فیصلہ شدہ امر ہے کہ ذات باپ کی طرف سے ہوتی ہے۔جیسا کہ منوجی فرماتے ہیں:

> ”فی الحقیقت آریوں کی اولاد جو غیر آریہ عورتوں سے پیدا ہو پکا یمن کی رسم ادا کرنے سے آریہ ہوجاتی ہے۔لیکن غیر آریہ لوگوں کی اولاد، جو آریہ عورتوں سے پیدا ہو، غیر آریہ ہوتی ہے (منوادھیائے 10 منتر 67) اولاد کی ناپاکی ......تعلق کے ناپاک و ناجائز ہونے کے مطابق زیادہ ہوسکتی ہے لیکن ان کا انحصار باپ کے شودر ہونے پر ہے۔اور جس بات کو مہاتما گاندھی اور فاضل پنڈتوں نے نظر انداز کر دیا ہے وہ شودر کی وہ پوزیشن ہے جو ہندو صحائف میں اسے دی گئی ہے۔“

جنیوں کا حق شودروں کو حاصل نہیں: ہندو مذہب کے بنیادی اصولوں کے مکاتب ہندوستان کی آبادی چار حصص پر منقسم ہے۔برہمن، کھشتری، ویداور شودر۔اول الذکر تین اقسام دوج یا دوبارہ

پیدائش شدہ کہلاتی ہیں۔اور یہ وہ عزت ہے جو شودر کو نہیں دی گئی۔دوبارہ پیدائش ان کی روحانی پیدائش یا پاکیزگی سے تعلق رکھتی ہے۔جس میں جنیوں پہننے کا حق دے دیا جاتا ہے۔جنیو ہندو مذہب میں نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے اور شودر کو جنیوں پہننے سے روکا گیا ہے۔جیسا کہ منو جی فرماتے ہیں:

> ''شودر ممنوع چیزیں کھانے سے کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا۔اس کو جنیو نہیں مل سکتا۔ ویدک، قربانیاں کرنے کا وہ مجاز نہیں۔اسے پکایجن کی رسم ادا کرنے سے روکا گیا ہے۔''(منو:10-126)

یا صرف دوج لوگ ہی ہیں، جنہیں جنیو پہننے کا حق دیا گیا ہے۔اس بارہ میں ان کے اندر عمر کی چند حد بندیاں قائم کی گئی ہیں۔یعنی برہمن کے لئے 16 سال، کھشتری کے لئے 22 سال، ویش کے لئے 24 سال اور اگر یہ حدود عمر جنیو پہنے بغیر ان میں گذر جائیں تو یہ دوبارہ پیدائش شدہ بھی ''ورتی'' ہو جاتے ہیں۔یعنی ان کی قسم ٹوٹ جاتی ہے۔اور وہ آریہ سوسائٹی سے نیچے گر جاتے ہیں (منو 2:39) یہاں تک کہ برہمنوں کو اجازت نہیں کہ سخت مصیبت اور تکلیف کے ایام میں بھی ان ''ورتی'' لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھیں (منو 2:40) اگر ایک اعلیٰ ذات کا آدمی بھی جو جنیو پہنے ہوئے نہ ہو اپنی ذات سے ایسا گر جاتا ہے کہ وہ سوسائٹی ہی سے خارج ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایک شودر، جسے جنیو پہننے سے روک دیا گیا ہے، ان لوگوں کے ساتھ اختلاط نہیں رکھ سکتا جو جنیو پہنتے ہیں۔اور انہیں یقیناً ذات سے خارج یا اچھوت سمجھا جاتا ہے۔

پاکیزگی حاصل کرنے کا حق اور شودر: علاوہ ازیں پکایجن یا پاکیزگی حاصل کرنے کا حق بھی صرف اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے لئے ہے۔اور ایک شودر کو اس حلقہ سے باہر رکھا گیا ہے۔چنانچہ منو جی فرماتے ہیں:

> ''ویدوں کے عطا کئے ہوئے پاک حقوق کے مطابق دوج ذاتوں کے اجسام حسب ذیل طریق سے پاک کئے جا سکتے ہیں۔پیٹ کی پاکیزگی کے لئے ویدک مراسم کی ادائیگی، جنم کے بعد پاک کرنے اور جینو پہننے سے دوج لوگوں کے گناہ جو ان کے ماں باپ کے بیج اور پیٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔زائل ہو جاتے ہیں۔''(منو 2:26-27)

شودر صرف خدمت کے لئے ہے: ایک شودر کو ہندو مذہب کے مقدس صحائف سے مستفید ہونے کی بھی اجازت نہیں۔ وہ ویدوں کا مطالعہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جہاں ویدوں کا مکالمہ تینوں ذاتوں میں سے ہر ایک کا سب سے بڑا فرض قرار دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو۔ منو:88:89-90) وہیں شودروں کے فرائض حسب ذیل الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔ ''پرمیشر نے صرف ایک ہی کام شودروں کے لئے مقرر کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ مذکورہ تینوں ذاتوں کی خدمت بلا حیل و حجت بجالائیں۔'' (91:1)

اور پھر منو (1:10) میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ صرف تین دوج ذاتوں کے افراد ہی ویدوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ شودروں کو کسی بھی مذہبی کام کے کرنے کی اجازت نہیں۔ ایسے (برہمن کو) اجازت نہیں کہ وہ کسی شودر کو کسی دنیوی کام میں مشورہ دے۔ یا اس کے لئے اپنی خوراک چھوڑے۔ یا سوختنی قربانیوں کا بقیہ ان کے لئے رہنے دے۔ اسے اجازت نہیں کہ کسی شودر کو مذہبی ہدایت دے۔ اور نہ ہی کوئی عہد کرنے کی اسے منظوری دے۔ جو برہمن کسی شودر کو مذہبی ہدایت دے یا اسے کوئی مذہبی فرض بجالانے کا مشورہ دے وہ اس شودر کے ساتھ رسم درتم کے دوزخ میں جائے گا (منو4:80-81)

شودر کی مذہبی حیثیت: یہ شودر کی مذہبی حیثیت ہے۔ جو منوسمرتی میں اسے دی گئی ہے۔ وہ جنیو نہیں پہن سکتا جو پاکیزگی کا نشان ہے۔ اور اس لئے تمام عمر ناپاکی کی حالت میں رہنا ہے۔ وہ کوئی ویدک یا رسم قربانی نہیں کر سکتا۔ اس لحاظ سے ایک شودر مذہباً ذات پات سے خارج اور اچھوت ہے۔ وہ ایسا ناپاک سمجھا جاتا ہے کہ اگر ایک برہمن کی لاش کو وہ چھو جائے تو وہ لاش ایسی ناپاک ہو جاتی ہے کہ اس کی روح آسمان کو نہیں چڑھ سکتی (منو104:5)

مجلسی پوزیشن: اب ہم دیکھیں گے کہ کیا ایک شودر مجلسی طور پر بہتر پوزیشن میں ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہمیں بتائی گئی ہے کہ ایک شودر کے نام ہی میں برائی ہے۔ ایک برہمن کا نام برکت کا موجب ہے۔ کھشتری کا نام طاقت کو ظاہر کرتا ہے۔ ویش کا نام ایسی بات سے تعلق رکھتا ہے جو مال و دولت کی مظہر ہے۔ اور ایک شودر کا نام برائی اور ناپاکی کو ظاہر کرتا ہے (منو31:2) شودر فی الحقیقت ایک پیدائشی غلام ہے۔ اور شاستروں کے مطابق وہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

ہر صورت میں غلام: ''ایک شودر کو، خواہ وہ ایک خرید کردہ غلام ہو یا نہ ہو، ضرور خدمت کے کام پر لگانا

چاہیئے۔ کیونکہ وہ خود زائیدہ پرمیش کی طرف سے برہمنوں کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔''

''اپنے آقا کی طرف سے آزاد ہو جانے پر بھی ایک شودر خدمت سے آزاد نہیں ہوسکتا۔ خدمت فطرتاً اس کے فرائض میں داخل ہے۔ کون اسے اس سے آزاد کر سکتا ہے'' (منو 413-414)

''برہمن کی خدمت ایک شودر کی زندگی کو سنوارنے کا موجب ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ وہ کرتا ہے وہ مہلک ہے'' (منو 123:10)

دولت جمع کرنے کی ممانعت: پھر اسے دولت جمع کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے:

''ایک شودر اگر روپیہ جمع کرنے کے قابل بھی ہو، تو بھی اسے دولت جمع نہیں کرنی چاہیئے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی امارت کے غرور میں ایک برہمن پر ظلم کرنے لگ جائے'' (منو 129:10)

منوسمرتی کے چند لرزہ خیز احکام: منوسمرتی میں بہت سے اور بھی احکام ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شودر سے نہ صرف ایک غلام کا برتاؤ کیا گیا ہے بلکہ اسے ایک بدترین انسان قرار دیا گیا ہے۔ جس پر مذہب کے نام پر ہر ایک قسم کا ظلم وستم کیا جاسکتا ہے۔ اس بارہ میں ایک دو مثالیں کافی ہوں گی:

''اگر کوئی شودر کسی دوج ذات کے آدمی کے متعلق کوئی بُری زبان استعمال کرے تو اس کی زبان کاٹ دی جائے گی۔ کیونکہ وہ ایک بدترین جگہ سے پیدا ہوا ہے۔''

''اگر کوئی شودر کسی دوج ذات کے آدمی کو اس کا نام اور اس کی ذات کا ذکر کر کے گالی دے تو ایک جلتی ہوئی سلاخ، جو دس انگل لمبی ہو، اس کے منہ میں ڈالی جائے گی۔''

''اگر کوئی شودر کسی برہمن کو کوئی مذہبی یا اخلاقی نصیحت کرے، تو راجہ اس کے منہ اور کان میں گرم تیل ڈالے'' (1:270-272)

''اگر کوئی شودر کسی دوج ذات کی عورت سے زنا کرے تو خواہ اس کا خاوند ہو یا نہ ہو۔ اول الذکر صورت میں اس شودر کا عضو تناسل کاٹ دیا جائے۔ اور اس کی جائداد اور اہل و اسباب ضبط کر لیا جائے اور موخر الذکر حالت میں اسے جان سے

مار دیا جائے‘‘(374:8)

’’ایک شودر کسی اونچی ذات کے آدمی کے ساتھ اس جگہ پر نہیں بیٹھ سکتا۔ اگر ایک ناپاک آدمی کسی اعلیٰ ذات کے انسان کے ساتھ اسی جگہ یا اس کے تکیہ کے ساتھ بیٹھے تو راجہ اس کی کمر پر داغ لگا کر اسے ملک بدر کردے۔ اس کے چوتڑوں کو کاٹ دے‘‘(281:8)

شودروں کے علاوہ بعض مخلوط نسل کی اقوام ہیں جنہیں اچھوت قرار دے کر شودروں ہی کا کام ان سے لیا جاتا ہے۔ اور بعض کام ان سے خاص کردیئے گئے ہیں۔ سوت قوم کے لوگ گاڑی کھینچنے ہی کا کام کرکے زندگی بسر کرسکتے ہیں۔ آیا گو بڑھئی کا کام کرکے روٹی کما سکتے ہیں۔ نو داور اندھر وحشی جانوروں کو مار کرہی گذر اوقات کرسکتے ہیں۔ چمڑے صاف کرنا ڈ ہگون قوم کے لوگوں کا کام ہے اور ڈھول بجانا دین قوم کے لوگوں کا۔ چنڈال اور سواتیج (کتے کھانے والے) دیہات کے باہر رہ سکتے ہیں۔ کوئی برتن وہ استعمال نہیں کرسکتے۔ صرف کُتے اور گدھے ہی ان کی جائداد ہیں۔ چنڈال لاشوں کی کھالیں پہنیں۔ ٹوٹے پھوٹے برتنوں میں کھائیں۔ کوئی شخص مذہبی کام کرتے ہوئے ان کی طرف نہ دیکھے اور نہ ان سے کلام کرے(54-47:10)

۞۞۞

3 اپریل 1933ء

حضرت امیر ایدہ اللہ کا ایک ضروری خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہِ الکریم

برادران کرام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

ہماری جماعت پر اس وقت قریب قریب وہ زمانہ واپس آ گیا ہے جب ابتداء میں حضرت مسیح موعود نے دعویٰ کیا۔ کفر کے فتوے، گالیاں، اعتراضات، ناپاک الزامات، ان سب کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ مگر یہ ڈرنے اور گھبرانے کا وقت نہیں۔ ہم خدا کے فضل سے حق الیقین کے ساتھ اس بات پر قائم ہیں کہ احمدیت نے جو تصویر اسلام کی پیش کی ہے وہ ایسی پاکیزہ اور سب داغوں سے پاک ہے کہ نہ صرف مسلمانوں کے دِلوں کو آہستہ آہستہ جھکا لے گی بلکہ اعدائے اسلام بھی اس کے سامنے سر جھکانے لگیں گے۔ اور فی الحقیقت یہ دونوں باتیں ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہی ہیں۔ گو ہماری کوششوں کے مطابق ان کا دائرہ بھی محدود ہے۔ ہزار ہا مسلمان ہیں جن کے دِلوں کے اندر احمدیت کا پیدا کردہ اسلامی لٹریچر پڑھ کر از سر نو نور اسلام کی صداقت پر ایمان پیدا ہوا ہے۔ اور سینکڑوں کی تعداد میں یورپ کے مہذب اور علوم میں ترقی یافتہ لوگ اور دوسرے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ اور ہزار ہا ایسے ہیں جن کے دل اندر سے کھائے گئے ہیں۔ اس لئے ہم اس مخالفت سے گھبراتے نہیں۔ ہاں جس طرح طوفان کے اندر کشتی کو تھامنے کی ضرورت ہوتی ہے، آج اسی طرح اس طوفان مخالفت میں، جس کی لہریں پہاڑ کی طرح اُٹھی ہوئی نظر آتی ہیں، ہم میں سے بھی ہر ایک کا مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان، یہ فرض ہے کہ وہ قوم کی کشتی کے سنبھالنے میں اپنی پوری قوت صرف کرے۔ یہ طوفان مخالفت اس لئے اُٹھا ہے کہ لوگ بیدار ہو جائیں اور غفلت کو چھوڑ کر حقائق پر غور کریں۔ لیکن ان حقائق کو ان کے سامنے لانا یہ ہمارا کام ہے۔ یہی کام ہم نے ٹریکٹوں کے ذریعہ سے شروع کیا ہے۔ جن کے متعلق احباب کو دفتر کی طرف سے اطلاع دی جا چکی ہے اور یہی کام اخبار پیغام صلح کا خاص نمبر نکالنے میں مدنظر ہے۔ مگر اس کے لئے فوری توجہ بکار ہے۔ ہماری مخالفت میں ایک ایک اخبار کا نمبر اگر دس دس ہزار کی تعداد میں شائع ہو رہا ہے، تو ہمیں باوجود ان کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل

ہونے کے، حتیٰ کہ آٹے میں نمک کی نسبت بھی ہماری نہیں، ان سے پیچھے نہ رہنا چاہئے۔ اور کم سے کم دس ہزار کی تعداد میں یہ اخبار پیغام صلح شائع ہونا چاہئے۔

ضرورت ہے: 50 آدمیوں کی جو ایک ایک سو اخبار لیں دس روپے

50 آدمیوں کی جو پچاس پچاس اخبار لیں پانچ روپے

250 آدمیوں کی جو دس دس اخبار لیں ایک روپیہ

وقت بہت تھوڑا ہے۔ ہر ایک دوست اور ہر ایک جماعت فوراً فیصلہ کر کے دفتر کو اطلاع دے کوئی صاحب اس جہاد میں حصہ لینے سے پیچھے نہ رہیں نہ توقف کریں۔

خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

3 اپریل 1933ء

3 مئی 1933ء

حضرت امیر کے قلم سے

کیا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا؟

1۔ ہمارے عقائد پر عجیب بحث — 2۔ حضرت مرزا صاحب کے انکار نبوت کی توجیہہ

3۔ آپ نے انکار دعویٰ نبوت کب کیا؟ — 4۔ لفظ ''نبی'' کے استعمال کی وجہ

5۔ لفظ ''نبی'' کا استعمال مجاز اور استعارہ تھا — 6۔ کیا پہلے بھی یہ یا ایسے لفظ مجازاً استعمال ہوئے؟

7۔ لفظ ''نبی'' کو تحریروں سے کاٹ دینے کا اعلان — 8۔ لفظ ''نبی'' عام بول چال میں استعمال کرنے کی ممانعت

1۔ ہمارے عقائد پر عجیب بحث: پچھلے ٹریکٹ میں مَیں نے جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد بیان کئے تھے۔ ان پر مخالفین سلسلہ اور قادیانی جماعت نے عجیب طریقِ بحث اختیار کیا ہے۔ کاش! کوئی عالم یا جاہل اُٹھتا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا کہ ہمارے یہ عقائد خلاف قرآن و حدیث ہیں۔ مگر یہ جرأت کسی کو نہ ہوئی۔ اس لئے کہ سب جانتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے یہ عین مطابق ہیں۔ یا یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا کہ گو ان کے یہ عقائد ہیں مگر بانی سلسلہ احمدیہ کے یہ عقائد نہ تھے۔ مگر یہ بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے کہ بانی سلسلہ کی اپنی تحریرات بھی پیش کر دی گئی تھیں کہ یہی عقائد ان کے تھے۔ ان دونوں باتوں سے عاجز آ کر بحث یہ ہو رہی ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کے وہ عقائد نہیں جو وہ کہتے ہیں۔ بلکہ وہ ہیں جو ان کے مخالف کہتے ہیں۔ اس مذہبی آزادی کے زمانہ میں کسی کو بھی اپنے عقائد کے مخفی کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر ایک جماعت کے مختلف افراد جب ایک دوسرے سے اپنے عقائد کو مخفی نہیں رکھ سکتے تو غیروں سے کس طرح رکھ سکتے ہیں۔ کاش! جو روپیہ ان قادیانیوں اور غیر قادیانیوں نے اس بیہودہ کوشش پر صرف کیا ہے، وہ اسے کسی بہتر کام پر صرف کرتے!

2۔ حضرت مرزا صاحب کے انکار نبوت کی توجیہہ: اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کا انکار بیشک کیا ہے لیکن جو تحریریں میں نے پیش کی ہیں وہ ''ادعائے نبوت سے پہلے کی ہیں'' (اعلان دعوت و ارشاد) اور کہ آپ نے تدریجاً ترقی کرتے کرتے دعویٰ نبوت کیا۔

اس کی تائید میں جو حوالہ پیش کیا گیا ہے وہ حضرت مرزا صاحب کی اسّی سے زیادہ کتابوں میں سے کسی کتاب کا نہیں۔ بلکہ ایک ڈائری کا ہے جو کسی اخبار میں منقول ہے۔ اور جو 1908ء کی ہے۔ جس کے اڑھائی ماہ بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ کیا یہ بات ماننے کے قابل ہے کہ 1891ء میں آپ مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کریں اور یکے بعد دیگرے اپنی تحریروں میں مدعی نبوت پر لعنت بھیجیں۔ مدعی نبوت کو کافر اور کاذب قرار دیں۔ دعوٰی نبوت کو اپنے اوپر افتراء دیں۔ اور مرنے سے ستر اسی دن پیشتر زبانی یہ اعلان کریں کہ میں مدعی نبوت ہوں۔ صاف نظر آتا ہے کہ یہ کسی اخبار نویس کی غلط فہمی ہے۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ آپ کے انکار نبوت کی تحریریں ادعائے نبوت سے پہلے کی ہیں۔ انکار نبوت کی ضرورت ہی تب پیش آئی جب آپ کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کیا گیا۔ اور یہ تحریریں، جو میں آگے نقل کرتا ہوں، خود صاف بتاتی ہیں کہ آپ کو دعوٰی نبوت کا انکار تب کرنا پڑا جب آپ کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کیا گیا۔

3۔ آپ نے انکار دعوٰی نبوت کب کیا؟: واقعات کو لو۔ 1890ء میں آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا اور اسی ذیل میں آنے والے مسیح کی نبوت پر بھی بحث کی۔ اس پر آپ پر 1891ء میں دوسو علمائے پنجاب و ہند کی طرف سے کفر کا فتوٰی لگایا گیا۔ جس میں بڑی وجہ یہ قرار دی گئی کہ آپ نبوت کا دعوٰی کرتے ہیں۔ اسی کے جواب میں آپ کو بار بار یہ لکھنے کی ضرورت پیش آئی کہ میرا یہ دعوٰی نبوت کا نہیں۔ تحریریں خود اس پر گواہ ہیں:

> ''اس شہر کے بعض اکابر میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے۔ یہ الزام سراسر افتراء ہے۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں۔ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں'' (اشتہار 2 اکتوبر 1891ء)
>
> ''جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو۔ اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں''
> (تقریر 23 اکتوبر دہلی)
>
> ''نبوت کا دعوٰی نہیں بلکہ محدثیت کا ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا

ہے‘‘(ازالہ اوہام صفحہ 421)

’’ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں‘‘(مجموعہ اشتہارات صفحہ 224)

’’مجھے کب جائز ہے کہ میں نبوت کا دعوٰی کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں‘‘(حمامۃ البُشریٰ صفحہ 79 ترجمہ)

’’ان لوگوں نے میرے قول کو نہیں سمجھا اور یہی کہا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا یہ قول صریح کذب ہے‘‘(حمامۃ البُشریٰ صفحہ 81 ترجمہ)

’’کیا ایسا بد بخت مفتری، جو خود رسالت اور نبوت کا دعوٰی کرتا ہے، قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے‘‘(انجام آتھم صفحہ 27)

ان تحریروں سے صاف ظاہر ہے کہ جس بناء پر علماء نے آپ کو مدعی نبوت قرار دیا ہے وہ 1891ء سے ہی موجود تھی۔ تدریج کا خیال ایک ڈھکوسلہ ہے۔

4۔ لفظ نبی کے استعمال کی وجہ: دعویٰ نبوت آپ کی طرف کس بناء پر منسوب کیا گیا؟ اس کا تعلق ذیل کی تحریروں سے ہے۔ جو ابتدائے دعوٰی میں لکھی گئیں:

’’اس جگہ اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثیل بھی نبی چاہیئے۔ کیونکہ مسیح نبی تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز اس اُمت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے۔ گو اس کے لئے نبوت تامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔ اُمور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اور بعینہٖ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔ اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں بآواز بلند ظاہر کرے اور اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے۔ اور اگر یہ عذر پیش ہو کہ باب نبوت مسدود ہے۔ میں کہتا ہوں نہ من کل الوجوہ باب نبوت مسدود ہے نہ ہر ایک طور سے وحی پر مہر لگائی گئی ہے۔ بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس اُمت مرحومہ کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے۔ جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کے اسم سے

موسوم ہے‘‘ (توضیح مرام صفحہ 17 و 18)

’’اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے‘‘ (ازلہ اوہام صفحہ 422)

’’محدث جو مرسلین میں سے ہے اُمتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی۔ اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نبیوں کا سا معاملہ اس سے کرتا ہے۔ وہ اگر چہ کامل طور سے اُمتی ہے مگر ایک وجہ سے نبی بھی ہوتا ہے‘‘ (ازلہ اوہام صفحہ 569)

اس سے معلوم ہوگا کہ آپ کی طرف دعوٰی نبوت اس لئے منسوب نہیں کیا گیا کہ آپ نے یہ کہا ہو کہ مجھے خدا نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ کہا تو آپ نے یہی کہ مجھے محدث بنا کر بھیجا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ محدثیت بھی اپنے اندر نبوت کا ایک رنگ رکھتی ہے اور محدث ایک معنے سے نبی ہوتا ہے۔

5۔ لفظ نبی کا استعمال مجاز اور استعارہ: آپ کے سامنے یہ دقت تھی کہ آنے والے مسیح کا نام کسی حدیث میں نبی بھی آ گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی تو آ نہ سکتا تھا اس لئے آپ نے اس کی یہ توجیہہ فرمائی کہ یہ لفظ وہاں مجاز کے طور پر یا لغوی معنے میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح آپ نے پہلے بھی کی اور بعد میں بھی۔ اور مجاز کے طور پر ’’لفظ نبی‘‘ کے استعمال میں اور دعوٰی نبوت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ آپ کی اپنی تحریرات اس پر گواہ ہیں:

’’محدثیت کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا جائے تو کیا اس سے دعوٰی نبوت لازم آ گیا‘‘ (ازالہ اوہام صفحہ 422)

’’نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے۔ مگر مجازی معنوں کی رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے۔ عرب کے لوگ تو اب تک انسان کے فرستادہ کو بھی رسول کہتے ہیں۔ پھر خدا کو کیوں حرام ہوگیا کہ مرسل کا لفظ مجازی معنوں پر بھی استعمال کرے۔ کیا قرآن میں سے **فَقَالُوْا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ** (14:36۔مرتب) بھی یاد نہیں رہا‘‘ (سراج منیر صفحہ 3)

''ایسے ہی وہ نبی کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے۔ وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا'' (سراج منیر صفحہ 3 مطبوعہ 1897ء)

''اس جگہ میری نسبت کلام الٰہی میں رسول اور نبی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ یہ اطلاق مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے'' (تحفہ گولڑویہ مطبوعہ 1902ء)

''**سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ** میرا نام خدا کی طرف سے نبی مجاز کے طور پر رکھا گیا ہے نہ حقیقت کے طور پر'' (حقیقۃ الوحی آخری کتاب مطبوعہ 1907ء)

6۔ کیا پہلے بھی یہ یا ایسے لفظ مجازاً استعمال ہوئے: ایسے الفاظ کا مجازی استعمال پہلے بھی ہوتا رہا حتٰی کہ پہلی کتابوں میں خود لفظ خدا اور ابن اللہ بھی مجازی طور پر خدا سے تعلق رکھنے والوں پر بولے گئے۔ اور مولانا رومؒ نے بھی اولیاء اللہ کو اطفال اللہ کہا ہے۔ ع اولیاء اطفال حق اند اے پسر

خود قرآن کریم نے ''**مُرْسَلُوْنَ**'' کا لفظ بطور مجاز استعمال کیا ہے۔ **فَقَالُوْا اِنَّآ اِلَیْکُمْ مُرْسَلُوْنَ** (14:36) یہاں مراد حضرت عیسٰی کے حواری لئے گئے ہیں۔ جن پر رسول یا مرسل کا لفظ صرف بطور مجاز ہی استعمال ہوسکتا ہے۔ اور بعض نے جو خالد بن سنان کو نبی لکھا ہے۔ تو وہ بھی بطور مجاز ہے۔ اسی طرح لفظ نبی کو مولانا رومؒ نے بھی مجازاً استعمال کیا ہے۔ مرشد کے متعلق فرماتے ہیں۔ ع آں نبی وقت باشد اے مرید

شیخ اکبرؒ نے بھی نبوت کے لفظ کو مجازاً استعمال کیا ہے۔ **مَنْ حفظَ الْقُرْآنَ فَقَدْ ادرِجتُ النبّوۃُ بَیْنَ جَنَبَیْہِ** جس نے قرآن کو حفظ کیا نبوت اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان داخل کر دی گئی۔ اسی طرح حصول کمالات نبوت کے پہلے بزرگ بھی قائل رہے ہیں۔ میں صرف ایک حوالہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا پیش کرتا ہوں۔ ''پس حصول کمالات نبوت مرتابعاں را بطریق تبعیت وحداثت بعد از بعثت خاتم الرسل منافی خاتمیت اونیست''

7۔ لفظ نبی کو تحریروں سے کاٹ دینے کا اعلان: اگر حضرت مرزا صاحب کا دعوٰی نبوت کا ہوتا تو آپ کبھی وہ اعلان نہ کرتے جو آپ نے 1892ء میں مولوی عبدالحکیم کے ساتھ مباحثہ پر کیا۔ جب مولوی عبدالحکیم نے یہ اعتراض کیا کہ آپ نبوت کا دعوٰی کرتے ہیں تو آپ نے ذیل کی تحریر، جس پر آٹھ

گواہوں کے دستخط ہیں، بھیجی۔ اوراس تحریر پر مباحثہ ختم ہو گیا:

''تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ ''فتح الاسلام'' میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنے میں نبی ہوتا ہے اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اوران کے دِلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں۔ جس حالت میں ابتداء سے میری نیت میں، جس کو اللہ تعالیٰ جلشانہ خوب جانتا ہے،۔ اس لفظ نبی سے مراد حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدث مراد ہے۔ پھر مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرائے میں بیان کرنے سے کیا عذر ہوسکتا ہے۔ سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اوراس کو یعنی لفظ نبی کو کاٹا ہوا خیال فرمائیں'' (3 فروری 1892ء)

8۔ لفظ نبی عام بول چال میں استعمال کرنے کی ممانعت: کیا آج تک کسی نے سنا ہے کہ جو نبی ہو وہ خود یہ ہدایت کرے کہ میرے لئے لفظ نبی مت استعمال کرو:

''وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوت و رسالت ہے۔ چونکہ ایسے لفظوں سے، جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں، اسلام میں فتنہ پڑتا ہے اوراس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے، اس لئے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں۔ اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہئے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے۔ جو شخص انکار میں حد سے گزرتا ہے جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں ہے اسی طرح وہ جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گزر جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے۔'' (خط مورخہ 17 اگست 1899ء مطبوعہ الحکم نمبر 29 جلد 3)

خاکسار محمد علی۔ پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور

3 مئی 1933ء

قادیانی گروہ ملانوں کے نقشِ قدم پر

کہاں تو محمودی صاحبان کی اخلاقی گراوٹ یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ وہ ہماری جماعت کو احمدی نام سے مخاطب کرنا ناجائز سمجھتے تھے۔ اور کہاں اب یہ حالت کہ ہماری نسبت غلط بیانی کرنے کے لئے ایک قادیانی دریدہ دہن نے ایک دو ورقہ شائع کر کے اس کا عنوان ''احمدی فریق لاہور کے عقائد'' رکھا ہے۔ لیکن اس کی تنگ دلی کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے عقائد تکفیر اہل قبلہ کو ظاہر نہیں کیا۔ بہتر طریق تو یہ تھا کہ جن صاف اور صریح الفاظ میں ان کے پیر نے تکفیر اہل قبلہ کا مسئلہ ایجاد کیا تھا۔ اسے جرأت سے ظاہر کرتا۔ لیکن باطل ہمیشہ بزدل ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اپنی کمزوری کو ہزار ہا پردوں کے نیچے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا پیر لکھتا ہے:

> ''ہر ایک شخص جو موسیٰ کو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہیں مانتا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے'' (کلمۃ الفصل صفحہ 110)
>
> ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ اُنہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے یہ عقائد ہیں'' (آئینہ صداقت صفحہ 35)

لیکن کتاب ''حربۂ تکفیر'' میں اس بزدل نے بے حد بزدلی سے کام لیا ہے۔ اور اپنے مذہب کو پیچ در پیچ طریقوں سے چھپانے کی کوشش کی ہے۔ خاص بات جو اس مضمون کے لکھنے کی محرک ہوئی، وہ یہ ہے کہ کیا کسی جماعت یا فریق کے وہ عقائد ہوا کرتے ہیں جو اس کا مخالف لکھے یا وہ جو خود وہ جماعت شائع کرے۔ اگر اول الذکر امر صحیح ہے تو حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے جو عقائد مخالفین سلسلہ نکال کر شائع کرتے رہتے ہیں، قادیانی صاحبان کیوں ان کو صحیح تسلیم نہیں کرتے؟ اپنے الفاظ اور اپنے عقائد کی بہترین تفسیر وہی جماعت کر سکتی ہے، جس کے عقائد ہوں۔ اس کا مخالف تو ہمیشہ ایسا نتیجہ نکالنے کی کوشش کرے گا جو معترض کے نقطہ نگاہ سے قابل اعتراض ہو۔

ہماری جماعت اور قادیانی جماعت کو مسلم ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اپنی تصانیف میں لفظ ''نبی'' استعمال کیا۔ اسی طرح جماعت کے مؤلفین نے بھی یہ لفظ استعمال کیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو نتیجہ قادیانی پارٹی اب نکالتی ہے، وہ نتیجہ 1910ء تک جماعت کا کوئی مؤلف نکالتا تھا؟ یعنی جو شخص حضرت مسیح موعود کو نبی نہ مانے، خواہ اس نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اصل نکتہ تو نبوت کے مسئلہ کو حل کرنے کا یہی ہے۔ ظاہر ہے کہ قادیانی جماعت کے پیر کے اعلان سے پہلے جماعت کا یہ عقیدہ کبھی نہیں ہوا کہ غیر از جماعت مسلمان حضرت مسیح موعود کی نبوت پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اگر یہ عقیدہ ہوتا تو 1908ء میں ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی صاحبزادی یعنی میاں محمود احمد صاحب کی سگی سالی کا نکاح حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم ایک غیر احمدی کے ساتھ (جو حسب عقیدہ جماعت قادیان کافر اور دائرہ اسلام سے خارج تھا) کبھی نہ پڑھاتے۔

۞۞۞

3 جون 1933ء

حضرت امیر کے قلم سے

حضرت محمد مصطفیٰؐ کی امتیازی خصوصیات تمام انبیاءؑ عالم میں

مسلمانوں میں آج بعض ایسی نرالی عقل و دماغ کے لوگ بھی موجود ہیں جو اس بات سے مجھ سے ناراض ہیں کہ میں نے اپنے مضامین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دیگر انبیاءؑ سے افضل قرار دیا ہے۔ اور اس پر ایک صاحب نے جو خط و کتابت مجھ سے کی ہے اس میں مجھے اور حضرت مسیح موعود کو اس معاملہ میں غالی قرار دیا ہے۔ اور لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (136:2) کو پیش کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مسلمان کا کام نہیں کہ رسولوں میں فرق کرے۔ اور جب ان کے سامنے آیت تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (253:2) آئی کہ رسولوںؑ کو ایک دوسرے پر فضیلت ہے تو جواب یہ دیا کہ ہم نہیں جانتے کہ کس کو کس پر فضیلت ہے۔ لیکن اس کا جواب مجھے نہ ملا کہ جب بعض نبی کو بعض نبی پر فضیلت مسلم ہے اور معترض کو پتہ نہیں کہ کس کو کس پر ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر انبیاءؑ پر فضیلت دینے سے ان کو تکلیف کیوں ہوئی؟ ان کی بلا سے کسی کو کسی پر فضیلت ہوا کرے۔ موسیٰؑ کو عیسیٰؑ پر فضیلت ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور پر فضیلت ہے تو پڑی ہو۔ آخر قرآن کہتا ہے کہ بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ تو پھر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی نے یہ کہہ دیا کہ آپؐ کو دیگر انبیاءؑ پر فضیلت ہے تو رنجیدہ ہو کر انہیں ایک تلخ خط لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس خط میں یہ مانتے بھی جاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (7:13) کے مصداق ہیں۔ یعنی ہر ایک قوم کے لئے ہادی اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے کل انبیاءؑ کے صحیفوں سے قرآن کے بعد بے نیاز کر دیا۔ کیونکہ وہ مجموعہ تعالیم ہے۔ اور کل انبیاء و رُسُل کی نبوت و رسالت کو اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ...... الخ میں تسلیم کرا دیا۔ اور انبیاء و رسل جس کام کے لئے آتے ہیں وہ سب آپ کی اتباع سے میسر ہونے کے وعدے دے دیئے۔'' مقام غور ہے جب انبیاء سابقین محض قومی نبی تھے اور ان کی رسالت محض مختلف قوموں اور زمانوں سے مختص تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم اور تمام زمانوں کے لئے نبی ہیں۔ اور آپ کی تعلیم مجموعہ تعالیم ہے۔

تو پھر تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (253:2) کے ماتحت اگر آپ کو فضیلت دیگر انبیاء پر نہیں تو اور کس پر ہو سکتی ہے؟ کیا اس کو ہو سکتی ہے جن کی تعلیم کسی قوم یا کسی زمانہ کے لئے مختص ہے؟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (285:2) کے معنے تو یہ ہیں کہ ہم مختلف رسولوں پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔ یعنی رسول چھوٹا ہو یا بڑا، شام میں پیدا ہو یا ہندوستان میں۔ بنی اسرائیل میں ہو یا مجوسیوں میں، ہم سب پر ایمان لاتے ہیں۔ ان پر ایمان لانے میں تفریق کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ عالمگیر مذہب کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا کی ہر ایک قوم کے نبی کو راستباز مانے۔ تاکہ ہر ایک قوم کا آدمی اس عالمگیر مذہب میں بغیر اپنے قومی نبی کو مفتری ماننے کے شامل ہو سکے۔ لیکن ایمان لانے میں تفریق نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں مراتب اور درجات کے لحاظ سے بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ بھلا اس آیت کے کیا معنے ہوں گے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا . اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (151-150:4) ”بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کا۔ اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راہ نکالیں۔ وہ یقیناً کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ اس آیت میں اللہ میں اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنے والوں کو کافر کہا ہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول مراتب اور درجات میں باہم برابر ہیں؟ بھلا بندہ کی خواہ وہ رسول ہی کیوں نہ ہو، خدا سے برابری کے معنے ہی کیا؟ سب جانتے ہیں کہ مراد ہے کہ ایمان لانے میں خدا میں اور رسول میں تفریق کرنا جائز نہیں۔ یعنی یہ نہ ہونا چاہئے کہ جب ہم خدا کو مانتے ہیں تو رسول کو ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ خدا نے ایسے ایمان کو رد کر دیا۔ اور فرمایا کہ ایمان لانے میں یہ تفرقہ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح رسولوں میں بھی ایک دوسرے سے فضیلت درجات کی وجہ سے ایمان لانے میں تفرقہ جائز نہیں۔ رسول خواہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو ہر ایک مسلمان کو ماننا ہے۔ یہاں جس تفریق کی ممانعت ہے وہ ایمان لانے میں ہے نہ کہ ان کے مراتب و درجات میں فضیلت ماننے میں۔

جس کی تائید خود قرآن کرتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ رسولوں میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اگر کل دنیا اور کل زمانوں کے لئے ہے تو ان کی فضیلت دیگر انبیاء پر ظاہر ہے۔ لیکن میں انشاءاللہ تعالیٰ اس پر آئندہ کسی اشاعت میں تفصیل سے بشرط زندگی و توفیق الٰہی بحث کرنا چاہتا ہوں۔ بالفعل حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب کا ایک مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات پر نقل کرتا ہوں۔ اہل نظر خدا کے لئے انصاف سے بتائیں کہ دیگر انبیاء پر ان امتیازی خصوصیات اور فضیلتوں کو رکھتے ہوئے بھی جو صریح واقعات اور آیات قرآنی پر مبنی ہیں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کے مستحق ہیں یا نہیں کہ آپ کو تمام دیگر انبیاء سے افضل مانا جائے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

راقم: خاکسار بشارت احمد

بے نظیر کامیابی: دنیا میں بہت مصلح آئے۔ ہر ملک اور ہر زمانہ میں آئے۔ لیکن کئی ایک امور ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب پر ممتاز کرتے ہیں۔ ان امور میں سب سے پہلی بات آپ کی حیرت ناک کامیابی ہے۔ جس کا اعتراف دشمن دوست کو یکساں ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں ''قرآن'' کے عنوان پر جو مضمون ہے، اس میں ذیل کے صاف الفاظ میں یہ اعتراف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق موجود ہے کہ آپ دنیا کے تمام انبیاء اور مذہبی اشخاص میں سب سے زیادہ کامیاب انسان ہیں۔ یہ اعتراف بلاوجہ نہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ دنیا میں کوئی مصلح نہیں جس نے اپنی قوم کو اس گری ہوئی حالت میں پایا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک عرب کو پایا۔ یہ لوگ نہ مذہب کی مبادیات سے واقف تھے نہ سیاست کے، نہ تمدن کے، نہ معاشرت کے۔ نہ علم ان کے اندر تھا، نہ ان کے تعلقات بیرونی لوگوں سے تھے۔ نہ ان میں اتفاق و اتحاد تھا۔ نہ ایک قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ غرض ہر پہلو سے یہ قوم اصلاح طلب تھی۔ اور خطرناک جہالت میں مبتلا تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہودی اپنا پورا زور ان کی اصلاح پر صرف کر چکے۔ عیسائی پورا زور لگا چکے۔ اور دونوں ایسے ناکام ہوئے کہ کسی ایک امر میں بھی ملک کے اندر اصلاح پیدا نہ کر سکے۔ حنیفیت کی اندرونی تحریک بھی پید

اہو کر ختم ہو چکی تھی۔تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔اور چند ہی سال کے عرصہ میں ایک ایسا انقلاب پیدا کر کے دکھایا کہ ملک عرب کے زمین و آسمان بدل گئے۔ ذلیل سے ذلیل بت پرستی اور تو ہم پرستی سے نکال کر توحید کے اس بلند سے بلند مقام پر پہنچا دیا، جس پر نہ اس سے پہلے کوئی قوم پہنچی نہ بعد میں پہنچ سکے گی۔ پھر اس توحید کے لئے ایسا جوش کہ دنیا کے ممالک میں چاروں طرف نکل گئے اور دور دور تک ندائے حق کو بلند کیا۔خدا کی عبادت میں ان لوگوں کا مقام تمام راہبوں اور دنیا سے کنارہ کشی کر لینے والوں سے بڑھ کر تھا۔اس لئے کہ وہ دن کو کاروبار میں گزارتے ہوئے اللہ اکبر کی ندا سن کر دیوانہ وار خدا کے حضور جا کھڑے ہوتے۔تو راتوں کو بیداری میں گزارتے ہوئے عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے۔ وہ دنیا میں کھڑے ہونے کے باوجود دنیا سے قطع تعلق رکھتے تھے۔اس لئے جو لذت اور جو خضوع خشوع ان کو عبادت میں حاصل ہوتا تھا، وہ کسی گوشہ نشین زاہد کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ پھر اگر روحانیت کے لحاظ سے عبادت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر کھڑے تو دنیوی نقطہ نگاہ سے بھی اس اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے تھے، جس پر انسان پہنچ سکتا ہے۔یعنی وہ دنیا کے عظیم الشان فاتح بنے، بڑی سے بڑی سلطنتیں ان کے سامنے یوں گرتی چلی گئیں کہ گویا ان کی کچھ حقیقت ہی نہ تھی۔ پھر وہ صرف فاتح ہی نہ تھے بلکہ فتح کے بعد ہر ملک میں ایسا انتظام قائم کیا کچھ پچھلے لوگوں کی غفلت کے باوجود بارہ صدیوں تک اس سلطنت کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔غرض وہ زاہدوں میں سب سے بڑے زاہد اور فاتحوں میں سب سے بڑے فاتح ہوئے۔ اور ان دونوں باتوں کے باوجود تیسری بات جس میں اُنہوں نے کمال کر دکھایا وہ علم تھا۔اُنہوں نے زہد اور فتوحات کے ساتھ ساتھ علم کو ایسا کمال پر پہنچایا کہ آج انہی کی بدولت دنیا علم کے نور سے منور ہے۔

غرض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک عرب کو ایسی حالت میں پایا جس سے بڑھ کر گری ہوئی حالت کسی ملک کی متصور نہیں ہوسکتی۔ اور دنیوی اور روحانی ترقی کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچایا جس سے آگے کوئی مقام نہیں۔اور یہ سب کچھ بیس برس کے عرصہ میں ہوگیا۔اس میں یہ بھی دکھانا مقصود تھا کہ آپ کی تعلیم قوائے انسانی کی کل شاخوں پر مشتمل ہے۔اور دنیا کی کوئی بیماری نہیں جس کا علاج آپ کی تعلیم میں نہیں۔جس طرح سب سے بڑا طبیب وہ نہیں جو سب سے بڑا دعویٰ کرے،

بلکہ وہ ہے جو سب سے زیادہ بیماریوں کو اچھا کرے۔ اسی طرح مصلحین عالم میں سب سے بڑا وہ نہیں، جیسا بعض کا خیال ہے کہ جو سب سے بڑھ کر دعوٰی کرے۔ بلکہ وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اصلاح کرے۔ اور یہ وہ بات ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے کل انبیاء اور کل مصلحین کا سرتاج بناتی ہے۔

تمام قوموں کی طرف مبعوث ہونا: دنیا میں ہر ایک نبی ایک قوم کی اصلاح کے لئے آیا۔ وہ نور اور ہدایت لایا۔ مگر صرف ایک خاص قوم اور خاص ملک کے لئے۔ اس کے دنیا میں آنے کی غرض انسانوں کا تزکیہ نفس تھا۔ مگر انہی کا جن کی طرف وہ بھیجا گیا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔ وہ نور اور ہدایت، جو آپ کو دیا گیا، ایک قوم کے لئے نہ تھا بلکہ دنیا کی کل قوموں کے لئے۔ تزکیہ نفوس کے لئے آپ کی عقد ہمت کا دائرہ اس قدر وسیع ہوا کہ تمام دنیا کو اپنے اندر شامل کرلیا۔ یہی وہ بات ہے جس کی طرف آیت مندرجہ عنوان میں توجہ دلائی گئی ہے۔ اسی قسم کی اور آیات سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ **لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا** (1:25) اور فرمایا **اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ** (104:12) پھر فرمایا **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ** (28:34) پھر فرمایا **قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا** (158:7) مصلحت الٰہی کا یوں تقاضا ہوا کہ جس وقت نسل انسانی مختلف ملکوں میں علیحدہ علیحدہ پڑی ہوئی تھی اور قوموں کے باہمی میل جول کے ذرائع بہت کم تھے، ان کی ضروریات اور ان کے خیالات بھی محدود تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی اصلاح کے لئے ایک نبی بھیج دیا۔ بعض قوموں میں کئی کئی نبی بھی بھیج دیئے۔ ان انبیاء نے اپنے زمانہ کے مطابق ان قوموں کی اصلاح کی۔ مگر جس طرح وہ قوم محدود تھی اسی طرح ان کا عقد ہمت بھی اسی دائرہ کے اندر تھا۔ اور نہ صرف مکان کے لحاظ سے بلکہ زمانہ کے لحاظ سے بھی ان کی قوت قدسی کا دائرہ ایک جگہ آ کر ختم ہو جاتا۔ جہاں یا جب دوسرے نبی کی ضرورت پیش آتی۔ لیکن جہاں اس طریق سے اللہ تعالیٰ نے کل عالم کی ربوبیت روحانی کا سامان کر دیا اس کے ساتھ ہی انسانوں کی تنگ ظرفی کی وجہ سے ہر قوم میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں خاص قوم کو ہی اپنی مہربانیوں کے لئے چن لیا ہے۔ اور دوسری کسی قوم کو اس نعمت سے حصہ نہیں ملا۔ پس ایک خطرناک قومی تفریق پیدا ہو گئی اور ملکی حد بندیوں نے تعلقات انسانی

کے اندر ایسی قیود پیدا کر دیں کہ ہر ایک قوم اپنے سوا دوسروں کو ہیچ سمجھنے لگی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یوں مقدر فرمایا کہ سب انبیاء کے آخر پر ایک ایسا نبی بھیجے جو کل قوموں کی طرف مبعوث ہو اور جس کی قوت قدسی، جس طرح مکان کے لحاظ سے ساری زمین پر محیط ہو، اسی طرح زمانہ کے لحاظ سے اس کا دائرہ قیامت تک وسیع ہو۔ اس لئے جب قومی نبیوں کا دائرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر منتہی ہو گیا اور حضرت عیسیٰ کو بھی یہی کہنا پڑا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ تو رحمۃ للعالمین کا ظہور دنیا میں ہوا۔ انبیاء سابقین کی مثال ایسی تھی جیسے ایک اندھیری رات میں مختلف مکانات میں مختلف چراغوں کی روشنی ہو۔ ان کا وجود تاریکی کے اندر ایک شمع نور افگن تھا۔ مگر جس طرح چراغ ایک کمرہ کے اندر ہی روشنی دے سکتا ہے اسی طرح ان کے نور کی ان کی ہدایت اور ان کی قوت قدسی کا دائرہ بھی اس قوم کے اندر محدود تھا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور آفتاب عالمتاب کا طلوع ہے۔ جس کے ساتھ دنیا کے چاروں کناروں میں روشنی پہنچ جاتی ہے۔ جس کی شعاعیں زمین کے ہر کونہ کو منور کر دیتی ہیں۔ انبیاء عالم سب روشن چراغ تھے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب عالمتاب تھے۔ چراغ کی روشنی ایک مکان کے اندر محدود ہوتی ہے اور ایک وقت کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہے۔ یہی حالت ان انبیاء کی تعلیم کی تھی۔ آفتاب کل عالم کو روشن کرتا ہے اور اس کی روشنی قیامت تک اس عالم کو منور کرتی رہے گی۔ یہی کیفیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی ہے۔ پس یہ دوسری بات ہے جو آپ کو مصلحین عالم میں ممتاز کرتی ہے۔

نسل انسانی کا اتحاد: دنیا میں کوئی ترقی بغیر ایک قید لگانے کے ممکن نہیں۔ اس لئے ہر قوم نے اپنی قوم کی ترقی کو ہی اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔ لیکن اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی لوگوں کا اتباع کرتے تو آپ کے آنے کی اصل غرض ہی پوری نہ ہوتی۔ آپ کے آنے کی بہت سی اغراض میں سے ایک غرض قومی اور ملکی قیود کو توڑ کر ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد رکھنا تھا۔ اور ایک عالمگیر اخوت کا سلسلہ قائم کرنا تھا۔ اگر غور کیا جائے تو قومی اور ملکی قیود مصنوعی قیود ہیں۔ پس ایک فطری مذہب مصنوعی قیود کو قائم نہ رکھ سکتا تھا۔ اگر اور مذاہب کی غرض افراد کو اکٹھا کر کے ایک قوم بنانا تھا تو اسلام کی غرض قوموں کو اکٹھا کر کے نسل انسانی کا ایک اتحاد پیدا کرنا تھا۔ اس لئے اسلام کی تعلیم نے قومی قیود کو اسی طرح توڑ کر نسل

انسانی کی وحدت کی بنیاد ڈالی ہے، جس طرح مختلف مذاہب نے شخصیت کی قیود کو توڑ کر قومی وحدت کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ بھی ایک بڑا کام تھا جو پہلے انبیاء کے سپرد کیا گیا۔ مگر یہ کام اس سے بدرجہا بڑا ہے۔ اس کی مشکلات کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ شخصیت کی قیود کو توڑ کر قومی وحدت کا پیدا کرنا ایک بڑا کام ہے۔ مگر قومی تفریقوں کو دور کر کے نسل انسانی کی وحدت کے پیدا کرنے کے سامنے ہیچ ہے۔ یہ تیسری خصوصیت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء میں ممتاز کرتی ہے۔ کہ وہ قومی وحدت اور قومی ترقی کا راز سکھانے آئے۔ آپ نسل انسانی کی وحدت، نسل انسانی کی ترقی کے عظیم الشان راز کے انکشاف کے لئے ظاہر ہوئے۔

فطرت انسانی کی تمام شاخوں کی تربیت: چوتھی خصوصیت، جو آپ تمام مصلحین پر ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ جہاں ہر ایک نبی فطرت انسانی کی ایک خاص شاخ کی نشو ونما کے لئے آیا۔ اور اس کے وجود میں اخلاق انسانی کا ایک خاص پہلو ظہور پذیر ہوا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرت انسانی کی ساری شاخوں کی ایسی کامل تربیت کی اور آپ کے وجود مبارک میں اخلاق انسانی کے سارے پہلو ایسے روشن ہوئے کہ آپ کے بعد کسی نبی کی ضرورت دنیا میں نہ رہی۔ سلسلہ بنی اسرائیل میں کتنے نبی آئے ہیں۔ مگر ہر ایک فطرت انسانی کی ایک خاص شاخ کی نشو ونما کے لئے اور انسانی زندگی کے لئے ایک خاص پہلو میں نمونہ بن کر، مگر اُمت محمدیہ میں ایک ہی آتا ہے اور وہ ان پہلوؤں سے بڑھ کر ہر ایک پہلو میں خود ہی نمونہ ہے۔ وہ موسیٰؑ کی جوانمردی، ہارونؑ کی نرمی، یشوعؑ کی جرنیلی، ایوبؑ کے صبر، داؤدؑ کی سپہ گری، سلیمانؑ کی شان وشوکت، یحییٰؑ کی سادگی، مسیحؑ کی فروتنی اور حلیمی سب کو مگر ہر ایک سے بڑھ کر اپنے اندر جمع رکھتا ہے۔ اگر سلسلہ موسوی کے سرتاج حضرت موسیٰؑ مظہر جلال ہیں اور اس کے آخری نبی حضرت عیسیٰؑ مظہر جمال ہیں، تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے بہت بڑھ کر کمال کو لئے ہوئے جامع جمال وجلال ہیں۔ اگر آپ وحشیوں اور اخلاق سے عاری قوموں کو متمدن اور با اخلاق انسان بنا سکتے ہیں تو متمدن اور با اخلاق انسانوں کو با خدا بنا سکتے ہیں۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ہر قسم کے کمالات کو جمع کرنا: پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ جہاں ہر ایک صاحب کمال کا کمال فطرت یا حالات انسانی کے کسی خاص حصہ سے تعلق رکھتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات فطرت انسانی اور حالات انسانی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں۔

اگر کوئی شخص دنیا میں اس لئے بڑا کہلاتا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو پستی سے نکال کر بلندی پر پہنچا دیا تو یہ بڑائی سب سے زیادہ اس شخص میں پائی جاتی ہے، جس نے ایک نہایت ہی گری ہوئی قوم کو جو نہ کبھی اپنے ملک سے باہر نکلی تھی نہ تہذیب اور علم کا اس میں کوئی چرچا تھا، چند سال کے اندر نہ صرف دنیا کے ایک بڑے حصہ کا فاتح بلکہ فتوحات کے ساتھ ساتھ تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کی روشنی کو تاریک سے تاریک کونوں تک پہنچانے والا بنا دیا۔

اگر کوئی شخص اس لئے بڑا کہلا سکتا ہے کہ اس نے اپنی قوم کے بکھرے ہوئے اجزاء کو اکٹھا کر دیا تو اہل عرب جیسی بکھری ہوئی قوم کو، جس کا ایک ایک قبیلہ پشت ہا پشت کی خانہ جنگیوں سے ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو چکا تھا، ایک کرنے والے سے بڑھ کر کون شخص بڑا کہلا سکتا ہے! جس نے ریت کے ذروں کو جمع کر کے ایک مضبوط پہاڑ بنا دیا۔ وہ پہاڑ جو حوادث روزگار کی خطرناک سے خطرناک ٹکروں کے مقابلہ کے بعد آج بھی ویسا ہی مستحکم ہے جیسا پہلے روز تھا۔

اگر کوئی شخص اس لئے بڑا کہلا سکتا ہے کہ اس نے خدائے واحد کے نام کو دنیا میں بلند کیا۔ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا دنیا میں اور کون ہو سکتا ہے۔ جس کی بعثت کا منشاء ہی اعلائے کلمۃ اللہ تھا اور جس نے اس منشاء کو ایسے بے مثل انداز میں پورا کیا کہ بت پرستی اور شرک کے چہرے پر جو نقاب پڑا ہوا تھا، وہ ہمیشہ کے لئے اُٹھ گیا اور توحید کے نور سے دنیا جگمگا اُٹھی۔

اگر کوئی شخص اس لئے بڑا کہلا سکتا ہے۔ کہ اس نے اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی تعلیم دنیا میں پھیلائی تو اس سے بڑا آدمی دنیا میں اور کون ہو گا جو **اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ** (4:68) کا مصداق اعظم ہے۔ جس کے اخلاق کی شمیم سے فضاء عالم معطر و معنبر اور جس کا احسان اس لحاظ سے دنیا پر ابد الآباد تک رہے گا۔ یہ خوشبو جس نے سونگھنی ہو، وہ قرآن کریم کے اوراق کی ورق گردانی کرے۔

اگر کوئی شخص فاتح اور کشور کشا ہو کر بڑا ہو سکتا ہے تو کون شخص بڑا ہے۔ اس جہاں کشا سے

جس نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی اور باوجود بے یارومددگار ہونے کے نہ صرف فاتح بلکہ شہنشاہ گر بن گیا۔ اور اس عظیم الشان سلطنت کا بانی ہوا جو آج تیرہ سو سال بعد بھی دنیا کی متفقہ کوششوں کا جو اس کے بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے جاری ہیں، مقابلہ کر رہی ہے۔

اگر امانت یا دیانت یا راست کرداری بڑائی کا کوئی معیار ہے جس کا مہذب دنیا کو آج کل نظری طور پر اقرار مگر عملی طور پر انکار ہے تو اس سے بڑا اور کون ہوگا جو مہد سے لے کر لحد تک اپنے ہم چشموں اور ہم عصروں میں الامین کے سعادت آفریں لقب سے ملقب ہے۔ اگر کوئی شخص اس لئے بڑا کہلا سکتا ہے کہ اس کا نام ایک بڑی قوم کے لئے ایک زندہ طاقت کا کام دیتا ہے تو یاد رکھو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام میں جو طاقت ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی طاقت نہیں۔ اس لئے کہ یہ نام شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کے چالیس کروڑ مسلمانوں کو بلا تفریق رنگ بلا امتیاز ملک **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا** (103:3) کی ربانی رسی میں باندھنے والا ثابت ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا ہاں اگر پیروؤں کے لئے یہ نام ایک زندہ طاقت کا کام دیتا ہے تو دشمنوں کے لئے بھی **نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ** (مجھے ایک مہینہ کی مسافت سے کام کرنے والے رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے) کا کام دے رہا ہے۔ اور اسلام کی تباہی چاہنے والے سارے سامانوں کے باوجود اور مسلمانوں کی اس گری ہوئی حالت میں بھی ان سے خائف ہو رہے ہیں۔

کمالات نبوی کا حالات زمانہ سے بلند ہونا: چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ جہاں ہر ایک صاحب کمال نے اس پہلو میں کمال دکھایا ہے، جسے اس زمانہ یا اس کی قوم یا اس کے ملک کی حالت پیدا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ایسے ہیں کہ آپ کے زمانہ اور آپ کے ملک اور آپ کی قوم کی حالت ان کے پیدا کرنے کی قابلیت اپنے اندر رکھتی تھی۔ جب کسی قوم یا ملک میں توحید کا چرچا ہو تو ایک موحد کا پیدا ہو جانا، جب فلسفیانہ تحقیق کا عام رواج ہو تو ایک بڑے فلسفی کا پیدا ہو جانا، جب قوم یا ملک کی حالت بیرونی حملوں کے باعث قوم کے اندر جنگ کا جوش پیدا کر رہی ہو تو ایک بڑے فاتح کا پیدا ہو جانا، جب قوم کی توجہ عام طور پر اخلاق کی طرف ہو تو اخلاق کے ایک بڑے معلم کا پیدا ہو جانا، جب قوم میں شعر و شاعری کا شوق بڑھ رہا ہو تو ایک بڑے شاعر کا پیدا ہو جانا

عین ان حالات انسانی کے مطابق ہے، جن کا مشاہدہ تاریخ ہمیں کراتی ہے۔ مگر ایک سخت بت پرست قوم کے اندر، جو شرک کی نجاست میں لتھڑی ہوئی ہو اور توحید سے مطلقاً نا آشنا ہو، ایک ایسے شخص کا پیدا ہو جانا جس کی فطرت کے اندر ہی بتوں سے تنفر ہو اور پندرہ سولہ سال کی ہی عمر میں لات اور عزیٰ کا واسطہ دیئے جانے پر نہایت جرأت سے یہ کہہ دے کہ مجھے دنیا میں کسی چیز سے اس قدر نفرت نہیں جتنی ان پتھر کے معبودوں سے ہے۔ اور جو خالص توحید کا معلم واحد ہو ایک ایسی قوم کے اندر، جو توہم پرستی میں حد سے گزری ہوئی ہو ایک اعلیٰ درجہ کے فلسفیانہ دماغ رکھنے والے دشمن توہم پرستی کا پیدا ہو جانا ایک ایسی قوم کے اندر، جس پر علم کی روشنی کی ایک کرن بھی نہ پڑی ہو۔ اس روشنی کو دنیا کے تاریک سے تاریک کونوں تک پہنچانے والے انسان کا پیدا ہو جانا ایک ایسی قوم کے اندر، جو شیرازہ جمعیت کے بکھر جانے کے باعث اس بات کے سمجھنے سے بھی عاری ہو چکی ہو کہ قومی وحدت بھی کوئی چیز ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا (103:3) کی ندا کے بلند کرنے والے کا پیدا ہو جانا ایک ایسی قوم کے اندر جو اخلاق فاضلہ سے اس قدر دور جا پڑی ہو کہ اخلاق رذیلہ پر فخر کرنا اس کا شیوہ ہو چکا ہو خلق عظیم کا سبق دینے والے اور تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کا نعرہ مارنے والے کا پیدا ہو جانا، ہاں اس قوم کے اندر، جو شراب نوشی اور قمار بازی میں دنیا کی کل قوموں پر فوقیت لے جا چکی ہو۔ دنیا سے شراب نوشی اور قمار بازی کے استیصال کی ایک ہی کوشش کرنے والے پیدا ہو جانا پھر اس قوم کے اندر، جو عورت کو اس قدر ذلیل سمجھتی ہو کہ زندہ لڑکی کو گاڑ دینا اس کے بڑے آدمیوں کا فخر ہو، عورتوں کی عزت اور عورتوں کے ان حقوق کے قائم کرنے والے کا پیدا ہو جانا جو آج کل کی تہذیب بھی طبقہ نسواں کو نہیں عطا کر سکی۔ بالآخر اس قوم کے اندر، جس میں صدیوں کی باہمی لڑائیوں سے جنگجوئی کو فخر انسانیت سمجھا جاتا تھا، ایک ایسے شخص کا پیدا ہو جانا، جو دنیا میں صلح اور اتحاد اور نسل انسانی کی اخوت کی بنیاد رکھنے والا ہو، یہ وہ باتیں ہیں جن کے لئے تاریخ کسی دوسرے آدمی کا نمونہ نہیں دکھا سکتی اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ظلمتوں اور نجاستوں کے اندر اس نور اس لطافت کو تیار کرنے والا وہی خدا تھا جو زمین اور سمندر کی تاریکیوں میں ہیرے اور موتی پیدا کرتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں اس نے اپنی قدرت کاملہ کا وہ کامل نمونہ دکھایا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

انسانوں،قوموں، مذہبوں میں صلح کی بنیاد: ساتویں اور سب سے بڑی خصوصیت، جوآپ کوتمام انبیاء پرممتاز کرتی ہے اورتمام عالم کے لئے رحمت ٹھہراتی ہے،آپ کا ایک عظیم الشان صلح کی بنیاد رکھنا ہے۔ نہ صرف مختلف انسانوں میں، نہ صرف مختلف قوموں میں بلکہ سب میں مشکل کام یعنی مختلف مذاہب میں صلح کی بنیاد رکھنا تمام انسانوں میں مساوات کا رنگ یوں پیدا کیا کہ بڑے سے بڑے انسان کے متعلق بھی یہ تعلیم دی قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (110:18) میں بھی تمہاری طرح ہی ایک انسان ہوں۔ مرد اورعورت،نوکر اور آقا، جاہل اور عالم، بادشاہ اور رعیت سب ایک دوسرے پر حقوق رکھتے ہیں۔اور ہر ایک دوسروں کے متعلق ایک ذمہ داری کے نیچے ہے۔انسانیت کی صف میں وہ سب ایک مقام پر کھڑے ہیں۔حج کے اندراس کا ایک عملی نظارہ بھی دکھادیا کہ لاکھوں انسان ایک لباس میں ایک حیثیت میں ایک شکل میں اکٹھے کرکے دکھا دیئے۔وہ مساوات نسل انسانی، جس کا نظارہ دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا، خانہ کعبہ کے گرد اور منیٰ اورعرفات کے مقاموں میں وہ نظارہ ہر ایک آنکھ دیکھ سکتی ہے۔پھر پانچ وقت کی نماز میں بھی کم بیش یہی مساوات کا نظارہ نظرآتا ہے۔خدا کے حضور شاہ اورگدا دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں۔ملکی انتظام میں ایک غلام کوقریش پر حاکم مقرر کرکے دکھا دیا۔اصول علم میں کوئی فرق مرد اورعورت کانہیں رکھا۔نہ چھوٹے اور بڑے کا۔قومی مساوات کے لئے یہ قاعدہ تجویز فرمایا کہ یہ قومیں اور قبیلے ایک دوسرے پر بڑائی کرنے کے لئےنہیں بلکہ صرف شناخت کے لئے ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے ہیں اور بڑائی کا معیار اب دنیا میں قومیت نہ رہے گی بلکہ تقوٰی رہے گا۔کالے اور گورے کا فرق اور مشرقی اور مغربی کا فرق سب مٹادیا۔سب ایک باپ کے بیٹے ہیں اور پھر سب سے مشکل کام بھی کرکے دکھادیا یعنی مذاہب میں صلح کا دنیا کے کسی مصلح کے وہم میں بھی نہ آیا تھا عام اصول قائم کردیا کہ سب قوموں میں رسول ہوتے رہے۔کوئی قوم خدا کے نعمائے روحانی سے محروم نہیں رہی۔ اور ایک مسلمان کا فرض قرار دے دیا کہ نہ صرف اپنے رسول پر ایمان لائے بلکہ جس قدر مختلف قوموں اور دنیا میں نبی اور رسول ہوئے سب پر ایمان لائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی شخص کے منہ سے یہ کلمہ نہ نکلا تھا کہ دنیا کی ہر قوم میں رسول آتے رہے ہیں۔جب ہم نے سب دنیا کے پیشواؤں کوسچا مان لیا تونسل انسانی میں ایک ایسے اتحاد کی بنیاد رکھ دی جو کبھی برباد نہیں ہوسکتا۔ہم سب بھائی بھائی

ہو گئے۔ پھر سب پیشواؤں کی عزت کرنا ہمارا فرض قرار دیا۔ یہاں تک کہ جن کو ہم باطل معبود بھی سمجھتے ہیں ان کو بھی گالی دینا منع کر دیا۔ پھر حقیقی پیشوایان دین کی عزت کیوں نہ کریں۔ پھر نہ صرف مذاہب میں صلح کی بنیاد ڈالی بلکہ مختلف اعتقادات میں بھی، جو ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے ہیں، صلح کی راہ بتا دی۔ اور فرمایا کہ جو امور مشترک مذاہب میں پائے جاتے ہیں ان کو بطور ایک بنیاد کے صحیح قبول کر لیا جائے۔ اور پھر تمام اعتقادات کو اس امر مشترک پر پرکھا جائے کہ وہ اس کے خلاف تو نہیں۔

مختصر یوں کہ اگر ایک طرف آپ نے اللہ تعالیٰ کی عزت و جبروت کو دنیا میں قائم کیا اور اس کی توحید کو تمام آلائشوں سے پاک کر دیا تو دوسری طرف مساوات اور وحدت نسل انسانی کو بھی کمال پر پہنچایا۔ اور انسان کی عزت کو دنیا میں بلند کیا۔ **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ۔**

۞۞۞

7 جون 1933ء

مکتوبات حضرت امیر

برادران جماعت کے نام خط ۔1

قومی زندگی میں اخبار کی اہمیت: برادران مکرم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

میں آپ سب تک صرف ایک ہی ذریعہ سے پہنچ سکتا ہوں اور وہ اخبار ہے۔ گو مجھے افسوس ہے کہ بعض اچھے آسودہ حال احباب اخبار نہیں لیتے ۔ یا اسے دلچسپی سے نہیں پڑھتے ۔ حالانکہ اخبار ہی ایک چیز ہے جس کے ذریعہ سے آج قوموں میں زندگی اور قوت پیدا ہو سکتی ہے ۔ بہرحال میں نے ارادہ کیا ہے کہ چند خطوط کے ذریعے سے آپ کو اپنی موجودہ قومی حالت کی طرف توجہ دلاؤں اور اس بات کی طرف بھی کہ ہم میں سے ہر ایک شخص کو ضرورت ہے کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں بہتری کی طرف کوئی تغیر پیدا کرے۔ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ** (11:13) اللہ تعالیٰ کے اس عام قانون سے کوئی قوم باہر نہیں ۔اور ہماری قومی حالت کبھی بہتر نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم میں سے ہر ایک شخص مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا بچہ اس اصول قرآنی کو اپنے سامنے رکھ کر اپنے آپ کو اسلام کے لئے اپنی قوم کے لئے اپنے آپ کے لئے بہتر بنانے کی کوشش نہ کرے۔

اس وقت ہماری جماعت کے لئے سخت مشکلات کا سامنا ہے ۔لاہور میں جو طوفان مخالفت گذشتہ سرما میں اُٹھا تھا، گو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ خود ہی دب گیا۔اور جو لوگ اس چیلنج کے ساتھ اُٹھے تھے کہ جب تک احمدیت کا بکلی استیصال نہ کرلیں گے اس وقت تک خاموش نہ ہوں گے ۔ وہ خود ہی جھاگ کی طرح بیٹھ گئے ۔ مگر یہ بیماری ایک وباء کی طرح دوسرے شہروں میں بھی پھیل چکی ہے۔عوام الناس کو اتنا علم نہیں ہوتا کہ وہ جھوٹ اور سچ میں تمیز کرسکیں ۔ درمیانی طبقہ تعلیم یافتہ لوگوں کا ایسا ہے کہ اس کی اکثریت احمدیت کی خدمات کو دیکھتی اور سمجھتی ہے ۔اور شاید ان میں سے ایسے لوگ بھی بہت ہیں جو جماعت لاہور کے عقائد کو جانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ عقائد بھی یہی درست ہیں ۔ لیکن بعض علماء کی شوریدہ سری اور فتنہ انگیزی کی وجہ سے وہ خاموش ہیں اور بول نہیں سکتے ۔ کیونکہ اگر ان میں سے کوئی کچھ بولے تو انہیں بھی یہ دھمکی دے کر ڈرا دیا جاتا کہ ان کا بھی احمدیوں کے ساتھ

بائیکاٹ ہونا چاہئے۔ یہ بھی اندر سے احمدی ہیں!

بڑے لوگ جو عوام الناس کی ووٹوں کے محتاج ہیں ان کی زبانیں ووٹوں کی خاطر بند ہیں۔ بلکہ ان میں سے بہت ایسے ہیں جنہوں نے اپنے پانچ چھ ارکان اسلام کی جگہ اب ایک ہی رکن ایمان اپنے لئے تجویز کر رکھا ہے۔ اور وہ ووٹ پر ایمان ہے۔ الّا ماشاء اللہ! بولیں گے تو ووٹ کی خاطر۔ چپ رہیں گے تو ووٹ کی خاطر۔ تعلق قائم کریں گے تو ووٹ کے لئے۔ تعلق قطع کریں گے تو ووٹ کے لئے۔ کسی سے دوستی اور کسی کی خوشامد سے تو ووٹ کے لئے۔ کسی سے دشمنی اور کسی کا خوف ہے تو ووٹ کے لئے۔ ووٹ کے لئے جھوٹ، مکر، فریب آج سب جائز ہو رہا ہے۔ اس لئے ان سے قوم کی اصلاح کی توقع رکھنا غلط۔ لاہور میں یہ ریزولیوشن پاس ہوئے کہ احمدیوں کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔ ان کی دُکانوں سے سودا نہ لیا جائے۔ ان کے سکول میں طالب علموں کو نہ بھیجا جائے۔ اب راولپنڈی میں اسی قسم کی فتنہ انگیزی ہو رہی ہے۔ اور ہمارے احباب کو وہاں سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ اور بھی کئی جگہ سے ایسی خبریں آرہی ہیں کہ جماعت کی مخالفت ایک بے تمیزی کے طوفان کے رنگ میں ظاہر ہو رہی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ جو احباب جماعت میں شامل ہیں وہ اس مخالفت کے طوفان میں نہایت اعلیٰ درجہ کی قوت ایمانی کا نمونہ دکھا رہے ہیں۔ اور ہر قسم کا نقصان برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ مگر جس چیز کو پرکھ کر دیکھ کر اختیار کیا ہے کہ وہ امر حق ہے۔ اسے چھوڑنے کو تیار نہیں۔ اور جس کام کو خدمت اسلام کا کام سمجھا ہے، اس کے لئے اپنا مال اور اپنی قوتیں خرچ کر رہے ہیں۔ اور جانیں بھی دینے کو تیار ہیں۔ گو بجائے اس کے کہ ان کے اس کام کی وجہ سے کوئی ان کی عزت ہو، جو ان کا حق تھا، انہیں گالیاں دی جاتی ہیں۔ کافر اور مرتد اور دشمن اسلام قرار دیا جاتا ہے۔ اس قوم کی حالت پر رونا آتا ہے جو اپنے دشمن اور دوست میں تمیز نہیں کر سکتی۔ یہ لوگ آج مسلمانوں کے علماء کہلاتے ہیں۔ ان کی رہنمائی کا دعوٰی کرتے ہیں۔ جو اس جماعت کا استیصال کرنے کے درپے ہیں جو کافروں کو مسلمان کر رہی ہے، جو قرآن کریم اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترجمے مختلف زبانوں میں کر کے انہیں دنیا کے کناروں تک پہنچا رہی ہے۔ جو کفرستانوں میں مسجدیں بنا رہی ہے۔ جو اسلام اور رسول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر اعتراض کے مقابل سینہ سپر ہو رہی ہے۔ اور اس کام پر اس قدر اپنا مال صرف کر رہی ہے کہ دوسرے مسلمان اس کا عشر عشیر بھی نہیں کر رہے۔ ہاں! یہ لوگ ہادی اور رہنما اور علمائے کرام کہلاتے ہیں جو لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے پڑنے والوں، قرآن کریم پر ایمان رکھنے والوں، نماز پڑھنے والوں، قبلہ کی طرف منہ کرنے والوں کو کافر اور مرتد قرار دے رہے ہیں۔ اور قرآن کریم کے حکم صریح وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) اور حدیث شریف کے کھلے حکم لَا تُکَفِّرُ اَھْلَ قِبْلَتِکَ کی کھلی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور کافر اور مرتد بھی ایسے کہ ہندوؤں، عیسائیوں، یہودیوں سے ان کے نزدیک تعلقات محبت ہو سکتے ہیں مگر ہمارے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ کیا ایسے اندھے رہنما کسی اور قوم میں بھی نظر آتے ہیں؟ اگر فی الواقع ایک غیر مذہب رکھنے والی قوم بھی اس کا دسواں حصہ کام خدمت اسلام کا کرتی، جو جماعت احمدیہ نے کیا ہے، تو ان آئمہ مضلّین کو چاہئے تھا کہ اس کی بھی قدر کرتے اور کہتے کاش! یہ قوم دنیا میں ترقی کرے کہ اس قدر خدمت اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ مگر یہ مسلمان خدمت اسلام کرنے والوں کے استیصال کے درپے ہیں۔ اور اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اس قوم کے استیصال سے خدمت اسلام کے کام کو نقصان پہنچے گا یا نہیں۔ اور مخالفت اسلام کو قوت پہنچے گی یا نہیں؟ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا (179:7) کا یہ مصداق ہو رہے ہیں۔ یہ مخالفت کا طوفان اس قدر اُٹھا ہے کہ وہ لوگ جو کل تک اس بات کے دعویدار تھے کہ مسلمانوں میں اتحاد ہونا چاہئے وہ بھی آج محض عوام الناس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اس طرح اپنے ذریعہ معاش کو شاید بہتر بنانے کے لئے احمدیت کی مخالفت میں اپنی پوری قوت صرف کر رہے ہیں۔

ہماری جماعت یعنی جماعت لاہور کے لئے دو قسم کی مشکلات کا سامنا ہے۔ ایک طرف یہ آئمہ مضلّین ہیں۔ جو عوام الناس کو یہ کہہ کر بھڑکاتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے دعوٰی نبوت کیا ہے۔ دوسری طرف خود حضرت مسیح موعود کے پیروؤں میں سے ایک گروہ ائمہ مضلین کا پیدا ہو گیا ہے۔ جو بجائے اس کے کہ اس بات سے خوش ہوتے کہ آخر ان کے نقطۂ نگاہ سے بھی ہم دوسرے مسلمانوں میں آپ کی قبولیت ہی پھیلا رہے ہیں، آنکھیں بند کر کے ہماری مخالفت میں مخالفین سلسلہ کے ہمنوا ہو رہے

ہیں۔اور اپنے ہی اعداء کو یہ کہہ کر قوت پہنچا رہے ہیں کہ واقعی حضرت مرزا صاحب کا دعوٰی نبوت کا تھا۔ اس بات کو چھوڑو کہ ان دونوں میں سے صحیح بات کون سی ہے۔کیا آپ کا دعوٰی نبوت کا تھا یا آپ کا دعوٰی مجددیت اور محدثیت کا تھا اور دعوٰی نبوت سے انکار تھا۔لیکن کیا اس میں کچھ شبہ ہے کہ اگر ہم حضرت مرزا صاحب کو صرف مجدد کے طور پر پیش کریں۔اور آپ کو لوگ مجدد تسلیم کریں تو بہر حال یہ آپ کی قبولیت ہے۔اور اس سے قادیانیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ خود انہیں بھی فائدہ پہنچتا ہے۔اور حضرت مرزا صاحب کی قبولیت پھیلتی ہے۔اور مخالفین سلسلہ اس کا مقابلہ کریں تو ان کے لئے تو یہ بات موزوں ہے۔کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ حضرت مرزا صاحب کی قبولیت پھیلے۔

لیکن یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ جہاں ہم نے کوئی اعلان شائع کیا کہ حضرت مرزا صاحب کا دعوٰی نبوت کا نہ تھا اور ہم آپ کو صرف مجدد مانتے ہیں تو قادیانی علماء دیوانہ وار اُٹھتے ہیں اور ہزار ہا روپیہ ہماری مخالفت پر صرف کر دیتے ہیں۔مگر وہ درحقیقت ہماری مخالفت پر صرف نہیں کرتے، وہ حضرت مرزا صاحب کی قبولیت کو پھیلنے سے روکنے پر صرف کرتے ہیں۔کیا اس سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ اگر روحانی اندھا پن بھی کوئی مدارج رکھتا ہے تو قادیانی علماء، جو حضرت مرزا صاحب کی قبولیت کو پھیلنے سے روکنے پر اور ہمارے استیصال پر اپنی قوت اور مال صرف کرتے ہیں، ان مخالفین سے زیادہ اندھے ہیں جو اس جماعت کا استیصال کرنا چاہتے ہیں، جو اسلام کی قبولیت کو دنیا میں پھیلا رہی ہے۔ کیونکہ وہاں تو پھر بھی قادیانی جماعت کو مدنظر رکھ کر کوئی وجہ مخالفت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبوت کا نیا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔یہاں اس قدر بھی نہیں۔

ہم قادیانی جماعت کی مخالفت میں حق بجانب ہیں: ہم اگر قادیانی جماعت کی مخالفت کریں تو ہم بالکل حق بجانب ہیں۔اس لئے کہ وہ حضرت مسیح موعود کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کر کے آپ کی قبولیت میں ایک سخت روک پیدا کر رہے ہیں۔اور مخالفین سلسلہ کو قوت پہنچا رہے ہیں۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کے بعد، جو مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے، ایک نیا سلسلہ نبوت قائم کرتے ہیں۔ اس لئے ہمارا ان کی مخالفت کرنا خدمت اسلام کے مفہوم میں داخل ہے۔ خدمت احمدیت کے مفہوم میں داخل ہے۔اور ہماری ایسی مخالفت اعداء سلسلہ کے لئے بھی قوت کا موجب

نہیں۔اس لئے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ نئی نبوت کے قائل ہیں نہ پرانی کے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو صحیح معنی میں قائم کرتے ہیں کہ آپ کے بعد نہ کسی نبی کی ضرورت ہے نہ کوئی نبی آئے گا۔ نہ نیا نہ پرانا۔اور ہمارا عقیدہ قادیانیوں کی افراط اور اعداء سلسلہ کی تفریط کا یکساں جواب ہے۔

مگر قادیانیوں کا ان لوگوں کی مخالفت کرنا، جو حضرت مسیح موعود کی مجددیت کو تسلیم کراتے ہیں، نہ صرف قبولیت سلسلہ میں ایک روک پیدا کرنا اور اندھوں کی طرح آپنے پاؤں پر آپ کلہاڑا مارنے کا مصداق ہے بلکہ یہ صریحاً اعداء سلسلہ کی تائید ہے کہ جس بات کو وہ حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کر کے سلسلہ کا استیصال کرنا چاہتے ہیں، وہی باتیں ہمارے قادیانی علماء بھی کہہ رہے ہیں۔اور وہ کھلے طور پر اعداء سلسلہ کا ساتھ دے رہے ہیں۔سو ہمارے لئے اس دوہری مصیبت کا سامنا ہے۔اور جیسا کہ میرے ایک دوست نے کہا جو ہماری جماعت میں شامل نہیں، کہ ہماری جماعت کی حالت اس دانہ کی طرح ہے جو چکی کے دو پتھروں کے درمیان ہو۔اوپر سے اعدائے سلسلہ ہمیں نابود کرنے کی فکر میں ہیں ادھر قادیانی جماعت بھی اپنی پوری قوت ہمارے خلاف خرچ کر رہی ہے۔لیکن خوب یاد رکھو کہ حق کے ساتھ خدا کی نصرت ہوتی ہے اور یہ دانہ بڑھے گا پھولے گا پھلے گا۔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ (29:48)

ان حالات میں ہماری جماعت کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنی قوت مجتمع کر کے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے۔اپنے آپ کو بچانے سے یہ مراد نہیں کہ ہمیں کوئی قتل کرنا چاہتا ہے تو ہم اپنے جسموں کی حفاظت کر لیں۔اس میں شک نہیں کہ ہمیں مرتد قرار دے کر ہمیں قتل کرنے کے لئے بھی عوام الناس کو اُکسایا جاتا ہے۔ کیونکہ ان علماء کے نزدیک مرتد واجب القتل ہے۔اور وہ صرف حکومت کے خوف سے ایسا کھلا فتوٰی دینے سے رُکے ہوئے ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو بچانے سے مراد ان اصول حقہ کو بچانا ہے، جن کے لئے ہماری جماعت کو کھڑا کیا گیا ہے۔

اصول جماعتوں کے بغیر قائم نہیں ہوتے: کیونکہ کتنے بھی اصول اعلیٰ درجہ کے ہوں وہ اپنے آپ دنیا میں قائم نہیں ہوتے۔ جب تک کہ ایک جماعت ان کو قائم کرنے کے لئے اپنی جانیں اور اپنے مال وقف نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید جیسا اعلیٰ اصول، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا

کامل انسان اسے قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوتا ہے مگر پھر بھی جب تک ایک جماعت اسے قائم کرنے کے لئے ساری دنیا کے مقابلہ میں کھڑی نہیں ہو جاتی وہ قائم نہیں ہوتا۔ اس سے صاف نظر آتا ہے کہ سنت اللہ یہی ہے کہ اعلیٰ درجہ کے اصولوں کا دنیا میں قائم ہونا بغیر ایک جماعت کی قربانیوں کے نہیں ہو سکتا۔

ہم بزرگان دین کی خدمات کی تحقیر نہیں کرتے: میرے محترم دوست سید سلیمان ندوی صاحب کو یہ غلطی لگی ہے کہ ہم گویا ان بزرگان دین کی خدمات کی تحقیر کرتے ہیں جنہوں نے حضرت مرزا صاحب سے پیشتر عیسائیت کے مقابل پر خدمت دین کی۔ مولانا رحمت اللہ ہوں یا سر سید یا مولوی چراغ علی۔ جس نے کوئی خدمت اسلام پہلے کی یا جو کوئی خدمت اسلام آج کرتا ہے ہم سب کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کے خواہاں ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی بھی کسی کی خدمت اسلام کے لئے اس کی عزت کرنا سیکھیں۔ اور بجائے اس کے کہ کوئی عقائد کی باریکیوں میں پڑ جائے کہ فلاں مسئلہ کی فلاں باریکی میں فلاں شخص یوں غلطی کرتا ہے اور کوئی اپنی علمی فضیلت پر فخر کرتا ہوا اس بات کے درپے ہو جائے کہ فلاں علمی اصول کی فلاں باریکی سمجھنے میں فلاں نے یہ غلطی کھائی ہے۔

مسلمانوں میں ایک دوسرے کی عزت کا معیار یہ ہونا چاہئے کہ کس شخص نے خدمت اسلام کیا کی ہے۔ کسی بزرگ نے اپنے زمانہ میں عیسائیت کا مقابلہ کیا۔ کسی بزرگ نے آریہ سماج کے مقابل پر کچھ کوشش کی۔ کسی نے مسلمانوں کی اندرونی اصلاح پر کچھ زور لگایا وہ سب قابل شکریہ اور ہماری دعائیں ان کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ **رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** (10:59)

حضرت مرزا صاحب کی دینی خدمات: مگر آج جس شخص نے اکیلے اُٹھ کر عیسائیت کا بھی مقابلہ کیا، آریہ سماج کا بھی مقابلہ کیا، برہمو سماج کا بھی مقابلہ کیا، ہندوؤں پر بھی اتمام حجت کیا، سکھوں پر بھی اتمام حجت کیا، پارسیوں اور بدھوں پر اتمام حجت کیا۔ اور نہ صرف یہ سب کچھ کیا بلکہ خدمت اسلام کے لئے ایک جماعت کے سینوں میں آگ لگا دی۔ جو اپنے مال اور جانیں اس کے لئے قربان کر رہے

ہیں۔ اور ایسے کفرستانوں میں اسلام کا جھنڈا گاڑ رہے ہیں، جہاں آج تک تبلیغ اسلام نہ ہوئی تھی۔ اور قرآن شریف کو مختلف زبانوں میں دنیا کے کناروں تک پہنچا رہے ہیں، جن کی کوششوں کی بدولت آج یورپ کے خواندہ طبقہ کی رائے اسلام کے متعلق بدل رہی ہے، کیا یہی حق ہے کہ اس شخص کی خدمات کا اعتراف کرنے کی بجائے اس پر نکتہ چینی کو انتہا تک پہنچایا جائے۔ کہ اگر نکتہ چینی کی ایک راہ بند ہو جائے تو دوسری طرف سے اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ بزرگ خود غور کر لیں کہ ناشکری کا ارتکاب کس کی طرف سے ہو رہا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ کوئی حضرت مرزا صاحب پر نکتہ چینی نہ کرے۔ مگر کاش ان کی خدمات کے اعتراف کے لئے بھی کبھی سینہ کھلے تو ہمیں بھی سمجھ آ جائے کہ اس مخالفت کی بنیاد حق طلبی پر ہے تعصب اور تنگدلی پر نہیں۔

15 جون 1933ء
مکتوبات حضرت امیر

برادران جماعت کے نام خط ۔2

برادران مکرم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔

ایک تاریخ نویس اس بات کو تعجب سے دیکھے گا کہ جو قوم اس وقت نہ صرف اسلام کی سب سے بڑھ کر خدمت کر رہی ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی اس نے اسلام کی تعلیم کو بہترین رنگ میں پیش کیا ہے۔جس کی وجہ سے لوگ اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور جس کی وجہ سے آج روشن خیال غیر مسلم بھی اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ اسلام ہی دنیا کا آئندہ مذہب ہوگا۔اسی قوم کے استیصال کے لئے ہمارے مسلمان بھائی اپنی پوری قوت خرچ کر رہے ہیں۔آخر اوپر خدا ہے۔اور ایک وقت اس کے سامنے جواب دہی کا موت کے بعد ہی نہیں اس زندگی میں بھی آتا ہے۔کس لئے ہمارے خلاف یہ جوش وخروش ہے؟! کس وجہ سے ہماری تخریب واستیصال کے درپے ہیں؟ کیوں ہمیں یہود ونصاریٰ سے بدتر قرار دیا جاتا ہے؟!

آخر مخالفت کی وجہ کیا ہے: 1۔کیا اس کی وجہ ہمارا کام ہے؟

الف ۔کیا ہم تارک صلوٰۃ ہیں؟ یا شریعت کے احکام کا احترام نہیں کرتے یا کسی رنگ میں احکام شریعت کا استخفاف کرتے ہیں؟ آج مسلمانوں میں ایسی جماعتیں بھی موجود ہیں۔مگر ان کی تخریب واستیصال کے لئے تو کسی کو جوش نہیں آتا۔اور شاید اکثر حصہ ان لوگوں کا جو ہمارے خلاف جوش دکھا رہے ہیں،خود اسی قسم میں شامل ہے۔

ب ۔کیا یہ جوش دکھانے والے خدمت اسلام کے کسی عظیم الشان کام میں مصروف ہیں۔ کسی قسم کا جہاد کر رہے ہیں۔جس میں ہم شامل نہیں ہوتے؟ اگر ایسا ہوتا تو ان کو حق پہنچتا ہے کہ ہمارے برباد کرنے پر اپنی قوت خرچ کر دیتے ۔مگر واقعات تو اس کے بالکل خلاف ہیں۔جس جوش سے ہماری قوم خدمت اسلام کے کام میں مصروف ہے، خدا کا کام دنیا میں پہنچا رہی ہے، اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملوں کا جواب دے رہی ہے، کفرستانوں میں مسجدیں بنا کر اللہ اکبر کی

آواز بلند کر رہی ہے۔ غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کر رہی ہے، اسلام کا رعب قائم کر رہی ہے، اس کا عشر عشیر بھی دوسرے مسلمانوں میں نظر نہیں آتا۔ کاش! اگر ہماری تخریب کا جوش دکھانے کے بجائے اس سے بڑھ کر جوش خدمت اسلام کے ان کاموں کا دکھایا جاتا تو آج ایک ایک ملک میں ایک ایک اسلامی مشن قائم ہو گیا ہوتا۔ دنیا کی سینکڑوں زبانوں میں خدا کے کلام کا ترجمہ ہو گیا ہوتا۔ یورپ اور امریکہ کی لائبریریاں اسلامی لٹریچر سے بھری ہوئی ہوتیں۔ اور یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا (2:110) کا نظارہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ مگر خدا کی شان دیکھئے کہ کیا کھیل ہو رہا ہے۔ ایک چھوٹی سی قوم حفاظت و اشاعت اسلام کے کام میں دیوانوں کی طرح لگی ہوئی ہے۔ اسلام پر حملوں کا دفاع کر رہی ہے۔ اسلام کا قدم آگے بڑھا رہی ہے۔ اور مسلمانوں کا جم غفیر بجائے اس کے کہ اسے سامان سے مدد دے، ان کی تخریب پر پوری قوت صرف کر رہا ہے۔ کیا جو فوج کسی ملک کی حفاظت کے لئے سرحد پر جا کر دشمنوں سے مقابلہ کرے، اس ملک کے رہنے والوں کا یہی سلوک اس سے ہونا چاہئے! مگر آج بڑے بڑے آدمی بجائے اس کے کہ ان لوگوں کو جن پر ان کا اثر ہے اسلام کی خدمت کے کسی مفید کام میں لگائیں، اپنی مجلسوں میں اپنے احباب کو ایک یا دوسرے رنگ میں احمدیت پر نکتہ چینی کر کے خوش کرنا ہی جانتے ہیں۔ اور متکبر عالم تو آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھنا نہیں چاہتے کہ اسلام کو اس وقت کس چیز کی ضرورت ہے۔ اور آنکھیں بند کر کے خدام اسلام کی جماعت کو برباد کرنے کے درپے ہیں۔

فقہی مسائل میں ہم حنفی المذہب ہیں: 2۔کیا اس کی وجہ ہمارے کوئی عقائد ہیں؟

الف۔ ہمارے عقائد ہمارے مرشد کی کھلی تحریر کے مطابق وہی ہیں جو اہل سنت والجماعت کے عقائد ہیں۔ فقہی مسائل میں ہم اپنے مرشد کی کھلی تحریر کے مطابق حنفی المذہب ہیں۔ کیا اس سارے ہندوستان میں کوئی عالم یا جاہل ہے (کیونکہ ہماری مخالفت صرف علماء ہی نہیں کر رہے بلکہ بعض کندہ ناتراش بھی ہماری مخالفت میں عالم بن بیٹھے ہیں) جو اہل سنت والجماعت میں سے کوئی ایک عقیدہ ایسا نکال کر دکھائے جس میں ہمارا اختلاف ہے۔

یہ پرلے درجہ کی جاہلوں کی باتیں ہیں جو آج بعض علماء بھی ہماری مخالفت میں اندھے ہو کر

کہہ رہے ہیں کہ ہم مرزا صاحب کو خدا مانتے ہیں یا ابن اللہ مانتے ہیں۔ یا آپ نے ایسا دعوٰی کیا نہ حضرت مرزا صاحب نے کبھی ایسا دعوٰی کیا۔ نہ حضرت مرزا صاحب کا ایک بھی مرید آپ کو خدا یا ابن اللہ مانتا ہے۔

ب۔ کیا اس وجہ سے ہمارا استیصال ضروری ہو گیا ہے کہ ہم حضرت مرزا صاحب کو مجدد مانتے ہیں؟ کیا حدیث مجدد ہم پر الزام قائم کرتی ہے۔ یا ہمارے مخالفین پر! حدیث جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ حفاظ حدیث اس کی صحت پر اتفاق کرتے ہیں، صراحت سے ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا ضروری ٹھہراتی ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ مجرم وہ نہیں جو حدیث کو پس پشت ڈالیں بلکہ مجرم وہ ہیں جو حدیث کی صحت کو تسلیم کر کے ایک شخص کو مجدد مان لیں۔ پھر اگر حضرت مرزا صاحب اس حدیث کے ماتحت مجددیت کا دعوٰی کرنے میں مجرم ہیں تو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور امام سیوطیؒ اور کئی اور بزرگ بھی مجرم ہیں۔ جنہوں نے اس حدیث کے ماتحت مجددیت کا دعوٰی کیا وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (69:4) اور ہمارے مخالفین کا شمار آخر انہی بزرگوں کے مخالفین کے ساتھ ہوگا ع بہ بیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی یا عقائد اہل سنت والجماعت سے نکال کر دکھا دیں کہ حدیث مجدد کو جھوٹا ماننا اور جن لوگوں نے مجددیت کے دعاوی اس حدیث کے ماتحت کئے ہیں انہیں کذاب ماننا ان کے عقائد میں داخل ہے۔

ج۔ کیا اس وجہ سے ہماری تخریب ثواب کا کام ہے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات یافتہ مانتے ہیں؟ تو عقائد اہل سنت والجماعت میں نکال کر دکھا دیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے پر ایمان لانا بھی ان میں شامل ہے۔ پھر یا تو ان کو خدا کی طرح حَیٌّ لَایَمُوْتُ مانو یا جس دن وہ نازل ہو کر وفات پائیں گے، اس دن ان لوگوں کا شمار بھی اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہوگا۔ کیونکہ عقائد کی رو سے ان کی زندگی پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ پھر حضرت امام مالک کو، جن کا عقیدہ یوں مذکور ہے قَالَ مَالِکٌ مَاتَ یعنی امام مالک کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے، اہل سنت والجماعت میں سے خارج کریں۔

د۔ کیا اس لئے ہم یہود و نصارٰی سے بدتر ہیں کہ ہم حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود مانتے

ہیں۔تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے تو ہمارے مخالفین کے لئے سوائے اس کے چارہ نہیں کہ

1۔ یا یہ مانیں کہ ابن مریم کا نزول، جس پر ایمان عقائد اہل سنت والجماعت میں داخل ہے، اسی رنگ میں ہوگا جس طرح اس سے پیشتر الیاسؑ کا نزول ہوا کہ وہ حضرت یحییٰ کے لباس میں ظاہر ہوئے۔ اوران احادیث کی، جن میں نزول ابن مریم کا ذکر ہے، یہ تاویل کریں کہ اسی امت کا کوئی مجدد ابن مریم کے رنگ میں ظاہر ہوگا۔ جس کی تائید خود انہی احادیث کے الفاظ فَـاِمَـامُـكُـمْ مِّـنْكُمْ اور وَاِمَـامُـكُـمْ مِّنْكُمْ سے ہوتی ہے۔ کہ وہ تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ اور بخاری کی ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں فوت شدہ مسیح اسرائیلی کا حلیہ اور دیا ہے اور آنے والے مسیح کا حلیہ اور دیا ہے۔

2۔ اور یا یہ مانیں کہ یہ سب احادیث جو بخاری اور مسلم اور کتب حدیث میں مذکور ہیں اور جن کے ساتھ احادیث یاجوج ماجوج ودجال واحادیث فتن شامل کر کے ایک بڑا بھاری مجموعہ بن جاتا ہے، جن میں سے بعض صراحت سے پوری بھی ہو چکی ہیں، یہ نعوذ باللہ سب کا سب مجموعہ اباطیل ہے۔ اور اس طرح حدیث پر سے امن اُٹھ جائے گا۔ پس اگر ہمارے مخالف شق اول کو قبول کرتے ہیں اور حدیث پر تبر چلانا نہیں چاہتے، جیسے آج بعض علماء کہلانے والوں نے چلا دیا ہے، تو وہی مجدد کیوں ان پیشگوئیوں کا مصداق نہ ہو، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان عظیم الشان حقیقتوں کو ظاہر کر کے بتا دیا کہ اس کا قلب خدا کے دیئے ہوئے نور سے منور تھا۔

ہم صحیح معنوں میں ختم نبوت کے قائل ہیں: ھ۔ کیا ہم اس لئے مرتد اور گردن زدنی ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر ایمان لانے کی وجہ سے اس بات کے قائل نہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی آئے گا۔ خواہ نیا ہو یا پرانا۔ اور ہمارے مخالف اس لئے پکے مسلمان ہیں کہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین کہتے ہیں۔ اور دل میں یہ ایمان رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ایک حقیقی نبی آئے گا۔ یا ہم تو قرآن کے منکر ہیں کہ آیت وَمُبَشِّـرًام بِـرَسُـوْلٍ يَّأْتِىْ مِنْم بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کے مطابق یہ مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے بعد آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم آئے۔ اور ہمارے مخالف اس لئے قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں کہ اس آیت کے خلاف یہ مان رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ آئیں گے۔

پہلے اصولی رنگ میں بحث کرو: ہمیں کوئی ہمارا جرم بتا کر بے شک ہماری تخریب کے در پے ہو لیکن یہ عجیب بات ہے کہ صریح احادیث کو ہمارے مخالف رد کریں۔ قرآن کریم کی آیت کی یہ پروانہ کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ان کا ایمان نہ ہو۔ اور مجرم ہم! مرتد ہم! گردن زدنی ہم!! رہا یہ کہ یہ لوگ چھوٹی چھوٹی لفظی بحثوں میں پڑ کر اور عوام الناس کو، جو خود سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے، طرح طرح کی ایچا پیچیوں اور لفظی الجھنوں میں ڈال کر ان کو ہمارے خلاف اُکساتے رہیں، تو یہ ان کا اختیا رہے۔ مگر ہمارے ساتھ پہلے اصولی رنگ میں کوئی بحث کر لیں۔ ہمارے ساتھ اصولی بحث یہ کریں کہ ہر صدی کے سر پر مجدد کے آنے کی حدیث صحیح ہے یا نہیں وضعی اور کیا اس وضعی حدیث پر حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسے مسلمہ بزرگ کے دعویٰ کی بنیاد تھی؟ ہمارے ساتھ یہ بحث کر لیں کہ کیا ختم نبوت کے بعد نبوت کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ختم نبوت کے کیا معنے؟ اگر نہیں تو حضرت عیسیٰ، جو یقیناً نبی تھے، کیوں آئیں گے؟ ہمارے ساتھ یہ بحث کر لیں کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے یا نہیں۔ اگر نہیں تو آیت قرآنی وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (8:21) کو کیا کریں گے۔ اگر ہو گئے تو کیا نزول ابن مریم کی احادیث سب وضعی ہیں۔ جو چودہ مختلف صحابہؓ سے مروی ہیں اور جن کو بخاری اور مسلم بلکہ سب محدثین نے قبول کیا ہے۔ اور اگر وہ احادیث صحیح ہیں تو سوائے اس کے کیا چارہ ہے کہ اسی اُمت کے ایک مجدد کو ان پیشگوئیوں کا مصداق مانا جائے۔

مولانا ابوالکلام اور سید سلیمان ندوی سے دریافت کرو: آخر ان کے اندر مسلم علم اور قابلیت کے بزرگ موجود ہیں۔ جیسے مولانا ابوالکلام اور سید سلیمان ندوی صاحب۔ ان بزرگوں سے کیوں دریافت نہیں کرتے کہ کون سی بات مطابق قرآن وحدیث ہے۔ کون سی نہیں؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قرآن کریم سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو کیا نزول ابن مریم کی احادیث سب وضعی ہیں؟ اگر نہیں تو مسیح موعود اسی اُمت کا کوئی مجدد ہو گا یا نہ؟ جب یہ اصولی بحثیں طے ہو جائیں تو پھر ہم اس بات کو طے کر لیں گے کہ کیا اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں یا کوئی اور

بزرگ؟ اور کیا نزول ابن مریم کی پیشگوئیوں کا مصداق اسی صدی کا مجدد ہے یا اس کا انتظار ہمیں آئندہ رکھنا چاہئے۔

احباب سے درخواست: میں اپنے احباب سے بھی یہی درخواست کروں گا کہ وہ بڑی قوت سے موجودہ مخالفت کا مقابلہ کریں۔ اور اسی اصولی رنگ میں پہلے اصولی بحثوں کو طے کریں۔ پھر حضرت مرزا صاحب کی شخصیت پر بحث آئے گی۔ میں نے ابھی صرف چند باتوں کو لیا ہے۔ جو زیادہ تر لوگوں کے سامنے آتی رہتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ احمدیت نے ایک اور رنگ میں اسلام کی تعلیم کو روشن کیا ہے۔ اور وہی اس کی اصل خدمت ہے۔ جس کی طرف بڑے بڑے علماء خود آرہے ہیں۔ اس کو میں آئندہ پیش کروں گا۔ والسلام

خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

۞۞۞

2 جولائی 1933ء

نسل انسانی کا سب سے بڑا محسن ﷺ

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

انسان کی اس عزت یا محبت کا، جو دوسرے انسانوں کے دِلوں میں وہ حاصل کرسکتا ہے، انحصار اس فائدہ پر ہے جو اس کی ذات سے نسل انسانی کو پہنچتا ہے۔ **جبلت القلوب علٰی حب من احسن الیھا** فطرت انسانی کے گہرے مطالعہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ انسانوں کے دل ایسے بنائے گئے ہیں کہ جو شخص بھی ان پر احسان کرے اس کی محبت ان میں جاگزین ہوجاتی ہے۔ جس طرح نیچر یا قدرت کے بعض اٹل قانون ہیں۔ اسی طرح فطرت انسانی کے بھی اٹل قانون ہیں۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ لوگ ایک وقت آنکھیں بند کر کے ایک شخص سے عداوت کرنے لگتے ہیں یا آنکھیں بند کر کے ایک شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ مگر فطرت انسانی آخر غالب آتی ہے۔ اور بے جا محبت بے جا عداوت قائم نہیں رہتی۔ وہ ایک ایسے درخت کی طرح ہوتی ہے جس کی مثال قرآن کریم نے دی ہے۔ **اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ** (26:14) اور وہ محبت جو نسل انسانی کے فائدے کے کاموں میں پر مبنی ہو وہ ہمیشہ ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ اور **اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ** (24:14) کی مصداق ہوتی ہے۔ اس اٹل قانون کو خدا کے پاک کلام قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا** (96:19) جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں خدائے رحمان ان کے لئے (قلوب انسانی میں) محبت پیدا کردیتا ہے۔ ان الفاظ کی صداقت ہر قوم کی تاریخ میں جلی حروف میں لکھی ہوئی نظر آئے گی۔ جس قوم کی تاریخ کو اُٹھا کر دیکھو، آخر محبت اسی کی انسانوں کے دلوں میں رہ گئی ہے، جس نے انسانوں کو کوئی بہت بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔

اب اگر غور کیا جائے تو اس بات کے ماننے سے کسی کو چارہ نہیں کہ نسل انسانی پر سب سے بڑھ کر احسان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہ عقیدہ کی بات نہیں واقعات کی بات ہے۔ جس سے مسلمان تو کیا ایک ہندو یا عیسائی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ نسل انسانی کے سب سے بڑے محسن وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں کو انسانی بہتری کے لئے لگا دیا۔ اور انسانوں کی زندگیوں میں ایک انقلاب

پیدا کر دیا۔ ایسے محسن ہر قوم کے اندر پائے جاتے ہیں۔ اور ہر قوم کا فرض ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی انسان نے نسل انسانی کے کسی حصہ کی خدمت کا کوئی نمایاں کام کیا ہو اس انسان کی محبت اور عزت کو اپنے دِل میں جگہ دے۔ حضرت موسیٰ ہوں یا مسیحؑ، رام چندر جی ہوں یا کرشن جی، زرتشت ہوں یا کانفیوشس یا گوتم بدھ۔ یہ سب بزرگ سب قوموں کے لئے یکساں قابل عزت واحترام ہیں۔ اس بناء پر اگر دیکھا جائے تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نسل انسانی کے سب سے بڑے محسن نظر آتے ہیں۔ اور اسی لحاظ سے سب سے بڑھ کر آپ کے لئے قلب انسانی میں محبت اور احترام کا جذبہ ہونا چاہیئے۔ آپ نے جو کچھ عرب کے لئے کیا کوئی دوسرا مصلح کسی قوم یا ملک کے لئے نہیں کر سکا۔ آپؐ نے بیس سال کے عرصہ میں اس قوم کے اندر سے ہر ایک قسم کے خیالات اور غلط عقائد ہی کو دور نہیں کیا بلکہ ہر قسم کی بد عملیوں اور بدکاریوں سے بھی انہیں نجات دی۔ جو قوم کی تباہی کا موجب ہو رہی تھیں۔ آپ نے ان لوگوں کے اندر، جو تمدن معاشرت وغیرہ کے اصولوں سے قطعاً ناواقف تھے، ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا جس کی دوسری نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اور اسی لئے یورپ کے عیسائی مورخین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ دنیا کے تمام مصلحین اور مذہبی شخصیتوں میں آپ سب سے زیادہ کامیاب انسان ہیں۔ آپ نے ایک توہم پرست اور جاہل قوم کو علم اور روشنی، سائنس اور تہذیب کا علم بردار بنادیا۔ یہاں تک کہ کل دنیا نے اپنے چراغوں کو اسی مشعل سے روشن کیا۔ آپ نے ایک متفرق اور پراگندہ قوم کو، جو اقوام عالم میں سب سے زیادہ گمنام قوم تھی، ایک متحد اور فاتح قوم بنادیا۔ جس نے دنیا میں عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں۔ اور اعلیٰ درجہ کا نظام حکومت قائم کیا۔ جو مشرق سے مغرب تک پھیل گیا۔

ہر ایک قوم ہر ایک ملک اپنے حالات پر غور کر کے دیکھے۔ کیا کسی ہادی یا کسی مصلح نے اس قدر تھوڑے سے عرصہ میں ایسی گری ہوئی قوم کو ایسے بلند مقام پر پہنچایا۔ اگر یہ صحیح ہے کہ اس قدر عظیم الشان کام اپنی قوم یا اپنے ملک میں اور کسی نے نہیں کیا تو یہ بھی یقین ہے کہ نسل انسانی پر جس قدر احسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور کسی انسان کا نہیں۔ لیکن آپ کی ہمت بلند دوسرے مصلحین کی طرح صرف اپنی قوم یا اپنے ملک تک محدود نہ تھی بلکہ آپ نے دوسری اقوام پر بھی وہی احسانات کئے جو اپنی قوم پر کئے۔ اور جس قوم نے آپ کا دامن پکڑا وہی قوم دنیا میں بلند ترین مقام پر پہنچ گئی۔ خواہ وہ عرب تھے یا ایرانی یا ترک یا افغان یا کوئی اور قوم۔ اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اخوت کا ایک ایسا

عالمگیر سلسلہ قائم کیا۔ جس میں عرب اور عجم، سیاہ اور سفید رنگ کی اقوام یکساں حصہ دار تھیں۔ سب کے یکساں حقوق تھے۔ اور جس طرح سفید رنگ کا انسان بلند سے بلند مقام پر پہنچنے کا حق رکھتا تھا، سیاہ رنگ کے انسانوں کو بھی یہی حق حاصل تھا۔ اور بہت سے حبشی اور غلام آئمہ مجتہدین اور بادشاہت کے مقام تک پہنچے۔ یہ خیال بھی بجائے خود ایک ایسا خیال ہے کہ آپ سے پیشتر کسی انسان کے دماغ میں نہیں آیا۔ مگر آپ نے نہ صرف اخوت عالمگیر کا خیال پیدا کیا بلکہ اس کو عملی رنگ میں بہتر سے بہتر لباس پہنایا۔ اور قوموں اور رنگوں اور زبانوں کی وجہ سے جو انسان اور انسان میں امتیاز کیا جاتا تھا، اسے قطعاً مٹا دیا۔ یقیناً جس شخص کے اتنے احسانات نسل انسانی پر ہوں اس کا نسل انسانی پر یہ حق بھی ہے کہ وہ اسے سب سے بڑا محسن پا کر سب سے زیادہ اپنے دِلوں میں محبت اور احترام کا مقام دے۔ اس سے بھی بڑھ کر نسل انسانی پر آپ کا ایک اور احسان عظیم ہے۔ آپ اس وقت آئے جب دنیا پر تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایک ملک میں نہیں بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ وہ مشعل جو مصلحین نے اپنے اپنے ملکوں میں روشن کی تھی، اس وقت تک مدھم پڑ چکی تھی بلکہ بجھ ہی چکی تھی۔

یہودی مذہب، ہندو مذہب، بدھ مذہب، کانفیوشس کے مذہب، زرتشت کے مذہب کی صورت تو بظاہر قائم تھی مگر ان کے اندر سے وہ روح نکل چکی تھی جو اپنے پیروؤں پر نیک اثر ڈالتی ہے۔ اپنے بزرگوں کا نیک اثر قبول کرنا تو ایک طرف رہا، اب ان بزرگوں کے پیرو ان بزرگوں کی طرف بدترین افعال کو منسوب کر کے بتا رہے تھے کہ ان کی ذہنیت روح مذہب سے کس قدر دور جا پڑی تھی۔ سب سے آخری مذہب عیسائی تھا۔ جس کے عقائد کو تو ایک طرف رکھو لیکن اس کی عملی حالت کا نقشہ خود میور جیسے متعصب عیسائی کے الفاظ میں یہ تھا کہ ساتویں صدی کی عیسائیت نہایت گری ہوئی اور ذلیل حالت میں تھی۔ اگر ملک عرب میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مشعل نہ جلائی ہوتی تو دنیا میں تاریکی کا ہی دور دورہ رہتا۔ اور تہذیب اور علم دنیا سے مفقود ہو جاتے۔ یہ وہ خیال ہے جسے اگر قرآن کریم نے تیرہ سو سال قبل ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (41:30) میں ظاہر کیا تو آج اس وقت کی تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہوئے ایک محقق بھی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ چنانچہ ڈینی سن اپنی کتاب ''ایموشن ایز دی بیسس آف سولیوشن'' میں اسلام کے تذکرہ میں لکھتا ہے:

''پانچویں اور چھٹی صدی عیسائیت میں مہذب دنیا ابتری کے گڑھے کے کنارے پر کھڑی تھی۔ قدیم علمی خیالات، جن کی بنیاد جذبات پر تھی۔ اور جنہوں نے تہذیب انسانی کو ممکن بنایا تھا۔ اس لئے کہ اُنہوں نے لوگوں میں اتحاد کا خیال اور حکام کے لئے عزت و احترام کا خیال پیدا کیا تھا، بالکل زائل ہو چکے تھے۔ اور کوئی چیز ان کی جگہ لینے کے لئے پیدا نہ ہوئی تھی۔''

''ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عظیم الشان تہذیب، جو چار ہزار سال کے عرصہ میں بنی تھی، ابتری کے کنارے پر پہنچ چکی ہے اور کہ نسل انسانی اسی قدیم وحشیانہ پن میں قدم رکھنے کو تیار ہے...... تہذیب اس عظیم الشان درخت کی طرح، جس کی شاخیں دنیا کے کناروں تک پہنچ چکی ہوں، اب جڑ سے اُکھڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اور اندر تک کھائی جا چکی تھی...... کیا کوئی ایسی جذباتی تحریک تھی جو ایک دفعہ پھر انسانوں کو متحد کر سکے۔ اور تہذیب کو فنا ہونے سے بچا سکے۔''

اس سوال کے جواب میں مصنف عرب کا ذکر کرتا ہے اور پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احساس عظیم کا۔

''یہ وہ لوگ تھے جن میں وہ انسان پیدا ہوتا ہے جس نے مشرق اور جنوب کی تمام معلوم دنیا کو وحدت کی زنجیر میں منسلک کیا۔''

پس یہ بالکل درست ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تہذیب کو باقی رکھا۔ ورنہ نسل انسانی ہمیشہ کے لئے جہالت کے گڑھے میں گر گئی ہوتی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عظیم ہے۔ جس سے نسل انسانی کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ افسوس ان لوگوں پر جو اپنے اس سب سے بڑے محسن ہاں! اس کی عظمت و احسان کے لحاظ سے واحد محسن سے محبت اور احترام کے بجائے نفرت اور عداوت کو پھیلا رہے ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ خدا کا قانون اٹل ہے۔ آخر دنیا اپنے اس محسن کی قدر کو پہچانے گی۔ اور اپنے ان بڑوں کے حق میں، جو اس وقت آنکھیں بند کر کے اپنی ترقی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھنے میں سمجھ رہے ہیں، کوئی کلمۂ خیر نہ کہے گی۔ خوش قسمت وہ ہیں جن کی آنکھیں آج کھل جائیں اور بہتیروں کی کھل رہی ہیں۔

7 جولائی 1933ء

مکتوب امیر

آنہ فنڈ اور بچت فنڈ

ڈلہوزی۔ 11 جون 1933ء

برادران مکرم معظم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں نے ایک چھوٹی سی تحریک آنہ فنڈ کی شروع کی تھی۔ مجھے خیال تھا کہ ہماری جماعت کا ہر ایک متنفس مرد اور عورت اور بچہ بھی اس پر عامل ہو سکے گا۔ اور کسی کے لئے یہ بوجھ نہ ہوگا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دس سال میں ہماری جماعت بغیر کسی ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف کے پچاس ہزار روپیہ کا سرمایہ جمع کر کے کوئی عظیم الشان مفید کام کر سکے گی۔ دینی ضرورتوں کی تو کوئی انتہا نہیں، مگر میں بارہا افسوس کرتا ہوں کہ ہماری زندگیاں ختم ہو رہی ہیں۔ کتنے پرانے دوست اور مخلص خدام سلسلہ اسی سال ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ ہمارے دل ان کی جدائی سی محزون ہیں اور ہماری باری بھی آنے والی ہے۔ لیکن ہماری دینی خدمات کی رفتار مالی مشکلات کی وجہ سے بہت سست ہے۔ تو اگر ہم اور دس سال میں ہی کوئی نیا عظیم الشان کام کر سکیں تو ہمارا سفر آخرت کس قدر خوشی کا اور سامان اپنے ساتھ رکھتا ہوگا!

مجھے آپ کی قربانیوں کا اعتراف ہے۔ ایک بہت ہی مختصر جماعت نے اس وقت اتنا بڑا بوجھ اُٹھایا ہوا ہے کہ شاید اس کی نظیر مشکل ہی سے مل سکے۔ لیکن جو بات میں نے پیش کی تھی وہ اس قدر معمولی تھی کہ کسی شخص کو کوئی بوجھ محسوس ہونے کے بغیر قوم کا ہاتھ مضبوط ہو جاتا۔ وہ صرف ایک آنہ کا ایک ماہ میں مطالبہ تھا۔ اس طرح پر کہ جو شخص سو روپے ماہوار سے کم کماتا ہے وہ اپنے معمولی چندہ کے ساتھ ایک آنہ مزید ادا کرے۔ اور جو شخص ایک سو روپیہ ماہوار یا اس سے زیادہ اور تین سو روپے ماہوار سے کم کماتا ہے۔ وہ 4 آنہ ماہوار اور زائد ادا کرے۔ اور جو شخص تین سو روپے ماہوار یا اس سے زیادہ کماتا ہے۔ وہ ایک روپیہ ماہوار اپنے چندہ کے ساتھ زائد ادا کرے۔ اسی طرح وہ خواتین جن کے ہاتھوں میں گھروں کے اخراجات ہیں، ان کے لئے کون سی مشکل ہے کہ ایک آنہ ایک ماہ میں خدا کی

خوشی کے لئے الگ کر دیں۔ اور وہ بچے جن کی تعلیم کا شاید ہر گھر میں اس زمانہ میں سب سے بڑا خرچ ہے۔ ایک آنہ وہ بھی الگ کر دیں۔ اور بچپن سے ان کے دماغوں پر یہ نقش ہو جائے کہ دین کی خدمت بھی کوئی چیز ہے۔ اور جہاں اتنا ہمارے کپڑوں پر، فیسوں پر، کتابوں پر، جیب خرچ پر روپیہ جاتا ہے، ایک آنہ خدا کی راہ میں بھی نکل جائے۔ تو اگر ہمارے بزرگ اور ہمارے نوجوان اور ہماری محترم خواتین اور ہمارے عزیز بچے اس چھوٹے سے کام میں سب کے سب لگ جاتے تو یقیناً پچاس ہزار نہیں ایک لاکھ روپے دس سال میں جمع ہو جاتا۔ اس میں کسی کو تکلیف بھی نہ تھی بلکہ بغیر کسی تکلیف کے ہر بڑے چھوٹے کے لئے یہ راحت کا سامان تھا کہ ہم نے دینی عمارت کے استحکام میں کچھ حصہ لیا۔ ہم میں کون شخص خرچ کرنے میں ایسا محتاط ہے یا امکانی طور پر ہوسکتا ہے کہ دس پندرہ روپے خرچ کرے تو اس میں سے ایک آنہ ضائع نہ ہو جاتا ہو۔ آسودہ حال لوگ تو اتنے بچوں کی خوشی کے لئے ان کے کھلونوں کے لئے، ان کی ٹافیوں کے لئے ہی بہتیرا روپیہ خرچ کر دیتے ہیں۔ اگر ادنیٰ توجہ ہی اس طرف کی ہوتی تو یہ دانہ دانہ جمع ہو کر آج دو سال میں دس ہزار روپیہ یقیناً ہمارے ہاتھ میں ہوتا۔ مگر میں افسوس سے کہتا ہوں کہ اکثر احباب نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ اور یہ صرف چند مخلصین کی کوشش ہے کہ اس وقت سوا سو ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار اس فنڈ میں آ رہا ہے۔

اس لئے آج دو سال بعد میں پھر اس کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاتا ہوں۔ یہ کام بہت چھوٹا ہے مگر اس کے نتائج بہت بڑے ہیں۔ میں اس غرض کے لئے دس ہزار کی تعداد پوری کرنا چاہتا ہوں۔ جو ایک ایک آنہ دینے والے ہوں اس طرح پر کہ جو ایک روپیہ ماہوار دے وہ سولہ آدمیوں کے قائم مقام سمجھا جائے گا۔ اور جو چار آنے دے وہ چار کا۔ اور جو دوسروں سے دس آنے یا بیس یا پچاس آنے جمع کر کے دے، وہ اسی قدر آدمیوں کا قائم مقام سمجھا جائے گا۔ میرے چند نہایت ہی عزیز نوجوان ہیں جنہوں نے اس بارے میں میری خاص طور پر حوصلہ افزائی کی ہے۔ یعنی شیخ صاحبان لائلپور کے فرزندان ارجمند، جس سرگرمی سے وہ کام کر رہے ہیں مجھے یہ توقع ہے کہ وہ سب مل کر انشاء اللہ تعالیٰ ایک ہزار آدمی کے قائم مقام ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی اور ان کی عمروں میں برکت دے۔ اب میں ہر ایک دوست کی خدمت میں اس چٹھی کے ذریعہ حاضر ہوتا ہوں کہ وہ ذیل کے امور کو مدنظر رکھ کر

مجھے اطلاع دیں کہ وہ اس دس ہزار کی تعداد کو پورا کرنے کے لئے کتنے آدمیوں کے قائم مقام ہوں گے۔

1۔ خود اس فنڈ میں کیا دیں گے؟ 1 آنہ یا 4 آنہ یا ایک روپیہ۔

2۔ ان کے بیوی بچے کس قدر دیں گے اور ملازم کس قدر۔ ہر ایک ملازم سے بھی ایک آنہ وصول کیا جائے۔

3۔ وہ اپنے کس قدر احباب سے، جو جماعت میں شامل نہیں، ایک آنہ وصول کر سکیں گے۔ اس غرض کے لئے وہ دفتر سے ایک آنہ والی رسید بکیں منگوالیں۔

دوسرا امر جس کی طرف میں اس خط میں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ بچت فنڈ ہے۔ جس کی طرف اسی سال عید الفطر کے موقعہ پر توجہ دلائی تھی۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ ہم اپنے اموال میں سے کچھ نہ کچھ خدا کی راہ میں ضرور دیتے ہیں۔ اور بالآخر اس کا کچھ اثر ہمارے اخراجات پر بھی ضرور پڑتا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہمارے سامنے بار بار یہ امر مشاہدہ کے طور پر آئے کہ ہم خدا کے دین کی خاطر کچھ تکلیف برداشت کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور سر دست میں نے یہ تجویز کی ہے کہ ہر ایک دوست اپنے گھر میں مہینہ میں تین دفعہ اپنے کھانے میں کچھ تخفیف کرے۔ اور اگر وہ زیادہ قسم کا کھانا کھاتا ہے تو صرف ایک قسم کا کھانا کھائے۔ اور اگر ایک قسم کا کھانا کھاتا ہے اور گوشت کھاتا ہے تو گوشت کو چھوڑ کر تین دن کے لئے دال یا سبزی کھائے۔ اور اگر دال سبزی کھاتا ہے تو اسے بھی چھوڑ کر خشک روٹی کھائے۔ اگر خشک روٹی کھاتا ہے تو مہینہ میں تین دن روزہ رکھ لے۔ یا معمول سے نصف غذا کھائے۔ یا بجائے روٹی کے خشک بھنے ہوئے دانوں پر گزارہ کرے۔ بہرحال کسی نہ کسی محسوس رنگ میں اس کے سامنے اور اس کے بال بچوں اور بیوی کے سامنے یہ بات آجائے کہ وہ خدا کے دین کو قوت پہنچانے کے لئے کچھ تکلیف اُٹھا رہے ہیں۔ اور جو رقم اس طرح بچے اسے ساتھ کے ساتھ ایک صندوقچی میں ڈالتے جائیں۔ جو اس غرض کے لئے انجمن کی طرف سے مہیا کی جائے گی۔ اور عموماً جماعتوں میں یہ انتظام ہوگا کہ ایسی صندوقچیاں مقفل ہر ایک گھر میں پہنچادی جائیں اور پھر ماہوار وہ رقم نکلوا کر لاہور انجمن کو بھجوا دیں۔ اس تصریح کے ساتھ کہ فلاں فنڈ کی رقم ہے۔ رقم جو صندوقچی میں سے نکالی جائے گی وہ مالک خانہ یا اس کے کسی معتمد کے سامنے نکالی جائے گی اور اس

رقم کی رسید اسی وقت اسے دے دی جائے گی۔

اگر اب تک آپ کے پاس صندوقچی نہیں پہنچی تو مجھے بواپسی اطلاع دیں۔ میں اپنے متعلق آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خود پہلے عمل کر کے یا عمل کا فیصلہ کر کے پرزور تحریک کرتا ہوں۔ بچت فنڈ کے اصول پر عامل ہوں۔ ایک آنہ مستقل فنڈ پر بھی عامل ہوں۔ اور ایک روپیہ ماہوار دیتا ہوں۔ اور آئندہ میرے بیوی بچے اور ملازم بھی اس پر عامل ہوں گے۔ اس طرح میری طرف سے 28 آنے ماہوار اس فنڈ میں پہنچتے رہیں گے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

19 جولائی 1933ء

مکتوب امیر

سید حبیب صاحب کا سلسلہ مضامین

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا یہ مکتوب ٹریکٹ کی شکل میں بھی شائع ہوا ہے۔ احباب آنریری جائنٹ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے طلب فرمائیں

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

بعض احباب نے اس بات پر تعجب کیا ہے کہ آج کل ''سیاست'' میں جو سلسلہ مضامین جماعت احمدیہ کے خلاف سید حبیب صاحب کے قلم سے نکل رہا ہے اس کے متعلق ہم کیوں خاموش رہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ابتدا ہی میں سید حبیب صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جو کچھ لکھیں گے اس کا جواب بھی اخبار ''سیاست'' میں شائع کریں گے۔ تاکہ ان کے قارئین کے سامنے تصویر کے دونوں پہلو آجائیں۔ اس لئے یہ مناسب نہیں سمجھا گیا کہ اس سلسلہ مضامین کے ختم ہونے سے پہلے ان باتوں کا کچھ جواب دیا جائے۔ دوسرے جس شخص نے اس سلسلہ مضامین کو دیکھا ہوگا اسے معلوم ہوگا کہ اب تک سید صاحب نے اصل موضوع پر کچھ نہیں لکھا۔ سید صاحب کے مضامین کا عنوان تو اب تک یہی ہوتا ہے ''یہ عقیدہ ہمارے لئے کیوں قابل قبول نہیں'' مگر بجائے اصل عقائد پر بحث کے اب تک زیادہ تر ذاتی نکتہ چینی سے ہی سید حبیب صاحب نے کام لیا ہے۔ یہ ''عقیدہ'' جو ان کے لئے قابل قبول نہیں۔ اس پر مجھے کچھ بحث نظر نہیں آئی۔ حتیٰ کہ اُنہوں نے اس بات کی طرف بھی توجہ نہیں کی کہ وہ کس عقیدہ کی تردید لکھنے بیٹھے ہیں۔ اور غالبًا اسے خود سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ ان کے عنوان سے تو یہ خیال گزرتا تھا کہ وہ ان عقائد کی تردید کریں گے جو احمدیہ جماعت کے ہر دو گروہوں کو مسلم ہیں۔ مگر جو باتیں جماعت احمدیہ کے دونوں فریقوں کو مسلم ہیں ان کی طرف ابھی اُنہوں نے توجہ ہی نہیں کی۔ اب تک ذاتی نکتہ چینی کے علاوہ جو کام اُنہوں نے کیا ہے وہ ایسی باتوں کا ہماری طرف منسوب کرنا ہے جن کو ہم دونوں فریق نہیں مانتے۔ یا ہم میں سے ایک فریق نہیں مانتا۔ مثلاً یہ کہ:

1۔ حضرت مرزا صاحب خدا ہونے کے مدعی تھے۔

2۔حضرت مرزا صاحب خدا کا بیٹا ہونے کے مدعی تھے۔

3۔حضرت مرزا صاحب نے قرآن کریم کی تعلیم کے کسی حصہ کو منسوخ کیا مثلاً تعلیم جہاد کو۔

ان باتوں کو نہ قادیانی فریق مانتا ہے نہ احمدیہ جماعت لاہور۔آخر حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کو منوانے والے تو یہی دو گروہ ہیں۔اور اگر یہ دونوں ان باتوں کو تسلیم نہیں کرتے تو اس بے معنی بحث سے گو عوام الناس اور شاید اغراض کے ماتحت کچھ پڑھے لکھے لوگ خوش ہو جائیں،مگر ایک محقق کے نزدیک اس عبث کوشش کا کیا نام رکھا جائے گا؟

دوسری قسم کے عقائد وہ ہیں جن کو جماعت احمدیہ لاہور تسلیم نہیں کرتی اور قادیانی جماعت مانتی ہے۔مثلاً یہ کہ:

1۔حضرت مرزا صاحب نے دعوٰی نبوت کیا۔

2۔حضرت مرزا صاحب کے دعوٰی کو نہ ماننے والے کافر ہیں۔

یہ وہ عقائد ہیں جن پر آج پورے انیس سال سے جماعت احمدیہ لاہور قادیانی جماعت کی مخالفت کرتی چلی آئی ہے سید حبیب صاحب کو اتنی فرصت تو کہاں تھی کہ اس لٹریچر کو پڑھتے اور اس پر محاکمہ کرتے اور ایک اخبار نویس کو جس کی توجہ کو ایک طرف اخبار اپنی طرف کھینچ رہا ہے دوسری طرف اور قسم قسم کی اغراض کبھی مشرق اور کبھی مغرب اور کبھی شمال اور کبھی جنوب میں کشاں کشاں لئے پھرتی ہیں۔ٹھنڈے دل سے مطالعہ کی فرصت کہاں مل سکتی تھی۔ایک سر اور ہزار سودا والا معاملہ تھا۔ان کا قلم اس میدان میں اپنے پیشرووَں کا شرمندہ احسان ہے۔جو کچھ کہیں لکھا ہوا مل گیا۔نقل کر دیا۔اور وہ بھی زیادہ حصہ ذاتی عیب شماری کا ہے۔جس پر عوام الناس کو اپنے ساتھ کر لینا سب سے زیادہ آسان ہے۔

ہمارا خیال تھا کہ جس محققانہ دعوٰی کے ساتھ سید حبیب صاحب اُٹھے ہیں کچھ اس کا حق ادا کریں گے۔لیکن جن مسائل کو حضرت مرزا صاحب کے پیرووَں کے دونوں گروہ مانتے ہیں،ان کو چھوا تک نہیں۔اس لئے کہ سید صاحب جانتے ہیں کہ جہاں اس میدان میں قدم رکھا وہیں عوام الناس سے اُلجھنا پڑے گا۔سید صاحب کی یہ کوشش تو بالکل فضول ہے کہ لوگوں کو حضرت مرزا صاحب کے خدا ہونے

اور ابن اللہ ہونے کے دعوٰی سے متنبہ کریں۔ کیونکہ نہ ان کا کوئی ایسا دعوٰی ہے، نہ ان کے پیروؤں کی دونوں جماعتوں میں سے کوئی جماعت لوگوں کو یہ کہہ کر اپنی طرف بلاتی ہے۔ اور ان کا دعوٰی نبوت پر زور دینا بھی چنداں مفید نہیں۔ اس لئے کہ ان کی جماعت کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو خود ان کے دعوٰی نبوت کا انکار کرتا ہے۔ اگر وہ واقعی جماعت احمدیہ کے استیصال کا ''نیک کام'' کر سکتے ہیں تو وہ ان مسائل کے استیصال سے ہو سکتا ہے۔ جنہیں دونوں جماعتیں مانتی ہیں۔ اور یہ بھی انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک یہ مسائل اور خیالات لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتے رہیں گے، سید صاحب کی ذاتی نکتہ چینی اور عیب شماری بھی کوئی بڑی روک ثابت نہ ہوگی۔ اس لئے ان کا فرض تھا اور ہے کہ ذیل کے امور پر جن کو ہر دو جماعت احمدیہ تسلیم کرتی ہیں کچھ روشنی ڈالیں۔

1۔ ہم مانتے ہیں کہ ہر صدی کے سر پر مجدد کے آنے کی حدیث صحیح ہے۔ اور اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔ سید صاحب اگر اسے صحیح مانتے ہیں تو لوگوں کو بدلائل یہ بتائیں کہ اس صدی کے مجدد کون ہے؟ صرف حضرت مرزا صاحب کو جھوٹا کہہ دینے سے، جب تک کوئی مجدد نہ بتایا جائے، مرزا صاحب کی تردید نہیں ہوتی، حدیث کی تردید ہوتی ہے۔ اور اگر اسے غلط مانتے ہیں تو اس کے موضوع ہونے کے دلائل پیش کریں۔ اور یہ بھی بتائیں کہ مجدد صاحب سرہندی، جنہوں نے اسی حدیث کی بناء پر دعوٰی کیا اور دوسرے اور ایسے بزرگ، جنہوں نے اس حدیث کی بناء پر دعوٰی مجددیت کیا، کیا وہ سب بھی اسی فتوٰی کے نیچے آتے ہیں جس فتوٰی کے نیچے وہ حضرت مرزا صاحب کو لا رہے ہیں۔

2۔ ہم مانتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے۔ اور آنے والے عیسٰی کی جو خبر احادیث میں دی گئی ہے وہ صحیح ہے۔ اور اس کا مصداق اسی اُمت کا ایک مجدد ہے۔ سید صاحب صرف یہ کہہ کر اپنا چھٹکارا کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی کی چاہے وفات مان لو چاہے حیات مان لو، انہیں چاہئے تھا کہ کم از کم اپنا عقیدہ اس بارہ میں واضح کرتے کہ ان کے نزدیک حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں یا چوتھے آسمان پر زندہ ہیں۔ اگر فوت ہو گئے ہیں تو آنے والے عیسٰی کی جو خبر تمام صحیح حدیث کی کتابوں میں دی گئی ہے وہ سب احادیث جھوٹی ہیں یا صحیح ہیں۔ اگر صحیح ہیں جیسا کہ

اُمت کا متفقہ مذہب ہے تو کیا حضرت عیسیٰ مردوں میں سے اُٹھ کر آئیں گے یا ان پیشگوئیوں کا مصداق کوئی اور ہے؟

اگر حضرت عیسیٰ زندہ ہیں تو عیسائیوں کے اس اعتراض کا کیا جواب ہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰ کے جسم میں کوئی تغیر نہیں آتا اس لئے وہ اَلْآنَ کَمَا کَانَ کے مصداق ہیں اور خدائی کی صفات میں شریک ہیں۔ اور شب معراج میں وہ وفات یافتہ انبیاء میں کس طرح جا ملے اور کیا وہ واپس آ کر واقعی سؤروں کو مارنے اور صلیبوں کو توڑنے کا کام کریں گے یا یہ سب کچھ مجاز کے طور پر ہے۔ جیسے جماعت احمدیہ کا خیال ہے۔

3۔ ہم مانتے ہیں کہ آنے والا مہدی تلوار لے کر نہیں آئے گا۔ اور نہ تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان کرے گا۔ سید حبیب صاحب کو یہ واضح کر کے بتانا چاہئے کہ کیا وہ کسی مہدی کے آنے کے قائل ہیں؟ اور اگر قائل ہیں تو کیا وہ مہدی صاحب شمشیر ہوگا۔ جیسا عام مسلمانوں کا خیال ہے یا نہیں؟ اور کیا وہ تلوار سے لوگوں کو مسلمان کرے گا یا نہیں؟

4۔ ہم مانتے ہیں کہ دجال اور یاجوج ماجوج، جن کی پیشگوئیاں احادیث میں ہیں، وہ یہی اقوام یورپ ہیں۔

سید صاحب کس قسم کے دجال اور یاجوج ماجوج کے قائل ہیں؟ کیا فی الواقع وہ یک چشم خدائی کا دعویدار ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ایک عجیب الخلقت گدھا اور بہشت اور دوزخ ہوں گے۔ اور وہ مردوں کو زندہ کرنے کی طاقت رکھتا ہوگا۔ اور اس کے ماتھے پر ک ف ر لکھا ہوا ہوگا؟ یا ان تمام احادیث کے منکر ہیں جن میں دجال اور یاجوج ماجوج کا ذکر ہے۔

5۔ ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت میں اپنے اولیاء سے ہم کلام ہوتا رہا ہے۔ ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔

سید صاحب کا اس بارہ میں کیا خیال ہے؟ کیا خدا تعالیٰ اس اُمت کے اولیاء سے ہم کلام ہوتا ہے یا نہیں؟

6۔ ہم مانتے ہیں کہ قرآن شریف کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ کیا سید حبیب صاحب عام

مسلمانوں کے ساتھ قرآن کریم کی بعض آیات کو منسوخ مانتے ہیں یا نہیں؟

یہ وہ اصولی امور ہیں جن پر ساری بحث کا دارومدار ہے۔ سید حبیب صاحب کا اصولی امور سے گریز کرنا صاف بتاتا ہے کہ بعض باتوں میں ان کو عام مسلمانوں سے اختلاف ہے اور وہ ڈر کے مارے اس بحث کی طرف نہیں آتے۔

مجھے تو یہ بھی شبہ ہے کہ کیا وہ فی الواقع حضرت مرزا صاحب کے الوہیت کا دعوٰی کرنے اور نبوت کا دعوٰی کرنے کے دل سے بھی قائل ہیں۔ کیونکہ اگر وہ دل سے ان باتوں کے قائل ہوں تو پھر وہ حضرت مرزا صاحب کو مسلمان کیونکر مان سکتے ہیں۔ مہربانی کر کے وہ اس کی بھی تشریح فرما دیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ان چھ اُمور پر بحث کر کے سید حبیب صاحب اس مضمون کو مکمل فرمائیں گے جس پر اُنہوں نے قلم اُٹھایا ہے۔ تا کہ ہم بھی اپنے جواب کو مکمل کریں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

۞۞۞

15 ستمبر 1933ء

مکتوبات حضرت امیر

برادرانِ جماعت کے نام خط۔3

خدمت دین میں ذاتی مناقشات کو حائل نہ ہونے دو

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

پچھلے خط میں مَیں نے آپ کو جماعت کی بیرونی مخالفت کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اور یہ بتایا تھا کہ خدا کے فضل سے ہماری جماعت کے اعتقادات کی بنیاد اس قدر مضبوط اور قرآن کریم اور سنت نبویؐ سے اس قدر تائید اس کو حاصل ہے کہ کسی مخالف کو یہ جرأت نہیں کہ ہمارے اعتقادات کو زیر بحث لا کر انہیں قرآن و حدیث کے خلاف ثابت کر سکے۔ بلکہ ساری مخالفت کا دارومدار یا تو حضرت مسیح موعود کی ذاتی نکتہ چینی اور عیب شماری پر ہے یا ہماری طرف بعض خود ساختہ عقائد کو منسوب کرنے پر۔ جنہیں حضرت صاحب کی جماعت کے دونوں فریق خود رد کرتے ہیں۔ اور یا بالآخر ان چند باتوں پر جو خود ہم دونوں فریق میں زیر بحث ہیں۔ اس لئے مخالفت گو اپنے ناپاک پروپیگنڈا کی وجہ سے ایک وقت تک لوگوں کو ہم سے متنفر کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اور یہ وہی ہتھیار ہے جو ان تمام مذاہب نے، جو اسلام کے خلاف اُٹھے ہیں، جیسا عیسائیت اور آریہ سماج، اختیار کیا ہے۔ لیکن صداقت اور حق کی یہ یقینی علامت ہے کہ اس کے اصول پر حملہ نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کسی مذہب کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اسلام کی توحید پر یا اس کے دوسرے اعلیٰ درجہ کے اصول پر کوئی حملہ کر سکے۔ گو ویسے عیب شماری سے کتابوں کی کتابیں بھر دی ہوں۔ اسی طرح اسلام کے سچے نام لیواؤں کے متعلق، گو بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیلا کر ایک وقت تک ان سے قلوب کو متنفر کر دیا جائے، لیکن ان کے اصول، ان کی تعلیم، ان کی خدمات آخر کار قلوب کو فتح کر لیتی ہیں۔

ہمارے دو ہتھیار: ہمارے کوتاہ فہم مخالفین کے ہاتھ میں اگر ایک ہتھیار قلوب میں تنفر پیدا کرنے کا ہے تو خدا کے فضل سے ہمارے پاس دو ہتھیار قلوب سے اس تنفر کو دور کر کے اس کے بجائے محبت پیدا

کرنے کے ہیں۔ ایک یہ کہ ہمارے اصول خدا کے فضل سے قرآن کریم اور حدیث صحیح کے مطابق ہیں اور نہ صرف مطابق ہیں بلکہ اس علمی زمانہ میں قرآن کریم کے علمی خزانوں اور صداقتوں کو پھیلانے کا ذریعہ ہیں۔ آج یہی اصول ہیں جنہوں نے دکھادیا ہے کہ اسلام قصوں کہانیوں کا مذہب نہیں۔ جیسے لوگوں نے اسے بنا رکھا تھا بلکہ یہ ایک علمی مذہب ہے اور ہر قسم کے دلائل عقلی اس کے ساتھ ہیں۔ ان علمی باتوں کو مسلمان کیا غیر مسلم بھی رد نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس وقت بھی یہ باتیں لوگوں کے دِلوں کے اندر گھر کرتی چلی جاتی ہیں۔ اور ایک طرف اگر علماءسوء کا گروہ مجدد وقت کے متعلق سب وشتم کر کے تنفر پیدا کر رہا ہے تو دوسری طرف نہ صرف تعلیم یافتہ پبلک احمدیت کی تعلیم کے اثر کو قبول کر رہی ہے، بلکہ خود وہ علماء جنہوں نے تنگدلی کو چھوڑ دیا ہے ان تعلیمات کی صداقت کے قائل ہو رہے ہیں۔ دوسرا ہتھیار قلوب میں محبت پیدا کرنے کے لئے ہمارا حفاظت واشاعت اسلام کا کام ہے۔

مخالفین کی نکتہ چینی کا بہترین جواب: میں سمجھتا ہوں کہ بہترین جواب مخالفین کی نکتہ چینی کا یہی ہے کہ ہم خدمت اسلام کے کام کو دو چند قوت سے کرنے لگیں۔ آخر بدگوؤں کی یہ نسل ختم ہو جائے گی۔ تو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ کیا انہی لوگوں کو اعدائے اسلام کہا جارہا ہے جو اسلام کے لئے اپنی جانیں اور مال فدا کر رہے ہیں۔ اور جو خدا کا نام ساری دنیا میں پہنچا رہے ہیں۔ یوں تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بُرا کہنے والے، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو بُرا کہنے والے، حضرت امام ابو حنیفہ اور امام احمد کو بُرا کہنے والے، حضرت امام بخاری کو بُرا کہنے والے لوگ مسلمانوں میں آج تک موجود ہیں۔ لیکن کاش! ان بزرگوں کی عیب شماری پر اپنا وقت صرف کرنے والے کوئی سواں یا ہزارواں حصہ ہی ان خدمات کا خود کر دکھاتے تو ان کا وقت بھی بہتر صرف ہوتا اور اسلام کو بھی قوت پہنچتی۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب کو بُرا کہنے والے اگر اس خدمت اسلام کا، جو آپ نے کر دکھائی ہے، عشر عشیر بھی کر دکھاتے تو فرضی سیادت اور مولویت کا جامہ پہننے سے اور ایک خادم اسلام کے متعلق تنفر پھیلانے سے، جس سے بالآخر نقصان اسلام کو ہی پہنچتا ہے، بدر جہا بہتر تھا۔ لیکن سردست میں ان کو ان کی حالت پر چھوڑ کر آپ سے کچھ خطاب کرنا چاہتا ہوں۔

اندرونی اختلافات کی نقصان رسانی: کسی تحریک کو اور بالخصوص اس تحریک کو، جو حق اور صداقت پر

مبنی ہو، بیرونی مخالفت سے اس قدر نقصان نہیں پہنچتا جس قدر اندرونی فتنہ اور فساد سے پہنچتا ہے۔ اور میں نے بارہا اس امر کو محسوس کیا ہے کہ موجودہ بیرونی مخالفت کی پشت و پناہ بھی درحقیقت اس سلسلہ کا اندرونی اختلاف ہے۔ حضرت مسیح موعود کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنے کو سب سے پہلے اعدائے سلسلہ نے سب سے زبردست ہتھیار سلسلہ کو تباہ کرنے کا سمجھا اور فتوٰی کفر میں اس پر خوب زور دیا۔ آج بھی فی الحقیقت یہی سب سے زبردست ہتھیار دشمنوں کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن اب اس ہتھیار کو جسے حضرت مسیح موعود کے بار بار قسمیں کھا کر انکار نبوت کرنے، مدعی نبوت پر لعنت بھیجنے اور اسے دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے نے خوب کند کر دیا تھا، ہمارے قادیانی احباب نے تیز کر کے دوبارہ اعدائے سلسلہ کے ہاتھ میں دے دیا ہے کہ لو اور ہماری ہی تلوار سے ہمیں ذبح کرو۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ کیا کہ کوئی بیرونی دشمن خواہ تمام دنیا کے دشمن بھی جمع ہو جائیں، آپ کی اُمت کو تباہ نہ کر سکے گا لیکن اس اُمت پر جو تباہی آئے گی تو صرف اس وجہ سے آئے گی کہ یہ لوگ خود ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کے درپے ہو جائیں گے۔ **حَتّٰی یَکُوْنَ بَعْضُهُمْ یَهْلِکُ بَعْضًا**

مسلمانوں کی خانہ جنگی: مسلمانوں میں وہ لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے مسلمانوں ہی کو تباہ کرنے کو سب سے بڑا ثواب کا کام سمجھا۔ کفر کو مٹانے کی بجائے چھوٹے چھوٹے فروعی اختلافات مٹانے کو اصل کام سمجھا۔ پھر اس کے ساتھ ان لوگوں کو جنہوں نے کچھ اختلاف کیا، پھر ان فرقوں کے اندر اور چھوٹے چھوٹے گروہ بنے اور ہر گروہ نے پہلے اپنے پاس والے گروہ کو ہی تباہ کرنے کو ہی اصل کام سمجھ لیا۔ اور یوں وہ قوت، جو اعدائے اسلام کے مقابل پر خرچ ہو کر دنیا سے کفر کو مٹانے پر خرچ ہونی تھی، مسلمانوں کو اور مسلمانوں کے کاموں کو نقصان پہنچانے بلکہ تباہ کرنے کا موجب ہو رہی ہے۔ اور یہی آج اسلامی دنیا کی سب سے بڑی کمزوری ہے جس کی وجہ سے اعدائے اسلام کی قوت دو چند نہیں دہ چند ہو کر کام کر رہی ہے۔

اسی عام میلان کے خلاف میں اپنی جماعت کو بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس کی دو وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ ایسا نہ ہو کہ ہم بھی نادانستہ اسی ذیل میں شامل ہو جائیں۔ اور اپنی قوت کو بجائے اسلام کے استحکام پر لگانے کے اس بات پر لگا دیں کہ فلاں شخص یا فلاں فرقہ جو ہمارا مخالف ہے پہلے اسے تباہ کیا جائے۔

احمدیت کی تبلیغ فرقہ بندی نہیں: اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان اعتراضوں کا جواب نہ دیں جو ہم پر ہوتے ہیں۔ نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس صدی میں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مجدد بھیجا ہے اور جسے اس نے اعدائے اسلام بالخصوص عیسائیت کے مقابلہ کے لئے اور دین اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے اور سب ادیان پر اس کا غلبہ کرنے کے لئے کھڑا کیا ہے، اس کے ساتھ شامل ہونے کے لئے دعوت نہ دیں۔ اعتراضات کا جواب دینا ہمارا فرض ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ مخالفین کے ہر قسم کے وساوس اور اعتراضات کو معلوم کر کے ان کے دور کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ اور مجدد وقت کا ساتھ دینے کے لئے بلا نا حکم قرآنی کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ (119:9) کے ماتحت ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے کھڑا کیا ہے۔ اور جس نے ایک نہایت قلیل عرصہ میں باوجود علماء اور دوسرے عاقبت نا اندیش لیڈروں کی مخالفت کے اسلام کا پیغام دنیا کے دور دور کے ملکوں میں پہنچا دیا ہے۔ اور اسلامی مشن قائم کر دیئے ہیں۔ اور خدا کے کلام کو بذریعہ تراجم مختلف لوگوں اور ملکوں تک پہنچا دیا ہے۔ اور کفرستانوں میں مسجدیں بنادی ہیں۔ اور سینکڑوں کی تعداد میں علماء وفضلاء اور بڑے بڑے ذی رتبہ اور ذی وجاہت لوگوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ سب عملی کام اسی کا ہے۔ خواہ اسے قادیانی جماعت کرے یا لاہوری جماعت کرے۔ اس عظیم الشان انسان کا ساتھ دینے کے لئے بلانا درحقیقت کوئی فرقہ بندی نہیں بلکہ خدمت اسلام کے لئے جو فوج تیار ہوئی ہے اس کو مضبوط کرنے کے مترادف ہے۔

پس اعتراضات کا قلع قمع کرنا اور سلسلہ حقہ میں شمولیت کی دعوت دینا ہمارا فرض عین ہے۔ اور دین اسلام کی خدمت کے کام کی تائید اور نصرت ہے۔ میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمیں اعتدال کو مدنظر رکھنا چاہیئے اور جماعت کی قوت دونوں باتوں پر صرف ہوتی رہنی چاہیئے۔ ایک طرف سلسلہ کی مضبوطی اور جماعت کے استحکام کے لئے قوت خرچ کریں۔ تو دوسری طرف یہ بھی مدنظر رکھیں کہ جماعت کا استحکام اصل مقصد یعنی حفاظت واشاعت اسلام کے کام کے لئے محض ایک ذریعہ ہے تو ایسا نہ ہو کہ اصل مقصد کو ہی بھول جائیں۔ اور نہ ہی یہ ہو کہ جماعت کے استحکام اور ترقی کی طرف توجہ نہ

کریں کیونکہ جماعت کی کمزوری سے وہ کام بھی کمزور ہو جائے گا بلکہ آخر کار بالکل رہ جائے گا۔ جس کے لئے اس جماعت کو کھڑا کیا گیا ہے۔

خدمت دین میں ذاتی مناقشات کو حائل نہ ہونے دو: دوسری بات، جس کی طرف میں اپنی احباب کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ کسی کام اور مقصد کی اہمیت کے سامنے ذاتی اختلافات اور جھگڑوں کو حائل نہ ہونے دیا جائے۔ اس وقت جو کام ہماری قوم محض خدا کے فضل سے کر رہی ہے وہ اس قدر عظیم الشان کام ہے کہ اس کے سامنے بڑے بڑے اختلاف بھی قربان کر دینے چاہئیں۔ بشرطیکہ وہ اصولی باتوں تک نہ پہنچتے ہوں۔ کسی جماعت کو اس سے چارہ نہیں کہ اس کے افراد میں اختلاف رائے بھی پیدا ہو۔ باہم جھگڑے اور فساد بھی ہوتے رہتے ہیں۔ خود صحابہؓ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بعض وقت جھگڑا ہو گیا۔ کسی کو کسی سے ذاتی مناقشات ہو گئی۔ پھر آپ کے زمانہ کے بعد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں تو مسلمانوں کے اختلاف دور تک بھی پہنچے۔ لیکن چونکہ یہ لوگ خدا کے کام کی اہمیت کو سمجھتے تھے اس لئے اپنے ذاتی جھگڑوں کو خدا کے کام کی تکمیل میں حائل نہ ہونے دیتے تھے۔ دین اسلام کی خدمت کے کام میں سب دل سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ اور آیت قرآنی وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (47:15) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومنوں کے دِلوں میں بھی کچھ نہ کچھ ایک دوسرے سے رنج پیدا ہو جاتا ہے جس کے دور کرنے کا وقت اللہ تعالیٰ نے زندگی بعد الموت کو ہی رکھا ہے۔ غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں مگر ان کو حد سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔

تفرقہ انگیزی سے بچو: میں دیکھتا ہوں کہ بعض وقت جماعت کے دو دوستوں میں کسی معاملہ پر کچھ اختلاف ہو جاتا ہے یا کوئی لین دین کا جھگڑا ہو جاتا ہے، تو بجائے اس کے کہ اس جھگڑے کو اس حد تک محدود رکھا جائے، ایک یا دونوں دوست خدا کے کام میں سُست ہو جاتے ہیں۔ یا اس کی طرف سے لاپروائی برتتے ہیں۔ پھر بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دوست ایک کے ساتھ ہو جاتے ہیں کچھ دوسرے کے ساتھ۔ اور ایک تفرقہ کی صورت قائم کر دی جاتی ہے۔ یہ وہ ذہنیت ہے جس کی وجہ سے آج مسلمانوں کے سارے کام خراب ہو رہے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ رنج کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ خدا

کے کام کی اہمیت کو بھول جاتے ہیں۔

خدا کے کام کی اہمیت کو فراموش نہ کرو: میں صرف ایک بات آپ سے کہہ کر اس خط کو ختم کرتا ہوں کہ کتنا بھی آپس میں آپ لڑیں اور جھگڑیں، مگر خدا کے کام کی تائید میں جو زور آپ کا خرچ ہوتا تھا۔ وہ اگر ہر روز ترقی کرتا چلا جائے تو آپ نے خدا کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اور اگر کوئی شخص اس جھگڑے کی وجہ سے خدا کے دین کی تائید میں سُست ہو گیا ہے یا جماعت کے اتحاد کو توڑنے کا موجب ہو رہا ہے تو وہ یاد رکھے کہ وہ خدا کے دین کی حفاظت کرنے والی فوج یعنی حزب اللہ میں سے نکل رہا ہے۔ اور جو حزب اللہ میں سے نکل جائے گا، ڈر ہے کہ وہ شیطان کے قبضہ میں نہ چلا جائے۔ پس وقت ہے کہ ہر ایک دوست اپنے افعال کا اور اپنی خدمات کا محاسبہ کرے۔ اور اگر اس کا قدم پیچھے ہٹ رہا ہے تو ابھی وقت ہے کہ اپنے آپ کو سنبھال لے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

23 ستمبر 1933ء

مکتوبات حضرت امیر

برادران جماعت کے نام خط ۔4

کامل یکجہتی سے کام کرنے کی ضرورت

برادران مکرم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

پچھلے خط میں مَیں نے آپ کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ چھوٹے چھوٹے اندرونی اختلافات یا باہمی ذاتی جھگڑوں سے خدا کے دین کی نصرت اور تائید کے کام میں ہمیں سُست نہ ہونا چاہئے ۔فی الحقیقت یہ سستی اس وقت شروع ہوتی ہے جب انسان کے دل سے خدا کے کام کی اہمیت کا احساس اُٹھ جاتا ہے۔خواہ وہ اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے سو عذر بنالے۔اور وہ اپنے ذاتی جھگڑوں یا ذاتی رائے کو حد سے زیادہ وقعت دے کر انہی چیزوں کو اپنا معبود بنالیتا ہے۔اور خدا کے دین کی تائید کے کام میں اس کی اپنی خواہشات ایک دیوار بن کر حائل ہو جاتی ہیں۔

قادیان سے علیحدگی کی وجہ: ہم قادیان سے کبھی الگ نہ ہوتے اگر خاتم النبین کے بعد ایک نبوت کے قائم کرنے اور چالیس کروڑ کلمہ گو مسلمانوں کو کافر قرار دینے کا فیصلہ نہ کرلیا جاتا۔اور اس پر بھی ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ تکفیر کے مسئلہ میں ہمیں آزادی رائے دی جائے۔تا کہ ہم ساری جماعت کے سامنے اپنے خیالات کو رکھ سکیں۔ جسے یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ خلیفہ کی رائے کے خلاف کسی رائے کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔پھر وہاں سے علیحدگی کے بعد ہمارا نصب العین وہی رہا جو حضرت مسیح موعود نے ہمارے سامنے رکھا تھا۔ بلکہ پہلے سے دو چند قوت کے ساتھ ہم نے اس کام کو لاہور میں شروع کیا۔جس کی بنیاد حضرت مسیح موعود نے رکھی تھی اور چند بکھرے ہوئے دانوں نے ایک سلک میں منسلک ہوکر اور سارے کام کی از سر نو بنیاد رکھ کر اسے اس قدر ترقی دی کہ آج اس عمارت کے بلند مینار دور دور کے ملکوں سے نظر آ رہے ہیں۔اور ہماری چھوٹی سی جماعت، جو تعداد کے لحاظ سے کسی شمار میں آنے کے قابل نہیں، اپنے کام کے لحاظ سے ایک عظیم الشان قوم نظر آتی ہے۔اور سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو حضرت مسیح موعود کی

صحیح تعلیم دنیا سے اسی طرح مفقود ہوگئی ہوتی جس طرح مسیح اول کی صحیح تعلیم دنیا سے نابود ہوگئی۔

کامل یکجہتی سے کام کرنے کی ضرورت: اس خط میں مَیں آپ کو صرف اس کام کی اہمیت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو اس وقت تک ہو چکا ہے اور جو اس وقت ہم کر رہے ہیں۔ تا کہ ہمارے احباب میں جہاں کہیں ذاتی رنجشیں ہیں اور وہ انہیں دور نہیں کر سکتے تو کم سے کم انہیں اپنے صحیح مرتبہ اور مقام پر رکھیں۔ بہتر تو یہی ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی رنجشوں کو، جن کی بنیاد اگر دیکھا جائے تو سوائے خواہشات کی پیروی کے کچھ بھی نہیں، دور کر کے کامل یکجہتی سے ہم تھوڑے سے احباب کام سے لگ جائیں۔ لیکن اگر کوئی رنجش دور نہیں ہوسکتی تو پھر بھی اسے حد سے زیادہ وقعت نہ دی جائے۔ غور کر کے دیکھیئے کہ ہماری چھوٹی سی جماعت کو مٹانے کے لئے پہلے تو قادیان سے ہی کتنا زور خرچ ہوا۔ حالانکہ اگر وہ کچھ بھی دانشمندی سے کام لیتے تو وہ دیکھ سکتے تھے کہ ہم بھی حضرت مسیح موعود کا ساتھ دینے کے لئے لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ پھر ہم نے فساد سے بچنے کے لئے بنے بنائے سلسلہ اور اس کے تمام کاروبار کو اسی طرح چھوڑ کر از سرنو اس کام کی بنیاد لاہور میں رکھی۔ اس کے بعد اپنے مسلمان بھائیوں کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھو تو ان کی قوت عیسائیت اور آریہ سماج کی تردید پر اس کا دسواں حصہ بھی صرف نہیں ہوتی جس قدر جماعت احمدیہ کو مٹانے پر صرف ہوتی ہے۔ حالانکہ انہیں نظر بھی آتا ہے کہ جماعت احمدیہ جو کام کر رہی ہے وہ کام حفاظت واشاعت اسلام کا ہی ہے۔ اگر فروعی امور میں کوئی اختلاف ہے تو کام کی اہمیت کے سامنے اسے نظر انداز کیا جائے۔ اس سے اور آگے چلیئے۔ تو خود اسلام کو مٹانے کے لئے کس قدر دنیا تلی ہوئی ہے۔ تو اتنی مٹا دینے والی طاقتوں کے بالمقابل کس قدر ضرورت ہے کہ ہم کامل یکجہتی سے کام کریں۔

ہمارے کام کی اہمیت وعظمت: دوسری طرف یہ امر سوچنے کے قابل ہے کہ کس قدر عظیم الشان کام ہو چکا ہے۔ اور کس قدر بلند عمار بن چکی ہے۔ اور کن ہاتھوں نے اس کام کی بنیاد رکھی ہے۔ اصل کام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حفاظت اور اشاعت کا کام ہے۔ جس کی بنیاد اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مامور کے ذریعے سے رکھی۔ وہ سطحی نظر کے لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مہدویت کے مدعی تو بہت پیدا ہوئے اور خود ہی نابود ہو گئے۔ اسی طرح یہ سلسلہ بھی مٹ جائے گا۔ اور

ایک لمحہ کے لئے یہ نہیں سوچتے کہ اگر انہی کا قیاس درست ہو تو اس سلسلہ کے مٹ جانے سے اسلام کی خدمت کی کس قدر بلند عمارت گر جائے گی۔ تو کیا وہ دن مسلمان قوم کے لئے خوشی کا دن ہوگا یا ماتم کا؟! اور نہ یہ سوچتے ہیں کہ مٹنے والوں اور دنیا میں قائم رہنے والوں میں اللہ تعالیٰ نے تو ایک بین فرق بتا دیا ہے۔ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْ هَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (17:13) جھاگ تو رائیگاں جاتی ہے اور جو چیز لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین میں رہ جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی فرمایا کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ (17:13) یہ اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان کر رہا ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ بھی مہدویت کے دعویداروں کی طرح دعویٰ ہی دعویٰ ہوتا تو ممکن تھا یہ مٹ جاتا۔ مگر یہ دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایک عظیم الشان علمی دلائل کا ذخیرہ ہے۔ ہر ایک مذہب پر اتمام حجت ہے۔ جس قدر زیادہ کوئی مذہب اسلام کے مقابلہ پر آیا اسی قدر زیادہ اس پر اتمام حجت بھی کیا۔ عیسائیت نے اپنی قوت اسلام کے مٹانے کے لئے صرف کر رکھی تھی آپ نے بھی سب سے زیادہ اس مذہب کی طرف توجہ کی اور ایسے زبردست حربے اس کے خلاف استعمال کئے کہ پادری صاحبان نے یہ اصول بنالیا کہ کسی احمدی کے ساتھ بحث نہیں کریں گے اور آپ کی توجہ سے ہی اسلام کا روحانی علم عیسائیت کے مرکزوں میں لہرانے لگا۔ اور یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ ہندو مذہب کی نئی شاخ آریہ سماج نے اسلام کے خلاف خصوصیت سے زور لگایا۔ تو آپ نے اس کے عقائد کی بھی دھجیاں بکھیریں۔ اور کوئی مذہب نہیں جس پر اتمام حجت نہیں کیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم کے ایسے محاسن اور خوبیاں بیان کیں کہ دل خود اس کی طرف کھنچنے لگے۔ اسلام کی تعلیم کو ایسے پاکیزہ رنگ میں بیان کیا کہ اس کی خوبیوں کے سامنے سب کے سر جھک گئے۔ جس کا ایک سرسری نظارہ 1896ء کے جلسہ مہوتسو میں لوگوں نے دیکھ لیا۔

مہدویت کے غلطی خوردہ مدعی: بہتیرے مہدویت کے دعاوی نسیاً منسیاً ہو گئے اور بہتیرے اور مہدویت کے مدعی خود ہماری جماعت میں پیدا ہو رہے ہیں۔ جن کو اتفاق سے ایک آدھی خواب آجاتی ہے یا چند سطریں لکھ لیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ایک خواب یا چند سطروں کے سامنے دنیا سرنگوں ہو جائے گی۔ وہ یا تو اس قدر جاہل اور سنت اللہ سے ناواقف ہوتے ہیں کہ خود اس غلطی میں پڑ جاتے ہیں

کہ ہم چند دنوں میں دنیا کو فتح کر لیں گے یا اس قدر چالاک ہیں کہ بعض جہلاء کو اس ذریعہ سے اپنا شکار بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں اور حضرت مسیح موعود کے نور کو وہ اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ مگر یہ چراغ، جسے خدا نے روشن کیا ہے، اب بجھ نہیں سکتا۔

حضرت مرزا صاحب کی قبولیت کی وجہ: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی قبولیت ان کے دعویٰ مہدویت یا مسیحیت کی وجہ ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ آپ کی قبولیت ان علوم کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے میں بھر دیئے۔ دعویٰ تو درحقیقت ایک روک ہے۔ اور یہ مصلحت الٰہی کا تقاضا تھا تا کہ بعض ان باتوں سے اسلام کی تعلیم پاک ہو جاتی جو لوگوں نے غلط طور پر اس کی طرف منسوب کر رکھی تھیں اور اسلام کی ترقی کے راستے میں روک تھیں۔ پھر آپ نے دنیا کو یہ علوم ہی نہیں دیئے بلکہ اگر ایک طرف یہ دعویٰ کیا کہ میں وہ مسیح ہوں جس کے ذریعہ سے دین اسلام دنیا میں غالب ہوگا، تو دوسری طرف اسی غلبہ دینی کی بنیاد بھی اپنے ہاتھ سے رکھ دی۔ پھر بنیاد تو انسان کا ہاتھ رکھ سکتا ہے مگر اس کے لئے سامان تکمیل خدا کی نصرت کے سوا نہیں ملتے۔ اگر وہ کام عظیم الشان ہے جس کی بنیاد رکھی گئی تو اس پر ایک بڑی بھاری عمارت بھی کھڑی ہو چکی ہے۔

یہ عمارت کس طرح تعمیر ہوئی: اس عمارت پر آج تک سینکڑوں بڑے بڑے آدمیوں کی زندگیاں صرف ہوئیں۔ لاکھوں سے گزر کر کروڑوں تک وہ روپیہ پہنچا ہے جو اس عمارت پر خرچ ہو چکا ہے۔ وہ لوگ جو دنیا میں کام کرتے تو دنیوی مراتب کی بلند سے بلند چوٹیوں پر پہنچ جاتے۔ اُنہوں نے اپنی زندگیاں اس کے لئے وقف کیں۔ کئی بزرگ اس جماعت میں ایسے موجود ہیں، جن کا لاکھ لاکھ سے زیادہ روپیہ اس تعمیر پر صرف ہوا اور ان کی کوئی گنتی ہی نہیں جنہوں نے اپنا پیٹ کاٹ کر یا اپنے بال بچوں کو تکلیف میں رکھ کر یا اثاثہ بیچ کر اس تعمیر پر روپیہ صرف کیا۔ وہ آہیں جو خدا کے دین کی ترقی کے لئے دِلوں سے اُٹھ چکی ہیں اگر ان کا کوئی ریکارڈ ہو اور خدا کے ہاں یقیناً وہ ہے تو رات کی سنسان خاموشی ایک شورِ عظیم سے بھری ہوئی نظر آئے۔ وہ آنسو جو اس درد میں بہہ چکے ہیں اگر اکٹھے ہوں تو ایک نہر بہہ نکلے۔ کیا اس قدر محنت سے تیار ہوئی ہوئی عمارت چند ذاتی خواہشات کی وجہ سے برباد کر دی جائے گی؟!

اپنی تعمیر کی ہوئی عمارت کو نہ گراؤ: خدائی نور سے منور ہاتھ اس کی بنیاد رکھنے والے اعلیٰ درجہ کی خدادا

طاقتوں والے معمار اس عمارت کو بنانے والے، رضائے الٰہی کے لئے اور پورے اخلاص سے کام کرنے والے مزدور اس مین مدد دینے والے، اور آج جب یہ مینار اس قدر بلند ہوگیا کہ ہزاروں میلوں پر اس کی روشنی پہنچنے لگی تو اس سے بڑھ کر احمق کون ہوگا جو اپنے بھائی کے ساتھ ذرا سے رنج اور کدورت پر اس عمارت کو بنانے کے بجائے اس کو گرانے میں مصروف ہوجائے۔ گرانے میں اس لئے کہتا ہوں کہ گو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اس عمارت کو گرا رہا ہے، مگر درحقیقت اس کی سستی یا اس کی علیحدگی یا اس کا جھگڑا اس عمارت کو گرانے کے ہی مترادف ہے وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (46:8) باہمی جھگڑوں میں مصروف ہوجانے سے کبھی قومی قوت باقی نہیں رہتی۔ آپ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس عمارت کو بنایا ہے۔ جن کی قوت اور طاقت اس عمارت کے بنانے پر خرچ ہوئی ہے جن کے روپے سے یہ سب کاروبار بنا ہے۔ کیا آپ ہی اپنے ہاتھوں سے اسے گرائیں گے؟ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (92:16) اس (پاگل) عورت کی طرح نہ ہوجاؤ جو خود کات کر پھر خود ہی اس سوت کو ٹکڑے کردیتی ہے۔ خوب یاد رکھو کہ یہ عظیم الشان عمارت جس کی بنیاد خدا کے مامور کے ہاتھوں نے رکھی اور جس کی تعمیر میں آج 45 سال سے ایک قوم کی قوم اپنی جانوں اور اپنی قوتوں اور اپنے مالوں سے لگی ہوئی ہے۔ یہ کوئی معمولی سی چیز نہیں جس کو آج گرا کر کل کو پھر بنا سکو۔ اس لئے اگر کچھ کرسکتے ہو تو اپنی ہمت اور طاقت کو اس کام کو قوت دینے پر لگاؤ۔ تاکہ جب اپنے مولیٰ سے ملنے کا وقت آئے تو تم اس سے خوش ہو اور وہ تم سے خوش ہو۔ اور جس طرح اکٹھے ہو کر محض خدا کی رضا کے لئے اس کام کو شروع کیا اسی طرح اکٹھے رہ کر اس کی تکمیل میں مصروف ہو۔ اور محض اللہ کی رضا مطلوب ہو تو سب کچھ اللہ کے فضل سے ہے۔ مگر آخر تمہاری ہی طاقت تمہارا ہی مال اس پر صرف ہوا ہے۔ اپنی چیز کو اپنے ہاتھوں سے برباد نہ کرو۔

19 اکتوبر 1933ء

ارشاد امیر

زکوٰۃ کے متعلق قرآنی احکام

برادران وخواہران محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

زکوٰۃ کے متعلق ٹریکٹ آپ کی خدمت میں ارسال ہو چکے ہیں۔ احمدی قوم کے خلاف اگر ایک طرف طرح طرح کے ناپاک پروپیگنڈا سے اسے بدنام کیا جاتا ہے تو دوسری طرف خدا کے فضل سے اس قوم کے نظام اور اس کی خدمات اسلامی اور اس کی پابندی احکام قرآن کی وجہ سے دِلوں میں عزت بھی ہے ہر ایک احمدی بلاشبہ کچھ نہ کچھ ماہوار چندہ ادا کرتا ہے۔ لیکن زکوٰۃ کا حکم قرآن میں بڑی تاکید سے آیا ہے۔ اور ہر ایک احمدی کا سر اس کے سامنے جھکنا چاہیئے۔ اور دنیا کے مال کی محبت پر خدا کی محبت کو غالب کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ دنیا کے مال کی محبت بدترین بیماری ہے جو انسان کے دل کو زنگ آلود اور آہستہ آہستہ سیاہ کر دیتی ہے۔ اور اس کا علاج زکوٰۃ رکھا گیا ہے۔ جس کے معنی ہی پاکیزگی کے ہیں اس سے انسان کا دل پاک ہوتا ہے۔ آپ کی قوم کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ وہ ایک نظام کے ماتحت کام کر رہی ہے اور اس کا ایک بیت المال بھی ہے۔ یہاں سے زکوٰۃ کا روپیہ نہایت احتیاط کے ساتھ صحیح مصارف پر، جو قرآن کریم میں مذکور ہیں، خرچ ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کا بیت المال میں ادا کرنہ کرنا اور اسے خود بخود اپنی رائے سے خرچ کرنا حکم قرآنی کی تعمیل نہیں، اپنی خواہش کی فرمانبرداری ہے۔ اور کسی احمدی کے لئے یہ مناسب نہیں۔ جس طرح جس امر کے متعلق قرآن شریف کا حکم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعمیل کر کے دکھائی، اسی طرح اسے پورا کرنا چاہیئے۔ اگر ایک شخص چوبیس گھنٹہ بھی اپنے طور پر دعا میں لگا رہے، لیکن جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ کی تعمیل کی، اس کی پیروی نہ کرے تو کوئی نہ کہے گا کہ اس نے قرآن کریم کا حکم مانا ہے۔ جب زکوٰۃ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال قائم کیا اور ایک تہائی سے زیادہ اپنی رائے سے خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی، تو اسی کے مطابق ہر ایک قرآن شریف پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والوں کو بھی کرنا چاہیئے۔ خواتین سے بالخصوص التماس ہے کہ وہ اپنے زیور کی زکوٰۃ ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کریں۔ یہ زیور اگر خدا کی راہ میں خرچ ہو جائے گا تو قیامت کے دن ان کے کام آئے گا اور اگر اس سے محبت کر کے خدا کے حکم کو ٹال دیا تو قیامت کی پُرسش کے وقت یہ کوئی کام نہ دے گا۔ والسلام

خاکسار محمد علی۔ احمدیہ بلڈنگس، لاہور

جرمن ترجمۃ القرآن: (23 ستمبر 1933ء) اشاعت گذشتہ میں قارئین کرام نے یہ دل خوش کن خبر

ملاحظہ فرمائی ہوگی کہ حضرت مولانا صدرالدین صاحب قبلہ جناب ڈاکٹر منصور صاحب کی معیت میں قرآن کریم کا جرمن زبان میں جو ترجمہ کر رہے ہیں خدا کے فضل و کرم سے وہ پچیس پارہ تک مکمل ہو گیا الحمد للہ۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مترجموں کو تندرست رکھے اور ان کی ہمت میں برکت دے اور وہ اس اہم کام کو جلد پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ جرمن مشن اور برلن مسجد ہماری قوم کی بہترین مالی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ اس کے نتائج بھی نہ صرف جماعت احمدیہ بلکہ تمام عالم اسلامی کے لئے قابل فخر ہیں۔ لیکن ہمارے مقاصد اور توقعات بہت بلند ہیں۔ ہم اس مشن کے ذریعے ایک ایسا منظّم تبلیغی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں کہ جو کم از کم تمام وسط یورپ پر حاوی ہو۔ ہمیں اس کے ذریعہ دنیا کی اس تمام آبادی تک پیغام اسلام پہنچانا ہے جو جرمن زبان بولتی یا سمجھتی ہے۔ اس کام کے لئے ہمیں جرمن ترجمۃ القرآن کی اشد ضرورت ہے۔ خدا کرے کہ یہ ضرورت جلد پوری ہو جائے۔

ڈاکٹر غلام محمد صاحب کی یورپ روانگی: (19 اکتوبر 1933ء) جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب جنرل سیکرٹری انجمن 16 اکتوبر کی شب کو بعزم وی آنا (آسٹریا) فرنٹیر میل سے بمبئی روانہ ہوئے۔ جہاں آپ طبی علوم کا مزید تجربہ حاصل کریں گے۔ اس کام سے فارغ ہو کر انشاء اللہ تعالیٰ انگلستان اور جرمنی تشریف لے جائیں گے۔ اگر وقت ملا تو بعض دوسرے ممالک یورپ کی بھی سیاحت فرمائیں گے۔ اس طرح تقریباً ایک سال کا عرصہ ہندوستان سے باہر بسر ہوگا۔ روانگی سے قبل متعدد اعزہ و احباب نے الوداعی دعوتیں دیں۔ 14 اکتوبر کی دوپہر کو حضرت امیر ایدہ اللہ نے دعوت طعام دی۔ جس میں مرکز کے متعدد احباب مدعو تھے۔ روانگی کے وقت ریلوے سٹیشن پر کثیر مجمع نے الوداع کہی۔ بزرگان و احباب سلسلہ کے علاوہ لاہور کے سرکردہ ڈاکٹر اور ہندو، مسلمان، سکھ معززین بھی بکثرت موجود تھے۔ جس سے ڈاکٹر صاحب موصوف کی ہر دلعزیزی، خوش اخلاقی اور فنی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کثرت سے پھولوں کے ہار آپ کو پہنائے گئے۔ ڈاکٹر صاحب ممدوح ان چند بلند مرتبت ہستیوں میں سے ہیں جن پر ہماری جماعت بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ ان کی زندگی نوجوانوں کے لئے مشعل ہدایت ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور جس مقصد کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں اس میں کامیابی عطا فرمائے اور بخیریت وطن واپس لائے۔ آمین ثم آمین۔

19 اکتوبر 1933ء

مکتوبات حضرت امیر

برادران جماعت کے نام خط۔5

توسیع جماعت کی ضرورت واہمیت

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں نے جمعہ * کے خطبہ میں احباب کو یہ خصوصیت سے توجہ دلائی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص کو اس وقت توسیع جماعت کی طرف خصوصیت سے متوجہ ہو جانا چاہئے۔ میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ ہم میں سے بہت سے دوست اس وقت اس فرض سے غافل ہیں اور توسیع جماعت کے معاملہ میں سُست ہو گئے ہیں اس کی وجوہات خواہ کچھ بھی ہوں اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اس سستی کو دور کیا جائے۔

اس وقت جو سلسلہ کی زبردست مخالفت شروع ہو گئی ہے, یہ اللہ تعالیٰ نے ہماری سستی کے دور کرنے کا ایک سامان پیدا کر دیا ہے۔ کیونکہ جو قوم جیسے حالات میں پرورش پاتی ہے, انہی حالات میں رہ کر ہی وہ ترقی کر سکتی ہے۔ ہماری اس چھوٹی سی قوم کی ابتداء مخالفت کے زبردست طوفان کے اندر ہوئی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس جماعت کی ابتداء اس وقت بھی ہو سکتی تھی جب حضرت مرزا صاحب کی قبولیت اس ملک میں عام تھی۔ لیکن جو جماعت ایسے حالات میں پیدا ہوتی، وہ بعد میں مخالفت کا مقابلہ نہ کر سکتی۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ دنیا میں تبلیغ اسلام کے لئے ایک طاقتور جماعت کو کھڑا کرے تو اس نے وہ حالات پیدا کر دیئے، جن سے اس جماعت کے اندر حقیقی قوت پیدا ہوئی۔ وہی شخص جس کو ایک شام کو اس سارے ملک میں تمام اہل اسلام کے اندر قبولیت عامہ حاصل تھی اور وہ اسلام کا ایک زبردست پہلوان سمجھا جاتا ہے، دوسری صبح سارے ملک میں اس کے خلاف عداوت اور نفرت کا ایک طوفان عظیم برپا تھا۔ اور ہر طرف سے یہ کوشش ہو رہی تھی کہ اس کے وجود کو مٹا دیا جائے۔ انہی حالات میں یہ جماعت بنی اور مخالفت کے ایک عظیم ترین طوفان میں، جس کا منظر دنیا میں کم دیکھنے میں آتا ہے، اس جماعت نے

* یہ خطبہ اسی پرچہ میں درج ہو جاتا لیکن پیشِ نظر ضروری خط آخری وقت میں ملا۔ اس لئے خطبہ کے لئے گنجائش نہ رہی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اشاعت آئندہ میں ضرور درج کر دیا جائے گا۔ مدیر

پرورش پائی۔ دیکھنے میں آتا ہے، اس جماعت نے پرورش پائی۔ اور ہر ایک بادِ مخالف کا مقابلہ کرتے ہوئے ترقی کی۔ اس کا وجود نہ صرف اس پہاڑ کی طرح مضبوط تھا جسے کوئی آندھی اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی۔ بلکہ اس کے اندر آگے بڑھنے کی اس قدر قوت تھی کہ جوں جوں مخالفت تیز ہوتی گئی اس کا قدم بھی تیز ہوتا گیا۔

مسلمان اخبارات کا جنونِ مخالفت: جس طرح اس شخص کو، جس نے سمندر کے طوفانوں میں پرورش پائی ہو، خشکی کا قدم ثبات پسند نہیں کرتا، اسی طرح اس جماعت کی ترقی کے لئے جس نے مخالفت کے اندر پرورش پائی اور ترقی کی ہو، حالت مخالفت ہی زیادہ موزوں ہے۔ اس وقت ہماری مخالفت میں ہمارے کچھ مسلمان بھائی دیوانہ ہو رہے ہیں۔ لاہور کے تین روزانہ اخبار، جن کو اسلام کے دشمنوں کے مقابل کبھی غیرت نہیں آتی، جن میں کبھی چار سطریں عیسائیت یا آریہ سماج کی تردید میں نہیں نکلتیں، جن کو اسلام کے اندرونی اختلافات سے بھی اس قدر واسطہ نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والوں کے خلاف کبھی ایک لفظ کہیں یا محدثین یا اولیائے کرام کے عیب چینوں کے خلاف کبھی ایک سطر سپردِ قلم کریں، جن کے سامنے نماز کو تبدیل کر کے دوسری نماز بنالی گئی، اوقات تبدیل ہو گئے رکعات تبدیل ہو گئیں، ارکان نماز تبدیل ہو گئے، رمضان کے تیس روزے منسوخ ہو گئے، زکوٰۃ کے احکام بدل گئے اور ان کے دل میں شعار اسلامی کے لئے غیرت پیدا نہ ہوئی۔ وہ احمدیت۔ ہاں! دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچانے والی احمدیت۔ قرآن کریم کو دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے مختلف قوموں تک پہنچانے والی احمدیت۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر حملوں کا دفاع کرنے والی احمدیت، کفرستانوں میں مسجدیں بنانے والی اور اللہ اکبر کی آواز بلند کرنے والی احمدیت، ہزارہا انسانوں کو حلقہ بگوش اسلام بنانے والی احمدیت سے، اس درجہ بغض رکھتے ہیں کہ صفحوں کے صفحے روزانہ اس کو مٹانے کے لئے سیاہ کر رہے ہیں۔ اور سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے کوئی فکر ہے تو یہ فکر ہے کہ احمدیت کا وجود دنیا سے کس طرح مٹے۔ نہیں۔ وہ احمدیت کو تباہ کرنے کے لئے آریہ سماج اور عیسائیت کی مدد بھی لینے کو تیار بیٹھے ہیں۔

مگر ان باتوں کا ہمارے دلوں پر کیا اثر ہونا چاہئے؟ صرف یہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں بیدار کرنے کا اور ہم میں حرکت پیدا کرنے کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ اور ہمیں وہی حالات واپس

دے دیئے ہیں جن کے اندر ہماری پیدائش ہوئی تھی۔ ہم میں سے بہتوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ بس اب مخالفت ہوگی تو قادیان والوں کی ہوگی۔ کیونکہ ان کے عقائد تکفیر اہل اسلام و اجرائے نبوت ایسے گھنونے عقائد ہیں کہ ہر ایک مسلمان، جس کے دل میں غیرت اسلام ہے، ان عقائد کی مخالفت کرے گا۔ مگر جماعت لاہور کی مخالفت کون کرسکتا ہے۔ جو اخوت اسلامی کی اس قدر زبردست بنیاد رکھتی ہے کہ ہر ایک قسم کے جزئی اختلافات کی برداشت سکھاتی اور کسی کلمہ گو کو کافر کہنے کے خلاف علم جہاد بلند کرتی ہے۔ شاید اسی خیال نے بعض احباب کے دِلوں کے اندر یہ خواہش پیدا کر دی کہ جس طرح ہم کسی کو بُرا نہیں کہتے، دوسرے بھی ہم کو بُرا نہ کہیں۔ اور آہستہ آہستہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم میں سے بعض نے اس بات کو کافی سمجھ لیا کہ لوگوں کے دِلوں سے سلسلے کے متعلق بدظنیوں کا دور کر دینا کافی ہے۔ وہ لوگ ہمیں اچھا سمجھتے رہیں اور ہم اسے اچھا سمجھتے رہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ تبلیغ اسلام کے لئے وہ ہماری کچھ مدد کرتے رہیں۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ کسی خیال کو بھی دنیا میں پھیلانے کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہے۔ اور جب تک وہ جماعت مضبوط نہ ہوگی ہم خود بھی اس خیال کو دنیا میں ترقی نہیں دے سکتے، جسے ہم وسعت اسلامی کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ اور نہ خدمت اسلام کے کام کو ترقی دے سکتے ہیں۔ اس طرح پر جماعت کے ایک حصہ میں ایک حالت سکون پیدا ہوگئی۔ اور ہم میں سے بعض بڑے بڑے کام کرنے والے مطمئن ہو گئے کہ ہماری تقریریں کافی اثر پیدا کر رہی ہیں کہ لوگوں کو غلط فہمیاں دور ہو رہی ہیں۔ اور اس بات پر زور دینا چھوڑ دیا کہ بیعت کے ذریعے سے جب تک ایک شخص یہ اقرار کر کے کہ حالت عسر و یسر میں وہ دین کی خدمت میں برابر لگا رہے گا، جماعت کا ایک جزو نہیں بنتا۔ کام کرنے والی جماعت کو حقیقی قوت نہیں پہنچتی۔ نہ حضرت مسیح موعود کا منشاء پورا ہوتا ہے۔

غلط طرز عمل اور اس کا نتیجہ: اس خیال میں بعض احباب اس قدر اُلجھ گئے کہ وہ ان سب ذرائع پر تو غور کرتے رہے جن سے کچھ غلط فہمیاں دور ہوں۔ اور کچھ لیکچر اور تقریریں مؤثر نظر آئیں۔ لیکن اُنہوں نے دوسرے پہلو پر غور نہ کیا کہ جماعت کی توسیع کن کن ذرائع سے ہوسکتی ہے۔ اور عوام الناس کی یہ حالت ہے کہ اگر آج ایک احمدی کی تقریر کو سر ہلا ہلا کر سُن رہے ہیں تو کل اسی مجمع میں ایک شخص حضرت مسیح موعود کو گالیاں دے رہا ہے تو اس کو شاباش دے رہے ہیں۔ بسا اوقات یہ تقریریں ہوا کے ایک

جھونکے کی طرح ہوتی ہیں۔ ایک جھونکا ادھر سے آیا تو لوگ ادھر کو ہل گئے۔ اور دوسری طرف سے جھونکا آیا تو دوسری طرف ہو گئے۔ کسی موثر تقریر کا فائدہ تب ہوتا ہے جب اس سے مزید فائدہ اُٹھایا جائے اور جن لوگوں کی غلط فہمیوں فی الواقع دور ہو گئی ہیں ان پر یہ زور ڈالا جائے کہ وہ اس سے اگلا قدم اُٹھائیں۔ ورنہ جو فائدہ حاصل ہوا ہے وہ چند دنوں میں جاتا رہے گا۔ میں نے بہت لوگوں کو دیکھا ہے کہ جو پہلے حضرت صاحب سے اعلیٰ درجہ کا حسن ظن رکھتے تھے، مگر چونکہ وہ جماعت سے الگ رہے، اس لئے آہستہ آہستہ ان کا قدم پیچھے ہٹتا گیا۔ بہرحال اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعتوں کے اندر سے کام کرنے کی طاقت روز بروز کم ہوتی گئی۔ کیونکہ قوت وہی قائم رہ سکتی ہے یا ترقی پکڑ سکتی ہے، جس کو استعمال میں لایا جائے اور جب ایک قوت کا استعمال ہی چھوڑ دیا جائے۔ تو وہ نکمی ہو جاتی ہے۔

آج یہ حالت ہے کہ ہماری جماعتوں میں بہت سے دوست اس بات کے خواہاں ہیں کہ فلاں مبلغ ہمارے ہاں رہے تو جماعت ترقی کر سکتی ہے۔ مگر جن جماعتوں میں مبلغ ایک ایک سال ڈیڑھ ڈیڑھ سال بھی بیٹھے رہے اُنہوں نے بھی اپنے اندر کوئی قوت پیدا نہ کی۔ بلکہ یہ خیال کر لیا کہ تبلیغ صرف مبلغ کا کام ہے۔ اس لئے اس وقت تک تو کچھ حرکت نظر آتی ہے جب تک مبلغ وہاں کچھ سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ لیکن جب وہ وہاں سے ہٹا پھر کسی طرف سے مخالفت کی ہوا اُٹھی اور وہ احباب پھر یہی چاہتے ہیں کہ کوئی مبلغ آجائے تو کسی طرح ہماری مخالفت نہ ہو۔ ایسے مبلغین بھی اصل غرض سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ اور ایسے احباب بھی حقیقت سے غافل ہیں۔ مخالفت کو دور کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ مخالفت ہونے دو کہ مخالفت سے بیداری پیدا ہوتی ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود کے انفاس قدسی سے واقعی ہمارے اندر کچھ تعلق اللہ تعالیٰ سے پیدا ہو گیا ہے، تو جس قدر مخالفت زیادہ ہوگی، جس قدر ہم مشکلات میں گھریں گے، اسی قدر زیادہ ہم آستانہ الٰہی پر گریں گے اور خدا کی نصرت مانگیں گے۔ اور وہ نصرت ہمیں یقیناً ملے گی۔ اسی قدر زیادہ ہم میں اپنی بقا اور استحکام کا خیال پیدا ہوگا۔ اور ہم ان ذرائع کی طرف متوجہ ہوں گے جن سے ہم زندہ رہ سکتے اور ترقی کر کے مضبوط ہو سکتے ہیں۔ اسی قدر زیادہ ہم میں غیرت پیدا ہوگی جس کو کام میں لا کر ہم زیادہ کام کرنے کے اہل ہو سکتے ہیں۔ اسی قدر زیادہ دوسرے لوگوں کو اس سلسلہ کی طرف توجہ ہوگی۔ خواہ موافقانہ رنگ میں ہو یا مخالفانہ رنگ میں۔ مگر اس توجہ کا اثر یہ ہوگا کہ

لوگ ہماری باتوں کو سننے لگیں گے۔

پس میں اپنے احباب کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ فلاں مبلغ آ جائے اور کچھ اچھی تقریریں کر کے مخالفت کو کم کر دے تو آپ غلطی کرتے ہیں۔ میں بھی سمجھتا ہوں کہ مبلغین کی ضرورت ہے۔ مگر نہ اس لئے کہ وہ مخالفت کو کم کریں بلکہ اس لئے کہ جن لوگوں کو آپ نے ہمت کر کے سلسلہ سے کچھ قریب کر دیا ہے، انہیں وہ جماعت کے اندر لائیں۔ اور جو ابھی دور ہیں اور نفرت کرتے ہیں، ان کو سمجھا کر قریب لائیں۔ اور آپ کے لئے راستہ بتائیں کہ آپ بھی اس راستہ پر چل کر جماعت کی قوت کو بڑھائیں اور مبلغ کے محتاج نہ رہیں کہ وہ آئے تو کچھ کرے۔

استقلال و عزم کی ضرورت: میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارا کام پولیٹیکل کام نہیں کہ دھواں دھار تقریروں سے لوگوں میں ایک آنی حرکت پیدا کر دیں۔ یہ ایک مذہبی کام ہے۔ یہ انسانوں کے اندر تبدیلی پیدا کرنے کا کام ہے۔ یہ تدریج اور آہستگی کا کام ہے۔ یہ استقلال سے ایک بات کے پیچھے لگے رہنے کا کام ہے۔ اگر آج ہم میں سے سب کے سب احباب بوڑھے اور جوان مرد اور عورتیں صاحب مرتبہ اور رسوخ اور عامی آدمی یہ عزم کر لیں کہ ہم نے جماعت کو بڑھانا ہے۔ اور دو دو چار چار دس دس آدمیوں کو اپنے زیرِ تبلیغ لے آئیں، مگر اس طرح نہیں کہ ایک بات کہی اور الگ ہو گئے، بلکہ اس طرح کہ جس سے یہ سلسلہ شروع کیا ہے اس پر پورا زور صرف کریں اور کسی حالت میں اس سے مایوس نہ ہوں۔ سخت ترین مخالفت کو دیکھ کر بھی مایوس نہ ہوں، کسی وقت اپنے آپ کو عاجزی اور بیکسی کی حالت میں پائیں تو خدا کے آگے گریں اور اس سے مدد طلب کریں۔ وہ نئی راہیں کھول دے گا۔ نئی روشنی دے دے گا۔ کوئی اعتراض ایسا نہیں جس کا ایک امی احمدی جواب نہ دے سکے۔ اگر اسے خود جواب نہیں آتا تو اپنے دوسرے بھائی سے دریافت کر لے۔ جس قدر ہم زیادہ تبلیغ کی طرف توجہ کریں گے، اسی قدر ہم اپنے کو زیادہ مفید بنا لیں گے۔ جس قدر ہماری توجہ اس طرف سے کم ہو گی، اسی قدر ہم اندر سے کھوکھلے ہوتے چلے جائیں گے۔

مخالفت سے فائدہ اُٹھاؤ: بالآخر میں اپنے احباب کو وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3:103) کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جو شخص حق بات دوسروں کو نہیں پہنچاتا وہ خود نقصان میں ہے، خسارہ

میں ہے۔اور حق کے ساتھ صبر کی وصیت بھی اسی قدر ضروری ٹھہرائی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق پہنچنا ہی مخالفت کے اندر ہے۔جب تک مخالفت نہیں ہوتی،مشکلات پیدا نہیں ہوتیں،اس وقت تک حق کو پہنچانے کا بھی موقع پیدا نہیں ہوتا۔تو پس اس بات پر خوش نہ ہو کہ لوگ اب ہماری مخالفت نہیں کرتے۔مخالفت کرنے دو کہ اسی میں ہماری بھلائی ہے۔مگر اس مخالفت سے فائدہ اُٹھاؤ۔لوگوں کی طبائع حق کو قبول کرنے کے لئے مخالفت سے ہی تیار ہوتی ہیں۔وہ فیصلہ کرنے کی ضرورت بھی اس وقت تک نہیں سمجھتے جب تک جھگڑا نظر نہ آئے۔اپنے نقطۂ خیال کو بدل دو۔اور آج سے ہر ایک شخص اپنے دائرہ تعارف میں،اپنے احباب میں،اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں میں ان لوگوں کو تلاش کرے،جنہیں وہ پیغام حق پہنچا سکتا ہے۔اور پھر اسے پہنچاتا رہے اور بس نہ کرے۔یہاں تک کہ اسے ساتھ نہ ملا لے۔اگر ایک انسان قلعہ کی طرح بھی مضبوط ہے تو بھی ہماری طرف سے یہ پست ہمتی ظاہر نہ ہو کہ ہم اسے مسخر نہیں کر سکتے۔نہیں۔بلکہ ناکامی پر ناکامی دیکھ کر نئی سے نئی قوت اور کوشش عمل میں لاؤ۔اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت کرے گا۔والسلام

خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس۔18 اکتوبر 1933ء

۞۞۞

15 نومبر 1933ء

نمائش دستکاری

احمدی خواتین کی خدمت میں ایک اپیل

بیگم صاحبہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

مندرجہ ذیل ضروری و قابل توجہ مضمون پیغام صلح کے ''قبول احمدیت نمبر'' میں شائع کرنے کے لئے موصول ہوا تھا۔ اس پرچہ میں عدم گنجائش کی وجہ سے درج نہ ہوسکا۔ اُمید ہے کہ خواتین سلسلہ اسے پورے غور سے مطالعہ کریں گی اور پہلی فرصت میں اس پر توجہ دیں گی۔ مدیر

اخبار ''پیغام صلح'' کا ''قبول احمدیت نمبر''۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، قبول احمدیت کی مختصر سی تاریخ پر مشتمل ہے۔ مگر بیجا نہ ہوگا اگر میں چند ضروری معروضات اپنی محترم خواہران و برادران کی خدمت میں پیش کروں۔ قبول احمدیت یا دوسرے الفاظ میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود نے سب سے بڑا کام جو ہمارے سپرد کیا ہے وہ اشاعت اسلام ہے۔ اور اس میں مرد عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ احمدیت کسی نئے مذہب کا نام نہیں بلکہ احکام الٰہی کی فرمانبرداری اور فرائض کی ادائیگی ہی حقیقی احمدیت ہے۔ اس نازک دور میں جبکہ مذاہب میں باہمی کشمکش ہو رہی ہے اور ہندو قوم تک جن کے دھرم میں تبلیغ کا نام تک نہیں میدان مقابلہ میں آ گئی ہے تو اس صورت میں اسلام کی اشاعت ایک نہایت اہم فرض بن گئی ہے۔ اور جس طرح ابتدائے اسلام میں صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہم نے اپنی متفقہ کوششیں اس راہ میں لگا دیں، اسی طرح آج بھی ہر مسلمان مرد ہو یا عورت اس کا فرض ہے کہ وہ اس پاک مقصد کے لئے کسی نہ کسی رنگ میں حصہ لے۔ خواتین کا حلقہ عموماً گھروں تک محدود ہے مگر اپنے دنیوی فرائض کو بجا لا کر بھی وہ اس قدر وقت نکال سکتی ہیں کہ اس دینی جہاد میں شامل ہوں۔ دونوں فریق اپنے اپنے دائرے میں اپنے حالات کے مطابق اس اہم فرض سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر دستکاری فنڈ کا ذکر کروں گی۔ چار پانچ سال سے خواتین میں یہ تحریک جاری ہے کہ سالانہ جلسے کے موقع پر کچھ چیزیں اپنے ہاتھ سے بنا کر اشاعت اسلام کے لئے دیں۔ اور سہولت کے لئے یہ مقرر کیا گیا تھا کہ ہر ہفتہ میں ایک بار کچھ کام اپنے ہاتھ سے کیا جائے اور سال میں ایک دفعہ ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں

بذریعہ نمائش فروخت کر کے آمدہ رقم اشاعت اسلام میں دے دی جائے۔

اب آپ غور فرمائیے کہ کس قدر سہل اور مفید تجویز ہے۔ مگر پھر بھی جماعت کے دسویں حصہ نے بھی اس طرف توجہ نہ کی۔ میں اپنی معزز بہنوں کی خدمت میں اپیل کرتی ہوں کہ خدا کے لئے اپنے فرض کو پہچانیے۔ یہ دنیا کے دھندے تو مرتے دم تک پیچھا نہیں چھوڑتے۔ مگر مصروفیتوں کے باوجود ہم اپنے کاموں کے لئے وقت نکال لیتے ہیں تو خدا کے کام کے لئے ہفتہ میں ایک گھنٹہ بھی ہم بچا نہیں سکتے؟ آخر یہ زندگی ایک دن ختم ہوگی۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ جو کام ہم اس زندگی میں کریں گے، ان کا بدلہ آئندہ زندگی میں ملنے والا ہے۔ تو للہ اس زندگی کے لئے بھی کچھ فکر کیجئے جس میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہے۔ ہماری آنکھوں کے آگے بیسیوں ہستیاں اُٹھ گئیں اور اُٹھتی جا رہی ہیں۔ پھر اپنے انجام سے آنکھیں بند کر کے اس فانی دنیا ہی میں غرق ہو جانا کس قدر افسوس ناک ہے!

محترم بہنو! ایک قدم جو کسی کی امداد کے لئے اُٹھایا جائے ایک کلمہ جس سے کسی کو فائدہ پہنچے اور ایک لمحہ جو نیک کام میں صرف ہو، کبھی رائیگاں نہیں ہوگا۔ اور یہی ننھے ننھے کام راحت ابدی کا موجب ہوں گے۔ بہت سی باتیں جنہیں ہم حقیر سمجھتے ہیں ان سے عظیم الشان نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ میری دِلی خواہش ہے کہ میری ہر بہن میں یہ جوش پیدا ہو کہ وہ اپنے وقت میں سے چند لمحے اشاعت اسلام کے لئے وقف کر دے۔ اس سے نہ صرف مالی امداد ہوگی بلکہ ہمارے دل میں وہ حقیقی روح اور پاکیزگی پیدا ہوگی جس کے ذریعہ ہم سچے مسلمان بن سکتے ہیں۔ اپنی بچیوں کو بھی اس میں شریک کرنا چاہئے تاکہ بچپن ہی سے ان کے دِلوں میں ایثار اور قومی و دینی خدمت کی اُمنگ پیدا ہو۔ جلسہ سالانہ میں تقریباً ڈیڑھ مہینہ باقی ہے۔ اگر آپ اسی وقت دل میں یہ عزم کر لیں تو اس عرصہ میں کچھ نہ کچھ خدا کے لئے بھی کر سکتی ہیں۔ اپنے محترم برداران کی خدمت میں بھی التماس ہے کہ وہ اس مضمون کو گھروں میں اپنی بیویوں، بیٹیوں اور بہنوں تک پہنچا کر عنداللہ ماجور ہوں۔ ان کو مجبور کریں کہ وہ اس کارِ خیر میں حصہ لیں۔ جو جو بہنیں اس میں شامل ہونا چاہتی ہیں وہ خاکسار کو اطلاع دیں۔ مزید واقفیت کے لئے ذیل میں مفصل لکھا جاتا ہے۔

اول: ہر ایک بہن کوئی سا کام جو وہ جانتی ہو ہر قسم سلائی کشیدہ، اُون کا کام، سلمہ ستارا، سوت کاتنا وغیرہ وہ اشاعت اسلام کے لئے حسب توفیق بنائیں۔

دوم: کڑھے ہوئے دوپٹے، ٹیبل کلاتھ، ازار بند، پلنگ پوش، رومال، اون کے سویٹر، موزے، کھلونے اور دیوار پر آویزاں کرنے کے قطع، سوت وغیرہ نہایت آسانی سے فروخت ہو جاتے ہیں۔

سوم: اگر کوئی بہن اپنے گھر کی ضرورت یا بچوں کے لئے کوئی چیز بنائیں تو وہ اس کو خود خرید سکتی ہیں۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ بہنیں اپنی ضروریات کی چیزیں بنائیں اور اسے خود خرید لیں۔ جو خود نہ خریدیں گی وہ نمائش میں رکھ کر بیچی جائیں گی۔

چہارم: ایک قیمتی چیز کے بجائے متعدد قسم کی معمولی قیمت کی چیزیں بنائیں۔

پنجم: ہر چیز میں یہ خیال رکھا جائے کہ کم خرچ اور پائیدار اور خوبصورت ہو۔ لٹھے کے ٹیبل کلاتھ، جن پر سفید یا ہلکے رنگ کے دھاگے سے کام کیا جائے، بہترین چیز ہے۔ معمولی چیز کو محنت سے قیمتی بنانا چاہیئے۔ تاکہ محنت کا معاوضہ اچھا مل جائے۔ پشاور کی بہنیں اگر برقع کی ٹوپی اور رومال بنائیں تو مناسب ہوگا۔

ششم: ہر چیز صاف ستھری ہونی چاہیئے۔ بہنیں خود اندازہ کرسکتی ہیں کہ کس قسم کی چیزیں روزمرہ کی ضروریات کے لئے درکار ہیں۔

ہفتم: جو چیز بھیجی جائے اس کی لاگت کی چٹ خود اس پر لکھ کر لگادی جائے۔ قیمت ہم خود لگالیں گے۔ آپ صرف یہ لکھ دیں کہ آپ کا کس قدر خرچ آیا ہے۔ اور تمام اشیاء دسمبر کے پہلے ہفتہ میں یا اس سے پہلے خاکسار کے نام پہنچ جانی چاہئیں۔ بجائے پارسل کے ذریعہ اگر کسی لاہور آنے والے کے ہاتھ چیز بھیجی جائے تو بہتر ہوگا۔ اگر اب کوئی چیز تیار نہ ہو سکے تو پہلے کی بنی ہوئی چیز بھیج سکتی ہیں۔ والسلام

خاکسار اہلیہ محمد علی

❁❁❁

یکم دسمبر 1933ء

نمائش دستکاری پر دو ضروری چٹھیاں

خواہران محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بوجہ رمضان المبارک احمدیہ انجمن خواتین اسلام لاہور کا سالانہ جلسہ اور دستکاری کی نمائش 17 دسمبر 1933ء بروز اتوار ہوگی۔ براہ کرم آپ اپنی دستکاری 10 دسمبر تک خاکسار کو بھیج کر ممنون فرمائیں۔ مردانہ جلسہ بدستور کرسمس کی چھٹیوں میں ہوگا اور اس کے ساتھ پس پردہ مستورات کے لئے بھی جگہ ہوگی۔

خاکسار اہلیہ محمد علی

آنریری سیکرٹری احمدیہ انجمن خواتین اسلام لاہور

بخدمت سیکرٹری صاحبان جماعتہائے احمدیہ اشاعت اسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ جلسہ خواتین اور دستکاری کی نمائش 17 دسمبر 1933ء بروز اتوار ہوگی۔ آپ سب بہنوں کو اطلاع دے دی جائے کہ وہ 10 دسمبر تک اپنی اپنی دستکاری بھیج دیں۔ جلسے کے بعد جو دستکاری آتی ہے اس کا فروخت ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے وقت پر پہنچ جانی چاہئے۔

اہلیہ محمد علی

آنریری سیکرٹری

خواتین کے نام ایک ضروری خط: (7 دسمبر 1933ء)

خواہران محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

ہمارے زنانہ جلسہ کا اشتہار اخبار میں اور علیحدہ شائع ہو چکا ہے۔ اور اس پرچہ میں بھی درج ہو رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس نازک ترین زمانہ میں اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے لئے کس قدر جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ایک طرف مالی واقتصادی مشکلات درپیش ہیں تو دوسری طرف ہمارا سچا مذہب اسلام ناپاک ترین حملوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم مل کر اپنے پیارے مذہب اور قوم کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔ ہندو اور عیسائی بہنوں کو دیکھئے کہ وہ اپنے قومی و مذہبی کاموں میں

کس قدر سرگرمی دکھا رہی ہیں اور دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ہم مسلمان مستورات کا بھی فرض ہے کہ اپنے مذہب اور قوم کی خدمت کے لئے میدان عمل میں نکل آئیں۔ آپ کس طرح اپنے آپ کو خدمت دین وقوم کے لئے مفید بنا سکتی ہیں اور مختلف حالات میں کن کن طریقوں سے حصہ لے سکتی ہیں۔ یہ معلوم کرنے کے لئے آپ اس جلسہ میں تشریف لائیں۔ جس میں ہماری قوم کی بہبودی کی تجاویز پیش ہوں گی اور ہماری لائق اور معزز بہنیں مثلاً لیڈی عبدالقادر صاحبہ، محترمہ خدیجہ بیگم صاحب ایم۔اے، بیگم شاہنواز، مسز خالد لطیف گوبا، بیگم قلندر علی خاں اپنی عالمانہ دلچسپ تقریروں میں قومی ترقی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گی۔ جلسہ کے ساتھ دستکاری کی نمائش بھی ہوگی۔ جس میں بچوں کے اونی لباس، موزے وغیرہ ٹیبل کلاتھ، کشن، اغلاف تکیہ، ٹی کوزی، ازار بند، لیڈیز، رومال، بچوں کے لئے ہاتھ سے بنائے ہوئے کھلونے، بٹوے، کڑھے ہوئے دوپٹے، قمیص، قطعے وغیرہ فروخت کے لئے موجود ہوں گے۔ قیمتیں معمولی ہوں گی غالباً آپ جانتی ہوں گی کہ اس نمائش کا مقصد اشاعت اسلام میں مدد دینا ہے۔ جو چیز آپ خریدیں گی اس کی قیمت تبلیغ پر صرف ہوگی۔ آپ کو عمدہ پائیدار چیزیں مل جائیں گی اور اشاعت اسلام کی مدد بھی ہوگی۔ اس طرح آپ اس نمائش میں سے کچھ خرید کر ہم خرما و ہم ثواب کی مصداق ہوں گی۔ مجھے آپ کی دینی وقومی محبت سے اُمید ہے کہ آپ اس جلسہ اور نمائش میں ضرور تشریف لائیں گی۔ پیاری بہن! دنیا کے دھندے تو مدت العمر ختم نہیں ہو سکتے۔ مگر اسلام بھی آپ سے کچھ توقعات رکھتا ہے۔ خدارا اپنے فرض کو پہچانئے۔ اور اس دینی وقومی کام کو اپنے دیگر کاموں پر مقدم کر کے اپنی شرکت سے جلسے کو پر رونق بنایئے۔ اپنی سہیلیوں اور دیگر عزیز بہنوں کو بھی ساتھ لایئے۔ آج کل دن بہت چھوٹے ہوتے ہیں، اس لئے جلسہ عین وقت پر شروع ہوگا۔ پابندی وقت کا خاص خیال رکھئے گا۔ والسلام

آپ کی بہن

بیگم محمد علی

آنریری سیکرٹری انجمن خواتین اسلام لاہور

مسلمان خواتین کا عظیم الشان جلسہ: (7 دسمبر 1933ء) احمدیہ انجمن خواتین اسلام کا آٹھواں سالانہ

جلسہ 17 دسمبر 1933ء اتوار بوقت دس بجے دن مسلم ہائی سکول برانڈرتھ روڈ متصل اسلامیہ کالج میں منعقد ہوگا۔ ہماری محترم اور لائق بہنیں مدیحہ بیگم ایم۔اے، بیگم شاہنواز، مسز خالد لطیف گابا و دیگر معزز خواتین تقریر فرمائیں گی۔ جلسہ کے ساتھ ہی نمائش بھی ہوگی جس میں مختلف اقسام کی خوبصورت اور گھریلو بنی ہوئی اشیاء فروخت کے لئے موجود ہوں گی۔ قیمتیں نہایت واجبی ہوں گی۔ متعدد کھانے کی گھر کی تیار شدہ چیزوں کی دُکانیں بھی ہوں گی۔ چونکہ اس نمائش کا مقصد اشاعت اسلام کی امداد ہے اس لئے ہر مسلمان بہن کا فرض ہے کہ وہ اس کی معاون ہو کر عنداللہ ماجور ہوں۔ پردہ کا انتظام بخوبی ہوگا۔ جلسہ گاہ پر کوئی ٹکٹ نہیں ہے۔ صرف نمائش گاہ پر ایک آنہ فی کس ٹکٹ ہوگا۔ ننھے بچے بھیڑ بھاڑ سے گھبراتے ہیں اور پریشانی کا موجب ہوتے ہیں۔

الداعیات

لیڈی محمد شفیع، لیڈی فضل حسین، بیگم شاہدین، بیگم لطیفی، بیگم میاں بشیر احمد، بیگم شیخ اصغر علی، بیگم قلندر علی، بیگم شیخ رحمت اللہ خاں، بیگم سید محمد حسین، بیگم مرزا یعقوب بیگ، بیگم محمد علی، بیگم خواجہ کمال الدین، بیگم ڈاکٹر غلام محمد۔

15 دسمبر 1933ء

حضرت امیر کے قلم سے

پرانے احباب سلسلہ سے ایک درخواست

اس بات کو محسوس کرتے ہوئے کہ ہمیں جماعت کی ترقی کے لئے اپنے قدم کو تیز کرنا چاہئے، ایک تجویز ہمارے ایک محترم اور درددل رکھنے والے بزرگ نے یہ پیش کی ہے کہ اس جلسہ پر خصوصیت سے وہ سب احباب آئیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ ایسے احباب کی تعداد اب یوماً فیوماً کم ہورہی ہے۔ بہت سے ایسے دوست اپنے مولیٰ سے جا ملے ہیں۔ اور باقی بہت سے تیار بیٹھے ہیں۔ جن لوگوں نے خدا کے مامور کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار کیا تھا کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم کریں گے، انہیں اگر وہ نعمت میسر آئی ہے، جسے اُن کے پیچھے آنے والے دوست نہیں پا سکے، تو ان کی ذمہ داری بھی بہت زیادہ ہے۔ اور چونکہ اب وہ جلد جلد اپنے مولیٰ سے ملنے والے ہیں اس لئے قبل اس کے کہ وہ وقت آئے، ان کا فرض ہے کہ جماعت کی ترقی اور استحکام کے لئے اور مشکلات کے سمندر میں اس کی کشتی کو سنبھالنے کے لئے کوئی زبردست کوشش کریں۔ تا کہ جب وہ اپنے مولیٰ کے سامنے حاضر ہوں تو انہیں شرمندہ نہ ہونا پڑے کہ مامور کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار کرنے کا جو حق تھا اس کے ادا کرنے میں اُنہوں نے کوتاہی کی۔ جلسہ سالانہ میں ان کا تشریف لانا اور موجود ہونا یوں بھی جماعت کے لئے برکت کا موجب ہوگا۔ مگر ہمارے اس محترم بزرگ کی تجویز یہ ہے کہ ایسے سب احباب کا ایک خاص اجلاس بھی ہو جس میں وہ درددل کے ساتھ ان امور پر غور کریں، جن سے سلسلہ کو قوت پہنچے۔ چونکہ اس دفعہ رمضان کی وجہ سے رات کے اجلاس نہیں رکھے گئے، اس لئے ایسے تمام احباب سے یہ درخواست ہے کہ وہ 28 دسمبر کے دن بھی یہاں تشریف رکھیں۔ تا کہ اس دن یہ خاص اجلاس ہو سکے۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ جماعت کے یہ پرانے بزرگ اس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس جلسہ پر ضرور تشریف لائیں گے۔ اور ایک دن زائد فارغ رکھ کر آئیں گے۔ جلسہ شروع ہونے پر انہی احباب کے مشورے سے ایسے اجلاس کا ٹھیک وقت تجویز ہو سکے گا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی اور احباب

نے اس وقت کو موزوں سمجھا تو بجائے 28 کے 26 یا 27 کو بعد از نماز فجر یہ اجلاس کر لیا جائے گا۔ اگر جلسہ کی ابتداء سے پہلے ہی احباب اس بارے میں اپنی رائے سے اطلاع دیں تو اور بھی بہتر ہے۔ خاکسار محمد علی

مسلمان بھائیوں کو دعوت: (15 دسمبر 1933ء) برادران اسلام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کے خیالات ہمارے متعلق گونا گوں ہیں۔ بعض لوگ تو ہمارا مذہب ہی اسلام سے الگ سمجھتے ہیں۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ ہم گو مسلمان تو ہیں لیکن ایک گمراہ فرقہ ہیں۔ بعض ہماری خدمات اسلامی کے معترف ہیں۔ لیکن ہمارا ہاتھ بٹانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم خدا کے فضل سے مسلمان ہیں۔ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کے قائل ہیں۔ اور کلمہ طیبہ کے ہر قائل کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کی تکفیر سے سخت بیزار ہیں۔ اور ہر مکفر مسلمین سے، خواہ وہ کسی فرقہ میں سے ہو، بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کو ختم مانتے ہیں۔ اور آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کے قائل نہیں۔ نیا ہو یا پرانا۔ ہاں مجددوں کے آنے کے قائل ہیں۔ اولیاء اللہ کے کمالات کے قائل ہیں۔ آئمہ مجتہدین کی بزرگی کے معترف ہیں۔ اصول میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ فروع میں اختلاف ہمیشہ رہے اور رہیں گے۔ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر ہونے کے خیال کو غلط مانتے ہیں۔ اور اس کی پُر زور تردید بھی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس خیال سے عیسائیت کو قوت اور اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ایسے مہدی کے آنے کے قائل نہیں جو تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان کرے۔ اس لئے کہ یہی وہ بات ہے جن کے ذریعے سے اعداء اسلام، اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔

ہم اسلام کے خادم ہیں۔ اسلام کا کام ہمارا نصب العین ہے۔ یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کرتے ہیں۔ مسجدیں بنواتے ہیں۔ اسلام کی بہترین تصویر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اسلامی لٹریچر یورپ اور امریکہ کی لائبریریوں میں مفت پہنچاتے ہیں۔ ہندوستان میں آریہ سماج کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو شدھی کے حملوں سے بچاتے ہیں۔ ہندوؤں میں تبلیغ اسلام کرتے ہیں۔ ٹریکٹ اور رسالے بکثرت شائع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ اور ادائے کلمۃ اللہ کرتے ہیں۔ محض خدمت اسلام کے لئے ایک جماعت تیار کرتے ہیں۔ ہمارے متعلق بدگمانی سے خدمات اسلام کے کام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس لئے جملہ مسلمان بھائیوں سے التماس ہے کہ وہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے

کہ اسلام پر یہ کیسا نازک وقت ہے، جب ساری قومیں اسے کھانے کے لئے دوڑتی ہیں، ہمارے سالانہ جلسے میں، جو 27,26,25,24 دسمبر کو احمدیہ بلڈنگس لاہور میں منعقد ہو رہا ہے، شامل ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ہم کون ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ اگر وہ ہمیں خادم اسلام پاتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ اسلام کی محبت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی تحفظ کے لئے وہ بھی اسلام کے سپاہی بن کر میدان عمل میں ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں۔ یا کم از کم اس نیک کام کی اعانت کو ہی اپنی زندگیوں کا مقصد بنائیں۔ جو اصحاب بیرون جات سے تشریف لائیں وہ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کو اطلاع دے دیں۔ ان کے قیام وطعام کا انتظام انجمن کے ذمہ ہوگا۔

پروگرام و دیگر ضروری تفصیلات اس پرچہ میں موجود ہیں۔ اب بیکار رہنے کا وقت نہیں بیکاری اس وقت اسلام سے غداری ہے۔ اسلام حملوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ ہمارے بھائیوں کو چاہئے کہ اس کے لئے اُٹھیں اور اسلام کے دفاع کے کام میں اور عمارت اسلامی کی تعمیر کے کام میں ہمارے ساتھ ہو جائیں۔ اور اگر ہمارے کام میں اس کے سوا کچھ اور پائیں تو ان کا اختیار ہے جو چاہیں سو کریں۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

15 دسمبر 1933ء

جلسہ سالانہ پر چند اعتراضات کا جواب اور دعوتِ جلسہ

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

میں ایک مدت سے یہ دیکھ رہا ہوں کہ بعض احباب سالانہ جلسہ کو وہ اہمیت نہیں دیتے جو اس کا حق ہے۔ اور دراصل یہی وجہ ہے کہ ہماری جماعت کی توجہ اس طرف کم ہے۔ اور بہت سے احباب محض سستی کر کے اس میں شامل نہیں ہوتے۔ اور بعض اپنے کاروبار کو، بعض اپنے آرام و آسائش کو، بعض تھوڑے سے مال کو قربان کرنا نہیں چاہتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جلسہ سالانہ پر سوائے چند ایک جماعتوں کے دس فیصد اصحاب بھی تشریف نہیں لاتے۔

جلسہ سالانہ کے متعلق افراط وتفریط: اس سالانہ اجتماع کے متعلق اگر ایک طرف احباب قادیان نے غلو سے کام لیا اور اپنے اجتماع کو ایک ظلّی حج قرار دے کر سلسلہ سے لوگوں کی بدگمانی کو بڑھایا ہے تو دوسری طرف ہمارے بعض احباب تفریط سے کام لے کر اجتماع لاہور کے اثر کو زائل کر رہے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ہمارے ایک محترم دوست نے ان اعتراضات کو تحریر میں لا کر ان کے صاف کرنے کا موقعہ دیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بہت لوگ اندر ہی اندر ایک خیال کو پختہ کرتے چلے جاتے ہیں اور جماعت میں اسے پھیلا کر جماعت کو کمزور کرتے چلے جاتے ہیں۔ مگر اسے سامنے لا کر اس کا فیصلہ نہیں کرتے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کام ہر ایک آدمی کی رائے کے مطابق ہو۔ اس لئے اگر کسی شخص کے دل میں کوئی خیال اُٹھے تو اسے اندر ہی اندر پالتے رہنے کی نسبت یہ بہتر ہے کہ اسے سامنے لا کر صاف کر لیا جائے۔

محترم دوست کے اعتراضات: جس دوست کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے اُنہوں نے حسب ذیل اُمور پر روشنی ڈالنے کو لکھا ہے:

1۔ کہ عملاً ہم لوگ اپنے سالانہ اجتماع کو ایک رکن اسلام سمجھتے ہیں۔ اور اس کی اُنہوں نے دو وجوہ دی ہیں۔ اول یہ کہ اگر کبھی ناغہ کرنے کو کہا جائے تو ناغہ نہیں کرتے۔ یعنی جلسہ سالانہ برابر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی حج کا ارادہ کرنے والا حج کا خرچ انجمن کو دے دے، تو اسے

زیادہ پسند کیا جائے گا۔

2۔سالانہ جلسہ میں تقریروں کی بھرمار کی وجہ سے نمازیں جمع کی جاتی ہیں اور رات کے دس گیارہ بجے تک جلسہ کر کے لوگوں کو بے آرام کیا جاتا ہے۔

3۔اس اجتماع سے قوم کے اخلاق اور اعمال میں کوئی ترقی نہیں ہوتی۔

4۔جلسہ کے موقعہ پر مالی مطالبات ہوتے ہیں۔جس سے جلسہ کی حیثیت وہ نہیں رہتی جو حضرت مسیح موعود کا منشاء تھا۔

جلسہ سالانہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود نے ڈالی: سب سے پہلے میں احباب کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جلسہ کی ابتداء کرنے والے ہم نہیں، حضرت مسیح موعود ہیں۔ یقیناً آپ کو کسی نمائش کا خیال نہ تھا اور ایک چھوٹی سی جماعت میں نمائش کا خیال ہو بھی کیا سکتا تھا۔نہ ہی آپ نے دوسری قوموں کے جلسوں کو دیکھ کر کوئی نقل کی تھی بلکہ بعض قومی بیماریوں کا یہ علاج خدا کی طرف سے ہی آپ کے دل میں ڈالا گیا تھا۔

جلسہ سالانہ کے مقاصد اور فوائد: بات یہ ہے کہ آپ کو دنیا میں اشاعت اسلام کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی۔اور کوئی جماعت بن نہیں سکتی جب تک کہ ان میں باہمی تعارف نہ ہو۔ بلکہ اس سے بڑھ کر تعلقات محبت مستحکم نہ ہوں۔اور باہم میل جول کے موقع پیدا نہ ہوں۔میل جول سے ہی دل صاف ہوتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اجنبیت اور ایک دوسرے پر بدگمانی دور ہوتی رہتی ہے۔پس ایک ایسی جماعت کے لئے، جو دنیا میں اشاعت اسلام کے عظیم الشان کام کو اپنا مقصد بنانا چاہتی ہو، یہ ضروری تھا کہ ان میں باہم میل جول کے موقع پیدا کئے جاتے۔پھر دوسری ضرورت یہ تھی کہ اس جماعت کی صحیح دینی تربیت بھی ہو۔اور اس تربیت کے لئے بھی ان کا اجتماع ضروری تھا۔اور تیسری ضرورت یہ تھی کہ یہ لوگ اکٹھے ہو کر اشاعت اسلام کے لئے تجاویز پر غور کریں۔ یہ غرض بھی بغیر اجتماع حاصل نہ ہو سکتی تھی۔پھر اشاعت اسلام کا کام صرف ظاہری کوشش سے تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا، جب تک کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استعانت نہ ہو۔اور اجتماع کی دعا ہی اپنے اندر یہ قوت بھی رکھتی ہے کہ بڑے بڑے افضال الٰہی کی جاذب بن جائے۔

حضرت مسیح موعود کے اعلانات: حضرت مسیح موعود کے اعلانات سے ان تمام امور کی وضاحت ہوتی ہے۔ جماعت کی بنیاد رکھنے کے ساتھ ہی آپ نے 30 دسمبر 1891ء کو ایک سالانہ جلسہ کی تجویز کا اعلان کیا۔ جس کا کچھ حصہ ذیل میں درج ہے:

> ''لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسے کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط فرصت وصحت وعدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہوسکیں۔ حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کو سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آ جانا چاہیئے۔ اور اس جلسہ میں ایسے حقائق ومعارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں...... اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناس ہو کر آپس میں تودّد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس سلسلہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔ اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور حیثیت اور نفاق کو درمیان سے اُٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلشانہ کوشش کی جائے گی اور کم مقدرت احباب کے لئے مناسب ہوگا کہ پہلے ہی سے اس جلسہ میں حاضر ہونے کا فکر رکھیں۔ اور اگر تدبیر اور قناعت شعاری سے کچھ تھوڑا تھوڑا سرمایہ خرچ سفر کے لئے ہر روز یا ماہ بماہ جمع کرتے جائیں اور الگ رکھتے جائیں، تو بلا دقت سرمایہ سفر میسر آ جائے گا۔''

حضرت مسیح موعود کا ایک اشتہار: پھر 7 دسمبر 1892ء کو آپ نے جلسہ کے لئے یاد دہانی کراتے ہوئے یوں تحریر فرمایا:

> ''اس جلسہ کے اغراض میں سے ایک بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ

دینی فائدہ اُٹھانے کا موقعہ ملے۔ اور ان کے معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو۔ پھر اس کے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا۔ اور اس جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہوں گے۔ ماسوا اس کے اس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں۔ کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں...... اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ اسلام پر بنیاد ہے۔''

حضرت صاحب کے ارشادات کا خلاصہ: اب یہاں حضرت صاحب نے صاف ایک سالانہ اجتماع کی ضرورت بیان کی ہے۔ اس میں سب احباب کا حاضر ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اس کی اغراض بھی بیان کی ہیں۔ حقائق و معارف قرآنی کا بیان کرنا۔ باہمی تعارف، باہمی تعلقات بڑھا کر اجنبیت اور خشکی کو دور کرنا۔ تعلقات اخوت کا استحکام، جماعت کی معلومات کا وسیع کرنا، یورپ اور امریکہ میں اشاعت اسلام کے لئے تدابیر پر غور کرنا۔ اب میں اپنے محترم دوست کو توجہ دلاتا ہوں کہ بغیر اجتماع یہ اغراض کس طرح حاصل ہوں؟! یہی وجہ تھی کہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں سترہ سال یہ جلسہ سالانہ ہمیشہ ہوتا رہا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب کی زندگی میں چھ سال ہوتا رہا۔ اگر تئیس سال لگا تار ہو کر جلسہ سے حج نہیں بن گیا اور اب بیس سال اسے لاہور میں ہوتے بھی گذر گئے، ہم میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں کہ یہ حج ہے یا حج کا قائم مقام ہے۔ تو صرف اتنی بات سے کہ اس میں ناغہ کیوں نہیں ہوتا، یہ اب حج کے قائم مقام کس طرح بن جائے گا۔ اور پھر ناغہ کرنا منتظمین کا کام نہیں۔ یہ قوم کا کام ہے۔ آپ اس بات کو جلسہ سالانہ پر تشریف لا کر بیان فرمائیں۔ اور اگر قوم ناغہ پر متفق ہو جائے تو منتظمین ناغہ کر دیں گے۔

ہم جلسہ کو حج کا قائم مقام ہرگز نہیں سمجھتے: دوسرا امر کہ کوئی حج کا ارادہ کرنے والا حج کا خرچ انجمن کو

دے دے تو پسند کیا جائے گا محض ایک تو ہم اور بدگمانی ہے۔ اور کسی معاملہ میں آپ نے ہمارا یہ عملدرآمد دیکھا؟ حج تو بہت بڑی چیز ہے۔ ہم سے تو عید اضحیٰ کی قربانیوں کے متعلق بھی بارہا سوال ہوا کہ قربانی کی جگہ اس قدر روپیہ اشاعت اسلام پر صرف کر دیا جائے۔ اور ہم نے اسے سختی سے رد کیا۔ آپ نے اس قدر بُرا گمان خلاف واقعات ہم پر کس طرح کر لیا۔ کہ کوئی شخص حج کا ارادہ کر کے حج کے خرچ کا روپیہ ہمیں دے دے تو ہم اسے پسند کریں گے۔ پھر ہم سے برابر لوگ حج کو جاتے رہتے ہیں۔ اور اگر آپ کا خیال زید یا بکر کی نسبت ہو کہ وہ حج کو نہیں گیا تو آپ خود غور فرمالیں کہ آپ بھی حج کو نہیں جا سکے۔ ہر ایک شخص اپنے مواقع کو خود بہتر سمجھتا ہے۔

نمازوں کو جمع کرنے کا اعتراض: دوسرا اعتراض یہ ہے کہ تقریروں کی بھرمار کی وجہ سے نمازیں جمع ہوتی ہیں۔ یہ بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ نمازیں جمع اس لئے ہوتی ہیں کہ ایک ہزار کے قریب مسافر جمع ہوتے ہیں۔ اور سفر میں جمع صلوٰۃ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے آج تک کسی نے انکار نہیں کیا۔ بلکہ بلا سفر اور بلا بارش بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں کا جمع کرنا ثابت ہے۔ حالانکہ اگر تقریر کی خاطر بھی نماز جمع کر لی جائے، تو ہرج نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا واقعہ اس پر صاف دلیل ہے کہ آپ کوئی تقریر کر رہے تھے تو نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ اور آپ کو توجہ دلائی گئی تو آپ نے فرمایا کہ میں اسے بہتر سمجھتا ہوں۔ اور تقریر کو جاری رکھا اور نماز مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع کیا۔ پھر آپ جانتے ہیں کہ اس ایک ہزار آدمی کے کھانے کا انتظام بھی کرنا ہوتا ہے۔ اگر اکیلا مسافر بھی نماز جمع کر سکتا ہے، تو اتنی مشکلات کے ساتھ نماز جمع کرنے پر اعتراض میری سمجھ سے باہر ہے۔

تقریروں کی کثرت کی شکایت: اس سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ رات کے دس گیارہ بجے تک تقریریں ہوتی ہیں میں تو نہیں سمجھتا کہ ہماری قوم اس قدر پست ہمت ہے کہ دس گیارہ بجے رات تک کسی ضرورت دینی کے لئے جاگنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ اور اگر قوم میں اس قدر آرام طلبی بڑھ جائے کہ دینی ضرورتوں کے لئے وہ رات کو جاگ نہیں سکتے تو دنیا میں وہ کیا کام کریں گے؟ بیاہ شادیوں کے موقعہ پر لوگ دو دو تین تین بجے رات تک جاگ لیتے ہیں۔ بہر حال کسی پر یہ مجبوری نہیں۔ جو زیادہ دیر نہیں جاگ سکتا اسے اختیار ہے آرام کرے۔

جلسہ سالانہ کے اخلاقی فوائد: تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس اجتماع سے قوم کے اخلاق اور اعمال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں عرض کروں گا کہ یہ اندازہ صحیح نہیں۔ قوم تو ایک طرف رہی، میں نے اس اجتماع کا اثر اخلاقی اور عملی رنگ میں غیروں پر بھی دیکھا ہے جو ہمارے اس جلسہ میں آجاتے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں جس قدر کمزوری ہے وہ زیادہ تر انہی لوگوں میں ہے جو بلا عذر قوّی اس اجتماع میں شمولیت اختیار نہیں کرتے۔ اور جو یہاں آتے ہیں وہ علاوہ ان اغراض کے جن کا ذکر اوپر ہوا ایک نئی روح کام کی یہاں سے لے کر جاتے ہیں۔ اگر آج ہمارے سارے احباب عہد کر لیں کہ وہ جلسہ سالانہ سے بغیر کسی نہایت ہی قوی عذر کے غیر حاضر نہ رہیں گے تو جماعت کی موجودہ سستی اس سے دور ہو سکتی ہے۔ جلسہ سالانہ خدا کے کام کے لئے ایک نئی محبت دِلوں میں پیدا کر دیتا ہے۔ اور اعمال پر اثر کے علاوہ اخلاق پر بھی اچھا اثر ہوتا ہے۔ باہمی تعلقات اخوت و محبت ترقی کرتے ہیں۔ اور خدا کی راہ میں بھی انسان ترقی کرتا ہے۔

چندہ کی تحریکات پر اعتراض اور اس کا جواب: چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اس موقعہ پر چندہ کی تحریک کیوں کی جاتی ہے۔ مجھے یہ علم نہیں ہو سکا کہ کیا اعتراض کسی وقت بھی چندہ طلب کرنے پر ہے یا صرف سالانہ جلسہ کے موقعہ پر چندہ طلب کرنے پر ہے۔ اگر پہلی صورت ہے تو قرآن شریف میں، جو اس قدر انفاق کی تاکید اور چندوں کے مطالبات ہیں، اسے کیا کہا جائے گا۔ قریباً ساٹھ مرتبہ تو یہ ذکر لفظ انفاق کے ساتھ ہی آیا ہے۔ اور دوسرے طرح طرح کے پیرایوں میں اس کے لئے اس قدر ترغیب دی گئی ہے کہ اس کا شمار میں لانا مشکل ہے۔ احادیث بھی اس ترغیب سے بھری پڑی ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے بھی ہر ضرورت کے وقت چندوں کی تحریک کی۔ ماہوار چندوں کے علاوہ وقتی چندوں کے لئے بھی اپیلیں کیں۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ سالانہ جلسہ پر ایسی اپیل نہ ہونی چاہئے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ انفاق فی سبیل اللہ کی عادت قوم کے اندر پیدا کرنے کے لئے جو بہترین موقعہ ہمارے ہاتھ میں ہے، یعنی سالانہ جلسہ، اس کو ہم یونہی ضائع کر دیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہ اپیل اور اس موقعہ پر جو قربانی کا نمونہ ہمارے احباب دکھاتے ہیں وہی چیز ہے جو لوگوں کو احمدیت کی طرف کھینچ کر لاتی ہے۔ یوں تو بہت لوگ محبت اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب دیکھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے یہ نظارہ آتا ہے کہ کس طرح پر

ایک چھوٹی سی جماعت ہر ایک دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے دیوانہ وار اپنا مال قربان کرتی چلی جاتی ہے، تو اس سے ان کے دِلوں پر احمدیت کی قوت کا ایک نہ مٹنے والا نقش پیدا ہو جاتا ہے۔ مال کی قربانی تو جان کی قربانی سے دوسرے درجہ پر سب سے مشکل کام ہے۔ جو قوم اس میں کامیاب ہوگی وہ یقیناً کامیاب ہوگئی۔ ہاں اگر خدا کا قانون ایسا ہوتا کہ مال کے بغیر ہی یہ دینی جہاد ہو جایا کرتے، خواہ وہ جہاد بالسیف ہوں یا جہاد بالقلم، تو پھر سالانہ اجتماع پر کسی چندے کی اپیل واقعی دینی ترقیات کے خلاف ہوتی۔ جس قدر ساما ن ایک اجتماع کے موقعہ پر روحانیت کی قوت کا موجب ہو سکتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی دینی تائید اور قوت کا موجب ہو سکتے ہیں، وہ سب خدا کے فضل سے یہاں جمع ہو جاتے ہیں۔ اور جہاں ایک طرف دینی معلومات ترقی کرتی ہیں، دوسرے مذاہب کے متعلق اور خود اپنے مذہب کے متعلق علم حاصل ہوتا ہے، تعلقات اخوت بڑھتے ہیں، خدا کے بندے خدا کے آگے اکٹھے ہو کر گرتے اور گڑگڑاتے ہیں، دوسری طرف مالی قربانی، انفاق فی سبیل اللہ اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی روح پیدا ہوتی ہے۔

احباب کو دعوت شمولیت: اس کے بعد اب میں مختصر طور پر احباب کو حسب معمول دعوت جلسہ دیتا ہوں اور ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس سالانہ جلسہ کو اپنی قومی ضرورتوں میں سب سے بڑی ضرورت قرار دے کر حتی الوسع سب کے سب اس میں شامل ہونے کی کوشش کریں اور چھوٹے چھوٹے عذروں کو درمیان میں حائل نہ ہونے دیں۔ اور اس کے ساتھ ذیل کے امور کی طرف ان کی توجہ دلاتا ہوں:

1۔ اس دفعہ یہ سالانہ اجتماع رمضان میں آتا ہے۔ اور یہ مبارک مہینہ قرب الٰہی کو حاصل کرنے کا مہینہ ہے۔ دعا کا مہینہ ہے۔ خیرات کا مہینہ ہے۔ ان سب چیزوں کے ساتھ اجتماع کا میسر آجانا بڑی نعمت الٰہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کم سے کم پشاور اور دہلی تک کے احباب اس اجتماع میں شامل ہوں۔ ان ایام میں ریل کا واپسی کرایہ بہت کم ہو جاتا ہے۔ یعنی ڈیڑھ روپیہ کرایہ دے کر آمدورفت کا ٹکٹ مل جاتا ہے۔ اور وہ ٹکٹ 14 جنوری تک کام دے سکتا ہے۔ پھر یکم دسمبر سے ریلوے کے تیسرے درجہ کے کرائے میں کمی بھی ہوگئی ہے۔ اور اس طرح یہ موقعہ نہایت اچھا مل گیا ہے کہ ڈیڑھ

ڈیڑھ اور دوسو میل کے اندر کے احباب جوق در جوق شامل جلسہ ہوں۔

2۔ دوسری درخواست یہ ہے کہ ہر ایک دوست دین حق کی تائید کے لئے کچھ نہ کچھ چندہ دوسروں سے بھی کر کے لائے۔ اگر پانچ سو آدمی بھی بحساب اوسط دس روپے فی کس لا سکیں تو دین کی کس قدر بھاری ضرورت اس قطرہ قطرہ کے جمع ہونے سے پوری ہو جائے گی۔ اگر ایک دس دن یا کم سے کم ایک ہفتہ ہی جلسہ سے پہلے ہم اشاعت اسلام کے لئے چندہ جمع کرنے میں لگا دیں تو دین کو کس قدر قوت مل سکتی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب بعض لوگ اس میں ہچکچاتے ہیں۔ کیا ہماری آنکھوں کے سامنے مدرسوں، ہسپتالوں، یتیموں محتاجوں اور بیسیوں قسم کے اور کاموں کے لئے چندے نہیں ہوتے؟ پھر کیا دین حق کی تائید و اشاعت کے لئے ہی چندہ جمع کرنا معیوب ہے؟ ہماری مخالفت ضرور ہے مگر اس مخالفت کے ساتھ ساتھ ہی دِلوں میں یہ اعتراف بھی موجود ہے کہ ہم لوگ بہترین کام خدمت اسلام کا کر رہے ہیں۔ جو لوگ دیں گے ان کے ساتھ بھی یہ نیکی ہے کہ ہم ان کے مال کے اچھے کام پر لگنے کے معاون ہو گئے۔ پھر شاید اس طرح کسی کو کلمہ حق بھی پہنچ جائے گا۔ اور شاید یہی بیج کسی وقت پھل لائے۔ اور وہ شخص جماعت میں شامل ہو کر مستقل طور پر جماعت کی قوت کا موجب ہو جائے۔

اس غرض کے لئے بہتر صورت یہ ہوگی کہ ہر جماعت دو دو تین تین احباب کے وفد بنا کر ایک ایک محلّہ یا حصہ شہر کا ان کے سپرد کر دے۔ اور وہ جہاں تک ممکن ہو پھر کر اپنے مسلمان بھائیوں کو دعوت جلسہ بھی پہنچا دیں۔ جو الگ طبع ہو گئی ہے۔ اور ان کو اپنے مال کا کچھ حصہ اشاعت دین حق کے لئے صرف کرنے کی ترغیب بھی دیں۔ گو ہماری کامیابی کا اصل معیار تو ہماری اپنی قربانیوں پر ہی ہے۔ لیکن یہ جو کچھ وہ اپنی محنت اور کوشش سے جمع کر کے لائیں گے، نہ صرف قومی مشکلات کے حل کرنے میں معاون ہوگا بلکہ یہ ان کی طرف سے ایک تحفہ ہوگا جو وہ اپنی قوم کے لئے لائیں گے خواہ کوئی چار آنے اور کوئی اپنی ہمت کے مطابق چار سو یا چار ہزار لے آئے ع لطف کن مار انظر بر اندک و بسیار نیست

غیر از جماعت دوستوں کو ساتھ لاؤ: 3۔ ایک اور نہایت اہم ضرورت جلسہ کے متعلق یہ ہے کہ ہر ایک دوست کسی غیر از جماعت دوست یا عزیز کو جلسہ میں آنے کی تحریک کرے۔ بلکہ اسے ساتھ لانے کی کوشش کرے۔ جلسہ تبلیغ کا بہترین موقع ہے۔ تیسرے اجتماع کی برکت ہوتی ہے۔ اور جن احباب

کے دِلوں میں کچھ کمزوری ہو یا کچھ شکوک ہوں وہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ کر انجمن میں شامل ہونے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ فی الحقیقت توسیع جماعت کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا۔ اور میں ہر ایک دوست سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ صرف آپ ہی نہ آئے بلکہ اپنے ساتھ ضرور کسی غیر از جماعت دوست یا عزیز کو لانے کی کوشش بھی کرے۔

نوجوان عزیزوں اور بچوں کو ہمراہ لاؤ: 4۔ ایک اور امر، جس کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ جماعت کا مستقبل ہمارے آج کے نوجوانوں اور بچوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے بہت سے احباب نے اس طرف سے غفلت اختیار کر کے اپنی اولاد کی امداد کو بہت حد تک کمزور کر دیا ہے۔ اب بھی سنبھل جانے کا وقت ہے۔ جلسہ سالانہ پر ہر ایک دوست اپنے نوجوان بھائیوں، بچوں کو ضرور ساتھ لائیں تا کہ ہماری آئندہ نسل کے سینوں میں وہی جوش قائم رہ سکے جس سے ہم کام کر رہے ہیں۔

خواتین کی شرکت بھی ضروری ہے: 5۔ مستورات کی طرف سے بھی اکثر احباب لاپرواہیں۔ حالانکہ اولاد کی تربیت پر ان کا اثر زیادہ ہے۔ اور اس وقت ہماری جماعت کی مستورات نے دستکاری کی نمائش کی تحریک قائم کر کے ایک نہایت نیک نمونہ قائم کیا ہے۔ مگر یہ تحریک ابھی تک پوری کامیابی کے ساتھ صرف اس لئے نہیں چلی کہ جماعت کی مستورات ہماری قومی تحریکات میں شامل نہیں ہوتیں۔ اور نہ انہیں علم ہے کہ کس قدر مفید کام ہو رہا ہے۔ اگر وہ بھی اپنی آنکھوں سے اس کام کو دیکھ لیں تو یقیناً ان کا وجود سلسلہ کے لئے بڑی قوت کا موجب ہو سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود کے ارشادات: بالآخر میں پھر احباب کو حضرت مسیح موعود کے ارشادات کی طرف توجہ دلاتا ہوا ملتمس ہوں کہ ہر ایک دوست اس جلسہ میں شامل ہونے کی کوشش کرے۔ حضرت صاحب کے زمانہ میں تو کئی کئی دفعہ سال میں احباب آپ سے ملنے کے لئے چلے جایا کرتے تھے۔ یہاں سال بھر میں صرف ایک موقعہ ہے۔ اور پھر اس وقت، جبکہ ہماری مخالفت پورے زوروں پر ہے، قومی بقاء اور ترقی کی یہ سخت ترین ضرورت ہے کہ ہر ایک دوست ہر قسم کی تکلیف اور تنگی کا مقابلہ کر کے جلسہ سالانہ میں شامل ہونے کی کوشش کرے۔ تا کہ مخالفین کو بھی معلوم ہو جائے کہ ان کی مخالفت سے سلسلہ حقہ کا کچھ بگڑ نہیں سکتا۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

۞۞۞

15 دسمبر 1933ء

جلسہ سالانہ

مولوی مرتضٰی خاں صاحب بی۔اے

ان سے کہتا ہوں جو ہیں کینہ ورانِ لاہور دیکھ لیں آ کے ذرا شوکت وشانِ لاہور
مہدیٔ وقت کا ہے مسکنِ ثانی یہ مقام اس کو محبوب تھا لاریب مکانِ لاہور
یاں مسیحائے زمن واصل باللہ ہوئے بڑھ گئی چرخ چہارم سے بھی شانِ لاہور
قدرتِ حق کے عجب ہم نے کرشمے دیکھے مرجعِ خلق بنے نکتہ ورانِ لاہور
چشمہ علم و ہُدٰی دیکھ لو اُبلا یاں سے لطفِ ایزد ہوا خود روح و روانِ لاہور
کیا کہوں جلسۂ سالانہ میں کیا یاں ہوگا موجزن بحر ہُدٰی ہوگا میانِ لاہور

☆☆☆

حضرت مسیح موعود کی جماعت کا مذہب

ما مسلما نیم از فضل خدا مصطفٰی مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام ہر نبوت رابرو شد اختتام
آں کتابِ حق کہ قرآں نامِ اوست بادۂ عرفان ما از جامِ اوست
یک قدم دوری ازاں روشن کتاب
نزد ما کفر است دخسران و تباب

7 جنوری 1934ء
ضروری اعلان

ایک غلط افواہ کی تردید

جلسہ سالانہ کے موقعہ پر انجمن کی جنرل کونسل کا جو اجلاس ہوا۔اس میں حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اعلان فرمایا کہ چونکہ ان کے خلاف ایک قسم کا پروپیگنڈا جاری ہے جس کا اثر ان کی ذات تک محدود نہیں بلکہ جماعت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔اس لئے وہ اس وقت تک کے لئے، جب تک ان کا دامن بعد تفتیش کامل پاک وصاف نہ ہو جائے، انجمن کی صدارت سے استعفاء دے کر جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نائب میر مجلس کو صدر منتخب فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس پر کونسل نے زیرِ صدارت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب معاملات کو پورے غور کے ساتھ دریافت کیا اور سب معاملات کو پورے طور پر دریافت کر لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ حضرت امیر کے خلاف جو پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔وہ محض بے بنیاد اور جھوٹا ہے اور واقعات اس کی تردید کرتے ہیں اور جنرل کونسل کو بالاتفاق ان پر پورا اعتماد ہے۔ یہ استعفاء ایک وقتی معاملہ کی تحقیق تک حاوی تھا۔تا کہ بعد ازاں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ صاحب صدر کے لحاظ یا دباؤ سے کوئی فیصلہ کیا گیا ہے۔ بعد فیصلہ کونسل حضرت امیر نے وہ استعفاء واپس لے لیا۔ یہ اعلان اس لئے کیا جا رہا ہے کہ بعض لوگوں کی طرف سے یہ شرارت پھیلائی جا رہی ہے کہ حضرت امیر نے انجمن کے کام سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ جو محض جھوٹ اور بہتان ہے۔اس جنرل کونسل میں ذیل کے چالیس ممبران موجود تھے۔اور یہ ان سب کا متفقہ فیصلہ ہے۔

شیخ عبدالمنان صاحب۔ شیخ محمد دین جان صاحب، ڈاکٹر سید طفیل حسین شاہ صاحب، ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب، شیخ محمد جان صاحب، سید امجد علی شاہ صاحب، مولانا عبدالہادی خان صاحب، شیخ نیاز احمد صاحب، ماسٹر فقیر اللہ صاحب، خان عبدالاکبر خان صاحب، چوہدری محمد سرفراز خاں صاحب، خان غلام ربانی خان صاحب، مولانا صدر الدین صاحب، مولانا عبدالحق صاحب، مولانا عزیز بخش صاحب، مولانا محمد عبداللہ خان صاحب، چوہدری محمد حسین صاحب، ڈاکٹر سعید احمد صاحب، مرزا خدا بخش صاحب، چوہدری یوسف علی صاحب، پروفیسر عنایت علی خان صاحب، خان صاحب ڈاکٹر محمد

حسین شاہ صاحب، ڈاکٹر حسن علی صاحب، خان صاحب میاں محمد صادق صاحب، مولانا محمد یعقوب خان صاحب، حاجی شیخ مولا بخش صاحب، شیخ میاں محمد صاحب، مولوی عبدالرحمٰن صاحب، چوہدری سلطان علی صاحب، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب، مولانا محمد عصمت اللہ صاحب، خان بہادر میاں غلام رسول صاحب، بابو غلام ربانی صاحب، ڈاکٹر نظام الدین صاحب، شیخ محمد اسماعیل صاحب، خاکسار، سیکرٹری (محمد منظور الٰہی) ڈاکٹر مرزا یعقوب صاحب، میر مدثر شاہ صاحب، حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب، ڈاکٹر اللہ بخش صاحب۔

محمد منظور الٰہی

آنریری جنرل سیکرٹری

15 جنوری 1934ء

پیغام عید

چند ضروری اور کام کی باتیں

از حضرت امیر اید ہ اللہ بنصرہٖ

برادران مکرم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

میں نے سال گزشتہ اسی عید کے موقع پر احباب کو مبارکباد دیتے ہوئے تین باتوں کا ذکر کیا تھا جو رمضان سے ہمیں بطور سبق حاصل کرنی چاہئیں۔

پہلی بات: ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ ہر مہینے میں تین دن ہم لوگ اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں کمی کر کے یہ رقم الگ جمع کرتے جائیں اور اسے اشاعت اسلام کے کسی مفید کام پر لگائیں کچھ احباب نے اثناء سال میں اس پر عمل بھی کیا جس سے مجھے یہ اطمینان ہوا کہ تجویز قابل عمل ہے۔

وی آنا مشن: سال کے آخری حصہ میں وی آنا (آسٹریا کا دارالخلافہ) میں ایک مشن کھولنے کی تجویز میرے سامنے آئی۔ جسے میں نے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر احباب کے سامنے رکھی۔ اور اس کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے جملہ احباب سے یہ عہد لیا کہ وہ اس تین دن والی تجویز کو بالاتفاق عمل میں لائیں گے۔ جو احباب موجود تھے ان سب نے ہاتھ اٹھا کر بالاتفاق اس کو منظور کیا۔ اور جو موجود نہ تھے وہ بھی اس عہد میں شامل سمجھے جائیں گے۔ کیونکہ جو لوگ یہاں آئے وہ سب کی طرف سے بطور نمائندہ تھے۔ اب ایک چھوٹی سی جماعت کی اس چھوٹی سی قربانی سے کتنا بڑا عظیم الشان کام ہوا کہ ہمارا ایک نیا مشن یورپ میں قائم ہو گیا۔ فالحمد اللہ علیٰ ذالک۔ یہ بات صرف ہمارے لئے ہی خوشی کا موجب نہیں بلکہ ساری اسلامی دنیا کے لئے راحت کا موجب ہے۔ اور اس طرح رمضان کے اس ایک چھوٹے سے سبق نے ہماری عید کو حقیقی عید بنا دیا۔

ہالینڈ میں مشن: اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہماری جاوا کی شاخ قرآن شریف کے ڈچ ترجمہ کو پریس میں دے کر اب یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ اپنا ایک مشن بھی ہالینڈ میں قائم کر دے۔ یہ ہمارا چوتھا مشن یورپ میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے افضال اس چھوٹی سی قوم پر کس قدر ہیں کہ یورپ کی تین زبانوں

میں قرآن شریف کے ترجمے ہو گئے اور چار ملکوں میں مشن قائم ہو گئے۔ جس وقت امام وقت حضرت مرزا صاحب نے یورپ میں تبلیغ اسلام کا خیال ظاہر کیا تھا، اس وقت یورپ میں اسلام کی نہایت ہی تاریک تصویر کھینچی جاتی تھی اور کسی کو وہم بھی نہ ہو سکتا تھا کہ یورپ میں تبلیغ اسلام کو کوئی کامیابی ہو سکتی ہے۔

برنارڈ شا کی آواز: آج چالیس سال بعد یہ نقشہ بدل چکا ہے۔ اور آج کہیں سے یہ آواز آ رہی ہے کہ سو سال کے اندر اندر یورپ کا غالب مذہب اسلام ہو گا۔ جیسا کہ مشہور مصنف برنارڈ شا نے لکھا ہے۔ جس کی تائید انہوں نے سال گذشتہ یہ کہہ کر کی کہ آج یورپ کی مشکلات کا حل اگر کوئی شخص کر سکتا ہے تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اور وقت آ رہا ہے کہ یورپ اپنی مشکلات کے حل کے لئے اسلام کی طرف رجوع کرے گا۔

ایک دوسرے یورپین مصنف کی آواز: کسی طرف سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے کہ صرف اسلامی سوسائٹی ہے جو یورپ کی یکطرفہ ترقی وتہذیب کی توازن کو پورا کر سکتی ہے اور یہ کہ یورپ اپنی علمی زندگی بالخصوص روحانی زندگی کی تکمیل سوائے اسلام کی مدد کے نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ ایک دوسرے مشہور یورپین مصنف نے اپنی تازہ کتاب ''وہدر اسلام'' میں لکھا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی تقریر: کہیں ہندوستان میں مسلمانوں میں بھی یہ آواز اُٹھتی ہے کہ مسلمانوں کی تبلیغی توجہ کا اصل مرکز یورپ ہے۔ مگر اس کام کو ہاتھ میں لینے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہئے کہ مسلمان وہاں کونسا اسلام پیش کریں گے۔ جیسا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے انجمن تبلیغ اہلحدیث کلکتہ میں کہا۔ کیا عجیب بات ہے کہ مشرق ومغرب دونوں طرف سے اب وہی آواز اٹھنے لگی جو آج سے چالیس سال پیشتر مجدد وقت نے بلند کی تھی۔ اور ہمارے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کا کیا مقام ہے کہ جس کام پر ہم نے اپنے مالوں اور توجہ کو لگایا، آج مشرق ومغرب پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہی کام کرنے کا ہے۔

میں نے ان امور کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ میں اپنے احباب کو یہ توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ زمانہ کی ضرورت کا علاج اور اسلام کے غلبہ کا راستہ یہی ہے جس پر یہ چھوٹی سی جماعت گامزن ہے۔ کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ ایک طرف تو یہ حالت ہے کہ گویا کل دنیا ہمیں مٹانے پر تلی ہوئی نظر آتی ہے۔ لاہور کے ہی تین روزانہ اخبار اپنی ساری قوت ہمارے مٹانے پر صرف کر رہے ہیں اور دوسری طرف تائیدات

الٰہی کا یہ نظارہ ہے کہ اسی سال میں دو نئے ترجمے قرآن شریف کے پورے ہو کر ایک مطبع میں بھی چلا جاتا ہے۔ دو نئے مشن یورپ میں قائم ہونے کا سامان ہو جاتا ہے اور پانچ چھ ہزار کی تعداد میں انگریزی ترجمہ قرآن شریف کی مفت تقسیم کا انتظام ہو جاتا ہے۔

نصرت الٰہی ہمارے ساتھ ہے: میرے دوستو! غور کرو کیا اب بھی کسی کو اس میں شک ہوسکتا ہے کہ نصرت الٰہی اس قلیل سی جماعت کے ساتھ ہے۔ ہم خود حیران ہیں کہ ایک طرف تو ہماری مالی مشکلات خود ہمیں پریشان کر رہی ہیں اور دوسری طرف ہزارہا کی تعداد میں مفت تقسیم قرآن کے دو زبانوں میں ترجمہ قرآن کے اور دو نئے یوروپین ملکوں میں مشن قائم کرنے کے سامان اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے۔

خدا کے آگے گرو: اسی خوشی میں چاہیے کہ ہم سب خدا کے آگے شکر کے سجدے میں گر جائیں اور ہماری عید کی خوشی کے اندر اللہ تعالیٰ کی ان نصرتوں کے نظاروں کو دیکھ کر ہمارے دل اس حقیقی راحت سے بھرے ہوئے ہوں کہ ایک چھوٹی سی جماعت کو خدا کے فضل نے کس مقام پر پہنچایا۔ اس کھلی نصرت کے بعد ہمیں کیا شکایت ہوسکتی ہے کہ ''زمیندار'' ہمیں مٹانے کی فکر میں ہے یا ''آزاد'' ہماری تباہی چاہتا ہے۔ یا ''سیاست'' اپنی قوت ہماری تذلیل پر صرف کر رہا ہے۔ یا خلیفہ قادیان سارے اعداء اور بدخواہان سلسلہ کو چھوڑ کر ہمیں لاہور میں ایک بے شرم کے الہام کا مصداق ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنی منظّم قوت کو ہمارے مٹانے کے لئے صرف کرتا ہے۔ کیونکہ ہمارا خدا کچھ اور چاہتا ہے اور ہوگا وہی جو وہ چاہتا ہے۔

اجتماع کا پہلا قدم: میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ چھوٹی سی جماعت، جو اس قدر مفید کام کر رہی ہے اور جسے مٹانے کے لئے اتنے لوگ اپنی قوت کو صرف کر رہے ہیں، اس کے لئے اب وقت ہے کہ اپنی قوت کو مجتمع کرے۔ اور اس قوت کے اجتماع کا سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ عید کے دن جب ہم اکٹھے ہوں تو صاف سینوں کے ساتھ اکٹھے ہوں۔ اور ہر قسم کے رنج اور کینے دور کر کے اکٹھے ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا **وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ.** (47:15) یعنی بہشت میں مومنوں کے باہمی رنج دور کر کے ہم انہیں بھائی بھائی بنا دیں گے۔ مگر وہی خدا یہ بھی فرماتا ہے کہ اس دنیا میں بھی بہشتی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر ہم اس زندگی کو اپنے لئے بہشت بنانا چاہتے

ہیں تو اس کی سب سے پہلی شرط کو یوں پورا کریں کہ جس قدر بھائیوں میں کوئی رنج اور کینہ ہے اس کو وہ اس عید کے موقعہ پر بالکل صاف کر کے عید کو اپنے لئے صحیح معنوں میں عید بنائیں۔ بغض اور کینہ ہمارے بدخواہوں کے دلوں میں تھوڑا ہمارے لئے بھرا ہوا ہے کہ ہم خود بھی اپنے سینوں میں اس کی پرورش کا سامان رکھیں!

جائے اجتماع: جماعت کی قوت کے اجتماع کا ایک نہایت ضروری قدم جماعت کا بار بار اکٹھا ہونا ہے۔ اور یہ نظام مسلمانوں کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے ہی مقرر کر رکھا ہے۔ یعنی اپنی عبادت کے اندر ہی مسلمانوں کے اجتماع کا سامان بھی رکھا ہوا ہے۔ اس لئے جماعت کی قوت کے استحکام کے لئے اور اسے کام میں لانے کے لئے ضروری ہے کہ ہر مقدم پر، جہاں ہماری جماعت کے دو تین احباب بھی ہوں، وہ کوئی اکٹھا ہونے کی جگہ مقرر کر لیں۔ جہاں اکٹھے ہو کر کم سے کم وہ نمازیں جماعت کے ساتھ ادا ہو سکیں۔ جو اکثر لوگوں کے لئے فراغت کے اوقات ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز فجر و مغرب و عشاء۔ جہاں ہماری مسجدیں موجود ہیں وہاں مسجد ہی یہ جائے اجتماع ہو گی۔ اور جہاں نہیں، وہاں جب تک کہ کوئی مسجد بن سکے کسی دوست کی بیٹھک اس غرض کے لئے مقرر کر لی جائے۔

مسجدوں اور لائبریریوں کی ضرورت: جماعت کے استحکام کے لئے میں چاہتا ہوں کہ اس سال خصوصیت سے اس بات کی طرف توجہ دی جائے کہ ہر ایک بڑے شہر میں، جہاں ہماری معقول جماعتیں موجود ہیں، ہماری مسجد ضرور ہو۔ خواہ کتنی بھی مختصر ہو۔ اور اس مسجد کے ساتھ ایک لائبریری ہو، جہاں کم سے کم بیان القرآن کی ایک جلد اور سلسلہ کی کل کتابیں ضرور موجود ہوں۔ اور اخبار ''پیغام صلح''، ''لائٹ'' ''مسلم ریواؤل'' اور ممکن ہو تو بعض دوسرے اخبارات بھی وہاں موجود رہیں۔ پھر ان لائبریریوں کو آہستہ آہستہ ترقی دے کر مفید مذہبی کتابیں ان میں رکھی جائیں اور مسلمانوں میں ان علمی مشاغل کے لئے ایک دلچسپی پیدا کی جائے۔

تعمیر مساجد کے متعلق ایک تجویز: مساجد کی تعمیر کے لئے میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ احباب جماعت اس تجویز کو پسند کریں گے۔ اور وہ یہ ہے کہ کم سے کم ایک مسجد ہر سال کسی شہر میں ہم بنواتے جائیں۔ اور اس مسجد کے لئے کچھ چندہ تو وہاں مقامی لوگ جمع کریں اور باقی دوسرے

احباب جہاں کہیں بھی ہوں تھوڑی تھوڑی امداء جو کسی پر بار نہ ہو، اس کے لئے دیں۔ اس طرح انشاءاللہ تعالیٰ پانچ چھ سال کے عرصہ میں ان بڑے بڑے شہروں میں، جہاں اب تک ہماری مساجد نہیں، مسجدیں بن جائیں گی۔ اور لائبریریوں کے لئے انجمن نے پہلے سے بڑی سہولت دے رکھی ہے۔ یعنی وہ کتب، جو انجمن کے بکڈپو میں موجود ہیں، نصف قیمت پر دی جاتی ہیں۔ اور وہ نصف قیمت بھی بہت چھوٹی چھوٹی قسطوں سے لی جاتی ہے۔ ان دونوں اغراض کی تکمیل کے لئے میں خود بھی بعض شہروں میں پھر کر مقامی حالات کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور غالبًا انشاءاللہ بشرط صحت مارچ کے مہینے میں نکلوں گا۔ اس سے پیشتر ضروری ہے کہ احباب اپنی اپنی جگہ پر تجویز کر رکھیں۔

نظامِ اخوت کو مستحکم کرو: اسی اجتماع کے ذیل میں میں احباب کو اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جماعت کے اندر نظام اخوت کو مستحکم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے کے رنج وغم اور ایک دوسرے کی تکلیف میں شریک ہوں۔ کوئی ایسا نظام مقرر کرنا ضروری ہے کہ اگر ایک بھائی کو کوئی تکلیف ہے یا وہ بیمار ہے یا اس کا کوئی عزیز بیمار ہے، تو دوسروں کو اس کی اطلاع پہنچ جائے۔ اور وہ ایسے موقعہ پر اپنے بھائی سے ہر قسم کی ہمدردی، جو ان کی طاقت میں ہو، کریں۔ کسی بھائی کو زیادہ تکلیف ہو یا کوئی زیادہ بیمار ہو تو اس کی اطلاع یہاں مرکز میں بھی دینی چاہیئے۔ تاکہ دوسرے احباب بھی شریک دعا ہو سکیں۔ بیمار پرسی ویسے بھی شعار اسلامی میں سے ہے۔ اور اپنے بھائی تو ایک طرف رہے، دوسرے لوگ بھی جن سے واقفیت ہو ان کی بیمار پرستی بھی کرنی چاہیئے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو مشرکوں کی عیادت کے لئے بھی جاتے تھے۔ ایسا ہی اپنے احباب میں یا ان کے عزیزوں میں کوئی موت ہو جائے تو سب احباب کو ہر قسم کا کام چھوڑ کر اس موقعہ پر ضرور پہنچنا چاہیئے۔ مصیبت کے وقت میں ایک ہمدردی کا کلمہ بھی ڈھارس کا کام دیتا ہے۔

توسیع جماعت: جماعت کی توسیع کا سوال کا بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جہاں ہمارے دوست موجود ہیں وہاں تو ہم مبلغ کا کام انہی سے لینا چاہتے ہیں۔ اور یہ اس جماعت کی ابتداء سے خصوصیت رہی ہے۔ لیکن علاقوں کے علاقے بالکل خالی پڑے ہوئے ہیں۔ جہاں تک ہماری آواز بھی نہیں پہنچی۔ انجمن کی طرف سے پہلے بھی اعلان ہوا تھا کہ اگر بعض نوجوان یہاں آجائیں، تو انجمن ان کی رہائش خوراک

اور تعلیم دینی کا مختصر انتظام کر دے گی۔ لیکن اس پر احباب نے توجہ نہیں کی۔ ایسے نوجوانوں کو انجمن بعد میں مختصر گزارہ کی صورت تجویز کر کے مختلف اطراف میں دیہات میں کام کے لئے متعین کر دے گی۔ تا کہ وہ مسلمانوں کی اصلاح کا کام بھی کریں اور سلسلہ کی تبلیغ بھی کریں۔ اس سوال کو اس سال میں پھر خاص طور پر احباب کے سامنے لانا چاہتا ہوں کہ ہر جگہ جماعت یہ کوشش کرے کہ کچھ نوجوان اس طرف متوجہ ہوں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہی لوگ اس غرض کے لئے آئیں جو تنخواہ دار مبلغ کے طور پر رہنا چاہتے ہیں۔ بلکہ ایسے دوست بھی، جو اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ تبلیغ کا کام کر سکتے ہیں۔ دو دو چار چار ماہ کا وقت بھی اگر نکال سکیں تو انشاءاللہ ہم ان کے لئے ہر طرح کا موزون انتظام کر دیں گے۔

خطبہ عید میں احباب کو متوجہ کرو: یہ چند باتیں میں نے عید کے موقعہ پر جماعت کے سامنے رکھی ہیں کہ ہر جگہ احباب اپنے اپنے حالات کے مطابق ان میں سے جن امور کی طرف چاہیں اپنے دوستوں کو عید کے خطبہ میں متوجہ کریں۔ اور نہ صرف اس خاص موقعہ پر متوجہ کریں بلکہ ان امور کو بطور ایک پروگرام کے اپنے سامنے رکھیں کہ ان باتوں کو ہم نے عمل میں لانا ہے۔ یہ نہایت سادے اور مختصر امور جماعت کے استحکام اور توسیع کے لئے انشاءاللہ بہت مفید ثابت ہوں گے۔ اور اگر ہم اس طرف توجہ کریں تو جس طرح ہماری جماعت خدا کے فضل سے اپنے بیرونی کاموں میں آگے بڑھتی چلی جاتی ہے، اسی طرح اپنے اندرونی استحکام میں اور توسیع میں ترقی کرتی چلی جائے گی۔

15 جنوری 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

برادران اسلام کی خدمت میں التماس

صدقہ فطر کا نظام قائم کرنے کی ضرورت

بدقسمتی سے آج مسلمانوں کا ہر وہ کام اس نظام کی حالت کو چھوڑ چکا ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری ٹھہرایا تھا۔ اور مسلمانوں کی تمام قوت اور طاقت اور ان کا روپیہ اور مال محض نظام کے ماتحت نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو رہا ہے۔ یہی حال صدقہ فطر کا ہے۔ حدیث بخاری میں ہے عَنِ ابْنِ عُمَرَ فَرَضَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدَقَۃَ الْفِطْرِ . اَوْ قَالَ رَمَضَانَ عَلَی الذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوْکِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر یا صدقہ رمضان مرد اور عورت اور آزاد غلام سب پر فرض ٹھہرایا۔ یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو اور بعض احادیث میں ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر بھی آتا ہے۔ اور بخاری میں ہی ایک باب ہے صَدَقَۃُ الْفِطْرِ عَلَی الصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ صدقہ فطر چھوٹے اور بڑے سب پر ہے۔ اور یہی عملدرآمد صحابہؓ کا تھا کہ چھوٹے سے چھوٹے بچوں کی طرف سے بھی دیتے۔ صاع ایک حساب کی رُو سے تقریباً چار سیر اور ایک حساب کی رو سے تین سیر بنتا ہے۔ مگر مختلف اشیاء کے وزن کے لحاظ سے قیمتیں مختلف ہوں گی۔ آج کل کے نرخ کے لحاظ سے جو اور گندم کو ایک ہی حکم میں رکھ کر اس کا اندازہ قریباً چار آنے فی کس ہوگا۔ اسی حدیث کے آخر پر ہے کَانُوْا یُعْطُوْنَ لِیُجْمَعَ لَا لِلْفُقَرَآءِ اور صدقہ فطر صحابہؓ اکٹھا کرنے کے لئے دیتے تھے۔ اپنے اپنے طور پر فقیروں کو نہ دیتے تھے۔ اور دوسری جگہ بخاری کی حدیث میں ہے۔ کہ ابوہریرہؓ کہتے ہیں وَکَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ بِحِفْظَۃِ زَکٰوۃِ رَمَضَانَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سپرد یہ کام کیا تھا کہ میں صدقہ رمضان کی حفاظت کروں۔ جس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اسے جمع کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور سارا مال ایک جگہ جمع ہو کر پھر حسب ضرورت تقسیم کیا جاتا تھا۔

حدیث ابن عمرؓ میں ہے کَانُوْا یُعْطُوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِیَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ یعنی یہ صدقہ عید سے ایک یا دو دن پہلے ادا کر دیتے تھے۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر کو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور وہ اس طرح نہ دیا جاتا تھا، جس طرح آج مسلمانوں کی بد نظمی کی وجہ سے ہر ایک شخص جہاں چاہے، دے چھوڑتا ہے۔ اس طرح الگ الگ تقسیم کر دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روپیہ ضائع ہو جاتا ہے۔ کچھ بھیک مانگنے والوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ اگر سنت نبویؐ کی پیروی کی جائے، تو صدقہ فطر کو ایک جگہ جمع کر کے اس میں سے حسب ضرورت خرچ کرنا چاہئے۔

غور کیا جائے، تو مسلمان صدقہ فطر کے اس نظام کو توڑ کر، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، اپنا روپیہ، جو ان کی قوم کے لئے عظیم الشان قوت کا موجب ہوسکتا ہے، برباد کر رہے ہیں۔ مثلاً لاہور کو ہی ہم لے لیں۔ اگر ایک لاکھ آدمی بھی صدقہ فطر ادا کرتا ہو، تو اس کی کل میزان پچیس ہزار روپے ہوتی ہے۔ یہ پچیس ہزار روپیہ اگر ایک جگہ آئے، جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا، تو کس قدر قومی کام اس سے نکل سکتے ہیں! کس قدر غرباء کی تعلیم کا انتظام ہوسکتا ہے! لیکن ہم اپنے ہاتھوں سے اس روپے کو برباد کر رہے ہیں۔ اور اپنی قوم کو کمزور کر رہے ہیں۔ صرف ایک پنجاب کو ہی لے لو۔ اگر اس کی نصف آبادی نہ سہی، ایک تہائی بھی صدقہ ادا کرنے والی ہو۔ اور یقیناً ہے۔ تو ہر سال پنجاب کے مسلمان کم از کم پندرہ سولہ لاکھ روپیہ برباد کر دیتے ہیں۔ جس سے ایک یونیورسٹی بن سکتی ہے۔ یا قوم کی عامہ حالت سدھر سکتی ہے۔ اس وقت مسلمانوں میں کتنی انجمنیں موجود ہیں! اگر مسلمان بھائی اپنے صدقہ فطر کو بجائے ادھر اُدھر پھینکنے کے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کرنے کے، ایسی انجمنوں کے سپرد کر دیں۔ مثلاً انجمن حمایت اسلام یا انجمن اسلامیہ ہے۔ یا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہے۔ یا اور کوئی انجمن ہے، تو وہ ان انجمنوں کی قوت کو بڑھا کر اپنی قوم کو کس قدر طاقتور بنا سکتے ہیں! مگر موجودہ حالت میں کیا ہو رہا ہے؟ مسلمانوں کی جیبوں سے روپیہ نکلتا بھی ہے۔ اور اپنی طرف سے وہ ایک فریضہ ادا بھی کرتے ہیں۔ لیکن آدھا حکم مانتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا روپیہ بھی گیا اور حکم نبویؐ کی اصل غرض بھی پوری نہ ہوئی۔

میری درد دل سے سب مسلمان بھائیوں کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے مال کو، جسے اللہ تعالیٰ نے قوم کی زندگی کا موجب بنایا ہے، ضائع ہونے سے بچائیں۔ اور سنت نبویؐ کے مطابق اپنا روپیہ قومی ضروریات کے لئے کسی انجمن کے سپرد کریں۔ خاکسار محمد علی۔ پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور

19 فروری 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات۔1

میرا ارادہ ہے وباللہ التوفیق کہ پیغام صلح میں ہفتہ وار یا ہو سکے تو ہفتے میں دو دفعہ کچھ نہ کچھ مضمون اس عنوان کے ماتحت لکھتا رہوں اور اس طرح ان احباب سے جو اخبار پڑھتے ہیں ملاقات کا سلسلہ قائم رہ سکے۔ میں نے ایک نئی پابندی کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اس لئے کہ بہت دفعہ مضمون لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر کثرت کاروبار میں ایک دفعہ موقعہ ہاتھ سے نکلا تو آہستہ آہستہ وہ بات ہی ذہن سے نکل جاتی ہے۔ پابندی میں گو بعض دفعہ تکلف بھی کرنا پڑے گا۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ بات عادت میں داخل ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں بعض وقت شاید مربوط مضامین بھی آ جائیں۔ لیکن غالباً متفرق اور وقتی خیالات ہی ہوں گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس پابندی کو نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ میں فطرت انسانی کا صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے۔ لغت میں ہے کہ **شاکلۃ** انسان کی وہ خصلت ہے جو اسے قید کئے ہوئے ہو۔ یعنی ایک خاص دائرے سے بارہ نکلنے نہیں دیتی۔ یہ وہی چیز ہے جسے انسان کی ذہنیت کہا جاتا ہے۔ آج عام طور پر مسلمانوں کی ذہنیت کیا نظر آتی ہے؟ چھوٹے چھوٹے باہمی جھگڑوں میں، جن سے نہ دنیا بنتی ہے نہ دین بنتا ہے، الجھے رہنا۔ اسلام پر خطرناک سے خطرناک حملہ ہو، مسلمان تباہ اور برباد ہو رہے ہوں، تو حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن ادنیٰ سے ادنیٰ مسئلہ پر، جہاں دو مولویوں کا جھگڑا ہو، ایسا تموج پیدا ہوتا ہے۔ جسے سرکار کی پولیس اور عدالتوں کے سوا کوئی روک نہیں سکتا۔ ابھی وزیر خان کی مسجد میں یہ نظارہ اہل لاہور نے دیکھا کہ کس طرح دو حنفی گروہوں میں ایک نکمے جھگڑے نے لاہور کے مسلمانوں میں ایک ہیجان عظیم پیدا کر دیا۔ کئی ہزار روپیہ ان لوگوں کی جیبوں سے نکل گیا۔ جو خدا کا نام دنیا میں پھیلانے کے لئے ایک پیسہ نہیں دیتے۔

جس طرح ایک انسان کو اس کی ذہنیت ایک خاص دائرے سے باہر نکلنے نہیں دیتی، اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی بھی ایک ذہنیت بن جاتی ہے۔ اور ان کا کام بھی ایک خاص دائرے کے اندر محدود ہو جاتا ہے۔ مجدد وقت کے عظیم الشان کارناموں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے اپنے ساتھ تعلق

پیدا کرنے والوں کی ذہنیت کو بدل دیا اور انہیں تمام چھوٹے چھوتے اختلافات اور چھوٹے چھوٹے فروعی جھگڑوں سے اٹھا کر اس عظیم الشان میدان مقابلہ میں لا کھڑا کیا، جہاں اسلام اور دوسرے مذاہب کا مقابلہ ہو رہا ہے اور جہاں ضرورت تھی کہ آج ہر مسلمان کھڑا ہوتا۔ مگر بدقسمتی سے مسلمانوں کی ذہنیت اس میدان کی طرف آنے کی انہیں اجازت نہیں دیتی۔

آج اسلام اور قرآن کی دنیا میں کس قدر مانگ ہے۔ خود یورپ سے آج یہ آواز آ رہی ہے کہ ''اسلام کے سامنے نسل انسانی کی خدمت کا ایک بڑا بھاری کام ہے۔'' اس کے اندر وہ عظیم الشان روایت ہے جو قوموں میں باہمی سمجھوتہ اور تعاون پیدا کر سکتی ہے۔ نسل انسانی کے مختلف اور متعدد قوموں کے اندر اتحاد پیدا کرنے میں جو کامیابی اسلام کو حاصل ہوئی ہے، اس کی نظیر کسی دوسری قوم میں نہیں پائی جاتی۔ ایسا اتحاد جو مرتبہ کے لحاظ سے موقعہ دینے کے لحاظ سے، جدوجہد کے لحاظ سے نسل انسانی میں مساوات پیدا کر دے۔ ہاں اسلام میں اب بھی یہ طاقت ہے کہ وہ قومیت اور روایات کے ایسے پراگندہ اجزاء کو، جو باہم ملنے کے قابل نظر نہیں آتے، اکٹھا کر دے۔ اگر مشرق اور مغرب کی عظیم الشان قوموں کا مقابلہ کبھی تعاون میں تبدیل ہو سکتا ہے تو یہ صرف اسلام کے ذریعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

ان الفاظ سے ایک مشہور مصنف ایچ۔ اے۔ آر۔ گب اپنی کتاب ''وہدر اسلام'' کو ختم کرتا ہوا مسلمانوں کو یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ تعلیم اسلام کو یورپ کے سامنے لائیں اور یورپ کی مشکلات کی عقدہ کشائی کریں۔ اس سے ذرا پہلے وہ لکھتا ہے کہ اپنی علمی واخلاقی زندگی کی تکمیل کے لئے یورپ ان طاقتوں اور استعدادوں کے بغیر نہیں رہ سکتا جو اسلامی سوسائٹی میں پائی جاتی ہیں۔ اور پھر لکھتا ہے کہ ''مغربی تہذیب کے اس توازن کو بحال کرنے کے لئے، جو اس کی یکطرفہ (یعنی صرف مادی) ترقی کی وجہ سے دور ہو گیا ہے، یہ ضروری ہے کہ ہم اسلامی سوسائٹی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔''

مگر کیا ہمارے مسلمان بھائیوں کو یورپ کی اس پکار کی طرف کوئی توجہ ہے؟ کیا وہ یورپ کے پھیلائے ہوئے ہاتھوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں گے؟ نہیں۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو کیڑوں کی طرح کھانے کو تیار ہیں۔ انہیں اشاعت اسلام کرنے والے گروہ کو کافر بنانے سے ابھی فرصت نہیں کہ وہ خود اشاعت اسلام کی طرف توجہ کریں۔ اور ان کی بدقسمتی سے یہ گروہ کچھ ایسا سخت جان واقع ہوا ہے کہ

پورے پینتالیس سال آج ان کی متفقہ کوشش پر گزر گئے کہ کسی طرح یہ گروہ کافر بن جائے، مگر وہ کافر نہیں بنا۔ حتّٰی کہ آج سید حبیب صاحب کی طرف بہت بڑے بڑے آدمیوں کی نظریں اٹھیں کہ جس میدان کو ہمارے علماء فتح نہیں کر سکے، اسے سیاست کا یہ پہلوان ضرور مار لے گا۔ مگر سید صاحب کی کوشش بھی سوائے اس کے کچھ نہ کر سکی کہ علماء کی ناکامیوں پر مہر لگا کر آپ بھی اسی گڑھے میں دفن ہو جائے۔

ان لوگوں پر تو کیا تعجب ہے۔ جس قوم کو مجدد وقت نے اشاعت اسلام کے کام کے لئے تیار کیا تھا۔ اس کے بڑے حصہ کی آج یہ حالت ہے کہ وہ بھی اسی رو میں بہنا شروع ہو گیا ہے، جہاں مسلمان بہہ رہے تھے۔ ان کے جمعہ کے خطبے ان کے لیکچراروں کے لیکچر ان کے اخبار سب ایک چھوٹی سی جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ان کے کونسے گناہ کے لئے؟!

کیا اس لئے کہ انہوں نے یورپ میں تین تبلیغی مشن قائم کر دیئے ہیں؟ یا کیا اس لئے کہ انہوں نے یورپ کی تین زبانوں میں قرآن شریف کے ترجمے کر دیئے ہیں۔ یا کیا اس لئے کہ انہوں نے عیسائیت کے عین مرکز میں ایک عظیم الشان مسجد کھڑی کر کے اللہ اکبر کی آواز بلند کر دی ہے؟ یا کیا اس لئے کہ انہوں نے ہزارہا کی تعداد میں انگریزی ترجمۃ القرآن اور انگریزی سیرت نبویؐ اور انگریزی تعلیم اسلامی کی کتابیں یورپ اور امریکہ کی لائبریریوں میں مفت پہنچا دی ہیں؟ یا کیا اس لئے کہ وہ مجدد وقت کو مجدد کے مرتبہ سے بڑھا کر نبی نہیں بناتے اور کلمہ گوؤں کو کافر نہیں سمجھتے؟!

کیا ہمارے لئے ان کا پہلا فتویٰ ہی کافی نہ تھا۔ جس کے رو سے ہم فاسق اور مرتد تھے؟ یا کیا پھر خلیفہ صاحب قادیان کا وہ خطبہ کافی نہ تھا جس کی رو سے ہم سنڈاس کے سڑے ہوئے چھلکے، دنیا پر چلتی پھرتی جہنم کی آگ، دنیا کی تمام قوموں سے بدتر، اور مفسد ترین فرقہ قرار دیئے گئے تھے؟ میں ان کی خدمت میں بادب عرض کرتا ہوں کہ اگر اس جلسہ سالانہ پر وہ ہمیں ''یزیدی الاصل'' قرار دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ یا حضرت صاحب کے الہام ''لاہور میں ایک بے شرم'' کا مصداق ٹھہرانے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو پہلی باتوں پر کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ لیکن اگر اٹھارہ سال سے ان کے پہلے فتوؤں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، تو یہ نئے فتوے بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہ بھی سید حبیب کی کتاب کے ساتھ دفن ہو جائیں گے۔

جس طرح ہماری اس چھوٹی سی جماعت کی پوری توجہ اشاعت اسلام پر لگی ہوئی ہے۔ اگر اسی طرح ہمارے قادیانی دوست بھی سیاسیات اور بدگوئی کی شاخوں کو پرورش دینے کے بجائے صرف اشاعت اسلام پر لگ جائیں، تو کیا جس کثرت پر انہیں فخر ہے، اس سے وہ کوئی مفید کام نہیں لے سکتے؟ وہ ہم سے دس گناہ زیادہ ہیں تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ ہم نے یورپ کی تین زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا تو وہ تیس میں کر دیتے۔ کیوں ایسا نہ ہوا کہ ہم نے تین مشن یورپ میں قائم کئے تھے تو وہ تیس کر دیتے۔ کیوں ایسا نہ ہوا کہ ہم نے ہزاروں کی تعداد میں قرآن شریف اور سیرت یورپ میں پہنچائی تھی تو وہ لاکھوں کی تعداد میں پہنچا دیتے؟ کیوں ایسا نہ ہوا کہ ہم نے ایک مسجد بنائی تھی تو وہ دس مسجدیں بنا دیتے؟ بے شک غور کر لیں ان کا قدم صحیح راستہ پر نہیں۔ ورنہ اشاعت اسلام کا کام آج جس قدر ہوا ہے اس سے دہ چند ہوتا۔

ہم خدا اور اس کے رسولؐ کے نام کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ اور ہمارے دوست ہمیں یزیدی بناتے ہیں۔ بے شرم بناتے ہیں۔ ایسا ہی ہے جیسا خدا کے مسیح نے قرآن کو دنیا میں پھیلانے کی بنیاد رکھی اور لوگوں نے اسے مسیلمہ اور اسود کا خطاب دیا۔ کذاب اور دجال ٹھہرایا۔ ان لوگوں نے پینتالیس سال زور لگا کر دیکھ لیا۔ یہ کامیاب نہ ہوئے۔ آج اٹھارہ سال سے ہمارے قادیانی بھائی بھی ہمیں گرانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ لیکن خدا کے فضل نے ہم چند متفرق دانوں کو اکٹھا کر کے ایک عظیم الشان کام ہم سے لیا۔ ہمارے مسلمان اور قادیانی بھائی اگر ہمیں بُرا ہی کہنا چاہتے ہیں تو کہتے رہیں۔ میں اگلے ہفتہ بتاؤں گا کہ دنیا کیا کہتی ہے؟

<u>قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت 23 فروری 1934ء</u>

جیسا کہ میں نے پچھلے اخبار میں لکھا بھی تھا، میرا ارادہ تو یہ تھا کہ میں اس اخبار میں ان راؤں کے کچھ خلاصے دیتا جو ان لوگوں نے ہماری کتابوں کو پڑھنے اور ہمارے کام کو دیکھنے کے بعد قائم کی ہیں، جن کے ساتھ ہمارا مقابلہ ہے۔ خواہ وہ پادری ہوں، خواہ مستشرقین یا اسلام پر لکھنے والے دوسرے مصنف۔ کیونکہ دوسروں کی رائے کو اپنے متعلق معلوم کر کے بھی انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن اتفاق سے اس وقت ایڈیٹر صاحب نے اخبار ''مدینہ'' کا 21 فروری کا پرچہ میرے پاس بھیج دیا ہے۔ اور اخبار

''سیاست'' کا بھی اقتباس میری نظر سے گزرا اور مجھے ضروری معلوم ہوا کہ اس مضمون پر، جو اس وقت سامنے آ گیا ہے، پہلے کچھ لکھوں۔

افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں جو ایک خیال بیٹھا ہوا ہے کہ احمدیت اسلام دشمنی کا نام ہے۔ اس خیال کو ان کے دلوں سے نہ کوئی ہماری تحریر دور کر سکتی ہے نہ واقعات کی کوئی شہادت۔ خواہ وہ کتنی بھی زبردست ہو۔ حتّٰی کہ اس ہیبت ناک نظارنے، جو چاہیئے تھا کہ دلوں کو اسی طرح ہلا دیتا جس طرح اس نے زمین کو ہلا کر زیر وزبر کر دیا، ہمارے بھائیوں کی اس ذہنیت پر، جو انہوں نے احمدیت کے متعلق قائم کر رکھی ہے، کچھ اثر نہ کیا۔

اخبار ''مدینہ'' میں ''زلزلہ'' کا مذہبی فلسفہ کے عنوان سے ایک مضمون نکلا ہے۔ جس میں مذہبی فلسفہ کا ذکر تو ضمناً آ گیا ہے۔ لیکن زیادہ تر احمدیت کے متعلق خیالات کا اظہار ہے، جو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سخت غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ ''مدینہ'' جیسے وقیع اخبار میں ایسے خیالات کا اظہار تعجب انگیز ہے۔ اور ''سیاست'' پر تو کچھ شکایت کرنا فضول ہے۔ کیونکہ اس کا تو اب مطمع نظر ہی احمدیت کے متعلق غلط فہمیوں کو پھیلانا ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ اس وقت بدقسمتی سے عوام الناس کی ذہنیت ہمارے خلاف ہے اور جو کچھ کسی اخبار میں ہمارے خلاف نکل جائے، وہ اس پر پہلے ہی اٰمَنَّا وَ اور صَدَّقْنَا کہنے کو تیار ہیں۔ اور اسی عوام الناس کے مذاق کو مدنظر رکھ کر یا اس وجہ سے کہ وہی مذاق ہمارے اخبارات کا بھی ہے، وہ باتیں ہماری طرف منسوب کی جاتی ہیں جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں اور نہ ہم نے کبھی وہ باتیں کہیں۔

اخبار ''مدینہ'' کے فاضل ایڈیٹر نے زلزلہ کے واقعات کو ہمارے خلاف یوں استعمال کیا ہے کہ ''بہار کے زلزلے نے قادیانی علم کلام کی دھجیاں بالکل بکھیر کر رکھ دی ہیں۔'' کیونکہ ان کے نزدیک قادیانی علم کلام کیا ہے ''قادیانی علم کلام کا سب سے مایہ ناز حصہ خوارق عادت کی تاویل وانکار پر مبنی ہے اوراس کا ثبوت کیا ہے؟ یہ نہیں کہ مثلاً ہم نے کبھی یہ کہا ہو کہ قرآن کریم معجزات کا انکار کرتا ہے۔ جیسا کہ اس زمانہ کے بہت سے مغرب زدہ لوگوں کا خیال ہے۔ بلکہ اس کے خلاف ہم نے بڑے زور سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم معجزات کا انکار نہیں کرتا۔ بلکہ خدا کی طرف سے انبیاء کے معجزات دیئے

جانے کا دعویٰ کرتا ہے۔ نہ ہی اس کے ثبوت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی معجزے کا انکار کیا ہو۔ مثلاً قرآن کریم میں آپ کا معجزہ ''شق القمر'' کا ذکر ہے۔ ہم بھی اس کے قائل ہیں۔ حالانکہ شاہ ولی اللہ جیسے بزرگ نے بھی اسے محض ایک قسم کا خسوف قرار دیا ہے۔ احادیث میں آپ کے جن معجزات کا ذکر ہے ہم ان سب کے قائل ہیں۔ بلکہ اس بات کے قائل ہیں کہ آج بھی آنحضرتؐ کے معجزات پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے رنگ میں ظاہر ہو رہے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ اس حصہ پر زور ہی احمدیت نے دیا ہے اور آنحضرتؐ کی اس عظمت کو ظاہر کیا ہے جس کی طرف ہمارے بھائی محض ایک حق کے انکار کی وجہ سے نظر اٹھا کر بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ آپؐ کی صداقت اس زمانہ میں ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے سے آفتاب نصف النہار کی طرح چمک اٹھی ہے۔ یہی وہ معجزات ہیں جنہوں نے احمدیوں کے دلوں میں اسلام اور آنحضرتؐ کی صداقت پر وہ ایمان پیدا کیا ہے کہ وہ اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے اپنے مال اور زندگیاں وقف کر رہے ہیں۔ کہنے کو تو ہر ایک کا حق ہے۔ جو چاہے کہے۔ لیکن کبھی ہمارے ان معترض احباب نے یہ غور بھی کیا کہ آخر احمدیوں میں اسلام پھیلانے کا یہ جوش کہاں سے پیدا ہوا؟ اور کیا وجہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس جوش سے اس قدر خالی پڑے ہیں کہ ان کو اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ ایک اور صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ احمدیوں کو خدا کے فضل سے آنحضرتؐ کی صداقت پر ایک زبردست یقین حاصل ہو گیا ہے۔ اور ان کا اس بات پر ایمان، کہ دین اسلام سب مذاہب پر غالب آئے گا محض ایک خیال نہیں بلکہ ایک زبردست طاقت بن گیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرتؐ کی صداقت کے ان نشانات کو دیکھا ہے جو اس زمانہ میں ظاہر ہو رہے ہیں۔

تو ہم معجزات کا انکار کس طرح کر سکتے ہیں؟ مصیبت صرف یہ ہے کہ اگر ہم مفسرین کی رائے پر کوئی جرح قدح کریں۔ یا بعض قصوں کا جو مفسرین نے قرآن کریم کی تفسیر میں اپنی طرف سے داخل کر دیئے ہیں، انکار کریں تو ہمارے بھائی بغیر سوچے سمجھے چلا اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ انبیاءؑ کے معجزات کے منکر ہیں۔ ہم معجزات کے منکر نہیں۔ ہم قرآن کریم کے منکر نہیں۔ مفسرین کے قصوں کے، جن کی بنا قرآن یا صحیح حدیث پر نہ، ہو ان کے ضرور منکر ہیں۔ کیونکہ ان قصوں نے مسلمانوں کو سخت

نقصان پہنچایا ہے۔ اور ان کی ذہنیت کو حقائق علمی کی طرف سے پھیر کر، جن سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے قصے اور کہانیوں کی طرف مائل کر دیا ہے۔ چنانچہ اخبار مدینہ کے فاضل ایڈیٹر کو بھی ہمارے انکار معجزات کی جو دلیل ملی وہ صرف اسی قدر ہے کہ ہمارے خوارق عادت کی تاویل وانکار کے ذکر کے بعد وہ مثال کے طور پر فرماتے ہیں:

''مثلاً عصائے موسیٰؑ کی ضرب سے سمندر کی موجوں کا پھٹ جانا اور پانی میں خشکی کے راستے بن جانا ان کے فیلسوف دماغوں میں نہیں سما سکتا۔''

میں نہیں جانتا کہ یہ خیال انہوں نے کہاں سے لیا ہے۔ کاش! کہ وہ اس موقعہ پر میری تفسیر کو پڑھ لیتے۔ یہ تفسیر بیان القرآن کے صفحہ 1391 پر موجود ہے۔ الفاظ قرآنی یوں ہیں **فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ**. (63:26) اس آیت کا ترجمہ میں نے بیان القرآن میں یوں کیا ہے:

''سو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنے عصاء سے سمندر کو مار۔ پس وہ پھٹ گیا اور ہر ایک فریق ایک بڑے تودہ کی طرح تھا۔''

اب اس ترجمہ میں عصاء سے سمندر کو مارنے کا اقرار بھی موجود ہے اور سمندر کے پھٹ جانے کا بھی اقرار موجود ہے۔ معلوم نہیں کن الفاظ سے فاضل ایڈیٹر کو یہ سوجھا کہ ہم اس کے منکر ہیں۔ ہاں جس چیز کا انکار کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں پر مفسرین نے اپنی طرف سے یہ قصہ بڑھایا ہے کہ سمندر میں بارہ راستے بن گئے تھے۔ اور ہر دو راستوں کے درمیان سمندر پہاڑ کی طرح کھڑا تھا۔ اور درمیان میں دو بچے بنا دیئے گئے تھے۔ تا کہ وہ چلتے بھی جائیں اور دوسرے کو دیکھتے بھی جائیں۔ نہ قرآن کریم میں ان باتوں کا ذکر ہے نہ ہم ان کے قائل ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے نیچے نوٹ میں صرف اس قدر ذکر ہے کہ ''یہاں سے مفسرین نے بارہ راستے نکالے ہیں۔ حالانکہ یہاں بارہ کا ذکر نہیں، نہ کسی حدیث میں ہے اور **كُلُّ فِرْقٍ** سے مراد پانی کے قطعات بھی ہو سکتے ہیں۔ اور دونوں فریق یا جماعتیں بھی ہو سکتی ہیں۔'' اور اس نوٹ کے آخر پر ہے ''ہو سکتا ہے کہ جوش تعاقب میں فرعون نے چڑھاؤ کے وقت کا خیال نہ کیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے لئے اعجاز کے طور پر سمندر نے راستہ دے دیا۔ اور فرعونی وہاں غرق ہو گئے۔''

میں اس کی اور بہت سی مثالیں دے سکتا ہوں کہ کس طرح محض قصوں اور کہانیوں کے انکار کو معترضین نے معجزات کا انکار بنالیا ہے۔ لیکن یہ اس وقت میرا موضوع نہیں۔ البتہ مختصر طور پر اس امر پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں کہ زلزلہ کے متعلق جو خیالات ہماری طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ یہ ہم پر محض اتہام ہے۔ ''مدینہ'' نے لکھا ہے کہ ''قادیانی جماعت خواہ قادیان سے تعلق رکھتی ہو خواہ لاہور سے۔'' اس بارے میں یکساں ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس خبر زلزلہ کے سنتے ہی ہمارے دلوں میں ایک مکروہ مگر مسرت آمیز حرکت پیدا ہوگئی۔'' آخر اتنا بڑا اتہام لگانے کے لئے کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔

ہم پر عقائد کے لحاظ سے جو الزام کوئی چاہے لگائے لیکن اس قسم کے الزام دینا کہ ادھر انسانوں پر ایک مصیبت عظمی نازل ہوتی ہے۔ بچے اور عورتیں اور مرد یک بیک مکانوں کے اندر دفن ہو جاتے ہیں۔ آباد شہر آناً فاناً قبرستان بن جاتے ہیں۔ جو بچ رہتے ہیں وہ کچھ اپنے عزیزوں کے غم میں، کچھ اپنی فکر میں، نہ رہنے کو مکان ہے، نہ کھانے کو کھانا ہے، نہ اوڑھنے کو کپڑا ہے۔ اور دیوانوں کی طرح ویرانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ادھر احمدی خوشی میں پھولے نہیں سماتے۔ اِنَّـا لِلّٰـهِ وَاِنَّـآ اِلَيْـهِ رٰجِعُوْنَ . مذہبی تعصب اور عناد کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے۔ آپ لوگ ہم میں سے جن لوگوں کے ساتھ ملتے ہیں کیا واقعی ان میں انسانیت کے بجائے ایسا ہی وحشیانہ پن پاتے ہیں کہ انسانوں پر اتنی بڑی مصیبت ہو اور ہم خوشی کے شادیانے بجائیں؟!

کاش! ہمارے فاضل دوست نے، جو فلسفہ زلزلہ کا بیان کیا تھا، خود اپنی تحریر میں بھی اس کا کچھ اثر دکھایا ہوتا۔ فرض کیجئے کہ ہمارے خیال کے مطابق زلزلہ حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا ہے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم خوش ہیں کہ زلزلہ آیا! آخر جن لوگوں نے اس زلزلہ کا نقشہ سورہ الزلزال کی آیت اِذَا زُلْـزِلَـتِ الْاَرْضُ زِلْـزَالَهَا (1:99) سے پیش کیا ہے کیا وہ اس لئے پیش کیا ہے کہ زلزلہ کی وجہ سے ان کے دل میں ایک مسرت آمیز حرکت پیدا ہوئی تھی؟ یہ بھی کوئی منطق ہے کہ چونکہ ہمارے خیال کے مطابق ایسے زلزلہ کی پیشگوئی حضرت مرزا صاحب نے کی تھی، اس لئے لوگ مرتے ہیں، تو ہم خوشی کے گیت گاتے ہیں! آخر قرآن کریم کو پیش کرنے والا بھی تو یہی کہتا ہے کہ ایسے زلزلہ کا نقشہ قرآن شریف نے کھینچا ہے۔ اگر ایک احمدی اس کے ساتھ اتنا اور بڑھا دے کہ قرآن کے

ایک خادم نے بھی ایسے زلزلہ کا نقشہ کھینچا ہے۔تو گردن زونی یا دونوں ہونے چاہئیں یا ایک بھی نہیں۔

ہاں یہ امر دیگر ہے کہ فی الواقع حضرت مرزا صاحب نے ایسے زلزلے کا نقشہ اپنی تحریرات میں کھینچا ہے یا نہیں۔سو اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔اس بارے میں آپ کی تحریریں اس کثرت کے ساتھ ہیں کہ آنکھیں بند کر کے بھی انسان ان کو لاپروائی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔

☆''خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے۔پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیشگوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے، ایسا ہی یورپ میں بھی آئے اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات میں آئیں گے اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہوں گے۔''

☆''کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو......مت خیال کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے۔میں تو دیکھتا ہوں کہ شائد ان سے زیادہ مصیبت کا منہ دیکھو گے۔''

☆''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔نوحؑ کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور لوطؑ کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لو گے۔''

''اک نشاں ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد جس سے گردش کھائیں گے دیہات وشہر ومرغزار
آئے گا قہرِ خدا سے خلق پر اک انقلاب اک برہنہ سے نہ یہ ہو گا کہ تا باندھے ازار
یک بیک اک زلزلہ سے سخت جنبش کھائیں گے کیا بشر اور کیا شجر اور کیا حجر اور کیا بحار''

رہا زلزلہ کا فلسفہ یا دوسری آفات ارضی وسماوی کا فلسفہ، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ انسانوں کے کونسے گناہ کی وجہ سے یہ مصائب آتے ہیں۔گاندھی جی کا خیال ہے کہ اچھوتوں سے جو سلوک ہندوؤں نے کیا وہی اس زلزلہ کو لانے کا باعث ہے۔اگر ایک احمدی یوں کہہ دے کہ ان مسلمانوں کا سلوک اس کو لانے کا باعث ہے، جنہوں نے مجدد وقت کا ساتھ دینے کی بجائے اسے دجال اور کذاب کہا اور بُرے سے بُرا سلوک کیا اور آج اس کی جماعت کو وہی مقام دے رہے ہیں جو ہندوؤں نے اچھوتوں کو دیا کہ ان سے ہر طرح پر مقاطعت کی جائے اور انہیں باوجود کلمہ گو ہونے کے کافر قرار دیا جائے۔ بلکہ صاف طور پر یہ کہہ رہے ہیں کہ

یہ اسلام کے اچھوت ہیں۔ حالانکہ وہ اپنی زندگیاں اور اپنے مال اسلام کی اشاعت اور حفاظت کے لئے وقف کر رہے ہیں، تو اتنا بُرا ماننے کی بات کیوں ہے؟! یہی اخبار گاندھی جی کے اس قول پر تو نہیں بگڑتے۔ لیکن اگر خود مسلمان اس سے بدتر فعل کا ارتکاب کریں، جو ہندو اچھوتوں کے معاملہ میں اپنے اعتقاد کی بناپر کر رہے ہیں، یعنی مسلمانوں میں تکفیر کے ذریعے سے اچھوت پن کی بنیاد ڈالیں تو اس پر سیخ پا ہونے کے کیا معنی؟ خوب یاد رکھو کہ ہندوؤں میں اچھوت پن کے مسئلہ سے بدتر یہ مسلمانوں کی تکفیر کا مسئلہ ہے۔ جس پر آج ہم میں سے بڑے سے بڑے اتحاد کے دعویدار بھی گرفتار ہیں۔ ہمارے عالم بھی گرفتار ہیں۔ پیر بھی گرفتار ہیں۔ فلسفی اور شاعر بھی گرفتار ہیں۔ ملکی رہنما بھی گرفتار ہیں۔

ہاں ایک بات ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ یہ جو آفات اور مصائب دنیا پر آتی ہیں اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ انسان بلا وجہ پکڑے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان میں بہت سے معصوم اور نا کردہ گناہ بھی ہوتے ہیں۔ اور قرآن شریف نے خود بھی فرمایا ہے وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً (25:8) ایسے فتنہ سے بچو جو صرف ظالموں کو ہی نہیں پہنچتا۔ تو گو یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ فلاں گناہ کی وجہ سے ہے یا دوسرے گناہ کی وجہ سے۔ لیکن قرآن کریم نے جو ایک پر حکمت بات بیان فرمائی ہے اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اور وہ یہ ہے۔ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ. (42:6) ''ہم لوگوں کو تکلیف اور دکھ میں مبتلا کرتے ہیں تا کہ وہ عاجزی اختیار کریں۔'' یہی زلزلہ کا فلسفہ ہے۔ یہی تمام آفات ارضی وسماوی کا فلسفہ ہے۔ معصوم اور بے گناہ بھی دکھ اٹھاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت جو حکمت کاملہ پر مبنی ہے، اس کے نیچے بھی ایک غرض پنہاں رکھتی ہے۔ تا کہ لوگوں کے اندر تضرع اور عاجزی پیدا ہو۔ گویا بعض لوگ بعض کی خاطر دکھ اور تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہے کہ انسانوں کی اصلاح ہو۔ اس اصلاح کے پیدا کرنے کا یہ سامان ہے۔ سوچو! مصیبت آنے والی تھی وہ تو آ چکی۔ اب اس سے اگر ہم لوگ، جو پیچھے رہ گئے ہیں، یہ سبق حاصل کریں کہ اپنی اصلاح کر لیں تو یہ جانیں یونہی تلف نہیں ہوئیں۔ یہ مصیبت بلا وجہ نہیں آتی۔'' ہاں اللہ تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ تم لوگ جو کیڑوں مکوڑوں کی طرح ایک دوسرے کو کھانے کو دوڑتے ہو۔ ایک دوسرے کو پاؤں کے نیچے مسلنا چاہتے ہو۔ تو یاد رکھو خدا کے پاس ایسی طاقت موجود ہے کہ آن کی آن میں تم سب کو نیست و نابود کر دے۔ محمد علی۔

27 فروری 1934ء

ایک معزز انگریز نو مسلم کو حضرت امیر کی طرف سے دعوت طعام

22 فروری 1934ء کی شام کو حضرت امیر نے مسٹر فیئر لی بیرسٹر ایٹ لاء لاہور نو مسلم کو معززین لاہور سے انٹروڈیوس کروانے کے لئے اپنے مکان پر دعوت طعام دی۔ جس میں ذیل کے حضرات مدعو تھے۔

سر عبدالقادر صاحب جج ہائیکورٹ لاہور۔ آنریبل ملک فیروز خان نون وزیر تعلیم گورنمنٹ پنجاب، خان بہادر شیخ نور الٰہی صاحب اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ تعلیم پنجاب، نواب محمد شاہ نواز خان صاحب آف ممدوٹ، ڈاکٹر عبدالحمید صاحب بٹ محکمہ صحت عامہ گورنمنٹ پنجاب، میر بختیاور علی خان صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس، چودھری محمد حسین خان صاحب انسپکٹر ورنیکلر مدارس، مولانا مولوی صدرالدین صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، ڈاکٹر سید طفیل حسین شاہ صاحب، سید امجد علی شاہ صاحب، سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب، مولانا عزیز بخش صاحب، شیخ عبدالمنان صاحب مالک انگلش ویر ہاؤس، شیخ محمد دین خانصاحب ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور، چودھری ظہور احمد صاحب بی اے، ماسٹر غلام محمد صاحب بی اے سیالکوٹی، خان صاحب چودھری محمد منظور الٰہی صاحب، مولانا محمد یعقوب خان صاحب ایڈیٹر لائٹ، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، ڈاکٹر عطاء اللہ خان صاحب و دیگر معزز مہمان نے آتے ہی سب احباب سے مصافحہ کیا اور اپنے قبول اسلام پر گفتگو فرماتے رہے۔ اس کے بعد کھانے پر تشریف لے گئے۔ وہاں بھی مختلف امور پر گفتگو ہوتی رہی۔ کھانے کے بعد کچھ دیر تبادلہ خیالات کرنے کے بعد سب احباب رخصت ہو گئے۔ صاحب موصوف نہایت خوش اخلاق اور مخلص ہیں اور ہر ایک سے نہایت حسن اخلاق سے پیش آئے۔ اس سے پہلے انجمن آپ کی خدمت میں انگریزی قرآن کریم و سیرت نبویؐ و دیگر اسلامی لٹریچر بطور ہدیہ پیش کر چکی ہے۔ جس کا آپ مطالعہ کر رہے ہیں۔ کھانے پر بیٹھنے سے پہلے معزز مہمان نے سر عبدالقادر صاحب سے اپنے معزز میزبان سے تعارف کی خواہش ظاہر کی۔ سر موصوف نے جواب دیا کہ حاضرین میں جو شخص سب سے زیادہ سادہ لباس میں ہے وہ ان کا میزبان ہے۔ چنانچہ سر موصوف نے حضرت امیر اور معزز مہمان کا دوبارہ خصوصیت سے تعارف کرایا۔

3 مارچ 1934ء
حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات۔2

آج ''پیرسن میگزین'' کے مضمون پر مسلمانوں میں ایک شور ہے اور ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ ایک نہایت ہی ناپاک مضمون ہے۔ جس میں پیغمبر اسلام اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت بلالؓ کی نہایت ہتک آمیز تصویریں کھینچ کر اسلام کا مضحکہ اڑایا گیا ہے۔ دو چار سال کا ذکر ہے۔ اسی قسم کا ایک مضمون ولایت کے ایک اور میگزین میں شائع ہوا تھا۔ یہ باتیں یورپ کے خون میں رچی ہوئی ہیں۔ اس مضمون کا جواب اس وقت میرے مدنظر نہیں۔ لیکن میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آج ہمارے مسلمان بھائی جس تحریک کے استیصال کے درپے ہیں۔ درحقیقت وہی ایک تحریک ہے جو ان باتوں کا صحیح علاج کر رہی ہے۔ اور آج خود یورپین مصنفین کا ایک طبقہ، جن کی توجہ اسلام کی طرف ہے، وہ احمدیت کی ان خدمات کے معترف ہیں۔

تحریک احمدیت نے یورپین مصنفین کی توجہ کو بھی اپنی طرف کھینچا ہے۔ اور مسلمان بھائیوں کی توجہ کو بھی۔ لیکن دونوں میں ایک فرق ہے۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس تحریک میں سوائے کفر کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ آج بیٹھتے اٹھتے، چلتے پھرتے اگر مسلمانوں کو کوئی ایک فکر ہے، تو وہ صرف اسی قدر ہے کہ تحریک احمدیت کا استیصال کس طرح ہو! اور برخلاف اس کے یورپین مصنفین جب اس تحریک کو دیکھتے ہیں تو انہیں اس میں اسلام کی حمایت اور اسلام کی اشاعت کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ نہ صرف یہی بلکہ باقی مسلمانوں میں حمایت و اشاعت اسلام کے مقصد عظیم کو اپنے سامنے رکھنے والا اس کے سوائے اور کوئی گروہ نظر نہیں آتا۔ یہ عجیب معاملہ ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک احمدی اسلام کے بدترین دشمن ہیں اور غیر مسلموں کے نزدیک اسلام کے بہترین خادم!

☆ ''وہدر اسلام؟'' ، جس کا لفظی ترجمہ ''اسلام کدھر''، ایک کتاب ہے جو مشہور پروفیسر گب نے ایڈٹ کر کے 1932ء میں شائع کی ہے۔ اس کتاب کے مصنف کے

اس نقطہ نگاہ کو، کہ یورپ اسلام کے بغیر نہیں رہ سکتا، میں کسی پچھلے مضمون میں بیان کر چکا ہوں۔ اس مضمون میں احمدیت کے متعلق اس کے نقطہ خیال کو پیش کرتا ہوں۔

☆ ''احمدیت کے عقائد نہایت بلند اخلاقی حیثیت کے ہیں۔ اور یہ بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف متوجہ ہے۔ اس کے پیرو تحریر اور تقریر کے ذریعہ سے عیسائی عقائد کے مقابلہ سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوتے۔'' صفحہ 88

☆ ''یہاں سے شائد مشرقی لوگوں میں ایک نئی طاقت پیدا ہو سکتی ہے۔ جو اسلام کے موجودہ تنزل کو روک دے۔ بلکہ اس کو ترقی کی صورت میں تبدیل کر دے۔ اگر یورپ اسی راستہ پر چلتا رہا جس پر وہ اس وقت چل رہا ہے۔ کون ہے جو اس قسم کے واقعات کے رونما ہونے سے انکار کر سکتا ہے۔ جب کہ وہ مثلاً اسی بات کا مشاہدہ کر لے کہ کس طرح اس قسم کی تحریکات، جیسے احمدیت ہے، اپنی مضبوط اخلاقی طاقتوں اور گہرے مذہبی خیالات کے ساتھ ایک خاص اثر ان حدود سے آگے نکل کر ڈال رہی ہیں جو اب تک اسلام کی حدود سمجھی جاتی تھیں۔'' صفحہ 309

☆ ''تحریک احمدیت حقیقتاً ایک اشاعت اسلام کی سوسائٹی بن گئی ہے۔ اگرچہ پُرانے خیال کے علماء اب تک اسے شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اسی تحریک کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اس نے موجودہ حالات کے مطابق ایک نیا علم کلام بھی پیدا کر لیا۔ جو اگرچہ ابھی تک مغربی دلائل کی اصطلاحات پر پورے طور پر قادر نہ ہوا ہو۔ تاہم ایسا نہیں کہ اپنی طرف توجہ کو نہ کھینچ لے۔'' صفحہ 353

ایک اور کتاب ''انفلوئینس آف اسلام'' نام ہے۔ یعنی ''اسلام کا اثر'' جو ایک پادری بولس نام کی تصنیف ہے۔ اور 1932ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں احمدیت کے ذکر میں لکھا ہے:

☆ ''احمدیت دو حصوں پر تقسیم ہوگئی...... لاہور کی جماعت جو زیادہ کام کرنے والی ہے۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ مغربی دنیا کے سامنے اسلام پیش کرنے میں کہاں تک کامیابی ہو سکتی ہے...... (ترجمہ قرآن) انگریزی کی ایڈیشن

جو 1916ء میں شائع ہوئی ہے۔ایک نئی روشنی کے آدمی کی تصنیف ہے۔ جو ابھی تک خاصہ متعصب ہے......اس احمد یہ ترجمہ کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ مقامات، جن پر اعتراض ہوتا ہے، انہیں صاف کیا جائے...... دوسرے مترجم نے یہ ثابت کرنے کے لئے بڑا زور لگایا ہے کہ اسلام ایک بہت بلند مذہب ہے۔تیسرے وہ مسیح کے مذہب کو ناقص ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔''

اور پھر لکھتا ہے:

☆''احمدیت اس بات کا فیصلہ کر چکی ہے کہ پیغمبرؐ کے کیرکٹر کو ہر ایک الزام سے پاک ثابت کرے'' صفحہ 109-110

ایک اور کتاب ''اسلام ایٹ دی کراس روڈ'' نام ہے۔جس کا لکھنے والا ایک پادری اولٹری نام ہے۔ یہ کتاب 1923ء میں شائع ہوئی تھی۔اس میں مذکور ہے۔

☆''احمد یہ فرقہ کی تاریخ اس سے بالکل مختلف ہے جو پنجاب میں پیدا ہوا اور جو ایک حد تک وہاں عیسائی پادریوں کی کاروائیوں کا ردعمل ہے......اسلام میں صرف ایک ہی فرقہ ہونے کے لحاظ سے، جس نے انگلستان میں اسلام کو پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ یہ خاص طور پر دلچسپ ہے۔اپنے عام میلان میں یہ (ملّانوں کے) پرانے خیالات اور نیچریوں کے محض عقل پر مبنی خیالات کے بین بین ایک درمیانہ راستہ اختیار کرتا ہے۔'' صفحہ 99-100

☆''اس کو اس کے ماحول سے الگ کر کے دیکھا جائے تو یہ تحریک صرف ایک زیادہ وسیع الخیال اسلام کے رنگ میں نظر آتی ہے۔اسی خصوصیت کے ساتھ کہ اس میں اشاعت کی روح صاف نظر آتی ہے اور اسے اس بات کا یقین ہے کہ یہ مغربی اقوام کو اپیل کر سکتی ہے۔ایسی اپیل جو اس وقت بھی ایک حد تک کامیاب ہو چکی ہے۔اگر یہ خیال کیا جائے کہ یہ کامیابی کوئی بہت بڑی نہیں تو یاد رکھنا چاہئے کہ خود ہندوستان میں بھی، جہاں اب مسلمان قوم اس کثرت سے ہے کہ دوسرے کسی ملک میں نہیں،

اشاعت اسلام کی ابتدا نہایت آہستہ ہوئی تھی‘‘ صفحہ 108

ایک اور کتاب بنام ’’پیپل آف دی ماسک‘‘ یا اہل مسجد، 1932ء میں ایک پادری صاحب کی تصنیف شائع ہوئی ہے۔ جس میں وہ ایران میں عیسائیت کی کامیابی کی امید کے ساتھ ایک خوف بھی ظاہر کر رہے ہیں۔

☆’’غالباً سب سے زیادہ کامیاب مشنری کام جو کسی ملک میں ہو رہا ہے، وہ ایران میں ہے۔ ایک اس زمانہ کا مصنف لکھتا ہے کہ ایران میں اسلام خود بخود تنزل کی طرف جا رہا ہے۔ اور کوئی وقیع کوشش اس کی اصلاح کی نہیں ہو رہی۔ مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی خوف ظاہر کرتا ہے کہ احمدیت کے پروپاگنڈا کی یہاں ابتداء ہو گئی ہے۔‘‘ صفحہ 172

☆’’مرزا صاحب نے سخت مخالفت پیدا کر لی۔ وہ ہمیشہ پیشہ ور ملانوں کو ملامت کرتے رہے۔ جنہیں وہ اس بات کا الزام دیتے تھے کہ وہ عوام الناس کو تاریکی اور توہم پرستی کی غلامی میں رکھتے ہیں۔ نہ ہی وہ صرف عقل پر بھروسہ رکھنے والوں کے ساتھ صلح کر سکتے تھے، جیسے سید امیر علی اور خدا بخش، جنہوں نے قرآن اور اسلام کی بعض باتوں کو ایام جاہلیت کے عرب اعتقادات اور یہودیت اور نصرانیت کی طرف منسوب کر کے قرآن کریم کی حکومت اور دعویٰ کو نقصان پہنچایا‘‘ صفحہ 213

ایک اور مشہور پادری صاحب کریمر نام جو 1931-1932ء میں ہندوستان آئے۔ اور یہاں کی اسلامی حالت کا بغور مطالعہ کیا۔ ایک لمبے مضمون کے سلسلہ میں، جو اپنے تاثرات کے متعلق انہوں نے مشہور رسالہ ’’مسلم ورلڈ‘‘ میں لکھا، لکھتے ہیں:

’’مسلمانوں میں فرقہ داری کی روح، جو عام طور پر پھیلی ہوئی ہے، احمدی اس میں ایک دلچسپ استثناء کے طور پر ہیں۔ وہ صرف مذہبی اشاعت پر سارا زور صرف کرتے ہیں اور سیاسیات سے الگ رہتے ہیں...... اس بارے میں موجودہ اسلام

میں یہ ایک قابل ذکر گروہ ہے۔ اور یہ ایک ہی گروہ ہے جس کے مقاصد محض تبلیغی ہیں۔ ان میں ایسا خلوص اور جوش اور ایثار پایا جاتا ہے جو سچائی کے ساتھ قابل تعریف ہے۔ باوجود یہ کہ دق کرنے والے اور سخت جارحانہ ہتھیار استعمال کرتے ہیں، ان کا بانی مرزا غلام احمد ضرور ایک زبردست شخصیت ہوگی۔''

☆''لاہور کی جماعت، جو اصل قوم سے الگ ہوگئی ہے، اس وجہ پر کہ وہ بانی سلسلہ کو محض مجدد تسلیم کرتے ہیں نہ کہ نبی، وہ اسلامی رائے عامہ کو زیادہ پسند ہیں۔ ان میں عیسائیت کی مخالفت کی وہی روح ہے جو قادیانیوں میں۔ مگر اس کی توجہ زیادہ تر اس بات کی اشاعت میں مرکوز ہے کہ اسلام ہی صرف ایک مذہب ہے جو عقل اور فطرت کے مطابق ہے۔ یورپ میں عیسائیت کی نازک حالت سے انہیں بہت سا ایسا سامان مل جاتا ہے جس سے وہ اس مذہب کی عیب جوئی کرتے اور اسلام کی بہت تعریف کرتے ہیں...... اپنی سخت جارحانہ کارروائی میں وہ عیسائیت سے وہی سلوک کرتے ہیں جو اکثر اوقات میں عیسائیت نے اسلام سے کیا ہے...... ان کا اثر اس سے بہت زیادہ وسیع ہے جو ان کی تعداد سے قیاس ہوسکتا ہے۔ ان کے اسلام سے دفاع اور اس کی حفاظت کو بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان قبول کرتے ہیں کہ یہی ایک صورت ہے جس میں وہ عقلی رنگ میں اسلام کے وفادار رہ سکتے ہیں۔'' مسلم ورلڈ جلد 2 صفحہ 170

''انڈین اسلام ایک اور کتاب ہے۔ جو 1930ء میں ڈاکٹر نائینس نے لکھی ہے۔ اس میں لکھا ہے:

☆''تحریک احمدیت اسلام کی نیچری تعبیرات کی، جو علی گڑھ کے مصلحین نے کی ہیں، ردعمل کے طور پر ہے۔ مگر وہ اس کے ساتھ ہی ملانوں کی حکومت کو بھی رد کرتے ہیں...... اس وقت احمدی دنیا میں سب سے زیادہ اسلام کی اشاعت کرنے والی قوم ہے۔'' صفحہ 217

☆ ''فریق قادیان اس بات پر زور دیتا ہے کہ بانی سلسلہ نبی تھا۔ مگر لاہور کے فریق کا یہ اصرار ہے کہ وہ صرف ایک مجدد تھے۔'' صفحہ 328

☆ ''دوسری طرف یہاں ہم عیسائیت کے خلاف نئے سے نیا اور نہایت ہی جارحانہ پروپاگنڈا پاتے ہیں۔ جو کبھی دنیا میں پیدا ہوا ہو۔ اور یہاں سے ایک عالمگیر نظام بیرونی مشنوں کا قائم کیا گیا ہے'' صفحہ 229

میں نے ماہ رمضان کے جمعۃ الوداع میں جہازوں میں مفت تقسیم لٹریچر کے لئے جو بڑا اعلیٰ درجہ کا صدقہ جاریہ کا کام ہے اور جس سے ہزار ہا لوگوں کو، جو سفر کرتے ہوئے فارغ ہوتے ہیں، قرآن شریف اور سیرت نبویؐ وغیرہ کے پڑھنے کا موقعہ مل سکتا ہے، تحریک کی تھی۔ اس وقت کل ایک سو پچاس سیٹ (ایک سیٹ میں ایک قرآن کریم مع متن وترجمہ ایک لائف انگریزی آنحضرتؐ ایک تاریخ انگریزی خلافت راشدہ ایک ٹیچنگس آف اسلام شامل ہیں) مطلوب ہیں۔ جن میں سے قریب پچانوے کے وعدے کر چکے ہیں۔ گو ابھی قیمت صرف قریباً پچاس کی وصول ہوئی ہے۔ اور ابھی ساٹھ کے قریب اور سیٹ کی ضرورت ہے۔ فی سیٹ نصف قیمت، جس پر یہ کتابیں مہیا کی جائیں گی، ساڑھے گیارہ اور خرچ ڈاک دو روپے یا کل ساڑھے تیرہ روپے فی سیٹ قیمت ہے۔ اس پر تو کیا تعجب ہے کہ غربا کا طبقہ اس بارے میں سبقت لے گیا۔ لیکن امراء کا اب تک کامل خاموشی سے کام لینا ضرور تعجب کا مقام ہے۔ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے پندرہ سیٹ اور حاجی سعادت علی خان صاحب رامپوری نے دس سیٹ کی قیمت ادا کی ہے۔ جزاء ہم اللہ خیرا۔ کیا باقی ساٹھ کو بھی ہمارے مالدار احباب پورا نہ کر دیں گے۔ ان میں سے ایک ایک بھی چاہے تو اس کمی کو پورا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہی دعا ہے کہ وہ انہیں توفیق دے۔

تسہیل العربیہ: اس نام کی عربی زبان کی ایک لغت کی کتاب قادیان سے مولانا محمد جی مولوی فاضل اور چودھری غلام محمد صاحب بی اے نے شائع کی ہے۔ عربی زبان کی خدمت اور اس کی ترویج میں سعی ایک نہایت ہی مبارک کام ہے۔ کیونکہ عربی نہ صرف مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے، جس میں خدا کا کلام نازل ہوا اور جس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال طیبہ موجود ہیں، بلکہ اس

زبان کی ترویج دنیا میں اتحاد اسلام کے قائم کرنے کا ایک بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ اردو میں اس وقت تک عربی زبان کی کوئی جامع لغت کی کتاب موجود نہ تھی۔ جو لوگ عربی کی بڑی بڑی لغت کی کتابوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، ان کے لئے یہ لغت بہت ہی مفید ہے۔ اور قرآن شریف کے مطالعہ اور دوسری عربی کتب کے پڑھنے میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ شروع میں مختصر طور پر صرف ونحو کے ضروری قواعد کو بھی درج کر دیا ہے۔ بڑی تقطیع کے ایک ہزار صفحات کی کتاب ہے۔ اور قیمت نہایت واجبی یعنی غیر مجلد کی اڑھائی روپے ہے۔ اور مجلد کی للعہ ہے جو احباب منگوانا چاہیں وہ دارالکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور کو لکھ کر منگوا سکتے ہیں۔ محمد علی

11 مارچ 1934ء
حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات۔3

میں نے پچھلے مضمون میں اس اہمیت کا ذکر کیا تھا جو غیروں کی نظر میں ہمارے اس سلسلہ اور ہماری اس جماعت کو حاصل ہے۔ لیکن جس شخص یا جماعت کو کوئی اہمیت حاصل ہوگی، اسی قدر اس کی ذمہ داری بھی بڑھ جائے گی۔ آج کل جو یورپ میں مذہبی لٹریچر نکل رہا ہے، اس میں جہاں تک احمدیت کا تعلق ہے، ذیل کے امور صاف نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ مضمون کے اقتباسات سے معلوم ہوا ہوگا۔

اول۔ یہ کہ احمدیہ جماعت مسلمانوں میں ایک واحد جماعت ہے۔ جس کے سامنے خالص تبلیغی کام ہے۔

دوم۔ یہ کہ مسلمانوں میں جس قدر جماعتیں تبلیغی کام کرنے والی ہیں، ان میں احمدیت سب سے آگے ہے۔

سوم۔ یہ کہ احمدیت بالخصوص عیسائیت کی زبردست رو کو روکنے کے لئے نکلی ہے۔ اور وہ نہ صرف اس رو کو روک رہی ہے بلکہ عیسائیت کے خلاف جارحانہ کارروائی کر رہی ہے۔

چہارم۔ یہ کہ اس مقابلہ اور تبلیغ میں احمدیت کو نمایاں کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔

پنجم۔ یہ کہ لاہور کی جماعت کے نہ صرف خیالات اور عقائد ہی مسلمانوں میں زیادہ مقبول ہیں، بلکہ دونوں احمدی فریق میں سے وہ زیادہ کام کرنے والی جماعت ہے۔

شائد اس آخری فقرہ سے، کہ لاہور کی جماعت زیادہ کام کرنے والی جماعت ہے، بعض لوگوں کو تعجب ہوگا۔ لیکن تعداد کے لحاظ سے خواہ ہم کتنے ہی تھوڑے ہوں اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ کام کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو تبلیغ کے کام میں لاہور کی جماعت میں ایک خاص وسعت وقوت نظر آتی ہے۔ تبلیغ کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا کام لٹریچر کا پیدا کرنا ہے۔ اور یہی وہ ہتھیار تھا جو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اپنے مسیح کو دیا۔ اور اب یہی چیز جماعت لاہور کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ جس قدر لٹریچر جماعت لاہور نے پیدا کیا اس قدر قادیان کی جماعت باوجود اپنی بھاری کثرت کے نہیں کرسکی۔ پھر

وہ لٹریچر خدا کے فضل سے اس قدر مقبول ہوا کہ پچیس سے زیادہ مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہو گئے۔ پھر خود قرآن شریف کے یورپ کی تین زبانوں میں ترجمے کر دیئے گئے۔ انگلستان کے بعد جرمنی میں اور جرمنی کے بعد وائنا میں مشن قائم کر دیئے گئے۔ اور اب ہسپانیہ میں بنیاد رکھنے کی تیاری ہے۔ برلن میں قریباً ایک ہی وقت دونوں جماعتوں نے مسجدیں بنانی شروع کی تھیں۔ لیکن جماعت قادیان اس کام کو تکمیل کو نہ پہنچا سکی۔ اور اس زمین اور عمارت کو اسے فروخت کرنا پڑا۔ جماعت لاہور نے محض تائید ایزدی سے اس کام کو تکمیل کو پہنچا دیا۔ تعلیم کے لحاظ سے بھی جماعت لاہور کی کوشش سے دو نئے ہائی سکول قائم ہو گئے۔ لیکن قادیان میں وہی ایک ہائی سکول ہے۔ جو اختلاف سے پہلے کا بنا ہوا ہے۔ اور یہ سب کچھ باوجود اس کے ہے کہ جماعت لاہور کو تعداد کے لحاظ سے جماعت قادیان سے کچھ نسبت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں تو نہ کسی کے مسلمان کہلانے کے لحاظ سے اور نہ احمدی کہلانے کے لحاظ سے خاص وقعت ہے۔ بلکہ جس کو جو وقعت ملتی ہے وہ کام کے لحاظ سے ملتی ہے۔ اسی امر کی طرف میں نے احباب قادیان کو توجہ دلائی تھی کہ اگر ان کی توجہ منتشر ہو کر کچھ ہماری بدگوئی پر اور کچھ سیاسیات پر صرف نہ ہوتی تو وہ ہم سے دس گنا کام آسانی سے کر سکتے تھے۔ اور آج تبلیغ اسلام کے تین چار مشنوں کی جگہ تیس چالیس مشن نظر آ سکتے تھے۔ اور قرآن کریم کے تراجم بھی تیس چالیس زبانوں میں نظر آ سکتے تھے۔ مگر جس قوم کی جو ذہنیت پیدا ہو جائے اسے کون بدلے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ (11:13) بدگوئی اختیار کرنے کے لئے یہ عذر پیش کیا ہے کہ چور اور ڈاکو کو چور اور ڈاکو کہنا بدگوئی نہیں ہے۔ ''بدگوئی کا الزام تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی چور اور ڈاکو، ان لوگوں کو جن پر اس کی چوری اور ڈاکہ زنی ثابت ہو چکی ہو، یہ کہے کہ تم مجھے چور اور ڈاکو کہہ کر بدگوئی کے مرتکب ہو رہے ہو۔''

بہت خوب! خوشی سے ہمارے دوست اس کام میں لگے رہیں۔ لیکن زمیندار اور خون کے پیاسے لکھنے والے بھی یہی عذر کرتے ہیں۔ میں جس بات کی طرف اپنے احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جس راستہ پر کوئی قوم یا کوئی شخص اپنے آپ کو ڈال لے، پھر وہی اس کو اچھا معلوم ہونے لگتا ہے۔ بدگوئی کرنے والوں کو بدگوئی محبوب معلوم ہوتی ہے۔ سعی اور جدوجہد کرنے والوں کو محنت اور کوشش ہی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ مطالعہ کی عادت والوں کو مطالعہ ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ سستوں اور

کاہلوں کوسستی اور کاہلی اچھی معلوم ہوتی ہے۔اس لئے ہمیں وقت پر اپنی خبر لینی چاہئے۔اسی کی طرف اشارہ ہے آیت۔ عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَایَضُرُّ کُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ (105:5) میں۔بہتر یہ ہے کہ ہم کسی کی بدگوئی کو بھی اپنی عادت نہ بنائیں اور نہ سستی اور کاہلی کو اپنی عادت بننے دیں۔لیکن جہاں ان میں سے پہلی بات کے متعلق مجھے خوشی ہے کہ ہماری جماعت کا قدم خدا کے فضل سے اس بارے میں عموماً صواب پر رہا ہے لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِا لسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (148:4) کے ماتحت موقعہ پر یا کسی جوش کے وقت بے موقعہ کوئی کلمہ کسی کے منہ سے نکل جائے تو علیحدہ بات ہے۔لیکن دوسری بات کے متعلق مجھے اطمینان نہیں۔اور بسا اوقات یہ خیال آتا ہے کہ ہماری جماعت کے بہت سے دوست ابھی اس پہلو میں کمزور ہیں۔

جو اہمیت ہماری قوم کو اس وقت خدا کے فضل سے حاصل ہوئی ہے،اس کا اگر صحیح احساس ہمارے دلوں میں ہو تو ہمیں اس پر فخر کرنے کی بجائے اسے ترقی دینے کی کوشش کرنی چاہئیے۔یہ جو کچھ ہوا خدا کے فضل سے ہی ہوا۔مگر خدا کا فضل بھی سعی اور جدوجہد پر ہی نازل ہوتا ہے۔ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی (40-39:53) کے پاک اصول کو کبھی بھولنا نہ چاہئیے۔مگر مجھے افسوس ہے کہ ہماری جماعت میں بہت تھوڑے ایسے احباب ہیں جو پورے جوش کے ساتھ سعی اور عمل میں مصروف ہیں۔اگر ہم صرف ایک سو آدمی ہوں اور سو کا سو ہی سعی اور عمل میں مصروف ہو تو اس سے بہتر ہے کہ دو سو میں سے نصف کاہل اور سست ہوں۔اس لئے کہ ان کی سستی کا اثر کام کرنے والوں پر بھی پڑتا ہے۔ہمیں یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت خدا اور اس کے رسولؐ کی ایک عظیم الشان امانت ہمارے سپرد ہے۔یعنی دین اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانا اور خدا کے کلام کو مختلف قوموں تک ان کی اپنی زبانوں میں پہنچانا۔اس عظیم الشان امانت کا حق یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص جو اس جماعت میں شامل ہوتا ہے اس کے مدنظر سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے یہ بات ہو کہ میں کن کن ذرائع سے خدا کے دین کی نصرت کر سکتا ہوں۔

بہت لوگ ہیں جو محض توجہ نہ کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو بیکار اور سست بنا لیتے ہیں۔اگر ہمارے دلوں میں یہ فکر ہو کہ یہ ایک کام ہے جس کا بوجھ ہمارے سروں پر ڈالا گیا ہے تو اس کو ترقی دینے

کے بیسیوں راستے وقتاً فوقتاً ہمارے سامنے آتے رہیں گے۔ بلکہ اگر ہماری توجہ ہو اور کوئی راستہ نہ ملے تو ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں عاجزی سے گریں گے کہ اے خدا تو اپنے دین کو ترقی دینے کا کوئی راستہ ہمارے سامنے کھول دے۔ اور ایسی دعا اگر فی الواقع اضطرار کی حالت میں دل سے نکلے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔ پھر اگر سینکڑوں نہیں ہزاروں دلوں سے یہ دعا نکلے تو ناممکن ہے کہ اثر پیدا نہ کرے۔

میں اپنے احباب سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کا تجربہ کر کے دیکھیں کہ ایک سال بھر سب کے سب تہجد میں یا اور نمازوں میں اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کے دعائیں کریں کہ اے خدا تو خود ہی اس بوجھ کے اٹھانے میں ہماری مدد فرما۔ ایسی دعائیں یقیناً اللہ کی نصرت کی جاذب ہوں گی اور ہماری مشکلات کو دور کر دیں گی۔

یہ تو میں نے کہا کہ لاہور کی احمدیہ جماعت نے یہ ہمت دکھائی کہ نامساعد حالات کے پیش آنے پر یہ نہ کیا کہ قادیانی جماعت کی طرح مسجد کو چھوڑ دیتی۔ اور ان کے عزم پر ہی اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا فضل کیا کہ اس مسجد کے مکمل کر دینے میں ان کو کامیاب کیا۔ مگر اب ہمارے احباب کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ جو کام انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، اسے اب بگڑنے نہ دیں۔ اس وقت ملک کی اقتصادی حالت بیشک بہت بری ہے۔ اور ہم پر بھی اس کا اثر ہے۔ مگر پونڈ کی قیمت مارک کے مقابلہ میں گر جانے سے ہماری ساری تخفیف کی کوششوں کے باوجود برلن مشن کے اخراجات بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ آپ لوگوں سے ایک قربانی اور ایک جدوجہد چاہتا ہے۔ قربانی اپنے مال کی، کہ خاص اس مشن کے لئے خدا کے راستے میں کچھ رقم خرچ کی جائے، اور جدوجہد اس امر کے لئے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کام کے لئے خدا کی نصرت کے دروازے کھٹکھٹائے جائیں۔ یہ وقت کارکنوں پر خاص طور پر مشکلات کا ہے۔ اگر ہمارے سب بھائی جہاں کہیں بھی ہیں اس فکر میں شامل ہو جائیں جو منتظمین کو ہے، تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ان مشکلات کو ختم کر دے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ جماعت کا ایک ایک فرد اس وقت پوری قوت سے اٹھے اور اس بات کا عزم کرے کہ ہم نے برلن مسجد کو آباد اور جرمن مشن کو قائم رکھنا ہے۔ خواہ اس کے لئے کتنا بھی مال خرچ کرنا پڑے۔ اور کتنی بھی جدوجہد کرنی پڑے۔ خاکسار محمد علی

15 مارچ 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات۔4

اچھی بات کا بُرا منانا عقلمندی نہیں۔ میں نے محض سلسلہ کی خیر خواہی اور اس کے خدمت دین کے کام کو ترقی دینے کی نیت سے لکھا تھا کہ قادیانی جماعت اپنے آپ کو سیاسیات سے الگ رکھتی تو اشاعت اسلام کا بہت زیادہ کام کر سکتی تھی۔ اس مخلصانہ نصیحت کا بھی ارباب قادیان نے بُرا منایا اور بدگوئی کی طرح اس کے بھی جواز کا راستہ نکالا۔ حالانکہ یہ وہ مسلک ہے جس پر خود حضرت مسیح موعود نے اپنی جماعت کو قائم کیا تھا اور اس کی وجہ ایک طرف اگر تقسیم کار ہے تو دوسری طرف یہ بھی ہے کہ ایسی مذہبی جماعت، جس کا تبلیغی کام مختلف ممالک میں پھیلا ہوا ہو، اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ سیاسیات میں غیر جانبدارانہ رویہ رکھے۔

ایک وقت تھا کہ قادیان سے بھی یہی آواز اٹھتی تھی کہ ہم ایک مذہبی جماعت ہیں اور ہمارے لئے مذہبی کام کی اہمیت اس قدر ہے کہ ہم دوسری باتوں کی طرف توجہ نہیں دے سکتے۔ اور اگر توجہ کریں گے تو یقیناً اپنے اشاعت اسلام کے کام کو نقصان پہنچائیں گے۔ اختلاف کے بعد پہلے ہی سالانہ جلسہ پر جو تقریر میاں محمود احمد صاحب نے کی، اس میں بہت زور اس بات پر صرف کیا کہ:

''سیاست سے کیوں احمدیہ جماعت کو روکا جاتا ہے۔''

اور کئی صفحات میں اس کی زبردست وجوہات دی ہیں اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ خود حضرت مسیح موعود نے جماعت کو سیاست سے روکا ہے۔ دیکھو ''برکات خلافت'' صفحہ 61

> ''اس لئے حضرت مسیح موعود نے پسند نہ کیا کہ جو تھوڑے سے آدمی ان کے ساتھ شامل ہیں ان کو بھی آپ سیاست میں دخل دینے کی اجازت دے کر اپنے ہاتھ سے کھو دیں۔''

اس وقت ''سیاست ایک ایسا زہر'' تھا جسے کھا کر ان کا بچنا محال بلکہ ناممکن تھا۔ مگر آج سیاست ہی سب کاموں پر مقدم ہے۔ جس بات کا خوف اس وقت ظاہر کیا تھا کہ ''سیاست کا خون جس کسی کے منہ کو لگ

جا تا ہے پھر وہ اسے نہیں چھوڑ سکتا'' صفحہ 59۔ وہ خون آج جماعت قادیان کے منہ کو بھی لگ گیا۔ اس وقت عہدوں کی کوئی پروانہ تھی اور اشاعت کا کام سب پر مقدم تھا۔''اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں سیاست کے چھوڑنے کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ ہم تحصیلدار، ڈپٹی اور دیگر سرکاری عہدے حاصل نہیں کر سکے۔ تو وہ سمجھ لے کہ اس کے چھوڑنے سے خدا ملتا ہے اور نہ چھوڑنے سے دنیا۔ پس اگر تمہیں خدا پیارا ہے تو سیاست کو چھوڑ دو۔'' صفحہ 61۔ مگر آج سرکاری عہدوں کا حصول سب سے بلند تر مقصد نظر آتا ہے!

بہر حال ہمیں تو اپنی جماعت سے تعلق ہے۔ سیاسیات سے الگ رہنے سے ہماری مراد یہ نہیں کہ مسلمانوں کی بہتری کے کاموں سے الگ رہیں، نہ ہی اشاعت اسلام کا کام صرف غیر مسلموں تک محدود ہے۔ بلکہ خود مسلمانوں کو قرآن کریم کی طرف سب سے بڑھ کر توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ غرض صرف یہ ہے کہ ہماری تمام تر توجہ صرف اس ایک مقصد تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن پر صرف ہو۔ جس قدر ہماری توجہ دوسرے کاموں کی طرف منتشر ہوتی چلی جائے گی، اسی قدر ہمارا اصل کام کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ مگر اس کے ساتھ ہی یاد رکھنا چاہئے کہ اس وقت جس قدر مفید کام یہ چھوٹی سی جماعت کر رہی ہے، اس کو ترقی دینے کے لئے ہماری سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ جماعت کی توسیع اور تنظیم پر ہماری توجہ ہو۔ بعض احباب کو یہ غلطی لگتی ہے کہ وہ ان دو کاموں کو الگ الگ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ جماعت کی توسیع اور تنظیم اور اشاعت اسلام ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ جس قدر جماعت وسیع اور منظّم ہوگی اسی قدر اشاعت اسلام کا کام ترقی کر سکے گا۔ اور جس قدر کام کرنے والی جماعت کمزور ہوگی اسی قدر کام بھی کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ پس جو احباب اس کام میں ترقی دیکھنا چاہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ جماعت کی توسیع اور تنظیم کی طرف سب سے بڑھ کر توجہ کریں۔

اس وقت جماعت لاہور کا قدم اگر ایک طرف عقائد کے لحاظ سے نہایت درجہ کی میانہ روی اور سلامتی پر ہے تو دوسری طرف اس کا کام بھی دنیا میں خاص اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ تنظیم کے معاملہ میں بھی دو پہلو ہیں۔ کئی ایک دوست ہیں جن کے خیال میں یہ بات رہی ہے کہ تنظیم کے لئے پیری مریدی کی ضرورت ہے۔ اور یہ بات تو درست ہے کہ پیر کے احکام کے سامنے چونکہ مرید سر جھکانے کے لئے عادی ہوتے ہیں، اس لئے ایک سلسلہ کے مریدوں میں جس قدر اطاعت کی روح کام کرتی

نظر آتی ہے، وہ دوسری جگہ کم نظر آتی ہے لیکن اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ پیری مریدی کے سلسلہ میں جو ذہنی غلامی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ علمی ترقیوں کے لئے روک بن جاتی ہے۔ یوں تو جہاں بھی کوئی پیر ہوگا مرید اس کی فرمانبرداری میں ایک سے ایک بڑھ کر سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے۔ مگر آزادی رائے کا مادہ اس قدر سلب ہو جائے گا کہ انجام کار اس کا نقصان اس کے نفع سے بہت زیادہ ہوگا۔ اس لئے اسلام کی ابتداء میں پیری مریدی کا سلسلہ نہ تھا اور اطاعت کے ساتھ آزادی کی روح بھی موجود تھی۔

جہاں تک میں نے غور کیا ہے تنظیم کا رنگ وہی میانہ روی پر مبنی ہے جو جماعت لاہور نے اختیار کیا ہے۔ جماعت قادیان کا عمل اس بارے میں معمولی پیری مریدی کے سلسلوں کے نقش قدم پر ہے۔ ہماری جماعت کے اندر بھی خدا کے فضل سے اطاعت کی روح موجود ہے۔ جس بات کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض افراد کے اندر جو سستی پیدا ہوگئی ہے اس کو دور کیا جائے۔ اس سستی کے پیدا ہونے کی وجہ بھی تعلقات کی کمی ہے۔ اس وقت اس کے دور کرنے کا ایک ذریعہ نظر آتا ہے کہ جماعت کے وہ بزرگ جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے خاص جذبہ اور اخلاص رکھا ہے۔ وہ کچھ اپنے وقت کی قربانی کر کے مختلف جماعتوں کے اندر دورہ کریں۔ جن احباب میں کچھ سستی نظر آتی ہے، ان کو اٹھانے کی کوشش کریں۔

میں خود بھی اس سلسلہ میں بعض جماعتوں میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ لیکن ایک آدھ دن کے قیام سے کافی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لئے بعض دیگر احباب کو میں تکلیف دینا چاہتا ہوں کہ وہ سال میں قریباً ایک ماہ اس غرض کے لئے وقف کر دیں۔ جہاں جہاں جماعتیں بڑی ہیں۔ ان میں ایک ایک ہفتہ یا عشرہ کم از کم ٹھہریں۔ اور ان میں روزانہ ایک جگہ جمع ہونے کی عادت ڈالیں۔ کیونکہ باہم میل جول سے ایک انسان کا جوش دوسرے میں سرایت کرتا ہے۔ اور اجتماع کے ذریعہ سے ہی ان اہم سوالات کی طرف توجہ ہوتی ہے جن پر قومی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے۔ اور اجتماع کے ذریعہ سے ہی قومی ترقی کے وسائل بھی سوچے جا سکتے ہیں۔

اس غرض کے لئے اس وقت میں نے صرف سات احباب کو چنا ہے۔ مگر اس کا یہ مقصد نہیں کہ صرف یہی وہ احباب ہیں جو اس رنگ میں مفید کام کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہر ایک دوست کا فرض ہے کہ

جس قدر وقت وہ جماعت کی تنظیم کے لئے دے سکتا ہے اور جو احباب اپنا کچھ وقت نکال کر اس طرح جماعت کی تنظیم کے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔ وہ مجھے اطلاع دیں۔ جن احباب کے نام یہاں درج ہیں ان کی خدمت میں کوئی علیحدہ خطوط نہ لکھے جائیں گے۔ اسی مضمون کو پڑھ کر وہ مجھے اطلاع دیں کہ وہ کن ایام میں اور کس مقام پر جا سکتے ہیں۔ ان کے خطوط آنے پر اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو مزید خط وکتابت کے بعد ایک پروگرام مرتب کر کے جماعتوں کو اطلاع دے دی جائے گی۔ بہتر صورت یہ ہوگی کہ ایک دوست ایک جماعت میں کم سے کم ایک ہفتہ ضرور ٹھہریں۔ جماعتوں کا یہ فرض ہوگا کہ جب کوئی ایسے بزرگ ان کے اندر پہنچیں تو وہ ساری جماعت کو اکٹھا کر کے تنظیم کے کام میں ان کی پوری پوری اعانت کریں۔ سر دست ذیل کے ناموں کا انتخاب کیا ہے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، مولانا صدرالدین صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، خان بہادر میاں غلام رسول صاحب، مولانا محمد یعقوب خان صاحب، مولانا عزیز بخش صاحب۔ ان کے علاوہ انشاء اللہ میر مدثر شاہ صاحب، مولوی عصمت اللہ صاحب، مولوی عبدالحق صاحب، مولوی احمد صاحب بھی اس کام کو مدنظر رکھ کر نکلیں گے۔

23 مارچ 1934ء

پیغامِ عید

ازحضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ

میری کئی سال سے یہ کوشش رہی ہے کہ عید کے موقعہ پر مختلف جماعتوں میں ایک ہی قسم کے خیالات کو پیدا کیا جائے۔ اس لئے چند خاص امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں جن کو اپنی اپنی جگہ خطیب صاحبان مدنظر رکھیں۔

عید کا سب سے پہلا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر خدا کو یاد رکھو۔ عید کے دن ساری دنیا میں ایک ہی وقت میں اللہ اکبر کی آوازیں اس قدر زور سے بلند ہوتی ہیں کہ ساری دنیا کی فضاء اس گونج سے بھر جاتی ہے۔ مگر قابل غور یہ ہے کہ جو گونج فضاء میں پیدا ہوئی ہے، کیا وہ ہمارے دل اور روح میں بھی پیدا ہوئی ہے؟ اصل میں اس گونج کا انسان کے اندر ہی پیدا کرنا مقصود ہے۔ اور وہاں یہ گونج پیدا ہو جائے تو انسان کا کوئی کام نہ ہو جس میں غرض خدا کی بڑائی نہ ہو۔ یہی اصل پیغام مذہب ہے۔

عید کا دوسرا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر اپنے بھایوں کو بھی یاد رکھو۔ بالخصوص غرباء کو۔ عیدالفطر میں صدقہ فطر ہے تو عیداضحٰی میں قربانی کا گوشت ہے۔ مگر یہ بھی ایک سبق ہے کہ اپنے بھائیوں کی جسمانی رنگ میں فکر کرتے ہو، تو روحانی رنگ میں بھی ان کی فکر کرو۔ کیا آپ نے اپنے نادار اور مفلس بھائیوں کو، جو قرآن کی نعمت سے محروم ہیں، اس روحانی غذا کے پہنچانے کا کوئی انتظام کیا ہے؟!

عیداضحٰی کا تیسرا پیغام قربانی ہے۔ ہر قریہ ہر شہر میں ایک ہی وقت میں ہزاروں جانوروں کی گردنوں پر چھریاں رکھ دی جاتی ہیں۔ مگر کس لئے؟ اس کا جواب قرآن شریف دیتا ہے وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ . الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (22:34-35) تا کہ اس نظارہ کو دیکھ کر انسانوں کے دلوں کے اندر عاجزی پیدا ہو۔ اور جانور کو جب اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو کہ جس طرح یہ جانور ہمارے محکوم ہیں۔ ہم بھی کسی کے محکوم

ہیں تو اصل غرض یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں سارے عالم اسلام کے اندر ایک قربانی کی لہر اٹھے۔ کیا جانور کی قربانی کے ساتھ یہ موج قربانی کرنے والے کے دل کے اندر بھی پیدا ہوئی ہے؟ اگر ہوئی ہے تو اس کی قربانی قبول ہوئی ہے۔ اگر نہیں تو نہیں اِنَّـمَـا يَتَـقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ. (27:5) اللہ صرف متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ جس کے دل کے اندر قربانی کی روح پیدا نہیں ہوئی، وہ متقی نہیں۔ نہ اس کی قربانی قبول ہوئی ہے۔ غور کرو کہ اس وقت کتنے لوگ عالم اسلامی میں ہیں جن کی قربانیاں قرآن کریم کے اس صریح ارشاد کے مطابق قبول ہو رہی ہیں؟!

کسی بُری عادت کو ذبح کر دو۔ کسی نیک عادت کو اختیار کر لو!

خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

23 مارچ 1934ء
برادران اسلام کے نام

کیا ہم یورپ کو مسلمان کر سکتے ہیں؟!

حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کا مکتوب گرامی

برادران محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سورہ الکہف کے شروع میں ہی قرآن کریم کے قیم ہونے اور پھر وَّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا (4:18) میں عیسائیوں کا ذکر کر کے فرمایا فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا (6:18) اے پیغمبر! شائد تو اپنی جان کو اس غم میں ہلا کر دے گا کہ یہ لوگ اس پاک کلام پر ایمان نہیں لاتے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی روحانی توجہ عیسائیت کی طرف کس قدر تھی اور یہ اسی توجہ کا نتیجہ ہے جو آج ایک طرف اسلام کا قدم عیسائیت کے مرکز یورپ کی طرف بڑھا ہے اور یورپ میں اسلامی مشنوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ تو دوسری طرف خود یورپ سے یہ آواز اٹھی ہے کہ اس کی زندگی بھی اسلام کے بغیر ممکن نہیں۔

ایک یورپین مصنف کی آواز: چنانچہ مشہور مصنف ایچ۔ اے۔ آر۔ گب اپنی کتاب ’’وہدر اسلام‘‘ کو (جس کا لفظی ترجمہ ہے ’’اسلام کدھر؟‘‘) ان الفاظ پر ختم کرتا ہے:

> ’’اسلام کے سامنے نسل انسانی کی خدمت کا ایک بڑا بھاری کام ہے۔ اس کے اندر وہ عظیم الشان روایت ہے جو قوموں میں باہمی سمجھوتہ اور تعاون پیدا کر سکتی ہے۔ نسل انسانی کے مختلف اور متعدد قوموں کے اندر اتحاد پیدا کرنے میں جو کامیابی اسلام کو حاصل ہوئی ہے اس کی نظیر کسی دوسری قوم میں نہیں پائی جاتی۔ اور پھر اتحاد بھی ایسا جو مرتبہ کے لحاظ سے، موقعہ دینے کے لحاظ سے، جدوجہد کے لحاظ سے، نسل انسانی میں مساوات پیدا کر دے...... ہاں اسلام میں اب بھی یہ طاقت ہے کہ وہ قومیت اور روایات کے ایسے پراگندہ اجزاء کو، جو باہم ملنے کے قابل نظر نہیں آتے، اکٹھا کر دے۔ اگر مشرق اور مغرب کی عظیم الشان قوموں کا مقابلہ کبھی تعاون میں تبدیل ہو

سکتا ہے تو یہ صرف اسلام کے ذریعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔'' خاتمہ کے قریب یہ بھی لکھتا ہے: ''اپنی علمی واخلاقی زندگی کی تکمیل کے لئے یورپ ان طاقتوں اور استعدادوں کے بغیر نہیں رہ سکتا جو اسلامی سوسائٹی میں پائی جاتی ہیں۔''

''مغربی تہذیب کے اس توازن کو بحال کرنے کے لئے جو اس کی یکطرفہ (یعنی صرف مادی) ترقی کی وجہ سے جاتا رہا ہے۔ بحال کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اسلامی سوسائٹی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔''

برادران اسلام سے ایک درخواست: کیا ہمارے مسلمان بھائی یورپ کی اس پکار کی طرف توجہ کریں گے۔ کیا وہ اس کے پھیلائے ہوئے ہاتھوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں گے؟ کیا وہ اس کی اس پیاس کو، جوان کے رسولؐ کے درد کا نتیجہ ہے، بجھانے کے لئے پانی مہیا کریں گے؟ اس زمانہ میں ایک شخص اٹھا اور اس نے اس وقت، جب تمام مسلمان ذلیل سے ذلیل فروعی جھگڑوں میں مصروف اور اشاعت وتبلیغ کے مقصد اہم کی طرف سے لاپروا تھے، ایک جماعت کو یورپ کی روحانی فتح کی طرف متوجہ کیا اور اس چھوٹی سی جماعت نے آج قریباً بیس سال کے عرصہ میں تین مشن یورپ میں قائم کر دیئے اور ایک چوتھا مشن ہسپانیہ میں قائم کر کے اسلام کی روحانی سلطنت وہاں بھی قائم کرنے کے لئے تیار کھڑی ہے۔ قرآن کریم کا ترجمہ یورپ کی تین زبانوں میں کر دیا۔ یعنی انگریزی، ڈچ، اور جرمن۔ دوسرے اسلامی لٹریچر کا ترجمہ یورپ کی دس بارہ زبانوں میں کر دیا۔ وسط یورپ میں ایک عظیم الشان مسجد بنا کر کھڑی کر دی۔ اور یہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا کام علاوہ اس کام کے ہے جو خود ہندوستان، پھر ایشیاء اور پھر دیگر ممالک میں ہو رہا ہے۔ میں آپ کو صرف یہ توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ خدا کے لئے تنگ خیالی کو چھوڑ کر اور یورپ کو مسلمان کر لینے کے مقصد عظیم کو سامنے رکھ کر اس چھوٹی سی جماعت کے کام میں شریک ہو جائیں۔

ہمارے متعلق ہمارے دشمنوں کی آراء: ہمارے دشمن جو کچھ ہمارے کام یا ہمارے مذہبی خیالات یا ہمارے تبلیغ اسلام کے جوش اور خلوص کے متعلق لکھ رہے ہیں، وہ دشمن جن کے ساتھ ہمارا مقابلہ ہے، اس پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

1۔احمدیہ جماعت مسلمانوں کی واحد اور سب سے بڑی جماعت ہے جس کے سامنے خالص تبلیغی کام ہے۔

☆''تحریک احمدیت حقیقتاً ایک اشاعت اسلام کی سوسائٹی بن گئی ہے۔اگرچہ پُرانے خیال کے علماء اب تک اسے شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔(وہدر اسلام ص535)

☆''مسلمانوں میں فرقہ داری کی روح جو عام طور پر سرایت کرگئی ہے۔اس میں ایک دلچسپ استثناء احمدی ہیں۔وہ صرف مذہبی اشاعت پر سارا زور صرف کرتے ہیں اور سیاسیات سے الگ رہتے ہیں......اس بارے میں موجودہ اسلام میں یہ ایک قابل ذکر گروہ ہے اور یہ ایک ہی گروہ ہے جس کے مقاصد محض تبلیغی ہیں......ان کی توجہ زیادہ تر اس بات کی اشاعت میں مرکوز ہے کہ اسلام ہی صرف ایک مذہب ہے۔جو عقل اور فطرت کے مطابق ہے۔یورپ میں عیسائیت کی نازک حالت سے انہیں بہت سا ایسا سامان مل جاتا ہے جس سے وہ اس مذہب کی عیب جوئی کرتے اور اسلام کی بہت تعریف کرتے ہیں۔''(مسلم ورلڈ جلد 21 صفحہ 170۔پادری کریمر)

☆''اس کو اسلام کے ماحول سے الگ کرکے دیکھا جائے تو یہ تحریک صرف ایک زیادہ وسیع الخیال اسلام کے رنگ میں نظر آتی ہے۔اس خصوصیت کے ساتھ کہ اس میں اشاعت کی روح صاف دکھائی دیتی ہے۔''(اسلام ایٹ دی کراس روڈز صفحہ 108)

☆''احمدیہ فرقہ کی تاریخ اس سے بالکل مختلف ہے جو پنجاب میں پیدا ہوا۔اور جو ایک حد تک وہاں عیسائی پادریوں کی کاروائیوں کا ردعمل ہے......اسلام میں صرف ایک ہی فرقہ ہونے کے لحاظ سے،جس نے انگلستان میں اسلام کو پھیلانے کی کوشش کی ہے،یہ خاص طور پر دلچسپ ہے۔اپنے عام میلان میں یہ(ملانوں کے)پرانے خیالات اور نیچریوں کے محض عقل پر مبنی خیالات کے بین بین ایک درمیانہ راستہ اختیار کرتا ہے۔''(ایضاً صفحہ 99-100)

☆''اس وقت احمدی دنیا میں سب سے زیادہ اسلام کی اشاعت کرنے والی قوم

ہے۔'' (انڈین اسلام صفحہ 217)

☆'' احمدیت اس بات کا فیصلہ کر چکی ہے کہ پیغمبرؐ کے کیرکٹر کو ہر ایک الزام سے پاک ثابت کرے۔ (انفلوئنس آف اسلام صفحہ 109-110)

2۔ احمدیت عیسائیت کے مقابلہ پر کھڑی ہے اور عیسائیت کے خلاف جارحانہ کاروائی کر رہی ہے۔

☆'' اس کے پیرو تحریر اور تقریر کے ذریعہ سے عیسائی عقائد کے مقابلہ سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوتے۔'' (وہدر اسلام صفحہ 88)

☆'' یہاں سے شائد مشرقی لوگوں میں ایک نئی طاقت پیدا ہو سکتی ہے۔ جو اسلام کے موجودہ تنزل کو روک دے بلکہ اس کو ترقی کی صورت میں تبدیل کر دے۔ اگر یورپ اسی راستہ پر چلتا رہا جس پر وہ اس وقت چل رہا ہے'' (وہدر اسلام صفحہ 309)

☆'' ان میں ایسا خلوص اور جوش اور ایثار پایا جاتا ہے جو سچائی کے ساتھ قابل تعریف ہے۔ باوجود یہ کہ وہ کرنے والے اور سخت جارحانہ ہتھیار استعمال کرتے ہیں'' (پادری کریمر رسالہ مسلم ورلڈ جلد 21)

☆'' غالباً سب سے زیادہ کامیاب عیسائی مشنری کام جو کسی ملک میں ہو رہا ہے وہ ایران میں ہے...... ایک اس زمانہ کا مصنف لکھتا ہے کہ ایران میں اسلام خود بخود تنزل کی طرف جا رہا ہے اور کوئی وقیع کوشش اس کی اصلاح کی نہیں ہو رہی۔ مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی خوف ظاہر کرتا ہے کہ احمدیت کے پروپاگنڈا کی یہاں ابتداء ہو گئی ہے۔'' (پیپل آف اسلام دی ماسک صفحہ 172)

☆'' یورپ میں عیسائیت کی نازک حالت سے انہیں بہت سا ایسا سامان مل جاتا ہے جس سے وہ اس مذہب کی عیب جوئی کرتے اور اسلام کی بہت تعریف کرتے ہیں...... اپنی سخت جارحانہ کارروائی میں وہ عیسائیت سے وہی سلوک کرتے ہیں جو اکثر اوقات میں عیسائیت نے اسلام سے کیا ہے۔'' (پادری کریمر۔ مسلم ورلڈ جلد 2 صفحہ 170)

''دوسری طرف یہاں ہم عیسائیت کے خلاف نئے سے نیا اور نہایت ہی جارحانہ پروپاگنڈا پاتے ہیں جو کبھی دنیا میں پیدا ہوا ہو۔ اور یہاں سے ایک عالمگیر نظام بیرونی مشنوں کا قائم کیا گیا ہے۔'' (انڈین اسلام صفحہ 219)

3۔ احمدیت کی کامیابی:

☆ ''اس قسم کی تحریکات جیسے احمدیت ہے اپنی مضبوط اخلاقی طاقتوں اور گہرے مذہبی خیالات کے ساتھ ایک خاص اثر ان حدود سے آگے نکل کر ڈال رہی ہیں۔ جو اب تک اسلام کی حدود سمجھی جاتی تھیں۔'' (وہدر اسلام صفحہ 309)

☆ ''اس تحریک کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اس نے موجودہ حالات کے مطابق ایک نیا علم کلام بھی پیدا کر لیا۔ جو اگرچہ ابھی تک مغربی دلائل کی اصطلاحات پر پورے طور پر قادر نہ ہوا ہو۔ تاہم ایسا نہیں کہ اپنی طرف توجہ کو نہ کھینچ لے۔'' (وہدر اسلام صفحہ 353)

☆ ''اسے اس بات کا یقین ہے کہ یہ مغربی اقوام کو اپیل کر سکتی ہے۔ ایسی اپیل جو اس وقت بھی ایک حد تک کامیاب ہو چکی ہے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ یہ کامیابی کوئی بہت بڑی نہیں تو یاد رکھنا چاہئے کہ خود ہندوستان میں بھی، جہاں اب مسلمان قوم اس کثرت سے ہے کہ دوسرے کسی ملک میں نہیں، اشاعت اسلام کی ابتداء نہایت آہستہ ہوئی تھی'' (اسلام ایٹ دی کراس روڈز صفحہ 108)

4۔ احمدیہ جماعت لاہور:

☆ ''احمدیت دو حصوں پر تقسیم ہو گئی...... لاہور کی جماعت، جو زیادہ کام کرنے والی ہے، اس نے فیصلہ کیا کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ مغربی دنیا کے سامنے اسلام پیش کرنے میں کہاں تک کامیابی ہو سکتی ہے...... (ترجمہ قرآن انگریزی کی ایڈیشن جو 1916ء میں شائع ہوئی ہے، ایک نئی روشنی کے آدمی کی تصنیف ہے۔ جو ابھی تک خاصہ متعصب ہے...... اس احمدیہ ترجمہ کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ مقامات جن پر اعتراض ہوتا ہے انہیں صاف کیا جائے...... دوسرے مترجم نے یہ ثابت کرنے کے لئے بڑا زور

لگایا ہے کہ اسلام ایک بہت بلند مذہب ہے۔ تیسرے وہ مسیحؑ کے مذہب کو ناقص ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔" (انفلوئینس آف اسلام صفحہ 109)

☆"لاہور کی جماعت، جو اصل قوم سے الگ ہوگئی ہے اس وجہ پر، کہ وہ بانی سلسلہ کو محض مجدد تسلیم کرتے ہیں نہ کہ نبی۔ وہ اسلامی رائے عامہ کو زیادہ پسند ہیں۔ ان کا اثر اس سے بہت زیادہ وسیع ہے جو ان کی تعداد سے قیاس ہوسکتا ہے۔ ان کے اسلام سے دفاع اور اس کی حفاظت کو بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان قبول کرتے ہیں کہ یہی ایک صورت ہے جس میں وہ عقلی رنگ میں اسلام کے وفادار رہ سکتے ہیں۔" (پادری کریمر۔ مسلم ورلڈ جلد 2)

☆"فریق قادیان اس بات پر زور دیتا ہے کہ بانی سلسلہ نبی تھا۔ مگر لاہور کے فریق کا یہ اصرار ہے کہ وہ صرف ایک مجدد تھے۔" (انڈین اسلام صفحہ 328)

ہمارا گزشتہ بیس سال کا کام: زسعدی شنو گر زمن نشنوی والا معاملہ ہے۔ ورنہ کس مسلمان کو یہ نظر نہیں آتا کہ کس طرح آج اس چھوٹی سی جماعت (احمدیہ اشاعت اسلام لاہور) کی خدمت اسلام کے کام ایک اعجازی حیثیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ یورپ میں تین مشن قائم کر لینا اور چوتھے کے لئے تیار ہو جانا۔ قرآن کریم کا تین یورپین زبانوں میں ترجمہ کر لینا۔ عیسائیت کے مرکزوں میں اسلامی جھنڈے گاڑ دینا اور اللہ اکبر کی آوازیں بلند کر دینا، یورپ کے وسط میں ایک مسجد کو کھڑا کر دینا، دنیا کے کونے کونے میں اسلام لٹریچر پہنچا دینا۔ پھر یہ سب کام کس حالت میں کئے کہ ہماری کمر ہمت کو توڑنے کے لئے ہمارے اپنے بھائی پورا زور لگا رہے ہیں اور بجائے مدد دینے کے کفر کے فتوے ہم پر لگا رہے ہیں!

آئندہ بیس سال میں اس سے دس گنا کام ہوسکتا ہے: لیکن اگر ہمیں مسلمان بھائیوں کی طرف سے دو دو چار چار روپے کی ماہوار امداد یا اس قدر گنجائش نہ ہو تو چار چار آٹھ آٹھ آنے ماہوار کی مدد بھی مل جائے تو آئندہ بیس سال میں اگر خدا چاہے تو اس سے دس گنا کام ہوسکتا ہے۔ اور وہ دن مسلمانوں کے لئے کس قدر خوشی کا دن ہوگا جب یورپ اور امریکہ اسلامی مشنوں سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کر رہے ہوں گے۔ تثلیث کے مرکزوں میں خدائے واحد

کے نام کی آواز بلند ہوگی۔ اگر آپ اسلام کی اس چمک اور روشنی کو دنیا میں پھیلا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اسلام کی فتح روحانی کے پرچم تثلیث کے مرکزوں میں لہراتے دیکھنا چاہتے ہیں تو کیا آپ اس جماعت کی، جو اس کام کا اپنے آپ کو اہل ثابت کر چکی ہے، ہاں اپنے دشمنوں کی نگاہوں میں بھی اہل ثابت کر چکی ہے، کچھ ماہوار مستقل امداد کریں گے؟ اگر اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں ڈالے تو جلد اطلاع دیں۔ ہم اپنے محصلین کے ذریعہ سے اس کو وصول کرنے کا انتظام کرلیں گے۔ رقم خواہ چھوٹی ہو، جو آپ پر بھی بوجھ نہ ہو، مگر ماہوار مستقل رقم ہو۔ اگر دس ہزار آدمی بھی زیادہ نہیں 8 آنے ماہوار ہی امداد دینے کے لئے کھڑا ہو جائے تو آپ بہت جلد وہ دل خوش کن نظارے اپنی آنکھوں سے لیں گے جن سے آپ کی روح وجد میں آجائے گی وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔ والسلام

خاکسار محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس، لاہور

23 مارچ 1934ء
حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات۔5

میں نے ابھی تین جماعتوں کے احباب سے ملاقات کی ہے۔ سیالکوٹ، وزیر آباد اور گجرات۔ دوستوں کی ملاقات، اور پھر دوست بھی وہ جن کی محبت محض للہی تعلقات پر مبنی ہے۔ جن کو صرف ایک غرض نے اکٹھا کیا ہے کہ خدا کا نام دنیا میں کس طرح بلند ہو اور اس کے دین کی حفاظت واشاعت کس طرح ہو، راحت ہی نہیں قوت کا موجب بھی ہوئی ہے اور خصوصیت سے اس بات کو دیکھ کر کہ کس طرح یہ لوگ خدا کے دین کو قوت پہنچانے کے لئے نئی سے نئی قربانیوں کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اس بات سے بھی خوشی ہوئی کہ جماعت کا نظام خدا کے فضل سے ترقی کر رہا ہے۔

آج دنیا میں کثرت پر فخر ہر جگہ نظر آتا ہے۔ دنیا کے رہبروں میں بھی اور دین کے رہبروں میں بھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بعض اقلیتوں کو بھی محل مدح میں بیان کیا ہے وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (13:34) كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ (249:2) ہم اگر فخر کریں تو قلت پر کر سکتے ہیں۔ مگر انسان ہو یا قوم کسی بات پر بھی فخر کرنا مناسب نہیں۔ البتہ اپنی جماعت کی قلت پر مجھے دو لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔ اول اس لئے کہ اتنی چھوٹی جماعت نے اس قدر عظیم الشان کام کا بیڑہ اٹھایا ہوا ہے۔ اور بیس سال کے عرصہ میں کس قدر خدمت اسلام کا کام کر دکھایا ہے اور دوسرے اس لئے کہ ایسی پاکیزہ تعلیم کے باوجود کہ صرف یہی ایک جماعت ہے جو مسلمانوں میں اتحاد کی یہ صحیح بنیاد رکھتی ہے کہ کوئی کلمہ گو کافر نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح معنی میں خاتم النبیّین مان کر کہ آپؐ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ پرانا۔ ایک ہی جھنڈے کے نیچے سے مسلمانوں کو جمع کرتی ہے۔ اور پھر اس کے کام میں بھی خدا تعالیٰ کی نصرت کا کھلا ہوا ہاتھ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ لوگ اس میں شمولیت سے ہچکچاتے ہیں، ڈرتے ہیں!

مسلمانوں کی طبائع میں پیر پرستی اس قدر غالب ہے کہ بڑے بڑے خواندہ اور فہمیدہ لوگ قبروں پر جھک جائیں گے۔ لنگوٹی پوش فقیروں کے سامنے سجدے میں گر جائیں گے۔ خدائی کا دعویٰ

کرنے والے پیروں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جائیں گے۔ لیکن خدا اور اس کے رسولؐ کے نام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ایک نہایت صحیح عقیدے رکھنے والی جماعت کے ساتھ نہ مل سکیں گے! سلسلہ احمدیہ میں بھی اسی گروہ کی کثرت ہے جس کی تعلیم پر پیر پرستی کا اثر ہے۔ اور انہیں اپنی اس کثرت پر فخر بھی اس قدر ہے کہ اسی کو اپنے سچا ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں!

جہاں ہر شہر میں ان تھوڑے تھوڑے احباب کو دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ ان میں کس قدر ہمت وایثار ہے، وہاں جب ان تھوڑے سے احباب میں وہ بزرگ ہستیاں نظر نہیں آتیں جنھوں نے خدمت اسلام کے عظیم الشان کام کئے تو ان کی عدم موجودگی سے دل پر ایک چوٹ لگتی ہے۔ پچھلی دفعہ میں سیالکوٹ گیا تو جماعت کے ایک عظیم الشان رکن کو، جو بڑھاپے میں بھی کام کرتے تھکتا نہ تھا، مٹی کے ایک ڈھیر کے نیچے مدفون پایا۔ یہ بزرگ شیخ مولا بخش صاحب مرحوم تھے۔ ان کی قبر پر گیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کی اولاد میں بھی اپنے دین کی خدمت کا وہی جوش اور تڑپ پیدا کرے۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ اس دفعہ ان کے بڑے فرزند شیخ محمد عبداللہ صاحب نے اپنی اس جگہ کو، جہاں میں بھی شیخ مولا بخش مرحوم کی زندگی میں ٹھہرا کرتا تھا، دوستوں کے اجتماع کا مقام بنا دیا ہے۔ جہاں وہ روزانہ جمع ہوتے ہیں اور کچھ وقت کے لئے دین کا چرچا کرتے ہیں۔ جماعت کی زندگی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے۔ مگر دل میں ابھی یہ تڑپ ہے کہ درس قرآن کریم کا سلسلہ بھی یہاں باقاعدہ ہو جائے۔ مبلغوں کی کمی ہے۔ ورنہ سیالکوٹ کی زمین ایسی جگہ ہے، جہاں ایسا نظام نہایت مفید نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے احباب سیالکوٹ کے لئے نظام درس کے قیام کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ لیکن اس مرتبہ ایک اور اخلاص وایثار کے مجسمہ کو ان دوستوں میں نہ پایا۔ یعنی حاجی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم۔ شیخ مولا بخش صاحب مرحوم کی طرح ان سے بھی مجھے بہت پرانی محبت تھی۔ ان کی قبر پر بھی گیا اور ان کی مغفرت کے لئے اور ان کی اولاد پر برکت اور رحمت کے لئے دیر تک دعا کی۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو بھی وہی اخلاص اور ایثار دکھانے کی توفیق دے گا۔ آخر تو ہم سب ایک ایک کر کے اسی طرف جانے والے ہیں۔ لیکن اس بات کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے

کہ ان بزرگوں کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کا جوش رکھا ہے اور وہ انشاء اللہ وہی نمونہ دکھائیں گے جو ان کے بزرگوں نے دکھایا۔

وزیر آباد کے پاس ہی لویریوالا ہے۔ جہاں ایک اور اخلاص اور ایثار کا عدیم المثال نمونہ گذشتہ سال کے آخر پر ہمیں داغ مفارقت دے گیا۔ مرحوم چودھری غلام حسن صاحب کو میں دو سال ہوئے ان کی بیماری کے ایام میں دیکھنے گیا تھا۔ اس وقت وہ سخت کمزور تھے مگر پھر خدا نے فضل کیا اور 1932ء کے سالانہ جلسہ پر وہ ہمت کر کے تشریف لے آئے۔ اس دفعہ نہ آ سکے ادھر سالانہ جلسہ ختم ہوا اور ادھر وہ اپنے مولا سے جا ملے۔ ان کی قبر پر بھی جانے کی تڑپ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے اس آرزو کو پورا کرے۔ یہاں بھی اس کا فضل ہے کہ اس نے چودھری صاحب مرحوم کی اولاد میں بھی اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ ڈاکٹر عبدالمجید صاحب ایک نوجوان ہیں۔ مگر محبت دین میں بوڑھوں کی طرح گداز ہیں۔ اور شَابٌ نَشَاءَ فِیْ عِبَادَةِاللّٰہِ کے مصداق اور وہی رنگ ان کی رفیقہ زندگی پر بھی غالب ہے۔ جو اور بھی زیادہ خوشی کا موجب ہے۔

جب میں ان بزرگوں کی اولاد میں یہ جوش، اخلاص اور محبت کے نمونے دیکھتا ہوں، تو دل میں ایک لذت پیدا ہوتی ہے اور ایک کام کرنے والی جماعت کے ان حاسدوں پر افسوس آتا ہے جو یہ کہہ کر جماعت کو بدنام کرنا چاہتے ہیں کہ لاہور کی احمدیہ جماعت کے نوجوان خدمت دین کے جذبہ سے خالی ہیں اور انہیں اسلام سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ ایسا نہیں۔ بلکہ جماعت لاہور کے نوجوان اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے فرائض کو محسوس کرتے ہیں اور تبلیغ اسلام کی وہ عظیم الشان روحانی جائداد، جوان کے لئے تیار ہو رہی ہے، وہ اس کی عظمت کا احساس رکھتے ہیں۔ اور خدا کے فضل سے مجھے پوری امید ہے کہ جوں جوں پہلے بزرگ اٹھتے جائیں گے، ہمارے نوجوان اپنے آپ کو اس کام کے سنبھالنے کا اہل ثابت کرتے جائیں گے۔

میں نے عید کے پیغام میں عید اور قربانی کی روح کی طرف توجہ دلائی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس روح کو پیدا کرنے کے لئے ہم اپنے سامنے اس نصب العین کو خاص طور پر لائیں جس کے لئے حضرت مسیح موعود مبعوث ہوئے۔ وہ ہے قتل دجال۔ اور دجال آج یورپ کو ہم ہی نہیں سب

مسلمان مان رہے ہیں۔ دجال کا قتل کسی قوم کا قتل کرنا نہیں بلکہ دجالی خیالات کا دور کرنا ہے۔ اور یہ مقصد تب ہی حاصل ہوسکتا ہے کہ ہم یورپ میں اسلام پھیلا دیں۔ اس لئے ہر جگہ جماعت کو خطبہ عید میں اس ''**فتح یورپ**'' کے مقصد کو خاص طور پر جماعت کے سامنے لانا چاہیئے۔ ہمارا نصب العین اسلام کے لئے یورپ کی فتح کرنا ہے۔ اس بلند نصب العین کے لئے ہمیں جو بھی قربانی کرنی پڑے، اس کا ہمیں آج سے ایسا عزم کر لینا چاہیئے کہ ہمارا قدم روز بروز اس بلند مقصد کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ میری نئی اپیل اس وقت تک احباب کے پاس پہنچ چکی ہوگی۔ اس کے لئے اگر ہمارے احباب سب کے سب عملی قدم اٹھانے کو تیار ہو جائیں تو ہم بہت جلد اپنا قدم تیزی کے ساتھ اس بلند مقصد کی طرف اٹھتا ہوا دیکھ لیں گے۔

31 مارچ 1934ء

استفسارات

بحضور عالی قدر منزلت حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ

حضور کا مندرجہ ذیل سوالات کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ جواب از تصنیفات حضرت مسیح موعود ہو۔ خاکسار محمد عرفان احمدی عرائض نویس۔ مانسہرہ ضلع ہزارہ۔

سوالات	جوابات
1۔ کیا جماعت لاہور کا جماعتی فیصلہ اس صورت میں کبھی شائع ہوا ہے کہ مبائعین چونکہ غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں اس لئے غیر احمدیوں کے پیچھے تو نماز جائز ہے۔ لیکن ان کے پیچھے نہیں۔ اگر شائع ہوا ہے تو وہ، ورنہ جواب نفی درج فرمایا جائے۔	1۔ ایسا کوئی فیصلہ نہیں۔ بلکہ فیصلہ یہ ہے کہ جو کسی کلمہ گو کو کافر کہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اس میں غیر احمدی بھی شامل ہیں اور میاں محمود احمد صاحب کے وہ مریدین بھی جو روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو کافر اور خارج از اسلام قرار دیتے ہیں اور اس طرح پر گویا کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو، جس کے ذریعہ سے لوگ اسلام میں داخل ہوتے رہے ہیں، منسوخ قرار دیتے ہیں۔
2۔ ایک مولوی صاحب حضرت مسیح موعود کو مسلمان کہتے ہیں اور کافر کہنے والے کو کافر بھی کہتے ہیں۔ مگر خود مکفر علماء کے پیچھے نماز بھی پڑھتے ہیں اور مکفرین کے جنازے بھی پڑھتے ہیں بیعت بھی کوئی نہیں۔ ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟	2۔ بعض وقت انسان ایک عقیدہ کو مانتا ہے۔ لیکن اس کا عمل خود اس کے مطابق نہیں ہوتا تو حکم اس کے عقیدہ پر ہوگا۔ مثلاً قرآن شریف کو خدا کی کتاب مانتا ہے۔ مگر اس کے بعض احکام پر عمل نہیں کرتا اور وہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح پر جو شخص حضرت مسیح موعود کا مسلمان ہونا تسلیم کرتا ہے اور اس کا اعلان بھی کرتا ہے ہمیں اس کے عمل

سے بحث نہ ہوگی (صفحہ 19 مجموعہ فتاوی احمدیہ جلد اول صفحہ 26 وصفحہ 1529 ردتکفر اہل قبلہ۔ صفحہ 165 حاشیہ حقیقۃ الوحی)

3۔ ایسے لوگ جو حضرت مسیح موعود کے بارہ میں بالکل خاموش اور مکفرین کو ملامت کیا کرتے ہیں۔ ایسے آدمی کی وفات پر اگر اس کا جنازہ پڑھا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

3۔ ایسے آدمی کا جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ حضرت مسیح موعود نے اس کو جائز ٹھہرایا ہے۔
(ملاحظہ ہو فتاوی احمدیہ صفحہ 118 مجموعہ فتاوی جلد اول۔ فتوٰی 18 اپریل 1902ء

7 اپریل 1934ء
حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات ـ 6

بعض وقت دشمن تو اپنی طرف سے استہزاء کرتا ہے۔لیکن اس کی تہہ میں دور بین نظر ایک حقیقت کو دیکھ لیتی ہے۔جن دنوں مسلمانوں کی ایران کے ساتھ جنگ تھی۔حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق کچھ مسلمان کسریٰ کے دربار میں اس غرض کے لئے گئے کہ اسے بتائیں کہ اسلام کیا ہے۔ان کی باتوں کو سن کر کسریٰ آپے سے باہر ہو گیا اور حکم دیا کہ ایک مٹی کی ٹوکری ان میں سے ایک کے سر پر اٹھوائی جائے۔اس کا منشاء یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو ایسا ذلیل سمجھتا ہے کہ ان سے ٹوکری اٹھوانے کا نام لے گا۔مگر وہ بزرگ اس ٹوکڑی کو خوشی سے اٹھاتے ہوئے واپس آئے اور اس سے یہ فال لی کہ دشمن نے خود اپنی زمین ہمارے سپرد کر دی ہے!

آج کل احمدیوں کے دو گروہوں یعنی گروہ قادیان اور جماعت احمدیہ لاہور کو دمشقی اور اندلسی لکھا جاتا ہے۔دمشق بنی امیہ کی خلافت کے زمانہ میں سلطنت اسلامی کا دارالخلافہ تھا اور اندلس اس مغربی سرزمین کا نام ہے جہاں کچھ باہمت مسلمانوں نے اسلام کا جھنڈا جا لگایا۔ان خطابات کے عطا کرنے والوں کے دلوں میں جو کچھ ہو سو ہو،لیکن اسلامی خلافت کے یہ دو حصے تھے۔جن میں سے ایک کا رخ مشرق کی طرف تھا اور دوسرے کا مغرب کی طرف۔خدا کے فضل سے ہماری جماعت لاہور کے کام کا بڑا حصہ بھی مغرب میں ہے اور وہ سرزمین، جہاں جا کر اسلام کی حکومت ظاہری رک گئی،ان کو خدا کے فضل اور اس کے تائید سے روحانی رنگ میں اسلام کے زیر نگیں لانے میں مصروف ہیں۔اور اگر ہمارے عاقبت نااندیش مخالف ہمیں ہمارے صحیح نام سے پکارنے کی بجائے اندلسی ہی کہنا چاہتے ہیں،تو ہم اس سے یہ نیک فال لیتے ہیں کہ مغرب کو روحانی طور پر فتح کرنے کا کام خود ہمارے مخالف بھی ہمارے سپرد کر رہے ہیں۔مگر مشرق و مغرب کی خلافت اسلامیہ کو احمدیوں کے سپرد کر کے خود کس چیز کے وارث بنتے ہیں؟!

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جن کو کافر و دجال کہا جاتا ہے۔وہ شب و روز اس فکر میں ہیں کہ یورپ میں اسلامی مشن قائم کریں۔مسجدیں بنائیں۔لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں

داخل کریں۔ قرآن شریف کے ترجمے مختلف زبانوں میں کر کے کل دنیا کے سامنے اسلام کی اصل تصویر پیش کریں۔ اور جو لوگ اپنے آپ کو اسلام کے ٹھیکدار سمجھتے ہیں، انہیں شب و روز یہ فکر ہے کہ جو اسلامی مشن یورپ میں قائم ہو چکے ہیں ان کو برباد کریں۔ جو مسجدیں بن گئی ہیں ان کو ویران کریں۔ جو خدا کے کلام کے ترجمے ہو گئے ہیں ان کو نابود کریں۔ جہاں جہاں سے کفرستانوں کے اندر اللہ اکبر کی آواز بلند ہوتی ہے، ان تمام مقامات کو خاک کے ساتھ ملا دیں۔ اور اس غرض کے لئے صریح جھوٹا پروپیگنڈا کرنے سے بھی ان کو شرم نہیں آتی۔ یونس زیدی کے نام سے ایک شخص بہتانات اور افتراؤں کا ایک طومار تیار کر کے یہاں بھیجتا ہے وہ ایک مسلمانوں کے اخبار میں چھپتا ہے۔ مگر بالآخر جب وہیں سے یہ اطلاع بھی اسی اخبار کو مل جاتی ہے کہ یونس زیدی کوئی شخص برلن میں یا جرمنی میں نہیں، تو پھر بھی شرم تک نہیں آتی۔ اس جھوٹ کو واپس لینا تو ایک طرف رہا!

دنیا میں کوئی کام کوئی شخص کرے۔ اس میں اگر نقص اور عیوب ہی تلاش کرنے ہوں، تو بہتان اور افتراء پردازی کا کیا فائدہ۔ واقعی نقص بھی مل جائیں گے۔ اس وقت جس قدر اسلامی کام ہو رہے ہیں، ان میں سے کسی ایک کا نام لو جس میں نقص نہیں۔ مگر یہ کہاں کی اسلامی غیرت ہے کہ اس عظیم الشان اسلامی کام کو، جو دنیا کی تاریخ میں خدمت اسلام کا ایک بے نظیر کام ہے، یعنی یورپ کے کفرستان کے مرکز میں اسلامی مشن کا قائم کرنا اور مسجد کا بنوانا، اسے برباد کرنے کے لئے جھوٹا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ اور یہ ہمت نہیں کہ سارے یورپ میں آٹھ کروڑ مسلمانوں کی آواز ساتھ ہوتے ہوئے ایک ہی مشن پہلے قائم کر لیں۔ ایک ہی مسجد کسی کفرستان میں بنوا دیں۔ ایک ہی زبان میں خدا کے پاک کلام کا ترجمہ کروا دیں۔ حالانکہ اگر سچا جذبہ حمیّت اور غیرت اسلامی کا موجود ہو تو آٹھ کروڑ نہیں آٹھ ہزار بلکہ چار ہزار کو بھی ساتھ لے کر کئی مشن قائم کر سکتے ہیں۔

اس قوم کی قسمت پر جس قدر آنسو بہائے جائیں کم ہیں، جس کے جسمانی اور روحانی رہبروں کی یہ حالت ہو کہ اسلامی خدمت کے کاموں پر ہاتھ صاف کرنے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور دن رات اس فکر میں ہیں کہ فلاں جگہ تبلیغ اسلام کا کام ہو رہا ہے، اسے کس طرح برباد کیا جائے، لیکن خود یہ ہمت نہیں کہ کسی کفرستان میں ایک ہی مسجد بنا کر وہاں ایک مشن قائم کر دیں۔ وہ تو دور کی بات ہے

لاہور کی بادشاہی مسجد میں عید اضحیٰ کے موقعہ پر ''مولوی'' یا ''مولانا'' یا ''آقا'' ظفر علی خان، اسلام کی تبلیغ کرنے والوں کو پادری کے نام سے یاد کرنے والے ظفر علی خان زلزلہ بہار کی شکستہ مساجد کی تعمیر کے لئے فلک شگاف نعروں کے اندر پچاس ہزار آدمی کے مجمع کو اپیل کرتے ہیں اور ایک کم پچاس روپے چندہ ہو اکٹھا جاتا ہے۔ ''اس عدیم المثال اجتماع کے موقعہ پر صرف انچاس روپے چندہ جمع ہوا۔ جس کا نصف تو انجمن نے پہلے ہی سے مصیبت زدگان بہار کے لئے وقف کر دیا اور باقی نصف مسجد شہید کی تعمیر میں خرچ کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔'' (انقلاب 6 اپریل صفحہ 7) پورے پچاس روپے ہو جاتے تو ہزار میں ایک کا حساب تو آسان ہوتا۔ ان انچاس سے بہار کی مسجدیں بھی تعمیر ہو جائیں گی اور شاہ عالمی دروازے کی مسجد بھی بن جائے گی اور باقی کے ساتھ شاید روس میں بولشویکوں میں تبلیغ کے لئے کوئی مشن قائم ہو جائے گا جس کے انچارج فرضی یونس زیدی ہوں گے اور جس کے مہتمم مالکان ''زمیندار'' ہوں گے!

ان لوگوں کی غیرت اس وقت کہاں جاتی ہے جب بار بار یہ پڑھتے ہیں کہ ان کو یورپ میں مساجد کے بنانے کی توفیق تو نہیں ملتی۔ ڈھانے کے لئے آستینیں چڑھائے کھڑے ہیں۔ کیوں آٹھ کروڑ مسلمانوں کی لیڈری کا دعوٰی کرنے والے ہمت کر کے ایک مسجد وہاں نہیں بنوا دیتے۔ ایک مشن وہاں قائم نہیں کر دیتے۔ کیا وجہ ہے کہ جس کام کو چار ہزار کافر کر سکتے ہیں۔ اس کا دسواں حصہ بھی تبلیغ اسلام کے رنگ میں آٹھ کروڑ مسلمانوں کے نمائندے نہیں کر سکتے؟ ہاں دو مسلمان فریقوں میں جنگ کا کام ہو تو ابھی تین تین ہزار چندہ دونوں طرف سے ہو جائے گا۔ اور دیگیں چڑھ جائیں گی اور کھانے والے اور کھلانے والے اور غرّانے والے سب آموجود ہوں گے۔ کاش! مولانا ظفر علی بہار کی مسجدیں بنوانے کے بجائے برلن مسجد کو ڈھانے کے لئے اپیل کرتے تو انچاس کی جگہ انچاس سو تو چندہ ہو جاتا اور مسجد کی ویرانی کے ساتھ کچھ ان کو بھی فائدہ ہو جاتا!

یہ تو دوسروں کی بات ہے۔ میں اپنے دوستوں کو کہنا چاہتا ہوں کہ اب تک ہم نے بھی کام کی اہمیت کو پورے طور پر نہیں سمجھا۔ ابھی ہم میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو اس عظیم الشان تعمیر اسلامی پر اپنا مال خرچ کرنے سے گھبراتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں اس وقت بخل پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض ہیں جن کو خدا نے اپنے فضل سے بے حساب دیا ہے۔ مگر جب خدا کی راہ میں اپیل ہو تو وہ حساب کرنے بیٹھ جاتے

ہیں کہ ہم اتنا تو پہلے دیتے ہیں اور کیوں دیں؟ بعض ہیں جو اپنی دنیوی ضروریات کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ دینی ضرورتوں کے وقت ان کے پاس روپیہ نہیں ہوتا۔ ان کی حالت کو دیکھ کر بسا اوقات اس مسلمان لیڈر کی تصویر میرے سامنے آجاتی ہے جو ہزاروں کا مالک ہونے کے باوجود اپنی مفلسی کا رونا رو رہا تھا اور جب اسے یہ بتایا گیا کہ آپ فلاں موقعہ پر تو ہزاروں روپے خرچ کر سکتے ہیں۔ تو بے ساختہ اس کے منہ سے کلمہ نکلا ''مگر کسی نیک کام میں دینے کے لئے میرے پاس ایک پائی نہیں۔''

احمدیہ جماعت میں ایسے آدمیوں کا ہونا جماعت کی ذلت ہے۔ مگر ابھی ایسے لوگ بھی ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو تھوڑا سا دے کر تھک جاتے ہیں وَاَعۡطٰی قَلِیۡلًا وَّاَکۡدٰی (34:53) وہ بھی اس کام کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ اور ایسے بھی ہیں جو اپنے دنیا کے کاموں میں خرچ کرتے چلے جاتے ہیں اور دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ فلاں جگہ سے ہمیں نفع ہو تو ہم اس قدر خدا کی راہ میں دیں گے۔ مگر دنیوی کاروبار کا انہماک انہیں اس کی توفیق نہیں دیتا۔ اور جب وہ موقعہ آتا ہے تو پھر کوئی اور دنیوی کشش سامنے آجاتی ہے۔

اگر ہمارے دلوں میں اپنی اس حالت کا صحیح احساس ہوتا کہ ہم اسلام کے وہ سپاہی ہیں جو اس وقت دشمن کے ساتھ ایک سخت مقابلہ کے میدان میں نکلے ہوئے ہیں تو آج ہمارا اپنا کام جس قدر ہو رہا ہے، اور وہ سخت ترین مالی مشکلات کے اندر ہو رہا ہے، اس سے دو چند بھی ہوتا۔ اور یہ مشکلات بھی نہ ہوتیں۔ اور نہیں تو بارگاہ الٰہی میں گر جایئے کہ اے خدا تو ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا کر۔ محمد علی

23 اپریل 1934ء

دیارِ حبیبؐ کے خوش قسمت مسافر کا خط

اور حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا مکتوب گرامی!

ہمارے محترم دوست جناب حافظ محمد حسن صاحب وکیل گجرات کو اس سال حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان کی روانگی کی اطلاع انہی ایام میں درج اخبار ہوئی تھی۔ اس کے بعد موصوف نے مندرجہ خط جہاز رحمانی سے لکھا۔ جو ہمیں کسی قدر تاخیر سے ملا۔ اس خط میں حافظ صاحب نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے دربار میں حاضر ہو کر چند فریادیں کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ خدا کے فضل سے انہیں یہ سعادت نصیب ہو چکی ہے۔ اور غالباً وہ عنقریب واپس تشریف لانے والے ہیں۔ لیکن ان کا خط اور حضرت امیر ایدہ اللہ کی چٹھی اس قدر موثر اور پُر درد ہے کہ ان کا مطالعہ ایمانوں میں تازگی اور دل میں تڑپ پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے ہم ان دونوں قیمتی تحریروں کو درج ذیل کرتے ہیں۔ مدیر

مکرمی و معظمی جناب مدیر پیغام صلح۔ السلام علیکم۔

حضرت مولانا کی زیارت کئے بغیر میں پنجاب سے رخصت ہوا۔ میں نے اپنے بھائی چودھری عزیز احمد صاحب کو خاص طور پر تاکیداً کہا تھا کہ حضرت امیر جماعت اور دیگر احباب کو 25 فروری کی شب ہی کو اطلاع دے دیں کہ میں رات کی گاڑی سے کراچی کی جانب چلا گیا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں 25 تاریخ کو چند اہم مقدمات میں مصروف تھا اور 5 بجے تک مشکل سے فارغ ہو سکا۔ جب گھر آیا تو معلوم ہوا کہ قبلہ والد صاحب اور بعض دیگر لواحقین 4 بجے والی گاڑی سے لاہور چلے گئے ہیں اور وہاں سے رات کی گاڑی پر سوار ہو کر 2 بجے کے قریب چیچہ وطنی سٹیشن پر پہنچیں گے۔ وہاں ہمارے بہت سے رشتہ دار ملاقات کے لئے آنے والے تھے۔ پس ان حالات میں میں مجبور ہو گیا کہ اپنے سابقہ پروگرام کو بدل دوں۔ اس تعجیل میں میں حضرت امیر کو تار بھی نہ دے سکا۔ پھر بھی مجھے یہ خیال رہا کہ لاہور مجھے کچھ وقت مل جائے گا اور میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو آؤں گا۔ مگر افسوس کہ

سامان بہت تھا اور ہمراہیوں سے بعض رفقاء بہت ضعیف العمر تھے۔ اس لئے مجھے وقت نہ مل سکا۔ عزیز احمد صاحب بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ ان سے میں نے کہا حضرت مولانا کو اطلاع دے دینا۔ ایسا نہ ہو کہ صبح ان کو تکلیف ہو۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس اہم فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کی۔ خدا ان کی فروگذاشت کو معاف فرمائے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ حضرت امیر اور دیگر احباب کو تکلیف ہوئی۔ میں سب دوستوں سے خلوص دل سے معافی چاہتا ہوں اور ان کی تکلیف کا بدلہ میں صرف اس طریق پر دے سکتا ہوں کہ ان کے لئے دعائیں کروں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر دے گا۔

حضرت امیر کی روحانی و معنوی ملاقات: جہاں میں جسمانی طور پر زیارت سے محروم رہا وہاں حضور کی روحانی و معنوی زیارت سے محروم نہیں رہا۔ حضرت امیر کا ایک گرامی نامہ جہاز میں مجھے اس وقت ملا جبکہ جہاز کے تمام مسافر چکروں کی وجہ سے نڈھال ہو رہے تھے۔ وہ مکتوب کیا ہے۔ کس درد سے لکھا گیا ہے۔ کس نیک جذبہ کے ماتحت لکھا ہے۔ کس نیک ساعت میں لکھا ہے؟ اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس قدر پر اثر تحریر زبان اردو میں میری نظر سے نہیں گزری۔ اگر اس کو پڑھتے پڑھتے مجھ جیسا سنگدل انسان چیخیں مار مار کر روئے تو وہ مجبور ہے۔ یہ خط ہر وقت میرے پاس رہتا ہے۔ جب چاہتا ہوں پڑھ لیتا ہوں اور ہر بار رقت پیدا ہوتی ہے۔

یہ خط میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں سناؤں گا: یہ مکتوب میں ساتھ لے جاؤں گا۔ جزیرۃ العرب میں یہ میرے پاس ہوگا۔ دیار یثرب میں بھی یہ میرے ساتھ ہوگا۔ میں نے دو درباروں میں حاضر ہونا ہے۔ مکہ معظّمہ میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں بھی یہ چٹھی پڑھوں گا اور وہاں کے در و دیوار کو سناؤں گا۔ خود روؤں گا قدسیوں کو رلاؤں گا اور مظلوم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مظلوم دین کی فریاد سناؤں گا اور کہوں گا اے ایزد تعالیٰ تیرے دین کو ترکوں نے پس پشت ڈال دیا۔ ایرانیوں نے ہماری طاقتیں قومیت کی مضبوطی میں کھو دیں۔ شام نے اس طرف بے رخی کی۔ مصر نے آپ کے پیغام کو فراموش کر دیا۔ افغانیوں نے اس کے لئے کوئی جدوجہد نہ کی۔ پنجاب کے چند بے کس لوگ ایک عاجز جماعت کی شکل میں جمع ہوئے۔ ان کے سروں میں وہ سودا سمایا جو سلاطین با جبروت کے سروں میں سمانا چاہئے تھا۔ یعنی تمام دینوں پر اسلام کو غالب کرنا۔ وہ اپنی بساط کے مطابق تیرے دین کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ مگر اے خدا! تیرے

اسلام کے نام نہاد علماء کے دلوں پر ان کی مساعی نہایت شاق گزر رہی ہیں۔ وہ تو کفار کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ مگر یہ علماء کا طبقہ خود ان کو ہی دائرہ اسلام سے خارج کر رہا ہے۔ اے خدائے قدوس! تیری زمین پر اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ وہ جو تیرے نام کو بلند کرنے کا عشق رکھتے ہیں اور تیری پاک کتاب کو دنیا کے تمام گوشوں میں پہنچانا چاہتے ہیں اور بڑے بڑے کفرستانوں میں مسجدیں تعمیر کر رہے ہیں، ان کے خلاف پنجاب میں مخالفت کا ایک طوفان برپا ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کا درد رکھنے والے سیاسی لوگ اپنے اخباروں میں مسلمانوں کو صرف ایک ہی سیاست سکھلا رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ مسلمان قوم بحیثیت مجموعی اٹھ کھڑی ہو اور اس مستعد جماعت کو نیست و نابود کر دے۔ جس نے اپنی زندگی کا مشن اشاعت اسلام و علاء کلمۃ اللہ بنا لیا ہے۔ اے خدا ان کے مظالم اپنی حد کو پہنچ چکے۔ ہمارے صبروں کے پیمانے لبریز ہو چکے۔ ہماری تائید فرما اور ہماری کوششوں میں برکت ڈال۔ تیرا دین تو الٰہی! ضرور غالب ہو کر رہے گا۔ لیکن یا الٰہی! ہماری عاجز مساعی قبول فرما۔

دربار رسالتؐ میں فریاد کروں گا: میں حضرت امیر کی چٹھی محبوب خدا کے دربار میں بھی لے جاؤں گا۔ وہاں بھی اس کے مضمون کو سناؤں گا۔ یثرب کے سونے والے کو بتاؤں گا کہ اے حبیب خدا! تو سچا تیرا اسلام سچا۔ تیری پیشگوئیاں سچی۔ اے خدا کے دلارے! تو نے اس زمانہ کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں بدترین مخلوق اس زمانہ کے علماء کو قرار دیا ہے۔ اے سرتاج مدینہ! تیرے الفاظ ایسے صحیح نکلے کہ آج ان کی صحت کو دیکھ کر ہمارے ایمان تازہ ہو رہے ہیں۔ اے نبی مظلوم! احسان فراموش دنیا نے تیری ناقدری کی اور بدباطنوں نے تیری تعلیم کا مضحکہ اڑایا اور تیری خوبصورتی تصویر کو بدنما کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ تیری امت خواب غفلت میں پڑ گئی۔ یورپ نے ہزارہا کتابیں اسلام کے خلاف لکھیں۔ مگر کسی نے ان کے جواب دینے کی توفیق نہ پائی۔ حتّٰی کہ وعدہ کے مطابق اور تیری پیشگوئی کے ماتحت قادیان میں مجدد اعظم کا ظہور ہوا اس کے دل میں تیرا عشق تھا۔ وہ دن رات تیرے دین کی فکر میں رہتا تھا۔ خدا نے اس کو دلائل کا ایک سمندر دیا۔ جس نے ہزارہا تشنگان حق کی پیاس بجھائی۔ اس کے دل کی تڑپ نے ایک مخلصوں کی جماعت پیدا کی۔ جو مخالفت کے طوفانوں میں پیدا ہوئی اور علماء سو کی ستمگاریوں میں پرورش پائی۔ اب اس کی بنیادیں مضبوط ہو چکی ہیں۔ مگر علماء سو نے مخالفت میں زیادہ سرگرمی سے کام لینا شروع

کر دیا ہے۔ جہلاء کے جذبات کو مشتعل کرنا اور حق کے حامیوں کے خلاف انہیں ابھارنا ان کا شیوہ ہو رہا ہے۔ ان کے اخبار، ان کے صحیفے، ان کے وعظ، ان کی تقریریں سب ایک ہی موضوع کے لئے وقف ہیں کہ مجدد اعظم کے مشن کو ناکام کیا جائے تا دنیا میں خدا کا نام بلند کرنے والا کوئی نہ رہے۔ اے ہمارے حبیبؐ! آپ کو امت کا بہت درد تھا۔ اپنے مخلصوں کی تکالیف سے آپ کا دل پگھل جاتا تھا۔ آج آپ کے سچے عاشقوں سے ظالموں نے کیسا ناروا سلوک جاری کر رکھا ہے! اے پاک اور مقدس روح دربار الٰہی میں آپؐ کی شنوائی ہوتی ہے۔ دعا کیجئے کہ دشمن ناکام ہو۔ خدا کا نام بلند ہو۔ آپؐ کا مشن تمام دنیا میں کامیاب ہو۔ یہ مختصر سی جماعت، جو آپ کے دین اور کلام حق کو دنیا میں پھیلانے کا تہیہ کر چکی ہے، کامیاب ہو۔ مسلمانوں کے دل اشاعت اسلام کی اہمیت کو محسوس کریں اور علماء سو کی فریب کاریوں میں وہ نہ پھنسیں۔ حضورؐ ان نوجوانوں کے لئے دعا فرمائیں جن کے دلوں میں آپ کی محبت ہے۔ مگر دین کی صحیح تعلیم تک رسائی حاصل نہ کرنے کی وجہ سے وہ دین سے بے پروائی کر رہے ہیں۔ الغرض دونوں درباروں میں میں فریاد کی زبان کھولوں گا۔

حضور امیر قوم ایدہ اللہ کی اصل چٹھی تو میرے پاس رہے گی۔ اس کی ایک نقل ارسال کرتا ہوں۔ تا کہ اس کے الفاظ ہماری قوم کو گرما دیں۔ اس کی قربانیاں بیش از پیش ہو جائیں۔ والسلام

مجھ ناچیز کے لئے بھی سب احباب دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ میرے حج کو قبول فرمائے اور ہم سب کو خیریت سے واپس لائے۔ ہمارا بچہ ضیاء الحسن گجرات میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے۔ اس کے لئے بھی دعا فرمائیں کہ وہ اپنے اقارب کی غیر حاضری میں استقلال اور حوصلہ سے رہے اور خدا اس کو صحت میں رکھے۔ اسے اسلام کا خادم بنائے۔ آمین۔ خاکسار محمد حسن

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی چٹھی: حضرت امیر کی چٹھی کی نقل، جو حضور نے خاکسار کو لکھی، حسب ذیل ہے:

مکرم معظم حافظ صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے حج پر جانے کی اطلاع تو ملی مگر افسوس کہ باوجود وعدہ ملاقات کے آپ کسی دوسری گاڑی سے چلے گئے اور ہم لوگ محروم واپس آئے۔ اگر آپ اپنے ارادہ کی تبدیلی کی بذریعہ تار بھی اطلاع

دے دیتے تو بھی ہم مل لیتے۔شائد ملاقات میں آپ کے جوش کا کچھ حصہ ہم کو مل جاتا اور ہمارے درد کا کچھ حصہ آپ کو۔

آپ کے حج کے ارادہ نے ایک پرانی خواہش کو جگا دیا۔کس مسلمان کے دل میں یہ آرزو نہ ہوگی کہ اس کی آنکھیں ان مقامات کو دیکھیں جن پر محبوب خدا کا پاؤں پڑتا تھا اور اس کے عشق رسول میں تازہ جذبہ پیدا کریں۔میری بھی مدت سے یہ آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق اور سامان عطا فرمائے کہ خاک پاک مکہ کی گرد میری آنکھوں کا سرمہ بنے۔لیکن بے بضاعتی کے علاوہ یہ شعر درزبان رہتا ہے۔ ؎

بطواف کعبہ رفتم بہ حرم ہم نداوند   کہ بیرون درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

دل میں یہ تڑپ ہے کہ دیارِ محبوب میں جائیں تو کوئی تحفہ بھی ساتھ ہو۔اور وہ تحفہ خدمت اسلام یا خدمت قرآن کے سوا کیا ہوسکتا ہے!اس لئے آپ سے یہ التجاء ہے کہ آپ بھی میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ باقی سامانوں کے ساتھ یہ سامان بھی پیدا کر دے کہ خدمت اسلام کا کچھ کام کر کے چند دوست اکٹھے دریارِ محبوب میں حاضر ہوں۔ہاں!اس وقت،جب ان مناظر کو دیکھ کر تیرہ سو سال کے واقعات آپ کی آنکھوں کے سامنے پھر جائیں اور دل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے جذبہ سے بھرا ہوا ہو اور روح آستانہ الٰہی پر پگھلی جاتی ہو،اس وقت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس کام میں،جس میں آپ بھی ہمارے شریک ہیں،ایسی برکت دے کہ:

1۔خدا کا کام دنیا کی قوموں تک ان کی زبان میں پہنچ جائے۔

2۔خدا سے دور افتادہ لوگ اس کے آستانہ پر سر جھکانے لگیں۔

3۔یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے شہروں میں اللہ اکبر کی آواز گونج اٹھے اور مسجدوں کے منارے نظر آنے لگیں۔

تب اس تحفہ کو لے کر ہم بھی خدا کے دربار میں اور اس کے رسولؐ کے دربار میں حاضر ہوں اور یہ کہنے کے قابل ہوں کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ(127:2)اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو،جس نے دنیا میں اس کا نام پھیلانے کا عزم کیا ہے،ترقی اور استحکام عطا فرمادے اور اس کے کام میں برکت دے اور ہمارے مسلمان بھائیوں کو وہ آنکھیں عطا فرمادے کہ وہ دیکھ لیں کہ

ہماری غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ خدا اور اس کے رسولؐ کا نام روشن ہو اور وہ ہمارے ساتھ ہو کر خدا کے دین کی عمارت کی تعمیر میں لگ جائیں اور دعا کریں کہ اے خدا تیرا دین تو دنیا میں پھیل کر رہے گا۔ ہاں سب دینوں پر غالب آ کر رہے گا۔ مگر ہمیں بھی وہ نظارہ دکھا کہ ہم فوج درفوج لوگوں کو تیرے دین میں داخل ہوتا دیکھیں اور ہمیں بھی ان مزدوروں میں سے بنا جو تیرے دین کی عمارت بنانے والے ہیں۔ **اَللّٰھُمَّ نْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ** اور یہ دعا کریں کہ اے خدا تو ہمارے دلوں سے دنیا کی محبت کو کم کر کے اپنی محبت کی ایسی آگ شعلہ زن کر دے کہ جو ہر قسم کے خس وخاشاک کو جلا ڈالے اور ہم خالصاً تیرے ہی ہو جائیں۔ اور دعا کریں کہ اے خدا وہ تعلق جو تو نے محض اپنی رضاء کے لئے ہمارے اندر پیدا کیا ہے اسے روز بروز زیادہ کر دے۔ اور دعا کریں کہ اے خدا تو ہماری مشکلات کو دور فرما اور ہمارے راستے کھول دے اور اپنی رضا کے راستوں سے ہمارا قدم منحرف نہ ہونے دیجیو۔ والسلام۔ سلامت روی وباز آئی۔

قبلہ والد صاحب مکرم و برادر عزیز کی خدمت میں میری طرف سے السلام علیکم عرض کر دیں اور واپسی کی اطلاع ضرور دیجئے گا۔ محمد علی

3 مئی 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات۔7

ہماری جماعت کی ترقی میں ایک بڑی بھاری روک یہ ہے کہ ہماری طرف سے کافی پروپیگنڈا نہیں ہوتا۔ اکثر جماعتیں خاموشی کی حالت میں گزارہ کرتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں میں سوچنے اور غور کرنے کے لئے کوئی حرکت ہی پیدا نہیں ہوتی۔ راولپنڈی کی جماعت گو اپنے نظام کے لحاظ سے بہت پیچھے ہے، مگر وہاں ایک اجتماع کا انتظام ضرور کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اس سال بھی 22-23 اپریل 1934ء کو راولپنڈی میں احمدیہ جماعت کا سالانہ جلسہ ہوا اور باوجود اس شدید مخالفت کے، جو راولپنڈی میں ہو رہی ہے، سینکڑوں کی تعداد میں ہر طبقہ کے لوگ لیکچروں کے سننے کے لئے آئے، اور میرا یقین ہے کہ ایک نیک اثر لے کر گئے۔ اس نیک اثر کو قوت دینا اب وہاں کے دوستوں کا کام ہے اور یہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ جلسہ کر کے اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو گئے۔ بلکہ انہوں نے ایک اور ذمہ داری اپنے اوپر لے لی ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں کچھ حرکت پیدا ہو گئی ہے، وہ اب انہیں خدمت اسلام کے اس عظیم الشان کام کے اور زیادہ قریب لانے کی کوشش کریں۔

راولپنڈی تو اصل میں ایک بڑا مرکز ہے۔ اور اس بات سے بہت خوشی ہوتی ہے کہ وہاں کے احباب جب جلسہ کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی ہزارہ پشاور وغیرہ کے احباب کو بھی دعوت دیتے ہیں اور ان میں سے کئی ایک احباب جلسہ پر آتے بھی ہیں۔ چنانچہ اس سال بھی بہت سے احباب کو وہاں ملنے کا اتفاق ہوا۔ لیکن دو تین ہی مقام رہ گئے ہیں، جہاں جلسہ قریباً ہر سال ہوتا ہے۔ اور بہت سی بڑی بڑی جماعتیں اس طرف توجہ نہیں کرتیں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ بہت مدت کے بعد اس دفعہ دو اور جماعتیں اس میدان میں آئی ہیں۔ یعنی ایک جماعت لائلپور۔ جس کا جلسہ 5-6 مئی کو ہو رہا ہے اور ایک جماعت پشاور جس کا جلسہ 12-13 مئی کو ہو رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ جن احباب نے اس سال ہمت و ایثار کر کے اس نیک کام کی بنیاد رکھی ہے، وہ اس پر تعمیر کی فکر بھی ضرور کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان جماعتوں میں خدا کے فضل سے ترقی ہوگی۔ اس سلسلہ کو آئندہ کے لئے بھی قائم رکھیں گے۔ حرکت میں برکت ہے۔

تاہم افسوس یہ ہے کہ بہت سی جماعتیں اس بارہ میں بالکل غفلت کی حالت میں پڑی ہوئی ہیں اور انہیں اس چھوٹے سے کام کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے۔ایک تو بہت سے احباب کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جلسہ کریں گے تو اس پر خرچ ہوگا۔ حالانکہ اگر وہ چاہیں تو بہت خرچ کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔اس میں شک نہیں کہ جلسہ زیادہ مفید اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ باہر سے بھی قریب قریب کے دوست شامل ہوں۔لیکن اگر کوئی جماعت اپنے کو ایسے اخراجات برداشت کرنے کے نا قابل پاتی ہے،تو وہ مختصر پیمانہ پر جلسہ کرے۔ حالانکہ یہ بھی ایک غلط خیال ہے۔ ہمارے گھروں میں جب مہمان آجاتے ہیں تو ہم سب ان اخراجات کو برداشت کر ہی لیتے ہیں۔ بلکہ مہمان کی خاطر کچھ تکلف بھی کر لیتے ہیں۔اور دینی اجتماعوں میں تو کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔سادہ روٹی اور سالن یا روٹی اور دال بھی ہو تو کچھ ہرج نہیں۔ یا چند احباب مہمانوں کی تقسیم کر کے اپنے اپنے گھروں میں انتظام کرلیں۔مبلغین کے متعلق سارا خرچ مرکزی انجمن برداشت کرتی ہے۔ دوسرا یہ خیال بعض لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہے کہ ہم جلسہ کریں گے تو بہت لوگ سننے نہیں آئیں گے اور اس میں وہ جماعت کی ایک بے وقری محسوس کرتے ہیں۔مگر میں کہتا ہوں کہ اگر دس آدمی بھی سننے آجائیں اور ان میں سے دو پر بھی نیک اثر ہوجائے تو یہ فائدہ اور جماعت کی قوت کا ہی موجب ہے۔ بہت سننے والوں کا لے آنا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام صرف اس قدر ہے کہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے۔اور بعض احباب اپنے ذاتی رسوخ سے بھی کام لے کر اپنے ساتھ خاص تعلق رکھنے والے لوگوں کو لا سکتے ہیں۔اپنی طرف سے کوشش کریں۔نتیجہ کو خدا پر چھوڑیں۔

اب میں اپنے احباب سے صاف صاف کہنا چاہتا ہوں کہ کسی شہر میں یا کسی گاؤں میں جہاں ہمارا ایک بھی آدمی ہے اسے آج سے یہ فکر کرنی چاہئے کہ مرکز سے کسی مبلغ کو یا مقرر کو بلا کر وہاں تبلیغ کا موقعہ نکالے۔میرے نزدیک جلسہ یہی نہیں کہ احمدی جماعت کے سب بڑے بڑے مقررین کو بلانے پر زور دیا جائے۔ جیسا کہ اکثر جماعتوں میں یہ نقص پیدا ہو گیا ہے، کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک آٹھ دس بڑے بڑے قابل لکچرار جمع نہ ہوں جلسہ نہیں ہوسکتا۔بعض لکھ دیتے ہیں کہ فلاں آدمی نہ آئے تو جلسہ نہیں ہوسکتا۔ یہ سب خام خیال ہے۔ضرورت صرف اس قدر ہے کہ ہر مقام پر تبلیغ کے لئے ایک حرکت پیدا کی جائے اور لوگوں کو اپنے کام سے اور اپنے عقائد سے واقف کرنے کی کوششیں کی جائے۔خواہ ایک

ہی تقریر ہو۔ حرکت پیدا کرنے کے لئے وہ بھی کافی ہے۔ اس لئے اس غلط خیال کو چھوڑ کر کہ جماعت کے سارے سرکردہ ہر جگہ جمع ہوں صرف یہ انتظام کیا جائے کہ ہر مقام پر جہاں ہمارا کوئی بھی دوست ہے ایک دو دفعہ سال میں ایک حرکت اس قسم کے مختصر اور سادہ جلسوں سے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ پھر اس سے فائدہ اٹھایا جائے ایک لیکچر ہو جائے یا دو ہو جائیں یہ کافی ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ اس تحریک کے مطابق ہر جگہ کے احباب بھی فکر کر کے اپنے اپنے ہاں کوئی جلسہ کا انتظام کریں گے۔ اور مرکز میں کافی وقت پہلے اس کی اطلاع دیں گے تا کہ موزوں آدمی بھیجے جا سکیں۔ زیادہ گرمی میں شاید مشکل ہو۔ ابھی مئی کے آخر تک بعض اور مقامات پر بھی جلسے ہو سکتے ہیں۔ ادھر ستمبر سے یہ سلسلہ شروع ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم یہ تھوڑی سی حرکت کریں گے تو اس سے جماعت کو بہت بڑی قوت ملے گی۔

جن احباب کا یہ خیال ہے کہ ان کے ہاں مخالفت زیادہ ہے جلسہ کامیاب نہ ہو سکے گا۔ وہ اس خیال کو بھی دل سے نکال دیں۔ دس آدمی بھی سننے آجائیں تو وہ کافی سمجھیں۔ مخالفت ہوتی بھی ہے اور خود ہی مٹتی بھی چلی جاتی ہے۔ ابھی بہت دن نہیں گزرے کہ لاہور کے دو اخبار کس زور وشور سے جماعت احمدیہ کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ مگر آج وہ دونوں بند ہیں۔ حالانکہ ایک ان میں سے بہت پرانا اخبار ہے۔ ہمیں اس سے خوشی نہیں کہ ''زمیندار'' بند ہو گیا۔ اور عین اس وقت بند ہوا جب بڑے بڑے دعاوی کے ساتھ یہ کہہ رہا تھا کہ احمدیت اب بستر مرگ پر ہے اور وہ خاموش نہیں ہوگا۔ جب تک کہ اسے مٹا نہ لے۔ مگر خدا کی شان ہے کہ آج وہ خود مٹ گیا۔ لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ ہمارے دلوں میں اس سے کوئی خوشی نہیں۔ کیونکہ اول تو مخالفت خود حق کے لئے کھاد کا کام دیتی ہے۔ اور دوسرے بہر حال ایک اسلامی اخبار بند ہو گیا اور گو اسے ہماری جماعت سے بلا وجہ عناد تھا، لیکن وہ بھی اپنے رنگ میں خدمت اسلام کا کام کرتا تھا اور اس کے بند ہونے سے اسلامی پریس کی آواز کمزور ہوگئی۔ اسلامی پریس پہلے ہی کمزور حالت میں ہے اور اس کی آواز دھیمی ہے۔ ہماری دعا تو اب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اخبار کو اپنی اصلاح کی توفیق دے اور اسے پھر زندہ کرے۔ کلمہ گوؤں کی تخریب سے ان کی تکفیر سے اسلام کی خدمت نہیں ہوتی۔

3 جون 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات۔8

لوگ تو حضرت مسیحؑ کی بن باپ پیدائش کو نشان سمجھتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں ؎

کرمِ کے بودم مرا کردی بشر من عجب تر از مسیح بے پدر

میں ایک کیڑا تھا تو نے مجھے انسان بنا دیا۔ میں بن باپ مسیح سے بھی عجیب تر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے سب ہی کام عجیب در عجیب ہیں۔ بن باپ ہونا ہی نشان نہیں۔ باباپ ہونا بھی نشان ہے۔ بعض لوگ ایک طرف انجمن کی ذمہ داریوں کو اور دوسری طرف اس کی مشکلات کو دیکھتے ہیں تو گھبرا جاتے ہیں کہ یہ کام کس طرح چلے گا۔ اس قدر تبلیغ کا کام دنیا کے کونوں تک پھیلا ہوا اور اس کی پشت پر ایک چھوٹی سی جماعت جس کے چاروں طرف مخالفت اور سامنے مشکلات کے پہاڑ ہیں۔ وہ خدا کے دین کو پھیلانے کے لئے مدد مانگتے ہیں تو ان کی طرف پتھر پھینکے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہم آئندہ کے متعلق کیا کہیں۔ ہمیں تو گزشتہ کی بھی سمجھ نہیں آتی کہ یہ کام کس طرح ہوتا رہا ہے!

پیر پرستی کی رو کا مقابلہ گنتی کے چند آدمیوں نے کیا۔ مگر باوجود ایک طرف قادیان کی شدید ترین مخالفت کے اور دوسری طرف عام مسلمانوں کی مخالفت کے یہ کام آج تک ترقی ہی کرتا چلا آیا ہے۔ چند بکھیرے ہوئے دانوں کو اکٹھا کر کے ایک انجمن بنا لینا ہی کوئی چھوٹا کام نہ تھا کہ اس انجمن نے اگر ایک طرف فوراً ووکنگ مشن کے عظیم الشان بار کو سنبھالا تو دوسری طرف اپنی زندگی کے پہلے تین سال کے اندر اندر ایک انگریزی ترجمہ القرآن بہترین صورت میں دنیا کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر بہت مدت نہ گزری تھی کہ اڑھائی ہزار صفحات کی ایک اردو تفسیر شائع کر دی۔ پھر چند دنوں میں جرمنی اور جاوا میں مشن جاری کر دیئے۔ یورپ اور امریکہ کی ہزار ہا لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر پہنچا دیا۔ بلاشبہ مشکلات بڑھتی چلی گئیں مگر کام بھی بڑھتا چلا گیا۔ جرمنی کے کام کی مشکلات ختم نہ ہوئی تھیں وی آنا میں مشن قائم کر دیا اور ہسپانیہ کا خواب ہی دیکھنا شروع نہیں کیا بلکہ عملی قدم بھی اٹھا لیا۔ پس جس خدا کی نصرت نے پہلے اس کام کو قائم رکھا اور ترقی دی آئندہ بھی اسے قائم رکھے گا اور ترقی دے گا۔ بشرطیکہ ہم اپنے آپ کو خدا کی نصرتوں کا جاذب بنائیں۔

میرے ایک دوست، جن کے اخلاص کی میرے دل میں خاص عزت ہے، خان عبدالاکبر خان صاحب تحصیلدار نے خط لکھا کہ افسوس ہے کہ وہ پشاور کے جلسہ میں شامل نہ ہو سکے۔ میں نے انہیں لکھا کہ جس قدر آپ کو جلسہ میں دیکھ کر خوشی ہوتی اس سے زیادہ خوشی اب ہوئی ہے کہ آپ کے دل میں اس قدر زبردست احساس دینی ضروریات کا موجود ہے۔ ہم میں کمزوریاں بہت ہیں۔ لیکن یہ مقام افسوس نہیں، افسوس کا دن وہ ہوگا جس دن ہمارے اندر اپنی کمزوریوں کا احساس نہ رہے۔ انہی کمزوریوں کو محسوس کر کے احباب کے مشورہ سے یہ طے ہوا کہ چند بڑی بڑی جماعتوں کو بعض بزرگوں کی کوششوں کا خاص مرکز بنا دیا جائے۔ جو سال میں تین چار مرتبہ وہاں جا کر آٹھ آٹھ دس دس دن قیام فرمائیں اور مقامی احباب کے ساتھ مل کر جماعت کی توسیع اور تنظیم کے لئے خاص کوشش کریں۔ اور ان جماعتوں کے اندر وہ حرکت پیدا کریں جس سے حضرت مسیح موعود کے زمانہ کی یاد تازہ ہو جائے۔

لاہور، جو ہماری جماعت کا صدر مقام ہے، خدا کے فضل سے یہاں کی جماعت بھی سب جماعتوں میں تعداد میں ہی زیادہ نہیں، ہمت میں بھی زیادہ ہے۔ اس کا چندہ بعض اوقات ساری جماعت کے چندے کے ایک چوتھائی تک پہنچ جاتا رہا ہے۔ اس جماعت کا کام اور اس کے ساتھ ہی لاہور چھاونی کا کام ہمارے دو جواں ہمت ڈاکٹروں نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ یعنی ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور ڈاکٹر سید طفیل حسین صاحب۔ جن کا قدم اپنی مالی قربانیوں کے لحاظ سے بھی خدا کے فضل سے ساری جماعت میں پیش پیش ہے۔ دہلی کو خاں صاحب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے اپنی کوششوں کا مرکز بنانے کا وعدہ کیا ہے۔ پشاور کو جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے سپرد کیا گیا ہے۔ گو مولانا غلام حسن خان صاحب کی موجودگی میں ضرورت نہ تھی۔ لائل پور کو بھی شیخ صاحبان کے وہاں ہوتے ہوئے کسی اور بزرگ کی ضرورت نہ تھی۔ مگر ان کی کاروباری مصروفیت کی وجہ سے لائل پور اور سرگودھا کو خان بہادر میاں غلام رسول صاحب کے سپرد کیا گیا۔ مولانا صدرالدین صاحب نے اپنا وطن سیالکوٹ ہی اس غرض کے لئے پسند کیا ہے۔ گو انہیں ہر جماعت میں جہاں جلسہ ہو جانا پڑے گا۔ جہلم اور گجرات کے لئے خان صاحب چودھری منظور الٰہی صاحب کا نام تجویز ہوا تھا۔ مگر اب جبکہ ہمارے مخلص دوست حافظ حاجی چودھری محمد حسن صاحب حج سے واپس تشریف لے آئے ہیں اور خانہ کعبہ اور روضہ مقدس نبویؐ پر اپنے سوز و گداز کو پیش کر

کے وہاں کے انوار کو اس کے ساتھ ملا کر لائے ہیں۔ میں ان دونوں جماعتوں کو انہی کے سپرد کرتا ہوں۔ شیخ محمد دین جان نے ضلع ہزارہ کی جماعتوں کو اپنے ذمہ لیا ہے۔ راولپنڈی کا قرعہ مولوی محمد یعقوب خاں صاحب کے نام پڑا ہے۔ اور امرتسر کا سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب بی اے کے نام۔

ابھی بہت سی جماعتیں باقی ہیں اور دوست بھی کچھ باقی ہیں جن میں بالخصوص قابل ذکر جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ہیں۔ ان کا ارادہ تو دو سال سے یہی ہے کہ جس جس جماعت میں ممکن ہو ایک ایک دو دو ماہ تک درس کا سلسلہ قائم کریں۔ سو وہ انشاء اللہ گرمیوں کے بعد کام شروع کریں گے۔ پشاور سے شیخ خدا بخش صاحب گزشتہ سال سے اس ضرورت کو محسوس کر کے خود نکلنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ لیکن ضعیف العمر اور مختلف عوارض مانع ہیں اور دوستوں سے استدعا ہے کہ وہ باقی جماعتوں کی طرف توجہ کریں اور اگر باہر سے کوئی احباب نہ جائیں تو وہاں کی جماعتوں کے احباب خود ہی متوجہ ہوں۔

ان احباب کو تکلیف دینے کی کیا غرض ہے۔ اول یہ کہ جماعت کے اندر اپنی کوشش سے اور دعاؤں سے ایک نئی زندگی پیدا کرنے کی فکر کریں۔ دوم یہ کہ جماعت کے مختلف افراد کو ایک جگہ جمع کرنے کی بنیاد رکھیں۔ اور یہ اجتماع علاوہ جمعہ کے ہو اور درس قرآن یا کوئی اور علمی شغل اس اجتماع کی غرض ہو۔ سوم یہ کہ جماعت کے تمام افراد کو ایک ہی مالی نظام میں لانے کی کوشش کریں اور ان کے ماہوار چندوں کی بنیاد ایک آنہ فی روپیہ آمدنی پر ہو۔ سوائے ان لوگوں کے، جن کی آمدنی بہت قلیل ہے، ان سے کم شرح پر چندہ لیا جائے۔ چہارم یہ کہ جماعت کے ہر ایک فرد کو نظام جماعت میں ایک ایسا پرزور بنانے کی کوشش کریں جو مفید اور سرگرم کارکن ہو۔ پنجم کہ ہر شہر میں جہاں وہ جائیں مقامی جماعت کے با اثر افراد کو ساتھ لے کر معاونین کو پیدا کرنے کی کوشش کریں اور ششم یہ کہ جماعت کے نوجوانوں میں بالخصوص حمیت دین کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ہفتم یہ کہ خواتین میں بھی ہر جگہ حرکت پیدا کریں۔ ہشتم یہ کہ ہر جگہ جماعت کے اندر یہ روح پیدا ہو جائے کہ ہر مرکزی تحریک کو کامیاب بنانا جماعت اور اس کے ہر فرد کا فرض اولین ہے۔ نہم یہ کہ ہر جماعت میں کم از کم سال میں ایک دفعہ اور زیادہ جتنی مرتبہ ہو سکے عام تقریروں اور لیکچروں کا انتظام کریں۔ اور دہم یہ کہ ہر ایک ممکن طریق سے جماعت کے اندر نئے احباب کو لانے کی کوشش کریں۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

❁❁❁

11 جون 1934ء

اسلام کا شاندار مستقبل اور حضرت مسیح موعود

26 مئی کو یوم مسیح موعود کے سلسلہ میں جو جلسہ منعقد ہوا تھا اس میں حضرت امیر اید ہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔ اس جلسہ کی روئداد 3 جون کی اشاعت کے صفحہ اول پر درج ہو چکی ہے۔ مدیر

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی:

هُوَ الَّذِیۡ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا . (28:48)

ترجمہ: ’’وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ تعالیٰ گواہ بس ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ ہر وہ دعوٰی جو مسلمان اپنے مذہب کے متعلق کرتا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کرتا بلکہ وہ اس کی الہامی کتاب قرآن میں موجود ہوتا ہے۔ صرف یہی ایک بات قرآن کو کتاب اللہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور کوئی مذہب یہ دعوٰی نہیں کر سکتا کہ اس کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے وہ اس کی الہامی کتاب میں موجود ہے۔

قرآن کریم کا دعوٰی **هُوَ الَّذِیۡ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ** (28:48) (وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے) یہی اسلام کا شاندار مستقبل ہے اور دراصل اس سے زیادہ شاندار مستقبل ہو بھی نہیں سکتا۔ اسلام سب دینوں سے پیچھے آیا۔ لیکن اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ وہ سب دینوں پر غالب آجائے گا۔ اس کے ساتھ ہی قرآن یہ بتلاتا ہے کہ یہ غلبہ تدریجاً ہوگا۔ جس طرح کہ ایک باریک کونپل زمین سے نکلتی ہے اور رفتہ رفتہ اپنے تنے کے اوپر مضبوط ہوتی جاتی ہے حتّٰی کہ ایک عظیم الشان درخت بن جاتی ہے۔ آپ حالات پر غور کریں تو اس وعدہ کی صداقت نہایت واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ اس آیت میں **وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا .** (28:48) کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ یعنی اللہ کافی گواہ

ہے۔ اللہ کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ اعمال وواقعات گواہی دیں۔ سو واقعات کی گواہی اس دعوے کی صداقت کو بین طور پر آشکارا کر رہی ہے۔ جس سے کوئی غیر مسلم بھی انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم کے سب سے پہلے مخاطب عرب کے لوگ تھے۔ عرب کے ذریعہ ہی اسلام تمام دنیا میں پھیلا۔ یہ لوگ انتہائی مخالفت اور مشکلات کے باوجود حضرت نبی کریمؐ کی زندگی میں ہی اسلام کی غلامی میں داخل ہو چکے تھے۔

بے شک تمام دنیا کی تاریخوں کی ورق گردانی کر لو کوئی نبی، کوئی رشی، کوئی ریفارمر، غرضیکہ کوئی آدمی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس نے اپنی زندگی میں ہی انتہائی ناموافق حالات اور بے سروسامانی کے، وجود عرب جیسے عظیم الشان ملک کو، جو بارہ لاکھ مربع میل پر پھیلا ہوا ہے، اپنا حلقہ بگوش کر کے ترقی وعروج کی انتہائی منزل پر پہنچا دیا ہو۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی ابتدائی حالت میں، جو بے حد کمزوری اور بے سروسامانی کی حالت تھی، اس وعدہ الٰہی کے مطابق غلبہ اسلام کی پیشگوئی فرماتے ہیں اور مخالفین کو کہتے ہیں کہ وہ جس قدر جی چاہے مخالفت کریں، لیکن اسلام آخر کار غالب ہوگا اور حضورؐ کی زندگی میں ہی دنیا یہ نظارہ دیکھ لیتی ہے کہ سارا عرب آپؐ کا مطیع ہو گیا ہے۔ لوگ گروہ در گروہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ کبھی ملک کے ایک گوشے سے وفد آ رہا ہے۔ کبھی دوسرے گوشے سے اور کبھی تیسرے سے۔ چنانچہ حضورؐ کے وصال سے قبل ایک سال اس قدر زیادہ تعداد میں وفود آئے کہ تاریخ میں یہ سال وفود کے سال کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ حضرت نبی کریمؐ کی زندگی میں ہی تقریباً سارا عرب مسلمان ہو چکا تھا۔ صرف تھوڑے سے یہودی اور عیسائی بطور نشان باقی رہ گئے تھے۔ قرآن کریم کا دعوٰی یہ تھا کہ اسلام دوسرے تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ یہ نہیں تھا کہ دوسرے مذاہب مٹ جائیں گے۔ اس لئے یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہ کا تھوڑی تعداد میں موجود رہنا ضروری تھا۔ تاکہ دنیا عرب کے اندر اس پیشگوئی کو صحیح معنوں میں پورا ہوتے دیکھے۔ غرضیکہ حضرت نبی کریمؐ کے اولین مخاطب قریباً تمام کے تمام حضورؐ کی زندگی ہی میں آپؐ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہو چکے تھے اور یہ اطاعت اس قسم کی تھی جس کی دوسری کوئی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

غلبہ اسلام کی پیشگوئی ساری دنیا کے لئے ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ ایک قابل غور بات ہے کہ غلبہ اسلام کے اس وعدہ کو قرآن کریم میں تقریباً انہی الفاظ میں تین مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ سورہ

الصّف میں۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے اور بظاہر یہ دکھائی دیتا تھا کہ اسلام کا اب خاتمہ ہے۔ کیونکہ تھوڑے سے جو مسلمان تھے وہ اپنے مرکز کو چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ دوسری مرتبہ سورہ الفتح میں اس وعدہ کو دہرایا گیا ہے۔ جبکہ مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کی شرائط منظور کرنی پڑی تھیں۔ جو بظاہر نہایت توہین آمیز معلوم ہوتی تھیں اور اس طرح وہ ایک بھاری زک اٹھا چکے تھے۔ لیکن حضرت نبی کریمؐ نے اس سورۃ کے نازل ہوتے ہی عرب کے قرب وجوار کے تمام بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کے وعدہ میں عرب کے باہر کے لوگ بھی شامل ہیں اور غلبہ اسلام کی یہ پیشگوئی ساری دنیا کے لئے ہے۔ تیسری مرتبہ سورہ التوبہ میں اس وعدہ کو دہرایا گیا ہے۔ سورۃ التوبہ آخری زمانہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ اس کے نزول کے وقت تقریباً سارا عرب اسلام کے زیر نگیں ہو چکا تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ غلبہ اسلام کی پیشگوئی ساری دنیا کے لئے ہے۔

اسلام کے ابتدائی چند سال: آپ مذاہب عالم کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں اور دوسرے مذاہب سے جس لحاظ سے جی چاہے اسلام کا مقابلہ کریں۔ کسی مذہب کی ابتدائی زندگی کے چند سال لے لیں۔ اسلام کے ابتدائی چند سالوں سے مقابلہ کریں۔ کسی مذہب کی ابتدائی زندگی میں وہ نظارہ دکھائی نہیں دیتا جو اسلام کی ابتدائی زندگی میں نظر آتا ہے۔

اسلام کی پہلی نسل: اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ کسی دوسرے مذہب کی پہلی نسل کا مقابلہ اسلام کی پہلی نسل سے کیا جائے۔ اس لحاظ سے بھی اسلام کی برتری صاف دکھائی دے گی۔ اسلام کی پہلی نسل میں ہمیں وہ لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے دنیا میں ایک عظیم الشان ومحیر العقول انقلاب پیدا کر دیا۔ جس کی نظیر تاریخ عالم میں ناپید ہے۔

اسلام کی پہلی صدی: اسلام کی پہلی صدی کو لے لیجئے اور جس مذہب کی پہلی صدی سے جی چاہے مقابلہ کریں۔ اسلام کے علاوہ عیسائیت اور بدھ مت اس وقت دنیا کے دو سب سے بڑے مذہب ہیں۔ اسلام کی پہلی صدی کو بھی لے لیں اور ان مذاہب کی پہلی صدی کو بھی لے لیں۔ ان دونوں میں سے کوئی مذہب بھی اپنی پہلی صدی میں مطلق کوئی فروغ حاصل نہ کر سکا۔ عیسائیت شروع سے تبلیغی مذہب رہا ہے لیکن اس

کورومن ایمپائر کے اندر بھی، جہاں کہ وہ پیدا ہوا، پہلی صدی کے اندر کوئی فروغ حاصل نہ ہو سکا۔ بلکہ تین سو سال گزر جانے کے بعد ایک بادشاہ قسطنطین کے طفیل اس کو ترقی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ یہی کیفیت بدھ مت کی ہے۔ اس کو بھی اپنی ابتداء سے سینکڑوں سال بعد راجہ اشوک کے طفیل فروغ حاصل ہوا۔

اسلام نے اپنی روحانی طاقت سے غلبہ حاصل کیا ہے: لیکن اسلام اپنی پہلی صدی کے اندر ہی معلوم دنیا کے بعید ترین گوشوں میں پہنچ گیا اور اس کی یہ ترقی کسی قسطنطین یا کسی اشوک کی رہین منت نہ تھی۔ بلکہ اس کی زبردست روحانی طاقت کا کرشمہ تھی۔ ایک امریکن مورخ نے بالکل سچ لکھا ہے کہ دوسرے مذاہب کو مادی طاقتوں کے ذریعہ فروغ حاصل ہوا۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کسی مادی یا سیاسی طاقت کا رہین منت نہیں بلکہ یہ اپنی روحانی طاقت سے آگے بڑھا ہے۔ دوسرے مذاہب کو بادشاہوں نے سہارا دیا اور ان کی سرپرستی و دستگیری کی لیکن اسلام نے غریب اور گمنام انسانوں کو اٹھایا اور بادشاہ بنا دیا۔ دوسرے مذاہب کی سیاسی قوت ان کی روحانی زندگی کا باعث بنی۔ لیکن اسلام کی روحانی طاقت اس کی سیاسی طاقت کا ذریعہ ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے واقعات شاہد ہیں۔

اسلام اور عیسائیت کا زبردست مقابلہ: آج کل اسلام کا عیسائیت کے ساتھ زبردست مقابلہ ہے۔ عیسائیت اسلام کو بجا طور پر اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتی ہے۔ اس لئے اس کی تقریباً تمام طاقت اسلام کے خلاف صرف ہو رہی ہے۔ وہ عرصہ سے اسلام کی سیاسی قوت کو برباد کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور اس کوشش میں اس کو کامیابی بھی ہوئی۔ عیسائیت کا خیال ہے کہ اسلام کی سیاسی قوت کی شکست کے ساتھ اس کی روحانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس لئے کروڑوں اربوں روپے کے صرف سے اسلامی سلطنتوں کو برباد کیا۔ یکے بعد دیگرے مسلمانوں کی حکومتیں عیسائیت کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مٹتی چلی گئیں۔

ان حالات میں مسلمانوں کے دل پر یہ اثر ہوا کہ اب ہمارا خاتمہ ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے ایمان بھی اپنی بلند حالت سے گر چکے تھے اور ان کا بھروسہ سیاسی قوت پر تھا۔ وہ سمجھنے لگے تھے کہ اب اسلام چند روز کا مہمان ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ عیسائیت نے ہمارے سیاسی اقتدار کو فنا کر دیا ہے۔ وہ اس بات کو بھلا چکے تھے کہ اسلام کسی سیاسی قوت کا محتاج نہیں۔ وہ اپنے اندر ایک زبردست روحانی قوت رکھتا

ہے اور وہ مغلوب ہونے کے لئے نہیں بلکہ غالب ہونے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ مسلمان لیڈر بھی بچاؤ کی یہ صورت سمجھتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کی سیاسی قوت کو از سر نو بحال کر دیا جائے۔ کیونکہ انہیں روحانی قوت پر یقین نہ تھا۔ اس لئے تمام عالم اسلامی نے اسلام کے دوبارہ غلبہ کو ایک خونی مہدی کی آمد کے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا۔ جو ایک خطرناک غلطی تھی۔

ایک مرد خدا: ان مایوس کن حالات میں پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں کے اندر ایک مرد خدا کھڑا ہوا اور اس نے نہایت زور سے اعلان کیا کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت کی بربادی کے باوجود اسلام اپنی روحانی طاقت سے ترقی کرے گا۔ مسلمانوں کی حالت ایک برباد شدہ شہر کی مانند تھی جس کے کھنڈرات دور دور تک چاروں طرف بکھرے ہوئے ہوں۔ ظاہر ہے کہ کھنڈروں کو دیکھ کر انسان کے اندر کوئی ہمت وقوت پیدا نہیں ہوسکتی۔ لیکن اس مرد خدا کے اندر ان کھنڈروں کو دیکھ ہی ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوا۔ اس نے مسلمانوں کو قرآن کریم کا وعدہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ یاد دلایا۔

مجدد کی بلند حیثیت دیکھو: مجدد کی حیثیت کوئی معمولی حیثیت نہیں۔ وہ تجدید کرتا ہے بھولی ہوئی باتوں کو یاد دلاتا ہے۔ ترقی واصلاح کے خیالات پیدا کرتا ہے۔ اچھے اور بلند خیالات کوئی چھوٹی چیز نہیں۔ ایک اچھے خیال کو لے کر قومیں بن جاتی ہیں اور اس کو چھوڑ کر تباہ ہو جاتی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ مسلمان اس خیال یعنی لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کے خیال کو لے کر ساری دنیا میں پھیل گئے اور سر بلند ہو گئے اور اسی خیال کو چھوڑ کر قعر مذلت میں گر گئے۔ ان کا یقین اسلام کی روحانی طاقت سے اٹھ گیا۔ وہ سیاسی طاقت کی بربادی کے بعد بالکل مایوس ہو گئے۔

حضرت مسیح موعود کا پیدا کردہ انقلاب: حضرت مرزا صاحب نے روحانی طاقت کے ذریعہ سے اسلام کے غالب آنے کے خیال کو دوبارہ زندہ کیا۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں۔ آپ کے مجدد ہونے کا کیا یہ کچھ کم ثبوت ہے؟ مسلمانوں کی جو حالت ہو چکی تھی اس کے پیش نظر کسی کے وہم میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ اسلام دوبارہ غلبہ حاصل کر سکے گا۔ مسلمانوں پر بے حسی اور مایوسی مسلط تھی۔ لیکن اس کے باوجود مجدد زمان نے بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں غلبہ اسلام کے یقین کو زندہ کر دیا اور نہایت زور سے اعلان کیا۔

''بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد۔''

حضرت مسیح موعود کی جماعت کا عظیم الشان کام: دنیا بھر کے مسلمان یورپ سے ترساں ولرزاں تھے۔لیکن حضرت مرزا صاحب نے نہ صرف یورپ میں تبلیغ اسلام کے خواب دیکھے بلکہ چند بے کس وکمزور انسانوں کو اٹھا کر یورپ کے مقابلہ پر کھڑا کر دیا۔ وہ لوگ کانپتے اور ڈرتے ہوئے کھڑے نہیں ہوئے بلکہ اسلام کی روحانی طاقتوں پر یقین کامل رکھتے ہوئے نہایت مضبوطی سے کھڑے ہیں۔ جس طرح فرعون کے مقابلہ میں حضرت موسیٰؑ کھڑے ہوئے۔جس طرح عرب کی زبردست طاقت کے سامنے حضرت نبی کریمؐ کھڑے ہوئے۔اسی طرح مجدد زمان یورپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اپنی جماعت کو کھڑا کر دیا۔حضرت مرزا صاحب نے اسلام کی جو بیش بہا خدمت کی ہے اسے صرف ہم محسوس نہیں کرتے ہیں بلکہ ساری دنیا محسوس کر رہی ہے۔آج دنیا میں کروڑوں مسلمان، بے شمار مسلمان بادشاہ،نواب، رئیس،مولوی اور پیر موجود ہیں۔مسلمانوں کی بیسیوں سلطنتیں اور ریاستیں ہیں۔لیکن ان میں سے کسی کو بھی عیسائیت اور یورپ کے مقابلہ کی توفیق نہیں۔ان میں سے کسی کا قدم یورپ میں تبلیغ اسلام کے لئے نہیں اٹھتا۔اگر یہ توفیق ملتی ہے تو صرف مجدد زمان کی جماعت کو۔کیونکہ ان لوگوں کے دلوں میں غلبہ اسلام کے ایمان کو تازہ کر دیا گیا ہے۔ہم حضرت صاحب کو مجدد اعظم اور مسیح موعود کہتے ہیں تو یہ کوئی خطاب نہیں بلکہ واقعات ہیں۔حضرت مرزا صاحب نے اسلام کی جس قدر شاندار خدمت کی ہے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔انہوں نے دوسرے بہت سے عظیم الشان کارناموں کے علاوہ غلبہ اسلام کے خیال کی تجدید کی اور اس کو اسلام کی روحانی طاقت کے ساتھ وابستہ کیا۔بے شک یہ وعدہ قرآن کریم میں موجود تھا۔لیکن مسلمان اسے بھول چکے تھے۔حضرت مرزا صاحب نے از سر نو اسلام کے شاندار مستقبل کی داغ بیل ڈالی اور اس کے لئے عملی کام کی ابتداء کی۔اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کام کو بڑھائیں اور پایہ تکمیل تک پہنچائیں کہ اسی کے ساتھ اسلام کا مستقبل وابستہ ہے۔

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

ربیع الثانی 1353ھ
3 جولائی 1934ء

تا

رمضان المبارک 1354ھ
21 دسمبر 1935ء

جلد 13

احمدیہ انجمن لاہور

نام کتاب	:	افکارِ محمد علیؒ (جلد13)
ناشر	:	دارالکتب علمیہ،5 عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
باہتمام	:	محمد ارشد علوی
طبع	:	اول
تعداد	:	300
مقام اشاعت	:	5۔عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ نے ادا کیے ہیں۔(برائے مفت تقسیم)

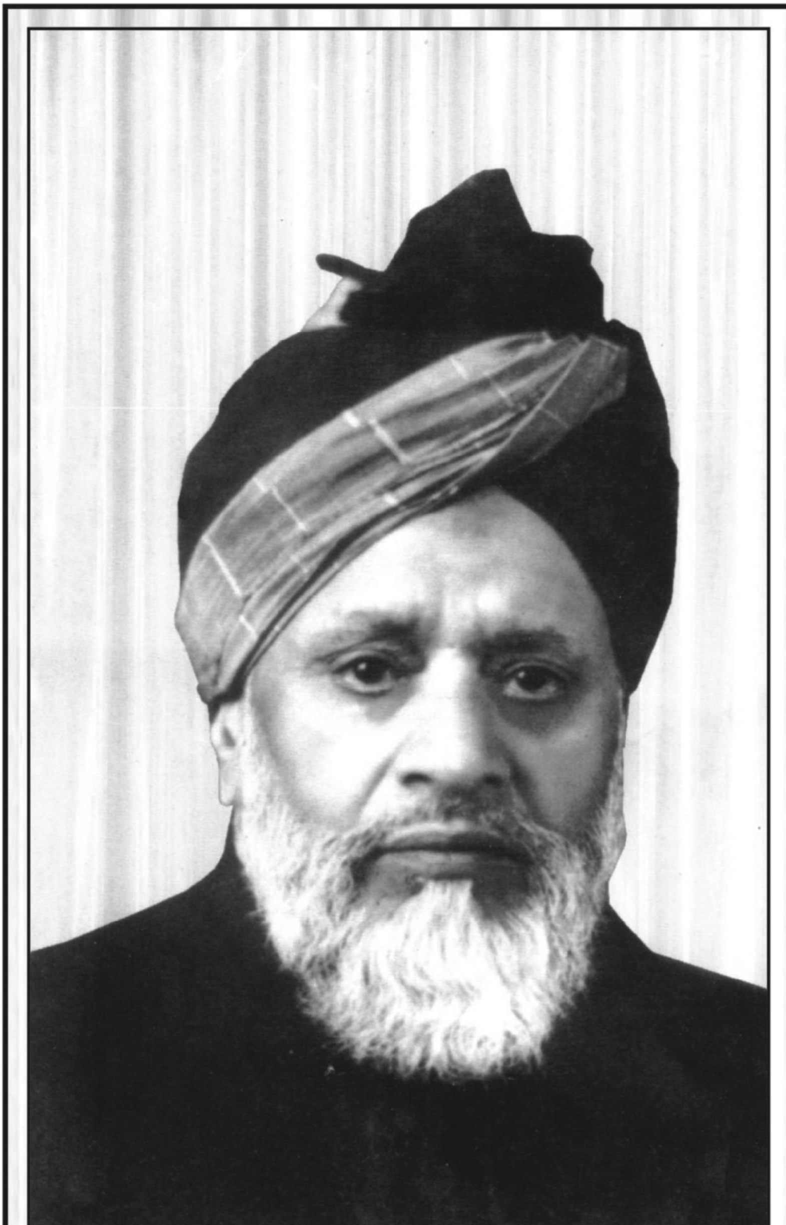

شبیہہ مجاہد کبیر، مجدد الدّین، المنصور، فاضل الٰہیات، مفسر قرآن علامہ حضرت مولٰینا محمد علیؒ
ایم۔اے، ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

— محمد اعظم علوی

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی۔ جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض انجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالٰی نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمہ القرآن جس کی ابتداء 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کی دوسری ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوئی اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ وتفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی) 1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجنز آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت

اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے)1935ء میں شائع ہوئی۔اور اسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔جن کی مجموعی تعداد اسی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم واستحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی۔اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔آپ کی زندگی کا خلاصہ دولفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔یعنی ''عشق قرآن''۔قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی۔تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعی اجل کو لبیک کہا۔گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہوگیا تو اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوگئے۔اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلَہٗ وَ ارۡفَعۡ دَرَجَاتِہٖ۔

خاکسار

عامر عزیز بن عبدالعزیز الازھری

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

حرف اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی 13 ویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔ اس میں اخبار پیغام صلح 3 جولائی 1934ء تا 21 دسمبر 1935ء سے انتخاب شامل ہے۔ اگرچہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولانا محمد علیؒ ہیں۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔ حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولانا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔ عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کر رہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فرد گذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار

محمد ارشد علوی

انچارج شعبہ تالیف وتصنیف

فہرست

❁❁❁

3 جولائی 1934ء

جماعتی اخبارات کے لئے حضرت امیر کی اپیل

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ہماری جاوا کی شاخ چار اخبار اور رسالے مختلف زبانوں میں نکال رہی ہے اور اس کے لئے ہماری انجمن لاہور سے ایک پیسہ کی مدد نہیں لیتی۔ ہمارے اخبار دو ہیں۔ ''پیغام صلح اور ''لائٹ''۔ جن میں انجمن کو چار اور پانچ ہزار روپے کے درمیان نقصان ہوتا ہے۔ اپنی حالت کا اپنے ان نئے بھائیوں سے مقابلہ کیجئے۔ اخبارات کا انجمن کے خزانہ پر بوجھ ہونا جماعت کی افسوسناک بے توجہی کو ظاہر کرتا ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس کی وجہ عوام الناس کی یا ملانوں کی مخالفت ہے۔ باوجود اس مخالفت کے ہمارا لٹریچر کس قدر قبولیت حاصل کرتا جا رہا ہے۔ پھر مخالفت جاوا میں بھی ہے۔ وہاں کے اخبارات کیوں اپنے پاؤں پر کھڑے ہیں؟ فرق یہ ہے کہ یہاں احباب کو ایک سہارا ملا ہوا ہے کہ انجمن نقصان کو پورا کرتی ہی جائے گی۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ ان کی محض تھوڑی سی غفلت سے ان کی قوم کو صرف ایک دس سال کے عرصہ میں پچاس ہزار روپے کا نقصان پہنچ چکا ہے۔ اس پچاس ہزار روپے سے ہم کوئی عظیم الشان قدم اٹھا سکتے تھے۔

اس لئے میں اپنے احباب سے درد دل سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی قوم کا نقصان نہ کریں۔ اگر ہر ایک دوست عزم کر لے کہ وہ ایک دو ماہ کے اندر ایک خریدار ''پیغام صلح'' کا اور ایک خریدار اخبار ''لائٹ'' کا نیا بنائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کوشش میں یقیناً برکت ڈالے گا اور اس طرح احباب کی تھوڑی تھوڑی توجہ سے نہ صرف ان کی اپنی قوم پانچ ہزار روپیہ سالانہ کے نقصان سے بچ جائے گی بلکہ دونوں اخباروں کا دائرہ اشاعت وسیع ہو کر جماعت کا قدم بھی ترقی کی طرف اٹھے گا۔ کیا ہمارے احباب اٹھیں گے اور اپنی بلند ہمتی اور ان تھک کوشش کا ثبوت دیں گے؟ اس وقت بھی چودھری فضل داد صاحب جیسے احباب کئی ایک ہیں جو دو دو چار چار نئے خریدار پیدا کر سکتے ہیں۔ ہر ایک شخص بھی یہی کر سکتا ہے۔ خدا نے کسی کو عاجز اور ناکارہ پیدا نہیں کیا۔ صرف عزم کر لینے کی بات ہے۔ برکت دینے والا خدا ہے۔ محمد علی

3 جولائی 1934ء
مکتوب ڈلہوزی

حضرت امیر ڈلہوزی میں

مولوی دوست محمد صاحب ڈلہوزی سے تحریر فرماتے ہیں کہ 25 جون 1934ء کو ڈلہوزی کی انجمن اسلامیہ معین الاسلام کی طرف سے ایک مشترکہ جلسہ میلا دالنبیؐ کی تقریب پر اسمبلی رومز میں منعقد ہوا۔ جس میں حضرت امیر ایّدہ اللہ اور خاکسار کی تقریریں ہوئیں۔ حضرت امیر کی تقریر ساڑھے تین بجے سے پانچ بجے تک ہوئی۔ جس میں آپ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات پر نہایت عجیب اور اچھوتے پیرائے میں روشنی ڈالی۔ آپ نے اسلام سے پہلے کی قومی منافرتوں کا ذکر کرتے ہوئے اس حقیقت کو نہایت موثر انداز میں بیان کیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام منافرتوں کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (1:1) کے پیغام سے ٹھکرادیا اور دنیا کو بتادیا کہ جس طرح جسمانی ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کا سلوک تمام اقوام اور سب انسانوں کے ساتھ ایک جیسا ہے اسی طرح روحانی تربیت میں بھی اس نے کسی قوم کے ساتھ بخل روا نہیں رکھا۔ اور حضرت نبی کریمؐ کا تمام اقوام پر احسان ہے کہ ان کے پیشواؤں کا تقدس اور ان کا منجانب اللہ ہونا آپ نے کروڑہا انسانوں سے منوایا۔ حضرت نبی کریمؐ کے اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے اس امر پر بالخصوص روشنی ڈالی جس پر یورپین مصنفین بھی انگشت بدنداں ہیں کہ یتیمی اور بیکسی کی حالت سے لے کر بادشاہت کے عروج تک آپ کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ بیکسی کے زمانہ میں اگر کفار کی اس پیشکش کو، کہ زر، زمین اور زن آپ لے لیں اور توحید کا وعظ چھوڑ دیں، بنظر حقارت ٹھکرا دیا تو بادشاہت کے وقت دولت ومال کو اپنے ہاتھوں سے دوسروں میں تقسیم کر دیا اور خود وہی کھجور کا بوریا اور مٹی کی ٹھلیا، گھر کے کام کاج میں امداد دینا، بازار سے سودا سلف لانا بلکہ دوسروں کو بھی لاکر دینا بادشاہت کی حالت میں بھی آپ کا شعار رہا۔ یہی آپ کے پاکیزہ اخلاق ابوبکرؓ وعمرؓ جیسے بے نفس انسانوں کی پیدائش کا موجب ہوئے۔ جنھوں نے بادشاہتوں کو فتح کرکے ان کے خزانوں کو راہ خدا میں دے دیا اور خود ہاتھ تک نہ لگایا۔

غرض یہ تقریر اپنی نوعیت اور طرز بیان کے لحاظ سے نہایت دلچسپ اور قابل قدر تھی۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اور لوگوں نے اس تقریر کو نہایت دلچسپی سے سنا۔ فالحمدللہ۔ خاکسار دوست محمد

3 جولائی 1934ء

صوبہ سرحد کی ایک احمدی جماعت

مکرمی و معظمی ایڈیٹر صاحب پیغام صلح سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اپنی جماعت کا مختصر حال ارسال خدمت کرتا ہوں۔ ہمارا گاؤں شیخ محمدی شہر پشاور سے جنوب مغرب کی طرف ساڑھے سات میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہمارا پتہ مہمند تعلیم دینی و دنیوی سے تقریباً بالکل بے بہرہ ہے۔ تمام پتہ میں، جو کہ ڈیڑھ سو مواضع پر مشتمل ہے، کسی قسم کے ہائی سکول وا ینگلو مڈل یا فارسی مڈل کا انتظام نہیں ہے۔ اور نہ دینیات کے لئے کوئی مکتب یا باقاعدہ انتظام ہے۔ تعلیمی انتظام کے نہ ہونے کا لازمی اثر جو پڑا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ جاہل محض ہیں۔ قتل خونریزی ان کے نزدیک قابل فخر شے سمجھی جاتی ہے۔ شائد ہی کوئی ایسا بدقسمت مہینہ گزرتا ہوگا جس میں اس علاقہ کے مواضع میں سے کسی ایک میں دو تین وارداتیں قتل، وڈاکہ ورہزنی وغیرہ کی نہ ہوتی ہوں۔ غرضیکہ ہر قسم کے فسق و فجور میں یہ لوگ مبتلاء ہیں۔ ان حالات میں میرے والد محترم محمد ایوب خان نے بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ چونکہ ان دنوں میں علماء کی عام حالت یہ تھی کہ وہ زر پرستی و دنیاداری میں مستغرق اور دین کے معاملہ میں بالکل غافل واجنبی تھے۔ فقہ وغیرہ کتب کا مطالعہ ان کے نزدیک قابل ثواب ونجات اور درس قرآن شریف وحدیث سے بے نصیب۔ معمولی اختلاف رائے پر تکفیر کا فتویٰ وارد۔ اور انگریزی تعلیم کا حاصل کرنا ان کے نزدیک کفر تھا۔ تنگ ظرفی بدرجہ کمال تھی۔ قول وفعل میں نمایاں فرق تھا۔ غرضیکہ اس قسم کے واقعات نے والد بزرگوار کو اسلام سے متنفر کر دیا اور عیسائیت کی طرف مائل ہو گئے۔ اسی زمانہ میں تحریک احمدیت کا آغاز ہوا اور اس کی پرزور تعلیم اور معقول دلائل سے متاثر ہو کر احمدی ہوئے۔ تھوڑی مدت بعد اپنے گاؤں میں جدوجہد شروع کر کے ایک مختصر سی جماعت پیدا کر لی۔ اور اس کی تنظیم کے متعلق بہت جلد عملی کارروائی شروع کی اور نماز مغرب کے بعد درس قرآن کا باقاعدہ انتظام کیا۔ سال 1923ء میں والد بزرگوار شہید کر دیئے گئے۔ جس کا باعث بہت حد تک قبول احمدیت تھا۔ ان کی شہادت کے ساتھ چار پانچ سال کے لئے درس کا سلسلہ بند ہو گیا۔ لیکن جلد ہی اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا اور وہی مولوی ولی

اللہ صاحب، جن کو والد محترم نے دینی تعلیم کی تکمیل کے لئے لاہور بھیجا تھا، واپس آئے۔ اب تقریباً تین سال سے درس قرآن شریف دوبارہ جاری ہے۔ جو ایک بار تمام ہو کر اب دوبارہ شروع کر کے گیارھویں سپارہ تک پہنچے ہیں۔ تقریباً عرصہ پانچ ماہ سے نماز عصر سے نماز مغرب تک باقاعدہ درس کتب حضرت مسیح موعود جاری رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اس دوران میں فتح اسلام، توضیح مرام وازالہ اوہام ختم کیا ہے۔ ایک لائبریری قائم کی ہے۔ جو قریب قریب دوسو کتب پر مشتمل ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعود وتصانیف سلسلہ کے علاوہ دیگر تاریخی کتب، پیغام صلح، مختلف رسائل واخبارات ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ہر جمعہ کی شب کو درس کی چھٹی ہوا کرتی ہے اوراس کی بجائے جلسہ ہوتا ہے۔ جس میں جماعت کی تنظیم وترقی، احمدیت کی حقیقت، حضرت مسیح موعود کی سوانح عمری وغیرہ مضامین پر لیکچر ہوا کرتے ہیں۔ غیر از جماعت لوگ بھی شریک ہوتے ہیں۔ غرضیکہ اللہ جل شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے محض اپنے بے پایاں رحم وکرم سے ہماری اس نہایت ہی قلیل جماعت میں اس قدر ہمت وسپرٹ پیدا کر دی ہے کہ احمدیت کی اصل غرض کو محسوس کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ آخیر میں تمام قارئین پیغام صلح سے بالعموم اوراحمدی اصحاب سے بالخصوص استدعا ہے کہ ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ ہمیں خدمت اسلام کے لئے بیش از پیش توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خاکسار عبداللطیف پشاوری

سکنہ شیخ محمدی ڈاک خانہ اشوخیل۔ تحصیل وضلع پشاور

11 جولائی 1934ء
حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات

کئی دنوں سے اس عنوان کے ماتحت چند باتیں لکھنے کا خیال تھا مگر وہ پورا نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ کل شام کے چھ بجے کے قریب یہ دردانگیز خبر بذریعہ تار ملی کہ مولٰینا مولوی محمد عصمت اللہ صاحب کا انتقال 5 جولائی جمعرات ساڑھے بارہ بجے دن کے بمقام سالمی ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وارحمہ وعافہ واعف عنہ اللّٰھم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ وارفع درجتہ فی الجنّۃِ. ہماری جماعت کو گذشتہ ایک دو سال کے اندر پے در پے صدمات بعض نہایت ہی قیمتی اور مخلص احباب کی جدائیگی کے پہنچے ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود کے پرانے مخلصین میں سے تھے اور جنہوں نے دین کی بڑی بڑی خدمات کی تھیں۔ مولانا عصمت اللہ صاحب مرحوم گو سلسلہ میں اختلاف کے بعد غالبًا 1916ء میں شامل ہوئے۔ لیکن اس اٹھارہ سال کے عرصہ میں انہوں نے جو سلسلہ کی خدمات کی ہیں ان کے لحاظ سے ان کا شمار اولین میں سے ہے اور جو نقصان جماعت کو ان کے انتقال سے پہنچا ہے اس کی تلافی کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

مولانا مرحوم پچھلے سال بھی کئی ماہ تک بیمار رہے۔ اس دفعہ جو وہ پھر بیمار ہوئے تو ابتدا میں یہی خیال تھا کہ حسب معمول کچھ ملیریا وغیرہ کی وجہ سے بخار ہوگا۔ چنانچہ بخار کی حالت میں وہ مسجد میں نماز کے لئے بھی آتے رہے۔ بخار 102، 103 ہوتا تھا۔ مگر مغرب کے وقت نماز میں روز موجود ہوتے اور احباب میں مل کر بھی بیٹھتے تھے۔ یہاں تک کہ راولپنڈی کی جماعت نے اپنے جلسہ پر انہیں مدعو کیا تو میں نے ان کی بیماری کی وجہ سے روک دیا۔ مگر پھر جماعت کے اصرار کی وجہ سے، کہ ان کا نام پروگرام میں شائع ہو چکا ہے، مولوی صاحب سے دریافت کیا تو اسی حالت میں سفر کے لئے تیار ہو گئے۔ راستہ میں اور وہاں جا کر بھی بخار کی یہی کیفیت رہی۔ واپسی پر بخار کی رفتار تو وہی تھی لیکن کمزوری زیادہ ہونی شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ بار بار کہتے تھے کہ اس بیماری سے اب میرا جانبر ہونا مشکل ہے۔ وصیت بھی لکھ دی۔ ڈلہوزی آتے وقت 2 جون کی شام کو میں ملنے گیا تو رخصت ہوتے وقت رقت غالب ہو گئی اور کہا کہ میرا دل تو یہی چاہتا

تھا کہ آپ میرا جنازہ پڑھ کر جائیں۔ اس وقت میں بھی اپنے آپ کو بمشکل ضبط کر سکا۔

خدمت دین کا شوق اور کتب بینی کی محبت مولوی صاحب کے دل میں شروع ہی سے تھی۔ گورنمنٹ سروس میں گئے۔ کواپریٹو سوائیٹیوں میں کام کرتے تھے۔ کام دورے کا تھا۔ مگر ان دوروں میں مذہبی شوق غالب رہتا اور آخر ملازمت کو چھوڑنا پڑا اور کھلے طور پر مذہبی مباحث کے میدان میں اتر آئے۔ کچھ تھوڑا عرصہ اس میدان میں کام کیا تھا کہ معلوم ہوا کہ اس میدان میں احمدیت کے خیالات کو قبول کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ مگر مسئلہ نبوت بڑی روک تھا۔ لاہور میں آئے اور تبادلہ خیالات کر کے یہ معلوم کر کے بڑے خوش ہوئے کہ حضرت مسیح موعود کا دعوٰی نبوت کا نہ تھا۔ جلسہ سالانہ کا موقعہ تھا۔ ختم نبوت پر تقریر کی اور آخر اختتام جلسہ پر بیعت کی۔

مذہبی مباحث تو پہلے بھی کرتے تھے۔ لیکن خود کہا کرتے تھے کہ احمدیت میں آ کر ان کے علم میں اس قدر اضافہ ہوا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ عام طور پر مذہبی مناظرات کرنے والوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ جہاں ایک دو مناظروں میں کامیابی ہوئی علمی ترقی رک گئی۔ مگر باوجود اس کے کہ مولوی صاحب مرحوم کی تقریریں اور مباحثات بڑے کامیاب ہوتے تھے علم کے حاصل کرنے کا شوق بھی روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ وسعت معلومات کا یہ حالت تھا اور اس کے ساتھ قوت بیانی اس قدر اثر اور دلکشی تھی کہ کئی کئی گھنٹے لگاتار تقریر کرتے اور سننے والے تھکتے نہ تھے۔ دن میں دو دو تین تین دفعہ کئی کئی گھنٹے مجمع کو مسحور رکھ سکتے تھے۔ لوگ ان کی تقریروں کو خاص شوق سے سننے آتے تھے۔ ایک دفعہ یہاں ایک جلسہ میں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے صبح سے رات کے ایک بجے تک اکیلے ہی جلسے میں تقریر کرنے والے تھے۔ مگر تقریر میں اس قدر اثر تھا کہ مجمع رات کے ایک بجے تک بھی نہ ہلا۔

معلومات کی وسعت اس قدر تھی کہ ہر میدان مقابلہ میں موجود ہوتے۔ عیسائیوں کے ساتھ کامیاب مباحثات کئے۔ آریوں کے ساتھ بڑے بڑے شاندار مباحثات ہوئے۔ غیر احمدی علماء کے ساتھ مباحثات میں، جہاں سننے والوں میں احمدیوں کی تعداد نہایت قلیل ہوتی تھی، مجمع سے داد لیتے رہے۔ اندرونی اختلافی مسائل میں بھی کئی کامیاب مباحثات کئے۔ درس قرآن میں خاص دلکشی ہوتی تھی اور لوگ بڑے شوق سے سننے آتے تھے۔ کتابوں کی محبت اس قدر تھی کہ ایک اچھی خاصی لائبریری

اپنی بنالی تھی ۔ جس کو اب جاتے ہوئے قوم کے سپرد کر گئے ہیں ۔ آخری بیماری سے چند روز پیشتر بابیوں کی مشہور کتاب ''البیان'' جو قریباً نایاب ہے اس کا انہیں کہیں پتہ مل گیا تو اسے لا کر خود اپنے ہاتھ سے نقل کیا ۔ سلسلہ میں جس قدر لوگ ان کے ذریعہ سے شامل ہوئے ہیں ہمارے اور کسی مبلغ کے ذریعہ سے نہیں ہوئے ہوں گے ۔

ان کے اس قدر جلد ہم سے جدا ہو جانے کا بڑا قلق ہے ۔ اور یہ قلق اس لئے زیادہ ہے کہ ان کی جگہ پُر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا ۔ مگر تقدیر ایزدی کے سامنے چارہ نہیں ۔ ہر شخص اپنی عمر مقرر لے کر آتا ہے ۔ اور جب اس کا وقت آ جاتا ہے تو اپنی جگہ خالی کر جاتا ہے ۔ مگر وہ شخص بھی کسی سے کم خوش قسمت نہیں جس کو گو عمر تھوڑی ملی مگر اس تھوڑی عمر میں اس نے اس قدر خدمت کا کام کر لیا ۔ عمر کسی کے اختیار کی چیز نہیں ۔ ہاں اس کو اچھی طرح یا بُری طرح صرف کرنا اس کے اختیار میں ہے ۔ بہت مدت کا واقعہ ہے ۔ غالباً 1904ء کے قریب کا ہوگا ۔ میں اس وقت قادیان میں حضرت مسیح موعود کے پاس تھا ۔ خواب میں دیکھا کہ ایک سٹرٹیفکیٹ گویا جناب باری کی طرف سے لکھ کر مجھے دیا گیا ہے ۔ جس میں اس قدر تعریفی کلمات میری خدمات دینی کے متعلق ہیں کہ جو میرے وہم وگمان سے بھی بڑھ کر ہیں ۔ یہ سرٹیفیکیٹ انگریزی میں تھا ۔ اسے اول سے آخر تک پڑھ کر میں نے لکھنے والے سے کہا کہ اس میں اس قدر اور بڑھا دیں کہ اسے بہت لمبی عمر دی جائے گی ۔ تو جواب میں اس نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں ۔ ان الفاظ سے میں بہت مغموم ہوا ۔ صبح حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس خواب کو آپ سے بیان کیا ۔ تو آپ نے ان الفاظ کے سنتے ہی فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس سٹرٹیفکیٹ میں ان الفاظ کے لکھنے کی ضرورت نہیں ۔ یہ مطلب نہیں کہ لمبی عمر دیئے جائے کی ضرورت نہیں ۔

اس وقت جب میں اس کام کو دیکھتا ہوں جس کی بنیاد رکھی گئی ہے اور دوسری طرف کام کرنے والوں کی قلت کو دیکھتا ہوں اور پھر یہ دیکھتا ہوں کہ اس تھوڑی سی تعداد میں سے بھی کس قدر مخلص اور کس قدر کارکن الگ ہوتے جارہے ہیں اور پھر اپنی صحت کی حالت کو اور گوناگوں پریشانیوں کو دیکھتا ہوں تو روح اپنی انتہائی عاجزی کے ساتھ آستانہ الٰہی پر گر جاتی ہے ۔ اور صرف ایک اسی خیال سے تشفی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی اپنی راہ میں کام کرنے والوں کو ضائع نہیں کیا ۔ ہم خواہ کتنے بھی ناکارے ہوں ۔ مگر

کام اس کا ہے اور وہ ضرور کسی راہ سے اس کی نصرت کا سامان پیدا کرے گا۔ ہاں اپنے احباب سے بھی یہ التماس ہے کہ وہ بھی اس دعا میں میرے شریک حال ہوں اور اس کے ساتھ ہی اپنے آپ کو حرکت میں بھی لائیں۔ قبل اس کے کہ وہ وقت آ جائے کہ جب ایک شخص حرکت کے قابل نہ رہے اور وہ وقت سب پر آنے والا ہے۔ محمد علی

مولٰینا محمد عصمت اللہ کی شہادت: حافظ حاجی محمد حسن صاحب کا تعزیت نامہ جناب حافظ حاجی محمد حسن صاحب وکیل گجرات تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا مولوی محمد عصمت اللہ صاحب کی شہادت ایک جانگداز واقعہ ہے۔ میں اس کو شہادت کہتا ہوں۔ کیونکہ مولانا مجاہد تھے اور آخر دم تک وہ مجاہد رہے۔ انکا میدان جنگ تبلیغی اور علمی مناظروں کی مجلس تھیں۔ جن میں وہ نہایت قابلیت، استقلال اور ثابت قدمی سے اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ افسوس مجھے ان کی زیارت ان کی اس بیماری کے بعد نصیب نہ ہوئی۔ خداوند تعالیٰ ان کو فردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ ہماری جماعت کے لئے یہ ایک ایسا صدمہ ہے جس کا تدارک بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کوئی نیک اور سعید روح پیدا کرے گا۔ جو مولانا مرحوم کی قائم مقام ہو کر اسلام کے لئے مجاہدانہ اور سرفروشانہ مساعی کرے گی۔ اور ہمارے تبلیغی مشن کو منزل مقصود کے اور قریب لے جائے گی۔ میں تمام احباب جماعت کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مولانا کا نعم البدل عطا فرمائے اور صبر کی توفیق دے۔ خاکسار محمد حسن۔

نوٹ۔ جن جن جماعتوں میں مولانا مرحوم کی وفات پر تعزیتی جلسے منعقد ہوں یا اظہار افسوس ہمدردی کی قرارداد دیں پاس کی جائیں ان کی خاکسار کو ضرور اطلاع دی جائے۔ مدیر پیغام صلح۔

11 جولائی 1934ء

روئیداد

جماعت پشاور کا جلسہ سالانہ

نوجوانوں کی طرف سے حضرت امیر کے اعزاز میں دعوت چائے

مکرم و معظم بندہ جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

جماعت پشاور کے سالانہ جلسہ کے خاتمہ پر احمدیہ ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن پشاور نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ کے اعزاز میں 14 مئی 1934ء کو ٹی پارٹی دی۔ جس میں شہر کے متعدد معززین بھی مدعو کئے گئے۔ پارٹی کے خاتمہ پر خاکسار سکرٹری نے حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کیا کہ حضور نے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے ایسوسی ایشن کی دعوت منظور فرمائی اور ساتھ ہی یہ عرض کی کہ جب ایسوسی ایشن کا ہر ایک فرد حضور کے ہر امر معروف کی اطاعت کو اپنے لئے سرمایہ فخر وسعادت تصور کرتا ہے تو پھر ہماری درخواست ہے کہ حضور نوجوانوں کی تربیت کا خاص خیال فرمائیں۔ کیا خطبوں کے ذریعہ اور کیا دعاؤں کے ذریعہ۔ تا ہمیں بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مل سکے۔ اس مختصر اظہار عقیدت کے بعد مندرجہ ذیل دو ریزولیوشن جو شیخ الہ بخش صاحب صدر ایسوسی ایشن کی تحریک کا نتیجہ تھے پیش کئے گئے۔

1۔ ایسوسی ایشن ہذا حضرت امیر جماعت ایدہ اللہ کی خدمت میں یہ درخواست کرتی ہے کہ وہ ایسوسی ایشن ہذا کی سرپرستی قبول فرمائیں۔

2۔ ایسوسی ایشن ہذا مسٹر محمد حسن صاحب گوجرانوالوی سے درخواست کرتی ہے کہ وہ ایسوسی ایشن ہذا کی لائف ممبری قبول فرمائیں۔

ان ریزولیوشنوں کے پیش ہونے کے بعد حضرت امیر نے اپنے قیمتی خیالات سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ آپ نے اس بات پر خوشی کا اظہار فرمایا کہ نوجوانوں میں زندگی کے کچھ آثار نظر آتے ہیں اور پھر نوجوانوں کو یہ نصیحت فرمائی کہ دین کے کام ہمیشہ دیندار لوگوں سے ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے آپ لوگ لہو ولعب میں اپنے آپ کو مصروف کرنے کی بجائے قرآن کریم اور سیرت نبی کریمؐ اور تاریخ اسلام کو

اپنی خوشی کا سامان بنائیں۔ یہ خیال غلط ہے کہ انسان کے لئے راحت قلب کا سامان صرف دنیاوی سامانوں ہی میں ہے اور بس۔ یہ میں بر بنائے تجربہ کہتا ہوں کہ قرآن وحدیث اور تاریخ اسلام کے مطالعہ سے جو رفتہ رفتہ طبیعت انسانی حظ اندوز ہونے کی عادی ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے باقی اشیاء دنیاوی میں حقیقی راحت مفقود ہو جاتی ہے۔ ضرورت زمانہ بھی اس امر کو چاہتی ہے کہ آپ لوگ تعلیم قرآن کو ذوق وشوق سے حاصل کریں۔ یہ غلط ہے کہ کوئی شخص ایک دن میں ہی ان علوم آسمانی کو حاصل کر سکے۔ بلکہ آہستہ آہستہ قرآن کو ہر روز کے مطالعہ میں لانے سے آپ لوگ عالم دین ہوں گے۔ اس وقت ہمارے سامنے صرف چند جرمنوں یا انگریزوں کو مسلمان کرنا نہیں۔ بلکہ مغربی دنیا میں صحیح اسلامی کلچر مروج کرنا ہے۔ سو اس کے لئے مسجدوں کے حفاظ قرآن واحادیث موزوں نہیں۔ یہ کام نئی نسل کا ہے جن کو موجودہ مشکلات کا علم ہے۔ سو ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اسی مقصد کو لے کر کھڑی ہوئی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جہاں خود علم دین میں مہارت حاصل کرو، وہاں دوسرے غیر از جماعت مسلمان بھائیوں کے پیچھے لگو اور انہیں احمدیت میں داخل کرو۔ کیونکہ اسی جماعت کی ترقی سے اسلام کو قوت پہنچتی ہے۔ ہماری جماعت کوئی الگ فرقہ نہیں بلکہ اسلام کی فوج ہے۔ لہٰذا اس فوج کی ترقی میں اسلام کی ترقی مضمر ہے۔ بالآخر حضرت امیر نے یہ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خدمت اسلام کی توفیق نصیب کرے۔ ہر ایک کے دل میں جانی ومالی قربانی کا جذبہ پیدا ہو اور اسلامی اغراض کو سب اغراض پر مقدم کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ تقریر کے خاتمہ پر حضرت امیر نے اس ایسوسی ایشن کی سرپرستی قبول فرماتے ہوئے ریزولیوشن پر دستخط فرمائے اور اسی طرح مسٹر محمد حسن صاحب گوجرانوالوی نے لائف ممبری قبول فرما کر ایسوسی ایشن کو ممنون فرمایا۔

عبدالرشید سکرٹری احمدیہ مسلم ینگ مین ایسوسی ایشن پشاور

3 اگست 1934ء

انگریزی ترجمۃ القرآن اور مولانا عبدالماجد دریابادی

مولانا دوست محمد مصنف ''آئینہ احمدیت'' کے قلم سے

25 جون 1934ء کے اخبار ''سچ'' میں مولٰینا عبدالماجد دریا آبادی نے ''عرضِ حال'' کے عنوان سے ایک طویل مقالہ لکھا ہے۔ جس میں قرآن کریم کے ان تمام انگریزی تراجم پر، جواب تک شائع ہوئے، رائے زنی کرتے ہوئے آخر میں اس بات کی ضرورت ظاہر کی ہے کہ:

''ایک ترجمہ ایسا شائع کیا جائے جو ایک طرف جمہور اہل سنت کے عقائد کا ترجمان ہو۔ مسائل میں قطع و برید کرنے والا نہ ہو، اور دوسری طرف ٹھیٹھ مولویانہ بھی نہ ہو۔ اس کی تشریحات ایسی نہ ہوں کہ پڑھنے والے کو جزئیات ہی میں اُلجھا دیں۔ جو ذہنیت یورپ کی اور یورپی تعلیم پائے ہوؤں کی ہے، اس کی رعایت حواشی میں خاص طور پر ملحوظ رہے۔ اور ترجمہ اور تفسیر اس انداز سے کی جائے کہ جدید شبہات حتی الامکان پیدا ہی نہ ہونے پائیں۔ ساتھ ہی زبان درست ہو اور کاغذ اور جلد طباعت وغیرہ کی دیدہ زیبی یورپی مطبوعات کے معیار پر ہو۔''

اسی مضمون میں مولانا نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ اسی قسم کا ترجمہ انہوں نے خود کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور ایک پارہ ترجمہ وٹائپ ہو کر بعض علماء کے پاس بھیجا بھی جا چکا ہے۔

چشم ماروشن دل ماشاد۔ کلام پاک کا ترجمہ ایک نہایت ہی مبارک کام اور قابل عزت چیز ہے۔ ایک نہیں دو نہیں جتنے بھی ترجمے فرقان حمید کے انگریزی زبان میں ہوں، اس پاک کتاب کی اشاعت اور اسلام کی پاک تعلیم کے پھیلنے کا ہی موجب ہوں گے۔ جس قدر دماغ اس نیک کام میں منہمک ہوں گے، اسلام کے روشن اور نورانی چہرہ کے نقش ونگار کی دلآویزی اور زیادہ بڑھے گی۔ لیکن حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ مولانا نے اپنے اس ترجمہ کی ضرورت واہمیت کو واضح کرنے کے لئے یہ ضروری سمجھا ہے کہ اس سے پہلے جس قدر ترجمے شائع ہو چکے ہیں ان کی کچھ خامیاں اور قباحتیں ضرور بیان کی جائیں۔ معلوم نہیں اس کی ضرورت انہیں کیا تھی۔ وہ اگر دوسروں کے نقص بیان کرنے کی بجائے

اپنا ترجمہ مکمل کر کے شائع کر دیتے تو پڑھنے والے خود بخود اس بات کا اندازہ لگا سکتے تھے کہ دوسرے تراجم میں کیا کچھ نقص اور خامیاں رہ گئی تھیں۔ جن کو ان کے ترجمہ نے دور کر دیا۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ نقائص سے پاک تو صرف خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ انسانی کاموں میں تو نقص بھی رہ جاتے ہیں اور غلطیاں بھی۔ کوئی بڑے سے بڑا انسان اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جو کچھ اور جس طرح اس نے کلام پاک کو سمجھا ہے، اس سے بہتر ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ مولانا کے ترجمہ کے شائع ہونے کے بعد یقیناً اور لوگ پیدا ہوں گے جو ان کی بھی غلطیاں نکالیں گے اور ہر نئے زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے نئے ترجمہ کی ضرورت پیش آتی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ سابق مفسرین کی تفاسیر اور تراجم میں آپ کہیں نہیں پائیں گے کہ انہوں نے اپنی تفسیر یا ترجمہ کی خوبیوں کو آشکارا کرنے اور اس کی ضرورت اور اہمیت کو جتانے کے لئے دوسرے مصنفین کے نقص اور خامیاں بیان کی ہوں۔ ہاں! جہاں کسی کی کوئی بات پسند آئی اس کو لے لیا اور جو پسند نہ آئی اسے چھوڑ دیا۔ اس کی تردید کر دی۔ لیکن مولانا نے کلام پاک کے ترجمہ کو شروع کرتے ہوئے اس کا اعلان ایسے رنگ میں کیا ہے جو کسی طرح پسندیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بالخصوص حضرت امیر ایدہ اللہ کے انگریزی ترجمۃ القرآن پر جو ریمارک انہوں نے کئے ہیں، ایک غور کرنے والا دل و دماغ ان پر حیرت و استعجاب کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک طرف تو فرماتے ہیں کہ:

> ''حقیقتاً قابل ذکر انگریزی ترجمے صرف دو ہیں۔ ان میں سے ایک مولوی محمد علی لاہور ایم اے (امیر جماعت احمدیہ مرزائیہ☆) کا ترجمہ دی ہولی قرآن ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1918ء میں دو قسم کے کاغذوں پر مع متن قرآن۔ ایک مفصل مقدمہ اور

☆ ''مرزائیہ'' کا لفظ مولانا کی سنجیدہ بیانی کے شایانِ شان نظر نہیں آتا۔ کیا محض ''احمدیہ'' کے لفظ میں کوئی ایہام باقی رہ جاتا ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت پیش آئی۔''

> مفصل تر حواشی کے نفاست کاغذ و طباعت کے اعلیٰ لوازم کے ساتھ نکلا تھا اور دوسرا بلا متن۔ اس سے چھوٹی تقطیع پر۔ محاسن ظاہری کی انہیں خصوصیات کے ساتھ ابھی سال دو سال ہوئے نکلا ہے۔ یورپ اور خود ہندوستان کا انگریزی طبقہ جس ترجمہ

سے سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے اور جوان کے درمیان سب سے زیادہ پھیلا ہے وہ یہی ترجمہ ہے۔''

اس کے ساتھ ہی مولانا اپنے ایک خالص انگریزی خواں دوست کی رائے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مولوی محمد علی صاحب کے ترجمہ کی خوبیوں سے، اس کے اثرات سے، اس کی تبلیغی کامیابیوں سے انکار کرنا آفتاب کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ صدہا بیگانوں کو یگانہ بنانے، صدہا منکروں کو اسلام کے قریب لانے میں وہ یقیناً معین ہوا ہے۔ خود اپنے متعلق میں یہ اعتراف بمسرت کرتا ہوں کہ آج سے پندرہ سولہ سال پیشتر جب میں الحادوارتیاب کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا، اس وقت گنتی کی دو چار کتابیں جو مجھے اسلام سے قریب لانے میں معین ہوئی تھیں ان میں سے ایک یہی انگریزی ترجمہ قرآن تھا۔ مترجم کے ہمنام مولانا محمد علی (مدیر کامریڈ) بھی اس سے بہت متاثر تھے اور اس کی تعریف ہی کیا کرتے تھے۔''

مگر تعجب ہے کہ اس صدہا ہزار ہا بیگانوں کو یگانہ بنانے۔'' ''صدہا ہزار منکروں کو اسلام سے قریب لانے۔'' اور ''الحادوارتیاب کی تاریکیوں'' سے نکالنے والے ترجمہ کے متعلق مولانا لکھتے ہیں کہ:

''ترجمہ وتفسیر میں اسلام کی حقیقی تفسیر پیش نہیں ہوسکی ہے۔ مترجم بدنام اپنی قادیانیت کے لئے ہیں۔ لیکن ترجمہ وتفسیر میں قادیانیت سے کہیں زائد غالب نیچریت ہے۔ معجزات وغیرہ کے باب میں تقریباً تمامتر سید احمد خاں کے خیالات کی ترجمانی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ مریض اگر کڑوی دوا سے منہ بناتا ہے تو کنین کی گولی پر شکر خوب لپیٹ دینی چاہئے۔ لیکن یہ تو نہ ہو کہ اس میں مبالغہ کرتے کرتے کنین سرے سے غائب ہو جائے اور بخار کے مریض کو خالی شکر ہی شکر پھنکائی جاتی رہے۔ جدید خیالات کی مطابقت میں مترجم کو ضعیف سے ضعیف بھی جوتاویل مل گئی ہے۔ بس اس کو بے تکلف اختیار کر لیا گیا ہے اور لغت، نحو، حدیث، سباق قرآنی، اجماع

اکابرامت کسی شے کی اس کے مقابلہ میں پروانہیں کی گئی ہے۔''

اس تحریر کو پڑھ کر ہمیں بہت افسوس ہوا۔ اگر اس ترجمہ میں نیچریت غالب ہے تو نیچریت تو دہریت کا دوسرا نام ہے۔ یا کم ازکم دہریت والحاد کی طرف لے جانے والی چیز ہے۔ جس ترجمہ وتفسیر میں غالب نیچریت پائی جاتی ہے۔ تعجب ہے وہ خود مولانا کو ''الحاد وارتیاب'' کی تاریکیوں سے کس طرح نکال لایا۔ ''صدہا ہزارہا منکروں کو اسلام کے قریب'' وہ کیونکر لے آیا؟ آپ فرماتے ہیں کہ ''معجزات وغیرہ کے باب میں تمام تر سرسید احمد خانی خیالات کی ترجمانی ہے۔'' حالانکہ اگر غور کرکے دیکھا جائے تو سرسید احمد خان اور حضرت امیر ایدہ اللہ کے خیالات میں بعدالمشرقین پایا جاتا ہے۔ سرسید اس بات کے قائل تھے کہ قرآن کریم میں آنحضرتؐ کے معجزات دکھانے کا انکار ہے۔ اس ترجمہ میں پورے زور سے اس کی تردید کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کریم میں آنحضرتؐ کے معجزات کا اقرار ہے۔ یہاں تک کہ معجزہ شق القمر کو بھی اپنے ظاہری معنوں میں صحیح ثابت کیا ہے۔ حالانکہ شاہ ولی اللہؒ جیسے بزرگوں نے بھی اسے محض ایک کسوف مانا ہے۔ پھر سرسید وحی کو پیغمبر کے دل کی آواز قرار دیتے ہیں۔ یہ ترجمہ اسے اللہ تعالیٰ کی آواز اور خارجی آواز قرار دیتا ہے۔ سرسید ملائکہ کی ہستی کا انکار کرتے ہیں اور انہیں محض قوائی نیچر سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ اسی ترجمہ میں ملائکہ کو علیحدہ ہستیاں ثابت کیا گیا ہے۔ اسی طرح سرسید ابلیس کو محض انسانی قویٰ میں سے ایک قوت قرار دیتے ہیں۔ مگر اس ترجمہ میں اسے الگ ہستی ثابت کیا گیا ہے۔ سرسید کے نزدیک دعا محض ایک عبادت ہے۔ اور اس کی قبولیت کوئی شے نہیں۔ اس ترجمہ میں دعا کی قبولیت پر پورا زور دیا گیا ہے۔

سرسید پیشگوئیوں کے بھی قائل نہ تھے۔ جو معجزات ہی کا ایک حصہ ہے۔ حالانکہ قرآن کریم پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اور حضرت امیر ایدہ اللہ نے ان کو تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو غلبت الروم کی پیشگوئی۔ ہم حیران ہیں کہ مولانا عبدالماجد جیسا فہیم انسان ایسے کھلے حقائق سے کس طرح انکار کرسکتا اور اسے کس طرح سرسید احمد خانی خیالات کی ترجمانی قرار دیتا ہے! اس کے علاوہ مولانا عبدالماجد صاحب نے بڑی کاوش سے ایک عطف کی مزعومہ غلطی پر، جو ہمیں معلوم نہیں ہوسکی اور جو اگر ہو بھی تو اس سے مفہوم میں ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر بھی پیدا نہیں ہوتا، تنقید کا ایک اور غلط رنگ اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''جا بجا مطالب قرآنی میں بھی غالباً زیادہ وقت نہ دے سکنے کے باعث سے لغزشیں ہو گئی ہیں۔ مثلاً آیہ مایو والذین کفروامن اھل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل الخ میں نافہم انگریز مترجمین کی طرح **الْمُشْرِكِيْنِ** (105:2) (مجرور) کا عطف **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** (105:2) پر کر دیا ہے۔ جو صریحاً اہل الکتاب پر ہونا چاہئے تھا۔''

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کوئی ایسا انسانی کام بھی دکھایا جا سکتا ہے جو غلطیوں سے پاک ہو۔ ہمارا خیال ہے مولٰنا کو خود بھی یہ دعوٰی نہ ہو گا کہ جو ترجمہ وہ کریں گے اس میں کوئی غلطی نہ ہو گی۔ مارمیڈیوک پکتھال صاحب نے جو ترجمہ کیا اور بڑی محنت سے علمائے مصر کے سامنے بھی اسے رکھا۔ اس کے متعلق بھی مولٰنا عبدالماجد کی رائے یہ ہے کہ ''صحت مطالب کے اعتبار سے اس کا معیار خاصہ پست ہے۔ موٹی موٹی غلطیاں صرف پہلے پارہ میں 15-20 کی تعداد میں ہوں گی۔ جس میں سے بعض اس قدر کھلی ہوئی ہیں کہ انہیں بجز اتفاقی سہونظر کے اور کسی سبب پر محمول ہی نہیں کیا جا سکتا۔'' تو اگر ایک ترجمہ میں اتفاقی سہونظر کی رعایت ایک پارہ کی پندرہ بیس غلطیوں کو دی جا سکتی ہے تو دوسرے ترجمہ کی ایک غلطی کو کیوں نہیں دی جا سکتی۔ یوں اگر کوئی شخص چاہے تو جس ترجمہ یا تفسیر کو چاہے اٹھا لے اور اس پر محنت صرف کر کے اس کی غلطیوں کو جمع کر کے مشتہر کرے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ طریق کسی مفید نتیجہ تک نہیں پہنچا سکتا۔ کیا ایک مسلمان کے لئے یہ عیب ہے کہ وہ اپنے بھائی کے کسی کام میں کوئی نقص دیکھے تو اس کی اطلاع اسے دے دے۔ بجائے اس کے کہ دو چار معمولی باتوں کو لے کر اس کی سالہا سال کی محنت کو برباد کرنا چاہئے۔

☆☆☆

غیر احمدیوں کا ایک مطالبہ

رفع الی اللہ کے معنی

مولوی عمر الدین صاحب شملوی۔

وفات عیسٰیؑ ایک ثابت شدہ صداقت ہے جس پر قرآن مجید کی سچی اور پکی شہادت موجود ہے مگر کہا کرتے ہیں کہ: ''ملاں آں باشد کہ بند نہ شو''

یعنی ملاں وہ ہے جو کبھی بند ہی نہ ہو۔ الٹی سیدھی ہانکتا ہی رہے۔ سو ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ علماء زمانہ جو ملاں ٹائپ کے ہیں وہ جب تَوَفَّیْتَنِیْ کے اقرار عیسوی سے وفات عیسٰیؑ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو جس طرح ڈوبتا ہوا انسان ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے تا کسی طرح بچ جائے، اسی طرح ملا صاحبان حضرت عیسٰیؑ کی زندگی ثابت کرنے کے لئے بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (158:4) کو پیش کر کے کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو صاف لکھا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے جو آسمانوں سے بھی اوپر ہے۔ اس لئے حضرت عیسٰیؑ کا آسمانوں پر جانا ثابت ہے۔ ان لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود اور ہر جا موجود ہے اور اس کی شان ہے هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (4:57) پھر عیسٰیؑ کا خدا کی طرف جانا اوپر یا نیچے جانے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ اس سے مراد بجز رفع بالتشریف اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ خود آنحضرتؐ اِرْفَعْنِیْ یعنی اے خدا! مجھے بلند مرتبہ کر کی دعا کرتے رہے اور کبھی کسی مولوی کے دل میں یہ خیال نہ آیا کہ سب نبیوں کا سردار نبیؐ جب خدا سے اِرْفَعْنِیْ کی دعا کرتا ہے تو ہم اس سے جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر جانا مراد نہیں لیتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کے لئے وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (55:3) یا بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (158:4) سے تمام جہان سے انوکھے معنی لئے جائیں۔ یہ انوکھے معنی آنحضرتؐ نے اگر اصطلاحًا بیان فرمائے ہیں تو بھی کوئی مسلمان اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ مگر یہ کیا اندھیر ہے کہ جو معنی نہ لغت سے ثابت ہیں اور نہ قرآن و حدیث سے ثابت ایسے معنوں کو قبول کر لیا جائے۔ اور ان غلط معانی کی جو تردید کرے اُسے کافر ٹھہرایا جائے!

مطالبہ: بعض لوگ تو میں نے ایسے عقلمند دیکھے ہیں کہ جب ان پر اتمام حجت ہو جاتی ہے اور ان کو کوئی بھاگنے کا راستہ نہیں ملتا تو پھر وہ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جس طرح یہاں رَفَعَ کے لفظ کے ساتھ اِلَى اللّٰهِ آیا ہے اسی

طرح ایک مثال رَفَعَ اِلَی اللّٰہِ کی پیش کردو۔تو ہم مان لیں گے کہ رَفَعَ کے معنی بلندی مرتبہ ہی ہے۔

رَفَعَ اِلَی اللّٰہِ کی ایک مثال: اس کے لئے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔جو لفظ بہ لفظ مطالبہ کو پورا کر دیتی ہے۔سنئے۔فروع کافی کتاب الروضہ صفحہ 14 پر آنحضرتؐ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

حتّٰی اذادعا اللّٰہ عزوجل نبیّہٖ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم ورفعه الیه یہاں تک کہ جب اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور اپنی طرف اٹھالیا اب اس فقرہ **رفعه الیه** میں اور رَفَعَهُ اللّٰهُ میں کوئی فرق نہیں۔دونوں جملے بالکل ہم معنی ہیں۔پس جبکہ آنحضرتؐ کی شان میں رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْہِ کے یہ معنی ہیں کہ حضور کو خدا تعالیٰ نے وفات دے کر اپنے مقربین میں جگہ دی یا یہ کہ اللہ نے آپ کا مرتبہ بلند فرمایا تو حضرت عیسیٰؑ کے حق میں جو رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْہِ ہے اس کے معنی بھی یہی ہو سکتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو طبعی موت دی تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے قرب کے مقام پر بلند فرمایا۔میرا خیال ہے کہ اس عربی زبان کی مثال کو، جو رفع کے معنوں کو واضح کرنے کے لئے ایک بڑی روشن مشعل ہے، دیکھ کر کوئی ایماندار تو ہماری بات کا انکار نہیں کرسکتا۔اور جن کے دلوں پر تعصب اور ضد کی وجہ سے مہر لگ چکی ہے، وہ اگر انکار کریں تو تعجب کی جا نہیں ہے!

❁❁❁

9 اگست 1934ء

مکتوب امیر

برلن مسجد کی مرمت

برلن مسجد کی مرمت کے لئے مندرجہ ذیل اپیل جماعتوں میں بذریعہ ڈاک بھیجی گئی ہے۔ اب باقی احباب کی آگاہی کے لئے اخبار میں شائع کی جاتی ہے۔ تاکہ جن احباب کو اس کی اطلاع نہیں مل سکی وہ بھی اس ضروری اور نیک کام میں حصہ لے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ مدیر

دارالسلام ڈلہوزی 29 جولائی 1934ء

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پروفیسر محمد عبداللہ صاحب امام مسجد برلن سال گذشتہ سے مسجد کی مرمت کے لئے لکھ رہے ہیں۔ اور اس سال ان کے متواتر خطوط آ چکے ہیں۔ جن میں انہوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ مسجد کی حالت ایسی ہو چکی ہے کہ اگر آئندہ سردیوں سے پیشتر اس کی مرمت نہ ہوگئی تو مسجد کے گنبد کو خطرہ پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت بھی بارش میں ٹپکتا ہے۔ تو برفوں کے ایام میں جب اوپر ہر وقت پانی رہے گا تو اس کی حالت بہت خطرناک ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ انہوں نے مرمت کا تخمینہ پانچ ہزار روپے کیا ہے۔ جس کے لئے انجمن کی طرف سے بھی اپیل نکلی ہے اور انہوں نے براہ راست بھی اپیل کی ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ فرض سب سے پہلے خود ہم لوگوں پر عائد ہوتا ہے۔ مسجد کی تعمیر سے بڑھ کر ضروری مسجد کی مرمت ہے۔ اگر کسی شخص کا اپنا گھر گر رہا ہو، تو وہ قرضہ لے کر بھی سب سے پہلے اس کی فکر کرتا ہے۔ خدا کا گھر ہمارے اپنے گھروں سے بہت قیمتی چیز ہے۔ اور پھر خدا کا گھر بھی وہ، جو ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، یعنی یورپ کے عین مرکز میں سب سے پہلا خدا کا گھر ہے۔ جہاں سے اللہ اکبر کی آواز بلند ہو کر آہستہ آہستہ انشاء اللہ دجال کو مسلمان کرے گی۔ اور جہاں سے جو روشنی کی شعاع اس وقت نکلی وہ انشاء اللہ رفتہ رفتہ چاروں طرف تاریکی کو دور کرتی چلی جائے گی۔ اور یہ تاریخی خدا کا گھر بھی وہ جگہ ہے جس کو آپ نے اپنے بہت سے اموال خرچ کر کے بنوایا اور جو اسلام کی قوت کا اس لحاظ سے بھی مظاہرہ ہے کہ

ایک چھوٹی سی اسلامی جماعت کی ہمت بلند کو ظاہر کر رہا ہے۔ جنہوں نے تمام مشکلات کا مقابلہ کر کے اپنی بساط سے بھی بڑھ کر رقم خرچ کرتے ہوئے اس خانہ خدا کو تکمیل تک پہنچایا۔ پھر جب ایک نااہل نے قریباً بیس ہزار روپے کا ناجائز بوجھ اس پر اور ڈال دیا۔ تو پھر اس چھوٹی سی جماعت کی ہی ہمت تھی۔ جس نے اس بارِ عظیم سے اس کو آزاد کرایا۔ اس لئے اب پانچ ہزار روپے کی خاطر اسے کس مپرسی کی حالت میں چھوڑنا احمدی جماعت کی غیرت گوارا نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ اور راہوں سے بھی امداد بھیجنے پر قادر ہے۔ مگر خدا کی رحمت بھی اسی وقت جوش میں آتی ہے جب پہلے خود ہمارے اندر خدا کی راہ میں ایثار کا نمونہ پیدا ہو جائے۔

میں نے پرسوں جمعہ میں یہاں ڈلہوزی کے دو چار احباب کے سامنے، جو یہاں اس وقت ہیں، اس ضرورت کو پیش کیا اور یہ اپیل کی کہ اسے چندہ نہیں بلکہ اپنے گھر کی مرمت کا ضروری خرچ سمجھا جائے۔ تو اسی وقت ایک سو گیارہ روپے چندہ جمع ہو گیا۔ مجھے یہ بھی قوی امید ہے کہ یہاں دو ایک نوجوان کچھ باہر سے بھی چندہ کر لیں گے۔ اس لئے میں اس اپیل کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں کہ آپ اسی جمعہ میں اسے اپنی جماعت میں پیش کر کے تحریک فرمائیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ احباب کو توفیق دے تو آپ کی جماعت سے کم از کم اس قدر روپیہ جو آپ کے ذمہ ڈالا گیا ہے مرمت مسجد کے لئے آ جانا چاہیئے۔ اور دفتر میں ہدایت کر دی گئی ہے کہ جس قدر روپیہ اس فنڈ کا آئے، وہ فوراً برلن روانہ کر دیا جائے۔ تاکہ مرمت کا کام فوراً شروع ہو سکے۔ اگر یہاں سے کل روپیہ 15 اگست سے پیشتر روانہ ہو جائے تو برلن میں آخر اگست تک پہنچ کر ستمبر میں کام شروع ہو سکتا ہے۔ اور صرف دو ماہ ستمبر و اکتوبر کام کے لئے رہ جاتے ہیں۔ جو تنگ وقت ہے۔ اس لئے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے روپیہ جلد سے جلد بھجوانے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد اگر آپ کے نوجوان باہر سے اس مطلب کے لئے چندہ وصول کرنے کی کوشش کریں تو میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو بابرکت کرے گا۔ والسلام۔

خاکسار محمد علی

❁❁❁

9 اگست 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ڈاکٹر سید طفیل حسین صاحب کو جن کے ایک خط نے اس وقت قومی مشکلات کے حل کا ایک راستہ کھولا ہے۔ قریباً دو ماہ ہی اس پریشانی میں گزرے ہیں کہ ہمارے کارکنوں کی دو دو ماہ کی تنخواہیں پیچھے پڑی چلی آتی ہیں۔ اس کی وجوہات پر بحث کرنے کا وقت نہیں۔ انجمن اخراجات کے معاملہ میں حتی الوسع بہت ہی احتیاط سے چل رہی ہے۔ لیکن کچھ بعض احباب کی لاپروائی نے اور کچھ ملک کی اقتصادی حالت نے آمدنی پر بہت اثر ڈالا ہے۔ اور اس وقت جولائی کے ختم ہونے کے ساتھ دو ماہ نہیں بلکہ تین ماہ کی تنخواہوں کی ادائیگی کا سامنا ہے۔ جس کا حساب تو میں نے دفتر سے نہیں لیا مگر غالباً آٹھ نو بلکہ دس ہزار روپیہ ہوگا۔

ڈاکٹر سید طفیل حسین صاحب کوئی امیر آدمی نہیں متوسط الحال ہیں۔ لیکن خدا نے دل دیا ہے اپنی تنخواہ کا دسواں حصہ برابر چندہ دیتے ہیں۔ یعنی پچاس روپے ماہوار جو چھ سو روپے سالانہ کی رقم ہے اور پھر کمال یہ ہے کہ بقایا کبھی نہیں ہونے دیتے۔ اور دیگر وقتی چندے اس کے علاوہ ہیں۔ جن کو ملا کر ان کی امداد ایک ہزار سالانہ کے لگ بھگ ہو جاتی ہے۔ کسی ریاست سے ایک ہزار روپے سالانہ کی امداد اشاعت اسلام کے لئے مل جائے، تو وہ کتنی بڑی نصرت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا اس جماعت پر احسان ہے کہ اس کے معمولی افراد بھی ایک ریاست کی طرح خدا کے دین کی نصرت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ہماری جنرل کونسل کے ممبر بھی ہیں اور مینجنگ کمیٹی کے بھی۔ مگر ان ممبروں میں سے نہیں کہ جن کے نام صرف زینت کا کام دیتے ہیں۔ بلکہ قومی ضروریات اور مشکلات کا صحیح احساس ان میں ہے اور علاوہ اپنی ذاتی مالی امداد کے دوسروں سے امداد حاصل کرنے میں بھی ان کا قدم پیش پیش ہے جَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاء

انتظامی کمیٹی کے سامنے کارکنوں کی تنخواہوں کی ادائیگی کا سوال آیا تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنا ایک سال کا چندہ یعنی چھ سو روپیہ پیشگی ادا کر دیا۔ جس کی اطلاع مجھے آج ہی ان کے خط سے ملی

ہے۔ میرے دل سے ان کے لئے دعا نکلتی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان سب احباب کے دل سے ان کے لئے دعا نکلے گی جو اسی للہی کام میں دلچسپی لیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے ایثار کے لحاظ سے ہی ایک نمونہ نہیں کہ دسواں حصہ تنخواہ کا چندہ دیتے ہیں لیکن اپنے صبر میں بھی وہ ایک نمونہ ہیں۔ سالہا سال سے ان کی رفیقہ حیات بیمار ہیں۔ اور بیماری بھی نہایت تکلیف دہ۔ انسان باہر سے تھک کر آتا ہے۔ یا رنج وغم کی حالت میں آتا ہے تو گھر میں کچھ سکون اور آرام پاتا ہے۔ وہ بھی خدا کے بندے ہیں جن کی راحت اسی میں محدود ہوگئی ہے۔ گو یہ سب سے بڑی راحت ہے کہ خدا کے راستے میں کچھ خرچ کریں یا خدا کے آگے گریں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ سب احباب جب اس مضمون کو پڑھیں تو ان کے لئے دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی راحت اور سکون عطا فرمائے اور آخرت میں بھی ان کی پریشانیوں کو دور فرمائے اور فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ (84:21) کا ان کو مصداق بنائے۔

میں نے کہا تھا کہ ڈاکٹر سید طفیل حسین صاحب کے خط نے موجودہ مشکلات کے حل کا ایک راستہ کھول دیا۔ مگر چھ سو روپے تو اس ضرورت کا شاید پندرہواں بیسواں حصہ ہوگا۔ اس سے مشکلات کا کیا حل ہوگا۔ سو مشکلات کا حل ان کے چھ سو روپے سے نہیں بلکہ ان کی قلبی کیفیت سے ہوا۔ وہ تو ایک پہلا قدم ہے جو انہوں نے اٹھایا۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا قدم اٹھانے والے جماعت میں اور بھی بہت دوست ہیں۔ ایک موقعہ ہوتا ہے جو کبھی کبھی ملتا ہے۔ خدا کی راہ میں دینے کی بھی ایک توفیق ہے۔ جو ہر وقت انسان کو نہیں ملتی۔ شائد ایسا ہو کہ کئی دوستوں کے دلوں میں اس مضمون کو پڑھ کر وہی کیفیت پیدا ہو جائے جو ڈاکٹر صاحب موصوف کے دل میں ابتداء پیدا ہوئی ہے۔ اور یہ لکھتے وقت ہی میں دعا کرتا ہوں کہ اے خدا تو بھی اپنے بندوں کے دل میں ڈال کہ تیرے دین کی نصرت کے لئے کھڑے ہو جائیں۔

مشکل تو کچھ نہیں ذمہ داری کے احساس کی بات ہے۔ اپنا کوئی مقدمہ ہوتا ہے۔ اس پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ کوئی عزیز بیمار ہو جاتا ہے۔ اس پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ کوئی مکان گر رہا ہو اس کو بنوانا پڑتا ہے۔ ان سب حالتوں میں انسان کچھ نہ کچھ انتظام کر لیتا ہے۔ کیوں۔ صرف اس لئے کہ اس ضرورت کا اس کے دل میں احساس ہوتا ہے۔ اور وہ اس بات پر تلا ہوا ہوتا ہے کہ یہ کام بہر حال کرنا ہے۔ راستے بھی کھل جاتے ہیں۔ اگر دینی ضروریات کا اسی قدر احساس انسان کے دل میں پیدا ہو جائے، جو دنیوی

ضروریات کے لئے ہو جاتا ہے۔ اگر قومی ذمہ داریوں کا وہی احساس پیدا ہو جائے جو ذاتی ذمہ داریوں کا ہوتا ہے تو اس میں مشکل ہی کیا ہے۔

کوئی دوست اپنا چندہ پیشگی ادا کر دے۔ کوئی صاحب توفیق پانچ سو ایک ہزار ایک سو دو سو کی رقم بطور قرض ایک سال کے لئے، دو سال کے لئے انجمن کو دے دے۔ انجمن نے پہلے بھی ضرورتوں کے وقت قرضہ لیا ہے اور حسب وعدہ اسے واپس ادا کر دیا ہے۔ اور اب بھی ایسا ہی ہوگا۔ بلکہ اگر کسی قرضہ دینے والے کو وقت مقررہ سے پیشتر بھی ضرورت محسوس ہو تو انجمن اسے مطالبہ پر واپس کر دے گی۔ انجمن کے کام میں جو روپیہ آئے گا وہ انشاء اللہ تعالیٰ محفوظ بھی ہوگا اور ثواب کا ثواب بھی ہوگا۔ زکوٰۃ بھی اس پر واجب نہیں ہوگی۔ غرض صرف اس قدر ہے کہ صاحبِ توفیق احباب اٹھیں اور اس وقت اپنی دینی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ان مشکلات کو اپنے ایثار سے حل کر دیں اور اپنے مولیٰ کو بھی راضی کر لیں۔ مگر ایک دل کو دکھ دینے والی بات بھی ہے۔ وہ بھی کہہ دیتا ہوں۔ یہ جس قدر مشکلات ہیں وہ ہمارے اپنے ہی احباب کی عدم توجہی کا نتیجہ ہیں۔ اگر جماعت کے سب احباب کے اندر صرف اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہو تو اقتصادی حالتوں کے باوجود بھی کوئی مشکل یا رکاوٹ کام میں پیدا نہ ہو۔ مگر ایسے ایسے صاحب مال و دولت ہیں جن کے بقائے بھی ادا نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ سے ہی دعا ہے کہ وہ سب احباب کے دل میں اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا کرے۔ اور وہ قوم کی مشکلات کو اسی طرح محسوس کرنے لگیں، جس طرح اپنی ضروریات کو کرتے ہیں۔ اور انہیں اپنا یہ وعدہ پورا کرنے کی توفیق ملے کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔'' ابھی بہت دل ہیں جن میں دینی احساس دنیوی احساس کے برابر بھی نہیں۔ مقدم ہونا تو ایک طرف رہا۔ والسلام۔ خاکسار۔ محمد علی

9 اگست 1934ء

روئیداد

ڈیرہ غازی خاں میں مناظرہ

کچھ عرصہ سے ڈیرہ غازی خاں مذہبی جھگڑوں کا آماجگاہ بنا ہوا ہے۔شیعہ سنی، اہل حدیث اور قادیانیوں کے درمیان کفر واسلام کی رسہ کشی شروع ہے۔آخر کار اہل حدیث اور قادیانی پارٹی نے صداقت حضرت مسیح موعود پر ایک مناظرہ کیا۔قادیان سے مولوی عبدالغفور تشریف لائے ہوئے تھے۔اور ملتان سے مولوی عبدالحق اہلحدیث آئے ہوئے تھے۔مولوی عبدالغفور قادیانی نے حضرت مسیح موعود کی نبوت منوانے پر بہت زور دیا۔لیکن مولوی عبدالحق اہلحدیث نے حضرت مسیح موعود کی کتب کے حوالے پیش کر کے پبلک پر یہ ظاہر کر دیا کہ مرزا صاحب خود تو نبوت سے انکار کرتے ہیں اور مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں لیکن قادیانی ان کی نبوت منوانے پر ناحق مصر ہیں۔مدعی سست اور گواہ چست والی مثال صادق آتی ہے۔

انشاءاللہ اب وہ وقت قریب ہے کہ حضرت مسیح موعود پر جو نبوت کا الزام لگایا جاتا تھا۔وہ اب خود مخالف مولویوں کی زبانی دور ہوتا جائے گا۔جیسا کہ اس مناظرہ میں ایک مکفر مولوی نے خود تسلیم کر کے بھرے جلسے میں حضرت مسیح موعود کا انکار نبوت پیش کیا۔اور اس طریقہ سے قادیانیوں کو شکست دی۔نبوت کا دروازہ کھلا رکھنے سے خود قادیانیوں کو جو تکلیف پیش آرہی ہے، وہ اظہر من الشّمس ہے۔آئے دن کہیں نہ کہیں سے مدعی نبوت کی جو آواز آتی ہے تو قادیانیوں کو بڑی مشکل سے جان چھڑانی پڑتی ہے۔چنانچہ ڈیرہ غازی خان میں کچھ عرصہ سے ایک شخص احمد یار جوریہ نے نبوت کا دعوٰی کر رکھا ہے۔آدمی تو بہت نیک ہے۔لیکن قادیانی اس کو نہیں مانتے۔

چنانچہ پچھلی دفعہ جب قادیانیوں نے سیرت خاتم النبیّینؐ پر جلسہ کیا تو احمد یار مذکور اٹھ کر بھرے جلسے میں اپنی نبوت کو پیش کرنے لگا۔لیکن قادیانیوں نے اس کی ایک نہ سنی۔اور اس کو جبراً بٹھا دیا گیا۔یہ ہے نبوت کا دروازہ کھلا رکھنے کی مشکل! جس کو قادیانی بھی خود محسوس کرتے ہیں۔لیکن خلیفہ صاحب کی خاطر سب کچھ برداشت کرتے ہیں (دعا ہے) کہ اللہ تعالیٰ ان کو پیر پرستی سے ہٹا کر حضرت مسیح موعود کی اصل تعلیم پر چلنے کی توفیق دے۔آمین

20 اگست 1934ء

اداریہ

انگریزی ترجمۃ القرآن اور ''الفضل''

دنیا میں ایسے باہمت اور الوالعزم انسان بھی ہوتے ہیں جو اپنے فرض کو پیش نظر رکھتے ہوئے قربانی وعمل کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتے ہیں اور اپنے کارناموں سے قوموں اور ملتوں کے لئے فلاح وبرکت، فخر وکامرانی کا سامان پیدا کر دیتے ہیں۔ اور اسی دنیا میں ایسے بزدل انسانوں کی بھی کمی نہیں جو متاع خلوص وایثار اور اندوختہ عمل سے تہی دست ہوتے ہیں۔ اور اپنی نااہلیت ونامرادی کو چھپانے کے لئے میدان ایثار وعمل کے جانبازوں کی عیب جوئی اور ان پر بے جا نکتہ چینی کو مشغلہ حیات بنا لیتے ہیں۔ افسوس ہمارے قادیانی دوستوں کا شمار موخرالذکر لوگوں میں سے ہے۔

جب حضرت مسیح موعود کا لگایا ہوا پودا پھولنا پھلنا شروع ہوا اور یورپ میں تبلیغ اسلام کا عزم کیا گیا تو قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے لئے کسی غیر معمولی عزم وقوت کے مجاہد کی تلاش تھی۔ کام نہایت مشکل اور قابلیت کا تھا۔ کسی کی ہمت نہ پڑی۔ لیکن حضرت مسیح موعود کا ایک پیارا خادم، جس نے اپنے زریں مستقبل کو مجدد زماں کے ایک اشارہ پر قربان کر دیا تھا، آگے بڑھا اور اس کٹھن کام کا بیڑا اٹھایا۔ کئی سال گزرے گئے یہ بدستور منہمک رہا۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب نے تقریباً 26 پارہ تک اس کے ترجمے کی تصحیح وتصدیق کی اور نہایت خوش ہوئے۔ ابھی یہ ترجمہ مکمل نہ ہوا تھا کہ اختلاف رونما ہوا۔ جناب میاں محمود احمد صاحب نے حضرت صاحب کی تعلیمات کے خلاف عقائد وضع کئے۔ ان کی وصیت کے خلاف پیر پرستی کی گدی قائم کی۔ حضرت مسیح موعود کے جاں نثار خدام بے سروسامانی کی حالت میں لاہور آ گئے۔ قرآن کا یہ مترجم بھی اپنے نامکمل مسوّدوں کو سینے میں لگائے ہوئے ان خدام میں شامل تھا۔ بے سروسامانی کے عالم ہی میں اس ترجمہ کی تکمیل ہوئی اور طباعت کا اہتمام کیا گیا اس پر قادیان سے اعلان کیا گیا کہ مولوی محمد علی صاحب انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ جب کریں گے۔ ہم ایک پارہ ماہوار کر کے ڈھائی سال میں شائع کر دیں گے۔ محمد علی کا ترجمہ 1918ء میں شائع ہو گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ایک اردو تفسیر تین جلدوں میں بھی دنیا کے سامنے پیش کر

دی گئی۔لیکن بیس سال گزر گئے۔قادیانی ترجمہ مکمل نہ ہوسکا۔گزشتہ سال اعلان ہوا تھا کہ مختصر نوٹوں کے ساتھ شائع ہوگا۔اس کے لئے اپیلیں بھی ہوئیں۔لیکن چند ماہ کے بعد خاموشی چھا گئی۔حالانکہ خلیفہ قادیان کو فہم قرآن کا اوران کے مریدوں کو خدمت قرآن کا بہت بڑا دعوٰی ہے۔

قادیانی جماعت نے اپنی نااہلیت اور ناکامی کی پردہ پوشی کے لئے ضروری سمجھا کہ جماعت لاہور کے ترجمہ میں نقص نکالے جائیں۔خواہ وہ لچر ہی ہوں۔اس سے پیدا شدہ عظیم الشان انقلاب کا انکار کیا جائے۔خواہ دنیا اندھا ہی کہے۔چنانچہ بیس سال سے یہی ہورہا ہے۔پہلے غل مچایا کہ جماعت لاہور کواس ترجمہ کی اشاعت کا کوئی حق نہیں تھا۔پھر یہ کہا گیا کہ اس میں حضرت مسیح موعود کی مخالفت کی گئی ہےاوران کا نام نہیں آنے دیا۔زیادہ تاؤ آیا تو بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ (4:2) کی تفسیر پرایک لایعنی بحث شروع کردی اورمنہ کی کھائی۔آخر کہا کہ اس ترجمہ میں نیچیریت اور دہریت گھسی ہوئی ہے۔ان تمام باتوں کا مدلل ومسکت جواب عرض کیا گیا۔جس پرالفضل صاحب لاجواب تو ہوگئے لیکن تسکین نہ ہوئی۔کیونکہ اس بےچینی کی اصل وجہ اپنی نااہلیت اور نامرادی کا احساس تھا۔جب اپنے طور پرسارے مرحلے طے کر لئے اورمراد برنہ آئی تواب دوسروں کا سہارا لینے کی ضرورت پیش آئی۔اس کی تلاش شروع ہوئی۔لیکن نظر انتخاب ایسے سہارے پرپڑی جوایک لمحہ کے لئے قادیانی جماعت کی نااہلیت کا پردہ پوش نہیں ہوسکتا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی نے 25 جون 1934ء کے اخبار''سچ'' میں ایک مضمون لکھا۔جس میں قرآن کریم کے تمام معروف انگریزی تراجم کا ذکر تھا۔اس میں انہوں نے حضرت امیر کے ترجمہ کو سب سے افضل قرار دیا اوراس کے ساتھ اپنے خیال کے مطابق یہ بھی لکھ دیا کہ اس میں نیچری خیالات کی ترجمانی کی گئی ہے۔''الفضل'' اس کو لے اڑا۔حالانکہ اس کا مدلل جواب مولوی دوست محمد صاحب مصنف''آئینہ احمدیت'' کے قلم سے 3 اگست کے''پیغام صلح'' میں نکل چکا ہے۔لیکن''الفضل'' کو جواب سے کیا غرض۔اس کو تو''پیغامیوں'' کے متعلق کوئی اعتراض چاہئیے۔خواہ وہ کیسا ہی ہو۔چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

> ''چونکہ حضرت مسیح موعود کے خلاف چل کر کوئی شخص نیچیریت سے ادھر نہیں ٹھہر سکتا اس لئے مولوی محمد علی صاحب بھی اسی حد تک پہنچ گئے۔یہ ہم ہی نہیں کہہ رہے بلکہ

مولوی صاحب کے مداح اور ہم خیال بھی یہی سمجھ رہے ہیں۔''

لیکن گذارش ہے کہ جن صاحب کے ان چند الفاظ کو لے کر ہمارا معاصر بہت خوش ہو رہا ہے وہ اور ان کے ہم خیال حضرت مسیح موعود کے متعلق بھی اسی قسم کی رائے رکھتے ہیں۔ گذشتہ یہاں رسال ''معارف'' میں ایک مضمون نکلا تھا۔ جس میں حضرت مسیح موعود پر سرسید مرحوم کی خوشہ چینی کا الزام لگایا تھا۔ قادیانی جماعت قادیانی عقائد اور قادیانی خلیفہ کے متعلق ان کے جو خیالات ہیں وہ دریافت کئے جا سکتے ہیں۔ کیا ''الفضل'' اپنی جماعت کے متعلق بھی مولانا کی رائے کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے؟ ''الفضل'' نے مولانا عبدالماجد صاحب کے ان چند الفاظ کو لے کر تو بغض وعناد کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ لیکن باقی باتوں کو چھوڑ گیا۔ ''الفضل'' اور اس کی جماعت کی چشم کور کو حضرت امیر کے ترجمہ میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ لیکن مولانا عبدالماجد صاحب لکھتے ہیں:

> ''مولوی محمد علی صاحب کے ترجمہ کی خوبیوں سے، اس کے اثرات سے، اس کی تبلیغی کامیابیوں سے انکار کرنا آفتاب کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ صدہا بیگانوں کو یگانہ بنانے۔ صدہا منکروں کو اسلام کے قریب لانے میں وہ یقیناً معین ہوا ہے۔ خود اپنے متعلق میں یہ اعتراف بمسرت کرتا ہوں کہ آج سے پندرہ سولہ سال پیشتر جب میں الحاد وارنیات کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا۔ اس وقت گنتی کی دو چار کتابیں جو مجھے اسلام سے قریب لانے میں معین ہوئی تھیں ان میں سے ایک یہی انگریزی ترجمہ قرآن تھا۔ مترجم کے ہمنام مولانا محمد علی (مدیر کامریڈ) بھی اس سے بہت متاثر تھے اور اس کی تعریف ہی کیا کرتے تھے۔''

''الفضل کو اس ترجمہ سے پیدا شدہ عظیم الشان انقلاب سے انکار ہے۔ لیکن مولانا فرماتے ہیں:

> ''یورپ اور خود ہندوستان کا انگریزی طبقہ، جس ترجمہ سے سب سے زیادہ متاثر ہوا اور جوان کے درمیان سب سے زیادہ پھیلا ہے، وہ یہی ترجمہ ہے۔''

''الفضل'' کو مولانا کی مندرجہ بالا سطور کیوں نظر نہ آئیں؟ اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو

سکتا ہے کہ اس کی آنکھوں پر بغض وعناد کی پٹی بندھی ہوئی ہے!

اللہ کی شان ہے کہ جن لوگوں کا اندوختۂ عمل یہ ہے کہ بیس سال کے طویل عرصہ میں قرآن دانی وکثرت تعداد کے بلند بانگ دعاوی کے باوجود قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ نہ کر سکے۔ لے دے کے ان کے خلیفہ نے ایک نامکمل تفسیر چھاپی۔ اسے عیب کی طرح چھپا رکھا ہے وہ دیوانہ وار جماعت لاہور کے ترجمۃ القرآن پر اعتراضات کررہے ہیں۔ اگر ہمارا ترجمہ اچھا نہیں، غلط ہے، قابل اصلاح ہے تو تم اچھا اور صحیح ترجمہ پیش کرو۔ دنیا خود فیصلہ کرے گی۔ لیکن بیچارے مجبور ہیں۔ اپنے اندر کام کرنے کی قابلیت وہمت نہیں۔ اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لئے کام کرنے والوں کی عیب شماری نہ کریں تو کیا کریں؟! لیکن یاد رہے اس طرح کوئی اپنی نااہلیت اور نامرادی کو زیادہ دیر کے لئے نہیں چھپا سکتا۔

ہم قادیانیوں کو عیب شماری اور بہتان طرازی کے شغل سے محروم نہیں کرنا چاہتے۔ وہ شوق سے اس میں مصروف رہیں۔ لیکن اس قدر ضرور بتانا چاہیئے کہ یہ فعل شریفانہ نہیں۔ اور خدمت دین کے کام خدا کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے ہوتے ہیں۔ مگر ہماری جماعت کو یہ توفیق حاصل ہے تو عطیہ خداوندی ہے۔ اور اگر قادیانی جماعت اس سے محروم ہے تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ قادیانیوں کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے!

صرف ایک انگریزی ترجمہ کی اشاعت پر ''الفضل'' کے حسد وبغض اور احساسات نامرادی ونااہلیت کی یہ کیفیت ہے تو خدا کے فضل سے جب جرمن اور ڈچ تراجم شائع ہوں گے تو قادیانی جماعت کیا کرے گی آخر کب تک سادہ لوح قادیانیوں اور دوسروں کو پیغامیوں کے ترجمے کی عیب شماری کر کے دھوکا دیا جائے گا۔ اگر خود یورپ کی ایک زبان میں بھی ترجمہ کر لیتے تب ہی بات تھی!

قادیانی ذہنیت: جناب خلیفہ قادیان کے ایک خرد فروش مرید عبدالحکیم صاحب شملوی کا ایک مضمون ''مقام عبرت'' کے عنوان سے ''الفضل'' 24 جولائی میں شائع ہوا تھا۔ جس کا مفصل دنداں شکن جواب 27 جولائی کے ''پیغام صلح میں'' ''مقام مسرت'' کے عنوان سے عرض کر دیا گیا تھا۔ جہاں تک اصل موضوع کا تعلق ہے عبدالحکیم صاحب لاجواب وخاموش ہو گئے۔ لیکن قادیانی ذہنیت اور اپنی خرد فروشی کا ثبوت دینے کے لئے انہوں نے 7 اگست کے ''الفضل'' میں پھر ایک مضمون ''پیغامی حریت'' کے عنوان سے

شائع کرایا ہے۔ جس میں غیر معقول، بے دلیل اور بہکی بہکی باتیں لکھ کر گویا اپنی ہار کو واضح طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ مثلاً ہماری انجمن کے متعلق اس طرح غلط بیانی کرتے ہیں۔

''ان کی اپنی انجمن کی یہ حالت ہے کہ پریزیڈنٹ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنی ہوئی ہے۔ پریزیڈنٹ کے مقابلہ میں کسی کی نہیں چلتی۔ وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔''

اس کے بعد دوسرا جھوٹ ملاحظہ ہو:

''دوسری طرف ''حضرت امیر'' کی جو قدر و منزلت ان میں ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغام بلڈنگ اس بالشوزم کی مسموم ہوا کے اثر کے نیچے ہے جس کا مظاہرہ اکثر وہاں ہوتا رہتا ہے۔''

ذرا ان دونوں جھوٹوں کو ملاحظہ فرمائیے۔ اور پیر پرست قادیانیوں کے اخلاق کے ساتھ ان کی عقل کا ماتم بھی کیجئے۔ ایک طرف تو ارشاد ہوتا ہے کہ پریزیڈنٹ ساری انجمن پر حاوی ہے۔ اس کے سامنے سب بے بس ہیں۔ پھر اسی مضمون میں اسی پریزیڈنٹ کے متعلق لکھا جاتا ہے کہ اس کی کوئی قدر منزلت نہیں۔ کوئی شخص اس کی بات بھی نہیں سنتا۔ ان دشمنان عقل و صداقت سے کوئی پوچھے کہ جب ایک شخص اس حد تک بے بس ہے کہ وہ کوئی اثر اور قدر و منزلت نہیں رکھتا، تو اس نے ساری انجمن کو کٹھ پتلی کس طرح بنا رکھا ہے؟ اور جو شخص اس قدر با اثر اور طاقتور ہے کہ اس کے مقابلہ میں کسی کی چلتی ہی نہیں، وہ بے اثر کیونکر ہو سکتا ہے؟ سچ ہے جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے!

ہماری انجمن کا نظام خدا کے فضل سے حضرت مسیح موعود کی وصیت کے مطابق ہے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ کو وہی درجہ اور اختیارات حاصل ہیں جو کہ ہونے چاہئیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جماعت کے تمام افراد اپنے منتخب کردہ امیر کے زیر ہدایت خدمت اسلام میں مصروف ہیں۔ اور سب کو آزادی رائے کا حق حاصل ہے۔ ہمارے امیر نے خلیفہ قادیان کی طرح کبھی یہ نہیں کہا کہ مجھ پر سچے اعتراض کرنے والا بھی تباہ ہو جائے گا۔ اور نہ ہی ہمارے ہاں منافقوں کا وجود ہے۔

احمدی خواتین کے لئے قابل تقلید مثالیں: جناب داروغہ نبی بخش ہماری جماعت کے ایک نہایت معزز محترم اور قدیم رکن ہیں۔ دینی کاموں کے لئے اس پیرانہ سالی میں بھی جوانوں سے زیادہ ہمت

وجوش رکھتے ہیں۔ ہر فرد جماعت کی امداد کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ جلسہ سالانہ پر مہمانداری کے فرائض کے بہت بڑے حصے کی نگرانی انہی کے متعلق ہوتی ہے۔ ہمارے ان بزرگ قوم کو اللہ تعالیٰ نے اولاد بھی نہایت صالح عطا فرمائی ہے۔ جو خدمت دین میں ان کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب آنریری جنرل سکرٹری انجمن کی خدمات دینی اور مالی قربانیاں اظہر من الشّمس ہیں۔ جن کو بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ داروغہ صاحب موصوف کی صاحبزادی کو بھی اپنے والد بزرگ اور قابل عزت بھائی کی طرح خدمت دین کا شوق ہے۔ مالی قربانیوں اور قومی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتی ہیں۔ جلسہ سالانہ پر ہر سال خواتین سے معقول رقم فراہم کرتی ہیں۔ چند ہفتے ہوئے خطبہ جمعہ میں جرمن ترجمہ القرآن کی طباعت کا ذکر آیا۔ ہماری اس دیندار بہن نے فوراً دس روپے اس مد میں عنایت فرما کر احمدی خواتین کے سامنے ایک نیک مثال پیش کر دی۔ داروغہ صاحب کے چھوٹے صاحبزادے نور محمد صاحب کی اہلیہ محترمہ کو سلسلہ کی کتب و اخبارات کے مطالعہ کا بے حد شوق ہے۔ جو خواتین میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ 13 اگست کے پیغام صلح میں برلن مسجد کی مرمت کے لئے جو اپیل شائع ہوئی تھی وہ بھی آپ کی نظر سے گزری اور آپ نے فوراً دس روپے اس مد میں بھجوا دیئے۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان معزز بہنوں کو جزائے خیر اور خدمت دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

یہ مثالیں تمام احمدی خواتین کے لئے قابل تقلید ہیں اسی لئے اخبار میں خصوصیت سے ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

❁❁❁

20 اگست 1934ء
حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات

ہمارے قادیانی دوست شروع سے ہم پر ہماری قلت کی وجہ سے پھبتیاں کستے رہے ہیں۔ اختلاف کی بالکل ابتداء میں جب ابھی ہماری انجمن بنی بھی نہ تھی (اور ڈیڑھ ماہ تک ہم نے جماعت کی علیحدہ بنیاد رکھنے کے لئے کوئی کارروائی نہیں کی) تو قادیان سے جو چٹھیاں گورنمنٹ کو میاں محمود احمد صاحب کے خلیفہ تسلیم کرنے کے لئے لکھی گئیں، ان میں یہ ذکر تھا کہ تین چار آدمی ہیں جو جماعت سے الگ ہو گئے ہیں۔ اور ہمارا پہلا سالانہ جلسہ، جو انجمن کی بنیاد رکھنے کے بعد 1914ء میں ہوا، اس میں غالباً ہماری کل تعداد ساٹھ بتائی گئی تھی۔

جب پیر پرستی کے زبردست جذبہ کو دیکھا جاتا ہے جو اس ملک ہندوستان کے مسلمانوں میں سرایت کر گیا ہے تو اس پر کچھ تعجب نہیں ہوتا کہ اس قدر تھوڑے آدمی ہمارے ساتھ رہے! بلکہ تعجب اس بات پر ہے کہ پیر پرستی کی زبردست رو کا اتنے لوگوں نے مقابلہ کیا۔ میں تو اس کو بھی حضرت مسیح موعود کے انفاس قدسی کا اثر سمجھتا ہوں کہ اس قدر بڑی جماعت تعلیم حقہ پر باقی رہ گئی۔ جو اگر ایک طرف قادیان کے غلو کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر رہی ہے تو دوسری طرف عیسائی یورپ میں، جو اسلام کا اصل مدمقابل ہے اور جس کے ساتھ اس کے دجالیت کا مظہر ہونے کی وجہ سے مسیح موعود کی جنگ کا اصل محاذ ہے، تبلیغ کا جو عظیم الشان کام اس چھوٹی سی جماعت نے کر دکھایا، اور ووکنگ کے بعد برلن اور وی آنا میں مشن قائم کرنے کے علاوہ قرآن کریم کے تراجم کئی زبانوں میں پھیلا دیئے، اس کی نظیر خود قادیان کی جماعت بھی نہیں دکھلا سکتی۔

تعجب سے دیکھا جائے گا کہ ہمارے قادیانی دوست بھی اسی بات پر آج فخر کرنے لگے ہیں جس پر مسلمانوں کو احمدی جماعت کے مقابل فخر تھا کہ ہم تعداد میں زیادہ ہیں۔ احمدیوں میں کثرت بے شک قادیان والوں کی ہے۔ لیکن کثرت تعداد پر فخر کا پھل کبھی کسی کو اچھا نہیں ملا۔ حتّٰی کہ بعض صحابہؓ کے دلوں میں بھی جب اپنی کثرت پر فخر ہوا تو نتیجہ کیا ہوا وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ

عَنۡكُمۡ شَيۡـًٔاوَّ ضَاقَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ (25:9)اس کثرت پر فخر کے لئے مبالغہ سے اس قدر کام لیا جاتا ہے جو صریح جھوٹ کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ ہر جلسہ سالانہ پر یہ اعلان زور شور سے ہوتا ہے کہ پچیس ہزار آدمی جمع تھا۔ بیس ہزار آدمی جمع تھا۔ حالانکہ اس جلسہ گاہ میں سات آٹھ ہزار سے زیادہ آدمی بیٹھ نہیں سکتا۔ لیکن اگر اسے بھی معمولی مبالغہ کہا جائے تو اسے کیا کہا جائے گا کہ بار بار اس بات کو دہرایا جاتا ہے کہ ابتداء میں ہم (جماعت لاہور) خود مانتے تھے کہ جماعت کی 18 فیصد کثرت ہمارے ساتھ ہے۔ اور قادیان کی جماعت ہمارے مقابلہ پر نہایت قلیل۔ یعنی صرف دو فیصد ہے۔ اور اب تناسب اس کے برعکس ہے۔ یعنی 98 فیصد جماعت قادیانی کے ساتھ ہے اور دو فیصد ہمارے ساتھ۔

اس بات کا اعادہ جناب میاں صاحب نے جمعہ کے دن منبر پر کھڑے ہو کر کیا ہے۔ اول تو اپنے رعب کا ذکر کیسے شائستہ الفاظ میں کیا ہے۔ ''اس فتنہ کے سرکردہ وہ لوگ تھے جو صدر انجمن پر حاوی تھے اور تحقیر کے طور پر کہا کرتے تھے کہ کیا ہم ایک بچہ کی غلامی کر لیں۔ خدا تعالیٰ نے اس بچہ کا ان پر ایسا رعب ڈالا کہ قادیان چھوڑ کر بھاگ گئے۔'' حالانکہ نہ تو کسی نے یہ کہا اور نہ ہی ''بچہ'' کے مزعومہ ''رعب'' سے ہم نے قادیان کو چھوڑا۔ بلکہ محض اس لئے کہ ہم مسلمانوں کی تکفیر کے مسئلہ میں ان کے خلاف تھے۔ اور حضرت مسیح موعود کے صحیح مذہب کو قائم کرنا چاہتے تھے۔ قادیان سے ہم الگ ہوئے۔ یہ سچ ہے کہ قادیان میں رہ بھی سکتے تھے۔ لیکن اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوتا کہ دونوں جماعتوں میں دن رات فساد رہ کر وہ قوت جو اشاعت اسلام پر صرف ہونی چاہئیے تھی آپس کے جھگڑوں میں برباد ہو جاتی۔ ہاں! اگر جناب میاں صاحب کا رعب اس بات کا نام ہے کہ انہوں نے میرے قتل کا فتویٰ ان الفاظ میں دیا تھا کہ جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کر دو۔ یا جن لوگوں نے ان کے مرید ہو کر ان کی مخالفت کی ان کے مکانات جل گئے اور انہیں وہاں سے نکلنا پڑا۔ یا یہ رعب ہے کہ ان کے ایک مرید نے کسی مخالفت کرنے والے کو قتل کر دیا تھا تو یہ ہمارے قادیان کو چھوڑنے کے بعد کے واقعات ہیں۔

اپنی کثرت کے تناسب پر اسی خطبہ میں یہ کہا گیا ہے کہ ''انہی لوگوں نے اس وقت بڑے غرور سے یہ کہا تھا کہ جماعت کا 98 فیصد ہمارے ساتھ ہے اور دو فیصد ان کے ساتھ۔ مگر اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے دو فیصد بھی ان کے ساتھ نہیں رہا اور 98 فیصد بلکہ اس سے زیادہ ہماری جماعت میں شامل

ہو چکا ہے۔'' دونوں باتیں فرض کر لی گئی ہیں کہ ہم نے کبھی کہا تھا کہ جماعت لاہور کے ساتھ کل جماعت کا 98 فیصد حصہ ہے اور یہ کہ فی الواقعہ بھی ایسا ہی تھا۔ یعنی جماعت لاہور کے ساتھ 98 فیصد احمدی تھے اور یوں وہ جماعت قادیان سے انچاس گُنی تھی۔

کیا جماعت قادیان میں کوئی اس قدر غور کرنے والا بھی نہیں کہ اگر فی الواقعہ جماعت قادیان ابتداء میں جماعت لاہور کا انچاسواں حصہ تھی اور اب جماعت لاہور جماعت قادیان کا انچاسواں حصہ رہ گئی ہے تو چاہئے تھا کہ جماعت قادیان کا کام پہلے سے انچاس گُنا ہو گیا ہوتا۔ اور جماعت لاہور کا کام پہلے سے انچاسواں حصہ رہ جاتا۔ لیکن حالت یہ ہے کہ بقول قادیانی اخبارات پہلے ہمارے سالانہ جلسہ میں ساٹھ آدمی تھے۔ اب چھ سات سو ہیں۔ اور ان کے اپنے جلسہ میں ہمیشہ تعداد بیس پچیس ہزار ہی رہی۔ اخبار ''الفضل'' کے خریداروں کی تعداد نہ بڑھی۔ جتنی تھی اتنی ہی رہی۔ ریویو آف ریلیجنز کو ولایت میں لے جا کر بھی اس کے خریداری کی تعداد نہ بڑھی۔ یہاں تک کہ اسے پھر ہندوستان لانا پڑا۔ باقی قادیانی اخبار بھی روتے ہیں۔ کبھی نکلتے ہیں اور کبھی بند ہوتے ہیں۔ آخر غور طلب یہ بات ہے کہ انچاس گُنا تعداد بڑھا کر بھی کیوں وہیں کے وہیں رہے؟!

اور ہماری جماعت پہلے سے انچاسواں حصہ رہ گئی ہے یا نہ۔ یہ تو الگ سوال ہے۔ اب تو بہر حال جماعت قادیان کا انچاسواں حصہ اسے قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن کیا قادیان کی منظّم جماعت، جماعت لاہور کی قلیل اور غیر منظّم جماعت سے سو گنا کام کر رہی ہے؟ پچاس گنا ہی سہی، دس گنا ہی سہی، آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ قادیان کی اتنی بڑی اور منظّم جماعت قرآن کریم کا ایک انگریزی ترجمہ اب تک نہ کر سکی اور جماعت لاہور کی قلیل اور غیر منظّم جماعت نے تین ترجمے کر دیئے۔ انگریزی، ڈچ، جرمن مختلف زبانوں میں رسالے اور اخبارات بھی دیکھے جائیں تو جماعت لاہور کے اخبارات اور رسالے تعداد میں قادیانی اخبارات اور رسالوں سے زیادہ ہیں۔ باقاعدہ مشنوں کے قیام کو دیکھا جائے تو اس میں بھی جماعت لاہور کا پلہ بھاری ہے۔ اگر یہی مان لیا جائے کہ ہماری جماعت بھی قلیل ہے اور اس میں تنظیم بھی نہیں، جیسا قادیانیوں کا دعوٰی ہے تو پھر اس بات کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ کام خدا کے فرشتے کر رہے ہیں۔ اور یہی سچ ہے۔ کیونکہ یہ ہمارا کام نہیں خدا کے دین کی نصرت کا کام ہے۔ جو کوئی بھی خلوص سے

اس کام کو کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (40:22)

قادیان والے بھی ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ کیوں باوجود پچاس گنا ہونے کے اور منظّم ہونے کے ان کا کام ہم سے بھی کم ہے! کہیں ان کی توجہ پولٹیکل اہمیت حاصل کرنے کی طرف زیادہ تو نہیں ہوگئی۔ اور اشاعت اسلام کا کام پیچھے تو نہیں رہ گیا۔ اور میں اپنے احباب کو کہوں گا کہ ہم بھی غور کریں کہ کہیں ہماری سستی اور غفلت ہی تو اس بات کی ذمہ دار نہیں کہ ہماری جماعت کو جس قدر ترقی کرنی چاہیئے وہ نہیں کر رہے۔ اور ہم میں جو تنظیم ہونی چاہئے وہ نہیں۔ اور یہی وجہ ہماری مشکلات کی ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ جس للٰہی جوش سے چند ایک دوست کام کر رہے ہیں، اگر وہی جوش ہمارے سب احباب کے سینوں میں پیدا ہو جائے اور ہم، خواہ کتنے بھی تھوڑے ہیں، ایک سرے سے دوسرے سرے تک حرکت میں آ جائیں تو موجودہ کام ایک سال میں دو چند ہو سکتا ہے۔

❁❁❁

3 ستمبر 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات

موت وحیات کا سلسلہ بھی ایک راز ہے۔ جس کا حل انسان کے فہم سے بالاتر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل نے اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے، سے جو یقیناً صادق اور راستباز تھے اور جو انسانوں کے خلوص دل سے خیر خواہ تھے، ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ موت انسان کو معدوم نہیں کرتی۔ بلکہ ایک دوسرے عالم میں منتقل کر دیتی ہے۔ اس لئے جب کبھی کوئی ہمارا عزیز ہم کو داغِ مفارقت دیتا ہے تو ہم بھی بوجہ اس کے ساتھ تعلق کے اس عالم سے کچھ قریب ہو جاتے ہیں اور دنیا اور اس کے مال ومتاع کی ناپائداری ہمارے سامنے آ کر ہم تھوڑی دیر کے لئے اس دوسرے عالم کو دیکھ لیتے ہیں۔ گو وہ نقشہ جلد ہی پھر بدل جاتا ہے اور ہم پھر اسی دنیا میں منہمک ہو جاتے ہیں۔

موت اس شخص کے لئے ڈارونی ہو سکتی ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اس زندگی کے بعد پھر کچھ نہیں اور انسان مٹی ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ لیکن جو شخص جانتا ہے کہ موت ہمیں ایک دوسرے اور بہتر عالم میں منتقل کر دیتی ہے اس کے لئے موت کوئی خوفناک چیز نہیں۔ کیونکہ اس کے آگے تاریکی نہیں بلکہ روشنی ہے۔ قرآن کریم نے اس عجیب حقیقت کو بہت ہی مختلف پیرایوں میں سمجھایا ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ

(10:32) کہتے ہیں جب ہم مٹی ہو کر زمین کے اندر کھوئے جائیں گے تو کیا پھر ایک نئی زندگی میں داخل ہوں گے۔ ان کو یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ یعنی موت انقطاع زندگی کا کام صرف اسی حد تک ہے کہ ایک دوسرے عالم میں پہنچا دیتی ہے۔ جہاں وہ حجاب، جو انسان کو اس دنیا میں لقاء اللہ تک پہنچنے سے روکتے ہیں، اٹھ جاتے ہیں اور ایک نیا عالم انسان کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ جہاں کی ترقیات لامحدود ہیں۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ مرنے والے کے لئے موت ایک نئی زندگی کا افتتاح ہے۔ جس میں وہ اپنے اعمال کے مطابق ترقی کرتا ہے۔ لیکن جن عزیزوں سے وہ جدا ہوتا ہے، ان کے دلوں پر

ایک صدمہ پہنچنا لازمی ہے اور ہر انسان کو کم وبیش ایسے صدمات دیکھنے پڑتے ہیں۔ انسان کے انسان کے ساتھ جو تعلقات ہیں وہ خواہ خون کے تعلقات ہوں، خواہ محبت کے، دونوں میں عزیزوں کی موت دل پر ایک سخت ضرب کا حکم رکھتی ہے۔ اس سے انسان فائدہ اٹھائے تو دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو کر خدا کے آگے جھکتا ہے۔ گویا ایک رنگ میں پسماندگان کا قدم بھی ایک اعلیٰ زندگی کی طرف اٹھتا ہے اور بڑے سے بڑے دکھ کے اندر بھی ایک بشارت ہے۔ اسی لئے فرمایا وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ (155:2)

حدیث میں آتا ہے یَدُاللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ اس کا مفہوم تو یہی ہے کہ جب لوگوں میں آپس میں اتفاق اور محبت پیدا ہو کر ایک جماعت کا رنگ بن جائے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی برکات اس جماعت پر نازل ہوتی ہیں اور خدا کا ہاتھ ان کی پشت پر ہوتا ہے۔ لیکن جماعت کی برکات ایک حالت تک محدود نہیں بلکہ گونا گوں ہوتی ہیں۔ جہاں ہمیں اپنی جماعت کے محترم احباب کی جدائی سے ایک صدمہ ہوتا ہے، وہاں یہ بھی سچ ہے کہ ہم اس سے ایک بڑا بھاری فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں۔ یعنی وہ دوسرا عالم ہم سے جلد جلد قریب ہوتا رہتا ہے۔ جس شخص کے تعلقات اپنی برادری تک محدود ہوں گے، اسے تو کبھی کبھار ہی کسی عزیز کی مفارقت کا صدمہ ہوگا۔ لیکن جہاں اس سے آگے جماعت کے تعلقات ہوں، وہاں اس جماعت میں سے ایک ایک بزرگ کا الگ ہونا، جہاں اس کے لئے ترقیات روحانی کا دروازہ کھولتا ہے، ہمارے لئے بھی کھولتا ہے۔ پس جس قدر جماعت میں تعلقات محبت زیادہ ہوں گے، اسی قدر روحانی ترقیات کا قدم بھی تیز ہوگا۔

آئے دن یہ صدمات ہماری جماعت کو دیکھنے پڑتے ہیں۔ اور جتنا جتنا کسی کا ہم میں سے آگے جانے والے سے تعلق محبت زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس کے دل پر چوٹ بھی زیادہ لگتی ہے۔ شائد بہت لوگ خیال کریں گے کہ ان صدمات سے آزاد رہنا ہی اچھا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ جس قدر ہمارے تعلقات محبت زیادہ ہوں گے اور ہم کو ایک دوسرے کی مفارقت سے زیادہ صدمہ پہنچے گا، اسی قدر ہمارے لئے دوسرے عالم کا پردہ بھی زیادہ اٹھتا چلا جائے گا۔ اور اس میں ہماری بہتری ہے۔ یہ غلط خیال ہے کہ انسان کی صحت کو ان صدمات سے نقصان پہنچتا ہے۔ وہ تب ہی ہوتا ہے جب انسان غم میں حد سے تجاوز کرے۔ جس طرح خوشی میں بھی حد سے تجاوز کرنے سے نقصان پہنچتا ہے۔ اور مرتا ہر انسان اپنے وقت پر ہی ہے۔ اور پھر جب ہمارا خدا ہمیں یہ تسلی دیتا ہے کہ ہر مفارقت کے بعد ملاقات

بھی ہے، تو غم میں انسان کیوں حد سے تجاوز کرے۔ مگر جماعت کی ترقی کا بہت کچھ انحصار جماعت کے باہمی تعلقات محبت کے ازدیاد پر ہے۔

بہت دن نہیں ہوئے ہمیں ایک نہایت پیارے دوست مولوی محمد یعقوب کی جدائی کا صدمہ پہنچا۔ جن کو گو شائد بہت لوگ جماعت میں نہ جانتے ہوں گے۔ مگر وہ اخلاص اور محبت کا مجسمہ تھے۔ اب بھی جب ان کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو گویا محبت کا ایک پیکر مجسم نظر آجاتا ہے۔ اس کے بعد مولانا مولوی عصمت اللہ کی جدائی کا صدمہ پہنچا۔ جنہوں نے دین اسلام کے لئے بڑے بڑے عظیم الشان معرکے مارے تھے۔ آج ہمیں اپنی ایک بہن کے انتقال کا صدمہ پہنچا ہے۔ یعنی شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم کی رفیقہ حیات۔ آج دس سال بعد ان سے جاملتی ہیں۔ **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلھا وارحمھا وعافھا واعف عنھا.**

ہمارے ملک میں عورتیں بچاری عموماً گمنامی کی حالت میں ہی زندگی بسر کرتی ہیں۔ لیکن عنداللہ وہ ان نیکی کے کاموں میں شامل بھی ہوتی ہیں۔ جو ان کے خاوند کرتے ہیں۔ کیونکہ عورت اگر مرد کی معاون نہ ہو تو وہ کوئی کام نہیں کرسکتا۔ شیخ صاحب مرحوم کی مالی امداد اس سلسلہ میں اپنی نظیر شائد ہی رکھتی ہو۔ یہ محترم خاتون جو آج ہم سے جدا ہوتی ہیں ان سب قربانیوں میں ان کے شامل حال رہیں۔ ایسی خاتون کا جدا ہونا جہاں ان کے عزیزوں کے لئے ایک صدمہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کے قلوب حزین کو تسکین عطا فرمائے، وہاں ان تمام دوستوں کے لئے بھی ایک صدمہ ہے، جن کو شیخ صاحب مرحوم کے ساتھ محبت تھی۔ جماعت میں کون ہے جسے ان کے ساتھ محبت نہیں تھی۔ وہ نہ صرف خادم دین تھے بلکہ دوستوں سے بھی احسان کرنے والے تھے۔

اس محترم خاتون کی وفات پر جہاں میں اپنے احباب کو ہر جگہ جنازہ غائبانہ کی تحریک کرتا ہوں وہاں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ یہ پے در پے صدمات موت چاہیئے کہ ہمارے لئے دنیا کی محبت کو سرد کرنے والے اور خدا کی محبت کو بڑھانے والے ہوں، اور چاہیئے کہ ان صدمات کے ساتھ جو ہمارے لئے عزیز سے عزیز رشتہ دار کی موت کے سے صدمات ہی ہیں، ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ان رحمتوں اور افضال کا مورد بنائیں جن کا وعدہ اس آیت قرآنی میں ہے۔ **وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَآ**

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ. (2:155-157)

☆☆☆

"الفضل" کی آنکھ کے لئے سرمہ بصیرت: قادیانی جماعت بیس سال کی کوشش اور شوروغوغا کے باوجود قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ شائع نہیں کر سکی۔ اور جماعت لاہور کا ترجمہ عرصہ ہوا شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "الفضل" اپنی جماعت کی ناکامی و نااہلیت کی ناکام پردہ پوشی کے لئے جماعت لاہور کے ترجمہ میں فرضی غلطیاں اور نقائص نکالتا رہتا ہے۔ چند ہفتے ہوئے اس نے جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی مدیر "سچ" کے ایک مضمون کی چند سطروں کا سہارا لے کر شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ دیکھو ہم ہی نہیں بلکہ دوسرے لوگ بھی اس ترجمہ میں نیچریت کی شکایت کرتے ہیں۔ مولانا موصوف کے مضمون کا مفصل مدلل جواب مولوی دوست محمد مصنف "آئینہ احمدیت" دے چکے ہیں۔ "الفضل" کی تسلی بھی 20 اگست کے مقالہ افتتاحیہ میں کماحقّہ کر دی گئی تھی۔ پرسوں اتفاق سے کاغذات میں مولانا عبدالماجد صاحب کا ایک کارڈ مل گیا۔ جو موصوف نے 12 مئی 1934ء کو بستر علالت سے مدیر "پیغام صلح" کو لکھا تھا۔ مولانا بیمار تھے۔ مدیر "پیغام صلح" نے ان کے مزاج کی کیفیت پوچھی۔ یہ کارڈ عیادت نامہ کا جواب تھا۔ اس کے آخر میں مولانا نے مندرجہ ذیل الفاظ رقم فرمائے ہیں۔

> "مولانا محمد علی مرحوم (ایڈیٹر کامریڈ) کے کاغذات میں ایک ناتمام انگریزی تصنیف کا مسودہ کئی سو صفحات کا نکلا۔ اُس میں ایک جگہ آپ کے امیر جماعت اور اپنے ہمنام کے انگریزی ترجمہ قرآن کا ذکر بڑی مدح کے ساتھ کیا ہے۔"

ہمارے انگریزی ترجمہ القرآن کے متعلق مولانا اپنا ذاتی تجربہ محولہ بالا مضمون میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ انہیں الحاد کی تاریکیوں میں سے نکال کر اسلام کے قریب لے آیا۔ ان کے علمی و سیاسی استاد مولانا محمد علی صاحب مرحوم ایڈیٹر کامریڈ کے خیالات کا اندازہ مندرجہ بالا الفاظ سے لگ سکتا ہے۔ یہ الفاظ "الفضل" کی آنکھ کے لئے سرمہ بصیرت کا کام دے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کو اس نعمت کی قدر اور خواہش ہو۔

3 ستمبر 1934ء
از حضرت امیر

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض غیر احمدی حلقوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ اس وقت چوہدری ظفر اللہ خاں کے خلاف جو پروپیگنڈا ''زمیندار'' اور جماعت احرار کر رہی ہے، ہماری جماعت بھی اس میں ان کی مؤید ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ درست ہے کہ ہمارے نزدیک قادیانی جماعت حضرت مسیح موعود کی صحیح تعلیم سے منحرف ہے اور آپ کو حقیقی طور پر نبی مانتے ہیں اور جملہ مسلمانوں کو کافر قرار دینے میں خطرناک غلو اور غلطی کی مرتکب ہے لیکن ہمارے نزدیک تمام کلمہ گو مسلمان ہیں اور انہی میں قادیانی جماعت بھی شامل ہے۔ ایک دوسرے کو کافر کہنا تو آج مسلمانوں کی عامہ ذہنیت ہوگئی ہے۔ اور اپنے پیروں اور رہنماؤں کے حق میں غلو بھی اس قدر لوگوں نے کیا ہے کہ رسول کے مرتبے سے بھی آگے بڑھا دیا ہے بلکہ خدا تک بھی ماننے کو تیار ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ تمام غلطیاں ہیں۔ یوں جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلمان ہے۔ بعض لوگ غلطی سے بابیوں اور بہائیوں کا نام لے دیتے ہیں۔ بابی اور بہائی یقیناً مسلمان نہیں۔ نہ وہ کبھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ مگر قادیانی باوجود اپنے غلو کے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے کسی کا حق نہیں کہ اسے اسلام سے خارج قرار دے۔

اگر مسلمانوں کے ایک دوسرے کو کافر کہنے کی بنا پر لوگوں کو اسلام سے خارج کرنا شروع کیا جائے تو ایک متنفس بھی مسلمان باقی نہیں رہے گا۔ اور سب کافر قرار پائیں گے۔ خود مولوی ظفر علی پر لاہور میں ایک مقتدر بزرگ کی طرف سے، حالانکہ دونوں اہل سنت والجماعت، دونوں حنفی ہونے کے مدعی ہیں، کفر کا فتوٰی لگ چکا ہے۔ احمدی جماعت کے کفر و اسلام کا سوال اس وقت تک چار ہائی کورٹوں میں آ چکا ہے اور چاروں نے بالاتفاق احمدیوں کو مسلمان قرار دیا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس وقت تک خود مسلمانوں کو بھی سمجھ آ جاتی۔ مگر افسوس ہے کہ بعض لوگ تعصب سے اندھے ہو کر اسلام میں رخنہ اندازی کر رہے ہیں۔ چار ہائی کورٹوں کے فیصلے کے بعد کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ احمدیوں کے کافر ہونے کا

اعلان کرے۔ اگر کسی میں ہمت ہے۔ مولوی ظفر علی خان ہوں۔ یا چند لیڈران احرار ہوں، تو انہیں چاہئے کہ پہلے ان چار ہائی کورٹوں کے فیصلوں کو بدلوائیں اور پھر احمدیوں کی تکفیر کا نام لیں۔ ورنہ جو امر مسلم ہے اس کے خلاف چند آدمیوں کے شور وغوغا سے کچھ نہیں بن سکتا۔

ہائی کورٹوں کے فیصلوں کے علاوہ خود آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کا فیصلہ ہے۔ وہ فیصلہ بھی یہی ہے کہ احمدی مسلمان ہیں۔ خواہ قادیانی ہوں یا لاہوری۔ آج مسلم طور پر آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کی نمائندہ مسلم کانفرنس ہے۔ اکیلے مولوی ظفر علی یا چند احراری لیڈر نہیں۔ نہ ہی وہ چند علماء ہیں جن کا دن رات کام یہی ہے کہ ایک دوسرے کو کافر قرار دیں۔ اس مسلم کانفرنس کا جو آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کی نمائندہ ہے، یہی فیصلہ ہے کہ ہر دو احمدی جماعتیں مسلمان ہیں۔ اسی لئے انہوں نے ہر دو جماعتوں کے نمائندوں کو اپنے اندر شامل کیا ہے۔ پھر مسلم لیگ ہے۔ مسلم کانفرنس سے دوسرے درجہ پر وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے اور ہر جگہ مسلم لیگ میں احمدی جماعت کے نمائندگان بطور ممبر شامل ہیں۔ بلکہ دینی عہدیداروں میں رہے ہیں۔ خود چوہدری ظفر اللہ خان کو مسلم لیگ نے اپنا صدر تجویز کیا۔ اور ان کی صدارت میں مسلم لیگ کا جلسہ ہوا۔ جب کبھی اور جہاں کہیں مسلمانوں کی طرف سے ڈیپوٹیشن جاتے ہیں، ان میں احمدیوں کو دعوت دی جاتی ہے اور شامل کیا جاتا ہے۔ پھر ہر جگہ اسلامی انجمنیں ہیں۔ ان میں احمدی ممبران ہیں۔ خود لاہور میں دو ایسے پایہ کی انجمنیں ہیں۔ جو سارے صوبہ پنجاب کی نمائندہ ہیں۔ یعنی انجمن حمایت اسلام لاہور اور انجمن اسلامیہ لاہور۔ ان میں بھی احمدی ممبران ہیں۔ مولوی ظفر علی کی آواز یا چند احراری لیڈروں کی آواز آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کی متفقہ آواز کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اگر ان میں ہمت ہے تو پہلے مسلم کانفرنس سے یا مسلم لیگ سے احمدیوں کو نکال کر دکھائیں۔ ورنہ یہ ساری بک بک جس سے دن رات اخبار زمیندار کے اوراق سیاہ کئے جاتے ہیں، اور کسی کام نہیں آتی، سوائے اس کے کہ اسلام کو دوسروں کی نگاہ میں بدنام کرے اور وہ لوگ جو اس میں حصہ لیتے ہیں، آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کی متفقہ آواز کے خلاف ایک کام کر رہے ہیں۔ محمد علی

❁❁❁

19 ستمبر 1934ء
حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات

ایک طرف تو اخبار زمیندار کے کالموں پر کالم روزانہ گورنمنٹ کو اس طرف توجہ دلانے میں سیاہ کئے جاتے ہیں کہ چوہدری ظفر اللہ خان مسلمانوں کے نمائندہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ قادیانی جماعت کے ممبر ہیں۔ لیکن جب میں نے یہ لکھا کہ گورنمنٹ احمدیوں کے مسلمان ہونے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ اس لئے کہ گورنمنٹ کی چار ہائی کورٹیں بالاتفاق فیصلہ کر چکی ہیں کہ احمدی مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے حقوق رکھتے ہیں تو اس پر یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر گورنمنٹ کی پناہ تلاش کی جارہی ہے۔ اس جوش وخروش میں، جو اس وقت احمدیت کے خلاف برپا ہے، دماغی توازن کا قائم رہنا واقعی مشکل ہے، ورنہ جو لوگ خود چاروں طرف اپیلیں کر رہے ہیں کہ گورنمنٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے کہ احمدیوں کو مسلمان تسلیم نہ کرے، اور خود دن رات اسی کام میں مصروف ہیں، وہ کس منہ سے دوسرے پر اعتراض کر سکتے ہیں کہ انگریزی گورنمنٹ کے فیصلوں کا حوالہ کیوں دیا گیا۔ حوالے تو سب موجود ہیں مگر کیا آپ اس طرف توجہ کرتے ہیں کیا ہم نے آپ کے سامنے بارہا قرآن کریم کا فیصلہ پیش نہیں کیا۔

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے اسے تم کافر نہیں کہہ سکتے۔ مگر کیا آپ نے یا آپ کے علماء نے قرآن کریم کے اس فیصلے کی کوئی پروا کی! دن رات رب کعبہ کے نعرے لگانے والوں کا یہ حال ہے کہ قرآن کریم کا کھلا اور صریح فیصلہ پیش کیا جاتا ہے تو اس کی اپنے خیالات کے سامنے پشہ کے برابر بھی وقت نہیں کی جاتی۔ مکفر مولویوں اور مکفر لیڈروں اور نئے مکفرین کی جماعت احرار میں سے ایک بھی نہیں جو ایک لمحہ کے لئے خدا کے کلام کے سامنے سر جھکا دے۔ اور اپنے خیالات کو چھوڑ دے۔ اگر یہ خدا کا کلام ہے تو خدا کا خوف کرو اور سچے دل سے مسلمان بن جاؤ۔ اور اس خدائی فیصلے کے سامنے سر جھکا دو۔ ورنہ یہی بتا دو کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ کیونکہ آپ لوگوں کے نزدیک قرآن کریم کی بہت سی آیات منسوخ بھی ہیں۔ یہی نہیں۔ قرآن کریم کا یہ صرف ایک ہی فیصلہ نہیں۔ قرآن کریم ایک مرتبہ نہیں سینکڑوں مرتبہ فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ پر، اس کے

فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یوم قیامت پر ایمان لاتا ہے، وہ مومن ہے، مسلمان ہے۔ مگر احمدی یہ سب کچھ مانتے ہیں اور آپ لوگ قرآنی فیصلوں کے خلاف انہیں کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے رہے ہیں۔ جو لوگ آنکھیں بند کر کے آج ان علماء اور لیڈروں کے پیچھے چل رہے ہیں، اور جو علماء اور لیڈر آج آنکھیں بند کر کے اللہ تعالیٰ کے صریح ارشادات کی اور اس کے احکام کی نافرمانی کر رہے ہیں، وہ کل کو خدا کے حضور کیا جواب دیں گے! قرآن کریم صاف فرماتا ہے کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے وہ مومن ہے، مسلمان ہے۔ مگر آپ لوگوں کو قرآن کریم کی کچھ پرواہ نہیں۔ ہم تو آیات قرآنی پیش کرتے ہیں جن کے ماتحت ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ آپ نہ صرف ان آیات کی ہتک کرتے ہیں بلکہ قرآن کریم کے اس صریح حکم کو پس پشت پھینکتے ہیں کہ جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے اسے کافر مت کہو۔

پھر کیا آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پرواہ ہے۔ کیا حدیثوں میں صراحت موجود نہیں مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذَالِکَ الْمُسْلِمُ جو شخص ہماری نماز پڑھتا ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے وہ مسلمان ہے۔ کیا احمدی یہی نماز نہیں پڑھتے، قبلے کی طرف منہ نہیں کرتے۔ مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے کہ اپنے خیالات کو مقدم کرتے اور ارشاد نبویؐ کی تحقیر کرتے ہو۔ پھر حدیث میں ارشاد موجود ہے۔ مَنْ كَفَرَ اَهْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَهُوَ اِلَی الْكُفْرِ اَقْرَبُ جو شخص کلمہ گو کی تکفیر کرتا ہے وہ خود کفر سے قریب تر ہے۔ تم حامی دین بن کر دوسروں کو کافر بناتے ہو۔ مگر اپنی فکر کرو کہ خود یہ تمہارا تکفیر کرنا تمہیں کفر سے قریب کر رہا ہے۔ تم کھلے حکم نبویؐ کی مخالفت کرتے ہو۔ لاتکفر اهل قبلتک اہل قبلہ کی تکفیر مت کرو۔ کیا احمدی کلمہ گو نہیں؟ کیا ان کی اذانوں میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے سوا کچھ اور کہا جاتا ہے۔ کیا وہ قبلے کی طرف منہ نہیں کرتے اور اپنی مسجدیں قبلہ رخ نہیں بناتے؟!

تو جب آپ لوگوں نے خدا اور اس کے رسول کے احکام کی پروا نہ کی اور انگریز کی پناہ لی کہ حضور ہی ہمیں بچا لیں تو ہم نے آپ کے سامنے انگریز کا فیصلہ بھی رکھ دیا۔ اور در حقیقت مکفر مولویوں اور

مکفر لیڈروں کے لئے ڈوب مرنے کی جگہ ہے کہ جس حکم قرآنی کے سامنے ایک کافر بھی اپنا سر جھکا دیتا ہے اس کو تم اپنی ہوا و ہوس سے ٹھکرا کر پھینک دیتے ہو کہ ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں! آخر ان ہائی کورٹوں نے یہ فیصلے کیوں کئے۔ وہ مسلمانوں پر مسلمانوں کا قانون ہی برتتے ہیں۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے احکام کو سن کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے کہ کوئی کلمہ گو کافر نہیں ہوسکتا۔ آہ! کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ کافروں کو سمجھ آ گئی مگر مسلمانوں کو نہ آئی!

اور پھر کبھی آپ لوگوں نے یہ بھی سوچا کہ یہ سرا واویلا کیسا ہے۔ جہاں حقوق کا تنازعہ ہوتا ہے اس کا فیصلہ ایگزیکٹو گورنمنٹ نہیں کرتی۔ بلکہ وہ فیصلہ عدالتیں کرتی ہیں اور خود ایگزیکٹو گورنمنٹ بھی اس فیصلہ کی صحت کو تسلیم کرتی ہے۔ جب چار ہائی کورٹیں (تین ہندوستان کی اور ایک بیرون ہند) یہ فیصلہ کر چکی ہیں کہ احمدی مسلمان ہیں۔ اور مسلمانوں کے تمام حقوق رکھتے ہیں تو کوئی گورنمنٹ نہیں جو ان کو یہ حقوق دینے سے انکار کر سکے۔ آپ ایک سو نہیں ایک لاکھ جلسے کریں۔ اور ایک کروڑ رزولیوشن گورنمنٹ کو بھیجیں۔ گورنمنٹ کو ہائی کورٹوں کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ اگر آپ لوگ فی الواقع ہمیں مسلمانوں کے حقوق سے محروم کرنا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں۔ یا تو کسی زبردست مکفر مولوی کو اسمبلی میں بھیجئے کہ وہاں احمدیوں کے کفر کا ایک بل پیش کرے اور اس وقت ممبران اسمبلی کو نکال کر اسمبلی کی صدارت پر مولوی ظفر علی خان اور تمام نشستوں پر احراری لیڈروں کو متمکن کر دیا جائے۔ یا پھر کسی ہائی کورٹ میں مقدمہ لے جا کر ثابت کر دیجئے کہ بروئے شریعت اسلامی ہم لوگ کافر ہیں۔ ورنہ یہ سب فضول شور و غوغا نہیں تو اور کیا ہے! ایک سوال کو حل کرنے کا جو صحیح راستہ ہے وہ اختیار کیجئے۔

اور پھر یہ کیسی بیوقت کی راگنی ہے۔ اگر آپ نے احمدیوں کو کافر ثابت کرنا تھا تو اس وقت کرتے جب Electoral Roll بن رہے تھے۔ اس وقت کرتے جب مردم شماری ہو رہی تھی۔ جب مردم شماری میں احمدی مسلمان لکھے گئے۔ جب رائے دیتے وقت ان کا حق مسلمان ہونے کا تسلیم کر لیا گیا اور آپ لوگوں کو بھی اس وقت ہوش نہ آئی۔ یا اس وقت بھی آپ نے شور مچایا اور کسی نے آپ کی پروا نہیں کی۔ تو اب کون کرے گا۔ یہ تو الگ سوال ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان کو اپنی قابلیت کی وجہ سے

گورنمنٹ کسی عہدے کے لئے منتخب کرے۔ جو مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے یا نہ کرے۔ اور کسی دوسرے کو ترجیح دے۔ لیکن گورنمنٹ اتنی احمق نہیں کہ مردم شماری میں احمدیوں کو مسلمان لکھ کر اور مسلمان رائے دہندگان میں ان کا نام لکھ کر اب یہ خیال کرے گی کہ مولوی ظفر علی خان اور احرار کے رزولیوشنوں کی وجہ سے کوئی احمدی مسلمان ہونے کی حیثیت میں کسی عہدے پر منتخب نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی غور اور فکر کا مادہ ان رزولیوشنوں کے پاس کرنے والوں میں باقی رہ گیا ہے، تو انہیں صاف معلوم ہو جائے گا کہ ان کا یہ شور مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید برکلہ خود باید زد کا مصداق ہے۔

مسلمانوں کو کافر بنا کر خدا اور رسول کے سامنے یوں رسوائی الگ ہوئی کہ ان کے احکام کو پس پشت پھینکا اور اپنے خیالات کا تتبع کیا۔ اور دنیا میں یوں ناکامی نصیب ہوئی **خَسِرَ الدُّنیَا وَالْاٰخِرَۃَ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ.** (11:22)

ہاں اگر فی الواقع قادیانیوں کی کسی غلطی کی اصلاح کرنا مقصود ہے تو آؤ اور ان کے عقیدہ تکفیر اہل اسلام کے خلاف جنگ کرو۔ ہمیں آج بیس سال ہوگئے کہ ہم یہ جنگ کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی غلطیوں پر اگر ہم جھگڑیں تو یہ کوئی کام کی بات ہے؟! لیکن مسلمانوں کی تکفیر ایک لعنت ہے۔ جس کی ابتداء خوارج سے ہوئی۔ جو اسلام کا پہلا مکفر گروہ ہے۔ اور تکفیر سے مسلمانوں کی طاقت پاش پاش ہوتی ہے۔ آؤ جب اس وقت اسلام کو کچھ کام کرنے والوں کی ضرورت ہے، تو ہم سب تکفیر پر لعنت بھیجتے ہوئے اسلام کو پہلے اس سے صاف کریں۔ پھر مسلمان ایک ہوں گے۔

<u>متفرق خیالات: مطبوعہ 27 ستمبر 1934ء:</u>

ہمارے نومسلم بھائی شیخ خالد لطیف گابا کے متعلق اخبار ''زمیندار'' کا جھوٹا پروپا گنڈا، کہ وہ بھی گویا احمدیوں کے تکفیر کرنے والے گروہ میں شامل ہیں، نہایت ناپاک ہے۔ میں نے شیخ صاحب سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''میں نے جو کچھ کہا وہ صرف اس قدر تھا کہ میں صرف ایک سیدھا سادہ مسلمان ہوں۔ اور کسی خاص فرقے سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور میرا اسلام کے متعلق علم بھی اتنا وسیع نہیں کہ میں کسی شخص کو کافر یا خارج از اسلام قرار دینے کی جرات کروں۔'' کلمہ گوؤں کی تکفیر صرف بیکار لوگوں کا کام ہے۔ یا ان کا جن کے معاش کا دارومدار کلمہ گوؤں میں تفریق پیدا کرنے پر

ہے۔ شیخ صاحب موصوف کے ساتھ خدمت اسلام کی بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ اور تکفیر جیسے ناپاک شغل کے لئے ان کے پاس وقت نہیں۔ نہ آج کسی آدمی کے پاس ہے جس کے دل میں خدمت اسلام کا کچھ بھی جوش ہو۔

انجمن اسلامیہ ڈلہوزی کے سالانہ جلسہ پر وہ میرے لیکچر کے وقت پریذیڈنٹ تھے۔ اس کے بعد ان کا اپنا لیکچر تھا۔ جس میں انہوں نے یہ بیان کرنے کے بعد، کہ کس طرح یورپ آج خود یہ پیشگوئیاں کر رہا ہے کہ دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا، مسلمانوں کو بھی ایک نصیحت کی کہ ''وہ اس غلط خیال کو دل سے نکال دیں کہ عقائد پر اجر ملتا ہے۔ اجر عقائد پر نہیں بلکہ اعمال پر ملتا ہے۔ اس لئے جس قدر ان کی کوشش ہو گی اسی قدر ان کو اجر بھی ملے گا۔'' یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (39:53) مگر آج مسلمان ہیں کہ ان کا یہی فخر ختم نہیں ہوتا کہ ہم حنفی ہیں، ہم اہل سنت والجماعت ہیں، ہم مسلمان ہیں ہم یہ مانتے ہیں اور فلاں گروہ یہ مانتا ہے، کاش! کبھی یہ بھی غور کرتے کہ ہم کرتے کیا ہیں؟!

اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہوگی کہ آج یہ سن کر ہمارے مسلمان بھائی خوش تو ہو جائیں کہ فلاں شخص یہ کہتا ہے کہ دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہی ہوگا۔ لیکن خود اسلام کو دنیا کا آئندہ مذہب بنانے کے لئے ہاتھ نہ ہلائیں اور پیسہ خرچ نہ کریں۔ پہلے اسلام پھیلا تو قربانیوں سے پھیلا۔ آئندہ پھیلے گا تو قربانیوں سے ہی پھیلے گا۔ اگر بغیر قربانیوں کے حق پھیل سکتا تھا۔ تو سب سے پہلے مسلمانوں کو کیوں جانیں قربان کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اور کیا آج مسلمانوں میں اسلام کے پھیلانے کے لئے قربانیوں کا کوئی نمونہ نظر آتا ہے۔ بہت ملکوں میں تو مسلمانوں کے اندر سے یہ احساس ہی مر گیا ہے کہ اسلام کا پھیلانا بھی کچھ کام ہے۔ ہندوستان میں یہ کچھ احساس ہے۔ لیکن اشاعت اسلام کی کتنی انجمنیں ہیں جو مسلمانوں کی بے توجہی اور لاپروائی کا رونا نہیں روتیں۔ میر غلام بھیک صاحب نیرنگ نے کس قدر کوشش کی اور قربانی کی کہ اشاعت اسلام کا کام ہندوستان میں ایک زبردست پیمانے پر شروع ہو جائے۔ لیکن آئے دن اخبارات میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ کچھ تھوڑا سا کام جو ابتداء میں شروع کیا تھا اس کے لئے بھی روپیہ نہیں ملتا۔ اور کئی کئی ماہ کی ملازمین کی تنخواہیں ادا نہیں ہوتیں۔

اور اس شخص کو، جس نے اشاعت اسلام کے لئے ایک زبردست روح قربانی کی اپنے پاس

بیٹھنے والوں میں پیدا کی، کافر کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگ، جنہیں آج احمدیوں کی قربانیوں کا کچھ احساس بھی ہے، اگر اس کے سامنے اس شخص کا نام لیا جائے، جس نے یہ روح پیدا کی، تو ماتھے پر شکن پڑ جاتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ تنگ نظر علماء نے ہمیشہ بڑی سے بڑی زبردست روحانی شخصیتوں کو کافر اور دجال ہی قرار دیا اور ان کے خلاف ہمیشہ یہی الزام رہا کہ یہ خدائی کا دعوٰی کرتے ہیں، یہ رسولوں کی ہتک کرتے ہیں، یہ علماء کو برا کہتے ہیں۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج احمدیہ جماعت کے عظیم الشان کارناموں کو اگر تنگ نظر علماء نہیں دیکھتے، تو اچھے بھلے تعلیم یافتہ لوگ بھی اس طرف سے آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ ورنہ آج یورپ میں اشاعت اسلام کا کام دہ چند طاقت سے کام کرتا نظر آتا۔

تعجب یہ ہے کہ احمدیہ فریق لاہور پر کسی مسلمان کو از روئے عقائد بھی حرف گیری کا کوئی موقعہ نہیں۔ مگر پھر بھی اندھا دھند اس کی مخالفت بھی جاری ہے۔ دیکھتے ہیں کہ نہایت پاکیزہ عقائد کے ساتھ کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ ہاں ہر صدی کے سر پر مجدد آتے ہیں اور آتے رہیں گے اور اس صدی کا مجدد وہی پہلوان اسلام ہے جس نے اشاعت اسلام کی ایک زبردست روح اپنے پیروؤں کے اندر پیدا کر دی ہے اور کہ کوئی کلمہ گو کافر نہیں ہوسکتا، اس چھوٹی سی جماعت نے کتنا عظیم الشان کام اشاعت اسلام کا سنبھالا ہوا ہے۔ مگر پھر بھی یہ حالت ہے کہ اس جماعت کی بیخکنی کو عین ایمان خیال کیا جاتا ہے اور کبھی یہ بھی نہیں سوچتے کہ یہ جو اشاعت اسلام کا عظیم الشان کام ہو رہا ہے، اس جماعت کے برباد ہونے سے یہ بھی برباد ہو جائے گا۔ افسوس کہ نہ خود کچھ کرتے ہیں نہ کرنے والوں کو کرنے دیتے ہیں!

کیا رونے کا مقام نہیں کہ برلن میں ایک عظیم الشان مسجد بنے۔ جہاں سے اللہ اکبر کی آواز بلند ہو اور وسط یورپ میں اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی جائے۔ تو اس کی مخالفت مسلمانوں کی طرف سے ہو۔ کیا کوئی دوسری مسجد اس کی جگہ لینے کے لئے بنا لی ہے؟ نہیں بلکہ محض حسد ہے۔ اور اس سے بڑھ کر رونے کا مقام یہ ہے کہ ان اسلامی کاموں کے برباد کرنے والوں کر ملامت کونے والا کوئی نہیں۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ اس گروہ کے ہاتھ سے میری اپنی ہی عزت بچ جائے یا مجھے نقصان نہ پہنچے تو غنیمت ہے۔

اور اسی چھوٹی سی جماعت کی یہ ہمت ہے کہ اس تمام مخالفت کے طوفان کے اندر دیوانہ وار اس کام میں مصروف ہے۔ ابھی وہاں سے آواز آئی کہ اگر مسجد کی مرمت کا انتظام ایک ماہ کے اندر اندر نہ ہوا، تو عمارت کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ مولانا ظفر علی اور ان کے احرار تو خوش ہوں گے کہ اب یہ مسجد گر جائے گی تو چراغاں کریں گے۔ لیکن اس چھوٹی سی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ اس پندرہ سولہ ہزار سالانہ کے علاوہ، جو برلن مشن پر خرچ ہو رہا ہے، پانچ ہزار روپے کی مرمت مسجد کے لئے اپیل کی گئی تو ایک ماہ کے اندر دو ہزار روپے روانہ بھی ہو چکا اور باقی کی فکر ہے۔

پھر ادھر امام مسجد ڈاکٹر پروفیسر محمد عبداللہ پر طرح طرح کے ناپاک حملے کئے جاتے ہیں۔ ادھر اس خادم اسلام کی قربانی دیکھو کہ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ انجمن اس وقت مالی مشکلات میں ہے تو بغیر اس کے کہ انجمن ان کو اشارتاً یا کنایتاً بھی کوئی تحریک کرے، خود لکھ دیا کہ آئندہ کے لئے میری تنخواہ میں سے ایک سو روپیہ کم کر دیا جائے۔ تاکہ بجٹ پورا ہو جائے۔ پروفیسر صاحب کا اس مضمون کا خط مجھے کل ہی ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہت بہت جزائے خیر دے۔ کیا اس قربانی کی نظیر بھی مل سکتی ہے کہ ایک طرف ایک شخص اپنوں کے ہاتھ سے طرح طرح کے الزامات کا نشانہ بنا ہوا ہو، اور دوسری طرف اس کی خدمت اسلام کا جذبہ بڑھتا چلا جائے۔ افسوس کہ یہ لوگ ناحق اپنی عاقبت سیاہ کر رہے ہیں۔ ورنہ اس جماعت کے متعلق یہ عقائد کی رو سے کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔ اور اس کی قربانیاں اللہ کے فضل سے اس زمانہ میں بے نظیر ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ایسے لوگوں کی قدر کی جاتی۔ مگر یہاں الٹا سلوک ہو رہا ہے کہ انہی کو بدنام اور ذلیل کرنے میں اور کافر بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس تمام مخالفت کا، جو خدمت اسلام کا کام کرنے کی وجہ سے اس جماعت کی ہو رہی ہے، اس پر کوئی برا اثر نہیں۔ کیونکہ ہمارے دوست جانتے ہیں کہ اگر خدا کی طرف سے رحمت اور نصرت آئے تو دنیا پرست بے شک لعنت بھیجتے رہیں۔

لعنت بدگہران است یکے ہرزہ نفیر لعنت آں ست کہ از سوئے خدا مے بارد

محمد علی

❁❁❁

3 اکتوبر 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

مسلمانوں کی تکفیر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) یہ آیت قرآنی مسئلہ تکفیر پر ایسی فیصلہ کن دلیل ہے کہ جیسا کہ میں نے لکھا تھا اس کے سامنے......عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر ہندو اور عیسائی بھی یہی فیصلہ کرتا ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ خواہ اس میں اور ہزاروں عیب پائے جاتے ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ نہیں سر جھکتا تو مسلمان کا۔ ہاں! اس مسلمان کا جو اسے خدا کا کلام یقین کرتا ہے، سر اس کے سامنے نہیں جھکتا، اللہ اس قوم کی حالت پر رحم کرے جس کے سامنے خدا تعالیٰ کا اتنا صریح حکم موجود ہے۔ مگر یہ السلام علیکم کہنے والوں کو کافر کہنے پر اپنا سارا زور صرف کر رہی ہے۔ میں تو ہائیکورٹوں کا حوالہ بھی مسلمانوں کو شرم دلانے کے لئے دیتا ہوں کہ جس بات کو قرآن وحدیث کی بنا پر ہندو اور عیسائی صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا سر قرآن وحدیث کے ان صریح احکام کے سامنے نہیں جھکتا اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (43:25) یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم رب کعبہ خدائے واحد کے پرستار ہیں۔نہیں۔ یہ اپنے حرص وہوا کے پجاری ہیں!

اس آیت قرآنی کو پیش کرنے پر کوئی مسلمان یہ تو نہیں بتا تا کہ اس کے صریح حکم سے وہ کیوں گریز کر رہا ہے۔ میں نے اسے اخبار میں پیش کیا تو ''زمیندار'' میں اس کے جواب میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ اول تو میں چودھری ظفر اللہ خان کی حمایت میں کھڑا ہوں۔ خدا شاہد ہے کہ میں کسی کی حمایت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتا۔ جماعت قادیان، جماعت احمدیہ لاہور کی اس سے کم مخالف نہیں، جتنی مخالفت دوسرے لوگوں کی طرف سے ہو رہی ہے۔ قادیان والے اس وقت جماعت لاہور کو تباہ کرنے کے لئے اتنی ہی قوت صرف کر رہے ہیں جتنی دوسرے لوگ احمدیت کو برباد کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ جس طرح یہ لوگ اپنے آپ کو کثرت میں دیکھ کر ایک چھوٹی جماعت کو محض حسد کی وجہ سے برباد کرنے کی فکر میں ہیں، اسی طرح قادیانی جماعت لاہور کو اپنے مقابلہ میں قلیل دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تھوڑی سی قوت خرچ کرنے سے برباد کر دیں گے۔ اور جس طرح احمدیت کے مخالفوں نے احمدیت کے

عظیم الشان کارناموں کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں، اسی طرح جماعت قادیان نے جماعت لاہور کے عظیم الشان کاموں کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ حالانکہ تعداد میں ہم کم سہی، قادیان والوں کا دسواں یا بیسواں حصہ سہی، لیکن ہمارا اشاعت اسلام کا کام خدا کے فضل سے قادیان کے کام سے بہت زیادہ ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا مسلمانوں کی تکفیر کے خلاف قلم اٹھانا صرف مکفر علماء کی مخالفت ہی نہیں، خود قادیان والوں کی بھی مخالفت ہے۔ ہمارا مسئلہ تکفیر کے خلاف لکھنے کو وہ کوئی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ کیونکہ جس طرح مکفر علماء اور احرار اس وقت کلمہ گوؤں کی تکفیر کر رہے ہیں، اسی طرح قادیان والے بھی کلمہ گوؤں کی تکفیر کر رہے ہیں۔ اس لئے مسئلہ تکفیر کے خلاف ہمارا لکھنا دونوں کو یکساں چبھتا ہے۔ بلکہ علماء کے علاوہ بعض تنگ نظر لیڈروں کو بھی چبھتا ہے۔ جب ہم آیت قرآنی وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) کو پیش کرتے ہیں تو دونوں مکفر گروہوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ قادیانی اس سے باہر نہیں رہ جاتے۔ اور اس آیت کا جواب نہ قادیانیوں کے پاس کچھ ہے نہ مکفر علماء یا کسی اور مکفر جماعت کے پاس۔ اسی طرح ہمارا بائیکوٹوں کو پیش کرنا دونوں گروہوں کو شرم دلانے کے لئے ہے۔ قادیان والوں کو بھی اور دوسرے مکفرین کو بھی۔

پھر یہ کہا گیا کہ ہم نے یہ آیت قرآنی، جواب مولوی ظفر علی خان کے سامنے پیش کی ہے، اسے حضرت مرزا صاحب کے سامنے کیوں پیش نہیں کیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ اس سے ان لوگوں کی بریت ہو جاتی ہے، جن کے سامنے اس وقت ایک آیت قرآنی پیش کی جاتی ہے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ ہم نے اسے کہاں پیش کیا اور کہاں نہیں کیا۔ یہ سوال نہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ قرآن شریف کی آیت ہے یا نہیں۔ اور ہر مسلمان کا فرض ہے یا نہیں، کہ اسے مانے۔ غیر متعلق امور کو بحث میں داخل کرنے سے امر تنقیح طلب کبھی حل نہیں ہوا کرتا۔ امر تنقیح طلب صرف ایک ہے۔ کہ کیا قرآن شریف میں حکم ہے یا نہیں، کہ جو شخص تم کو السلام علیکم کہے تم اسے کافر مت کہو۔ کیا خدا نے السلام علیکم کہنے والے کو کافر کہنے سے روکا ہے یا نہیں۔ اگر یہ حکم ہے تو تمہارے پاس اس کی پرواہ نہ کرنے کا کیا جواب ہے؟ اگر یہ حکم نہیں تو اس آیت کے کوئی اور معنی کر کے دکھاؤ یا اس آیت کو منسوخ قرار دو۔ اور کوئی عذر پیش کرو کہ

پہلے بھی کسی نے اسے منسوخ کیا ہے۔ ورنہ قادیانی ہو یا غیر قادیانی ہو، شرم کرو اور خدا کے حکم کے سامنے سر جھکا دو۔ اور جس طرح چاہو ایک دوسرے کو کوسو، مگر السلام علیکم کہنے والے کو کافر مت کہو۔ اور حضرت مرزا صاحب کے سامنے اس آیت کو پیش کرنے کے معنی ہی کیا ہوئے۔ ہم نے تو انہی سے اس بات کو سیکھا کہ کوئی کلمہ گو کافر نہیں ہوسکتا۔ آپ نے ہی تو اس اصول کی طرف توجہ دلائی کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو اسے کافر مت کہو۔ مسلمان کہو۔ آپ تنگدل علماء اور لیڈروں کی طرح نہ تھے، جنہیں صرف اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے۔ آپ کی نظر بہت وسیع تھی ،اور آپ نے دیکھ لیا تھا کہ اسلام کو اس وقت کفر کے ساتھ ایک خطرناک مقابلہ درپیش ہے۔ اور اس مقابلہ پر آپ نے اپنی جماعت کو لگایا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اگر ایسا تھا تو آپ کی جماعت کا ایک بڑا گروہ یہ کیوں مانتا ہے کہ کلمہ گو مسلمان کافر ہیں، تو اس کا جواب صرف اسی قدر ہے کہ پیروؤں کے عمل کا ذمہ دار پیشرو نہیں ہوسکتا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آج ساٹھ کروڑ انسان ایک نبی کو خدا بنا سکتے ہیں، تو ساٹھ ہزار کا مجدد کو نبی بنا لینا کونسا مشکل امر ہے! غلو پہلے بھی ہوتا رہا اب بھی ہوا۔ مگر حضرت مرزا صاحب نے تو صاف الفاظ میں کہہ دیا۔ جس کا انکار نہ کوئی قادیانی کرسکتا ہے نہ غیر قادیانی کہ میرے دعوے کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں کہلا سکتا۔ ان الفاظ کے بعد حضرت مسیح موعود کا دامن ان افتراؤں سے پاک ہے کہ آپ نے ان مسلمانوں کو، جو ان کے دعوٰی کو نہیں مانتے تھے، کافر کہا۔

بات تو اس کے الٹ ہے۔ علماء آپ کو کافر دجال کہا۔ آپ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ ایسے لوگوں کے متعلق اگر آپ نے یہ کہا کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ کیونکہ بروئے حدیث شریف مسلمان کو کافر کہنے والے پر کفر الٹ پڑتا ہے تو اس میں وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) کا انکار نہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے حضرت مرزا صاحب اور آپ کے ساتھیوں کو کافر کہہ کر خود ہی پہلے السلام علیکم ترک کیا۔ اگر یہ کافر کہنا چھوڑ دیں اور حضرت مرزا صاحب کی تکفیر سے بیزاری کا اظہار کریں تو حضرت مرزا صاحب نے جو کچھ ان کے متعلق کہا وہ خود منسوخ ہو جاتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) پر ساری عمر عامل رہے۔ اگر قادیانی اس پر عامل نہیں تو وہ بھی خدا کے ایک حکم کا انکار کرنے والے ہیں۔ اگر مکفرین مسیح

موعود اس پر عامل نہیں، تو وہ بھی خدا کے ایک حکم کا انکار کرنے والے ہیں۔ کیا خدا کے سامنے بھی یہی جواب دیا جائے گا کہ ہم نے آپ کے اس حکم کی تعمیل اس لئے نہیں کی کہ دوسرے لوگ بھی اس کی تعمیل نہ کرتے تھے۔

صورتیں تو تین ہی ہیں۔ یا سیدھے سادے مسلمانوں کی طرح اس آیت کے حکم کی تعمیل کرو اور مسلمانوں کو کافر کہنا چھوڑو۔ یا اس کے کوئی اور معنی کر کے دکھاؤ۔ یا اسے منسوخ قرار دو اور اس کی سند پیش کرو۔

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

17 اکتوبر 1934ء

حضرت امیر کا ارشاد

زکوٰۃ کے متعلق قرآنی احکام کی تعمیل

برادران وخواہرانِ محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

زکوٰۃ کے متعلق ٹریکٹ آپ کی خدمت میں ارسال ہو چکے ہیں۔ احمدی جماعت کو اگر ایک طرف طرح طرح کے ناپاک پروپیگنڈا سے بدنام کیا جاتا ہے تو دوسری طرف خدا کے فضل سے اس جماعت کے نظام اور اس کی خدمات اسلامی اور اس کی پابندی احکام قرآنی کی وجہ سے دلوں میں عزت بھی ہے۔ ہر ایک احمدی بلا شبہ کچھ نہ کچھ ماہوار چندہ ادا کرتا ہے لیکن زکوٰۃ کا حکم قرآن کریم میں بڑی تاکید سے آیا ہے۔ اور ہر ایک احمدی کا سر اس کے سامنے جھکنا چاہیئے۔ اور دنیا کے مال کی محبت پر خدا کی محبت کو غالب کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ دنیا کے مال کی محبت بدترین بیماری ہے جو انسان کے دل کو زنگ آلودہ اور آہستہ آہستہ سیاہ کر دیتی ہے اور اس کا علاج زکوٰۃ رکھا گیا ہے۔ جس کے معنی ہی پاکیزگی کے ہیں۔ اس سے انسان کا دل پاک ہوتا ہے۔ آپ کی جماعت کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ وہ ایک نظام کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ اور اس کا ایک بیت المال بھی ہے۔ یہاں سے زکوٰۃ کا روپیہ نہایت احتیاط کے ساتھ صحیح مصارف پر، جو قرآن کریم میں مذکور ہیں خرچ ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کا بیت المال میں ادا نہ کرنا اور اسے خود بخود اپنی رائے سے خرچ کرنا حکم قرآنی کی تعمیل نہیں، اپنی خواہش کی فرمانبرداری ہے۔ اور کسی احمدی کے لئے یہ مناسب نہیں۔ جس طرح جس امر کے متعلق قرآن شریف کا حکم ہے اور نبی کریمؐ نے اس کی تعمیل کر کے دکھائی، اسی طرح اسے پورا کرنا چاہیئے۔ اگر ایک شخص جو بیس گھنٹہ بھی اپنے طور پر دعا میں لگا رہے۔ لیکن جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ (83:2) کی تعمیل کی، اس کی پیروی نہ کرے تو کوئی نہ کہے گا کہ اس نے قرآن کریم کا حکم مانا ہے۔ جب زکوٰۃ کے متعلق رسول خدا نے بیت المال قائم کیا اور ایک تہائی سے زیادہ اپنی رائے سے خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی، تو ہر ایک قرآن شریف پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والے کو بھی اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ خواتین سے بالخصوص التماس ہے کہ وہ اپنے زیور کی زکوٰۃ ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کریں۔ یہ زیور اگر خدا کی راہ میں خرچ ہو جائے گا تو قیامت کے دن ان کے کام آئے گا۔ اور اگر اس سے محبت کر کے خدا کے حکم کو ٹال دیا تو قیامت کی پرسش کے وقت یہ کوئی کام نہ دے گا۔ والسلام خاکسار محمد علی

11 اکتوبر 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات

لَیُمَزّ قَنَّھُمْ: بیس سال ہوئے جب جماعت احمدیہ لاہور کے چند لوگ خلیفہ صاحب قادیان کے اس فتوے کی وجہ سے، کہ دنیا کے چالیس کروڑ مسلمان کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، صرف اس لئے کہ وہ حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں، قادیان سے الگ ہوئے تو جناب خلیفہ صاحب کی طرف سے لَیُمَزّ قَنَّھُمْ کی پیشگوئی شائع ہوئی۔ یعنی ان لوگوں کو، جو اہل قبلہ کی تکفیر میں جناب خلیفہ صاحب کے ہمنوا نہیں ہوتے ،ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ یہ فی الحقیقت خلیفہ صاحب کے دل کی خواہش تھی۔ خدا کا نہ یہ قانون ہے نہ اس کی آواز ہو سکتی تھی۔ یہ تنگدل انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ ذرا اس سے کسی نے خلاف کیا، اور وہ اس کی تباہی اور بربادی کے درپے ہو گیا!

اگر اسے خدا کی آواز کہا جائے تو گویا اللہ تعالیٰ کو بھی یہ فکر تھی کہ کسی طرح یہ لاہوری جماعت کے چند آدمی تباہ ہو جائیں تو اس کا نام دنیا میں زندہ رہ سکتا ہے۔ اور اگر یہ نہ مٹے تو پھر حق دنیا میں نہیں پھیل سکتا! اس سے پہلے تو ہمیشہ دنیا کی تاریخ میں ایسا ہوتا رہا کہ جب خدا کی طرف سے کوئی شخص آیا اور اس نے حق وصداقت کو دنیا میں پھیلانا چاہا تو محض نہ ماننے والے بھی دنیوی عذاب کی گرفت کے نیچے نہیں آئے جب تک کہ انہوں نے خود حق اور صداقت کو برباد کرنے کے لئے اپنا زور صرف نہیں کیا اور حق کے پھیلانے والوں کو تباہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر خدا کا یہ قانون خلیفہ قادیان کی خاطر بدل گیا اور اس نے اپنے خلیفہ کو یہ خوشخبری سنائی کہ میں یورپ کے ان عیسائیوں کو جو اسلام کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تباہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا اور نہ ہی دوسرے اعدائے دین کی مجھے کچھ فکر ہے، وہ بیشک زندہ رہیں، اسلام کو تباہ کرنے کے منصوبے کریں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کریں، مگر میں ان احمدیہ جماعت لاہور کے چند افراد کو، جو ابھی تک جماعت کی صورت میں بھی نہ بنے تھے، ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا!

اور پھر سوچنے کی بات ہے کہ ان کا وہ خطرناک جرم کیا تھا۔ جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ کو یہ

ضرورت محسوس ہوئی کہ تمام اعدائے اسلام کو چھوڑ کر انہی کو سب سے پہلے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہئیے۔ صرف یہی کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم خلیفہ قادیان کی بیعت اس لئے نہیں کرتے کہ وہ اہل قبلہ کی تکفیر کرتے ہیں اور اتحاد اسلام کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک رہے ہیں۔ اگر یہ جرم اتنا بڑا تھا کہ اس کے لئے خدا کو یہ ضرورت پیش آئی تھی کہ ساری روئے زمین کے اعدائے اسلام کو چھوڑ کر احمدی جماعت لاہور کی بربادی کی فکر میں لگ جائے، تو یہ فکر سب سے پہلے اس شخص کے لئے ہونی چاہئے تھی، جس نے 1902ء میں اپنی کتاب میں یہ لکھ دیا تھا کہ:

''ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا'' (تریاق القلوب صفحہ 130)

ابھی پرسوں کا واقعہ ہے میں ڈاکٹر سر محمد اقبال کی عیادت کو گیا تو انہوں نے اثنائے گفتگو میں ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ جناب مرزا صاحب سیالکوٹ گئے۔ ان ایام میں میاں (سر) فضل حسین وہیں کام کرتے تھے۔ ایک دن ڈاکٹر صاحب کہیں جا رہے تھے تو اتفاق سے راستے میں میاں صاحب سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کدھر جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں مرزا صاحب کی طرف جا رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ جب ہم آپ کے پاس پہنچے، تو اثنائے گفتگو میں میاں صاحب نے جناب مرزا صاحب سے یہ سوال کیا کہ کیا آپ اپنے منکر کو کافر کہتے ہیں، تو آپ نے صاف الفاظ میں یہ جواب دیا کہ: ''میں اپنے منکر کو کافر نہیں کہتا۔'' ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جناب مرزا صاحب کے یہ الفاظ مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ البتہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعہ کس سال کا ہے؟

1891ء کے بعد حضرت مسیح موعود 1904ء میں سیالکوٹ تشریف لے گئے اور یہی وہ دن تھے جب میاں فضل حسین صاحب بھی وہاں پریکٹس کرتے تھے۔ اسی کی تائید حضرت صاحب کی اس گفتگو سے ہوتی ہے جو آپ نے وزیر آباد کے سٹیشن پر پادری سکاٹ سے کی، جو اخبار الحکم 17و24 دسمبر 1904ء میں منقول ہے۔ پادری صاحب نے سوال کیا کہ آپ لوگوں میں بہت سے فرقے موجود ہیں تو آپ نے جواباً کہا۔

''مجھے تعجب ہے کہ آپ اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ عیسائیوں میں کس قدر فرقے ہیں۔ جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور اصولوں میں بھی متفق نہیں۔ مسلمانوں کے فرقوں میں اگر کوئی اختلاف ہے تو فروعات اور جزئیات میں ہے۔ اصول سب کے ایک ہی ہیں۔''

مگر ہمارے قادیانی دوستوں کو اس بات کی کیا پرواہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں محکم الفاظ میں حکم دیا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے اور اسلام کا صرف یہی ایک نشان اس میں پایا جاتا ہو تم اسے بھی کافر مت کہو۔ یا اس کی کیا پرواہے کہ ہمارے ہادی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذَالِكَ الْمُسْلِمُ جو شخص ہماری نماز پڑھتا ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے وہ مسلمان ہے (جناب خلیفہ قادیان کا سیاسی مسلم نہیں) اور اس بات کی کیا پرواہ ہے کہ جسے حکم اور عدل مانا وہ بھی یہی کہتا ہے کہ میرے دعوے کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔

انہیں تو صرف ایک بات کی فکر ہے کہ جماعت لاہور تباہ ہو جائے۔ گویا یہی ان کی زندگی کا مقصد عظیم ہے۔ جس طرح غیر احمدی ملا نے چالیس سال سے خوشیاں منا رہے ہیں کہ احمدیت آج تباہ ہوئی اور کل ہوئی۔ ہمارے قادیانی دوست بیس سال سے ہر پتے کے ہلنے پر بغلیں بجانے لگتے ہیں کہ دیکھو جماعت لاہور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی!

اگر خدا کو یہی منظور ہوتا کہ یہ جماعت برباد ہو جائے تو جناب خلیفہ صاحب نے پیشگوئی تو اس وقت کی تھی جب یہ جماعت جماعت کہلانے کی مستحق نہ تھی۔ چند متفرق اجزاء تھے۔ جن کو جب اختلاف سے ڈیڑھ ماہ گزرنے کے بعد جمع کرنے کی کوشش کی گئی تو غالباً کل ساٹھ آدمی تھے جو لاہور میں جمع ہوئے۔ اور ان کے پاس کیا تھا۔ نہ کوئی دفتر نہ خزانہ۔ نہ مبلغ نہ جماعت۔ نہ سامان نہ مکان۔ اس تہی دستی کی حالت میں اس کی ابتدا ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ یہ جماعت ترقی کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس کا لٹریچر دنیا کی تیس زبانوں میں تمام اطراف واکناف عالم میں پہنچ گیا۔ قرآن کریم اور سیرت نبویؐ کے ترجموں نے یورپ اور امریکہ تک کے تاریک گوشوں کو روشن کر دیا۔ کفرستانوں میں مسجدیں کھڑی ہو

گئیں اور اللہ اکبر کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ہمارے قادیانی دوستوں کے خیال کے مطابق تب اللہ تعالیٰ کو فکر ہوئی کہ یہ جماعت تو خدمت اسلام کے کام میں ترقی کرتی جارہی ہے، اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہیئے۔ جب ان کا کام کوئی نہ تھا، جماعت کوئی نہ تھی نظام کوئی نہ تھا، نہ یہ پتہ تھا کہ یہ چند لوگ کیا کریں گے، اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے چند بکھرے ہوئے دانوں کو اکٹھا کر کے ایک جماعت بنادیا۔ اور جب اس جماعت نے خدمت دین کی ایک عظیم الشان عمارت کی بنیاد رکھ دی اور اشاعت اسلام کے شجر کی شاخیں یورپ اور امریکہ تک پہنچ گئیں تو خدا نے کہا کہ آؤ اب ہم اس جماعت کو تباہ کر دیں۔ جو ہمارے نام کو دنیا میں پہنچانے کے جرم کی مرتکب ہوئی ہے!

خواجہ صاحب اور ان کے ورثاء کا انجمن سے قطع تعلق، شیخ غلام محمد مدعی مصلح موعود کا ظہور، خان صاحب سید محمد حسین صاحب کا انحراف، محمد عجب خان صاحب کے خیالات در بارہ روحانیت اور سید عبد الجبار شاہ صاحب کا ہم لوگوں کو خشک منطقی کہنا، شیخ خدا بخش صاحب کا ہم سے قطع تعلق، مولوی صدر الدین صاحب کا امارت کے لئے کوشاں ہونا، مولوی غلام حسن خان صاحب کا انجمن سے شاکی ہونا، پشاور کے بعض احمدیوں کا مولوی عبد اللہ صاحب تیما پوری کی بیعت کرنا، یہ سب باتیں لَيُمَزِّ قَنَّهُمْ کے الہام کی صفائی سے پورا ہونے کی گواہ ہیں! اگر قادیانی بزرگوں کے دل ایسا خیال کر کے خوش ہوتے ہیں تو سرے سے یہی فرض کیوں نہ کرلیں کہ اب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا وجود ہی باقی نہیں رہا۔ اگر قادیان سے یہ بات شائع ہو جائے تو مرید تو ایک لحہ کے لئے اس میں شبہ نہیں کریں گے۔ اور لَيُمَزِّ قَنَّهُمْ کی پیشگوئی صفائی سے پورا ہو جانے پر تب ہر قادیانی مرکز میں شادیانے بج جائیں گے۔

اگر بالفرض ہمارے بعض احباب میں کچھ اختلاف موجود ہے یا ان میں سے بعض کو بعض سے کچھ شکایت ہے تو کیا اس سے معلوم ہوا کہ جماعت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ اگر صحابہؓ کے اندر اختلافات اس حد تک ہو سکتے ہیں کہ باہم جنگ وجدل اور خونریزی تک نوبت پہنچے اور اسلام پھر بھی لَيُمَزِّ قَنَّهُمْ کا مصداق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا قدم آگے ہی بڑھتا ہے۔ اگر احمدیت کے دو گروہ ہو کر برسر پیکار ہو سکتے ہیں اور بیس سال اس لڑائی پر گزر جاتے ہیں اور وہ ختم نہیں ہوتی اور احمدیت اس پر بھی لَيُمَزِّ قَنَّهُمْ کا مصداق نہیں ہوتی۔ اگر جماعت قادیان کے اندر ہر تیسرے چوتھے سال مومنوں کی ایک خاصی تعداد

منافق بنتی چلی جاتی ہے اور اخراج کے آرڈر با قاعدہ جاری ہوتے رہتے ہیں اور پھر بھی جماعت قادیان لَیُمَزِّ قَنَّھُمْ کے الہام کی مصداق نہیں ہوتی تو جماعت لاہور کے بعض احباب میں اگر کوئی اختلاف ہو تو وہ کیوں ایسی خطرناک چیز ہے کہ اس سے جماعت لاہور لَیُمَزِّ قَنَّھُمْ کا مصداق ہو جاتی ہے۔ رہا شیخ غلام محمد کا دعویٰ مصلح موعود، تو اس کی فکر قادیان والوں کو زیادہ ہونی چاہئیے۔ جن کا خلیفہ تدریجاً اس قسم کے دعوے کی اپنے لئے بنیاد رکھ رہا ہے۔ اگر جماعت قادیان میں نبی بخش اور عبداللطیف اور احمد نور اور مولوی محمد فضل صاحب کے دعووں سے کچھ فتور نہیں پڑتا۔ حالانکہ نیم مدعی اس منصب کے جناب میاں صاحب خود بھی ہیں جو ابھی برزخ کی حالت میں ہیں۔ یعنی اقرار و انکار کے بین بین۔ جس طرح ان کے خیال میں حضرت مسیح موعود 1900ء میں تھے تو ہمیں کچھ فکر نہیں کہ ہماری جماعت کے ایک آدمی کو یہی مرض کیوں لاحق ہو گیا؟!

اس کشمکش میں جہاں اتنے مدعی جھگڑ رہے ہیں اگر اس شخص کو بھی دو چار مرید مل جائیں جو کم سے کم کلمہ گوؤں کی تکفیر نہیں کرتا اور کبھی ہماری جماعت میں رہ چکا ہے تو ہمیں کوئی رنج نہیں۔ باقی رہی مولوی عبداللہ صاحب تیماپوری کی بیعت تو جماعت احمدیہ کے دو تین سو آدمی حضرت مولوی نورالدین صاحب کی زندگی میں ہی ان کی بیعت کر چکے تھے۔ اس وقت میاں صاحب کو یہ الہام ہونا چاہئیے تھا کہ جماعت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہے۔ ہماری جماعت پشاور کے اگر تین چار احباب ان میں شامل ہوں اور جماعت لاہور کی معاونت اور تبلیغ اسلام کے کام میں ان کی سرگرمی دوسرے ممبران جماعت سے کسی طرح کم نہ ہو تو قادیان والے جتنے چاہیں خوش ہولیں جماعت لاہور کے اتحاد اور یگانگت سے کام کرنے میں کوئی فرق نہیں آیا۔ افسوس ہے کہ ریاکاری نے بعض قادیانیوں کی آنکھوں کو اتنا تاریک کر دیا ہے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر تو انہیں نظر نہیں آتا۔ مگر دوسرے کی آنکھ کا تنکا پہاڑ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ قادیان میں ایک پیر کے مرید اس پر گندے سے گندے الزام لگائیں تو جماعت ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتی۔ لیکن اگر جماعت لاہور کے دو کام کرنے والوں میں کسی معمولی بات پر اختلاف رائے ہو، تو ان کا الہام لَیُمَزِّ قَنَّھُمْ ہو جاتا ہے۔ خواجہ صاحب مرحوم کو اگر ووکنگ کے نظم و نسق کے متعلق انجمن سے کچھ اختلاف تھا۔ تو یہ انجمن سے قطع تعلق نہیں۔ وہ آخر وقت تک انجمن کے ممبر رہے۔ مولانا صدرالدین صاحب کی

امارت کی خواہش محض قادیان والوں کی بہتان طرازی ہے۔ یہ امارت پیری نہیں کہ جس کی نذر و نیاز کی طرف کوئی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ سکے۔ اور مولوی صاحب موصوف تو خدا کے فضل سے نہایت بے نفسی سے کام کرنے والے انسان ہیں۔ مولانا غلام حسن خان صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب حسب معمول انجمن کے سرگرم ممبر ہیں۔ جو ہر طرح اس کی امداد میں کوشاں ہیں۔ شیخ خدا بخش صاحب انجمن کی اعانت اسی طرح کرتے ہیں جس طرح پہلے کرتے تھے۔ خان عجب خان صاحب اور سید عبدالجبار شاہ صاحب نے اگر امیر یا جماعت کی روحانیت کی شکایت کی ہے تو قادیان کی نہر روحانیت میں جوشناوری کرنے والے ہیں، وہ بھی ان کی آنکھوں سے مخفی نہیں۔ ہمارے ان دوستوں نے غلط کہا یا درست یہ ہم خود دیکھ لیں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ قادیان والوں کے دماغ میں یہ بات نہیں سما سکتی کہ کس طرح مل کر کام کرنے والے باوجود متحد ہونے کے ایک دوسرے سے اختلاف بھی کر سکتے ہیں۔ یا ایک دوسرے پر اعتراض بھی کر سکتے ہیں۔ جہاں یہ فتوٰی صادر ہو کہ اگر کوئی شخص خلیفہ پر اعتراض کرے گا جو بالکل درست ہو، وہ بھی سیدھا جہنم میں جائے گا۔ وہاں یہ بات کس طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایک دوسرے پر اعتراض کرنے کے باوجود ایک دوسرے کی عزت اور احترام بھی ہو سکتا ہے۔ ہمیں خدا کے فضل سے اس بات پر فخر ہے کہ باوجود ایک دوسرے سے اختلاف کر لینے کے اور باوجود ایک دوسرے پر اعتراض کر لینے کے خواہ بڑا کارکن ہو یا چھوٹا، ہم کام کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے حتی الوسع اسے نقصان نہیں پہنچنے دیتے۔ ہاں کسی وقت کسی سے غلطی بھی ہو جاتی ہے کہ وہ اعتراض کو غیر محل طور پر پیش کرتا ہے یا ان لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہے جو اس کے اہل نہیں۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ نیک نیتی سے اعتراض کرنے والا اگر غلط اعتراض بھی کرے تو قابل معافی ہے۔ اب یہ دونوں جماعتوں کے نظام میں اصولی فرق ہے۔ قادیان کا نظام پیر پرستی پر مبنی ہے۔ جہاں پیر کے خلاف کوئی لب کشائی نہیں کر سکتا۔ لاہور کا نظام اسلامی مساوات پر مبنی ہے۔ جہاں اختلاف اور اعتراض عیب نہیں۔ خواہ صحیح ہو یا غلط۔ ہاں اس حد تک اس اختلاف یا اعتراض کو پہنچانا، جس سے کام کو نقصان پہنچے، یہ وہ غلطی ہے، جو عنداللہ قابل مواخذہ ہے۔ محمد علی احمد یہ بلڈنگس لاہور

احمدیہ گرلز ایسوسی ایشن کا ماہوار جلسہ: مورخہ 7 اکتوبر اتوار بوقت چار بجے زیرِ صدارت زکیہ سلطانہ صاحبہ بنت حضرت امیر ایّدہ اللہ زنانہ گیلری مسجد احمدیہ بلڈنگس میں جلسہ منعقد ہوا۔ اس کا آغاز حامدہ بیگم صاحبہ نے تلاوت قرآن مجید سے کیا۔ بعد ازاں سعیدہ بیگم نے نعت پڑھی۔ اس کے بعد محمودہ بیگم صاحبہ نے تقریر کی۔ جس میں ممبران ایسوسی ایشن کی توجہ چند ضروری امور کی طرف مبذول کرائی اور بعد ازاں فرخ سلطان صاحبہ نے اپنے ایک مضمون میں چند مفید تجاویز پیش کیں اور پھر جہانگیر فاطمہ صاحبہ نے سیرت نبویؐ پر مضمون پڑھا اور رشیدہ بیگم صاحبہ نے کتاب مسیح موعود میں سے کچھ پڑھ کر سنایا۔ مبارکہ سلطان صاحبہ نے اپنے مضمون میں صبح اٹھنے کے فائدے پر معاشرتی نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالی اور اپیل مرمت برلن مسجد کی وضاحت کرتے ہوئے چندے کی تحریک کی۔ جس پر حاضرات نے بخوشی دس روپے مسجد کی مرمت کے لئے دئے۔ جلسہ مندرجہ ذیل رزولیوشن پاس ہونے کے بعد اختتام پذیر ہوا۔

''احمدیہ گرلز ایسوسی ایشن کا یہ جلسہ مولانا مولوی محمد عصمت اللہ صاحب کی بے وقت وفات پر دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم مغفور پر اپنی بہترین رحمتیں نازل کرے اور ہماری جماعت کو اس نقصان عظیم کا نعم البدل عطا فرمائے۔ نیز اس ریزولیوشن کی نقل اخبار پیغام صلح میں بھیجی جائے۔''

احمدیہ گرلز ایسوسی ایشن کا آئندہ جلسہ 21 اکتوبر اتوار بوقت تین بجے زنانہ گیلری جامع مسجد، احمدیہ، بلڈنگس میں منعقد ہوگا۔

محمودہ

سیکرٹری احمدیہ گرلز ایسوسی ایشن۔ لاہور۔

11 اکتوبر 1934ء

خواہران محترمہ کی خدمت میں ایک خط

محترم بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو علم ہوگا کہ احمدیہ انجمن خواتین اسلام لاہور نے اشاعت اسلام میں مدد دینے کے لئے ایک دستکاری فنڈ جاری کیا ہے۔ یعنی ہر ایک بی بی کوئی سا دستکاری کا کام اپنے ہاتھ سے بنا کر سال میں ایک دفعہ دیں اور یہ سب اشیاء جمع کر کے سالانہ جلسہ پر، جو دسمبر میں ہوتا ہے، بذریعہ نمائش فروخت کی جائیں اور روپیہ اشاعت اسلام پر صرف ہو۔ چنانچہ چار پانچ سال سے یہ نمائش ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ اب تک بہت کم بہنوں نے اس مبارک کام میں حصہ لیا ہے۔ اگر یہ تحریک عام ہو جائے تو اشاعت اسلام کو گراں قدر امداد خواتین کی طرف سے مل سکتی ہے۔ اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ آپ بھی اس نیک ومفید تحریک میں شامل ہو کر ثواب دارین حاصل کریں اور اپنی بچیوں ودیگر رشتہ دار بہنوں کو بھی شریک کریں۔

آپ جانتی ہیں کہ آج کل مسلمانوں پر کس قدر مشکلات کا زمانہ گزر رہا ہے۔ ان کی ہستی چہار طرف سے معرض خطر میں ہے۔ ناموس اسلام پر گندے حملے ہوتے ہیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپاک ترین الزامات لگائے جاتے ہیں۔ تو کیا ہمیں یونہی خاموش بیٹھے رہنا چاہئیے! ہرگز نہیں۔ مذہب اسلام نے طبقہ نسواں کو ذلیل ترین حالت سے نکال کر بام عروف پر پہنچایا اور ان کے حقوق قائم کئے۔ تو ہر ایک دختر اسلام کا فرض ہے کہ وہ تن من دھن سے اپنے پیارے دین کی حفاظت کے لئے تیار ہو جائے۔ آپ چار دیواری کے اندر سے بھی بذریعہ دستکاری حفاظت اسلام جیسے زبردست جہاد میں حصہ لے کر دین ودنیا میں سرخرو ہوسکتی ہیں۔ غریب سے غریب بہنیں بھی امداد دینے سے نہ ہچکچائیں کہ خلوص دل سے دیا ہوا ایک پیسہ بھی نہایت قدر وقیمت رکھتا ہے۔ اور ہماری متمول بہنیں بھی خادمہ اسلام ہونے کا شرف حاصل کرنے میں تاخیر نہ کریں۔ جس قسم کی دستکاری آپ کو آتی ہو وہ آپ تیار کرسکتی ہیں اور اگر پسند ہو تو اس کو دوبارہ خود ہی خرید سکتی ہیں۔ اس قدر خیال رکھنا چاہئیے کہ کم قیمت خوبصورت وپائیدار چیز ہو۔ ایک قیمتی چیز سے متعدد ہلکی قیمت کی

چیزیں بہتر ہیں۔ آج مندرجہ ذیل اشیاء کی زیادہ کھپت ہے۔ مثلاً کڑھے ہوئے دوپٹے، ازار بند، بچوں کے سویٹر، موزے، (ٹوپی کا رواج بہت کم ہے) ٹیبل کلاتھ، غلاف تکیہ، کرسیوں کے کشن، بچوں کے کھلونے، پلنگ پوش، کاتا ہوا سوت، کڑھی ہوئی قمیض، لیڈیز رومال، دیواروں پر آویزاں کرنے کے خوبصورت قطعے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام اشیاء دسمبر کے پہلے ہفتہ میں خاکسار کے پاس پہنچ جانی چاہئیں۔ والسلام خاکسار اہلیہ محمد علی آنریری سکرٹری احمدیہ انجمن خواتین اسلام لاہور۔

جرمن ترجمۃ القرآن: احباب کرام کو یہ علم ہو چکا ہوگا کہ جرمن ترجمۃ القرآن خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اس کے دہرانے میں تھوڑی سی مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کے لئے چندہ فراہم کرنے کا کام انجمن نے میرے ذمے لگایا۔ میں نے صرف تین دوستوں کو لکھا۔ ان میں سے ایک نے پانچ سو روپے بھیج کر وقت کو دور کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی منادر کی شاہزادی نے پانچ سو روپے بھیج دیئے جو طباعت کے کام آئیں گے۔ اسی وقت ڈاکٹر سید طفیل حسین صاحب اوران کی اہلیہ نے یک صد روپیہ دیا اور بابو منظور الٰہی صاحب نے یک صد روپے دینے کا وعدہ کیا۔ جس میں سے تیس روپے وصول ہو چکے ہیں۔ اس پر میں نے باقی دو دوستوں کو لکھ دیا کہ آپ اپنی رقم طباعت کے کام کے لئے محفوظ رکھیں۔

اب انجمن نے طباعت کے لئے روپے جمع کرنے کی ذمہ داری میرے اوپر ڈالی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ جماعت پر اخراجات طباعت کا بوجھ ڈالوں۔ ترجمے کے سارے اخراجات دس ہزار روپے میرے عزیز دوست شاہ مصطفیٰ احمد صاحب نے برداشت کئے۔ اگر میں زور دیتا تو طباعت کے سارے اخراجات بھی وہ یک قلم اپنے ذمہ ڈال سکتے تھے۔ لیکن میں ان پر زیادہ بار نہیں ڈالنا چاہتا۔ چند دوسرے دوستوں سے روپے لینے کا قصد رکھتا ہوں۔ اوراس طرح سے جماعت کو اس بوجھ سے بچانا چاہتا ہوں۔ لیکن جماعت کے بعض افراد نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ قرآن کریم کی طباعت کے اخراجات میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہیئے۔ میں محض ان احباب کی اطلاع کے لئے چند حروف لکھتا ہوں۔ تا کہ جو بڑے اخلاص کے ساتھ اس کارِ خیر میں شامل ہونا چاہتے ہیں وہ شامل ہو جائیں۔ میں تو اپنے ذہن میں چندہ جمع کر چکا ہوں۔ اوراب باہر نکل کر اس کام کو کرنے والا ہوں۔ احباب سے درخواست

کرتا ہوں کہ وہ دعا کریں کہ جس طرح خدا نے ترجمہ کے کام میں توفیق اور فضل شامل حال رکھا، اسی طرح اس کام کو بھی سہل فرمائے۔ میری دعا ہے کہ جس جس بھائی نے میرے لئے دعا کی ہے اور جس جس بھائی نے اس مقدس کام کی تکمیل کے لئے دعا کی ہے اور مدد دی ہے یا دینے والا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے اور اس پر اور اس کے خاندان پر رحمت و برکت نازل فرمائے۔ آمین (حضرت مولینا) صدرالدین۔

مصطفیٰ کمال پاشا کا پیام: قاہرہ کے علامہ بہجت آفندی نے حال ہی میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا سے ملاقات کی تھی۔ غازی موصوف نے ان کے ذریعہ اسلامی دنیا کو یہ پیغام بھیجا ہے۔

> ''آج میں اپنا یہ پیغام روئے زمین کے ہر مسلم نوجوان تک پہنچا دینا چاہتا ہوں کہ اس کو اصلاح و ترقی کی سرتوڑ عملی کوشش کے لئے ہمہ تن وقف ہونا چاہئیے۔ اور ہر فرزند اسلام کو اس جنگ میں اپنی جان تک قربان کر دینے کی قسم کھا لینی چاہئیے۔ ہمیں ایسے رہبروں کی قطعاً ضرورت نہیں جو اپنے ذاتی مفاد کے لئے میدان عمل میں قدم رکھنا چاہتے۔ ہمیں ایسے سپاہیوں کی ضرورت ہے جن کے قول و فعل میں مطابقت ہو۔ اگر ایسے سپاہی میسر آ جائیں تو پھر ہماری کامیابی میں دنیا کی کوئی طاقت مزاحمت نہیں کر سکتی۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اسلام میں حیات جاودانی کا راز مضمر ہے۔ اسی عقیدہ نے میری مایوسیوں کی تاریک دنیا میں امید کا اجالا پیدا کر دیا ہے۔''

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے اس پیام سے ثابت ہو رہا ہے کہ غازی موصوف اسلام کی حقیقت اور روح کو سمجھ گئے ہیں اور جو ترقیات و اصلاحات وہ اپنے ملک اور قوم میں کر رہے ہیں وہ اس عقیدہ کی بنا پر کر رہے ہیں کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے اس میں ہر زمانہ کی ضرورت اور ہر عہد کے مقتضیات کے مطابق اپنے پیرووں کو چلانے کی صلاحیت موجود ہے۔ یہ عقیدہ جس مسلمان کے دل میں پختہ ہو جائے گا وہ اسلام کو بھی اس تنگ نظری سے نہیں دیکھے گا جس طرح سے بدنصیب ہندوستان کے مسلمان اسلام کو دیکھ رہے ہیں۔

❁❁❁

19 اکتوبر 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات

'' بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا''۔ یہ وہ آواز ہے جس کا اظہار حضرت مسیح موعود نے آج سے مدت پیشتر کیا۔ اور اللہ تعالیٰ جب اپنا کام لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے سامان بھی اپنے فضل سے پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود کے ساتھ جہاں ایسی ایسی بزرگ ہستیاں شامل ہوئیں۔ جیسے حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم، حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب مرحوم، ایک نوجوان کے گروہ نے بھی آپ کی آواز پر لبیک کہا اور دین کو قوت دینے کے لئے دیوانہ وار کام کیا۔ بہت تھوڑے بزرگوں کا علم اور بہت تھوڑے سے نوجوانوں کا جذبہ خدمت یہ دونوں چیزیں تھیں جن کے اختلاط سے خدمت دین کے کام کو قوت پہنچی۔ اور باوجود اس کے کہ چاروں طرف مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی، مگر بزرگوں اور نوجوانوں کی متحدہ کوششوں نے اس جلتی ہوئی آگ کے اندر خدمت دین کا ایک باغ لگا ہی دیا۔ جو آج خدا کے فضل سے پھل دے رہا ہے۔

آج بھی خدا کے فضل سے ہم اپنی جماعت کے نوجوانوں میں ایک خاص جذبہ خدمت دین کا دیکھتے ہیں۔ لاہور میں ایک ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن کام کر رہی ہے۔ اور اسی ایسوسی ایشن کے ایک ممبر کے جذبہ سے ایک نیا انگریزی اخبار ''ینگ اسلام'' اس سال وجود میں آیا ہے۔ جو ابھی سے کافی قبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اسی سال جب میں پشاور میں گیا تو وہاں کے نوجوانوں میں بھی خدمت دین کا یہی بلند جذبہ موجود پایا۔ جو ایک منظّم صورت اختیار کر چکا ہے اور وہاں بھی ایک ینگ مین ایسوسی ایشن قائم ہو چکی ہے۔

لاہور میں یہی جذبہ خدمت دین لڑکیوں میں بھی پیدا ہو چکا ہے۔ اور انہوں نے ایک گرلز ایسوسی ایشن قائم کر دی ہے۔ جو عملی رنگ میں اشاعت وتبلیغ دین کے کام میں بڑے جوش سے حصہ لے رہی ہے۔ وزیر آباد میں ہمارے نہایت ہی عزیز شیخ عزیز احمد صاحب کی کوشش سے نوجوانوں میں یہی جذبہ ترقی کر رہا ہے۔

لائل پور کے چند نوجوانوں نے ایک آنہ مستقل فنڈ کے متعلق جس قدر میری ہمت افزائی کی ہے، اس کا ذکر میں کئی دفعہ کر چکا ہوں۔ اور ہمارے ہر سہ بزرگان لائل پور شیخ میاں محمد اسمٰعیل صاحب، حاجی شیخ مولا بخش صاحب اور شیخ میاں محمد صاحب کے فرزند سب کے سب خدمت دین کا ایک خاص جذبہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس جذبہ نے بھی گذشتہ ماہ میں ایک منظّم صورت اختیار کر لی ہے اور ایک ایسوسی ایشن قائم ہوگئی ہے۔ جس کے سکرٹری شیخ نصیر احمد صاحب ہیں۔ اس ایسوسی ایشن نے پورے جوش کے ساتھ تبلیغ احمدیت کا کام شروع کر دیا ہے۔ اور ایک سلسلہ ٹریکٹوں کا انگریزی میں شروع کیا ہے جس کا پہلا نمبر نکل چکا ہے۔ جَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ ۔ مجھے امید ہے کہ یہ سلسلہ ترقی کرے گا اور ہمارے بزرگ اس میں ان کی حوصلہ افزائی کی ہر طرح کوشش کریں گے۔

جماعت کے نوجوانوں میں بیداری کے یہ آثار جو جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ ہمارے لئے نہایت ہی حوصلہ افزا ہیں۔ کتنی محنت سے کوئی جائداد بنائی جائے اگر اس کو سنبھالنے والا پیچھے کوئی نہ ہو تو وہ جائداد باقی نہیں رہ سکتی۔ کوئی قومی یا دینی کام ہو، اس پر ایک نسل اپنی انتہائی محنت صرف کر دے۔ لیکن اگر اس کے نوجوانوں میں اس کام کے لئے وہی جذبہ پیدا نہیں ہوا تو وہ کام بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ سو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ جماعت لاہور کے نوجوانوں کے اندر اپنی ذمہ داریوں کا ایک زبردست احساس پیدا ہو رہا ہے اور بزرگان جماعت سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ ہر جگہ جہاں جہاں نوجوانوں میں یہ تحریک پیدا ہو چکی ہے اسے اپنے قیمتی مشورہ سے اور اپنے اموال سے ترقی دینے کی کوشش کریں۔ اور جن جماعتوں میں ابھی یہ حرکت پیدا نہیں ہوئی، وہاں بزرگوں کو خاص طور پر اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

خدمت دین کی ایک عظیم الشان عمارت اس وقت تیار ہو چکی ہے۔ اور ہم سب کو اس بات کی فکر کرنی چاہیئے کہ کیا ہماری نئی نسل میں وہ جذبہ موجود ہے اور علم دین حاصل کرنے کی وہ تڑپ موجود ہے کہ وہ اس عمارت کو ہمارے بعد سنبھال سکے۔ اور نہ صرف سنبھال سکے بلکہ اس کو ترقی اور وسعت دے سکے۔ اگر نہیں تو ہر ایک جگہ جماعت کو سب سے پہلے اس کو پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ اگر ہے تو اس کو صحیح راہ پر لگانے اور نوجوانوں کی ہمت افزائی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہر جگہ جماعت کے بزرگوں میں یہ احساس ہونا چاہیئے کہ وہ کتنا بھی خدمت دین کا کام کر لیں۔ لیکن اگر انہوں نے یہی احساس نئی نسل کے

اندر پیدا نہیں کیا تو ان کا کام ان کی زندگی کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ جہاں میں بزرگوں سے یہ درخواست کرتا ہوں وہاں نوجوانوں کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ تبلیغ دین کا کام اس قسم کا کام ہے جو بے نفسی اور للہیّت کے سوائے ہو نہیں سکتا۔ اس لئے وہ محض کام کو قوت دینا اپنے مدنظر رکھیں اور گو بزرگوں کا فرض ہے کہ ان کی ہمت افزائی کریں۔ لیکن نوجوان اس خواہش کو اپنے دلوں کے اندر نہ آنے دیں کہ کوئی شخص ان کے کام کی وجہ سے ان کی تعریف کرے۔ اور دوسری نصیحت یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اپنے دلوں میں کسی عہدے کی آرزو پیدا نہ ہونے دیں اور نہ صرف ایک مقام کے بلکہ مختلف مقامات کے نوجوان سب مل کر کام کریں۔ تا کہ وہ ایک دوسرے کا بوجھ بٹا سکیں۔ خاکسار محمد علی

حضرت امیر ایدہ اللہ کا ارشاد ''انوار القرآن'' کے متعلق: میرے محترم بزرگ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی نئی تصنیف کا اعلان احباب اخبار میں پڑھ چکے ہیں۔ مجھے اس کے لئے یہ چند حروف لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ 14 اکتوبر کو جب جنرل کونسل میں انجمن کے لئے قرضے کا سوال درپیش تھا تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا کہ وہ بطور قرضہ نہیں بلکہ بطور عطیہ چار سو روپیہ انجمن کو دیتے ہیں۔ لیکن یہ وہ چار سو روپیہ ہے جو انہوں نے تفسیر انوار القرآن کی طبع کے لئے رکھا ہوا ہے۔ اس پر یہ تجویز ہوئی کہ جو احباب تفسیر خریدنا چاہیں وہ اس کی قیمت پیشگی ادا کر دیں۔ تا کہ اخراجات طبع اس سے ادا کئے جائیں۔ اور ڈاکٹر صاحب کا چار سو روپیہ بھی عطیہ میں جمع ہو جائے۔ اور یوں انجمن کی موجودہ مشکلات میں کچھ کمی واقع ہو۔ اس لئے سکرٹری صاحبان ہر جگہ احباب کا عندیہ دریافت کر کے جو احباب خریدار رہنا چاہیں ان سے دو روپے قیمت پیشگی وصول کر کے ان چندوں کے ساتھ ارسال کر دیں جو نومبر میں بھیجے جائیں گے۔ اور کوپن یا خط میں تفصیل دے دیں کہ اس قدر روپیہ فلاں فلاں احباب کی طرف سے پیشگی قیمت انوار القرآن کی ہے۔ یہ روپیہ الگ امانت میں جمع ہو کر اخراجات طبع میں کام دے گا۔ تفسیر کی قیمت دو روپے (علاوہ محصول ڈاک) ہے۔ کتاب کی طباعت کے بعد قیمت میں اضافہ ہو جائے گا۔ محمد علی

24 اکتوبر 1934ء

روئیداد

حضرت امیر دہلی میں

اسلامی جمہوریت دنیا کے مصائب کا واحد حل ہے

معاصر ''الامان'' دہلی اپنی 20 اکتوبر کی اشاعت میں رقم طراز ہے کہ 20 اکتوبر کو ڈھائی بجے عربک کالج ہال دہلی میں وائس چانسلر دہلی یونیورسٹی مولوی سر عبدالرحمٰن کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ جس میں جناب مولانا محمد علی صاحب لاہوری ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی مترجم ومفسر قرآن مجید (زبان انگریزی) نے ''اسلام اور جمہوریت'' کے موضوع پر ایک فاضلانہ لیکچر دیا اور ثابت کیا کہ آج کل کی سیاسیات جس جمہوریت کو پیش کرتی ہے، اسلامی جمہوریت اس سے کہیں جدا اور بالاتر ہے۔ جس نے فرق مراتب کو مٹا دیا اور دنیا میں صحیح مساوات وحقیقی انسانیت کا تخم بویا۔ فاضل مقرر نے کہا کہ اسلامی جمہوریت کی پہلی اساس ''مساجد'' ہیں۔ جہاں دن میں پانچ وقت آقا وغلام، شاہ وگدا، امیر وغریب حاضر ہو کر اپنے دماغ سے فرق مراتب نکالنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور خدا کے حضور میں پہنچ کر جملہ امتیازات دنیاوی کو خیرباد کہہ کر بندہ کی حیثیت اختیار کر لینے کے لئے مجبور ہیں۔ فاضل مقرر نے کہا یہ وہ خصوصیت ہے جو کسی مذہب میں موجود نہیں۔ اور یہی وہ حقیقی جمہوریت ہے جس نے نسل ورنگ، قومیت اور وطنیت کی جملہ رکاوٹوں کو دور کر کے نسل انسانی کو ایک مرکز پر جمع ہونے کی دعوت دی ہے۔ اور جس کے باعث انسان کے دل ودماغ میں غلامی، محکومی وغیرہ کے خیالات دور ہو کر مساوات کی روح پیدا ہوتی ہے۔

فاضل مقرر نے اسی طرح زکوٰۃ کو اسلامی جمہوریت کی دوسری اور حرمت سود کو تیسری اساس قرار دیا اور فرمایا کہ زکوٰۃ درحقیقت ایک ''قومی سرمایہ'' ہے۔ جو ''سرمایہ داروں'' اور صاحب دل سے وصول کر کے قوم کے مستحق افراد کو تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح کم محنت اور زیادہ محنت کرنے والے افراد اپنی اپنی محنتوں کا پھل وصول کر لینے کے باعث ''سرمایہ پرستی'' اور ''اشتراکیت'' کے ہنگامہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ حرمت سود کے متعلق فرمایا۔ سود خوار طبقہ انسانی ہمدردی کے اوصاف کاملہ سے ناآشنا

ہونے کے باعث اخلاقی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ اور دوسری طرف سود دینے والا معاشرتی تباہیوں میں مبتلا ہو کر انسانیت کے لئے بار گراں بن جاتا ہے۔ اسلام نے سود کو حرام اور جرم قرار دے کر بنی نوع انسان کی اقتصادی مشکلات کا حل پیش کیا ہے۔ پس صحیح مساوات انسانی کا قیام، سرمایہ و محنت کی جنگ اور اقتصادی مشکلات یہی تین چیزیں ہیں جس کے لئے آج یورپ اور امریکہ کی متمدن ترین اقوام کسی حل کی متلاشی ہیں۔ اور اسلام ان مشکلات کا حل آج تیرہ سو برس قبل پیش کر چکا ہے۔ پس ضرورت ہے کہ مسلمان ان ممالک و اقوام کے روبرو اسلامی جمہوریت کے سچے اصول کو پیش کریں۔ تا کہ دنیا کی متزلزل حالت پُرسکون ہو جائے اور اقوام عالم جمہوریت کی سچی سپرٹ سے واقف ہو کر، جو اسلام نے پیش کی، موجودہ دور اضطراب سے نجات حاصل کریں۔

اختتام تقریر پر مولوی سر عبدالرحمان صدر جلسہ نے فاضل مقرر کا شکریہ ادا کیا اور جلسہ ختم ہو گیا۔ ہال میں شہر کے تعلیم یافتہ مسلمانوں، عربک کالج کے پروفیسروں، طلباء کالج اور سر برآوردہ حضرات کی کافی تعداد تھی۔

❁❁❁

28 اکتوبر 1934ء
مکتوب برلن

ایک نومسلمہ کے شوہر کا قبول اسلام

ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب امام مسجد برلن

جناب ایڈیٹر صاحب اخبار پیغام صلح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ازراہ کرم مندرجہ ذیل سطور اپنے معزز جریدہ کے قیمتی کالموں میں درج فرما کر ممنون فرمائیں۔ ہمارے مکرم دوست جناب حکمت بائر کے اسم گرامی سے اکثر احباب بخوبی واقف ہوں گے۔ یہ 28 جولائی 1931ء کو جرمن مسلم سوسائٹی میں ایک غیر مسلم ممبر کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ تھوڑے عرصہ بعد اسلام کی کشش غالب آگئی اور آپ 19 مارچ 1932ء کو خاکسار کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس تاریخ کو آپ کی منسوبہ بھی اسلام قبول کر کے جرمن مسلم سوسائٹی کی ممبر بن گئی۔ ان کے اسلامی نام حکمت اور فاطمہ رکھے گئے۔ اس کے بعد 9 دسمبر 1933ء کو مسجد میں اسلامی طریقہ پر رسم نکاح ادا کی گئی۔ اور اس طرح انہوں نے ازدواجی زندگی میں قدم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرزند نرینہ عطا فرمایا ہے۔ جرمن سوسائٹی نے اپنے گزشتہ اجلاس کے موقع پر ان کی خدمت میں ایک تہنیت نامہ پیش کیا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مولود مسعود کو صحت و مسرت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے اور خادم دین بنائے۔

اسی طرح ایک اور نومسلم خاتون کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ہماری پر جوش اور قابل عزت بہن صفیہ کے نام سے بھی اکثر قارئین پیغام صلح واقف ہوں گے۔ موصوف نے فروری 1931ء میں اسلام کی غلامی کا فخر حاصل کیا۔ اس کے بعد ان کی خواہش تھی کہ کسی مسلمان سے ان کا عقد ہو جائے۔ مگر اس میں انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ ان کے والدین قبول اسلام کی وجہ سے سخت برہم ہو گئے اور جائیداد سے محروم کر دینے کی دھمکی دی۔ لیکن اس دیندار اور صابرہ، خاتون نے کسی بات کی پروا نہ کی۔ آخر ان کے والدین نے خرچ دینا بند کر دیا۔ موصفہ پی۔ایچ۔ڈی (P.H.D) کی ڈگری کی تیاری کر رہی تھیں۔ جب تعلیم کو جاری رکھنے کا کوئی وسیلہ باقی نہ رہا تو مجبوراً تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔ اب اس بیکسی کی

حالت میں ایک غریب نومسلم خاتون کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ ایک ہسپتال میں غریب بیماروں کی تیمارداری (نرس) کا کام شروع کر دیا۔ وہاں ایک عیسائی مریض کی تیمارداری کرتے ہوئے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا اور مجھے اطلاع دیئے بغیر اس سے شادی کر لی۔ کافی عرصہ بعد پھر سلسلہ خط وکتابت شروع ہوا۔ تو مجھے انہوں نے اس امر کی اطلاع دی کہ میں نے ایک عیسائی مرد سے شادی کر لی ہے۔ اور مجھ سے دریافت کیا کہ ایسی شادی کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے۔ میں نے انہیں لکھ دیا کہ اسلام مسلم عورت کا عقد غیر مسلم مرد سے جائز قرار نہیں دیتا۔ مگر اب چونکہ آپ نے لاعلمی میں ایسا کرلیا ہے۔ لہٰذا کوشش کریں کہ آپ کا شوہر بھی مسلمان ہو جائے۔ جس پر انہوں نے لکھا کہ وہ تو مذہب سے سخت بیزار ہے۔ اور شراب کا بے حد عادی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور میں اپنی غلطی پر سخت نادم و پشیمان ہوں۔

1933ء کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے انہیں فرزند عطا کیا۔ میاں بیوی میں اب بات کے متعلق جھگڑا ہوا کہ بچہ مسلمان ہو یا عیسائی۔ بالآخر بیوی نے خاوند کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ یہ لڑکا مسلمان ہو۔ چنانچہ اس کا نام اسلم رکھا گیا۔ یہ نیک اور دیندار خاتون برابر اپنے خاوند کو اسلام کی تبلیغ کرتی رہیں۔ اب خدا کے فضل سے ستمبر 1934ء میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اور فرزند نرینہ عطا فرمایا۔ اس موقع پر کسی جھگڑے کے بغیر لڑکے کا نام حسن رکھا گیا۔ بالآخر ہماری یہ بہن اپنے نیک ارادوں میں کامیاب ہو گئیں۔ یعنی ان کے شوہر نے 23 ستمبر 1934ء کو برضا و رغبت خاکسار کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔ اور اس طرح اب یہ سارے کا سارا خاندان جو میاں بیوی اور دو لڑکوں پر مشتمل ہے مسلمان ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ دردِ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نیک اور صابرہ خاتون کو دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کرے۔ آمین ثم آمین۔ خاکسار محمد عبداللہ

❁❁❁

3 نومبر 1934ء

انتخاب اسمبلی کے متعلق حضرت امیر کا اعلان

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل پُر بصیرت مضمون اس وقت رقم فرمایا جبکہ 28 اکتوبر کے پرچہ کی کاپیاں پریس پہنچ کر پتھروں پر جم چکی تھیں۔ اس لئے یہ فوراً اسلامی روزناموں کو بھیج دیا گیا۔ تاکہ انتخاب اسمبلی سے قبل مسلمانوں کے مطالعہ میں آجائے۔ پیغام صلح کا پیش نظر پرچہ اس وقت لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچے گا جبکہ اسمبلی کے انتخاب کا مرحلہ بہت بڑی حد تک طے ہو چکا ہوگا۔ اس لحاظ سے اس مضمون کی اشاعت بعداز وقت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حضرت ممدوح نے اس بیش بہا مضمون میں بہت سی ایسی اصول باتیں لکھی ہیں جو انتخاب کے بعد بھی مسلمانوں کے غور وخوض کی مستحق ہیں۔ ان کی روشنی میں وہ مسلم کانفرنس اور مجلس احرار کا موازنہ کر کے اپنے لئے صحیح راہ منتخب کر سکتے ہیں۔ اس خیال کے ماتحت اسے درج اخبار کیا جا رہا ہے۔ مدیر

مئی گذشتہ میں ہمارے معزز دوست مسٹر خالد لطیف گابا نے اسمبلی میں جانے کے لئے ایک اشتہار پر میرے دستخط بھی لئے تھے اور ہماری انجمن بھی ان کی معاون تھی۔ لیکن بعد میں چونکہ انہوں نے جماعت احرار کے ٹکٹ پر جانا پسند کیا جس نے سیاسی امور میں عامہ اسلامی رائے سے علیحدہ اپنا مسلک قرار دیا ہے اور جو مسلمانوں کے اتحاد کو، جو مسلم کانفرنس کے رنگ میں پیدا ہوا، توڑنا چاہتی ہے اس لئے ہماری انجمن نے دوبارہ اسی معاملہ پر غور کر کے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس وقت مقابلہ حاجی رحیم بخش اور مسٹر خالد لطیف گابا کا نہیں، بلکہ مسلم کانفرنس اور احرار کا ہے، اس لئے بوجوہ ذیل حاجی رحیم بخش صاحب اس بات کے حق دار ہیں کہ ووٹ انہی کو دیئے جائیں۔

1۔ مسلم کانفرنس ہندوستان کے مسلمانوں کی مجموعی رائے کی نمائندہ جماعت ہے۔ احرار پارٹی ایک چھوٹا سا گروہ ہے جس نے جمہور اسلام سے الگ سیاسی راہ اختیار کی ہے۔

2۔ مسلم کانفرنس سارے ہندوستان پر پھیلی ہوئی جماعت ہے۔ اور ملک کا کوئی حصہ یا اسلامی

قوم کا کوئی عنصر نہیں جس کے نمائندے اس میں نہ ہوں۔ احرار پارٹی صرف پنجاب کے چند شہروں تک اور ان میں بھی مسلم پبلک کے ایک خاص حصے تک محدود ہے۔

3۔ مسلم کانفرنس محض اس لئے وجود میں آئی کہ اسلامی حقوق، جن کو ہندو سبھا اور کانگریس مل کر پامال کرنا چاہتی تھیں، ان کی حفاظت کرے اور ہندوؤں کی مجموعی رائے کو پیش کر کے اسلامی حقوق کی حفاظت کے لئے ہندو سبھا اور کانگریس کا مقابلہ کرے۔ احرار پارٹی اصل میں کانگریسی مسلمانوں کا ایک جزو ہے۔ جو محض اس لئے وجود میں آئی کہ کانگریس کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خاص مطالبات کو کمزور کرے۔

4۔ مسلم کانفرنس لگاتار چھ سال سے اسلامی حقوق کی حفاظت میں کام کر رہی ہے اور اپنی جدوجہد سے کچھ حصہ ان حقوق کا محفوظ کر چکی ہے۔ اور بقیہ کے لئے اپنی مجموعی قوت سے کوشاں ہے۔ احرار پارٹی نے نہرو رپورٹ کو منظور کر لیا تھا۔ اور اگر اس پارٹی میں کافی قوت ہوتی تو آج سارے اسلامی حقوق پامال ہو چکے ہوتے۔

5۔ مسلم کانفرنس کی آواز کی وقعت ارباب حکومت، انگلستان اور برٹش پارلیمنٹ تک کے دلوں میں ہے۔ احرار کی آواز صرف ہندوستان کے ایک چھوٹے سے گوشے میں محدود ہے اور ہندوستان سے باہر اس پارٹی کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ اس سے زیادہ کانگریسی مسلمانوں کی آواز کو وقعت حاصل ہے۔

6۔ مسلم کانفرنس ایک اصول کی پابند ہے۔ اور اس کے سامنے ایک معین اور فیصلہ شدہ پروگرام ہے۔ جس کے پیچھے سارے اسلامی ہندوستان کی آواز ہے۔ اور اس پروگرام سے وہ ایک انچ بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتی اور وہ اس بات کی ذمہ دار ہے کہ اپنی ساری جدوجہد اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے صرف کرے۔ احرار پارٹی کا کوئی پروگرام نہیں۔ اور اس کے لیڈر عین وقت پر جدھر چاہتے ہیں جھک جاتے ہیں۔ اس لئے وہ نہ کسی اصول کے پابند ہیں اور نہ ان کی کوئی خاص ذمہ داری رائے دہندگان کے سامنے ہے۔

7۔ مسلم کانفرنس کے لیڈر وہ لوگ ہیں جن پر نہ صرف سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو

اعتماد ہے (جیسے سر آغا خان، سر فضل حسین وغیرہ) بلکہ جن کو اس وقت ہندو اور انگریز بھی مسلمانوں کے مسلم لیڈر مانتے ہیں۔ احرار پارٹی کے لیڈر عموماً وہ لوگ ہیں جو صرف وقتی طور پر پبلک کے جذبات کو ابھار سکتے ہیں۔ جن کو ہندوستان کے باقی مسلمان بھی نہیں جانتے۔ اور جن کو غیروں کی نگاہوں میں کوئی وقعت حاصل نہیں۔

8۔ مسلم کانفرنس ایک غور خوض کرنے والی جماعت ہے۔ جس نے اپنی دانشمندی سے تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو متحد کر کے مستقل طور پر اپنے ساتھ کر لیا ہے۔ احرار پارٹی صرف جذبات کو ابھار کر عوام الناس کے دلوں میں ایک جوش پیدا کرنے والی جماعت ہے۔ اور اس لئے یہ پارٹی آج تک کوئی اپنا مستقل پروگرام نہیں بنا سکی۔ نہ مسلمان پبلک کو یہ بتا سکتی ہے کہ اس کے سامنے کیا مقصد ہے اور وہ کیوں مسلم کانفرنس سے الگ ہوئی ہے۔

9۔ مسلم کانفرنس ہندوستان کے مسلمانوں کی متحدہ آواز ہے۔ احرار پارٹی اس اتحاد کو توڑنے اور مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کے درپے ہے۔

10۔ مسلم کانفرنس نے اس وقت تک اپنی کوششوں سے بیش بہا تعمیری کام کر دکھایا ہے۔ احرار پارٹی کا سارا کام اس وقت تک تخریبی رہا ہے۔

11۔ مسلم کانفرنس مسلمانوں کی آواز کو آگے پہنچا کر ہندوستان کے مسلمانوں کا پورا اعتماد حاصل کر چکی ہے۔ احرار پارٹی کئی موقعوں پر غیروں کا آلہ کار بن چکی ہے۔ اس لئے اس پر اعتماد کرنا اسلامی فوائد کے لئے خطرناک ہے۔

12۔ اگر مسلمان مسلم کانفرنس کے نمائندہ کو ووٹ دیں گے تو مسلمانان ہند کی نمائندگی میں ایک نمائندہ کا اضافہ ہوگا اور ہندو مہاسبھا اور ہندو نیشنل پارٹی اور ہندو کانگریس کے مقابلہ میں ایک ایک آدمی کی ضرورت اسلامی فوائد کی حفاظت کے لئے ہے۔ اگر حرار کے نمائندہ کو ووٹ دیں گے تو سارے ہندوستان میں احرار کا صرف ایک نمائندہ چلا جائے گا۔ جس سے مسلم کانفرنس تو بیشک کمزور ہو جائے گی لیکن احرار کو بھی صرف ایک نمائندہ بھیج کر کچھ قوت حاصل نہیں ہو سکتی۔

13۔ ہندو جماعت اور ہندو اخبارات کی یہ کوشش ہے کہ مسلم کانفرنس کی آواز کو کمزور کیا

جائے۔اگر مسلمان مسلم کانفرنس کے نمائندے کو چھوڑ کر احرار کے نمائندے کو رائے دیں گے تو وہ عملاً ان لوگوں کا ساتھ دیں گے جو مسلم کانفرنس کی آواز کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔

14۔اگر مسلم کانفرنس کی آواز کمزور ہو گئی تو مذکورہ بالا ہندو جماعتیں یہ کہہ سکیں گی کہ چونکہ وزیر اعظم برطانیہ کا اوارڈ مسلم کانفرنس کے مطالبات پر قائم ہے۔اس لئے اوارڈ اب قائم نہیں رہ سکتا اور اس وقت تک جبکہ اوارڈ سرنو معرض بحث میں آیا ہوا ہے اور گورنمنٹ ہند اس کے متعلق مقامی گورنمنٹوں کی رائے طلب کر رہی ہے، مسلم کانفرنس کی آواز کو کمزور کرنا ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔

منیر احمد انصاری: حبیب الرحمٰن صاحب صادق 28 اکتوبر کو بمبئی سے تحریر فرماتے ہیں کہ منیر احمد انصاری، جو اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں، مولانا شبلی مرحوم کے رشتہ دار اور ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔بچپن میں والد کے فوت ہونے کی وجہ سے ہر سہ بھائی اور تمام عزیز اقارب تقریباً بارہ سال ہو گئے کلکتہ چلے آئے۔کیونکہ ان کے دادا نے جائداد میں حصہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔یہاں انہوں نے ایک موٹر ورکس کھولا۔جو اعلیٰ پیمانہ چلتا ہے۔لاریاں، موٹریں وغیرہ سب موجود ہیں۔یہ صاحب سب سے چھوٹے بھائی ہیں۔اسلام اور مسلم قوم کی ہمدردی آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔بمبئی کے مسلمانوں میں نہایت دل عزیز ہیں۔مختلف انجمنیں قائم کیں۔اپنی جیب سے روپیہ خرچ کیا۔آخر قادیانیوں نے جب اس قسم کا صالح نیک اور مالدار نوجوان دیکھا تو تبلیغ شروع کی۔ان کے ذریعہ ہی ان کو ہمارے سلسلہ کا علم ہوا۔بجائے تمام مسلمانوں کی تکفیر اور اجرائے نبوت ماننے کے آپ ہمارے سلسلہ میں شامل ہو گئے اور حضرت امیر ایّدہ اللہ بنصرہٖ العزیز کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔قدرت خدا کی دیکھیئے کہ وہی دادا صاحب اب بمبئی آئے۔تمام جائداد میں ان کو شریک کیا اور باوجود سب سے چھوٹا ہونے کے آپ کو ہی متولی قرار دیا۔صاحب موصوف نہایت نیک اور اسلام کے سچے خادم ہیں۔

3 دسمبر 1934ء

احمدی خواتین کا دینی اجتماع

کچھ عرصے سے ہماری معزز بہنوں کو جو باہر سے تشریف لاتی ہیں یہ شکایت تھی کہ جلسہ خواتین مردانہ جلسہ سے پہلے کرلیا جاتا ہے۔ چونکہ جب بیبیاں اپنے مردوں کے ساتھ ہی آسکتی ہیں۔ اس لئے وہ جلسہ خواتین میں، جو مردانہ جلسوں سے ایک دو دن قبل ہوتا تھا، شریک نہ ہوسکتی تھیں۔

متعدد بہنوں کی توجہ دلانے پر اس سال جلسہ خواتین اور نمائش بھی 24 دسمبر کو ہی رکھی گئی ہے۔ جو ہمارے سالانہ جلسے کا پہلا دن ہے۔ مجھے امید ہے کہ بیرونی بہنیں اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گی۔ میں جانتی ہوں کہ دسمبر کا مہینہ سخت سردی کا ہے اور پھر رمضان المبارک بھی ہے۔ خصوصاً عورتوں کو بچوں کے ساتھ سفر میں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ مگر اس قومی اور دینی محبت و جوش کا واسطہ دے کر، جس کے لئے احمدی جماعت مشہور ہے، میں اپنی تمام معزز احمدی بہنوں سے گزارش کرتی ہوں کہ وہ ہر ایک تکلیف کو خدا کی راہ میں برداشت کریں اور اپنے قومی اجتماع میں شریک ہو کر خدا کی رضا کو حاصل کریں۔

میری محترم بہنوں کو علم ہے کہ اس وقت احمدیت کے خلاف اور اس کو مٹانے کے لئے مخالفین کس قدر زور لگا رہے ہیں۔ اور اس قدر طوفان مخالفت بپا ہے کہ اگر خدا کی خاص نصرت اس ننھی سی جماعت کے شامل حال نہ ہو تو یہ اس باد مخالف میں تنکے کی طرح اڑ جائے۔ مگر یہ خدا کے کام ہیں۔ یہ اس کے مجدد مسیح موعود کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے۔ جو اسلام کی خدمت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو دنیا میں ظاہر کرنے کے لئے لگایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی اس کی حفاظت اور نصرت کرے گا۔ مگر میری بہنوں! تم بھی وہ مبارک اور خوش قسمت ہستیاں بنو۔ جو اپنی جدوجہد سے خدا کی رحمت اور فضل کے حق دار بنتے ہیں۔ خدا کے لئے اور اس کی راہ میں اپنے کاموں کا ہرج کر کے اور تکلیف اٹھا کر جمع ہونا اور اس طرح اپنی قومی زندگی کا ثبوت دینا حصول برکات کو موجب ہوگا۔ یہ طوفان مخالفت ہمیں بتا رہا ہے کہ ہمیں دگنی بلکہ اس سے بھی زیادہ مستعدی اور ہمت سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ چھوٹی چھوٹی رکاوٹیں، جو اس عظیم مقصد کے سامنے ہیچ ہونی چاہئیں، ہمیں اپنے اس مبارک اجتماع سے نہ روک دیں۔ ایک جگہ جمع ہو کر ہم باہم ملیں گے اور مل کر اس نیک مقصد کے لئے تجاویز سوچیں گے، جس کے لئے ہم نے مسیح

موعود کے ہاتھ پر عہد کیا تھا۔ بزرگان دین کی بیش بہا تقاریر سننے کا ہم مستورات کو موقع نہیں ملتا۔ سالانہ جلسے پر ہم ان بزرگوں کی نصائح سے بھی اپنے دماغوں کو منور کر سکیں گے۔ وہ معصوم بچے جو اپنی ماؤں کے ساتھ آئیں گے، بچپن سے ہی ان کے دماغوں میں اپنے قومی اجتماع کی اہمیت کا نقش بیٹھ جائے گا۔ ان کے کانوں میں خدا اور رسول ﷺ کا ذکر پڑے گا۔ ان تمام فائدوں کو حاصل کرنے کے لئے لاہور تشریف لائیے۔ اور اس طرح اپنے مقدس دینی فرض کو ادا کیجئے۔ محترم بہنوں کی خدمت میں عرض ہے کہ ان کے لئے رہائش کا خاص طور پر آرام دہ انتظام کیا گیا ہے۔ جو بہنیں اپنے اپنے مردوں کے ساتھ الگ الگ مکانوں میں اترنا چاہیں وہ مطلع فرما دیں۔ ان کے لئے بھی انشاءاللہ خاطر خواہ انتظام ہوگا۔

میری دلی خواہش ہے کہ کوئی احمدی گھر ایسا نہ رہے جس میں سے کوئی نہ کوئی بہن نہ آئیں۔ اگر گھر میں دو یا زیادہ بیبیاں ہوں، تو ان میں سے ایک بی بی گھر میں رہ سکتی ہیں۔ اور باقی جلسے میں آسکتی ہیں۔ جن گھروں میں ماشاءاللہ زیادہ بچے ہیں اور وہ سب ساتھ نہیں آسکتے۔ تو بہتر ہوگا کہ گھر کی ایک بی بی ان سب بچوں کو سنبھال لیں اور اس طرح دوسری بہنیں جلسے میں شامل ہو سکیں۔ اگر باریاں مقرر کر لی جائیں تو ہر سال گھر میں سے کوئی نہ کوئی بہن بخوبی آسکتی ہیں۔ غرض جس طرح ہم اپنے دنیاوی کاموں کے لئے ہر طرح انتظام کر لیتے ہیں اور اکثر برادری میں شادی بیاہ کے موقعوں پر لمبے لمبے سفر بھی کرتے ہیں، کم از کم اسی قدر اہمیت اسی دینی تقریب کو بھی دینی چاہئیے۔ اپنے محترم بھائیوں کی خدمت میں بھی التماس ہے کہ وہ میری اس آواز کو اپنے گھروں میں پہنچا دیں۔ اپنی مستورات کو ترغیب دیں اور اس مبارک سفر میں ان کے ممد و معاون بنیں۔ خاکسار

بیگم محمد علی

آنریری سکرٹری

احمدیہ انجمن خواتین اسلام لاہور

3 دسمبر 1934ء

مولوی ظفر علی خاں کا ایک بہتان

مولوی ظفر علی خان نے اپنے اس مکتوب مفتوح میں، جو 24 نومبر 1934ء کے ''زمیندار'' میں حضور ملک معظم اور کل مسیحی دنیا کے نام شائع ہوا ہے، اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر اور حرامزادے لکھا ہے۔ اس کے ثبوت میں ذیل کے الفاظ حضرت مرزا صاحب کی کتاب حقیقۃ الوحی کے صفحہ 179 کی طرف منسوب کئے ہیں۔ ''جو مجھ پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے۔''

ہم دعوٰی سے کہتے ہیں کہ یہ الفاظ حقیقۃ الوحی میں ہرگز موجود نہیں۔ یہ مولوی ظفر علی خان کے اپنے الفاظ ہیں۔ جنہیں حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کر کے انہوں نے خطرناک بددیانتی سے کام لیا ہے۔ اس کے برخلاف حقیقۃ الوحی صفحہ 178 پر حضرت مرزا صاحب نے صاف اور کھلے لفظوں میں لکھا ہے:

''ڈاکٹر عبدالحکیم خاں اپنے رسالہ ''المسیح الدجال'' میں میرے پر یہ الزام لگاتا ہے کہ گویا میں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جو شخص میرے پر ایمان نہیں لائے گا۔ گو ہو میرے نام سے بھی بے خبر ہوگا اور گو وہ ایسے ملک میں ہوگا جہاں تک میری دعوت نہیں پہنچی، تب بھی وہ کافر ہو جائے گا اور دوزخ میں پڑے گا۔'' یہ ڈاکٹر مذکور کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے کسی کتاب یا کسی اشتہار میں ایسا نہیں لکھا۔ اس پر فرض ہے کہ وہ کوئی ایسی میری کتاب پیش کرے۔ جس میں یہ لکھا ہے۔''

اس سے بھی بڑھ کر حضرت مرزا صاحب کے نہایت کھلے الفاظ ہیں:

''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو جاتا'' (تریاق القلوب صفحہ 130)

کس قدر بین فرق ہے۔ مولوی ظفر علی خان کا بیان ہے کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے ''جو مجھ پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے۔'' لیکن خود حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ''میرے نہ ماننے کی وجہ

سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو جاتا۔'' کیا یہ بین فرق مولوی ظفر علی خان کے جھوٹ اور غلط بیانی کی کھلی شہادت نہیں؟ دوسرا حوالہ تشحیذ الاذہان جلد 6 نمبر 8 کا مولوی ظفر علی خان نے دیا ہے۔ جس کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

''ان مدعیان اسلام سے ہمارا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کے ساتھ ہمارے تعلقات کا انقطاع خود خدا کے احکام کے ماتحت عمل میں آیا ہے۔''

ان الفاظ کے متعلق صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہوگا کہ نہ تو تشحیذ الاذہان حضرت مرزا صاحب کی کوئی کتاب یا رسالہ ہے اور نہ یہ حضرت ممدوح کے اپنے الفاظ ہیں۔ مولوی ظفر علی خان نے ان الفاظ کو حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کر کے ایک اور بددیانتی کا ارتکاب کیا ہے۔ جس کو کوئی شریف اور فہمیدہ انسان پسند نہیں کر سکتا۔ تیسرا حوالہ مولوی ظفر علی خان نے آئینہ کمالات اسلام صفحہ 547 کا دیا ہے۔ جس میں ان کا بیان ہے کہ ذیل کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

''تمام وہ لوگ جو میری دعوت قبول نہیں کرتے حرامزادے ہیں۔'' یہ بھی حضرت مرزا صاحب کے الفاظ نہیں۔ اصل الفاظ جو حضرت مرزا صاحب نے آئینہ کمالات الاسلام صفحہ 547 پر لکھے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

تلک کتب ینظر الیھا کل مسلم بعین المحبۃ والمودۃ وینتفع من معارفھا و یقبلنی ویصدق دعوتی الا ذریۃ البغایا الذین ختم اللّٰہ علٰی قلوبھم فھم لایقبلون

اپنی بعض کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے، جن میں مخالفین اسلام کے حملوں کے جواب دیئے گئے اور اسلام کی صداقت کو واضح کیا گیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ان کتب کو ہر مسلمان محبت ومودت کی نظر سے دیکھتا اور ان کے معارف سے فائدہ اٹھاتا۔ اور مجھے قبول کرتا اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے، سوائے ذریۃ البغایا کے جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے۔ پس وہ قبول نہیں کرتے۔

ان الفاظ کے مخاطب صرف وہی لوگ ہیں جو اپنی شرارتوں اور دن رات کی دشمنی اور عناد کی وجہ سے اپنے آپ کو فی الواقعہ ذریۃ البغایا ثابت کر چکے ہیں اَلَّذِیْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ کا فقرہ خود اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ ان الفاظ کے اصل مورد بعض ایسے ہی لوگ تھے۔ جو دشمنی اور عناد کے علاوہ

بھی درحقیقت ذریۃ البغایا ہی تھے۔ افسوس ہے کہ مولوی ظفر علی خان آج خواہ مخواہ ان الفاظ کے مورد تمام مسلمانوں کو بنا رہے ہیں حالانکہ حضرت مرزا صاحب خود اس بات کو واضح کر چکے ہیں کہ **لیس کلامنا ھذا فی اخیار ھم بل فی اشرار ھم** (الھدیٰ صفحہ 68) یعنی ہمارا یہ کلام ان کے نیک لوگوں کے بارہ میں نہیں بلکہ ان کے شریر لوگوں کے بارہ میں ہے۔

لیکن اگر یہ سوال ہو کہ اشرار کے متعلق بھی ایسے الفاظ حضرت مرزا صاحب نے کیوں لکھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت مرزا صاحب کے اپنے الفاظ نہیں۔ بلکہ بعض مخالفین کے الفاظ ہیں۔ جو انہوں نے آپ کے متعلق استعمال کئے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے ''اشاعۃ السنۃ'' بابت 1893ء میں یہ اعتراف کیا ہے کہ سعد اللہ لدھیانوی نے اپنی کتاب ''انہزام کادیانی'' میں ''حرامزادہ'' کا لفظ حضرت مرزا صاحب کے متعلق استعمال کیا ہے۔ ایسے ہی بعض اور مخالفین نے بھی سخت ترین دشنام طرازی سے کام لیا۔ حالانکہ اُس وقت تک آپ نے علماء کے متعلق کوئی برا لفظ استعمال نہ کیا تھا۔ پس اگر آپ نے حسب ارشاد قرآنی **فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡہِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ** (194:2) انہیں کے الفاظ کو ان کے اوپر لوٹا دیا۔ تو اس میں آپ پر الزام کیا ہے؟!

کاش حق اور صداقت سے کچھ بھی غرض ہوتی تو مولوی ظفر علی خان ایسی غلط بیانیوں کی جرات نہ کرتے!

خاکسار

سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

7 دسمبر 1934ء
روئیدادِ سفر

حضرت امیر لائل پور، وزیر آباد، سیالکوٹ اور جموں میں

حضرت امیر ایدہ اللہ یکم دسمبر کو بوقت ایک بجے لاہور سے روانہ ہو کر شام لائل پور پہنچے۔ اسٹیشن پر احباب استقبال کے لئے موجود تھے۔ خان بہادر میاں غلام رسول صاحب پہلے سے وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ جو دوسرے دن صبح جھنگ تشریف لے گئے۔ 2 دسمبر کو شیخ عبدالحق صاحب سب جج لائل پور نے حضرت امیر اور دیگر احباب کو شاندار ڈنر دیا۔ تیسرے پہر شیخ میاں محمد صاحب کے دولت کدہ پر معززین لائلپور کو شاندار دعوت چائے دی گئی۔ جس میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے مغرب میں تبلیغ اسلام کی ضرورت واہمیت'' پر ایک پر مغز تقریر کی۔ 3 دسمبر کو صبح 3 بجے کی ٹرین میں سوار ہو کر قریباً 7 بجے صبح وزیر آباد پہنچے۔ جہاں مکرم جناب شیخ نیاز احمد صاحب کے ہاں صبح کی چائے اور دوپہر کا کھانا کھایا۔ اور پھر معہ شیخ محمد جان صاحب و شیخ مولا بخش صاحب موٹر میں سوار ہو کر سیالکوٹ پہنچے۔ جہاں جناب شیخ جان محمد صاحب کی عیادت کے بعد اسی موٹر میں جموں تشریف لے گئے۔ جموں میں احباب جماعت بہت دیر سے شہر کے باہر آپ کے منتظر تھے۔ ان سب کے ساتھ قریباً چار بجے ملک شیر محمد صاحب کے دولت کدہ پر پہنچ کر چائے پی۔ ملک صاحب نے پہلے سے بعض معززین جموں کو مدعو کر رکھا تھا۔ شام کو حضرت امیر ایدہ اللہ مسجد احمدیہ میں تشریف لے گئے۔ اور نماز مغرب کے بعد احباب سے جماعت کے نظم و نسق کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ نماز عشاء حضرت امیر نے پڑھائی اور پھر ملک شیر محمد صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے۔ صبح کی نماز پھر اسی مسجد میں تشریف لے جا کر حضرت امیر نے پڑھائی اور احباب سے ڈیڑھ دو گھنٹہ تک گفتگو ہوتی رہی۔ وہاں سے واپسی پر ڈاکٹر وزیر احمد صاحب صاحب قریشی کے ہاں چائے پی اور پھر جموں ہسپتال (جو راستہ میں تھا) دیکھا۔ مکرم میاں محمد سعید صاحب ریٹائرڈ۔ ای۔ اے۔ سی بھی ساتھ تھے۔ جنہوں نے ایک سو روپے کا چیک حضرت امیر کو دیا۔ قریباً 12 بجے ملک شیر محمد صاحب کے ہاں کھانا تناول فرمایا اور پھر وہاں سے معہ ہمراہیان موٹر میں واپس روانہ ہوئے۔ 3 بجے سیالکوٹ پہنچ کر برادر سراج الدین صاحب ذکی کے مکان پر فروکش ہوئے۔ 4 بجے کے بعد احباب جماعت کا وہاں

اجتماع ہوا اور نماز مغرب کے بعد دیر تک جماعت کے نظم و نسق کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ جس کے بعد برادرز کی صاحب کے ہاں کھانا کھایا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ جماعت جموں کے ایک بوڑھے ممبر اور حضرت مسیح موعود کے پرانے مرید محمد دین صاحب جلد ساز بہت بیمار ہیں۔ اسی وقت موٹر میں حضرت امیر ان کے مکان پر تشریف لے گئے ان کی زبان پر فالج گرا ہوا ہے اور گفتگو کرنا مشکل ہے۔ تاہم بڑی مشکل سے انہوں نے ایک دو باتیں کیں اور بہت ہی خوش ہوئے۔ احباب سے درخواست ہے کہ ان کے لئے درد دل سے دعا فرمائیں۔ اس کے بعد حضرت امیر معہ ہمراہیان وزیر آباد کو واپس روانہ ہوئے اور قریباً دس بجے وزیر آباد پہنچ کر مکرم نیاز احمد صاحب کے ہاں رات بسر کی اور 5 دسمبر کو صبح آٹھ بجے کی ٹرین میں سوار ہو کر بوقت دو پہر واپس لاہور پہنچے۔ اس سفر میں مکرم جناب شیخ مولا بخش صاحب تاجر چرم وزیر آباد نے مبلغ 35 روپے گھر کی مستورات سے جمع کر کے دیئے اور آئندہ زنانہ دستکاری نمائش کے لئے دو میز پوش بھی اور دستکاری نمائش کے لئے مزید کوشش کرنے کا بھی وعدہ فرمایا۔

❁❁❁

7 دسمبر 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

استیصالِ احمدیت کے منصوبے

14 دسمبر کا دن ہمارے مخالفین نے ہمارے استیصال کے لئے مقرر کیا ہے۔ یہ ایک احمقانہ خیال ہے یا جنون ہے۔ ورنہ ادنیٰ فکر سے کام لینے والا انسان بھی سوچ سکتا ہے کہ احمدیت کا استیصال کرتے کرتے آج پینتالیس سال تو ان لوگوں کو گزر چکے لیکن بحکم اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ (17:13) اگر احمدیت اسلام کے لئے نافع ہے۔ اگر یہ جماعت اسلام کی خدمت گذار ہے۔ جیسا کہ یہ یقیناً ہے تو اس کا استیصال کوئی نہیں کر سکتا۔ اور یہ یقیناً قوت پکڑتی جائے گی۔

قریباً دو سال ہو گئے۔ جب سے موجودہ مخالفت کے علمبردار ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور ہر روز یہ آواز آتی ہے کہ بس اب کل کو احمدیت کلیتًا فنا ہو جائے گی۔ اسی طرح استیصال کا دن بھی آئے گا اور گزر جائے گا۔ لیکن ہمیں ان باتوں کو صرف تماشا کے رنگ میں نہ دیکھنا چاہئیے۔ یہ وقت ہے کہ جس طرح مخالفت کا چاروں طرف سے ہجوم ہو رہا ہے، اس کا جواب بھی ہماری طرف سے ویسا ہی ہو۔ ہم تعداد میں بہت تھوڑے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کَمۡ مِّنۡ فِئَۃٍ قَلِیۡلَۃٍ غَلَبَتۡ فِئَۃً کَثِیۡرَۃً ۢ بِاِذۡنِ اللّٰہِ (249:2) اگر ہم تھوڑے بھی عزم کر لیں کہ ہم نے خدمت اسلام کے اس کام کو، جس پر مجدد وقت نے ہمیں لگایا ہے، کرنا ہے اور اس کے کرنے کے لئے نہ صرف زندہ رہنا ہے بلکہ دنیا میں ایک طاقتور قوم بننا ہے، تو مخالفت خواہ کتنی بھی زبردست ہو، خواہ وہ طوفان اور آندھی کی طرح آئے، ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی!

اس لئے میں آج اپنے احباب کو یہ آواز دیتا ہوں کہ اس تمام مخالفت کا جواب ہمارے سالانہ جلسے میں مل سکتا ہے۔ ایک ایک احمدی اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو اور اس کام کو کامیاب کرنے کے لئے، جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے اور جس کام سے تمام مسلمان جماعتیں غافل اور لاپرواہ ہیں، پوری قوت خرچ کر دے۔ بلا شبہ مخالفت اس وقت اپنے کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور ہمارے دلوں سے یہ آواز نکلتی ہے مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ (214:2) مگر اس کا جواب اللہ تعالیٰ کے کلام میں پہلے سے

موجود ہے اَلَآ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ (214:2) ہاں اللہ تعالیٰ کی اس قوت کو حاصل کرنے کے لئے ہمارا ہاتھ پاؤں ہلانا ضروری ہے۔ اگر ہم اٹھ کھڑے ہوں تو خدا کی قوت حرکت میں آجائے گی۔ اگر ہم ایک قدم اٹھائیں تو خدا کی قوت دو قدم آگے بڑھے گی۔ اگر ہم چل پڑیں تو خدا کی قوت دوڑتی ہوئی آئے گی۔ اس لئے میں اپنے احباب سے یہ کہوں گا کہ بغیر ایک لمحہ کے توقف کے اٹھیں اور اپنے قومی اجتماع کے لئے تیار ہو جائیں۔

اس طوفان مخالفت کا جواب صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ ہر وہ احمدی بھی، جس میں اب تک کچھ غفلت تھی، اس غفلت کو دور کر کے مخالفت کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو جائے۔ ہم میں سے بہت ہیں جو معمولی اوقات میں سالانہ جلسہ میں آنے سے لاپرواہی برتتے رہے ہیں۔ مگر اس وقت کی لاپرواہی ہمارے استیصال کے منصوبے کرنے والوں کے حوصلوں کو بڑھانے والی ہوگی۔ اس وقت کی کمزوری ان کی طاقت میں اضافہ کا موجب ہوگی۔ اس وقت بیٹھ رہنا ان کو یہ آواز دینے کے مترادف ہے کہ آؤ اور احمدیت کو برباد کر دو۔ میں امید رکھتا ہوں کہ ہمارے احباب میں سے ایک ایک چھوٹا ہو یا بڑا، غریب ہو یا امیر، اس وقت مخالفت کے اس طوفان کے سامنے صف آرا ہونے کے لئے میدان میں نکل پڑے گا۔ میں کرائے کے نہ ہونے کا عذر کسی دوست سے سننا نہیں چاہتا۔ اپنی ملاقاتوں، اپنی شادیوں، اپنے غموں کے موقع پر کبھی کسی نے کرائے کا عذر نہیں کیا۔ میں سردی کا عذر سننا نہیں چاہتا۔ اس لئے کہ ہر احمدی کے اندر وہ آگ کی چنگاری ہونی چاہیئے جو اس نے مجدد وقت سے لی ہے۔ اور یہ عذر کہ رمضان کا مہینہ ہے، سب سے بودا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہی تو مجاہدہ کا وقت ہے۔ صحابہؓ نے تو عرب کے ملک میں رمضان کے مہینے میں لڑائیاں کیں۔ ہماری ہمت پر ہمارے ایمان کے دعووں پر افسوس ہے۔ اگر ہم خدا کے دین کی ترقی کے لئے ریل یا لاری بس میں سوڈیڑھ سو یا دو تین سو میل کا سفر نہ کر سکیں۔ ہاں اگر اور کوئی عذر صحیح ہے۔ کوئی ایسا بیمار ہے کہ سفر کے قابل نہیں، کسی ملازم کو باوجود کوشش کے رخصت نہیں ملتی تو پھر بھی وہ اپنی نیت یا ارادہ کو عملاً ظاہر کرے۔ اور وہ عملی اظہار یہ ہے کہ آنے جانے کے کرائے کی رقم چندہ میں دے یا اپنی طرف سے یہ رقم دے کر کسی ایسے آدمی کو بھیج دے جو سلسلہ کی باتیں سننا چاہتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ اقرار

کرے کہ وہ تمام امور، جن کا سالانہ جلسہ میں جمع شدہ قوم فیصلہ کرے گی، وہ بھی سچے دل سے اور پوری تن دہی سے ان کو عمل میں لانے میں ساعی ہوگا۔ جہاں جہاں جماعتیں ہیں۔ وہ اس بات کا انتظام فوراً کریں کہ یہ میری تحریک سب احباب کے علم میں آجائے۔ اور جن اصحاب کو وہ حاضری جلسہ سے معذور سمجھیں، ان سے آمدورفت کا کرایہ وصول کریں۔ جو چندہ میں داخل ہو یا جس کے ذریعے سے غیراز جماعت احباب کو ساتھ لایا جائے۔

یہ بھی ظاہر کردینا ضروری ہے کہ جلسہ میں خالی ہاتھ آنا ایسا ہے جیسا سپاہی بغیر ہتھیار کے میدان جنگ میں جائے۔ میں اس کے متعلق پہلے تحریک کر چکا ہوں کہ ہر شخص کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ اس کی وجہ سے قومی خزانہ میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور ہو۔ خواہ وہ ایک پیسے کا ہی ہو۔ جو شخص کوشش کا حق ادا کر کے صرف ایک پیسہ بھی لا سکے گا، وہ اس کا ایک پیسہ ہمارے لئے ایک خزانہ ہوگا۔ کیونکہ اس پر ایک سچے دل کی مہر ہوگی۔ مگر کوئی شخص خالی ہاتھ نہ آئے۔ بلکہ جس طرح میں پہلے لکھ چکا ہوں اپنی جگہ ایک زبردست کوشش کر کے کچھ نہ کچھ ساتھ لائے۔ اللہ تعالیٰ سعی کو ضرور پھل لگاتا ہے۔ میں مجبور ہوں گا کہ ہر ایک دوست سے دریافت کروں کہ وہ خدا کے دین کو قوت پہنچانے کے لئے کیا ساتھ لایا ہے۔ اور جو ایک پیسہ بھی لائے۔ اس کے لئے میرے دونوں ہاتھ خدا کے آگے اٹھیں گے۔

مجھے اب تک صرف راولپنڈی کی جماعت سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ انہوں نے کام کا تہیہ کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش میں برکت ڈالے اور دیگر سب احباب کی بھی جو کوشش کریں۔ اور دوسرا مطالبہ ہر ایک اس جماعت سے تعلق رکھنے والے دوست سے یہ ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو بھی اس خدمت میں شامل کرے اور کوئی نہ کوئی چیز دستکاری کے رنگ میں اپنے ہاں کی مستورات سے فوراً تیار کرائے۔ جو 20 دسمبر سے پہلے یہاں پہنچ جائے۔ میں پھر وہی کہتا ہوں کہ خواہ وہ چیز ایک پیسہ کی ہو۔ مگر ہر ایک احمدی خاتون اس میں ضرور شامل ہو۔ اور اپنے ہاتھ کے چھوٹے سے کام سے یہ دکھا دے کہ اس کے دل میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا درد ہے۔

تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ ہر ایک احمدی دوست یہ کوشش کرے کہ وہ اپنے ساتھ کسی غیراز

جماعت دوست کو بھی لائے۔ کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس کام کو دیکھے اور اس اجتماع کی روحانی کیفیت کا مشاہدہ کرے۔ اور اس کے درد دِل کی آواز کو سنے۔ تا کہ اس کے دل میں بھی اس نیک کام میں شامل ہونے کے لئے حرکت پیدا ہو۔ جماعت کی توسیع پر اس مخالفت کے وقت میں خاص طور پر زور دینا ضروری ہے۔ تا کہ استیصال کے منصوبے کرنے والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی مخالفت کی کوشش یوں تو ضائع ہوتی ہے کہ وہ اس جماعت کا استیصال نہیں کر سکتے۔ مگر یوں ضائع نہیں ہوتی کہ جماعت کی ترقی میں کھاد کا کام دیتی ہے۔ والسلام

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

7 دسمبر 1934ء
ایک محاکمہ

ایک سفید جھوٹ!

خان صاحب چودھری محمد منظور الٰہی کے قلم سے

5 دسمبر کے ''زمیندار'' میں منشی ظفر علی جی نے لکھا ہے کہ ''ہمیں ہمارے ایک نہایت ثقہ نامہ نگار نے اطلاع دی ہے۔'' کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب نے ہر میجسٹی احمد زدغوشاہ البانیہ کو قرآن کریم و کتب بھیجی تھیں۔ جس کا شاہ ممدوح نے رسمی شکریہ بھی ادا کر دیا۔ اس پر انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ شاہ موصوف ضرور قادیانی ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک اور عریضہ ان کی خدمت میں ارسال کیا اور ان سے درخواست کی کہ آپ قادیانیت قبول کر لیں۔ لیکن شاہ البانیہ نے ان کی اس دعوت الی الباطل کا جو رد کھا پھیکا جواب دیا، اس سے مولانا محمد علی کی تمام امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ انہوں نے لکھا۔ میں تمہارا مذہب تو قبول کر لوں۔ لیکن اس صورت میں مجھے مرزائے قادیان کے دعاوی بھی تسلیم کرنے پڑیں گے۔ لیکن میرے لئے میرا خدا اور میرا رسولؐ کافی ہے۔ مجھے قرآن وحدیث کے بعد کسی دوسری تعلیم کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد اس ''ثقہ'' نامہ نگار نے لکھا ہے کہ ''اس پر بھی مولانا محمد علی کے حوصلے پست نہیں ہوئے اور انہوں نے اپنی تصانیف نادرہ کا پلندہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ لیکن وہاں سے جو جواب ملا وہ البانی جواب سے بھی زیادہ سخت تھا اور فوجی طرز کا تھا۔ اس کے بعد مولانا محمد علی کی بلند پروازیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور اب وہ عرصہ سے خاموش ہیں۔''

مندرجہ بالا افسانے منشی ظفر علی کے افتراؤں اور بہتانوں کا ایک تازہ نمونہ ہیں۔ اول تو حضرت مولانا محمد علی صاحب خود کسی کو خط نہیں لکھتے۔ خصوصاً بیرونی ممالک کو۔ جب تک کوئی شخص خود ان کے نام خط لکھ کر جواب طلب نہ کرے۔ ممالک غیر کی تمام خط و کتابت راقم سطور ہذا کرتا ہے۔ اور وہ یقیناً کہہ سکتا ہے کہ دنیا کے تمام ممالک کے سمجھ دار طبقہ میں باوجود ملانوں کی مخالفت کے احمدیت کی بڑی عزت ہے۔ اور قریباً ہر ملک میں احمدی پائے جاتے ہیں۔ نہ صرف شاہ البانیہ

اور غازی مصطفیٰ کمال پاشا کو بلکہ انجمن کی طرف سے دنیا کے قریباً تمام مسلمان اور غیر مسلمان بادشاہوں کو قرآن کریم انگریزی وسیرت نبویؐ انگریزی بطور تحفہ دی جا چکی ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ دنیا کے تمام ممالک کی پبلک اور جہازی لائبریریوں میں یہ کتب مفت بھیجی جا چکی ہیں۔ اس کے سوا نہ شاہ البانیہ سے اور نہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا سے اور نہ کسی اور مسلم یا غیر مسلم بادشاہ سے خط وکتابت ہوئی۔ اور نہ کسی کو تبلیغ احمدیت کی گئی۔ ہند کے ملانے اور منشی ظفر علی جی یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہندی مسلمانوں کی طرح بیرونی ممالک کے مسلمان حکمران بھی مشغلہ تکفیر وتفسیق میں مبتلا ہیں۔ اور ان کے سامنے کوئی دوسرا اہم کام نہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان سلاطین وحکمرانوں کا رات دن اپنی اپنی سلطنتوں کی حفاظت اور ترقی کا فکر ہی آرام نہیں لینے دیتا۔ ایسی صورت میں ان کی توجہ کو سلطنت کے اہم امور سے ہٹا کر مسلمانوں کے لایعنی اندرونی جھگڑوں کی طرف لگا دینا اسلام دشمنی ہے۔ خدا کے فضل سے ہماری جماعت کے معقول طرز عمل سے ہر ایک مسلم وغیر مسلم حکمران خوش ہے۔

ہم نے نہ تو ایسی کوئی خط وکتابت کسی مسلمان حکمران سے کی اور نہ ہمیں کوئی ایسا جواب آیا۔ یہ سب منشی ظفر علی اور اس کے ''ثقہ'' نامہ نگاروں کا افتراء ہے باقی۔ رہا ہمارے خیالات کی اسلامی اور غیر اسلامی دنیا میں اشاعت، سو ان کو پھیلنے سے روکنا نہ منشی ظفر علی جی کے اختیار کی بات ہے اور نہ ان کے ہم خیال ملانوں کی۔ ترکی کا بچہ بچہ ملانوں کے چنگل سے نکل چکا ہے۔ ایران، شام، مصر، البانیہ ودیگر ممالک اسلامیہ کے نوجوان اسی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ خدا کے فضل سے ہمارا لٹریچر اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کے اکثر سمجھدار اشخاص اور نوجوان کے ہاتھوں تک پہنچ چکا ہے اور اپنا کام کر رہا ہے۔ خود ہندوستان میں آئندہ دس سال کے اندر انشاء اللہ نوجوان طبقہ ہمارے خیالات کا حامی ہوگا۔ کیونکہ جس شوق ومحبت سے ہمارا لٹریچر پڑھا جا رہا ہے، وہ نہایت امید افزاء ہے۔ مسلمان نوجوانوں کے خیالات کا انقلاب ہی قوم کو ملانوں اور پیروں کے پنجوں سے آزاد کرائے گا۔

آج سے تیس چالیس سال قبل اسلامی لٹریچر اور اخبارات کا موجودہ لٹریچر سے مقابلہ کر کے

دیکھ لو کہ کس قدر فرق نظر آتا ہے۔ اور احمدیت کا نکتہ نگاہ کس طرح قبولیت حاصل کرتا جا رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود کے دعوٰی سے پہلے تعلیم قرآن قریباً تمام مسلمانوں کے مذہبی اداروں میں مفقود تھی۔ حنفی مدارس کا زور فقہ پر اور وہابیوں کا حدیث پر تھا۔ لیکن اب تقریباً ہر شہر میں تعلیم قرآن اور درس قرآن جاری ہیں۔ اور اسی کی طرف توجہ دلانا حضرت مسیح موعود کا پہلا فرض تھا۔ جو باحسن وجوہ پورا ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث اور تفاسیر کی انٹ سنٹ روایات، جو تعلیم قرآن کے خلاف ہیں، سمجھدار طبقہ کی نظر سے گر رہی ہیں اور لوگ معقولیت کی طرف آ رہے ہیں۔

❁❁❁

13 دسمبر 1934ء

ایک باہمت نوجوان کا قابل تقلید خط

مندرجہ ذیل خط جناب ایس عبید اللہ صاحب سیکرٹری ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن وزیر آباد نے حضرت امیر ایدّہ اللہ کی خدمت میں تحریر فرمایا۔ مدیر

محترم مکرم معظم سیدی حضرت امیر سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ نے جن خیالات کا اظہار میرے لئے اپنے خطبہ جمعہ میں فرمایا ہے، اس کے لئے خاکسار لائق نہ تھا۔ یہ آپ کی محض ذرہ نوازی ہے جس کے لئے میں جناب کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں خداوند کریم سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا ہی بنا دے اور بیش از پیش خدماتِ دینی کا موقعہ عطا فرمائے۔ آمین۔ نیز عرض خدمت یہ ہے کہ آپ نے جو مطالبات اصحاب جماعت خصوصاً نوجوانوں کی جماعت سے کئے ہیں۔ ان پر ہم نے عمل کرنا شروع کر دیا۔

1۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس دفعہ تقریباً تمام نوجوان جلسہ سالانہ پر حاضر ہوں گے۔

2۔ دستکاری کے متعلق عرض ہے کہ بندہ نے آپ کا مطالبہ تمام گھروں میں جا کر سنایا اور ہر ایک گھر سے کوئی نہ کوئی چیز لی ہے اور ان تمام چیزوں کا پارسل بنا کر بدست مولوی محمد عبداللہ صاحب سیکرٹری انجمن خواتین کے نام ارسال کر دیا ہے۔

3۔ تیسرے مطالبے پر بھی ہم نے عمل درآمد کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور مجھے امید کامل ہے کہ دو تین غیر احمدی دوستوں کو ساتھ لے کر جلسہ پر حاضر ہوں گے اور ہر ایک کو ''ٹریکٹ'' مغرب میں تبلیغ اسلام'' عالمگیر مذہبی انقلاب۔'' ''ہمارے عقائد'' ''کیا حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا؟'' اور ''قادیانی جماعت کی تبدیلی عقیدہ'' تقسیم کیا ہے۔ اور نیز پیغام صلح کے جلسہ نمبر اور ینگ اسلام کے جلسہ نمبر اور ٹریکٹ ''مغرب میں تبلیغ اسلام'' کے لئے نوجوانوں سے پانچ روپے جمع کر کے محاسب صاحب کو ارسال کر دیئے ہیں۔ ہم نوجوانوں کے لئے خاص طور پر دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح اسلام کا خادم بنائے۔ آمین۔ اور ہم احمدیت کے حقیقی خادم ہوں۔ آمین۔ خدا تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ

ہم دنیا پر ظاہر کر دیں کہ اسلام ہمیشہ زندہ رہے گا اور احمدیت ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اور نیز ہم نے بچت فنڈ پر جماعت کو پوری طرح کار بند کر دیا ہے اور ہر ایک کے گھر میں صندوقچی لگا دی ہے۔ جہاں سے مہینہ کے مہینہ رقم نکال کر محاسب صاحب کو ارسال کر دی جاتی ہے۔ دوبارہ عرض خدمت ہے کہ ہمارے لئے خاص طور پر دعا کی جائے۔

فقط خاکسار ایس عبید اللہ سیکرٹری ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن وزیر آباد۔ 10 دسمبر 1934ء

جزاکم اللہ خیرا۔ یہ کام کرنے کی وہ روح ہے جس پر میں چاہتا ہوں کہ ساری جماعت مائل ہو۔ ابھی وقت ہے کہ دوسرے احباب توجہ فرمائیں۔ محمد علی

15 دسمبر 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

متفرق خیالات

آج یکم رمضان المبارک ہے۔ اس ماہ کی آمد کے ساتھ مسلمانوں کی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب آجاتا ہے اور کسی ماہ پرست کو نظر آئے یا نہ آئے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ خواہشات کے شیطان زنجیروں میں جکڑے جاتے ہیں اور خدا کی رحمت کے دروازے ان لوگوں پر کھل جاتے ہیں جو اس کی رضا کو سب باتوں پر مقدم کرنے کے لئے ہر ایک آسائش کو چھوڑنے اور ہر ایک تکلیف کو اٹھانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

رمضان میں ہی آسمان پر وہ انقلاب عظیم آیا۔ جس کا نتیجہ نزول قرآن کریم تھا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (185:2) اور رمضان میں ہی زمین پر وہ انقلاب عظیم آیا جس کا نتیجہ کفر کی قوت کا ٹوٹنا اور اسلام کا دنیا میں غالب آنا تھا۔ یعنی جنگ بدر۔ جس سے کفار کی قوت ٹوٹی اور فتح مکہ جس کے بعد اسلام عرب میں پھیل گیا۔ یہ دونوں ماہ رمضان میں ہوئیں۔ اس زبردست انتشار روحانیت سے، جو رمضان سے تعلق رکھتا ہے، ہمیں بھی فائدہ اٹھانا چاہئیے۔ اور کیا بعید ہے کہ آج بھی ماہ رمضان کے مجاہدات سے دنیا میں پھر ایک انقلاب آجائے اور آفتاب اسلام کا طلوع مغرب میں ہو کر وہ ملک بھی اسلام کی روشنی سے منور ہو جائیں جو اب تک اسلام سے محروم پڑے ہیں۔

مجاہدات رمضان دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو رات سے تعلق رکھتے ہیں۔ رات کو افضال الٰہی کی تلاش کا ذریعہ عبادت ہے۔ دن کو افضال الٰہی کی تلاش کا ذریعہ کوشش ہے۔ میرے دل میں یہ آرزو ہے کہ ہماری ساری جماعت متفق ہو کر ان دونوں راہوں سے رمضان میں افضال الٰہی کو تلاش کرے۔ اگر ہم سب ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے، تو اکیلے اکیلے ہی۔ جب ایک خاص وقت پر ایک ہی کام کریں تو وہ سب ایک دوسرے کے شریک کار ہو جاتے ہیں۔ ہم بھی اگر سب کے سب ایک مقرر وقت پر ایک ہی دعا میں مصروف ہوں تو گو جسمانی طور پر اکھٹے نہیں ہوں گے لیکن روحانی رنگ میں یہ ہمارا اجتماع ہی ہے۔ اگر ہم نو بجے رات سو جائیں اور تین اور چار بجے کے

درمیان اٹھ بیٹھیں تو سحری کے وقت تک ایک سے لے کر اڑھائی گھنٹے تک مل سکتے ہیں۔ جس عرصہ میں ہم سب کے سب ایک ہی تڑپ کو لیئے ہوئے آستانہ الٰہی پر گر جائیں۔ تو میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ ہماری تڑپ ناممکن کو ممکن کر سکتی ہے۔

ہمارے سامنے ایک تاریکی سے بھرا ہوا براعظم ہے۔ جو کفر اور الحاد کا مرکز ہے۔ اس کے اندر نورِ حق کو پھیلانا کتنا بڑا کام ہے۔ بالمقابل اس کے جو جماعت اس کام کو لے کر کھڑی ہوئی ہے وہ ایک بہت ہی چھوٹی جماعت ہے۔ جس کے کارکن شائد مشکل ایک ہزار نفوس ہوں گے اور وہ بھی ایک غلام جماعت کے افراد۔ اس سے بڑھ کر یہ بے سروسامان وہ خود دولت مند نہیں۔ مگر دولت مند کے دروازوں پر جاتے ہیں تو وہاں سب کاموں کے لئے روپیہ موجود ہے۔ اگر نہیں تو خدا کا نام دنیا میں پھیلانے کے لئے نہیں۔ رحمۃ للعالمین ؐ کا پیغام دنیا میں پہنچانے کے لئے نہیں۔ اس سے بڑھ کر مصیبت یہ کہ اس قلت اور اس بے سروسامانی کے ساتھ خود مسلمانوں کی طرف سے مخالفت کا ایک طوفانِ عظیم اٹھا ہوا ہے اور وہ اندھا دھند اس نیک کام کو مٹانے کے لئے پورا زور لگا رہے ہیں۔ کیا بیکسی کی حالت اس سے بڑھ کر ہو سکتی ہے۔ مقابلہ اتنی زبردست اقوام سے کہ جن کے مقابلہ میں سارے مسلمانوں کی اجتماعی قوت ہمیں ہیچ نظر آتی ہے اور حالت یہ کہ ایک چھوٹی سی جماعت کام کرنے والی ہے۔ جس کو خود مسلمان ہی کچلنا چاہتے ہیں۔

میرے دوستو! غور کرو۔ کیا یہ وقت خدا کے حضور گر جانے کا نہیں! گڑ گڑانے کا نہیں؟ آؤ۔ اور سب اکٹھے ہو کر اس رمضان میں تین اور پانچ بجے صبح کے درمیان بارگاہ الٰہی میں رو رو کر عرض کریں کہ اے خدا تیرا نام دنیا میں پھیلانے کے سوائے کوئی آرزو نہیں۔ تیرے رسول کا پیغام قوموں کو پہنچانے کے سوائے کوئی خواہش نہیں۔ تیری رحمت اور تیرے فضل، جو اس ماہ مبارک میں خاص طور پر نزول فرماہیں، ہمارے شامل حال ہوں۔ تیری نصرتیں ہماری دستگیری فرمائیں۔ یقیناً اگر سب کی آہیں اکٹھی ہو کر اٹھیں تو افضال الٰہی کی بارش کو جذب کر لائیں۔

ہاں اگر رات کے وقت میں سے دو گھنٹے ہم یوں دیں تو دن کے وقت میں بھی دو گھنٹے افضال الٰہی کی تلاش میں دیں۔ اس کے لئے میں کوئی وقت مقرر نہیں کرتا۔ ہر شخص کی اپنی فرصت پر اس کا انحصار ہے۔

لیکن میں پھر یہی کہوں گا کہ جماعت کے کام پر اور جماعت کی کوششوں پر برکات کا نزول ہوتا ہے۔ سب اکٹھے ہو کر اس راستے سے بھی افضال الٰہی کو تلاش کریں۔ اسی کا قانون ہے لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى (39:53) دعا کے ساتھ کوشش کو بھی ملائیں تا کہ یہ دونوں چیزیں مل کر ہماری مشکلات کا حل ہو جائیں۔

میرے دل میں یہ پختہ یقین ہے کہ اگر یہ دونوں چیزیں مل جائیں۔ ایک ساری جماعت کی دعا اور دوسرے ساری جماعت کی کوشش۔ تو اس کا نتیجہ ضرور کسی نہ کسی رنگ میں مل کر رہے گا۔ ممکن ہے کہ ہماری دعاؤں اور کوششوں کا فوری اثر وہ نہ ہو جو ہم چاہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارا ایک ہزار آدمی نکلے تو ان میں سے کوئی ایسے بھی ہوں جو روزانہ متواتر کوششوں کے باوجود خالی ہاتھ آئیں۔ ایسے بھی ہوں جو دو چار آنے ہی لا سکیں۔ لیکن انہی میں ایسے بھی ہوں گے جو اگر توجہ کریں تو سینکڑوں نہیں، ہزاروں کے ساتھ قومی بیت المال کو قوت پہنچا سکتے ہیں۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان اجتماعی دعاؤں اور کوششوں کا ایک اور اثر بھی ہوگا۔ جو اس راہ سے نہ آئے گا جدھر ہمارا خیال ہے بلکہ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَايَحْتَسِبُ (3:65) کا مصداق ہوگا۔

ہاں! اگر دل میں تڑپ ہو تو خالی ہاتھ کوئی بھی نہیں رہ سکتا۔ کیا وہ اپنی جیب سے ایک روپیہ نہیں دے سکتا۔ کیا وہ سب طرف سے عاجز ہو کر اپنی بیوی اور اپنے بچے کو بھی مدد کے لئے نہیں بلا سکتا۔ کیا وہ اپنے کسی عزیز دوست یا کسی رشتے دار کو نہیں کہہ سکتا۔ یقیناً یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اور اگر ایک دفعہ ہمارے احباب یہ عزم کر لیں کہ ہم سب نے اکٹھے ہو کر فضل الٰہی کے ان دو جاذب ذریعوں سے کام لینا ہے، رات کے وقت دو گھنٹے کی دعا سے اور دن کے وقت دو گھنٹے کوشش سے۔ تو اسی سالانہ جلسہ پر ہی ہم اس کا نتیجہ دیکھ سکتے ہیں۔ اور اگر دیکھتے ہو کہ غفلت دعا سے مانع ہے یا ایک غلط عزت کا خیال کوشش میں روک ہے۔ یا یہ ڈر ہے کہ کوشش بھی کریں تو ملنے کی توقع کچھ نہیں تو اس کے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس غفلت کو دور فرمائے اور اس سچی عزت کا زبردست احساس ہمارے دلوں میں پیدا کر دے جو خدا اور اس کے رسولؐ کے راستے میں ادنیٰ مزدور بننے سے ملتی ہے۔ اور اس ڈر کو مٹا دے جو رحمت الٰہی سے انسان کو مایوس کر دیتا ہے۔

لَا تَا يْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ. (87:12)

15 دسمبر 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

حضرت مرزا صاحب کا عظیم الشان کارنامہ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی یورپ میں تبلیغی مساعی کے شاندار نتائج

کسی شخص کو محل اعتراض بنانا چاہو تو یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔لیکن دیکھنا ہمیشہ یہ چاہئیے کہ کسی شخص نے مفید کام کس قدر کیا ہے۔اس وقت، جبکہ علماء اسلام آمین اور رفع یدین اور دیگر چھوٹے چھوٹے باہمی جھگڑوں می مصروف تھے، ایک شخص اٹھتا ہے اور ان چھوٹے چھوٹے جھگڑوں سے بہت بلند ہو کر جماعت کو ایک نہایت ہی بلند مقصد کی طرف دعوت دیتا ہے۔یعنی اسلام کا پیغام دنیا کی تمام قوموں کو پہنچانا اور بالخصوص ان اقوام کی طرف توجہ کرنا جو اب تک اسلام کے پیغام سے محروم رہی تھیں اور جو خود اسلام کو مٹانے کے درپے تھیں۔یعنی اقوام یورپ۔جس کے دل میں اس قدر قوت ہے کہ وہ اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ وہ اس یورپ کو بھی اسلام کے لئے فتح کر سکتا ہے، جہاں اب تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا۔اور جو اسلام کا سب سے زبردست مخالف ہے۔اور جس کے قبضہ میں ہر قسم کی مادی طاقتیں ہیں۔اور پھر یہ اس کا خیال ہی خیال نہیں رہتا بلکہ اس کام کی بنیاد رکھ کر اس کو عمل میں بھی لے آتا ہے اس کے کام کی عظمت سے آنکھیں بند کرنا اور نکتہ چینی پر لگ جانا کسی عقلمند کا کام نہیں ہوسکتا!

آج احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اسی روح سے سرشار ہو کر اپنی پوری قوت کے ساتھ اس مقصد کو لئے ہوئے میدان عمل میں مصروف کار ہے۔اسے لاہور میں قائم ہوئے آج بیس سال کا عرصہ ہوا۔ لیکن اس تھوڑے سے عرصہ میں یورپ کے تین مختلف ممالک میں تین اسلامی مشن قائم ہو چکے ہیں۔تین یورپین زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے ہو چکے ہیں۔سیرت نبویؐ اور دیگر اسلامی لٹریچر کے سات یورپین زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔اور خدا کے فضل سے مضبوطی سے قدم آگے بڑھ رہا ہے اور یہ باوجود اس حوصلہ شکن سلوک کے، جو مسلمان بھائیوں کی طرف سے ہو رہا ہے، کئی روزنامے صرف اسی کام کے لئے وقف ہیں کہ اس جماعت کو تباہ کیا جائے اور اس کام کر برباد کیا جائے۔لیکن یہ محض خدا کا فضل ہے کہ جس قدر زیادہ مخالفت ہے، اسی قدر زیادہ اس کام کی ترقی ہے۔بربادی کے منصوبے کرنے والوں سے تو صرف مجھے اسی قدر

کہنا ہے کہ پہلے تعمیر اسلام کا کم سے کم اتنا کام تیار کر لو اور پھر اس کو برباد کرنے کی فکر کرو۔ اور تمام اسلامی بھائیوں سے التماس ہے کہ اس جماعت میں شمولیت کی غرض صرف اس کام کی تقویت ہے۔ یورپ میں اسلام کا پھیلانا ایک نہایت ہی بلند مقصد ہے۔ جو کچھ اس وقت تک کیا گیا ہے، وہ اس کام کے سامنے، جو کرنے والا ہے، کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ لیکن ایک بنیاد پڑ گئی ہے۔ کام شروع ہو چکا ہے۔ وقت ہے کہ تمام مسلمان بھائی اس میں شامل ہو کر اس کام کی قوت کا موجب بنیں۔ ہم بھی انہیں کی طرح مسلمان ہیں۔ اہل سنت والجماعت ہیں۔ اور اہل سنت والجماعت کے عقائد رکھتے ہیں۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا جاتا ہے، وہ غلط ہے۔

احمدیہ جماعت کے کام کے متعلق یورپ کی رائے: ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ یہ وہی عقائد ہیں جو مسلمہ طور پر اہل سنت والجماعت کے عقائد ہیں۔ باقی رہا ہمارا کام۔ سو آج یورپ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ احمدی جماعت اشاعت اسلام کا بہترین کام کر رہی ہے اور یہ باوجود اس کے کہ وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ احمدیت ہی عیسائیت کے خلاف جارحانہ کارروائی کر رہی ہے۔

1۔ احمدیہ جماعت مسلمانوں کی واحد اور سب سے بڑی جماعت ہے۔ جس کے سامنے خالص تبلیغی کام ہے۔

☆ ''تحریک احمدیت حقیقتاً'' ایک اشاعت اسلام کی سوسائٹی بن گئی ہے۔ اگرچہ پُرانے خیال کے علماء اب تک اسے شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔'' (وہدر اسلام صفحہ 353)

☆ ''مسلمانوں میں فرقہ داری کی روح، جو عام طور پر پھیلی ہوئی ہے، اس میں ایک دلچسپ استثناء احمدی ہیں، وہ صرف مذہبی اشاعت پر سارا زور صرف کرتے ہیں اور سیاسیات سے الگ رہتے ہیں۔ اس بارے میں موجودہ اسلام میں یہ ایک قابل ذکر گروہ ہے۔ اور یہ ایک ہی گروہ ہے جس کے مقاصد محض تبلیغی ہیں۔ ان کی توجہ زیادہ تر اس بات کی اشاعت میں مرکوز ہے کہ اسلام ہی صرف ایک مذہب ہے۔ جو عقل اور فطرت کے مطابق ہے۔ یورپ میں عیسائیت کی نازک حالت سے انہیں بہت سا ایسا سامان مل جاتا ہے جس سے وہ اس مذہب کی عیب جوئی کرتے اور اسلام کی بہت تعریف کرتے ہیں۔'' (مسلم ورلڈ جلد 21 صفحہ 170 پادری کریمر)

☆''اس کو اس کے ماحول سے الگ کر کے دیکھا جائے تو یہ تحریک صرف ایک زیادہ وسیع الخیال اسلام کے رنگ میں نظر آتی ہے۔ اسی خصوصیت کے ساتھ کہ اس میں اشاعت کی روح صاف دکھائی دیتی ہے۔''(اسلام ایٹ دی کراس روڈز صفحہ 108)

☆''احمدیہ فرقہ کی تاریخ اس سے بالکل مختلف ہے جو پنجاب میں پیدا ہوا اور جو ایک حد تک وہاں عیسائی پادریوں کی کاروائیوں کا ردعمل ہے۔ اسلام میں صرف ایک ہی فرقہ ہونے کے لحاظ سے، جس نے انگلستان میں اسلام کو پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ یہ خاص طور پر دلچسپ ہے''(اسلام ایٹ دی کراس روڈز صفحہ 99-100)

☆''اس وقت احمدی دنیا میں سب سے زیادہ اسلام کی اشاعت کرنے والی قوم ہے۔'' (انڈین اسلام صفحہ 217)

☆''احمدیت اس بات کا فیصلہ کر چکی ہے کہ پیغمبرؐ کے کیرکٹر کو ہر ایک الزام سے پاک ثابت کرے''(انفلوئنس آف اسلام صفحہ 109-110)

2 ۔''احمدیت عیسائیت کے مقابلہ پر کھڑی ہے۔ اور عیسائیت کے خلاف جارحانہ کاروائی کر رہی ہے۔ اس کے پیرو تحریر اور تقریر کے ذریعہ سے عیسائی عقائد کے مقابلہ سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوتے''(وہدر اسلام صفحہ 188)

☆''یہاں سے شائد مشرقی لوگوں میں ایک نئی طاقت پیدا ہو سکتی ہے۔ جو اسلام کے موجودہ تنزل کو روک دے۔ بلکہ اس کو ترقی کی صورت میں تبدیل کر دے! اگر یورپ اسی راستہ پر چلتا رہا جس پر وہ اس وقت چل رہا ہے۔(وہدر اسلام صفحہ 309)

☆''ان میں ایسا اخلاص اور جوش اور ایثار پایا جاتا ہے جو سچائی کے ساتھ قابل تعریف ہے۔ باوجودیکہ وہ دق کرنے والے اور سخت جارحانہ ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔''(پادری کریمر رسالہ مسلم ورلڈ جلد 31)

☆''غالباً سب سے زیادہ کامیاب عیسائی مشنری کام جو کسی ملک میں ہو رہا ہے وہ ایران میں ہے۔ مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی خوف ظاہر کرتا ہے کہ احمدیت کے پروپاگنڈا کی

یہاں ابتداء ہوگئی ہے۔" (پیپل آف دی ماسک صفحہ 172)

☆"یورپ میں عیسائیت کی نازک حالت سے انہیں بہت سا ایسا سامان مل جاتا ہے جس سے وہ اس مذہب کی ہمت جوئی کرتے اور اسلام کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ اپنی سخت جارحانہ کارروائی میں وہ عیسائیت سے وہی سلوک کرتے ہیں جو اکثر اوقات میں عیسائیت نے اسلام سے کیا ہے۔" (پادری کریمر مسلم ورلڈ جلد 21 صفحہ 170)

☆"دوسری طرف یہاں ہم عیسائیت کے خلاف نئے سے نیا اور نہایت ہی جارحانہ پروپا گنڈا پاتے ہیں۔ جو کبھی دنیا میں پیدا ہوا ہو۔ اور یہاں سے ایک عالمگیر نظام بیرونی مشنوں کا قائم کیا گیا ہے" (انڈین اسلام صفحہ 239)

3۔احمدیت کی کامیابی۔

☆"اس قسم کی تحریکات، جیسے احمدیت ہے اپنی مضبوط اخلاقی طاقتوں اور گہرے مذہبی خیالات کے ساتھ ایک خاص اثر ان حدود سے آگے نکل کر ڈال رہی ہیں۔ جو اب تک اسلام کی حدود سمجھی جاتی تھیں۔" (وہدر اسلام صفحہ 309)

☆"اس تحریک کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اس کے موجودہ حالات کے مطابق ایک نیا علم کلام بھی پیدا کرلیا۔ جو اگرچہ ابھی تک مغربی دلائل کی اصطلاحات پر پورے طور پر قادر نہ ہوا ہو۔ تاہم ایسا نہیں کہ اپنی طرف توجہ کو نہ کھینچ لے۔" (وہدر اسلام صفحہ 353)

☆"اسے (احمدیت کو) اس بات کا یقین ہے کہ یہ مغربی اقوام کو اپیل کرسکتی ہے۔ ایسی اپیل جو اس وقت بھی ایک حد تک کامیاب ہوچکی ہے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ یہ کامیابی کوئی بہت بڑی نہیں تو یاد رکھنا چاہئے کہ خود ہندوستان میں بھی، جہاں اب مسلمان قوم اس کثرت سے ہے کہ دوسرے کسی ملک میں نہیں، اشاعت اسلام کی ابتدا نہایت آہستہ ہوئی تھی" (اسلام ایٹ دی کراس روڈز صفحہ 108)

4۔احمدیہ جماعت لاہور۔

☆"احمدیت دو حصوں پر تقسیم ہوگئی...... لاہور کی جماعت جو زیادہ کام کرنے والی

ہے۔اس نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ مغربی دنیا کے سامنے اسلام پیش کرنے میں کہاں تک کامیابی ہوسکتی ہے۔ (ترجمہ قرآن، انگریزی ایڈیشن جو 1919ء میں شائع ہوئی ہے۔ ایک نئی روشنی کے آدمی کی تصنیف ہے۔ جو ابھی تک خاصہ متعصب ہے۔اس احمدیہ ترجمہ کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ مقامات،جن پر اعتراض ہوتا ہے،انہیں صاف کیا جائے......دوسرے مترجم نے یہ ثابت کرنے کے لئے بڑا زور لگایا ہے کہ اسلام ایک بہت بلند مذہب ہے۔ تیسرے وہ مسیحؑ کے مذہب کو ناقص ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔'' (انفلوئنس آف اسلام صفحہ 109)

''لاہور کی جماعت، جو اصل قوم سے الگ ہوگئی ہے اس وجہ پر کہ وہ بانی سلسلہ کو محض مجدد تسلیم کرتے ہیں نہ کہ نبی، وہ اسلامی رائے عامہ کو زیادہ پسند ہیں......ان کا اثر اس سے بہت زیادہ وسیع ہے جو ان کی تعداد سے قیاس ہوسکتا ہے۔ان کے اسلام سے دفاع اور اس کی حفاظت کو بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان قبول کرتے ہیں کہ یہی ایک صورت ہے جس میں وہ عملی رنگ میں اسلام کے وفادار رہ سکتے ہیں۔'' (پادری کریمر مسلم ورلڈ جلد 21)

☆''فریق قادیان اس بات پر زور دیتا ہے کہ بانی سلسلہ نبی تھا۔مگر لاہور کے فریق کا یہ اصرار ہے کہ وہ صرف ایک مجدد تھے۔'' (انڈین اسلام صفحہ 328)

نامہ برلن۔ایک جرمن خاتون کا قبول اسلام: ''جلسہ نمبر'' کی کاپیاں مرتب ہورہی تھیں کہ برلن سے جناب ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب امام مسجد برلن کا خط موصول ہوا۔اس میں مندرجہ ذیل خوشخبری درج ہے

''ایک اور خوشخبری درج کرتا ہوں ہمارے ایک جرمن نومسلم مسٹر عمر شوبرٹ کے ذریعہ ایک جرمن خاتون حلقہ بگوش اسلام ہوئی ہے۔ یہ خاتون اسی دفتر میں کام کرتی ہے جہاں ہمارے نومسلم بھائی عمر شوبرٹ ملازم ہیں۔گذشتہ منگل یعنی 13 ماہ حال کو خاکسار کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئیں۔آپ کا اسلامی نام خدیجہ رکھا گیا ہے۔ برلن 20 نومبر 1934ء''

❁❁❁

15 دسمبر 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

دردمندانِ اسلام سے اپیل

برادران اسلام! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

اس وقت ہر ایک قوم اپنی قوت کو مجتمع کر کے اپنی بقاء کے لئے کوشاں اور اپنے استحکام کے فکر میں ہے۔ مگر مسلمان اس شغل میں مصروف ہیں کہ وہ کس طرح ایک دوسرے کو کاٹ کر اپنا فیصلہ کریں اور جو قومیں اسلام کو مٹانا چاہتی ہیں ان کا راستہ اپنے ہاتھوں سے صاف کر دیں۔ اگر تاریخ اسلام کی ورق گردانی کی جائے تو ایسے دردناک منظر پہلے ہی بہت نظر آتے ہیں کہ جب مسلمان آپس میں اتحاد کر کے دشمن کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے باہم جنگ و جدل سے دشمن کو قوی کر دیا اور خود تباہ ہو گئے۔

اس وقت احمدیت کے خلاف جو پروپیگنڈا شروع کیا گیا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عین اس وقت، جب مسلمانوں کی اجتماعی قوت کی ضرورت اس کام کے لئے ہے کہ وہ ان کمزوریوں کو دور کرنے کی فکر کریں۔ ان کی قوم میں موجود ہیں۔ وہ تمام قوت صرف ایک ایسے گروہ کے مقابل خرچ ہو رہی ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اور یہ علانیہ کہا جاتا ہے کہ اگر احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہنا چھوڑ دیں تو ہم ان کی مخالفت چھوڑ دیں گے۔ احرار اور زمیندار کی موجودہ جنگ صرف اسی لئے ہے۔ جیسا کہ اخبار ''زمیندار'' مورخہ 11 اکتوبر 1934ء میں مولوی ظفر علی خان نے اپنے قلم سے لکھا ہے:

> ''قادیانیوں سے ہمارا تکرار صرف اتنی سی بات پر ہے کہ وہ اپنے آپ کو برابر مسلمان کہے جاتے ہیں۔ اگر آج وہ بھی بہائیوں کی طرح اعلان کر دیں کہ ہم مسلمان نہیں مرزائی ہیں...... تو ان دشمنان دین قیم سے آئے دن الجھنے کی ہمیں ضرورت ہی پیش نہ آئے۔''

آج اس قوم میں سے غور کرنے والے کدھر گئے؟ کسی قوم کے استیصال کی کوشش اس لئے کرنا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے، کیا یہ مسلمانوں کا کام ہے؟ کیا کبھی ہمارے ہادیؐ نے بھی کسی قوم کے ساتھ اس لئے جنگ کی تھی کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ یا خلفائے راشدینؓ میں سے کسی نے یہ کیا؟ یا اسلام کی ساری تاریخ میں کہیں یہ نظارہ نظر آتا ہے کہ دین قیم کے علمبرداروں نے کسی گروہ سے

دشمن کی گمراہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے جنگ کی ہو کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے؟!

کیا احرار اور مولوی ظفر علی خان کا یہ رویہ صاف نہیں بتا تا کہ اسلام کی تخریب کے در پے ہیں اور مسلمانوں کی قوت کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ صاف کہتے ہیں کہ وہ کسی ایسے گروہ سے کبھی نہیں الجھے گے جو اپنے آپ کو غیر مسلم کہے۔۔۔۔ جنگ ہمیشہ مسلمان کہلانے والوں کے ساتھ ہوگی۔ وہ ہندوؤں، آریوں اور عیسائیوں، کسی کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے، صرف ان سے کریں گے جو اپنے آپ کو مسلمان کہیں۔ اگر قادیانی یہ اعلان کر دیں کہ وہ آئندہ مسلمان نہیں کہلائیں گے، تو ان کے ساتھ جنگ ختم کر کے پھر کسی اور ایسے گروہ سے جنگ شروع ہوگی جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ خواہ وہ شیعہ ہوں یا اہل حدیث ہوں یا اہل قرآن ہوں یا بریلوی ہوں یا دیوبندی ہوں۔ پس ان کی اصل غرض صرف مسلمانوں میں پھوٹ کا قائم رکھنا اور اسلام کی تخریب ہے۔ اعداء اسلام سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ نہ وہ کبھی اعداء اسلام سے جنگ کریں گے۔

یہ خیال نہ کرنا چاہئیے کہ یہ جنگ صرف احمدیوں کے ساتھ ہے۔ آج سے تیس چالیس پیشتر یہی جنگ ان لوگوں کے پیشروؤں کی اہلحدیث کے ساتھ تھی۔ اور وہابیوں کی بیخکنی پر وہی زور صرف کیا جاتا تھا جو آج احمدیت کی بیخ کنی پر کیا جاتا ہے۔ اب تک بھی وہ جنگ ختم نہیں ہوئی۔ شیعہ سنی کی جنگ بھی مدت سے جاری ہے۔ اور اب تک چلی جاتی ہے۔ حنفی گروہوں میں باہمی جنگ ہے۔ بریلویوں اور دیوبندیوں کے اکھاڑے مسجدوں میں لگتے ہیں۔ اگر قادیانیوں کے ساتھ یہ جنگ ختم ہوگئی تو کل کو پھر ان میں سے کسی گروہ کے ساتھ جنگ شروع ہو جائے گی۔ کیونکہ آخر اسی ذہنیت کے لوگوں کو لڑنے کے لئے صرف وہ گروہ بکار ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہے۔ اور بہانے کو کیا ہے۔ جو بہانہ احمدیوں کے ساتھ جنگ کرنے کا ہے وہی کسی اور گروہ سے جنگ کرنے کے لئے مل سکتا ہے۔ احمدیوں کے ساتھ جنگ کا یہ بہانہ ہے کہ ان کے مرشد نے انبیاءؑ کی توہین کی ہے۔ مسلمان کہلا کر کون کسی نبی کی توہین کر سکتا ہے؟ اہلحدیث کے خلاف اس سے زیادہ سخت الزام موجود ہے کہ محمد اسماعیل شہید دہلوی نے اپنی کتاب ''تقویت الایمان'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔ اور شیعہ تو صحابہؓ کو گالیاں دیتے ہیں اور انہیں منافق کہتے ہیں۔ ان کے خلاف جنگ کیوں نہ کی جائے گی۔ ابھی کل کی بات ہے ''دیوبندیت اور مرزائیت کا موازنہ'' کے نام سے ایک رسالہ نکلا

ہے۔جس میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ ''دیو بندی وہابی اور مرزائی حقیقی بھائی ہیں۔'' اور دیو بندیوں اور وہابیوں کو آنحضرتؐ کی ختم نبوت کے منکر اور توہین باری تعالیٰ اور توہین حضرت عیسیٰؑ کے ملزم قرار دیا ہے۔تو جس دن احمدیوں سے مزید جنگ عوام الناس میں اشتعال پیدا کرنے کا موجب نہ رہی۔ پھر ان کی جنگ یا شیعوں کے ساتھ ہوگی یا وہابیوں کے ساتھ یا دیو بندیوں کے ساتھ۔ کیونکہ ان کے لیڈر مولوی ظفر علی خان یا احرار خود کبھی کسی غیر مسلم گروہ سے نہیں الجھیں گے۔ جنگ کریں گے تو انہی کے ساتھ جو اپنے آپ کو مسلمان کہیں۔اور اس طرح ایک ایک جماعت کو اسلام سے نکالتے جائیں گے۔

میں جملہ دردمندان اسلام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اٹھیں اور قبل اس کے کہ اس فتنے کی آگ قوت اسلام کو خاک کر دے، اس کو دبانے کی فکر کریں۔ یہ وقت خاموش رہنے کا نہیں۔ سیاسی رنگ میں بھی احرار اور مولوی ظفر علی خان نے جو رویہ اختیار کیا ہے وہ مسلمانوں کے اتحاد کو، جو مسلم کانفرنس کی شکل میں ہوا، توڑتا ہے۔ اور مذہبی رنگ میں انہوں نے خود بتا دیا کہ وہ صرف مسلمان کہلانے والوں کے ساتھ جنگ کریں گے۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس فتنے کی اصلاح کے لئے اپنی پوری قوت خرچ کرے۔ ورنہ مسلمانوں کی تمام قوت اسی گھر کے جھگڑے میں برباد ہو جائے گی۔ نہ سیاسی رنگ میں مسلمانوں کا اتحاد ہوگا، نہ مذہبی رنگ میں اتحاد ہونے دیا جائے گا۔ بعض وقت خاموشی بھی گناہ ہو جاتی ہے اور یہ اسلام پر وہی وقت ہے۔

میں سب مسلمان بھائیوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ مولوی ظفر علی خان کا اقرار اور ان کے احرار کا رویہ صاف بتاتا ہے کہ وہ صرف اسلام کی قوت کو توڑنا چاہتے ہیں۔ اور اس لئے سب سے پہلے انہوں نے اس جماعت کو چنا ہے، جسے وہ تعمیر اسلام کا کچھ کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جس نے یورپ کے ملکوں میں مسجدیں بنائیں اور آباد کیں۔ جس نے قرآن شریف کا ترجمہ انگریزی اور دوسری زبانوں میں کر کے مختلف ممالک میں پہنچایا۔ جس نے قرآن شریف اور سیرت نبویؐ کی ہزارہا کاپیاں کفرستانوں میں مفت پہنچائیں۔ جس نے صدہا مغربی لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام بنایا۔ جس نے لاکھوں انسانوں کے دلوں میں اسلام کی صداقت کا نقش بٹھایا۔ جس نے اعدائے اسلام کے مقابلہ میں، باوجود اپنے مسلمان بھائیوں کی مخالفت کے مردانہ وار قدم آگے بڑھایا۔ جس نے آنحضرتؐ پر ہر قسم کے حملوں کا دفاع کیا۔ آخر اس قوم کے

استیصال سے اور اس کی بربادی سے انہیں کیا ہاتھ آئے گا! سوائے اس کے کہ اسلام کی خدمت کے یہ سب کام برباد ہو جائیں گے۔ اگر کسی شخص کا یہ خیال ہو کہ یہ سب کام مولوی ظفر علی اور ان کے رفقائے کار احرار ناموس رسول کی حفاظت کے لئے کر رہے ہیں تو ان کی ناموس رسولؐ کی حفاظت کی رگ حمیت اس وقت کیوں نہیں پھڑکتی جب عیسائی اور آریہ اور بہائی اسلام پر حملے کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کہلانے والے کے تو کسی قول سے کھینچ تان کر بھی یہ بات نہ نکالی جائے گی کہ اس نے کسی نبی کی توہین کی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کو نبی مانتا ہے وہ اس کی توہین نہیں کر سکتا۔ لیکن عیسائی اور آریہ جو فی الواقع رسول خدا کی توہین کر رہے ہیں اور سخت سے سخت اور ناپاک سے ناپاک الفاظ میں آپ کا ذکر کرتے ہیں، اس کی توہین ان لوگوں کو کیوں نظر نہیں آتی۔ کیا ہماری آنکھوں کے سامنے بعض نوجوانوں نے بعض آریہ سماجی پرچارکوں کی گالیوں کو ناقابل برداشت پا کر ان کو قتل نہیں کر دیا۔ ''زمیندار'' اور ''احسان'' کے کتنے صفحات ان گالیوں کے لئے وقف ہیں۔ احرار کے کتنے مبلغین ان کے مقابلہ کے لئے نکلے ہیں۔ کیا کوئی ایک بھی جلسہ احرار کی طرف سے ایسا ہوا۔ جس میں ان کی گندی گالیوں کا جواب دیا گیا ہو؟ آج حضرت مرزا صاحب کی کتابوں کی ضبطی کے لئے تو اس قدر جوش وخروش ہے۔ کیا ان کتابوں کی ضبطی کے لئے بھی کوئی تحریک کی گئی، جن میں سید المطہرین کو نعوذ باللہ زانی اور ڈاکو کہا گیا ہے۔ یا کیا کبھی ''ستیارتھ پرکاش'' کی ضبطی کے لئے تحریک کی گئی۔ جس میں مسلمانوں کے بہشت کو چکلہ لکھا ہے۔ اور رسول اللہ کی ذات مبارک پر گندے حملے کئے گئے ہیں۔ کیا آریہ سماج کی ان کتابوں کی ضبطی کے لئے کوئی تحریک ان لوگوں نے کی جن پر بعض مسلمانوں نے اپنی جانیں تک دے دیں۔ آخر بات کیا ہے۔ کیوں مسلمانوں کو برباد کرنے کے لئے اس قدر جوش وخروش ہے۔ اور اس قدر روپیہ اور اس قدر قوتیں ضائع کی جا رہی ہیں۔ کیوں یہی روپیہ یہی صفحات اخبار اعداء اسلام کے حملوں کے جواب کے لئے وقف نہیں ہوتے۔ اگر واقعی ناموس رسول کے لئے کوئی غیر بات ہوتی۔ تو کم سے کم اپنی قوت کے دس حصے اعداء اسلام کے مقابل پر خرچ ہوتے اور پھر شائد ایک حصہ بھی خادمان اسلام کو برباد کرنے کے لئے خرچ کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ قادیان کی یا میری کسی بات پر اعتراض نہ ہو۔ بے شک جو ہماری غلطی نظر آئے وہ ہمارے سامنے پیش کریں۔ مگر یہ اس صورت میں ہو کہ دل میں اسلام کا درد ہو۔ مگر ان لوگوں کا یہ حال ہے

کہ خدمت کفر کو تقویت پہنچاتے ہیں اور خدمت اسلام کے کاموں کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ فرض کر لو کہ یہ لوگ تبلیغ اسلام کے ان سب کاموں کو مٹانے میں کامیاب ہو جائیں۔ یورپ میں کوئی اسلامی مشن نہ ہو۔ اس کفرستان میں نہ کوئی مسجد باقی رہے۔ نہ اللہ اکبر کی آواز اٹھے۔ وہاں آئندہ کوئی لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا قائل نہ ہو۔ قرآن شریف لے کر پڑھنے کو نہ ملے۔ سیرت نبویؐ کے مطالعہ سے یہ لوگ محروم ہو جائیں۔ اور یہی احمدیت کو مٹانے کا نتیجہ ہوگا۔ تو کیا یہ خدمت کفر کی ہوگی یا اسلام کی۔ کم سے کم اتنا تو کر لیں کہ اس کفرستان میں، جس کی ساری قوت اسلام کو مٹانے پر صرف ہو رہی ہے، کوئی تبلیغ اسلام کا کام ہونے لگ جائے، تو پھر تبلیغ اسلام کے ان کاموں کو مٹانے کی فکر کریں، جو احمدی کر رہے ہیں۔ لیکن کیا ہمارے مسلمان بھائیوں کو ان لوگوں کی ذہنیت نظر نہیں آتی جو خود تبلیغ اسلام کا کام نہ کریں گے اور جو ہو رہا ہے اس کے مٹانے پر اپنی پوری قوت خرچ کریں گے۔ قادیان کی "تبلیغ کانفرنس" پر جو تیس چالیس ہزار روپیہ خرچ ہوا۔ اور جگہ جگہ جو جلسوں پر اور تاروں پر اور ریزولیوشنوں کے بھیجنے پر خرچ ہو رہا ہے اور وہ چوبیس ہزار روپیہ جو صرف ایک مرد خدا کو گالیاں دینے اور اس پر جھوٹ افتراء کرنے کی وجہ سے ضمانتوں میں گیا۔ اگر یہ سب روپیہ کسی کفرستان میں ایک تبلیغی مشن قائم کرنے پر خرچ ہو جاتا تو کیا یوں ضائع کرنے سے بہتر نہ ہوتا۔ ہمیں بھی اس روپیہ کے ضائع ہونے کی وجہ سے ہمدردی ہے۔ مگر نہ ان لوگوں کے ساتھ، جو جان بوجھ کر یہ قوم کا روپیہ برباد کر رہے ہیں، بلکہ اس قوم کے ساتھ جس کا روپیہ یوں برباد کیا جا رہا ہے۔

اگر یہ نقشہ مسلمانوں کا رہا، جو اس وقت احرار کا جس کی سرکردگی مولوی ظفر علی خان کر رہے ہیں، تو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ نہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے کمزور کرنے کی ضرورت ہے، نہ انگریزوں کو، مسلمان خود اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو مٹا دیں گے۔ اور مخبر صادق کے وہ لفظ پورے ہو جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہیکہ میں اس امت پر سوائے ان کے اپنے نفسوں کے کوئی ایسے دشمن مسلط نہ ہونے دوں گا جو اس کو تباہ کر سکیں۔ گو زمین کے سب اطراف سے ان پر جمع ہو جائیں۔ ہاں یہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے۔ خاکسار محمد علی

❁❁❁

15 دسمبر 1934ء

حضرت مرزا صاحب پر ایک بڑا الزام

مولوی ظفر علی خاں کو چیلنج

مولوی ظفر علی خاں نے بحوالہ اخبار ''زمیندار'' 24 نومبر 1934ء اپنے مکتوب مفتوح میں ذیل کے الفاظ لکھے ہیں:

''قرآن مجید میں صاف صریح تعلیم کے خلاف مریم صدیقہ پر زنا کا کھلا ہوا الزام لگانے کے بعد مرزا قادیانی مسیح علیہ السلام کی مقدس ذات پر جنہیں وہ ولدالزنا قرار دینے سے کبھی نہیں چوکتا''

ہمارا یہ دعوٰی ہے کہ یہ از سر تا پا کذب اور بہتان ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے نہ کبھی حضرت مریم صدیقہ پر زنا کا الزام لگایا نہ کبھی حضرت عیسٰیؑ کو ولدالزنا کہا۔ العیاذ باللہ۔ یہ کھلا ہوا جھوٹ مولوی ظفری علی خاں نے صرف جماعت احمدیہ کو بدنام کرنے کے لئے بولا ہے۔ اور ان کی غرض سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتی کہ جس طرح اپنے جھوٹے پراپیگنڈا سے وہ مسلمانوں کو اس جماعت سے متنفر کر رہے ہیں، یہی تنفر دوسری قوموں کے دلوں میں بھی پیدا کریں۔

حضرت مرزا صاحب کا عقیدہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش کے بارے میں وہی تھا جو تمام مسلمانوں کا ہے۔ یعنی آپ اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ حضرت عیسٰیؑ بن باپ پیدا ہوئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے عقیدے کا اظہار اپنی متعدد کتابوں میں کیا ہے۔ یہاں صرف بطور نمونہ میں تین کتابوں کی عبارتوں کا ترجمہ پیش کرتا ہوں

1۔ اور ہمارے عقائد میں سے ہے کہ عیسٰیؑ اور یحییٰؑ خارق عادت کے طور پر پیدا ہوئے تھے ......عیسٰیؑ اور یحییٰؑ کی اس پیدائش سے ایک بہت بڑا نشان ظاہر کرنا چاہا...... پس پہلی بات جو اس ارادہ کے لئے کی وہ عیسٰیؑ کا بغیر باپ کے صرف اپنی قدرت سے پیدا کرنا تھا۔

2۔ اور وہ وجہ، جس پر اس کی بنا ہے، یہ ہے کہ وہ (عیسٰیؑ) بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہود کا ایک خاص فرقہ یعنی صدوقی وجود قیامت کے منکر تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں

بعض انبیاءؑ کے ذریعہ سے خبر دی کہ ان کی قوم میں ایک لڑکا بغیر باپ کے پیدا ہوگا اور یہاں کے لئے وجود قیامت کا نشان ہوگا۔ (حمامۃ البشریٰ صفحہ 90)

3۔ پھر مضمون پڑھنے والے نے ایک یہ اعتراض پیش کیا کہ مریم کیونکر روح القدس سے حاملہ ہوگئی اور کیونکر صرف مریم سے یسوع پیدا ہوگیا۔ اس کا یہی جواب ہے کہ اس خدا نے اس کو پیدا کیا۔ جو بموجب قول آریہ سماج کے ہر ایک ابتداء دنیا میں لاکھوں انسانوں کو یونہی گاجر مولی کی طرح زمین سے نکالتا ہے۔ جبکہ وید کے بیان کے رو سے کروڑہا مرتبہ بلکہ بیشمار مرتبہ خدا نے اس طرح دنیا کو پیدا کیا ہے اور اس بات کا محتاج نہیں رہا کہ مرد عورت باہم ملیں تا بچہ پیدا ہو۔ تو پھر اس طرح اگر یسوع بھی پیدا ہوگیا تو اس میں ہرج کیا ہے (چشمہ معرفت صفحہ 217)

ان صاف وصریح عبارات میں حضرت مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کو بن باپ اور خارق عادت مانا ہے اور اسی کو اپنا عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ تو پھر وہ کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مریم کا کسی انسان سے ناجائز تعلق ہوا۔ مولوی ظفر علی نے ذیل کی عبارت پیش کی ہے۔

> ''مریم کو ہیکل کی نذر کر دیا گیا۔ تا کہ وہ ہمیشہ بیت المقدس کی خادمہ ہو اور تمام عمر خاوند نہ کرے۔ لیکن جب چھ سات مہینہ کا حمل نمایاں ہوگیا۔ تب حمل کی حالت میں ہی قوم کے بزرگوں نے مریم کا یوسف نام ایک نجار سے نکاح کر دیا۔ بعد اس کے گھر جاتے ہی ایک دو ماہ بعد مریم کے بیٹا پیدا ہوا'' (چشمہ مسیحی صفحہ 17و18)

اس عبارت میں کہاں لکھا ہے کہ حضرت مریمؑ کو جو حمل ہوا۔ وہ نعوذ باللہ زنا کاری کا نتیجہ تھا۔ صرف حمل کے ہونے کا ذکر ہے، اور حمل کا ذکر قرآن شریف اور انجیل میں بھی موجود ہے، اور جیسا کہ مندرجہ بالا عبارات سے ظاہر ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا عقیدہ یہی تھا۔ اور یہی عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مریم کو جو حمل ہوا۔ وہ قدرت خداوندی سے خارق عادت طور پر ہوا۔ ''چشمہ مسیحی'' میں بھی اسی صفحہ پر، جہاں سے مولوی ظفر علی خان نے مندرجہ بالا الفاظ نقل کئے ہیں، آٹھ سطر آگے چل کر حضرت مرزا صاحب نے پھر اسی عقیدہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

> ''ہم قرآن کی تعلیم کی رو سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ حمل محض خدا کی قدرت سے

تھا۔ تا خدا تعالیٰ یہودیوں کو قیامت کا نشان دے۔''

کیا یہ صریح بد دیانتی نہیں کہ ایسے کھلے الفاظ کے ہوتے ہوئے مولوی ظفر علی خان حضرت مرزا صاحب پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ انہوں نے مریم صدیقہ پر زنا کاری کا الزام لگایا۔ حالانکہ وہ حضرت مریم کے حمل کو کسی مرد کے تعلق کا نتیجہ ہی قرار نہیں دیتے۔ پھر باوجود ہماری طرف سے جواب نکل جانے کے، کہ یہ محض جھوٹ ہے، مولوی ظفر علی خان نے پھر 12 دسمبر کے افتتاحیہ میں اسی جھوٹ کا اعادہ کیا ہے۔ اس لئے اب ہم انہیں چیلنج دیتے ہیں کہ وہ اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ حضرت مرزا صاحب نے کس کتاب میں ایسا لکھا ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب کی وہ عبارت نقل کریں جس میں حضرت مریمؑ پر ''زنا کا کھلا ہوا الزام''، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں، حضرت مرزا صاحب نے لگایا ہو۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ وہ تا قیامت ایسی عبارت پیش نہیں کر سکتے۔ یہ ایک ہی معاملہ ان کی ایمانداری کا فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

خاکسار

سیکرٹری

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

15 دسمبر 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

جلسہ سالانہ کے لئے دعوتِ احباب

جہاں قادیان کی جماعت نے سالانہ جلسہ کے متعلق اقرار کر کے اسے ظلّی حج بنا دیا، میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے بعض احباب اس کے متعلق تفریط کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ اور اسے وہ اہمیت نہیں دیتے جو اس کا حق ہے۔ حضرت مسیح موعود نے سالانہ جلسہ کو ہمارے دینی جہاد کے لئے ایک محور کے طور پر قرار دیا ہے۔ اور آپ کا دعوٰی آپ کی یورپ اور امریکہ میں تبلیغ کی طرف خاص توجہ اور ایک سالانہ جلسہ کی ضرورت کو محسوس کرنا، یہ تینوں باتیں ایک ہی وقت کی ہیں۔ چنانچہ 1891ء میں جب آپ کا مسیح موعود ہونے کا دعوٰی ''ازالہ اوہام'' میں شائع ہوا۔ تو اس کے ساتھ ہی اسی کتاب میں یورپ اور امریکہ میں تبلیغ کی بنیاد رکھی گئی۔ اور بات بھی صاف تھی۔ جب آپ کو یہ علم دیا گیا کہ دجال اور یاجوج ماجوج کے متعلق جو ذکر قرآن شریف اور احادیث میں ہے، اس کی مصداق بھی یورپ اور امریکہ کی قومیں ہیں، تو اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ یورپ امریکہ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھتے۔ اسی تبلیغ کے لئے آپ نے فوراً دعوٰی کے ساتھ ہی ایک جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی۔ اور اسی سال 27 دسمبر 1891ء کو آپ نے کچھ احباب کو مشورہ کے لئے طلب کیا۔ اور 30 دسمبر 1891ء کو یہ فیصلہ کر کے اعلان کیا کہ ایک جلسہ ہر سال ایام دسمبر میں ہوا کرے ''جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط صحت وفرصت وعدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں'' (مجموعہ اشتہارات نمبر 75)

1894ء میں سب سے پہلا سالانہ جلسہ ہوا۔ اس جلسہ کی دعوت دیتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا:

> ''چونکہ سال گذشتہ میں بمشورہ اکثر احباب یہ بات قرار پائی تھی کہ ہماری جماعت کے لوگ کم سے کم ایک مرتبہ سال میں بہ نیت استفادہ ضروریات دین ومشورہ اعلاء کلمہ اسلام وشرع متین اس عاجز سے ملاقات کریں۔''

اس اعلان کے نکلنے پر بعض تنگ نظر علماء نے ایسے جلسہ کو ایک بدعت قرار دیا۔ اس فتوٰی کا خلاصہ حضرت مسیح موعود نے الفاظ ذیل میں دیا ہے:

''ایسے جلسہ پر جانا بدعت بلکہ معصیت ہے اور ایسے جلسوں کا تجویز کرنا محدثات میں سے ہے جس کے لئے کتاب وسنت میں کوئی شہادت نہیں اور جو شخص اسلام میں ایسا امر پیدا کرے۔ وہ مردود ہے۔''

اس کے بعد آپ نے احادیث سے اس کا جواز ثابت کرتے ہوئے اسے اپنا دینی جہاد قرار دیا ہے۔ اور اس آیت قرآنی کو نقل کیا ہے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (60:8) ابتدائی اشتہار میں آپ نے اس کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اس میں حاضری کو تمام احباب کے لئے ضروری قرار دیا ہے اور یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں:

''حتی الوسع والطاقت تاریخ مقررہ پر حاضر ہونے کے لئے اپنی آئندہ زندگی کے لئے عہد کرلیں اور بدل وجان پختہ عزم سے حاضر ہو جایا کریں۔ بجز ایسی صورت کے کہ ایسے مواقع پیش آجائیں جن میں سفر کرنا اپنی حد اختیار سے باہر ہو۔''

اس لئے میں اس وقت اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھتا۔ یہی حضرت مسیح موعود کے الفاظ نقل کر دیتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ کوئی دوست، جس کی طاقت میں ہے، حضرت مسیح موعود کے اس حکم سے سرتابی نہ کرے گا۔ اس جلسہ کی اغراض، جو حضرت مسیح موعود نے 7 دسمبر 1892ء کے اعلان میں بیان کی ہیں، حسب ذیل ہیں:

1۔ ''بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور ان کی معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو۔''

2۔ ''اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور اس جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہوں گے۔''

3۔ ''اس جلسہ میں یہ ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں۔ کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام کے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔''

گویا اس جلسہ کی بڑی اغراض تین ہیں 1۔ معلومات دینی کی وسعت اور معرفت الٰہی کی ترقی

2۔استحکام تعلیمات اخوت 3۔ یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کی تجاویز۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ جو احباب جلسہ سالانہ کی اہمیت کو کم کر رہے ہیں وہ اس کی بجائے کیا تجویز کرتے ہیں جس سے یہ اہم اغراض پوری ہوتی رہیں۔ اگر ہم نے یورپ اور امریکہ میں اس دینی جہاد کو جاری رکھنا ہے۔ جس کی بنیاد حضرت مسیح موعود نے ڈالی ہے تو اس کے لئے باہم مل کر مشورہ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ایک ایسی جماعت کی بھی ضرورت ہے۔ جس کے تعلقات اخوت نہایت مستحکم ہوں۔ اور وہ باہم ملنے کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ اس کے لئے وسعت معلومات کی بھی ضرورت ہے۔ جہاں تک میرا اپنا تجربہ خود حضرت صاحب کے زمانے کا اور اس کے بعد کا ہے، یہ ہمارا سالانہ اجتماع احباب جماعت میں ایک نئی روح نفخ کرنے کا حکم رکھتا ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو ہماری جماعت کبھی اس مقصد کو حاصل نہ کر سکتی جس کے لئے وہ پیدا ہوئی ہے۔ اور ہم ان ٹہنیوں کی طرح، جو تنے سے الگ ہو جائیں، اپنی اپنی جگہ خشک ہو جاتے۔ مرکز میں اجتماع شاخوں کے تعلق کو قائم رکھتا ہے اور اسی سے ہماری زندگی ہے۔ بلکہ میں اپنے تجربہ کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ جن احباب نے جلسہ سالانہ کو یہ اہمیت نہیں دی اور اس میں حاضری سے دل چراتے رہے ہیں، ان کا تعلق آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا ہے۔ اور جماعتوں کے اندر جو کمزوری ہے اس کی وجہ زیادہ تر یہی ہے۔ جو احباب جلسہ میں آنے کے عادی ہیں، ان کے دلوں میں جو گرمی میں نے محسوس کی ہے وہ ان دوسرے احباب کے دلوں میں نہی رہی جو اس بارے میں غفلت سے کام لیتے ہیں۔ الّا ماشاءاللہ۔

اس لئے میں نے اس سال یہ تحریک کی ہے کہ کم سے کم وہ احباب، جو تین تین سو میل کے اندر رہتے ہیں، وہ سب بلا استثناء جلسہ میں شامل ہوں۔ اور جن احباب کے لئے بالفاظ حضرت مسیح موعود ایسے مواقع ہیں جو ان کی حد اختیار سے باہر ہیں، وہ بھی اس رنگ میں شامل ہو سکتے ہیں کہ اپنا سفر خرچ بطور چندہ یہاں بھیج دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے سب احباب اس تجویز پر عامل ہوں۔ جو احباب تین سو میل سے زیادہ فاصلہ پر ہیں، وہ ایک سال چھوڑ کر ایک سال ضرور آ جایا کریں۔ ورنہ وہ تعلق جو ایک روحانی سلسلہ میں ہونا چاہئے، اور جو بطور ایک غذا کے کام دیتا ہے کمزور ہوتا جائے گا۔ جہاں جہاں جماعتیں موجود ہیں ان کے عہدیداران پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سب احباب کو لائیں اور جو بوجہ

معذوری نہ آسکیں ان سے ریل کا کرایہ آمدورفت رعایتی وصول کر کے لائیں۔اور جہاں جماعتیں نہیں ایک ایک دو دو احباب ہیں، وہ خود اپنی آمد سے اطلاع دیں یا بصورت معذوری اپنا کرایہ آمدورفت اپنے حسب حیثیت تھرڈ انٹر یا سیکنڈ کلاس کا بھیج دیں۔ دہلی اور پشاور تک کی جماعتیں تو تین سو میل کی حدود کے اندر آجاتی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی دوسری بات جو میں احباب کو کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ جلسہ میں شامل ہوں تو اس آیت قرآنی کے ماتحت وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (60:8) سپاہیوں کی طرح آئیں اور وہ سامان ساتھ لائیں۔جس کے ساتھ یہ ہماری دینی جنگ جاری ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ پھر کہتا ہوں کہ کوئی دوست ایسا نہ ہو جو اس دینی جہاد کے لئے سامان پیدا کرنے میں شامل نہ ہوا ہو۔ابھی سات دن باقی ہیں۔ ہر ایک دوست اٹھے اور دوسروں سے کچھ نہ کچھ لے کر آئے۔اور اس میں کامیابی نہ ہو تو اپنے عزیزوں، دوستوں اور رشتہ داروں سے کچھ جمع کر کے لائے۔اور وہاں بھی کامیابی نہ ہو۔تو اپنی بیوی اور بچوں سے ہی کچھ لے آئے۔خواہ وہ ایک آنہ ہی ہو۔لیکن کوئی دوست اس میں شمولیت سے باہر نہ رہے۔

جہاں جہاں جماعتیں ہیں ان کے لئے لازم ہوگا کہ ایک فہرست 22 دسمبر کو تیار کر لیں کہ کس کس دوست نے کیا رقم جمع کی ہے۔اور یہاں پہنچتے ہی مجموعی رقوم جماعت کی طرف سے خزانہ میں جمع کرا دیں اور اگر کسی دوست نے خاص طور پر ہمت کی ہو تو اس کا ذکر بھی ساتھ ہی کر دیں۔ جہاں جماعتیں نہیں وہاں کے منفرد احباب بھی اسی طریق کو اختیار کریں۔یہ کل رقمیں 24 دسمبر کو جمع ہو جانی چاہئیں۔تا کہ 25 دسمبر کو ان کا اعلان ہو سکے۔اور یہ معلوم ہو سکے کہ کس جماعت یا کس دوست نے اس جہاد میں خاص کوشش کی ہے۔

ایک اور نہایت ضروری امر جس کی طرف احباب کو توجہ دلانے کی ضرورت محسوس ہوئی وہ بچوں اور نوجوانوں کا ساتھ لانا ہے۔ بچوں کا اس لئے کہ اس عمر سے ان کے دلوں میں تبلیغ اسلام کا جذبہ پیدا ہو۔نوجوانوں کا اس لئے کہ وہ اس عظیم الشان کام کو دیکھ کر اپنے آپ کو اس کام کے سنبھالنے کے لئے تیار کر سکیں۔ بالآخر میری یہ خواہش ہے کہ جو احباب اپنی بیویوں یا بچوں کو ساتھ لانے میں زیادہ

تکلیف محسوس نہ کرتے ہوں، وہ مستورات کو بھی ضرور ہمراہ لائیں۔ ہمارے بہت احباب اس معاملہ میں اتنی غفلت برت رہے ہیں کہ ایک خاتون نے یہ لکھا ہے کہ ہمارے مرد یورپ اور امریکہ کی تبلیغ پر ہی سارا زور خرچ دیتے ہیں اور اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر ایک کلمہ حق نہیں پہنچا سکتے! ایک دستکاری کی تجویز خواتین کے لئے ہوئی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے اکثر احباب اس کے لئے اپنے گھروں میں ایک حرف تک نہیں کہتے اور اپنے ہاتھوں سے اپنی کوششوں کو کمزور کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے۔

میں یہ بھی کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس سال کے جلسے میں جماعت کے استحکام اور اس کی توسیع کی طرف میں خاص توجہ دینا چاہتا ہوں۔ اور فرداً فرداً تمام جماعتوں سے مل کر ان ضروریات کو معلوم کرنا چاہتا ہوں جن کے مہیا ہونے پر وہاں جماعت کی ترقی زیادہ سرعت سے ہو سکتی ہے۔ اس سے اس لئے بھی سب احباب کی شرکت ضروری ہے۔ خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

15 دسمبر 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

اجتماع کے عظیم الشان فوائد

ہمارا جلسہ سالانہ ایک امر جامع ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْکَ لِبَعْضِ شَاْنِھِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْھُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَھُمُ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ . (62:24)

ترجمہ: ’’مومن وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور جب کسی بات کے لئے جہاں جمع ہونے کی ضرورت ہے اس کے ساتھ جمع ہوتے ہیں، تو جاتے نہیں جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لیں وہ لوگ جو تجھ سے اجازت لے لیتے ہیں وہی ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، پس جب وہ اپنے کسی کام کے لئے تجھ سے اجازت مانگیں تو تُو ان میں سے جسے چاہے اجازت دے دے اور ان کے لئے اللہ سے استغفار کر۔ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔‘‘

اجتماع کے فوائد: اجتماع یعنی انسانوں کا اکٹھا ہونا یا اکٹھے کرنا اسلام کے عظیم الشان مقاصد میں سے ایک ہے۔ اسلام انسانوں کو جسمانی رنگ میں بھی اکٹھا کرنا چاہتا ہے اور روحانی رنگ میں بھی۔ اگر غور کیا جائے تو اجتماع نسل انسانی کی ترقی کے لئے ازبس ضروری ہے۔ جسمانی رنگ میں دیکھ لیجئے۔ جس قدر لوگوں کا زیادہ اجتماع ہوتا جاتا ہے، ترقی کے مختلف ذرائع نکلتے آتے ہیں۔ تہذیب کا زیادہ تر انحصار اجتماع پر ہی ہے۔ خانہ بدوش اور جنگلی اقوام میں کوئی تہذیب نہیں ہوتی۔ کیونکہ انہیں زیادہ تعداد میں اکٹھے ہونے کے مواقع نہیں ملتے۔

اسلام کا عظیم الشان کارنامہ: ظہور اسلام سے قبل دنیا کے تمام ممالک واقوام اجتماع کی نعمت سے محروم ہو چکے تھے۔ نسل انسانی میں اتحاد اور میل جول کی بجائے تشتت وافتراق پورے زور سے رونما ہو چکا

تھا۔اس طرح دنیا تہذیب وترقی سے محروم ہوتی چلی جارہی تھی اور تہذیب کے عظیم الشان درخت کا تنا کھوکھلا ہو چکا تھا۔اور یہ درخت سوکھ کر گر جانے کو تھا کہ اسلام نے اس کو از سرنو زندگی بخشی اور دنیا کی مختلف قوموں اورنسلوں کواجتماع کی نعمت سے مالا مال کیا۔

ایک یورپین مصنف کا بیان: ایک بہت بڑے یورپین مصنف ڈینی سن نے تہذیب کے موضوع پر ایک شہرہ آفاق کتاب ''ایموشن ایز دی بیس آف سولیزیشن'' لکھی ہے۔اس میں اس حقیقت کو صاف الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ ظہور اسلام سے قبل دنیا افتراق وتشتت کے مرض میں گرفتار ہو کر تباہی کے قریب پہنچ چکی تھی کہ پیغمبر اسلامؐ نے اس کو اس تباہی سے بچا لیا۔چنانچہ وہ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کی افسوسناک حالت اور ابتری کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:

> ''ایسا معلوم ہوتا تھا وہ عظیم الشان تہذیب، جو چار ہزار سال کے عرصہ میں بنی تھی، ابتری کے کنارے پہنچ چکی ہے......اورنسل انسانی اسی قدیم وحشیانہ پن میں قدم رکھنے کو تیار ہے......تہذیب اس عظیم الشان درخت کی طرح جس کی شاخیں دنیا کے کناروں تک پہنچ چکی ہوں، اب جڑ سے اکھڑی معلوم ہوتی تھی اور اندر تک کھائی جا چکی تھی......کیا کوئی ایسی جذباتی تحریک تھی جو ایک دفعہ پھر انسانوں کو متحد کر سکے اور تہذیب کو فنا ہونے سے بچالے؟''

اس سوال کے جواب میں مصنف مذکور حضرت نبی کریمؐ اور عرب کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:

> ''یہ وہ لوگ تھے جن میں وہ انسان پیدا ہوتا ہے جس نے مشرق اور جنوب کی تمام معلوم دنیا کو وحدت کی زنجیر میں منسلک کر دیا۔''

اجتماع کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی: یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قوم میں اجتماع کا رنگ نہیں وہ ترقی نہیں کر سکتی۔حالات زمانہ پر غور کرو۔کوئی قوم جس قدر متحد ہے، اسی قدر زیادہ وہ طاقتور اور ترقی یافتہ ہے۔اجتماع سے جسمانی فوائد کے علاوہ بے شمار روحانی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔دیگر مذاہب نے روحانی ترقی کے لئے تنہائی کو ضروری قرار دیا ہے۔ان کے خیال میں انسان اس وقت تک روحانی ترقی نہیں کر سکتا جب تک دنیا والوں سے علیحدہ ہو کر کسی پہاڑ کی کھوہ یا جنگل کے کسی گوشہ میں نہ جا بیٹھتا۔

رومن کیتھولک عیسائیوں، ہندوؤں اور بدھوں کا یہی عقیدہ ہے۔

اجتماع کے روحانی فوائد: لیکن اسلام نے تنہائی و علیحدگی کی جڑ کاٹی ہے اور روحانی ترقی کے لئے بھی اجتماع کو ضروری قرار دیا ہے۔ روزمرہ کی پانچ نمازیں، جمعہ، عیدین اور حج سب روحانی ترقی کے وسائل ہیں۔ اور یہ سب اجتماع کی صورتیں ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی میں دل کو زیادہ سکون اور یکسوئی میسر آتی ہے اور انسان زیادہ روحانی ترقی کرسکتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں۔ جو روحانی فوائد اجتماع سے حاصل ہو سکتے ہیں، وہ تنہائی میں بالکل ناممکن ہیں۔ آج تو سائنس بھی اس بات کا اعتراف کرنے لگی ہے کہ جب انسان آپس میں بیٹھتے تھے میں تو ایک دوسرے پر اپنے اثرات ڈالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے روحانی امور میں بھی جمع ہونے کو ضروری قرار دیا ہے۔ تا کہ نیک اور طاقتور لوگ دوسروں پر اپنا اچھا اثر ڈالیں۔ ہم محسوس کریں یا نہ کریں لیکن اجتماع سے روحانی برکات لازمی طور پر حاصل ہوتی ہیں۔

قیامت کا انقلاب عظیم: اسلام نے قیامت کے انقلاب عظیم کو بھی اجتماع کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ ہو سکتا تھا کہ جو لوگ مرتے ہیں، وہ موت کے ساتھ ہی فوراً ایک نئی زندگی میں داخل ہو جاتے۔ لیکن قرآن شریف کی تعلیم اس بارے میں یہ ہے کہ گو موت کے بعد ایک رنگ میں اعمال کی جزا و سزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن انکشاف تام کو قیامت کے اجتماع عظیم سے وابستہ کیا ہے۔ اور ایک خاص دن مقرر کیا گیا ہے جبکہ تمام نسل انسانی ایک جگہ اکٹھی ہوگی اور اس عظیم الشان انقلاب سے گزر کر ایک نئی زندگی حاصل کرے گی۔ جس سے انسان موت کے بعد بھی واقف نہیں ہوتا۔

امر جامع کی اہمیت: اب میں ان آیات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جن کا حوالہ میں نے اوپر دیا ہے۔ ان میں اول صاف طور پر امر جامع کا ذکر کر کے یہ فرمایا کہ مومن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب کسی اہم معاملہ میں اس کے ساتھ ہوتے ہیں تو جاتے نہیں۔ یہاں تک کہ اس سے اجازت لے لیں اور اس کے بعد اس سے زیادہ زور اور تاکید سے ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (62:24) وہ لوگ جو تجھ سے اجازت لیتے ہیں، وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ گویا امر جامع میں شمولیت ہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے۔ اس کے بعد کے الفاظ بھی قابل غور ہیں۔ اس کے بعد یوں فرمایا کہ جو

شخص کسی ضرورت کی وجہ سے امر جامع سے الگ رہنے کی اجازت مانگتا ہے، تو تم چاہو تو اسے اجازت دے دو۔ لیکن پھر بھی ایسے شخص کے لئے اللہ سے استغفار مانگو۔ ان آیات سے امر جامع کی اہمیت بخوبی معلوم ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم نے امر جامع کی حد بندی نہیں کی۔ ہر ایک اہم قومی معاملہ امر جامع ہے۔ چنانچہ ہمارا جلسہ سالانہ بھی ایک امر جامع ہے۔ اور حضرت مسیح موعود نے اس کی بنیاد اسی اصول پر رکھی۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ قوم کی ترقی کے لئے اجتماع اور میل جول لازمی ہے۔ اس کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ اور نہ ہم کر سکتے ہیں۔ آج مسلمان کیوں پستی کی طرف جا رہے ہیں۔ محض اس لئے کہ ان میں اجتماع کے مواقع بہت کم رہ گئے ہیں۔ اور اسی لئے اتحاد اور اتفاق بھی اٹھتا جاتا ہے۔ نہ وہ متحد ہو کر کوئی کام انجام دے سکتے نہ کوئی متحدہ رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اسی ہندوستان میں بعض قومیں، جو تعداد میں مسلمانوں سے بہت کم ہیں، لیکن اپنی اجتماعی قوت اور اتحاد کی وجہ سے کامیاب ہو رہی ہیں۔

جلسہ سالانہ کا مقصد: مگر اس کے ساتھ ایک بات بھی یاد رکھو۔ صرف وہی اجتماع قوم کے لئے باعث برکت اور فائدہ رساں ہو سکتے ہیں جو قومی اغراض رکھتے ہوں۔ جو اجتماع میلوں اور عرسوں کے رنگ میں ہوں وہ فائدہ کی بجائے نقصان پہنچاتے ہیں۔ میلوں میں لوگ شغل اور تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے سالانہ جلسے کی غرض یہ ہے کہ ہم اپنے کاروبار قومی کا جائزہ لیں اور غور کریں کہ اس میں کہاں کہاں کونسا نقص ہے اور وہ کس طرح دور ہو سکتا ہے۔ مشکلات پیش آمدہ کس طرح دور ہو سکتی ہیں۔ ترقی کے کون کون سے راستے ہیں جن پر ہمیں چلنا چاہیئے۔ پس اس امر جامع کی طرف میں اپنے احباب کو بلاتا ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس اہم دینی مقصد کو سامنے رکھ کر اس میں آپ آئیں جو حضرت مسیح موعود نے بتایا ہے۔

احباب جماعت کو دعوت شمولیت: کچھ عرصہ سے مخالفین کی طرف سے جو حملے ہو رہے ہیں اور ہمیں مٹانے اور نقصان پہنچانے کی جو جو کوششیں جاری ہیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے اس جلسہ کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ہمارا سب کا فرض ہے کہ ہم اس قومی اجتماع کو حاضری اور نتائج دونوں لحاظ سے کامیاب بنائیں۔ میں جماعت کے ہر ایک فرد کو جلسہ میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔ اپنی جماعت کے نوجوان دوستوں کو، جو لاہور کے کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں، خصوصیت سے مخاطب کرتا ہوں۔ وہ جلسہ سالانہ میں

کم شامل ہوتے ہیں۔ وہ کالجوں کے بند ہوتے ہی گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک بہت بڑی سعادت اور برکت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اگر وہ تین روز کے لئے لاہور میں رک جایا کریں تو ان کا کوئی حرج نہیں ہوتا۔ اسی طرح میں اپنے تاجر اور دکاندار دوستوں کو کہتا ہوں۔ بیشک کرسمس کے ایام میں کاروباری مصروفیت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن یاد رکھو اللہ نے تمہارا رزق انہی دنوں میں محدود نہیں کر دیا وہ اپنے فضل سے دوسرے دنوں میں اس سے بہت زیادہ دے سکتا ہے۔ آپ لوگوں کو بھی ذرا ایثار سے کام لے کر جلسہ میں ضرور شریک ہونا چاہیئے۔

احمدی خواتین کی نیک مثال: ہماری خواتین اپنے زنانہ جلسے اور نمائش دستکاری کے لئے جو کچھ کر رہی ہیں وہ ہم مردوں کے لئے ایک سبق ہے۔ میں اپنے گھر میں بھی دیکھتا ہوں اور دوسرے گھروں کی نسبت بھی معلوم ہوا ہے کہ خواتین اپنے اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے پورے انہماک سے کوشش کر رہی ہیں۔ نمائش کے لئے مختلف اشیاء تیار ہو رہی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اس بارے میں بھی اب تک بہت دوستوں نے اس تحریک کو اپنے گھروں تک نہیں پہنچایا۔ پھر بھی عورتوں کے اندر جو حرکت نظر آتی ہے اس کے بالمقابل مرد بے فکر اور غافل بیٹھے ہوئے ہیں۔ جس طرح ہمیں قیامت کے دن کی فکر کرنی چاہیئے کہ اعمال حسنہ کا کچھ اندوختہ ساتھ لے جائیں، اسی طرح اس دینی اجتماع سے قبل بھی ہمیں کچھ فکر کرنی چاہیئے۔

ہماری کامیابی کا معیار قربانیاں ہیں: اگر کسی دوسری جگہ کامیابی کا معیار کثرت تعداد ہے اور کوئی حاضرین کی بھاری تعداد کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے تو ہمارے ہاں قربانیاں اور کام کامیابی کا معیار ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک فرد کو شریک جلسہ ہونا چاہیئے۔ اور اس جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے کوئی تحفہ ساتھ لانا چاہیئے۔ اگر جماعت کا ہر ایک فرد تھوڑی سی کوشش بھی کرے تو ایک ایک قطرہ سے دریا بن جاتا ہے۔ اور ایک ایک اینٹ سے عمارت بن جاتی ہے۔

ہماری مخالفت بے شک زیادہ ہے۔ لیکن اس کا علاج یہ نہیں کہ ہم ہمت ہار کر بیٹھ جائیں۔ بلکہ یہ ہے کہ اپنی کوشش اور ہمت کو دو چند بلکہ دہ چند کر دیں۔ اور دنیا کو دکھا دیں کہ مخالفت ہمیں کمزور کرنے کا موجب نہیں ہوئی بلکہ ہماری ہمت کو بڑھانے کا اور ہماری ترقی کا موجب ہوئی ہے۔

15 دسمبر 1934ء

احمدیت کے مخالفین

حاجی محمد حسن صاحب وکیل گجرات کے قلم سے

چند بےنفس لوگوں کا مجمع ہر سال لاہور میں جمع ہوتا ہے۔ اس سال بھی جمع ہوگا۔ بمشکل چند صد انسان ہیں۔ جو ایک مسجد میں جمع ہو کر خدا کی وحدانیت کے عظیم الشان عقیدہ کا عملی اثر دکھائیں گے۔ لاہور شہر میں یہ اجتماع ہوتا ہے۔ اسلام کے یہ سپاہی یہ عزم لے کر آتے ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کے لئے فتح کر ڈالیں۔ مگر یہ خود اسلام کے نام لیوا ایک لاکھ کی تعداد میں اس لئے بھرتی ہو رہے ہیں کہ کہیں اسلام تمام ممالک میں پھیل کر انسانوں کو دنیا کو خدا کے آستانہ پر نہ گرا دے۔ شارع علیہ السلام کے وقت بھی اسلام کو دو قسم کے دشمنوں سے مقابلہ تھا۔ ایک وہ جو اسلام کے اندر داخل ہو کر بیرونی دشمن سے ساز باز کرتے تھے اور ایک وہ تھے جو علانیہ کافر تھے اور اسلام کے استیصال کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ اس وقت اسلام کی حالت نہایت نازک تھی۔ اسلام کے نام لیوا بے سروسامان تھے۔ غیر مسلح تھے بے ملک تھے۔ مگر ان کے قلوب میں ایمان تھا۔ عزم میں پختگی تھی۔ عمل میں استقلال تھا خدا کا ڈر تھا۔ باقی تمام طاقتوں سے بےخونی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اندرونی دشمن بھی ناکام رہا اور بیرونی دشمن بھی نامراد رہا۔

آج اسلام کے اندر کے دشمن بعینہٖ مدینہ شریف کے منافقین کی طرح بیرونی دشمن یعنی عیسائی مشنریوں سے ساز باز کر رہے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ کو چھوڑ کر یسوع کی خدائی کو تسلیم کر رہے ہیں۔ عیسائیوں کی یا ان ہزارہا کتابوں سے ان کی رگ حمیت نہ پھڑکی۔ جن میں اسلام اور حضور سرکار دوعالم کے متعلق اس قدر گند اور پلیدی بھری ہوئی ہے۔ مگر یسوع کے متعلق انجیل کی مسلمات سے جو چند جملے حضرت مرزا صاحب کی قلم غیرت رقم سے نکلے۔ ان سے وہ آج آپے سے باہر ہو رہے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اپنے اخباروں میں اپیلیں شائع کر رہے ہیں اور انہیں جرأت دلا رہے ہیں کہ عرصہ سے جو انہوں نے احمدیت کے میدان میں اتر آنے کی وجہ سے بیہودہ نویسی اور فحش نگاری سے احتراز کیا ہوا ہے۔ وہ دوبارہ شروع کر دیں۔ ان بیرونی دشمنوں کی امداد کے لئے پنجاب میں ایک لاکھ مسلمان کہلانے والے انسان اسلام کو تباہ کرنے اور

اشاعت اسلام کی تحریک کو برباد کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ آہ! مسلمان آج اپنے آقا سے روگردانی کر کے اسرائیلی نبی کو خدا کا شریک بنانے والوں کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ چنانچہ اب مسیحی انجمنیں ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے ریزولیوشن پاس کر رہی ہیں اور وہ ریزولیوشن اسلامی اخباروں میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

پس مسلمانوں کی بے حسی اور بے حمیتی حد سے زیادہ گذر چکی۔ ان سے اب کیا امید کی جا سکتی ہے۔ منشی ظفر علی خان جیسا انسان آج کل ان کا سالار قافلہ بنا ہوا ہے۔ اب اس نے نیا حربہ اشاعت اسلام کے خلاف یہ استعمال کیا ہے کہ عیسائی دنیا کو تحریک اشاعت اسلام کے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ اور تعجب ہے کہ وہ حضور ختمیت مآب کے مقاصد سے علیحدہ ہو کر ان لوگوں سے تعاون کر رہا ہے، جنہوں نے حضورؐ پر وہ وہ الزامات لگائے کہ ان کے بیان کرنے سے قلم لرزتا ہے!

بہر حال یہ موقع اسلام کی بے حد بے سروسامانی کا ہے۔ اندرونی دشمن اسلام کی تباہی کے لئے اس قدر تیاری کر چکا ہے کہ اس سے قبل اس نے نہ کی تھی۔ بیرونی دشمن کے حوصلے پھر بلند ہو رہے ہیں اور یہ دونوں دشمن اب باہم متحد ہو کر اسلام کی بربادی کے درپے ہیں۔ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے۔ بے حد ناامیدی اور یاس کے وقت وہ اپنی طاقت کا جلوہ دکھایا کرتا ہے۔ پس لاہور کے مومنوں کا مختصر سا مجمع انشاءاللہ برکات الٰہی کا جاذب ہوگا۔ اگر دشمن کی تیاری انتہا کو پہنچ چکی ہے تو مومن کا ایمان بھی پہاڑ کی طرح مضبوطی دکھلائے گا۔ پھر اس سال سالانہ جلسہ پر تشریف لانے والے اصحاب اپنی بے نظیر قربانیوں سے دشمنوں کو پائمال کر دیں گے۔ کفر کا کیا حوصلہ ہے کہ وہ ایمان کا مقابلہ کرے۔ کفر و ایمان کی لڑائیاں بہت ہو چکی ہیں۔ ایمان ہمیشہ غالب رہا ہے اور اب بھی رہے گا۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء کا نام نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ اور نہ ہی ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کو کوئی عزت سے یاد کرتا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام حیات جاوید حاصل کر چکا ہے۔ اسی طرح آنے والی دنیا دیکھ لے گی کہ اس زمانہ کے عبداللہ بن ابی کس طرح نامراد رہتے ہیں اور بیرونی دشمن بھی کس طرح ناکام ہوتا ہے۔ آخر فتح اسلام کی ہے۔ اشاعت اسلام کی تحریک ایک روحانی تحریک ہے۔ اس کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ صرف ہمارا امتحان لینا مقصود ہے۔ پس ثابت قدم رہو۔ استقلال دکھاؤ۔ قربانیاں کرو اور تم

کامیاب ہو۔ظفر علی تمہاری مخالفت میں اندھے ہو رہے ہیں۔اس کے قلم میں بے شک زور ہے۔وہ لکھنا جانتا ہے۔وہ شاعر فصیح البیان ہے اور ادیب جادو نگار۔مگر اس سے ہمیں خوف نہیں کرنا چاہیئے۔ اسلام کی قسمت میں اس قسم کے مقابلے بہت لکھے ہیں۔ابتداء سے بھی اسے خطیبان جادو بیان اور شاعر ان فسون نگار سے سابقہ پڑا تھا۔مگر آخر اسلام کی متانت اور اس کی حکیمانہ تعلیمات نے شاعروں کی لفاظیوں اور خطیبوں کی ہنگامہ خیز تقریروں کو بے اثر کر دیا۔یقین رکھو کہ ظفر علی کی نظمیں اور اس کی پھبتیاں بے حقیقت چیزیں ہیں۔ہمارا لٹریچر مستقل اثر رکھتا ہے۔ہم اصولی طور پر مذہب کا وقار دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں اور مذاہب میں اسلام کی فوقیت دکھانا ہمارا منشاء حیات ہے۔مگر ظفر علی خان کو وقتی طور پر لوگوں کے دلوں میں ہیجان پیدا کرنا ہے۔جوش دلانے کے لئے اس کے پاس جس قدر ذرائع تھے وہ قریب قریب انہیں استعمال کر چکا ہے۔اس کے اخبار میں انہیں باتوں کا اعادہ ہوتا ہے۔جو آج سے پہلے کئی دفعہ ہمارے خلاف کہی جا چکی ہیں۔مگر اسلام کی ابدی صداقتیں لاتعداد ہیں۔قرآن کے معارف لامتناہی ہیں۔تم جس چشمہ سے سیراب ہو رہے ہو وہ ختم نہیں ہوسکتا۔پس تمہارے ذرائع غیر محدود اور تمہاری طاقتیں بہت زیادہ ہیں۔کیونکہ چشمہ الٰہی سے تمہیں سامان ملتا ہے۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کی موت کیا ہوگی کہ وہ عیسٰیؑ کو خدا کا بیٹا ماننے والوں سے استمداد کرے اور اسلام کی شیدائی جماعت کی تباہی کے لئے اسلام کے دشمنوں سے ساز باز کرے۔جو ایسا کرتا ہے وہ درحقیقت مر چکا ہے۔مردے تمہارا کیا مقابلہ کریں گے۔تم خدا کے فضل سے زندہ ہو۔تمہارے دل نور ایمان سے منور ہیں۔خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔فقط محمد حسن

15 دسمبر 1934ء

ہمارا دینی اجتماع

بیگم صاحبہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

خدا کی خوشنودی: ہر ایک مسلمان مرد اور عورت کی یہ دلی تمنا ہوتی ہے اور ہونی چاہئیے کہ ہم خدا کی خوشنودی حاصل کریں۔ مگر کیا کبھی غور بھی کیا کہ یہ مقصد کیوں کر بر آئے؟!

چند روز تک سن عیسوی کے آخر میں آپ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوتا ہے۔ تا کہ آپ اپنے سال بھر کے کاموں پر تنقید کریں اور آئندہ سال کے لئے نئے کام اور نئی روح کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس جائیں۔ کتنی خوش قسمت ہیں وہ ہستیاں جو ایسے موقعہ پر جمع ہو کر اسلام کی شوکت کا باعث بنتی ہیں!

اجتماع میں زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔ اور اس نقطہ کو اسلام نے اس قدر اہمیت دی کہ دن میں پانچ دفعہ نمازوں کے لئے پھر آٹھویں دن جمعہ کے لئے اور سال میں ایک مرتبہ حج کے لئے جمع ہونے کا حکم دیا۔ تا کہ جماعت کی طاقت اور شوکت نظر آئے۔ اس لئے اجتماع بے حد برکات کا موجب ہے۔ کاش کہ ہم اس کی قدر کریں۔ ہمارے لئے اپنی زندگی میں کئی موقعہ اور بھی اجتماع کے ہوتے ہیں۔ مثلاً عزیزوں میں کہیں شادی بیاہ یا کوئی اور تقریب ہو تو کس قدر شوق اور خوشی سے اس میں شامل ہونے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ کیا یہ دینی اور قومی تقریب، جس کی بنیاد حضرت مسیح موعود نے رکھی اور جہاں آپ کو روحانی غذا ملتی ہے جس سے آپ ایک نئی زندگی حاصل کر سکتے ہیں، کیا یہ آپ کی اتنی توجہ کی مستحق بھی نہیں جتنی ایک دنیاوی تقریب؟! اگر آپ کے دل میں اس کے لئے بھی اشتیاق اور محبت پیدا ہو اور آپ مہینوں پہلے اس مبارک تقریب کے لئے تیاریاں شروع کر دیں تو یقیناً آپ خدا کی خوشنودی کو حاصل کر لیں گے۔

روحانی غذا: غور فرمائیے کہ دنیا کس قدر تیزی سے میدان ترقی میں دوڑی جا رہی ہے۔ زندہ قوموں کے مرد اور عورتیں دیوانہ وار اپنی بہتری اور استحکام کے لئے کوشاں ہیں۔ چند سال قبل مسلمان مردہ ہو چکے تھے۔ مگر خدا کے مامور نے آ کر ایک نئی روح پھونک دی۔ اور آپ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے قومی سدھار کے بوجھ کو اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھا لیا۔ اب آپ کے کاندھے تکان محسوس کرتے ہیں۔ آیئے

اور باہمی مشوروں اور بزرگوں کی نصیحت وتبادلہ خیالات سے اپنے بازوؤں میں نئی قوت پیدا کریں اور وہ ذرائع سوچئے۔ جن کے ساتھ آپ اپنے اس نازک فرائض سے عہدہ برآ ہوسکیں۔ یہ وہ غذا ہے جو آپ کو گھر بیٹھے نہیں مل سکتی۔ آپ اخبار میں جلسے کی کاروائی پڑھ سکتے ہیں۔ مگر وہ قوت ایمانی، وہ غیرت اسلامی اور وہ روح حیات ان کاغذی اوراق میں نہیں ملے گی۔ صرف چند پیسوں کا ایثار اور چند لمحوں کی تکلیف اس روحانی دولت سے مالا مال کر سکتی ہے۔

عورت کا فرض: خدا نے عورت کے ذمہ نئی نسل کی تربیت کا فرض رکھا ہے۔ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ جنت ماؤں کے قدموں میں ہے۔ یقیناً اگر ماں چاہے تو اپنی نیک تربیت سے اولاد کو جنت اور بدتربیت سے دوزخ کا راستہ دکھا سکتی ہے۔ وہ ماں، جو خود دین سے بے بہرہ ہے، جو سچی اسلامی تعلیم اور دینی شعار سے لاعلم ہے، جو اپنے فرائض سے کماحقہ واقف نہیں۔ وہ کس طرح اس اہم ذمہ داری سے عہدہ بر آ ہوسکتی ہے۔ اس کی گود میں پلے ہوئے بچے کیوں کر سچے مسلمان بن کر جنت کے وارث ہو سکتے ہیں۔ یہ دینی تعلیم آج کل کے کالجوں اور بورڈنگ ہاؤس سے نہیں مل سکتی۔ یہ نعمت صرف دین کے لئے تکلیف اٹھانے اور بزرگان دین کے نصائح سننے سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ ہر ایک احمدی مرد اور عورت کا یہ پہلا فرض ہے کہ وہ سردی کی تکلیف اٹھا کر رمضان میں عمدہ کھانوں سے محروم ہو کر گھر کے آرام کو چھوڑ کر اس قومی اجتماع کو شاندار بنائے اور مخالفین کو دکھا دے کہ برگزیدہ قومیں اس طرح قربانیاں کر کے اپنی زندگی کا ثبوت دیتی ہیں!

3 جنوری 1935ء

مکتوب امیر

سپین مشن اور عید

برادران مکرم: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ

اب تک ہماری جماعت نے بحیثیت جماعت سپین مشن کے کام کی طرف توجہ نہیں دی۔ گو اپنے طور پر بہت سے احباب اس میں حصہ لے رہے ہیں اور بالخصوص اس کے اول محرک میاں ممتاز احمد فاروقی اور اس کو عمل میں لانے والے مولانا محمد یعقوب خاں صاحب ایڈیٹر ''لائٹ'' خاص طور پر قابل شکریہ ہیں۔ جزاھما اللہ احسن الجزاء

اس وقت ہمارے محترم دوست مولانا محمد یعقوب خان صاحب نے سپین مشن کے عید کارڈ چھپوا کر اور عید کے موقع پر ''لائٹ'' کا ایک بیش بہا نمبر ''سپین نمبر'' کے نام سے نکال کر ساری مسلمان قوم کو اور بالخصوص ہماری جماعت کو متوجہ کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس تحریک کو بحیثیت قوم ہاتھ میں لینے کا وقت آ گیا ہے۔

کس رنگ میں اسے لیا جائے گا یہ بھی محتاج مشورہ ہے جس پر کچھ وقت لگے گا۔ سر دست اس عید کے موقعہ پر کچھ عملی قدم اٹھانا ضروری ہے اس کے لئے میں تین تجاویز پیش کرتا ہوں۔

1۔ یہ کہ سب احباب سپین عید کارڈ کے مروج کرنے میں پوری قوت خرچ کریں۔ نہ صرف خود خرید کر یہ کارڈ بطور تحفہ احباب کو بھجوائیں بلکہ جہاں تک ان کی طاقت میں ہو، دوسرے مسلمانوں کو بھی توجہ دلائیں کہ بجائے اس کے کہ وہ معمولی عید کارڈوں پر اپنا روپیہ برباد کریں، سپین عید کارڈ خریدیں۔ جس کے دو فائدے ہوں گے۔ ایک یہ کہ اس کی آمد سب کی سب سپین مشن میں جائے گی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بچوں اور نوجوانوں کے دلوں میں اشاعت اسلام کا وہ سچا جذبہ پیدا ہو گا جس پر تحریک اشاعت اسلام کا سارا دارومدار ہے۔

2۔ یہ کہ عید کے موقع پر صاحب استطاعت احباب ہمارے جہلم کے مخلص دوست سیٹھ سعادت الدین کے اس نیک نمونے پر عمل کریں کہ انہوں نے ایک عید کارڈ بطور تحفہ مجھے دیا۔ جس کے

اندر بیس روپے کے نوٹ سپین مشن کے لئے تھے جزاہ اللہ خیرا۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے احباب اس خوشی کے موقع پر سپین مشن کو یاد رکھیں گے اور جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ اس میں کچھ عطیہ مرحمت فرمائیں گے۔

3۔ تیسری تجویز وہ ہے جس پر میں چاہتا ہوں ساری جماعت عامل ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ عید کے دن احمدیہ جماعت کا ہر ایک فرد سپین مشن میں کچھ نہ کچھ رقم دے۔ مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا بچہ۔ خواہ وہ رقم بہت ہی قلیل ہو۔ جو احباب عید فنڈ دیتے ہیں وہ اس کے برابر یا کم سے کم اس کی نصف رقم سپین مشن کے لئے دیں۔ بچوں کو جس قدر عیدی دی جائے، اس کی تین چوتھائی وہ اپنے لئے خرچ کریں اور ایک چوتھائی سپین مشن کے لئے دیں۔ بلکہ اس کی بہتر صورت یہ ہوگی کہ بچوں کو عیدی دیتے وقت ایک چوتھائی رقم کاٹ لی جائے اور وہ رقم علیحدہ سپین مشن کے لئے جمع کرا دی جائے۔ اور گھر کی مستورات کو بھی تاکید کی جائے کہ وہ بھی حسب استطاعت اس میں حصہ لیں۔

یہ آخری تجویز وہ ہے جس پر میں خصوصیت سے زور دینا چاہتا ہوں۔ اور اس کو قومی تحریکات کے اندر شامل کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے سالانہ جلسہ پر سب احباب سے وعدہ بھی لیا تھا کہ جب کبھی کوئی قومی تحریک ہوگی تو اس میں سارے احباب شامل ہوں گے۔ خواہ رقم کتنی ہی کم کیوں نہ ہو۔ پس ہر ایک دوست اس بات کو یاد رکھے کہ عید کے دن سپین مشن کے لئے ہر ایک مرد، ہر ایک عورت، ہر ایک بچہ نے کچھ نہ کچھ دینا ہے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

یکم جنوری 1935ء

❁❁❁

3 جنوری 1935ء

سب تعریف اللہ کے لئے ہے

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے 24 دسمبر 1934ء کو جلسہ سالانہ کا افتتاح کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔ مدیر

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد سورہ الفاتحہ کی تلاوت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ سورۃ الفاتحہ نہ صرف قرآن کریم کی ابتداء ہے بلکہ فی الحقیقت یہ ہر کام کی ابتداء کے لئے موزون ہے اور سب سے پہلی آواز جو ہمارے دلوں سے ایسے موقعوں پر، جیسا کہ جلسہ سالانہ ہے، اٹھنی چاہئیے، یہی آواز ہے۔ یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1:1) سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں، تمام مخلوق اور قوموں کا پروردگار ہے۔ اس لئے میں اس جلسہ کی ابتداء اسی دعا سے کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل: میرے دل میں حمد الٰہی کی یہ آواز بار بار اٹھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹی سی جماعت کو جو تعداد کے لحاظ سے قوموں میں شمار ہونے کے قابل بھی نہیں اتنی بڑی توفیق دی اور اپنے نام کو بلند کرنے اور اپنے دین کو پھیلانے کا کام اس کے سپرد کیا۔ اور پھر اس کام میں اس کو کامیابی عطا فرمائی۔ بے شک ہم تعداد میں تھوڑے ہیں۔ لیکن دیکھنے کی چیز تعداد نہیں۔ کام دیکھا جاتا ہے۔ اللہ کے فضل سے ہمارا کام عظیم الشان ہے۔ ہم اس کام کو انجام دے رہے ہیں جس کی چالیس کروڑ مسلمانوں کو توفیق نہیں ملی۔

اشاعت اسلام انبیاءؑ کا کام ہے: اشاعت اسلام کا مہتم بالشان کام انبیاءؑ کا کام ہے۔ بالآخر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا۔ آج تم باوجود قلت تعداد کے اس کام کے وارث ہو بہت سے لوگ اس کوشش میں ہیں کہ اس جماعت کے وجود کو مٹا دیا جائے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کام کو مٹا دیا جائے جو یہ جماعت کر رہی ہے۔ یعنی تحریک اشاعت اسلام کو۔

میں اس وقت صرف چند ابتدائی کلمات کہنا چاہتا ہوں۔ باقی باتیں دوسرے وقت بیان کروں گا۔ سب سے پہلے میں یہ کہوں گا کہ ہمیں موجودہ مخالفت کی مطلق پروا نہیں کرنی چاہئیے۔ کیونکہ

اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہماری امداد نہ کرتا تو اس جماعت کا کیا حوصلہ تھا کہ موجودہ مشکلات کے باوجود اس قدر کام کرسکتی! اس جماعت کی بدخواہی کرنے والوں میں دیگر مسلمانوں کے علاوہ حضرت مسیح موعود کے نام لیوا بھی شامل ہیں۔ دوسرے مخالف مسلمانوں کی طرح ہمارے قادیانی دوستوں کی آنکھیں بھی بند ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ آخر ہماری وجہ سے حضرت مسیح موعود کے نام لیواؤں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

لاہور میں تمہاری جماعت کو کام کرتے ہوئے چند ماہ اوپر بیس سال ہو گئے ہیں۔ اسلام کے تعمیری کاموں کے لحاظ سے دیکھا جائے تمہارا کام سب سے بلند نظر آتا ہے۔ تفصیلات کا یہ موقع نہیں۔ دوسرے اصحاب اور میں دیگر اجلاسوں میں ان کو بیان کریں گے۔

ایام جلسہ کو بہترین طریق پر استعمال کرو: اس وقت میں آپ سے چند درخواستیں کرنا چاہتا ہوں۔ ہم یہاں تین دن کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ان ایام کو ہمیں بہترین طریق پر صرف کرنا چاہیئے اور ان کو ایک نمونہ بنا دینا چاہیئے۔ کثرت سے تسبیح وحمد الٰہی میں مصروف رہنا چاہیئے۔ نماز بھی تسبیح الٰہی ہے اس کی طرف میں خصوصیت سے توجہ دلاتا ہوں۔ قرآن کریم میں نماز پر جس قدر زور دیا گیا ہے وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ ہم رمضان میں جمع ہوئے ہیں اور جس کام کے لئے جمع ہوئے ہیں یعنی قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کے لئے۔ اس کی ابتداء اسی مبارک مہینے میں ہوئی ہے۔ اسلام کی عظیم الشان فتوحات بھی رمضان کے مہینے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جنگ بدر اور فتح مکہ دونوں رمضان ہی میں وقوع پذیر ہوئیں۔ اور یہ دونوں اسلام کی اہم ترین فتوحات میں سے ہیں۔ یہ تین دن حضرت مسیح موعود کے مقرر کردہ ہیں۔ ان کو محض اللہ تعالیٰ کے ذکر میں صرف کرو۔ ہماری زندگیوں کے ہزاروں دن دنیا میں گذر گئے۔ تھوڑے بہت جو باقی ہیں وہ بھی گذر جائیں گے۔ دنیا کے دھندے ہمیشہ دامن گیر رہتے ہیں۔ مگر کم از کم ان تین دنوں میں تمہیں دنیا کے کاموں کا کوئی خیال نہیں آنا چاہیئے۔ یہ دن اللہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہیں۔ عزت اور چھوٹائی بڑائی کا خیال بالکل دلوں سے نکال دو۔

نماز باجماعت: ان ایام میں ہمارا کام کیا ہونا چاہیئے؟ سب سے اول نماز باجماعت ہے۔ پانچوں نمازیں مسجد میں جاکر باجماعت ادا کرو۔ میری دلی خواہش ہے کہ کوئی شخص جو اس جلسہ میں شرکت کے لئے آیا ہے، نماز باجماعت سے علیحدہ نہ رہے۔ جس طرح اس جلسہ گاہ میں ساری جگہ بھری ہوئی ہے، اسی طرح مسجد بھی بھری ہوئی نظر آنی چاہیئے۔ تاکہ ہم سب مل کر خدا کے حضور گریں۔ اور اس کے افضال بیش از پیش ہم پر نازل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات اب بھی ہم پر بہت ہیں۔ لیکن اگر ہم نماز باجماعت کا التزام رکھیں تو اور زیادہ افضال ہم پر نازل ہوں گے۔ جو احباب احمدیہ بلڈنگس سے باہر قیام پذیر ہیں، انہیں بھی کوشش کر کے نماز فجر کے لئے اپنی مسجد میں آنا چاہیئے۔

نماز تہجد: دوسری درخواست یہ ہے کہ رمضان کا مہینہ ہے۔ اس میں نماز تہجد ضرور پڑھنی چاہیئے۔ کم از کم ان تین دنوں کے لئے آپ سب عہد کر لیں کہ اپنی اپنی جگہوں پر تین اور پانچ بجے رات کے درمیان بیدار ہوں گے اور اس وقت تنہائی میں خدا کے آگے گر کر اور رو رو کر التجا کریں گے کہ اے مالک حقیقی تو ہمیں وہ سامان عطا فرما کہ ہم تیرے دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچادیں۔

اوقات جلسہ کی پابندی: تیسری درخواست یہ ہے کہ اوقات جلسہ کی پابندی کریں۔ دیکھئے ذکر الٰہی نماز روزہ تک محدود نہیں۔ ہمارا جلسہ بھی ذکر الٰہی میں شامل ہے۔ کیونکہ اس کی غرض بھی اللہ کے نام کو بلند کرنا ہے۔ یہ جو باتیں میں نے عرض کی ہیں۔ امید ہے کہ تمام احباب ان کا خیال رکھیں گے اور ان پر پوری طرح عمل کریں گے۔

احمدیہ کانفرنس: اس کے علاوہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ پرسوں 26 دسمبر کی صبح کو احمدیہ کانفرنس ہوگی۔ اس میں بھی تمام دوست شامل ہوں۔ یہ بھی ایک بہت ضروری کام ہے۔

۞۞۞

3 جنوری1935ء

مست حجازِ ما

جناب عاصم کپورتھلوی

مقصود ما ست دوستاں مستِ حجازِما کوہت بندہ پرور و بندہ نوازِ ما
آئین دیر و میکدہ رسمِ کہن شداست آمد بکار گاہِ جہاں مست نازِ ما
ماز جفا و مہر بتاں برگذشتہ ایم اکنوں ست ہمقرین حقیقت مجاز ما
بود و نبود و سود و زیاں درجہاں نبود افسانہ طبع تمنا نواز ما
زاہد بنیں بفکر ثواب وعذاب نیست عجز و نیاز و سجدہ و دست ودعاز ما
ما از بلند وپست جہاں بر تریم ہاں بر اوجِ قدس ہست نشیب و فرازِ ما
الحق رہین منتِ اجرے نہ بودہ اند سیلِ سرشک و طاعت و سوز و گدازِ ما
محمود زندہ کردد گر رسم آذری در نزعِ ہم بگفت ''کجائی ایاز'' ما
در حیرتم بہ بلبل و پروانہ کو نگفت رازے کہ مے نہفت دل فتنہ زازِ ما
تصنیفِ عشق بود زما از برائے خویش دردا! بہ کائنات عیاں گشت راز ما
عمری گذشت و ما و ہماں غفلتے کہ بود ماندیم خفتہ ''آہ'' ز خواب درازِ ما
شکرے خدائے راکہ رسیدم بمقصدے برخاک آستانش ادا شدہ نماز ما
عاصؔم بہ مرغِ سدرہ نہادیم دام خویش اکنوں کجا تہیہ صید ہما ز ما

۞۞۞

3 جنوری 1935ء

کلامِ مہجور

خواجہ غلام نبی مہجور مبلغ انجمن

مندرجہ ذیل اشعار خواجہ صاحب موصوف نے جلسہ سالانہ میں پڑھے

محمودی حضرات سے خطاب

حضرت احمد کی جو عزت ہمارے دل میں ہے
قادیاں والوں کی وہ لیلیٰ ابھی محمل میں ہے

کفرِ مسلم کی تجھے تاویل اب کرنی پڑی
حامیٔ تختِ خلافت تُو بڑی مشکل میں ہے

بدزبانی شیوۂ اہلِ صفا سے دُور ہے
کیا یہی جنسِ گراں مایہ ترے حاصل میں ہے

نامِ اصحابِ مجدد سے جلا جاتا ہے تو
نارِ دوزخ ذکر پیغامی تری محفل میں ہے

حضرتِ اقدس کی تحریروں کو تو منسوخ کر
قدر اُن کے نقطہ نقطہ کی ہمارے دل میں ہے

میری آنکھوں کا تو تنکا بھی تجھے آیا نظر
اور خود شہتیر تیرے دیدۂ باطل میں ہے

بھائی محمودی تجھے ہم کس طرح دکھلا سکیں
جس قدر تیرے لئے مہر و محبت دل میں ہے

مشتعل ہوتا ہے مثل شعلہ ہائے خاروخس
کس قدر آشفتگی یا رب دلِ جاہل میں ہے

حضرتِ محمود سے ہم کو نہیں ہے دشمنی
یہ عقائد کی لڑائی تو حق و باطل میں ہے

اہل باطل کس طرح مہجورؔ حاصل کر سکیں
لطف جو کچھ پیرویٔ مرشدِ کامل میں ہے

3 جنوری 1935ء

احمدیت کیا ہے؟

احمدیت ہے سراپا نور ایمان ویقیں　　احمدیت ہے جہاں میں اک نہالِ انگبیں
احمدیت بت شکن ہے فاتح دجال ہے　　احمدیت دولتِ قرآں سے مالا مال ہے
احمدیت رونقِ دین محمدؐ مصطفیٰ　　احمدیت ہے بہارِ گلشنِ راہِ ہدیٰ
احمدیت ساری دنیا کے لئے پیغام حق　　احمدیت نے کیا روشن جہاں میں نامِ حق

۞۞۞

احمدی ہے شرِ شیطاں کو مٹانے کے لئے　　احمدی ہے شمعِ یزداں کو جلانے کے لئے
احمدی کا سر خدا کے آستانے کے لئے　　احمدی کا دل نبی سے لو لگانے کے لئے
احمدی جیتا ہے شانِ مصطفیٰ کے واسطے　　احمدی مرتا ہے اپنے دلربا کے واسطے
احمدی میں در دِ ملت بھر دیا ہے کوٹ کر　　احمدی یہ دولتیں سب لے گیا ہے لوٹ کر
ہو کے مسلم احمدیت رکھے بغض وعناد　　رحم کر اس شخص کی حالت پہ یارب العباد

۞۞۞

3 جنوری 1935ء

طارق ابن زیاد فاتح اُندلس اور قوت عمل!

ازجناب حکیم احمد شجاع بی اے علیگ اسسٹنٹ سیکرٹری پنجاب کونسل

ہمارا قابل صداحترام معاصر ''لائٹ'' گذشتہ سال سے سپین مشن کے قیام کی کامیاب جدوجہد کر رہا ہے۔ اس سال اس نے عیدالفطر کو بطور ''سپین مشن ڈے'' منانے کی تحریک کی ہے۔ اور اس سلسلے میں ''سپین عید کارڈ'' تیار کرائے ہیں۔ وہ اپنا ایک خاص نمبر بھی نکال رہا ہے۔ ہم مندرجہ ذیل نظم شائع کرتے ہوئے معاصر محترم کی مبارک تحریک میں شرکت کرتے ہیں۔ اس نظم میں حضرت طارقؓ کی بے پناہ قوت عمل، عشق اسلام اور مجاہدانہ جذبہ کو کامیابی سے بیان کیا گیا ہے۔ 1932ء کے جلسہ سالانہ میں جو احباب شامل ہوئے تھے ان کو یاد ہوگا۔ یہ نظم حکیم صاحب موصوف نے 26 دسمبر 1932ء کو اس وقت پڑھی تھی جبکہ جناب بیرن عمر ایرنفلز کو جیبیہ ہال میں نوجوانان سلسلہ کی طرف سے ٹی پارٹی اور ایڈریس دیا گیا تھا۔ مدیر

وہ طارق ابن زیاد 1؎ جس کی سنان کی نوکوں سے چھِد گیا تھا
وقار ہسپانیہ کے جنگی دلاوروں کی دلاوری کا
وہ جس کے اشہب کی ٹھوکروں نے بساطِ مغرب کو روند ڈالا
وہ شیر ہے نقش جبل طارق جبل طارق پہ سکہ جس کی بہادری کا

بہ حکم ابن نصیر 2؎ کڑکا کنارِ مغرب پہ رعد بن کر
چمک سے شمشیر برق وش کی جلا دیا اندلس 3؎ کا خرمن
بڑے بڑے زور آزماؤں کے زورِ بازو کو توڑ ڈالا
بلا تکلف مروڑ ڈالی بڑے بڑے سرکشوں کی گردن

1؎ طارق ابن زیاد فاتح اسپین۔ 2؎ موسیٰ ابن نصیر امیر عساکر غرب۔ 3؎ اندلس اسپین کا عربی نام ہے۔

اسی کی ہیبت سے پرینیر[1] کی چٹانیں گداز اب تک
بحیرہ روم ہے اسی کے جلالِ سطوت سے پانی پانی
لکھی ہوئی ہے طلیطلہ اور قرطبہ کی جبیں پہ اب تک
اسی دلاور کے دور عظمت شکوہِ اقبال کی کہانی

مبارک اے سر زمینِ مغرب کہ تیری تقدیر جاگ اٹھی
کنارہ اندلس پہ پہنچا بہادرانِ عرب کا لشکر
تری جہالت کی ظلمتوں کو کرے گا کافور وہ تمدن
کہ جس کی تنویر کر چکی ہے ممالک شرق کو منور

انہی دلیروں کی نسل سے اب وہ صاحبان کمال ہوں گے
بکھیر دیں گے جو تیرے گھر میں علم و فضل و ہنر کے موتی
تجھے سکھائیں گے حکمرانی، جہاں گیری، زمیں ستانی
کرے گی صیقل تیری ذہانت کو ان کے منطق کی موشگانی

منجم ان کے سکھائیں گے آسماں سے تاروں کو توڑ لانا
حکیم اُن کے بتائیں گے حکمت و سیاست کے راز تجھ کو
طبیب اُن کے کریں گے پھر زندہ تیرے یونان کی طبابت
مقنن ان کے کریں گے سارے جہاں کا آئین ساز تجھ کو

بھلا دیا ہے جو تو نے دل سے پیام انجیل و ابن مریم
اسے یہ توحید کے پیمبر کریں گے پھر زندہ تیرے دل میں
دکھائیں گے تجھ کو تجربے سے تیرے عناصر کے تجزیے سے
وہ ممکنات عمل کہ خوابیدہ ہیں ابھی تیرے آب و گلِ میں

---

[1] پرینیر۔ وہ سلسلہ کوہ جو اسپین کی حدود پر واقع ہے۔

غرض کنارے پہ آلگا اندلس کے جب یہ مہیب بیڑا
اتر چکا سر زمین ہسپانیہ پہ جب لشکرِ حجازی
امیر عسکر نے حکم فرمایا اب جلا دو جہاز سارے
بغیر نصرت نہ ہوں گے واپس یہاں سے یہ سر فروش غازی

اسی زمین کو وطن کہیں گے یہیں رہیں گے یہیں مریں گے
کہ قید و بندِ وطن سے آزاد ہے جہاں میں اقوام مسلم
نئے نئے ملک فتح کرنا، بنے ہوئے گھر سنبھال لینا
یہی ہے خانہ بدوش اقوام کا طریق اور نظام مسلم

خدا نے چاہا تو دو ہی دن میں یہاں بنائیں گے قصر شاہی
ہمیں ہے کیا زور قوں کی حاجت ہمیں سفینوں کی کیا ضرورت
بڑھو عرب کے دلیر شیرو! وطن کو اور گھر کو بھول جاؤ
اسی زمیں کو وطن بنا لو اسی کی حاصل کرو حکومت

اگر ہے ایمان تم کو اس پر کہ تم ہو توحید کے پیمبر
تو پھر یہ لازم ہے تم کو پھیلاؤ اب یہ پیغام شش جہت میں
وطن کے عاشق گھروں کے پیارے نہ بادشاہی کے خواب دیکھیں
خدا کے بندوں کو کب جگہ کی کمی ہوئی اس کی مملکت میں

یہ کہہ کے اسلام کا مجاہد فضائے ہسپانیہ پہ کوندا
عرب کے شیر دلیر گرجے ابھر ابھر کر بپھر بپھر کر
صدائے تکبیر سے ہوئیں مرتعش پرینیر کی چٹانیں
ادھر ہوئی کپکپی سی طاری ممالک غرب کے جگر پر

یہ سیل بڑھتا چلا گیا نقشِ نورِ توحید کے جماتا
یہ ابرِ رحمت زمین ہسپانیہ پہ چھایا محیط ہو کر
جو قلب نا آشنا تھے ذکر خدا سے اوصاف مصطفیٰ سے
عرب کے ان بادہ نشینوں نے آکے ان کو کیا مسخر

خلیفۃ المسلمین کو لکھا کہ فتح و نصرت کی ہو بشارت
زمینِ مغرب پہ ہے درخشاں خدا کی رحمت سے مہر خاور
یہاں کے دیہیم سلطنت کے لئے کوئی اب امیر بھیجو
کہ کر چکے ہیں خدا کی خدمت ادا حبیبؐ خدا کے چاکر

نہ اس میں تعویق ہو ذرا بھی کہ عمر کا اعتبار کیا ہے
ابھی پیام خدا کی پیاسی خدا کی کتنی ہی بستیاں ہیں
خدا کے خدمت گزار بندے کمر کو باندھے ہوئے کھڑے ہیں
وہ جانتے ہیں اسی کی خدمت کے واسطے ان کی ہستیاں ہیں

نہ تھی یہ تیروں کی خونفشانی نہ تھی یہ شمشیر کی روانی
کہ جس سے ہر گوشہ زمین پر رہی ہے اسلام کی حکومت
ہوا ہے جس دن سے یہ مسلماں ہوا و حرص و ہوس کا بندہ
خدا نے خود اس سے ہو کے بیزار چھین لی ہے عمل کی قوت

❁❁❁

5 جنوری 1935ء

اہلِ تحقیق کے لئے قابلِ غور امر

لاہوری احمدیوں اور قادیانیوں میں فرق

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد کے قلم سے

سری نگر کشمیر میں خانقاہ معلیٰ ایک بہت متبرک مقام گنا جاتا ہے۔ برگزیدہ الٰہی حضرت سید علی ہمدانی امیر کبیر کی، جنہوں نے ملک کشمیر میں اسلام نہایت اہتمام سے پھیلایا تھا، وہ عبادت گاہ ہے۔ اس میں ایک مسجد ہے جس کے احاطہ میں دفن ہونے کو الیانِ کشمیر موجبِ نجات سمجھتے ہیں۔ اور سوائے خاص لوگوں کے ہر ایک کو وہاں دفن کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔ احمدیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے، وہاں سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا مولوی عبداللہ صاحب وکیل سری نگر احمدیہ جماعت لاہور سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے علم وفضل اور تقویٰ اور دردِ اسلام کا اس قدر اہالیانِ سری نگر کے قلب پر اثر ہے کہ اُن کی صاحبزادی آمنہ بیگم کی وفات پر حضرت مولانا کو خاص طور پر اجازت دی گئی کہ وہ مرحومہ صاحبزادی کو وہاں دفن کریں۔ اور جب خانقاہ معلیٰ کے احاطہ میں جنازہ پہنچا تو اس وقت احمدیہ جماعت لاہور کے مبلغ مولوی فاضل سید اختر حسین صاحب کی امامت میں لاہوری احمدیوں کے علاوہ غیر احمدیوں کے ایک انبوہ کثیر نے نمازِ جنازہ پڑھی اور کسی نے اعتراض نہ کیا۔ ہاں قادیانی حضرات میں سے کسی نے نماز جنازہ نہ پڑھی اور علیحدہ بھی نہ پڑھی۔ اور سب کے سب وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔ کیا اہلِ تحقیق کی نظر میں یہ واقعہ کوئی درسِ عبرت نہیں رکھتا! کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ قادیانی لوگ لاہوری احمدیوں کو بھی مسلمان نہیں سمجھتے! نہ اُن کی امامت میں نماز پڑھتے ہیں نہ اُن کی میت کے لئے دعائے مغفرت کرنے اور نماز جنازہ پڑھنے کو تیار ہیں۔ تو پھر یہ کہنا کس قدر نادرست ہے کہ یہ دونوں جماعتیں در پردہ ایک ہیں۔ میں بمبئی گیا تو وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جن کا نام شائد ضیاء برنی تھا۔ تعارف کے تھوڑی دیر بعد گفتگو کے ضمن میں انہوں نے مجھ پر حملہ کر دیا کہ یہ لاہور اور قادیانی کہنے کو دو فریق ہیں۔ ورنہ در پردہ ایک ہی ہیں۔ یہ محض ان لوگوں کی عیاری ہے۔ انہیں اس بات کا ذرا خیال نہ آیا کہ ابتدائی ملاقات میں اس قسم کی گفتگو کس قدر تہذیب سے گرا ہوا امر ہے۔ شائد انہوں نے اپنا فرض سمجھا کہ اپنے خیال کو خواہ وہ کس قدر

بھی غلط امور پر مبنی ہو ظاہر کر دیا جائے۔ مگر میں انہیں معذور سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہی قادیانی لوگ جو ہمارے متعلق اپنے مریدوں کو یہ فتوٰی دیتے پھرتے ہیں کہ ''پیغامیوں'' کے ساتھ مواکلت، موانست، مجالست، سب قطعی حرام ہے۔ اُن کا لٹریچر پڑھنا گناہ ہے اور یہ چلتی پھرتی دوزخ ہیں۔ اور ہماری مثال گوبھی کے سڑے ہوئے چھلکے سے دیتے ہیں۔ یہی لوگ، جہاں غیر احمدیوں کو لاہوریوں سے بدظن کرنا منظور ہوتا ہے، برملا یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہم اور یہ ایک ہی ہیں۔ یہ تو گدّی کے جھگڑے میں الگ ہو گئے۔ ورنہ دیکھو ظلی نبی حضرت مرزا صاحب کو یہ بھی مانتے ہیں ہم بھی مانتے ہیں۔ عامی لوگ اس قدر تحقیق کہاں کیا کرتے ہیں کہ قادیان کا ظلی نبی، نبی ہوتا ہے اور لاہوری کا ظلّی نبی، غیر نبی ہوتا ہے۔ محمودی لوگ اس قسم کا مغالطہ دانستہ طور پر دیتے ہیں اور سوچ سمجھ کر جان بوجھ کر یہ غلط فہمی پھیلاتے ہیں۔ تا کہ غیر احمدی لوگ لاہوریوں سے بھی ویسے ہی متنفر ہو جائیں جیسے ان قادیانیوں کے عقائد سے ہیں۔ کبڑی عورت یہ چاہتی ہے کہ سب عورتیں کبڑی نظر آئیں۔ مذہب کے نام پر اس قسم کی دورنگی کارروائی اور چالاکی کیا دہریوں کے لئے مذہب پر ہنسنے کا موقعہ نہیں پیدا کر دیتی! مقام غور ہے کہ آخر ان قادیانیوں کو مولانا محمد عبداللہ صاحب کی صاحبزادی کا جنازہ پڑھنا کیوں موت نظر آیا۔ یہ کیوں بھاگ گئے۔ سب کچھ ان کو پتہ تھا۔ مولانا کا پیغام جو شخص خانقاہ معلٰی کے متولی کے پاس لے گیا وہ قادیانی تھا۔ لیکن پھر کیوں یہ لوگ بھاگ گئے۔ اسی لئے کہ وہ لاہوراحمدیوں کو درحقیقت مسلمان نہیں سمجھتے۔ وجہ یہ کہ اسلام تو سارا سمٹ کر اُن کے خلیفہ میاں محمود احمد صاحب کے قدموں میں آن پڑا ہے۔ اس سے باہر کہیں نظر نہیں آتا۔ جو لوگ اُن کے قدموں کو چاٹتے ہیں، انہیں اسلام میں سے گھونٹ مل جاتا ہے۔ باقی ساری دنیا خشک پڑی ہے۔ نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا کوئی نفع دیتا ہے۔ نہ مسیح موعود کی بیعت میں داخل ہونے کا اب کوئی فائدہ ہے۔ جب تک کہ خلیفہ قادیان کی چوکھٹ پر ناصیہ فرسائی نہ کیا جائے۔ زمانہ کے نبی سمجھو، رسول سمجھو، خدا سمجھو، وہ میاں محمود احمد صاحب ہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر نہ اب کہیں نجات ہے، نہ اسلام ہے۔ پس میں ایک محقق کے لئے لاہوری احمدیوں اور قادیانی محمودیوں کے درمیان موٹے موٹے امتیازی نشانات عرض کئے دیتا ہوں۔ تا غلط فہمی کسی حد تک دور ہو سکے۔

قادیانی محمودی

1 ۔ **مسئلہ تکفیر**۔ قادیانی محمودی تمام دنیا کے کلمہ گو مسلمان کو، جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی بیعت نہیں کی کافر اور خارج از دائرہ اسلام سمجھتے ہیں اور اس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ کو منسوخ ٹھہراتے ہیں۔ کیونکہ اس کو پڑھ کر اب کوئی اسلام میں داخل نہیں ہوتا اور چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر اور اسلام سے خارج کر کے تیرہ سو برس کی آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہؓ اور تمام امت کی محنت کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔

2 ۔ **مسئلہ نبوت**۔ قادیانی محمودی خاتم النبیّن کے معنی نبیوں کے ختم کرنے والے نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے اجزائے نبوت نکال کر حضرت مسیح موعود کو زمانہ کا نبی قرار دیتے ہیں اور آپ کی بیعت نہ کرنے والے کو خواہ اس نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو کافر خارج از اسلام قرار دیتے ہیں اور خاتم النبیّن اور ظلّی نبوت کے الفاظ استعمال کر کے اسلامی دنیا کو مغالطہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ خاتم النبیّن کا مفہوم برخلاف تمام امت کے ان کے ہاں اپنی مہر سے نبوت کو جاری کرنے والے ہیں۔ اور ظلّی نبی

لاہوری احمدی

1 ۔ لاہور احمدی تمام دنیا کے کلمہ گو اہلِ قبلہ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور ہر ایک کلمہ گو کے مکفر سے عملی طور پر بائیکاٹ کرتے ہیں۔ تاکہ مکفرین اپنی اس حرکت قبیح سے باز آئیں۔

2 ۔ **مسئلہ نبوت** میں لاہوری احمدیوں کا وہی مذہب ہے جو تمام اکابر اہل سنت کا ہے۔ وہ ہر ایک قسم کی نبوت کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ اس امر میں اس قدر متشدد ہیں کہ وہ کسی پرانے نبی مثلاً حضرت عیسیٰؑ کے آسمان سے آنے کے بھی قائل نہیں۔ کیونکہ یہ بھی ختم نبوت کے منافی ہے۔ وہ خاتم النبیّن کے معنی نبیوں کو ختم کرنے والا سمجھتے ہیں اور ظلّی نبی سے وہ غیر نبی مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ نبوت کا ظل ہمیشہ ولایت ہوتی ہے نہ کہ خود نبوت۔ چونکہ نبوت کے معنی لغوی طور پر مکالمہ مخاطبہ کے

سے مراد اصلی نبی ہے۔ظلّی کا لفظ فقط طریقِ حصول نبوت کے فرق کو ظاہر کرنے کے لئے یا لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے وہ استعمال کرتے ہیں۔ ورنہ اُن کے ہاں ظلّی نبی، نبی ہوتا ہے۔ غرضیکہ مسئلہ نبوت میں نبوت کا دروازہ چوپٹ کھول کر وہ آنحضرتؐ کی ختم نبوت کا ابطال کرتے ہیں۔

ہیں اس لئے نبی کا لفظ اگر کسی ولی کے متعلق استعمال ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ لغوی معنوں میں مجاز اور استعارہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ وہ حقیقی طور پر اسلامی اصطلاح کے مفہوم کے ساتھ آنحضرتؐ کے بعد کسی شخص پر استعمال نہیں ہو سکتا۔

3۔**مسئلہ خلافت**۔جب حضرت مسیح موعود کو نبی بنایا تو ان کی خلافت بھی قادیانیوں نے چلائی۔ اور انہی اصولوں پر چلائی جن پر مسیحیت کا پوپ اپنی خلافت منواتا ہے۔ خلیفہ مطاع الکل ہے وہ غلطی نہیں کرسکتا۔ اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے۔ وہ ہر ایک مرید کی جان، مال، عزت، ایمان سب کا مالک ہے۔ بہشت کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔

3۔**مسئلہ خلافت**۔لاہور احمدی حضرت مسیح موعود کو مجدد یعنی محمد مصطفیٰ کا خلیفہ جانتے ہیں۔ اور کسی خلافت درخلافت کے قائل نہیں۔ وہ حضرت مسیح موعود کی وصیت کے مطابق انجمن کے ذریعہ اپنی جماعت کا نظام چلانے اور اشاعت اسلام کا کام کرتے ہیں۔ وہ قادیانی خلافت کو قرآن وسنت کے خلاف اور شخصیت پرستی کی مترادف اور اسلام کی تعلیم کی روح کے سخت منافی اور دینی وعلمی ترقی کے لئے زہر قاتل سمجھتے ہیں۔

4۔**سیاست**۔قادیانی لوگ مذہب کے نام پر سیاست میں حصہ لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ گورنمنٹ میں رسوخ بڑھا کر لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرنا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس طریق سے بہت سے دنیوی عزوجاہ

4۔**سیاست**۔لاہوری احمدی سیاست سے الگ رہتے ہیں۔ انہوں نے دنیا کے تمام ملکوں میں ہر ایک قوم اور ہر ایک سلطنت میں اشاعت اسلام کرنی ہے۔ اس لئے وہ سیاست میں پڑ کر مختلف قوموں اور سلطنتوں کی نظروں میں اپنا اعتبار کھونا نہیں چاہتے۔ وہ سیاسی کارروائیوں یا

کے طالب اور ملازمت کے خواہاں خود بخود ہماری طرف کھنچتے چلے آئیں گے۔ اس طرح ہمارا جتھا بھی زبردست ہوتا جائے گا۔ جس سے گورنمنٹ پر بھی مزید اثر پڑے گا اور ہماری آمدنی بھی بڑھے گی اور ریاست کی بنیاد بھی پڑ جائے گی۔ اس لئے وہ گورنمنٹ کے مرکزی دفاتر کا طواف کرنا اور سیاسی کاموں میں ظاہر اور خفیہ طور پر گورنمنٹ کے دست و بازو بننا اپنا مشغلہ بناتے اور اس کے بدلہ میں گورنمنٹ میں رسوخ بڑھانا اور نفع اٹھانا ضروری سمجھتے ہیں اور اس لئے مذہب کے نام سے لاکھوں روپیہ قوم سے لے کر سیاسی خفیہ کارروائیوں میں صرف کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ چونکہ ان کے عقائد ہی ایسے باطل ہیں کہ کسی عقلمند کو اپیل نہیں کر سکتے۔ اس لئے سیاسی رنگ میں جتھے بندی کے سوا ان کا مقصد کسی اور طریق سے حاصل ہونا انہیں مشکل نظر آتا ہے۔ بدیں وجہ وہ سیاسی میدان میں کارِ نمایاں دکھا دکھا کر اپنا جتھا بڑھانے کا کام کرتے رہتے ہیں۔

جاسوسی وغیرہ کو نہایت نفرت و بیزاری کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ بکلی ایک مذہبی جماعت ہے جسے سیاست سے کوئی سروکار نہیں۔ ان کے دلوں میں دینِ محمدؐ کی خدمت کے علاوہ اور کوئی تمنا نہیں۔ اُن کی نظر اپنے مرشد حضرت مسیح موعود کے اس شعر پر ہے ؎

نے زِفردوسم حِکایت کُن نہ ازآرامِ نار
کز غمِ دینِ محمدؐ، مے زِیَم شوریدہ وار

۞۞۞

5 جنوری 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

خطبہ عید کے متعلق چند اہم باتیں

میں امور ذیل کی طرف احباب کو توجہ دلاتا ہوں۔

اول۔ توسیع جماعت پر زور دیا جائے۔ اس جماعت کو قوت دینے اور اس کا اثر بڑھانے کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ خدمت اسلام کا ایک عظیم الشان کام اس کے سپرد ہے اور اس وقت تبلیغ اسلام کا کام کیا بلحاظ اسلامی مشنوں کے قیام کے اور کیا بلحاظ اعلیٰ درجہ کے مبلغین کے پیدا کرنے کے اور کیا بلحاظ اعلیٰ درجہ کا اسلامی لٹریچر پیدا کرنے کے یہ جماعت بہترین طریق پر کر رہی ہے۔ اور نہ صرف اسلام کی صحیح تعلیم کو دنیا میں پیش کر رہی ہے بلکہ مسیح موعود کی صحیح پوزیشن بھی اسی جماعت کے وجود سے قائم رہ سکتی ہے۔ **جماعت قادیان نے جو رنگ اختیار کیا ہے وہ دن بدن اسے اسلام سے دور اور ایک نیا مذہب قائم کرنے کی طرف لے جا رہا ہے۔**

دوم۔ جماعت میں اتحاد بڑھانے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اس کے لئے اکٹھا ہونے کے مختلف موقع پیدا کرنے چاہئیں۔ جمعہ کا قیام ہر جگہ ہونا ضروری ہے۔ جن مقامات پر ایک ایک دو دو آدمی ہیں انہیں اپنی تعداد بڑھانے کے لئے پوری قوت خرچ کرنی چاہئے۔ تاکہ جمعہ کا قیام ہو سکے۔ جمعہ کے علاوہ ہفتہ میں ایک دن اور کم از کم ایسا ہونا چاہئے جس میں احباب جمع ہوں اور سلسلہ کی بہتری کے لئے تجاویز سوچیں۔ علمی مسائل، جو تبلیغ اسلام اور توسیع جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، ان پر بحث ہو۔ علاوہ ازیں جہاں جہاں بڑی جماعتیں ہیں وہاں درس قرآن کریم کا انتظام ہونا چاہئے۔ خواہ احباب صرف قرآن کریم کو باترجمہ ہی اکٹھے ہو کر پڑھ لیں۔ یا کوئی شخص تفسیر بیان القرآن سے ہی کچھ مضمون بیان کر دے۔ کبھی کبھی حضرت مسیح موعود کی کتب کو بھی اسی طرح پڑھنا چاہئے۔ ان سے بھی علم اور نور ملتا ہے۔

اتحاد بڑھانے کا ایک اور ذریعہ ہے۔ جس کی طرف ہماری جماعت کو اب خصوصیت سے توجہ کرنی چاہئے۔ یعنی باہم ناطے اور رشتے کرنے چاہئیں۔ ایک برا میلان، جو ہماری جماعت میں کسی غلط فہمی سے پیدا ہو گیا ہے، یہ ہے کہ لڑکوں کے رشتے تو جماعت سے باہر کر لئے جاتے ہیں اور لڑکیوں کے

رشتے جماعت میں تلاش کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود نے جب جماعت کے اندر رشتے کرنے کے لئے ہدایت فرمائی تو لڑکوں اور لڑکیوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا بلکہ اس وجہ پر یہ ہدایت فرمائی تھی کہ ایک تو جماعت کے دوسرے لوگوں میں مخالفت کی وجہ سے تکلیفیں بہت پیش آتی ہیں۔ اور دوسرے جماعت کا استحکام یہ چاہتا تھا کہ آپس میں میل اور محبت بڑھانے کے جس قدر ذرائع ہیں ان سے کام لیا جائے۔ اس لئے وہ احباب، جو دل سے اس بات کے متمنی ہیں کہ یہ جماعت مستحکم ہو، ان کو حتی الامکان جماعت کے اندر رشتے تلاش کرنے چاہئیں۔ لڑکوں کے لئے بھی اور لڑکیوں کے لئے بھی۔ بلکہ لڑکیاں تو ہمارے ملک میں بہت کچھ معذور ہیں۔ لیکن لڑکوں کو، جو خود بھی خدا کے فضل سے اچھے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، خود بھی اس بات کا خیال ہونا چاہئے۔ اور انہیں اپنے والدین پر واضح کر دینا چاہئے کہ ان کے لئے جماعت کے اندر رشتہ تلاش کیا جائے۔ اور اگر ہر لڑکوں کے لئے رشتے باہر تلاش کئے جائیں گے۔ تو لڑکیوں کے رشتے کہاں سے ملیں گے؟ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی لڑکی کا رشتہ جماعت میں ہو تو پھر لڑکے کا رشتہ بھی جماعت میں ہی تلاش کرنا چاہئے۔ یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ آج جماعت میں اس ذریعہ سے اتحاد پیدا کرنے کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی حضرت مسیح موعود کے وقت میں تھی۔ کیا بلحاظ اس مخالفت کے جو جماعت کی ہو رہی ہے اور کیا بلحاظ اس ضرورت کے جو جماعت کو مستحکم کرنے کی ہے۔ جماعت میں رشتے کرنے سے میری مراد یہ ہے کہ جماعت لاہور حتی الوسع اپنے ہی اندر رشتے کریں۔ کوئی شرعی پابندی نہیں۔ مگر استحکام جماعت کے لئے نہایت ضروری ہے اور ہر جگہ احباب جماعت اس بات کو مدنظر رکھیں۔

سوم۔ تیسری بات جس کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ وہ ہمارا نظام چندہ ہے۔ انجمن کو جو آئے دن مالی مشکلات پیش آتی رہتی ہیں۔ اس کی وجہ صرف ایک ہی ہے کہ جماعت کے سب دوست باقاعدہ چندہ ادا نہیں کرتے۔ ایک وہ لوگ ہیں جو مطلق چندہ نہیں دیتے۔ ایسے لوگوں کا جماعت کے اندر وجود نہ رہنا چاہئے۔ مگر نہ اس طرح کہ انہیں جماعت سے نکال دیا جائے۔ گو حضرت مسیح موعود نے آخری علاج یہی لکھا ہےم بلکہ اس طرح کہ جماعت کے دوسرے دوست ان سے ملیں۔ اکیلے اکیلے یا دو دو تین تین اکٹھے ہو کر ملیں اور انہیں توجہ دلائیں کہ برائے نام جماعت میں شمولیت جماعت کو کمزور کرنے کا

موجب ہے۔ نئے آدمی جو اس طرح کی جماعت میں شامل ہوں گے، وہ بھی برائے نام ہی شامل ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود دنیا میں اس لئے آئے کہ ایک فوج حفاظت واشاعت اسلام کے لئے تیار کریں۔ وہ لوگ تو اس فوج میں شامل ہو سکتے ہیں جو اپنی زندگیاں اس کام کے لئے وقف کر دیں یا اپنے مالوں کا ایک حصہ اس راہ میں دیں۔ مگر وہ شخص اس فوج کا سپاہی نہیں ہوسکتا جو نہ اپنی جان کو اس کام میں لگا تا ہے اور نہ اپنے مال کو۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو چندہ دینے کا وعدہ کرتے ہیں لیکن اپنا ماہوار چندہ با قاعدہ ادا نہیں کرتے۔ اور جب بڑی رقم بقایا کی ہو جاتی ہے تو پھر وہ دینے کے قابل نہیں رہتے۔ گویا جو رقم خدا کے لئے مخصوص کی تھی وہ خود کھا گئے اور خدا کا حق کھانے والے بن گئے۔ جو بہت ہی بری بات ہے۔ گویا ایک گونہ خیانت ہے۔ میں نے سالانہ جلسہ پر جو احباب جمع تھے۔ ان سب سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ اپنا مقررہ چندہ وقت پر ادا کریں گے۔ اور اگر کوئی لینے والا نہ بھی آئے تو اس رقم کو الگ کر کے رکھ دیں گے کہ وہ خدا کا حق ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اجتماع عید پر ہر جگہ جماعت کے افراد سے یہ وعدہ لیا جائے کہ وہ آئندہ کے لئے اپنا کوئی بقایا نہ رہنے دیں گے۔ بلکہ اپنی مقرر کردہ رقم ماہوار ساتھ کے ساتھ ادا کرتے جائیں گے۔ صرف وہ لوگ جن کا گذارہ زمینوں پر ہے فصل کے موقعہ پر چندہ ادا کریں گے۔

نظام چندہ میں دو اور باتوں کی طرف بھی میں توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک ''ایک آنہ مستقل فنڈ'' ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب وسعت اصحاب جن کی آمدنی تین سو روپیہ ماہوار یا اس سے زیادہ ہے کم از کم ایک روپیہ ماہوار اور ایک سو اور تین سو کے درمیان آمدنی والے لوگ چار آنے ماہوار اور ایک سو سے کم آمدنی والے احباب صرف ایک آنہ ماہوار چندہ مستقل فنڈ کے لئے دیں۔ یہ کوئی بوجھ نہیں۔ لیکن اگر دس سال کے لئے بھی ساری جماعت اس پر عامل ہو جائے۔ تو مجھے کامل یقین ہے کہ دس سال کے بعد ہم انشاء اللہ کوئی نہایت ہی قیمتی کام کر سکیں گے۔ جس کے ساتھ جماعت کا اثر ایک وسیع دائرہ پر پھیل سکے گا۔ مثلاً ایک روزانہ اخبار ہی جاری ہوسکتا ہے۔

دوسرا بچت فنڈ ہے۔ افسوس ہے کہ اس کی طرف جماعت کی توجہ نہیں ہوئی۔ اور اب تک ایک سو روپے ماہوار کی آمد بھی اس کے ذریعہ سے نہیں ہوئی۔ ہمارے روزے رکھنے کا کیا فائدہ ہے۔ اگر ہم مہینہ میں تین چار دفعہ اس قدر تکلیف بھی خدا کے رستے میں نہیں اٹھا سکتے کہ اپنے کھانے کا خرچ معمول

سے کم کر دیں اور خشک روٹی پر گزارہ کر لیں۔ یا گوشت کی جگہ دال پر گزارہ کر لیں۔ آئندہ کے لئے بجائے تین دن مہینے کے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن مقرر کر دیا جائے اور یہ جمعرات کا دن ہو۔ جمعرات کے دن تمام احمدی اصحاب اپنے کھانے کا خرچ اس قدر کم کریں کہ نصف کے قریب قریب بچت ہو جائے اور وہ پیسے اسی وقت صندوقچی میں ڈال دیں۔

چہارم۔ چوتھی بات جس کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام احباب کو خدمت دین کے لئے کچھ نہ کچھ حرکت کرنی چاہئے۔ یعنی صرف چندہ کا دے دینا کافی نہ سمجھا جائے بلکہ اس کے علاوہ توسیع جماعت کی کوشش بھی ہو۔ اور ان مفید کاموں کے لئے جو یہ انجمن کر رہی ہے۔ دوسرے لوگوں سے کچھ ماہوار مقررہ امداد بھی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ خواہ ایک ایک یا دو دو آنے ہوں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جو لوگ اپنے مال اس راہ میں خرچ کریں گے۔ انہیں جماعت کے ساتھ ایک تعلق پیدا ہو جائے گا اور اس طرح شائد اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ ان کو یہ بھی توفیق دے دے کہ وہ جماعت کے اندر شامل ہو کر اس کے لئے پوری قوت کا موجب ہو سکیں۔

پنجم۔ پانچویں یہ کہ سلسلہ کے اخبارات پیغام صلح، لائٹ، مسلم ریوایول اور ینگ اسلام کی توسیع اشاعت کی کوشش کی جائے۔ جلسہ سالانہ پر بھی میں نے اس کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اگر ہمارا پریس مضبوط ہو جائے تو جماعت کو اس سے بہت کچھ تقویت پہنچ سکتی ہے۔ پیغام صلح کے متعلق میں بالخصوص کہوں گا۔ کیونکہ اس میں سلسلہ کے متعلق خبریں اور اہم امور ہوتے ہیں۔ جن سے ہر ایک فرد سلسلہ کا باخبر رہنا ضروری ہے۔

ششم۔ چھٹی بات یہ ہے کہ سب احباب جماعت یہ کوشش کریں کہ اپنے دلوں کے اندر سے ہر قسم کی کدورتوں کو، جو ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، صاف کر دیں۔ باہم محبت سے رہنا اس دنیا کی زندگی کو ایک جنت بنا دیتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ بغض وعناد رکھنے سے حاصل کچھ نہیں۔ بلکہ نقصان یہ ہوتا ہے کہ دلوں کے اندر ایک جلن رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے عبادت الٰہی میں بھی پورا حظ نہیں ملتا۔ اور اگر ایک دوسرے سے کچھ اختلاف ہو بھی تو اس اختلاف کو اتنی اہمیت نہ دی جائے کہ قومی کاموں کو نقصان پہنچے۔ اگر سال میں دو دفعہ عیدوں کے موقعوں پر بھی ہم اپنے دلوں کو کدورتوں سے صاف کر

دیا کریں تو ہمارے تعلقات انشاء اللہ بہت اچھے ہو جائیں۔ اور ہماری زندگی میں وہ راحت پیدا ہو جائے جس کو ہم چاہتے بھی ہیں۔ لیکن اپنی ہی غلطی کی وجہ سے اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔

جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی عزت افزائی: سالِ نو کے خطابات کی جو فہرست شائع ہوئی ہے اس میں ہمیں اپنے ایک بہت ہی عزیز و محترم دوست کا نام دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی ہے۔ یعنی جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن مانسہرہ کو خاں صاحب کا خطاب ملا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نہ صرف ہمارے سلسلہ کے ایک سرگرم رکن ہیں بلکہ ایک سعید الفطرت انسان اور ایک بااخلاق و ماہرفن طبیب میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں، وہ ان سب کا ایک قابلِ فخر مجموعہ ہیں۔ عرصہ ملازمت میں انہوں نے اپنے فرائض کو نہایت تن دہی اور خوبی سے انجام دیا ہے۔ اُن کے افسر اُن سے مطمئن اور پبلک بے حد خوش رہی ہے۔ ہم اس عزت افزائی پر ان کو اور اُن کے محترم خاندان کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اللہ کرے یہ عزت افزائی اُن کی آئندہ ترقیوں کا پیش خیمہ ثابت ہو۔

آج سے کچھ عرصہ قبل یہ خیال تھا کہ خطابات صرف حکام کے خوشامدیوں اور اُن لوگوں کو، جو اُن کے حصول کے لئے خاص طور پر جدوجہد کرتے ہیں، ملتے ہیں۔ پبلک کے خادموں اور جائز حق داروں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اب متعدد مثالیں ایسی موجود ہیں جو اس خیال میں تبدیلی کا تقاضا کرتی ہیں۔ جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کا خطاب بھی ایک ایسی ہی مثال ہے۔ جس پر ہم حکومت کو بھی مبارکباد دیتے ہیں۔

۞۞۞

5 جنوری 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

برادرانِ اسلام کی خدمت میں ایک درخواست

بدقسمتی سے آج مسلمانوں کا ہر کام اس نظام کی حالت کو چھوڑ چکا ہے جو نبی کریمؐ نے ضروری ٹھہرایا تھا اور مسلمانوں کی تمام قوت اور طاقت اور اُن کا روپیہ اور مال محض نظام کے ماتحت نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو رہا ہے۔ یہی حال صدقہ فطر کا ہے۔

حدیث بخاری میں ہے **عن ابن عمر فرض النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم صدقة الفطر اوقال رمضان علٰی الذکر والانثٰی والحرّو المملوک صاعًا من تمر او صاعاً من شعیر** . یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر یا صدقہ رمضان مرد اور عورت اور آزاد اور غلام سب پر فرض ٹھہرایا۔ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو اور بعض احادیث میں ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر بھی آتا ہے۔ بخاری میں ہی ایک بات ہے۔ **صدقة الفطر علی الصغیر و الکبیر** . صدقہ فطر چھوٹے اور بڑے سب پر ہے۔ اور یہی عملدرآمد صحابہؓ کا تھا کہ چھوٹے سے چھوٹے بچوں کی طرف سے بھی دیتے۔ صاع ایک حساب کی رو سے تقریباً 4 سیر اور ایک حساب کی رو سے تین سیر بنتا ہے۔ مگر مختلف اشیاء کے وزن کے لحاظ سے قیمتیں مختلف ہوں گی۔ آج کل کے نرخ کے لحاظ سے جو اور گندم کو ایک ہی حکم میں رکھ کر اس کا اندازہ قریباً تین آنے فی کس ہوگا۔

اسی حدیث کے آخر پر ہے **کانوا یعطون لِیجمع لا للُفقرآء** ۔ صدقہ فطر صحابہؓ اکٹھا کرنے کے لئے دیتے تھے۔ اپنے طور پر فقیروں کو نہ دیتے تھے۔

اور دوسری جگہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ ابوہریرہؓ کہتے ہیں **وکّلنی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم بحفظ زکوٰۃ رمضان** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سپرد یہ کام کیا تھا کہ میں صدقہ رمضان کی حفاظت کروں۔ جس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اسے جمع کرنے کا حکم دیتے تھے اور سارا مال ایک جگہ جمع ہو کر پھر حسب ضرورت تقسیم کیا جاتا تھا۔

اور حدیث ابن عمر ہے **کانوا یعطون قبل الفطر بیوم اویومین** ۔ یعنی یہ صدقہ عید سے

ایک یا دو دن پہلے ادا کر دیتے تھے۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ اس طرح نہ دیا جاتا تھا جس طرح آج مسلمانوں کی بدنظمی کی وجہ سے ہر ایک شخص جہاں چاہے دے چھوڑتا ہے۔ اس طرح الگ الگ اسے تقسیم کر دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ روپیہ ضائع ہو جاتا ہے۔ کچھ بھیک مانگنے والوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ اگر سنت نبوی کی پیروی کی جائے تو صدقہ فطر کو ایک جگہ جمع کر کے اس میں سے حسبِ ضرورت خرچ کرنا چاہئیے۔

غور کیا جائے تو مسلمان صدقہ فطر کے اس نظام کو توڑ کر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، اپنا روپیہ جو اُن کی قوم کے لئے عظیم الشان قوت کا موجب ہوسکتا ہے، برباد کر رہے ہیں۔ مثلاً لاہور کو ہی ہم لے لیں۔ اگر ایک لاکھ آدمی بھی صدقہ فطر ادا کرتا ہو تو اس کی میزان تیس ہزار ہوتی ہے۔ یہ تیس ہزار روپیہ اگر ایک جگہ آئے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا، تو کس قدر قومی کام اس سے نکل سکتے ہیں۔ کس قدر غرباء کی تعلیم کا انتظام ہوسکتا ہے۔ لیکن ہم اپنے ہاتھوں سے اس روپے کو برباد کر رہے ہیں اور اپنی قوم کو کمزور کر رہے ہیں۔ صرف ایک پنجاب کو ہی لے لو۔ اس کی نصف آبادی نہ سہی ایک تہائی بھی صدقہ ادا کرنے والی ہو اور یقیناً ہے تو ہر سال پنجاب کے مسلمان پندرہ، سولہ لاکھ روپیہ برباد کرتے ہیں۔ جس سے ایک یونیورسٹی بن سکتی ہے یا قوم کی عامہ حالت سدھر سکتی ہے۔ اس وقت مسلمانوں میں کتنی انجمنیں موجود ہیں۔ اگر مسلمان بھائی اپنے صدقہ فطر کو بجائے ادھر اُدھر پھینکنے کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کرنے کے ان انجمنوں کے سپرد کر دیں۔ جیسے مثلاً انجمن حمایت اسلام ہے یا انجمن اسلامیہ ہے یا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہے یا اور کوئی انجمن ہو تو وہ ان انجمنوں کی قوت کو بڑھا کر اپنی قوم کو کس قدر طاقتور بنا سکتے ہیں۔ مگر موجودہ حالت میں کیا ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی جیبوں سے روپیہ نکلتا بھی ہے اور اپنی طرف سے وہ ایک فریضہ ادا بھی کرتے ہیں، لیکن آدھا حکم مانتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا روپیہ بھی گیا اور حکم نبویؐ کی اصل غرض پوری نہ ہوئی۔ لہٰذا میری دردِ دل سے سب مسلمان بھائیوں کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے مال کو، جسے اللہ تعالیٰ نے قوم کی زندگی کا موجب بتایا ہے، ضائع ہونے سے بچائیں اور سنت نبویؐ کے مطابق اپنا روپیہ قومی ضروریات کے لئے کسی انجمن کے سپرد کریں۔ خاکسار محمد علی

❁❁❁

5 جنوری 1935ء

بہتان وافتراء پردازی

مولوی ظفر علی خان کو کھلا چیلنج

مولوی ظفر علی نے 24 نومبر کے ''زمیندار'' میں لکھا ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مریم صدیقہؑ پر زنا کا کھلا ہوا الزام لگایا ہے۔ یہ نرا بہتان ہے اور اس کے متعلق کوئی حوالہ اب تک مولوی ظفر علی نے پیش نہیں کیا۔ حضرت مرزا صاحب کا مذہب اس کے برخلاف یہ ہے کہ:

خلق عیسٰی من غیر اب بالقدرۃ المجردۃ (مواہب الرحمٰن صفحہ 70)

حضرت عیسٰیؑ کو بغیر باپ کے صرف اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ ہم قرآن شریف کی رو سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ حمل محض خدا کی قدرت سے تھا (چشمہ مسیحی صفحہ 18)

مولوی ظفر علی نے باوجود بار بار کے مطالبات کے اب تک کوئی حوالہ پیش نہیں کیا۔ مگر اپنے اخبار 16 دسمبر میں اسی بہتان کا اعادہ کرتے ہوئے حضرت مرزا صاحب کی ایک عبارت کا حوالہ دیا ہے جو اس کا محض افتراء ہے اور حضرت مرزا صاحب کی عبارت کو بدل کر کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔

مولوی ظفر علی کا افتراء مندرجہ ''زمیندار''	حضرت مرزا صاحب کی اصل عبارت (ایام صلح صفحہ 66)
پانچواں قرینہ اس بات پر کہ قوم افغان یہودی الاصل ہے اور ان دونوں قوم افغان اور یہودی کے عادات آپس میں ملتی ہیں مثلاً سگائی اور نکاح میں فرق نہ کرنا یعنی بعض افغان قوموں میں نسبت کے بعد لڑکا لڑکی اس قدر غلط ملط ہو جاتے ہیں کہ اکثر اوقات نکاح سے پہلے ہی لڑکیوں کو حمل ہو جاتا ہے۔ یہی رسم یہود میں تھی دیکھو مریم صدیقہ اپنے منسوب یوسف کے ساتھ	پانچواں قرینہ ان کے وہ رسوم ہیں جو یہودیوں سے بہت ملتے ہیں۔ مثلاً ان کے بعض قبائل ناطہ اور نکاح میں کچھ چنداں فرق نہیں سمجھتے اور عورتیں اپنے منسوب سے بلا تکلف ملتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں۔ حضرت مریمؑ صدیقہ کا اپنے منسوب یوسف کے ساتھ قبل نکاح کے پھرنا اسی اسرائیلی رسم پر پختہ شہادت ہے۔ مگر خوانین سرحدی کے بعض قبائل میں یہ مماثلت عورتوں کی

گھر سے باہر چکر لگایا کرتی تھی۔ اپنے منسوبوں سے حد سے زیادہ ہوتی ہے۔ حتّٰی کہ بعض اوقات نکاح سے پہلے حمل بھی ہو جاتا ہے۔

بفرض محال اگر حضرت مرزا صاحب اس بات کے قائل ہوتے کہ حضرت مریمؑ کو منگنی کے بعد یوسف سے حمل ہو گیا تھا جیسا کہ سرسید مرحوم نے لکھا ہے تو بھی یہ ’’زنا کا کھلا ہوا الزام‘‘ نہیں۔ کیونکہ یہودیوں میں منگنی نکاح کی طرح ہی تھی۔ لیکن وہ تو اس حمل کے قدرتِ خداوندی سے ہونے کے قائل ہیں۔ مولوی ظفر علی کی یہ تحریف، جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت مرزا صاحب حضرت مریم صدیقہ کے قبل نکاح یوسف سے حاملہ ہونے کے قائل ہیں، خطرناک بددیانتی ہے۔ اور ہم اسے یہ چیلنج کرتے ہیں کہ وہ 1۔ حضرت مرزا صاحب کی وہ عبارت نقل کرے جس میں حضرت مریم صدیقہ پر زنا کا کھلا ہوا الزام ہے 2۔ وہ کتاب ایام الصلح پیش کرے جس میں وہ عبارت موجود ہے جو اس نے زمیندار میں درج کی ہے اور اپنے اس بیان پر تین ریٹائرڈ سیشن ججوں کے دستخط بطور تصدیق کرادے۔ یعنی حاجی رحیم بخش صاحب، شیخ انعام علی صاحب، شیخ امیر علی صاحب کہ انہوں نے ان دونوں امور کے متعلق اپنا اطمینان کر لیا ہے اور مولوی ظفر علی ان دونوں باتوں میں سچا ہے۔ اور اگر یہ نہیں کر سکتا تو اپنی روسیاہی کا ایک پوسٹر شائع کر دے کہ میں صرف لوگوں سے روپیہ بٹورنے کے لئے یہ افتراء پردازیاں کر رہا ہوں اور ایمانداری سے مجھے روٹی نہیں ملتی۔

المشتہر: سیکرٹری

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

11 جنوری 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

سپین مشن کے لئے نئی قربانی

اللہ تعالیٰ کی نصرت کے دروازے کھلتے ہیں تو انسان کے وہم وگمان سے بڑھ کر کامیابی کے راستے کھل جاتے ہیں۔ جرمن مشن کا بوجھ ہماری جماعت پر اس قدر تھا کہ جب سال گذشتہ سپین مشن کے لئے تحریک شروع ہوئی تو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ہم جلدی کوئی اور بوجھ اس قسم کا اٹھانے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ آواز ایک دردمند دل سے اٹھی تھی، اس لئے اخبار ''لائٹ'' کے ذریعہ سے دلوں پر اثر کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ سال 1934ء کے آخر پر تین ہزار روپے سے اوپر اس کام کے لئے جمع ہو گیا۔ اس عید کے موقعہ پر میں نے تحریک کی تھی کہ ہماری جماعت کا کوئی فرد اس مشن میں حصہ لینے سے خالی نہ رہے اور مجھے خدا کے فضل سے یہ توقع ہے کہ جماعت اس پر لبیک کہے گی۔ صرف جماعت لاہور سے اس موقع پر پونے تین سو روپیہ سپین مشن کے لئے وصول ہو گیا۔ جس میں ہماری جماعت کے مرد عورتیں اور بچے سب شامل تھے۔ عید فنڈ اور فطرانہ کی رقم شامل کر کے اس جماعت نے جو ابھی جلسہ سالانہ کے اخراجات اور چندوں میں کافی سے بڑھ کر حصہ لے چکی تھی، پانچ سو روپے سے اوپر عید کے موقع پر چندہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جزائے خیر دے۔

لیکن اس سے بڑھ کر جو دل خوش کن بات ہے اور جس نے ہماری عید میں دوہری خوشی کا سامان پیدا کر دیا وہ یہ ہے کہ ابھی ہم تو مالی رنگ میں ہی مشن کے فکر میں تھے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کے ایک نوجوان نے وہ نمونہ ایثار کا دکھایا۔ جو آج مسلمانوں میں شاذ و نادر ملتا ہے۔ یعنی ہمارے محترم دوست سید امجد علی شاہ صاحب کے نوجوان صاحبزادہ سید اسلم علی شاہ نے جو میڈیکل کالج کی آخری کلاس میں تعلیم پا رہے ہیں، اپنے آپ کو ہسپانیہ کی روحانی فتح کے لئے بطور والنٹیئر پیش کر دیا۔ یہ ایثار اس لحاظ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہے کہ سید اسلم علی شاہ اور ان کے والد محترم سید امجد علی شاہ صاحب دونوں یہ چاہتے ہیں کہ اس نوجوان کا کوئی خرچ انجمن پر نہ پڑے۔ میری بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نوجوان کے لئے ایسے راستے کھول دے کہ ان کی گزر اوقات کا سامان بھی پیدا ہو جائے اور اس کے

ساتھ ہی وہ ہسپانیہ کے پہلے آنریری مبلغ بھی بن سکیں۔ بیٹے اور باپ کی خط وکتابت جو اس معاملہ میں ہوئی ہے وہ احباب کی آگاہی کے لئے درج اخبار کی جاتی ہے۔ خط وکتابت اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔ دونوں کے نیک ارادے اور پاک ولولے جماعت کے لئے ایک نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ باپ اور بیٹے دونوں کی عمر میں برکت دے۔ دونوں کو پہلے سے بڑھ کر خدمات دینی کی توفیق دے اور جماعت کے دوسرے بزرگوں کے دلوں میں یہی تڑپ اور نوجوانوں کے دلوں میں یہی ولولے پیدا کرے۔ آمین

محمد علی

سپین عید کارڈ: (اخبار انقلاب کا ریویو)

اس عید کارڈ میں فتح ہسپانیہ کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔ جس میں جبل الطارق کے مقام پر مسلم جرنیل طارق اپنی کشتیوں کے بیڑے کو سپرد آتش کر رہے ہیں۔ دوسرے صفحہ پر مسلمانوں کو ترغیب دلائی گئی ہے کہ وہ اس سرزمین کو جو آٹھ برس تک اُن کے زیر نگین رہی اور اُن کے عدیم المثال تمدن وتہذیب کا گہوارہ بنی ایک مرتبہ پھر فتح کریں۔ اگر پہلی فتح شجاعت وطاقت کے ذریعہ ایک مکمل فتح تھی۔ تو اس وقت مسلمانوں کو ہسپانیہ پر روحانی فتح حاصل کرنی چاہئیے۔ بالفاظ دیگر سپین میں ایک اسلامی مشن قائم کر کے اُن لوگوں کو قرآنِ مجید اور اسلام کا پیغام پہنچایا جائے۔ اور ایک مرتبہ پھر ان لوگوں کو جن کے آباواجداد مسلمان تھے۔ حلقہ بگوش اسلام کر کے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل کیا جائے۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے سپین میں ایک اسلامی مشن کھولنے کی تجویز کر لی ہے۔ جس کے لئے چندہ جمع ہو رہا ہے۔ اور تین ہزار روپے سے زیادہ رقم جمع ہو چکی ہے۔ مسلمان عیدین کے موقع پر لاکھوں کی تعداد ولایتی عید کارڈ خرید کر اپنے دوستوں کو بھیجتے ہیں۔۔۔ عید کارڈ اس غرض سے تیار کئے ہیں کہ اُن کی فروخت سے کچھ رقم جمع کر کے سپین مشن کے فنڈ کو مضبوط کیا جائے۔ اور اس کار خیر میں مسلمانوں کو شریک ہونے کا موقع دیا جائے۔ کارڈ کی قیمت صرف دو آنے ہے۔ جو دوسرے کارڈوں کے مقابلے میں بالکل معمولی ہے۔ دفتر اخبار ''لائٹ'' لاہور سے طلب کیجئے۔

11 جنوری 1935ء

ایثار پیشہ و قابلِ فخر باپ بیٹا

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مضمون میں سید امجد علی شاہ صاحب اور ان کے صاحبزادے سید اسلم علی شاہ میڈیکل سٹوڈنٹ کے مابین جس خط و کتابت کا ذکر کیا ہے، وہ درج ذیل کی جاتی ہے۔ مدیر

لاہور 3 جنوری 1935ء

قبلہ ام جناب والد صاحب بزرگوار سلامت دام اقبالہ،

السلام علیکم۔ علاوہ اور چند ضروری باتوں کے ایک بہت اہم بات کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس بات کا اظہار تنگ دلی اور عزیز و اقارب سے بے پروائی کا انحصار ہوگا۔ مگر پھر بھی حکم قرآنی کو افضل خیال کر کے اس ''گستاخی'' کا مرتکب ہوں۔ یعنی جس چیز کو آج تک آپ نے اپنا محبوب سمجھا ہے اور جسے دین و دنیا کی بہتری پر مقدم کیا ہے، اس کے لئے میں بھی بیعت میں کشش پاتا ہوں۔

اس چھوٹی سی تمہید کے بعد میں آپ کو ایک ''غمگین کن خوشی'' دینے کا انتظار دلانا چاہتا ہوں۔ یعنی میں سپین مشن کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں۔ خدا استقامت بخشے۔ جس دن سے میں نے وہ کارڈ (سپین عید کارڈ) دیکھا ہے۔ اس دن سے میں اپنی طبیعت میں ایک خوشی اور ہیجان پاتا ہوں۔ اور مجھے اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ میں اسی مقصد کے لئے پیدا ہوا ہوں۔

مجھے جس دن سے ہوش آیا ہے، اسی دن سے ایک خیال میرے دل میں جاگزین تھا۔ جب کبھی میں کوئی رذیل شرارت کرنے لگتا تو ضمیر اندر سے آواز دیتا تھا کہ کسی دن تیری سوانح حیات کوئی لکھے گا تو اس میں یہ دھبہ رہے گا، تو میں رک جاتا تھا۔ اور یہاں آنے کے بعد میں نے دنیا کے ہر پہلو پر نظر دوڑائی اور یہاں ہر قسم کی زندگیوں کو دیکھا۔ لیکن کہیں طبیعت کی مناسبت نہ ہوئی۔ آج مجھے خداوند کریم نے میری کامیابی کا راستہ نمایاں طور پر دکھا دیا ہے۔ جب سپین جانے کا خیال میرے دل میں آتا ہے تو جس قسم کی لہر میرے چہرے پر دوڑ جاتی ہے اس کا بیان کاغذ پر لکھنا از حد مشکل ہے۔

مجھے آج تک اپنے کام میں کبھی راحت نہ ہوتی تھی۔ لیکن سپین کے خیال سے ایک ایسی خوشی

حاصل ہوتی ہے جو ایک دلہا بننے والے نو جوان کو اپنا سامان شادی دیکھ کر ہوتی ہے۔اس عظیم مہم کے لئے میرا چھوٹا سا دماغ جو فیصلہ کر سکا وہ یہ ہے کہ پہلے انتہائی کوشش جلد سے جلد کالج کی تعلیم ختم کرنے کی جائے گی اور اس کے بعد 1936ء تعلیم قرآن اور اس کے لوازمات کے حصول میں خرچ کیا جائے گا اور 1937ء کے شروع سے 1939ء کے اختتام تک میرا ہر منٹ سپین کی تیاری میں صرف ہو۔اور بہر حال بفضل خدا 1939ء کے اختتام تک خادم دین اسلام کا پرچم ہاتھ میں لئے ہوئے، قرآن کی تلوار کھینچے ہوئے اور سیرت کا جنت لئے ہوئے کفر والحاد کے خلاف جنگ کرنے کے لئے سپین کی سرزمین کو اپنے خون میں رنگین کرنے کے لئے اس دور افتادہ سرزمین میں صف آراء ہوگا۔میرے خیال میں بیوقوف ہے وہ انسان جو خدا کی رحمت لیتے وقت لبیک نہ کہے۔میں یہ جانتا ہوں کہ یہ کام سہل نہیں، ہزاروں دشواریوں سے پُر ہے۔

1۔ممکن ہے،شہزادہ لطیف والا نیک انجام میرا بھی ہو۔اس سے بہتر اس دنیا سے حاصل نہیں۔

2۔ممکن ہے کہ ساری عمر جیل کی ہوا کھانی پڑے۔یہ بھی عین راحت ہوگی۔کیونکہ میں نے اپنی زندگی آپ کے منشاء کے مطابق کبھی سہل بنانے کی کوشش نہیں کی۔

3۔ممکن ہے کہ ساری عمر کی چیخ و پکار سے ایک اینٹ بھی اس راستہ میں نہ رکھ سکوں۔

4۔یہ بھی ممکن ہے کہ میں ہی ڈگمگا جاؤں۔

جہاں یہ باتیں ممکن ہیں، وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ منشاء ایزدی میں آپ کی دعاؤں کی بدولت مجھے طارق ثانی کے نام نامی کا سزاوار بنانا مقصود ہو۔آمین۔مجھے آپ اجازت بخشیں کہ میں اس ارادہ کو اپنے محرک دل میں جاگزین کروں جس جگہ پر لفظ منٹ کے لئے لکھا جاتا ہے۔کیونکہ انسانی زندگی اتفاقات کی بنی ہوئی ہے۔اور آج ایک خیال آتا ہے۔کل مٹ جاتا ہے۔لیکن آپ اجازت بخشیں کہ میں اسے مشتہر کروں۔تاکہ بزرگوں اور دوستوں اور عزیزوں واقارب کے تکرار سے یہ نیک ارادہ گہرے حروف میں کھُد جائے۔اور مصائب کا پانی اسے مٹا نہ سکے۔کیونکہ صرف تکرار سے ہی چیزیں ثبات پکڑتی ہیں۔

گو اس وقت مجھے ایک سو دو درجہ کا بخار ہے۔لیکن پھر بھی اس خط کو لکھتے وقت آپ اگر میری

حالت دیکھیں تو ضرور اجازت دے دیں۔آپ مجھے عید سے پہلے اجازت دے دیں۔تا کہ عید کے موقع پر میں ہر عید کارڈ کے ساتھ اس ارادہ کا اظہار کروں اور لوگ اپنی رائیں اس پر دیں تا کہ یہ ارادہ حد ایمان تک پہنچے۔اگر ہم اپنے اصل کی طرف دیکھیں تو حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کا خون ابھی تک ہماری رگوں میں رواں ہے۔اور حضرت امام حسینؓ کی قربانی کا نقشہ ابھی تک اس دل کی تختی پر منقش ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کی بے نیازی اور علم زہد وتقوٰی کا خیال ابھی تک اس بھول جانے والے دماغ نے بھلایا نہیں۔ہمارا ضمیر کسی ذلیل مٹی سے نہیں بنا۔ہندوستان کی سرزمین میں آنے کے بعد سید خیرات کی روٹی کے لئے ہی رہ گیا۔لیکن اب تک ہمارا پیٹ اس آگ سے بھی پاک ہے۔آج تک ہم نے دین کو تعلقات زندگی، مال ودولت سب پر مقدم کیا ہے۔اجازت دیں کہ میں بھی اس نیک رشتہ میں منسلک ہو جاؤں جس میں آپ ہیں۔میں یہ جانتا ہوں کہ ہر کار خیر کے لئے صدہا مصائب انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔یہ کام خوان نعمانہ ہوگا اور ہزاروں ناکامیاں پیش آئیں گی۔لیکن ناکامیوں سے،انسان انسان بنتا ہے اور پیہم کامیابی اور راحت،عناصر پرستی اور بزدلی پیدا کرتی ہے۔

سپین کی فتح کا خیال میرے لئے ایسا ہی ہے جیسے ایک بچہ کے لئے رستم سے پنجہ کرنے کا۔ لیکن بلند ارادوں سے ہی بلند پروازی کی قوت پیدا ہوتی ہے۔میرا ایمان ہے کہ ذرائع کے سوا انسان کچھ نہیں کرسکتا۔اس لئے میں اس کام کے لئے ذرائع اور اسباب مہیا کروں گا۔پیشتر اس کے کہ میں اپنے آپ کو بازار میں پھینک دوں،تا کہ لوگ مجھ پر قیمت لگائیں، میں اس کام کی تکمیل کے لئے حتی الامکان انجمن سے بے نیاز رہوں گا۔اپنا شکم اپنے ہاتھ کی کمائی ہوئی سوکھی روٹی سے بھروں گا اور اگر زاد سفر نہ ہوگا تو پیادہ پا یا جس طرح بھی اور صورت ہوگی، بہر حال حتی الامکان میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر اس کام کو ہاتھ میں لوں گا۔چاہے انجمن مجھے نامزد کرے، یا نہ کرے میں بفضل خدا آپ کی اجازت کے بعد کسی چیز کو رکاوٹ خیال نہ کروں گا۔میرا مقصد اس خط سے یہ نہیں کہ انجمن کے اراکین کی رائے زنی کے لئے مجھے آپ بے نقاب کر دیں۔کیونکہ ابھی تک اس دھونکنی میں سوائے ہوا کے کچھ نہیں۔میں یہ نہیں چاہتا کہ یہیں سے میرا دماغ سہارے کی تلاش شروع کر دے۔کیونکہ پست ہمتی سے یہ کار خیر سرانجام نہ ہوگا۔آپ کو یہ خیال نہ آئے کہ میں اس خیال کے سبز باغ دیکھ کر ایک جھوٹی عزت کے لئے کھویا گیا

ہوں۔ میں نے آج تک دوسروں کی رائے کو اپنے متعلق کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔ میں از حد استقلال اور بردباری اور تحمل اور صبر سے اس خدا کی ذات سے اس کام کی تکمیل کے لئے توفیق چاہوں گا۔

میں اب آج سے ہی اپنی تمام کوششیں کالج کی پڑھائی پر صرف کروں گا اور کوئی اور کتاب نہ پڑھوں گا جب تک پاس نہ ہو جاؤں گا۔ دعا کریں خداوند کریم کامیابی بخشے۔ اور اس کے بعد پھر التجا کرتا ہوں کہ اجازت بخشیں اس نیک کام کی۔ اور دعا کریں کہ خداوند کریم استقامت اور کامیابی بخشے اور آئندہ عموماً اس کا ذکر کرتے رہیں تا کہ یہ ارادہ حد ایمان تک پہنچے۔ آمین۔

میں دعا کی درخواست پر اس خط کو ختم کرتا ہوں۔ دعا کریں کہ خداوند کریم اپنی رحمت سے اس عظیم الشان کام کے لئے اس حقیر مٹی کے ڈھیر کو، جو ابھی انسان کہلانے کا اہل نہیں، چن لے۔ آمین میں ان دقتوں کو، جن پر آپ کی نظر ہوگی، سوچ چکا ہوں۔ لیکن قربانی کے سوا اس دنیا سے کچھ حاصل کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ دعا کریں کہ وہ وقت خدا قریب لائے جس دن آپ مجھے اپنی دعاؤں کے ساتھ اس سرزمین کے لئے رخصت کریں۔ آمین آپ کا پیارا بیٹا اسلم

☆☆☆

سید امجد علی شاہ صاحب کا جواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

عزیزم اسلم سلمہ اللہ تعالیٰ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تمہارا خط ملا۔ اس دنیا کا وہ قانون، جس میں کوئی استثنا نہیں، ''موت'' ہے۔ **کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ**. ہر ایک چیز یا نفس کا کسی چیز یا نفس سے تعلق یقیناً بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا قانون، جو ہر جگہ حاوی ہے، وہ یہ ہے کہ موت کا کوئی وقت نہیں۔ اور ہم تو اب درحقیقت اپنی زندگی گزار چکے۔ قوٰی میں ضعف آنا شروع ہو گیا۔ اعضاء نے یکے بعد دیگرے جواب دینا شروع کر دیا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ موت وارد ہو چکی۔ ہاں تکمیل باقی ہے۔ منشاء الٰہی کا علم نہیں۔ وہ شاید کتنا لمبا عرصہ یہاں رکھنا پسند فرمائے۔ تو وہ عرصہ، خواہ کتنا ہی لمبا ہو، بہر حال متاع قلیل ہے۔ یہ حقیقت وہ ہے جو ہر کافر و مسلم کے سامنے ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

اس کے علاوہ ایک تیسرا قانون، جو ان دونوں سے زیادہ یقینی ہے، مگر اس کو دیکھنے اور کہنے کے لئے ایک اور نظر بصیرت درکار ہے، وہ ''حیات بعد الموت'' ہے۔ اور اس تمام گورکھ دھندے کو بنانے اور چلانے والا ہمیں واضح طور پر بتاتا ہے کہ جو تعلقات اس دنیا میں نیکی اور صلاحیت پر مبنی ہوں گے وہ آئندہ نہ ختم ہونے والی زندگی میں قائم رہیں گے۔ اس کے بعد اپنے واقعات کو لو۔ گو محبت صرف اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہئیے۔ اور باقی ہر جگہ سلوک، خواہ وہ محبت کا ہو یا کسی اور طرح کا، اسی کے حکم کی تعمیل اور رضا جوئی کے لئے ہونا چاہئیے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہماری بشریت چل کس طرح رہی ہے۔ جس قدر میں نے عمر خرچ کی اس سے جو کچھ حاصل کیا اس کا جزو کثیر تمہاری زندگی کی بہتری اور آرام کے حصول میں لگا دیا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ میں نے اپنی استطاعت کے مطابق تمہاری کسی خواہش کو، جو تمہاری عاقبت یا دنیا پر برا اثر ڈالنے والی نہ ہو، کبھی رد نہیں کیا۔ یہ میں نے اس امر کے اظہار کے لئے لکھا ہے کہ میرا دل ان جذبات سے خالی نہیں جو باپ کو بیٹے کے متعلق ہو سکتے ہیں۔ اور اس میں تعلق اور علیحدگی کا احساس بھی اسی اندازہ سے ہونا چاہئیے۔ جب یہ صورت ہے تو وہ کون باپ ہوگا جو چند روزہ محبت کو مقدم کر کے دائمی مفارقت کو گوارا کرے۔ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں مجھے ایمان زیادہ سے زیادہ مضبوط عطا فرمائے۔ اس دنیا میں آ کر چند دن آگے اور چند دن پیچھے مر جانے کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا۔ جس طرح میں اپنی دنیوی ضرورت کے لئے اپنے اہل وعیال اور عزیز واقارب کو چھوڑ کر یہاں بیٹھا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ ضرورت کے ماتحت ایک عارضی علیحدگی ہے، ہم پھر جلد اکٹھے ہو جائیں گے، یہ ہماری کمزوری بشری ہے کہ ہم اس میں رنج کھاتے ہیں اور یہ بشری کمزوری اللہ تعالیٰ نے بشر کی فطرت میں رکھی ہے۔ جو اپنی حد کے اندر ہو تو رضاء الٰہی اور ابدی زندگی کا ذریعہ بنتی ہے۔ میرے دل میں یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ تمہاری اس دنیا میں جوانی یا کمائی کو اپنا سہارا بناؤں۔ اس شرک سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بچایا اور وہ خود میری ضروریات کا کفیل رہا اور انشاء اللہ رہے گا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان کو دنیاوی تنگی آ بھی جائے تو ایک بیماری کی طرح ختم ہو جانے والی چیز ہے۔ آخر زندگی ہی کتنی ہے جس کے ساتھ وہ تکلیف وابستہ رہ سکتی ہے!

باقی رہی یہ خواہش ہو سکتی ہے کہ اولاد آنکھوں کے سامنے رہے اور ہم اس کی خوشیوں کو دیکھ کر خوش ہوں۔ تو اس پر میں اپنے آپ سے پوچھتا ہوں کہ کتنے دن کن قوی اور کس زندگی اور کس سانس کے بھروسہ پر! پس میرے عزیز تمہاری اس مفارقت کو، جو گو اس دنیا کے لوگوں کی نظروں میں دائمی ہو، لیکن حقیقتاً ابدی زندگی حاصل کرنے کے لئے ہو، اس خوشی کی نگاہ سے دیکھتا ہوں جس خوشی سے ایک باپ اپنے بیٹے کو صبح کسی ایسے کام پر روانہ کرتا ہے جس سے اسے امید ہے کہ شام کو یہ ہزاروں لاکھوں روپیہ لے کر میرے پاس واپس آجائے گا۔ میں نے کتنے سانس اور لینے ہیں کہ ان میں تم کو سامنے رکھنے کے لئے تمہاری ابدی زندگی اور اپنی عاقبت کو خراب کروں۔ تمہاری یہ خواہش میری وہ تمنا ہے جو ہمیشہ ایک مقصد کے رنگ میں میرے دل میں رہی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہمتوں میں بلندی، ارادوں میں مضبوطی اور کوششوں میں برکات عطا فرمائے۔ آمین

یہ جواب ہے میرا تمہارے خط کے لحاظ سے۔ لیکن یہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ اس کے کچھ اور پہلو بھی ہیں۔ جن کو مدنظر رکھنے کے بغیر کوئی فلاح انسان حاصل نہیں کر سکتا۔ ان میں سب سے افضل یہ ہے کہ کبھی اپنی کوشش پر امید مت رکھو۔ اگر تم کسی بہت بڑی کامیابی کی امید لگا کر کسی کام کا ارادہ کرو تو یہ شرک ہے۔ اگر تم اپنے آپ میں حضرت امام حسینؓ کی مثال کی تقلید کی توفیق اللہ تعالیٰ سے پانے کی دعا اور امید کرتے ہو تو ایسے کام کا ارادہ کرو۔ ورنہ مت نام لو۔ کیونکہ اس شرک کے نتیجہ میں فطری ناکامیاں انسان کے لئے سخت ٹھوکر کا باعث بنتی ہیں۔ صرف فرض ادا کر کے اپنے اصل میں ملنے کا خیال ہو اور بس۔ فَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا اِنۡ عَلَیۡکَ اِلَّا الۡبَلٰغُ (48:42) کا پیغام افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جاتا ہے۔

دوسرا امر، جس کو میں اجازت کی شرط کے طور پر پیش کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ تمہاری والدہ کا حق تم پر مجھ سے بہت زیادہ ہے۔ اور تم نے اپنے خط میں کچھ نہیں لکھا کہ مجھے یہ خط ان کی اجازت لے کر لکھا یا نہیں۔ میں حضرت مولانا نور الدینؒ کو بہت بڑا روحانی زندگی کا مالک سمجھتا ہوں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب روم اور روس یا یونان کی لڑائی شروع ہوئی میں نوجوان تھا۔ میں نے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ ہم اتنے بھائی ہیں آپ مجھے اجازت دے دیں کہ میں خدا تعالیٰ کے راستہ میں

اس جہاد میں شریک ہو جاؤں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جب میں مروں گی تو کیا تم میرے جنازے پر بھی نہ ہو گے اور اجازت نہ فرمائی (آپ کی والدہ بڑی خدا پرست بزرگ تھیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے توحید والدہ کی گود میں سیکھی۔ لیکن یہ بشری کمزوری تھی) چنانچہ آپ صرف اس لئے، کہ والدہ نے اجازت نہ دی، اتنے بلند ارادہ سے رک گئے۔ لیکن اس اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اتنا قبول فرمایا کہ آپ کو اس جہاد کی توفیق دی جو اس جہاد سے بدرجہا افضل تھا۔ ہاں! تو آپ فرمایا کرتے کہ والدہ کی اجازت نہ دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں ہمارے حالات ہی اس قسم کے ہو گئے کہ والدہ جب فوت ہوئیں تو ان کا کوئی بیٹا بھی جنازہ میں شریک نہ تھا۔ بہرحال یہ اپنا اپنا فرض ہے۔ تم اپنے فرض کو اسی سنت کی پیروی میں مدنظر رکھو۔ مجھے امید ہے کہ وہ تمہیں اس نیک کام کی اجازت دینے میں دریغ نہیں کریں گی۔ اور وہ میرے ساتھ اس خیال میں شرکت کریں گی کہ ہماری عمر ہی کتنی ہے۔ اگر ہم مر گئے تو ہمارے لئے تمہارا چلا جانا بے معنی ہے۔ اگر زندہ رہے اور تم نے اللہ کے راستہ میں کچھ کام کئے تو یہ اس دنیا میں بھی ہماری خوشی اور تقویت کا باعث ہوں گے اور اس طرح خدا کے راستے میں پھلتے پھولتے معلوم کرنے کی خوشی اس ظاہری آنکھ سے دیکھتے رہنے سے بدرجہا زیادہ ہو گی۔ اور ظاہر دیکھنے کا بھروسہ ہی کیا ہے!

عزیزہ سلمہ کے خط میں فقرہ تھا۔ جس میں اس نے تمہارے ارادہ کی طرف اشارہ کیا اور لکھا کہ خدا ثابت قدم رکھے اور اس نیک ارادے میں کامیاب کرے۔ مجھے اس جذبہ سے خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے بھی اپنی عاقبت سنوارنے کے مواقع اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ آمین۔ اس سے مجھے یہ خیال تو ہوا کہ تم نے اپنی والدہ سے ذکر کر لیا ہے لیکن حصول اجازت کے متعلق تم نے لکھا نہیں۔ ان سے اجازت لو۔

دوسری شرط اجازت کی یہ ہے کہ نظام کے ماتحت کام کرنے کا عہد کرو۔ اور بعض اختلاف طبائع یا اختلاف رائے کی بنا پر بزرگان سلسلہ کی رائے کی تحقیر نہ کرو۔ اور اپنی رائے کو سب پر مقدم نہ کرو۔ یہ میں نہیں کہتا۔ یہ اصول قرآن کریم کا سکھایا ہوا ہے۔ جس کے بغیر کسی کام میں برکت نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں معصوم انسان اتنے کمیاب ہوتے ہیں کہ نایاب کہہ سکتے ہیں۔ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی پہلو بشری کمزوری

کا ہوتا ہے۔ لیکن کوئی پہلو نہایت بلند پایہ قابل تقلید و حصول ہوتا ہے۔ اور اس قابل ہوتا ہے کہ انسان اس کی روشنی سے اپنے دل کو روشن کرے۔ کمزوری کو دیکھنے والی نکتہ چین نگاہ ہمیشہ اس نور سے محروم رہ جاتی ہے اور جب نکتہ چینی کی عادت ہو جائے تو انسان کہیں سے بھی کوئی فیض نہیں پا سکتا۔

کام کے متعلق قرآن کریم کے مندرجہ ذیل ارشاد کو علیحدہ لکھ کر رکھ لو اور اس کے مطابق اپنی طبیعت بناؤ

فَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَىْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَاعِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَامَاغَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّارَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ.

(38-36:42) جو کوئی چیز تم کو دی گئی ہے وہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور جو لوگ بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب غصہ میں آئیں تو معاف کر دیتے ہیں اور جو اپنے رب کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور ان کا امر آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے اور اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا خرچ کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ جماعت اور اطاعت امیر دو چیزوں کی اطاعت کی سخت تاکید فرمائی اور حکم دیا کہ امیر کی اطاعت کرو۔ خواہ وہ گنجے سر والا حبشی ہو۔ حکم دیا، سفر میں دو آدمی ہوں تو اپنا ایک امیر مقرر کر لو۔ ہمارا امیر تو خدا کے فضل سے اس وقت دنیا کا بہترین خدا ترس انسان ہے۔ آنے والی نسلیں ان کے نام سے برکت ڈھونڈیں گی۔ آج ہمیں ان کی توجہ اور دعاؤں سے فائدہ حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہیں اور ہم اس کی قدر نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ پیری کے مدعی نہیں۔ خوب یاد رکھو یہ اطاعت، اطاعت اولوا الامر ہے۔ جس کی قرآن تاکید فرماتا ہے۔ اطاعت نہ کرنے والا اور ہر چیز کو اپنی عقل کے ترازو میں تولنے والا محروم رہ جاتا ہے۔ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے یہ حقائق اپنی کتاب میں اس کے سامنے رکھ دیئے جو انبیاءؑ سابق کی نظر سے بھی پوشیدہ تھے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر (عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ (65:18) بالفاظ قرآن) کے واقعہ سے عبرت پکڑو اور عقل کا غرور سب سے بڑا شیطان ہے۔ اس سے ہمیشہ اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ اللہ تعالیٰ حامی و ناصر ہو۔ جماعت کے اندر ایسے نمونے تم کو مل

جائیں گے۔ اگر نظر عمیق سے دیکھو کہ چھوٹی چھوٹی ہستیاں، جنہوں نے اطاعت کو اپنا شعار بنایا ہوا ہے، اپنے کام کی برکات کے لحاظ سے ان بزرگ ہستیوں پر سبقت لے جاتی اور زیادہ بارآور معلوم ہوتی ہیں جن میں اس رنگ کی فضیلت موجود ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اگر ان دو شرائط کو پورا کر سکو اول والدہ کی اجازت دوم۔ اطاعت شوریٰ و امیر کا عہد،

تو اس کے متعلق اسی خط پر اس کے نیچے نوٹ دے کر عید کے دن، اگر ہو سکے تو عید سے پہلے سپین عید کارڈ میں میرا یہ خط معہ تمہارے اپنے خط کے، جو میں واپس کر رہا ہوں، حضرت امیر کی خدمت میں پیش کر دیں اور کارڈ اپنی طرف سے والنٹیئر کے عہد کے ساتھ پیش کریں۔ میری طرف سے دس روپیہ بھی ڈال دیں۔ تا کہ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ (92:3) احترام ہو۔

اللہ تعالیٰ تمہارے ارادوں اور عمر میں برکات دے اور تمنائیں واقعات کے رنگ میں دیکھنی نصیب کرے۔ اس وقت تمہارے ایمان کی مضبوطی کے لئے ایک واقعہ سناتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب انسان حضرت مولانا نور الدینؒ جب زندگی کے آخری دنوں میں بستر پر تھا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ طاقت بہت کم ہو چکی تھی۔ بڑی تکلیف سے بات کرتے تھے جو مشکل سے سمجھ میں آتی تھی۔ جب میں نے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ آپ نے دیکھا۔ مجھے کھینچا اور سینہ مبارک پر میرا سر رکھا اور دعا دی۔ میری دس دن کی رخصت ختم ہو گئی۔ میں واپس لوٹنے پر مجبور ہوا۔ آپ وصیّت تحریر کرا چکے تھے۔ اور ترجمہ قرآن کریم بارے وصیّت بھی میری موجودگی کا معاملہ ہے۔ جب میں نے رخصت کے ختم ہونے کے متعلق عرض کر کے اجازت چاہی اور ہاتھ میں ہاتھ دیا تو دیر تک میرے ہاتھ کو پکڑے رکھا اور آنکھیں بند کر کے دعا فرماتے رہے۔ آخر میں میرے مونہہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ ''تمہارا باپ بڑا نیک آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔'' میرا ایمان ہے کہ اس بزرگ کے یہ الفاظ برکات سے خالی نہیں۔ میں نے اپنی عمر خراب اور ضائع کر دی۔ خدا کرے کہ یہ الفاظ تمہاری ذات کے ساتھ پورے ہوں۔ کہیں تو آخر انہوں نے پورا ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق اور برکت دے (آنسو کا نشان) یہ ایک قطرہ اس پانی سے ہے جو اس واقعہ کی یاد نے آنکھ سے نکال دیا۔

والسلام۔ خاکسار امجد

جب آپ کا خط آیا۔ اس کا پہلے ہی صفحہ دیکھنے کے بعد میں کچھ ایسا ازخود رفتہ ہو گیا کہ میں نے اُسے ایک ہی ورق سمجھا۔ آج خط لکھنے کے بعد دوبارہ اٹھایا تو دو ورق پائے۔ اس کو پڑھنے سے مجھے اول تو یہ معلوم ہوا کہ ناکامی ظاہر کے امکان کے متعلق جو میں نے لکھا ہے اس کا اندازہ تم نے پہلے سے کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ذہانت میں برکت دے۔

ایک امر اس میں ایسا ہے جس پر کچھ مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔ جو آپ کی تحریر میں اس وقت سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا۔ میں نے ہمیشہ اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہمارے یا دوسرے کی روٹی پر خیال رکھنے سے تبلیغ کا کام کبھی نہیں ہوتا۔ اس میں کامیاب وہی ہو سکتا ہے جس کے دل میں خود ہی ایک آگ ہو۔ اس لئے جب میں یہ کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو شوریٰ اور امیر کی اطاعت میں رکھو تو اس میں کسی کا سہارا لینے کا خیال نہیں۔ ہاں! خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف چل کر اپنی ذات پر اعتماد حرام ہے۔ جہاں حکم الٰہی بے نیازی کا تقاضا کرتا ہے وہاں بے نیاز ہو جاؤ۔ اور جہاں حکم الٰہی گداگری کے لئے ہو وہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دست سوال پھیلا کر اصحابؓ سے گھروں کے اثاثہ تک مانگ لو۔ جب نیت تعمیل حکم کی ہو تو وہ فعل پست ہمتی نہیں۔

انجمن اگر تم کو نہ بھیجے تو تم آزاد ہو پھر سوال ہی کوئی نہیں۔ اور اگر انجمن تم کو نامزد کر دے تو خدا توفیق دے اور انشاء اللہ دے گا کہ تم انجمن سے پیسہ نہ لو۔ لیکن کیا تم ان ہزار ہا عاشقان الٰہی کی دعاؤں سے بھی بے نیازی کا اظہار کر سکتے ہو جو جماعت کے رنگ میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔ آخر انجمن کا تعلق تمہارے ساتھ کیا ہو گا۔ مفید مشورے، ہدایات، علوم دین میں وقتاً فوقتاً رہنمائی وغیرہ۔ جماعت کی برکت سے بے نیازی کبھی اچھا پھل نہیں لا سکتی۔

انجمن کے اراکین کی رائے زنی کے متعلق تمہارا فقرہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر انجمن کے کچھ اراکین کچھ ناگوار رائے زنی بھی کریں تو اس سے خوف کیوں ہو۔ عزیز من! تم نے خود اس اصول کو تسلیم کیا ہے کہ مخالفتیں اور ناگوار باتیں ہمیشہ سننی پڑتی ہیں۔ بہر حال حضرت امیر کے مشورہ اور حکم سے باہر ہونا میں احکام قرآن و رسولؐ کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ارادوں میں برکت دے

اور استقامت بخشے۔ سنت رسولؐ کے مطابق جماعت کو برکت سمجھو۔ اللہ تعالیٰ غیر متوقع طور پر اسباب خود جلد سے جلد پیدا کر دے گا۔

اپنی ہمت اور کوشش پر اعتماد مت کرو بلکہ فضل الٰہی پر کرو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو کہ یہی تمام کامیابیوں کی کنجی ہے۔ حضرت مسیح موعود کا حکم ہے کہ مل کر کام کرو۔ یہ مل کر کام کرنے کا سوال ہے۔ کسی کا سہارا لینے یا دست نگر ہونے کا سوال نہیں۔ اور تم حضرت مسیح موعود کی بیعت حضرت امیر کے ہاتھ پر کر چکے ہو۔ وہ عہد قائم ہے اور یہ حکم حضرت مسیح موعود کا ہے۔ اللہ تعالیٰ، رسول اور نائب رسول سب کے مقابلہ میں اپنی رائے کو زیادہ وقعت نہ دو کہ یہ ہلاکت کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

والسلام۔ امجد علی از ملتان 6 جنوری 1935ء

۞۞۞

11 جنوری 1935ء

نام نہاد جماعت اسلامیہ برلن

ڈاکٹر محمد عبداللہ امام مسجد برلن کے قلم سے

''زمیندار'' کے نامہ نگار خصوصی برلن نے اس کی 26 اکتوبر کی اشاعت میں ایک مضمون شائع کرایا ہے۔ جس میں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جماعت کی ''روشن تاریخ اور اس کے کارہائے نمایاں'' کا ذکر کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ اس جماعت کا وجود مسلمانان برلن کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ کا حکم رکھتا ہے۔ اس جماعت کا سنگ بنیاد پروفیسر عبدالجبار خیری نے رکھا تھا۔ حبیب الرحمان نامہ نگار اخبار ''زمیندار'' ان کے ''اخلاق فاضلہ اور اسلامی اخوت'' میں رطب اللسان ہیں۔ مگر یہ انصاف کا خون ہوگا اگر میں ان کے متعلق ایک وہ واقعات عرض نہ کردوں جو کہ میرے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر مبنی ہیں۔

1928ء میں جب برلن آیا تو مسلمانان برلن کی جو ناگفتہ بہ حالت تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ نافعی چلپی مرحوم، جماعت اسلامیہ کے صدر ثانی تھے، کسی سفر میں ایک جرمن نومسلم کے ہمسفر تھے، دوران سفر کسی رقم کی تقسیم کے معاملہ میں آپس میں جھگڑا ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں مسلمان بھائیوں کو ''اسلامی اخوت اور برادری کا ثبوت'' دینے کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ اور یہ قصہ یہاں کے جرمن اخبارات میں بھی آیا۔ جس سے ''اسلامی اخوت'' کا خوب مظاہرہ ہوا۔ یہ یاد رہے کہ فریقین میں سے کسی کا بھی ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔

پروفیسر عبدالجبار خیری، جن کو جماعت اسلامیہ کا روح رواں بیان کیا جاتا ہے اور جن کو **وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا** (103:3) کا مصداق بنایا جا رہا ہے، ان کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے حقیقی برادر خورد عبدالستار خیری کے جانی دشمن تھے۔ بقول ان کے وہ ان کی اور ان کی بیوی بچوں کی جان تک لینے کے لئے دو ریوالور بھرے ہوئے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ پھر اسی **وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ** کے مصداق نے اپنے حقیقی بھائی پر عدالت میں مقدمہ کیا اور بنائے مقدمہ یہ تھی کہ وہ اپنے نام کے

ساتھ پروفیسر کا لفظ ناجائز طور پر استعمال کرتا ہے اور پروفیسر کہلانے کا مستحق صرف وہ خود ہے۔ برادر خورد نے بہتیرا کہا کہ بیروت یونیورسٹی میں دونو پروفیسر تھے اور التجائیں بھی کیں کہ ان کے بیوی بچے ہیں اور ان کا کوئی خاص ذریعہ معاش نہیں ہے اور اگر وہ پروفیسر کا لفظ اپنے نام کے ساتھ استعمال کریں تو ان کو پرائیویٹ ٹیوشن وغیرہ ملنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اور اسی پر ان کی بسراوقات کا دارومدار ہے۔ مگر یہ ''صدر جماعت اسلامیہ'' کہاں ماننے والے تھے۔ بالآخر مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی۔ یہ ہے ان لوگوں کا **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا** (103:3) کا مصداق ہونا۔ **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔**

نامہ نگار خصوصی نے ان کے ''اخلاص'' کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے متعلق بھی سن لیجئے۔ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ جب میں 1928ء میں برلن پہنچا تو جماعت اسلامیہ کی حالت بے حد ناگفتہ بہ تھی۔ محمد نافعی چلپی مرحوم جن کو اب پروفیسر عبدالجبار صاحب خیری کا صحیح اور حقیقی معنوں میں جانشین پیش کیا جاتا ہے، ان دنوں خیری صاحب کے پرلے درجہ کا دشمن تھا۔ انہی ایام میں خیری صاحب کا ہندوستان واپس جانے کا خیال ہوا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ان کا جانشین کون ہو۔ ان کو اس بات کا بے حد خوف تھا کہ ان کے جانے کے بعد کہیں نافعی چلپی ان کی گدی پر نہ بیٹھ جائیں اور یہ ''جماعت اسلامیہ'' (جس کو وہ شاید سونے کی چڑیا خیال کرتے تھے) ان کے ہاتھ میں نہ آجائے، انہوں نے ایسا کیا کہ جملہ مسلمانان برلن کو اکٹھا کر کے اپنا جانشین مقرر کرنا چاہا۔ اس جلسہ کے لئے انہوں نے اپنے رقیب نافعی چلپی کو کوئی دعوت نامہ نہ بھیجا۔

خیر جلسہ ہوا۔ اور ایک شخص حافظ منظور الدین دھلوی ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ مگر چلپی صاحب ان کو کہاں آرام اور چین سے بیٹھنے دیتے تھے۔ انہوں نے دوسرے ہی دن بذریعہ وکیل حافظ مذکور کو ایک خط لکھوایا کہ جس مجلس میں وہ جماعت اسلامیہ کا صدر مقرر ہوا ہے وہ خلاف قانون تھی۔ کیونکہ اس میں جملہ مسلمانان برلن وممبران جماعت اسلامیہ کو دعوت نہیں دی گئی تھی۔ لہٰذا وہ اپنے آپ کو صدر کہلانے کا مجاز نہیں ہے۔ اور وہ فوراً اپنا استعفیٰ پیش کر دے۔ ورنہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی (یہ ان لوگوں کی اسلامی اخوت اور برادری کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو) یہ خط پڑھ کر حافظ منظور الدین ''صدر جماعت اسلامیہ'' کے اوسان خطا ہو گئے اور انہوں نے فوراً اپنا استعفیٰ داخل کر دیا۔

اب کیا تھا پروفیسر عبدالجبار صاحب کو سخت ندامت اٹھانی پڑی اور بہت تلملائے۔ وہی

حریف جس کے پنجہ سے وہ ''جماعت اسلامیہ'' کو نجات دلوانا چاہتے تھے اب کامیاب ہوتا نظر آتا ہے۔ اسی حیرانی کی حالت میں وہ میرے پاس آئے اور سارا قصہ سنایا اور کہا کہ آپ ایک منظّم جماعت کے نمائندہ ہیں۔ مسجد کے امام ہیں۔ اور ایک مستقل مشن کے ہیڈ ہیں۔ لہٰذا آپ جماعت اسلامیہ کی سرپرستی قبول کر لیں۔ میں نے پروفیسر صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کیا کہ اول تو میں یہاں نو وارد ہوں۔ مقامی حالت سے بخوبی واقف نہیں ہوں۔ دوسرے مسلمانان برلن کی شب و روز کی خانہ جنگیوں سے بیزار ہوں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ بموجب آپ کے قواعد کے صدر صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ کم از کم ایک سال سے آپ کی جماعت کا ممبر ہو۔ مگر میں تو آپ کا ممبر بھی نہیں ہوں اور مجھے یہاں آئے ہوئے صرف چھ ماہ کا عرصہ ہوا ہے۔ اس پر ''صدر جماعت اسلامیہ'' نے جو الفاظ مجھے کہے وہ بہت ہی افسوسناک تھے۔ انہوں نے ایک ایسے فعل پر آمادگی ظاہر کی جو دیانت کے سراسر خلاف تھا۔ جس پر میں نے کہا کہ بس آپ کا یہی اسلام ہے۔ اور آپ اسی اسلام کی اشاعت و تبلیغ کرنا چاہتے ہیں؟ اس واقعہ سے قارئین کرام کو جماعت اسلامیہ کے صدر کا ''اخلاص'' معلوم ہو گیا ہوگا۔

نامہ نگار مذکور نے آخر پر جماعت اسلامیہ کی کامیابیاں اور کام کے متعلق لکھا ہے کہ ''اس کی تفصیل کے لئے صفحے کے کالم درکار ہیں۔'' کاش کہ بجائے 3 کالم سیاہ کرنے کے صرف ایک آدھ صفحہ ہی اس کام اور کامیابی کے متعلق لکھ دیا ہوتا جس پر اتنا ناز ہو رہا ہے۔ مگر خوب یاد رہے ؎

ایں خیال است و محال است و جنون

آج کل زمانہ بہت ترقی کر گیا ہے پبلک جاہل نہیں رہی۔ محض الفاظ اور مضامین سے کچھ نہیں بنتا۔ جماعت اسلامیہ کو اس پر ناز ہے کہ اس نے ایک تاتاری مسلمان کو، جو پاسپورٹ کی مصیبت میں پھنس گیا تھا، جیل خانہ سے نجات دلوائی ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کی مدد کرنا فرض اسلامی ہے۔ اگر جماعت اسلامیہ نے ایک دفعہ کسی ایسے مسلمان کی مدد کی ہے تو ہم نے بارہا ایسا کیا ہے۔ اسی طرح اگر جماعت اسلامیہ نے ایرانی شاعر فردوسی کی ہزار سالہ برسی منائی ہے۔ تو ہماری جرمن مسلم سوسائٹی کو 2 نومبر کو جو شاندار کامیابی ہوئی اس کی نظیر تاریخ برلن میں ملنی مشکل ہے۔ مسجد کا وسیع ہال پر تھا۔ یہاں تک کہ اگرچہ لیکچر کا وقت ساڑھے آٹھ بجے شام تھا۔ مگر آٹھ بجے کے بعد کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے

کھڑا رہنے کو بھی کوئی جگہ نہ تھی۔ اور اکثر احباب کو بادلِ نخواستہ واپس جانا پڑا۔ اخباروں کے نمائندے اور فوٹو گرافر کثیر تعداد میں جمع تھے۔ ایرانی سفیر خود تشریف لائے اسی طرح یونیورسٹی کے پروفیسر اور دیگر سرکاری حکام موجود تھے۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد جلسہ کا افتتاح خاکسار نے کیا۔ ازاں بعد جناب کاظم زادہ صاحب کے دو لیکچر ہوئے۔ فارسی اور اطالوی میں اشعار پڑھے گئے۔ جلسہ کے بعد حاضرین کی بسکٹ وغیرہ سے تواضع کی گئی اور اس جلسہ کے اخراجات جرمن مسلم سوسائٹی نے خود برداشت کئے۔

کاش جماعت اسلامیہ کو اپنی آنکھ کی کا شہتیر نظر آتا اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتی۔

اگر قارئین کرام حبیب الرحمان کے وہ مضامین جو اس نے یہاں کی نام نہاد جماعت اسلامیہ کی شان اور تعریف میں لکھے ہیں بغور پڑھیں تو صاف معلوم ہوگا کہ اگر ایک مضمون میں کسی ایک کارکن کا نام ہوتا ہے تو دوسرے میں وہ غائب۔ اور اس کی جگہ کوئی اور۔ آج کسی کو بطور صدر پیش کیا جاتا ہے تو کل اس کا پتہ ندارد۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ حبیب الرحمٰن چونکہ خود طالب علم ہے۔ لہٰذا اس کا دیگر طالب علموں سے اکثر میل جول رہتا ہے۔ اور جونہی کوئی نیا طالب علم برلن آتا ہے۔ یہ اس کو اپنے پھندے میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کو کبھی صدارت کا چکمہ دیا جاتا ہے اور کبھی خزانچی کا۔ نوادرد طالب علم چونکہ اصل حالات سے ناواقف ہوتا ہے اس لئے اس کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ لیکن جونہی چند دنوں کے بعد اس کو ان حضرات کے افعال شنیعہ کا علم ہوتا ہے وہ بیزار ہو کر ان سے اور ان کی نام نہاد جماعت اسلامیہ سے الگ ہو جاتا ہے۔ اب حبیب الرحمان کی منطق ملاحظہ ہو۔ ایک مضمون میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے عیسائیوں اور مسلمانوں کے برگزیدہ نبی حضرت مسیحؑ کو سخت سے سخت گالیاں دے کر عیسائیوں کے کلیجہ کو چھلنی کیا ہے اور کہ جرمن پبلک سے پرزور اپیل کی جائے گی کہ وہ اس جماعت کا وجود یہاں سے مفقود کر دے۔ میں اس وقت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ اس کا تفصیلی جواب پیغام صلح کی 27 نومبر 1934ء کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔ ایک بات ضرور عرض کروں گا اور وہ یہ کہ حبیب الرحمان خوب جانتا ہے کہ جس یسوع کے متعلق حضرت مرزا صاحب نے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں وہ خدا کا برگزیدہ نبی نہیں۔ بلکہ عیسائیوں کا خود تراشیدہ خدا ہے۔ جس کو الوہیت کے تخت پر بٹھانا تو درکنار ایک معمولی انسان کا رتبہ بھی نہیں دیا جا

سکتا۔ پھر ہم پر یہ الزام دیا جاتا ہے کہ ہم اسلام کی تبلیغ نہیں کرتے۔ بلکہ در پردہ عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ چنانچہ قبلہ حضرت مولٰنا محمد علی صاحب کے نام کے ساتھ پادری کا لفظ لکھا جاتا ہے۔ اور اب میرے نام کے ساتھ بھی یہ لفظ لکھنا شروع کر دیا ہے۔ جس سے مراد صرف اس قدر ہے کہ ہم اصل میں عیسائیت کے مبلغ ہیں۔ واہ! کیا خوب! ایک طرف ہم پر عیسائیوں کے برگزیدہ کی توہین کا الزام لگایا جاتا ہے اور دوسری صرف ہم عیسائیت کا پرچار کرتے ہیں ؏ ''ببیں عقل و دانش بباید گریست'' اب ان کی خفیہ پولیس ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں کہ ''ہم کو اتفاق سے ایک بہت معتبر اور خفیہ ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس تقریب (یعنی ایرانی شاعر فردوسی کی ہزار سالہ برسی) پر دو تین قسم کے بینڈ اور آلات سماع مہیا کئے جانے والے ہیں جو کہ مسجد میں بجائے اور سنے جائیں گے۔'' شاید یہ بینڈ حبیب الرحمان کے گھر بج رہے ہوں گے۔ جبکہ وہ یہ سفید جھوٹ لکھ رہا ہوگا۔ اس سے قارئین کرام کو اس کے معتبر اور خفیہ ذرائع کا بھی علم ہو گیا اور ان کی ایمانداری بھی عیاں ہو گئی!

حبیب الرحمان کی دورنگی: حبیب الرحمان لکھتا ہے کہ ''اب اس نے اور اس کی جماعت نے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ مسجد سے قطع تعلق کر لیں اور آئندہ ان سے کسی قسم کا تعلق نہ رہے گا۔ کیونکہ یہ فرقہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ وغیرہ وغیرہ'' مگر ان کا عمل اس کے برعکس ہے۔ چند ماہ ہوئے انہوں نے درخواست کی تھی کہ ان کو جرمن مسلم سوسائٹی کا ممبر بنا لیا جائے۔ چنانچہ ان کا پُر شدہ فارم داخلہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔ مگر ہم نے ان کی اس درخواست کو رد کر دیا۔ کیونکہ ہمیں ایسے بے اصول آدمیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اب 16 ماہ حال کو ایک کارڈ لکھا۔ جس میں یوں مخاطب ہوئے ہیں ''پیارے اسلامی بھائی'' اور اختتام پر لکھا ہے۔ ''مع اسلامی سلام'' اس شخص سے کوئی پوچھے کہ اگر ہم کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں تو ان الفاظ کے کیا معنی؟ کاش! اس کا ظاہر و باطن ایک ہوتا۔ اور وہ اس نامناسب روش کو چھوڑ کر اسلام کی کوئی خدمت کرتا۔ والسلام خاکسار عبداللہ امام مسجد برلن

19 دسمبر 1934ء

15 جنوری 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا!

جماعت کی تنظیم کے لئے ضروری پروگرام

آج سے پینتالیس سال پیشتر حضرت مسیح موعود نے ''ازالہ اوہام'' میں حارث والی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا تھا

''اس کے لشکر یعنی اس کی جماعت کا سردار و سرگروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہو گا۔ جس کو آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہو گا۔ اس جگہ اسی منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا ہے۔ مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ وجدل مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک روحانی فوج ہو گی کہ اس حارث کو دی جائے گی۔ جیسا کہ **کشفی حالت میں** اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت پر دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں۔ ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے۔ تب میں نے اس شخص کو، جو زمین پر تھا، مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ مگر وہ چپ رہا اور اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ تب میں نے اس دوسرے کی طرف رخ کیا جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا اور اسے میں نے مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے وہ میری اس بات کو سن کر بولا کہ ایک لاکھ نہیں ملے گی۔ مگر پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگرچہ پانچ ہزار تھوڑے آدمی ہیں۔ پر اگر خدا تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی **كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ** (249:2) پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا اور کہا گیا کہ خوشحال ہے خوشحال ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی کسی

حکمت خفیہ نے میری نظر کو اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا۔ لیکن امید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے‘‘ (ازالہ اوہام صفحہ 96-98)

اس کشف کی تعبیر اس قدر کھلی ہے کہ اس پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ’’ایک مکان جس میں دو شخص بیٹھے ہیں۔ یہی سلسلہ ہے اور یہ دو شخص حضرت مسیح موعود کی دونوں جماعتوں کے نمائندے ہیں۔ ایک وہ ہے جو ایک لاکھ آدمی بھی دے سکتا ہے۔ مگر چپ ہے۔ اور دوسرا وہ ہے جس کے پاس صرف پانچ ہزار آدمی ہیں اور وہ پانچ ہزار ہی دے دیتا ہے۔ ایک کے زمین پر بیٹھنے اور دوسرے کے آسمان کی طرف ہونے میں اشارہ ہے کہ ایک زمینی انتظامات میں مصروف ہے اور سیاسی جدوجہد میں لگ گیا ہے اور دوسرے کی نظر صرف اعلاء کلمۃ اللہ کی طرف ہے اور سیاسیات سے کچھ غرض نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کشف کی تعبیر سلسلہ احمدیہ کی ساری تاریخ میں اور کوئی نظر نہیں آتی۔ سوائے اس کے جو آج قادیان اور لاہور کی جماعتوں میں صفائی سے دکھائی دیتی ہے۔ ایک طرف گروہ کثیر ہے جسے اپنی کثرت پر فخر ہے۔ مگر وہ عظیم الشان کام جس کی بنیاد حضرت مسیح موعود نے رکھی تھی اور جس کے لئے آپ کی بعثت ہوئی تھی۔ یعنی یورپ میں اسلام کا پھیلانا اور دجال کو مسلمان کرنا وہ اس کے مدنظر نہیں رہا۔ دوسری طرف ایک چھوٹی سی جماعت ہے جس نے حیرت انگیز طریق پر یورپ میں اسلامی مشن قائم کر دیئے ہیں۔ انگلستان، جرمنی، آسٹریا میں قائم ہو چکے۔ ہسپانیہ اور ہالینڈ میں عنقریب ہوا چاہتے ہیں۔ قرآن شریف کا ترجمہ تین زبانوں میں ہو چکا اور صرف انگریزی ترجمہ تیس ہزار کی تعداد میں وہاں پہنچ چکا۔ سیرت نبویؐ اور تعلیم اسلامی کے تراجم بھی یورپ کی کئی زبانوں میں ہو چکے اور ہزارہا کی تعداد میں یہ کتابیں مفت دنیا کے کناروں تک پہنچ چکیں۔ اس نہایت ہی قلیل جماعت نے جو یہ کام کر دکھایا ہے، اس میں خدا کی نصرت کا کھلا ہوا ہاتھ کام کرتا دکھائی دے رہا ہے اس لئے آسمان پر اس کا نام منصور ہوا۔

ایک دوسرا کشف: اس کشف کے آخر پر یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مجھے اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا۔ لیکن امید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے تو اس کے متعلق آپ کا ایک دوسرا کشف مطبوعہ (بدر جلد 3 صفحہ 29، 1904ء میں) ہے

''مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں دیکھا۔ آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔''

پہلے کشف کی تمہید میں بھی آپ نے یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا، جو اس کے دل میں ہوں گے، آپ ناصر ہوگا اور اس کشف میں بھی بدگمانی کرنے والوں کو سمجھایا ہے کہ تم تو اسے مرتد اور فاسق کہتے ہو۔ مگر وہ نیک ارادہ رکھتا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ہیں☆

میں نے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر احباب سے یہ کہا تھا کہ ہمیں اپنی جماعت کی تنظیم کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے۔ اب اس کشف کو دیکھ کر میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم جلد سے جلد پانچ ہزار سپاہی کی فہرست تیار کریں۔ جماعت کے اندر بہت سے آدمی ہیں جو الگ تھلگ پڑے ہیں اور تحریکات میں حصہ نہیں لیتے اور نوجوان تو بہ کثرت ہیں۔ جو کچھ مدد نہیں کرتے۔ اور خواتین کا بیشتر حصہ بھی ایسا ہی ہے۔ ان سب کو

☆ حضرت مسیح موعود کی اور بھی کئی رؤیا ہیں جن میں اس عاجز کے ہاتھ سے ان خدمات کا سرانجام پانا قبل از وقت دکھایا گیا ہے۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا تھا۔ مثلاً 10 نومبر 1906ء کا رؤیا۔ جس میں یہ مذکور ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے ایک خاص قلم بطور تحفہ آپ کو دیا ہے اور آپ خواب میں ہی کہتے ہیں کہ یہ قلم میں ''مولوی محمد علی صاحب'' کو دے دوں گا اور خود ہی اس کی یہ تعبیر بھی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کر دے کہ وہ مخالفتوں کے رد میں اعلیٰ مضامین لکھیں۔ ایسا ہی براہین احمدیہ کا وہ خواب جس میں آپ کو ایک تفسیر قرآن دی جاتی ہے اور ساتھ ہی کہا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے۔ ایک اور رؤیا آپ کا جو میں نے کہیں چھپا ہوا نہیں دیکھا۔ مگر حضرت مسیح موعود نے خود مجھ سے بیان کیا تھا کہ حضرت مسیح موعود اور خاکسار آگے پیچھے دونوں ایک گھوڑے پر سوار ہیں جو نہایت تیز رفتاری سے ایک شہر کے گلی کوچوں کے اندر سے دوڑ رہا ہے اور ہر کونے پر خطرہ ہوتا ہے کہ ٹکرا جائے۔ مگر صاف نکل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک کھلے میدان میں ہم پہنچ گئے اور وہاں ایک شخص ہے جس نے خاکسار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ان کا نام ہے مجدالدین۔

بیدار کرنا اور عملی کام میں شامل کرنا ضروری ہے۔ مجھے یہ یقین ہے کہ اگر ہم پانچ ہزار سپاہی یعنی کارکن پورا کرلیں تو خدا کی نصرت ہمیں کھلے طور پر فئۃ کثیرۃ پر بھی غالب کردے گی۔ مگر سپاہی وہ نہیں جو منہ سے تو بہت لمبے چوڑے اقرار کرے اور خدا کے دین کی نصرت کے لئے ہاتھ بھی نہ ہلائے حضرت مسیح موعود کا یہ حکم کئی دفعہ احباب کو سنایا جاچکا ہے کہ ہر شخص کو حسب حیثیت ماہوار چندہ دینا چاہئیے۔ بعض احباب اپنی حیثیت سے بڑھ کر بھی دے رہے ہیں۔ بعض حسب حیثیت دے رہے ہیں۔ بعض اس سے کم دے رہے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ایک بڑا گروہ ایسا ہے کہ مطلق چندوں میں شامل نہیں اور یہ ہماری جماعت کے لئے ایک ذلت ہے کہ وہ مونہہ سے کہنے کے باوجود عملی کاروبار میں شامل نہیں ہوتے۔

تو اس پانچ ہزار سپاہیوں کی فہرست میں جو میں تیار کرنا چاہتا ہوں یہ ضروری ہے کہ تمام احباب کو جو بیعت کرچکے ہیں اور تمام نوجوانوں کو جو چودہ سال کی عمر سے اوپر ہو چکے ہیں۔ حتّٰی کہ عورتوں کو بھی شامل کیا جائے۔ اسلام کی خواتین تو سیفی جہاد میں بھی حصہ لیتی تھیں تو آج اس علمی جہاد میں وہ یقیناً مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کرسکتی ہیں۔ لیکن اس پانچ ہزار کی فہرست میں شامل کرنے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ

1۔ جو احباب اس وقت چندہ دے رہے ہیں وہ اپنا چندہ اپنی حیثیت کے مطابق کردیں۔

2۔ جو احباب چندہ نہیں دے رہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق چندہ ادا کریں اور کم سے کم چار آنے ماہوار چندہ ہر شخص کے لئے لازمی ہوگا۔

3۔ دیہات میں جن لوگوں کا گزارہ صرف معمولی زمینوں پر ہے اور ان کی حیثیت زیادہ دینے کی نہیں، وہ ایک روپیہ ششماہی ادا کریں۔ جن کا گزارہ معمولی مزدوری پر ہے وہ دو آنے ماہوار چندہ ادا کریں۔

4۔ خواتین جن کی ذاتی آمدنی کوئی نہیں وہ کم سے کم ایک آنہ ماہوار چندہ ادا کریں۔

5۔ جو طالب علم کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں وہ کم سے کم چار آنے ماہوار چندہ ادا کریں اور جو سکولوں میں تعلیم پاتے ہیں وہ کم سے کم دو آنے ماہوار چندہ ادا کریں۔

بالآخر میں اس بات کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ تمام لوگ جو ابتدا سے اس جماعت میں شامل ہیں یا بعد میں بذریعہ بیعت داخل ہوئے ہیں، اس فہرست میں شامل ہو جائیں تو ہم تین ماہ کے اندر اندر پانچ ہزار کی فہرست کو پورا کر سکتے ہیں۔

اب اس امر کا انحصار ہر ایک جماعت کے احباب کی سرگرمی پر ہے۔ کہ وہ اپنے ہاں کی فہرست کس قدر جلد مرتب کر کے بھیجتے ہیں۔ جہاں جہاں انجمنوں کا نظام با قاعدہ ہے، احباب کو چاہیئے کہ اس جمعہ میں اس تجویز کو سنا کر ایک ہفتہ کے اندر اندر اپنے ہاں کی فہرست مکمل کر کے دفتر میں بھیج دیں۔ اس سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہوسکتا ہے جو اس پانچ ہزار جماعت میں شامل ہو جائے جو یورپ کو اسلام کے لئے فتح کرنے کے لئے نکلی ہے۔ اور جس کا نام آسمان پر منصور قرار پا چکا ہے۔

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁ ❁ ❁

15 جنوری 1935ء

مراسلات

حضرت امیر کی خدمت میں

سید امجد علی شاہ صاحب کا مکتوب

گذشتہ اشاعت میں جناب سید امجد علی شاہ صاحب کا ایک طویل مکتوب درج ہو چکا ہے جو انہوں نے اپنے صاحبزادہ سید اسلم علی شاہ صاحب کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔ امید ہے قارئین کرام نے ان ایثار پیشہ و قابل فخر باپ بیٹے کے خطوں کو غور سے پڑھ کر اپنے دل کے اندر ایک ایمانی لذت محسوس کی ہو گی۔ ذیل میں شاہ صاحب موصوف کا ایک اور خط جو انہوں نے حضرت امیر ایدہ اللہ کی خدمت میں تحریر کیا تھا، درج کیا جاتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے بھی موصوف کی قوت ایمانی اور دینی تڑپ کا پتہ چلتا ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ تمام احباب ان خطوط کے مطالعہ کے ساتھ اس قابل فخر رکن جماعت اور ان کے صاحبزادوں کی ترقی عمر و ایمان کے لئے دعا کریں۔ مدیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گرامی حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

طالب دعا بعد حمد الٰہی وصلوٰۃ رسول کے عرض کرتا ہے کہ جناب والا کو یاد ہے کہ آج سے قریب تین سال پہلے میں نے جلسہ کے موقع پر کانفرنس میں عرض کیا تھا کہ دوست اپنے بچوں کو اپنے خرچ پر تبلیغ کے لئے تیار کرنے کا عہد کریں۔ میرے دو چھوٹے بچے علاوہ بالغ لڑکے اسلم کے تھے۔ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ اگر کوئی ایسی رہنمائی انجمن کی طرف سے ہو سکے کہ بچوں کو کس لائن پر تعلیم دی جائے کہ یہ تبلیغ کے لئے بھی تیار ہوں اور اپنی روزی بھی آپ پیدا کریں تو اس طریق پر چلنے پر بھی تیار ہوں۔ اور دونوں بچوں کو سپرد کر دوں گا۔ اور خرچ تعلیم کا جس طرح اب کر رہا ہوں کرتا رہوں گا۔

میں نے بڑے لڑکے اسلم کا ذکر اس لئے نہ کیا کہ وہ اب بالغ اور اپنے ارادوں کا مالک ہو گیا

تھا۔ مشیت الٰہی نے اس کے بعد ان میں سے ایک بچہ کو اپنے پاس بلا لیا۔

میرا شروع سے یہ ایمان ہے کہ ہم صرف پیٹ کے دھندوں میں گرفتار ہیں اور ہمارا مقصد زندگی درحقیقت وہی ہے جس کے لئے انبیاءؑ وقف ہوتے رہے۔ میں جب سے صاحب اولاد ہوا ہوں، میں نے اپنی اولاد کے لئے اس سعادت کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعائیں کی ہیں اور تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری ان دعاؤں کو قبول فرمائے۔ باپوں کے اندازے اپنی اولاد کی قابلیتوں کے متعلق غلط بھی ہوتے ہیں۔ مگر میں نے کبھی غلط اندازہ نہیں لگایا۔ جب سے میرا لڑکا لاہور میں فوت ہوا، اس کے بعد یا اس کے قریب ہی ایک خاص تغیر اسلم کی زندگی میں دیکھتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے قرآن کریم کے ترجمہ اور جناب والا کی تفسیر کا مطالعہ کیا۔ کتب سیرت اور تصوف پر بلند پایہ بزرگان کی چند کتابیں بھی پڑھیں اور نمازوں اور نماز شب کے لئے اس کا شوق بڑھتا ہوا دیکھتا رہا ہوں۔

اس میں خدا کے فضل و کرم سے قوت عمل ہے۔ اور اپنے کالج کے حلقہ میں خدا کے فضل سے خاصہ اثر و اقتدار اس نے پیدا کر رکھا ہے۔ کالج یونین میٹرو پالٹین کلب، جو پرنسپل کی خاص منظور نظر اور کالج میں زندگی اور اخلاق کی روح سمجھی جاتی ہے، اس کا صدر ہے، مسلم ایسوسی ایشن کی طرف سے گذشتہ سال پر تکلف دعوت دے کر، جس میں سب پروفیسر و طلباء پرنسپل اور باہر کے مہمان تھے، اڑھائی سو کے قریب ٹریکٹ۔ اسلام، اور مختصر سی آنجناب کی تصنیف سیرت پر تقسیم کی اور مسٹر رشید الدین رامداس خان صاحب کا لیکچر اسلام پر کرایا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔ میں اپنی مندرجہ بالا امیدوں کے متعلق خیال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اگر اس ذریعہ سے میری دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخشے تو بعید از رحمت نہیں۔

مجھے اس تمام کیفیت کے اظہار کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ میرے سامنے اصحاب بدر کی وہ مثال موجود ہے کہ جہاد کے لئے اپنے آپ کو قابل ثابت کرنے کے لئے بچے ایڑیاں اونچی کر کے کھڑا ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لئے میں بھی اس تعارف کی جرأت کرتا ہوں۔ نہ تعریف کے لئے بلکہ قبولیت کے مقام پر پہنچنے کی کوشش کے رنگ میں۔ اللہ تعالیٰ اس بچہ کی ان امنگوں کو زیادہ کرے اور ان کو پورا کرے کہ یہ میرے بھی نامہ اعمال کا ایک حصہ ہو۔ التجا ہے کہ اس

کے لئے اپنی دعاؤں میں خاص جگہ دیں۔ ہماری اس پیشکش ناچیز کو قبول فرما دیں اور اس کی حوصلہ افزائی فرمائیں۔ جناب کو یاد ہوگا کہ میں نے حتی الامکان جناب کو اپنے کسی دنیاوی مقصد کے لئے دعا کی درخواست سے پریشان نہیں کیا۔ اس معاملہ میں مجبور ہوں، جوانی کا جوش امر دیگر ہے۔ فطرتاً بچہ خدا کے فضل سے مودّب اور اطاعت شعار ہے۔ اور آنجناب کا احترام اس کے دل میں بہت زیادہ ہے۔ خاکسار غلام۔ امجد

احمدیہ ہوسٹل: (19 جنوری 1935ء) جماعت نے سالانہ جلسہ پر احمدیہ کانفرنس میں احمدیہ ہوسٹل کے قیام کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس سے مندرجہ ذیل عظیم الشان فوائد حاصل ہوں گے:

1۔ نوجوانان سلسلہ کی دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کی دینی تعلیم و تربیت بھی ہوتی رہے گی اور وہ لامذہبیت، مغربیت اور فیشن پرستی کی وباء سے محفوظ رہیں گے۔

2۔ انہیں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ و دیگر بزرگان سلسلہ سے ملاقات اور ان کے نصائح سننے کا کثرت سے موقع ملتا رہے گا۔

3۔ انہیں سلسلہ اور اس کے کاموں سے دلی لگاؤ پیدا ہو جائے گا اور وہ جماعت کے نہایت پر جوش اور فعال رکن بن جائیں گے۔

4۔ ان کے اخلاق اور صحت کی پوری پوری نگرانی کی جائے گی جو کالجوں کے ہوسٹلوں میں ممکن نہیں۔

5۔ کالجوں کے ہوسٹلوں کی نسبت ان کے لئے کم خرچ پر اچھی غذا اور رہائش کا انتظام کیا جائے گا۔

6۔ احمدیہ ہوسٹل میں رہنے والے طلبہ کو ان تمام فضول مشاغل سے باز رکھا جائے گا۔ جو ان کی تعلیم یا اخلاق پر برا اثر ڈالنے والے ہوں یا فضول خرچی کا باعث ہوں۔

7۔ طلبہ کو اچھا مبلغ، مقرر اور شہری بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

8۔ طلبہ کے اخراجات میں نمایاں تخفیف ہو جائے گی اس ہوسٹل کے اجراء کے لئے ایک سو روپے ماہوار مستقل آمد کی ضرورت ہے۔ جس کے فراہم کرنے کے لئے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے

یہ سہل تجویز فرمایا ہے کہ جماعت میں سے کم از کم ایک سوایسے افراد نکلیں جو اس کار خیر کے لئے ایک روپیہ ماہوار مستقل طور پر دے سکیں۔

75 اصحاب نے اسی وقت کانفرنس میں ہی وعدے کر لئے تھے۔ لیکن آغاز کار کے لئے ابھی ایسے 25 باہمت احباب اور درکار ہیں۔ یہ تعداد بہت جلد پوری ہو جانی چاہئیے اور زیادہ سے زیادہ ماہ مئی 1935ء تک ہوسٹل قائم ہو جانا ضروری ہے۔

۞۞۞

23 فروری 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

علم الحروف یا تحقیقات ماہر

اس نام سے قریباً اڑھائی سو صفحہ کی ایک مضبوط اور جامع کتاب جناب حکیم محمود علی خان صاحب ماؔہر دہلوی نے تصنیف فرمائی ہے۔ جس میں علم اللسان کی تاریخ، حروف کی پیدائش، زبان کی مختلف شاخوں اور نسل انسانی کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی وسعت اور گونا گون شکلیں اختیار کرنے اور پھر کتابت میں آنے کے حالات پر سیر کن بحث کی گئی ہے۔ کتاب چار حصوں پر منقسم ہے۔ حصہ اول میں تخلیق السنہ یا زبانوں کی بناوٹ اور اس کے بعد علم کتابت پر بحث ہے۔ اس کے ساتھ ہی کتابت کا زبان سے حقیقی رشتہ بیان کرتے ہوئے ابجد کی ایجاد کے اسباب بھی بتائے ہیں۔ حصہ دوم میں مختلف ممالک کے رسم الخط پر بحث کی گئی ہے۔ جس میں ان ممالک کا بالتفصیل ذکر ہے۔ جن میں خط عربی اور فارسی کا رواج ہے۔ اس حصہ کے آخری دو باب، جو ''لکھنو اور خطاطی'' اور ''دولت مغلیہ میں علم خط کی ترقی'' کے عنوان سے زیب قلم ہوئے ہیں، خصوصیت سے قابل دید ہیں۔ ان ابواب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں کو اور ان کے عہد میں عام اہل قلم کو فن کتابت کی ترقی اور اس کے حسن و جمال بڑھانے کا کس قدر شوق تھا۔

کتاب کے تیسرے حصہ میں کاغذ، قلم اور سیاہی پر بحث ہے۔ جو دیگر مباحث کی طرح تاریخی تحقیقات اور علمی معلومات سے لبریز ہے اور مختلف زمانوں میں ان چیزوں کو جو ترقیاں حاصل ہوئیں ان کا بالتفصیل ذکر ہے۔

حصہ چہارم میں، جو 54 صفحات پر مشتمل ہے، دنیا کی بہت سی زبانوں کی قریباً ہر زمانہ کی خطاطی کے مختلف نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ اس قدیم خطاطی کا نمونہ بھی ہے جس میں تصاویر کے ذریعہ سے اپنا مقصد ظاہر کیا جاتا تھا۔ مختلف ابجدوں اور خطاطی کے مختلف نمونوں کے فوٹو بھی دیئے گئے ہیں۔ قرآن کریم کے خط کوفی کے بھی نمونے دیئے گئے ہیں۔ جو 256 ہجری تک پہنچتے ہیں۔

کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ ہے۔ جس میں رموزات وغیرہ کے نمونے دیئے گئے ہیں۔

غرض اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ کتاب ہر پہلو سے مکمل اور جامع ہے۔ اور میں حکیم صاحب کو ان کی محنت، عرق ریزی اور تحقیق و تدقیق کی داد دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اور اس علمی سرمایہ کے مہیا کرنے پر انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ ممکن ہے بعض باتوں میں جو حکیم صاحب نے قدیم مورخین کے حوالوں سے ثابت کی ہیں موجودہ تحقیق کا اختلاف ہو۔ لیکن اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے اپنی طرف سے تحقیق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ جس کے لئے اہل علم اور بالخصوص اردو دان پبلک کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جہاں تک ہمارا علم ہے اُردو زبان میں اس علم کے متعلق ایسی جامع کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ ضرورت کہ حکیم صاحب کی اس محنت اور علمی کاوش کی قدر کی جائے۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

4 مارچ 1935ء
شذرات

ایک بے کس احمدی کا عزم حج

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں سوز و گداز سے پُر خط

محمد امین صاحب موضع سلیانہ ڈاکخانہ چیلہ ضلع جھنگ ہماری جماعت کے ایک مخلص ممبر ہیں اس سال وہ مالی مشکلات کے باوجود حج کو گئے ہیں۔ حجاز پہنچ کر وہ پیدل سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کراچی سے انہوں نے ایک پردرد خط حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں لکھا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عزیز بھائی کو بخیریت ارض مقدس پہنچائے اور واپس لائے اور ان کی دعائیں قبول ہوں۔ ہمارے خدا ناترس مخالفین دیگر بے بنیاد الزامات کے علاوہ اکثر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ احمدیوں نے حج کو منسوخ قرار دے دیا ہے۔ کوئی احمدی حج کو نہیں جاتا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط اور صریح بہتان ہے۔ ہم حکم قرآنی کے مطابق حج کو اسلام کا ایک رکن سمجھتے ہیں۔ ہر سال ہماری جماعت کے متعدد افراد حج کو جاتے ہیں۔ اس سال بھی گئے ہیں۔ جن میں ایک محمد امین صاحب بھی ہیں۔ کاش! ہمارے مخالفین ان ناقابل انکار حقائق کو آنکھیں کھول کر دیکھیں اور بے حقیقت باتوں کے اعادہ سے اجتناب کریں۔ مدیر

☆

قبلہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں بعزم حج کراچی پہنچ چکا ہوں۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ میں حضور کی زیارت کئے بغیر پنجاب سے رخصت ہوا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جس بے سروسامانی کی حالت میں میں گھر سے رخصت ہوا، اسے مولیٰ کریم بخوبی جانتا ہے۔ اگر میں جھنگ سے لاہور آتا اور لاہور سے کراچی جاتا تو میرے مصارف میں اضافہ ہو کر تکلیف کا باعث ہو

جاتا۔ میرے آقا! جہاں میں حضور کی جسمانی ملاقات سے محروم رہا ہوں، وہاں حضور کی روحانی ملاقات مجھے سفر میں مشعل ہدایت کا کام دے رہی ہے۔ یہ حضور کی دعاؤں اور فیوضات کا ہی نتیجہ ہے کہ باوجود قلت سرمایہ اور تنگدستی کے اللہ کے دربار میں حاضری کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔ کہاں مجھ سا گنہگار انسان اور کہاں یہ مبارک ارادہ۔ یہ سب حضور کی جماعت میں شمولیت کا نتیجہ ہے۔

میں دیارِ حبیب میں پیدل سفر کروں گا: مجھے اپنی بیکسی اور بے بسی کا ذرہ بھر افسوس نہیں۔ بلکہ میں خوش ہوں کہ گو میرا ہاتھ تنگ ہے مگر میرا دل تنگ نہیں۔ مجھے اس امر پا ناز اور فخر ہے کہ جہاں دوسرے ہمراہی لاریوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر حمد الٰہی کے ترانے گاتے ہوئے خدا اور اس کے پیارے حبیبؐ کے دربار میں حاضر ہوں گے، میں اپنی بداعمالیوں کا بوجھ سر پر رکھے ندامت اور شرمساری سے آنسو بہاتا ہوا پیدل وہاں جا پہنچوں گا۔ میں اس مقدس سرزمین میں پیدل سفر کروں گا، جہاں آج سے تیرہ سو سال قبل حضرت رسول عربی فداہ ابی و امی کالی کملی اوڑھے بکریاں چرایا کرتے تھے۔ میں اس پاک زمین کی ریت کو آنکھوں کا سرمہ بناؤں گا اور اس صحرا کے پتھروں کو پھولوں سے نرم جانوں گا۔

روٹھے خدا کو منانے جا رہا ہوں: قبلہ! عمر کا کافی حصہ بدترین افعال میں گزرا ہے۔ اب روٹھے خدا کو منانے جا رہا ہوں۔ مجھے دو درباروں میں حاضر ہونا ہے۔ ایک دربار خداوندی میں، دوسرے دربار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اور بارالٰہی میں جا کر پیشانی رگڑوں گا اور عرض کروں گا کہ اے الہ العالمین، غفور و رحیم تو ستار العیوب ہے۔ یہ پیشانی تیرے سرکش بندے کی ہے۔ جو کہ عاجزی سے خاک پر پڑی ہے۔ اس کی لاج رکھ لے۔ آج تیرے دروازہ پر شرمسار ہاتھ پھیلائے کھڑا ہوں۔ گو آج تک غیروں کے دروازوں پر صدائیں لگاتا رہا۔ مگر اے مالک! یہ قصور ان ہاتھوں کا نہ تھا۔ بلکہ نفس سرکش کا تھا جو کہ دربدر ٹھوکریں کھلاتا پھرا۔ اے مولیٰ! تو منصف ہے تو عادل ہے۔ بے شک آج تک جو مصائب مجھ پر آتے رہے ہیں ان سے بھی زیادہ کا مستحق تھا۔ یہ تیرا رحم تھا تجھے اپنے حبیبؐ کی لاج تھی۔ جو کچھ مجھے اپنے اعمال بد کی سزا ملتی رہی، اس میں پھر بھی تیری رحمانیت کا جزءِ غالب رہا۔

اے خدا تو مجھے خادم دین بنا: اے خداوند جہان میں نے اپنے نفس اور اپنے ہاتھوں ظلم کیا ہے۔ شرمسار ہوں، پشیمان ہوں، معافی دے دے، بخش دے، بچا لے، تیرا عاجز بندہ ہوں، تیری ہی بارگاہ

میں آیا ہوں، سب دروازوں سے ناامید ہو کر آیا ہوں۔ واسطہ اس کملی والے کا تو مایوس نہ پھیر، صدقہ اس سرتاج مدینہ کا، ناامید نہ کر، وسیلہ ان آبلوں کا، جو بنت رسولؐ کے ہاتھوں پر چکی پیسنے سے پڑے اپنے بندے کے تمام گناہ معاف فرما دے، صدقہ اس معصوم پیاسے بچے کی شہادت کا جو کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر بے جرم تیر کا نشانہ بناء مجھے خادم دین بنا اور میری توبہ قبول کر۔ آمین

دربار رسولؐ میں کیا عرض کروں گا: پھر بیت اللہ شریف سے پیدل چل کر مدینۃ الرسول کا رخ کروں گا۔ وہاں دربار رسولؐ میں جا کر بصد عجز وانکسار دست بستہ عرض کروں گا کہ اے سرتاج مدینہ! میں پنجاب کا ایک سیہ کار باشندہ ہوں۔ ستم رسیدہ ہوں، مصائب دیدہ ہوں، تیری امت کہلاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تیرے بارگاہ میں آتے ہوئے دریائے ندامت میں غرق ہو رہا ہوں۔ گناہوں کی گرداب میں میری کشتی ہچکولے کھا رہی تھی اور قریب تھا کہ ڈوب جائے کہ قسمت نے یاوری کی اور جھنگ کی ایک مقدس ومعزز ہستی کے توسط سے میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے متعارف ہو گیا۔ حضرت امیر جماعت نے مجھے گناہوں سے توبہ کرنے کی تلقین فرمائی اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی تاکید فرمائی۔ آخر کار ان کی دعائیں رنگ لائیں اور آج میں تیرے عالی دربار میں معافی لینے آیا ہوں۔

میرے عقائد: اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خداوند کریم کو واحد لاشریک جانتا ہوں۔ تجھے خاتم النبیین اور نبی آخر الزماں مانتا ہوں۔ ملائک مرسل کتب الٰہیہ، یوم آخرت، جزا وسزا پر محکم ایمان رکھتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں، روزے ماہ رمضان کے رکھتا ہوں، حج بیت اللہ پر باوجود قلت سرمایہ کے حاضر ہوا ہوں۔ صاحب نصاب نہیں ورنہ زکوٰۃ بھی ادا کرتا۔ تمام روئے زمین کے کلمہ گوؤں کو مسلمان جاننا میرا فرض ہے۔ باقی تمام عقائد اہلسنت والجماعت، جو کہ قرآن اور حدیث سے مسلم الثبوت ہیں، پر ایمان رکھتا ہوں۔

احمدی ہونے کی وجہ سے لوگ مجھے کافر کہتے ہیں: مگر اے شفیع المذنبین رسول! جماعت احمدیہ اشاعت اسلام لاہور میں شمولیت کی وجہ سے وطن میں کافر کہلاتا ہوں۔ اہل وطن کے نزدیک میری تمام عبادتیں اور نیکیاں بے فائدہ اور بیکار ہیں۔ ہم میں خصوصیت ہے تو صرف یہی ہے کہ ہمارا نصب العین اشاعت اسلام ہے۔ اسی جرم میں ہم مطعون ومجرم قرار دیئے جا رہے ہیں۔

ہم کیا کر رہے ہیں؟: اے پیارے نبی! اس مختصر سی جماعت نے لندن میں توحید کا سبق دیا ہے نہ کہ تثلیث کا۔ غیر زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے نہ کہ اور کتابوں کا، یورپ کے کفرستانوں میں اس جماعت نے مسجدیں بنوائی ہیں نہ کہ مندر اور کلیسا، جرمنی میں قرآن کریم کی اشاعت پر زور دیا جا رہا ہے، نہ کہ بائیبل اور وید کی اشاعت پر۔ ہمارے یہی کام ہیں، جسے ہمارے اہل وطن حقارت کی نظر دیکھ کر ان کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں۔ اے عربی رسول! وہ مسلمان کہلاتے، قرآن پڑھتے، نمازیں پڑھتے ہوئے، تخریب اسلام میں ایڑی چوٹی پر زور لگا رہے ہیں۔ ہم پر اعتراض یہ کیا جا رہا ہے کہ اس انجمن کی بنیاد رکھنے والا، اس سرفروش جماعت کا پیدا کرنے والا ایسا ہے، اس میں یہ عیب ہے یہ نقص ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے حالات کو بخوبی جانتا ہے اور اس کا بے انتہاء لٹریچر ہزاروں گھرانوں کی ہدایت کا موجب بنا۔ میرے سردارؐ! مجھے یقین ہے کہ جب میں گھر جاؤں گا، تب بھی کافر کہلاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ قوم کو اور میرے اہل وطن کو ہدایت دے تا کہ وہ اس زمانہ کے مجدد اعظم کو شناخت کر سکیں اور ہماری جماعت کو اشاعت اسلام کی بیش از بیش توفیق عطا فرما۔ والسلام

نیاز مند محمد امین سلیانہ

موضع سلیانہ ڈاکخانہ چیلا، ضلع جھنگ

❁ ❁ ❁

7 مارچ 1935ء

مراسلات

طارق ثانی اور ہم

محترمہ مسز رحمت الٰہی صاحبہ

پرخلوص باپ اور پرجوش بیٹے کی خط و کتابت: حضرت امیر کا اعلان اور ایک پرخلوص باپ اور پرجوش بیٹے کی خط و کتابت قریباً ہر فرد جماعت تک پہنچ چکی ہوگی۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ۔ مجھے اس کے پڑھنے سے جس قدر خوشی ہوئی، قوت بیان سے باہر ہے بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دل سے ہزاروں دعائیں فتح اسلام اور اپنی جماعت کی کامیابی کے لئے نکل رہی تھیں۔ یہ مجنونانہ ولولہ، یہ پہاڑ کی طرح بلند اور مضبوط امنگیں، یہ حقیقی عشق صداقت ہی کا نشان ہیں۔ یقیناً یہ تائید ربی ہے۔ دشمن اگر تمسخر اور توہین پر تلا رہے تو اس کی کم نصیبی ہے۔ خدا ایسے سنگدل کو ہدایت دے، غور کرنے کا مقام ہے کہ طارق بن زیاد کے بعد اس طویل عرصے میں طارق بن امجد! سے پہلے کوئی فرد یا کوئی جماعت اس ولولے کی مالک نہ ہوئی۔ نہ کہیں اس امنگ کا نشان ہی نظر آیا۔ کروڑوں مسلمانوں میں سے اب بھی یہ سعادت، یہ فضیلت خدا نے مجدد اعظم ہی کے پیروؤں میں سے اس نیک نہاد بھائی کے مقدر میں کی۔ میں خدا کے حضور درد دل سے دعا کرتی ہوں کہ وہ اس عزیز بھائی کے ارادوں کو زبردست استقامت عطا فرمائے۔ اس کے ہر نیک ارادے کی تکمیل الٰہی تائید سے ہو۔ خدا عمر دراز عطا فرمائے اور وہ دن جلد آئے کہ ہم اسے دنیائے اسلام میں طارق ثانی کے لقب سے شہرت پذیر دیکھیں، خدا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

تائید غیبی: روزی رسانی تو خدا نے اپنے ذمے لی ہے۔ پھر ایسے باہمت مجاہد کے لئے ہمیں فکر کی شاید ضرورت نہ ہو۔ بعض اوقات غیب سے ایسے سامان بھی ہو جایا کرتے ہیں جو بظاہر ناممکن سے ہوتے ہیں۔ خدا ہر ہر قدم پر کامیابیوں کے ساتھ اپنی رحمت اور تائید کی بارش فرمائے اور اس کی روح کو سچی تسکین نصیب کرے جو اس کے مقصد اعلیٰ کو مضبوط کرتی چلی جائے۔ تاریخ احمدیت میں یہ کارنامہ دنیا کے معدودے چند باہمت زریں کارناموں سے ہو۔ آمین ثم آمین۔ یہ جذبہ صدق ہماری جماعت کے ہر فرد کے لئے رحمت ہے۔ شاید اسی بہانے سے ہمیں کسی نیکی کا موقعہ مل جائے۔

میرا بچہ منصور طلعت: میرا چھوٹا سا بچہ منصور طلعت ہے۔ زندگی اور موت کے تعین سے تو صرف خدا کی ذات واقف ہے۔ مگر جب سے یہ خبر پڑھی ہے دل میں ایک امنگ سی پیدا ہوگئی ہے۔ بچہ ماں ہی کے ساتھ زیادہ تر وابستہ ہوتا ہے۔ اسے دیکھ دیکھ کر ہر وقت یہ احساس پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اکثر کہا کرتی ہوں کہ منصور تم طارق ثانی کی فوج میں شامل ہو کر میرا حق الخدمت ادا کرنا۔ جو میں تمہاری خدمت غلاظت اٹھا کر اور خون جگر پلا کر کر رہی ہوں۔ مستقبل کو خدا بہتر جانتا ہے۔ لیکن اگر یہ بچہ زندگی لے کر آیا ہے تو میں اس کے خیالات کو اس بلند مقصد کی طرف مائل و راغب کرنے کا (بشرط زندگی) ارادہ کر چکی ہوں۔ خدا کرے یہ خود بھی سلیم الفطرت ہو، اور خدمت دین اس کے مقدر میں ہو۔ اور زندگی اور خدمت دین اس کے لئے لازم ملزوم ہو۔ آمین۔

عورت مرد کی معاون ہے: جب سے میں نے یہ خبر پڑھی ہے خوشی کے ساتھ ساتھ ایک فکر بھی دامن گیر ہوگئی ہے۔ وہ یہ کہ خدا نے مرد کو جہاد کا موقعہ دے رکھا ہے اور اسے اس قابل بنایا ہے کہ وہ فقط اللہ پر بھروسہ رکھ کر دنیا میں اپنے ارادوں کو تکمیل دے سکے۔ مگر عورت کو خدا نے ہی اپنے نظام کے ماتحت کمزور بنایا ہے۔ نیز یہ چیز یعنی جہاد اس صورت میں اس کے فرائض میں نہیں رکھا۔ عورت اگر یہ کام انجام دے تو خوب ہے مگر اس کے ذاتی فرائض میں تن تنہا نکل پڑنا۔ یا اس رنگ میں خدمت اسلام یا خدمت جماعت کو نہیں رکھا گیا۔ آغاز اسلام کی تاریخ پیش نظر ہے۔ وہاں عورت میدان جنگ کے خطرناک اور دہشت انگیز ماحول میں موجود ہے۔ مگر معاون کے طور پر نہ کہ ذمہ دار حیثیت سے۔ غرض عورت کا مرد کے فرائض میں مدد و معاون ہونا احسن ہے، مگر ان میں ذمہ دار بننا مفید نہیں۔ اور منشائے الٰہی کے بھی خلاف ہے۔ یہ خرابی اس وقت یورپ میں بھی بہت وضاحت سے نظر آتی رہی ہے۔

تین مفید تجاویز: میں یہ تجویز پیش کرنا چاہتی ہوں کہ ہم مستورات گھروں کی ذمہ دار و منظّم ہونے کی حیثیت سے اس مبارک جہاد میں شریک ہوسکتی ہیں۔ جس طرح زمانہ سلف کی خواتین جنگ میں حصہ لے کر مردوں کی امداد کا باعث ہوتی تھیں اور ان کے کام کو تقویت ملتی تھی۔ میرے خیال میں کئی دن سے مندرجہ ذیل تین تجاویز ہیں۔ بہت غور کرنے کے بعد تحریر کرتی ہوں۔ ممکن ہے ان میں سے ایک بھی قابل عمل نہ ہو یا کوئی ایک رد کر دینے کے لائق سمجھی جائے۔ تاہم ان کا اظہار ضروری سمجھتی ہوں۔

1۔عورت قوموں کے مستقبل کی کس حد تک ذمہ دار ہے یہ نہایت ہی اہم سوال ہے۔عورت کے ہاتھ میں یہ باگ ننھے ننھے بچوں کی صورت میں دی گئی ہے۔ان کی افتاد جماعت کی بنیاد ہوتی ہے۔ وہی ناتواں و معصوم بچے جو ابتدا میں کچھ حقیقت نہیں رکھتے آگے چل کر جماعت کے ستون اور ملک کے ہونے والے سپوت ہوتے ہیں۔انہیں پر ملک،قوم تمدن و معاشرت اور علم و ثروت کا انحصار ہوتا ہے۔ انہیں کے ہاتھ ملکوں کی عنان حکومت تھامتے ہیں۔ان کی پرورش و تربیت عورت کے ذمہ ہے۔اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ عورت قوم کے مستقبل کی کس حد تک ذمہ دار ہے۔یہ خود ایک مستقل عنوان ہے۔ جہاں تک میری تجویز کو تعلق ہے میں عرض کرتی ہوں کہ جماعت کی دین دار و حساس خواتین اس تحریک کو خاص اہمیت دیں اور اپنے ننھے ننھے بچوں کے دماغوں میں ابھی سے اس کام کی محبت و عظمت پیدا کریں۔طارقِ اول اور طارقِ ثانی کے ناموں سے ان کا تعارف کرائیں اور ان کے دلوں میں دین کی خدمت،محبت اور شوق پیدا کریں۔ماں یہ بات بچے میں نہایت آسانی سے پیدا کرسکتی ہے۔شاید بظاہر یہ بہت معمولی تجویز معلوم ہو۔مگر یہی احساس ہر کام کا سنگ بنیاد ہے اور یہی سب سے زیادہ ضروری چیز ہے اور یہ بہت حد تک عورت کے ہاتھ میں ہے۔

2۔دوسری تجویز یہ ہے کہ ہم چند سال کے لئے (جن کا تعین مشورے سے ہو یا جناب سیکرٹری صاحبہ انجمن خواتین کریں) اپنی سلائی کی آمد سپین فنڈ کے لئے وقف کردیں۔یہ ہماری طرف سے مجموعی طور پر مالی امداد ہوگی جو کہ بجائے خود ایک جہاد ہے۔

3۔جماعت میں بہت سی متمول بہنیں ہیں۔اگر ہر وہ بہن جو پچاس تولے سونا رکھتی ہے،اپنے زر کا پچاسواں حصہ یعنی ایک تولہ سونا سپین فنڈ میں دے دے تو اس کے مال میں کوئی نمایاں کمی واقع نہ ہوگی اور یہ قطرہ قطرہ مل کر دریا بن جائے گا اور ایک مستقل رقم جمع ہوجائے گی۔سونا یا اس کی قیمت بھی دی جاسکے گی۔اس تجویز کے پاس ہونے کے بعد آٹھ وعدوں کی رقم یا سونے کی وصولی انشاءاللہ شروع ہوجائے گی۔

میری طرف سے ایک تولہ سونے کا وعدہ سمجھا جائے۔استدعا ہے کہ یہ تجاویز احمدیہ گرلز ایسوسی ایشن میں بھی پیش کی جائیں۔تاکہ آسانی سے ان پر تبادلہ خیالات ہوسکے۔خاکسار مسز رحمت الٰہی لائل پور

7 مارچ 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

مساجد فنڈ

ہماری جماعت میں بہت سے مقامات پر مسجدوں کے بنوانے کی ضرورت ہے اور جماعت کی ترقی کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ہر مقام پر جہاں جماعت ہے مسجد بھی ہو۔ جہاں پانچ وقت احباب جمع ہو سکیں۔ چونکہ جماعت کے افراد اکثر مقامات پر اس قدر طاقت نہیں رکھتے کہ خود مسجد بنوانے کے لئے کافی رقم جمع کر سکیں اس لئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ ہر سال عید الضحیٰ کے موقعہ پر مساجد کے بنوانے کے لئے خاص طور پر چندہ کیا جایا کرے۔ جس میں ساری جماعت حصہ لے اس طرح پر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہر سال ایک دو جگہ پر مسجد بن جایا کرے گی اور پانچ سات سال میں ہماری یہ کمی پوری ہو جائے گی۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ مسجدوں کے ساتھ ہماری جماعت کا قدم بھی ترقی کی طرف زیادہ تیزی سے بڑھے گا۔ کیونکہ مسلمانوں کی ترقی کا اصل راز ہی مسجد کو مرکز بنانا ہے۔ اس تحریک کو کامیاب کرنے کے لئے میں حسب ذیل امور کی طرف اپنے جملہ احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اس تحریک میں ساری جماعتیں اور سارے احباب فرداً فرداً بھی حصہ لیں گے۔

اول۔ جماعت کے ذی مقتدر احباب مسجدیں بنانے کے نیک کام میں دل کھول کر حصہ لیں اور اپنی حسب توفیق اس کار خیر میں حصہ لے کر دوسرے احباب کے لئے نمونہ بنیں۔

دوم۔ جو احباب عید کے موقعہ پر زیادہ تعداد میں جانور ذبح کرتے ہیں۔ وہ فی خاندان صرف ایک جانور کے ذبح کرنے پر اکتفا کریں۔ کیونکہ ایک جانور ایک گھر کی طرف سے کافی ہے۔ اور اس طرح جو رقم بچے اسے مساجد فنڈ میں دیں۔

سوم۔ عید الضحیٰ کے موقعہ پر ہر ایک دوست بلا استثناء کم سے کم ایک روپیہ علاوہ عید فنڈ کے مساجد فنڈ کے لئے ادا کرے۔ اور اس تحریک سے کوئی دوست باہر نہ رہے۔

ہمارے دوستوں کی یہ تھوڑی قربانی انشاء اللہ بہت بڑے ثواب کا موجب اور عظیم الشان کامیابی کا پیش خیمہ ہو گی۔

اس تحریک کو قومی تحریک سمجھ کر جملہ احباب اس کے کامیاب بنانے میں ساعی ہوں اور ہر جگہ نماز جمعہ میں اس کے متعلق احباب میں فوراً تحریک کی جائے۔ والسلام۔ محمد علی

11 اپریل 1935ء

''زمیندار'' کی غلط بیانی

حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب کے بیان میں ناجائز تصرف

7 مارچ کے ضمیمہ روز نامہ ''زمیندار'' میں حضرت مولٰینا مولوی محمد علی امیر جماعت لاہور کا جو بیان شائع ہوا ہے اس میں جا بجا غلط بیانیوں اور ناجائز تصرف سے کام لیا گیا ہے۔لیکن سب سے اہم غلط بیانی یہ کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''جو مرزا صاحب کو مسیح موعود نہیں سمجھتے۔ میں اُن کو مسلمان نہیں سمجھتا۔'' حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔حضرت مولٰیناؒ نے ہرگز ایسا نہیں کہا۔ بلکہ سرکاری وکیل کے اس سوال کے جواب میں کہ جو شخص حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود نہیں مانتا آپ اُن کے متعلق کیا سمجھتے ہیں۔ آپ نے صرف اس قدر کہا کہ ''اُن کو غلطی پر سمجھتا ہوں''۔''زمیندار'' کو ہم چیلنج کرتے ہیں کہ اگر اس میں ذرا بھی صداقت ہے تو عدالت کی مصدقہ نقل سے ان فقروں کی صحت کا ثبوت دے۔ اور ان کی نمایاں طور پر تردید کرے۔ ذیل میں ہم حضرت مولٰینا کا مفصل بیان، جو ہمارے خاص نامہ نگار نے لفظ بہ لفظ نوٹ کر کے ڈلہوزی سے بھیجا ہے، قارئین کرام کی آگاہی کے لئے درج کرتے ہیں:

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے مقدمہ میں حضرت امیر ایدہ اللہ کی شہادت: ڈلہوزی 5 اپریل 1935ء آج بوقت ساڑھے دو بجے بعد دوپہر دیوان سکھ آنند صاحب سپیشل مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی طرف سے بطور گواہِ صفائی پیش ہوئے۔ اس بارہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس سے پیشتر پہلے 25 مارچ کے لئے اور پھر 29 مارچ کے لئے دو دفعہ حضرت امیر ایدہ اللہ کی خدمت میں لاہور میں سمن پہنچے۔لیکن چونکہ آپ ان دنوں میں بیمار تھے اور آپ کو ڈاکٹری مشورہ کسی دماغی محنت کی اجازت نہ دیتا تھا، اس لئے آپ نے اسی عذر کے ساتھ وہ دونو سمن واپس کر دئے۔۔ اپریل کو آپ چند دن آرام کرنے کے لئے ڈلہوزی تشریف لائے۔ عدالت کو جب یہ معلوم ہوا تو اُس نے بھی یہی پسند کیا کہ ڈلہوزی آکر حضرت ممدوح کی شہادت لی جائے۔ چنانچہ آج صبح ہی سید عطاء اللہ شاہ صاحب ملزم یہاں پہنچ گئے۔ مجسٹریٹ اور سرکاری وکیل اور

اُن کی معاونت کے لئے مرزا عبدالحق قادیانی بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کل آ گئے تھے۔شہادت کا وقت صبح دس بجے تھا۔لیکن چونکہ ملزم کے وکیل شیخ چراغ دین صاحب صبح نہ آ سکے۔اس لئے مقدمہ ساڑھے دو بجے بعد دوپہر پر ملتوی ہوا۔ دوپہر کو وکیل صاحب کے علاوہ قریباً پچاس ساٹھ آدمی اور بھی آ گئے۔ جو عدالت میں بطور تماشائیوں کے موجود تھے۔حضرت امیر ایدہ اللہ کا بیان ساڑھے دو بجے شروع ہو کر قریباً ساڑھے پانچ بجے تک ہوتا رہا۔ جو حسب ذیل ہے۔بجواب شیخ چراغ دین صاحب وکیل ملزم آپ نے فرمایا:

میں احمدی ہوں۔ میں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی بیعت 1897ء میں کی تھی۔ 1899ء میں قادیان میں مستقل سکونت کے لئے چلا گیا۔اپریل 1914ء تک وہاں رہا۔حضرت مرزا صاحب کا انتقال 1908ء میں ہوا۔اُن کے زمانہ میں ''ریویو آف ریلیجنز'' کا ایڈیٹر اور صدر انجمن احمدیہ قادیان کا سیکرٹری تھا۔ مولوی نورالدین صاحب حضرت مرزا صاحب کے جانشین تھے۔اُن کے زمانہ میں بھی وہیں رہا اور بدستور سیکرٹری رہا۔لیکن 1909ء میں میں نے انگریزی ترجمہ القرآن کا کام شروع کیا۔اس 35-36 سال کے عرصہ میں میں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔موجودہ قادیانی جماعت سے مجھے مذہبی اختلاف ہے۔میرے عقیدہ کے مطابق حضرت مرزا صاحب نبی نہ تھے۔

سوال۔جو لوگ ان کو نبی مانتے ہیں ان کے متعلق آپ کیا سمجھتے ہیں۔آیا آپ کے نزدیک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور توہین کرتے ہیں یا نہیں؟

جواب۔میرے نزدیک وہ غلطی پر ہیں۔ ہتک اور توہین کا تعلق دل سے ہے۔ میں کسی کے دل کا حال نہیں جانتا۔

سوال۔کیا صرف یہ امر کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی مانا جائے اس میں آپ کی ہتک ہے یا نہیں؟

جواب۔ہاں اس میں نبوت محمدیہ کی ہتک ہے۔دیگر سوالات کے جواب میں فرمایا:

میرا ایمان ہے کہ آنحضرتؐ آخری نبی تھے۔آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں۔ نہ نیا نہ پرانا۔قرآن کریم میں اس کی تائید میں بہت سی آیات ہیں۔ بالخصوص وہ آیت جس میں

آنحضرتؐ کو خاتم النبیّین کہا گیا ہے۔ خاتم النبیّین کے معنی ہیں۔ نبیوں کی مہر یا آخری نبی۔ خاتم الانبیاءؐ کے بھی وہی معنی ہیں۔

نبی تشریعی یا غیر تشریعی کی تقسیم قرآن اور حدیث میں کوئی نہیں۔ جنہوں نے یہ تقسیم کی ہے۔ انہوں نے اس لحاظ سے کی ہے کہ تشریعی نبی وہ ہوتا ہے جو نئی شریعت لائے اور غیر تشریعی صرف بعض احکام میں تغیر تبدل کرتا ہے۔ میرے نزدیک نہ تشریحی نبی آ سکتا ہے نہ غیر تشریعی۔ میرے نزدیک دین کامل ہو گیا ہے۔ اس لئے کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی دوسرا نبی آ جائے تو آنحضرتؐ کی نبوت ناقص ٹھہرتی ہے۔ اگر کوئی شخص آنحضرتؐ کے بعد دعوٰی نبوت کرے تو اسے کذاب یا کافر کہنا جائز ہے۔ آنحضرتؐ کے بعد کسی نبی کا نہ آ سکنا بہت سی احادیث سے بھی ثابت ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ میں قصرِ نبوت کی آخری اینٹ ہوں اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ بھی حدیث میں آتا ہے۔

ثلثون کذابون والی حدیث میں آنحضرتؐ کے بعد تیس جھوٹے نبیوں کے آنے کی پیشگوئی ہے۔ یہاں ثلثون کا لفظ عدد کامل کے طور پر ہے۔ حد بندی کے لئے نہیں۔ نبوت میرے نزدیک موہبت ہے کسب نہیں۔

جہاں تک مجھے یاد ہے یہ قول میاں محمود احمد صاحب کا نہیں کہ ختم نبوت فرعون کا عقیدہ ہے۔ کسی اور قادیانی نے کہا ہوگا۔ ''النبوت فی الاسلام'' میری تصنیف ہے۔ اس میں میں نے جو یہ فقرہ لکھا ہے کہ کوئی کہتا ہے کہ ختم نبوت فرعون کا عقیدہ تھا۔ میاں صاحب کے متعلق نہیں بلکہ کسی اور قادیانی کے متعلق ہے۔ مجھے یاد ہے کہ کسی قادیانی نے کسی کتاب میں ایسا لکھا ہے کہ ختم نبوت فرعون کا عقیدہ تھا۔ میں نے ''حقیقۃ النبوت'' مصنفہ میاں محمود احمد صاحب کے صفحہ 187 کی تحریر کو اپنی کتاب ''النبوت فی الاسلام'' میں نقل کیا ہے۔ اس میں میاں صاحب نے اُن لوگوں کو جو آنحضرتؐ پر نبوت کو ختم سمجھتے ہیں، اس لحاظ سے لعنتی اور مردود کہا ہے کہ ان کے خیال میں جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ آنحضرتؐ کو دنیا کے لئے عذاب قرار دیتے ہیں۔

''آنحضرتؐ کی نبوت کا دامن ایک طرف کل قوموں کو اپنے نیچے لئے ہوئے ہے اور وہ دوسری طرف کل زمانوں پر ممتد ہے'' یہ میرا فقرہ ہے۔ جو میں نے ''النبوت فی اسلام'' کے صفحہ 110 پر لکھا ہے اور اس میں ''نبوت کا دامن'' کے الفاظ میں نے استعمال کئے ہیں۔

مجھے میاں محمود احمد صاحب نے چیلنج دیا تھا کہ قرآن کریم کی تفسیر ان کے مقابلہ میں بیٹھ کر لکھوں۔ میرا خیال ہے کہ دوسرے علماء کو بھی وہ ایسا چیلنج کرتے رہتے ہیں۔

''پیغام صلح'' جماعت احمدیہ لاہور کا اخبار ہے۔ میں اس اخبار کو پڑھا کرتا ہوں۔ سارا نہیں پڑھتا۔ ''مسیح کی بھیڑو'' کے الفاظ اچھے اور بُرے دونوں معنوں میں استعمال ہو سکتے ہیں۔ یہ استعمال کرنے والے کی نیت پر منحصر ہے کہ وہ کن معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ ''مسیح کی بھیڑو'' کے الفاظ اناجیل میں استعمال ہوئے ہیں یا نہیں۔

قرآن کریم میں احمد نام صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔ بعض قادیانی، جن میں میاں محمود صاحب بھی شامل ہیں، کہتے ہیں کہ یہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق ہے۔ میرے نزدیک یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔ تمام اسلامی دنیا آج تک اس سے صرف آنحضرتؐ ہی مراد لیتی ہے۔ اب بھی اُن کا یہی ایمان ہے۔

کعبہ اور قبلہ اور ارض حرم کے الفاظ اسلامی روایات میں خاص معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ کعبہ وہ مقدس گھر ہے جو مکہ میں ہے۔ قبلہ وہ سمت ہے جس طرف مسلمان منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ارض حرم سے مکہ اور اس کا گردونواح مراد ہے۔ مجاز کے طور پر یہ الفاظ اور معنوں میں بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے دوسرے مقامات کے لئے فقط کعبہ استعمال نہیں ہوا۔

اسلامی اصطلاح میں حج اسی کو کہا جاتا ہے جو اسلام کے چار فرائض میں سے ایک فریضہ ہے۔ کعبۃ اللہ کے سوائے دوسری جگہ حج نہیں ہوسکتا۔ قادیان کے جلسہ سالانہ کو میاں محمود احمد صاحب نے ظلّی حج لکھا ہے۔

امہات المومنین کے الفاظ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لئے قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ قادیانیوں نے ام المومنین کے الفاظ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی بیوی کے لئے بھی استعمال کئے ہیں۔

(اس سوال کے جواب میں کہ کیا ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے؟ فرمایا کہ) ختم نبوت کا عقیدہ اسلامی تعلیمات کے نہایت ضروری اور اہم عقائد میں سے ہے۔

خطبہ مندرجہ اخبار ''پیغام صلح'' (اگزبٹ ڈی۔زیڈ 54) میرا ہی خطبہ ہے، اس کے یہ الفاظ کہ ''تمام کلمہ گوؤں کی تکفیر کر کے اسلام کی جڑوں کو کاٹ کر پھینک دیا ہے'' میرے ہی ہیں۔

میں قادیان سے اس لئے چلا آیا کہ میاں محمود احمد اور اُن کی جماعت سے میرا مذہبی اختلاف ہو گیا۔ میں نے اور میرے حصہ جماعت نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ وہاں رہیں۔ کیونکہ ہمارے دل میں یہ خدشہ پیدا ہو گیا کہ یہاں دو فریق رہیں گے تو تصادم ہوگا اور مقدمہ بازی ہوگی اور تعمیری کام کوئی نہ ہوگا۔ مجھے خطرہ تھا کہ غیر ذمہ دار آدمی کوئی حملہ نہ کر دے۔

(یہ سوال کہ آیا گواہ نے میاں محمود احمد صاحب کے ایسے خط یا شائع شدہ تحریر کا جواب دیا جس میں گواہ کے واجب القتل ہونے کا ذکر ہے؟ عدالت نے روک دیا)

قادیان چھوڑنے سے پہلے مجھ پر کوئی پتھر نہیں پھینکے گئے، کچھ کنکر پھینکے گئے۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ کس نے پھینکے۔ صرف یہ وجہ میرے قادیان چھوڑنے کی نہ تھی۔

قادیان میں میری دو گھماؤں زمین ہے۔ میں ان حالات کی وجہ سے، جو بیان کر چکا ہوں، وہاں مکان بنانا نہیں چاہتا۔ ایک حصہ زمین میں نے بیچ دیا تھا۔ باقی زمین اس لئے نہیں بکی کہ غالب فریق کا یہ منشاء نہیں کہ کوئی اسے خریدے۔ یہ میرا خیال ہے۔ میں نے زمین صدر انجمن احمدیہ قادیان سے 1912ء میں خریدی تھی۔

''تبلیغ رسالت'' مجموعہ اشتہارات کا نام ہے۔ جو میر قاسم علی نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی جلد ہفتم صفحہ 19 پیراگراف نمبر 5 میں حضرت مرزا صاحب کے خط کی نقل ہے۔ جو انہوں نے لفٹنٹ گورنر پنجاب کو لکھا۔

''پیغام صلح'' 11 دسمبر 1930ء میں نے دیکھا ہے۔ اس کے لیڈر کا مضمون میری مراسلت ہے۔ (اس اخبار کے صفحہ نمبر 3 کالم نمبر 1 میں ''لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی جائیداد پیدا کر لی'' کے فقرات پر جو خلیفہ قادیان کی مالی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ سوال کرنے کی اجازت عدالت نے نہ دی)

''پیغام صلح'' 24 اپریل 1933ء میں ایک ''نیا فتنہ کا مضمون'' میرا لکھا ہوا ہے۔ اس میں دابۃ الارض کے متعلق جو فقرات حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کئے ہیں، وہ آپ کی کتاب تحفہ گولڑویہ

سے نقل کئے گئے ہیں۔ دابتہ الارض کے معنی زمینی کیڑے کے ہیں۔

الدنیا جیفة و طالبها كلاب کے معنی ہیں دنیا مردار ہے اور اس کا چاہنے والا کتا ہے۔

''خطبہ الہامیہ'' حضرت مرزا صاحب کی کتاب ہے اور ''ضرورت الایام'' بھی۔

سرکاری وکیل کی جرح کے جوابات

بجواب سرکاری وکیل فرمایا:

میں حضرت مرزا صاحب کو مجدد مسیح موعود اور مہدی سمجھتا ہوں۔ اُن کے کلام اور تحریرات کو قرآن اور حدیث کے ماتحت مانتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنے کلام اور تحریرات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین نہیں کی۔ نہ مکہ اور مدینہ کے متعلق کوئی بُرے الفاظ کہے۔ اگر کوئی ان پر ایسی تہمت لگائے تو میں اپنی دلآزاری سمجھوں گا۔

مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی لفظ ام المومنین حضرت مرزا صاحب کی بیوی کے متعلق استعمال کیا ہو۔ لیکن اگر استعارہ کے طور پر استعمال کروں تو کوئی ہرج نہیں۔

مجھے اس کتاب کا نام یاد نہیں جس میں کسی قادیانی نے ختم نبوت کو فرعون کا عقیدہ قرار دیا ہے۔

''پیشاب کی جھاگ'' کے الفاظ اپنے مخالف کے متعلق بھی بولنا برا ہے۔ اپنے دشمنوں کو ''دم کٹے کتے'' کہنا دل آزاری ہے۔

عام مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آئیں گے۔ میں اس کو نہیں مانتا۔

جو لوگ حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود یا مجدد نہیں مانتے اُن کو میں غلطی پر سمجھتا ہوں۔

جب میں قادیان سے آنے والا تھا۔ اس وقت موجود خلیفہ قادیان میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ قادیان نہ چھوڑیں۔

حضرت مسیح کے دوبارہ آنے سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہوتی ہے۔ جیسے کسی اور نبی کے آنے سے ہوتی ہے۔ اگر مسیحؑ نبوت سے معزول ہو کر اور آنخضرتؐ کے پیرو ہو کر آئیں تو اس سے آنخضرتؐ کی توہین نہیں ہوتی۔

جب میں کہتا ہوں کہ لفظ ام المومنین حضرت مرزا صاحب کی بیوی کے متعلق استعارہ کے طور پر استعمال ہوسکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو احکام اصل معنوں میں نافذ ہوتے ہیں وہ استعارہ کی صورت میں نافذ نہیں ہوتے۔

ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے متعلق درخواست: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا بیان ختم ہونے پر وکیل ملزم نے ایک درخواست پیش کی کہ ملزم کو معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب بھوپال سے 6 اپریل کو واپس لاہور پہنچنے والے ہیں۔ اس لئے انہیں بھی شہادت کے لئے طلب کیا جائے۔ عدالت نے یہ درخواست نامنظور کردی اور آج کی کاروائی ختم ہوئی۔ آئندہ پیشی 8 اپریل کو ہوگی۔ اس دن وکلاء کی بحث ہوگی۔

15 اپریل 1935ء

اداریہ

’’زمیندار‘‘ اور ’’احسان‘‘ کا افسوسناک اقدام

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے بیان میں ناجائز تصرف

احراری اخبارات کی دیانت و اخلاق کا نمونہ

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے مقدمہ میں 5 اپریل کو ڈلہوزی میں بطور گواہِ صفائی جو بیان دیا ہے، اس کو احراری اخبارات ’’زمیندار‘‘ و ’’احسان‘‘ نے صحیح شائع نہیں کیا۔ بلکہ اس میں جابجا نہایت افسوسناک اور ناجائز غلط بیانیاں اور تصرف کیا گیا ہے۔ سب سے اہم غلط بیانی یہ کی گئی کہ حضرت ممدوح نے فرمایا کہ ’’جو حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود نہیں سمجھتے میں ان کو مسلمان نہیں سمجھتا۔‘‘ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ سرکاری وکیل کے اس سوال کے جواب میں کہ جو شخص حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود نہیں مانتا آپ اُن کے متعلق کیا سمجھتے ہیں۔ حضرت ممدوح نے صرف اس قدر کہا کہ ’’ان کو غلطی پر سمجھتا ہوں۔‘‘

11 اپریل کے ضمیمہ ’’پیغام صلح‘‘ میں حضرت ممدوح کا صحیح بیان شائع کرتے ہوئے ہم ’’زمیندار‘‘ کو چیلنج کر چکے ہیں کہ اس نے جو کچھ شائع کیا ہے۔ عدالت کی مصدقہ نقل سے اس کی صحت کا ثبوت دے۔ ورنہ اس کی نمایاں طور پر تردید کرے۔ لیکن وہ اب تک خاموش ہے۔ اس چیلنج میں اب ہم ’’احسان‘‘ کو بھی شریک کرتے ہیں۔

’’زمیندار‘‘ اور ’’احسان‘‘ ہمارے عقائد سے ناواقف نہیں۔ لہٰذا اس افسوسناک غلط بیانی کو کسی غلط فہمی یا سہو پر محمول نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بفرض محال ان کو کوئی غلط فہمی ہو گئی تھی تو دیانت اور صحافتی ذمہ داری کا اقتضا یہ تھا کہ وہ حضرت ممدوح سے یا عدالت کے ریکارڈ سے اس کو رفع کر لیتے۔ یا کم از کم ہمارے چیلنج پر اپنی غلط بیانی کی تردید کر دیتے۔ یا اگر ان کا شائع کردہ بیان صحیح تھا تو وہ بہادر اور شریف انسانوں کی طرح اپنی صداقت کا ثبوت دیتے۔ ’’پیغام صلح‘‘ کا محولہ بالا ضمیمہ 9 اپریل کو شائع ہوا اور اسی روز ’’زمیندار‘‘ و ’’احسان‘‘ کے دفاتر میں پہنچا دیا گیا۔ لیکن ان دونوں میں سے انہوں نے کوئی راہ بھی اختیار نہ کی۔ ہم اپنے چیلنج کا اعادہ کرتے ہوئے ان دونوں اخباروں کو پھر ایک موقع دیتے ہیں۔ اگر انہوں نے اس سے بھی فائدہ نہ اٹھایا تو دنیا یہ سمجھنے پر مجبور ہو گی کہ یہ غلط بیانی جان بوجھ کر کی گئی ہے۔ اور اس کو صحافتی بددیانتی کی بدترین مثال کے سوا اور کچھ نہیں کہا جائے گا۔

19 اپریل 1935ء

قادیان کا نیا خفیہ سرکلر

ختم نبوت کے بعد نبوت کو قائم کرنے کے لئے مذبُوحی حرکات

ناظر تصنیف وتالیف قادیان کی طرف سے حسب ذیل سرکلر چٹھی خفیہ طور پر بعض قادیانیوں کے نام بھیجی گئی ہے۔

شہادت صحابہ حضرت مسیح موعود دربارہ مسئلہ نبوت: مہربانی فرما کر حلفی بیان دیں کہ:

1۔کیا آپ حضرت مسیح موعود کے زمانے کے احمدی ہیں آپ نے کب بیعت کی تھی؟

2۔کیا آپ حضرت مسیح موعود کے زمانے میں حضرت مسیح موعود کو صحیح طور پر اور اصلی معنوں میں اللہ کا رسول اور نبی یقین کرتے تھے۔جنہوں نے آنحضرتؐ کے فیضان سے خدمت قرآن اور احیائے اسلام کے لئے خدا کی طرف سے نبوت کا مقام حاصل کیا تھا یا کہ آپ محض استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ایسا خیال کرتے تھے۔

3۔آپ کے اس عقیدہ کی بنا کیا تھی۔یعنی جو عقیدہ آپ کا اس زمانہ میں تھا، وہ کس بنا پر مبنی تھا۔

آج سے پورے بیس سال پیشتر 1915ء میں جب ہماری جماعت کی طرف سے جناب خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے ایک عام اعلان کے ذریعے سے حضرت مسیح موعود کے تمام مریدوں سے ایک حلفی شہادت طلب کی کہ کیا وہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں حضرت صاحب کو حقیقی نبی مانتے تھے یا محض جزوی اور ظلی طور پر یا مجازی معنوں میں نبی مانتے تھے۔تو جماعت احمدیہ لاہور کے ستّر افراد نے، جن میں حضرت مولٰنا سید محمد احسن امروہی بھی شامل تھے حلفی شہادت ادا کی کہ نہ حضرت مرزا صاحب نے 90-1891ء میں دعوٰی نبوت کیا نہ 1901ء میں اپنے عقیدہ میں تبدیلی کر کے دعوٰی نبوت کیا۔ بلکہ دعوٰی نبوت کو اپنے اوپر افتراء قرار دیا۔اور لفظ ''نبی'' کے استعمال سے مجازی، جزوی، ظلّی مراد لیا جسے محدث کہا جاتا ہے۔لیکن اس اعلان کا جواب قادیانی جماعت کے کسی فرد نے نہ دیا اور نہ کسی نے یہ حلف اٹھائی کہ واقعی ہم نے 90-1891ء میں حضرت مرزا صاحب کو نبی سمجھ کر بیعت کی تھی یا 1901ء

میں آپ کے عقیدہ میں کوئی تبدیلی محسوس کی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ **خلیفہ صاحب قادیان کی طرف سے قادیانی جماعت کے افراد کو حلف لینے سے روک دیا گیا** اور ذیل کا اعلان اخبار الفضل میں شائع ہوا:

''ہمارے احباب خواجہ صاحب کو فرداً فرداً جواب نہ دیں۔ حضرت مسیح موعود کی نبوت کے بارہ میں جو حلفیہ شہادتیں خواجہ صاحب نے ان دنوں احمدی برادران و بزرگان ملت سے طلب کی ہیں ان کی نسبت جدا جدا طبع آزمائی کی ضرورت نہیں۔ سلسلہ عالیہ کے مرکز اور مقام خلافت ہی سے سب کا یکجائی جواب انشاء اللہ کافی اور تسلی بخش ہو جائے گا'' (الفضل 20 جولائی 1915ء)

قادیانی احباب غور کریں کہ جب 1915ء میں جدا جدا طبع آزمائی کی ضرورت نہ تھی۔ تو آج بیس سال بعد اس طبع آزمائی کی ضرورت کیوں پیدا ہوگئی؟ کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ بیس سال کے عرصہ میں پیر نے مریدوں کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے اور 1915ء میں یہ خوف تھا کہ لوگوں کی یادداشت تازہ ہے! **حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت پر کوئی شخص حلف نہ اٹھائے گا** اور 1935ء میں وہ خوف جاتا رہا ہے اس لئے اب خفیہ سرکلر چٹھی کے ذریعے سے وہی حلف طلب کیا جاتا ہے جس سے 1915ء میں روک دیا گیا تھا۔ اور یہ لکھ دیا گیا تھا کہ مقام خلافت ہی سے سب کا یکجائی جواب دے دیا جائے گا۔ اب وہ یکجائی جواب کیوں کافی اور تسلی بخش نہیں رہا۔ اس وقت تو خلیفہ صاحب نے بھی حلف نہ اٹھائی اور نہ کسی مرید کو حلف اٹھانے کی اجازت دی۔ ہاں! آج بہتیرے بھولے بھالے لوگ حلف اٹھائیں گے کہ ہم نے حضرت مسیح موعود کو صحیح معنوں میں ہی نبی مانا تھا اور یہ صرف اس بات کا ثبوت ہوگا کہ بیس سال میں قادیانی جماعت پیر پرستی کے رنگ میں پوری غرق ہو چکی ہے۔ قادیانی عقیدہ کا مدار اب کن باتوں پر رہ گیا ہے۔ مریدوں کو کہا جاتا ہے کہ تم اس بات پر حلف اٹھاؤ کہ **تم نے حضرت مرزا صاحب کو اصل معنی میں نبی سمجھا تھا یا مجاز اور استعارہ کے طور پر؟** اور خود مدعی کی تحریروں کو پس پشت پھینکا جاتا ہے کاش! خلیفہ صاحب ایسا سرکلر جاری کرنے سے پیشتر یہ سوچ لیتے کہ اگر ان کے سارے مرید بھی یہ حلف اٹھائیں کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کو اصلی معنوں میں نبی سمجھا تھا نہ مجاز اور استعارہ کے طور پر تو اس سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ فی الواقع حضرت مرزا صاحب نے بھی دعویٰ نبوت کیا تھا اور نبوت کے لفظ کے استعمال کو مجاز اور

استعارہ قرار نہ دیا تھا۔ کس قدر تعجب اور افسوس ہے کہ حضرت مرزا صاحب تو:

1۔ دعویٰ نبوت سے انکار کریں۔

2۔ دعویٰ نبوت کو اپنے اوپر افتراء قرار دیں۔

3۔ آنحضرتؐ کے بعد پرانے اور نئے نبی کے آنے کو خلاف قرآن قرار دیں۔

4۔ مدعی نبوت کو کافر اور کاذب کہیں۔

5۔ مدعی نبوت پر لعنت بھیجیں۔

اور ان کے پیرو یہ حلف اٹھائیں کہ ہم حضرت مرزا صاحب کے مدعی نبوت ہونے پر ایمان لائے تھے بظاہر یہ جماعت لاہور کے مطالبہ بحث کا جواب سوچا گیا ہے۔

ہماری قادیانی بزرگوں سے صرف یہ درخواست ہے کہ اس سے پہلے، کہ وہ حلف اٹھا کر حکم وعدل کی تحریروں کی مخالفت کریں اور اپنے مرشد کو اس کے اپنے منہ سے کاذب اور کافر ٹھہرائیں اور لعنتوں کا مستحق قرار دیں، یہ سوچ لیں کہ حضرت صاحب خود کیا فرماتے ہیں۔ کیا ان کی ایک بھی تحریر آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے کہ **میں اصلی اور صحیح معنوں میں مدعی نبوت ہوں**۔ یا اس کے خلاف ان کی تحریریں 1901ء سے لے کر 1908ء تک برابر کہہ رہی ہیں کہ **میں صرف مجاز اور استعارہ کے رنگ میں نبی کہلایا**۔ جب مدعی خود یہ کہہ رہا ہے کہ میں مدعی نبوت نہیں اور صرف مجاز اور استعارہ کے رنگ میں میرا نام نبی رکھا گیا ہے تو اگر ایک ہزار قادیانی بزرگ بھی پیر کو خوش کرنے کے لئے یہ حلف اٹھالے گا کہ ہم نے مجاز اور استعارہ کے طور پر نبی نہیں مانا۔ بلکہ سچ مچ مدعی نبوت سمجھا تھا تو مسیح موعود کی ایک تحریر کے سامنے یہ ساری حلفیں منصفوں کے نزدیک پرپشہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ اس لئے **حلف اٹھانے سے بیشتر دیکھ لو کہ حضرت مسیح موعود کیا کہتے ہیں:**

1۔ ”آنے والا مسیح محدث ہونے کی وجہ سے مجازاً نبی بھی ہے“ (ازالہ اوہام مطبوعہ 1892ء صفحہ 349)

2۔ ”مجازی معنوں کی رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے“ (سراج منیر مطبوعہ 1897ء صفحہ 3)

3۔ ''مسلم میں مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ بھی آیا ہے یعنی بطور مجاز اور استعارہ کے'' (ایام الصلح مطبوعہ 1899ء صفحہ 75)

4۔ ''نبی اور رسول کے لفظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں'' (خط مورخہ 17 اگست 1899ء مطبوعہ الحکم جلد 3، صفحہ 29)

5۔ ''اس جگہ جو میری نسبت کلام الٰہی میں رسول اور نبی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے کہ یہ رسول اور نبی اللہ ہے یہ اطلاق مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے'' (اربعین نمبر 3 صفحہ 45 مطبوعہ 1900ء)

6۔ ''اس جگہ جو میری نسبت کلام الٰہی میں رسول اور نبی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے یہ اطلاق مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے...... یہ نہایت فصیح استعارہ ہے'' (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ مطبوعہ 1902ء صفحہ 16)

7۔ ''**وسمّیت نبیاً مّن اللّٰہ علیٰ طریق المجاز لا علیٰ وجہ الحقیقۃ۔**'' اور میرا نام خدا کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا نہ حقیقی طور پر (حقیقۃ الوحی استفتاء مطبوعہ 1907ء صفحہ 65)

8۔ ''خاتم الخلفاء کا نام باعتبار ظہور بین صفات محمد یہ کے محمد اور احمد رکھا گیا اور مستعار طور پر رسول اور نبی کہا گیا'' (نزول المسیح مطبوعہ 1909ء صفحہ 5)

حضرت مرزا صاحب ایک دفعہ نہیں 1890ء سے شروع کر کے 1908ء تک یکے بعد دیگرے 1892ء میں 1897ء میں 1899ء میں 1900ء میں 1901 میں 1907ء میں آٹھ کتابوں میں لکھیں کہ **میں صرف مجاز اور استعار کے طور پر نبی کہلایا۔** اور آپ لوگ پیر کے کہنے پر حلف اٹھا لیں کہ ہم نے حضرت مرزا صاحب کو مجاز اور استعارہ کے طور پر نبی نہیں مانا بلکہ اصلی اور صحیح معنی میں مدعی نبوت مانا۔ اس سے بڑھ کر نہ آپ کی کوئی ذلت ہوسکتی ہے نہ اس برگزیدہ کی۔ جس کو آپ نے مامور من اللہ مانا۔ اس کا دامن چھوڑ کر کے پیر کے پیچھے نہ لگیں **اور کس پیر کے؟** جس نے 1915ء میں کہا کہ: ''1902ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا بالکل جائز نہیں ہوسکتا'' (القول الفصل صفحہ 24)

اور چند ماہ بعد 1915ء میں ہی پھر لکھا کہ ''نبوت کا مسئلہ آپ پر 1900ء یا 1901ء میں کھلا ہے...... 1901ء کے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔'' (حقیقۃ النبوت صفحہ 14) اور اب 1935ء میں حلفی شہادت میں عدالت میں بیان دیا کہ ''حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت 1900ء کے آخر میں یا 1891ء کے شروع میں کیا'' (الفضل 30 مارچ 1935ء)

قادیانی بزرگ غور کریں کہ ان تینوں باتوں سے کونسی بات سچی ہے۔ یہ کہ 1902ء تک آپ نبوت سے انکار کرتے رہے یا یہ کہ 1901ء سے پہلے دعویٰ نبوت سے انکار کرتے رہے۔ 1901ء میں دعویٰ نبوت کیا یا یہ کہ 1890ء یا 1891ء میں دعویٰ نبوت کیا؟!

الملتمس

سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

13 اپریل 1935ء

11 مئی 1935ء

ایک مبارک و پر مسرت تقریب

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی کا عقد

لاہور 10 مئی۔ آج نماز جمعہ کے بعد مسجد احمدیہ بلڈنگس میں ایک نہایت مبارک و پر مسرت تقریب انجام پائی۔ یعنی حضرت مولٰینا محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ امیر جماعت احمدیہ لاہور کی بڑی صاحبزادی زکیہ نوشین صاحبہ کا عقد بعوض پانچ ہزار روپیہ مہر ڈاکٹر نواب احمد قریشی صاحب ہیلتھ آفیسر شکر گڑھ ضلع گورداسپور سے ہوا۔ اس مبارک تقریب میں بیرون جات سے بھی متعدد احباب تشریف لائے ہوئے تھے۔ جن میں سے جناب خان بہادر میاں غلام رسول صاحب تمیم صدر بلدیہ جھنگ، شیخ عبدالرحمان صاحب سینئر سب جج امرت سر، مسٹر ممتاز احمد فاروقی انجینئر کلکتہ، مسٹر نصیر احمد فاروقی اسسٹنٹ کلکٹر ناسک صوبہ بمبئی، جناب رحیم بخش سپرنٹنڈنٹ محکمہ نمک (خلف الرشید مولانا عزیز بخش صاحب) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شہر کے متعدد معززین مثلاً خان بہادر شیخ امیر علی صاحب ریٹائرڈ جج ورئیس اعظم لاہور، جناب شیخ عظیم اللہ صاحب وکیل سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور، جناب ملک فتح شیر خان صاحب نائب صدر بلدیہ لاہور، جناب خلیفہ فضل حسین صاحب ریٹائرڈ آفیسر ڈاک خانجات وغیرہ وغیرہ بھی شریک مجلس تھے۔ مقامی احباب تو تقریباً تمام موجود تھے۔

خطبہ نکاح حضرت مولانا صدر الدین صاحب نے پڑھا اور نہایت ہی مؤثر انداز میں اسلام، قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احسانات کو بتایا جو صنف نازک پر کئے گئے ہیں۔ نیز آپ نے مرد عورت کے تعلقات کی اہمیت ونزاکت کو بیان کرتے ہوئے قرآن کریم کے ان پر حکمت قوانین واحکام اور حضرت نبی کریمؐ کے پاکیزہ عمل کو پیش کیا۔ جن سے خانگی زندگی بہشت کا نمونہ بن سکتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ عورت چونکہ جسمانی لحاظ سے کمزور ہے اور مرد کو اس کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ لیکن مرد ابتدائے آفرینش سے عورت پر ظلم کرتا آیا ہے اور اب تک یورپ، امریکہ، افریقہ ساری دنیا میں عورت پر ظلم ہو رہا ہے۔ مرد کو اس ظلم سے روکنے اور عورت کے حقوق کی حفاظت کے لئے

ایک صرف ایک آواز بلند ہوئی ہے اور وہ آواز قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ دنیا کی بہتری اسی آواز پر عمل کرنے میں ہے۔

ہم اس تقریب سعید پر حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ، محترمہ بیگم صاحبہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، ڈاکٹر نواب احمد قریشی صاحب اور آپ کے برادر بزرگ شیخ ریاض احمد قریشی صاحب سب جج بٹالہ کی خدمت میں ساری جماعت کی طرف سے دلی مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس رشتہ کو فریقین کے لئے باعثِ برکت بنائے۔ آمین ثم آمین۔

برات: برات انشاءاللہ کل (11 مئی 1935ء) شام کو بٹالہ سے لاہور آئے گی اور 12 مئی 1935ء کی صبح کو رخصتی ہوگی۔

11 مئی 1935ء

حضرت مسیح موعود پر دو اعتراضوں کے جواب

حج خانہ کعبہ: ملاں لوگ جب سلسلہ احمدیہ کے دلائل کے مقابل عہدہ برا نہیں ہو سکتے تو وہ اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے ہیں۔ دیگر بے معنی اعتراضات کے علاوہ اکثر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے باوجود مقدرت کے حج نہیں کیا۔ اس اعتراض کا جواب حضرت صاحب کے اپنے الفاظ میں ہی دے دینا کافی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''اس اعتراض سے آپ کی شریعت دانی معلوم ہوگئی۔ گویا آپ کے نزدیک مانع حج صرف ایک امر ہے کہ زادِ راہ نہ ہو۔ آپ کو، بوجہ اس کے کہ دنیا کی کشمکش میں عمر کو ضائع کیا، اس قدر سہل اور آسان مسئلہ بھی، جو قرآن اور حدیث اور فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے، معلوم نہ ہوا کہ حج کا مانع صرف زادِ راہ نہیں۔ اور بہت سے امور ہیں جو عنداللہ حج نہ کرنے کے لئے عذر صحیح ہیں۔ چنانچہ ان میں سے صحت کی حالت میں کچھ نقصان ہوتا ہے اور نیز ان میں سے وہ صورت ہے کہ جب راہ میں یا خود مکہ میں امن کی صورت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا (97:3) عجیب حالت ہے کہ ایک طرف بد اندیش علماء مکہ سے فتویٰ لاتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہے اور پھر کہتے ہیں کہ حج کے لئے جاؤ اور خود جانتے ہیں کہ جبکہ مکہ والوں نے کفر کا فتویٰ دے دیا ہے۔ تو اب مکہ فتنہ سے خالی نہیں۔ اور خدا فرماتا ہے کہ جہاں فتنہ ہو اس جگہ سے پرہیز کرو۔ سو میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسا اعتراض ہے۔ ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ فتنہ کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی......نہیں کیا اور حدیث اور قرآن سے ثابت ہے کہ فتنہ کے مقامات میں جانے سے پرہیز کرو۔ یہ کس قسم کی شرارت ہے کہ مکہ والوں میں ہمارا کفر مشہور کرنا اور بار بار حج کے بارے میں اعتراض کرنا۔ **نعوذ باللہ من شرورھم**، ذرا سوچنا چاہیئے کہ ہمارے حج کی ان لوگوں کو کیوں فکر پڑ گئی۔ کیا اس میں بجز اس بات کے اور کوئی بھید بھی ہے کہ میری

نسبت ان کے دل میں یہ منصوبہ ہے کہ یہ مکہ کو جائیں اور پھر چند شرار الناس پیچھے سے مکہ میں پہنچ جائیں اور شور قیامت ڈال دیں کہ یہ کافر ہے۔ اسے قتل کرنا چاہیئے۔ سو بروقت ورود حکم الٰہی ان احتیاطوں کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔ مگر قبل اس کے شریعت کی پابندی لازم ہے اور مواضع فتن سے اپنے تئیں بچانا سنت انبیاءؑ ہے، مکہ میں عنان حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو ان مکفرین کے ہم مذہب ہیں۔ جب یہ لوگ ہمیں واجب القتل ٹھہراتے ہیں تو کیا وہ لوگ ایذاء میں کچھ فرق کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (195:2) پس ہم گناہ گار ہوں گے اگر دیدہ دانستہ اَلتَّهْلُكَة کی طرف قدم اٹھائیں گے اور حج کو جائیں گے۔ اور خدا کے حکم کے برخلاف قدم اٹھانا معصیت ہے۔ حج کرنا مشروط بشرائط ہے۔ مگر فتنہ اور تہلکہ سے بچنے کے لئے قطعی حکم ہے۔ جس کے ساتھ کوئی شرط نہیں۔ اب خود سوچ لو کہ کیا ہم قرآن کے قطعی حکم کی پیروی کریں یا اس حکم کی، جس کی شرط موجود ہے، باوجود تحقیق شرط کے پیروی اختیار کریں (ایام الصلح)

حضرت مسیح موعود پر سخت کلامی کا الزام: بعض مخالفین سلسلہ احمدیہ جب حضرت مسیح موعود کی تعلیم اور کیرکٹر پر کوئی حملہ نہیں کر سکتے تو عوام کو بھڑکانے اور نفرت دلانے کے لئے آپ پر سخت کلامی کا الزام دیتے ہیں۔ کبھی تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ نے مولویوں کو بدذات لکھا ہے۔ اور کبھی یہ کہ حضرت مسیح ابن مریم کی توہین کی۔ لیکن اگر خود ان لوگوں کی اپنی تحریروں کو دیکھا جائے، تو وہ اپنے مخالف علماء کو ایسے گرے ہوئے الفاظ سے یاد کرتے ہیں کہ جسے ایک شریف انسان کبھی سننا گوارا نہیں کرتا۔ خود انبیاءؑ پر اس اس قسم کے بہتان باندھتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ پر جھوٹ بولنے کا الزام اور حضرت یوسفؑ کا زلیخا کے ساتھ برا ارادہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن باوجود ایسے خیالات اور ایمانیات کے اپنے آپ کو انتہائی عزت کرنے والا سمجھتے ہیں۔ بحیثیت ایک حقیقی مصلح ہونے کے حضرت مسیح موعود نے صرف ایک خاص طبقہ علماء کی دلی کیفیت کا اظہار کیا ہے۔ نہ کہ آپ نے بلا استثناء تمام علماء کو برا کہا اور نہ لکھا۔ اور نہ اس سچے پیغمبر حضرت عیسٰی ابن مریم کی نسبت کچھ لکھا۔ جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ بھلا لکھ

بھی کیسے سکتے تھے۔ جبکہ آپ اپنے آپ کو مثیل مسیح قرار دیتے تھے۔ کوئی دانا شخص اپنے آپ کو کسی برے آدمی کا مثیل نہیں لکھ سکتا۔ ہاں! جس یسوع کا ذکر موجودہ اناجیل میں ہے، جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور جس نے گذشتہ انبیاءؑ کو چور اور بٹ مار قرار دیا اور جس کے شجرہ نسب مندرجہ اناجیل میں کئی عورتیں زانیہ اور بدکار بھی درج ہیں، اس پر آپ نے صحیح جرح کی۔ اس کے ثبوت میں حضرت مسیح موعود کی اپنی تحریر پیش کر کے تمام سمجھدار مسلمانوں سے التجا کرتا ہوں کہ وہ بجائے متعصب مخالف علماء کی تحریریں پڑھنے کے، خود حضرت اقدس کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ اور وہ تحریر مندرجہ ذیل ہے:

> اشتہار عام اطلاع کے لئے: اگرچہ یہ کتاب بعض متفرق مقامات میں عیسائیوں کے حملوں کا جواب دیتی اور ان کو مخاطب کرتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ باوجود اس بات کے کہ عیسائیوں کی کتاب ''امہات المومنین'' نے دلوں میں سخت اشتعال پیدا کیا ہے۔ مگر پھر بھی ہم نے اس کتاب میں جہاں کہیں عیسائیوں کا ذکر آیا ہے بہت نرمی اور تہذیب اور لطف بیان سے کام لیا ہے۔ اور گو ایسی صورت میں، کہ دل دکھانے والی گالیاں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں، ہمارا حق تھا کہ ہم مدافعت کے طور پر سختی کا سختی سے جواب دیتے۔ لیکن ہم نے محض اس حیاء کے تقاضہ سے، جو مومن کی صفت لازمی ہے، ہر ایک تلخ زبانی سے اعراض کیا۔ اور وہی امور لکھے ہیں جو موقعہ اور محل پر چسپاں تھے۔ اور قطع نظر ان سب باتوں کے ہماری اس کتاب میں اور رسالہ ''فریاد درد'' میں وہ نیک چلن پادری اور دوسرے عیسائی مخاطب نہیں ہیں جو اپنی شرافت ذاتی کی وجہ سے فضول گوئی اور بدگوئی سے کنارہ کرتے ہیں اور دل دکھانے والے لفظوں سے ہمیں دکھ نہیں دیتے اور نہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں اور نہ ان کی کتابیں سخت گوئی اور توہین سے بھری ہوتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو بلاشبہ ہم عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور وہ ہماری کسی تقریر کے مخاطب نہیں۔ بلکہ صرف وہی لوگ ہمارے مخاطب ہیں، خواہ وہ بگفتن مسلمان کہلاتے یا عیسائی کہلاتے ہیں، جو حد اعتدال سے بڑھ گئے ہیں اور ہماری ذاتیات پر گالی اور بدگوئی

سے حملہ کرتے ہیں۔ یا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بزرگ میں توہین اور ہتک آمیز باتیں منہ پر لاتے ہیں اور اپنی کتابوں میں شائع کرتے ہیں سو ہماری اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا کوئی اشارہ ایسے معزز لوگوں کی طرف نہیں ہے جو بدزبانی اور کمینگی کے طریق کو اختیار نہیں کرتے۔ ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں اور ان کی نبوت پر ایمان لائیں۔ سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جو ان کی شان بزرگ کے برخلاف ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکا دینے والا اور جھوٹا ہے۔ **و السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔**

المشتھر: مرزا غلام احمد از قادیان یکم جنوری 1891ء

اس قدر واضح تحریروں کے باوجود ایک بے بنیاد الزام کا بار بار اعادہ نہایت ہی قابل افسوس بات ہے اور یہ فعل شرافت و حق پسندی سے بہت دور ہے۔

۞۞۞

11 مئی 1935ء

درمدح حضرت خاتم النبیّینؐ

مولانا عبداللہ خان کا نعتیہ کلام

محمدؐ باغِ عالم را بہارے بہار اندر بہار اندر بہارے
گرامی گوھر اولاد آدم کمالِ آدمیّت را مدارے
نجابت خانہ زادِ گوھرِ او شرافت را بذاتش افتخارے
ز فیضش جملگی سیراب گشتہ منور شد نوازش ہر دیارے
چہ خوشتر دین و آئین دار ترتیب کہ زو شد دین و دنیا استوارے
علمبردارِ توحیدِ خداوند بر آوردہ ز غیر اللہ دمارے
ز چین و ہند تا اقصائے مغرب غلامانش قطار اندر قطارے
بخط انقیا رش سر نہادہ ہمہ از جان ودل بروئے نثارے

سَلام اللّٰہ عَلَیْہ کلّ اٰنٍ
برآلش ہم براصحابش کبارے

❁❁❁

11 مئی 1935ء

قرآنِ کریم کا ڈچ ترجمہ

ایک خادمِ اسلام کا شاندار کارنامہ

گذشتہ پرچہ میں یہ ایمان افزاء اور روح پرور خوشخبری قارئین کرام کی نظر سے گزر چکی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے قرآن کریم کا ڈچ ترجمہ مکمل طبع ہو کر شائع ہو گیا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

یہ ایک ایسی خوشخبری ہے جس کو سن کر ہمارے سر خدائے قدوس کی بارگاہ میں سجدہ شکر بجالانے کے لئیے جھک جانے چاہئیں۔ ہمارے دلوں سے اس شاندار کارنامہ کے ہیرو مرزا ولی احمد بیگ صاحب اور اُن کے رفقائے کار کے لئے مخلصانہ دعائیں نکلنی چاہئیں۔ ہماری ہمتوں میں بلندی اور ہمارے قدموں میں مضبوطی پیدا ہو جانی چاہئیے اور سب سے زیادہ یہ کہ ہم میں سے ایسے متعدد نوجوان نکلنے چاہئیں جو مرزا ولی احمد بیگ صاحب کی طرح خدمت دین و اشاعت قرآن کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

کام کی اہمیت اور اس کی مشکلات کا صحیح اندازہ کچھ کام کرنے والوں ہی کو معلوم ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو سعادتِ عمل سے محروم ہیں یا جن لوگوں کو کسی تعمیری کام کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ وہ نہیں جان سکتے کہ کسی چیز کا بنانا کس قدر مشکل ہے۔ بہت سے احباب کو وہ نظارہ یاد ہوگا۔ جبکہ ہمارا ایک سیدھا سادہ کم گو کارکن جاوا روانہ ہوا تھا۔ اس کو خدا حافظ کہنے کے لئے ایک مختصر سا اجتماع ہوا۔ اس میں اس خادم جاوا سے اظہار خیالات کی فرمائش کی گئی اور وہ صرف اس قدر کہہ کر رہ گیا کہ میں اب کیا کہوں۔ جب جاوا جا کر میں کوئی خدمتِ اسلام کر سکا تو واپس آ کر کچھ کہوں گا۔ یہ شخص مرزا ولی احمد بیگ تھا۔ جس نے چند سال کے اندر جاوا میں زبردست انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اس نے جاوی مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا اور اُن میں خادمانِ اسلام کی ایک خاصی جماعت پیدا کر دی۔ اس نے اسلام کے نادان دوستوں یا دوست نما دشمنوں یعنی ملانوں اور پادریوں کی وسیع جمعیتوں کا بیک وقت مقابلہ کیا۔ یہ اسی کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا نتیجہ ہے کہ آج جاوا کے مسلمان وہ نہیں ہیں جو دس پندرہ سال قبل تھے۔ پہلے وہ روز بروز غافل و برباد ہو رہے تھے۔ اب ان میں بیداری کی ایک برقی رو دوڑ رہی ہے۔ اُن کے روشن خیال اور

صاحب احساس افراد میں عمل کا ولولہ موجود ہے۔اُن کے بازو اور قدم حرکت میں ہیں۔اُن کی پیشانیوں پر اُمید کا نور چمک رہا ہے۔اُن کی آنکھوں کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کا ایک روشن وشاندار مستقبل ہے۔ پہلے جاوی مسلمان پادریوں کے لئے نرم کھاجا تھا اور آج لوہے کے چنے ثابت ہورہے ہیں۔

حضرت مسیح موعود نے اپنے خدام میں یورپ کے اندر تبلیغ دین واشاعتِ قرآن کا جو ولولہ پیدا کیا ہے اس میں سے مرزا ولی احمد بیگ صاحب کو بھی حصہ وافر ملا ہے۔جاوا پر بھی یورپ کی ایک قوم قابض ہے۔ ہالینڈ کے پادری وہاں آکر کثرت سے مسلمانوں کو مرتد و بے دین بناتے ہیں۔مرزا ولی احمد بیگ صاحب نے یہ دیکھ کر عزم کرلیا کہ خود اس حکمران قوم کے گھر کے اندر جا کر تبلیغ اسلام کرنی چاہیئے۔اس مغربی قوم کے پادری جاوا کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے آتے ہیں۔ ہمارے بلند ہمت مبلغ نے سوچا کہ اس کا ردِعمل اس وقت تک شروع نہیں ہوسکتا۔جب تک ہم اس سفید فام قوم کو پیغام اسلام پہنچانے کی طرح نہ ڈال دیں۔اس کے لئے ڈچ زبان میں لٹریچر کی ضرورت تھی۔ پہلے حضرت نبی کریمؐ کی سیرت مبارک اور چند دوسری کتابیں ڈچ میں ترجمہ کی گئیں۔لیکن خاطر خواہ کامیابی کے لئے ضروری تھا کہ قرآن کریم کا ڈچ ترجمہ موجود ہو۔ چنانچہ انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں اس بہت بڑے کام کا آغاز کردیا گیا۔

ذرائع اور کارکنوں کی قلت، زبان کی اجنبیت، مالی کمزوری، ملانوں کی مخالفت ان میں سے ہر ہر چیز ہمارے مبلغ کے راستہ میں پوری پوری طاقت کے ساتھ حائل ہوئی۔لیکن جو ارادے خلوص ونیکی سے کئے جائیں، جو بازو محض اللہ کی رضاء خوشنودی کے لئے حرکت میں آئیں، جو قدم اللہ کے راستے میں اٹھائے جائیں اُن کو دنیا کی کوئی طاقت ناکام نہیں رکھ سکتی۔ پاک جذبوں، نیک ارادوں اور استقلال کے لئے کامیابی یقینی ہوتی ہے۔

مخالفت کے کئی طوفان اٹھے اور اپنا زور وشور دکھلا کر فرو ہوگئے۔مشکلات کی کئی روکاوٹیں حائل ہوئیں اور دور ہوگئیں۔کئی دفعہ مایوسی وناامیدی کے بادل چھائے۔لیکن ایمان وجوشِ صادق کے نور سے چھٹ گئے۔قرآن کے ڈچ ترجمہ کا کام مختلف منزلیں طے کرتا ہوا جاری رہا۔اور آج یہ مکمل وخوشنما کتاب کی صورت میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔اس ترجمہ میں حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کے انگریزی

ترجمۃ القرآن سے پوری پوری مدد لی گئی ہے۔ بلکہ اس انگریزی ترجمہ وتفسیری کو ڈچ زبان کے قالب میں ڈھال لیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ظاہری شکل وصورت میں بھی اس کا پورا پورا تتبع کیا گیا ہے۔ وہی تقطیع ویسا ہی اچھا کاغذ، ویسی ہی دیدہ زیب اور روشن چھپائی، وہی خوبصورتی اور دلکشی۔ اگر کوئی شخص انگریزی اور ڈچ دونوں زبانوں سے ناواقف ہوتو ان دونوں ترجموں میں مطلق امتیاز نہیں کرسکتا۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ مرزا ولی احمد بیگ صاحب اور اُن کے رفقاء کار کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور جس مقصد کے لئے یہ ترجمہ کیا گیا وہ جلد حاصل ہو۔ ان خادمانِ اسلام کی ہمتیں بلند ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں خدماتِ دینی کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ اور اس ترجمہ کے ذریعہ سے ڈچ زبان کو سمجھنے والی اور بولنے والی قومیں صداقت کو پالیں۔ اس کے بعد ہم توقع کرتے ہیں کہ ہالینڈ میں تبلیغی مشن کے قیام کا مژدہ بھی جلد سننے میں آئے گا۔

انسان ایک بالکل بے بس ہستی ہے۔ اس کے لئے قطعاً جائز نہیں کہ وہ اپنے کسی کام پر غرور کرے۔ ہمارے ذریعے جو خدماتِ دینی انجام پاتی ہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ یہ خدائے قدوس کی ذرّہ نوازی ہے کہ اس نے ہم درماندہ انسانوں کو اپنے دین کی خدمت اور اپنے پاک کلام کی اشاعت کا اعزاز بخشا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ انسان، جن کے ذریعے قرآنِ کریم کی خدمت کا مقدس کام انجام پائے اور خوش نصیب ہیں وہ انسان جو اس اعزاز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہماری جماعت کے نوجوانوں کو معلوم ہونا چاہئیے کہ خدا کی زمین بڑی وسیع ہے۔ اس میں بیشمار ملک اور قومیں آباد ہیں جو مختلف بولیاں بولتی ہیں اور قرآن کریم ساری دنیا کے لئے ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعٰلمین ہیں۔ اس لئے ساری دنیا میں قرآن کریم اور حضرت نبی کریمؐ کی سیرت مبارک کو پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ جس طرح اس فرض کو بے سروسامانی اور صدہا مشکلات کے باوجود مرزا ولی احمد بیگ نے انجام دیا ہے، تم بھی دے سکتے ہو۔ بشرطیکہ تمہارے دلوں کے اندر صحیح جوش اور عزم ہو!

❁❁❁

15 مئی 1935ء
ایک تقریب

برات و دعوتِ طعام۔ایک تقریب

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی بڑی صاحبزادی زکیہ نوشین صاحبہ کے عقد کی خبر گزشتہ پرچہ میں درج ہو چکی ہے۔10 مئی کو بعد نماز جمعہ عقد ہوا اور دوسرے روز یعنی 11 مئی کی شام کو بٹالہ سے لاریوں کے ذریعے برات آئی۔ جو متعدد معززین پر مشتمل تھی اور حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احباب جماعت و معززین شہر کو اور محترمہ بیگم صاحبہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواتین کو دعوتِ طعام دی گئی۔ برات کے قیام اور دعوت کا انتظام بیگم روڈ مزنگ کی ایک وسیع کوٹھی میں کیا گیا تھا۔ پائین باغ میں قناتیں تان کر اور صوفے اور کرسیاں بچھا کر مردانہ نشست کا انتظام کیا گیا تھا۔ زنانہ نشست کا انتظام کوٹھی کے اندر تھا۔ اجتماع پانچ بجے کے بعد شروع ہو گیا تھا۔ نماز مغرب سے ذرا قبل برات آئی اس وقت تک اکثر حضرات تشریف لے آئے تھے۔ جن میں احباب سلسلہ اور مسلم معززین کے علاوہ متعدد ہندو سکھ حضرات بھی شامل تھے۔ ان سب نے برات کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اس وقت تک خواتین بھی معقول تعداد میں جمع ہو چکی تھیں۔ زنانہ اجتماع میں بھی مسلم بیگمات کے علاوہ غیر مسلم اور یورپین خواتین شریک تھیں۔ تمام حاضرین کی تواضع ٹھنڈے مشروبات سے کی گئی۔ نماز ماسٹر فقیر اللہ صاحب نے پڑھائی اور اس کے بعد سب نے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد بعض حضرات تشریف لے گئے اور بعض دیر تک تشریف فرما رہے اور مختلف موضوعات پر دلچسپ علمی گفتگو ہوتی رہی۔ احباب و معززین کے اجتماع تہذیب اور خوش سلیقگی کے لحاظ سے یہ تقریب مدتوں یاد رہے گی۔ فریقین کی طرف سے قطعاً کوئی فضول رسم نہیں کی گئی۔ اس لحاظ سے بھی یہ تقریب ایک قابل تقلید نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رشتہ کو بابرکت بنائے ۔آمین ثم آمین

دعوت میں جو حضرات تشریف لائے ان میں سے اپنے احباب کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات کے نام یادرہ گئے ہیں:

آنریبل جسٹس عبدالرشید، آنریبل جسٹس بخشی ٹیک چند، علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب پرنسپل اسلامیہ

کالج، سید حبیب صاحب آف سیاست۔ مولانا سالک صاحب ایڈیٹر انقلاب۔ شیخ فضل الٰہی صاحب ڈائرکٹر محکمہ اطلاعات، شیخ اصغر علی صاحب ریٹائرڈ کمشنر، شیخ عظیم اللہ صاحب سکرٹری انجمن حمایت اسلام، مولوی غلام محی الدین صاحب سکرٹری انجمن حمایت اسلام، ملک فتح شیر خاں صاحب نائب صدر بلدیہ لاہور، نواب سعادت علی خاں صاحب رئیس اعظم لاہور، حاجی رحیم بخش صاحب ریٹائرڈ سشن جج، مولوی انعام علی صاحب ریٹائرڈ سشن جج، خان بہادر شیخ امیر علی صاحب ریٹائرڈ جج اور ڈاکٹر اللہ جوایا صاحب۔ 12 مئی کو دس بجے صبح کے بعد رخصتانہ ہوا۔

اس مبارک تقریب کی خوشی میں مبلغ پچاس روپے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اور مبلغ پچاس روپے شیخ ریاض احمد قریشی صاحب سب جج بٹالہ نے انجمن کو عنایت فرمائے۔

20 مئی 1935ء

حضرت مرزا صاحب کا عشق قرآن

ڈاکٹر سر محمد اقبال کا اعتراف حقیقت

ارشادات مورخہ 10 مئی 1935ء فرمودہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَقَالَ الرَّسُوْلُ یَارَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. (30:25)

ترجمہ: ''اور رسولؐ نے کہا اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز (کی طرح) قرار دیا۔''

قرآن شریف کے متعلق مسلمانوں کا طرز عمل: قرآن شریف کی بعض آیات ان حالات پر بھی چسپاں ہوتی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی زندگی میں پیش آئے اور ان حالات پر بھی چسپاں ہوتی ہیں جو بہت مدت کے بعد پیش آئے ہیں۔ ایسی ہی آیات میں سے ایک آیت بھی ہے۔ ایک کافر قوم تھی کہ آنحضرتؐ نے انہیں قرآن کی طرف دعوت دی اور انہوں نے اسے رد کیا اور ایک آج مسلمان قوم ہے جو قرآن کریم پر منہ سے ایمان لاتی مگر عملاً ان کو متروک قرار دے رہی ہے۔ عام طور پر مسلمان قرآن کریم کو اونچے مقام پر رکھتے ہیں اور اس کی بے انتہاء عزت کرتے ہیں اور اس بات کو ہرگز گوارا نہیں کرتے کہ اس کی طرف پیٹھ کی جائے یا اس کو کوئی نیچا مقام دیا جائے۔

عملاً مسلمان اسی الزام کے نیچے ہیں: لیکن عمل کے لحاظ سے اسی الزام کے نیچے ہیں۔ جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ عملاً انہوں نے قرآن کریم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے رکھا ہوا ہے اور اس کو ادنیٰ مقام دیا ہوا ہے۔ پس حضرت نبی کریمؐ کی یہ فریاد، کہ میری قوم نے قرآن کو متروک قرار دے رکھا ہے، جس طرح قوم قریش پر صادق آتی ہے، اسی طرح آج کل کے مسلمانوں پر بھی صادق آتی ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ: اس کے متعلق میں ایک واقعہ سناتا ہوں۔ ایک دفعہ مجھے چند معززین کو مخاطب کرنے کا موقعہ ملا۔ ان میں چند دوستوں کے علاوہ باقی وہ لوگ تھے جن کو حنفی کہلانے پر فخر ہے۔ جب

میں نے کہا کہ اول درجہ قرآن کریم کا ہے، اس کے بعد حدیث کا درجہ ہے اور اس کے بعد فقہ کا۔ تو ان میں سے ایک صاحب کو یہ بات ناگوار گزری اور وہ کہنے لگے کہ آپ نے ہماری فقہ کو تھرڈ کلاس قرار دیا ہے۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ آپ خدا کے کلام کو تھرڈ کلاس قرار دیتے ہیں!

مسلمانوں کی مذہبی زندگی میں قرآن مقدم نہیں رہا: افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج مسلمانوں کی مذہبی زندگی میں قرآن مقدم نہیں رہا۔ ان کے نزدیک وہ چیز قرآن نہیں جس کا پھیلانا ضروری ہے۔ وہ غور کر کے دیکھ لیں کہ قرآن کو دنیا میں پہنچانے پر ان کا کس قدر مال صرف ہوتا ہے! اس زمانہ میں مسلمانوں کے اندر کوئی قوم نہیں (سوائے ایک چھوٹی سی جماعت کے) جو قرآن کو ہاتھ میں لے کر دنیا کے مقابلے کے لئے نکلی ہو اور قرآن کو اٹھائے اٹھائے پھرتی ہو۔ مسلمانوں کا سارا زور نہایت معمولی معمولی اور ذلیل جھگڑوں پر صرف ہو رہا ہے۔ آج جو جنون احمدیت کے خلاف ہے، کل وہ اہلحدیث کے خلاف تھا اور پرسوں شیعوں کے خلاف تھا۔ بلکہ اب بھی بہت جگہ موجود ہے۔ یہ لوگ بجائے اس کے کہ قرآن کو ہاتھ میں لے کر نکلیں، چھوٹی سے چھوٹی ذلیل سے ذلیل باتوں پر جھگڑا کر رہے ہیں اور اس طرح اپنا روپیہ، طاقت اور وقت برباد کرتے ہیں۔

قرآن کریم کو یورپ و امریکہ میں پہنچانے کا خیال: اس زمانہ میں ایک شخص تھا اور قرآن کریم سے وہی عشق پیدا کرنا چاہا جو صحابہ کرامؓ کو تھا۔ ایک مرتبہ مجھے ایک بہت بڑے شخص یعنی ڈاکٹر سر اقبال نے کہا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کرنے والے بہت لوگ نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے ساتھ عشق کرنے والے صرف مرزا غلام احمد صاحب ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کے اشعار کو دیکھو، کتابوں کو دیکھو، سب قرآن شریف سے عشق اور مدح سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ شخص اٹھا اور اس نے کہا کہ دنیا کے کونوں تک قرآن کریم کو لے جاؤ۔ اس نے اپنی جماعت کو حکم دیا کہ قرآن کریم کو اس قوم کے اندر لے جانا، جہاں یہ اب تک نہیں پہنچا۔ وہ قوم کون تھی؟ جس کے اندر اب تک قرآن کریم نہیں پہنچا تھا۔ قرآن ایشیاء میں پہنچا، افریقہ میں پہنچا، لیکن یورپ و امریکہ میں اب تک نہیں پہنچا تھا۔ ایک گاؤں کے رہنے والے شخص کے دل میں، جو انگریزی زبان اور ان ملکوں کے حالات سے ناواقف تھا، یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ ان لوگوں تک قرآن کریم کو پہنچایا جائے جو حد سے نکلے ہوئے ہیں۔ جہاں

مادیت اور دہریت کا زور ہے۔

ایک افسوسناک حقیقت: اس عاشق قرآن شخص کو مسلمان آنکھیں بند کر کے دجال اور کافر کہہ رہے ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس اس بات پر ہے، کہ وہ جماعت جو اس کی کہلاتی ہے اس کے ایک بڑے حصہ نے بھی قرآن کو وہ بلند درجہ نہ دیا جو کہ اس عاشق قرآن کا مقصد تھا۔ میں مبالغہ نہیں کرتا۔ مگر یہ ایسی بات ہے جو کہ معمولی باتوں میں نہیں آتی اور اس کو ایک معمولی فرو گذاشت کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

قادیانی جماعت نے قرآن کو مقدم نہیں کیا: حضرت مسیح موعود کی جماعت کے بہت بڑے حصہ کا قدم غلط راستے پر چلا گیا اور اس نے قرآن کی اشاعت کو مقدم کرنے کے بجائے دوسری باتوں کو مقدم کر لیا۔ ورنہ اتنی بڑی جماعت اگر اشاعت قرآن کو مقدم کرتی تو آج یورپ کی تمام زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ ہو کر حضرت مسیح موعود کی بعثت کی اصل غرض پوری ہو جاتی۔

جماعت لاہور کی خدمت قرآن: صرف ایک چھوٹی سی جماعت لاہور ہے، جو خدا کے فضل سے اس غرض کو پورا کر رہی ہے۔ لیکن اس کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے متعلق کتابیں نکلتی ہیں۔ ''منکرین خلافت کا انجام''۔ کیا یہی عبرتناک انجام ہے کہ اس نے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی ہزارہا کاپیاں دنیا بھر میں پھیلا دیں۔ یورپ کی کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ کر دیا۔ انگریزی ترجمہ تو تقریباً اٹھارہ سال ہوئے، شائع ہو چکا ہے۔

قرآن کریم کا ڈچ ترجمہ: اب یہ خوشخبری میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں کہ ڈچ زبان کا مکمل ترجمہ بھی جاوا سے مرزا ولی احمد بیگ صاحب نے وہی خوبصورت شکل دے کر شائع کر دیا جو کہ انگریزی ترجمۃ القرآن کی ہے۔ میں تو کہوں گا کہ مرزا علی احمد بیگ اپنے نام کا صحیح مصداق ہے۔

جرمن ترجمہ: تیسرا جرمن ترجمہ ہے جو پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ صرف طباعت باقی ہے اور وہ بھی روپے کے نہ ہونے سے رکی ہوئی ہے۔

وابستگان خلافت نے کیا کیا؟: صرف ایک چھوٹی سی حقیر جماعت نے، جو کہ منکرین خلافت کی ہے، یورپ کی تین زبانوں میں ترجمہ کر دیا۔ لیکن وابستگان خلافت کی اس عظیم الشان جماعت نے کیا کیا؟! جس

کی تنظیم کا غلغلہ اس قدر بلند ہے؟ اس نے اور سب کچھ کیا۔ لیکن قرآن کی اشاعت کے لئے کچھ نہ کیا۔ حتّٰی کہ آج اکیس سال سے ایک انگریزی ترجمہ بھی شائع نہ ہوسکا۔ اس کا مفت تقسیم کرنا تو الگ رہا۔

گیارہ لاکھ کا بجٹ: اس سال بھی کہا جاتا ہے کہ گیارہ لاکھ کا بجٹ ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں۔ اس میں قرآن کے لئے کس قدر رقم ہے۔ یہ لاکھوں روپے کہاں خرچ ہوتے ہیں؟ گورنمنٹ کی مخالف تحریکوں کو کچلنے کے لئے خود میاں صاحب کے خطبے گواہ ہیں۔ صرف ایک معمولی گواہی کے لئے جاتے ہیں اور اس گواہی کی شان کو قائم رکھنے کے لئے اور یہ بتلانے کے لئے، کہ ہمارا نظام مضبوط اور جماعت بڑی ہے۔ پندرہ بیس ہزار روپیہ ضائع کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس رقم میں قرآن کریم کا کسی مغربی زبان میں ترجمہ شائع ہوسکتا تھا۔ بتاؤ وہ جماعت سرسبز ہوگی جو اپنے نفس کو بڑا ابتلاتی ہے یا وہ جماعت جو خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچاتی اور پھیلاتی ہے!

قادیانیوں سے ہمارا اختلاف عقائد و عمل: یہ دو الگ الگ راہیں ہیں۔ عقائد اور عمل کے لحاظ سے ہمارا قادیان والوں سے کوئی اشتراک نہیں۔ عقائد کے لحاظ سے جماعت قادیان نے اجرائے نبوت اور تکفیر کی دیوار کھڑی کر دی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض عقائد قادیانی جماعت اور ہم میں مشترک ہیں۔ لیکن ایسا اشتراک غیر احمدیوں سے بھی ہے۔ مگر ہمارا اختلاف عقائد جو قادیان والوں سے ہے وہ بہت بڑا ہے۔ حضرت نبی کریمؐ کے بعد نبوت کا قائم کرنا اور دنیا بھر کے چالیس یا ساٹھ کروڑ مسلمانوں کو کافر کہنا یہ کوئی معمولی باتیں نہیں! کافر اور مسلم شریعت کی اصطلاحیں ہیں۔ کسی کا حق نہیں کہ خود اصطلاحیں وضع کر کے کسی کو مسلم یا کافر کہے۔ اسی طرح ہمارا ان میں عمل کا بھی فرق ہے۔ ہمارا مقصد اشاعت اسلام اور تبلیغ اسلام ہے۔ قادیانی جماعت نے اس مقصد کو بڑی حد تک فراموش کر دیا ہے اور ان کا مقصد واحد اپنی پولٹیکل اہمیت کو بڑھانا ہے۔

آج مسلمان دنیا بھر میں سب سے زیادہ ذلیل و ناکام ہیں۔ شاید کوئی اچھوتوں کو دنیا میں زیادہ ذلیل سمجھے اور کہے کہ ہندو ان کو بہت زیادہ حقیر سمجھتے ہیں۔ یہ درست ہے۔ لیکن اچھوتوں میں اپنی ہستی کو برقرار رکھنے کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ مسلمانوں میں یہ احساس اب بھی پیدا نہیں ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فرداً فرداً بعض ایسے آدمی موجود ہیں جو اپنے مال اشاعت قرآن پر خرچ کرتے ہیں۔

لیکن مسلمانوں میں کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی جو اپنے مال کو اس کام پر خرچ کرے اور اپنی پوری توجہ اس کام پر لگا دے۔ میں تو کہوں گا کہ تم نے بھی ابھی وہ مقام حاصل نہیں کیا جو کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ خوب یاد رکھو۔ جب تک ہم صحیح معنوں میں قرآن کو ہاتھ میں نہیں لیتے۔ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اوروں کے پاس زور ہے، مال ہے، جتھہ ہے لیکن میں اپنی جماعت کو دیکھتا ہوں کہ اس کے پاس بے کسی اور درماندگی کے سوا اور کچھ نہیں۔ لیکن ایک دروازہ ایسا بھی کھلا ہے جہاں تم اپنی درماندگی اور بے کسی کو لے جا کر بھی کامیاب ہو سکتے ہو، اور وہ دروازہ اللہ کا ہے۔ کل خان بہادر میاں غلام رسول صاحب نے کیا اچھی بات کہی کہ خدا کے ساتھ انسان کا تعلق ایسا ہونا چاہیئے، جیسا بچے کا ماں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ماں بچہ کو مارتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ ماں کو نہیں چھوڑتا اور اس مار کی شکایت ماں ہی سے کرتا ہے۔ اور کسی کو نہیں پکارتا بلکہ اماں اماں ہی کرتا ہے۔ ہمارے مخالفین کا خیال ہے۔ اور انہی میں قادیانی جماعت بھی شامل ہے کہ وہ چندروز میں ہمیں کچل کر رکھ دیں گے۔ انہیں اپنے مال، اپنی طاقت اور اپنے جتھہ بندی اور جمعیت پر ناز ہے۔ لیکن ہمیں اپنی درماندگی پر ناز ہے۔ ہمیں اپنی اس درماندگی کے ساتھ خدا کے حضور جھک جانا چاہیئے اور اس کے پاک کلام کو ساری دنیا میں پھیلانے کے لئے اٹھ کھڑے ہونا چاہیئے۔ اگر اس مقصد کو لئے ہوئے ہم تباہ بھی ہو جائیں، جیسا کہ ہمارے مخالفین کا خیال ہے، تو اچھے مقصد کو سامنے رکھ کر تباہ ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ برے مقصد کو لے کر زندہ رہیں۔ تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو قوم قرآن کی اشاعت کو ہاتھ میں لے گی وہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتی۔ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى. (2:20) اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے نازل کرنے کا یہ نتیجہ نہیں ہو سکتا کہ آپ دنیا میں ناکام رہیں تو جو قوم قرآن کو دنیا میں پھیلانے کا مقصد واحد اپنے سامنے رکھتی ہے، وہ بھی کبھی دنیا میں ناکام نہیں ہو سکتی۔ یاد رکھو! قرآن کا نزول اس لئے نہیں ہوا کہ وہ ناکام رہے، بلکہ کامیابی کے لئے ہوا ہے۔ قرآن کو پھیلانے کے خیالات کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دو۔ تمہارے نوے فیصد خیالات اس نیک کام کے لئے ہونے چاہئیں۔

آج کل ہمیں بڑی مشکلات ہیں۔ ہمارے کچلنے کے لئے دو قومیں اکٹھی ہو گئی ہیں اور ہمارے راستے میں ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں۔ لیکن ان رکاوٹوں سے کچھ نہیں بنتا۔ اگر ہم سب

کے سب اپنی پوری توجہ اشاعت قرآن کے لئے دیں اور ہر وقت اسی فکر میں رہیں کہ ہم کن کن راہوں سے قرآن کریم کی دنیا میں اشاعت کو ترقی دے سکتے ہیں تو کوئی مخالفت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ یقین جانو کوئی کمی ہے تو ہماری طرف سے ہے۔ آؤ خدا کے آگے عاجزانہ گر کر اپنی اس کمی اور کمزوری کو دور کریں۔ یہی صلحاء کا طریق ہے۔ اور قرآن کریم نے یہی سکھایا ہے۔ جب تک دیکھو کہ وہ نتائج برآمد نہیں ہوتے جو تم چاہتے ہو تو اپنے اندر غور کرو۔ وہاں کچھ کمی پاؤ گے۔ جیسا کہ حضرت یونسؑ کی مشہور دعا میں ہے کہ سخت تاریکیوں کے اندر وہ پکار اٹھے لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ. (87:21) اے خدا تو ہر عیب سے پاک ہے۔ کمی اور نقص جو ہے وہ میرے اندر ہے۔

میں نے جو کچھ کہا اس کو میں کسی تحریک کی بنیاد نہیں بنانا چاہتا تھا۔ میرا مقصد تمہارے دلوں اور دماغوں میں یہ خیال پیدا کرنا ہے کہ قرآن کو آگے بڑھانا چاہئیے۔ اور یہ کام ہمارا اولین فرض ہے۔ لیکن اس وقت مجھے فوری طور پر ایک تجویز یاد آ گئی۔ یورپ کے اندر قرآن کو پھیلانا اور اس کے ذریعہ ان ممالک کو اسلام کے لئے فتح کرنا ایک ایسا خیال ہے جو پہلے پہل حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے دل میں پیدا ہوا۔ میرے علم کے مطابق آپ سے پہلے اور کسی نے اس خیال کا اظہار نہیں کیا۔ یہ بھی اللہ کی حکمت ہے کہ ایک طرف حضرت مسیح موعود کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے اور دوسری طرف فوراً ہی یورپ کی ذہنیت میں ایک زبردست تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ یورپ، جو اب تک اسلام کو تاریکی اور وحشت کا مذہب سمجھتا تھا، وہاں سے آواز اٹھتی ہے کہ اسلام اور قرآن میں ہی یورپ کی مشکلات کا حل ہے۔

شیدائی صاحب کی مفید تجویز: محمد اقبال شیدائی صاحب ہمارے ایک دوست ہیں۔ جو آج کل فرانس میں مقیم ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اٹلی کے دارالسلطنت روما میں اسی سال ستمبر کے مہینہ میں ایک کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ جس میں بڑے بڑے بلند پایہ مستشرق جمع ہوں گے۔ شیدائی صاحب کی تجویز ہے کہ اس موقعہ پر چار کتابوں کا ایک سیٹ ان میں سے ہر ایک کو پیش کیا جائے۔ یعنی انگریزی ترجمۃ القرآن، ٹیچنگز آف اسلام، انگریزی سیرت نبویؐ اور انگریزی خلافت راشدہؓ۔ یہ چاروں کتابیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت کامیاب اور مؤثر ثابت ہوئی ہیں اور ہر ایک جگہ سے ان کی تعریف سنی گئی ہے۔ حال ہی میں

میں نے مشہور انگریز نومسلم مارماڈیوک محمد پکتھال کا ایک ریویو پڑھا ہے۔جس میں انہوں نے محمدؐ دی پرافٹ (سیرت خیرالبشرؐ)اوراری کیفلیٹ (تاریخ خلافت راشدہؓ) کے متعلق لکھا ہے کہ تاریخ اسلام پر آج تک جس قدر کتابیں انگریزی میں لکھی گئی ہیں،ان میں سے یہ دونوں کتابیں سب سے زیادہ مکمل اورقابل اطمینان ہیں۔الفاظ یہ ہیں۔

"The most complete and satisfactory history of the early Muslims hithersts compiled in English"

کتابوں کےاس سیٹ کی قیمت بھی زیادہ نہیں۔کل گیارہ روپیہ بارہ آنہ بنتی ہے۔انجمن مفت اشاعت کے لئے کتابیں نصف قیمت پر دے دیتی ہے۔اس طرح محصول ڈاک سمیت اس سیٹ کی قیمت تقریباً ساڑھے چھ روپے ہوگی۔اس لئے میں احباب سے اس ضرورت کو پورا کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔

پیغام صلح: اس مفید تحریک پر احباب نے اسی وقت لبیک کہا اور چند منٹ میں تقریباً چھ سیٹ کے وعدے ہو گئے۔ بیرونی دوستوں اور جماعتوں کو بھی اس کار خیر میں حصہ لینا چاہئیے ۔اس کانفرنس میں جو مستشرق شامل ہوں گے یورپ کے علمی حلقوں میں ان کا پایہ بہت بلند ہے۔اورایک لحاظ سے ان کو یورپ کا دماغ کہا جاسکتا ہے۔ان تک اسلامی لٹریچر پہنچانے کے نتائج نہایت مفید اور دوررس ہوں گے۔

20 مئی 1935ء

مکتوب برلن

برلن مسجد اور حکومت جرمنی

ایک بے بنیاد افواہ کی تردید

ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ امام مسجد برلن کے قلم سے

ہندوستان کے بعض اخبارات میں ایک بے بنیاد خبر شائع ہوئی ہے کہ ہٹلر نے سیاسی مرکز ہونے کے باعث برلن کی مسجد کو بند کر دیا ہے۔ غالباً یہ خبر حبیب الرحمٰن مقیم برلن کی غلط بیانی کی مرہون منت ہے۔ ہم جو یہاں بڑے اطمینان سے کام کر رہے ہیں اس خبر سے بکلی نا آشنا ہیں۔ اصل واقعات اس کے بالکل برعکس ہیں۔ حکومت جرمنی خوب اچھی طرح جانتی ہے کہ ہمارا سیاسیات سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم محض مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں اور جرمنی یا کسی دوسری حکومت کی سیاست سے ہمارا ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم موجودہ حکومتِ جرمنی کے بعض کاموں کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔ چنانچہ بعض امور مثلاً غرباء کی امداد عورت کی پوزیشن، ازدواجی زندگی اور اس کی اہمیت وغیرہ پر ہندوستانی پریس میں بھی لکھ چکے ہیں اور موجودہ حکومت جرمنی کے ان کاموں کی تائید کر چکے ہیں۔ بلکہ اپنے جرمن رسالہ مسلیمش ریویو کے جوبلی نمبر میں حضرت امیر جماعت مولٰینا محمد علی صاحب کا ایک مختصر سا مضمون بھی اس ضمن میں شائع ہو چکا ہے۔ حضرت ممدوح نے دکھایا کہ کس طرح موجودہ حکومت جرمنی اہم مسائل مثلاً ''محنت اور سرمایہ داری'' عورت کی صحیح پوزیشن اور ازدواجی زندگی وغیرہ میں اسلامی اصولوں کی پیروی کر رہی ہے۔ یہ تو ہے ہمارا رویہ حکومت کے متعلق۔ اب حکومت کا رویہ ہمارے متعلق ملاحظہ ہو۔

آج تک حکومت نے ہم سے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے یہ معلوم ہو کہ اس کو ہمارے متعلق کوئی شک وشبہ ہے۔ اس کے برخلاف حکومت بخوبی جانتی ہے کہ برلن مسجد مسلمانوں کا مرکز ہے اور اسلامی امور کے لئے حکومت کو ہماری طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر دو تین واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔

1۔ تقریباً نصف سال کا عرصہ ہوا کہ یہاں ایک سرکاری سکول میں دو تین مسلمان بچے تعلیم

پاتے تھے۔حکومت کے قواعد کی رو سے ہر بچے کو مذہبی تعلیم دی جاتی لازمی ہے۔مگر چونکہ یہاں اسکولوں میں اسلامی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔لہٰذا اس کے لئے افسران سکول کو مسجد کی طرف متوجہ ہونا پڑا اور ہم سے درخواست کی کہ مسلمان بچوں کی مذہبی تعلیم کا ہم انتظام کریں۔ چنانچہ عرصہ تین ماہ سے ایسا انتظام کر دیا گیا ہے۔اس ضمن میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان میں دو تین نادار بچے ہیں۔جو مسجد تک آنے کا کرایہ برداشت نہیں کر سکتے۔چنانچہ ان کی آمد ورفت کا انتظام بھی مسجد کی طرف سے کر دیا گیا ہے۔کیا حبیب الرحمان صاحب کہہ دیں گے کہ یہ بھی جھوٹ ہے کہ ہم غریب مسلمانوں کی ہر ممکن طریقہ سے امداد کرتے رہتے ہیں۔

2۔کمال سعید (ایک افغانی طالب علم جس نے حکومت افغانستان کے سفیر متعینہ برلن کو عرصہ دوسال ہوا قتل کر دیا تھا) کو حکومت جرمن نے پھانسی کا حکم دیا۔حکومت جرمن بعض وجوہات کے باعث پھانسی کے وقت تک اس واقع کو اخفاء میں رکھنا چاہتی تھی۔عیسائی مذہب کے مطابق موت کے وقت پادری کا ہونا ضروری ہے۔لہٰذا حکومت کا سرکاری افسر میرے پاس آیا اور کہا کہ میں بحثیت امام پھانسی کا حکم سنانے کے وقت اور پھر پھانسی دینے کے وقت موجود ہوں۔یہ دریافت کرنے پر کہ ان کو میرا نام پتہ کہاں سے ملا، مجھے معلوم ہوا کہ حکومت کے دفتر خارجہ سے اُن کو میرا پتہ چلا۔

اب اس امر سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ حکومت بھی جانتی ہے کہ ہم کون ہیں اور جب کبھی اس کو کسی اسلامی معاملہ میں امداد کی ضرورت ہوتی ہے تو اسے ہماری طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

3۔شادی وغیرہ کے معاملہ میں بھی جہاں فریقین میں سے دونوں یا ایک مسلمان ہو، تو حکومت اس امر کا سرٹیفکیٹ طلب کرتی ہے کہ وہ سرکاری شادی کے بعد اسلامی طریقہ پر مسجد میں شادی کریں گے۔

ان تمام امور سے ناظرین خود اندازہ لگالیں کہ موجودہ حکومت جرمنی کا ہمارے متعلق کیا خیال اور طرز عمل ہے۔پھر ہمارے لیکچروں میں حکومت کے نمائندے نہ صرف شریک ہوتے ہیں بلکہ لیکچر بھی دیتے ہیں۔ان کے متعلق انشاءاللہ کسی اور موقع پر تفصیلاً لکھوں گا۔

24 مئی 1935ء
قسط اول

ڈاکٹر سر محمد اقبال کا بیان

احمدیت کی پہلی ضرب کا اثر

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے ایک تازہ بیان کے متعلق ہم گذشتہ اشاعت میں اشارہ کر چکے ہیں۔ آج اس کے متعلق ذرا تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کا پورا پورا احترام کرنے کے باوجود اس ایماندارانہ رائے کے اظہار سے نہیں رک سکتے کہ احمدیت کے خلاف آج کل جو طوفان بے تمیزی برپا ہے، اس سے موصوف کا بلند پایہ دماغ بھی (غالباً عادات کی مجبوری کی وجہ سے) متاثر ہوا ہے۔ اور یہ بیان اسی اثر پذیری کا نتیجہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس بیان میں وہ بلندی اور معقولیت نظر نہیں آتی جس کی توقع دنیا موصوف سے کرتی ہے۔ بلکہ اس سے برعکس چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور وہ ایسی چیزیں ہیں جو موصوف کے گذشتہ عقائد و اعمال سے بھی کوئی مطابقت نہیں رکھتیں۔ اگر اس بیان کی غیر ضروری باتوں سے قطع نظر کر لیا جائے۔ تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس میں ختم نبوت کی تائید کے علاوہ جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ!

1۔ مسیح موعود کی آمد اور مہدی کے ظہور کا تخیل مسلمانوں نے مجوسیوں، یہودیوں اور نصرانیوں سے لیا ہے۔ جو بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس خیال کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔

2۔ احمدیت کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ احمدیوں کو مسلمان سمجھنا اور ان سے مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنا غلطی ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف ختم نبوت کی تائید میں اپنے خاص فلسفیانہ انداز میں گویا ہوئے ہیں اور انہوں نے جو دلائل دیئے ہیں ان پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ بہتر ہوتا کہ وہ ختم نبوت جیسی روشن اسلامی حقیقت کی تائید صاف اور سادہ الفاظ میں فرماتے۔ لیکن ہم چونکہ اس بارہ میں ان کے مقصد سے متفق ہیں، اس لئے ان کے ایک حد تک قابل اعتراض دلائل اور مبہم طرز بیان کو نظر انداز کئے دیتے ہیں۔

مسیح موعود کی آمد اور مہدی کے ظہور سے انکار: ڈاکٹر صاحب موصوف نے مسیح موعود کی آمد اور

مہدی کے ظہور کے عقائد بالکل غلط ''خلاف اسلام'' ڈھکوسلہ اور مجوسیت وغیرہ سے ماخوذ بتلایا ہے۔ اس طرح انہوں نے ایک نہایت ہی خطرناک اور بے حد غلط قدم اٹھایا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ فعل ان سے ایک بھاری مشکل کو دور کرنے کی کوشش میں سرزد ہوا ہے۔ لیکن ہم ان کو یقین دلانا چاہتے ہیں اس طرح ان کی مشکل قطعاً دور نہ ہوگی۔ بلکہ دیگر بے شمار اور گوناگوں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ جن سے دنیا کا کوئی فلسفہ نجات نہ دلا سکے گا۔ غیر احمدی علماء حیات مسیح کے قائل اور اس غلطی میں مبتلا تھے کہ حدیث میں جس مسیح کے نزول کا ذکر اور وعدہ ہے وہ حضرت عیسٰیؑ۔ ہیں اور اسی غرض سے تقریباً دو ہزار سال سے بغیر کھائے پیئے چوتھے آسمان پر تشریف فرما ہیں۔ اور بالآخر امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے اس دنیا میں آئیں گے۔ احمدیت نے اس خیال باطل کی تردید کی اور حیات مسیح کے غلط اور خلاف اسلام عقیدہ کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے۔ اور بتلایا کہ مسیح موعود امت محمدیہ ہی کا ایک خاص فرد ہوگا۔ آج بڑے بڑے علماء دل ہی دل میں وفات مسیح کے قائل ہیں۔ گو بزدلی کی وجہ سے صاف الفاظ میں اس کا اقرار نہیں کرتے اور کسی کو جرأت نہیں کہ میدان مقابلہ میں آ کر اس مسئلہ پر احمدیوں سے گفتگو کرے۔ بعض حضرات کے لبوں پر مہر خاموشی لگی ہوئی ہے۔ اور ہمارے بار بار کے چیلنجوں کے باوجود جامد و ساکت ہیں۔ ایک وقت تھا وفات مسیح کے عقیدہ کی وجہ سے احمدیوں کو کافر کہا جاتا تھا۔ آج یہ ایک فروعی مسئلہ بن گیا ہے۔

دو راستے: وفات مسیح کو ماننے کے بعد ہر مسلمان کے لئے دو راستے رہ جاتے ہیں۔ یا تو حضرت مرزا صاحب کو مان لے یا مسیح موعود اور مہدی کے متعلق جس قدر احادیث ہیں ان کا سرے سے انکار کر دے پہلا راستہ عقل و ایمان کے مطابق ہے۔ اسلام کا مفاد اسی میں ہے۔ لیکن اس کے لئے جرأت ایمانی وسیع القلبی اور قربانی کی ضرورت ہے۔ دوسرا راستہ پہلے سے برعکس سمت کو جاتا ہے۔ مسیح موعود اور مہدی کے متعلق ایک دو حدیثیں نہیں بلکہ احادیث کا پورا ذخیرہ ہے۔ اگر ان سے انکار کر دیا جائے تو پھر تمام احادیث کے انکار کیئے بغیر چارہ نہیں۔ اور حدیث کا انکار انسان کو جس مقام پر پہنچا دیتا ہے وہ نام نہاد اہل القرآن فرقہ کی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے دوسرا رستہ اختیار کیا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے وہ اس کے نتائج سے بے خبر ہیں یا باخبر۔ لیکن ہم یہ ضرور کہیں گے کہ مسیح موعود کی آمد اور مہدی کے ظہور کے عقیدہ سے انکار کر کے ڈاکٹر صاحب نے جو راہ نجات تلاش کی

تھی۔ وہ بھی ان کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ موصوف یاجوج ماجوج اور دجال کے قائل ہیں۔ آپ کا مشہور شعر ؎

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

لوگوں کے ورد زبان ہے۔ یاجوج اور ماجوج اور دجال کی پیشگوئیوں کو مان کر مسیح موعود اور مہدی کے متعلق پیشگوئیوں کا انکار بالکل ناممکن ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آج ایسے اُبلے ہوئے دماغ بکثرت موجود ہیں جن کو احمدیت کے خلاف ہر ایک چیز پورے اطمینان کے ساتھ سنائی جاسکتی ہے، خواہ وہ کس قدر ہی غلط کیوں نہ ہو اور وہ بلا تامل اسے مان سکتے ہیں۔ لیکن اہل تحقیق وانصاف کے نزدیک صرف معقول باتیں ہی قابل تسلیم ہوتی ہیں۔ مسلمان آج ڈاکٹر صاحب کے ان ارشادات پر ایمان لا سکتے ہیں۔ لیکن یہ ابلے ہوئے دماغ آخر کار ٹھنڈے ہوکر رہیں گے۔ ٹھنڈے دل ودماغ کے غور وفکر کا نتیجہ ڈاکٹر صاحب کی تائید میں نہیں بلکہ تردید ومخالفت کی صورت میں رونما ہوگا۔

سید حبیب صاحب کی تجویز: جناب ڈاکٹر صاحب کے اس ارشاد پر رائے زنی کرتے ہوئے سید حبیب صاحب آف ''سیاست'' نے ڈاکٹر صاحب موصوف کی خدمت میں مندرجہ ذیل دلچسپ تجویز پیش کی ہے:

> ''کیا ہم علامہ موصوف سے بہ ادب التماس کر سکتے ہیں کہ وہ از راہ نوازش ہر خیال کے علماء کے اجتماع کا بندوبست کریں۔ ان میں اگر احمدی حضرات کو شامل نہ کیا جائے تو کوئی ہرج نہ ہوگا۔ اس اجتماع میں مہدی کے ظہور اور حضرت عیسیٰؑ کے نزول پر بحث کر کے حتمی طور پر طے کر دیا جائے کہ نزول مسیح اور بعثت مہدی کے عقائد کہاں تک غلط ہیں۔ ایسا فیصلہ احمدیت کے انسداد کے لئے جس قدر مفید ہوگا، وہ اظہر من الشّمس ہے۔ اور علامہ اقبال کو اس بات کی ضرورت باقی نہ رہے گی کہ وہ احرار جیسی پر اثر جماعت کی پناہ لے کر فتنہ احمدیت کے استیصال کی سعی کر کے خود کو بدنام کریں۔''
>
> (سیاست 12 مئی 1935ء)

سید حبیب صاحب کی یہ تجویز کئی لحاظ سے دلچسپ ہے۔ لیکن انہیں یقین رکھنا چاہئیے کہ یہ کبھی

شرمندہ عمل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کی قوت عمل کے متعلق سید صاحب اوران کے دوسرے ہم عقیدہ حضرات بہت سے شکوک کا اظہار فرما چکے ہیں۔ اور وہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے حضرات علماء کرام کھلے طور پر کبھی اس موضوع پر غور وفکر کرنے کے لئے آمادہ ہی نہ ہوں گے۔ بلکہ غور وفکر کئے بغیر اس تجویز کے پیش کرنے والوں پر کفر کا فتوٰی جڑ دیں گے۔ تیسرے حضرات علماء کرام سے کسی معقول اور متفقہ فیصلے کی توقع رکھنا بالکل فضول ہے۔ اس کا نتیجہ مایوسی ونا کامی کے سوااور کچھ نہیں ہوسکتا۔ مولوی اور اتحاد اتفاق دو متضاد چیزیں ہیں۔ اس سے قبل بھی چند مرتبہ ہر خیال کے علماء جمع ہو چکے ہیں۔ ان کے اجتماع مقدس کا نتیجہ نہایت ہی رسوا کن اور شرمناک ظاہر ہوا ہے۔ لیکن اگر ہمارا خیال غلط ہے اور حضرات علماء کرام میں جمع ہونے اور کسی مسئلہ پر غور وفکر کرنے کی قابلیت موجود ہے تو ڈاکٹر صاحب نہ سہی سید حبیب صاحب ہی اس قسم کا اجتماع منعقد کریں۔ تاکہ ہم بھی اس دلچسپ تجویز کا دلچسپ نتیجہ دیکھ سکیں۔

آخری سطور میں سید صاحب نے ڈاکٹر صاحب موصوف کو جو مشورہ دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے احمدیت کے استیصال کی سعی ناکام کی خاطر احرار پُر شرر کی پناہ لی ہے۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ احرار کے طوفان بے تمیزی سے متاثر ہوکر ڈاکٹر صاحب نے احمدیت کی مخالفت کی ضرورت محسوس کی ہو؟ ہمارا تو یہی خیال ہے!

سید صاحب کا معنی خیز اظہارِ تعجب: سید صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے طرز عمل پر معنی خیز اظہارِ تعجب بھی کیا ہے کہ:

> ''تعجب ہے کہ سالہا سال سے احمدیوں اور غیر احمدیوں میں جنگِ عقائد جاری ہے۔ لیکن علامہ اقبال سے آج تک یہ بن نہیں پڑا کہ وہ ایک رسالہ یا مضمون لکھتے۔ یا لیکچر ہی دے کر یہ کہتے کہ مسیح موعود یا مہدی کی آمد کا خیال شریعت حقہ سے بیگانہ ہے۔ لیکن اب بھی کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ میں علامہ اقبال سے بہ منت عرض کروں گا کہ وہ ملتِ مرحوم کے دل سے اس خیال باطل کو نکالنے کے لئے عملی تدابیر اختیار فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔'' (سیاست 14 مئی 1935)

کاش! ڈاکٹر صاحب سید صاحب کی اس التجا کو منظور فرمالیں۔ تا کہ انہیں اپنے دلائل کی قوت اور حضرات علماء کرام کی عنایات کا تجربہ ہو جائے۔

وفات مسیح کا مسئلہ احمدیت کی پہلی ضرب ہے۔ ذرا اس ضرب کا اثر ملاحظہ ہو کہ اب مسیح موعود کی آمد اور مہدی کے ظہور ہی سے انکار ہو رہا ہے۔ لیکن یہ انکار ایسا ہی ہے جیسے کوئی غلط راستے پر جاتا ہوا چٹان سے بچ کر کھڈ میں گر پڑے۔ صداقت کی مار اور حقائق کی ضرب ایسی ہی ہوتی ہے!

قسط دوم: مطبوعہ دراشاعت 27 مئی 1935ء

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اپنے بیان میں اس بات پر زور دیا ہے کہ احمدیت کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ احمدیوں کو مسلمان سمجھنا اور ان سے مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنا غلطی ہے۔ موصوف نے ہز ایکسیلینسی سر ہربرٹ ایمرسن گورنر پنجاب کی اس تقریر پر بھی کافی تنقید کی ہے جو ممدوح نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے گذشتہ سالانہ جلسہ پر کی تھی اور اس میں مسلمانوں کو باہمی مناقشات چھوڑ کر متحد ہو جانے کی تلقین فرمائی تھی۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ احمدیوں کے بائیکاٹ کی تلقین اور جناب گورنر کی تقریر پر تنقید کرتے ہوئے سر موصوف نے بے حد مبالغہ سے کام لیا ہے اور وہ کسی ایک جذبہ کی رو میں اس تیزی سے بہہ گئے ہیں کہ دلائل وحقائق اور اعتدال کی عنان ان کے ہاتھ سے بالکل چھوٹ گئی ہے۔ جذبات ایک شاعر کو جس آسانی کے ساتھ مغلوب کر سکتے ہیں، اس کا ہمیں علم ہے۔ لیکن جذبات کی قدر و قیمت معقولیت ونتائج کی ترازو میں وزن کرنے کے بعد ہی مقرر کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ سر موصوف کے دل میں احمدیوں کے بائیکاٹ کا جو جذبہ آج کل موجزن ہے اس کی کیا قدر قیمت ہو سکتی ہے!

ہم نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے بیان کو بار بار نہایت غور سے مطالعہ کیا۔ انہوں نے احمدیوں کے بائیکاٹ کی تلقین تو بڑے زور سے کی ہے۔ لیکن اس کے حق میں کوئی معقول وکیل دینے سے وہ بالکل قاصر رہے ہیں۔ احمدی مسیح موعود اور مہدی کے عقیدہ کو مانتے ہیں تو دنیا کے ساٹھ کروڑ مسلمانوں کی زبردست اکثریت بھی اس عقیدہ کی قائل ہے۔ اس لحاظ سے اصولاً احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں میں کوئی فرق نہ ہوا۔ باقی رہ گیا مسئلہ تکفیر ونبوت۔ ہمیں اس امر واقعی سے قطعاً انکار نہیں کہ قادیانی جماعت حضرت نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبیوں کے آنے کو مانتی ہے اور وہ مسلمانوں کی تکفیر کرتی ہے۔ان کے عقائد حضرت مرزا صاحب کی تعلیمات کے صریح خلاف ہیں۔اور ہم بیس اکیس سال سے ان غالیانہ اور خلاف اسلام واحمدیت عقائد کی زبردست تردید کر رہے ہیں۔ ہماری قادیان سے علیحدگی کی وجہ بھی یہی اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک عقیدہ اجرائے نبوت اور تکفیر المسلمین کی جس قدر ندمت اور مخالفت کی جائے کم ہے اور ہم اس بارہ میں ڈاکٹر صاحب موصوف اور ہر ایک مسلمان کے ہمنوا اور رفیق کار ہو سکتے ہیں۔مگر اس کے ساتھ ہی ہم کہیں گے کہ قادیانیوں کے ان عقائد کے باوجود ڈاکٹر صاحب احمدیوں کے بائیکاٹ کی تلقین میں حق بجانب نہیں۔ اول تو جماعت لاہور ان عقائد سے بیزار اور اُن کی اشد ترین مخالف ہے۔ دوسرے قادیانیوں کے علاوہ مسلمانوں کی زبردست اکثریت اور اُن کے بڑے بڑے علماء حضرت نبی کریمؐ کے بعد ایک نبی کے آنے کے قائل ہیں۔ (فرق صرف اس قدر ہے کہ قادیانی ایک نئے نبی کو مانتے ہیں اور غیر قادیانی مسلمان ایک پرانے نبی کے آنے کے منتظر ہیں) اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے رہتے ہیں۔خود ڈاکٹر صاحب موصوف پر مولویوں کی طرف سے متعدد مرتبہ کفر کے فتوے لگ چکے ہیں۔ یہ بات یقیناً انصاف اور دیانتداری کے خلاف ہے کہ ایک ہی جرم کی بنا پر قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر کے ان کا بائیکاٹ کر دیا جائے اور جماعت لاہور کو بلا وجہ ان کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ دوسرے مسلمانوں کو اسی جرم پر کچھ نہ کہا جائے۔ اگر تکفیر اور اجرائے نبوت کا عقیدہ بُرا اور خلاف اسلام ہے تو اس کا ہر ماننے والا خواہ وہ قادیانی ہو یا غیر قادیانی قصوروار ہے۔ ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کی خدمت میں انصاف کے نام پر اپیل کریں گے وہ کم از کم اپنے بیان کے اس حصہ پر ضرور نظر ثانی فرمائیں۔

قادیانی جماعت کے افعال وعقائد سے اظہار بےتعلقی کرنے کے بعد ہم ڈاکٹر صاحب موصوف سے مؤدبانہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جماعت لاہور کے وہ کونسے عقائد واعمال ہیں جن کی وجہ سے اس کو اسلام سے بیگانہ، مجوسیت کا پیرو اور اسلام اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیا جا رہا ہے یا دیا جا سکتا ہے۔ ہمارے عقائد سے ڈاکٹر صاحب موصوف یقیناً ناواقف نہیں۔ کیونکہ خود دفتر پیغام صلح کی طرف سے بارہا ان کی خدمت میں ضروری لٹریچر بھیجا جا چکا ہے۔ آخر ہمیں بتایا جائے کہ ان میں سے کونسا عقیدہ خلاف اسلام ہے۔ہم ہر ایک کلمہ گو کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ کیا یہ خلافِ اسلام ہے؟ ہمارا عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی

نبی نہ آئے گا۔ نہ نیا نہ پرانا۔ کیا یہ خلافِ اسلام ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔ کیا یہ خلافِ اسلام ہے؟ ہم تمام صحابہ کرامؓ اور آئمہ کا احترام کرتے ہیں۔ تمام مجددوں کو مانتے ہیں۔ کیا یہ خلافِ اسلام ہے؟ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام اپنی خوبیوں اور قوی وروشن دلائل کی وجہ سے تمام دنیا پر غالب آئے گا، کیا یہ خلافِ اسلام ہے؟ آخر بتایا جائے ہمیں کس عقیدہ کی بنا پر دشمن اسلام اور مجوسیت کے خوشہ چین کہا جاتا ہے۔ عقائد کے بعد اعمال کو لیجئے۔ قرآن کی اشاعت اور اسلام کی تبلیغ ہمارا زندگی کا مقصدِ وحید ہے۔ ہم اس فرض مقدس کو دنیا کی ہر ایک مشغولیت ہر ایک کشش اور ہر ایک جدوجہد پر مقدم کئے ہوئے ہیں۔ اور ہمہ تن اس میں مصروف ہیں۔ ہم نے یورپ کے کئی ملکوں میں مسجدیں بنائیں اور تبلیغی مشن قائم کئے جہاں سے باقاعدہ تبلیغی کام ہورہا ہے۔ ہم نے قرآن شریف کا تین مغربی زبانوں میں ترجمہ کیا اور اسلام کے متعلق تقریباً 25 زبانوں میں لٹریچر چھاپ کر ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ ایک نہایت قلیل اور غریب جماعت ہونے کے باوجود لاکھوں روپیہ سالانہ دین کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ کیا مجوسیت کے شیدا اور اسلام کے مخالف ایسا ہی کرتے ہیں؟ اگر آج عوام کے دماغوں پر احمدیت کی مخالفت کا جنون سوار ہے۔ اگر آج وہ احمدیت کے خلاف بے دلیل سے بے دلیل اور غلط سے غلط بات سن کر ایمان لا سکتے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ ہمیشہ یہی حالت رہے گی۔ نہیں ایک وقت آئے گا ہمارے خلاف کفر کے فتوؤں اور ہماری بائیکاٹ کے ارشادات کو اسلامی احکام اور واقعات کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا اور اس وقت پرکھنے والے ہمارے مخالفین کو اچھے الفاظ سے یاد نہیں کر سکیں گے۔

اگر ذرا گہری نظر سے غور کیا جائے احمدیوں کے بائیکاٹ کی تلقین بھی ہمارے مخالفین کی شکست کے مترادف ہے۔ بے پناہ اکثریت رکھنے کے باوجود ان میں طاقت نہیں کہ وہ دلائل یا عمل کے میدان میں ہم سے مقابلہ کریں۔ جماعت احمدیہ میں قلت کے باوجود دوسروں کو جذب کرنے اور کھینچنے کی طاقت اور قابلیت موجود ہے۔ لیکن ہمارے مخالفین اس سے محروم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہم پر کفر کے فتوے لگا رہے ہیں۔ اور ہمارے بائیکاٹ کے وعظ ہو رہے ہیں۔ اُن کے یہ فتوے اور وعظ دراصل احمدیت کی بے پناہ کشش کا اقرار اور اس کے سامنے اعتراف عجز کے مترادف ہیں۔ جناب سید حبیب آف سیاست نے اس بارہ میں ڈاکٹر صاحب موصوف سے اختلاف رائے کرتے ہوئے ان پر چند معنی

خیز اور دلچسپ سوالات کئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ حقیقت ہے کہ 30 سال کی میعاد تک علامہ اقبال کا مسلک مرزائیوں کے متعلق وہی رہا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔ سیاسی، علمی، تمدنی اور معاشرتی حلقوں میں ان کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور علامہ اقبال یکساں طور پر مسلمان انجمن حمایت اسلام کے رکن ہیں۔ اور علامہ نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ مسلم لیگ و مسلم کانفرنس میں چوہدری ظفر اللہ خاں اور علامہ اقبال یکساں بطور مسلمان ممبر بنے رہے۔ علامہ صاحب نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ چودھری صاحب مسلم لیگ کے صدر ہوئے۔ عوام میں سے بعض نے اعتراض بھی کیا۔ علامہ صاحب نے نہ صرف کوئی اعتراض کیا بلکہ معترضین کی تائید بھی نہیں کی۔ اور خود چودھری صاحب کے ماتحت لیگ کے ممبر بنے رہے۔ علامہ ممدوح لیگ اور کانفرنس کے صدر رہے۔ لیکن آپ نے کبھی اس بات پر اعتراض نہیں کیا کہ ان مجالس میں قادیانی (احمدی) بھی بطور مسلمان شامل ہوتے ہیں۔ قادیان سے ان جماعتوں کو علامہ صاحب کی صدارت میں مالی امداد ملی مگر علامہ صاحب نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ پنجاب کونسل میں چودھری ظفر اللہ خاں اور علامہ اقبال دونوں مسلمانوں کے نمائندوں کی حیثیت سے پہلو بہ پہلو کام کرتے رہے اور سائمن کمیٹی کے لئے جب چودھری صاحب کو بطور مسلمان ممبر منتخب کیا گیا تو علامہ صاحب نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ انتہا یہ ہے کہ جب حکومت نے گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کی نیابت کے لئے علامہ اقبال اور چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کو بہ حیثیت مسلمان چنا تو نہ صرف علامہ اقبال نے اعتراض کیا بلکہ وہ لندن میں دوش بدوش کام کرتے رہے۔ حال ہی میں لندن میں جوبلی کے موقعہ پر جو جماعت اس غرض سے قائم ہوئی ہے کہ برطانیہ اور دنیائے اسلام کے تعلقات بہتر ہوتے چلے جائیں۔ اس میں علامہ اقبال اور چودھری ظفر اللہ خان دونوں بطور مسلمان شامل ہیں'' (سیاست 5 مئی 1935ء)

یہ نا قابل انکار حقائق ہیں۔ دیکھئے ڈاکٹر صاحب موصوف سید حبیب صاحب کے سوال کا کیا جواب دیتے ہیں۔ سید صاحب کی طرح ہم بھی ڈاکٹر صاحب کا جواب سننے کے بے حد مشتاق ہیں۔

قسط سوم: مطبوعہ دراشاعت 19 جون 1935ء

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے جماعت احمدیہ کے خلاف حال ہی میں جو بیان دیا ہے۔ اس کی بے مائیگی روز بروز زیادہ واضح ہوئی جاتی ہے۔ بعض غیر مسلم حلقوں سے بھی اس پر ایسی معقول اور معنی خیز تنقید کی گئی ہے جس کا باوجود انتہائی کوشش کے موصوف کوئی شافی جواب نہیں دے سکے۔ اور ان کا ہر ایک جواب عذر گناہ بدتر از گناہ کی نہایت روشن مثال پیش کرتا ہے۔ مشہور انگریزی روزنامہ ''سٹیٹس مین'' نے ڈاکٹر صاحب پر یہ پر لطف سوال کیا ہے کہ انہیں (ڈاکٹر صاحب کو) کسی جماعت کے مذہبی اختلاف کے مسئلہ میں کس موقع پر اور کس حد تک سرکاری مداخلت گوارا ہو سکتی ہے اور مسلم اور غیر مسلم میں حد فاصل کیا ہے۔ اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ اس طرح ہو سکتا ہے۔

1۔ اسلام ایک مذہبی جماعت ہے جس کی حدود واضح طور پر متعین ہیں اور وہ حدود یہ ہیں کہ خدا کی وحدانیت پر، تمام انبیاء کی نبوت پر اور حضور خواجہ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی پر ایمان رکھنا۔ یہ آخری شق ایسی چیز ہے جو مسلم اور غیر مسلم میں ایک حد فاصل قائم کرتی ہے۔

2۔ قادیانیوں نے ''احمدی'' کا نیا نام اختیار کر کے اسلام کے ایک اصول سے انحراف کیا ہے۔

3۔ احمدیوں نے مسلمانوں کی نمازوں میں شریک ہونے سے انکار کیا۔ مسلمانوں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنے سے کلی اجتناب اختیار کیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافر قرار دیا۔ ان سب باتوں کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ احمدیوں نے خود اسلام سے علیحدگی اختیار کی۔

4۔ تحریک قادیان کے آغاز سے ہی احمدیوں نے ہر مذہبی اور جماعتی مسئلہ میں مسلمانوں سے الگ تھلگ رہنے اور نبوت محمدیہؐ کے متوازی ایک نئی نبوت پیدا کر کے اس کی بنیادوں پر ایک نئی جماعت بنانے کی کوشش کی۔ اس کے اس خیال اور طریق عمل سے جو تلخی مسلمانوں میں پیدا ہوئی، اس کے پیش نظر حکومت کا فرض تھا کہ وہ احمدیوں کو مسلمانوں سے ایک علیحدہ اقلیت قرار دے دیتی اور اس بارہ میں

مسلمانوں کی خواہش و درخواست کا انتظار نہ کرتی جیسا کہ اس نے کسی درخواست کے بغیر سکھوں کو ہندوؤں سے علیحدہ قرار دے دیا ہے۔

5۔ قادیانیوں کے لئے دو راستے ہیں۔ یا تو بہائیوں کا اصول تسلیم کر لیں یا یہ کہ وہ عقیدہ ختم نبوت کو اسی شکل میں تسلیم کر لیں جس میں عام مسلمان کرتے ہیں۔

افسوس کہ ڈاکٹر صاحب کے اس بیان میں بھی کافی تضاد موجود ہے اور انہوں نے ایسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں جو واقعات اور معقولیت کی کسوٹی پر پوری نہیں اُترتیں۔ مسلمانوں کے شاعر اعظم اور علامہ کو اس حالت میں دیکھ کر رنج ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ اقلیت قرر دینے کے لئے بے تاب ہیں اور اس میں وہ قادیانی اور لاہوری جماعت میں کوئی امتیاز نہیں رکھتے۔ لیکن انہوں نے اس کی جو وجوہ بیان فرمائی ہیں، وہ کم از کم بانی سلسلہ اور جماعت لاہور کے عقائد و طرزِ عمل کے پیش نظر بالکل بے معنی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا ارشاد ہے کہ حضرت نبی کریمؐ کی ختم المرسلینی پر ایمان رکھنا یہ آخری شق ہے۔ جو مسلم اور غیر مسلم میں حدِ فاصل ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قادیانی ختم نبوت کے قائل نہیں۔ لیکن اس کے علاوہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت بھی تو ایک پرانے نبی کی آمد کو مانتی ہے۔ قادیانیوں اور دوسرے مسلمانوں میں صرف نئے پرانے کا فرق ہے۔ لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ قادیانی عقیدہ ختم نبوت کو اسی شکل میں تسلیم کر لیں جس میں کہ عام مسلمان کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ابھی ایک پرانا نبی آنے والا ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب یہ کہتے کہ ختم نبوت کو صحیح معنوں میں مان لو تب تو ایک بات ہوتی۔ لیکن افسوس وہ ختم نبوت کو مسلم اور غیر مسلم میں حد فاصل قرار دینے کے باوجود یہ وعظ فرما رہے ہیں کہ اس عقیدہ کو اس شکل میں تسلیم کر لو جس میں کہ عام مسلمان تسلیم کرتے ہیں، ڈاکٹر صاحب ایک ہی عقیدہ پر قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم قرار دیتے ہیں۔ لیکن اسی عقیدہ کی بنا پر دوسرے مسلمانوں کو کچھ نہیں کہتے۔ بلکہ قادیانیوں کو بھی تلقین کرتے ہیں کہ تم بھی اُن کے قدم بقدم چلو۔ یعنی یہ نہ کہو کہ نئے نبی آ سکتے ہیں۔ بلکہ یہ کہو کہ پرانا نبی آئے گا۔ اس سے زیادہ مضحکہ خیزی اور کیا ہو گی۔ بانی سلسلہ نے نبوت کا دعوٰی ہرگز نہیں کیا۔ جماعت لاہور انہی کے نقش قدم پر چل رہی

ہے۔ جو لوگ حضرت مرزا صاحب پر دعویٰ نبوت کا افتراء کرتے ہیں۔ ان کے لئے ہمارا فیصلہ کن بحث کا چیلنج موجود ہے۔

''احمدی'' نام کی تشریح کئی مرتبہ ہو چکی ہے۔ یہ حضرت نبی کریمؐ کے اسم احمد کے نام پر رکھا گیا ہے۔ یہ امر بھی موجب حیرت ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے لئے حنفی، اہلحدیث، دیوبندی، شیعہ وغیرہ نام سے تکلیف دہ نہیں۔ وہ صرف احمدی پر معترض ہوتے ہیں۔ نمازوں اور شادی بیاہ کے بارہ میں ہم قادیانیوں کے ذمہ دار نہیں۔ البتہ بانی سلسلہ اور اپنے عقائد کے طرز عمل کے جواب دہ ہیں۔ ملانوں کے خواہ مخواہ کے تکفیر کے فتوؤں کے بعد ہم نے نمازوں میں علیحدگی اختیار کی۔ اب بھی ہم صرف مکفر افراد کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھتے۔ اس موضوع پر بارہا تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ حضرت مرزا صاحب اور حضرت مولانا نورالدین صاحب کی زندگی میں احمدی لڑکے لڑکیوں کے رشتے دوسرے مسلمانوں میں ہوتے رہے۔ اب بھی ہوتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنے نہ ماننے والوں کو ہرگز کافر نہیں کہا۔ البتہ ملانوں نے ان پر بلا وجہ کفر کے فتوے دیئے۔ جماعت لاہور کسی کلمہ گو کو مسلمان کو کافر نہیں کہتی۔ برخلاف ان کے ملانے ہمیشہ تکفیر کے شغل میں مصروف رہتے ہیں۔ خود ڈاکٹر سر اقبال پر متعدد مرتبہ کفر کا فتویٰ لگ چکا ہے۔ قادیانیوں کے مسئلہ تکفیر سے ہم سخت بیزار ہیں۔ مگر یہ بھی دراصل ملانوں کی ایک غیر معقول حرکت کا غیر معقول جواب ہے۔ ان باتوں سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ کم از کم بانی سلسلہ اور جماعت لاہور نے مسلمانوں سے علیحدگی اختیار نہیں کی۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک نظریہ قائم فرمایا اور اس کی بنا پر وہ حکومت سے مطالبہ فرما رہے ہیں کہ احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے، ان کا ارشاد ہے کہ یہ ''کار خیر'' حکومت کو مسلمانوں کی خواہش درخواست کے بغیر ہی انجام دے دینا چاہئے تھا۔ اگر مسلمانوں کے اس علامہ کا یہ نظریہ حکومت کو قبول کر لینا چاہئے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ دوسرے علاموں اور مولویوں کے نظریوں کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔ کچھ زمانہ پیشتر جماعت اہلحدیث کے خلاف بھی مسلمانوں میں ایک عالمگیر طوفان بے تمیزی موجود تھا۔ اگر حکومت ڈاکٹر صاحب کے نظریہ کی پابند ہوتی تو اس وقت انہیں مسلمانوں سے علیحدہ قرار دے دیتی۔ اسی طرح شیعوں، آغا خانیوں، دیوبندیوں اور نیچریوں سے کرتی۔ کیونکہ ذمہ دار علماء

کے فتاوٰی کفران کے متعلق موجود ہیں۔ جماعتوں کو چھوڑ کر اگر افراد کو لیا جائے تو پھر حکومت کے لئے لازمی تھا کہ وہ علامہ دیدار علی صاحب اور اسی قماس کے دوسرے حنفی مولویوں کے فتوؤں پر ڈاکٹر سر اقبال اور منشی ظفر علی خاں کو غیر مسلم قرار دے دیتی۔ افسوس ڈاکٹر صاحب نے حکومت کے سامنے ایک ایسا نظریہ پیش کیا ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو ہزاروں فتنے پیدا ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے مولوی بھی عجیب قسم کی مخلوق ہیں۔ حکومت نے شاردا ایکٹ نافذ کیا تو انہوں نے دہائی مچا دی کہ حکومت مداخلت فی الدین کرتی ہے۔ دوسری طرف وہ ڈاکٹر سر اقبال کے اس نظریہ کی زور شور سے تائید فرما رہے ہیں کہ حکومت کو چاہئے مسلمانوں کی درخواست کے بغیر غیر مسلم قرار دے دے!

۞۞۞

27 مئی 1935ء

کونسا عقیدہ صحیح ہے؟

نبوت اور کفر و اسلام کے متعلق میاں محمود احمد صاحب کے متضاد بیانات

خاتم النبیّین کے معنی

ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ: ''اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خاتم النبیّین کے مرتبہ پر قائم کر کے آپ پر ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ کر دیا'' (بدر 23 مارچ 1911ء)

آنخضرتؐ کے بعد انبیاءؑ کا سلسلہ بند: یہاں آپ کے خاتم النبیّین ہونے کے متعلق ایک پیشگوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنخضرتؐ سے پہلے دنیا میں سینکڑوں نبی گزرے ہیں۔ جن کو ہم جانتے ہیں اور جنہوں نے بڑی بڑی کامیابیاں دیکھیں......مگر آپ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ کیوں بند ہو گیا۔ اب کیوں کوئی (دعوٰی نبوت کر کے) کامیاب نہیں ہوتا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی پیشگوئی ہے کہ آپ خاتم النبیّین ہیں۔ اب ہم اسلام کے مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کیا نشان ہو سکتا ہے کہ آپ کے دعوٰی کے بعد کوئی شخص جو مدعی نبوت ہوا ہو، کامیاب نہیں ہوا (تشحیذ الاذہان)

باب نبوت مسدود نہیں: ''خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ جب تک آنخضرتؐ کی غلامی اختیار نہ کرے۔ ورنہ نبوت کا دروازہ مسدود نہیں'' (حقیقۃ النبوت صفحہ 232)

آنخضرتؐ کے بعد بعثت انبیاء کو مسدود قرار دینے والا لعنتی اور مردود ہے: آنخضرتؐ کے بعد بعثت انبیاء کو بالکل مسدود قرار دینے کا یہ مطلب ہے کہ آنخضرتؐ نے دنیا کو فیض نبوت سے روک دیا اور آپ کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو بند کر دیا۔ اب بتاؤ کہ اس عقیدہ سے آنخضرتؐ رحمۃ للعالمین ثابت ہوتے ہیں یا اس کے خلاف نعوذ باللہ من ذالک۔ اگر اس عقیدہ کو تسلیم کیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آپؐ نعوذ باللہ دنیا کے لئے عذاب کے طور پر آئے تھے اور جو شخص ایسا خیال کرتا ہے۔ وہ لعنتی اور مردود ہے۔ (حقیقۃ النبوت صفحہ 186-187)

آنحضرتؐ آخری نبی نہیں: قرآن شریف میں محمدؐ صاحب کے لئے کسی جگہ آخری نبی نہیں لکھا ہے۔ محمدؐ کو خاتم النبیین ضرور لکھا ہے لیکن ان الفاظ کی تعبیر علیحدہ علیحدہ کی جاتی رہی ہے۔ لغت میں اس کے معنی آخری نبی کے نہیں ہیں۔ (حلفی شہادت میاں محمود احمد صاحب بمقدمہ فتح محمد بنام نبواب بی بی بعدالت لالہ رام کنور صاحب سب جج گورداسپور)

آنحضرتؐ آخری نبی ہیں: ''میرا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔'' (حلفی شہادت میاں صاحب بمقدمہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب مندرجہ الفضل 26 مارچ 1935ء)

ایک نبی یا ہزاروں؟

صرف ایک نبی ہوسکتا ہے: پس جس کو نبی کریمؐ نے کہا ہے کہ نبی ہے وہی سچا ہے اس کے علاوہ کوئی نبی سچا نہیں ثابت ہوسکتا'' (ذکر الٰہی صفحہ 32)
ہم امت میں صرف ایک ہی نبی کے قائل ہیں۔ آئندہ کا حال پردہ غائب میں ہے (حقیقت النبوۃ صفحہ 138)

ہزاروں نبی ہوں گے: ''ایک نبی کیا میں تو کہتا ہوں ہزاروں نبی ہوں گے...... وہ تو حضرت مسیح موعود کی نبوت کے متعلق کہتے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اب بھی نبی بن سکتا ہے۔'' (انوار خلافت صفحہ 62)

حضرت مسیح موعود نے دعوٰی نبوت کب کیا؟

1902ء میں: 1۔ 1902ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا بالکل جائز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تریاق القلوب میں جو آپ نے اپنا عقیدہ نبوت کے متعلق لکھا ہے بعد کی وحی نے اس سے آپ کو

1891-90ء میں: ''حضرت مرزا صاحب نے دعوٰی نبوت 1890ء کے آخر میں یا 1891ء کے شروع میں کیا۔'' (حلفی شہادت میاں محمود احمد صاحب بعدالت دیوان سکھانند بمقدمہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری بمقام گورداسپور مورخہ 27 مارچ

بدلا دیا" (القول الفصل صفحہ 24) 1900ء میں:
2۔ 1902ء میں آپ نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے اور 1900ء ایک درمیانی عرصہ ہے جو دونوں خیالات کے درمیان برزخ کے طور پر حد فاضل ہے۔" (حقیقۃ النبوت صفحہ 121)

دعوٰی نبوت کا پہلا ثبوت ایک غلطی کے ازالہ میں: اس عقیدہ کے بدلنے کا پہلا ثبوت اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" سے معلوم ہوتا ہے۔ جو پہلا تحریری ثبوت ہے" (حقیقۃ النبوت صفحہ 124)

مسیح موعود نے کبھی نبی ہونے سے انکار نہیں کیا: آپ کی ان تحریرات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ نے اپنے نبی ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ جب کیا ہے لوگوں کی اس خود ساختہ اصلاح سے کیا ہے کہ نبی وہی ہوتا ہے جو شریعت لائے یا جس کی نبوت بلا واسطہ ہو (القول الفصل صفحہ 4)

1935ء مندرجہ الفضل مورخہ 30 مارچ 1935ء)

اربعین میں صاف دعوٰی نبوت: ایک کتاب تو آپ کی اربعین ہے۔ جو غلطی کے ازالہ سے پہلے کی ہے۔ اس میں نبوت کا صاف دعوٰی موجود ہے۔ اور حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ پر وحی نبوت ہوتی ہے۔

مسیح موعود نبی ہونے سے انکار کرتے رہے: باوجود اس کے وہ سب شرائط، جو نبی کے لئے واقعہ میں ضروری ہیں، آپ میں پائی جاتی تھیں۔ آپ نبی کا نام اختیار کرنے سے انکار کرتے رہے (حقیقۃ النبوت صفحہ 124)

جزوی نبوت

امت میں سے کسی کو جزوی نبی کہنا جائز نہیں: لیکن اپنا (یعنی جماعت احمدیہ لاہور کا) یہ حال ہے کہ ہزاروں آدمیوں کو نبی قرار دیتے

صدیق کو جزوی نبوت مل جاتی ہے: غرض صدیق یعنی بہت ہی سچ بولنے والا انسان شہید سے اوپر ہوتا ہے۔ اور اپنے ہر قول کی تائید اپنے

ہیں۔شاید وہ کہیں کہ ہم جزوی نبی کہتے ہیں۔سو یاد رہے کہ قرآن کریم کی کس آیت سے ثابت ہے کہ بغیر خدا تعالیٰ کے اذن کے اور بغیر کسی قرینہ کے کسی کو جزوی نبی کہنا جائز ہے (حقیقۃ النبوۃ حاشیہ صفحہ 30)

عمل سے کرتا ہے اور اس کی فطرت نبیوں کی سی فطرت ہوتی ہے اور اس کے کام نبیوں کے کام ہوتے ہیں۔لیکن کسی قدر کمی اور نقص کی وجہ سے وہ درجہ نبوت پانے سے روکا جاتا ہے۔ورنہ اس حد تک پہنچا ہوا ہوتا ہے کہ قریب ہے کہ وہ نبی ہو جائے۔ بلکہ جزوی نبوت اسے مل جاتی ہے۔ (حقیقۃ النبوت صفحہ 153)

نبوت تدریجاً ترقی کرنے سے ملتی ہے۔لیکن مسیح موعود تدریجاً نبی نہیں ہے

انسان تدریجاً ترقی کر کے نبی بنتا ہے: اس جگہ اس امر پر بھی کچھ لکھ دینا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت ایمان کا ہی ایک اعلیٰ مرتبہ ہے۔اور تقوے میں ترقی کرتے کرتے انسان اس رتبہ کو پہنچ جاتا ہے۔ جسے نبی کہتے ہیں (حقیقۃ النبوۃ صفحہ 150)

حضرت مسیح موعود تدریجاً ترقی کر کے نبی نہیں بنے: اول تو یہ غلط ہے کہ حضرت مسیح موعود تدریجاً نبی بنے ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ میں ثابت کر آیا ہوں، حضرت مسیح موعود اپنے دعوے کی جو تفصیل شروع دعویٰ مسیحیت سے کرتے رہے ہیں، وہ آپ کے نبی ہونے پر شاہد تھی۔ حقیقۃ النبوت صفحہ 157)

لغوی نبوت

لغوی نبوت ہی نبوت ہے: کیا نبی کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ لغت کے خلاف کسی اور معنوں کے رو سے نبی ہو۔نہیں ایسا نہیں۔ فیصلوں کی اصل حکم لغت ہے اور اس کے بعد اصطلاحات خاص۔پس جبکہ لغت میں نبی کے معنی اور قرآن

مسیح موعود کی نبوت لغوی نہ تھی: حضرت مسیح موعود کے اپنے کئے ہوئے معنوں سے باہر جانے کی اجازت کسی کو نہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ لغت میں ان معنوں کے ساتھ استعمال نہیں ہوتے جنہیں حضرت مسیح موعود نے ان کو استعمال کیا

کی اصطلاح ایک ہی ہیں۔تو اب کسی کا کیا حق ہے کہ اپنی طرف سے نئی شرائط تجویز کرے...... پس جس میں یہ شرائط پائی جائیں، ان کے نبی ہونے کا انکار کرنے والا لغت کو بھی چھوڑتا ہے۔ اور جو لغت کو چھوڑتا ہے، اس سے بحث کرنا ہی فضول ہے(حقیقۃ النبوت صفحہ 116)

ہے۔ پس یہ حضرت مسیح موعود کی اصطلاحات سے ہیں اور وہی معنی ان کے جائز ہو سکتے ہیں جو خود آپ نے کئے۔نہ وہ جو دوسرا اپنے ذہن سے بنالے اور نہ وہ جو لغت میں آئیں(حقیقۃ النبوت صفحہ 161) آپ اپنے الہامات کی یہ تاویل فرماتے کہ نبی سے مراد محدث ہے اور آپ کا درجہ محدثیت کا ہے نہ کہ نبوت کا۔اور نبی آپ کا نام صرف بعض جزئی مشابہتوں کی وجہ سے رکھ دیا گیا ہے۔ یا صرف لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے(حقیقۃ النبوت صفحہ 123)

قرآن کریم،احادیث اور لغت میں نبی کے معنی

قرآن حدیث میں نبی کے معنی لغت کے مطابق ہیں: پھر ہم دیکھتے ہیں کہ کیا یہ حقیقت شرعیہ ہے تو قرآن کریم یا احادیث میں نبی کے وہی معنی ملتے ہیں جو لغت کرتی ہے (حقیقۃ النبوت صفحہ 167)

مسیح موعود نے قرآن حدیث کو چھوڑ کر نئی اصطلاحات بنائیں: یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود نے بیشک بعض اصطلاحات نبوت کی تشریح کے لئے مقرر فرمائی ہیں۔لیکن وہ اصطلاحات قرآن کریم یا حدیث کے الفاظ نہیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعود نے لوگوں کو اقسام نبوت سمجھانے کے لئے خود وضع فرمائی ہیں۔

ظلّی نبوت

ظلّی وغیرہ کے الفاظ بولنا مجرم بنتا ہے: خدا کی آخری وحی میں مسیح موعود کو بھی یا نبی اللہ کے

حضرت مسیح موعود کا آخری درجہ ظلّی نبی ہونا تھا: نبوت کے متعلق میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں

خطاب سے مخاطب دیکھتے ہیں اور اس نبی کے ساتھ کوئی لغوی ظلّی یا جزوی کا لفظ نہیں پڑھتے۔ یہ ظلّی جزوی وغیرہ الفاظ حضرت مسیح موعود نے بطور انکسار استعمال کئے ہیں۔ الہام الٰہی میں ان کا ذکر نہیں۔ پھر کیوں ہم اس نبی کے لفظ کے ساتھ ظلّی یا جزوی کا لفظ بول کر مجرم بنیں (الفضل 26 نومبر 1913ء)

کہ سب احمدی حضرت مسیح موعود کو نبی ظلّی مانتے ہیں (مکتوب میاں صاحب بنام بابو محمد عثمان لکھنوی مندرجہ پیغام صلح 6 اگست 1914ء)

اگر حضرت مسیح موعود کے دعاوی اور آپ کے درجہ کے متعلق سوال ہو تو ہم مجبور ہوں گے کہ بتائیں کہ آپ کا آخری درجہ نبی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظلّی نبی ہونا تھا (القول الفصل صفحہ 25)

حضرت مسیح موعود کی نبوت پر ایمان نہ لانے والے کافر ہیں یا مسلمان

مسیح موعود نبی ہیں اس لئے آپ کے منکر کافر ہیں: قرآن شریف میں انبیاء کے منکرین کو کافر کہا گیا ہے اور ہم لوگ حضرت مسیح موعود کو نبی اللہ مانتے ہیں اس لئے ہم آپ کے منکروں کو کافر کہتے ہیں (تشحیذ الاذہان جلد 6 صفحہ 121)

مسیح موعود کو نبی نہ ماننے والے مسلمان بھی ہوسکتے ہیں اور کافر بھی: حضرت مرزا صاحب کو نبی نہ ماننے والوں میں ایسے لوگ بھی ہوسکتے ہیں جو مسلمان ہوں اور ایسے بھی جو کافر ہوں۔ (حلفی شہادت میاں محمود احمد صاحب بعدالت دیوان سکھانند صاحب ایڈیشنل مجسٹریٹ گورداسپور بمقدمہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری مندرجہ الفضل 28 مارچ 1935ء)

مسلمان کو کافر کہنا قادیانی جماعت کا فرض ہے: ''ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں۔'' (انوار خلافت صفحہ 90)

مسلمان کو کافر کہنے والا پاگل ہے: احمدیت کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتی ہاں کافر کو کافر کہتی ہے۔ مسلمان کو کافر کہنے والا پاگل ہے (الفضل 5 جون 1934ء)

دل سے سچا سمجھنے والا بھی کافر ہے: پس نہ صرف اس کو جو آپ کو کافر تو نہیں کہتا، مگر آپ کے دعوے کو نہیں مانتا، کافر قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ اس کو بھی جو آپ کو دل سے سچا قرار دیتا ہے اور زبان سے بھی آپ کا انکار نہیں کرتا، لیکن بیعت میں اسے کچھ توقف ہے، کافر قرار دیا گیا ہے۔"

کل مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہیں: سوم یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے یہ عقائد ہیں (آئینہ صداقت)

سچا سمجھنے اور نبی نہ ماننے والا بھی مسلمان ہے: میں اس شخص کو مسلمان سمجھتا ہوں جو یہ یقین رکھتا ہے کہ مرزا صاحب کے الہامات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ گو یہ کہے کہ میں ان کی تحریروں میں جو نبی کا لفظ آیا ہے اس کے معنی حقیقی نبی نہیں کرتا (حلفی شہادت بمقدمہ سید عطاء اللہ بخاری)

جو اپنے آپ کو مسلمان کہے اسے مسلمانوں سے نہیں نکال سکتا: مذہب مونہہ کے دعویٰ پر مبنی ہوتا ہے۔ اور جب کوئی شخص کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں تو کون ہے جو کہہ سکے کہ تم مسلمان نہیں۔ ہم تمہیں مسلمانوں سے نکالتے ہیں۔ یہ لوگ غیر احمدی کفر کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا انکار حالانکہ ہم یہ معنی نہیں کرتے اور نہ کفر کی یہ تعریف کرتے ہیں (خطبہ میاں محمود احمد صاحب مندرجہ الفضل مورخہ یکم مئی 1935ء)

کیا ان متضاد بیانات کے ہوتے ہوئے کوئی شخص یہ بتا سکتا ہے کہ میاں محمود احمد صاحب کا صحیح مذہب کیا ہے؟!

خاکسار سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

27 مئی 1935ء

قادیانی جماعت کو چیلنج

ہم قادیانی جماعت کو بار بار چیلنج دے چکے ہیں کہ دونوں جماعتوں کے امیران دو باتوں میں کہ۔

1۔کیا حضرت مرزا صاحب نے دعوٰی کیا؟

2۔اور کیا آپ نے سوائے ان لوگوں کے جو آپ کی نبوت کے قائل ہیں، تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو کافر قرار دیا؟

ایک اصولی بحث کریں۔مگر قادیانی بزرگ اس مطالبہ سے کھلا گریز کر رہے ہیں۔اپنے آخری اشتہار میں ہم نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اصولی رنگ میں مباحثہ ضرور ہو جائے خواہ شرائط کچھ بھی ہوں۔مگر اس کا جواب بھی قادیانی بزرگوں کی طرف سے کیا ملا؟ وہ حضرت مرزا صاحب کی تحریروں کی بنا پر فیصلہ کرنے سے قطعاً انکاری ہیں۔اور ان تحریروں کی اگر کوئی عزت کی ہے تو صرف یہ کہ جب ہم نے انکار نبوت پر آپ کا یہ حوالہ پیش کیا کہ:

''بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر جگہ سمجھ لیں اور لفظ نبی کو کاٹا ہوا خیال فرمالیں''

تو اس کے لئے ''حضرت مرزا صاحب کے کسی پرانے اور منسوخ در منسوخ اعلان'' کے الفاظ استعمال کئے۔مگر کیا یہ ایمانداری ہے کہ ان کے واجب الاطاعت خلیفہ اور پیر تو حلفیہ شہادت دیں کہ حضرت مرزا صاحب نے 90-1891ء میں دعوٰی نبوت کیا۔اور مرید دنیا کی آنکھوں میں یوں خاک جھونک رہے ہیں کہ: حضرت مرزا صاحب کی 1892ء کی انکار نبوت کی تحریر منسوخ ہے۔

پیر انکار نبوت کو دعوٰی نبوت قرار دیتا ہے۔مرید اس انکار نبوت کو منسوخ در منسوخ قرار دے رہے ہیں۔کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں! متضاد بیانات کا ایسا عجیب وغیرب مجموعہ تاریخ عالم پھر شاید ہی مہیا کر سکے۔قادیانی بزرگوں کے مباحثہ سے گریز کے بعد ہم ان کے سامنے فیصلے کی ایک اور سہل صورت پیش کرتے ہیں۔اور وہ یہ ہے کہ جس صورت میں ان کا یہ دعوٰی ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود کی تمام تحریرات کو تسلیم کرتے ہیں اور اب تو جناب خلیفہ صاحب قادیانی نے یہ بھی مان لیا ہے کہ: ''نبوت کا دعوٰی حضرت مسیح موعود نے 1890ء میں کیا'' اور اس پہلے خیال سے، کہ نبوت کا مسئلہ آپ پر 1901ء

میں کھلا اور 1901ء سے پہلے کی تحریریں منسوخ ہیں، رجوع کر لیا ہے۔

تو اس صورت میں ہم فیصلہ کی یہ سہل صورت قادیانی بزرگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ ایک ورق کا ٹریکٹ دونوں فریق کے مساوی خرچ سے ایک کروڑ کی تعداد میں شائع کیا جائے۔ جس پر دونوں فریق کے امیروں کے دستخط ہوں۔ اس ٹریکٹ کا ایک صفحہ جماعت قادیان کے لئے مخصوص ہو اور ایک صفحہ جماعت لاہور کے لئے۔ جو صفحہ جماعت قادیان کے لئے مخصوص ہوگا اس کے ایک کالم میں حضرت مسیح موعود کی وہ تحریرات ہوں گی۔ جن پر جماعت لاہور انکار نبوت اور عدم تکفیر مسلمین کی بنیاد رکھتی ہے اور دوسرے کالم میں ان تحریروں کی وہ توجیہہ ہوگی جو جماعت قادیان کرتی ہے۔ اور جو صفحہ جماعت لاہور کے لئیے مخصوص ہوگا۔ اس کے ایک کالم میں حضرت مسیح موعود کی وہ تحریرات ہوں گی۔ جن پر جماعت قادیان آپ کے دعوٰی نبوت اور تکفیر مسلمین کی بنیاد رکھتی ہے اور دوسرے کالم میں ان تحریرات کی وہ توجیہہ ہوگی۔ جو جماعت لاہور کرتی ہے۔ اور دونوں صفحوں پر ہر دو جماعتوں کے امیروں کے دستخط ہوں گے۔

اگر جماعت قادیان کو اس بات پر اصرار ہے کہ حضرت مسیح موعود کا دعوٰی نبوت اور تکفیر ملسمین فریق لاہور کی بعض تحریرات سے ثابت ہوتے ہیں۔ تو ہم اس ٹریکٹ کے ساتھ ایک اور ورق کا اضافہ منظور کرتے ہیں۔ جس کا ایک ایک صفحہ پھر ہر فریق کے لئے اسی طرح مخصوص ہوگا۔ جو صفحہ فریق قادیان کے لئے مخصوس ہوگا۔ اس کے ایک کالم میں فریق لاہور کی وہ تحریرات ہوں گی۔ جن سے قادیانی جماعت یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود کو مدعی نبوت مانتے تھے، اور تمام کلمہ گوؤں کو کافر قرار دیتے تھے اور مقابل کے کالم میں ان تحریرات کی وہ توجیہہ ہوگی۔ جو فریق لاہور کرتا ہے اور جو صفحہ جماعت لاہور کے لئے مخصوص ہوگا۔ اس کے ایک کالم میں قادیانی جماعت کی وہ تحریرات ہوں گی۔ جن سے جماعت لاہور یہ ثابت کرتی ہے کہ قادیانی بزرگ پہلے حضرت مسیح موعود کے دعوٰی نبوت کا اور مسلمانوں کی تکفیر کا انکار کرتے تھے۔ اور دوسرے کالم میں ان تحریرات کی وہ توجیہہ ہوگی۔ جو جماعت قادیان کرتی ہے۔

ہماری اپنی رائے میں تو صرف ایک ورق ہی کافی ہے جس میں حضرت مسیح موعود کی تحریرات ہوں اور اس دوسرے ورق سے کوئی شخص کسی قطعی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ فی الواقع حضرت مسیح موعود

کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن قادیانی بزرگوں کے اصرار کی وجہ سے ہم اس دوسرے ورق کا اضافہ بھی منظور کرتے ہیں۔ لیکن ان کی خدمت میں بہ منت درخواست کرتے ہیں کہ نبوت اور تکفیر کے مسائل نے سلسلہ کے ساتھ عداوت اور تنفر کو انتہا کو پہنچا دیا ہے اور اب تو کافر کہنے والوں کے ہاتھ میں یہ مضبوط وجہ آ گئی ہے کہ چونکہ قادیانی روئے زمین کے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، اس لئے بروئے حدیث وہ خود کافر ٹھہرتے ہیں۔

اپنے اوپر بھی رحم کریں اور اسلام کی حالت زار پر بھی رحم کریں۔ امت اندرونی جھگڑوں سے تباہ ہو رہی ہے اس کا **قدم علٰی شفا حفرة من النّار** ہے اس کو بچانے اور کسی مفید کام پر لگانے کی راہ سوچیں جو تجویز ہم نے پیش کی ہے۔ اس میں سوائے تھوڑے خرچ کے اور کوئی مشکل نہیں۔ گیارہ لاکھ سالانہ بجٹ والی جماعت کے لئے یہ چھوٹا سا خرچ کچھ چیز نہیں۔ مگر اس سے حضرت مسیح موعود کی پوزیشن صاف ہو جائے گی۔ اگر مباحثہ کی طرف آپ نہیں آتے تو اس ٹریکٹ کے شائع کرنے میں کوئی روک نہیں۔ خلیفہ صاحب اور قادیانی بزرگوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ حق کا بول بالا کرنے کے لئے اسلام کی عزت کے لئے مسیح موعود کی ان الزامات سے بریت کے لئے جو مخالفین آپ پر لگا رہے ہیں اس سہل طریق فیصلہ کو نہ ٹھکرائیں۔

مکفر علماء کو چیلنج: قادیانی جماعت اور مکفر علماء دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ:

1۔ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا۔

2۔ اور روئے زمین کے سارے مسلمانوں کو اپنی نبوت نہ ماننے کی وجہ سے کافر کہا۔

اور احمدیہ جماعت لاہور ان دونوں باتوں کا انکار کرتی ہے۔ ہم نے قادیانی جماعت کو اصولی مباحثہ کی طرف بلایا اور انہوں نے گریز کی راہ اختیار کی۔ اب ہم ان غیر احمدی علماء کو، جو حضرت مرزا صاحب کی طرف دونوں مذکورہ بالا باتیں منسوب کرتے ہیں، چیلنج دیتے ہیں کہ ”وہ ہم سے اصولی مباحثہ ان ہر دو مسائل پر کر لیں“، لیکن مباحثہ کے اس چیلنج سے پیشتر ہم ان کے سامنے بھی حضرت مرزا صاحب کی وہ تحریرات رکھتے ہیں۔ جو ہم قادیانی جماعت کے سامنے رکھ چکے ہیں۔ ان تحریرات کا لکھنے والا مدعی نبوت نہیں ہو سکتا۔

''نبوت کا دعویٰ نہیں۔ بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے''
(ازالہ اوہام صفحہ 431)

''محدثیت کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے تو کیا اس سے دعویٰ نبوت لازم آ گیا'' (ازالہ اوہام صفحہ 422)

''اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا'' (نشان آسمانی صفحہ 28)

''ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے'' (حمامۃ البشریٰ صفحہ 8)

''اللہ تعالیٰ اس امت میں اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے اور ان کو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے۔ لیکن وہ فی الحقیقت نبی نہیں۔ اس لئے کہ قرآن نے شریعت کو کمال تک پہنچا دیا'' (مواہب الرحمٰن صفحہ 66)

''نبوت ہمارے نبیؐ کے بعد منقطع ہوگئی۔ اور میرا نام اللہ کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا نہ حقیقی طور پر'' (حقیقۃ الوحی ضمیمہ صفحہ 62)

اسی طرح ہم ان کے سامنے آپ کی وہ تحریریں پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے کلمہ گوؤں کو ہرگز کافر نہیں کہا۔

''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا'' (تریاق القلوب صفحہ 130)

''یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر ٹھہراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگائیں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔ اس قدر خیانت اور جھوٹ اور خلاف واقعہ تہمت کس قدر دل آزار ہے'' (حقیقۃ الوحی صفحہ 120)

پھر نہ صرف کھلی تحریروں میں ہی اپنے دعویٰ کا انکار کرنے والوں کو مسلمان کہا ہے۔ بلکہ عملی رنگ میں بھی ان کا جنازہ جائز قرار دے کر ان کا مسلمان ہونا تسلیم کیا ہے۔

''متوفی اگر مکذب اور مکفر نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھ لیا جائے'' (فتاوٰی احمدیہ جلد 2 صفحہ 118)

''جو مخالف برا نہ بولتا ہو۔اس کا جنازہ جائز ہے'' (خط مطبوعہ پیغام صلح)

ان تمام تحریرات کا قادیانی جماعت کے پاس کوئی جواب نہیں۔اس لئے وہ مباحثہ سے گریز کرتے ہیں۔اگر مکفر علماء نے ان حوالجات کو دیکھا ہے اور ان پر غور کیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان تحریرات کا کوئی جواب ان کے پاس ہے اور باوجود اس انکار نبوت کے وہ سمجھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے فی الواقع دعوٰی نبوت کیا۔اور ساٹھ کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دیا تو ہم ان کو انہی اصول پر مباحثہ کی طرف بلاتے ہیں جن اصول پر جماعت قادیان کو بلا رہے ہیں۔یعنی کہ وہ ہم سے اصولی مباحثہ کر لیں کہ:

1۔کیا قرآن وحدیث کی رو سے ختم نبوت کے بعد ایک پرانا نبی آسکتا ہے۔

2۔کیا حضرت مرزا صاحب کی اپنی تحریرات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے دعوٰی نبوت کیا؟

3۔کیا حضرت مرزا صاحب نے اپنی نبوت نہ ماننے والوں کو کافر قرار دیا؟

اور یہ بحث فریقین کے بارہ منتخب آدمیوں کے سامنے تحریری ہو۔جن بارہ میں سے چھ غیر احمدی اصحاب ہوں۔جن کا انتخاب جماعت احمدیہ لاہور کرے اور چھ جماعت لاہور سے تعلق رکھنے والے احمدی اصحاب ہوں۔جن کا انتخاب مکفر علماء کریں۔ بحث کرنے والے احمدیہ جماعت لاہور کی طرف سے امیر جماعت احمدیہ لاہور ہوں گے اور مکفر علماء کی طرف سے مولوی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت العلماء ہند ہوں۔جو حال میں ہی جماعت احمدیہ پر اور حضرت مرزا صاحب پر نبوت کے دعوٰی کی بنیاد پر کفر کا فتوٰی صادر فرما چکے ہیں۔جو شخص اس قدر جرأت کر سکتا ہے کہ کلمہ گوؤں پر کفر کا فتوٰی لگائے،اس کا فرض ہے کہ وہ میدان میں نکل کر اس کفر کو ثابت کرے یا جمعیت العلماء کی جگہ جس آدمی کو چاہے نامزد کرے اس اعلان کے ساتھ کہ ایسے شخص کی فتح وشکست جمعیۃ العلماء کی فتح وشکست متصور ہو گی۔مباحثہ کے اختتام پر ان بارہ منتخب آدمیوں کی رائے لی جائے گی۔اگر وہ کثرت رائے سے ایک نتیجہ پر پہنچ جائیں تو مباحثہ کی روئداد کے اختتام پر ان کی رائے بھی چھاپ دی جائے گی۔اور جس مسئلے میں جس فریق کے ساتھ کثرت رائے ہو،اس مسئلے میں اس کی فتح اور اس کے فریق مخالف کی شکست سمجھی

جائے گی۔ جو علماء حضرت مرزا صاحب اور ان کے پیروں پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں وہ عنداللہ اور عندالناس اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ اس بات کو ثابت کریں کہ فی الواقع حضرت مرزا صاحب نے دعوٰی نبوت کیا اور مسلمانوں کو کافر کہا۔ ہماری طرف سے انہیں یہ بھی اجازت ہے کہ وہ قادیانی اصحاب کو اپنی مدد کے لئے بلا لیں۔ کیونکہ گو یہ دونوں فریق آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں۔ مگر حضرت مرزا صاحب کی طرف دعوٰی نبوت اور تکفیر مسلمین منسوب کرنے میں وہ متحد ہیں۔ کم سے کم یہ دونوں فریق مل کر تو ایک چھوٹی سی جماعت کے مطالبہ سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔

خاکسار۔ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس لاہور۔

2 جون 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

مولوی ثناء اللہ امرتسری کا ''محبت نامہ''

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا ایک اور اشتہار بنام ''محبت نامہ'' مجھے موصول ہوا ہے۔ اس سے پہلے وہ ایک اشتہار بنام ''مؤدت نامہ'' شائع کر چکے ہیں۔ جس کا جواب میں نے لکھ دیا تھا۔ مگر تعجب ہے کہ مولوی صاحب نے اپنی پہلی تحریر کو تو دُھرا دیا۔ مگر میرے جواب کا ذکر تک نہیں کیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ مولوی صاحب اپنے ہر دو اشتہاروں کے عنوان تو ''مؤدت نامہ'' اور ''محبت نامہ'' تجویز کرتے ہیں۔ لیکن اپنے ہر دو اشتہاروں میں مجھے خطاب کرتے وقت انہیں السلام علیکم تک کہنے کی توفیق نہ ملی۔ میں جانتا ہوں کہ مولوی صاحب میدان مناظرہ کے پُرانے پہلوان ہیں اور ان تمام باتوں سے واقف ہیں۔ جن سے اپنے ساتھیوں سے داد لینا اور ''شیر'' اور ''فاتح'' کا خطاب حاصل کر لینا آسان ہے۔ اور غالبًا اشتہارات کے شائع کرنے سے بھی ان کا منشاء یہی ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ مولوی صاحب جیت گئے۔ مگر میں انہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرا مذاق ان سے بُعد المشرقین رکھتا ہے۔ اور میں وقت کو باہمی جھگڑوں میں ضائع کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔ جب تک کہ کوئی غرض حاصل نہ ہوتی ہو اور اسی کی طرف میں نے انہیں ان کے ''مؤدت نامہ'' کے جواب میں توجہ دلائی تھی۔

مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ وہ تحریری مباحث کرنا نہیں چاہتے۔ یہ چاہتے ہیں کہ لاہور میں ایک معزز مجلس کے نام پر ایک دنگل لگایا جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''لاہور ایک علمی مرکز ہے۔ اس میں ہر طرح کے تعلیم یافتہ، ہر طرح کے معزز چوٹی کے لوگ رہتے ہیں۔ ممبران کونسل، ممبران انجمن حمایت اسلام، ممبران انجمن اہلحدیث، ممبران انجمن احمدیہ قادیان اور لاہور، ججانِ ہائیکورٹ، ممبران بلدیہ، علمائے کرام، صوفیائے عظام، پروفیسران وغیرہم کو دعوتی کارڈ بھیجے جائیں۔'' گویا یہ دعوت بھیجنا ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ مولوی صاحب اپنی پُرانی عادات کو چھوڑ دیں گے اور بجائے پھبتیاں کسنے کے، جوان کا مناظرانہ طریق ہے، ''شریفانہ'' گفتگو کریں گے۔ کاش! ایسا لکھنے سے پہلے مولوی صاحب چند ممبران کونسل و ججان ہائیکورٹ و پروفیسروں سے وعدے بھی لے لیتے کہ اگر مولوی صاحب اس قسم کا

دنگل قائم کریں گے تو وہ ضرور کئی دنوں تک کونسل اور ہائیکورٹ کو چھوڑ کر ان کی شریفانہ یا ظریفانہ گفتگو سننے کے لئے تشریف لائیں گے۔ رہا مولوی صاحب کا یہ یقین دلانا کہ ان کی گفتگو شریفانہ ہوگی۔ سو اور مقامات کے متعلق تو صرف میری شنید ہے۔ البتہ دربار رامپور میں آج سے کوئی بیس بائیس سال پیشتر کا میرا تجربہ بھی ہے۔ جہاں باوجود نواب صاحب کی موجودگی کے وہ اپنی زبان کو روک نہ سکے تھے اور ہمارے فریق کو مباحثہ بند کرنا پڑا۔

مشکل یہ ہے کہ جو صورت مولوی صاحب تجویز کرتے ہیں۔ اس میں نتیجہ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ مولوی صاحب کے ساتھی، جن کی کثرت ہوگی، مولوی صاحب کی ''فتح'' پر نعرے لگا دیں گے اور اس فتح کا فیصلہ تو پہلے سے ہو چکا ہوگا۔ بات وہ ہے جو تحریر میں آجائے اور اس کے موازنہ کرنے کا موقع ہو۔ میں تو حال میں ہی معزز مجلس میں مولوی صاحب کے دلائل کا مشاہدہ کر چکا ہوں۔ جہاں عورتوں کو ورثہ دینے کا سوال تھا۔ اور رواج کی بجائے، جس کی رو سے عورتیں محروم الارث ہیں، قانون شریعت کو ملکی قانون بنانے کا سوال تھا۔ وہاں مولوی صاحب نے عورتوں کو زمینیں اور جائدادیں دینے کے خلاف یہ انوکھی دلیل دی تھی کہ قرآن شریف میں حکم ہے **لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا** (5:4) یعنی کم عقل لوگوں کے حوالے اپنے وہ مال نہ کرو۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے قیام کا موجب بنایا ہے۔ تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ سب عورتیں سفہاء میں داخل ہیں۔ اس لئے جائدادیں ان کو نہ دینی چاہئیں۔ اگر اس قسم کی دلیل مولوی صاحب کسی مناظرہ میں دیں تو ان کے ساتھی تو پھر بھی ان کو ''شیر'' اور ''فاتح'' کا خطاب ہی دیں گے!

میں اپنا وقت ایک دنگل لگا کر ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے میں نے پہلے بھی مولوی صاحب کو یہی لکھا تھا کہ جب تک دلائل کے موازنہ کی کوئی صورت نہ ہو۔ تب تک میں ایسی گفتگو کو تضیع اوقات خیال کرتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کے مختلف پہلو بھی لکھ دیئے تھے۔ اگر مولوی صاحب کو وہ میری تحریر منظور ہے تو وہ اعلان کر دیں۔ اگر نہیں تو اس اشتہار بازی سے وہ شاید اپنے کام کو تو فائدہ پہنچا رہے ہوں گے۔ مگر میرے کام کو نقصان پہنچتا ہے۔ جو ہمارا وقت اور روپیہ اعداء اسلام کے مقابل پر خرچ ہونا چاہئے، وہ نکمی بحثوں پر اور اپنی مزعومہ فتح منانے پر خرچ ہو رہا

ہے۔اب میں مکرر یہ اعلان کرتا ہوں کہ ذیل کی تین شرائط سے میں مولوی صاحب سے گفتگو کرنے پر تیار ہوں۔ان میں سے ایک بات کو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔یہ بھی مولوی صاحب کے اصرار کی وجہ سے ہے۔

اول۔ یہ کہ جو کچھ دلائل ہوں وہ تحریری ہوں۔تاکہ سوائے چند سُننے والوں کے وہ دوسرے لوگوں تک بھی پہنچ سکیں۔

دوم۔ یہ کہ ان تمام مسائل پر اسی ترتیب سے دلائل ہوں گے۔ جو میں پہلے مولوی صاحب کے ''مؤدت نامہ'' کے جواب میں لکھ چکا ہوں۔وہ یہ ہیں:

الف۔کیا ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا ضروری ہے یا نہیں اور چودھویں صدی کا مجدد کون ہے؟

ب۔کیا حضرت عیسٰیؑ فوت ہو گئے ہیں یا بجدِ عنصری چوتھے آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں؟

ج۔کیا حضرت عیسٰیؑ کے خود واپس آنے سے ختم نبوت کا عقیدہ باطل ہوتا ہے یا نہیں؟

د۔کیا اس امت میں آنے والا مسیح حضرت عیسٰی نبی اللہ ہیں یا کوئی اور؟

ھ۔دجال اور یاجوج ماجوج کون ہیں؟

و۔کیا حضرت مرزا صاحب اشتہار ''آخری فیصلہ'' سے صادق ثابت ہوتے ہیں یا مفتری؟

سوم۔ یہ کہ دلائل کے موازنہ کے لئے بارہ آدمی مقرر ہوں گے۔ چھ احمدی جن کا انتخاب مولوی صاحب کریں گے۔ چھ غیر احمدی جن کا انتخاب میں کروں گا۔ ہر ایک مسئلہ پر سوال و جواب ہو چکنے کے بعد یہ بارہ آدمی اپنی رائے کا اظہار کر دیں گے۔اگر سات آدمی یا سات سے زیادہ میرے دلائل کے غالب ہونے کی رائے ظاہر کریں گے۔تو مولوی صاحب اپنی مغلوبیت کا اعتراف کر لیں گے اور اگر سات آدمی یا اس سے زیادہ مولوی صاحب کے دلائل کے غالب ہونے کی رائے ظاہر کریں گے تو میں اپنی مغلوبیت کا اعتراف کر لوں گا۔اگر ہم اپنے فریق مخالف میں سے ایک کو بھی قائل نہیں کر سکتے تو فتح کا ڈنکا بجانا،ایک طرف سے ہو یا دونوں طرف سے، بے معنی ہے۔

ان تینوں شرائط میں سے اگر ایک بھی مولوی صاحب کو منظور نہیں تو میں اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔مولوی صاحب کی تحریریں بھی دن رات نکلتی ہیں۔ مجھے بھی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے۔ اس کے مطابق امر حق کو ظاہر کرتا رہتا ہوں۔ ما بخیر و شما بسلامت۔اپنی اپنی جگہ پر کام میں لگے رہیں اور

اگر واقعی ہمارے دلوں میں عاقبت کا خوف ہے اور یہ احساس ہے کہ اب ہم جلد خدا کو ملنے والے ہیں۔ تو اس کو اپنی روش میں ظاہر کرنا چاہئے۔ دعووں سے کچھ نہیں بنتا۔ ہاں! میں مولوی صاحب کو ایک اور راستہ بھی بتاتا ہوں۔ جس پر چلنے سے ان کی خواہش مقابلہ بھی پوری ہوسکتی ہے اور خدمت اسلام کے کام کو بھی قوت پہنچ سکتی ہے۔ کیوں نہ اس رنگ میں مقابلہ کریں وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوْا الْخَيْرٰتِ (148:2) یہ تو ارشاد خداوندی ہے۔ کہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اگر مولوی صاحب تنہائی کی گھڑیوں میں حضرت مرزا صاحب کو دجال قرار دینے اور گالیاں دینے اور ان کی مخالفت کرنے میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں تو عظیم الشان خدام دین کے لئے گالیوں کا وظیفہ کرنے والے پہلے بھی مسلمانوں میں موجود ہیں۔ مگر گالیوں سے نہ گالی دینے والے کا کچھ بنتا ہے نہ جس کو گالی دی جائے اُس کا کچھ بگڑتا ہے۔ میں مولوی صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ تنہائی کی گھڑیوں میں خوب سوچ سمجھ کر سب باتوں پر غور کر کے، حضرت مرزا صاحب کی جو کچھ مخالفت ہو رہی ہے، اس کو بھی سامنے رکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب ہی اس صدی کے مجدد ہیں۔ اور وہی اس امت کے مسیح موعود ہیں اور کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے۔ واپس آنے والے نہیں۔ باللہ العظیم، میں اس بات کو حق سمجھتا ہوں تو مولوی صاحب مجھے میرے طریق پر چھوڑ دیں۔ بقول مجدد ''رو باسلام خود و مارا بکفر نا گذار''

لیکن ہم دونوں اپنی اپنی جماعت کے ساتھ کسی نیکی کے کام میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ مجھے مولوی صاحب نے ایک تبلیغی جماعت کا سردار لکھا ہے۔ تو میرا فرض تبلیغ ہے اور خدا کے فضل سے میں اور میری جماعت حتی القدور اس فرض کو ادا کر رہے ہیں۔ یورپ میں بھی تبلیغی مرکز قائم کئے ہیں۔ ایشیاء میں بھی، ہندوستان میں بھی۔ قرآن کریم اور سیرت نبوت کو کئی زبانوں میں ترجمہ کر کے یورپ اور ایشیاء کی مختلف قوموں تک پہنچایا ہے۔ کفرستانوں میں مسجدیں بنائی ہیں۔ مولوی صاحب کو خود بھی اس پر فخر ہونا چاہئے کہ وہ دین اسلام کے مبلغ بنیں۔ تو جو کچھ کام ہم دونوں اس وقت کر رہے ہیں، اس میں اگر کوئی حصہ ایک دوسرے کی مخالفت کا ہے، اسے تین سال کے لئے چھوڑ دیں۔ اگر بفرض محال حضرت مرزا صاحب بُرے ہی تھے تو میں نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ مواخذہ

بھی کسی سے کرے گا کہ تم نے فلاں شخص کو کذاب کیوں نہیں کہا۔ یا یہ کہ گو تم نے ساری عمر تو فلاں شخص کو دجال اور کذاب کہنے میں صرف کی۔ لیکن تمہاری زندگی میں تین سال ایسے بھی گزرے، جب تم نے اپنے ایک مسلمان بھائی کو، جس نے تم سے بڑھ کر خدمت اسلام کی، اور جس نے اپنے ساتھیوں میں خدمت اسلام کے لئے قربانی کرنے کا جذبہ پیدا کیا اور جس کی وجہ سے قرآن شریف اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا کی مختلف آبادیوں میں پہنچا اور جس کی تحریک سے ان کفرستانوں میں اللہ اکبر کی آواز بلند ہوئی، جہاں ساڑھے تیرہ سو سال میں یہ آواز نہ سنی گئی تھی، تو چونکہ تم نے تین سال تک اس شخص کو دجال اور کذاب کہنا چھوڑ دیا تھا، اس لئے تمہارے سارے نیک عمل حبط ہو گئے اور تم کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ ہمارا خدا اس سے بہت بڑھ کر رحیم وکریم ہے۔ وہ تو اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (53:39) کی خوشخبری سناتا ہے۔ تین سال تک کسی کو گالی نہ دینے کا گناہ اتنا بڑا نہیں کہ وہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ کے وعید کے نیچے آ جائے۔ اور جس طرح مولوی صاحب اور ان کی جماعت تین سال تک احمدیوں کے خلاف اپنی زبان کو بند رکھیں، اسی طرح میں اور میری جماعت اہلحدیث کے خلاف اپنی زبان کو بند رکھیں۔ میں نے تو اہلحدیث کی تحریک کو ہمیشہ ایک نیک تحریک ہی سمجھا ہے اور اس کی تعریف ہی کی ہے۔ گو اس کے موجودہ نام لیوا اصل مقصد سے دور نکل گئے ہیں۔ بہر حال ایک دوسرے کے خلاف اپنی اپنی زبان کو بند کر کے ان تین سالوں کو صرف تبلیغ اسلام پر لگا دیں۔ اور ایک ایک علاقہ اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کے لئے ہم دونوں الگ کر لیں۔ ہماری جماعت جو کچھ تبلیغ اسلام کا کام پہلے کر رہی ہے۔ یہ کام اس کے علاوہ ہوگا۔ مولوی صاحب جو کچھ تبلیغ اسلام کا کام کر رہے ہیں، کرتے رہیں۔ صرف حضرت مرزا صاحب کو گالیاں دینے کا کام کم کر دیں اور اس پر اچھوتوں میں تبلیغ کا کام بڑھا لیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ مولوی صاحب کی حضرت مرزا صاحب کی مخالفت سے کچھ میرے کام میں نقصان ہوتا ہے۔ میں تو ان کی مخالفت کو اپنی جماعت کی ترقی میں کھاد کے قائم مقام سمجھتا ہوں۔ میں خلوص دل سے یہ چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کی توجہ بہر حال ایک ادنیٰ کام سے ہٹ کر ایک اعلیٰ کام پر لگ جائے۔ تا کہ اس اعلیٰ کام میں ان کو زیادہ کامیابی حاصل ہو۔ ان کے ساتھ اہلحدیث کا ایک گروہ ہے۔ وہ اسے بھی اس کام پر لگائیں اور تین سال بعد لاہور میں وہی معزز مجلس ججان ہائیکورٹ اور ممبران کونسل کی بلا کر

جسے مولوی صاحب اب بلانا چاہتے ہیں، ہم دونوں ان کے سامنے اپنا صرف تبلیغ کا یہ کام، جو اچھوتوں میں کیا ہو، پیش کریں۔ وہ بھی غالباً اس سے بہت خوش ہوں گے اور خدا اور رسولؐ تو یقیناً خوش ہوں گے اور اس مقابلہ میں خوبی یہ ہوگی کہ جو جیتا وہ بھی جیتا اور جو ہارا وہ بھی جیتا۔ شاید اس عرصہ میں ہماری عادات تبدیل ہو کر ہم اسلام کے زیادہ مفید مزدور بھی بن سکیں۔ کیا مولوی صاحب اس تجویز پر لبیک کہیں گے؟!

نوٹ۔ بارہ موازنہ کرنے والوں کی شرط کو میں اس لئے ضروری خیال کرتا ہوں کہ اگر ہمارے دلائل اس قابل ہیں کہ ان کا اثر دوسرے لوگوں پر ہو سکے اور صرف ہمارے اپنے ہم خیال ہی ہماری فتح کا نقارہ بجانے والے نہیں تو ضرور ہم دوسرے فریق کے چھ آدمیوں میں سے ایک نہ ایک کو قائل کر لیں گے اور اگر مولوی صاحب کو یہ خوف ہے کہ میں تو کسی غیر احمدی کو قائل کر سکوں گا۔ مگر وہ کسی احمدی کو قائل نہ کر سکیں گے۔ جس کا انتخاب بھی انہوں نے خود ہی کیا ہے تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اس صورت میں ان کی مخالفت احمدیت بے سود کوشش ہے۔ اور ہوگا یہی کہ ہم تو روز بروز ان سے آدمی لیتے جائیں گے۔ مگر وہ ہم میں سے نہ لے سکیں گے۔ اگر مولوی صاحب ذرا غور کر سکتے تو وہ اب سب دیکھ سکتے تھے کہ ان کی اور بہت سے دیگر علماء کی زبردست مخالفت اتنی مدّت میں احمدیت کی ترقی کو نہیں روک سکی۔ اگر گذشتہ چالیس سال میں سر توڑ کوشش کر کے وہ احمدیت کو برباد نہیں کر سکے۔ تو یہ سبق کافی ہے۔ بشرطیکہ انسان عبرت حاصل کرنے کے لئے تیار ہو۔ خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

۞۞۞

4 جون 1935ء

''زمیندار'' کی غلط بیانی

حضرت مولٰینا محمد علی ایدہ اللہ کے بیان کی مصدقہ نقل

کیا ''زمیندار'' اخلاقی جرأت سے کام لے کر اپنی غلط بیانی کو واپس لے گا؟

روزنامہ ''زمیندار'' نے اپنے ایک ضمیمہ مورخہ 8 اپریل میں حضرت مولٰینا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور پر یہ افتراء اور بہتان عظیم باندھا تھا کہ انہوں نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے مقدمہ میں شہادت دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ ''جو مرزا صاحب کو مسیح موعود نہیں سمجھتے۔ میں ان کو مسلمان نہیں سمجھتا''۔ اس کی تردید اُسی وقت 11 اپریل کے ضمیمہ اخبار پیغام صلح میں کرتے ہوئے ''زمیندار'' کو چیلنج کیا گیا تھا کہ اگر دیانت وامانت کا کوئی شائبہ بھی اس کے اندر ہے تو عدالت کی مصدقہ نقل سے اس فقرہ کی صحت کو ثبوت دے۔ ورنہ اس کی نمایاں طور پر تردید کرے۔ افسوس ہے کہ ''زمیندار'' کو آج تک اس مطالبہ کے پورا کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ جس سے ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی اخلاقی حالت اس قدر خراب ہو چکی ہے، دین وایمان سے وہ اس درجہ کورے ہیں کہ محض دوسروں کو بدنام کرنے کے لئے دلیرانہ جھوٹ بولتے اور پھر اس پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے مجدد وقت کی مخالفت کا کہ دین وایمان اور صداقت وراستبازی بھی اب ان کے نزدیک چنداں وقعت نہیں رکھتی۔

حق آخر حق ہے۔ جو کسی طرح چھپانے سے نہیں چھپ سکتا۔ ''زمیندار'' نے تو عدالت کی مصدقہ نقل شائع کرنا یا اپنے بیان کو واپس لینا اپنے لئے بمنزلہ موت سمجھا۔ لیکن اس کی غلط بیانی کی تردید کے لئے ضروری تھا کہ مصدقہ نقل حاصل کر لی جائے۔ جو آج ہمیں مل گئی ہے اور ذیل میں حرف بحرف ہدیہ قارئین کرام ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ ''پیغام صلح'' نے اپنے محولہ بالا ضمیمہ میں جو بیان شائع کیا تھا، وہی صحیح ہے اور حضرت مولٰینا محمد علی ایدہ اللہ نے حضرت مرزا صاحب کے نہ ماننے والوں کے متعلق اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہا کہ:

> ''جو لوگ مسلمان مرزا غلام احمد صاحب کو مجدد نہیں مانتے ہیں میں ان لوگوں کو غلطی پر سمجھتا ہوں۔''

کیا ''زمیندار'' اس مصدقہ بیان کو پڑھ کر اپنے کذب اور غلط بیانی کے اعتراف کے لئے تیار ہوگا اور اسے واپس لے کر اور اظہار ندامت کر کے اس اخلاقی جرأت کا ثبوت دے گا جو ایک معمولی شریف انسان کا شیوہ ہونا چاہئیے؟

☆☆☆

نقل بیان مولوی محمد علی مشمولی مثل عدالت فوجداری اجلاس دیوان سکھانند صاحب مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور۔

نمبر مقدمہ	تاریخ رجوعہ	تاریخ فیصلہ	نام موضع
1/1 2/2	5، 12 دسمبر 1934ء	25 اپریل 1935ء	قادیان

فوجداری بٹالہ

سرکار بنام سید عطاء اللہ شاہ بخاری ولد حافظ ضیاء الدین شاہ ذات سید ساکن امرتسر ملزم

(جرم زیر دفعہ 153، لف تعزیرات ہند)

بیان گواہ صفائی نمبر 57، 5 اپریل 1935ء باقرار صالح

مولوی محمد علی ولد حافظ فتح دین عمر 60 سال پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ اشاعت احمدیہ لاہور برانچ لاہور۔ میں احمدیہ جماعت میں سے ہوں۔ میں نے مرزا صاحب کی بیعت 1897ء میں حاصل کی تھی۔ میں 1899ء قادیان میں گیا تھا۔ مارچ یا اپریل 1914ء تک وہاں رہا تھا۔ مرزا غلام احمد صاحب کا انتقال 1908ء میں ہوا تھا۔ میں ایڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز مرزا صاحب کی حیات میں رہا ہوں۔ میں سیکرٹری سنٹرل انجمن قادیان کا بھی تھا۔ مولوی نور الدین مرزا غلام احمد صاحب کے جانشین تھے۔ ان کے وقت میں بھی میں سیکرٹری تھا۔

1909ء میں میں نے قرآن شریف کا ترجمہ کرنا انگریزی میں شروع کیا۔ گذشتہ 30، 35 سالوں میں میں نے بہت سی کتابیں تحریر کی ہیں۔ میری جماعت اور قادیان کی جماعت میں اختلاف ہے۔ میرے عقیدہ کے مطابق مرزا غلام احمد صاحب نبی نہیں تھے۔ وہ مسلمان جو مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں، میری رائے میں وہ غلطی پر ہیں۔ میری رائے میں حضرت محمد صاحب کی ہتک ہے اگر مسلمان

یہ مانے کہ حضرت محمد کے بعد دوسرا نبی آوے گا۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمد صاحب آخری نبی تھے اور ان کے بعد کسی نبی نئے یا پرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن شریف میں بہت سی آیتیں میرے عقیدہ کے مطابق ہیں۔ خاص کر ایک ہے جن میں حضرت محمد صاحب کو خاتم الانبیاء کہا گیا ہے۔

''خاتم النبیّین'' کے معنی ''نبیوں کی مہر'' یا ''آخری نبی'' ہے۔ انبیاء جمع ہے نبی کی۔ میرے عقیدہ کے مطابق تشریعی نبی یا غیر تشریعی نبی حضرت محمد صاحب کے بعد نہیں آسکتا ہے۔ میں حضرت محمد صاحب کی نبوت کو مکمل نبوت سمجھتا ہوں۔ اس لئے کوئی اور اس کے بعد نبوت کا دعویٰ نہیں کرسکتا ہے۔ جو حضرت محمد صاحب کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے، اس کو کذاب یا کافر کہنا چاہئے یہ کہ حضرت محمدؐ صاحب آخری نبی تھے۔ اس کا حوالہ حدیث میں مندرج ہے۔ حدیث میں یہ مندرج ہے کہ تیس جھوٹے نبی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کریں گے اور ان میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا اور کہ وہ تمام جھوٹے نبی ہوں گے۔ نبوت خدا کی طرف سے عطیہ ہے اور کتسابی نہیں ہے۔ ''النبوت فی اسلام کتاب'' میں نے تحریر کی ہوئی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ کسی قادیانی نے اپنے کسی کتاب یا رسالہ میں تحریر کیا ہے کہ ''ختم نبوت فرعون کا عقیدہ تھا۔'' ''النبوت فی الاسلام'' جو میں نے کتاب لکھی ہے۔ ''حقیقۃ النبوت'' کے بعد اور اس کے جواب میں تحریر کی تھی۔ یہ درست ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے اپنی کتاب ''حقیقۃ النبوت'' میں ان لوگوں کو جو حضرت محمد صاحب کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں، لعنتی اور مردود اس وجہ پر کہا ہے کہ وہ دنیا کے لئے ایک لعنت بن گئے۔

میں نے لفظ ''دامن نبوت'' صفحہ 110 پر کتاب النبوۃ فی الاسلام میں استعمال کئے ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ موجود خلیفہ صاحب نے مجھے چیلنج دیا تھا کہ قرآن شریف کی (کمنٹری) تفسیر میرے مقابلہ میں بیٹھ کر لکھیں۔ پیغام صلح احمد یہ جماعت لاہور برانچ کا ہے۔ ''مسیح کی بھیڑو'' الفاظ کا استعمال اچھے یا برے معنوں میں بھی ہوسکتا ہے۔ یہ استعمال کرنے والے کی نیت پر منحصر ہے۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ ''مسیح کی بھیڑو'' کا لفظ انجیل میں استعمال ہوا ہے یا نہیں۔ لفظ ''احمد'' قرآن شریف میں صرف ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔ بعض قادیانی احمدی، جن میں مرزا محمود احمد صاحب بھی شامل ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اس لفظ ''احمد'' میں مرزا غلام احمد صاحب کی طرف قرآن شریف میں اشارہ ہے۔ مسلمانوں کا خیال ہے اور

اب بھی ان کا یہ یقین ہے کہ یہ لفظ احمد حضرت محمد صاحب کی طرف اشارہ ہے۔ اسلامی اصطلاح میں لفظ ''قبلہ'' کے معنی ہیں سمت، جس طرف کہ مسلمان بوقت نماز منہ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ ''کعبہ'' متبرک گھر کا نام ہے جو مکہ میں واقعہ ہے۔ ''ارض حرم'' کے۔۔۔ متبرک جگہ ہے اور مکہ اور مکہ کے اردگرد کی زمین اس سے مراد ہے۔ مجاز کے طور پر یہ تمام الفاظ اور معنوں میں بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ مجاز کے طور پر اور معنوں میں بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ جس قدر مجھے یاد ہے لفظ ''کعبہ'' کسی اور مقام کے لئے استعمال نہیں ہوا ہے۔ مسلمان کے لئے حج کعبہ میں ہی ہو سکتا ہے اور کسی جگہ نہیں ہو سکتا ہے۔

لفظ ''ام المومنین'' مرزا غلام احمد صاحب کی اہلیہ کے لئے قادیانیوں کی تحریر میں استعمال کیا گیا ہے۔ درحقیقت قرآن شریف میں یہ لفظ صرف حضرت محمد صاحب کی بیویوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ ''ختم النبوت'' ایک اہم اصول مسلمانی اصولوں میں سے ہے۔ اگزیبٹ ڈی زیڈ 54۔ اخبار پیغام صلح اخبار کے صفحہ 4 پر میری تقریر کا حصہ ہے اور درست طور پر اخبار میں تحریر شدہ ہے میں نے مذہبی اختلافات کی وجہ سے قادیان کو چھوڑ دیا تھا۔ جو قادیان کے احمدیوں اور مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے ساتھ ہو گئے تھے۔ میری حصہ جماعت نے قادیان کو اس لئے چھوڑ دیا۔ کیونکہ ہم نے خیال کیا کہ دو فرقوں کے وہاں رہنے سے تصادم ہوتا رہے گا اور کوئی تعمیری کام نہیں کر سکیں گے۔ مجھے ڈر ہو گیا تھا کہ شاید کوئی غیر ذمہ دار شخص مجھ پر قادیان میں حملہ نہ کر دے۔

سوال۔ کہ گواہ نے پرائیویٹ خطوط سے یا پریس میں مرزا بشیر الدین محمود احمد کو جواب دیا تھا۔ (بحوالہ حکم انگریزی اس سوال کی اجازت نہیں دی گئی ہے) مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے کوئی چٹھی مجھے تحریر نہیں کی تھی۔ نہ میرے اور ان کے درمیان میرے واجب القتل ہونے پر خط و کتابت ہوئی ہے۔ غالباً میں نے یہ اخبار الفضل میں پڑھا تھا۔ کچھ کنکر مجھ پر پھینکے گئے تھے اور پتھر نہیں پھینکے گئے تھے۔ جبکہ میں قادیان کو چھوڑنے والا تھا۔ مجھے پتہ نہیں کہ کس نے یہ کنکر پھینکے تھے۔ یہ وجہ قادیان کو چھوڑنے کی نہیں تھی۔ میری دو گھماؤں اراضی قادیان میں ہے۔ میں اس زمین پر کوئی مکان بنانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میں رہائش نہیں رکھ سکتا۔ ان حالات کی وجہ سے جو اوپر کہہ آیا ہوں۔ میں نے زمین کا ایک حصہ بیچا تھا۔ باقی ماندہ میں فروخت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے کوئی گاہک نہیں ملتا۔ کیونکہ غالب فریق کے

دوسرے کا اس کو خرید کرنا پسند نہیں کرتے۔ یہ میرا خیال ہے غالباً میں نے یہ ٹکڑا زمین صدر انجمن احمدیہ قادیان سے 1912ء میں خریدا تھا۔

''تبلیغ رسالت'' جو مرزا قاسم علی صاحب نے تحریر کی ہے اس میں مجموعہ اشتہارات ہے۔ جو مرزا غلام احمد صاحب نے تحریر کئے تھے۔ پیرہ 5 برصفحہ 19۔ اس کتاب کی اغلباً نقل اس خط کی ہے۔ جو لفٹنٹ گورنر صاحب پنجاب کو مرزا غلام احمد صاحب نے تحریر کی تھی۔ یہ اگزیبٹ ڈی زیڈ 55 ہے۔

میں نے پیغام صلح اخبار مورخہ 11 دسمبر 1930ء دیکھ لیا ہے اور آرٹیکل اگزیبٹ ڈی زیڈ 56 میرا خطبہ ہے۔ متعلقہ حصہ اس آرٹیکل میں برصفحہ 3 پہلے کالم میں ہے۔ جو سرخی سے نشان دیا گیا ہے۔ جو متعلق جائیداد کے ہے۔ جو موجودہ خلیفہ صاحب نے پیدا کی ہے۔ اس سوال کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ یہ اگزیبٹ واپس کیا گیا ہے۔ میں نے تحفہ گولڑویہ کتاب پڑھی۔ اس میں ''دابۃ الارض'' الفاظ درج ہیں۔ اس کے معنی زمین کے کیڑے ہیں۔ یہ میں نے اخبار پیغام صلح مورخہ 23 اپریل 1931ء میں سے نقل کئے ہیں جو درست طور پر مندرج ہیں۔ یہ اگزیبٹ 57 ہے۔ ایک حدیث میں مندرج ہے کہ دنیا ''مردار'' ہے اور کہ اس کے چاہنے والے ''کتے'' ہیں۔ ''خطبہ الہامیہ'' ''ضرورت الامام'' کتابیں مرزا غلام احمد صاحب کی تحریر کردہ ہیں۔

جرح۔ میں مرزا غلام احمد صاحب کو مجدد مسیح موعود اور مہدی سمجھتا ہوں۔ میں ان کی تحریروں کو اور تقریروں کو سچا ماتحت قرآن شریف اور حدیثوں کے سمجھتا ہوں۔ مرزا غلام احمد صاحب نے کبھی حضرت محمد کی توہین تقریر و تحریر میں نہیں کی اور نہ کبھی انہوں نے مکہ اور مدینہ کے خلاف الفاظ بُرے استعمال کئے ہیں۔ اگر کوئی مرزا غلام احمد صاحب کی طرف ایسی باتیں منسوب کریں۔ تو میری دل آزاری ہوگی۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے ''ام المومنین'' اہلیہ مرزا غلام احمد صاحب کے لئے استعمال کیا ہے۔ گو اس کو استعارہ کے طور پر استعمال کرلوں تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ کس کتاب میں درج ہے کہ ختم النبوت فرعون کا عقیدہ تھا۔ میں ''پیشاب کی جھاگ'' کے فقرہ کو برا خیال کروں گا۔ گویہ کسی مخالف کے لئے استعمال کیا جائے۔ الفاظ ''دم کٹے کتے'' کا استعمال بھی برا ہے۔ عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح صاحب حضرت محمد صاحب کے بعد آئیں گے۔ مجھے اس پر اعتقاد

نہیں ہے۔ جولوگ مسلمان مرزا غلام احمد صاحب کو مجدد نہیں مانتے۔ میں ان لوگوں کو غلطی پر سمجھتا ہوں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ جب میں قادیان چھوڑنے لگا۔تو موجودہ خلیفہ صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ قادیان کو نہ چھوڑیں۔ یہ میرا اعتقاد ہے کہ حضرت مسیحؑ کی آمد سے بھی اسی قدر توہین حضرت محمدؐ کی ہوتی ہے۔جس طرح کہ اور نبی کی آمد سے ہوتی ہے۔

مکرر سوال۔اگر مسیح نبوت سے معزول ہو کر آئے اور کہ حضرت محمدؐ صاحب کا پیرو ہو کر آئے۔تو اس سے حضرت محمد صاحب کی توہین نہیں ہوتی ہے۔ جب میں نے کہا کہ لفظ "ام المومنین" مرزا غلام احمد صاحب (کی) اہلیہ کے لئے استعارہ کے طور پر استعمال ہوسکتا ہے۔تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قرآنی احکام نافذ ہوتے ہیں اصل صورت میں وہ استعارہ کے طور پر نافذ نہیں ہوتے۔سن کر درست تسلیم کیا۔

دستخط محمد علی بحروف انگریزی

دستخط حاکم بحروف انگریزی

5 اپریل 1935ء

4 جون 1935ء

مکتوب امیر

کوئٹہ کا قیامت خیز زلزلہ

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کوئٹہ اور اُس کے نوح میں جو برباد کن زلزلہ جمع 31 مئی کی پچھلی رات کو آیا ہے۔ وہ صحیح معنوں میں قیامت کا نظارہ ہے۔ ہزار ہا انسان جو اپنے گھروں میں بال بچوں کے ساتھ رات کو خوشی خوشی سوئے تھے صبح کو اٹھنے سے پیشتر وہی ان کے گھر ان کی قبریں بن گئیں اور ایک آباد شہر ایک آن کی آن میں مٹی اور پتھر کا ڈھیر اور بیس ہزار لاشوں کی قبر بن گیا۔ ابھی ڈیڑھ سال نہیں گزرا کہ صوبہ بہار کے شہروں کے شہر مٹ گئے تھے۔ آج بلوچستان کے کئی شہر مع اپنے مکینوں کے دنیا سے نابود ہو گئے۔ یوں تو ہر روز انسان مرتے ہیں اور ہزار ہا کی تعداد میں مرتے ہیں۔ مگر بہار اور بلوچستان میں موت اور بربادی کا نظارہ زمین کے ایک کنارہ سے لے کر دوسرے کنارہ تک دلوں کو ہلا دیتا ہے۔ قرآن شریف میں ان مصائب کا فلسفہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ غافل انسانوں کے دلوں میں لرزہ پیدا ہو اور وہ اپنے خدا کے آگے جھکیں۔ **اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ.** (94:7) کاش ہمارے مسلمان بھائی بھی ان مصائب سے کچھ سبق لیں اور خوشیوں کو چھوڑ کر خدا کے آگے عاجزی سے جھکیں۔

خدا کی طرف جھکنے کا پہلا نشان یہی ہے کہ انسان مصیبت زدہ بھائیوں کے کام آئے۔ لہٰذا میں اپنے احباب سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ بھی اس موقعہ پر یتیموں، بیکسوں اور بیواؤں کی خبر گیری میں حصہ لیں۔ ہماری انجمن نے اس زلزلے کی خبر ملتے ہی فوراً اپنے دو آدمیوں کو، جن میں سے ایک ڈاکٹر ایم۔ بی۔ بی ایس ہیں، یعنی مرزا رفیق بیگ صاحب اور ماسٹر محمد یعقوب صاحب کو ریڈ کراس کی وساطت سے کوئٹہ بھیج دیا ہے۔ جو ہفتہ کی شام کو لاہور سے روانہ ہو گئے اور وہاں سے اطلاع آنے پر مزید آدمیوں کو بھیجنے کا بھی فیصلہ کر لیا ہے۔ مگر اس کے علاوہ اور امداد کی بھی ضرورت ہوگی۔ لہٰذا ہر جگہ جماعت اس جمعہ میں یعنی 7 مئی کو مصیبت زدگان زلزلہ بلوچستان کے لئے تحریک کرئے اور جو رقم جمع ہوا سے جس قدر جلد ممکن ہو مرکز میں بھیج دے۔ تا کہ حسب ضرورت ہماری جماعت اس کار خیر میں حصہ لے سکے۔

یوں اپنے اپنے طور پر بھی احباب ان کاموں پر خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اجتماعی حیثیت میں خرچ کرنا بہتر ہے اور روپیہ بہتر مصرف میں آ سکتا ہے اور اگر کچھ روپیہ اس غرض کے لئے جمع رہے تو آئندہ بھی اسی قسم کی مصائب میں کام دے سکتا ہے۔ آج ہر قوم اس قدر تعمیری کام کر چکی ہے کہ ایسے حالات میں وہ اپنے بھائیوں کی امداد کے لئے فوری کارروائی کر سکتی ہے۔ مگر بد قسمتی سے مسلمان قوم کی توجہ ان کاموں کی طرف نہیں ہے۔ اور اگر کچھ دل حرکت میں بھی آتے ہیں تو اس قدر آہستہ کہ فی الحقیقت امداد کا وقت نکل چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا میری اپنے احباب سے یہ استدعا ہے کہ اس کارِ خیر میں جو بھی کوئی دوست حصہ لے سکتے ہوں اس کی طرف فوری توجہ کریں۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

۞۞۞

7 جون 1935ء

مکتوب امیر

مصیبت زدگان بلوچستان کی امداد

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ایک تحریک بذریعہ اخبار کوئٹہ کے زلزلہ کے مصیبت زدگان کی امداد کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجی جا چکی ہے۔ اس مصیبت کا مختصر نقشہ یہ ہے کہ ایک وسیع علاقے میں بڑے بڑے شہر اور دیہات آج مٹی کے ڈھیر ہیں۔ جن کے نیچے ان کے مکینوں کی لاشیں معہ اپنے بال بچوں اور کمائی کے سڑ رہی ہیں اور ان کو باہر نکالنے کی طاقت حکومت کے وسیع ذرائع سے بھی باہر ہے۔ خود کوئٹہ کی چالیس ہزار آبادی میں سے تیس ہزار ہمیشہ کے لئے سو گئے۔ باقی دس ہزار میں سے چھ سات ہزار ہسپتالوں میں پڑے کراہ رہے ہیں۔ اور تین چار ہزار جو بچ گئے ہیں، وہ نان شبینہ کے محتاج ہی نہیں۔ حواس باختہ بھی ہو رہے ہیں۔ اسی وقت انسانی ہمدردی کا فرض سب چیزوں پر مقدم ہے۔ کون جانتا ہے کل کو کس علاقہ کی باری اس طرح آنے والی ہے!

ہماری انجمن نے ایک ڈاکٹر اور ایک مددگار تو پہلے ہی دن کوئٹہ بھیج دیا تھا۔ اب کچھ مریضوں کو علاج کے لئے بھی لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کوئٹہ شہر میں ابھی تک پچیس ہزار لاش مٹی کے نیچے دبی پڑی ہے اور فضاء اس قدر متعفن ہے کہ سارا شہر خالی کیا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ حکومت نے مریضوں کو بھی باہر بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ایک ہزار مریض صرف لاہور میں آ رہے ہیں۔ پانچ سو کا انتظام سرکاری ہسپتالوں میں ہوگا اور باقی پانچ سو کو مختلف ادارے لے رہے ہیں۔ ان میں سے پچیس مریض سردست ہماری انجمن نے اپنے ذمے لئے ہیں۔ جن کے خرچ کا اندازہ قریباً ایک ہزار روپیہ ہوگا۔ مگر مریضوں کے علاوہ اور بھی مصیبت زدہ لوگوں کی امداد میں حصہ لینا ضروری ہوگا۔ جماعت میں خدا کے فضل سے وہ ذی ثروت احباب بھی ہیں جو اگر چاہیں تو اپنے خداداد مال میں سے ایک ہزار روپیہ بھی دے دیں تو ان کے لئے بڑی بات نہیں۔ چار پانچ ہزار روپے کی رقم کا فوراً جمع ہو جانا ضروری ہے۔ مالدار اصحاب سے بالخصوص التماس ہے کہ ان کے مالوں میں آج ان مصیبت زدوں کا حق ہے۔ وہ بڑی

بڑی رقوم سے اپنے غریب بھائیوں کی حوصلہ افزائی کریں اور غریب بھائیوں سے درخواست ہے کہ وہ بھی خدا کی رضا کے لئے اس مصیبت عظمٰی میں اپنے اموال کا کچھ حصہ قربان کریں۔ گو خود انہیں تکلیف اٹھانی پڑے اور اپنے اخراجات کا کچھ حصہ کم کرنا پڑے۔ بالآخر سب بھائیوں سے یہ درخواست ہے کہ یہ ایک نئی مصیبت کا مقابلہ ہے۔ اس کے لئے نئی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ اس سے ان کے ماہوار چندوں اور دیگر ضروریات قومی کے چندوں پر کوئی اثر نہ پڑے۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

مورخہ 5 جون 1935ء

پیغام صلح: مندرجہ بالا ضروری خط حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احباب کو بھیجا گیا ہے۔ بغرض اطلاع اخبار میں بھی درج کیا جاتا ہے۔ مدیر

❁ ❁ ❁

11 جون 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

صدقہ جاریہ اور اشاعت قرآن

ایک مخلص بھائی کا قابل تقلید نمونہ

کچھ عرصہ ہوا میں نے ایک تحریک کی تھی کہ ہمارے احباب مل کر اپنے ان اعزہ کے نام پر جو وفات پا گئے ہیں، صدقہ جاریہ کا کوئی کام کرنا چاہیں تو آج اشاعت قرآن سے بڑھ کر کوئی ثواب کا کام نہیں۔ فی الحقیقت اگر غور کیا جائے تو اشاعت قرآن کا کام مسلمان قریباً چھوڑ چکے ہیں۔ الا ماشاء اللہ خاص خاص افراد کا ذکر نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی قوم کا ذکر ہے۔ اور قرآن کریم کی یہ آیت۔ یَارَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. (30:25) آج خود مسلمانوں پر صادق آ رہی ہے۔ حضرت مسیح موعود کے متبعین کی دونوں جماعتوں میں سے بڑی جماعت، جو لاہور کی چھوٹی جماعت کو احمدی کہنا بھی پسند نہیں کرتی، اس کی حالت بھی جہاں تک قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کا ذکر ہے، دوسرے مسلمانوں سے ملتی جلتی ہے۔ اور اسے قرآن کریم کو پھیلانے کی توفیق نہیں ملتی۔ احمدیہ جماعت لاہور کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت خصوصیت سے اس کام کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اور ایک طرف اگر جماعت کی یہ ہمت ہے کہ قرآن کریم کے مختلف زمانوں میں ترجمے کر کے اس کی پچیس تیس ہزار کاپیاں ان مقامات پر پہنچا رہی ہے، جہاں آج تک قرآن شریف نہیں پہنچا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے کام میں خاص برکت دی ہے کہ اسے ایسے سامان دے دیئے کہ ہزارہا کاپیاں قرآن شریف کے تراجم کی مفت دنیا کی لائبریریوں میں اور دوسرے مقامات پر پہنچائیں۔ اور علاوہ اس کے بعض افراد جماعت کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی ہے کہ کچھ رقم مستقل طور پر جمع کرا دی۔ جس کے منافع سے قرآن کریم کی مفت اشاعت ہوتی رہے اور اصل سرمایہ جمع رہے۔

اب تک صرف دو ایسی رقمیں جمع ہوئی تھیں۔ ایک پانچ سو روپے کی رقم ڈاکٹر محمد یوسف صاحب مرحوم وزیر آبادی کی طرف سے اور ایک پانچ سو روپے کی رقم جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی طرف سے اپنی زوجہ مرحومہ کے نام پر صدقہ جاریہ کے لئے۔ اب اللہ کے فضل سے ان میں ایک

تیسری اور بہت بڑی رقم کا اضافہ ہوا ہے۔ یعنی ہمارے قابل قدر اور مخلص دوست حاجی سعادت علی خاں صاحب رام پوری نے تین ہزار روپے کی رقم ایسے صدقہ جاریہ کے لئے عطا فرمائی ہے جس سے قرآن کریم لوگوں کو پہنچتا رہے۔ اللہ تعالیٰ حاجی صاحب موصوف کو بہت بہت جزاء خیر دے اور ان کے اس قابل قدر ایثار کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ میری اس دعا پر سب دوست آمین کہیں گے۔ حاجی صاحب ایک معمر بزرگ ہیں اور انہوں نے اپنی وفات سے پیشتر خود ہی صدقہ جاریہ کا یہ عظیم الشان کام کیا ہے اور میں اس وقت اس بات کی طرف اپنے دوسرے احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اگر ہم میں سے ہر ایک شخص، جس کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی ہے، اپنی زندگی میں اس نیک کام کے لئے قدم اٹھائے تو کچھ مشکل نہیں کہ ایک لاکھ روپے کی رقم اس طرح بطور صدقہ جاریہ جمع ہو کر اس سے ہر سال دو تین ہزار کاپی ترجمہ قرآن شریف کی اُن عیسائی ممالک میں پہنچتی رہے، جن میں تبلیغ اسلام کے لئے ہماری جماعت کو کھڑا کیا گیا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ ہم لوگ اپنے ورثاء پر اس بات کو چھوڑیں کہ وہ ہمارے لئے کوئی خیراتی کام کریں، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہیں یہ توفیق ملے گی یا نہ، بلکہ دیکھا گیا ہے کہ بعض وقت جہاں ایک شخص نے اپنی وفات کے وقت کسی نیک کام کی طرف قدم اٹھایا تو ورثا نے دنیا کے مال سے محبت کر کے اسے تکمیل تک نہیں پہنچنے دیا۔ اس لئے سب سے بہتر طریق یہی ہے کہ ہم لوگ اپنی زندگی میں خود کوئی اس قسم کا صدقہ جاریہ قائم کر دیں۔ جس سے قرآن شریف کی دنیا میں ہمیشہ اشاعت ہوتی رہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر جماعت بحیثیت مجموعی اس نیک کام کی طرف قدم اٹھائے تو وہ دنیا میں ایک ایسا نمونہ پیش کر دے گی کہ بعد میں آنے والی نسلیں بھی اس کے نقش قدم پر چلیں گی اور اس کے اس قسم کے نیک کاموں کا ثواب بھی ان پہلے لوگوں کو ملتا رہے گا جو یہ قدم اس وقت اٹھائیں گے۔ زندگی کا بھروسہ کیسے ہو سکتا ہے اور بعض وقت تو انسان کا کمایا ہوا مال اس کے ورثا کے کام بھی نہیں آیا۔ تو اگر وہ اسے خدا کے کام کے لئے الگ کر دے تو اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہے! میں چاہتا ہوں کہ ذی ثروت احباب اس کام کی طرف خصوصیت سے توجہ فرمائیں اور اپنے لئے خود صدقہ جاریہ کا یہ کام کر دیں قبل اس کے کہ اپنے مولیٰ کے سامنے حاضر ہونے کے لئے پیغام آ پہنچے۔ والسلام خاکسار محمد علی

❁❁❁

19 جون 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

کوئٹہ کا تباہ کن زلزلہ ہمیں کیا سبق دیتا ہے؟

خدا کی بھیجی ہوئی ہر مصیبت کے نیچے ایک رحمت ہے

اس وقت جب زلزلہ کوئٹہ کے گرفتاران مصیبت کا حال ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں اور ہمارے بھائیوں کی یہ مصیبت سخت سے سخت دلوں میں بھی ایک رحم اور شفقت کا جذبہ پیدا کر رہی ہے تو یہ سوال بھی بہت دلوں میں پیدا ہوتا ہے کہ وہ خدا جو ارحم الراحمین ہے وہ اپنی مخلوق پر اس قسم کی مصائب کیوں بھیجتا ہے؟!

اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں: اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا قرآن شریف میں یوں ذکر ہے۔ **رحمتی وسعت کلّ شیء** ۔میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہوگئی ہے۔اور اس کی تشریح ہمارے نبی کریمؐ نے یوں فرمائی کہ ایک عورت کے متعلق جس نے اپنے گمشدہ بچے کو پا کر چھاتی سے لگا لیا، صحابہؓ سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت اپنے اس بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے۔تو اُن کے اس جواب پر، کہ یہ نہیں ہوسکتا، فرمایا کہ اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو اس عورت کے دل میں اپنے بچے کے لئے ہے۔

ایک اٹل بات: بڑے بڑے مصائب بھی انسانوں پر آتے ہیں اور قرآن شریف میں ایک جگہ یہ بھی فرمایا **وَاِنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا نَحۡنُ مُہۡلِکُوۡہَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡہَا عَذَابًا شَدِیۡدًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا**۔ (58:17) یعنی قیامت کی اس عام بربادی سے پہلے، جس سے خود زمین بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی، انسانوں کی ہر ایک بستی پر کچھ ایسے مصائب کا آنا ضروری ہے کہ جن سے یا تو یہ بالکل فنا ہوجائے اور یا سخت تکلیف میں مبتلا ہوجائے۔اور یہ ایک اٹل بات ہے جو علم الٰہی کی کتاب اور اس کے پاک کلام قرآن شریف میں لکھ دی گئی ہے۔

دونوں باتیں صحیح ہیں: واقعات سے بھی یہ دونوں باتیں، جو قرآن وحدیث نے فرمائی ہیں، یعنی ایک

طرف رحمت الٰہی کی بے پایاں وسعت اور دوسری طرف انسانی بستیوں پر ہلاکت و مصائب کا آتے رہنا صحیح ثابت ہوتی ہیں۔ یہ جو رحمت الٰہی انسانی دلوں کے اندر نظر آتی ہے، ماں کی بچے سے محبت، بھائی کی بھائی سے محبت، انسان کی انسان سے محبت، یہ آخر کہاں سے آتی ہے! حدیث میں ہے کہ ماں کو بچے سے اور دنیا کے تمام انسانوں، چوپاؤں اور دوسرے حیوانات وغیرہ کو ایک دوسرے سے جس قدر محبت ہے، خدا کی بے پایاں رحمت کے سو حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ جو اس ساری دنیا پر تقسیم ہوا ہے اور انسانی بستیوں پر ہلاکت اور مصائب کے نظارے بھی ہم تاریخ میں پڑھتے اور اپنے سامنے بھی ان کا ظہور دیکھتے ہیں۔ دکھ اور تکلیفیں بھیجنے کی غرض: اس حکمت کو قرآن کریم نے خود ہی صراحت سے بیان فرمایا اَخَذْنَا اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ. (94:7) جب ہم بستیوں کے رہنے والوں پر دکھ اور تکلیفیں بھیجتے ہیں تو ہماری غرض یہ ہوتی ہے کہ انسان خدا کے سامنے جھکیں اور عاجزی اختیار کریں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ انسانوں کے اندر جس قدر اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں وہ خدا کے سامنے جھکنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس قدر کوئی خدا کے سامنے زیادہ جھکتا ہے، اسی قدر بلند اخلاق اس کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔

ہر قوم کے باخدا انسانوں کی زندگی اس پر گواہ ہے۔ خود ان زلزلوں کو دیکھ لو۔ جن سے سال گذشتہ صوبہ بہار کا ایک وسیع قطعہ برباد ہوا اور آج بلوچستان کا ایک وسیع علاقہ زمین کے ساتھ مل گیا۔ اگر ایک طرف ان زلزلوں سے کئی ہزار انسان طعمہ اجل ہو گئے۔ تو دوسری طرف زمین کے ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک انسانوں کے دل بھر اس سے ہل گئے اور اپنے مصیبت میں گرفتار بھائیوں کے لئے رحم اور شفقت کے جذبات سے بھی گئے۔ یوں انسانوں کے ایک حصہ پر جسمانی رنگ میں مصیبت بھیج کر باقی تمام انسانوں کی اخلاقی بہتری اور ان کی روحانی ربوبیت کا ایک سامان دیا گیا ہے۔ اور ایک اعلیٰ غرض کے حصول کے لئے چند ہزار انسانوں کی آرام و آسائش سے زندگی بسر کرنے کی ادنیٰ غرض کو قربان کیا گیا ہے۔

لیکن اگر یہ حالت آتی ہے اور فی الواقع ہمارے دلوں کے اندر وہ حقیقی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے ہمارے دل جھکے رہیں اور اس کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی سے ہمارے

دل بھرے رہیں۔ تو پھر گویا ہم اپنے ہاتھوں سے اس ربوبیت الٰہی کے سامان کو برباد کرنے والے ہوں گے۔ اَلْعَظْمَةُ لِاَ مْرِ اللّٰهِ وَالشَّفُقَةُ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ جو مذہب کے دوستون ہیں، انہی کو آج دنیا میں قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ خدا نے اپنا کلام بھی اسی غرض کے لئے بھیجا اور اب اپنے ایک قہری نشان سے بھی اسی طرف وہ ہماری توجہ کو پھیرنا چاہتا ہے۔ تو کس قدر بدبختی ہوگی اگر ہم خدا کے کلام سے سبق نہ لیں اور نہ اس کے کام سے عبرت حاصل کریں۔

مجدد زمان کے ارشادات: اسی حکمت الٰہی کی طرف اس صدی کے مجدد نے بھی بار بار توجہ دلائی کہ یہ وبائیں اور زلازل جو اس وقت دنیا میں ایک مصیبت کے رنگ میں آ رہے ہیں۔ وہ اسی لئے آ رہے ہیں کہ لوگ شوخی اور بیباکی کو چھوڑ کر سچے دل سے خدا کے آگے جھکیں۔ چنانچہ آپ اپنی وصیت میں جو 1905ء میں طبع ہوئی لکھتے ہیں:

> ''دیکھ میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ خدا کے نشان ابھی ختم نہیں ہوئے۔ اس پہلے زلزلہ کے نشان کے بعد جو 4 اپریل 1905ء میں ظہور میں آیا۔ جس کی ایک مدت پہلے خبر کر دی گئی تھی۔ پھر خدا نے مجھے خبر دی کہ بہار کے زمانہ میں ایک اور سخت زلزلہ آنے والا ہے۔ وہ بہار کے دن ہوں گے۔ نہ معلوم وہ ابتداء بہار کا ہوگا۔ جب کہ درختوں میں پتہ نکلتا ہے یا درمیان اس کا یا اخیر کے دن جیسا کہ الفاظ وحی الٰہی یہ ہیں۔ ''پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی'' چونکہ پہلا زلزلہ بھی بہار کے ایام میں تھا۔ اس لئے خدا نے خبر دی کہ وہ دوسرا زلزلہ بھی بہار میں ہی آئے گا۔ اور چونکہ آخر جنوری میں بعض درختوں کا پتہ نکلنا شروع ہو جاتا ہے، اس لئے اسی مہینہ سے خوف کے دن شروع ہوں گے اور غالباً **مئی کے اخیر تک وہ دن رہیں گے**☆

☆ مجھے معلوم نہیں کہ بہار کے دنوں سے مراد یہی بہار کے دن ہیں جو اس جاڑے کے گذرنے کے بعد آنے والے ہیں یا کسی اور وقت پر اس پیشگوئی کا ظہور موقوف ہے جو بہار کا وقت ہوگا۔ بہر حال خدا تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہار کے دن ہوں گے۔ خواہ کوئی بہار ہو، مگر خدا ایک ایسے شخص کی طرح آئے گا جو رات کو پوشیدہ آتا ہے۔ یہی خدا نے مجھے فرمایا ہے۔ منہ''

اور خدا نے فرمایا **اِذْ لُزْلَةَ السَّاعَةِ** (1:22) یعنی وہ زلزلہ قیامت کا نمونہ ہوگا۔ اور پھر فرمایا **لک نـری ایات ویهدم مایعمرون** یعنی تیرے لئے ہم نشان دکھائیں گے اور جو عمارتیں بناتے جائیں گے، ہم ان کو گراتے جائیں گے۔ اور پھر فرمایا۔ **بھونچال آیا اور شدت سے آیا۔ زمین تہ و بالا کر دی۔** یعنی ایک سخت زلزلہ آئے گا اور زمین کو یعنی زمین کے بعض حصوں کو زیر وزبر کر دے گا۔ جیسا کہ لوطؑ کے زمانہ میں ہوا اور پھر فرمایا **اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْکَ بَغْتَةً** یعنی میں پوشیدہ طور پر فوجوں کے ساتھ آؤں گا۔ اس دن کی کسی کو بھی خبر نہیں ہوگی۔ جیسا کہ لوطؑ کی بستی جب تک زیر وزبر نہیں کی گئی، کسی کو خبر نہ تھی۔ سب کھاتے پیتے اور عیش کرتے تھے کہ ناگہانی طور پر زمین الٹائی گئی۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس جگہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ گناہ حد سے زیادہ بڑھ گیا اور انسان حد سے زیادہ دنیا سے پیار کر رہے ہیں اور خدا کی راہ تحقیر کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔

یہ زلزلہ صحیح معنوں میں ایک نشان ہے: کس قدر صفائی سے یہاں یہ ذکر ہے کہ کوئی تباہ کن زلزلہ 4 اپریل 1905ء کے زلزلہ کے بعد پھر آنے والا ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ اس کا وقت جنوری سے لے کر مئی کے آخر تک ہوگا۔ اب بہار کا زلزلہ 15 جنوری کو آیا اور کوئٹہ کا زلزلہ 30 اور 31 مئی کی درمیانی شب کو آیا۔ یہ باتیں کسی معمولی اٹکل بازی سے نہیں لکھی جا سکتیں اور اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ بھی دوسری جگہ لکھا ہے کہ ایسا تباہ کن زلزلہ پانچ بار آئے گا۔ اگر یہ باتیں کسی معمولی انسان کے قلم سے نکلتیں تو بھی قابل توجہ تھیں۔ مگر اس کا کہنے والا وہ شخص ہے جس نے ہزار ہا دلوں کے اندر خدا اور اس کے رسولؐ کی عظمت کا احساس پیدا کیا اور اس وقت، جب تمام مسلمان باہم لڑائی اور جھگڑ کے سوا اور کچھ نہیں جانتے تھے، ایک عظیم الشان جماعت کو تبلیغ اسلام کے کام پر کھڑا کر دیا۔ یہ زلزلہ صحیح معنوں میں ایک نشان ہے، مگر اس کے لئے جو اس سے سبق حاصل کرنا چاہے۔

تمسخر و استہزاء معاندین حق کا طریق ہے: جو اپنے آپ کو اس ارشادِ الٰہی کا مصداق بنائے۔ **وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ** (105:12) اس کی آنکھوں کا پردہ کون اٹھا سکتا ہے۔ کم از کم اسی قدر سبق اس سے لے لیا جائے کہ آج جو ایک برگزیدہ انسان کے ساتھ تمسخر و استہزاء کیا جا رہا ہے، اسی ہی چھوڑ دیا جائے۔ اور یہ تو ویسے بھی چھوڑنے کی چیز

ہے۔ کیونکہ یہ صلحا کا طریق نہیں۔ کبھی کسی صالح انسان کی زندگی میں یہ نمونہ نہ پاؤ گے کہ اس نے اپنے کسی مخالف پر، خواہ وہ کتنا ہی بُرا ہو، تمسخر اور استہزاء ہی کیا ہو۔ بلکہ یہ ہمیشہ معاندین حق کا طریق رہا ہے کہ وہ نبیوں کے ساتھ تمسخر کرتے رہے ہیں۔ بے شک اگر ایک بات خلاف قرآن وحدیث معلوم ہوتی ہے، تو اس کی مخالفت کی جائے۔ مگر سنجیدگی کے ساتھ۔ گو اس میں سختی بھی ہو۔

حضرت مرزا صاحب کی اصل غرض: حضرت مرزا صاحب نے بیشک زلزلہ کی خبر دی اور وباؤں کی خبریں بھی دیں۔ لیکن یہ کسی نجومی کی پیشگوئی نہیں، بلکہ آپ کی غرض وہی ہے جو قرآن شریف نے مصائب بھیجنے کی حکمت بیان فرمائی ہے۔ تا کہ لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا ہو۔ جب اس ملک میں طاعون کا نام ونشان بھی نہ تھا، اس وقت طاعون کی خبر دی، جس کی ہلاکت سے ہندوستان کی شاید ہی کوئی بستی بچی ہوگی۔ جب اس ملک میں زلزلہ کا کسی کو وہم وگمان بھی نہ تھا، اس وقت زلزلہ کی خبر دی اور 4 اپریل 1905ء کو کانگڑہ کا تباہ کن زلزلہ آیا۔ اس زلزلہ کے بعد موسم بہار میں اور زلزلوں کے آنے کی خبر دی۔ اور خود ہی موسم بہار کا وقت معین کیا۔ یعنی جنوری سے لے کر مئی کے آخر تک۔ اس کے مطابق بہار کا زلزلہ آیا اور آج کوئٹہ اور اس کا گردونواح تباہ ہو گیا۔ پھر ان سب آفات کے آنے سے لوگوں کو ایک ہی طرف متوجہ کیا کہ وہ خدا کے آگے جھکیں۔ خود تمام فرقی جھگڑوں سے الگ ہو کر تعمیر اسلام کے ایک عظیم الشان کام کی بنیاد رکھی اور اس درخت کا بیج بویا جس کی شاخیں آج یورپ اور امریکہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ پس میری مسلمان بھائیوں سے گزارش ہے کہ ان آفات سے وہ سبق حاصل کرو جس کی طرف قرآن شریف توجہ دلاتا ہے۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

19 جون 1935ء

مجروحین کوئٹہ کا آخری قافلہ

لاہور 17 جون ۔ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ایل۔ایل۔ایس نے مندرجہ ذیل مکتوب ارسال کیا ہے۔

''میں 14 جون کی صبح کو ساڑھے چار بجے سے ساڑھے پانچ بجے تک ریلوے سٹیشن لاہور پر موجود تھا کہ ایمبولینس ٹرین کو، جو کوئٹہ سے زخمیوں کو لا رہی تھی، دیکھوں۔ غالباً یہ آخری ایمبولینس ٹرین تھی۔ جو زخمیوں کو کوئٹہ سے لا رہی تھی۔ ایمبولینس ٹرین میں 29 شدید مجروح تھے۔ جنہیں پلیٹ فارم سے تختوں کے ذریعے ریڈ کراس سوسائٹی کی ایمبولینس لاریوں تک پہنچانا تھا۔ جو اس وقت ریلوے اسٹیشن سے باہر منتظر تھیں۔ اس کے علاوہ اور مجروحین بھی موجود تھے جو آسانی سے ایمبولینس لاریوں تک جا چکتے تھے۔

کرنل ایچ رائے۔آئی۔ایم۔ایس انسپکٹر جنرل شفاخانجات کرنل رونٹری آئی۔ایم۔ایس ڈاکٹر چغتائی میڈیکل آفیسر ریلوے چوہدری محمد بشیر سکرٹری ریڈ کراس سوسائٹی اور مسٹر کھنہ اور دوسرے میڈیکل آفیسر بھی اس وقت پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ اکثر مریضوں کو ریڈ کراس سوسائٹی کے رضا کاروں نے نہایت اچھے طریقے سے پلیٹ فارم سے ایمبولینس لاریوں تک پہنچایا۔ اس موضوع میں متعدد کالجوں اور غیر سرکاری انجمنوں اور سکاؤٹوں کی امداد بھی ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔

کرنل رائے اور مسٹر بشیر احمد نے مجھے ایمبولینس ٹرین اور پلیٹ فارم پر وہ تمام انتظامات دکھائے جو مریضوں کی سہولت کے لئے کئے گئے تھے۔ ایمبولینس ٹرین میں تقریباً تمام مریضوں کو سونے کے لئے جگہ دی گئی تھی۔ ہر کمرے میں بجلی کے پنکھے موجود تھے اور ہر کمرے میں پانی کا نل تھا۔ ٹرین اور پلیٹ فارم پر دودھ اور دوسری اشیاء خوردنی موجود تھیں۔ پلیٹ فارم پر ہر قسم کی مرہم پٹی کا سامان اور ادویہ موو جود تھیں۔ ٹرین میں لاہور اور کوئٹہ کے بہت سے ڈاکٹر اور نرسیں موجود تھیں۔ جو راستے میں مجروحین کو ہر قسم کی امداد پہنچاتے رہے تھے۔

۞۞۞

27 جون 1935ء

اداریہ

آہ! لارڈ فاروق ہیڈلے

دنیائے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان

اس ہفتہ لارڈ فاروق ہیڈلے کے انتقال پُر ملال سے دنیائے اسلام کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے اور اس اندوہناک خبر کو تمام دنیا کے مسلمانوں نے انتہائی رنج وغم کے جذبات کے لئے سنا ہوگا۔ کیونکہ مرحوم کو خدمات اسلامی، جرأت ایمانی، ایثار اور اعلیٰ قابلیت کے لحاظ سے عالمگیر اسلامی برادری میں ایک بلند حیثیت حاصل تھی۔

مسلمانان ہند وخاص کر جماعت احمدیہ لاہور کے افراد مرحوم اور آپ کی بیش بہا خدمات دینی سے بخوبی واقف ہیں۔ یورپ بالخصوص انگلستان میں آپ نے اشاعت اسلام کے لئے جو کوشش فرمائی اس کی وجہ سے آپ ہر طبقہ کے مسلمانوں کے نزدیک بے حد محبوب ومحترم ہو گئے تھے۔ مرحوم علاقہ ہیڈلے کے چوتھے لارڈ تھے اور شرفائے انگلستان میں خاندانی وجاہت کے لحاظ سے نمایاں درجہ رکھتے تھے۔ آپ 1845ء میں پیدا ہوئے۔ 1877ء میں لارڈ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ سکس اور کیری وغیرہ مقامات پر بڑی بڑی جاگیروں کے مالک تھے۔ فوج میں بھی عرصہ تک اعلیٰ عہدوں پر ملازم رہے۔ 1883ء میں آئرلینڈ کے نمائندہ کی حیثیت سے دارالامراء میں داخل ہوئے۔ پیشہ کے لحاظ سے آپ انجینئر تھے۔ ہندوستان میں بھی آپ نے انجینئر کی حیثیت سے کافی کام کیا۔ کشمیر کی سڑک آپ کی ہی زیرنگرانی تیار ہوئی تھی۔ جو فن انجینئری کا ایک بڑا کارنامہ سمجھی جاتی ہے۔ اس فن پر آپ کی متعدد تصانیف بھی موجود ہیں۔ جن کو اہل علم بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

16 نومبر 1914ء کو آپ مشرف با اسلام ہوئے اور اسلامی نام شیخ رحمت اللہ فاروق اختیار کیا۔ آپ کا عیسائی نام چارلس مارک النسون تھا۔ اور آپ عیسائیت کے پروٹسٹنٹ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے قبول اسلام سے انگلستان کے پادریوں میں کھلبلی مچ گئی تھی اور اعلیٰ معاشرتی حلقوں میں مخالفت کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ ایسے وقت میں آپ نے عدیم النظیر استقامت کا نمونہ دکھلایا اور

حق وصداقت کی خاطر کسی نقصان اور مخالفت کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کی۔

آپ کے قبول اسلام اور سرگرم جدوجہد اور مفید مشوروں سے ووکنگ مشن اور یورپ میں تبلیغ اسلام کی تحریک کو بہت امداد ملی۔ آپ برٹش مسلم سوسائٹی کے ایک قابل ذکر بانی اور صدر تھے اور اس سوسائٹی کی خدمات دینی میں مرحوم کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ فن انجینئری پر تصنیفات کے علاوہ آپ نے بعض دینی رسائل بھی لکھے جن میں حضرت نبی کریمؐ کی سیرت مبارک پر ایک چھوٹا سا رسالہ قابل ذکر ہے۔

قبول اسلام کے بعد آپ نے حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کی معیت میں فریضہ حج ادا کیا اور 1928ء میں ہندوستان بھی تشریف لائے۔ جہاں اپنی جماعت کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی اور دہلی میں ایک عظیم الشان تبلیغی کانفرنس کی صدارت فرمائی۔ غرضیکہ مرحوم بے شمار خوبیوں اور قابلیتوں کے انسان تھے۔ آپ کا وجود گرامی یورپ میں تحریک تبلیغ اسلام کے لئے بیحد مفید تھا۔ اور آپ کا انتقال ایک ناقابل تلافی نقصان ہے جس نے ہر ایک حساس مسلمان کے دل کو رنج وغم سے بھر دیا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعزاز کے ساتھ اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ کے بیشمار دوستوں اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ہم جماعت احمدیہ لاہور کے تمام افراد کی طرف سے آپ کے خاندان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

شمس العلماء سید ممتاز علی: گذشتہ ہفتہ شمس العلماء سید ممتاز علی صاحب کی وفات سے مسلمانان ہند کو ایک بہت بڑا نقصان پہنچا ہے۔ مرحوم ایک روشن خیال عالم، ایک بلند پایہ ادیب اور ایک مخلص وخاموش کارکن تھے۔ سرسید مرحوم کے رفقا کار میں سے تھے۔ گذشتہ تیس چالیس سال کے عرصہ میں عورتوں کی تعلیم وحقوق کے متعلق آپ نے بیش بہا کام کیا۔ مسلمان خواتین میں تھوڑی بہت جو بیداری اور تعلیم کا شوق نظر آرہا ہے، اس میں مرحوم کی کوششوں کو کافی دخل ہے۔ آپ اخبار ''تہذیب نسواں'' اور ''اخبار پھول'' کے بانی اور متعدد تعلیمی واصلاحی کتب کے مصنف تھے۔ عمر کے آخری ایام میں خدمت قرآن کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔ ایک خاص اسلوب سے قرآن شریف کی تفسیر لکھنی شروع کی۔ معلوم ہوا کہ انتقال کے ایک روز پہلے تک آپ اس کام میں مصروف رہے۔ آپ نے دو نوجوان اور تعلیم یافتہ صاحبزادے سید حمید علی صاحب اور سید امتیاز علی صاحب اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ

مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ ہمیں آپ کے صاحبزادوں و دیگر افراد خاندانی سے اس غم میں دلی ہمدردی ہے۔

ایک مخلص نوجوان کا کارِ خیر: ڈاکٹر سید بشیر حسین شاہ خلف الرشید حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کا ذکر گذشتہ پرچہ میں ہو چکا ہے۔ آپ نے لاہور چھوڑنے سے پیشتر ایک اور کار خیر کیا۔ جس کا ذکر حضرت شاہ صاحب ممدوح کی ممانعت کے باوجود ہم اس لئے کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہماری جماعت کے دوسرے نوجوانوں کو بھی نیک کاموں میں حصہ لینے کی تحریک ہو۔ مسجد احمدیہ بلڈنگس کے دو برقی پنکھے بوسیدگی کی وجہ سے تقریباً ناکارہ ہو چکے تھے۔ نمازیوں اور درس قرآن سننے والوں کو گرمی کے ایام میں تکلیف ہوتی تھی۔ ڈاکٹر سید بشیر حسین شاہ صاحب نے اپنی ملازمت پر جانے سے قبل دو نہایت اعلیٰ درجے کے نئے برقی پنکھے مسجد کو عنایت فرمائے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر اور بیشمار دینی و دنیوی ترقیاں عطا فرمائے۔ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ مسلمان نوجوان روز بروز مساجد سے دور اور غافل ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن جماعت احمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ اس میں ڈاکٹر سید بشیر حسین صاحب ایسے نوجوان موجود ہیں۔ جو مساجد کی خدمت کو باعث سعادت سمجھتے ہیں اور یہ سب حضرت مسیح موعود کی برکت ہے۔ پنکھے یا اسی قسم کے دوسرے ساز وسامان ہمارے نزدیک کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ قابل قدر خدمت مسجد کا وہ پاک جذبہ ہے جو اس قسم کی قربانیوں کا محرک بنتا ہے۔ دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک احمدی نوجوان کے سینے میں یہ جذبہ موجزن کرے۔

3 جولائی 1935ء

مراسلات

حضرت امیر کا ترجمہ قرآن ایک بزرگ کی نظر میں

''زمیندار'' اور دیگر مخالفین غور کریں

حیدرآباد سے ایک غیر از جماعت بزرگ نے ذیل کا خط حضرت امیر ایدہ اللہ کی خدمت میں لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مخالفت کے زمانہ میں ایسے سمجھدار اور صاحب علم اصحاب موجود ہیں جو حضرت ممدوح کی ان عظیم الشان خدمات کو، جو آپ نے قرآن کریم کے اردو، انگریزی تراجم کے ذریعہ سے کیں، عزت اور قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت امیر کے ترجمہ قرآن نے ہندوستان کے فہمیدہ طبقہ پر کس قدر اثر پیدا کیا ہے۔ وہ نہ صرف آپ کے خلوص اور محبت اسلام کے قائل ہیں بلکہ آپ کو اس بات کا اہل سمجھتے۔ اور آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس ترجمہ وتفسیر کے کام کو جاری رکھیں کہ یہ عام مسلمانوں میں روح پھونکنے کا موجب ہوگا۔

ایک زمانہ تھا جب ''زمیندار'' بھی آپ کے ترجمہ وتفسیر کو اسی قدر وعزت کی نگاہوں سے دیکھتا اور انہیں تابناک موتی قرار دینے سے نہیں جھجکتا تھا۔ لیکن آج دولت کی سنہری روپلی ٹکیوں نے اس کی آنکھوں کو ایسا خیرہ کر دیا کہ وہ انہی تابناک موتیوں کے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتا۔ اور خود شپرہ چشم ہونے کے باوجود منبع آفتاب کا انکار کر رہا ہے۔ کیا وہ ایک حقیقت شناس بزرگ کے ذیل کے الفاظ کو چشم عبرت کے ساتھ ملاحظہ کرے گا؟ خاکسار دوست محمد ایڈیٹر پیغام صلح

جناب مولٰینا محمد علی صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم۔ آپ کی تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ کیا۔ دوسری کتابوں سے بھی کچھ واقف ہوا۔ آپ کی مساعی کے افادہ کی مزید وسعت کے سلسلے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے آپ اس پر تھوڑی توجہ فرمائیں گے۔ آپ نے قرآن کریم کی تفسیر پر کافی عرق ریزی کی ہے۔ اس کا ثمرہ بھی آپ کے سامنے ہے یورپ میں مقبول ہوئی۔ ہندوستان میں بھی اس کی اشاعت ہوئی۔ انگریزی دان مسلمان اس طرف مائل ہوئے اور بہتوں کے تشکک کا اضطراب دور ہوا۔ اب آپ دوسری طرف مائل

ہو گئے۔ یعنی حدیث کی طرف یہ کام بھی مفید ہے۔ لیکن بہت بہتر تھا کہ آپ پھر تفسیر کی طرف جلدی لوٹتے اور اپنی عمر اسی بے مثال کام پر صرف فرماتے۔ حدیث کی تفسیر کا کام کسی اور کے سپرد فرماتے۔ لیکن اب جبکہ آپ دوسری طرف لگے ہوئے ہیں اور امید ہے کہ اس کو بھی ختم کر لیں گے یہی مناسب ہے کہ اس سے فارغ ہو جائیں۔

تفسیر کی طرف لوٹنے سے میری مراد یہ ہے کہ آپ تفسیر کی نظر ثانی فرمائیں اور اس میں تھوڑا اور بسط پیدا کریں اس میں اور شئے کا اضافہ فرمائیں۔ یہ اُردو کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ قرآن کی لغت اور معنی کی مزید تشریح جا بجا کریں۔ پندرہ سال میں جو کچھ دنیا اور عالم اسلام میں ہوا ہے، اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اس تفسیر کو جامع بنا دیں۔ آپ کی نظر اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فہم دیا ہے، کام عرق ریزی سے کرتے ہیں۔ خلوص بھی موجود ہے۔ طبیعت میں نرمی بھی ہے۔ غرض یہ کہ اس کام کے لئے بہت سی صفتیں اللہ تعالیٰ نے آپ میں جمع کر دی ہیں۔ موجودہ تفسیر میں آپ نے عقلی پہلو پر بہت زور دیا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ کے لئے اس کی بہت ضرورت تھی۔ لیکن تفسیر کے افادہ کو عام کرنے کے لئے تو اس کی بھی ضرورت ہے کہ آپ نقل پر بھی اتنا ہی زور دیں۔ اس سے یہ ہوگا کہ دونوں خیالات کے لوگ مستفید ہوں گے۔ آپ اپنا مسلک عقل والوں کا رکھیئے۔ غرض یہ ہے کہ اسلام کا عام مسلک جو ہے اس کو نظر انداز نہ کیجئے۔ مشکل ترکیب اور ادنی نکات اور بیان و بلاغت کی خوبیوں کی طرف بھی اشارہ کرتے جایئے۔ تا کہ عربی کا ذوق رکھنے والے بھی مستفید ہوں۔ ربط معنی پر آپ نے زور دیا ہے۔ اس پر مزید قوت صرف فرمایئے۔ تفہیم اور قرآن کے کلام اللہ ہونے پر اس سے اور روشنی پڑتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہزار پانچ سو صفحات اور بڑھ جائیں گے۔ لیکن بے مثل چیز ہو جائے گی۔ حوالے بڑھا دیجئے۔ صرف یہ کہنا، کہ بعض مفسرین ایسا کہتے ہیں، شبہ پیدا کرتا ہے۔ قوسین میں لفظ دو لفظ میں اشارہ کر دیجئے۔ کتاب وصفحات کا حوالہ دیجئے یا آخر میں دو تین صفحوں کا کتب نما لگا دیجئے۔ یہ تو اہل علم کے فائدہ کے لئے ہوگا۔ بڑی ضرورت اس کی ہے کہ پوری تفسیر کو انگریزی کی طرح اردو میں بھی ایک جلد میں آپ سمیٹ لیں۔ ہزار بارہ سو صفحوں میں یہ ہو جائے گا۔ عربی متن کا خط موجودہ خط سے باریک کر دیجئے۔ لیکن وضاحت پر اتنا ہی زور دیجئے جتنا کہ انگریزی ترجمہ کے متن میں ہے۔ خط میں گنجلک نہ ہو۔ باریک ہو لیکن کھلا کھلا ہو۔

کاغذ باریک ہو۔لغت ترکیب بلاغت بیان اڑا دیجئے۔یہ باتیں بڑی تفسیر کے لئے رکھیئے۔اس مجلد میں سارا زور معنی پر صرف فرمایئے۔یعنی حواشی سے قرآن کی تفہیم اچھی طرح ہو جائے۔ بائیبل کے اقتباسات وغیرہ سب حذف، آخر میں مصادر کا ضمیمہ لغت سے تیار کر کے لگا دیجئے۔ یہ کام ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک رحمت ہوگا۔آپ اپنی قوت تبلیغ پر صرف فرمارہے ہیں اور مخاطب یورپ کو کیا ہے۔حالانکہ یہ حق ہندوستان کے مسلمانوں کا ہے۔پہلے گھر پھر باہر۔انگریزی میں آپ نے جو کچھ کیا وہ یورپ کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔لوگ آگے راہ پیدا کرلیں گے اردو میں آپ کا کام بالکل ناکافی ہے۔خصوصاً عوام کے لئے۔ایک بات یہ عرض کرنے دیجئے کہ اس کام میں آپ اپنے مسلک پر زور نہ دیجئے۔آپ کے پیش نظر اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی ساری تعلیم رہے۔قرآن کی خدمت میں کسی چیز کی آمیزش نہ رہے۔آپ کے خلوص کا اجر اس پر بھی اتنا ہی ملے گا۔

دوبارہ درخواست کرتا ہوں اور ہندوستان کے سارے مسلمانوں کے فائدہ کے لئے کہ آپ براہِ خدا عوام کے لئے دو ایک سال صرف فرما کر ایک جلد میں ترجمہ، سیر کن حواشی کے ساتھ ضرورت مرتب فرمائیں۔آپ بڑا کام کریں گے۔مسلمانوں میں روح پھُک جائے گی۔آپ اس کے اہل ہیں آپ کو اس کا موقعہ حاصل ہے۔اس ضرورت کے بعد اگر موقعہ ملے تو ایک مبسوط کتاب اردو میں علم کلام پر لکھیئے۔آپ کے مخاطب یورپ زدہ مسلمان ہوں۔سارے معرکتہ الارا مسائل اسی میں آجائیں۔ ''دین ودانش'' مصنفہ مولینا محمود علی کپورتھلی پر ایک نظر ڈالئے۔اسی پر عمارت کھڑی کیجئے۔پندرہ سال کے عرصہ میں مباحث مشرقیہ رازی۔ابن حزم، مقالات المسلمین الاشعری جیسی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ ان سے اور ان جیسی اور کتابوں سے آپ مدد لے سکتے ہیں۔آپ کی وسعت نظر سے یہ کام بھی باحسن الوجوہ پورا ہوگا۔زحمت معاف فرمایئے۔والسلام

3 جولائی 1935ء

استفسارات

مسلمان یا کافر؟!

مولوی ظفر علی خاں اپنے والد ماجد کو کیا سمجھتے ہیں؟

مولوی ظفر علی خاں صاحب مالک روزنامہ ''زمیندار'' آج کل جماعت احمدیہ اور اس کے مقدس پیشوا اور امام حضرت مرزا صاحب قادیانی کی مخالفت اور توہین وتذلیل پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ نہ صرف انہیں کافر سمجھتے ہیں بلکہ ہر اس شخص کو، جو انہیں مسلمان سمجھے، کافر ٹھہرانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم مولوی صاحب ممدوح کے والد ماجد مولوی سراج الدین صاحب مرحوم بانی ''زمیندار'' کی وہ رائے نقل کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی وفات پر ''زمیندار'' میں لکھی۔ اور اس میں صاف طور پر انہیں ''پکا مسلمان'' قرار دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''مرزا غلام احمد صاحب 1860ء یا 1861ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ کی عمر 22۔23 سال کی ہوگی۔ اور ہم چشمدید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔ عوام سے کم ملتے تھے۔ 1877ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی۔ ان دنوں میں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو ومستغرق تھے کہ مہمانوں سے بہت کم گفتگو کرتے تھے......مسیح موعود یا کرشن اوتار ہونے کے دعاوی جو آپ نے کئے ان کو ہم ایسا ہی خیال کرتے ہیں جیسا کہ منصور کا دعویٰ اَنَا الْحَقُّ کا تھا۔ گو ہمیں ذاتی طور پر مرزا صاحب کے دعاوی یا الہامات کے قائل اور معتقد ہونے کی عزت حاصل نہ ہوئی مگر ہم ان کو ایک پکا مسلمان سمجھتے تھے۔''

ہمارا سوال ہے کہ اس رائے کو ملحوظ رکھتے ہوئے مولوی ظفر علی خاں اپنے والد ماجد کو کیا سمجھتے ہیں۔ مسلمان یا کافر؟۔ کیا وہ اس کا جواب دینے کی جرأت کریں گے؟

20 جولائی 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

موجودہ مشکلاتِ سلسلہ

اُن کے متعلق چند تجاویز

شاید ہی کوئی دن خالی گزرتا ہوگا۔ جس میں کسی نہ کسی جماعت کی طرف سے یہ شکایت نہ آتی ہو کہ ان کی تکالیف کا پیمانہ حد سے گزرتا جا رہا ہے۔ ایک طرف ایذائے روحانی کا سلسلہ ہے کہ اس شخص کو، جس نے اس زمانہ میں ایک جماعت کے اندر تبلیغ اسلام کے لئے عظیم الشان قربانیوں کی روح پیدا کی اور ان ظلمت کدوں میں اسلام کا پیغام پہنچانے کی بنیاد رکھی، جہاں یہ آج تک نہ پہنچا تھا، دنیا کا بدترین انسان اور اسلام کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا جاتا ہے اور تحریر وتقریر کے ذریعے سے اس کی سیاہ سے سیاہ تصویر کھینچی جاتی ہے، اخباریں، رسالے، ٹریکٹ ہزارہا کی تعداد میں روزانہ نکلتے ہیں، جن کا کام سوائے گند اچھالنے کے اور کچھ نہیں، جگہ جگہ تبلیغ کے نام سے جلسے ہوتے ہیں، لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ جن کی تان صرف اس شخص کو برا کہنے پر آ ٹوٹتی ہے۔ جس نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو فروعی جھگڑوں سے اوپر اٹھا کر اعداء اسلام کے مقابلے پر کھڑا کر دیا۔ مگر جب اس قدر ایذائے روحانی خادمان اسلام کے اس گروہ کو پہنچا کر بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا تو پھر بائیکاٹ کا ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے اور مسلمان کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ اس جماعت کے ساتھ کسی قسم کا لین دین اور معاملہ نہ کریں۔ ان کو کسی قسم کی ملازمت میں نہ رکھا جائے۔ ان کے تاجروں سے کسی قسم کی خرید وفروخت کا معاملہ نہ کیا جائے۔ ان کے سکولوں میں بچوں کو تعلیم نہ دی جائے۔ قبرستانوں میں ان کے مردوں کو دفن نہ ہونے دیا جائے۔ غرضیکہ کوئی پہلو قطع رحمی کا باقی نہیں چھوڑا جو احمدیوں کے خلاف استعمال نہیں کیا گیا۔

ان خطوط کے پڑھنے سے دل میں درد پیدا ہوتا ہے۔ مگر ان مصائب پر سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں۔ شاید بعض دوست خیال کرتے ہوں کہ ایسے موقع پر، جب ہم مصائب میں مبتلا ہیں، صبر کی تلقین سے کیا بنتا ہے۔ لیکن میں اپنے احباب کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ان مصائب اور مشکلات کا حل سوائے صبر اور سوائے رجوع الی اللہ کے اور کچھ بھی نہیں۔ ہاں! یہ سچ ہے کہ ان ساری ایذاؤں کے باوجود جو روحانی اور

جسمانی رنگ میں ہمارے مسلمان بھائیوں کی طرف سے ہم کو پہنچائی جاتی ہیں، ہمارے دلوں میں ایک تسکین بھی ہے۔ جس پر ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالات بھی اللہ تعالیٰ نے ہماری بہتری کے لئے پیدا کئے ہیں۔ یہ تسکین اپنے بھائیوں کی گالیوں اور ایذا دہی کے مقابل پر اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے۔ اگر وہ یہ طریق اختیار نہ کریں تو ہم بھی اس انعام الٰہی سے محروم رہ جائیں۔ اور وہ تسکین یہ ہے کہ کوئی حق کو پھیلانے والی جماعت دنیا میں پیدا نہیں ہوئی جسے دکھ نہ دیا گیا ہو۔ جس کو ایذا رسانی سے مٹانے کا تہیہ ان لوگوں نے نہ کیا ہو جو اس کے مقابل پر آ جاتے ہیں۔ اور ہمیں بھی خدا کی راہ میں کیا تکلیف پہنچی ہے۔ جو جو تکلیفیں ان لوگوں نے اٹھائیں، جو ہمارے لئے خضر راہ ہیں، ان کا تو ابھی عشر عشیر بھی ہمارے حصہ میں نہیں آیا۔ اگر ہم اسی دین کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اٹھے ہیں جو ہمارے ہادی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے تو اگر ہمیں اس قدر تکلیف بھی پہنچے جس قدر آپؐ کے ساتھیوں کو پہنچی۔ تو کیا ہمارے لئے زیبا ہے کہ حرف شکایت زبان پر لائیں! مگر کیا یہ سچ نہیں کہ ابھی اس ایذا کا ہزارواں حصہ بھی ہمیں نہیں پہنچا۔ ان کی تکالیف کو آج بھی پڑھ کر دل کانپ اٹھتا ہے اور آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ ان کو طرح طرح کے دکھ دیئے گئے۔ انہیں گھروں سے نکالا گیا۔ ان کی جائدادیں اور اموال سب لٹ گئے۔ ان کے خون بہہ گئے۔ ہم اس مقام بلند سے ابھی بہت دور ہیں۔ انہوں نے بہت بڑے دکھ اٹھائے، ان کا مقام بھی اسی قدر بڑا تھا۔ ہمارے حصہ میں تو تھوڑے دکھ آئے ہیں۔ اس لئے کہ ہم کمزور ہیں۔

اگر ہمارے سامنے حضرت مرزا صاحب کو ہمارے مسلمان بھائی گالی دیتے ہیں اور ہم ان کا منہ بند کر سکتے تو کیا یہ درست نہیں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے اور حضرت مرزا صاحب کے آقا کو بھی گالیاں دی جاتی ہیں۔ عیسائیوں اور آریوں نے آپؐ کو برا کہنے پر اور آپؐ سے تنفر پیدا کرنے پر پورا زور صرف کیا۔ لیکن ہم نے ان کا منہ بند کر لیا ہے؟ کیا اس تمام ایذا رسانی کے اندر یہ تسکین ہمارے دلوں میں نہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی آج وہی ہتھیار احمدیت کے خلاف استعمال کر رہے ہیں جو ہمیشہ اہل حق کے خلاف اہل باطل نے استعمال کیا؟ کیا کبھی صلحاء نے اپنے مخالفین کے ساتھ تمسخر واستہزاء کیا؟ کیا کبھی صلحا نے مقاطعت کا ہتھیار استعمال کیا؟ قطع رحمی کی تعلیم دی؟ یا یہ کام ہمیشہ ان لوگوں کا رہا ہے جو اہل حق کے مخالف ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو پھر ہم کیوں گھبرائیں۔ بلکہ یہ تو خوشی کا مقام ہے کہ گو زبان سے وہ

ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔ مگر اپنے ہاتھ سے ہمیں اہل حق کے ساتھ ملا رہے ہیں۔ یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ یہ حالات اسی طرح پر رہیں گے۔ کیا وہ لوگ، جو آج ہمارے ساتھ ہیں، ان میں ایسے نہ تھے جو کسی وقت ہمارے سخت ترین مخالف تھے۔ پس اس طرح اس بات پر یقین رکھنا چاہیئے کہ جو آج ہماری مخالفت کر رہے ہیں ان میں سے بھی ایسے ہوں گے جو کل کو ہمارے معاون ہوں گے۔ کیا آخر یہ بات ان کے دلوں پر اثر نہ کرے گی کہ ان لوگوں کو کیا ملتا ہے جو اپنے اموال بھی خدا کی راہ میں قربان کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے گالیاں بھی سنتے ہیں۔ دکھ بھی اٹھاتے ہیں۔ ذلیل بھی کیئے جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی ان کے ثبات قدم میں تزلزل نہیں آتا بلکہ ان کا قدم خدمات اسلامی میں اور آگے بڑھتا ہے۔ اگر یہ حالات ہمیں پیش نہ آئیں تو ہم میں استقامت کس طرح پیدا ہو۔ وہ اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ مشہور ہے۔ وہ منہ کے لفظوں سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ دکھوں اور مصائب کی کٹھالی میں ڈال کر یہ قیمتی جوہر ملتا ہے۔ ہاں یہ بھی صحیح ہے کہ ہمارے اندر کمزوریاں ہیں۔ ہمارے اندر رجوع الی اللہ کی کمی ہے۔ ہم میں سے بعض وہ ہیں جو سخت ترین مصائب کا شکار ہیں۔ بعض وہ ہیں جو نسبتاً محفوظ ہیں۔ لیکن ہم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ وہ اپنے بھائی کی تکلیف کو اپنی تکلیف کی طرح ہی محسوس کرے۔ اور ہم سب کے سب اکٹھے ہو کر بارگاہ الٰہی میں گریں اور دعا کریں کہ اے خدا تو ہماری مصائب کو دور فرما اور ظلم اور زیادتی کرنے والوں کو تو ہی سمجھ دے کہ وہ ایک خادم اسلام جماعت کی ناحق ایذا رسانی سے باز آجائیں اور تیرا خوف ان کے دلوں میں پیدا ہو کہ آج وہ اس جماعت کو تباہ کرنے کی فکر میں ہیں جو تیرے نام کو بلند کرتی اور تیرے کلام کو دنیا میں پہنچاتی ہے۔ اے خدا! ہم میں نقص اور کمزوریاں بھی ہیں۔ تو اپنے فضل سے ہماری پردہ پوشی فرما اور ہماری کمزوریوں کو دور فرما اور ہمیں اپنے دین کی خدمت کے لئے استقامت عطا فرما۔

اس کے ساتھ ہی اپنے احباب کو یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہم پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ جو بہتان امام وقت پر باندھے جاتے ہیں اور جو الزامات آپ پر لگائے جاتے ہیں۔ ان کی تردید پر پوری قوت صرف کی جائے۔ اس غرض کے لئے ایک سلسلہ انگریزی اور اردو ٹریکٹوں کا شروع کیا گیا ہے۔ جو انشاء اللہ ماہوار نکلتے رہیں گے۔ ان ٹریکٹوں کے اجرا میں ہمارے جماعت کے وہ احباب بالخصوص معاون ہوئے ہیں جن کی تنخواہوں کی پانچ فیصد تخفیف اس سال بحال ہوئی ہے۔ بعض دیگر ذی ثروت

اصحاب نے بھی شرح صدر سے اس میں حصہ لیا ہے اور بعض آسودہ حال احباب جنہیں بذریعہ خطوط تحریک کی گئی تھی اب تک خاموش ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس وقت کی انتظار میں ہیں۔ سلسلہ کے خلاف طوفان بے تمیزی انتہاء کو پہنچ چکا۔ ہمارے اس محسن کو، جس نے ہمیں باہمی جنگ وجدل کی ذلت کے گڑھے سے نکال کر اسلام کی خدمت کے عظیم الشان کام پر لگا دیا، گالیاں دی جاتی ہیں۔ ان پر جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ ان سے استہزاء کیا جاتا ہے۔ **هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ** کیا جس نے ہمیں ذلت سے نکال کر عزت کے مقام پر پہنچایا اس کی عزت کو قائم کرنا ہمارا فرض نہیں؟ کیا ہم اپنے مالوں سے محبت کر کے اپنے آپ کو بھی اور اپنے اس محسن کو بھی ذلیل کرواتے رہیں گے؟ اس سلسلہ میں میں اب ذیل کی تجاویز احباب کے سامنے رکھتا ہوں۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میری آواز پر لبیک کہہ کر یہ ثابت کر دیں گے کہ ان کے اندر اسلام اور قرآن کے عشق کی سچی روح پھونکی گئی ہے۔

اول۔ اس ٹریکٹوں کے سلسلہ کو وسیع پیمانہ پر جاری کرنے کے لئے سب احباب اپنے ماہوار چندوں کے علاوہ کچھ یکمشت یا ماہوار چندہ دیں۔

دوم۔ جہاں جہاں جماعتیں ہیں۔ ان سب میں یہ تحریک کی جائے کہ ہر ایک اس میں اپنے حسب استطاعت حصہ لے، خواہ ایک آنہ ہی ہو۔ اور ہر ایک جماعت یہ انتظام کرے کہ وہ اس کے نشر کے لئے ایک تعداد رسالوں کی انگریزی اور اردو جتنی جتنی ضرورت ہو، باقاعدہ منگوائے۔ جو خواندہ اور فہمیدہ اصحاب میں باقاعدہ اسم وار فہرستیں بنا کر تقسیم کرنے کا انتظام کیا جائے۔ ان افراد یا جماعتوں سے، جو ایسا انتظام کریں، ان ٹریکٹوں کی قیمت ایک پیسہ فی ٹریکٹ اُردو اور دو پیسے فی ٹریکٹ انگریزی وصول کی جائے گی۔

نوٹ نمبر 1۔ کسی جماعت کو آئندہ یہ ٹریکٹ مفت نہ بھیجے جائیں گے بلکہ ہر ایک جماعت خود جس قدر ٹریکٹ منگوانے کا انتظام کریں گی اسی قدر بھیجے جائیں گے۔ اگر کسی جماعت کے یا کسی کارکن کے خاص حالات ایسے ہوں کہ وہاں زیادہ ٹریکٹوں کی ضرورت ہے تو اس کی خاص منظوری انجمن میں لکھ کر حاصل کی جائے گی۔

نوٹ نمبر 2۔ جن اصحاب نے ٹریکٹوں کے سلسلہ کے لئے چندہ دیا ہے وہ چندہ ان کی جماعت کے حساب میں شامل کر دیا جائے گا۔ یا اگر وہ کسی جگہ تنہا ہیں تو وہ اپنے لئے حسب ضرورت

ٹریکٹ تقسیم کرنے کے لئے منگوا سکتے ہیں۔

سوم۔ دیہات میں اور شہروں میں دونوں جگہ آنریری مبلغین کی ضرورت ہے۔ جو خواہ اپنے وقت میں سے چند دن، ایک ماہ یا دو ماہ تبلیغ کے لئے وقف کریں اور خواہ روزانہ اپنے وقت کا کچھ حصہ ان الزامات کو دور کرنے کے لئے وقف کریں۔ ایسے آنریری مبلغین کو سفر خرچ بھی انجمن کے افسران کی منظوری کے بعد انجمن کی طرف سے دیا جائے گا اور ان کا ایک علاقہ مقرر کر دیا جائے گا اور تبلیغ کے لئے ٹریکٹوں اور اشتہاروں کے علاوہ کچھ کتابیں بھی مفت ان کو دی جائیں گی۔ تاکہ وہ جہاں ضرورت دیکھیں دلچسپی لینے والے اصحاب کو عارِیتًا دیتے رہیں۔

اس آخری شق کے متعلق میں اپنے احباب سے خاص طور پر اپیل کرتا ہوں۔ اس لئے کہ ہمارے پاس تنخواہ دار مبلغین کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ ایسے آنریری مبلغین، جہاں رہتے ہیں اپنے علاقہ میں ہی چل پھر کر کام کر سکتے ہیں یا وہ دوسرا کوئی علاقہ لے سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود کی جماعت ابتداء میں ایسے ہی آنریری کام کرنے والوں سے پھیلی۔ اس وقت تنخواہ دار مبلغ ایک بھی نہ تھا۔ جو احباب یہ کام کرنا چاہیں وہ براہ راست مجھ سے خط و کتابت کریں اور یہ بھی ساتھ لکھیں کہ وہ کس جگہ یا کس علاقہ میں کام کریں گے اور کتنے وقت کے لئے؟ میں اس بات کو پھر دوہرانا چاہتا ہوں کہ ہمیں دیہات میں کام کرنے والوں کی شہروں سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ تحریک ہر جگہ نماز جمعہ کے بعد احباب کے سامنے پیش کر کے ٹریکٹوں کی تعداد ہر جماعت اپنے لئے معین کر کے دفتر انجمن میں اطلاع دے۔ اور جو اصحاب آنریری طور پر تبلیغ کے لئے اپنا کچھ وقت دینا چاہیں۔ وہ مجھ سے براہ راست خط و کتابت کریں۔ محمد علی

نامہ برلن: دو معزز جرمنوں کا قبول اسلام۔ برلن کے تازہ خط سے معلوم ہوا کہ حال ہی دو معزز جرمنوں مسٹر فوش اور مسٹر راس نے جناب ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب امام مسجد برلن کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے۔ مسٹر فوش کا اسلامی نام وحید اور مسٹر راس کا اسلامی نام احمد رکھا گیا ہے۔ مسٹر وحید فوش 29 برس کے ایک نوجوان اخبار نویس ہیں۔ اور مسٹر احمد راس 45 برس کے ایک کامیابی تاجر ہیں۔ اول الذکر ہمبرگ اور ثانی الذکر ہنودا کے رہنے والے ہیں۔

۞۞۞

7 اگست 1935ء

ہنگامہ مسجد شہید گنج

شہداء کے پسماندگان اور مجروحیوں کی امداد کے متعلق حضرت امیر کی اپیل

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسجد شہید گنج لاہور کے حالات آپ کی نظر سے کم وبیش گزرتے رہے ہیں۔اس کے متعلق مفصل لکھنے کے لئے ابھی وقت چاہیئے۔لیکن ایک امر کو فوراً آپ کی توجہ میں لانے کی ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ اس سلسلہ میں جو لوگ شہید ہوئے ہیں یا زخمی ہوئے ہیں ان کی امداد میں ہماری جماعت بھی حصہ لے۔ میں خود اس تحریک کا خیال کر رہا تھا کہ آج ہی مجھے خان بہادر میاں غلام رسول صاحب رئیس جھنگ نے اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔اور بیس روپے اپنی طرف سے اور دس روپے اپنے فرزند میاں غلام شبیر خان صاحب کی طرف سے پیش کئے ہیں۔متمول احباب اس کارِ خیر میں دل کھول کر حصہ لیں اور غرباء بھی اپنی حسب حیثیت کچھ نہ کچھ حصہ لیں۔سب جماعتیں جمعہ کے دن یہ تحریک کر کے جس قدر رقم بھی ہو، اسے محاسب انجمن کے نام لاہور بھجوادیں۔تا کہ کل رقم اکٹھی کر کے اس کمیٹی کو، جو اس غرض کے لئے بنی ہے، دے دی جائے۔اگر سارے دوست شامل ہوں تو خواہ دو دو چار چار آنے سے بھی شامل ہوں مجموعی رقم اچھی ہو جائے گی۔اس میں شک نہیں کہ ابھی کوئٹہ کے مصیبت زدگان کے لئے تحریک ہوئی تھی۔لیکن یہ جو ہمارے گھروں کے اندر مصیبت آئی ہے، اس کی طرف بھی ہمارا توجہ کرنا ضروری ہے۔

خاکسار محمد علی

ڈلہوزی

3 اگست 1935ء

7 اگست 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

ہمارے عقائد اور ہمارا کام

اس وقت ہر ایک قوم اپنی قوت کو مجتمع کر کے اپنی بقا کے لئے کوشاں اور اپنے استحکام کی فکر میں ہے۔ مگر مسلمان اس شغل میں ہیں کہ وہ کس طرح ایک دوسرے کو کاٹ کر اپنی قوت کو کمزور کریں۔ اور جو قومیں اسلام کو مٹانا چاہتی ہیں ان کا راستہ اپنے ہاتھوں سے صاف کر دیں۔ اگر تاریخ اسلام کی ورق گردانی کی جائے تو ایسے دردناک منظر پہلے بھی بہت نظر آتے ہیں کہ جب مسلمان آپس میں اتحاد کر کے دشمن سے مقابلہ کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے باہم جنگ وجدل سے دشمن کو قوی کر کر دیا اور خود تباہ ہو گئے۔

مسلمان قوم کی بدقسمتی ہے کہ اس وقت ایک ایسے گروہ کے ہاتھ میں ان کی قیادت آ گئی ہے، جن کو اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ دنیا میں دشمنان اسلام بھی موجود ہیں۔ جو اسلام کو دنیا سے مٹانا چاہتے ہیں اور ان کے مقابلہ کی بھی ضرورت ہے۔ بلکہ ان کا منشاء صرف مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور ان کی قوت کو کمزور کرنا ہے۔ کفار اگر اسلام کو برباد بھی کریں تو وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں گے۔ بلکہ وہ صرف ان لوگوں کے ساتھ جنگ کریں گے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں!

مولوی ظفر علی خاں کا اعلان: یہ قیاس ہی قیاس نہیں بلکہ مولوی ظفر علی خاں نے اپنا اور احرار کا یہ مقصد صاف الفاظ میں شائع کر دیا ہے۔ ''زمیندار'' مورخہ 11 اکتوبر 1934ء میں انہوں نے اپنے قلم سے یہ الفاظ لکھے ہیں:

> ''قادیانیوں سے ہماری تکرار صرف اتنی ہی بات پر ہے کہ وہ اپنے آپ کو برابر مسلمان کہے جاتے ہیں۔ اگر آج وہ بھی عیسائیوں کی طرح اعلان کر دیں کہ ہم مسلمان نہیں مرزائی ہیں تو ان دشمنان دین قیم سے آئے دن الجھنے کی ہمیں ضرورت ہی پیش نہ آئے۔''

ان الفاظ پر غور کیا جائے۔ ان میں احرار اور مولوی ظفر علی خان کا چھپا ہوا عندیہ باہر نکل آیا

ہے۔ وہ قادیانیوں کی مخالفت اس لئے نہیں کرتے کہ قادیانیوں میں فلاں فلاں نقص ہیں۔ بلکہ صرف اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ وہ مسلمان نہ ہوں تو اسلام پر جتنے چاہیں حملے کریں۔ انہیں ان سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ بہائی اسلام کی جگہ بہائی مذہب کو قائم کر کے اسلام کا دنیا سے استیصال کرنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ بہائیوں کو کچھ نہ کہیں گے۔ وہ خوشی سے اسلام کے استیصال کی کوشش میں لگے رہیں! اسی طرح انہیں عیسائیوں اور آریوں سے بھی کوئی واسطہ نہیں۔ کیونکہ وہ مسلمان نہیں وہ بھی شوق سے اسلام پر حملے کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کریں۔ اسلام کو مٹانے کی کوشش کریں۔ احرار اور مولوی ظفر علی خاں کی ساری کوشش صرف یہ ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہیں، پہلے ان کو مٹانا چاہئے۔ ان کی جنگ ہمیشہ مسلمان کہلانے والوں سے ہوگی اور جو جو گروہ اسلام سے الگ ہوتا جائے گا، اس کے ساتھ انہیں کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ کیا ہی نیک غرض ہے!

ایک یوروپین مصنف کی قابل غور باتیں: 1932ء میں ایک مشہور یوروپین مصنف ایچ۔ اے۔ آر گب نے ایک کتاب ''وہدر اسلام'' لکھی ہے۔ جس کا لفظی ترجمہ ہے۔ ''اسلام کدھر جا رہا ہے۔'' اس کتاب میں اس نے مختلف اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے خیالات پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب کے خاتمہ پر دو چار ایسی باتیں لکھی ہیں جن کو میں اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے اس امید کے ساتھ رکھتا ہوں کہ وہ ان کی طرف توجہ کریں گے۔ وہ لکھتا ہے:

> ''اسلام کے سامنے نسل انسانی کی خدمت کا ایک بڑا بھاری کام ہے...... اس کے اندر وہ عظیم الشان روایت ہے جو قوموں میں باہمی سمجھوتہ اور تعاون پیدا کر سکتی ہے۔ نسل انسانی کے مختلف اور متعدد قوموں کے اندر اتحاد پیدا کرنے میں جو کامیابی اسلام کو حاصل ہوئی ہے، اس کی نظیر کسی دوسری قوم میں نہیں پائی جاتی۔ اور پھر اتحاد بھی ایسا جو مرتبہ کے لحاظ سے، موقعہ دینے کے لحاظ سے، جدوجہد کے لحاظ سے نسل انسانی میں مساوات پیدا کر دے۔ ہاں! اسلام میں اب بھی یہ طاقت ہے کہ وہ قومیت اور روایات کے ایسے پراگندہ اجزاء کو، جو باہم ملنے کے قابل نظر نہیں آتے، اکٹھا کر دے۔ اگر مشرق اور مغرب کی عظیم الشان قوموں کا مقابلہ کبھی تعاون میں تبدیل ہو

سکتا ہے تو یہ صرف اسلام کے ذریعہ سے ہی ہوسکتا ہے''

اور پھر لکھتا ہے:

''اپنی علمی واخلاقی زندگی کی تکمیل کے لئے یورپ ان طاقتوں اور استعدادوں کے بغیر نہیں رہ سکتا جو اسلامی سوسائٹی میں پائی جاتی ہیں''

اور پھر لکھتا ہے:

''مغربی تہذیب کے اس توازن کو بحال کرنے کے لئے، جو اس کی یکطرفہ (یعنی صرف مادی) ترقی کی وجہ سے جاتا رہا ہے، بحال کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اسلامی سوسائٹی کے سامنے دست سوال دراز کریں۔''

اپنی کتاب کا نام ''اسلام کدھر جارہا ہے'' رکھنے سے اس یوروپین مصنف کا منشاء تو صاف نظر آرہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسلام اپنی توجہ یورپ کی طرف کرے۔ مگر میں اپنے مسلمان بھائیوں سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا ان کے دلوں سے بھی کبھی یہ آواز اٹھتی ہے کہ مسلمان کدھر جارہے ہیں؟!

ایسے نازک وقت میں جب ساری قومیں اپنے بڑے بڑے اندرونی اختلافات کو چھوڑ کر اپنے تعمیری کاموں میں مصروف ہیں، مسلمان اپنی ساری قوت کو اپنے اندرونی جھگڑوں پر برباد کررہے ہیں اور یہ اس قوم کی حالت ہے۔ جسے آج تہذیب کا مرکز یورپ اپنی اصلاح اور اپنی مشکلات کے حل کے لئے بلا رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر ہماری خوش قسمتی اور کیا ہوسکتی ہے کہ یورپ اپنے ہاتھ ہمارے سامنے پھیلا رہا ہے اور بلند آواز سے کہہ رہا ہے کہ میری مشکلات کا حل اسلام میں ہے۔ ادھر خدا کا کلام پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۔ (1:25) کہ یہ قرآن ساری قوموں کے لئے آیا ہے اور اس پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ اسے تمام قوموں تک پہنچائیں۔ ایسی حالت میں ساری قوت قومی کو باہم جنگ وجدل پر صرف کر دینا اور نہ اسلام کی پکار کی طرف توجہ کرنا نہ اسلام کے پیاسوں کی پکار کی طرف توجہ کرنا، کیا یہ اسلام کے ساتھ دوستی ہے یا دشمنی؟! کیا مسلمانون کی مثال اس وقت ایسی نہیں کہ ایک گھر کو دشمن نے گھیرا ہوا ہو، اور اس کے رہنے والے بجائے دشمن کا مقابلہ کرنے کے آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہوں۔ مسلمانوں میں وہ درددل رکھنے والے کدھر

ہیں جو یہ غور کریں کہ اسلام کدھر بلاتا ہے اور مسلمان کدھر جا رہے ہیں؟!

صرف یہی نہیں کہ مسلمان تبلیغ اسلام کے متعلق اپنے فرض سے بالکل غافل ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قابل افسوس یہ امر ہے کہ ایک جماعت، جو اس کام کے لئے ہر طرح کی قربانیاں کرتی ہوئی اسلام کا علم تثلیث اور مادہ پرستی کے مرکز یورپ میں قائم کر رہی ہے، مسجدیں بنوا رہی ہے، قرآن کریم کو تراجم کے ذریعے سے ان لوگوں تک پہنچا رہی ہے، جنہیں آج تک تعلیم اسلام نہیں پہنچی تھی، تثلیث کے پرستاروں کا سر خدائے واحد کے آستانے پر جھکوا رہی ہے، اس کے خلاف جھوٹے پروپاگنڈا سے نفرت پھیلا کر اسے اور اس کے کام کو تباہ کرنے پر پوری قوت صرف ہو رہی ہے!

تبلیغ اسلام کا عظیم الشان کام جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے بیس سال کے عرصہ میں کیا ہے اسے آپ ایک نظر دیکھ لیں۔

1۔ تین اسلامی مشن یورپ میں کام کر رہے ہیں۔ جن سے ووکنگ مشن۔ جو 1930ء تک اسی انجمن کی زیر نگرانی کام کر رہا تھا، اب ایک علیحدہ ٹرسٹ کی صورت میں ہے۔ اور دو نئے مشن ایک ہالینڈ میں اور ایک ہسپانیہ میں کھولنے کے لئے انتظام ہو رہا ہے۔

2۔ برلن دارالخلافہ جرمنی میں ڈیڑھ لاکھ روپے کے خرچ سے ایک عظیم الشان مسجد بنوائی ہے۔

3۔ ایک مشن جاوا اسماٹرا میں عیسائیت کے مقابلہ کے لئے قائم کیا۔ جہاں پچاس ہزار فرزندان توحید تثلیث کے پرستار بن چکے تھے اور عیسائیت کی بڑھتی ہوئی رو کو روکا ہے۔

4۔ ٹرینیڈاڈ میں ایک مشن قائم کیا اور پھر وہاں کے ایک طالب علم کو یہاں کئی سال تک تعلیم دی۔ جو اب بطور خود وہاں تبلیغ کا کام کر رہا ہے۔

5۔ ہندوستان میں متعدد مقامات پر تبلیغ کے لئے مشن قائم کئے اور قریباً چار ہزار اچھوتوں کو اسلام میں داخل کیا۔

6۔ قرآن کریم کا ترجمہ تین یورپ کی زبانوں میں کیا۔ جن میں سے انگریزی اور ڈچ شائع ہو چکے ہیں اور جرمن ترجمہ طبع کے لئے تیار ہے۔

7۔ سات ہزار سے اوپر جلدیں قرآن کریم کے ترجمہ انگریزی کی اور اسی قدر سیرت نبویؐ

کے انگریزی ترجمے یورپ اور امریکہ اور ہندوستان کی مختلف لائبریریوں میں مفت پہنچائے اور لوگوں میں تقسیم کئے۔

8۔ یورپ کی بارہ سے زیادہ زبانوں میں اسلامی لٹریچر کے ترجمے کر کے انہیں یورپ کے مختلف ممالک میں مفت پھیلایا۔ کل پچیس سے زیادہ زبانوں میں اس کے اسلامی لٹریچر کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

9۔ خط وکتابت کے ذریعے سے قریباً تمام ممالک میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ جاری ہے۔

10۔ البانیہ (یورپ) میں تبلیغ کے لئے تین البانوی طالب علم یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

11۔ اس تبلیغی کام کے علاوہ مساکین و یتامیٰ کی امداد پر ایک بڑی بھاری رقم خرچ ہوتی ہے اور دو ہائی سکول جاری کئے ہوئے ہیں۔

میں ہر ایک انصاف پسند مسلمان بھائی سے اور ہر ایک دردِ دل رکھنے والے بزرگ سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا **"تعمیر اسلام کا یہ کام اسلام کی قیمتی جائداد نہیں؟** اور کیا اس کو برباد کرنے کی کوشش احمقانہ کوشش نہیں؟ **اسلام** سے دشمنی نہیں۔ جو لوگ آج اسے برباد کرنے کے درپے ہیں وہ خود سوچ لیں کہ آخر خدا کو کیا جواب دیں گے۔ کاش! اس کو برباد کرنے سے پہلے بنے ہوئے کام کو گرانے کے کوئی جواز کی وجہ وہ پیش کر سکیں۔ گو یہ بھی کوئی جواز کی وجہ نہیں۔ مگر ان لوگوں میں صرف تخریبی کام کی قوت ہے۔ تعمیری کام کی قوت نہیں۔ اگر تعمیری کام کی کوئی قوت ہوتی تو کیا وجہ ہے کہ تبلیغ اسلام کا وہ تعمیری کام، جو چند ہزار افراد کی جماعت نے کر لیا ہے، اس کا دسواں حصہ بھی بزعم خود آٹھ کروڑ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں دکھا سکتی! سواں حصہ بھی نہیں دکھا سکتی!! مانا کہ وہ قادیانیت کو اسلام کے لئے مضر خیال کرتے ہیں۔ مگر کیا اسلام کا مقابلہ اور کسی قوم سے نہیں؟ کیا عیسائیت اسلام کی سب سے بڑی دشمن نہیں۔ جو ہزار ہا نہیں لاکھوں فرزندان توحید کو تثلیث پرست بنا چکی ہے۔ چھپن ہزار قادیانی آخر کلمہ گو ہیں۔ قرآن کریم کو خدا کی آخری کتاب مانتے ہیں۔ انہی پر اپنی ساری کوشش صرف کر دینا عقلمندی نہیں۔ ان کا جھگڑا پھر بھی اسلام کا اندرونی جھگڑا ہے۔ عیسائیت، جو لاکھوں فرزندان اسلام کو گمراہ کر چکی ہے اور روپے اور لٹریچر اور مشنری قوموں کے ساتھ ہر ایک اسلامی ملک پر حملہ آور ہو رہی ہے، اس کا فکر کبھی بھول کو بھی نہیں ہوتا۔ آریہ سماج یو۔ پی کے علاقہ میں چار لاکھ مسلمانوں کو شدھ کرنے کی مدعی ہے۔ اس کا

فکر کیوں نہیں۔ اگر اسلام کی عزت کا خیال ہے تو ایک حصہ طاقت کا اندرونی جھگڑوں پر خرچ کر کے نو حصے ان اعداء اسلام کے مقابل خرچ ہونے چاہئیں جو سرے سے اسلام کو ہی مٹانا چاہتے ہیں۔ مگر بقول ایک مشہور مولوی صاحب ''پھر کھانے کو کہاں سے ملے'' گو یا خدا اسی وقت تک ان علماء کو روٹی دیتا ہے۔ جب تک یہ باہم لڑتے یا لڑاتے رہیں! لیکن جب بیرونی دشمن کے مقابلہ پر نکلیں تو خدا ان پر رزق بند کر دیتا ہے۔

قسط دوم: مطبوعہ دراشاعت 7 اگست 1935ء

ہمارے مخالفین کے بے اصولی: پھر اندرونی جھگڑا بھی کرنا ہے تو کسی اصول پر کرو۔ جو لوگ انبیاء کی طرف گناہ منسوب کرتے ہیں ان سب سے یکساں جھگڑا ہو اور اصولاً عصمت انبیاء کو قائم کرو۔ جو لوگ صحابہ کو برا کہتے ہیں ان سے جھگڑا کرو۔ جو لوگ آئمہ دین کو برا کہتے ہیں۔ ان سب سے ایک ہی جھگڑا ہو کہ سب صحابہؓ اور سب آئمہ قابل احترام ہیں۔ جو لوگ ختم نبوت کے بعد نئے نبی کو لاتے ہیں۔ ان سے اسی طرح جھگڑا کرو جس طرح ان سے کرتے ہو جو پرانے نبی کو لاتے ہیں۔ جو لوگ مسلمانوں کے ایک گروہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ ان سے وہی سلوک کرو جو دوسرے گروہ کی تکفیر کرنے والوں سے کرتے ہو۔ لیکن ان سب باتوں کو چھوڑ کر میں اپنے مسلمان بھائیوں سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ یہ سب باہمی جھگڑے تو ایک طرف رہے۔ لیکن اعدائے اسلام کے مقابل پر جو عظیم الشان تعمیری کام ہم کر رہے ہیں۔ اس کو برباد کرنے کا جواز کیا ہے؟ صرف یہ کہ ہم علماء کے خیال میں کافر ہیں۔ لیکن کافر بھی اگر خدمت اسلام کا کام کر رہا ہو تو کوئی محبّ اسلام اس کام کو برباد کرنے کا خیال دل میں نہیں لا سکتا. اور ہمارے کفر کی کوئی وجہ؟ کوئی دلیل؟ کس قدر شرمناک اور ذلیل حرکت ہے کہ وہ غلط عقائد ہماری طرف منسوب کر کے ہم پر کفر کا فتوٰی لگایا جاتا ہے، جن کی تردید ہماری طرف سے دن رات ہو رہی ہے۔ اور جن پر ہمیں قادیانی جماعت سے جھگڑتے اکیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ ان لوگوں کو تو آج دو سال سے یہ خیال آیا ہے۔ مگر ہمیں اکیس سال قادیانی جماعت کے ساتھ یہ بحث کرتے گزر گئے کہ نبوت آنحضرتؐ پر ختم ہو چکی۔ حضرت مرزا صاحب نے کبھی دعوٰی نبوت نہیں کیا۔ بلکہ مدعی نبوت کو کافر و کذاب کہا۔ مدعی نبوت پر لعنت بھیجی اور اپنی طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنے کو افتراء اقرار دیا۔ اگر ختم نبوت کے بعد نئ نبوت کی

تر دید خدمت اسلام کا کام ہے تو جو جماعت یہ کام اکیس سال سے کر رہی ہے، اس کے لئے یہ خدمت اسلام کا کام کیوں نہیں؟! اور اس کے ساتھ عداوت کیوں ہے؟

''زمیندار'' میں ایک استفتاء اور اس کے جواب میں ایک فتوٰی منجانب مفتی کفایت اللہ صاحب 5 مئی کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔

> **استفتاء۔**''میں آپ کی خدمت میں لاہوری اور قادیانی مرزائیوں کے متعلق قرآن کریم کے مطابق فتوٰی صادر فرمانے کے لئے مؤدبانہ عرض کرتا ہوں۔ یہ دونوں جماعتیں مرزا غلام احمد ساکن قادیان ضلع گورداسپور پنجاب کو اللہ تعالیٰ کا نبی مانتی ہیں۔''
>
> **جواب۔**''دونوں جماعتیں چونکہ مرزا غلام احمد کو نبی سمجھتی ہیں، اس لئے یہ دونوں جماعتیں اور مرزا غلام احمد کافر ہیں'' (دستخط حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت علمائے ہند)

مسلمانان ہند کی اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت ہوسکتی ہے کہ جمعیت علمائے ہند کا صدر صریح غلط بیانی کر کے کفر کا فتوٰی دیتا ہے۔ ہماری طرف سے لاکھوں کی تعداد میں اشتہارات اور ہزاروں کی تعداد میں کتابیں شائع ہو چکی ہیں کہ ہم حضرت مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے۔ مجدد اور محدث مانتے ہیں۔''زمیندار'' باوجود اس علم کے کہ یہ استفتاء اور فتوٰی دونوں جھوٹ پر مبنی ہیں ان کو شائع کرتا ہے۔ ہم دشمن اسلام ہی سہی۔ مگر کیا کسی اخلاقی قانون کے مطابق یا شریعت اسلامی کے مطابق دشمنان اسلام کے متعلق جھوٹ بولنا جائز ہے؟!

کبھی کہا جاتا ہے کہ ہم منافق ہیں۔ یعنی جو عقائد ظاہر کرتے ہیں وہ ہمارے اصل عقائد نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اصل عقائد ہم نے چھپا کر کہاں رکھے ہوئے ہیں۔ آخر ہماری ایک جماعت ہے۔ جو طول وعرض ہند میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہی تحریریں، رسالے، اخبارات، کتابیں، اشتہارات ہیں۔ جن کے ذریعے سے ہم اپنے عقائد اپنی جماعت تک پہنچاتے ہیں اور اگر ہماری کوئی خفیہ تحریریں ان عقائد کے خلاف ہیں تو ان کو یہ لوگ شائع کیوں نہیں کرتے؟! پھر کیا هَلْ شَقَقْتَ قَلْبَهٗ کا وعید یاد نہیں؟ کیا ہمارے دلوں کو پھاڑ کر دیکھ لیا ہے کہ ہم جو اپنے عقائد ظاہر کرتے ہیں ان کے خلاف ہمارے دلوں میں کچھ اور مخفی

ہیں! اور کیا ایک منافق جماعت ایثار اور قربانی کے وہ نمونے دکھا سکتی ہے جو یہ ایک چھوٹی سی جماعت دکھا رہی ہے۔ خدمت اسلام کا اتنا عظیم الشان کام، یورپ میں مشنوں کا قیام، مسجدوں کی تعمیر، قرآن کریم کے تر جمے، ان کی مفت اشاعت، سیرت نبوی اور تعلیم اسلام پر کتابوں کے مختلف زبانوں میں تر جمے، کیا یہ ایک کافر اور منافق قوم کے کارنامے ہیں! کیا دنیا کی تاریخ میں کوئی اور بھی کافر یا منافق قوم نظر آتی ہے۔ جس نے خدمت اسلام کا اس قدر عظیم الشان کام کیا ہو۔ اور کیا یہ کام بغیر عظیم الشان قربانیوں کے ہوسکتا ہے! تبلیغ اسلام کے لئے ایک معمولی حیثیت کا احمدی اس قدر مال دیتا ہے۔ جس کی توفیق آج بڑے بڑے رؤسا کو بھی نہیں ملتی۔ کئی اصحاب ایسے ہیں جو ایک ایک ہزار روپے سالانہ کے قریب اور بعض اس سے بھی بڑھ کر امداد دیتے ہیں۔ منافق تو وہ لوگ تھے جو منہ سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے تھے مگر خدمات اسلامی کی جب ضرورت پڑتی تو وہ ہاتھ تک نہ ہلاتے تھے۔ اس معیار پر دیکھ لو کہ کونسی جماعت منافق کہلا سکتی ہے؟ وہ جو دین اسلام کے لئے اپنا روپیہ بے دریغ خرچ کر رہی ہے۔ یا وہ جس کی زبان پر بہت کچھ ہے مگر عمل میں کچھ بھی نہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ ہم لوگ اس لئے کافر ہیں کہ ہم ظلّی، بروزی نبوت کے قائل ہیں۔ مگر کیا علماء کو اس بات سے انکار ہے کہ ظل اور بروز کے طور پر نبوت ولایت کا ہی دوسرا نام ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جس کے قائل سارے اکابر دین ہیں۔ حدیث میں تو بادشاہ کو ظِلُّ اللّٰہِ کہا ہے۔ پھر کسی کو نبی کا ظل کہنا کیوں کفر ہو گیا! اگر ایک انسان خدا کا ظل ہو کر اللہ نہیں بن جاتا تو کوئی شخص نبی کا ظل ہو کر نبی نہیں بن جاتا۔ اور ہم حضرت مرزا صاحب کی اپنی تحریرات بار بار پیش کرتے ہیں کہ آپ کا دعوٰی نبوت کا نہیں بلکہ محدثیت کا ہے۔ اور آپ نے خود اس بات کا بار بار اقرار کیا ہے کہ جہاں حدیث میں آنے والے مسیح کے لئے لفظ نبی استعمال ہوا ہے۔ یا آپ کے الہامات یا تحریرات میں ایسا لفظ آیا ہے، وہ مجاز کے طور پر ہے نہ حقیقت کے طور پر۔ اور اس سے مراد محدث ہے۔ اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ وَسُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ (ضمیمہ حقیقت الوحی صفحہ 64) یہ آپ کی آخری کتاب کا فقرہ ہے۔

کیا ہم اس لئے کافر ہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو محدث اور چودھویں صدی کا مجدد تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اگر صحیح حدیث میں یہ موجود ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد مبعوث ہوگا اور اس

حدیث کے ماتحت مجدد الف ثانیؒ جیسے مشہور بزرگ دعویٰ مجددیت کر چکے ہیں تو کیا مجدد کا ماننا وجہ کفر ہو سکتا ہے؟ یا جسے اللہ تعالیٰ نے مجدد بنا کر بھیجا ہو، اس کو رد کرنا اللہ تعالیٰ کی حکم کی نافرمانی میں داخل ہے؟ ہم تو بار بار علماء کے سامنے اس سوال کو پیش کر چکے ہیں کہ اگر حضرت مرزا غلام احمد صاحب اس صدی کے مجدد نہیں تو پھر بتایا جائے کہ مجدد کون ہے؟ اور کیا فی الواقع کوئی اور ایسا بزرگ اس چودھویں صدی کے سر پر ہوا جس نے خدمت دین اور تبلیغ اسلام کے لئے اس قدر وسیع پیمانے پر کام کیا ہو جس قدر حضرت مرزا صاحب نے کیا؟ اگر ہے تو اس کا نام بتایا جائے۔ اگر نہیں تو پھر اس شخص سے، جس نے حکم الٰہی کے ماتحت مجدد ہونے کا دعویٰ بھی کیا اور مجدد کا عظیم الشان کام بھی کر دکھایا کہ ان ممالک میں قرآن کو پہنچایا اور اسلام کی تبلیغ کی بنیاد رکھی جہاں یہ آج تک نہ پہنچا تھا۔ اور ایک عظیم الشان جماعت کو اس کام کے لئے کھڑا کر کے اپنے پیچھے چھوڑا۔ انحراف اپنے لئے بھی نقصان کا موجب ہے اور اسلام کے لئے بھی۔

کیا ہم اس لئے کافر ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود مانتے ہیں۔ لیکن اگر فی الواقع ایک مسیح کے آنے کی پیشگوئیاں حدیثوں میں موجود ہیں تو تین شقوں میں سے ایک شق قبول کرنی پڑے گی۔

پہلی شق۔ یہ کہ خود حضرت عیسیٰؑ آئیں۔ مگر علاوہ اس کے کہ قرآن شریف اور حدیث صحیح میں ان کی وفات کا ذکر صاف الفاظ میں ہے اور آج بہت سے علماء اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ جیسا کہ عوام الناس کا خیال ہے، چوتھے آسمان پر زندہ نہیں بلکہ فوت ہو چکے ہیں۔ سب سے بڑی روک جو حضرت عیسیٰؑ کے خود آنے میں مانع ہے۔ وہ ختم نبوت کی روک ہے۔ اگر آنحضرتؐ پر نبوت ختم ہو چکی ہے تو پھر کوئی نبی آپ کے بعد نہیں آ سکتا۔ نیا ہو یا پرانا۔ کیونکہ نبی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ مہر نبوت توڑے بغیر حضرت عیسیٰؑ واپس نہیں آ سکتے۔ اور مہر نبوت ٹوٹ نہیں سکتی۔ پس یہ شق قابل قبول نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ خود واپس آئیں گے۔

دوسری شق یہ ہے جیسا کہ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا خیال ہے کہ مسیح کے اس امت میں آنے کا خیال اسلامی خیال نہیں۔ بلکہ یہودیوں یا مجوسیوں سے لیا ہوا خیال ہے۔ تو اس صورت میں بخاری اور مسلم اور دیگر صحاح ستہ کی کتابیں جو سب اس قسم کی پیشگوئیوں سے بھری پڑی ہیں۔ ان تمام پر سے امن اٹھ جاتا ہے کہ نعوذ باللہ یہ احادیث کے مجموعے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں نہیں بلکہ یہودی اور

مجوسی خیالات کا عکس ہیں۔ اور یہ حدیث پر وہ حملہ ہے جو دشمنان اسلام نے بھی نہیں کیا علاوہ ازیں انہی احادیث میں یاجوج ماجوج اور دجال کے متعلق اور دوسرے آخری زمانہ کے فتن کے متعلق وہ کثیر تعداد پیشگوئیوں کی ہے، جنہیں ہم آج اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھ رہے ہیں اور جو ہمارے لئے ازدیاد ایمان کا موجب ہیں، ان سب کو بھی رد کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ان دونوں قسم کی پیشگوئیوں کی صداقت ایک دوسری سے وابستہ ہے۔ اس لئے مسیح کے آنے کی پیشگوئیوں کو یہودی یا مجوسی خیالات کا عکس قرار دے کر رد کرنا اسے کوئی مسلمان قبول نہیں کر سکتا۔

تیسری اور آخری شق یہ ہے کہ آخری زمانہ کے متعلق یہ پیشگوئیاں فی الواقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں ہیں جن کا ایک کثیر حصہ پورا بھی ہو چکا۔ لیکن ان کی صحیح تاویل یہ ہے کہ جس وقت مسلمانوں پر ایسی حالت آ جائے گی، جیسے یہود پر حضرت عیسٰیؑ کے زمانہ میں آ گئی تھی، تو اس وقت اس امت کا ایک مجدد، جس کو حضرت مسیح کے ساتھ مماثلت ہوگی، اس امت میں ظاہر ہوگا اور روحانی قوت اور دلائل کے ذریعہ سے دین اسلام کو دنیا میں غالب کرے گا۔ اور ان مسیحی قوموں کے اندر، جو دجال اور یاجوج ماجوج کی مصداق ہیں، نور اسلام کو پھیلائے گا۔ ع

چوں مرا نورے پئے قومِ مسیحی دادہ اند مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند

اگر ہم نے اس شق کو قبول کر لیا۔ جس کے سوائے اور کوئی شق قابل قبول ہی نہیں۔ تو کون سا گناہ کیا؟! اور ایک مجدد کو مسیح کی پیشگوئیوں کا مصداق سمجھنے کی وجہ سے ہم کس دلیل سے کافر ہو گئے۔ بلکہ اس کے برعکس کیا وہ لوگ الزام کے نیچے نہیں، جو نہ ختم نبوت کی پروا کرتے ہیں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پیشگوئیوں کو کوئی وقعت دیتے ہیں۔

قسط سوم (آخری): مطبوعہ در اشاعت <u>7 اگست 1935ء</u>

مفتی کفایت اللہ صاحب نے ایک وجہ ہمارے کفر کی یہ بھی قرار دی ہے کہ ہم حضرت مرزا صاحب کو اس زمانہ کے لئے واجب الاطاعت امام مانتے ہیں۔ لیکن اگر ہر زمانہ میں امام پہلے بھی پیدا ہوتے رہے ہیں اور ان کو ماننے کی وجہ سے آج تک کوئی فرقہ کافر نہیں بنا تو یہ ہمارے کفر کی وجہ کس طرح ہو گئی۔ بلکہ حدیث میں تو آتا ہے کہ **مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مَیْتَۃَ الْجَاهِلِیَّۃِ**

جوشخص امام زمانہ کو نہ پہچانے اوراس کی موت اسی حالت میں ہو جائے تو وہ صحیح علم سے محروم رہ جائے گا اور یہ درست بھی ہے۔اگراس امت کے اندر آئمہ کا آنا خدائی انتظام ہےتو وہ آئمہ اپنے زمانہ کے مطابق نئے علوم لے کرآتے ہیں۔ان سے جاہل رہنا کوئی خوبی کی بات نہیں۔علاوہ ازیں ہم تمام آئمہ کوقرآن کریم کی اس آیت کے ماتحت واجب الاطاعت مانتے ہیںوَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ (59:4)اللہ کی اطاعت کرو۔اوررسول اللہ کی اطاعت کرواورآئمہ کی اطاعت کرو۔لیکن اگرکسی امر میں تنازعہ کی صورت ہوتو پھر اسے قرآن وحدیث کی طرف لوٹاؤ۔یعنی آئمہ قرآن وحدیث کے ماتحت واجب الاطاعت ہیں اور یہی مسلک تمام اکابر اہل سنت کا ہے۔جیسا کہ خود حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی ہے۔اُتۡرُکُوۡا قَوۡلِیۡ لِقَوۡلِ رَسُوۡلِ اللّٰہَ حدیث کے سامنے میرے قول کو چھوڑ دو۔ایسا ہی ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کوقرآن وحدیث کے ماتحت امام مانتے ہیں۔رہی یہ بات کہ علماءحضرت مرزا صاحب پرطرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں، سوان اعتراضوں سے اس امت میں کون بچا ہے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ اورحضرت عمر فاروقؓ سے لے کرآج تک کوئی بزرگ نہیں جن کو بُرا نہیں کہا گیا۔ بلکہ صحابہؓ کو گالی دینا تو مسلمانوں کے ایک گروہ میں آج تک ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے۔کسی امام کو کوڑے لگوائے گئے۔کسی کو جیل خانہ میں ڈالا گیا۔کسی کو اورطریقوں سے رسوا کیا گیا۔حضرت مرزا صاحب نے توہین انبیاءنہیں کی۔آپ تمام انبیاءؑ پرایمان لاتے تھے اورکوئی قرآن شریف پر ایمان رکھ کر توہین انبیاءکس طرح کرسکتا ہے! آپ نے جہاد کا حکم منسوخ نہیں کیا۔بلکہ صاف طور پرلکھا ہے کہ قرآن کریم کا ایک حرف اورایک شوشہ تا قیامت منسوخ نہیں ہوسکتا۔آپ نے ہمیں سوائے اس کے کوئی تعلیم نہیں دی کہ قرآن شریف پرایمان لاؤ اوراس کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤ۔

کافرکون ہے اورمسلمان کون؟: ہم خدا کی توحید کے قائل،محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل،قرآن کے ایک ایک حرف اورایک ایک شوشہ پر ہماراایمان،ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے قائل،اس بات کے قائل کہ آپؐ کے بعد نیا نبی آسکتا ہے نہ پرانا۔اورجوشخص آپ کے بعد نبوت کا دعوٰی کرے وہ کافر وکذاب ہے۔ہم ان تمام عقائد کے قائل ہیں جواہل سنت والجماعت کے

نزدیک مسلم ہیں۔ ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے۔ خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ ہم تمام صحابہؓ اور تمام بزرگانِ دینؒ اور تمام آئمہؒ کا احترام کرتے ہیں۔ خواہ وہ اہل سنت کے امام ہوں یا اہل تشیع کے۔ ان عقائد کے رکھتے ہوئے، اور اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانا اپنی زندگیوں کا مقصد قرار دیتے ہوئے، تثلیث کے مرکزوں میں مسجدیں بناتے ہوئے، قرآن کریم کے ترجمے کر کے ان مقامات میں پہنچاتے ہوئے، جہاں آج تک یہ پیغام حق نہیں پہنچا، ان عقائد اور اس کام کے ساتھ ہم کافر! اور حضرت عیسٰیؑ کو دو ہزار سال سے زندہ بجسدہ عنصری آسمان پر بٹھا کر الآن کما کان کا مصداق بنا کر، اور خالق کی صفات میں شریک ٹھہرا کر اور حضرت عیسٰیؑ ایک نبی اللہ کو ختم نبوت کے بعد لا کر اور ختم نبوت کے عملاً منکر ہو کر، تبلیغ اسلام کے فریضہ سے قطعاً بے پرواہ رہ کر، انبیاءؑ کو طرح طرح کے گناہوں کے مرتکب ٹھہرا کر، قرآن کریم کی کئی سو آیات کو منسوخ سمجھتے ہوئے، اسلام کے بزور شمشیر پھیلنے کی تائید کرتے ہوئے اور کلمہ گوؤں کی تکفیر کرتے ہوئے، بلکہ بعض ان میں سے صحابہؓ کو مرتد اور منافق ٹھہراتے ہوئے، یہ مسلمان اَلَیۡسَ مِنۡکُمۡ رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ. وہ دشمن جس کے مقابل پر ہم کھڑے ہیں، وہ دشمن جو توحید کو مٹا کر تثلیث قائم کرنے کے لئے نکلا اور ہم نے اس کے گھر میں جا کر اللہ اکبر کی آواز بلند کی اور سینکڑوں عظیم الشان انسانوں کو حلقہ بگوش اسلام بنایا، وہ بھی ہماری قوت اور کام کو محسوس کرتا ہے۔ ایک نظر اس کے اعتراف پر بھی ڈالئے اور اندھا دھند مخالفت کو چھوڑ کر خدا اور رسولؐ کے کام میں ہمارا ساتھ دیجئے۔ وہ لکھتا ہے:

☆ ''تحریک احمدیت حقیقتاً ایک اشاعت اسلام کی سوسائٹی بن گئی ہے۔ اگرچہ پُرانے خیال کے علماء اب تک اسے شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ (وہدر اسلام ص 535)

☆ ''مسلمانوں میں فرقہ داری کی روح جو عام طور پر سرایت کر گئی ہے۔ اس میں ایک دلچسپ استثناء احمدی ہیں۔ وہ صرف مذہبی اشاعت پر سارا زور صرف کرتے ہیں اور سیاسیات سے الگ رہتے ہیں...... اس بارے میں موجودہ اسلام میں یہ ایک قابل ذکر گروہ ہے۔ اور یہ ایک ہی گروہ ہے جس کے مقاصد محض تبلیغی ہیں...... ان کی توجہ زیادہ تر اس بات کی اشاعت میں مرکوز ہے کہ اسلام ہی صرف ایک مذہب ہے جو عقل اور فطرت کے مطابق ہے۔ یورپ میں عیسائیت کی نازک حالت سے انہیں

بہت سا ایسا سامان مل جاتا ہے جس سے وہ اس مذہب کی عیب جوئی کرتے اور اسلام کی بہت تعریف کرتے ہیں۔'' (مسلم ورلڈ جلد 21 صفحہ 170۔ پادری کریمر)

☆''اس کو اسلام کے ماحول سے الگ کر کے دیکھا جائے تو یہ تحریک صرف ایک زیادہ وسیع الخیال اسلام کے رنگ میں نظر آتی ہے۔ اس خصوصیت کے ساتھ کہ اس میں اشاعت کی روح صاف دکھائی دیتی ہے۔'' (اسلام ایٹ دی کراس روڈز صفحہ 108)

☆''احمدیہ فرقہ کی تاریخ اس سے بالکل مختلف ہے جو پنجاب میں پیدا ہوا۔ اور جو ایک حد تک وہاں عیسائی پادریوں کی کارروائیوں کا ردعمل ہے......اسلام میں صرف ایک ہی فرقہ ہونے کے لحاظ سے، جس نے انگلستان میں اسلام کو پھیلانے کی کوشش کی ہے، یہ خاص طور پر دلچسپ ہے۔ اپنے عام میلان میں یہ (ملانوں کے) پرانے خیالات اور نیچریوں کے محض عقل پر مبنی خیالات کے بین بین ایک درمیانہ راستہ اختیار کرتا ہے۔'' (ایضاً صفحہ 99-100)

☆''اس وقت احمدی دنیا میں سب سے زیادہ اسلام کی اشاعت کرنے والی قوم ہے۔'' (انڈین اسلام صفحہ 217)

☆''احمدیت اس بات کا فیصلہ کر چکی ہے کہ پیغمبرؐ کے کیرکٹر کو ہر ایک الزام سے پاک ثابت کرے'' (انفلوئنس آف اسلام صفحہ 109-110)

☆''اس کے پیرو تحریر اور تقریر کے ذریعہ سے عیسائی عقائد کے مقابلہ سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوتے'' (وہدر اسلام صفحہ 88)

☆''یہاں سے شائد مشرقی لوگوں میں ایک نئی طاقت پیدا ہو سکتی ہے جو اسلام کے موجودہ تنزل کو روک دے بلکہ اس کو ترقی کی صورت میں تبدیل کر دے۔ اگر یورپ اسی راستہ پر چلتا رہا جس پر وہ اس وقت چل رہا ہے'' (وہدر اسلام صفحہ 309)

☆''ان میں ایسا خلوص اور جوش اور ایثار پایا جاتا ہے جو سچائی کے ساتھ قابل تعریف ہے۔ باوجودیکہ وہ دِق کرنے والے اور سخت جارحانہ ہتھیار استعمال کرتے

ہیں‘‘ (پادری کریمر رسالہ مسلم ورلڈ جلد 21)

☆’’غالباً سب سے زیادہ کامیاب عیسائی مشنری کام جو کسی ملک میں ہو رہا ہے وہ ایران میں ہے......ایک اس زمانہ کا مصنف لکھتا ہے کہ ایران میں اسلام خود بخود تنزل کی طرف جا رہا ہے اور کوئی وقیع کوشش اس کی اصلاح کی نہیں ہو رہی۔ مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی خوف ظاہر کرتا ہے کہ احمدیت کے پروپاگنڈا کی یہاں ابتداء ہو گئی ہے۔‘‘ (پیپل آف دی ماسک صفحہ 172)

☆’’یورپ میں عیسائیت کی نازک حالت سے انہیں بہت سا ایسا سامان مل جاتا ہے جس سے وہ اس مذہب کی عیب جوئی کرتے اور اسلام کی بہت تعریف کرتے ہیں...... اپنی سخت جارحانہ کارروائی میں وہ عیسائیت سے وہی سلوک کرتے ہیں جو اکثر اوقات میں عیسائیت نے اسلام سے کیا ہے۔‘‘ (پادری کریمر۔ مسلم ورلڈ جلد 2 صفحہ 170)

☆’’دوسری طرف یہاں ہم عیسائیت کے خلاف نئے سے نیا اور نہایت ہی جارحانہ پروپاگنڈا پاتے ہیں جو کبھی دنیا میں پیدا ہوا ہو۔ اور یہاں سے ایک عالمگیر نظام بیرونی مشنوں کا قائم کیا گیا ہے۔‘‘ (انڈین اسلام صفحہ 219)

☆’’اس قسم کی تحریکات، جیسے احمدیت ہے، اپنی مضبوط اخلاقی طاقتوں اور گہرے مذہبی خیالات کے ساتھ ایک خاص اثر ان حدود سے آگے نکل کر ڈال رہی ہیں۔ جو اب تک اسلام کی حدود سمجھی جاتی تھیں۔‘‘ (وہدر اسلام صفحہ 309)

☆’’اس تحریک کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اس نے موجودہ حالات کے مطابق ایک نیا علم کلام بھی پیدا کر لیا۔ جو اگرچہ ابھی تک مغربی دلائل کی اصطلاحات پر پورے طور پر قادر نہ ہوا ہو۔ تاہم ایسا نہیں کہ اپنی طرف توجہ کو نہ کھینچ لے‘‘ (وہدر اسلام صفحہ 353)

☆’’اسے اس بات کا یقین ہے کہ یہ مغربی اقوام کو اپیل کر سکتی ہے۔ ایسی اپیل جو اس وقت بھی ایک حد تک کامیاب ہو چکی ہے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ یہ کامیابی کوئی بہت بڑی نہیں تو یاد رکھنا چاہئے کہ خود ہندوستان میں بھی، جہاں اب مسلمان قوم اس

کثرت سے ہے کہ دوسرے کسی ملک میں نہیں، اشاعت اسلام کی ابتداء نہایت آہستہ ہوئی تھی'' (اسلام ایٹ دی کراس روڈ زصفحہ 108)

☆''احمدیت دو حصوں پر تقسیم ہوگئی...... لاہور کی جماعت، جو زیادہ کام کرنے والی ہے، اس نے فیصلہ کیا کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ مغربی دنیا کے سامنے اسلام پیش کرنے میں کہاں تک کامیابی ہوسکتی ہے...... (ترجمہ قرآن) انگریزی کی ایڈیشن جو 1916ء میں شائع ہوئی ہے، ایک نئی روشنی کے آدمی کی تصنیف ہے، جو ابھی تک خاصہ متعصب ہے...... اس احمدیہ ترجمہ کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ مقامات جن پر اعتراض ہوتا ہے انہیں صاف کیا جائے...... دوسرے مترجم نے یہ ثابت کرنے کے لئے بڑا زور لگایا ہے کہ اسلام ایک بہت بلند مذہب ہے۔ تیسرے وہ مسیحؑ کے مذہب کو ناقص ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔'' (انفلوئینس آف اسلام صفحہ 109)

☆''لاہور کی جماعت، جو اصل قوم سے الگ ہوگئی ہے اس وجہ پر، کہ وہ بانی سلسلہ کو محض مجدد تسلیم کرتے ہیں نہ کہ نبی، وہ اسلامی رائے عامہ کو زیادہ پسند ہے۔ ان کا اثر اس سے بہت زیادہ وسیع ہے جو ان کی تعداد سے قیاس ہوسکتا ہے۔ ان کے اسلام سے دفاع اور اس کی حفاظت کو بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان قبول کرتے ہیں کہ یہی ایک صورت ہے جس میں وہ عقلی رنگ میں اسلام کے وفادار رہ سکتے ہیں'' (پادری کریمر۔ مسلم ورلڈ جلد 2)

دشمن کے ان الفاظ پر غور کریں اور سوچیں کہ کیا اس جماعت کی قوت میں اسلام کی قوت اور اعداء اسلام کی کمزوری نہیں۔ کاش! ہمارے مسلمان بھائی آنکھیں بند کر کے اس جماعت کی مخالفت کرنے کے بجائے اس کے اندر شامل ہو کر اسے قوت دیتے، تو جہاں یورپ میں آج تین مشن نظر آتے ہیں، وہاں تیس اسلامی مشن ہوتے۔ جہاں ایک یا دو مسجدیں ہیں وہاں بیسیوں مساجد نظر آتیں۔ جہاں چند سو حلقہ بگوشان اسلام ہیں وہاں ہزاروں کی تعداد میں ہر ملک میں ہوتے۔ جہاں دو جگہ سے اللہ اکبر کی آواز اٹھتی ہے، وہاں یورپ کے ہر ملک اور عیسائیت کے ہر مرکز سے یہ آواز اٹھتی۔ خوب سوچ لیں کہ ہم وہی عقائد رکھتے ہوئے جو اہل سنت والجماعت کے عقائد ہیں۔ مگر ختم نبوت کو صحیح معنوں میں

مانتے ہوئے اور اتحاد اسلام کو صحیح رنگ میں قائم کرتے ہوئے اور اسے کلمہ گوؤں کی تکفیر سے پاک کرتے ہوئے تبلیغ اسلام کا جو کام کر رہے ہیں، وہ کس قدر قیمتی ہے۔ آپ بھی اس جماعت کے اندر شامل ہو کر اپنے وجود کو اسلام کے لئے مفید بنائیں۔ تاکہ کل کو جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں تو دل میں یہ راحت ہو کہ ہم نے جہاں تک ہماری طاقت تھی اس کے دین کو دنیا میں پہنچانے کی کوشش کی۔ پھر غور کر لیں کہ اس جماعت میں شامل ہونے سے نقصان کسی چیز کا نہیں۔ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اور ہم خدمت اسلام کے مفید ترین کام میں لگ جاتے ہیں۔

7 ستمبر 1935ء

امام ابن تیمیہؒ اور عقیدہ وفاتِ مسیحؑ

حضرت مسیح موعود پر بیجا اعتراض۔ مولوی شہاب الدین صاحب کے چیلنج کا جواب

اخبار ''زمیندار'' مورخہ یکم ستمبر 1935ء میں ایک مضمون بعنوان ''قادیانی کا آئمہ اسلام پر بہتان'' از قلم علامہ شہاب الدین خطیب جامع مسجد چوبر جی لاہور شائع ہوا ہے۔ جس میں علامہ صاحب نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت مسیح موعود کا امام ابن تیمیہؒ کی نسبت یہ کہنا، کہ امام صاحب وفاتِ مسیحؑ کے قائل تھے، ان پر افتراء کرنا اور بہتان باندھنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

> ''آج ہم حسب وعدہ غلام احمد قادیانی کی اس کذب بیانی کی طرف ناظرین کو پھر توجہ دلاتے ہیں جو اس نے آئمہ اسلام کے حق میں کی ہے۔ اس نے اپنی کتاب ''سرالخلافت'' میں لکھا ہے کہ یہ حضرات بھی میری طرح حضرت مسیح کی موت کے قائل تھے۔ منجملہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا نام بھی لیا ہے۔ اور نہایت عیاری سے لیا ہے۔ کہتا ہے۔ **وقد سمعت انّ ابن تیمیة وابن القیم وغیر هما کانوا مقرین بموت عیسٰی علیه السلام مع هٰذا کانوا ینتظرون بنزول عیسٰی**

اس کے بعد مولوی صاحب نہایت ہی نامناسب زبان میں حضرت مسیح موعود کی نیت ودیانت پر حملہ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ کی کتاب الجواب الصحیح سے ایک طویل حوالہ نقل کرتے ہیں۔ اور بعدازاں جماعت احمدیہ کو مخاطب کرتے ہوئے نہایت تعلّی سے فرماتے ہیں:

> ''تمہیں اہل علم کے سامنے ایسا استدلال کرنے سے شرم آنی چاہئیے کہ فلاں فلاں حضرت مسیحؑ کی موت کے قائل تھے۔ ساڑھے تیرہ سو سال کے اندر اندر ایک آدمی کا نام تو لو جس کو امت نے امام کے نام سے پکارا ہو۔ اور اس نے حضرت عیسٰی کے حق میں ''مَاتَ'' بلفظ ماضی کہا ہو۔ امام بخاری اور امام مالک کے نام لے کر جو تمہیں دھوکہ ہو رہا ہے، انشاءاللہ ہم کسی فرصت میں ان حضرات کا حضرت مسیح کی زندگی کا قائل ہونا اور مرزا کا کاذب ہونا ثابت کریں گے۔ جس طرح آج ابن تیمیہ کا قائل ہونا ثابت کیا

ہے۔ اگر کسی مرزائی کے پاس کوئی دلیل ہے تو قلم اٹھانے کی کوشش کرے۔''

حضرت مسیح موعود کی راستبازی: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر بفرض محال امام ابن تیمیہؒ کی کسی تصنیف سے یہ ثابت نہ بھی ہو کہ وہ وفات مسیحؑ کے قائل تھے تو بھی حضرت مسیح موعود کی ذات الزام سے بری ہے۔ کیونکہ انہوں نے صاف فرمایا ہے ''قَدْ سَمِعْتُ ''میں نے ایسا سنا ہے۔''اس زمانہ میں جبکہ حضرت مرزا صاحب نے دعوٰی کیا ہے، امام ابن تیمیہؒ، ابن قیم اور دوسرے ایسے بزرگوں کی تصانیف، جیسا کہ خود مولوی شہاب الدین صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے، ہندوستان میں قریباً مفقود تھیں۔ اور یہ کتب بہت بعد میں لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچی ہیں۔ چنانچہ ابن تیمیہ کی جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یعنی الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح 1322ھ میں مصر میں شامل ہوئی ہے اور ''سر الخلافۃ'' جس سے حضرت مسیح موعود کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس سے دس سال قبل 1312ھ میں شائع ہوتی ہے۔ اسی لئے آپ نے نہایت دیانتداری سے صاف طور پر لکھ دیا کہ انہوں نے ایسا سنا ہے۔ مولوی صاحب کے نزدیک یہ ان کی معاذ اللہ عیاری اور چالاکی تھی۔ لیکن فی الحقیقت یہ ان کی راستبازی کا نشان ہے کہ جو اصل حقیقت تھی آپ نے اسی قدر ظاہر کی۔ مولوی صاحب کا یہ فرمانا، کہ کوئی بات بلا تحقیق بیان کر دینا کافی جھوٹ ہے، اس جگہ چسپاں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خود، جیسا کہ مولوی صاحب کو تسلیم ہے، تحقیق کا سامان ہی موجود نہ تھا۔ البتہ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت اقدس کے حلقہ بگوشان میں خدا کے فضل سے بڑے بڑے متبحر عالم بھی تھے۔ اور ایسے بھی تھے جنہوں نے بلاد اسلامیہ کی سیاحت کر کے کئی نادر الوجود اور قیمتی کتب کا مطالعہ کیا ہوا تھا، اس لئے ممکن ہے کسی بزرگ نے امام ابن تیمیہ کی تصانیف پڑھی ہوں اور انہوں نے حضرت مسیح موعود کے پاس یہ روایت کی ہو۔ اور آپ نے ایک راستباز شخص کی زبانی سن کر یہ روایت نقل کر دی ہوں، جو کسی طرح بھی نامناسب نہیں۔

امام ابن تیمیہؒ کی طرز استدلال: اب ہم امام صاحب کی اصل کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے اس کتاب میں عیسائیوں کے غالیانہ عقائد کا رد لکھا ہے۔ اور آپ کا طریق یہ ہے کہ پہلے آپ عیسائیوں کا ایک عقیدہ یا اعتراض نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی تائید میں عیسائی جتنی آیات قرآنی پیش کر سکتے ہیں، ان کو نقل کرتے ہیں اور عیسائیوں کی طرف سے استدلال مکمل کر لینے کے بعد وہ

خود ان دلائل کا رد کرتے ہیں، اور اس کی تائید میں آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ پیش کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ غلط ہے اور ان کا اعتراض قرآن مجید پر بیجا ہے۔ کیونکہ قرآن سے ان کے عقیدہ الوہیت مسیحؑ کی تائید نہیں ہوتی۔ مثلاً عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ چونکہ مسیحؑ کی روح القدس سے تائید کی گئی، اس لئے یہ ان کی الوہیت کی دلیل ہے۔ اس عقیدہ کو امام صاحب بیان کریں گے اور اس کی تائید میں جو آیات قرآنی عیسائی پیش کرتے ہیں، ان کو نقل کریں گے اور بعد ازاں اس کا رد لکھیں گے کہ یہ کوئی مسیحؑ کی خصوصیت نہ تھی بلکہ دوسرے انبیاءؑ کو بھی روح القدس سے تائید بخشی گئی۔ اور خود نصارٰی کی کتب سے ثابت کریں گے کہ حضرت داؤد علیہ السلام و دیگر انبیاءؑ کو روح القدس دی گئی۔

حوالہ زیر بحث: حوالہ زیر بحث، جو مولوی شہاب الدین صاحب نے پیش کیا ہے، ''الجواب الصحیح'' جلد دوم میں صفحہ 283 پر ہے۔ صفحہ 277 پر ایک نئی فصل شروع ہوتی ہے۔ جس کی ابتداء عیسائیوں کے اس اعتراض سے کی گئی ہے کہ چونکہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ **اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ** (171:4)۔ اس لئے اس سے عیسائی عقیدہ کی تائید ہوئی کہ مسیحؑ ایک لحاظ سے انسان تھے۔ کیونکہ وہ مریمؑ کے ہاں پیدا ہوئے اور ایک لحاظ سے خدا تھے۔ کیونکہ ان میں خدا تعالیٰ کی روح تھی۔ پھر اس عقیدہ کی تائید میں عیسائیوں کی طرف سے اور جو آیات پیش کی جاتی ہیں ان کو نقل کیا گیا ہے۔ مثلاً **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** (157:4)، **يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** (55:3)، **وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا. بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** (157:4-158) اور ان تمام آیات سے عیسائیوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ انسان ہونے کے لحاظ سے ان پر موت آئی لیکن ان کی لاہوتی صفات قائم رہیں اور وہ بدستور خدا کے خدا رہے۔ **نقول انّ المسيح صلب وتألم بنا سوته ولم يصلب ولا تألم بلا هوته.**

یہ تمام اعتراض نقل کرنے کے بعد امام صاحب اس کا جواب شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ کہنا، کہ مسیح علیہ السلام میں از روئے قرآن لاہوتی اور ناسوتی دونوں قسم کی صفات پائی جاتی تھیں، ایک کذب صریح ہے اور پھر اس کی تردید میں مندرجہ ذیل آیات قرآنی پیش کرتے ہیں:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ

شَيْـئًـا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْـلِكَ الْـمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا (17:5)۔لَقَدْ كَـفَـرَ الَّـذِيْـنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰيهُ النَّارُ وَمَالِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ. لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (73-72:5)،مَاالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (75:5)،وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْزُ ۨابْـنُ الـلّٰـهِ وَقَـالَـتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّـذِيْـنَ كَـفَـرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ. اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (31-30:9) ان تمام آیات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ مسیحؑ محض ایک نبی اور رسول تھے۔ جس طرح ان سے پہلے انبیاءؑ گزر چکے تھے۔ اور مسیحؑ نے ہمیشہ خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم دی تھی اور اپنی قوم کو شرک سے بچنے کی تلقین کی تھی۔ پس ان کی طرف خدائی کو منسوب کرنا اور یہ کہنا کہ ان کے اندر لاہوتی صفات پائی جاتی تھیں ایک کھلا جھوٹ ہے اور قرآن مجید سراسر اس کی تردید کرتا ہے۔

امام صاحب کا عقیدہ در بارہ وفات مسیحؑ: اس کے بعد امام ابن تیمیہؒ اس آیت کی تفسیر بیان فرماتے ہیں وَاِذْ قَالَ الـلّٰـهُ يٰعِيْسَى ابْـنَ مَـرْيَـمَ ءَ اَنْـتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ .... فَلَـمَّـا تَـوَفَّيْتَـنِـىْ كُـنْـتَ اَنْـتَ الـرَّقِيْـبَ عَـلَيْهِـمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ (117-116:5) لکھتے ہیں ''فاخبر عن المسيح انه لم يقل لهم الاما امره اللّٰه به بقوله ان اعبدوا اللّٰه ربی وربکم و کان عليهم شهيدا مادام فيهم وبعد وفاته کان اللّٰه الرقيب عليهم فاذا کان بعضهم قد غلط فی النقل عنه اوفی تفسير کلامه اوتعمّد تغير دينهٖ لم يکن علی المسيح عليه السلام من ذالک درک وانّما هو رسول اليه البلاغ المبين.''

ترجمہ: ''پس اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ کی نسبت خبر دی ہے کہ اس نے لوگوں کو صرف وہی کہا تھا جو اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تھا۔ جیسا کہ اس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور وہ (مسیحؑ) ان پر گواہ رہا جب تک وہ ان کے درمیان رہا اور **اس کی وفات کے بعد** اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں پر نگہبان تھا۔

پس اگر کسی نے مسیحؑ سے بات نقل کرنے میں غلطی کی ہو یا ان کے کلام کی تفسیر میں غلطی کی ہو یا جان بوجھ کر ان کے دین میں تغیر وتبدل کیا ہو تو مسیحؑ کسی طرح اس کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ وہ تو صرف ایک رسول تھے اور ان کا کام صاف صاف پیغام پہنچا دینا تھا'' (دیکھو الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح جلد دوم صفحہ 280)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ مولوی شہاب الدین صاحب کی نظر سے نہیں گزرے۔ ورنہ وہ ''زمیندار'' میں اتنا لمبا چوڑا مضمون لکھنے کی زحمت گوارا نہ کرتے۔ اور اس تعلّی سے جماعت احمدیہ کو چیلنج نہ کرتے کہ اگر کسی مرزائی کے پاس کوئی دلیل ہے تو قلم اٹھانے کی کوشش کرے۔ کس قدر صفائی اور خوبصورتی سے اس آیت کی تفسیر نے مسئلہ کو حل کر دیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ وفات مسیح کے قائل تھے۔ کیونکہ امام صاحب اس آیت کو بطور دلیل پیش کر رہے ہیں کہ الوہیت کو مسیحؑ کی طرف منسوب کرنا ان پر (حضرت مسیح پر) افتراء کرنا ہے۔ کیونکہ مسیحؑ تو بقولہ تعالیٰ یہی تعلیم دیتے رہے کہ ''اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔'' اور یہ مسئلہ، کہ مسیحؑ اور اس کی والدہ بھی خدا ہیں، مسیحؑ کی وفات کے بعد وضع کیا گیا۔ جس کی ذمہ داری مسیحؑ پر عائد نہیں ہوتی۔ پس ثابت ہو گیا کہ امام ابن تیمیہ دیگر بہت سے آئمہ اسلام کی طرح وفات مسیح کے قائل تھے۔ اور مولوی شہاب الدین کا یہ کہنا ''قادیانی نے آئمہ اسلام پر بہتان باندھا ہے بذات خود ایک بہتان وافتراء ہے۔

دوسرے مقامات کے حوالے: اس کے علاوہ اور بھی مقامات پر امام صاحب کی تحریروں سے وفات مسیحؑ کے عقیدہ کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ الجواب الصحیح کی جلد اول کے صفحہ 121 پر، جہاں تصاویر واصنام کی عبادت کی بحث ہے، امام صاحب نے صحیحین کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ **انّہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قَالَ فی مرض موتہٖ لعن اللّٰہ الیھود والنصارٰی اتّخذوا قبور اَنۢبیائھم مساجد.** یعنی رسول کریمؐ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو یہود ونصارٰی پر، جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔ اب اگر نصارٰی کے پیغمبر حضرت مسیحؑ آسمان پر بیٹھے ہوں اور وفات پا کر قبر میں مدفون نہ ہو گئے ہوں تو یہ حدیث جھوٹی ٹھہرتی ہے۔ پس اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیحؑ بھی وفات پا کر مدفون ہو چکے ہیں۔ اور امام صاحب، چونکہ اس حدیث کو اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں، اس

لئے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی نبی نصاریٰ یعنی حضرت مسیحؑ کی وفات کے قائل تھے۔

پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبییّن ہونے کا ذکر فرماتے ہوئے امام صاحب لکھتے ہیں **فلما کان محمد صلّی اللّٰه علیه وسلّم خاتم النّبییّن ولم یکن بعدہٗ رسول.** کہ جب محمدؐ خاتم النبییّن ہیں اوران کے بعد کوئی رسول نہیں آ سکتا۔اس تحریر کو بھی وفات مسیح کے عقیدہ کے اثبات میں بطور دلیل پیش کیا جا سکتا۔کیونکہ رسول کریمؐ کی ختم نبوت اور مسیحؑ کی حیات اور دوبارہ آمد ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

علاوہ ازیں وفد نجران کا ذکر لکھتے ہوئے امام صاحب حضرت نبی کریمؐ اور عیسائیوں کے مکالمہ کے الفاظ نقل کرتے ہیں **فقال لهم النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم الستم تعلمون انّ ربنا حیّ لایموت وان عیسٰی یأتی علیه الفناء قالوا بلٰی.** کیاتم نہیں جانتے کہ ہمارا رب حیّ لایموت ہے اور عیسیٰؑ پر فنا آئی ؟انہوں نے کہا بے شک۔اس سے بھی عقیدہ وفات مسیح پر استدلال ہوسکتا ہے۔اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یاتی مضارع ہے۔ اوراس کے معنی ہیں فنا آئے گی تو اس کا یہ جواب ہے کہ بعض دفعہ مضارع ماضی کے معنوں میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔اوراس کے علاوہ رسول کریمؐ کی طرف استدلال کو سامنے رکھتے ہوئے یہاں معنی ماضی کے ہی کرنے پڑیں گے۔کیونکہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ واقعی مسیح پر موت آئی اور وہ فنا ہوا۔گو وہ بعد میں موت پر فتح پا گیا۔پس رسول کریمؐ کا ان پران کے عقیدہ کے مطابق سوال کرنا اوران کا اثبات میں جواب دینا مسیحؑ پر فناء آنے کی دلیل ہے۔

مولوی شہاب الدین کا پیش کردہ حوالہ: افسوس ہے کہ مولوی شہاب الدین صاحب نے جو حوالہ ''زمیندار'' میں نقل کیا ہے وہ مسلسل حوالہ نہیں۔جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے۔کیونکہ انہوں نے صرف صفحہ 283 کا حوالہ دیا ہے۔مولوی صاحب نے مختلف مقامات سے اپنے مطلب کے الفاظ جمع کر لئے ہیں اوران کی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا۔اور پھر اسی فصل میں آیت **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ** (117:5) کی تفسیر جو اوپر ہم نے نقل کی ہے اس کا ذکر ہی نہیں کیا۔اورایک محکم چیز کو چھوڑ کر، جو وفات مسیح پر قطعی الدلالت ہے،مولوی صاحب نے متشابہ آیات سے استدلال کیا

ہے۔جس کی خود امام صاحب نے کئی توجیہیں بیان کی ہیں۔ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (159:4) اور وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (157:4) اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (158:4) یہ تمام آیات ہیں جن کی تفسیر میں مفسرین نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے اور اس کی کئی توجیہیں بیان کی ہیں۔لیکن آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (117:5) ایک محکم آیت ہے۔اوراس کی تفسیر کرتے ہوئے امام صاحب نے بھی وفات مسیح کے عقیدہ کو ہی تسلیم کیا۔مولوی شہاب الدین صاحب کو مرزا صاحب کی کذب بیانی اور بہتان تو نظر آ گیا لیکن قرآن مجید کا یہ ارشاد یاد نہ رہا۔فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ (7:3)

امام صاحب اور عقیدہ نزول مسیحؑ: اس میں شبہ نہیں کہ امام صاحب کی تحریروں سے نزول مسیحؑ کے عقیدہ کا اثبات ہی نظر آتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث نبویؐ میں بار بار عیسٰیؑ کے نزول کی خبر دی گئی تھی اور یہ آئمہ کرام اور احادیث نبویؐ کو رد نہ کرنا چاہتے تھے۔اس لئے وفات مسیح کا عقیدہ رکھنے کے باوجود بھی وہ کسی مسیح کی آمد کے منتظر رہے۔یہ تو اس زمانہ کے لئے مقدر تھا کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعود کے ذریعہ اس بات کو صاف کرے۔لیکن پرانے بزرگ ہر دو امور کو مانتے رہے۔چنانچہ بعینہٖ یہی بات ہے جو حضرت مسیح موعود نے ''سر الخلافت'' میں تحریر فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں

وقد سمعت ان الا مام مالکا وابن قیم وابن تیمیه والا مام البخاری وکثیرا من اکابرا لائمة وفضلاء الا مّة کانوا مقرین بموت عیسٰی ومع ذالک کانوا یؤمنون بنزول عیسٰی الذی اخبر عنه رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم وما انکر احد هٰذین الامرین ...... التفاصیل الی اللّٰه ربّ العٰلمین یعنی میں نے سنا ہے کہ امام مالکؒ اور ابن قیم اور ابن تیمیہ اور امام بخاری اور بیشتر اکابر آئمہ اور فضلاء امت میں سے عیسٰیؑ کی موت کے قائل تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ عیسٰیؑ کے نزول پر بھی ایمان رکھتے تھے جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔اور انہوں نے تفاصیل کو اللہ کے سپرد کرتے ہوئے دونوں میں سے کسی بات کا انکار نہ کیا۔

مولوی شہاب الدین صاحب! خدارا! بتائیں کہ حضرت مرزا صاحب نے کونسی خلاف واقعہ

بات کہی؟! اور آئمہ اسلام پر کیا بہتان طرازی کی۔ جس کی وجہ سے مولویوں نے ان کو معاذ اللہ مفتری اور کاذب قرار دیا ہے۔ کیا جو کچھ مرزا صاحب نے بیان کیا تھا وہ ایک حقیقت نہیں؟ مولوی صاحب تو ماشاء اللہ اہل علم ہیں۔ کیونکہ فرماتے ہیں ''تمہیں اہل علم کے سامنے ایسا استدلال کرنے سے شرم آنی چاہیئے۔'' لیکن اس کے باوجود اپنے علم کو صحیح طور پر استعمال کرنا نہیں جانتے۔ اور جھٹ دوسروں کو مفتری اور کاذب بنا دیتے ہیں! حالانکہ اس کے مصداق خود آپ ہیں۔ کاش! مولوی لوگ حیا اور دیانتداری سے کام لیں اور کسی کو مفتری بنانے سے قبل اپنے ایمان کی فکر کیا کریں۔ کیا علامہ شہاب الدین کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟!

❁❁❁

7 ستمبر 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

ڈاکٹر سر محمد اقبال کی شہادت

اس وقت جبکہ عام طور پر یہ پروپا گنڈا کیا جارہا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ کا انکار کرنے والوں کو کافر کہا ہے اور اس کے بالمقابل آپ کی اپنی شائع شدہ تحریر کی بھی پروا نہیں کی جاتی، جس میں آپ نے یہ لکھا ہے

''ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا'' (تریاق القلوب صفحہ 130 مطبوعہ اکتوبر 1902ء) میں اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے ڈاکٹر سر محمد اقبال کی شہادت پیش کرتا ہوں جو انہوں نے گذشتہ موسم سرما میں، جب میں ان کی عبادت کے لئے گیا، خود میرے سامنے بیان کی اور فرمایا کہ ایک دفعہ جناب میرزا صاحب سیالکوٹ گئے۔ ان ایام میں میاں (سر) فضل حسین وہیں کام کرتے تھے۔ ایک دن ڈاکٹر صاحب کہیں جا رہے تھے تو اتفاق سے رستے میں میاں صاحب سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کدھر جا رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ میں مرزا صاحب کی طرف جا رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ جب ہم آپ کے پاس پہنچے تو اثنائے گفتگو میں میاں صاحب نے جناب مرزا صاحب سے یہ سوال کیا کہ کیا آپ اپنے منکر کو کافر کہتے ہیں۔ تو آپ نے صاف الفاظ میں جواب دیا کہ **''میں اپنے منکر کو کافر نہیں کہتا''**

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جناب مرزا صاحب کے یہ الفاظ مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے یہ بھی فرمایا کہ البتہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعہ کس سال کا ہے۔ لیکن اتنا یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ میاں فضل حسین ان دنوں وہاں پریکٹس کرتے تھے۔ سو اس کے متعلق صرف اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے سیالکوٹ تشریف لے جانے کا واقعہ 1904ء کا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ خدا ترس مسلمان اس کے بعد کم سے کم اس بات کو حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب نہ کریں گے کہ آپ اپنے دعویٰ کا انکار کرنے والوں کو کافر کہتے تھے۔ خاکسار محمد علی 30 اگست 1935ء

19 ستمبر 1935ء

اداریہ

یوم مسجد شہید گنج

مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ۔ جماعت احمدیہ کا مسلک

کل 20 ستمبر کو مسلمانانِ ''ہند یوم مسجد شہید گنج'' منائیں گے اور اس غم و درد کا اظہار کریں گے جو مسجد شہید گنج کے انہدام سے ان کے دلوں میں جاگزین ہے۔ اس یوم احتجاج کا پروگرام کئی روز سے اخبارات میں شائع ہورہا ہے اور مسلمانوں نے اس امر کو صراحت سے بیان کر دیا ہے کہ وہ اسلامی ضبط و تحمل کو عمل میں لاتے ہوئے کامل امن و سکون سے صرف انہدام مسجد کے خلاف احتجاج کرنا چاہتے ہیں اور حکومت پر اور ہمسایہ اقوام پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کے گرائے جانے سے تمام مسلمانوں کے دل بری طرح مجروح ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس تحریک کے قائد اور امیر پیر سید جماعت علی شاہ نے بھی اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ 20 ستمبر کو مسلمان حکومت کے پاس صرف فریاد کریں گے جس طرح بچے تکلیف پہنچنے پر والدین کے پاس فریاد کرتے ہیں اور دادرسی چاہتے ہیں۔ حکومت کو اس بارہ میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے اور اس کا خیال ہے کہ مسلمان 20 ستمبر سے سول نافرمانی شروع کر دیں گے اور حکومت سے مقابلہ کی ٹھان لیں گے۔ حالانکہ یہ خیال درست نہیں۔ 20 ستمبر کو مسلمان صرف آئینی طور پر احتجاج کریں گے۔ جس میں سرکاری ملازم بھی شامل ہوسکیں گے۔ کیونکہ یہ ایک مذہبی معاملہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں سب کے جذبات یکساں ہیں۔

یہ امر اب کسی تفصیلی بحث کا محتاج نہیں رہا کہ منہدم عمارت واقعی ایک مسجد تھی۔ جو ایک مسجد کے طور پر تعمیر ہوئی اور سکھوں کے قبضہ میں آنے سے قبل بطور مسجد استعمال ہوتی رہی اور سکھوں نے اس مسجد کو گرا کر نہایت غیر دانشمندی اور عدم رواداری کا ثبوت دیا ہے۔ حکومت سے وعدہ کرنے کے باوجود تاریخ فیصلہ سے پہلے مسجد کو گرا دینا اور مسلمانوں کے جذبات کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنی ضد پر قائم رہنا، گویا مسلمانوں کے ضبط و تحمل کو ایک کھلا ہوا چیلنج تھا۔ سکھ قوم اگر اپنی ابتدائی تاریخ پر غور کرتی اور مسلمانوں کے ان بیش بہا احسانات کو، جو انہوں نے سکھوں پر کئے،

مد نظر رکھتی تو وہ کبھی اس ناروا حرکت کا ارتکاب نہ کرتی۔ مسلمانوں نے اس کے معابد کی حفاظت کے لئے اپنا خون تک بہایا ہے۔ مسلمانوں نے بارہا ان کے گوروا اور بزرگوں کو پناہ دے کر اپنی فراخ حوصلگی کا ثبوت دیا ہے اور سکھ ہمیشہ مسلمانوں کے مرہون احسان رہے۔ اور محض ان کے روادارانہ سلوک کی وجہ سے وہ اس قدر ترقی کر گئے۔ آج وقت تھا کہ سکھ قوم احسان کا بدلہ احسان سے دیتی، مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرتی، ان کی ایک جائز اور طبعی خواہش کو قبول کرتی اور ایک ایسی قوم کو اپنا لیتی جو ہمیشہ دوستی کا حق ادا کرتی ہے اور احسان کا بدلہ احسان سے دیتی ہے۔ لیکن سکھوں نے قلت تدبر سے کام لیتے ہوئے حالات کا صحیح جائزہ نہ لیا اور نہایت ہی تمردانہ طریق پر مسجد کو گرا کر مسلمانوں کے قلوب کو مجروح کیا۔

مسلمان 20 ستمبر کے روز حکومت پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کے انہدام نے انہیں سخت ایذاء پہنچائی ہے اور وہ اس ایذادہی کا ازالہ چاہتے ہیں۔ جس کی صورت یہی ہے کہ مسجد کی جگہ مسلمانوں کے حوالہ کر دی جائے اور آئندہ ان کے معابد کی حفاظت کا کوئی خاطر خواہ انتظام کیا جائے۔ جمعہ کے روز مسلمان مساجد میں جمع ہو کر شہداء کے لئے دعا مغفرت اور ان کے پسماندگان کے ساتھ اظہار ہمدردی کریں گے۔ مسجد کی واگذاری کے لئے قرارداد یں منظور کریں گے اور بغیر کسی ہیجان و اشتعال کے اسلامی ضبط و نظام کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے دلی جذبات کا مظاہرہ کریں گے۔

جہاں تک ہماری جماعت کا تعلق ہے ہمیں بھی مسجد کے گرائے جانے کا اسی قدر صدمہ ہے جس قدر ہمارے بھائیوں کو۔ اور ہمارے وہی جذبات ہیں جو عامۃ المسلمین کے مسجد کے واگزار کرانے میں۔ ہم ہر آئینی کوشش میں اپنے بھائیوں کا ساتھ دیں گے۔ پس ہماری بیرونی جماعتوں کو بھی چاہئیے کہ وہ جمعہ کے روز تجویز کے مطابق احتجاج کریں اور مسجد کی واگذاری کے لئے قرارداد یں منظور کریں اور شہداء کے لئے دعائے خیر اور ان کے لواحقین کے لئے ہمدردی کا اظہار کریں۔

اس موقع پر ہم ایک بات اور عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جو بظاہر 20 ستمبر کے پروگرام میں شامل نہیں۔ اس روز تمام ہندوستان کے مسلمان اپنے شہر کی بڑی بڑی مساجد میں جمع ہو کر مسجد

شہید کے حصول اور واگذاری کے لئے قرار دادیں پاس کریں گے۔ مناسب ہے کہ وہ اس وقت اپنی قوم کی موجودہ حالت پر بھی تھوڑا سا غور کرلیں۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت بھی اس امر کی مقتضی ہے کہ ایک روز کُل ہندوستان کے مسلمان مساجد میں جمع ہو کر اپنے حال اور مستقبل پر غور کریں۔ عبادت گاہ کی حفاظت بے شک ایک ضروری اور مقدس مذہبی فریضہ ہے، لیکن عبادت کرنے والوں کی عزت وحفاظت اور ان کی زندگی اور موت کچھ کم توجہ طلب نہیں۔ اگر قوم ذلیل اور مذہب سے بیگانہ رہی تو ہمیں مساجد کیا فائدہ پہنچائیں گی۔ مسجد شہید گنج کی دوبارہ تعمیر کے ساتھ ہی قومی تعمیر کو بھی ملحوظ رکھا جائے اور اس کے لئے اپنا زور اور پوری قوت صرف کی جائے۔ ورنہ ہم بھی خدا کے اس قول کے مصداق ہوں گے۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَايَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ (19:9) کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اس کی طرح ٹھہرایا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے ہاں وہ برابر نہیں۔ اے کاش! مسلمان حقیقت اسلام کو فراموش نہ کرتے تو آج ان کو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اگر مسلمان واقعی مسلمان ہوتے تو آج ان کی یہ رسوائی نہ ہوتی۔ اگر وہ واقعی بنیان مرصوص کے مصداق ہوتے تو آج ان کی مسجد شہید نہ ہوتی۔ سکھ قوم نے کیوں ایسا کیا؟ محض اس لئے کہ ان میں جتھا اور تنظیم ہے اور ان میں صحیح قومی روح موجود ہے۔ اگر مسلمان بھی آج اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (29:48) کے مصداق ہوتے تو مسجد شہید گنج کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ سے نہ ہلتی اور سکھ قوم بڑی خوشی سے مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرتی ہوئی مسجد مسلمانوں کے حوالہ کر دیتی!

ہم پیر سید جماعت علی شاہ صاحب اور جملہ مسلمانان ہند کی خدمت میں التماس کریں گے کہ جہاں 20 ستمبر کے روز اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لئے بارگاہ الٰہی میں گڑ گڑا کر دعائیں کریں اور اس ذات پاک سے استعانت کریں، وہاں اپنی قومی تعمیر کے پروگرام کو بھی مدنظر رکھیں اور مسلمانوں کو متحد اور منظّم ہونے کی تلقین کریں اور انہیں قرآن مجید پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرما دیں۔ فروعی اختلافات اور اندرونی مناقشات کو فراموش کرتے ہوئے مسلمانوں کو اصول اسلام

پر متحد ہو جانا چاہیئے اور ایک دوسرے سے بغض وعداوت اور پارٹی بازی کو ترک کر دینا چاہیئے۔ ذاتی اغراض کو قومی اغراض پر قربان کیا جائے اور ہر کام محض رضائے الٰہی کے لئے سرانجام دیا جائے۔ہمیں قرآن مجید کو دستور زندگی بنانا چاہیئے۔ کیونکہ قرآن پاک کی بدولت ہی ہم سر بلند ہوتے تھے اور اسی کو پس پشت پھینکنے کے سبب ہم ذلیل ہوئے ہیں۔ پس 20 ستمبر کو ہمیں نہایت ہی ٹھنڈے دل سے واقعات پر غور کرنا چاہیئے اور صورت حالات کا صحیح جائزہ لینا چاہیئے۔اس روز جہاں ہم مسجد کی واگذاری کا ارادہ کریں وہاں اس کے ساتھ ہی اپنی عزت وایمان اور وقار قومی کو واگذار کرانے کی بھی ٹھان لیں۔اگر مسلمانوں کا ایمان واگذار ہو جائے تو وہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ.(139:3)

۞۞۞

15 اکتوبر 1935ء

اداریہ

واجب الاطاعت کون ہے؟

سرور دو جہانؐ یا علماء اسلام کا ''دیوان عالی''

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

قادیانی یا احمدی کافر ہیں یا مسلمان؟۔ اس سوال کو حل کرنے کے لیئے ایک تجویز یہ پیش کی گئی ہے کہ علماء اسلام کا ایک دیوان عالی بلایا جائے۔ جس سے ایک ایسا فیصلہ حاصل کیا جائے۔ ''جو قادیانیوں کے عقائد کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد از روئے اصول و مبانی شریعت غرّی مصطفوی صادر کیا جائے'' (احسان 14 اکتوبر 1935ء)

قوم کی ساری قوت ان آئے دن کے جھگڑوں سے بیکار ہو چکی ہے اور آج مسلمان پنجاب میں باوجود اپنی اکثریت کے سکھوں کی چھوٹی سی قوم کے سامنے بھی اپنی حیثیت اور وقعت کھو چکے ہیں اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آپس کے جھگڑوں نے انہیں اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ اپنی بہتری کا کوئی تعمیری کام کر سکیں فی الواقع آج ضرورت ہے کہ کوئی طاقت مسلمانوں کے اندر ایسی ہو جو ان کے باہمی جھگڑوں کو کم کر کے ان کو دنیا میں باقی رہنے اور ترقی کرنے کے قابل بنا دے۔ ''علماء اسلام کا دیوان عالی'' وہ طاقت نہیں۔ اس لئے کہ وہ تو خود ایک دوسرے کو کافر کہہ کر اپنی طاقت کو زائل کر چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس ''دیوان عالی'' میں اہل سنت، اہل تشیع، اہل حدیث سب ہوں گے جو سب ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ان میں سے ہر گروہ کے اندر جو فرقے ہیں وہ بھی ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ حتّٰی کہ ابھی بہت دن نہیں ہوئے ایک حنفی جماعت کے دو گروہ بریلوی اور دیوبندی ایک دوسرے کو کافر ثابت کرنے کے لئے مسجد وزیر خاں میں جمع ہوئے تھے۔ مگر جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے شرائط طے نہ ہو سکیں اور پولیس کے افسران نے دونوں کو جدا کر کے اپنے اپنے گھر بھیج دیا۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ اس ''دیوان عالی'' میں جس شخص کو ''امیر ملت'' کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے، وہ بھی سوائے ایک گروہ کے باقی سب علماء کو کافر قرار دیں۔ تو یہ دیوان

عالی جس میں سب ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہوں گے، مسلمانوں میں اتحاد پیدا نہیں کرسکتا، نہ ان کا خود اس بات پر کبھی اتفاق ہو سکے گا کہ از روئے شریعت مسلم کون ہے؟! اور جب ''مسلم'' کی تعریف کا بھی فیصلہ کوئی نہ ہوگا تو یہ دیوان عالی کسی کو کافر کس بنا پر قرار دے گا یا مسلم کہے گا تو کس بنا پر کہے گا؟! اس کی بجائے میں نہایت درد دل سے تمام مسلمان اخبار نویسوں، لیڈروں، سجادہ نشینوں اور علماء کے سامنے سرور دو جہاںؐ کا ارشاد اور حکم پیش کرتا ہوں، جو ان سب کے نزدیک واجب الاطاعت ہیں اور جو فی الواقع اسلام میں ایک ہی طاقت ہے جو اتحاد پیدا کرسکتی ہے۔ کیونکہ آپؐ کے فرمان کے سامنے چون و چرا کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی صَلَا تَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَذِمَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَلَا تُخْفِرُوْا اللّٰہَ فِیْ ذِمَّتِہٖ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب فصل استقبال القبلہ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہماری نماز پڑھتا ہے اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے یہی مسلم ہے۔ جس کے لئے اللہ کا عہد اور اس کے رسولؐ کا عہد اور امان ہے۔ خبردار اللہ کے عہد اور امان کو نہ توڑنا اور غداری نہ کرنا۔ اگر سرور دو جہاںؐ کے اس ارشاد کے سامنے سب مسلمان کہلانے والے، جو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کو آپؐ پر قربان کرتے ہیں، سر جھکا دیں تو آج ان میں اتحاد قائم ہو کر اس کی حالت سنور جائے اور ان کے تمام کام ارشاد نبویؐ کے سامنے سر جھکا دینے اور اتحاد قائم کر لینے کی وجہ سے بابرکت ہو جائیں۔ اس ارشاد میں کوئی امر تاریک نہیں کوئی اشتباہ پر بھی۔ اگر قادیانی قبلہ کی طرف منہ کر کے وہی نماز پڑھتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اور جس کا ذکر احادیث نبویؐ میں ہے تو وہ یقیناً مسلمان ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا عہد اور امان ان کے لئے ہے۔ اور کسی مولوی کو کوئی حق نہیں کہ انہیں کافر قرار دے۔ اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے عہد کو توڑنے والا اور غدار ہوگا۔ دوسرے مسلمان وہی نماز پڑھتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اور قبلے کی طرف منہ کرتے ہیں تو وہ یقیناً مسلمان ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا عہد اور امان اس کے لئے ہے (اور کسی قادیانی کا حق نہیں کہ انہیں کافر قرار دے اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کا عہد کو توڑنے والا اور غدار ہوگا)

میرے بھائیو! آؤ آج ہم اپنی اپنی خواہشات اور خیالات کو ترک کر کے ارشاد نبوی کے سامنے سر جھکا دیں۔ ایک دوسرے کو سارا سال تک کافر کہنے کا نتیجہ تو ہمارے سامنے ہے کہ ہماری قوم دنیا میں ذلیل ہو چکی اور ارشاد نبوی کو نہ ماننے کی وجہ سے آخرت میں بھی سرخرو نہیں ہو سکتی۔ آج ارشاد نبوی کی تعمیل ایک دس سال کے لئے کر کے دیکھ لو کہ ہماری قوم ترقی کے کن مدارج پر پہنچتی ہے۔ دس سال تک اس کا تجربہ کر کے دیکھ لو اگر ہماری حالت ان دس سالوں میں نہ سنورے تو پھر اپنے اپنے کفر کے فتوے نکال کر ایک دوسرے پر چسپاں کر دینا۔ محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور

''مجاہد'' کی ایک غلط بیانی کی تردید: راجہ غلام قادر مرحوم کو جس روز دفن کرنے کے لئے احباب قبرستان تشریف لے گئے۔ اس روز ایک واقع پیش آیا۔ جس کو ہمارے مخالفین نے حسب عادت بالکل غیر پیرایہ میں پیش کر کے لوگوں کو دھوکا دینا چاہا ہے۔ چنانچہ اخبار ''مجاہد'' مورخہ 8 اکتوبر میں ذیل کی خبر شائع ہوئی ہے۔

> ''راجہ غلام قادر مرزائی (جو مولٰینا ظفر علی خاں کے چچا تھے) ہیضہ کی مہلک مرض میں مبتلاء ہو کر 5 اکتوبر کو انتقال فرما گئے۔ افسوس انہیں توبہ نصیب نہ ہوئی۔ جنازہ کے ہمراہ مرزائیوں کے علاوہ رواداری کے طور پر مسلمان بھی جنازہ کے ساتھ گئے۔ لاہوری مرزائی امام کے پیچھے مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھ لی۔ اسی دوران ایک مسلمان کا جنازہ قبرستان میں آ گیا۔ بے سمجھ سادہ لوح اور مذہب سے ناواقف مسلمانوں نے اسی مرزائی امام کو جنازہ پڑھانے کے لئے کہا۔ مگر یہ خیر گزری کہ اس مرزائی امام نے مسلمان کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا اور راجہ صاحب کی تدفین کے بعد چلتے بنے۔''

اصل حقیقت یہ ہے کہ جس وقت راجہ غلام قادر صاحب کا جنازہ قبرستان میں پہنچا تو اس وقت ایک اور میت پہلے ہی جنازہ گاہ میں رکھی ہوئی تھی۔ ''مجاہد'' نے صریح جھوٹ بولا ہے کہ مرزائی نماز جنازہ پڑھ چکے تو ایک اور مسلمان کا جنازہ قبرستان میں آ گیا۔ وہ جنازہ پہلے ہی موجود تھا۔ چنانچہ راجہ صاحب کی چارپائی بھی اسی جنازہ کے ساتھ رکھ دی گئی۔ نماز مغرب کا وقت قریب تھا۔ اس لئے پہلے نماز مغرب ادا

کی گئی اور بعدازاں مولانا عزیز بخش صاحب نے ہر دو میتوں پر نماز جنازہ پڑھائی۔ کیونکہ دونوں میتیں سامنے تھیں۔ مولوی صاحب کے جنازہ پڑھانے پر لوگوں نے سمجھا کہ شائد انہوں نے صرف راجہ صاحب کا جنازہ پڑھایا ہے۔ چنانچہ جنازہ ختم ہونے کے بعد انہوں نے مولانا صاحب سے پھر درخواست کی کہ دوسری میت کا بھی جنازہ پڑھادیں۔ لیکن مولوی صاحب نے جواباً فرمایا کہ دوسرے جنازہ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ دونوں کا جنازہ پڑھا چکے ہیں۔ اگر سامنے ایک سے زیادہ میتیں رکھی جائیں تو سب کا ایک ہی بار جنازہ پڑھ لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد احباب راجہ صاحب کی چارپائی اٹھا کر قبرستان کی طرف چلے گئے۔

یہ ہے اصل کیفیت۔ جس کو ''مجاہد'' نے لاہوری مرزائیوں کے مسلمان کا جنازہ پڑھنے سے انکار قرار دیتے ہوئے اور اپنی روائتی غلط بیانی کا ثبوت پیش کیا ہے!

28 اکتوبر 1935ء

اداریہ

انگریزی ترجمۃ القرآن اور مولانا عبدالماجد دریابادی

مولانا عبدالماجد دریا بادی کے نام سے اکثر احباب واقف ہوں گے۔ آپ ایک سنجیدہ بزرگ اور عمدہ خیالات کے عالم ہیں۔ پہلے اخبار ''سچ'' نکالا کرتے تھے۔ ان دنوں لکھنو سے ''صدق'' نام ایک دہ روزہ اخبار آپ کے زیرادارت شائع ہوتا ہے۔ مولانا صاحب موصوف بارہا ہماری جماعت کی خدمات اسلامی کا اعتراف کر چکے ہیں اور حضرت امیر ایدہ اللہ اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کی تصنیفات کے بہت مداح ہیں۔ بالخصوص حضرت امیر کے ترجمۃ القرآن انگریزی کے متعلق مولانا عبدالماجد بہت اچھی رائے دیتے رہے ہیں۔ لیکن پچھلے دنوں انہی بزرگوار نے ایک عجیب وغریب بات لکھی جسے پڑھ کر ہمیں بیحد حیرت ہوئی کہ مولانا عبدالماجد جیسا معقول آدمی ایسی بات کیونکر لکھ سکتا ہے! آج احمدیت کی مخالفت میں بڑے بڑے پیر، مولوی، شاعر اور فلسفی پیش پیش ہیں۔ اور طرح طرح کے اتہامات سے اس سلسلہ کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے یہ بھی اسی رو کا اثر ہو!

مولانا عبدالماجد علامہ عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمۃ القرآن پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے اخبار ''صدق'' مورخہ 11 اکتوبر میں فرماتے ہیں:

> ''انگریزی میں تو جہاں کہنا چاہیئے کہ ٹھیٹھ اسلامی نقطہ نظر سے کوئی ایک تفسیری ترجمہ بھی موجود نہیں۔ ابھی گنجائش بہت زائد ہے۔ پکتھال صاحب کے ہاں تفسیر سرے سے ہے ہی نہیں۔ مولوی محمد علی صاحب کی تشریحات مفید ہونے کے باوجود اسلامی نقطہ خیال سے قابل قبول نہیں۔''

تعجب ہے کہ دو متضاد باتوں کو مولٰینا نے کیونکر جمع کر دیا! مفید ہونے کے باوجود قابل قبول نہیں۔ مفید ہونے کا تو آپ نے اعتراف کیا۔ لیکن نا قابل قبول ہونے کی کوئی وجہ بیان نہ فرمائی۔ اب انہی بزرگوار کی رائے حضرت امیر کے انگریزی ترجمہ کی نسبت، جو آج سے قریباً ڈیڑھ سال قبل جون 1934ء میں اخبار ''سچ'' میں شائع ہوئی، ملاحظہ فرمایئے۔ ''یورپ اور خود ہندوستان کا انگریزی طبقہ جس

ترجمہ سے سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے اور جوان کے درمیان سب سے زیادہ پھیلا ہے وہ یہی ترجمہ ہے۔''
اس کے ساتھ ہی مولانا اپنے ایک خالص انگریزی خواں دوست کی رائے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''مولوی محمد علی صاحب کے ترجمہ کی خوبیوں سے، اس کے اثرات سے، اس کی تبلیغی کامیابیوں سے انکار کرنا آفتاب کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ صدہا بیگانوں کو یگانہ بنانے اور صدہا منکروں کو اسلام کے قریب لانے میں وہ یقیناً معین ہوا ہے۔ خود اپنے متعلق میں یہ اعتراف بمسرت کرتا ہوں کہ آج سے پندرہ سولہ سال پیشتر جب میں الحادو ارتیاب کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا، اس وقت گنتی کی دو چار کتابیں، جو مجھے اسلام سے قریب لانے میں معین ہوئی تھیں، ان میں سے ایک یہی انگریزی ترجمہ قرآن تھا۔ مترجم کے ہمنام مولانا محمد علی (مدیر کامریڈ) بھی اس سے بہت متاثر تھے اور اس کی تعریف ہی کیا کرتے تھے۔''

مگر تعجب ہے کہ ''اس صدہا ہزار ہا بیگانوں کو یگانہ بنانے۔'' اور ''صدہا ہزار منکروں کو اسلام سے قریب لانے'' اور ''الحادو ارتیاب کی تاریکیوں'' سے نکالنے والے ترجمہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ''اسلامی نقطہ خیال سے قابل قبول نہیں۔'' جو چیز اسلامی نقطہ خیال کے مطابق نہ ہو وہ غیر مسلموں کے لئے رہنمائی کا باعث کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور جو خود مسلمانوں کے نزدیک قابل قبول نہیں وہ اغیار کے لئے کیونکہ سرچشمہ ہدایت بن سکتی ہے؟ ایک طرف تو مولانا اس ترجمے کے محاسن کو آفتاب کی مانند روشن قرار دیتے ہیں اور اس بات کے معترف ہیں کہ یورپ اور ہندوستان کا انگریزی طبقہ سب سے زیادہ اس ترجمہ سے ہی متاثر ہوا ہے اور دوسری طرف اسے نا قابل قبول قرار دیتے ہیں۔ کیا یہ اجتماعِ ضدین نہیں؟!

پھر انہی بزرگ مولانا عبدالماجد کا ایک اور مکتوب ملاحظہ ہو۔ دسمبر 1932ء میں ''پیغام صلح'' کے جلسہ نمبر میں متعدد مسلم اکابر کے پیغامات شائع ہوئے۔ جن میں ایک پیغام مولانا عبدالماجد کا بھی تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''آپ کے امیر جماعت اور خواجہ کمال الدین صاحب دونوں مستحق مبارکباد ہیں کہ اپنی زندگیاں اس مبارک مشن کے لئے وقف کر دی ہیں۔ ولادت مسیحؑ، وفات مسیحؑ،

ظہور مسیح موعود وغیرہم مسائل میں ہمارا آپ کا اختلاف ہے۔ وہ واضح وظاہر ہے۔ لیکن جو عام خدمات اسلامی آپ کی جماعت ہمت وسرگرمی، جوش وانہماک کے ساتھ انجام دے رہی ہے، ان کی داد نہ دینا ظلم ہے۔ اور داد کیا معنی مجھے تو بار بار رشک آچکا ہے۔ یورپ، امریکہ میں تبلیغ اسلام کی کوششیں، آپ کے امیر جماعت کا انگریزی ترجمہ قرآن، اردو تفسیر قرآن، سیرت خیر البشرؐ، تاریخ خلافت راشدہؓ، مقام حدیث وغیرہ متعدد انگریزی اردو تصانیف، نیز خواجہ (کمال الدین) صاحب کا اسلامک ریویو، ان سب کے ذریعہ سے انگریزی خوانوں تک جو روشنی پہنچ رہی ہے اس کے فیض سے کوئی واقف کار کیسے انکار کرسکتا ہے۔!

اب ان شہادات کی موجودگی میں مولانا عبدالماجد کا فرمانا کہ مولوی محمد علی کا ترجمہ اسلامی نقطہ خیال سے قابل قبول نہیں واقعی بقول اُن کے ''آفتاب کی روشنی سے انکار کرنا ہے'' پھر اسی محولہ بالا تبصرہ میں، جو علامہ یوسف علی کے قرآن پر کیا گیا ہے، مولانا عبدالماجد فرماتے ہیں کہ یوسف علی نے حواشی کے باب میں بڑی احتیاط کی ہے اور پھونک پھونک کر قدم رکھا ہے''۔ ایک طرف تو ان کے لئے ترجمہ کی حیثیت وقاری کا ملحوظ رکھنا ضروری تھا۔ اور ''دوسری طرف اس کی بھی نگہداشت ضروری تھی کہ قلم عامہ مسلمین اور خالص اہل سنت کے عقائد سے تجاوز نہ کر جائے۔ (ورنہ پھر مولوی محمد علی لاہوری کا ترجمہ کیا بُرا تھا)''

خدا جانے یہ ''خالص اہل سنت کے عقائد'' اور ''ٹھیٹھ اسلامی نقطہ نظر'' سے کیا مراد ہے؟ کاش مولانا اس کی بھی وضاحت کر دیتے۔ کیا یہ اہل سنت کے عقائد قرآن وحدیث کے علاوہ کچھ اور ہیں؟ کس چیز میں مولانا محمد علی نے قرآن وحدیث سے تجاوز کیا ہے؟ بڑا فرق تو لے دے کے حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا ہی ہے۔ لیکن علامہ یوسف علی نے بھی تو اسی تفسیر کو درست قرار دیا ہے۔ یہ تو ایسا اختلافی مسئلہ ہے کہ خود اہل سنت کے کئی سرکردہ علماء نے وفات مسیح کا عقیدہ درست تسلیم کیا ہے۔ اتنی سی بات کو خالص اہل سنت کے عقائد اور ٹھیٹھ اسلامی نقطہ خیال سے تجاوز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور کوئی بات بھی خدا کے فضل سے ایسی نہیں جس میں مولانا محمد علی نے اپنے ترجمہ میں قرآن وحدیث سے

اختلاف کیا ہو۔ وفات مسیحؑ کا عقیدہ بھی قرآن وحدیث سے ثابت کیا گیا ہے۔ اور ہر بات میں قال اللہ وقال الرسول کی متابعت کی گئی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا کے فضل سے ہزاروں بندگان خدا اس ترجمہ کی بدولت حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور ہزاردں انسان، جو اسلام کی نسبت طرح طرح کے شبہات رکھتے تھے، اس کی طفیل اس دین پاک کو سمجھنے کے قابل ہوئے۔ اور یہی اس ترجمہ کی قبولیت کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

مولانا عبدالماجد کو ہمارے عقائد بخوبی معلوم ہیں۔ ہمارا کوئی عقیدہ کتاب وسنت کے خلاف نہیں۔ خود ہمارے مرشد وپیشوا اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت قرار دیتے تھے۔ اور خدا کے فضل سے کوئی معترض ہمیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی خلاف ورزی کرتا ہوا نہ پائے گا۔ کیا مولانا عبدالماجد بتا سکتے ہیں کہ کس امر میں یہ ترجمہ اسلامی نقطہ خیال سے متجاوز اور کس لئے نا قابل قبول ہے؟!

علم وحکمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی گمشدہ میراث قرار دیا ہے اور مومن کو حکم ہے کہ جہاں سے بھی حکمت ملے وہ حاصل کرے۔ خُذْمَا صَفَاوَ دَعْ مَا كَدَر ہمیشہ مسلمانوں کا مسلک رہا ہے۔ اچھی بات ایک کافر سے بھی مل جائے تو لے لینی چاہیئے۔ یہی وہ نکتہ تھا جس کی بدولت مسلمان تمام دنیا کے استاد بن گئے تھے اور علم وحکمت مسلمانوں کی میراث قرار پائی تھی۔ آج ہماری پستی کے دوسرے اسباب میں ایک سبب ہماری یہ ذہنیت بھی ہے کہ ہم اچھی چیز کو لینے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور ایک چیز کو مفید سمجھنے کے باوجود نا قابل قبول قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ جو چیز مفید ہے وہ ضروری قابل قبول ہے۔ اگر وہ قابل قبول نہیں تو وہ مفید بھی نہیں ہوسکتی۔ عمدہ بات ہر جگہ سے لینی چاہیئے۔ خواہ خالص اہل سنت کے علماء کے ہاں سے ملے اور خواہ غیر خالص سنیوں سے اُنْظُرْ اِلٰى مَاقَالَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰى مَنْ قَالَ

❁❁❁

11 نومبر 1935ء

حضرت امیر کی اپیل

مسلم ہائی سکول لاہور کے لئے حضرت امیر کی اپیل

قابل توجہ احباب سلسلہ

برادران مکرم! السلام علیکم

یہ محض خدا کا احسان ہے کہ تھوڑے سے عرصہ میں ہم نے دو ہائی سکول قائم کر لئے ہیں۔ لیکن اس وقت یہ دونوں سکول آپ کی امداد کے محتاج ہیں۔ بالخصوص مسلم ہائی سکول لاہور۔ جس کو گورنمنٹ گرانٹ کے کم ہو جانے سے بہت زیر بار ہونا پڑا ہے۔ مگر اس کمی کی وجہ گورنمنٹ کی پالیسی ہے، نہ سکول کے نتائج۔ جو ہمیشہ بہت عمدہ رہے ہیں۔ اور پھر دوسری ضرورت اس کے لئے یہ پیش آ گئی ہے کہ اس کے ساتھ اپنا بورڈنگ ہاؤس بھی بن جائے۔ جس سے آئندہ کے لئے اس کے اخراجات میں بہت تخفیف ہو جائے گی۔ ان دونوں اغراض کے لئے اس سکول کو آٹھ دس ہزار روپے کی فوری ضرورت ہے۔ گو ہماری جماعت پر تبلیغ اسلام کا بہت بوجھ ہے لیکن سکول بھی ایک بڑی بھاری ضرورت کو پورا کر رہا ہے۔ اس وقت احباب کی تھوڑی تھوڑی کوشش اور قربانی سکول کو مشکلات سے باہر نکال سکتی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جماعت کا ہر ایک فرد اس کار خیر میں حصہ لے۔ گو وہ اپنے حسب مقدرت کتنا ہی کم ہو۔ البتہ صاحب وسعت احباب اس میں دل کھول کر حصہ لیں۔ مسلم ہائی سکول تعلیمی لحاظ سے بھی خدا کے فضل سے صوبہ کے بہترین سکولوں میں سے ہے۔ اور پھر دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کے لحاظ سے ایک بڑی بھارئی ضرورت کو پورا کر رہا ہے۔ سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب مختلف جماعتوں کے پاس وفد لے جانے کی تجویز کر رہے ہیں۔ ہماری جماعت کے افراد جہاں جہاں بھی ہوں، نہ صرف اپنی حیثیت سے ان کو امداد دیں، بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی امداد حاصل کرنے میں ان کی اعانت کریں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

۞۞۞

15 نومبر 1935ء

ارشادات حضرت امیر

قابل توجہ احباب جماعت

برادر مکرم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دو باتیں ہیں۔ جو میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک احمدی مرد اور عورت تک پہنچ جائیں۔ اس لئے میں نے دفتر میں یہ ہدایت کی ہے کہ ہر ایک احمدی دوست کو جو ہماری جماعت سے تعلق رکھتا ہے، یہ چٹھی فرداً فرداً پہنچادی جائے اور ہر ایک مرد کا فرض ہے کہ وہ اس چٹھی کو محفوظ رکھے۔ اور تب تک اسے ضائع نہ کرے جب تک اپنے گھر میں اس پر عمل درآمد ہوتا نہ دیکھ لے۔

اول۔ جمعرات کے دن ہر ایک گھر میں کھانے کے خرچ میں کچھ کمی کردی جائے۔ یعنی معمولی ایام سے کم خرچ ہو خواہ وہ کمی گوشت میں ہو یا دودھ میں یا گھی میں یا اور کسی کھانے کی چیز میں۔ حتّٰی کہ جس شخص کو سوائے خشک روٹی کے اور کچھ نہیں ملتا، وہ اس دن روٹی کم کر کے ایک مٹھی آٹا ہی بچائے۔ اور جس قدر یہ کمی ہو وہ پیسے خدا کی امانت سمجھ کر ایک صندوقچی میں ڈال دیئے جائیں۔ یا اگر آٹا ہے تو ایک برتن میں جمع کرلیا جائے اور ماہوار فروخت کر کے اس کی قیمت بچت فنڈ میں دے دی جائے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ ایک طرف ہر احمدی گھر میں چھوٹوں اور بڑوں مردوں اور عورتوں کے دل میں یہ احساس پیدا ہو کہ ہم خدا کے دین کے لئے یہ تکلیف اٹھا رہے ہیں اور اس طرح ایک طرف اشاعت اسلام کی تحریک گھروں کے اندر پہنچ جائے اور چھوٹے بڑے اس ایک خیال سے سرشار ہوں۔ اور دوسری طرف ہم خدا کے آخری پیغام قرآن شریف کو ان بستیوں تک پہنچا سکیں جہاں یہ آج تک نہیں پہنچا۔ اسی بنا پر ہم نے ایک مشن صرف اس بچت فنڈ کی بنا پر جاری کیا ہوا ہے۔ میں اپنے احباب کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ جو تھوڑا سا ان کے حظ جسمانی کو اس رنگ میں نقصان ہوگا اس کی بجائے نہ صرف ان کی صحت کو فائدہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ ان کو اعلیٰ درجہ کا حظ روحانی حاصل ہوگا۔ خدا کے دین کے لئے کچھ تکلیف اٹھانے میں ایک لذت ہے جو اور کسی طرح نہیں مل سکتی۔ پس جمعرات کا دن ہر ایک احمدی یاد رکھے کہ یہ بھوک یا کمی خوراک کے ذریعہ سے اس کے جہاد کا دن ہے۔

دوم۔ایک تحریک دستکاری کی ہماری جماعت کی خواتین نے جاری کی ہوئی ہے۔جس کی طرف اب تک نوے فیصد احمدی گھرانوں کی توجہ نہیں۔اور بڑی بڑی جماعتیں اس ثواب کے کام سے اپنے آپ کو محروم کر رہی ہیں۔اس کے لئے ایک علیحدہ اپیل بھی آپ کی خدمت میں ارسال ہے۔اس دستکاری کی نمائش ہمارے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ہوتی ہے۔اس کی غرض یہ ہے کہ ہر ایک احمدی خاتون عورت ہو یا لڑکی کچھ نہ کچھ کام اپنے ہاتھ سے کر کے اسے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر پیش کرے اور وہ چیز فروخت ہو کر اس کی قیمت اشاعت اسلام کے لئے وقف ہو۔یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز قیمتی ہو۔خواہ وہ ایک رومال ہی ہو خواہ ایک پاؤ سوت ہی کا تا ہوا ہو۔مگر کوئی خاتون بڑی ہو یا چھوٹی اس سے باہر نہ رہے۔اور جو کچھ بھی تیار نہ کر سکے وہ چند پیسے ہی دستکاری کے فنڈ میں دے دے۔

کیا آپ میری اس آرزو کو پورا کریں گے کہ ان دونوں باتوں کی تعمیل آپ کے گھر میں ہو؟! آپ آرام نہ کریں جب تک کہ بار بار گھر میں تاکید کر کے اس پر عمل نہ کرا لیں؟ اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو اپنے نفس کو تو میں کچھ وقعت نہیں دیتا، یہ اپنی جماعت کے ساتھ بلکہ خدا کے دین کے ساتھ وفاداری نہ ہو گی۔نہ کسی کو بڑا ہونے کا خیال اس سے روکے کہ میں اور طرح پر امداد کروں گا، اور نہ چھوٹے ہونے کا خیال کہ ایک مٹھی بھر آٹے سے کیا ہو گا۔بلکہ یہ ہمارا ایسا قومی رنگ ہو جو ہر احمدی پر چڑھا ہوا ہو۔والسلام۔

خاکسار محمد علی

پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس لاہور

❁❁❁

19 نومبر 1935ء

ڈاکٹر عبدالحکیم ٹپیالوی۔سوال جواب

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد کے قلم سے

مکرمی۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔گرامی نامہ وصول ہوا۔ڈاکٹر عبدالحکیم کے قصے پرانے ہو چکے۔نہایت ناکامی کی موت وہ مرا۔ 1908ء میں اس پر مفصل مضامین نکل چکے ہیں۔''آئینہ احمدیت'' میں بھی اس پر بحث ہے۔آپ کے سمجھنے کے لئے چند باتیں مختصراً عرض کئے دیتا ہوں ڈاکٹر عبدالحکیم کا معاملہ بہت آسان ہے۔آپ اگر دو باتیں ذہن میں رکھیں۔

1۔اول تو یہ کہ کاذب کا صادق کی زندگی میں مرنا کوئی ضروری امر نہیں۔سوائے اس کے کہ دونوں میں مباہلہ ہو چکا ہو۔آخر مسیلمہ کذاب آنحضرتؐ کے بعد بھی زندہ تھا۔حضرت اقدس نے نہ تو ڈاکٹر عبدالحکیم سے کبھی مباہلہ کیا اور نہ آپ کا کوئی الہام موجود ہے۔جس میں یہ خبر دی ہو کہ ڈاکٹر عبدالحکیم آپ کی زندگی میں مرے گا۔مجھے تو علم نہیں لیکن اگر اجتہاداً کوئی بات آپ نے کہیں لکھی ہو تو پیشگوئیوں کے تفہیم اور اجتہاداً کے معاملہ میں ملہم سے غلطی ہوسکتی ہے۔یہ اس کی صداقت کے منافی نہیں۔

2۔دوم یہ کہ جب حضرت اقدس نے 1905ء میں ''الوصیت'' میں اپنی وفات کا اعلان کر دیا اور آپ کو یہ الہام ہو گیا کہ **قرب اجلک المقدر** کہ تیری مقرر شدہ موت کا وقت نزدیک آ گیا اور اس کے مطابق آپ نے وصیت بھی لکھ دی اور اپنے بعد سلسلہ کے انتظام کے لئے انجمن بھی قائم کر دی تو اس کے بعد ڈاکٹر عبدالحکیم کا پیشگوئی کرنا کہ مرزا غلام احمد کی موت نزدیک ہے اور وہ تین سال کے اندر مر جائیں گے ایک بے معنی بات ہے۔حضرت اقدس تو خود فرما چکے اور اعلان کر چکے کہ میری موت اب نزدیک ہے اور اس قدر نزدیک ہے کہ وصیت بھی کر چکے۔انجمن بنا کر اس پر عمل درآمد بھی کر چکے۔اور پابررکاب اور بابرکات بیٹھے ہیں۔اُس وقت یہ غل مچانا کہ مرزا کی موت نزدیک ہے، کیا کسی عقلمند کے نزدیک پیشگوئی کہلا سکتی ہے؟ بلکہ سنی ہوئی بات کو دوہرانا کہلائے گا۔حضرت اقدس نے تو یہاں تک کشف میں دیکھا کہ ایک کوری ٹنڈ میں مصفا پانی صرف دو تین گھونٹ رہ گیا ہے۔باقی سب ختم ہو گیا ہے۔اور ساتھ ہی الہام ہوا۔''آب زندگی''۔یعنی آپ کی زندگی کے پانی میں سے صرف دو تین گھونٹ باقی رہ گئے

ہیں۔ جس کے مطابق دو اور تین سال کے درمیان آپ کی وفات ہوگئی۔ اس قدر صاف صاف اعلان کے بعد ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کی کوئی پیشگوئی ایک چبایا ہوا نوالہ ہے۔ جس کی کوئی حقیقت اور وقعت نہیں ہو سکتی۔ پھر لطف یہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالحکیم نے پہلے تو پیشگوئی کی کہ آپ تین سال کے اندر مر جائیں، گے پھر اسے منسوخ کر کے پندرہ ماہ کی میعاد کر دی۔ پھر اسے بھی منسوخ کر کے اعلان کیا کہ 4 تاریخ اگست 1908ء کو فوت ہوں گے۔ یاد رہے 4 اگست تک نہیں۔ بلکہ 4 اگست کو مرنے کی پیشگوئی کی، سو خدا نے اسے جھوٹا کر دیا اور حضرت مسیح موعود کی وفات 26 مئی 1908ء کو ہوئی۔ اگر وہ اپنی پہلی دونوں پیشگوئیوں کو منسوخ کر کے 4 تاریخ اگست موت کی تاریخ مقرر نہ بھی کرتا تو بھی اس کی پیشگوئی موت کے متعلق کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی۔ کیونکہ خود حضرت صاحب اپنی موت کی پیشگوئی کر چکے تھے اور بتا چکے تھے کہ میری موت اب بالکل نزدیک آ گئی ہے۔ اس اعلان کے بعد کسی کا موت کی خبر دینا نہ پیشگوئی ہے نہ کوئی کرامت اور نہ اولیائی ہے۔ بلکہ محض سنی ہوئی بات کو دوہرانا ہے۔ بعض مفسرین تو مانتے ہیں کہ جب کوئی غیب کی خبر دنیا میں کسی صادق بندہ پر نازل ہوتی ہے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عالم روحانیت میں ادھر اُدھر کی اڑتی ہوئی بات شاطین بھی سن کر اپنے اولیاء کے قلوب میں القاء کر دیتے ہیں۔ جسے استراق سمع کہتے ہیں۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی دیگر ہے۔ حضرت اقدس اپنی موت کی خبر دنیا میں مشتہر کر چکے تھے۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالحکیم کا آپ کی موت کی پیشگوئی کرنا کیا معنی رکھتا ہے! اس کی پیشگوئی کی وقعت اس صورت میں کچھ ہوسکتی تھی کہ اس سے قبل حضرت اقدس نے اپنی وفات کی پیشگوئی نہ کر دی ہوتی۔ لیکن جب حضرت اقدس خود اپنی وفات کی پیشگوئی کر چکے تو پھر وہی بات اگر دوسرا شخص دوہرائے گا تو اسے پیشگوئی نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ نئی بات جو اس نے بتائی تھی وہ یہ تھی کہ 4 تاریخ اگست کو آپ کی وفات ہوگی۔ سو وہی بات غلط نکلی۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کے متعلق حضرت اقدس کا یہ الہام تھا کہ ''خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں۔'' سو دیکھ لیجئے۔ اس کی قبولیت تو رہی دور، وہ دنیا سے ایسا مٹا کہ آج یہ بھی پتہ نہیں کہ اس کا خاندان اور اولاد کہاں ہے اور کیا کرتے ہیں۔ اس کی تفسیر کو بھی قبولیت نصیب نہ ہوئی۔ اس سے بڑھ کر صفائی اور کیا ہوسکتی ہے؟!

19 نومبر 1935ء

مراسلات

الزامِ تکفیر کے متعلق سر محمد اقبال کی شہادت

علامہ اقبال ہزاروں کے مجمع میں شہادت دینے کو تیار ہیں

مولانا محمد یعقوب خاں ایڈیٹر ''دی لائٹ'' کے قلم سے

مکرمی ایڈیٹر صاحب ''پیغامِ صلح''۔ مہربانی فرما کر مندرجہ ذیل سطور اطلاع عام کے لئے اپنے اخبار میں شائع فرما دیں تا کہ اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جائے جو علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے مشہور ''بیان'' کے متعلق پیدا ہو چکی ہے۔

''پیغامِ صلح'' کی کسی قریبی اشاعت میں مَیں نے مولانا جیراجپوری کے اس مضمون پر تبصرہ کیا تھا جو رسالہ ''طلوعِ اسلام'' میں حضرت مسیح موعود پر اتہام نبوت کی تائید میں شائع ہوا تھا۔ مولانا جیراجپوری کے دلائل کی تردید کرتے ہوئے میں نے اظہار افسوس کیا تھا کہ ایک اس قدر بلند پایہ رسالہ بھی اس عام رو کا مقابلہ نہیں کر سکا جو اس وقت تحریک احمدیت کے خلاف جاری ہے اور جو سستی شہرت کا قریب ترین راستہ بن گیا ہے۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ علامہ اقبال جیسے بلند پایہ انسان نے اپنے کانوں سے حضرت مرزا صاحب کی زبان سے سنا کہ وہ اپنے نہ ماننے والوں کو کافر نہیں سمجھتے تھے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مدعی نبوت نہیں تھے۔ مگر باوجود اس کے انہوں نے اپنے ''بیان'' میں دعویٰ نبوت ان کی طرف منسوب کیا۔ اس سلسلہ میں ''طلوعِ اسلام'' کے فاضل مدیر مولانا سید نذیر نیازی سے میری گفتگو ہوئی۔ دورانِ گفتگو انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے علامہ اقبال سے بھی میرے حوالہ کا ذکر کیا تھا۔ جس پر علامہ موصوف نے فرمایا کہ **بے شک انہوں نے مرزا صاحب سے اسی طرح سُنا کہ وہ اپنے نہ ماننے والوں کو کافر نہیں سمجھتے تھے اور وہ ہزاروں کے مجمع میں یہ شہادت دینے کو تیار ہیں۔**

اس کے علاوہ علامہ نے فرمایا کہ انہوں نے جو ''بیان'' اخبارات میں شائع فرمایا وہ موجودہ قادیانی کشمکش کے سلسلہ میں تھا جو قادیانی جماعت اور عامۃ المسلمین میں جاری ہے۔ جماعت لاہور کی طرف ان کا روئے سخن ہی نہیں تھا اور نہ ہی مرزا صاحب کے معتقدات پر تبصرہ منظور تھا۔

اس سے قبل ہمارے معزز دوست راجہ حسن اختر نے بھی مجھ سے یہی فرمایا تھا کہ علامہ اقبال سے انہوں نے گفتگو فرمائی اور علامہ فرمانے لگے کہ ان کے بیان کا جماعت لاہور سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی مرزا صاحب کی شخصیت سے۔ اور ان کے سامنے وہ احمدیت تھی جس کا نقشہ آج کل کی قادیانیت کی شکل میں دنیا میں پیش ہو رہا ہے۔

چونکہ علامہ اقبال سے ہمارے بہت سے احباب کو یہ شکوہ ہے کہ ان کو ہمارے اور حضرت مرزا صاحب کے معتقدات کا علم ہوتے ہوئے انہوں نے اس قسم کا ''بیان'' شائع فرمادیا۔ جس سے ہر دو کے متعلق سخت غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے میں اس اعلان کی ضرورت سمجھتا ہوں، جس سے ایک طرف علامہ اقبال کے متعلق ہمارے احباب کی غلط فہمی کا ازالہ ہو جانا چاہیئے اور دوسری طرف حضرت مسیح موعود کے ''دعوٰی نبوت'' کی تردید میں ایک ایسی وقیع ذاتی شہادت سے بہت سے مسلمان اور قادیانی دوستوں کو حضرت مرزا صاحب کے معتقدات کے متعلق اپنے خیالات پر نظر ثانی کرنی چاہیئے۔

نیازی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ بہتر ہو گا کہ اس کے متعلق علامہ اقبال سے باقاعدہ لکھ کر استفسار کر لیا جائے اور انہیں یہ شہادت دینے میں کوئی تأمل نہ ہوگا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ شائد علامہ موصوف ایسے معاملات میں پڑنا پسند نہ فرمائیں اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے اس قدر اعلان کافی ہو جانا چاہیئے۔ والسلام۔

محمد یعقوب خاں

ایڈیٹر ''لائٹ''

23 نومبر 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

ایک دردمندانہ گذارش

جملہ اہل اسلام کی خدمت میں میری یہ دردمندانہ گذارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں تبلیغ اسلام کا ایک ایسا موقع عطا فرمایا ہے کہ جس کو ضائع کر دینا اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہوگی۔ وہ اقوام، جن کو اچھوت کہا جاتا ہے، وہ اب یہ فیصلہ کر چکی ہیں کہ فی الحقیقت جو چیز ان کی ترقی میں روک ہے وہ خود ہندو مذہب ہے اور جب تک وہ اپنے آپ کو اس سے آزاد نہ کر لیں وہ کبھی پستی کی حالت سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ پانچ چھ سال ہوئے مالا بار کے ایک اچھوت لیڈر نے اپنے ہم قوموں کو صاف الفاظ میں یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اس پستی اور ذلت کی حالت سے، جس میں وہ ہیں، باہر نہیں نکل سکتے جب تک اس مذہب کے ساتھ نفرت کا جذبہ ان کے دلوں میں پیدا نہ ہو، جو ان کی ذلت اور پستی کا موجب ہے، اور کہ ان کو اگر کوئی مذہب دوسری قوموں کے ساتھ مساوات کے مرتبہ پر لا سکتا ہے تو وہ نہ بدھ مذہب ہے نہ عیسائیت، جن کے اندر یہ تفریقات اسی طرح موجود رہتی ہیں، بلکہ یہ اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔ آج ڈاکٹر امبید کار جو آٹھ کروڑ اچھوتوں کے دلوں میں وہی بلند مقام رکھتے ہیں جو گاندھی جی پندرہ کروڑ ہندوؤں کے دلوں میں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اچھوت اقوام انہیں دیوتا کی طرح سمجھتی ہیں۔ وہ بھی سالہا سال تک غور کرنے کے بعد، کہ ان کی قوم کس طرح اس پستی کی حالت سے نکلے، اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جب تک ان کی قوم ہندو مذہب کو ترک نہیں کرے گی وہ ذلت کے اس اتھاہ گڑھے سے باہر نکل سکتی جس میں ہندوؤں کی مقدس کتابوں نے انہیں گرا رکھا ہے۔ اور صدہا اچھوت نوجوان ان مقدس کتابوں کا جنازہ نکال کر ان کے جلانے کی آخری رسم بھی ادا کر چکے ہیں۔

ان حالات نے مسلمانوں کے لئے ایک موقعہ پیدا کر دیا ہے کہ وہ اسلام کی نعمت عظمیٰ کو ایک ایک اچھوت کے گھر تک پہنچائیں۔ مگر یہ کام ایسا نہیں جیسا اکثر مسلمانوں نے سمجھ رکھا ہے کہ کسی نے ڈاکٹر امبید کار کو تار دے دی اور وہ اخباروں میں چھپ گئی اور کسی نے ایک دلخوش کن ریزولیوشن پاس کر لیا اور وہ اخباروں میں نکل گیا تو بس مسلمانوں کا فرض ادا ہو گیا۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے کہ اس نے کروڑہا

دلوں کو اسلام کے پیغام کی قبولیت کے لئے تیار کر دیا ہے۔ لیکن اب وہاں تک اس پیغام کو پہنچانے کے لئے ساری قوم کی متفقہ جدو جہد کی ضرورت ہے۔ بیسوں زبانوں میں اسلام کی تعلیم پر رسائل کو تیار کرنا پھر ہزار ہا کی تعداد میں وہ کارکن مہیا کرنا جو ان کے گھروں تک ان کو پہنچائیں۔ پھر اس بات کے لئے تیار رہنا کہ وہ مسلمان ہوں تو ان کی دینی تعلیم کا کچھ انتظام کیا جائے بلکہ دنیوی تعلیم کا بھی۔ تا کہ انہیں اس قابل بنایا جا سکے کہ وہ دوسری اقوام کے ساتھ ایک ہی سطح پر کھڑے ہو سکیں۔ یہ ناممکن کام تو نہیں مگر حد درجہ کا دشوار کام ضرور ہے۔ اور ساری قوم کی سالہا سال کی پوری توجہ کو چاہتا ہے۔

مگر مسلمان قوم کی موجودہ حالت یہ ہے کہ تبلیغ کا خیال کبھی ان کے دل میں آتا ہے تو اس طرح جیسے ایک سویا ہوا آدمی کروٹ لیتا اور پھر دوسرے پہلو پر گہری نیند میں چلا جاتا ہے۔ اس کی وجہ صرف علماء کی وہ قابل نفرت ذہنیت ہے کہ انہیں تکفیر کے ساتھ ایک دیوانگی کا شغف ہے۔ اور اس وقت تو بالخصوص بہت سے لوگ اس تکفیر کی بدولت مولانا بن گئے ہیں۔ اور تکفیر کے ناپاک نعروں کے ساتھ انہوں نے اسلامی اتحاد کی فضاء کو اس قدر مسموم کر دیا ہے کہ وہ لوگ، جو اس تکلیف کو محسوس بھی کرتے ہیں، وہ اپنی عزت کی خاطر خاموش ہیں۔ کیونکہ جہاں کسی نے کفر بازوں کی، ہاں میں ہاں ملانے سے انکار کیا، اس کو بدنام کرنے پر ساری قوت خرچ کر دی جاتی ہے۔ اور اس شور وشر کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جو لوگ کل تک اچھے بھلے تھے، وہ بھی آج تکفیر بازی میں دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب جس قوم کی ساری توجہ اس ناپاک کام پر لگی ہوئی ہو، کہ فلاں گروہ کو کس طرح کافر ٹھہرایا جائے، اور فلاں کو کس طرح مرتد اور منافق ثابت کیا جائے، وہ تبلیغ اسلام کے پاک کام کو، جو انبیاءؑ اور صلحا کا ورثہ ہے، کیا سرانجام دے گی۔ وہ اتحاد اسلامی، جس پر مسلمان فخر کر سکتے تھے اور جو ان کی دینی اور دنیوی نجات کا ذریعہ تھا، آج اسے پاش پاش کر دیا گیا ہے اور الا ماشاء اللہ ساری امت خوارج کے رنگ میں رنگین ہو گئی ہے جو پہلا گروہ ہے جس نے اسلام میں تکفیر کی بنیاد رکھی اور جن کے متعلق کہا گیا ہے **قَدْ شَقُّوْا عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ** انہوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو پاش پاش کر دیا۔ اور یہ باوجود اس کے کہ علماء جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی تکفیر کی قرآن وحدیث میں ممانعت آئی ہے۔ یہ بھی اسلام کی صداقت کا ایک نشان ہے کہ وہ بیماریاں جو مسلمانوں میں بعد میں پیدا ہونے والی تھیں ان کا علاج پہلے سے خدا کی کتاب

میں اور رسولؐ خدا کی حدیث میں رکھ دیا گیا ہے۔ کاش کوئی اس سے فائدہ اٹھائے۔

1۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) جو شخص تمہیں السلام علیکم سے خطاب کرے تو تم اسے یہ مت کہو کہ تو مومن نہیں۔ یہاں اس شخص کی تکفیر سے بھی روکا ہے جس میں صرف اسلام کا اتنا نشان بھی مل جائے کہ وہ اسلامی طریق پر السلام علیکم کہتا ہے۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور وہ اپنے اسلام کا اظہار صرف اتنی بات سے کرتا ہے کہ السلام علیکم کہہ دے، تو ارشاد خداوندی یہ ہے کہ تم اسے یہ مت کہو کہ تو مومن نہیں۔ اور اس آیت کا نزول بھی ایسے ہی موقع پر ہوا ہے کہ ایک شخص نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے صرف السلام علیکم کہا تھا۔ پس آیت قرآنی کا صاف منشاء یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اور اس بات کو وہ کسی رنگ میں بھی ظاہر کر دے، یہاں تک کہ السلام علیکم ہی کہہ دے تو کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے ایمان اور اسلام سے انکار کرے۔

2۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَا تُخْفِرُوْا اللّٰهَ فِیْ ذِمَّتِهٖ جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے یہی تو مسلمان ہے جس کے لئے اللہ کا عہد ہے اور اللہ کے رسولؐ کا عہد ہے۔ خبردار اللہ کے عہد کی تحقیر نہ کرنا اور اسے نہ توڑنا۔ یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ اور اس میں یہ بتایا ہے کہ جب تم اپنے بھائی میں یہ موٹا نشان دیکھ لو کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے، تو اس کو مسلمان تسلیم کرو۔ کیونکہ اللہ اور رسولؐ کا یہ عہد ہے کہ وہ مسلمان ہے اور آپ نے تو تکفیر سے اس قدر ڈرایا ہے کہ فرمایا مَنْ کَفَّرَ اَهْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَهُوَ اِلَی الْکُفْرِ اَقْرَب. جو کلمہ گوؤں کی تکفیر کرتا ہے وہ خود کفر کے قریب ہے۔

3۔ تیرہ سو سال سے جتنے مسلمان دنیا میں ہوئے، کسی ملک میں ہوئے ہوں، کسی زمانہ میں ہوئے ہوں، صحابہؓ کا ائمہ کا علماء وفقہاء کا عوام الناس کا، سب کا اس بات پر اتفاق رہا ہے اور آج تک ایک آواز بھی اس کے خلاف نہیں اٹھی کہ اگر کسی صد سالہ کافر کو بھی مسلمان کرنا ہو تو اسے کلمہ پڑھا دیا جاتا ہے اور صرف ایک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار سے وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ تو جب

کافر سے کافر انسان کا بھی اس کلمہ کے اقرار سے مسلمان ہو جانا مسلم ہے اور اس پر ساری امت کا اجماع اول سے آخر تک ہے۔ حتّٰی کہ آج کے مکفرین بھی اس کے قائل ہیں تو پھر جو مسلمان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرتا ہے وہ کافر کس طرح ہو سکتا ہے! گویا اس بات پر زبردست اجماع امت ہے کہ کلمہ گو مسلمان ہوتا ہے۔ اب خدا کے لئے مسلمان غور کریں کہ **اللہ تعالیٰ یہ صاف حکم دے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اور اپنے اسلام کا ادنیٰ نشان بھی دکھا دے اسے کافر مت کہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ جسے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا دیکھو لو خبردار اس کے اسلام سے انکار نہ کرنا۔ اجماع امت اس بات پہ ہو کہ کلمہ کے اقرار سے کوئی شخص بھی ہو اخوت اسلامی میں داخل ہو جاتا ہے** مگر کفر بازوں کو نہ خدا کے حکم کی پرواہ ہے اور نہ رسول اللہ کے عہد اور ارشاد کی نہ امت کے اجماع کی۔ کیا یہ خدا اور رسولؐ سے بغاوت کے مترادف نہیں کوئی کہتا ہے اس کا فیصلہ علماء کریں گے۔ گویا جس طرح پہلی قوموں میں لوگ کتاب اللہ کی حلت وحرمت کی پروا نہ کرتے تھے بلکہ اپنے علماء کی پروا کرتے تھے وہی حالت آج مسلمانوں کی ہو گئی ہے۔ کوئی کہتا ہے ہم حدیث کو کیا کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مسلمانوں کی نماز پڑھتا ہو مگر دل میں تثلیث کا قائل ہو۔ یہ صرف ارشاد نبویؐ کو ٹالنے کے بہانے ہیں ورنہ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ جو شخص تثلیث کا قائل ہو گا وہ مسجد کی جگہ گرجا میں جائے گا؟! آج توحید کے ماننے والوں کی تو یہ حالت ہے کہ پچاس فیصد یا اس سے بھی زیادہ نماز کے نزدیک نہیں آتے۔ تثلیث کے قائل ضرور مسجدوں میں نمازیں پڑھنے آئیں گے یہ تَقَدَّمَ بَيْنَ يَدِیَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ہے کہ رسول خدا فرمائیں کہ جس میں قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا نشان دیکھ لو اس کے مسلمان ہونے پر اللہ اور رسول کا عہد ہے، گویا اس کے عقائد کی باریکیوں میں جانے سے روکا ہے۔ اور ہم یہ کہیں کہ حدیث نبویؐ کا ارشاد سر آنکھوں پر مگر بات آپؐ کی نہیں مانیں گے بلکہ اپنی خواہش کی اتباع کریں گے!

خوب یاد رکھئے کہ ہمارے تبلیغ کے کام میں کوئی برکت نہیں ہو سکتی جب تک خدا اور رسولؐ کے کھلے احکام سے بغاوت کر کے ہم مسلمانوں کی تکفیر کر رہے ہیں۔ اور اپنی ساری قوت اور طاقت کو اس بات پر خرچ کرنے کی بجائے کہ کافروں کو مسلمان بنائیں، مسلمانوں کو کافر بنا رہے ہیں۔ تو اس وقت مسلمانوں کی سب سے پہلی ضرورت خدا کے دیئے ہوئے موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی یہ ہے کہ وہ

اہل لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اہل قبلہ کی تکفیر سے ہاتھوں اور زبانوں کو روک لیں اور مسلمانوں کے اتحاد کی جڑ کو تکفیر کی کلہاڑی سے کاٹنا چھوڑ دیں۔

دوسری ضرورت یہ ہے کہ تمام فرقے اس وقت اپنی تمام تر توجہ کو اچھوتوں میں تبلیغ اسلام پر صرف کر دیں بلکہ اچھوتوں کی کیا خصوصیت ہے، ہندوؤں میں تبلیغ اسلام پر ہماری توجہ ہو۔ یہ بڑا عظیم الشان کام ہے۔ اگر ہم نے یہ کرلیا تو مسلمان قوم ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جائے گی۔ بلکہ شائد اس زبردست رو کو دیکھ کر اور بھی کئی قومیں اسلام کی طرف جھک پڑیں۔ یہ جو ہمارے تمام جلسوں تمام لیکچروں، اخباروں اور مبلغوں کی آج یہ کوشش ہے کہ فلاں مسلمان جماعت کو اسلام سے خارج کر کے پھینک دیا جائے، ایسی پہلی کوششوں کا حشر دیکھ لیا جائے کہ آج تک کافر بنانے سے کوئی جماعت کافر بنی تو نہیں بلکہ بالآخر کافر کہنے والے تھک جاتے ہیں۔ اور وہ جماعت وجود اسلام کا جزو بن جاتی ہے اور پھر تکفیر کے شیدائی ایک نئی جماعت کو سامنے رکھ لیتے ہیں۔ تو تکفیر سے آج تک کوئی گروہ کامیاب نہیں ہوا۔ ہاں! تبلیغ کی کامیابی کی ساری دنیا گواہ ہے۔ تو تکفیر کی بجائے ساری توجہ کو غیر مسلموں میں تبلیغ پر صرف کر کے دیکھو کہ خدا کس طرح کامیاب کرتا ہے اور یقیناً اس میں وہ لوگ زیادہ کامیاب ہوں گے جو اسلام پر زیادہ پختہ ہیں اور خدا اور اس کے رسولؐ کے زیادہ فرمانبردار ہیں۔ تو آؤ اسی طریق سے ثابت کر دو کہ فلاں گروہ فلاں گروہ کی نسبت زیادہ پکا مسلمان ہے۔

تیسری ضرورت یہ ہے کہ اگر کوئی فرقہ یا انجمن غیر مسلموں میں تبلیغ کا کام کرتے ہیں اور کوئی دوسرا گروہ اس کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتا تو کم سے کم اس کام کو نقصان بھی پہنچانے کا کبھی ارادہ نہ کرے۔ کیونکہ آخر کلمہ گوؤں کی تعداد تو بڑھے گی۔ خدا کا حکم تو قرآن شریف میں یہ ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (2:5) نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور برے کاموں میں اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ تو جب دیکھو کہ ایک شخص یا ایک جماعت خدا اور اس کے رسولؐ کا نام غیر مسلموں میں پہنچا رہے ہیں تو جو ہو سکتا ہے اس کی مدد کرو۔ مگر مخالفت ہرگز نہ کرو۔ اور جہاں دیکھو کہ ایک شخص مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے تو اس برے کام میں اس کے معاون مت بنو۔ بلکہ ہو سکے تو اس ظلم کو اپنے ہاتھ سے یا اپنی زبان سے روکو یا کم سے کم دل سے ہی برا

سمجھو۔ ان تین باتوں کو اگر مسلمان اختیار کر لیں تو تبلیغ اسلام کے کام میں وہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ورنہ کچھ وہ خود اپنی قوم کی شاخیں کاٹتے چلے جائیں گے اور کچھ غیر مسلم ان کے اس رویے سے دلیر ہو کر اسلام کی جڑیں کاٹتے رہیں گے۔ اے خدا! اپنے دین کی حفاظت فرما اور مسلمانوں کو سمجھ دے کہ وہ اس وقت اس کام کو اختیار کریں جو ان کی بھلائی اور دین اسلام کی تقویت کا موجب ہے۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

27 نومبر 1935ء

تاریخ کا ایک ورق

حضرت مولانا نور الدینؒ کی زندگی کے آخری ایام

سورۃ حٰمٓ السجدۃ

حٰمٓ (1:41)

ح۔ رحمٰن اور رحیم صحابہؓ سے مروی ہیں۔ م۔ حمید اور مجید

ح۔ رحمٰن اور رحیی، م۔ محیط اور مالک

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا. (28:34) فرمایا یہ مسئلہ بھی مجھے خدا نے نیا سکھایا ہے۔

خَلَقَ السّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (54:7) زمین کے متعلق ہے۔ **وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ** (10:41) سبزی کے لئے پہلے ہل جوتنا۔ پھر پانی دینا، پھر بیج ڈالنا۔ پھر چوتھے درجہ پر سبزی نمودار ہو جائے گی۔ تعلیم کے یہی درجے ہیں۔ انسان بھی ارض ہی ہے۔ **سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ** (10:41) تمہاری ضرورتوں کو پورا کیا۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ (12:41) جتنا خدا اتنا ہی اس کا وقت۔ خواہ ان میں کروڑوں اربوں سال کا زمانہ ہو۔ منجموں کی باتیں سب جھوٹ ہیں۔ اب انہوں نے یہ کہنا چھوڑ دیا کہ فلاں ستارے کا تعلق فلاں شخص کے ساتھ ہے۔

وَقَيَّضْنَالَهُمْ قُرَنَآءَ (25:41) اپنا قانون بتایا ہے۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ (36:41) فرمایا کبھی انسان کو غضب آ جاتا ہے انسان کے دل میں جوش ہو جاتا ہے۔ نزع البطن کے معنی ہیں غضب برانگیختہ کرنا۔

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ (42:41) کوئی سائنس تجربہ مشاہدہ اس کے برخلاف نہیں ہوسکتا۔

درس قرآن کے بعد فرمایا۔ ''میرا دل خوشی سے بھر گیا''۔ پھر فرمایا۔ ''موت بہت قریب ہے'' آنکھوں سے آنسو آتے تھے فرمایا۔ ''اس کی ایک وجہ ہے اللہ کے نام سے جوش آتا ہے، ابال بھی آتا ہے، محبت آتی ہے۔ اس کو کون روک سکتا ہے۔''

فرمایا ’’ڈاکٹر ہمت نہیں رہی۔ آج میرا دل چاہا کہ اکیلے اُٹھ کر بیٹھوں مگر نہ اُٹھ سکا‘‘

(25 فروری 1914ء) سورۃ الشوریٰ:

الہام تین طریق سے ہوسکتا ہے۔

1۔ وحی خدا براہ راست کرتا ہے۔

2۔ **مِن وّراء حجاب** نقشہ دکھاتا ہے۔ جیسے حضرت یوسفؑ کو **اِنّیِ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا** (4:12)

3۔ **رسولہ** آدمی کا شکل میں۔ فرمایا ’’وہ جو میں نے مقطعات کے متعلق کہا تھا۔ وہ بھی ایک نقشہ دکھایا گیا تھا۔ دیر نہیں لگتی۔ وحی ہوتی ہے کوئی نقشہ ہوتا ہے۔ اس نقشہ میں کچھ اصل بھی دکھائی دیتا ہے۔ ہزار ہا نقشے پیش ہوجاتے ہیں۔‘‘

مولانا محمد علی صاحب سے خطاب: پھر مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا ’’مولوی صاحب! آپ کے لئے بھی مجھے بڑی معرفت پیدا ہوئی **عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ** (4:55) کی توفیق نہ ہوتو مولوی صاحب! ایک رکوع بھی بیان نہیں ہوسکتا۔‘‘

مولوی صاحب نے عرض کیا۔ حضور کی ساری عمر کی کوشش اور محنت مجھے بیٹھے بٹھائے مل گئی۔ یہ نعمت لوگوں تک پہنچانے کی خدا مجھے توفیق دے۔ جتنا کام حضور نے دنیا میں کیا ہے اس کا دسواں حصہ بھی دنیا کو نصیب ہوتو بہت ہے۔

آپ نے چشم پُر آب ہو کر فرمایا۔ ’’بخاری رہ گئی۔ قرآن کی طرح میں نے اس کو پڑھا ہے۔ بہت صاف کیا ہے۔ پانی کی طرح کیا ہے۔ اب کون جانے۔ بہت پڑھا ہے۔ کوئی نہیں جانتا اس میں کیا جواہر ہیں۔‘‘

میاں محمد بھا گلپوری ایم۔ اے کی نسبت فرمایا ’’ہم سے کچھ تعلق رکھتے ہیں۔ بیٹے ہیں۔ زہرہ کے خاوند ہیں۔ زہرہ کو میں نے قرآن خود پڑھایا ہے۔‘‘

ڈاکٹر غلام محمد صاحب کو فرمایا ’’کوئی خدمت کرو، تشخیص کرو، مجھے کیا ہے۔‘‘

محمد امین کے متعلق، جب لاہور رخصت ہونے کے لئے حاضر ہوا، فرمایا ’’بہت پیارا بچہ ہے

اللہ اس کو نیک رکھے‘‘

دوزخ کے متعلق کشف: فرمایا ’’رات میں نے دیکھا۔ میں دوزخ میں چلا گیا۔ میں نے کہا بہت مشکل مقام ہے۔ مجھے الہام ہوا اَلْحُمّٰی مِنْ فِیْحِ جَھَنَّمَ فَاطْفَئُوْہُ بِالْمَآءِ یعنی تپ جہنم کی ایک لپٹ ہے۔ اس کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو۔ یہ بھی الہام ہوا ’’گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔‘‘

تپ کے علاج کے متعلق فرمایا۔ ’’چار چیزیں دکھائی گئیں

1۔ پانی ہر مرض کا علاج ہے۔

2۔ ہوا ہر مرض کا علاج ہے۔

3۔ آگ بہت سے مرضوں کا علاج ہے۔ دوزخ اسی لئے رکھا ہے کہ بڑے بڑے بیمار وہاں جھونک دیں۔

4۔ درد کے لئے آگ اور پانی دونوں بتائے گئے۔ رات بڑے بڑے طریقے مجھے بتائے گئے ہیں۔ اور اللہ نے بڑے بڑے قواعد بتائے ہیں۔ اگر میں زندہ رہا تو سب بتاؤں گا۔ کل بیماریوں کے علاج ہیں۔ انشاء اللہ سنا دیں گے۔ دوزخ بھی میں نے آپ دیکھا اور علاج بھی محسوس ہوا۔

مسیح موعود نے سب نمونے دکھائے: شیخ نیاز احمد صاحب کا خط مولوی صدرالدین صاحب نے پیش کیا۔ وہ چاہتے ہیں کہ افتتاح مسجد کے لئے اور نماز جمعہ پڑھانے کے لئے میاں صاحب کو وہاں روانہ فرما دیں۔ آپ نے فرمایا۔ ’’میاں صاحب موجود ہیں ان کو جانے میں کیا انکار ہے۔‘‘ پھر فرمایا ’’مخلص آدمی ہے۔ بہت مخلص ہے۔ بارہ ہزار کے قریب خرچ کیا ہے۔ اگرچہ بارہ بارہ ہزار روپیہ مسجد کے لئے مناسب نہیں۔ مگر لوگ کیا کریں۔ موجودہ پوزیشن ایسی ہوگئی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بڑا مشکل ہے۔ مرزا نے کیسی چھوٹی مسجد بنائی۔ کیسے بابرکت نمونے بھی دکھائے۔ مگر عمل کون کرے۔ مرزا نے سارے نمونے دکھا دیئے۔‘‘

❁ ❁ ❁

7 دسمبر 1935ء

اداریہ

پنڈت جواہر لال نہرو اور سر محمد اقبال

جماعت احمدیہ اور آغا خانیوں کے معتقدات

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے بیان پر، جس میں جماعت احمدیہ کے وجود کو انہوں نے اسلامی استحکام کے لئے خطرناک قرار دیتے ہوئے مسلمانوں سے علیحدہ کرنے کی سفارش کی ہے، مختلف اخبارات اور متعدد سیاست دان حضرات دلچسپ تبصرے کر چکے ہیں۔ پچھلے دنوں مشہور وطن پرست لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو نے الموڑہ جیل میں دو مضامین ڈاکٹر صاحب کے بیان پر ناقدانہ رنگ میں سپرد قلم کئے۔ جو رسالہ ماڈرن ریویو میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان مضامین میں پنڈت جواہر لال نے سر اقبال کے بیان پر نہایت معقول پیرایہ میں تنقید کرتے ہوئے آپ سے چند ضروری سوالات دریافت کئے ہیں۔ سر محمد اقبال کی طرف سے تا حال ان مضامین کا کوئی جواب شائع نہیں ہوا۔ البتہ حال ہی میں ایک اعلان اخبارات میں کیا گیا ہے کہ وہ عنقریب پنڈت جی کے استفسارات کا جواب شائع کریں گے۔

اپنے پہلے مضمون میں پنڈت جواہر لال نے مجوسی اور یہودی تحریکات اور وطنیت و بین المللیت پر بحث کی ہے اور ڈاکٹر صاحب کے بعض اصول میں تضاد دکھایا ہے۔ دوسری مضمون میں پنڈت جی نے ہز ہائنس سر آغا خاں اور ان کے مریدوں کے معتقدات کا جماعت احمدیہ کے عقائد سے مقابلہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ جب آغا خانی فرقہ اپنے عجیب و غریب اور اسلام سے بیگانہ معتقدات کے باوجود مسلمانوں کا حصہ تصور کیا جاتا ہے اور انہیں اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جاتا بلکہ ان کے مرشد آغا خاں تمام ہندوستانی مسلمانوں کے متفقہ سیاسی رہنما ہیں، تو قادیانیوں کو اسلام سے خارج کرنے کی تحریک ڈاکٹر صاحب کے نزدیک کیونکر حق بجانب ہوسکتی ہے؟!

پنڈت نہرو آغا خانیوں کے عقائد اور ان کے پیشوا کے مشاغل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سر آغا خاں ایک وسیع اور متمول جماعت کے امام اور مذہبی رہنما ہیں۔ اور ان کے عقیدت مندان کی طرف الٰہی صفات بھی منسوب کرتے ہیں۔ بعض انہیں اوتار اور خدائی صفات کا مظہر قرار دیتے ہیں۔

جنت و دوزخ کو سر آغا خاں کی سفارش سے وابستہ سمجھا جاتا ہے اور فرشتوں کے سردار جبرئیل کے نام سر آغا خاں کا اپنے پیروؤں کے لئے تعارف نامہ لکھنے کی داستان بہت مشہور ہے۔ سر آغا خاں کے غسل کے پانی کو بہت مقدس خیال کیا جاتا ہے اور معتقدین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جس کی قیمت سر آغا خاں کے جسم سے مساوی الوزن سونے کی قیمت کے برابر ہوتی ہے۔ سر آغا خاں میں بیشمار متضاد اوصاف جمع ہیں۔ ایک طرف وہ ایک مذہبی رہنما کی حیثیت کے مالک اور دوسری طرف مغربی طریق وتمدن کے دلدادہ، عرصہ اسپ رانی کے شہزادہ اور لنڈن وپیرس کی سوسائٹیوں میں ایک ممتاز شخصیت اور اپنے معتقدین کے عقیدہ کے مطابق خدائی یا نیم خدائی صفات سے متصف ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ہز ہائینس دی آغا خاں مسلمانان ہند کے ایک سرکردہ رہنما سمجھے جاتے ہیں اور گورنمنٹ اسی حیثیت سے ان کی قدر ومنزلت کرتی ہے۔ دوسرے مسلمان رہنما بھی جس وقت اپنے آپ کو کسی مشکل یا تکلیف میں مبتلا پاتے ہیں تو انہی کے سایہ ہمایونی میں پناہ لیتے ہیں۔ سر محمد اقبال کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا قدم بھی سر آغا خاں کے لوائے سیاسی کے نیچے ہی اٹھتا ہے۔

یہ واضح اور بین مثال پیش کرنے کے بعد پنڈت نہرو نے سر اقبال سے دریافت کیا ہے کہ سر آغا خاں کی یہ باتیں ان کے استحکام اسلام کے نظریہ کے کہاں تک مطابق ہیں؟ اگر ان باتوں میں حرج نہیں، انہیں برداشت کیا جا سکتا ہے اور ان سے اسلامی استحکام کو کوئی ضعف نہیں پہنچتا تو پھر جماعت احمدیہ کے خلاف ڈاکٹر صاحب کا واویلا کیا حقیقت رکھتا ہے؟!

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ڈاکٹر اقبال کی طرف سے تا حال کوئی جواب شائع نہیں ہوا۔ لیکن بعض دوسرے اخبارات نے اس تنقید کا جواب دیا ہے۔ ''احسان'' مورخہ یکم دسمبر میں ''پنڈت جواہر لال نہرو کے شبہات'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا گیا ہے۔ جس میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ''آغا خانی جماعت کے عقائد عام مسلمانوں کے عقائد سے بہت حد تک مختلف واقع ہوئے ہیں۔ ان کے بعض عقائد زرتشتی اور مانوی ادیان سے ماخوذ ہیں۔ آغا خاں کے متعلق ان کا جو عقیدہ ہے وہ اسلامی تعلیمات سے یکسر بیگانہ واقع ہوا ہے۔ لیکن ''ان لوگوں میں اور قادیانیوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ وہ تو عام مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ نہ انہوں نے مسلمانوں کا سیاسی یا معاشرتی مقاطعہ کر رکھا ہے۔'' علاوہ ازیں کہا گیا

ہے کہ قادیانی آغا خانیوں سے بھی زیادہ سرکار پرست واقع ہوئے ہیں اور ان کا مقصد نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی اسلامی قوت کو فنا کر کے انگریزی اقتدار کو قائم کرنا ہے۔اسی طرح انگریزی ہفتہ وار ''دی ٹروتھ'' لاہور نے 2 دسمبر کی اشاعت میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے قادیانی عقائد تکفیر ونبوت کو اسلامی استحکام کے لئے خطرناک قرار دیا ہے۔اوران وجوہات کی بنا پر جماعت احمدیہ کے وجود کو مسلمانوں کے لئے مضر قرار دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''احسان'' نے اپنے مقالہ میں زیادہ زور اسی بات پر صرف کیا ہے کہ قادیانیوں کو سرکار پرست، خوشامدی، انگریزی استعمار کے داعی اور اجتماعیت کے مخالف بتا کر پنڈت جواہر لال کے جذبہ آزادی وطن کو اپیل کرے اور انہیں احمدیت کے خلاف اکسایا جائے۔تا کہ وہ بھی احمدیوں کے وجود کو خطرناک تصور کرنے لگیں۔اس کے سوا پنڈت نہرو کے استفسارات کا کوئی وزنی جواب نہیں دیا گیا۔

رہا نبوت اور تکفیر کا سوال۔تو یہ بھی محض باتیں ہی باتیں ہیں۔ان لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ احمدیہ جماعت میں ایک گروہ ایسا بھی موجود ہے جو نہ کسی کلمہ گو کی تکفیر کرتا ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی آمد کا قائل ہے۔بلکہ ان عقائد سے سخت بیزار ہے۔لیکن اس کے باوجود ہمارے مخالفین دونوں جماعتوں کو اسلام سے خارج اور استحکام اسلامی کے لئے یکساں مضر قرار دیتے ہیں۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قادیانیوں کے عقائد تکفیر ونبوت کا عذر پیش کرنا محض ایک بہانہ ہے۔علاوہ ازیں اگر یہی عقائد احمدیوں کو اسلام سے خارج قرار دینے کے لئے وجہ بنائے گئے ہیں تو پھر تو بہت سے اسلامی فرقوں کو بھی خارج از دائرہ اسلام کرنا پڑے گا۔کیونکہ یہ عقائد دوسرے مسلمانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔لاکھوں اور کروڑوں مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک صاحب شریعت نبی کی آمد کے منتظر اور عملاً ختم نبوت کے منکر ہیں۔اسی طرح بیشمار فرقے ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہوئے اتحاد اسلامی کو پاش پاش کر رہے ہیں۔کیا ان سب کا وجود استحکام اسلامی کے لئے مضر نہیں؟اوران سب کو اسلام سے خارج نہ کرنا چاہئیے؟!

ختم نبوت بیشک اسلام کا اصولی اور بنیادی عقیدہ ہے۔لیکن توحید تو ختم نبوت سے بھی مقدم

ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ آغا خانی گروہ کا وجود تو حید اسلامی پر زد مارنے کے باوجود اسلامی استحکام کے لئے مضر نہیں۔ لیکن جماعت احمد یہ محض ان اسباب کی بنا پر، جو خود مسلمان علماء میں بھی موجود ہیں، اسلامی اخوت کے لئے خطرناک اور مسلمانوں سے علیحدہ کر دینے کے قابل ہے۔ جہاں تک سیاسی یا معاشرتی مقاطعہ کا تعلق ہے، اس کے متعلق بھی واقعات یہی بتاتے ہیں کہ آغا خانی عام مسلمانوں سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں سے ان کا وہ برتاؤ نہیں جو اپنے فرقہ کے لوگوں سے ہے۔ پس دراصل یہ سب باتیں بے حقیقت اور محض عذر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ احمد یہ جماعت کے خلاف جس قدر طوفان مخالفت بپا کیا گیا ہے۔ یہ محض سیاسی منچلوں کا اپنے ذاتی فوائد واغراض کے لئے ایک ہتھیار رہے۔ سیاسی رقابت نے مذہبی رنگ اختیار کرلیا ہے۔ احمد یہ جماعت کو قائم ہوئے نصف صدی کے قریب عرصہ ہو گیا ہے اور اس کے عقائد تمام دنیا پر اظہر من الشّمس ہیں۔ قادیانی جماعت کے عقائد نبوت وتکفیر کی تبلیغ بھی کوئی دو چار نہیں بلکہ اکیس برس سے ہو رہی ہے۔ وہ لوگ جو آج احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج کرانے کے درپے ہیں، ہمیشہ ہر بات میں ان سے اتحاد کرتے رہے ہیں اور احمد یہ جماعت کے وجود کو کبھی استحکام اسلامی کے لئے خطرناک نہیں سمجھا گیا۔ آج سے چند ہی سال قبل شملہ میں مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈروں نے، جن میں سر محمد اقبال بھی شامل تھے، مرزا محمود احمد صاحب کے عقائد کا علم ہونے کے باوجود تحریک کشمیر کی قیادت کے لئے ان کا نام تجویز کیا اور مسلمانوں کے کثیر حصہ نے اس انتخاب کو پسند کیا۔ کیا اس وقت سر اقبال اور ان کے ہمنواؤں کو احمدیوں کے ''مجوسیانہ'' معتقدات کا علم نہ تھا؟ اور کیا اس وقت احمدیوں کا وجود استحکام اسلامی کے لئے خطرناک نہ تھا؟ وہ کونسا ایسا حیرت انگیز انکشاف ہوا ہے یا وہ کونسا ایسا نیا عقیدہ ہے جس نے احمدیوں کے وجود کو اسلام کے لئے مضر بنا دیا ہے؟ کیا یہ سب سیاسی قلابازیاں نہیں؟

☆☆☆

بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر اور صدقہ جاریہ: چند ہی روز ہوئے میں نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ ہمارے احباب میں سے کوئی بزرگ بورڈنگ ہاؤس کے دو کمرے، جن پر فی کمرہ ایک ہزار روپیہ خرچ ہوگا، بنوا دیں تو ایک طرف بورڈنگ بن جائے گا اور دوسری طرف اس کا کرایہ بطور صدقہ جاریہ ان بزرگوں کی

طرف سے تقسیم قرآن پر خرچ ہوتا رہے گا۔ الحمد للہ کہ میری اس آواز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے دل تک پہنچا دیا اور خان بہادر میاں غلام رسول صاحب نے ایک کمرے کی تعمیر کو اپنے ذمہ لیا جو ان کی دو بیویوں کی طرف سے تعمیر ہوگا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء اب صرف ایک کمرے کا انتظام باقی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ کوئی بزرگ اس ثواب کو لینے والے بھی لبیک کہہ کر اس بوجھ کو ہلکا کر دیں گے۔ محمد علی

دستکاری جلد بھیجئے: دسمبر کا پہلا ہفتہ گزر گیا ہے مگر دستکاری کی آمد کی رفتار بہت سست ہے۔ اس لئے سب بہنوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ جلد از جلد اپنی اپنی دستکاری خاکسار کو بھیج کر سبکدوش ہوں۔ زنانہ جلسے ونمائش دستکاری کی تاریخ 22 دسمبر 1935ء اتوار مقرر ہوئی ہے۔ اس لئے تمام دستکاری 15 دسمبر سے پہلے پہلے پہنچ جانی چاہئیے۔ کیونکہ جلسے کے بعد دستکاری کا فروخت ہونا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ دستکاری بذریعہ ڈاک بھیجنے کی بجائے اگر کسی آنے والے کے ہاتھ بھیج دی جائے تو ڈاک کا خرچ بچ جاتا ہے۔ مبلغ اکثر دورہ کرتے رہتے ہیں۔ بہتر ہو کہ ان کو اپنی اپنی دستکاری دے دی جائے۔ دوسری ضروری گزارش یہ ہے کہ دستکاری پر جو خرچ آئے وہ ضرور لکھ کر لگا دیا جائے۔ اس طرح قیمت مقرر کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ آخر میں پھر عرض ہے کہ سب بہنوں کا فرض ہے کہ اگر وہ اشاعت اسلام کو ضروری سمجھتی ہیں تو اس حقیر سی مدد سے دریغ نہ کریں۔

خاکسار اہلیہ محمد علی

آنریری سیکرٹری احمدیہ انجمن خواتین، لاہور

❁❁❁

7 دسمبر 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

جلسہ سالانہ میں شمولیت کی دعوت

برادر مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سالانہ جلسہ کے لئے جس کی تاریخیں 26,25,24 دسمبر مقرر کی گئی ہیں شمولیت کی دعوت دیتے ہوئے اس بات کو دہرا دینا کافی ہے کہ اس سالانہ اجتماع کی بنیاد خود حضرت مسیح موعود نے اپنے ہاتھ سے رکھی اور اسے برکات کا موجب قرار دیا ہے۔ دو سال سے ہمارا جلسہ ایام رمضان میں ہوتا رہا ہے اور یہ آخری سال ہے جس میں رمضان میں جلسہ ہوگا۔ اور یہ دن اور راتیں بھی اجتماع کے لئے نہایت ہی مبارک ہیں۔ رمضان کا آخری عشرہ اور اس کے آخری دن (29,28,27) رمضان ان مبارک ایام میں اتنی بڑی جماعت کا ایک جگہ جمع ہونا۔ اجتماع پر تو ویسے بھی برکات الٰہی نازل ہوتی ہیں۔ اور جب اجتماع کے لئے ایسے مبارک دن میسر آجائیں۔ تو سبحان اللہ۔ اور پھر رمضان کے آخری ایام ہونے کے علاوہ ہمارے چالیس روزہ مجاہدہ کے بھی یہ آخری ایام ہیں۔ ہم نے اپنی اپنی جگہ پر اکیلے اکیلے یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے اسلام کی ترقی اور نصرت کے لئے دعائیں کی ہیں۔ اب ان تین ایام میں ہم سب کو اکٹھے ہو کر دعائیں کرنے کا موقعہ ملے گا۔ کیا عجب ہے کہ اس اجتماع کی آواز پر نصرت انہی کے دروازے کھل جائیں اور اللہ تعالیٰ اپنا کوئی ایسا نشان ظاہر کر دے جس سے متکبروں کی گردنیں بھی جھک جائیں۔

ایک اور بات بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ مظلوم کی آہ کو سنتا ہے۔ ہماری جماعت اس وقت سب سے بڑھ کر مظلوم جماعت ہے۔ ہم کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے۔ ختم نبوت کے بعد نبوت کے ماننے والے یا قادیانی یا دوسرے مسلمان، ایک دوسرے کو کافر کہنے والے بھی یہی دونوں گروہ۔ لیکن کمزور جماعت سمجھ کر احراریوں اور دوسرے لوگوں نے جس قدر ظلم ہم پر کیا ہے وہ قادیانیوں پر بھی، انہیں ہوا۔ دو جگہ ہماری جماعت کی میت کو قبرستانوں میں دفن ہونے سے روکا گیا۔ اور جگہ جگہ جس قدر اس جماعت کو مظالم کا تختۂ مشق بنایا گیا ہے۔ اس قدر جماعت قادیان کو بھی نہیں بنایا گیا۔ اس لئے کہ قادیان والے بالمقابل ڈنڈا لئے کھڑا لے ہیں۔ لیکن ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ خواہ مخواہ جماعت کی طاقت کو ان باتوں پر

ضائع کیا جائے۔ پھر دن رات ہم کو اخبارات میں گالیاں دی جاتی ہیں۔ حالانکہ ہم ان کو کچھ نہیں کہتے۔ ہم اپنی مجموعی طاقت صرف ایک ہی کام پر خرچ کر رہے ہیں۔ اعلاء کلمۃ اللہ پر اور خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانے پر، حضرت مسیح موعود نے جماعت کا نام احمد یہ آنحضرتؐ کے اسم احمد پر اسی وجہ پر رکھا کہ یہ مظلوم ہو کر تبلیغ کرنے کا زمانہ ہے۔ جس طرح آنحضرتؐ نے مکہ میں تکلیفیں اٹھائیں اور ظلم برداشت کئے۔ لیکن بالمقابل ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اسی طرح ہمیں بھی یہی حکم دیا کہ ظلم اور تکلیف اٹھا کر تبلیغ کے کام میں لگے رہو۔ اس لئے تمہارا نام احمدی رکھا جاتا ہے۔

ہاں یہ ظلم۔ کوئی ظلم بھی ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ اور خدا کا یہ وعدہ بھی ہے کہ وہ مظلوم کی دعا کو سنتا ہے۔ تو آؤ رمضان کے ان آخری ایام میں اپنے چالیس روزہ مجاہدہ کو اس اجتماع کی دعا پر ختم کریں اور وہ بھی اس بات کو نظر رکھتے ہوئے کہ ہمارے تبلیغ اسلام کے کام کی رکاوٹیں دور ہوں اور ہم پہلے سے زیادہ قوت سے اس کام کو کر سکیں۔ پس میں ایک مظلوم جماعت کا نمائندہ ہو کر یہ دعوت آپ کو دیتا ہوں۔ یہ اجتماع خدا کی رضا کے لئے ہو میں نہیں کہہ سکتا کہ میری آواز کس کس دوست تک پہنچے گی اور کس تک نہیں۔ اور جس کو پہنچے گی وہ اسے قبول کرنے کے لئے کہاں تک تیار ہوگا۔ اور آیا فی الواقع کسی صحیح عذر کی وجہ سے وہ شمولیت سے رہ جائے گا یا محض اس لئے کہ میری آواز میں کوئی اثر نہیں۔ میرا اور آپ کا تعلق محض للہی تعلق ہے۔ ہم سب کیوں اکٹھے ہوئے۔ صرف اس لئے کہ ہم حضرت مسیح موعود کے پاس خدا کی رضا کے لئے گئے تھے۔ اس لئے گئے تھے کہ دنیا ہمیں جو چاہے کہے لیکن ہمارا خدا ہم سے یہ چاہتا ہے کہ اس کے دین کو دنیا میں پھیلائیں۔ پھر جب قادیان میں کلمہ گوؤں کی تکفیر کی بنیاد رکھی گئی اور ختم نبوت کے بعد ایک نئی نبوت قائم کرنے کا تہیہ کر لیا گیا تو ہم پھر وہاں سے محض رضائے الٰہی کے لئے الگ ہو گئے۔ اس لئے کہ ہمارے ایمان کے مطابق نہ حضرت مسیح موعود نے کلمہ گوؤں کو کافر کہا نہ دعویٰ نبوت کیا۔ اگر یہ سچ ہے کہ ہم صرف رضاء الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے لاہور میں اکٹھے ہوئے اور اس انجمن کی بنیاد رکھی تو آج بھی اسی رضائے الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ میری اس دعوت کو قبول فرمائیں۔ بلاشبہ پیری مریدی کے سلسلوں میں زیادہ کشش ہوتی ہے۔ اور بہت لوگ ہیں جو پیر کی رضا کے حصول کے لئے ہر قسم کا دکھ اٹھا لینے کو تیار ہوتے ہیں۔ لیکن میں آپ سے یہ کہوں گا کہ خدا کے کلام کو سچا کر کے

دکھایئے۔ وَالَّذِینَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (165:2)

خدا کے دین کو پھیلانے کی تڑپ دلوں میں کس طرح پیدا ہو؟: حضرت مسیح موعود سے جو چیز میں نے لی یا آپ نے لی وہ اصل میں ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ آپ کے پاس بیٹھ کر خدا کے دین کو پھیلانے کے لئے ایک تڑپ دلوں میں پیدا ہوگئی اور آپ کے منجانب اللہ ہونے کی اس سے زیادہ زبردست دلیل کوئی نہیں۔ جو تڑپ آپ کے دل میں تھی اسی کی ایک ایک چنگاری آپ کے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں میں پڑتی گئی۔ کہیں اس چنگاری نے ایک زبردست شعلے کا رنگ اختیار کر لیا اور کہیں شائد اشغال دنیا کی راکھ کے نیچے دب بھی گئی۔ لیکن میرے دل پر جس بات کا بوجھ ہے وہ یہ ہے کہ کئی احباب ایسے ہیں جن کے دلوں کے اندر محبت الٰہی کے زبردست شعلے پیدا ہوئے۔ مگر مرور زمانہ نے دن پر کچھ پانی ڈال دیا۔ اب مجھ میں وہ طاقت اور اثر تو کہاں سے آئے۔ جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کو بھیجا تھا۔ لیکن یہ تڑپ ضرور ہے کہ کسی طرح ہم سب کے دلوں میں وہی تڑپ پھر پیدا ہو جائے جس کے سامنے دنیا کی محبتیں ٹھنڈی پڑ جائیں۔ اسی کے لئے میں نے چالیس راتوں کا مجاہدہ تجویز کیا تھا۔ تا کہ ہم اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے تنہائی کے ان اوقات میں، جب دل ہر ایک کدورت سے خالی ہوتا ہے، خدا سے دعا کریں کہ وہ ہمارے دلوں کے اندر پھر وہی آگ پیدا کر دے کہ ہم اس کے دین کو دیوانہ وار دنیا میں پھیلانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ تڑپ پیدا ہو جائے تو اس کے لئے سامان بھی میسر آ جائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ انسان کے دل کے اندر جب تڑپ پیدا کرتا ہے تو اس کے پورا ہونے کے سامان بھی مہیا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جلسہ پر آنے کے لئے ایک تیاری یہ کریں کہ خدا کے آگے گریہ وزاری کرتے ہوئے گرے رہیں کہ وہ ہم سب کے دلوں میں اپنے دین کو دنیا میں پھیلانے کا ایسا زبردست عشق پیدا کر دے۔ جس کو دنیا جنون سمجھ لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ دعا کے ساتھ ظاہری مجاہدہ بھی چاہتا ہے۔ کوئی دعا کارگر نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے ساتھ زبردست کوشش نہ ہو۔ خود ہمارے نبی کریمؐ کیا کرتے تھے؟ اگر آدھی رات خدا کے آگے گرے رہتے تھے تو سارا دن مخلوق خدا کے پیچھے پھرتے رہتے تھے۔ آپ کے عمل کو ہادیٔ راہ بنائے بغیر ہم منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتے۔ اسی سنت پر عمل پیرا ہونے کے لئے میں نے رات کی دعاؤں کے ساتھ دن کا

کچھ وقت بھی مجاہدہ کے لئے مانگا تھا۔ پیروں کو خوش کرنے کے لئے بڑے بڑے معزز عہدیداروں نے چکیاں پیسی ہیں۔ ایندھن اکٹھا کیا ہے اور ہر قسم کی عزت کی قربانی بھی کی ہے۔ لیکن کیا آپ وہ پرانا نمونہ پھر قائم کریں گے کہ خدا کی رضا کے لئے ہر قسم کی ذلت اور تکلیف اٹھانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ کسی کے دروازے پر جا کر وہاں سے ناکام آنا، کسی گالی کا سن لینا۔ دھکے کھانا، بلاشبہ یہ چیزیں انسان کے لئے بڑی تکلیف دہ ہیں۔ لیکن یہ یقین جانئے کہ خدا کے راستے میں تکلیف اٹھا کر جو لذت دعا میں پیدا ہوتی ہے وہ اور کسی طرح ہو سکتی ہی نہیں۔ خدا چاہتا تو وہ اپنے رسول کے لئے ہر قسم کے سامان یونہی مہیا کر دیتا۔ وہ آسمان سے اپنے فضلوں کی بارش برسانے پر قادر تھا۔ اب بھی ہے اور اس نے برسائی بھی۔ مگر کب؟ جب انسانوں کے دروازوں سے دھکے دلوائے اور آخر یہ دھکے کھاتے کھاتے ایک پُردرد دل سے یہ صدا اٹھی۔ اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یہ احساس اور اس کے ساتھ دل میں وہ درد پیدا نہیں ہو سکتا جب تک ہم لوگ بھی دوسروں کے دروازوں سے دھکے نہ کھا لیں۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا کی راہ میں کام کرنے والوں میں اور نہ کرنے والوں میں فرق ہو جائے۔ سال گزشتہ تو بہت سے احباب نے سپاہیوں کے طور پر بھی نام لکھوائے تھے۔ لیکن کسی نے نام لکھوایا ہو یا نہ لکھوایا ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس جماعت کے اندر شامل ہونے کی غرض یہ ہے کہ ہم خدا کے دین کا کچھ کام کریں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ:

1۔ خدا کے دین کو قوت پہنچانے کے لئے کچھ گداگری کریں۔ یہ تبلیغ بھی ہے۔ اگر آپ کو کچھ ملے گا نہیں تو آپ اپنی بات تو سنا آئیں گے۔ میں نے تو دیکھا نہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آدمی کو چندہ مانگنے کی وجہ سے ذلیل سمجھا گیا ہو۔ بلکہ معزز آدمی جب اپنے نفس کے لئے نہیں اپنی قوم یا خدا کے دین کے لئے کچھ کسی سے مانگنے جاتا ہے تو اس کی عزت بڑھتی ہے۔ لیکن اگر ذلت بھی ہو تو خدا کے رستہ میں ذلیل ہونا عزت کا مقام ہے۔ یہ آپ کا اختیار ہے کہ آپ اپنے دوست سے مانگیں یا کسی عزیز رشتہ دار سے مانگیں یا کسی ناواقف سے مانگیں، اپنے محلّہ میں یا گاؤں میں یا شہر میں مانگیں۔ یا دوسرے محلّہ میں دوسرے گاؤں میں دوسرے شہر میں جا کر مانگیں۔ خود جا کر مانگیں یا خط لکھ کر مانگیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں

کہ خواہ آپ جلسہ میں کسی وجہ سے نہ بھی آ سکتے ہوں تو بھی کچھ چندہ ضرور جمع کریں۔ کیا آپ ایک آنہ بھی نہیں لا سکتے؟ قومی خزانہ تو اس پانی کی طرح ہے جو ایک ایک ناچیز قطرہ سے ایک زبردست دریا بن جاتا ہے۔ پس کوئی دوست اس سے خالی نہ رہے۔

2۔ آپ یہ کوشش کریں کہ ایک آدمی اپنے ساتھ ضرور جلسہ سالانہ پر لائیں۔ اگر آپ کو خرچ کر کے بھی لانا پڑے تو لائیں۔ آپ کا کوئی عزیز ہو یا رشتہ دار ہو۔ یا دوست ہو۔ یا کسی کو آپ نے تبلیغ کر کے تیار کیا ہو۔

حضرت مسیح موعود کا ارشاد: اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ ہر ایک کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملے اور ان کے معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو۔ پھر اس کے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور اس جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہوں گے۔ ماسوا اس کے اس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں۔ کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ اسلام کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ اس جلسہ پر، جو کئی بابرکات مصالح پر مشتمل ہے، ضرور تشریف لائیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ روکوں کی پرواہ نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلاء کلمہ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں۔ جو عنقریب اس میں آملیں گی۔

11 دسمبر 1935ء

حضرت امیر کے قلم سے

تصویر کا دوسرا رخ

برادر مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کبھی آپ نے اس بات پر غور کیا کہ یہ جو عیسائی پادری اور ان کی کاسہ لیسی کرنے والے آریہ سماجی مصنف اسلام سے لوگوں کو متنفر کرتے ہیں تو کس طرح کرتے ہیں کیا وہ کبھی اسلام کی توحید اور اس عظیم الشان اخوت کا ذکر کرتے ہیں جو اسلام نے دنیا میں قائم کی۔ کیا کبھی اس انقلاب عظیم کا ذکر کرتے ہیں کہ کس طرح ایک اکیلے شخص نے نہ صرف عرب بلکہ روئے زمین کی تاریخ کو بدل دیا۔ ہزاروں لوگوں کی بت پرستی اور توہم پرستی کو دور کر کے توحید اور علم کا جھنڈا بلند کر دیا۔ زنا کاری، شرابخواری، جوئے اور ہزار ہا قسم کی بدکاریوں کو دور کر کے عرب ملک کو ہی نہیں کئی ملکوں کو تہذیب کے بلند سے بلند مقام پر پہنچا دیا یہاں تک کہ آج انسائیکلوپیڈیا بریٹنیکا میں اس کا اعتراف صرف کیا جاتا ہے کہ ''دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب انسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔'' مگر یہ تمام باتیں خود عیسائیوں کی آنکھوں سے اور ان کی کاسہ لیسی کرنے والوں سے پوشیدہ رہتی ہیں۔ اس لئے کہ ان تنگ نظر انسانوں کو آپ کی ذات بابرکات پر چند اعتراضات ہیں۔

میں بھی آپ کو ایک تصویر کا دوسرا رخ دکھانا چاہتا ہوں۔ ایک مدت ہوگئی ہے کہ آپ کے کانوں میں سوائے اس کے کوئی بات نہیں پڑتی ہوگی کہ مرزا کافر و دجال ہے اور اس کی جماعت بھی کافروں اور دجالوں کی ایک جماعت ہے۔ انتہاء درجہ کا تنفر آپ کے دلوں میں پیدا کر دیا گیا ہے اور ہمارے لئے بدترین الفاظ کا استعمال بھی اب آپ کو برا نہیں لگتا۔ لیکن اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ آخر اس جماعت نے خدا اور اس کے رسولؐ کا نام دنیا میں پھیلایا ہے اور ان مقامات میں پھیلایا ہے جہاں یہ آج تک نہ پہنچا تھا۔ کفرستانوں میں مسجدیں بنائی ہیں۔ جہاں آج تک اللہ اکبر کی آواز سنی گئی تھی۔ وہاں یہ آواز بلند کی ہے۔ سینکڑوں نہیں ہزار ہا لوگوں کو اسلام میں داخل کیا ہے۔ لارڈ ہیڈلے کو کس نے مسلمان کیا؟ سر عمر، ہیوبرٹ رینکن کو کس نے مسلمان کیا؟ ڈاکٹر مارقوس کو کس نے مسلمان کیا؟

بیرن عمر ایرنفلز کو کس نے مسلمان کیا؟ قرآن کریم، سیرت نبویؐ، تعلیمات اسلامی کے پچیس مختلف زبانوں میں ترجمے کر کے دنیا میں انہیں کس نے پھیلایا؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ اس قدر تبلیغ اسلام کا کام اس چھوٹی سی جماعت کے ہاتھ سے ہو گیا اور ان لوگوں کو جو ہمیں کافر و دجال قرار دیتے ہیں آج تک یہ توفیق نہ ملی کہ اس کا سواں حصہ ہی تبلیغ اسلام کا کام کر سکیں۔ اور پھر یہ کام بھی اس جماعت نے اس حال میں کیا جبکہ چاروں طرف سے اس کی یہ حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ اسے کافر دجال پادری قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی میتوں کو قبرستانوں میں دفن ہونے سے روکا جاتا ہے۔ اس کے آدمیوں کو ملازمتوں سے نکالا جاتا ہے۔ دن رات ان پر لعن طعن ہوتی ہے۔ مگر اپنے مسلمان بھائیوں سے یہ سب کچھ صلہ حاصل کرنے کے بعد بھی اس کے کام میں کوئی کمزوری واقع نہیں ہوئی بلکہ اللہ کے فضل سے یہ کام ترقی کر رہا ہے۔ اگر یہ کذابوں اور دجالوں کا گروہ تھا تو کیا تیرہ سو سال کی تاریخ اسلام میں کسی اور دجال اور کذاب کی بھی مثال ملتی ہے کہ اس نے اسلام کی ترقی کا اس قدر کام کیا ہو؟ کفرستانوں میں مسجدیں بنوائی ہوں۔ اللہ اکبر کی آواز تثلیث کے مرکزوں میں بلند کی ہو۔ قرآن شریف کے ترجمے کر کے دنیا میں پھیلایا ہو اور ہزارہا کاپیاں مفت پہنچا دی ہوں۔ ہزارہا انسانوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا ہو اور اسلام کی عزت دنیا میں قائم کی ہو۔ یہاں تک کہ اس کے سب سے بڑے مخالف پادری یہ بول اٹھے ہوں۔ جیسا کہ احمدیت کے متعلق لکھا ہے:

> ''یہاں ہم عیسائیت کے خلاف نئے سے نیا اور نہایت جارحانہ پروپاگنڈا کرتے ہیں جو کبھی دنیا میں پیدا ہوا ہو اور یہاں سے ایک عالمگیر نظام بیرونی مشنوں کا قائم کیا گیا ہے۔'' (انڈین اسلام صفحہ 229)

آخر آپ کے سینوں میں دل ہیں۔ خدا کا خوف کر کے غور کیجئے کہ کیا یہ کام دجالوں کا ہے۔ اس امت میں کذاب اور دجال تو ہو چکے ہیں کیا کوئی ایسی مثال بھی کسی کذاب کی آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ تو اشاعت اسلام میں مصروف ہو اور سچے مومن گھروں میں بیٹھے ہوئے صرف اس کے کذاب اور دجال ہونے کا وظیفہ کر رہے ہوں۔ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے کن ملکوں میں اسلام کی تعلیم کو پھیلایا تھا؟ کن کن کفرستانوں میں مسجدیں بنوا کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ. وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا

عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ کی آواز بلند کی تھی؟ کتنے لوگوں کو پیغمبر اسلامؐ کی غلامی میں داخل کیا تھا؟ اگر یہ باتیں درست ہیں تو للہ ہمارے مخالف سوچیں کہ ہم تو دن رات پادری، کذاب، دجال اور کافر کہلا کر بھی تبلیغ اسلام کے کام میں قدم آگے بڑھا رہے ہیں اور انہیں نہایت سچے مسلمان ہو کر بھی کہیں خدا اور اس کے رسولؐ کا نام پہنچانے کی توفیق نہیں ملتی۔ پہلے زمانہ میں تو مسلمان علاء کلمۃ اللہ کیا کرتے تھے اور دجال اور کافر اس کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ اور اب یہ زمانہ بدل گیا کہ دجال اور کذاب اور کافر اعلاء کلمۃ اللہ کا کام کرتے ہیں اور سچے مسلمان اس کام کو برباد کرنے کے درپے ہیں! پھر اسی تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ الزام تو ہم پر دیا جاتا ہے کہ ہم نے عقائد اہلسنت والجماعت کو چھوڑ دیا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ خود یہ لوگ جو ہماری مخالفت کرتے ہیں، ایک ایک عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ترک کرتے جاتے ہیں۔

1۔ مجدد کے آنے کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ صحاح ستہ میں حدیث موجود ہے۔ مگر اب ہمارے مخالف یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہی قابل تسلیم نہیں۔ لیکن ان لوگوں کو کیا کہا جائے گا جنہوں نے اسی حدیث کے ماتحت مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ اسی ملک میں حضرت مجددؒ سرہندی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ دو بزرگ گزرے ہیں۔ جو لوگ حدیث مجدد کو جھوٹا کہتے ہیں انہوں نے حضرت مرزا صاحب کو تو کذاب دجال کافر کہہ کر دل خوش کر لیا۔ لیکن وہ ان بزرگوں کے لئے کیا خطاب تجویز کرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث کے ماتحت مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ کیا ایک صحیح حدیث کو، جس کی صحت کے متعلق اکابر اہل سنت کا یہ قول ہے کہ حفاظ حدیث اس کی صحت پر متفق ہیں، جھوٹا کہنا اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے اور اسے سچا کہنا کفر اور دجالیت ہے۔ اور اگر یہ جھوٹی ہے تو حضرت مجدد صاحب سرہندی اور حضرت شاہ ولی اللہ کو کیا کہتے ہو اور اگر سچی ہے تو اس صدی کا کوئی اور مجدد بتاؤ!

2۔ اللہ تعالیٰ کا اس امت کے اولیاء کے ساتھ کلام کرنا اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور صحیح حدیث میں اس کی سند موجود ہے۔ رِجَالٌ يُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْبِيَآءَ اس امت کے بزرگوں کے ساتھ مکالمہ ہوگا گو وہ نبی نہ ہوں گے۔ بخاری میں موجود ہے اور سینکڑوں کی تعداد میں وہ اولیاء اللہ ہیں جنہوں نے خدا کے ساتھ ہمکلامی کی عزت پائی۔ لیکن آج خدا کے ساتھ ہمکلامی پر وہ استہزاء کیا جاتا ہے کہ الامان!

3۔ مسیح کا اس امت میں آنا اہلسنت والجماعت کے عقائد میں لکھا ہوا موجود ہے مگر آج مخالفت کی انتہاء اس بات پر ہوگئی ہے کہ اس عقیدہ کو بھی جواب دے رہے ہیں۔ بلکہ اسے مجوسیوں کا خیال قرار دیا جا رہا ہے اور بعض صحیح بخاری اور صحاح ستہ کی ان سب احادیث کو جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی ہے مجموعہ اباطیل قرار دے رہے ہیں۔ مگر کوئی مسلمان ان سے پوچھتا نہیں کہ تم اہلسنت والجماعت کے مسلمہ عقیدہ سے کیوں انحراف کر رہے ہو۔ دو حالتوں سے خالی نہیں یا یہ مانا جائے کہ آنے والا مسیح خود حضرت عیسیٰؑ نہیں بلکہ اس امت کا ایک مجدد ہوگا اور یا مسیح کے آنے کے عقیدہ کو باطل ٹھہرایا جائے۔ کیونکہ اگر حضرت مسیح خود آجائیں تو ختم نبوت باطل ہوتی ہے اور آخری نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ رہے۔ حضرت عیسیٰؑ ہو گئے۔ اور اگر مسیح کے آنے کو باطل ٹھہرایا جائے تو اس کے ساتھ ہی حدیث کو جواب دینا پڑتا ہے۔ لیکن اگر صحیح بات کو مان لیا جائے تو کوئی دقت باقی نہیں رہتی۔ نبوت آنحضرتؐ پر ختم ہوگئی۔ مسیح کے اس امت میں آنے کا ذکر صحیح ترین احادیث میں موجود ہے۔ مگر جہاں مسیح کے آنے کا ذکر ہے وہیں صاف فرما دیا اِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ کہ وہ تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ یعنی وہ مسیح بنی اسرائیل نہ ہوگا جو نبی اللہ تھا بلکہ مسلمانوں میں سے ہی مسلمانوں کا ایک امام ہوگا۔ اور پھر صحیح بخاری میں ہی مسیح بنی اسرائیل کا حلیہ دیا ہے کہ سفید رنگ اور گھنگھریالے بال ہیں اور آنے والے مسیح کا حلیہ دیا ہے کہ گندم گوں رنگ اور سیدھے بال ہیں۔

میں بالآخر انصاف پسند احباب سے اپیل کرتا ہوں کہ ہمارا بیس سال کا کام دیکھیں

1۔ وسط یورپ میں ایک عالیشان مسجد کھڑی کر دی۔

2۔ تین مشن یورپ میں قائم کئے۔ دو عنقریب قائم ہونے والے ہیں۔

3۔ یورپ کی تین زبانوں میں قرآن شریف کے ترجمے کئے۔

4۔ پچیس زبانوں میں سیرت نبوی اور اسلامی لٹریچر پھیلایا۔

5۔ دس ہزار کاپی ترجمہ قرآن شریف کی اور دس ہزار کاپی سیرت نبوی کی مفت تقسیم کی اور یورپ اور امریکہ کی لائبریریوں میں اسے پہنچایا۔

6۔ لاکھوں کی تعداد میں ٹریکٹ مفت تقسیم کئے۔

7۔چار ہزار اچھوت پنجاب میں اور سینکڑوں یورپین داخل اسلام کئے اور اب ڈاکٹر امبید کار کے اعلان پر بمبئی اور مدراس کے صوبوں میں تبلیغ اسلام کا کام شروع کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

8۔دو ہائی سکول مع بورڈنگ ہاؤس بنوائے۔

اور ہمارے عقائد دیکھئے:

1۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم کسی نبی کے آنے کے قائل نہیں۔نہ نئے کے نہ پرانے کے۔

2۔تمام کلمہ گوؤں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور کسی کلمہ گو کی تکفیر کو بدترین گناہ۔

اس کام اور ان عقائد کے باوجود آپ خوشی سے ہمیں کافر اور دجال کہیں۔لیکن ایک بزرگ کو، جو فوت ہو چکا اور جس نے لاکھوں سینوں میں اشاعت اسلام کی آگ لگا دی، گالیاں دینے کا شیوہ ترک کر دیں۔وہی گالیاں ہیں جو سالہا سال سے دوہرائی جا رہی ہیں۔آپ ان کو ختم کر کے تعمیر اسلام کے کسی کام میں لگ جائیں۔آپ کے سامنے ڈاکٹر امبید کار کا اعلان ہے۔اچھوتوں میں اسلام کے پھیلانے کے لئے مسلمانوں کی ساری قوت بکار ہے۔اس طرف توجہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے انعاموں اور برکات کے مستحق ہوں۔اگر آپ اس کام میں مالی رنگ میں توجہ کرنے کے قابل نہیں تو مسلمانوں کو خدا نے دعا کا ہتھیار بھی دیا ہے۔اور یہ رمضان کے مبارک دن میں دعا ہی میں لگ جائیں کہ اللہ تعالیٰ اس ملک میں اسلام کا بول بالا کرے۔والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ۔احمدیہ بلڈنگس، لاہور

۞ ۞ ۞

21 دسمبر 1935ء

ہماری قومی امانت

حضرت امیر کا ایک ضروری ارشاد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ. وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِيْرَهٗ. (75:14-15)

برادر مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی بھاری امانت ہماری قوم کے سپرد کی ہے اور وہ ہے قرآن کریم کو دنیا کے کناروں تک پہنچانا۔ اسی کام کو قوت دینے کے لئے اور اس کے متعلق مختلف تدابیر سوچنے کے لئے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہماری قوم کا اجتماع 24،25،26 دسمبر کو ہو رہا ہے۔ اس کے متعلق آپ کو دعوت بھی پہنچ چکی ہے اور آپ نے جو فیصلہ کرنا ہوگا وہ بھی کر چکے ہوں گے۔ اس لئے اس کے متعلق اس وقت کچھ کہنے کا چنداں فائدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ، جو انسان کے دل کے اندرونی رازوں سے واقف ہے بلکہ ان سے بھی، جن کو انسان خود نہیں جانتا، فرماتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو خوب سمجھتا ہے۔ عذر جس قدر چاہے کرتا رہے۔ پس! آپ نے فیصلہ کر لیا ہوگا یا ایک دن اور میں کر لیں گے کہ اس مبارک اجتماع میں، جس کی مثل اجتماع ملنا پھر مشکل ہوگا، آپ شامل ہوں گے یا نہ۔ میری تو صرف یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب احباب کے دلوں میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی وہ آندھی اٹھائے جو باطل عذرات کے خس وخاشاک کو اڑا لے جائے۔ کیونکہ ایسے دن پھر نہ ملیں گے۔ نہ بظاہر ایسا مبارک اجتماع پھر جلد میسر آئے گا۔ اور جب آئے گا۔ تو اس وقت بہت سے احباب اپنے مولیٰ سے جا ملے ہوں گے۔ البتہ اس وقت میں ایک نہایت ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ 24 دسمبر کو دو بجے دن کے جلسہ کی ابتداء رکھی گئی ہے۔ اور جلسہ کا افتتاح نماز سے اور دعا سے ہوگا۔ پس جملہ احباب 24 دسمبر کو ایک بجے سے پہلے یہاں پہنچ جائیں۔ تاکہ نماز میں اور دعا میں وہ شریک ہوں۔ میں تقریروں سے زیادہ اس کو ضروری سمجھتا ہوں۔ آؤ اور اکٹھے ہو کر اپنی آواز کو بارگاہ الٰہی تک پہنچاؤ۔ تا خدا کی رحمتوں کے دروازے تم پر کھل جائیں۔ پیچھے اختیار ہے کہ جن احباب کو ضرورت ہو وہ اجازت لے کر جلد چلے جائیں۔ لیکن ابتداء میں سب کا اکٹھا ہو جانا ضروری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے یہ دو یا تین دن صرف ذکر الٰہی کے لئے مخصوص

ہوں۔اعلاء کلمۃ اللہ کی تمام تجاویز بھی ذکر الٰہی میں شامل ہیں۔اس لئے جو احباب تشریف لائیں وہ نمازوں میں بالالتزام اکٹھے ہوں۔لاہور کے رہنے والے بھی اور بیرونی احباب بھی۔اس کے لئے میں پسند کروں گا کہ حتی الوسع بیرونجات کے احباب اپنا قیام احمدیہ بلڈنگس کے قریب رکھیں۔تا کہ پانچوں نمازوں میں اور درس قرآن شریف میں شامل ہوسکیں اور جو ضرورتاً دور رہیں۔وہ بھی پانچوں نمازوں میں یہاں پہنچنے کا انتظام کریں۔ایک بات اور بھی ہے۔عید انشاء اللہ 27 یا 28 کو ہوگی۔احباب واپس اپنے گھروں میں پہنچ کر عید کرنا چاہیں۔ان کے لئے واپس پہنچنے کا وقت کافی ہوگا۔لیکن جو احباب ایسے مقامات پر رہتے ہیں کہ جہاں ایک ایک دو دو آدمی جماعت کے ہیں وہ بہتر ہے کہ نماز عید یہیں ادا کریں۔والسلام محمد علی

تبلیغی عید کارڈ: پڑھے لکھے مسلمانوں میں عید کارڈوں کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے کہ وہ تمدن کا ایک جزء بن گئے ہیں۔کم از کم اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے میں انہیں عید کی سویوں اور شب برأت کے حلوے جیسی حیثیت حاصل ہوتی جارہی ہے۔لیکن موجودہ صورت میں یہ اسراف کے ایک خوشنما اور فیشن ایبل ذریعہ کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہیں۔قوم کو ان کے رواج کا کوئی فائدہ نہیں۔بلکہ اکثر عید کارڈ، جن پر سوقیانہ اشعار اور نیم عریاں تصاویر ہوتی ہیں، سخت اخلاقی نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔اگر نقصان رساں رسم ورواجات کی بیخ کنی کی بجائے انہیں ایسی شکل دے دی جائے کہ وہ مفید بن جائیں، تو یہ اصطلاحی نقطہ نگاہ سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔اسی خیال کے پیش نظر ہماری انجمن نے تبلیغی عید کارڈوں کا سلسلہ شروع کیا ہے۔گذشتہ سال سپین مشن عید کارڈ تیار کرائے گئے تھے۔جو نہ صرف جماعت کے اندر بلکہ تمام سنجیدہ بامذاق اسلامی حلقوں میں بھی از حد پسند کئے گئے۔اس سال برلن مشن عید کارڈ تیار ہوئے ہیں۔جن پر نہایت خوبصورتی اور موزونیت سے برلن مسجد کی تصویر اور یورپ کا نقشہ چھاپا گیا ہے۔یہ کارڈ تبلیغ کا آسان اور عمدہ ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ برلن مشن کی مالی امداد کا باعث ہو سکتے ہیں۔بشرطیکہ احباب انہیں اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور شناساؤں کو بکثرت بھیجیں۔اگر روشن خیال غیر از جماعت مسلمانوں کو توجہ دلائی جائے تو وہ باسانی مروجہ فضول عید کارڈوں کی بجائے ان تبلیغی کارڈوں کو خریدنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔جلسہ سالانہ کے ایام میں انشاء اللہ عید کارڈ تیار ملیں گے۔

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

7 شوال المکرّم 1354ھ
3 جنوری 1936ء

تا

8 شوال المکرّم 1355ھ
23 دسمبر 1936ء

جلد 14

احمدیہ انجمن لاہور

نام کتاب	:	افکارِ محمد علیؒ (جلد 14)
ناشر	:	دارالکتب علمیہ، 5 عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
باہتمام	:	محمد ارشد علوی
طبع	:	اول
تعداد	:	300
مقام اشاعت	:	5۔عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ نے ادا کیے ہیں۔(برائے مفت تقسیم)

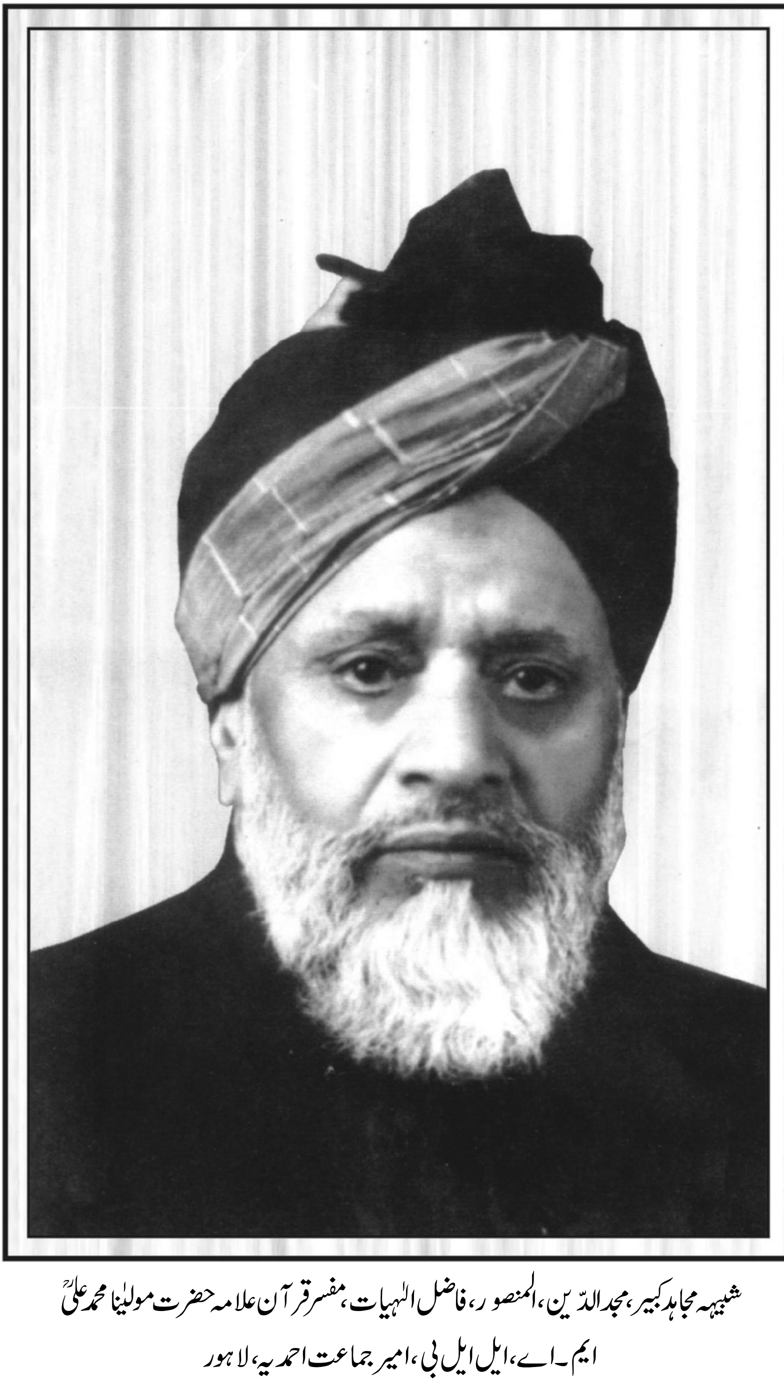

شبیہہ مجاہد کبیر، مجدد الدّین، المنصور، فاضل الٰہیات، مفسر قرآن علامہ حضرت مولانا محمد علیؒ

ایم۔اے، ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر
— محمد اعظم علوی

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی۔ جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض انجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمہ القرآن جس کی ابتداء 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کی دوسری ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوئی اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ وتفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ '' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی) 1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجنز آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت

اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اور اسی طرح سال بہ سال حضرت مولانا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی۔ اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ''عشق قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی۔ تا کہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعی اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِهٖ۔

خاکسار

عامر عزیز بن عبد العزیز الازھری

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

حرف اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی 14 ویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔ اس میں اخبار پیغام صلح 3 جنوری 1936ء تا 23 دسمبر 1936ء سے انتخاب شامل ہے۔ اگرچہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولٰینا محمد علیؒ ہیں۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کررہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجروثواب سے وافر حصہ دے۔قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فردگذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار
محمد ارشد علوی
انچارج شعبہ تالیف وتصنیف

فہرست

7 جنوری 1936ء

ارشاد الٰہی

جماعت احمدیہ کی اولین توجہ کی ضرورت

قَالَ اللّٰہ تَعَالٰی: ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَمِنْکُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ. (38:47)

ترجمہ: ’’دیکھو تم وہ لوگ ہو جو بُلائے جاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو، پس تم میں سے وہ ہے جو بخل کرتا ہے، اور جو کوئی بخل کرتا ہے تو وہ صرف اپنی جان سے بخل کرتا ہے اور اللہ (تعالیٰ) بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر تم پھر جاؤ تو وہ تمہارے سوا کسی اور قوم کو بدل کر لے آئے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔‘‘

اسلام کے متعلق حدیث میں آیا ہے **یَبْدَءُ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَّسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا.** اسلام غربت کی حالت میں پیدا ہوا اور اس پر ایک وقت پھر آئے گا کہ یہ غربت کی حالت میں لوٹ جائے گا۔ چنانچہ آج یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے اور اسلام واقعی بڑی کس مپرسی اور غربت کی حالت میں ہے۔ ابتدائی زمانہ اسلام کے بے شمار واقعات تاریخ میں مذکور ہیں۔ سب سے اول اسلام کو قبول کرنے والے بھی غریب اور بے چارہ لوگ ہی تھے۔ مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیف دی جاتیں اور ہر ممکن طریق پر انہیں دکھ اور اذیت پہنچائی جاتی۔ نہ ان کے پاس دولت تھی۔ نہ طاقت نہ جمعیت۔ مٹھی بھر انسانوں کی ایک جماعت تھی۔ جن کے پاس کوئی ساز و سامان موجود نہیں تھا۔ بدر کی لڑائی میں جب کفار مکہ ایک لشکر جرار لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تو ان کے مقابلہ کے لئے صرف تین سو تیرہ مسلمان نکلے۔ جن کے پاس فقط دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے اور سامان حرب بھی کافی نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی قربانیوں اور خلوص کے باعث فتح بخشی۔ آہستہ آہستہ مسلمانوں میں طاقت اور جمعیت پیدا ہونی شروع ہوئی اور متمول اور دولت مند لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ لیکن ان لوگوں کی دولت اور ان کا پیسہ ان کی اپنی ذات کے لئے مخصوص نہ رہا۔ بلکہ یہ دولت قومی کاموں پر صرف ہونا شروع ہوئی۔ صحابہ کرامؓ کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ خدا کی امانت سمجھا جانے لگا۔ جب کبھی بھی اسلام کی اعانت اور اعلاء کلمۃ

اللہ کے لئے روپیہ کی ضرورت محسوس ہوتی تو صحابہؓ نے اپنی ساری ساری دولت رسولؐ اللہ کے قدموں میں ڈال دی اور اپنا سب کچھ دین کے لئے قربان کرنے پر تیار ہو گئے۔ یہ اسی جذبہ ایثار وقربانی کا نتیجہ تھا کہ اس قدر قلیل عرصہ میں اسلام نے حیرت انگیز طاقت وترقی حاصل کرلی۔

آج بھی یہ حالت ہے کہ کثرت تعداد کے باوجود مسلمانوں کے قومی کام ایک کس مپرسی کی حالت میں ہیں اور اسلام پر غربت طاری ہے۔ مسلمان افراد کے پاس دولت اور روپیہ بھی موجود ہے۔ انہیں طاقت اور اقتدار بھی حاصل ہے۔ وہ دولت خرچ کرنے پر قدرت بھی رکھتے ہیں۔ لیکن ان کی دولت قومی کاموں پر صرف نہیں ہوتی اور ان کا پیسہ اور ان کی طاقت اشاعت اسلام اور حفاظت دین کے لئے خرچ نہیں ہوتی بلکہ مسلمانوں کا مال عیاشی، اسراف، دنیاوی آسائش اور جاہ جلال بڑھانے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ مسلمان دنیا کے لئے تو روپیہ خرچ کر سکتے ہیں لیکن دین یا خدمت اسلام کے لئے ان کا روپیہ صرف نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس پیسہ اور طاقت ہونے کے باوجود ان کا دین غربت کی حالت میں ہے۔

جس طرح ابتداء اسلام میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو توفیق دی کہ وہ اپنی پیہم اور بے نظر قربانیوں سے اسلام کا بول بالا کر دیں۔ اسی طرح آج بھی خدائے عزیز وقدیر نے صحابہؓ کے رنگ میں رنگین ایک جماعت بروز محمدؐ کے متبعین کی پیدا کی ہے۔ جو اس بات کا عہد کر چکی ہے کہ وہ اپنی قربانیوں سے اسلام کی غربت وبے چارگی کو ایک دفعہ پھر اس کی عالمگیر ترقی اور عزت وشوکت سے بدل دے گی۔ اس وقت ہماری مخاطب وہی جماعت ہے۔

آیت مندرجہ بالا کی تفسیر میں روح المعانی میں ایک روایت مذکور ہے کہ اس کے ان الفاظ پر کہ ''اگر تم پھر جاؤ تو اللہ تمہاری جگہ ایک اور قوم کھڑی کر دے گا'' صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں۔ جن کے لانے کا یہاں ذکر ہے۔ تو آپؐ نے سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ ''یہ اور اس کی قوم۔'' اور پھر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر ہو تو فارس کے کچھ لوگ اسے واپس لائیں گے۔ یہ امر کسی زیادہ وضاحت کا محتاج نہیں کہ سلمان فارسیؓ کی قوم کی مصداق اس وقت خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ ہی ہے۔ جس کے امام کو حضرت سلمانؓ کی قوم میں سے ہونے کی عزت حاصل ہوئی اور خدا کے فضل سے مسیح موعود نے اس زمانہ میں واقعی ثریا پر سے ایمان کو واپس لا کر

اپنی صداقت کا ثبوت پیش کیا ہے اور آپؒ ابناء فارس کی حدیث کے صحیح مصداق ثابت ہوئے۔ پس ہماری جماعت کو بجا طور پر خوش ہونا چاہیئے کہ یہ شرف اسی کے لئے مقدر تھا کہ وہ صحابہ کرامؓ کی قائم مقام جماعت قرار دی جائے۔ اور جب تمام لوگ اعلاء کلمۃ اللہ اور خدمت دین کے کام سے بے پروا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عظیم الشان مشن کے لئے انتخاب کیا۔

حضرت مسیح موعود کے متبعین بے شک خدمت دین کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کر چکے ہیں۔ لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ابھی ان کی قربانیوں میں وہ رنگ پیدا نہیں ہوا جو صحابہ کرامؓ کی قربانیوں میں تھا۔ صحابہؓ کی قائم مقامی کا شرف صحیح معنوں میں اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب قوم کے اندر وہی جذبہ ایثار پیدا ہو جائے جو اسلام کے پہلے فدائیوں میں تھا۔ اگر یہ حقیقت پیدا نہیں ہوئی تو پھر ہم اس عزت کے حق دار بھی نہیں۔ اگر ان بزرگوں نے اپنا تن من دھن اسلام کے لئے قربان کر دیا تھا تو آج ضرورت ہے کہ ہم بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنا سب کچھ خدمت اسلام کے لئے قربان کر دیں۔ کیونکہ اسلام کی غربت اسی طرح دور ہوسکتی ہے۔

حضرت امیر اید ہ اللہ بنصرہٖ کی اپیل بعنوان ''ارشاد الٰہی'' سب دوستوں تک پہنچ چکی ہے۔ جماعت کے ہر فرد سے ایک ماہ کی آمد کا مطالبہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ ایسی بڑی قربانیوں کو نہیں چاہتا جیسی قربانیاں اصحابؓ محمدؐ کو کرنی پڑیں۔ جماعت کے لئے اس مطالبہ پر لبیک کہنا کچھ بڑی بات نہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نصرت اور طاقت کا ایک زریں موقع پیدا کر دیا ہے۔ ہمیں اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور امیر جماعت کی اپیل پر زیادہ تاخیر کے بغیر ایک ایک ماہ کی آمد اشاعت اسلام کے لئے حاضر کر دینی چاہیئے۔ جو یکمشت ادا نہیں کر سکتے ان کے لئے اقساط میں ادا کرنے کی رعایت بھی موجود ہے۔ معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔

آیت مندرجہ بالا اس وقت بالکل ہمارے حسب حال ہے۔ ہمیں دعوت دی جاتی ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کریں۔ ہم میں سے اگر کوئی بخل کرتا ہے تو وہ جان لے کہ وہ اپنی جان سے بخل کرتا ہے۔ اللہ تو ہمارے اموال سے بے نیاز ہے البتہ ہم ہی محتاج ہیں۔

11 جنوری 1936ء

ادار یہ

استحکام جماعت کے متعلق ایک ضروری تجویز

بیکار نوجوانوں کو کام میں لانے کا سوال!

آج کل ساری دنیا اقتصادی بدحالی کے عذاب میں گرفتار ہے۔ روزگار کا مسئلہ روز بروز زیادہ نازک و پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ چاروں طرف بیکاری کا رونا ہے۔ ہندوستان میں یہ مصیبت اکثر ممالک سے زیادہ تکلیف دہ اور پریشان کن صورت میں موجود ہے۔ تعلیم یافتہ اور سفید پوش نوجوان سب سے زیادہ بیکاری کے مرض میں مبتلا ہیں۔ ہر طرف ہمیں ان لوگوں کے حواس باختہ مایوس و متلاشی گروہ نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں پر روزگار کے دروازے برادران وطن کی نسبت زیادہ سختی سے بند ہیں۔ تجارت ان کے ہاتھ میں نہیں۔ سرکاری دفاتر میں ان کے لئے بہت ہی کم گنجائش ہے۔ صنعت و حرفت کا میدان بھی رفتہ رفتہ مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن رہا ہے۔ جماعت احمدیہ بھی مسلمانوں ہی کا ایک حصہ ہے لیکن اس کے لئے دوہری مصیبت ہے۔ انہیں بحیثیت مسلمان برادران وطن کی ''نوازشوں'' سے بھی حصہ ملتا ہے۔ پھر مسلمان بھائیوں نے ہمارے حال پر جن ''عنایات'' کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اسے بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں یہ بات اشد ضروری ہے کہ جماعت کے بیکار نوجوانوں کے لئے روزگار مہیا کرنے کی غیر معمولی اور منظّم کوشش کی جائے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ بزرگان سلسلہ اس اہم ضرورت سے غافل نہیں۔ قبل ازیں بھی اس بارہ میں کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا ہے۔ لیکن اب اس کو زیادہ وسعت دینے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔

جن دوستوں نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا خطبہ عید مطالعہ فرمایا وہ جانتے ہیں کہ اس سال کے لئے استحکام جماعت کا جو پروگرام تجویز ہوا اس میں اس مسئلہ کو کافی اہمیت دی گئی ہے۔ 3 جنوری کے خطبہ جمعہ میں اس امر کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔ بیکاری کے طوفان اور مشکلات کے ہجوم کے باوجود کام کرنے والے نوجوانوں کے لئے ہر شعبہ زندگی میں کافی گنجائش ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ بیکاروں کے لئے روزگار تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو مختلف کاموں کی تربیت دے کر مفید و کارآمد

بنایا جائے۔ اس کی یہ صورت تجویز کی گئی ہے کہ جماعت کے بیکار نوجوان مرکز میں آ جائیں۔ یہاں ان کو کام سکھلانے اور کام دلانے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ لیکن یہ ایک ایسی جدوجہد ہے کہ جس میں مرکز کے چند بزرگ اور کارکن تنہا کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ بیرونی جماعتیں اور احباب ان کی خاطر خواہ مدد نہ کریں۔ ہر ایک شخص کا ایک حلقہ اثر ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں تھوڑے بہت ذرائع ہوتے ہیں۔ پھر صاحب استطاعت لوگوں کے پاس بیکاروں کے لئے کام مہیا کرنے کی گنجائش بھی ہوتی ہے۔ ان سب کو اس کار خیر میں شرکت کرنی چاہیئے۔ ایک نوجوان آدمی کے لئے بیکاری سب سے بڑی مصیبت اور بہت بڑا اخلاقی خطرہ ہوتی ہے۔ بیکار نوجوان اپنے خاندان اور اپنی قوم پر ایک ناگوار اور نقصان رساں بوجھ ہیں۔ ان کے لئے مناسب روزگار مہیا کر دیا جائے تو پھر یہ بوجھ بجائے قوم کے دست بازو بن جاتے ہیں۔ اگر ہم اپنے نوجوانوں کے لئے کام مہیا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو قلت تعداد کے باوجود ہمیں قابل رشک طاقت حاصل ہو سکتی ہے اور جماعت کی ترقی کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو سکتا ہے جو اسے دنوں میں عروج پر پہنچا دے گا۔

20 جنوری 1936ء

اداریہ

انجمن حمایت اسلام لاہور کی تطہیر

اراکین انجمن کی ''میرزائیت نوازی'' اور سر محمد اقبال کا استعفاء

قارئین کرام تک یہ خبر پہنچ چکی ہو گی کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال انجمن حمایت اسلام لاہور کی صدارت سے مستعفی ہو چکے ہیں۔ اور استعفاء کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ انجمن کے اراکین میں ''مرزائی عنصر'' بھی موجود ہے اور انجمن کے بہت سے ارکان ''میرزائیت نواز'' واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب ایسی انجمن کی صدارت نہیں فرما سکتے۔ ڈاکٹر صاحب کا استعفاء جب انجمن کی جنرل کونسل میں پیش ہوا تو انجمن نے فیصلہ کیا کہ بعض سر کردہ ممبروں کا ایک وفد ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بھیجا جائے جو ان سے استعفاء واپس لینے کی درخواست کرے۔ یہ وفد جب سر اقبال کے پاس پہنچا تو آپ نے اراکین وفد کی درخواست کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ انجمن میرزائیوں کے متعلق جب تک کوئی صاف اور غیر مشتبہ فیصلہ کر کے عام بدگمانی کو دور نہیں کرتی، اس وقت تک ڈاکٹر صاحب اپنا استعفاء واپس نہیں لے سکتے۔ آپ نے کہا کہ انجمن کے مفاد کا تقاضہ یہ ہے کہ انجمن مسلمانوں کی رائے عامہ کا احترام کرے اور عام مسلمانوں کے خیالات کے ساتھ ساتھ رہے۔ (''مجاہد'' مورخہ 14 جنوری)

انجمن حمایت اسلام کو قائم ہوئے اکاون برس ہو چکے ہیں۔ اور جماعت احمدیہ کو وجود میں آئے بھی پینتالیس سال گزر چکے ہیں۔ انجمن حمایت اسلام چونکہ تمام مسلمانوں کی مشترکہ انجمن ہے اس لئے جماعت احمدیہ کے کئی ممبر انجمن حمایت اسلام کے وقتاً فوقتاً رکن رہ چکے ہیں۔ اور اس کے مختلف شعبہ جات میں کام کر چکے ہیں۔ انجمن کو مالی امداد بھی باقاعدہ دیتے رہے ہیں۔ یتیم خانہ کی اعانت بھی کرتے رہے ہیں۔ اسلامیہ کالج میں احمدیہ جماعت کے کئی افراد پروفیسر کی خدمات بجالاتے رہے۔ بلکہ کالج کی پرنسپل شپ بھی احمدیوں کے سپرد رہی ہے۔ اور مختلف حیثیتوں میں احمدیہ جماعت کے ممبر اس انجمن سے تعاون کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ خطرہ آج تک کسی کو محسوس نہ ہوا کہ انجمن میں احمدیوں کا وجود خطرہ کا باعث ہے اور انجمن کا مفاد اسی میں ہے کہ اس کو احمدیوں کے وجود سے پاک کر دیا جائے۔ یہ باریک بینی صرف ڈاکٹر

سر اقبال کے لئے مخصوص تھی کہ وہ انجمن کو اس خطرہ عظیم سے آگاہ کر دیتے اور اس کو اس کے مفاد کی صحیح راہ بتا دیتے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جس ''مرزائیت نوازی'' کو اراکین انجمن حمایت اسلام کا سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ خود ڈاکٹر سر اقبال بھی اس کے مرتکب رہے ہیں۔ ابھی کل تک آپ بھی بڑے ''مرزائیت نواز'' تھے۔ جماعت احمدیہ کی خدمات کے آپ ہمیشہ معترف رہے ہیں۔ اسے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ قرار دے چکے ہیں۔ اس کے تبلیغی مشاغل کو اسلام کی خدمت اور زمانہ کی اہم ضرورت بیان کر چکے ہیں اور اسلامی تحریکوں کی قیادت احمدیوں کے سپرد کرنے میں بذات خود حصہ لے چکے ہیں۔ آپ حضرت مرزا صاحب کے معتقدات اور دعاوی سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ اور کئی مرتبہ حضرت اقدس سے بالمشافہ گفتگو بھی کر چکے ہیں۔ لیکن آج وہی ڈاکٹر اقبال احمدیت تو کیا احمدیت نوازی کو بھی سب سے بڑا گناہ قرار دیتے ہیں ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

انجمن حمایت اسلام اگر احمدی افراد کی کنیت گوارا نہیں کر سکتی تو شوق سے نہ کرے۔ احمدی احباب دوسرے اداروں کے رکن بننے کے شائق نہیں۔ اس وقت ہماری جماعت کے احباب میں سے صرف جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے ممبر ہیں یا شائد کوئی ایک آدھ اور دوست بھی ہوگا اور یہ لوگ محض تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کے حکم کے ماتحت انجمن حمایت اسلام کے کاموں میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ کیونکہ انجمن حمایت اسلام بھی آخر مسلمانوں کی مفید خدمات بجالا رہی ہے اور مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کو عمدگی سے سرانجام دے رہی ہے اگر یہ انجمن احمدیوں کے وجود کے بغیر بطریق احسن اپنا کام کر سکتی ہے تو احمدیوں کو بھی خواہ مخواہ اس میں گھسنے کی ضرورت نہیں۔ انجمن کو اپنا مفاد بہر حال مقدم رکھنا چاہئیے۔

لیکن کسی نئے اقدام کے لئے کوئی دلیل اور وجہ بھی ہونی چاہئیے اور انجمن کو کسی اصول کے ماتحت کام کرنا چاہئیے۔ مسلمانوں کی ''رائے عامہ'' کا احترام ایک بے معنی عذر ہے۔ اگر اس طرح انجمن ''رائے عامہ'' کے سامنے جھکنے لگے تو اسے آئے دن مشکلات کا سامنا ہوگا۔ بدقسمتی سے دنیا میں سب سے زیادہ غیر مستقل اور بے اصولی چیز مسلمانوں کی ''رائے عامہ'' ہے۔ آج یہ رائے عامہ ایک کے خلاف ہے تو کل دوسرے کے خلاف ہے۔ اور جب بھی کوئی نیک اور مفید تحریک پیدا ہوئی تو اس

رائے عامہ نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی۔ سر سید احمد خاں مرحوم نے جب علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی تو مسلمانوں کی ''رائے عامہ'' ان کی شدید مخالف ہوگئی۔ انگریزی پڑھنے والوں پر رائے عامہ نے کفر کا فتوٰی لگایا اور ان پر طرح طرح کے آوازے کسے۔ اگر سر سید مرحوم اس وقت رائے عامہ کے سامنے جھک جاتے اور سر اقبال کی طرح یہ سمجھ لیتے کہ علی گڑھ کالج کا مفاد اسی میں ہے کہ ''وہ عام مسلمانوں کے خیالات کے ساتھ ساتھ رہے۔'' تو آج جو کچھ پڑھے لکھے مسلمان نظر آتے ہیں ان کا وجود بھی عنقا ہوتا اور مسلمانوں کی سوشل حالت اس سے بھی بدتر ہوتی۔ یہ ''رائے عامہ'' تو روز بدلتی رہتی ہے۔ آج یہ اہلحدیث کے وجود کو مٹانا چاہتی ہے تو کل یہ شیعوں کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن قرار دے گی اور خصوصیت سے ہر اس جماعت کو جو مسلمانوں کی خدمت کے مقصد کو لے کر کھڑی ہوگی۔ ''رائے عامہ'' ضرور اس کی مخالفت کرے گی۔ پس انجمن حمایت اسلام کو اپنے مسلک میں تبدیلی کرنے سے قبل خوب اچھی طرح غور کر لینا چاہیئے اور اس ''رائے عامہ'' کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہیئے جس کے احترام کے لئے صدر انجمن اس قدر بیتاب ہیں۔

معلوم نہیں۔ ''عام مسلمانوں کے خیالات'' اور ''مسلمانوں کی رائے عامہ'' سے سر محمد اقبال کی کیا مراد ہے۔ عام مسلمانوں میں کثرت سے ایسے لوگ بھی تو موجود ہیں جو احمدیہ جماعت کو مسلمانوں کی جماعت تصور کرتے ہیں اور اس کی خدمات اسلامی کے دل سے مداح ہیں۔ انجمن حمایت اسلام کا اپنا وجود اس کا زندہ ثبوت ہے۔ انجمن کے اراکین میں سے اکثریت احمدیوں کی مداح ہے۔ جسے ڈاکٹر اقبال ''مرزائیت نوازی'' کے نام سے پکارتے ہیں یہ ''میرزائیت نوازی'' ہی احمدیت کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ ہر سمجھدار آدمی ''مرزائیت نوازی'' کے لئے مجبور ہے۔ تو کیا انجمن کے ان اراکین اور مسلمانوں کے بیشتر حصہ کی آواز کو رائے عامہ میں شامل نہیں سمجھا جاتا۔ کیا ''عام مسلمانوں کے خیالات'' اور ''رائے عامہ'' سے مراد صرف ''احسان'' اور ''مجاہد'' کی آواز ہے؟ مسلمانوں کے ایسے بھی تو بیشمار جرائد ہیں جو احمدیہ جماعت کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ خدمت اسلام کے کاموں میں اس سے تعاون کرتے ہیں۔ پھر ان کی آواز کیوں ''رائے عامہ'' میں شامل نہیں سمجھی جاتی؟ کیا ڈاکٹر اقبال کا یہی اصول ہے کہ احمدیت کے مخالف لوگوں کی آواز تو ''رائے عامہ'' قرار دی جائے اور جو احمدیت کے

موافق ہوں، ان کی آواز کو عام مسلمانوں کی آواز نہ سمجھا جائے؟

اس ''رائے عامہ'' کا احترام خود ڈاکٹر سر اقبال کے لئے بھی وقت کا باعث ہوگا۔ احمدیت کی مخالفت میں اس وقت دو قسم کے لوگ پیش پیش ہیں۔ ایک تو سیاسی لوگ ہیں جن کا مسلک ہمیشہ ان کی سیادت اور وقت کی مصلحت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے اور دوسرے مُلّا لوگوں کی جماعت ہے جو ہمیشہ عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتی ہے۔ بظاہر انہیں دو گروہوں کی آواز کو ڈاکٹر موصوف عام مسلمانوں کی آواز قرار دیتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے مُلّا لوگ خود ڈاکٹر اقبال پر بھی کفر کا فتویٰ لگا چکے ہیں۔ اور ان کے خیالات کا غیر اسلامی خیالات قرار دے چکے ہیں۔ تو کیا سر محمد اقبال یہاں بھی ''رائے عامہ'' کا احترام کریں گے؟ ظاہر ہے کہ یہ احترام انہیں بہت مہنگا پڑے گا۔ ''عام مسلمانوں کے خیالات کے ساتھ ساتھ'' چلنے سے انہیں اپنے اسلام سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے!

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں، احمدی حضرات کو دوسری انجمنوں میں گھسنے کا شوق نہیں۔ ان کی اپنی جماعت کے سامنے خدا کے فضل سے اس قدر بلند مقصد ہے کہ ان کو تمام تر توجہ اسی پر صرف کونی چاہیئے۔ لیکن تقسیم کار اور اشتراک عمل کے اصول کے ماتحت وہ دوسری انجمنوں میں بھی شامل ہوتے رہے ہیں۔ اگر ان کے وجود کے اخراج سے اسلامی انجمنوں کی ''تطہیر'' ہوسکتی ہے تو بڑے شوق سے یہ تطہیر عمل میں لائی جائے۔ لیکن بعض اوقات یہ ''تطہیر'' بہت مہلک ثابت ہوتی ہے۔ ایک تازہ مثال ہمارے سامنے ہے۔ ''انجمن ترقی تعلیم مسلمانان ہند امرتسر'' ایک بہت پرانی اسلامی انجمن تھی۔ جو مسلمانوں کی نہایت عمدہ خدمت کرتی رہی اور مسلمان بچوں کو حصول تعلیم کے لئے وظائف دیتی رہی۔ آج سے چند سال قبل یہ انجمن بالکل ایک کس مپرسی کی حالت میں تھی۔ ہماری جماعت کے بعض احباب نے، جو اس کے دیرینہ ممبر تھے، اس کی طرف توجہ کی اور اس میں از سر نو زندگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ہماری جماعت کے ایک بزرگ نے سکریٹری کا عہدہ قبول کیا اور نہایت تندہی سے کام کرنے کے بعد انجمن میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ ٹرسٹیوں میں ہمارے بہت سے احباب ہر میٹنگ پر لاہور سے امرتسر جاتے رہے اور انجمن کے کاموں میں دلچسپی لیتے رہے۔ وظائف کی صورت میں جو روپیہ قرضہ دیا گیا تھا، اس کی وصولی بھی شروع ہوگئی اور انجمن میں جان پیدا ہوگئی۔ دیر تک اس کے انتظام میں ہمارے

احباب کا ہاتھ رہا اور انجمن کے وجود سے مسلمان طلبہ فائدہ اٹھاتے رہے۔ لیکن قوم کے ''خیر خواہ اور ہمدرد'' بزرگ مولانا ظفر علی خاں صاحب اور ان کے بعض ہمنواؤں نے انجمن ترقی تعلیم کی ''تطہیر'' کی ٹھان لی۔ اور اس سے ''مرزائی عنصر'' کو خارج کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج وہ انجمن کالعدم ہے۔ اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. کاش! مسلمان کچھ عقل سے کام لیں!

ہم اراکین انجمن حمایت اسلام لاہور سے مکرّر گزارش کریں گے کہ وہ ضرور جو مناسب پالیسی اختیار کرنا چاہیں واضح اور غیر مشتبہ طریق پر کریں۔ اور بے شک احمدیوں کے متعلق جو فیصلہ کرنا چاہیں کریں۔ لیکن کسی اصول کے ماتحت کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ''رائے عامہ'' کا احترام ان کے لئے مضر ثابت ہو اور عام مسلمانوں کے خیالات کے ساتھ ساتھ رہنے اور رائے عامہ کو اپنا رہبر بنانے کا نتیجہ اسی قسم کا ہو جو شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اذاکان الغراب دلیل قوم　　سیھدیھم طریق الھا لکینا

20 جنوری 1936ء

مراسلات

علامہ سر محمد اقبال اور انجمن حمایت اسلام لاہور

کیا اسلامی عقائد کو مجوسی قرار دینے والا انجمن کا صدر ہو سکتا ہے؟

11 جنوری 1936ء کے اخبار ''مجاہد'' میں یہ اعلان ہوا ہے کہ 12 جنوری کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہونے والا ہے۔ جس میں ڈاکٹر سر محمد اقبال صدر انجمن اور مولوی غلام محی الدین قصوری جنرل سکرٹری کے استعفوں پر غور کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ علامہ اقبال سے ان کے استعفاء کی وجوہ دریافت کرنے کے لئے ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کی گذارشات کے جواب میں علامہ ممدوح نے فرمایا کہ:

> ''انجمن حمایت اسلام کو مرزائیوں کے متعلق اپنے مسلک کو واضح اور صاف طور پر مسلمانوں کے سامنے رکھنا چاہئے۔ کیا وہ مرزائیوں کو مسلمان سمجھ کر اپنے حلقہ اراکین میں شامل رکھنا چاہتی ہے یا ان کو دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد سمجھ کر انجمن حمایت اسلام کی رکنیت سے ان کو الگ کر دینے کے واسطے تیار ہے۔ جب تک انجمن حمایت اسلام اپنی مرزائیت نواز پالیسی سے قطعی طور پر دستبردار نہیں ہوتی، اس وقت تک میں اپنے استعفاء کو واپس نہیں لے سکتا۔''

پیشتر اس کے کہ انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل علامہ سر محمد اقبال کے اس مطالبہ پر غور کرے، ہم علامہ ممدوح کے اس خیال کی طرف بھی انہیں متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ جو جماعت احمدیہ کے متعلق اپنے مشہور بیان میں انہوں نے ظاہر کیا۔ اور وہ یہ ہے کہ آمد مسیحؑ کا عقیدہ جو مسلمانوں میں رائج ہے وہ مجوسیوں سے آیا ہوا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ بیشمار احادیث جن میں آمد مسیحؑ کا ذکر ہے اور متعدد ثقہ راویوں اور خود صحابہ کرامؓ کے توسط سے ہم تک پہنچی ہیں اور جن کی بنا پر جمہور اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیحؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ سب کی سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں بلکہ مجوسی اور یہودی روایات سے لے کر کتب حدیث میں داخل کر دی گئی ہیں!

پہلا سوال تو عامہ مسلمین سے ہے کہ کیا یہ باتیں انجمن حمایت اسلام کی ''مرزائیت نوازی'' سے کچھ کم خطرناک ہیں اور ایسا شخص جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو مجوسی خیالات قرار دے اور اس طرح صحابہ کرام اور خود ذات پاک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا مرتکب ہو اس قابل ہے کہ اسے انجمن حمایت اسلام کی صدارت کے عہدہ پر متمکن رہنے دیا جائے؟ آخر انجمن حمایت اسلام اہلسنت والجماعت مسلمانوں کی انجمن ہونے کی وجہ سے مسیحؑ کی آمد ثانی کے عقیدہ سے دستبردار نہیں ہوسکتی۔

دوسرا سوال خود علامہ اقبال سے ہے کہ جس انجمن کو وہ مرزائیت نوازی سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔ اس کو پہلے ''مزعومہ'' مجوسی خیالات سے کیوں پاک نہیں کرتے۔ کیا مرزائیت نوازی یعنی کسی مرزائی کو مسلمان سمجھنا مجوسیت سے بھی بدتر ہے؟ آخر یہی مرزائیت تھی جس پر ابھی کل تک علامہ ممدوح کی رائے کچھ اور تھی اور مرزائیت نوازی کا بدترین جرم وہ تھا جو انہوں نے ابھی پانچ ہی سال ہوئے شملہ میں کیا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی بنائی اور اس کا صدر خود میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کو تجویز کیا۔ اور زور دے کر انہیں کو صدر بنایا۔ اور ان کی صدارت میں خود ممبر بنے رہے۔ بلکہ علامہ ممدوح کی مرزائیت نوازی کے جرموں کی فہرست تو اتنی لمبی ہے کہ یہ مختصر اعلان اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ دیر نہیں ہوئی کہ آپ نے جماعت احمدیہ لاہور کے سالانہ جلسہ میں تمام مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دی اور لکھا کہ:

> ''چونکہ تبلیغ کا کام اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے اس واسطے میں یقین رکھتا ہوں کہ عام مسلمان اس جلسہ میں شریک ہو کر تبلیغ و اشاعت اسلام کے ان تمام مسائل پر غور و فکر کرنے میں شریک ہوں گے جو قوم کے سامنے ہے۔''

اس سے بھی بڑھ کر 1911ء میں انہوں نے جماعت احمدیہ کو اسلامی سیرت کا ''ٹھیٹھ نمونہ'' قرار دیا اور طلبائے علی گڑھ کالج کو بتایا کہ:

> ''پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں۔''

تیسرا سوال ارباب انجمن سے ہے کہ ان استعفوں پر غور کرتے وقت یہ بھی فیصلہ کر لیں کہ آئندہ اس انجمن کے ممبر کون کون سے مسلمان ہوں گے۔

1۔ کیا ایسے مسلمان بھی اس کے ممبر ہو سکیں گے جو صحابہؓ کو سب وشتم کرتے ہیں۔
2۔ کیا ایسے مسلمان بھی ممبر ہو سکیں گے۔ جو نماز روزہ کے نزدیک نہیں جاتے۔
3۔ کیا ایسے مسلمان بھی ممبر ہو سکیں گے جو اسلامی عقائد کو مجوسی خیالات قرار دیتے ہیں۔

ان سب سے آخری سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کہ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْـکُـمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) یعنی جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے اسے مت کہو کہ تو مومن نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی کہ مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَـذَالِکَ الْـمُسْـلِمُ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَذِمّۃُ رَسُوْلِہٖ (یعنی جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے وہی مسلمان ہے۔ جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہے) کوئی عزت ان کے دلوں میں ہے؟ اگر ہے تو اپنی اپنی ہواوہوس کو چھوڑ کر خدا اور اس کے رسولؐ کے ارشاد کو قبول کریں۔ اور متحد ہو کر قوم کی تعمیر میں لگ جائیں۔

الملتمس تاج الدین احمد از لاہور

23 جنوری 1936ء

حضرت امیر کے قلم سے

مکتوب بنام جنرل سکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور

بخدمت آنریری جنرل سکرٹری صاحب انجمن حمایت اسلام لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ڈاکٹر سر محمد اقبال پریزیڈنٹ انجمن حمایت اسلام نے انجمن کی صدارت سے اپنے استعفاء کے واپس لینے کو بعض شرائط سے مشروط کیا ہے۔ جن میں سے ایک شرط حسب ذیل ہے:

''چونکہ انجمن کا مفاد اس امر کا مقتضی ہے کہ انجمن عام مسلمانوں کے خیالات کے ساتھ ساتھ رہے۔ اس لئے انجمن کے لئے لازم ہے کہ احمدیت کے متعلق انجمن کی جو بھی پالیسی ہو غیر مشتبہ ہو اور عوام کو انجمن کے متعلق بدگمانی کا موقعہ نہ ملے۔''

چونکہ اس سے پیشتر ڈاکٹر صاحب موصوف یہ بھی اعلان کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک احمدی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ بلکہ حکومت سے یہ بھی استدعا کر چکے ہیں کہ وہ احمدیوں کو مسلمانوں کے زمرہ سے خارج کر کے الگ اقلیت قرار دے۔ اس لئے اُن کے الفاظ مذکورہ بالا کا مفہوم بھی سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ انجمن حمایت اسلام کے اراکین سے احمدیوں کو خارج کیا جائے اور اُن کے اسی قسم کے الفاظ اخبارات میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ''مجاہد'' 11 جنوری 1936ء میں ان کی طرف حسب ذیل الفاظ منسوب کئے گئے ہیں:

''انجمن حمایت اسلام کو مرزائیوں کے متعلق اپنے مسلک کو واضح اور صاف طور پر مسلمانوں کے سامنے رکھنا چاہئیے۔ کیا وہ مرزائیوں کو مسلمان سمجھ کر اپنے حلقہ اراکین میں شامل رکھنا چاہتی ہے یا ان کو دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد سمجھ کر انجمن حمایت اسلام کی رکنیت سے ان کو الگ کر دینے کے واسطے تیار ہے۔''

بہرحال چونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف خود احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے چکے ہیں، اس لئے ان کے مطالبہ کا اور کوئی مفہوم سوائے اس کے نہیں لیا جا سکتا کہ وہ صدارت پر اسی صورت

میں رہنا پسند کریں گے کہ انجمن احمدیوں کو کافر قرار دینے میں اور انہیں رکنیت سے خارج کرنے میں اُن کے ساتھ متفق ہو۔ اس لیئے بوجوہ ذیل ملتمس ہوں کہ میری اس تحریر کو بھی جنرل کونسل میں پیش کر کے ممنون فرمایا جائے:

الف۔ جماعت احمدیہ کے اس وقت دو فریق ہیں۔ جن میں سے ایک کا ہیڈ کوارٹر قادیان ہے اور دوسرے کا لاہور۔ موخر الذکر فریق احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نام سے موسوم ہے۔

ب۔ اس وقت انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل یا اس کی کسی سب کمیٹی پر فریق قادیان کا کوئی آدمی نہیں۔ البتہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے تعلق رکھنے والے ممبر جنرل کونسل میں یا اس کی کسی سب کمیٹی میں ہیں۔

ج۔ پس سر محمد اقبال کے مطالبہ میں جن احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھ کر انجمن کی رکنیت سے ان کو خارج کرنے کا مطالبہ ہے، اس سے مراد یہی ممبران احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہیں۔ اور فریق قادیان کا بظاہر اس مطالبہ سے کوئی تعلق نہیں۔

د۔ بحیثیت پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ اس مسئلے پر بحث کے وقت کہ کیا فی الواقع ممبران احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور مسلمان ہیں یا اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کر چکے ہیں، اپنے دلائل کو پیش کروں۔ اسی بنا پر میری یہ درخواست ہے کہ ذیل کی وجوہات پر صاحب صدر کے مطالبہ کو رد کیا جائے۔

1۔ انجمن حمایت اسلام کے قائم ہونے کے چار پانچ سال بعد جماعت احمدیہ بھی قائم ہو گئی۔ اور آج تک احمدی ہر رنگ میں اس کے نظم و نسق میں حصہ لیتے رہے۔ اور ان خدمات اسلامی میں شامل رہے ہیں جو یہ انجمن کرتی رہی۔ اراکین انجمن میں بھی شامل رہے۔ اس کے سالانہ جلسوں پر لیکچراروں اور مقرروں میں بھی شامل رہے۔ اس کے کارکنوں اور ملازمین میں بھی شامل رہے۔ اس کی مالی اور ہر قسم کی دوسری خدمات میں بھی شامل رہے۔

2۔ پس انجمن حمایت اسلام لاہور کا پینتالیس سال کا عمل اس بات پر گواہ ہے کہ اس نے

احمدیوں کو، اپنے اس قاعدہ کے ماتحت کہ ''ہر مسلمان (مرد ہو یا عورت) بلا امتیاز فرقہ تحریری یا زبانی درخواست پر انجمن کا ممبر ہوسکتا ہے''، اسلام کا ایک فرقہ قرار دیا اور ایک دو سال سے نہیں بلکہ پینتالیس سال سے برابر انجمن حمایت اسلام کی احمدیت کے متعلق پالیسی اس کے عمل کے غیر مشتبہ اور واضح الفاظ میں لکھی چلی آ رہی ہے کہ احمدی اسلام کا ایک فرقہ ہیں۔

3۔ احمدی خود بھی اپنے آپ کو اسلام کا ایک فرقہ ہی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بانی احمدیت نے اپنی جماعت کا نام احمدی رکھتے وقت صاف اور غیر مبہم الفاظ میں یہ اعلان کیا:

> ''اور وہ نام جو اس سلسلہ کے لئے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے...... اور اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لئے رکھا گیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے۔ ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم''
>
> (ضمیمہ تریاق القلوب صفحہ 4)

4۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اپنے عقائد کو بار بار شائع کر چکی ہے۔ چنانچہ میں ان شائع شدہ عقائد کی ایک کاپی اس کے ساتھ شامل کرتا ہوں۔ جس سے امور ذیل واضح ہوتے ہیں:

اول۔ ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے قائل ہیں

دوم۔ ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ پرانا۔ مجدد آئیں گے

سوم۔ ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف کا کوئی حکم کوئی آیت کوئی حرف منسوخ نہیں۔ نہ قیامت تک منسوخ ہوگا

چہارم۔ ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ تمام کلمہ گو مسلمان ہیں۔

5۔ انجمن حمایت اسلام لاہور سے بہت زیادہ وسیع آرگنائزیشن مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کی ہے۔ جو تمام ہندوستان کے مسلمانوں پر مشتمل ہیں۔ اور دونوں نظاموں میں احمدیوں کی شمولیت پر کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ اور اب تک احمدی ایک فرقہ اسلام ہونے کی حیثیت سے وہاں شامل ہیں۔ سر محمد

اقبال بھی مسلم کانفرنس کے صدر رہ چکے ہیں۔ اور وہاں انہوں نے کبھی یہ اعتراض نہیں کیا۔ پس انجمن حمایت اسلام کی صدارت کے لئے احمدیوں کی شمولیت روک نہیں ہوسکتی۔

6۔ انجمن کی اپنی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ ہماری جماعت کے کسی آدمی نے کبھی انجمن حمایت اسلام کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔ بلکہ مالی اور دوسری قربانیوں میں کسی دوسرے اسلامی فرقہ سے پیچھے نہیں رہے۔ اگر ضرورت ہو تو میں اس بات کا ثبوت دے سکتا ہوں کہ احمدیوں کی طرف سے ہزار ہا روپے انجمن حمایت اسلام کے خزانے میں جا چکے ہیں۔

7۔ سر محمد اقبال کا یہ مطالبہ، کہ انجمن حمایت اسلام عام مسلمانوں کے خیالات کے ساتھ ساتھ رہ کر احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر اپنی رکنیت سے الگ کر دے، علاوہ اس کے کہ انجمن کے اپنے پینتالیس سالہ عمل کے خلاف ہے، خود ہمارے ادعا اور معتقدات کی رو سے اور ہمارے طرز عمل سے باطل ٹھہرتا ہے، بوجوہات ذیل ویسے بھی ناقابل عمل ہے۔

الف۔ عام مسلمانوں کے خیالات کو معلوم کرنے کا انجمن کونسا ذریعہ اختیار کرے گی۔ صحیح ذریعہ تو صرف ایک ہی ہوسکتا ہے کہ ہر معاملہ میں ہندوستان کے مسلمانوں کی رائے شماری کی جائے۔ مگر یہ انجمن کے لئے ناممکن العمل ہے۔

ب۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلامی اخبارات سے مسلمانوں کے خیالات کا اندازہ ہوسکتا ہے تو خود اس معاملہ میں، کہ کیا احمدی مسلمان ہیں یا کافر۔ اور دوسرے مسلمانوں کو قومی اداروں میں انہیں شامل رکھنا چاہیئے یا نہ، لاہور کے روزناموں میں سے نصف ایک طرف ہیں، نصف دوسری طرف۔ انجمن کس طرح فیصلہ کرے گی کہ کن اخباروں کی رائے مسلمانوں کے خیالات کا آئینہ ہے اور کن کی نہیں۔ اور ہندوستان بھر کے اسلامی اخبارات کو لیا جائے تو اخبارات سے اندازہ لگانا عقدہ لانیحل ہو جائے گا۔

ج۔ اگر یہ کہا جائے کہ اخبارات نہیں بلکہ علماء کے فتوؤں پر اس بات کا فیصلہ ہوگا تو پھر بھی کئی سوال ہیں:

اول۔ اس سے پیشتر جن جن بزرگان دین پر اپنے اپنے وقت کے علماء نے کفر کے فتوے

دیئے کیا وہ بھی درست تسلیم کئے جائیں گے۔ یا یہ خصوصیت تیرھویں صدی کے علماء کو ہی حاصل ہو گی کہ ان کے کفر کے فتوے مسلمانوں کے مذہب کی بنیاد قرار پائیں۔

دوم۔ مجھے اجازت دی جائے کہ سنیوں اور شیعوں، اور خارجیوں اور حنفیوں، اور دیو بندیوں اور بریلویوں اور اہلحدیث نے جو ایک دوسری پر کفر کے فتوے دیئے ہیں، اور ایسا ہی سر سید احمد خاں مرحوم اور ان کے پیروؤں پر جو کفر کے فتوے دیئے گئے ہیں، جن کی رو سے ایک بھی مسلمان روئے زمین پر باقی نہیں رہتا، وہ انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے سامنے پیش کروں۔ تا کہ احمدیوں کے اخراج کے ساتھ باقی ممبران کو بھی جنرل کونسل سے نکالنے کے سوال پر غور ہو سکے۔

سوم۔ جس صورت میں ہندوستان کے چوٹی کے عالم ایسے بھی ہیں کہ وہ احمدیوں پر کفر کا فتوٰی نہیں دیتے، جیسے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اور خود اس شہر لاہور میں مولانا غلام مرشد اور ایسے ہی کئی ایک اور علماء بھی ہیں، تو ان کے فتوے کیوں قابل قبول نہیں۔ بلکہ فقہ کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ اختلاف کی صورت میں تکفیر نہیں کی جائے گی۔

بالآخر میری یہ التماس ہے کہ اگر انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل صرف اس خوف سے، کہ اس نے احمدیوں کو نکالنے کی کوئی کارروائی نہ کی تو اس کے جلسہ سالانہ میں بعض آدمیوں کی طرف سے فساد ڈالا جانے کا خطرہ ہے، صاحب صدر کے مطالبہ کو منظور کرنا چاہتی ہے یا آئندہ کے لئے حکمت عملی سے ہی احمدیوں کو الگ کر دینا چاہتی ہے، تو ''عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ رہنے کی'' پالیسی یہیں تک ختم نہ ہو جائے گی بلکہ جب تک ''مجاہد'' اور ''احسان'' کو یا جماعت احرار کو انجمن حمایت اسلام پر کلی اختیارات نہ دے دیئے جائیں گے اور جسے وہ نکالنے کو کہیں اسے نکال نہ دیا جائے، اس وقت تک انجمن ایسے فسادات کے خطرہ سے بچ نہیں سکتی۔ ممبران جنرل کونسل سے اور صاحب صدر سے میری یہ درخواست ہے کہ اس خیال کو، کہ چند آدمیوں کے شور وشر سے انجمن کو نقصان پہنچ سکتا ہے، دل سے نکال دیں۔ دنیا میں کوئی مفید ادارہ نہیں جس کی کچھ لوگ مخالفت کرنے والے نہ ہوں۔ پندرہ سال ہوئے جب عدم تعاون کی تحریک زوروں پر تھی۔ انجمن نے نہایت

دانشمندی سے اس وقت کے ''عام مسلمانوں'' کے ساتھ ساتھ رہنا ضروری نہ سمجھا۔ مخالفت بھی برداشت کی اور قوم کے سفینہ کو بچالیا۔ انجمن کے اراکین پر خدا اور اس کی مخلوق دونوں کی طرف سے اہم ذمہ داری ہے۔ اگر اس وقت محض شورش ڈالنے والوں کے خوف سے ان کی ہاں میں ہاں ملا دی گئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فساد پیدا کرنے والوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ مخالفت کا مقابلہ کرنے سے کام کرنے والوں کے اندر ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے کہ چھوٹی سی جماعت بھی وہ کام کرسکتی ہے جو ایک کثیر جماعت سے نہیں ہوسکتا۔ پس صحیح اصول کے سامنے چند آدمیوں کی مخالفت کی پرواہ نہ ہونی چاہیئے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

20 جنوری 1936ء

3 فروری 1936ء

حضرت امیر کے قلم سے

اراکین انجمن حمایت اسلام کے استفسارات اور اُن کے جوابات

آج کل جو بحث انجمن حمایت اسلام میں ہو رہی ہے کہ اس کے بعض ارکان، جو ممبران احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہیں، انہیں کافر قرار دے کر انجمن حمایت اسلام کی رکنیت سے خارج کیا جائے، اس سلسلہ میں انجمن حمایت اسلام کے دو اراکین یعنی مولانا احمد علی صاحب امیر خدام الدین اور میاں عبدالمجید صاحب بیرسٹر ایٹ لاء نے چند استفسارات مجھ سے کئے ہیں۔ جن کا جواب جملہ برادران اسلام کی اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔

مولٰینا احمد علی صاحب کے سوالات: سوال 1۔ آپ نے جب سے مرزا صاحب کی بیعت کی ہے تب سے لے کر آج تک آپ کا ان کے متعلق کیا اعتقاد ہے کہ ان کا دعوٰی کیا تھا؟

جواب۔ حضرت مرزا صاحب کا دعوٰی یہ تھا کہ چونکہ بروئے قرآن شریف حضرت عیسٰیؑ وفات پا چکے ہیں، اس لئے جس مسیح کے اس امت میں آنے کا ذکر احادیث نبویہؐ میں ہے، اس سے مراد حضرت مسیحؑ کا مثیل ہے۔ اور کہ اس آنے والے مسیح کو جو احادیث میں نبی کے نام سے پکارا گیا ہے۔ تو اس سے مراد محدث ہے جو اس امت میں آسکتے ہیں۔ کیونکہ محدث کو، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہمکلام ہوتا ہے مجازاً نبی کہا جا سکتا ہے۔ مگر آپ کے اپنے الفاظ میں آپ کا دعوٰی ''نبوت کا دعوٰی نہیں بلکہ محدثیت کا دعوٰی ہے۔'' (ازالہ اوہام صفحہ 421) انہی اعتقادات پر میں نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت کی اور اب بھی میرا یہی اعتقاد ہے۔

سوال 2۔ کیا آپ کا اعتقاد ان کے متعلق شروع سے لے کر آج تک ایک ہی ہے یا کبھی بدلا۔ اگر ایک ہی ہے تو خیر اور اگر بدلا ہے تو اب کیا ہے اور پہلے کیا تھا اور بدلنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب۔ الف۔ اس کا جواب سوال 1 کے جواب میں آچکا ہے۔

ب۔ اگر آپ احمدیہ جماعت لاہور کے متعلق کوئی فتوٰی دینا چاہتے ہیں تو جماعت کے مطبوعہ عقائد آپ کے سامنے ہیں۔ تیس سال قبل کی میری ذاتی تحریرات سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ان

عقائد کی بنا پر ان پر جو فتوے چاہیں دیں۔

ج۔ اگر ذاتی طور پر مجھ پر فتویٰ کا سوال ہے تو ایسا کفر کا فتویٰ، جس کو تیس سال قبل کی تحریروں سے سہارا دینے کی ضرورت وہ، شائد ہی مفید ثابت ہو۔ بالخصوص اس زمانہ میں جب علامہ سر محمد اقبال جیسے بلند پایہ انسان، جسے آج سے چار سال پیشتر ایک مسلمانوں کی کمیٹی کا صدر بنائیں، آج اسے کافر قرار دیں۔ مرزا محمود احمد صاحب کو کشمیر کمیٹی کا صدر بنانے میں سر محمد اقبال پیش پیش تھے۔ اور جس کو سولہ سترہ سال پیشتر ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ بنائیں (یہ الفاظ علی گڑھ میں ڈاکٹر سر محمد اقبال نے احمدیوں کے متعلق کہے) اسے آج کافروں کی جماعت قرار دیں۔ پس مناسب یہ ہے کہ جو کچھ فتویٰ آپ دیں، وہ آج کی تحریرات پر دیں۔

سوال 3۔ کیا مرزا صاحب نے کبھی اپنے نہ ماننے والوں کو صرف اسی وجہ سے اپنی تحریروں میں کافر، جہنمی، شیطان تحریر فرمایا ہے کہ وہ مرزا صاحب کو نہیں مانتے؟

جواب۔ الف۔ حضرت مرزا صاحب کی کوئی ایسی تحریر میری نظر سے نہیں گزری جس میں آپ نے اپنے دعویٰ کے نہ ماننے والوں کو کافر کہا ہو۔

ب۔ اس کے برعکس یہ تحریر موجود ہے کہ ''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا'' (تریاق القلوب صفحہ 130 مطبوعہ اکتوبر 1902ء)

ج۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے میرے سامنے بیان کیا کہ جب جناب مرزا صاحب سیالکوٹ تشریف لے گئے تھے۔ میاں (سر) فضل حسین بھی اس وقت وہاں پریکٹس کرتے تھے (یہ 1904ء) کا واقعہ ہے) تو وہ دونوں جناب مرزا صاحب کے پاس گئے اور آپ نے ایک سوال کے جواب میں یہ فرمایا کہ ''میرے انکار سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہو جاتا'' اور اب یہ شہادت انہوں نے تحریری طور پر بھی ادا کر دی ہے۔ اور عین اس بحث کے ذیل میں ادا کی ہے۔ یعنی 25 جنوری 1936ء کو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے نام چٹھی لکھی ہے۔ جس میں تسلیم کیا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ لفظ ان کے سامنے فرمائے تھے۔

د۔ یہ آپ کو بھی مسلم ہے کہ صرف کافر نہیں بلکہ ایسے مسلمان بھی جن کے گناہ ان کی نیکیوں

سے زیادہ ہیں جہنم میں جائیں گے۔ اس لئے کسی کو جہنمی کہنے سے کفر لازم نہیں آتا۔ شیطان کا لفظ بھی عام محاورہ میں بدکردار انسان پر بولا جاسکتا ہے۔ مگر جہاں تک مجھے علم ہے حضرت مرزا صاحب نے اس قسم کے سخت الفاظ صرف ان مخالفین کے متعلق استعمال کئے ہیں، جنہوں نے آپ کو کافر و دجال وغیرہ خطاب دیئے اور گالیاں دیں۔

سوال 4۔ کیا مرزا صاحب نے اپنے نہ ماننے والوں کا جنازہ نہ پڑھنے کا حکم تحریری اپنی جماعت کو کسی کتاب میں دیا ہے؟

جواب۔ الف۔ ایسا کوئی حکم حضرت مرزا صاحب نے کسی کتاب میں نہیں دیا۔

ب۔ اس کے برخلاف متعدد مرتبہ یہ فتویٰ دیا ہے کہ دوسرے مسلمان کا جنازہ جائز ہے۔ مثلاً:

1۔ ''متوفی اگر مکذب اور مکفر نہ ہو تو اس کا جنازہ بیشک پڑھ لیا جائے۔ کوئی ہرج نہیں۔'' (الحکم 18 اپریل 1912ء)

2۔ ''جو مخالف برا نہ بولتا ہو تو اس کا جنازہ جائز ہے۔'' اقتباس از خط بنام غلام قادر۔

3۔ اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر بھی خود اپنے قلم سے لکھا کہ ''جو مسلمان ہماری ایذاء کے درپے نہیں ان کے جنازوں میں شامل ہونا خوب اور مبارک ہے۔''

ج۔ آپ کی ساری جماعت کا طرز عمل آپ کی زندگی میں اور آپ کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم کی زندگی میں یہی رہا کہ دوسرے مسلمانوں کے جنازوں میں شامل ہوتے تھے اور قادیان اور لاہور کے اختلاف کی تاریخ سے جماعت لاہور کا یہی مسلک ہے۔

سوال 5۔ کیا مرزا صاحب نے اپنے نہ ماننے والوں سے رشتہ داری منقطع کرنے کی تعلیم اپنی کتابوں میں دی ہے؟

جواب۔ رشتہ داری منقطع کرنے کی تعلیم حضرت مرزا صاحب کی کسی کتاب میں نہیں۔ بلکہ جابجا صلہ رحمی کے لئے اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنے کے لئے تاکید فرمائی ہے:

> ''رشتہ داروں کے ساتھ غمی اور شادی کے موقعہ پر ہمدردی کرنا اور ساتھ دینا ضروری ہے۔ سوائے ایسے رشتہ داروں کے جو سلسلہ حق کی سخت مخالفت کے

درپے ہوں اور دشنام دہی کیا کرتے ہوں۔ ایسوں کے ساتھ تعلق رکھنا مناسب نہیں'' (بدر 26 جولائی 1906ء)

سوال 6۔ کیا مرزا صاحب نے اپنے مریدین کو یہ حکم بذریعہ کتب یا کسی دوسرے ذریعہ سے دیا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کسی غیر احمدی کو نہ دیں۔ ہاں اگر مل جائے تو لے لیں تا کہ اپنی جماعت میں زیادتی ہو؟

جواب۔ ایسا کوئی حکم نہیں۔ نہ لڑکی اور لڑکے میں تفریق کا کوئی حکم ہے۔ صرف ایسے لوگوں سے رشتہ کرنے سے منع کیا تھا، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، جو عناد اور تعصب میں حد سے گزرے ہوئے ہیں یا جو ہماری جماعت کا کافر و دجال کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

''جو لوگ مخالف مولویوں کے زیر سایہ ہو کر تعصب و عناد اور بخل و عداوت کے پورے درجہ تک پہنچ گئے ہیں، ان سے ہماری جماعت کے لئے رشتے غیر ممکن ہو گئے ہیں...... کچھ بھی ضرورت نہیں کہ ایسے لوگوں سے ہماری جماعت نئے تعلق پیدا کرے جو ہمیں کافر کہتے اور ہمارا نام دجال رکھتے ہیں یا خود تو نہیں مگر ایسے لوگوں کے ثناء خواں اور تابع ہیں'' (فتاوٰی احمدیہ جلد 2 صفحہ 7)

ایک امر آپ سے بھی دریافت طلب ہے کہ کیا آپ نے کبھی ان لوگوں کے متعلق فتوٰی دینے کا بھی ارادہ فرمایا ہے۔ جو کفو سے باہر رشتہ کرنے سے منع کرتے ہیں۔ کیا ہر شخص کے کفو ہی مسلمان ہیں اور باقی سب غیر کفو اس کے نزدیک کافر ہوتے ہیں۔

سوال 7۔ کیا مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں یہ حکم دیا ہے کہ سوائے اپنے اماموں کے کسی دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھیں؟

جواب۔ یہ حکم نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ البتہ یہ حکم ہے کہ جو لوگ آپ کو کافر کہتے ہیں یا دجال اور مفتری قرار دیتے ہیں ان کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ آپ نے اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر اپنے قلم سے اس کی تصریح ان الفاظ میں فرمائی:

''چونکہ عام طور پر اس ملک کے ملاں لوگوں نے اپنے تعصب کی وجہ سے ہمیں کافر ٹھہرایا ہے اور فتوے لکھے ہیں اور باقی لوگ ان کے پیرو ہیں۔ پس اگر ایسے لوگ

ہوں کہ وہ صفائی ثابت کرنے کے لئے اشتہار دے دیں کہ ہم ان مکفر مولویوں کے پیرو نہیں ہیں تو پھر ان کے ساتھ نماز پڑھنا روا ہے۔ ورنہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے وہ آپ کافر ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے پیچھے نماز کیوں کر پڑھیں۔ یہ تو شرع شریف کی رو سے جائز نہیں'' (بدر 24، 31 دسمبر 1908ء صفحہ 5)

ہماری جماعت کا یہ علی الاعلان مسلک ہے۔ اور اس پر ہمارا عمل ہے کہ جو شخص کلمہ گوؤں کو کافر نہیں کہتا، ہم اس کے پیچھے بلا امتیاز فرقہ نماز پڑھ لیں گے۔ یعنی خواہ وہ سنی ہو یا شیعہ یا اہل حدیث۔ اور جو شخص کلمہ گوؤں کو کافر کہتا ہے، ہم اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ خواہ وہ حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود بھی مانتا ہو۔ تو ہماری نماز میں علیحدگی کی وجہ احمدیت نہیں بلکہ مسلمانوں کی تکفیر ہے۔ جو کوئی بھی کلمہ گوؤں کی تکفیر کرے گا، ہم اسے اپنا امام نہیں بنائیں گے۔ اور جو تکفیر سے الگ ہو جائے، خواہ کسی فرقے کا ہو، اس کے پیچھے ہم نماز پڑھ لیں گے۔

سوال 8۔ کیا کوئی ایسا مسلمان، جو مرزا صاحب کو مسیح موعود اور مجدد نہیں مانتا، آپ کی مجلس منتظمہ کا ممبر ہے یا کوئی آج تک ہوا ہے؟

جواب۔ نہیں۔ اور کوئی شخص ایسا بھی نہیں جو حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود اور نبی مانتا ہو۔ یہ انجمن تو 1914ء میں صرف ان لوگوں نے بنائی جو قادیان سے مسئلہ نبوت مسیح موعود اور مسئلہ تکفیر اہل اسلام میں اختلاف کر کے الگ ہو گئے۔ ایسی جماعتیں اور بھی ہیں۔ خالص شیعوں کی انجمنیں بھی ہیں۔ اہل حدیث کی انجمنیں بھی ہیں۔ حنفیوں کی بھی ہیں۔ شیعہ اصحاب انجمن حمایت اسلام میں ہیں۔ کیا آپ نے کبھی کسی شیعہ انجمن سے یہ دریافت کیا کہ تمہاری مجلس منتظمہ میں کوئی سنی ممبر ہے یا نہیں؟ اہل حدیث بھی انجمن حمایت اسلام کے اراکین میں ہیں۔ کیا آپ نے اہلحدیث کانفرنس سے یہ دریافت کیا کہ تمہارے حنفی ممبر کتنے ہیں یا کسی حنفیوں کی انجمن سے یہ دریافت کیا کہ تمہاری انجمن میں کوئی غیر حنفی ممبر ہے یا نہیں؟ بلکہ حزب الاحناف تو حنفیوں کی انجمن ہے۔ اور آپ کے پایہ کا حنفی عالم بھی اس کا ممبر نہیں ہوسکتا۔ اور کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کی انجمن خدام الدین میں کون کون بریلوی حنفی مسلمان ہیں۔ اور کون کون شیعہ ممبر ہیں؟ تو خصوصیت سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

سے اس سوال کی کیا غرض ہے؟ کیا صرف یہ کہ چونکہ احمد یہ انجمن میں کوئی حنفی نہیں، اس لئے انجمن حمایت اسلام میں کوئی احمدی نہیں ہوسکتا۔ مگر اہل حدیث کانفرنس میں بھی تو کوئی حنفی نہیں۔ پھر اہل حدیث کیوں انجمن حمایت اسلام میں ہیں؟ فرق یہ ہے کہ انجمن حمایت اسلام سب فرقوں کی مشترکہ انجمن ہے۔ وہاں سب فرقوں کے نمائندوں کو جانے کا حق ہے۔ باقی انجمنیں خاص خاص فرقوں کی ہیں۔ وہاں جانے کا دوسرے فرقہ کو خاص حق نہیں۔ پھر انجمن حمایت اسلام کے اساسی قواعد میں یہ امر داخل ہے کہ ہر فرقہ کا مسلمان اس کا ممبر ہوسکتا ہے۔ جو فخر انجمن حمایت اسلام کو حاصل ہے، اسے تنگدلی سے برباد نہ کرنا چاہئیے۔ احمد یہ انجمن اشاعت اسلام کا ممبر بننے کے لئے بروئے اساسی قوانین جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ 1۔ ایک مسلمان دس شرائط بیعت کا پابند ہو۔ وہ مطبوعہ ارسال خدمت ہیں۔ اور 2۔ انجمن کو مالی امداد دے۔ جو قریب قریب دسواں حصہ آمد کا بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ بن جاتی ہے۔ یہ ہماری جماعت کا جہاد ہے۔ اور دوسرے لوگ جو اس میں شامل نہیں ہوتے وہ زیادہ تر اسی جہاد کی مشکل کی وجہ سے نہیں ہوتے۔ دس شرائط بیعت کو آپ دیکھ لیں کہ ان میں کوئی شرط خلاف شریعت نہیں۔

سوال 9۔ جو شخص کبھی آپ کا ممبر رہا ہو اور پھر وہ آپ کی جماعت کو ترک کر دے کیا وہ آپ یا آپ کی جماعت کے نزدیک مرتد ہے یا نہیں؟

جواب۔ جب ہم ہر کلمہ گو کو مسلمان کہتے ہیں تو اس شخص کو کیونکر مرتد کہہ سکتے ہیں۔ ہاں یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ اصطلاح شرعی میں مرتد سے مراد **مرتد عن الاسلام** ہے لیکن لغوی اصطلاح میں کسی شخص کو جو ایک صحیح عقیدہ یا خیال کو چھوڑ کر غلط عقیدہ یا خیال اختیار کر لے مرتد کہا جاسکتا ہے۔ اگر کبھی ایسے شخص کے متعلق، جو جماعت کو چھوڑ گیا ہو، ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہو تو وہ صرف انہی معنوں سے ہوگا، نہ اصطلاح شرعی کے معنی میں۔ ان جوابات کے بعد مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد **مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذَالِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَا تَخْفِرُوْا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ** کسی کو مسلمان ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی پروانہ کی جائے۔ تو مسلمان کی تکفیر کے لئے

کوئی ایسا عالم پہلے پیدا کرنا چاہئیے جس کی اپنی تکفیر نہ ہو چکی ہو۔

میاں عبدالمجید صاحب بیرسٹرایٹ لاء کے سوالات: سوال 1۔ بقول آپ کے جماعت احمدیہ کے دو فریق ہیں۔ ایک فریق قادیانی۔ دوسرا فریق لاہور۔ آپ نے فریق لاہور یعنی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے عقائد تو خط میں درج فرما دیئے ہیں۔ مگر فریق قادیان کے عقائد کے متعلق آپ نے کچھ ذکر نہیں کیا۔ کیا فریق قادیان کے نزدیک غیر احمدی کلمہ گو مسلمان ہیں؟ کیا یہ درست ہے کہ حضرات قادیان کے عقائد کے بموجب جو کلمہ گو میرزا غلام احمد صاحب کی نبوت کا قائل نہ ہو، وہ مسلمان نہیں ہے اور خارج از اسلام ہے؟

جواب۔ یہ سوال فریق قادیان کے نمائندوں سے پوچھنا چاہئیے۔ جس پر کفر کا فتوٰی دینا مقصود ہو۔ اس کے عقائد اسی سے دریافت کرنے چاہئیں۔

سوال 2۔ کیا یہ درست ہے کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو ہمیشہ غیر احمدی حضرات کی طرف سے مالی امداد ملتی رہی ہے اور اب بھی مل رہی ہے۔

جواب۔ عام مسلمان پبلک کی جو حالت ہے۔ جس سے متاثر ہو کر تعلیم یافتہ لوگ بھی ہماری تکفیر کے درپے ہو گئے ہیں۔ وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ایسے لوگ ہمیں مالی امداد دیں گے جو ہمیں کافر قرار دیتے ہیں۔ آپ خود روشن خیال ہیں۔ یہی سوچ لیں۔ آپ کس قدر امداد دے رہے ہیں۔ ویسے بھی ہمارا کام اشاعت اسلام ہے۔ اور اشاعت اسلام کی طرف سے مسلمانوں کی غفلت کا جو حال ہے وہ آپ میر غلام بھیک صاحب نیرنگ سے دریافت کر لیجئے۔ ہماری انجمن کو بعض ایسے حضرات کی طرف سے جو ہماری جماعت میں شامل نہیں ضرور امداد ملتی ہے۔ مگر ہماری انجمن کے اڑھائی لاکھ کے آمد و خرچ میں یہ امداد بمشکل تین چار ہزار روپے ہو گی۔ پھر جو امداد ہمیں اس طرح پر ملتی ہے وہ ہماری جماعت کے لئے خرچ نہیں ہوتی بلکہ تبلیغ اسلام پر خرچ ہوتی ہے اور اسی غرض کے لئے لوگ دیتے ہیں۔

سوال 3۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی جماعت انتظامیہ میں کسی غیر احمدی کو کبھی ممبر مقرر کیا گیا ہے؟ اگر کیا گیا ہے تو کب اور ایسے حضرات کے اسمائے گرامی کیا ہیں؟

جواب۔اس کا جواب مولانا احمد علی صاحب کے سوال 8 کے جواب میں آچکا ہے۔

سوال 4۔احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے کسی شعبہ یا ادارہ میں کسی غیر احمدی شخص کو کبھی بطور رکن جماعت انتظامیہ یا ملازم کے شامل کیا گیا ہے۔اگر کیا گیا ہے تو کب اوران کے اسمائے گرامی کیا ہیں؟

جواب۔الف۔احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے 1914ء-1915ء میں ایک ٹرسٹ بنام ''بلاد غربی ٹرسٹ'' قائم کیا تھا۔جس میں ڈاکٹر سر محمد اقبال موجودہ صدر انجمن حمایت اسلام اور مولوی غلام محی الدین صاحب سابق جنرل سیکرٹری بھی شامل تھے۔

ب۔احمدیہ انجمن اشاعت اسلام پندرہ سولہ سال تک ووکنگ مشن کو چلاتی رہی۔اب وہ ایک ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔جس میں نصف کے قریب وہ لوگ ہیں جو جماعت احمدیہ میں شامل نہیں۔اس نے آسام میں ایک مسلم مشن قائم کیا اور دو تین سال کے بعد اسے ''غیر احمدی'' اصحاب کے سپرد کیا۔

ج۔ملازمین انجمن میں ایک خاصی تعداد ''غیر احمدی'' اصحاب کی ہے۔بطور نمونہ:

1۔جرمن مشن میں ڈاکٹر حمید مارقوس جو جرمن رسالہ لکھتے ہیں۔

2۔وی آنا مشن میں بیرن عمر ایرنفلز جو انچارج مشن ہیں۔

3۔مسلم ہائی سکول میں مولوی عزیز الدین صاحب سیکنڈ ماسٹر۔بشیر حسین صاحب پرشین ٹیچر۔ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب سینئر ڈرائنگ ماسٹر۔محمد اشرف سینئر ڈرل ماسٹر۔ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں۔جن کے نام لینے میں طول ہوتا ہے۔

د۔مگر ہم نے انہیں اس اصول پر نہیں رکھا کہ انجمن حمایت اسلام ہمارے کسی آدمی کو نوکر رکھ لے۔غالباً ہماری جماعت کا کوئی آدمی بھی انجمن حمایت اسلام کی ملازمت میں نہیں۔اور اگر ہو اور انجمن اسے نکال دے تو بھی ہم جواب کے طور پر کسی اپنے ملازم کو جواب نہ دیں گے۔

سوال 5۔کیا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اصولوں کے مطابق آپ ایک غیر احمدی مسلمان کے جنازہ میں شریک ہو سکتے ہیں۔اور غیر احمدی امام کے پیچھے نماز جنازہ ادا کر سکتے ہیں۔اگر ایسا ہو سکتا ہے تو کیا اس پر آپ کی انجمن کے اراکین پابند ہیں؟

جواب۔ یقیناً غیر احمدی امام کے پیچھے بھی ادا کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ مکفر نہ ہو۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سوال 4 مولانا احمد علی صاحب۔

سوال 6۔ کیا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے اصولوں کے مطابق آپ غیر احمدی امام کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اور اگر کر سکتے ہیں تو کیا اس پر آپ کی انجمن کے اراکین کار بند ہیں۔ اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ اگر آپ کی انجمن کا کوئی ممبر غیر احمدی امام کے پیچھے نماز ادا کرے تو اس صورت میں اسے دوبارہ علیحدہ نماز پڑھنا پڑتی ہے؟

جواب۔ اس کا جواب مولانا احمد علی صاحب کے سوال 7 کے جواب میں دیا جا چکا ہے۔ میں نے خود ''غیر احمدی'' امام کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ اور اسے دہرانے کا وہم بھی نہیں ہوا۔ لیکن آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جو مسلمان کہلا کر دوسرے مسلمان کے پیچھے نماز پڑھے وہ تو انجمن حمایت اسلام سے نکالا جانے کے قابل مان لیا لیکن جو نماز پڑھتا ہی نہ ہو، اس کو انجمن میں کیا مرتبہ ملنا چاہئیے؟

سوال 7۔ کیا آپ کی انجمن کا کوئی مرد یا عورت غیر احمدی عورت یا مرد سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر ایسا نکاح ہو جائے تو کیا آپ کے اور آپ کی انجمن کے نزدیک وہ نکاح جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو کیا ایسا نکاح مکروہ ہے؟!

جواب۔ ہمارے نزدیک احمدی مسلمان مرد یا عورت کسی غیر احمدی مسلمان عورت یا مرد سے جسے وہ پسند کریں نکاح کر سکتے ہیں۔ ایسا نکاح نہ ناجائز ہے نہ مکروہ۔

سوال 8۔ مجدد کی تعریف کیا ہے؟ کیا آپ کے اور آپ کی انجمن کے عقائد کے بموجب مسلمان ہونے کے لئے مجدد پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر ایک مسلمان مجدد پر ایمان نہ لائے بلکہ دعویدار مجدد کو گمراہ خیال کرے تو کیا آپ کے اور آپ کی انجمن کے عقائد کے بموجب وہ شخص مسلمان ہے؟

جواب۔ مجدد کی تعریف حدیث میں یہ ہے **مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا** اور ہر مجدد محدث ہوتا ہے اور محدث کی تعریف یہ ہے رِجَالٌ يُّكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوا اَنْبِيَآءَ نبی اور مجدد میں فرق یہ ہے کہ نبی شریعت میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ مجدد نہیں کر سکتا۔ مجدد کو مان لینا اور اس کا ساتھ دینا شریعت اسلامی کے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ کسی حکم کا بھی نہ ماننا اچھا فعل نہیں۔ جو مجدد کو گمراہ خیال کرتا

ہے، ہمارے نزدیک وہ گمراہ مسلمان ہے۔

سوال 9۔ گو اس وقت فریق قادیان کا کوئی آدمی انجمن حمایت اسلام لاہور کی جنرل کونسل یا اس کی کسی سب کمیٹی پر نہیں ہے۔ مگر اگر فریق قادیان کے کسی آدمی کا نام انجمن حمایت اسلام لاہور کی جنرل کونسل یا اس کی کسی سب کمیٹی کے لئے تجویز کیا جائے تو کیا آپ اور آپ کی انجمن ایسے آدمی کی شمولیت کے حق میں ہوں گے۔ یا ایسی تجویز کی آپ اور آپ کی انجمن مخالفت کریں گے۔ براہ عنایت اپنی رائے کی تائید میں مفصل وجوہات درج فرمادیں۔

جواب۔ قادیانی ہو یا حنفی یا احمدی یا شیعہ یا اہل حدیث اگر اس کے جنرل کونسل یا کسی سب کمیٹی پر لیا جانے کا سوال ہوگا اور اس میں میری رائے کی ضرورت ہوگی تو میں اس شخص کے حق میں رائے دوں گا جو انجمن حمایت اسلام کی سب سے بہتر خدمت کو سکے۔ یعنی اس کے مقاصد کی تکمیل میں ساعی ہو سکے۔ وجہ ظاہر ہے انجمن حمایت اسلام کی رکنیت فرقوں کے نام پر نہیں ملنی چاہیئے بلکہ کام پر ملنی چاہیئے۔

سوال 10۔ آپ نے اپنے مطبوعہ خط میں اس امر پر زور دیا ہے کہ احمدی اسلام کا ایک فرقہ ہیں اور کہ وہ غیر احمدیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ کیا احمدی سے آپ کی مراد صرف ممبران احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہے یا اس لفظ احمدی میں قادیانی فریق والے بھی شامل ہیں۔ اگر قادیانی فریق والے بھی اس لفظ کے تحت میں آتے ہیں تو ان کے عقیدہ کے بموجب غیر احمدی مسلمان ہیں؟

جواب۔ اس چٹھی میں تو میں نے ممبران احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے متعلق ہی لکھا ہے۔ البتہ قادیانی فریق بھی اپنے آپ کو احمدی ہی کہتا ہے۔ اور میں انہیں مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ سمجھتا ہوں۔

قادیانیوں کا مشہور عقیدہ یہی ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ لیکن میرے علم میں بہت سے قادیانی ہیں جو ایسا نہیں بھی کہتے۔ حق یہ ہے کہ آپ کو یا انجمن کو اگر وہ کوئی فتوٰی دینا چاہتی ہے، خود ان سے دریافت کرنا چاہیئے۔ لیکن کتنے مسلمان فرقے ہوں گے جو ایک دوسرے کو کافر نہیں کہتے۔ یہاں تو حنفیوں کے دو گروہ ہیں۔ بریلوی اور دیوبندی۔ جن دونوں میں بڑے بڑے بلند پایہ عالم شامل ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے کو کافر کہتا ہے۔ اور میرا تو یہ خیال ہے کہ اگر ایسا مسلمان تلاش کرنا ہو جس پر کفر کا فتوٰی نہ لگا ہو تو یہ مشکل ہے!

انجمن حمایت اسلام کا رزولیوشن: جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور نے جنرل کونسل میں 26 جنوری 1936ء کو ذیل کا رزولیوشن پاس کیا ہے:

> ''اگر چہ انجمن حمایت اسلام لاہور اپنی ابتداء سے لے کر آج تک کبھی احمدیت نوازی کی مرتکب نہیں ہوئی۔ تاہم حالات حاضرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے عامۃ الناس کے اطمینان کے لئے انجمن اس امر کو علی الاعلان واضح کر دینا مناسب سمجھتی ہے کہ انجمن ہذا کو احمدیت سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی انجمن کی پالیسی احمدیت نوازی کی ہو سکتی ہے۔ نیز قرار پایا کہ اعلان مندرجہ بالا کی نقول تمام محکمہ جات انجمن کو بھیجی جائیں اور ان کے کارکنان کو ہدایت کی جائے کہ اپنے اپنے اداروں کے انتظام وانصرام میں اس کو مدنظر رکھیں۔''

اس رزولیوشن پر جب جناب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے یہ دریافت کیا کہ اداروں کے انتظام وانصرام میں اسے مدنظر رکھنے سے کیا یہ منشاء ہے کہ کسی احمدی کو آئندہ ملازم نہ رکھا جائے۔ نہ کسی احمدی طالب علم کو وظیفہ دیا جائے تو ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے جواب دیا کہ غالباً اس سے یہی مراد ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ تو انجمن نے تصریح کر دی کہ انجمن ''اپنی ابتداء سے لے کر آج تک کبھی احمدیت نوازی کی مرتکب نہیں ہوئی۔''

اور یہ واقعات سے ثابت ہے کہ انجمن کی جنرل کونسل کے ممبر احمدی ابتداء سے ہوتے رہے ہیں۔ اس میں بطور ملازم بھی احمدی رکھے جاتے رہے ہیں۔ احمدی طالب علموں کو وظائف بھی ملتے رہے ہیں۔ تو یہ سب کچھ انجمن کے رزولیوشن کی رو سے احمدیت نوازی نہیں۔ کیونکہ احمدیت نوازی کا ارتکاب انجمن نے کبھی کیا نہیں۔ تو پھر اس رزولیوشن کا مطلب کیا ہے۔ اور خلیفہ شجاع الدین صاحب کا ارشاد کس طرح صحیح ٹھہر سکتا ہے۔ آخر ان کو سکرٹری شپ کے ساتھ یہ حقوق تو نہیں مل گئے کہ انجمن کے رزولیوشنوں کے خلاف ان کی تاویل کریں۔ انجمن کا فرض ہے کہ بھری کونسل میں سکرٹری نے جو اس کے الفاظ کی اس کی اپنی تصریح کے خلاف معنی کئے ہیں، ان کی تردید کرے۔ اور ایک رزولیوشن اس امر کے

متعلق بھی ہونا چاہیئے کہ کیا انجمن شیعت نوازی کرتی ہے یا نہ۔ اور غیر مقلدیت نوازی کرتی ہے یا نہ۔ دیو بندیت نوازی کرتی ہے یا نہ۔ بریلویت نوازی کرتی ہے یا نہ؟

خاکسار محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ 30 جنوری 1936ء

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا مسلک: مولانا محمد علی صاحب کا ایک بارہ سال کا پرانا خط۔ مندرجہ ذیل مراسلت اخبار ''انقلاب'' مورخہ 2 فروری 1936ء میں شائع ہوئی ہے۔ مدیر

بخدمت ایڈیٹر صاحب انقلاب لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

چونکہ اس وقت یہ بحث عامل ہو رہی ہے کہ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور، جو کچھ اپنا مسلک ظاہر کر رہی ہے، کیا وہ واقعی اس کا یقین اور ایمان ہے یا محض پالیسی یعنی نفاق کے طور پر یہ اظہار کیا جا رہا ہے۔ اور چونکہ قرآن شریف کا یہ حکم ہے کہ شہادت کو مت چھپاؤ اس لئے میں ان واقعات کی بنا پر، جو میرے علم میں ہیں، حسب ذیل شہادت ادا کرتا ہوں۔

جب سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور میں قائم ہوئی ہے میری اکثر گفتگو امیر جماعت سے بعض مسائل میں موافقانہ اور بعض مسائل میں مخالفانہ ہوتی رہی ہے۔ اور میں یہ وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کا مسلک شروع سے ایک ہی رہا ہے۔ مثال کے طور پر ایک چٹھی جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے امیر جماعت کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ذیل میں نقل کرتا ہوں۔ جو اتفاق سے مجھے کل ہی دستیاب ہوئی تھی۔ یہ چٹھی بارہ سال پیشتر کی لکھی ہوئی ہے۔ اور میرے ایک اعتراض کے جواب میں ہے۔ اس کے مضمون کو قارئین مطالعہ فرما کر دیکھ سکتے ہیں کہ یہ خیال، کہ جماعت احمدیہ لاہور کسی حکمت عملی کی بنا پر اپنے موجودہ عقائد کو ظاہر کر رہی ہے، محض بدگمانی یا غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ ویسے بھی ایک مسلمان کے شایاں نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے متعلق ایسی بدگمانی کرے کہ جو کچھ وہ اپنے اعتقادات ظاہر کر رہا ہے، وہ نفاق پر مبنی ہیں۔ آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ میں کسی احمدی کہلانے والی جماعت سے تعلق نہیں رکھتا ہوں۔ اب میں اصل چٹھی نقل کرتا ہوں (خلیفہ) فضل حسین پنشنر سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات ریلوے روڈ لاہور۔

مکرم معظم جناب خلیفہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔نوازش نامہ پہنچا۔ میرا ہمیشہ سے ایک ہی خیال ہے۔ ممکن ہے الفاظ میں کچھ تغیر ہو جاتا ہو۔احمدیت عین اسلام ہے۔ ہاں! چونکہ مسلمانوں میں دو غلط خیال ہیں۔ جو اس کی ترقی میں رکاوٹ کا موجب ہو رہے ہیں۔یعنی حضرت عیسٰیؑ کی زندگی کا خیال اور اسلام کے بزور شمشیر پھیلائے جانے کا خیال۔اس لئے محض تمیز کے لئے ہم اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اور مراد اسی قدر ہے کہ ہم وہ مسلمان ہیں جنہوں نے ان دونوں خیالات کو ترک کر دیا ہے۔اور یہی اصل اسلام ہے۔

بلا شبہ ہر مسلمان کا یہ اختیار ہے کہ اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کے لئے محمدی یا احمدی کہلائے۔لیکن بعض وقت بعض الفاظ جب ایک خاص اصطلاح میں لے لئے جاتے ہیں تو ان کے معنی محدود بھی کر لئے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر سب مسلمان اہل قرآن ہیں۔لیکن آج کل کی اصطلاح میں اس فرقہ سے یہ نام مخصوص ہو گیا ہے جو حدیث کو قبول نہیں کرتا ہے۔ یا اہل حدیث سب مسلمان ہی ہیں۔مگر اصطلاح مشہور میں ایک خاص فرقہ سے یہ نام مخصوص ہے۔ میرا مطلب اس وقت بھی اسی قدر تھا۔ گویا بایں یہ تشریح بھی میں پسند نہیں کرتا کہ غیر جماعت احباب کو غیر احمدی کہا جائے۔مگر اس سے بھی آپ کی تسکین نہ ہو تو مزید تشریح کے لئے حاضر ہوں۔اور میری تو دلی تڑپ ہے کہ سب مسلمان اپنے آپ کو احمدی کہنے لگیں تاکہ اس نام کے ساتھ جو بدنامی لگی ہوئی ہے وہ دور ہو جائے۔والسلام۔

خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس لاہور

یکم مارچ 1924ء

3 فروری 1936ء

خواجہ غلام نبی مہجور

حقائق

زمانہ آیا ہے رازداری کا اب نہ دیدارِ یار ہوگا
جو آشکارا تھے راز، اُن کا دروغ اب پردہ دار ہو گا
گزر گیا اب وہ دور پیارے، چھپے نہ تھے جبکہ پینے والے
یہ دن ہیں وہ، جن میں بادہ خواروں کا مفتیوں میں شمار ہوگا
گئے وہ دن، جب نماز و روزہ جہاں میں اسلام کے نشاں تھے
جو ڈاڑھی موچھیں منڈائے گا، اب وہی بڑا دیندار ہو گا
جہادِ اکبر جہادِ اصغر سے اب تعلق نہیں ہے باقی
جو مسجدوں کو گرائیں، ان کا مجاہدوں میں شمار ہو گا
متاعِ ایماں کو بیچ دیں گے اسمبلی کی نشست پا کر
وزیر ملت فروش ہوں گے اور ان کا یہ روزگار ہو گا
فریب کا نام مصلحت جب رکھیں گے ریفارمر ہمارے
ملے گی عزت بڑھے گی دولت عجب طرح کا وقار ہو گا
یہ پاپ کی ناؤ غرق ہوگی، گرے گا تحت الثریٰ میں باطل
چڑھے گا پروان حق، کہ اس کی مدد پہ پروردگار ہوگا
پھلے گا پھولے گا یہ عقیدہ کہ اہل قبلہ ہیں سب مسلمان
جو اس پہ قائم رہے گا انساں، کبھی نہ وہ شرمسار ہو گا
ملے گی نصرت اسی کو، ہو گی اسی پہ فضل وکرم کی بارش
خدا کے آگے جو آخرِ شب جھکا کے سر اشکبار ہو گا
ہے احمدیت کا وہ سفینہ، کہ خود خدا جس کا ناخدا ہے
مخالفت کے ہوں لاکھ طوفاں، مگر یہ دریا کے پار ہو گا
چلے ہی جائیں گے جانے والے، رکیں گے مہجور وہ نہ ہرگز
رہِ عدم کے مسافروں کو کسی کا کب انتظار ہو گا

7 فروری 1936ء

حضرت امیر کی افتتاحی تقریر

مندرجہ ذیل تقریر حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ نے 24 دسمبر 1935ء کو بعد دوپہر جلسہ سالانہ کا افتتاح کرتے ہوئے ارشاد فرمائی تھی۔ مدیر

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولٰینا نے سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ کچھ کہنے سے پیشتر میں چاہتا ہوں کہ دعا کی جائے۔ کیونکہ اس دینی اجتماع کا موزوں افتتاح یہی ہوسکتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں، ایک دو باتیں دعا کے متعلق کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔

اضطرار کی حالت میں دعا: پہلی بات تو یہ ہے کہ سب سے زیادہ مقبول وہ دعا ہوتی ہے جو اضطرار کی حالت میں کی جائے۔ اضطرار کی حالت کونسی ہوتی ہے؟ جب انسان دیکھے کہ چاروں طرف سے مخالفت ومصائب کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ بچاؤ کا کوئی ظاہری سامان نظر نہیں آتا، اس وقت وہ بالکل بے بس و بے اختیار ہوکر عاجزانہ خدا کے سامنے گرتا ہے۔ وہ چیز جو اسے ظاہری سامانوں سے میسر نہیں آسکتی وہ اسے خدا کے آگے گر کر مانگتا ہے۔

حضرت نبی کریمؐ کا طائف تشریف لے جانا: مدینہ کی ہجرت سے پہلے حضرت نبی کریمؐ کو بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ چاروں طرف خطرناک مخالفت کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ کوئی شخص آپؐ کی بات تک سننے کے لئے تیار نہ تھا۔ مٹھی بھر مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں اور کفار نے ان کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ جب مکہ کے لوگوں نے آپؐ کی بات سننے سے انکار کر دیا تو آپؐ طائف تشریف لے گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتلایا گیا تھا کہ آپ کی کامیابی ہجرت میں ہے۔

طائف کے لوگوں کا ظالمانہ سلوک: طائف میں آپؐ کے ساتھ جو سلوک ہوا۔ وہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ وہاں کے لوگوں نے نہ صرف آپؐ کو نکال دیا بلکہ طائف کے غنڈوں نے راستے کے دونوں طرف کھڑے ہوکر پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ جس سے آپؐ کی پنڈلیاں زخمی ہوگئیں۔ زخموں سے خون بہنے

لگا۔ آپؒ شدت درد سے چلتے چلتے بیٹھ جاتے تو غنڈے آپؒ کو آکر اٹھا دیتے۔ تھوڑی دور جا کر پھر بیٹھتے۔ غنڈے پھر اٹھا دیتے۔

طائف میں حضرت نبی کریمؐ کی دعا: اس وقت آپؐ نے دعا مانگی۔ **اَللّٰھُمّ اِلَیْکَ اشکوا ضعف قوتی وقلّۃ حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الرّحمین انت ربی ورب المستفعفین الٰی من تکلنی الی عدو بعید یتجھمنی ام الی صدیق قریب ملکتہٗ امری ان لم تکن غضبانا علّی لا ابالی غیران عافتیک اوسعٰی لی اعوذ بنوروجھک الذی اضاء ت لہٗ السمٰوٰت واشرقت لہ الظلمات وصلح علمہ امر الدنیا والاخرۃ ان ینزل بی غضبک اوحل بہ سخطک ولک العتبٰی حتّٰی ترضٰی ولا حول ولا قوّۃ الّا بک.**

ترجمہ: اے میرے خدا اپنی کمزوری اور اپنی طاقت کی کمی کی اور لوگوں میں ہیچ ہونے کی تیری طرف ہی شکایت کرتا ہوں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو ہی میرا رب ہے اور کمزوروں کا رب ہے تو کس کی طرف مجھے سپرد کرے گا۔ کسی اجنبی دشمن کی طرف جس کے قبضہ میں تو نے میرا معاملہ دیا ہے۔ اگر تیری ناراضگی مجھ پر نہیں تو ان تمام باتوں کی مجھے کچھ پروا نہیں۔ لیکن تیری حفاظت میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس کے سامنے ساری تاریکیاں پاش پاش ہو کر روشن ہو جاتی ہیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے امور اصلاح پذیر ہوتے ہیں۔ ہاں اس بات سے میں تیرے منور چہرے کی پناہ میں آتا ہوں کہ مجھ پر تیری ناراضگی ہو یا تیرا غصہ ہو۔ تیرے حضور عذر کرنا ہے۔ یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور کوئی طاقت اور قوت نہیں مگر تیرے ساتھ۔

آج کل ہم بھی چاروں طرف سے مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے سامنے بہت بڑا کام ہے۔ بظاہر ہماری کامیابی وامداد کا بھی کوئی سامان نہیں۔ گو ہماری ان مشکلات کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی مشکلات سے کوئی نسبت نہیں۔ تاہم یہ مشکلات ہمیں پریشان کئے ہوئے ہیں۔ آؤ، آج ہم بھی اسی دعا کی طرف توجہ کریں اور انہیں الفاظ میں خدا کے پاس فریاد لے جائیں اور اس سے امداد طلب کریں تو کوئی تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کے صدقے ہماری بھی سن

لے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سمجھ لیں کہ ہم میں کوئی قوت و طاقت نہیں۔ ہمارے سامنے جو مقابلہ ہے۔ وہ اتنا بڑا ہے کہ ہمیں ہاتھ ڈالنے کا بھی حوصلہ نہیں ہوتا۔

قبولیت دعا کے لئے دوسری شرط: دوسری بات یہ ہے کہ دعا اس وقت قبول ہوتی ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان سے حجاب اٹھ جائے۔ اور یہ حجاب اس طرح اٹھ سکتا ہے کہ انسان کو خدا کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے۔ یہ حالت ایسی ہے کہ اگر کسی کو تنہائی کے گوشے اور تاریک کوٹھری میں بھی میسر آ جاتے تو خدا کا بہت بڑا احسان ہے۔

حج کا قدیم النظیر اجتماع: اسلام نے ایک ایسا اجتماع بھی رکھا جس میں سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسان جمع ہوتے ہیں اور ان کے سامنے سے تمام پردے اٹھائے جاتے ہیں اور اس وقت انہیں خدا کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ مقام عرفات کا میدان اور حج کا موقع ہوتا ہے۔ کاش! ہم میں سے ہر ایک کو حج کی سعادت نصیب ہو۔ تین موقعوں پر انسانوں کی حالت ایک جیسی ہوتی ہے۔ ان میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ ایک اس وقت جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔ دوسرے موت کے وقت۔ تیسرے میدان عرفات میں جب کہ سب کا لباس ایک جیسا ہوتا ہے اور سب کی زبان پر ایک ہی آواز ہوتی ہے۔ غیر لوگ بھی، جن کو اس نظارے کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، حیران ہوتے ہیں خدا کے ساتھ بے حجابی کی نعمت جو تاریک گوشوں اور تنہائی کی گھڑیوں میں کسی کسی کو بمشکل میسر آتی ہے۔ وہ عرفات کے میدان میں لاکھوں انسانوں کے اجتماع میں میسر آ جاتی ہے۔ یہ بھی اسلام کا ایک بہت بڑا کمال ہے۔ اگر اس وقت ہم بھی سب چیزوں کو بھول جائیں اور سمجھ لیں کہ صرف خدا ہمارے سامنے ہے تو ہم بھی کسی قدر اس نعمت کو پا سکتے ہیں (اس کے بعد دعا کی گئی۔ اکثر احباب پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے)

اللہ تعالیٰ کا احسان: اس کے بعد ایک دو باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہم کو خدمت اسلام کا کچھ کام کرنے کے لئے ایک سال اور عنایت فرمایا۔

اس سال ہم سے بہت سے دوست جدا ہو گئے ہیں۔ جن کا اعلان اخبار ''پیغام صلح'' میں ہوتا رہا ہے۔ ان کی جدائی کا ہم کو بہت صدمہ ہے۔ لیکن یہ ایک ناگزیر بات ہے۔ ہم میں سے ہر ایک نے

مرنا ہے۔ رفتہ رفتہ لوگ جماعت سے جدا ہوتے اور خدا کے سامنے پیش ہوتے جائیں گے۔

ہماری چھوٹی سی جماعت کا عظیم الشان کام: اس وقت ہمارے منہ سے الحمد للہ کی آواز ایک دلی راحت کے ساتھ نکلتی ہے۔ کیونکہ یہ چھوٹی سی جماعت جس کو تباہ کرنے کے لئے لوگ چاروں طرف سے لگے ہوئے ہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے خدم دین کی اس قدر توفیق دی کہ بڑی بڑی جماعتوں کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں۔ اس کے صرف ایک کام اشاعت قرآن ہی کو لیجئے۔ اس سال تقریباً چھ ہزار کاپی انگریزی ترجمۃ القرآن کی بلا ہدیہ ہندوستان اور بیرونی ممالک میں تقسیم کی گئی۔ اس کے علاوہ ڈچ زبان میں قرآن کا ترجمہ معہ متن مکمل شائع ہوگیا۔ جس کی تین ہزار کے قریب کاپیاں ہاتھوں ہاتھ نکل بھی گئی ہیں۔ الحمد للہ لوگ جب اس جماعت کی مخالفت کرتے ہیں تو دل میں ایک درد پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟!

قرآن خدا کی ایک امانت ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نسل بعد نسلٍ ہمیں ملی۔ زمانہ سلف کے مسلمان اور تمام بزرگان دین اس امانت کا حق ادا کرتے آئے۔ اس زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک مجدد بھیجا۔ جس نے اس امانت کا حق ادا کیا۔ جب کہ تمام مسلمان اس حق کی ادائیگی کو فراموش کر چکے تھے۔ اس مجدد کے بعد صرف یہ چھوٹی سی جماعت ہے جو اس حق کو صحیح معنوں میں ادا کر رہی ہے۔ جو نسبت ایک چیونٹی کو انسان سے ہوتی ہے، وہی اس جماعت کو مسلمان قوم سے ہے۔ اول تو مسلمانوں میں کل احمدی ہی کتنے ہیں! پھر احمدیوں میں ہماری جماعت کی تعداد تو بہت ہی تھوڑی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ قلیل جماعت وہ کام کر رہی ہے جو مسلمان بادشاہوں اور سلطنتوں سے بھی نہیں ہوسکا!

مرزا ولی احمد بیگ مبلغ جاوا: بعض اوقات تو اس کے معمولی افراد ایسے ایسے کام کر ڈالتے ہیں جس کی توفیق مسلمانوں کے بڑے سے بڑے علماء اور جماعتوں کو بھی نہیں ہوتی۔ کچھ سال پہلے ہم نے اپنے ایک غریب نوجوان مرزا ولی احمد بیگ کو تبلیغ کے لئے جاوا بھیجا۔ اس وقت لوگ انہیں لوگ جانتے بھی نہ تھے۔

ڈچ ترجمۃ القرآن کی اشاعت: انہوں نے وہاں پہنچ کر خدمت دین کے عظیم الشان کام کئے۔ جن

میں سے ایک قرآن کریم کے ڈچ ترجمہ کی اشاعت بھی ہے۔ اس ترجمہ کی ایک کاپی حال ہی میں مجھے موصول ہوئی ہے۔ اس کی ظاہری شکل وصورت بھی ہمارے انگریزی ترجمۃ القرآن کی ہے۔ نوٹ اور حواشی بھی وہی ہیں۔ صرف زبان کا فرق ہے۔ اگر کوئی شخص ڈچ اور انگریزی دونوں زبانوں سے ناواقف ہو تو اس کے لئے ان دونوں ترجموں میں امتیاز کرنا مشکل ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی مہربانی سے تمہاری جماعت کی طرف سے ایک اور مغربی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ نکل گیا۔ اس پر اس کا جس قدر بھی شکر کیا جائے کم ہے۔ اس کے بعد ایک اور بڑا بھائی فضل ہوا۔ حضرت مسیح موعود نے اپنی وفات سے قبل 1907ء میں ایک خواہش ظاہر فرمائی تھی اور مجھے مخاطب کر کے ظاہر فرمائی تھی کہ اسلامی مسائل کے متعلق انگریزی زبان میں ایک کتاب لکھی جائے۔ جو یورپین نومسلموں اور خود انگریزی خواندہ مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہو۔ 1908ء میں، میں تو قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ میں لگ گیا اور اس کام کو دراصل بھول ہی گیا۔

ایک مخالف پادری کی کتاب: غالباً 1927ء میں ایک دوست نے ایک پادری کی لکھی ہوئی کتاب مجھے دی۔ جس میں اسلامی تعلیم کو بگاڑ کر دکھلا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ تمہیں مذہبی امور سے دلچسپی ہے۔ اس کتاب کو پڑھو اور اس کے جواب میں اسلام کی کوئی اچھی تصویر پیش کرو۔ میں نے کتاب لے کر پڑھی اور خود اسلامی مسائل کے متعلق ایک کتاب لکھنی شروع کر دی اور بھی بہت سے مشاغل تھے۔ اس کے ساتھ رفتہ رفتہ یہ کام بھی ہوتا رہا۔ میں یکا یک گزشتہ مارچ میں بیمار ہو گیا۔ تکلیف اس قدر زیادہ ہوئی کہ ڈاکٹروں نے چارپائی پر ڈال دیا اور تاکید کر دی کہ کسی قسم کا کوئی کام نہ کیا جائے۔ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ یہ کتاب میری زندگی میں مکمل ہو جائے گی؟ اصل میں انسان کی کوئی حقیقت نہیں۔ جب یہ تندرست ہوتا ہے تو سمجھتا ہے کہ میں نے کبھی مرنا ہی نہیں۔ لیکن جب موت آتی ہے تو پتہ ہی نہیں لگتا۔

''دی ریلیجن آف اسلام'' کی تکمیل واشاعت: خیر! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے صحت دی اور جب میں بستر علالت سے اٹھا تو اس کتاب کو مکمل کرنا شروع کیا اور ایسی محنت کی جس طرح کہ ایک طالب علم کسی امتحان کی تیاری کے لئے محنت کرتا ہے۔ بعض اوقات تو اس کے لئے صبح کی سیر تک ترک کر دی اور صبح نو بجے سے لے رات کو نو بجے تک متواتر اس کام میں مصروف رہا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب

اس کتاب کی طباعت تقریباً مکمل ہوگئی ہے۔تمام پروف دیکھے جاچکے ہیں۔صرف ایک دوفرمے چھپنے باقی رہ گئے ہیں۔اس کتاب کا نام ''دی ریلیجن آف اسلام'' (دین اسلام) ہے۔اس میں تمام ضروری اسلامی مسائل آگئے ہیں۔اس کا حجم تقریباً آٹھ سوصفحات ہے۔میں نے اس کتاب کا ذکر اپنے نفس کے لئے نہیں کیا بلکہ اس لئے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح آپ کی جماعت کی ایک اور نصرت فرمائی۔

حضرت مسیح موعود کی زبان سے بعض باتیں ایسی نکلی ہیں۔جن کا مطلب اس وقت گو کسی کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔لیکن بعد کے واقعات سے ثابت ہو گیا کہ یہ نہایت سچی اور پر حقیقت باتیں تھیں۔ ہمارے دوست ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب بیٹھے ہیں۔انہی کا ایک واقعہ ہے۔ایک مرتبہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں عرض کیا کہ امریکہ میں بھی ہمارا ایک مشن ہونا چاہیئے ۔کیونکہ وہاں بہت سے لوگ اسلام کی طرف راغب ہیں۔حضرت صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کیا آپ کے لئے ہندوستان میں تھوڑا کام ہے؟

اس وقت یہ بات اپنے اصلی معنوں میں کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔لیکن آج چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد اس کے معنی صاف سمجھ میں آتے ہیں۔اب اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کے لئے خدمت اسلام کا ایک بہت بڑا کام پیدا کر دیا ہے۔آپ سب نے ڈاکٹر امبید کر کا اعلان پڑھا ہوگا۔ اچھوت ہندو مذہب کو ترک کر دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں اس طرح ہندوستان میں ایک بہت بڑا کام تبلیغ اسلام کا پیدا ہو گیا ہے جس میں شاہ صاحب کافی دلچسپی لے رہے ہیں۔

مسلم ہائی سکول کے بورڈ نگ کی تعمیر: پھر اس سال کا ایک کام اینٹوں اور دیواروں کی شکل میں بھی آپ کے سامنے موجود ہے۔یعنی مسلم ہائی سکول لاہور کے بورڈ نگ ہاؤس کی عمارت۔ جو اس وقت زیر تعمیر ہے۔ایسے وقت میں، جب کہ جماعت چندوں کے بوجھ سے تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہے، غیبی سامان پیدا ہو جاتا ہے۔چند آدمیوں کے دل میں اللہ تعالیٰ ایک بات ڈال دیتا ہے اور وہ چھ سات ہزار روپے کی لاگت سے یہ عمارت تعمیر کرا دیتے ہیں۔ بظاہران کے دل بھی ایسے ہی ہیں۔جیسے کہ دوسرے انسانوں کے۔صرف زندہ اور مردہ کا فرق ہے۔غرضیکہ اس سال ہماری جماعت پر اللہ تعالیٰ کے بہت سے احسانات ہوئے۔

عمل وعقائد دونوں لحاظ سے ہمارا قدم صحیح راستہ پر ہے: لیکن اس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ہمارا قدم صحیح راستہ پر رکھا اور افراط وتفریط سے بچایا۔ عقائد اور عمل دونوں لحاظ سے ہمارا قدم صحیح راستہ پر ہے۔ عمل کے لحاظ سے دیکھو تو اس وقت ایک آگ سی لگی ہوئی ہے۔ احراری اور قادیانی ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس ڈنڈا بازی سے محفوظ رکھا ہے۔ ہم اسی شہر لاہور میں رہتے ہیں جو کہ مخالفین کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اس شہر میں بظاہر ہمارا وجود کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ شہر کے ایک چھوٹے سے محلّہ میں ہمارے چند گھر اور دفتر ہے۔ ہر روز ہمارے سامنے موچی اور دہلی دروازے میں مخالفین کے جلسے ہوتے ہیں۔ لیکن نہ ہمیں ان سے کوئی ڈر ہے اور نہ ہم ان سے مرعوب ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی ان میں کوئی دخل دیتے ہیں۔ بخلاف اس کے قادیان میں، جہاں کی سات آٹھ ہزار کی آبادی میں کم از کم چھ ہزار قادیانی ہوں گے، احرار کا ایک جلسہ ہوتا ہے اور شور مچ جاتا ہے۔ ادھر ادھر سے آدمی بلوائے جاتے ہیں۔

ہمارے دل میں بھی حضرت مسیح موعود کی غیرت اور ان کی عزت ومحبت موجود ہے۔ اور خدا کے فضل سے اس سے زیادہ موجود ہے جتنی کہ ہمارے قادیانی دوستوں کے دلوں میں ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود کو نبی بنا کر بھی ان کے ارشادات کی اس قدر عزت نہیں کرتے جس قدر کہ ہم آپ کے اصلی دعوٰی کے بموجب انہیں مجدد مان کر کرتے ہیں۔

حضرت صاحب کا واضح فتوٰی موجود ہے کہ مکفر اور مکذب کو چھوڑ کر باقی بے شر مسلمانوں کا جنازہ پڑھا جا سکتا ہے۔ کیا قادیانیوں میں اس قدر جرأت ہے کہ اس فتوٰی پر عمل کر کے دکھلائیں؟ نہیں۔ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کے اندر سے جرأت مفقود ہو چکی ہے۔ افسوس ان سے غور وفکر کی طاقت بھی سلب ہو گئی ہے۔ وہ اپنے اصلی فرائض اور حضرت مسیح موعود کے پیش کردہ مقصد کو بھول گئے ہیں۔ اس کی بجائے سیاسی مشاغل میں پڑ گئے ہیں۔ اور قومی طاقت، جو خدا کے دین کے نشر واشاعت پر لگنی چاہئے تھی، فضول کاموں پر لگ رہی ہے۔ ایک عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ میں تیس چالیس ہزار روپیہ برباد ہو گیا ہو گا۔ ہر بات میں مقابلہ کی ضد اور شان وشوکت کے فضول مظاہرے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر احراری ایک پیشی پر سات آٹھ ہزار آدمی لا سکتے ہیں تو قادیانی

جماعت بھی اپنے لئے ضروری سمجھتی ہے کہ وہ بھی سات آٹھ ہزار آدمی بلکہ اس سے بھی زیادہ لائے۔ صرف ایک گواہی پر قادیانی جماعت نے اس قدر روپیہ ضائع کیا کہ اس سے قرآن کریم کی اشاعت کا بیش بہا کام ہوسکتا تھا۔

قادیان کی فوجی کوریں!: قادیانی جماعت کا طریق عمل صحیح راستہ نہیں۔ بلکہ طاقت وقوت کی بربادی ہے۔ ہمارا نام احمدی اس لئے رکھا گیا ہے کہ ہم دکھ اٹھائیں اور تبلیغ کریں۔ ہمارا کام سیاسی امور میں دخل دینا یا دوسروں سے متصادم ہونا ہرگز نہیں۔ آج کل قادیان میں فوجی طریق پر کوریں بن رہی ہیں۔ مجھے ''الفضل'' میں ایک فقرہ پڑھ کر بے حد افسوس وتعجب ہوا کہ ہم ان کوروں کے ذریعے وہی وحدت اور نظام پیدا کرنا چاہتے ہیں جو وحدت ونظام خدا تعالیٰ نمازوں کے ذریعہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا اب نماز سے وہ وحدت اور نظام پیدا نہیں ہوسکتا؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ اس نے ہمارا قدم صحیح راستہ پر رکھا۔ گو ہم میں کمزوریاں بھی ہیں۔ ہم میں قربانی کا وہ جذبہ موجود نہیں جو ہونا چاہیئے۔ لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ ہمارا قدم غلط راستہ پر نہیں پڑا۔ خواہ وہ سست رفتاری ہی سے اٹھ رہا ہو۔ لیکن وہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اٹھ رہا ہے اور صراط مستقیم پر گامزن ہے۔ جو لوگ صراط مستقیم پر ہوں ان کی طاقتیں ضائع نہیں جاتیں۔ یہ تو عمل کے لحاظ سے ہوا۔ لیکن عقائد کے لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں افراط وتفریط سے بچایا۔ ہم نے مجدد کو مجدد ہی مانا۔ غلو کر کے اس کو نبی بنانے کی خطرناک کوشش ہرگز نہیں کی۔ قادیانی بھی ہم پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی۔ قادیانی کہتے ہیں کہ جماعت لاہور نے حضرت مسیح موعود کے اصل منصب سے انکار کردیا۔ دوسرے لوگ بھی ہمیں منافق اور کافر کہتے ہیں۔ لیکن جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ ہم میں کفر کی کونسی بات ہے؟ ہمارا کونسا عقیدہ غلط ہے؟ تو وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ گزشتہ دنوں مفتی کفایت اللہ صاحب نے بڑے شد ومد سے ہم پر کفر کا فتویٰ دیا۔ لیکن جب ان سے وجہ کفر دریافت کی گئی تو خاموش ہوگئے۔

مخالفین کا حدیث مجدد سے انکار!: ہم حضرت مرزا صاحب کو مجدد مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ از روئے حدیث ہر صدی کے سر پر مجدد آتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے حدیث مجدد کی بنا پر ہی مجددیت کا

دعویٰ کیا ہے۔ لیکن یہ لوگ نہ تو حضرت صاحب کے دعویٰ کو غلط ثابت کر سکتے ہیں اور نہ کسی ایسے آدمی کو پیش کر سکتے ہیں جس نے اس صدی میں مجدد کا دعویٰ کیا ہو۔ البتہ اب بعض نے یہ لکھنا شروع کر دیا ہے کہ ہم حدیث مجدد کو نہیں مانتے۔ لیکن گزشتہ تاریخ اسلام کو اٹھا کر دیکھو۔ ایک طرف حفاظ حدیث کا حدیث مجدد کی صحت پر اتفاق ہے دوسری طرف اس حدیث کے ماتحت دعویٰ کرنے والے بھی پائے جاتے ہیں۔ آج چند جاہل اٹھتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو نہیں مانتے! دراصل ایسا کہنے والے لوگ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ اسی طرح وفات مسیح کا عقیدہ ہے۔ مخالفین میں سے بہت سے صاف طور پر نہ حیات مسیح کو۔ مانتے ہیں اور نہ وفات مسیح کو اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ مانا اختلافی مسئلہ ہے۔ لیکن اس کے متعلق تمہارا مسلک کیا ہے؟ اس کا جواب کبھی نہیں دیں گے۔ کیونکہ اپنی کمزوری سے واقف ہیں۔ حیات مسیح کو احمدیت کے مقابلہ میں ثابت نہیں کر سکتے اور وفات مسیح کے صحیح عقیدہ کو تسلیم کرنے کی ان میں جرات نہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے ہماری چھوٹی سی جماعت پر بے شمار افضال واکرام ہیں۔ اس کا سب سے بڑا افضل یہ ہے کہ اس نے ہم کو صراط مستقیم پر رکھا۔ غلو سے بچایا اور خدمت اسلام کی توفیق دی۔ اس لئے الحمد للہ کہتے ہوئے ہمارے دلوں میں ایک راحت محسوس ہوتی ہے۔

7 فروری 1936ء

چند اعتراضات اور ان کے جوابات

ایک صاحب نے، جو انجمن حمایت اسلام لاہور کی جنرل کونسل کے ممبر ہیں، حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ جس میں سلسلہ عالیہ احمدیہ پر چند اعتراضات کر کے حصول جواب کی خواہش کی۔ ان کے اعتراضات کا جواب کئی روز ہوئے بذریعہ خط بھیجا جا چکا ہے۔ ذیل میں ان کا خط اور جواب قارئین ''پیغام صلح'' کے مطالعہ کے لئے درج کئے جاتے ہیں (قارئین کی سہولت کی خاطر ہر سوال کے ساتھ ہی اس کا جواب درج کیا گیا ہے) معترض صاحب نے اپنے خط میں بعض مقامات پر بلاضرورت سخت گفتاری و تلخ کلامی سے کام لیا ہے۔ جو ایک محقق کے شایان شان نہیں۔ انہیں اظہار مدعا کے لئے اس سے بہتر الفاظ مل سکتے تھے۔ خیر یہ بات ہمارے معترضین و مخالفین میں اس قدر عام ہو چکی ہے کہ اس کا گلہ ہی فضول ہے۔ مدیر

بخدمت مولوی محمد علی صاحب امیر احمدیہ انجمن لاہور۔

السلام علیکم۔ آپ کی مطبوعہ چٹھی 20 جنوری 1936ء بہ خدمت آنریری جنرل سکرٹری صاحب انجمن حمایت اسلام لاہور بمعہ ٹریکٹ نمبر 7 دربارہ عقائد جماعت احمدیہ بذریعہ ڈاک میرے نام موصول ہوئی۔ غالباً اس خیال پر، کہ میں بھی جنرل کونسل میں اپنی رائے ظاہر کر سکوں، مذکورہ بالا چٹھی اور آپ کے عقائد پڑھ کر مجھے حسب ذیل سوالات کے جوابات دریافت کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے تا کہ میں اپنی صحیح رائے قائم کر سکوں۔ امید ہے کہ بلا کسی تاویل اور طریق بحث کے مختصر جواب بہ صورت تسلیم یا انکار سے جلد تر مشکور فرما دیں گے۔ تا کہ میں جنرل کونسل کے اجلاس 2 فروری 1936ء میں اپنی رائے پیش کروں:

سوال 1۔ جبکہ آپ خود ہی امت محمدیہ سے نکل کر جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئے اور مسلم قوم سے الگ ایک احمدی قوم بنا لی اور اس احمدی قوم کی امارت بھی آپ کو مل گئی۔ تو پھر مسلمانوں سے اس استدعا کا کیا مطلب ہے کہ وہ آپ کو مسلمان اور امت محمدیہ سمجھیں؟

جواب۔ آپ کو یہ کیونکر اور کہاں سے معلوم ہوا کہ جماعت احمدیہ امت محمدیہ اور مسلم قوم سے نکل کر اور الگ ہو کر بنائی گئی ہے؟

ما مسلما نیم از فضلِ خدا مصطفیٰؐ مارا امام و پیشوا

اندریں دیں آمدہ ایم از مادریم ہم بریں از دار دنیا بگذریم

جماعت احمدیہ قرآن کریم کے اس ارشاد کے ماتحت بنائی گئی ہے کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (104:3) ایک جماعت (اے امت محمدیہ) تم میں سے ہونی چاہئیے جو نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے۔ اچھے کاموں کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

پس آپ کس طرح اس کو امت محمدیہ سے الگ قرار دیتے ہیں۔ کیا یہ جماعت کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی قائل نہیں؟ کیا نماز، روزہ زکوٰۃ اور حج اس کا شعار نہیں؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں کہ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذَالِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ جو شخص ہماری نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہی مسلمان ہے۔ جس کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کا عہد ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے عہد کی تحقیر مت کرو۔ سوال یہ ہے کہ ان میں سے کونسی بات ہے جو جماعت احمدیہ میں نہیں پائی جاتی اور آپ اس کی بنا پر اسے امت محمدیہ سے الگ قرار دیتے ہیں؟ قرآن کریم نے تو صرف السلام علیکم ہی کو اسلام کا نشان قرار دیا اور فرمایا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) جو تمہیں اسلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔ پھر افسوس ہے کہ آپ ایک ایسی جماعت کو، جو نہ صرف السلام علیکم کی قائل بلکہ دین کے ہر معاملہ میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر قدم مار رہی ہے، اسلام کی حفاظت اور اشاعت میں رات دن قربانیاں کرتی اور خدا اور رسول کے احکام کو بجالاتی ہے، امت محمدیہ سے الگ قرار دے کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی توہین کرتے ہیں۔

اگر جماعت احمدیہ کا نام یا اس کا الگ جماعت کی صورت اختیار کرنا اس کے امت محمدیہ سے الگ ہونے کے مترادف ہے تو کیا اہلسنت والجماعت کا نام اور ان کا الگ جماعت ہونا، اہلحدیث کا نام اور

ان کا الگ جماعت ہونا، اہل تشیع کا نام اور ان کا الگ جماعت ہونا، بریلوی، دیوبندی وغیرہ وغیرہ مختلف فرقوں کے نام اور ان کا الگ الگ جماعتیں ہونا، ان کو امت محمدیہ سے خارج نہیں کرتا؟ پہلے ان سب جماعتوں کو اسلام سے خارج کیجئے۔اس کے بعد جو جی چاہے ہمیں بھی کہہ لیجئے۔ہمیں اپنی ذات کے لئے اس بات کی کوئی خواہش نہیں کہ آپ یا انجمن حمایت اسلام ہمیں کافر سمجھے یا مسلمان۔ہم تو صرف يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (104:3) کے ارشاد ربانی کے ماتحت آپ کو سمجھاتے ہیں کہ:

مومناں راچرا کافر نہی نام اے اخی رو اگر مروی جھو دی را باسلام اندر آر

ہاں اگر آپ کے یا انجمن حمایت اسلام کے پاس کوئی شرعی دلیل اور خدا اور رسول کا کوئی فرمان ایسا ہو۔جس کی بنا پر ہمیں کلمہ طیبہ اور تمام شعائر اور ضروریات اسلامی کے قائل ہونے کے باوجود کافر ٹھہرایا جاسکتا ہو، تو اسے پیش کیجئے۔

سوال 2۔کیا آپ کا ایسا ہی ایمان ہے جس کا اظہار حضرت مرزا صاحب نے یوں فرمایا ہے۔

ہست بر وحی خویش ایمانم ہم چو قرآں منزہ اش دانم

جواب۔حضرت مرزا صاحب نے اپنی وحی کو اگرہ منزہ عن الخطا قرار دیا تو یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو انہی کے ساتھ خاص ہو۔ہر ولی اور مجدد اور محدث، جو خدا سے ہمکلام ہوتا ہے، اپنی وحی کو خدا کی طرف سے ہونے میں خطا سے منزہ ہی سمجھتا ہے۔کیا حضرت موسیٰ کی ماں کو جو وحی ہوئی تھی اور اس کی بنا پر انہوں نے اپنے نوزائیدہ بچہ کو دریا میں ڈال دیا تھا، وہ اسے خطا سے منزہ نہ سمجھتی تھیں؟ اگر وہ ایسا خیال کرتیں تو کس طرح بچہ کو دریا میں پھینکنے کی جرأت کرتیں۔ایسا ہی حضرت مریم کا حال ہے۔جنہوں نے اپنی وحی کو منزہ عن الخطا سمجھا۔پھر حضرت خضرؑ کو دیکھئے۔جنہوں نے خدا سے علم پا کر ایک معصوم بچہ کو قتل کر دیا۔اگر وہ اپنی وحی کو خدا کی طرف سے نہ سمجھتے اور ظنی خیال کرتے تو ایسے فعل کے مرتکب کیوں ہوتے؟ یہی حال تمام ان لوگوں کا ہے جو اس امت میں خدا کی طرف سے الہام پاتے ہیں۔اگر ان کا اپنے الہام کے خدا کی طرف سے ہونے پر یقین اور ایمان نہ ہو تو وہ کس طرح اپنے آپ کو قرب الٰہی کے درجہ پر پا سکتے اور کس طرح خدا ان سے مل سکتا ہے۔ہاں منزہ عن الخطا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس کا درجہ قرآن کے برابر ہے۔کسی محدث یا مجدد کا الہام درجہ کے لحاظ سے کبھی قرآن کے برابر نہیں ہوسکتا۔اور حضرت

مرزا صاحب نے ''ہمچو قرآن منزہ اش دانم'' کی تشریح خود ہی ان الفاظ میں کر دی ہے کہ'' کلام الٰہی سے مراد وہی کلام ہے جو زمانہ کے لئے تازہ طور پر اترتا ہے اور اپنی طبعی خاصیت سے ملہم اور اس کے ہم نشینوں پر ثالث کرتا ہے کہ میں یقینی طور پر خدا کا کلام ہوں اور ایسا ملہم طبعاً اس میں اور خدا کے دوسرے کلمات میں جو پہلے نبیوں پر نازل ہوئے من حیث الوحی کچھ فرق نہیں دیکھتا۔ گو دوسری وجوہ سے کچھ فرق ہو۔'' (نزول المسیح صفحہ 114)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحب اپنے الہام کو صرف خدا کی طرف سے ہونے میں قرآن کی طرح منزہ سمجھتے تھے، اور دوسری وجوہ سے اس میں قرآن کریم میں فرق یقین کرتے تھے۔ پھر تعجب ہے کہ اس کے باوجود ان کے کلام کو خواہ مخواہ کفر تک پہنچایا جاتا ہے!

سوال 3۔ کیا آپ مرزا صاحب کے اس دعویٰ کو صحیح اور درست تسلیم کرتے ہیں؟

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من بہ عرفاں نہ کمترم از کسے
زندہ شد ہر نبی ز آمدنم جملہ ابرار زیر پیرا نہم

جواب۔ ''انبیاء گرچہ بودہ اند بسے۔ من بعرفاں نہ کمتر از کسے'' حضرت مرزا صاحب کے اس دعویٰ کو میں اسی طرح صحیح اور درست سمجھتا ہوں جس طرح امت محمدیہ کے جلیل القدر اصحاب ایک ولی کا درجہ قرب الٰہی کے لحاظ سے نبی سے بڑھ کر سمجھتے رہے ہیں۔ اگر آپ تذکرۃ الاولیاء، مکتوبات امام ربانی اور قلائد الجواہر، فتوح الغیب وغیرہ کتب ملاحظہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ اس امت کے اولیاء اللہ کے دعاوی سے کسی طرح بڑھ کر نہیں۔ اس امت میں تو وہ لوگ ہو گزرے ہیں جنہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ:

چیزے کہ انبیاء را حاصل نبود کل آں چیز بے مشقت آساں شد ست مارا

فرمایئے! اس کو کفر قرار دیں گے اور ایک مقرب الٰہی کو کافر و زندیق قرار دینے کی جرات کریں گے؟ اگر نہیں تو حضرت مرزا صاحب کی صرف اتنی سی بات پر، کہ میرا عرفان انبیاء کے عرفان سے کمتر نہیں، کیوں معترض ہیں۔ کیا اس امت کے اولیاء اور مجددین کو انبیاء کا عرفان حاصل ہونا کوئی جرم اور گناہ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک ادنیٰ مومن کو بھی ایسا عرفان حاصل کرنے کی نصیحت کی ہے کہ

تعبد اللّٰہ کانّک تراٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کر کہ گویا تو اسے دیکھتا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ آپ اسی عرفان کے حصول کو موجب کفر ٹھہراتے ہیں۔ اگر انبیاء کا عرفان حاصل کرنا کفر ہے تو پھر اس اسلام کو سلام ہے جو خدا سے دوری اور مہجوری سکھاتا ہے یا عرفان کی ادنیٰ منازل سے آگے نہیں بڑھنے دیتا۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ انبیاء جیسا عرفان حاصل کرنا دعویٰ نبوت کا مترادف نہیں۔ عرفان اور چیز ہے۔ جو ہر نبی اور ولی کو حاصل ہوتا ہے۔ اور نبوت ایک منصب ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے حسب ضرورت عطا ہوتا رہا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اور اس لئے اب کوئی نیا یا پرانا نبی نہیں آسکتا۔

زندہ شد ہر نبی زآمدنم   جملہ ابرار زیر پیراہنم

یہ یقیناً صحیح ہے۔ حضرت مرزا صاحب اگر نہ آتے تو آج انبیاء کی صداقت دنیا سے مٹ چکی تھی۔ آپ ہی نے خدا سے ہمکلامی کا شرف حاصل کر کے انبیاء کی نبوت کا ثبوت بہم پہنچایا اور ہر نبی کی صداقت ثابت کی۔ اس کے علاوہ آپ نے ان تمام الزامات کو، جو انبیاء پر لگائے جاتے ہیں، دلائل قاطعہ کے ساتھ رد کیا اور ان کی معصومیت کو ثابت کر کے گویا انہیں زندہ کر دیا۔

ابرار کا پیراہن کے نیچے ہونا بھی انہی معنوں سے ہے کہ ان کا ابرار ہونا آج دنیا پر مخدوش ہو چکا ہے۔ ان کے کلمات کو لوگ آج ہنسی اور ٹھٹھا میں اڑاتے اور انہیں مقام ولایت سے گرانا چاہتے ہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کا وجود ان کی صداقت پر دال ہے۔ آپ نے ان کا نیک اور ولی اللہ ہونا ثابت کیا ہے۔ کس قدر برگزیدہ اور خدا رسیدہ لوگ اس امت میں ہو گزرے ہیں، جن کو موجودہ زمانہ کے بعض فلسفی دماغ خدا رسیدگی کی مسند سے گرانے کے درپے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ جنہوں نے فرمایا۔ **لیس فی جبّتی سوی اللّٰہ**۔ میرے جبہ میں اللہ کے سوائے کچھ نہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ جنہوں نے **لوائی ارفع من لواء محمّد** کا نعرہ لگایا۔ حضرت شیخ شبلیؒ جنہوں نے **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ شِبْلِیُ رَسُوْلُ اللّٰہِ** کا کلمہ اپنے مرید سے پڑھوایا۔ آج آپ انہیں کچھ کہیں۔ لیکن وہ امت محمدیہ کے سرتاج اولیاء تھے۔ حضرت مرزا صاحب کا وجود ان کے ابرار ہونے پر شاہد ہے۔ اگر ان کے یہ کلمات موجب کفر ہیں اور آپ انہیں کافر سمجھتے ہیں تو بیشک حضرت مرزا صاحب پر بھی کفر کا فتویٰ لگائیے۔ لیکن

اگر **لیس فی حبّتی سوی اللّٰہ** اور **لوائی ارفع من لواء محمّد** کہنے والوں کو بھی آپ کافر نہیں کہتے تو حضرت مرزا صاحب کو آپ کس طرح ''جملہ ابرار زیر پیرا نہم'' کہنے پر کافر قرار دے سکتے ہیں!

سوال 4۔ بروئے شریعت اسلامیہ وعقیدہ عام امت محمدیہ الہام اور وحی میں کیا فرق ہے۔ نیز بروزی یا ظلی نبی کیا کوئی شرعی اصطلاح ہے؟

جواب۔ شریعت اسلامیہ میں الہام اور وحی ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں۔ تاہم بعض لوگوں نے وحی اس الہام کو قرار دیا ہے جو جبریل کے توسط الانبیاء پر نازل ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب ایسی وحی کے مدعی نہیں۔ بلکہ صاف لکھا ہے کہ ''اب جبرئیل بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے وحی نبوت لانے سے منع کیا گیا ہے''(ازالہ اوہام صفحہ 577) آپ نے اللہ تعالیٰ سے صرف ایسا الہام پانے کا دعویٰ کیا ہے جو امت محمدیہ میں اولیاء اللہ کو ہوتا رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر آپ کا کوئی دعویٰ نہیں۔

بروزی اور ظلّی نبی کے الفاظ اگرچہ قرآن اور حدیث میں نہیں۔ تاہم اولیائے کرام کی ایک اصطلاح ہے جو ان کی کتابوں میں جابجا پائی جاتی ہے۔ چنانچہ شرح فتوح الغیب میں صاف لکھا ہے کہ ''ولایت نبوت کا ظل ہے۔''(صفحہ 12-13 مطبوعہ نولکشور) ایسا ہی حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:

> ''انبیاءؑ کے کامل تابعدار کمال متابعت اور کثرت محبت کی وجہ سے بلکہ نہایت بخشش سے اپنے نبی متبوع کے تمام کمالات کو جذب کر لیتے ہیں اور کلی طور پر ان کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں۔ حتّٰی کہ متبوع اور تابع میں کوئی فرق نہیں رہتا مگر صرف اصالت اور تابعداری اور مقدم اور موخر ہونے کا۔ پس اصل اور ظل میں مساوات کیونکر ہوسکتی ہے۔''

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید لکھتے:

> ''بہتیرے ایسے مزکی اور مصفی ہوں گے کہ ان کو انبیاءؑ کے ساتھ مشابہت ہوگی اور رسالت کے ظل ہوں گے اور جس موقعہ سے انبیاءؑ لوگ علوم غیبیہ اخذ کرتے ہیں۔ اسی جگہ سے یہ لوگ بھی حاصل کریں گے۔ اس واسطے ایسے لوگ انبیاءؑ کے استاد

بھائی کہلاتے ہیں۔ الغرض یہ لوگ اس درجہ کے ہوتے ہیں کہ اگر نبی کا ہونا ختم نہ ہوتا تو منصب نبوت پر یہ لوگ قائم ہوتے۔ حاصل کلام ایسے لوگ قیامت تک ہوا کریں گے۔'' (تمہید صراط مستقیم)

ان تمام عبارات سے ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ رسالت اور نبوت کے ظل ہوتے ہیں۔ اسی کو مختصراً ظلی نبی کہہ لیجئے۔ اس سے بڑھ کر ظلی اور بروزی کا کوئی مفہوم حضرت مرزا صاحب نے نہیں لیا۔

سوال 5۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ یا اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ کو بہ ملحوظ پاسداری عقیدہ امت محمدیہ (تعلیم قرآن) آپ کلام یزدانی خیال کرتے ہیں یا القائے شیطانی:

جواب۔ اگر حضرت مرزا صاحب اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ کی بناپر اپنے آپ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تو یقیناً ہم اسے القائے شیطانی قرار دے کر انہیں چھوڑ دیتے۔ لیکن انہوں نے صاف لکھا ہے کہ:

''پیروی کرنے کے لائق یہ باتیں ہیں کہ وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق کل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اس کا بیٹا۔'' (کشتی نوح صفحہ 10)

اور ایسے تمام الہامات کو صرف قرب اور محبوبیت الٰہی کے معنوں میں لیا ہے۔ جیسا کہ مولانا رومؒ نے فرمایا ہے ؎ گفت اطفال حق اند ایں اولیاء

اور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰهِ کیا خدا کو حرام ہے کہ اپنے کسی راستباز کو شفقت اور محبت کے لحاظ سے ایسا کہے کہ تو مجھ سے ایسا ہے کہ جیسے میرا بیٹا۔ اس میں کوئی فی الحقیقت بیٹا ہونے کا دعوٰی نہیں۔ بلکہ ایسے پیار اور محبت کا اظہار ہے۔ جیسے کوئی اپنے بیٹے سے پیار کرتا ہے۔ دوسرے الہام کا مطلب صرف یہ ہے کہ تقرب الٰہی کے جس درجہ پر آپ پہنچے ہیں، موجودہ زمانہ میں دوسرا کوئی نہیں پہنچا۔

سوال 6۔ کیا یہ سچ نہیں کہ مرزا صاحب پر وحی ہوئی کہ دنیا میں ایک نبی آیا الخ۔ اور اسی بنا پر آپ نے دعوٰی نبوت کیا اور ساتھ ہی تاویل کر دی جس سے آپ تو ظلی اور بروزی نبی مراد لیتے ہیں اور قادیانی بلا شریعت نبی۔ درحالانکہ وحی میں صرف نبی کا لفظ ہے۔ جس کا نتیجہ ہمارے دیکھتے ہی عبداللہ

تیماپوری۔ نبی بخش مہاراج کے وغیرہ مدعیان نبوت پیدا ہو گئے اور اس تجدید کو آپ حضرت مرزا صاحب کا اعلیٰ درجہ کا کارنامہ خیال فرماتے ہیں یا بڑی بھاڑی غلطی؟

جواب۔ حضرت مرزا صاحب کو یہ الہام بیشک ہوا کہ دنیا میں ایک نبی آیا۔ لیکن اس بنا پر آپ نے کوئی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ صاف لکھا ہے کہ اس الہام اور دوسرے الہامات سے، جن میں نبی اور رسول کا لفظ آیا ہے، حقیقی نبوت اور رسالت مراد نہیں۔ اور کہ:

"چونکہ ایسے لفظوں سے، جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں، اسلام میں فتنہ پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے۔ اس لئے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں۔ اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہیئے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے" (مکتوب حضرت مرزا صاحب)

تعجب ہے کہ ایسے کھلے الفاظ کے ہوتے ہوئے، جو اسی الہام پر حضرت مرزا صاحب نے لکھے ہیں، آپ انہیں مدعی نبوت قرار دیتے ہیں۔ قادیانی جو جی چاہے بنائیں اور خواہ کتنے مدعی نبوت پیدا ہوں، حضرت مرزا صاحب اس کے ذمہ دار نہیں۔ کیا مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے دعویٰ نبوت کی ذمہ داری آپ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالیں گے؟ حضرت مرزا صاحب نے جو تجدید کی، جو کام کر کے دکھایا، اشاعت وحفاظت اسلام کا جو عظیم الشان کام آپ کے ہاتھوں سے انجام پایا اور پا رہا ہے۔ اس کو کسی نبی بخش یا عبداللہ تیماپوری کے دعوے مٹا نہیں سکتے، دیکھنے والوں کی آنکھیں چاہئیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمہ آفتاب راچہ گناہ

سوال 7۔ جب آپ قادیان میں تھے۔ مرزا صاحب کی بیوی کو ام المومنین تسلیم کیا کرتے تھے یا نہیں؟ اور اب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اپنے جواب کے اثبات میں کسی آیت وحدیث کا حوالہ دیں۔

جواب۔ امام المومنین اصطلاحی اور شرعی رنگ میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کی بیوی کو میں نے نہ قادیان میں کبھی ام المومنین کہا اور نہ اب ایسا سمجھتا ہوں۔

سوال 8۔ کیا یہ سچ نہیں کہ بعد وفات مرزا صاحب آپ نے اپنے احمدیہ سلسلہ کے واسطے

خلافت کا سلسلہ ضروری سمجھا اور باتفاق تمام جماعت خلیفہ اول مولانا نورالدین قرار پائے اور آپ سب لاہوری احباب نے ان کی بیعت کی اور جبکہ آپ کے خلاف منشاء میاں محمود صاحب خلیفہ دوم بن گئے۔ آپ نے اختلاف عقیدہ کی آڑ میں ان سے جدائی اختیار کی اور پھر لاہور آ کر اپنے لاہوری احباب کے مشورہ سے! باوجود اختلاف عقیدہ میاں محمود صاحب کو ان پاک نفس لوگوں میں بھی سمجھا جو لوگوں کو امت محمدیہ سے نکال کر جماعت احمدیہ میں داخل کرنے کے اہل تھے۔ اور جب میاں محمود نے آپ کی تمام تجاویز کو ٹھکرا دیا اور مقام خلافت سے ایک انچ نیچے سرکنا پسند نہ کیا۔ تو پھر آپ نے لاہور کو مدینۃ المسیح بنا کر اپنی موجودہ انجمن کی بنیاد ڈالی۔ اور قادیان سے، جو کسی وقت آپ کا دارالامان یا مکۃ المسیح تھا، خیال خلافت سے مایوس کوچ کرنا پڑا۔

جواب۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت مولانا نورالدین مرحوم کو خلیفہ تسلیم کر کے ان کی بیعت کی گئی۔ کیونکہ وہ حضرت مرزا صاحب کی طرح صحیح عقائد رکھتے تھے اور اپنے تقوٰی اور علم کے لحاظ سے تمام جماعت پر فوقیت رکھتے تھے۔ میاں محمود احمد میں چونکہ یہ صفات نہیں، اس لئے ان سے علیحدگی اختیار کی گئی اور علیحدہ انجمن بنا کر وہ کام شروع کیا گیا جو حضرت مرزا صاحب نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کا کام۔ اس میں نہ کوئی خلافت کی بات ہے اور نہ میں نے اپنی خلافت بنائی۔ معلوم نہیں آپ کو باوجود علم کے ایسے سوال کی کیوں ضرورت پیش آئی۔

سوال 9۔ کیا مرزا صاحب کا الہام ''بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد'' جو کہ بذریعہ اخبار الحکم کثرت سے شائع ہو چکا ہے، خدا کی طرف سے نہ تھا۔

اگر خدا کی طرف سے تھا تو محمدیاں سے مراد مرزا صاحب کے متبعین تھے یا مخالف۔ اگر متبعین تھے تو آپ لوگوں اور مرزا صاحب نے محمدی کہلانا کیوں ناپسند کیا۔

<u>اگر آپ کوئی جواب نہ دے سکیں تو کیا یہ تاویل جائز نہ ہوگی کہ محمدیاں کے لفظ سے وہ لوگ مراد ہیں جو مولوی محمد علی کو امیر مان چکے ہیں۔ اور چونکہ احمدی نام کسی وحی اور الہام کی بنا پر نہ تھا بلکہ مردم شماری 1901ء کی مردم شماری کے مریدوں کی تعداد معلوم کرنا مقصود تھا۔ اس وقت صحیح معنوں میں مرزا صاحب کے مرید وہی ہیں جو محمد علی کی بات مانتے ہیں۔ اگر اس تاویل سے آپ محمدی کہلانا پسند کر لیں تو</u>

ممکن ہے کہ مسلمانوں کو آپ سے ہمدردی ہو جائے۔ یہ خط کشیدہ سطور میرا مخلصانہ مشورہ ہے۔ ماننا نہ ماننا آپ کی مرضی۔ اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ لاہور کو مدینۃ المسیح بنا سکتے ہیں وہ احمدی سے محمدی بن سکتے ہیں۔ زیادہ والسلام۔ امید کہ جواب سے بہ واپسی مشکور فرما دیں گے۔

جواب۔ بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد۔ اس میں محمدیوں سے مراد کل امت محمدیہ ہے۔ خواہ وہ جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی اور جماعت سے۔ حضرت مرزا صاحب ان سب کو کامیابی اور فلاح کا راستہ دکھانے آئے۔ اور خدا نے چاہا تو انہی کے توسط سے وہ غلبہ و کامیابی کے مقام بلند پر پہنچ گئے۔ رہ گئیں آپ کی تاویلات اور استہزائیہ کلمات، ان پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

11 فروری 1936ء

حضرت امیر کے قلم سے

انجمن حمایت اسلام لاہور کا اعلان

چوہدری افضل حق صاحب احراری کا مقالہ

چوہدری افضل حق صاحب ڈکٹیٹر احرار نے 4 فروری کے مجاہد میں ایک مقالہ احرار کے انداز خصوصی میں لکھا ہے۔ جس کا عنوان ہے ''تطہیر انجمن حمایت اسلام''۔ اس کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

> ''تیس برس پہلے مرزا آنجہانی کا جنازہ احمدیہ بلڈنگس لاہور سے اٹھا تھا۔ کل عین بالمقابل مرزائیت کے تابوت میں آخری میخ انجمن حمایت اسلام کے دفتر میں لگا دی گئی اور دوش نامرادی پر جنازہ اٹھا۔ کوئی نوحہ کرنے والا ساتھ نہ تھا☆ یعنی انجمن کے اجلاس عام میں قرار پایا کہ قادیانی اور لاہوری دونوں دین محمدؐ میں شامل نہیں۔ اس لئے خارج کئے جائیں۔''

امر واقع یہ ہے کہ انجمن کے اجلاس میں یہ قرار نہیں پایا کہ ''قادیانی اور لاہور دونوں دین محمدؐ میں شامل نہیں۔'' اور نہ یہ قرار پایا کہ ''اس لئے خارج کئے جائیں۔'' انجمن کے ریزولیوشن میں قادیانی اور لاہوری کا نام تک موجود نہیں۔ اور نہ ہی اس ریزولیوشن میں کسی کو خارج کرنے کا ذکر ہے۔ مگر آج مسلمانوں کا شوقِ تکفیر اور شوقِ اخراج اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ حق و ناحق کی سچ اور جھوٹ کی تمیز بھی اٹھ گئی ہے۔ انجمن کی قرارداد حسب ذیل ہے:

> اعلان: ''انجمن حمایت اسلام لاہور 1884ء میں قائم ہوئی تھی۔ اور جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے اس کا مقصد اولین اسلام کی حمایت کرنا اور اس کے اصول و مقاصد

☆ چوہدری صاحب کی احرار پارٹی کو یہ عزت حاصل ہے کہ اس میں نوحہ کرنے والوں کی جماعت مولانا ظفر علی کی قیادت میں ساتھ ساتھ رہتی ہے۔

عالیہ کا حصول ہے۔

بفحوائے هُوَسَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ دین حق اسلام کے قبول کرنے والوں کا نام حضرت ابراہیمؑ نے مسلم رکھا۔ یہی اسلام خاتم النبیّین افضل الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ کامل ہو چکا اور ہدایت کی نعمت خدائے پاک کی طرف سے اس پیغام کامل کے ساتھ مکمل ہوگئی جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا گیا اور جس کا نام قرآن مجید رکھا گیا۔ یہی اور صرف یہی اسلام ہے جس کی حمایت اور خدمت کے لئے لاہور کے چند دردمند بزرگوں نے سن مذکور میں انجمن حمایت اسلام کی بنیاد رکھی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اسلام اپنے ارتقاء کے ساتھ فروعی مسائل میں اختلاف رائے بھی لایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین اسلام میں فرقے پیدا ہو گئے۔ لیکن یہ فرقے، خواہ ان کا نام سنی ہو، شیعہ ہو، اہلحدیث وغیرہ، سب اسی شجرہ طیبہ کی شاخیں ہیں، جو حضرت ابراہیمؑ نے لگایا اور جس کی انتہائی بلندی اور نشو ونما کی تکمیل خاتم النبیّین خیر الانام نے کر دی۔ قرآن اور مسلمانوں کی دینی تاریخ دونوں اس امر کی شاہد ہیں کہ مسئلہ ختم نبوت دین اسلام کا ایک سیاسی اصول ہے۔ اور تمام اسلامی فرقے اس امر پر متفق ہیں کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے ساتھ دین کامل ہو گیا اور اصول خاتمیت کی کوئی تاویل گوارا نہیں کی جاسکتی۔ یہ سب فرقے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کوئی ہستی پیغمبر عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد دنیا میں بحیثیت نبی ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اور خواہ ان کے مابین کتنے ہی ضمنی یا فروعی اختلافات کیوں نہ ہوں، وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمیت کے قائل ہونے کی حیثیت سے قرآن پاک کو آخری وحی ماننے کی حیثیت سے اسلام کا جزو ہیں۔ انجمن حمایت اسلام اپنے دائرہ میں ہر ایسے ہی مسلمان کو لیتی رہے گی۔

عقائد نبوت، وحی اور خاتمیت رسالت میں انجمن حمایت اسلام عامۃ المسلمین کی ہمنوا ہے۔ اور یہ کونسل اس امر کا اعلان ضروری سمجھتی ہے کہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کا

ایک اساسی اصول ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی کسی رنگ میں نہیں آ سکتا۔ انجمن کا مسلک یہی ہے اور ایسا ہی رہے گا۔"

انجمن کی قرارداد کا خلاصہ: اس قرارداد میں تین باتوں کا ذکر ہے:

1۔ یہ کہ اسلام آنحضرتؐ کی بعثت کے ساتھ کامل ہو چکا اور ہدایت کی نعمت قرآن مجید کے ساتھ مکمل ہو گئی۔

2۔ یہ کہ تمام وہ فرقے، جو حضرت محمدؐ کی خاتمیت کے قائل ہیں اور قرآن کو آخری کتاب مانتے ہیں، اسلام کا جزو ہیں اور انجمن حمایت اسلام انہیں اپنے دائرہ میں لیتی رہے گی۔

3۔ یہ کہ پیغمبر عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی ہستی دنیا میں بحیثیت نبی ظاہر نہیں ہو سکتی اور آپ کے بعد کوئی نبی کسی رنگ میں نہیں آ سکتا۔ انجمن کا مسلک یہی ہے اور ایسا ہی رہے گا۔

چوہدری صاحب کی "خوش فہمی": ان کے علاوہ تیسری کسی بات کا ذکر انجمن کی قرارداد میں نہیں۔ نہ یہ ذکر ہے کہ انجمن فلاں قسم کے لوگوں کو خارج کرتی ہے بلکہ اس قرارداد کے آخری الفاظ "انجمن کا مسلک یہی ہے اور یہی رہے گا" سے صاف ظاہر ہے کہ اپنی قرارداد کے مطابق انجمن نے پہلے بھی کبھی اس اصول کی خلاف ورزی نہیں کی۔ انجمن نے یہ نہیں کہا کہ اس کا مسلک پہلے کچھ اور تھا۔ اب وہ اس مسلک کو بدلتی ہے۔ پہلے وہ اپنے دائرہ میں ایسے افراد کو لے لیا کرتی تھی جو آنحضرتؐ کی ختم نبوت کے قائل نہ ہوں اور آئندہ نہیں کرے گی۔ بلکہ قرارداد میں صفائی سے یہ بتا دیا گیا ہے کہ انجمن میں بھی ایسے لوگوں کو لیا ہی نہیں گیا جو ختم نبوت کے منکر ہوں یا دین اسلام کے کامل ہونے کا انکار کریں۔

معلوم نہیں۔ چوہدری افضل حق صاحب کے کان میں کس نے کہا کہ اس قرارداد کے ذریعہ سے کچھ لوگ انجمن سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔ انجمن سیدھے سادے مسلمانوں کی ایک انجمن ہے۔ اس نے جو کہا وہی اس کا منشاء ہے۔ اس کی قرارداد صاف ہے۔ اس میں نہ مسلک کی تبدیلی کا ذکر ہے نہ کسی کے اخراج کا ذکر۔

چوہدری صاحب کا انجمن حمایت اسلام پر حملہ: چوہدری افضل حق صاحب نے یہ لکھ کر، کہ اس ریزولیوشن کا مطلب یہ ہے کہ انجمن پہلے غلطی سے احمدی ممبران کو شامل کرتی رہی ہے۔ اب ان کو خارج

کرتی ہے، احمدی جماعت پر نہیں بلکہ خود انجمن حمایت اسلام پر حملہ کیا ہے کہ یہ ایک منافقانہ ریزولیوشن ہے۔ جس کے الفاظ کچھ ہیں اور مطلب ظاہر الفاظ کے خلاف ہے۔ انجمن کا تو ہرگز یہ منشاء نہیں ہوسکتا اور نہ ایسی بڑی انجمن یہ کرسکتی ہے کہ اس کے الفاظ کچھ ہوں اور مطلب کچھ اور۔ مگر چوہدری صاحب پر تعجب ہے کہ ایک طرف انجمن کے ریزولیوشن کو منافقانہ قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف اسی ریزولیوشن کو اس کی تطہیر کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ کیا منافقت اور جھوٹ سے بھی تطہیر ہوا کرتی ہے؟!

انجمن کی قرارداد صرف ہمارے عقائد کے مطابق ہے: دوسرا سوال یہ ہے کہ انجمن کا ریزولیوشن تو عام الفاظ میں ہے۔ دین کے کامل ہونے کو، قرآن کریم کے آخری ہدایت ہونے کو، آنحضرتؐ کے خاتم النبیّن ہونے کو قادیانی بھی مانتے ہیں ہم بھی مانتے ہیں۔ عامۃ المسلمین بھی مانتے ہیں۔ ان تینوں گروہوں کو ان تینوں باتوں میں سے کسی سے انکار نہیں۔

لیکن قادیانی اور عامۃ المسلمین، جن کی ہمنوائی انجمن حمایت اسلام بھی کرتی ہے، دونوں باوجود تسلیم خاتمیت وتکمیل دین، آنحضرتؐ کے بعد ایک نبی کے آنے پر ایمان رکھتے ہیں۔ قادیانی نئے نبی کو لاتے ہیں اور عامۃ المسلمین پرانے کو۔ دونوں کچھ نہ کچھ تاویل ختم نبوت کی کرتے ہیں۔ قادیانی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی سے جو نبی بنے وہ اصول خاتمیت کے منافی نہیں۔ عامۃ المسلمین کہتے ہیں کہ کوئی پرانا نبی آنحضرتؐ کے بعد ظاہر ہو جائے تو یہ اصول خاتمیت کے منافی نہیں۔ پس قادیانی ایک رنگ میں نبی کے آنے کے قائل ہیں۔ عامۃ المسلمین دوسرے رنگ میں۔☆ انجمن حمایت اسلام کی قرارداد یہ ہے کہ اصول خاتمیت کی مطلقاً کوئی تاویل نہیں ہوسکتی اور آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی کسی رنگ میں بھی نہیں آسکتا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نہ نیا آسکتا ہے نہ پرانا۔ اب یہ قرارداد اگر کسی جماعت کے معتقدات کے مطابق ہے تو وہ صرف احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہے۔ جو نہ تو اصول خاتمیت کی کوئی تاویل کرتے ہیں اور نہ کسی رنگ میں آنحضرتؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کے

☆ دونوں میں فرق ہے تو صرف یہ کہ قادیانی کہتے ہیں وہ نبی آچکا اور عامۃ المسلمین کہتے ہیں ابھی آئے گا۔

قائل ہیں۔ تو اس لحاظ سے انجمن کا رزولیوشن اگر اس کی غرض کسی کو خارج کرنا ہے تو قادیانی جماعت اور عامۃ المسلمین دونوں کو انجمن کی رکنیت سے خارج کرنا ہے۔ اور اپنے معتقدات کی رو سے صرف احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے افراد ہی آئندہ انجمن حمایت اسلام کے جائز ارکان متصور ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا چوہدری افضل حق کے ساتھ میں بھی ڈاکٹر سر محمد اقبال اور ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین اور میاں عبدالمجید خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء اور مولانا احمد علی صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے عامۃ المسلمین کی ہمنوائی کے باوجود آنحضرتؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کو غلط عقیدہ قرار دیا ہے۔ ہاں! یہ چوہدری صاحب بھی جانتے ہیں کہ باوجود ان مبارکبادوں کے پرانے ممبران انجمن حمایت اسلام نہ احرار کا قبضہ انجمن پر ہونے دیں گے، نہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا، خواہ مؤخر الذکر بروئے قرارداد انجمن اس کی جائز حق دار بھی ہو۔

اب کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں: بات تو بڑی صاف ہے اگر دین اسلام کامل ہو گیا ہے تو پھر کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں۔ نہ نئے کی نہ پرانے کی۔ اگر آنحضرتؐ پر نبوت ختم ہو چکی ہے تو پھر کسی نبی کے آنے کی گنجائش نہیں۔ نہ نئے کی، نہ پرانے کی۔ نبی دین کی تکمیل کے لئے آتے تھے۔ جب دین کامل ہو گیا تو نہ نیا نبی آ سکتا ہے نہ پرانا۔ اور اگر ہم یہ مان لیں کہ پرانا نبی آئے گا یا نیا، تو اس کے صاف معنی ہیں کہ ابھی دین کامل نہیں ہوا۔ خدا کرے کہ انجمن حمایت اسلام کی اس صاف قرارداد سے عامۃ المسلمین کو یہ سمجھ آ جائے کہ ان کا یہ عقیدہ، کہ آنحضرتؐ کے بعد ایک پرانا نبی آ سکتا ہے، اصول خاتمیت اور اصول اسلام کے خلاف ہے اور ترک کرنے کے قابل۔ اور جس دن وہ پرانے نبی کے آنے کے عقیدہ کو ترک کر دیں گے، مجھے یقین ہے کہ قادیانی عقیدہ کا قدم بھی اکھڑ جائے گا۔

چوہدری صاحب کی ''آخری میخ'': باقی رہی چوہدری صاحب کی ''آخری میخ'' خدا کرے یہ آخری ثابت ہو۔ اور آئندہ وہ اس مشغلہ تکفیر کو چھوڑ دیں۔ چوہدری صاحب کو یہ علم نہیں کہ یہ ''آخری میخ'' تو پہلے 1891ء میں لگی تھی۔ جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت مرزا صاحب کے کفر پر تمام علماء ہندوستان و پنجاب کی مہریں لگوائی تھیں۔ اس وقت ایک طرف اکیلے حضرت مرزا صاحب تھے اور دوسری طرف تمام مکفرین ہی مکفرین نظر آتے تھے۔ مگر اس ''آخری میخ'' کے باوجود کافر کہلوا کر بھی

مسلمان حضرت مرزا صاحب کے ساتھ ملتے گئے اور مکفرین کی تعداد کم ہوتی گئی۔ چوہدری صاحب اور ان کے ہم پیشہ لوگ جب بڑی محنت سے ایک میخ لگاتے ہیں تو وہ ان کے اپنے تابوت میں لگ جاتی ہے اور احمدیت ایک نئی قوت کے ساتھ نکل پڑتی ہے۔

''احمدیت نوازوں'' کا گروہ: پہلے احمدی ہوا کرتے تھے۔ اب احمدیت نوازوں کا ایک اتنا بڑا گروہ ہو گیا ہے کہ وہی تکفیر کی میخیں لگانے والوں کو دم نہیں لینے دیتا۔ اور وہ صرف سرکار پرست نہیں بلکہ رئیس الاحرار مولانا ابوالکلام آزاد جو واقعی بھی حُر کہلانے کے مستحق ہیں۔ وہ بھی احمدیوں پر کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے۔ چوہدری صاحب نے تو اپنی طرف سے ''احمدیت کا تابوت'' اب ہمیشہ کے لئے پنجاب سے رخصت کر دیا ہے۔ مگر دیکھیں اس فرضی تابوت کا بھوت چوہدری صاحب کے دماغ سے کب نکلتا ہے۔ اور کب ان کو یہ نظر آتا ہے کہ احمدیت کے قلعہ کو مسخر کرنے کے سوائے کوئی اور کام بھی دنیا میں ہے۔

خاکسار محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور

5 فروری 1936ء

11 فروری 1936ء

ڈاکٹر امبید کر کا اعلان اور ہمارا فرض

تقریر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بر موقعہ جلسہ سالانہ 25 دسمبر 1935ء

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیٰنا نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ .(13:49) جس کا ترجمہ ہے۔ اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے پرہیزگار ہے۔ اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

اور فرمایا آپ لوگوں نے بھی وہ اعلان پڑھا ہوگا جو حال ہی میں ڈاکٹر امبید کر کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ میں اور میرے ساتھی ہندو مذہب کو ضرور ترک کر دیں گے۔ اس اعلان پر مختلف قسم کے لوگ ان کے پاس پہنچے ہیں۔ بالخصوص ہندوؤں کے مختلف فرقوں کے لیڈر اور ہندو قوم کے دیگر ذمہ دار لوگوں نے ڈاکٹر امبید کر سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے اس اعلان پر عمل درآمد نہ کریں۔ اب دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ کیا ڈاکٹر امبید کر اپنی قوم کے ساتھ ہندو مذہب کو ترک کر دیں گے؟ دوسرے یہ کہ اگر انہوں نے ہندو مذہب کو ترک کیا تو وہ اسلام قبول کریں گے؟

ڈاکٹر امبید کر اور ان کے رفقاء ہندو نہیں رہیں گے: جہاں تک میں نے اخبارات میں ڈاکٹر امبید کر اور دیگر اچھوت لیڈروں کے بیانات کو پڑھا ہے۔ ان کے مطالعہ کے بعد اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ ڈاکٹر امبید کر اور ان کے ساتھی ہندو ہرگز نہیں رہیں گے۔ گو ہندو جو کوششیں کر رہے ہیں۔ وہ بھی بڑی زبردست ہیں۔ ہندو مختلف طریقوں سے ڈاکٹر امبید کر پر دباؤ ڈال رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک تازہ خبر یہ ہے کہ ڈاکٹر امبید کر مہاراجہ پٹیالہ کے مہمان ہیں اور پنڈت مالوی جی بھی وہاں موجود ہیں۔ کاش! مسلمانوں میں بھی اس حوصلہ کے رئیس ہوتے جیسے کہ ہندوؤں اور سکھوں میں ہیں۔

افسوس! مسلمان رؤسا کی طرف سے ایسا اقدام موجودحالات میں بہت مشکل بلکہ ناممکن نظر آتا ہے۔ کیونکہ ان کی دلچسپی کے اور بہت سے مشاغل ہیں۔جن کی وجہ سے انہیں ان معاملات کی طرف توجہ کرنے ہی کی فرصت نہیں۔جبکہ مسلمان علماء اور لیڈر تک اس طرف سے غافل ہیں تو امراء اور رؤسا سے کیا توقع کی جاسکتی ہے؟!

ہندو مذہب کے بنیادی اصول: ہندوؤں میں ذات پات کی تفریق اور اچھوتوں کی مشکلات کی وجہ ہندو مذہب کی مقدس کتابیں ہیں۔ بالخصوص منوسمرتی۔ان کتابوں میں ذات پات کی تفریق اور چھوت چھات کو ہندو مذہب کا بنیادی اصول قرار دیا گیا ہے۔اور اسی بنیادی اصول پر ہندو مذہب کی ساری عمارت کھڑی ہے۔

ہندوؤں کے وفود کو ڈاکٹر امبید کر کا جواب: معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر امبید کر کرنے اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیا ہے۔ چنانچہ اب تک ان کے پاس ہندوؤں کے جس قدر وفود گئے ہیں۔ان کے سامنے انہوں نے اسی بات کو پیش کیا ہے۔اور ہندوؤں کا کوئی وفد یا لیڈر ڈاکٹر امبید کر کی اس بات کا جواب نہیں دے سکا۔حتیٰ کہ ''جات پات توڑک منڈل'' والوں سے بھی انہوں نے یہی سوال کیا کہ جب تک تم ہندو مذہب کو برباد نہ کردو گے، ذات پات کو دور کرنے میں کس طرح کامیاب ہو سکتے ہو؟ انہوں نے ''جات پات توڑک منڈل'' کے کام سے اپنی ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہندو مذہب کو ترک کرنے کے بعد بھی میری یہ ہمدردی اور دلچسپی قائم رہے گی۔لیکن میں تبدیل مذہب کے ارادہ کو ہرگز نہیں بدل سکتا۔ایک دوسرے موقع پر انہوں نے کہا کہ ہندو مذہب کی بنیاد منوسمرتی کی قائم کی ہوئی ذات پات کی تمیز پر ہے۔اگر اس بنیاد کو توڑ دیا جائے تو ہندو مذہب کی عمارت ہرگز قائم نہیں رہ سکتی۔لیکن ''جات پات توڑک منڈل'' یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ ہندو مذہب کی بنیاد یعنی منوسمرتی یا ذات پات کی تمیز کو دور کرکے اس کے بغیر ہی ہندو مذہب کی عمارت کو قائم رکھا جائے گا جو قطعی طور پر ناممکن ہے۔

ہندو منوسمرتی کو نہیں چھوڑ سکتے: ڈاکٹر امبید کر کی یہ بات بالکل صحیح ہے۔ ہر ایک مذہب میں بعض چیزیں ایسی اہم ہوتی ہیں۔جن کو اس کے پیرو ترک کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہو سکتے۔مثلاً جس طرح

اسلام میں احادیث کا درجہ ہے۔ بعض اوقات ہمارے مخالفین احمدیت کے مقابلے میں لاجواب ہو کر احادیث کا انکار کرنے لگتے ہیں جو ان کی کمزوری اور شکست کی دلیل ہوتی ہے۔ لیکن عام مسلمان کسی حالت میں بھی احادیث کے انکار کو گوارا نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہندو منوسمرتی کو چھوڑنا گوارا نہیں کر سکتے اور منوسمرتی کو چھوڑے بغیر ذات پات کی تمیز دور نہیں ہو سکتی۔

ہندوؤں اور اچھوتوں کی باہمی کشمکش: ہمیں یہاں شمالی ہندوستان میں بیٹھے ہوئے اس کشمکش کا اندازہ نہیں ہوسکتا جو کہ جنوبی اور مغربی ہندوستان میں ہندوؤں اور اچھوتوں کے درمیان ہو رہی ہے۔ وہاں اچھوتوں نے کئی مقامات پر منوسمرتی اور ہندوؤں کے دوسرے دھرم شاستروں کا جنازہ نکالا۔ اور انہیں چتا تیار کر کے جلا ڈالا۔ بعض مقامات پر ہندوؤں کی مورتیوں کی توڑ ڈالا۔ گویا اچھوتوں کے دلوں میں ہندو مذہب اور ہندو قوم کے خلاف غم وغصہ کے شدید جذبات پیدا ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف پرانے خیال کے ہندو بھی بہت بے چین ہو رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی گوارا نہیں کہ اچھوت ان کے کنوؤں بلکہ پبلک کنوؤں سے پانی بھر سکیں۔ مندروں میں جا سکیں۔ اسکولوں میں اچھوتوں کے بچے ہندوؤں کے بچوں کے ساتھ تعلیم حاصل کر سکیں۔ چنانچہ اب کچھ عرصہ سے اچھوتوں پر ہندوؤں کے مظالم بہت بڑھ گئے ہیں۔ مثلاً بعض علاقوں میں اچھوتوں کی فصلوں اور جھونپڑوں کو جلا دیا گیا ہے۔ ان کے مویشیوں کو چراگاہوں اور کھیتوں میں آنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ کئی ایک مقامات پر انہیں بے رحمی سے زدوکوب بھی کیا گیا ہے۔

اچھوت ڈاکٹر امبید کر کی تائید کر رہے ہیں: ہندوؤں کے اس سلوک کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اچھوت ہندو مذہب اور ہندو قوم سے زیادہ متنفر ہو جائیں گے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر امبید کر اور ان کے رفقاء ہندو مذہب کو ضرور ترک کر دیں گے۔ جگہ جگہ اچھوت جلسے منعقد کر کے ڈاکٹر امبید کر کے اعلان کی تائید میں ریزولیوشن منظور کر رہے ہیں۔ مدراس کے علاقہ کے ایک اچھوت لیڈر سکھو مارن تو یہاں تک کہہ چکا ہے کہ اچھوتوں کو ہندو مذہب سے اس طرح دور ہونا چاہئیے۔ جس طرح ایک ظالم شیطان سے دور ہوتا ہے۔ اور اس سے اسی طرح دور بھاگنا چاہئیے جس طرح وہ ایک خطرناک دباء سے بھاگتا ہے۔ اور اس طرح نفرت کرنی چاہئے جیسا کہ ان سے کی جاتی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہندوؤں نے بھی

اچھوتوں میں سے چند کرائے کے آدمی حاصل کر کے ان سے ڈاکٹر امبید کر کی مخالفت کرانی شروع کر دی ہے۔لیکن ان کرائے کے آدمیوں کا اچھوت اقوام پر کوئی نمایاں اثر نہیں۔اچھوتوں کی کثیر تعداد ڈاکٹر امبید کر اور ان کے رفقا کے ساتھ ہے۔

اچھوت حق بجانب ہیں: غرضیکہ اچھوت ہندو مذہب اور ہندو قوم کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں۔ اور ایسی بغاوتیں ہی انقلاب پیدا کیا کرتی ہیں۔اور فی الحقیقت اچھوت حق بجانب بھی ہیں۔وہ ہزاروں سالوں سے ہندو مذہب کے مظالم برداشت کر رہے ہیں۔انہیں ہندو کتّوں سے بھی زیادہ ذلیل سمجھ رہے ہیں۔ایک کتا ہندو کے چوکے چولہے میں آ کر اس کے برتنوں کو چاٹ سکتا ہے۔لیکن وہ اچھوت کے سایہ تک کو برداشت نہیں کر سکتا۔

اب اس کے بعد دوسرا سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اچھوت ہندو دھرم کو ترک کرنے کے بعد کونسا مذہب اختیار کریں گے۔ڈاکٹر امبید کر کرنے تو اس ارادہ کا بھی اظہار کر دیا ہے کہ وہ کسی ایسے مذہب کو بھی قبول نہیں کر سکتے جو ہندو دھرم کی شاخ ہو۔مثلاً آریہ اور سکھ مذہب وغیرہ۔اور اس ارادہ میں وہ بالکل حق بجانب ہیں۔کیونکہ آریوں اور سکھوں میں چھوت چھات اور ذات پات کی تفریق موجود ہے۔سکھ قوم میں مذہبی سکھوں کا ایک مستقل گروہ موجود ہے۔جس کی حالت دوسرے اچھوتوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔

اچھوت اور عیسائیت: باقی رہی عیسائیت۔شائد وہ اچھوتوں کو اپنی طرف کھینچ سکے۔ایک لحاظ سے وہ ضرور قابل کشش چیز ہے۔کیونکہ عیسائی مشنریوں کے پاس بے اندازہ روپیہ ہے۔اور فی الحقیقت اچھوتوں کو ہندو مذہب کے دائرہ سے نکال کر ان کی حالت کو بہتر بنانا ایک ایسا کام ہے جس کے لئے بہت زیادہ روپے کی ضرورت ہے۔کیونکہ اچھوت ہزاروں سالوں سے نہایت ردّی اور ذلیل حالت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔اگر مسلمانوں نے اس کام کو کیا تو انہیں بھی کافی روپے کی ضرورت ہو گی۔اچھوتوں کو صرف دائرہ اخوت کے اندر ہی لے آنا کافی نہیں ہوگا بلکہ ان کی حالت کو بہتر بنانا بھی ضروری ہے۔

ان حالات میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھوت ہندو مذہب کو ترک کرنے کے بعد شائد عیسائیت

کو قبول کر لیں۔ لیکن میرا یقین ہے کے وہ عیسائی نہیں ہوں گے اور نہ عیسائیت ان کی حالت کو بہتر بنا سکتی ہے۔ کیونکہ عیسائیوں میں رنگ و نسل کا امتیاز شدت کے ساتھ موجود ہے۔ جو اچھوت عیسائی ہوتے ہیں ان سے اچھوت پن دور نہیں ہوتا۔ اوران باتوں سے ڈاکٹر امبید کر اوران کے رفقاء ناواقف نہیں ہیں۔ اس لئے یقین کرنا پڑتا ہے کہ اچھوتوں کے لئے اسلام کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

مسلمانوں کی افسوسناک حالت: لیکن اس کے ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں بھی یہ ہمت موجود ہے کہ وہ آٹھ کروڑ انسانوں کو اپنے اندر لے سکیں۔ اس کام کے لئے عظیم الشان جدوجہد بکار ہے۔ فرض کیجئے اگر تمام اچھوت خود بخود مسلمان ہونے کے لئے تیار ہو جائیں تو بھی سینکڑوں ہزاروں مبلغ انہیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کرنے کے لئے چاہئیں۔ لیکن مسلمانوں کی جو حالت ہے وہ ظاہر ہے۔ وہ خانہ جنگی اور تکفیر میں مصروف ہیں۔ جو قوم تکفیر کی دلدادہ ہو جائے، اس کو بھلا تبلیغ واشاعت کا خیال کس طرح آ سکتا ہے؟ آٹھ کروڑ انسانوں کی ایک عظیم الشان قوم اسلام کے دروازے پر کھڑی دستک دے رہی ہے۔ یہ دیکھ کر دل خوشی سے بھر جاتا ہے۔ بے شک یہ نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ دنیا بھر کی تاریخ میں ایک بے نظیر موقع ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ کہوں گا کہ اگر مسلمانوں نے اس موقع کو کھو دیا تو ان کی یہ بدنصیبی بھی دنیا بھر کی تاریخ میں عدیم المثال ہو گی اور ہمیشہ ان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگ جائے گا۔ مگر یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت نہایت مایوس کن ہے۔

تکفیر کا تباہ کن مرض: جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ جو قوم تکفیر کی دلدادہ ہو جائے وہ اشاعت اسلام کا کام نہیں کر سکتی۔ آج کل مسلمانوں کے بڑے بڑے مولوی، لیڈر، شاعر اور اخبار نویس تکفیر کے دلدادہ ہو رہے ہیں۔ تو آپ ان سے کیا توقع کر سکتے ہیں۔ مسلمان علماء اور دوسرے تکفیر نوازوں کو قرآن وحدیث کی کوئی پرواہ نہیں۔ انہیں اپنی ہوا و ہوس کی پروا ہے۔ قرآن کا صاف حکم ہے **وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ اَلْقَى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا** (94:4) یہ آیت جلی قلم سے لکھی ہوئی میرے کمرے میں لگی ہوئی ہے۔ چند روز کا ذکر ہے ایک قادیانی بزرگ آئے اور کہنے لگے کہ اگر ہندو یا عیسائی آ کر اسلام علیکم کہے تو کیا آپ اسے بھی مسلمان مان لیں گے۔ میں نے کہا کہ یہ آیت قرآن

کریم کی ہے۔ میری یا اور کسی کی نہیں۔ آپ اس کے اور کوئی معنی کر دیں۔ میں انہیں مان لوں گا۔ اس پر وہ چپ ہو گئے۔ آیت قرآنی کا مطلب تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے السلام علیکم بھی کہہ دے تو یہ اس کے مسلمان ہونے کی کافی دلیل ہے۔ پھر اسے کوئی کافر نہیں کہہ سکتا۔ پھر صاف حدیث موجود ہے مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذَالِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَذِمّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ کتنی ڈر جانے والی بات تھی۔ لیکن افسوس مکفر علماء کے نزدیک حدیث کا انکار کرنے والے بھی مسلمان ہیں۔ بغداد کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے بھی مسلمان ہیں۔ نماز، روزہ ترک کرنے والے بھی مسلمان ہیں۔ لیکن وہ احمدی جو قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں کافر ہیں۔ وہ کسی حالت میں بھی مسلمان قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ ہم قرآن کریم کی آیات اور احادیث پیش کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں جواب ملتا ہے کہ اس کا فیصلہ ہمارے مولوی کریں گے۔ اس سے بری بات غالباً کبھی نہیں کہی ہو گی۔ گویا ان لوگوں کے نزدیک خدا اور رسولؐ کا واضح حکم کوئی چیز نہیں۔ ان کے مولوی اپنی ہوا و ہوس کے ماتحت جو فتوٰی دے دیں وہ درست ہے۔ غرضیکہ تکفیر، مخالفت اور تمسخر کا ایک طوفان برپا ہے۔ اور ان کو خدمت دین کا بہت بڑا کام سمجھا جاتا ہے۔ اس غلط روی کے خلاف کسی کی آواز نہیں اٹھتی۔ سب سچی بات کہنے سے ڈرتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی جھوٹی عزت و وجاہت کی حفاظت کا خیال دامن گیر ہے۔

ہماری چھوٹی سی جماعت اس کام کو کس طرح کرے گی؟: یہاں پر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کی اتنی بڑی قوم اس کام کو نہیں کر سکتی تو یہ چھوٹی سی احمدی جماعت کس طرح کرے گی۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ بات یہ میری سمجھ میں نہیں آتی کہ اس عظیم الشان کام کو ہماری چھوٹی سی کمزور اور غریب جماعت کس طرح انجام دے گی۔ لیکن اگر انسان خدا پر بھروسہ کر کے پورے عزم کے ساتھ کسی کام کو شروع کر دے تو خدا اس میں ضرور کامیابی دیتا ہے۔ برلن مسجد کا تعمیر ہو جانا کوئی چھوٹی بات نہیں۔ بڑا مشکل کام تھا۔ لیکن جب آپ نے عزم کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں کامیابی دے دی۔ بے شک بہت سی رکاوٹیں پیدا ہوئیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپ لوگوں کی خلوص نیت سے دور ہو گئیں۔

ہماری جماعت کی پانچ خصوصیات: میں سمجھتا ہوں ہماری جماعت میں پانچ خصوصیات ایسی ہیں جن

کی وجہ سے یہ اس کام کو کرنے کی اہل ہے۔

1۔ پہلی بات یہ ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں میں سے صرف یہی جماعت ہے جو تکفیر سے بیزار ہے۔ وسیع الخیالی کے دعویداروں کے اندر بھی یہ جرات نہیں کہ وہ ہر ایک کلمہ گو کو مسلمان کہہ دیں اور نہیں تو احمدیوں کو مستثنٰی کر کے ہی کہہ دیں۔ تمام عالم اسلامی میں صرف یہی جماعت ہے جو ہر ایک کلمہ گو کو مسلمان کہتی ہے اور تکفیر کا علی الاعلان مقابلہ کرتی ہے۔

2۔ دوسری خوبی اس جماعت میں یہ ہے کہ اس کو اسلام کے غالب آنے پر پورا یقین ہے اور اس کو اس قدر پختہ یقین ہے کہ اس نے دوسرے تمام کاموں کو چھوڑ کر اشاعت اسلام ہی کو اپنا مقصد زندگی بنالیا ہے۔ دوسری کوئی ایسی جماعت روئے زمین پر موجود نہیں۔

3۔ تیسری بات یہ ہے کہ صرف یہی ایک جماعت ہے جس کا آپس کا تعلق محض خدا کے لئے ہے۔ ہمارے ایک جگہ جمع ہونے یا مل کر کام کرنے کا مقصد خدمت دین اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا اور کچھ نہیں۔ بظاہر پیری مریدی کا تعلق مضبوط معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ میرا اور آپ کا ایک تعلق ہے۔ پھر آپ کا آپس میں تعلق ہے۔ لیکن یہ سب رضاءِ الٰہی کے لئے ہے۔ اگر ہم میں کوئی خامی اور کمزوری ہے تو اس کی وجہ پیری مریدی کے تعلق ہونا نہیں بلکہ اللہ کی محبت کی کمی ہے۔

4۔ اس جماعت کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ لوگوں سے تصادم اور ان سے مقابلہ کے بغیر یہ اپنے کام میں لگی ہوئی ہے۔ ہمیں نہ احرار سے متصادم ہونے کی ضرورت ہے اور نہ قادیانیوں سے۔ اور نہ ہی اور کسی سے۔ ہم ان کے غلط عقائد اور غلط باتوں کی تردید ضرور کریں گے۔ لیکن ہمیں ان سے متصادم ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اسلام کا اصل جھگڑا کفر کے ساتھ ہے۔ باقی ضمنی جھگڑے ہیں۔ اس لئے ہمیں کفر سے مقابلہ ہی کو مدنظر رکھنا چاہئیے۔ ہمارا یہی اصول ہے جس کی وجہ سے ہم قلت تعداد کے باوجود اس قدر کام کر سکے ہیں۔ احمدی جماعت کی ایک دوسری شاخ بھی موجود ہے۔ جس کی ظاہری شان وشوکت سے لوگ بعض اوقات مرعوب بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن ذرا انصاف کرو۔ اگر اس جماعت کی توجہ صحیح معنوں میں خدمت دین کی طرف ہوتی تو ہم سے بیس تیس گنا بلکہ پچاس گنا کام کر چکی

ہوتی۔ لیکن وہ نہیں کر سکی۔

5۔ ہماری جماعت کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تربیت بہترین طریق پر ہوئی ہے۔ جیسی کہ اور کسی موجودہ جماعت کی نہیں ہوئی۔ ہمارے ہاں کوئی فوج اور کور نہیں۔ لیکن جماعت کی تربیت ایسے رنگ میں ہوئی ہے کہ لوگ خود بخود خدمت دین کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

اس کام کو اور کون کرے گا؟: ان پانچ خصوصیات کے باوجود آپ کی جماعت اس کام میں ہاتھ نہ ڈالے گا؟ جنگ بدر کے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا فرمائی تھی۔ وہ اس وقت مجھے بے اختیار یاد آ رہی ہے۔ **اَللّٰھُمَّ اِنْ تَھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ مِنْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ الْیَوْمَ فَلَا تُعْبَدْ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا** (اے خدا اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا۔ تو زمین میں تیری عبادت کرنے والا توحید الٰہی کا پیغام پہنچانے والا کوئی نہ رہے گا) ہم تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں اگر خدا کا نام پھیلانے کا آپ کی جماعت نے بیڑا نہ اٹھایا تو اور کون اٹھائے گا؟

قربانیوں کے بغیر اللہ تعالیٰ کی نصرت نہیں ہوتی: تبلیغ اسلام کا کام بڑا مقدس ہے۔ یہ انبیاءؑ اولیاؒ اور مجددینؒ کا کام ہے۔ اس میں بڑی بڑی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک انسان اپنی جان و مال اس پر نہ لگا دے کامیابی مشکل ہے۔ اگر ہم بھی ذرا ہمت کر کے اس کام کے لئے قربانیاں کریں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری نصرت کے ایسے سامان پیدا کر دے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں۔ لیکن یہ خوب یاد رکھو کہ جب تک ہم قربانی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کی نصرت نہیں آ سکتی۔ بے شک ہمارے ساتھ دوسرے کام بھی لگے ہوئے ہیں۔ برلن مشن ہے۔ جاوا مشن ہے۔ وی آنا مشن ہے۔ یہاں ہندوستان بھی بیسیوں کام ہیں۔ پھر ہم سپین مشن اور ڈچ مشن کا بھی خواب دیکھ رہے ہیں۔ ان تمام کاموں کی موجودگی میں اچھوتوں والے کاموں کو ہاتھ ڈالنا بظاہر اپنے آپ کو موت کے منہ میں دینا ہے۔ لیکن اگر اس موت کو قبول کر لیں تو اس میں اسلام کی زندگی ہے۔

ایک ماہ کی آمد: اب بند لفافے تقسیم کئے جائیں گے۔ جنہیں جماعت کے تمام کمانے والے احباب لے لیں۔ دوسرے دوست بھی جو برسر روزگار نہیں۔ یا خواتین بھی اگر چاہیں تو ان لفافوں کو

لے سکتی ہیں۔ لیکن میں ان کو مجبور نہیں کرتا۔ اور جب تک میں نہ کہوں ان لفافوں کو نہ کھولا جائے (اس کے بعد بند لفافے تقسیم کئے گئے۔ ان لفافوں میں ارشاد الٰہی والے مطبوعہ فارم بند تھے۔ جن میں ایک ماہ کی آمد کی اپیل کی گئی ہے۔ جب لفافے تقسیم ہو چکے تو آپ نے فرمایا کہ) اس سال میں نے ایک نئے طریقے سے اپیل کی ہے۔ خدا کا قانون ہے اگر چھپا کر کوئی نیک کام کیا جائے تو بڑا اجر ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے یہ اخفاء کا طریق اختیار کیا ہے۔ گزشتہ سال میں نے برلن مشن کے لئے اپیل کی تھی اور پانچ سال کے لئے مستقل امداد کے وعدے احباب سے لئے گئے تھے۔ لیکن موجودہ اپیل کے ساتھ میں احباب پر یہ بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا۔ صرف ایک ماہ کی آمد مانگتا ہوں۔ جس کے لئے نہایت آسان شرائط رکھی گئی ہیں۔ (اس کے بعد حضرت ممدوح نے ایک ماہ کی آمد کی ادائیگی کے متعلق مختلف شرائط کی تشریح فرمائی اور حاضرین میں فارموں کی خانہ پُری کے لئے پنسلیں تقسیم کی گئیں۔ بہت سے احباب نے اسی وقت خانہ پری کر کے فارم دے دئے۔ اس کے بعد سلسلہ تقریر شروع ہوا)

ہمت سے سب کچھ ہوسکتا ہے: ہمارے بعض دوستوں اور کارکنوں کا خیال ہے کہ موجودہ طوفان مخالفت میں کوئی ہماری بات تک سننے کے لئے تیار نہیں۔ بے شک مخالفت بہت زیادہ ہے۔ لیکن ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ہماری باتیں بخوشی سننے بلکہ امداد دینے کو تیار ہیں۔ صرف ان تک پہنچنے کے لئے ہمت درکار ہے۔ ہمارے دوست شیخ قمر الدین اپنے شہر جہلم میں کاسۂ گدائی لے کر نکلے اور چند دنوں میں اس چھوٹی سی جگہ سے پچاس روپے چار آنے کی رقم جمع کر لی۔ اس رقم میں کثیر حصہ غیر از جماعت اصحاب کا ہے۔ دیکھئے۔ ایک بوڑھا اور بیمار شخص جو اپنی علالت کی وجہ سے ایک حد تک چلنے پھرنے سے بھی معذور ہے۔ لیکن اس میں ہمت اور لگن ہے جس کی وجہ سے اس نے یہ کام کرلیا۔

بچت فنڈ: اس کے بعد میں بچت فنڈ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ ہفتہ میں صرف ایک روز جمعرات کے دن اپنے خورد ونوش کے اخراجات میں کمی کر دیا کرو۔ اسی بچت فنڈ پر وی آنا مشن کو کھولا گیا تھا۔ اور یورپ میں ایک اور مشن بھی کھولنے کی تجویز ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ

نے کچھ سامان کر دیا ہے۔ سر دست میں زیادہ تفصیل بیان نہیں کر سکتا۔ میں ان دونوں مشنوں کے اخراجات اسی بچت فنڈ سے پورا کرنا چاہتا ہوں۔ اتفاق سے کل جمعرات ہے۔ آج مجھے جلسہ کے منتظمین نے کہا کہ کیا بچت فنڈ کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے کل مہمانوں کے لئے گوشت کی بجائے دال پکوائی جائے۔ سو اب میں یہ بھی پوچھتا ہوں کہ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ میں چاہتا ہوں۔ آپ بچت فنڈ کے متعلق یہاں سے کوئی عملی سبق بھی لیتے جائیں (سب نے بیک آواز کہا کہ دال پکوائی جائے۔ چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا)

زنانہ دستکاری: ایک اور بات جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ دستکاری ہے۔ اس سالانہ اجتماع کے موقع پر ایک روز خواتین بھی اپنا جلسہ کرتی ہیں۔ جس کے ساتھ دستکاری کی نمائش بھی ہوتی ہے۔ اس میں جماعت کی خواتین اور بچیاں کچھ چیزیں اپنے ہاتھ سے بنا کر بھیجتی ہیں۔ جو نمائش کے ذریعہ فروخت کر دی جاتی ہیں۔ اس طرح ہر سال ایک معقول رقم جمع ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہماری خواتین اور بچیوں میں دینی کاموں سے ایک لگاؤ اور شوق بھی پیدا ہوتا ہے۔ اب کے گذشتہ سال کی نسبت نمائش کے لئے دگنی سے بھی زیادہ چیزیں موصول ہوئیں۔ لیکن ان میں سے اکثر بہت دیر سے ملیں۔ آئندہ کے لئے آپ خیال رکھیں کہ 15 دسمبر تک تمام اشیاء یہاں مرکز ی پہنچ جایا کریں۔

جماعت کی تنظیم و استحکام کے متعلق چند تجاویز: اس سال ہم نے جماعت کے استحکام اور اس کی تنظیم پر پوری توجہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ضرورت ہے کہ ہر جماعت کے پاس اپنی اپنی مسجد اور چھوٹی سی لائبریری ہو۔ اس کے علاوہ مرکز میں ہم یہ ضرورت محسوس کر رہے ہیں کہ کوئی صاحب ثروت اور باہمت دوست پچاس ہزار یا کم از کم پچیس ہزار روپے کا وقف کسی عمارت کی صورت میں قائم کر دے۔ اس میں یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس وقف کی آمد سے تھوڑا سا حصہ خیرات کا رکھ دیں۔ باقی ایک یا دو نسلوں تک اپنی اولاد کے نام کر دیں۔ اس طرح ایک قومی جائیداد بن جائے گی۔ امید ہے اللہ تعالیٰ ہماری اس خواہش کو بھی پورا کر دے گا۔ ایک دوست کے ذریعے سے نہیں تو بہتوں کے ذریعے سے پورا کر دے گا۔ میں چاہتا ہوں آپ ان تمام باتوں کا خیال رکھیں اور انہیں اپنے دل پر نوٹ کر لیں انشاءاللہ میں کسی دوسرے وقت میں ان باتوں کے متعلق ذرا تفصیل سے بھی بیان کروں گا۔

دعا: اب دعا کرتا ہوں کہ اسے اللہ ہمارے دل میں اسلام کی خدمت اور اس کو پھیلانے کا وہ درد پیدا کر جو تو نے اپنے پیارے رسولؐ کے دل میں پیدا کیا تھا۔ دین کا جو غم تو نے اپنے رسولؐ کے دل میں ڈالا تھا، وہ ہمارے دل میں بھی ڈال۔ جو چنگاری مجدد زمانہ کے دل میں تھی، وہ ہمارے دل میں بھی بھڑکا، تا کہ خس وخاشاک جل جائیں اور ہم دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو پورا کریں۔

حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی علالت: حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب بدستور علیل وصاحب فراش ہیں پہلے سے قدرے افاقہ ہے۔ لیکن دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمام دوست ان کے لئے نہایت درددل سے دعا کریں۔ تہجد خواں احباب نماز تہجد کے بعد بالخصوص اور دوسرے حضرات دیگر اوقات میں۔

24 فروری 1936ء

مکتوب بغداد

مولانا حسرت موہانی کے قبل قدر خیالات

مندرجہ ذیل خط ہمارے محترم دوست سید تصدق حسین صاحب بغداد نے جناب خان محمد منظور الٰہی صاحب آنریری جائنٹ سکرٹری انجمن کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔ گذشتہ دنوں مولانا حسرت موہانی صاحب حج کو جاتے ہوئے بغداد میں چند روز ٹھہرے۔ وہاں ہمارے احباب سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ مخالفین کی موجودہ روش پر بھی تبادلہ خیالات ہوا۔ اس کی کیفیت اس خط میں درج ہے۔ مدیر

بغداد مورخہ 14 فروری 1936ء

برادرعزیز جناب محمد منظور الٰہی صاحب سلمہ الرحمٰن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ گذشتہ ہفتہ اٹلی کے قونصل جنرل مقیم بغداد کو اخویم سید عباس صاحب الیکٹریشن کے ہاتھ .The Message of the Holy Prophet (دی گئی۔ دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ پڑھ کر اپنی رائے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ مسٹر عبدالمجید صاحب آئی۔سی۔ایس (گوڑگاؤں) کو، جو بغرض سیاحت بغداد آئے ہوئے تھے اور یہاں سے حج کو جانے کا ارادہ کرلیا، حضرت امیر ایدہ اللہ کا تصنیف کردہ پمفلٹ .Islam the great opportunity دیا گیا۔ موصوف نے مطالعہ کا وعدہ فرمایا۔ اس ہفتہ خاکسار کو ہندوستان کے عظیم وجلیل مایہ ناز فرزند جناب مولانا حسرت موہانی صاحب سے شرف ملاقات کے حصول کا موقع بھی ملا۔ آپ نجف اشرف کے نئے راستہ سے ارض حرم کو تشریف لے جارہے ہیں۔ حسن اتفاق ہے کہ آپ کے ایک ہمسفر حاجی محمد تسلیم صاحب کانپوری اخویم سید عابد علی صاحب کے ہم وطن نکلے۔ جن کی عنایت سے مولانا موصوف کے تعارف کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا کا بغداد میں صرف پانچ ہی روز قیام رہا۔ اس قلیل عرصہ میں باوجود سفر کے تکان جوازات سفر و دیگر مصروفیتوں کے مولانا نے از راہ تلطف اخویم سید عابد علی صاحب و جناب لطیف اسماعیل صاحب و کمترین کی دعوت طعام قبول فرما کر شکریہ کا موقع دیا۔ ان اجتماعات میں احباب جماعت اور معاونین کے علاوہ غیر از

جماعت دوست بھی شامل ہوئے۔ ان تقاریب میں مولانا موصوف سے اکثر مختلف پہلوؤں پر گفتگو رہی۔ مولانا نے اثنائے گفتگو میں ایک موقع پر مسلمانان ہند کے موجودہ طرز عمل پر، جو اتحاد و اتفاق کی بجائے، اختلال و انتشار و نااتفاقی کا باعث ہو رہا ہے، اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ ہندو قوم باوجود صدہا اصولی اختلافات کے ایک تقدس گائے کے مسئلہ پر متفق اور متحد ہو جائے، مگر مسلمان جن کے پاس مسلمان ہونے کے لئے کلمہ طیبہ کے اقرار کی سند ایک زبردست ثبوت سمجھا جاتا تھا، آج اصولی اختلافات میں نہیں بلکہ فروعی مسائل میں ایک دوسرے کو دائرہ اسلام سے خارج کر رہے ہیں۔ اگر انہیں احکام شریعت کا پاس نہیں تو اپنی بقاء کے لئے کم از کم ہندوؤں سے ہی سبق حاصل کریں۔

حضرت مولانا جماعت احمدیہ لاہور کی خدمات اسلامی کی تعریف فرماتے تھے۔ ایک موقع پر جبکہ کمترین نے حدیث شریف مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذَالِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ الخ پڑھ کر سنائی تو مولانا فرمانے لگے کہ ہاں یہی تو وہ زریں اصول ہے۔ کاش کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اسے مسلمان نہ سمجھا جائے۔ مولانا نے از راہ لطف اپنی غزلیات کا ایک مطبوعہ نسخہ بھی عنایت فرمایا۔ کمترین نے بھی ''انوار القرآن'' مؤلفہ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ہدیۃً پیش خدمت کیا۔ جسے مولانا نے نہایت خوشی سے قبول فرمایا۔ کل برلن سے برادرم ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب کا خط ملا۔ آپ نے کمترین کے نام رسالہ ''مسلمش ریویو'' جاری کر دیا ہے۔ نیز چند کتابیں بزبان المانوی ارسال فرمائی ہیں۔ برادرم سید عابد علی صاحب بہ سلسلہ ملازمت خانقین تشریف لے گئے ہیں۔ خانقین بغداد سے 110 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ دعا فرما دیں کہ خداوند کریم برادر موصوف کے وجود کو وہاں پر سلسلہ کے لئے خیر و برکت کا باعث بنائے۔ خاکسار تصدیق حسین

24 فروری 1936ء

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگؒ

مرحوم کا درد اسلامی، خدمات دینی اور حسن سیرت

خطبہ جمعہ 14 فروری 1936ء فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ. وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ. اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ.(2:153-157)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم محسوس نہیں کرتے۔ اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو۔ وہ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ ہیں جن پر اُن کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے اور یہی وہ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔

اور فرمایا کہ اس موت کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے زندگی کا ایک عظیم الشان سبق سکھایا ہے۔ موت تو ایک ناگزیر شے ہے۔ دنیا میں زندگی اور موت کا ایک ایسا سلسلہ لگا ہوا ہے جس سے کوئی باہر نہیں۔ ابتدائے اسلام میں جبکہ مسلمان مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے اور بے شمار تکلیفیں اٹھا کر مدینہ منورہ میں پناہ گزین ہوئے اور کفار نے وہاں بھی ان کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اس وقت بھی انہیں یہی سبق دیا گیا۔ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ اور کہا گیا وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا

لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ۔ اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو۔ وہ جنہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) یہ چھوٹا سا کلمہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ۔ جو بعض دوسرے اسلامی کلمات کی طرح بالکل عام ہو گیا ہے۔ مصیبت ہو یا موت اس کلمہ کو پڑھنے اور یاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سب چیزیں جو ہمارے پاس ہیں خدا کی امانتیں ہیں۔ جب وہ چاہے واپس لے لے۔

زندگی اور موت کا قانون: زندگی اور موت کا قانون بھی بڑا زبردست قانون ہے۔ یہ دونوں چیزیں بھی خدا کی مخلوق ہیں۔ کوئی نیک ہو یا بد، امیر ہو یا غریب، اس سے باہر نہیں رہتا۔ بے شک مصیبت میں خدا سے دعا کرنا حل مشکل کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے کہ ایک خدا رسیدہ اور خدا کا تعلق دوستوں کا سا ہوتا ہے۔ کبھی وہ خدا سے اپنی بات منوا لیتا ہے اور کبھی اس کی مان لیتا ہے۔ دعا بھی خدا کا ایک قانون ہے۔ جو باطل نہیں ہو سکتا۔ دعا کے صرف مسلمان یا دوسرے خدا کو ماننے والے لوگ ہی قائل نہیں بلکہ وقت پڑنے پر بڑے بڑے دہریئے بھی مجبور اور بے اختیار ہو کر دعا کرنے لگتے ہیں۔ اس وقت ان کی آنکھوں کے سامنے سے بھی تمام حجاب اٹھ جاتے ہیں اور خدا کا اٹل قانون اپنی پوری قوت کے ساتھ جاری وساری ہو جاتا ہے۔

مصائب پر صبر کے سوا اور کوئی چارہ نہیں: یہ مصائب جو آتے ہیں دل پر بھی اثر کرتے ہیں اور جسم پر بھی اثر کرتے ہیں۔ آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ جاتے ہیں۔ لیکن انسان کے لئے یہی بہتر ہے کہ خدا کی رضا پر راضی رہے۔ انسان کو ماننا تو پڑتا ہی ہے، چاہے واویلا کر کے مان لے، چاہے صبر کر کے اور بندہ بن کے مان لے، اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

قومی غم کا دن: ہمارے لئے آج کا دن یا آج سے دو روز پہلے کا دن ایک قومی غم کا دن تھا۔ یہ کوئی غم کا پہلا دن نہیں۔ ایسے بہت سے دن ہم پر گزر چکے ہیں۔ چونکہ دوست ہم سے ایک ایک کر کے جدا ہوتے ہیں، اس لئے ہمیں محسوس نہیں ہوتا۔ گذشتہ بیس بائیس سال کے عرصہ میں، جبکہ ہم یہاں آئے ہیں، بہت سی نورانی ہستیاں اور بہت سے نوجوان ہم سے آہستہ آہستہ جدا ہو کر خدا کے پاس پہنچ گئے۔

اگر یہ سب ایک جگہ جمع ہو جائیں، تو شائد اتنی یا اس سے زیادہ تعداد بن جائے، جتنے کہ ہم یہاں اس وقت موجود ہیں۔

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کی موت بہترین موت ہے: موت تو سب پر آنی ہے اور خدا بہتر جانتا ہے کہ کن حالات میں آنی ہے۔ لیکن ہمارے سلسلہ کے رکن ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی موت ایک بہترین موت ہے۔ جیسے انسانوں کے ساتھ ان کے اخلاق نہایت پاکیزہ تھے۔ کوئی احمدی ہو، قادیانی ہو، غیر از جماعت ہو، یا ہندو سکھ ہو، وہ سب کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آئے تھے۔ سب کی خدمت کرتے تھے اور سب کی بھلائی چاہتے تھے۔ اسی طرح خدا کے ساتھ بھی ان کا تعلق نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ تھا۔ خدا نے ان کو حسن صورت بھی دیا تھا۔ بڑا خوبصورت انسان تھا اور اس کے ساتھ حسن سیرت بھی دیا تھا۔ اس کے اخلاق نہایت بلند تھے۔ وہ نہایت پاکباز اور متقی تھا۔ 2 فروری کو جس روز ان پر مرض کا حملہ ہوا ہے۔ اس حالت میں کہ وہ اپنے مکان کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے اور ان کی زبان پر **یَاحَیُّ یَاقَیُّوْم** کے الفاظ تھے۔ پھر تو خدا کی مصلحت کے ماتحت ان کی زبان نہ چلتی تھی۔ لیکن مجھے ڈاکٹر غلام محمد صاحب نے بتلایا کہ مرض کے حملے کے ایک گھنٹے کے بعد صرف ایک لمحہ کے لئے ان کی زبان نے حرکت کی۔ اور ''شکر'' کا لفظ کہا۔ اس کے بعد کوئی لفظ ان کی زبان سے نہ نکلا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر صابر اور شاکر انسان تھا!

مرحوم سے آخری ملاقات: اپنی طرف سے ہر کوئی علاج میں کوشش کرتا ہے۔ ان کے ایام علالت میں ہم ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق ان کے سامنے نہ آتے تھے۔ کیونکہ ایسی حالت میں دوست سامنے آجاتا ہے تو دل پر اثر ہوتا ہے اور غم پیدا ہوتا ہے۔ ان کی وفات کے ایک روز پیشتر میں ان کو دیکھنے گیا اور حسب معمول خاموشی سے ان کے سرہانے کی طرف کھڑا ہو گیا۔ اس وقت ان کی بیوی ان کا ہاتھ دبا رہی تھیں۔ مجھے آتے دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس سے مرحوم نے محسوس کیا کہ کوئی شخص کمرے میں آیا ہے اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ آنکھ سے آنکھ ملی۔ تو مجھے مجبوراً ان کے سامنے ہونا پڑا۔ میں نے اسلام علیکم کہا۔ انہوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس زور سے دبایا۔ جیسے کوئی دوست جدا ہونے لگا ہے۔ مرحوم شرافت کا پتلا تھا۔ اپنی جماعت کے علاوہ ہندو، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں اور انگریزوں میں بھی ان

کے بیشمار دوست تھے۔ مسلم یا غیر مسلم ہر ایک کے ساتھ اس نے نیکی کی، احسان کیا، کسی کے ساتھ برائی نہیں کی۔

ڈاکٹر مرزا صاحب کا دردِ اسلام: پھر ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کے دل میں اسلام کا اتنا بڑا درد تھا کہ کوئی انسان اس کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کو بہتر جانتا ہے۔ دراصل اسی درد میں انہوں نے اپنی جان دے دی۔ یہ کیا ہے جو ہمارے اور دوسرے لوگوں کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔ جھگڑا صرف اس بات پر ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اسلام کے اندر تفرقہ اور تشتت مت پیدا کرو۔ کلمہ گو کی تکفیر چھوڑ دو۔ کیا یہ ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ کوئی ہم کو کافر نہ کہے۔ شائد ہم میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کی یہ خواہش ہو۔

مخلوق سے ڈرنے والوں کو توحید کی نعمت نہیں مل سکتی: کافر کہلوا کر تو ہم آزاد ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ہمیں مخلوق کا ڈر نہیں رہا۔ اور جب تک مخلوق کا ڈر ہو انسان کو توحید کی نعمت نہیں مل سکتی۔ اور وہ خدا کو نہیں پا سکتا۔ یہ بڑے بڑے عالم، مولوی، لیڈر اور فلاسفر کیوں عوام کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ عوام کا رخ ایک غلط اور نقصان رساں چیز کی طرف ہے۔ جو محض اس لئے کہ انہیں مخلوق کا ڈر ہوتا ہے یا اس سے کوئی آرزو یا امید ہوتی ہے۔ نمبرداری اور لیڈری کا شوق ہوتا ہے۔ جو محض عوام کو خوش رکھنے ہی سے مل سکتی ہے۔ خوب یاد رکھیئے۔ جہاں غیر اللہ کا خوف اور اس سے امید ہو وہاں توحید کا گزر نہیں ہو سکتا۔ اس حالت میں توحید کا دعوٰی جھوٹا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ سے ڈرا جائے اور اسی مالک حقیقی سے تمام امیدیں وابستہ کی جائیں۔ لیکن جہاں ساری امیدیں مخلوق سے وابستہ ہوں، وہاں اللہ کا ڈر کہاں سے آئے!

ختم نبوت کے معنی: جس طرح مسلمانوں کا آج کل لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر عمل نہیں، اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل نہیں۔ منہ سے وہ ختم نبوت کا عقیدہ مانتے ہیں۔ لیکن اس پر بھی ان کا عمل نہیں۔ ختم نبوت کے صرف ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں کہ آئندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی انسان کا حکم نہیں چلے گا۔ آئندہ ہر کوئی سند محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے گا۔ آؤ اب تلاش کرو۔ آپ کی سند کیا ہے۔ حضورؐ تو فرماتے ہیں مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذَالِکَ

اَلْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَذِمَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ لیکن آج ہمارے مخالفین میں سے اس کو کون مانتا ہے؟ ایک جنونی کیفیت سب پر طاری ہے۔ خدا اور رسولؐ کی فرمانبرداری اور ان کے احکام کی تعمیل کی بجائے سب اپنی اپنی اغراض کی پرستش کر رہے ہیں۔

افسوسناک حجت بازی: پھر قرآن کریم میں صاف لکھا ہے۔ **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا** (94:4) اس پر بھی طرح طرح کی باتیں بنائی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی عیسائی یہودی یا ہندو سلام علیکم کہے تو اسے کیا مسلمان سمجھا جائے گا؟ ایک بہت بڑے مولوی نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک عیسائی ہماری مسجد میں آ کر ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ جائے اور تثلیث کا بھی قائل رہے۔ بھلا اس کو کس طرح مسلمان سمجھا جا سکتا ہے! ان لوگوں کے بڑے بڑے لیڈروں کو تو کبھی نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ملتی۔ وہ تو کبھی مسجد کا رخ نہیں کرتے۔ اور ایک تثلیث پرست عیسائی مسجد میں آ کر قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھے گا؟ یہ سب حجت بازی ہے!

ہم کفر کے فتوؤں سے نہیں ڈرتے: بس یہی تکفیر کا مسئلہ ہے جس پر جنگ جاری ہے۔ کیا ہم اپنے آپ کو ان لوگوں کی تکفیر سے بچانا چاہتے ہیں؟ خدا بہتر جانتا ہے یہ بات ہرگز نہیں۔ ہم تو کافر کہلوانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ نہ صرف کافر بلکہ دجال وغیرہ کہلوانے کے بھی۔ تم سب نے اپنے میں سے بڑا مجھے بنایا۔ اپنا امیر منتخب کیا اور مجھے پادری کہا جاتا ہے۔ کیا قادیان والوں سے ہماری دوستی ہے؟ اور ہم یہ سب کچھ اس لئے کر رہے ہیں کہ انہیں کافر نہ کہا جائے۔ نہیں۔ ان کو تو ہم سے اس قدر بیر ہے کہ جس کوئی انتہا نہیں۔

ہمارا مقصد کیا ہے؟: ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ ہمارے مخالف خدا اور رسول کے احکام کی تحقیر کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو رہا ہے۔ یہی بات تھی جس پر انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس میں بحث جاری تھی۔ کونسل کے عمائد ارکان ایک طرف تھے۔ اور دوسری طرف ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب تنہا۔ اس اکیلے مرد خدا نے مقابلہ کیا اور مخالفین کی اس قدر زیادہ کثرت کی کچھ پروا نہ کی۔

مخالفین کی پست اخلاقی: افسوس! آج مسلمانوں کے اخلاق اس قدر گر چکے ہیں۔ جس کی کوئی انتہا

نہیں رہی۔ حکم ہے کہ مرنے والے کا ذکر اچھے الفاظ میں کرو۔ لیکن ہمارے مخالفین جھوٹ بول کر بھی مرنے والوں کے ساتھ بُری باتیں منسوب کرتے ہیں۔ احرار کے اخبار ''مجاہد'' نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی علالت کے ایام میں لکھا کہ احمدیوں کو انجمن حمایت اسلام سے نکال دیا گیا ہے۔ اس اخراج کے غم میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ پر فالج کا حملہ ہوا ہے۔ گویا انجمن حمایت اسلام نے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کو بڑے خزانے دیئے ہوئے تھے کہ ان کو اخراج کا غم ہوا۔ انہوں نے اور بہت سے احمدیوں نے ہمیشہ انجمن حمایت اسلام کی خدمت و امداد ہی کی ہے۔ ڈاکٹر مرزا صاحب نے اس انجمن کو بڑی بڑی رقوم دیں اور دوسروں سے دلائیں۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم تو ہماری جماعت کے ایک بہت اعلیٰ رکن تھے۔ ہم میں سے کسی معمولی فرد کو بھی اس کا رنج نہیں ہوسکتا ہے۔

انجمن حمایت اسلام سے احمدیوں کو خارج نہیں کیا گیا: اور حقیقت یہ ہے کہ انجمن حمایت اسلام نے کبھی مرزا صاحب مرحوم کو اپنی جنرل کونسل سے نکالا نہیں۔ نہ ایسی کوئی قرارداد پیش ہوئی نہ پاس ہوئی۔ اور جو قرارداد پاس ہوئی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ احمدیوں کو اس سے خارج کیا جائے۔ کیونکہ ہم احمدی ہی اس قرارداد کے صحیح مصداق ہیں کہ کسی نبی کا کسی رنگ میں آنا آنحضرتؐ کے بعد نہیں مانتے۔

ہم خدمت اسلام کے اعلیٰ کام میں مصروف ہیں: اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم تو خدمت اسلام کے ایک ایسے اعلیٰ کام میں مصروف ہیں کہ کسی کو ہم پر رشک ہو تو ہو، ہمیں کسی پر رشک نہیں ہوسکتا۔ ہم ایک دفعہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر محض خدمت اسلام کے لئے قادیان گئے۔ پھر اسی جذبہ کے ماتحت وہاں سے نکلے۔ ہمیں انجمن حمایت اسلام یا کسی اور جگہ سے نکلنے یا نکالے جانے کا رنج و غم کیا ہوسکتا ہے؟ ہم تو ''غم پروف'' بن گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر مرزا صاحب کو حیاتِ جاوید دے گا: ہاں! اگر ڈاکٹر مرزا صاحب کو غم تھا۔ تو یہ تھا کہ ہماری مسلمان قوم کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ کیوں تکفیر کی شیدائی ہو کر اپنے پاؤں پر کلہاڑا چلا رہی ہے۔ مرحوم ہمیشہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرتے اور انہیں سمجھاتے رہے۔ ان کی آخری تحریر، جو ایک اشتہار کی شکل میں شائع ہوئی ہے، اسی موضوع پر ہے۔ اگر انہوں نے اسی غم میں وفات پائی ہے تو انہوں نے خدا کی راہ میں جان دی ہے اور وہ شہید ہوئے ہیں۔ خدا ان کو حیات جاوید دے گا۔ ایک دن تمام مسلمانوں کا یہی

مذہب و مسلک ہوگا کہ کسی کلمہ گو کی تکفیر کرنی خلاف اسلام ہے۔

ڈاکٹر مرزا صاحب ایک احمدی کی حیثیت سے: احمدی ہونے کی حیثیت سے ہمیں ایسا اچھا۔ ایسا مخلص اور ایسا صائب الرائے کارکن کہاں سے مل سکتا ہے؟ چند سال ہوئے پہلے بھی ان پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔ اس سے انہیں آرام تو ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد وہ کچھ کمزور ہو گئے تھے۔ اور اس کی وجہ سے بعض اوقات وہ مجلس منتظمہ کے اجلاسوں میں ذرا تاخیر سے آتے۔ ہم ان کے منتظر رہتے تھے۔ آپ کی رائے ہمیشہ نہایت مخلصانہ اور صائب ہوتی تھی۔

مرحوم کا اخلاص، ایثار اور قربانی: دنیا میں خود غرض تو بہت ہیں۔ لیکن ایسے ایثار پیشہ اور مخلص دوست بہت ہی مشکل سے ملتے ہیں۔ جب ہم نے یہاں لاہور میں اس انجمن کی بنیاد رکھی، تو مجھے صحیح یاد نہیں، غالباً چار پانچ سال بعد ہمیں سخت مالی مشکلات پیش آئیں اور ہم نے محسوس کیا کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں، کوئی دفتر نہیں، کوئی مکان نہیں، نہ جمع ہونے کی جگہ ہے، نہ بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اس وقت میں نے اپیل کی۔ ایک نشست کے اندر صرف پانچ چھ آدمیوں نے ہی تقریباً ایک لاکھ روپیہ کا انتظام کر دیا۔ صرف ایک اجلاس میں اور میرے جیسے انسان کی اپیل پر۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے کہا۔ میں یہ مکان دیتا ہوں۔ پرسوں جو قبرستان جا سوئے ہیں (ڈاکٹر مرزا صاحب) انہوں نے کہا۔ میں وہ مکان دیتا ہوں۔ اسی طرح دوسرے احباب نے۔

مرحوم کو اولاد سے بڑھ کر قوم کی فکر تھی: ڈاکٹر صاحب مرحوم کو اولاد سے بڑھ کر قوم کی فکر تھی۔ انہوں نے سرکاری ملازمت، جس سے ان کو ایک بھاری تنخواہ مل رہی تھی، صرف اپنی قوم کے استحکام کے لئے چھوڑ دی کہ لاہور میں رہ کر انجمن کا کام بھی کریں گے۔ ہمارا آپس کا تعلق بھی بہت پرانا تھا۔ قادیان کی مجلس منتظمہ میں یہ پانچ آدمی تھے۔ جن کا تعلقِ یگانگت بے نظیر تھا۔ ان میں سے تین تو چل بسے۔ یعنی شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم، خواجہ کمال الدین صاحب اور ڈاکٹر مرزا صاحب، جنہیں ہم پرسوں چھوڑ آئے ہیں۔ وہ اپنے عہد وفا کو پورا کر چکے۔ یہ دو باقی ہیں۔ جو ابھی حالت انتظار میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے ان سے معاملہ کرے۔ (اللہ ان کی عمر میں برکت دے)

سپاسِ تعزیت: قبلہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم ومغفور کی وفات پر ہمارے دوستوں اور کرم فرماؤں کی طرف سے بیشمار تاریں اور سینکڑوں تعزیتی خطوط موصول ہوئے ہیں۔ اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہم ان تمام احباب کی ہمدردی اور دعاؤں کے لئے ان کے بے حد ممنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزاء خیر عطا کرے۔ فرداً فرداً ان احباب کا شکریہ ادا کرنا مشکل ہے۔ اس لئے بذریعہ اخباران کرم فرماؤں کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ خاکساران (ڈاکٹر مرزا) داؤد بیگ (مرزا) مسعود بیگ

میاں صاحب کا تازہ ارشاد: چند روز ہوئے قادیان کے جلسہ سالانہ کے منتظمین کا ایک اجتماع ہوا۔ جس میں جناب میاں صاحب نے کارکنوں کی رپورٹیں سننے کے بعد ایک تقریر فرمائی۔ اس تقریر کا ایک حصہ ملاحظہ ہو:

> ''جلسہ سالانہ کی کاروائی کی اشاعت کے کام کی بھی کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے۔ میں چونکہ اخبارات کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ اس لئے جہاں تک مجھے معلوم ہے صرف ''سٹیٹسمین'' نے ہمارے جلسہ کی کاروائی کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی اخبار نے ذکر نہیں کیا...... غیر مبائعین کے جلسہ کی رپورٹیں اخبارات میں ہمیشہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ مثل مشہور ہے۔ ''ڈہائی بُوٹیاں تے فتو باغبان''۔ وہی حالت ان کی ہے۔ مگر ان کے جلسہ کے حالات تو اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں، لیکن ہمارے جلسہ کی کاروائی، جس میں اتنی کثیر تعداد میں لوگ شامل ہوتے ہیں۔ سوائے ''سٹیٹسمن'' کے اور کسی اخبار میں شائع نہیں ہوئی۔ اور جہاں تک میں نے دیکھا ہے۔ اس میں بھی صرف پروگرام چھپا ہے۔ جلسہ کی کاروائی نہیں چھپی ہے۔''

جناب میاں صاحب نے جماعت لاہور کی قلت تعداد کا ذکر جس تحقیر آمیز انداز میں کیا ہے۔ یہ ان کی پرانی عادت ہے۔ قادیانی جماعت کا کثرت تعداد کا غرور جنون کی حد تک پہنچ چکا ہے۔

24 فروری 1936ء

جلسہ تعزیت

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگؒ کی یاد میں

حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگؒ کی وفات حسرت آیات سے جماعت احمدیہ کے افراد کے علاوہ ہندو، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں سب کو غیر معمولی طور پر رنج پہنچا۔ کیونکہ حضرت مرحوم تمام بنی نوع انسان کے سچے ہمدرد، اتحاد دوست اور قوم پرور بزرگ تھے۔ سلسلہ کی بیش بہا دینی خدمات کے علاوہ انہوں نے لاہور، صوبہ پنجاب اور صوبہ سرحد کی عرصہ دراز تک نہایت قابل قدر طبی، ملکی اور سوشل خدمات انجام دیں۔ یہی وجہ تھی کہ مرحوم کی صف ماتم پر احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم حضرات بھی اشکبار نظر آتے تھے۔ اور آپ کے جنازہ کے ہمراہ ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ کا ایک جم غفیر موجود تھا۔

حضرت مرحوم کے چند غیر از جماعت اور ہندو احباب کی طرف سے تجویز پیش ہوئی کہ آپ کی وفات پر اظہار افسوس ہمدردی اور آپ کی بے نظیر خدمات پر خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ہندو مسلمانوں اور سکھوں کا ایک مشترکہ پبلک جلسہ منعقد کیا جائے۔ اس کے لئے 23 فروری کی تاریخ مقرر ہوئی۔ اور مندرجہ ذیل حضرات کی طرف سے جلسہ کا اشتہار شائع ہوا 1۔ خان بہادر نواب احمد یار خاں صاحب دولتانہ رئیس لڈن وممبر پنجاب کونسل 2 خان بہادر شیخ امیر علی خاں ریٹائرڈ سیشن جج 3۔ خان صاحب محمد سعادت علی خاں آنریری مجسٹریٹ ورئیس لاہور 4۔ میاں نظام الدین صاحب رئیس اعظم لاہور 5۔ رائے بہادر ڈاکٹر مہاراج کرشن صاحب کپور وائس پریزیڈنٹ پنجاب میڈیکل کونسل لاہور 6۔ ڈاکٹر نندلال ایل۔ ایل ڈی بار ایٹ لاء لاہور 7۔ خان صاحب شیخ فضل الٰہی صاحب ڈائرکٹر محکمہ اطلاعات پنجاب 8۔ خان صاحب حکیم احمد شجاع صاحب اسسٹنٹ سکرٹری پنجاب کونسل لاہور۔ 9۔ پروفیسر رچی رام صاحب ساہنی 10۔ مسٹر عبدالقیوم صاحب بار۔ ایٹ لاء پروفیسر لاکالج لاہور 11۔ ملک محمد اسلم خان صاحب ایم اے کنٹ بیرسٹر لاء لاہور 12 پنڈت پیارے موہن تاتریہ ایڈیٹر ٹریبیون لاہور 13۔ میاں بشیر احمد صاحب بی اے آکسن بیرسٹر ایٹ لاء لاہور 14۔ ڈاکٹر ایس۔ ایس بھٹناگر صاحب پروفیسر پنجاب یونیورسٹی 15۔ سردار جگت سنگھ صاحب مالک رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور 16۔ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور 17۔ خان صاحب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ریٹائرڈ اسسٹنٹ

کیمیکل اگزامیز لاہور 18۔مولٰینا عبدالحمید صاحب سالک ایڈیٹر روزنامہ انقلاب 19۔میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹرایٹ لاہور 20۔رائے صاحب لالہ پور رام صاحب رام گلی لاہور 21۔لالہ منگل سین صاحب بھنڈاری رام گلی لاہور۔

حسب تجویز 23 فروری اتوار تقریباً ساڑھے دو بجے دوپہر برکت علی محمڈن ہال میں بصدارت مولانا صدرالدین صاحب جلسہ منعقد ہوا۔ دو روز سے لاہور میں ابروباراں کا سلسلہ جاری تھا۔سڑکیں کیچڑ سے بھری ہوئی تھیں۔شدید ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔لیکن ان باتوں کے باوجود کثیر تعداد میں لوگ جلسہ میں شامل ہوئے۔ سارا ہال بھر گیا۔ یہ مجمع ہندو، مسلمان اور سکھ وغیرہ تمام اقوام پر مشتمل تھا۔مقررین میں بھی احمدی، غیراز جماعت اور غیر مسلم سب بزرگ شامل تھے۔ذیل میں تقریروں کا ایک بہت ہی مختصر سا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا صدرالدین صاحب کی تقریر: صاحب صدر یعنی حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے تلاوت قرآن کریم کے بعد سلسلہ کلام اس طرح شروع کیا کہ اس جلسہ کے انعقاد کی غرض یہ ہے کہ ہم سب مل کر ملک وملت کے ایک عظیم الشان فرد کی وفات پر اظہار افسوس و ہمدردی کریں۔ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب بڑے خدا پرست انسان تھے۔انہوں نے جوانی سے لے کر آخر عمر تک کبھی نماز تہجد ناغہ نہ کی۔ خدا پرستی ایک بہت بڑا وصف ہے۔لیکن موجودہ مادہ پرستی کے زمانہ میں تو اس وصف کی قدرو قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔ خدا پرستی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان مہذب بن جاتا ہے اور مخلوق خدا کی بلاتعصب اور بلا امتیاز مذہب وملت خیرخواہی وخدمت کرتا ہے۔ بے شمار مذہبی آدمیوں پر بھی ان کے مذہب کا رنگ نہیں چڑھتا۔لیکن ڈاکٹر مرزا صاحب مرحوم کے متعلق میں یقینی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ ان پر مذہب کا پورا پورا رنگ چڑھا ہوا تھا۔تمام قوموں کے لوگ گواہی دے سکتے ہیں کہ ان میں تعصب اور تنگی نفس نہ تھی۔ وہ ہر ایک بیکس اور ضرورت مند کی امداد کرتے تھے۔مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے انہیں عقائد کے لحاظ سے شدید اختلاف تھا اور مولوی صاحب سلسلہ احمدیہ کے بہت بڑے مخالف تھے اور اس بارہ میں وہ بہت دور نکل گئے تھے لیکن ڈاکٹر مرزا صاحب مرحوم نے ان کا علاج بھی نہایت ہمدردی اور کوشش سے کیا۔ نہ صرف علاج کیا بلکہ مفت دوا دی۔ تیمارداری کی۔مہمان رکھا اور اپنے پاس سے خرچ

کیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب کبھی مولوی محمد حسین صاحب لاہور آتے ڈاکٹر مرزا صاحب سے ضرور ملنے آتے۔ پولٹیکل میدان میں بھی مرحوم کی خدمات کچھ کم قابل قدر نہیں۔ وہ سچے بہی خواہ ملک تھے۔ پہلی بیماری کے بعد وہ بحالی صحت کے لئے ایبٹ آباد گئے۔ وہاں جب انہوں نے دیکھا کہ سرخ پوشوں پر ظلم ہو رہا ہے تو ان کا دل تڑپ اٹھا اور وہ اپنی صحت اور ہر ایک خطرے سے بے پروا ہو کر مظلوموں کی امداد میں مصروف ہو گئے۔ مرحوم ہندو، مسلم، سکھ اتحاد کے پرزور حامی تھے۔ ہمیں ان سے سبق لینا چاہیئے۔ اگر ہندو مسلمان میں سچا اتحاد ہو جائے تو ان کی پولٹیکل طاقت مضبوط ہو سکتی ہے اور وہ بہت سے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔

پروفیسر رچی رام ساہنی: آپ نے فرمایا کہ میں 45 برس سے ڈاکٹر مرزا صاحب کو جانتا ہوں۔ مجھے ایک موقع بھی ایسا یاد نہیں کہ میں نے ان سے کوئی ایسا کلمہ سنا ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ کے دل میں انسانی ہمدردی کوٹ کوٹ کر نہیں بھری ہوئی ہے۔ آپ سب کی خدمت کرتے تھے۔ اس زمانہ اور اس ملک میں ایسا انسان پیدا ہونا بہت مشکل ہے۔ ان کو جاننے والا کوئی ایسا شخص نہیں جس کا دل آپ کی وفات پر رنج و غم سے نہ بھرا ہوا ہو۔ میں آپ کے پسماندگان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔

مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری: میں مرزا صاحب مرحوم کو اس وقت سے جانتا ہوں جبکہ وہ میڈیکل کالج میں طالب علم تھے۔ ان کے بھائی مرزا ایوب بیگ صاحب مرحوم میرے ہم جماعت تھے۔ اس وقت بھی ان میں یہی بلند اخلاق، وسعت قلبی اور سچی ہمدردی موجود تھی۔ وہ ایک باوفا اور شفیق دوست تھے۔ نہایت قابل اور بے طمع ڈاکٹر تھے۔ غریبوں کا علاج مفت کرتے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم سے ان کی ہمدردی اور نیک سلوک مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے۔ وہ یقیناً مرحوم و مغفور ہیں۔

ڈاکٹر نند لعل صاحب بیرسٹرایٹ لاء: ڈاکٹر مرزا صاحب ہم سے بے وقت جدا ہو گئے۔ ان کے بلند اخلاق اور اعلیٰ اوصاف سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ ایک اخلاقی رہبر ہیں۔ ان کو اپنے عقائد پر پورا پورا یقین تھا۔ لیکن اس کے باوجود انہیں ہر ایک مذہب و ملت کے آدمی سے سچی ہمدردی تھی۔ تعصب انہیں چھو بھی نہیں گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر جگہ عزت ہوتی تھی۔ دراصل خدا پرستی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ انسان مخلوق کا ہمدرد و غمگسار ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی خوبیوں پر ایک بھاری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ہم گنہگار ہیں۔ وہ ایک فرشتہ تھے۔ امید ہے وہ اس وقت بہشت میں خوش و خرم بیٹھے ہوں گے۔ خدا کرے

کہ ایسی صداقت پسند ہستیاں ملک میں پیدا ہوں۔

نظم: اس تقریر کے بعد غلام رسول صاحب جانباز طالب علم تبلیغی کلاس نے ایک نظم پڑھی۔ جو انشاء اللہ ''یعقوب بیگ نمبر'' میں شائع کی جائے گی۔

چودھری محمد شفیع صاحب پروفیسر فارمن کرسچن کالج لاہور: میری پندرہ سال سے مرزا صاحب سے ملاقات تھی۔ آپ کو نوجوانوں کی بہبودی کا بھی خاص طور پر خیال رہتا تھا۔ میں جب کبھی آپ کے پاس کسی نوجوان کے لئے امداد حاصل کرنے گیا۔ آپ نے توقع سے بڑھ کر فیاضی کا ثبوت دیا۔ آپ انسانیت کا سرمایہ تھے۔ آپ کے سینے کے اندر ایک نہایت ہمدرد اور دردمند دل تھا۔ جو ہر ایک تکلیف پر تڑپ اٹھتا تھا۔ ضرورت ہے کہ ڈاکٹر مرزا صاحب کے اخلاق کو زندہ رکھا جائے اور مسلمانوں میں آپ جیسے اعلیٰ صفات کے آدمی پیدا کئے جائیں۔

لالہ منگل سین صاحب بھنڈاری: میں ڈاکٹر مرزا صاحب کو 1913ء سے جانتا ہوں۔ رام گلی کے باشندے خاص طور پر آپ کے احسانوں کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ آپ نے اس محلّہ کی مشکلات کو دور کرنے اور اس کے رہنے والوں کو مہذب شہری بنانے میں بہت کوشش کی۔ میرے ننھیال مرحوم کے وطن کلانور ضلع گورداسپور میں ہیں۔ آپ میری والدہ محترمہ کے ساتھ بھائیوں کا سا سلوک کیا کرتے تھے۔ عید وغیرہ تقریبوں پر تحائف بھیجا کرتے تھے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرے سر سے ایک شفیق بزرگ کا سایہ اٹھ گیا۔

مولانا یعقوب خاں صاحب ایڈیٹر ''لائٹ'': میرا ڈاکٹر مرزا صاحب مرحوم سے عرصہ دراز سے تعلق ہے۔ میں نے مرحوم کو کبھی دو حال سے خالی نہ دیکھا۔ ایک تو آپ کبھی بھی بغیر تبسم اور خندہ پیشانی نہ ملے۔ ہر وقت ان کے ہونٹوں پر ایک تبسم رہتا تھا۔ جو دراصل ان کی پاکیزہ روح کا پرتو تھا۔ دوسرے ان میں انسانی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے اپنے دکھ کی بات کی ہو۔ اور ان کی آنکھوں میں آنسو نہ آ گئے ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ ہر طبقہ میں ان کے بے شمار دوست تھے۔ جو ان کی وفات پر دلی رنج و غم محسوس کر رہے ہیں۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے سچے حامی تھے۔ اس سلسلہ میں فاضل مقرر نے 1927ء کے فسادات، شہید گنج ایجی ٹیشن اور سر چھوش تحریک کے متعدد واقعات بیان کرنے کے بعد کہا کہ ہم سب کو مرحوم کی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہئیے اور ان کی پیروی کرنی چاہئیے۔

24 فروری 1936ء

بزرگوں اور دوستوں کے تعزیت نامے

جناب صادق علی صاحب ہیڈ ماسٹر پٹیالہ: (کرنال ہاؤس۔ پٹیالہ 13 فروری) سیدنا ومولانا حضرت مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم ومغفور کی بے وقت وفات کی خبر پڑھ کر دل کو بے انتہا صدمہ ہوا۔ مجھے ان کی تشویشناک حالت کی خبر تو عزیزی شجاعت علی صاحب کے ذریعہ مل گئی تھی۔مگر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اس قدر جلد داغ مفارقت دے جائیں گے۔ ورنہ بہت سے موانعات کے باوجود ان کی پاک خدمت میں حاضر ہوتا۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔نیکی،تقوٰی، اخلاص اور سچی محبت کے لحاظ سے وہ ہماری جماعت میں ایک بے نظیر انسان تھے۔ان کی وفات فی الحقیقت ایک سخت قومی صدمہ ہے۔اللہ تعالیٰ ہماری غریب جماعت پر رحم فرمائے۔حضرت ڈاکٹر میرزا صاحب تو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور ان کی روح اس وصال میں لذت محسوس کرتی ہوگی۔مگر ہمارے دلی صدمہ کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔میرے خیال میں حضرت ڈاکٹر مرزا صاحب مرحوم کی ایک مستقل یادگار قائم کرنی چاہیئے۔اور جماعت کا ہر ایک فرد اس میں حصہ لے۔آپ اس نیک اور خدا رسیدہ انسان کی یادگار قائم کرنے کے لئے ہر احمدی کو انشاء اللہ مستعد پائیں گے۔پھر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر میرزا صاحب کی روح پر اپنی بے شمار رحمتیں اور افضال نازل فرمائے۔اور بزرگان سلسلہ کو بڑی بڑی مدت تک ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔آمین۔ دنیا بڑی ناپائیدار ہے۔خاکسار۔صادق علی

جناب مولوی محمد مرتضٰی خان صاحب انسپکٹر آف سکولز ریاست مانگرول: (از مانگرول مورخہ 17 فروری 1936ء) بخدمت حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔جناب ڈاکٹر مرزا صاحب کے انتقال کی خبر سے سخت صدمہ ہوا۔اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. میں جانتا ہوں۔آپ کے لئے کس قدر اندوہناک صدمہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ بہت بڑا بزرگ حضرت کا پرانا صحابی دنیا سے رخصت ہوگیا۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا

فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین والسلام۔ خاکسار مرتضٰے خاں

ڈاکٹر سعید احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن مانسہرہ: (ہزارہ۔ 14 فروری 1936ء) اخویم محترم سلمہ اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ کل بعد از دوپہر غلام جان کے خط اور اخبارات سے یہ خبر متوحش وجانگداز معلوم ہوئی کہ ہمارا ایک نہایت ہی پیارا بزرگ اور دنیائے اخلاق ومروت کا بہت چمکدار ستارہ ہمیشہ کے لئے ان جسمانی آنکھوں سے چھپ گیا۔ اس غم میں آنکھیں اس وقت تک بے اختیار اشکبار ہیں۔ لیکن افسوس کہ آنسوؤں کی ندی اسے واپس نہیں لاسکتی۔ یہ قومی نقصان ہے کس کے پاس جاؤں اور یہ غم کس کے پاس لے جاؤں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ میں سب سے زیادہ غم زدہ ہوں اور چاہئیے کہ لوگ مجھے لکھیں اور میرے پاس تعزیت کے لئے آئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ آپ کا غم بھی بہت زیادہ ہے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب مغفور کی اولاد روحانی کثیر ہے اور کسی کا غم بھی کم نہیں۔ ہم آج بوقت جمعہ جنازہ پڑھیں گے۔ اور خدا کے حضور سب مل کر پھر گریہ وزاری کریں گے۔ ہم سے بڑی نعمت چھن گئی۔ لیکن حکم خدا کے سامنے کسی کو یارہ سرتابی نہیں۔ اللہ ہمیں صبر وشکر عطا فرمائے۔

میری طرف سے اور میرے گھر والوں کی طرف سے اور سب جماعت مانسہرہ کی طرف سے، والدہ صاحبہ اور ہمشیرگان، آپ کے چچا صاحب اور مرزا مسعود بیگ صاحب اور جملہ متعلین کی خدمت میں بھی بعد از سلام مسنون عرض کر دیں کہ ہم سب آپ کے غم میں شامل ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند کریم آپ کو صبر اور اجر عظیم نصیب فرمائے۔ اور اس غموں کے پہاڑ کے اٹھانے کے لئے استقامت عطا فرمائے۔ مرزا عبدالرحمٰن بیگ صاحب کا کیا حال ہوگا۔ جب وہ اس دردوراز ملک میں، جہاں وہ تنہائی میں اس خبر کو سنیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی استقامت نصیب کرے۔ اور آپ دونوں بھائیوں کو اس پھلدار اور سایہ دار درخت کی طرف دو مضبوط اور ویسے ہی بارآور درخت بنائے۔ آمین۔ والسلام۔ سعید احمد

جناب عزیز اللہ صاحب وکیل راولپنڈی: (راولپنڈی مری روڈ 13 فروری 1936ء) محترمی مخدومی جناب حضرت مولوی صاحب۔ السلام علیکم۔ آج ''انقلاب'' مورخہ 13 فروری 1936ء میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی وفات حسرت آیات کی اندوہناک خبر پڑھنے میں آئی۔ مرحوم حضرت مسیح موعود

کے نہایت ہی پرانے اور مخلص مریدوں میں سے تھے۔ وہ وقت مجھے خوب یاد رہتا ہے۔ جب ڈاکٹر صاحب مرحوم اور ان کے بھائی مرزا ایوب بیگ صاحب مرحوم مغفور ہماری امرتسر والی مسجد عیدگاہ میں غالباً برائے مباہلہ مولوی عبدالحق غزنوی حضرت مرزا صاحب کی معیت میں موجود تھے۔ وہ پہلا موقع تھا کہ مجھے ان ہر دو کی زیارت نصیب ہوئی۔ دونوں کی شکلوں سے نور برستا تھا۔ اور ان کے چہرہ بشرہ سے اخلاص کے نشانات ظاہر ہوتے تھے۔ جماعت میں اچھے کارکنوں کا پہلے ہی قحط ہے اور ابھی حضرت مولوی عصمت اللہ صاحب مرحوم کا غم تازہ ہی تھا کہ پھر یہ دوسرا جانکاہ حادثہ دیکھنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ کے رازوں اور حکمتوں کو کون سمجھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے اقرباء احباب کو، جو ان سے محبت رکھتے تھے، صبر جمیل عطا فرمائے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ جماعت کے لئے یہ ایک بڑا بھاری صدمہ ہے۔ جس کی تلافی بظاہر مشکل معلوم ہوسکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ مسبّب الاسباب ہے۔ کوئی نہ کوئی ان کا نعم البدل عطا کر دے گا۔ ان کے اقرباء کے پاس بھی میری جانب سے اظہار رنج وافسوس فرمائیں۔ نیاز مند عزیز اللہ وکیل۔

بدوملہی سکول میں تعزیتی جلسہ: مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب پیغام صلح سلام مسنون۔ براہ نوازش مندرجہ ذیل چند سطور درج اخبار کر کے ممنون فرمائیں۔ مشکور ہوں گا۔

مورخہ 15 فروری 1936ء کو احاطہ سکول میں ایک جلسہ بصدارت جناب محمد اسلم خاں صاحب ہیڈ ماسٹر سکول منعقدہ ہوا۔ جس میں جناب مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کی وفات کا اعلان کرتے ہوئے بعض استاد صاحبان نے ان کی زندگی کے حالات، اخلاق حسنہ اور مالی قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے اخلاق سے سبق سیکھنے کے لئے طلباء کو نصیحت کی اور مندرجہ ذیل ریزولیوشن باتفاق پاس کیا۔

یہ جلسہ حضرت ڈاکٹر میرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم وائس پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی وفات حسرت آیات پر نہایت رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی وفات کو نہ صرف جماعت احمدیہ کے ایک اولوا العزم رکن کی ہی خیال کرتا ہے بلکہ ایک قومی وملکی نقصان خیال کرتے ہوئے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے فرزندوں ودیگر متعلقین اور احباب کو صبر جمیل نصیب کرے۔ آمین۔ خاکسار۔ رجب علی ارشد محرر

ڈاک مسلم ہائی سکول، بدوملہی ضلع سیالکوٹ)

جماعت راولپنڈی کی تعزیتی قرارداد: آج بتاریخ 14 فروری 1936ء کو ممبران احمدیہ انجمن اشاعت اسلام راولپنڈی کا ایک جلسہ زیرِ صدارت جناب میاں عزیز اللہ صاحب وکیل بعد نماز جمعہ دفتر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام راولپنڈی میں منعقد ہوا۔ جس میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس ہوئے۔

1۔ ممبران احمدیہ انجمن اشاعت اسلام راولپنڈی حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کی ناگہانی اور المناک وفات حسرت آیات پر اظہار رنج والم کرتے ہیں اور ان کی وفات کو اہل اسلام کے لئے عموماً اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے لئے خصوصاً ایک ناقابل تلافی نقصان سمجھتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے اعزاء اور اقرباء کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

2۔ مندرجہ بالا قرارداد کی نقول حضرت امیر قوم مدظلہ، اخبارات و مرزا داؤد بیگ صاحب خلف حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کو بھیجی جائیں۔

غلام ربانی

سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

راولپنڈی

28فروری1936ء

ترانہ احمدی

عبدالصمد برق از کرکوک عراق

صل علیٰ محمدؐ کیا شانِ احمدی ہے — دونوں جہاں میں جاری فیضانِ احمدی ہے
معمور نورِ حق سے ہر آن احمدی ہے — اس نور سے منوّر دامانِ احمدی ہے
نُورِ محمدی کے آ دیکھ لے کرشمے — مثلِ اویس قرنیؓ ہر جانِ احمدی ہے
مرزا غلام احمد لاریب ہیں مجدد — جو حکم آپ کا ہے فرمانِ احمدی ہے
تثلیث کے چمن میں دیکھو خزاں ہے آئی — پھُولا پھلا جہاں میں رضوانِ احمدی ہے
کیا ڈر مخالفت کا ان تیرہ باطنوں کی — اہل نظر کے دل میں پہچان احمدی ہے
مشرق سے تابہ مغرب توحیدِ حق کی خاطر — سرگرم کار مردِ میدانِ احمدی ہے
شیدائے حق جہاں میں گر طالبِ سکوں ہے — جائے اماں یہ زیرِ دامانِ احمدی ہے

تکفیر مسلمیں سے نفرت ہے برقؔ ہم کو
پاک ان غلاظتوں سے دامانِ احمدی ہے

28 فروری 1936ء

تحریکِ ارشاد

سالانہ جلسہ پر جو تحریک احباب جماعت سے کی گئی تھی۔ یعنی ایک ماہ کی آمدنی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس کا انتظار آخر مارچ تک کیا جائے گا۔ مگر جو احباب جتنی دیر سے اس میں شامل ہوں گے۔ اسی قدر ان کو اپنی قسط میں اضافہ کرنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ آخر دسمبر 1936ء تک یہ سب رقم وصول ہو جانی چاہیئے۔ اس لئے جن احباب نے جنوری کی آمد سے اپنی اقساط وضع کرانی شروع کر دی ہیں۔ وہ بارہ اقساط میں اپنی آمدنی ادا کریں گے۔ جو فروری کی آمدنی سے شروع کریں گے وہ گیارہ اقساط میں۔ اور جو مارچ کی آمدنی سے شروع کریں گے وہ دس اقساط میں اپنی ایک ماہ کی آمدنی ادا کریں گے۔

اپریل کے شروع میں ہی اس بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا کہ اس رقم کو، جس کا کل اندازہ 31 مارچ تک معلوم ہو سکے گا، جماعت کی ترقی استحکام اور بہبودی کے کن کن کاموں پر خرچ کرنا چاہیئے۔ اس غرض کے لئے جنرل کونسل کا اجلاس ایام محرم میں اپریل کی ابتدائی تاریخوں میں بلایا جائے گا۔ لیکن چونکہ جو تجاویز اس وقت پیش ہوں گی، ان پر پہلے مجلس منتظمہ نے غور کرنا ہے۔ اور یہ بھی اندازہ لگانا ہے کہ کسی تجویز کو عمل میں لانے کے لئے کس قدر روپیہ بکار ہوگا۔ اس لئے احباب سے التماس ہے کہ وہ اپنی اپنی جماعت میں اس کے متعلق مشورہ کر کے دفتر میں اطلاع دیں کہ وہ کس قسم کی تجاویز جماعت کی ترقی اور استحکام کے لئے پسند کرتے ہیں۔ ایسی تجاویز مرکز کی مضبوطی کے متعلق بھی ہو سکتی ہیں اور مختلف جماعتوں کی ترقی کے متعلق بھی۔ بہتر ہو کہ یکم مارچ اتوار کا دن اس مشورہ کے لئے مخصوص کر دیا جائے اور 5-4 مارچ تک ایسی تجاویز دفتر میں پہنچ جائیں۔ جو احباب اپنے طور پر کوئی تجویز بھیجنا چاہیں وہ بھی 5-4 مارچ تک بھیج دیں۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس امر کی طرف سب احباب کو پوری توجہ دینی چاہیئے۔ جس قدر مختلف تجاویز انجمن کے سامنے آجائیں، اسی قدر اچھا ہوگا۔ تا کہ بحث و تمحیص کے بعد بہترین تجاویز کو عمل میں لایا جا سکے۔

خاکسار محمد علی

3 مارچ 1936ء

میاں محمود احمد صاحب کا تازہ ارشاد

’’ڈھائی بوٹیاں تے فتو باغبان‘‘ کا طعنہ

شیر محمد صاحب اختر (ایڈیٹر ہفت روزہ قندیل لاہور)

میاں صاحب کا خطبہ جن ’’حقائق و معارف‘‘ کا مرقع ہوتا ہے وہ قارئین پیغام صلح سے پوشیدہ نہیں۔ میاں صاحب نے جلسہ سالانہ کے اختتام پر منتظمین کو ایک خطبہ دیا۔ تمام انتظامات پر ریویو کرتے ہوئے جلسہ سالانہ کی کاروائی کی اشاعت کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

> ’’رپورٹ میں جلسہ سالانہ کی کاروائی کی اشاعت کے کام کی بھی کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے۔ میں چونکہ اخبارات کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ اس لئے جہاں تک مجھے معلوم ہے، صرف ’’سٹیٹس مین‘‘ نے ہمارے جلسہ کی کاروائی کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور اخبار نے ذکر نہیں کیا۔ پس میں نہیں سمجھ سکتا۔ اس سلسلہ میں کونسا خاص کارنامہ سرانجام دیا گیا ہے‘‘ (الفضل 22 فروری 1936ء)

یہ تو شعبہ اشاعت کا کام ہے۔ اب میاں صاحب کی نگاہ ایک ایسی چیز پر پڑی، جسے دیکھ کر وہ رہ نہ سکے۔ وہ غیر مبائعین کے جلسوں کی کاروائی تھی جو اخبارات نے شائع کر دی۔ اس کی اشاعت ’’غیر مبائعین‘‘ کارکنوں کی مستعدی اور ان کے فرض کی ادائیگی کا ثبوت تھا۔ جس کو دیکھ کر ’’حضور‘‘ نے اپنے کارکنوں کو یوں فرمایا:

> ’’اس کے مقابلہ میں غیر مبائعین (وہ لوگ جنہوں نے میاں صاحب کی بیعت نہیں کی) کے جلسہ کی رپورٹیں اخبارات میں ہمیشہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ مثل مشہور ہے ’’ڈھائی بوٹیاں تے فتو باغبان‘‘ وہی حالت ان کی ہے۔ مگر ان کے جلسہ کے حالات تو اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔ لیکن ہمارے جلسہ کی کاروائی، جس میں اتنی کثیر تعداد میں لوگ شامل ہوتے ہیں، سوائے سٹیٹسمین کے اور کسی اخبار میں شائع نہیں ہوئی‘‘ (الفضل مورخہ 22 فروری)

میاں صاحب کے دربار خلافت سے ہم ''غیر مبائعین'' کو بڑے بڑے خطابات ملا کرتے ہیں۔ لیکن اس سال نیا خطاب ملا ہے۔ جسے ہم بصد شکریہ قبول کرتے ہیں ع سر دوستاں سلامت کر تو خنجر آزمائی

لیکن ذرا قرآن مجید کو دیکھیں۔ وہ کیا فرماتا ہے كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ .(249:2) کثرت کو قائم رکھنے کے لئے یوں ارشاد ہوتا ہے۔

> ''میرے نزدیک ضلع گورداسپور کی جماعتیں نہایت ہی اہم ہیں۔ اور اگر ہم ان کو مضبوط کریں اور ان جماعتوں کو بڑھانے کی کوشش کریں تو علاوہ مذہبی فوقیت کے سیاسی اور اقتصادی فوقیت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ہماری آواز اتنی طاقت پکڑ لیتی ہے کہ حکومت اور ملک اس آواز کو نظر انداز نہیں کر سکتا'' (الفضل صفحہ 6، 22 فروری 1936ء)

آخر اس جمعیت کا کیا فائدہ؟ حضرت مسیح موعود کا مشن اشاعت وتبلیغ دین تھا نہ کہ سیاسی جماعتیں بنانا۔ حضور نے اپنا مشن ''لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ'' (28:48) بتایا۔ لیکن آج محمودی بھائیوں کی احمدیت کیا ہے۔ ''ہماری آواز اتنی طاقت پکڑ لیتی ہے کہ حکومت اور ملک اس آواز کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔'' لیکن خدارا ذرا ان لوگوں کو تو دیکھو، جنہیں حقارت سے آپ ''ڈھائی بوٹیاں تے فتو باغبان'' کہتے ہیں۔ ان کا مشن کیا ہے۔ اس کی شہادت دوسروں کے منہ سے سنو:

> ''ہم نے سردست پونا میں ایک مشن اچھوتوں کے اندر کام کرنے کے لئے قائم کر دیا ہے۔ جس کے انچارج مولوی عبدالحق صاحب ودیارتھی ہوں گے۔ اور ان کے ساتھ میاں بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کام کریں گے۔ یہ دونوں انشاء اللہ پرسوں اتوار کے روز فرنٹیر میل سے روانہ ہو جائیں گے۔ اس مشن کے ذریعہ کوشش کی جائے گی کہ اچھوتوں کے مرکز میں بیٹھ کر حالات کا مطالعہ کیا جائے اور مفید لٹریچر مختلف زبانوں میں تیار کر کے ان میں تقسیم کیا جائے۔ تاکہ ان تک اسلام کا پیغام تو پہنچ جائے اور کل ہمیں دوسری دنیا میں خدا اور رسولؐ کے سامنے شرمسار نہ ہونا پڑے'' (پیغام صلح)

ہمارے ندوہ اور دیوبند الہیات (کانپور) اور تبلیغ اسلام (انبالہ) فرنگی محل اور جمعیۃ العلماء دار المصنفین (لکھنؤ) اور انجمن حمایت اسلام (لاہور) کے اہل حل وعقد سن

رہے ہیں؟ یہ دیکھ رہے ہیں؟ لاہوری کیسے ہی ہوں۔ اس سے بحث نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی اشاعت کی جو دھن انہیں لگی ہے کاش وہ ہمارے اندر ہوتی۔‘‘ (صدق)

یہ جلسہ سالانہ پر کیا کرتے ہیں؟ پونا میں ایک نیا مشن کھولا گیا ہے۔ ان کا ’’باغبان‘‘ جس چیز کے غم میں گھلا جا رہا ہے وہ صرف خدمت اسلام ہے۔ یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ اپنی بڑائی کی فکر۔ ہرگز نہیں۔ کیا یہ لوگ خلیفہ کے وقار کی خاطر ہزاروں روپیہ ضائع کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ان کا روپیہ کہاں لگ رہا ہے؟ صرف اشاعت اسلام پر اور حضرت امام زمان مسیح موعود کے مشن پر۔ ان لوگوں کی توجہ سوائے تبلیغ اسلام کے اور کسی طرف نہیں ہوتی۔ لیکن اس پر بھی ہمیں یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ ’’ڈھائی بوٹیاں تے فتو باغبان‘‘ چند ’’غیر مبائعین‘‘ کس قدر حقارت آمیز الفاظ ہیں۔ محمودی بھائی ہمیں ’’عداوت محمود‘‘ کا طعنہ دیا کرتے ہیں۔ لیکن ان کی نگاہ ان الفاظ پر شائد کبھی نہیں پڑتی (یا شائد بقول ایک قادیانی بزرگ کے ان کی آنکھیں غلطی کرتی ہوں گی) اشاعت اسلام کا کام ذرا ملاحظہ فرمائیں۔ گورداسپور کی ایک جماعت کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

’’ایک دفعہ میں نے فوج میں داخل ہونے کی تحریک کی۔ تو اس جماعت نے ستر رنگروٹ دیئے۔ جو جماعت ستر رنگروٹ دے سکتی ہے۔ اس کے متعلق اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کتنی بڑی جماعت ہے‘‘ (الفضل 22 فروری 1936ء)

حضرت اقدس نے جماعتیں اشاعت اسلام کے متبرک کام کے لئے تیار کیں۔ لیکن قادیان کے ’’خدا کے مقرر کردہ خلیفہ‘‘ کا معیار رنگروٹ دینے پر ہے۔

حضرت مسیح موعود کا زندہ معجزہ ہم نے یہ دیکھا کہ حضور نے اپنے وابستگان دامن کو پیر پرستی کی لعنت سے نجات دلا کر ان میں ایک اعلیٰ جذبہ پیدا کیا، جس کے لئے اسلام دنیا میں آیا تھا۔ لیکن پیر پرستی کا نظارہ ذرہ میاں صاحب کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ کریں۔

’’بعض باتوں میں لجنہ کا کام مردوں کی نسبت زیادہ سمجھ اور عقل کا ہوتا ہے۔ مثلاً گھر میں پہرہ کے متعلق پہلے میں لجنہ کے کام کی حکمت نہیں سمجھا تھا اور میں نے خیال کیا کہ یہ عجیب سی بات ہے کہ ایک مرد کا عورتیں پہرہ دیں۔ لیکن انہوں نے بتایا کہ اگر

کوئی مرد برقعہ پہن کر عورتوں میں آجائے تو آپ اس کا برقعہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن ہم عورتیں اس کا پتہ لگا سکتی ہیں۔تب میں سمجھا کہ انہوں نے جو کچھ کیا۔ٹھیک کیا۔"(الفضل22فروری1936ء)

اب ذرا لجنہ اور کور کے پہروں کا فرق دیکھئے۔فرماتے ہیں:

"مگر ایک بات میں تو میں نے ان کا انتظام مردوں سے بھی اچھا دیکھا۔ جب میں باہر نکلتا ہوں تو پہرہ دار مجھے اس طرح گھیر لیتے ہیں کہ یہ پتہ نہیں لگتا۔کوئی کس کام کے لئے جارہا ہے۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قیدی ہے جسے عدالت سے جیل خانہ میں لے جایا جارہا ہے۔لیکن عورتوں میں مجھے یہ محسوس ہی نہیں ہوا کہ میں کس پابندی کے نیچے ہوں۔ جو عورتیں پہرہ کے لئے مقرر تھیں، وہ ہمیشہ مجھ سے بیس تیس قدم کے فاصلے پر رہتیں۔اور ایسی خاموشی سے رہتیں کہ ایک دودفعہ تو مجھے خیال ہوا کہ شائد ان کا انتظام ٹوٹ گیا۔لیکن پھر معلوم ہوا کہ ایک عورت دور کھڑی تھی جو پہرہ کا تمام انتظام دیکھ رہی تھی۔ یہ اس خوبی کا انتظام تھا کہ میں سمجھتا ہوں مردوں سے بھی اچھا تھا"(الفضل22فروری1936ء)

ہم بیچارے"غیر مبائعین"، بھلا جوان نظاروں کا تصور تک نہیں لا سکتے، کیا جانیں! ہمارے ہاں یہ بات مفقود ہے۔ ہمارا امیر ہمارے ساتھ جلسہ سالانہ میں مصروف کار رہا۔ سٹیج پر جہاں اور لوگ بیٹھے تھے، وہاں وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھا تھا۔لیکن کس اطمینان سے۔ چند"غیر مبائعین" سامنے تھے اور وہ ان میں سے ایک تھا،ان کا بھائی،ان کا دوست،ایک ایک سے مل رہا تھا۔ یہ اسلامی بے تکلفی ہے!

3 مارچ 1936ء

سیرت وسوانح

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگؒ

حضرت مولیٰنا محمد علیؒ کے قلم سے

ابھی ایک ماہ سے کچھ ہی اوپر ہوا حضرت مرزا صاحب مرحوم زندگی کی پوری قوت کے ساتھ اور کام کرنے کی ان تھک طاقت کے ساتھ ہم میں تھے۔ آج وہ ہمیں نظر نہیں آتے۔ ان کا جسم خاکی خاک کے اندر ہے۔ مگر ان کی روح جو اس جسم خاکی کی قیود کے باوجود بلند پروازی کرتی ہوئی خدا کے حضور پہنچتی رہتی تھی۔ اب ان قیود سے آزاد ہو کر کن بلند مقامات پر پہنچ چکی ہے، اس دنیا میں رہتے ہوئے ہم انہیں تصور میں بھی نہیں لا سکتے۔ جن لوگوں کی زندگی اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلق میں، خدا کے دین کی اشاعت میں، خدا کے نام کو بلند کرنے میں، خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانے میں اور مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی میں خرچ ہوتی ہے، وہ مرتے نہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے "ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق" وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ (154:2) جو لوگ اللہ کی راہ میں (کام کرتے) مارے جائیں انہیں مرا ہوا مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، کے مصداق ہوتے ہیں۔ ہم ان کی علیحدگی پر روتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا ایک بڑا کارکن اٹھ گیا۔ مگر وہ اپنے رب کے حضور اس سے بہتر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس سے بہتر رزق ان کو ملتا ہے جو یہاں ملتا تھا۔ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (170-169:3) وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ اس سے خوش ہوتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا۔

دوسرے عالم میں راحت کے سامان: یہی نہیں بلکہ خدا کے دین کو جو کامیابیاں ان کے بعد حاصل ہوتی ہیں اور جن کی ابتداء ان کی کوششوں سے ہوئی ہوتی ہے وہ ان کے لئے اس دوسرے عالم میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ خوشی کا موجب ہوتی ہیں، جیسے کہ اس عالم میں۔ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (171-170:31)

ترجمہ: وہ ان کارکنوں کی وجہ سے بھی خوش ہوتے ہیں جو انہیں ابھی نہیں آ ملے ان کے پیچھے ہیں کہ ان پر بھی کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ کی نعمت اور فضل کی وجہ سے وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور اس وجہ سے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ پس گو ہم الفاظ میں یونہی کہتے ہیں کہ آج فلاں عزیز فلاں بزرگ فوت ہو گیا۔ ہمارا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ ہماری جماعت کا ایک ستون گر گیا۔ مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک اس سے بہتر زندگی میں ہوتا ہے۔ اس سے بہتر انعامات کو پاتا ہے اور ہم سے بڑھ کر یقین رکھتا ہے کہ ہماری کوششیں خدا کی راہ میں ضائع نہ ہوں گی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر بڑے بڑے اجر مرتب کرے گا۔ کسی نامعلوم طریق پر ان کی روحانیت ان کاموں میں معاون رہتی ہے، جنہیں انجام دے کر انہیں یہاں خوشی حاصل ہوتی تھی۔

عالم روحانی سے ہمارے تعلقات: ایک رنگ میں ہمارے عزیز مرنے والے جب اس دوسرے عالم میں چلے جاتے ہیں تو فی الحقیقت ہمارا ایک نیا تعلق اس دوسرے عالم سے پیدا کر دیتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہماری تمام غفلتوں اور سستیوں کی وجہ، جو اس زندگی میں ہمارے اندر ہوتی ہیں، صرف ایک ہی ہے کہ اس دوسرے عالم کو ہم حقیقت کے رنگ میں نہیں دیکھتے۔ ہم یہاں کی خوراک، یہاں کے لباسوں، یہاں کی آسائشوں کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں۔ اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یہ تو ہمارے سفر کی ایک منزل ہے۔ اور ہمارے سفر کی غرض و غائت درحقیقت کچھ اور ہے۔ جب ہمارا کوئی عزیز ہم سے جدا ہو کر اس دوسرے عالم میں چلا جاتا ہے تو اگر ہمارے دل میں ان کے ساتھ سچی محبت ہے تو اس دوسرے عالم سے ہمارا زبردست تعلق پیدا ہو جانا چاہئیے۔ جب ہمارا کوئی عزیز کسی غیر ملک میں چلا جاتا ہے تو کیا یہ سچ نہیں کہ اس وطن کے ساتھ بھی ہمارا ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ پس اگر ہمیں جانے والے سے سچی محبت ہے اور اسے دوسرے عالم میں بلا لیا گیا ہے تو ہمارا بھی اس دوسرے عالم سے ایک نیا تعلق پیدا ہو جانا چاہئیے۔ اور اس طرح ہر دوست ہر رفیق ہر کارکن کی موت، اگر ہم اس سے صحیح سبق حاصل کریں، ہمارے اس دوسرے عالم کے ساتھ تعلقات کو مضبوط کرنے والی ایک نئی کڑی ہوئی ہے۔

نیا رزق: جس قدر ہمارے تعلقات اس دوسرے عالم کے ساتھ مضبوط ہوں گے اسی قدر خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں، خدا کی راہ میں کام کرنے میں، خدا کے دین کو پھیلانے میں ہم میں قوت زیادہ پیدا

ہوگی۔اور یوں نہ صرف مرنے والے کو ہی اپنے رب کی طرف سے ایک نیا رزق ملتا ہے بلکہ پچھلوں کو بھی اس کی جدائی کے غم کے اندر خدا کی طرف سے ایک نیا رزق اور نئی طاقت ملتی ہے۔اور اسی لئے ہمیں یہ سبق دیا گیا ہے کہ جب اپنے عزیز یا رفیق کو سپرد خاک کرنے سے پہلے آخری فرض ادا کرو۔یعنی اس کی نماز جنازہ پڑھو تو اسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ سے شروع کرو۔کیونکہ اس کی ربوبیت نہ صرف زندگی کے ذریعہ سے کام کرتی ہے بلکہ موت کے واسطہ سے بھی کام کرتی ہے۔

سچے دوست کی جدائی کا صدمہ: حضرت مرزا صاحب مرحوم کی وفات پر غم ان کے اس دوست کو کس طرح نہ ہو،اس کے دل پر چوٹ کس طرح نہ لگے۔اس کی آنکھوں سے آنسو کس طرح نہ نکلیں،جس کے ساتھ ان کے چالیس سال کے تعلقات ہوں۔جو دن رات اکٹھے کام کرتے رہے ہوں۔جن کے دلوں میں ایک ہی قسم کے خیالات موجزن ہوں۔جن کا مقصد زندگی ایک ہو،جو ایک دوسرے کے لئے قوت کا موجب ہوں،جو دن کی روشنی میں بھی اکٹھے کام کرنے کے عادی ہوں اور رات کی تنہائی میں بھی اکٹھے آنسو بہانے کے عادی ہوں۔جب بمصداق ''غریباں را دل از بہر تو خون است'' وہ لوگ بھی جنہیں تھوڑا سا تعلق مرزا صاحب مرحوم سے ہوا وہ بھی ان کی موت پر آنسو بہا رہے ہوں۔

مرحوم کی ہر دلعزیزی اور رقت قلب: مولوی محمد یعقوب خان صاحب نے کیا اچھا نقشہ جلسہ تعزیت میں مرزا صاحب مرحوم کا کھینچا۔جب یہ کہا کہ انہیں دو حالتوں سے خالی دیکھنا مشکل تھا۔یا کسی دوست کو مل کر چہرہ شگفتہ ہے اور تبسم اور انبساط کی لہر سارے جسم میں دوڑ رہی ہے یا کسی مصیبت زدہ کی ملاقات پر چشم پرنم ہیں۔اسی جلسہ تعزیت میں اگر پانچ مسلمان دوستوں نے اپنے غم کا اظہار کیا،تو ویسے ہی جذبات کے ساتھ اسی قدر ہندوؤں نے بھی ویسے ہی پر درد الفاظ میں اپنی قلبی حالت کو ظاہر کیا۔مرزا صاحب مرحوم کا تعلق دوسرے لوگوں کے ساتھ مذہب کی قیود سے بہت بالا تھا۔وہ تمام انسانوں کو ایک ہی رب العالمین کا کنبہ سمجھتے تھے۔اور باوجود اس کے اسلامی غیرت اور سلسلہ کی حمیّت اس قدر زبردست تھی کہ کسی موقعہ کو تبلیغ سے خالی ہی نہ جانے دیتے تھے۔اپنی حق گوئی اور صاف گوئی کے ساتھ غیر کے دل میں بھی گھر کر لیتے تھے۔

جسمانی اور روحانی معالج: وہ ڈاکٹر بھی تھے اور مبلغ بھی تھے۔جسمانی امراض کا علاج بھی کرتے تھے

اور روحانی امراض کا بھی، اور جن لوگوں کا جسمانی علاج کرتے ان کے علاج میں نہ صرف ظاہری سامانوں یعنی دوائی سے کام لیتے بلکہ باطنی سامان یعنی دعا سے بھی کام لیتے تھے۔ کام کرنے کی طاقت خدا کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اس قدر زبردست تھی کہ شبانہ روز مصروفیت کے باوجود نماز باجماعت کے بڑے پابند تھے۔ اور بیماری کے پہلے حملہ کے بعد کمزوری کے ایام میں بھی نماز باجماعت کو نہیں چھوڑا۔ رقت قلبی اس قدر تھی کہ انسان کی مصیبت اور خدا کے ذکر پر ان کا دل یکساں پگھلتا تھا اور قرأت کے وقت ان کی رقت اور سبحان اللہ کی آواز نمازیوں کے دلوں پر خاص کیفیت پیدا کرتی تھی۔

عدیم المثال قربانیاں: حضرت مرزا صاحب مرحوم کے اوصاف کو بہت لوگ بیان کرتے رہیں گے۔ میں صرف ایک بات کہہ کر اس وقت اس صادق اور مخلص دوست کی یاد کے اس قصہ کو ختم کرتا ہوں۔ مرزا صاحب مرحوم ان چند دوستوں پر سے تھے، جنہوں نے ابتداء سلسلہ سے قادیان میں اپنی جانوں اور مالوں کو بے دریغ لگایا۔ وہ اگرچہ ملازمت کو چھوڑ کر قادیان نہ گئے تھے۔ لیکن قادیان کے تعلق کے بالمقابل انہیں ملازمت کی کوئی پروانہ تھی۔ اور ہر ضرورت کے وقت دوڑتے ہوئے قادیان پہنچتے تھے۔ لیکن جب وہ وقت آیا کہ قادیان سے مسلمانوں کی تکفیر کی آواز اٹھی تو ان دوستوں نے ایک بلند مقصد یعنی اتحاد مسلمین کے سامنے ایک چھوٹے مقصد کو قربان کر دیا۔ اور یہ فیصلہ کیا کہ جس قدر بھی کام خدمت دین کا ہو سکے۔ تکفیر اہل اسلام کی معصیت سے الگ رہ کر کریں گے۔ اس لئے چند آدمیوں نے لاہور میں ایک جماعت کی بنیاد رکھی۔ مگر ہمارے پاس مکان، نہ مبلغ، نہ دفتر نہ روپیہ، نہ ہی جماعت۔ کیونکہ پیر پرستی کی زبردست رو کے سامنے احمدیوں کے لئے بھی ٹھہرنا مشکل تھا۔ ان ایام میں حضرت مرزا صاحب مرحوم نے جو قربانیاں کیں، ان کا بیان کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔ اللہ ہی ان کو جانتا ہے اور دعا ہے کہ وہی ان کا اجر انہیں دے۔ اور ان قربانیوں کے طفیل ان کے پس ماندگان پر بھی رحم فرمائے۔ جماعت نئی نئی بنی تھی۔ ادھر لاہور سے ان کی تبدیلی ہوئی۔ سول سرجن بن کر کہیں جا تیم اور دنیوی مفاد کے لحاظ سے یہ ایک زبردست کشش تھی، مگر جماعت کی ضروریات نے تمام دنیوی مفاد کو قربان کرا دیا۔ اور اپنی ملازمت سے استعفٰی دے کر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا حق ادا کیا۔ جو اقرار مامور کے ساتھ پر کیا تھا، اسے ضرورت کے وقت پورا کر دکھایا۔ ملازمت کو ترک کیا اور خدا کے دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگی

کو وقف کر دیا۔ آج تو لوگ، ہاں مسلمان، ادنیٰ ادنیٰ مفاد دنیوی پر ایمان کو بیچتے ہیں۔ مگر یہ ایک مرد خدا تھا جس نے دنیا کی عزت اور مرتبے کو دین کی ضرورت کے سامنے قربان کر دیا۔ اور اپنے آپ کو ان مسلمانوں میں سے ثابت کیا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ (111:9) اس کی مثالیں کہاں سے تلاش کریں۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ چار پانچ سال بعد یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ انجمن کے پاس اپنا دفتر بھی کوئی نہیں، تو اپنا نیا تعمیر کردہ بیش قیمت مکان خدا کے نام پر دے دیا۔ اور اسی میں آج تک انجمن کے دفتر چلے آتے ہیں۔ خود عسرت سے بھی زندگی کا کچھ حصہ بسر کرنا پڑا۔ لیکن خدا کے دین کی خدمت کے لئے ہر قسم کی قربانی ہر وقت کرنے کو تیار رہتے۔ اے خدا تو اپنی بیشمار رحمتیں ان پر بھیج اور ان کی اہلیہ اور ان کی اولاد پر اپنی برکتیں نازل فرما اور تو خود ہی ان کا کفیل بن۔

قطعہ تاریخ وفات!

از خواجہ غلام نبی مہجورؔ

از جہاں چوں میرزا یعقوب شد — وقف گریہ چشم زشت وخوب شد
صحبتِ قدوسیاں مرغوب شد — زیں سبب از خاکیاں محجوب شد
قول وفعلش نزدِ یزداں خوب تر — در نگاہِ حاسداں معیوب شد
متقی بودہ ز عہدِ طفلگی، — در گروہ اتقیاء محسوب شد
یوسفِ ملت بزیرِ خاک رفت — دیدۂ ما دیدۂ یعقوب شد
وائے شہبازم زدستِ من پرید — گریہ پیہم مرا محبوب شد
دوستش را نعمتِ لطف و کرم — دشمنش دربارگاہ معتوب شد
مجلسے در گلشنِ جنت نشست — مسلمِ ہندی دراں مندوب شد

فوج خارج شد ز روئے تخرجہ
''واصل خلدِ بریں یعقوب شد''
1936ء

مجاہدین کی یاد میں!

قلم خواجہ غلام نبی مہجور

داغے درونِ سینہ مہجور جا گرفت   کز دور چرخ نیلوفری لالہ زار شد

''ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب فوت ہوگئے''۔ یہ الم انگیز جملہ ایک آدمی کی زبان سے کچا کھوہ سٹیشن پر نکلا۔ میں جانتا ہوں۔ اس کے دل میں بھی درد تھا۔ مگر اسے کیا معلوم کہ ان چند لفظوں نے میرے دل پر کیا اثر کیا۔ میں دوڑ کر اس کے قریب گیا۔ وہ ہاتھ میں بیگ لئے ایک آدمی سے باتیں کرتا ہوا ٹرین میں بیٹھ چکا تھا۔ میری آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سمندر اُبل پڑا اور زبان سے بھی اضطراب میں چند کلمات نکلے'' آپ کے وہ کون ہوتے تھے؟'' اس نے کمرے میں کھڑے کھڑے میری طرف ہمدردانہ نگاہ سے دیکھ کر پوچھا۔ ''وہ ایک مسلمان تھے!'' میں نے جواب میں کہا۔ ان کے دل میں ہر مسلمان کے لئے محبت کی ایک دنیا آباد تھی۔ ''میرے وہ کون تھے؟'' میری انجمن کے ایک عالی پایہ رکن۔ مہر و وفا کے شاداب گلشن۔ احسان کر کے نہ جتانے والے محسن۔ بزرگ محترم۔ ایثار مجسم، خدا کے دین کے مددگار، مسکینوں اور غمزدوں کے یار، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ نہیں! نہیں! ڈاکٹر مرزا غریب نواز، بیواؤں اور یتیموں کے دم ساز، جسم کی بیماریوں کے اعلیٰ ڈاکٹر۔ ہاں ہاں! دل کے غم و اندوہ کو دور کرنے میں بھی پورے ماہر۔ مگر آہ! ؎

جو لگایا انہوں نے آج مرض   وہ ہے فرقت کا لا علاج مرض

روئے جا اے چشم ملت روئے جا! اس خدا کی رحمت کے لئے۔ جو شیخ رحمت اللہ کا نام پا کر ہمارے سامنے چلتی پھرتی تھی۔ مگر آج ہم اس سے محروم ہیں۔

ہاں ہاں ابر نو بہار کی طرح برس جا! خواجہ کمال الدین کے لئے۔ جس نے دین کی عزت کو کمال تک پہنچانے کے واسطے اپنے آخری دم تک کوشش کی۔ مگر آج وہ معدوم ہیں۔

محبت کے اشک خونین بہائے جا مولوی محمد عصمت اللہ کے لئے۔ استاذی مولوی محمد عبداللہ خاں کے لئے، پختہ کار عجب خاں کے لئے۔ نوجوان یار عدالت خاں کے لئے۔ اور پھر اس پیکر وفا کے لئے۔ آہ ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم   تو نے وہ گہر ہائے گراں مایہ کیا کئے

ان مجاہدوں کو اپنے دل میں یاد رکھو۔ اور اس مقصد کو حاصل کرو جس کے لئے یہ کوشاں تھے۔

اپنوں اور غیروں کی طعن تشنیع کو ہرگز خاطر میں نہ لاؤ اور بڑھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ دین الٰہی کے آفتاب کی روشنی سے تمام جہان جگمگا اٹھے ؎

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

☆☆☆

رنجِ وفاتِ یوسفِ ملت نوشتہ ام درد دروں بمزرعِ قرطاس کشتہ ام
اشکم ز چشم ریزہ یا قوت می چکد خونِ دلم بخون تمنا سرشتہ ام
چوں پارہ، پارہ دامنِ صبروشکیب شد لختِ جگر بر آتش ہجرش برشتہ ام
گریم چساں نہ درغمِ آں یارِ باوفا سنگیں دلے نیم نہ ز نوع فرشتہ ام

☆☆☆

قابل توجہ احباب جماعت: ہمارے ایک نہایت ہی محترم دوست سلسلہ کے ایک پرانے قابل قدر مخلص کا لڑکا یورپ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ انہوں نے کچھ روپے کا انتظام خود اور کچھ اپنے مکان کی کفالت پر انجمن کی وساطت سے کیا تھا۔ مگر سوءِ اتفاق سے وہ نوجوان گذشتہ سردیوں میں بیمار ہو گیا اور آخری امتحان کے لئے چھ ماہ اور ٹھہرنے کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ جس کے لئے صرف ایک ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ انجمن کے پاس اگر روپیہ ہوتا تو وہ خود امداد کرتی۔ لیکن اس وقت یہ انتظام نہیں ہو سکا۔ اگر دس دوست ایک ایک سو روپے کی امداد کر دیں تو انجمن اپنی ذمہ داری پر یہ قرضہ دو سال کے اندر اندر ادا کر دے گی۔ کیونکہ انجمن کے پاس اس دوست کا مکان مکفول ہے۔ اس کے متعلق جملہ احباب سے التماس ہے کہ وہ اس تھوڑی سی امداد کے ساتھ اس نوجوان کی تعلیم کو تکمیل تک پہنچانے میں ساعی ہونے کی کوشش کریں۔ محمد علی

آنریری مبلغین کی فوری توجہ کے قابل: جن دوستوں نے سالانہ جلسہ کے موقع پر اپنی خدمات بطور آنریری مبلغ پیش کی تھیں۔ ان میں سے شہری حضرات کو ایک ایک چٹھی ارسال کی گئی تھی۔ جس کا جواب تاہنوز بہت سے احباب نے نہیں دیا۔ ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ جلد جواب دے کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔ محمد علی

20 مارچ 1936ء

انجمن حمایت اسلام لاہور کا ریزولیوشن

حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کی تعزیت: نقل ریزولیوشن نمبر 48۔ اجلاس جنرل کونسل منعقدہ یکم مارچ 1936ء آنریری سکرٹری نے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی وفات کی اطلاع دیتے ہوئے بیان کیا کہ ڈاکٹر صاحب انجمن کی جنرل کونسل کے بہت پرانے اور ہمدرد رکن تھے۔ خاص طور پر یتیم خانہ کے کاموں میں بہت زیادہ دلچسپی لیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کی وفات پر اظہار افسوس کیا جائے اور پسماندگان سے اظہار ہمدردی کیا جائے۔

تجویز بالاتفاق منظور ہوئی اور قرار پایا کہ ریزولیوشن کی نقل ان کے پسماندگان کی خدمت میں بھیج دی جائے۔ نقل مطابق اصل ہے۔ سپرنٹنڈنٹ صدر دفتر لاہور۔

مکتوبِ برلن: حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کی وفات کی خبر جانکاہ جان کر مسلمانانِ برلن کو دلی رنج ہوا۔ نماز عید کے بعد ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی ناگہانی وفات کی خبر مسلمانوں کو سنائیم اور اس کے ساتھ ہی ایک تاتاری مسلمان جناب یوسف اکچوہ کی وفات حسرت آیات کا تذکرہ کیا۔ اسی وقت جملہ مسلمانان نے ان ہر دو حضرات کے لئے نماز جنازہ پڑھی اور مرحومین کے لئے دعا مغفرت مانگی کہ اللہ تعالیٰ ان ہر دو کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔

عید کے روز شام آٹھ بجے جرمن مسلم سوسائٹی کا جلسہ ہوا۔ جلسہ کے شروع ہونے سے پیشتر جناب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب نے ایک ریزلیوشن حاضرین کی خدمت میں پیش کیا کہ یہ جلسہ حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم ومغفور وائس پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی ناگہانی وفات کی خبر سن کر قلبی غم وافسوس کا اظہار کرتا ہے اور اپنی دلی ہمدردی جملہ ممبران انجمن اور مرحوم کے پسماندگان کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ نیز دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ حاضرین نے یہ ریزلیوشن کھڑے ہو کر پاس کیا اور مرحوم کی یاد میں ایک منٹ خاموش کھڑے رہے۔ خاکسار۔ عزیز الرحمٰن مرزا

مکتوبِ بغداد: برادر عزیز محمد منظور الٰہی صاحب سلمہ الرحمٰن۔ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ۔ اخبار پیغام صلح مورخہ 15 فروری 1936ء میں یہ المناک اور غم انگیز خبر انتہائی رنج و افسوس کے ساتھ پڑھی گئی کہ ملت اسلامیہ کا فرزندِ کامل، ملک و ملت کا سچا بہی خواہ، شمع احمدیت کا جاں نثار پروانہ حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ ہمیں دائمی داغ مفارقت دے کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

اس دردناک والم انگیز حادثہ کی خبر نے وابستگان سلسلہ اور معاونین انجمن مقیمان بغداد کے قلوب کو جو سخت ترین صدمہ پہنچایا ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔ آہ انجمن کے اس عظیم و جلیل فقید کی وفات ناقابل برداشت نقصان ہے۔ جس کی تلافی ممکن نہیں۔ مگر مشیت ایزدی یہی تھی۔ انسان یہاں مجبور اور لاچار ہے۔ کل شام کو اس حادثہ المیہ پر اظہار افسوس اور دعائے مغفرت کے لئے کمترین کے مکان پر ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس میں ممبران جماعت اور معاونین کی طرف سے مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی گئی۔

> ’’یہ جلسہ مجاہد فی الدین حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتا ہے اور اس قحط الرجال زمانہ میں اس امن واتحاد کے پر جوش حامی پاک سیرت بزرگ کے فقدان کو ملت اسلامیہ اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان تصور کرتا ہے۔ اور بارگاہ رب العزت میں دست دعا ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس یگانہ عصر ہستی کا نعم البدل عطا فرمائے۔‘‘
>
> دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔
>
> از راہ کرم ہماری اس قلبی دلسوزی اور ہمدردی کا اظہار مرحوم محترم کے عزیز و اقارب کی خدمت میں کر دیں۔ خاکسار سید تصدق حسین قادری۔

مکتوب جاوا: مکرمی مرزا مسعود بیگ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کل مجھے ’’پیغام صلح‘‘ کا پرچہ نمبر 11 ملا۔ جس میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم

کے انتقال کی روح فرسا خبر درج تھی۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ. جب سے میں نے مرحوم کی بیماری کی خبر سنی تھی، شب وروز ان کی صحت کے لئے دعائیں کرتا تھا۔مگر افسوس ہماری دعائیں بارود نہ ہوئیں۔

میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کے مشفقانہ سلوک کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔جاوا روانہ ہونے سے قبل مجھے کچھ عرصہ مرحوم کے پاس ٹھہرنے کا موقع ملا۔اوراس دوران میں وہ مجھ پر بہت ہی عنایت کرتے رہے۔رات کے وقت جب وہ فارغ ہوتے تو اشکبار آنکھوں سے وہ مجھے حضرت مسیح موعود کے حالات اوراحمدیت کے ابتدائی دور کے ایمان افزاواقعات سنایا کرتے۔مرحوم کی اخلاص اور جذبہ ایمان اور مسیح موعود سے محبت وعقیدت دیکھ کر میں ایسا متاثر ہوتا کہ خود میرا ایمان بھی مسیح موعوداور ذات باری پر پہلے سے کئی گنا ترقی کرگیا۔اے خدا تو مرحوم کی روح پر بڑی بڑی برکات نازل فرما۔اوراسے اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔مہربانی فرما کر جملہ اہل خانہ تک میرا پیغام ہمدردی پہنچا دیں۔مجھے مرزا عبدالرحمٰن بیگ کا پتہ معلوم نہیں ورنہ میں انہیں بھی تعزیت کا خط لکھوں۔کل ہم نے احمدیہ مسجد پوئر ودکرٹو میں مرحوم کا جنازہ غائبانہ ادا کیا۔اور میں نے انڈونیشیا کی تمام جماعتوں کو لکھا ہے کہ وہ بھی مرحوم کا جنازہ ادا کریں۔مہربانی کر کے مجھے حضرت مرحوم کا ایک فوٹو اور مختصر حالات زندگی ارسال کریں۔تاکہ میں ڈچ اور جاوی رسالوں میں اسے شائع کرسکوں۔جملہ احباب کو السلام علیکم۔

آپ کا بھائی

مرزا ولی احمد بیگ

20 مارچ 1936ء

برلن کے حبیب الرحمان کون ہیں؟!

پنجاب کا پریس ایک شخص حبیب الرحمان نامی مقیم برلن کے نام سے بخوبی واقف ہوگا۔ آپ کون ہیں؟ یہاں برلن میں کب سے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ اکثر احباب نے ہم سے ان کی شخصیت کے متعلق دریافت کیا ہے۔ ہم اس بات کو معیوب سمجھتے ہیں کہ کسی شخص کے متعلق خواہ مخواہ اظہار رائے کیا جائے۔ مگر ایک طرف چند احباب کا یہ تقاضا ہے اور دوسری طرف یہ حبیب الرحمان صاحب اپنے آپ کو فدائے ملت اور خادم دین کہہ کر اپنی پبلک پوزیشن قائم کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں جبکہ ایک شخص اپنے آپ کو خادم دین اور فدائے ملت بتائے، ہمارا فرض ہے کہ اس کی حقیقت سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

حال ہی میں (ماہ جنوری) میں فضل کریم خان درانی ایڈیٹر ''دی ٹرتھ'' نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ''وہ اپنے قیام برلن کے دوران سے اس شخص کو بخوبی جانتے ہیں اور اس کی حیثیت ایک VAGA BOND کی ہے۔ اور اسی ضمن میں لکھا ہے کہ یہ وہی حبیب الرحمان ہیں، جن کا نام ایک جرمن لڑکی کی خودکشی کے واقعہ کے ساتھ ملوث تھا۔ اس واقعہ کے متعلق ہم اس وقت کچھ لکھنا نہیں چاہتے۔ بہتر ہوگا اگر درّانی صاحب خود ہی اس پر مزید روشنی ڈالیں۔

ہم صرف اس قدر عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ آج کل بھی ان حضرات کا یہی حال ہے۔ یہ صاحب یہاں ایک جگہ ''لونا پارک'' میں کام کرتے تھے۔ ان کی حالت بد سے بدتر ہو رہی تھی کہ ایک عورت کو ان کے حال پر رحم آیا اور وہ ان کو اپنے ہاں لے آئی۔ آج تک وہ اس عورت کے ساتھ رہتے ہیں۔ لیکن لطف یہ ہے کہ اس عورت کو اپنی منکوحہ بیوی بتاتے ہیں۔ حالانکہ وہ شادی شدہ ہے۔ اور اس کا خاوند زندہ ہے۔ اور اس کی ایک لڑکی بھی ہے۔ اگر جرأت ہے تو حبیب صاحب اس کا انکار کریں؟

ہم ذاتی نکتہ چینیوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے رہے ہیں۔ اور یہی ہمارا مسلک ہے۔ لیکن جس حالت میں ان کی ذات اسلام میں تفرقہ اور حق کی راہ میں ایک رکاوٹ بن رہی ہو، ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی اصلی حیثیت مسلمانوں کے سامنے پیش کریں۔

یہ ہے ''زمیندار'' اور ''احسان'' کے ''فدائے ملت''۔ اس کے علاوہ اور بھی واقعات ہیں جن

کے پیش کرنے کی اگر ضرورت پڑی تو انشاء اللہ ان کو ظاہر کیا جائے گا۔

اب میں ان کی ''جماعت اسلامیہ'' کے متعلق چند سطور پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس نام نہاد جماعت کا آغاز 1922ء میں ہوا۔ اس کی گذشتہ دس سالہ تاریخ پر ہم کسی سابقہ اشاعت میں روشنی ڈال چکے ہیں۔ یہ جماعت یہاں کی عدالت میں رجسٹر شدہ تھی۔ پہلے 5 سال تو قدرے اچھی طرح سے گزرے۔ مگر بعدازاں اس میں جنگ وجدال کا وہ طوفان برپا ہوا کہ الامان۔ ممبران جماعت نے ایک دوسرے کے خلاف عدالتی کارروائیاں تک کیں۔ اور قانونی نالشوں تک نوبت پہنچی۔ اور چند وکلاء برلن کی روزی کا سامان بن گیا۔ آخر مسلمان تھے۔ ''کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ'' کا خوب مظاہر کیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (ہم اس جگہ یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ فریقین میں سے کسی کا بھی مسجد یا مشن برلن سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ ممبران جماعت اسلامیہ ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے) 1929ء میں عدالت نے تنگ آ کر آخر ایک صاحب عبدالستار خیری کو وقتی صدر مقرر کر دیا تا کہ وہ اس قصے کو یا تو درست کریں اور یا خاتمہ کیا جائے۔ مگر بیچارے عبدالستار خیری صاحب کیا کرتے۔ انہوں نے بڑی کوشش کی۔ مگر کچھ نہ ہونا تھا اور نہ ہوا۔ وہ ہندوستان چلے گئے اور ''جماعت اسلامیہ'' کی حالت بد سے بد تر ہوتی گئی۔ 27 اکتوبر 1933ء کو عدالت نے پھر ایک شخص ڈاکٹر واصل اسلان کو اس کا ''وقتی صدر'' مقرر کیا۔ مگر 1935ء میں یہ صاحب بھی برلن کو خیر باد کہتے ہوئے اپنے وطن واپس تشریف لے گئے۔ اور جماعت اسلامیہ اسی کس مپرستی اور یتیمی کی حالت میں سسکنے لگی۔ اب 2 جنوری 1936ء کو ایک شخص ''جارج کنجنی'' نامی اس کا وقتی اور اضطراری صدر مقرر ہوا۔ اس تمام قصہ کے بیان کرنے کی غرض یہ ہے کہ مسلمانان عالم اور بالخصوص مسلمانان ہند اس نام نہاد جماعت اسلامیہ کی اصل حقیقت سے آگاہ ہو جائیں۔ قارئین کرام عبدالجبار خیری اور نافی چلپی مرحوم کے ناموں سے تو آشنا ہوں گے۔ کسی زمانے میں حبیب الرحمان صاحب نے ان کی تعریفوں کے پل باندھے تھے۔ مگر ہم اس قدر عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اول تو ان دونوں حضرات میں شدید عداوت تھی۔ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے (اس کا ثبوت عدالت کے کاغذات میں موجود ہے) دوم نافی چلپی کبھی بھی اس جماعت اسلامیہ کے صدر نہیں رہے۔ یہ حبیب الرحمان صاحب کا کرشمہ ہے کہ ''نیست سے ہست'' بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح انہیں حبیب

الرحمان صاحب نے ڈاکٹر واصل اسلان کی روانگی برلن کے بعد ایک شخص ریاض محمد احمد مصری کو جماعت اسلامیہ کا صدر مشہور کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان کو بطور صدر پیش کر کے ایک دو لیکچر بھی دلوائے۔ مگر لطف یہ ہے کہ ان صاحب کا عدالت کے کاغذات میں سرے سے نام ہی نہیں۔ مگر یہ حبیب الرحمان صاحب کے ''کمالات'' کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اور وہ اس قسم کے کمالات میں بدطولیٰ رکھتے ہیں۔

اب حبیب الرحمان صاحب کا ایک اور کمال ملاحظہ فرمائیں۔ جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ 2 جنوری 1936ء کو عدالت نے پھر ایک دفعہ اضطراری اور وقتی صدر جارج کنجنی نامی کو مقرر کیا اور یہ حبیب الرحمان صاحب ''فدائے ملت'' کی درخواست پر ہوا۔ اب پولیس کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ یہ صاحب جارج کنجنی مسلمان ہی نہیں بلکہ کیتھولک عیسائی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ در پردہ کیتھولک مشن کے جاسوس ہیں۔ اور مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُ وْنَ. (14:2)

کاش اس ''فدائے ملت'' کو اسلام کا کچھ پاس ہوتا او وہ بجائے تخریب اسلام کے تعمیر اسلام، بجائے نفاق بین المسلمین کے اتحاد بین المسلمین کا کوئی کام کرتے۔ یہ ''خادم اسلام'' یہاں بظاہر یہ کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمان اکٹھے ہوں اور مسجد ان کے سپرد کر دی جائے، لیکن در پردہ برلن اور ہندوستان میں ہمارے اور مسجد کے خلاف پروپاگنڈا کر رہے ہیں جو مسلمانوں کو شیوہ نہیں ہے۔

ہم آخر پر اس بات کا اعادہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِا لسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ (148:4) کے مطابق کسی شخص کے نقص یا برائی کی تشہیر کو گناہ عظیم سمجھتے ہیں۔ مگر یہ پرلے درجہ کا ظلم اور ناانصافی ہوگی اگر ان باتوں کا اعلان نہ کریں جو واقعات اور صداقت پر مبنی ہیں اور جن کے اخفاء سے قوم کو نقصان عظیم پہنچ رہا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ۔ از برلن

20 مارچ 1936ء

تبصرہ

’’دی ریلجن آف اسلام‘‘ (دین اسلام)

مؤلفہ حضرت مولانا محمد علی ایم۔اے۔ایل ایل بی امیر جماعت احمدیہ لاہور

یہ انگریزی زبان میں حضرت امیر کی تازہ اور لاثانی تصنیف ہے جو آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ دین اسلام کے متعلق ہر قسم کی معلومات سے پُر ہے۔ اصل عربی کتب کے تقریباً دو ہزار حوالجات دیئے گئے ہیں۔ تمہید میں عام رنگ میں مذہب پر بحث کی گئی اور دین اسلام کی خصوصیات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی تمدن میں جو درجہ مذہب کو حاصل ہے، اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔

پہلے حصہ میں ان ذرائع کا ذکر ہے جن سے اسلامی اصول وقوانین اخذ کئے جاتے ہیں یا آئندہ حسب ضرورت اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

دوسرے حصہ میں اسلامی اصولوں پر بحث ہے اور تفصیل سے ہستی اور صفات باری تعالیٰ پر، فرشتوں، شیطان، الہامی کتب اور بعثت انبیاءؑ پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی ضمن میں عصمت انبیاء، معجزات، شفاعت، زندگی بعد الموت اور تقدیر وغیرہ کے مسائل پر بھی نہایت عالمانہ رنگ میں بحث کی ہے۔

تیسرے حصہ میں ان تمام باتوں کا بیان ہے جو ایک مسلمان پر فرض ہیں۔ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد وغیرہ۔ ان کے علاوہ تعلقات زوجیت، طلاق، وراثت، قرضہ وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسلام کے متعلق جملہ معلومات حاصل کرنے کے لئے انگریزی زبان میں اس سے بہتر کتاب دستیاب نہیں ہوسکتی۔ مسلم اور غیر مسلم تمام کے لئے بینظیر کتاب ہے۔ اسلام کا مطالعہ کرنے والے کو دیگر چھوٹی چھوٹی کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ کاغذ، طباعت اور جلد نہایت اعلیٰ ہے۔ مختصر یہ کہ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ قیمت فی کاپی دس روپے۔ محصول ڈاک ایک روپیہ چار آنے علاوہ۔

چند قابل قدر آراء: سرایس۔ایم سلیمان چیف جسٹس: یہ کتاب نہایت جامع اور دقیق معلومات سے لبریز ہے۔ اس میں اسلامی فلسفہ، فقہ، معرفت الٰہی، شریعت اسلامیہ پر نہایت مفصل اور عالمانہ بحث کی

گئی ہے۔ یہ کتاب مصنف کی اعلیٰ قابلیت، وسیع معلومات اور انتہائی محنت کا نتیجہ ہے۔

سر شفاعت احمد خاں: یہ کتاب نہایت عالمانہ رنگ میں لکھی گئی ہے۔ فاضل مصنف کی انتہا درجہ کی قابلیت اور نکتہ سنجی پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں فاضل مصنف نے اہم امور اسلامیہ پر کما حقہ روشنی ڈالی ہے اور ان کی تشریح کرنے میں کمال درجہ کی قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ اسلام کے متعلق ایک مستند اور بے نظیر کتاب ثابت ہوگی۔

سر محمد اقبال: نہایت مفید کتاب ہے اور مذہب اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ازبس ضروری ہے۔

سر ظفر اللہ خاں: یہ یقیناً اسلام پر ایک مستند کتاب ہے۔

سر شہاب الدین: اس میں تمام مسائل پر مفصل اور قابل اعتبار معلومات درج ہیں۔ شروع سے اخیر تک تمام امور پر بے نظیر فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔ کوئی پبلک یا پرائیویٹ لائبریری اس کتاب سے خالی نہ ہونی چاہئے۔

جسٹس میاں عبدالرشید: یہ کتاب نہایت وسیع معلومات سے پُر ہے۔ بینظیر (ریسرچ ورک) کیا گیا ہے اور ہر اختلافی مسئلہ پر تنقید کی گئی ہے۔''

اخبار ایسٹرن ٹائمز لاہور۔ مورخہ 28 فروری 1936ء: ''بڑی مدت سے یہ ضرورت محسوس کی جاتی تھی کہ اسلام پر کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جو اس کے مفہوم اور اس کے مشن کو اچھی طرح سے واضح کر سکے۔ اگر چہ یورپین مصنفین کی طرف سے یورپ کی مختلف زبانوں میں پمفلٹ اور رسالے وغیرہ نکلتے رہتے تھے۔ جو اسلام کے مختلف مسائل پر روشنی ڈالتے تھے۔ لیکن اس مضمون پر کوئی ایسی کتاب دستیاب نہ ہو سکتی تھی جس میں اسلام کے ہر ایک پہلو پر سیر کن بحث ہو اور جس میں مذہب اسلام کی ہسٹری اور اس کے اصولوں کو مفصل بیان کیا گیا ہو۔ اس قسم کی کتاب کی ضرورت اس لئے بھی زیادہ محسوس کی جاتی تھی کہ جو لٹریچر اسلام کے متلق غیر مسلم مشنریوں کی طرف سے نکلتا تھا اس میں عام طور پر اسلام کی غلط تصویر پیش کی جاتی تھی۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مولانا محمد علی صاحب نے یہ کتاب لکھی ہے۔ مولانا کی یہ تازہ تصنیف ایک اور وجہ سے بھی قابل قدر ہے۔ کیونکہ یہ ان کے سالہا سال کے تجربہ اور مطالعہ

کے بعد لکھی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے اول سے آخر تک قرآن شریف اور حدیث سے نیز دیگر مستند کتب سے بکثرت حوالہ جات درج کرنے میں غیر معمولی محنت کی ہے۔ اس طرح یہ گویا اسلام کا ''انسائیکلو پیڈیا'' ہے۔

اخبار ٹریبیون لاہور۔ مورخہ یکم مارچ 1936ء: آج کل عام طور پر لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو چکا ہے کہ مذہب آپس میں بجائے محبت کے نفرت پھیلانے کا باعث ہے۔ لیکن مولانا محمد علی صاحب نے ''دی ریلجن آف اسلام'' میں بڑے زور سے یہ ثابت کیا ہے کہ مذہب آج بھی نسل انسانی میں صلح و محبت پیدا کر سکتا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر سنجیدہ انسان کو معلوم ہوگا کہ اسلام کا نصب العین دنیا میں محبت، مساوات، اخوت اور آزادی پھیلانا ہے۔ ''ریلجن آف اسلام'' میں اسلام کے تمام عقائد و دیگر مسائل پر نہایت وسیع معلومات کے علاوہ، عصر حاضرہ کے چند نہایت اہم امور کو بھی حل کیا گیا ہے۔ جیسے سرمایہ داری، قومیت اور دولت کی تقسیم وغیرہ وغیرہ۔ ہم مولانا محمد علی صاحب کو اس بے نظر کتاب لکھنے پر مبارکباد دیتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو مذہب کو جاننا چاہتے ہوں ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ یہ کتاب خصوصاً وکلاء کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی۔ کیونکہ اس میں شادی، طلاق وغیرہ مسائل پر، جو مسلمانوں کو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں، واضح طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ملنے کا پتہ: مینجر دارالکتب اسلامیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور

23 مارچ 1936ء

مصر اور احمدیہ لٹریچر

ملک مصر میں گو اسلامی حکومت ہے اور کثرت بھی مسلمانوں کی ہے مگر پھر بھی اس جگہ دوسرے ملکوں سے اسلامی کتب لاکر فروخت کرنے کی ممانعت ہے۔ جب تک کہ شیخ الازہر کی اجازت حاصل نہ کی جائے۔ یہ ممانعت کچھ احمدیہ لٹریچر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے۔ چنانچہ مسٹر پکتھال اور علامہ یوسف علی صاحب نے جو قرآن شریف کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کی بھی یہاں ممانعت ہے۔ کیونکہ شیخ الازہر نے ان کی فروخت کی اجازت نہیں دی۔ خاکسار برما، ملایا، چین، مشرقی اور جنوبی افریقہ کا دورہ کر کے اس جگہ بھی دسمبر 1934ء میں احمدیہ لٹریچر فروخت کرنے کے لئے لایا، مگر نہر سویز پر اترتے ہی کسٹم والوں نے یہ اعتراض کر کے کہ مصر میں قرآن پاک کا ترجمہ لانا ممنوع ہے، تمام لٹریچر کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور محکمہ مطبوعات کے افسر اعلیٰ کے پاس قاہرہ میں بھیج دیا۔ اس محکمہ نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ اور دیگر کتب کو شیخ الازہر کے پاس ملاحظہ کے لئے ارسال کر دیا۔ ازہر والوں نے دو ماہ تک ان کتابوں کو خوب دیکھا۔ اس کے بعد چند کتابوں کی فروخت کی اجازت دے دی۔ مگر بہت سی کتابوں کو روک دیا۔ جن میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی شامل تھا۔ ان حالات کے ماتحت میں نے ایک عرضی بنام وزیر اعظم حکومت مصر کو بھیج کر یہ التماس کی کہ خاکسار نے بہت سے ممالک کا دورہ کیا ہے اور احمدیہ لٹریچر کسی جگہ بھی ممنوع قرار نہیں دیا گیا۔ اب کیا وجہ ہے کہ اسلامی ملک اور اسلامی حکومت میں اسلامی لٹریچر کی ممانعت ہو!

اس درخواست کا یہ نتیجہ نکلا کہ تمام لٹریچر کے فروخت کرنے کی اجازت دی گئی۔ سوائے قرآن مجید انگریزی ترجمہ کے۔ اس کے بعد میں نے ایک دوسری درخواست وزیر اعظم کی خدمت میں پیش کر دی کہ کیا وجہ ہے کہ مسٹر سیل، روڈویل، پامر، میکس ملر اور دیگر عیسائی مصنفین کا ترجمہ قرآن مجید انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں تو مصر میں شیخ الاسلام کی موجودگی میں ہی فروخت ہوں۔ مگر حضرت قبلہ مولوی محمد علی صاحب کا ترجمہ قرآن پاک فروخت کرنے کی اجازت نہ ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید کا ترجمہ بھی فروخت کرنے کی اجازت مل گئی۔ یہ تحریری اجازت اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ جسے میں مخالفین کو دکھا کر خوب زور شور سے یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو کبھی نصرت نہیں ملتی درمولیٰ سے گندوں کو

گو ازہر والوں نے بہت مخالفت کی اور حکومت مصر کو ہر طرح سے اکسایا کہ احمدیہ لٹریچر کے فروخت کرنے کی مصر میں اجازت نہ دی جائے۔ مگر پھر بھی ان کو شکست فاش ہی نصیب ہوئی اور مجھے اللہ نے فتح دی۔ ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ جس کمیٹی نے انگیریزی ترجمۃ القرآن کے متعلق فیصلہ کرنا تھا، اس میں ایک ممبر لاء کمیٹی کے پریذیڈنٹ بھی تھے۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ مصر میں اس ترجمۃ القرآن کی اشاعت قانون کے خلاف نہیں ہے۔ ازہر والے اس ترجمہ کے مخالف ہی ہوں۔ کمیٹی نے لاء کمیٹی کے صدر کی اس رائے کو تسلیم کر لیا اور قرآن مجید کے فروخت کرنے کی اجازت دے دی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

پیر شمس الدین

کارکن دارالکتب اسلامیہ لاہور

23 مارچ 1936ء
قسط اول

اچھوتوں کی مشکلات کا حل صرف اسلام میں

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

پنجاب میں اس وقت بیس لاکھ کے قریب اچھوت اقوام ہیں اور کل ہندوستان میں آٹھ کروڑ کے قریب۔ ان قوموں سے جو سلوک ہندو کرتے ہیں۔ دنیا کے اور کسی ملک میں انسانوں نے انسانوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا اور بدترین غلامی اچھوت پن کے مقابلہ میں ایک نعمت معلوم ہوتی ہے۔ یہ سلوک کسی رسم ورواج پر مبنی نہیں۔ جو اس رسم کے چھوڑنے سے دور ہوسکے۔ بلکہ ہندوؤں کی مقدس ترین کتابوں میں صراحت سے اس کا حکم موجود ہے۔ اور اس لئے باوجود اس نئی تحریک کے، جو پولٹیکل وجوہات پر ہندوؤں میں شروع ہوئی ہے کہ اپنی طاقت کو بڑھانے کے لئے اچھوتوں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے، خود ہندو مذہب ان کی حالت کی اصلاح میں ایک سدآہنی کی طرح حائل ہے۔ اور جب تک ہندوؤں کا ایمان ویدوں اور سمرتیوں پر ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ گاندھی جی کی خودکشی کی دھمکیوں سے وہ اپنی سب سے زیادہ عزیز چیز مذہب کو خیرباد کہہ دیں!

ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ہم مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ ہم اپنے ان مظلوم اہل وطن کی بہتری کے لئے ہر ایک ممکن کوشش کریں۔ اور اگر غور کیا جائے تو اسلام ہی دنیا کی وہ اکیلی روحانی طاقت ہے۔ جو اچھوت پن کی لعنت کو دور کرسکتی ہے۔ ہندو اگر اپنی کتب مقدسہ کی خلاف ورزی کریں گے بھی، تو اسی حد تک کریں گے کہ ان کو اپنے کنوؤں میں سے پانی بھر لینے دیں۔ لیکن یہ کہ وہ اپنی چار مسلمہ ذاتوں میں سے، جن میں کل ہندو تقسیم ہوتے ہیں، ایک ذات میں ان کو داخل کر کے ان کے ساتھ مساوات کا سلوک کریں، انہیں برادری میں سمجھیں اور ان کے ساتھ تعلق رشتہ داری قائم کریں، یہ محض ناممکن ہے۔ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت دی ہے کہ اس نے حبشی غلاموں اور عرب کے قریش سرداروں میں آناً فاناً نہ صرف مساوات قائم کردی بلکہ برادری اور رشتہ داری کے تعلقات بھی قائم کر دیئے۔ اور آج بھی اسلام میں یہ طاقت موجود ہے کہ جہاں اس کا قدم جاتا ہے ہر قسم کی تفریق کو دور کر

کے سب انسانوں کو انسانیت کے ایک ہی مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے۔ آج دنیا کی تمام قومیں اس بات کا اعتراف کرتی ہیں کہ اسلام میں جو طاقت ذاتوں اور قوموں اور رنگوں کی تفریق کو مٹانے اور سب انسانوں کو یکساں انسانیت کے مرتبہ پر پہنچانے کی ہے اور کسی قوم یا کسی مذہب میں موجود نہیں۔ اور ان تمام تفریقات کا، جو آج روئے زمین پر انسان کو انسان کا دشمن بنا رہی ہے، اسلام علاج واحد ہے۔

چار سال پیشتر علاقہ مدراس کی ایک اچھوت قوم کے فاضل ممبر نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا وہ چٹھی لائٹ 24 اکتوبر 1931ء میں چھپی تھی۔ اس چٹھی میں مسٹر سکومارن بی۔ اے نے جو اچھوتوں کے لیڈر اور مشہور لکھنے والے ہیں، اچھوتوں کو پہلے یہ توجہ دلائی ہے کہ وہ ایک سخت دھوکے میں مبتلا ہیں۔ جو یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ہندو ہیں۔ اس کے بعد اس نے اچھوتوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ ان کے لئے وقت آ گیا ہے کہ وہ ہندوؤں سے بالکل الگ ہو جائیں اور کوئی دوسرا مذہب اختیار کر کے اپنی انسانیت کو قائم کریں۔

جنوبی ہند کے اچھوت لیڈر کا اعلان: ''تھئیوں کے لئے یہ وقت آ گیا ہے کہ وہ اس مذہب کو بکلی خیر باد کہیں جو بحیثیت ایک غیور قوم کے ان کی ترقی، ان کی آزادی اور ان کی آسائش حاصل کرنے میں روک ہو رہا ہے اور کسی دوسرے مذہب میں شامل ہو جائیں۔ فی الحقیقت ہم ایک ایسے نازک مرحلہ کی دہلیز پر کھڑے ہیں جہاں ہم کو ہندو مذہب سے اس طرح بچنا ہوگا، جیسے ایک ظالم شیطان سے بچنا چاہئیے اور اس سے اس طرح بھاگنا ہوگا جس طرح انسان ایک زہریلے وبائی مقام سے بھاگتا ہے۔ ہاں اس ہندومت سے علیحدہ ہو جانا ہوگا جو ان قابل نفرت رسوم کی وجہ سے، جو ایک ہزار ایک جماعتوں اور ذاتوں کی تفریق سے پیدا ہوگئی ہیں، ہر اس چیز کا مرزع ہو گیا ہے جو بیہودہ کمینہ، قابل نفرت، قابل حقارت اور نکمی ہے۔ ایک پنچم جو اپنے اندر ایک رائے کے دانہ کے برابر بھی خودداری رکھتا ہے۔ اسے اب ہندو مذہب کے اندر نہ رہنا چاہئیے''

اس کے بعد نویسندہ مضمون نے مختلف مذاہب کو لیا ہے کہ ہم کس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے بدھ مذہب کو لے کر بتایا ہے کہ اس میں اب بدھ کے بتوں کی پرستش ہوتی ہے اور یوں بھی ایک بت پرستی کا مذہب ہو گیا ہے۔ پھر بتایا ہے کہ بدھ مذہب کے پیرو ہندوستان میں ہیں بھی بہت تھوڑے۔ اور پھر اس مذہب میں اور ہندو مذہب میں بہت سی باتیں بھی ملتی جلتی ہیں۔ اس پانی کو بھی چھوڑ دینا چاہئیے

جو کیچڑ کی طرف بہا چلا جا رہا ہے۔اس کے بعد عیسائی مذہب کو لیا ہے اور بتایا ہے کہ عیسائیت میں جا کر ذاتوں کی تفریق اسی طرح باقی رہ جاتی ہے، جیسے ہندو مذہب میں۔اور وہاں بھی ذاتوں ذاتوں میں، بڑے چھوٹے میں، کالے گورے میں فرق کیا جاتا ہے۔اس لئے تھیا لوگ عیسائی مذہب کو اختیار کر کے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔اور نہ ان کی مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔اس کے بعد اسلام کو لیا ہے:

''میری رائے میں پنچم لوگوں کے لئے اسلام ہی تمام امیدوں کا مرکز ہے اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ تمام مذاہب میں سے اسلام ہی ایک مذہب ہے۔جس کے پیروؤں میں اتحاد اور اخوت کا خیال بلند ترین مقام پر پہنچا ہے۔میں جانتا ہوں کہ ہم لوگوں میں اسلام کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔لیکن یہ خیال کرنا محض حماقت ہے کہ چونکہ ماپلے (مالابار کے مسلمان) ناصاف رہتے ہیں اور ظالم اور بیوقوف ہیں۔اس لئے ہندوستان کے سب مسلمان ایسے ہی ہیں......سوائے مسلمانوں کے کوئی قومی ایسی نہیں۔جس میں اخوت کا احساس اس قدر مضبوط ہو گیا۔ہو اور اس لئے اگر پنچم لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے نام پر جو داغ ہے وہ دور ہو جائے اور ان کی جو درگت بنتی ہے اور ان کی جو تحقیر ہوتی ہے اس کا خاتمہ ہو۔اگر وہ بازاروں میں معزز آدمیوں کی طرح اپنا سر اونچا رکھ کر چلنے کے آرزمند ہیں تو میں لاکھ مرتبہ لاکھ سے بھی زیادہ مرتبہ کہوں گا کہ انہیں چاہئیے کہ مناسب احترام کے ساتھ اسلام اور صرف اسلام کو قبول کر لیں۔اس وقت بھی مسلمان ہندوؤں کی ایک تہائی ہیں۔مگر جنہیں ہندو کہا جاتا ہے ان کی تین چوتھائی پنچم ہیں۔جب یہ پنچم اسلام کو قبول کر لیں گے تو ہندوستان کی پانچ چوتھائی آبادی مسلمان ہو جائے گی۔میرا مضبوط ایمان ہے کہ اگر ہندوستان سوراج یا اپنی حکومت چاہتا ہے تو ہندو آبادی، جو ہر ایک خباثت اور بیہودگی کا منبع ہے، کم ہونی چاہئیے اور مسلمانوں کی تعداد بڑھنی چاہئیے۔

اس سے اس بات کا امکان نظر آتا ہے کہ ہندوستان عنقریب ایک اسلامی سلطنت بن جائے اور یہی وہ چیز ہے جس کی ہندوستان کو اپنی حفاظت اور ترقی کے لئے ضرورت

ہے۔ نقشہ پر ایک نظر اس کی صداقت کو واضح کر دے گی۔ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک نہایت موزوں مقام پر افغانستان، بلوچستان اور ترکستان کے ممالک ہیں اور اس سے اور پرے چلے جائیں تو ایران، ایشیائے کوچک، عرب اور ٹرکی کے ممالک ہیں۔ اس سے بھی آگے افریقہ کا عظیم الشان براعظم ہے۔ جس میں یا مسلمان ممالک ہیں یا ایسے ممالک جن میں مسلمانوں کی آبادی کی بڑی بھاری اکثریت ہے۔ پس سوائے پیغمبر عرب کے اور کس کا مذہب پنجم قبول کر سکتے ہیں؟ یہ وقت موزوں ہے کہ مسلمان اچھوتوں کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھائیں۔''

ڈاکٹر امبید کر کا اعلان: مدراس کے اس اچھوت لیڈر کی رائے کس قدر صحیح تھی۔ ڈاکٹر امبید کر جو سارے ہندوستان کے اچھوتوں کے واحد لیڈر ہیں۔ وہ اس کے بعد تین چار سال تک گاندھی جی اور دوسرے کانگرسی لیڈروں کی طرف دیکھتے رہے۔ لیکن الآخر اکتوبر 1935ء میں وہ بھی اس قطعی نتیجہ پر پہنچے کہ جب تک ہندو مذہب کو ترک نہ کیا جائے گا، اچھوت اس ذلت کی حالت سے، جس میں وہ ہزارہا سال سے چلے آتے ہیں، باہر نہیں نکل سکتے۔ چنانچہ یولا کانفرنس میں، جس کی رپورٹ سب اخبارات میں چھپ چکی ہے، انہوں نے اس امر کا اچھوتوں کے ہزارہا کے مجمع میں اعلان کر دیا۔

''یولا ضلع ماسک میں اچھوت کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے ڈاکٹر امبید کر نے فرمایا کہ آج تک ہم نے ہندوؤں کی ذہنیت بدلنے میں جس قدر کوششیں کی ہیں وہ رائگاں گئیں اور اب اس بات کی کوشش، کہ ان سے تلافی مافات چاہیں اور مل کر کام کریں قوت اور روپیہ کا ضائع کرنا ہے۔ اب ہمارے لئے ایک ہی اعلیٰ طریق ہے اور وہ ہے ہندو دھرم سے مکمل قطع تعلق۔ ہم وہاں ہرگز مساوات کے لئے جدوجہد نہیں کریں گے جہاں کہ اس کے دینے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ ہم پر موجودہ جوروستم کے پہاڑ اس لئے گرائے جاتے ہیں کہ ہم ہندو کہلاتے ہیں۔ اگر ہم کسی اور مذہب کے پیرو ہوتے تو ہمارے ساتھ یہ انسانیت سوز سلوک روا نہ رکھا جاتا۔ پس میں سب کو کہتا ہوں کہ وہ مذہب اختیار کر لو۔ جو تمہیں مساوات اور اعلیٰ سلوک پیش کرتا ہو۔

اب ہم اپنی غلطی کی اصلاح کر لیں گے۔ بدقسمتی سے میں اچھوت کی لعنت کا ٹیکا پیشانی پر لے کر پیدا ہوا تھا۔ مگر یہ میرا قصور نہ تھا۔ لیکن میں ہندو رہ کر نہیں مروں گا۔ کیونکہ یہ میرے بس میں ہے" (سول ملٹری گزٹ 15 اکتوبر 1935ء)

ڈاکٹر امبید کار کے اس اعلان پر ہندو لیڈروں نے اور بالخصوص گاندھی جی نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کسی طرح ہندو مذہب کو نہ چھوڑیں۔ مگر ڈاکٹر امبید کار نے صفائی سے یہ اعلان کر دیا کہ اب وہ کسی صورت میں ہندو مذہب میں نہیں رہ سکتے اور گاندھی جی کو انہوں نے حسب ذیل جواب دیا:

"کسی کے دل میں یہ خیال خام نہ گزرے کہ میں نے یہ اقدام کوتاہ اندیشی اور بن سوچے کیا ہے۔ یا یہ کہ فیصلہ اس غصہ کے جوش میں کیا گیا ہے جس کے محرک مختلف مقامات کے اچھوتوں پر ہندوؤں کے مظالم ہوئے ہیں۔ یہ فیصلہ ان ہر دو امور سے آزادانہ اور بالاتر ہے۔

میں مسٹر گاندھی سے اس بات پر متفق الرائے ہوں کہ مذہب اشد ضروری ہے۔ مگر اس بات سے اختلاف رکھتا ہوں کہ انسان ایسے آبائی مذہب کو اختیار کئے رکھے جو اس کے جذبات اور احساسات کو کچل ڈالے۔ کیونکہ انسان کو ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو اس کے دل میں ترقی اور بہتری کی تڑپ پیدا کرے اور اخلاق عالیہ کے حصول میں اس کا رہنما اور مؤید ثابت ہو۔ میں نے ذاتی طور پر تبدیلی مذہب کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں اس بات سے مطلق بے نیاز ہوں کہ جماعت میرا ساتھ دیتی ہے یا نہیں۔ اس کا فیصلہ کرنا ان کا ذاتی کام ہے۔ اگر انہوں نے اس امر کو مفید خیال کیا تو میری پیروی کریں گے" (سول اینڈ ملٹری گزٹ 16 اکتوبر 1935ء)

شری شنکر اچاریہ ڈاکٹر کرٹو کوٹی، نے ٹائمز آف انڈیا کے نمائندہ کو بتایا کہ ڈاکٹر امبید کار نے ہندو مذہب کو چھوڑنے کے خیال سے رجوع فرما لیا ہے جس کا جواب ڈاکٹر صاحب نے ذیل کے الفاظ میں دیا:

''پولا کانفرنس کے بعد ڈاکٹر کرٹو کوٹی کے ساتھ میری کوئی ملاقات نہیں۔ اور نہ ہی تبادلہ خیالات کا موقع میسر ہوا ہے۔ ہاں اچھوت اقوام کی تبدیلی مذہب کے متعلق خط و کتابت ہوتی رہی ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ اس نتیجہ پر کیسے پہنچے کہ میں حال ہی میں تبدیلی عقیدہ کے خیال سے باز آ گیا ہوں۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس اعلان کی صاف الفاظ میں پرزورتر دید کروں۔ نہ تو کوئی مجھے اس خیال سے روکنے کے لئے آیا اور میں نے یقیناً اپنے خیالات کو بھی نہیں بدلا۔ اور میں کہتا ہوں کہ نہ تو میں نے اپنی تجاویز کو ترک کیا ہے اور نہ ہی کروں گا۔ میں بہ صمیم قلب اچھوتوں کے درمیان سے ذات پات کی بندھنوں کو توڑنے کا متمنی ہوں۔ مگر میں اس کی تکمیل اور بارآور ہونے کا منتظر نہیں ہوں۔ اگرچہ میری مخلصانہ اور حقیقی خواہش ہے میں اس امر کا پختہ یقین رکھتا ہوں کہ اچھوتوں سے ذات پات کی تمیز تبھی دور ہوگی جبکہ وہ موجودہ دھرم کو چھوڑ کر کسی ایسے مذہب کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے جو کہ ان امتیازات سے بلند تو ہو'' (ٹائمز آف انڈیا 26 اکتوبر 1934ء)

<u>قسط دوم: مطبوعہ دراشاعت 3 اپریل 1936ء</u>

اچھوتوں کے جلسوں میں ہندو مذہب سے بیزاری کا اعلان: ڈاکٹر امبید کار کے اعلانات کے علاوہ ہندوستان کے متفرق مقامات پر اچھوتوں نے جلسے کر کے ڈاکٹر امبید کار کی تائید کی ہے اور یہ اعلان کیا ہے کہ وہ ہندو مذہب کے پیرو آئندہ نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ پی۔ ایڈیٹور لکھتے ہیں:

''میں مسٹر سی کرشنن ایم۔ ایل سی کالی کٹ سے حرف بحرف متفق ہوں کہ مسٹر گاندھی اور ان کے حواری اچھوتوں کو اس لئے ہندو دھرم میں رکھنے کے لئے مضطرب ہیں کہ ان کو سیاسی مقاصد کے لئے آلہ کار بنایا جائے اور اکثریت کو برقرار رکھا جائے۔ ڈاکٹر امید کر اس دلیرانہ اعلان کے متعلق بہت تعریف کے مستحق ہیں اور یہ اعلان بہت پہلے آنا چاہئے تھا اور آج تمام فہمیدہ اور ہوشمند ہمدردانِ بنی نوع انسان اس پر مسرت و شادمانی کا اظہار کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہمارے سامنے یہ بین حقیقت ہے کہ مہار اور اچھوتوں سے

کتوں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جاتا ہے‘‘ (ٹائمز آف انڈیا۔ 2 نومبر 1935ء)

’’پونا اور گردونواح کے اچھوتوں کی ایک زبردست میٹنگ کی صدارت کرتے ہوئے مسٹر شورام جمبا کیمبل نے کہا کہ صدیوں تک اچھوت اقوام انتہائی ذلت کی جا چکی میں پستی رہی اور انگریزی حکومت سے پہلے وہ اپنی افسوسناک حالت کی اصلاح نہ کر سکیں۔ موجودہ حکومت کی ابتداء سے اچھوت تعلیم حاصل کرنے لگے ہیں اور تعلیم نے ان کی آنکھیں کھول دی ہیں اور اب وہ ہندو دھرم کی متشدد رسوم سے جو کہ ان کے گلے میں ٹھونسے گئے تھے، چھٹکارا حاصل کرنے میں ساعی ہیں۔ آپ نے ڈاکٹر امبید کر کی تائید کی‘‘ (سول اینڈ ملٹری گزٹ 3 دسمبر 1935ء)

کراچی کے چار ہزار مہاروں کا متفقہ ریزولیوشن:

’’ہم اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہندو دھرم میں اچھوتوں کی بہتری کا کوئی امکان نہیں رہا۔ ناسک کی مہا سبھا کی لفظی ہمدردی ہماری نجات کا سامان بہم نہیں پہنچا سکتی۔ ہم ڈاکٹر امبید کر کے فیصلے کی تائید کرتے ہیں۔‘‘ ’’آل کرالا تھیا یوتھ لیگ کے اس ارادہ پر کہ ہندو دھرم کو چھوڑ دیا جائے، ڈاکٹر امبید کر نے ایک پیغام میں تحریر فرمایا کہ تبدیلی مذہب پر بحث کا وقت گزر چکا۔ اب وقت فیصلہ کن عمل کا ہے۔ میں تھیا قوم پر دو امور واضح کرنا چاہتا ہوں۔ پہلا یہ کہ ہندو مت سرے سے کوئی مذہب ہی نہیں۔ یہ ایک وبائی بیماری ہے۔ اس لئے اچھوتوں کی نجات اور حفاظت کے لئے لابُد ہے کہ وہ ’’اعلیٰ جاتیوں‘‘ سے اپنے تعلقات منقطع کر لیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اچھوت اقوام تبدیلی مذہب میں متحدہ اقدام کریں۔ یہ تبدیلی جماعتی رنگ میں ہونی چاہئیے اور جس مذہب میں بھی جائیں متفق اور اکٹھے جائیں‘‘ (سول اینڈ ملٹری گزٹ 8 جنوری 1936ء)

’’میسرز بی، سی وینکٹر د لیڈر اچھوت۔ اریگاراما سوامی ہریجن ممبر حیدرآباد (دکن) کارپوریشن اور دیگر ہریجن لیڈر مہاراشٹر ہریجن یوتھ کانفرنس سے آج واپس آئے

انٹرویو کے دوران میں مسٹر وینکٹر و نے فرمایا کہ ہندوستان میں ہریجنوں کی موجودہ روش انہیں ایک اعلیٰ اور باعزت مقام بہم پہنچائے گی۔ میرا ارادہ وہ حیدر آباد (دکن) میں اچھوت اقوام کا اجلاس منعقد کرنے کا ہے۔ جس کے فرائض صدارت سرانجام دینے کے لئے ڈاکٹر امبید کر کو مدعو کیا جائے گا۔ کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ ریاستی اچھوتوں کو ہندو دھرم تیاگ دینے کے لئے تیار کیا جائے۔ جب تبدیلی مذہب کے متعلق نواب آف ڈھاکہ کا پروگرام بتایا گیا تو آپ نے کہا کہ میں انفرادی تبدیلی کے خلاف اور جماعتی تبدیلی کے حق میں ہوں۔ اور بہتر تو یہ ہے کہ ایک نیا ہی مذہب بنایا جائے اور ریاستی ہریجنوں کو پیغام دیا کہ وہ ہندو دھرم سے منقطع ہونے کے مسئلہ کو پوری توجہ سے سوچیں'' (ٹائمز آف انڈیا 23 جنوری 1936ء)

ایک پبلک اجلاس منعقدہ لاجپت رائے ہال میں مسٹر ہنسراج کی صدارت میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر اے وی ٹھاکر جنرل سیکرٹری آل انڈیا ہریجن سیوک سنگھ نے کہا:

''ڈاکٹر امبید کر کا ہندو قوم کے خلاف واویلا کرنا بالکل حق بجانب ہے۔ کیونکہ یہ قوم اسے مساوات کی نعمت دینے کو تیار نہیں۔ آپ نے بتایا کہ ناسک میونسپلٹی نے صرف اس بنا پر ڈاکٹر موصوف کو ایڈریس کرنے سے انکار کر دیا کہ آپ ہریجن ہیں۔ بڑودہ میں وکالت کے سلسلہ میں آپ کو رہائش کے لئے مکان نہ دیا گیا کہ آپ ہریجن ہونے کے مجرم تھے۔ کیا ان شہادات کی موجودگی میں ڈاکٹر امبید کر ہندوؤں کے خلاف احتجاج کرنے میں حق بجانب نہیں؟ بعض ہندوؤں کی یہ دلیل، کہ ہریجن بچوں کو تعلیم دلانے میں ڈاکٹر جیسے ''باغی'' ہی پیدا ہوں گے، بالکل لچر اور بودی ہے (ٹائمز آف انڈیا، 23 جنوری 1936ء)

مورتی کھنڈن اور کتب مقدسہ ہنود کا جلانا!: ہریجن اپنی آواز صرف تجاویز کے ذریعہ ہی دنیا میں بلند نہیں کر رہے بلکہ انہوں نے ان مورتیوں کو توڑ ڈالا ہے۔ جن کی وہ چند ماہ قبل پوجا کرتے تھے اور ان کتب کو نذر آتش کیا ہے جو کہ ان کے نزدیک نہایت مقدس تھیں۔ ذیل میں اخبارات سے چند ایک

اقتباسات اسی ضمن میں درج کئے جاتے ہیں:

☆ ہندو دھرم کے ترک کر دینے کے متعلق تجویز کا عملی اظہار کرنے کے لئے ناسک کے گردونواح سے 800 ہریجن نوجوان ناسک میں اکٹھے ہوئے اور منوسمرتی اور دیگر ذات پات کی تعلیم دینے والی مذہبی کتب کو ہندو دھرم کی رسوم کے مطابق چتا پر رکھ کر وقفِ آتش کیا۔ اس کانفرنس کا انعقاد ناسک ڈسٹرکٹ ہریجن یوتھ لیگ کی محنتوں کا ثمر تھا۔ بہت سے اشخاص نے تقاریر کیں اور بہت سے مسلمانوں نے بھی شرکت کی۔

جب باری باری مقررین نے آکر شاستروں کی پرزور مذمت کی اور ہندوؤں کے جگرسوز مظالم کا ذکر کیا گیا تو تمام مجلس میں غصہ کے جذبات پوری طرح مشتعل ہو چکے تھے۔ جب ایک نوجوان نے کہا کہ چونکہ ابھی تک نئے مذہب کے متعلق فیصلہ نہیں ہوا۔ اس لئے ہندو دھرم کی آخری رسوم ابھی ادا نہیں ہونی چاہئیں۔ تو تمام طرف سے جوش اور غصہ کی صداؤں نے اسے خاموش کر دیا۔ اسے بتایا گیا کہ یہ حتمی فیصلہ کیا جا چکا ہے کہ ہم ہندو دھرم چھوڑ دیں گے۔ اور یہی ہندو دھرم کی آخری رسوم ادا کرنے کے لئے کافی وجہ جواز ہے۔ اور نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ جواں مردی سے اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنائیں۔ بعد ازاں ایک چتا تیار کی گئی۔ جس میں تمام مذہبی کتابیں پھینکی گئیں اور ہر کتاب پھینکنے سے قبل اس میں سے اچھوتوں کے خلاف فقرات حاضرین کو سنا دیئے جاتے تھے۔ ایک ریزولیوشن بھی پاس کیا گیا کہ آئندہ کوئی ہریجن ہندو یاترا اور مقدس مقامات میں شرکت اختیار نہ کرے۔ برہمنوں کو خیرات وغیرہ نہ دے اور ہندو تہواروں کو نہ منائے۔ اور اعلان کیا گیا کہ اب سے داخلہ منادر کے متعلق احتجاجی کمیٹی کو توڑ دیا جاتا ہے'' (سول اینڈ ملٹری گزٹ 10 نومبر 1935ء)

☆ ہندو دھرم چھوڑنے کے متعلق فیصلہ کو عملی شکل میں ظاہر کرنے کے لئے 3000 اچھوتوں کا قصبہ سکھین واقعہ تعلقہ پنھاؤ میں اجتماع ہوا۔ دورانِ جلسہ میں انہوں نے بہت سے ہندو دیوتاؤں مثلاً کھنڈیرو مہاسوبا اور پنڈھریائی کی موتیوں کو ٹکڑے ٹکڑے

کر ڈالا۔ مذہبی کتب کو جلا دیا اور متبرک جنیوا اور مالاؤں کو توڑ کر آگ میں پھینک دیا۔ (ٹائمز آف انڈیا۔20 نومبر 1935ء)

☆ احمد نگر میں تمام ذاتوں کے ہریجن ایک جلسہ کی شکل میں اکٹھے ہوئے اور صاف الفاظ میں ہندو مذہب کے چھوڑنے اور ڈاکٹر امبید کر کے اختیار کردہ مذہب پر چلنے کا پرزور الفاظ میں اظہار کیا۔ علاوہ ازیں ہندو مذہبی کتب کو جلایا اور ایک دیوی کی مورتی کو پاش پاش کر ڈال۔ (ٹائمز آف انڈیا۔20 نومبر 1935ء)

☆ ستارہ نواسیوں نے پونا میں ڈاکٹر امبید کر اور یولا کانفرنس کی تجاویز کی تائید میں ایک جلسہ کر کے ہندو و مذہبی کتب کو جلا ڈالا۔ اس اجلاس کے ذریعہ حکومت سے درخواست کی گئی کہ وہ ایسی کتب کی ضبطی کے احکام صادر فرمائے جو ذات پات کے سسٹم کی مؤید ہیں۔ اس میٹنگ میں مسٹر ایل۔ بی پادر کی صدافت میں قریباً 1200 ہریجن حاضر تھے‘‘ (ٹائمز آف انڈیا۔18 دسمبر 1935ء)

☆ بمبئی 9 مارچ اطلاع مظہر ہے کہ کل ہندوؤں نے ہولی کا تہوار بڑے شاندار طریق سے منایا۔ اچھوتوں نے بھی تہوار کی شان و شوکت بڑھانے میں ہندوؤں کی مدد کی اچھوتوں نے ایک عظیم الشان جلوس نکالا جس نے شہر کے تمام بڑے بڑے بازاروں اور گلی کوچوں کا چکر لگایا۔ جلوس کے خاتمے پر اچھوتوں نے ایک جلسہ منعقد کیا۔ جس میں متعدد مقررین نے تقریریں کیں اور کہا کہ اچھوت ہندو مذہب میں رہ کر انسان نہیں بن سکتے اور اگر وہ صد ہا سال تک بھی ہندو رہیں تو ان کو مساوات نہیں مل سکتی۔ جلسہ میں ہندوؤں کا ایک بت توڑ دیا گیا اور دو شاستروں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ ’’ہندو مذہب مردہ باد‘‘ کے فلک شگاف نعروں کے درمیان جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ (’’حریت‘‘ 12 مارچ 1936ء)

کیا اچھوت اسلام قبول کریں گے؟: اس بات کا اندازہ قبل از وقت ہے کہ ہندو دھرم چھوڑنے کے بعد ڈاکٹر امبید کر اور ان کے پیرو کونسا مذہب اختیار کریں گے۔ ڈاکٹر صاحب کا پہلا منشاء یہ ہے کہ وہ

اچھوتوں کو اس بات کا احساس اور یقین دلائیں کہ ان کی نجات ہندو دھرم میں ناممکن ہے۔ یہ کوئی چند دنوں کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے کئی سال کی مدت بکار ہے۔ ہندوستان ایک وسیع براعظم ہے۔ اس کے کونہ کونہ میں پھیلے ہوئے اچھوتوں تک پہنچ کر گوش گزار کرنا ہے کہ آج تک جس دھرم کو وہ راحت و آزادی ترقی و نجات کا ذریعہ سمجھے بیٹھے تھے، درحقیقت وہی ان کی روحانی اخلاقی اور سیاسی موت کا واحد سبب ہے۔ ڈاکٹر امبید کر نے تاحال مستقبل کے مذہب کے متعلق بحث کی ممانعت کر دی اور یہ بات ہے بھی درست، کیونکہ ایسے مباحث سے اندرونی تفرقات اور منافشات کے پیدا ہو جانے کا گمان اغلب ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے اس امر کا مکمل اور متحدہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ ہندو نہیں رہیں گے۔

بہرحال چند ایک قرائن سے پایا جاتا ہے کہ ان کا رجحان زیادہ تر اسلام کی طرف ہے۔ دراصل دو ہی مذہب ہیں۔ جن میں سے ایک انتخاب کرنا ضروری ہے۔ یعنی اسلام اور عیسائیت۔ عیسائیت کی قبولیت شائد دنیوی طور پر ان کے لئے منفعت بخش ہو۔ مگر ان لوگوں کے تجربات، جو عیسائیت کے دامن میں آ چکے ہیں، بتاتے ہیں کہ عیسائیت بھی وہ مساوات اور اخوت پیش نہیں کرتی جو اسلام کے دائرہ میں قدم رکھتے ہی نصیب ہو جاتی ہے۔ اور بعض مواقع پر اچھوت رہنماؤں نے صاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ صرف اسلام ہی ان کے لئے موزون مذہب ہے۔ اس موضوع پر ایک مدراسی اچھوت لیڈر کے خیالات پہلے بیان کر چکا ہوں۔ یہاں دو اور مثالیں اس کی تائید میں نقل کی جاتی ہیں:

> ''باباچتیت پون داس کی صدارت میں اچھوتوں کی ایک زبردست میٹنگ ہوئی۔ جس میں ہندو دھرم اور ذات پات کی مذمت پرزور الفاظ میں کی گئی۔ اور ہریجنوں پر ہندوؤں کے مظالم پر غیظ و غضب کا اظہار کیا گیا۔
>
> ''مقررین نے ڈاکٹر امبید کر کی رہنمائی پر مکمل اعتماد ظاہر کیا اور ہندو دھرم کے چھوڑنے پر اس کی تائید کی۔ نیز کہا کہ ہندو مذہب کمزوروں اور بزدلوں کے لئے ہے اور اچھوتوں کو اسلام قبول کر لینا چاہیئے۔ تا کہ دنیا میں عزت اور خودداری سے زندگی بسر کریں۔ ہندوؤں کے مظالم کی مثالیں پیش کی گئیں اور مذہبی کتابوں سے خلاف اچھوت سطور پڑھ کر ان کے پول کھولے۔ جب جلسہ کے اختتام پر صاحب صدر نے

اسلام قبول کرنے کی طرف حاضرین کو توجہ دلائی تو انہوں نے پرزور نعرہ ہائے اللہ اکبر بلند کئے'' (ٹائمز آف انڈیا۔10 دسمبر 1935ء)

''مسٹر راج بھوج سیکرٹری آل انڈیا اچھوت لیگ نے ایک انٹرویو میں فرمایا کہ میں ڈاکٹر امبید کر کے خیالات سے متحیر نہیں ہوا۔ کیونکہ اس سے قبل بھی آپ ایسے ہی خیالات کا کئی مقامات پر اظہار کر چکے ہیں۔ مگر حیران کن بات یہ ہے کہ ڈاکٹر امبید کر نے اس بات کا اعلان مصلحتاً مخفی رکھا ہے کہ وہ کونسا مذہب اختیار کریں گے۔ بہرحال ڈاکٹر امبید کر متعدد سٹیجوں پر اسلام کی تائید اور تعریف میں تقاریر کر چکے ہیں''

(سول اینڈ ملٹری گزٹ 18 اکتوبر 1935ء)

مدراس 6 مارچ مسٹر دانیال ٹامس ایم ایل سی کے زیر صدارت بمقام ولڈتھیکولم ضلع مٹنے دلی۔ ہریجنوں کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی۔ مسٹر ٹامس اور دیگر مقررین نے ہریجنوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے آپ کو منظّم کریں اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ مسٹر مادھودد یاء نے تقریر کے دوران میں ڈاکٹر امبید کر کی تائید کی آپ نے کہا کہ پسماندہ اقوام صدیوں سے ہندو دھرم کی بدولت اقتصادی اور مجلسی مصائب کو برداشت کر رہی ہے۔ لہٰذا ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ ہندو مذہب میں رہتے ہوئے مذہبی اور مجلسی مساوات کے اصول پر سلوک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کوئی خوددار ہریجن ہندو نہیں رہ سکتا۔ اس امر پر بحث کرتے ہوئے کہ انہیں کونسا مذہب قبول کرنا چاہیئے، آپ نے کہا ان کے لئے مذہب اسلام ہی بہترین مذہب ہے۔ دیگر مذاہب میں ذات پات اور فرقہ داری کے جھگڑے موجود ہیں۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی آغوش میں انہیں کامل مساوات حاصل ہو سکتی ہیں۔ آپ نے ہریجنوں کو مشورہ دیا کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتے ہیں تو اسلام کو اختیار کریں۔ آپ نے ہریجنوں کے لئے قبول اسلام پر بہت زور دیا'' (انقلاب 8 مارچ 1936ء)

مدراس اور یوپی کے لیڈروں کی طرف سے اسلامی لٹریچر کا مطالبہ: میں یہاں ضروری سمجھتا ہوں

کہ دو اچھوت لیڈروں کے خطوط کا ذکر کروں۔ جن میں سے ایک جنوبی ہند اور دوسرے یو پی کے ہیں۔ اول الذکر لکھتے ہیں:

> ''میں تھیا قوم کا فرد ہوں۔ مالا بار کے علاقہ میں ہماری تمام جماعتوں نے تجاویز پہلے ہی پاس کر دی ہوئی ہیں کہ تھیا قوم فوراً ہندو دھرم کو چھوڑ دے۔ اب معاملہ زیر بحث یہ ہے کہ کونسا مذہب اختیار کیا جائے۔ اس مسئلہ پر ہمارے رہنماؤں کے خیالات میں اختلاف کی خلیج وسیع تر ہوتی گئی ہے۔ ان میں سے اکثر کا خیال ہے کہ تھیا قوم کی صدیوں کی ذلت اور پستی کا علاج صرف اسلام کے زندگی بخش پیغام میں ہے۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم اسلام کے موٹے موٹے اصولوں سے بھی نابلد محض ہیں۔''

اس کے علاوہ مدراس سے بھی ایک اور خط آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا ہے کہ ٹراونکور میں جہاں کے اچھوت تعلیم یافتہ لوگ ہیں، عیسائیت اور اسلام کو اختیار کرنے میں پرانے لوگوں اور نوجوان طبقہ میں اختلاف رائے ہے۔ پرانے لوگ عیسائیت کی طرف مائل ہیں۔ مگر نوجوان اسلام کے حامی ہیں۔ یہاں پر سولہ لاکھ عیسائی پہلے موجود ہیں۔ جن میں پرانے عیسائی بھی شامل ہیں۔ مگر مسلمان صرف تین لاکھ ہیں اور وہ بھی حسب معمول بے حس ہیں۔ نو لاکھ کی اچھوت قوم اس وقت یہ فیصلہ کرنا چاہتی ہے کہ وہ کس مذہب کو قبول کرے۔ عیسائی ان لوگوں کی امداد کر رہے ہیں جو عیسائیت کی طرف مائل ہیں۔ مگر نوجوان طبقہ جو اسلام کی طرف مائل ہے، اس کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ افسوسناک حالات ہیں کاش! آج مسلمانوں میں کچھ بھی احساس اپنے فرض کا ہوتا۔ تو لاکھوں نہیں کروڑوں کی تعداد میں یہ لوگ ان کے ساتھ آ ملنے کو تیار ہیں۔

یو پی کے ایک مشہور اچھوت لیڈر بھی اسی درد سے رقم پذیر ہیں۔ کہ اسلام کی تعلیم لوگوں تک نہیں پہنچی۔ اس لئے جلد تر ہندی زبان میں اسلام پر ٹریکٹ شائع کر کے اچھوتوں پر واضح کر دیا جائے کہ اسلام اپنے تمام پیروؤں کو اخوت ومساوات، برادری اور برابری کی لڑی میں پرو دیتا ہے۔

پونا میں اسلامی مشن: اگر اسلامی لٹریچر کا مطالبہ اچھوت لیڈروں کی طرف سے نہ بھی ہوتا تو بھی ہمارا

فرض تھا (وہ فرض جو اسلام اور ملک کی مظلوم آبادی کی طرف سے ہم پر عائد ہوتا ہے) کہ اسلام کا روح پرور پیغام ان کے دروازوں تک لے جاتے اور انہیں بتاتے کہ اسلام کے دامن میں تمہارے لئے حقیقی مساوات اور اخوت موجود ہے۔ اس فرض کے احساس سے متاثر ہو کر احمدیہ انجمن اسلام لاہور نے پونا میں اسلامی مشن قائم کر دیا ہے۔ مشن چلانے کا کام مولٰنا عبدالحق ودیارتھی فاضل سنسکرت اور میاں بشیر احمد ایم اے کے سپرد کیا گیا ہے۔ جو وہاں ماہ جنوری کے اختتام سے نہایت سرگرمی سے اشاعت اسلام میں مشغول ہیں۔

مشن کے قائم کرنے کا مقصد دوگونہ ہے: 1۔ مرہٹی زبان میں اسلامی لٹریچر پیدا کر کے مرہٹی بولنے والوں کو اسلام کی اخلاقی اور معاشرتی تعلیم اور بڑے بڑے اصول سے آشنا کرنا۔

2۔ اچھوت رہنماؤں سے ذاتی میل ملاپ کا واسطہ پیدا کرنا۔ تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ اسلام کس حد تک اپنی تعلیم کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ موخرالذکر بھی اول الذکر کی طرح ضروری بلکہ زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ عملی سلوک اور برادرانہ برتاؤ ہی اچھوتوں کی ہمدردی اور توجہ کو کھینچ سکتا ہے۔ درحقیقت اسی لحاظ سے ملک کے بعض حصص کے اور بالخصوص احاطہ بمبئی کے مسلمان اسلام کی بجائے ہندو اثر کے ماتحت ہیں۔ کیونکہ وہ بھی اچھوتوں کو ناپاک خیال کرتے ہیں اور جب وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو ان سے برادرانہ سلوک کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ پس مشن کا قیام نہ صرف اچھوتوں کے دل میں اس بات کا احساس پیدا کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اسلام انہیں ایسی مکمل برادری عطا کرتا ہے۔ جس کا وہم بھی ہندو دھرم میں ناممکن تھا بلکہ اس لئے بھی کہ مسلمانوں کی موجودہ ذہنیت میں ایک انقلاب پیدا کیا جائے۔

پونا مشن کے علاوہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے پنجاب میں بھی بعض اچھوت اقوام میں تبلیغ کا کام شروع کر دیا ہے۔ اگرچہ فی الحال یہ کام مختصر پیمانے پر جاری کیا گیا ہے۔ مگر حالات کے پیش نظر امید واثق ہے کہ عنقریب ہی اس کا دائرہ عمل بہت وسیع ہو جائے گا۔ یوپی اور مدراس کے اچھوتوں کی ضروریات بھی زیرغور ہیں۔ اور اگر سرمایہ کا خاطر خواہ بندوبست ہو گیا تو انشاءاللہ العزیز وہاں بھی تبلیغ کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ معمولی پیمانے پر پونا مشن اور پنجاب میں کام چلانے کے لئے ایک ہزار روپیہ ماہوار خرچ ہو گا۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب حالات بہتر پلٹا کھائیں اور کام وسیع تر پیمانے پر

چلانے کی فوری ضرورت آ پڑے۔اس لئے دور بینی کا تقاضا ہے۔ہم فوری ضرورت کے لئے مکمل طور پر تیار رہیں۔

ہمیں اس بات کا پوری طرح احساس ہے کہ یہ کام ہم نے اپنی طاقت سے بڑھ کر اپنے ذمہ لیا ہے۔مگر یہ دیکھ کر کہ مسلمان تخریبی کام میں مشغول ہیں اور اندرونی قوت کی بربادی کی فکر میں ہیں۔ہم نے اچھوتوں میں اشاعت اسلام کا کام اپنے کمزور کندھوں پر اٹھا لیا ہے۔جس سے ہماری زبردست ذمہ داریوں میں بہت بڑا اضافہ ہو گیا ہے۔اس وقت جبکہ ڈاکٹر امبید کر آٹھ کروڑ اچھوتوں کو ہندو دھرم سے علیحدہ ہونے کے لئے تیار کر رہا ہے،مسلمان کی خاموشی صرف خدا ہی نہیں بلکہ اسلام سے غداری ہے۔آٹھ کروڑ انسان اسلام کے دروازہ پر داخلے کے لئے منتظر کھڑے ہیں اور مسلمان باہمی مناقشات، تکفیر بازی اور تخریب میں سرگرم ہیں۔ان کے سامنے اس وقت ایک ایسا زبردست موقعہ ہے۔کبھی ہی نصیب ہوتا ہے اور اگر انہوں نے اس موقعہ پر بھی غفلت سے کام لیا تو وہ ہمیشہ کے لئے کف افسوس ملیں گے۔اور **خسر الدنیا والاخرۃ** کے مصداق ٹھہریں گے۔

مسلمانوں کی طرف سے تبلیغ اسلام کے متعلق اس قدر بے اعتنائی اس وجہ سے ہے کہ اس کے علماء کلیۃً ایک اور کام میں مشغول ہیں۔جیسا کہ مولٰینا شبلی مرحوم فرماتے ہیں ؎

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر　　بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں!

تکفیر (مسلمانوں کو کافر بنانا) اور تبلیغ (غیر مسلمانوں تک پیغام اسلام پہنچانا) دو ایک دوسرے کے متضادم کام ہیں۔اور جب تک مسلمان باہمی تکفیر کے حربوں سے دستکش نہیں ہوں گے تبلیغ کی طرف مطلق توجہ نہیں دے سکتے۔آج تک مسلمان کی سب سے بڑی خصوصیت،جس کا غیر قوموں کو بھی اعتراف ہے، یہ سمجھی جاتی تھی کہ ہر مسلمان پیدائشی مبلغ ہوتا ہے۔وہ جو چاہے کام کرے، تاجر ہو، زمیندار ہو ملازم ہو،مگر وہ تبلیغ کے موقعہ کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔اسی خصوصیت کی بدولت تھا کہ دین اسلام باوجود کوئی خاص تبلیغی نظام نہ ہونے کے دنیا کے کناروں تک پھیل گیا۔مگر آج مسلمانوں نے اپنی یہ خصوصیت یہاں تک کھو دی ہے کہ اور سب کاموں کی طرف ان کی توجہ ہو سکتی ہے۔مگر تبلیغ کے لئے ایک پیسہ بھی خرچ کرنا ان کے لئے دشوار ہے۔عیسائی ایک غیر ملک سے آ کر کروڑوں روپے یہاں کے

لوگوں کو عیسائی بنانے پر خرچ کر رہے ہیں۔ اور اچھوتوں میں انہیں یہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے کہ ہر سال ایک لاکھ انسان عیسائیت میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور ہر دس سال کی مردم شماری میں ان کی تعداد میں دس لاکھ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت وہ بے دریغ روپیہ بہار رہے ہیں کہ اچھوت اقوام سب کی سب عیسائیت میں داخل ہو جائیں۔ آریہ سماج بھی ہزار ہا روپیہ ان لوگوں کو شدھ کرنے کے لئے خرچ کر رہی ہے۔ سکھوں نے تین لاکھ روپیہ اس غرض کے لئے فوراً الگ کر دیا ہے۔ اور ان کے آدمی اس وقت جنوبی ہند میں بھی پہنچے ہوئے ہیں۔ مگر اسلام کی بے کسی آنسو بہانے کے قابل ہے کہ مسلمانوں پر اس عالمگیر جدوجہد کا اتنا بھی اثر نہیں کہ سارے ملک میں کوئی دس بیس مقامات پر ہی اچھوتوں میں تبلیغ کے مرکز قائم کر دیں۔ نہیں بلکہ تعصب اور جہالت کا ستیاناس ہو۔ ایک ہی جماعت جو اس وقت اچھوتوں میں تبلیغ پر کچھ توجہ دے رہی ہے، یعنی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، اس کی بھی مخالفت کر رہے ہیں۔ مگر ہمیں اس کی پروا نہیں۔ کام تو خدا اور رسول ؐ کا ہے۔ ہماری انجمن نے انہی حالات کے پیش نظر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ مدراس اور یوپی میں دو اور مرکز کھول دیئے جائیں اور اس طرح مرہٹی کے علاوہ ہندی اور تامل زبانوں میں بھی تعلیم اسلام کو اچھوتوں تک پہنچایا جائے۔ تمام بہی خواہان اسلام سے یہ التماس ہے کہ اس وقت وہ انجمن کی تھوڑی سی حوصلہ افزائی کریں تو انشاءاللہ اپنی زندگیوں میں وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡ خُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا (2:110) دیکھ لیں۔ جو اصحاب کم سے کم پچیس روپے سالانہ سے انجمن کی امداد کریں، انہیں باقاعدہ تین یا چھ ماہ بعد کام کی رپورٹ بھی پہنچائی جاتی رہے گی۔ والسلام۔

23 مارچ 1936ء

قادیانی غلو کا نیا قدم

ظلّی قرآن کی تیاریاں

غلو ایک خطرناک اخلاقی وذہنی مرض ہے۔ اس کی حالت دلدل کی طرح ہوتی ہے۔ جو شخص یا قوم اس کا شکار ہو جاتی ہے وہ روز بروز نیچے دھنستی چلی جاتی ہے۔ قادیانی جماعت کی عبرتناک مثال ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے ایک مجدد کو نبی بنایا۔ قرآن وحدیث اور حضرت مسیح موعود کی واضح تعلیمات اور روشن مسلک کے باوجود کروڑوں کلمہ گو مسلمانوں کو بلا تکلف کافر قرار دے دیا۔ ایک بہت بڑی غلطی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میاں محمود احمد صاحب اور ان کی جماعت سے آئے دن خطرناک غلطیاں سرزد ہو رہی ہیں۔ ان کی حالت بالکل دلدل میں پھنسے ہوئے آدمی کی طرح ہو رہی ہے۔ پہلے ظلی نبی، اصلی نبی بنا، اس کے بعد قادیان کے جلسہ سالانہ کو نہایت بیباکی سے ''ظلّی حج'' قرار دے دیا گیا۔ اب قادیانی غلو کے تیوروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ''ظلی قرآن'' کی بھی تیاری شروع ہوگئی ہے۔

گذشتہ جلسہ سالانہ پر میاں صاحب نے جو تقریر ارشاد فرمائی تھی۔ اس کا ایک حصہ ''الفضل'' 12 مارچ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں وہ اپنے ایک خطبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> ''میں نے اس خطبہ کو دوبارہ پڑھا ہے اور میری طبیعت پر یہ اثر ہے کہ وہ خطبہ اپنے اندر ایک الہامی رنگ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے بہت اچھا بولنے کی توفیق دی ہے۔ بہت سے آدمیوں کی نسبت میں اچھا اور بعض سے بہت اچھا بول سکتا ہوں۔ مگر بعض باتیں اپنے اندر ایسی روحانی لہر رکھتی ہیں جو عام باتوں سے ممتاز ہوتی ہیں۔ بعض تحریرات اور تصنیفات میں میرے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوا ہے۔ چنانچہ ''احمدیت اور دعوۃ الامیر'' کے بعض حصے ایسے ہیں جن کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ خدائی تائید شامل ہے اور وہ انسانی الفاظ نہیں رہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے القا کردہ الفاظ ہو گئے ہیں۔ قرآن مجید کا تو ہر لفظ الہامی ہے۔ مگر قرآن مجید کے ظل کے طور پر بعض دفعہ خدا تعالیٰ اپنے بعض بندوں کی زبان پر بھی الہامی کلمات

جاری کر دیا کرتا ہے۔ اس خطبہ کے بعض حصوں کے متعلق بھی مجھ پر یہ اثر ہے کہ ان کے پیچھے ملائکہ کام کر رہے ہیں'' صفحہ 6 کالم نمبر 1

قادیانیوں کا فن تاویلات ظل کو اصل بنانے میں بے حد مشاق واقع ہوا ہے۔ ان لوگوں کو میاں صاحب سے جو اندھی عقیدت ہے وہ بھی اظہر من الشمس ہے۔ ان حالات کی موجودگی میں اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ وفا شعار اور عقیدت کیش قادیانی حضرات اپنے پیر کی تحریروں اور تقریروں کو باقاعدہ ''ظلی قرآن'' مان لیں۔ اور یہ ظل بھی کچھ عرصہ کے بعد اصل کا درجہ حاصل کر لے۔ اگر بفرض محال جناب میاں صاحب کی یہ خواہش نہ بھی ہو تو ان کے مرید ضرور اس کی کوشش کریں گے۔ ہمیں افسوس ہے کہ میاں صاحب اپنی تحریروں اور تقریروں میں بے محابا ایسے الفاظ استعمال فرما دیتے ہیں جو دنیا میں احمدیت کو بدنام اور اسلام کے اندر ایک فتنہ پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کے مندرجہ بالا الفاظ بھی ایسے ہی ہیں۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ میاں صاحب اور ان کے مریدوں کو غلو کے مرض سے نجات دے۔ گو اس دعا میں یقین واطمینان کا عنصر بہت ہی کم ہے۔

23 مارچ 1936ء
تاریخ کا ایک ورق

سرزمین فجی میں

جماعت احمدیہ اور آریہ سماج کے ایمان افروز معرکے

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کا شاندار منظر

مرزا مظفر بیگ ساطع مسلم مشنری فجی کے قلم سے

سرزمین فجی میں 1935ء ایک تاریخی سال گزرا ہے۔ اس سال فجی میں ایسی زبردست مذہبی جنگ لڑی گئی جس کی مثال فجی کی تاریخ میں موجود نہیں۔ مغرور سرکش آریہ سماج کو پے در پے ایسی شکستیں ہوئیں کہ ایک دنیا کو عبرت ہوئی۔

اللہ اللہ! ایک وہ زمانہ تھا کہ فجی کے لوگ آریہ سماج کے خوف سے لرزہ براندام تھے۔ لیکن آج وہ وقت ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے آریہ سماج کا مذاق اُڑا رہے ہیں اور آریہ پنڈت ہیں کہ سہمے بیٹھے ہیں۔

19 اپریل 1934ء کے ''پیغام صلح'' کے ذریعہ قارئین کرام کے ملاحظہ سے گزر چکا ہے کہ کس طرح ایک جوشیلے آریہ سماجی سری رام نے ہم سے ایک مہینے کا معیاری چیلنج آریہ سماج کے نام لکھوا کر اس بات کا بیڑا اٹھایا تھا کہ وہ ہمارے مقابلہ پر آریہ سماج کو کھڑا کرے گا اور اگر آریہ سماج نہ کھڑا ہوا تو وہ لکھ دیتا ہے کہ واقعی احمدیوں کے مقابلہ میں آریے نہیں ٹھہر سکتے۔ ہمارے اس چیلنج نے آریہ سماج کو بے حد رسوا کیا اور سری رام کی ہزار کوشش کے باوجود آریہ سماج میدان میں نہ آیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آریہ سماج کے نوجوان طبقہ کی عقیدت میں فرق آنے لگا۔ اور وہ کھلے بندوں اپنے پنڈتوں اور لیڈروں کو کوسنے لگا۔

آریہ سماج پر سوالات: 16 جون 1934ء کے اخبار ''وردھی بانی'' کے ذریعہ ہم نے آریہ سماج سے ایک سوال پوچھا کہ ستیارتھ کاش کے آٹھویں سملاس میں سوامی دیانند نے لکھا ہے:

''مَنُشْیَہ رِشْ لَیْس چَیے تَیْوْ مَنُشْیَہ اَجَایَنْت'' یہ یجروید میں لکھا ہے۔

ہم آریہ سماجیوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ یہ منتر یجروید سے نکال کر دکھائیں۔ مگر آریہ سماج نے

کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد 15 فروری 1935ء کو ''پیغام صلح'' کے ذریعہ آریہ سماج سے ایک سوال پوچھا گیا کہ ستیارتھ پرکاش کے پانچویں سملاس میں سوامی دیانند نے لکھا ہے کہ ویدوں میں بھی یتیہ برہمنی وجانتہ وغیرہ الفاظ میں سنیاس کی ہدایت آئی ہے۔'' ہم آریہ سماج کو چلینج کرتے ہیں کہ وہ مندرجہ بالا منتر ویدوں سے پیش کرے۔ مگر آریہ سماج کی طرف سے کوئی جواب نہیں!

ایک آریہ سماجی کی اشتعال انگیز کتاب: یہ حالات چل ہی رہے تھے کہ ایک مفسد آریہ سماجی کٹیسر سنگھ نامی نے ایک گندی منظوم کتاب شائع کی۔ جس میں سناتن دھرمیوں کے قابل صد احترام مہاراج رام چندرجی کے گورو وشٹھ رشی کو گُنی کا پُتر (کنجری کا بیٹا) لکھ مارا اور اس ناپاک کتاب کا نکلنا تھا کہ فجی بھر کے سناتن دھرمیوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ چنانچہ 10 مارچ 1935ء کو سناتن دھرمیوں کے اپدیشک پنڈت رام چندرجی نے ایک عظیم الشان احتجاجی جلسے کا انتظام کیا۔ بہت سے مقررین نے گرم گرم تقریریں کیں۔ راقم الحروف سے بھی لیکچر کی درخواست کی گئی۔ لیکچر شروع ہوا۔ میں نے وشٹھ رشی کی پیدائش کے اصل حالات رگ وید سے پیش کر کے آریہ سماج کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ مناتن دھرمیوں نے چیئرز پر چیرز دیئے۔ مناتن دھرمیوں کا ایک اسلامی مبلغ کو اپنے جلسہ میں لیکچر کے لئے کھڑا کرنا اور اس کے لیکچر پر چیئرز پر چیرز دینا یہ ایسی چیزیں تھیں کہ آریوں کے سینے پر سانپ لوٹ لوٹ گئے۔ نوجوان آریوں نے اپنے پنڈتوں اور لیڈروں کا دم ناک میں کر دیا کہ احمدی مبلغ ہر جگہ آریہ سماج کو نیچا دکھا رہا ہے اور آریہ سماج ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتا!

یہ گرما گرمی ہو ہی رہی تھی کہ 15 مارچ 1935ء کے ''پیغام صلح'' کے ذریعہ آریہ سماج سے ایک اور سوال پوچھا گیا کہ ستیارتھ پرکاش کے چوتھے سملاس میں سوامی دیانند نے لکھا ہے:

''انگا، دنگات۔ ہم بھوسی، ہردیاد، دھی جایسے۔ آتما۔ دتی۔ پتر ناماسی، ساجیوشر دھاشتم'' یہ سام وید کا قول ہے۔

ہمارا دعوٰی ہے کہ یہ منتر سام وید تو کیا چاروں ویدوں میں نہیں۔ اور پھر ہم نے یہ بھی لکھا کہ آریہ سماجیو! ہمارا بہت سا قرضہ تمہارے نام ہو چکا ہے۔ آگے بڑھو اور جواب دو۔ آریہ سماج کا نوجوان طبقہ آریہ سماج کے قابو سے باہر ہوا جا رہا ہے۔ ہمارے اس آخری سوال نے آریہ سماج کی پوزیشن کو اتنا نازک بنا دیا ہے کہ اگر وہ ہمارا جواب نہیں دیتا تو پھر اس کے گھر میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھنے کو ہے۔

آریہ سماجیوں کی بہانہ سازیاں: آخر 23 مارچ کو آریہ سماج نے ایک اشتہار نکالا۔ جس کا عنوان تھا احمدیہ انجمن کا چیلنج منظور۔ یہ تو ایک حقیقت تھی کہ آریہ سماج میں ہمارے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اور نہ آریہ سماج اپنے گھر کی بغاوت کو برداشت کرسکتا تھا۔ اس لئے اس نے ایسی ہی کارروائی کرنی تھی کہ مقابلہ بھی نہ ہونے پائے اور گھر والوں کی بھی کچھ طفل تسلی ہو جائے۔ چنانچہ آریہ سماج نے اپنے اشتہار میں ایسی ہی چالبازیوں سے کام لیا۔ اول یہ کہ ہم نے پوچھے تھے تین منتر مگر آریہ سماج دو منتروں کو تو بالکل پی ہی گیا۔ صرف ایک منتر ''یتیہ برہمنی وجانتہ'' کو لیا۔ اور پھر اس کے بھی تین ٹکڑے یتیہ، برہمنی۔ وجانتہ کر کے ایک ٹکرا ایک ایک وید سے دکھا دینے کا وعدہ کیا۔ گویا ع لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دوم۔ یہ تین لفظ بھی تین ویدوں سے نکال کر اس وقت دکھائے جائیں گے۔ جبکہ احمدیہ جماعت فی لفظ پچاس پونڈ اور کل ڈیڑھ سو پونڈ جمع کرے۔

سوم۔ یہ کہ 31 مارچ کو راقم الحروف کا مناظرہ شہر صوا سے ایک سو پچاس میل کے فاصلہ پر مقام با میں ملیالم (موپلا) قوم کے ایک مولوی صاحب سے وہ چکا تھا اور ہم نے احمدی جماعت سمیت وہاں پہنچنا تھا۔ اس کا اعلان ملیالم قوم نے اشتہارات کے ذریعہ کر رکھا تھا۔ آریہ سماج نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور لکھا کہ 31 مارچ کو ہمارے مندر میں آؤ۔ گویا ایک مظفر بیگ بیک وقت صوا میں بھی موجود ہو اور صُوا سے ایک سو پچاس میل با میں بھی مناظرہ کر رہا ہو۔ ادھر ہمارا جواب نکلا۔ 1۔ تین لفظ نہیں تین منتر دکھانے ہوں گے 2۔ پونڈوں کی بازی تو معمولی ہے۔ اگر ہمارے پوچھے ہوئے تین منتر ویدوں سے دکھا دیئے جائیں۔ تو ہم ویدک دھرم قبول کرلیں گے 3۔ 31 مارچ کو ہمارا مناظرہ با میں مقرر ہو چکا ہے 7 اپریل مقرر کرو۔ ہم مندر میں آئیں گے۔

ہم انتظار میں رہے کہ آریہ سماج کی طرف سے کیا جواب ملتا ہے۔ مگر آریہ سماج نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر ہمارا دوسرا اشتہار نکلا۔ جس کا عنوان تھا۔ ''کہواب کیا کہتے ہو'' اس اشتہار میں ہم نے اعلان کر دیا کہ ہم نے اپنا با والا مناظرہ ملتوی کر دیا ہے۔ ہمیں آپ کا مقرر کیا ہوا 31 مارچ منظور ہے۔ ہم دو بجے مندر میں آئیں گے۔

اس پر آریہ سماج نے جواب دیا کہ آپ بیشک با جائیں۔ 31 مارچ کو آپ کی انجمن کے ٹرسٹیز

آ کر تین لفظ (ہمارا مطالبہ تین منتروں کا تھا) تین ویدوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ 7 اپریل کو آپ بھی دیکھ سکتے ہیں۔لیکن چونکہ ہم نے تار کے ذریعہ بآ کا جلسہ ملتوی کرادیا تھا۔اس لئے ایک اشتہار نکال کر 31 مارچ کو سماج مندر میں پہنچنے کا اعلان کر دیا۔

قسط دوم: **مطبوعہ در اشاعت 27 مارچ 1936ء**

سماج مندر میں اجتماع: 31 مارچ کو لوگ کثیر تعداد میں وقت مقررہ سے پہلے ہی سماج مندر میں پہنچ گئے اور تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔سینکڑوں لوگ باہر مندر کو گھیرے کھڑے تھے اور آواز سن لینے کو ہی غنیمت سمجھ رہے تھے۔کارروائی شروع ہوئی۔مسٹر شنودیو پرچار منتری آریہ سماج نے راقم الحروف سے پوچھا کہ آپ کس حیثیت سے آئے ہیں۔میں نے کہا کہ میں تین حیثیتوں سے آیا ہوں۔اول۔مسلم مشنری کی حیثیت سے دوم۔ایڈیٹر پیغام اسلام کی حیثیت سے اسی اخبار نے آپ کو چیلنج کیا تھا۔سوم۔ساہو خاں صاحب ٹرسٹی احمدیہ انجمن کے نمائندہ کی حیثیت سے۔باقی ٹرسٹیز یہاں سے دو صد میل کے فاصلہ پر نانڈی سٹو کا میں رہتے ہیں۔اس پر مسٹر وشنودیو نہایت غیر متعلق باتیں کرنے لگا۔جن کا جواب ساتھ کا ساتھ دے دیا جاتا رہا اور ہر رنگ میں ان پر اتمام حجت کر دی جاتی رہی۔پبلک نے سر ہلا ہلا کر تسلیم کیا کہ مسٹر وشنودیو حیلوں بہانوں سے جان چھڑا رہے ہیں۔آخر پر میں نے کہا کہ آپ نے پبلک کا بہت سا قیمتی وقت غیر متعلق باتوں میں ضائع کر دیا ہے۔پبلک یہاں صرف وشنودیو اور مرزا مظفر بیگ کا منہ دیکھنے نہیں آئی۔پبلک تو یہ دیکھنے آئی ہے کہ وہ تین منتر ویدوں میں ہیں کہ نہیں۔پبلک کا وقت برباد نہ کرو اور اصل کارروائی شروع کرو۔میرے اس مطالبہ کی تمام پبلک نے تائید کی۔

ہمارا مطالبہ اور آریہ سماج کی پہلوتہی: پبلک کی حیرت و مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے آریہ سماج کا یہ اعلان سنا کہ ''ہم مرزا مظفر بیگ سے گفتگو کرنا منظور نہیں کرتے۔ان کے لئے 7 اپریل رکھا گیا تھا۔آج ٹرسٹیز آتے''۔اس پر ہم نے مسٹر وشیودیو کو بتلایا کہ کل آپ نے اعلان کیا ہے۔دوسو میل کے فاصلے سے آج ٹرسٹیز یہاں کیسے پہنچ سکتے تھے۔اور پھر اس حالت میں جبکہ برسات کی وجہ سے تابوا کی ندی نے رستہ بھی بند کر رکھا ہے اور آمدورفت ناممکن ہوگئی ہے۔جو ٹرسٹی صوا (ساہو خاں صاحب) میں موجود تھا اور اب اس جلسہ میں بھی موجود ہے۔اس نے مجھے اپنے نمائندہ کی حیثیت سے پیش کر دیا ہے

آپ کو مجھ سے بات چیت کرنا ہوگی۔ ہم ابھی بیان کر ہی رہے تھے کہ مسٹر وشودیو نے جلسہ برخاست، جلسہ برخاست کا شور مچا دیا۔ تمام آریہ سماجیوں کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں کہ اصل کارروائی شروع بھی نہیں ہوئی اور جلسہ برخاست بھی ہو گیا۔ مسٹر کنئی سنگھ وائس پریذیڈنٹ آریہ سماج نے خفت مٹانے کی غرض سے ''ویدک دھرم کی جے'' کا نعرہ لگایا۔ بس پھر کیا تھا مسلمانوں کو خدا دے۔ تکبیر کے پے در پے فلک شگاف نعرے بلند ہونے شروع ہوئے۔ اب وہی ننئی سنگھ تھے کہ اپنے دو ہاتھ جوڑ کر ہم سے درخواست کرنے لگے کہ نعرہ بند کرائیں۔ مسٹر وشنودیو مندر سے باہر چلے گئے ہیں۔ اب آپ لوگ بھی جائیں۔ ہم ہون کریں گے۔ اَلْعَظْمَةُ لِلّٰہِ ایک وہ وقت تھا جبکہ آریہ سماج نے سنگھٹن کے ذریعہ ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ مسلمان کے سایہ کو بھی ناپاک سمجھا جاتا تھا اور آج وہ وقت ہے کہ مسلمان آریوں کے مندر میں پہنچ کر اللہ اکبر کی پرہیبت صدا سے مندر کے ایک ایک ذرہ کو ہلا دیتے ہیں۔ آخر ہم مندر سے باہر نکلے لوگوں نے گھیر لیا۔ کوئی معانقہ کرتا ہے تو کوئی مصافحہ۔ پھر لوگ موٹروں اور لاریوں کے ذریعہ ساہو خاں صاحب کے دولت کدہ پر پہنچے۔ وہاں لوگوں نے لیکچر سننے کی پرزور خواہش کا اظہار کیا۔ ایک گھنٹہ میرا لیکچر ہوا۔

7 اپریل کی کیفیت: 31 مارچ کی کارروائی قارئین کرام کے ملاحظہ سے گزر چکی ہے اس کے بعد ہم نے 7 اپریل کی تیاری کی۔ اور ایک اشتہار نکالا کہ ہم 7 اپریل کو پھر مندر میں آئیں گے۔ 31 مارچ کو تو تم لوگوں نے ٹرسٹیوں کے کمزور اور غلط بیانی پر ٹالا۔ 7 اپریل تو مرزا مظفر بیگ کے لئے خاص مقرر ہے۔ مرزا مظفر بیگ 7 اپریل کو مندر میں آئے گا۔ تین منتر تیار رکھو۔ وقت کافی تھا۔ اس لئے جناب محمد طاہر خاں صاحب امیر جماعت احمدیہ فجی کو لٹوکا اطلاع کر دی گئی کہ احمدی جماعت سمیت پہنچیں۔ چنانچہ 6 اپریل کو جناب خان صاحب ممدوح بہت سے احباب کو لے کر صوا پہنچ گئے۔ 6 اپریل کو ''فجی سماچار'' اخبار میں آریوں نے بہت کچھ رونا رویا اور مناظرے سے بچنے کے لئے حیلے بہانے کئے اور آخر لکھا کہ ہم اپنے مندر میں صرف چار احمدیوں کو آنے دیں گے۔ تین منتر نہیں صرف ایک منتر۔ وہ بھی تین ٹکڑے کر کے۔ ایک ایک ٹکڑا الگ الگ ویدوں سے دکھایا جائے گا۔ آریوں کے اس اعلان پر پبلک نے شور مچا دیا کہ آریہ میدان مناظرہ سے بھاگ نکلے۔ پبلک کی طرف سے ہم کو ٹیلفون پر ٹیلفون آنے لگے کہ

آریے تو بھاگ نکلے۔ پھر اب کل کیا ہوگا۔ آپ مندر میں جائیں گے کہ نہیں۔ اس پر ہم نے اسی وقت ایک اشتہار نکالا۔ جس میں ہم نے پبلک کی اطلاع کے لئے اعلان کیا کہ ہم کل 7 اپریل دن کے دو بجے آریہ سماج مندر میں پہنچیں گے۔ پبلک وقت پر پہنچے۔ محمد طاہر خاں صاحب نے فرمایا کہ اگر آریہ لوگ دھرم کی بازی منظور نہیں کرتے اور روپے ہی لے کر منتر دکھا سکتے ہیں تو ہم روپے کا بھی بندوبست کر لیتے ہیں۔ آریہ سماجی پچاس پچاس پونڈ کُل ڈیڑھ سو پونڈ مانگتے ہیں۔ ہم انہیں ایک ایک منتر پر ایک ایک سو پونڈ دیں گے۔ چنانچہ مطلوبہ روپیہ کے نوٹ ایک بڑے لفافے میں بند کر کے رکھ لئے گئے۔ 7 اپریل کو احمدی جماعت کے لوگ جوق در جوق ساہو خاں صاحب کے ہاں جمع ہوئے۔ تمام احباب کے ذہن نشین کرایا گیا کہ آپ لوگ وقت سے کچھ قبل پہلے مندر میں جا بیٹھیں۔ لیکن اگر آپ کو باہر نکلنے پر مجبور کیا جائے تو بغیر کسی مزاحمت کے آپ لوگ باہر نکل کر ہمارا انتظار کریں۔ ہم آپ بھائیوں سے وعدہ کرتے ہیں کہ بغیر آپ کو ساتھ لئے ہم کوئی کارروائی نہ کریں گے۔

آریہ سماجیوں کا غیر مہذبانہ سلوک: احباب وقت سے پہلے مندر کی طرف موٹروں لاریوں کے ذریعہ چل دیئے۔ کچھ احباب تو مندر میں داخل ہو جانے میں کامیاب ہو گئے۔ باقی باہر روک لئے گئے۔ پھر اندر کے احمدیوں کو بھی پہچان پہچان کر ہاتھ پکڑ پکڑ کر باہر نکلنے پر مجبور کیا گیا۔ کون شریف آدمی اپنی یہ توہین برداشت کر سکتا ہے۔ اگر احباب کو ہماری نصیحت نہ ہوتی تو گویا آریوں نے اپنے مندر میں اپنے ہاتھوں فساد کا سامان کر لیا تھا۔ ہمارے احباب نے کمال شرافت سے کام لیتے ہوئے مندر کو خالی کر دیا اور ہمارے انتظار میں باہر کھڑے ہو گئے۔ اس مناظرہ کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ اس لئے لوگ اس کثرت سے جمع ہوئے کہ صوا میں بہت کم ایسے اجتماع دیکھے گئے۔ ہمارے پہنچتے ہی احمدی جماعت نے صدائے احتجاج بلند کی کہ ہم کو باہر نکال دیا گیا۔ ہم مندر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور آریہ سماج پر چار منتری اور پریذیڈنٹ کو باہر بلوایا اور انہیں بتلایا کہ کس قدر بُری بات ہے کہ شریف انسانوں کو اندر سے بے عزت کر کے نکالا گیا اور پھر یہ کتنی بے انصافی ہے کہ آریے تو سب بیٹھ سکیں اور احمدی صرف چار۔ آپ لوگ احمدی جماعت کو اندر جانے کی اجازت دیں۔ ہمارے بہت سے احباب دو دو سو میل کا لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں۔ یہ دونوں صاحب مشورہ کے لئے اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس

آئے کہ نہ صاحب (نشچے) فیصلہ ہو چکا ہے کہ احمدی صرف چار ہی آئیں۔اس پر تمام لوگوں نے شور مچا دیا کہ یہ لوگ مقابلہ کرنا نہیں چاہتے۔خوامخواہ بہانہ بازیوں سے کام لے رہے ہیں۔چلو ہم دوسرے میدان میں لیکچر کا انتظام کرتے ہیں۔جہاں ان کی حقیقت کھولی جائے۔راقم الحروف نے کہا کہ آپ سب لوگ یہیں باہر کھڑے رہیں۔میں اکیلا مندر کے اندر جا کر پبلک کے سامنے پھر اپیل کرتا ہوں۔ میں نے تمام پبلک کے سامنے بلند آواز میں آریہ پنڈتوں اور لیڈروں کو مخاطب کیا کہ یہ نہایت ظلم اور بے انصافی ہے کہ سناتن دھرمی، کبیر پنتھی، سکھ، آریے، عیسائی غرض فجی بھر کی قومیں تو مندر میں بیٹھ سکیں۔ مگر جس جماعت کے ساتھ مناظرہ ہے، اس احمدی جماعت کے لوگ مندر میں نہ بیٹھ سکیں۔ بلکہ بیٹھے ہوئے احمدیوں کو ہاتھ پکڑ کر نہایت غیر مہذبانہ طریق سے باہر نکال دیا جائے اور پھر اگر یہ چار کی شرط اگر چند دن پہلے بتلا دی جاتی تو ہم دو دو سو میل دور سے آنے والے احمدیوں کو تکلیف نہ دیتے۔ یہ چار والی شرط تو صرف کل اخبار میں لکھی گئی۔جبکہ آنے والے یہاں پہنچ چکے تھے۔اور پھر اگر یہی بات ہے تو ہم اسے بھی منظور کرتے ہیں۔اگر احمدی چار بیٹھیں تو آریے بھی صرف چار بیٹھیں۔ باقی آریوں کو اٹھایا جائے۔آریوں، احمدیوں کے علاوہ دیگر سب قومیں بیٹھی رہیں۔احمدی اور آریے صرف چار چار ہوں۔ یہ ایسی معقول اور مبنی بر انصاف بات تھی کہ تمام پبلک کے سر ہل گئے۔

اتمام حجت: مگر آریوں کی ضد ملاحظہ ہو۔جواب ملا کہ آریے سب بیٹھیں گے اور احمدی صرف چار۔ احمدی تکبیر کا نعرہ لگاتے ہیں۔اس پر میں نے کہا کہ یہ تو ایک بہانہ ہے۔نعرہ کی ابتدا تو آریہ سماج کے وائس پریذیڈنٹ مسٹر کنہی سنگھ کی طرف سے ہوئی۔احمدی اور آریے دونوں نعرے لگاتے رہے۔نکالتے ہو تو دونوں کو نکالو۔دونوں کے صرف چار چار آدمی رکھو اور پھر نعرہ تو میں بھی لگا تا رہا کہ مجھے بھی نکال دو تو مناظرہ کس سے ہوگا۔ان بہانہ سازیوں کو چھوڑ دو اور انصاف سے کام لو اور اگر تم احمدیوں سے اتنے ہی ڈرتے ہو تو لو سنو میں اتنی بھری سبھا میں گارنٹی کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ احمدیوں کی طرف سے امن کا میں ذمہ دار ہوں۔کوئی احمدی اُف تک نہ کرے گا۔ یہاں پولیس کی بھی بھاری تعداد موجود ہے۔گھبراؤ مت۔لیکن اگر آریوں کی منشاء مناظرہ کی ہوتی تو وہ کسی انصاف اور سمجھوتہ پر راضی ہو جاتے۔ وہ تو آئی ہوئی بلا کو ٹالنا چاہتے تھے۔اس لئے انہوں نے پبلک کی نظروں میں ذلیل ہونے کے باوجود انکار کر دیا۔

اس پر میں نے احمدی جماعت کو تو باہر ہی رہنے دیا اور نوٹوں سے بھرا ہوا لفافہ بلند کر کے اعلان کیا کہ آریو تم میں کون مائی کا لال ہے جو میرے پوچھے ہوئے تین منتر ویدوں سے نکال کر دکھائے۔ میں ایک ایک منتر پر ایک ایک سو پونڈ انعام دوں گا۔ کوئی ہے مائی کا لال جو کھڑا ہو اور انعام حاصل کرے؟ میں نے یہ اعلان بلند آواز سے تین بار کیا۔ تمام مندر میں سناٹا تھا۔ لوگ تھے کہ حیرت سے آریہ پنڈتوں کا منہ تک رہے تھے۔ مندر کی فضا قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کا شاندار منظر پیش کر رہی تھی۔ تمام آریہ پنڈت اپنی اپنی کرسیوں پر مردہ بنے بیٹھے تھے اور کسی کو توفیق نہ ملی کہ جواب میں ایک لفظ تک منہ سے بولے۔ انتہائی اتمام حجت کے بعد میں مندر کے دروازہ سے باہر نکلا۔ وہیں دروازہ پر ایک کھلی لاری احمدیوں نے تیار کر رکھی تھی۔ جس پر ایک میز دھر دیا گیا اور میں اس پر چڑھ گیا۔ بیشمار لوگ ارد گرد جمع ہو گئے۔ لفافہ چاک کر کے نوٹ پبلک کو دکھائے گئے۔ اور پھر بآواز بلند بار بار آریوں کو للکارا۔ مگر جن لوگوں پر موت وارد ہو چکی تھی ان کی طرف سے جواب کیا ملتا۔ آریہ سماج کی اس کھلی شکست اور اسلام کی اس شاندار فتح پر مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

چند ایمان افروز نظارے: ہماری جماعت کے ایک سخت مخالف مسلمان جو ہر سردار صاحب کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار ہو کر مندر سے نکلے اور کود کر لاری پر چڑھ گئے۔ وہاں سے کودے تو میز پر چڑھ کر میرے سینے سے سینہ ملا کر بغل گیر ہو گئے۔ یہ نظارہ دیکھ کر مسلمانوں نے دگنے جوش سے تکبیر کے نعرے بلند کئے۔ ہم دونوں بھائی بغل گیر بھی ہیں اور تکبیر کے نعرے بھی بلند کر رہے ہیں۔ بہت دیر تک ہم اسی جوش میں بغل گیر رہے۔ آخر اعلان ہوا کہ تمام لوگ ساہو خاں صاحب کے ہاں چلیں وہاں لیکچر ہو گا۔ مسلمانوں کے چہرے مارے خوشی کے ٹمٹما رہے تھے۔ بیشمار ہندو مسلمان ساہو خاں صاحب کے دولت کدہ کے متصل میدان میں جمع ہو گئے۔ لیکچر کا انتظام ہوا۔ ہمارے پر جوش بزرگ جناب مولانا عبدالکریم صاحب بانی مسلم سکول نصوری جوش ایمان سے بے خود ہو کر تمام پبلک کے سامنے آگے بڑھے اور راقم الحروف سے بغل گیر ہو گئے۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ جس آریہ سماج کو مسلمانوں نے اپنی آنکھوں ذلیل ہوتے دیکھا تو ان کے کلیجے ٹھنڈے ہو گئے۔ جوش بھرے جلسہ میں ایک گھنٹہ جوش بھرا لیکچر ہوا اور پھر تکبیر کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ جلسہ برخاست ہوا۔

آریہ سماج کی اس دوسری شکست نے ان کے اپنے دلوں پر اتنا اثر ڈالا کہ تمام آریے بازاروں میں سر جھکا کر چلتے اور مسلمانوں کی آنکھوں سے آنکھیں ملانا انہیں دشوار ہو گیا۔

قسط سوم (آخری): مطبوعہ دراشاعت 3 اپریل 1936ء

ٹھاکر کندن سنگھ کے چیلنج کا حشر: ہمارے فجی آنے سے پہلے آریہ سماجیوں کے پہلوان ٹھاکر کندن سنگھ نے اخبار ''ویدک سندیش'' کے ذریعہ پانچ سو روپے کا انعامی چیلنج نہایت زوردار الفاظ میں نکالا تھا کہ اگر کوئی شخص آریہ سماج کے کسی ایک سدھانت (اصول) کو ویدوں کے خلاف ثابت کر دے اس کو پانچ سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔ آریہ سماجیوں کو دوبار مندر میں پہنچ کر شکست دے آنے کے بعد ہم نے اس چیلنج کی طرف توجہ دی۔ اور اخبار ''ویدک سندیش'' کا مطلوبہ پرچہ بڑی مشکل سے مہیا کیا۔ 12 اپریل کو ہم نے ایک اشتہار نکالا۔ جس کا عنوان تھا۔ ''چیلنج منظور''۔ اس اشتہار میں ہم نے آریوں کے اس مشہور پہلوان کو میدان مقابلہ میں نکلنے کی دعوت دی اور کہا کہ ہم آریہ سماج کے اصولوں کو ویدوں کے خلاف ثابت کریں گے۔ ہم نے ٹھاکر کندن سنگھ کو اپنے اس اشتہار میں لکھا کہ وہ ٹھاکر اور سنگھ ہی کیا ہوا جو میدان سے پیٹھ دکھا جائے۔ امید ہے کہ آپ اپنے زوردار چیلنج کی عزت کو قائم رکھ کر آگے بڑھیں گے۔ ہمارے اس اعلان پر پبلک میں پھر جوش پیدا ہوا۔ کیونکہ آریوں کے پہلوان کے فخر و غرور کے ٹوٹنے کا وقت آ گیا تھا۔ مگر آریوں کا یہ پہلوان اسلام کی قوت سے خوب آشنا تھا۔ اس نے پادری سموئل شرن سے ہمارا مناظرہ سنا اور سماج مندر میں دوبار ہمارا دندنا دیکھا۔ آریہ کے اس پہلوان پر موت طاری ہو گئی۔ ہم نے کئی اشتہاروں میں ٹھاکر جی کو بار بار مخاطب کیا۔ لوگوں نے ٹھاکر جی کو ان کے منہ پر طعنے دیئے۔ مگر آریوں کے اس ''بہادر'' پہلوان نے اتنا لمبا پرنایام (حبس دم) کیا کہ گویا مر ہی گیا ہے اور یوں آریہ سماج کو ایک اور رنگ میں رسوا کن شکست ہوئی!

آریہ سماجیوں کا ایک اور اشتہار: آریوں کو اپنی خفت مٹانے کے لئے اور تو کچھ نہ سوجھا آخر ایک اشتہار نکالا کہ وکیل کے ہاں روپیہ جمع کرو۔ ہم تین لفظ (ہمارا مطالبہ تین منتروں کا تھا) ویدوں سے نکال دکھائیں گے۔ ہم جانتے تھے کہ آریہ سماجی اب صرف تنکوں کا سہارا لے رہے ہیں۔ مگر ہم نے ان کے تنکے بھی توڑ کر دکھ دیئے اور وکیل کے ہاں بھی پہنچے۔ آریہ سماجی صرف وکیل کے کلرک کے کمرہ میں آئیں

بائیں شائیں کر کے چلتے بنے۔ ہم نے بار بار کہا کہ چلو وکیل صاحب کے کمرے میں چلو۔ مگر وہ ایک بار بھی تیار نہ ہوئے۔ غرض جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا۔ آریہ سماج پبلک کی نظروں سے گرتا چلا جاتا تھا اور آریہ سماج کو اپنی ساکھ رکھنی بے حد مشکل ہوگئی۔

نصوری میں آریہ سماجی جلسہ: مرتا۔ کیا نہ کرتا آریہ سماج نے 20 اپریل کو ایک اشتہار نکالا کہ 21 اپریل کو آریہ بھون نصوری میں جلسہ کر کے مناظرے کے حالات سنائے جائیں گے۔ آریوں کا یہ اشتہار ہم کو پانچ بجے عصر کے وقت ملا۔ اسی رات ہمارے ایک نصوری کے دوست کی شادی تھی اور برات نصوری سے ھُوا آنی تھی۔ میرا لیکچر بھی تھا۔ دس بجے رات میں لیکچر کے لئے کھڑا ہوا اور میں نے کہا کہ آج میرا لیکچر یہی ہے کہ ہم کو آریوں کا ایک اشتہار ملا ہے۔ کل آریہ بھون نصوری میں ان کا جلسہ ہے۔ جس میں مناظرے کے حالات سنائے جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم بھی اس جلسہ میں شریک ہوں اور وہاں بھی ایک مقابلہ ہو جائے۔ اگر تمام احباب میری تجویز کو بالاتفاق منظور کریں تو میرا لیکچر یہی ہے کہ میں ابھی دفتر میں جا کر اشتہار چھاپوں۔ تاکہ پبلک کو بروقت اطلاع ہو سکے۔ تمام احباب نے بالاتفاق میری تائید کی اور میں اپنے چند کارکنوں کو لے کر چل دیا۔

رات کے اڑھائی بجے ہم لوگ اشتہارات چھپوا کر فارغ ہوئے اور جہاں برات ٹھہری تھی وہاں پہنچے۔ تمام لوگ محوخواب تھے۔ ایک نعرہ لگایا گیا کہ سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اشتہارات تقسیم ہوئے۔ آریوں کا جلسہ نصوری میں تھا۔ اور برات نے بھی صبح نصوری لوٹ جانا تھا۔ اس لئے علاقہ نصوری میں تقسیم کرنے کے لئے اشتہارات کا بنڈل براتیوں کے حوالہ کیا گیا اور چند خاص ہدایات دینے کے بعد ہم آرام کرنے کی غرض سے گھر چلے گئے۔

21 اپریل علی الصبح چاروں طرف اشتہار بٹ گیا۔ اس اشتہار کے ذریعہ آریہ سماج کو اطلاع کی گئی تھی کہ ہم بھی بھون میں آئیں گے۔ اشتہار کا نکلنا تھا کہ آریہ سماج میں ایک زلزلہ آ گیا۔ اور آریوں کو اپنی ایک اور شکست نظر آنے لگی۔ جلد جلد آریہ لیڈر ایک جگہ جمع ہوئے اور سر جوڑ کر سوچنے لگے۔ آخر ایک لمبی چوڑی چٹھی ٹائپ کر کے ہم کو پہنچا دی گئی کہ نہ صاحب آپ دور ہی رہیں آریہ بھون تو کیا آپ بھون کی حدود میں بھی داخل نہیں ہو سکتے۔ آریوں کی یہ دستخطی چٹھی فجی کے مسلمانوں کو ہمیشہ کام دے گی۔

اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ آریے مسلمانوں کو چیلنج پر چیلنج کرتے اور مقابلہ کے لئے للکارتے تھے اور اب ایک زمانہ ہے کہ مسلمان ان کو بار بار مقابلہ کے لئے بلاتے ہیں اور آریہ نہیں آتے۔ کیا سچ فرمایا حضرت مسیح موعود نے ؎

اک بڑی مدت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا   اب یقین سمجھو کہ آئے کفر کے کھانے کے دن

21 اپریل کو نصوری میں اجتماع: 21 اپریل کو ہم وقت پر نصوری پہنچے اور آریہ بھون کے قریب مسلم سکول میں اپنا جلسہ شروع کر دیا۔ آریوں نے غلطی سے اپنا جلسہ جلد ختم کر دیا۔ بس پھر کیا تھا سب کی سب پبلک ہمارے جلسہ میں کھچا کھچ بھر گئی۔ تین گھنٹے برابر میرا لیکچر جاری رہا اور آریہ سماج کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی گئیں۔ آریہ سماجی تھے کہ دم بخود بیٹھے تھے۔ ایک معمر آریہ نے بھرے جلسہ میں کہا بیشک آپ شیر ہیں۔ میں خود آریہ ہوں۔ مگر میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ اور صاف اعلان کرتا ہوں کہ آریے آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

آریہ سماج اوچھے ہتھیاروں پر: جب آریہ سماج کو ذلت پر ذلت نصیب ہوتی چلی گئی تو آخر آریے اپنے اصل لچھنوں میں اتر آئے اور اپنے اشتہاروں میں حضرت مسیح موعود اور احمدیت پر گند اچھالنے لگے۔ ایک دو بار ہم نے انہیں وارننگ دیا کہ ہوشیار ہو جاؤ اور اپنی روش کو بدل دو۔ ورنہ نتائج کے ہم ذمہ دار نہ ہوں گے۔ مگر آریوں نے اسے محض ایک دھمکی سمجھا اور ان حرکات سے باز نہ آئے۔ ادھر بھی کیا دیر تھی ؎

ضبط کروں میں کب تک آہ   چل میرے خامہ بسم اللہ

ہم نے اپنا قلم سنبھالا۔ حضرت صاحب اور احمدیت پر آریوں کے تمام اعتراضات کا دندان شکن جواب دیتے ہوئے ہم نے سوامی دیانند اور آریہ سماج پر دلائل کی ایسی شدید گولہ باری کی کہ آریوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ فجی کے آریے تو کیا، ہندوستان کے ہندو اخبارات شری وینک ٹیشور ڈشال بھارت۔ ''پرکاش'' اور ''آریہ پتر'' وغیرہ وغیرہ تک چلا اٹھیں۔ اور حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب کے نام کی دوہائی دینے لگیں کہ مرزا مظفر بیگ ہمارا کہا تو نہ مانے گا خدا کے لئے آپ اسے خط لکھ کر روکیں۔ فجی کے آریوں سے اور تو کچھ نہ بن سکا۔ ایک یورپین بیرسٹر کی خدمات حاصل کر کے حکام کے آگے ٹسوئے بہانے لگے کہ مرزا مظفر بیگ ہم کو ستا رہا ہے۔ انسپکٹر جنرل پولیس وسیکرٹری آف انڈین آفیسرز

سے میری ملاقاتیں ہوئیں۔ اصل حالات گوش گذار کئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آریے اپنی سازش میں ناکام رہے اور یوں خدا نے انہیں ایک بار پھر خائب وخاسر کیا۔ ہمارے اشتہارات میں پبلک نے اتنی دلچسپی لی کہ بعض ہمارے اشتہارات ہم کو دو دو تین تین بار چھاپنے پڑے۔ کئی غیر مسلم لوگوں نے ہمارے اشتہارات فریموں میں لگوا کر اپنے گھروں میں لٹکائے۔ یہ اشتہاری جنگ مہینوں جاری رہی۔ اور ایسا تحریری مناظرہ ہوا کہ فجی کے لئے گویا ہمیشہ کا ریکارڈ بن گیا۔ لوگوں نے باقاعدہ فائیلیں بنا رکھی ہیں تقریری مناظرے کی تو آریے تاب نہ لا سکتے تھے۔ تحریری مناظرہ کر کے بھی انہوں نے دیکھ لیا۔

سناتن دھرمیوں کا فیصلہ: آخر وقت آ گیا کہ یکا یک سناتن دھرمیوں نے ایک اشتہار نکالا۔ جس کا عنوان تھا۔ ''آریہ سماج کی بھینکر ہار''۔ اس اشتہار میں سناتن دھرمیوں نے اپنا منصفانہ فیصلہ بریں الفاظ دیا۔

''ہم نیائے (انصاف) کو درشٹی (نظر) میں رکھتے ہوئے جنتا (پبلک) میں سپشٹ گھوشت (صاف اعلان) کرتے ہیں کہ اس شاسترارتھ (مناظرہ) میں احمدیوں کے آگے آریہ سماجیوں کو وہ بھینکر (خوفناک) ہار ہوئی ہے کہ وہ سدا یاد رکھیں گے۔''

سناتن دھرمیوں کا یہ اشتہار آریہ سماجیوں پر ایک بم کا گولہ تھا اور آریہ سماجی تھے کہ چاروں طرف رسوا ہو رہے تھے۔ لالہ رشی رام صاحب پریزیڈنٹ سناتن دھرم مہا سبھا فجی نے اپنی ایک ملاقات میں مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ''کہ آریہ سماج کو آپ نے ایسا نیچا دکھایا ہے کہ اس سے پہلے نہ دیکھا نہ سنا گیا۔''

موپلا مولوی سے مناظرہ: 31 مارچ کا مناظرہ ملیالم (موپلا) قوم سے ملتوی کر دیا گیا تھا کہ 31 مارچ کو آریہ سماج مندر میں جانا پڑا تھا۔ اس لئے پھر ملیالم قوم سے مناظرہ کے لئے 19 مئی کا دن مقرر ہوا اور اشتہارات تقسیم ہوئے۔ چاروں طرف کے احمدی مقام بائیں جمع ہوئے۔ نصوری اور صوا کے احمدی بھی ڈیڑھ سو میل کا سفر طے کر کے 18 مئی رات کے تین بجے وہاں پہنچے۔ مہمانوں کے لئے کھانے کی دیگیں چڑھی ہوئی تھیں اور پر جوش ملیالم لوگ رات بھر انتظامات میں مصروف رہے۔ یہ لوگ عربی النسل اور علاقہ ملیبار کے رہنے والے ہیں۔ جن کو ہندوستان میں موپلا اور فجی میں ملیالم کہا جاتا ہے۔

19 مئی دن کے ساڑھے دس بجے جلسہ شروع ہوا۔ وسیع پنڈال حاضرین سے کھچا کھچ بھر گیا۔ خاکسار راقم الحروف کا لیکچر ہوا۔ جو ایک بجے تک جاری رہا۔ ایک بجے سب لوگوں نے کھانا کھایا

دو بجے ملیالم قوم کی طرف سے ان کے مشہور لیڈر مولوی عبداللہ صاحب میرے مقابلہ پر میدان مناظرہ میں اترے اور احمدیت پر اعتراضات پیش کئے۔

موپلا قوم کا اعلان: میری طرف سے جب جوابات کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو پبلک اتنی متاثر ہو گئی کہ بہت سے آدمیوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ایک سکتہ کا عالم تھا۔ جب میں مولوی عبداللہ صاحب کے تمام اعتراضات کا جواب دے چکا۔ تو مولوی عبداللہ صاحب اور ملیالم قوم کے دیگر لیڈر باری باری میرے گلے لپٹ کر روتے اور آنسو بہاتے رہے کہ ہم لوگ آج تک غلطی پر رہے۔ اور آپ کی مخالفت میں جوش دکھاتے رہے۔ آج ہم پر حق کھل گیا ہے۔ آخر پر موپلا قوم نے بھرے جلسہ میں اعلان کیا کہ احمدیت پر ہمارے شبہات وشکوک کا ازالہ ہو گیا ہے۔ اور ہم آئندہ احمدی جماعت سے مل کر کام کریں گے۔ غرض یہ عظیم الشان جلسہ پانچ بجے عصر کے وقت بخیر وخوبی ختم ہو گیا۔

آریہ سماجیوں کی سازش: آریہ سماجی خوشیاں منا رہے تھے کہ موپلا قوم احمدیوں کے مقابلہ پر مناظرہ کے لئے اٹھی ہے۔ مگر جب انہیں احمدیوں کی کامیابی کی خبر ملی۔ تو گویا مر ہی گئے۔ آخر اور کچھ نہ سوجھا تو ایک سناتن دھرمی پنڈت ورندا بن نامی کو کچھ دے دلا کر احمدیوں کے خلاف تیار کیا۔ مگر سناتن دھرمیوں نے ایک جلسہ کر کے بھرے جلسہ میں اس پنڈت کی وہ گت بنائی کہ توبہ ہی بھلی۔ اور پھر متفقہ طریق پر اس پنڈت کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ یہ پنڈت لٹوکا پہنچا اور احمدیوں کے خلاف جلسہ کیا۔ لٹوکا کے احمدی شیر اس جلسہ میں پہنچے۔ اور پنڈت جی کے خوب دانت کھٹے کئے۔ چونکہ اس جلسہ کا انتظام آریوں نے کیا تھا۔ اس لئے آریوں نے چند معزز احمدیوں پر مقدمہ چلا دیا کہ ہمارے جلسہ کو انہوں نے آ کر برباد کر دیا ہے۔ تاریخ مقررہ پر آریے ایک یورپین بیرسٹر کو لے کر عدالت میں پہنچے۔ مگر احمدیوں نے کوئی بیرسٹر کھڑا نہیں کیا۔ مجسٹریٹ نے حالات سن کو فیصلہ آریوں کے خلاف دیا اور یوں آریوں کو عدالتی رنگ میں بھی احمدیوں کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی۔

آریہ سماجیوں میں پھوٹ: آریہ سماج کی پے درپے ناکامیوں کی وجہ سے آریوں کے گھر میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور آریوں کے دو دل (فریق) ہو گئے۔ نئے دل نے اپنا نام۔ ویدک دھرم پرچارک منڈل رکھا۔ اس دل کے اپدیشک پنڈت شودت جی شرما نے 21 ستمبر 1935ء کو ایک بہت بڑا پوسٹر نکالا۔ جس

میں پنڈت جی نے نہایت صاف اور کھلے الفاظ میں احمدیوں کے مقابلہ میں آریہ سماجیوں کی شکست کا اعلان کر دیا۔ یہ پوسٹر کیا نکلا کہ آریوں کی ناک کٹ گئی۔ سناتن دھرمیوں نے تو آریوں کی بھینکر ہار کا اعلان کر ہی دیا تھا۔ اب خود ایک آریہ پنڈت واید یشک کا آریوں کی شکست کا اعلان کر دینا گویا ع ''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' والا معاملہ تھا۔ اس پوسٹر کے نکلنے کے دن آریوں کی حالت قابل رحم تھی۔ بے چارے شرم کے مارے منہ نہ دکھا سکتے تھے۔

پنڈت شودت جی نے اپنے پوسٹر میں لکھا کہ اگر مرزا مظفر بیگ بھارت میں جا کر اخبارات میں لکھیں گے کہ ہم نے فجی میں آریوں کے ویدوں کا ایسا بھینکر کھنڈن کیا، جس پر آریہ سماجی تلملا کر اور ہاتھ مل کر رہ گئے۔ تمام فجی میں ایک بھی آریہ نام دھاری وید بھگت میرے مقابلہ پر اپنے ویدوں پر اعتراضات کو دور کرنے کے لئے میدان میں نہیں نکلا۔ تو یہ بالکل سچ ہوگا اور ایمانداری سے ہمارے پاس سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب نہ ہوگا۔ اور پھر لکھا کہ آریہ سماجی لوگ مرزا مظفر بیگ کا جواب نہیں دے سکے۔ اور ان پر جہالت کی سیاہی چھا رہی ہے۔

پنڈت شودت شرما نے اپنے اس پوسٹر میں جہاں آریوں کی شکست کا اعلان کیا، وہاں اس میں یہ بھی لکھا کہ ہم دیانند کے سینک (سپاہی) ہیں۔ اور اب ہم مرزا مظفر بیگ کا مقابلہ کریں گے۔ ہماری طرف سے فوراً جواب نکلا۔ جس میں آریوں کی شکست کے اعلان پر پنڈت جی کی حق گوئی کی داد دی گئی۔ اور ہم نے پنڈت جی کو میدان میں نکلنے کے لئے للکارا۔ مگر آج پانچ مہینے گزرنے کو ہیں۔ لیکن دیانند کے سینک محمدؐ کے شیروں کے مقابلہ پر نہ نکل سکے۔ اور یوں فجی والوں نے حضرت مسیح موعود کے اس شعر کی صداقت کو دیکھا۔

آزمائش کے لئے ہر چند نہ آیا کوئی ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

آریہ کے سب سے بڑے فاضل اور گوروکل کانگڑی کے فارغ التحصیل جو تھے وہ تھے پنڈت امی چندر جی ودیاالنکار نوجوان طبقہ نے پنڈت جی کو ہمارے مقابلہ کے لئے بہت مجبور کیا۔ مگر پنڈت جی کانوں پر ہاتھ دھرتے رہے۔ آخر انہیں ودیا النکار کے طعنے دئے گئے۔ اور اتنا تنگ کیا گیا کہ بے چارے نوکری سے ہاتھ دھو کر ماہ نومبر میں بال بچہ سمیت ہندوستان کو چلتے بنے۔

آریہ سماج پر مُردنی: خدا کی شان ہے کہ وہ آریہ سماج جس کی عورتیں فجی کے گلی کوچوں میں ویدک دھرم کی جے کا نعرہ لگاتی پھرتی تھیں، لاریوں پہ جلوس نکالتیں۔ ''اوم'' کے جھنڈے اڑاتیں۔ طبلہ ہارمونیم پر مسلمانوں کے خلاف دل آزار گیت گاتی پھرتی تھیں، وہی، ہاں ہاں، وہی آریہ سماج، آج موت کے منہ میں ہے۔ نہ ویدک دھرم کی جے کے نعرے ہیں، نہ لاریوں پر جلوس اور اوم کے جھنڈے، نہ طبلہ کی تھاپ ہے۔ نہ ہارمونیم کی تانیں۔ غرض ع ''خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا''۔ آریہ سماج پر ایک مروتی سی چھائی ہوئی ہے اور تمام آریے مردہ سے ہو گئے ہیں۔ چنانچہ آریہ سماج کا سالانہ جلسہ آیا۔ تو مقررہ تاریخوں پر آریوں نے دھیان تک نہ دیا۔ اور کسی نے کوئی دلچسپی نہ لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آریہ سماج کو اپنا سالانہ جلسہ ملتوی کر کے چند ماہ پیچھے ہٹا دینا پڑا۔

اخبار ''فجی سماچار'' کا اعتراف: 18 جنوری 1936ء کے اخبار ''فجی سماچار'' میں اپنی اس نامرادی کا رونا دردناک الفاظ میں رویا ہے کہ یہ پہلا موقعہ ہے کہ آریہ سماج کو اپنا سالانہ جلسہ ملتوی کرنا پڑا اور لکھا کہ ''کیا آریہ سماجیوں میں ڈھیلا پن آ گیا ہے یا ذاتی الجھنوں کی وجہ سے حسب سابق حوصلہ نہیں رہا؟ جہاں پہلے سینکڑوں کی تعداد میں آریہ سماجی سالانہ جلسوں میں شریک ہو کر دو تین دنوں تک سبھاؤں اور سمیلنوں کی دھوم مچا دیتے تھے۔ ھون کی خوشبو سے آکاش منڈل کو پاک پر چار کا امدادی بنا لیتے تھے۔ وید منتروں کی تلاوت اور زوردار لیکچروں سے آسمان کو بیندھ دیتے تھے، وہاں 1935ء کے آخر پر ان سب چیزوں کے مفقود ہونے کا نظارہ کر کے آریہ سماجیوں کو پچھتاوا ہو رہا ہے۔ اس حالت کے لئے چاہے کوئی بھی ذمہ دار کیوں نہ ہو، پر اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آریہ سماجی اب ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ ان میں سماج سے وہ پریم نہیں جو ہونا چاہیئے۔ اور ان میں جلسوں میں حصہ لینے کا حوصلہ جاتا رہا۔ اگر سچ مچ ایسا ہی ہے تو آریہ سماج کا مستقبل مایوس کن ضرور ہے۔''

یہ ہے 1935ء میں آریوں اور احمدیوں کی جنگ پر آریوں کے اپنے قلم کا لکھا ہوا فیصلہ۔ آخر پر ہم اپنے مالک حقیقی کا ہزار ہزار شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں حضرت مسیح موعود کی فوج میں داخل کر کے محض اپنی بندہ نوازی سے ہماری حقیر کوششوں کے بڑے بڑے نتائج پیدا کئے۔ اور ہمیں کسی میدان میں شرمندہ نہ ہونے دیا۔ سچ ہے ۔

ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا کیا فائدہ فکر بیش وکم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا۔ ہوا کرم سے تیرے جو کچھ ہوگا، تیرے کرم سے ہوگا

☆☆☆

مکتوب بغداد (23 مارچ 1936ء): برادر عزیز محمد منظور الٰہی صاحب سلمہ الرحمٰن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔کل رات نو بجے کے قریب میرے ایک محترم دوست جناب ساگر صاحب نے اچانک یہ خبر دی کہ K.LM ہوائی جہاز پر یورپ سے ہندوستان کے مشہور عوام لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو آج بغداد پہنچے ہیں ۔اور صبح چار بجے ہندوستان کی جانب روانہ ہو جائیں گے۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ ہندوستان کا ایک باہمت اور اولوالعزم سپوت بغداد میں وارد ہو اور ہم شرف ملاقات سے محروم رہیں۔ رات کے تین بجے خاکسار مع برادرم عبداللطیف، اسماعیل ،سید عبدالرشید اور جناب ساگر صاحبان موصوف کے قیام گاہ ہوٹل پہنچے۔سفر کی تیاری کی مصروفیت کے باوجود پنڈت جی نے شرف ملاقات کا موقع دیا۔آپ نہایت خندہ پیشانی سے ملے۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی گفتگو ہوتی رہی۔اس موقعہ پر کمترین نے علامہ اقبال کے عجیب وغریب بیان پر آپ کے حقیقت افروز تبصرہ اور استفسارات کا تذکرہ کیا۔جس پر موصوف نے مسکرا کر فرمایا کہ کیا وہ مضمون آپ کی نظر سے بھی گذرا۔اثبات میں جواب دیتے ہوئے میں نے عرض کیا کہ سنا ہے کہ علامہ نے آپ کے استفسارات کا جواب دینے کی کوشش فرمائی ہے۔جس پر وہ ہنس پڑے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ ممکن ہے آپ کو جواب الجواب دینے کی ضرورت پیش آئے اور اسلام کے متعلق بانی سلسلہ کا نقطہ نظر معلوم کرنے کی ضرورت پڑے۔اس لئے آپ کی خدمت میں بانی سلسلہ کی تصنیف ٹیچنگ آف اسلام ہدیہ پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔آپ نے نہایت ہی خوشی سے شکریہ کے ساتھ اس قیمتی ہدیہ کو قبول کر کے کمترین کی عزت افزائی فرمائی۔

خاکسار
تصدق حسین

3 اپریل 1936ء

میاں چنوں ضلع ملتان میں تحریکی سرگرمیاں

ایک کامیاب اجتماع

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد ز پسِ پردہ تقدیر پدید

جناب شیخ میاں ظہور احمد، جناب شیخ میاں شریف احمد صاحبان رئیس و مالکان کارخانہ جات روئی میاں چنوں اُن مخلص نوجوانوں میں سے ہیں جن کے دل میں اسلام کی اشاعت اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ آپ مدت سے ایک احمدیہ جلسہ کی انعقاد کی تجویز میں کوشاں تھے۔ چنانچہ آپ نے اس غرض کے واسطے حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کی خدمت بابرکت میں شیخ محمد یوسف صاحب گرنتھی اور مولانا عمرالدین صاحب شملوی کی خدمات کے لئے درخواست کی۔ مگر ہر دو صاحبان چونکہ مرکز سے باہر دورہ پر تھے، اس واسطے مولوی سید اختر حسین صاحب مولوی فاضل مبلغ لائل پور کو بذریعہ تار یہاں پہنچنے کا حکم نافذ کیا گیا۔ جس کے لئے ہم حضرت امیر ایدہ اللہ کی مہربانی کے از حد شکور ہیں۔

مورخہ 27 مارچ بروز جمعۃ المبارک باوجود قلت وقت اطلاع، کارخانہ شیخ میاں محمد اسمٰعیل مولابخش صاحبان میں حاضرین کا ایک جم غفیر جمع ہوگیا۔ اور شاہ صاحب نے بصدارت جناب میاں شیخ ظہور احمد صاحب بی اے صداقت اسلام پر دس بجے رات سے گیارہ بجے تک ایک موثر تقریر فرمائی۔ جس میں شاہ صاحب موصوف نے صداقت اسلام اور آنحضرتؐ کے کمالات پر ایک عالمانہ تبصرہ فرمایا۔ بلحاظ جامعیت گویا ایک دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا۔ نہایت دل نشین پیرایہ میں حاضرین کو بتلایا گیا کہ کس طرح اسلام اور بانی اسلام کا وجود مسعود دنیا کے لئے رحمت کا باعث ہے۔ اور اصول اسلامی عالمگیر ہیں۔ جن پر شاہ و گدا، مزدور، تاجر غرضیکہ ہر شخص عمل کرسکتا ہے۔ راستبازوں کے ساتھ محبت، نسل انسانی میں اتحاد، اسلام کا ایک درخشندہ اصول ہے۔ ہر ایک شعبہ کا انسان اپنے مسلک اور کاروبار کے لئے بہترین نمونہ حاصل کرسکتا ہے۔ یہ اجتماع سامعین کے ازدیاد ایمان کا باعث ہو کر بخیر وخوبی برخاست ہوا۔

بروز سنیچر مورخہ 28 مارچ ہمارے ہر دو قابل فخر نوجوانوں نے اسپین فنڈ اور اشاعت اسلام وغیرہ کے لئے نہایت تندہی اور جوش سے فراہمی چندہ کے لئے کمر ہمت باندھ لی اور دن بھر کی ان تھک جدوجہد کے بعد آپ ایک معقول رقم بقدر پانصد روپیہ کی فراہمی میں کامیاب ہو گئے۔ چندہ دہندگان میں سے جناب چودھری عبدالرحمٰن صاحب نائب تحصیلدار میاں چنوں اور چودھری نواب الدین صاحب زمیندار اوران کے صاحبزادہ محمد اقبال صاحب کی دینی محبت قابل داد ہے۔اول الذکر صاحب نہایت دیندار افسر ہیں۔ جو افسوس بہ باعث عدیم الفرصتی جلسہ میں تشریف نہ لا سکے اور آخر الذکر صاحبان اتحاد قومی کے دل دادہ ہیں۔اللہ تعالیٰ ان سب کو جزاء خیر دے۔

28 مارچ کی شام قرار پایا کہ کارخانہ میاں محمد بخش صاحبان میں جلسہ منعقد کیا جائے۔اس غرض کے لئے ایک عمدہ شامیانہ،کرسیوں اور دریوں اور روشنی کا انتظام کرایا گیا۔شہر میں عام منادی کے علاوہ معززین اہل اسلام،سکھ، ہندو صاحبان کو بذریعہ خطوط دعوت جلسہ دی گئی۔باوجود ایک مختصر قصبہ ہونے کے خلاف توقع لوگ جوق در جوق جلسہ میں آئے۔بعد نماز مغرب بفضلہٖ جلسہ کا پنڈال کھچا کھچ بھر گیا۔حاضرین میں سے مسلم،سکھ، ہندو سب طبقوں کے اصحاب موجود تھے۔

بصدارت چودھری نواب الدین صاحب،جن کی وسعت قلبی کے ہم بہت مشکور ہیں،جلسہ شروع ہوا۔ بعد تلاوت قرآن مجید ونعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جناب مولوی اختر حسین صاحب نے کھڑے ہوکر قرآن کریم کی ایت نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ. (الخ) کی آیات تلاوت فرماتے ہوئے اسلام کی معقولیت اور بانی اسلام کی معجزانہ مقبولیت پر خیالات کا اظہار فرمایا کہ کس طرح ایسے زمانہ میں اور ایسے حالات میں جب کہ تحریر کا کوئی رواج عرب میں نہیں، مخالفت بھی زوروں پر ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس امی ہے،خلاف توقع ایسی پیشگوئی کی جارہی ہے کہ جوں جوں علم اور تحریر کا رواج بڑھے گا،توں توں دنیا میں عقلمند لوگ اسلام اور نبی کو معقول اور قابل نمونہ سمجھیں گے۔ اور ثابت ہوگا کہ قرآن کے اصول ہی عین عقل کے مطابق ہیں۔اور فاضل مقرر نے نہایت تفصیل سے

بیان کیا کہ اس پیشگوئی کے مطابق یوماً فیوماً بذریعہ قلم اور دوات اور علوم صداقت اسلام دنیا میں ترقی کرتی گئی اور کرتی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے متعدد سرکردہ علماء اور حکماء کی شہادتوں کو بھی بیان فرمایا کہ کس طرح وہ نبی کریمؐ کو دنیا کے کل نبیوں سے بڑھ کر مانتے ہیں اور کہ دورِ حاضرہ میں کس سرعت اور شان سے یورپ میں اسلام کا چرچا پھیل رہا ہے۔ اور پھر احمدیت کا ذکر فرماتے ہوئے نہایت وضاحت سے ظاہر کیا کہ اشاعت اسلام کا کام بذریعہ تعلیم بہ حیثیت جماعت صرف احمدیہ قوم کر رہی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود کی مشہور رؤیا کے مطابق یورپ میں انگریزوں اور جرمنوں کو کلمہ پڑھوا رہی ہے۔ بہت سے مشن کھولے جا رہے ہیں۔ افسوس ایسی خادم جماعت کو کافر خطاب ملّا یانِ وقت دے رہے ہیں۔ جو کہ نہایت ہی ناشکری اور بے انصافی کی بات ہے۔

آپ نے تکفیر کو اسلام کے لئے ایک خطرناک چیز ثابت کیا۔ اور ہدایت کی کہ کسی مسلمان کلمہ گو کو کافر نہ کہا جائے۔ احادیث نبویؐ سے اپنے بیان کی تائید کرتے ہوتے احمدیہ جماعت کی قربانی اور خدمات کی طرف توجہ دلا کر فرمایا کہ جو قوم دن رات بذریعہ تحریر و تقریر و تراجم القرآن مجید انگریزوں کو مسلمان کر رہی ہے اور اچھوتوں کو اسلام میں لا رہی ہے، کیا وہ کافر قوم ہوسکتی ہے؟! اور کیا وہ قوم جو مسلمان کو کافر بنا رہی ہے وہ اسلام کی خیر خواہ ہوسکتی ہے! سلسلہ احمدیہ کی عظمت اور حضرت مسیح موعود کی محبت اور عشق رسول حاضرین کے دل میں عمدہ پیرایہ میں ذہن نشین کرایا گیا۔ جس سے حاضرین محظوظ ہوئے اور تکفیر کے متعلق معقول حاضرین کے دل میں ایک نفرت پیدا ہوگئی۔

الحمدللہ یہ جلسہ کیا بلحاظ اثر، کیا بلحاظ تعداد حاضرین، ہر طرح کامیاب رہا۔ افسوس چند سنگدل لوگوں نے شرکت جلسہ سے اجتناب کیا۔ بلکہ جب ان کو دعوت نامہ بھیجا گیا تو حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت کو سخت سست بھی کہا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت فرمائے۔ آمین۔ اس جلسہ کو بارونق بنانے میں ہمارے کارخانوں کے دو معزز اہلکاراں صوفی شیر محمد صاحب انجینئر اور حاجی

منظور الٰہی صاحب احمدی مینجر کارخانہ نے بہت محنت اور عرق ریزی سے کام کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ہر دو اصحاب کو جزاء خیر دے۔ اور جلسہ کے اختتام پر شیخ صاحبان نے حاضرین کو کھانا کھلا کر اسلامی مساوات اور مہمان نوازی کا ثبوت دیا۔ جس کا بہت عمدہ اثر لوگوں پر ہوا۔ جلسہ ہذا کی رونق اور کامیابی کو خدا تعالیٰ کا فضل سمجھتے ہوئے ارادہ ہے کہ انشاء اللہ آئندہ سالانہ جلسہ کا انعقاد کیا جائے۔ جس میں اعلیٰ پیمانہ پر خدمت دین کا مظاہرہ کیا جا سکے۔ بالآخر ہم جناب سید اختر حسین صاحب مولوی فاضل کے اخلاص، اخلاق اور تکلیف فرمائی کے مشکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم، عمر اور تقویٰ میں برکت دے آمین

خاکسار نور محمد

سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام میاں چنوں۔ ضلع ملتان۔

30 مارچ 1936ء

16 اپریل 1936ء
پر مسرت

عزیز نصیر احمد فاروقی کی شادی خانہ آبادی

ایک مبارک و پر مسرت تقریب

گذشتہ ہفتہ مسٹر نصیر احمد فاروقی آئی۔سی۔ایس خلف الرشید جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی شادی جناب آغا صفدر مرحوم سابق سیکرٹری بلدیہ لاہور کی اکلوتی صاحبزادی سے عمل میں آئی۔

برات کی روانگی: 11 اپریل کو ڈھائی بجے دوپہر برات بذریعہ ریل سیالکوٹ روانہ ہوئی۔ براتیوں میں سے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا صدرالدین، جناب ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب، ڈاکٹر طفیل حسین صاحب، سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول لاہور، مولانا محمد یعقوب خان صاحب ایڈیٹر "لائٹ"، شیخ عبدالرحمٰن صاحب جج کوئٹہ، خان صاحب چودھری محمد منظور الٰہی صاحب، خان موسیٰ خان صاحب آف کشمیر۔ مسٹر ممتاز احمد فاروقی انجینئر، چودھری ظہور احمد صاحب۔ ڈاکٹر نواب احمد قریشی صاحب، سید امجد علی شاہ صاحب اور چودھری عبدالکریم صاحب کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

وزیر آباد اور سیالکوٹ کے براتی: جب ٹرین وزیر آباد کے اسٹیشن پر پہنچی تو وہاں شیخ مولا بخش صاحب لائلپوری، شیخ میاں محمد صاحب لائلپوری، خان بہادر میاں غلام رسول تمیم جھنگ، شیخ محمد جان صاحب سوداگر وزیر آباد۔ شیخ نیاز احمد صاحب سوداگر و رئیس اعظم وزیر آباد، ڈاکٹر جلال الدین صاحب گوجرہ، مسٹر محمد امین مینجر ڈیری فارم لائلپور و دیگر چند احباب برات میں شریک ہو گئے۔ سیالکوٹ میں ملک شیر محمد خاں آف جموں۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب وکیل سری نگر اور مقامی جماعت کے اراکین نے شمولیت فرمائی۔

سیالکوٹ میں شاندار استقبال: سیالکوٹ کے ریلوے اسٹیشن پر دلہن کے چچا جناب آغا حیدر خاں صاحب سابق صدر ایگزکٹو آفیسر بلدیہ سیالکوٹ نے اکثر مقامی حکام و معززین کی معیت میں برات کا استقبال کیا۔ مقامی بیلچہ فوج اپنی خاص وردی اور بیلچوں کے ساتھ موجود تھی۔ اس نے برات کو باقاعدہ سلامی دی اور مہمانوں کے اسباب وغیرہ کی نگہداشت کا انتظام اپنے ذمہ لیا۔ جس پر ہم ان کا شکریہ ادا

کرتے ہیں۔ معزز میزبان نے مہمانوں کے لئے اعلیٰ درجہ کی موٹریں کثیر تعداد میں فراہم کی تھیں۔ برات ایک جلوس کی شکل میں قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئی۔ اس شان کے باوجود سادگی موجود تھی۔ باجے وغیرہ فضولیات سے بالکل اجتناب کیا گیا اور فریقین کی طرف سے کوئی خلاف شرع رسم نہیں ہوئی۔ برات کا قیام سیالکوٹ چھاؤنی کی ایک شاندار کوٹھی میں ہوا۔ برات کے ساتھ جو خواتین تشریف لے گئی تھیں ان کو شہر میں ٹھہرایا گیا۔

مہمانوں کی مدارات: معزز میزبانوں نے مہمانوں کی خاطر و مدادات نہایت سیر چشمی سے کی۔ 11 اپریل کی شب کو سیالکوٹ چھاؤنی کے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں ڈنر دیا گیا۔ جس میں سیالکوٹ کے اکثر حکام و معززین اور ریاست جموں وکشمیر کے متعدد اعلیٰ افسران بھی شامل ہوئے۔

واپسی: 12 اپریل کو چار بجے بعد دوپہر برات کی واپسی عمل میں آئی۔ سات بجے شام برات لاہور پہنچ گئی۔ اسٹیشن پر احباب کافی تعداد میں استقبال کے لئے موجود تھے۔

ولیمہ: 13 اپریل کی شام کو ڈاکٹر صاحب نے پرتکلف دعوت ولیمہ دی۔ خواتین کے لئے ڈاکٹر صاحب کے مکان پر انتظام تھا۔ مردوں کے لئے مسلم ہائی سکول کی عمارت میں۔ اس دعوت میں جماعت کے افراد کے علاوہ متعدد غیر از جماعت حضرات اور خواتین مدعو تھے۔

عطیات: اس تقریب پر مبلغ پچاس روپے جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے اور مبلغ پچیس روپے محترمہ بیگم صاحبہ آغا صفدر مرحوم نے انجمن کو اشاعت اسلام فنڈ کے لئے عطا فرمائے۔ جزاکم اللہ

مبارکباد اور دعا: ہم اس تقریب پر تمام احباب جماعت کی طرف سے جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، محترمہ بیگم صاحبہ حضرت امیر ایدہ اللہ اور محترمہ بیگم صاحبہ آغا صفدر مرحوم کی خدمت میں مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق کو بابرکت بنائے۔ آمین ثم آمین۔

27 اپریل 1936ء

لائل پوری شیخ صاحبان کا عظیم الشان کارِ خیر

شیخ محمد ابراہیم ٹرسٹ کی فیض رسانیاں

خیراتی زنانہ ہسپتال چنیوٹ کے ان ڈور وارڈ کی رسم افتتاح

احباب جماعت کو معلوم ہوگا کہ لائل پوری شیخ صاحبان یعنی شیخ محمد اسماعیل صاحب، شیخ مولا بخش صاحب اور شیخ میاں محمد صاحب نے اپنے والد مرحوم شیخ محمد ابراہیم صاحب کے نام پر ایک لاکھ روپے کی رقم سے ایک خیراتی ٹرسٹ قائم کیا ہوا ہے۔ اس وقف کی طرف سے شیخ صاحبان کے وطن چنیوٹ ضلع جھنگ میں ایک زنانہ خیراتی شفاخانہ کامیابی سے جاری ہے۔ جو اس علاقہ میں بہت مفید ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن اس میں مریضوں کے قیام کا انتظام نہ تھا۔ اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے محترم شیخ صاحبان نے پندرہ ہزار روپے کی رقم خطیر سے ان ڈور وارڈ تعمیر کرادیا۔ جس میں آٹھ مریضوں کی رہائش کا مکمل انتظام ہے اور اس کے ساتھ ایک اپریشن تھیٹر بمعہ ساز وسامان اور لیڈی ڈاکٹر اور نرسوں کے مکان بھی ہیں۔

سر فیروز خان نون وزیر تعلیم پنجاب نے 25 اپریل کو اس وارڈ کی رسم افتتاح ادا فرمائی۔ اس تقریب میں تینوں شیخ صاحبان موجود تھے۔ لاہور سے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ، جھنگ سے خان بہادر میاں غلام رسول تمیم تشریف لے گئے تھے۔ میاں امین الدین صاحب ڈپٹی کمشنر جھنگ، لفٹنٹ کرنل جمال الدین صاحب سول سرجن لائل پور نے بھی شرکت فرمائی۔ علاوہ ازیں ضلع لائل پور اور ضلع جھنگ کے متعدد افسر اور معززین موجود تھے۔ پہلے ان کی چاء سے تواضع کی گئی۔ پھر سر فیروز خان نون کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ اس کا ضروری حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں شفاخانہ مذکور کے حالات بیان کئے گئے ہیں:

اللہ تعالیٰ شیخ صاحبان کو جزائے خیر دے۔ انہوں نے خلق خدا کے فائدہ کا ایک بہت بڑا کام کیا ہے۔ افسوس مسلمانوں کا اہل ثروت طبقہ ایسے کاموں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ حالانکہ برادران وطن میں اس قسم کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ شیخ صاحبان کی اس خدمت کو قبول فرمائے

اور انہیں جماعت کی، اسلام کی اور خلق خدا کی خدمت کی توفیق مزید عطا فرمائے۔ جس صورت میں اس کا یہ ارادہ ہو چکا ہے کہ دین اسلام کو امام وقت کے ذریعہ سے دنیا میں غالب کرے تو امید ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کے دل میں یہ بھی ڈالے گا کہ اشاعت اسلام کے لئے بھی کوئی عظیم الشان کام اسی وسیع پیمانے پر ہو۔ اور ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ تبلیغ اسلام سب سے اچھا صدقہ جاریہ کا کام ہے۔ آخر میں ہم پھر شیخ صاحبان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اموال میں برکت دے۔

ہمیں جس امر کی بہت بڑی خوشی ہے وہ یہ ہے کہ ان تینوں بھائیوں کی اولادیں کیا بڑے اور کیا چھوٹے، ان سب کے دل میں خدمت اسلام کا خاص جذبہ موجود ہے۔ اور وہ ہر وقت اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کن راستوں سے خدمت اسلام کے کام کو قوت پہنچائی جائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزاء خیر دے اور ان کی عمروں میں برکت دے۔

سپاس نامہ کا خلاصہ: صاحب صدر اور اراکین بورڈ آف ٹرسٹیز شیخ محمد ابراہیم ٹرسٹ کی طرف سے میں آپ کی اس تشریف آوری پر نہایت مخلصانہ خیر مقدم پیش کرتا ہوں۔ ہم اس تکلیف کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جو آپ نے یہاں تشریف لا کر ان ڈور پیشنٹ وارڈ کے افتتاح کرنے میں برداشت کی ہے۔ اس کا قیام بہت حد تک آپ کی امداد کا مرہون منت ہے۔ جس کی وجہ سے اس علاقہ کے باشندگان آپ کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

زنانہ ہسپتال کی ضرورت ایک مدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ کیونکہ لائل پور اور شاہ پور کے درمیان کوئی طبی امداد نہیں مل سکتی تھی۔ اس ضرورت کو مدنظر رکھ کر 27 جنوری 1933ء کو ایک ٹرسٹ بنام شیخ محمد ابراہیم ٹرسٹ قائم کیا گیا۔ جس کا مقصد ایک خیراتی زنانہ ہسپتال کھولنا تھا۔ 23 جنوری 1933ء کو فیصلہ کیا گیا کہ ہسپتال چنیوٹ ضلع جھنگ میں قائم ہو۔ تا کہ جھنگ سرگودھا اور شاہ پور کے باشندگان کو اس سے فائدہ پہنچ سکے۔ اس کی افتتاحی رسم چودھری غلام مصطفیٰ صاحب پی۔ سی ایس۔ ڈپٹی کمشنر جھنگ ڈسٹرکٹ کے دست مبارک سے ادا ہوئی۔ مگر شروع شروع میں اس کی ترقی کی رفتار بہت سست تھی۔ کیونکہ یہ ایک تنگ گلی کے مختصر سے مکان میں کھولا گیا تھا اور اس کا دائرہ فیض بہت محدود تھا۔

اسی سال ماہ اگست میں اس سکیم پر نظر ثانی کی گئی اور موجودہ موقعہ اس کے لئے تجویز کیا گیا۔

اس تجویز کو جناب نے بنظر استحسان دیکھا اور بنفس نفیس اس مقام پر تشریف لائے۔اس سے ہمارے حوصلے بڑھ گئے اور اس کو ایک مستقل شکل دینے کی تجویز ہوئی۔ہم جناب خان بہادر اور شیخ خورشید محمد صاحب سابق ڈپٹی کمشنر ضلع جھنگ کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس قطعہ زمین کے حاصل کرنے میں بہت امداد فرمائی۔اس دن سے یہ ہسپتال روز افزوں ترقی کرتا رہا۔اور اس کا دائرہ فیض وسیع ہوتا گیا۔اس کے بعد ایک ان ڈور پیشنٹ وارڈ کی ضرورت محسوس ہوئی۔کیونکہ کئی مریض دور دراز گاؤں سے لائے جانے لگے۔جن کی رہائش کا انتظام بحالت مجبوری اور مکانوں میں کیا جاتا تھا۔ایک اور تکلیف اپریشن تھیٹر اور لیڈی ڈاکٹر کے لئے رہائشی مکان کی عدم موجودگی تھی۔اب خدا تعالیٰ کی عنایت سے یہ تمام تکالیف رفع کر دی گئی ہیں۔

اس مزید عمارت کی تعمیر کا کام آج سے تین ماہ قبل شروع کیا گیا تھا۔اور اب تقریباً 15000 روپیہ کی لاگت سے یہ کام مکمل ہو چکا ہے۔ہسپتال کا رقبہ 24000 مربع فٹ ہے۔اور اس میں آٹھ مریضوں کی رہائش کا مکمل انتظام ہے۔اور ایک اپریشن تھیٹر بمعہ تمام سامان کے مہیا کیا گیا ہے۔لیڈی ڈاکٹر اور نرسوں کی کمپونڈ میں موجودگی کی وجہ سے یہ سکیم نہایت اعلیٰ پیمانہ پر چل سکتی ہے۔یہ ہسپتال جس کی ابتدا بہت چھوٹے پیمانے پر ہوئی،اب خدا کے فضل و کرم، جناب کی دلچسپی اور دوسرے افسران کی امداد سے اس حد تک ترقی کر چکا ہے کہ وہ باقاعدہ زنانہ انڈور ہسپتال کہلانے کا مستحق ہے۔

ہمیں یہ اعلان کرتے ہوئے بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے کہ ہمارے ٹرسٹ کی بنیاد نہایت مستحکم ہے۔اب اس کے پیش نظر ایک فیملی اور ایک خاص آئی وارڈ کی تعمیر ہے۔مگر ان حالات میں ہماری امیدیں برآتی معلوم نہیں ہوتیں۔کیونکہ موجودہ احاطہ میں زمین کی قلت ہے۔ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اور دوسرے افسر صاحبان ہماری سرگرمیوں میں خاص دلچسپی لیں گے اور ارد گرد کی زمین حاصل کرنے میں ہماری مدد کریں گے۔تاکہ یہ سکیم پایہ تکمیل تک پہنچ سکے۔

ہم ان تمام اصحاب کے شکر گزار ہیں۔جنہوں نے اس سکیم کی تکمیل میں ہمارا ہاتھ بٹایا ہے۔ان میں سے خاص طور پر میاں امین الدین صاحب آئی۔سی۔ایس ڈپٹی کمشنر ضلع جھنگ اور مسٹر اے۔اے۔میکڈانلڈ آئی۔سی۔ایس ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع لائل پور قابل ذکر ہیں۔جو ہمیشہ ہماری اعانت کرتے

رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کرنل سی۔ ایچ رینالڈ انسپکٹر سول ہسپتالات پنجاب کا معائینہ اور لفٹنٹ کرنل جمال الدین صاحب آئی۔ ایک ایس سول سرجن لائل پور کا مفید مشورہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جو ہمارے لئے از حد حوصلہ افزا اور بیش بہا ثابت ہوا ہے۔ نیز موجودہ پریزیڈنٹ صاحب اور ممبر صاحبان لوکل میونسپل بورڈ عام طور پر اور شیخ الٰہی بخش صاحب سابق پریزیڈنٹ لوکل میونسپل بورڈ خاص طور پر ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ نیز ہم حاجی مبارک دین اور چودھری محمد اسمٰعیل ممبران بورڈ آف ٹرسٹیز کی قابل قدر خدمات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جنہوں نے تعمیر کے کام کی نگہداشت نہایت محنت سے کی۔ قبل اس کے کہ ہم اس سپاسنامہ کو ختم کریں۔ پھر ایک دفعہ جناب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جن کی اعانت کے بغیر یہ کام کبھی پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکتا۔ آخر میں بورڈ آف ٹرسٹیز کی طرف سے آپ کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

نیازمندان ممبران
شیخ محمد ابراہیم ٹرسٹ

4 مئی 1936ء

ڈاکٹر سر اقبال اور احمدیت

حضرت مرزا صاحب پر دعوٰی نبوت اور تکفیر المسلمین کے بے بنیاد الزامات

مولوی غلام نبی صاحب مسلم بی۔اے

مسلمانوں کا انتشار اور خانہ جنگی: اس وقت ہر ایک قوم اپنی قوت کو مجتمع کر کے اپنے بقا کے لئے کوشاں ہے۔آج 32 کروڑ دیوتاؤں کے پجاری، جن کی کوئی چیز بھی مشترک نہیں، زندگی کی جدوجہد میں یکجاں ہو کر مصروف ہیں۔ باوجود عقائد کے سخت اختلاف کے وہ متحد العمل ہیں۔مگر افسوس مسلمان، جس کی تخمیر ہی اخوت ومساوات، اتحاد ووحدت سے ہوئی، وہ پراگندہ ومنتشر۔کبھی وقت تھا کہ مسلمان اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (29:48) تھے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (10:49) کا خلعت فاخرہ ان کے زیب تن تھا۔لیکن ایک وقت آیا کہ خودغرض قائدوں نے عوام الناس کو حقیقت سے بے خبر کر کے ان میں باہمی نفاق وافتراق کی بنیاد رکھی اور معمولی مسائل کی اختلاف کی آڑ میں اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل میں امت میں فتنہ وفساد اور قتل وخون کا دروازہ کھول دیا۔

مسلمان لیڈروں کے مشاغل: اس وقت بھی قوم کی قیادت ایک ایسے گروہ کے ہاتھ میں آ گئی ہے جن کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ ہماری تفریق وتکفیر سے قوم کی طاقت برباد وغارت ہو رہی ہے۔ وہ نہیں سوچتے کہ آج دشمنان اسلام تمام طاغوتی قوتوں کے ساتھ دین حق کے مٹانے میں ہر ممکن ذرائع سے سرگرم عمل ہیں اور ان کے مقابلہ کی بھی ضرورت ہے۔مگر ان کا کام شب وروز مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور اندرونی قوت کو کمزور کرنا ہے۔ کفار اگر اسلام پر حملے کریں تو ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ جیسا کہ ان کے طرزِ عمل سے ظاہر ہے۔ وہ اگر جنگ کریں گے تو ان کے ساتھ جو کلمہ گو ہیں۔جن کا کام ہر وقت اعلاء کلمۃ الحق ہے۔ جو اپنی زندگیاں اشاعت اسلام کے لئے خدا کے پاس فروخت کر چکے ہیں۔

تفریق ایک لعنت ہے: مخلصانہ اختلاف رائے ہمیشہ ترقی کا باعث ہوا ہے۔اور اس کی بدولت اقوام ترقی کی راہ پر گامزن ہوتی رہی ہیں۔مگر تفریق ایک لعنت ہے جو بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ایک عذاب

ہے جو خدائے پاک کی ناراضی ظاہر کرتا ہے۔ اسلام اور امت مسلمہ کی زبون حالی کا سر چشمہ کور باطن۔ خدا دشمن اور حقیقت ناشناس مکفر ملاؤں کی سرگرمیاں ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب اس کا مرثیہ ''جاوید نامہ'' لکھتے ہیں ۔

دین حق از کافری رسوا تر است زانکہ ملا مومن کافر گر است
از شگر غیائے ایں قرآں فروش دیدہ ام روح الامیں را درخروش
زاں سوئے گردوں دلش بیگانہ نزد او اُم الکتاب افسانہ
بے نصیب از حکمتِ دین نبی آسمانش تیرہ از بے کوکبی
کم نگاہ و کور ذوق و ہر زہ گرد ملت ازقال دا قولس فرد فرد
مکتب و مُلّاں اسرار کتاب کور مادر زاد و نور آفتاب
دین کافر فکر تدبیر جہاد
دینِ ملا فی سبیل اللہ فساد

ڈاکٹر سر اقبال مکفرین کی صف اول میں: مگر افسوس کہ ڈاکٹر صاحب آج ان مکفرین کی صف اول میں کھڑے ہیں۔ اور خدائے واحد کی پرستار، نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نام لیوا، قرآن وسنت کی حقیقی متبع جماعت کو خارج از اسلام کرنے کی غیر مستحق سعی میں مصروف ہیں۔ حالانکہ آج ڈاکٹر صاحب مسلمانوں میں کوئی ایسی جماعت یا فرقہ نہیں بتا سکتے جو خدمت اسلام و اشاعت، اسوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں جماعت احمدیہ کے مقابلے میں کوئی بھی کام کر سکی ہو۔

ڈاکٹر صاحب کے بیان (جو انہوں نے احمدیوں کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دینے کے متعلق لکھا ہے) پر تبصرہ کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ کلمہ گوؤں پر کفر کے فتوے اور خادم اسلام جماعتوں کو خارج از اسلام قرار دینا اس گروہ مکفرین کی سنت قدیمہ ہے اور کوئی بزرگ یا جماعت نہیں جو ان کے اس حربہ سے بچی ہو۔ بات اصل میں یہ ہے کہ امتداد زمانہ سے ایک سچائی جہالت کے پردے میں چھپ جاتی ہے تو جب کوئی بندہ حق آ کر اسی حقیقت کو واضح کرتا ہے تو وہ لوگوں کو نئی چیز معلوم ہوتی ہے۔ اور لوگ اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے اس پر تکفیر کا حربہ استعمال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب

نے کسی شخص کے دائرہ اسلام میں رہنے کے لئے دو شرطیں پیش کی ہیں۔ایک اقرار توحید اور دوم ختم رسالت پر ایمان۔چنانچہ آپ ''اسلام اور احمدیت'' میں تحریر فرماتے ہیں۔محمدؐ کے سادہ مذہب کی بنیاد ان دو اصولوں پر ہے۔خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔جب تک ایک شخص اسلام کے دو بنیادی اصول (توحید الٰہی اور ختم نبوت) کا پابند ہے۔اس وقت تک ایک متشدد سے متشدد ملا سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرسکتا۔اگرچہ وہ قرآن کے مطالب میں کتنا ہی غلطی پر سمجھا جائے۔

احمدیت کی فتح: دراصل ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان ایک نوعیت سے بے عدیل ہے اور دراصل یہ تکفیر بازی کے تابوت میں آخری میخ کا کام دیتا نظر آتا ہے۔اس سے قبل مسلمانوں میں تکفیر بازی فروعی مسائل پر تھی اور وہ معمولی اور غیر ضروری اختلاف پر ایک دوسرے کو ہدف تکفیر بنا دیتے تھے۔مگر ڈاکٹر صاحب نے واضح کر دیا ہے کہ جو شخص کلمہ طیبہ پر ایمان رکھتا ہو، خواہ اس کے اعمال اور اقوال دوسرے مسلمانوں سے کتنے ہی مختلف ہوں، وہ دائرہ اسلام کے اندر ہے۔مگر ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ یہی وہ اصول ہے۔جس کا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور گزشتہ بیس سال سے اعلان کرتی آئی ہے کہ ہم ہر اس شخص کو لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ایمان لاتا ہے مسلمان سمجھتے ہیں اور اس اصول کی رو سے دنیا بھر کے کلمہ گو خواہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں، ہمارے نزدیک مسلمان ہیں۔اور درحقیقت ڈاکٹر صاحب نے ہماری ترجمانی کی ہے اور یہی مجدد زمان نے فرمایا تھا۔''میں کسی کلمہ گو کا نام کافر نہیں رکھتا۔'' (تریاق القلوب صفحہ 130) میرے خیال میں اب مکفر ملاؤں کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی ہوگی کہ ان کی اور ان کے ''آباؤاجداد'' کی صدیوں کی محنت اور ''اسلام نوازی'' کو ڈاکٹر صاحب نے ایک ضرب میں پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔اور ہر احمدی مسرور وشادمان ہے کہ آن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی تعلیم اور جماعت احمدیہ کی مسلسل پیش کردہ بات کا اقرار خدائے پاک نے ایک مخالف شخص سے کرایا۔

ڈاکٹر صاحب کے بیان کا بودہ پن: اس پر ڈاکٹر صاحب کے باقی مضمون کا بودہ پن دیکھئے۔آپ نے ہرگز اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ آیا مجدد زمان نے ختم نبوت کو نہیں مانا یا احمدی جماعت ختم نبوت کی قائل نہیں۔بلکہ یہی کہا ہے کہ یہ جماعت دائرہ اسلام سے خارج ہے۔جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ''توحید اور ختم رسالت اساس اسلام ہیں۔پس احمدی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔'' ڈاکٹر صاحب کا

فرض تھا کہ وہ ثابت کرتے کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعوٰی کیا اور احمدی مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں اور ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں۔ مگر چونکہ یہ فتوٰی ذاتی مصالح کی بنا پر دیا گیا ہے۔ جس کا بعد میں ذکر ہو گا۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب نے عوام الناس میں مقبولیت اور احمدیت کے خلاف جذبہ نفرت کی فراوانی دیکھ کر بے تکا الزام تھونپ دیا ہے۔

ڈاکٹر مرزا صاحب نے نبوت کا دعوٰی نہیں کیا: ڈاکٹر صاحب کا الزام دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

1۔ مرزا صاحب نے نبوت کا دعوٰی کیا۔

2۔ جماعت احمدیہ نبی کے آنے کی قائل ہے۔

1۔ کیا حضرت مرزا صاحب نے دعوٰی نبوت کیا؟ اس سوال کا جواب بار بار دیا جا چکا ہے۔ مرزا صاحب عام مسلمانوں کی طرح ختم نبوت کے قائل تھے اور اس بات پر محکم یقین رکھتے تھے کہ نبوت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔ ذیل کے چند حوالے اس کی وضاحت کے لئے کافی ہیں۔

1۔ ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** (ازالہ اوہام صفحہ 137)

2۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر۔ بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن وحدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی (اعلان 2 اکتوبر 1891ء)

3۔ اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبیؐ خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا یا پرانا۔ اور قرآن کریم کا ایک شعشہ یا ایک نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جلشانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں اور

نبوت تامہ کی بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ (نشان آسمانی صفحہ 28)

4۔ تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ ''فتح اسلام'' وتوضیح مرام و''ازالہ اوہام'' میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کئے گئے ہیں۔ ورنہ حاشاوکلا مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعوٰی نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں ''ازالہ اوہام'' کے صفحہ 137 میں لکھ چکا ہوں۔ میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سید ومولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق گزرتے ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے۔ جس حالت میں ابتدا سے میری نیت میں، جس کو اللہ تعالیٰ جلشانہ خوب جانتا ہے، اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکلم مراد لئے ہیں۔ یعنی محدثوں کی نسبت فرمایا ہے۔ **عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال النّبِیُّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لقد کان فیمن کان قبلکم من بنی اسرآئیل رجال یکلّمون من غیر انّ یکونوا انبیاء فان یکن منْ فی امّتی منھم احدفَعُمَرُ** (صحیح بخاری جلد اول صفحہ 521 پارہ 14 باب مناقب عمرؓ) تو پھر مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرائے میں بیان کرنے سے کیا عذر ہوسکتا ہے۔ سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر جگہ سمجھ لیں اور اس کو (لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں (3 فروری 1892ء القول المجید صفحہ 82 مصنفہ مولانا محمد احسن امروہی)

5۔ ہم مسلمان ہیں، خدا کی کتاب قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی اور رسول ہیں اور ان کا دین سب دینوں سے افضل ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ مگر وہ شخص جس نے اس کے فیض سے پرورش پائی ہو اور ان کے وعدہ کے موافق ظاہر ہوا ہو اور خدا سے کلام اور خطاب کرتا ہے۔ اس امت کے ولیوں کے ساتھ اور ان کو انبیاء کا رنگ دیا جاتا ہے اور حقیقت میں وہ نبی نہیں ہوتے۔ کیونکہ قرآن کریم نے شریعت کی تمام حاجتوں کو مکمل کر دیا ہے۔ ان کو سوائے فہم قرآن کے کچھ نہیں دیا جاتا اور وہ نہ زیادہ کرتے ہیں اور نہ کم کر سکتے ہیں قرآن شریف میں سے۔ اور جو شخص قرآن شریف میں سے کچھ کم و بیش کرے وہ شیطان اور بدکاروں میں سے ہے۔ (مواہب الرحمٰن عربی صفحہ 66-67۔ 1900ء کے بعد کی تصنیف)

جماعت احمدیہ لاہور پر غلط فتویٰ: مذکورہ بالا حوالہ جات اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ مدعی نبوت کو کافر و کاذب قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ''ایمانداری'' اسی بات سے واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی کتب کو چھوا تک نہیں۔ اور اپنے دماغی خیالات پر اپنے غلط اور سراسر بے حقیقت الزامات کی دیواریں استوار کر لی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ قادیانی جماعت کا ایک بڑا گروہ مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے۔ بھلا اس سے مرزا صاحب کی ذات کا کیا تعلق؟ کیا عیسائیوں کے مسیح کو ابن خدا ماننے کے مجرم حضرت مسیحؑ خود ہیں اور اگر نہیں تو قادیانیوں کے مرزا صاحب کے نبی ماننے میں مرزا صاحب کا قصور؟ اور حقیقت یہ ہے کہ خاتم النبیین کے وہ بھی منکر نہیں۔ وہ اس لفظ کی ایک غلط تاویل کرتے ہیں اور بقول اقبال کلمہ توحید کے اقرار اور ختم نبوت کی تصدیق کے بعد ہر قسم کی تاویل کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس لئے قادیانی گروہ بھی خارج از اسلام نہیں۔ خیر اس کو بھی ہم چھوڑتے ہیں۔

جماعت احمدیہ لاہور پر فتویٰ کفر کیوں؟: گزارش یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے افراد پر فتویٰ کفر کس بناء پر لگایا۔ جب کہ وہ ایک مدت سے اس بات کا پکار

پکار کر اعلان کر رہے ہیں کہ تمام کلمہ گو، خواہ کسی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں، مسلمان ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت کو کافر و کاذب جانتے ہیں اور آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ نیا ہو یا پرانا۔ افسوس کہ ڈاکٹر صاحب نے دیانت و امانت کے خلاف ایک ایسی جماعت پر تکفیر کا اقدام کیا ہے جو کہ اپنے اعلیٰ اصولوں کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے اور جس کے اصولوں کی ڈاکٹر صاحب نے اپنے ٹریکٹ میں پیروی کی ہے۔ افسوس حالات زمانہ اور دنیوی مفاد کی دلچسپیاں اصول پسندی اور صداقت شعاری پر غالب آ گئیں۔ اگر حضرت نبی کریمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور یقیناً نہیں آ سکتا تو ڈاکٹر صاحب ان لوگوں کے متعلق کیا فتوٰی صادر کرتے ہیں جو مانتے ہیں کہ عیسیٰؑ دو ہزار سال سے چرخ چہارم پر تشریف فرما ہیں اور قیامت کے قریب دنیا میں دوبارہ تشریف لا کر اسلام کو زندہ کریں گے۔ کیا اس سے ختم نبوت نہیں ٹوٹے گی۔ اس طرح تو ڈاکٹر صاحب کے قائم کردہ اصول کے ماتحت دنیا بھر کے مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت حلقہ اسلام سے باہر ہو جاتی ہے۔ تعجب ہے کہ مردہ پرست قبروں کو سجدہ کروانے والے، حضرت علیؓ کو خدا ماننے والے، شریعت اسلام کے منکر آغا خانی۔ خلفاء راشدہ کو سب وشتم کرنے والے شیعہ، دن رات تکفیر المسلمین میں مشغول رہنے والے مولوی حضرت عیسیٰؑ کو دو ہزار سال سے زندہ بجسد عنصری آسمان پر بٹھا کر الآن کما کان کا مصداق قرار دینے والے حضرت نبی کریمؐ کے بعد حضرت عیسیٰؑ کو لا کر ختم نبوت کا عملاً انکار کرنے والے۔ انبیاءؑ کو طرح طرح کے گناہوں کا مرتکب ٹھہرانے والے۔ قرآن کریم کی کئی سو آیات کو منسوخ سمجھنے والے، صحابہ کرامؓ کو مرتد اور منافق تک ٹھہرانے والے، یہ سب لوگ تو مسلمان۔ لیکن ہم خدا کی توحید کے قائل، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل، قرآن کے ایک ایک حرف اور ایک ایک شعشہ پر ہمارا ایمان، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے قائل۔ اس بات کے قائل کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا یا پرانا اور جو شخص آپؐ کے بعد نبوت کا دعوٰی کرے وہ کافر و کذاب ہے، ہم ان تمام عقائد کے قائل جو اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلم ہیں، ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے۔ خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، ہم تمام صحابہؓ اور تمام بزرگان دین اور تمام آئمہ کا احترام کرتے ہیں۔ خواہ وہ اہل سنت کے امام ہوں یا اہل تشیع کے، ان عقائد کے رکھتے ہوئے اور اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانا اپنی

زندگیوں کا مقصد قرار دیتے ہوئے، تثلیث کے مرکزوں میں مسجدیں بناتے ہوئے، قرآن کریم کے ترجمے کر کے ان مقامات میں پہنچاتے ہوئے، جہاں آج تک یہ پیغام حق نہیں پہنچا۔ غرضیکہ ان عقائد اور اس کام کے ساتھ ہم کافر۔ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ. (78:11)

قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت 8 مئی 1936ء

1911ء میں ڈاکٹر سر اقبال کی رائے: علامہ اقبال نے اپنے بیان میں دیدہ دودانستہ غلط روش اختیار کی ہے۔ وہی اقبال جس نے 1911ء میں علی گڑھ میں ملت بیضا پر عمرانی نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا کہ اگر ٹھیک اسلامی سیرت کا نمونہ دیکھنا ہو تو قادیان جاؤ۔ عقائد کے متعلق غلطی ہو سکتی ہے۔ مگر عملی زندگی کے نمونہ کے متعلق اس قدر انقلاب، جو کہ موجودہ خیالات میں علامہ اقبال نے ظاہر کیا ہے، نہایت پر معنی ہے۔

جماعت لاہور کے متعلق صریح غلط بیانی: علامہ اقبال کو جماعت احمدیہ لاہور کے خیالات اور عقائد سے کلی واقفیت ہے۔ اور انہیں معلوم ہے کہ ختم نبوت اور اتحاد اسلامی کی جو تعلیم اس انجمن نے پیش کی ہے اس کی نظیر ڈھونڈھے سے بھی اور کہیں نہیں ملے گی۔ مگر اس کے باوجود ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ''یہاں یہ بھی یاد رہے کہ تحریک احمدیت دو گروہوں قادیانی اور لاہوری میں منقسم ہے۔ اول الذکر علی الاعلان مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ موخر الذکر عقیدہ یا پالیسی کی بناء پر مصلحت وقت کے لحاظ سے قادیانیت کو نرم صورت میں پیش کرتا ہے۔ بہر حال یہ سوال کہ کیا بانی تحریک ایک نبی تھا۔ جس کا انکار دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ دونوں گروہوں میں مابہ نزاع ہے۔ مجھے یقین ہے جس کو کہ میں ثابت کروں گا کہ ایک مکمل نبی کا خیال جس کے انکار سے دائرہ اسلام سے ایک انسان خارج ہو جاتا ہے، تحریک احمدیت کا ضروری جزو ہے۔''

ڈاکٹر صاحب کے الفاظ قابل غور ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ احمدی دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے اور دوسرا ختم نبوت کا قائل ہے۔ مگر جو گروہ ختم نبوت کا قائل ہے اور مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتا۔ وہ منافقت سے ایسا کرتا ہے۔ اگر بقول اقبال افراد انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کے دلوں میں حضرت مرزا کی نبوت کا عقیدہ پوشیدہ ہے، جو بالکل غلط

ہے۔ بفرض محال اگر اسے ایک لمحہ کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے، تو یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ وہ دنیا میں دن رات یہ ہی اعلان کرتی ہے کہ نبی کریمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ نیا ہو یا پرانا۔ اور جو بھی دعوٰی نبوت کرے، وہ کافر، کاذب اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ افسوس کہ ڈاکٹر صاحب نے ان لوگوں پر کفر کا فتوٰی تو نہایت بے تکلفی سے صادر فرما دیا، جو مکمل ختم نبوت کے مدعی ہیں۔ مگر ان کے متعلق زبان خاموش ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ دو ہزار سال سے الاان کما کان کی حالت میں چرخ چہارم پر متمکن ہیں۔ اور قرب قیامت میں تشریف لا کر اسلام کو زندہ کریں گے۔ کیا اس سے ختم نبوت کا عقیدہ سلامت رہتا ہے؟ مگر ان کے متعلق ایک لفظ تک نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اس طرح شہرت اور ہر دلعزیزی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

منافقت کا بے حقیقت الزام: ڈاکٹر اقبال نے ان خادمان اسلام پر منافقت کا ایک افسوسناک اور بے حقیقت الزام لگایا ہے۔ ہم دشمن اسلام ہی سہی۔ مگر کیا کسی اخلاقی قانون کے یا شریعت اسلامی کے مطابق دشمنان اسلام کے متعلق جھوٹ بولنا جائز ہے؟ اگر ہمارا موجودہ عقیدہ منافقانہ ہے تو ڈاکٹر صاحب ہی بتائیں کہ اصل عقائد ہم نے چھپا کر کہاں رکھے ہیں۔ آخر ہماری ایک جماعت ہے جو ہند کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہندوستان سے باہر بھی اس کے ممبر موجود ہیں۔ یہی تحریریں رسالے اخبارات، کتابیں، اشتہارات ہیں۔ جن کے ذریعے ہم اپنے عقائد افراد جماعت تک پہنچاتے ہیں اور اگر کوئی خفیہ تحریریں ان عقائد کے خلاف ہیں تو ان کو مخالفین شائع کیوں نہیں کر دیتے! پھر کیا هَلْ شَقَقْتَ قَلْبَهُ کا وعید یاد نہیں؟ کیا ہمارے دلوں کو پھاڑ کر دیکھ لیا کہ ہم جو اپنے عقائد ظاہر کرتے ہیں ان کے خلاف ہمارے دلوں میں کچھ اور مخفی ہیں!

اس جماعت کا ثانی پیش کرو: کیا ایک منافق جماعت ایثار اور قربانی کے وہ نمونے رکھ سکتی ہے۔ جو یہ چھوٹی سی جماعت دکھا رہی ہے۔ خدمت اسلام کا اتنا عظیم الشان کام، یورپ میں مشنوں کا قیام، مسجدوں کی تعمیر، قرآن کریم کے ترجمے، ان کی مفت اشاعت، سیرت نبوی اور تعلیم اسلام پر کتابوں کے مختلف زبانوں میں ترجمے، کیا یہ ایک کافر یا منافق قوم کے کارنامے ہیں۔ کیا دنیا کی تاریخ میں کوئی اور بھی کافر یا منافق قوم نظر آتی ہے۔ جس نے خدمت اسلام کا اس قدر عظیم الشان کام کیا ہو۔ اور کیا یہ کام

عظیم الشان قربانیوں کے بغیر ہو سکتا ہے؟ تبلیغ اسلام کے لئے ایک معمولی حیثیت کا احمدی اس قدر مال دیتا ہے، جس کی توفیق آج بڑے بڑے رؤسا کو بھی نہیں ملتی۔ آج جن کو منافق کہا جاتا ہے وہ تہجد گزار، پابند صوم وصلوٰۃ، فدائی اسلام، شیدائی خیرالانام ہیں۔ قرآن کی تلاوت اور اس پر عمل ان کا اوڑھنا بچھونا اور دین اسلام کی اتباع ان کا مقصد حیات ہے۔ اور ''مسلمان'' دیکھو کہ نہ نماز، نہ روزہ، نہ حج، نہ زکوٰۃ نہ شکل سے اسلام ہویدا، نہ اعمال سے، احکام الٰہی سے بے رخی اور شیطان کی پیروی دستور العمل، روزہ میں حقہ پینا اور شراب کے نشے میں مخمور رہنا مقصد حیات۔

ہمارے واضح عام فہم اور صحیح اسلامی عقائد: آج ہم حسب معمول اپنے عقائد کا علی الاعلان اظہار کرتے ہیں کہ خدائے عالم الغیب اس بات پر شاہد ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کے افراد بصمیم قلب مندرجہ ذیل باتوں پر کاربند ہیں۔

1۔ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں۔

2۔ ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کی بعثت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دین کو کامل کر دیا ہے اور اس لئے آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا خواہ نیا ہو یا پرانا۔ ہاں مجدد آئیں گے۔ جن کا کام خدمت اسلام اور تائید دین ہے۔

3۔ ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ قرآن کریم خدا کا کلام ہے۔ جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں اور نہ قیامت تک منسوخ ہوگا اور وہ قیامت تک واجب العمل ہے۔ حکم جہاد بھی قرآن کریم کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور وہ قیامت تک منسوخ نہ ہوگا۔ ہم ان لوگوں کو غلطی پر سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے کسی حکم کو یا کسی آیت کو منسوخ سمجھتے ہیں۔

4۔ ہم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔ نبی نہیں کہتے۔

5۔ ہم ہر اس شخص کو، جو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ایمان لاتا ہے، مسلمان سمجھتے ہیں۔

6۔ ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے اولیاء اللہ سے کلام کرتا ہے اور ایسے لوگ اصطلاح شریعت میں محدث کہلاتے ہیں۔ اس پر اولیاء اللہ کی اصطلاح میں ظلی نبوت کا لفظ استعمال ہوتا

ہے۔ ورنہ جیسے ظلّ اللہ، اللہ نہیں، اسی طرح ظلی نبی، نبی نہیں۔

7۔ ہم تمام صحابہ کرام اور تمام بزرگان دین کی عزت کرتے ہیں اور کسی صحابی یا امام یا محدث یا مجدد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

8۔ مسلمانوں کی تکفیر کو ہم سب سے بڑھ کر قابل نفرت فعل سمجھتے ہیں۔ اور جو لوگ کسی مسلمان یا کسی مسلمان جماعت کی تکفیر کرتے ہیں اور خدا اور اس کے رسول کے صریح حکم کی، کہ کسی کلمہ گو کو کافر نہ کہا جائے، خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمان قوم کے اتحاد پر کاری ضرب لگاتے ہیں، ان سے اظہار نفرت کے طور پر ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اور جو لوگ تکفیر کے فتوؤں سے متنفر ہیں ان کے پیچھے ہم نماز پڑھ لیتے ہیں۔ خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔

9۔ حدیثوں میں جو نزول مسیح کا ذکر ہے اسے درست مانتے ہیں۔ مگر چونکہ قرآن کریم حضرت مسیح کی وفات کا ذکر صاف الفاظ میں فرماتا ہے اس لئے اس سے مراد ہم ایک مجدد کا مثیل مسیح ہو کر ظاہر ہونا لیتے ہیں۔ اور چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو اس پیشگوئی کا مصداق مانتے ہیں۔

10۔ دین اسلام ہمارے نزدیک نہ پہلے جبر سے پھیلا نہ آئندہ کوئی ایسا مہدی ظاہر ہوگا۔ جو اسلام کو بزور شمشیر پھیلائے۔ بلکہ مہدی وہی ہے جو خدا تعالیٰ سے ہدایت پا کر دین اسلام کی صداقت کو ظاہر کرتا ہے۔

11۔ تعلیم اسلام کا ماخذ ہمارے نزدیک قرآن کریم، احادیث اور اجتہاد آئمہ ہے۔ لیکن قرآن کریم اصل سرچشمہ اور سب پر مقدم ہے۔ کوئی ایسی حدیث یا اجتہاد قابل قبول نہیں جو قرآن کریم کے خلاف ہو۔ اس طرح حدیث اجتہاد آئمہ پر مقدم ہے۔ اور اجتہاد کا دروازہ اس امت کے لئے جسے خدا اور اس کے رسول نے کھولا ہے۔ اسے کوئی بند نہیں کرسکتا۔

یہ ہیں وہ عقائد جو ہمارا دستور العمل ہے اور جن کے صحیح لاثانی اور بے نظیر ہونے پر ہمیں فخر ہے۔ اور جن کی خوشہ چینی کر کے ڈاکٹر اقبال نے کلمہ گو کی تعریف ہے۔ ہمارے ان عقائد سے ڈاکٹر صاحب بکلی واقف ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اس کے باوجود وہ بلا ثبوت ہمیں اجرائے نبوت کے معتقد

کھے جا رہے ہیں۔ مگر ہم مسلمان بھائیوں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ تعصب سے سینہ صاف کر کے چند لمحات کے لئے ہمارے معتقدات پر غور کریں۔ اور اس کے بعد ایماندارانہ فیصلہ کریں کہ ان عقائد کے ہوتے ہوئے ہم خارج از اسلام قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ ہمیں اس بات کی پروا نہیں کہ کوئی ہمیں کافر کہتا ہے۔ کفر وایمان کا تعلق خدائے پاک کی ذات سے ہے۔ جس کی درگاہ سے ہر نیک و بد، دوست و دشمن کا فیصلہ ہو کر رہے گا۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس لعنت تکفیر کی بدولت مسلمانوں کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ ان کی قوت ٹوٹ رہی ہے۔ اسلام کی بیکسی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور مسلمان دن بدن ذلت ومسکنت کی عمیق گہرائیوں میں گرتے جا رہے ہیں۔

قسط سوم: مطبوعہ در اشاعت 11 مئی 1936ء

حضرت مرزا صاحب نے اپنے منکرین کو کافر نہیں کہا: ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ’’نبوت مرزا‘‘ کا عقیدہ جزو احمدیت ہے۔ اور اس کے لئے اپنے پاس دلائل کا ذخیرہ رکھنے کے مدعی ہیں۔ اس دعوٰی کے جواز میں پیش کردہ دلائل پر نظر ڈالنے سے قبل میں ڈاکٹر صاحب کے بیان کی بنیاد پر ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کے سامنے احمدیت پر اعتراض کرنے کے لئے صرف وہ لٹریچر ہے۔ جو قادیانیوں نے اپنے مخصوص خیالات وعقائد کی ترجمانی کرتے ہوئے شائع کیا ہے۔ مگر وہ اس لٹریچر کے سہارے پر جماعت احمدیہ لاہور کو بھی مطعون کر رہے ہیں۔ حالانکہ ہم خود قادیانیوں کی تحریرات کی عرصہ 21 سال سے تردید کر رہے ہیں۔ جس کا اقرار ڈاکٹر صاحب بھی کرتے ہیں۔ اس اقرار کے باوجود اس الزام کا عائد کرنا قابل تعجب ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی بنیادی غلطی: احمدیت پر تبصرہ کرنے کے لئے ضروری تھا کہ بانی سلسلہ کی اپنی تحریرات کو سامنے رکھا جاتا۔ کیونکہ ایک صحیح ناقد کا یہی اصول ہونا چاہئے۔ بانی سلسلہ دوسروں کے خیالات اور عقائد کا ذمہ دار نہیں۔ خواہ وہ تحریرات عقیدت کشیوں کی ہوں یا معاندین کی۔ اگر ڈاکٹر صاحب اس موجودہ روش کو مبنی بر دیانت وتقوٰی تصور کرتے ہیں تو وہ سلسلہ کے متعلق ہماری تحریرات کے متعلق کیوں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں؟ کیا یہی تعلیم اسلام ہے۔ اور یہی انصاف وعدل کا تقاضا ہے؟ حضرت مرزا صاحب کی ذات اور تعلیم پر اعتراضات کرنے تھے تو ان کی کتب کو سامنے رکھتے،

دنیا کو یہ کہہ کر سنا دینا کہ چونکہ احمدیوں کی اکثریت مرزا صاحب کی نبوت کی معتقد ہے، لہٰذا مرزا صاحب یقیناً مدعی نبوت ہیں، خلاف اصول ہے۔ مسلمانوں کو ہی لیجئے۔ ان میں اکثریت ایسے اشخاص کی ہے جو عیسیٰؑ کو چرخ چہارم پر حیات تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب، علماء اور سواد اعظم کے علی الزعم آمد مسیح کو جزو مجوسیت قرار دیتے ہیں۔ نیز آپ سر سید احمد خان، محمد بن عبدالوہاب وغیرہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ حالانکہ مطابق عقائد جمہور وہ مرتد کافر اور خارج از اسلام ہیں۔ کیا ڈاکٹر صاحب ان جمہود کی باتوں کو تسلیم کر کے ان بزرگوں پر معترض ہونے کی تکلیف گوارا کریں گے؟ مسلمانوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر بزرگان امت کے متعلق خوش اعتقادی کی بناء پر بے شمار خلاف شریعت امور رائج ہیں۔ کیا ڈاکٹر صاحب ان عقائد کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کریں گے؟ (نعوذ باللہ) عیسائیوں کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں اور وہ اس عقیدہ کو مسیح کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ سب مسلمان قائل ہیں کہ یہ عیسائیوں کا غلو ہے اور حضرت عیسیٰؑ کا دامن اس سے پاک ہے۔ پس اگر عیسائیوں کی اکثریت کا جناب مسیح کو ابن اللہ تسلیم کرنا ان کی ذات کو قابل اعتراض نہیں گردانتا تو قادیانیوں کے عقائد کے مرزا صاحب کس طرح ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟

ڈاکٹر صاحب کا دعویٰ بلا دلیل: ان الفاظ کے بعد میں ڈاکٹر صاحب کے اس ارشاد کو لیتا ہوں جس کو تسلیم کرنے کے بعد آپ حضرت مرزا صاحب کو خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ ''اسلام کی تعلیم مکمل اور تا ابد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے الہام کا دروازہ بند ہے جس کا انکار کرنے سے کوئی شخص کافر ہو جاتا ہے'' ڈاکٹر صاحب نے بجا فرمایا۔ ہمارا بھی یہی ایمان ہے اور اسی عقیدہ پر حضرت صاحب تمام عمر قائم رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس اصول کے بیان کرنے کے بعد حضرت مرزا صاحب کی ایک بھی تحریر ایسی پیش نہیں کی جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ نے اپنے الہام کے منکر کو کافر اور خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ تو کیا ایک اصول قائم کرنا اور پھر جس پر چسپاں کرنا ہو۔ اس کا دعویٰ کیئے بغیر کہہ دینا کہ ''لہٰذا وہ کافر ٹھہرا'' تقاضائے دیانت اور امانت نہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے ہرگز ہرگز اس امر کا دعویٰ نہیں کیا کہ میری وحی کا منکر کافر ہے۔ بلکہ اس کی تردید آپ پر زور الفاظ

میں فرماتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ان کے اپنے الفاظ درج کئے جاتے ہیں۔

1۔ ''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا۔''

اس کے نیچے حاشیہ پر فرماتے ہیں:

''یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعویٰ کا انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں۔ گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں۔ ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا'' (تریاق القلوب صفحہ 130)

2۔ ''پھر اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمے یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمانوں اور کلمہ گووؤں کو کافر ٹھہرایا ہے'' (حقیقۃ الوحی صفحہ 120)

3۔ ''میں اب بھی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتا'' (حاشیہ حقیقت الوحی صفحہ 165)

4۔ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں نے اپنے رسالہ ''المسیح الدجال'' وغیرہ میں میرے پر یہ الزام لگایا ہے کہ گویا میں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایمان نہیں لائے گا۔ گو وہ میرے نام سے بھی بے خبر ہوگا اور گو وہ ایسے ملک میں ہوگا جہاں تک میری دعوت نہیں پہنچی، تب بھی وہ کافر ہو جائے گا اور دوزخ میں پڑے گا۔ یہ ڈاکٹر مذکور کا سراسر افترا ہے۔ میں نے کسی کتاب یا کسی اشتہار میں ایسا نہیں لکھا۔ اس پر فرض ہے کہ وہ ایسی کوئی میری کتاب پیش کرے۔ جس میں یہ لکھا ہے۔ یاد رہے کہ اس نے محض چالاکی سے جیسا کہ اس کی عادت ہے یہ افتراء میرے پر کیا ہے۔ یہ تو ایسا امر ہے کہ بہ بداہت کوئی عقل اس کو قبول نہیں کر سکتی'' (حقیقۃ الوحی صفحہ 178)

5۔ سوال ہوا کہ غیر احمدی آپ کو کافر کہتے ہیں تو کہیں۔ لیکن آپ نہ کہیں تو کیا ہرج ہے۔ الجواب فرمایا جو ہمیں کافر نہیں کہتا۔ ہم اسے ہرگز ہرگز کافر نہیں سمجھتے'' (آخری تقریر لاہور)

ڈاکٹر صاحب کی اپنی شہادت: اس کی تائید میں ڈاکٹر صاحب کی اپنی ناقابل تردید شہادت موجود ہے۔ 1934ء موسم سرما میں جب حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ڈاکٹر صاحب کی عیادت کے لئے گئے تو ڈاکٹر صاحب نے خود حضرت مرزا صاحب کے متعلق آپ سے گفتگو کی۔ جس کا خلاصہ مولانا موصوف کے الفاظ میں یہ ہے اور جس کی تصدیق ڈاکٹر صاحب نے حال ہی میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کے نام ایک خط میں کی۔

> ''ایک دفعہ جناب میرزا صاحب سیالکوٹ گئے ان ایام میں میاں (سر فضل حسین صاحب) وہیں کام کرتے تھے۔ ایک دن ڈاکٹر صاحب کہیں جا رہے تھے تو اتفاق سے راستے میں میاں صاحب سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کدھر جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں مرزا صاحب کی طرف جا رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ جب ہم آپ کے پاس پہنچے تو اثنائے گفتگو میں میاں صاحب نے جناب مرزا صاحب سے سوال کیا کہ کیا آپ اپنے منکر کو کافر کہتے ہیں۔ تو آپ نے صاف الفاظ میں جواب دیا کہ ''میں اپنے منکر کو کافر نہیں کہتا''۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جناب مرزا صاحب کے یہ الفاظ مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے یہ بھی فرمایا کہ البتہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعہ کس سال کا ہے۔ لیکن اتنا یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ میاں فضل حسین ان دنوں وہاں پریکٹس کرتے تھے۔ سو اس کے متعلق صرف اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے سیالکوٹ تشریف لے جانے کا واقعہ 1904ء کی ہے۔''

کاش! ڈاکٹر صاحب تقوٰی سے کام لیتے اور حضرت مجدد کی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی رائے قائم کرتے۔ اور جب وہ خود مرزا صاحب کی رائے سے واقف تھے۔ جس کے منکر وہ اب بھی نہیں۔ تو پھر کس اصول پر انہوں نے حضرت مرزا صاحب پر تکفیر کا فتوٰی لگانے کی افسوسناک جرات کی ہے۔ میں تمام انصاف پسند، پاک طینت مسلمانوں سے عرض کرتا ہوں کہ وہ حضرت مرزا صاحب کی

ذات کو درمیان سے علیحدہ کر کے بتائیں کہ آیا مذکورہ بالا عبارت کا قائل ڈاکٹر اقبال کی پیش کردہ شرط کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج ہے؟ دوستو! دنیا چندروزہ ہے۔ آخر خدا کے حضور جانا ہے۔ اس لئے عقل وانصاف سے کام لو۔

ایک غلطی کا ازالہ: ڈاکٹر صاحب کی تمام تحریر میں ایک بات واضح ہے کہ آپ مسلمانوں کے سیاسی و مادی غلبہ کے لئے مضطرب ہیں۔ اس بناء پر وہ احمدیت کا سیاسی رنگ میں مقابلہ کرنے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ روحانی ترقی اور روحانیت کا احیاء ان کے نزدیک ترقی کے منافی ہے۔ اور مسلمانوں کی بربادی کا باعث ان کے نزدیک وہ ہستیاں ہوئی ہیں جو کہ مقام روحانیت پر فائز ہونے کی دعویدار رہی ہیں۔ اس جگہ ایک خطرناک غلطی کا ازالہ ضروری ہے۔ اسلامی تعلیم سے بے بہرہ انسان کا انتہائے زندگی مادی غلبہ کا حصول ہے۔ اس کے نزدیک کامیابی یہی ہوتی ہے کہ اپنی حکومت ہو، رعب ہو، خواہ اس میں اخلاق اور اسلامی تعلیمات کا کوئی عنصر موجود نہ ہو۔ مگر اسلام کے مقصد سے باخبر مسلمان، اخلاق عالیہ، صفات ستودہ کا قائل ہے۔ اس کا مقصد حیات روح کی پاکیزگی اور تعلق اللہ ہے۔ احکام الٰہی کی پیروی اس کی روح کی غذا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ غلبہ نہیں ہوتا۔ گو اللہ تعالیٰ اس کی ذاتی صلاحیت کے پیش نظر اسے یہ غلبہ عطا فرماتا ہے۔ اب ڈاکٹر صاحب نے جو اعتراض قرون وسطٰی کے صوفی منش بزرگوں (مثلاً سید عبدالقادر جیلانی، بایزید بسطامی، فریدالدین عطاء، شیخ سعدی، شبلی، منصور، امام غزالی اور مجدد سرہندی رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ پر کیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے جذبہ عمل مفقود کرنے کا باعث ہوئے ہیں۔ مگر ایک حامی اسلام ان کے وجودوں کو نعمت غیر مترقبہ سمجھے گا۔ مادی غلبہ جو انسان کو احکام اسلامی کا پابند نہ رہنے دے۔ وہ ایک لعنت ہے۔ جب کبھی مسلمانوں پر ایسی حالت آئی تو انہوں نے اسلام کی دل کھول کر تخریب کی۔ اور اپنی اس طاقت کے بل بوتے پر حضرت مجدد الف ثانی، امام غزالی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد حنبل، امام بخاری، غرضیکہ تمام آئمہ اسلام کو تختہ مشق ستم وجور بنایا۔ جس میں ملانوں کی بدباطنیوں نے حقیقی اسلام کی پاکیزہ تعلیم کو عقائد فاسدہ کے سیاہ پردے میں مستور کر دیا۔ ہمارا ایمان ہے کہ اگر یہ مبارک وجود نہ ہوتے تو اسلام کا نام، جو آج تک زندہ چلا آرہا ہے، مٹ چکا ہوتا۔ اور اب ہمیں فخر ہے کہ ان مردان خدا کی

اولوالعزمیوں اور صبر و استقلال کی طفیل ہم میں حقیقی اسلام کی تعلیم موجود ہے اور ان کی بدولت کروڑ در کروڑ کلمہ گو موجود ہیں۔ ورنہ سلاطین اور ارباب اقتدار نے تو اسلام سے غداری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو اسی مادی طاقت کا احیاء مبارک۔ اور ہمیں ان مبارک موجود کی پیروی۔

قسط چہارم: مطبوعہ در اشاعت 15 مئی 1936ء

مسلمانوں میں کلمہ گوؤں کی تکفیر کی ابتداء اہل خوارج نے کی۔ اور اس کے بعد یہ خلیج وسیع ہوتی گئی کہ آج اس کا مٹانا بظاہر ناممکن ہو گیا ہے۔ ان مکفرین نے بڑے بڑے آئمہ اسلام پر ہاتھ صاف کیا ہے۔ سر اقبال صاحب یہ تو فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کلمہ توحید بقید ختم نبوت پر ایمان لائے تو اس کے بعد خواہ اس کی تفاسیر دوسروں سے کتنی ہی مختلف ہوں ایک متشدد سے متشدد ملا بھی اس کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کر سکتا۔ مگر یہی ڈاکٹر صاحب ہیں کہ احمدیوں کو باوجود توحید و ختم نبوت پر قائم ہونے کے خارج از اسلام قرار دینے پر مصر ہیں۔ مسئلہ تکفیر کلمہ گو نہایت ہی خطرناک ہے۔ مگر اس سے خدا کے فضل سے احمدیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اور نہ ہی اس وقت تک پہنچے گا جب تک اشاعت اسلام ان کا مقصد حیات رہے گا۔ مگر اس سے ملت اسلامیہ کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ اور قومی ترقی رک جاتی ہے کاش کہ ڈاکٹر صاحب اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں۔

تکفیر کی تاریخی تباہ کاریاں: ڈاکٹر اقبال نے علماء ظواہر کی پیروی کی ہے۔ حضرت علیؓ کو خوارج نے علی الاعلان کافر کہا (منہاج السنہ جلد 2) حضرت بایزید بسطامیؒ کو سات مرتبہ جلا وطن کیا گیا۔ حضرت ذی النون مصری کو زنجیروں میں جکڑ کر بغداد لایا گیا۔ ابوسعید خراز اور سہیل بن عبداللہ تشری پر کفر کا فتوٰی لگایا۔ منصور کو قتل کرایا گیا۔ امام ابوبکر نابلسی کو مصر لا کر قتل کیا گیا اور ان کی کھال کھچوائی گئی۔ امام غزالی پر کفر کا فتوٰی لگایا اور ان کی کتاب احیاء العلوم کو نذر آتش کیا۔ ابوالحسن شاذل اور احمد بن رفاعی کو ملحد اور زندیق کہا (طبقات الشعرانی صفحہ 17-19) ابوبکر شبلی پر کفر کا فتوٰی لگایا (انوار احمدیہ صفحہ 7) امام ربانی مجدد الف ثانی کو کافر کہا گیا اور قید رکھا گیا (انوار احمدیہ صفحہ 3) امام ابوحنیفہ کو کوڑے لگائے گئے اور قید رکھا گیا۔ امام مالک پر تو اس قدر ظلم کیا گیا کہ دونوں بازو کندھوں سے نکل گئے اور پچیس سال تک نماز با جماعت سے محروم رہے۔ امام احمد ابن حنبل کو کوڑے لگائے گئے۔ قید کیا گیا۔ امام بخاری کو جلا وطن کیا گیا (ہدیہ مجدد

صفحہ 73) علاوہ ازیں جس قدر خدّ ام اسلام گزرے چکے ہیں اور جن کے وجودوں پر آج دنیائے اسلام ناز کرتی ہے، اس دروازہ سے ہوگزرے ہیں۔

یہ ہے کارنامہ ان علماء کا جن کی صف میں کھڑے ہونے کے لئے ڈاکٹر صاحب کو اضطراب تھا اور آج وہ اپنا شوق پورا کر چکے ہیں۔ اور اس بات کو فراموش کر گئے ہیں کہ انہی علماء کے متعلق حدیث شریف میں آچکا ہے کہ وہ بدترین مخلوق ہوں گے۔ اس کے متعلق نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:

> ''سو یہ بڑے بڑے فقیہہ، یہ بڑے بڑے مدرس، یہ بڑے بڑے درویش جو ڈنکا دینداری، خدا پرستی کا بجا رہے ہیں۔ درحقیقت تائید باطل، تقلید مذہب تقلید مشرب میں مخدوم عوام کالانعام ہیں۔ سچ پوچھو تو دراصل پیٹ کے بندے، نفس کے مرید، ابلیس کے شاگرد ہیں۔ چندیں شکل از برائے اکل۔ ان کی دوستی دشمنی ان کے باہم کاردوکد فقط اسی حسد وکینہ کے لئے ہے۔ نہ خدا کے لئے نہ امام کے لئے نہ رسول کے لئے (اقترب الساعۃ صفحہ 8) درحقیقت پیٹ کی فکر اور نفس پروری باعث ہوئی ہے مسلمان کے زوال کا ورنہ اسلام ایسا سادہ اور آسان فہم مذہب اس قدر ردقیق نہ ہو جاتا۔''

پھر لکھتے ہیں:

> ''اب تو اس کا پُل ٹوٹ گیا ہے۔ نفی شرک و بدعت منع تقلید کے پیچھے مولویوں میں رات دن قصہ بکھیڑا رہتا ہے۔ ایک دوسرے کو کافر بتاتا ہے۔ حق کو باطل، باطل کو حق ٹھہراتا ہے۔ یہی سبب اعظم ہے غربت اسلام اور قرب قیامت کا۔'' (اقترب الساعۃ صفحہ 15)

یہ ہے صحیح نقشہ موجودہ مسلمان کی حالت پست کا اور اس کا باعث صرف تکفیر ہے اور کچھ نہیں۔ میرا ایمان ہے کہ اگر آج مسلمان کلمہ گوؤں کی تکفیر سے باز آجائیں تو آئندہ چند ہی سالوں میں دنیا میں کوئی متنفس نہیں رہے گا جو حلقہ بگوش اسلام نہ ہو جائے۔ باقی رہا حضرت مرزا صاحب کی تکفیر تو یہ سنت قدیم ہے۔ اس کے متعلق نواب صاحب لکھتے ہیں:

''مہدی جب سنت کو رائج کریں گے اور بدعت کا ازالہ کریں گے تو علماء وقت کہ خوگر تقلید و اقتدار مشائخ خود باشند، گویند ایں مرد خانہ برانداز دین ملت ماست و بمخالفت برخیزند و بحسب عادت خود حکم بہ تکفیر و تضلیل وے کنند'' (حجج الکرامہ صفحہ 363)

کن شاندار الفاظ میں علماء کی تاریکی دل کا نقشہ کھینچا ہے اور ان الفاظ کی موجودگی میں جب ہم مہدی معہود کے ساتھ سلوک دیکھتے ہیں تو آپ کی صداقت وحقانیت کا کامل یقین ہو جاتا ہے۔ اسی کے متعلق آپ نے ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 28 میں لکھا تھا:

مگر ضرور تھا کہ وہ مجھے کافر کہتے اور میرا نام دجال رکھتے۔ کیونکہ احادیث میں پہلے ہی یہی فرما دیا گیا تھا کہ اس مہدی کو کافر ٹھہرایا جائے گا اور اس وقت کے شریر مولوی اسے کافر کہیں گے اور ایسا جوش دکھلائیں گے کہ اگر ممکن ہوتا تو اس کو قتل کر ڈالتے۔ یہ زمانہ گزر جائے گا اور دوسرا زمانہ آئے گا اور خدا اس زمانے کے لوگوں کو آنکھیں دے گا اور وہ ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر کریں گے، جنہوں نے مجھے پا کر میرا ساتھ دیا۔ سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ وقت گزر جائے گا اور ہر ایک غافل اور منکر اور مکذب وہ حسرتیں ساتھ لے جائیں گے۔ جس کا تدارک پھر اس کے ہاتھ میں نہ ہوگا۔

مکفر مولویوں کے چند شاہکار: تو تکفیر کی لعنت احمدیوں اور غیر احمدیوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ آج کل دیوبندی اور بریلوی، مقلد اور غیر مقلد اسی زور شور سے ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں کہ الامان۔ مساجد سے اخراج، رشتہ وناطہ کا انقطاع ان کا عام شغل ہے۔ ذیل میں چند ایک فتاوے ان مکفرین کے درج کئے جاتے ہیں تاکہ ان پیشہ وروں کی حقیقت واضح ہو جائے۔

1۔ غیر مقلدوں سے مخالطت اور مخاطبت کرنا اور ان کو اپنی خوشی سے مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے۔ ان کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اس فتویٰ پر 53 علماء کے دستخط ہیں'' (جامع الشواھد صفحہ 5)

2۔ چاروں اماموں کے پیرو اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور

چشتیہ اور قادریہ ونقشبندیہ ومجددیہ سب لوگ کافر ہیں‘‘ (جامع الشواھد صفحہ 6)

3۔ اسماعیل دہلوی نرا کافر تھا۔ گنگوہی۔ دیوبندی نانوتوی، انبیٹھی، تھانوی وغیرہ ہم وہابی کھلے مرتد ہیں۔

4۔ تقویۃ الایمان وغیرہ۔ معیار الحق، تصنیف نذیر حسین دہلوی۔ تحذیر الناس تصنیف نانوتوی، براہین قاطعہ تصنیف گنگوہی وغیرہ ھا جملہ بناعات انبوہی۔ سب کفری بول نجس طراز بول ہیں۔ جو ایسا نہ جانے زندیق ہے۔

5۔ جو باوصف اطلاع اقوال ان میں سے کسی کا معتقد ہو ابلیس کا بندہ جہنم کا کندہ ہے اور ان سفاء اور ان کے نظراء تمام خبثاء جو شخص ان ملحدوں کی حمایت اور مروت اور رعایت کرے۔ ان کی ان باتوں کی تصدیق، تحسین توجیہ تاویل کرے، وہ عدو خدا دشمن مصطفیٰ ہے۔

6۔ غیر مقلدین سب بے دین پکے شیاطین پورے ملاعین ہیں (چابک لیث بر اہلحدیث صفحہ 34-35)

ان کے علاوہ ان تکفیر کے عاشقین کی ہزار ہا تحریریں ہیں۔ جنہوں نے ملت اسلامیہ کا جگر چھلنی کر رکھا ہے۔ جن کی بدولت ہماری اندرونی قوت مٹ گئی۔ ہم نبیان مرصوص نہ رہے۔ مسلمان تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى (14:59) کا نمونہ بنا گئے۔ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ (29:48) کا سبق بھلا بیٹھے فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا (103:3) کا زریں اصول فراموش کر چکے اور جس کا نتیجہ آج اغیار کا تشدد حکومت اور سختی ہے۔ ’’اے بادصبا ایں ہمہ آوردہ تست‘‘ مذکورہ بالا تحریر ڈاکٹر صاحب کے بیان کے بودہ پن ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس کے علاوہ تمام امور بے معنی ہیں۔ اور الحمدللہ کہ ڈاکٹر صاحب جماعت احمدیہ کا کفر ثابت کرنے میں بالکل ناکام رہے اور صرف مکفرین کی صف ہی میں دبک کر رہ گئے۔

ڈاکٹر اقبال کی ایک اور بے اصولی: البتہ ڈاکٹر صاحب کے بیان میں سرسید احمد خاں مرحوم۔ آغا خان اور مصطفیٰ کمال کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ان کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب سرسید احمد مرحوم کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ہم سرسید کی مساعی کے

مشکور ہیں اور ان کو ہمدرد اسلام سمجھتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے عقائد اہل سنت کے ساتھ متفق ہونے کے باوجود ہمیں کافر قرار دیا جاتا ہے اور ہندوستان کی غلامی کا ملزم گردانا جاتا ہے اور سرسید مرحوم جن کی زندگی ہی حکومت کی تائید و تعریف میں گزری۔ جو شب و روز لوگوں کو وفاداری کی تلقین کرتے رہے وہ اسلام کا بے نظیر فرزند قرار دیئے جاتے ہیں۔ سرسید مرحوم کے عقائد زمانہ پر واضح ہیں۔ آپ قرآن کے الفاظ الٰہی ہونے کے اور دعا کے قائل نہ تھے۔ دیگر بہت سے بنیادی مسائل میں بزرگان سلف سے سخت اختلاف رکھتے تھے اور ان کے عقائد کی بناء پر علماء زمانہ نے ان پر کفر کے فتاوے صادر کئے۔

سرسید مرحوم پر فتاوٰی کفر: مولانا حالی مرحوم مولویوں کے فتاوٰی کا مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

> ان میں سرسید کو ملحد، کرسٹان، نیچری، دہریہ کافر، دجال اور کیا کیا خطاب دیئے گئے۔ ان کے کفر کے فتوؤں پر شہر شہر اور قصبہ قصبہ کے مولویوں سے مہریں اور دستخط کرائے گئے۔ یہاں تک کہ جو لوگ سرسید کی تکفیر پر سکوت اختیار کرتے تھے۔ ان کی بھی تکفیر ہونے لگی (حیات جاوید حصہ دوم صفحہ 278)
>
> مسلمانوں کے جتنے فرقے ہندوستان میں ہیں۔ کیا سنی، کیا شیعی، کیا مقلد، کیا غیر مقلد، کیا وہابی، کیا بدعتی سب فرقوں کے مشہور اور غیر مشہور عالموں اور مولویوں کی ان فتوؤں پر مہریں یا دستخط ہیں (ایضاً صفحہ 286)
>
> **علماء مذاہب اربعہ کا فتوٰی:** یہ شخص ضال اور مضل ہے۔ بلکہ ابلیس لعین کا خلیفہ ہے کہ مسلمانوں کے اغوا کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کا فتنہ یہود و نصارٰی کے فتنے سے بھی بڑھ کر ہے (ایضاً صفحہ 287)
>
> علماء مدینہ کا فتوٰی اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کر لے تو قتل نہ کیا جائے ورنہ اس کا قتل واجب ہے۔ (ایضاً صفحہ 287)

یہ ہیں علمائے زمانہ کی آراء اس شخص کے متعلق جسے ڈاکٹر صاحب موجودہ دور میں اسلام کا بطل جلیل قرار دیتے ہیں۔ کیا یہ فتوٰی کفر لگانے والے سب کے سب پاگل تھے؟ ڈاکٹر صاحب کچھ غور فرمائیے۔ آپ

کن کی صف میں کھڑے ہو رہے ہیں۔ سرسید مرحوم اپنے خلاف اسلام عقائد کی موجودگی میں بھی مسلمان اوراحمدی صحیح عقائد رکھتے ہوئے اوردین کی خدمت کرتے ہوئے بھی کافر!

مصطفیٰ کمال پاشا کے متعلق ڈاکٹر صاحب کی عجیب روش: مصطفیٰ کمال پاشا کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے عجیب روش اختیار کی ہے۔ مصطفیٰ کمال کی تحریک اس جذبہ وطنیت پر مبنی ہے۔ جس کی ابتداء یورپ سے ہوئی۔ ان کے پیش نظر ترک قوم کی بہبود ہے۔ خواہ اس سے اسلام کا کوئی قانون ٹوٹے یا قائم رہے۔ ان کا فیصلہ شرعی فیصلوں پر ممتاز ہے۔ اتاترک نے تعدد ازدواج کے شرعی حکم کو اڑا کر اس کی جگہ ایک شادی کی قید لگادی ہے۔ اور ایک سے زیادہ شادی کرنے والے کو شرعی اجازت کے علی الزعم سزا دی جاتی ہے۔ انہوں نے اسلامی قانون وراثت کو اڑا کر اس کی جگہ سوئزر لینڈ کا قانون رائج کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ان کا یہ فعل جائز ہے۔ اور چونکہ وہ اصلاحات کے جوش میں یہ کام کر رہے ہیں اور حاکم وقت ہیں ان پر کوئی گرفت نہیں۔ افسوس کہ احمدیت کی مخالفت نے اقبال صاحب سے حق گوئی کی قوت چھین لی۔ ایک شخص قرآن کے ایک مسئلہ کو چھوڑ کر غیر اسلامی چیز کو ملک میں رائج کرتا ہے تو وہ حاکم وقت ہونے کی وجہ سے جائز کرتا ہے۔ گویا کہ شریعت آزادانہ نہ رہی۔ مسلمان حاکم کے ماتحت ہو گئی۔ اس قدر گراوٹ اور پستی، شریعت کی اس قدر بے وقتی، گویا کہ حاکم کا دماغ خدا تعالیٰ کے فہم سے بڑھ گیا، ڈاکٹر صاحب خدا سے ڈریں دنیا چند روزہ ہے۔ شریعت مکمل ہے۔ صرف اس کی پیروی دین ودنیوی سرخروئی کا باعث ہے۔ اس کے برخلاف کسی قانون کی آڑ لینا حکم الٰہی کی نافرمانی اور اسلام سے صریح روگردانی ہے۔ کاش کہ ڈاکٹر صاحب کو حضرت عمرؓ کے عہد معدلت گستر کی وہ دلیر خاتون یاد ہوتی کہ جب حضرت عمرؓ نے کہا کہ لوگو! مہر کم رکھا کرو۔ تو اس پاک نفس خاتون نے اٹھ کر کہا کہ تو کون ہے۔ جو ہم پر یہ قید لگائے۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کے متعلق کوئی قید تو لگائی نہیں۔ تو اس پر حضرت عمرؓ کو ڈاکٹر اقبال کی تاویل نہ سوجھی اور حکم الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے فرمایا کہ بالکل بجا۔ مجھ سے تو مدینہ کی عورتیں بھی زیادہ علم قرآن رکھتی ہیں۔

قرآن حکیم کے احکام ناطق ہیں۔ ان میں تنسیخ ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان کے ماتحت حاکم وقت کی اور اگر حاکم وقت کوئی

ایسا حکم صادر کردے کہ وہ متنازعہ فیہ ہوجائے تو اسے قرآن اور سنت نبویؐ کے سامنے پیش کرو۔ گویا حاکم کا وہی حکم قابل اطاعت ہے جو شریعت کی ذیل میں آئے۔ ورنہ حاکم کی نافرمانی کر کے اللہ کے حکم کو تھام لینا چاہئیے۔ ڈاکٹر صاحب نے مباحات میں حاکم وقت کے نفوذ کو تسلیم کر کے خرابیوں کا ایک مستقل دروازہ کھولنے کی کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب آغا خانیوں کی تائید میں: آغا خانیوں کے عقائد تمام دنیائے اسلام پر روشن ہیں۔ ان کی کتب اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ پیروی شریعت سے بے نیاز ہیں۔ اور اس جماعت کی روش نے جس قدر نقصان ملت اسلامیہ کو پہنچایا ہے، شائد ہی کسی نے پہنچایا ہو۔ اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو مسلمانوں کی بربادی اور موجودہ اسلامی غفلت و جمود اس گروہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت آغا خاں سے دوستی رکھنے کی وجہ سے ان کی تعریف میں جو کچھ چاہیں لکھیں...... گروہ ان کے پیشوائے اعظم حسن بن صباح کی تباہ کاریوں سے انکار نہیں کرسکتے۔ چنانچہ خود ہی لکھتے ہیں کہ:

ساحرالموط☆ نے تجھ کو دیا برگ حشیش اور تو بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات

بہر حال ڈاکٹر صاحب کو سجدہ سہو مبارک۔ آپ اس وقت ان کے اسلام کے مداح ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ ہاں اگرچہ وہ مستقل امامت کے قائل ہیں۔ مگر ان کے نزدیک امام ملہم من اللہ نہیں۔ گویا کہ الہام کا سلسلہ بھی بند ٹھہرا۔ ڈاکٹر صاحب ان کے مسلمان ہونے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ 1936ء میں آغا خان نے اپنے مریدوں کو کہا تھا کہ گواہ رہو کہ خدا ایک ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی ہیں۔ قرآن کلام خدا ہے۔ کعبہ سب کا قبلہ ہے۔ تم مسلمان ہو اور تمہیں مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہئیے۔ مسلمانوں سے السلام علیکم کہا کرو۔ بچوں کے نام اسلامی رکھا کرو۔ مسجدوں میں مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھا کرو۔ روزے رکھا کرو۔ شادیاں اسلامی طریق پر کیا کو۔ سب مسلمانوں کو بھائی سمجھو۔ یہ الفاظ ہی ظاہر کرتے ہیں کہ اسماعیلی فرقہ کے لوگ مذکورہ بالا امور میں عام مسلمانوں سے الگ تھلگ تھے۔ اور اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے آغا خاں صاحب نے ان کو یہ

☆حسن بن صباح

ہدایات دیں۔لیکن بقول ڈاکٹر صاحب صرف ''پتھر ہی تبدیل نہیں ہوتے'' اس لئے ہم آغا خانیوں کے موجودہ عقائد ہی کو صحیح مان لیتے ہیں۔اس میں آغا خاں صاحب نے ختم نبوت کے عقیدے کو کہاں تسلیم کیا ہے؟ اور اگر ان عقائد کی روشنی میں وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں تو جماعت احمدیہ لاہور کے افراد کیوں ایک مدت سے عقیدہ توحید ختم نبوت کا اعلان کرتے ہوئے کافر ہوئے؟ ہم خدا کے فضل سے حقیقی ختم نبوت کے قائل ہیں۔احکام الٰہی کو بلا تنسیخ مانتے ہیں۔آیئے ڈاکٹر صاحب ہم سچے دل سے آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ ہمارے ہاں آیئے اور اب بھی قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی تڑپ خدمت اسلام دیکھئے اور سنت نبوی کی پیروی اور ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ احمدیوں میں ملاحظہ فرمایئے۔

علماء کی بے حسی اور ابن الوقتی!: اسلام صدیوں سے علماء کی ابن الوقتی کا شاکی ہے۔ان کے سامنے حق کی مخالفت میں جب اسلامی اصولوں سے روگردانی کی جاتی ہے۔ٹس سے مس نہیں ہوتے۔آج کہاں ہیں وہ قرآن کے فدائی جو کہ قرآن کے احکام پر شخصی آراء کو ترجیح شدہ دیکھتے ہیں۔مگر ان کی رگ حمیت نہیں پھڑکتی۔آج کہاں ہیں اہل حدیث جو حدیث کی خدمت اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے نزول مسیح کی تمام حدیثوں کو مجوسیّت کا مجموعہ قرار دیا جار ہا ہے اور ان کی غیرت جوش میں نہیں آتی۔کیا احمدیت کی دشمنی نے اس سے احادیث کی محبت اور احکام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت ومنزلت بھی چھین لی ہے؟! آغا خاں اور سرسید کی تعریف ہو رہی ہے اور وہ بھی دیوبندیوں کے پرچہ ''اسلام'' میں۔کیا انہوں نے سجدہ سہو کر کے سرسید کے خلاف اپنے اسلاف کے خیالات کو غلط اور خلاف اسلام تسلیم کر لیا ہے؟ اور کیا ان کے نزدیک سرسید کو مسلمان تسلیم کرنے کی حالت میں گذشتہ علماء دیوبند کافر و زندیق نہیں ٹھہرتے؟

ہمارے نزدیک تمام کلمہ گو چمن اسلام کے مختلف درخت ہیں۔مگر مخاطب اس وقت مکفر مولوی ہیں۔اب وہ ڈاکٹر صاحب کے متعلق ایک حرف بھی زبان پر نہ لائیں گے۔کیونکہ اگر چہ ان کے مسلمہ عقائد پر ضرب تو لگتی ہے۔مگر ڈاکٹر صاحب نے احمدیوں کو کافر قرار دے کر ان کے پیشہ کی تائید فرما کر انہیں خوش کر دیا ہے۔

اور غافل اور نادان مسلمان عقل سے کام لے۔صدیوں سے تو نے ایک حربہ استعمال کر

کے دیکھ لیا کہ اس کا نتیجہ ذلت ورسوائی ہے۔ تباہی وبربادی ہے۔ ایک دفعہ تو اس تکفیر بازی کو چھوڑ کر تمام کلمہ گوؤں کو سینے سے لگا اور دیکھ کہ کس طرح چند ہی سالوں میں دنیا تیرے قدموں میں گری ہوئی نظر آئے گی۔ مگر افسوس کہ تو ایک خادم کی عرض پر کان نہیں دھرے گا۔ صدیوں کے مذموم عقائد نے تجھ سے قوت، انصاف وجرأت ایمان سلب کر لی ہے۔ عوام الناس کا ڈر خدا کے ڈر پر غالب آ چکا ہے۔ میرے دوستو! کبھی غور کیا کہ آج اسلام پر کیا گزر رہی ہے! عیسائیت پوری طرح مسلح ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو بدنام کر رہی ہے اور تمام مادی طاقتوں کے ساتھ اسلام کے مٹانے کے درپے ہے۔ آریہ قوم نے اس نورِ حقیقی سے آنکھیں بند کر کے اس ماہتاب پر خاک ڈالنا اپنا شعار بنا لیا ہے۔ مگر تم ہو کہ احکام الٰہی سے بے خبر خواب خرگوش میں محو ہو۔ خدا کے لئے ان تقریبات کو چھوڑ دو۔ اسلام کی تعلیم دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کے لئے میدان میں نکلو۔ یقین رکھو اسلام ضرور غالب آ کر رہے گا۔

11 مئی 1936ء
قسط اول

اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کے متعلق ایک ضرورت

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی اہم اپیل

چنگنا چری ریاست ٹراونکور میں از ہاوا قوم کی جو کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کا نتیجہ آپ کو معلوم ہو چکا۔ کانفرنس نے متفقہ طور پر ہندو دھرم کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور یہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہیں۔ کوشش کی ضرورت ہے۔ اب 21-22 مئی کو لکھنو میں ایک عظیم الشان اچھوت کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ وہاں بھی ہمارے مبلغین جائیں گے۔ یو۔ پی کے روشن خیال اچھوت بھی ہندو دھرم سے سخت بدظن ہیں۔ انشاء اللہ لکھنو کانفرنس کا فیصلہ چنگنا چری کانفرنس سے ملتا جلتا ہوگا۔ یہ حالات نہایت مسرت انگیز اور امید افزا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہماری ذمہ داریوں میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے۔ اچھوتوں کا ہر وہ قدم جو اسلام کی طرف اٹھتا ہے، ہمارے تبلیغی فرائض میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اگر ہم ان فرائض کو ایمانداری سے انجام دے سکیں تو دین و دنیا میں ہماری سرخروئی ہے اور ہم کامیاب و خوش نصیب ہوں گے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ اگر خدانخواستہ اس بارہ میں غفلت اور سستی سے کام لیا تو یہ ہمارا ایک ناقابل معافی قصور ہوگا۔ سب سے پہلے اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم اچھوتوں تک اسلام کی صحیح تعلیمات پہنچا دیں اور ان کو اسلامی مساوات کی خوبیوں سے آگاہ کر دیں۔ اس کے متعلق حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے ایک انگریزی رسالہ ''اخوت اسلامی'' Islamic Brotherhood لکھا ہے۔ جو چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں اخوت کے ان اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو اسلام نے بتائے ہیں۔ اور قرآن مجید کی تعلیمات کو پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ تمام بنی نوع انسان ایک خاندان کی مانند ہیں۔ تمام ملکوں اور قوموں میں رسول آئے۔ خدا کی ربوبیت سے کوئی قوم محروم نہیں رہی۔ اسلام میں رنگ و نسل اور غربت و امارت کا کوئی امتیاز نہیں۔ ذریعہ عزت تقوٰی اور اعمال صالحہ ہیں۔ اسلام کی تعلیم ہے کہ جب تم برسر اقتدار ہو تو انصاف کرو۔ کسی کی دشمنی تمہیں جادہ انصاف سے منحرف نہ کر دے۔ دوسرے باب میں اسلامی اتحاد کے ذرائع مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج پر نہایت

دلنشین انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ ارکان اسلامی ایک سچی اخوت کو قائم کرنے میں ممد ہوتے ہیں۔ تیسرے باب میں اخوت اسلامی کو عملی رنگ میں پیش کر کے بتفصیل بتایا ہے کہ اسلام کی تعلیم اخوت محض ایک خالی خولی اصول ہی نہیں بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں نے اس پر عمل کر کے بتا دیا کہ اسلامی برادری میں ایک بلند پایہ سردارِ قوم اور ایک غلام زادہ مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ اس کے متعلق تاریخ اسلامی سے مستند واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ چوتھے باب میں اخوت اسلامی کے متعلق ممتاز نومسلمین کی آراء درج ہیں۔ ان میں انگلستان، جرمنی اور آسٹریا وغیرہ مغربی ممالک کے بڑے بڑے فاضل اور عالی خاندان لوگ شامل ہیں۔ علاوہ ازیں ان مصنفین کی تحریروں کے اقتباسات بھی دیئے گئے ہیں، جنھوں نے اسلامی تعلیمات کی تحقیق کر کے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ غرضیکہ یہ رسالہ نہایت مفید مؤثر اور جامع ہے۔ اس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے اچھوتوں میں پھیلانا بہت اچھے نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ اس بارہ میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے احباب سے مندرجہ ذیل اپیل کی ہے۔ وقت بہت کم ہے۔ کام کی اہمیت بالکل واضح ہے۔ لہٰذا تمام دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اس اپیل پر پہلی فرصت میں لبیک کہہ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔

اپیل: برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس وقت جب عیسائیت کروڑوں روپوں کے ساتھ اچھوتوں کو اپنی طرف کھینچنا چاہتی ہے، اسلام صرف اپنی عالمگیر اخوت کی دولت کو ہی پیش کر سکتا ہے۔ مالی رنگ میں بے کسی کی حالت ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ رسالہ ''اسلامک برادر ہڈ'' کم سے کم تین زبانوں میں ترجمہ ہو جائے۔ اور اچھوتوں کو پہنچ جائے۔ ہندی، مرہٹی، ملیالم۔ اس میں اچھوتوں کی بڑی بھاری اکثریت آ جاتی ہے۔ سر دست پانچ پانچ ہزار طبع کرا کر تقسیم کرانا ہے۔ ہندی میں پانچ ہزار رسالہ چھپ رہا ہے۔ کیونکہ 21-22 مئی کو لکھنو کانفرنس میں اس کی بڑی بھاری ضرورت ہے۔ ایک ایک مخیر بزرگ بھی ایک زبان کی ذمہ داری لے لے تو قریب پانچ سو روپے بکار ہیں۔ اس قدر درد دل والے بزرگ تو مسلمانوں میں بہت ہوں گے۔ لیکن شائد انہیں زیادہ موثر آواز بیدار کر سکتی ہو۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو میں توقع رکھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں آپ کچھ امداد فرما کر ممنون فرماویں۔ اور پانچ ہزار کا نہیں تو ایک ہزار کا یا پانچ سو کا ہی خرچ اپنے ذمہ

لے لیں دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے آپ کو شرح صدر عطا فرمائے۔ وقت بہت تنگ ہے۔ یاد دہانی کی احتیاج سے مستغنی فرما دیں۔ اگر اس رسالہ کے لئے تینوں زبانوں کا انتظام ہو گیا۔ تو اور بھی اسی قسم کے مختصر رسالے تعلیمات اسلامی پر لکھنے کا ارادہ ہے۔ و باللہ التوفیق۔ تاکہ کم سے کم ہم اتنا فرض تو ادا کریں کہ ایک قوم، جو سچے مذہب کو تلاش کر رہی تھی، ہم نے اسلام اس کے سامنے پیش کر دیا۔ والسلام

خاکسار محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

11 مئی 1936ء

انجمن حمایت اسلام لاہور کا عکسی قرآن مجید

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

قرآن کریم کی خدمت کسی رنگ میں کوئی کرے۔ بہترین اسلامی خدمت میں سے ہے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور نے حال میں ایک نہایت خوبصورت عکسی قرآن شریف شائع کیا ہے۔ جو اپنی طباعت کاغذ اور خوبصورتی کے لحاظ سے اور صحت اور اوقاف کے لحاظ سے اور دلکش طرز تحریر اور دوسری بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے بہترین نسخوں میں، جو کسی بھی ملک میں طبع ہوئے ہوں، رکھا جانے کے قابل ہے۔ ہندوستان میں قرآن شریف کے نسخوں کا بہت بڑا حصہ غیر مسلم مطبعوں میں چھپتا ہے۔ جن کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ بازار میں وہ ارزاں داموں پر فروخت کر کے اس کے ذریعہ سے روپیہ کما سکیں۔ اور جو اسلامی مطبعوں میں طبع ہوتا ہے، اس میں سوائے خاص خاص اور قیمتی نسخوں کے عام طور پر کاغذ طباعت اور صحت کی حالت قابل افسوس ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں جب ایک معمولی اخبار یا اشتہار یا کتاب کے لئے اس بات کو پسند کیا جاتا ہے کہ وہ ہر طرح سے دیدہ زیب ہو، تعجب ہے کہ مسلمان کس طرح پاناقص کاغذوں پر طبع شدہ اور لا پرواہی سے لکھے ہوئے اور غلط چھپے ہوئے قرآن کریم کے نسخوں کو ترویج دے رہے ہیں۔ صرف اس لئے کہ تھوڑے پیسوں کے خرچ سے وہ دستیاب ہو جاتے ہیں۔ مسلمان قوم کا فرض ہے کہ طبع قرآن کریم کے معاملہ میں نہ صرف حسن مذاق کا ثبوت دے بلکہ کلام الٰہی کے احترام کا بھی۔ تا کہ اسے بہترین صورت میں پبلک کے سامنے رکھا جائے۔ ہمارے اسلاف نے مطبع کی ایجاد سے پیشتر قرآن کریم کے نسخوں کے لکھنے میں جس محبت اور احترام کا اظہار کیا ہے اور جس محنت کا ثبوت دیا ہے، وہ اپنی جگہ بے نظیر ہے۔ اور دنیا کے اور کسی مذہب کتاب کے لئے اسی رنگ کی محبت اور احترام کا ثبوت نہیں ملتا۔ گو بعض کتابوں کی پرستش تک بھی کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے بادشاہوں نے قرآن کریم کے لکھنے پر اس قدر محنت کی ہے اور الفاظ قرآنی کو اس قدر خوبصورت جامہ پہنایا ہے۔ جسے دیکھ کر عقل انسانی حیرت میں رہ جاتی ہے۔ انہی بادشاہوں میں حضرت اورنگ زیب عالمگیر تھے۔ جن کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ دیکھ کر اس سے زیادہ خوبصورت کتاب دیکھنے کی خواہش

دل میں نہیں رہتی۔

انجمن حمایت اسلام لاہور نے قرآن کریم کے طبع کے معاملہ میں نہایت مبارک اقدام کیا ہے اور گو اس انجمن کی قومی خدمات کئی رنگوں میں مسلمانوں کو مرہون منت کر رہی ہیں۔ لیکن قرآن کریم کی طبع کا یہ نیا کارنامہ ایسا ہے کہ جس پر ہر مسلمان کے دل سے بے اختیار صدائے تحسین نکلے گی۔ درست ہے کہ اور بھی بڑے بڑے خوبصورت نسخے قرآن کریم کے مل سکتے ہیں۔ لیکن مسلمان قوم کا بہت بڑا حصہ وہ ہے جس کی یہ طاقت نہیں کہ ان نسخوں کو حاصل کر سکے۔ انجمن حمایت اسلام نے خوبصورتی اور صحت کے لحاظ سے ایک ایسا نسخہ مسلمان پبلک کے سامنے رکھا ہے جسے ایک غریب مسلمان بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اور اگر مسلمان پبلک نے انجمن کے اس کام کی قدر دانی کی تو یقین ہے کہ انجمن اس نسخے کو غرباء تک پہنچانے میں اور بھی زیادہ سہولتیں پیدا کر دے گی۔ علاوہ ظاہری خوبصورتی کے جو محنت اس نسخہ کی تیاری میں صحت الفاظ اور اوقاف پر کی گئی ہے، وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اس ساری محنت کا بار گراں یعنی اس کی آیت شماری اور صحت لفظی اور صحت اوقاف سے لے کر اس کے لکھوانے اور ہر ایک قسم کا سامان مہیا کرنے تک جس سے یہ کام احسن طریق پر تکمیل کر پہنچا، پروفیسر ظفر اقبال صاحب نے جس خوش دلی سے مسلسل چھ سات سال تک اٹھایا ہے اور شب و روز اسی پر عرقریزی کی ہے اس کے لئے ہر مسلمان کے دل سے بے اختیار دعا نکلے گی۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ قرآن کریم کو خوبصورتی کا ظاہری جامہ پہنانے اور اس کی صحت کا اہتمام کرنے والوں کے نام جہاں قیامت تک زندہ رہیں گے، ان میں پروفیسر ظفر اقبال کا نام بھی عزت کے ساتھ لکھا جائے گا۔ یہ محض محبت کلام الٰہی تھی جس نے پروفیسر صاحب سے اپنی گونا گون مصروفیتوں کے اندر یہ کام کرا لیا۔ ہاں اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جس کام کے لئے دل میں تڑپ اور شوق ہو اسے کرنے کے لئے ایک مصروف انسان کو بھی کس طرح وقت اور سامان مل جاتے ہیں۔

اس نسخہ قرآن کریم کی طرز تحریر بھی نہایت واضح ہے۔ تمام اعراب علیحدہ علیحدہ ہر حرف پر ایسے صاف ہیں کہ ایک نو آموز یا ایک بچہ بھی آسانی سے اسے صحیح پڑھ سکے گا۔ عام طبع شدہ نسخوں سے اور بھی کئی باتوں میں یہ نسخہ ممتاز ہے۔ مثلاً سورتوں کی آیات کا شمار نہایت محنت کے ساتھ درست کر کے دیا گیا ہے۔ تا کہ کسی نجوم الفرقان کی مدد سے آسانی سے آیت مطلوبہ مل سکے۔ ابتداء میں اوقاف کی تشریح

سورتوں کی کئی قسم کی فہرستیں عام معلومات کے رنگ میں ایک بیش بہا اضافہ ہیں۔

میں امید رکھتا ہوں کہ مسلمان کتب فروش آئندہ ناقص کاغذ پر اور غلط چھپے ہوئے نسخوں کو ترک کر کے اس نسخہ قرآن کریم کو مسلمانوں میں مروج کرنے کے لئے پوری کوشش کریں گے۔ اور ایسا ہی مسلمان اخبارات بھی اس امر کا اپنے صفحات میں خاص طور پر پروپیگنڈا کریں گے۔

پیغام صلح: قرآن کریم تین قسم کے کاغذوں پر چھپا ہے۔ قسم خاص، ہینڈ میڈ پارچمنٹ پیپر سیاہ مراکو لیدر کی منقش لچکدار جلد۔ ہدیہ 25 روپے قسم اول۔ کاغذ عمدہ، ولایتی، جلد ولایتی کپڑے کی منقش ہدیہ پانچ روپے۔ قسم دوم۔ کاغذ عمدہ سفید کپڑے کی منقش جلد ہدیہ تین روپے۔ سائز سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی 40×29/16

❁❁❁

15 مئی 1936ء

اخوّتِ اسلامی

اچھوت اقوام کے لئے چند قابلِ غور باتیں

از حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

اسلام کے قانون کے مطابق چار قسم کے ارکان مقرر کئے گئے ہیں۔ جن کا مقصد رنگ ونسل اور زبان کے جھگڑے کو مٹا کر نسل انسانی کو متحد کرنا ہے۔ ان چاروں ارکان کا فائدہ روحانی طور پر بھی ہے۔ لیکن ہم یہاں اس کا ذکر نہ کریں گے۔ بلکہ قارئین کی توجہ اتحاد جیسے اعلیٰ مقصد کی طرف مبذول کرائیں گے۔ اسلام کے چار ارکان اور بنیادی اصول یہ ہیں: نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔

نماز باجماعت: نماز کی ادائیگی کے دو طریق ہیں۔ ایک نماز جو علیحدگی میں ادا کی جائے اور ایک نماز جو باجماعت اور مسجد میں ادا کی جائے۔ علیحدگی میں جو نماز ادا کی جائے اس کا مقصد ادا کرنے والے کی روحانی ترقی ہے۔ لیکن نماز باجماعت کا مقصد اور ہے۔ یعنی یہ نسل انسانی میں اتحاد پیدا کرنے کا ایک زبردست ذریعہ ہے۔ سب سے پہلے ایک محلّہ کے رہنے والے جب پانچ وقت روزانہ ایک مسجد میں جمع ہوں گے تو اس سے ان کے درمیان سوشل تعلقات بڑھیں گے۔ روزمرہ کی نمازوں میں یہ تعلقات ایک محدود دائرہ کے اندر ہیں۔ ایک محلّہ کے چند لوگوں کے درمیان۔ لیکن نماز جمعہ کے ذریعہ اس کو اور وسیع کیا گیا ہے۔ جب چند محلوں کے لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور پھر عید کے موقع پر تمام شہر کو ایک جگہ جمع کر کے اس دائرے کو وسیع تر کیا جاتا ہے۔ اس طرح نماز مسلمان قوم کے درمیان سوشل تعلقات کو بڑھاتی ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک اور مقصد حاصل ہوتا ہے۔ نماز باجماعت کے ذریعہ مساوات پیدا ہوتی ہے۔

مسجد کی فضا: مسجد کے دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی ہر ایک مسلمان مساوات اور محبت کی فضا محسوس کرتا ہے۔ خالق کے سامنے تمام انسان کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ اپنی رعایا کے ایک غریب ترین آدمی کے ساتھ ایک امیر آدمی لباس فاخرہ پہنے ایک گودڑی پوش کے ساتھ اور ایک سفید رنگ کا آدمی ایک کالے کلوٹے حبشی کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایک غلام یا ایک فقیر پہلی صف میں کھڑا ہو

اور بادشاہ دوسری صف میں تو غلام کے پاؤں ہوں گے اور بادشاہ کا سر اس کے قدموں میں ہوگا۔ اور دونوں خدا کے سامنے سربسجود ہوں گے۔ دنیا میں مساوات کی اس سے اعلیٰ مثال ناممکن ہے۔ مسجد کی چار دیواری کے اندر رتبہ، دولت اور رنگ کا امتیاز مٹ جاتا ہے اور اخوت کی ایک پرلطف فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ جو بیرونی دنیا سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے۔ اور یہ فضا صرف اسی مقدس چار دیواری کے اندر ہے۔

اس تگ ودو کی دنیا میں پانچ بار دن میں اطمینان کا سانس لینا۔ زمانہ حاضرہ کی غیر مساویانہ روش میں مساوات اور روزمرہ کی زندگی کے حسد اور بغض میں محبت۔ یہ واقعی ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ اس سے ہمیں زندگی کا ایک بہت بڑا سبق ملتا ہے۔ انسان کو غیر مساوی روشوں۔ تگ ودو، نفرت وحسد کے جذبات کے اندر کام کرنا پڑتا ہے۔ لیکن وہ دن میں پانچ مرتبہ ان حالات سے نکال کر مسجد میں لایا جاتا ہے۔ اور اسے یقین دلایا جاتا ہے کہ مساوات، اخوت اور محبت انسانی خوشی کے لئے حقیقی ذرائع ہیں۔

نماز اخوت ومساوات کا عملی سبق ہے: اگر انسانی مصروفیات کے نقطہ نظر سے بھی لیا جائے تو نماز پڑھنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے۔ وہ ضائع نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے ہم وہ سبق سیکھتے ہیں۔ جس سے زندگی کامیاب ہو سکے۔ مساوات، اخوت اور محبت کے وہ سبق جب ہم ان کو عملی رنگ میں لیتے ہیں۔ تو وہ تہذیب انسانی اور اتحاد بنی نوع انسان کے لئے بنیاد کا کام دیتے ہیں۔ پانچ دفعہ دن میں نماز باجماعت کا مقصد اور باتوں کو چھوڑ کر یہ ہے کہ وہ مساوات اور اخوت کی اسلامی تعلیم کو عملی رنگ دے۔ اسلام اگرچہ کتنا ہی مساوات اور اخوت کا وعظ کرتا تو یہ تعلیم کتابوں میں بند رہ جاتی۔ اگر اس کو عملی جامہ نہ پہنایا جاتا اور وہ عملی جامہ پانچ مرتبہ نماز باجماعت ہے۔

روزہ اور مساوات انسانی: دوسرا رکن روزہ ہے۔ ماہ رمضان میں ہر ایک مسلمان کو ایک ماہ کے صبح سے شام تک روزے رکھنے ضروری ہیں۔ روحانی اور اخلاقی فائدہ کے علاوہ قرآن مجید نے اس کا سوشل فائدہ بھی بتایا ہے۔ جو نماز سے حاصل کردہ فائدہ سے زیادہ پراثر ہے۔ ایک قرب وجوار کے امیر وغریب اعلیٰ اور ادنیٰ لوگ دن میں پانچ بار مسجد میں لائے جاتے ہیں۔ اور ان میں باہمی تعلقات پیدا کئے جاتے ہیں۔ لیکن ماہ رمضان کے چاند کا طلوع ہونا عالمگیر مساوات کے لئے ایک مشعل کا کام دیتا ہے۔ اس کا

دائرہ کسی خاص محلّہ یا شہر یا ملک تک محدود نہیں۔ بلکہ اس کا اثر تمام دنیا پر ہوتا ہے۔ امیر اور غریب مسجد میں پہلو بہ پہلو کھڑے ہونے کے باوجود اپنے گھروں میں مختلف رنگوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ امیر لوگ پرتکلف کھانوں سے چنی ہوئی میزوں پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور پھر دن میں چار بار اور کئی دن میں چھ بار کھانا کھاتے ہیں۔ حالانکہ غریب کو دوبارہ بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بھوک کو مٹا سکے۔ غریب بھوک میں زندگی بسر کرتا ہے اور امیر جانتا بھی نہیں کہ بھوک کیا چیز ہے۔ اس حالت میں بھلا امیر غریب کی تکلیف کو کس طرح محسوس کر سکتا ہے اور اس سے کس طرح اظہار ہمدردی کر سکتا ہے؟ ان دونو جماعتوں کی گھریلو زندگی میں ایک حد فاصل ہے اور یہ حد فاصل اس وقت دور ہوتی ہے۔ جب ایک امیر بھی اپنے غریب بھائی کی طرح پورے ایک ماہ کے روزے رکھتا ہے اور بھوک کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ تمام اسلامی دنیا میں امیر اور غریب دونوں کو اس طرح مساوات کی عملی تعلیم دی جاتی ہے اور دونوں کو روزانہ دو وقت کھانے کی اجازت ہے۔ گو دونوں کے کھانوں میں فرق ہوتا ہے۔ لیکن تاہم امیر کو اپنی خوراک کو کم اور سادہ کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تاکہ اس طرح اس کو اپنے غریب بھائی کے قریب تر لایا جائے اور اس طرح ان کے دلوں میں غریبوں کے لئے ہمدردی پیدا ہو اور اسی لئے ماہ رمضان میں خیرات کرنے کا حکم ہے۔

زکوٰۃ اور مساوات انسانی: تیسرا رکن زکوٰۃ ہے۔ اسلام کو صرف اس بات کا فخر نہیں کہ اس نے دنیا کے اہم مالیات کے مسئلوں کو حل کیا ہے۔ بلکہ اس نے احساسات اور کیرکٹر کو تکمیل تک پہنچایا۔ جس پر تہذیب انسانی کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ بالشوزم کے سخت قوانین، جن کے مطابق ایک آدمی کو صرف اس قدر دیا جاتا ہے، جس سے وہ زندگی بسر کر سکے، انسانیت کے اعلیٰ جذبات ہمدردی اور محبت کو مردہ کر رہے ہیں اور یہ وہ صفات ہیں جن کے بغیر زندگی فضول ہے اور جن کے بغیر انسانیت کا مرتبہ گر کر بربریت تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اسلام اپنے بیت المال کے ادارہ کے ذریعہ دونو مقصد حل کر لیتا ہے۔ اسلامی دنیا میں ہر ایک دولت مند کے لئے فرض ہے کہ وہ اپنی دولت کا چالیسواں حصہ بیت المال میں ادا کرے۔ جس کا نظام اسلامی حکومت کے ماتحت ہوتا ہے اور اگر اسلامی حکومت نہ ہو۔ تو مسلم قوم کے ذریعہ۔ اس فنڈ کا مقصد غریبوں کی حالت کا درست کرنا ہے۔ حاجت مندوں کی امداد اور قیدیوں یا غلاموں کا رہا کرانا ہے۔ ایسے

مقروض جو قرضہ ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ ان کے قرضے بیباق کرانا ہے۔ امداد کرتے وقت اس بات کا مطلقاً کوئی خیال نہیں کیا جاتا کہ جس کی امداد کی جا رہی ہے۔ وہ کس ذات، قوم یا مشرب کا انسان ہے۔ زکوٰۃ کا مقصد صرف مساوات کا پیدا کرنا ہی نہیں بلکہ ہمدردی بنی نوع انسان کے جذبات کو ارفع مقام تک پہنچانا ہے۔ برخلاف اس کے جب ہر ایک جائداد حکومت کی ملکیت ہو جائے اور دولت کی تقسیم ایک جیسی ہو۔ تو اس سے ترقی کرنے کی حس مردہ ہو جاتی ہے۔

اسلام نے زکوٰۃ کے ذریعہ دولت کی ایک ایسی تقسیم پیش کی جس طرح خون انسانی جسم میں دورہ کرتا ہے۔ اسی طرح امیر لوگوں کی دولت کا ایک مقرر شدہ حصہ بیت المال میں ہر سال پہنچ جاتا ہے جہاں سے پھر جس جگہ ضرورت پیش آئے خرچ کیا جا سکتا ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعہ صرف مساوات ہی پیدا نہیں کی گئی بلکہ اس کے ذریعہ تمام قوم کی ترقی وعروج کے ذرائع مہیا کئے گئے ہیں۔

حج اور مساوات انسانی: چوتھا رکن حج ہے۔ دنیا کی تاریخ کوئی اور ایسی نظر پیش نہیں کر سکتی۔ جس کے ذریعہ سے مساوات انسانی کی یوں تکمیل کی جا سکتے۔ اور جہاں نسل، رنگ اور مرتبہ کا امتیاز بالکل مفقود ہو۔ صرف اسی قدر نہیں کہ مختلف نسلوں اور ملکوں کے لوگ کعبۃ اللہ میں ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ بلکہ ان تمام کا لباس بھی ایک ہوتا ہے۔ صرف دو سفید چادریں۔ اور اس طرح اعلیٰ اور ادنیٰ کی تمیز قطعاً باقی نہیں رہتی۔ ایک انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، جن کا لباس ایک جو ایک ہی قسم کی حرکات کرتے ہیں۔ تمام کی زبان پر ایک ہی کلمہ لبیک، اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ یہ صرف حج ہی ہے۔ جس کے ذریعہ اتحاد اور مساوات کی یہ مثال پیش کی جا سکتی ہے کہ ان کا ایک لباس ایک زبان اور ایک مرتبہ ہو جائے۔ ورنہ اس کے سوا یہ ناممکن ہے۔

ہر مسلمان کو اپنی عمر میں ایک دفعہ مساوات کے مشکل راستہ پر ڈال کر اخوت کے وسیع شاہراہ پر پہنچایا جاتا ہے۔ تمام انسان ایک جیسے ہیں۔ ان کی پیدائش اور موت یکساں ہے۔ وہ ایک ہی راستہ سے آتے ہیں۔ اور دوسرے راستے سے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ صرف حج ہے۔ جو ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ کس طرح ہماری زندگی، ہمارے افعال اور ہمارے تخیّل میں یکسانیت پیدا ہو۔

26 مئی 1936ء

حضرت مسیح موعود پر منسوخی جہاد کا الزام

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

حکم جہاد کی اہمیت: جہاد قرآن کریم کے احکام میں سے ایک اتنا اہم حکم ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے ساتھ اسے اسلام کا پانچواں رکن قرار دیا گیا ہے اور قرآن کریم کا ایک بہت بڑا حصہ ایسا ہے۔ جس میں جہاد کے احکام پائے جاتے ہیں اور جہاد میں شامل نہ ہونے والوں کو سخت ترین عتاب کا مورد ٹھہرایا گیا ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کو منافق تک قرار دیا گیا ہے۔ کوئی شخص جو قرآن کو اللہ تعالیٰ کی آخری وحی اور کامل شریعت مانتا ہو۔ جیسا کہ خود اس کا دعوٰی ہے۔ **اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ** (3:5) وہ کسی حکم قرآنی کو منسوخ نہیں کہہ سکتا۔ چہ جائیکہ اتنے اہم رکن دین کو منسوخ قرار دے۔

حضرت مسیح موعود پر منسوخ جہاد کا بے بنیاد الزام: مگر آج اس طوفان بے تمیزی میں جو حضرت مجدد کے خلاف اٹھا ہوا ہے اور جس میں ہر کس و نا کس کودرہا ہے۔ آپ پر یہ الزام دیا جاتا ہے کہ آپ نے جہاد کے حکم قرآنی کو منسوخ کر دیا۔ اور کوئی شخص اپنے آپ سے یا دوسرے سے یہ سوال نہیں کرتا کہ کیا فی الواقع حضرت مرزا صاحب قرآن کریم کی شریعت کو منسوخ سمجھتے تھے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ ایک شخص قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کی آخری کتاب اور آخری شریعت مانے اور پھر کہے کہ قرآن کریم کا حکم نماز منسوخ ہے یا اس کا رمضان کے روزے کا حکم منسوخ ہے یا اس کا زکوٰۃ کا حکم منسوخ ہے۔ یا اس کا حج کا حکم منسوخ ہے جو شخص ان میں سے کسی حکم کو منسوخ مانے گا وہ یقیناً خود قرآن شریف کو منسوخ مانے گا۔

مخالفین کی خلاف عقل باتیں: مگر آج بڑے بڑے فلسفیوں کی عقلوں پر یہ پردہ پڑا ہوا ہے کہ وہ اس بات کو تو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کی آخری کتاب اور کامل شریعت مانتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ رٹ بھی عوام الناس کو خوش کرنے کے لئے یا ان کے دلوں پر اپنی بڑائی کا سکہ بٹھانے کے لئے لگاتے چلے جاتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے نزدیک قرآن کریم کا حکم جہاد منسوخ ہے۔ گویا حضرت مرزا صاحب کی طرف بیک وقت یہ دو باتیں منسوب کی جاتی ہیں کہ قرآن

کریم کا کوئی حصہ منسوخ نہیں اور نہ تا قیامت منسوخ ہو سکتا ہے اور کہ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ جس میں جہاد کے احکامات ہیں منسوخ ہے۔

مخالفین ذرا اپنی پوزیشن صاف کریں: کوئی ٹھنڈے دل سے غور کرنے والا ہو تو اس بات کا فیصلہ تو یہیں ہو جاتا ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب نے حکم جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے تو ان کے نزدیک قرآن شریف منسوخ ہے۔ اور وہ خدا کی آخری کتاب اور کامل شریعت نہیں۔ اور اگر ان کے نزدیک قرآن کریم خدا تعالیٰ کی آخری کتاب اور آخری شریعت ہے تو اس کا کوئی حصہ قیامت تک منسوخ نہیں۔ میں ان اندھا دھند مخالفت کرنے والوں سے، اگر ان کے سینوں میں دل ہیں، اپیل کرتا ہوں کہ خدارا پہلے اپنی پوزیشن تو صاف کرو۔ کیا آپ لوگ ایمانداری سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کی آخری کتاب اور کامل شریعت تسلیم نہیں کیا؟ اور اگر تسلیم کیا ہے تو پھر عوام الناس کو مغالطہ دینے کے لئے اور ان کے دلوں میں تنفر پیدا کرنے کے لئے یہ صریح جھوٹا الزام حضرت مرزا صاحب پر کیوں لگاتے ہو کہ آپ نے اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن یعنی جہاد کو منسوخ ٹھہرایا ہے۔ جس کے ذکر سے قرآن شریف کی ایک تہائی بھری پڑی ہے۔

معترضین کی اپنی حالت: افسوس یہ ہے کہ عقیدہ تو اپنا ان لوگوں کا ہی ہے۔ قرآن کریم میں کچھ آیتیں منسوخ بھی ہیں اور اس اپنے عیب کا تو نام نہیں لیتے اور امام زماں پر یہ الٹا الزام دیتے ہیں کہ آپ کے نزدیک قرآن شریف کے احکام جہاد منسوخ ہیں۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والا معاملہ ہے۔ یہی لوگ ہیں جو کبھی کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں کئی سو یا کم سے کم کئی آیات بھی ہیں جو منسوخ ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ قرآن شریف کے سارے احکام واجب التعمیل نہیں اور پھر کہتے ہیں کہ بعض آیات ہیں جو موجودہ قرآن شریف میں نہیں پائی جاتیں اور ان کا نام منسوخ التلاوت رکھا ہوا ہے مگر ان میں جو احکام ہیں وہ واجب التعمیل ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ قرآن شریف نعوذ باللہ ناقص ہے۔

جماعت احمدیہ پر مخالفین کا ظلم عظیم: الٹا الزام اس شخص پر دیتے ہیں جس نے ان غلط خیالات کی اصلاح کی کہ وہ قرآن شریف کے کسی حصہ کو منسوخ مانتا ہے۔ یہ اگر دھوکا دہی نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ لوگ صفائی سے یہ اعلان کیوں نہیں کرتے کہ فلاں فلاں آیات قرآنی ان کے نزدیک منسوخ ہیں اور ان کے

احکام واجب التعمیل نہیں اور فلاں آیات ایسی ہیں جو قرآن کریم میں نہیں پائی جاتیں اور وہ اس کے اندر ہونی چاہیئے ۔ یا اگر ان باتوں کو غلط سمجھتے ہیں تو صفائی سے اعلان کیوں نہیں کرتے کہ یہ غلط خیالات تھے جو مسلمانوں میں راہ پا گئے تھے ۔ اور یہ دونوں باتیں قابل قبول نہیں ۔ نہ یہ کہ قرآن کریم مین متضاد احکامات پائے جاتے ہیں اور بعض احکام ماننے کے قابل ہیں اور بعض نہیں ۔ اور نہ یہ کہ قرآن کریم کے کوئی ایسے احکام ہیں جو موجودہ نسخوں میں نہیں پائے جاتے ۔ اور پھر اس اعلان کے ساتھ یہ بھی بتا دیں کہ کیا یہ احمدیہ جماعت ہی تو نہیں جس نے ان غلط خیالات کو دور کیا اور قرآن کریم کی عزت کو دلوں میں پہلے سے زیادہ قائم کیا اور اگر یہ درست ہے کہ ان غلط خیالات کی اصلاح احمدیہ جماعت نے ہی کی تو یہ کس قدر ظلم ہے کہ اسی جماعت پر یہ الزام دیا جائے کہ وہ قرآن کریم کے احکام جہاد کو منسوخ سمجھتی ہے ۔

مواہب الرحمٰن کا ایک حوالہ: حضرت مسیح موعود کی تحریریں اس قسم کے بیانات سے بھری پڑی ہیں اور ایک دو مرتبہ نہیں سینکڑوں مرتبہ آپ نے اسی بات کو دوہرایا ہے کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اس کی کامل شریعت ہے ۔ میں صرف یہاں ایک حوالہ آپ کی کتاب ''مواہب الرحمٰن'' سے پیش کرتا ہوں ۔ یہ کتاب جنوری 1903ء میں آپ نے شائع کی ۔ اور اس لئے یہ جو ایک ناپاک ہتھیار حضرت مرزا صاحب کی جماعت کے ایک غالی گروہ نے مخالفین کے ہاتھ میں دے دیا ہے کہ آپ کی 1901ء سے پہلے کی تحریریں منسوخ ہیں اور کہ 1901ء سے پہلے آپ مسلمانوں کی طرح ہی عقائد رکھتے تھے ۔ مگر 1901ء کے بعد یہ عقائد تبدیل کر لئے ۔ یہ اس کتاب کے حوالجات کے متعلق استعمال نہیں ہو سکتا جو 1903ء میں طبع ہوئی ہے ۔ اور پھر جو حوالہ میں پیش کرتا ہوں وہ معمولی حوالہ نہیں بلکہ اوپر یہ عنوان دے کر اس کو علیحدہ کر کے بیان کیا ہے:

ذکر نبذ من عقاءنا اند کے ذکر درباره عقائد ما

(مواہب الرحمٰن صفحہ 66)

یعنی اپنے عقائد کے بارے میں کچھ ذکر اور اس کے نیچے نبوت اور ولایت اور قرآن کریم میں تکمیل شریعت ان تینوں باتوں کو بیک وقت صاف کر دیا ہے ۔

''وَلِلّٰہِ مُکَالَمَاتٌ وَمُخَاطَبَاتٌ مَعَ اَوْلِیَآئِہٖ فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَاِنَّھُمْ یُعْطُوْنَ

صِبْغَةَ الْاَنْبِيَآءِ وَلَيْسُوْا بِنَبِيِّنَ فِي الْحَقِيْقَةِ فَاِنَّ الْقُرْآنَ اَكْمَلَ وَطرَ الشَّرِيْعَةِ وَلَا يُعْطُوْنَ اِلَّا فَهْمَ الْقُرْآنِ وَلَا يَزِيْدُوْنَ عَلَيْهِ وَلَا يَنْقُصُوْنَ مِنْهُ وَمَنْ زَادَ اَوْ نَقَصَ فَاُولٰٓئِكَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ الْفَجَرَةِ.''

(مواہب الرحمٰن مطبوعہ 1903ء ص 67,66)

وخدارا مکالمات ومخاطبات است باولیائے خود دریں امت وایشاں را رنگ انبیاء دادہ میشود۔ ودر حقیقت انبیاء نیستند زیرا کہ قرآن حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است واورانمی دادہ میشود مگر فہم قرآن ونہ زیادہ میکنند وہر کہ زیادہ کردیا کم کرد پس اواز شیطانان است کہ بدکاراند (مواہب الرحمٰن مطبوعہ 1903ء ص 67,66)

ترجمہ عربی اور فارسی عبارتوں کا یہ ہے:

''اللہ تعالیٰ اس امت میں اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمہ ومخاطبہ کرتا ہے۔ اور ان کو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے۔ اور وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے۔ کیونکہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اور انہیں سوائے فہم قرآن کے اور کچھ نہیں دیا جاتا۔ اور وہ نہ اس پر کچھ بڑھاتے ہیں، نہ اس سے کچھ کم کرتے ہیں۔ اور جو بڑھاتا ہے یا گھٹاتا ہے، وہ بدکار شیطانوں میں سے ہے۔''

اب اس عبارت سے ذیل کے نتائج صاف اخذ ہوتے ہیں

اول۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے۔

دوم۔ اولیاء کو نبیوں کے رنگ میں رنگین کیا جاتا ہے۔

سوم۔ اس امت کے اولیاء درحقیقت نبی نہیں۔

چہارم۔ ان کے نبی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کامل شریعت ہے۔

پنجم۔ اولیاء کو صرف فہم قرآن دیا جاتا ہے۔

ششم۔ قرآن کریم پر اب تا قیامت نہ کچھ بڑھایا جا سکتا ہے اور نہ اس سے کچھ کم کیا جا سکتا ہے۔

ہفتم۔ جو شخص یہ کہے کہ قرآن شریف میں فلاں حکم نہیں اور وہ میں بڑھاتا ہوں اور یا یہ کہے

کہ قرآن شریف کا فلاں حکم قابل تسلیم نہیں اسے میں منسوخ کرتا ہوں وہ بدکار شیطان ہے۔

ایک قابل غور بات: اب خدارا غور فرمائیے کہ اس صفائی کے ساتھ اپنے عقائد کو بیان کر دینے کے بعد اگر مرزا صاحب دعویٰ ی نبوت کریں تو اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ قرآن کریم کو نعوذ باللہ ناقص مانیں یا اس کے کامل شریعت ہونے سے انکار کریں۔ مگر یہ امر اس وقت میری بحث سے خارج ہے۔ جس موضوع پر میں نے قلم اٹھایا ہے اس پر بھی یہاں کامل صراحت موجود ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے نزدیک قرآن کریم کا کوئی حکم تا قیامت اب منسوخ نہیں ہوسکتا۔ نہ تا قیامت کوئی ایسا مذہبی حکم دیا جا سکتا ہے جو قرآن شریف میں موجود نہ ہو۔

جہاد کے متعلق مسلمانوں کا غلط خیال: اس کے بعد اب اصل مضمون کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کی بعثت کے وقت مسلمانوں میں جہاد کے متعلق جو عام خیال پایا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ کسی غیر مسلم کو اس وجہ پر قتل کر دینا کہ وہ اسلام قبول نہیں کرتا درست ہے اور کہ اس طرح قتل کر دینے کا نام جہاد ہے۔ یہی نہیں بلکہ آنے والے مہدی کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ جب وہ ظاہر ہوگا۔ تو جو لوگ اسلام لانے سے انکار کریں گے وہ انہیں قتل کر دے گا۔

امام وقت نے اس غلط خیال کی اصلاح کی: اس عقیدہ اور خیال کی امام وقت نے پورے زور سے تردید کی اور اس کو تعلیم اسلام پر ایک دھبہ قرار دیا۔ کیونکہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ **لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ** (256:2) دین کے معاملہ میں کسی پر جبر کرنا جائز نہیں۔ اس خیال اور عقیدہ کے خلاف امام وقت نے جنگ کی۔ اس لئے کہ اس میں اسلام کی ہتک تھی اور عیسائیوں کے اس اعتراض کو قوت پہنچتی تھی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ جو دین تلوار کے زور سے پھیلایا جائے اور اس میں روحانی قوت دلوں کو فتح کرنے کی نہیں، وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتا۔ اس اعتراض کو عیسائیوں نے مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کے لئے پوری قوت سے پھیلایا اور مجدد وقت، جو چودھویں صدی کے مفاسد کی اصلاح کے لئے آیا تھا، جن میں سب سے بڑا افساد عیسائیت کا تھا، اس کا فرض تھا کہ وہ اس اعتراض کو دور کرتا اور یہ ثابت کرتا کہ نہ قرآن کریم میں کسی ایسے جہاد کی تعلیم ہے کہ کسی غیر مسلم کو اس کے مذہب کی وجہ سے قتل کرنا جائز ہے۔ نہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اس بناء پر قتل کیا۔ نہ کبھی تلوار

کے زور سے دین کو پھیلایا اور نہ ہی جیسا کہ عام مسلمانوں کا خیال تھا کوئی ایسا مہدی آنے والا ہے جو ان لوگوں کو قتل کر دے جو اسلام قبول نہ کریں۔

حضرت مرزا صاحب کے ایک رسالہ کے چند اقتباسات: یہ امر آسانی سے ان لوگوں پر واضح ہو جائے گا جو حضرت امام زمان کی اصل تحریروں کو پڑھتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔ جس کا نام ہے ''گورنمنٹ انگریزی اور جہاد'' یہ چند صفحات کا رسالہ ہے۔ جس سے میں کچھ عبارتیں یہاں نقل کرتا ہوں۔ تا کہ مسلمان مجدد وقت پر بے جا حملوں سے رک جائیں ار اپنی عاقبت کو خراب نہ کریں۔ اس رسالہ میں اول آپ نے بتایا ہے کہ جہاد بالسیف یعنی جنگ کرنے کی اجازت مسلمانوں کو کن حالات میں دی گئی اور مسلمانوں پر جو ظلم کئے گئے اور انہیں تلواروں سے ذبح کیا گیا، ان سب امور کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ:

''تب اس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بیرحمی حد سے گزر جائے۔ اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اس نے اپنے پاک کلام قرآن شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ میں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں اور میں خدائے قادر ہوں۔ ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا اور اس حکم کی اصل عبارت جواب تک قرآن شریف میں موجود ہے۔ یہ ہے **اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ . الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ**''(40-39:22)(صفحہ 4)

پھر اس کے بعد لکھا ہے:

''لیکن افسوس ہے کہ نبوت اور خلافت کے زمانے کے بعد اس مسئلہ جہاد کے سمجھنے میں، جس کی اصل جڑ آیت کریمہ مذکورہ بالا ہے، لوگوں نے بڑی بڑی غلطیاں کھائیں اور ناحق مخلوق خدا کو تلوار کے ساتھ ذبح کرنا دینداری کا شعار سمجھا گیا۔''(صفحہ 5)

چند صفحات کے اندر بار بار اس قسم کے بیانات کا اعادہ فرمایا ہے

''یاد رہے کہ مسئلہ جہاد کو جس طرح پر حال کے اسلامی علماء نے جو مولوی کہلاتے ہیں سمجھ رکھا ہے اور جس طرح وہ عوام کے آگے اس مسئلہ کی صورت بیان کرتے ہیں۔ ہرگز وہ صحیح نہیں ہے...... بار بار اصرار ان کا اسی بات پر ہوتا ہے کہ یہ ملک دارالحرب ہے اور اپنے دلوں میں جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں اور تھوڑے ہیں جو اس خیال کے انسان نہیں ہیں۔ یہ لوگ اپنے اسی عقیدہ جہاد پر جو سراسر غلط اور قرآن اور حدیث کے برخلاف ہے اس قدر جمے ہوئے ہیں کہ جو شخص اس عقیدہ کو نہ مانتا ہو اور اس کے برخلاف ہو اس کا نام دجال رکھتے ہیں......مگر وہ اس بات کو یاد رکھیں کہ درحقیقت یہ جہاد کا مسئلہ جیسا کہ ان کے دلوں میں ہے صحیح نہیں ہے...... جو شخص آنکھیں رکھتا ہے اور حدیثوں کو پڑھتا اور قرآن کو دیکھتا ہے۔ وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریق جہاد جس پر اس زمانہ کے اکثر وحشی کاربند ہو رہے ہیں۔ یہ اسلامی جہاد نہیں ہے...... ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو اسلام نے خدائی حکم سے تلوار اٹھائی وہ اس وقت اٹھائی گئی جب بہت سے مسلمان کافروں کی تلواروں سے قبروں میں پہنچ گئے۔ آخر خدا کی غیرت نے چاہا کہ جو لوگ تلواروں سے ہلاک کرتے ہیں وہ تلواروں سے ہی مارے جائیں...... مجھے تعجب ہے کہ جبکہ اس زمانے میں کوئی شخص مسلمانوں کو مذہب کے لئے قتل نہیں کرتا تو وہ کس حکم سے ناکردہ گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ کیوں ان کے مولوی ان بیجا حرکتوں سے جن سے اسلام بدنام ہوتا ہے۔ ان کو منع نہیں کرتے...... بالآخر یاد رہے کہ اگرچہ ہم نے اس اشتہار میں مفصل طور پر لکھ دیا ہے کہ یہ موجودہ طریق غیر مذہب کے لوگوں پر حملہ کرنے کا جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ جس کا نام وہ جہاد رکھتے ہیں۔ یہ شرعی جہاد نہیں۔ بلکہ صریح خدا اور رسول کے حکم کی مخالفت اور سخت معصیت ہے...... میں مفصل بیان کر چکا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا کلام ہرگز نہیں سکھلاتا کہ ہم اس طرح پر بے گناہوں کا خون کیا کریں اور جس نے

ایسا سمجھا ہے وہ اسلام سے برگشتہ ہے۔''

حضرت مسیح موعود کے مدنظر غلطیوں کی اصلاح تھی: ان حوالجات کو پڑھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے مدنظر جن غلطیوں کی اصلاح تھی۔ ان میں سے ایک جہاد کا مسئلہ تھا نہ وہ جہاد جس کا حکم قرآن وحدیث میں ہے بلکہ اس کا وہ مفہوم جو عام مسلمانوں کے ذہن میں تھا۔ جس کو آپ نے بار بار خلاف قرآن وحدیث، خلاف حکم الٰہی، خلاف تعلیم اسلام قرار دیا ہے۔ پس جہاں کہیں آپ نے جہاد کو ناجائز یا حرام کہا ہے تو صرف اسی جہاد کو کہا ہے جو خلاف قرآن وحدیث ہے۔ نہ اس قرآنی جہاد کو جو قیامت تک منسوخ نہیں ہوسکتا۔

تحفہ گولڑویہ کے اشعار کا مطلب: بلاشبہ آپ نے ضمیمہ تحفہ گولڑویہ کے صفحہ 26 پر یہ عنوان باندھا ہے:

''دینی جہاد کی ممانعت کا فتویٰ''، ''مسیح موعود کی طرف سے''

اور اس کے نیچے یہ شعر بھی لکھے ہیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے — دین کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے — اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

مگر یاد رہے کہ یہ وہی جنگ اور جہاد کا فتویٰ ہے جو مولوی دیتے تھے۔ جسے آپ بار بار خلاف قرآن وحدیث ثابت کر چکے ہیں۔ دین کے وہی جنگ مراد ہیں جن کی غرض یہ سمجھی گئی تھی کہ اس ذریعہ سے دین کو پھیلایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ انہی اشعار میں بھی آگے چل کر اس بات کو صاف کیا ہے۔

ایسا گماں کہ مہدی خونی بھی آئے گا — اور کافروں کے قتل سے دیں کو بڑھائے گا
اے غافلو! یہ باتیں سراسر دروغ ہیں — بہتان ہیں بے ثبوت ہیں اور بے فروغ ہیں

دینی جنگوں سے کونسی جنگیں مراد ہیں: معلوم ہوا کہ جس جہاد کو جن دینی جنگوں کو ابتدائی اشعار میں حرام قرار دیا ہے وہ وہی جہاد اور وہی جنگیں ہیں جو عوام الناس اور مولویوں کے اعتقاد میں دین کو بڑھانے کا ذریعہ سمجھی گئی تھیں۔ نہ وہ دفاعی جنگیں جن کی اجازت قرآن کریم نے دی ہے۔ جو حکم تا قیامت قائم ہے۔ کافروں کے قتل سے دین کو بڑھانا اسی کو جہاد سمجھا گیا تھا۔ اسی کو آنے والے مہدی کا

اصل کام سمجھا گیا تھا۔ انہی باتوں کو آپ نے تعلیم اسلام پر بہتان اور بے ثبوت اور بے فروغ قرار دیا ہے۔ انہی کے اختتام کا اعلان آپ نے کیا ہے۔ انہی کو حرام ٹھہرایا ہے۔

مزید تشریح: چنانچہ اسی ممانعت جہاد کے فتوٰی کے بعد آپ نے اسی ضمیمہ مذکورہ کے صفحہ 30 پر عربی زبان میں ایک خط اہل اسلام پنجاب اور ہندوستان اور عرب اور فارس وغیرہ ممالک کی طرف جہاد کی ممانعت کے بارے میں عنوان قائم کیا ہے۔ جس کے نیچے ایک عربی خط ہے۔ جس میں صاف طور پر یہ درج ہے کہ اسلام نے کبھی بھی دین کو پھیلانے کے لئے دوسروں پر جبر کرنا اور دوسروں سے جنگ کرنا جائز قرار نہیں دیا۔ بلکہ اسے حرام قرار دیا ہے۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں ایسے غلط خیالات عام طور پر مسلمانوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے آپ اس خونریزی کو دور کرنے کے لئے اور اس کی حرمت کو ظاہر کرنے کے لئے اور اس سے لوگوں کو روکنے کے لئے آئے ہیں۔ چنانچہ اسی صفحہ 30 پر یہ لفظ ہیں:

> **ولاشک ان وجوه الجهاد معدومة فی هٰذا الزمن وهٰذه البلاد فالیوم حرام علی المسلمین ان یحاربوا للّدین وان یقتلوا من کفر بالشرع المتین فان اللّٰه صرح حرمة الجهاد عند زمان الا من والعافیة**
>
> یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاد (قرآنی) کی شرائط اس زمانے میں اور اس ملک میں نہیں پائی جاتیں۔ پس آج کے دن مسلمانوں پر یہ حرام ہے کہ وہ دین کے لئے جنگ کریں اور کہ وہ ایسے لوگوں کو قتل کریں جو شرع متین کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امن اور عافیت کے وقت جہاد کی حرمت کی تصریح فرمائی ہے۔

مخالفین کی افسوسناک بیباکی!: تعجب آتا ہے ان لوگوں کی بیباکی پر جو ایسی کھلی تحریروں کے ہوتے ہوئے یہ جھوٹا الزام حضرت مسیح موعود پر لگانے سے باز نہیں آتے کہ آپ نے قرآنی حکم جہاد کو منسوخ کیا ہے۔ آپ نے کبھی جہاد قرآنی کے متعلق منسوخی کا لفظ نہیں لکھا اور جس چیز کو حرام کیا ہے۔ وہ مولویانہ فتوٰی ہے کہ دین کے لئے کسی کو قتل کرنا جائز ہے۔ یا دین کو پھیلانے کے لئے کسی قوم کے ساتھ جنگ کرنا جائز ہے۔

قرآنی جہاد اور مولویانہ جہاد: اور اسے بھی اسی بنا پر حرام قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے ایسے جہاد کی حرمت کی تصریح فرمائی ہے۔ قرآنی جہاد تو یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر دین کی وجہ سے

تلوار اٹھائی جائے تو وہ بھی بالمقابل تلوار اٹھائیں۔ اور مولویانہ جہاد یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو اسلام نہ لانے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے۔ بالفاظ دیگر مولویوں کے نزدیک امن اور عافیت کے وقت غیر مسلموں پر تلوار اٹھانا جائز بلکہ ضروری ہے اور حضرت مرزا صاحب کے نزدیک امن اور عافیت کے وقت جہاد حرام ہے۔ یہی قرآن کریم نے فرمایا اور یہی مسیح موعود کا پیغام ہے۔ اور اس پر بھی آپ نے اس لئے زور دیا ہے کہ اس وجہ سے اسلام بدنام ہو رہا تھا۔ جیسا کہ اسی خط میں آگے چل کر صفحہ 31 پر لکھا ہے:

فثبت ان الاسلام لا یستعمل السیف والسیام عندالدعوۃ ...... وکانت الحاجۃ اشتدت فی زمتنالرفع الالتباس ...... وکان الاسلام فی ھذا الزمان کمثل معصوم اثم وظلم بانواع البھتان ...... وقالوا مذھب کان قتل الناس خلاصۃ تعلیمہ

یعنی پس ثابت ہوا کہ اسلام دعوت حق کے وقت تلوار اور تیر کو استعمال نہیں کرتا...... اور جو شکوک واقعہ ہوئے تھے ان کے دور کرنے کے لئے ہمارے زمانے میں سخت ضرورت پیدا ہوگئی تھی...... اور اسلام اس زمانہ میں اس بے گناہ کی طرح ہو گیا جس پر طرح طرح کے بہتان باندھ کر ظلم اور زیادتی کی جائے اور لوگوں نے یہ کہا کہ یہ تو ایسا مذہب ہے کہ جس کی تعلیم خلاصہ ہی یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو قتل کیا جائے۔

مخالفین کا غیر ایماندارانہ طرز عمل: مخالفین کا یہ تو حق ہے کہ وہ یہ کہیں کہ جہاد کے متعلق صحیح تعلیم قرآنی ہے جو مولوی کہتے تھے یعنی یہ کہ دین کو پھیلانے کے لئے تلوار اٹھانا جہاد ہے اور کہ جو کچھ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن وحدیث امن کے وقت غیر مسلموں پر تلوار اٹھانے کو حرام قرار دیتے ہیں وہ غلط ہے یا ان کی تعبیر جہاد صحیح ہے اور حضرت مرزا صاحب کی تعبیر جہاد غلط ہے۔ لیکن یہ بے ایمانی ہے کہ لوگوں کو اس مغالطہ میں ڈالا جائے کہ آپ نے قرآن کریم کی تعلیم جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے۔

ایک اور اعتراض اور اس کا جواب: اور اگر یہ کہا جائے کہ اگر یہ مسئلہ محض قرآن وحدیث کا ہی ہے تو مسیح موعود کے آنے سے اس کی خصوصیت کیوں بیان فرمائی اور یہ کیوں فرمایا کہ:

اب آگیا مسیح جو دیں کا امام ہے دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

تو اس کی وجہ ظاہر ہے۔ دین کو جبر پھیلانے کا عقیدہ زیادہ تر مہدی موعود کے نام سے ہی وابستہ ہے اور یہ سمجھا گیا ہے کہ جب مہدی آئے گا۔ تو تمام ان لوگوں کو جو دین اسلام قبول نہیں کریں گے تہ تیغ کروں گا۔

ایسا گمان کہ مہدی خونی بھی آئے گا اور کافروں کے قتل سے دین کو بڑھائے گا تو وہی مہدی معہود اور (وہی مسیح موعود بھی ہے) اب آ کر قرآن وحدیث سے یہ سمجھا تا ہے کہ دین کو تلوار کے ذریعہ سے پھیلانا خلاف تعلیم اسلام ہے۔ اور اسلام نے اس کو منع کیا ہے۔

پس جس موعود کے متعلق یہ انتظار تھا کہ وہ آ کر اس باطل عقیدہ کو عمل میں لائے گا کہ تلوار کے ساتھ لوگوں کو مسلمان کرنا جائز ہے۔ اسی کا یہ فتوٰی ہے کہ یہ عقیدہ خلاف قرآن وحدیث ہے۔ تو اب دونوں باتیں جمع ہو گئیں۔ قرآن وحدیث بھی ایسے عقیدہ کو خلاف تعلیم اسلام قرار دیتے ہیں اور مسیح اور مہدی موعود بھی اسے خلاف تعلیم اسلام قرار دیتا ہے۔ تو اب اس باطل عقیدہ ہے کہ پیرووٗں کے ہاتھ میں کیا سند ہے۔ جیسا کہ آپ نے رسالہ جہاد میں بھی لکھا ہے:

> ''غرض اب جب مسیح موعود آ گیا تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جہاد سے باز آئے۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو شائد اس ظلم وستم کا کسی قدر عذر بھی ہوتا۔ مگر اب تو میں آ گیا اور تم نے وعدہ کا دن دیکھ لیا۔ اس لئے اب مذہبی طور پر تلوار اٹھانے والوں کا خدا تعالٰی کے سامنے کوئی عذر نہیں۔'' (صفحہ 8)

مخالفین اپنے عقیدہ کو عمل میں کیوں نہیں لاتے؟ : پس اس جھوٹے الزام کی کہ حضرت مرزا صاحب نے قرآن کریم کی تعلیم جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے، کھلی تردید حضرت مرزا صاحب کی اپنی تحریروں سے ہو گئی۔ مخالفین کا حق ہے کہ وہ یہ کہیں کہ صحیح تعلیم جہاد یہ نہیں جو آپ نے کہا ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہیں تو پھر ان کا یہ بھی فرض ہے کہ مسلمانوں کی علی الاعلان رہنمائی کریں اور انہیں صاف طور پر بتائیں کہ کسی قوم کو مسلمان کرنے کے لئے اس کے خلاف جنگ کرنا تعلیم قرآنی ہے یا کسی شخص کو اس لئے قتل کرنا جائز ہے کہ وہ اسلام لانے سے انکار کرتا ہے اور پھر اس پر عمل کر کے بھی دکھائیں۔ اس سے بڑھ کر منافقت کیا ہو گی کہ دل میں تو یہ خیالات موجود ہوں کہ غیر مسلموں کو غیر مسلم ہونے کی وجہ سے قتل کرنا جائز ہے۔ جس طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرے اس کا قتل کرنا جائز ہے

اور غیر مسلموں کو یہ یقین دلائیں کہ قرآن کریم میں لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (256:2) کی تعلیم موجود ہے اور اسلام میں اعلیٰ درجہ کی رواداری کی تعلیم ہے اور وہ کسی شخص کو مذہب کی بناء پر کچھ نہیں کہتا!

علمائے اسلام سے اپیل: میں تمام علمائے اسلام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ناحق مخالفت کو اور جھوٹے الزام لگانے کے مشغلہ کو ترک کر کے ہمیں یہ سمجھانے کی کوشش کریں کہ جہاد کی تعلیم جو قرآن شریف نے دی ہے وہ یوں ہے اور یہ کہ حضرت مرزا صاحب نے دین کو پھیلانے کے لئے جنگ کرنے کو حرام قرار دینے میں غلطی کھائی ہے۔ جو کچھ قرآن وحدیث سے ثابت ہو جائے ہم اس کے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ مگر میں پبلک کو یقین دلاتا ہوں کہ کسی عالم میں یہ جرأت نہیں کی وہ حضرت مرزا صاحب کے نقطہ خیال کو جو جہاد کے متعلق ہے غلط کہہ سکے۔ صرف اسی لئے جھوٹے الزامات لگا کر یہ لوگ اپنا اُلّو سیدھا کر رہے ہیں۔

۞ ۞ ۞

26 مئی 1936ء

حضرت امیر کے قلم سے

حضرت مسیح موعود کے وجود سے اسلام کو کیا نفع پہنچا؟

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (17:13)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام قرآن شریف میں ہر ایک مضمون کو طرح طرح کے پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ اور اسے عام فہم کرنے کے لئے ایسے موٹے اور سادہ اصول بتا دیئے ہیں جن سے اگر کام لیا جائے تو انسان بہت جلد ایک صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ انہی اصول میں سے ایک وہ ہے جو آیت مندرجہ عنوان میں بیان فرمایا ہے۔ جہاں جھاگ کا جو پانی کے اوپر اٹھا ہوا ہوتا ہے اور پھر خود پانی کا ذکر کر کے فرمایا۔ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ (17:13) یعنی یہ حق اور باطل کی ایک مثال ہے اور پھر اس کو یوں واضح کر کے فرمایا فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَآءً (17:13) جھاگ رائگاں جاتا ہے۔ یعنی اس سے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ گویا اس طرح باطل ہے کہ گو وہ جھاک کی طرح اوپر اٹھا ہوا ہو۔ گو ایک وقت حق پر غالب نظر آتا ہو۔ جس طرح جھاگ پانی کے اوپر اٹھتا ہے۔ لیکن اس سے دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور حق کی مثال پانی سے ہے کہ وہ زمین میں سرایت کر کے سبزیاں نکالتا ہے اور طرح طرح کے فوائد کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد فرمایا ہے وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (17:13) جو چیز لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین میں ٹھہرتی ہے۔ گویا حق کی یہ علامت ہے کہ وہ لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے اور چونکہ نفع پہنچاتا ہے۔ اس لئے زمین میں قائم بھی رہتا ہے اور کوئی مخالفت کی طاقت اسے دنیا سے نابود نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جو چیز نافع ہو اسے خدا کی حکمت ضائع نہیں ہونے دیتی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کا بھی ثبوت ہے کہ وہ نافع چیز کو دنیا میں قائم رکھتا ہے۔ اگر یہ کارخانہ قدرت خود بخود ہوتا اور کسی ہستی بالا کے قبضہ اقتدار میں نہ ہوتا تو نافع چیز کا قائم رہنا ضروری نہ تھا اور یہ خدا کا قانون اس وقت برنگ پیشگوئی بیان کیا گیا جب اسلام کے دشمن، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلام کو مٹا ہی چکے ہیں۔ اسلام کے دشمن اگر کبھی غور کرتے تو اسلام کی صداقت کا یہ ایک بین نشان تھا۔ جسے موٹی سے موٹی نظر بھی دیکھ سکتی تھی۔ کیا اسلام کے وجود سے دنیا کو نفع پہنچا یا نقصان؟ اس کا فیصلہ آسان ہے۔

اگر اسلام دنیا میں نہ آیا ہوتا اور اخلاقی تنزل کی وہ حالت قائم رہتی جو اسلام کے آنے سے پیشتر تھی تو ظاہر ہے کہ انسان مدت سے بالکل وحشی ہو چکے ہوتے۔ کیا اس سے کوئی انکار ہوسکتا ہے؟ خواہ وہ کیسا ہی دشمن اسلام ہو۔ کیا اسلام نے ملک عرب کے اندر سے شرک، بت پرستی، توہم پرستی، جہالت، فساد، نااتفاقی، فسق وفجور، زنا، شراب خوری، جوئے اور سینکڑوں بدیوں کو دور کر کے ان کی جگہ توحید، روشنی، علم، اتفاق، نیکی اور پاکیزگی کو پھیلایا۔ یہ اسلام کا پہلا ظاہر اور کھلا نفع ہے۔ جس سے سخت سے سخت معاند کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ اتنا عظیم الشان فائدہ ہے کہ کسی دوسرے انسان سے اتنا عظیم الشان نفع نسل انسانی کو نہیں پہنچا۔ مگر اس پر بس نہیں بلکہ اسلام سے اس نفع کا تمام دنیا کی قوموں کو پہنچنا ایک ثابت شدہ امر ہے۔ اسلام کے آنے سے پیشتر کل دنیا کی اخلاقی حالت گر چکی تھی اور اسلامی اخلاق، اسلامی توحید اور روشنی نے ان تمام قوموں پر اثر ڈالا۔ جن کے ساتھ اس کا کسی قسم کا تعلق ہوا۔ اگر اسلام نے درمیانی زمانوں میں علم کی مشعل کو روشن کر کے یورپ تک یہ روشنی نہ پہنچائی ہوتی تو آج خود یورپ اور اس کے ساتھ ساری دنیا اندھیرے میں ہوتی۔ یہ کوئی چھوٹا سا احسان اسلام کا دنیا پر نہیں۔ پھر ایران پر، ہندوستان پر، چین پر ہر جگہ اسلام کا یہ پاکیزہ اثر صاف نظر آتا ہے۔ ورنہ یہ تمام ممالک حد درجہ کی اخلاقی ذلت کو پہنچ چکے تھے۔

حق کی علامت نافع الناس ہونا ہے: علاوہ اس کے کہ قرآن شریف نے حق کی علامت نافع الناس ہونا قرار دی ہے۔ فطرت انسانی کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ اس کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جہاں سے ہمیں فائدہ پہنچے اس سے ہم محبت کرتے ہیں۔ اور جس سے نقصان پہنچے اس کے متعلق ہمارے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا بار بار اس لئے ذکر کرتا ہے کہ اس سے ہمیں محبت پیدا ہو۔ نیکی کے دنیوی اور اخروی فوائد کا، بدی کے بدنتائج اور اس سے مضرات کے پیدا ہونے کا طرح طرح کے پیرایوں میں اسی لئے بیان فرماتا ہے کہ نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت ہو۔ پس وہ شخص اپنے آپ سے دشمنی کرتا ہے جو اپنے فائدے اور نقصان کو دیکھے بغیر ایک چیز سے محبت یا نفرت رکھتا ہے۔ وہ گویا صحیح فطرت کے بھی خلاف چلتا ہے۔ پس اس بات کے معلوم کرنے کے لئے کہ ہمیں ایک شخص سے محبت رکھنی چاہئیے یا نفرت، ہمیں اس کا ساتھ دینا چاہیئے کہ اس کا نفع اور زیادہ ترقی کرے یا اس کی مخالفت

کرنی چاہئیے کہ اس کے مضرات سے اپنے آپ کو یا دوسرے لوگوں کو بچائیں، ایک ہی بات فیصلہ کن ہے۔ یعنی اس کی ذات سے ہمیں نفع پہنچا ہے اور پہنچنے کی امید ہے یا نقصان۔ اور اگر نفع اور نقصان دونوں بھی نظر آتے ہوں تو غالب پہلو نفع کا ہے یا نقصان کا؟!

حضرت مرزا صاحب کی پرکھ: آؤ اس اصول پر ہم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو پرکھیں۔ بہت لوگ ہیں جنہوں نے بغیر سوچے سمجھے حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ وہ کبھی اتنا غور کرنے کی تکلیف نہیں اٹھاتے کہ حضرت مرزا صاحب کے وجود سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچا ہے یا نقصان۔ خوب یاد رکھو کہ نفع یا نقصان کا سوال واقعات کا سوال ہے۔ عقائد اور مسائل کا سوال نہیں۔ اور میں اس وقت اس بات پر بحث کرنا نہیں چاہتا کہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کیا ہیں۔ اور آیا وہ عقائد اہل سنت والجماعت کے کسی طرح خلاف ہیں یا نہیں۔ یہ بحث وہاں کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ جہاں کچھ اشتباہ ہو۔ جو شخص ایک دفعہ نہیں بیسیوں دفعہ اپنے قلم سے لکھ چکا ہے کہ میرے عقائد وہی ہیں جو اہل سنت کے عقائد ہیں۔ وہاں عقائد کے سوال میں جانے کی ضرورت بھی نہیں۔ پس میری بحث صرف واقعات سے ہے اور سوال موٹا ہے کہ کیا حضرت مرزا صاحب کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچا ہے یا نقصان؟

تفرقہ کے الزام کی تردید: نقصان کے پہلو کیا ہیں؟ سب سے بڑا نقصان جو بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے ایک نیا فرقہ پیدا کر کے اسلام کی قوت اتحاد کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہ اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی کہہ دیتے ہیں۔ مگر وہ واقعات پر غور کرنے کی تکلیف نہیں اٹھاتے۔ چونکہ بدقسمتی سے ایک غلط خیال حضرت مرزا صاحب کی طرف سے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس لئے کبھی ایک رنگ دے دیا جاتا ہے۔ کبھی دوسرا۔ کیا یہ امر واقعہ ہے کہ مرزا صاحب سے پیشتر اتحاد اسلام موجود تھا۔ نہیں۔ بلکہ اسلام کی قوت خطرناک طور پر متشتت اور پراگندہ تھی اور تمام مسلمان ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے اور مسلمانوں کی ساری قوت آپس کے نہایت ہی چھوٹے چھوٹے اور ذلیل جھگڑوں پر صرف ہو رہی تھی۔ اونچی اور نیچی آواز سے آمین کہنے کے جھگڑے ہائیکورٹوں میں جاتے تھے۔ ایک دوسرے کو کافر کہنے کا شغل تھا۔ اتحاد اسلام کا نام ونشان نہ تھا۔ جس کو نقصان پہنچانے کا نام لیا جائے۔ لیکن ایک

شخص کہہ سکتا ہے کہ یوں نہ سہی یوں سہی کہ مرزا صاحب کے آنے سے اسلام کے موجودہ تفرقہ میں بجائے کسی کے اضافہ ہو گیا۔ فی الواقع اگر حضرت مرزا صاحب اپنی جماعت کو اسی میں لگا دیتے۔ جس سے ادنیٰ ادنیٰ مسائل کے جھگڑے میں پہلے مسلمان لگے ہوئے تھے۔ تو یہ نیا فرقہ یا نئی جماعت بلا شبہ مسلمانوں کے تفرقہ میں اضافہ کا موجب ہوتی۔ لیکن باوجود اس کے کہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی پر ایک سخت طوفان اٹھا اور تکفیر کے نہایت خطرناک فتوے تیار ہوئے اور بعض اندرونی جھگڑے خاصہ وقت بھی لے گئے۔ جسے خود حضرت مرزا صاحب ناپسند ہی نہ کرتے تھے۔ بلکہ اس پر افسوس بھی کرتے تھے کہ علماء نے خواہ مخواہ میرے راستہ میں رکاوٹ پیدا کی ہے۔ وہ خاموش رہ کر کچھ عرصہ کے لئے میرے کام کو دیکھیں۔ اگر اسے اسلام کے لئے مفید پائیں تو میرے ساتھ ہو جائیں اور اگر نقصان دہ پائیں تو جس قدر چاہیں میری مخالفت کریں۔ مگر کسی نے بھی اس بات کو نہ سنا۔ باوجود اس کے ایک حکیم کی طرح حضرت مرزا صاحب نے اپنی جماعت کی توجہ کا غالب پہلو بیرونی دشمنان اسلام کی طرف کر دیا اور عیسائیت اور آریہ سماج پر نہ صرف خود بڑا قیمتی لٹریچر پیدا کیا۔ جس سے آپ کے اندرونی دشمن تک بھی فائدہ اٹھاتے رہے۔ بلکہ یہی خوبی اپنی جماعت میں بھی پیدا کر دی اور انہیں عیسائیت اور آریہ سماج کے خلاف مضبوط حربے دے کر اس میدان کا پہلوان بنا دیا۔ حضرت مرزا صاحب کے تقریباً ساتھ ہی ساتھ اہل قرآن کی تحریک بھی پیدا ہوئی۔ مگر چونکہ اس تحریک کی بنا یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (15:40) پر نہ تھی۔ اس لئے اس کی تمام تر قوت انہی اندرونی جھگڑوں اور فروعی مسائل پر ہی خرچ ہوئی۔ جس میں مسلمان مبتلا تھے۔ اس لئے اگر اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس نے مسلمانوں کے سابقہ تشتت اور تفرقہ میں اضافہ کیا تو یہ بات درست ہے۔ لیکن ایک ایسی تحریک جو باوجود اس کے کہ علمائے اسلام نے سب سے بڑھ کر اسے اپنے حملوں کا نشانہ بنایا اور اسے بیخ و بنیاد سے اکھیڑنے کے لئے پورا زور صرف کیا، بجائے اندرونی جھگڑوں میں مبتلا ہو جانے کے اسلام کو قوت پہنچاتی اور اس کے دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوتی ہے، اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے موجودہ تفرقہ میں اضافہ کیا، واقعات کی طرف سے آنکھیں بند کرنا ہے۔ جس دن تمام اسلامی فرقے اس حد تک اعدائے اسلام کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اور اپنے روپے اور وقت کو اسی طرح اسلام کی حفاظت و اشاعت میں لگا

دیں گے جس طرح احمدی جماعت نے لگایا ہے۔ اس دن اسلام کا تفرقہ خود بخود دور ہو جائے گا۔ صرف یہی انہیں بلکہ حضرت مرزا صاحب نے اس اصول کو زندہ کر کے کہ جس شخص میں ننانوے وجوہ کفر اور ایک وجہ اسلام ہو۔ اسے کافر نہیں بلکہ مسلمان کہو۔ اسلام کے اتحاد کی وہ عظیم الشان بنیاد گویا از سر نو رکھ دی ہے جس سے مسلمانوں کی قوت دوبارہ عود کر سکتی ہے۔

فروعی مباحث کی اہمیت: شائد کہا جائے گا کہ بہت سے فروعی مباحث حضرت مرزا صاحب کے وجود سے بھی پیدا ہوئے۔ مگر یاد رکھنا چاہئیے کہ حضرت مرزا صاحب نے صرف انہی فروعی مباحث کی طرف توجہ کی ہے جو فی الواقع اپنی موجودہ صورت میں اسلام کے نقصان کا موجب اور اعداء اسلام کی قوت کا موجب ہو رہے تھے۔ مثلاً آپ نے حضرت عیسٰیؑ کی وفات کے متعلق بحث کو بہت لمبا کیا ہے تو اس کی وجہ یہی تھی کہ حضرت عیسٰیؑ کی خدائی کا انکار کرتے کرتے خود مسلمانوں نے اسے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات میں شریک بنا دیا تھا اور یہی باتیں مسلمانوں سے لے کر عیسائیوں نے عیسائیت اور اسلام کی جنگ میں انہیں اسلام کے خلاف خطرناک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا اور حضرت عیسٰیؑ کی زندگی کے عقیدے کو جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے کہ وہ چوتھے آسمان پر اسی جسد عنصری کے ساتھ بغیر کھائے پئے کی احتیاج کے موجود ہیں اور ان کے جسم میں کوئی تغیر نہیں آیا، عیسائیوں نے لے کر مسلمانوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا کہ تمہارے اپنے عقیدے کے مطابق تمہارے پیغمبر زمین میں مدفون ہیں مگر حضرت عیسٰیؑ آسمان پر زندہ ہیں۔ گویا سب رسولوں سے نرالے ہیں۔ پھر یہ کہ سب رسولوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے قانون بیان فرما دیا۔ **مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ** (8:21)

ہم نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانا کھاتے ہوں۔ مگر حضرت عیسٰیؑ اس جسد عنصری کے باوجود دکھانے پینے کے محتاج نہیں۔ پس وہ بشر رسولوں سے علیحدہ کوئی ہستی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی کہا کہ جس طرح خدا الاٰن کما کان کا مصداق ہے، حضرت عیسٰیؑ بھی الآن کما کان کے مصداق ہیں۔ کیونکہ ان کے جسم میں کوئی تغیر دو ہزار سال سے نہیں آیا۔ تو ان ہتھیاروں کے توڑنے کے لئے حضرت مرزا صاحب کے لئے یہ ضروری ہوا کہ وہ مسلمانوں کے دلوں سے ایک ایسے عقیدے کو نکالیں جو اعداء اسلام کے لئے قوت اور خود مسلمانوں کے لئے کمزوری کا موجب ہو رہا تھا۔ ایسا ہی یہ خیال کہ امام مہدی تلوار سے لوگوں

کو مسلمان بنائیں گے اعدائے اسلام کے لئے قوت کا موجب ثابت ہو رہا تھا۔ کیونکہ یوں ان کا یہ اعتراض اسلام پر پختہ ہوتا تھا کہ اسلام بذریعہ تلوار پھیلا ہے تو اس امر کو بھی حفاظت اسلام کے لئے اور اعدائے اسلام کی قوت کو توڑنے کے لئے حضرت مرزا صاحب نے زور سے بیان کیا اور ان دو دعووں سے کہ وہ مسیح موعود اور مہدی، جس کے آنے کی احادیث میں پیشگوئی ہے، میں ہی ہوں، ہمیشہ کے لئے اسلام کے راستہ سے ان دو خطرناک رکاوٹوں کو دور کر کے اس کی اشاعت کا راستہ کھول دیا۔ کوئی شخص نہیں دکھا سکتا کہ آپ ایک لمحہ کے لئے بھی ان چھوٹے چھوٹے مباحث میں پڑے ہوں۔ جن میں اس وقت مسلمان علماء عام طور پر سر سے پیر تک غرق تھے۔ بلکہ ان تمام فروعی اختلافات میں اپنی جماعت کے لئے یہ وسیع مسلک قائم کیا کہ باوجود ان میں اختلاف کے تم سب ایک متحد جماعت بن سکتے ہو۔ پس ان کی طرف توجہ بھی نہ کرو۔ یہی راز تھا جس نے آپ کو اس قدر کامیابی کے مقام پر پہنچایا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو ایک نہایت نکمے فعل سے نکال کر اعلیٰ درجے کے کام پر لگا دیا۔

دعاوی مسیحیت و مہدویت کے فوائد!: اگر کچھ بھی غور و فکر سے کام لیا جاتا تو یہی امور جن میں تحریک احمدیت کو نقصان رساں خیال کیا جاتا ہے، صاف معلوم ہو جاتا کہ وہ حقیقتاً اسلام اور مسلمانوں کے لئے عظیم الشان نفع کا موجب ہوئے ہیں۔ مسیح موعود اور مہدی ہونے کے دعووٴں کے متعلق یہ سوال کہ ان سے بیکار مباحث کا دروازہ کھل گیا ہے عدم تدبر کا نتیجہ ہے۔ اسلام کو ان دو باتوں نے یعنی حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے خیال نے ایک طرف بمقابلہ مسیحیت کی زبردست کوششوں کے اور اسلام کے تلوار سے پھیلنے کے خیال نے دوسری طرف اس قدر نقصان پہنچا رکھا تھا کہ جن کا ازالہ اور کسی صورت میں ہو ہی نہ سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو مسیح اور مہدی کا نام دے کر بتا دیا کہ اسلام نہ کسی بنی اسرائیل نبی کے آسمان سے اترنے کا محتاج ہے اور نہ کسی مہدی کی تلوار کا محتاج ہے۔ بلکہ وہ اپنے پاک اصولوں کی وجہ سے اپنی روحانی قوت سے، اپنی اندرونی کشش سے دنیا میں غالب ہوگا اور یہ وہ عظیم الشان کام تھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے چودھویں صدی کے مجدد کو کھڑا کیا۔ تا کہ وہ غلبہ اسلام کے راستے کو صاف کر دے۔ جن دعووں پر مسلمان واقعات کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے کی وجہ سے ٹھوکر کھا رہے ہیں وہی اسلام اور مسلمانوں کی حقیقی منفعت کا اور اعداء اسلام کی قوت کو توڑنے کا اور اسلام کو

نقصان سے بچانے کا موجب ہیں۔ معلوم نہیں ہماری قوم کی آنکھیں کب کھلیں گی کہ وہ اپنے فائدہ کی ہر بات پر ناراض ہونے کے بجائے خوش ہوں اور اس شخص کی آواز پر لبیک کہیں۔ جس نے کافر و دجال کہلانا پسند کیا، مگر یہ پسند نہ کیا کہ اسلام کی اشاعت کے راستے میں کوئی روک باقی رہ جائے۔ وہ اس وقت بھی اشاعت اسلام کا دنیا میں اکیلا پہلوان مانا جاتا تھا۔ جب اس نے یہ دعوٰی کیے۔ مسلمانوں کے دلوں میں ان دعوؤں سے پیشتر اس کے لئے وہ عزت کا مقام تھا۔ جس کی دنیا کے اکثر لوگوں کو تڑپ ہوتی ہے۔ مگر اس نے اسلام کی منفعت کے لئے مسلمانوں کی انجام کار بہتری کے لئے اس دنیوی عزت کے مقدم پر لات ماری۔ اس کو یہ پرواہ نہ تھی کہ اس کو اچھا کہا جائے بلکہ اس کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی اور ایک ہی زبردست جذبہ تھا کہ اسلام کو اچھا کہا جائے اور اسلام اور محمد رسول اللہ دنیا کے محبوب ہوں۔ اس نے محمد رسول اللہ کے عشق میں دجال کہلانا پسند کیا۔

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

تحریک احمدیت کا منفعت بخش پہلو: یہ تو تحریک احمدیت کے خیالی نقصان کے پہلو تھے۔ مگر اب اس فائدہ کو بھی دیکھو جو حضرت مرزا صاحب کے وجود سے اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا۔ کیا اس بات سے کسی کو انکار ہوسکتا ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب نہ آئے ہوتے۔ تو آج وہ اسلامی لٹریچر دنیا میں نہ ہوتا۔ جسے تحریک احمدیت نے پیدا کیا۔ نہ مسلمانوں کا انگریزی میں کوئی ترجمہ قرآن ہوتا۔ نہ ان کے کوئی خالص مذہب رسالے انگریزی اور جرمن میں ہوتے۔ نہ وہ اسلامی تعلیم کے پاکیزہ اصول آنکھوں کے سامنے آکر دشمنوں کا منہ بند کرتے۔ جنہیں آج تحریک احمدیت نے زندہ کیا ہے۔ نہ عیسائیت کے خلاف ان کے ہاتھ میں وہ کاری حربے ہوتے۔ جو ووکنگ برلن اور لاہور سے نکل رہے ہیں۔ نہ ان کے انگلستان، جرمنی اور امریکہ میں کوئی مشن ہوتے۔ نہ ان ممالک میں سینکڑوں کی تعداد میں پرستاران صلیب حلقہ بگوشان رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئے ہوتے۔ نہ ان کفرستانوں میں اللہ اکبر کی آوازیں بلند ہوتیں۔ نہ یورپ کے عین مرکز میں عظیم الشان مسجد برلن کا وجود ہوتا۔ نہ ہندوستان میں آریہ سماج کے مقابلہ میں کوئی لٹریچر ہوتا۔ نہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے احمدی مناظرین ہوتے۔ جو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگاتے اور مسلمانوں کی قوت کا موجب ہوتے ہیں۔ اب ہر

شخص خود ہی غور کرے کہ آیا وہ ان چیزوں کے عدم وجود کو ان کے وجود پر ترجیح دیتا ہے؟ کیا یہ باتیں نہ ہوتیں۔ تو اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ تھا۔ یا ان کے ہونے میں اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ ہے؟ میں ایک دشمن احمدیت سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا احمدیت کے متعلق اس کے حاسدانہ خیالات کا تقاضا کیا ہے۔ کیا وہ حضرت مرزا صاحب یا احمدیت کا نام آنے پر دل میں نہیں کڑھتا۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ وہ آریہ سماج اور عیسائیت کے مقابلہ میں خاموش رہنا گوارا کرسکتا ہے۔ مگر احمدیت کو جب تک مٹا نہ لے۔ اس کے دل کا غضب کم نہیں ہوتا۔ کیا وہ اپنی ساری قوت اعداء اسلام سے ہٹا کر احمدیت کی بربادی پر صرف کرنے کے لئے تیار نہیں؟ مگر میں اس سے یہ بھی پوچھتا ہوں کہ یہ کیوں ہے۔ کیا یہ جذبہ نفرت واقعات پر مبنی ہے؟ کیا اگر تحریک احمدیت نہ پیدا ہوئی ہوتی۔ تو آج اسلام اور مسلمان بہتر حالت میں ہوتے؟ کیا تحریک احمدیت کے پیدا ہونے سے واقعی اسلام اور مسلمانوں کا کچھ بنا ہے یا کچھ بگڑا ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جس چیز میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع ہے۔ جس تحریک نے مسلمانوں میں ایک منظّم اشاعت اسلام کے لئے مالی جانی قربانیاں کرنے والی جماعت پیدا کر دی ہے۔ جس تحریک نے اسلام کے شجر کی حفاظت اور اس کے نشو ونما میں پوری کوشش کی ہے۔ اس سے نفرت کی جاتی ہے اور اس کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر خوب یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ (17:13) جو چیز لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ برباد نہیں ہوتی۔ تحریک احمدیت نافع الناس ہے اور اسی لئے مٹ بھی نہیں سکتی۔ خدا کے قانون کے خلاف زور نہ لگاؤ۔ بلکہ واقعات کو سامنے رکھ کر اور ان پر غور کر کے نفرت کے سیاہ جذبہ کو دل سے نکال کر اس کی جگہ اس تحریک سے جو خادم اسلام اور نافع الناس ہے، محبت پیدا کرو۔ تمہاری نفرت اس وقت مرزا صاحب سے نفرت نہیں۔ وہ تو فوت ہو چکے ہیں۔ یہ خدمت اسلام کے اس کام سے نفرت ہے جس کو آج دنیا دیکھ رہی ہے اور اگر تم اس سے محبت کرو گے تو وہ محبت بھی خدمت اسلام سے ہوگی۔

حفاظت و اشاعت اسلام کا احیاء: میں کہتا ہوں کہ اگر واقعات پر غور کیا جائے تو اشاعت اسلام کا جذبہ قوم میں احمدیت ہی نے پیدا کیا ہے۔ مسلمان الا ماشاء اللہ اس بات سے بالکل بے خبر اپنے جھگڑوں میں مبتلا تھے۔ بحیثیت جماعت ان میں کوئی انتظام اشاعت اسلام کا نہ تھا۔ حفاظت و اشاعت

اسلام کے کام کو احمدیت نے زندہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر یورپ میں حملے ہوتے دیکھے۔ تو وہاں بھی اسلام کا جھنڈا جا گاڑا۔ ہندوستان میں بھی پادریوں کا جواب جو اسلام کے خلاف بدزبانی میں آریوں کے استاد ہیں، ایسا دیا کہ انہوں نے اپنا رویہ بدل دیا۔ آریہ سماجیوں کا جواب بھی دے رہے ہیں۔ غرض اشاعت اسلام کی طرف جس سے مسلمانوں کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے، مسلمانوں کو اگر کسی قوم نے متوجہ کیا تو وہ وہی ہے جو اس صدی کے مجدد کے دامن سے وابستہ ہے۔ حفاظت واشاعت اسلام کا جذبہ جو مسلمانوں کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔ مسلمانوں کے دلوں میں خوابیدہ ہو گیا تھا۔ تحریک احمدیت ہی نے اسے بیدار کیا ہے۔ اگر اور کوئی عملی رنگ کا مفید کام نہ بھی ہوا ہوتا۔ تو حضرت مرزا صاحب کا اس جذبہ کو دلوں میں اس طرح بلند کر دینا ہی ایک عظیم الشان خدمت اسلام تھی جس کے سامنے ہر ایک کلمہ گو کو ان کا مرہون منت ہونا چاہئیے تھا۔ نہیں۔ بلکہ اس کام کو قوت دینی چاہئیے تھی کیونکہ اگر ایک چھوٹی سی جماعت نے اس قدر عظیم الشان کام کر دکھایا ہے جو مسلمانوں میں ابھی اتنی بھی نہیں۔ جیسے آٹے میں نمک۔ تو مقام غور ہے کہ اگر سب مسلمان دامن مجدد سے وابستہ ہو کر ایک متفقہ کوشش کرتے تو آج دنیا میں اسلام کے لئے کتنا بڑا انقلاب پیدا ہو گیا ہوتا۔ ہزاروں نہیں، لاکھوں کی تعداد میں اس وقت یورپ میں اور کروڑوں کی تعداد میں ہندوستان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا دم بھرنے والے اور آ گئے ہوتے۔ اب غور کیجئے کہ ان کے نہ آنے کا گناہ کس پر ہے؟ کیا انہی لوگوں پر نہیں جو ایک خدمت اسلام کے کام کو اسلام اور مسلمانوں کے فائدہ کے کام کو ہوتا اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔ مگر پھر بھی اٹھ کر ساتھ نہیں ہوتے کہ اس کام کو قوت دیں۔ کیا یہ غفلت یہ بے تعلقی جہاں تک خدمت اسلام کا سوال ہے، مجرمانہ نہیں؟ افسوس! کہ اسلام کا پودا پانی کا محتاج ہے اور اس کی ٹہنیاں اور تنے خشک ہو کر گر رہے ہیں۔ مگر آہ! ہماری غفلت اور لاپرواہی کہ اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں اور شائد بعض وقت ہماری آنکھوں میں آنسو بھی آ جاتے ہیں۔ مگر اس قدر ہمت نہیں کہ اٹھیں اور جس جماعت کو اس کی آبیاری کرتے دیکھ رہے ہیں اس کے ساتھ مل ہم بھی جائیں۔ **اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ**

26 مئی 1936ء

اے میرزا قربان تو

مولٰینا محمد مرتضٰی حسن از مانگرول

اے عیسیٰ موعود حق اے مہدی مسعود حق — اے حامد و محمود حق اے میرزا قربان تو
اے نیر صدق وصفا اے آفتابِ اتقیاء — اے نورِ چشم مصطفٰی اے میرزا قربان تو
اے حافظ دینِ متیں اے حامی شرعِ مبین — اے حجۃ اللہ برزمیں اے میرزا قربان تو
اے صدرِ بزم آخریں محبوب رب العالمین — اے خاتم دیں را نگیں اے میرزا قربان تو
اے رہبر راہ یقیں اے محرمِ اسرارِ دیں — اے مطلع انوار دیں اے میرزا قربان تو
اے مخزنِ لطف وعطا اے معدنِ جود وسخا — اے چشمہ علم ہدٰی اے میرزا قربان تو
اے شمع بزم عارفاں اے سرگروہِ عاشقاں — اے راہنمائے گمرہاں اے میرزا قربان تو
اے عشقِ تو ایمان من اے دردِ تو درمانِ من — بر تو تصدق جانِ من اے میرزا قربان تو
من عاشقِ زارِ توام مشتاقِ دیدارِ توام — ہر دم طلب گارِ توام اے میرزا قربان تو

این است بس کامِ دلم جانم فدا بر تو کنم
اے وقفِ راہت ایں سرم اے میرزا قربان تو

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

تحریک ارشادالٰہی کے متعلق حضرت امیر ایّدہ اللہ کا ضروری اعلان: عام چندوں یا عام تحریکات میں نہیں بلکہ جماعت کے استحکام کے لئے خاص تحریک کی گئی ہے۔اس لئے میرے خطبے کے الفاظ میں جو یہ لفظ ہیں کہ باقی تحریکات میں غربا جو چاہیں حصہ لیں۔اس میں تحریک ارشادالٰہی نہیں آتی۔ بلکہ اس تحریک میں امراء اور غرباء سب کا شامل ہونا ضروری ہے اور اس کا فائدہ زیادہ تر غرباء کو پہنچے گا۔محمد علی

3 جولائی 1936ء

اداریہ

مولانا ابوالکلام آزاد کے تازہ ارشادات

حدیث اور مجددین کی ضرورت سے انکار

مخالف حالات میں جرأت وصفائی سے سچی بات کہہ دینا بہت بڑا جہاد، لیکن بے حد مشکل کام ہے۔ حق وصداقت کی اس پرخار وادی میں وہی لوگ قدم رکھ سکتے ہیں۔ جن کے دلوں میں خدا پر زندہ ایمان ہوتا ہے۔ جو سچائی کو عزیز رکھتے ہیں اور اس کی عظمت وطاقت سے واقف ہیں۔ حق گوئی وصاف بیانی کے مدعی بہت ہیں۔ اور بڑے بڑے ہیں۔ لیکن واقعات شاہد ہیں کہ ان میں سے اکثر وقت آنے پر امتحان میں پورے نہیں اترتے۔ غیر اللہ کا خوف انہیں ڈراتا اور سہاتا ہے۔ لوگوں کی ناراضگی اور اپنے اثر واقتدار کی بربادی کے خیال سے ان پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور یہ فریب خوردہ اور فریب کار مدعیان حق باطل کے آگے سربسجود ہوجاتے ہیں۔

آج کل اس قسم کے عبرت انگیز تماشے اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔ چند خودغرض، خود پرست اور دشمنان ملت نے احمدیت کے خلاف جو طوفان مخالفت برپا کر رکھا ہے، اس کی ناپاک لہروں سے بڑے بڑے مولویوں کی عبائیں اور عمامے اور بڑے بڑے لیڈروں شاعروں اور اخبار نویسوں کے طرہ ہائے افتخار آلودہ ہورہے ہیں۔ اغراض وعزت کی قربان گاہ پر اصول، بے محابا قربان کئے جارہے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں اور زبانوں میں کوئی مطابقت نہیں رہی۔ اور یہ اپنے گذشتہ اقوال واعمال کو بھی فراموش کر گئے ہیں۔ ایسی ایسی بے جوڑ اور غیر معقول باتیں ان کی طرف سے کہی جارہی ہیں۔ جنہیں سن کر تعجب ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے اعلیٰ دماغوں کی باطل سے یہ مرعوبیت بے حد افسوسناک ہے۔

مخالفین احمدیت کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو سرکردہ مسلمان علماء وقائدین کو احمدیت کے متعلق اظہار رائے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر وہ خاموش رہیں یا اپنے دلی خیالات وعقائد کا اعلان کردیں تو ان کو طرح طرح سے بدنام کیا جاتا ہے۔ اس لئے انہیں مجبوراً مخالفین کا ہمنوا ہونا پڑتا ہے۔ اپنے اخلاق واصول کی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ ان کا یہ اخلاقی افلاس واقعی قابل رحم ہے۔ لیکن اگر یہ خدا پر بھروسہ اور

اپنے ضمیر کا احترام کرتے اور سچی بات واضح الفاظ میں کہہ دیتے تو انہیں یہ دقت پیش نہ آتی۔ ہمیں افسوس ہے کہ گذشتہ ماہ مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض لوگ انہیں عرصہ سے اس مصیبت میں گرفتار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر مولانا سکوت وخاموشی کے قلعہ میں پناہ گزین تھے۔ لیکن ہوشیار و پُرفن حیلہ سازوں نے کچھ ایسے جال بچھائے کہ طائر آزاد اپنے نشیمن خاموش سے نکل کر ان کے جال میں گرفتار ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ .

اخبار ''زمیندار'' 26 جون 1936ء میں مولانا موصوف کے دو مکتوب شائع ہوئے ہیں۔ جن میں آپ نے احمدیت کی مخالفت فرماتے ہوئے مجددین اور حدیث کی ضرورت سے ہی انکار فرما دیا ہے۔ ان خطوں کو رقم فرمانے کی مولانا کو کیوں ضرورت پیش آئی۔ اسے ذرا ''زمیندار'' کے الفاظ ہی میں سن لیجئے۔

> ''سید فضل شاہ صاحب مالک شاہ جہاں محل ہوٹل بمبئی آج کل اپنے وطن مالوف لاہور میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ شاہ صاحب کو حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے ایک خاص عقیدت ہے اور آپ چاہتے تھے کہ قادیانیت کے متعلق حضرت مولانا کی رائے حاصل کریں اور اگر وہ رائے ایسی ہو کہ اسے قادیانیوں کے خلاف ایک حجت قاطع کے طور پر استعمال کیا جا سکے تو اسے دنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ شاہ صاحب قادیانی مرزائیوں لاہوری مرزائیوں کو پہلے دن سے ہی خارج از اسلام سمجھتے ہیں اور اس لئے ان دونوں گروہوں اور ان کے پیشوا کی اسلامیت یا غیر اسلامیت کے متعلق کسی عالم دین کا فتویٰ لینے کی کوئی ایسی بڑی ضرورت نہ تھی۔ آپ کا اصل مقصد صرف یہ تھا کہ کسی طرح مولانا ابوالکلام کی رائے مبارک حاصل کر کے دوسروں کے شکوک کے ازالہ کا باعث ہو سکیں۔ اسی خیال سے انہوں نے ایک لطیف سا حیلہ کرنے میں مضائقہ نہ سمجھا۔ یعنی چٹھی حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کو اس انداز میں لکھی کہ گویا خدانخواستہ آپ اسلام کا دامن چھوڑ کر قادیانیت سے رشتہ جوڑنے پر آمادہ ہیں۔''

''زمیندار'' کا مندرجہ بالا بیان اس حقیقت کا مظہر ہے کہ فضل شاہ صاحب کا مقصد محض احمدیت کے خلاف مولانا ابوالکلام کی رائے حاصل کرنا تھا ورنہ وہ پہلے ہی سے گروہ مکفرین میں شامل ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے ایک حیلہ کیا۔ کیا حیلہ سازی ایک مسلمان کے شایان شان ہے اور دینی معاملات میں حیلہ سازی کو دخل دینا کسی لحاظ سے بھی درست ہے؟ اس بات کو بالکل نظر انداز کر دیجئے۔ ہمارے ان مہربانوں کے نزدیک احمدیت کی مخالفت میں کذب بیانی، بہتان طرازی، بدزبانی غرضیکہ ہر بُرے سے بُرا فعل جائز و مباح اور عظیم الشان دینی خدمت ہے۔ لہٰذا اس حیلہ بازی پر فضل شاہ صاحب اور ''زمیندار'' کا ضمیر ہرگز شرمندہ نہیں ہو سکتا۔ اب ذرا مولانا ابوالکلام کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں پہلے مکتوب میں فرماتے ہیں:

> ''باقی رہے مرزا صاحب کے دعاوی تو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص جس نے اسلام کے اصول وعبادیات کو سمجھا ہے اور عقل سلیم سے بے بہرہ نہیں، یہ دعاوی ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم کر سکتا ہے۔''

افسوس مولانا نے یہ نہ فرمایا کہ حضرت مرزا صاحب کا کونسا دعویٰ خلاف اسلام وعقل ہے۔ کاش وہ ایک دو مثالیں بھی پیش کر دیتے۔ خیر ہم اس کے لئے ان سے زیادہ اصرار نہیں کریں گے۔ وہ بے چارے ایک مصیبت اور مجبوری میں گرفتار ہیں۔ اگر یہ نہ کہتے تو اور کیا کہتے؟ اپنے حیلہ ساز ''عقیدت مندوں'' کو اور کس طرح خاموش کر کے اپنا پیچھا چھڑاتے؟ لیکن اس کے بعد انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ بہت ہی افسوسناک، یاس انگیز اور اسلام پر ایک خطرناک حملہ کے مترادف ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

> ''اچھا قرآن کی ایک ایک آیت دیکھ جائیے کہیں آپ کو یہ حکم ملتا ہے کہ ایک زمانے میں کوئی نیا نبی یا مسیح یا مجدد یا محدث (بالفتح) مبعوث ہوگا اور مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ اسے پہچانیں اور اس پر ایمان لائیں؟ اگر کوئی ایسا حکم نہیں ملتا تو پھر آپ پر کونسی مصیبت آ پڑی ہے کہ بیٹھے بٹھائے اس جھگڑے میں پڑیں۔''

مولانا موصوف کے دونوں خطوں میں حدیث کا نام تک نہیں۔ اور یہی فرماتے رہے ہیں کہ صرف قرآن کافی ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو

سکتا ہے کہ حدیث بے فائدہ اور غیر ضروری ہے۔ کیا ان خطوں کو بصد غرور وفخر شائع کرنے والے اس خیال سے متفق ہیں؟ اگر متفق ہیں تو مجموعہ احادیث کو کیوں دریا برد نہیں کر دیا جاتا۔ جنہوں نے ان کو اس قدر مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ کیوں نہیں دیوبند اور دوسرے مدارس کو بند کر دیا جاتا۔ جہاں اس اہتمام سے حدیث کی تعلیم دی جاتی ہے کہ قرآن کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے؟ کیا کوچہ بلی ماراں دہلی کی جمعیۃ العلماء کے مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ، مولانا احمد حسین مدنی اور اسی قسم کے دوسرے حضرات کو بھی مولانا ابواالکلام کے اس خیال کی تائید میں آمادہ کیا جا سکتا ہے؟ ہم مولانا سے بھی مزید وضاحت کے طالب ہیں۔ وہ صاف صاف کیوں نہیں فرما دیتے کہ حدیث کی ضرورت نہیں۔ بے شک قرآن مکمل ہے اس میں سب کچھ ہے۔ لیکن حدیث اس کی شارح ہے۔ اس کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جو احادیث قرآن کے خلاف ہیں وہ بے شک لائق ترک ہیں۔ لیکن سارے ذخیرہ احادیث کو اٹھا کر پھینک دینا دین کے ستون کو گرانا ہے۔ اسلام کے ساتھ دشمنی اور اس پر خطرناک حملہ ہے۔

مولانا کا دوسرا خط پہلے سے بھی زیادہ یاس انگیز اور رنج افزاء ہے۔ دل اس کو مولانا سے منسوب کرنے کو نہیں چاہتا۔ لیکن آنکھوں کے سامنے موجود حقائق کو کس طرح نظر انداز کیا جائے؟ فرماتے ہیں:

> ”جو لوگ کہتے ہیں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے ہر صدی کے کسی مجدد پر ایمان لائیں۔ ان سے پوچھئے کہ یہ حکم کس قرآن میں نازل ہوا ہے؟ ......کس پارہ، کس سورۃ، کس آیت میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد آئے گا اور مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اس کی معرفت حاصل کریں اور اس پر ایمان لائیں۔ اگر نہیں کہی گئی تو ہمیں کونسی ضرورت ہے کہ ہم اس لغویت میں پڑیں۔ ہم نہیں جانتے مجدد کیا بلا ہوتی ہے۔“

اس معاملہ پر تفصیلی گفتگو تو اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ جب یہ طے ہو جائے کہ حدیث کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور سارا مجموعہ احادیث دریا برد کر دینے کے قابل ہے۔ لیکن ہم مولانا کے ان ارشادات پر متعجب ضرور ہیں۔ سلسلہ مجدد دین کو لغویت اور مجدد کو بلا کہنا بہت بڑی جسارت ہے۔ جو یقیناً

مولانا موصوف جیسا کوئی بڑا آدمی ہی کہہ سکتا ہے۔ مولانا کی مشہور تصنیف تذکرہ اور البلال اور البلاغ کے فائل موجود ہیں۔ مولانا کئی مرتبہ سلسلہ مجددین کی اہمیت وضرورت کو تسلیم فرما چکے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ سے، جنہوں نے حدیث مجدد کی بنا پر دعوٰی مجددیت کیا، مولانا کو غیر معمولی عقیدت ہے وہ ان کو بہت بڑا مجاہد وخادم اسلام مانتے ہیں یا کم از کم آج سے قبل مانتے تھے۔ ذرا تذکرہ کو اٹھا کر ہی مطالعہ کیجئے۔ اس میں مولانا کا یہ ارشاد موجود ہے:

> از اں جملہ سب سے اعلیٰ و امثل طبقہ ان افضل الحواس نفوس ذکی کا ہے......جن کا نور علم وعمل مشکوۃ نبوت سے ماخوذ اور جن کا قدیم طریق منہاج نبوت پر واقع ہوتا ہے۔ ان ہی افراد خاصہ کو حدیث بخاری میں محدث (بالفتح) کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور یہی مورد و مصداق حدیث مجدد کے ہیں۔ جو مختلف طریق سے مروی ہے اور اس لئے بلحاظ صحت متن اس کی صحت میں کلام نہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا وجود فی الحقیقت نظام حق و ہدایت کا مقوم و منظّم ہے اور انبیاء کرام کی اصل وراثت انہی میں منتقل ہوتی ہے (تذکرہ صفحہ 91-92)

یہ ہے مولانا کا اصلی عقیدہ، خیال، کیا اس کو ان کے موجودہ ارشادات سے کوئی مطابقت ہے؟ ذرا غور فرمایئے کہ ایک غیر معقول راستہ اختیار کر کے کتنا بڑا صاحب علم وفضل غیر معقولیت پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ کتنی افسوسناک باتیں کرتا ہے اور کس قدر بودے دلائل دیتا ہے۔

سلسلہ مجددین کو لغویت اور مجدد کو بلاقرار دینے کے بعد مولانا موصوف یوں گویا ہوتے ہیں کہ:

> ''جو شخص کہتا ہے کہ نجات وسعادت کے حصول لے لئے یہ (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا) کافی نہیں اور کسی مجدد پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ وہ یا تو اسلام پر بہتان لگاتا ہے یا اسلام کی بُو بھی اس نے نہیں سونگھی۔''

جیسا کہ ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ دونوں بزرگوں نے حدیث مجدد کی بنا پر دعوٰی مجددیت کیا اور ان سے مولانا موصوف کو غیر معمولی عقیدت ہے وہ ان کو مجاہد خادم اسلام مانتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ مجدد کی ضرورت واہمیت کے متعلق ان بزرگوں کے

دعاوی واقوال ہی پیش کر دیئے جائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔آپ کے عربی کلام (تفہیمات الٰہیہ) کا ترجمہ ہے کہ

میرے رب نے مجھے مطلع فرمایا ہے کہ ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام مقرر کیا ہے اور اس کی اعلیٰ بلندی تک پہنچایا ہے اور حقیقت قرب تک پہنچنے کے اور طریقے مسدود کر دیئے ہیں۔سوائے ایک طریقہ کے۔ وہ تیری محبت اور تیری فرمانبرداری ہے۔ پس جو شخص تجھ سے عداوت کرے نہ آسمانی برکات اس پر نازل ہوں گی اور نہ وہ ارضی برکات کا مورد ہوگا۔اہل مغرب اور اہل مشرق سب کے سب تیری رعیت ہیں اور تو ان کا بادشاہ ہے خواہ وہ جانیں یا نہ جانیں۔اگر وہ جان لیں تو کامیاب ہوں گے اور اگر بے خبر رہیں تو غائب وخاسر ہوں گے؟‘‘

ان اقوال ودعاوی کی روشنی میں مولانا موصوف کو اچھی طرح نظر آ گیا ہوگا کہ مجدد کیا بلا ہوتی ہے۔ان کو ماننا کیوں ضروری ہے۔کیا یہ دعاوی اقوال نعوذ باللہ لغویت ہیں۔کیا ان بزرگوں نے اسلام پر بہتان لگایا ہے یا انہوں نے اسلام کی بو بھی نہیں سونگھی؟ کاش مولانا ذرا غور فرمائیں کہ وہ کیا ارشاد فرما رہے ہیں۔

آخر پر نزول مسیح کے متعلق مولانا اپنے خیالات کا اظہار یوں فرماتے ہیں کہ:

’’باقی رہا نزول مسیح کا معاملہ......اگر کسی زمانے میں مسلمانوں کی نجات وسعادت اس پر موقوف رہنے والی تھی۔تو ضروری تھا کہ قرآن صاف صاف اسے بیان کر دیتا......ہمارا اعتقاد ہے کہ اب نہ کوئی بروزی مسیح آنے والا ہے نہ حقیقی۔قرآن آ چکا اور دین کامل ہو چکا۔‘‘

اس کے متعلق بھی تفصیلی گفتگو اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب مولانا ضرورت حدیث سے صاف اور غیر مبہم طریق پر انکار کر دیں۔مگر ایک بات قابل غور ہے۔ایک وقت تھا۔مخالفت احمدیت کی بنیاد وفات وحیات مسیح کا مسئلہ تھا۔مولوی لوگ حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت پر اس لئے کفر کے فتوٰی لگاتے تھے کہ وہ حیات مسیح کے باطل عقیدہ کے قائل نہیں اور حضرت مسیح کو وفات یافتہ مانتے

ہیں۔ یہ لوگ پچاس سال کی کوشش کے باوجود حیات مسیح کو ثابت نہ کر سکے۔ وفات مسیح کا صحیح عقیدہ روز بروز فروغ و مقبولیت حاصل کرتا جا رہا ہے۔ اب احمدیت کے مقابلہ سے عاجز آ کر اس مسئلہ کو ہی نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ حیات مسیح ثابت نہیں ہو سکتی اور وفات مسیح مان کر اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ اس امت کے کسی مجدد کو ہی مسیح موعود مانا جائے اور وہ حضرت مرزا صاحب کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ گو مخالفین اپنے قدموں سے اکھڑ گئے ہیں۔ یہ ہے صداقت کی ضرب۔ اسے کہتے ہیں حقائق کی مار۔ اس موقعہ پر بھی ہم کوچہ بلی ماراں کی جمعیۃ العلماء کے مفتی اعظم مولوی کفایت اللہ صاحب اور دیگر مولویوں سے سوال کرتے ہیں کہ وہ مولانا ابوالکلام کے اس عقیدہ سے متفق ہیں؟

''زمیندار'' نے ان مکتوب کو احمدیت کے کاسہ سر پر ایک کاری ضرب قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ مخالفین احمدیت کے سر پر کاری ضرت کا حکم رکھتے ہیں۔ لیکن جن دماغوں پر حق کی مخالفت کا نامراد جنون مسلط ہو۔ جو دل صداقت دشمنی کی وجہ سے سیاہ ہو چکے ہیں، وہ اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ محمد انعام الحق

20 جولائی 1936ء

بعثت مجددین کا عقیدہ ''تذکرہ'' کی روشنی میں

مولانا ابوالکلام آزاد کے سابقہ اور موجودہ عقائد میں تضاد

مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے ایک بیان شائع کیا ہے۔ جس میں بعثت مجددین کے متعلق آپ نے نہایت بے باکی سے فرمایا ہے کہ:

''ہمیں کونسی ضرورت ہے کہ اس لغویت میں پڑیں۔ ہم نہیں جانتے۔ مجدد کیا بلا ہوتی ہے۔''

اس پر پیغام صلح کے مقالہ افتتاحیہ مورخہ 3 جولائی 1936ء میں مدلل بحث کی گئی ہے۔ آج ہم مولانا کی مشہور کتاب ''تذکرہ'' (جسے مجدد نامہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا) قارئین کرام کو دکھانا چاہتے ہیں کہ مولانا کا سابقہ عقیدہ بعثت مجددین کے متعلق کیا تھا اور حال میں ان کا بیان پہلے خیالات کے سراسر متضاد ہے۔ مدیر

ہر زمانہ میں خدا کے برگزیدہ لوگ ہوتے ہیں: یہ معلوم رہے کہ ہر عہد و دور میں خدا کے چند بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا وجود ستاروں کے مرکز شمسی کی طرح تمام انسانوں کا مرکز محبت اور کعبہ انجذاب ہوتا ہے اور جس طرح نظام شمسی کا ہر متحرک ستارہ صرف اسی لئے ہے کہ کعبہ شمس کا طواف کرے اسی طرح انسانوں کے گروہ اور آبادیوں کے ہجوم بھی صرف اسی لئے ہوتے ہیں کہ اس مرکز انسانیت اور کعبہ ہدایت کا طواف کریں۔ زمین والوں ہی پر موقوف نہیں، آسمانوں میں بھی صرف انہی کے ناموں کی پکار ہوتی ہے۔ صفحہ 55-56

''خدا کے ان چند بندوں'' سے مولانا کی کیا مراد ہے۔ سنئے:

''اگرچہ دنیا بظاہر علم وفضیلت سے لبریز ہوتی ہے اور بڑے بڑے اصحاب طنطنہ وشہرت وارباب عظمت موجود ہوتے ہیں۔ مگر کسی کو اس کی توفیق نہیں ملتی کہ اپنے عہد و دور کی طلب دعوت اور سوال قیام ہدایت پر مردانہ وار لبیک کہے اور ظلمت کدہ ضعف ودرماندگی سے نکل کر راہ عزیمت دعوت میں قدم رکھے اور اگرچہ دروازہ سعادت الٰہی باز وخزائن رحمت ونصرت ربانی ہموارہ درصد بخشش ہوتے

ہیں۔مگر سینکڑوں ہزاروں علماء نے عہد اور اصحاب خوائق وصوامع میں سے کسی کو بھی اس کے عہد کے احیاء تجدید اور طائفہ منصورہ **مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا** میں داخل ہونے اور جماعت **کَیُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ** میں محدود و محشور ہونے کی توفیق نہیں ملتی۔تا آنکہ پردہ ظلمت چاک ہوتا اور یکا یک صبح ہدایت وسعادت مشرق تجدید وانباث سے عالم افروز جہاں تاب ہوتی ہے۔تو اس وقت تم دیکھتے ہو کہ جس راہ میں قدم رکھنے سے ایک عالم درماندہ و ناچار تھا۔اچانک ایک مرد باہمت اٹھتا ہے اور نہ صرف قدم رکھتا ہے۔ بلکہ دوڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔راہ کی وہ مشکلیں اور صعوبتیں جو ضعفا عہد کے لئے مصیبتوں کا پہاڑ اور ہیبتوں اور دہشتوں کی گھاٹیاں تھیں اور جن کے وہم وتصور سے بیچارگان وقت کی ارواح پر ایسی دہشت وہیبت طاری ہو جاتی تھی۔**کانّھم یساقون الی الموت وھم ینظرون** ۔تو وہ سب اس کے جوان قدم کے لئے ایک مشت غبار اور ایک تو وہ خس وخاشاک سے زیادہ حکم نہیں رکھتیں۔سب دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں اور وہ بڑھ کر عزیمت دعوت وہدایت عامہ کا باب مسدود کھول دیتا ہے اور اس کی زبان ہست ومقال فتوت اس ترانہ رجز سے زمزمہ ساز بزم عالم وعالیان ہوتی ہے۔

تاب یک جلوہ نیا درد نہ موسیٰ و نہ طور ایں ولم ہست کہ زیں گونہ ہزاراں دیدہ است

اگرچہ اس عہد میں ہزاروں مدعیان کار موجود ہوں۔مگر اس فضیلت مخصوص میں اس کا کوئی سہیم وشریک نہیں ہوتا۔صرف اسی کو اس عہد کی اقلیم ہدایت کی سلطانی وفرمانروائی پہنچتی ہے اور صرف وہی اپنے زمانے کا کلید بردار خزائن برکات وفیضان سماویہ ہوتا ہے۔تمام اصحاب طریق ناچار ہوتے ہیں کہ اپنے اپنے چراغ اسی مصباح ہدایت سے روشن کریں۔اور تمام رہروان جادہ مقصد مجبور ہوتے ہیں کہ اسی کے کاروان فضل وقافلہ کرامت کی آواز پر اپنے اپنے قدم اٹھائیں۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

(صفحہ 99-100)

مجددین کے عہد میں صلحا کا بقیہ : مذکورہ الصدر حوالجات کسی تشریح وتوضیح کے محتاج نہیں لیکن مولانا نے اس مسئلہ کے بعض اور پہلوؤں کو بھی بے نقاب کیا اور اس سوال کے جواب میں کیا صلحاء اولیاء کا وجود قطعاً عنقا ہو جاتا ہے یا ارباب حق کا بقیہ کچھ موجود ہوتا ہے۔لکھتے ہیں:

جب انبیائے کرام کی دعوت کے ظہور کے زمانوں میں بھی **داعیان حق و آمرین بالعروف وسارعون فی الخیرات** سے قوم وملک بالکل خالی نہیں ہوجاتا تو ظاہر ہے کہ ان کے اتباع...... کے لئے اصحاب عزیمت دعوت و مجددین امت انہی سے عبارت ہیں۔ایسا ہونا کیوں ضروری ہو۔اس اصل الاصول کو کسی حال میں بھی فراموش نہیں کرنا چاہئیے کہ دعوت وقیام حق اور اصلاح وتربیت امم کا اصل سرچشمہ ومرکز مقام نبوت ہے اور ہر عہد ودور میں اس کا جس قدر بھی ظہور ہوتا ہے وہ سب اسی مقام سے ملحق متصل اور سب کی روشنی اس شمس نظام واقوام عالم سے مکتسب ومستنیر اور تمام انہار فیضان وسعادت کے لئے یہی سلسبیل نبوت مخرج ومنع کا حکم رکھتی ہے۔صفحہ 103

معاملات نبوت: مجددین امت کا ظہور بھی معاملات نبوت کے ماتحت ہے۔جس طرح انبیاء کرام کی تعلیم ودعوت ہمیشہ اسی رنگ میں جلوہ افروز ہوتی ہے۔جس کا ان کے عہد میں غلبہ ہو۔اسی طرح مجددین امت کا ظہور بھی ہمیشہ اپنے رنگ روپ میں اس وقت کے مقتضاء وداعیہ کے مطابق ہوتا ہے۔صفحہ 240

مجددین کا کام: مجدد ان تحریفات کو دور کرتے ہیں جو دین میں شروع ہوجاتی ہیں۔اسی طرح جہلا کی تاویلات کا بھی مقابلہ کرتے ہیں۔گویا جب لوگ تاویل نصوص اور تحریف نصوص اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں تو مجددین اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوکر ان کا قلع قمع کرتے ہیں۔

یہی وہ مقام مخصوص ہے جو ہر عہد میں صرف ایک یا چند افراد عالیہ ہی کے حصہ میں آتا ہے اور گو کاروبار دعوت سے معاملات رکھنے والے بہت سے موجود ہوں۔مگر اس عہد کے فتح یاب اور سلطان دامر دعوت کی فضیلت ان کو نصیب نہیں ہوتی۔سب ناچار ہوتے ہیں کہ اس فاتح عہد اور عازم وقت ہی کے حلقہ اتباع وذریات میں داخل ہوں۔بہت ممکن ہے کہ ان میں بعض افراد کسی خاص شاخ علم وعمل میں درجہ بلند رکھتے ہوں۔مگر اس معاملہ کے لئے وہ کچھ سود مند نہیں ہوتا اور فاتح دور کے آگے ان کو اطفال مکاتب کی طرح زانوئے ادب واستفادہ تہہ کرنا ہی پڑتا ہے۔اس عہد کے خزائن فیضان وبرکات کی کنجی اسی قبضہ میں دے دی جاتی ہے۔پس طالبین فیضان اس کے حلقہ ارادت سے الگ رہ کر کچھ نہیں پاسکتے۔صفحہ 109

وقت کا سلطان: یہ جو بار بر کہہ رہا ہوں کہ وقت کا سلطان اور خزینہ دار ایک ہی ہوتا ہے۔خواہ کوئی ہو اور

کیسا ہی ہو۔ مگر اس سے الگ رہ کر کچھ نہیں پا سکتا۔ تو یہ وہی حقیقت ہے جس کو بار بار حضرت ممدوح (یعنی حضرت مجدد الف ثانی) فرماتے رہے اور ان سے پہلے بھی تمام محرمان راہ نے اشارات کئے ''مجدد آنست'' کہ ہر چہ دراں مدت از فیوض بہ امت رسد بتوسط او رسد۔ اگر چہ اقطاب داوتاوآں وقت باشند۔'' صفحہ 243

ہر زمانہ میں مجدد: ہر دور میں تم پاؤ گے کہ اگر چہ عامہ علماء وصلحاء امت کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی اوران کا فضل وکمال اور ورع وتقوٰی بھی ہر طرح مسلم وثابت ہے۔ بلکہ بعض ان میں ایسے تھے کہ علم وعمل کی متعدد شاخوں میں اپنا عدیل ونظیر نہیں رکھتے تھے۔ باوجود اس کے اس عہد کی عزیمہ دعوت اور تجدید ملت کے مرتبہ مخصوص میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوا اور صرف چند خاص افراد عزائم ہی کی قسمت میں آیا۔

مقام عزیمت دعوت اور احیاء تجدید امت کی نسبت یہ جو کچھ بلا قصد زبانِ قلم پر آ گیا۔ تو اگر چہ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہ تھا۔ لیکن زیادہ تر یہ خیال باعث ہوا کہ شائد ان حالات ووقائع کا مطالعہ اصحاب صلاح واستعداد کے لئے کچھ سود مند علم وعمل اور کسی کے قلب ودیدہ اعتبار کو ان مجددین ملت اور مصلحین حق کے اتباع وتشبہ کی توفیق ملے۔ شائد کوئی مرد کار اور صاحب عزم وقت کی پکار پر لبیک کہے اور زمانہ کی طلب جستجو کا سراغ بنے۔ آج اگر کام ہے تو یہی کام ہے اور ڈھونڈھ رہے ہے تو صرف اسی کی۔ صفحہ 250

27 جولائی 1936ء

ادار یہ

مولانا ابوالکلام آزاد اور احمدیت

26 جون 1936ء کے زمیندار میں بعنوان ''مرزا غلام احمد اور اس کی قادیانی اور لاہوری امت کے عقائد پر بصیرت افروز تبصرہ۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے دو خط چھپے ہیں۔ جن کی ابتدا اس فقرہ سے ہوتی ہے:

> ''آپ دریافت کرتے ہیں۔ احمدی فرقہ کے دونوں گروہوں میں سے کونسا گروہ حق پر ہے؟ قادیانی؟ یا لاہوری؟ میرے نزدیک دونوں حق وصواب پر نہیں ہیں۔ البتہ قادیانی گروہ اپنے غلو میں بہت دور تک چلا گیا ہے۔ حتّٰی کہ اسلام کے بنیادی عقائد متزلزل ہو گئے ہیں۔ مثلاً اس کا یہ اعتقاد کہ اب ایمان ونجات کے لئے اسلام کے معلوم ومسلم عقائد کافی نہیں۔ مرزا صاحب قادیانی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن لاہوری گروہ کو اس غلو سے انکار ہے۔ وہ نہ تو مرزا صاحب کی نبوت کا اقرار کرتا ہے۔ نہ ایمان کی شرائط میں کسی نئی شرط کا اضافہ کرتا ہے۔ اسے جو کچھ ٹھوکر لگی ہے اس بے محل اعتقاد میں لگی ہے جو اس نے مرزا صاحب کے لئے پیدا کر لیا ہے۔''

کاش! اس بصیرت افروز بیان کو شائع کرنے سے پیشتر ہمارے وہ مسلمان بھائی بھی اس سے کچھ بصیرت حاصل کرتے۔ جن کے نزدیک آج سب سے بڑا ثواب کا کام یہی ہے کہ کافروں کو مسلمان کرنے کے بجائے مسلمانوں کو کافر بنایا جائے۔ مولانا ابوالکلام نے اس خط میں تین باتوں کو صاف کر دیا ہے۔ اول۔ حضرت مرزا صاحب کی پوزیشن۔ دوم قادیانی جماعت کی تکفیر یا عدم تکفیر کا مسئلہ۔ سوم۔ جماعت احمدیہ لاہور کا مسلک۔

1 ۔ بانی احمدیت کی پوزیشن: مولانا لکھتے ہیں: ''قادیانی گروہ اپنے غلو میں بہت دور تک چلا گیا ہے'' اس فقرہ میں قادیانی گروہ کو غالی قرار دے کر مولانا نے حضرت مرزا صاحب کی پوزیشن کو صاف کر دیا ہے۔ غالی وہ ہے جو اپنے پیشوا کو اس مرتبہ سے بڑھائے۔ جس کا خود اس پیشوا کو دعویٰ ہے۔ اس سے

صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابوالکلام اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ قادیانی گروہ جو حضرت مرزا صاحب کو نبوت کا مدعی قرار دیتا ہے تو وہ غلو کا مرتکب ہو رہا ہے اور حضرت مرزا صاحب نے خود یہ دعوٰی نہیں کیا۔ یہ بات نہ صرف ان کے خط سے واضح ہے۔ بلکہ اسی کے مطابق وہ دو دفعہ پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔

اول۔ مولانا کی ایک کتاب بنام تذکرہ 1919ء کی چھپی ہوئی ہے جس میں سید محمد صاحب جونپوری کا، جو مدعی مہدویت تھے، ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سید موصوف کا معاملہ عجیب ہے اور طرح طرح کے دعاوی اور شطحیات ان کی جانب منسوب کئے گئے ہیں۔ معتقدین کی باتیں تو قابل توجہ نہیں کہ لوگ جس کسی کو پیشوا مانتے ہیں۔ اس کو خدا بنائے بغیر نہیں چھوڑتے۔ اور اگر بہت احتیاط کی تو نبوت تک پہنچا کر چھوڑا۔ لیکن بعض قریب العہد راویوں نے بھی اسی قسم کی باتیں لکھی ہیں کہ اول نظر میں طبیعت کو خلجان ہوتا ہے۔ اور سید محمد جونپوری کا یہ اعتقاد تھا کہ ہر ایک کمال، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے تھے، سید محمد کو بھی حاصل تھا۔ فرق یہی ہے کہ وہاں یہ بات اصالتاً موجود تھی اور یہاں پیروی سے۔ اور رسول کرمؐ کی پیروی سے وہ ایسی جگہ پہنچ گیا کہ آپ کی مثل ہو گیا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

> ''شاہ صاحب کی یہ عبارت دیکھ کر مجھ کو خیال ہوا کہ ہمارے زمانہ میں مرزا صاحب قادیانی معتقدین میں سے ایک بڑا گروہ بھی مرزا صاحب کی نسبت بعینہٖ یہی اعتقاد رکھتا ہے۔ اور اسی اصالت اور تبعیت کے فرق پر اپنے تمام غلو واغراق کی بنیاد رکھی ہے۔ (تذکرہ صفحہ 30-31)

اس بیان میں مولانا ابوالکلام نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ جس طرح سید محمد جونپور کے متبعین نے ان کے حق میں غلو کیا، اسی طرح حضرت مرزا صاحب قادیانی کے پیرووٴں کے بھی ایک بڑے گروہ نے اپنے پیشوا کے حق میں غلو کیا۔ یعنی ان کی طرف جو نبوت کا دعوٰی منسوب کیا گیا ہے وہ غلو اور افراط کی وجہ سے ہے۔ ان کا اپنا دعوٰی یہ نہ تھا۔

دوم۔ میں نے خود حضرت مرزا صاحب کی تمام تحریروں بہ تعلق مزعومہ دعوٰی نبوت تمام علماء کی خدمت میں بھیجی تھیں۔ باقی علماء نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن مولانا نے ان تحریرات پر یہ لفظ لکھ

کر مجھے واپس کر دیں ’’وہ ماڈل ہیں اور ماڈل بالاتفاق کافر نہیں ہوتا‘‘۔ مولانا کی اصل تحریر میرے لاہور کے کاغذات میں محفوظ ہے اس وقت میں صرف یادداشت سے لکھ رہا ہوں۔ لیکن یہ وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر اصل الفاظ میں ایک آدھ لفظ کا فرق بھی ہو تو مفہوم میں قطعاً کوئی فرق نہیں۔ یعنی ان کا دعویٰ نبوت کا نہیں۔ بلکہ لفظ نبی جو انہوں نے استعمال کیا ہے اس کی تاویل خود ہی کی ہے اور اس لئے ان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ وہ مسلمان ہیں۔

2 قادیانی جماعت: مولانا ابوالکلام آزاد نے قادیانی جماعت پر بھی کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ بلکہ یہی کہا ہے کہ وہ حق وصواب پر نہیں ہیں۔ اور دو مسلمان جب ایک دوسرے سے اختلاف کریں تو ان کا یہ حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کے متعلق کہہ دیں کہ وہ حق پر نہیں۔ لیکن کلمہ گو کو کافر کہنا کسی مسلمان کا حق نہیں۔ اور مولانا نے یہی محفوظ طریق اختیار کیا ہے۔ جو عین حدیث نبویؐ کے مطابق ہے اس میں ان علماء کے لئے سبق ہے جو بجائے شریعت کے اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرتے ہوئے کلمہ گوؤں کو کافر قرار دیتے ہیں۔

3 جماعت احمدیہ لاہور: اب جماعت احمدیہ لاہور کو لیا جائے تو مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان خود زمیندار اور احسان اور ہیچوقسم کے اخباروں اور مکفر مفتیوں کے ’’کاسہ سر پر کاری ضرب‘‘ ہے۔ اس بیان میں دو باتیں نہایت صفائی سے ثابت کر دی ہیں:

اول۔ یہ کہ جماعت لاہور حضرت مرزا صاحب کی نبوت کا انکار کرتی ہے۔

دوم۔ یہ کہ جماعت احمدیہ لاہور ایمان کی شرائط میں کسی نئی شروط کا اضافہ نہیں کرتی۔ یعنی انہی شرائط ایمان کی قائل ہے جو تیرہ سو سال سے امت اسلامی میں مسلم چلی آتی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ان خطوط نے ان تین باتوں کو ایسا صاف کر دیا ہے کہ ان میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اب میں علمائے اسلام اور عامۃ المسلمین کے سامنے صرف اس بات کو رکھنا چاہتا ہوں کہ مولانا بھی جماعت احمدیہ کے مخالف ہیں وہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص جماعت احمدیہ میں شامل ہو خواہ وہ جماعت لاہور ہو یا قادیانی جماعت، بلکہ اس مخالفت کی وجہ سے وہ بعض ایسے فقرات بھی لکھ گئے جو سخت قابل اعتراض تھے۔ مثلاً یہ کہ ’’ہم نہیں جانتے کہ مجدد کیا بلا ہوتی ہے۔‘‘ یہ فقرہ صرف اس لئے لکھا گیا کہ تا سائل حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مجددیت کو قابل اعتبار

ہی نہ سمجھے۔ حالانکہ مولانا نے اپنی کتاب تذکرہ میں مجددین کے آنے پر بڑا زور دیا ہے اور اس بات پر بھی کہ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ جب ایسے لوگ آئیں تو انہیں مرکز کی طرح سمجھ کر ان کے گرد گھومیں اور بڑے سے بڑے عالم کے لئے بھی ضروری ہے کہ ان کے سامنے سر جھکا دے۔ کیونکہ یہ لوگ نیابت نبوت کے مقام پر کھڑے ہوتے ہیں۔ میں صرف تین فقرے نقل کرتا ہوں:

''معلوم رہے کہ ہر عہد دور میں خدا کے چند بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا وجود ستاروں کے مرکز شمسی کی طرح تمام انسانوں کا مرکز محبت اور کعبہ انجذاب ہوتا ہے''
(تذکرہ صفحہ 55)

''انہی افراد کاملہ کو حدیث بخاری میں محدث (بالفتح) کے لفظ سے تعبیر فرمایا اور یہی مورد و مصداق حدیث مجدد کے ہیں۔ جو مختلف طریق سے مروی اور اس لئے بلحاظ صحت متن اس کی صحت میں کلام نہیں'' (صفحہ 94)

''اور یہی وہ خصائص بیّنہ و باہرہ مقام تجدید د نیابت نبوت کے ہیں۔ جن کی نسبت بار بار کہہ رہا ہوں کہ بڑے سے بڑے سر کو بھی وہاں جھکے بغیر چارہ نہیں'' (صفحہ 140)

پھر مخالفت احمدیت کی وجہ سے ہی وہ یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ ''اب نہ کوئی بروزی مسیح آنے والا ہے نہ حقیقی''

حالانکہ بعد میں انہوں نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مسیح آئے گا تو ضرور، لیکن اس پر ایمان لانا شرائط ایمان میں نہیں۔ اور یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو جماعت احمدیہ لاہور مانتی ہے۔ تو بہرحال میں سخت سے سخت مخالفین احمدیت کے سامنے مولانا ابوالکلام کے اس بیان کو رکھتا ہوں کہ مولانا بھی ان کی طرح مخالف احمدیت ہیں۔ لیکن انہوں نے بے تعصبی سے احمدیت کا مطالعہ کیا ہے۔ اور وہ تین نتائج پر پہنچے ہیں۔

اول۔ مرزا صاحب نے دعوٰی نبوت نہیں کیا اور قادیانی جماعت ان کے حق میں غلو کر کے ان کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کرتی ہے۔

دوم۔ قادیانی جماعت پر بھی باوجود ان کے غلو کے کفر کا فتوٰی نہیں لگایا جا سکتا۔

سوم۔ جماعت لاہور جہاں تک ایمانیات کا سوال ہے اہلسنت والجماعت کے مطابق ہی عقیدہ رکھتی ہے۔

پس آپ لوگ بے شک احمدیت کی مخالفت کریں۔ لیکن اگر ان تین حدود کو آپ قائم کرلیں تو اس میں اسلام کا فائدہ ہوگا۔ آج مولانا ابوالکلام سے بڑھ کو کوئی عالم نہیں جو عامۃ المسلمین کی رہنمائی کر سکے جب تک آپ لوگوں کو احمدیت سے اختلاف ہے اس کی سمجھ نہیں آتی آپ مخالفت کریں لیکن ان تین حدود کے اندر رہ کر۔

رہا یہ امر کہ مولانا نے جماعت لاہور کے متعلق بھی یہ فقرہ لکھا ہے کہ:

> ''اسے جو کچھ ٹھوکر لگی ہے۔ اس بے محل اعتقاد میں لگی ہے جو اس نے مرزا صاحب کے لئے پیدا کرلیا ہے۔''

تو بات یہ ہے کہ ہمارا کوئی اعتقاد حضرت مرزا صاحب کے بارے میں ایسا نہیں جو خلاف شریعت ہو اور نہ ہم نے کوئی نیا اعتقاد پیدا کیا ہے۔ مجددوں کے آنے کا اعتقاد پہلے سے موجود، مسیح کے آنے کا اعتقاد پہلے سے موجود، ہمیں ان دونوں باتوں کے مصداق حضرت مرزا صاحب نظر آتے ہیں۔ مجددوں کا آنا مولانا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور حدیث مجدد کی رو سے ہر صدی کے سر پر کسی مجدد کا آنا ضروری ہے۔ ہم کو چودھویں صدی کا اور کوئی مجدد نظر نہیں آتا اور ہم نے حضرت مرزا صاحب میں وہ سب باتیں موجود پائیں۔ جن کا ایک مجدد میں ہونا ضروری ہے۔ اس لئے ہم انہیں چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔ پھر ہم نزول مسیح کو درست مانتے ہیں۔ لیکن چونکہ قرآن کریم کی صراحت کی رو سے حضرت مسیح وفات پا چکے اور یہ مولانا بھی مانتے ہیں اس لئے ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جو مسیح اس امت میں آنے والا ہے وہ بروز کے رنگ میں آنے والا ہے۔ اور بروزی رنگ میں یہی ہوگا کہ اس امت کے کسی مجدد کو مسیح کی صفات سے متصف کر دیا جائے۔ اور چونکہ یہ چودھویں صدی کا مجدد خاص طور پر مسیحی قوم میں تبلیغ اسلام کے لئے اٹھا ہے اور اسی کے حکم کے ماتحت ہم مغرب میں تبلیغ اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ اس لئے یہی چودھویں صدی کا مجدد بروزی رنگ میں مسیح اور اس امت کا مسیح موعود ہے۔ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں ؎

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند ابن مریم مصلحت را نام من بنہادہ اند

اگر بفرض محال ہم نے اس تعیین میں کوئی غلطی بھی کھائی ہے اور ہم اعلیٰ وجہ البصیرت جانتے ہیں کہ ہم نے غلطی نہیں کھائی۔ تو کم سے کم ہم نے حضرت مرزا صاحب سے سوائے اس کے کچھ نہیں سیکھا کہ قرآن و حدیث پر عمل کرو اور اعلاء کلمۃ اللہ کرو اور اسلام اور قرآن کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤ اور ہم اسی کام میں مصروف ہیں۔ جو لوگ مسلمان ہو کر ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ وہ عنداللہ اس الزام کے نیچے ہیں کہ وہ اشاعت اسلام کے کام کو روک رہے ہیں۔

محمد علی

دارالسلام۔ ڈلہوزی

22 جولائی 1936ء

3 اگست 1936ء

اداریہ

مجدد زماں اور اتباعِ اسلام

ڈاکٹر سر اقبال، مولانا غلام مرشد اور مولانا آزاد کے بیانات کی روشنی میں

مولوی غلام نبی مسلم۔ بی۔ اے کے قلم سے

ڈاکٹر سر اقبال، مولانا غلام مرشد اور مولانا ابوالکلام آزاد کے جو بیانات گذشتہ چند ماہ میں مجدد زماں کے متعلق شائع ہوئے ہیں۔ ان میں ہر بزرگ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ تکمیل دین کے بعد اب دین میں کسی ایسی بات کا اضافہ نہیں ہوسکتا۔ جس کو شرط ایمان ٹھہرایا جائے اور جس کے نہ ماننے سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا تھا کہ اب کوئی وحی ایسی نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی ایسا شخص پیدا ہوسکتا ہے جس کا انکار مستلزم کفر ہو۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا غلام مرشد صاحب نے فرمایا ہے کہ کوئی محدث، مجدد یا مسیح ایسا نہیں آسکتا ہے کہ اس کو مانا جائے تو شرائط ایمان میں اضافہ ہو اور انکار کیا جائے تو اسلام میں نقص واقع ہو۔

قادیانی حضرات کا غلو: اس قسم کے بیانات کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا جواب قادیانی حضرات گریبانوں میں منہ ڈال کر دیں اور اگر بغور دیکھا جائے تو احمدیت کے خلاف موجودہ طوفان بدتمیزی کا سرچشمہ وہ عقائد مخصوصہ ہیں جو قادیانی حضرات نے مجدد زماں کے نام پر ایجاد کر لئے ہیں۔ انہوں نے حضورؐ کے بعد نبیوں پر ایمان لانے کا مسئلہ تیار کر کے کلمہ توحید کو منسوخ کیا اور قرآن وسنت پر ایمان لانے والوں کو کافر ٹھہرایا!

حضرت صاحب کا مسلک: مگر حضرت مسیح موعود کا مسلک اس سے علی الاعلان بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ ذیل میں میں حضرت صاحب کی ایک تحریر پیش کرتا ہوں جو کہ نہ صرف الزام لگانے والوں کے غلط خیالات کی تردید کرتی ہے اور حضرت صاحب کی پوزیشن کو اظہر من الشّمس کرتی ہے بلکہ ان غالیوں کے لئے بھی بصیرت کا کام دے گی جو حضرت صاحب کی پوزیشن کو اپنے مزعومہ عقائد کی بنا پر خراب کر رہے

ہیں۔آپ فرماتے ہیں۔

''ماسوااس کے جوشخص ایک نبی متبوع علیہ السلام کا متبع ہے اوراس کے فرمودہ پراور کتاب اللہ پرایمان لاتا ہے۔اس کی آزمائش انبیاء کی آزمائش کی طرح کرنا ایک قسم کی ناسمجھی ہے۔کیونکہ انبیاء اس لئے آتے ہیں کہ تا ایک دین سے دوسرے دین میں داخل کریں اورایک قبلہ سے دوسرا قبلہ مقرر کراویں اوربعض احکام کومنسوخ کریں اور بعض نئے احکام لاویں لیکن اس جگہ تو ایسے انقلاب کا دعوٰی ہی نہیں ہے۔وہی اسلام ہے جو پہلے تھا۔وہی نمازیں ہیں جو پہلے تھیں۔وہی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو پہلے تھا اوروہی کتاب قرآن کریم ہے جو پہلے تھی۔اصلی دین میں سے کوئی ایسی بات نہیں چھوڑنی پڑی جس سے اس قدر حیرانی ہو۔مسیح موعود کا دعوٰی اس حالت میں گراں اورقابل احتیاط ہوتا کہ جب اس دعوٰی کے ساتھ نعوذ باللہ کچھ دین کے احکام کی کمی بیشی ہوتی اور ہماری عملی حالت دوسرے مسلمانوں سے فرق رکھتی۔ اب جبکہ ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں۔صرف مابہ النزاع حیات مسیح اوروفات مسیح ہے۔اورمسیح موعود کا دعوٰی اس مسئلہ کی درحقیقت ایک فرع ہے اوراس دعوٰی سے مراد کوئی عملی انقلاب نہیں اورنہ اسلامی اعتقادات پراس کا کچھ عملی اثر پڑتا ہے تو کیا اس دعوٰی کے تسلیم کرنے کے لئے کسی بڑے معجزہ اورکرامت کی حاجت ہے جس کا مانگنا رسالت کے دعوٰی میں عوام کا قدیم شیوہ......ایک مسلمان جسے تائید اسلام کے لئے خدا نے بھیجا جس کے مقاصد یہ ہیں کہ تا دین اسلام کی خوبیاں لوگوں پر ظاہر کرے اورآج کل کے فلسفی وغیرہ الزاموں سے اسلام کو پاک ہونا ثابت کردے اور مسلمانوں کو اللہ اوررسولؐ کی محبت کی طرف رجوع دلا دے کیا اس کا قبول کرنا ایک منصف مزاج اورخداترس آدمی پر کوئی مشکل امر ہے۔

مسیح موعود کا دعوٰی اگر اپنے ساتھ ایسے لوازم رکھتا جس سے شریعت کے احکام اور عقائد پر کچھ مخالفانہ اثر پہنچتا تو بے شک ایک ہولناک بات تھی۔لیکن دیکھنا چاہیئے کہ

میں نے اس دعوٰی کے ساتھ کس اسلامی حقیقت کو منقلب کر دیا ہے۔ کون سے احکام اسلام میں سے ایک ذرہ بھر بھی کم یا زیادہ کر دیا ہے۔'' (آئینہ کمالات اسلام صفحہ 276-275)

نبی اور مسیح موعود میں فرق: اس مختصر سی عام فہم عبارت سے متعدد اوہام کا ازالہ فرمایا۔ جن میں سے مندرجہ ذیل ہدیہ قارئین کرتا ہوں:

1۔ نبی متبوع ہوتا ہے تابع نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ** (64:4) اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ الّا یہ کہ وہ مطاع ہوتا ہے مطیع نہیں ہوتا۔ لیکن مرزا صاحب اپنے آپ کو متبع کہتے ہیں۔ اس لئے نبی نہیں۔

2۔ جو متبع ہو۔ یعنی نبی نہ ہو اس کی نبیوں کی طرح آزمائش کرنا ناسمجھی ہے۔ اگر لوگ مرزا صاحب کی آزمائش نبی سمجھ کر نبیوں کے معیار پر کرتے ہیں تو وہ ناسمجھی سے ایسا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ نبی نہیں تھے ورنہ لوگوں کو ایسا کرنے سے منع نہ کرتے۔

3۔ ہر نبی کا کام نیا دین لانا اور پہلی شریعت میں تنسیخ کرنا وغیرہ ہے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ جس سے واضح ہے کہ آپ نبی نہ تھے۔

4۔ آپکے ماننے سے عقائد و احکام اسلام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک طرف تو اس سے ان غالیوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کا انکار خروج عن الاسلام ہے۔ کیونکہ آپ نبی ہونے سے ہی انکار کرتے ہیں اور آپ کو مسیح ماننے سے عقائد میں کسی ایسی بات کا اضافہ نہیں ہو جاتا۔ جس سے شریعت میں زیادتی ہو۔ نیز ان احباب کی تردید بھی موجود ہے جو مرزا صاحب کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن سے ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ نے معتقدات دین میں کمی بیشی کی۔ نیز ان لوگوں کو بشارت ہے جو صرف اس وجہ سے آپ کے منکر ہیں کہ آپ اسلام کے محرف ہیں۔ وہ اب بے جھجھک آئیں اور اس نور سے فیض حاصل کریں جو اللہ تعالیٰ نے مجدد زماں کے ذریعہ نازل فرمایا۔

5۔ آپ اس صدی کے مجدد تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے شرف مکالمہ ومخاطبہ سے سرفراز کیا اور معترضین اسلام کا رد کرنے اور نور اسلام پھیلانے کے لئے مبعوث فرمایا۔

حضرت مسیح موعود پر الزامات کی تردید: مندرجہ بالا عبارت کا سرسری مطالعہ منصف مزاج حضرات کو حقیقت حال سے واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس مختصر سی عبارت میں آپ نے ان تمام الزامات کی تردید کردی۔ جو کہ خالی عقیدت کے جوش میں او معاند کینہ وحسد کی وجہ سے یا ہر دو گروہ قلت تدبر اور غلط فہمی کی بنا پر عائد کرتے ہیں۔ اس عبارت کی موجودگی میں کسی کے لئے بھی ذرہ بھر گنجائش نہیں رہتی کہ وہ آپ کو غلو کر کے بقول میاں محمود احمد صاحب ''مصلحت وقت کے اقتضاء'' سے نبی بنا دے۔ یا آپ کے مومن قانت ہونے میں شک لائے۔

حضرت مرزا صاحب چودھویں صدی کے مجدد تھے: آپ درحقیقت کیا تھے؟ آپ مثل مجددین سابقہ اس صدی کے مجدد تھے اور مجدد کا انکار کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ آپ مجدد نہ تھے تو ان سلف صالحین کے متعلق کیا کہیں گے جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں مجدد ہونے کا دعویٰ کیا اور حدیث صحیح اس کی تائید میں ہے۔ جس کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں:

> ''ازاں جملہ سب سے اعلیٰ دامثل طبقہ ان اخص الخواص نفوس مزکی کا ہے جن کو قائد توفیق الٰہی وسائق فیضان ربانی عزائم امور کے لئے چن لیتا ہے کہ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (43:42) اور جن کا نور علم وعمل مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ اور جن کا قدم طریق منہاج نبوت پر واقع ہوتا ہے۔ انہی افراد خاصہ کو حدیث بخاری میں محدث (بالفتح) کے لفظ سے تعبیر فرمایا اور یہی مورد ومصداق حدیث مجدد کے ہیں جو مختلف طریق سے مروی ہے اور اس لئے بلحاظ صحت متن اس کی صحت میں کلام نہیں۔'' (تذکرہ صفحہ 93-94)

اسی کے متعلق مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ:

> ''ہر ایک نئی صدی جو آتی ہے تو گویا ایک نئی دنیا شروع ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام کا خدا جو سچا خدا ہے۔ ہر ایک نئی دنیا کے لئے نئے نشان دکھلاتا ہے اور ہر ایک صدی کے سر پر اور خاص کر ایسی صدی کے سر پر جو ایمان اور دیانت سے دور پڑ گئی ہے اور بہت سی تاریکیاں اپنے اندر رکھتی ہے ایک قائمقام نبی کا وجود پیدا کر دیتا ہے۔ جس کے

آئینہ فطرت میں نبی کی شکل ظاہر ہوتی ہے اور وہ قائم مقام نبی متبوع کے کمالات کو اپنے وجود کے توسط سے لوگوں کو دکھاتا ہے اور تمام مخالفوں کو سچائی اور حقیقت نمائی اور پردہ دری کے درسے ملزم کرتا ہے۔'' (آئینہ کمالات اسلام صفحہ 211)

مجدد اور مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ: مولانا آزاد اور حضرت مرزا صاحب کی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ اب امت محمدیہ میں ارشاد نبویؐ کے مطابق مجدد آتے رہیں گے اور محدث ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مکالمہ و مخاطبہ کی نعمت سے سرفراز ہوں گے۔ اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت صاحب کو چودھویں صدی کا مجدد بنا کر بھیجا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''من بندہ ہستم کہ خدائے بزرگ مرا بدست خود پرور وہ وفضل بسیار وانعام بیشمار برمن کردہ واز ہر چیز حظے وافر نصیب من کردہ ومرا مکلم وملہم فرمودہ از پیش خود علم آموختہ وراہ مرضیات وطریق تقوٰی برمن آشکار نمودہ ووقتے بواسطہ مکالمات روشن وبے غبار تائید من میفر مائیدروگا ہے از کشوف کہ واضح تر از آفتاب نیمروز باشد تنویر من مے نمائدواز بزرگ ترین نعت ہائے وے آنکہ مرا امام دین زماں وخلیفہ ایں وقت کردہ وخلعت مجددیت ایں صد سرافرازم فرمودہ کہ خلق را از تاریکی بروشنی، از کجروی وتباہ کاری بصلاح وتقوٰی درآرم ومرا چیز لے۔ بداو کہ شفائے بیماری جان وازالہ شبہات برہم زن ایماں را شاید واندوہ ہائے پنہانی در کنجہائے جانگداز را از خلق در تائید۔'' (آئینہ کمالات اسلام صفحہ 346)

حضرت مرزا صاحب کے کام: آپ کا دعوٰی محدث اور مجدد سے بڑھ کر نہیں تھا۔ اگر آپ پہلوں کو مجدد مانتے ہیں تو موجودہ مجدد کے کیوں منکر ہیں۔ اگر مرزا صاحب مجدد نہیں تو بتایئے اور کون بزرگ ہے جس نے اس دور الحاد میں ہر معاند اسلام پر حجت حق قائم کی۔ سب کو اسلام کے مقابلے پر بلایا۔ ہر باطل مذہب کی دھجیاں اڑائیں۔ اپنے الہامات ومکاشفات کے ذریعے اسلام کا زندہ خدا دنیا کے سامنے پیش کیا اور وہ کام جو گذشتہ تیرہ صدیوں میں مسلمان نہ کر سکے۔ کس مجدد کی جماعت نے کیا۔ یعنی اسلام کے نور سے اقصائے عالم کو منور کیا اور آج کس کے متبعین کا تیار کردہ لٹریچر اور مبلغ دنیا بھر میں تبلیغ دین کا

فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ اگر آج ایک گروہ نے غلو اختیار کر کے آپ کے اصل مقصد کو نظر انداز کر کے دنیا پرستی کا شیوہ اختیار کر لیا ہے تو بھی آپ کے سچے خادموں کی ایک جماعت آپ کے طریق پر سرگرم عمل ہے اور آج بھی تعداد کے پیش نظر کوئی طاقت اس کی مساعی جمیلہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اپنے عدیم النظیر کام کی بدولت معاندین سے بھی آئے دن خراج تحسین وصول کرتی رہتی ہے۔

حضرت مرزا صاحب اور مسیح موعود کا دعوٰی: ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا ہے اور یہ تو بڑا دعوٰی ہے اور مجدد سے بھی بڑا بننے کا اظہار کیا ہے۔ مگر آپ کا دعوٰی صرف مجدد بننے کا تھا۔ مسیح کا نام صرف آپ کو نصارٰی کی دجالیت کے غلبہ کو توڑنے کی نسبت سے دیا گیا۔ اور یہ دعوٰی مجدد کے دعوٰی سے کم ہے۔ گویا کہ مجدد وقت کا ایک صفاتی نام ہو گیا۔ جیسا کہ تحریر فرماتے ہیں۔

> ’’اور یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح موعود کا دعوٰی ملہم من اللہ اور مجدد من اللہ کے دعوٰی سے کچھ بڑا نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ جس کو یہ رتبہ حاصل ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کا ہم کلام ہو۔ اس کا نام منجانب اللہ خواہ مثیل مسیح ہو خواہ مثیل موسٰی ہو۔ یہ تمام نام اس کے حق میں جائز ہیں۔ مثیل موسٰی ہونے میں کوئی افضلیت نہیں۔ اصل اور حقیقی افضلیت ملہم من اللہ اور کلیم اللہ ہونے میں ہے۔ اور اس زمانہ میں مجدد کا نام مسیح موعود رکھنا اس مصلحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اس مجدد کا عظیم الشان کام عیسائیت کا غلبہ توڑنا اور ان کے حملوں کو دفعہ کرنا اور ان کے فلسفہ کو، جو مخالف قرآن ہے، دلائل قویہ سے توڑنا اور ان پر اسلام کی حجت پوری کرنا ہے۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ 277)

مولانا ابوالکلام کا ایک فتوٰی: اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ مرزا صاحب مسیح اور مہدی کے دعوٰی میں غلطی پر ہیں تو بھی جب تک آپ اسلام کے پابند، قرآن وسنت کے متبع اور کلمہ توحید کے مقر ہیں۔ کوئی طاقت آپ کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کر سکتی۔ چنانچہ مولانا آزاد لکھتے ہیں:

> ’’کسی خاص شخص کے مہدی ہونے نہ ہونے کے اعتقاد کو اسلام کے عقائد سے کیا علاقہ؟ نہ یہ بناء فسق تقوٰی ہے نہ معیار ایمان وکفر۔ اگر ایک شخص نے کسی داعی شریعت وامر بالمعروف ونہی عن المنکر کو مہدی مان لیا تو اس سے اس کے اسلامی

عقائد میں کونسا فتور آ گیا؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ انطباق علائم و آثار میں اس نے اجتہادی غلطی کی۔ اصل شے جو مطلوب ہے وہ شارع ہے وہ تو صرف ایمان باللہ اور بما جاء من عنداللہ ہے اور دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ متقین میں سے ہے یا نہیں؟ متقین کی تعریف قرآن نے اپنی پہلی سورۃ ہی میں بتلا دی ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ . اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (5-4:2) میں داخل ہے خواہ کسی کو مہدی تسلیم کرے خواہ دجال۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (13:49) البتہ یہ ضرور دیکھا جائے گا کہ جس شخص کو مہدی تسلیم کرتا ہے وہ متقی ہے یا متبدع۔ اگر اس کی بدعات و محدثات یا اعمال غیر صالحہ ثابت ہوں گے اور یہ بھی ان کا مصداق اور پیرو ہوگا تو بلاشبہ اس پر وہ حکم دیا جائے گا۔ جس کا وہ شرعاً مستحق ہو گا۔ لیکن نہ بربنا اعتقاد و مہدویت بلکہ بسبب عقائد و اعمال منکرہ اور اگر ایسا نہیں ہے تو ایک جزئی مسئلہ میں اس کو غلطی پر سمجھ سکتے ہیں۔ تخطیہ کر سکتے ہیں۔ لیکن نہ تو بُرا کہہ سکتے ہیں اور نہ اس کے اسلام اور ایمان میں شک کر سکتے ہیں۔ اگر اس کا عمل اچھا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت و اتباع اور ایثار فی اللہ وللہ میں تیز گام ہے تو یقیناً کل کو اللہ کے حضور میں وہی سب سے اونچا ہوگا اور ہم سب اس کے نیچے ہوں گے'' (تذکرہ صفحہ 49-50)

دعوٰی مہدویت، مسیحیت، مجددیت بناء کفر نہیں ہو سکتے: مکفرین اور علماء سوء کے لئے اس میں عبرت ہے۔ کیا دنیا مرزا صاحب کو ان کے دعاوی مہدویت، مسیحیت، اور مجددیت کی بناء پر کافر بنا سکتی ہے؟ اور کیا آپ کے متبعین کفر کی زد میں آتے ہیں۔ اس میں تو ان امور پر مولانا صاحب نے زور دیا ہے کہ مدعی متقی ہو اور اس کے اعمال صالحہ ہوں۔ اس کا اعتقاد اور عمل مطابق اسلام ہو۔ آپ کے عقائد کا تو ابتدا ہی میں ذکر کیا گیا ہے۔ ذیل میں ایک عبارت اور درج کرتا ہوں۔

''بالآخر پھر میں عامہ ناس پر ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے اللہ جلشانہ کی قسم ہے کہ میں کافر

نہیں۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میرا عقیدہ ہے۔ اور وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (40:33) پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے۔ میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں۔ جس قدر خدا تعالیٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حروف ہیں اور جس قدر آنحضرتؐ کے خدا تعالیٰ کے نزدیک کمالات ہیں۔ کوئی عقیدہ میرا اللہ اور رسولؐ کے فرمودہ کے خلاف نہیں۔'' (کرامات الصادقین صفحہ 25)

''نہ مجھے دعویٰ نبوت وخروج از امت اور نہ میں منکر معجزات اور ملائک اور نہ لیلۃ القدر سے انکاری ہوں اور آنحضرتؐ کے خاتم النبیّن ہونے کا قائل اور کامل یقین سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبیؐ خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا اور قرآن کریم کا ایک شعشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جلشانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کی بعض صفات ظلّی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں'' (نشان آسمانی صفحہ 28)

حضرت اقدس کا عملی پہلو: یہ تو آپ کے اور آپ کے سچے متبعین کے عقائد ہیں اور جن پر وہ تا ہنوز کامل یقین سے قائم ہیں۔ اب میں آپ کے عملی پہلو کو لیتا ہوں اور اس پر بھی ایک اشد ترین دشمن کی رائے پیش کرتا ہوں۔ تا کہ مکفرین کو لب کشائی کرنے کی جرأت ہی نہ ہو۔ رئیس المکفرین محمد حسین بٹالوی آپ کا شدید ترین دشمن تھا۔ مگر آپ کی صداقت غالب آئی اور اس نے باوجود معاندت کے لکھا:

''مؤلف براھین احمدیہ'' کے حالات وخیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی اور شرح ملا پڑھا کرتے تھے) ہمارے ہم مکتب بھی۔''

(اشاعۃ السنۃ جلد 7 صفحہ 6)

''مؤلف براہین احمدیہ مخالف وموافق تجربے اور مشاہدے کی رو سے (واللہ حسیبہ) شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار وصداقت شعار ہیں۔'' (اشاعت السنۃ جلد 7 صفحہ 9)

''اب ہم اس (براہین احمدیہ تصنیف حضرت مرزا صاحب) پر اپنی رائے نہایت مختصر اور پرمبالغہ الفاظ میں کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور اس کا مولف (مجدد زماں) بھی اسلام کی مالی وجانی وقلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔''(اشاعت السنۃ جلد 6 صفحہ 7)

مولانا آزاد کے مذکورہ بالا قول کو پڑھو اور پھر حضرت امام الزماں کے متعلق مولوی محمد حسین کی رائے کو دیکھ جاؤ۔ اس کے بعد بھی کہیں کفر کی گنجائش نکل سکتی ہے؟ بلکہ وہ یقیناً کل کو سب سے اونچے ہوں گے اور ہم سب نیچے۔

مسلمان بھائیوں سے اپیل: ان سطور کے رقم کرنے سے میرا مدعا صرف آپ کی پوزیشن کو عامۃ المسلمین کے آگے رکھنا تھا۔ آپ کے اقوال تو اس ضمن میں بیشمار ہیں۔ مگر اختصاراً انہی پر اکتفا کی ہے۔ امید ہے کہ مسلمان بھائی اپنے فیصلوں پر نظر ثانی فرمائیں گے اور آپ کے متعلق لب کشائی کرنے سے قبل پورا غور وخوض کریں گے۔ اور اگر آپ کو تسلیم کرنے سے دنیوی وجوہ کی بنا پر ہچکچائیں تو کم از کم تکفیر سے گریز کریں گے۔ تا کہ کل خسران المبین کا مصداق نہ ٹھہریں۔

7اگست1936ء

اداریہ

مدیر’’زمیندار‘‘ سے گذارش

کیا مجددین کا ماننا ضروری ہے؟

’’قادیانی مذہب کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی اتباع وتقلید وتائید کے بغیر حصول نجات محال ہے۔ اس معاملے میں جماعت احمدیہ لاہور ہو یا جماعت احمدیہ قادیان دونوں متفق الرائے ہیں۔ فرق صرف طرز بیان اور اظہار وتعبیر کا ہے۔ قادیانی اس معاملہ میں زیادہ متشدد اور بلند آہنگ ہے۔ اور اس نے اسلام کے دائرے سے ان تمام لوگوں کو نکال دیا جو مرزا صاحب کے دعاوی سے اتفاق نہ کرسکیں اور اتفاق تو درکنار اگر ان تک ان کے دعاوی پہنچے بھی نہ ہوں۔ لاہوری جماعت تکفیر تو نہیں کرتی لیکن باب نجاو وسعادت کو ان لوگوں پر قطعًا مسدود سمجھتی ہے۔ جو مرزا صاحب کو نہ مانیں۔ اس کے نزدیک بھی قرب الٰہی، نجات اخروی اور معارف اسلامی کا حصول مرزا صاحب کی اتباع وتقلید کے بغیر محال ہے۔‘‘ (زمیندار2اگست1936ء)

یہ ہے اقتباس ’’زمیندار‘‘ کے ’’مرزائی نمبر‘‘ کے مقالہ افتتاحیہ کا جو ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیزؔ نے لکھا۔ جماعت احمدیہ قادیان کے اعتقادات سے یہاں بحث نہیں۔ ہمیں اس وقت صرف جماعت احمدیہ لاہور کے اعتقادات کے متعلق عرض کرنا ہے۔ سب سے پہلے ہم مولانا موصوف سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ حدیث مجدد کے قائل ہیں؟ اور اگر ہیں تو پھر آپ کا کیا خیال ہے کہ کیا مجدد کا ماننا ضروری ہے یا اس کا ماننا اور نہ ماننا برابر ہے؟

حدیث مجدد پر حفاظ حدیث کا اتفاق، اس پر مجددین اسلام کی تصدیق موجود، ان کے دعوے موجود۔ اور اجتماع امت اسی پر ہے کہ مجدد کا ماننا ضروری ہے۔ بھلا اگر مجدد کا ماننا غیر ضروری بات تھی تو پھر خواہ مخواہ ایسے شخص کے مبعوث کئے جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ مجدد اپنی صدی کے فتنوں کے روکنے کے لئے اٹھایا جاتا ہے۔ اس کی تائید کرنا اسلام کو تقویت پہنچانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ

ولی اللہ صاحب اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی مجدد کے ماننے پر زور دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''میرے رب نے مجھے مطلع فرمایا ہے کہ ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام تصور کیا ہے اور اس کی اعلیٰ بلندی تک پہنچایا اور حقیقت قرب تک پہنچنے کے اور طریقے مسدود کر دیئے ہیں سوائے ایک طریقہ کے۔ وہ تیری محبت اور تیری فرمانبرداری ہے۔ پس جو شخص تجھ سے عداوت کرے۔ نہ آسمانی برکات اس پر نازل ہوں گی اور نہ وہ ارضی برکات کا مورد ہوگا۔ اہل مغرب اور اہل مشرق سب تیری رعیت ہیں اور تو ان کا بادشاہ۔ خواہ وہ جانیں یا نہ جانیں۔ اگر وہ جان لیں تو کامیاب ہوں گے اور اگر بے خبر رہیں تو خائب وخاسر ہوں گے'' (تفہیمات الٰہیہ)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا قول:

''بلکہ زیادہ ازاں مجدد آنست کہ ہر چند دراں مدت از فیوض بامتاں برسد بتوسط او برسد۔ اگر اقطاب واوتاد آں وقت بوند واولیاء ونجبا باشند۔'' (مکتوب امام ربانی جلد 2 مکتوب چہارم صفحہ 13-14)

اب ذرا ''امام الہند'' مولانا ابوالکلام آزاد کا ارشاد بھی سن لیجئے:

''یہ جو بار بار کہہ رہا ہوں کہ وقت کا سلطان اور خزینہ دار ایک ہی ہوتا ہے اور خواہ کوئی ہو اور کیسا ہی ہو مگر اس سے الگ رہ کر کچھ نہیں پا سکتا'' (تذکرہ صفحہ 243)

ارشاد ہوتا ہے کہ ''قادیانی مذہب کے پیرو مرزا صاحب کو ماننا قرب الٰہی اور نجات اخروی کا باعث سمجھتے ہیں۔'' ہم کہتے ہیں یہ اس طرح صحیح ہے جس طرح سچ بولا جائے تو یقیناً قرب الٰہی اور نجات اخروی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح والدین کی خدمت کرنا عین نجات اخروی کا باعث ہے۔ ایسا ہی مجدد کا ماننا گو شہادتین میں سے نہیں، لیکن اس کا انکار معصیت ہے۔ اس کو ماننا ضروری ہے۔ اس کی تصدیق حدیث نبویؐ کی تصدیق ہے اور وہ راہ ہدایت ہے اور اس کا لازمی نتیجہ نجات اخروی ہوگا۔

تیرہ سو سال تک جس بات پر امت کا اجتماع رہا وہ یکا یک حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں آ کر تبدیل ہوگئی۔ آخر کیوں؟ یہ تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟ خدا ایک شخص کو اپنی سنت کے مطابق

صدی کے سر پر مبعوث فرماتا ہے اور س کے ذریعہ تائید دین کے نشانات دکھاتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس کو نہ ماننا کیا ظلم نہیں اور کیا ظالم لوگ راہ ہدایت اور نجات حاصل کر سکتے ہیں؟! ہر کلمہ گو مسلمان ہے لیکن نجات کا معیار صرف کلمہ کا زبان سے کہہ دینا نہیں بلکہ اس کے لئے اعمال کی ضرورت ہے اور اعمال صالحہ میں سے مجدد کا ماننا اور اس کی تصدیق بھی ہے۔ ''قادیانی مذہب'' نہیں بلکہ عین مذہب اسلام ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب اس صدی کے مجدد نہیں اور اس لئے آپ ان کے مخالف ہیں تو خدارا ہمیں بتایئے کہ اس صدی کا مجدد کون ہے؟ لیکن محض تعصب کی بنا پر جماعت احمدیہ لاہور کی مخالفت کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مولانا! اگر آپ ''زمیندار'' کے اسی شمارہ کے صفحہ 6 کو ملاحظہ فرماتے تو آپ پر جماعت احمدیہ لاہور کی پوزیشن واضح ہو جاتی۔ وہاں مذکور ہے۔

> ''لیکن لاہوری گروہ کو اس غلو سے انکار ہے۔ وہ نہ تو مرزا صاحب کی نبوت کا اقرار کرتا ہے، نہ ایمان کی شرائط میں نئی شرط کا اضافہ کرتا ہے'' (خط مولانا ابوالکلام آزاد مطبوعہ زمیندار 3 اگست 1936ء)

احباب جماعت کی خدمت میں ایک التماس: (23 ستمبر 1936ء)

برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ارادہ تو کیا تھا حضرت مسیح موعود کی سوانح عمری لکھنے کا لیکن ڈلہوزی پر وہ تمام کتب نہ لا سکا جو اس کام کے لئے ضروری تھیں۔ اس لئے وہ معاملہ تو اب سردیوں پر انشاء اللہ تعالیٰ جا پڑا۔ ڈلہوزی میں مَیں فارغ تھا۔ بعض احباب نے فرمائش کی کہ قرآن کریم کے ستائیسویں پارہ کے نکات ومعارف ہی لکھنا شروع کر دوں۔ میرے اپنے خیال اور سمجھ کے مطابق قرآن کریم کے آخری پارہ کے بعد پھر ستائیسواں پارہ بہت مشکل اور دقیق ہے۔ اسی لئے آخری پارہ کے بعد اسی پارہ کو شروع کر دیا۔ اسی پارہ میں سات سورتیں ہیں۔ الذاریات، الطّور، النجم، القمر، الرحمٰن، الواقعہ الحدید ان میں سے ایک ایک سورہ علم حکمت کا ایک بحر ناپیدا کنار اور معارف وحقائق کے گنجینہ کی ایک کان ہے۔ اس عظیم الشان سمندر میں غوطہ لگانا میری بساط سے بہت بڑھ کر تھا۔ نہ میں کوئی بہت بڑا عالم، نہ تفسیر دانی کا مجھے دعوٰی، ہاں دل کی ایک تڑپ تھی جو بجائے خود خدا کے فضل سے تھی اور خدا کے فضل نے ہی دستگیری فرمائی جو 14 ستمبر 1936

ءکو یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔ بُری بھلی جیسی بھی ہوسکی۔ اپنی طرف سے تو خدمت دین ہی کی ہے آ گے قبول کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور وہی قبولیت بھی بخشنے والا ہے۔ اس کی بھی طرز وہی ہے جو انوارالقرآن کی ہے۔ البتہ یہ کتاب انوارالقرآن سے ضخامت بڑی ہوگی۔ انوارالقرآن کے صفحے تو 233 ہیں۔ مگر اس کے قریباً تین سو صفحے ہوں گے مگر قیمت وہی دو روپے ہوگی جو انوارالقرآن کی ہے۔ تا کہ احباب پر بار نہ ہو۔ میں کسی سے قیمت پیشگی نہیں مانگتا البتہ اتنا ضرور چاہتا ہوں کہ مختلف مقامات کے احباب مجھے اتنی اطلاع ضرور دے دیں کہ وہ کس قدر کتب خرید کرسکیں گے۔ تا کہ کتاب شائع ہونے پر آسانی سے بھیجی جا سکے۔ مکرمی شیخ مولا بخش صاحب آڑھتی غلہ منڈی لائلپور نے گذشتہ سال مجھے لکھا تھا کہ اگر آپ پارہ نمبر 27 چھپوائیں تو پچاس جلدیں میں لوں گا۔ امید ہے انہیں وہ اپنا وعدہ یاد ہوگا۔ اسی طرح اور بھی دوست اپنی اپنی جماعت کے خریداروں کی تعداد اگر لکھ بھیجیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ میرا مطلب فقط اشاعت علم قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہی دست قدرت میں سب کچھ ہے۔ میں فی الحال ڈلہوزی میں ہوں۔ ڈلہوزی کا پتہ یہ ہے:

''پردین''۔ ڈلہوزی

8 تاریخ اکتوبر کو انشاءاللہ لاہور جاؤں گا۔ لاہور کا پتہ ہے:

معرفت مولٰینا محمد علی صاحب۔ احمد یہ بلڈنگس، لاہور

خاکسار بشارت احمد

ڈلہوزی۔ 15 ستمبر 1936ء

19 اگست 1936ء

''ٹیچنگز آف اسلام'' کی مفت تقسیم

حضرت امیر ایدہ اللہ کا ارشاد

میں نے تحریک کی تھی کہ اس وقت جبکہ کتابوں کی قیمت کی رعایت کے سلسلہ میں انجمن نے کتاب ٹیچنگز آف اسلام کی قیمت صرف 4 آنے کر دی ہے۔ جو اس کی لاگت سے بھی کم ہے۔ تو مناسب ہے کہ احباب جماعت اس رعایت سے فائدہ اٹھا کر پندرہ سولہ سو کاپی کی مفت اشاعت کا انتظام کر دیں اور یہ لکھا تھا کہ چونکہ یہ رعایت 31 اگست تک ہے اس لئے 21 اگست کے جمعہ میں سب جگہ یہ تحریک کی جائے۔ جہاں جماعتیں نہیں بلکہ متفرق احباب ہیں وہ خود بخود اس تحریک میں جہاں تک ممکن ہے شامل ہونے کی کوشش کریں اور 21 اگست تک دفتر لاہور میں اطلاع دیں کہ وہ اس قدر تعداد میں کتاب ٹیچنگز آف اسلام کو 4 آنے فی کاپی کے حساب سے مفت اشاعت کے لئے خریدتے ہیں۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر ایک سو احباب ایسے ہو جائیں جو پندرہ یا سولہ کاپیاں فی کس کے حساب سے لے لیں تو پندرہ سولہ سو کاپی آسانی سے تقسیم ہو سکتی ہے۔ لیکن کم وبیش بھی اگر کوئی دوست حصہ لینا چاہیں تو ان کا اختیار ہے۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ یہ کتاب ٹیچنگز آف اسلام حضرت صاحب کی کتابوں کا گویا نچوڑ ہے۔ میرا جہاں تک تجربہ ہے کسی غیر مذہب کے آدمی نے اسے نہیں پڑھا۔ جس کے دل پر اسلام کی عظمت اور صداقت کا گہرا اثر نہ ہو۔ اور مسلمان نے بھی جس نے پڑھا ہے اس پر حضرت مسیح موعود کی صداقت اور آپ کے اعلیٰ درجہ کے علم قرآن کا اثر پڑا ہے۔ پس اس کتاب کی اشاعت اسلام اور سلسلہ دونوں کی خدمت ہے۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ لاکھ دو لاکھ کی تعداد میں یہ کتاب شائع ہو۔ مگر سر دست تعداد موجودہ کے لحاظ سے پندرہ سولہ سو کتاب کی تحریک میں نے کی ہے۔

محمد علی

دارالسلام۔ ڈلہوزی

15 ستمبر 1936ء
اداریہ

بعثت مجددین

مدیر ''زمیندار'' کے خیالات پر ایک تبصرہ

7 اگست کے پیغام صلح میں ہم نے مدیر ''زمیندار'' کی خدمت میں ضرورت مجدد کے بارہ میں کچھ گذارشات کی تھیں۔ جن کے جوابات زمیندار کے دو نمبروں یعنی 8-9 ستمبر 1936ء میں شائع ہوئے ہیں۔ لیکن ہمارے عزیز دوست نے باوجود حدیث مجدد کو تسلیم کر لینے کے، جس کے اصل الفاظ یہ ہیں اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا ،حدیث کے الفاظ پر غور نہیں کیا بلکہ الٹا ہمیں الزام دیا ہے کہ ''اس خرابی کی اصل بنیاد وہ غلط تصور ہے۔ جو مرزا صاحب کے دعوے تجدید نبوت نے احمدیوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔''

حالانکہ اگر خود حدیث کے الفاظ کی طرف دیکھا جائے تو ایک مفکر مسلمان کے لئے بجز اس کے چارہ نہیں کہ اس حدیث کا وہی تصور کرے جسے حضرت مرزا صاحب نے پیش کیا ہے۔ یعنی مجدد کی بعثت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس لئے اگر عزیز دوست کی یہ بات مان بھی لی جائے کہ ''مجددین'' کا منصب داعین حق کا ہوگا۔ منادان اسلام کا ہوگا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حکومت انگریزی میں جو لوگ منادی کرنے پر مامور ہیں۔ وہ سرکاری احکام سے لوگوں کو آگاہ کرتے، اپنی طرف اور اپنے وجود کی طرف لوگوں کو بلاتے۔'' تو ہم اپنے عزیز دوست سے دریافت کرتے ہیں کہ حکومت انگریزی کے مناد کے آگاہ کردہ احکام سے اگر کوئی شخص روگردانی کرے، تو کیا وہ حکومت انگریزی کے احکام سے روگردانی کرنے والا نہ کہلائے گا۔ یہیں تک نہیں بلکہ حکومت کے نزدیک وہ دوہری سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ اول تو شائع شدہ قوانین کی خلاف ورزی۔ پھر ایک خاص منّاد کے ذریعہ خاص طور پر یاددہانی کرائے گئے احکام کی خلاف ورزی آپ خود ہی غور کریں کہ جو شخص یا اشخاص ایسے لوگوں کی مخالفت کریں۔ جن کو حسب تشریح آپ کے دین اسلام کی خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ نمودار کرے۔ وہ دین کی خدمت کریں۔ مسلمانوں میں زندگی کا احساس اور قوت عمل پیدا کریں۔ قرآن وسنت کی طرف لوگوں کو

بلائیں۔ داعی حق ہوں۔ منادِ اسلام ہوں۔ وہ کسی سزا کے مستوجب نہ ہوں گے۔ اس میں سوال شخصیت کا نہیں بلکہ اصول کا ہے۔ ایک شخص ایسے خادمان کے ساتھ ہو کہ خدمت دین کے کام کو طاقت دیتا ہے۔ دوسرا اس کی مخالفت کر کے اس کام میں روڑے اٹکاتا ہے۔ آپ انصاف سے جواب دیں کہ کیا خدا اور رسولؐ کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ باوجودیکہ حسب قول آپ کے نجات وسعادت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھول دیا گیا ہے۔ اور وہ ہے بابِ محمدیؐ۔ جہاں تک ایمان ویقین کا تعلق ہے، نجات وسعادت کی تمام شرطیں اور امور معین کر دیئے گئے ہیں۔''

آپ حضرت مرزا صاحب کو مجدد نہ مانیں لیکن اس بات سے آپ انکار نہیں کر سکتے کہ جو اہل حق دین اسلام کی خدمت کے لئے نمودار ہوں وہ دین کی خدمت کریں۔ مسلمانوں میں زندگی، احساس اور قوت عمل پیدا کریں۔ قرآن وسنت کی طرف لوگوں کو بلائیں۔ ان کے مخالف اور موافق باوجود ادعائے ایمان اور یقین کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اول الذکر خدا اور رسولؐ کے نزدیک نجات وسعادت کے مستحق اور موخر الذکر سزا کے مستحق۔ ایک مجدد کا ماننا اسی لئے نجات وسعادت کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین کی خدمت کی طرف مسلمانوں کو بلاتا ہے ان میں زندگی کا احساس اور قوت عمل پیدا کرتا ہے اور قرآن وسنت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ آپ کا یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ:

> ''پھر جس قدر مجدد دین ہوئے وہ مخصوص ماحول میں نمودار ہوئے۔ انہوں نے خدمت دین کی، اسلامی معارف وعلوم کے چہرے بے نقاب کئے اور دنیا سے تشریف لے گئے۔ امت نے مراتب ذہنی کے مطابق ان سے فائدہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ بعض کے متعلق اچھی رائے ظاہر کی۔ بعض کے متعلق بری رائے ظاہر کی۔ امام سیوطی امام غزالی، امام رازی اور دوسرے آئمہ علوم کے متعلق جو رائیں ظاہر کی ہیں ان سے کون ناواقف ہے۔''

لیکن سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے ان کے معارف سے فائدہ اٹھایا اور جنہوں نے ان کی مخالفت کی (کیونکہ آپ کو علم ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سے تا ایں دم مسلمانوں کا ایک نہ ایک گروہ بزرگان دین کا خود ان کی زندگی میں سخت مخالف اور ایذا رساں رہا ہے) ہر دو برابر ہیں۔ مخالف رائے کا اظہار کرنا

اتنا بُرا نہیں جتنا کسی خادم دین کو گالیاں دینا یا اس کے نیک کام خدمت دین میں روڑے اٹکانا ہے۔

نہ حضرت مرزا صاحب اور نہ کوئی اور مجدد ایمان ونجات کی شرطوں میں اپنے وجود کا اضافہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے تو صرف یہ کہ وہ اہل حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی خدمت کے لئے مبعوث ہوا ہے۔ مسلمانوں میں احساس زندگی اور قوت عمل پیدا کرنا چاہتا ہے اور قرآن وسنت کی طرف بلاتا ہے۔ اس کے ساتھ مل کر کام کرنا خدمت دین کے کام کو تقویت پہنچانا ہے اور اس کی مخالفت کرنا دین کی خدمت کے کام کو ضعف پہنچانا ہے اس سے زیادہ حضرت مرزا صاحب نے کچھ نہیں فرمایا۔ افسوس ہے کہ آپ نے کس بنا پر یہ لکھ دیا کہ حضرت مرزا صاحب نے:

> ''مسلمانوں کے خلاف اس طرح محاذ جنگ قائم کیا کہ اب ان کے پیروؤں سے
> یہ توقع رکھنا، کہ وہ ماننے یا نہ ماننے یعنی کفر وایمان کے ان قدیم تصورات سے،
> جو حضرت خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ختم ہو گئے، قطع نظر کر سکیں گے،
> محال ہے۔''

بحالانکہ حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کو قرآن وسنت کے قدیم تصورات کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ ان کو خدمت دین کی طرف بلایا۔ ان میں احساس زندگی اور قوت عمل پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مسلمان باوجود زبانی طور پر حضرت خاتم النبیّین کو آخری نبی ماننے کے قرآن وحدیث کے غلط مفہوم کی بناء پر ایک پرانے نبی کے آنے کے قائل تھے اور پھر غلبہ اسلام کے لئے کسی خاص شخصیت کی آمد کی امید پر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت نبی کریمؐ اور آپ کے صحابہؓ کا سبق یاد دلایا کہ قوم ہمیشہ اپنے افراد کی ذاتی جدوجہد اور قربانیوں سے بنتی ہے۔ نہ کہ اپنے اعضاء اور خداداد قوٰی کو معطل کر لینے سے۔

جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ ہمارے عزیز کا یہ لکھنا درست ہے کہ جس قدر مجدد دین ہوئے۔ مخصوص ماحول میں نمودار ہوئے۔ لیکن یہ لکھنا صحیح نہیں کہ نہ انہوں نے جماعتیں قائم کیں اور نہ محاذ جنگ کی طرح ڈالی۔ کیونکہ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ جس قدر بزرگان اسلام کو مجدد مانا گیا ہے خود ان کی زندگی میں ان کی موافق ومخالف جماعتیں رہی ہیں۔ اور اپنے مخالف مسلمان گروہ سے ہمیشہ ان کی قلمی جنگ

چلتی رہی ہے اور وہ ان کے غلط خیالات کا قلع قمع کرتے رہے اور ان سے بھلا بُرا سنتے رہے ہیں۔ خود اس اپنے زمانہ میں دیکھ لیں کہ مولانا ابوالکلام صاحب یا مولانا محمود حسن صاحب کے خیالات کا مخالف گروہ مسلمانوں میں موجود ہے یا نہیں۔ اور طرفین میں محاذ جنگ قائم ہے یا نہیں۔ اور ان کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی جماعتیں موجود ہیں یا نہیں۔ واقعات سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اب دوسرا پہلو لیں کہ سابقہ مجددین کا مخصوص ماحول تھا۔ لیکن اس زمانہ میں وہی مجدد مانا جا سکتا ہے جو اپنے ماحول کے مطابق کام کرے۔ اور جو شخص موجودہ زمانہ میں مخصوص ماحول میں کام نہ کرے گا وہ مجدد نہیں مانا جا سکتا۔ اس وقت دین اسلام کا مقابلہ ایک ایسے مذہب سے ہے جو ساری دنیا پر محیط ہے۔ اور جو ہر طرف سے اسلام کو ضعف پہنچانے پر تلا ہوا ہے۔ خود تمام دنیائے اسلام کے مسلمانوں کی علمی، اخلاقی، اقتصادی اور مذہبی حالت اس قدر پست ہو چکی ہے کہ ہر جگہ اور ہر ملک میں خود ان کی اصلاح کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کو خود عزیز موصوف نے ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> ''اگر مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ازبر ہوتیں اور ان کی زندگی انہی تعلیمات کا پیکرِ عمل ہوتی تو آج ہمیں وہ روز بدنہ دیکھنا پڑتا۔ جس کا ایک ایک لمحہ ہمارے لئے موجب ذلت اور باعث ندامت ہے (زمیندار 16 اگست 1936ء)

کیا اس عالمگیر بیماری کے علاج کے لئے کسی حکیم کی ضرورت مسلمانوں کو محسوس نہیں ہوتی۔ مرزا صاحب نہ سہی کوئی اور ہی سہی تجویز کرو۔ لیکن خدارا اس حدیث سے تمسخر نہ کرو کہ ایک عالمگیر وباء کے لئے علاج کا مخصوص ماحول مقرر کردو۔ مولانا محمود حسن صاحب، مولانا ابوالکلام صاحب، مولانا حسین احمد صاحب، مولانا ظفر علی خاں صاحب، علامہ رشید رضا صاحب، سلطان ابن سعود، مصطفیٰ کمال اور زاغلول مرحوم کی مخصوص خدمات اسلام سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ لیکن ان کی ان مخصوص خدمات کا افریقہ، ایشیاء کے دیگر ممالک، امریکہ وغیرہ میں رہنے والے کروڑوں مسلمانوں اور پھر عیسویت کے مذہبی نظام پر، جو تمام ممالک اسلامی میں شیطان کی آنت کی طرح پھیلا ہوا ہے، کیا اثر ہے۔ عزیز من واقعات، حالات اور ضروریات زمانہ سے آنکھیں بند نہ کریں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی آنکھوں پر ہم عصری کی وجہ سے پٹی بندھی ہوئی ہے۔ اس لئے

ان کو چھوڑ کر دیگر ممالک کے مسلمانوں سے جا کر پوچھئے اور خود عیسائی مشنریوں کی رپورٹیں اور ان کے رسائل دیکھئے کہ کون لوگ مسلمانان عالم کی اصلاح اور عیسویت کا ہر ملک میں ڈٹ کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ گو کمی انصار اور کمی سامان کی وجہ سے اس مقابلہ کرنے والی جماعت کا اثر بہت زیادہ نظر نہ آتا ہو۔ لیکن جن میں کام ہو رہا ہے اور جن سے مقابلہ ہو رہا ہے وہ خود اسے محسوس کر رہے ہیں۔

یہ کہنا کہ ایک شخص اصلاح کا کام بھی کرے اور اس کی مخالفت نہ ہو۔ دنیا کی تاریخ سے ناواقفی کا ثبوت ہے۔ ہر مصلح کو خود مسلمان قوم یہ خطاب والزام دیتی رہی ہے کہ وہ خدمت دین کی بجائے امت میں فتنہ پیدا کرتا، تفریق کرتا اور اپنے سے مخالف خیال مسلمانوں سے بحث وجدال کرتا اور اپنی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔ ایک ڈاکٹر مریض پر اوپریشن کرے اور مریض کو درد محسوس نہ ہو۔ کیسے ممکن ہے۔ اس امت میں سب سے بڑے مصلح اور خادمان اسلام حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ہو گزرے ہیں۔ لیکن کیا ہمارے عزیز کو معلوم نہیں کہ انہیں بزرگوار ہستیوں کو خود مسلمان کہلانے والے گالیاں دینا، منافق وفاسق کہنا کار ثواب سمجھتے ہیں۔ سنت اللہ یہی ہے کہ جتنا کسی شخص کا وجود انسانوں کے لئے مفید ہوگا، اتنی ہی زیادہ اس کی مخالفت ہوگی۔ حضرت نبی کریمؐ دنیا کے لئے رحمت بن کر آئے۔ لیکن تیرہ سو سال سے عیسویت نے جو کچھ آپ کے بارہ میں بکواس کی، اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگ سکتا۔ اور ابھی یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ اس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب نے حضرت نبی کریمؐ، جملہ انبیاءؑ اور تعلیم اسلام پر سے ہر قسم کے سیاہ داغ، جو دشمنوں نے دشمنی کی وجہ سے اور دوستوں نے نادانی اور مرور زمانہ کی وجہ سے لگائے تھے، دور کر دیئے۔ ضروری تھا کہ ایسے مصلح کی بھی اندرونی اور بیرونی طور پر پورے زور سے مخالفت ہو۔

عزیز موصوف سے دریافت کیا گیا تھا کہ اس صدی کا مجدد کون ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے:

> ”ان بزرگان امت میں سے ہر شخص اس صدی کا مجدد ہے، جنہوں نے مسلمانوں کو کتاب وسنت کی دعوت دی۔ ان کو اسلام کے بھولے ہوئے فرائض یاد دلائے۔ خواہ خدمت قرآن کے رنگ میں، خواہ سیاسی بیداری کے اعتبار سے، خواہ جہاد وشہادت کا ولولہ پیدا کرنے کے لحاظ سے۔ جنہوں نے مسلمانوں کا ذہنی، دماغی، طبعی، سیاسی،

اقتصادی ،علمی، شرعی، جمود والخطاط دور کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے کچھ ہندوستان میں ہیں۔بعض فلسطین وشام میں۔بعض مصر وطرابلس میں ہیں۔بعض ترکی مراقش میں،امت اپنے خدام سے محروم نہیں ہے۔''

لیکن شاید عزیز موصوف کو معلوم نہیں ہے کہ جن مما لک کا اس نے نام لیا ہے سوائے ایک آدھ کے باقیوں میں مسلمانوں کی غلامی کا یہ حال ہے کہ نوجوان طبقہ اکثر و بیشتر بباعث قرب یورپ،قلیم جدید دہریہ ہو چکا ہے۔ اور علماء نے ضروریات زمانہ سے غافل رہ کر قرآن کریم کے تراجم دوسری زبانوں میں کرنا گناہ قرار دے رکھا ہے۔ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کی جو حالت ہے اس کا مشاہدہ خود''زمیندار'' کے کالموں سے ہوسکتا ہے۔ایک نومسلم ان کے سامنے جیل میں سڑ رہا ہے۔ باوجود ''خالص اسلام'' ضمانت کے پروپیگنڈے کے ڈیڑھ لاکھ کی ضمانت دینے سے عاری ہیں۔ اور جب دعوؤں پر آتے ہیں تو آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کے لیڈر بننے کے مدعی بنتے ہیں۔ضرورت تو اس بات کی تھی کہ وقت تھا کہ آپ کے بیان کردہ مجددین و مصلحین میدان میں نکل کر اپنے ایک بھائی کی مدد کرتے۔لیکن قلیل وقال اور چیز ہے اور عمل کرنا اور چیز۔

امید ہے ہمارا عزیز اسے ٹھنڈے دل سے مطالعہ کرے گا۔ کیونکہ مسلمانوں کا جمود وانحطاط اسی طرح موجود ہے۔اور آپ کے مصلح خود اپنے پیروؤں میں کوئی وسعت خیالی،احساس زندگی اور حسن اخلاق پیدا نہیں کر سکے۔قوم اسی طرح اقتصادی طور پر غلام ہے۔ بلکہ سابق سے بڑھ کر۔ بہت ممکن تھا کہ اگر قوم کا کثیر حصہ سچے مصلح کو پہنچان کر اس کے کہے پر عمل کرتا تو اس کی حالت بہتر ہو جاتی۔لیکن ایک تو مریض۔ پھر حکیم و ڈاکٹر کو گالیاں۔شفا ہو تو کیسے ہو۔ جو نتیجہ ایک کثیر حصہ کے اجتماع سے نکل سکتا ہے وہ تھوڑے سے حصہ سے نہیں نکل سکتا۔اگر نکلے گا بھی تو کچھ زمانہ پا کر۔

<u>قسط دوم:مطبوعہ دراشاعت 19 ستمبر 1936ء</u>

گذشتہ شمارہ میں ہم نے بعثت مجددین کے متعلق اخبار''زمیندار'' کے نقطہ نگاہ کی رو سے لکھا تھا۔اب اس مضمون میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے جو نقطہ نگاہ حدیث مجدد کے متعلق پیش کیا۔آیا وہ بزرگان سلف سے کوئی علیحدہ چیز ہے یا بلکہ وہی ہے۔اور اس کے مقابل جو تاویلات اس

زمانہ کے مسلمان حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کی وجہ سے پیش کر رہے ہیں۔ان کی تائید بزرگان سلف سے کہاں تک ہوتی ہے۔ابوداؤد کی حدیث مجدد کے الفاظ یہ ہیں۔اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ لِھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ عَلٰی رَاۡسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنۡ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیۡنَھَا۔

یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو مبعوث کرے گا جو اس کے لئے دین کی تجدید کرے گا۔امام سیوطی نے مرقاۃ مسعود میں اس حدیث کے بارہ میں لکھا ہے کہ اِتَّفَقَ الۡحُفَّاظُ عَلٰی صِحَتِہٖ یعنی حدیث کے حافظ اس کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔متقدین میں سے حاکم نے مستدرک میں اور بہقی نے مدخل میں اس کا ذکر کیا ہے۔متاخرین میں سے ابوالفضل عراقی اور ابن حجر اس کی صحت کے قائل ہیں۔حافظ ابن عساکر نے اس حدیث کی صحت کو مان کر لکھا ہے کہ اس حدیث سے ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا ثابت ہے۔ہمارے قریب کے زمانہ میں حضرت احمد سرہندیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی صحت پر گواہی دی ہے۔

یہ کہنا کہ مجدد کو اللہ تعالیٰ خود مبعوث نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی خدمات دین کی وجہ سے خود لوگ اسے مجدد کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ الفاظ حدیث کے ساتھ تمسخر ہے۔اس کے خلاف حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ کُنۡتُ قَدۡ اَلۡبَسَنِیۡ اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ خِلۡعَۃَ الۡمُجَدِّدِیۡۃِ حِیۡنَ انۡتَھَتۡ بِیۡ دَوۡرَۃُ الۡحِکۡمَۃِ یعنی جب میرے ساتھ حکمت کا دورہ کمال کو پہنچ چکا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے مجددیت کا خلعت پہنایا۔پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں۔فَھَمَنِیۡ رَبِّیۡ جَلَّ جَلَالُہٗ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ اِمَامَ ھٰذِہِ الطَّرِیۡقَۃِ ......فَاَھۡلُ الۡمَغۡرِبِ وَاَھۡلُ الۡمَشۡرِقِ کُلُّھُمۡ رَعِیَّتُکَ وَاَنۡتَ سُلۡطَانُھُمۡ عَلِمُوۡا اَوۡلَمۡ یَعۡلَمُوۡا فَاِنۡ عَلِمُوۡا فَاَزُوۡا وَاِنۡ جَھَلُوۡا خَابُوۡا (تفہیمات الٰہیہ) یعنی میرے رب جل جلالہ نے مجھے مطلع فرمایا کہ ہم نے تم کو اس طریقہ کا امام مقرر کیا............پس اہل مغرب و اہل مشرق سب تمہاری رعیت ہیں اور تم ان کے بادشاہ ہو۔خواہ وہ تم کو جانیں یا نہ جانیں۔پس اگر جانیں گے کامیاب ہو جائیں گے اور اگر جاہل رہیں گے تو ناکام رہیں گے۔

حضرت شاہ صاحب سے پہلے مجدد نے بھی فارسی میں یہی لکھا ہے جس کا اردو ترجمہ ہے کہ مجدد وہ ہے کہ اس زمانہ میں جس قدر فیض امتوں کو پہنچتا ہے وہ اس مجدد کے توسط سے پہنچتا ہے۔خواہ اس

زمانہ کے قطب اور اوتاد اور ابدال و نجبا بھی ہوں۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہے کہ مجدد اللہ تعالیٰ کے حکم سے مبعوث ہوتا ہے۔ وہ علوم ومعارف قرآنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل کرتا ہے اور اس کی مثال روحانی سلطان کی طرح ہوتی ہے اور اس کے زمانہ کے دوسرے اولیاء اللہ بھی اسی کے توسط سے فیض پاتے ہیں۔ اب اگر بقول ہمارے عزیز کے ہر شخص کو، جس نے کچھ کام خدمت دین کا کیا ہو، مجدد کہا جا سکتا ہے تو اس کا ثبوت متقدین ومتاخرین کے قول سے پیش کرنا چاہیئے۔ اور اگر ایسے شخص پر بھی یہ لفظ عائد کیا جا سکتا ہے جو اصول اسلام وشریعت اسلامی پر عامل نہ ہو تو حدیث کا آخری حصہ بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دین کی تجدید وہی شخص کر سکتا ہے جو خود دین پر عامل ہو۔ ورنہ اگر بے عمل مسلمانوں پر بھی یہ حدیث حاوی ہو تو پھر غیر مسلم مصلحین کو اس سے باہر نکالنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لوگ اس کے علم وفضل وخدمات دین کی وجہ سے اسے مجدد تسلیم کر لیں۔ لیکن یہ بھی قاعدہ کلیہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے قریباً ہر ایک مصلح کو سخت سے سخت تکلیفیں دیں۔ ان کو کافر فاسق کہا گیا۔ مولانا ابوالکلام صاحب نے اپنے تذکرہ میں کئی ایسے بزرگان دین کا ذکر کیا ہے۔ اسی پر بس نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے بارہ میں ایک مسلمان بادشاہ جہانگیر بحوالہ (ترک جہاں گیری صفحہ 272 مطبع غازی پور 1863ء) جو کچھ لکھتا ہے اس سے جہانگیر کی ذاتی رائے اور عوام کی شورش اور اس کے وجوہات کا پتہ لگ سکتا ہے اور اگر مجدد کے لئے یہ شرط لگانی ضروری ہو کہ لوگ اس کی مجددیت کی شہادت دے اٹھیں تو لیجئے وہ بھی حضرت مرزا صاحب میں موجود ہے۔

سب سے اول حضرت مرزا صاحب نے کتاب ''براہین احمدیہ'' شائع فرمائی جس میں قرآن ونبوت محمدیہ کی سچائی کو روشن دلائل سے ثابت کیا۔ اس کتاب کا پہلا حصہ 1880ء میں اور چہارم حصہ 1884ء میں شائع ہوا۔ اس زمانہ میں پنجاب میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا طوطی بول رہا تھا۔ جو اہلحدیث پنجاب کے لیڈر اور ایک ماہوار رسالہ ''اشاعت السنۃ'' کے ایڈیٹر تھے۔ انہوں نے ساری کتاب کا بغور مطالعہ کر کے اس پر ایک مفصل ریویو لکھا۔ جو اشاعۃ السنۃ جلد 6 صفحہ 11,10,9,7,6 میں شائع ہوا۔ سب سے پہلے مولوی صاحب نے کئی صفحات میں ''براھین احمدیہ'' کے ہر چہار حصوں کا

خلاصہ درج کیا اور اس کے بعد لکھا:

''یہ اس کتاب کا خلاصہ ہے۔ اب ہم اس پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالات کی نظر سے ایسی کتاب ہے۔ جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں۔ **لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امرا ۔** اور اس کا مولف بھی اسلام کی مالی وجانی و قلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم از کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہم سماج سے اس زور وشور سے مقابلہ پایا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے۔ جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی وجانی قلمی ولسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھا لیا ہو اور مخالفین اسلام و منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعوٰی کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آ کر اس کا تجربہ اور مشاہدہ کرے اور اس تجربہ ومشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو۔''

اس پر بس نہیں مولوی صاحب نے مزید لکھا ہے کہ

''مؤلف براہین احمدیہ کے حالات وخیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں، ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے جبکہ ہم قطبی وشرح ملا پڑھتے تھے، ہمارے ہم مکتب۔ اس زمانہ سے آج تک ہم میں ان میں خط وکتابت وملاقات ومراسلات برابر جاری رہی ہے۔ اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات وخیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے لائق ہے۔............''

پھر اس ڈیڑھ سو صفحہ کے مفصل ریویو میں معترض مسلمانوں کے غلط اعتراضات کا بزرگان سلف وخلف کے حوالہ جات کی بناء پر قلع قمع کرتے ہوئے آخر پر لکھا ہے:

''اس کتاب کی خوبی اور بحق اسلام نفع رسانی اس کتاب کو بچشم انصاف پڑھنے اور ہمارے ریویو کے دیکھنے والوں کی نظروں میں مخفی نہ رہے گی۔مؤلف براہین احمدیہ نے مسلمانوں کی عزت رکھ دکھائی ہے اور مخالفین اسلام سے شرطیں لگا لگا کر تحدی کی ہے اور یہ منادی اکثر روئے زمین پر کر دی ہے کہ جس شخص کو اسلام کی حقانیت میں شک ہو وہ ہمارے پاس آئے اور اس کی صداقت دلائل عقلیہ وقرآنیہ ومعجزات نبوت محمدیہ سے (جس سے وہ اپنے الہامات وخوارق مراد رکھتے ہیں) بچشم خود ملاحظہ کرے۔''

یہ تو ابتدائی خدمات اسلام کا حال ہے۔اس کے بعد سے تا وفات کا حال ان مسلم اور غیر مسلم اخبارات کی آراء سے معلوم ہوسکتا ہے،جنہوں نے آپ کی وفات پر مضامین لکھے اور ہم انشاءاللہ آئندہ اشاعت میں وہ آراء ہدیہ قارئین کر کے بقیہ مضمون کو ختم کریں گے۔

قسط سوم (آخری):مطبوعہ در اشاعت 23 ستمبر 1936ء

یہ تو ابتدائی خدمات اسلام کا حال ہے۔اس کے بعد تا وفات کا حال ان مسلم اور غیر مسلم اخبارات کی آراء سے معلوم ہوسکتا ہے۔جنہوں نے آپ کی وفات پر مضامین لکھے۔ مشتے نمونہ از خروارے چند آراء ملاحظہ ہوں۔

1۔بے شک مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا'' (علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ)

2۔چال چلن اور ایمان کے زور سے اس نے بیس ہزار مرید بنا لئے تھے۔آپ ایک عالم آدمی تھے اور آپ صرف اپنے ہی مذہب سے پوری پوری واقفیت نہ رکھتے تھے بلکہ عیسائیت اور ہندو مذہب کے بھی خوب جاننے والے تھے۔آپ کا میگزین جس کا نام ریویو آف ریلیجنز ہے اور جس کو بڑی قابلیت سے چلایا جاتا ہے آپ کی طاقت تنقید کی باریکی کو ظاہر کرتا تھا (دی یونیٹی اینڈ دی مسٹری کلکتہ 7 جون 1908ء)

3۔عام طور پر جو اسلام دوسرے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اس کی نسبت آپ کے خیالات اسلام کے متعلق زیادہ وسیع اور زیادہ قابل برداشت تھے (آریہ پتر کار۔لاہور)

4۔وہ لوگ جنہوں نے مذہب کے رنگ میں دنیا میں ایک حرکت پیدا کی ہے۔وہ

اپنی طبیعت میں مرزا غلام احمد صاحب سے بہت ملتے جلتے ہیں......اگر ارنسٹ رینن (مشہور فرانسیسی مورخ) گذشتہ بیس سال کے اندر ہندوستان میں ہوتا۔تو وہ یقیناً مرزا صاحب کے پاس جاتا اور ان کے حالات کا مطالعہ کرتا اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ انبیائے بنی اسرائیل کے عجیب و غریب حالات پر ایک نئی روشنی پڑتی......وہ ایک ایسا انسان تھا جو ہر روز دنیا پر نہیں آیا کرتے۔ان پر سلامتی ہو۔(پاؤنیر۔الہ آباد)

5۔ چونکہ مرزا صاحب نے اپنی پرزور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین اسلام کو ان کے لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا ہے اور کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت کما حقہ ادا کر کے خدمت دین اسلام میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔انصاف متقاضی ہے کہ ایسے الوالعزم حامئی اسلام اور معین المسلمین فاضل اجل عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے (صادق الاخبار۔ریواڑی)

6۔مرزا صاحب علم و فضل کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے۔تحریر میں بھی روانی تھی۔ بہر حال ہمیں ان کی موت سے بحثیت اس بات کے کہ وہ ایک مسلمان عالم تھے نہایت رنج ہوا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایک عالم دنیا سے اٹھ گیا (میونسپل گزٹ لاہور)

7۔وہ کیا بلحاظ لیاقت اور کیا بلحاظ اخلاق اور شرافت کے ایک بڑے پایہ کے انسان تھے۔(برمھ پرچارک لاہور)

8۔ جو درجہ کہ مرزا صاحب کو اپنے مریدوں میں حاصل تھا اور جو کہ اثر ان کا اپنی جماعت پر تھا۔اس میں کچھ کلام نہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ اثر کسی مولوی یا عالم و فاضل کو اپنے معتقدین پر تھا اور نہ کسی صوفی اور ولی اللہ کا اپنے مریدین پر تھا اور نہ کسی لیڈر اور ریفارمر کا اپنے مقلدین پر۔(البشیر اٹادہ)

9۔مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی وہ نہایت باخبر عالم بلند ہمت مصلح

اور پاک زندگی کا نمونہ تھے ان کی ہدایت و رہنمائی مردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی (تہذیب نسواں لاہور)

10۔ وہ فقیرانہ طور پر زندگی بسر کرتے تھے (امرتا بازار پتر کا ر کلکتہ)

11۔ اگر توریت کے نبی الیاس کو مانا جا سکتا ہے تو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو کیوں نہ مانا جائے (سٹیٹسمین کلکتہ)

12۔ مرزا صاحب مذہب اسلام کے مجدد تھے (بنگالی کلکتہ)

13۔ وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز عشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بٹیریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شور قیامت ہو کے خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا۔ خالی ہاتھ دنیا سے اٹھ گیا۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے اور مٹانے کے لئے اسے امتداد زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظر عام پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔

میرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔

ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جنرل کا فرض

پورا کرتے رہے۔ ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے تا کہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست و پامال بنائے رکھا۔ آئندہ بھی جاری رہے اور اگر شور بختی مزاحم صلح و احسان نہ ہوتو یک جہتی کے ساتھ مشترک فرض کی واجبی شرکت کے ساتھ اور جامعہ اسلامیہ کے مبارک اصولوں کے ساتھ مرزا صاحب اس پہلی صف عشاق میں نمودار ہوئے تھے جس نے اسلام کے لئے یہ ایثار گوارا کیا کہ ساعت عہد سے لے کر بہار و خزاں کے سارے نظارے ایک مقصد پر ہا ایک شاہد رعنا کے پیمان وفا پر قربان کر دیئے۔ میرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا۔ قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ وقت ہرگز بوجہ قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہوسکتا جبکہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا اور مسلمان جو حافظ حقیقی کی طرف سے عالم اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مامور تھے، اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے ایک طرف حملوں کے اشتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دنیا اسلام کی شمع عرفان حقیقی کو سر راہ منزل مزاحمت سمجھ کر مٹا دینا چاہتی تھی اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ آور کی پشت گرمی کے لئے ٹوٹی پڑتی تھیں اور دوسری طرف ضعف مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابلہ پر تیر بھی نہ تھے اور حملہ اور مدافعت دونوں کا قطعی وجود ہی نہ تھا۔ چونکہ خلاف اصلیت محض شامت اعمال سے مفسدہ 1857ء کا نفس ناطقہ مسلمان ہی قرار دیئے گئے تھے۔ اس لئے مسیحی آبادیوں اور خاص کر انگلستان میں مسلمانوں کے خلاف پولٹیکل جوش کا ایک طوفان برپا تھا اور اس سے پادریوں نے صلیبی لڑائیوں کے داعیان راہ فساد سے کم فائدہ نہ اٹھایا۔ قریب تھا کہ خوفناک مذہبی

جذبےان حضرات کے میراثی عارضہ قلب کا جو اسلام کی خودروسرسبزی کے سبب بارہ تیرہ صدیوں سے ان میں نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتا چلا آتا تھا درماں ہوجائے کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑادیئے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے۔ بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہوکر اڑنے لگا۔غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہوکر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔

اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے۔ اخیر عمر تک برابر مرزا صاحب آریہ سماج کے چہرہ سے انیسوی صدی کے ہندو ریفامر کا چڑھایا ہوا ملمع اتارنے میں مصروف رہے۔ ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعویٰ پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے۔ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہوجائے ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظرانداز کی جاسکیں۔

فطری ذہانت مشق ومہارت اور مسلسل بحث ومباحثہ کی عادت نے مرزا صاحب میں ایک شان خاص بیدار کردی تھی۔ اپنے مذہب کے علاوہ مذہب غیر پر ان کی نظر نہایت وسیع تھی اور وہ اپنی ان معلومات کا نہایت سلیقہ سے استعمال کرتے تھے۔تبلیغ وتلقین کا یہ بلکہ ان میں پیدا ہوگیا تھا کہ مخاطب کسی قابلیت یا کسی مشرب وملت کا ہوان کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ ضرور گہرے فکر میں پڑ جاتا تھا۔ ہندوستان آج

مذاہب کا عجائب خانہ ہے اور جس کثرت سے چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں، اس کی نظیر غالباً دنیا میں کسی جگہ سے نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں ان سب کے لئے حکم وعدل ہوں۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں بہت مخصوص قابلیت تھی اور یہ نتیجہ تھی ان کی فطری استعداد، کا ذوق مطالعہ اور کثرت مشق کا۔ آئندہ امید نہیں ہے کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو۔ جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذہب کے مطالعہ میں صرف کر دے (اخبار وکیل امرتسر)

مندرجہ بالا خیالات مختلف مذاہب کے لوگوں کے ہیں۔ جن میں مسلمان غیر مسلمان تعلیم یافتہ گروہ شامل ہے۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا سکتا ہے کہ وہ کیسی عظیم الشان ہستی تھی۔ جس کی اگر قدر نہیں کی تو ملاں طبع اور پیر پرست مسلمانوں نے۔ اور اس وقت اس قابل قدر ہستی اور عام مسلمانوں کے درمیان یہی لوگ اور ان کے خودغرض لیڈر و اخبار نویس بطور ایک پردہ کے حائل ہیں۔ اور یہ پوشیدہ پردہ عرصہ تک انشاء اللہ نہیں رہے گا۔

میں اپنے عزیز محترم سے صرف یہی عرض کروں گا کہ وہ خداترس دل لے کر غور کرے کہ اس مسلمان قوم میں سے، جس کی بے حسی اور عدم توجہی کی عام شکایت ہے، حضرت مرزا صاحب ایک جماعت پیدا کرتے ہیں۔ جس میں بحثیت ایک جماعت کے وہ جوش دین کی تبلیغ اور خدمت کا اور اشاعت اسلام کا ہے جو اس وقت مسلمانوں کی کسی بڑی سے بڑی اور مالدار سے مالدار جماعت میں نہیں۔ جس طرح پر بحثیت ایک جماعت کے (افراد کا ذکر نہیں) حضرت مرزا صاحب کے پیروؤں نے اپنے مال نہیں بلکہ اپنی جانیں اسلام کی اشاعت اور خدمت کے لئے قربان کی ہیں اور اپنے آپ کو گویا اس راہ میں وقف کر دیا ہے۔ کیا اس کی کوئی نظیر اور مسلمانوں کی کسی دوسری جماعت میں بھی مل سکتی ہے۔ پھر جو جوش اسلام کے لئے اور خدا اور رسولؐ کا نام بلند کرنے کے لئے اس جماعت میں پایا جاتا ہے اگر وہ جوش خود اس جماعت کے امام کے دل میں نہ تھا، تو یہ کہاں سے پیدا ہو گیا۔ کسی مفتری اور کذاب اور اس

کے پیروؤں کے دلوں میں اگر تاریخ اسلامی کے اندر ایسا جوش خدا اور رسولؐ اور اس کے کلام پاک کی اشاعت کا کہیں پایا جاتا ہے تو پیش کریں! یہ کہہ دینا نہایت آسان امر ہے کہ فلاں شخص کہتا تھا کہ فلاں شخص نے ہمیں اسلام کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ لیکن اس کا عملی ثبوت اس شخص کے عمل سے دکھانا نہایت ضروری ہے۔ جو ایسی باتوں کا مدعی بنتا ہے یا دوسرے کو سمجھتا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ قادیان ہی ہندوستان کیا بلکہ ساری دنیا میں پہلا مقام ہے اور حضرت مرزا صاحب ہی اس زمانہ میں سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کریم کے مطالعہ کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی۔ ورنہ اس زمانہ میں حنفیوں کی ساری توجہ فقہی کتب کی طرف تھی اور اہلحدیث کی کتب احادیث کی طرف۔ تعلیم قرآنی اسلامی مدارس میں برائے نام تھی۔ اور ابھی تک درس نظامیہ سے قریباً مفقود ہے۔ یہ حضرت مرزا صاحب ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے 1880ء میں کتاب ''البراھین الاحمدیہ علیٰ حقیقت کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ'' لکھ کر یہ اصول قائم کیا کہ الہامی کتاب جس بات کا دعوٰی کرے ضروری ہے کہ اس کے دلائل بھی خود ہی دے۔ پھر قادیان میں ہی سب سے پہلے درس قرآن کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس کا اثر نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہندوستان سے باہر کے اسلامی ممالک میں بھی پیدا ہو گیا اور آج جگہ جگہ درس قرآن جاری ہیں۔ اور مختلف لوگ تفاسیر وتراجم قرآن میں مصروف نظر آتے ہیں۔ جو شخص اس حقیقت کا انکار کرے وہ ثبوت انکار بھی پیش کرے۔ ختم نبوت، ناسخ منسوخ، عصمت انبیاء اور کئی مسائل ابھی تک ایسے ہیں جن میں علماء اسلام حضرت مرزا صاحب سے اختلاف کر کے سرگردان ہو رہے ہیں۔ یہ بالکل حقیقت ہے جس کی تردید از روئے دلائل وواقعات نہیں ہو سکتی کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کو بھولا ہوا سبق صرف حضرت مرزا صاحب نے یاد دلایا۔ باقی سب لوگ آپ کے خوشہ چین ہیں۔ اگر کسی شخص کو اس بات سے انکار ہے تو وہ کوئی ایسے حقائق ومعارف قرآنی دوسرے لوگوں کی طرف سے پیش کرے جن کا ماخذ حضرت مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ کا لٹریچر نہ ہو۔ میں انشاء اللہ واقعات کی رو سے ثابت کر دوں گا کہ اس صدی کے جملہ مفسرین قرآن اور مفکرین جو کوئی نئی چیز پیش کرتے ہیں اس کا منبع جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں پہلے سے موجود ہے۔ چونکہ جماعت احمدیہ کا لٹریچر اور خیالات دوسرے علماء کی تنگدلی، تعصب اور بہتان طرازی

کی خس و خاشاک کے نیچے دبے پڑے ہیں اور عوام کی نظر سے پوشیدہ ہیں، اس لئے لوگوں پر اصل منبع پوشیدہ ہے۔ اور لوگ خوشہ چینیوں کو ہی منبع سمجھ رہے ہیں۔ لیکن یہ حالت دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ آخر یہ گرد و غبار زمانہ اڑا دے گا۔

مخالف مسلمان اور ان کے علماء، پیر، لیڈر وغیرہ خواہ کتنا ہی اس صدی کے مجدد کے کام کی اہمیت کو گھٹا کر دکھانے کی کوشش کریں۔ لیکن ساری دنیا ان کی طرح تنگدل اور متعصب نہیں۔ خود وہ قوم یعنی عیسائی جس پر اسلام کو غالب کر دینا اس صدی کے مجدد کا اصل کام ہے اس بات کو محسوس کر رہی ہے کہ سلسلہ احمدیہ ہی مسلمانوں میں ایک ایسی تحریک ہے جو اسلام اور اسلام کے بانی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سے ہر قسم کے اعتراضات کو دور کرنے میں مصروف کار رہے چنانچہ چند آراء ملاحظہ ہوں:

1۔ احمدیت اس بات کا فیصلہ کر چکی ہے کہ پیغمبر (حضرت محمدؐ) کے کیریکٹر کو ہر ایک الزام سے پاک ثابت کرے۔ (انفلوئینس آف اسلام صفحہ 109-110)

2۔ اس وقت احمدی جماعت دنیا میں سب سے زیادہ اشاعت اسلام کرنے والی اقوام ہے (انڈین اسلام صفحہ 217)

3۔ تحریک احمدیت حقیقتاً ایک اشاعت اسلام سوسائٹی بن گئی ہے۔ اگرچہ پرانے خیال کے علماء اب تک اسے شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں (وہدر اسلام صفحہ 303)

4۔ مسلمانوں میں فرقہ وار کی روح جو عام طور پر سرایت کر گئی ہے اس میں ایک دلچسپ استثناء احمدی ہیں۔ وہ صرف مذہبی اشاعت پر سارا زور صرف کرتے ہیں اور سیاسیات سے الگ رہتے ہیں۔ اس بارے میں موجودہ اسلام میں یہ ایک قابل ذکر گروہ ہے جس کے مقاصد محض تبلیغی ہیں۔ ان کی توجہ زیادہ تر اس بات کی اشاعت میں مرکوز ہے کہ اسلام ہی صرف ایک مذہب ہے جو عقل اور فطرت کے مطابق ہے۔ یورپ میں عیسائیت کی نازک حالت سے انہیں بہت سا ایسا سامان مل جاتا ہے جس سے وہ اس مذہب کی عیب جوئی اور اسلام کی تعریف کرتی ہیں (مسلم ورلڈ صفحہ 170 جلد 2)

5۔ اس کو اس ماحول سے الگ کر کے دیکھا جائے تو یہ تحریک صرف ایک زیادہ وسیع

الخیال اسلام کے رنگ میں نظر آتی ہے۔ اس خصوصیت کے ساتھ کہ اس میں اشاعت کی روح صاف دکھائی دیتی ہے۔(اسلام ایٹ دی کراس روڈ زصفحہ 108)

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا:(19 ستمبر 1936ء): الفضل 5 ستمبر 1936ء صفحہ 6 پر مولانا محمد احسن صاحب ہی کے ایک نوٹ کی بنا پر جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے رجسٹر بہشتی مقبرہ میں حضرت مسیح موعود کے نام کے سامنے کیفیت کے خانہ میں اپنے قلم سے لکھا۔ ہمیں تحریری اور تقریری مناظرہ کے لئے کھلا چیلنج دیا ہے۔ لیکن جیسا کہ مثل ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اسی اخبار کے صفحہ 5 پر یعنی اسی چیلنج کی پشت پر یہ الفاظ لکھے ہیں:

''نوٹ: حال ہی میں اخبار پیغام صلح میں ایک صاحب نے یہ غل مچایا تھا کہ پہلا کتبہ جس پر مجدد لکھا تھا اسے ہٹا کر دوسرا لگایا گیا ہے۔ تا کہ مجدد کے لفظ کو اڑا دیا جائے اور حضرت مسیح موعود کو نبی بنا لیا جائے اور کتبہ کے بدلنے کو دجل کے لفظ سے تعبیر کیا گیا تھا۔ حالانکہ پہلا کتبہ مولوی محمد احسن صاحب مرحوم کا لکھا ہوا تھا۔ اور ہم کسی ایسے کتبہ کے الفاظ کے پابند نہیں جو کسی انسان نے اپنی مرضی سے لکھ دیئے ہوں'' (الفضل 15 ستمبر 1936ء صفحہ 5)

مہتمم صاحب نشر و اشاعت نظارت و دعوت و تبلیغ قادیان کے چیلنج کا جواب تو خود الفضل کے مندرجہ بالا الفاظ میں ہی آ گیا کہ جب کئی سال تک لکھے ہوئے کتبہ کے الفاظ جماعت کا ہر فرد و بشر بغیر کسی اعتراض کے اتنا لمبا عرصہ دیکھتا رہا۔ آپ لوگ پابند نہیں۔ تو اسی شخص کے اُن الفاظ کے جو 28 سال تک رجسٹر میں مخفی رہے اور آج ظاہر ہوتے ہیں ہم لوگ کیسے پابند ہو سکتے ہیں۔ پہلی صورت میں ہر فرد بشر پر بائیس سال تک اتمام حجت ہوتا رہا کہ اس مزار مبارک کے اندر ایک مجدد مدفون ہے۔ لیکن دوسری صورت میں وہ عبارت 28 سال پوشیدہ رہی اور پھر ذو معنی اور دوسرے حدیث کے مخالف ہے جس میں لکھا ہے کہ خدا کا نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماء قادیان۔ اپنی اس دیدہ دلیری پر کہ کوڑا کوڑا تھو تھو، بیٹھا بیٹھا ہڑپ۔ اخبار کے ایک ہی نمبر میں اتنا اختلاف!

26 ستمبر 1936ء

مراسلات

حضرت امیر کا ایک خط حاجی شیخ محمد حسین لائل پوری کے نام

بخدمت شریف ایڈیٹر صاحب اخبار پیغام صلح لاہور

السلام علیکم۔ مزاج شریف۔ خاکسار نے جب آخر جنوری 1936ء میں ارادہ حج بیت اللہ شریف کا کیا تو حضرت امیر قوم ایّدہ اللہ بنصرہٖ کی خدمت میں دعا کے واسطے عریضہ لکھا جو جواب حضور نے دیا درج ذیل ہے۔ اس کو اچھے عنوان سے درج اخبار فرمائیں۔ اس میں حضور کے قلب صافی کا پتہ لگتا ہے۔ آپ کو دین اسلام سے کس قدر محبت ہے۔ یا الٰہی اپنے ایسے پیارے کو دین و دنیا میں برکت دے آمین۔ محمد حسین۔

نقل مکتوب: مکرمی اخویم شیخ محمد حسین صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کے نوازشنامہ سے حج کے ارادہ کی خبر پڑھ کر دل کو از حد خوشی ہوئی۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ آپ کو بخیریت لے جائے اور اس بے بہا نعمت سے مالا مال کر کے لائے۔ آپ جس عالیہ کی زیارت سے شرف یاب ہونے جا رہے ہیں۔ وہ مرجع مومناں اور مقصود ہر غلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آپ پر اسلام اور ملت مرحومہ کی بے کسی اور ضعف آشکار ہے۔ وہاں پہنچ کر اس حاکم بے نیاز اور قادر مطلق کی درگاہ میں دعا کرنا کہ اے دنیا کے مالک، دین کے ناصر، عاجزوں کے سہارے اسلام پر کفر وطغیان کے خطرناک حملے ہو رہے ہیں۔ باد مخالف کے جھونکے گلشن ملت کی بربادی کے درپے ہیں۔ کفر وشیطان کے پیرو فرزندان توحید کو کچلنے پر تلے ہیں تو اپنے نبیؐ کے طفیل ہماری خطاؤں سے قطع نظر کر کے ہمیں دنیا میں سربلند و باوقار بنا۔ آنکھیں غلبہ اسلام کو ترس رہی ہیں۔ تو لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (28:48) کا نظارہ دکھا۔ روحیں قبولیت دین کے لئے بے قرار ہیں۔ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ

اَفْوَاجًا. (2:110) کی عملی تفسیر کا نقشہ ظاہر فرما۔ الٰہی تو مسلمانوں کی آنکھوں سے جہالت کے پردے دور کر کے اسے اس کے حقیقی مقام سے آشنا کر۔ مسلمانوں میں خدمت اسلام کا جذبہ پیدا کر اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ. مجھے آپ سے قوی توقع ہے کہ آپ دن رات اس مقام قبولیت پر ان التجاؤں کو دہرائیں گے۔ کیونکہ اس کی رحمت میں مایوسی گناہ ہے۔ تمام اعزہ کو سلام علیکم۔ عرض کر دیں۔ والسلام محمد علی۔ 4 فروری 1936ء

عاجز نے بیت اللہ شریف پہنچ کر اس مالک حقیقی کی بارگاہ میں نہایت عجز و نیاز سے غلبہ اسلام کے لئے دعائیں کی ہیں۔ مجھے امید ہے وہ حافظ حقیقی ضرور مدد فرمائیں گے۔ احقر محمد حسین بقلم خود 15 ستمبر 1936ء

ایک قادیانی ملہم اور دعا: مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب پیغام صلح۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اس خط کے ہمراہ ایک قادیانی ملہم کا جو مزنگ لاہور میں رہتے ہیں ایک عجیب وغریب خط ارسال ہے۔ جو کہ آپ نے بجواب مولوی محمد عبداللہ وزیر آبادی سکرٹری نیشنل لیگ وزیر آباد کو ان کے ایک خط در بارہ دعا کے لئے تحریر کیا ہے۔ وہ خط ہمارے دوست شیخ محمد عبیداللہ مالک شہزادہ بوٹ ہاؤس کو کسی طرح سے ہاتھ آ گیا۔ اصل خط اخبار میں شائع کرنے کے لئے ارسال خدمت ہے۔ اسے چھپوا کر مشکور فرمائیں اور امید ہے کہ یہ خط قارئین اخبار کی دلچسپی اور معلومات کا موجب ہوگا۔ والسلام خاکسار شیخ عبدالعزیز از جہلم

☆

نقل خط: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مکرم بندہ جناب میاں محمد عبداللہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط پہنچا۔ اچھی طرح پڑھ لیا۔ اور خوب غور کی ہے۔ اگر آپ نے مجھ سے دعا کرانی ہو تو میں

مبلغ روپیہ نذرانہ پیشگی آپ سے لوں گا۔اور جب آپ کامیاب ہو جائیں گے تو آپ سے جو رقم آپ مقرر فرمادیں گے وصول کروں گا۔انشاءاللہ۔اور اگر دعا نہیں کرنی۔صرف پوچھنا ہے تو وہ بھی دعا ہی ہو جائے گی۔مگر رقم میں کمی نہیں ہوگی۔میرے خیال میں دعا کرالیں۔آگے آپ کی مرضی۔اور بہتر ہوگا آپ بدیدن خط ہذا تشریف لے آئیں تو آپ سے بالمشافہ گفتگو ہو جائے گی۔مگر پیشگی نذرانہ کم نہ ہوگا۔ اور اگر آج کل آجائیں یعنی پرسوں تک آجائیں تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ بہت جلدی آپ کو کامیابی عطا کرے۔ورنہ پھر دیر پڑے گی۔زیادہ سلام۔

آپ کا خادم دعا گو

خاکسار قاضی حبیب اللہ احمدی

مزنگ لاہور 26 اپریل 1935ء

نوٹ۔اگر آپ کو تسلی ہو تو دعا کروائیں ورنہ خط کے جواب کی بھی ضرورت نہیں۔والسلام۔

خاکسار قاضی حبیب اللہ احمدی

11 اکتوبر 1936ء

ادار یہ

کیا مجدد کا ماننا مقصد اسلام کے خلاف ہے؟

محاصر ''طلوع اسلام'' کے ارشادات پر ایک نظر

''طلوع اسلام'' کے نام سے ایک ماہانہ مجلّہ کچھ عرصہ سے لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ جس کے ستمبر 1936ء کے پرچہ میں ''بے محل اعتقاد اور بے محل نتائج'' کے عنوان سے ایک شذرہ لکھا گیا ہے۔ اور محترم مدیر نے کمال مہربانی سے ''پیغام صلح'' اور جماعت احمدیہ لاہور کو مخاطب کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ:

> ''اسلام کے پیش نظر جو مقصد ہے۔ اس کی موجودگی میں حیات وفات مسیح یا مجددیت ومحدثیت کے مسائل پیدا ہی نہیں ہوتے......لیکن جن حضرات کی یہ آرزوئیں ہوں کہ احکام قرآن کی پابندی اور اتباع سنت کے صاف اور سیدھے راستے کو چھوڑ کر محض خیالات مزعومات کی بنا پر اسلام کے اندر نئی نئی ملتیں، قومیں اور جماعتیں پیدا کریں۔ تا کہ زندگی اور اس کے حقائق سے فرار کی کوئی صورت نکل آئے۔ وہ اس امر پر کس طرح راضی ہو سکتے تھے کہ تاویلات واجتہادات کا جو طومار برسوں کے رد وکد کے بعد انہوں نے تیار کر رکھا ہے، اسے یک قلم خیر باد کہہ دیں۔''

ہم محترم مدیر ''طلوع اسلام'' سے اتنا دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے پیش نظر مقصد کی طرف جو اشارہ انہوں نے کیا ہے۔ اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ کیا اسلام کے پیش نظر یہ مقصد نہیں کہ دنیا میں توحید الٰہی کا ڈنکا بجایا جائے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تمام عالم میں منوایا جائے؟ پھر اس مقصد کے حصول میں اگر ایسی رکاوٹیں پیش آجائیں۔ جیسی رکاوٹ حیات مسیح کے بارہ میں عیسائیت کی طرف سے پیش آ رہی ہے کہ اگر مسیحؑ عام مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق دو ہزار سال سے زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور نہ وہاں کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ نہ ان کی حالت میں کوئی تغیر پیدا ہوا اور آخری زمانہ میں وہ امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے پھر دنیا میں آئیں گے تو ان کی الوہیت یا ابنیّت کی

صداقت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے نعوذ باللہ غلط ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ یہ بات آئے دن عیسائی مشنریوں کی طرف سے مسلمانوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ ایسے ٹریکٹ چھپے ہوئے موجود ہیں۔ جن میں مسلمانوں کے عقائد در بارہ حیات ونزول مسیح کو ایک ایک کر کے نقل کیا گیا ہے اور صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ ان عقائد کے ہوتے ہوئے قرآن کی رو سے مسیح کی الوہیت میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مثلاً قرآن کریم رسولوں کے متعلق فرمایا ہے **وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ** (8:21) ہم نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور ان پر تغیر وارد نہ ہوتا ہو۔ لیکن عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیحؑ دو ہزار سال سے آسمان پر بغیر کھائے پیئے بیٹھے ہیں اور جس حالت میں آسمان پر چڑھ کر گئے تھے اسی حالت میں آخری زمانہ میں اتر آئیں گے۔ کوئی تغیر ان کے جسم پر نہ آئے گا اور پھر وہ آ کر امت محمدیہ کی اصلاح کریں گے۔ ایک طرف عیسائیوں کے اس پروپیگنڈا کو رکھئے۔ جس سے متاثر ہو کر سینکڑوں مسلمان عیسائی ہو گئے اور اگر حضرت مرزا صاحب کی ذات بابرکات اس عقیدہ کی دھجیاں بکھیر کر نہ رکھ دیتی تو آج اسلامی دنیا کا کثیر حصہ اسی دجالی فتنہ کی نذر ہو جاتا اور دوسری طرف قرآن کریم کی ان آیات کو جن سے مسیحؑ کی وفات کھلے طور پر ثابت ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں (اگر ضرورت ہو، تو حضرت امیر جماعت احمدیہ کی کتاب ''مسیح موعود'' پڑھ لیجئے) پھر حضرت مرزا صاحب نے کیا برا کیا کہ مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچانے کے لئے قرآن کریم سے ثابت کر دیا کہ مسیحؑ فوت ہو چکے۔ جس طرح اور رسول فوت ہو چکے۔ اور کہ انہیں دوسرے رسولوں پر اس بارہ میں کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

کیا یہ اس مقصد کے خلاف ہے جو اسلام کے پیش نظر ہے؟ پھر اس زمانہ میں دہریت اور مادہ پرستی کا جو فتنہ پیدا ہو چکا ہے اور دنیا پرست خدا تعالیٰ سے دور ہونے کی وجہ سے یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ خدا کوئی نہیں، صرف کوئی بے ارادہ طاقت ایسی ہے جو تمام کائنات کی علت العلل ہے۔ اور اس کو کوئی شعور حاصل نہیں۔ کہ اپنے ارادہ اور مرضی ومنشاء کا اظہار کر سکے یا انسانوں کو اس کی طرف رجوع اور اس کے قرب کی ضرورت ہو۔ کیا اسلام کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس فتنہ اور عقیدہ باطلہ کی تردید کی جائے؟ اور جہاں عقلی طور پر اللہ تعالیٰ کی ہستی، اس کا صاحب عقل وفہم اور صاحب ارادہ ہونا ثابت کیا جائے، وہیں یہ بھی

بتایا جائے کہ وہ اپنی مرضی ومنشاء کا اظہار ہمیشہ دنیا پر کرتا رہا ہے۔اور آج بھی اس کی صفت تکلم اسی طرح موجود ہے اور وہ اپنے مقربین اور راستباز انسانوں کے ساتھ کلام کر کے اپنی ہستی کا ثبوت خود بہم پہنچا تا ہے۔ایسے لوگوں کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محدث کا نام دیا ہے، جیسا کہ فرمایا لَقَدْ كَانَ فِيْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيلَ رِجَالٌ يُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوْآ اَنْبِيَآءَ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْ اُمَّتِيْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ تم سے پہلی امتوں میں ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں جو انبیاء نہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل کرتے رہے ہیں۔میری امت میں بھی اگر کوئی ہے تو وہ عمر ہے۔اور دوسری حدیث میں یوں ارشاد فرمایا لَقَدْ كَانَ فِيْمَا قَبْلَكُمْ مِّنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَّكَ فِيْٓ اُمَّتِيْٓ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عَمَرُ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق امت محمدیہ میں جس قدر مکلم من اللہ ہوتے رہے ان کو محدثین کے نام سے پکارا جاتا رہا۔جس کی بے شمار نظائر صوفیاء کی کتابوں بالخصوص فتوحات مکیہ، الیواقیت والجواہر فتوحات غیب وغیرہ میں ملتی ہیں۔حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ بھی مکلم من اللہ ہونے کا تھا۔اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو یورپ کے مادہ پرستوں پر قرآن کریم کے زندگی بخش کلام کے علاوہ اس بات سے بھی ثابت کرنا چاہتے تھے۔آج بھی وہ اپنے بندوں سے ہم کلام ہونا اور ان پر اپنی مرضی اور ارادوں کا اظہار کرتا ہے۔اسی مکلم من اللہ ہونے کو محدثیت کا اصطلاحی نام دے دیا گیا۔کیا یہ اس مقصد کے خلاف ہے جو اسلام کے پیش نظر ہے؟

آگے چلئے اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ دین کامل ہو چکا ہے اور انسانی نجات کا دارومدار قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت کے سوائے اور کسی بات پر نہیں۔کیا یہ حقیقت نہیں کہ اسی قرآن کریم کے صحیح مفہوم ومعانی کی طرف توجہ دلانے اور سنت نبوی کا صحیح نمونہ پیش کرنے اور ان اغلاط وبدعات کو دور کرنے کے لئے جو مرور زمانہ سے مسلمانوں میں پیدا ہو جاتی ہیں اور غیروں کے حملوں کے دفعیہ اور مسلمانوں کی غفلت ولا پرواہی کو دور کرنے کے لئے ہر زمانہ میں ایسے کامل وجود پیدا ہوتے رہے ہیں۔جن کو حدیث میں مجدد کا نام دیا گیا ہے۔کیا ان حقائق کی کوئی ممکن سے ممکن تاویل آپ کر سکتے ہیں کہ

1۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صدی کے سر پر تجدید دین کے لئے ایک یا زیادہ اشخاص کی بعثت کی پیشگوئی فرمائی ہے۔

2۔ شارحین حدیث کا کھلا فیصلہ ہے کہ اِتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰی صِحَتِہٖ حفاظ حدیث اسی حدیث کی صحت پر متفق ہیں۔

3۔ گذشتہ تیرہ سو سال میں اس امت میں ہر صدی کے سر پر ایسے قدسی نفس لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جن کو مجددین کی فہرست میں شمار کیا گیا اور ان میں سے بعض کے دعاوی بھی اب تک ان کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

4۔ ان سب بزرگوں نے اپنے اپنے زمانہ میں مسلمانوں کی بہتری اسی میں قرار دی کہ ان کے ساتھ ہو کر خدمت اسلام بجا لائیں۔

اگر یہ سب باتیں صحیح ہیں اور ان میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں اور نہ ہی ان میں اسلام کے پیش نظر مقصد کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ تو حضرت مرزا صاحب اگر وہی دعوٰی کریں اور جماعت احمدیہ لاہور ان کے ساتھ ہو کر تبلیغ و اشاعت اسلام کے فریضہ کو بجا لائے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کام میں شریک ہونے کی دعوت دے تو اس میں اسلام کے پیش نظر مقصد کی مخالفت کس طرح ہو جاتی ہے اور وہ کونسی ''تاویلات و اجتہادات کا طومار'' ہے۔ جو برسوں کی ردوکد کے بعد'' ہم نے تیار کر رکھا ہے۔ کچھ خدا کا خوف کیجئے اور ان کھلے حقائق پر غور کر کے بتایئے کہ کیا یہ تاویلات و اجتہادات کا طومار ہیں۔ یا کھلے کھلے واقعات وحقائق؟

> ہاں ایک بات باقی رہ جاتی ہے۔ جس کو محترم مدیر ''طلوع اسلام'' نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ
>
> ''ہماری رائے میں جماعت احمدیہ لاہور کو اس امر کا اعلان کر دینے کے بعد کہ مرزا صاحب کا اقرار یا انکار شرائط ایمان میں داخل نہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے قوائے ذہنی اور عملی قوتوں کو چند خیالی مخمصوں میں ضائع کر دیں۔ مثلاً یہ کہ بفحوائے آیہ کریمہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ . (119:9) مجددین کا ماننا ضروری ہے۔ بروئے حدیث اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ عَلٰی رَاسِ کُلِّ مِئَۃِ الخ مجدد کا ظہور اور اس کی تلاش فرض ہے۔ وفات وحیات مسیح اور نزول ابن مریم یا مثیل ابن مریم کا فیصلہ ابھی کر لینا چاہئے کہ اگر ایسا نہ ہوا

تو معلوم نہیں دین میں کیا رختہ پیدا ہو جائے...... پیغام صلح کا سارا زور قلم اس بات پر صرف ہو رہا ہے کہ مجدد دین کا ماننا ضروری ہے۔ بہت بہتر مگر اس امر کے متعلق کیا ارشاد ہے کہ نزول قرآن اور بعثت محمدیہ کے بعد کسی مسلمان کو خواہ اس کا مرتبہ کچھ بھی ہو یہ حق نہیں پہنچتا کہ امت کے غلط وصواب یا اتحاد وتفریق کی بنا اس کی ذات پر رکھی جائے۔''

ہم نہیں سمجھتے کہ جن باتوں کو کھلے کھلے حقائق کی صورت میں ہم اوپر پیش کر چکے ہیں۔ان کا نام ''چند خیالی مخمصے'' کس طرح رکھا جا سکتا ہے۔مجدد ین کا ماننا نہ ماننا یا حیات ووفات اور نزول مسیح کے عقائد شرائط اسلام میں سے بیشک نہیں۔لیکن کیا وجہ وہ چیز، جو شرائط ایمان میں سے نہ ہو، رد کر دینے کے قابل ہے؟ علم کا حاصل کرنا شرائط اسلام میں سے نہیں۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔کہ **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ** فرمایئے اس کو کیا کیا جائے؟ حدیث میں آتا ہے۔ **اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْكَانَ بِالسِّيْنِ** اب اگر اس فرمودہ نبوی کے مطابق کوئی شخص مسلمانوں کو یہ تلقین کرے کہ لنڈن یا دوسرے ممالک میں تحصیل علم کے لئے جانا چاہیئے تو کیا اس کو یہ جواب دینا چاہیئے کہ میاں یہ شرائط اسلام یا ایمانیات میں سے نہیں۔اس لئے ایسے خیالی مخمصوں میں مت پڑو؟

غور کرنا چاہیئے کہ شرائط اسلام تو چند موٹے اصولوں کا نام ہے۔آگے ان کی تفصیلات یا ان پر عمل کی مختلف صورتیں ہیں۔جن کا ان اصولوں میں بالوضاحت ذکر نہیں۔مثلاً تبلیغ اسلام کو اگرچہ شرائط اسلام میں نہیں رکھا گیا۔لیکن قرآن کا کھلا حکم ہے **وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** . (104:3) تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیئے جو نیکی کی طرف بلائے اچھی باتوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔اس حکم کی تعمیل جہاں اور لوگ اور علماء انفرادی طور پر اپنی استطاعت کے مطابق کرتے ہیں، وہاں مجدد وقت ایک جماعت کو ساتھ لے کر منظّم طور پر اس فریضہ کو سرانجام دیتا ہے۔اگر اسے یہ جواب دیا جائے کہ تمہارا ماننا چونکہ شرائط اسلام میں سے نہیں، اس لئے جاؤ ہمارا تمہارا واسطہ نہیں۔تو فرمایئے یہ جائز ہوگا؟ کس طرح آپ ان شرائط اسلام کو دنیا سے منوائیں گے۔اگر اس مرد حق کا آپ ساتھ نہیں دیتے جو ان کی تبلیغ واشاعت کا علم لے کر کھڑا ہوا ہے کیا اپنے طور پر آپ اس کام کو کریں

گے؟ ظاہر ہے کہ ہر شخص کی انفرادی قوت سے وہ کام سرانجام نہیں پا سکتا جو ایک قوم کی اجتماعی قوت سے پا سکتا ہے۔ اور علاوہ ازیں خدا کی طرف سے جو شخص اسے ایسے طریق پر چلاتا ہے۔ جس سے کامیابی اور فلاح کا جلد حاصل ہونا یقینی ہے۔ وہ اپنے عملی نمونہ سے اپنے ساتھیوں کا تزکیہ کرتا اور ان میں قربانی کا ایسا جذبہ پیدا کر دیتا ہے جو قرب الٰہی کی ان منازل پر لے جاتا ہے۔ جس کی نظیر کم از کم اس کے زمانہ میں دوسرے لوگوں میں نہیں پائی جاتی۔ اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ''میرے رب نے مجھے مطلع فرمایا کہ ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام مقرر کیا ہے اور اس کی اعلیٰ بلندی تک پہنچایا ہے اور حقیقت قرب تک پہنچنے کے اور طریقے مسدود کروائے ہیں۔ سوائے ایک طریقہ کے اور وہ تیری محبت اور تیری فرمانبرداری ہے۔ پس جو شخص تجھ سے عداوت کرے۔ نہ آسمانی برکات اس پر نازل ہوں گی اور نہ وہ ارضی برکات کا مورد ہوگا۔ اہل مغرب اور اہل مشرق سب کے سب تیری رعیت ہیں اور تو ان کا بادشاہ ہے۔ خواہ وہ جانیں یا نہ جانیں۔ اگر وہ جان لیں تو کامیاب ہوں گے اور اگر بے خبر رہیں تو غائب وخاسر ہوں گے'' (تفہیمات الٰہیہ) غور کرنے کی بات ہے۔ یہ باتیں ہم نے ان بزرگوں کی کتابوں میں داخل نہیں کر دیں۔ پھر آج ہمارے مخالف کیوں ان بزرگوں کے ارشادات پر غور کرنے یا رائے زنی کرنے کے بجائے جماعت احمدیہ کے اس خیال پر نکتہ چینی کے درپے ہو جاتے ہیں کہ مجدد کا ماننا ضروری ہے۔ کیا محترم مدیر طلوع اسلام ہمیں بتائیں گے کہ کیا ان بزرگوں کے نزدیک مجدد کا ماننا شرائط اسلام میں سے تھا کہ انہوں نے اپنی اطاعت پر اتنا زور دیا؟ اگر نہیں اور جیسا کہ حق ہے مجدد کا ماننا اگرچہ شرائط اسلام سے نہیں۔ تاہم شرائط اسلام پر عمل پیرا ہونے اور دنیا کو ان پر عمل پیرا بنانے کے لئے مجدد کا ساتھ دینا ضروری ہے۔ تو یاد رکھئے کہ اسلام کے پیش نظر مقصد کے یہ مخالف نہیں بلکہ عین موافق ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ احباب جماعت یہ سن کر خوش ہوں گے کہ ہمارے مکرم معظم ڈاکٹر غلام محمد صاحب کی طبیعت اب بفضلہٖ تعالیٰ اچھی ہے۔ آپ چل کر جمعہ کو نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے۔ کمزوری ابھی باقی ہے۔ ہم ڈاکٹر صاحب کو ان کی صحت پر مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند کریم آپ کو کامل صحت عطا فرمائے اور خدمت دین کی زیادہ توفیق دے۔ آمین۔

19 اکتوبر 1936ء

اداریہ

مسلمان کی تعریف

اسمبلی کے مسلم ممبروں کی افسوسناک کوتاہی

غیرت مسلمان قوم کا ایک امتیازی جوہر تھا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمان انفرادی اور ذاتی معاملات سے زیادہ دینی وقومی امور میں غیور ہوتا تھا۔ وہ غیر کا کوئی طعنہ نہ سن سکتا تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اس کی زبون حالی اور بے حسی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ اغیار کے طعن کے زہر میں بجھے ہوئے تیر خاموشی سے برداشت کر لیتا ہے۔ بلکہ غیروں کے لئے طعن وتمسخر کا سامان بہم پہنچاتا رہتا ہے۔ اس کی بے حسی کی انتہا ہوگئی ہے۔ کم از کم علماء اور ان کے عقیدت مندوں کی رگوں سے غیرت کا خون بالکل مفقود ہو چکا ہے۔

گذشتہ دنوں اسمبلی کے اجلاس میں ایک نہایت رنجدہ اور عبرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ مکفرین تو شائد اس پر خوش ہوں۔ لیکن سچے مسلمان کا دل انتہائی دکھ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ''آریہ بواہ بل'' پر بحث جاری تھی۔ زیر غور سوال یہ تھا کہ ''آریہ'' کی تعریف کیا کی جائے۔ ایک فریق کا اصرار تھا کہ ہندو کی کوئی تعریف نہیں آریہ بھی ہندوؤں کا ایک حصہ ہیں۔ لہٰذا جو اپنے آپ کو آریہ کہہ دے اسے آریہ سمجھا جائے۔ اس بحث کے دیگر پہلو تو ہمارے موضوع سے بے تعلق ہیں۔ اس لئے ہم انہیں نظر انداز کرتے ہیں۔ بحث کا سلسلہ شروع رہا۔ ایک سرکاری انگریز ممبر نے کہا کہ ہماری قانونی کتابوں میں مسلمان کی بھی کوئی تعریف موجود نہیں۔ مولوی سر یعقوب نے انگریز ممبر سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر ایک کوئی مسلمان کی تعریف جانتا ہے۔ یہ کوئی غیر واضح چیز نہیں ہے۔ اس پر ایک دوسرے سرکاری ممبر سر این۔ این سرکار بول اٹھے۔ ''اسی لئے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ فلاں فلاں گروہ مسلمان نہیں پنجاب کے اخبارات اپنے کالم ضائع کرتے رہتے ہیں۔'' یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ معزز ممبر کا اشارہ احراری اور قادیانی اخبارات کی طرف تھا۔ اس طعن آمیز فقرے پر ہال میں تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ سر یعقوب اور دوسرے مسلمان ممبر بھی چپ ہو گئے۔

اس سے قبل کہ اس امر پر غور کیا جائے کہ ایک مقتدر سرکاری رکن کے لئے، جو حکومت ہند کے لاء ممبر کے جلیل القدر عہدہ پر فائز ہے، مہا سبھائی انداز کا یہ فقرہ اپنی زبان سے نکالنا مناسب تھا نہیں۔ ہم اسمبلی کے مسلمان ممبروں کی فرض ناشناسی اور دینی وقومی بے حسی پر آنسو بہانا چاہتے ہیں۔ لا ممبر کے بے معنی طعن پر وہ اس قدر مرعوب ہو گئے کہ ان کے لبوں پر مہر سکوت لگ گئی۔ وہ قرآن وحدیث اور مسلمان قوم کی صدیوں کے طریق عمل کو پیش کر کے بہ آسانی لاء ممبر کے دل آزار دخل در معقولات کی تردید کر سکتے تھے وہ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) کے ارشاد قرآنی کو پیش کر سکتے تھے۔ وہ مشہور حدیث نبوی مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذَالِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَذِمَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَلَاتَخْفِرُوْا اللّٰہَ فِیْ ذِمَّتِہٖ سنا سکتے تھے۔ وہ عہد رسالت اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ کے بیسیوں واقعات بیان کر سکتے تھے۔ اسمبلی میں ایسے متعدد مسلمان ممبر موجود ہیں جو قرآن وحدیث اور تاریخ اسلام سے واقف ہیں۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے نام پر اسمبلی میں گئے تھے۔ لیکن افسوس انہوں نے لا ممبر کے مقابلہ پر اس فرض کو ادا نہ کیا۔ ان کی یہ کوتاہی ناقابل معافی اور بے حد افسوسناک ہے۔

اس وقت اسمبلی ہال میں سر ظفر اللہ خان بھی موجود تھے۔ جو وائسرائے کی انتظامیہ کونسل میں مسلمانوں کے نمائندہ ہیں۔ اور مدراس ہائی کورٹ میں ایک مقدمہ کی پیروی کرتے ہوئے علی الاعلان کہہ چکے ہیں کہ جو شخص کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے۔ افسوس وہ بھی اپنے ایک سرکاری رفیق کار کے طعن کو خاموشی سے نظر انداز کر گئے۔ اور اسلام کی عزت کا انہیں کوئی خیال نہ آیا۔ نہیں ہم بھول گئے سر ظفر اللہ خان قادیانی ہیں۔ قادیانی حضرات اپنے خلیفہ کی تقلید میں اپنے سوا تمام کلمہ گوؤں کو کافر سمجھتے ہیں۔ قادیانی عقائد نے سر ظفر اللہ کی زبان کو اعلان حق سے روکا ہوگا۔ لیکن کہنے والے کہتے ہیں کہ جب وہ مدراس ہائی کورٹ میں ایک مقدمہ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے قادیانی عقائد کے خلاف ہر ایک کلمہ گو کو مسلمان تسلیم کر چکے ہیں تو اسمبلی میں کیوں خاموش رہے؟ کیا ان کے عقائد ان کی مختلف حیثیتوں اور عہدوں کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں؟ ان اعتراضات کا جواب سر موصوف ہی بہتر طریق پر دے سکتے ہیں۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ لا ممبر کا طعن ہر ایک سچے اور غیور

مسلمان کے سینے میں تیر بن کر لگا ہے۔ بیشک ہندو مذہب کے عقائد واحکام کا شیرازہ اس قدر بکھرا ہوا ہے کہ ہندو کی کوئی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ لیکن ہماری بدقسمتی سے احراری اور قادیانی حضرات کی مکفر نواز کشمکش اور اسمبلی کے مسلمان ممبروں کی بے حسی اور فرض ناشناسی غیروں کی نظروں میں اسلام جیسے پاک وصاف اور واضح مذہب کو بھی ہندو مذہب کی سطح پر لے آئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. کاش! مکفرین کی آنکھیں کھلی ہوتیں۔ اور وہ اس واقعہ کو نگاہ عبرت سے دیکھتے۔ ان کے دلوں میں اسلام کا درد ہوتا۔ وہ غیروں کے طعن کے آزار کو محسوس کرتے۔ اور اگر ان میں دین وملت کی کوئی غیرت موجود ہوتی تو وہ تڑپ اٹھتے۔ لیکن وہ ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہیں۔ ان کی زبانیں مسلمانوں کو کافر کہنے کے لئے وقف ہیں۔ ان کے قلم فتاوی کفر کی ترتیب میں مصروف ہیں۔ انہیں خدا کا کوئی خوف ہے نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد ہے۔ وہ اپنی حرکات کی وجہ سے اسلام کو بدنام اور مسلمانوں کو ذلیل وتباہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے اور قوم کو اس عذاب سے جلد نجات دے۔

19 اکتوبر 1936ء

کیا مسیلمہ کذاب رسول اللہ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا؟

مولٰینا احمد علی صاحب کا عدالت میں بیان

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

8 ستمبر 1936ء کو میری شہادت بمقدمہ سرکار بنام فیض الحسن بمقام گورداسپور تھی۔ اور مجھ پر یہ سوال کیا گیا تھا کہ کیا مدعی نبوت کو مرتد کہا جائے گا یا نہ۔ جس کا جواب میں نے یہ دیا کہ مدعی نبوت بلا شبہ مرتد ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ جس پر دوسرا سوال یہ کیا گیا کہ کیا ایسے آدمی کو قتل کیا جائے گا؟ یہ مسائل کہ مرتد واجب القتل ہے یا نہیں اور مرتد کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے یا نہ۔ ایک عرصہ دراز سے میرے زیر تحقیق رہے ہیں۔ اور اول مرتبہ میں نے ان مسائل پر 1907ء میں غور کیا۔ جب پنجاب چیفکورٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ جو مسلمان عورت عیسائی ہو جائے، اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے مسلمان خاوند کو چھوڑ کر کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے۔ میری اس تحقیقات کا نتیجہ، جو 1908ء میں ''ریویو آف ریلجنز'' میں شائع ہوا، یہ تھا کہ فی الواقع نہ قرآن کریم میں مرتد کے لئے سزائے قتل کا ذکر ہے اور نہ ہی کسی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے کسی شخص کو محض ارتداد کی وجہ سے سزائے قتل دی ہو۔ بلکہ صحیح بخاری میں مثالیں موجود ہیں کہ ایک شخص مرتد ہو گیا اور آپ نے اسے کوئی سزا نہیں دی اور جن مرتدین کو سزا دی وہ صرف اس لئے کہ انہوں نے کوئی خون کیا تھا یا اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کی۔ پس قرآن کریم کی کھلی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کہ آپ نے محض ارتداد کی وجہ سے کسی شخص کو قتل نہیں کیا۔ دونوں اس امر پر بین گواہ ہیں کہ نہ مرتد واجب القتل ہے اور نہ مرتد کا نکاح فسخ ہوتا ہے۔ تو اس دوسرے سوال کے جواب میں میں نے یہ کہا کہ محض ارتداد یا دعوٰی نبوت کی وجہ سے کوئی شخص واجب القتل نہیں اور اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ مسیلمہ کذاب جو یقیناً نبوت باطلہ کا مدعی تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپؐ نے نہ اس کے قتل کرنے کا حکم دیا اور نہ اسے کوئی اور سزا دی۔

میری اس شہادت کے بعد ڈلہوزی میں وکلائے مقدمہ میں سے ایک صاحب نے مجھے کہا کہ

مولٰینا احمد علی صاحب، جنہیں میرے بعد بطور گواہ بلایا گیا، میری اس شہادت کی تردید کر گئے ہیں۔ اور وہ تاریخی حوالے دے کر ثابت کر گئے ہیں کہ مسیلمہ کذاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا۔ آپ ان کا بیان اخبار ''احسان'' میں پڑھ سکتے ہیں۔ چنانچہ لاہور پہنچ کر میں نے اخبار احسان منگوایا تو میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ مولٰینا احمد علی نے اس تاریخی واقعہ کا، جو کھلی تاریخی شہادت سے پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے، صاف الفاظ میں انکار کیا۔ اور یہ ان کی شہادت ''احسان'' 19 ستمبر 1936ء میں صفحہ 7 پر چھپی ہوئی موجود ہے۔ ان کی گواہی کی ابتداء اس امتیازی فقرہ ہوتی ہے کہ ''میں ایک سند یافتہ عالم دین ہوں''۔ مگر آگے چل کر جو بیان دیا وہ ایک عالم دین کے شایان شان نہ تھا۔ چہ جائیکہ سند یافتہ عالم دین ہو۔ وہ بیان یہ ہے۔

> ''قرآن شریف میں مرتد کی سزائے قتل کی صریح آیت یاد نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں مسیلمہ کذاب نے دعوٰی نبوت کیا تھا۔ مسیلمہ کذاب خود نبی کریمؐ کے سامنے نہیں گیا۔ بلکہ قاصد گیا تھا۔''

اول تو مولٰینا احمد علی جیسے متبحر عالم کو، جو دن رات درس قرآن دیتے ہیں، یہ کہنا کہ مجھے صریح آیت قرآنی یاد نہیں، جس میں مرتد کی سزا قتل ہو، اخفائے حق کا مصداق ہے۔ جب وہ شہادت دینے لگے تھے تو انہیں علم تھا کہ مرتد کے قتل کے جواز عدم جواز کا سوال وہاں ہے۔ وہ تفسیروں اور فقہ کے حوالے نکال کر ساتھ لے گئے۔ چنانچہ ان کی شہادت میں تفاسیر اور فقہ کے حوالے موجود ہیں۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ قرآن کی آیت انہیں یاد نہ رہی۔ اگر وہ صاف الفاظ میں کہہ دیتے کہ کوئی ایسی آیت موجود نہیں ہے۔ تو شانِ عالمانہ کے یہ زیادہ شایان تھا!

اور ان کا دوسرا بیان تو بہت ہی قابل افسوس ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ مسیلمہ کذاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہی نہیں ہوا۔ حالانکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں یہ صاف الفاظ میں مذکور ہے

عن ابن عباس قال قدم مسیلمة الکذاب عَلٰی عهد رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم فجعل یقول ان جعل لی محمدالا مرمن بعده تبعتهٗ

وقد مها فی بشر کثیرا من قومه فاقبل الیه رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ومعه ثابت بن قیس بن شماس وفی ید رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم قطعة جرید حتّٰی وقف علٰی مسیلمة فی اصحابه فقال لو سأُلتنی هٰذه القطعة مااعطیتکها.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہا مسیلمہ کذاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آیا اور کہنے لگا اگر محمدؐ نے اپنے بعد حکومت میرے لئے مقرر کر دی تو میں ان کا پیرو رہوں گا اور اپنی قوم کے بہت سے آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ آیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس گئے اور آپ کے ساتھ ثابت بن قیس بن شماس تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ آپ مسیلمہ کے پاس جو اپنے گروہ میں تھا کھڑے ہو گئے اور فرمایا اگر تو مجھ سے یہ چھڑی بھی مانگے۔ تو میں تجھے نہ دوں گا۔

یہ حدیث انہی الفاظ سے بخاری کتاب المناقب میں اور پھر کتاب المغازی میں آئی ہے۔ اور مسلم میں بھی انہی الفاظ سے ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ نہ صرف مسیلمہ مدینہ میں آیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے پاس گئے اور اس سے گفتگو کی۔ مگر کسی سزا کا حکم نہ اس وقت دیا نہ بعد میں۔ ہاں جب آنحضرتؐ کی وفات کے بعد سارے ملک عرب میں بغاوت ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے بہت سی مہمات مختلف اطراف عرب میں روانہ کیں۔ ان میں سے ایک مہم مسیلمہ کے خلاف تھی اور وہ جنگ میں مارا گیا۔ ان میں سے بعض مہمات ایسے مسلمانوں کے خلاف بھی تھیں جنہوں نے صرف زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ امید ہے کہ مولٰینا احمد علی صاحب اپنی اس غلط بیانی کی تردید فوراً شائع کر دیں گے۔

خاکسار محمد علی

15 اکتوبر 1936ء

19 اکتوبر 1936ء
تبصرہ کتاب

ایک مکمل نظام

''ریلیجن آف اسلام'' پر مولانا محمد مارماڈیوک پکتھال مرحوم کا فاضلانہ تبصرہ

مشہور انگریز نومسلم فاضل مولانا محمد مارماڈیوک پکتھال مرحوم، جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے، کے نام سے اکثر قارئین پیغام صلح واقف ہوں گے۔ ایک معزز گھرانہ کے فرد تھے۔ انگریزی کے بہترین انشاء پرداز ہونے کے علاوہ عربی زبان پر خاطر خواہ عبور تھا۔ فطرت بھی سعید تھی۔ مختلف مذاہب کے مطالعہ کے بعد اسلام قبول کیا تو اس قدر پکے اور سچے مسلمان بنے کہ اس نومسلم انگریز پر ہر ایک مسلم کو رشک آئے۔ چند سال ہوئے سفر حیدر آباد میں خاکسار مدیر کو آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اور آپ کے حالات مختلف احباب کی زبانی سنے۔ بے شک آپ کی زندگی ایک مومن کی زندگی تھی۔ آپ نے بہت سی خدمات دینی انجام دیں۔ جن میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اعلیٰ حضرت نظام نے دیگر خدمات کے علاوہ رسالہ ''اسلامک کلچر'' کی ادارت بھی آپ کے سپرد فرمائی تھی۔ اس فرض کو آپ نے برسوں نہایت قابلیت اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ زندگی کے آخری ایام میں مرحوم نے حضرت امیر ایدہ اللہ کی نئی انگریزی تصنیف ''ریلیجن آف اسلام'' پر مفصل ریویو لکھا۔ جو رسالہ مذکور میں شائع ہوا ہے۔ یہ ریویو غالباً آپ کی آخری تحریر ہے۔ اس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ مولانا محمد ماڈیوک پکتھال کے یہ خیالات سب دوستوں اور مخالفوں کے لئے قابل غور ہیں۔ مدیر

تجدید اسلام کے متعلق مولانا محمد علی صاحب کی خدمات: غالباً اس وقت کوئی ایسا زندہ انسان نہیں جس نے تجدید اسلام کی اس قدر طویل اور بے بہا خدمات سرانجام دی ہوں۔ جیسے کہ مولانا محمد علی صاحب (امیر جماعت احمدیہ) لاہور نے سرانجام دی ہیں۔ مولانا موصوف اور خواجہ کمال الدین مرحوم

کی تصانیف نے تحریک احمدیت کی شہرت اور فضیلت کو چار چاند لگا دئے ہیں، ہماری نگاہ میں ''ریلجن آف اسلام'' آپ کی بہترین تصنیف ہے۔ اس لئے کہ ایک تو یہ فرقہ وارانہ مباحث سے مبرا ہے۔ اور دوسرے اس کی زبان انگریزی ادبیت کے لحاظ سے بے عیب (Perfect) ہے۔ اسلام کی یہ توضیح ایک ایسے بزرگ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے جو کہ علوم قرآن وسنت کا متجر اور جید عالم ہے۔ جس کے قلب میں گذشتہ پانچ صدیوں کے اسلامی تنزل کی ندامت کا احساس ہے اور جس کی روح اسلام کی اس ترقی اور تجدید کی امیدوں سے لبریز ہے جس کے آثار آج ہر طرف ہویدا ہیں۔

مصنف کی دعوت تجدید کی خصوصیت: عبادات اور فرائض دینی کے متعلق احادیث وروایات مذہبی سے سرمو انحراف کئے بغیر قابل مصنف نے ایک وسیع میدان پیش کیا ہے۔ جس میں تغیرات جائز ہیں اور ہونے چاہئیں۔ کیونکہ ان صورتوں میں رسوم اور اعمال کی بنیاد نہ تو کسی قرآنی حکم پر مبنی ہے اور نہ ہی اقوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اور جونہی وہ قومی ضروریات کے پورا کرنے سے عاجز آ جائیں، ان میں تبدیلی لازمی امر ہے۔ اس زمانہ میں ایسی کتاب کا ہونا نعمت غیر مترقبہ ہے۔ جب کہ بہت سے اسلامی ممالک میں ہم ایسے اشخاص پاتے ہیں جو کہ تجدید اور اصلاح کے جوش میں اس علم سے محض بے بہرہ ہونے کی وجہ سے نہایت فاش غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اس کتاب کی ضرورت کس طرح محسوس ہوئی؟: مصنف موصوف نے یہ کتاب ایک غیر مسلم کے اسلام کے متعلق غلط نظریات کی تردید کے پیش نظر لکھنی شروع کی۔ جیسا کہ کتاب کے دیباچہ کی مندرجہ ذیل تحریر واضح کرتی ہے۔

> ''ریلجن آف اسلام'' اس کتاب کا نام ہے جو ریونڈ ایف کلین نے لکھ کر 1906ء میں شائع کی۔ 1928ء میں ایک دوست کی نوازش سے یہ کتاب مجھے ہاتھ لگی۔ انہوں نے بتایا کہ اس کتاب کو پڑھ کر مجھے نہایت تکلیف ہوئی ہے۔ کیونکہ اسلام کی نہایت غلط تصویر اس میں پیش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی مجھے فرمایا کہ میں اس کے جواب میں ایک مفصل کتاب لکھوں۔ جس میں اسلام کا صحیح نقشہ اور اس کی تعلیم کی مکمل تشریح ہو۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا امیر ہونے کی وجہ سے جو گونا گوں فرائض مجھ پر عائد

ہوتے تھے۔اس کام میں زبردست رکاوٹ کا موجب تھے۔مگر فرض کا احساس غالب آیا اور میں نے کلین کی کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد موجودہ کتاب لکھنی شروع کردی۔اور یہ کتاب اسی نام سے آج شائع کی جارہی ہے۔''

یہ کتاب غیر مسلموں سے زیادہ مسلمانوں کے لئے مفید ہے: درحقیقت جیسا کہ اکثر اسلامی تبلیغی تصانیف کے متعلق درست ہے یہ کتاب غیر مسلموں کی نسبت مسلمانوں پر زیادہ اثر انداز ہوگی۔اگرچہ صاحب مصنف اکثر فقہی مسائل سے اختلاف رکھتے ہیں۔لیکن وہ خود بھی فقیہہ ہیں (اگرچہ بہت ہی وسیع القلب فقیہہ ہیں) ان کے دلائل اور اسلوب بیان ہر دو فقیہانہ شان سے مزین ہیں۔کتاب کا اسلوب بیان عیسائی حقیقت ناشناس معاندین سے بالکل جداگانہ ہے۔اور مغرب میں وہی معدودے چند لوگ اس کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔جنہوں نے قبل ازیں اسلام کا قدرے مطالعہ کیا ہے۔اس کے برعکس مسلمان اس طرز تحریر سے آشنا ہیں۔ان پر اس کی خصوصیت اور موزونیت فوراً واضح ہوجائے گی اور اس کا نفس مضمون ان کے لئے بے اندازہ دلچسپ اور کشش کا باعث ہوگا۔

فاضل مصنف کی معقولیت خلوص اور عشق قرآن: ہمیں مولانا کے چھوٹے چھوٹے امور کے نتائج سے بعض وقت اتفاق نہیں ہوتا۔مگر آپ کے دلائل اور استدلال ہمیشہ پرزور اور ثقہ ہوتے ہیں۔آپ کا گہرا اخلاص ہر وقت ہمارے پیش نظر ہے اور آپ کا قرآن سے عشق اور انہماک ہی اس عظیم المرتبت تصنیف کے تمام اہم امور میں درست ہونے کی کافی ضمانت ہے۔بے شک کچھ ایسے اشخاص بھی ہیں۔جو آپ کے اخذ کردہ مسائل سے مخالفت کا اظہار کریں گے مگر وہ لوگ ایسے ہی ہوں گے۔جن سے اسلام کو مستقبل میں کسی قسم کی امید نہیں ہے۔

کتاب ہر لحاظ سے جامع اور مانع ہے: آپ نے کتاب کی ابتداء ایسے امور کی تشریح سے کی ہے۔جنہیں آپ تعلیمات اسلامی کا منبع یا اصل رکھتے ہیں۔مثلاً قرآن، حدیث، اجتہاد اور اجماع۔

یہاں آپ ان یورپی ناقدین سے سخت اختلاف ظاہر کرتے ہیں۔جو اسلامی تعلیم کی اصل دیگر مذاہب یا قدیم عربوں میں مروجہ قصص کو قرار دیتے ہیں۔اس کے بعد ایمان، توحید، صفات الٰہیہ، ملائکہ، الہامی کتب، انبیاء، حیات بعد الممات، تقدیر، نماز، زکوٰۃ، صیام، حج، جہاد، نکاح، املاک، وراثت

وغیرہ کے ابواب باندھے ہیں۔ ان ہی سے واضح ہے کہ کتاب جامع و مانع و مفصل ہے۔ ہر باب مکمل شرح و تفصیل پر مشتمل ہے اور آپ کی تحقیق اور تبحر علمی پر روشنی ڈالتا ہے۔ تقدیر، ملائکہ اور حیات بعد الممات کے ابواب کو اس لحاظ سے پڑھ جایئے کہ ایک اسلاف کے متبع روشن خیال بزرگ اور موجودہ دور کے عقلاء میں (ریشنلسٹ یا وہ لوگ جو اسلاف کی تشریحات کی پرواہ نہیں کرتے) کیا عظیم الشان اور بین تفاوت موجود ہے!

اجتہاد کے متعلق مصنف کے بلند خیالات: آپ نے اجتہاد کے متعلق جن بلند خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ میں اشد ضروری سمجھتا ہوں کہ کتاب کے باب اجتہاد سے قدرے عبارت نقل کروں۔ کیونکہ اجتہاد ہی دراصل مسئلہ تجدید و نشاۃ ثانیہ کی روح ہے۔

''اعاظم مجتہدین نے نہ صرف نئے حالات کے متعلق اجتہاد سے کام لیا، بلکہ قوانین کی تدوین میں ایک دوسرے سے اختلاف بھی کیا۔ جس سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ ان میں سے کوئی دوسرے کو خطا سے مبرا تصور نہیں کرتا تھا۔ اگر اس وقت وہ معصوم عن الخطا نہیں تھے تو آج اس قدر صدیاں گزرنے کے بعد جب کہ امتداد زمانہ نے ہی نئی ضروریات کے لئے نئے قوانین کی ضرورت پیدا کر دی ہے، کس بات نے انہیں غلطیوں سے مبرا قرار دے دیا ہے۔

اس امر میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اجتہاد کا دروازہ کھولا اور اس بات کو بھی سب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے کہیں نہیں فرمایا کہ کسی خاص وقت کے گزرنے پر اس دروازہ کو مسدود قرار دیا جائے۔ یہاں تک کہ آئمہ عظامؒ نے بھی کہیں اجتہاد کی بندش کا حکم صادر نہیں فرمایا۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور احمد بن حنبل نے کہیں بھی یہ تحریر نہیں فرمایا کہ ہمارے بعد کسی کو اپنی رائے کے مطابق فیصلہ دینے کی اجازت نہیں۔ نہ ہی کسی نے معصوم عن الخطا ہونے کا دعوٰی کیا۔ نہ ہی کسی اصول کی کتاب میں مرقوم ہے کہ آئمہ اربعہ کے بعد نئے قوانین وضع کرنے کے لئے مسلمانوں کو اپنا فیصلہ دینے کا اختیار نہیں اور نہ ہی یہ کہ ان آئمہ کا اجتہاد وہی اقتدار اور درجہ رکھتا ہے۔ جو قرآن و سنت کا ہے۔ اجتہاد مسلمانوں کے لئے رحمت عظمٰی کا حکم رکھتا تھا۔ اسی کی بدولت آئندہ نسلوں اور اسلام میں نئی داخل ہونے والی مختلف اقوام کی ضروریات کا انتظام ہوسکتا تھا۔ پیغمبر اسلامؐ، صحابہ کرامؓ اور

آئمہ عظام میں سے کسی نے نہیں فرمایا کہ نئے پیدا شدہ حالات اور بڑھتی ہوئی قوم کی بیش از بیش ضروریات کی موجودگی میں بھی ایک خاص وقت کے بعد مسلمانوں کو اپنی رائے سے فیصلہ دینے کی قطعی ممانعت ہے۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی نے فرمایا اور کہہ بھی کیسے سکتے تھے کہ دوسری صدی کے بعد نئے حالات کبھی پیدا ہی نہیں ہوں گے۔ واقعہ یوں ہوا کہ تیسری صدی کے بزرگان قوم کی توجہ احادیث کے جمع کرنے اور تنقید کی طرف مبذول ہوگئی۔ دوسری طرف آئمہ اربعہ عام مقتّین کے مقابلہ پر اس قدر بلند مقام پر جا پہنچے کہ ان کی ہستی آئمہ کے ارفع واعلیٰ مقام کے آگے ہیچ نظر آنے لگی اور آہستہ آہستہ یہ بات لوگوں کے قلوب پر نقش ہوگئی کہ اب کوئی شخص ان آئمہ کرام کی تقلید سے آزاد ہو کر فیصلہ جات نہیں دے سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اجتہاد اور آزادی رائے پر، جسے اسلام ہی نے تازہ زندگی بخشی تھی، قیود عائد کر دی گئیں۔ اس غلط اثر کی بندش سے اسلامی اذہان کو ضرب کاری لگی اور علم کی بڑھتی ہوئی مانگ یکسر رک گئی۔ جس سے جہالت اور ہلاکت خیز سکون کا دور دورہ ہو گیا''

مولانا محمد علی صاحب کا اپنا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ عین اسلامی ہے کہ اللہ تعالیٰ آخر کار اپنی رحمت سے تمام نسل انسانی کو بخش دے گا اور اس عقیدہ کی بنیاد آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پر رکھی ہے۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

> ''تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ملائکہ اور انبیاء شفاعت کر چکے ہیں اور اب ارحم الراحمین باقی رہ گیا ہے۔ تب وہ دوزخ سے ایک مٹھی بھرے گا اور ایسے لوگوں کو، جنہوں نے کوئی بھی نیکی نہیں کی ہوگی، باہر نکال دے گا۔'' ہمارے مصنف نے اس پر ان الفاظ کا اضافہ فرمایا کہ ''خدا کی مٹھی سے کچھ بھی باہر نہیں رہ سکتا۔''

کتاب کے ظاہری محاسن: کتاب اپنی طباعت اور ظاہری محاسن کے لحاظ سے بھی اس قابل ہے کہ اس کے ناشرین کی محنت کی داد دی جائے اور ہندوستان میں طبع شدہ دیگر انگریزی کتب کی نسبت اس میں اغلاط نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ہم اس کی سفارش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اسلامی خیالات کو ابھارنے والی ہے۔ پرانے انگریزی محاورہ کے مطابق یہ ایک رفعت بخش کتاب ہے (مترجمہ مولوی غلام نبی صاحب بی۔اے)

3 نومبر 1936ء
اداریہ

ایک مبارک و پر مسرت تقریب

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی کا عقد

23 اکتوبر کی اشاعت میں ''اخبار احمدیہ'' کے زیرعنوان یہ خبر مختصر الفاظ میں درج ہو چکی ہے کہ 22 اکتوبر کو حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی تیسری صاحبزادی عزیزہ اختر جبیں بی اے کا عقد پانچ ہزار روپے مہر پر شیخ نذیر احمد صاحب ایم ایس سی پروفیسر فارمن کرسچن کالج لاہور سے ہوا۔ خطبہ نکاح حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے پڑھا۔ چونکہ خاکسار مدیر رخصت پر تھا اس لئے اس مبارک تقریب کی مناسب تفصیلات جلد پیش نہ کی جا سکیں۔ اب معذرت کے ساتھ مندرجہ ذیل سطور کے ذریعہ فروگذاشت کی تلافی کی جاتی ہے۔ اس تقریب کا ذکر ہم اس لئے بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ فضول و غیر شرعی رسوم سے کامل اجتناب، سادگی اور خوش سلیقگی کے لحاظ سے یہ ایک نہایت عمدہ اور قابل تقلید تقریب تھی۔

ممکن ہے بعض بیرونی احباب پروفیسر نذیر احمد صاحب سے واقف نہ ہوں۔ لہٰذا برات اور مجلس نکاح کی کیفیت لکھنے سے پیشتر ان کا تعارف ضروری ہے۔ آپ ہوشیار پور کے ایک معزز خاندان کے فرد ہیں۔ امریکہ میں سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سال سے کالج مذکور میں کیمسٹری کے پروفیسر ہیں۔ 22 اکتوبر گیارہ بجے کے قریب برات دولھا کی قیام گاہ 37 ملتان روڈ لاہور سے احمدیہ بلڈنگس پہنچی۔ برات میں عزیز و اقارب کے علاوہ مختلف مقامی کالجوں اور پنجاب یونیورسٹی کے متعدد، ہندو، مسلم، سکھ اور یورپین اساتذہ شریک تھے۔ احمدیہ بلڈنگس میں بزرگان و احباب جماعت اور شہر کے مسلم اکابر کثیر تعداد میں استقبال کے لئے موجود تھے۔ مسلم ہائی سکول کی عمارت میں نشست اور طعام کا صاف ستھرا معقول انتظام تھا۔ سب سے پہلے مہمانوں کی ٹھنڈے مشروبات سے تواضع کی گئی اس کے بعد حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے خطبہ نکاح ارشاد فرمایا۔

مولانا ممدوح نے خطبہ میں نہایت مؤثر انداز میں اسلام، قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احسانات کو بیان کیا جو صنف نازک پر کئے گئے ہیں۔ نیز آپ نے مرد و عورت

کے تعلقات کی نزاکت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن کریم کے ان پُر حکمت قوانین اور احکام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ عمل کو پیش کیا۔جن سے ازدواجی زندگی بہشت کا نمونہ بن سکتی ہے۔آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مرعورت دونوں نوع انسانی کے حصے ہیں۔لیکن مرد ابتدائے آفرنیش سے عورت پر ظلم کرتا آیا ہے اور اب تک یورپ، امریکہ، ایشیاء، افریقہ غرضیکہ ساری دنیا میں عورت پر ظلم ہو رہا ہے۔وہ اپنے حقوق سے محروم ہے۔مرد کو اس ظلم سے روکنے اور عورت کے حقوق کی حفاظت کے لئے صرف ایک آواز بلند ہوئی ہے۔اور وہ آواز قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔دنیا کی فلاح اسی آواز پر عمل کرنے میں ہے۔اعلان نکاح کے بعد مہمانوں کو نہایت خوش انتظامی سے کھانا کھلایا گیا۔کھانے سے فارغ ہو کر اکثر مہمان واپس تشریف لے گئے۔شام کو نماز مغرب کے بعد رخصتی عمل میں آئی۔

ہم اس تقریب سعید پر حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ، محترمہ بیگم صاحبہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، پروفیسر نذیر احمد صاحب اور ان کے تمام افراد خاندان بالخصوص ان کے تایا شیخ فضل محمد صاحب اور ان کی بھاوج بسم اللہ بیگم عصمت کی خدمت میں ساری جماعت کی طرف سے دلی مبارکباد عرض کرتے ہیں۔دعا ہے اللہ تعالیٰ اس رشتہ کو فریقین کے لئے باعث بابرکت بنائے۔

3 نومبر 1936ء

ایک خدائی حکم کے متعلق اتمام حجت

اے قوم من بگفتہ من تنگدل مباش

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

وعظ و عمل کا فرق: وعظ آسان ہے مگر عمل مشکل۔ دوسروں کو کہنا آسان ہے۔ خود کرنا مشکل۔ دوسروں کی حالت پر رونا آسان ہے۔ اپنی حالت پر ایک آنسو بھی بہانا مشکل۔ کس قدر ہمارا وقت دوسروں کی کمزوریوں کے گننے میں لگتا ہے۔ لیکن اپنی کمزوری پر نظر نہیں پڑتی۔ ہم مسلمانوں کے سامنے مجدد کی حدیث پیش کرتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ بعض لوگ آج اس حدیث کو کمزور بتا رہے ہیں جس کی صحت پر حفاظ حدیث کا اتفاق ہے۔ جس کے ماتحت بڑے بڑے بزرگان دین نے مجددیت کے دعوے کئے۔ ہم قادیانی جماعت کے سامنے حضرت صاحب کے اپنے الفاظ پیش کرتے ہیں کہ میری طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنا مجھ پر افتراء ہے۔ آپ کے قلم سے لکھے ہوئے یہ الفاظ دکھاتے ہیں کہ ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ یہ بھی دکھاتے ہیں کہ آپ نے صراحتاً لفظ نبی کے استعمال کو مجاز کہا ہے۔ استعارہ کہا ہے۔ اور ان کی حالت پر روتے ہیں کہ یہ لوگ ان سیدھی باتوں سے کیوں منہ پھیر رہے ہیں۔ ہم انہیں حضرت صاحب کے چار فتوے، دو آپ کی زبان سے، دو آپ کے قلم سے لکھے ہوئے دکھاتے ہیں کہ آپ نے دوسرے مسلمانوں کے جنازے کو جائز قرار دیا۔ خود ان لوگوں کے جنازے پڑھے جو آپ کی جماعت میں شامل نہ تھے۔ بلکہ بعض معمولی مخالفت کرنے والوں کے جنازے بھی پڑھے۔ اور ہمیں ان پر کس قدر رنج آتا ہے کہ وہ ایک طرف تو حضرت صاحب کو نبوت کے مقام پر کھڑا کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ کے احکام کی اتنی بھی پروا نہیں کرتے جس قدر ایک غیر مامور کے احکام کی پروا کرتے ہیں جو مجدد بھی نہیں۔ ہم انہیں کہتے ہیں کہ یہ کیا ایمانداری ہے کہ حضرت صاحب کے اس صریح فتوے سے انحراف کر کے کلمہ گوؤں کو کافر بنایا جاتا ہے۔

ہماری اپنی حالت: لیکن آیئے اب ہم خود بھی سوچیں کہ ہم خدا اور اس کے رسول کے احکام کی کس قدر

پروا کرتے ہیں۔ ایک زکوٰۃ کا مسئلہ لے لو۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ مگر ہم میں ابھی وہ لوگ ہیں جو اس حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔ ہمارے گھروں میں 75 فیصد عورتیں ہیں جن کے پاس زیورات ہیں اور زیور پر زکوٰۃ کا حکم صراحت کے ساتھ حدیث میں موجود ہے۔ مگر حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر دفتر سے تحریک بھی چلی جائے تو اس کی پروا نہیں ہوتی اور نہ اسے خواتین تک پہنچایا جاتا ہے۔ اور اگر کبھی وقت پر دل میں یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ خدا کے حکم کی تعمیل ہونی چاہئے تو وہ اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ عمل میں نہیں آتی۔

حکم زکوٰۃ کے متعلق غلط فہمی: کئی لوگ وہ ہیں جو یہ خیال کر لیتے ہیں کہ زکوٰۃ خدا کا حکم تو ضرور ہے مگر یہ کافی ہے کہ ہم اپنے طور پر کسی غریب رشتہ دار کی مدد کر دیتے ہیں یا کسی سائل کو دے دیتے ہیں۔ یہ خیرات تو کہلا سکتی ہے مگر یہ زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ وہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق کو بعض مسلمان قوموں نے یہ پیغام بھیجا کہ ہم اپنی زکوٰۃ اپنے طور پر خرچ کر لیں گے تو آپ نے فرمایا کہ جو ایک اونٹ باندھنے کی رسی بھی زکوٰۃ کے مال میں سے روکے گا میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا۔

دو تہائی زکوٰۃ کا بیت المال میں جمع ہونا ضروری ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل مقرر تھے جو زکوٰۃ جمع کر کے لاتے اور آپ اسے بیت المال سے تقسیم کرتے۔ تو قرآن کریم میں حکم موجود ہے **وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا** (60:9)۔ اور زکوٰۃ جمع کرنے والوں کے تقرر کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ زکوٰۃ کا مال جو غربا اور مساکین وغیرہ میں تقسیم ہونا چاہئے اور جو جہاد بالسیف یا جہاد بالقلم پر لگنا چاہئے اس کا ایک حصہ زکوٰۃ جمع کرنے والوں کے لئے بھی قرار دیا ہے۔ ہاں صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ایک تہائی زکوٰۃ تک مقامی ضروریات پر خرچ کر لی جائے۔ لیکن باقی دو تہائی کا بیت المال میں آ کر تقسیم ہونا ضروری ہے۔

خواتین کا ایک اعتراض اور اس کا جواب: بعض خواتین نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر ہم ہر سال اپنے زیور میں سے زکوٰۃ دیں تو وہ تو تھوڑے دنوں میں ختم ہو جائے گا۔ مگر کبھی حساب کیا کہ کب؟ چالیس سال میں اگر ایک عورت بیس سال کی عمر میں زکوٰۃ دینا شروع کرے تو ساٹھ سال کی عمر میں وہ ختم ہو جائے گا۔ مگر بہت ہوں گی کہ وہ خود اس سے قبل ختم ہو جاتی ہیں۔ کاش کہ وہ سوچیں کہ اگر یہ زیور ہماری آخرت

کے لئے خدا کے ہاں جمع ہوتا رہے تو کیا اس سے بہتر نہیں کہ یہاں اسے پیچھے دوسروں کے لئے چھوڑ جائیں۔ وہ کچھ مدت اس سے اپنی جسمانی آرائش کا کام لیں اور بالآخر زکوٰۃ کے ذریعہ سے آگے بھیج کر اپنی ہمیشہ کی آسائش کا موجب بنائیں تو اس سے بہتر اور کیا ہے؟

اگر ہم لوگ ایک مسلم جماعت کا نمونہ قائم کرنا چاہتے ہیں اور بغیر اس نمونے کو قائم کرنے کے ہمارا اشاعت اسلام کا دعوٰی بے معنی ہے تو ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم خود خدا اور اس کے رسول کے احکام کے سامنے اپنا سر جھکانے کو اپنا اصول بنائیں۔ پہلے خود مسلم بنیں پھر دوسروں کو مسلم بنائیں اور اگر ہم آپ ہی خدا کے احکام کے سامنے سر نہیں جھکاتے تو دوسروں کو کس غرض کے لئے بلاتے ہیں! ایک دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والی جماعت کے لئے یہ موزوں نہیں۔ اوروں میں یہ کمزوریاں ہوں تو الگ بات ہے۔ لیکن اگر ہم میں یہ کمزوری ہے تو یہ ہمارے کام کو کبھی کامیاب نہ ہونے دے گی۔ خدا کے احکام کے سامنے سر جھکانے کو اپنی زندگی کا اصول بناؤ۔

اتمام حجت: میں آج اتمام حجت کے لئے سب احباب کے سامنے یہ خدا کا حکم رکھتا ہوں۔ وہ اپنے اپنے گھروں میں اپنی بیویوں کو یہ پیغام پہنچا دیں کہ وہ فوراً اپنے زیور کی زکوٰۃ کا حساب کر کے اسے قومی بیت المال میں پہنچا دیں۔ وہ خود اپنے اموال کا جائزہ لیں کہ جو مال ایک سال تک ان کے پاس رہا ہے اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر ادا کریں۔ مفصل رسالہ پہلے بھیجا جا چکا ہے اور جس دوست کو نہ پہنچا ہو وہ اپنی مقامی جماعت سے لے سکتا ہے یا مرکزی انجمن کے دفتر سے منگوا سکتا ہے۔ مگر چاہئے کہ ہم سب کے سب یک دل اور یک زبان ہو کر یہ اقرار کریں کہ اے خدا تیرے حکموں کے سامنے ہمارے مال تو کیا ہماری جانیں بھی حاضر ہیں!

7 نومبر 1936ء
اداریہ

دو مجاہدوں کی طرف دعوت

جماعت احمدیہ لاہور کا تعمیری پروگرام

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

گذشتہ سال کا مجاہدہ اور اس کے نتائج!: سال گذشتہ جب ہماری مخالفت انتہاء پر پہنچی ہوئی تھی اور لوگ ایسا سمجھتے تھے کہ اب یہ جماعت تباہ ہوگئی، میں نے اپنے احباب کو ایک چالیس دن کے مجاہدہ کی دعوت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کی دعا کو سنتا ہے۔ اس جماعت کی دعاؤں کو کیوں نہ سنتا۔ جو اس کے نام کو دنیا میں پھیلانے اور اس کے کلام کو دنیا میں پہنچانے کی تڑپ اپنے سینوں کے اندر رکھتی ہے۔ نہ صرف دشمن اپنی انتہائی قوت صرف کر کے اپنے مقصد کو حاصل نہ کر سکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے استحکام کی نئی راہیں کھول دیں۔

تعمیری پروگرام کی بنیاد۔ دو نئے مجاھدے: میری غرض اس وقت ان کو بیان کرنا نہیں۔ یہ باتیں اس وقت آپ کے سامنے آئیں گی۔ جب آپ آج سے پونے دو ماہ بعد سالانہ جلسہ کے موقع پر جمع ہوں گے۔

اس وقت میں آپ کو دو خاص مجاہدوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ اور انہی پر اپنے سارے تعمیری پروگرام کی بنیاد رکھنا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کا تعلق اس ایک ہی بات سے ہے کہ ہم نہایت درجے کی عاجزی کے ساتھ اور انتہائی بے کسی کی حالت میں آستانہ الٰہی پر گریں۔

پہلا مجاہدہ: ان میں سے پہلا مجاہدہ تو صرف خاص خاص احباب کے لئے ہے۔ جس کے متعلق میں اپنے خطبوں میں بھی توجہ دلا چکا ہوں۔ یعنی جماعت کے وہ بزرگ جو چالیس سال کی عمر کو پہنچ چکے ہیں وہ پچھلی رات اٹھنے کی عادت ڈالیں اور نماز تہجد پر مداومت اختیار کریں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب ایک تہائی رات باقی رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آتی ہے کون ہے جو مجھ سے مانگے۔ تاکہ میں اسے دوں۔ یہ مخبر صادق کا ارشاد ہے۔ اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (79:17) جس ذریعے سے ہمارے آقا کو مقام محمود عطا ہوا۔اسی ذریعے سے ہم کو بھی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق حصہ مل سکتا ہے۔پس پہلا مجاہدہ جس کی طرف میں احباب جماعت کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ جماعت کے ان اصحاب میں سے جو چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر ارشاد الٰہی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً (15:46) کے مطابق روحانی بلوغ حاصل کر چکے ہیں ایک بھی فرد ایسا نہ رہے جو مستقل طور پر تہجد کی عادت نہ رکھتا ہو۔کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی غفلتوں کو چھوڑیں۔کیا ہماری عبودیت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہمیں پکار پکار کر کہے کہ اٹھو اور مجھ سے مانگو اور ہم غفلتوں کے لحافوں میں پڑے سوتے رہیں۔ ایسی غفلت میں تو بہتیری مخلوق پڑی ہوئی ہے۔لیکن اس جماعت کے لئے ،جس کے سینوں میں یہ تڑپ ہے کہ خدا کا نام دنیا میں پہنچے،ایسی غفلت کی حالت میں رہنا مناسب نہیں۔خدا کا نام پھیلانے کے لئے خدا سے مدد مانگو سب کام خالی انسانی کوششوں سے ہو جاتے ہیں لیکن خدا کا نام خدا کے آگے گرنے اور اس سے مدد مانگنے کے سوا نہیں پھیلتا۔

پھر اے عزیزو اور دوستو! اگر اس قدر لوگوں کے ظلم وستم کا تختہ مشق بننے کے بعد بھی ہم خدا کے آگے پوری عاجزی سے نہ گریں تو کیا یہ انتظار ہے کہ اس سے بھی زیادہ مصائب ہم پر آئیں؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکلیف اس لئے آتی ہے کہ ہم اس کی طرف رجوع کریں اور اگر ہم اپنی موجود تکالیف پر خدا کے آگے نہیں گرتے تو مجھے ڈر ہے کہ اس سے زیادہ مشکلات ہم پر نہ آئیں۔

دوسرا مجاہدہ: دوسرا مجاہدہ جس کی طرف میں اپنی قوم کو بلانا چاہتا ہوں۔سال گذشتہ کی طرح چالیس دن کا مجاہدہ ہے۔جس میں ساری جماعت شامل ہو۔اور یہ مجاہدہ یکم رمضان المبارک سے شروع ہو کر 10 یا 11 شوال تک، جو غالباً ہمارے سالانہ اجتماع کا آخری دن ہوگا، جاری رکھا جائے۔اور سال گذشتہ کی طرح نماز فجر اور نماز مغرب میں ہر جگہ جماعت کے سب احباب اکٹھے ہوں اور مل کر دعائیں کریں۔ البتہ اس کے ساتھ میں یہ بھی کہوں گا کہ رمضان المبارک میں تہجد کی نماز کے لئے ساری جماعت اٹھنے کی کوشش کرے۔سحری کے لئے ہم سب اٹھتے ہیں۔اور اس میں کچھ بھی مشکل نہیں کہ اس وقت دو رکعت سے لے کر آٹھ رکعت تک نماز تہجد بھی ادا کی جائے۔یہی وہ تہجد کی خاص تاکید ماہ رمضان میں تھی۔جس

نے بعد میں تراویح کی صورت اختیار کر لی۔ لیکن اگر بعض دوست قرآن شریف سننے کی خاطر تراویح کا اہتمام کرنا بھی چاہتے ہیں تو بھی تہجد ماہ رمضان میں ضرور اختیار کریں۔ اس سے آہستہ آہستہ نماز تہجد کی عادت پڑ جائے گی اور فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے لئے اس سے زیادہ موزوں وقت کوئی نہیں۔

تہجد کی دعائیں: پس اس تنہائی کے وقت میں وہ لوگ بھی، جو رمضان میں تہجد کی نماز کو اپنے اوپر لازم کریں، اور وہ بھی جو تہجد پر مداومت کرنے کا عزم کریں، ان دعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے جاذب ہوں کہ اے خدا! تو حق ہے اور تیرا وعدہ بھی حق ہے اور تیرے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حق ہیں۔ اور تیرا قرآن اور تیرا دین بھی حق ہے۔ تو نے یہ وعدہ کیا ہے کہ تو دین اسلام کو کل دینوں پر غالب فرمائیں گا اے خدا تو اس غلبہ کا دن جلد لا۔ اور ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم تیرے دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچائیں۔

اے خدا! ہم کمزور ہیں۔ ہمارے پاس سامان نہیں۔ لوگ ہمیں ذلیل وخوار کرنا چاہتے ہیں۔ اے خدا ہم تیری جناب میں اپنی کمزوری کی، اپنی بے سروسامانی کی شکایت لاتے ہیں۔ سب طاقت تیرے ہاتھ میں ہے۔ تو ہماری کمزوریوں کو اور ہماری بے سروسامانی کو دور فرما۔ اور اپنے دین کی نصرت ایسی کھلی فرما جس سے لوگوں کو تیری ہستی نظر آ جائے۔

اے خدا! تو جانتا ہے کہ ہمارے دلوں میں یہ ایک ہی تڑپ ہے کہ تیرا نام دنیا میں پھیلے۔ تیرا مقدس پیغام قرآن دنیا کے کناروں تک پہنچے۔ لوگوں کے سر تیرے آستانہ پر جھکیں۔ تیرے دین کی اور تیرے رسول کی عزت دنیا میں قائم ہو۔ سوائے مالک! اے آقا! تو اپنی رحمت کے دروازے ہم پر کھول دے اور اپنے فضلوں کی بارش ہم پر برسا اور اپنی نصرت کی ہوائیں ہمارے لئے چلا دے۔

اے خدا! ہم تھوڑے ہیں۔ تو اپنے دین کے خادموں کی تعداد کو بڑھا۔ تو سب مسلمانوں کے دلوں میں یہ جذبہ پیدا کر کہ وہ تیرے دین کو دنیا میں پھیلانے کے لئے اپنے مال اور اپنی جانیں تیرے حضور پیش کریں۔

اے خدا! تو اس نفرت کو، تو اس ناحق کی عداوت کو دور فرما جو ہمارے بھائیوں کے دلوں میں

ہماری طرف سے بیدار ہوگئی ہے، اور لوگوں کے دلوں میں اپنے مجدد اور اپنے مسیح کی محبت بھی پیدا کر۔ تا کہ وہ اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے خدمت اسلام کے کام میں لگ جائیں۔

اے خدا! تو اس جماعت کو، جس کی غرض تیرے ہی نام کو دنیا میں پھیلانا، تیرے دین کو قوت دینا ہے، ایسی قوت اور ایسا استحکام عطا فرما کہ اس کا قدم ہمیشہ آگے ہی آگے ہو۔ یہاں تک کہ ساری زمین اللہ اکبر کی آواز سے گونج اٹھے اور سب کفرستان مسجدوں سے بھر جائیں۔ محمد علی

<u>قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت 11 نومبر 1936ء</u>

تین ضروری امور: پچھلے اخبار میں میں نے احباب کو تین امور کی طرف توجہ دلائی تھی اول۔ یہ کہ رمضان میں سب احباب نماز تہجد کی پابندی اختیار کریں۔ دوم یہ کہ چالیس سال سے اوپر کے احباب مستقل طور پر اپنے آپ کو پابند تہجد کریں اور ان تنہائی کی گھڑیوں میں آستانہ الٰہی پہ سر رکھتے ہوئے ہمارے دلوں میں کیا تڑپ ہو۔ اس کا ذکر بھی میں اسی اخبار میں کر چکا ہوں۔ ہماری زندگیوں کا الگ الگ اور ہماری جماعتی زندگی کا بحیثیت مجموعی ایک ہی مقصد ہے کہ خدا کا نام بلند ہو۔ خدا کا آخری کلام قرآن شریف دنیا میں پہنچے اور خدا کا یہ وعدہ پورا ہو کہ دین اسلام کل ادیان پر غالب آئے گا۔ پس اسی تڑپ کو لے کر ہم پچھلی رات نزول رحمت الٰہی کا استقبال کریں۔ سوم امر جس کی طرف میں نے توجہ دلائی تھی وہ سال گذشتہ کی طرح چالیس دن کا مجاہدہ ہے۔ جو یکم رمضان سے شروع ہو کر 10-11 شوال تک رہے۔ اس میں ہر مقام کے سب احباب اکٹھے ہو کر دعائیں کریں۔ بالخصوص نماز فجر اور نماز مغرب میں۔ کم سے کم فجر سے تو کوئی دوست غیر حاضر نہ رہے۔ اور سحری کے معاً بعد مسجد یا مقرر کردہ جائے اجتماع پر سب جمع ہو جائیں۔

دعاؤں کے متعلق چند باتیں: ان اجتماع کی دعاؤں کے متعلق بھی میں چند باتیں احباب کی رہنمائی کے لئے لکھنا چاہتا ہوں۔ دعا تو وہی ہے جو دل سے اٹھے۔ اور اس لئے تنہائی کی گھڑیوں اور رات کی تاریکی میں اپنی اپنی جگہ پر جس طرح انسان چاہے دعا کرے۔ جس زبان میں چاہے دعا کرے۔ لیکن جماعت کی دعائیں اور بالخصوص وہ جو رکوع سے اٹھنے کے بعد امام بلند آواز میں کرتا ہے وہ یا تو قرآنی دعائیں ہوں اور یا وہ جو ماثور ہیں۔ ہمارا دین خدا کے فضل سے ایک ایسا کامل دین ہے کہ اس میں

انسان کی رہنمائی کے لئے ہر قسم کا سامان موجود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کے مقابلے اور ہر قسم کی ضرورتیں پیش آئیں۔ اس لئے قرآن شریف اور احادیث کے صفحات ایسی دعاؤں سے بھرے پڑے ہیں جن کی ضرورت ہم آج محسوس کرتے ہیں۔

سورہ الفاتحہ بہترین دعا ہے: سب سے پہلے تو سورہ الفاتحہ ہی ہے جو دنیا کی بہترین دعا ہے۔ یہاں میں اس بحرِ ذخار کے صرف اس ایک مطلب کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو ہمارے مقصدِ زندگی یعنی دینِ اسلام کے کل ادیان پر غلبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جب ہماری زبان سے یہ لفظ نکلیں یا ہمارے کان میں یہ آواز پڑے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ . (1:1) تو ہماری روح اور ہمارے دل کی گہرائیوں میں یہ تڑپ پیدا ہو کہ جس طرح اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا جسمانی رزق دنیا میں عام ہے اسی طرح اس کا رزق روحانی جو مکمل رنگ میں قرآن کریم میں مہیا کیا گیا ہے دنیا میں عام ہو جائے اور اس کی اس ربوبیت سے تمام دنیا کے دلوں سے بے اختیار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کی آواز نکلے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ . (4:1) پر پہنچیں تو اس کے ساتھ روح آستانہ الٰہی پر گر جائے کہ اے خدا تیرا نام اور تیرا کلام دنیا میں پہنچانے کے لئے ہم تو اپنی پوری طاقت خرچ کرتے ہیں۔ مگر یہ عظیم الشان کام، جس کا بار امانت پیغمبروں اور بالآخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے پیغمبروں کے سردار کے کندھوں پر ڈالا گیا، ہمارے ناتواں جسموں اور کمزور دلوں میں اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں۔ پس ہم تیری ہی مدد مانگتے ہیں۔ کیونکہ تیرا نام جب دنیا میں پھیلا تو تیری ہی نصرت سے پھیلا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ . صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (6-5:1) کے الفاظ جب ہمارے سامنے آئیں تو ہمارے دلوں میں ان مجاہدات اور قربانیوں کے لئے جوش پیدا ہو، جن کی توفیق انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین کو ملی۔ جن کی وجہ سے ان پر انعامات نازل ہوئے۔ یہ آرزو پیدا ہو کہ جس طرح ان صالحین کے دلوں میں دنیا کی محبت ٹھنڈی ہوگئی تھی اور محبت الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی تھی، اسی طرح ہمارے قلوب میں بھی دنیا کی محبت کم ہو اور خدا کی محبت اور اس کے دین کی محبت ترقی کرے اور اس کے ساتھ ہی ان انعامات کے ذکر سے ہمارے دلوں کے اندر سے ہر قسم کی مایوسیاں دور ہوں۔ اور یہ یقین پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو بے کسی کی حالت میں نہیں چھوڑے گا۔

قرآن کریم کی دعائیں: قنوت کی دعاؤں میں سب سے مقدم خود قرآن کریم کی دعائیں ہیں۔ یہ

دعائیں ایک جگہ ہماری انجمن کی کتاب الادعیہ میں منقول ہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ دعا میں اتنا طول نہ ہو کہ وہ مقتدیوں کو تھکا دینے کا موجب ہو۔ ہاں بدل بدل کر دعائیں کی جائیں اور امام اور ہر مقتدی ایسا محسوس کرتا ہو کہ وہ احکم الحاکمین کے سامنے کھڑا اپنی التجائیں پیش کر رہا ہے۔

ماثورہ دعائیں: ماثورہ دعاؤں میں سے وہ دعائیں بالخصوص چنی جائیں جو دشمن کے مقابلہ کے وقت کی ہیں۔ کیونکہ اس وقت اگر ایک طرف خود مسلمانوں کے بعض گروہ ہمیں کچلنے کے درپے ہیں اور ہر ممکن طریق پر ہماری جماعت کو اذیت پہنچا رہے ہیں تو دوسری طرف بعض ریاستوں میں حکام کی طرف سے ہماری جماعت سخت تکالیف کے نیچے ہے۔ ان میں سے ایک تو سرحد کی ایک اسلامی ریاست ہے۔ یعنی ریاست امب۔ جہاں سے ہمارے کئی دوست صرف اس جرم کی پاداش میں نکالے گئے کہ وہ خدا کے نام کو دنیا میں پھیلاتے ہیں اور ان سے وہی سلوک ہوا جس کا ذکر اس آیت قرآنی میں ہے **الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ**(40:22)

ریاست چنبہ میں احمدیوں پر ظلم: دوسری چنبہ کی ہندو ریاست ہے۔ جہاں گو مسلمان عام طور پر بھی بہت مظلوم ہیں۔ لیکن لاہور کی جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے احباب کو چن چن کر ظلم کا تختہ مشق بنایا جا رہا ہے۔ ہم حکام ریاست کو بارہا لکھ چکے ہیں کہ ہماری جماعت ایک خالص مذہبی جماعت ہے اور ہم نہ حکومت انگریزی میں نہ کسی دوسری حکومت کے ماتحت نہ کسی ریاست میں سیاسی امور میں دخل دیتے ہیں۔ ہاں مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنا اور ان کو خدمت اسلام کے قابل بنانا اور اسلام کو غیر مسلموں میں پہنچانا بے شک ہمارا کام ہے۔ لیکن اس غریب جماعت کے حکومت اس طرح درپے آزار ہے کہ گویا اسے وہ اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتی ہے۔ مسجد حالانکہ مسلمانوں کی مشترکہ چیز تھی مگر وہاں سے بھی حکومت نے ہماری غریب جماعت کو بے دخل کر دیا۔ ہمارے امام کو اس مسجد میں گالیاں دی جاتی ہیں اور حکام ان کو کچھ نہیں کہتے۔ لیکن ہماری جماعت جواب بھی نہیں دے سکتی۔ کیونکہ اس سے نقص امن ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ، جو جماعت میں شامل ہوئے تھے، حکومت کے خوف سے پیچھے ہٹ گئے ہیں اور جو باقی رہ گئے ہیں ان کو تکلیفوں کا نشانہ بنانے میں وہ سب کام کئے جا رہے ہیں جو ایک جابر حاکم کر سکتا ہے۔

احکم الحاکمین کے سامنے فریاد کے سوا چارہ نہیں: ہم نے دو تین دفعہ تحریری طور پر ان امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مگر اس کا ہمیں جواب تک نہیں ملتا۔ اور غریبوں کو پیس دینے کی پالیسی پر عمل ہو رہا ہے۔ ہم یہ سب ظلم اپنے بھائیوں پر ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ مگر ہمارے پاس کوئی چارہ کار نہیں۔ سوائے اس کے کہ احکم الحاکمین کے سامنے اپنی فریاد لے جائیں۔

قانون الٰہی: ہاں ہمارا یہ ایمان ہے کہ ظلم کرنے والوں کو پاداش دینے والی بھی ایک ہستی موجود ہے جس کا قانون یہی ہے۔ دیر گیر و سخت گیر دمرترا وہ مہلت بھی دیتا ہے۔ مگر اس کی گرفت بھی سخت ہے۔ ایسے وقت میں، جب ایک ظلم کرنے والے کے ظلم کے مقابلہ کی طاقت نہ ہو، دعا کے سوا، خدا کے آگے گرنے کے سوائے، اس کی مدد چاہنے کے سوائے کوئی چارہ نہیں۔

دشمن کے شر سے حفاظت کی دعائیں: قرآن کریم کی بہت سی دعاؤں میں یہ رنگ ہے۔ چنانچہ یہ دعا جو رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ سے شروع ہوتی ہے اور وہ دعا جو رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا (147:3) سے شروع ہوتی ہے۔ اور یہ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ. وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِکَ مِنَ الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ. (86-85:10) اور یہ دعا رَبَّنَا لَاتَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (5:60) اور یہ دعا رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ (89:7) اور اس کے علاوہ ذیل کی دعائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہیں اَللّٰھُمَّ اِنَّانَجْعَلُکَ فِی نُحُوْرِ ھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ اے اللہ! ہم تجھے ہی ان کے مقابلہ میں رکھتے ہیں (کیونکہ ہم میں مقابلہ کی طاقت نہیں) اور ان کی شرارتوں سے تیری ہی پناہ چاہتے ہیں۔ اور اسی طرح یہ دوسری دعا ہے: اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اَللّٰھُمَّ اَھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اَھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ اے اللہ! کتاب کے اتارنے والے جلد حساب لینے والے تو ان جماعتوں کو بھگا (جو ناحق ہماری تکلیف رسانی کے درپے ہیں) اے اللہ! تو ان کو بھگا اور ان کے پاؤں اکھاڑ دے۔

اور پھر یہ دعا اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْ وَعْدَکَ وَاھْزِمِ الْاَحْزَابَ وَحْدَکَ اے اللہ اپنے وعدہ کو پورا فرما اور تو اکیلا ہی ان جماعتوں کو بھگا دے۔ اور پھر یہ عام دعا ہے اَللّٰھُمَّ لَاتَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَایَرْحَمُنَا اے اللہ! نہ تو دنیا ہمارے لئے سب سے

بڑھ کر فکر کا موجب۔ ہو اور نہ ہی وہ ہمارے علم کا منتہیٰ ہو اور نہ تو ہم پر ایسے لوگوں کو مسلط فرما جو ہم پر رحم نہیں کرتے۔ اور یہ دوسری دعا **اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ** اے اللہ! تو اس شخص کو نصرت دے جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کرتا ہے اور اس شخص کی نصرت کو چھوڑ دے جو دین محمدؐ کی نصرت کو چھوڑتا ہے (مگر پہلے اپنے آپ کو ناصر دین محمدؐ بناؤ) اور پھر اپنی بیکسی کا اظہار ان الفاظ میں کریں

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ نَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِنَا وَقِلَّةِ حِیْلَتِنَا وَھَوَانِنَا عَلَی النَّاسِ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ اے اللہ! اپنی طاقت کی کمزوری کی اور اپنے سامانوں کی قلت کی اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی ذلت اور تحقیر کی شکایت ہم تیری جناب میں لاتے ہیں۔ اے اللہ! تو ہماری ربوبیت کرنے والا اور سب کمزوروں کی ربوبیت کرنے والا ہے۔

اس سے بھی زیادہ وسیع اور عام دعائیں اور بہت سی ہیں۔ جیسے مشہور دعائے قنوت ہے **اَللّٰھُمَّ اھْدِنَافِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنَافِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنَا فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لَنَا فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنَا شَرَّمَا قَضَیْتَ** اے اللہ! ہمیں منزل مقصود پر پہنچا۔ ان لوگوں میں جنہیں تو نے منزل مقصود پر پہنچایا اور ہمیں عافیت عطا فرما ان لوگوں میں جنہیں تو نے عافیت عطا فرمائی۔ اور ہماری کار سازی فرما اور ان لوگوں میں جن کی تو نے کارسازی فرمائی۔ اور ہمیں برکت عطا فرما اس میں جو تو نے ہمیں دیا اور جو تیری قضا ہے اس کی شر سے ہمیں بچا اور یہ دعا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَنَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْکَسْلِ وَنَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبنِ وَالْبُخْلِ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ اَللّٰھُمَّ اکْفِنَا بِحَلَا لِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاغْنِنَابِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ اے اللہ! ہم فکر اور غم سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور عاجز ہو جانے اور سستی سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور بزدلی اور بخل سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ اور قرض کے غلبہ اور لوگوں کی زیادتی سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ اے اللہ! تو حرام سے بچا کر اپنے حلال رزق سے ہمیں کفایت کر۔ اور اپنے ماسوا سے اپنے فضل کے ساتھ ہمیں غنی کر دے۔ اور یہ دعا **اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا**۔ اے اللہ ہمارے عیبوں کو ڈھانک دے اور ہم کو گھبراہٹوں سے

امن دے۔اور یہ دعا اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ جَھْدِالْبَلَاءِ وَدَرْکِ الشِّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَۃِ الْاَعْدَاءِ۔ اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں بلا کی مشقت سے اور بدبختی کے پانے سے اور بری قضا سے اور دشمنوں کے خوش ہونے سے۔اور یہ دعا سجدوں میں بہت کریں۔یہی دعا آنحضرتؐ بدر کے موقعہ پر پہلی رات بہت کر رہے تھے۔یٰاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اسْتَغِیْثُ اے زندہ خدا! اے قائم رکھنے والے خدا! میں تیری رحمت کی فریاد کرتا ہوں۔ اور اگر رات کو اٹھنے یا جماعت کے مجاہدہ میں شامل ہونے کی توفیق نہیں ملتی یا دعاؤں میں درد پیدا نہیں ہوتا تو اس کے لئے بھی خدا سے دعا کرو اور اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ (62:27) کو یاد کرو۔

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

15 نومبر 1936ء

حضرت امیر کے قلم سے

چالیس ایام تبلیغ

میں نے احباب کو ایک چالیس دن کے مجاہدہ دعا کے لئے دعوت دی ہے۔ جو یکم رمضان المبارک سے شروع ہوگا۔ مگر آج ہی صبح میری توجہ اس طرف منعطف ہوئی کہ فی الحقیقت یہ دعوت ناقص ہے۔ دعا کا مطلب تو یہ ہے کہ انسان اپنی انتہائی بیکسی میں آستانہ الٰہی پر گر جاتا ہے اور اسی مبداء فیوض سے مدد مانگتا ہے۔ قوت طلب کرتا ہے اور اضطرار کی حالت میں کوئی انسان بھی اس کے دروازے پر گر جائے وہ اس کی دعا کو قبول فرماتے ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا قول **اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ** (62:27) بین دلیل ہے۔ لیکن انسان کو جو قوت ملتی ہے اس کا انحصار کام کرنے پر ہے۔ جن کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں قوت دی ہے اگر ہم اس قوت کو استعمال نہ کریں تو وہ قوت بے کار ہو جاتی ہے۔ اور جس قدر اسے زیادہ استعمال کریں اسی قدر وہ قوت اور ترقی کرتی ہے۔ اس لئے جب تک اس مجاہدہ دعا کے ساتھ عمل کا حصہ نہ ہو اس سے مفید نتائج پیدا نہیں ہو سکتے۔ اور بہترین عمل تبلیغ حق ہے۔ پس اگر ہم چالیس راتیں دعا میں صرف کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ چالیس دن تبلیغ پر صرف کریں۔ اور جس طرح ہماری دعائیں ٹھیک یکم رمضان کی تہجد اور فجر کی نماز سے شروع ہوں، اسی طرح ہماری تبلیغ کا کام بھی یکم رمضان سے شروع ہو۔ اور مجاہدہ دعا کی چالیس راتوں کی تکمیل مجاہدہ تبلیغ کے چالیس دنوں سے کی جائے۔

چالیس دنوں کی تبلیغ سے یہ مطلب نہیں کہ ہم ان ایام میں صبح سے شام تک تبلیغ میں مصروف رہیں۔ بلکہ جس طرح خاص اوقات ہم نے دعا کے لئے مقرر کئے ہیں، اسی طرح خاص اوقات تبلیغ کے لئے مقرر کریں۔ اپنے کام کاج بھی کریں۔ لیکن ایک حصہ وقت کا ایسا ضرور ہو کہ اس میں امر حق کسی دوسرے کو پہنچانے کا کام پوری پابندی کے ساتھ اپنے اوپر لازم کیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ہم ہر روز لازماً ایک کلمہ حق کسی کو پہنچا دیں۔ خواہ وہ اپنی زبان سے ہو، خواہ ایک ٹریکٹ یا اشتہار ہو جو کسی کو پہنچا دیا جائے، خواہ ایک خط کسی دوست کو لکھ دیا جائے۔ یہ اختیار ہے کہ

اکیلا اکیلا آدمی یہ کام کرے یا دو دو تین تین احباب مل کر کریں۔ ابتدائی ایام میں جو لٹریچر ہر جگہ جماعتوں کے پاس موجود ہو اس کو تقسیم کیا جائے۔ وہ بھی نہ ہو تو اخبار پیغام صلح کے ہی پچھلے شمارے دکھائے جائیں۔ یا لائٹ کے یا ینگ اسلام کے۔ انشاء اللہ، بہت جلد ہر جماعت کو، اور ہر دوست کو جس کا پتہ دفتر میں ہے، نئے ٹریکٹ اور اشتہارات کافی تعداد میں بھجوا دیئے جائیں گے۔ لیکن جب تک ایسا لٹریچر پہنچے اس وقت تک بھی کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہنا چاہئے۔ خواہ اسی طرح پر ہو کہ کسی اپنے دوست کو ایک تبلیغی خط ہی لکھ دیا جائے۔ آخر یہ ایک نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ ہمارے عزیز ہمارے رشتہ دار ہمارے دوست سب سے پہلے حق دار ہیں کہ ان کو اس طرف توجہ دلائی جائے۔ سات دن تک زبانی تبلیغ سے یا پرانے لٹریچر سے یا اخبارات سے جو دوستوں کے پاس ہوں کام لیا جائے۔ انشاء اللہ مجاہدہ کے آٹھویں دن یا اس سے بھی پیشتر نیا لٹریچر بھی احباب کے پاس پہنچ جائے گا۔

بالآخر میں پھر یہ کہوں گا کہ جماعت کا کوئی فرد اس سے باہر نہ رہے۔ یہاں تک کہ بچوں کو بھی اس کے لئے تحریک کی جائے اور اگر کسی دل میں غلط فہمی ہے کہ یہ کام حقیر ہے اور ہم بڑے آدمی ہیں تو اسے آج ہی دل سے نکال دیا جائے۔ کلمہ حق کا پہنچانا سب سے بڑھ کر بلند مرتبہ لوگوں کا کام ہے۔ اگر کوئی حجاب ہے تو اسے ہٹا دیا جائے۔ اور ہر ایک دوست اپنی جگہ سے حرکت کرے۔ اور ایک دوسرے کے لئے بھی قوت کا موجب بنیں۔ اس طرح پر کہ اگر کسی دوست میں اس بات میں سستی محسوس کریں تو اس کا بھی مناسب طریق پر علاج کیا جائے۔ تبلیغ میں انتہا درجہ کی نرمی کا رنگ اختیار کیا جائے اور محبت سے سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ اور کسی شخص کی سختی پر یا اس کے گالی دینے پر بھی بالمقابل اظہار جوش نہ کیا جائے بلکہ صبر سے اسے برداشت کیا جائے۔

تبلیغ اپنی جماعت کے افراد کو بھی ہو تا کہ وہ اپنے اندر سے ہر قسم کی کمزوری دور کریں۔ نماز کی پابندی اختیار کریں، روزے رکھیں، اخلاق اور اعمال کا بہترین نمونہ پیش کریں۔ دینی جہاد میں پوری توجہ سے حصہ لیں۔ جو چندہ نہیں دیتے وہ باقاعدہ دیں، جو اپنی حیثیت سے تھوڑا دیتے ہیں وہ حیثیت کے مطابق دیں۔ قادیانی جماعت کو تبلیغ ہو کہ آج جو گالیاں حضرت مسیح موعود کو دی جاتی

ہیں، ان کی ذمہ داری خود انہی پر ہے کہ حضرت صاحب کی کھلی تحریروں کی، جن میں انکار نبوت ہے، پروانہ کر کے انہوں نے ختم نبوت کے بعد نبوت کا دروازہ کھول دیا۔ چالیس کروڑ کلمہ گوؤں کو کافر بنا دیا۔ کلمہ کو منسوخ ٹھہرا دیا۔ اسلام کی خدمت کے کام کو اپنی سیاسی تحریکات سے کمزور کر دیا۔ دوسرے مسلمانوں کو تبلیغ ہو کہ مجدد کو پہچانیں اور باہمی تفرقہ کو چھوڑ کر تبلیغ اسلام کے کام میں لگ جائیں اور **لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ** (28:48) کا نظارہ دیکھیں۔ تمام غیر مسلموں کو تبلیغ اسلام کی جائے اور خدا کا کلام ان تک پہنچایا جائے۔

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

19 نومبر 1936ء

فیصلہ کن بحث کے لئے دعوت!

امیر جماعت قادیان کو

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سرکردہ احباب نے قریباً ڈیڑھ سال ہوا قادیانی اصحاب کو مسئلہ تکفیر و نبوت پر ایک فیصلہ کن بحث کے لئے دعوت دی تھی۔ جس میں ہر دو فریق کے امیر بحث کرنے والے ہوں اور اس کے اثر کا اندازہ کرنے کے لئے یہ طریق پیش کیا تھا کہ جماعت لاہور جماعت قادیان کے متعدد افراد کو اور جماعت قادیان جماعت لاہور کے اسی قدر افراد کو اس بحث پر اظہار رائے کے لئے چن لے۔ مگر اس کا جواب قادیان سے ایسے رنگ میں دیا گیا جو ایک مذہبی جماعت کی شان سے بہت بعید تھا۔

تاہم یہ بحث کا سلسلہ دونوں جماعتوں کے افراد کی طرف سے برابر دونوں فریق کے اخباروں اور ٹریکٹوں میں چل رہا ہے۔ جس کا کوئی بھی نتیجہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ قوم کی وہ قوت جو بہتر کاموں پر لگ سکتی ہے ایک لاحاصل بحث پر خرچ ہو رہی ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ نقصان ہے کہ اہم دینی مسائل، جن کو بڑے بڑے علماء بھی مشکل سے سمجھ سکتے ہیں، بازیچہ اطفال بنے ہوئے ہیں۔ اور ہر کس و ناکس یہ سمجھتا ہے کہ اسی کو مسئلہ نبوت کے حل کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

اخبار ''الفضل'' کا تازہ مضمون: آج مدت کے بعد الفضل کا ایک پرچہ 12 نومبر میری نظر سے گزرا۔ اس میں ایک عنوان تھا ''حضرت مسیح موعود کے خلاف مولوی محمد علی صاحب کے قیاسات''۔ جس میں میری اس اصولی بحث کو، جو میں نے کتاب النبوت فی الاسلام میں اس امر کے متعلق کی ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت جبرئیل کا وحی لانا ممتنع ہے، مسیح موعود کے خلاف قرار دے کر یہ کہا گیا ہے کہ ''مجھے مخالفت حق میں نہ قرآن کی پرواہے، نہ نصوص صریحہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اور نہ حدیث شریف کی۔''

افسوس ہے کہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے اس کی زد مجھ پر نہیں بلکہ خود اس شخص پر پڑتی ہے، جسے زبانی دعوے سے تو یہ لوگ نبی بناتے ہیں، لیکن آپ کی عزت ان کے دلوں میں یہ ہے کہ آپ کے کھلے ارشادات کو پس پشت پھینکا ہوا ہے۔ ساری بحث نبوت تو دو جملوں میں طے ہو جاتی ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود نے دوسرے مسلمانوں کا جنازہ جائز قرار دیا ہے تو آپ کے نزدیک وہ کافر نہیں بلکہ مسلمان ہیں۔ اور اگر آپ کو نہ ماننے والے مسلمان ہیں تو یقیناً آپ کا دعویٰ نبوت کا نہیں۔ اس مختصر بحث کو اتنا طول دیا گیا ہے کہ ہزاروں صفحات لکھے جا چکے۔ مگر نتیجہ آج تک کچھ نہ نکلا۔ اور نتیجہ خیز بحث کی طرف آج تک باوجود بار بار کے مطالبوں کے قادیانی جماعت ایک قدم اٹھانے کو تیار نہیں۔ ایسا نبی بنانے سے کیا فائدہ جس کی بات کی ہی پروا نہ کی جائے اور اگر آپ کے ارشادات قابل تعمیل ہیں تو نبوت کا مسئلہ حل شدہ ہے۔

جو کچھ قادیانی جماعت کی طرف سے ہو رہا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے الفضل کے محولہ مضمون کو لے لیا جائے۔ حضرت جبرئیل کا آنحضرتؐ کے بعد تا قیامت وحی نبوت لانے سے منع کیا جانا میرا قیاس نہیں، جیسا کہ مضمون نویس کا خیال ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود نے خود بار بار یہی لکھا ہے۔ مگر جیسا کہ میں نے لکھا ہے قادیانی احباب کو حضرت مسیح موعود کی تحریروں کی ذرہ بھر پروا نہیں اور وہ ان پر استہزا تک کر جاتے ہیں اور پروا نہیں کرتے۔

معترض کے اعتراضات کی حقیقت: معترض نے جو کچھ میرے متعلق لکھا ہے وہ النبوت فی الاسلام کی تحریر کو نقل کر کے لکھا ہے۔ حالانکہ النبوت فی الاسلام کے صفحہ 40 پر اس موٹے عنوان کے نیچے ''مسیح موعود کی شہادت کہ نبی بغیر نزول جبرئیل نہیں ہو سکتا اور امتی پر نزول جبرئیل بہ پیرایہ وحی نہیں ہو سکتا'' حضرت مسیح موعود کی ایک یا دو نہیں دس تحریریں نقل کی گئی ہیں۔ اخبار سب کا متحمل نہیں۔ ایک دو حوالے کافی ہیں۔

میری تحریر	حضرت مسیح موعود کی شہادت
مولوی صاحب اپنی تصنیف ''النبوت فی الاسلام'' ایڈیشن دوم صفحہ 17 پر تحریر فرماتے ہیں:	''ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ صادق الوعد ہے اور جو آیت خاتم النبیین میں وعدہ دیا

''نبی اور غیر نبی کی وحی میں یہ فرق ہے کہ غیر نبی پر وحی جبرئیلؑ لے کر نہیں آتے۔ یہی حد فاصل ہے جو نبی اور غیر نبی کی وحی میں امتیاز قائم کرتی ہے۔''

گیا ہے اور جو حدیثوں میں بتصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب جبرئیل بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے وحی نبوت لانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں سچ اور صحیح ہیں تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی صلعم کے بعد ہرگز نہیں آ سکتا'' (ازالہ اوہام صفحہ 577)

''رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبرئیل حاصل کرے اور ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا قیامت منقطع ہے'' (ازالہ صفحہ 614)

اس میری تحریر پر ذیل کے ریمارکس کئے گئے ہیں:

''یہ عبارت دراصل ایک معمہ ہے۔ جو نہ خود مولوی صاحب سے حل ہوا۔ اور نہ کسی اور سے حل ہوگا۔ کیونکہ مولوی صاحب کی یہ تحریر ایسی ہی حق سے دور ہے جیسی عقل کوئے سے۔'' '' مولوی صاحب کو مخالفت حق میں نہ قرآن کی پروا ہے نہ نصوص صریحہ حضرت مسیح موعود کی اور نہ حدیث شریف کی۔ العیاذ باللہ۔''

معترض کی حضرت مسیح موعود پر زد: لیکن اگر میرے لفظ وہی ہیں جو حضرت مسیح موعود کے ہیں تو معترض خود سوچ لے کہ یہ زد کہاں پڑی! عیسائیوں نے غلو کیا تو مجوزہ خدا کو نعوذ باللہ ملعون انسان بنایا۔ ہمارے قادیانی دوستوں کا غلو انہیں اسی پہلی قوم کے نقش قدم پر لے جا رہا ہے۔

خلیفہ قادیان اگرچہ ہیں تو حضرت مسیح موعود کی اس تذلیل کو، جو ان کے غالی مریدوں کے ہاتھوں سے ہو رہی ہے، دور کر سکتے ہیں۔ میں اس شرط کو بھی جس کا ذکر ابتدا میں کیا ہے چھوڑتا ہوں۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ خود اپنی ذمہ داری کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک فیصلہ کن بحث کے لئے قدم اٹھائیں۔ اگر وہ اپنی زمینوں کو دیکھنے کے لئے سال میں ایک دو سفر سندھ کے کر سکتے ہیں تو

ایک عظیم الشان دینی مسئلہ کے تصفیہ کے لئے کیوں دو قدم نہیں اٹھا سکتے۔ اور اگر حضرت مسیح موعود مباحثات کے لئے نکلتے رہے ہیں تو ان کے ایک خلیفہ کی شان کیوں اس سے بلند تر ہے؟ بات تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی کمزوری کو محسوس کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود کی کھلی تحریروں کے خلاف وہ نبوت بنا رہے ہیں۔ اور بحث کی طرف اس لئے رخ نہیں کرتے کہ ان باتوں کا جواب ان کے پاس کوئی نہیں۔ اور اگر ہے تو وہ ایک جنازے کے مسئلے کو ہی صاف کر دیں۔ اس کو صاف کرنے کا وعدہ انہوں نے دسمبر 1915ء میں کیا تھا (دیکھو انوار خلافت صفحہ 93) مگر آج اکیس سال گزرنے کے بعد بھی اس پر ایک دفعہ قلم نہ اٹھایا۔

خاکسار

محمد علی

پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

23 نومبر 1936ء

ہمارا مجاہدہ

نمائش زنانہ دستکاری کے لئے خواتین سلسلہ سے اپیل

بیگم صاحبہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

مشہور حدیث شریف ہے کہ رمضان کے مہینے میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے بند ہو جاتے ہیں۔ شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔ گویا ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ مہینہ خاص طور پر خیر و برکت کو حاصل کرنے اور بدیوں سے بچنے کے لئے ہے۔ لیکن یہ مقصد بغیر ہمارے عمل کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صرف بھوکے پیاسے رہنے سے ہی روزے کی اصل غرض پوری نہیں ہوتی۔ روزہ رکھ کر جھوٹ، غیبت، چغلی اور دوسری بُری عادات کو ترک کرنے سے جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ مگر جنت کے دروازے کھولنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم نیک کاموں میں سبقت اختیار کریں۔

عموماً جو بہنیں روزہ رکھ کر نماز اور تلاوت قرآن مجید کو پابندی سے ادا کرتی ہیں وہ سمجھ لیتی ہیں کہ انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ مگر میں ان کو ایک اور ضروری فرض کی طرف توجہ دلاتی ہوں۔ جو اس زمانے کے امام نے ان پر عائد کیا ہے۔ اور جس کے بغیر ہمارے نیک عمل تکمیل پذیر نہیں ہوتے۔ وہ ہے ''اشاعت اسلام''۔ میں اس وقت اشاعت اسلام کی ضرورت پر کچھ لکھنا نہیں چاہتی۔ یہ تو اظہر من الشّمس ہے۔ صرف اتنا پوچھنا چاہتی ہوں کہ:

میری عزیز بہنو! کیا آپ کو یاد ہے کہ اشاعت اسلام میں امداد کے لئے ''دستکاری فنڈ'' کی تحریک تمام تر آپ کی اعانت اور توجہ سے قائم ہے۔ کیا آپ نے اس سال نمائش کے لئے کوئی دستکاری تیار کی ہے؟ اگر نہیں تو خدا کے لئے اسی وقت پختہ عزم کر لیجئے کہ ان مبارک ایام میں آپ کوئی دستکاری بنا کر اشاعت اسلام میں معاون ہوں گی۔ اپنی بچیوں اور رشتہ دار بیبیوں کو بھی مجبور کریں کہ وہ اس نیک کام میں شریک ہوں۔ اس کو معمولی تحریک نہ سمجھیں۔ بلکہ یہ ایک مجاہدہ ہے جو آپ کو اپنے اوپر لازم سمجھ لینا چاہئیے۔ روزانہ کم از کم دو گھنٹے اس مجاہدہ پر صرف کیجئے۔ یقیناً آپ کا یہ وقت عبادت میں شمار ہوگا۔ اور آپ عنداللہ ماجور ہوں گی۔

میں پیغام صلح کے قارئین کرام سے خاص طور پر استدعا کرتی ہوں کہ وہ اس میرے پیغام کو اپنی خواتین تک پہنچا دیں اور ان کو اس مجاہدہ کے لئے آمادہ کریں۔

دستکاری کے لئے ماہرفن ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ ہر قسم کا ہاتھ کا کام اس میں شامل ہے۔ یہاں تک کہ دیہاتی بہنیں سوت کات کر دے سکتی ہیں۔اسی طرح آزار بند اور کھیس اور دھوتیاں وغیرہ۔

اون کے کام کی زیادہ کھپت ہے۔جس کے لئے صفائی اور موزونیت از حد ضروری ہے۔ ہمارا جلسہ اور نمائش انشاء اللہ دسمبر کے آخری عشرے میں ہوگی اس لئے یہ سب دستکاری عیدالفطر تک مجھے پہنچ جانی چاہئیے۔ ہر چیز کے ساتھ اس کی صحیح لاگت بھی تحریر کر دیجئے۔منافع ہم خود لگالیں گے۔

خاکسار اہلیہ محمد علی

سکرٹری احمدیہ انجمن خواتین اسلام لاہور۔

☆

قرآن کریم کا ہندی ترجمہ

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

شیخ محمد یوسف ایڈیٹر اخبار ''نور'' قادیان نے گورمکھی ترجمہ کے بعد اب قرآن کریم کا ہندی ترجمہ شائع کیا ہے۔ **جزاہ اللہ احسن الجزا** شیخ صاحب کی یہ ہمت بتاتی ہے کہ اکیلا آدمی بھی اگر اخلاص رکھتا ہو اور ان تھک محنت کر سکے تو دنیا میں وہ کام کر سکتا ہے جو بڑی بڑی جماعتیں کرنے سے عاجز ہوتی ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے، یہ دونوں ترجمے ان کی تنہاء محنت اور خرچ سے تکمیل کو پہنچے ہیں۔ کسی ریاست سے کوئی مدد مل گئی ہو تو الگ بات ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر صاحب ثروت اصحاب اپنی لائبریریوں میں رکھنے کے لئے یا اپنے ہندو اور سکھ دوستوں کو تحفہ کے طور پر بھیجنے کے لئے یہ ترجمے منگوائیں۔اس کا ہدیہ بھی حجم کے لحاظ سے بہت کم ہے یعنی صرف دو روپے۔اگر کوئی احباب خواہش مند ہوں تو وہ یہاں بکڈپو میں اطلاع بھیج دیں۔جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اکٹھی کاپیاں منگوالی جائیں گی۔ اور اس طرح محصول ڈاک کا خرچ بھی نہ پڑے گا۔محمد علی

23 نومبر 1936ء

مسلمانوں کی تکفیر کا نتیجہ!

لیجیس لیٹیو اسمبلی میں ہندو لاممبر کا چیلنج کہ مسلم کی تعریف نہیں ہو سکتی اور مسلمان ممبروں کی افسوسناک خاموشی

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

اسمبلی لاء ممبر کی عبرتناک چوٹ: مسلمان اس بات کو فخر یہ بیان کرتے تھے کہ ہندو کی کوئی تعریف نہیں ہو سکتی اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کون سے وہ اصول ہیں جن کے ماننے سے ایک شخص ہندو کہلا سکتا ہے یا کس بات کے انکار سے ایک شخص ہندو کی تعریف سے نکل جاتا ہے۔ لیکن اسلام ایک ایسا سیدھا سادہ مذہب ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ مسلمان کون ہے اور کون نہیں۔ لیکن اسمبلی کے گذشتہ اجلاس میں آریہ بواہ بل پر بحث کے دوران ہندو لاء ممبر نے مسلمانوں کی ایک دوسرے کی تکفیر کے حربے کو ہاتھ میں لے کر اسلام پر وہ ضرب لگائی کہ مسلمان ممبر خاموش رہ گئے۔ اور اپنی خاموشی سے اس غلط بات پر مہر تصدیق لگا دی کہ جس طرح ہندو کی تعریف نہیں ہو سکتی، مسلم کی بھی تعریف نہیں ہو سکتی۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ ''آریہ سماجی'' کی کیا تعریف ہے۔ اس پر کسی نے کہا جب ہندو کی کوئی تعریف نہیں ہو سکتی تو آریہ سماجی کی بھی کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ ہندو مذہب کی ایک شاخ ہے۔ ایک مسلمان ممبر نے اسی دوران بڑے فخر سے کہا ''لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ مسلمان کون ہے؟'' جس پر این این سرکار لاء ممبر نے جو ایک بنگالی ہندو ہیں یہ عبرتناک چوٹ کی کہ ''اسی لئے پنجاب کے اخبارات کے صفحوں کے صفحے روزانہ ان بحثوں پر خرچ ہو رہے ہیں کہ فلاں مسلمان نہیں۔''

تکفیر کا تباہ کن مرض سیاسی حلقوں میں: اس کے جواب میں کسی مسلمان کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔ اور نکلتا کس طرح۔ جب کلمہ گوؤں کی تکفیر ان کا شب و روز کا شغل ہے۔ یہاں تک کہ خالص مذہبی دائرہ سے نکل کر اب سیاسیات میں بھی اس کا اثر پہنچ گیا ہے۔ اور دوٹوں کے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ بھی ایک دوسرے کی تکفیر بن گیا ہے۔ احرار نے اپنی سیاسیات کی بنیاد تکفیر پر رکھی۔ اب مسلم لیگ والوں نے بھی سر محمد اقبال اور مسٹر جناح جیسے فراخ دل مسلمانوں کی قیادت کے ماتحت اس بات کے

لئے حلف اٹھایا ہے کہ وہ ممبر منتخب ہونے پر فلاں گروہ کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے لئے پورا زور لگائیں گے۔ ایسے خادمان اسلام ووٹ کے حق دار نہیں تو اور کون ہیں۔ اور پھر، بیک کرشمہ دو کار، مسلمان سمجھتے ہیں کہ یہ خدمت اسلام ہے۔ اور ہندو سبھا والے خوش ہیں کہ اس طرح مسلمانوں کی تعداد تدریجاً کم ہوتے ہوتے ہندوستان میں ہندوراج کی بنیادیں مضبوط ہو رہی ہیں۔ اس لئے وہ احرار اور مسلم لیگ دونوں کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں۔

ہر کلمہ گو مسلمان ہے: تکفیر کے مسئلہ نے مسلمانوں کو اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ وہ اب مسلم کی تعریف کرنے سے بھی عاجز آ گئے ہیں۔ حالانکہ اس کے لئے کتابوں کے دیکھنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ تیرہ سو سال کا ساری دنیائے اسلام کا عمل، جو آج بھی شب وروز ان کی آنکھوں کے سامنے ہے، اسے جاہل سے جاہل مسلمان بھی جانتا ہے اور بڑے سے بڑا عالم بھی، کہ جب کسی غیر مسلم کو اسلام میں داخل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو صرف کلمہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** پڑھایا جاتا ہے۔ پس یہی مسلم کی تعریف ہے۔ یعنی جو شخص **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا الـلّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کا اقرار کرتا ہے وہ مسلم ہے اور اس کو جو شخص کافر کہتا ہے وہ خود اس حدیث نبوت کے ماتحت ہے **مَـنْ كَـفَـرَ اَهْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَهُمْ اِلَى الْكُفْرِ اَقْرَبُ**

عہد نبوی کے چند سبق آموز واقعات: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ ایک جنگ میں ایک دشمن کو قتل کرنے لگے تو اس نے فوراً کلمہ پڑھا مگر اسامہ نے بایں اسے قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ اسامہ پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا **اَقَتَـلْتَـهٗ بَـعْـدَ مَـاقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کیا تم نے اسے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کیا۔ اور یہاں تک اس کو دوہراتے رہے کہ اسامہ کہتے ہیں میں نے آرزو کی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا (کتاب المغازی باب بعثت النبیؐ اسامہ بن زید)

پھر صحیح بخاری میں ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ جب ایک قوم نے، جن کے خلاف جنگ ہو رہی تھی، صرف یہ کہا **صبانا صبانا** ہم صابی ہو گئے اور حضرت خالدؓ نے لڑائی جاری رکھی تو آنحضرتؐ خالدؓ پر سخت ناراض ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا۔ **اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَبْرأُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَـالِدٌ.** ایا اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ ان لوگوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ

ہم مسلمان ہیں۔ یہ کہا تھا کہ ہم صابی ہیں۔ مگر مراد ان کی مسلمان ہونا تھا۔ کیونکہ کافر مسلمانوں کو صابی کہتے تھے۔ پس جو شخص یہ کہے میں مسلمان ہوں اسے کافر کہنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیزاری کا اظہار کیا ہے (کتاب المغازی باب بعث النبیؐ خالد بن الولید)

تیسری حدیث بھی بخاری کی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا **مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذَالِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَاتَخْفِرُوْا اللّٰهَ فِیْ ذِمَّتِهٖ** (کتاب الصلوٰۃ)۔ جو شخص ہماری طرح نماز پڑھتا ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے تو یہ شخص مسلم ہے جس کے لئے اللہ کا عہد اور رسول اللہ کا عہد ہے۔ پس اللہ کے عہد کو نہ توڑو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص قبلہ رخ مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتا ہو اس کو کافر کہنا اللہ کے عہد کو توڑنا ہے۔ یہ حدیث لفظ مسلم کی تعریف پر ایسی بین ہے کہ مکفر علماء کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ کہہ دیتے ہیں کہ ممکن ہے ایسا شخص دل میں تثلیث کا قائل ہو۔ یعنی توحید کے قائل تو اسی فیصد نماز کے قریب نہیں جاتے اور تثلیث کے قائل خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے مسلمانوں کی نماز پڑھتے ہیں۔ مگر اس کا جواب خود ہمارے سید و مولیٰ دے چکے ہیں۔

بخاری میں ہے کہ جب خالدؓ کو آنحضرتؐ نے ایک ایسے شخص کو قتل کرنے سے منع فرمایا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا اور فرمایا **لَعَلَّهٗ اَنْ یَّکُوْنَ یُصَلِّیْ** شائد وہ نماز پڑھتا ہو تو خالدؓ نے عرض کیا **کم من مصلّی یقول بلسانه مالیس فی قلبه** بہتیرے نمازی ایسے ہیں جو زباں سے کچھ کہتے ہیں اور دل میں کچھ ہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا **انی لم اومر ان انقب قلوب الناس ولا اشق بطونهم**. مجھے یہ حکم نہیں کہ لوگوں کے دلوں میں سوراخ کر کے دیکھوں اور نہ یہ کہ ان کے باطن کو پھاڑ کر دیکھوں (کتاب المغازی باب بعث علی ابن ابی طالب وخالد ابن الولید الی الیمن)

شریعت کا حکم ظاہر پر ہے: یعنی شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ اور جو شخص مسلمانوں کی نماز پڑھتا ہے وہ یقیناً مسلمان ہے۔ خواہ اس کے دل میں کچھ ہو۔ رسولؐ تو دلوں کی باتوں کو معلوم نہیں کر سکتا۔ لیکن ہمارے مولویوں نے آج علّام الغیوب کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں۔ پس ان تینوں حدیثوں کی صراحت سے جو شخص کلمہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے جو اپنے آپ کو

مسلمان کہتا ہے وہ مسلمان ہے۔ جو مسلمانوں کی طرح قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے۔ اور ایسے آدمی کو کافر کہنے والے سے آنحضرتؐ نے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے اور اس کے مسلمان ہونے کو اللہ اور اس کے رسولؐ کا عہد قرار دیا۔ ایسے شخص کو کافر کہنا رسالت مآبؐ کی صریح نافرمانی ہے۔

قادیانی جماعت اور کلمہ گوؤں کی تکفیر!: اگر دوسرے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کر کے کلمہ گوؤں کی تکفیر کر رہے ہیں تو قادیانی جماعت نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو پس پشت پھینکنے میں ان کی ہمنوا ہے بلکہ خود بانی سلسلہ احمدیہ کے ارشادات کی بھی کھلی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ ہم ان کو بار بار توجہ دلا چکے ہیں کہ ان کا مسلک حضرت مجدد کے مسلک کے بالکل خلاف ہے۔ مگر آج اپنے علماء اور پیروؤں کی پروا ہے۔ خدا اور اس کے رسولؐ یا مامور کی پروا کرنے والے بہت کم ہیں۔

1۔ مسلک میں مخالفت

بانی سلسلہ احمدیہ کا مسلک	موجودہ امیر جماعت قادیانی کا مسلک
جب کبھی آپ سے دوسرے مسلمان کے جنازے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ہمیشہ جنازے کے جواز کا فتویٰ دیا اور کم سے کم ایسے چار فتوے آپ کے موجود ہیں۔ جن میں سے دو اپنے قلم سے لکھے ہوئے ہیں اور دو آپ کے زبانی ارشاد کے مطابق ہیں اور ان میں سے آخری فتویٰ جس پر اپنے قلم سے آپ کی تصدیق موجود ہے وفات کے قریب کے زمانے کا ہے اور عدم جواز کا فتویٰ ایک بھی نہیں'' ''سوال ہوا کہ جو آدمی اس سلسلہ میں داخل نہیں اس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں حضرت قدس مسیح موعود	یہ سوال سب سے پہلے ہماری طرف سے اختلاف کے بعد اٹھایا گیا کہ جس صورت میں حضرت مسیح موعود دوسرے مسلمانوں کے جنازہ کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں تو وہ یقیناً ان کو مسلمان سمجھتے تھے۔ اس کا جواب سب سے پہلے موجودہ امیر جماعت قادیان نے دسمبر 1915ء کے جلسہ سالانہ میں حسب ذیل دیا۔ ''ایک سوال غیر احمدی کے جنازہ کے متعلق کیا جاتا ہے اس میں ایک مشکل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعود نے بعض صورتوں میں جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض حوالے ایسے ہیں جن سے یہ

نے فرمایا۔ متوفی اگر مکفر اور مکذب نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھ لیا جائے کوئی ہرج نہیں'' (10 اپریل 1902ء فتاوٰی احمدیہ حصہ اول صفحہ 118)

''جو مخالف برا نہ بولتا ہو اس کا جنازہ جائز ہے۔'' (خط مورخہ 12 مئی 1907ء بنام غلام قادر جیو دبخل) بھڈ یالہ ضلع امرتسر کے احمدیوں نے دوسرے مسلمانوں کو ذیل کی تحریر لکھ کر دی۔

''معمولی رنگ میں رہنے والے بے شر غیر احمدی رشتہ دار کا جنازہ پڑھ لیں گے۔'' اس پر حضرت مسیح موعود نے اپنے قلم سے یہ لفظ لکھے۔ ''جو کچھ لکھا بہت خوب اور مبارک ہے۔'' (مطبوعہ بدر مورخہ 3 مئی 1909ء (چوتھا فتوٰی محولہ بالا خط میں تھا جس کو گم کرنے کے سوا چھٹکارا نہ تھا)

بات معلوم ہوتی ہے اور ایک خط ☆ بھی ملا جس پر غور کی جائے گی (انوار خلافت صفحہ 91) مگر بغیر کوئی وجہ بیان کرنے کے کہ کیوں حضرت مسیح موعود کے مسلک کو ترک کیا جاتا ہے فتوٰی یوں دیا: ''غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے'' (انوار خلافت صفحہ 92) اور پھر دوسرا سوال اٹھایا ہے۔ ''اب ایک اور سوال رہ جاتا ہے کہ غیر احمدی تو حضرت مسیح موعود کے منکر ہوئے اس لئے ان کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ لیکن اگر ایک غیر احمدی کا چھوٹا بچہ مر جائے تو اس کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے۔ میں یہ سوال کرنے والے سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہندوؤں اور عیسائیوں کے بچوں کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا جاتا۔ (انوار خلافت صفحہ 93)

یہ دونوں مسلک ایک دوسرے کے صریحاً خلاف ہیں۔ اور اس لئے خلاف ہیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ تو اپنے دعوے کے منکر کو بھی کافر نہیں کہتے۔ لیکن موجودہ امیر جماعت قادیان کے عقیدہ میں تمام مسلمان کافر ہیں۔ وہ بھی جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کا نام بھی نہیں سنا۔

☆ اس خط پر غور یہ ہوا کہ وہ خط ہی گم کر دیا گیا اور بار بار کے مطالبوں کے باوجود، جو خلیفہ قادیان سے اور ان کے مریدین سے کئے گئے ہیں، کہ بانی سلسلہ کے یہ فتاوے کیوں رد کئے جاتے ہیں آج تک کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

2۔ تحریروں کی خلاف ورزی

بانی سلسلہ احمدیہ کی تحریرات

''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوٰی کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا۔'' ''اپنے دعوے کا انکار کرنے والے کو کافر کہنا صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا'' (تریاق القلوب صفحہ 130) ''یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگا دیں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے'' (حقیقۃ الوحی صفحہ 120)

موجودہ امیر جماعت قادیان کی تحریرات

''یہ تبدیلی عقیدہ مولوی صاحب تین امور کے متعلق بیان کرتے ہیں: اول۔ یہ کہ میں نے حضرت مسیح موعود کے متعلق یہ خیال پھیلایا ہے کہ آپ فی الواقع نبی ہیں۔ دوم۔ یہ کہ آپ ہی آیت اسْمُهُ اَحْمَدُ (6:61 مرتب) کی پیشگوئی مذکورہ قرآن کریم (سورہ صف آیت 6) کے مصداق ہیں۔ سوم۔ یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے یہ عقائد ہیں'' (آئینہ صداقت صفحہ 35)

3۔ بانی سلسلہ کے کتبہ کی تبدیلی

1908ء میں بانی سلسلہ کی وفات پر جو کتبہ آپ کی قبر پر لگایا گیا اس پر ذیل کی عبارت مرقوم تھی:

''جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رئیس قادیان۔ مسیح موعود مجدد صد چہاردہم

تاریخ وفات 26 مئی 1908ء

اس کتبہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی وفات کے وقت ساری جماعت آپ کو صرف مجدد اور مسیح موعود مانتی تھی۔ نبی نہ مانتی تھی۔ اگر جماعت آپ کو نبی یقین کرتی تو یقیناً کتبہ میں مجدد کی بجائے نبی اللہ یا رسول اللہ کا لفظ لکھا جاتا۔ مگر چونکہ یہ ایک زبردست شہادت دعوٰی نبوت کے خلاف تھی

اس لئے قادیانی اصحاب نے اس کتبہ کو اس وقت تبدیل کر دیا جب انہیں یہ توجہ دلائی گئی کہ اس کتبے سے نبوت نہیں بلکہ مجددیت ثابت ہوتی ہے اور مجدد صد چہار دہم کے لفظ اڑا دیئے ☆ اور اب ایک تیسرے کتبہ کی تیاری ہے جس کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ اس سے نہ صرف آپ کی نبوت ثابت ہوگی۔ بلکہ غیر احمدیوں کا کفر بھی ثابت ہوگا۔ کیوں ہمارے دوست غور نہیں کرتے کہ مسلمانوں کی تکفیر سے ان کا قدم کدھر جارہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو پس پشت پھینکا جاتا ہے۔ مسیح موعود کے مسلک کی کھلی مخالفت کی جاتی ہے۔ آپ کی تحریروں سے کھلا انحراف کیا جاتا ہے اور بالآخر کتبہ کی شہادت کو تبدیل کیا جاتا ہے۔ جو نہایت ہی قبیح فعل ہے۔ اور ایسا ہی ہے جیسے کوئی فریق مقدمہ کی دستاویز کو تبدیل کر دے یا اصل دستاویز کی جگہ جعلی دستاویز پیش کرے۔ خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

یکم رمضان المبارک 1355ھ، 17 نومبر 1936ء

☆ اس تحریف کا عذر گناہ بدتر از گناہ الفضل 5 ستمبر 1936ء میں یوں کیا گیا ہے۔ ''حال ہی میں اخبار پیغام صلح میں ایک صاحب نے یہ غل مچایا تھا کہ پہلا کتبہ، جس پر مجدد لکھا تھا، اسے ہٹا کر دوسرا لگایا گیا ہے تا کہ مجدد کے لفظ کو اڑا دیا جائے اور حضرت مسیح موعود کو نبی بنا لیا جائے اور کتبہ کے بدلنے کو دجل کے لفظ سے تعبیر کیا گیا تھا۔ حالانکہ پہلا کتبہ مولوی محمد احسن صاحب کا لکھا ہوا تھا۔'' سوال یہ نہیں کہ کتبہ کی عبارت کس نے لکھی۔ اور مولوی محمد احسن صاحب مرحوم اس جماعت میں حضرت مولوی نور الدین صاحب کے بعد سب سے بلند پایہ عالم تھے۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ اسی کتبہ کو ساری جماعت نے درست سمجھا اور کسی نے اعتراض نہیں کیا اور آخر نبوت کی عمارت کھڑا کرنے والوں نے اسے چپ چاپ بدل کر مجدد کا لفظ مٹا دیا۔

27 نومبر 1936ء

ادار یہ

برلن مشن کے خلاف غلط پروپیگنڈا

حبیب الرحمٰن قریشی اور ان کے ساتھیوں کی افسوسناک حرکتیں

یورپ میں تبلیغ اسلام کی ضرورت اور اہمیت سے کوئی باخبر مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ ایک وقت تھا کہ اس چیز کو ناممکن خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود کے چند باہمت خادم اٹھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس ناممکن کو ممکن کر کے دکھلا دیا۔ اپنوں اور غیروں کو معلوم ہو گیا کہ اسلام اپنے اندر اتنی عظیم الشان صداقت و کشش رکھتا ہے کہ اس کے سامنے بالآخر یورپ کو بھی جھکنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت احمدیہ نے مغرب میں تبلیغ اسلام کو اپنا ایک بہت بڑا مقصد حیات قرار دے رکھا ہے اور اس کی طاقت اور ذرائع کا بیشتر حصہ اسی ضروری اور مفید کام پر صرف ہو رہا ہے۔ اس جدوجہد کے نتائج نہایت واضح ہیں۔ جنہیں ہر آنکھوں والا دیکھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان پر تعصب وحق دشمنی کی پٹی نہ بندھی ہوئی ہو۔ لیکن افسوس! دنیائے اسلام جماعت احمدیہ کی اس مفید و کامیاب جدوجہد کو دیکھنے کے بعد بھی مغرب میں تبلیغ اسلام کی طرف متوجہ نہ ہوئی۔ کسی اسلامی ملک اور اسلامی قوم نے اس راستے میں کوئی قدم نہ اٹھایا۔ یہ بے حسی بے حد قابل افسوس ہے۔ اگر معاملہ یہیں تک ہوتا تو ہم صبر کر لیتے۔ مگر کیا کیا جائے بعض کوتہ اندیش و اغراض پسند لوگوں کی طرف سے بلاوجہ اس کار خیر کی مخالفت ہو رہی ہے۔

وسط یورپ میں ہمارے برلن مشن نے نہایت عظیم الشان اور مفید کام کیا ہے۔ بہت سے بلند پایہ یورپین اس کی ساعی سے حلقہ بگوش اسلام ہو چکے اور ہوتے رہتے ہیں۔ لاکھوں روپیہ کے صرف سے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ اسلام کے متعلق غلط فہمیاں رفتہ رفتہ دور ہو کر اس کی ساکھ بڑھ رہی ہے۔ لیکن مسلمان کہلانے والوں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے، جنہیں مرکز عیسائیت میں اسلام کی اشاعت اور خدمت دین کا یہ کام پسند نہیں۔ وہ عرصہ سے برلن مشن کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈے میں مصروف ہیں۔ امام مسجد کو بدنام کرنے کے لئے بے تکلف جھوٹ بولے جاتے ہیں۔ بے محابا بہتان تراشے جاتے ہیں۔ خدا کا خوف اور اسلام کی عزت کا احساس ان لوگوں کے دلوں سے نکل گیا ہے۔

قارئین پیغام صلح و دیگر اخبار بین حضرات برلن کے حبیب الرحمٰن قریشی اوران کی افسوسناک سرگرمیوں سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ ان کے اوران کے ساتھیوں کے اخلاق، کرداراور مقصد حیات پراتنی کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ کوئی گوشہ بھی تاریکی نہیں رہا۔ یہ لوگ خدمت اسلام اور حفاظت اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اعمال اور مشاغل زندگی نے ہمیشہ اس دعویٰ کی تردید کی ہے۔ یہ لوگ محض ذاتی اغراض کی بناء پر برلن مشن اور امام مسجد برلن کے خلاف غلط بیانیاں کرتے رہتے ہیں۔ بعض ہندوستانی اخبارات کے کالم ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ ان میں جو چاہے لکھ دیتے ہیں۔ حق و باطل صحیح وغلط کے امتیاز کی ضرورت نہ ان نامہ نگاروں کو کبھی محسوس ہوتی ہے اور نہ ان کے مضمون چھاپنے والے اخبارات کو۔ احسان 19 نومبر 1936ء اور زمیندار 22 نومبر 1936ء میں برلن کے کسی نقاب پوش نامہ نگار کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ جن میں برلن مشن کی تبلیغی سرگرمیوں اور مسجد برلن کے انتظامات پر بے حقیقت اور بے معنی اعتراضات کئے گئے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ مسجد کا احترام نہیں کیا جاتا۔

2۔ امام مسجد برلن نے حبیب الرحمٰن قریشی پر ہتک عزت کا دعویٰ کر دیا ہے تا کہ ان کو سزا ہو جائے۔

3۔ احمدی مسجد پر قابض ہیں۔ وہی اس کا انتظام کرتے ہیں۔ دوسروں کو اس میں دخل نہیں دینے دیتے۔

4۔ امام مسجد برلن احمدیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔

اور دعویٰ کیا گیا ہے کہ مسلمانانِ برلن مسجد کو احمدیوں کے قبضہ سے نکال لینا چاہتے ہیں۔ اس جدوجہد میں مسلمانانِ ہندوستان سے امداد مانگی ہے۔ علاوہ ازیں حبیب الرحمٰن کی نام نہاد انجمن اسلامیہ برلن کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ مسجد تعمیر ہونے سے پہلے سے قائم ہے۔ اور شاندار خدمات اسلامی انجام دے چکی ہے اور دے رہی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ ان غلط الزامات و دعاوی کی حقیقت واضح کر دی جائے۔

1۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حبیب الرحمٰن اور ان کے ساتھی امام مسجد برلن اور جماعت

احمدیہ کے خلاف بلاتکلف ہر قسم کی غلط بیانیاں کر سکتے ہیں اور ''زمیندار'' اور ''احسان'' کی قماش کے اخبار ان کو موٹے موٹے عنوانوں سے بلا تحقیق چھاپ بھی سکتے ہیں۔لیکن دنیا میں صرف دروغ باف اور اندھے ہی آباد نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں معقولیت پسند انسان بھی بستے ہیں۔کاش نقاب پوش نامہ نگار اس الزام کا کوئی ثبوت بھی پیش کرتا۔ چند ہزار افراد کی ایک مختصر سی قوم لاکھوں روپے کے صرف سے مسجد تعمیر کرتی ہے۔ ہزاروں روپیہ ماہوار اس کے اخراجات برداشت کرتی ہے؟ کیا دنیا کا کوئی ہوشمند اور انصاف پسند آدمی تسلیم کر سکتا ہے کہ یہی قوم یا اس کا نمائندہ مسجد کی بے حرمتی کا مرتکب ہوگا؟ دنیائے اسلام کے مشہور اکابر جو برلن جاتے ہیں وہ بالعموم مسجد میں بھی تشریف لاتے ہیں۔تعجب ہے ان میں سے کبھی بھی کسی کو مسجد کی بے حرمتی نظر نہ آئی۔کبھی کسی نے موجودہ انتظام کے خلاف ایک لفظ بھی نہ کہا۔ لیکن حبیب الرحمٰن اور ان کی پارٹی مسجد کی مفروضہ بے حرمتی پر طوفان محشر برپا کئے ہوئے ہیں۔

2۔حبیب الرحمٰن نے امام مسجد برلن کے خلاف توہین آمیز غلط بیانیاں کیں۔عرصہ سے یہ سلسلہ جاری ہے۔امام موصوف نے جائز طور پر ان غلط بیانیوں کی تردید اور معذرت کا مطالبہ کیا۔جس کے پورا نہ ہونے کی صورت میں ان کو مجبوراً قانونی چارہ جوئی کرنی پڑی۔معاملہ عدالت میں ہے۔وہ فیصلہ کر دے گی۔اس پر کسی کو معترض د بے چین ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ حبیب الرحمٰن غلط بیانیاں نہ کرتے یا اگر انہوں نے اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر کی تھیں تو ان کی تردید کر کے امام موصوف سے معذرت چاہ لیتے یا کم از کم ان کے حامی ہندوستانی اخبارات میں ہی اس قدر اخلاقی جرات ہوتی کہ وہ کسی جھوٹ کی تردید میں سچی بات شائع کر سکتے تو قانونی چارہ جوئی کی نوبت نہ آتی۔اگر حبیب الرحمٰن سچے ہیں تو انہیں اپنی صفائی عدالت میں پیش کرنی چاہئیے۔بصورت دیگر انہیں اپنی حرکتوں کے نتائج کو برداشت کرنا ہوگا۔

3۔مسجد برلن ہر ایک خیال وعقیدہ کے مسلمان کی عبادت کے لئے کھلی ہے۔لیکن اس میں سیاسی اجتماعات نہیں ہو سکتے ہیں۔نہ اس خانہ خدا کو پارٹی بازی کا مرکز بنوایا جا سکتا ہے۔ ہر جگہ مسجدوں کا کوئی شخص یا جماعت متولی ہوتی ہے۔اگر جماعت احمدیہ یا اس کا مقرر کردہ امام برلن مسجد کا متولی ہے۔تو اس پر اعتراض کیوں؟ جماعت احمدیہ نے اس مسجد کو لاکھوں کے صرف سے تعمیر کیا۔ ہزاروں روپیہ وہ

اس پر خرچ کر رہی ہے۔اس سے زیادہ اس کے متولی ہونے کا حق دار کون ہوسکتا ہے؟ باقی رہا مسجد کو احمدیوں سے چھین لینے کا عزم۔تو حبیب الرحمٰن اوران کی نام نہاد انجمن اسلامیہ کو ذرا اپنے اندوختہ عمل پر ایک نظر ڈال لینی چاہئیے۔اگر وہ ایسے ہی ہمت والے ہیں تو ان کی آنکھوں کے سامنے وہ مسجد ویران نہ ہوتی جو حکومت جرمنی نے جنگ عظیم کے دوران میں مسلمان فوجیوں کے لئے برلن میں تعمیر کرائی تھی۔اور نہیں تو انجمن اسلامیہ اسی مسجد کو حکومت سے لے کر مرمت کرالیتی۔ برلن کافی بڑا شہر ہے اور جرمنی کافی وسیع ملک ہے اس میں متعدد مسجدوں کی ضرورت ہے۔ہم خوش ہوں گے کہ انجمن اسلامیہ چند نئی مساجد تعمیر کرادے۔کیا وہ اپنے جوش اسلامی اور قوت عمل کا اس احسن طریق پر ثبوت دینے کے لئے تیار ہے؟!

4۔احمدیت اسلام سے جدا کوئی چیز نہیں۔ ہمارے عقائد سب کے سامنے ہیں۔ان میں سے اگر کوئی عقیدہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے تو بتایا جائے۔امام مسجد برلن بھی انہی عقائد کی تبلیغ کرتے ہیں۔پھر ہم حیران ہیں کہ اعتراض کس بات پر ہے اور غوغائے مخالفت کے معنی کیا ہیں؟!

ابتدائے آفرینش سے یہ طریق چلا آرہا ہے کہ جب کسی نیک کام کی ابتدا ہوتی ہے تو چند سعید الفطرت لوگ اس کے حامی بن جاتے ہیں اس کے لئے قربانیاں کرتے ہیں اور کچھ لوگ ذاتی اغراض اور تعصب کی وجہ سے اس کی مخالفت شروع کردیتے ہیں۔ برلن مسجد اور برلن مشن کے نیک کام کی مخالفت بھی اسی طریق پر ہورہی ہے۔لیکن کتوں کے بھونکنے سے قافلے نہیں رکا کرتے۔ ہماری طرف سے یورپ میں تبلیغ اسلام کا کام انشاءاللہ جاری رہے گا۔تاہم ہمارے مخالفین کو ذرا سوچنا چاہئیے کہ انہوں نے اپنے لئے کونسا مقام تجویز کیا ہے اور زمانہ مستقبل کا مورخ ان کا ذکر کرتے ہوئے کیا لکھے گا!

3 دسمبر 1936ء

دعوت جلسہ سالانہ

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

جلسہ سالانہ کی اہمیت: سالانہ جلسہ کی اہمیت کو ابھی ہماری جماعت نے پوری طرح محسوس نہیں کیا۔ اس کی بنیاد خود حضرت مسیح موعود نے ڈالی اور سال میں ایک دفعہ سب احباب کے میل ملاپ اور اجتماع کو ضروری ٹھہرایا اور اس کے فوائد کو بھی بالتصریح آپ نے خود ہی بیان فرمایا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ وہ دوست جن کو اس زمانہ میں سلسلہ میں شمولیت کا فخر حاصل تھا سالانہ جلسہ سے کبھی غیر حاضر ہوتے ہوں۔ بلا استثناء سب کے سب دوڑے آتے تھے۔ حالانکہ ان دنوں میں ویسے بھی قادیان میں بہت سے احباب کا اکثر آنا جانا رہتا تھا اور قادیان کے سفر میں سخت صعوبتیں بھی درپیش تھیں۔ مگر سالانہ اجتماع پر حاضری کو روح کی غذا کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ جس سے سال بھر کے لئے کام کرنے کی ایک نئی قوت پیدا ہو جاتی تھی اور ان تکالیف کا جو سلسلہ کی مخالفت کی وجہ سے اٹھانی پڑتی تھیں مقابلہ نہایت آسان ہو جاتا تھا۔

لاہور پہنچنے کے لئے حالانکہ ہر قسم کی سہولتیں میسر ہیں مگر بہت سے دوست اس شمولیت کو لاپروائی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ اب سال بھر میں قریباً قریباً یہی ایک موقعہ رہ لیا ہے۔ جس میں دوست جمع ہو کر دینی فوائد حاصل کر سکتے ہیں اور ایک دوسرے سے تعارف پیدا کر کے اس عظیم الشان اخوت کے فوائد کو حاصل کر سکتے ہیں جو اسلام نے پیدا کی ہے۔ تو اس ایک موقعہ کو بھی محض سستی سے یا ذرا سی تکلیف سفر سے ڈر کر یا چند پیسوں کے خرچ سے بچنے کے لئے گنوا دینا خدا کے مامور سے برگشتگی تعلقات اخوت کو ضائع کرنا اور جماعت کے ساتھ بیوفائی ہے۔ ہم ایک عزیز کی شادی میں شامل ہونے کے لئے یا اس کے غم میں شریک ہونے کے لئے کبھی ان باتوں کا خیال نہیں کرتے کہ سفر میں تکلیف ہوگی یا کچھ پیسے خرچ ہو جائیں گے۔ لیکن جہاں جانے سے خدا راضی ہوتا ہے۔ دین کو قوت ملتی ہے، تعلقات اخوت مضبوط ہوتے ہیں، روحانیت ترقی کرتی ہے، خدمت دین کی تڑپ دل میں پیدا ہوتی ہے، زندگی ملتی ہے، اس سے بچنے کے لئے کس قدر عذر ہمارے سامنے آ جاتے ہیں اور پھر وہ کیسے اچھے معلوم ہوتے

ہیں رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ

مسلمانوں میں تعمیری کاموں کی قلت!: آج مسلمانوں میں تعمیری کام کی بے حد قلت ہے اور بالخصوص دین اسلام کی توسیع، اشاعت اور حفاظت کا تعمیری کام تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ مسلمانوں کے مختلف فرقے اعداء اسلام کے مقابلہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے سے لڑنے اور ایک دوسرے کو گرانے میں مصروف ہیں۔ مسلمان بنانے والوں کی تعداد بہت کم اور کافر بنانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان طرح طرح کی تاریکیوں کے اندر اگر ایک شعاع تعمیری کام کی روشنی کی نظر آئے تو ہر ایک بہی خواہ اسلام کا فرض ہے کہ اس کی طرف رجوع کرے۔

مسلمانوں کے فرقوں میں سب سے چھوٹا فرقہ وہ ہے جس کی نمائندہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہے۔ اس کے اصول کی پاکیزگی کو دیکھئے۔ نبوت آنحضرتؐ پر ختم ہے۔ نہ کوئی پرانا نبی آپ کے بعد آئے گا نہ نیا۔ ہاں مجدد آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔ تکفیر کی خطرناک بیماری کی جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ فرقوں کا اختلاف صرف فروعی اختلاف ہے۔ جس طرح ایک تنے کی مختلف شاخیں ہوں۔ شاخوں کا کام درخت کو غذا بہم پہنچا کر ایک دوسرے کی قوت کا موجب بننا ہے۔

پھر اس کی تمام تر توجہ صرف ایک توسیع اشاعت وحفاظت اسلام کے کام پر لگی ہوئی ہے دوسری تمام جماعتیں سیاسیات میں پڑ کر دنیا کو دین پر مقدم کر رہی ہیں۔ صرف اس ایک جماعت کے افراد سیاسیات سے الگ ہو کر خالص خدمت دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ کام دیکھئے تو بیس سال کے عرصہ میں چالیس ہزار کاپی انگریزی اور ڈچ تراجم کی دنیا میں پھیلا دی ہے۔ جس میں سے دس ہزار کاپی مفت تقسیم کی ہے۔ بیس ہزار کاپی سیرت نبوی کی صرف انگریزی زبان میں پھیلائی ہے اور اس کے علاوہ ہزار ہا کاپیاں دوسری زبانوں میں۔ ان میں بھی پندرہ ہزار کاپی سیرت انگریزی کی مفت تقسیم ہوئی ہے۔ تعلیم اسلام پر کتابیں جو مفت تقسیم ہو چکی ہیں ان کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچتی ہے۔ تین مشن یورپ میں قائم کر دیئے ہیں، دو عنقریب ہونے والے ہیں۔ جاوا اور فجی میں بھی مشن قائم کئے۔ ٹرینیڈاڈ میں اس کی سعی سے تبلیغ اسلام کے کام کی بنیاد رکھی گئی۔ ہندوستان میں اچھوتوں میں تبلیغ کا کام اگر کچھ ہو رہا ہے تو اسی انجمن کی بدولت۔ دو ہائی سکول قائم ہیں۔ چھ مختلف زبانوں میں اخبارات اور رسالے

جاری ہیں۔ تیرہ ہندوستانی اور چودہ بیرونی زبانوں میں لٹریچر کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

اپنی جماعت سے توقع: میں تو اپنی جماعت سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ ان کے دلوں میں خدمت اسلام کا وہ جذبہ ہو اور اشاعت اسلام کی وہ تڑپ ہو کہ اگر کسی اور جگہ یہ کام ہوتا دیکھیں تو وہاں بھی اپنی موجودگی سے یا اپنی زبان سے یا اپنے ہاتھ سے اس میں معاون ہوں۔ اس لئے اپنے سالانہ اجتماع پر دعوت دینے میں میں کسی تکلف سے کام نہیں لیتا۔ بلکہ میرے دل میں یہ تڑپ ہے کہ ہر ایک دوست، جو ہماری جماعت میں شامل ہو، وہ اسے امر جامع کی حیثیت دے کر اس کو قوت پہنچانے کی پوری کوشش کرے اور سوائے سخت معذوری کے کوئی دوست غیر حاضر نہ ہو۔ بلکہ جلسہ کے پورے ایام کے لئے حاضر ہو۔ کئی دوست ہیں جو یا پہلے ایک دن آ جاتے ہیں یا بعد میں آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر جب آپ تکلیف بھی اٹھاتے ہیں خرچ بھی کرتے ہیں تو پھر اپنے اجر کو اپنے ہاتھوں سے ادھورا کیوں کرتے ہیں۔ پورے تین دن کی تسبیح کو قرآن کریم نے بھی خاص اہمیت دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اس سے انہونی بات بھی ہو جاتی ہے۔ بعض دوست بالکل معمولی عذروں پر ایک دن پہلے اجازت طلب کرتے ہیں۔ گو میں انہیں روکنا پسند نہیں کرتا۔ مگر ان کا اس وقت جانا مجھے اتنا ہی ناگوار ہوتا ہے جتنا نہ آنے والوں کا نہ آنا۔

دعوت کی اصل غرض کو فراموش نہ کیجئے: اگر میری اس دعوت کو آپ قبول کرتے ہیں اور دعوت کا رد کرنا اچھا نہیں تو دعوت کی اصل غرض کو نہ بھولئے۔ اشاعت اسلام کو قوت پہنچانا اور قوت پہنچانے کے دو بڑے بھاری ذریعے ہیں۔ ایک جماعت، ایک مال۔ پس ایک تو کوشش کیجئے کہ جلسہ سالانہ پر کسی غیر از جماعت دوست کو اپنے ساتھ لائیں۔ خواہ اپنے پاس سے خرچ دے کر لائیں۔ اگر آپ کی وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت مل جائے تو یہ آپ کے لئے بڑی دولت ہے۔ ہمارے سید و مولیٰ فرماتے ہیں **لان یھدی بک رجل خیر لک من حمر النعم** اور قوم کی بھی قوت بڑھتی ہے۔ اور دوسرے آج سے یہ عہد کر لیں کہ کچھ نہ کچھ رقم بھی آپ نے جمع کر کے ساتھ لانی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر جو کام آپ نے شروع کر رکھے ہیں وہ بھی جاری نہیں رہ سکتے۔ ترقی تو ان میں کیا ہو گی۔ ایک سو جوان ہمت بیس روپے کم سے کم ساتھ لائیں تو دو ہزار روپیہ ہو سکتا ہے۔ چودھری فضل داد، جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص جوش دیا ہے، ان کا خط اخبار میں چھپ چکا ہے، انہوں نے یہ عہد کیا ہے کہ وہ کم سے کم بیس روپے دوسروں

سے جمع کر کے لائیں گے اور اگر اس قدر رقم پوری نہ کر سکے تو باقی روپے اپنے پاس سے ڈال کر بیس روپے فنڈ میں دیں گے۔ جماعت چھوٹی سہی، کیا ایک سو آدمی ایسے کھڑے نہیں ہو سکتے۔ اگر نوجوان قومی مشکلات کو حل کرنے کا جذبہ اور ہمت اپنے اندر پیدا کر لیں تو اللہ تعالیٰ ہماری مشکلات کو بہت جلد ختم کر دے۔ لیکن اگر ہم خود حرکت نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کا قانون بھی صاف ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (11:13) ایسے احباب اگر اپنے ناموں سے مجھے اطلاع دیں تو میں بھی ان کے لئے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہمت میں برکت دے۔

خواتین اور نوجوانوں اور بچوں کی شرکت ضروری ہے: آخر پر میں اپنے احباب کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ نوجوانوں اور بچوں کے دلوں میں اشاعت اسلام کے نیک جذبات کو پیدا کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ان کو اس اجتماع میں شامل کیا جائے۔ اور نہ صرف نوجوانوں اور بچوں کو بلکہ خواتین کو بھی شامل کیا جائے۔ ہماری آئندہ نسل کی بہتری کا بہت سا مدار اس بات پر ہے کہ خواتین اس میں کس قدر حصہ لیتی ہیں۔ جس قدر ماں کا رنگ بچہ لیتا ہے اس قدر باپ کا بھی نہیں لیتا۔ منتظمین جلسہ کو خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کہ خواتین کے لئے خاص طور پر انتظام کیا جائے کہ انہیں جلسہ میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اور چونکہ خواتین کا خاص جلسہ اور دستکاری کی نمائش ایک دن پیشتر یعنی 24 دسمبر کو ہوں گے، اس لئے ایسے احباب کو، جن کو خواتین ان کے ساتھ ہوں، مناسب ہے کہ 24 کی صبح تک پہنچ جائیں۔ مگر اس کی اطلاع پہلے سے مہتمم جلسہ کو کر دیں تا کہ وہ انتظام کر سکیں۔ محمد علی

جلسہ سالانہ کی تاریخیں: 27,26,25 دسمبر 1936ء جمعہ، ہفتہ، اتوار مقرر ہوئی ہے۔ تمام احباب نوٹ کر لیں۔

3 دسمبر 1936ء

تحریک دستکاری

خواتین سلسلہ کی توجہ کے لئے

محترم بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو علم ہوگا کہ احمدیہ انجمن خواتین اسلام لاہور نے اشاعت اسلام میں مدد دینے کے لئے ایک دستکاری فنڈ جاری کیا تھا۔ یعنی ہر ایک بی بی کوئی سا دستکاری کا کام اپنے ہاتھ سے بنا کر سال میں ایک دفعہ دیں۔ اور یہ سب اشیاء جمع کر کے سالانہ جلسے پر جو ماہ دسمبر میں ہوتا ہے بذریعہ نمائش فروخت کی جائیں اور روپیہ اشاعت اسلام پر صرف ہو۔ چنانچہ کئی سال سے یہ نمائش ہوتی ہے افسوس ہے کہ اب تک بہت کم بہنوں نے اس مبارک کام میں حصہ لیا ہے۔ اگر یہ تحریک عام ہو جائے تو اشاعت اسلام کو گراں قدر امداد خواتین کی طرف سے مل سکتی ہے۔ اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ آپ بھی اس نیک ومفید تحریک میں شامل ہو کر ثواب دارین حاصل کریں اور اپنی بچیوں و دیگر رشتہ داروں کو بھی شریک کریں۔

آپ جانتی ہیں کہ آج کل مسلمانوں پر کس قدر مشکلات کا زمانہ گزر رہا ہے۔ ان کی ہستی چاروں طرف سے معرض خطر میں ہے۔ ناموس اسلام پر گندے حملے ہوتے ہیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپاک ترین الزامات لگائے جاتے ہیں۔ تو کیا ہمیں یونہی خاموش بیٹھے رہنا چاہیئے۔ ہرگز نہیں۔ مذہب اسلام نے طبقہ نسواں کو ذلیل ترین حالت سے نکال کر بام عروج پر پہنچایا اور ان کے حقوق قائم کئے۔ تو ہر ایک دختر اسلام کا فرض ہے کہ وہ تن من دھن سے اپنے پیارے مذہب کی حفاظت کے لئے تیار ہو جائے۔ آپ چاردیواری کے اندر سے بھی بذریعہ دستکاری حفاظت اسلام جیسے زبردست جہاد میں حصہ لے کر دین ودنیا مین سرخرو ہو سکتی ہیں۔ غریب سے غریب بہنیں بھی امداد دینے سے نہ ہچکچائیں کہ خلوص دل سے دیا ہوا ایک پیسہ بھی نہایت قدر قیمت رکھتا ہے اور ہماری متمول بہنیں بھی خادمہ اسلام ہونے کا شرف حاصل کرنے میں تاخیر نہ کریں۔ آج کل رمضان کا بابرکت مہینہ ہے۔ بہتر ہو کہ آپ اس مہینہ کو اس مجاہدہ میں صرف کریں اور روزانہ کم از کم ایک یا دو

گھنٹہ لگا کر کوئی کار آمد اچھی سی دستکاری اشاعت اسلام کے لئے دیں۔ یقیناً آپ کا یہ فعل بھی عبادت میں شمار ہوگا۔ جس قسم کی دستکاری آپ کو آتی ہو آپ تیار کر سکتی ہیں۔ اگر پسند نہ ہو تو اس کو دوبارہ خود ہی خرید سکتی ہیں۔ اس قدر خیال رکھنا چاہئیے کہ کم قیمت خوبصورت و پائدار چیز ہو۔ ایک قیمتی چیز سے متعدد ہلکی قیمت کی چیزیں بہتر ہیں۔ آج کل مندرجہ ذیل اشیاء کی زیادہ کھپت ہے۔ مثلاً کڑھے ہوئے دوپٹے، ازار بند، بچوں کے سویٹر، موزے (ٹوپی کا رواج بہت کم ہے) ٹیبل کلاتھ، غلاف، تکیہ، کرسیوں کے کشن، بچوں کے کھلونے، پلنگ پوش، کاتا ہوا سوت، لیڈیز رومال، دیواروں پر آویزاں کرنے کے خوبصورت قطعے وغیرہ وغیرہ۔ (چیز خوبصورتی اور صفائی سے بنانی چاہئیے) یہ تمام اشیاء عید سے قبل خاکسار کے پاس پہنچ جانی چاہئیں۔ والسلام

خاکسار اہلیہ محمد علی

آنریری سکرٹری احمدیہ انجمن خواتین اسلام

احمدیہ بلڈنگس لاہور

11 دسمبر 1936ء

مکتوب مفتوح

بخدمت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مکرم معظم جناب میاں صاحب۔ اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

میں نہایت درد دل سے آپ کی خدمت میں یہ گذارش کرتا ہوں کہ مسئلہ تکفیر مسلمین اور مسئلہ نبوت حضرت مسیح موعود کے بارے میں جو اختلاف جماعت لاہور اور جماعت قادیان میں بائیس سال سے چلا آ رہا ہے اور جس پر اخبارات، ٹریکٹوں، اشتہاروں، رسالوں اور کتابوں میں بحثوں کی کوئی انتہاء نہیں رہی۔ اس سے جماعت کو اور دوسرے لوگوں کو اب تک کوئی فائدہ اس لئے نہیں پہنچا کہ یہ سب بحث یک طرفہ ہے۔ دونوں جماعتوں کی تو بالخصوص یہ حالت ہے کہ سامنے ہر وقت سوال کا ایک پہلو آتا ہے اور دوسرے فریق کے دلائل سننے کا ان کو موقع نہیں ملتا۔ اور عام طور پر مسلمان پبلک کی بھی یہی حالت ہے کہ وہ ایک وقت میں ایک ہی فریق کے بیان کو دیکھ سکتے ہیں۔ اور اس لئے جب وہ ایک فریق کے بیان کو پڑھتے ہیں تو وہ اس سے کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتے۔ اس لئے کہ ان کا خیال ہوتا ہے کہ دوسرے فریق کے پاس اس کا کچھ معقول جواب ہوگا۔

فیصلہ کے لئے جماعت لاہور کے عمائد کی تجویز: اس مشکل کو حل کرنے کے لئے قریباً دو سال کا عرصہ ہوا جماعت لاہور کے عمائد نے ایک تجویز جماعت قادیان کے عمائد کے سامنے پیش کی تھی کہ دونوں فریق کے امیر باہم ایک مباحثہ کریں۔ جس میں چند آدمی جماعت قادیان کے جماعت لاہور منتخب کرے اور اسی قدر آدمی جماعت لاہور کے جماعت قادیان منتخب کرے۔ اور مباحثہ کے آخر پر یہ سب آدمی اپنی رائے کا اظہار کریں۔ ممکن ہے کہ ایک شخص کے دلائل سے دوسری جماعت کے بعض آدمی

متاثر ہو جائیں تو فیصلہ کی ایک راہ نکل آئے۔مگران کی اس تجویز کو قبول نہ کیا گیا۔

دوسری تجویز: یہ خیال کر کے کہ شائد اس طرح فتح وشکست کا خیال حائل ہو جاتا ہوایک ماہ کے قریب ہوا میں نے خود اس شرط کو ترک کر کے یہ درخواست کی تھی کہ ویسے ہی میں اور آپ ایک جگہ جمع ہو کر ایک دوسرے کی باتوں کو سنیں اور پھر وہ تحریریں ایک جگہ شائع ہو جائیں۔تا کہ دونوں جماعتیں فریقین کے دلائل کا موازنہ کر سکیں اور مسلمان پبلک کے لئے بھی کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی راہ نکل آئے۔اس کا بھی کوئی جواب اب تک نہیں ملا۔

تیسری تجویز: یہ خیال کر کے کہ شائد آپ ایک جگہ جمع ہونے کی تکلیف کو برداشت کرنا پسند نہیں کرتے میں اب ایک تیسری تجویز آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔جس میں آپ کو یہ تکلیف بھی نہ ہو اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔اور وہ یہ ہے کہ تحریری بحث دونوں اخبارات میں ہوتی رہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ تعداد صفحات یا الفاظ معین کر دیئے جائیں اور پرچوں کی تعداد بھی معین ہو جائے۔

اول مسئلہ تکفیر لے لیا جائے: آپ اپنا پرچہ لکھ کر میرے پاس بھیج دیں اس کے پہنچنے کی تاریخ سے سات دن کے اندر اندر میں اس کا اسی قدر لمبا جواب لکھ کر آپ کے پاس بھیج دوں۔اور یہ دونوں پرچے ایک ہی وقت میں دونوں اخباروں میں نکل جائیں۔یعنی ''الفضل'' اور ''پیغام صلح'' میں۔پھر میرے پرچے کا جواب لکھ کر اسی طرح آپ سات دن کے اندر اندر میرے پاس بھیج دیں اور میں اس کا جواب سات دن کے اندر اندر لکھ کر آپ کے پاس بھیج دوں۔اور پھر یہ دنوں پرچے دونوں اخبارات میں ایک ہی وقت میں چھپ جائیں۔کل پرچوں کی تعداد اس مسئلہ میں چھ چھ ہو۔اس کے بعد مسئلہ نبوت کو لے لیا جائے اور اس کے متعلق میں اپنا پرچہ لکھ کر آپ کے پاس بھیج دوں اور آپ اس کا جواب اسی وقت معینہ کے اندر اندر میرے پاس بھیج دیں اور جس طرح پہلے مسئلہ میں چھ چھ پرچے ہوں،اسی طرح اس میں بھی چھ چھ پرچے ہوں۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے اس طرح تھوڑی سی تکلیف اٹھا لینے سے مخلوق

خدا کا بہت بھلا ہوگا۔ اور شائد آئندہ یہ چھوٹی چھوٹی بحثیں، جن سے آئے دن اخباروں کے اوراق بھرے رہتے ہیں، بند ہو جائیں اور ان کی بجائے خدمت اسلام کا کوئی اور زیادہ مفید کام ہو جائے اور مسلمان بھی ان تحریروں کی بنا پر کم سے کم یہ فیصلہ تو کر سکیں کہ حضرت مسیح موعود کا اصل مذہب کیا تھا۔ اور غلط فہمیاں دور ہو کر اگر خدا کو منظور ہو تو سلسلہ کے لئے بھی دلوں میں محبت پیدا ہو جائے اور اشاعت و تبلیغ اسلام کا وہ کام، جس کی بنیاد حضرت مسیح موعود نے رکھی تھی، پھر قوت پکڑے۔

خاکسار

محمد علی

احمدیہ بلڈنگس لاہور

21 رمضان المبارک

11 دسمبر 1936ء

کشتی اسلام کے بچانے کے لئے ایک آواز

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے آپ کے ذمہ خدمت اسلام کا ایک کام ڈالا ہے۔ جس کی طرف اخبار کے ذریعے سے اور پھر خاص چٹھیوں کے ذریعے سے مختلف جناب کو توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک کام کو جب تک انسان دوسرے کا کام سمجھتا ہے تو اس میں اس کے کرنے کے لئے وہ عزم پیدا نہیں ہوتا اور نہ وہ ہمت پیدا ہوتی ہے جو اس کام میں پیدا ہوتی ہے جسے وہ اپنا ذاتی کام سمجھتا ہے۔

ذاتی کاموں کے سرانجام دینے کے لئے بہت لوگ ہیں جو اپنی صحت تک کی پرواہ نہیں کرتے، نیند کو اپنے لئے حرام کر لیتے ہیں۔ کام کرتے جاتے ہیں اور تھکان معلوم نہیں ہوتی۔ گو اس کا اثر ان کی صحت پر بھی پڑ رہا ہو۔ دکھوں اور تکلیفوں کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ انسان ایک مقدمہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو کس طرح دیوانہ وار دوڑ پھرتا ہے۔ اس وقت اسے اپنی عزت کا خیال تک بھی نہیں ہوتا۔ کبھی ایک کی منت کرتا ہے کبھی دوسرے کی۔ کوئی عزیز بیمار ہوتا ہے تو راتوں کو کبھی ڈاکٹر یا حکیم کے پاس، کبھی دوائی خانہ میں دوڑا جاتا ہے کبھی بیمار کے سرہانے بیٹھتا ہے اور بستر خواب اسے بُرا معلوم ہوتا ہے۔

میں آپ کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو کام میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے وہ کسی دوسرے کا کام نہیں بلکہ آپ کا اپنا کام ہے۔ وہ آپ کی ذات کے لئے منفعت بخش ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا کے دین کی خدمت کا کام ہے۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ پر آپ کا ایمان ہے۔ جو اللہ کے لئے اپنے آپ کو کسی کام پر لگاتا ہے اللہ اس کے کام میں لگ جاتا ہے۔ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ (40:22) کا وعدہ اس صادق مصدوق پر نازل ہوا جس نے اپنے ہر ایک ذرہ کو خدا کے کام میں لگا دیا اور جس کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا وہ نظارہ نظر آتا ہے کہ خدا کا کھلا ہوا ہاتھ اس کے لئے کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جو اللہ کے دین کی مدد میں لگ جائے یقیناً اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرے گا۔ آپ کے دلوں میں بھی یہ آرزو ہے یہ تڑپ ہے کہ آج بھی ہم خدا کی نصرت کے وہ نظارے دیکھیں اور خدا کے کھلے ہاتھ کو اسی طرح تائید اسلام

میں کام کرتا دیکھیں۔ اگر آج ایسا نہیں ہوتا تو یہ ایک قصہ ماضی ہے۔ مگر اس قصہ ماضی کو آج آپ حقیقت کا جامہ پہنا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ خدا کے کام کو اسی ذوق وشوق سے کریں جس ذوق وشوق سے اپنے ذاتی کاموں کو کرتے ہیں۔ اپنے اندر خود ہی نگاہ ڈال کر دیکھئے کہ جس طرح بسا اوقات آپ کو اپنے دنیوی کاروبار کا شغف اس قدر ہوتا ہے کہ آپ دوسری سب باتوں کو بھول جاتے ہیں۔ کیا کبھی دینی کاروبار کا شغف بھی اس قدر ہوا کہ آپ اپنے دنیوی کاموں کو بھول گئے ہوں! اگر آپ کے سامنے دین اسلام کی وہ تصویر ہوتی جو مجدد وقت کو دکھائی گئی تھی تو یقیناً آپ اس کی نصرت کے لئے اس طرح دوڑتے کہ اپنے کاروبار کو بھول جاتے اور خدا کی نصرت کا ہاتھ بھی اسی طرح دوڑتا ہوا نظر آتا۔ میں نے کہا کہ آپ کسی مقدمہ میں مبتلا ہو جائیں تو تمام تفکرات کی جگہ یہ ایک ہی فکر لے لیتا ہے۔ آپ کا کوئی عزیز بیمار ہو جائے تو آپ کو اس وقت نہ دن سوجھتا ہے نہ رات۔ آپ کے اندر ایک بے چینی ہوتی ہے کہ اس علاج سے فائدہ نہیں ہوا تو دوسرا شروع کریں۔ دوسرے سے فائدہ نہیں ہوا تو تیسرا کریں۔ طبیب آپ کو کہتا ہے کہ اس کے لئے یہ چیز میسر کرو تو آپ اس کے میسر کرنے کے لئے کس طرح بیقرار ہوتے ہیں!

مگر ایک روحانی طبیب آتا ہے وہ آپ کو دین کی حالت سے آگاہ کرتا ہے۔ وہ آپ کو اس کے لئے علاج بتاتا ہے۔ وہ اسلام کی کشتی کو ایک بھنور میں مبتلا دیکھتا ہے اور وہ بلند آواز سے پکارتا ہے ؎

فضل کے ہاتھوں سے اب اس وقت کر میری مدد — کشتیِ اسلام تا ہو جائے اس طوفاں سے پار

یاالٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا — اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سُن لے پکار

ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آمرے اے ناخدا — آگیا اس قوم پر قوتِ خزاں اندر بہار

آپ اٹھتے ہیں اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار کرتے ہیں کہ ہم اس کشتی کو بچانے کے لئے پوری قوت صرف کریں گے۔ کیا فی الواقع جب دریا میں کشتی ڈوب رہی ہو تو کوئی عقلمند یوں کیا کرتا ہے کہ ساحل پر کھڑا مشورہ دیتا رہے یا جو لوگ اس کے بچانے میں مصروف ہیں دور سے کھڑا ان پر اعتراض کرتا رہے کہ فلاں یوں نہیں کرتا اور فلاں یوں نہیں کرتا یا اس وقت کپڑے اتار کر کود پڑتا ہے کہ اندر جا کر میں بھی اس کے بچانے کی کوئی کوشش کروں۔

اس کشتی کو بچانے کے لئے میں نے آپ کو آزادی ہے۔ اگر آپ کو اس کے بچانے کی فکر

ہے تو بغیر سوچنے کے کود پڑیئے۔ اگر نہیں تو اللہ اس کا مالک ہے۔ وہ کوئی اور سامان اس کو بچانے کا کر دے گا۔ آپ میں سے بعض وہ ہیں جو میرے لکھنے کے بغیر ہی کود پڑے ہیں۔ اور بعض وہ بھی ہیں جو اس آواز پر خوش دلی سے لبیک کہہ رہے ہیں اور بعض وہ ہیں جو ابھی سوچ رہے ہیں اور بعض وہ بھی ہیں جنہیں اپنی عزتیں اور اپنا کاروبار زیادہ محبوب ہے۔ ہر ایک دوست کم سے کم اتنا تو غور کرے کہ وہ کس گروہ میں ہے اور کیوں وہ، وہ کام نہیں کر سکتا، جسے اس سے بہت زیادہ کمزور بھائی بھی بڑی خوبی سے کر رہے ہیں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

☆

معاصر ''صدق'' کی خدمت میں: مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کا اخبار ''صدق'' اپنی 11 مارچ کی اشاعت میں ہمارے انگریزی اخبار ''ینگ اسلام'' پر ریویو کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

> ''اسی جماعت کا اخبار ہے۔ جس کے دوسرے پرچے ''لائٹ'' اور ''پیغام صلح'' وغیرہ پیشتر سے نکل رہے ہیں۔ مسلک و روش وہی ہے جو جماعت احمدیہ کے رسائل واخبارات کی ہوتی ہے۔ قابل داد اس جماعت کی، عقائد وخیالات کیسے ہی ہوں، قوت عمل ہے۔ تعداد کے لحاظ سے دیکھئے تو بس مٹھی بھر، کارگذاریوں کے لحاظ سے دیکھئے تو ملک بھر پر چھائے ہوئے ہیں۔ کاش! عقائد بھی درست ہوتے''

جناب مولانا عبدالماجد صاحب کا ہمارے دل میں بہت احترام ہے۔ کیونکہ مولویانہ خیالات ومسلک کے باوجود وہ بسا اوقات حق گوئی سے کام لیتے ہیں۔ اور حقائق سے آنکھیں بند نہیں کرتے۔ مندرجہ بالا سطور میں انہوں نے جماعت احمدیہ لاہور کی قوت عمل کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کا شکریہ۔ بس ہماری یہی تمنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خدمت دین کا اہل بنائے اور اس کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے۔ آخر پر جو ''کاش عقائد بھی درست ہوتے'' فرمایا ہے۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ

ہمارے عقائد پوشیدہ نہیں۔مولانا موصوف ان سے بخوبی واقف ہیں۔کاش! مولانا بتائیں کہ ان میں سے کونسا عقیدہ غلط اور خلاف قرآن وحدیث ہے۔ہمارے عقائد کو غلط قرار دینے کی مولانا کے پاس کوئی وجہ اور دلیل تو ہوگی۔اور ضرور ہونی چاہئیے۔کاش! مولانا اس سے ہمیں بھی آگاہ فرماویں۔امید ہے موصوف اس بارہ میں تو ہم سے متفق ہوں گے کہ بلا وجہ اور بلا دلیل کسی کے عقائد کو غلط قرار دے دینا ایسی بات ہے جو انصاف ومعقولیت سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔غلط عقائد رکھنے والے مٹھی بھر احمدیوں کے اندر تو قوت عمل موجود ہے۔اور وہ خدمت دین میں مصروف ہیں اور صحیح عقائد رکھنے والے مولوی اور ان کے کروڑوں پیرو اس سعادت سے محروم ہیں۔آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا مولانا اس پر بھی غور فرمانے کی زحمت گوارا کریں گے!(پیغام صلح)

15 دسمبر 1936ء

حضرت امیر کے قلم سے

فیصلہ کن بحث

تکفیر اور نبوت کے مسائل پر

''پیغام صلح'' کے پچھلے پرچے میں میں نے یہ تحریر کیا تھا کہ اگر جناب میاں محمود احمد صاحب ایک جگہ جمع ہو کر ان مسائل پر بحث کرنا نہیں چاہتے تو مجھے یہ بھی منظور ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ پر رہ کر کوئی ایسی صورت پیدا کریں کہ ان مسائل کے دونوں پہلو دونوں جماعتوں کے اور عام مسلمان پبلک کے سامنے آ جائیں۔ یہ مضمون چھپ چکا تھا۔ جب اخبار الفضل مورخہ 11 دسمبر 1936ء سے معلوم ہوا کہ جناب میاں صاحب نے کسی شخص کو اجازت دی ہے کہ وہ ان کی طرف سے یہ اعلان کر دے کہ جناب میاں صاحب خود میری پہلی تجویز کے مطابق ایک جگہ جمع ہو کر بحث کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس لئے میں اس دوسری تجویز کو واپس لیتا ہوں جو پچھلے پیغام صلح کے پرچے میں پیش کی تھی۔ یہ بھی اسی پرچہ الفضل میں میری نظر سے گذرا جو فی الحقیقت پہلے 14 اکتوبر 1936ء کے الفضل میں بھی نکل چکا تھا کہ ہماری بارہ ثالثوں کی تجویز کی مخالفت کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس میں چار ایسے آدمیوں کی شمولیت ہے جو جماعت احمدیہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ مگر اس کے لکھنے والے خود جناب میاں صاحب نہیں۔ اگر ان کو بھی اس مضمون کے لکھنے والے سے اتفاق ہو تو میں خوشی سے بارہ کی بجائے آٹھ ہی آدمی تجویز کرتا ہوں اور چار غیر از جماعت آدمیوں کو ترک کر دیتا ہوں۔ صرف آٹھ آدمی ہوں۔ چار قادیانی جماعت کے بزرگ جنہیں میں منتخب کروں اور چار جماعت لاہور کے ممبر جنہیں جناب میاں صاحب منتخب کریں۔ اس سے کم سے کم یہ معلوم ہو جائے گا کہ آیا کسی فریق کے دلائل اس قدر کمزور تو نہیں کہ خود ان کی اپنی جماعت کا کوئی فرد بھی ان سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اسی لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ یہ تجویز مباحثہ کے ساتھ نہایت ضروری ہے۔ لیکن اگر جناب میاں صاحب کے دل میں یہ خوف ہے کہ ان کے اپنے مرید بھی ان کے دلائل سے مطمئن نہیں ہو سکتے تو میں اس شرط کو بھی چھوڑتا ہوں۔

''الفضل'' میں جو اعلان ہوا ہے اس میں صرف حضرت مسیح موعود کی نبوت پر بحث کا ذکر ہے۔

اور مسئلہ تکفیر کا ذکر کوئی نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سہواً رہ گیا ہو۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ جناب میاں صاحب مسئلہ تکفیر مسلمین پر بحث کرنے سے عمداً گریز فرمارہے ہیں۔ حالانکہ انہیں خوب علم ہے کہ دونوں فریق کا اختلاف پہلے اسی مسئلہ تکفیر پر ہی ہوا اور مسئلہ نبوت کی بحث بہت بعد میں شروع ہوئی۔ مسئلہ تکفیر مسلمین حضرت مولانا نورالدین مرحوم کی زندگی میں ہی دو گروہوں کا مبحث بن گیا تھا۔ اسی کی وجہ سے ہم نے قادیان کو چھوڑا اور ہم تو آج بھی یہ اعلان کرتے ہیں کہ اگر جناب میاں صاحب مسلمانوں کی تکفیر کو چھوڑ دیں اور سب کلمہ گوؤں کا بروئے قرآن وحدیث وبروئے تحریرات حضرت مسیح موعود (نہ اپنی ایجاد کردہ سیاسی تعریف کی رو سے) مسلمان ہونا تسلیم کرلیں۔ تو ہم مسئلہ نبوت پر ان کے ساتھ بحث کو آئندہ ترک کردیں گے۔ لیکن اگر ان کے نزدیک وہ لوگ، جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، تو پھر یہی تو اصل مابہ النزاع ہے، اس کو ترک کرنے کا کیا مطلب؟ ہماری بحث ان باتوں پر ہوگی کہ:

1۔ کیا کل مسلمان، جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں؟

2۔ کیا حضرت مسیح موعود نے دعوٰی نبوت کیا؟

جب تک جناب میاں صاحب اپنے قلم سے صاف اس بات کا اعلان نہ کریں کہ وہ ان دو سوالوں پر، جو یہاں لکھے ہیں، بحث کرنے کو تیار ہیں، اس وقت تک کوئی شرائط طے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

خاکسار محمد علی

12 دسمبر 1936ء

23 دسمبر 1936ء

ایک دردمندانہ درخواست

جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب قادیانی سے

حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

مکرم معظم میاں صاحب! اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

گذشتہ ایک ماہ کے اندر میں نے دو دفعہ آپ کو ان دو مسائل پر بحث کے لئے مخاطب کیا، جن پر ہم دو فریق کے اندر چوتھائی صدی سے اختلاف چلا آتا ہے۔ میں ایک گوشہ نشین آدمی ہوں۔ مجھے مباحثات کا شوق نہیں۔ بلکہ اپنی جماعت کو بھی زیادہ مباحثات میں پڑنے سے روکتا ہوں۔ مجھے جس بات نے آپ کو خطاب کرنے پر آمادہ کیا وہ صرف اسی قدر ہے کہ اس وقت جو کچھ ہم دونوں فریق کی طاقت باہمی مباحثات پر ضائع ہو رہی ہے، وہ کسی بہتر مصرف پر لگے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ نے اس کی طرف اس قدر توجہ فرمائی کہ دو اختلافی مسائل سے ایک مسئلہ پر بحث کی آمادگی ظاہر کی۔ لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ آپ کی طرف سے جو مولوی صاحب لکھ رہے ہیں انہوں نے اسے ابھی سے فتح وشکست کا سوال بنا لیا ہے۔ حالانکہ اصل غرض یہ ہے کہ اختلافی مسائل پر آپ کے دلائل میری جماعت کے سامنے آ جائیں اور میرے دلائل آپ کی جماعت کے سامنے آ جائیں۔ لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ دو اختلافی مسائل میں سے ایک پر تو آپ بحث کی آمادگی ظاہر فرماتے ہیں، دوسرے سے کیوں انکار کرتے ہیں۔ تمام احمدی اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ عقائد کے لحاظ سے جماعت قادیان اور جماعت لاہور میں یا آپ میں یا مجھ میں دو باتوں پر اختلاف موجود ہے۔

1۔ ہم لوگ ہر ایک کلمہ گو کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس لئے جو کلمہ گو حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کو نہیں مانتے، انہیں بھی مسلمان سمجھتے ہیں۔ آپ کے نزدیک تمام کلمہ گو، جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں داخل نہیں ہوئے، گو انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

2۔ ہمارے نزدیک حضرت مسیح موعود نے کبھی دعویٰ نبوت نہیں کیا۔ بلکہ اپنی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنے کو اپنے اوپر افتراء قرار دیا۔ ہاں! مجاز کے طور پر یا لغوی معنی کے لحاظ سے اپنے لئے

لفظ ''نبی'' استعمال کیا۔ آپ حضرت مسیح موعود کو مدعی نبوت مانتے ہیں۔

اب آپ اس دوسرے مبحث کو قبول کر کے اس پر بحث کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن مبحث اول پر بحث کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ اخبار ''الفضل'' 20 دسمبر سے اور خود آپ کی تحریر سے جو اس اخبار میں چھپی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اب آپ ہی غور فرمائیں کہ اگر یہ دو مسائل ہم میں اختلافی چلے آ رہے ہیں تو اس کا کیا مطلب کہ ایک مسئلہ پر ہم بحث کریں گے، دوسرے پر نہیں کریں گے۔ آپ سوچ لیں کہ یہ بحث ادھوری ہوگی یا نہ۔ کہ دو اختلافی مسائل میں سے ایک پر بحث ہوگی اور دوسرا اسی طرح رہا۔ ادھوری بحث سے فائدہ کیا؟ بلکہ اس سے تو آپ کی بھی اصل غرض مفقود ہو جائے گی۔ کیونکہ جیسا کہ آپ کی تحریر سے ظاہر ہے کہ آپ نہیں چاہتے کہ مباحثہ محض ایک کھیل کے طور پر ہو۔ اور اگر دو مسائل میں ایک مسئلہ ہی زیر بحث نہ آیا تو یہ مباحثہ کھیل کہلائے گا یا کچھ اور؟!

اخبار کے پورے تین صفحات میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ میرے نزدیک مسئلہ کفر و اسلام پر بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ حالانکہ بار بار اپنی تحریروں میں دونوں مسئلوں کو پیش کر رہا ہوں۔ آپ کو خوب علم ہے کہ دونوں جماعتوں میں جو یہ اختلاف ہوا تو اس کی جڑ مسئلہ کفر و اسلام ہے۔ 1912ء میں جناب خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے اس بات پر زور دیا کہ ہم احمدی تو کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے، خواہ وہ حضرت مسیح موعود کو نہ مانتا ہو۔ آپ نے اس کی تردید کی۔ اور اپنا وہ مشہور مضمون لکھا ''مسلمان وہ ہے جو خدا کے سب ماموروں کو مانے''۔ اس میں آپ نے صرف مسئلہ کفر و اسلام کو لیا اور نبوت پر نہ کوئی بحث خواجہ صاحب کی طرف سے ہوئی، نہ آپ کی طرف سے۔ یہی جماعت میں پہلا اختلاف تھا اور اسی نے بالآخر جماعت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب مرحوم کی آخری بیماری میں ہر جگہ جماعت میں یہی مسئلہ کفر و اسلام مبحث بنا ہوا تھا۔ اور مسئلہ نبوت پر اختلاف کہیں نہ تھا۔ جب حضرت مولانا مرحوم کی حالت بہت خراب ہوگئی تو آپ کو اور مجھے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ مسجد نور میں لوگوں کو بلا کر یہ سمجھایا جائے کہ سر دست مسئلہ کفر و اسلام کی بحث کو بند کر دیں۔ یہ 1914ء کا واقعہ ہے۔ جب حضرت مولوی صاحب مرحوم فوت ہو گئے تو میں نے جو رسالہ شائع کیا اس میں بھی ہمارے اختلاف کا ذکر مسئلہ کفر و اسلام کے متعلق ہی، نہ کہ مسئلہ نبوت کے متعلق۔

آپ کو یاد ہوگا کہ جب میں نے آپ سے حضرت مولوی صاحب کی وفات کے دن بعد از عصر تنہائی میں گفتگو کی تو اس میں بھی یہی کہا تھا کہ جب آپ ان لوگوں کو کافر کہتے ہیں، جنہیں ہم مسلمان سمجھتے ہیں، اور مسلمان کو کافر کہنے کے متعلق سخت تنبیہ آئی ہے تو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتے۔ اس وقت تک بھی مسئلہ نبوت پر اختلاف پیدا نہ ہوا تھا۔ پھر آج تک آپ نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ مسئلہ اختلافی ہم میں صرف دعوے نبوت کا سوال ہے اور کفر و اسلام کے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ آپ نے خود جہاں اختلافی مسائل کا ذکر کیا ہے، دونوں کا ذکر کیا ہے۔

اب اگر کوئی انقلاب واقع ہو گیا ہے جس کا مجھے علم نہیں اور کلمہ گوؤں کی تکفیر کا مسئلہ آپ کے خیال میں اختلافی نہیں رہا، تو آپ خود اپنے قلم سے چار لفظ لکھ کر شائع کر دیں۔ ہم نے تو یقیناً آپ کا مسلک اختیار نہیں کیا۔ ممکن ہے آپ نے ہمارا کر لیا ہو۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ آپ حرف بحرف اس کو تسلیم کریں۔ جو میں کہتا ہوں آپ کا صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ حضرت مسیح موعود نے جو یہ لفظ ''تریاق القلوب'' میں لکھے ہیں کہ ''میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا۔'' آپ ان کو درست مانتے ہیں اور آئندہ اپنی جماعت کو حضرت مسیح موعود کے ان چار فتوؤں پر بھی عمل کرنے کی ہدایت کر دیں جن کی رو سے غیر از جماعت مسلمانوں کے جنازے پڑھنے کا جواز ہے۔ اگر آپ اس قدر اعلان کر دیں تو میں مسئلہ نبوت پر آپ سے بحث کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اور اگر یہ نہیں بلکہ اب تک آپ کا وہی مذہب ہے جو آپ نے ''آئینہ صداقت'' کے صفحہ 35 پر لکھا ہے کہ ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔'' تو پھر اس موضوع کو بحث میں لانے سے آپ کیوں انکار کرتے ہیں۔ باقی رہا شرائط کا سوال۔ میں نے صرف ایک شرط پیش کی تھی وہ یہ کہ چار آدمی آپ کی جماعت کے میں منتخب کر لوں اور چار آدمی ہماری جماعت کے آپ منتخب کر لیں۔ بحث کے آخر پر یہ آٹھ آدمی اپنی رائے کا اظہار کر دیں۔ اس میں بھی میرے مدنظر صرف اس قدر تھا کہ معلوم ہو جائے کہ آیا کس فریق کے دلائل اس قدر قوی ہیں کہ دوسرے فریق کا آدمی بھی ان کو تسلیم کر لیتا ہے۔ یا کس کے دلائل اس قدر کمزور ہیں کہ وہ اپنی جماعت کو بھی قائل نہیں کر سکتا۔ اس پر اخبار ''الفضل'' میں یہ

اعتراض کیا گیا ہے کہ میں آپ کی جماعت میں سے کسی منافق کا انتخاب کرلوں گا۔تو اس بارے میں میں آپ کو اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ جن جن لوگوں کو میں منتخب کروں اگر آپ ان میں سے کسی کے متعلق یہ لکھ دیں کہ یہ منافق ہے،تو میں اسے چھوڑ کر اس کی جگہ دوسرا آدمی منتخب کرلوں گا۔پس اب اس شرط کے ماننے میں بھی کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے ۔ مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ میں نے اس قسم کی شرط بعض غیر احمدی علماء کے سامنے بھی پیش کی تھی اور انہیں کہا تھا کہ جملہ مسائل پر وہ اسی شرط کے ماتحت گفتگو کر لیں۔تا کہ دلائل کی قوت کا اندازہ ہو سکے۔مگر وہ بھی اس بات سے گھبراتے ہیں۔اور مجھے یہی سمجھ آتا ہے کہ اس گھبراہٹ کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہیں خود اپنے دلائل کی کمزوری کا احساس ہوتا ہے۔وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ تم ہم میں سے کسی منافق کا انتخاب کرلو گے۔تو کیا سوائے جماعت احمدیہ لاہور کے ہر جگہ منافق بھرے ہوئے ہیں؟!

بالآخر میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ آپ صفائی کے لئے خود چند سطریں لکھ دیں۔ پہلے مضامین بحث صاف الفاظ میں طے ہو جائیں۔اور وہ یہ دو ہیں۔

1۔کیا وہ تمام مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں داخل نہیں دائرہ اسلام سے خارج ہیں؟

2۔کیا حضرت مسیح موعود نے دعوٰی نبوت کیا؟

میں ان دونوں باتوں کا جواب نفی میں دیتا ہوں۔آپ اگر ان کا جواب ہاں میں دیتے ہیں تو پھر یہ دونوں مبحث طے شدہ سمجھے جائیں۔اور اگر آپ پہلے سوال کا جواب میری طرح نفی میں دیتے ہیں اور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کے دعوٰی کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا،جیسا حضرت صاحب کا اپنا مذہب تھا،تو پھر میرے نزدیک دوسرے سوال پر بحث کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔خاکسار محمد علی۔ 21 دسمبر 1936ء

☆ جلسہ سالانہ پر آنے والے احباب 25 دسمبر 1936ء کو نماز جمعہ میں شمولیت لازمی سمجھیں اور اس سے غیر حاضر نہ ہوں۔خطبہ جمع ٹھیک سوا ایک بجے شروع ہوگا۔محمد علی

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

شوال 1355ھ
4 جنوری 1937ء

تا

شوال 1357ھ
17 دسمبر 1938ء

جلد 15

احمدیہ انجمن لاہور

نام کتاب	:	افکارِ محمد علیؒ (جلد 15)
ناشر	:	دارالکتب علمیہ، 5 عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
باہتمام	:	محمد ارشد علوی
طبع	:	اول
تعداد	:	300
مقام اشاعت	:	5۔عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ نے ادا کیے ہیں۔(برائے مفت تقسیم)

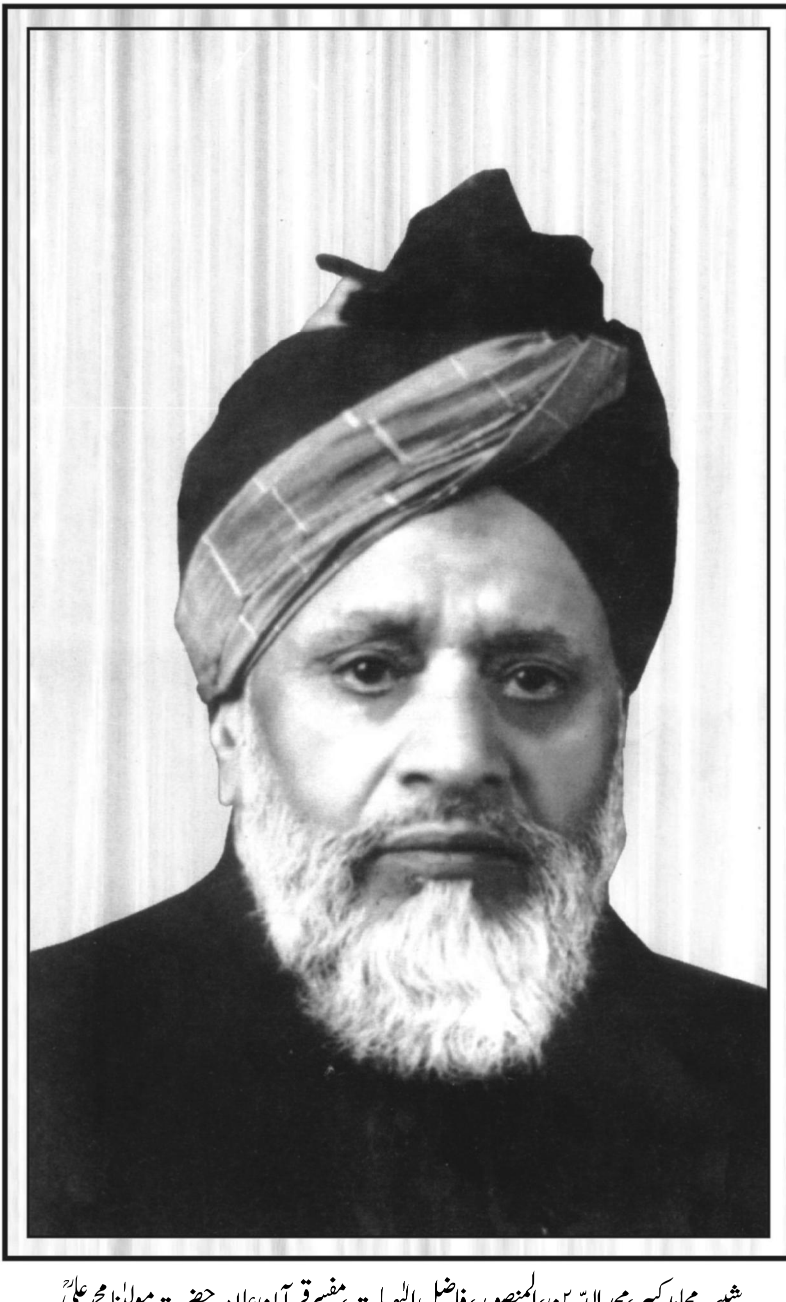

شبیہہ مجاہد کبیر، مجدد الدّین، المنصور، فاضل الٰہیات، مفسر قرآن علامہ حضرت مولٰینا محمد علیؒ
ایم۔اے، ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

— محمد اعظم علوی

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی۔ جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض انجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمہ القرآن جس کی ابتداء 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کی دوسری ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوئی اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ و تفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی) 1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجنز آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت

اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے)1935ء میں شائع ہوئی۔اور اسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔جن کی مجموعی تعداد اسی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی۔اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔یعنی ''عشق قرآن''۔قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی۔تا کہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعی اجل کو لبیک کہا۔گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولٰی کے حضور حاضر ہو گئے۔اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِہٖ۔

خاکسار

عامر عزیز بن عبد العزیز الازھری

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

حرف اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی 15 ویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔ اس میں اخبار پیغام صلح 4 جنوری 1937ء تا 17 دسمبر 1938ء سے انتخاب شامل ہے۔ اگرچہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولٰینا محمد علیؒ ہیں۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔ حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔ عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کررہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجروثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فرد گذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار
محمد ارشد علوی
انچارج شعبہ تالیف وتصنیف

فہرست

شخصیّت: صفحہ الف

حرف اول: صفحہ ج

☆ انتخاب از پیغام صلح جلد 25:4 جنوری 1937ء تا 22 دسمبر 1937ء

19 جنوری 1937ء
ارشادات حضرت امیر

افسوسناک تحریف و غلط بیانی

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے یکم جنوری کے خطبہ جمعہ میں اپنی جماعت کو چند نصائح ارشاد کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اگر ہم سیاسی مشاغل اور صنعتی سکیموں میں محو ہو جائیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا کہ ہماری توجہ اصل کام سے ہٹ جائے گی۔ شاندار عمارتیں، کوٹھیاں، سیاسی طاقت اور سیاسی لیڈر، فوجیں اور کوریں بظاہر یہ سب اچھی چیزیں ہیں۔ لیکن شیطان انسان کو مختلف رنگوں میں دھوکا دیتا ہے۔ بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن میں بظاہر کوئی برائی نہیں ہوتی۔ لیکن شیطان اصل کام سے توجہ ہٹانے کے لئے انہیں سامنے لے آتا ہے۔ قادیانی جماعت کے موجودہ مشاغل اور روش کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت ممدوح نے فرمایا تھا۔

''وہ علم جو حضرت مسیح موعود لائے تھے، معمولی نہ تھا وہی اصل چیز ہے جس پر اس سلسلہ (احمدیہ) کی بنیاد قائم ہے یہ علم کوئی دنیا کی چیز نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا اور دنیوی ذرائع سے تو ایسا اعلیٰ اور پاکیزہ علم حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی علم کی اشاعت اور اس کے مطابق تبلیغ اسلام ہمارا اصل کام ہے۔ لیکن یہ خیال کہ حکومت اور ریاست قائم ہو جائے۔ کوٹھیاں اور کارخانے بن جائیں اس اصل کام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بظاہر یہ کام بھی بُرے نہیں۔ لیکن ان کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ اصل کام سے توجہ ہٹ جائے گی۔ یہ دیال باغ جیسی سکیمیں کچھ چیز نہیں۔ کلمہ حق پھیلے یا نہ پھیلے۔ ہماری دنیا اچھی ہو جائے۔ ہمیں کھانے اور پہننے کو اچھا ملے۔ یہ ہے ان سکیموں کا مقصد۔ اور جو کوئی جماعت بھی ایسی سکیموں پر اپنی طاقت خرچ کرے گی اس کا مقصد بھی لازماً یہی ہو جائے گا۔ ہمارے قادیانی دوست ان باتوں سے ناراض ہوتے ہیں۔ لیکن یہ واقعات ہیں ان کے اندر ایسی چیزیں چھپی ہوئی ہیں کہ ذرا پردہ اٹھا کر دیکھنے سے فوراً نظر آجاتی ہیں۔ ایسی سکیموں میں پڑنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ

خدمت دین اشاعت اسلام اور دجال اور عیسائیت کو مغلوب کرنے کا جذبہ کمزور ہو جائے گا اور بالآخر ہم خود مغلوب ہو جائیں گے'' (پیغام صلح 11 جنوری 1937ء)

معاصر ''الفضل'' کا مقالہ افتتاحیہ: حضرت ممدوح کے یہ ارشادات بالکل صاف و واضح ہیں۔ ہمارے خیال میں کم از کم کوئی عقلمند احمدی تو ان سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر معاصر ''الفضل'' کو خاص وجوہات کی وجہ سے ان کی تردید کی ضرورت پیش آ گئی تھی تو وہ صحیح طریق پر ان سے اظہار اختلاف کرتا ہم تو آزادی رائے کے قائل ہیں، ہمارا معاصر اس بارہ میں اپنے خیالات پیش کرتا، تو ہم پورے اطمینان سے انہیں سنتے۔ مثلاً وہ بڑے شوق سے کہتا کہ حضرت مسیح موعود کے پاکیزہ اور روحانی علم پر سلسلہ احمدیہ کی بنیاد قائم نہیں بلکہ کسی اور چیز پر قائم ہے۔ جماعت احمدیہ کا اصل کام اس علم کے مطابق تبلیغ اسلام نہیں بلکہ اس کی اصل غرض حکومتیں اور ریاستیں قائم کرنا ہے۔ دیال باغ جیسی سکیمیں ہی سب کچھ ہیں۔ تمام کاموں کو پس پشت ڈال کر بڑی بڑی عمارتیں اور کوٹھیاں اور کارخانے بنانا ہی جماعت احمدیہ کا اولین فرض ہے۔ آخر حضرت ممدوح کے ارشادات کی مخالفت میں اسی قسم کی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ لیکن افسوس ہے اس نے اپنی پرانی عادت کے مطابق غلط بیانیوں، فرضی الزامات اور سخت کلامیوں سے لبریز ایک مقالہ افتتاحیہ رقم فرمایا ہے۔ جس کا عنوان ہے ''مرکز احمدیت کے خلاف مولوی محمد علی صاحب کی غلط بیانی''۔ جو انصاف پسند اصحاب قادیان کے حالات کا صحیح علم رکھتے ہیں وہ اس بارہ میں یقیناً ہمارے ہمنوا ہوں گے کہ حضرت ممدوح کے مذکورہ بالا ارشادات کو غلط بیانی کہنا بجائے خود ایک بہت بڑی غلط بیانی ہے اور یہ ارشادات واقعات وحقائق پر مبنی ہیں۔

''الفضل'' کے اعتراضات کا ماحصل: ہمارے معاصر کے مقالہ افتتاحیہ کا ماحصل یہ ہے:

1۔ قادیان احمدیت کا مرکز ہے۔ اس کی ترقی و وسعت کے متعلق حضرت مسیح موعود کو بہت سی بشارتیں دی گئیں۔ اس کو تجلیات وانوار الٰہی کا مقام ٹھہرایا گیا ہے۔ قادیان کے متعلق خدا تعالیٰ کی وحی والہام کی بنا پر بہت کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ حضرت امیر اس کی کھلم کھلا تکذیب کر رہے ہیں اور اسے نشانہ تمسخر واستہزاء بنا رہے ہیں۔

2۔ حضرت مسیح موعود نے قادیان کی سکونت اور اس جگہ آباد ہونے کی تاکید فرمائی ہے۔

3۔ قادیان کی ترقی اور وسعت پر حضرت امیر حسد کر رہے ہیں اور اس بات پر چین بہ جبین ہو رہے ہیں کہ جناب خلیفہ صاحب کے مرید قادیان میں کیوں مکانات بنا رہے ہیں۔

4۔ یہ ایک بہتان ہے کہ قادیانی جماعت دیال باغ جیسی سکیموں کے پیچھے پڑ گئی ہے اور اس کی توجہ اصل یعنی اشاعت اسلام سے ہٹ گئی ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان باتوں کے متعلق ہم بھی چند الفاظ عرض کر دیں۔

اول۔ مانا حضرت مسیح موعود نے قادیان کو جماعت احمدیہ کا مرکز قرار دیا ہے۔ اس کی ترقی کے متعلق بہت سی بشارتیں موجود ہیں۔ اس کی تجلیات وانوار الٰہی کا مقام ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ قادیان میں بسنے والے تمام لوگ فرشتے ہیں۔ ان سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔ اور ان کے ہر ایک فعل کو صحیح سمجھنا چاہئے اور جو لوگ حالات کی مجبوری اور حضرت مسیح موعود کی صحیح تعلیمات اور اصلی مقصد کی حفاظت کی غرض سے قادیان کو چھوڑ آئے ہیں، وہ حضرت مسیح موعود کے علم کی تکذیب ومخالفت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے قادیان اس انجمن کا مرکز مقرر کیا تھا۔ جو انہوں نے صدر انجمن احمدیہ کے نام سے بنائی تھی اور اس کو اپنا جانشین قرار دیا تھا۔ لیکن جناب خلیفہ صاحب نے اس انجمن کو عملاً توڑ دیا اور اس کے جانشین ہونے سے انکار کیا۔ اس طرح گویا اس کے اصل مقام کو بھی توڑ دیا۔

حضرت مسیح موعود کے چند شاگرد اس کو برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے آپ کے ارشاد کردہ اصولوں پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام قائم کی جو آپ کی اصل جانشین ہے اگر اس انجمن کا صدر مقام قادیان تجویز کیا جاتا تو ایک زبردست فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ تھا جس سے سلسلہ ہلاکت تک پہنچ جاتا اس لئے اس کا مرکز لاہور تجویز کیا گیا۔

چند سوالات: ہم اپنے معاصر سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا مکہ معظّمہ تمام زمانوں کے لئے تمام دنیا کے مسلمانوں کا مرکز نہیں؟ کیا اس بستی کے شرف وبزرگی کا تذکرہ بار بار قرآن کریم میں نہیں آیا؟ کیا اس کو انوار وتجلیات الٰہی کا مقام نہیں ٹھہرایا گیا۔ کیا یہاں خانہ کعبہ نہیں جس کی طرف تمام دنیا کے مسلمان مونہہ کر کے نماز پڑھتے ہیں؟ لیکن کیا حالات کی مجبوری کی وجہ سے حضرت نبی کریمؐ نے یہاں سے ہجرت کر

کے مدینے کو مرکز نہیں بنایا۔ اور اس کے بعد حضرت علیؓ کو مدینہ چھوڑ کر دوسری جگہ کو اپنا صدر مقام تجویز نہیں کرنا پڑا؟ کیا نعوذ باللہ یہ مکہ معظّمہ اور خانہ کعبہ کی تکذیب اور اسے نشانہ تمسخر بنانا تھا؟ اگر مکہ معظّمہ میں کوئی غلط کار جماعت پیدا ہو جائے تو اس کے افعال پر نکتہ چینی یا اس کی مخالفت گناہ ہے؟ شریف کے زمانہ میں مکہ معظّمہ میں جو کچھ ہوتا رہا کیا وہ قادیانیوں کے نزدیک درست تھا؟ تو پھر قادیانی بزرگوں کی بے راہ روی پر صحیح اعتراضات کو کیوں جرم قرار دیا جا رہا ہے؟ ہمارا معاصر اپنی پرانی عادت اور خاص جذبات کے ماتحت بات بات پر ہماری مخالفت کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی یہ حرکت ہر مرتبہ اس کے افلاس دلائل اور فقدان معقولیت کے افسوسناک مظاہرہ کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہوتی۔

دوم۔ حضرت مسیح موعود نے بیشک قادیان کی اہمیت ظاہر فرمائی ہے۔ اس کی سکونت پر زور دیا ہے۔ لیکن اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ آپ نے اشاعت اسلام کی تحریک شروع کی۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے ایک جماعت بنائی۔ ایک انجمن قائم کی، قادیان کو اس کا صدر مقام تجویز کیا۔ احباب کو قادیان میں سکونت پذیر ہونے کی تاکید سے آپ کی غرض یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ کارکن ایک جگہ جمع ہوں۔ تاکہ خدمت دین و اشاعت اسلام کے اس کام کو تقویت پہنچے۔ اب جبکہ خلیفہ صاحب نے حضرت مسیح موعود کی قائم کردہ انجمن ہی کو توڑ دیا ہے۔ آپ کی تعلیمات کو پس پشت پھینک دیا ہے تو قادیان کی سکونت لے فائدہ ہے۔ یہاں مکان بنانا اور آباد ہونا اور اس بستی کی وسعت اس کی امیرانہ کوٹھیوں، بلند و شاندار عمارتوں پر اظہار فخر بے معنی ہے۔ ہر ایک چیز کی ایک روح ہوتی ہے اور ایک جسم۔ قادیان کی روح تھی علم دین کا پیدا کرنا اور اشاعت اسلام کی تحریک۔ جب یہ نکل گئی تو اس کے جسم یعنی آبادی کی وسعت، شاندار عمارتوں کی تعمیر پر خوش ہونا معقولیت سے بہت دور ہے۔ حضرت مسیح موعود دنیا میں اس لئے نہیں آئے تھے کہ قادیان کے چھوٹے سے گاؤں کو ایک وسیع شہر میں تبدیل کر دیں۔ لیکن ''الفضل'' کا ارشاد ہے کہ:

> ''قادیان میں کارخانے اور کوٹھیوں کا تعمیر ہونا یہ بھی حضرت مسیح موعود کے علم کی صداقت ظاہر کرتا ہے پھر قادیان میں عمارات کی تعمیر پر اعتراض کرنے کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے صاف اور واضح ارشادات

کی تحقیر کی جائے (الفضل 15 جنوری 1937ء)

حضرت مسیح موعود نے خود تو نہ شاندار مکانات تعمیر کرائے۔ خوبصورت و وسیع کوٹھیاں بنوائیں۔ بلکہ ہمیشہ معمولی مکانوں میں زندگی بسر کی لیکن آج قادیانی خلافت کے آرگن کا ارشاد ہے کہ حضرت مسیح موعود کی صداقت کے اظہار کا ذریعہ یہ ہے کہ قادیان میں بر بفلک محل تعمیر کئے جائیں اور جو کوئی اس پر اعتراض کرے اس پر بلا تکلف آپ کے ارشادات کی تحقیر کا جرم عائد کر دیا جائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

سوم۔ اگر قادیان کی آبادی ترقی کر رہی ہے اور جناب خلیفہ صاحب کے مرید قادیان میں مکانات بنوا رہے ہیں اور جس طرح خلیفہ صاحب کی زمین معقول نرخ پر فروخت ہو کر ان کی ذاتی دولت میں اضافہ کر رہی ہے تو ہمیں اس پر چیں بہ جبیں ہونے اور حسد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہندوستان میں بہت ہی آبادیاں ایسی ہیں جو قادیان کی نسبت بہت زیادہ سرعت سے ترقی کر رہی ہیں۔ ان میں قادیان سے بہت زیادہ تعداد میں اور زیادہ شاندار عمارتیں، بازار، کارخانے اور مارکیٹ تعمیر ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ ہم اپنے معاصر کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں قادیانی جماعت کی کسی چیز پر رشک و حسد نہیں۔ البتہ اس کی بے راہ روی پر افسوس ضرور ہوتا ہے۔ پیر پرستی کی ایک گدی، اندھا اعتقاد رکھنے والے مریدوں کا ایک جم غفیر، منافقوں کی پیداوار، خدمت دین کے کام کی بجائے سیاسی صنعتی امور میں انہماک، اندرونی سازشیں اور ناگفتہ بہ باتوں کا چرچا یہ ہے قادیانی جماعت کی کل کائنات۔ فرمائیے ان میں سے کس چیز پر رشک و حسد کیا جا سکتا ہے!

چہارم۔ قادیانی جماعت کی توجہ اصل کام سے ہٹ گئی ہے وہ سیاسی معاملات اور دیال باغ جیسی سکیموں کے پیچھے پڑ گئی ہے یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ ''الفضل'' کا اس اظہار حقیقت کو بہتان کہنا بجائے خود بہتان ہے۔ ہمارا معاصر اپنی جماعت کے مشاغل اور اندوختہ عمل پر ذرا نظر کرے۔ قادیانی جماعت نے گذشتہ 23 سال کے عرصہ میں کتنا اسلامی لٹریچر پیدا کیا؟ قرآن شریف کا کتنی زبانوں میں ترجمہ کیا؟ اس کی خلافت اور چندوں کا کتنا حصہ خدمت دین پر خرچ ہوتا ہے اور کتنا سیاسی امور شان اور ظاہری کرّ وفر پر ضائع ہو جاتا ہے۔ اس بارہ میں قادیانی جماعت آرگن کی معلومات یقیناً ناقص نہیں ہونی چاہئیں۔ اگر آئندہ بھی ہمارے معاصر نے اس تجاہل عارفانہ پر اصرار کیا تو انشاء اللہ ہم

اس کی خدمت میں ایک ایسا آئینہ پیش کر دیں گے جس میں اسے اپنی جماعت کے اعمال ومشاغل کی پوری کیفیت نظر آجائے گی۔

ابھی ہمیں اپنے معاصر کے سب سے بڑے ''کمال'' کا ذکر کرنا باقی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ''پھر حضرت مسیح موعود قادیان کے متعلق فرماتے ہیں''۔ ''جیسے روشنی میں سیاہ دل چور نہیں ٹھہر سکتا۔ ایسے ہی اس مقام میں جو تجلیات وانوار الٰہی کا مرکز ہے کوئی سیاہ دل خائن بہت مدت تک نہیں ٹھہر سکتا۔ (بدر 15 اپریل 1907ء) گویا حضرت مسیح موعود تو یہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کے سیاہ دل ہوں گے وہ قادیان آجانے پر بھی یہاں ٹھہر نہ سکیں گے لیکن مولوی محمد علی صاحب اس بات پر اترا رہے ہیں کہ وہ قادیان میں رہائش اختیار کرنے کے بعد یہاں سے چلے گئے''

حضرت مسیح موعود کی اس تحریر کو پیش کرنے سے ''الفضل'' کا جو مقصد ہے وہ ظاہر ہے لیکن آپ یہ معلوم کر کے حیران ہو گے کہ یہ تحریر قادیان کے آریوں کے متعلق ہے۔ لیکن ہمارے معاصر نے کمال ایمانداری سے کام لے کر اپنی قدیم روایات کی پابند کرتے ہوئے اس کا پہلا حصہ چھوڑ دیا جو حسب ذیل ہے:

> ''یہ آریہ جو مرے ہیں خدا تعالیٰ نے یہ پسند نہیں کیا کہ اس کے مرکز تجلیات میں کوئی ہم پر افتراء کرے۔ واقعی یہ بڑی خیانت کا کام ہے کہ اپنی آنکھوں سے نشان دیکھیں اور پھر نہ صرف خود انکار کریں بلکہ اوروں کو بھی بہکائیں۔ یہ سخت بُرا کام تھا جو انہوں نے اپنے ذمہ لیا۔ جیسے روشنی میں سیاہ دل چور نہیں ٹھہر سکتا اسی طرح اس مقام میں جو تجلیات وانوار الٰہی کا مرکز ہے کوئی سیاہ دل خائن بہت مدت تک نہیں ٹھہر سکتا''

یہ ہے ہمارے معاصر کی دیانتداری۔ جماعت لاہور کے اکابر کو وہ جو بھی چاہے کہہ لے۔ لیکن واقعات یہ ہیں کہ حضرت مسیح موعود اور حضرت مولانا نور الدین صاحب کے زمانے میں جبکہ قادیان میں احمدیوں کی تعداد چند سو تھی۔ وہاں آریہ سماج کا قدم نہ جم سکا۔ آریہ سماجی ہمیشہ خم کھاتے رہے۔ لیکن جن میاں صاحب کی گدی قائم ہوئی ہے اور قادیانیوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی، وہاں آریہ سماج کا قدم جم گیا۔ ان کا ہائی سکول قائم ہوا۔ باقاعدہ جلسے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ احراری ہیں، منافق ہیں۔ ''الفضل'' حضرت مسیح موعود کے چند شاگردوں کو چور، خائن اور سیاہ دل کہہ کر خوب خوش

ہو لے۔ بے شک یہ سیاہ دل قادیان سے نکل گئے اور ان کی بجائے سفید دل، آریوں، احراریوں اور منافقوں نے وہاں ڈیرے ڈال لئے، اس سے بڑھ کر بھلا خوشی کا مقام اور کیا ہوسکتا ہے۔ غالبًا ہمارے معاصر کے نزدیک یہی تو خلافت محمود کی سب سے بڑی فتح اور عظیم الشان کارنامہ ہے۔

''الفضل'' نے اس مضمون میں بھی اپنے ترکش دلائل کو خالی پا کر دشنام طرازیوں اور ذاتی حملوں سے بکثرت کام لیا ہے۔ یہ اس کا شیوہ قدیم ہے۔ ذرا اس کے انداز کلام کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

> ''مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبائعین کو جماعت احمدیہ اور اس کے مرکز قادیان سے جس قدر بغض وکینہ ہے اس کا اظہار وہ ہر موقعہ پر کرتے رہتے ہیں قادیان کی ترقی ووسعت جو مولوی صاحب کی آنکھ میں خار بن کر کھٹک رہی ہے اور ان کے کلیجہ میں نیزہ کی انی بن کر چُبھ رہی ہے......'' (الفضل 15 جنوری 1937ء)

اگر جواب میں اسی قسم کے الفاظ ہم جناب خلیفہ قادیان کے متعلق استعمال کریں تو وہ ''الفضل'' کے لئے ہرگز دل خوش کن نہ ہوں گے۔ ہم اپنے معاصر کو بتانا چاہتے ہیں کہ اس قسم کے طرز کلام میں کسی خاص قابلیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہم قلم کے ایک جنبش سے ''گلستان خلافت'' کے بے شمار خاروں کا پتہ دے سکتے ہیں۔ بہت سے دلوں کے لئے نیزہ کی انیاں بھی مہیا کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ جہاں تک اصل بحث کا تعلق ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ویسے بھی یہ کام ''منافقین قادیان'' کے انکشافات کے ذریعہ خود بخود انجام پا تا رہتا ہے۔

ہم تو عرض کر چکے ہیں کہ قادیانی جماعت میں کوئی چیز ایسی نہیں جس پر ہم حسد ورشک کر سکیں یا ہمارے دل میں بغض وکینہ پیدا ہو۔ لیکن امید ہے ''الفضل'' کو اپنے خلیفہ صاحب کا گوبھی شلجم کے چھلکوں والا مشہور خطبہ یاد ہوگا۔ اس کے انداز بیان سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ کس کی آنکھ میں خار کھٹک رہا ہے اور کس کے کلیجہ میں نیزہ کی انی چبھ رہی ہے۔

❁❁❁

7 جنوری 1937ء

قادیانی جماعت کا ماٹو☆ منسوخ کلمہ!

چند ماہ کا عرصہ ہوا اخبار ''الفضل'' کے صفحات میں اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی کہ قادیانی جماعت کا ماٹو کیا ہونا چاہیئے۔ اس بارہ میں مختلف تجویزیں پیش کی گئیں۔ کسی نے کہا ہمارا ماٹو ''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا'' ہونا چاہیئے۔ کسی نے ''فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ''(2:148) تجویز کیا۔ خلیفہ قادیان کے دو رشتہ داروں نے اس بحث میں خاص دلچسپی لی۔ بالآخر خود خلیفہ صاحب نے توجہ فرمائی اور 28 اگست 1936ء کو دھرمسالہ کے مقام پر اس مسئلہ کے متعلق ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو کہیں جا کر اب 26 دسمبر 1936ء کے ''الفضل'' میں شائع ہوا ہے۔ خلیفہ صاحب نے مذکورہ بالا تمام تجاویز کو ناپسند فرمایا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کوئی خاص قرآنی آیت بطور ماٹو نہیں ہونی چاہیئے:

> ''قرآن کریم کی کسی آیت کا چن لینا انسان کے لئے ناممکن ہے۔ کیونکہ اس کی ہر آیت بیشمار خوبیوں کی ہے۔ اور ہر آیت پر انسان۔ یہ خیال کر کے کہ اس سے بڑھ کر بھلا اور کونسی آیت ہوگی، حیرت میں پڑ کر وہیں کھڑا کا کھڑا رہ جاتا ہے۔''

اس کے بعد موصوف نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

> ''لیکن اگر ایک مختصر ماٹو ہی کی ضرورت ہو تو وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے تجویز کر دیا ہے۔ اور وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ یہ جملہ درحقیقت قرآن کریم سے ہی اخذ کیا گیا ہے اور قرآن مجید کے سب مضامین کا حامل ہے۔ گویا یہ تمام قرآن مجید کا خلاصہ ہے۔ یہی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے جس کو ہم

☆ ماٹو انگریزی زبان میں اس مختصر فقرہ کو کہتے ہیں جو کوئی جماعت، انجمن، ادارہ، سوسائٹی، فرم، ملک اور قوم اپنے مقصد کے اظہار کے لئے تجویز کرے اور اس کو اپنی تحریروں اور اجتماعوں میں نمایاں جگہ دے۔

Mot.to (Moto) 1. A maxim adopted as an expression of one's guiding principle. 2.A sentence, phrase, or a word attached to or inscribed on any thing as appropriate to it.

اپنی اذانوں میں بلند آواز سے بیان کرتے ہیں۔ اور جب کسی شخص کو اسلام میں لایا جاتا ہے تو اس سے یہی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہلوایا جاتا ہے۔ کیونکہ حقیقی اسلام اسی کا نام ہے اور باقی تشریحات اور تفصیلات ہیں جو ساتھ چسپاں کر دی جاتی ہیں۔ اور اگر کسی شخص میں دینی کمزوری پیدا ہوتی نظر آتی ہے تو اس کی بھی یہی وجہ ہوتی ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس کے سامنے سے ہٹ گیا ہوتا ہے۔ ورنہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے سامنے موجود ہونے سے انسان دینی کمزوریوں سے محفوظ ہوتا ہے۔''

خلیفہ صاحب کے یہ خیالات صحیح اور ان کی تجویز نہایت معقول ہے۔ قادیانی جماعت کیا، تمام مسلمانوں کا ماٹو یہی کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہونا چاہیئے۔ یہ ہمارے دین کی بنیاد ہے۔ یہ وہ مقدس اعلان و اقرار ہے جو انسان کو چشم زدن میں کفر کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کے روشن پُرنور وسیع دائرہ میں داخل کر دیتا ہے۔ اس کو مساوات انسانی و دیگر تمام اسلامی حقوق کی نعمتیں بخش دیتا ہے۔ اگر مسلمان حقیقی طور پر اس پاکیزہ کلمہ کو اپنا ماٹو بنا لیں اور اس کا دل سے احترام کریں تو ان کی کایا فوراً پلٹ سکتی ہے۔

ہم اس تجویز پر خلیفہ صاحب کی خدمت میں دلی مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بصد ادب گزارش ہے کہ آپ کا مشہور عقیدہ تکفیر المسلمین اس مقدس و پاکیزہ، اس ایمان افروز واتحاد پرور ماٹو کا ہرگز متحمل نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ آپ کا یہ خلاف اسلام عقیدہ ہر اس کلمہ گو کو، جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں، کافر و دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا ہے۔ اس عقیدہ نے کلمہ طیبہ پر قائم اسلام کے وسیع دائرہ کو ناقابل برداشت اور بربادکن حد تک تنگ کر دیا ہے۔ آپ کی مشہور کتاب ''آئینہ صداقت'' موجود ہے۔ اس میں آپ نے بالکل واضح اور فیصلہ کن الفاظ میں لکھا ہے:

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں'' صفحہ 35

اس عقیدہ اور اس ارشاد کی موجودگی میں آپ کلمہ طیبہ کو کس طرح حقیقی معنوں میں اپنی جماعت کا ماٹو قرار دے سکتے ہیں؟ اور اگر آپ کی یہ تجویز خلوص وصداقت پر مبنی ہے تو ظاہر ہے کہ آپ

نے ایک منسوخ ماٹو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ آپ عملاً کلمہ کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ آپ کلمہ گوؤں کو کافر قرار دیں!

مگر امکانات کا دائرہ بہت وسیع ہے ہوسکتا ہے۔ کہ جناب خلیفہ صاحب نے اپنے اس غلط عقیدہ سے رجوع کر لیا ہو۔ آخر انہوں نے حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد ہی اسے اختیار کیا تھا۔ حضرت مسیح موعود کے واضح ارشادات کی موجودگی میں جہاں یہ ممکن ہے کہ آپ کی منشاء کے صریح خلاف آپ سے دعویٰ نبوت منسوب کیا جائے اور اس حکم کو پس پشت پھینک کر کہ ”میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا“ (تریاق القلوب)

آپ کے نہ ماننے والے کلمہ گوؤں کو کافر، دائرہ اسلام سے خارج کہا جائے وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ خدا کے خوف اور عقل سے کام لے کر اس غلط عقیدے سے رجوع کر لیا جائے۔ اگر ایسا ہی ہوا ہے تو ہم اس جرأت پر خلیفہ قادیان کو لائق مبارکباد سمجھتے ہیں۔

لیکن افسوس واقعات کا فتویٰ ہمارے اس خیال کے حق میں نہیں ہے۔ خلیفہ صاحب کا مسئلہ تکفیر پر مباحثہ سے گریز، مولوی اللہ دتا صاحب جالندھری کی غلط بیانیاں اور مغالطہ انگزیاں، ”الفضل“ اور قادیانی جماعت کی روش، ان میں سے ہر ایک بات پکار پکار کر ہمارے اس خیال کی تردید کر رہی ہے۔ قادیانی عقیدہ تکفیر کے سارے اتار چڑھاؤ آپ کے سامنے ہیں۔ گذشتہ 23 سال سے زمانہ اس باطل عقیدہ پر خود خلیفہ صاحب اور قادیانی جماعت کے ہاتھوں سے زبردست ضربیں لگوا رہا ہے۔ یہ ماٹو والی تجویز بھی ایک زبردست ضرب ہے۔ کیا عجیب ہے کہ یہ کارثابت ہو!

❀❀❀

23 جنوری 1937ء

حضرت امیر کے قلم سے

مسیلمہ کی حاضری دربار نبوت میں

قارئین ''پیغام صلح'' کو یاد ہوگا کہ گذشتہ ستمبر میں مولوی احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور نے گورداسپور کی ایک عدالت میں شہادت دیتے ہوئے کہا تھا کہ اسلام میں قتل مرتد جائز ہے۔ اور مسیلمہ کذاب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینے کبھی نہیں حاضر ہوا۔ حالانکہ متعدد صحیح احادیث اور مسلمہ تاریخی واقعات سے مسیلمہ کا دربار نبوت میں حاضر ہونا ثابت ہے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ایک نہایت مدلل مضمون لکھا۔ مولوی احمد علی صاحب تو اس کے جواب میں اب تک خاموش ہیں۔ لیکن ان کی حمایت میں مولوی شاہ معین الدین ندوی کا مضمون اخبار ''صدق'' کو 11 نومبر 1936ء لکھنؤ میں شائع ہوا ہے۔ جس کا جواب چندروز کے بعد حضرت امیر نے لکھ کر مدیر ''صدق'' کو بھیج دیا تھا۔ جسے معاصر مذکور نے غیر معمولی تاخیر کے ساتھ مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی کے جواب الجواب کے ساتھ گذشتہ ہفتہ شائع کیا ہے۔ حضرت امیر کا مضمون درج ذیل ہے۔ ندوی صاحب کے جواب الجواب کا جواب بھی لکھا جا رہا ہے۔ انشاءاللہ ہدیہ قارئین ہوگا۔ مدیر

بخدمت مکرمی ایڈیٹر صاحب ''صدق''۔ السلام علیکم

عنوان بالا کے تحت جو مقالہ اخبار ''صدق'' 11 نومبر میں مولٰینا شاہ معین الدین صاحب ندوی کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ وہ کچھ مزید روشنی کا محتاج ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری اس تحریر کو اخبار میں شائع فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ شاہ صاحب پہلے جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ ان کی تحریر کے حسب ذیل اقتباس میں ہے:

''پہلی مرتبہ وہ (مسیلمہ) بنی حنیفہ کے وفد کے ساتھ آیا۔ جب وہ لوگ قبول اسلام

کے لئے آئے تھے۔اس مرتبہ وہ اپنی قیام گاہ پر ٹھہر کر ساز و سامان کی حفاظت کرتا رہا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔لیکن اپنے اسلام کا اظہار کیا......مسیلمہ بنی حنیفہ کا رئیس اعظم تھا اور اپنی عظمت وشان کی وجہ سے ''رحمان الیمامہ'' کہلاتا تھا۔ (فتح الباری ج8 صفحہ 70)اس لئے اس کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو حکومت اسلام میں اپنا شریک بنالیں یا اپنے بعد اپنا جانشین بنا جائیں۔لیکن اس خیال کا اظہار اس نے یمامہ آنے کے بعد کیا اور دوسری مرتبہ اس خیال کو آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے مدینہ گیا۔آنحضرتؐ نے اسے سن کر فرمایا کہ اگر تم مجھ سے یہ کھجور کی چھڑی مانگو تو میں تم کو نہیں دے سکتا۔ بخاری اور مسلم نے اسی واقعہ کو نقل کیا ہے جو دوسری آمد کا ہے۔جس میں وہ مرتد نہیں ہوا تھا۔ بلکہ زبان سے برابر آنحضرتؐ کی نبوت کا اقرار کرتا جا رہا تھا۔اور یہ اقرار، جیسا کہ مواہب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، دعوٰی نبوت کے بعد تک قائم رہا۔اس لئے آپ نے اس کے ارتداد کا فیصلہ نہیں فرمایا۔''

لیکن شاہ معین الدین صاحب نے جو آخری نتیجہ ان واقعات سے اخذ کیا ہے اور خود آپ نے بھی اس پر زور دیا ہے، اس کی متحمل ہر دو قسم کی روایات نہیں ہوسکتیں۔یعنی نہ وہ روایات، جس مسیلمہ کے پہلی دفعہ جانے کے متعلق سیرت کی کتابوں میں ہیں، اور نہ وہ جو دوسری دفعہ جانے کے متعلق صحیحین میں ہیں۔آخری نتیجہ یہ نکالا گیا ہے، جسے آپ نے بھی جلی قلم سے لکھوایا ہے، اور جس سے میری تحقیق کی تردید مقصود ہے، کہ ''آنحضرتؐ سے ملاقات کے وقت وہ مرتد نہ تھا۔'' خود آپ نے بھی اسی نتیجہ کی تائید پُر زور الفاظ میں کی ہے۔اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ''پہلی ملاقات کے وقت وہ مرتد نہیں تھا'' تو یہ صحیح ہے۔ لیکن اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری ملاقات کے وقت بھی وہ مرتد نہیں تھا۔تو اس کی تردید دونوں قسم کی روایات سے ہوتی ہے۔اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

اول۔سیرت ابن ہشام کی روایت میں، جو پہلی دفعہ مدینہ جانے کے متعلق ہے، یہ صاف الفاظ ہیں۔فَلَمَّا اِنْتَهوْا اِلَی الْيَمَامَةَ اِرْتَدَّ عَدُوُّ اللّٰهِ وَتَنَبَّاءَ جب یہ قافلہ والے واپس یمامہ پہنچے تو

یہ دشمن خدا مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس سے صراحت سے ثابت ہوتا ہے کہ دعویٰ نبوت پہلی دفعہ مدینہ سے واپسی پر ہوا۔ اور اس لئے دوسری دفعہ مدینہ جانے سے پیشتر کا یہ واقعہ ہے۔ اگر دعویٰ نبوت دوسری ملاقات کے بعد ہوا ہوتا تو اس کا ذکر صحیحین کی روایت میں ہوتا جو دوسری ملاقات کے متعلق ہے نہ ابن ہشام کی روایت میں جو پہلی ملاقات کے متعلق ہے۔ نیز الفاظ اِنْتَهَوْا اِلَى الْيَمَامَة صاف بتاتے ہیں کہ پہلی دفعہ مدینہ سے واپس آتے ہی مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کر دیا۔

دوم۔ دعویٰ نبوت کی بنیاد مسیلمہ نے ان الفاظ پر رکھی جو اسی پہلی ملاقات کے ضمن میں آنحضرتؐ نے اس کے حق میں فرمائے۔ الفاظ ذیل قابل غور ہیں۔ **تنبّاء وتكذّب لهم وقال انّی قد اشركت فی الامر معه وقال لوفدهِ الذين كا نوا معه الم يقل لكم حين ذكر تمونی له امانّه ليس بشرّ كم مكانا ماذاک الا لما كان يعلم انه قد اشركت فی الامر معه...... وهو مع ذالک يشهد لرسول الله صلّی الله عليه وسلّم انّه نبیّ.**

یعنی اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ان کے لئے جھوٹ بنایا اور کہا کہ میں امر میں ان کا شریک کیا گیا ہوں اور اسی وفد سے، جو اس کے ساتھ تھا، کہا۔ کیا انہوں نے تم سے نہیں کہا تھا جب تم نے میرا ذکر ان سے کیا کہ وہ تم میں سے بُرے مقام پر نہیں۔ اس کی کوئی وجہ نہ تھی سوائے اس کے کہ آپ جانتے تھے کہ میں امر میں آپ کا شریک بنایا گیا ہوں اور اس کے ساتھ ہی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گواہی دیتا تھا کہ آپ نبی ہیں۔

دعویٰ نبوت کی بنیاد ان الفاظ پر رکھنے سے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد بنی حنیفہ سے پہلی ملاقات کے دوران میں مسیلمہ کے متعلق کہے تھے، یہ بالصراحت ثابت ہے کہ دعویٰ پہلی ملاقات کے بعد اور دوسری ملاقات سے پہلے ہوا۔ کیونکہ دوسری ملاقات میں جو کچھ ذکر ہوا اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ ذکر صرف اسی بات کا ہے جو پہلی ملاقات میں ہوئی۔

سوم۔ خود مولانا شاہ معین الدین صاحب کو مسلم ہے کہ مدینہ سے پہلی دفعہ واپس آ کر مسیلمہ کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے حکومت اسلام میں اپنا شریف بنالیں۔ لیکن شرکت فی الحکومت کا خیال روایت کی صراحت سے دعویٰ نبوت کے بعد پیدا ہوا۔ یا زیادہ سے

زیادہ دونوں خیال ایک ہی وقت پیدا ہوئے۔ الفاظ روایت یوں ہیں۔ **فلما انتھوا الٰی الیمامة ارتّدعدو اللّٰه وتنبّاء وتکذّب لھم وقال انی قد اشرکت فی الا مر معه** جب قافلہ والے یمامہ پہنچے تو وہ دشمن خدا مرتد ہو گیا اور نبوت کا جھوٹا دعوٰی کیا اور ان کے لئے جھوٹ بنایا اور کہا میں امر میں آپؐ کا شریک بنایا گیا ہوں۔ جب یہ امر شاہ معین الدین صاحب کو مسلم ہے کہ دعوٰی شرکت فی الحکومت پہلی ملاقات کے بعد اور دوسری ملاقات سے پہلے پیدا ہوا اور اس کی بنیاد اسی روایت پر ہے تو دو دعووں میں سے، جن کا ذکر روایت میں ہے، ایک کو قبول کرنا اور ایک کو رد کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟! دعوٰی نبوت اور شرکت فی الحکومت کا خیال ایک ہی وقت کے ہیں۔

چہارم۔ مسیلمہ دعوٰی نبوت کے ساتھ یہ بھی اقرار کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور دعوٰی نبوت کے ساتھ ہی اس کے الفاظ یہ ہیں۔ **قد اشرکت فی المر معه** میں امر میں آپؐ کا شریک بنایا گیا ہوں۔☆ نبوت میں تو اس نے اپنی شرکت کا اظہار اپنی طرف سے یوں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے باوجود نماز کو ساقط کیا اور شراب اور زنا کو حلال کیا۔ اور امر حکومت میں شراکت کا اظہار یوں کیا کہ وہ آنحضرتؐ کے بعد بادشاہت اپنے لئے مانگتا تھا۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے وہ دوبارہ مدینہ آیا۔ اور یہ بات صحیحین کی روایت کے صریح الفاظ سے ثابت ہے۔ جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے **قدم مسیلمة الکذّاب علٰی عھد النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم فجعل یقول ان یجعل لی محمد الامر بعدهٗ تبعتهٗ** . مسیلمہ کذاب نبیؐ کے زمانے میں (مدینہ) آیا اور کہنے لگا۔ اگر محمد حکومت اپنے بعد میرے حوالے کر دیں تو میں ان کا پیرو ہوں گا۔ اب ابن ہشام کی روایت سے تو یہ ظاہر ہے کہ دعوٰی نبوت اور دعوٰی شرکت فی الحکومت ایک ہی وقت میں کئے گئے اور صحیحین کی روایت کے مذکورہ بالا الفاظ سے صفائی سے معلوم ہوا کہ حکومت طلب کرنے کے لئے

☆ اگر امر سے مراد صرف حکومت لی جائے تو بھی حرج نہیں۔ امر نبوت میں اس کی شرکت کا دعوٰی روایت کے صحیح الفاظ سے ظاہر ہے کہ باوجود نماز کو ساقط کرنے اور شراب اور زنا کو جائز ٹھہرانے کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا تھا۔

وہ دوسری دفعہ مدینہ آیا۔ پس معلوم ہوا کہ دوسری دفعہ مدینہ آنے سے پیشتر وہ دعوٰی نبوت کر چکا تھا۔

پنجم۔ چونکہ وہ اپنے آپ کو شریک فی النبوت اور شریک فی الحکومت سمجھتا تھا، اس لئے باوجود مدینہ آنے کے وہ نبیؐ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا اور بنی حنیفہ کے لوگ بھی اس کے ہم خیال تھے۔ مگر آنحضرتؐ چونکہ یہ چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح راہ راست پر آ جائیں اس لئے آپ خود اس کی جائے نزول پر تشریف لے گئے اور امر حکومت کے متعلق صاف طور پر مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں کو کہلایا۔ **لو سألتنی هٰذہِ القطعة جرید ما اعطیتکها** اگر یہ کھجور کی چھڑی بھی مجھ سے مانگو تو میں تمہیں نہ دوں گا اور اس کے جھوٹے دعوٰی نبوت کے متعلق سمجھانے کے لئے ثابت بن قیس، جنہیں آپ ساتھ لے گئے تھے، وہاں چھوڑا۔ **وھذ اثابت بن قیس یجیبک عنّی** ۔ یہ ثابت بن قیس ہیں جو میری طرف سے تمہیں جواب دیں گے۔ ظاہر ہے کہ امر حکومت کے معاملہ میں تو آپؐ نے خود اسے صاف جواب دے دیا تھا۔ ثابت بن قیس کو مذہبی معاملات میں جواب دینے کے لئے ارشاد فرمایا۔ اور یہ مذہبی معاملہ اس کے دعوٰی نبوت کے سوائے کچھ نہ تھا۔ جیسا کہ اوپر سیرت ابن ہشام کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے۔ اور جیسا کہ خود اسی حدیث کے الفاظ سے، جو آگے آتے ہیں، ظاہر ہوگا۔

ششم۔ آنحضرتؐ نے اسے سخت الفاظ میں سزائے الٰہی سے ڈرایا اور فرمایا کہ ”اللہ کا جو حکم تیرے بارے میں ہے تو اس سے تجاوز نہیں کر سکتا اور اگر تو نے پیٹھ پھیر دی تو اللہ تجھے ہلاک کر دے گا“ حکومت کے مطالبہ کا یہ جواب نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی شخص کے دل میں حکومت کی محض خواہش پیدا ہو اس پر خدا کی سزا نہیں آتی۔ اور یہ بھی شاہ معین الدین صاحب کو مسلم ہے۔ ان الفاظ سے خود ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تو اس جھوٹے دعوٰی نبوت کو ترک نہیں کرے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ اور یہ اس آیت قرآنی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ **وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ. لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ. ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ.** (46-44:69) اور اگر رسول ہم پر بعض باتوں کا افتراء کرتا تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑتے اور اس کی شاہ رگ کاٹ دیتے۔ یہ باتیں آنحضرتؐ نے اس لئے فرمائیں کہ آپ کو یہ سب خبریں پہنچ چکی تھیں کہ وہ مسجع کلام قرآن شریف کی نقل کے طور پر بناتا ہے۔ تو آپ نے اسے خدا کی سزا سے ڈرایا۔ مگر خود اس کو قتل کرنے کا حکم نہ دیا اور نہ اسے یہ دھمکی دی کہ تجھے قتل کروا دیا

جائے گا۔

ہفتم۔ جہاں تک شاہ معین الدین صاحب نے روایت نقل کی ہے اس کا آخری فقرہ قطعی اور یقینی طور پر ثابت کرتا ہے کہ آپؐ اسے کذاب اور مفتری سمجھتے تھے۔ **وانی لا راک الذی اریت فیه ما اریت** اور میں تجھے وہی سمجھتا ہوں جس کے متعلق مجھے وہ کچھ دکھایا گیا ہے۔ جو دکھایا گیا ہے۔ ان الفاظ کا ترجمہ شاہ معین الدین صاحب نے غلط کیا ہے۔ ''مجھے اس بارے میں جو دکھایا گیا ہے وہ میں تم کو دکھاؤں گا۔'' حالانکہ یہ ترجمہ اس صورت میں ہوتا کہ لاراک کی جگہ لاریک ہوتا۔ اراک کے معنی ہیں۔ میں تجھے دیکھتا ہوں یا سمجھتا ہوں اور اریک کے معنی ہیں میں تجھے دکھاؤں گا۔ اور یہاں اریک نہیں بلکہ اراک ہے اور اسی غلط ترجمہ کی وجہ سے شاہ صاحب کو روایت کا آخری حصہ بھی ترک کرنا پڑا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ کو مسیلمہ کے متعلق کیا دکھایا گیا تھا۔ اور اس امر پر مجھے افسوس بھی ہے۔ اگر پوری روایت نقل کر دی جاتی تو اس سے صفائی سے معلوم ہو جاتا کہ آنحضرتؐ اسے یہ فرما رہے تھے کہ مجھے تمہارا کذاب ہونا اور تم پر خدا کی سزا کا دارو ہونا دکھایا جا چکا ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم دونوں میں ان الفاظ کے بعد، جو شاہ معین الدین صاحب نے نقل کئے ہیں ذیل کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

قال ابن عباس فسالت عن قول رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم انک اری الذّی اریت فیه ما اریت فاخبر نی ابو هریرة انّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم قال بینما انا نائم رایت فی یدی سوا رین من ذهب فاهمنی شانهما فاوحی الّی فی المنام ان انفخهما فنفختهما فطارا فادلتهما کذابین یخرجان بعدی احد هما العنسی والاخر مسیلمة

یعنی ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے متعلق دریافت کیا کہ میں تجھے وہی سمجھتا ہوں جس کے متعلق مجھے دکھایا گیا ہے جو دکھایا گیا ہے۔ تو ابو ہریرہؓ نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس حال میں کہ میں سو رہا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھوں میں دو سونے کے کنگن دیکھے تو ان کی اس حالت نے مجھے فکر میں ڈالا۔ تو خواب ہی میں میری طرف وحی کی گئی کہ ان پر پھونک مارو۔ میں نے ان پر پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے تو میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹے نبیوں سے کی۔ جو میرے بعد نکلیں گے۔ ایک ان میں سے العنسٰی ہے اور دوسرا مسیلمہ۔

یاد رکھنا چاہئے کہ میرے بعد سے مراد یہاں آپؐ کے نبی بنایا جانے کے بعد ہے۔ موت کے بعد نہیں۔ کیونکہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مسیلمہ اور اسود عنسی دونوں نے آنحضرتؐ کی زندگی میں نبوت کا دعوٰی کیا اور دونوں کے جھوٹے دعوٰی کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ جیسا کہ عنسٰی اور مسیلمہ کے نام یہاں بھی بالصراحت لے کر بتا دیا ہے۔

اب یہ حصہ روایت کا، جو ترک کیا گیا ہے، اس کے متعلق شاہ معین الدین صاحب کی خدمت میں کیا عرض کروں! میں نے چونکہ صرف بخاری اور مسلم کی روایت کا ذکر کیا تھا۔ اور سیرت کی روایتوں کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ مسیلمہ کے جھوٹے دعوٰی نبوت کا تعلق اسی صحیحین کی روایت سے تھا۔ میرے متعلق یہ الفاظ لکھے۔ ''اس روایت کے پیش کرنے والے نے یا عمداً دوسری روایات سے اغماض کیا ہے یا اس سلسلہ کے اور واقعات اور روایات پر اس کی نظر نہیں۔'' نظر نہیں تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ انہوں نے بڑا حصہ روایت کا نقل کر دیا۔ اور چھوڑا تو صرف وہ حصہ چھوڑا۔ جس سے ان کے سارے مضمون کی تغلیط ہوتی تھی۔ اور نہ صرف اسے چھوڑا بلکہ اس کے اخفاء کے لئے لاراک کا ترجمہ غلط کیا۔ صحیح ترجمہ ہوتا تو بھی بات واضح ہو جاتی اور جو حصہ چھوڑا گیا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ مسیلمہ کو آنحضرتؐ فرما رہے تھے کہ میں تجھے وہ کذاب سمجھتا ہوں جس کے متعلق مجھے خواب میں دکھایا جا چکا ہے اور تو ہلاک ہو جائے گا۔

میں مولانا احمد علی صاحب کا ہی محاکمہ اس بارے میں طلب کرتا ہوں کہ شاہ معین الدین صاحب نے الفاظ کا ترجمہ غلط کیا ہے یا نہ؟! اور روایت کے اس حصہ کو عمداً چھوڑا ہے یا نہ جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ نے بالمواجہ مسیلمہ کے کذاب ہونے کا ذکر فرمایا اور پھر شاہ صاحب کے بیان کردہ واقعات سے یہ صفائی سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں، کہ دوسری دفعہ مسیلمہ جب مدینہ آیا تو اس سے پیشتر وہ دعوٰی نبوت کر چکا تھا؟!

3 فروری 1937ء
ایک تقریب

اسلامی تہذیب و کلچر کی بنیاد۔ ایمان باللہ

جنوری 1937ء کی شام ہماری جماعت کے محترم رکن چودھری روشن دین صاحب اسسٹنٹ گیریژن انجنیئر کی صاحبزادی عزیزہ بشریٰ بی بی کا عقد میاں محمد ایوب صاحب آئی۔سی۔ایس (ہمشیرزادہ خان صاحب شیخ فضل الٰہی صاحب ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات) سے دس ہزار روپے مہر پر ہوا۔ میاں صاحب موصوف ایک عالی خاندان نوجوان ہیں۔ ہندوستان اور یورپ میں تعلیم پائی ہے۔ چودھری روشن دین صاحب نے اس تقریب کے سلسلہ میں اپنی کوٹھی جیل روڈ پر معقول اہتمام کیا تھا۔ متعدد شرفا و اکابر مدعو تھے۔ بعد از نماز مغرب حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے مختصر خطبہ کے ساتھ اعلان نکاح کیا۔ اس کے بعد مہمانوں کو پُر تکلف عشائیہ دیا گیا۔ حاضرین سے سر سکندر حیات خاں بالقابہ، خان صاحب شیخ فضل الٰہی صاحب، شیخ فضل حق صاحب (برادر خان صاحب موصوف) ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر غلام محمد صاحب کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اس تقریب کی خوشی میں چودھری روشن دین صاحب نے مبلغ پچاس روپے انجمن کو عنایت فرمائے۔ ہم دونوں خاندانوں کے جملہ افراد کی خدمت میں دلی مبارکباد عرض کرتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس تعلق کو بابرکت بنائے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا خطبہ نکاح مختصر ہونے کے باوجود معارف و حقائق سے پُر تھا جو درج ذیل ہے۔ مدیر

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

☆ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (1:4)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب کا تقوٰی اختیار کرو، جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور اللہ کے (حقوق کی) جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کی نگہداشت کرو۔ اللہ تم پر نگہبان ہے۔

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (102:3)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقوٰی کرو جیسا کہ اس کے تقوٰی کا حق ہے اور تم نہ مرو مگر ایسی حالت میں کہ تم فرماں بردار ہو۔

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا. يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (71-70:33)

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کا تقوٰی کرو اور سیدھی بات کہو۔ وہ تمہارے لئے تمہارے عملوں کی اصلاح کرے گا اور تمہارے گناہ تمہیں بخش دے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی بھاری کامیابی حاصل کی۔''

قرآن شریف کی یہ وہ آیات ہیں، جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے وقت پڑھیں اور اپنی اُمت کو پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ان آیات میں ایک امر کو بار بار دُہرایا گیا ہے۔ وہ ہے اتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اللہ کا تقوٰی کرو۔ اس موقع پر خصوصیت سے تقویٰ پر اس لئے زور دیا گیا ہے کہ اس کے بغیر نکاح کا حقیقی مقصد صحیح معنوں میں پورا نہیں ہوسکتا۔ اور ویسے تو اسلام نے ہر ایک بات میں تقویٰ کی تاکید کی ہے۔

نکاح کا تقوٰی کیا ہے؟: ہر ایک معاملہ کا تقویٰ بھی علیحدہ ہوتا ہے۔ نکاح کا تقویٰ یہ ہے کہ فریقین اپنی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور انہیں پورا کرنے کی کوشش کریں۔ نکاح کا معاملہ انسان کی زندگی کا اہم ترین معاملہ ہے۔ اس کے ذریعے ایک مرد اور ایک عورت میں ایسا تعلق پیدا کر دیا جاتا ہے، جس کی دنیا میں اور کوئی نظیر موجود نہیں۔ بے شک یہ تعلق جنسی محبت پر مبنی ہوتا ہے، لیکن آگے چل کر اس سے جو نتائج و حالات پیدا ہوتے ہیں، وہ بہت اہم ہیں۔ اور ان کے ساتھ دنیا کے عظیم الشان مقاصد وابستہ ہیں۔ اس

لئے ضروری ہے کہ فریقین اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو پوری طرح جانیں اور ادا کریں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کے وقت ان آیات کی تلاوت سے مقصد ہی فریقین کو اس امر کی طرف توجہ دلانا ہے کہ وہ نہایت اہم ذمہ داریوں کو اپنے اوپر لے رہے ہیں۔ لہٰذا انہیں سوچ سمجھ کر قدم رکھنا ہوگا۔ ایک دوسرے کے حقوق کو پورا کرنا ہوگا۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیت۔ اللہ پر ایمان: سوال ہوسکتا ہے کہ یہ بات یونہی بھی کہی جاسکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے لفظ کو درمیان میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ بات اصل میں یہ ہے کہ انسان ان ذمہ داریوں کو اسی صورت میں پوری طرح ادا کرسکتا ہے، جبکہ اس کا اللہ کے اوپر ایمان ہو۔ اسلامی تہذیب اور دوسری تہذیبوں میں یہی ایک بنیادی فرق ہے کہ صرف اسلامی تہذیب اللہ کے اوپر ایمان پر مبنی ہے۔ غیروں میں سے بھی، جنہوں نے قرآن کریم کو پڑھا ہے، وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس میں ہر موقع پر خدا کا نام آتا ہے۔ اور تمام باہمی معاملات میں خواہ وہ لین دین کا ہو، بیاہ شادی کا ہو یا کسی قسم کا ہو، خدا کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ انسان اس وقت تک اپنے حقوق اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، جب تک اس کا اس بات پر پختہ ایمان نہ ہو کہ میرے ہر ایک فعل کو ایک سب سے زبردست ہستی دیکھنے والی اور وہ میرے ہر ایک ارادے سے واقف ہے۔

اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے مختلف امور کے متعلق جتنے اصول قائم کئے ہیں، وہ اس قدر دنیا کی ضرورت کے مطابق ہیں کہ باقی قومیں ان کی طرف بے اختیارانہ رجوع کر رہی ہیں۔ عیسائی ہوں یا ہندو یا اور اقوام ہوں، سب اپنے تنگ دائرہ سے نکل کر اسلام کے وسیع اصولوں کو قبول کرتے چلے جارہے ہیں۔ وہ محسوس کررہے ہیں کہ دنیا کی نجات ان اصولوں کے بغیر نہیں ہوسکتی اور بعض مسلمان بھی اس بات کو محسوس کرتے ہیں۔ لیکن افسوس! اس کے باوجود خدا کا نام آج کل کی تہذیب سے نکل چکا ہے۔ اور مسلمان بھی اس مادی تہذیب پر فریفتہ ہورہے ہیں، جس نے یورپ کو تباہی کے کناروں تک پہنچا دیا ہے۔ اور جو اسلامی تہذیب کے مداح بھی ہیں، وہ بھی اسے یورپ کی تہذیب کے نقش قدم پر چل کر خدا پر ایمان سے الگ کر کے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی تہذیب میں سے جب اللہ تعالیٰ کے حقیقی خیالات کو الگ کر دیا جائے، تو گویا اس کی بنیاد کو اکھاڑ دیا گیا!

موجودہ زمانہ کی نام نہاد ''اسلامی تہذیب'': پہلے زمانہ کی اسلامی تہذیب اور کلچر اور موجودہ زمانہ کی ''اسلامی تہذیب اور کلچر'' میں یہ فرق ہے کہ اس تہذیب اور کلچر کی بنیاد خدا کے اوپر ایمان پر تھی۔ وہ بچانے والی چیز تھی۔ اور آج کل کی نام نہاد اسلامی تہذیب اور کلچر تباہ کرنے والی چیز ہے۔ اسی لئے ابتدائی زمانہ کے مسلمان اور موجودہ زمانہ کے مسلمان میں یہ بین فرق نظر آتا ہے کہ ابتدائی زمانہ کا مسلمان ہر قسم کی ترغیبات کے مقابلہ میں اپنے اصول پر قائم رہتا تھا۔ کسی موقع پر بھی اس کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آتی تھی۔

صحابہ کرامؓ کا بلند کیرکٹر: ابتداء اسلام میں، جب مسلمان سپاہیوں نے فلسطین اور شام وغیرہ عیسائی ملکوں کو فتح کیا، تو وہاں کے لوگ ان کے بلند اخلاق اور مضبوط کیرکٹر کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اُس زمانہ میں بھی عیسائی عورتوں کا یہی نقشہ تھا، جو آج کل نظر آ رہا ہے۔ اپنی خوبصورتی کو دکھانا وہ کوئی عیب نہیں سمجھتی تھیں۔ مسلمان سپاہی عیسائی شہروں کے اندر جاتے ان کے بازاروں میں سے گزرتے، لیکن ان کی نظریں نیچی رہتیں۔ عیسائی عورتوں کی خوبصورتی ان کو اپنی طرف مائل نہ کر سکتی۔ عام طور پر سپاہیوں نے اس قدر اعلیٰ اخلاق اور مضبوط کیرکٹر کا ثبوت دیا، جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ غرضیکہ ابتدائی زمانہ کا مسلمان، عورتوں کی خوبصورتی، مال و دولت اور حکومت و اختیار تمام قسم کی ترغیبات کے مقابلہ پر اپنے اصول کو نہیں چھوڑتا تھا۔ اپنے دامن اخلاق پر کوئی دھبہ لگانا پسند نہ کرتا تھا۔ کیونکہ اس کا خدا پر پختہ ایمان ہوتا تھا۔ اور آج کل کے مسلمان کی کیا حالت نظر آتی ہے؟ اس کا کیرکٹر گر چکا ہے۔ وہ نہایت آسانی سے ترغیبات کا شکار ہو جاتا ہے۔ دور جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی الیکشن کے معاملہ ہی کو لے لیجئے۔ ان گزشتہ ایام میں اسمبلی کی ممبریوں کے لئے اس قدر جھوٹ بولا گیا، اس قدر فریب کئے گئے، جس کی کوئی حد نہیں۔ ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کے لئے کیا کیا کوششیں ہوئیں! کن کن افسوسناک طریقوں سے عداوت کا اظہار کیا گیا۔ اس کی ساری کیفیت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اگر پچاس سال کے جھوٹ، فریب اور باہمی عداوتوں کو ملا کر دیکھا جائے تو شاید وہ بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان کا کیرکٹر گر چکا ہے۔ خدا پر اس کا ایمان کمزور ہو گیا ہے۔

آج کل بظاہر اسلامی کلچر اور اسلامی تہذیب پر بہت زور دیا جاتا ہے، لیکن آپ اس بات کو سمجھ لیں کہ خدا پر ایمان کے بغیر یہ کلچر اور تہذیب کوئی چیز نہیں۔ اسلام نے ہر ایک معاملہ میں اللہ پر ایمان کو مقدم رکھا ہے۔ مثلاً یہ ہماری نماز ہے۔ خدا کے آگے جھکنا۔ مسجدوں کے اندر جمع ہونا۔ اس کے بغیر کسی چیز کا نام اسلامی کلچر رکھنا صحیح نہیں۔ اور نہ کسی دوسرے ذریعہ سے مسلمانوں کی تنظیم ہو سکتی ہے۔ خوب یاد رکھیں کہ وہ چیز، جو فتح کرنے والی ہے، خدا کے اوپر ایمان ہے۔ اب اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

یہ خطبہ نکاح ہے۔ ان آیات میں، جو ابھی میں نے تلاوت کی ہیں، بتایا گیا ہے کہ نکاح بڑی ذمہ داری کا معاملہ ہے۔ جس طرح کچھ حقوق مردوں کے عورتوں کے ذمہ ہیں، اسی طرح عورتوں کے بعض حقوق مردوں کے ذمہ ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک کے حقوق ہیں، دوسرے کے نہیں وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (228:2) چنانچہ اگر مرد کے حقوق عورت پر ہیں تو ایسے ہی حقوق عورت کے مرد پر ہیں۔ جس طرح عورت کو بعض باتوں میں مرد کی فرمانبرداری کرنی ہوگی، اسی طرح مرد کو بھی عورت کی بعض باتیں ماننی ہوں گی۔ اس کی کمزوریوں کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ محبت و نرمی کا سلوک کرنا ہوگا۔ وہ اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔

ان چند مختصر باتوں کے بعد اس مجلس میں اعلان کیا جاتا ہے کہ شیخ میاں محمد ایوب صاحب آئی۔سی۔ایس کا نکاح چودھری روشن دین صاحب کی صاحبزادی بشریٰ بی بی سے دس ہزار روپے مہر پر قرار پایا (ایجاب وقبول کرایا گیا)

❁❁❁

7 فروری 1937ء

ایک اقتباس

اسلام کو یورپ اور امریکہ میں پھیلانے کی احسن تجویز (ازالہ اوہام صفحہ 767)

جب سے کتاب ''ریلجن آف اسلام'' طبع ہوئی ہے میرے دل میں یہ تڑپ رہی ہے کہ اس کی کچھ کاپیاں یورپ اور امریکہ کے ان لوگوں کے نام بھیجی جائیں جو اسلام کے متعلق کچھ لکھتے رہتے ہیں۔ تاکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اسلام کی صحیح تعلیم سے واقف ہو کر تبلیغ اسلام کے کام میں ہمارے معاون ہو جائیں۔ اور دوسرے یہ کہ جہازی لائبریریوں میں اس کی کچھ کاپیاں بھیجی جائیں۔ جہاں ہر ایک انگریزی خواں اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر اس وجہ سے کہ قوم پر چندوں کا کافی بوجھ ہے، اس کے لئے کوئی عام تحریک کرنا پسند نہیں کیا۔

اس وقت ایک دوست نے، جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے، ایک سو روپیہ مجھے دیا کہ اسے جہاں مناسب سمجھو خرچ کروں۔ میں نے اس خیال سے، کہ شائد یہ ایک بنیاد بن جائے جس سے وہ میری خواہش پوری ہو جائے، ان کی اجازت سے اسے کتاب ریلجن آف اسلام کی اشاعت پر خرچ کرنا تجویز کیا ہے۔ کیونکہ یہ کتاب نہ صرف مسلمانوں کے لئے مفید ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہے بلکہ تبلیغ اسلام کے لئے بھی بہترین ذرائع میں سے ہے۔

سردست میں چاہتا ہوں کہ اس کی دوسو کاپی کی مفت تقسیم کا انتظام ہو جائے۔ جس میں سے ایک سو کاپی یورپ اور امریکہ کے مستشرقین کے نام بھیجی جائے اور ایک سو جہازی لائبریریوں میں۔ حسب معمول ہر کتاب پر بھجوانے والے کا نام ہوگا کہ یہ عطیہ فلاں صاحب کی طرف سے ہے۔ انجمن کا قریباً ہمیشہ سے یہ طریق کار ہے کہ تبلیغ اسلام کے لئے نصف قیمت پر کتابیں دے دیتی ہے۔ پس اس غرض کے لئے کتاب کی قیمت بجائے دس روپے کے پانچ روپے ہوگی۔ اور ڈیڑھ روپیہ محصول ڈاک ہو گا۔ یوں ایک کتاب پر ساڑھے چھ روپے خرچ ہوگا۔ جماعت میں اگر کوئی ایسے احباب ہوں جو اس میں حصہ لینا چاہیں۔ تو جتنی کاپیاں وہ بھجوانا چاہیں ساڑھے چھ روپیہ فی کاپی کے حساب سے ان کی قیمت بنام محاسب بھیج کر مجھے بھی اطلاع دے دیں۔ خاکسار محمد علی

قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت (11 فروری 1937ء)

صلیبی جنگوں کے زمانہ میں متعصب و ناکام عیسائیوں نے اسلام اور حضرت رسول کریمؐ کے خلاف سر کچلے ہوئے سانپ کی طرح جوزہر چکانیاں کی تھیں، ان کے اثرات صدیاں گزر جانے کے بعد اب بھی موجود ہیں۔ عیسائی پادریوں کی حرکات سے قطع نظر یورپ کے علمی و تعلیمی حلقوں میں تعصب اور جہل کے ایسے ایسے مظاہرے ہوتے رہتے ہیں، جن کو کوئی مسلمان بھی صبر و تحمل سے برداشت نہیں کر سکتا۔ اخبار بین حضرات واقف ہوں گے کہ حال ہی میں نیو کالج آکسفورڈ کے وارڈن نے ایک تاریخی کتاب ''ہسٹری آف یورپ'' کے نام سے لکھی جس میں اس ''ذلیل و جاہل انسان نے حضرت کریمؐ کی ذات اقدس کے خلاف نہایت شرمناک بہتان طرازی کی ہے۔ ایک جگہ اس بدبخت نے حضورؐ کے متعلق لکھا ہے کہ نعوذ باللہ ''وہ ظالم، بدکار، شہوت پرست اور جاہل تھا۔ حوصلہ، جرأت، احتساب نفسی کا مادہ اس میں مفقود تھا۔'' یقیناً یہ الفاظ اس شخص کے قلم سے ہی نکل سکتے ہیں جو اول درجہ کا کمینہ فطرت، بے علم، اخلاق دشمن اور متعصب ہو۔ آکسفورڈ انگلستان کا ایک بین الاقوامی شہرت رکھنے والا علمی و تعلیمی مرکز ہے۔ اس میں بہت سے مسلمان طلباء بھی مصروف تعلیم ہیں۔ اس مرکز کے اندر ایک ذمہ دار عہدیدار کی طرف سے ایسی ذلیل حرکت یقیناً انگریز قوم اور حکومت برطانیہ کے لئے باعث صد ذلت و بدنامی ہے۔

اسلامی اخبارات میں وارڈن مذکور کی اس بیہودہ گوئی اور دریدہ دہنی کے خلاف نہایت غم و غصہ کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اس سے قبل بھی انگلستان میں متعدد انگریز اہل قلم سے ایسی ذلیل حرکتیں سرزد ہو چکی ہیں۔ لیکن آج تک حکومت برطانیہ نے ان صداقت دشمن و مسلم آزار لوگوں کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی خدا جانے وہاں کا ضابطہ قوانین اس لحاظ سے ناکام ہے یا انگلستان کے حکام ہی بے حس و غفلت آشنا ہیں۔ انگریز قوم سے مسلمانوں کے روابط بالکل ظاہر ہیں۔ برٹش ایمپائر نے ہمیشہ اس بات پر اظہار فخر و مسرت کیا ہے کہ دنیا کی تمام سلطنتوں کے مقابلہ میں اس کے جھنڈے کے نیچے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ اس لحاظ سے وہ اپنے آپ کو ایک ''اسلامی سلطنت'' قرار دیتی ہے۔ لیکن ان باتوں کے باوجود مسلمانوں کے مذہبی احساسات و جذبات سے مجرمانہ حد تک غافل ہے۔ متعصب و جاہل انگریز اہل قلم آئے دن اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ناقابل برداشت غلط بیانیاں اور بدزبانیاں کرتے ہیں لیکن

برٹش قانون حرکت میں نہیں آتا۔ انگلستان کے ارباب حکومت کو بہت جلد اس فروگذاشت کی طرف توجہ کرنی چاہئیے ۔حکومت ہند کا بھی فرض ہے کہ وہ وزیر ہند کو مسلمانوں کے جذبات احساسات سے نہایت قوت ووضاحت کے ساتھ آگاہ کردے۔

ہمیں یادرکھنا چاہئیے کہ یورپ وامریکہ میں کسی قانون کے ذریعہ اس قسم کی حرکتوں کا کامل ازالہ بہت مشکل ہے۔ گزشتہ صدیوں میں پادریوں نے اس کثرت سے اسلام اور حضرت نبی کریمؐ کے خلاف غلط بیانیاں اور زہر چکانیاں کی ہیں کہ تمام یورپین اقوام کا ماحول ان سے تاریک وسموم ہو گیا ہے۔ اس کو صاف کرنے کے لئے زبردست تبلیغی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ مغربی ممالک کے باشندوں کے سامنے اسلام اور شارع اسلام کی ایک بالکل غلط اور تاریک تصویر پیش کی جاتی ہے۔ اگر اس کے مقابل صحیح اور روشن تصویر پیش کر دیا جائے تو یقیناً بہت بڑا انقلاب ہوسکتا ہے۔ اس طرح نہ صرف اس قسم کی دل آزار تصنیفات ومضامین کی اشاعت بند ہو جائے گی بلکہ بیشمار یورپین باشندے اسلام کے قریب ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد مغربی زبانوں میں صحیح اسلامی لٹریچر کی اشاعت کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود کی توجہ شروع ہی سے اس کی طرف تھی۔ انگریزی زبان میں تبلیغی رسالہ کا اجرا اور قرآن مجید کی انگریزی تفسیر کا خیال اس پر گواہ ہیں۔ چنانچہ ازالہ اوہام میں فرماتے ہیں کہ:

> ''سو میری صلاح یہ ہے کہ عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں (یورپ وامریکہ) میں بھی بھیجی جائیں۔ اگر قوم دل وجان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ جیسے مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے۔ اور مجھ میں داخل ہے۔''

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا انگریزی ترجمہ وتفسیر مدت ہوئی شائع ہو چکی ہے۔ یورپ وامریکہ اور خود ہندوستان میں اس سے جو فوائد حاصل ہوئے اور ہو رہے ہیں، ان کا ایک زمانہ معترف ہے۔ اور اس طرح ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح موعود کی شاخ کون ہے!

گزشتہ سال حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے انگریزی زبان میں ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی ضخیم کتاب ''ریلجن آف اسلام'' لکھی ہے۔ جس میں اسلامی عقائد و تعلیمات اور فرائض و مسائل کے متعلق سیر حاصل اور دلنشیں انداز میں بحث کی گئی ہے۔ اشد ترین مخالفین نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ اس موضوع پر یہ نہایت کامیاب، مفید اور اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ بہتر سے بہتر تصنیف بھی اسی حالت میں اچھے نتائج پیدا کر سکتی ہے جبکہ اسے لوگوں تک پہنچایا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر یہ کتاب یورپ و امریکہ کے علمی و تعلیمی حلقوں میں پہنچ جائے تو اسلام اور حضرت نبی کریمؐ کے خلاف بہت سی تکلیف دہ و دل آزار غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا ازالہ وہ سکتا ہے۔ اس کے متعلق حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے چند روز ہوئے ایک اپیل فرمائی ہے۔ جو گزشتہ اشاعت میں احباب کی نظر سے گزری ہوگی۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

> ''جب سے کتاب ریلجن آف اسلام طبع ہوئی ہے میرے دل میں یہ تڑپ رہی ہے کہ اس کی کچھ کاپیاں یورپ اور امریکہ کے ان لوگوں کے نام بھیجی جائیں جو اسلام کے متعلق کچھ لکھتے رہتے ہیں۔ تاکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اسلام کی صحیح تعلیم سے واقف ہو کر تبلیغ اسلام کے کام میں ہمارے معاون ہو جائیں۔ اور دوسرے یہ کہ جہازی لائبریریوں میں اس کی کچھ کاپیاں بھیجی جائیں۔ جہاں ہر ایک انگریزی خواں اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر اس وجہ سے، کہ قوم پر چندوں کا کافی بوجھ ہے، اس کے لئے کوئی عام تحریک کرنا پسند نہیں کیا۔''

اس امر کا ذکر کرنے کے بعد، کہ ایک دوست نے سو روپے کی رقم دی ہے کہ اسے جہاں مناسب سمجھوں خرچ کروں۔ میں نے اس رقم کو ''ریلجن آف اسلام'' کی تقسیم پر خرچ کرنا تجویز کیا ہے، حضرت ممدوح نے لکھا ہے کہ:

> ''سردست میں چاہتا ہوں کہ اس کی دوسو کاپی کی مفت تقسیم کا انتظام ہو جائے۔ جس میں سے ایک سو کاپی یورپ اور امریکہ کے مستشرقین کے نام بھیجی جائے اور ایک سو جہازی لائبریریوں میں۔ حسب معمول ہر کتاب پر بھجوانے والے کا نام ہوگا کہ یہ عطیہ فلاں صاحب کی طرف سے ہے۔ انجمن کا قریباً ہمیشہ سے یہ طریق کار رہے کہ

تبلیغ اسلام کے لئے نصف قیمت پر کتابیں دے دیتی ہے۔ پس اس غرض کے لئے کتاب کی قیمت بجائے دس روپے کے پانچ روپے ہوگی اور ڈیڑھ روپیہ محصول ڈاک ہوگا۔ یوں ایک کتاب پر ساڑھے چھ روپے خرچ ہوگا۔ جماعت میں اگر کوئی ایسے احباب ہوں جو اس میں حصہ لینا چاہیں تو جتنی کاپیاں وہ بھجوانا چاہیں، ساڑھے چھ روپیہ فی کاپی کے حساب سے ان کی قیمت بنام محاسب بھیج کر مجھے بھی اطلاع دے دیں۔''

ہمارے خیال میں اس تحریک میں جماعت کے تمام دوستوں کو حصہ لینے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ بظاہر یہ ایک معمولی تحریک معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس سے نہایت عظیم الشان نتائج مرتب ہوں گے۔ یورپین مصنفین کو اس کتاب کے ذریعہ اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ وہ قلم، جو آج کل اسلام کی مخالفت میں زہر اگل رہے ہیں، اس کی اشاعت میں کسی نہ کسی حد تک ضرور معاون ہو جائیں گے۔ متعصب پادریوں اور سیاستدانوں کے ایک خاص طبقہ کو چھوڑ کر باقی یوروپین لوگ معقول بات کو بالعموم تسلیم کر لیتے ہیں۔ ہندوستانیوں کی طرح انہیں ضد اور ہٹ نہیں ہوتی علاوہ ازیں وہ معقولیت کو زیادہ جلدی اخذ کر لیتے ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ان تک اسلام کی صحیح تعلیمات پہنچائی جائیں۔

جمعرات کا دن: (27 فروری 1937ء) ہر احمدی مرد اور عورت کے لئے جہاد کا دن ہے۔ اپنے کھانے میں کمی کر کے رقم بچت فنڈ کی صندوقچی میں ڈال دیں۔ بچت فنڈ کی آمد سے یورپ میں (اس یورپ میں، جہاں خدا کا کلام جو تمام قوموں کے لئے نازل ہوا تھا، اب تک نہیں پہنچا) ایک اسلامی مشن چل رہا ہے۔ محمد علی۔

امیر جماعت احمدیہ، لاہور

3 مارچ 1937ء

کوئی کلمہ گو کافر نہیں

صرف اسی ایک بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مصلحین امت کو ہمیشہ کیسے کیسے علماء مکر وحیل اور قضاۃ خون آشام سے سابقہ پڑا ہے؟ اور حکومت وقت کو مخاطب کرنے کے لئے کیسے کیسے بے پناہ حیلوں اور فریبوں سے ان کے خلاف کام لیا گیا ہے؟ کسی خاص شخص کے مہدی ہونے نہ ہونے کے اعتقاد کو اسلام کے عقائد سے کیا علاقہ؟ نہ یہ بناء فسق وتقوٰی ہے۔ نہ معیار ایمان وکفر۔ اگر ایک شخص نے کسی داعی شریعت وآمر بالمعروف وناھی عن المنکر کو مہدی مان لینا تو اس سے اس کے اسلامی عقائد میں کونسا فتور آ گیا؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ انطباق علائم وآثار میں اس نے اجتہادی غلطی کی۔ اصل شے جو مطلوب شارع ہے، وہ تو صرف ایمان باللہ وَمَا جَاءَ من عنداللّٰہ ہے اور دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ متقین سے ہے یا نہیں؟ متقین کی تعریف قرآن نے اپنی پہلی سورۃ میں بتلا دی۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ . الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ . وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ . (2:2-4) پس جو شخص ان چیزوں پر ایمان وعمل رکھتا ہے۔ وہ اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ . (5:2) میں داخل ہے۔ خواہ کسی کو مہدی تسلیم کرے۔ خواہ دجال۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ (13:49) البتہ یہ ضرور دیکھا جائے گا کہ جس شخص کو مہدی تسلیم کرتا ہے وہ متقی ہے یا مبتدع؟ اگر اس کی بدعات ومحدثات یا اعمال غیر صالح ثابت ہوں گے اور یہ بھی ان کا مصدق اور پیرو ہوگا تو بلا شبہ اس پر وہ حکم دیا جائے گا جس کا وہ شرعاً مستحق ہوگا۔ لیکن نہ بر بناء اعتقاد مہدیت بلکہ سبب عقائد واعمال منکرہ۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو ایک جزئی مسئلہ میں اس کو غلطی پر سمجھ سکتے ہیں۔ تخطیہ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن نہ تو برا کہہ سکتے ہیں اور نہ اس کے اسلام وایمان میں شک کر سکتے ہیں۔ اگر اس کا عمل اچھا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت واتباع اور ایثار فی اللہ وللہ میں تیز گام ہے تو یقیناً کل کو اللہ کے حضور وہی سب سے اونچا ہوگا۔ اور ہم سب اس کے نیچے ہوں گے۔ اگرچہ ہم کتنے ہی کامل واکمل واشعری وماتریدی ہوں، وہاں صرف

غرور اشعریۃ و ماتریدیت کام نہ دے گا۔

وکلّ یدعی وصلا بلیلٰی ولیلٰی لا تقربھم بذاکا

افسوس جزئیات مذمومہ عقائد کے غرور باطل نے مسلمانوں کو جس قدر نقصان پہنچایا اور کسی چیز نے نہیں پہنچایا۔ عمل صالح کی اہمیت بالکل جاتی رہی اور سارا دارومدار چند مذمومہ عقائد پر آ کر رہ گیا۔ ایک شخص اس غرور میں، کہ میں ہی صرف الف سے لے کری تک عقائد نسفی کا مجسمہ ہوں، تمام مسلمانوں کو حقیر و گمراہ کہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ عمل صالح اور ایثار و محبت فی اللہ کوئی شے نہیں۔ ایک شخص تقوٰی و طہارۃ میں کتنا ہی اصلح ہو۔ لیکن اگر کسی ایک جزئی و ضمنی عقیدہ میں بھی مختلف ہوا ہو تو اس کی ساری عمر کی کمائی رائگاں گئی۔ اور باوجود عمر بھر کے ایمان و عمل صالح کے کافر کا کافر ہی رہا۔ جس کلمہ کے ایک بار اقرار کر لینے سے ابوسفیان اعدی عدو اسلام اور وحشی قاتل حمزہؓ کا خون حرام ہو گیا تھا اور اگر ابوجہل بھی اقرار کر لیتا تو اس کی ساری عمر کا کفر و طغیان محو ہو جاتا۔ آج ساری عمر اس کے ایمان و عمل میں بسر کر دیجئے۔ لیکن پھر بھی مومنوں کے گروہ میں شمار ہونے کا حق حاصل نہیں کر سکتے! افسوس تیرہ سو برس گزر گئے مگر کفر و ایمان کی گتھی آج تک نہ سلجھی۔

جز سخن کفری وایمانی کجاست؟ خود سخن در کفروایمان میرد!

اصل یہ ہے کہ اسلام کے باب عقائد میں صرف بنیاد کی چند صاف صاف اور موٹی موٹی باتیں بتلا دی تھیں اور اس کے بعد سارا دارومدار عمل صالح پر رکھا تھا۔ **بنی الاسلام علٰی خمس الخ** اور **مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.** (69:5) ہر طرح کی فضیلت و مزکیت کا معیار صرف تقوٰی اور اس کے مراتب **بعضھا علٰی بعض** تھے اور بس کہ **اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ**(13:49) جو شخص شہادتین کا اقرار کرتا تھا، بجر د اقرار مسلمانوں میں داخل ہو جاتا تھا۔ اور مسلمانوں میں سے جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں سب سے زیادہ ایثار جان و مال کرتا تھا، وہی سب سے افضل و اعلیٰ سمجھا جاتا تھا۔ صحابہ کرامؓ کا پورا عہد گزر گیا۔ مگر کسی شخص کو ایک لمحہ کے لئے اس کا وہم بھی نہیں گزرا کہ اسلام و ایمان اور فضیلت و بزرگی کا معیار عمل صالح اور تقوٰی و طہارت کے سوا اور بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ اس قسم

کی روائتیں، جوتم صحاح میں پڑھتے ہو **کان اصحاب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم لایرون شیئًا من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ** توان کا بھی یہی مطلب ہے کہ بنیاد ساری باتوں کی صرف عملی زندگی تھی۔ عقائد کے باب میں نہ تو کوئی اختلاف تھا اور نہ فتنہ تفرق وتمذہب کی بنیاد پڑی تھی۔

لیلیٰ و مجنوں بہم مے بودہ اند پیش ازیں خوش روزگاری بودہ است!

لیکن اس کے بعد فتن وفساد اور بدعات ومحدثات کا آغاز ہوا۔ اور اوائل بنوامیہ ہی میں عجمی اقوام کے اختلاط اور عجمی علوم ذہنیہ مہلکہ کے شیوع سے عقائد میں فتنہ کاوش وتعمق کی بنیاد پڑی۔ جس کو اسلام نے نہایت سختی سے روک دیا تھا کہ اور نئے نئے سوال پیدا ہونے لگے۔ یہ حال دیکھ کر مجبوراً اہل حق وسنت کو اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اور باب عقائد میں سب سے پہلے ردوکد اور بحث ونظر کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہاں تک جو کچھ ہوا بالکل ٹھیک تھا اور ناگریز۔ لیکن آگے چل کر یہ چیز حد اعتدال سے متجاوز ہوگئی۔ عقائد کے ردوکد کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کی توجہ اسی کی طرف بڑھنے لگی اور رفتہ رفتہ عمل کی طرف سے طبیعتین بے پروا ہوگئیں۔ حتّٰی کہ آج یہ حال ہے کہ اسلام وایمان کا سارا دار ومدار محض چند جزئیات اختلافیہ عقائد کی محافظت پر آکر ٹھہر گیا ہے اور صرف انہی کے غرور وپندار میں ہر شخص مست رہتا ہے۔ عمل کی درستگی، تقوٰی وطہارت کی اہمیت وتقدیم یک قلم فراموش کردی گئی ہے۔ اور قریب ہے کہ اسلام کے ارکان وشرائط سے عمل صالح کا رکن اس طرح معدوم ہو جائے گویا وہ کوئی ضروری چیز تھا ہی نہیں۔ ساری جستجو اور کاوش صرف اسی کی ہوتی ہے کہ فلاں شخص کے عقائد کیسے ہیں؟ یعنی چند مذمومہ جزئیات غیر متعلقہ میں اس کے عقیدہ کا کیا حال ہے؟ اس کو کوئی نہیں دیکھتا کہ اس کا عمل کیسا ہے؟ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میں انفاق جان ومال کا کیا حال ہے؟ تقوٰی وطہارت نفس کے لحاظ سے کیسی زندگی گزارتا ہے؟ بندوں کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہے اور خدا کے خوف سے دل خالی رکھتا ہے یا بھرپور؟ لین دین میں سچائی اور دیانت ہے یا نہیں؟ ایک شفیق باپ، رفیق بھائی، وفادار شوہر، رحیم وغمگسار ہمسایہ ہے یا ایک بے رحم وجود، بے حس پتھر اور موذی ومہلک مخلوق؟ ان ساری باتوں میں، جن کے الگ کر دینے کے بعد اسلام میں کوئی چیز باقی نہیں رہتی، اس کا حال

خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔لیکن اگر چند اختلافی جزئیات میں ہمارا ہم آہنگ ہے تو پھر ہمارے نزدیک اس سے افضل ہستی روئے زمین پر کوئی نہیں! یہی گمراہی یہود کی تھی۔ کہ صرف اسرائیلیت کے غرور میں بدمست رہتے تھے وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ (24:3 مرتب) یہ غرور عقائد کا فتنہ بہت ہی بڑا فتنہ ہے۔اور آج مسلمانوں کی ریڑھ کی ہڈی اسی سے گھلی جا رہی ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ (187:7)(تذکرہ صفحہ 49)

<u>''کافروں'' کا ایک مقدس گروہ: (27 مارچ 1937ء)</u>

سید محمد جونپوریؒ کے انتقال کے بعد ان کی جماعت اور زیادہ پھلی پھولی۔اور بڑے بڑے اہل اللہ اس میں داخل ہوئے۔ازاں جملہ شیخ عبداللہ نیازیؒ اور ان کے مرید شیخ علائیؒ تھے۔جنہوں نے بیانہ میں قیام کیا اور اپنے علم حق اور اخلاص وایثار فی اللہ کی تاثیر سے سینکڑوں جانبازوں اور حق پرستوں کو معتقد ومرید کرلیا۔ جو حالات ناطر فدار اور معتمد مورخوں نے لکھے ہیں۔اگر وہ سچ ہیں۔تو یہ لوگ انسان نہیں تھے۔ملاءاعلیٰ کے مقدس فرشتے تھے۔جن کو خدا نے اپنی زمین کی طہارت کے لئے آدمیوں کے ہیکل میں بھیج دیا تھا۔اور جب کبھی دنیا کی سعادت وبرکت کے دن آتے ہیں تو خدا زمین کے انسانوں ہی سے آسمانی فرشتوں کا کام لیتا ہے۔آسمان کے فرشتے تو کبھی انسانی آبادیوں میں آکر نہیں۔بسے فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (43:35)

ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ اور نجات الرشید میں اور نظام الدین ہروی نے طبقات میں ان لوگوں کے حالات مفصل لکھے ہیں۔مگر زیادہ تفصیل تذکرہ الواصلین میں بہ ضمن حالات حضرت شیخ داؤد ملتی ہے اور اس کو پڑھ کر قلب پر ایک عجیب عالم وجد ومحویت طاری ہوجاتا ہے۔اور بے اختیار دل چاہتا ہے کہ ساری باتوں کو چھوڑ کر صرف انہی پاکان حق کا ذکر کیجئے کہ اذارائوا ذکر اللّٰہ

وحدثتنی یا سعد عنہا فزدتنی جنونا، فزدنی من حدیثک یا سعد

صدیاں گزر گئیں۔عشاق حق کے ذکر میں آج یہ تاثیر ہے۔نہیں معلوم ان کی پاک صورتوں اور پاک محبتوں کی گہرائیوں اور دلربائیوں کا کیا حال ہوگا۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

شیخ عبداللہ نیازی اس زمانے کے مشہور پیر طریقت اور شیخ سلیم چشتی کے سر برآوردہ خلفاء میں سے تھے۔ لیکن بعد کو مہدوی ہو گئے۔ اور مشیخیت و زہد فروشی کا تمام کاروبار تاراج کر کے درویشی ونامرادی کی وضع اختیار کر لی

درخرمن صدزاہد وعاقل زند آتش آں داغ کہ مابر دل دیوانہ نہادیم

بیانہ میں شہر سے باہر ایک ویران باغ تھا۔ وہیں مٹی کا جھونپڑا بنالیا اور مقیم ہو گئے۔ اپنے ہاتھ سے پانی بھرتے۔ مٹکے سر پر اٹھالے جاتے۔ پیاسوں کو پلاتے اور نمازیوں کو وضو کرا دیتے۔ بوڑھے آدمیوں کو دیکھتے کہ بھاری بوجھ اٹھائے جا رہے ہیں تو ان سے چھین کر خود اٹھا لیتے اور کوسو دوڑتے ہوئے ساتھ چلے جاتے۔

باسبک روحاں کن آمیزش کہ ماندی چوزراہ بارغم بر دوش دل منزل بمنزل مے برند

نماز کا وقت آتا تو لکڑ ہاروں اور سقّوں کو جمع کرتے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے۔ کسی پیشہ ور کو دیکھتے کہ عذر معاش سے نماز میں شریک نہیں ہوتا تو اپنی کمائی اس کو دے دیتے اور منت وزاری کے ساتھ کہتے کہ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھو۔ وہ پڑھتا تو خوش ہوتے۔ گویا دنیا جہاں کی بادشاہت اس نے دے دی! روز بروز یہ حالت بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ عشق خالق اور خدمت خلق کے سوا اور کسی بات سے واسطہ نہ رہا۔

اسی زمانے میں اطراف بہار کے ایک عالی خاندان پیرزادے شیخ علائی تھے کہ علم وفضل ظاہری کے ساتھ مشیخیت وصوفیت کی شہرت وشوکت میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور یکتائی کے دعوے اور بے ہمتائی کے غرور میں ایسے مہیب تھے کہ علم وفضیلت کی بڑی بڑی سرکش گردنوں کو ان کے سامنے بے اختیار جھک جانا پڑتا تھا۔ مدتوں طرح طرح کی سخت ریاضتیں کی تھیں۔ عوام وخواص میں ان کے مجاہدات کی دھوم تھی۔ باوجود اس کے نفس پرستی کا یہ حال تھا کہ فقیری کے سجادے پر فرعونیت کا تاج پہن کر بیٹھتے تھے اور جس عالم وصوفی کی طرف لوگوں کو ذرا بھی مائل پاتے، فوراً اپنے مریدوں کی فوج لے کر چڑھ دوڑتے تھے۔ کبھی بحث ومناظرے کے زور سے، کبھی سوءاعتقاد کے الزام سے، کبھی اور کوئی حیلہ بہانہ پیدا کر کے۔ اور اس گروہ کے پاس مکر وحیل کی کیا کمی ہے۔ اس طرح ذلیل رسوا کر دیتے کہ غریب شہر چھوڑنے پر مجبور ہو

جاتا۔ ایک دنیادار فاسق اور ایک دنیا پرست عالم میں یہی فرق ہے کہ پہلا اپنی ہوا پرستیوں کو اعتراف فسق کے ساتھ سرانجام دیتا ہے اور دوسرا دینداری اور احتساب شرعی کی ظاہر فریبی سے۔

نفس وشیطان کے خدع وفریب کے کاروبار بہت وسیع ہیں۔ لوگوں نے ہمیشہ اس کو میکدوں ہی میں ڈھونڈھا، مدرسوں اور خانقاہوں میں ڈھونڈھتے تو شائد جلد پتہ لگ جاتا۔

شیخ علائی کا خاندان بھی عرصہ سے بیانہ میں مقیم تھا۔ قضارًا ایک دن شیخ نیازی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ان کا طور وطریق دیکھا تو اور ہی عالم نظر آیا۔ پہلی ہی نظر میں گھائل ہو گئے۔ اپنے مریدوں سے کہا کہ خدا پرستی کی اصل راہ یہ ہے۔ آج تک جو کچھ ہم کرتے رہے وہ خدا پرستی کے نام سے نفس پرستی اور بت پرستی تھی۔ میں تو اس فقیر بے نوا کا ساتھ دیتا ہوں۔ جس کو اللہ کی طلب ہو میرا ساتھ دے۔

شیخ نیازی سے پوچھا کہ طالب حق کی راہ کیا ہے۔ کہا کہ اپنا سب کچھ لٹا دو اور متاع عجز وشکستگی اور سرمایہ نامرادی وخود فروشی کے سوا باقی نہ چھوڑو۔

بعد اس کے شیخ علائی کی حالت ہی دوسری ہو گئی۔ آباؤ اجداد کے سجادہ مشیخت ومسند علم کو معہ ان کے تمام ساز وسامان غرور وپندار کو تاراج کر کے شیخ نیازی کے ساتھ ہو گئے۔ سامان اسباب دنیوی میں سے کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔ یا تو خود پرستیوں کا یہ حال تھا کہ اپنے سامنے کسی کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ یا اب خاکساری اور بے نوائی کا یہ حال ہوا کہ مسلمانوں کی جوتیاں سیدھی کرنے میں بھی عار نہ تھا۔ جن جن لوگوں سے لڑے جھگڑے تھے، ایک ایک کے پاس گئے، ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافیاں مانگیں، رفتہ رفتہ سختی کشاں عشق کی ایک بڑی جماعت شریک حال ہو گئی۔ لوگ گھر بار لٹا کے اور ان کے ساتھ آ آ کر شریک ہو جاتے۔ **وما احسن قول العرفی**

گرچہ ارباب تعلق وقف طوفانند، لیک رخت اگر کمتر بود کشتی بہ ساحل می برند

یہ لوگ بیانہ سے باہر اسی ویرانہ باغ میں رہتے تھے۔ زن وفرزند خویش وبیگانہ، خانہ ووطن کسی چیز سے لگاؤ نہ تھا۔ کچھ لوگ دن کو نکل جاتے۔ محنت ومزدوری کرتے۔ جو کچھ ملتا اس میں سے دسواں حصہ راہ خدا میں خرچ کر دیتے۔ باقی لے کر شام کو آتے۔ ایک گھرانے کے بھائیوں کی طرح مل جل کر کھا لیتے اور اپنے عشق میں مست رہتے۔ کچھ لوگ صبح ہوتے ہی شہر کی راہ لیتے۔ بیماروں کی تیمارداری کرتے۔ کمزوروں اور

معذوروں کو روٹی پکا دیتے۔ بیوہ عورتوں کا سوا سلف بازار سے لا دیتے۔ دو شخصوں کو آپس میں لڑتے دیکھتے تو منتیں کر کے صلح صفائی کرا دیتے۔ نہ مانتے تو کہتے کہ ہم کو مار ڈالو مگر آپس میں میل میلاپ کر لو۔ استغناء اور قناعت کا یہ حال تھا کہ کئی کئی دن گزر جاتے اور کچھ میسر نہ آتا۔ لیکن دلوں کی بے فکری اور چہروں کی خوشحالی دیکھ کر گمان ہوتا کہ ابھی شکم سیر ہو کر اٹھے ہیں۔ بھوک کا بہت غلبہ ہوتا تو نماز شروع کر دیتے اور سلام پھیر کر اٹھتے تو شہنشاہیوں کی بے نیازی چہروں سے ٹپکتی۔ ساتھ ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جوش کا یہ حال تھا کہ معاصی اور منکرات کے دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے تھے۔ ہر فرد ہمیشہ مسلح رہتا اور جب کبھی کسی فعل منکر کو دیکھتا تو **فلیغیرہ بیدہ** پر عمل کر کے روک دیتا۔ **ھم فی اللیل رھبان و بالنھار فرسان** اس پر صبر و ثبات کا یہ حال تھا کہ ملامتیں سنتے۔ گالیاں کھاتے، فاقے کرتے، زخمی ہوتے مگر اپنے کام سے باز نہ آتے۔ اور کہتے کہ گالیوں میں ہمیں وہ مزہ ملتا ہے کہ جو تم کو دعاؤں میں بھی نہیں ملتا۔

اجد الملامۃ فی ھواک لذیذۃ حبا لذکرک فلیلمنی اللوم

ان کی جماعت کے ایک شخص کو سات مرتبہ جلا وطن کیا گیا اور ہر مرتبہ یہی کہتا رہا کہ ایک بار اور کر دیکھو جس ایمان کو جلا وطنی کا خوف متزلزل کر دے، اس سے برہمن کی بت پرستی ہزار درجہ بہتر ہے۔

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز؟ اے رو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

صبح و شام سب ایک جگہ جمع ہو کر بیٹھتے اور شیخ علائی قرآن حکیم کی تفسیر بیان کرتے۔ دل کے عشق اور باطن کے سوز و گداز نے ان کے بیان میں کچھ ایسی تاثیر پیدا کر دی تھی کہ زبان سے الفاظ تیر و نشتر بن کر نکلتے اور سننے والے دل تھام کر رہ جاتے۔ کیسا ہی سیاہ باطن اور سنگدل شخص کیوں نہ ہوتا۔ لیکن ان کی زبان سے ایک آیت قرآنی کا وعظ سن کر ایسا از خود رفتہ ہو جاتا کہ وہیں کھڑے کھڑے اپنا تمام گھر بار لٹا دیتا۔ ملا بدایونی ایک موقعہ پر لکھتے ہیں کہ شیخ نیازی کی صحبت اختیار کرتے ہی فہم و تدبر قرآن کی ایک نئی راہ ان پر کھل گئی تھی۔ ''معانی قرآن و نکات و دقائق و حقائق آن بآسانی براو کشوف گشت''۔ اور یہ بالکل سچ ہے کہ اب تک قرآن جس قدر پڑھتے پڑھاتے رہے تھے۔ بیضاوی و بغوی کی ورق گردانی تھی اور محض نقالی اور ورق گردانی سے قرآن کی حقیقت کب کھل سکتی ہے۔ اس کے لئے تو جبریل عشق کے فیضان اور دلِ دردمند کے الہام کی ضرورت ہے۔ شیخ نیازی نے اسی بند دروازے کو کھول دیا۔

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں　　دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں!

مختصر یہ کہ جن پاک ہستیوں کی نسبت خدا نے فرمایا ہے اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ. (54:5)اور اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (29:48) یہ گروہ ان کے اخلاق وخصائل کی ہو بہو تصویر تھا۔

تاریخ کا المیہ: حضرت شیخ احمد سرہندیؒ پر بعض مصاحبین کی نکتہ چینی: افکار محمد علیؒ کی ایک جلد میں ایک مضمون میں مجددین اور اولیاء کرام سے علماء سوء اور مفتیان دہر کا جو ناروا سلوک رہا ہے اس میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے بارہ میں توزک جہاں گیری کا حوالہ مذکور ہوا۔ تاہم متعلقہ اقتباس سہو کتابت کے نذر ہو گیا۔ معذرت کے ساتھ وہ درج ذیل ہے۔ یہ اقتباس توزک جہاں گیری (اردو ترجمہ) حصہ دوم۔ صفحہ 118-119 سے ماخوذ ہے۔ جسے مجلس ترقی وادب، 2 کلب روڈ، لاہور نے شائع کیا ہے (مرتب)

''ان ہی دنوں مجھ (جہاں گیر) سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد نامی ایک مکّار سرہند میں مکروفریب کا جال بچھا کر کئی نادان اور بے سمجھ لوگوں کو اپنے فریب میں پھانسے ہوئے ہے۔ ہر شہر اور ہر علاقے میں اُس نے اپنے مریدوں میں سے ایک ایک کو، جو معرفت کی دکانداری، معرفت فروشی اور لوگوں کو فریب دینے میں پوری مہارت رکھتے ہیں، خلیفہ کے نام سے مقرر کیا ہے۔ مذخرفات اور واہیات قسم کے خطوط اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام لکھ کر ''مکتوبات'' ☆ کے نام سے ایک مجموعہ جمع کیا ہے۔ اس

☆ مکتوبات امام ربانی......حضرت شیخ مجدد کی زندگی ہی میں مرتب ہو گئے تھے۔ ان کی تین جلدیں ہیں۔ دفتر اول کا نام درالمعرفت ہے، یہ دفتر 313 خطوط پر مشتمل ہے، اسے خواجہ یار محمد بخشی نے آپ کے قید ہونے سے تین سال پہلے 1616 ترتیب دیا تھا۔ یہ مجموعہ سب سے زیادہ مفصل ہے۔

آپ کے مکاتیب کے دوسرے دفتر کا نام نور الخلائق ہے۔ یہ 99 خطوط کا مجموعہ ہے جو آپ کے قید ہونے سے کچھ پہلے خواجہ عبدالحیی نے خواجہ محمد معصوم کے ایما پر جمع کیا تھا۔ آپ کے مکاتیب کے تیسرے دفتر کا نام معرفت الحقائق ہے۔ جس میں آپ کے 124 خطوط ہیں۔ اس کے مرتب خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری ہیں۔ یہ دفتر آپ کی وفات سے تین سال پہلے مرتب ہوا۔

نے اس مجموعے میں اکثر ایسی فضول اور بیہودہ باتیں لکھی ہیں جو کفر اور زندیقیت تک پہنچتی ہیں۔ ازآنجملہ اُس نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے، میرا گزر مقام ذی النورین میں ہوا، جو نہایت عالی شان اور پاکیزہ تھا۔ وہاں سے گزر کر میں مقام فاروق میں پہنچا اور مقام فاروق سے مقام صدیق میں آیا۔ اُس نے ہر مقام کی۔

تعریف اُس کے مناسب حال لکھتی ہے۔ پھر اُس نے لکھا ہے کہ وہ وہاں سے مقام محبوبیت میں پہنچا جو نہایت منور اور رنگین تھا۔ اس مقام پر میں نے اپنے اندر مختلف انوار اور الوان کو منعکس پایا۔ استغفر اللہ، بزعمِ خویش وہ خلفاء کے رتبے سے بھی آگے بڑھ گیا اور اُن سے بھی زیادہ عالی مرتبے پر فائز ہوگیا۔ اس کے علاوہ اُس نے اور بھی گستاخانہ باتیں لکھی ہیں جن کا تذکرہ طوالت کا باعث ہے اور ادب کے خلاف ہے۔ اس بنا پر میں نے (جہاں گیر) حکم دیا کہ اسے ہماری بارگاہ عدالت آئین میں حاضر کیا جائے۔ حسب الحکم وہ حاضر کیا گیا۔ میں نے اُس سے جو بھی پوچھا وہ اس کا معقول جواب نہ دے سکا۔ بے وقوف اور کم عقل ہونے کے ساتھ نہایت مغرور اور خود پسند معلوم ہوا۔ میں نے اس کی اصلاح کے لئے یہی مناسب سمجھا کہ اسے چند دن قید رکھا جائے۔ تاکہ اس کے دماغ کی شوریدگی اور اس کے دماغ کی آشفتگی دور ہو، اور عوام میں اس کے مذخرفات کی وجہ سے جو شورش پھیل رہی ہے، وہ رک جائے۔ چنانچہ میں نے اسے انی رائے سنگھ دلن کے حوالے کیا کہ وہ اسے قلعہ گوالیار میں قید کردے۔

قرآن مجید میں زجر اور توبیخ: (15 اپریل 1937ء) ممکن ہے بعض طبیعین یہاں ایک خدشہ محسوس کریں۔ اگر فی الحقیقت قرآن کریم کی تمام تعلیم کا اصل اصول رحمت ہی ہے۔ تو پھر اس نے اپنے مخالفوں کی نسبت زجر و توبیخ کا سخت پیرایہ کیوں اختیار کیا۔ اس کا مفصل جواب تو اپنے محل میں آئے گا۔ لیکنی تکمیل بحث کے لئے ضروری ہے کہ یہاں مختصراً اشارہ کردیا جائے۔ بلاشبہ قرآن میں ایسے مقامات موجود ہیں، جہاں اس نے مخالفین کے لئے شدۃ وغلظت کا اظہار کیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کن مخالفین کے لئے۔ ان مخالفین کے لئے جن کی مخالفت محض اختلاف فکر و اعتقاد کی مخالفت تھی۔ یعنی مخالفت جو معاندانہ اور جارحانہ نوعیت نہیں رکھتی تھی۔ ہمیں اس سے قطعاً انکار ہے۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ تمام قرآن شریف میں شدۃ وغلظت کا ایک لفظ بھی نہیں مل سکتا جو اس طرح کے مخالفین کے

لئے استعمال کیا گیا ہو۔ اس نے جہاں کہیں مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے سختی کا اظہار کیا ہے، اس کا تمام تر تعلق ان مخالفین سے ہے جن کی مخالفت بغض وعناد اور ظلم وشرارت کی جارحانہ معاندت تھی اور ظاہر ہے کہ اصلاح وہدایت کی کوئی تعلیم بھی اس صورت حال سے گریز نہیں کر سکتی۔ اگر ایسے مخالفین کے ساتھ بھی نرمی اور شفقت ملحوظ رکھی جائے تو بلا شبہ یہ رحمت کا سلوک ہوگا۔ مگر انسانیت کے لئے نہیں ہوگا۔ ظلم اور شرارت کے لئے ہوگا اور یقیناً سچی رحمت کا معیار یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ ظلم اور فساد کی پرورش کرے۔ ابھی چند صفحوں کے بعد تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن نے صفات الٰہی میں رحمت کے ساتھ عدالت کو بھی جگہ دی ہے۔ اور سورہ الفاتحہ میں رحمت کے بعد عدالت ہی کی صفت جلوہ گر ہوئی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ رحمت سے عدالت کو الگ نہیں کرتا۔ بلکہ اسے رحمت کا مقتضی قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم انسانیت کے ساتھ رحم ومحبت کا برتاؤ نہیں کر سکتے اگر ظلم وشرارت کے لئے تم میں سختی نہیں ہے۔ انجیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ بھی اپنے مخالفوں کو سانپ کے بچو اور ڈاکوؤں کا مجمع کہنے پر مجبور ہوئے۔

قرآن نے کفر کا لفظ انکار کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اور انکار دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ انکار محض ہو، ایک یہ کہ جارحانہ ہو۔ انکار محض سے مقصود یہ ہے کہ ایک شخص تمہاری تعلیم قبول نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ یا اس لئے کہ اس میں طلب صادق نہیں ہے یا اس لئے کہ جو راہ وہ چل رہا ہے۔ اسی پر قانع ہے۔ بہر حال کوئی وجہ ہو۔ لیکن وہ تم سے متفق نہیں ہے۔ جارحانہ انکار سے مقصود وہ حالت ہے جو صرف اتنے ہی پر قناعت نہیں کرتی۔ بلکہ اس میں تمہارے خلاف ایک طرح کی کد اور ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر یہ ضد بڑھتے بڑھتے بغض وعناد اور ظلم وشرارت کی سخت سے سخت صورتیں اختیار کر لیتی ہے۔ اس طرح کا مخالف صرف یہی نہیں کرتا کہ تم سے اختلاف رکھتا ہے بلکہ اس کے اندر تمہارے لئے بغض وعناد کا ایک غیر محدود جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی زندگی اور زندگی کی ساری قوتوں کے ساتھ تمہاری بربادی وہلاکت کے درپے ہو جائے گا۔ تم کتنی ہی اچھی بات کہو۔ وہ تمہیں جھٹلائے گا۔ تم کتنا ہی اچھا سلوک کرو۔ وہ تمہیں اذیت پہنچائے گا۔ تم اگر کہو کہ روشنی تاریکی سے بہتر ہے۔ تو وہ کہے گا کہ تاریکی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ تم اگر کہو کہ کڑواہٹ سے مٹھاس اچھی ہے۔ تو وہ کہے گا۔ نہیں۔ کڑواہٹ ہی دنیا کی سب سے بڑی لذت ہے۔ یہی حالت، جسے قرآن انسانی فکر وبصیرت

کے تعطل سے تعبیر کرتا ہے اور اسی نوع کے مخالفین ہیں، جن کے لئے اس کے تمام زواجر وقوارغ ظہور میں آتے ہیں۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّايَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ. (179:7) مفسرین اسی دوسری حالت کو کفر جحود سے تعبیر کرتے ہیں۔ دنیا میں جب کبھی سچائی کی دعوت ظاہر ہوئی ہے تو کچھ لوگوں نے اسے قبول کر لیا ہے۔ کچھ نے انکار کیا ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے اس کے خلاف طغیان وجحود اور ظلم اور شرارت کی جتھہ بندی کر لی ہے۔ قرآن کا جب ظہور ہوا۔ تو اس نے بھی یہ تینوں جماعتیں اپنے سامنے پائیں۔ اس نے پہلی جماعت کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا۔ دوسرے کو دعوت وتذکیر کا مخاطب بنایا۔ مگر تیسرے کے ظلم وطغیان پر حسب حالت وضرورت زجر وتوبیخ کی۔ اگر ایسے گروہ کے لئے بھی اس کے لب ولہجہ کی سختی رحمت کے خلاف ہے تو بلا شبہ اس معنی میں قرآن رحمت کا معترف نہیں اور یقیناً اس ترازو سے اس کی رحمت نہیں تولی جا سکتی۔ تم بار بار سن چکے ہو کہ وہ دین حق کے معنوی قوانین کو کائنات فطرت کے عام قوانین سے الگ نہیں قرار دیتا۔ بلکہ انہیں کا ایک گوشہ قرار دیتا ہے۔ فطرت کائنات کا اپنے فعل وظہور کے ہر گوشہ میں کیا حال ہے۔ یہ حال ہے کہ وہ اگرچہ سرتا سر رحمت ہے لیکن رحمت کے ساتھ عدالت اور بخشش کے ساتھ جزا وسزا کا قانون بھی رکھتی ہے۔ پس قرآن کہتا ہے میں فطرت سے زیادہ کچھ نہیں دے سکتا۔ تمہاری جس مزعومہ رحمت سے فطرت کا خزانہ خالی ہے۔ یقیناً تمہیں میرے آستین ودامن میں نہیں مل سکتی'' (مولینا ابوالکلام آزاد ترجمان القرآن صفحہ 92)

اس تحریر کو سامنے رکھو تو حضرت مسیح موعود پر سے توہین علماء کا الزام رفع ہو جاتا ہے۔ اور واضح ہو جاتا ہے کہ سختی اور شرارت کا پہلو اختیار کرنے میں کیا حکمت اور مصلحت کارفرما تھی۔ امید ہے کہ متلاشیاں حق اس تحریر سے بصیرت اور عبرت حاصل کریں گے۔ مگر معاندین کو سوائے بغض وعناد کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اس تحریر کا منشاء ہے۔ خاکسار شیخ غلام حسین سیالکوٹ

19 اپریل 1937ء

حضرت امیر کے قلم سے

قوم کے استحکام وترقی کے وسائل

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد آٹھ کروڑ ہے۔لیکن نظام نہ ہونے کی وجہ سے ان میں عملی قوت مفقود ہے۔اگر ہم میں بھی نظام نہ ہوگا یا ہم اپنے نظام کی پروا نہ کریں گے تو ہماری حالت بھی باقی مسلمانوں سے مختلف نہ رہے گی۔پس نظام جماعت ایسا مضبوط ہونا چاہیئے کہ جماعت کا ہر فرد ان تمام احکام کا پابند ہو جو مرکز سے نکلیں۔اور جو ان کا پابند نہیں ہوگا وہ جماعت کا فرد کہلانے کا مستحق نہیں۔

رسولؐ اللہ کا ارشاد: اگلے دن آپ نے جلسہ میں ایک حدیث سنی ہوگی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سے جو شخص مرجائے اور مال چھوڑے وہ اس کے ورثاء کا حق ہے۔لیکن جو شخص قرضہ اور بال بچے چھوڑے، وہ میرے پاس آجائیں۔میں ان کا ذمہ دار ہوں۔ہم نے قرآن بھی پڑھ لیا۔حدیث بھی پڑھ لی۔حضرت نبی کریمؐ کے کمال کو بھی بیان کر دیا،لیکن اگر ان پر عمل نہ کیا تو ہم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

قوم کے بچوں کی خبر گیری: جو لوگ جماعت کے اندر شامل ہیں۔ان کے بچوں کی خبر گیری جماعت کے ذمہ ہے۔نہ صرف مذہبی رنگ میں کہ ان کا اسلام سے کیا تعلق ہے۔وہ نماز روزہ اور تعلیمات سلسلہ سے واقف ہیں یا نہیں۔بلکہ دوسرے امور یعنی دنیوی رنگ میں بھی قوم کو ان کی خبر گیری کی ذمہ داری لینی چاہیئے۔ساری قوم کے بچے فرد واحد کے بچوں کی طرح سمجھے جائیں۔بظاہر یہ بات مشکل نظر آئے گی۔لیکن در حقیقت یہ کوئی مشکل بات نہیں۔اب دنیا رفتہ رفتہ اس نظریہ کو تسلیم کر رہی ہے۔جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ جماعت کا ممبر ہے۔اس کی خبر گیری پیدائش کے وقت ہی سے ہونی چاہیئے۔خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔جس طرح لڑکے جماعت کے ممبر ہیں،اسی طرح لڑکیاں بھی جماعت کی ممبر ہیں۔ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ قوم کے کسی لڑکے کی عمر کھیل کود میں ضائع نہ ہو۔ایسا ہو کہ غربت و ناداری کی وجہ سے اس کے والدین اس کی تعلیم وتربیت نہ کر سکیں۔میں یہ نہیں کہتا کہ قوم کے ہر لڑکے کو بی اے اور ایم اے ہی بناؤ۔آج کل تو

گر بیچوا یٹوں سے لوہار اور ترکھان اپنے آپ اور اپنے خاندان کے لئے مفید ثابت ہو رہے ہیں۔لیکن ہر ایک نوجوان کو کمانے کے قابل بننا چاہئیے۔خواہ وہ کچھ کرے۔جلد سازی کرے یا کتاب فروشی، لوہار کا کام کرے یا ترکھان کا، غرض یہ ہے کہ وہ قوم کا کار آمد رکن ہو۔میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے ہماری اپنے بچوں کے متعلق انفرادی ذمہ داریاں باقی نہیں رہیں گی۔نہیں۔وہ بدستور موجود ہیں اور موجود رہیں گی۔بلکہ تمام دوستوں کو انہیں پہلے سے بھی زیادہ محسوس کرنا چاہئیے۔ہر شخص کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور اپنے بال بچوں اور دیگر متعلقین کا کفیل ہونے کی کوشش کرنی چاہئیے۔جماعت کی امداد پر نظر رکھنا کوئی خوبی کی بات نہیں۔لیکن جو گردشِ ایام یا مصیبت کی وجہ سے امداد کا مستحق ہے۔جماعت کو اس کی امداد ضرور کرنی چاہئیے۔

اپنے پاؤں کھڑا ہونے کی کوشش کرو: حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا ہے **الیدالعلیا خیر من الیدالسفلٰی** نیچے رہنے والے ہاتھ کی نسبت اوپر رہنے والا ہاتھ اچھا ہے۔یعنی کسی سے کچھ لینے اور مانگنے کی نسبت کسی کو کچھ دینا بہتر ہے۔مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو خود کچھ نہیں کرتا بلکہ دوسروں کی کمائیوں پر نظر رکھتا ہے۔اور اس کا وجود جماعت کے لئے بہت نقصان رساں ہے۔مدینہ کی ہجرت کے بعد نبی کریمؐ نے مہاجرین کا انصار کے ساتھ بھائی چارہ قائم کر دیا۔ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنایا گیا تو انصاری نے اس مہاجر سے کہا کہ میرے پاس یہ مکان ہے۔یہ اسباب ہے اور اس قدر زمین ہے۔آؤ ان کو آپس میں تقسیم کر لیں۔مہاجر نے جواب میں کہا کہ تمہارا مکان اسباب اور زمین تمہیں مبارک رہے۔مجھے تو بازار کا راستہ بتاؤ۔تا کہ میں کوئی کام کر کے اپنے لئے روٹی کما لوں۔ہم سے ہر ایک فرد کو کوشش کرنی چاہئیے کہ وہ کچھ کمائے۔ہر شخص کچھ نہ کچھ کما سکتا ہے۔سوائے ان لوگوں کے جو اللہ کی مصلحت کے ماتحت معذور ہیں۔آج تو دنیا اندھوں لوگوں اور لنگڑوں سے بھی کام لے رہی ہے۔اور انہیں سوسائٹی کا کار آمد عنصر بنا رہی ہے۔ہاں! بعض وقت مصائب آ جاتی ہیں۔ایک شخص بیمار ہے یا اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔چوری، زلزلہ یا آتشزدگی کی وجہ سے نقصان ہو گیا ہے۔اس وقت مصیبت زدہ افراد کی ضرور مدد کرنی چاہئیے۔اور اس حالت میں امداد لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے حضرت نبی کریمؐ کے بہت سے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ان میں سے ایک

یہ بھی ہے کہ حضور کے پاس جب کوئی مصیبت زدہ آ جاتا تھا، تو آپ امداد فرماتے تھے۔

مرکزی انجمن کے فرائض اور آئندہ پروگرام: ہماری مرکزی انجمن کا فرض ہوگا کہ وہ جماعت کے بچوں کی خبر گیری کرے اور یہ کام نظام ہی سے ہوسکتا ہے۔ مثلاً کوئی لڑکا انٹرنس پاس ہے، کوئی ایف۔ اے پاس ہے۔ ان کے متعلق سوچنا ہوگا کہ ان کو کہاں ملازم رکھا یا جاسکتا ہے۔ یا کس کام پر لگایا جاسکتا ہے۔ کوئی لوہار یا ترکھان کا کام جانتا ہے۔ اس کے متعلق سوچنا ہوگا کہ کس جگہ اس کو کام دلایا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی کام نہیں جانتا تو اس کو کوئی مفید کام سکھلانا ہوگا۔ یہ باتیں میں صرف وعظ کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ ان کو عملی صورت دینا چاہتا ہوں۔ اب کچھ عرصہ تک میں خود اور مرکز کے دیگر احباب انہی امور پر زیادہ وقت صرف کریں گے۔

میں چاہتا ہوں کہ جہاں ہماری جماعت کو عملی قوت کے لحاظ سے نگاہِ رشک سے دیکھا جاتا ہے، اسی طرح نظام کے لحاظ سے بھی نگاہِ رشک سے دیکھا جائے۔ اب ہمیں اپنی کافی توجہ اس طرف دینا چاہیئے۔ جب ایک کام شروع ہو جائے اور چل نکلے تو پھر وہ خود بخود ترقی کرتا جاتا ہے۔ البتہ شروع میں کچھ دقت ضرور ہوتی ہے۔ اس کام کو ہمیں بہت جلد شروع کر دینا چاہیئے۔

قوم کے بچوں کو اپنی سب سے بڑی دولت سمجھو۔ انسان کا بچہ دنیا کی سب سے بیش قیمت چیز ہے۔ بعض بچے غربت کی حالت میں پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں۔ لیکن اگر ان کو ترقی کا موقع ملے تو اس قدر ترقی کر جاتے ہیں کہ امراء کے لڑکے ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ میں خود ایک زمیندار کا لڑکا ہوں۔ گو میں کوئی بڑا آدمی تو بن نہیں سکا۔ لیکن جو کچھ بنا محنت سے بنا۔ غریبی کی حالت میں محنت ومشقت سے پڑھا۔ محنت اور جدوجہد ہی ایک ایسی چیز ہے جو نوجوانوں کی ترقی کا باعث ہوسکتی ہے۔ امراء کے لڑکے بالعموم اپنی دولت کی وجہ سے ترقی نہیں کر سکتے اور خراب ہو جاتے ہیں۔ پیروں کی اولاد، جن کو صاحبزادے کہا جاتا ہے، ان کو دیکھ لو اس قدر نکمے ہو جاتے ہیں کہ کسی کام کے قابل نہیں رہتے۔ وجہ یہ ہے کہ جو شخص آتا ہے ان کے ہاتھ چومتا ہے کوئی کام کرنا وہ اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ان میں رعونت وبڑائی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ جو ان کو نکما اور برباد کر دیتا ہے۔ ہماری جماعت کے امراء کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کو اس قدر ناز ونعمت میں نہ رکھیں کہ ان کے کیریکٹر پر اس کا اثر

پڑے۔ اوران میں سے ترقی کرنے کی قابلیت جاتی رہے۔ مہذب ملکوں میں اس بات کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ امریکہ کے صدر کا لڑکا اخبار یں فروخت کر کے اپنی تعلیم کے اخراجات پورا کرتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ان لڑکوں کے دل میں بچپن ہی سے یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو خود آگے کرنا ہے۔ اور اپنا بوجھ آپ اٹھانا ہے۔ جب دل میں یہ بات بیٹھ جائے تو تمام اندرونی طاقتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔

جماعت کی تعمیر: جماعت کی حالت اس طرح بنتی ہے کہ امراء کا مال غرباء پر صرف ہو اور ان کو کسی قابل بنائے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ بفرض محال دنیا یہ طے کر لے کہ آئندہ کسی آدمی کو بھی ہماری جماعت میں شامل نہیں ہونے دینا (گو یہ بالکل ناممکن ہے) تو تم یہ عزم کر لو کہ جماعت کے غرباء اولاد پیدا کر کے اور امراء ان کی تعلیم و تربیت پر اپنا مال صرف کر کے جماعت کو بڑھائیں گے اور ہم اسی طرح دنیا میں ترقی کریں گے اور پھیلیں گے۔

ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کی ہمت اس قدر بلند ہو کہ وہ ارادہ کر لے کہ میں خود ترقی کروں گا اور کسی سے امداد نہیں لوں گا۔ بلکہ دوسروں کو امداد دوں گا۔ لیکن قوم میں یہ جذبہ ہو کہ وہ اپنے ہر ایک مصیبت زدہ ضرورت مند اور نادار افراد کی امداد سے دریغ نہ کرے۔

ہمیں سب سے زیادہ جماعت کے بچوں کی فکر کرنی چاہیئے۔ ان کے لئے مال جمع کرنے کی بجائے ان کی تعلیم و تربیت پر خرچ کرنا چاہیئے۔ امراء کو اس بات کا سب سے زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ امیروں کے بچے زیادہ تر دولت ہی سے خراب ہوتے ہیں۔ بچوں کو کام کے قابل بنانا چاہیئے۔ جس طرح تم نے مال پیدا کر لیا ہے وہ بھی پیدا کر لیں گے۔ تم ان کے لئے مال جمع کرنے کی فکر نہ کرو۔ بلکہ یہ فکر کرو کہ یہ مال کس طرح کمائیں۔ جن لوگوں کو بغیر محنت کے مال مل جاتا ہے، وہ اکثر بربادی کرتے ہیں۔ اچھا کیریکٹر اور اچھی تعلیم تمہارے بچوں کے لئے دولت سے زیادہ مفید ہو گی۔ جہاں تک خدا اور رسولؐ کے حکم کا تعلق ہے، اپنے مال کو سنبھال سنبھال کر رکھنا غلطی ہے۔ اس لیئے ان دونوں باتوں کو پھر واضح کر دینا چاہتا ہوں۔

1۔ جو جماعت کے کاموں میں عملی حصہ نہیں لیتا۔ وہ جماعت کے اندر شامل نہیں۔

2۔اپنی جماعت کے بچوں کی خبر لو۔ان کی تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ انتظام کرو۔اگر جماعت میں سے کوئی غریب آدمی مر جائے تو جماعت اس کے بچوں کی کفیل و نگران ہو۔وہ بچے اپنے آپ کو یتیم ولاوارث نہ محسوس کریں۔اس کے علاوہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت کو خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے۔کسی کی امداد پر بھروسہ نہیں رکھنا چاہیئے۔یہ احرار کا چھوٹا سا ہنگامہ ہوا اور بہت سے مداح ڈر کے مارے پیچھے ہٹ گئے۔انہوں نے اشاعت اسلام کے کام کی امداد سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔دراصل دوست وہی ہے جو مصیبت کے وقت کام آئے۔لیکن میری اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ ہماری خیرات جماعت کے اندر محدود رہے گی۔اسلام کی خیرات تو اس قدر وسیع ہے کہ عیسائی یہودی تک اس کے اندر آجاتے ہیں۔لیکن ان کی سب سے زیادہ مستحق خود ہماری جماعت ہوگی۔تم اپنی جماعت کو اس قدر منظّم اور مضبوط بنالو کہ وہ ایک فرد واحد کے حکم میں ہو جائے۔

آخر میں آپ سب کو ایک ضروری نصیحت کرتا ہوں کہ جن دوستوں کی آپس میں کچھ کشیدگی ہے۔وہ اسے دور کریں۔ہمارے دلوں میں اپنے بھائیوں کے متعلق رنج و کینہ وغیرہ ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔

قادیانیوں کے رکیک حملے:(27اپریل 1937ء)

قادیانی احباب نے جب دیکھا کہ میاں محمود صاحب چیلنج مناظرہ سے کچھ سراسیمہ سے ہو گئے ہیں اور اس کا اثر لوگوں پر بُرا پڑے گا تو نہ صرف خود میاں صاحب نے اپنے مریدوں کی توجہ دوسری طرف منعطف کرانے کے لئے حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور نفرت بڑھانے کی طرف توجہ فرمائی۔بلکہ ان کی اتباع میں آپ کے ''دست نگروں'' اور کاسہ لیسوں نے بھی اسی میں خیریت سمجھی کہ ان کی ہمنوائی میں حضرت امیر ایدہ اللہ بنصرہٖ کی ذات پر سوقیانہ حملے کریں۔تاکہ پیر کی خوشنودی کی سند بھی ملے اور یہ بنا بنایا کھیل بھی نہ بگڑے!

الفضل نے 21 اور 22 اپریل کی اشاعتوں میں جماعت احمدیہ لاہور کے واجب الاحترام امیر ایدہ اللہ کے متعلق کذب بیانی اور رکیک حملوں میں بھی روائتی غلو کی داد دی ہے۔ہر دو اشاعتوں کو پڑھ جایئے۔مضمون نویس کا مقصد سوائے دو باتوں کے پیش کرنے کے اور کچھ نہیں اور باقی تمام مضمون عبارت آرائی، استہزاء اور تمسخر سے پُر ہے۔21 اپریل کے الفضل میں تو صرف یہ اعتراض کیا ہے کہ

اخبار پیغام صلح لاہور نے امیر جماعت کی بجائے امیر المومنین کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے۔ سنیئے یہ معاملہ بہت ہی آسان ہے۔ ''امیر جماعت''، امیر جماعت احمدیہ اور امیر المومنین کے الفاظ ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہماری جماعت کے افراد مومن ہیں۔ اور المومنین سے ہماری مراد کل دنیا کے مومن نہیں۔ تو اگر ہم یہ کہہ دیں کہ ہمارے امیر امیر المومنین ہیں تو اس میں غلو کیا ہے؟! مطلب اس کا بھی وہی ہے کہ ہماری جماعت یا قوم کے، جو مومنین کا ایک گروہ ہے، امیر ہیں۔

رہ گیا وہ نتیجہ جو آپ نکالا ہے۔ تو اس میں آپ کو اپنے ہی عقیدہ تکفیر کی جھلک نظر آ رہی ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ آپ اپنے کلیہ اور نتیجہ پر غور کر کے پہلے ان میں تطابق پیدا کرتے۔ ایڈیٹر صاحب نے لکھا ہے:

''یہ بھی تو فرمائیے۔ اب پیغام بلڈنگس سے کدھر رُخ کرنے کا ارادہ ہے۔ جبکہ وہاں آپ کو ''امیر المومنین'' بنا کر تمام کلمہ گوؤں کی تکفیر ہونے لگی ہے۔''

''الفضل کے ایڈیٹر صاحب کو ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ کی ضرب المثل مبارک ہو۔ کیا ہی عمدہ بات سوجھی ہے کہ چونکہ جماعت احمدیہ لاہور نے امیر المومنین کا لفظ استعمال کر لیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ جو امیر المومنین کو نہ مانے وہ کافر؟ غالباً اسی قوت فہم وادراک کا کرشمہ ہے کہ قادیانی غیر احمدیوں کو کافر قرار دے رہے ہیں۔ جناب کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ جو کسی کو امیر المومنین نہ مانے وہ معاً کافر ہو جاتا ہے۔ ہم تو کم از کم ایسا نہیں سمجھتے۔ یہ تو قیاس مع الفارق ہے۔ اگر ایک جماعت ایک شخص کو امیر تسلیم کر لے تو اس کا یہ منشاء نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا کہ بقیہ ماندہ مسلمان کافر ہو گئے۔ چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے حضرت علیؓ کو امیر المومنین تسلیم کر لیا اور ایک گروہ نے، جس میں حضرت معاویہ جیسے جلیل القدر صحابی تھے، انکار کر دیا اور اس بناء پر آپ بھی انہیں کافر نہیں کہتے۔ اور یہ تو بعد کی بات ہے، خود حضرت فاطمہؓ نے تادم وصال حضرت صدیقؓ کو امیر المومنین تسلیم نہ کیا اور کافر نہ ہوئیں اور بعد کی تاریخ کا تو ہر ورق اس کا شاہد ہے۔ کبھی بھی تمام کے تمام مسلمان ایک شخص کے امیر المومنین ہونے پر متفق نہیں ہوئے۔ کیا وہ کافر تھے؟ اس لئے ہم اپنی جگہ پر بدستور قائم ہیں۔ صرف موسم کے تغیر کی وجہ سے آپ ہی بدل رہے ہیں۔ اس ضمن میں ایک سوال ہے کہ ہم بھی میاں صاحب کو امیر

المومنین نہیں سمجھتے۔ کیا آپ ہمیں بھی کافر ہی سمجھتے ہیں؟!

اب تو سمجھ آ گئی ہوگی۔ جماعت احمدیہ لاہور کے مسلک کو اگر مجموعہ تضاد سمجھنے والے ہیں تو وہ آپ کی قماش کے ہیں۔ جنہوں نے ضد و تعصب کی پٹی عقل و خرد کی آنکھوں پر باندھ رکھی ہے۔ اور ہم تو آج بھی بدستور یہی کہتے ہیں کہ ''ہماری قادیانیوں سے علیحدگی اختیار کرنے کی وجہ صرف ایک تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ قادیان میں کلمہ گوؤں کی تکفیر ہونے لگی تھی۔'' یہ تھی آپ کی ایک مزعومہ الجھن۔ جو زیادہ سے زیادہ پیچیدگی اختیار کرتی جا رہی تھی۔ جس کی طرف سے آپ کو انشاء اللہ اب بار بار توجہ دلانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اب لیجئے الفضل 22 اپریل کے افتتاحیہ کو۔ یہاں بھی سوائے گالیوں کی مشق کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اعتراض یہ ہے کہ پیغام صلح میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کے لئے اعلیٰ حضرت، آنحضور اور آنحضرت کے لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ''پیغام صلح'' اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ آنحضرت کا لفظ جب بطورِ واحد غائب کے استعمال کیا جائے اور کوئی خاص شخص اس کا مخاطب نہ ہو۔ تو اس سے مراد نبی کریمؐ ہی ہوتے ہیں۔ اور ہم اس لفظ کا استعمال نبی کریمؐ کے سوا کسی اور کے لئے جائز روا نہیں رکھتے۔ ہم نے اپنی طرف سے کبھی ایسے الفاظ استعمال نہیں کئے۔ واقعہ کیا ہے۔ سیالکوٹ کے ایک دوست نے سلسلہ کے متعلق تحقیق کی غرض سے ہر دو جماعت کے خیالات کو ایک بحث میں سنا۔ جس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد حضرت مسیح موعود کے عقائد کے مطابق ہیں اور قادیانی غلطی خوردہ ہیں۔ اس پر انہوں نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی خدمت عالیہ میں بیعت کا خط لکھا۔ جس میں یہ الفاظ استعمال کئے۔ جن پر الفضل نے کامہ فرسائی کی ہے۔ ان کے الفاظ اس طرح پر ہیں۔

1۔ ''بخدمت اقدس اعلیٰ حضرت سیدنا حضرت امیر''

2۔ ''حتی الامکان میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی تصانیف بھی اس عرصہ میں مطالعہ کرتا رہا ہوں بلکہ آنحضرت اور میاں محمود احمد صاحب کے عقائد میں زمین و آسمان کا فرق دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا''

3۔ ''میں آج سے آنحضور کے دست مبارک پر حضرت مسیح موعود کے دعاوی پر یقین رکھتے

ہوئے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوتا ہوں۔''

یہ تینوں فقرے مختلف مقامات سے لئے گئے ہیں۔اس کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کا خط ہے جو جماعت میں شامل ہی اس خط کے ذریعہ ہو رہا ہے۔اس لئے اس سے اگر کوئی غلطی ہو بھی جائے تو اس قابل نہیں کہ اس کی آڑ میں ایک ہی انسان کو کوسا جائے۔شائد یہ اسی غلو کی مماثلت کی وجہ سے ہے جو قادیانیوں کو عیسائیوں سے حاصل ہے۔وہ بھی ان کی طرح مانتے ہیں کہ تمام دنیا کے گناہوں کا بوجھ یسوع کی گردن پر ہے۔مگر اس کے متعلق یہی عرض ہے۔ ع

تو مشقِ جور کر خونِ دو عالم میری گردن پر

اس صورت میں پیغام صلح کا اتنا جرم ضرور ہے کہ اس نے خط کے الفاظ بعینہٖ نقل کر دیئے۔ اب الفاظ کو لیجئے ''اعلیٰ حضرت'' کے الفاظ پر اعتراض تو ہے ہی لغو۔ہم آئے دن اخبارات اور سپاسناموں میں بادشاہوں اور نوابوں کے متعلق ''اعلیٰ حضرت'' کے لفظ کو استعمال ہوتے دیکھتے ہیں۔اگر ہم نے وہی الفاظ اس انسان کے متعلق استعمال کر لئے جو ہمارے نزدیک اس دور کے تمام انسانوں سے افضل ہیں، تو کونسی قیامت آ گئی! دوسرا لفظ ہے آنحضور کا۔اس پر اعتراض بے معنی ہے۔جب کہ مخاطب موجود ہے۔ اور صاف طور پر انہیں مخاطب بھی کیا جاتا ہے۔تو پھر اشتباہ کا امکان ہی کہاں رہ گیا؟! رہ گیا آنخضرت کا لفظ۔تحریر سے صاف واضح ہے کہ اس سے سیدنا حضرت امیر المومنین نہیں، حضرت اقدس مسیح موعود ہیں۔مگر ہم ذاتی طور پر اس لفظ کو استعمال نہیں کرتے۔خواہ مسیح موعود یا کسی اور کے متعلق ہی کیوں نہ ہوں۔اور اسے حضرت نبی کریمؐ کے لئے مخصوص سمجھتے ہیں۔

باقی رہا یہ امر کہ ہم نے یہ لفظ استعمال کر کے اپنے آپ کو ہی لعنت کا مورد ٹھہرا لیا ہے، جو کہ جیسا اوپر واضح کیا جا چکا ہے، کہ نہیں کیا، یہ آپ کی دیدہ دلیری اور شوخ چشمی پر دال ہے۔آپ کو یہ الفاظ استعمال کرتے ہوئے شرم آنی چاہئیے۔کیا یہ آنخضرتؐ کی ہتک نہیں کہ حضرت مسیح موعود ذہنی ارتقاء میں نبی کریمؐ سے بھی آگے بڑھ گئے! یا یہ کہ محمدؐ پھر قادیان میں اتر آئے۔اور اپنی شان میں آگے سے بڑھ کر ہیں۔گویا مسیح موعود حضرت نبی کریمؐ سے شان میں بڑھ کر ہیں۔اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھو کہ یہ صریح ہتک ہے کہ نہیں۔غلو کا بدترین مظاہرہ ہے کہ نہیں۔اور یہ الفاظ الفضل کو ابدی لعنت کا مستحق

ٹھہراتے ہیں کہ نہیں!

ہم پر لعنت برسانے والو! اپنی سیاہ کاریوں پر بھی نظر دوڑاؤ۔ کیا حضرت صاحب اور حضرت اقدس کے الفاظ مسیح موعود کے لئے مخصوص نہیں؟ الفضل 20 مئی 1927ء میں یہ الفاظ میاں صاحب کے لئے استعمال نہیں کئے گئے؟ اتنا تو بتایئے کہ احمدیوں نے جو الفاظ متفقہ طور پر حضرت مسیح موعود کے لئے مخصوص کر رکھے ہیں، ان میں سے کوئی اگر ایک ایسے شخص کے لئے استعمال کر لیا جائے، جس کی حضرت مسیح موعود کے نامور احباب کی نگاہ میں بھی کوڑی کی قدر نہیں اور جس پر حضرت مسیح موعود کے صریح فتاوٰی کی نافرمانی کی وجہ سے آپ کی روح نفریں بھیجتی رہتی ہے، تو اس کے کلدہ اعزاز میں کونسا سرخاب کا پر لگ جاتا ہے!

اور اگر اس سے تسلی نہیں تو وہ سپاسنامہ پڑھ جایئے، جو لائلپور میں میاں صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا تو حقیقت کھل جائے گی۔ میاں محمود کو حضرت اقدس اور حضرت صاحب لکھا جاتا ہے۔ مگر ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی پیری مریدی کے تعلقات کو غلو کے اس بوسیدہ اور متعفن گارے سے استوار رکھیں۔ اس کے لئے بے تحاشہ وہ الفاظ استعمال کئے جا رہے ہیں کہ جن کو ہم نے اس مضمون میں پیش کر دیا ہے۔ اور جن سے ظاہر ہے کہ الفضل غلو میں اس قدر بڑھ گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود اور حضرت نبی کریمؐ کی تحقیر کا بھی ارتکاب کر چکا ہے۔ اور خلیفہ صاحب کے متعلق غلو میں اس قدر اندھا اور عقل و سمجھ سے اتنا بیگانہ ہو چکا ہے کہ احمدیوں میں جو الفاظ صرف حضرت مسیح موعود کے لئے مخصوص ہیں، ان کو میاں محمود پر چسپاں کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتا۔'' (عطائے تو بلقائے تو)

اس ضمن میں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ''پیغام صلح'' نے حضرت مسیح موعود کے متعلق تو ''حضرت صاحب'' کے الفاظ لکھے ہیں اور مولوی محمد علی کے لئے ''آنحضور'' اور ''اعلیٰ حضرت سیدنا'' لکھا ہے۔ کیا انہی بودے دلائل پر قلم اٹھائی تھی۔ الفضل 20 مئی 1927ء کا پرچہ ہی اٹھا کر دیکھ لیجئے (دراصل یہی فائل میرے ہاتھ لگا اور سب سے پہلے اسی پرچہ پر نظر گئی) اس میں اس بزرگ انسان کے لئے، جن کی نبوت کا شب و روز ڈھنڈورہ پٹیا جا رہا ہے تو صرف ''حضرت'' کا لفظ ہے، نبی کریمؐ کے لئے محض

''رسول'' کا لفظ ہے۔ اور کہنے والے کون ''خلیفہ صاحب''۔ اور خود خلیفہ صاحب کے لئے ''حضرت اقدس'' اور ''سیدنا حضرت'' کے الفاظ مندرج ہیں۔ اس برتے پر تتا پانی، کیا یہی عزت ہے جو آپ کے قلوب میں حضرت مسیح موعود اور نبی کریمؐ کے متعلق ہے۔ اور اسی پر نازاں ہو کر اعتراضات کر رہے ہو؟! پیغام صلح میں تو صرف ایک نو احمدی کا خط ہے۔ جس نے یہ خط ان تاثرات سے علیحدہ ہو کر لکھا ہے۔ مگر الفضل میں تو یہ الفاظ خود میاں صاحب اور مفتی محمد صادق صاحب کے ہیں۔ اب سر جوڑ کر رو دیئے۔

برادرمن! آپ گزشتہ دو ماہ کے پیغام صلح کے پرچے بھی دیکھئے اور الفضل کے متعلق اپنے حافظہ پر نظر دوڑایئے۔ میرے سامنے بھی آپ کی تحریرات آئیں۔ مگر میں نے بے حقیقت سمجھ کر درگزر سے کام لیا۔ شریف انسانوں کا قاعدہ خواہ مخواہ دوسروں پر حملے کرنا نہیں ہوتا۔ ہمارا مقصد دنیا میں تقوٰی اور دیانت کے جوہر سے آراستہ ہونا چاہئیے۔ اور اگر کوئی اعتراض ہو تو پھر دامن شرافت کو ہاتھ سے دینا حضرت مسیح موعود کے نام لیواؤں کا شیوہ نہیں ہونا چاہئیے۔ آپ کو اگر اس تحریر میں کچھ الفاظ ترش نظر آئیں تو وہ آپ ہی کے تحریر کردہ ہیں ہمیں تو حضرت اقدس نے جس بلند مقام پر کھڑا کیا ہے، اس سے انشاءاللہ نیچے نہیں آئیں گے۔ مگر آپ لوگوں کی حالت پر رحم ضرور آتا ہے۔

میرے خیال میں آپ ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اسی جواب کو کافی سمجھیں گے۔ باقی اگر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ خاموش رہے تو صرف اس لئے کہ نہ انہیں گالیاں دینے کی مشق ہے اور نہ ہی آپ کی گالیوں کا جواب دینے کی فرصت۔ مدیر الفضل کی متعدد تحریرات کی روشنی میں مجھے توقع نہیں کہ وہ تہذیب سے کام لیں۔ لیکن کیا الفضل کے پڑھنے والوں میں سے بھی کوئی ایسا انسان نہیں، جو اس کے برخلاف آواز اٹھائے۔ اور اس سے پوچھے کہ اسلام اور احمدیت کے نام پر کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے؟!

3 مئی 1937ء

دعوت عمل۔توسیع واستحکام جماعت کے لئے

مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ(52:3)

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔جس نے ہمیں پہلے امام زماں کی شناخت کی توفیق دی۔اسی کا نتیجہ ہے کہ آج اعلاء کلمۃ اللہ ہماری زندگیوں کا مقصد ہے۔اور کافر کہلا کر بھی ہمیں خدمت اسلام میں لذت ملتی ہے۔پھر جب اس جماعت پر ایک امتحان کا وقت آیا اور اس کا ایک بڑا حصہ حضرت مسیحؑ کے پیرووں کی مماثلت میں غلو کے گڑھے میں گر گیا، اُنہوں نے ایک نبی کو خدا بنایا، انہوں نے ایک مجدد کو نبی بنایا اور چالیس کروڑ کلمہ گووں کو کافر ٹھہرایا۔تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہی تھا جس نے پھر ہماری دستگیری فرمائی اور جس طرح تفریط سے ہمیں بچایا تھا، افراط سے بھی بچا کر ایک میانہ راہ پر ہمیں قائم رکھا۔اور آج ہمیں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمہارا فلاں عقیدہ خلاف قرآن وحدیث ہے۔بلکہ تکفیر کے لئے افراط وتفریط کے گرفتار ہم پر یہی الزام دھرتے ہیں کہ تمہارا وہ عقیدہ نہیں جو تم کہتے ہو۔پھر عمل کے لحاظ سے ہمیں سیاست کی جھوٹی دلفریبیوں سے بچایا اور خالص اپنے دین کی خدمت کے کام میں ہمیں لگائے رکھا۔ورنہ ہمارے ہی قادیانی بھائی ہیں جو سیاست کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔اور اس خیال میں ہیں کہ یہی مسیح موعود کا کام تھا۔پھر اس کا فضل تھا جس نے ہمیں اپنے نظام کی بنیاد پیری مریدی پر رکھنے سے بچایا، جس میں گرفتار ہو کر انسان عقل اور ایمان دونوں کو کھو بیٹھتا ہے۔اور ہمارے نظام کی بنیادی اینٹ حضرت مسیح موعود کا یہ واضح ارشاد ہے کہ:

> ”جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہئیے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہئیے اور وہی قطعی ہونا چاہئیے۔“

اللہ تعالیٰ کے ان افضال اور احسانات کے سامنے چاہئے تو یہ تھا کہ ہم اس کی راہ کے دیوانے ہوتے اور اپنی ان تھک کوششوں سے تبلیغ دین کے کام کی وہ مستحکم بنیاد رکھ دیتے جس پر تا قیامت عمارت بنتی چلی جاتی۔مگر ہم اس کے احسانات کا شکر ادا کرنے سے قاصر رہے۔ہم تھوڑے

ہیں۔اس کا فکر بھی تھوڑا کرو۔اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کو یاد رکھو کہ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً م بِاِذْنِ اللّٰهِ (249:2)اور حضرت مسیح موعود کی اس رؤیا کو بھی یاد رکھو کہ لاکھ سپاہی نہیں دیا جائے گا بلکہ پانچ ہزار دیا جائے گا۔ ہاں فکر اس بات کا کرو کہ ہم سست ہیں۔اور ہم میں دین کے سپاہیوں والے اوصاف نہیں۔میرے دوستو! عزیزو! عمر کا کتنا حصہ گزر چکا۔آؤ آج بھی اپنی غفلت کو دور کردو۔اور باقی ماندہ ایام، جو خدا کو ہی علم ہے کہ کس کے لئے کتنے مقدر ہیں، انہیں علاءِ کلمۃ اللہ کے لئے مخصوص کردو۔

عمر بگذشت ونماند است جز ایامے چند به که در یاد کسے صبح کنی شامے چند

اسی غرض کے لئے میں یہ دعوت عمل دیتا ہوں سب سے پہلے مجھے ہر جماعت میں جماعت کی تعداد کے لحاظ سے ایک یا زیادہ ایسے مددگار کی ضرورت ہے جو اِبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰه (207:2)ذیل کے کاموں کو سرانجام دینے کی کوشش کریں۔

اول۔ وہ جماعت کے اندر بیداری پیدا کرنے کا کام اپنے ذمے لیں۔ بیداری پیدا کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ جماعت کے کاروبار میں کافی دلچسپی نہیں لیتے ان کے پاس جائیں۔مثلاً کوئی ایسے دوست ہیں جو نماز جمعہ میں شامل نہیں ہوتے یا ہفتہ وار اجتماع میں نہیں آتے یا اگر درس کا انتظام ہے تو درس میں نہیں آتے یا اورضرورت کے موقعہ پر شامل نہیں ہوتے۔یا با قاعدہ چندہ ادا نہیں کرتے تو ایسے احباب کو خود جا کر ملیں اور انہیں ان امور کی اہمیت کی طرف توجہ دلائیں۔ان سے سستی کی وجوہات دریافت کریں اور انہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔اور جہاں خود کامیاب نہ ہوں، اس جماعت کے مبلغ یا ممبر انچارج کو یا خود مجھے اطلاع دیں۔نئی پود کی طرف بالخصوص توجہ بکار ہے۔اس لئے کہ اگر ان کی سستی یا سلسلہ سے بیگانگت کو جلد دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے گی تو ان کی عادات پختہ ہو کر ان کا دور کرنا اور بھی مشکل ہو جائے گا۔

دوم۔ جماعت کے اندر تبلیغ سلسلہ کا شوق پیدا کریں۔ میں نے ایک تحریک کی تھی کہ ہر احمدی دوست اتوار کے دن ایک یا آدھ گھنٹہ یا دس پندرہ منٹ ہی تبلیغ سلسلہ کے کام کے لئے مخصوص کرے۔خواہ ملاقات کے ذریعہ سے کسی کو مل کر جماعت کے متعلق گفتگو کرے اور خواہ خط لکھ کر یا کسی

کو کوئی ٹریکٹ یا اشتہار یا کتاب بھیج کر۔ اس امر کے اطمینان کے لئے میں چاہتا ہوں کہ پانچ پانچ دس دس آدمیوں میں ایک دوست کو مقرر کر دیا جائے۔ جو ذاتی طور پر اس بات کا اطمینان کرتا رہے کہ وہ احباب، جن کو اس کے حصہ میں دیا گیا ہے، اس کام کو باقاعدہ کر رہے ہیں۔ اس کی تکمیل بھی انہی اصحاب کے سپرد ہوگی۔

سوم۔ جماعت کے اندر ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو بیمار ہوں ان کی عیادت اور خیر گیری کی جائے۔ کوئی بھائی تکلیف میں ہو تو اس کی تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ یا اس تکلیف کو جماعت کے سامنے لایا جائے۔ کوئی بیکار ہو تو اسے کام پر لگانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے علاوہ دیگر امور کی طرف میں بعد میں وقتاً فوقتاً توجہ دلاتا رہوں گا۔ جو اصحاب ان امور کی تکمیل کے لئے اپنے نام پیش کرنا چاہیں وہ بہت جلد اطلاع دیں۔

قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت (7 مئی 1937ء)

ایسے اصحاب کے علاوہ، جن کی خدمات کا میں نے پچھلے اخبار میں مطالبہ کیا ہے، توسیع اور استحکام جماعت کے لئے تین قسم کے اور اصحاب کی ضرورت ہے۔

اول۔ پنشن یافتہ اصحاب یا وہ اصحاب جو سروس سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ ایسے اصحاب دو طرح پر جماعت کی توسیع و استحکام کے کام میں معاون ہو سکتے ہیں۔

الف۔ وہ مرکز میں یعنی لاہور میں سکونت اختیار کریں اور انجمن کے مختلف شعبوں میں سے کسی شعبے کا کام اپنے ذمہ لے لیں۔ ایسے اصحاب کا لاہور میں اقامت اختیار کر لینا نہ صرف مرکز کے مضبوط ہونے سے جماعت کے لئے مضبوطی کا موجب ہوگا بلکہ اُن کے اپنے لئے بھی کئی قسم کے فوائد کا موجب ہوگا۔ یہاں ان کے بچوں کو ہر قسم کی تعلیم کا نہایت اچھا انتظام ہو سکے گا۔ اور زندگی کی کشمکش میں فائدہ اٹھانے کے لئے بھی یہ بہترین مقام ہے۔ چونکہ اپنی ایک بستی کا بھی اب لاہور کے قریب انتظام ہو چکا ہے اس لئے رہائش کے متعلق جو مشکلات یہاں پیش آتی تھیں وہ بھی ایک حد تک دور ہو سکیں گی اور تھوڑے سے خرچ پر اپنا مکان بنایا جا سکتا ہے۔ جہاں اپنا ہی ماحول ہوگا۔

اس بارے میں میرے مخاطب صرف وہ اصحاب نہیں جو پنشن لے چکے ہیں۔ بلکہ جو اس

وقت ملازمت میں ہیں وہ بھی دور اندیشی سے کام لیں اور ابھی سے اپنی زندگی کا مقصد اشاعت اسلام کے کام کو تقویت پہنچانا قرار دے کر اس کی فکر کریں کہ ریٹائر ہونے کے بعد وہ کیا کریں گے اور کہاں رہنا خود ان کے لئے اور ان کی جماعت کے لئے سب سے زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ جو زندگی دلچسپی سے خالی ہو وہ یوں بھی انسان کے لئے ایک بوجھ بن جاتی ہے۔ اور اپنی زندگی میں دلچسپی پیدا کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں کہ خدا کے دین کی خدمت کے کام میں انسان لگ جائے۔

اس بارہ میں میں **تحدیث بالنعمة** کے طور پر یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس سال ملک شیر محمد خان صاحب نے، یہ قدم اٹھا کر کہ وہ پنشن کے بعد لاہور آ گئے ہیں، ایک قابل تقلید مثال پیش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ ادھر جنرل کونسل نے ابھی دسمبر میں یہ فیصلہ کیا کہ جنرل سیکرٹری پورے وقت کا ہو اور ادھر ملک صاحب یہاں آ موجود ہوئے۔ اور محض **اتبغاء لمرضات اللّٰہ** سکرٹری کا کام اس خوبی سے سنبھالا اور اس تندہی سے کر رہے ہیں کہ ان کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں بہت بہت برکت دے۔ چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب اور میاں محمد سعید صاحب دونوں ای۔ اے۔ سی۔ سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ اور ان دونوں احباب نے بھی لاہور میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان دونوں بزرگوں کو بھی توفیق دے کہ اپنی زندگی کو خدمت دین کے لئے وقف کر دیں۔ پندرہ بیس بھی پنشن یافتہ اصحاب یہاں جمع ہو جائیں تو استحکام جماعت کی بنیادیں نہایت مضبوط ہو جائیں گی۔

ب۔ جو احباب پنشن لینے بعد لاہور نہیں آ سکتے اور اپنے اپنے شہر یا گاؤں میں ہی اقامت اختیار کرتے ہیں۔ ان سے بھی یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ خدا کی دی ہوئی اس سب سے بڑی نعمت یعنی اپنی زندگی کو بیکار نہ گنوائیں۔ بلکہ وہ جہاں ہوں وہاں جماعت کے لئے ایک مرکز کی طرح اپنے آپ کو بنائیں۔ آرام کی زندگی کوئی زندگی نہیں۔ بلکہ زندگی وہی ہے جس میں آخر تک جدوجہد کا سلسلہ جاری رہے۔ کئی اصحاب ایسے ہیں جن کی ساری ساری عمر حکومت کی خدمت میں گزری ہے اور اس میں انہوں نے طرح طرح کی تلخیاں بھی چکھی ہوں گی، کیا وہ اب زندگی کے تھوڑے سے سال یا دن جو باقی رہ گئے

ہیں خدمت دین کے لئے وقف کر کے اپنی زندگیوں میں حقیقی راحت پیدا کرنے کی طرف توجہ نہ کریں گے؟ میں کسی دوست پر کوئی بوجھ بھی نہیں ڈالتا۔ ہاں یہ چاہتا ہوں کہ وہ کچھ نہ کچھ کام ضرور کریں اور جو کام ان کی طبیعت کے موافق ہو وہی کریں۔ میں انشاء اللہ کوشش کروں گا کہ اس میں ان کو ہر قسم کی سہولت بہم پہنچائی جائے۔

دوم۔ جو لوگ اپنا کوئی کاروبار کرتے ہوں، خواہ وہ تجارت ہو یا نج کی ملازمت ہو یا سرکاری ملازمت ہو وہ اپنے وقت کا کوئی حصہ آنریری طور پر تبلیغ کے لئے پیش کریں۔ اپنے روزمرہ کے فرائض میں سے کوئی وقت نکال لیں۔ یا ہفتہ میں ایک دن یا دن کا کوئی حصہ نکال لیں۔ یا رخصت لے کر کسی قدر لمبے عرصے کے لئے مثلاً ایک یا دو یا تین ماہ کے لئے اپنی خدمات وقف کریں۔ حضرت مسیح موعود کی جماعت کا ہر فرد ابتداء میں ایک آنریری مبلغ تھا۔ اور اپنے نمونہ سے اور اپنی کوشش سے ایک ایک آدمی نے ایک ایک جماعت پیدا کر لی۔ اگر آج بھی وہی تڑپ دل میں ہو اور وہی کوشش ہو تو کام بھی بہت زیادہ ہو سکتا ہے اور جماعتی اخراجات بھی نہیں بڑھتے۔ مگر چونکہ یہ سارا کام ایک نظام کے ماتحت ہو کر ہی برکت کا موجب ہو سکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ایسے اصحاب جو آنریری طور پر کچھ تبلیغ کا کام کر سکتے ہوں اپنے نام بھی پیش کریں۔ تا کہ ان کے حالات کے مطابق جہاں مناسب ہو ان سے کام لیا جائے۔ بعض حالات میں ایسے آنریری مبلغین کو جب کہیں ادھر ادھر بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہو تو سفر خرچ بھی دیا جا سکتا ہے۔

سوم۔ اسی ذیل میں میں تیسری اپیل بیکار نوجوانوں سے کرنا چاہتا ہوں۔ کئی ہمارے نوجوان دوست ایک خاص مرحلہ تک تعلیم حاصل کر کے گھروں میں بیکار بیٹھے ہیں۔ اگر وہ بجائے گھر میں بیکار بیٹھنے کے یہاں آ جائیں تو انجمن ان کی خورد و نوش اور رہائش کا انتظام بھی کر دے گی اور ان سے خدمت دین کا کچھ کام بھی لے گی اور کسی قدر ان کی دینی تعلیم کا انتظام بھی کر دے گی۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ان کو کہیں کام پر لگانے کے لئے بھی کچھ کوشش ہوتی رہے گی۔ ان کا گھر میں بیٹھے رہنا تو بہرحال کسی طرح مفید نہیں۔ اگر وہ لاہور میں رہنا نہ بھی پسند کریں تو اپنے اپنے علاقہ میں ان سے کچھ خدمت دین کا کام لیا جا سکتا ہے۔ اور شاید ان کے مایحتاج کے لئے بھی کسی قدر انتظام ہو

سکے۔ مجھے تعجب ہوتا ہے جب یہ دیکھتا ہوں کہ کس قدر نوجوان گھروں میں بیکار پڑے ہیں۔ جہاں رہ کر وہ اپنے مستقبل کے لئے بھی کچھ کوشش نہیں کرتے اور اس کا نتیجہ آہستہ آہستہ یہ ہوگا کہ ان کی زندگی بیکاری کی زندگی ہو جائے گی۔ جو نوجوان ہر وقت مصروف نہیں وہ کل کو دنیا میں کیا کام کر کے دکھائے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ کسی نہ کسی قسم کی مصروفیت اختیار کریں۔ اور بہترین مصروفیت دین کی خدمت ہے۔ جو نوجوان بیکار ہیں اور اس قسم کی دینی خدمت کی طرف مائل نہیں وہ اپنے نام ہی مرکز میں بھیج دیں تو ان کے لئے کچھ نہ کچھ کوشش کی جائے۔ اسی ذیل میں جملہ احباب سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں اگر کسی آدمی کی کھپت کی گنجائش دیکھیں تو اس کے لئے فوراً مرکز میں لکھیں کہ ایسی ایسی قابلیت کے آدمی کی ضرورت ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ احباب جماعت ان تینوں شقوں کی طرف بہت جلد توجہ کر کے مجھ سے اس بارہ میں خط و کتابت کریں گے۔ والسلام خاکسار محمد علی

26 جون 1937ء

مکتوب حضرت امیر۔1

محمد رسول اللہ کا ورثہ

قرآن کریم کا دنیا میں پہنچانا

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں جب لاہور میں ہوتا ہوں تو جمعہ کے خطبات کے ذریعہ سے کم وبیش احباب کے سامنے آنے کا موقعہ ملتا رہتا ہے۔ مگر ڈلہوزی میں یہ میسر نہیں آتا۔ اس لئے کہ یہاں خطبات لکھنے کا کوئی انتظام نہیں ہوسکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی تلافی چند خطوط کے ذریعے سے کروں۔ جو اگر خدا چاہے تو ہفتہ وار شائع ہوتے رہیں۔ ان خطوط میں میں جماعت کو بعض ان کے اہم فرائض کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلی بات، جس کا سمجھ لینا ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے، جو اس جماعت میں شامل ہے، یہ ہے کہ ہماری جماعت کا واحد مقصد اشاعت قرآن وعلوم قرآنی ہے۔ قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانا اور اس کے علوم سے لوگوں کو آگاہ کرنا وہ کام تھا جس کے لئے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو مبعوث کیا گیا۔ آپ کی بعثت کی غرض ایک اور صرف ایک تھی کہ خدا کے آخری پیغام قرآن کو دنیا میں پہنچائیں اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کی اصلاح کریں۔ اس میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہوسکتا۔ اور اسی طرح اس میں بھی کسی کو کلام نہیں ہوسکتا کہ ایک مسلمان، جو بلند سے بلند مقصد اپنی زندگی کا قرار دے سکتا ہے، وہ قرآن اور علوم قرآن کا دنیا میں پہنچانا ہے۔ کیونکہ یہی اس شخص کی زندگی کا مقصد تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے سب اولین اور آخرین پر فضیلت دی ہے۔ جس چیز کو تبلیغ اسلام کہا جاتا ہے وہ بھی درحقیقت قرآن اور علوم قرآن کا دنیا میں پہنچانا ہی ہے۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام پہنچانا تھا، مسلمان کا کام بھی آپؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہی ہے کہ قرآن کو دنیا میں پہنچا دے۔ انقلاب کا پیدا کرنا اور دلوں کی اصلاح کرنا یہ خدا کے اختیار میں ہے۔

خود قرآن کریم نے اس پر بڑا زور دیا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (67:5) اے رسول! (اس قرآن کو جو تیری طرف اتارا گیا

ہے، دنیا میں پہنچا دے۔ اگر تو نے نہ پہنچایا تو تو نے خدا کی رسالت کو نہیں پہنچایا۔ اور یہ قرآن صرف عربوں کے لئے نہ تھا۔ بلکہ تمام قوموں کے لئے تھا۔ تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (1:25) وہ ذات بابرکت ہے جس نے قرآن کو اپنے بندے پر اتارا تا کہ وہ تمام قوموں کے لئے نذیر ہو۔ تو جب ارادہ الٰہی یہ تھا اور یہی ہے کہ قرآن کریم کے ذریعے سے تمام قوموں کو بدی سے ڈرایا جائے اور ان کی اصلاح کی جائے، تو ہر اس شخص کا، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا ہے یا ہر مسلمان کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ اس الٰہی ارادے کے پورا ہونے میں معاون ہو۔ دوسری طرف یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن کریم تمام قوموں تک اسی طرح پہنچایا جا سکتا ہے کہ اس کا ترجمہ ان کی زبانوں میں کر کے اسے ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب پہلے زمانوں میں ایک ایک رسول ایک ایک قوم کی طرف آتا تھا تو اس کی غرض یہی تھی کہ وہ احکام الٰہی کو ان کی اپنی زبان میں کھول کر بیان کرے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ (4:14) جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ کے ماتحت اپنے مولیٰ سے جا ملے تو قرآن شریف کو سب دنیا میں پہنچانے کی ذمہ داری آپ کی امت پر آ گئی۔ اور فی الحقیقت نبی کریمؐ کا ورثہ روحانی یہی ہے کہ جو کام آپ کے سپرد کیا گیا تھا اسے آپ کی امت کرے۔ ہر مسلمان اسی حد تک نبی کریمؐ کا ورثہ لیتا ہے۔ جس حد تک اس کے اندر یہ جوش ہے کہ وہ قرآن کریم دوسرے لوگوں کو پہنچائے اور جس حد تک وہ اپنی قوت اور اپنا مال اس کام کے لئے خرچ کرتا ہے۔ جس مسلمان کے اندر یہ جوش اور تڑپ نہیں کہ وہ خدا کا آخری پیغام دنیا کے ان ظلمت کدوں میں پہنچائے جہاں یہ آج تک نہیں پہنچا، اس نے رسول کریمؐ کی وراثت سے کوئی حصہ نہیں لیا!

تیرھویں صدی ہجری وہ زمانہ ہے جب مسلمانوں میں یہ جوش یعنی خدا کے دین اور اس کے کلام کو دوسروں تک پہنچانا انتہائی درجہ تک ٹھنڈا پڑ گیا۔ اور قرون اولیٰ کے مقابل میں تو گویا یہ بالکل مرا ہوا نظر آتا ہے۔ اس جوش کی کمی سے فی الحقیقت مسلمانوں کے اندر ہر قسم کا تنزل اور انحطاط پیدا ہوتا چلا گیا۔ اس تنزل اور انحطاط کو دور کرنے کے لئے مسلمانوں میں کئی لوگ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اپنے اپنے رنگ میں مسلمان قوم کے تنزل کے اسباب پر نگاہ دوڑا کر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس کی اصلاح

کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس امتیاز کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے مجدد ہی کو مخصوص کیا کہ وہ مسلمانوں میں از سرِ نو تبلیغ کا جوش پیدا کر دے۔ اور آپ نے اس ورثہ کو کامل طور پر اپنے اندر لیا کہ قرآن کریم کو ان تمام مقامات پر پہنچایا جائے، جہاں یہ آج تک نہیں پہنچایا۔ اگر پہنچا ہے تو ایسے تراجم کے ذریعے سے جن کے کرنے والوں نے ارادتاً یا بلا ارادہ اسے تعصب کی رنگین عینک سے پڑھا ہے۔ یہ امتیاز ایسا کھلا ہے کہ آپ کے ظاہر ہونے کے بعد ایک مدت تک یہی کیفیت رہی کہ جو شخص تبلیغ اسلام یا قرآن کو دنیا میں پہنچانے کا نام لیتا، اسے در پردہ احمدی قرار دیا جاتا۔ ویسے بھی اس زمانہ کی تاریخ پر جس قدر چاہو گہری نظر ڈالو۔ اس کے ماننے سے چارہ نہیں کہ جہاں ہر ایک ریفارمر نے کسی نہ کسی رنگ میں مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور بعض نے اپنے اپنے رنگ میں اچھے اچھے کام بھی کئے۔ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی تڑپ ایک ہی انسان کے اندر نظر آتی ہے۔ اور وہ ہیں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی۔ جن کے عشق قرآن کے متعلق آج کل کے ایک مشہور انسان (ڈاکٹر علامہ محمد اقبال) نے کسی زمانہ میں یہ کہا تھا کہ حضرت محمدؐ سے اظہار تعشق میں تو بے شمار لوگ تاریخ اسلام میں نظر آتے ہیں۔ لیکن قرآن کے ساتھ تعشق جناب مرزا صاحب نے ہی کیا ہے۔

حضرت مرزا صاحب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ دنیا کے کاروبار سے الگ، دنیا کے حالات سے ناواقف، لیکن تمام دنیا میں قرآن کریم کو پہنچانے کی تڑپ آپ کے سینے میں اس قدر زبردست تھی کہ اس جماعت اور اس سلسلہ کی بنیاد رکھتے وقت آپ نے جو کام اپنے یا اپنی جماعت کے سامنے رکھا وہ یہی تھا کہ قرآن شریف کی تفسیر اور ترجمہ کر کے تمام دنیا میں اسے پہنچایا جائے اور علوم قرآنی کو دنیا میں پھیلایا جائے۔ اسی تڑپ کا اظہار سب سے پہلی کتاب ''فتح اسلام'' میں ہے۔ جس پر آپ کے دعوٰی کی بنیاد ہے۔ اسی کا اعادہ ''ازالہ اوہام'' میں ہے۔ یہی تڑپ آپ کے سینے میں تھی کہ قرآن شریف کا ترجمہ کر کے اسے یورپ میں پہنچایا جائے۔ یہی خواب آپ کو آتے تھے کہ یورپ کے ممالک میں وہ لوگ موجود ہیں جو عنقریب اسلام کے آگے گردنیں جھکا دیں گے۔ یہی توجیہہ آپ نے آفتاب کے مغرب سے طلوع کی فرمائی کہ آفتاب اسلام کی ضیاباریاں اب مغرب میں شروع ہوں گی جس طرح وہ پہلے مشرق میں رہی ہیں۔ اسی کو آپ نے اپنی جماعت کا سب سے بڑا مقصد قرار دیا۔ اسی کے لئے

انگریزی میں رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھی۔ اور قرآن کریم کا ترجمہ کر کے دنیا میں پہنچانے کو اپنا کام قرار دیا یا اس کا جو اس کی شاخ ہے۔

پس اسی بات کو میں احباب کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا مقصد قرآن کریم کو دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے ان قوموں تک پہنچانا ہے۔ اسی کام پر ہمیں امام زمان نے لگایا۔ یہی تڑپ ہمارے دلوں میں پیدا کی اور یہی سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰؐ کا ورثہ ہے۔ مقصد صرف یہی ایک ہے۔ یہی ہماری کامیابی کا صحیح معیار ہے۔ ہاں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ذرائع مختلف ہیں۔ خاکسار محمد علی

احمدی خواتین کے لئے ایک تقلید مثال: اخبار پیغام صلح کی کسی گذشتہ اشاعت میں بہنوں کے سامنے ایک تجویز دارالیتامیٰ کے متعلق رکھی گئی تھی۔ ہماری معزز بہن اہلیہ سید مصطفیٰ شاہ صاحبہ نے دو روپے ماہوار اس تحریک میں دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس وقت میرے سامنے میری بہن سید بیگم صاحبہ کا خط ہے جس میں انہوں نے اپنے بچے محمد اقبال کے امتحان بی۔ اے میں کامیابی کی خوشی میں چودہ روپے دارالیتامیٰ کے لئے دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں بہنوں کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس نیک کام میں سبقت اختیار کی ہے۔ خصوصاً بہن سید بیگم صاحبہ کی مثال ان تمام بہنوں اور بھائیوں کے لئے قابل تقلید ہے۔ جن کے بچے مختلف امتحانات میں پاس ہوئے ہیں۔ میرے دو بچے اس سال کامیاب ہوئے ہیں۔ عزیز محمد احمد نے ایف۔ اے اور عزیزہ ناصرہ بیگم نے بی۔ اے امتیاز کے ساتھ پاس کیا ہے۔ میں اس خوشی میں پندرہ روپے دارالیتامیٰ میں دیتی ہوں۔ اور اپنے سلسلے کی سب بہنوں اور بھائیوں سے گذارش کرتی ہوں کہ وہ بھی اپنے بچوں کی خوشی میں اس نیک کام میں حسب توفیق حصہ لے کر ثواب حاصل کریں۔ عموماً دستور ہے کہ خوشی کے موقعہ پر مٹھائی وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ایسے مبارک موقعوں پر یتیم بچوں کو نہ فراموش کیا جائے۔ اور اگر ہم سب مل کر اس کام کا بیڑا اٹھالیں تو مجھے یقین کامل ہے کہ اللہ کے فضل و احسان سے بہت جلد یہ مفید اور نیک تحریک عملی جامہ اختیار کر لے گی۔ (محترمہ بیگم صاحبہ حضرت امیر)

30 جون 1937ء

دنیا کی مشکلات میں ہمارا فرض

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اطراف عالم اور بالخصوص فضائے یورپ پر اس وقت جنگ کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ اقوام عالم ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہیں۔ برّی، بحری اور فضائی طاقتوں میں روز افزوں اضافہ اس امر پر شاہد ہے کہ انسانی خون کی ایک عالمگیر ہولی کھیلی جانے والی ہے۔ جس کے مقابل از منہ گذشتہ کی وحشت و بربریت اور کشت و غارت کے واقعات معمولی داستان اور افسانہ ہو کر رہ جائیں گے۔

مختلف اقوام کی حالت کا اندازہ کیجئے۔ ملک کی دولت کا زیادہ تر حصہ گولی، بارود، ہوائی جہاز، ڈریڈ ناٹ اور دیگر مہلک اسلحہ جنگ کی فراہمی پر صرف کیا جا رہا ہے۔ حکومتوں کے قیام کا مقصد تو یہ ہونا چاہئے کہ لوگوں کی رہائش کا اس طریق سے انتظام کیا جائے کہ ہر فرد قوم کی مشکلات فرو ہو کر رہ جائیں۔ ہر ایک کو کھانے پینے اور رہائش کا خاطر خواہ سامان ملے اور قوم کی اجتماعی حالت انسانیت کے دور دورہ کی تصدیق کرے۔ مگر آج ہر فرد قوم کی محنت اس سے چھین کر ایک تو اس کے خلاف استعمال کی جا رہی ہے اور دوسرے یہ کہ اس سے دیگر اقوام کے خون کی ندیاں بہانے کا سامان کیا جا رہا ہے۔

اس کی تہہ میں مادہ پرستی کا اثر جلوہ فرما ہے۔ مادہ پرست انسان کی نگاہ جلب زر اور حصول مال و دولت تک محدود ہوتی ہیں۔ اس کے نزدیک حقیقی راحت کا ذریعہ سونے چاندی کی ٹکیاں ہیں۔ جس کے حاصل کرنے کے لئے وہ اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کرتا کہ اس طریق سے ہزارہا جانوں کا خون ہوتا ہے۔ امن اقوام خطرے میں پڑتا ہے۔ قوم کی آزادی خطرے میں پڑتی ہے۔ اور مختلف اقوام میں باہمی کشمکش، نفرت، کینہ اور تعصب کے جراثیم پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں جو کہ امن عالم کو تباہ کر کے چھوڑتے ہیں۔

اس مادہ پرستی نے اس وقت قومیت کا رنگ اختیار کیا ہے۔ آج دنیا جرمن، انگریز، فرانسیسی، روسی وغیرہ ایسی مختلف اقوام کا گہوارہ ہے جس میں سے ہر قوم یہ سمجھتی ہے کہ دنیا میں رہنے کا صرف اسی کو ہی حق ہے۔ صرف اس کی قوم فارغ البال اور خوشحالی ہو۔ اور اس کے لئے، خواہ اسے باقی اقوام کو صفحہ

ہستی سے مٹانا ہی پڑے، اسے اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جرمنی سے یہودیوں کا اخراج، ہٹلر کی نو آبادیات پر نگاہیں، اطالیہ کی حبشہ پر فوج کشی اور قتل وغارت کی گرم بازاری، سپین کی خانہ جنگی اور اس میں مختلف اقوام کا ظاہر اور خفیہ ہاتھ، روس میں سازشیں، چین کے اندر وقتاً فوقتاً شورشیں اسی جذبہ قومیت کی نگاہ ناز کی مرہون منت ہیں۔ کبھی تو جرمنی سے یہ آواز اٹھتی ہے کہ ہماری طاقت تمام دنیا کو کھانے کے لئے کافی ہے۔ کہیں اطالیہ یہ دھمکی دے رہا ہے کہ اگر کسی نے ہماری طرف میلی آنکھ سے دیکھا تو اس کی آنکھیں نکال دی جائیں گی۔

دنیا کی یہ خونین جدوجہد، ہر اس شخص کو خون کے آنسو رولانے والی ہے جس کے دل میں نسل انسانی کے لئے ذرہ بھر بھی ہمدردی موجود ہے۔ مغربی ممالک میں ایک گروہ ایسے انسانوں کا ہے۔ جس کی دلی خواہش ہے کہ مادیت کے زہر کا یہ پیالہ کسی طرح اقوام عالم سے ٹل جائے۔ مگر ایک تو ایسے اشخاص کی چیخ و پکار صدا بصحرا اسے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اور ان میں سے بھی اکثریت ایسے اشخاص کی ہے جن کی تمام تر ہمدردیاں اپنی اپنی قوم کے مفاد تک محدود ہیں۔ اور جہاں کہیں قوم کا سوال پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے تمام بلند بانگ دعادی کو بالائے طاق رکھ کر اس کی تائید میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگ جاتے ہیں۔ اور اس طرح اس آگ منافرت کو ہوا دیتے ہیں جو پہلے ہی سے سلگ رہی ہوتی ہے۔

کیا اس بلا کو ٹالنے کا کوئی حربہ موجود نہیں؟ ہے۔ اور یقیناً ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلام کی وہ بلند تعلیم جو آن واحد میں ان کو حدود ملکی سے نکال کر عالمگیر اخوت کے بے پایاں میدان میں لے آتی ہے۔ اسلام دنیا میں ایک عالمگیر برادری پیدا کرنے آیا ہے۔ اس کی نگاہ میں تمام نسل انسانی ایک کنبہ کا حکم رکھتی ہے۔ اسلام میں ملکی اور جغرافیائی حدود کے ماتحت نسلی اور قومی امتیازات کی کوئی جگہ نہیں۔ اس کا خدا **رب العالمین**، قانون **ھدیً للناس** اور **نذیر للعالمین** اور نبی **رحمۃ للعالمین** ہے۔ جس کے دامان کی پہنائی میں شاہ و گدا، صغیر و کبیر شرقی و غربی، گورے و کالے ایک ہی رنگ میں کھڑے ہیں۔ اس قوم کا نام مسلم ہے اس کی سرزمین اسلام ہے۔ جہاں **انّما المؤمنون اخوۃ** کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ جہاں **اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ** (29:48) کے بادل برستے ہیں۔ جہاں کی

فضا صلح و آشتی، محبت واتحاد کی ہواؤں سے معطر ہے۔ جہاں معیار زندگی بلند اخلاق ہے اور جہاں تمام اختلافات باعث رحمت ہیں۔

دنیا کی سیاسی، قومی مشکلات اور فساد کی بنیاد ہر قوم کی اقتصادی بدحالی اور جنگ پر ہے۔ ہر ملک کے لوگ اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ دنیا جہان کی دولت سمٹ سمٹا کر ان کی تجوریوں میں آ جائے۔ وہ عیش وطرب کے دن بسر کریں۔ خواہ اس سے باقی تمام دنیا فاقوں کا شکار ہو کر برباد ہو جائے۔ اسلام نے اس لعنت کا نہایت نفسیاتی نقطہ نگاہ سے حل فرمایا ہے۔ تقسیم وراثت، زکوٰۃ کا قانون، زمین کا حکومت کے تصرف میں ہونا اور خیرات وصدقات وغیرہ کی ترغیب ایسے امور ہیں جو کہ بلا انقلاب عظیم اس طریق سے اس مسئلہ کو حل کرتے ہیں کہ دولت تمام افراد میں حرکت بھی کرتی رہتی ہے اور کسی شخص کو نقصان بھی نہیں پہنچتا۔

اقتصادی اور نسلی مشکلات کے ساتھ ساتھ روحانی اور قلبی اضطراب بھی مغربی اقوام کو کھا رہا ہے۔ اقتصادی اور سیاسی مشکلات کے حل کے باوجود بھی حقیقی چین نصیب ہونا ناممکن ہے۔ جب تک کہ بلند اخلاق کی اعلیٰ تعلیم کسی قوم کے عمل میں نہ ہو۔ عیسائیت اس بارے سے ناکام ثابت ہو چکی ہے۔ حضرت مسیحؑ کا پہاڑی وعظ گونا گون ذہنی اور قلبی انقلابات کی تشنگی کو دور کرنے سے قاصر رہ چکا ہے۔ جس سے تنگ آ کر دہریت کے سراب کی طرف دوڑ دھوپ ہوئی۔ مگر یہاں انسانی دماغوں کی اختراعات ناکارہ ثابت ہوئیں اور آج اقوام مغرب اضطراب اور گھبراہٹ قلبی کے اس بے لق ودق بیابان میں بے رہنما سرگردان ہیں، جہاں سے باہر نکلنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی ہے!

ان اور اس قسم کی تمام الجھنوں کا حل اسلام میں ہے۔ مگر یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اسلام کا نور اس تاریکی کو دور کرنے کے لئے ان کے سامنے نہیں لایا جاتا۔ مسلمانوں نے گذشتہ چند صدیوں میں اسلام کو باہمی رقابتوں تک محدود کر کے اسلام غداری کا ثبوت دیا ہے۔ حالانکہ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں تمام دنیا کو برائیوں سے ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اگر مسلمان نے آج تک اس بات میں کوتاہی برتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بھی ان کے نقش قدم پر چلیں۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ دنیا کی پراگندہ حالی میں ہمارا فرض ہے کہ ہم اس درد کے ساتھ اس پیغام کو

اقوام عالم تک پہنچائیں جو نبی کریمؐ کے سینے میں تھا۔آپ کی شبانہ روز جدوجہد اور تکالیف کی برداشت اس پر گواہ ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے کہ اے حبیبؐ کیا تو اپنی جان کو ہلاک کرے گا کہ یہ لوگ قرآن کو دستوار العمل کیوں نہیں بناتے! اس وقت بھی دنیا پیاسی ہے۔ہمیں بسرعت تمام اسلام کا پانی پہنچانا چاہئے۔اقوام عالم تاریکی کا شکار ہے۔ان کی رہنمائی نورقرآن سے کرنا ہمارا فرض ہے۔دنیا بیمار ہے اسلام کے شافعی نسخہ سے اس کا علاج جلدتر ہونا چاہئے۔

❁❁❁

30 جون 1937ء
مکتوب امیر۔2

خدمتِ دین تا دمِ آخر

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

2 مئی 1914ء کو لاہور میں وہ چند احباب جمع ہوئے جو مسلمانوں کی تکفیر کے عقیدہ سے، جس کی بنیاد قادیان میں مرزا محمود احمد صاحب نے رکھی تھی، بیزار، مگر اس بات کا عزم کر چکے تھے کہ تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے کام کو، جس کی روح حضرت مسیح موعود نے ان میں پھونکی تھی، جاری رکھیں گے۔ خواہ تعداد میں کتنے تھوڑے کیوں نہ ہوں۔

برادران کرام! اپنی اس وقت کی کمزوری پر ایک نظر ڈالئے جب چند بکھرے ہوئے اجزاء کی سروسامانی کی حالت میں لاہور میں جمع ہوئے۔ جن کے ہاتھ میں سوائے قرآن کریم کے ایک ادھورے ترجمہ کے اور کچھ نہ تھا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے احسانات عظیم کو دیکھئے کہ اس نہایت ہی قلیل جماعت سے ایک قلیل عرصہ میں کس قدر کام اپنے پاک کلام اور دین کی اشاعت کا لیا۔ کون مسلمان ہے جس کے دل میں یہ تڑپ نہ ہو کہ خدا کا آخری پیغام تاریکیوں میں گھری ہوئی مخلوق خدا کو پہنچے۔ مگر ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خدا نے اس قلیل جماعت کو ہی اس کام کے لئے چن لیا کہ اس سے اپنے پاک کلام کی اشاعت کا وہ کام لے جس کے لئے اس نے اپنے آخری رسولؐ کو مبعوث فرمایا تھا **وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا** (4:18) اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو جو اشاعت قرآن کا کام ہم نے اس وقت تک کیا ہے، وہ سمندر میں سے ایک قطرہ بھی نہیں۔ لیکن اگر کروڑ ہا مسلمانوں کی حالت کو دیکھا جائے یا لاکھوں پر فخر کرنے والی قادیانی جماعت کی حالت کو ہی دیکھا جائے تو یہ سمجھ نہیں آتا کہ کس طرح ایک چھوٹی سی جماعت اس بے سروسامانی کی حالت میں اس قابل ہو گئی کہ یورپ کی تین زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ کر کے چالیس ہزار کی تعداد میں اسے دنیا میں پہنچا دیا ہے! کیا حضرت مسیح موعود کے دل میں یہ تڑپ نہ تھی کہ قرآن شریف کو ترجموں کی صورت میں یورپ اور امریکہ میں پہنچایا جائے۔ پھر اس تڑپ کو

پورا کرنے کے لئے کیا خدا نے اس قلیل جماعت کو نہیں چنا؟ اور حضرت مسیح موعود کی اس رؤیا کو پورا نہیں کیا کہ ایک لاکھ نہیں مگر پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا۔ سو سب سے پہلے اپنی اس حیثیت کو نظر انداز نہ کیجئے کہ آپ اس فوج کے سپاہی ہیں جسے آج اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام کی اشاعت کے لئے چنا ہے۔

اعداء اسلام کا یہ حق ہے کہ وہ ہمیں مٹانے کے لئے زور لگائیں۔ مگر یہ سمجھ نہیں آتا کہ قادیانی اور غیر احمدی ہمیں مٹانے کے کیوں درپے ہیں؟! ہم نے قادیان جیسے مقام کو، جہاں سب دنیا کو چھوڑ کر گئے تھے صرف اسی لئے چھوڑا کہ ہم غیر احمدیوں کو کافر نہیں کہیں گے۔ یہ وہ برائی ہے جو ہم نے غیر احمدیوں سے کی۔ اور ہمارے بہت سے غیر احمدی دوست صرف اسی لئے ہم سے بیزار ہیں کہ ہم قادیانیوں کی تکفیر کیوں نہیں کرتے! یہ وہ برائی ہے جو ہم نے قادیان سے کی! قادیانی تو خوش ہوتے کہ ہم غیر احمدیوں کو کافر کہتے اور غیر احمدی خوش ہوتے کہ ہم قادیانیوں کو کافر کہتے۔ مگر ہم ان دونوں کو خوش کرنا نہیں چاہتے۔ ہم صرف اپنے خدا کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ جس نے فرمایا ہے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ اَلْقَىٰٓ اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی عزت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذَالِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ تو یہ دونوں گروہ ہمیں مٹانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ ہم کسی کو برا نہیں کہتے۔ اور خدا کے دین کو دنیا میں پھیلانے کے سوائے اور خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانے کے سوائے ہمارا کوئی کام نہیں۔ مگر کوئی ہمیں مٹا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ ہماری جماعت کی غذا ہی خدا کا کلام ہے۔ اور قرآن کو ہاں! اس چشمہ حیات کو، جس سے قوموں کو زندگی ملنے والی ہے، دنیا میں پہنچانے والی جماعت نہ پہلے کبھی مٹی ہے نہ آئندہ مٹ سکتی ہے۔ خواہ اس کی مخالفت کے لئے اپنے ہی لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اور خواہ بیرونی دشمن اسے تباہ کرنا چاہیں۔ کبھی ہمیں منافق کہتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم خاتم النبیینؐ کے بعد کسی نبی کا آنا نہیں مانتے۔ اور قادیانی اور غیر احمدی دونوں آنحضرتؐ کے بعد ایک نبی لاتے ہیں۔ کبھی ہمیں دوکاندار کہتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانے کے جرم کے مرتکب ہیں۔ اگر دوکانداروں کی ایک نہایت قلیل جماعت دس ہزار کی تعداد میں قرآن شریف دنیا میں مفت پہنچا سکتی ہے تو ایمانداری کے ٹھیکداروں لاکھوں اور کروڑوں کی جماعتوں کو کس نے مفلوج کر

دیا ہے کہ وہ قرآن شریف کو غیر مسلموں میں پہنچانے کے لئے حرکت نہیں کر سکتے! آخر خدا کا خوف چاہئے کہ ایک دن اس کے سامنے جوابدہی کرنی ہوگی۔ جن لوگوں کو خدا یہ توفیق دے کہ وہ اس طرح کلام الٰہی کو اور تعلیم اسلامی کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچائیں اور اس کے ساتھ ہزار ہا ظلمت کدوں کو منور کریں، وہ تو منافق اور دو کا ندار ہوئے، اور جنہوں نے آج اپنی اپنی دو کانوں کی فکر میں خدا کے کلام کو اِنَّ قَوْمِیْ اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا. (30:25) کا مصداق بنا رکھا ہے وہ مخلص مومن ہوئے تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی (22:53) مونہہ سے کسی کو دو دو کا ندار کہہ دینا آسان ہے۔ مگر ایک چلتے کام کو بگاڑنے سے پہلے خود ایسا کام کر کے دکھاؤ اور دنیا کو بتاؤ کہ مسلمان لوگوں پر نکتہ چینی کرنے کے لئے پیدا نہیں ہوا بلکہ کام کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ نکتہ چینی اور عیب شماری ہر انسان کی موت کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ مگر جو خدمت اسلام کا کام اس نے کیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے باقی رہے گا۔

میرے دوستو! کوئی اندرونی یا بیرونی مخالفت ہمارے قدم کو متزلزل نہ کرے۔ کیونکہ مخالفت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ لیکن اگر ہمارا اپنا قدم ہی متزلزل ہو جائے تو پھر ہمیں کوئی بچا بھی نہیں سکتا۔ ہم میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے خدا سے عہد کیا اور وہ اپنے عہد پر قائم رہ کر اپنے مولیٰ سے جا ملے اور وہ خدا کے فضلوں اور اس کی نعمتوں پر خوش ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں جنہیں ابھی مہلت ملی ہوئی ہے کہ وہ کچھ اور خدمت کر لیں۔ فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا . (23:33) اپنی نذر کو پورا کرنا یا اس کے پورا کرنے کے لئے استقلال دکھانا یہ وہ مقام ہے جس کی خود رب العالمین نے تعریف کی ہے۔ پس اس مقام کو حاصل کرنے کی کوشش کرو کہ جس عزم سے آپ نے خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانے کا کام شروع کیا تھا، اس میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ خوب یاد رکھو کہ تمہاری جماعت نے، تمہاری انجمن نے اپنے مقصد کو نہیں بھولا۔ آج بھی وہی مقصد اس کے سامنے ہے جو 1914ء میں تھا کہ خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچایا جائے۔ نہ اس نے اپنے نظام کو بدلا ہے۔ آج بھی اس کا نظام وہی ہے جو 1914ء میں تھا کہ اس کے سب کام شوریٰ سے ہوں گے۔ اور جس امر پر کثرت رائے ہوگی، وہی امر قابل عمل ہوگا۔ نہ اس نے اپنے اساس کو بدلا ہے۔ جس بنیاد پر یہ انجمن 1914ء میں قائم ہوئی تھی، آج بھی اسی اساس پر قائم ہے اور انہی قواعد پر عمل پیرا ہے۔ نہ ان لوگوں کی نیتوں میں کوئی فرق آیا ہے جو اس

کام کو چلا رہے ہیں۔ وہ شروع میں بھی خود کام کر کے خدا کے دین کی خدمت کرتے تھے، آج بھی اسی طرح خود کام کر کے خدا کے دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ بس جب تمہاری جماعت نے یا تمہاری انجمن نے اپنے مقصد کو نہیں بدلا۔ اپنے نظام کو نہیں بدلا۔ اپنے اساس کو نہیں بدلا، اپنے رویہ کو نہیں بدلا، تو میرے دوستو! تم بھی اپنے عزم کو نہ بدلو اور جس عزم سے 1914ء میں کام شروع کیا تھا، اسی عزم پر اس وقت تک قائم رہو۔ جب تمہارا خدا تمہیں اپنی طرف بلالے تو اپنے آپ کو مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا . (23:33) کا مصداق ثابت کرو۔ جب موت آئے تو تمہارے نیک اعمال جو تم کرتے رہے ہو منقطع نہ ہوں بلکہ تمہاری نیتوں کی وجہ سے ان کا ثواب ابد تک تمہیں ملتا رہے۔ درحقیقت اعمال اسی کے منقطع ہوتے ہیں جو اپنے ہاتھ سے انہیں منقطع کرتا ہے۔ ورنہ خدا کسی کے اعمال کو منقطع نہیں کرتا۔ پس تم اپنے ہاتھ سے اپنے اس نیک عمل کو منقطع نہ کرو کہ تمہارے مالوں سے اور تمہارے علم سے اور تمہاری طاقتوں سے خدا کا آخری پیغام رحمت دنیا میں پہنچتا رہے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

21 جولائی 1937ء

اداریہ

خلافتِ قادیان کا تنازعہ اور ہمارا طرز عمل

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا وجود اللہ تعالیٰ نے کسی ایسے سخت فولاد کا بنایا ہے کہ خلیفہ صاحب قادیان کو جب کبھی کوئی مصیبت پیش آتی ہے، تو ان کی نظر انتخاب اپنی ڈھال بنانے کے لئے اسی جماعت کی طرف اُٹھتی ہے۔ ہم اس وقت گذشتہ مواقع کو پیش نہیں کریں گے۔ صرف اسی ایک واقعہ کو لیں گے جس نے ہمیں ان چند سطور کے لکھنے پر مجبور کیا ہے۔

قارئین کو یہ اطلاع دی جا چکی ہے کہ قادیان میں فخر الدین صاحب ملتانی اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کو جماعت سے خارج کیا گیا ہے اور وہ بھی خلیفہ صاحب کے خلاف کچھ شکایات رکھتے ہیں۔

اس وقت تک مصری صاحب کی طرف سے وہ حالات پیش نہیں کئے گئے جن کی بنا پر انہوں نے خلافت سے اختلاف کیا ہے۔ ہاں! اس قدر انہوں نے ایک اعلان میں ظاہر کیا ہے کہ وہ خلیفہ صاحب کو خلافت کے ناقابل سمجھتے ہیں اور ان کی معزولی کا مطالبہ کرتے ہوئے جماعت کی طرف سے ایک تحقیقاتی کمیٹی کا تقرر چاہتے ہیں۔

دربار خلافت سے دفاع کی کوششیں زور سے جاری ہیں۔ جس کے دوران میں اس امر پر بھی زور دیا جا رہا ہے کہ اس فتنہ میں پیغامیوں کا ہاتھ ہے۔ اور اس کی دلیل میں یہ امر پیش کیا جاتا ہے کہ مولوی عمر الدین صاحب شملوی قادیان ایک دو دفعہ گئے اور کہ بعض جگہوں پر پیغامی عبدالرحمٰن صاحب اور فخر الدین صاحب کے اشتہارات بانٹتے ہوئے پائے گئے۔ یہ امر دربار خلافت سے پوشیدہ نہیں کہ مولوی عمر الدین صاحب ہمیشہ قادیان میں آتے جاتے ہیں اور آنا جانا ان کا کسی سازش پر دلالت نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں اگر اس امر کو دیکھا جائے کہ خلیفہ صاحب قادیان اپنی جماعت کے مطاع ہیں اور لاہور کی جماعت کسی شخص کو اپنا مطاع نہیں سمجھتی۔ خلیفہ صاحب جس کو چاہیں اپنی جماعت سے خارج کر سکتے ہیں لیکن جماعت احمدیہ لاہور کے لئے حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود ماننے والے کسی شخص کو جماعت سے خارج قرار دینا ناممکن ہے۔ باوجود اس کے کہ خلیفہ صاحب نے اپنا اقتدار قادیان میں اس قدر رکھا

ہوا ہے اور عقائد کے لحاظ سے بھی وہ جماعت کے مطاع ہیں، پھر بھی ہر وقت منافقین وہاں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور جماعت سے خارج بھی کئے جاتے رہتے ہیں۔ ان کی تعداد قادیان کے اندر کئی سال پہلے پانچ سو پائی گئی تھی۔ جس میں اب تک اضافہ ہی نظر آتا ہے۔ اور صاحبزادہ صاحب نے کبھی یہ نہیں کیا کہ اپنے ان مریدوں کے منافقانہ افعال کو دربار خلافت یا اپنی ذات کی طرف منسوب کریں۔ تو سمجھ نہیں آتا کہ وہ کس اصول پر کسی لاہور کی جماعت سے تعلق رکھنے والے کے محض اشتہار بانٹنے یا کسی انفرادی فعل کو لاہور کی انجمن کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ. وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْوَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ. (3-2:83) کے وعید سے نہیں ڈرتے۔ اس معاملہ میں، ہم نے آج تک جہاں تک ہو سکا، عقائد کو مدنظر رکھا ہے اور ذاتیات سے الگ رہنے کی کوشش کی ہے۔ اور حتّی الوسع خلافت کے اندرونی کاروبار میں کبھی دخل نہیں دیا۔ یہاں تک کہ جب تک مصری صاحب اور فخر الدین صاحب کی طرف سے اعلان نہیں ہوئے، ہمارے مرکز میں کسی کو اس خلافت کے لئے مصری صاحب کی طرف سے فتنہ اٹھنے کا قطعاً کوئی علم نہ تھا۔ باوجود اس کے قادیان کے اخباروں میں یہ پروپیگنڈا شروع ہو گیا ہے کہ اس سازش میں پیغامیوں کا ہاتھ ہے۔ ہم سوائے ان کے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دربار خلافت کو یہ ڈھال کب تک کام دے گی۔ اس کے ساتھ ہی ہم اپنی پوزیشن کو واضح کر دینا چاہتے ہیں۔

ہم حضرت مسیح موعود کی بنائی ہوئی جماعت ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود کے لگائے ہوئے درخت کو نشو ونما یا اس کے نقصان سے ہماری دلچسپی دور نہیں ہو سکتی۔ ہم قادیان سے دور بیٹھے ہوئے بھی قادیان حضرت مسیح موعود کی حقیقی تعلیم کا مرکز دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ اور یہ وابستگی ہمارے دلوں سے کبھی نہیں جا سکتی۔ ہماری کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں اور اپنے اخبار کے ذریعہ سے اپنی قوم کو خبردار رکھنا بھی ہمارا فرض ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے جن عقائد میں خلیفہ صاحب سے اختلاف کیا اور جن میں ہم خلیفہ صاحب کو غلطی پر سمجھتے ہیں جب کبھی اس غلط عقیدہ کے نقصانات نمایاں ہوں گے ہمارا فرض ہے کہ جماعت کو اس طرف توجہ دلائیں۔ موجودہ کشمکش میں اگر خلیفہ صاحب اپنے ذاتی تقدس کو اپنی صداقت کی دلیل میں پیش نہ کرتے تو ہمارے خیال میں ان کو ان مصائب کا سامنا نہ ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے بھی جماعت کو چیلنج دیا۔قَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عمراً مِنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تو قوم نے باوجود دشمنی کے ان کے امین ہونے کی شہادت دی۔حضرت مسیح موعود نے بھی چونکہ وہ مامور تھے اس دلیل کو پیش کیا اور مولوی محمد حسین بٹالوی جیسے دشمن نے شہادت دی کہ ان کی زندگی گناہ سے پاک ہے۔اگر چہ بعد میں آنے والے افتراء پردازوں نے بہتان تراشنے کی کوشش کی۔لیکن ہمعصروں کی شہادت کے سامنے ایسی افتراء پردازیوں کی کیا پیش جاسکتی ہے! خلیفہ صاحب نے مامور ہونے کے بغیر اس طریق پر جماعت کو چیلنج کیا اور لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ (32:53) کو مدنظر نہ رکھا۔لیکن کسی واللہ باللہ ثم تاللہ کہنے والے کی ایک شہادت بھی آج تک پبلک کے سامنے نہ آئی۔اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ دنیا دیکھ رہی ہے۔یہ سب اس امر کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے انبیاء اور مامورین کے مقام پر قدم مارا۔جو ان کے لئیے زیبا نہ تھا۔اس لئے ہم آج بھی ان کو یہ مشورہ دیں گے کہ اس غلط عقیدہ کو چھوڑ دیں۔

ایک اور امر جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (2:5) اس سے پیشتر جب کبھی احرار یا کسی دوسری جماعت نے خلیفہ صاحب یا جماعت قادیان کے کسی فرد کو خلاف انسانی حرکات سے تکلیف پہنچانے کی کوشش کی تو ہم نے ہمیشہ قادیانی جماعت کی حمایت میں آواز اٹھائی۔چنانچہ بعض مقامات پر قبرستانوں میں مردے دفن ہونے کو روکا جانے پر ہم قادیانی جماعت کے دوش بدوش غیر احمدیوں کو ایسی بری حرکتوں پر مطعون کرتے رہے، تو اگر قادیان میں خلیفہ صاحب سے اختلاف ہونے کی بنا پر اختلاف کرنے والوں کو درحقیقت وہ دکھ دیئے جاتے ہیں، جو ان کے اشتہاروں اور ٹریکٹوں میں بیان کئے جاتے ہیں، یعنی گھروں پر پہرے لگانا ان کے گھروں میں چوریاں کرانے کی کوشش کرنا، خرید وفروخت بند کر دینا، یہاں تک کہ ان کے شیر خوار بچوں کے لئے مناسب جگہ سے دودھ کی خرید بھی بند کر دینا، بول چال کا مقاطعہ کرنا، راتوں کو اردگرد کے مکانوں سے ان کے گھروں میں ٹارچز اور دوربینوں سے عورتوں کی بےحرمتی کرنا، اگر یہ واقعات سچے ہیں تو وہ کونسا انسان ہے جو ان مظلوموں کے ساتھ ہمدردی نہ کرے! اور یہ لفظ نہ کہے کہ دشمن سے بھی ایسا سلوک انسانیت کے منافی ہے۔دشمنی میں بھی شرافت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔

ایک اور چیز جس پر ہمارے قادیانی دوست ہمیشہ زور دیتے ہیں وہ درحقیقت خلیفہ صاحب کو

مطاع قرار دینے کی ذہنیت کے ماتحت ہے۔یعنی جب کبھی یہ کہا جائے کہ دربار خلافت سے فلاں امر میں غلطی کی گئی ہے۔تو وہ کہنے والے کی ذہنیت کو فوراً خلاف قرآن قرار دے کر **ظن المومنین خیرا** پڑھتے ہوئے کہنے والے کو بے ایمان کا خطاب دے دیتے ہیں۔اب اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن صاحب مصری اس وقت تک جماعت میں ایک نہایت متدین نیک اور متقی مسلک شمار ہوتے رہے ہیں۔وہ دینیات کے مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر بھی تھے۔مقامی جماعت کے امیر بھی رہے۔اور علاوہ ازیں وہاں کی کمیٹی کے ممبر بھی ہیں۔اس میں کچھ شک نہیں کہ پر بناء مالی وجاہت یا دوستوں یا رشتہ داروں کے حلقہ کی وسعت کے وہ بے حد غریب ہیں۔اور اپنا کوئی ساتھ نہیں رکھتے۔لیکن ان کا زہد و اتقاء مسلمہ ہے اور آج تک کبھی کوئی ان پر اعتراض نہیں کر سکا۔اب اگر یک لخت ان کو جھوٹ بولنے والا قرار دے دیا جائے تو کیا ہمارے قادیانی دوست اب بھی **ظن المومنین خیرا** پڑھیں گے۔اور اگر وہ اس فراخدلی کو کام میں لائیں گے تو پھر معیار صداقت کیا قرار دیں گے اور ان کا طرز عمل کیا ہوگا؟!اس امر کے پیش کرنے سے مقصود یہ ہے کہ صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے جس امر کی ضرورت ہے، جماعت اس کو سمجھے،اور جذبات سے الگ ہو کر واقعات جس کو مجرم ٹھہرائیں،اس کو مجرم بنائے اور جسے سچا ٹھہرائیں اسے سچا سمجھے۔

ہمارا نکتہ نگاہ اس معاملہ میں یہی ہوگا۔ہم مصری صاحب کی سابقہ زندگی اور شخصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی تکالیف کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں جب تک کہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو۔اگر دربار خلافت یا جماعت قادیان اس سے یہ نتیجہ نکالے کہ یہ ہماری سازش کا پیدا کردہ نتیجہ ہے اور اس میں ہمارا ہاتھ ہے تو یہ استدلال ان کو مبارک ہو۔اور اگر جان بوجھ کر وہ غلط پروپیگنڈا کرتے ہیں تو ان کے لئے۔اور ہم نے اگر سازش کر کے یہ حالات پیدا کر دیئے ہیں تو ہم اپنے لئے **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ** کہتے ہیں۔امید ہے کہ یہ بیان آئندہ ہمارے طرز عمل کو واضح کر دے گا۔اور صاحب فہم لوگ اس سے کوئی غلط نتیجہ مترتب نہیں کریں گے۔

21 جولائی 1937ء

قادیان میں انقلابِ عظیم!

جماعت احمدیہ کے مشہور و معروف مقتدر رکن شیخ عبدالرحمٰن صاحب فاضل مصری بی۔اے اور مولٰینا فخر الدین صاحب ملتانی کی خلیفہ قادیان سے بیزاری

ہر احمدی کو اس امر کا اقرار ہے کہ تقوٰی و طہارت پیدا کرنے اور اخلاق فاضلہ کا سبق دینے کے لئے احمدیت کا ظہور رہوا۔ حضرت مسیح موعود نے اپنی ساری زندگی جماعت میں نیکی و تقوٰی پیدا کرنے میں صرف فرما دی۔ مگر ہماری بدقسمتی سے ''خلافت ثانیہ'' کا عہد احمدیت کی بدنامی کا باعث ہو رہا ہے۔ خلیفہ صاحب جماعت کو مذہب سے ہٹا کر سیاست و مادیت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یہی وجہ ہے کہ جماعت سے نیکی کا اصل جوہر مفقود ہو رہا ہے۔ خلیفہ صاحب کی تمام تر توجہ جائداد پیدا کرنے اور امیر و کبیر ہستی بننے میں مرکوز ہے۔ دن رات بلڈنگیں بنوانے اور زمینیں خریدے کی فکر ہو رہی ہے۔ تبلیغ احمدیت بطور نمائش رہ گئی ہے۔ آج خلیفہ صاحب کے نزدیک احمدیت نام ہے مقدمہ بازی، ڈپلومیسی، حکمت عملی، چالبازی، دعوت، ٹی پارٹی اور حکام سے اعلیٰ تعلقات کا۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ بہشتی مقبرہ اور تبلیغ کے نام پر موصول ہونے والا روپیہ کہاں صرف ہو رہا ہے؟! کیا روپیہ میں سے ایک آنہ بھی تبلیغ پر صرف ہوتا ہے!

عرصہ دراز سے خلیفہ صاحب کی ذات پر اس نوعیت کے اعتراضات ہو رہے ہیں کہ آپ کی زندگی منصب خلافت کے منافی ہے۔ یہ سلسلہ آپ کے تخت خلافت پر فائز ہونے سے قبل کا جاری ہے۔ چونکہ خلیفہ صاحب کو یہ حقائق بخوبی معلوم ہیں۔ اس لئے اپنے کاروبار کو محفوظ رکھنے اور بیرونی مریدوں کے اخلاص کو برقرار رکھنے کے لئے آپ نے حفظ ماتقدم کے طور پر مختلف طریقے اختیار کئے۔ مثلاً

1۔ احمدیہ جماعت لاہور کے خلاف اپنی جماعت میں انتہائی نفرت، بغض و کینہ پیدا کیا گیا۔ تاکہ سچے اعتراض کو اس جماعت کا فعل کہہ کر پناہ حاصل کی جائے۔ درحالانکہ اس اعتراض کا جماعت لاہور سے کوئی دور کا بھی تعلق نہ ہوا (فی زمانہ اس حربہ میں یہ اضافہ ہو گیا ہے کہ سچے معترض کو احراری بتا کر جماعت کی توجہ ہٹائی جاتی ہے۔

2۔ وقتاً فوقتاً جماعت میں یہ خیال پیدا کیا گیا کہ ہماری جماعت میں منافق پیدا ہو گئے ہیں۔ حتّٰی کہ خلیفہ صاحب نے یہ بھی کہا کہ رؤیا میں تمام منافقین، جن کی تعداد 5 ہے، کی شکلیں بتائی گئی ہیں۔ تا کہ ہر معترض کو منافق بتا کر خلاصی حاصل کی جائے۔

3۔ اپنے اعتراضات پر اصرار کرنے والے کو جماعت سے خارج اور بائیکاٹ کر کے، مریدوں کو قطع کلام کا حکم دے کر، اپنے جور و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تا کہ نہ مرید اس سے کلام کریں اور نہ سچے اعتراضات سے متاثر ہوں۔

4۔ ہر سچے معترض کے خلاف چند وجوہات تراش کر یہ پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ یہ اعتراضات بغض و کینہ کا نتیجہ ہیں۔

5۔ ہر مہاجر احمدی کو مفلس و قلاش بنانے کا پروگرام اختیار کیا گیا۔ تا کہ حقیقت حال معلوم ہونے پر اس قابل نہ رہیں کہ قادیان میں رہ کر یا قادیان سے باہر جا کر زندگی کے دن پورے کر سکیں۔

6۔ قادیان کو ریاست کی شکل دی گئی تمام مقامی پبلک کو مرعوب رکھنے کے لئے زد و کوب، مار پیٹ اور قتل و غارت کی وارداتیں رونما کی گئیں۔ تا کہ معترض پر خلیفہ صاحب کی ہیبت کا سکہ بیٹھ جائے۔

7۔ معترضین کو بعض مقدمات میں مبتلا کر کے خاموش کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

آہ! یہ طریق اس جماعت میں اختیار کئے گئے جو نیکی و تقوی پیدا کرنے کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ جو غیر احمدیوں کو اس لئے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا کرتے تھے کہ وہ احمدیت کا لٹریچر پڑھنا گناہ سمجھتے ہیں۔ بعض مقامات پر احمدیوں کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔ احمدیوں سے کلام کرنا نہیں چاہتے۔ ہم غیر احمدیوں کے اس طریق کو کمینگی، عدم رواداری، بے حوصلگی، اوچھاپن اور ایمانی کمزوری وغیرہ کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ مگر افسوس کہ آج خود ہمیں ان امراض میں مبتلا کیا جا رہا ہے!

اعتراضات کا غیر متناہی سلسلہ: باوجود خلیفہ صاحب کی ان احتیاطی تدابیر کے وقتاً فوقتاً دین کو دنیا پر مقدم کرنے والی جماعت کے حقیقی ہمدرد اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر خلیفہ صاحب قادیان کی ذات پر اعتراضات کر کے خلیفہ صاحب سے یہ مطالبہ کرتے رہے کہ آپ اپنی زندگی کو خلافت کا اہل ثابت نہیں کر سکے۔ اس لئے آپ اس عہدہ سے دستبردار ہو جائیں اور جماعت کے حال پر رحم کھا کر اسے اپنی

غلامی سے آزاد کر دیں۔ مگر انہیں دبانے کے لئے انتہائی تشدد اور دنیاوی وسائل سے کام لیا گیا۔ کسی کو لاہوری اور کسی کو منافق کا خطاب دیا گیا۔ قتل جیسے قابل نفریں فعل سے اجتناب نہ کیا گیا۔ وہ بہشتی مقبرہ جو پاک و نیک انسانوں کی یادگار قائم رکھنے کے لئے تجویز ہوا تھا۔ وہاں قاتلوں کو جگہ ملنے لگی۔ قادیان میں حقیقت حال سے واقف اصحاب اس جور و تشدد سے سہم جاتے رہے اور وہ ہمیشہ اس غلطی میں مبتلا رہے کہ اپنے بعض بھائیوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنتے دیکھتے رہے۔ مگر خود ہمت نہ کی کہ تمام کے تمام یکدم بیعت سے علیحدہ ہو کر جماعت میں اصلاح کریں۔ اور خلیفہ صاحب بھی ہمیشہ نہایت ہوشیاری سے اعتراضات کے زمانہ میں حقیقت حال سے واقف لوگوں پر عنایات کی بارش کرتے ہوئے ان کو خوش کر کے اپنا وقت نکالتے رہے۔ غرضیکہ جماعت میں مختلف اوقات میں ایسے مخلص حضرات پیدا ہوتے رہے جنہوں نے جماعت کی سچی خدمت کے خیال سے خلیفہ صاحب پر سچے اعتراضات کر کے آزاد تحقیقاتی کمیشن کا مطالبہ کیا۔ مگر بجائے کسی نیک طریق اختیار کرنے کے ان کی آواز کو ظلم و جور سے دبانے کی کوشش کی گئی اور دعوٰی یہ کہا جاتا رہا کہ خلیفہ صاحب مثیل عمرؓ ہیں۔ یعنی وہ عمر ہیں جو برسر اجلاس اعتراض ہونے پر خطبہ دینے سے پہلے اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔

قدرت خداوندی کا ظہور: بالآخر گذشتہ مظلوموں کی گریہ وزاری کو اللہ جلشانہ نے سنا۔ اس کی رحمت جوش میں آئی اور ان مقتدر حضرات کی بیعت سے علیحدگی ظہور پذیر ہوئی، جن پر منافقت کا الزام عائد کرنا ناممکن ہے۔ جناب شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری ایک جید عالم، تبلیغ یورپ کے لئے خلیفہ صاحب کے ہمراہی، مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر، امیر جماعت قادیان، پریذیڈنٹ لوکل جماعت، سمال ٹاؤن کمیٹی کے ممبر، غرضیکہ وہ ہستی، جو ان عہدوں پر فائز رہی، جو عرصہ بیس سال سے جماعت کے بچوں کی تربیت کرنے کے نازک کام پر مامور رہے، ان پر آج خلیفہ صاحب منافقت کا الزام نہیں لگا سکتے۔ خصوصاً اس لئے کہ یکم اپریل 1930ء کے ''الفضل'' میں خلیفہ صاحب کا وہ خطبہ درج ہے جس میں آپ کا ارشاد ہے کہ تمام منافقین بچوں، بوڑھوں، نوجوانوں اور عورتوں کی شکلیں انہیں رؤیا میں دکھائی گئی ہیں۔ اگر اس رؤیا میں محترم شیخ عبدالرحمٰن مصری صاحب اور مولانا فخر الدین صاحب کی شکلیں دکھائی گئی تھیں تو ان کو ہرگز ان عہدوں پر مامور نہ کیا جاتا۔ اسی مولٰینا فخر الدین صاحب کا اخلاص جماعت میں کسی تشریح کا

محتاج نہیں۔ آج ان اصحاب کی علیحدگی سے خلیفہ صاحب کی تمام احتیاطی تدابیر فیل ہوگئیں۔البتہ اشتعال انگیزی کا سلسلہ جاری ہے۔ جوروتشدد کیا جارہا ہے۔قانون شکنی کے لئے انگیخت ہورہی ہے۔ خلیفہ صاحب نے قادیان میں اپنے ملازمین کی جومختلف ناموں سے انجمنیں بنارکھی ہیں۔ان سے نفرت کے ریزولیوشن پاس کروائے جارہے ہیں۔تاکہ ان کو دیکھ کر بیرونی جماعتیں بھی، جو بیچاری حالات سے بے خبر ہیں، ریزولیوشن پاس کر کے خلیفہ صاحب کی ڈھارس بندھائیں۔مگر یہ حربہ بھی بے سود ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ اپنے ملازمین سے ریزولیوشنز منظور کرانا بالفاظ دیگر خود خلیفہ صاحب کی اپنی آواز ہے۔ لطف جب تھا کہ ملازموں سے ریزولیوشن منظور نہ کراتے اور بیرونی آواز کی انتظار نہ کی جاتی۔ رہے قادیان کے احمدی، سوانہیں معلوم ہے کہ جاں نثاروں کا حشر محمد امین مجاہد نجارہ کا حشر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشتعال انگیزی کا جواب یہ مل رہا ہے کہ اگر پھانسی پر چڑھنا سلسلہ کی عزت ہے تو اپنی اولاد مبارک احمد، منوراحمد۔ ناصراحمد (تیسری خلافت کے امیدوار) کو قتل وغارت کے لئے آمادہ کیجئے۔تاکہ وہ پھانسی کے تختہ پر گورداسپور جیل میں شہادت کا مرتبہ حاصل کریں۔ یہ فخر صرف سادہ لوح یا کرایہ داروں کے حصہ میں ہی نہیں آیا۔ ’’میں مسیح موعود کی پیشگوئیوں کا مصداق ہوں۔اگر مجھ پر اعتراض کروگے تو مسیح موعود کی پیشگوئیوں کو جھٹلاؤ گے‘‘ یہ وہ ڈھال ہے جو بھولے بھالے مریدوں کے سامنے اندھی تقلید کے جواز میں پیش کی جاتی ہے۔حالانکہ

1۔حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کے الفاظ بتاتے ہیں کہ وہ لڑکا ابھی پیدا ہونا تھا۔اور پیشگوئی کے وقت مرزا محمود احمد صاحب پیدا ہوچکے تھے۔2۔اگر مرزا محمود احمد صاحب ہی آپ کی پیشگوئیوں کے مصداق تھے تو فرمایئے حضور کی زندگی میں جب خلیفہ (مرزا محمود احمد) صاحب پر الزام لگا تو کیوں ایک کمیشن بٹھایا گیا۔یہی جواب کیوں نہ دیا گیا کہ میرا بیٹا ایسا نہیں ہوسکتا۔وہ تو ہماری پیشگوئیوں کا مصداق ہے۔کیا حضرت مسیح موعود نے یہ نہ فرمایا تھا کہ اگر محمود ایسا ہی ثابت ہو تو میں اسے عاق کردوں گا۔پس یہ ثابت ہے کہ کمیشن کا تقرر ہوسکتا ہے اور ہونا چاہئے۔

جناب خلیفہ صاحب کی خدمت میں مخلصانہ مشورہ: موجودہ حالات میں یہ ہے کہ اشتعال انگیزی کو چھوڑ یئے۔ کیونکہ یہ 1937ء ہے اور وہ 1930ء تھا۔نقص امن اور قانون شکنی کی تمام تر ذمہ داری، جو

اشتعال انگیزی کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوگی، اس کی ذمہ داری آپ کی گردن پر ہوگی۔ مخلص اور ہمدرد اصحاب کو خواہ مخواہ منافق، لاہوری اور احراری بتا کر سچے اعتراضات پر پردہ ڈالنا بیسود ہے۔ کیونکہ آپ خوب جانتے ہیں کہ یہ مخلص اصحاب فی الواقعہ مخلص ہیں۔ جور و ستم چھوڑ کر کوئی معقول طریق فیصلہ کو منظور کیجئے۔ اگر حیات و ممات مسیحؑ یا مسئلہ ختم نبوت پر شرائط طے کر کے مخالفین سے مناظرے ہو سکتے ہیں تو آیئے فیصلہ کن مناظرہ میں طے کیجئے۔ آزاد تحقیقاتی کمیشن آپ پر بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟!

خلیفہ صاحب! محمد امین مجاہد نجارا کی روح قادیان کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ ذرا سوچیں کہ حضرت مولانا نورالدین خلیفہ اول کے فرزند ارجمند میاں عبدالحیی مرحوم اور آپ کی دختر نیک اختر صاحبزادی امتہ الحیی صاحبہ کی روحیں آپ کو کیا نصیحت کر رہی ہیں۔ شیخ عبدالعزیز کی روح کیا پکار رہی ہے۔ لا پتہ شیخ فتح محمد مینجر احمدیہ اسٹور کیا آواز دے رہا ہے۔ قاضی محمد علی کا بٹالوی مقتول کیا کہہ رہا ہے اور خود محمد علی کیا چیخ رہا ہے۔ اور بھی بے شمار ارواح آپ کو کیا آوازیں دے رہی ہیں۔ سوچیں! سوچیں! علیحدگی میں خوب سوچیں۔ آپ ٹھنڈے دل سے غور کرتے ہوئے جماعت کو ہلاکت سے بچائیں۔ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔ ذرا خیال فرمایئے کہ غیر احمدیوں کی جماعت مجلس احرار کا قادیان میں ورود آپ کے کن افعال و حرکات کا نتیجہ ہے۔ اور کیا قادیان میں اس جماعت کا ورود عذاب خداوندی نہیں؟!

اگر آپ کو نواب یا راجہ بننے کا شوق ہے تو خدارا اس کے لئے جماعت کو استعمال نہ کیجئے۔ بہتر یہی ہے کہ کوئی فیصلہ کن راہ اختیار کیجئے۔ یہ دھمکیاں، یہ مذہبی اشتعال انگیزی، یہ جور و تشدد اب کام نہ دے گا۔ جماعت کو دعا اور روزوں کی تلقین کا حربہ بھی اعتراض سے توجہ ہٹانے کا ذریعہ نہیں ہو سکے گا۔ یہ ہتھیار بھی پرانا ہو چکا ہے۔ کیونکہ محمد علی کو چالیس روزے اور دعائیں بچا نہ سکی تھیں۔

خدارا غور کیجئے کہ آج جماعت کے تقدس کا وہ رعب کہاں ہے جو حضرت مسیح موعود کے وقت تھا۔

قادیان کے ان حضرات سے، جو حالات سے واقف ہیں اور اعتراضات کی سچائی سے واقف ہیں ہماری یہ اپیل ہے کہ خدا پر بھروسہ کرو۔ وہ رازق ہے جو سب کو دیتا ہے اور دے گا۔ جانوروں کو جنگل میں رزق پہنچانے والے اور غاروں میں رزق دینے والے خدا پر یقین پیدا کرو۔ اور سچائی کی حمایت کرتے ہوئے آزاد تحقیقاتی کمیشن کا مطالبہ کریں۔

بیرونی احمدی اصحاب سے گزارش ہے کہ موجود حالات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ انہیں حالات کا علم نہیں۔ ان کا مبلغ علم ''الفضل'' ہے۔ جو خلیفہ صاحب کی آواز ہے۔ آزاد تحقیقاتی کمیشن کے ذریعہ فیصلہ کی راہ پیدا کیجئے۔ تحقیقات تمام حقائق کو آشکارا کر دیں گی۔

خلیفہ صاحب سے مطالبہ کیجئے کہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی تین چٹھیاں، جن کو خواہ نخواہ گندی، گندی کہہ کر اصل واقعات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے، شائع فرمائیں تا کہ جماعت ان چٹھیوں کی معقولیت سے آگاہ ہو کر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ جائے۔

21جولائی1937ء

جذبات محبت

یہ نظم سید ممتاز علی صاحب کی چھوٹی صاحبزادی سیدہ طینت فاطمہ سلمہا جماعت سوم نے احمدیہ گرلز ایسوسی ایشن کے ماہانہ جلسہ میں پڑھی۔

السلام اے ممبران احمدیت السلام
آج پھر لبریز عشرت سے ہے میرے دل کا جام
آج اس جا صورتیں ساری وہ آتی ہیں نظر
ماہ بھر سے جن کی بیتابی سے تھی میں منتظر
شوق نے کھولا ہے دفتر آرزوئے دید کا
جلسہ ماہانہ ہے مرکز میری امید کا
بٹ رہی اس جا سے ہے وہ دولتِ ایمان قوم
دے گئے مہدی ہمیں جو بس وہی ہے جانِ قوم
سو رہا ہے خاک میں ایمان کا وہ تاجدار
اور نچھاور ہو رہی ہے اس کے گلشن پر بہار
یہ وہ گلشن ہے کہ جس کے پھول ہیں سب احمدی
جن کے آب و گل میں ہے پیوست عشقِ سرمدی
مرحبا اے خادمانِ دینِ احمدؐ مرحبا
دینِ حق کو از سرِ نو تم نے زندہ کر دیا
تم نے دوزخ سے بنی آدم کو دلوا دی نجات
ہے تمہاری ذات سے تابندہ بزمِ کائنات
مشرق ومغرب میں ایماں کی اشاعت تم نے کی
شوق سے جھیلے مصائب اور اطاعت تم نے کی
تم سے جلسے میں ہماری عزت افزائی ہوئی
کھل گئی دل کی کلی جو کل تھی مرجھائی ہوئی

26 جولائی 1937ء

مکتوب امیر۔3

فضلِ الٰہی کا زبردست مشاہدہ

برادرانِ مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے ارادہ کیا تھا کہ ہر ہفتہ ایک خط لکھتا رہوں گا۔ لیکن قریب دو ہفتے سے اس قابل نہ رہا۔ اور اب بھی چار پائی پر بیٹھ لیٹ کر ہی کچھ تھوڑا بہت کام کر سکتا ہوں۔ میں نے آپ کو دو باتوں کی طرف توجہ دلائی تھی۔ ایک یہ کہ خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانا۔ یہ سب سے بڑا مقصد ہے جو ایک مسلمان اپنے سامنے رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اس چھوٹی سی جماعت کو اس کام کے لئے چن لیا ہے۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَآءُ (4:62)۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہم اسلام کا یا مسلمانوں کا کیا بگاڑتے ہیں جس کی وجہ سے کسی کے دل میں ہمیں کچلنے اور مٹانے کی خواہش پیدا ہو۔ غیر احمدی اصحاب تو ایک حد تک معذور ہیں کیونکہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم نے اسلام سے علیحدہ کوئی مذہب بنا لیا ہے۔ لیکن تعجب قادیانی جماعت پر ہے۔ قادیانی جذبۂ انتقام، جو 1914ء میں ہمارے مٹانے کے لئے بھڑکا، وہ غیر احمدی اصحاب کے جذبہ سے بہت آگے نکل گیا ہے۔ آخر ہم دوسرے مسلمانوں کی نسبت ان سے قریب تھے۔ ایک مدت اکٹھے بھی رہے تھے۔ بڑے بڑے تعلقات محبت بھی تھے۔ قادیان کے بہت سے بڑے بڑے کام، جو قومی عزت کا موجب ہیں، ان میں ہم ان کے شریک ہی نہ تھے بلکہ شاید جو محنت ہم نے ان کے کرنے میں کی اور جس دیانتداری سے ان کو سرانجام دیا اس کی گواہی ان کے دل اب تک دیتے ہوں گے۔ حضرت مرزا صاحب کو ہم مجدد مانتے ہیں۔ مگر دنیا میں وہ جماعتیں بھی ہیں جو آپ کو کافر اور دجال قرار دیتی ہیں۔ لیکن دیکھئے سوائے ہمارے کسی کے لئے لَيُمَزِّ قَنَّهُمْ کا الہام نہیں ہوتا۔ گویا ہم قادیانیوں کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔ اور یہ بات قادیان کے لیڈر نے خود اپنے مشہور ''گو بھی خطبہ'' میں صاف طور پر کہہ بھی دی ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اور انبیاء اور راستبازوں کی مخالفت شروع ہوئی ہے، ایسی بُری اور شریر جماعت دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئی، جیسی جماعت لاہور! اور تعجب یہ ہے کہ ہمیں ٹکڑے

ٹکڑے کر دینے کا الہام اس وقت ہوتا ہے جب ابھی ہماری جماعت بنی بھی نہ تھی۔ پنجابی مثل مشہور ہے۔ ''پنڈ بجھا نہ اُچکے پہلوں آ گئے'' آخر ہمارا قصور کیا تھا۔ صرف یہ کہ ہم نے کہا تھا کہ ہم اس شخص کی بیعت نہیں کر سکتے جو ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر کہہ کر وحدت اسلام کو، جو اسلام کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز ہے، پاش پاش کرتا ہے۔ اس بات کا منہ پر لانا اتنا بڑا جرم ہو گیا کہ ہم فاسق بھی بن گئے۔ بدترین مخلوق بھی بن گئے۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جانے کے لائق بھی ہو گئے۔ اور ایک رات میں یہ سب کچھ ہو گیا۔ اتنی غیرت تو خدا تعالیٰ نے افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی نہ دکھائی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے نہ کی ان کے لئے لَیُمَزِّ قَنَّھُمْ کا الہام نہ ہوا۔ مگر چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دینا اور عملاً کلمہ طیبہ کو منسوخ کر دینا یہ فعل خدائے قادیان کو اس قدر پسند آیا کہ ایک رات کے اندر اندر ہی اس نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس خلیفہ کے منکر بدترین مخلوق ہیں۔ سب سے پہلے ساری خدائی طاقتیں ان کی بربادی پر صرف ہونی چاہئیں۔ تا کہ یہ خلیفہ اسلام کی وحدت کو برباد کو نے والا ''خلیفہ'' جو تیرہ سو سال کے بعد اتفاق سے ہاتھ آ گیا ہے۔ سرسبز اور کامیاب ہو!

میاں صاحب بہت دفعہ مریدوں کو سمجھایا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے کہا تھا کہ جو غلط بات دوسروں کے متعلق کہتا ہے وہ مرتا نہیں جب تک کہ خود اس کا مورد نہیں بنتا۔ کاش! خود بھی کبھی اس سے سبق لیتے۔ وہ تئیس سال سے ہمیں ٹکڑے ٹکڑے دیکھنے کے خواہشمند تھے اور ذرا یہ کہیں فضا میں حرکت پیدا ہوئی تو انہوں نے کہا۔ دیکھو! وہ آندھی آئی جس سے یہ جماعت برباد ہوئی۔ کبھی مرحوم خواجہ (کمال الدین) صاحب کے لیکچر دیتے ہوئے کسی نوجوان نے کچھ کہہ دیا تو قادیان میں تار چلی گئی اور وہاں سے ایک آواز نکلی تو ہندوستان کے طول وعرض میں قادیانی جماعت میں شادیانے بجنے لگے کہ ''پیغامی'' تباہ ہو گئے اور حضرت صاحب کا الہام لَیُمَزِّ قَنَّھُمْ پورا ہوا۔ کہیں ووکنگ مشن کا علیحدہ ٹرسٹ قائم ہو گیا تو ساری قادیانی جماعت میں بجلی کی لہر دوڑ گئی کہ ''پیغامیوں'' کا اب کچھ باقی نہیں رہا۔ کہیں جماعت احمدیہ کے کسی رکن کا دوسرے سے اختلاف ہوا تو ''الفضل'' میں نکل گیا کہ سب گھروں میں گھی کے چراغ جل جائیں کہ اب ''پیغامیوں'' کی بربادی کا آخری نظارہ ہے۔ مگر جس طرح احراری احمدیت کے تابوت میں آخری ''میخ'' لگاتے لگاتے تھک گئے اور احمدیت کا فرضی تابوت آخر ان کا اپنا

تابوت ثابت ہوا۔اسی طرح......کی خواہشمند قوم کو خدا نے ان کے اپنے گھر میں لَیُمَزِّ قَنَّھُمْ کا نظارہ دکھا دیا۔اور وہ ''پیغامی'' جن کو تئیس سال سے برباد کرنے کی فکر میں تھے خدا کے فضل سے اپنے کام میں اسی طرح آگے قدم بڑھتے ہوئے جا رہے ہیں۔ ہاں! اس پر فخر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے سامنے سر جھک جاتا ہے کہ جس مٹھی بھر جماعت کو برباد کرنے کے اتنے شوقین ہیں، اسے خدا محض اپنے فضل سے بچائے جا رہا ہے۔

محض اختلاف رائے کسی جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی دلیل نہیں۔ ہاں! اب قادیانی اصحاب خود سوچ لیں کہ جس قسم کے گندے الزام مخلص مریدوں نے پہلے لگائے، جن کا مباہلہ کا مطالبہ تاریخ احمدیت کا ایک مشہور واقعہ بن گیا، اور جو الزام اب ایسے پایہ کے مخلص مرید اور کم گو انسان، جیسے مولوی عبدالرحمٰن مصری، جو سالہا سال سے جامعہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر چلے آرہے ہیں اور انہی کی زیرنگرانی سینکڑوں قابل قادیانی مبلغ نکل چکے ہیں یا ایسے فدائی جیسے فخرالدین ملتانی، جنہوں نے غریب ''پیغامیوں'' کو برا کہنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا، لگا رہے ہیں۔ یہ جماعت قادیان کی اندرونی حالت کا کیا نقشہ پیش کر رہے ہیں! کیا دل ٹکڑے ٹکڑے ہیں یا نہیں! اور جس چیز کو قادیان کا لیڈر تئیس سال سے ہماری جماعت میں دیکھنے کا خواہشمند تھا، کیا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی حالت اپنی جماعت میں اب بھی نظر آتی ہے یا نہیں؟ میر محمد اسمٰعیل صاحب کا، جنہوں نے اپنے خلیفہ کی حمایت میں زبردست مضمون الفضل میں لکھا ہے، یہ خیال ہے کہ مشہور مستریوں کے فتنے کے وقت سے ایسے اعتراض ان لوگوں کے دلوں میں تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ پر الزام، جنہیں فریقین اب تک ظاہر کرنے سے گھبراتے ہیں، اسی رنگ کے ہیں، جیسے مباہلہ والوں نے لگائے تھے۔ مگر وہ انہیں ظاہر نہیں کر سکے۔ کیا اس سے یہ صاف نظر نہیں آتا کہ اور بھی قادیان میں سینکڑوں لوگ موجود ہوں گے، جن کے دلوں میں یہ اعتراض موجود ہیں، مگر ظاہری مجبوریوں کی وجہ سے وہ انہیں ظاہر نہیں کر سکتے۔ اور خود میاں صاحب خطبہ پر خطبہ دے رہے ہیں کہ قادیان میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ منافق بن چکے ہیں۔ تو یہ لوگ جو مخلص ہونے کی حالت میں قادیان میں آئے اور اب دھڑا دھڑ منافق بن رہے ہیں کیا ان کا وجود صاف نہیں بتاتا کہ قادیان کی جماعت کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔ بظاہر وفاداری کے ریزولیوشن بھی

پاس ہو رہے ہیں۔ مگر خود میاں صاحب گواہی دیتے ہیں کہ انہی وفاداری کے ریزولیوشن بنانے والوں میں ایک بڑی بھاری تعداد منافقوں کی بھی ہے۔ اور جب دلوں کی یہ حالت ہے تو کوئی ظاہری ڈنڈا کتنے دن کام دے گا۔ بیشک جاسوسی کا محکمہ جتنا چاہیں مضبوط کر لیں، پہرے جتنے چاہیں بٹھا لیں، ڈنڈا فوج جتنی چاہیں تیار کر لیں۔ مگر ان باتوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے دل ایک نہ ہوسکیں گے۔ دلوں کو ایک کرنا ہے تو ان دھمکیوں کو چھوڑ دو کہ جو خلیفہ پر سچا الزام بھی لگائے گا جہنم میں جائے گا۔ اور جو اعتراضات ہیں انہیں صاف کرنے کی کوشش کرو۔

مگر اس مریدوں اور خلیفہ کی جنگ میں جو بچاؤ کی تدبیر سپہ سالار کو نظر آئی ہے، وہ صرف یہی ہے کہ اس کو اسی جماعت کے سر پر تھوپو جس کے متعلق بیسیوں دفعہ اعلان ہو چکا ہے کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہے۔ کوئی مرید تو رو رو کر لکھتا ہے کہ حضور! میں نے فلاں ''پیغامی'' کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں فخر الدین ملتانی یا مولوی عبدالرحمٰن مصری کا اشتہار تھا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ ''پیغامیوں'' کا اٹھایا ہوا فتنہ ہے۔ سبحان اللہ! کیا استدلال ہے؟ مگر خیر ''الفضل'' میں چھپ کر ساری قادیانی جماعت تو مطمئن ہو جاتی ہے کہ ان کے خلیفہ پر یہ حملہ ''پیغامیوں'' کی طرف سے ہے۔ اس لئے اس کی اصلیت کوئی نہیں۔ کیونکہ ''پیغامی'' بدترین مخلوق ہیں۔ یہ اعتراضوں کے جواب دینے کا بھی نرالا طریق قادیانی اصحاب اور ان کے خلیفہ کو سوجھا ہے۔ واقعات کچھ ہوں مگر جب ایک ''پیغامی'' نے اس اشتہار کو پڑھ لیا تو وہ اعتراض ضرور جھوٹے ہوں گے۔ کوئی مرید جب اپنے خلیفہ صاحب کے ساتھ اخلاص اور وفاداری کا ریزولیوشن پیش کرتا ہے تو نئے معترضوں کو بھی ڈراتا ہے کہ تم پہلے معترضین یعنی غیر مبائعین کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔ اور خود خلیفہ بھی جب اپنی مزعومہ دس لاکھ جماعت اور ان کے سینکڑوں وفاداری کے ریزولیوشنوں کا سہارا لیتا ہوا ان دو یا تین معترضوں کے ناکام ہونے اور اپنے کامیاب ہونے کی پیشگوئی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے خدا نے وعدہ دیا ہے کہ میں اپنی دس لاکھ فوج کے ساتھ تین آدمیوں پر غالب آؤں گا (اس نئے دور خلافت کی ساری باتیں ہی نرالی ہیں) تو وہ بھی اپنی فوج کو یہ سہارا دیتا ہے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ پہلے خلیفہ کا انکار کرنے والے کس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس پر سب مرید ایمان لاتے ہیں۔ مگر کوئی پوچھتا نہیں کہ اگر ان کی طاقت اتنی بڑی ہے کہ وہ قادیان جیسی زبردست اور

منظّم جماعت کی بنیادوں کو ہلا سکتے ہیں اور قصر خلافت میں زلزلہ برپا کر سکتے ہیں تو وہ ٹکڑے ٹکڑے کس طرح ہو گئے۔ نہیں۔ ان دونوں باتوں پر، جو خلیفہ کے مونہہ سے نکلی ہیں، ایمان لانا ضروری ہے اور قادیان کی ساری جماعت ایمان لاتی ہے۔

میں پوچھتا ہوں وہ ہمارا عبرتناک انجام کیا ہے جس سے نئے معترضین کو ڈرایا جاتا ہے۔ کیا یہی کہ ہم نے یورپ میں چار مشن تبلیغ اسلام کے لئے قائم کر رکھے ہیں۔ یہی کہ وسط یورپ میں ڈیڑھ لاکھ کے خرچ سے ایک مسجد کھڑی کر دی۔ یہی کہ ہم نے قرآن شریف کا تین یورپین زبانوں میں ترجمہ کر دیا ہے۔ یہی کہ ہم نے دس ہزار کی تعداد میں قرآن شریف مفت دنیا میں پہنچا دیئے ہیں۔ یہی کہ سیرت نبویؐ اور تعلیم اسلام کی کتابوں کا تیس مختلف زبانوں میں ترجمہ کر دیا ہے۔ یہی کہ چھ اخبار مختلف زبانوں میں تعلیم اسلام کے پھیلانے کے لئے جاری کر دیئے ہیں۔ یہی کہ قادیان سے الگ ہو کر دو نئے ہائی سکول قائم کر دیئے ہیں۔ دونوں کی عمارتیں بنوا دیں اور بورڈنگ ہاؤس بنا دیئے ہیں۔ کاش! یہ انجام جماعت قادیان کا بھی ہوتا تو آج اسلام کا نام ساری دنیا میں گونج اٹھتا۔ کاش! قادیان کی جماعت سے کچھ لوگ ہی الگ ہو کر اس کام میں لگ جائیں۔ ایسے عبرتناک انجام کی خواہش تو ہر مسلمان کے دل میں ہونی چاہیئے۔ اس سے ڈرانا قادیانی منطق کا ادنیٰ کرشمہ ہے!

مگر کبھی اپنے عبرتناک انجام پر بھی غور کیا؟ حضرت مسیح موعود نے کس بلند مقام پر کھڑا کیا تھا کہ قرآن کو دنیا میں پہنچاؤ۔ تعلیم اسلام کو دنیا میں روشن کرو۔ مگر یہ جماعت سیاست کی دلدل میں اس طرح پھنسی کہ اب قدم نیچے ہی نیچے جا رہا ہے۔ یہاں کامیابی اور ناکامی کا معیار ہی الگ ہے۔ بڑے بڑے بلند دعوٰی کئے جاتے ہیں کہ ہمارے دشمن سب ناکام ہو گئے اور ناکام ہو جائیں گے اور ہم کامیاب ہو گئے اور کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر اس کامیابی اور ناکامی کا کوئی معیار؟ جماعت احمدیہ کی کامیابی تو یہی تھی کہ جس ولولہ اور جذبہ کو لے کر اس کا بانی اٹھا تھا کہ میں خدا کے آخری پیغام کو دنیا میں پہنچاؤں گا اور کسر صلیب کر کے یورپ اور امریکہ میں اسلام کو پھیلاؤں گا اور اسلام کو دنیا پر غالب کر کے دکھاؤں گا، اس کام کو دن بدن، قوت ملتی۔ مگر یہ تو تب ہوتا جب 98 فیصد جماعت بھی دو فیصد لَیُمَزِّ قَنَّھُمْ کی مصداق جماعت کی طرح اپنی توجہ اشاعت اسلام کی طرف رکھتی۔ واقعات تو آخر واقعات ہیں۔

کب تک ان کی طرف سے آنکھیں بند رہ سکتی ہیں۔ اشاعت قرآن اور تبلیغ اسلام کے میدان میں ٹھوس کام تو صفر کے برابر اور کامیابی کا ڈھنڈورا دن رات پٹ رہا ہے۔ کہاں ہے وہ قادیانی جماعت کا لٹریچر، جس کے سامنے دنیا کی گردنیں جھک رہی ہوں جس طرح حضرت مسیح موعود کے لٹریچر کے سامنے جھک گئی تھیں۔ مسیح موعود کا کام تو چھوڑ دیا۔ اب نام کی لکیر کو پیٹنے سے کیا حاصل ۔ یہ نہ سہی۔ آریہ سماج کی طرح ہی کام کیا ہوتا تو مسلمان قوم میں ہی کچھ قوت پیدا ہوتی۔ کہاں وہ 1914ء کے دعوے کہ ہم یوں سکول جگہ جگہ قائم کریں گے اور یہ کریں گے اور وہ کریں گے۔ اور کہاں یہ حالت کہ ایک ہائی سکول، جس کامیابی کے مقام پر اختلاف کے وقت 1914ء میں پہنچا ہوا تھا، اس پر بھی قائم نہ رہا۔ کون کون سی قومی عمارتیں 1914ء کے بعد بنی ہیں۔ ان کا نام تو لو۔ قصر خلافت اور قصر وزارت کا نام نہ لو۔ وہ ذاتی جائدادیں ہیں۔ کیوں تئیس سال کے لمبے عرصہ میں ایک کالج بھی نہ بن سکا۔ حالانکہ 1914ء سے پہلے اس کی بنیاد بھی پڑ چکی تھی۔ کیوں پانچ سات ہائی سکول بھی قائم نہ ہو سکے۔ مقبرہ بہشتی کے لاکھوں روپے اور چندوں کے کروڑوں روپے کیا سیاست کی دلدل میں غرق نہیں ہوئے۔ تو کروڑوں کی تعداد میں قومی روپے کو برباد کر کے اور تھوڑی ذاتی جائدادیں پیدا کر کے اسے کامیابی قرار دینا یہ قادیانی منطق اسی وقت تک کام دے سکتی ہے۔ جب تک تقلید کی پٹی آنکھوں پر بندھی ہوئی ہے۔ والسلام۔

خاکسار محمد علی

3 اگست 1937ء

مکتوب امیر۔4

بارگاہ الٰہی میں نالہ ہائے نیم شبی کی ضرورت

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پچھلے خط میں میں نے ذکر کیا تھا کہ قادیانی جماعت کو تیئس سال کا عرصہ گزر گیا وہ ہماری تباہی اور بربادی کی متمنی چلی آتی ہے۔لیکن خدا کے فضل سے،جنہیں 1914ء میں چار پانچ آدمی کہہ کران کی تحقیر کی جاتی ہے آج ان کے کئی کامیاب اسلامی مشن یورپ میں چل رہے ہیں۔دو ہائی سکول قائم ہو چکے ہیں اور ان کا اسلامی لٹریچر ہزارہا کی تعداد میں یورپ اور امریکہ میں پہنچ چکا ہے۔اور لَیُمَزِّقَنَّھُمْ کا نظارہ،جس کی بزرگان قادیان کو لاہور میں دیکھنے کی خواہش تھی خود قادیان میں گھر کے اندر نظر آنے لگا ہے۔کس قدر عبرت ناک نظارہ کہ وہ خلافت،جس کی خاطر ایک نئی نبوت کی بنیاد ڈالی گئی اور دنیا کے چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دے کر کلمہ کو منسوخ قرار دیا گیا، اس کی بنیادیں متزلزل ہورہی ہیں اور وہ مرید، جو کل تک اخلاص اور فدائیت میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے خلیفہ کو معزول کرنے کے درپے ہیں۔وہ اس وقت دو تین آدمی نظر آتے ہیں اور بظاہر حالات کون یہ خیال کرسکتا ہے کہ وہ لاکھوں کی جماعت کے بالمقابل کامیاب ہو جائیں گے۔لیکن خود قادیان کے اندر خلافت کے بت کو توڑنے کی تحریک کا اٹھنا اور دو تین آدمیوں کے دلوں کے اندر اس زبردست عزم کا پیدا ہو جانا بتا رہا ہے کہ درحقیقت وہ بت ٹوٹ چکا ہے۔جہاں تیئس سال تک یہ تعلیم دی جاتی رہی کہ خلیفہ پر بے جا اعتراض کرنے والا بھی سیدھا جہنم میں جائے گا، جہاں خلیفہ نے نبوت کا منصب سنبھالا اور اپنے فیصلوں کو لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. (65:4) کا مصداق ٹھہرایا۔تا کہ کسی کو اس کے خلاف چوں و چرا کی گنجائش ہی نہ رہے جہاں،مریدوں نے یہاں تک غلو کیا کہ نہ صرف ''خلیفہ'' کو ''نبی'' پر حکم ٹھہرایا بلکہ خدائی

مرتبہ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ. (23:21) بھی اس کے سپرد کر دیا☆ آخر وہیں سے مخلصین کے دلوں میں وہ زبردست اعتراض بھی پیدا ہوئے جن کے سامنے انہوں نے اپنی ساری دنیوی امیدوں کو قربان کر دیا۔ کسی وقت قادیان میں نیکی اور تقوٰی کا جذب اتنا بڑا تھا کہ لوگ سب دنیوی سروسامان کو چھوڑ کر قادیان آتے تھے۔ آج اسی قادیان کے اندر انہی مخلصین کو وہ باتیں نظر آنے لگیں کہ ان کے سامنے انہوں نے اپنی ساری دنیوی امیدوں پر، جو قادیان سے وابستہ تھیں اور فی الحقیقت ان کی ہر قسم کی امیدیں قادیان سے وابستہ ہو چکی تھیں، لات ماردی، تو کبھی قادیان کا روشن پہلو اس قدر غالب تھا کہ لوگ سب کچھ چھوڑ کر وہاں جاتے تھے۔ آج قادیان کے رہنے والے اس کے تاریک پہلو کی وجہ سے اس قدر متنفر ہو رہے ہیں کہ سب کچھ جو وہاں پیدا کیا تھا قربان کر رہے ہیں۔ بصیرت والوں کے لئے یہ کوئی چھوٹا سا انقلاب نہیں!

کیا ان نئے حالات کے پیدا ہونے پر ہمیں کوئی خوشی ہوسکتی ہے۔ اگر ان لوگوں نے ہماری ہر ایک مصیبت پر بغلیں بجائی ہیں تو ہم کسی کی مصیبت پر خوش ہونے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ ہمارے دلوں میں رنج ہے کہ وہ قادیان، جہاں سے تقدس اور علم کے چشمے پھوٹے، آج اس کی طرف وہ باتیں منسوب ہو رہی ہیں جو اس کی شان سے بعید ترین تھیں۔ علمی رنگ تو مفقود ہوا ہی تھا۔ مگر عملی نمونے میں بجائے کشش کے نفرت پیدا کرنے والے ہو گئے۔ ہمیں مسلمانوں کی کسی جماعت کی تباہی سے خوشی نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر خوشی ہوسکتی ہے تو صرف اس بات سے کہ وہ جماعت راہ راست پر آجائے اور مسیح موعود کی نام لیوا جماعت میں ہمارے دل یہ انقلاب دیکھنے کے متمنی ہیں کہ وہ تقلید کی پٹی کو اتار کر اپنی عقل وفہم سے کام لے۔ جس سے کام لے کر ہمیں مسیح موعود کے لائے ہوئے نور کو شناخت

☆ مولوی سرور شاہ صاحب نے کسی خطبہ جمعہ میں اس آیت قرآنی کا مصداق خلیفہ کو بتایا ہے۔ اس آیت میں ذکر تو یہ ہے کہ خالق و مالک سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں۔ ہاں! مخلوق یعنی انسانوں سے باز پرس ہوگی۔ مگر اہل

قادیان کے نزدیک خلیفہ خدا کے مقام پر ہے کہ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور وہ سب سے باز پرس کرے گا۔ کرنے کی توفیق ملی تھی اور ریاست اور سیاست کے دنیوی خیالات کو چھوڑ کر، جس پر قوم کی قوت اور مال تئیس سال تک برباد ہوتے رہے ہیں، اپنی ساری قوت اور مال کو تبلیغ دین اور اشاعت اسلام پر خرچ کرلے۔ پس ان نئے حالات سے، جو قادیان کی اس نیک شہرت کو جو مسیح موعود کی بدولت اسے حاصل ہوئی تھی، ایک داغ لگ رہا ہے، تو دوسری طرف یہ جھلک بھی ضرور نظر آتی ہے کہ شائد اس طرح اس جماعت کی آنکھوں سے وہ خطرناک پیر پرستی اور تقلید کی پٹی اتر جائے جو جماعت کو بدنام کرنے کا موجب ہو رہی ہے اور جماعت کی قوت صحیح رنگ میں خرچ ہونے لگے۔ اور یہ ہمارے لئے خوشی کا دن ہوگا۔

پس ان حالات کے اندر میں اپنی جماعت کو دو باتوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ میں نے جب بھی اپنے دوستوں کو توجہ دلائی ہے کہ وہ قادیانی جماعت کو راہ راست پر لانے کی کوشش کریں تو مجھے عموماً یہی جواب ملا ہے کہ یہ جماعت نہ کسی دلیل کی پرواہ کرتی ہے نہ اپنے عقل وفہم سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔ بلکہ جو کچھ ان کے پیر کی زبان سے یا قلم سے نکل جائے وہی بغیر سوچے سمجھے ان کا مذہب بن جاتا ہے۔ اس لئے ان کو سمجھانا بے سود ہے۔ اور یہ بات درست تھی۔ ایک وقت تھا کہ میاں محمود احمد صاحب نے کہا کہ حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں نبوت کا دعوٰی کیا اور اس سے پہلے کی آپ کی تحریریں انکار نبوت کے متعلق منسوخ اور ان سے حجت پکڑنا غلط۔ تو ساری جماعت پکار اٹھی کہ 1901ء سے پہلے کی تحریر سند نہیں۔ اب جو انہوں نے اپنے حلفی بیان میں یہ کہہ دیا کہ حضرت مسیح موعود نے 1891ء میں دعوٰی نبوت کیا اور اب اس کے بعد اسی پر زور دیتے چلے جا رہے ہیں۔ تو اب بھی کوئی نہیں پوچھتا کہ جن تحریروں کو آپ نے پہلے منسوخ قرار دیا۔ ان کو اب کیا سمجھیں۔ اور 1891ء میں حضرت مسیح موعود تو قسمیں کھا کھا نبوت سے انکار کر رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ آپ نے 1891ء میں دعوٰی نبوت کیا۔ تو مسیح موعود کو سچا سمجھیں یا آپ کو؟ تو یہ سچ ہے کہ قادیان کی جماعت خطرناک ترین پیر پرستی میں مبتلا ہوگئی۔ لیکن کیا ممکن نہیں کہ یہ جو غیر معمولی واقعات اب قادیان میں پیدا ہو گئے ہیں اور خلیفہ کی عظمت کے منافی حالات ظاہر ہو رہے ہیں اور خلافت کا بت ٹوٹ رہا ہے تو

یہ اس جماعت کی آنکھیں کھول دے۔ اور جب آنکھیں کھلیں تو حق اور صداقت بھی نظر آنے لگے۔ پس میں اپنی جماعت کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت خاص جدوجہد سے کام لینے کا موقع ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ وقت آ گیا ہو کہ اس جماعت کی آنکھیں کھل جائیں۔ کم از کم ہمیں مسیح موعود کی جماعت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے اور اپنی پوری قوت اس بات پر صرف کرنی چاہیئے۔ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی راہ سے اپنی نصرت کے مزید دروازے کھول دے۔ مگر کوئی نصرت نہیں آتی جب تک کہ انسانوں کے دلوں میں اس کے جذب کرنے کے لئے ایک تیاری پیدا نہیں ہوتی۔ پس اس وقت آپ اس غرض کے لئے کچھ مزید جانی اور مالی قربانیوں کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور حق اور صداقت کے بیج بونے کا یہ موقعہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اپنا لٹریچر اس جماعت کے اندر پھیلائیں۔ اگر آپ سو میں سے ایک آدمی کو بھی لے لیں تو یہ کامیابی ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ اگر کوشش کی جائے تو سو میں سے دس کا لینا بھی مشکل نہیں۔

دوسرا امر جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اس موقعہ پر خاص طور پر دعا کی طرف توجہ کی جائے۔ بالخصوص پچھلی رات کی دعا کی طرف۔ جو قبولیت کا بہترین وقت ہے۔ ہر ایک دوست فجر سے ایک آدھ گھنٹہ پیشتر اٹھنے کی عادت ڈالے اور دو رکعت نفل ادا کرتا ہوا آستانہ الٰہی پر سر رکھ کر اس کی نصرتوں کا طالب ہو۔ اس بات میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ ایک طرف اگر ہم نے اس جماعت کے متعلق حق جہاں پورے طور پر ادا نہیں کیا، تو دوسری طرف مجاہدہ کا حق بھی ادا نہیں کیا۔ جو پردہ ہمارے ان بھائیوں کی آنکھوں پر پڑ گیا ہے، اسے آپ کی آنکھوں کے آنسو اٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے میں پھر یہی کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے نظاروں کو دیکھنا چاہتے ہوں تو اپنی غفلت کے پردوں کو دور کریں۔ اور سب مل کر ایک طرف دعا میں لگ جائیں اور دوسری طرف اپنی جدوجہد کو انتہا کو پہنچا دیں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

9 اگست 1937ء

مکتوب امیر-5

حسن بن صباح کے نقش قدم پر

خلیفہ قادیان کی افسوسناک جسارتوں کا عبرت انگیز انجام

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پچھلے خط میں میں نے لکھا تھا کہ قادیان میں جو اس وقت جھگڑا اٹھا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ سلسلہ کے لئے کسی رنگ میں بھلائی کا موجب ہو جائے۔ سو اس کے بعض فوائد تو ابھی سے نظر آنے لگے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بات ہے کہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے اعتراضات کا جواب میاں صاحب خود دیتے ہیں۔ چنانچہ آج کل ان کے تمام خطبے اور تقریریں انہی کے اعتراضات کے جواب ہوتی ہیں۔

شیخ صاحب اس بارے میں واقعی مستحق مبارکباد ہیں۔ بلکہ میاں صاحب کے اس رویہ سے تو یہ بھی امید ہوتی ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد وہ ان اہم اعتراضات کی طرف بھی توجہ کریں گے جن کی بنا پر شیخ صاحب اور ان کے رفقاء الگ ہوئے ہیں۔ میں نے اسی لئے شیخ صاحب کو مستحق مبارکباد کہا۔ ہم بارہا کوشش کر چکے ہیں کہ ہمارے کسی اعتراض کا جواب بھی میاں صاحب دیں۔ مگر وہ اس طرف کبھی توجہ نہیں کرتے۔ تازہ بات ہے کہ جب سے انہوں نے یہ اعلان کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے 1891ء میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ ہم متعدد مرتبہ دریافت کر چکے ہیں کہ آپ کا پہلا عقیدہ، کہ آپ نے 1901ء میں دعویٰ نبوت کیا تھا اور اس سے پہلے کی کتابیں منسوخ ہیں، جس بنا پر کتاب ''حقیقۃ النبوت'' لکھی گئی، کیا وہ غلط تھا یا یہ نیا اعلان غلط ہے؟ اور پھر یہ بھی دریافت کر چکے ہیں کہ 1891ء میں آپ نے دعویٰ نبوت کیا تھا تو دونوں میں سے سچا کس کو مانا جائے؟ اور پھر یہ بھی دریافت طلب ہے کہ 1891ء میں ہندوستان کے اکثر علماء نے اسی بناء پر حضرت مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگایا کہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور حضرت صاحب نے قسمیں کھا کھا کر دعویٰ نبوت سے انکار کیا۔ تو کیا مخالف علماء سچے تھے یا وہ شخص جسے خدا تعالیٰ نے مامور کر کے بھیجا تھا؟ سچا تو دونوں میں سے ایک ہی ہو

سکتا ہے۔ اور پھر یہ بھی دریافت کر چکے ہیں کہ جب نبوت کا منکر کافر ہوتا ہے تو حضرت مسیح موعود اپنی نبوت کا انکار کر کے کافر ہوئے یا نہیں؟ مگر ہماری کسی بات کی طرف میاں صاحب توجہ نہیں کرتے۔ لیکن شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے ایک ایک حرف کا جواب خود دیتے ہیں۔ تو کیا یہ فرق صرف اس لئے ہے کہ مصری صاحب کا حملہ میاں صاحب کی ذات پر ہے اور ہم ان کے عقائد پر اعتراض کرتے ہیں؟ کاش! میاں صاحب اور ان کی جماعت کو یہ سمجھ بھی آجائے کہ عقائد کے متعلق جو ان کے متضاد بیانات شائع ہورہے ہیں۔ ان پر توجہ کرنا ان کا پہلا فرض تھا۔ کیونکہ ان کی زد خود حضرت مسیح موعود پر پڑتی ہے۔

دوسرا فائدہ یہ نظر آتا ہے کہ بحمدللہ آج میاں صاحب خود ان باتوں کو غلط ٹھہرا رہے ہیں جن کی بنا پر 1914ء میں ہمیں فاسق کا خطاب دیا گیا تھا۔ اُس وقت میاں صاحب کو اس بات پر اصرار تھا کہ جماعت احمدیہ کا ایک ایک مرد اور عورت جب تک کہ ''خلیفہ'' کی بیعت نہ کرے وہ **مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ.** (55:24) کے ماتحت فاسق ہے۔ چنانچہ وہ کل لوگ جنہوں نے میاں صاحب کی بیعت نہ کی وہ رات کو مومن سوئے اور صبح کو میاں صاحب کے فتوٰی کے مطابق فاسق بن کر اٹھے۔ لیکن شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کو جواب دیتے ہوئے میاں صاحب نے نہایت زور شور سے اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ ''خلافت کی بیعت سب لوگوں کے لئے ضروری نہیں ہوا کرتی'' چنانچہ جس بات پر وہ 1914ء میں اس زور سے قائم تھے کہ حضرت مسیح موعود کے مخلص احباب کو فاسق قرار دینے میں انہیں ادنیٰ تامل بھی نہ ہوا۔ اس کا مطالبہ اب شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری سے کر رہے ہیں۔ ان کے الفاظ مندرجہ الفضل یکم اگست 1937ء قابل غور ہیں:

> ''ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ وہ (یعنی شیخ عبدالرحمٰن مصری) ثابت کریں کہ اُس زمانہ میں ہر فرد واحد خلیفہ وقت کی اصالتاً دوبارہ بیعت کیا کرتا تھا۔'' خصوصاً عورتوں کا خلفاء کی بیعت کرنا یہ تفصیلاً ثابت نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ مذہب بدلنے کا سوال ہوتا تھا۔ اس لئے ہر فرد واحد آپ کی بیعت کرتا تھا۔ لیکن رسول کریمؐ کے بعد جہاں تک ہم نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر مرد اور ہر عورت اور ہر بچہ نے خلفاء کی دوبارہ بیعت کی''

کاش یہ تاریخی کتابیں میاں صاحب نے حضرت مسیح موعود کے مخلص احباب کو فاسق قرار دینے سے پہلے پڑھ لی ہوتیں۔ مگر دریافت طلب یہ ہے کہ میاں صاحب نے خلفاء کی سنت کے خلاف ہر مرد ہر عورت اور ہر بچے کی بیعت کو کیوں ضروری قرار دیا۔ اور سب سے بیعت کیوں لی؟ میاں صاحب کی اس تبدیلی خیال سے تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ خلافت کے مسئلے میں اب جماعت لاہور کے خیالات کی طرف رجوع کر رہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس بارے میں انہوں نے خلفاء راشدین کی سنت کو قابل پیروی نہیں سمجھا بلکہ حضرت مولانا نورالدین کی پیروی کی ہے تو یاد رہے کہ اس صورت میں بھی ان کا یہ بیعت کرنے والوں پر فاسق کا فتوٰی لگانا درست نہ تھا۔ جماعت میں بہتیرے لوگ تھے۔ اور اچھے بڑے بڑے لوگ تھے جنہوں نے حضرت مولوی صاحب کی بیعت نہیں کی۔ مگر آپ نے ان میں سے کسی کو فاسق نہیں کہا۔ نہ ہی عام طور پر بیعت نہ کرنے والوں پر فاسق کا فتوٰی لگایا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کی بزرگی اور عظمت اور حضرت مسیح موعود کے ساتھ ان کے یگانہ تعلق کی وجہ سے اکثر لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔ بیعت نہ کرنے والوں پر فاسق ہونے کا فتوٰی نہ خلفائے راشدین کی سنت ہے، نہ حضرت مولوی صاحب کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ یہ فتوٰی لگا کر حضرت مسیح موعود کے مخلص ساتھیوں کو برا کہنے اور سلسلہ میں تفرقہ اندازی کرنے کا بوجھ میاں صاحب نے اپنے سر پر لیا۔ حالانکہ اب وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی کوئی سند تاریخ اسلام میں نہیں ہے۔

اس کے بعد میاں صاحب نے حضرت علیؓ کی بیعت کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ بھی قابل غور ہیں۔ وہ لفظ یہ ہیں: **علیک عهدالله و میثاقهٖ بالوفاء لتکونن لسلمنا سلما ولحربنا حربًا ولتکفن عنا لسانک و یدک.** اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر عہد کرو کہ تم میرے وفادار ہو گے۔ جس سے ہماری صلح ہو اس سے تمہاری بھی صلح ہو گی اور جس سے ہماری جنگ ہو۔ اس سے تمہاری جنگ ہو گی اور تم اپنی زبان اور اپنا ہاتھ ہمارے خلاف استعمال نہ کرو گے۔ ان الفاظ سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ بیعت محض ملکی بیعت تھی۔ کیا اس بیعت نہ کرنے والے کو فاسق کہا جائے گا؟!

فاسق قرار دینا میاں صاحب کی ایجاد ہے: اس خطبہ میں میاں صاحب نے یہ اقرار تو کیا ہے کہ بغاوت کرنے والا یعنی بیعت سے انکار کرنے والا باغی ہو گا۔ مگر اس کے فاسق ہونے یا نہ ہونے کے

متعلق خاموشی اختیار کی۔ حالانکہ اگر حق کا کوئی خیال انہیں ہوتا تو انہیں صاف کہنا چاہئے تھا کہ وہ شخص جو خلیفہ کے خلاف اٹھے وہ باغی تو ہوسکتا ہے لیکن فاسق نہیں ہوسکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے شخص کو فاسق قرار دینا یہ میاں صاحب کی ایجاد ہے اور اپنا دین بنانے اور چلانے کی بنیاد۔

کیا حضرت علیؓ پر ان چھ ماہ میں جب انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی وہ یہ فتوٰی لگانے کے لئے تیار ہیں؟ کیا حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ پر اور ہزار ہا ان صحابیوںؓ پر جنہوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت کی، وہ یہ فتوٰی لگانے کے لئے تیار ہیں۔ تو کیا یہ درست نہیں کہ جن لوگوں نے میاں صاحب کی بیعت نہیں کی تھی ان پر فاسق کا فتوٰی لگانے میں وہ غلطی پر تھے۔ اور کیا وہ اس غلطی کا صفائی سے اب اقرار کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ مگر خدا کی طرف سے اس فعل کی ایک سزا تو مل چکی ہے۔ جو ایسی حالتوں میں ملا کرتی ہے۔ یعنی انہوں نے حضرت مسیح موعود کے مخلص احباب کو فاسق کہا۔ اب ان کے اپنے مرید انہیں فاسق کہہ رہے ہیں۔ بلکہ اسی بناء پر انہیں خلافت سے معزول کرنا چاہتے ہیں۔

صرف یہی ایک پہلو نہیں بلکہ کئی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں محمود احمد اپنے آپ کو حضرت ابوبکرؓ اور دیگر خلفائے راشدینؓ سے بھی بڑھ کر مرتبہ دیتے ہیں۔ مثلاً اوپر کی عبارت میں جو الفاظ گزرے ہیں لتکفن عنا لسانک ویدک جن کا صاف مفہوم یہ ہے کہ وہ زبان یا ہاتھ سے انہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ یعنی ان کے خلاف خروج نہ کریں گے۔ ان کے وہ یہ معنی کرتے ہیں کہ تم مجھ پر اعتراض نہ کرو گے۔ یہ معنی انہوں نے صرف اس لئے کیئے ہیں کہ ان پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ ورنہ کیا ان کو حضرت ابوبکرؓ کے الفاظ یاد نہ تھے وَاِنْ زَغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ اگر میں کجی اختیار کروں تو تم مجھے سیدھا کرو۔ اگر قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ٹیڑھا چلنے والے خلیفہ کو سیدھا بھی کر سکے تو کیا اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خلیفہ کو یہ کہہ سکے کہ آپ یہ غلطی کر رہے ہیں۔ یا صراط مستقیم سے منحرف ہو رہے ہیں۔ قوم سے خلیفہ پر اعتراض کا حق چھینٹا خود اس کے لئے جور اور استبداد بلکہ فسق و فجور کا رستہ کھولنا ہے۔ میاں محمود احمد صاحب نے اب جو اس قدر محنت سے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو کیا ان کو اس میں یہ نظر نہیں آیا کہ خلفاء پر لوگ کس قدر آزادی سے اعتراض کرتے تھے۔ کیا حضرت عمرؓ پر عین تقریروں کے اندر اعتراض نہیں ہوئے؟ کیا آج تک اسلام کی تاریخ میں سوائے فرقہ باطنیہ کے یعنی حسن بن صباح کے مریدوں کے یہ کہیں دکھایا جا سکتا ہے کہ امیر پر سچا اعتراض کرنے والا بھی جہنمی قرار دیا گیا ہو۔ میاں صاحب خود

یاد رکھیں کہ انہوں نے اپنے لئے جو فرضی خلافت تجویز کی ہے اس کی مثال انہیں خلفائے راشدینؓ میں نہیں ملے گی بلکہ اگر ملے گی تو صرف باطنیہ فرقہ میں ملے گی۔ جنہوں نے قتل وغارت اور ہر قسم کے فسق فجور کو جائز کرنے کے لئے یہ دروازہ کھولا تھا۔ اور آج میاں صاحب یہ کہہ کر، کہ مجھ پر سچا اعتراض کرنے والا بھی جہنم میں جائے گا، حسن بن صباح کی پیروی کر رہے ہیں۔

اس خطبہ کے آخر پر صاف الفاظ ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ میاں صاحب اپنی خلافت کی صفات حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت سے بھی بڑھ کر قرار دے رہے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ:

> ''اس زمانہ کے خلفاء اور اُس زمانہ کے خلفاء کے انکار کی سزاؤں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس وقت جو خلافت کے مخالفین تھے، وہ مذہب سے دور نہیں ہوئے۔ مگر آج جو شخص خلافت کی مخالفت کرتا ہے، وہ آہستہ آہستہ مذہب کو بھی یا تو بالکل چھوڑ دیتا ہے یا اس کے مذہب میں رخنہ پڑ جاتا ہے۔''

آخر یہ فرق کیوں ہے؟ کیا اس سے صاف نظر نہیں آتا کہ میاں صاحب اپنے لئے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ سے بھی بڑھ کر مرتبہ تجویز کر رہے ہیں۔ اس جرأت پر کیا کہا جائے سوائے اس کے کہ مریدوں کے سامنے تیس مار خاں بننا کوئی مشکل کام نہیں۔ ان غریبوں کی حالت کا نقشہ تو وہ چند دن ہوئے خود ان الفاظ میں بیان کر چکے ہیں کہ میں جو کچھ کہوں اس پر **سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ** کہتے چلے جاتے ہیں اور سمجھتے خاک نہیں۔ وہ تو انہیں رسول سے بھی بڑھ کر مرتبہ دینے کے لئے تیار ہیں بلکہ **لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ** (23:21) کا مصداق ٹھہرا کر خدائی کا مرتبہ بھی دینے کے لئے تیار ہیں۔ مگر اہل فکر کے نزدیک ان باتوں کی ڈینگوں سے بڑھ کر کوئی وقعت نہیں۔ وہ لوگ، جن کا خاک پا ہونا حضرت مسیح موعود اپنے لئے فخر کا مقام سمجھتے تھے، آج وہ شخص اپنے آپ کو ان سے بڑھ کر بتاتا ہے۔ جس کے اپنے مرید اس پر ایسے بُرے الزام لگاتے ہیں، جن کو لگانے والے بھی بیان کرنے سے ہچکچاتے ہیں، اور جس پر لگائے گئے ہیں وہ بھی ان کو بیان کرنے سے گھبراتا ہے۔ یہ تعلیاں ہیں جنہوں نے انہیں یہاں تک پہنچایا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ان تعلیوں کو چھوڑنے کی بجائے ابھی قدم آگے جا رہا ہے۔ خاکسار محمد علی

9 اگست 1937ء
ایک شہادت

حضرت مسیح موعود پر توہین مریمؑ کا الزام

علامہ عبدالوہاب النجار مصری کی شہادت

بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے مخالفین حضرت اقدس مسیح موعود پر حملے کرتے ہوئے بکلی افتراء پردازی اور بہتان تراشی کو اپنا شیوہ قرار دے لیتے ہیں۔ مجھے اپنی تبلیغی زندگی میں بیسیوں ایسے حوالجات سننا پڑے جن کی کوئی اصل نہ تھی مگر وہ حضرت اقدس کی طرف بصد جوش وخروش منسوب کئے جا رہے تھے۔ کوئی صاحب کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ''ازالہ اوہام'' میں لکھا ہے کہ ''انبیاءؑ جھوٹے ہوتے ہیں۔'' کوئی کہتا ہے۔ اجی! صرف یہی کیا، انہوں نے تو وہیں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ''قرآن میں گالیاں بھری ہوئی ہیں۔'' اور یہ کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الزلزال کے معنی غلط سمجھے''۔ یہ اعتراضات صرف بازاری لوگوں تک محدود نہیں بلکہ بڑے بڑے علماء فضلاء اور گدی نشینوں کی زبان سے سننے میں آتے ہیں۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کی کتاب ''سیف چشتیائی'' میں بھی ایک پورا صفحہ ان بے بنیاد الزامات سے سیاہ کیا گیا ہے۔ مگر اصل کتاب میں ان کا نام ونشان تک نہیں۔ اسی طرح کا وہ الزام تھا جو مولوی ظفر علی خان صاحب نے 24 نومبر 1934ء کے زمیندار میں دیا تھا کہ حضرت مسیح موعود نے حضرت مریمؑ پر نعوذ باللہ زنا کا کھلا ہوا الزام لگایا ہے۔ جب ہماری طرف سے اصل عبارت پیش کی گئی تو وہ مولوی ظفر علی خان صاحب کے مفہوم کے بالکل الٹ تھی۔ اصل حوالہ یہ ہے:

> ''پانچواں قرینہ ان کے وہ رسوم ہیں جو یہودیوں سے بہت ملتے ہیں۔ مثلاً ان کے بعض قبائل ناطہ اور نکاح میں کچھ چنداں فرق نہیں سمجھتے اور عورتیں اپنے منسوب سے بلا تکلف ملتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں۔ حضرت مریم صدیقہؓ کا اپنے منسوب یوسف کے ساتھ قبل نکاح کے پھرنا اسی اسرائیلی رسم پر پختہ شہادت ہے۔ مگر خوانین سرحدی کے بعض قبائل میں یہ مماثلت عورتوں کی اپنے منسوبوں سے حد سے زیادہ ہوتی ہے۔

حتّٰی کہ بعض اوقات نکاح سے پہلے حمل بھی ہو جاتا ہے‘‘ (ایام صلح صفحہ 67)

عبارت کا مفہوم بالکل ظاہر و بین ہے۔ جس سے کسی قسم کی توہین کا گمان ہو ہی نہیں سکتا۔ صرف یہ امر کہ حضرت مریم اپنے منسوب یوسف کے ساتھ نکاح سے پیشتر چلا پھرا کرتی تھیں۔ یہ کوئی معیوب امر نہیں جہاں شادیاں قریب کی برادری میں ہوں۔ مثلاً لڑکا اور لڑکی ایک ہی گھر کے رہنے والے ہوں وہاں کبھی کوئی حجاب نہیں ہوا کرتا۔ لیکن پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ حضرت اقدس نے یہ بات کوئی اپنی طرف سے ہی پیش نہیں کی۔ بلکہ اسرائیلی قبائل کی ایک عام رسم بیان کی ہے۔ جسے ہر محقق تسلیم کرے گا۔ علامہ عبدالوہاب النجار، جو مصر کے نامور علماء میں سے ہیں اور جو گذشتہ موسم سرما میں ہندوستان کا دورہ کرتے رہے تھے، اپنی کتاب ’’قصص الانبیاء‘‘ میں فرماتے ہیں:

> **یقول یونایاس ان مریم اتّخذت یوسف النجار عشیرًا لھامن حین احست برنباس بالحمل حتّٰی لا تظن بھا الظنون.اقول وھٰذہِ العادۃ ...... عادۃ اتّخا ذالعشیر موجودۃ فی الیھود الٰی الیوم. یاُتی الشاب الی اھل الُفتاۃ ویخطبھا. وحینئذ یعاشران بدون اتصالٍ زوجی ویقیمان علٰی ذالک مدّہ کافیۃ حتّٰی اذارضیت اخلاقہٗ ورضیھا اتما الزاواج ودخل بھا وعاشر ھا.معاشرۃ الازواج واذا لم یرض احد ھما اخلاق الأخر فسخت الخطبۃ** (صفحہ 361) ترجمہ: برنباس کہتا ہے کہ مریم نے حمل محسوس کر کے یوسف نجار کو اپنا رفیق زندگی بنایا۔ تا کہ بدظنی نہ کی جا سکے۔ میں کہتا ہوں یہ عادت، یعنی رفیق زندگی کو پسند کرنے کی عادت، یہود میں اب تک موجود ہے۔ نوجوان لڑکا، لڑکی والوں کے ہاں آتا ہے اور لڑکی کو زوجیت کے لئے طلب کرتا ہے۔ اس طرح لڑکا اور لڑکی نکاح کے تعلق کے بغیر رہنے سہنے لگتے ہیں اور اس طرح کافی مدت گزارتے ہیں۔ حتّٰی کہ وہ لڑکی اس کے اخلاق کو پسند

کرنے لگ جاتی ہے اور وہ اس کو پسند کرنے لگتا ہے۔تب ان کا نکاح ہو جاتا ہے اور ان کے تعلقات زناشوئی قائم ہوتے ہیں۔

اور اگر دونوں میں سے ایک فریق دوسرے کے اخلاق کو پسند نہ کرے تو منگنی توڑ دی جاتی ہے اور دونو اپنی اپنی راہ لیتے ہیں۔

یہاں علامہ عبدالوہاب النجار یہودیوں کی رسم بیان کر کے برنباس کے بیان کی، جو مسیحؑ کا شاگرد ہے، تائید کر رہے ہیں۔ ہمارے مخالفین کو چاہئیے کہ اس حوالہ کو پڑھیں اور خدا کا خوف کر کے اس طرح کے بیہودہ اعتراضات سے باز آئیں۔

18 اگست 1937ء
مکتوب امیر۔ 6

پیر پرستی کا بُت

برادران مکرم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے جب یہ سلسلہ خطوط شروع کیا تو میرے مدنظر کچھ اور اہم امور تھے۔ مگر انہی ایام میں قادیان میں جو صورت حالات ظاہر ہوئی۔ اس نے اپنی طرف توجہ کو پھیر لیا۔ ممکن ہے بعض احباب کا یہ خیال ہو کہ قادیانی جماعت کے اندرونی جھگڑے سے ہمیں کیا تعلق ہے۔ اور اس کا ذکر کرنے سے ہمیں کیا فائدہ ہے۔ وہ جس طرح چاہیں باہم اس جھگڑے کو نمٹا لیں۔ دوسری طرف قادیانی جماعت کہتی ہے کہ ہم دونوں فریق کے، یعنی وہ فریق جو "خلیفہ" کی حمایت میں ہے اور وہ فریق جو خلاف کھڑا ہوا ہے، عقائد ایک ہی ہیں تو پھر جماعت احمدیہ لاہور کے نزدیک دونوں یکساں ہوئے۔ انہیں اس فریق سے جو مخالفت کھڑا ہوا ہے کیوں ہمدردی ہے؟!

ہمارے دخل دینے کی وجہ قادیانی جماعت کا اپنا طرز عمل ہے: پہلے سوال کے متعلق تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جس جھگڑے کا اثر ہماری جماعت پر یا حضرت مسیح موعود کے سلسلہ پر پڑتا ہو اس میں لازماً ہماری جماعت کو دلچسپی ہوگی۔ لیکن یہاں تو ہمارے دخل دینے کی وجہ فی الحقیقت قادیانی جماعت کا اپنا رویہ ہے جو انہوں نے ہماری متعلق پہلے سے اختیار کر رکھا ہے۔

ہمارے خلاف قادیانی جماعت کا بغض وعداوت: انہوں نے اپنی جماعت میں ہمارے خلاف انتہائی درجہ کے بغض اور نفرت کے خیال پیدا کر رکھے ہیں۔ اور یہ تعلیم انہیں اس شخص سے ملی ہے جس کی ان کے دلوں میں رسولوں اور ماموروں سے بھی بڑھ کر عزت ہے۔ (یہ فقرہ میں نے مبالغہ کے رنگ میں نہیں لکھا بلکہ میں ابھی دکھا دوں گا کہ واقعات یہی ہیں) میاں محمود احمد صاحب نے اپنے ایک خطبہ میں ہمیں "جہنم کی چلتی پھرتی آگ" قرار دیا۔ "گوبھی اور شلجم کے سڑے ہوئے چھلکوں" سے جو "کھاد کے ڈھیر پر پڑے ہوئے ہوں"، ہمیں مشابہت دی اور ہمیں "دنیا کی تمام قوموں اور جماعتوں سے بدترین جماعت" قرار دیا۔ یہاں تک کہ یہ لکھا کہ "ابتدائے آفرینش سے آج تک کوئی ایسی بری قوم پیدا نہیں ہوئی"

مریدوں کو احمق بنانے کا ایک گُر: اس بغض اور نفرت کی وجہ سے، جواب جماعت قادیان کی فطرت ثانیہ ہوگئی ہے، جس بات کا کوئی جواب نہ ملے، اس کا یہی جواب مریدوں کے نزدیک کافی ہوتا ہے کہ یہ ''پیغامیوں کی شرارت'' ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ جب بعض مخلص مریدوں نے پیر کے چال چلن کے متعلق کچھ اعتراضات کئے تو اسے ''پیغامی پروپیگنڈا'' قرار دیا گیا اور ساتھ ہی لَیُمَزِّقَنَّھُمْ کا ورد شروع ہوا۔ کیونکہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ اس وظیفہ سے تمام بلائیں دور ہو جاتی ہیں۔ اور بات بات میں پیر اور مریدوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ نئے باغیان خلافت پہلے باغیان خلافت کے انجام سے عبرت حاصل کریں کہ وہ کس طرح ناکام اور ذلیل اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ تو کیا ان سب باتوں کو سن کر ہم خاموش بیٹھے رہتے؟ ہم قادیانی ''خلافت'' کو بدترین پیر پرستی سمجھتے ہیں!:

واقعات کو توڑ مروڑ کر مریدوں کو خوش کر لینا آسان ہے انہیں شب و روز کہا جاتا ہے کہ ''پیغامی'' ''خلافت'' کو تباہ کرنے کے لئے اٹھے تھے اس لئے وہ ناکام ہو گئے۔ اب واقعات کیا ہیں کہ جس چیز کو ''خلافت'' کا بلند نام دیا جاتا ہے **اسے ہم پہلے دن سے بدترین قسم کی پیر پرستی سمجھتے اور کہتے رہے ہیں۔**

ہماری انجمن کا قیام اور اس کا مقصد: جب ہم نے دیکھا کہ جماعت کا کثیر حصہ پیر پرستی کی رو میں بہا جا رہا ہے تو چند دوستوں نے فیصلہ کیا کہ ہم نے جو تبلیغ کا کام حضرت مسیح موعود کی آواز پر اختیار کیا ہے، کچھ ہو جائے اسے نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ہماری روحوں کی غذا تھی۔ ساری دنیا کو چھوڑ کر قادیان گئے تھے۔ مگر اب مسلمانوں کی تکفیر کی خاطر قادیان کو چھوڑا اور پورا ڈیڑھ ماہ انتظار کرنے کے بعد چند آدمیوں نے مل کر ایک انجمن کی بنیاد رکھی۔ ہماری اس وقت حالت کیا تھی کہ پونے دو سال میں کل اٹھارہ ہزار روپے کے قریب آمد تھی۔ اور غرض ہماری کیا تھی؟ وہ صرف خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانا اور خدا کے دین کو دنیا میں پھیلانا۔

جماعت لاہور پر اللہ تعالیٰ کے افضال: اب جماعت قادیان کے پروپیگنڈا کو ایک طرف رکھئے اور اُس وقت کی حالت کا آج کی حالت سے مقابلہ کیجئے کہ خدا کے فضل سے چند ہزار سے ترقی کر کے قریباً دو لاکھ سالانہ تک آمد پہنچی ہے۔ دنیا کے ممالک میں جگہ جگہ جماعتیں بن گئیں۔ یورپ میں کئی مشن قائم

ہو گئے۔ دو ہائی سکول بنا دیئے گئے۔ قرآن شریف کا ترجمہ تین یورپین زبانوں میں کر دیا گیا اور قادیانی اپنی جگہ یہی راگ گاتے ہیں کہ دیکھو کس طرح یہ ناکام ہوئے۔ ہم تو ایک کام کو لے کر اٹھے تھے اور وہ تھا خدا کا کلام دنیا میں پہنچانا اور خدا نے اس میں ہمیں کامیاب کیا۔ ہمیں ناکام وہی کہہ سکتے ہیں جن کی آنکھیں بند ہیں۔

باقی رہی یہ بات کی قادیان کہ گدی بھی قائم ہے اور جس طرح پیروں کی گدیوں میں ہوتا ہے وہاں بھی ایک ریاست بن رہی ہے۔ یہ سچ ہے ہمارا مقصد خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانا تھا۔ خدا نے اس میں ہمیں کامیاب کیا۔ ان کا مقصد گدی اور ریاست بنانا تھا۔ سو اگر وہ اپنے آپ کو کامیاب سمجھتے ہیں تو ہم ان کی اس خوشی میں حارج نہیں۔ مگر ہمیں ناکام وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جن کی آنکھیں خدا نے بند کر رکھی ہیں۔

ہمارا فرض تھا کہ جب انہوں نے ہماری مفروضہ ناکامی کا گیت ''باغیانِ خلافت'' کے سامنے گانا شروع کیا تو ہم دخل دیتے۔ ہم نے کہا کہ تم ہمیں ٹکڑے ٹکڑے دیکھنے کے خواہشمند تھے۔ مگر خدا نے وہ نظارہ تمہیں اپنے گھر میں دکھا دیا۔ ہم نے کہا کہ تم ہمیں فاسق کہتے تھے۔ خدا نے اس دنیا میں اس کی یہ سزا دی کہ مریدوں نے پیر کو فاسق اور فاسق سے بڑھ کر کہا۔ خلیفہ صاحب پر معترض قادیانیوں سے ہمیں کیوں ہمدردی ہے؟!

اس لئے کہ اب قادیانی جماعت میں بھی کئی گروہ ہیں۔ ایسے بھی لوگ قادیانی جماعت میں ہیں جو مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے۔ یقیناً وہ ہم سے دوسرے قادیانیوں کی نسبت زیادہ نزدیک ہیں۔ اور ہمیں ان سے زیادہ ہمدردی ہے۔ ایک اور گروہ آج اٹھتا ہے۔ اور وہ بظاہر ابھی تک بہت چھوٹا گروہ ہے اور وہ کہتا ہے کہ وہ سبق، جو 23 سال تک ہمیں دیا جاتا رہا کہ ''خلیفہ'' پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، غلط تھا۔ وہ اعتراض بھی کرتا ہے اور ان اعتراضات کی بنا پر اس کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ ''خلیفہ'' کو معزول کیا جائے۔ تو یہ گروہ یقیناً ہم سے دوسرے قادیانیوں کی نسبت زیادہ نزدیک ہے۔ اس لئے کہ عام قادیانی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ''خلیفہ'' پر نہ اعتراض ہوسکتا ہے نہ وہ معزول ہوسکتا ہے۔ مگر یہ گروہ ان دونوں باتوں کی تردید کرتا ہے۔ اس لئے بغیر یہ دریافت کرنے کے، کہ ان کے نبوت اور کفر و اسلام کے بارے میں کیا عقائد ہیں اور یہ دریافت کرنے کا موقع بھی ابھی نہیں، ہم انہیں اپنے سے زیادہ قریب سمجھتے

ہیں۔اور یہ صحیح بات ہے کہ اس لحاظ سے، کہ وہ قادیان کے غلط عقائد کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے ہیں، ہمیں ان سے ہمدردی بھی ہے۔

اصل بات یہ ہے جسے میں آج صاف کر کے اپنی جماعت کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ ''خلافت'' کا مسئلہ قادیان کا مرکزی مسئلہ ہے۔خلافت کا مسئلہ ان کے نزدیک کیا ہے کہ خلیفہ پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا۔اس خیال کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جو پیر کہتا جارہا ہے مرید آنکھیں بند کر کے اسے مانتے چلے جاتے ہیں۔ جو بات اس کے منہ سے نکل جائے۔خواہ وہ کتنی ہی بعید از عقل ہو، کتنی ہی شریعت کے خلاف ہو، مرید اس پر اعتراض نہیں کرسکتا۔نبوت اور کفر کا مسئلہ اسی پیری یا ''خلافت'' کے نام پر ہی منوایا گیا ہے۔قرآن اور حدیث کہتے ہیں کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔پیر کہتا ہے تمام کلمہ گو سوائے ان کے مریدوں کے کافر ہیں! قرآن اور حدیث کو پس پشت پھینکا جاتا ہے اور پیر کی بات کو درست مانا جاتا ہے۔حضرت مسیح موعود قسم کھا کر کہتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کے بعد دعوٰی نبوت کرنے والے کو کافر سمجھتا ہوں اور میرا دعوٰی نبوت کا نہیں بلکہ محدثیت کا ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔پیر کہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کا دعوٰی نبوت کا تھا۔پیر کو سچا سمجھا جاتا ہے اور مسیح موعود کی بات کی کوئی پروا نہیں کرتا۔حضرت مسیح موعود کہتے ہیں کہ میرے دعوے کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔پیر کہتا ہے کہ نہ صرف انکار کرنے والے کافر ہیں بلکہ جن کو مسیح موعود کا نام بھی نہیں پہنچا وہ بھی کافر ہیں۔اور آج کوئی شخص محض لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار سے اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا۔حضرت مسیح موعود کے ارشادات کی پیر کی باتوں کے سامنے پر پشہ کے برابر بھی وقعت نہیں۔

چنانچہ قادیانی جماعت کا نیا گروہ اصولاً ہماری ہمدردی کا مستحق ہے۔پس جب جماعت کا عام مسلک یہ ہو اور کچھ لوگ اس جماعت میں ایسے کھڑے ہو جائیں کہ وہ کہیں خلیفہ پر اعتراض بھی ہوسکتا ہے۔ بلکہ وہ معزول بھی ہوسکتا ہے تو کیا ہمارے لئے یہ خوشی کا مقام نہیں کہ قادیانی جماعت کے ایک حصہ نے اس بنیادی اصول کی اصلاح کی طرف قدم اٹھایا ہے۔جس کو مان کر پیر کی ہر بات کو بغیر تحقیقات کے درست مانا جاتا ہے۔تو کیا ہمیں خوش نہ ہونا چاہئے کہ اب جب ''خلیفہ'' پر اعتراض ہوسکتا ہے تو اس کے معتقدات بھی زیر بحث آسکتے ہیں اور تحقیقات کا دروازہ اس طرح جماعت قادیان کے اندر کھل جانے کی

امید ہے۔ یقیناً ہمیں خوشی ہے کہ قادیانی جماعت میں حق پرست اصحاب پیدا ہونے لگے ہیں۔ اور ہمیں یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گروہ کو قوت پہنچا کر مسیح موعود کی جماعت کو راہ راست کی طرف لے آئے گا۔ یہ تو وہ بات ہے جو ہمارے ایمان اور یقین کے مطابق ہو کر رہنا ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ اعتراضات سچے ہیں یا نہیں جو یہ گروہ کر رہا ہے، ہم ابھی اس کو سپرد خدا کرتے ہیں۔ لیکن محض ان کا اس اصلاح کے لئے کھڑا ہو جانا، کہ خلیفہ پر اعتراض ہوسکتا ہے اور خلیفہ معزول بھی ہوسکتا ہے ہمارے نقطہ نگاہ سے جماعت قادیان کے اندر ایک عظیم الشان اصلاح کی بنیاد ہے۔ اور یہ گروہ ہماری ہمدردی کا ہر طرح مستحق ہے۔

قادیانی جماعت کے نزدیک خلیفہ رسولوں اور ماموروں سے بڑھ کر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ''خلافت'' کا مسئلہ قادیان میں شرک کا رنگ اختیار کر چکا ہے۔ اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ (31:9) کا ایسا نقشہ دنیا نے کبھی بھی نہیں دیکھا ہوگا اور میں نے اوپر لکھا ہے کہ قادیانی جماعت خلیفہ کی عزت ماموروں اور رسولوں سے بڑھ کر کرتی ہے۔ دیکھئے قادیانی جماعت کے سامنے کس قدر گالیاں حضرت مسیح موعود کو دی گئیں۔ کس قدر اخبارات اور رسالے فحش گالیوں سے پُر ان دو تین سال کے اندر قادیانیوں کی آنکھوں کے سامنے آئے مگر کسی کو اشتعال نہ آیا اور کسی قادیانی نے کسی شاتم کا بال تک بیکا نہ کیا، بلکہ وقت پڑنے پر ایسے شاتمیوں کی خوشامدیں بھی کیں۔ ان سے تعلقات بھی پیدا کئے۔ خود حضرت محمد مصطفیٰؐ کو ان کی آنکھوں کے سامنے شب و روز گالیاں دی جاتی ہیں۔ مگر کسی قادیانی کو یہ خیال نہ آیا کہ ہم اپنے رسولؐ کی عزت پر حملہ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر حملے بھی برداشت ہو گئے۔ مسیح موعود کی عزت پر حملے بھی برداشت ہو گئے۔ مگر ''خلیفہ'' کی عزت پر حملہ کی برداشت قادیانی جماعت میں نہیں۔ کیا یہ مدعی خلافت کی اپنی تعلیم کا نتیجہ نہیں؟ یقیناً ہے۔ اور اسی وجہ سے میں نے لکھا ہے کہ خلیفہ کی عزت قادیانی اصحاب کے دلوں میں رسولوں اور ماموروں سے بڑھ کر ہے۔ بلکہ خدا سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس لئے میں پھر کہتا ہوں کہ جو اصحاب اس جھوٹی خلافت کے بت کو توڑنے کے لئے اٹھے ہیں اور جو جماعت کے سامنے تحقیقات کا رستہ کھولنا چاہتے ہیں۔ وہ یقیناً سلسلہ کی خدمت کر رہے ہیں اور ہماری ہمدردی کے مستحق ہیں۔ والسلام۔ محمد علی

فخر الدین ملتانی: (18 اگست 1937ء) مولوی فخر الدین صاحب ملتانی، جن پر 7 اگست کو قادیان میں قاتلانہ

حملہ ہوا تھا، 13 اگست کی سہ پہر کو گورداسپور کے سول ہسپتال میں وفات پا گئے اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. بیان کردہ حملہ آور خلیفہ قادیان کا ایک مخلص مرید ہے۔ جس کا مقدمہ ایڈیشنل مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں زیر سماعت ہے۔ زخم چونکہ بہت خطرناک تھا اس لئے مرحوم کے بچنے کی کم امید تھی۔ وفات سے ایک روز قبل حالت زیادہ نازک ہوگئی۔ 13 اگست کو صبح دس بجے کے قریب ان کو ایکس رے کے لئے دھاری وال لے جایا گیا۔ کیونکہ گورداسپور میں اس کا انتظام نہ تھا۔ بارہ بجے کے قریب واپسی عمل میں آئی اسی اثنا میں مرحوم کے والد محترم جو غیر احمدی ہیں ملتان سے تشریف لے آئے۔ اختلاف عقائد کی وجہ سے باپ بیٹوں میں عرصہ دراز سے تعلقات منقطع تھے۔ گورداسپور پہنچ کر مرحوم کی حالت بہت ہی زبون ہوگئی۔

آپ نے اپنے والد محترم کو اشارے سے بلایا اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔ چونکہ بہت نڈھال ہوگئے تھے اس لئے اُن کو اشارے سے اپنا پاؤں قریب کرنے کو کہا اور ان کے پاؤں پر اپنے ہاتھ مس کر کے مونہہ پر پھیرے۔ ان کے والد صاحب نے کہا کہ ''فخر الدین اب بھی وقت ہے احمدیت سے توبہ کر لو'' اس پر مرحوم نے انکار کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود اور احمدیت پر اپنے کامل یقین اور ایمان کا اظہار کیا۔ مرحوم کی اہلیہ کہنے لگی ''مجھے کس پر چھوڑ چلے ہو'' جواب دیا ''خدا پر''۔ مولوی عمر الدین صاحب سے کہا ''میرا قادیان والوں سے سلام کہنا اور پیغام محبت دینا'' اس کے بعد مرحوم یا اللہ کلمہ طیبہ اور درود شریف کا ورد کرتے رہے۔ چار بجے کے قریب ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ دم دینے سے چند منٹ پہلے کہا ''میں احمدی ہوں، شہید ہوں، میرے سینہ پر شہادت کا نشان ہے'' شام کے وقت پوسٹ مارٹم ہوا۔ رات کے دس بجے کے قریب بذریعہ لاری میت پولیس کی حفاظت میں قادیان بھیجی گئی۔ یہ نظارہ بڑا پر درد تھا۔ مرحوم کی بیوہ اور یتیم بچوں کی آہ وزاری، رات کی خاموشی اور تاریکی میں میت کی روانگی، جو کوئی اس نظارہ کو دیکھتا اس کی آنکھیں پُرنم ہو جاتیں۔ ایک بجے کے قریب میت قادیان پہنچی۔ پولیس کی کافی جمعیت مجسٹریٹ علاقہ اور غیر احمدیوں کی ایک معقول تعداد موجود تھی۔ جہاں تک معلوم ہوا کوئی قادیانی اس وقت نہیں آیا۔ مرحوم کی بیوہ کے بین بہت دردناک اور رقت آمیز تھے۔ جنہیں سُن کر بعض لوگ زار وقطار رونے لگے۔ میت مرحوم کے مکان پر لے گئی اور صبح نو دس بجے کے درمیان

نماز جنازہ کے بعد عام قبرستان میں بطور امانت سپرد خاک کی گئی۔ میت کے لئے تابوت بنوانے اور قبر کے لئے اینٹیں حاصل کرنے میں سخت دقت پیش آئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس بارہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالی گئیں جو سخت قابل افسوس ہے۔ جنازہ میں بھی کوئی قادیانی شریک نہیں ہوا۔ نہ ان میں سے کسی نے اس دردناک موت پر مرحوم کے پس ماندگان سے اظہار ہمدردی کیا۔ ہمیں اس حادثہ میں مرحوم کی بیوہ، ان کے یتیم وبیکس بچوں اور دیگر اعزہ ورفقاء سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اوران کی بیوہ اور بچوں کا حامی وناصر ہو۔ آمین۔

مرحوم کی ایک تالیف ''مفتاح القرآن'' مشتمل برحوالہ جات جملہ الفاظ قرآن کریم کو ان کے بیٹے محمد مظہرالدین ملتان نے از سرنو مرتب کر کے بغرض افادہ عام وخاص شائع کیا۔ اس کی طباعت واشاعت کے جملہ امور میں جماعت لاہور کے احباب کی خدمات حاصل رہیں۔

قادیان کے موجودہ حالات میں ہمارے فرائض: (21 اگست 1937ء) قادیان کے تازہ حالات سے دوست بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ وہاں کا موجود انتشار واضطراب اور اس کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔

یہ حالات یقیناً ایسے ہیں کہ احمدیت اور حضرت مسیح موعود سے محبت رکھنے والا ہر ایک شخص ان پر انتہائی رنج محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ وہی قادیان ہے جہاں موجودہ زمانہ کا عظیم الشان مجدد پیدا ہوا۔ یہیں سے اس نے خدمت وتبلیغ اسلام کا بیڑا اٹھایا۔ اسی جگہ سے اس کی عظیم الشان تبلیغ کا آغاز ہوا۔ دنیا نے اس مجدد اعظم کی آواز کی طرف سے اپنے کان بند کرنے چاہئے۔ لیکن اس کے باوجود اس کو یہ صدائے حق سننی پڑی۔ دنیا کے ہر ایک مذہب وملت کو سننی پڑی اور اس سے متاثر ہونا پڑا۔ قادیان جیسا غیر معروف اور الگ تھلگ گاؤں اسی شیر خدا کا مسکن ہونے کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہو گیا۔ اس چھوٹی سی بستی میں ایسی کشش پیدا ہو گئی ہے کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام کرۂ ارض کے مختلف حصوں سے لوگ یہاں کھینچے چلے آنے لگے۔ روحانی پیاسوں اور اسلام کے جان نثار سپاہیوں کی ایک معقول تعداد اسی غیر معروف قریہ میں جمع ہو کر ایک زبردست مذہبی انقلاب بپا کرنے میں مصروف ہو گئی۔ ایسا زبردست مذہبی انقلاب جسے زمانہ مستقبل کا کوئی مورّخ انتہائی کوشش کے باوجود

بھی نظر انداز کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ اس انقلاب کی وجہ سے نہ صرف اسلام کو ایک حیات تازہ ملی بلکہ اس کا اثر تمام مختلف مذاہب کے حلقوں میں محسوس کیا جانے لگا۔ اسی مجدد اعظم کی برکت سے قادیان علم و عمل کا مرکز بن گیا۔ علم کے چشمے یہاں سے پھوٹ پھوٹ کر بہنے اور دنیا کو سیراب کرنے لگے۔ لوگ اسے خطہ یونان کہنے پر مجبور ہو گئے۔ عمل صالح کے تو ایسے نمونے یہاں دیکھے گئے کہ صحابہ کرامؓ کے عہد مبارک کی یاد تازہ ہو گئی اور پھر سب سے زیادہ یہ کہ یہ جگہ جماعت احمدیہ کا مرکز بنی جس کا مقصد وحید ہی خدمت تبلیغ اسلام ہے۔

یہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ کا قادیان تھا۔ حضرت مولٰینا نورالدین صاحبؓ کے وقت میں بھی کم و بیش یہی حالت رہی۔ لیکن جب سے موجودہ خلافت یا پیر پرستی کا دور شروع ہوا ہے، حالات یکسر بدل گئے ہیں۔ اندھی تقلید کی وجہ سے علم کے چشمے تو خشک ہو ہی چکے تھے۔ لیکن اب عمل صالح کی دولت بھی اس کے ہاتھوں سے چھن گئی۔ اب قادیان کی طرف وہ باتیں منسوب ہو رہی ہیں جو اس کی شان سے بعید تر تھیں۔ موجودہ خلافت کے عہد سے قبل ان کا کوئی تصور تک بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایک وقت تھا کہ لوگ انتہائی مخالفت کے باوجود قادیان کو احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ لیکن آہ! آج اس کے حالات ہندوستان کے ہر ایک کوچہ و بازار کی داستان بن چکے ہیں اور یہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ خلیفہ صاحب کے بعض جاں نثار مخلص مرید تنگ آ کر اصلاح کے طالب ہو رہے ہیں۔ اور قادیانی خلافت اس صدائے اصلاح و احتجاج کو بزور دبا دینا چاہتی ہے۔

یہ صورت قادیانی جماعت کے لئے کوئی نیک فال نہیں ہے۔ حالات کی رو اسے زوال کی طرف لے جاتی ہوئی معلوم دیتی ہے۔ غالباً قسمت کا نوشتہ بھی یہی ہے۔ موجودہ حالات میں ایک سوال ہے۔ جس پر جماعت لاہور کے تمام افراد کو نہایت سکون قلب اور سنجیدگی سے غور کرنا چاہئیے۔ اس میں کوئی شک نہیں جو کچھ دیکھنے اور سننے میں آ رہا ہے۔ وہ انتہائی رنج و افسوس اور حیرت کا باعث ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں ہمارے فرائض کیا ہیں؟ کیا ہمیں صرف افسوس کر کے خاموش ہو جانا چاہئیے؟ نہیں بلکہ اس وقت خاص کوشش اور توجہ سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک ذاتیات اور کسی کے چال چلن پر الزامات کا تعلق ہے، ہمیں بے شک کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ہونی چاہئے۔ لیکن قادیانی جماعت میں

اصلاح کی جو حرکت پیدا ہوئی ہے اور مسئلہ خلافت کے متعلق بعض قادیانی حضرات کے خیالات میں جو امید افزا تغیر ہوا ہے۔ اس سے ہمیں ضرور کام لینا چاہیئے۔ میاں صاحب اور ان کی جماعت کا عقیدہ ہے کہ خلیفہ اللہ تعالیٰ بناتا ہے۔ موجودہ خلیفہ بھی اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے۔ اسے ہرگز معزول نہیں کیا جا سکتا۔ خلیفہ پر سچے اعتراض بھی نہیں کئے جا سکتے۔ اس کا ہر ایک لفظ قانون ہے جس کی تعمیل تمام افراد جماعت پر لازمی ہے۔ لیکن شیخ (عبدالرحمٰن) مصری اور ان کے رفقاء اس غلط عقیدہ کے خلاف کھڑے ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خلیفہ پر اعتراضات بھی ہو سکتے ہیں۔ اس پر الزامات کی تحقیق بھی کی جا سکتی ہے۔ اور اگر وہ ناقابل اور قصوروار ثابت ہو تو اسے معزول بھی کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ خیالات قادیانی جماعت میں تقویت پکڑ جاتا ہے تو وہ پیر پرستی کی تاریکی سے نکل سکتی ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ذاتیات سے علیحدہ رہ کر اصولی طور پر اس تحریک اصلاح کی جائز امداد کریں۔ قادیانی جماعت بالخصوص اس کے نوجوانوں کو اس کی طرف توجہ دلائیں۔

خلیفہ قادیان سے دو سوال: 20 اگست کے ''الفضل'' میں خلیفہ قادیان کا ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے اپنے خاص انداز کے مطابق میاں فخر الدین مرحوم کے واقعہ قتل پر روشنی ڈالی ہے۔ اور بظاہر راست گوئی کی بھی تلقین کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

> ''میں نے مرزا عبدالحق صاحب سے کہا۔ آپ ملزم (عزیز احمد قلعی گر قادیانی فخر الدین کا مبینہ حملہ آور) کے وکیل ہیں۔ آپ اسے نصیحت کریں کہ اگر اس سے کوئی گناہ ہوا ہے تو اس کا اصل فائدہ اس میں ہے کہ وہ اپنے جرم کا اقبال کر کے خدا تعالیٰ کے غضب کو اپنے پر سے دور کرنے کی کوشش کرے اور اپنے جسم کی حفاظت کی نسبت اپنے ایمان کی حفاظت کو مقدم رکھے۔ مرزا صاحب میرے پاس سے اُٹھ کر گئے ہی تھے کہ چند منٹ بعد ناظر امور عامہ آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ میں نے میاں بشیر احمد صاحب سے گفتگو کی ہے اور ان کا یہ خیال ہے کہ اس وقت تک جس نتیجہ پر ہمارے دوست پہنچے ہیں۔ وہ غلط ہے۔ کیونکہ بعد میں بعض گواہیاں ایسی ملی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا حملہ میاں عزیز احمد

صاحب نے کیا ہے اور ناظر صاحب نے بیان کیا کہ میری اپنی تحقیق بھی اسی کی تصدیق کرتی ہے۔ اس پر میں نے انہیں بتایا کہ ابھی ابھی میں بھی اسی نتیجہ پر پہنچ چکا ہوں۔ مرزا صاحب کو بحیثیت ملزم کے وکیل کے یہ مشورہ دے چکا ہوں کہ قانونی مشورہ کے علاوہ انہیں اپنے موکل کو مذہبی مشورہ بھی دینا چاہئیے۔ اور وہ اس کام کے لئے جارہے ہیں۔ اور میں نے نصیحت کی کہ وہ بھی محکمانہ طور پر میاں عزیز احمد کے رشتہ داروں کی معرفت ان کو یہی نصیحت کریں کہ کیونکہ ایک مذہبی ادارہ کے ذمہ دار کارکن کی حیثیت سے یہی ان کا فرض ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے کہا کہ عزیز احمد صاحب کے بھائی آئے ہوئے ہیں۔ وہ انہیں سمجھا کر ان کے پاس بھجوائیں گے کہ انہیں سچائی کو اختیار کرنا چاہئیے اور کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئیے جو خلاف واقعہ ہو۔'' (صفحہ 2)

خلیفہ صاحب کی یہ نصیحت بے شک بڑی دلکش ہے اور اگر اس پر عمل کیا جائے یعنی سچ بولا جائے تو بڑی قابل قدر بھی ہے۔ لیکن گزارش ہے کہ یہ واقعہ روزِ روشن میں ایک ایسے آباد بازار کے اندر ہوتا ہے۔ جہاں خلیفہ صاحب کے مریدوں کی بکثرت دوکانیں ہیں۔ ان میں سے کئی ایک نے یہ دردناک حادثہ اپنی آنکھوں سے وقوع پذیر ہوتے دیکھا ہوگا۔ لیکن کیا وجہ (جیسا کہ سنا جاتا ہے) کہ اس مقدمہ کا ایک گواہ بھی قادیانی نہیں۔ تمام قادیانی حضرات نے گواہی دینے سے انکار کر دیا۔ کیا خلیفہ صاحب کی راست گوئی کی یہ نصیحتیں صرف مقدمات قتل وغیرہ کے ملزموں پر ہی کارگر ہوتی ہیں؟ اور جوان ہولناک واقعات کے عینی شاہد ہوں انہیں کلمہ حق کہنے کی توفیق نہیں ملتی۔ نیز ہم خلیفہ صاحب سے مؤدبانہ درخواست کریں گے کہ ذرا ان حضرات کے اسماء بھی دنیا پر ظاہر کر دیں جن کے بیانات پر انحصار کر کے قادیانی جماعت نے یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ پہل جناب میاں فخر الدین مرحوم ومغفور کی طرف سے ہوئی تھی۔ جس کا ذکر ''الفضل'' مورخہ 10 اگست 1937ء ''مصری پارٹی کی بربریت کا ایک ''مظاہرہ'' کے عنوان سے ہو چکا ہے۔ ان سوالات کا جواب ملنے پر ہی دنیا جناب خلیفہ صاحب کی اس نصیحت کی نوعیت اور اس کی صحیح قدر وقیمت کا اندازہ کر سکتی ہے۔

قادیانی خلافت کا نرالہ طریقِ حفاظت: آج کل شیخ عبدالرحمان صاحب مصری اور ان کے رفقاء کی زندگی قادیان میں جس مشکلات کے اندر بسر ہو رہی ہیں۔اس کی کیفیت قارئین کرام گذشتہ پرچے میں ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔خلیفہ صاحب نے ان کے بائیکاٹ کا اعلان کر رکھا ہے۔کوئی قادیانی ان سے سلام وکلام نہیں کرتا۔قادیانی دوکاندار انہیں سودا نہیں دیتے۔معمولی ضروریاتِ زندگی اور اشیائے خوردنی کے حصول میں انہیں دقتیں پیش آ رہی ہیں۔بقول ان کے، وہ کوئی غیر احمدی ملازم بھی گھر کے کام کاج کے لئے رکھتے ہیں، تو اسے طرح طرح کی ترکیبوں اور لالچوں سے بھگا دیا جاتا ہے۔مہترانی کو صفائی سے روکا جاتا ہے۔علاوہ ازیں دن رات مصری صاحب کی کوٹھی اور دوسرے اصحاب کے مکانوں کے گردو پیش آوارہ چھوکرے اور نوجوان متعین گئے جاتے ہیں جو بسا اوقات نہایت نامناسب حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔زنانخانوں میں جھانکتے ہیں۔سیٹیاں بجاتے ہیں۔ٹارچوں کی روشنی بیہودہ طریق پر ڈالتے ہیں۔جب بعض ذمہ وار قادیانی حضرات سے اس بارہ میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے مصری صاحب اور ان کے رفقاء کے مکانوں پر اس لئے آدمی متعین کر رکھے ہیں کہ ان کی حفاظت کی جائے۔اس جواب میں نہ صرف انتہا درجہ کی غلط بیانی بلکہ ستم ظریفی بھی موجود معلوم ہوتی ہے۔قادیان کی ''خلافتی گورنمنٹ'' کا یہ طریق حفاظت ساری دنیا سے نرالا ہے۔فخرالدین صاحب ملتانی مرحوم کے متعلق اخبار ''الفضل'' نے لکھا تھا کہ ہمارے آدمیوں کے ذریعہ ان کے گھر کی حفاظت ہو رہی ہے۔جس طرح ان کے گھر کی حفاظت کی تکمیل ہوئی، خدا کرے مصری صاحب اس سے محفوظ رہیں۔نیز بیان کیا جاتا ہے کہ مرحوم کی قبر پر بھی ہر وقت دو قادیانی جاسوس موجود رہتے ہیں۔جو کوئی فاتحہ پڑھنے جاتا ہے، وہ اسے خوب غور سے گھور گھور کر دیکھتے ہیں۔یہ غالباً مرحوم کی لاش اور قبر کی حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے ہوں گے!

جو لوگ قانون سے واقف ہیں۔وہ جانتے ہیں کہ ایک شخص جس کو ضابطہ کے مطابق عدالت بھی بدمعاش قابل نگرانی قرار دے دے اور پولیس اس کی نگرانی ایسے قابل اعتراض طریق پر کرے جو اس کی جائز نقل وحرکت اور کاروبار میں ہارج ہو۔تو وہ بھی پولیس افسر کے خلاف شکایت کر

کے اس کو از روئے قانون سزا دلا سکتا ہے۔ لیکن افسوس قادیان کی ''روحانی گورنمنٹ'' کے قواعد اس سے بہت زیادہ مختلف اور بہت زیادہ 'جلالی' واقع ہوئے ہیں۔ ان جلالی قواعد کی رو سے ملک معظم کی رعایا کے ایک معزز اور پابند قانون شہری کو از روئے قانون نقل وحرکت اور کاروبار میں جو آزادی حاصل ہے۔ وہ عملاً سلب کر لی گئی ہے۔ یہ سب کچھ پولیس کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا قادیان کی حدود میں برطانی قوانین نافذ نہیں ہیں؟ کیا وہاں برطانی پولیس موجود نہیں ہے؟ کیا ضلع گورداسپور کے ذمہ دار احکام وہاں دورے کے سلسلہ میں اکثر آتے جاتے نہیں ہیں؟ اگر ان سوالوں کا جواب اثبات میں ہے تو پھر قانون اور ان مظلوموں کی جائز شخصی آزادی کی یہ توہین کیوں برداشت کی جا رہی ہے۔ اگر قادیان کی لوکل پولیس کسی وجہ سے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھتی ہے۔ تو پھر ضلع کے افسرانِ اعلیٰ کو اس طرف توجہ کرنی چاہئیے۔ اگر وہ چند مظلوم ومقہور انسانوں کی مصائب کو دور کرنے کی خاطر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتے۔ تو کم از کم حکومت کے وقار کے تحفظ کی خاطر ہی کوئی حرکت کریں۔

قادیانی تہذیب کا نمونہ: قادیانی حضرات کچھ عرصہ سے خاص اہتمام سے یہ شور مچا رہے ہیں کہ ''پیغامی'' ہمارے خلیفہ صاحب کی توہین کرتے ہیں۔ ہمارے جذبات کو مجروح کرتے ہیں۔ ''پیغام صلح'' کے مضامین دل آزار اور اشتعال انگیز ہوتے ہیں۔ حالانکہ اب تک ہماری تحریروں میں سے اس کی وہ ایک مثال بھی نہیں پیش کر سکے۔ باوجود اس کے وہ ان مفروضہ شکایات پر اپنے حلقوم کی پوری قوت سے چیخ رہے ہیں۔ ارباب حکومت کو تاریں دی جا رہی ہیں۔ قرار دادوں کی بھر مار ہے۔ لیکن قادیانی حضرات کی اپنی کیا کیفیت ہے؟ اس کا اندازہ قادیانی خلافت کے ''نقارے'' ''الفضل'' کی کسی اشاعت پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہوسکتا ہے۔ قریباً ہر ایک پرچہ میں گالیاں اور بدکلامیاں موجود ہوتی ہیں۔ 21 اگست کے ایک مضمون کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبائعین ڈلہوزی میں بستر مرض پر پڑے پڑے اپنے خطوط میں جن خیالات کا اظہار کر رہے ہیں وہ نہایت ہی مکروہ اور حیا سوز ہیں۔ اہل پیغام اور ان کے امیر کی تبرا بازی، گندہ ذہنی اور بدزبانی اور الزام تراشی سے خوارج کا

زمانہ ہمارے سامنے آجاتا ہے"

یہ ہے کہ قادیانیوں کی پاکیزہ کلامی کا ایک ادنیٰ نمونہ۔ وابستگان خلافت کے اعمال و کردار کے ساتھ ساتھ ان کا یہ انداز گفتگو بھی قابل غور ہے۔ جو لوگ اخلاق کی اس سطح پر پہنچ چکے ہوں۔ ان سے کسی قسم کا گلہ یا اصلاح کی توقع فضول ہے۔ جو کچھ برتن کے اندر ہوتا ہے وہی باہر آتا ہے۔ اس لئے ہمیں اس بارہ میں ان سے کوئی شکایت نہیں۔ البتہ اس قسم کی تحریریں حکومت پنجاب کے ذمہ دار اصحاب اور پریس برانچ کے کارکنوں کی توجہ کی مستحق ہیں۔ آج کل حکومت کی طرف سے فرقہ وارانہ تعلقات کو خوشگوار بنانے کی خاص طور پر کوشش ہو رہی ہے۔ اخبارات کو بار بار تاکیدیں کی جا رہی ہیں۔ کیا قادیانی خلافت اور اس کا آرگن حکومت کے قوانین و اعلانات سے آزاد و بالا ہیں؟!

26 اگست 1937ء
مکتوب امیر۔7

''پیغامی'' اکابر کو قتل کی دھمکی

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت مسیح موعود کو جب اپنی جماعت کے لئے نام تجویز کرنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ کی توجہ اس طرف پھیری گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دو حصوں پر منقسم تھی۔ مکی حصہ۔ جس میں دکھ اور تکلیفیں انتہاء کو پہنچی ہوئی تھیں اور مدنی حصہ جس میں اسلام کی ظاہری حکومت اور بادشاہت پہلے تھوڑے حصہ پر اور آہستہ آہستہ سارے عرب پر قائم ہو گئی۔ اور آپ کو بتایا گیا کہ آپؐ کے جو دو نام رکھے گئے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ان دونوں میں بھی ان دو زمانوں کی طرف اشارہ تھا۔ یعنی احمدؐ جمالی نام تھا۔ جس میں دکھوں اور تکلیفوں کے زمانہ کی طرف اشارہ تھا اور محمدؐ جلالی نام تھا۔ جس میں اسلام کی حکومت اور ظاہری شان وشوکت کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت مسیح موعود نے اپنی جماعت کا نام احمدی کیوں رکھا؟: اسلام کی تاریخ بھی گویا آنحضرتؐ کی زندگی کا ہی نقشہ پیش کرتی ہے کہ اس کا ایک زمانہ مسلمانوں کی عظمت وشوکت کا زمانہ ہے۔ جب اسلام کی حکومت روئے زمین پر پھیلتی چلی گئی۔ وہ گویا اسم محمدؐ کا ظہور ہے۔ اور دوسرا زمانہ سلطنت وحکومت کے جاتے رہنے اور پھر غربت کے ساتھ تکلیفوں اور مصائب کے آجانے کا زمانہ ہے۔ اور یہ آپ کے اسم احمدؐ کا ظہور ہے۔ اور یہ وہ ہمارا زمانہ ہے۔ اور اسی بنا پر آپ نے اپنی جماعت کا نام احمدی رکھا کہ اب تمہارے لئے وہ زمانہ ہے کہ تم مصائب اور تکلیفیں اٹھا کر پیغام اسلام کو دنیا میں پہنچاؤ تا کہ اگر پہلے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روحانی طاقت کا یہ نظارہ دکھایا تھا کہ اسلام کے خادموں کو بادشاہ بنا دیا تو اس دوسرے زمانہ میں اس کی روحانی طاقت کا یہ نظارہ دکھائے کہ بادشاہوں کو اسلام کے ادنیٰ خادم بنا دے۔

مگر غلو کا ستیاناس ہو۔ جب یہ آتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اصل حقیقت آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ قادیان میں 1914ء میں جو غلو کی بنیاد رکھی گئی تو وہ ''خشت اول چوں نہد معمار کج۔ تا ثریا مے رود دیوار کج'' کا مصداق ثابت ہوئی۔ ایک غیر مسلم پولیس افسر، جو کچھ عرصہ ہوا تھوڑی دیر کے

لئے میرے ہمسفر رہے تھے، قادیان سے ہو کر آئے تھے۔ انہوں نے اپنے تاثرات کا ذکر کیا۔ کہنے لگے کہ قادیان میں مَیں نے مذہبی رنگ نہیں بلکہ سیاسی رنگ دیکھا۔ کوریں بنی ہوئی ہیں۔ ڈرل ہو رہی ہے۔ نکریں پہنی ہوئی ہیں۔ لاٹھی اور ڈنڈے اٹھائے ہوئے ہیں اور حریف مقابل کو اپنی ظاہری قوت سے دبانے کی فکر میں ہیں۔ حضرت مولوی نورالدینؒ کے زمانے میں بھی وہ ہو آئے تھے۔ اُس وقت اور اس وقت کا مقابلہ کر رہے تھے کہ اس وقت مذہبیت نظر آتی تھی اور اس وقت سیاست نظر آ رہی ہے۔ مگر افسوس کہ یہ حالت، جو ایک سرسری طور پر دیکھنے والے کے دل پر بھی اثر کر جاتی ہے، قادیانی جماعت کو نظر نہیں آتی۔ احمدیت کی روح تو میں سمجھتا ہوں نکل گئی جب ہماری قوت کا مظاہرہ ڈنڈوں اور کوروں سے ہونے لگا!

کاش کوئی سچ مچ کی جنگ ہوتی۔ جس میں یہ ڈنڈے اور فوجیں کام دیتیں۔ مگر نہیں۔ یہ سب کچھ نمائش کے لئے ہے یا مذہبی مخالفین بلکہ اپنے مرید معترضین کو مرعوب کرنے کے لئے کہ اگر تم نے زبان کھولی تو اس کا علاج ڈنڈا ہے۔ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئیے۔ اور جس کی آج وہ دردناک کیفیت قادیان میں نظر آ رہی ہے کہ رونا آتا ہے۔ کس راہ پر ڈالا گیا تھا اور کس راہ پر چل رہے ہیں! قادیانی جماعت کا عمل اس کی تذلیل کا باعث ہے۔

لوگ تو کہتے ہیں کہ فلاں فلاں قسم کے الزامات، جو قادیانی رہنماؤں پر لگ رہے ہیں، وہ سلسلہ اور جماعت کی تذلیل اور تضحیک کا موجب ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس سے بہت بڑھ کر قادیانی جماعت کا وہ کھلا عمل ہے جس نے اس کی بدنامی کو انتہاء کو پہنچا دیا ہے۔ ایک شخص جماعت کا فرد مریدی کے زنجیر میں جکڑا ہوا اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جماعت کو قوت پہنچانے کے لئے قادیان آ بیٹھتا ہے۔ سالہا سال خدمت میں گزار دیتا ہے۔ پھر اس کے دل میں کچھ اعتراض اٹھتا ہے۔ وہ اعتراض کو بار بار اپنے پیر کے سامنے پیش کرتا ہے اور صرف قسم کا مطالبہ کرتا ہے کہ اگر آپ نے یہ کام نہیں کیا تو حلف اٹھائیں۔ مگر جواب نفی میں ملتا ہے اور وہ تنگ آ کر آخر اسے شائع کرتا ہے۔

قادیانی صبر کا نمونہ۔ مقاطعہ، ایذا رسانی اور قاتلانہ حملے: قادیانی جماعت کی نگاہ میں وہ اعتراض غلط ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایسے شخص کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''شاتم خلیفہ'' ہے۔ اور خلیفہ کی تعلیم تو

بظاہر صبر کی ہے۔ لیکن صبر کا وہ نمونہ دیکھئے جو قادیانی جماعت دکھاتی ہے۔ اس کا مقاطعہ کیا جاتا ہے۔ اس کی ایذا رسانی انتہاء کو پہنچائی جاتی ہے۔ اس کی زندگی ہر وقت خطرہ میں ہے اور ہر طرف سے حملہ کا خوف ہے۔ آخر وہ اپنی جان بچا کر وہاں سے رات کی تاریکی میں بھاگتا ہے۔ اس کے مکان کو آگ لگا دی جاتی ہے۔ اس کے شعلے قادیان میں نظر آتے ہیں۔ لیکن ''قصر خلافت'' میں نظر نہیں آتے۔ جس کے زیر سایہ یہ مکان برکت حاصل کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ یہاں بھی قصہ ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ قادیانی جماعت کا غضب اور اشتعال آخر اس حد تک بڑھتا ہے کہ اسے قتل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گو وہ بچ جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا قتل ہوتا ہے۔

مگر کیا اس فعل پر قادیانی جماعت کو ندامت ہوتی ہے۔ نہیں۔ بلکہ قاتل کی وہ عزت افزائی کی جاتی ہے کہ ''بہشتی مقبرہ'' میں اسے جگہ دی جاتی ہے۔ اور خود ''خلیفہ وقت'' اس کے جنازے کو کندھا دیتا ہے۔ قاتل کی یہ عزت افزائی جماعت کے دلوں میں کیا جذبہ پیدا کرے گی؟ یہی کہ اوروں کے دلوں میں یہ جوش اٹھے گا اور یہ آرزو پیدا ہوگی کہ ہمیں بھی ایسی عزت کا مقام ملے۔ ''خدا کا خلیفہ''، جسے وہ خدا کی طرح سمجھے ہیں، کہ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ (23:21) کا مصداق ہے، وہ جب قاتل پر اس طرح خوش ہو اور اس طرح اس کی عزت افزائی کرے تو کیا دوسروں کے دلوں میں اس مقام کو حاصل کرنے کی تڑپ پیدا نہ ہوگی۔ تاریخ قادیان میں یہ واقعہ ''مباھلہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ یہ معترض صرف قسم اور مباہلہ کا طالب تھا۔

یہ قتل، صبر کی تعلیم کا، جو قادیان میں 1914ء سے دی جارہی ہے، پہلا نمونہ نہیں تھا بلکہ اس سے پیشتر ایک اور قتل بھی ہو چکا تھا۔ جس میں مقتول ایسا ہی شخص تھا جو ''خلیفہ'' پر معترض تھا۔ مگر وہ مقدمہ عدالت تک نہیں پہنچا کہ اس کے واقعات روشنی میں آتے!

جس جماعت کو دن رات صبر کی تعلیم دی جاتی ہو اور جو اپنے ''خلیفہ'' کی اطاعت کا کامل نمونہ دکھا رہی ہو۔ اس میں صرف دو معترضین کا قتل کافی نمونہ نہ تھا۔ انہی ایام میں ایک تیسرا قتل وقوع میں آ کر واقعات قتل کی ایک جماعت بن گئی۔ تا کہ کسی شخص کو شک کی گنجائش نہ رہے کہ قادیان میں صبر کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ اس شخص کا قتل ہے جس نے تیئیس سال تک ''خلیفہ'' کی ہر قسم کی خدمات سرانجام دیں۔ جو

احمدی ہونے کی وجہ سے اپنا گھر ملتان چھوڑ کر قادیان آ کر آباد ہوا اور تئیس سال تک کامل درجہ کی وفاداری دکھاتا رہا۔ آخر اس کے اور بعض رفقاء کے دلوں میں بھی ''خلیفہ وقت'' پر اسی خاص قسم کے اعتراضات پیدا ہوئے۔ جیسے مباہلہ والوں کے دلوں میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر ان لوگوں نے مباہلہ کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس کی جگہ یہ مطالعہ کیا کہ ایک آزاد کمیشن ہو جس کے سامنے وہ ان واقعات کو بیان کریں جن کی وجہ سے ''خلیفہ'' اس بات کا اہل نہیں رہا کہ وہ تختِ خلافت پر متمکن رہے۔

اب دیکھئے صبر کی تعلیم کی ابتداء یہاں کس طرح پر ہوتی ہے۔ خود ''دربارِ خلافت'' سے ان لوگوں کے مقاطعہ کا حکم جاری ہوتا ہے۔ پھر وہ مقاطعہ کا حکم بھی ایسا سخت ہے کہ ان کے گھروں پر پہرے بٹھائے جاتے ہیں۔ تا کہ وہ ان لوگوں کی رپورٹیں ''دربارِ خلافت'' میں پہنچائیں جو ان سے ملتے ہیں۔ حالانکہ جہاں تک ہمیں علم ہے انہوں نے اپنے اعتراضات کو شائع بھی نہیں کیا۔ ہاں خود خلیفہ کو کچھ لکھ دیا ہو تو علیحدہ بات ہے۔ ان کا مطالبہ صرف اس قدر تھا کہ ایک کمیشن تحقیقات کے لئے مقرر کیا جائے۔ اس کے سامنے وہ اپنے اعتراضات کو بیان کریں گے۔ ہاں اس قدر ضرور معلوم ہوتا تھا کہ وہ اعتراضات ایسے سخت تھے کہ اگر ثابت ہو جائیں تو خلیفہ کو معزول کرنا ضروری ہوگا۔

صبر کی تعلیم تو قادیان میں برابر تئیس سال سے دی جا رہی ہے اور یہ جماعت دوسروں سے دکھ برداشت کرنے کی عادی ہوگئی ہے۔ اس کی عادت ہی نہیں رہی کہ کسی پر سختی کرے یا کسی کے خلاف ہاتھ اٹھائے۔ یہ ''خلیفہ'' کی بھیڑیں ہیں۔ جن کو دوسرے آ کر مار جاتے ہیں تو وہ سختی کے جواب میں بھی ہاتھ نہیں اٹھاتے! مقاطعہ کے ''سرکاری حکم'' کے ساتھ ہی جلسے اور تقریریں اور ریزولیوشن شروع ہو جاتے ہیں کہ ان معترضین نے ہمارے دلوں کو پاش پاش کر دیا اور ان کے اعتراضات کی وجہ سے ہم میں اب صبر کی برداشت نہیں رہی ادھر خطبوں میں بھی یہی رنگ آ جاتا ہے اور ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صبر کا ایک اور نمونہ قادیان میں قائم ہو جاتا ہے۔ یعنی فخر الدین پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے۔ جس سے وہ جانبر نہیں ہو سکتا اور یوں قادیان کے صبر کی شہرت کو چار چاند لگ جاتے ہیں!

جو شخص فوت ہو جائے اس کے کسی عیب کا ذکر اچھا نہیں۔ مگر واقعات کے رنگ میں مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ فخر الدین مرحوم تئیس سال تک ''خلیفہ'' کے مخالفین کو جو کچھ کہتا رہا، اور ان مخالفین میں

''پیغامیوں'' کا نمبر اول تھا، وہ اس سے کسی طرح کم نہ تھا جو گذشتہ ایک ماہ میں ''خلیفہ'' کے متعلق کہا گیا ہے۔ مگر ''پیغامی'' تو ''دوزخ کی چلتی پھرتی آگ'' ہوئے وہ کسی کی بات برداشت نہیں کر سکتے۔ اور ''خلیفہ'' اور اس کی جماعت صبر کا کامل نمونہ ہوئے اس لئے جو کچھ ''پیغامیوں'' نے تئیس سال تک برداشت کیا اسے قادیانی ایک ماہ کے لئے کس طرح برداشت کر سکتے تھے؟ ان میں سے ایک فرد نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر کے اور چھ سات بچوں کو یتیم کر کے بتا دیا کہ صبر دکھانے کا وہ موقعہ ہوتا ہے جب قادیانیوں میں سے ایک شخص اپنے مخالفین کو بُرا کہے اور جب کسی قادیانی کو کوئی برا کہے تو اس کے لئے ہمارے ہاں دوسری قسم کا صبر ہے۔

کاش ''پیغامیوں'' کا نمونہ ہی دیکھا ہوتا کہ ان میں سے جب ایک شخص نے ان کے بڑے بڑے آدمیوں کو اعتراضات کا نشانہ بنایا اور گالیاں دیں اور ان کے دفتروں پر قفل تک لگا دیئے، تو اس ''دوزخ کی چلتی پھرتی آگ'' نے اس کا مقاطعہ تک نہ کیا۔ بلکہ ان کے ڈاکٹر گالیاں کھا کر بھی اس کے بچوں کا علاج کرتے رہے۔ اور ان میں سے کئی لوگ محض اس کی غربت پر رحم کر کے اس کی امداد کرتے رہے۔ پھر وہ ان کے جلسوں میں ان کی مسجد میں گالیوں کے بھرے ہوئے اشتہارات تقسیم کرتا رہا اور کسی نے اس کو اُف تک نہیں کیا۔ مگر یہ تو اس لئے ہوا کہ یہ لوگ مسیح موعود کی تعلیم سے منحرف ہو چکے ہیں۔ مسیح موعود کی تعلیم پر عمل کرنے والی جماعت کا وہ نمونہ ہے جو فخر الدین کے قتل میں ظاہر ہوا۔

اب اس قاتلانہ حملہ پر جو صدا قادیان سے اُٹھتی ہے۔ اسے دیکھئے۔ ان غلط بیانیوں کا یہاں ذکر کرنا مقصود نہیں جو قادیان کے پبلسٹی آفس کی طرف سے ہوئیں۔ اور پھر جب ملزم کا بیان شائع ہو چکا اور ملزم نے اقبال کر لیا کہ حملہ کی ابتدا اسی کی طرف سے تھی تو قادیان کے ''سرکاری گزٹ'' میں بھی ''خلیفہ'' کی تحریر شائع ہوگئی کہ ہم کو بھی واقعہ کے تیسرے دن پتہ لگ گیا تھا کہ اصل معاملہ اس طرح نہ تھا جس طرح ہم نے اخبارات میں بھیجا تھا۔ مگر یہ نہ ہو سکا کہ اس پبلسٹی آفس سے اس پہلی غلط بیانی کی تردید کرا دیتے۔ حالانکہ اخلاقاً یہ ان کا پہلا فرض تھا۔ یہ تو خیر علیحدہ بات تھی۔ لیکن اب اعلان یہ کیا گیا ہے کہ آئندہ جو شخص مشتعل ہو کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور کسی معترض یا مخالف کی جان لے گا یا جان لینے کے لئے حملہ کرے گا، اسے جماعت سے خارج کر دیا جائے گا۔ لیکن جس شخص کا اپنا بیان ہے کہ اس نے مشتعل ہو کر

حملہ کیا، اس کے متعلق اب تک یہ اعلان نہیں کہ اسے بھی جماعت سے خارج کیا گیا ہے۔ اور اب اس کا مقدمہ چلانے پر جماعت کا خرچ ہو رہا ہے یا اس کا ذاتی خرچ ہو رہا ہے۔ اور دوسری طرف جماعت قادیان کی مظلومیت کا اندازہ اس سے کرو کہ ارشاد ہوتا ہے: ''دبی ہوئی آہیں ملکوں کو برباد کر دیتی ہیں۔ مگر جو آہ نکل گئی ضائع ہو گئی''

تو یہ بھی شکر کا مقام ہے کہ اگر قادیانی جماعت کی ساری آہیں دبی ہی رہ جاتیں تو ملکوں کے ملک برباد ہو جاتے اور قادیانی جماعت کو چھوڑ کر ساری دنیا میں شائد قیامت ہی برپا ہوتی۔ مرحوم فخر الدین اپنی جان دے کر خدا جانے کتنے ملکوں کو بچانے کا موجب ہو گیا۔ مگر قابل غور یہ ہے کہ ایک بیوہ اور چھ سات یتیم بچوں کی آہیں تو کوئی چیز نہیں۔ آہیں تو صرف اس جماعت کی ملکوں کو برباد کرنے والی ہیں۔ جن کی کوریں اور ڈنڈے اور جاسوس چاروں طرف گشت لگا رہے ہیں اور جن کی سات ہزار کی جماعت کو تین چار معترضین سے مقابلہ آن پڑا ہے۔ اب وہ بیچارے آہیں نہ بھریں تو اور کیا کریں!

اور کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ کسی خطبہ یا کسی تحریر میں ایک لفظ تک ہمدردی کا ان یتیم بچوں اور بیوہ کے لئے نہیں۔ اخلاق کی اس پستی میں گرے ہوئے ہونے کے باوجود دعا یہ ہے کہ ہم ہی ساری دنیا کے لئے اخلاق کے معلم ہیں۔ اور ایسی ''خلافت'' کے مقابل پر چالیس کروڑ مسلمان ہیچ ہیں۔ کیا یہ وہ تقوٰی کا مقام ہے جس پر مسیح موعود نے کھڑا کیا تھا؟ آپ تو مظلوم ہونے کے باوجود بھی جھک جانے کو کہتے ہیں اور یہاں ظالم ہو کر بھی اپنے ہی گن گائے جاتے ہیں!

یہ تو ابتدائے عشق والا معاملہ ہے، ابھی ان لوگوں پر جنہوں نے کچھ الزامات لگائے ہیں یا لگانا چاہتے ہیں کیا بس ہے پر شرارت جو قادیان کے خلاف اٹھے اس کی اصل جڑ تو ''پیغامی'' ہوتے ہیں۔ احرار کے فتنے میں بھی اصل جڑ یہی ''پیغامی'' تھے۔ اور اب ان الزامات کے اصل ذمہ دار بھی وہی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ قسمیں کھا کر کہیں کہ فخر الدین مرحوم یا شیخ عبدالرحمٰن مصری نے جو کچھ کیا اس کا ہمیں قبل از وقت علم تک نہ تھا۔ یہ فتوٰی کہ اس کے اصل محرک ''پیغامی'' ہیں، اسی بارگاہ سے سرزد ہو چکا ہے جو لَا يُسْـئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (23:21) کی مصداق ہے۔ پس جب ''خلیفہ'' نے کہہ دیا کہ اس کا اصل موجب ''پیغامی'' ہیں تو قادیانی جماعت میں سے کون کافر ہے، جو اس پر ایمان نہ لائے۔ یہاں کا تو کلمہ

یہی ہے کہ جسے ''خلیفہ'' سچ کہے اسے سچ سمجھو اور جسے ''خلیفہ'' جھوٹ کہے اسے جھوٹ سمجھو!

قتل کی دھمکی: اس لئے اب ساری جماعت اس بات پر ایمان لاتی ہے کہ شیخ عبدالرحمٰن مصری اور مرحوم فخر الدین کو جماعت لاہور نے اس کام کے لئے کھڑا کیا ہے۔ اس لئے گردن زدنی تو یہ ''پیغامی'' ہیں۔ اس دوزخ کی ''چلی پھرتی آگ'' کو بجھانا تو پہلے ہی ہر قادیانی کا فرض تھا۔ اب جب اس نے اتنا بڑا منصوبہ کھڑا کر دیا تو اس کے لئے بھی اپنے صبر کا کوئی نمونہ دکھانا چاہئے۔ چنانچہ اسی جماعت کا ایک شخص مجھے ایک خط لکھتا ہے۔ اور وہ صاف کہتا ہے کہ اس کا ذاتی خیال تو یہ تھا کہ ''پیغام صلح'' میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اس کی ذمہ داری لکھنے والوں پر ہے۔ مگر اس کی جماعت نے اسے یقین دلا دیا ہے کہ اس ساری ''بدذاتی اور شرارت'' کی جڑ تم ہو اور کہ ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ تم میں اور کعب بن اشرف میں کوئی فرق نہیں۔ اور تمہیں اسی انجام کا منتظر رہنا چاہئے۔ یعنی جس طرح اسے قتل کیا گیا تھا اسی طرح مجھے (مولٰنا محمد علی) بھی قتل کیا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھتا ہے کہ یہی مضمون ڈاکٹر بشارت احمد اور سید محمد حسین شاہ صاحب کے لئے بھی ہے۔ یعنی انہیں بھی قتل کیا جائے گا۔

یہ کچھ عجیب سی بات ہے کہ تینوں آدمی، جن کا انتخاب اس شخص نے یا اس کی جماعت نے کیا ہے، ساٹھ سال سے اوپر کے ہو چکے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے مولیٰ سے ملنے کے لئے تیار ہے۔ اگر ان میں سے کسی کے لئے یہ مقدر ہو کر وہ اس دوسرے عالم میں شہادت کے دروازے سے داخل ہو تو اس سے بڑھ کر اور خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے۔ میں اس لکھنے والے اور اس جماعت کو یہ بھی اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ کم سے کم میں خلیفہ صاحب کی اس سنت پر عمل نہیں کروں گا کہ نماز باجماعت ہو رہی ہو تو آٹھ دس پہریدار ہر صف میں بے نماز کھڑے رہیں۔ تا کہ کوئی قادیانی اس دھمکی کو پورا نہ کر دے اور نہ ہی اپنے ساتھ ساتھ پہریدار لئے پھروں گا۔ جو تلواروں، ریوالوروں یا کلہاڑوں سے مسلح ہوں۔ بلکہ اگر قادیانی جماعت کی اصلاح کے لئے میرا خون بکار ہے تو میں بخوشی اس کے لئے تیار ہوں۔ میرے دروازے پر پہریدار تک بھی نہیں ہوتا اور سیر میں کوئی محافظ ساتھ لے کر نکلنے کا عادی نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر بھروسہ رکھتا ہوں اور یہی حال میرے دوستوں کا ہے۔ لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا تین خونوں سے قادیانی جماعت کے صبر کا نمونہ قائم نہیں ہوا اور چوتھے کی ضرورت

ہے۔ تا کہ سب لوگ اس بات کے قائل ہو جائیں کہ ''خلیفہ قادیان'' کے پیرو کس قدر صبر کرنے والے ہیں اور ساری دنیا ان کے صبر کی تعریفوں سے بھر جائے۔

مجھے افسوس ہے تو یہ کہ حضرت مسیح موعود تو اسلام کو ہر اعتراض سے پاک کرنے کے لئے تشریف لائے تھے اور آج تک عیسائی تحریک احمدیت کے متعلق یہی گمان رکھتے ہیں کہ یہ پیغمبر اسلام کو ہر الزام سے پاک کرنے کے در پے ہے۔ مگر کیا جماعت قادیان کا عمل اب اس کے خلاف نہیں اور وہ از سر نو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کے الزامات کا مورد نہیں بنا رہے ہیں؟ مجھ میں اور کعب بن اشرف میں کوئی فرق نہیں اور میرا انجام وہی ہوگا۔ کیا اس کے صاف معنی یہ نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کب بن اشرف کو اس لئے قتل کروا دیا تھا کہ اس نے آپ کی شان میں کوئی گستاخی کا لفظ کہہ دیا تھا!

کعب بن اشرف کے واقعہ قتل کی اصل حقیقت: واقعات یہ ہیں کہ مسلمانوں اور کافروں میں جنگ شروع ہو چکی تھی اور کعب بن اشرف نہ صرف دشمنان اسلام کے ساتھ ساز باز رکھا تھا اور انہیں مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کے لئے اکساتا تھا بلکہ اس نے قریش کے ساتھ، کعبہ کے نیچے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرے گا اور اس نے ایک سازش بھی پیغمبر اسلامؐ کو قتل کرنے کے لئے کی تھی۔ یہ سب باتیں ''زرقانی'' میں صاف طور پر مذکور ہیں۔ اب مجھے کعب بن اشرف کے ساتھ ملانے کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح یہاں حالت جنگ نہیں، وہاں بھی حالت جنگ نہ تھی۔ اور جس طرح قادیانی جماعت نے سنی سنائی باتوں کی بنا پر یہ خیال کر لیا ہے کہ میں ان کے ''خلیفہ'' کو گالیاں دیتا ہوں، کعب بن اشرف کا بھی اتنا ہی قصور تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہتا تھا اور اسی کی وجہ سے اسے مروا دیا گیا۔ یہ گویا وہ الزام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد کرتا ہے جس سے احمدیت کا مقصد تھا کہ آپ کو پاک ثابت کیا جائے۔ باقی رہی میرا میاں محمود احمد صاحب کو گالیاں دینا یا یہ کہ مجھے ان سے کوئی ذاتی فساد ہے۔ یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے جتنا آسمان کے نیچے بولا جا سکتا ہے۔ ذاتی عناد ہونا تو ایسا امر ہے جس کا تعلق انسان کے دل سے ہے اور کوئی انسان دوسرے کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے فلاں سے ذاتی عناد ہے جب تک کہ اس کے ہاتھ میں کوئی بین شہادت نہ ہو۔ انسان ایک دوسرے کو قتل بھی کر دیتے ہیں حالانکہ قتل

کی تہہ میں ذاتی عناد نہیں ہوتا۔ باقی رہا گالیاں دینا تو اب اس قادیانی ذہنیت کا میرے پاس کوئی علاج نہیں کہ میں ان کے کسی عقیدہ پر یا کسی خیال پر جرح کروں تو وہ بھی ان کے نزدیک گالیاں ہوتی ہیں۔تازہ ''الفضل'' کو دیکھ لیا جائے (21اگست) میں نے کسی پچھلے خط میں صرف میاں صاحب کے اس خیال پر جرح کی تھی کہ خلیفہ پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ میں نے صرف یہ دکھایا تھا کہ یہ خیال غلط ہے۔تاریخ اسلام اس کو سرتا پا غلط ٹھہراتی ہے۔خلفائے راشدینؓ میں سے کوئی اس کا حامی نہیں۔ بلکہ حضرت ابوبکرؓ صاف فرماتے ہیں۔اِنْ زِغْتُ قَوِّمُوْنِیْ۔حضرت عمرؓ پر بھری مجلسوں میں اعتراض ہوتے ہیں اور وہ کبھی نہیں کہتے کہ تم خلیفہ پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ ہاں! اسلام کی تاریخ میں حسن بن صباح کی تعلیم یہ تھی کہ امام یا مرشد کی کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔نہ کوئی وسوسہ دل میں اٹھنا چاہیئے۔اب یہ ایک معمولی بحث تھی۔مگر قادیانی ذہنیت دیکھئے۔اس خط کے متعلق ''الفضل'' میں کیا لکھا ہے:

> ''مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبائعین ڈلہوزی میں بستر مرض پر پڑے ہوئے اپنے خطوط میں جن خیالات کا اظہار کررہے ہیں وہ نہایت ہی مکروہ اور حیا سوز ہیں ''اہل پیغام'' اور ان کے امیر کی تبرابازی، گندہ ذہنی، بدزبانی اور الزام تراشی سے خوارج کا زمانہ ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے''

خوارج کی سب سے بڑی خصوصیت تو یہی تھی کہ انہوں نے اسلام میں تکفیر کی بنیاد رکھی۔ جس کے سب سے بڑے عامل آج قادیانی احباب ہیں۔مگر میں کہتا ہوں کہ میرے اس خط میں سے کوئی ایک فقرہ ہی نکال کر دکھایا جائے جو ''مکروہ'' ہے یا ''حیا سوز'' ہے یا اس پر تبرابازی، گندہ ذہنی اور بدزبانی کے الفاظ صادق آتے ہیں۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس جماعت میں سے سچ کہنے کی صفت مفقود ہوتی جاتی ہے!

جھوٹا ہے وہ جو یہ کہتا ہے کہ مجھے میاں محمود احمد صاحب سے کوئی ذاتی عناد ہے۔ہاں! میں ان کے خیالات اور ان کے عقائد کا سخت مخالف ہوں۔ وہ جماعت کو ایک غلط راہ پر لے جا رہے ہیں۔ ''خلافت'' کا نام رکھ کر انہوں نے قادیان میں شرک کی بنیاد رکھ دی ہے۔ کیونکہ خلیفہ کو بالکل خدا کی طرف سمجھا جاتا ہے۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو مٹایا جارہا ہے۔ کیونکہ نہ صرف ایک نئی

نبوت اس کے مقابل پر کھڑی کر دی گئی ہے۔ مقابل پر اس لئے کہ پہلی نبوت کو ماننے والے کل کے کل کافر قرار دے دیئے گئے۔ بلکہ خلافت کو بھی نبوت کا ہم پلہ بنا دیا گیا ہے۔ ان خیالات کی تردید میں اپنا فرض سمجھتا ہوں اور کوئی قتل کی دھمکی مجھے اس سے روک نہیں سکتی۔

باقی رہا یہ کہ کسی نے میاں صاحب کو یزید سے مشابہت دے دی تو یہ کوئی گالی نہیں۔ یزید بھی تو اولوالامر میں سے تھا۔ اور اب جب میاں صاحب صاف الفاظ میں فتوی دے چکے ہیں کہ اولوالامر کی اطاعت اسی طرح پر ضروری ہے جس طرح رسولؐ کی۔ اور کہ اولوالامر پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہوسکتا۔ انہیں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ تم خدا اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کر رہے ہو۔ اور کسی کو اس کے خلاف حرکت کرنے یا زبان کھولنے کا حق بھی حاصل نہیں۔ تو یزید کی نجات تو خود ان کی اس تفسیر سے ہو گئی۔ اب تو امام حسینؓ کی فکر کرنی چاہیئے۔ اور انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وہ دن رات ہمیں یزید سے مشابہت دیتے ہیں۔ پھر اگر کسی وقت کوئی شخص ترکی بہ ترکی جواب دے دے تو اس پر اس قدر اظہار غیظ کے کیا معنی؟ والسلام۔ خاکسار محمد علی 22 اگست 1937ء

جذبہ خون آشامی کا نیا رُخ: (30 اگست 1937ء) قارئین کرام کو گذشتہ اشاعت سے معلوم ہو چکا ہوگا کہ قادیانی جذبہ خون آشامی نے اب اپنا رُخ جماعت لاہور کی طرف کر لیا ہے۔ جناب خلیفہ قادیانی کے ایک فدائی نے حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کے نام سرخ چٹھی بھیجی ہے۔ جس میں اس بدبخت انسان نے حضرت ممدوح ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو قتل کی ناپاک اور بزدلانہ دھمکی دی ہے۔ حضرت ممدوح کو لکھا ہے کہ آپ میں اور کعب بن اشرف ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے آپ کو اُسی کے انجام یعنی قتل کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ یہی مضمون ڈاکٹر صاحبان کے لئے ہے۔ خط کے انداز تحریر سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ یہ صرف اس کا ذاتی فیصلہ وخیال نہیں ہے بلکہ یہ شخص ایک گروہ اور جماعت کے عزم وخواہش کا اظہار کر رہا ہے!

اس ذلیل دھمکی کی وجہ سے ہماری جماعت کے تمام حلقوں میں جس قسم کے جذبات پیدا ہوئے ہیں، ان کا ایک حد تک اندازہ ان متعدد قراردادوں سے ہوسکتا ہے جو اس دھمکی کی خبر سننے کے بعد اس کے متعلق اتفاق رائے سے منظور ہوئیں۔ جن میں سے صرف دو پیش نظر اشاعت میں درج کی جا

رہی ہیں۔ ہم نہ تو قادیانیوں کے مسئلہ خلافت کو مانتے ہیں نہ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کے غلط نظریہ کے قائل ہیں۔ ہمارے ہاں خدا کے فضل سے کسی پیر کا وجود اور پیر پرستی کی لعنت بھی موجود نہیں۔ ہم نے صحیح اسلامی اصول کے مطابق پورے غور و فکر اور کامل آزادی و اتفاق رائے سے ایک شخص کو اپنا امیر منتخب کر لیا ہے۔ اس لئے کہ قوم کی رائے میں وہ سب سے بہتر، سب سے زیادہ نیک، قابل اور موزوں شخص ہے۔ وہ باقی افرادِ قوم کی طرح ہی اسلام احکام اور کثرت رائے سے کئے ہوئے جماعتی فیصلوں کا پابند ہے۔ اس نے اسلام اور احمدیت کی شاندار خدمات انجام دی اور دے رہا ہے۔ اس کے اندوختہ عملی علمی دینی کارناموں اور اعلیٰ کریکٹر کی وجہ سے ہمارے سر بجا طور پر فخر سے اونچے ہیں۔ چونکہ جماعت کے ایک ایک فرد نے دلی خوشی اور کامل آزادی رائے سے اس کو اپنا لیڈر تسلیم کیا ہے، لہٰذا تمام افراد جماعت کو اس سے سچی محبت اور عقیدت ہے۔ ایسی محبت اور عقیدت جس کا ادنیٰ تصور بھی قادیانی پیر پرستوں کی تاریک خیالی نہیں کر سکتی۔ لہٰذا ہمارے امیر اور اس کے قابل احترام رفقاء کو قتل کی دھمکی ساری جماعت کے لئے دھمکی ہے ایک زبردست چیلنج ہے۔ دھمکی دینے والے فدائی اس کے پیر اور اس کی جماعت کو اس حقیقت کا پوری طرح احساس ہونا چاہئے۔ اگر ان کو یہ احساس نہیں تو ان کی یہ بہت بڑی خود فریبی ہے۔ جماعت لاہور کا ایک ایک فرد، اس کے بوڑھے اور جوان، اس کی عورتیں اور بچے پوری شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں کہ یہ دھمکی ان میں سے ہر ایک کو دی گئی ہے۔ اس طرح ہمارے جذبات کو مجروح کرنے کی سازش کی گئی ہے اور ہماری غیرت اور ایثار کا امتحان لینا چاہا ہے۔ خدا وہ سورج ہم پر طلوع نہ کرے کہ ہم اس امتحان سے پیچھے قدم ہٹائیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خلیفہ قادیان کے فدائی کی اس سرخ چٹھی کے ذریعے ہمارے نازک ترین احساسات کو مجروح کیا گیا ہے۔ یہ ہماری جماعتی غیرت کے لئے ایک چیلنج ہے۔ وہ کون غیرت مند مرد اور وہ کون غیرت مند عورت ہے جس کے کسی بزرگ کی طرف کوئی خون آشام نظروں سے دیکھے، وہ تڑپ نہ جائے اور جوش سے بے چین نہ ہو جائے۔ ہمارا امیر اور اس کے فقاء ہمارے لئے یقیناً خاندانی بزرگوں سے بہت زیادہ قابل احترام ہیں۔ کیونکہ وہ دورِ حاضر میں اسلام کے بہترین اور مخلص خدام ہیں۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود کی تعلیمات کو بڑی بڑی قربانیوں سے زندہ رکھا ہے۔ لیکن یاد

رہے اب جبکہ ہماری جماعتی غیرت کو چیلنج کیا گیا ہے۔ یہی وہ مناسب اور صحیح موقع ہے کہ ہم اپنی بلند اخلاقی، ضبط، جماعتی طریق کار اور اپنے مسلک کی خوبی و پختگی کا اظہار پوری قوت و استقلال سے کریں اور جذبات کی رو میں نہ بہہ جائیں۔

جیسا کہ ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ یہ دھمکی کسی فرد واحد کا ذاتی فیصلہ اور خیال نہیں۔ بلکہ اس کی پشت پر ایک جماعت کی خواہش و امداد معلوم ہوتی ہے۔ اس جذبہ خون آشامی کو اشتعال انگیز تقریروں، خطبات اور غلط بیانیوں سے لبریز مضامین سے بھڑکایا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے دلوں کی تمنائیں ہیں جن کا اظہار ایک شخص کی زبانِ قلم سے ہو رہا ہے۔ سرخ خط کے اندازِ تحریر سے اور حالات و واقعات کی ترتیب سے اس امر کی زبردست تائید ہوتی ہے۔ یہ شور تو کافی مدت اور پوری قوت سے مچایا جا رہا ہے کہ خلیفہ قادیان اور ان کی ساری جماعت کے خلاف تمام ہنگاموں میں ''پیغامیوں'' کا ہاتھ پوشیدہ طور پر کارفرما ہے۔ حالانکہ یہ کوہ ہمالیہ سے بھی بڑا جھوٹ ہے۔ لیکن قادیانی جماعت کو اس جھوٹی بات کا کوہ ہمالیہ کے وجود سے بھی زیادہ پختہ یقین ہے۔ کیونکہ پیر نے عقل کے اندھے مریدوں کو یہی بات ذہن نشین کرا دی۔ اسی غلط بیانی کی سیاہ چادر میں اپنے بہت سے نمایاں عیوب کو کئی مرتبہ چھپایا گیا ہے اور کئی مرتبہ جماعت لاہور کے خلاف آتش عداوت و اشتعال کو اسی ذریعہ سے زیادہ بھڑکایا گیا ہے۔ چنانچہ جب سے قادیان کے موجودہ جھگڑے کی ابتداء ہوئی ہے۔ خلیفہ قادیان اور ان کے قریباً تمام مصاحبین بار بار یہی ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ ہنگامہ پیغامیوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ ساری شرارت انہی کی ہے۔ خلیفہ صاحب کے خطبات، ''الفضل'' کے مضامین اور قادیانی اکابر کی تقریروں میں اس بہتان کا اعادہ اس کثرت سے ہوا ہے اور ہو رہا ہے کہ اس کا شمار مشکل ہے۔

6 اگست کو جمعہ کے روز خلیفہ قادیان نے ایک نہایت خطرناک اور اشتعال انگیز خطبہ دیا۔ جس میں جماعت لاہور کے متعلق بھی بہت کچھ کہا۔ اس کے بعد اس بھڑکتی ہوئی آگ پر تیل ڈالنے کے لئے رات کے وقت ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس میں خلیفہ صاحب کے نئے ماموں میر محمد اسحاق اور چند مصاحبین نے نہایت اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ جن میں جماعت لاہور کے خلاف بھی قادیانیوں کو خوب بھڑکایا گیا۔ انہی تقریروں میں کعب بن اشرف کا ذکر ہے۔ اس جلسہ کی روئداد 8 اگست کے

''الفضل'' میں شائع ہوئی ہے۔ خلیفہ صاحب کے فدائی نے بھی اپنے سرخ خط میں کعب بن اشرف کا ذکر کیا ہے۔ یہ خط مورخہ 10 اگست کو ایبٹ آباد سے سپرد ڈاک ہوا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں صاف نظر آتا ہے کہ اس دھمکی کی ذمہ داری صرف ایک فرد پر کسی صورت میں ڈالی نہیں جا سکتی بلکہ یہ نتیجہ ہے مذکورہ بالا اشتعال انگیز خطبات، تقریروں اور مضامین کا۔ لہٰذا اس ناپاک دھمکی سے قادیانی جماعت اور خلیفہ صاحب کے دامن کو پاک قرار دینا ممکن نہیں۔

قادیانی جماعت نے اس قسم کی حرکتوں کے ذریعے ان لوگوں کا مقام اپنے لئے پسند کیا ہے جو ہمیشہ عداوت حق کے مجنونانہ جوش میں انبیاءؑ اور مجددین اور ان کی جماعتوں کے مقابلہ پر کھڑے ہوئے ہیں۔ جماعت لاہور اور اس کے اکابر صرف ایک غلطی کی اصلاح چاہتے ہیں۔ انہیں کسی سے کوئی ذاتی جذبات نہیں ہے۔ اس کے عوض اٹھیں برا کہا جاتا ہے۔ گالیاں ملتی ہیں، جہنم کی چلتی پھرتی آگ اور دنیا کی بدترین وذلیل ترین جماعت قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے خلاف غلط بیانیاں اور اشتعال انگیزیاں کی جاتی ہیں۔ انہیں قتل کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ کیا قادیانی جماعت اور اس کے اکابر جانتے ہیں کہ اس طرح وہ تاریخ میں اپنے لئے کوئی اچھی جگہ نہیں بنا رہے ہیں۔ قادیانیوں کے اس طرز عمل کا جواب یہی ہے کہ ہم انبیاءؑ، صلحاء اور مجددین کے نقش قدم پر چلیں۔ ہمیشہ سے دنیا میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جو لوگ حق واصلاح کی پکار بلند کرتے ہیں، عدوان حق ان کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم نے محض خدا کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے حق واصلاح کی پکار بلند کی ہے اور ہمارے خون کی طلب ہو رہی ہے تو ہمیں اس مطالبہ کے پورا کرنے سے کیسے انکار ہو سکتا ہے؟ ہم اس دھمکی سے مرعوب ہو سکتے ہیں نہ ہمیں اس پر مشتعل ہونے کی ضرورت ہے۔ ہم اپنا خون اور جانیں دینے کے لئے حاضر ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ہم جماعت لاہور کے نوجوانوں کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک بات کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہ سرفروشی نوجوانوں کا اولین حق ہے۔ جماعت کا اور کوئی طبقہ ان سے یہ حق چھین نہیں سکتا۔ اگر قادیانی جذبہ خون آشامی کو ہماری جماعت کے خون کی ضرورت ہے تو قادیانی فدائیوں کو سب سے پہلے ہم نوجوانوں کے گلوں پر اپنی تیغ چلانی ہوگی۔ ہمارے سینوں میں اپنے خنجر بھونکنے ہوں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ شہادت کے اس دروازے میں ہم نوجوانوں سے پہلے اور کوئی

داخل ہو جائے۔ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ قادیانی فدائیوں کی میانوں سے نکلی ہوئی تلواروں اور ان کے تنے ہوئے خنجروں کا خیر مقدم سب سے پہلے ہم احمدی نو جوانوں کی گردنیں اور ہمارے ہی سینے کریں گے۔ ہم بے شک تھوڑے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ ہماری رگوں میں سے اتنا خون نکل سکتا ہے کہ جس میں قادیانی غلوغرق ہوئے اور اس طرح احمدیت کی ترقی اور مقبولیت کا ایک نیا شاندار دور شروع ہو سکے۔ یہ ہیں نوجوانان جماعت کے دلی جذبات جن کا حق ترجمانی ہم نے قریب قریب انہی کے الفاظ میں ادا کر دیا۔ آئندہ اشاعت میں ان کی خدمت میں چند باتیں عرض کریں گے اور حکومت سے بھی کچھ کہیں گے۔

جماعت احمدیہ لاہور کی قرارداد: (30 اگست 1937ء) ''اس قسم کے کسی فعل کی ذمہ داری کسی فرد واحد پر نہیں بلکہ خلیفہ اور ان کی جماعت پر ہوگی''

27 اگست کو بعد نماز جمعہ مقامی جماعت کا ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل قرارداد باتفاق رائے منظور ہوئی۔

1۔ جماعت احمدیہ لاہور کا یہ اجتماع قادیانی خلیفہ کے ایک ایبٹ آبادی فدائی کے فعل کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا ہے جو اس نے ایک ''سرخ چٹھی'' کے ذریعہ کیا ہے۔ جس میں جماعت احمدیہ کے اکابر حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔ 8 اگست کے ''الفضل'' میں خلیفہ قادیان اور ان کے حواریوں کی اشتعال انگیز تقریروں کا ذکر ہے۔ جس میں جماعت احمدیہ لاہور کے بزرگوں کے لئے ''کعب بن اشرف'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ 10 اگست کو خلیفہ صاحب کے ایبٹ آبادی فدائی کا دھمکی آمیز خط لکھنا اور اس میں اس جماعت کے بزرگوں کو کعب بن اشرف قرار دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس خط کی محرک وہی تقاریر ہیں جو ''الفضل'' 8 اگست میں درج ہوئی ہیں۔

یہ اجتماع حکومت کو توجہ دلاتا ہے کہ اس قسم کے کسی فعل کی ذمہ داری کسی فرد پر نہیں بلکہ خلیفہ صاحب اور ان کی جماعت پر ہوگی جو اس قسم کی اشتعال انگیزی کر رہے ہیں۔ اس لئے حکومت کا فرض ہے کہ وہ قادیانی جماعت کے اس قانون شکن اور امن سوز رویہ کے خلاف فوری کارروائی کرے۔

2۔اس ریزولیوشن کی نقول حکومت اور اخبارات کے نام بھیجی جائیں۔

نوجوانانِ جماعت سے چند باتیں:(3 ستمبر 1937ء) خلیفہ قادیان کے ایک فدائی کی طرف سے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ اور ہماری جمات کے دو قابل احترام بزرگوں کو قتل کی جو ناپاک اور بزدلانہ دھمکی دی گئی ہے، الحمدللہ اس سے جماعت کے تمام حلقوں میں خوف اور بے جا جوش وخروش کی بجائے حیات تازہ کے آثار اور ایک نہایت امید افزا بیداری پیدا ہوگئی ہے۔ ہماری جماعت کے افراد، جواب تک اپنے مالوں اور وقتوں وتعلقات کی قربانیاں کر رہے تھے، انہیں معلوم ہو گیا کہ حق وصداقت کے راستہ میں وقت آنے پر جانوں کی ضرورت بھی ہوگی۔ وہ جان گئے کہ غلو ہمارے خون کا پیاسا ہے۔غلو کے دام فریب میں گرفتاروں کی آنکھیں غالبًا اسی وقت کھلیں گی جبکہ وہ زیادہ نہیں تو چند بے گناہ صداقت کی پکار بلند کرنے والے صراط مستقیم کی طرف بلانے والے انسانوں کو خاک وخون میں تڑپا لیں گے!

ہماری جماعت کے تمام حلقوں نے اس قربانی کے لئے آمادگی ظاہر کی ہے۔انہوں نے عزم کر لیا ہے کہ قادیانی فدائی بیشک لاکھ دھمکیاں دیں، ان دھمکیوں کو بڑے شوق سے عملی جامہ پہنائیں لیکن ہم قانون اور ضابطہ اخلاق کی کامل پابندی اور پورے عزم واستقلال کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھیں گے۔اگر خلیفہ صاحب کے فدائی اپنے کام کی تیاریوں میں مصروف ہیں تو پھر حیف ہے ہم پر، اگر ہم اپنے نیک کام سے پیچھے ہٹ جائیں۔یعنی خنجروں،تلواروں، بندوقوں اور پستولوں کے ڈر سے حق کی پکار اور اصلاح کی دعوت بند کر دیں۔جن کو اللہ تعالیٰ نے کان دئے ہیں وہ سن لیں کہ جب تک احمدی جماعت زندہ ہے، اس کا قدم اس راستہ سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔انشاءاللہ

اس موقع پر جماعت کے جس طبقہ نے سب سے زیادہ بہتر نمونہ دکھایا وہ ہمارے نوجوان ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ نوجوانوں کا گرم خون بہت جلد حرکت میں آجاتا ہے اور وہ زیادہ سوچ بچار کے بغیر ایثار وقربانی کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔لیکن ہم کو احمدی نوجوانوں کی جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ ایثار وقربانی پر پوری آمادگی کے ساتھ کامل ضبط، پابندی، قانون واخلاق اور مومنانہ وقار ہے۔انہوں نے انتہائی غم وغصہ کے باوجود جو ناپاک دھمکی سے ان کے احساس دلوں میں پیدا ہو گیا ہے، اپنے جذبات اور اپنی زبانوں کو قابو میں رکھا اور بے جا جوش وخروش کی بجائے قربانی کے

لئے ایک پر وقار عزم کا اظہار کیا۔ جس کا ذکر گذشتہ اشاعت میں آ چکا ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسی صورت خلیفہ قادیان یا ان کے کسی صاحب کو پیش آ جاتی یا انہیں اس کا وہم بھی ہو جاتا تو ہم قادیانی نوجوانوں کو نمائش جوش سے دیوانے دیکھتے۔ ان کی زبانیں بے قابو ہو جاتیں۔ مولوی اللہ دتا عرف ابوالعطاء جالندھری ایسے قماش کے قادیانی نوجوان ایسی ایسی باتیں کہتے یا ان سے کہلوائی جاتیں کہ دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی۔ ''الفضل'' اور دیگر تمام قادیانی ''نقاروں'' پر معاچوب پڑ جاتی اور اس شور میں کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی۔ قصر خلافت پر پہرے کے انتظامات زیادہ سخت کر دئے جاتے۔ خلیفہ صاحب کے پبلسٹی آفس اور قادیان کے تار گھر کی مصروفیت میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا۔ لیکن ہمارے نوجوانوں نے اس چھچھورے پن سے بالکل مختلف راہ اختیار کی۔ انہوں نے نقاروں کی طرح شور مچانے کی بجائے صداقت کی راہ میں جانیں دینے کی تمنا ظاہر کی۔ انہوں نے نہایت سعادت مندی لیکن پورے اصرار اور قوت سے کہا کہ راہ حق میں سرفروشی ہم نوجوانوں کا اولین حق ہے۔ اگر قادیانی جذبہ خون آشامی کو ہماری جماعت کے خون کی ضرورت ہے تو قادیانی فدائیوں کو سب سے پہلے ہم نوجوانوں کے گلوں پر اپنی تیغ ستم چلانی ہوگی۔ ہمارے سینوں میں اپنے خنجر بھونکنے ہوں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ شہادت کے اس دروازے میں ہم نوجوانوں سے پہلے اور کوئی داخل ہو جائے۔ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ کیا جماعت اپنے ان نوجوانوں پر فخر محسوس نہیں کرتی؟!

نوجوانوں کے بعد جماعت کی خواتین کی باری ہے۔ انہوں نے بھی اس موقع پر نہایت پاکیزہ اور بلند جذبہ ایثار کا اظہار کیا۔ انہوں نے اس امر پر آمادگی ظاہر کی کہ راہ حق وصداقت میں اگر ان کے فرزند کام آئیں تو اس سے زیادہ مسرت انہیں اور کسی بات سے نہیں ہوسکتی۔ ان خواتین نے کہا ہے کہ اگر قادیانی جذبہ خون آشامی کو خون کی ضرورت ہے تو ہمارے بچوں کی رگوں کے خون حاضر ہیں۔ اس طرح ہمارے چند خاندان کے چراغ بظاہر گل ہو جائیں گے، چند دلہنوں کا سہاگ ضرور لٹ جائے گا، ہمارے چند گھروں کے بچے ضرور یتیم ہو جائیں گے لیکن اس طرح حق کا بھی بول بالا ہوگا اور جماعت میں حیات تازہ پیدا ہوگی۔ جب احمدی مائیں اپنے بچوں کو دلی مسرت کے ساتھ دین پر قربان ہونے کے لئے دے سکتی ہے اور جب جماعت کے نوجوان خوشی کے ساتھ حق واصلاح کے شجرے کی

آبیاری کے لئے اپنی رگوں کے خون پیش کر سکتے ہیں تو پھر ہماری جماعت نہیں مر سکتی۔ خواہ ایک ایک قادیانی کے ہاتھ میں زہر آلود خنجر دے دیا جائے۔ خواہ ان میں سے ہر ایک کی کمر میں خون آشام تلوار باندھ دی جائے۔ ہماری جماعت کا مستقبل انشاء اللہ ان بلند سیرت خواتین اور نشہ ایثار وفدائیت کے متوالے نوجوانوں کے ہاتھوں محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا۔

جوانی کی عمر جذبہ عشق کی بہار کا موسم ہوتا ہے۔ زمانہ شباب میں انسان جو کچھ کر گزرتا ہے۔ اس کا تصور بھی عمر کے باقی حصوں میں مشکل ہے۔ اس عمر میں ہمتیں بلند اور عزائم مضبوط ہوتے ہیں۔ خون میں حرارت ہوتی ہے۔ کسی کے لئے مرمٹنا اور فدا ہو جانا بچوں کا کھیل دکھائی دیتا ہے۔ کسی کا ہو رہنا اور کسی کو اپنا بنا لینا جوانی کا معمول ہے۔ اس عمر میں کاررواں حیات کا رہنما جذبہ بے اختیار ہوتا ہے۔ جان نثاری اور فدا کاری کی تاریخ انہی نوجوانوں کے کارناموں سے مرتب ہوتی ہے۔ اگر اس رنگین سنہری تاریخ سے ان کارناموں کو نکال دیا جائے تو اس کے بہت سے اوراق سادہ نظر آنے لگیں۔ کیا یہ ہماری جماعت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل نہیں کہ اس نے ہم کو ایسے نوجوان دیئے ہیں جن کا جذبہ عشق اللہ کے دین کی خدمت اور اس کی راہ میں مرمٹنے کے لئے وقف ہے۔ انہوں نے انسانی پتلوں کے حسن فانی کی بجائے اسلام کے حسن لازوال کو اپنا دل دے دیا ہے۔ اسلام اور احمدیت کی صحیح تعلیمات کے تحفظ کی خاطر انہوں نے قادیانی فدائیوں کے سامنے اپنی جانیں اور گردنیں پیش کر دی ہیں۔

ہم اپنے ان عزیز دوستوں سے ایک اس سے بھی بڑی قربانی کے متوقع ہیں۔ جان دینے اور مرمٹنے سے بھی زیادہ بڑی ایک قربانی ہے۔ وہ ہے کسی بلند مقصد کے لئے زندہ رہ کر انتہائی کوشش کرنا اور اس راہ میں مرنے سے ڈرنا اور ہر وقت مرنے کے لئے آمادہ رہنا۔ آج اسی قربانی کی ضرورت ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان میدان عمل میں نکلیں۔ اسلام اور احمدیت کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ وہ عزم کر لیں کہ ہم نے اپنی بھری جوانیاں اسی عشق میں بسر کرنی ہیں۔ جب تک زندہ ہیں اسی مقصد کی خاطر زندہ رہیں گے۔ موت کسی قادیانی فدائی کے خنجر خون آشام کے ذریعے آئے یا اور کسی طریق پر، لیکن زندگی کی جو سانسیں مقدر ہیں، وہ اسلام اور احمدیت کی خدمت ہی میں بسر ہوں گی۔ بیشک یہ کام مشکل ہے لیکن ضرورت اسی کی ہے۔ لوگ پروانے کے جذبہ اختیار کی خواہ کس قدر

ہی تعریف کریں لیکن نورافشاں شمع کے سوز سے اسے کیا نسبت ہے جو ساری رات گھل گھل کر فنا ہوتی اور روشنی پھیلاتی رہتی ہے۔ شعلے کی بھڑک کو خواہ آپ کچھ کہہ لیں لیکن وہ بھڑکتا ہے اور پل بھر میں اپنی حرارت اور چمک ختم کر دیتا ہے۔ اسے اس آتش خاموش کے برابر کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے جو اندر ہی اندر سلگتی اور حرارت پہنچاتی رہتی ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے بہت سے کام ہیں جو نوجوانوں کی قوت بازو کے منتظر ہیں۔ کرہ ارض کے بے شمار خطے ایسے ہیں جہاں اسلام کا پیغام اور قرآن کی تعلیمات تاحال نہیں پہنچیں۔ ضرورت ہے کہ وہاں ہمارے نوجوان پوری تیاری اور عزم کے ساتھ جائیں اور اللہ کا نام بلند کریں۔ ہندوستان کے بھی بہت سے علاقوں میں ایسے مجاہدین کی ضرورت ہے۔ پھر مختلف زبانوں میں قرآن کریم اور دیگر اسلامی کتب کے تراجم کا کام ہے۔ مختلف مذاہب کے بیسوں ایسے مسائل ہیں جن کے متعلق کامل واقفیت اور تحقیقات کی ضرورت ہے۔ زمانہ کئی ایک مذہبی موضوعات پر بلند پایہ تصنیفات و تالیفات کا مطالبہ کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں توسیع و تنظیم جماعت کا مرحلہ سامنے ہے۔ یہ سارے کام نوجوانوں کے کرنے کے ہیں۔ وہ آگے بڑھیں، ان کاموں کو اپنے ہاتھوں میں لیں اور ان کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ اسی میں اسلام کی شان اور قومی زندگی ہے۔ آج گفتگو پھر خلاف توقع طویل ہوگئی اور ہم قادیانی جذبہ خون آشامی کے متعلق حکومت سے کچھ نہ کہہ سکے۔ آئندہ اشاعت میں سہی۔

اندھی عقیدت کی ٹھوکریں: شیخ عبدالرحمان صاحب مصری اور اُن کے رفقاء نے خلیفہ قادیان کے متعلق جو آزاد تحقیقاتی کمیشن کا مطالبہ پیش کیا ہے وہ قادیانی حضرات کے لئے بہت تکلیف دہ ثابت ہو رہا ہے۔ ان کی طرف سے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش ہو رہی ہے کہ خلیفہ ہر قسم کے الزامات اور شکوک سے بالا ہے۔ اس لئے آزاد کمیشن کے معقول مطالبہ کو زبان پر ہی نہ لانا چاہیئے۔ اس معاملہ میں قادیانیوں کی اندھی عقیدت نہایت عبرت ناک ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ چونکہ ہم اصولی طور پر اس مطالبہ کو جائز سمجھتے ہیں، اس لئے ہم پر بھی قادیانی دوستوں کی خاص عنایت ہے۔

''الفضل'' یکم ستمبر میں کسی صاحب محمد سعید سعدی کا ایک مضمون ''حضرت مسیح موعود کے کلام سے مصری اور پیغامی پارٹی کے باطل ہونے کے چار قطعی ثبوت'' کے طویل عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس

میں دیگر بے معنی باتوں کے علاوہ مضمون نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ انبیاءؑ اور اولیاءؒ کو اللہ کبھی کسی اولاد کے پیدا ہونے کی بشارت نہیں دیتا، سوائے اس صورت کے کہ صالح اولاد مقدر ہو۔ چونکہ حضرت مسیح موعود کی تمام موجودہ اولاد کا بشیر ہونا ثابت شدہ حقیقت ہے، اس لئے خلیفہ صاحب پر ہر قسم کے الزامات جھوٹے ہیں اور آزاد تحقیقاتی کمیشن کا مطالبہ محض شرارت اور عداوت محمود پر مبنی ہے۔ مضمون نگار نے حضرت مسیح موعود کی تحریروں کو جس غلط اور شاطرانہ رنگ میں پیش کیا ہے اس کی پردہ دری ایک طویل مضمون کی طالب ہے۔ سردست ہم اس قادیانی دعویٰ کو حضرت مسیح موعود کے عمل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ حضرت صاحب کی زندگی میں بھی جناب خلیفہ صاحب کی ذات گرامی پر چند ناگفتہ بہ الزامات لگے تھے۔ اس وقت حضرت صاحب کے حکم سے ایک تحقیقاتی کمیشن بیٹھا اور باقاعدہ تحقیقات ہوئی۔ اگر خلیفہ صاحب کا حضرت صاحب کی مبشر اولاد ہونے کی وجہ سے غیر صالح ہونا ناممکن تھا تو بتایا جائے کہ حضرت صاحب نے کمیشن کیوں مقرر فرمایا اور تحقیقات کو کیوں ضروری سمجھا۔ کیا ان کا یہ فعل نعوذ باللہ شرارت اور عداوت محمود پر مبنی تھا؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر اب آزاد تحقیقاتی کمیشن کے مطالبہ پر یہ چیخ و پکار آہ و فغاں اور دشنام طرازی کیوں؟ اس کو اندھی عقیدت کی افسوسناک ٹھوکروں کے سوا اور کیا کہا جائے؟

ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن امرتسر کی قرارداد: (8 ستمبر 1937ء) مورخہ 3 ستمبر 1937ء کو بعد نماز جمعہ ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن امرتسر کا ایک عظیم الشان جلسہ زیر صدارت میاں عطاء اللہ صاحب مالک مقبول فلور اور آئل ملز امرتسر منعقد ہوا جس میں مولانا احمد یار صاحب ایم اے و دیگر احباب نے تقریریں کیں۔ مندرجہ ذیل ریزولیوشن بالاتفاق رائے پاس ہوا۔

1۔ احمدیہ ینگ مین ایسوسی ایشن امرتسر کا یہ جلسہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کے ایبٹ آبادی مرید کی اس حرکت مذبوحی کو نہایت نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ اس نے اپنے ایک ناپاک مکتوب میں حضرت امیر مولانا محمد علی و بزرگان ملت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو قتل کی دھمکی دی ہے۔ اجتماع ہذا کو یہ یقین ہے کہ اس اشتعال کا باعث خلیفہ قادیان کے وہ خطبات اور الفضل کی وہ دل آزار تحریریں ہیں جن میں ان بزرگان ملت پر بے سروپا اور بے بنیاد

الزامات تراشے ہیں اور انہیں (نعوذ باللہ) کعب بن اشرف جیسے عدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس ایبٹ آبادی مرید کے خط سے بھی ظاہر ہے۔ اجتماع ہذا حکام بالا سے بھی درخواست کرتا ہے کہ وہ قادیانیوں کی ان امن شکن تحریکات کا جس قدر جلد ممکن ہو انسداد کیا جائے۔

2۔ اس جلسہ میں یہ بھی قرار پایا کہ اس ریزولیوشن کی نقول گورنر صاحب پنجاب، وزیر اعظم پنجاب، حکومت سرحد اور اخبارات کو ارسال کی جائے۔ سکرٹری غضنفر علی احمدیہ ینگ مین ایسوسی ایشن امرت سر

جماعت سامانہ: آج مورخہ 3 ستمبر بعد نماز جمعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سامانہ کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس ہوا۔

1۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سامانہ ریاست پٹیالہ کا یہ اجلاس خلیفہ قادیان کے مرید کی اس سرخ چٹھی کو نہایت ہی نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے جو اس نے حضرت مولٰینا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کے نام بھیجی ہے۔ جس میں اس نے حضرت مولٰینا ممدوح اور دیگر بزرگان انجمن کو قتل کی دھمکی دی ہے۔ اجلاس ہذا حکومت کو توجہ دلاتا ہے کہ اس قسم کے فتنہ پرواز پروپیگنڈا کا سدباب کرے جو قادیانیوں کی طرف سے احمدیہ جماعت لاہور کے بزرگوں کے خلاف کیا جا رہا ہے۔

2۔ اس ریزولیوشن کی نقول اخبارات اور حکومت کو بھیجی گئیں (مرزا عزیز بیگ پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، سامانہ، ریاست پٹیالہ)

جماعت سری نگر: آج مورخہ 3 ستمبر بعد از نماز جمعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سری نگر کا ایک خاص اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل ریزولیوشن بالاتفاق پاس کیا گیا۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سری نگر کشمیر کا یہ اجلاس متفقہ طریق پر خلیفہ قادیان کے ایبٹ آبادی مرید کے اس ناپاک مکتوب پر اظہار صد نفرت و ملامت کرتا ہے جس میں دور حاضر کے بڑے محافظ و خدمت گار اسلام حضرت مولٰینا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ اور حضرت مسیح موعود کے پرانے خدام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر ہزاروں روپیہ لٹا دینے والی بیش قیمت ہستیوں حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب و حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے اور قرار دیتا ہے کہ قادیانیوں کی اس خطرناک ذہنیت کی تمام تر ذمہ داری خلیفہ قادیان پر ہے جن کے

اشتعال انگیز خطبات کی وجہ سے قادیانیوں کے دل ودماغ میں ایسے گندے اور ناپاک ارادے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اجلاس حکومت کو بھی پرزور الفاظ میں توجہ دلاتا ہے کہ وہ جناب خلیفہ قادیان کی وقت پر خبر لے اور انہیں حد امن میں رہنے پر مجبور کرے۔ جس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ قادیانیوں کی تمام فتنہ پردازیوں اور امن سوزیوں کا ذمہ دار خلیفہ قادیان کو قرار دے کر ان سے قانونی طریق پر حفظ امن کی ضمانت لے۔

2۔ اس قرارداد کی نقول اخبارات کو بھیجی جائیں خاکسار علی محمد اسسٹنٹ سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سرنگر کشمیر

احمدیہ گرلز ایسوسی ایشن لاہور: احمدیہ گرلز ایسوسی ایشن لاہور کا ماہانہ اجلاس 3 ستمبر کو بعد نماز جمعہ مسجد احمدیہ بلڈنگس میں زیر صدارت اہلیہ سید ممتاز علی شاہ صاحب منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل قرارداد اتفاق رائے سے منظور کی گئی۔

1۔ احمدیہ گرلز ایسوسی ایشن لاہور کا یہ اجلاس قادیانی اکابر کی اشتعال انگیز تحریروں اور تقریروں پر اظہار افسوس کرتا ہے جن سے متاثر ہو کر خلیفہ قادیان کے فدائیوں نے قتل ومقاتلہ کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ یہ جلسہ حکومت کو توجہ دلاتا ہے اگر خلیفہ قادیان کے سرحدی مرید کی دھمکی کے مطابق جماعت احمدیہ لاہور کے اکابر کو کسی قسم کا گزند پہنچا تو اس کی ذمہ داری خلیفہ صاحب اور ان کے حاشیہ برداروں پر ہوگی۔ جو کہ اس قسم کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ حکومت کا فرض ہے کہ اس قسم کے آدمیوں کو قرار واقعی سزا دے کر صوبہ کے امن کی حفاظت کرے۔

2۔ اس قرارداد کی نقل اخبار ''پیغام صلح'' میں برائے اشاعت بھیجی جائے۔ (سیدہ مسرت سکرٹری احمدیہ گرلز ایسوسی ایشن لاہور)

جماعت وزیرآباد: (13 ستمبر 1937ء) 4 ستمبر بوقت 4 بجے شام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام وزیرآباد اور ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن وزیرآباد کا ایک مشترکہ اجلاس زیر صدارت شیخ نیاز احمد صاحب آنریری مجسٹریٹ ورئیس اعظم مسجد احمدیہ میں منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل قرارداد اتفاق رائے سے منظور ہوئی۔

1۔ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام وینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن کا یہ اجتماع خلیفہ قادیان کے ایک ایبٹ آبادی مرید کے اس فعل کو نہایت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ جو اس نے ایک سرخ چٹھی کے ذریعے کیا ہے۔ جس میں اس نے جماعت احمدیہ لاہور کے اکابر حضرت مولٰنا محمد علی صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو قتل کی دھمکی دی ہے۔ یہ اجتماع اس بات کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس جذبہ کا محرک خلیفہ قادیان کا 4 اگست 1937ء کا اشتعال انگیز اور نفرت زا خطبہ اور ''الفضل'' کی فتنہ پرواز تحریرات ہیں جن میں تشدد کا راستہ اختیار کرنے کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ جیسا کہ کعب بن اشرف کے واقعہ کی طرف اشارہ سے واضح ہے۔ اور یہی بات اس خط میں بھی درج ہے۔ یہ اجتماع حکومت کو توجہ دلاتا ہے کہ اس قسم کے افعال کی ذمہ داری کسی فرد پر نہیں بلکہ خلیفہ صاحب اور ان کی جماعت پر ہوگی۔ جو اس قسم کی اشتعال انگیزی کر رہے ہیں۔ اس لئے حکومت کا فرض ہے کہ وہ قادیانی جماعت کے اس قانون شکن اور امن سوز رویہ کے خلاف فوری کارروائی کرے۔

2۔ یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اس ریزولیوشن کی نقول حکومت اور اخبارات کے نام بھیجی جائیں ایس عبیداللہ سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ وزیر آباد۔ پنجاب۔

جماعت گوجرانوالہ: 3 ستمبر 1937ء کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام گوجرانوالہ کا ایک اجلاس اخبار پیغام صلح مجریہ 26 و 30 اگست 1937ء کے مضامین پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا اور اتفاق رائے سے پاس ہوا کہ خلیفہ صاحب قادیان کے ایک مرید نے ایبٹ آباد سے جو سرخ خط حضرت مولٰنا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ کے نام ارسال کیا ہے۔ جس میں ان کو اور خان صاحب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔ اس پر یہ اجلاس بڑے افسوس اور دلی رنج کا اظہار کرتا ہے اور خلیفہ صاحب کے مریدوں کی اس امن سوز ذہنیت کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ علاوہ ازیں گورنمنٹ سے درخواست کرتا ہے کہ ایسے مذہبی دیوانوں کی شر انگیزی اور خون آشام ارادوں کا فوراً سدباب کیا جائے تا کہ امن پسند رعایا آرام اور بے فکری سے اپنا وقت گزار سکے۔

2۔ قرار پایا کہ اس ریزولیوشن کی نقل گورنر صاحب پنجاب وصوبہ سرحد، وزیر اعظم پنجاب اور

حاکم ضلع کی خدمت میں ارسال کی جائے اور ایک نقل مرکز میں بھیجی جائے۔ خاکسار محبوب عالم پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام۔ گوجرانوالہ

جماعت بدوملہی: آج مورخہ 10 ستمبر بعد از نماز جمعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام بدوملہی کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مسٹر منصور احمد وائیں ودیگر اصحاب نے تقاریر کیں اور مندرجہ ذیل ریزولیوشن باتفاق پاس کیا گیا۔

1۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام بدوملہی کا یہ اجلاس متفقہ طور پر خلیفہ صاحب قادیان کے ایبٹ آبادی ''فدائی'' کی اس کمینہ اور بزدلانہ قاتلانہ دھمکی کو، جو اس نے بذریعہ سرخ چٹھی حضرت امیر جماعت ایدہ اللہ تعالیٰ ودیگر اکابر کو دی ہے، نہایت نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس فتنہ پردازی کا تمام تر ذمہ دار خلیفہ قادیان کو ٹھہراتا ہے۔ جن کی اور جن کے رفقاء کی اشتعال انگیز تحریروں اور تقریروں سے متاثر ہوکر ان کے فدائیوں کے دل ودماغ میں ایسے ناپاک ارادے پیدا ہورہے ہیں۔

یہ اجلاس خلیفہ قادیان اور ان کے ''فدائیوں'' کو یقین دلاتا ہے کہ احمدیوں کا بچہ بچہ اپنی جان سے زیادہ ضروری اپنے امیر اور ان بزرگوں کی حفاظت سمجھتا ہے۔ کیونکہ جماعت کو ان کی سخت ضرورت ہے۔ یہ اجلاس حکومت کو پرزور الفاظ میں توجہ دلاتا ہے کہ خلیفہ قادیان کو ایسی امن شکن حرکات سے باز رکھے۔

2۔ اس قرارداد کی نقول اخبارات اور سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو مناسب کارروائی کے لئے بھیجی جائیں۔ خاکسار شیخ اللہ بخش تاجر چرم۔ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ بدوملہی۔

جماعت سیالکوٹ: آج مورخہ 3 ستمبر 1937ء بروز جمعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سیالکوٹ کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں باتفاق رائے یہ تجویز پیش ہوکر پاس ہوئی کہ اس خط کے مضمون سے، جس کا ذکر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مندرجہ پیغام صلح مورخہ 26 اگست 1937ء میں فرمایا ہے، جس میں کسی قادیانی نے حضرت ممدوح اور حضور کے معزز رفقاء یعنی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور حضرت قبلہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب سلمہ ربہ کو قتل کی دھمکی دی ہے، اس سے ہماری تمام

جماعت کے احساسات کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ اور فی الواقع، جیسا کہ اخبار ’’پیغام صلح‘‘ کے مقالہ افتتاحی 30 اگست 1937ء سے ظاہر ہے، اس منصوبہ کی تمام ذمہ داری جناب خلیفہ قادیان اور ان کے لیکچراروں اور مبلغوں کی تحریروں اور تقریروں پر عائد ہوتی ہے۔ وہ شبانہ روز اپنے واعظوں اور خطبوں کے ذریعہ اس قسم کی تعلیم و تربیت اپنی جماعت کی کرتے رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ دہشت انگیز منظر ہے کہ قادیانی جماعت کے دو اشخاص کی علیحدگی پر ہر چھوٹا اور بڑا قادیانی آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور ’’الفضل‘‘ میں خلیفہ صاحب کے بیس بیس اور تیس تیس صفحوں پر مشتمل خطبات شائع ہو رہے ہیں اور علماء قادیان اپنے مضامین میں ’’مخرجین‘‘ کی تذلیل وتخفیف میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ باہر کی جماعتیں مرکز کے اشارے پر ریزولیوشن کی بھرمار شروع کر دیتی ہیں۔ ایک طبقہ اپنے خواب ہائے پریشان سے اخبار کے کالم سیارہ کرتا ہے۔ اس تمام شور وغل کا نتیجہ ایک قتل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اے بندگان خدا! خدارا غور کرو کہ یہ سب کچھ مذہب کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ کیا اس سے مذہب کا وقار باقی رہ جاتا ہے؟ ہر ایک فرقے کے اندر لوگ شامل بھی ہوئے ہیں اور علیحدہ بھی ہوتے ہیں۔ مگر ان کی علیحدگی پر نہ بائیکاٹ ہوتے نہ ان کی کڑی نگرانیاں عمل میں آتی ہیں۔ مگر قادیانی گروہ دنیا و جہان سے نرالا ہے جن کے اس قسم کے امن سوز اور خلاف انسانیت اقوال وافعال سے ہر امن پسند شہری کو عذر اور اجتناب کرنا لازم ہے۔ ہم ان الفاظ کے ساتھ اس قرارداد کی تائید کرتے ہیں کہ جو ہماری لاہور کی مرکزی جماعت نے گورنمنٹ اور اخبارات کے نام بھیجی ہے اور اس مضمون کی قرارداد کی نقول جملہ افیسران متعلقہ کی خدمت میں بغرض توجہ وانسداد ارسال ہوئیں۔ شیخ غلام حسین سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ سیالکوٹ

جماعت لائل پور: آج مورخہ 3 ستمبر کو بعد از نماز جمعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لائل پور کا ایک غیر معمولی جلسہ زیر صدارت جناب حاجی میاں محمد صاحب مالک کارخانجات منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل قراردادیں باتفاق رائے منظور ہوئیں۔

1۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لائل پور کا یہ جلسہ قادیانی خلیفہ کے ایک ایبٹ آبادی فدائی کے اس فعل کو، کہ اس نے ایک سرخ چٹھی کے ذریعہ ہماری انجمن کے اکابر حضرت امیر مولینا محمد علی

صاحب، خان صاحب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو قتل کی دھمکی دی ہے۔ سخت نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

2۔ جلسہ باتفاق رائے قرار دیتا ہے کہ خلیفہ صاحب کا ایبٹ آبادی فدائی قادیانی جماعت کے سرکردہ ممبران کی تقاریر وتحریرات اور خلیفہ صاحب کے خطبات مندرجہ اخبار ''الفضل'' سے متاثر ہو کر ایسے فعل سیئہ پر آمادہ ہوا ہے۔

3۔ یہ جلسہ حکومت سے استدعا کرتا ہے کہ وہ امن عامہ کی خاطر فوری کارروائی عمل میں لاوے۔

4۔ مندرجہ بالا قرارداد کی نقول گورنر صاحب پنجاب، گورنر صوبہ سرحد، وزیر اعظم پنجاب اور ڈپٹی کمشنر لائل پور کی خدمت میں مرسل کی جائیں اور بغرض اشاعت اخبارات کو بھیجی جائیں۔ سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لائل پور

جماعت دہلی: (17 ستمبر 1937ء) احمدیہ انجمن اشاعت اسلام دہلی کا ایک غیر معمولی اجلاس 29 اگست کو منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل قرارداد اتفاق رائے سے منظور کی گئی:

1۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام دہلی کا یہ غیر معمولی جلسہ خلیفہ قادیان کے اس سرحدی مرید کی سرخ چٹھی کو نہایت ہی نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا ہے جس میں اس ظالم انسان نے دور حاضر کے بطل جلیل خادم اسلام علامہ حضرت مولٰینا محمد علی ایم اے امیر جماعت احمدیہ و دیگر بزرگان سلسلہ احمدیہ لاہور کو قتل کر دینے کی دھمکی دی ہے۔

چونکہ ایسی دہشت انگیز حرکات کا نتیجہ امن عامہ کی بربادی ہوتا ہے اس لئے اس کے سدباب اور تدارک کے لئے گورنمنٹ عالیہ کی خدمت میں بروقت استدعا ہے کہ مذکورہ سرخ خط کی تفتیش فرما کر مجرم کو قرارواقعی سزا دی جائے۔ تا آئندہ پبلک میں ایسی امن سوز اور فتنہ انگیز حرکت کی کسی کو جرأت نہ ہو سکے۔

2۔ نیز یہ بھی قرار پایا کہ اس قرارداد کی نقل گورنمنٹ، وزیر اعظم پنجاب اور اخبارات کو ارسال کی جائے۔ شیخ عبدالحق مناظر اسلام۔ سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت الاسلام۔ دہلی۔

جماعت راولپنڈی: آج مورخہ 3 ستمبر 1937ء کو بعد نماز جمعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام راولپنڈی کا ایک غیر معمولی اجلاس زیر صدارت ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب منعقد ہوا۔ جس میں حسب ذیل

قراردادیں متفقہ طور پر پاس کی گئیں۔

1۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام راولپنڈی کا یہ غیر معمولی اجلاس میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کے ایبٹ آبادی فدائی کی اس مذبوحی حرکت کو نہایت نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ اس نے ایک ناپاک مکتوب کے ذریعہ حضرت مولٰینا محمد علی امیر جماعت احمدیہ ودیگر بزرگان ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب وڈاکٹر بشارت احمد کو قتل کی دھمکی دی ہے۔ یہ اجلاس حکومت کو متنبہ کر دینا چاہتا ہے کہ اس قسم کے کسی فعل کی ذمہ داری کسی فرد پر نہیں بلکہ خلیفہ قادیان اور ان کی جماعت پر ہوگی۔ جو گذشتہ دنوں اپنی اشتعال انگیز تقاریر اور تحریرات کے ذریعہ بدامنی پیدا کر رہے ہیں۔ دریں حالات حکومت کا فرض ہے کہ وہ خلیفہ صاحب اور ان کی جماعت کے اس قانون شکن اور امن سوز رویہ کے خلاف فوری کارروائی کرے۔

2۔ قرار پایا کہ قرارداد کی نقل ''پیغام صلح'' کو برائے اشاعت ارسال کی جائے۔ جنرل سکرٹری۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ راولپنڈی

ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن راولپنڈی: آج مورخہ 10 ستمبر 1937ء بعد نماز جمعہ ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن راولپنڈی کا ایک غیر معمولی جلسہ زیر صدارت مرزا گل عباس خاں صاحب بی اے۔ منعقد ہوا۔ اور حسب ذیل قراردادیں اتفاق رائے سے پاس ہوئیں۔

1۔ ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن راولپنڈی کا یہ اجلاس خصوصی میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کے ایبٹ آبادی فدائی کے اس فعل کو نہایت حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے جس کا اس نے ایک ناپاک سرخ چٹھی کے ذریعے اظہار کیا ہے۔ جس میں سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، قبلہ ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب سلمہ ربہٗ کو قتل کی دھمکی دی ہے۔

2۔ یہ جلسہ حکومت کو توجہ دلانا چاہتا ہے کہ اس فعل کی ذمہ داری تمام تر جماعت قادیان اور میاں محمود احمد صاحب پر عائد ہوتی ہے۔

3۔ اس کی نقول اخبارات میں بھیجی جائیں۔ بشارت احمد بقا۔ سکرٹری ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن۔ راولپنڈی

جماعت مرار (ریاست کپورتھلہ): مورخہ 10 ستمبر 1937ء کو بعد از نماز جمعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام مرار ریاست کپورتھلہ کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا جس میں حسب ذیل قرار دادیں اتفاق رائے سے پاس ہوئی:

1۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام مرار کا یہ اجلاس متفقہ طور پر خلیفہ قادیان کے ایبٹ آبادی مرید کے اس ناپاک مکتوب پر اظہار ناراضگی اور ملامت کرتا ہے جس میں دور حاضرہ کے ایک بڑے محافظ وخدمت گار اسلام حضرت امیر جماعت احمدیہ جناب مولانا محمد علی صاحب ایم۔اے اور حضرت مسیح موعود کے پرانے خدام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر ہزاروں روپیہ لٹا دینے والی ہستیوں حضرت خان صاحب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔ اور قرار دیتا ہے کہ قادیانیوں کی اس خطرناک ذہنیت کی تمام تر ذمہ داری خلیفہ قادیان پر ہے۔ جن کے اشتعال انگیز خطبات کی وجہ سے قادیانیوں کے دل ودماغ میں ایسے گندے اور ناپاک ارادے پیدا ہوتے ہیں جس کی ایک ادنیٰ مثال مولوی فخر الدین ملتانی کے قتل کا واقعہ ہے۔

2۔ یہ اجلاس حکومت کو پر زور الفاظ میں توجہ دلاتا ہے کہ وہ خلیفہ قادیان کی وقت پر خبر لے اور انہیں حد امن میں رہنے پر مجبور کرے۔ جس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ قادیانیوں کی تمام فتنہ پردازی اور امن سوزی کا ذمہ دار خلیفہ قادیان کو قرار دے کر قانونی طور پر ان سے حفظ امن کی ضمانت لے۔

3۔ نیز یہ بھی قرار پایا کہ اس ریزولیوشن کی نقول گورنر صاحب پنجاب، حکومت پنجاب، حکومت سرحد اور اخبارات کو ارسال کی جائیں۔ خاکسار احمد علی از مرار۔ سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام مرار۔ ڈاکخانہ کرتار پور۔ ضلع جالندھر

جماعت پٹیالہ: 29 اگست کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام پٹیالہ کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل قرار داد اتفاق رائے سے منظور کی گئی۔

1۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام پٹیالہ کا یہ اجلاس خلیفہ قادیان کے ایبٹ آبادی مرید کے سرخ خط کو خطرے کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جو اس شخص نے ہمارے واجب الاحترام امیر حضرت مولانا محمد علی صاحب کو لکھا ہے جس میں اس نے حضرت ممدوح اور جماعت کے دو دیگر سر کردہ محترم بزرگوں کو قتل

کی دھمکی دی ہے۔اس جلسہ کی رائے میں یہ سرخ خط ان اشتعال انگیز تقاریر کا نتیجہ ہے جو خلیفہ قادیان اور ان کی جماعت کے سرکردہ اشخاص نے کیں۔ یہ اجلاس حکومت سے درخواست کرتا ہے کہ وہ خلیفہ قادیان پر واضح کر دے کہ ان کے مریدوں کی ایسی مفسدانہ حرکتوں کی ذمہ داری خود ان کے کندھوں پر ہو گی۔علاوہ ازیں یہ جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ قادیان کے اس قانون شکن اور امن سوز جذبہ کی نشوونما کو سختی سے روکے۔

2۔اس قرارداد کی نقل سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو ضروری کارروائی کے لئے ارسال کی جائے۔صادق علی۔سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔پٹیالہ

جماعت علی پور ضلع مظفر گڑھ: 10 ستمبر کو بعد نماز جمعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام علی پور ضلع مظفر گڑھ کا ایک خاص جلسہ منعقد ہوا۔جس میں مندرجہ ذیل ریزولیوشن باتفاق رائے منظور ہوا۔

1۔احمدیہ انجمن اشاعت اسلام علی پور کا یہ اجلاس خلیفہ قادیان کے مرید کے اس سرخ چٹھی کے متعلق اظہار افسوس ونفرت کرتے ہوئے،جس میں حضرت امیر مولٰنا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور ،ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو قتل کی ناپاک دھمکی دی گئی ہے،حکومت سے درخواست کرتا ہے کہ اس قسم کی پرفتن تحریکات کا سدباب کرے جو اہل قادیان کی طرف سے ہماری جماعت کے قابل احترام بزرگوں کے خلاف جاری ہیں۔

2۔قرار پایا کہ اس ریزولیوشن کی نقل جماعتی اخبار ''پیغام صلح'' کو برائے اشاعت بھیجی جائے۔خاکسار گل محمد۔ سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔علی پور۔ضلع مظفر گڑھ

جماعت شملہ:(30 ستمبر 1937ء) 3 ستمبر کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام شملہ کا ایک جلسہ کاٹ روڈ پر بعد نماز جمعہ منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل ریزولیوشن اتفاق رائے سے منظور کیا گیا:

1۔یہ جلسہ خلیفہ قادیان کے ایبٹ آبادی مرید کے اس طرز عمل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اس نے حضرت مولٰنا محمد علی صاحب کو سرخ چٹھی لکھ کر ظاہر کیا ہے۔اس چٹھی میں حضرت ممدوح، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔اس اجتماع کے پاس اس امر کو باور کرنے کے لئے کافی وجوہ ہیں کہ یہ سرخ چٹھی خلیفہ قادیان اور ان کے سرکردہ مریدوں

کی ان اشتعال انگیز تقریروں اور تحریروں کا نتیجہ ہے جو قادیانی خلافت کے ''سرکاری'' اخبار ''الفضل'' میں شائع ہو رہی ہیں۔ یہ خط 10 اگست 1937ء کو ایبٹ آباد سے سپرد ڈاک ہوا ہے۔ اس میں کعب بن اشرف کے واقعہ کا حوالہ ہے جو کہ قادیانی اکابر کی ان تقریروں میں بھی موجود ہے جو کہ 8 اگست 1937ء کے ''الفضل'' میں شائع ہوئی ہیں۔ لہٰذا یہ دھمکی انہی اشتعال انگیز تقریروں سے متاثر ہو کر دی گئی ہے۔ یہ جلسہ حکومت کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کراتا ہے کہ اس قسم کی دھمکیوں اور گیدڑ بھبکیوں کی تمام تر ذمہ داری خلیفہ قادیان اور ان کے رفقاء پر ہے جو اپنی جماعت کے افراد کو ایسی قبیح اور بزدلانہ حرکات پر اکساتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ اجتماع حکومت سے استدعا کرتا ہے کہ اس ذہنیت کے ازالہ کے لئے فوری کارروائی کی جائے تا کہ قانون کے احترام اور امن عامہ میں خلل پیدا نہ ہو۔

2۔ اس ریزولیوشن کی نقول۔ حکومت اور اخبارات کو بھیجی جائیں۔ محمد لطیف سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام شملہ

جماعت جالندھر شہر: مورخہ 10 ستمبر کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام جالندھر کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل قرارداد اتفاق رائے سے منظور ہوئی۔

1۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام جالندھر کا یہ اجتماع قادیانی خلیفہ کے ایبٹ آبادی مرید کے فعل کو انتہائی نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے جو اس نے ایک ''سرخ چٹھی'' کے ذریعہ کیا ہے جس میں جماعت احمدیہ کے اکابر حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔ 8 اگست کے الفضل میں خلیفہ قادیان اور ان کے حواریوں کی اشتعال انگیز تقریروں کا ذکر ہے جن میں جماعت احمدیہ لاہور کے بزرگوں کے لئے کعب بن اشرف کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ 10 اگست کو خلیفہ صاحب کے ایبٹ آبادی مرید کا دھمکی آمیز خط لکھنا اور اس میں اس جماعت احمدیہ کے بزرگوں کو کعب بن اشرف قرار دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس خط کی محرک وہی تقاریر ہیں جو ''الفضل'' 8 اگست میں درج ہوئی ہیں۔ یہ اجتماع حکومت کو توجہ دلاتا ہے کہ اس قسم کے کسی فعل کی ذمہ داری کسی فرد واحد پر نہیں بلکہ خلیفہ صاحب اور اُن کی جماعت پر ہوگی جو اس قسم کی اشتعال انگیزی کر رہے ہیں۔ اس لئے حکومت کا فرض ہے کہ وہ قادیانی جماعت کے اس قانون شکن اور

امن سوز رویہ کے خلاف فوری کارروائی کرے۔

2۔ اس ریزولیوشن کی نقول حکومت اور اخبارات کے نام بھیجی جائیں۔ عبدالرحمٰن سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ جالندھر

جماعت گجرات (پنجاب): احمدیہ انجمن اشاعت اسلام گجرات کا ایک غیر معمولی جلسہ مورخہ 10 ستمبر کو بعد نماز جمعہ منعقد کیا گیا۔ جس میں مندرجہ ذیل قراردادیں متفقہ طور پر منظور ہوئیں:

1۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام گجرات کا یہ جلسہ اس سرخ چٹھی کے مضمون کو نظر حقارت سے دیکھتا ہے جو کسی قادیانی نے ایبٹ آباد سے حضرت مولٰینا محمد علی صاحب امیر جماعت لاہور کے نام بھیجی ہے۔ جس میں حضرت ممدوح، حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔ اس اجتماع کی رائے میں خلیفہ قادیان کے مریدوں کی یہ قاتلانہ ذہنیت ان کے اشتعال انگیز خطبات اور تحریروں کا نتیجہ ہے جو ''الفضل'' میں شائع ہو رہے ہیں اور اگر کوئی خوشگوار واقعہ وقوع پذیر ہو گیا، جس کی کہ اس سرخ چٹھی میں دھمکی دی گئی ہے تو اس کی ساری ذمہ داری خلیفہ قادیان پر ہوگی۔

2۔ قرار پایا کہ مندرجہ بالا قرارداد کی نقول گورنر پنجاب، وزیر اعظم پنجاب۔ وزیر اعظم صوبہ سرحد اور اخبارات کو بھیجی جائیں۔ (حافظ) محمد حسن پلیڈر صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام گجرات

جماعت بھدرواہ ریاست جموں: آج مورخہ 12 ستمبر 1937ء اتوار احمدیہ انجمن اشاعت اسلام بھدرواہ کا ایک غیر معمولی اجلاس بصدارت چودھری عبدالرزاق صاحب منعقد ہوا اور مندرجہ ذیل ریزولیوشن باتفاق رائے پاس ہوا۔

1۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام بھدرواہ کا یہ اجلاس متفقہ طور پر خلیفہ قادیان کے ایبٹ آبادی مرید کی اس کمینہ اور بزدلانہ قاتلانہ دھمکی کے خلاف، جو اس نے حضرت امیر مولٰینا محمد علی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور دیگر اکابر جماعت احمدیہ لاہور کو بذریعہ سرخ چٹھی دی ہے، اظہار ملامت کرتا ہے اور اس کے اس فعل قبیح کا خلیفہ قادیان کو ذمہ دار قرار دیتا ہے کہ جنہوں نے عرصہ سے اکابر جماعت احمدیہ لاہور کے خلاف انگیز تقریروں کا سلسلہ جاری کر کے جاہل مریدوں کو اکسایا ہے۔ انہی اشتعال انگیزیوں کی وجہ

سے ان کے دلوں میں ایسے ناپاک ارادے پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ اجلاس حکومت ہند و حکومت پنجاب کو پُر زور الفاظ میں توجہ دلاتا ہے کہ خلیفہ قادیان اور ان کے مریدوں کو امن شکن حرکات سے باز رکھے۔

2۔ اس قرارداد کی نقل اخبارات اور سکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو بغرض مناسب کارروائی بھیج دی جائے۔ خاکسار عبدالخالق سکرٹری جماعت احمدیہ بھدرواہ ضلع اودھ پور

جماعت اسلام آباد: آج مورخہ 14 ستمبر 1937ء کو جماعت احمدیہ چک نمبر 6/4 اسلام آباد کا ایک خاص اجلاس منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل ریزولیوشن باتفاق پاس کیا گیا۔

جماعت احمدیہ چک نمبر 6/4 کا اجلاس متفقہ طور پر قادیانی خلیفہ کے ایبٹ آبادی مرید کے اس ناپاک خط پر اظہار نفرت و ملامت کرتا ہے جس کے ذریعہ حضرت امیر ایدہ اللہ اور احمدیہ جماعت لاہور کے دیگر اکابر کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے اور قرار دیتا ہے کہ یہ خطرناک ذہنیت خلیفہ صاحب کی پیدا کردہ ہے۔ کیونکہ وہ خطبات کے ذریعہ آگ بھڑکا رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ لاہور کے اکابر کو خدانخواستہ اگر کسی قسم کا گزند پہنچا تو اُس کی ذمہ داری خلیفہ صاحب پر ہوگی۔ نیز یہ اجلاس گورنمنٹ کو توجہ دلاتا ہے کہ اس قانون شکن اور امن سوز رویہ کے خلاف فوراً کارروائی کی جائے۔

یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اس ریزولیوشن کی نقول پنجاب گورنمنٹ اور اخبارات کے نام بھیجی جائے۔ خاکسار محمد حسین سکریٹری جماعت احمدیہ چک 6/4۔ اسلام آباد۔ تحصیل اوکاڑہ۔

❁❁❁

13 ستمبر 1937ء

حضرت امیر کے قلم سے

مسلم ہوسٹل کی نئی وسیع کوٹھی اور احباب جماعت کا فرض

تین سال ہوئے کانفرنس انجمن ہائے احمدیہ میں جلسہ سالانہ کے موقعہ پر تمام جماعت کی اتفاق رائے سے یہ امر طے ہوا تھا کہ اپنی جماعت اور دوسرے مسلمان طلباء کے لئے، جو کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں، ایک ہوسٹل قائم کیا جائے۔ چنانچہ دو سال سے یہ ہوسٹل کھلا ہوا ہے اب تیسرے سال میں ایک نہایت وسیع کوٹھی امپرس روڈ پر ایک سو اسّی روپے ماہوار کرائے پر لی گئی ہے۔ عملہ وغیرہ کا خرچ شامل کر کے اڑھائی سو روپے ماہوار یا تین ہزار روپے سالانہ یہ خرچ ہوگا۔ جن مشکلات میں سے جماعت گزر رہی ہے ان کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اس کی بساط سے بہت زیادہ خرچ ہے۔ مگر اس کو نہایت درجہ کی اہمیت اس لئے دی گئی ہے کہ اس وقت ایک طرف مادی تعلیم اور دوسری طرف عام میلان نوجوانوں کو اسلام کے پرامن رستے سے دور لے جا رہا ہے۔ اور اپنے کالج قائم کرنے کی نسبت بھی ہوسٹل کا قائم کرنا زیادہ ضروری ہے تاکہ نوجوانوں کی تعلیم کے ساتھ ان کی صحیح تربیت کا انتظام رہے۔ جس سے ان کی آئندہ زندگی جماعت، وطن اور سب سے بڑھ کر مسلمان قوم کی سب سے بڑی دولت اسلام کے لئے مفید ہو اور ذاتی رنگ میں بھی ان کی بہتری کا موجب ہو۔ یہ غرض سوائے ہوسٹل کے قیام کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اب جبکہ انجمن جماعت کے فیصلے پر اس کام پر ہاتھ ڈال چکی ہے اور تین ہزار روپے سالانہ کا مزید بار موجودہ مشکلات کے اندر اٹھا چکی ہے تو یہ نہایت ضروری ہے کہ احباب جماعت بھی اس کے متعلق اپنے فرائض کو پہچانیں۔

1۔ اپنی جماعت کے جس قدر نوجوان حصول تعلیم کے لئے لاہور میں آئیں وہ سب کے سب بلا استثناء مسلم ہوسٹل میں ٹھہریں اور جن اصحاب کو مجبوراً باہر ٹھہرنا پڑے وہ ان حالات سے مجھے یا انجمن کو اطلاع دیں تاکہ اس طرح ہم ان کو بھی وقتاً فوقتاً وہاں بلا سکیں۔ جو احباب اس کی پابندی نہ کریں گے وہ نظام جماعت کو نقصان پہنچانے کا موجب ہوں گے۔

2۔ احباب جماعت اپنی اپنی جگہ پر اور نوجوان جو خود ہوسٹل میں آ رہے ہیں یہ کوشش کریں کہ وہ دوسرے مسلمان طلباء کو بھی اس ہوسٹل کے قواعد سے آگاہ کر کے انہیں یہاں رہنے کی ترغیب دیں۔ محمد علی

13 ستمبر 1937ء
حضرت امیر کے قلم سے

میرے اور میرے رفقاء کے قتل کی دھمکی

میں نے اس قتل کی دھمکی کا، جو حال ہی میں کسی قادیانی جماعت کے ممبر کی طرف سے دی گئی ہے، ایک مضمون میں ضمناً ذکر کیا تھا۔ میں نے اس کو کوئی خاص وقعت نہیں دی۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی اس قسم کے خطوط بالخصوص ہندو مسلم فسادات کے سلسلے میں آتے رہے ہیں۔ جن کا علم صرف خاص خاص احباب کو ہے۔ مجھے افسوس اس بات کا تھا کہ وہ جماعت، جس کے نام میں بھی یہ اشارہ تھا کہ وہ دوسروں کے ظلم برداشت کر کے اپنے کام میں لگی رہے، اب اس نے ظالمانہ حیثیت اختیار کر لی۔ چھوٹے چھوٹے مذہبی اختلافات پر قتل ہونے لگے ہیں۔ آخر یہ اس خاص تربیت کا نتیجہ ہے جو 1914ء سے یعنی اختلاف کے بعد جماعت کو مل رہی ہے۔ یہ مسلک نہ حضرت مسیح موعود کا تھا نہ آپ کے بعد حضرت مولوی نورالدینؒ کے زمانے میں کوئی اس قسم کا واقعہ ہوا۔ مگر اب پے در پے تین ایسے خون ناحق ہونا جماعت کے نام پر ایک ایسا سیاہ داغ ہے جو اس کی تمام خوبیوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ اسی طرح پر وہ دہشت انگیزی، جس کا مظاہرہ قادیان میں ہوتا ہے، جماعت کے نام پر ایک خطرناک دھبہ ہے کہ کس طرح جب کسی شخص نے میاں صاحب پر کوئی اعتراض کیا تو اسے خطرناک مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ اس ضمن میں مَیں نے اس قتل کی دھمکی کا ذکر بھی کر دیا تھا جو مجھے انہی ایام میں پہنچی تھی۔ ورنہ میرے قتل کا فتوٰی تو صاف الفاظ میں 1919ء میں میاں صاحب مشروط طور پر دے چکے تھے۔ میں نے اس وقت بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

5 ستمبر کے اخبار ''الفضل'' میں مرزا بشیر احمد صاحب نے اس کے متعلق ایک مقالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے نہایت صفائی سے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ایسے افعال ''شریعت کے منشاء کے صریح خلاف اور اسلام اور احمدیت کی تعلیم کے سخت مخالف ہیں'' اور ان کا ''نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جماعت بدنام ہو''۔ کاش! ایسے الفاظ خود میاں محمود احمد صاحب کے قلم سے نکلتے اور اس وقت نکلتے جب پہلا ایسا قتل ہوا تھا۔ تو اس کے بعد جماعت قادیان کو آج یہ ذلت کا دن نہ دیکھنا پڑتا کہ ایک احمدی

عین قادیان کے اندر صرف اس لئے قتل کر دیا جاتا ہے کہ اس نے ''خلیفہ'' پر کچھ اعتراضات کئے تھے۔ مگر اس وقت ایسے افعال کے لئے ایک طرح جماعت کو ابھار گیا اور ان کو موجب ثواب قرار دیا گیا جب قاتل کو بہشتی مقبرہ میں دفن کر کے اس مقبرہ کی اس حیثیت کو بھی برباد کر دیا گیا۔ جس کے لئے حضرت مسیح موعود نے اسے قائم کیا تھا۔ یعنی آپ نے تو پہلی شرط یہ رکھی تھی کہ وہاں دفن ہونے والا متقی ہوگا۔ مگر ایک مسلمان کے قتل عمد کے مرتکب کو، جس کے لئے قرآن شریف میں صریح الفاظ میں ابدی جہنم سزا لکھی ہے، وہاں دفن کیا جاتا ہے۔ اب مقام غور ہے کہ یہ شخصیت پرستی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے کہ ساری جماعت میں سے کوئی عالم دین نہیں کہتا کہ حکم قرآن کے مطابق جو جہنم کے لائق ہے، اسے مقبرہ بہشتی میں دفن کرنے کے کیا معنی؟ اور اب وہ بہشتی مقبرہ کہاں باقی رہا! اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ شخص غیر احمدی ہونے کی وجہ سے کافر تھا اس لئے اس کا قاتل جہنمی نہیں تو اول تو کیا کسی انسان کا خون ناحق کرنے والا، خواہ مقتول کا قریبی ہو، متقی کہلا سکتا ہے؟ کیا وہ حدود شریعت کا پابند ہے؟ کیا قرآن کا یہی حکم ہے کہ کافر کو ناحق قتل کر دیا جائے تو یہ ثواب ہے۔ اور کیا شریعت کے نزدیک کافر کو ناحق قتل کر دیا جائے۔ تو یہ ثواب ہے اور کیا شریعت کے نزدیک کافر کو ناحق قتل کرنے والا اسی طرح میں نہیں مارا جاتا جس طرح مسلمان کا قاتل۔ اور دوسرے اس قاتل نے تلوار تو ایک احمدی پر ہی اٹھائی تھی جو اس وقت تک اپنے آپ کو احمدی کہتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ مارا دوسرا گیا۔ تو ایسے ظالمانہ فعل کی یہ قدر دانی، کہ قاتل کو بہشتی مقبرہ میں دفن کیا جاتا ہے، جماعت کو کس طرف لے جائے گی؟!

پھر اب موجودہ قتل میں کیا ہوا ہے؟ میاں صاحب نے خود اس کے متعلق لکھا ہے کہ ایسے قتل کی صورت میں، جو ایک مومن کرتا، یہ بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ اس مومن کی جان لینے میں خود خدا تعالیٰ کو مضائقہ ہوتا ہے۔ اور اس پر یہ بھاری ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اس کی جان لے۔ سبحان اللہ! ایک شخص اپنے مسلمان اور میاں صاحب کے اپنے اعتراف کے بموجب احمدی بھائی کو ناحق قتل کرتا ہے۔ اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی اس مظلوم مقتول کی تو کچھ فکر نہیں ہوتی ظالم قاتل کی فکر ہوتی ہے۔ کہ چونکہ یہ خلیفہ کا مومن تھا اس لئے اب میں اس کی جان کس طرح نکالوں! یہی وہ باتیں ہیں جو قابل اصلاح ہیں اور جن کی طرف میاں صاحب اور ان کے رفقاء کار کی توجہ کی ضرورت ہے۔ جماعت کا قدم غلط رستے پر پڑ چکا

ہے۔ اور اس قسم کی باتوں سے ان کی پیٹھ ٹھونکی جاتی ہے کہ شاباش یہ کام بڑے اچھے ہیں۔ پھر اس کہنے سے کیا حاصل کہ ہم ایسے آدمی کو جماعت سے خارج کر دیں گے۔ جب کر دیں گے دیکھا جائے گا۔ اب تک تو عزت افزائی ہوتی ہے۔

آخر میں ایک بات لکھنا چاہتا ہوں کہ میاں بشیر احمد صاحب نے لکھا ہے کہ میں اس دھمکی کو دیکھ کر گھبرا گیا ہوں۔ کیونکہ یہی دھمکی میرے سامنے پہلی دفعہ آئی ہے اور وہ اور ان کے خلیفہ صاحب تو دن رات ایسی باتوں کو سنتے ہیں اور پرواہ تک نہیں کرتے۔ یہ بات ان کے مونہہ میں زیب نہیں دیتی جن کا ''خلیفہ'' نماز باجماعت کے وقت چند مسلمانوں کو جماعت سے اس لئے محروم رکھتا ہے کہ عین نماز میں کوئی اسے قتل نہ کر دے۔ نماز میں سب اپنے آدمی ہوتے ہیں۔ پس یہ فکر اپنی جماعت کی طرف سے ہے۔ غیروں کی طرف سے نہیں۔ پھر چلتے پھرتے سوتے جاگتے۔ مسلح آدمی آگے پیچھے چلتے ہیں اور گھبرایا ہوا میں ہوں۔ جو قتل کی دھمکی کے باوجود بھی اسی طرح اکیلا چلتا پھرتا ہوں اور ایک آدمی کی بھی اپنے ساتھ ضرورت نہیں سمجھتا۔ غنیمت ہے کہ میاں صاحب ابھی گھبرائے نہیں جس دن وہ گھبرائیں گے معلوم نہیں۔ اس دن ان کی حفاظت کا کیا انتظام ہوگا!

میں اپنے دوستوں سے بھی میری یہی درخواست ہے کہ وہ اس قتل کی دھمکی کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ ہاں! قادیان کی جماعت کے لئے، جس کی حالت زبون اس حد تک پہنچ چکی ہے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو انسان پرستی سے نکال کر خدا پرستی کے مقام پر کھڑا کرے۔

خاکسار محمد علی

13 ستمبر 1937ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب کو قتل کی دھمکی دینے والی عورت!

4 ستمبر کے ''الفضل'' میں مولانا محمد علی صاحب کی ایک مریدنی کی طرف سے قتل کی دھمکی کے عنوان سے ایک مضمون نکلا ہے۔ جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امرتسر سے کسی عورت نے ایک چٹھی لکھی ہے جس میں میاں محمود احمد صاحب کو ایک نقاب پوش عورت کے ہاتھ قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔

سب سے پہلے میں اس امر کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں پیر نہیں اور نہ میں کسی کو مرید بنانا چاہتا ہوں۔ جو لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ حضرت مسیح موعود کی بیعت کرتے یا آپ کی قائم کردہ جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ ''مرید'' اور ''مریدنیاں''، جو بقول میاں صاحب اپنی عقل اور اپنا ایمان پیر کے ہاتھ پر بیچ دیتے ہیں، وہ موجودہ قادیان کی پیداوار ہے۔ میں نے آج تک کسی کی عقل اور ایمان کو خریدنے کا دعوٰی نہیں کیا اور نہ آج تک جماعت لاہور میں کوئی شخص ایسا شامل ہوا ہے جس نے یہ خیال کیا ہو کہ بیعت کرنے کے ساتھ ہی اس نے اپنی عقل اور اپنا ایمان ہر دو بیچ دیئے ہیں۔ یہاں جو شخص آتا ہے اس لئے آتا ہے کہ جماعت احمدیہ میں شامل ہو کر اپنی عقل سے پہلے سے بھی زیادہ کام لے اور اس کا ایمان خدا اور اس کے رسولؐ پر اور زیادہ ہو اور خدا اور رسولؐ کی اطاعت کو وہ سب اطاعتوں پر مقدم کرے۔

دوسری بات، جو اس بارہ میں میں لکھنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ میں نے یا میری جماعت نے آج تک مخالف یا کسی معترض کے قتل کا فتوٰی نہیں دیا۔ جس سے بیعت کرنے والوں کے دلوں میں یہ خیال بھی پیدا ہو سکے کہ کسی کو قتل کرنا یا قتل کی دھمکی دینا ثواب کا کام ہے۔ فَاقْتُلُوْا کے فتوے قادیان سے ہی نکلتے ہیں۔ پہلے 1919ء میں جون کے تشحیذ الاذہان میں فتوٰی نکلا تھا کہ جب ایک خلیفہ کے بعد دوسرے کی بیعت کی جائے، جیسا کہ لاہور میں ہے، تو اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ میرے قتل کے جواز کا فتوٰی تھا۔ جس پر حکومت کی طرف سے 31 جولائی 1919ء کو قتل کے شائقین کو تنبیہ بھی ہوئی تھی۔ مگر قادیان ان میں تو حکومت اپنی ہے۔ اس لئے انگریزی حکومت کی تنبیہ کی کون پروا کرتا ہے؟! اب پھر

20 جولائی کے ''الفضل'' میں فتوٰی نکلا ہے کہ اگر تمہاری جماعت میں کوئی شخص تفرقہ پیدا کرنا چاہے، خلیفہ سے سرکشی پر تمہیں آمادہ کرے تو اسے قتل کر دو۔ ہاں! حکومت کے خوف سے دونوں جگہ یہ بڑھا دیا گیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب حکومت اپنی ہو۔ مگر اس میں بھی کیا مشکل ہے؟! اکثر لوگوں کا ہی خیال نہیں بلکہ ایک جج نے بھی رائے ظاہر کی کہ قادیان میں حکومت انگریزی مفلوج ہے اور حکومت ان کی اپنی ہے۔

پھر معترضین کو قتل کرنے کی سنت سیئہ بھی قادیان سے ''خلیفہ ثانی'' کی تربیت کے نیچے ہی جاری ہوئی ہے۔ اس قسم کے تین قتل ہو چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود تو اس لئے آئے تھے کہ جو مسلمان کسی کافر کو قتل کرتا ہے وہ بھی اسلام کی تعلیم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ مگر آپ کی خلافت کی دعویدار جماعت کی حالت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ وہ مسلمانوں اور احمدیوں کے قتل سے ہاتھ رنگتی ہے اور پھر اپنا سیاسی اقتدار بھی قائم کرنے کی فکر ہے۔ ہم نے آج تک کسی کے قتل کرنے کا فتوٰی نہیں دیا اور نہ خدا کے فضل سے ہماری جماعت کا دامن آج تک کسی ایسی ناپاک حرکت سے آلودہ ہوا۔ لہٰذا اگر، جیسا کہ ''الفضل'' میں ظاہر کیا گیا ہے، کسی ہماری جماعت کے فرد نے قتل کرنے کی دھمکی دی ہے۔ تو وہ ہماری تعلیم اور ہمارے طریق کے خلاف چلتا ہے اور جماعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے۔ جماعت پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ کیونکہ جماعت کی کھلی تعلیم اور طریق اس کے خلاف ہیں۔

قرین قیاس یہ ہے کہ جماعت قادیان نے یہ درحقیقت اس دھمکی کا جواب بنایا ہے جو مجھے جماعت قادیان کے بعض ممبروں کی طرف سے دی گئی ہے۔ ورنہ ایک پردہ نشین خاتون کے دل میں یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ اس ''خلیفہ'' کو جا کر قتل کرے جو دن رات پہروں کے اندر رہتا ہے۔ جو سڑک پر چلتا ہے تو اس کے آگے پیچھے مسلح آدمی ہوتے ہیں۔ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اس کی حفاظت کے لئے پہریدار صفوں کے اندر کھڑے ہوتے ہیں۔ سوتا ہے تو پہرے میں۔ جاگتا ہے تو پہرے میں۔ بات کرتا ہے تو پہرے میں، نماز پڑھتا ہے تو پہرے میں، ہنستا ہے تو پہرے میں، روتا ہے تو پہرے میں۔ شائد یہ اس قسم کا واقعہ نہ ہو جیسا سال گذشتہ خلیفہ صاحب کی کار پر حملہ ہو گیا تھا اور بم کے مشابہ کوئی چیز گری تھی۔ جس کا چرچا سارے ہندوستان کے اخباروں میں کرایا گیا۔ مگر دن کی روشنی میں جب یہ حملہ ہوا ایک ٹوٹا

ہوا جوتا یا ایک سنگترے کا چھلکا بھی اس بازار میں اس کار کے آگے یا پیچھے نہ ملا۔ نہ کار پر اس کا کوئی خفیف سے خفیف نشان ہوا۔ ساری جماعت تلاش کر کے تھک گئی۔ آخر پولیس بھی مدد کو آئی۔ مگر حملہ آور کی صفائی دیکھئے کہ ایسی چیز پھینکی کہ اس کا دھما کا تو بم کی طرح ہوا مگر اس کا نشان کوئی نہ ملا۔ تو جہاں اس قسم کے حملے ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے اسی قسم کی یہ قتل کی دھمکی ہو۔ میاں صاحب کے مرید مطمئن رہیں کہ اول تو یہ فرضی دھمکی وقوع میں آ سکتی ہی نہیں۔ کیونکہ یہ کسی ذہین مرید نے اچھا جواب سوچا ہے۔ اس کی غرض پوری ہو گئی اور پولیس تحقیقات میں لگ گئی ہو گی۔ اگر آ بھی گئی تو نہ کوئی قاتل ہو گا نہ مقتول اور نہ آلہ قتل ہو گا۔ صرف اخباروں میں پروپا گنڈا ہو گا!

الفضل میں صرف یہی ظاہر نہیں کیا گیا کہ وہ قتل کی دھمکی جماعت لاہور کی کسی عورت کی طرف سے ہے بلکہ اس میں یہ بھی بڑھا دیا گیا ہے کہ شاید وہ میری کسی رشتہ دار عورت کی طرف سے ہے۔ ایسے خیالات کا اظہار بتاتا ہے کہ اس جماعت کے دلوں کی کیا حالت ہے! امکان تو جو چاہو بنا لو۔ مگر جہاں یہ امکان ہے کہ وہ میری کوئی رشتہ دار عورت ہے کیا یہ امکان بہت زیادہ قرین قیاس نہیں کہ یہ کوئی ایسی عورت ہے جو قادیان سے تکلیف اٹھا کر نکلی ہے اور اب اس تکلیف کا بدلہ یوں لینا چاہتی ہے۔ باقی رہا اس کا اپنے آپ کو جماعت لاہور میں ظاہر کرنا، سو یہ ہتھیار تو پہلے سے ہی ساری قادیانی جماعت کے ہاتھ میں دیا گیا ہے کہ جو برا کام ہو، اسے ''پیغامیوں'' کی طرف منسوب کر دیا کرو۔ نقاب پوش عورت کے دل میں اتنا بڑا خیال اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی سخت تکلیف پہنچی ہو۔ جس کا وہ انتقام لینا چاہتی ہو۔ ورنہ کہاں نقاب پوش عورت اور کہاں دس دس پہروں کے اندر رہنے والے ''خلیفہ'' کے قتل کا خیال! خاکسار۔ محمد علی

تفاوت راہ: (مرزا ساطع) خلیفہ قادیان کا ایک مسلمان کے قاتل کے جنازے کو کندھا دینا، نماز جنازہ کی امامت کرانا اور پھر اسے بہشتی مقبرہ میں دفن کرنا، گویا دوسرے مریدوں کے لئے جنت کے اس طریق حصول پر عملاً تحریص دلانا تھا۔ نتیجہ جو نکلنا تھا وہ ظاہر ہے۔ اور آخر دنیا نے دیکھا کہ اسی خلاف اسلام و ناپاک جذبہ کے ماتحت ایک اور مسلمان (فخر الدین مرحوم) کو قتل کر دیا گیا۔ مگر اب خلیفہ صاحب ہیں کہ ایک لمبا چوڑا بیان شائع کر کے پبلک کو اپنی معصومیت کا یقین دلا رہے ہیں۔ سچ ہے

ہاتھ میں جام لیا، مونہہ سے کہا بسم اللہ یہ نہ سمجھے کوئی، رندوں کو خدا یاد نہیں

خلیفہ صاحب کے اس طویل بیان کے لئے الفضل 20 اگست 1937ء کی اشاعت سب کی سب وقف کی گئی۔ اور اب یہ بیان 32 صفحات کے ایک ٹریکٹ کی صورت میں چاروں طرف تقسیم بھی ہو رہا ہے۔ اس بیان کو اول سے آخر تک پڑھ جاؤ۔ حرام ہے کہ اتنے لمبے چوڑے بیان میں مرحوم فخر الدین کے سات یتیم بچوں اور بیمار بیوہ کی ہمدردی میں ایک لفظ تک بھی موجود ہو! مرحوم کی بیوہ اور یتیم بچوں سے یہ انتہائی بے اعتنائی خلیفہ صاحب کی سنگدلی کا پورا پورا ثبوت ہے۔ پبلک اتنی بیوقوف نہیں کہ وہ خلیفہ صاحب کے چند الٹے سیدھے فقرات سے متاثر ہو کر ان کو بری الذمہ قرار دے۔ اس نے تو دیکھنا یہ ہے کہ اگر فی الواقعہ خلیفہ صاحب ایسے ناپاک اور خلاف شریعت فعل سے بیزار ہیں تو ان کا دل درد کی ایک ہلکی سی ٹیس اور رحم کا ایک ادھورا سا جذبہ بھی اپنے اندر رکھتا ہے کہ نہیں۔ ورنہ کون ہے جو خلیفہ صاحب کو ایسے شنیع افعال پر ناخوش اور بیزار تسلیم کرے! اللہ اللہ! کیا شان ہے حضرت مسیح موعود کی۔ خود اپنی پیشگوئی کے مطابق ایک غیر مسلم دشمن پنڈت لیکھرام کے قتل پر بھی تڑپ اٹھتے ہیں اور اپنے جذبات کو انتہائی دردناک الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ مگر آج خلیفہ قادیان ہیں کہ ایک پرانے احمدی اور مسلمان کے خون ناحق پر اپنے پاس ایک آہ ناتمام بھی نہیں رکھتے۔ اور اس پر دعوٰی یہ ہے کہ آپ حضرت مسیح موعود کے جانشین ہیں۔

26 اگست 1937ء
مکتوب امیر۔8

خلیفہ قادیان کے ایک مرید کی طرف سے ''پیغامی'' اکابر کو قتل کی دھمکی

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کسی کا دل دکھانا گناہ ہے۔ لیکن سکوت عن الحق اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور اگر ایک سچائی کسی کو بری معلوم ہو اور اس سے اس کا دل دکھے تو اس سچائی کے بیان کرنے والا معذور ہے۔

تکفیر المسلمین اور اجرائے نبوت کے دو قادیانی فتنے: کلمہ گوؤں کی تکفیر باطل کی پہلی آواز تھی جو میاں محمود احمد صاحب نے قادیان میں اٹھائی اور بیک جنبش قلم چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر بنا دیا۔ اور جب ہمیں قادیان کے اندر رہ کر اس باطل کی تردید کا رستہ نظر نہ آیا تو ہم نے قادیان سے باہر نکل کر اس کے خلاف اپنی آواز بلند کی۔ اس کے بعد ایک نئے غلو یعنی ختم نبوت کے بعد نئی نبوت کی بنیاد رکھی گئی اور ہم نے اس کا بھی مقابلہ کیا اور حضرت مسیح موعود کے دامن کو دعوٰی نبوت سے پاک کرنے کے لئے اپنی قوت خرچ کی۔ ہمارے بعد میاں صاحب کے مریدوں نے وقتاً فوقتاً میاں صاحب کے کیریکٹر پر حملہ کیا اور ایسے آدمی ایک دو نہیں بلکہ ان کی تعداد بہت سی ہے۔ اور یہ سلسلہ کئی سالوں سے برابر چل رہا ہے۔ مگر ہم نے ان امور میں پڑنا نہ پہلے پسند کیا۔ نہ اب کرتے ہیں۔ ہاں! جب وہ تعلیم اسلام کے خلاف بعض باتیں کہتے ہیں تو ان کی تردید کرنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

تیسرا قادیانی فتنہ ''خلافت'': مذکورہ بالا دو فتنوں کے ساتھ ایک تیسرا فتنہ برنگِ ''خلافت'' نمودار ہوا ہے۔ جس میں غلو اب یہاں تک پہنچا ہے کہ تیرہ سو سال کی تعلیم اسلام کی عمارت گرا کر ایک نئی عمارت بنائی جا رہی ہے۔ اور ''خلیفہ'' ترقی کرتے کرتے خدا بن رہا ہے۔ چوٹی کے عالم مرید ''خلیفہ'' کو **لَایُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ** کو مصداق قرار دے کر خدا کے برابر ٹھہرا رہے ہیں۔ یہ ''خلیفہ'' کی اپنی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ وہ خود اپنے آپ کو رسول کی طرح یا رسول سے بھی بڑھ کر منصب دے رہا ہے۔

مسئلہ خلافت میں قادیانی غلو کی ابتداء یہاں سے ہوتی ہے کہ **خلیفہ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔** اس پر میاں صاحب پورے زور سے مصر ہیں۔ پھر انہیں مرید **لَایُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ** کا مصداق

کیوں قرار نہ دیں۔ پس اگر خلیفہ خلاف تعلیم قرآن کچھ کہے یا کرے تو دوسرا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم نے یہ امر خلاف شریعت کیوں کیا؟ گویا اس کی گردن شریعت کے جوئے سے آزاد ہے۔ اس کا اختیار ہے کہ کسی حکم پر عمل کرے، کسی پر نہ کرے۔ کسی دوسرے کو اس سے پوچھنے کا حق نہیں۔ ایک مسلمان دوسرے کسی مسلمان کو کہہ سکتا ہے کہ تمہارا فعل یا قول خلاف شریعت ہے۔ اور مسلمانوں میں وہ لوگ بڑے بلند مرتبہ سمجھے گئے ہیں جنہوں نے بادشاہوں اور خلیفوں کے مونہہ پر ان کے اقوال یا افعال پر اعتراض کیا۔ مگر میاں صاحب اسلام کی اس خوبی کو باطل کر رہے ہیں اور یہ نیا مذہب قائم کر رہے ہیں کہ خلیفہ کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم یہ بات خلاف شریعت کہہ رہے ہو یا کر رہے ہو۔ خواہ اس کے افعال واقوال میں شریعت کی صریح ہتک پائی جائے۔ ایسے خطرناک عقیدہ کے ماتحت خلیفہ کے لئے ہر ایک جرم جائز ہو سکتا ہے۔

اس غلو کی انتہاء: مگر یہ تو ابتداء تھی۔ اس کی انتہاء یہاں ہوتی ہے کہ خلیفہ کا ہر فعل وقول شریعت کی طرح قابل اتباع بنتا چلا جاتا ہے جیسا کہ 4 ستمبر کے الفضل میں مطبوعہ خطبہ میں ہے۔ **اور کوئی بات ایسی نہ کریں جو خلاف شریعت اور خلاف آداب ہو۔**'' شریعت وہ ہے جو قرآن کریم میں بیان ہے **اور آداب وہ ہیں جو خلفاء کی زبان سے نکلیں** پس ضروری ہے کہ آپ لوگ ایک طرف تو شریعت کا احترام قائم کریں اور دوسری طرف خلفاء کا ادب واحترام قائم کریں۔ اور یہی چیز ہے جو مومنوں کو کامیاب کرتی ہے......

میاں خلیفہ کے قول کو شریعت کی طرح واجب الاحترام قرار دیا گیا ہے۔ تو جس طرح شریعت کا اتباع بغیر چون و چرا ضروری ہے اور قرآن وحدیث کے سامنے کوئی انکار کی گنجائش نہیں اسی طرح خلیفہ کے قول کا اتباع بھی بغیر چون و چرا ضروری ہوا۔ کیونکہ میاں صاحب کی اس تصریح کی رو سے جس طرح خلاف شریعت کرنا جائز نہیں، اسی طرح خلاف آداب کرنا بھی جائز نہیں۔ اور آداب خلیفہ کے اقوال ہیں۔ تو خلیفہ کے اقوال اور شریعت کا نعوذ باللہ ایک مقام ہوا۔ نہ شریعت پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ نہ خلیفہ کے اقوال پر۔ یہی مطلب تھا جب میاں صاحب نے یہ اصول قائم کیا کہ اگر خلیفہ خلاف شریعت بھی کرے تو تم کچھ مت کہو۔ خدا قیامت کے دن اس سے سمجھ لے گا۔ مگر انسانوں پر یہی واجب ہے کہ جس طرح شریعت کا اتباع کرتے ہیں۔ اسی طرح خلیفہ کے اقوال کا بھی اتباع کریں۔ تو گویا قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ یہ ایک اور مجموعہ قابل اتباع ہو گیا اور اس کا احترام قرآن وحدیث کی طرح ہی ضروری ہے بلکہ

اس سے بھی بڑھ کر۔ کیونکہ جب خلیفہ کہے گا کہ قرآن کی اس آیت کے یہ معنی ہیں تو گو وہ معنی غلط ہوں مگر خلیفہ کی تفسیر پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ خواہ اس سے قرآن کریم کا بطلان لازم آئے۔ مثلاً خلیفہ کہتا ہے کہ **فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ** کے یہ معنی نہیں کہ جھگڑے کے وقت قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرو بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا میں تم خلیفہ کی بات مان لو۔ آخرت میں خدا خلیفہ سے پوچھ لے گا یا مثلاً **وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ** (55:24) کے یہ معنی نہیں کہ خدا دین کی تمکین کرے گا۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ وہ خلیفہ کی پالیسی کو کامیاب کرے گا۔ تو دونوں صورتوں میں خلیفہ کی بات ماننی ضروری ہو گی۔ گو وہ قرآن شریف کی صریح منطوق کے خلاف ہو تو عملاً خلیفہ کا قول شریعت سے بالاتر رہا!

ایک ضروری سوال: اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت تو وہ امر ہے جو بذریعہ وحی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ مگر اس کا ہم پلہ **آداب** جو خلفاء کی زبان سے نکلتے ہیں وہ وحی تو ہے نہیں۔ خود میاں صاحب کو اس کا دعویٰ نہیں تو گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ خلیفہ جو کچھ بولتا ہے وہ گویا خود خدا ہی بول رہا ہے۔ یہاں وحی کی بھی ضرورت نہیں۔ بلکہ خلیفہ خود مجسم خدا ہے۔ جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا جائے وہ شریعت کی طرح بلکہ عملاً شریعت سے بھی بڑھ کر واجب الاحترام بنتا چلا جاتا ہے اور شریعت کی طرح اس کی پیروی کے بغیر کامیابی بھی نہیں ملتی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ رسول کو تو وحی کبھی کبھی ہوتی ہے۔ مگر خلیفہ کے مونہہ سے جو کچھ بھی نکلتا چلا جائے، وہ سب کچھ ایک شریعت بنتا چلا جاتا ہے۔ جس کی پیروی خلیفہ کے مومنوں پر فرض ہے۔

مگر یہ منصب صرف اپنے لئے ہے۔ یہی میاں صاحب تھے جنہوں نے حضرت مولوی (نورالدینؒ) صاحب کی خلافت میں، جب مولوی صاحب نے میاں صاحب کے مسئلہ تکفیر مسلمین کو غلط ٹھہرایا، تو 25 یا 28 فروری 1914ء کے الفضل میں یہ لکھا تھا کہ خلیفہ کا فیصلہ کچھ چیز نہیں۔ جو شخص سچائی کو معلوم کرنا چاہتا ہے وہ ہم سے ایک پیسہ کا کارڈ لکھ کر پوچھ سکتا ہے۔ اس وقت خلیفہ کے مقابل خود بدولت سب کچھ تھے خلیفہ کچھ نہ تھا۔ اور جب خود خلیفہ بن بیٹھے تو خلیفہ سب کچھ ہے اور اس کا قول وفعل شریعت کا ہم پلہ ہے بلکہ اس کے پیروؤں کے لئے اس کی پیروی شریعت پر مقدم ہے!

میاں صاحب پوپ کی حیثیت میں: اسلام کو، مسلمانوں نے چھوڑ، عیسائیوں تک نے جمہوریت اور

مساوات کا مذہب تسلیم کیا ہے یہاں تک کہ جب لوتھر نے پوپ کے خلاف آواز اٹھائی تو اسے محمدی کتے کا خطاب ملا۔ گویا جو پوپ کا انکار کرے وہ مسلمان ہے۔ مگر میاں صاحب اب خود پوپ بنتے اور اسی کو اسلام کی تعلیم کا اصل قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے خطبے کا حوالہ کسی پچھلے اخبار میں آ چکا ہے۔ کیونکہ بغیر خلیفہ کے، جس کے معنی ان کے نزدیک مسلمانوں کا پوپ ہیں، اسلام کچھ چیز ہی نہیں۔ مگر یہ دعوٰی پوپ نے بھی نہیں کیا کہ جو کچھ اس کی زبان سے نکلے وہ بائبل کی طرح واجب الاحترام ہے۔ اگر کسی زمانہ میں پوپ کا انکار کرنے والا عیسائی، مسلمان کہلاتا تھا تو جو شخص مسلمان ہو کر پوپ بنا ہے اس کو کیا کہا جائے!

دین کے ساتھ میاں صاحب کا ایک اور افسوسناک کھیل: میاں صاحب کی ان تعلیموں میں خلیفہ اور خدا کچھ اس طرح نظر آتے ہیں کہ ان میں فرق کرنا مشکل ہے۔ 4 ستمبر کے الفضل میں خطبہ میں آیت کریمہ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ (55:24) (اللہ تعالیٰ ان کے لئے ان کے دین کو، جو خدا نے ان کے لئے پسند کیا ہے، مضبوط کرے گا) کے ضمن میں فرماتے ہیں:

> ”یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جو مسلمانوں کا دین ہوگا اسے مضبوط کریں گے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ جو خلفاء کا دین ہوگا اسے مضبوط کریں گے۔ جس پالیسی کو خلفاء پیش کریں گے، ہم اسے ہی کامیاب بنائیں گے اور جو پالیسی ان کے خلاف ہوگی، اسے ناکام کریں گے“

یعنی مسلمانوں کا دین تو اسلام ہے اور خلفاء کا دین ان کی پالیسی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو جو تمکین دین کی فکر ہے اور جس کا وہ وعدہ فرماتا ہے وہ اسلام کی تمکین نہیں جو مسلمانوں کا دین ہے بلکہ خلفاء کی پالیسی ہے۔ جسے میاں صاحب خلفاء کا دین قرار دیتے ہیں۔ حضرت صاحب نے تو بطور پیشگوئی فرمایا تھا کہ یہ چوہوں کی طرح میرے نبیؐ کی حدیثوں کو کترتے ہیں۔ مگر میاں صاحب نے ایک قدم اس سے بھی آگے بڑھا کر خود قرآن کو کترنا شروع کر دیا۔ دین کے ساتھ اس سے بڑھ کر کیا کھیل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تو اسلام کی تمکین کی بشارت دیتا ہے اور میاں صاحب اسلام کی تمکین کے خیال کو تو باطل ٹھہراتے ہیں اور اپنی پالیسی کی کامیابی کی بشارت کو قرآن کریم کا

اصل مقصد ٹھہراتے ہیں۔

سیاست میں غرق ہونے کے افسوسناک نتائج!: سیاسی بنتے بنتے یہاں تک سیاست میں غرق ہوئے کہ اسلام کی تمکین کی بجائے خلیفہ کی پالیسی کی تمکین پر سارا زور صرف ہونے لگا تو جماعت کی طاقت بھی اسی پر خرچ ہوگی اور فی الحقیقت ہو رہی ہے۔ جب میاں صاحب کی پالیسی یہ ہوتی ہے کہ گورنمنٹ کی تائید کر کے کانگریس کو تباہ کیا جائے، تو لاکھوں روپے اس پر خرچ ہو جاتے ہیں اور سالہا سال تک یہ سلسلہ چلا جاتا ہے۔ پھر خلیفہ کی پالیسی بدل جاتی ہے اور گورنمنٹ کو نیچا دکھانے کے لئے کانگریس کی حمایت ضروری ہو جاتی ہے تو جماعت کی طاقت بھی اسی کام پر خرچ ہوتی ہے اور ہزار ہا روپے کانگریس کی تائید میں گورنمنٹ کے خلاف خرچ ہوتے ہیں۔ جو خلیفہ کی پالیسی ہوگی اسی پر جماعت کی طاقت خرچ ہوتی چلی جائے گی۔ اشاعت اسلام چیز کیا ہے؟ جب خود خدا کو خلیفہ کی پالیسی کی تمکین کی فکر ہے تو اس کے بندے اشاعت اسلام کی طرف کیوں توجہ کریں۔ قرآن کا دنیا میں پہنچانا صرف برائے نام ہے۔ روپیہ اس کے لئے وصول ہوتا ہے اور خرچ ہوتا ہے خلیفہ کی پالیسی کے استحکام۔ پر جس کو قرار ہی کوئی نہیں۔ آج کچھ ہے تو کل کچھ۔ اور!

یزید اور قاتلانِ عثمانؓ سے بھی زیادہ جرأت: یوں تو یزید بھی، جو اپنے آپ کو خلیفہ کہتا تھا، اپنی پالیسی کی کامیابی پر فخر کرتا ہوگا۔ جب امام حسینؓ اور ان کے ساتھی کربلا میں پیاسے شہید کئے گئے۔ مگر اس نے بھی اس قدر جرأت نہیں کی کہ اپنی اسی کامیابی کو اس آیت قرآنی کا مصداق بنائے جس میں اسلام کے استحکام کی پیشگوئی ہے۔ اور حضرت عثمانؓ کے قاتل کہتے ہوں گے کہ حضرت عثمانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ نہیں۔ کیونکہ ان کی پالیسی کامیاب نہیں ہوئی اور قاتلوں کی پالیسی کامیاب ہوگئی! تعجب ان لوگوں پر ہے جو ان ساری تعلیوں اور دین کے ساتھ استہزاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں اور اُمناً اور صدقناً کہتے چلے جاتے ہیں!

پالیسی کی کامیابی کا فخر کس بناء پر ہے؟: معلوم ہے کہ اس پالیسی کی کامیابی کا فخر کس بنا پر ہے کہ خلیفہ کے خلاف جو پالیسی اختیار کرے گا وہ کامیاب نہیں ہوگا۔ اسی بات پر کہ ایک معترض قتل ہو چکا ہے اور دوسرے (مولٰینا شیخ عبدالرحمٰن مصری) کے ساتھ پانچ سات آدمی ہیں۔ اور میاں صاحب نے ان پر

عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ یہ ہے وہ دین کی تمکین جس کا ذکر وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ (55:24) میں ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. خلیفہ کی پالیسی کامیاب ہوگئی مگر معترض ناکام رہے!

میاں صاحب براہ راست خدا کے نمائندہ بنتے ہیں: جس کے مرید آنکھیں بند کر کے اس کی باتوں کو مانتے چلے جائیں وہ خدا نہ بنے تو کیا کرے؟! نام کو تو میاں صاحب حضرت مسیح موعود کے خلیفہ ہیں مگر وہ براہ راست خدا کے نمائندہ بنتے ہیں۔ انہیں کسی واسطہ کی کیا پرواہ ہے۔ کوئی سمجھے نہ سمجھے۔ انہوں نے تو جماعت احمدیہ کے خلیفہ کی حیثیت کا موٹا عنوان قائم کر کے صاف لکھ دیا ہے:

"وہ دنیا میں خدا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ ہے" (الفضل 27 اگست 1937ء)

مگر میاں صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ ہر ایک شخص جس کے مرید آنکھیں بند کر لیں وہ خدا کا نمائندہ بن جاتا ہے۔ یہاں خدا کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ بھی بڑھا دیا ہے۔ تاکہ کسی کے دل میں کوئی وسوسہ نہ اٹھے۔ ورنہ خدا کے نمائندہ کو رسول کریمؐ کے واسطہ کی بھی ضرورت نہیں۔ مسیح موعود کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور جب میاں صاحب کا قول شریعت کی طرح قابل احترام ہے اور اس کا اتباع بھی بغیر چون و چرا شریعت کے اتباع کی طرح ضروری ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کی ضرورت کیا ہے۔ پھر اس وحی کی پیروی سے اب کوئی کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ میاں صاحب کے اقوال کی بھی پیروی نہ کرے۔ تو اصل منشاء ان کا یہی ہے کہ وہ خدا کے نمائندہ ہیں۔ اور نمائندہ بھی ایسے کہ شریعت کی پیروی نہ کریں تو بھی وہ خلیفہ ہی رہتے ہیں اور ان کا قول خلاف شریعت ہو تو بھی واجب الاحترام و قابل اتباع ہے۔ مگر یہ مرتبہ صرف اسی خلیفہ کو حاصل ہوا۔ پہلے جو تیرہ سو سال میں خلفاء ہوئے ان کے اقوال و افعال کو یہ مرتبہ نہیں ملا اور نہ پہلے کسی خلیفہ نے ایسا دعوٰی کیا۔

میاں صاحب کا ساری دنیا سے افضل ہونے کا دعوٰی: جب یہ مرتبہ میاں صاحب کے لئے ہے تو پھر وہ جتنی تعلّی چاہیں کریں۔ اس لئے اس کے بعد ساری دنیا سے افضلیت کا دعوٰی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

''ہماری جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ جماعت کا جو خلیفہ ہو وہ اپنے زمانہ میں جماعت کے تمام لوگوں سے افضل ہوتا ہے۔ اور چونکہ ہماری جماعت ہمارے عقیدہ کی رو سے باقی تمام جماعتوں سے افضل ہے، اس لئے ساری دنیا میں سے افضل جماعت میں سے ایک شخص، جب سب سے افضل ہوگا تو موجودہ لوگوں کے لحاظ سے یقیناً اسے ''بعداز خدا بزرگ توئی'' کہہ سکتے ہیں (الفضل 27 اگست 1937ء) اس تعلّی کی بنیاد بھی دیکھئے:

''جیسا کہ سب لوگ جانتے ہیں میں نے بھی بارہا بتایا ہے کہ جماعت احمدیہ کے خلیفہ کی حیثیت تمام دنیا کے بادشاہوں اور شہنشاہوں سے زیادہ ہے''

کیوں زیادہ ہے؟ اس لئے کہ اگر کوئی بادشاہ قادیانی ہوگیا یا شہنشاہ قادیانی ہوگیا تو وہ میاں صاحب کے ماتحت ہوگا۔ ابھی کوئی بادشاہ قادیانی نہ سہی جب ہوگا تب تو وہ میاں صاحب کا مرید ہی ہوگا اور آپ کے اشاروں پر ہی اسے چلنا ہوگا۔ جس طرح آج بعض بڑے بڑے مرید چل رہے ہیں اور جب ایک بھی بادشاہ مرید ہوگیا خواہ وہ حکومت انگریزی کے ماتحت کوئی نواب ہی ہو تو دنیا کے تمام بادشاہوں اور شہنشاہوں سے خلیفہ کی حیثیت خود زیادہ ہوگئی۔ یہ منطق اگر سمجھ میں نہ آئے تو دل کو یہ تسلی دے لینی چاہئیے کہ یہ خلیفہ کا قول ہے اور اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا!

فضیلت کا نیا قادیانی معیار۔ دنیوی طاقت: پس جب تمام بادشاہوں اور شہنشاہوں سے اس کی حیثیت زیادہ ہوئی تو وہ خود افضل ترین انسان ہوا۔ یعنی بادشاہ اور شہنشاہ خواہ ظالم ہوں، فاسق ہوں، زانی ہوں، عیش پرست ہوں وہ باقی لوگوں سے افضل ہوتے ہیں۔ اور خلیفہ جب ان سے بھی بڑا ہوا تو وہ خود ساری دنیا سے افضل ہوگیا اور ''بعداز خدا بزرگ توئی'' کا مصداق ہوا۔ اب یہ فضیلت کا نیا معیار ایسا نہیں کہ اس پر کوئی اعتراض کر سکے۔ کیونکہ یہ خلیفہ کا قول ہے اور اس پر اعتراض ہو نہیں سکتا۔ آئندہ کے لئے ماننا پڑے گا کہ ہر ایک بادشاہ کو خدا کے ساتھ ایسی نسبت ہوتی ہے کہ اس کی رعایا میں سے اور کسی کو نہیں ہوتی اور افضل ہونا محض دنیوی طاقت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس تو پرانا مقولہ تھا۔ اب آئندہ کے لئے جس کی لاٹھی اس کی فضیلت، وہی تمام خوبیوں کا

مجموعہ ہوا کرے گا۔شائد اسی راستہ سے حصول فضیلت کے لئے قادیان میں کوریں بن رہی ہیں اور شاہانہ ٹھاٹھ قائم کئے گئے ہیں اور ایک ریاست کی بنیاد رکھی جارہی ہے۔فضیلت تو بہرحال مل گئی۔ خدا کے ساتھ تعلق سے نہ ملی تو نہ سہی،انسانوں پر حکومت کے ذریعہ سے مل گئی۔نبوت کی طرح طریق حصول میں اختلاف ہوا تو کیا۔انبیاءؑ کی تعلیم سو دفعہ یہ ہو کہ فضیلت خدا کے ساتھ تعلق میں ہے، قرآن کریم میں لکھا ہوا ہو۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (13:49) کہ انسان کو فضیلت تقوٰی سے ملتی ہے،تو لکھا رہنے دو مگر خلیفہ کا قول ایسا نہیں کہ اسے کوئی رد کر سکے۔خواہ وہ قرآن کے خلاف ہی ہو۔اب فضیلت یہی ہے کہ انسانوں پر حکومت ہو۔پس تقوٰی کی مشکل راہ کو چھوڑو اور سیاست کی طرف دوڑو تا کہ تمہیں فضیلت مل جائے۔والسلام خاکسار محمد علی

فہرست کی ذمہ داری: (مرزا مظفر بیگ ساطعؔ) ''مصری پارٹی'' نے لکھا تھا کہ قادیان میں سینکڑوں آدمی ہیں جو خلیفہ صاحب کے طرزِ عمل کی وجہ سے دہریت کا شکار ہو چکے ہیں۔اس پر خلیفہ قادیان نے ان سے مطالبہ کیا کہ کم از کم ایک سو آدمیوں کی فہرت پیش کرو۔قادیانی بغلیں بجارہے ہیں کہ مصری پارٹی اس مطالبہ کو پورا نہ کرسکی۔اس لئے وہ جھوٹے ہیں۔یہ تو ہے تصویر کا ایک رخ۔لیجئے تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ ہو۔خلیفہ قادیان نے فرمایا کہ قادیان میں پانچ سو منافقین ہیں۔اور خدا نے ان پانچ سو منافقین کی شکلیں بھی خلیفہ صاحب کو خواب میں دکھلا دیں۔مصری پارٹی نے مطالبہ کیا کہ ان پانچ سو منافقین میں سے کم از کم ایک سو منافقین کی فہرست پیش کی جائے۔خلیفہ صاحب اس کو خاموشی سے پی گئے اور آج تک ایک سو منافقین کی فہرست پیش کرنے کی انہیں ہمت نہ ہوسکی۔عام لوگ یونہی سمجھے بیٹھے ہوں گے کہ دونوں کی چوٹیں برابر کی رہیں۔نہ مصری پارٹی خلیفہ صاحب کا مطالبہ پورا کرسکی اور نہ خلیفہ صاحب مصری پارٹی کا مطالبہ پورا کر سکے۔مگر حقیقت اس کے خلاف ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس جنگ میں خلیفہ صاحب (بے ادبی معاف) چاروں شانے چت گرے ہیں اور فتح مصری پارٹی کی ہوئی۔تفصیل اس کی یہ ہے۔خلیفہ صاحب اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ جو میرا انکار کرے گا۔اس کا ٹھکانا دہریت کے سوا اور کہیں نہیں۔4 ستمبر کے الفضل میں خلیفہ صاحب کا جو خطبہ شائع ہوا ہے اس میں بھی فرماتے ہیں۔

''جو میرا جوا اپنی گردن سے اتارتا ہے وہ حضرت مسیح موعود کا جوا تارتا ہے اور جو ان کا

جوُا اتارتا ہے، وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوا تارتا ہے اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جوُا اتارتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کا جوا تارتا ہے۔ میں بے شک انسان ہوں خدا نہیں ہوں مگر میں یہ کہنے سے نہیں رہ سکتا کہ میری اطاعت اور فرمانبرداری میں خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے"(الفضل 4 ستمبر صفحہ 8)

خلیفہ صاحب کے اس بیان سے بھی یہی ثابت ہوا کہ خلیفہ قادیان کا انکار کرنے والا خود خدا کا انکار کرنے والا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو خدا کا منکر ہو اس کو دوسرے الفاظ میں دہریہ کہتے ہیں۔

قادیان میں پانچ سو منافقین کا اقرار خود خلیفہ صاحب کو ہے۔ منافقین کے حق میں قرآن کریم کا فیصلہ ہے۔ **وما هم بمو منین** کہ وہ ایمان نہیں لائے ہوتے۔ پس یہ پانچ سو منافقین خلیفہ صاحب کے نہیں بلکہ خود خدا کے منکر ہیں اور دہریہ ہیں۔ اب ان پانچ سو منافقین میں سے ایک سو منافقین کی جو فہرست خلیفہ صاحب پیش کریں گے، وہی فہرست مصری پارٹی کی طرف سے بھی سمجھ یعنی چاہیئے۔ اس کو کہتے ہیں شکست۔ جو کہ خلیفہ صاحب نے مصری پارٹی کے دعوٰی کی تصدیق خود اپنی زبان سے کر کے اپنے اوپر وارد کر لی۔ اب ایک سو آدمیوں کی فہرست کا ذمہ مصری پارٹی کے سر نہیں بلکہ خلیفہ صاحب کے سر ہے۔

12 اکتوبر 1937ء
حضرت امیر کے قلم سے

میری صحت

میں اپنے احباب کو اس امر سے بے خبر رکھنا نہیں چاہتا کہ قریباً عرصہ دس ماہ سے مجھے ایک تکلیف ہو گئی ہے۔ جس کا علاج تو شاید او پریشن کے رنگ میں ہو۔ مگر ابھی یہ یقینی نہیں۔ لیکن یہ بات قریباً قریباً یقینی ہے کہ یہ تکلیف ٹیوبرکل کی وجہ سے ہے اور گذشتہ چار پانچ ماہ میں میرا وزن بھی کوئی آٹھ پونڈ کم ہو گیا ہے۔ ہر انسان کے لئے اجل مقرر ہے۔ تندرست بھی اپنی صحت پر بھروسہ نہیں کر سکتا تو ایسی بیماری کی حالت میں میں نہیں جانتا کہ کتنے دن اور زندگی کے مقدر ہیں۔ لیکن اس حالت میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں زیادہ کام سے بچوں اور زیادہ تر آرام کروں۔ اس لئے جملہ احباب سے یہ درخواست ہے کہ وہ میری اس معذوری کو مدنظر رکھیں۔ اس کے ساتھ ہی ان احباب سے، جن کے دلوں میں میری کمزوریوں کو جانتے ہوئے بھی درد موجود ہے، یہ درخواست ہے کہ وہ میرے لئے دعا بھی کریں۔ لیکن اس شرط پر کہ پہلے وہ اسلام کی قوت اور استحکام اور اس کے غلبہ کے لئے دعا کریں اور اس جماعت کی قوت اور استحکام کے لئے دعا کریں جو تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے کام میں لگی ہوئی ہے اور جب یہ دعا ان کی دلوں کی گہرائیوں سے نکلے اور روح آستانہ الٰہی پر پوری عاجزی سے گری ہوئی ہو اور اسلام اور قرآن کی بیکسی کی حالت کو دیکھ کر دل پانی کی طرح بہہ رہا ہو، اس وقت اگر میرے لئے بھی کوئی تڑپ دل میں پیدا ہو تو یہ چیز ہے جس کو میں چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے احباب کے لئے جب دعا کی ہے تو عموماً ایسی حالت میں کی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میرے احباب بھی اگر میرے لئے دعا کریں تو اسی طرح کریں۔ تا کہ اصل مقصد تو بہر حال حاصل ہو جائے۔ **اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ** خاکسار محمد علی

❁❁❁

12 اکتوبر 1937ء

خلیفہ قادیان سے فیصلہ کُن مباحثہ

کفر واسلام غیر احمدیاں اور نبوت حضرت مسیح موعود مسائل پر

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ گذشتہ سال ہماری طرف سے خلیفہ قادیان کو مندرجہ بالا دو مسائل پر فیصلہ کن مباحثہ کی دعوت دی گئی تھی۔ اس کے جواب میں پہلے تو بالکل خاموشی طاری رہی۔ جب بار بار یاددہانی کرائی گئی تو خلیفہ صاحب ایک مبہم سا اعلان کر کے خود تو چپ ہو گئے اور مولوی اللہ دتا عرف ابوالعطاء جالندھری صاحب کو آگے کر دیا۔ خلیفہ صاحب کے اعلان میں مسئلہ تکفیر پر بحث سے صاف انکار تھا۔ مولوی اللہ دتا صاحب بھی ادھر اُدھر کی غیر متعلق باتیں کرتے رہے۔ جس سے خلیفہ صاحب کا مباحثہ سے گریز زیادہ واضح ہو گیا۔ اب 27 ستمبر کو مستری یعقوب علی صاحب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام جموں سے مولوی دل محمد صاحب مبلغ جماعت قادیان (حلقہ کشمیر) کی ملاقات ہوئی۔ مولوی دل محمد صاحب نے خلیفہ قادیان کو ان مسائل پر فیصلہ کن بحث کے لئے آمادہ کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ ذیل میں ہم ایک خط درج کرتے ہیں جس پر ان دونوں صاحبوں کے دستخط ہیں۔ یہ خط مستری یعقوب علی صاحب نے ہمیں بھیجا ہے۔ اس میں مولوی دل محمد صاحب نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چیلنج کا مطالبہ کیا ہے۔ لہٰذا حضرت ممدوح کی طرف سے مطلوبہ چیلنج بھی اس کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ مدیر

نقل خط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

باعث تحریر

آج مورخہ 27 ستمبر 1937ء سوموار 4 بجے شام کو میرا اور مستری یعقوب علی صاحب

پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ جموں کا خلیفہ نور دین صاحب کے مکان پر سری نگر میں آپس میں تبادلہ خیالات اختلافی مسائل پر ہوا۔ جس میں مستری یعقوب علی صاحب نے کہا کہ مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور ہر وقت جناب مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی قادیان کے ساتھ اختلافی مسائل پر مناظرہ کرنے کو تیار ہیں۔ مگر میاں صاحب تیار نہیں ہوتے۔ میں نے کہا وہ تیار ہیں۔ آپ مولانا محمد علی کو تیار کریں۔ اس پر مستری یعقوب علی صاحب نے کہا میں جناب مولانا محمد علی کو تیار کروں گا اور چیلنج مولوی صاحب کی طرف سے ہوگا۔ مناظرہ تحریری ہوگا اور بعد میں ہر دو محترم مناظر بنفس خود اپنے اپنے پرچے پبلک میں پڑھ کر سنا دیں گے۔ ازاں بعد یہ تحریرات فریقین کے خرچ پر شائع کر دی جائیں گی۔ ثالث کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی اور مولانا محمد علی کی طرف سے ثالث کا مطالبہ نہیں ہوگا اور نہ ہی میاں صاحب کی طرف سے ثالث کا مطالبہ ہوگا۔ مسائل مندرجہ ذیل ہوں گے:

1۔ نبوت حضرت مسیح موعود

2۔ کفر و اسلام غیر احمدیاں

باقی شرائط متعلقہ مقام مناظرہ پرچہ جات مناظرہ وغیرہ ہر دو محترم مناظران یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضرت مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور تصفیہ فرما لیں گے۔ مکرر یہ طے ہوا کہ محترم مناظران مناظرہ کی تحریرات ایک دوسرے کے بالمقابل لکھیں گے۔ اگر ہر دو محترم مناظران تحریرات کسی ایک شہر میں اپنے اپنے پرائیویٹ مقامات پر لکھنا پسند کریں تو فریقین کے مناظران مجاز ہوں گے۔ ہاں ہر فریق کا سپروائزر دوسرے فریق کے مناظر کی تحریر کرتے وقت نگرانی کرے گا اور اس کے دستخط اس پرچہ پر ہوں گے۔ سپروائزر ہر فریق کا اپنا مقرر کردہ ہوگا۔ جیسا کہ میں نے مستری صاحب سے وعدہ کیا ہے۔ جلد از جلد اس مناظرہ کی منظوری حضرت اقدس سے لے کر مستری صاحب کو مطلع کروں گا۔ انشاءاللہ۔ خاکسار احقر دل محمد انچارج مبلغ صوبہ کشمیر سری نگر بر مکان خلیفہ نور دین صاحب۔ بوقت 4 بجے شام۔ 27 ستمبر 1937ء

نقل اقرار نامہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

باعث تحریر آنکہ

میں یعقوب علی آج حضرت مولٰینا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے (جناب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو بذریعہ مولوی دل محمد صاحب مبلغ کشمیر قادیانی مسئلہ نبوت حضرت مسیح موعود اور کفر و اسلام غیر احمدیاں پر مناظرہ کا چیلنج کرتا ہوں۔

مولوی دل محمد صاحب نے جیسا کہ اقرار فرمایا ہے خلیفۃ المسیح سے جلد از جلد منظوری حاصل کر کے خاکسار کو مطلع فرماویں۔ یعقوب علی بقلم خود۔ مست گڑھ۔ جموں۔ بوقت چار بجے شام مورخہ 27 ستمبر 1937ء

میں جلد از جلد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے منظوری لے کر آپ کو مطلع کر دوں گا۔ انشاء اللہ

خاکسار دل محمد انچارج مبلغ کشمیر از سری نگر برمکان خلیفہ نور دین صاحب۔ سری نگر۔ 27 ستمبر 1937ء

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی منظوری: میں نے سال گذشتہ بھی جناب میاں محمود احمد صاحب کو لکھا تھا کہ ذیل کے دو مسائل: 1۔ کفر و اسلام غیر احمدیاں 2۔ نبوت مسیح موعود

پر میرے اور ان کے درمیان ایک فیصلہ کن بحث ہو جائے۔ اب دوبارہ پھر اعلان کرتا ہوں کہ وہ تحریر، جس پر مستری یعقوب علی صاحب احمدی اور مولوی دل محمد صاحب قادیانی نے دستخط کر کے مجھے بھیجی ہے اور جو آج کی اخبار میں چھپ رہی ہے، مجھے منظور ہے اور اس کے مطابق میں میاں محمود احمد صاحب کے ساتھ لاہور میں مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بشرطیکہ میاں صاحب اس تحریر سے کلی اتفاق ظاہر کریں اور اگر اس کے مطابق یہ ضروری ہے کہ میں میاں صاحب کو چیلنج دوں تو اس میری تحریر کو چیلنج متصور کریں۔

البتہ اس قدر بڑھانا چاہتا ہوں کہ چونکہ میری صحت کی حالت اس وقت مخدوش ہو چکی ہے۔ اگر ڈاکٹر مجھے اس بحث میں پڑنے کی اجازت نہ دے تو اس صورت میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام جس شخص کو اس بحث کے لئے منتخب کرے وہی اس انجمن کا نمائندہ سمجھا جائے گا۔ محمد علی

8 نومبر 1937ء
حضرت امیر کے قلم سے

مجاہدہ رمضان میں تہجد کی دعائیں

سورہ الفاتحہ

بہترین دعا سورۃ الفاتحہ ہے۔ تنہائی کی نماز میں اس کے بعض حصص کو بار بار دوہرایا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان کے دل پر ان کا پورا اثر ہو اور خشوع کی حالت پیدا ہو جائے۔

1۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کو پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان احسانات اور انعامات پر نظر ہو۔ بعض وقت انسان مصیبت میں ہوتا ہے تو اسے جاننا چاہئے کہ کئی قسم کی ربوبیت مصائب کے ذریعے سے بھی ہوتی ہے۔ پھر ایک انسان کی تکلیف سے بعض وقت دوسروں کی ربوبیت ہوتی ہے۔ پھر اس کی وسعت ربوبیت پر بھی نظر ہو کہ وہ ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ تک کی ربوبیت فرماتا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ اس کی وسعت مخلوق میں انسان ایک ذرہ ناچیز ہے، پھر بھی وہ اس کی طرف توجہ فرماتا ہے۔ اصل غرض حمد کی یہ ہے کہ انسان کے دل میں راحت اور سکون پیدا ہو۔ پس یہاں تک حمد الٰہی کرے کہ یہ کیفیت اس کے قلب میں پیدا ہو جائے۔

2۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا ذکر کرے تو اس کی بے پایاں رحمتوں پر نظر ہو۔ کس قدر وسیع رحمت ہے کہ مانگے بغیر بھی وہ رحم کرتا ہے! مانگنے پر بھی رحم کرتا ہے! پھر انسان سے قصور ہو جائے تو مالک کا معاملہ کرتا ہے۔ یعنی عفو فرماتا ہے۔ اور دل میں یہ تڑپ ہو کہ ہمارے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ اپنے رحم اور عفو کا معاملہ کرے۔ اس کی ایک نظر رحمت سے ہماری ہر قسم کی مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔

3۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سورۃ الفاتحہ کا گویا مرکزی نقطہ ہے۔ اس میں اور اس سے اگلی دعا میں اپنے ساتھ اپنے دوستوں کو بھی شامل کرے۔ خدا کی عبادت بھی خدا کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ وہی توفیق دے تو انسان غیر اللہ سے امید و بیم سے آزاد ہو کر خدا کے آگے کر سکتا ہے۔ اس موقعہ پر اس عظیم الشان مقصد کو بھی اپنے سامنے لائے، جس کے لئے یہ جماعت دنیا میں کھڑی ہوئی ہے۔ کہ اے خدا! ہم تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے کی، تیرے کلام کو دنیا میں پہنچانے کی، تیرے دین کو پھیلانے کی آرزو

رکھتے ہیں۔ اور اس کے لئے اپنے مال اور جان سے تیرے حضور حاضر ہوتے ہیں۔ مگر تیری نصرت کے بغیر یہ کام نہیں ہوسکتا۔ پس اس کے لئے بھی ہم تیری مدد مانگتے ہیں۔ تو ہمیں وہ قوت دے جس سے ہم یہ کام کر سکیں۔ اور وہ سامان عطا فرما جن کی اس کام کے لئے ضرورت ہے۔

4۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. یہ بہت وسیع دعا ہے۔ ہر کام میں صراط مستقیم کی ضرورت ہے۔ خدا کو پانے کے لئے بھی اس کی ضرورت ہے۔ صحیح رستے سے انسان کا قدم اِدھر اُدھر ہو، تو ساری کوشش رائگاں جاتی ہے۔ اے خدا! تیرے وہ بندے بھی ہوئے ہیں، جن پر تیری نظر رحمت اور توجہ ہوئی۔ جنہیں تو نے خود اپنے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لئے چن لیا۔ جن کے دلوں کو تو نے اپنے فضل سے پاک اور صاف کر دیا۔ جو تیرے ہی ہو گئے۔ ہم اس لائق نہیں۔ مگر انہی پاک اور نیک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی تڑپ ہمارے دل میں ہے۔ ہم بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہماری اس راہ پر رہنمائی فرما۔ اے خدا! تیرے نام کو دنیا میں پھیلانے والے کبھی ناکام نہیں ہوئے بلکہ تیری نصرتوں اور تیرے انعامات کے مورد ہوتے رہے۔ تو ہمارے اندر وہی سچی تڑپ پیدا کر اور انہی کی طرح ہماری نصرت فرما اور ہمیں کامیابی کے بلند مینار پر پہنچا دے۔

جن لوگوں کے دلوں میں کبھی یہ وساوس پیدا ہوتے ہیں کہ خدا جانے ہم سے کچھ ہو بھی سکے گا یا نہ۔ ان کے لئے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. والا فقرہ ایک تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ جو کوئی بھی خدا کا نام دنیا میں پھیلانے کے لئے اٹھا ہے، وہ کبھی ناکام نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات کا مورد ہوا ہے۔

الفاتحہ کے علاوہ دوسری دعائیں: سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات کو بھی سورہ الفاتحہ کی طرح عظمت دی گئی ہے۔ ان کو نماز تہجد میں قرأت کے طور پر یا قنوت کے طور پر پڑھیں۔ ان کا خلاصہ میں کسی خطبہ میں بیان کر چکا ہوں۔ آخری آیت دعا ہی دعا ہے۔

5۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (286:2) نسیان اور خطا انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ ان کے بد نتائج سے حفاظت چاہے۔ اپنے لئے بھی اور اپنے بھائیوں کے لئے بھی۔

6۔ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا (286:2) اللہ تعالیٰ ہمیں عہد شکنی کے ارتکاب سے

بچائے۔ عہد شکن انسان اور قومیں ردّ کر دی جاتی ہیں۔ ہم نے بھی ایک کام کو اپنے ذمّہ لیا، خدا کے ایک مامور کے ہاتھ پر اقرار کیا کہ دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔ دینی ضرورتوں کو دنیوی ضرورتوں پر ترجیح دیں گے۔ اے خدا! تو ہی ہمیں توفیق دے کہ اس عہد پر قائم رہیں۔ اپنے لئے، اپنے بیوی بچوں کے لئے اور اپنے سارے بھائیوں کے لئے دلی درد سے دعا کریں کہ عہد شکنی کے ارتکاب سے بچے رہیں۔

7۔ لَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (286:2) اے خدا! تو ہمارے ساتھ آسانی کا معاملہ فرما۔ ایسی کوئی تکلیف اور بوجھ ہم پر نہ ڈالیو جس کی برداشت کی طاقت ہم میں نہ ہو۔

8۔ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا (286:2) ہمیں معاف فرما اور جو خطائیں ہم سے ہوئیں ان کی سزا سے ہمیں بچا اور آئندہ کے لئے خطاؤں سے ہماری حفاظت فرما اور اپنے رحم اور کرم کی نظر ہم پر فرما کہ ہماری مشکلات کو آسان کر دے۔

9۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. (286:2) یہ ساری سورۃ کا خلاصہ ہے۔ یہ وہ صحیح جذبہ ہے، جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں پیدا ہو۔ اسلام اور کفر کا مقابلہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ مگر اس زمانے میں اسلام انتہاء درجہ کی بے کسی کی حالت کو پہنچ گیا ہے۔ اور کفر کی موجیں ہر چیز کو اپنے ساتھ بہائے لئے جا رہی ہیں۔ دنیا کی زینت اور آرائش کے سب سامان کفر کے ہاتھ میں ہیں۔ ہر قسم کا غلبہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کفر اور اسلام کی جنگ کا تاریک ترین زمانہ نظر آتا ہے۔ خود مسلمان بجائے دین کی نصرت کرنے کے کفر کی رو میں بہے جا رہے ہیں۔ اے خدا! تو اپنے دین کے ناصروں کی جماعت کی نصرت فرما۔ تیرا وعدہ ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (40:22)۔ یہ دعا کرتے وقت ہماری نظر اس دجّال کی طرف بالخصوص ہو، جس کے لئے مسیح موعود کی آمد ہوئی۔ اور دل میں یہ تڑپ ہو کہ یورپ اور امریکہ کے کفرستانوں میں اللّٰہ اکبر کی آوازیں بلند ہوں۔ اسی قسم کی دوسری قرآنی دعائیں جن میں اپنی اور اپنے بھائیوں کی ثابت قدمی کی دعا ہے، مغفرت کی دعا ہے، سکینت کے نزول کی دعا ہے، قرأت کے اندر پڑھی جائیں، یا قنوت کی حالت میں۔ یہ دعائیں ''پیغام صلح'' جلد نمبر 73 مورخہ 15 نومبر 1936ء میں ایک جگہ مل سکتی ہیں۔

سجدہ، وہ عاجزی کی انتہائی حالت، جب انسان اپنا سر اپنے مالک کی چوکھٹ پر رکھ دیتا ہے، دعاؤں میں سوز و گداز پیدا ہونے کے لئے بہترین حالت ہے۔ اس وقت اپنی زبان میں یا عربی زبان میں جس طرح چاہے، دعائیں کرے۔ احادیث کی بعض دعائیں پیغام صلح کے اسی مذکورہ بالا شمارہ میں درج ہیں۔

دعاؤں میں جہاں اسلام کے غلبہ کی دعائیں ہوں، وہاں مسلمانوں سے ذلت وادبار دور ہونے کی دعائیں ہوں۔ یہ بھی دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں اس تعصب کو دور کر دے، جس کی وجہ سے وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے کہ ایک شخص نے کس طرح اعلاء کلمۃ اللہ کی بنیاد رکھی۔ خدا کے پیغام کو دنیا میں پہنچایا۔ یورپ کے ظلمت کدوں میں مسجدیں بنوادیں۔ اللہ اکبر کی آوازیں بلند کرادیں۔ بڑے بڑے مادہ پرستوں کو خدا کی ہستی کا قائل کر دیا۔ کاش! وہ یہ دیکھتے اور آگے قدم اٹھا کر اس کا ساتھ دیتے تو آج یورپ کا ایک ایک گاؤں اللہ اکبر کی آوازوں سے گونج رہا ہوتا۔ قادیان کی جماعت کے لئے بھی دعا کی جائے کہ وہ کس طرح ایک طرف پیر پرستی کے گڑھے میں گر گئی، دوسری طرف دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی بجائے سیاست کو اپنا نصب العین بنا کر دنیا کو دین پر مقدم کر لیا۔ قرآن کا دنیا میں پہنچانا مؤخر کر دیا اور دینی رعب پیدا کرنے کی بجائے دنیوی رعب پیدا کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ پھر اس کے ساتھ ہی غلو کی بنیاد رکھ کر اس شخص کو، جو مدعی نبوت پر لعنتیں بھیجتا تھا، مدعی نبوت قرار دیا اور ساٹھ کروڑ کلمہ گوؤں کو کافر بنا دیا۔ یہ کہہ کر کہ اب کلمہ پڑھنے سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا، کلمہ کو ہی منسوخ کر دیا۔ اپنی جماعت کی مضبوطی اور استحکام اور اس کی توسیع کے لئے بھی دعائیں کی جائیں۔ اس لئے کہ اس وقت ساری دنیا میں یہی ایک جماعت ہے جو خالصاً اعلاء کلمۃ اللہ، اشاعت اسلام اور تبلیغ قرآن کے کام میں مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جماعت کے دلوں میں اپنے دین کی محبت کی آگ کو اس قدر تیز کرے کہ دنیوی محبتیں اس کے سامنے جل جائیں اور یہ سب ایک ہو کر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دنیا میں پھیلاتے چلے جائیں۔ اور خدا کے لئے اس سے بڑھ کر قربانیاں کرنے کی انہیں توفیق ملے جو ایک پیر پرست اپنے پیر کو خوش کرنے کے لئے کر سکتا ہے وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (165:2) کے یہ مصداق ہوں۔ خاکسار محمد علی

❁❁❁

8 نومبر 1937ء
مکتوب حضرت امیر

ایک آنہ فنڈ کا نیا انتظام

برادران مکرم! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

یہ فنڈ کوئی چھ سات سال کا عرصہ ہوا جاری کیا گیا تھا اور خدا کے فضل سے فنڈ میں کوئی دس ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ جو گزشتہ سال انجمن کی جنرل کونسل نے مسلم ٹاؤن کے قریب کچھ اراضی کی خرید پر لگا دیا۔ یہ زمین انجمن کے لئے توسیع اور نئے اداروں کے اجرا کا کام بھی دے سکتی ہے۔ اور اگر یہ کام اس سے نہ بھی نہ لیا جائے تو خدا چاہے تو دو چار سال میں تگنے چوگنے داموں پر بک بھی سکتی ہے۔ اور اس طرح پر انجمن کے استحکام یا کسی نئے کام کے اجراء کے لئے ایک بیش بہا امداد کا کام دے سکتی ہے۔

ایک آنہ فنڈ کی تحریک پر صرف قوم کا ایک حصہ ہی عامل ہوا اور بہت سی جماعتوں نے اس کو مروّج کرنے کی ذمہ داری سے گریز کیا، جو قابل افسوس امر ہے۔ مگر اس کے باوجود اس میں جماعت کے لئے ایک عظیم الشان سبق ہے کہ کس طرح اگر جماعت ایک ادنیٰ حرکت بھی کرے تو خدا کے افضال اس پر نازل ہوتے ہیں۔ چند آدمیوں کے ایک ایک آنے سے دس ہزار ہی نہیں، بلکہ اگر خدا نے چاہا تو دس سال کے اندر اندر چالیس پچاس ہزار کی رقم بن جائے گی۔ اس لئے یہ تحریک نہ صرف زندہ رکھنے کے قابل ہے بلکہ جماعت کا فرض ہے کہ اس میں چھوٹے بڑے سب شامل ہو کر اسے اور زیادہ مفید بنانے کی کوشش کریں۔

وصولی کی مشکلات کی وجہ سے میں اب اسے ایک دوسرا رنگ دینا چاہتا ہوں۔ جو شائد زیادہ سہل ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ جہاں جماعتیں موجود ہیں اور جمعہ کے لئے ان کا اجتماع ہوتا ہے۔ ایسے ہر مقام پر ہر ایک دوست، جو نماز جمعہ کے لئے آتا ہے، ایک آنہ یا اس سے زیادہ، جو خدا اسے توفیق دے، اپنے ہمراہ لائے۔ اور وہ اسے ایک صندوقچی میں ڈال دے۔ جو اس غرض کے لئے مسجد یا جائے اجتماع میں رکھی جائے گی۔ ہاں! جو اصحاب اس قدر آنہ کو بھی بوجھ سمجھتے ہوں، وہ ایک آنہ کی جگہ ایک پیسہ یا دو پیسے ہی ڈال دیں، مگر چھوٹا بڑا، غریب، امیر ہر شخص اپنا یہ فرض سمجھے کہ اس نے ضرور اس میں کچھ ڈالنا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کچھ نہ ہو سکے تو ایک دھیلا یا ایک پائی ہی سہی۔ مگر ہر دوست اسے ایک فرض لازم کی طرح

سمجھے یہاں تک کہ نوجوان اور مستورات بھی اس میں حصہ لیں۔

اس صندوقچی کی رقم نماز جمعہ کے بعد جماعت کے پریذیڈنٹ یا سکرٹری کی موجودگی میں کھول کر نکال لی جائے اور ایک آنہ فنڈ کے نام سے رجسٹر میں جمع کر لی جائے۔ اور اسی فنڈ کے نام سے ہر ماہ کے اختتام پر مرکز میں بھیج دی جائے۔ جہاں یہ سب رقوم ایک ریزروفنڈ میں جمع ہوتی چلی جائیں گی۔ یعنی انجمن کے معمولی خرچ میں نہ آئیں گی۔ اور ان کا آخری مصرف جلسہ سالانہ کے موقع پر جنرل کونسل میں یا کانفرنس میں پیش کر کے طے کر لیا جائے گا۔ تاہم میرا خیال یہ ہے کہ یہ روپیہ خالصاً جماعت سازی پر صرف کیا جائے۔ اور اس کے ذریعہ سے جماعت کے بیکار لوگوں کو کام پر لگانے کی کوئی تجویز کی جائے۔ چونکہ یہ روپیہ خالصتاً جماعت کے غرباء کے کام آئے گا، اس لئے ان کو اس تحریک کے عام کرنے کی طرف زیادہ توجہ بھی کرنی چاہئے۔ اگر غرباء کا حصہ اس جوش کے ساتھ یہ کام کرے کہ گویا وہ اپنی ذاتی ضرورت کے لئے یہ کام کر رہا ہے تو مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کیوں یہ ایک آنہ فنڈ کی تحریک اس نئے رنگ میں پہلے سے زیادہ قبولیت حاصل نہ کرے؟ امراء گر چاہیں تو ایک آنہ کی بجائے ایک روپیہ نہ سہی چار آنے ہی ہر جمعہ ڈال دیں، جوان کے لئے قطعاً کوئی بوجھ نہیں۔ اس طرح یہ فنڈ بہت جلد جماعت کے لئے ایک نہایت مفید کام دے سکتا ہے۔ ہر جماعت میں اگر ایک آدمی بھی ایسا کھڑا ہو جائے، جو اس تحریک کی کامیابی کو اپنی خاص ذمہ داری سمجھ کر اس کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لائے تو انشاءاللہ آئندہ پانچ سال میں ہم پہلے سے بہت بہتر نتائج اس ذریعے سے حاصل کر سکتے ہیں۔

میں نے 3 شعبان کے خطبہ جمعہ میں اس تحریک کا آغاز کیا ہے۔ تا کہ رمضان کے مہینے میں اس کی بنیاد رکھ کر ہم خدا کے فضلوں کو اور زیادہ جذب کر سکیں۔ مجھے امید ہے کہ رمضان کے اندر اندر اس کو اس قدر حرکت دے دی جائے گی کہ یہ تحریک پھر خود بخود کام کرتی چلی جائے۔

خاکسار محمد علی

یکم رمضان المبارک 1356ھ

12 نومبر 1937ء
حضرت امیر کے قلم سے

مسلم لیگ اور کانگرس!

وقت کا ایک اہم قابل غور سوال

اس وقت جب مسلمانوں کو یہ دونوں سیاسی جماعتیں اپنے اندر ملانے اور اپنے لئے موجب قوت بنانے کے کام میں مصروف ہیں کم وبیش ہر مسلمان کے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ اسے ان میں سے کس جماعت میں شامل ہونا چاہئے۔ ہماری جماعت کا نصب العین گو اشاعت اسلام ہے اور سیاسی معاملات میں ہم زیادہ حصہ نہیں لے سکتے، پھر بھی اگر اجتماعی حیثیت سے نہیں تو افراد کی حیثیت سے یہ سوال ہمارے سامنے بھی ضرور آئے گا۔

مسلمانوں کو مسلم لیگ کی کیوں ضرورت ہے؟: اس سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ملکی آزادی ہی دونوں جماعتوں کا نصب العین ہے اور جہاں تک نصب العین کا سوال ہے، دونوں جماعتوں میں کچھ فرق نظر نہیں آتا تو کانگریس کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ کی ضرورت کیا ہے۔ اس سوال کا جواب نہایت صاف ہے۔ مسلم رہنماؤں کی بڑی بھاری اکثریت مدت سے یہ محسوس کر رہی ہے کہ کانگریس اقلیتوں کے حقوق کی طرف سے لاپروائی برت رہی ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ کانگریس کا افسوسناک طرز عمل: جب مسلمان اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کے حقوق آئینی طور پر محفوظ ہوں تو کانگریس اس سوال کو ٹال دیتی ہے اور کہتی ہے پہلے حکومت مل جائے تو پھر باہمی حقوق کا بھی فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ مطمئن کرنے کا طریق صرف وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کے دل صاف نہیں ہوتے۔ وہ جب پہلے طاقت حاصل کر لیں گے تو پھر اکثریت کی طاقت کے مقابلے میں اقلیت بالکل بے دست و پا ہو جائے گی۔ اور اب جبکہ سات صوبوں میں کانگریس حکومت ہو چکی ہے۔ وہاں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا کونسا اعلان ہوا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ جواب محض دفع الوقتی کے طور پر ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ کانگریس کی سیاسی چال: ایک اور طریق سے بھی اس سوال کو نہایت ہشیاری سے ٹالا

جاتا ہے۔ اور وہ یوں کہ پہلے سب کے سب مسلمان ایک بات پر اتفاق کریں کہ ہم یہ حقوق اپنے لئے چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اسی قسم کا دھوکا دینے والا جواب ہے۔ جیسا حکومت یہ کہہ دے کہ پہلے تمام ہندوستانی متفق ہو کر ایک امر کا مطالبہ کریں۔ نہ یہ سب کبھی متفق ہوں گے۔ نہ وہ۔ تمام معاملات آج جمہوری حکومتوں میں اکثریت سے طے ہوتے ہیں۔ خود کانگرس اپنے سارے معاملات اکثریت سے طے کرتی ہے نہ اتفاق رائے سے، مگر تمام قوانین کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کی اکثریت کی کوئی پرواہ نہیں کرتی۔ اس لئے اگر مسلمان اس سے غیر مطمئن ہیں اور یہ محسوس کر رہے ہیں کہ کانگریس اپنے آہنی لے کے نیچے اسی طرح ان کو لانا چاہتی ہے جس طرح اس وقت ہندوستانی انگریزی حکومت کے جوئے کے ماتحت ہیں تو وہ حق بجانب ہیں۔

کانگریس اسلامی تہذیب کو مٹانا چاہتی ہے: بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ جس طرح انگریزی حکومت اپنی تہذیب کو غالب دیکھنے کی خواہش مند ہے، اسی طرح ہندو اکثریت یعنی کانگریس ہندو تہذیب کو غالب کرنے کی فکر میں ہے۔ اور کئی معاملات میں مثلاً اردو ہندی کے معاملہ میں اور ''بندے ماترم'' کو قومی گیت بنانے کے معاملہ میں اس بات کا ثبوت بھی دے چکی ہے کہ وہ ایک ہی تہذیب یعنی ہندو تہذیب کو ہندوستان میں دیکھنا چاہتی ہے اور اسلامی تہذیب کو مٹانے کی فکر میں ہے۔ تو اس کے بعد مسلمانوں کے لئے کوئی چارکار باقی نہیں رہ جاتا سوائے اس کے کہ وہ اپنے آپ کو منظّم کریں اور سب ایک ہو کر اسلام اور اسلامی تہذیب کے باقی رکھنے اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے پوری جدوجہد کریں۔ کانگریس اگر نیک نیت ہو تو وہ فوراً مسلمانوں کی اکثریت کے مطالبہ کے سامنے سر جھکا دے۔ مگر وہ ایسا نہیں کرتی اس لئے کہ اس کا ارادہ کچھ اور ہے۔

مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہیئے: ان حالات کو جان لینے کے بعد یہ سوال نہایت آسان ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو کانگریس میں ملنا چاہیئے یا مسلم لیگ میں۔ اگر مسلمانوں کو یہ ضرورت ہے کہ اسلامی تہذیب ہندوستان میں باقی رہے۔ اور اگر ان کو یہ ضرورت ہے کہ ان کے حقوق محفوظ ہیں تو سوائے اپنے آپ کو منظّم کرنے کے وہ یہ کام نہیں کر سکتے۔ اگر آج وہ اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کانگریس کے ساتھ ملتے گئے تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے ان کے ساتھ ہندوستان میں وہی سلوک ہوگا جو اس

سے پیشتر بہت سے عیسائی ممالک میں ہو چکا ہے۔ جہاں ان کی اقلیت کی وجہ سے ان کی تہذیب نہیں مٹ چکی بلکہ اسلام کا نام بھی مٹ چکا ہے۔تو آج ہر مسلمان کے سامنے سب سے پہلا سوال اسلام کی بقاء کا اور اسلام کی تہذیب کی بقاء کا ہے۔ اور کوئی مسلمان بھی، جو ٹھنڈے دل سے ان حالات پر غور کرے گا۔ اسے کوئی چارہ کار نظر نہ آئے گا۔سوائے اس کے کہ وہ مسلم لیگ کے ساتھ ملے۔

کانگریس نوازوں کے چند بے معنی عذرات: ہاں جو لوگ عاقبت اندیشی سے کام نہ لیں اور آئندہ پر نظر رکھنے کی بجائے یہ سوچنے لگ جائیں، کہ ہمیں آج کس طرح کوئی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے خواہ کل کو ہمارا نام ونشان بھی باقی نہ رہے، ان کا اختیار ہے کہ وہ اس شاخ کو کاٹنے میں مصروف رہیں جس پر بیٹھے ہیں۔بعض لوگ یہ بھی ایک وجہ کانگریس کے ساتھ ملنے کی بنا لیتے ہیں کہ کانگریس میں قوت عمل ہے۔ کانگریس کی پشت پر بڑی بھاری مالی طاقت ہے۔ وہ ایک منظّم جماعت ہے۔اور مسلم لیگ میں اکثر حصہ ایسے لوگوں کا ہے جن کے دلوں میں کوئی جوش نہیں۔اس سے بڑھ کر ذلیل ذہنیت اور کیا ہوگی اگر ہماری جماعت کمزور ہے اور اس میں قوت عمل کم ہے تو ہم دوسروں کے ساتھ جا ملیں جن میں قوت عمل زیادہ ہے۔ ہندوستانیوں سے زیادہ انگریزوں میں قوت عمل ہے تو کیوں پنڈت نہرو انگریزوں کے ساتھ نہیں جا ملتے۔ اگر ہماری جماعت کمزور ہے تو ہمیں چاہئے کہ اور زیادہ سرعت کے ساتھ اور زیادہ زور کے ساتھ اس کو قوت دینے اور اس کے استحکام میں لگ جائیں، نہ کہ اس کے مٹانے کے لئے دوسروں کے ساتھ مل جائیں!

ہندو مسلم اتحاد کی صحیح بنیاد: ہندو مسلم اتحاد صحیح بنیاد پر تب قائم ہوگا جب مسلمان سب یک زبان ہوکر اور متحد ہوکر ہندوؤں کے ساتھ ملیں اور ہندوؤں کے دلوں میں بھی یہ احساس ہو کہ یہ ایک جماعت ہے جس سے دوستی پیدا کرنے میں کوئی فائدہ ہے۔

جماعت قادیان اور کانگریس: اس کے ساتھ ہی میں چند الفاظ جماعت قادیان سے بھی کہنا چاہتا ہوں۔ جس کا قدم اس وقت سیاسیات کے بارے میں ڈگمگا رہا ہے اور وہ آج تک باوجود دعوٰی سیاست دانی کے صحیح راہ پر گامزن نہیں ہوسکی۔بیس سال تک جماعت قادیان نے کانگریس کی اس قدر مخالفت کی کہ اس کو گرانے اور مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور خود اپنے اعتراف کے مطابق لاکھوں روپے اس پر

صرف کئے۔ لیکن اب جب احرار سے مقابلہ ہوا اور حکومت سے جو توقعات تھیں وہ پوری نہ ہوئیں تو کانگریس کی طرف جھکنا شروع کر دیا۔ قادیانی پبلسٹی افسر کا موجود اعلان، جو شائد جناب میاں صاحب کے نئے سفر یا دورے کے تجربات کا نچوڑ، یہ ہے کہ مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کے ساتھ خط وکتابت کی جائے کہ دونوں میں سے ہمارے لئے کونسی جماعت بہتر شرائط پیش کرتی ہے۔

یہ بنیوں کے سودوں میں سے بھی گیا گزرا سودا ہے سوال قومی یا ملکی مفاد کا ہے اور قادیان میں غور یہ ہو رہا ہے کہ قادیانی جماعت کو چودھر (چوھراہٹ) کہاں ملتی ہے وہیں یہ جماعت مل جائے گی۔ یہ سخت قابل افسوس ذہنیت کا اظہار ہے۔ مگر یہی نہیں جماعت قادیان کا کانگریس کی طرف رجحان اسی وقت سے چل رہا ہے جب سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ حکومت احرار کے مقابلہ میں قادیانی جماعت کی مدد نہیں کرتی۔ ایک سال پیشتر کانگریس کے صدر (پنڈت جواہر لال نہرو) کے لاہور اسٹیشن پر استقبال کے لئے اور سلامی دینے کے لئے قادیانی والنٹیر چار پانچ سو کی تعداد میں مختلف مقامات سے جمع کر کے اپنی سیاسی قوت کی نمائش کی گئی۔ اب بھی ایک جلسہ کا انتظام لاہور میں کر کے قادیانی والنٹیر وں کا ایک جلوس نکالا گیا۔ لیکچر ایسا دیا گیا کہ ہندو اخبارات نے یہ نتیجہ نکالا کہ قادیانی جماعت کانگریس کے ساتھ مل گئی ہے۔ قادیان میں مناظرہ ہوا کہ کانگریس یا لیگ میں سے کس کے ساتھ ملنا چاہئے تو فیصلہ کانگریس کے ساتھ ملنے کے حق میں ہوا۔ اور اب بجنور میں کانگریس کی ''شاندار کامیابی'' کے شادیانے بجائے جا رہے ہیں اور یہ لکھا جا رہا ہے کہ مسلم لیگ تو ایک مردہ چیز ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ ملنے سے کیا حاصل ہے!

ذاتی فائدہ کے لئے اسلامی مفاد کے ساتھ دشمنی: یہ تمام آثار بتاتے ہیں کہ قادیانی جماعت کا قدم شیعہ جماعت کے ناعاقبت اندیش گروہ کے پیچھے اٹھ رہا ہے۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ اسلام سے یہ غداری ہے کہ صرف اپنے فائدے کو مدنظر رکھ کر اسلامی حقوق کو پامال کر دیا جائے اور اس ملک میں اسلام کا مستقبل تاریک بنانے میں ان لوگوں کا ساتھ دیا جائے جو اسلامی تہذیب کے مٹانے کے درپے ہیں اور جو اسلامی اکثریت کے مطالبات کو یوں ٹھکرا رہے ہیں کہ گویا آٹھ کروڑ مسلمان اس ملک میں محض ان کے رحم پر ہیں۔ جماعت قادیان کا یہ رویہ فی الحقیقت یہ بتا رہا ہے کہ وہ اس بارے میں اپنے

حریف یعنی احرار سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کانگریس کے سات صوبوں میں حکومت کے منظر نے ان کی آنکھوں کو چندھیا دیا ہے اور وہ اب یہی سمجھتے ہیں کہ جتنی جلدی ہم کانگریس کے ساتھ مل جائیں گے، اس قدر فائدہ میں رہیں گے۔ گویا انہیں اسلام کے نفع نقصان سے کچھ کام نہیں۔ افسوس یہ ہے کہ احرار تو صرف کانگریس کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے اور مسلمان اکثریت کی پروانہ کرتے تھے۔ مگر جماعت قادیان یہاں تک ان کے اثر کے نیچے آئی ہے کہ اب ان سے بھی پہلے کانگریس کے ساتھ ملنے کے لئے تڑپ رہی ہے۔ گویا سیاست کے میدان میں جماعت قادیان احرار سے کھلی شکست کھا گئی۔ خاکسار محمد علی

جملہ جماعتوں اور احباب کے لئے ایک ضروری اطلاع: (12 نومبر 1937ء) جنرل کونسل کے اجلاس 31 اکتوبر میں، جب باہر کے بھی کئی ایک جماعتوں کے نمائندے آئے ہوئے تھے، منجملہ دیگر امور کے انجمن کی مالی حالت کا سوال بھی جنرل کونسل کے سامنے آیا۔ اخراجات کی تخفیف جس حد تک ممکن تھی مجلس منتظمہ کر چکی تھی۔ لیکن بایں دس ہزار روپے کے قریب آمد خرچ کی نسبت کم تھی۔ اس کا علاج، جو اس وقت تجویز ہوا اور جس کو عمل در آمد میں لانے کا اقرار مختلف جماعتوں کے نمائندگان نے کیا، یہ تھا کہ ہر ایک جماعت اپنے ماہوار چندے کو ڈیوڑھا کرنے کی کوشش کرے۔

مگر اس شرط کے ساتھ کہ کسی ممبر کو اپنی آمدنی پر آنہ فی روپیہ سے زیادہ چندہ دینے کے لئے مجبور نہ کیا جائے گا۔ اور اس فیصلہ کا اثر صرف ان افراد پر ہوگا جو پہلے آنہ فی روپیہ کے حساب سے چندہ نہیں دیتے۔ اپنی خوشی سے کوئی دسواں حصہ دے یا اس سے بھی بڑھ کر تو وہ عنداللہ اجر کا مستحق ہے۔ لیکن کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جماعت کے ایسے احباب کو ایک آنہ فی روپیہ چندہ کے حساب پر لایا جائے جو اس وقت اس شرح سے کم دے رہے ہیں۔ اور اس کام کو بھی بتدریج تکمیل تک پہنچایا جائے۔ یعنی ماہوار چندوں کو اس وقت پچاس فیصد کے حساب سے بڑھایا جائے۔ جو شخص دو روپے دیتا ہے وہ تین روپے جو چھ دیتا ہے وہ نو دے، جو بیس دیتا ہے وہ تیس روپے دے۔ علی ہذا القیاس وہ بھی اس شرط پر کہ اس کی آمدنی پر ایک آنہ فی روپیہ سے زیادہ کا مطالبہ نہ ہو۔ سب جماعتیں ماہ رمضان المبارک کے اندر اندر ہی اس کی تکمیل کی کوشش کریں اور آئندہ ماہ، یعنی یکم دسمبر میں جو چندے وصول ہوں، وہ نئی شرح سے ہوں۔ محمد علی

جماعتی پریس کی تجویز احباب کی خاص توجہ کے قابل: عرصہ سے انجمن کے زیر غور یہ تجویز ہے کہ اپنی جماعت کا انگریزی پریس جاری کیا جائے۔ کئی احباب پہلے ہی اس میں شمولیت کے لئے لکھ چکے ہیں۔ انجمن کا اپنا طباعت کا کام بھی ہے۔ نیز اور کام بھی مل سکتا ہے اور اکثر احباب کی رائے یہی ہے کہ فی زمانہ یہ کام ہمارے لئے ضروری ہے بلکہ تجارتی نقطہ نگاہ سے نفع بخش ثابت ہوگا۔ اس پر انجمن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر اپنی جماعت کے احباب میں سے بیس ہزار روپیہ کے حصص کے خریدار پیدا ہو جائیں تو ایک لمیٹڈ کمپنی کے ماتحت انگریزی پریس کی سکیم کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ قبل اس کے مفصل قواعد وضوابط شائع کئے جائیں اس امر کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ کیا اپنی جماعت میں سے یہ حصص پورے ہو جائیں گے؟ لہٰذا جو احباب اس اسکیم میں بطور حصہ دار شرکت کرنا پسند کرتے ہوں وہ مطلع کریں کہ کس قدر حصص خرید کریں گے۔ قیمت فی حصہ دس روپے ہوگی۔ تمام بیرونی جماعت کے صدر اور سکرٹری صاحبان احباب کو اس مفید تجویز کی طرف توجہ دلائیں اور حصے خریدنے کی ترغیب دیں۔

حضرت مولانا صدرالدین کی آمد: (17 نومبر 1937ء) الحمد للہ حضرت مولانا صدرالدین صاحب جو جرمن ترجمۃ القرآن کی طباعت وغیرہ کے انتظام کے لئے برلن تشریف لے گئے تھے، 13 نومبر کو کامیاب وبخیریت مراجعت فرما لاہور ہوئے۔ مولانا ممدوح اپنے مقررہ پروگرام کے مطابق برلن سے روانہ ہو کر 30 اکتوبر کو اٹلی کی مشہور بندرگاہ وینس سے جہاز پر سوار ہوئے جس نے اُن کو 10 نومبر کو بمبئی پہنچا دیا۔

بمبئی میں مولانا موصوف کو ایک خاص دعوت کی وجہ سے قیام کرنا پڑا۔ مقامی جرمن قونصل کاونٹ ڈین ہوف کی اہلیہ محترمہ، جو جرمنی کے ایک عالی خاندان کی فرد ہیں، گذشتہ دنوں اپنے وطن گئیں تو انہیں ہماری برلن مسجد دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت مولانا اور ڈاکٹر عبداللہ صاحب امام مسجد سے بھی ان کی ملاقات ہوئی۔ موصوفہ کا اصرار تھا کہ واپسی پر مولانا موصوف ایک دو روز بمبئی میں ضرور قیام فرمائیں۔ ڈاکٹر عبداللہ صاحب کو بھی انہوں نے گذشتہ دنوں بمبئی میں دعوت دی تھی۔ چنانچہ اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے مولانا نے 10 اور 11 نومبر کا دن بمبئی میں بسر کیا۔ کاؤنٹ ڈین ہوف اور ان کی اہلیہ محترمہ مولانا کی تشریف آوری اور ملاقات سے بہت مسرور ومتاثر ہوئے۔

11 نومبر کی شام کو مولانا موصوف فرنٹیئر میل میں پنجاب کے لئے سوار ہوئے۔ 12 نومبر کی شام کو دہلی پہنچے۔ جہاں احباب جماعت سے اسٹیشن پر ملاقات کی۔ 13 نومبر کی صبح کو آپ لاہور پہنچ گئے

راستے میں امرتسر کے اسٹیشن پر شیخ میاں عطا محمد صاحب آف مقبول فلور اینڈ آئیل ملز اور دیگر مقامی احباب استقبال کے لئے موجود تھے۔ مولانا ممدوح نے اپنے خط اور تار میں لکھا تھا کہ وہ جی۔آئی۔پی کی ٹرین سے تشریف لائیں گے۔ غالباً وہ سمجھتے تھے کہ فرنٹیر میل جی۔آئی۔پی کے راستے آتی ہے۔ دونوں ٹرینوں کے لاہور پہنچنے کا وقت قریباً ایک ہی ہے یعنی آٹھ بجے۔ اس لئے کچھ غلط فہمی ہو گئی۔ بہرحال وقت مقررہ سے قبل ہی جی۔آئی۔پی کی ٹرین والے پلیٹ فارم پر معقول اجتماع ہو گیا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ و دیگر بزرگان و احباب جماعت کے علاوہ مولانا ممدوح کے غیر از جماعت دوست اور شاگرد بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ لائل پور سے شیخ میاں مولا بخش صاحب اور شیخ میاں محمد صاحب، وزیر آباد سے جناب شیخ نیاز احمد صاحب خاص طور پر مولانا کے استقبال کے لئے لاہور تشریف لائے۔ یہ سارا پر اشتیاق مجمع اس پلیٹ فارم پر منتظر تھا کہ دوسرے پلیٹ فارم پر مولانا کی ٹرین یعنی فرنٹیر میل آ پہنچی۔ اطلاع ملنے پر تمام حضرات نے ادھر کا رخ کیا۔ مولانا کا متبسم چہرہ نظر آتے ہی سب کے دل مسرور ہو گئے۔ گل پاشی، مصافحوں اور معانقوں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا جو دیر تک جاری رہا۔ مولانا کو بکثرت ہار پہنائے گئے کہ بار بار اُتارنے کی ضرورت پیش آتی رہی۔

مسلم ٹاؤن کے انگلش سکول کے کمسن طلبہ اور طالبات بھی اپنے مخصوص سبز لباس میں مولانا کے استقبال کے لئے آئے تھے۔ سب سے زیادہ موثر منظر ان کے معصوم استقبال کا تھا۔ ان میں سے بعض بہت ہی کمسن تھے۔ جب یہ اپنی توتلی زبان میں اللہ اکبر کے نعرے لگاتے تو ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ ان بچوں نے بھی مولانا کو ہار پہنچائے۔ مولانا نے ان میں سے ہر ایک سے مصافحہ کیا اور خیریت پوچھی۔ اس نظارہ کو دیکھنے کے لئے پلیٹ فارم پر مسافروں اور عملہ اسٹیشن کا ایک کثیر اجتماع ہو گیا۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلم ٹاؤن کا انگلش سکول ترقی کر رہا ہے اور اپنے نیک مقصد میں کامیاب ہو رہا ہے۔ ان بچوں کی باقاعدگی، تہذیب اور ضبط کو دیکھ کر اس سکول کی اعلیٰ تربیت کی خوبی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اس پر ہم اپنے محترم بزرگ جناب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی خدمت میں دلی مبارکباد عرض کرتے ہیں۔

ریلوے اسٹیشن سے مولانا سیدھے احمدیہ بلڈنگس میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے مکان پر تشریف لائے۔ بہت سے احباب بھی ساتھ تھے۔ یہاں قریباً دو گھنٹے برلن مشن و جرمن ترجمۃ القرآن

اور جرمنی کے عام حالات پر گفتگو ہوتی رہی۔ یہ باتیں بہت پر از معلومات اور دلچسپ تھیں۔ نمائندہ پیغام صلح نے مولانا ممدوح سے ایک مختصر سا انٹرویو بھی لیا جو انشاء اللہ آئندہ کسی اشاعت میں درج کیا جائے گا۔ ساڑھے دس بجے کے قریب آپ جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی ملاقات کے لئے مسلم ٹاؤن چلے گئے۔ کیونکہ وہ گذشتہ علالت کی کمزوری کی وجہ سے اسٹیشن پر تشریف نہ لا سکے تھے۔ وہاں سے واپس آ کر تھوڑی دیر پھر احمدیہ بلڈنگس میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد جناب شیخ نیاز احمد صاحب کی معیت میں بذریعہ کار وزیر آباد روانہ ہو گئے۔

برلن میں مولانا کی دینی خدمات: قیام برلن کے دوران مولانا نے جو قابل قدر دینی خدمات انجام دیں اس کی مختصر کیفیت مولوی نظیر الاسلام صاحب نے برلن سے لکھ کر بھیجی ہے۔ جو اسی اشاعت کے صفحہ 2 پر شائع کی جا رہی ہے۔ مولانا محض جرمن ترجمۃ القرآن پر نظر ثانی اور اس کی طباعت کے انتظام کے لئے برلن تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے انتہائی انہماک اور محنت سے اس کام کو نہایت قلیل عرصہ میں ختم کیا۔ حتّٰی کہ شدید علالت کے دوران میں بھی ناغہ نہ ہونے دیا۔ اس کے علاوہ برلن میں آپ کی موجودگی بہت سے نیک اثرات کا موجب بن گئی۔ کئی ایک ذی علم حضرات اسلام کے قریب آ گئے۔ جن میں سے بعض نے اسلام قبول بھی کر لیا۔ اس کی تفصیلات قبل ازیں درج اخبار ہو چکی ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو صحت و توانائی کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور زیادہ عظیم الشان خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جرمن ترجمۃ القرآن کی اشاعت: (22 نومبر 1937ء) میں نے خطبہ میں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جماعت کے بعض احباب جیسے لائل پور کے محترم دوست شیخ میاں محمد اسمٰعیل، شیخ میاں مولا بخش، میاں محمد صاحبان و دیگر احباب اور وزیر آباد میں شیخ نیاز احمد صاحب اور لاہور میں سید محمد حسین شاہ صاحب...... اور دیگر اہل ثروت احباب کے دلوں میں یہ تڑپ ہونی چاہئیے کہ ان کی طرف سے وسط یورپ میں جرمنی زبان بولنے والوں کو یہ نور پہنچایا جائے جس سے شائد کئی دلوں میں اسلام کی روشنی پہنچ جائے۔ رمضان میں ویسے بھی صدقہ اور خیرات زیادہ کرنا چاہئیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے کَانَ اَجْوَدُ مَایَکُوْنُ فِیْ رَمَضَانَ اور رمضان میں ہی قرآن کا نزول بھی ہوا۔ شَهْرُ رَمَضَانَ. الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ ان دونوں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے رمضان کے اسی جمعہ میں، جو 21 رمضان کے دن ہوگا، تمام جماعتوں میں یہ تحریک ہونی چاہئیے کہ جو دوست استطاعت

رکھتے ہیں، وہ ایک سے زیادہ نسخے اس ترجمہ کے غیر مسلموں میں پہنچانے کے لئے دس روپے فی نسخہ کے حساب سے رقم انجمن میں فوراً بھجوا دیں۔ امام صلوٰۃ ہر جگہ یہ تحریک کریں اور جو احباب اکیلے اکیلے ہیں وہ اپنے طور پر اسی دن فیصلہ کر کے انجمن کو اطلاع دیں۔ اور اپنے حصہ کا روپیہ بھیج دیں۔ لاہور میں یہ تحریک 7 رمضان کو ہو کر ایک سو سے اوپر نسخوں کا انتظام ہو گیا ہے۔

محمد علی

15 رمضان المبارک

26 نومبر 1937ء

حضرت امیر کے قلم سے

رمضان کا آخری عشرہ

احباب جماعت سے چند ضروری باتیں

رمضان کا سارا مہینہ ہی نزول برکات کا ہے۔ مگر اس میں بھی آخری عشرہ خصوصیت سے مبارک ایام ہیں۔ میری یہ خواہش ہے کہ اس آخری عشرہ سے ہم دو طرح پر فائدہ اٹھائیں۔ میرے مخاطب اس مضمون میں صرف مرد نہیں بلکہ خواتین بھی ہیں اور وہ نوجوان بھی جو سن شعور کو پہنچ چکے ہیں۔

اول۔ اپنے مجاہدہ عبادت اور جہاد کو ان ایام میں رمضان کے پہلے ایام سے بھی زیادہ کریں۔

دوم۔ ساری جماعت کے مجاہدہ دعا اور جہاد کا مرکز ان ایام میں ایک ہی ہو۔ یعنی ایک ہی غرض کو سامنے رکھ کر ساری کی ساری جماعت دعا اور جہاد میں لگ جائے۔

امر اول کے متعلق تو مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ آخری عشرہ کو سارے رمضان میں زیادہ بابرکت اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ پہلے بیس ایام کے روزوں اور دعاؤں سے ایک خاص روحانی طاقت پیدا ہو چکی ہوتی ہے اور انسان میں برداشت کی طاقت اور کام کرنے کی قوت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ پس ان ایام میں جس شخص کے حالات اجازت دیں وہ اعتکاف میں بیٹھے۔ یعنی دس دن کے لئے دنیا سے قطع تعلق کر لے اور بالکل خدا کے لئے ہو جائے اور جو نہ کر سکیں اور کثیر حصہ ایسا ہی ہوتا ہے تو وہ کم سے کم ان دنوں اور راتوں کا زیادہ حصہ عبادت اور جہاد فی سبیل اللہ میں گزاریں اور دنیا کے کاموں کو کم کر دیں۔ اس لئے وہ احمدی احباب جو اب تک تہجد کے لئے نہیں اٹھتے رہے، دس دن کے لئے اپنی طبیعتوں پر جبر کر کے بھی۔ انشراح صدر نہ ہو تو تکلف سے بھی تہجد کی نماز ادا کریں۔ تہجد کی پوری نماز آٹھ رکعت نفل دو دو کر کے اور تین وتر ہیں۔ لیکن جو اس قدر پر قادر نہ ہوں وہ دو یا چار رکعت ہی ادا کر لیں۔ اور جو اب تک تہجد کے لئے اٹھتے رہے ہیں، وہ اگر ہو سکے تو کچھ وقت بڑھا دیں۔ چار بجے اٹھنے کے عادی ہیں تو تین بجے اٹھیں، تین بجے اٹھتے ہیں تو دو بجے اٹھیں۔ ایسا ہی وہ احباب جنہوں نے دن کے وقت اب تک کسی امر کو سامنے رکھ کر عملاً جہاد نہیں کیا۔ وہ اس مقصد کو سامنے رکھ کر، جس کا میں آگے ذکر

کرتا ہوں، روزانہ کچھ نہ کچھ وقت جہاد میں لگائیں۔ اور جنہوں نے اب تک تھوڑا وقت جہاد کے لئے دیا ہے وہ اس وقت کو بڑھا دیں۔ ہاں یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ دعا بغیر جہاد کے اپنا پورا اثر نہیں دکھا سکتی اور جہاد بغیر دعا کے اعلیٰ درجہ کے نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے ان دونوں چیزوں کو جمع کرو۔ راتوں کو دعاؤں میں صرف کرو اور دن کو جہاد میں۔

امر دوم۔ اب میں اس غرض کو بیان کرتا ہوں جو میں چاہتا ہوں کہ اس عشرہ میں سب کے سامنے ہو۔ یعنی تمام کے تمام دوست ایک ہی غرض کو سامنے رکھ کر دعا اور جہاد میں لگ جائیں۔

1۔ جماعت میں خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت ترقی کرے اور ایثار کی روح قوت پکڑے۔

2۔ جماعت کا استحکام اور جماعت کی توسیع ہو۔

دعاؤں میں کن مقاصد کو سامنے رکھا جائے؟: میرا یہ مطلب نہیں کہ دوسری کوئی دعا کی ہی نہ جائے یا دوسرے کسی کام کے لئے کوشش ہی نہ کی جائے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ ساری جماعت کے سامنے یہ ایک مقصد ضرور رہے تا کہ ہماری اجتماعی دعاؤں اور متحدہ کوششوں سے جماعتی کمزوری دور ہو۔ کیونکہ جماعتی کمزوری کی وجہ سے خدا کے دین کے لئے ہماری کوششوں میں بھی کمزوری واقع ہو رہی ہے۔ پس ایک طرف رات کی دعاؤں میں اس مقصد کو خصوصیت سے سامنے رکھا جائے اور بارگاہ الٰہی میں رو رو کر دعائیں کی جائیں۔

اے خدا! تو جانتا ہے کہ ہمارا مقصد تیرے دین اسلام کو دنیا میں پھیلانے اور تیرے کلام قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم تیرے یا تیرے رسولؐ کے کسی حکم سے انحراف نہیں کرتے۔ پس تو ہی اس مخالفت اور حسد کی آگ پر پانی ڈال جو اس وقت اس چھوٹی سی جماعت کے خلاف مشتعل ہے اور تو ہی لوگوں کے دلوں میں نفرت کی بجائے ہمارے لئے محبت پیدا کر۔ تا کہ تیرے دین کو قوت پہنچے۔

اے خدا! تو ہمیں توفیق دے کہ تیرے دین کی خدمت میں اور تیرے دین کی تبلیغ کے لئے قربانی میں ہمارا قدم آگے بڑھے اور پیچھے نہ ہٹے۔ تا کہ ہم نے جو کچھ تیری رضا سے حاصل کیا ہے اسے کھو نہ بیٹھیں۔

اے خدا! تو ہمارے دلوں سے بخل کی بیماری کو دور کر اور اپنے رستے میں خرچ کرنے کے لئے ہمارے دلوں کو کھول دے۔ تاکہ جب تیری راہ میں مانگا جائے تو ہمارے دلوں میں قبض پیدا نہ ہو بلکہ تیری راہ میں دے کر خوش ہوں۔

اے خدا! تو ہمارے دلوں میں دنیا اور دنیا کے مال کی محبت کو ٹھنڈا کر اور اپنی اور اپنے رسولؐ کی محبت کی آگ کو اس قدر تیز کر کہ اس سے سارے خس و خاشاک جل جائیں۔

اے خدا! ہم اپنی کمزوری اور نالائقی کی وجہ سے بے شک اس قابل نہیں کہ تیری نصرت کو کھینچ سکیں۔ مگر دین تیری نصرت کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔ پس باوجود ہماری نالائقی کے تو ہماری نصرت اسی طرح فرما جس طرح تو نے اپنے پاک اور برگزیدہ بندوں کی نصرت فرمائی۔

اے زمین اور آسمان کے طاقتور مالک! تیرا دین اور تیرا قرآن بے کسی کی حالت میں ہیں۔ تو زمین اور آسمان سے وہ اسباب پیدا کر کہ ہم ان کی وہ خدمت کر سکیں جس کی تڑپ ہمارے دلوں میں ہے۔

اے خدا! تو ان بغضوں اور کینوں کو، جو ہمارے دلوں میں ہمارے بھائیوں کے متعلق ہیں، نکال دے اور ہم میں ایسی الفت اور محبت پیدا کر دے کہ ہم ایک دوسرے کے حقیقی خیر خواہ اور جاں نثار ہوں۔

اے خدا! تو ہمیں توفیق دے کہ ہماری نظر ایک دوسرے کے عیبوں پر پڑنے کی بجائے ایک دوسرے کی خوبیوں پر پڑے۔

اے خدا! تو ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے میں سے بڑوں کی عزت کریں اور چھوٹوں پر رحم کریں۔

اے خدا! تو ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے غریب بیکس مظلوم اور بیمار بھائیوں کی خدمت کو اپنا فرض سمجھیں۔

اسی عشرہ میں دن کے وقت کام: دوسری طرف اسی مقصد کے لئے اپنا دن یا دن کا اکثر حصہ وقف کر دیں۔ جماعت کے اندر جہاں بہت سی خوبیاں موجود ہیں کئی ایک کمزوریاں بھی ہیں۔ ان میں سے بعض مسلسل جدوجہد سے ہی دور ہو سکتی ہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں کہ اگر ساری جماعت رمضان کا آخری عشرہ اس جہاد پر لگا دے تو فوراً ہی دور ہو سکتی ہیں۔

ذاتی جھگڑے ختم کر کے دل صاف کر لو: حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریمؐ اس آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کا پتہ بتانے کے لئے باہر تشریف لائے تو دو آدمی جھگڑتے ہوئے پائے تو فرمایا فَرَفَعَتْ۔ وجہ ظاہر ہے جھگڑوں سے روحانیت کو نقصان پہنچتا ہے اور چونکہ ان کمزوریوں کے دور کرنے کے لئے سب سے بڑی ضرورت روحانی طاقت کا اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے جھگڑوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ نہ صرف یہ کہ ان ایام میں ہم کسی سے کسی قسم کا جھگڑا نہ کریں بلکہ جو پرانے بغض اور کینے دلوں میں اپنے ہی بھائیوں کے لئے ہیں انہیں بھی دور کر دیں۔ تا کہ دل صاف ہو کر روحانی اثرات کو قبول کریں اور جماعت کے تمام افراد میں وہ محبت اور یگانگت کام کرتی ہوئی نظر آئے جس پر جماعت کی ترقی کا انحصار ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہر وہ بھائی جسے دوسرے سے رنج ہو خود اس کے پاس جا پہنچے۔ مگر تنزل کے طور پر دو تین احباب اس کام کو اپنے ذمہ لیں کہ باہمی رنجشوں کو دور کرائیں۔

دوسری بات جس کے لئے ان ایام میں خصوصیت سے جدوجہد کی جائے وہ ایثار ہے۔ قربانیوں سے ہی قومیں بنتی ہیں اور قربانیوں سے ہی زندہ رہتی اور ترقی کرتی ہیں۔ جس قوم کے اندر قربانی کی روح کمزور ہو جائے وہ کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ ابتداء میں مسلمان قوم نے جسمانی اور روحانی رنگ میں دنیا کو فتح کیا تو صرف اپنی قربانیوں سے۔ ہماری جماعت نے ابھی قربانیوں کا وہ نمونہ نہیں دکھایا۔ بلکہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جس قدر قربانی بعض لوگ اپنے پیروں کو خوش کرنے کے لئے کر سکتے ہیں، ہماری جماعت کے بڑے حصہ نے ابھی خدا کی محبت میں قربانی کا وہ نمونہ بھی نہیں دکھایا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (165:2) آج ایسے بھی پیر موجود ہیں جن کے مرید اپنی آمدنیوں کا دسواں حصہ پیر کو دیتے ہیں اور اس پابندی سے دیتے ہیں کہ اس دسویں حصہ کو ہاتھ لگانا گناہ سمجھتے ہیں۔

ایک آنہ فی روپیہ چندہ کے فیصلہ پر عمل کی ضرورت: ہماری جماعت نے آمدنی سے ایک آنہ فی روپیہ کا اصول مقرر کیا تھا۔ مگر غالبًا ابھی چوتھائی جماعت ابھی اس پر عامل نہیں۔ بلکہ اغلب ہے کہ دسواں حصہ بھی عامل نہیں۔ اور یہی وجہ ہماری مالی مشکلات کی ہے۔ اس کمزوری کا علاج اگر ہم چاہیں تو دس دن میں بھی ہو سکتا ہے۔ اس عشرہ میں دو جمعے آتے ہیں۔ دونوں جمعوں میں اس جماعتی کمزوری کو دور کرنے

کے لئے پرزور تحریک کی جائے۔

احباب کو توجہ دلانے کی ایک ترکیب: ہر جماعت میں دو تین آدمیوں کا ایک وفد بن جائے جو خود اس اصول پر عامل ہو اور وہ ایک ایک دوست کے گھر پہنچیں اور اس سے درخواست کریں کہ جماعتی فیصلہ کی خلاف ورزی میں نہ کسی فرد جماعت کی عزت باقی رہتی ہے نہ جماعت کی۔ ان کے سامنے قادیان کی جماعت ہے۔ جو ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے ماہوار چندہ ادا کرتی ہے اور اس کے علاوہ تحریک جدید اور دوسری تحریکات میں بھی حصہ لیتی ہے۔ ان میں ایک اکیلا آدمی سات سو روپیہ ماہوار چندہ بھی دینے والا ہے اور سو سوڈیڑھ ڈیڑھ سو ماہوار دینے والے بہت ہیں۔ مانا کہ ہماری جماعت غرباء کی ہے۔ مگر اس کے اندر بھی ایسے دوست ہیں جو اگر فیصلہ پر عمل کریں تو کئی کئی سو روپیہ ماہوار چندہ بھی دے سکتے ہیں۔ مگر مجھے زیادہ افسوس یہ ہے کہ جو لوگ سو سو، دو دو سو، تین تین سو، پانچ پانچ سو روپے ماہوار کماتے ہیں، وہ بھی اس اصول پر عمل پیرا نہیں۔ حالانکہ قادیان کا روپیہ تبلیغ اسلام کی بجائے سیاسیات پر زیادہ خرچ ہوتا ہے اور یہاں سوائے اشاعت و تبلیغ کے دوسرا کام نہیں۔ پس اس کمزوری کو دور کرنے کے لئے ان دس دنوں کے اندر خاص طور پر جدوجہد کی جائے تا کہ عید کا پیغام ہمارے لئے یہ ہو کہ ہم نے اپنی جماعت کی مالی کمزوری کا علاج کر لیا ہے۔ صرف یہی ایک صورت ہے یعنی ساری جماعت کے چندے کو ایک آنہ روپیہ کی شرح پر لانا۔ جس میں انجمن جماعت کے مساکین کی امداد کا حق ادا کر سکتی ہے۔ نیز یہی وفد جماعت کے متمول احباب سے زکوۃ وصول کرے۔

تیسری بات جس کی طرف ان ایام میں خصوصت سے توجہ کی ضرورت ہے یہ ہے کہ جو احباب جماعت میں شامل تھے، مگر سست ہوتے ہوتے قریباً علیحدہ ہو گئے ہیں، ان کو دوبارہ اٹھانے کی کوشش کی جائے جس نے مسیح موعود کی صداقت کو ایک دفعہ پالیا ہے وہ سچائی اس کے دل سے کبھی نکل نہیں سکتی۔ تھوڑی سی کوشش بھی کی جائے تو ایسے دوست انشاء اللہ پھر جماعت کے ساتھ ہو جائیں گے۔ خاکسار محمد علی

❁❁❁

26 نومبر 1937ء

حضرت مولانا نورالدینؒ کا ایک تاریخی خط

ذیل میں حضرت مولانا نورالدینؒ کے ایک طویل خط کے ضروری حصہ (کا اقتباس۔ مرتب) کا عکس پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں انہوں نے میاں محمود احمد صاحب موجودہ خلیفہ قادیان کے متعلق اپنی وفات سے دس ماہ پیشتر اپنی رائے کا اظہار فرمایا تھا۔ یہ گویا آپ کی آخری رائے میاں صاحب کے متعلق تھی۔ امید ہے قادیانی دوست اس قیمتی وصائب رائے پر غور فرمائیں گے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ قادیانی حضرات 1909ء کے بعض واقعات بالخصوص حضرت مولانا کا جماعت لاہور کے بعض اکابر سے دوبارہ بیعت لینے کا ذکر غلط رنگ میں کر کے عوام کو مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اس خط سے صاف عیاں ہے کہ ان واقعات کی نوعیت حضرت مولانا پر بالآخر واضح ہوگئی تھی اور وہ جماعت لاہور کے اکابر سے بالکل مطمئن اور خوش تھے۔ برخلاف اس کے انہیں جناب میاں محمود احمد صاحب اور ان کے رفقاء سے سخت شکایت اور بیزاری تھی۔ جس کا اندازہ ان کی اس رائے سے ہوسکتا ہے۔ مدیر

رسول کریم کو صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کیسے کیسے آدمی ملے۔ مرزا کو علیہ السلام کس قدر آدمی ملے۔ یہ سب فضل۔ فضل۔ فضل ہے۔ مجھے ابتداءً آپ لوگوں نے دبایا۔ مدت تک اس مصیبت میں رہا۔ جب کبھی نکلنا چاہا رنگ برنگ مالی بدظنی ہوتی رہی۔ آخر بحمد للہ نجات ملی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پھر باہم تنازع شروع ہوئے۔ نواب۔ میر ناصر محمود نالائق بے وجہ جوشیلے ہیں۔ یہ بلا اب تک لگی ہے۔ یا اللہ نجات دے۔ آمین۔ پھر میں خود بیمار ہوں۔ برسوں بیمار رہا۔ ذیابیطس کا رخ ہے۔

والسلام۔ نورالدین

13 مئی 1913ء

30 نومبر 1937ء
حضرت امیر کے قلم سے

عید کا مبارک اجتماع

1۔ **عید کا اجتماع:** اس اجتماع میں نہ صرف مرد شامل ہوں بلکہ خواتین کو بھی شامل کیا جائے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ کس طرح رسول کریمؐ کے واضح ارشادات کی طرف سے غفلت برتی جا رہی ہے۔ حدیث میں آتا ہے **امرنا ان تخرج العواتق وذوات الخدور**. ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ جوان عورتیں اور پردہ والی بھی عید میں جائیں۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ جو حیض کی حالت میں ہوں وہ بھی جائیں۔ ہاں وہ نماز سے الگ رہیں **ولیشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین** یہ سب بھلائی اور مومنوں کی دعاؤں میں حاضر ہوں۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خاص طور پر وعظ بھی کیا کرتے تھے۔ اگر ضرورت سمجھی جائے تو معمولی طور پر ایک رسی باندھ کر اس پر کپڑا ڈال کر پردہ بھی ہو سکتا ہے۔ گو شریعت کا حکم صرف اس قدر ہے کہ وہ علیحدہ پیچھے صفوں میں ہوں۔ اسی طرح بچوں کو بھی عید میں لے جانا چاہئے۔

مسلمان عورتیں علم دین سے اس لئے محروم ہو گئی ہیں کہ ان کو کوئی موقعہ علم دین کی باتیں سننے کے لئے نہیں ملتا۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ جمعہ میں بھی عورتوں کو شامل کرنے کا انتظام کریں اور عید میں تو باتباع حکم نبویؐ انہیں ضرور شامل کیا جائے۔ جمعۃ الوداع کے خطبہ میں خطیب اس بات کو جماعت کے سامنے کھول کر بیان کر دیں۔

2۔ **عید کا خطبہ:** خطبہ عید میں ان امور کی طرف جماعت کو توجہ دلائی جائے جو ہمارے مقاصد میں شامل ہیں۔ یا ہمارے استحکام کا موجب ہیں۔

قربانیوں کی ضرورت: مثلاً یہ کہ ہمیں ہر سال اس اجتماع کے موقع پر اس بات کو از سر نو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ہم نے قرآن کریم کو اور صحیح تعلیم اسلام کو دنیا میں پہنچانا ہے۔ یہ کام کوئی دنیاداروں کی جماعت نہیں کر سکتی بلکہ اس کے لئے عظیم الشان قربانیوں کی ضرورت ہے۔ ابتدائے اسلام میں لوگوں نے اپنی جانیں بھی اس کام کے لئے دیں۔ مال بھی دیئے۔ وطن بھی چھوڑے۔ عزت اور مرتبہ بھی چھوڑا۔

خواہشات بھی قربان کیں۔ آج بھی ان سب باتوں کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

ایک ادنیٰ مالی قربانی۔ چندہ ماہوار: ان قربانیوں میں ادنیٰ ترین اور سہل ترین قربانی مال کی ہے۔ جو دوست اس مال قربانی میں شامل نہیں ہوتے وہ نہ صرف احمدیت کے حقیقی مفہوم سے بیگانہ ہیں بلکہ جماعت کی کمزوری کا موجب ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود نے سختی سے فرمایا تھا کہ جو شخص تین ماہ تک چندہ ادا نہیں کرتا وہ جماعت سے خارج کر دیا جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم سے یہ عہد لیا گیا کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنا ہوگا۔ یعنی جس طرح انسان، غریب سے غریب انسان اپنی دنیوی ضرورتوں کے لئے کچھ نہ کچھ مہیا کر لیتا ہے، دینی ضرورتوں کے لئے بھی اسے مہیا کرنا ہوگا اور اپنا مال خرچ کرنا ہوگا۔ خواہ اس کے لئے اسے دنیوی رنگ میں تکلیف بھی اٹھانی پڑے۔ جماعت احمدیہ کی یہ خصوصیت تھی جو اسے دوسری جماعتوں سے ممتاز کرتی تھی۔ مگر یہ خصوصیت کم ہوتی جا رہی ہے اور لوگ یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ صرف مونہہ سے کسی کو مسیح موعود مان لینا کافی ہے۔

استحکام و اتحاد جماعت کے لئے چند ضروری باتیں: مالی قربانی کے علاوہ ہمیں اور سب قسم کی قربانیوں کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے۔ جماعت ایک فرد واحد کا حکم رکھتی ہے۔ اس کے اندر جب تک افراد میں باہم اعلیٰ درجہ کی محبت کے تعلقات نہ ہوں، جماعت بن نہیں سکتی۔ اسی محبت کو قائم کرنے کے لئے اپنی خواہشات کو قربان کرنے کی ضرورت ہے۔ جو انسان یہ چاہتا ہے کہ میری ہر خواہش پوری ہوتی جائے وہ گویا خدا بننا چاہتا ہے۔ پھر جماعت کا وجود یہ بھی چاہتا ہے کہ ایک دوسرے کی مصیبت میں ہم شریک ہوں۔ کسی پر مصیبت آجائے، حتی الوسع اسے مدد دیں۔ کوئی بیمار ہو اس کی بیمار پرسی کی جائے۔ چونکہ ہم تھوڑے ہیں اس لئے جنازہ کی صورت میں سب کو چاہیئے کہ ہر قسم کا روبار چھوڑ کر شریک ہوں۔

یتیم خانہ کی تجویز: اسی ذیل میں جماعت کو توجہ دلائی جائے کہ جو یتیم رہ جاتے ہیں ان کی خبر گیری ہمارا سب سے پہلا فرض ہے۔ جماعت کا کوئی بچہ اس لئے ضائع نہ ہو کہ اس کی خبر گیری نہیں ہوئی۔ اس کا بہترین علاج جماعت کا اپنا دار لیتامیٰ قائم کرنا ہے۔

نمائش دستکاری کے متعلق خواتین کا فرض!: خواتین کو توجہ دلائی جائے کہ وہ اپنے خدا اور اپنے رسول کی محبت کا یہ ثبوت دیں کہ اپنے ہاتھ سے کوئی چیز تیار کر کے سالانہ جلسہ کے موقع پر نمائش دستکاری

میں پیش کریں۔ کوئی خاتون بڑی ہو یا چھوٹی اس سے باہر نہ رہے۔ جن احباب کی خواتین نہ آئی ہوں وہ یہ پیغام اپنے گھروں میں پہنچا دیں۔ دستکاری کی جملہ اشیاء 15 دسمبر سے پہلے پہلے حلقہ کے مبلغ کے ہاتھ یا بذریعہ ریل یا ڈاک جیسے صورت ہو لاہور پہنچ جانی ضروری ہیں۔ جو خواتین کچھ تیار نہ کر سکیں وہ کچھ نقدی بھیج دیں۔

جلسہ سالانہ کی اہمیت: جلسہ سالانہ ہمارے سامنے ہے۔ اس کے لئے احباب سے عہد لیا جائے کہ وہ ضرور اس میں شامل ہوں اور جن کے لئے ممکن ہو وہ خواتین کو بھی ساتھ لائیں۔ تا کہ وہ بھی اس علم اور ثواب کے حاصل کرنے میں شریک ہوں جو مرد حاصل کرتے ہیں۔ نوجوانوں اور اچھی عمر کے بچوں کو ضرور ساتھ لائیں۔

اس جلسہ میں ہمارے تین ایسے بھائی مبلغین اسلام شامل ہو رہے ہیں۔ جو بڑی بڑی بھاری خدمات انجام دے کر آئے ہیں۔ مرزا مظفر بیگ ساطع جو تین سال فجی میں کام کر کے آئے ہیں، ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب جو پانچ سال برلن میں کام کر کے آئے ہیں۔

اور مرزا ولی احمد بیگ صاحب جو چودہ سال کے بعد واپس آ رہے ہیں اور جن کے تبلیغی کام کی عظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے ڈچ زبان میں ترجمہ قرآن کریم بھی کیا اور پھر اس کا سارا خرچ وہیں سے پورا کیا۔ ماسوائے اس کے ہمارا تمام وہ لٹریچر، جو یہاں انگریزی میں نکلتا ہے، فوراً ڈچ اور جاوی زبانوں میں ترجمہ ہو جاتا ہے۔ ان تین احباب کی زیارت کا شوق ہر فرد کے دل میں ہونا چاہئے اور ہمارے ہر نوجوان کی یہ امنگ ہونی چاہئے کہ اس سے بھی اسلام کی خدمت کے ایسے عظیم الشان کام ہوں۔

3۔ عید کی خیرات: صدقہ فطر عید کی ایک خیرات تو صدقہ فطر ہے جو ہر مرد اور عورت بڑے اور چھوٹے پر واجب ہے۔ حتّٰی کہ چھوٹے سے چھوٹے بچے بھی اس سے مستثنٰی نہیں۔ یہ قریباً چار آنے فی کس کے حساب سے ہے۔ یہ نبی کریمؐ کا حکم ہے اور اس سے باہر کسی کو نہ رہنا چاہئے۔ نبی کریمؐ کے زمانے میں یہ بھی حکم تھا کہ صدقہ فطر ایک جگہ جمع ہو کر پھر مستحقین میں تقسیم ہوتا۔ اسی کے مطابق ہماری جماعت کا صدقہ فطر مرکز میں جمع ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ کسی مقامی مسکین کو ضروری طور پر کچھ تھوڑا سا دے دیا

جائے اس سے جماعت کے مساکین کی پرورش ہوتی ہے۔ اگر سارے مسلمان اسی نظام پر عمل پیرا ہوں تو آج ایک صدقہ فطر سے ہی ان کی قوم دنیا کی زندہ قوموں میں شامل ہو جاتی ہے۔ سو اپنی جماعت کے اس نظام کو کمزور نہ ہونے دیا جائے۔

عید فنڈ اور مسجد فنڈ: عید کی دوسری خیرات ہمارے اپنے دو فنڈ ہیں۔ ایک عید فنڈ اور ایک مسجد فنڈ۔ عید فنڈ ایک روپیہ فی کس کے حساب سے ہے۔ مگر متمول احباب کو چاہئے کہ وہ زیادہ دے کر غرباء کی کمی کو پورا کریں۔ غرباء کو بھی چاہئے کہ وہ کم سے کم چار آنے کی رقم ہی اس فنڈ میں دیں۔ مگر بہر حال انہیں بھی اس میں حصہ لینا چاہئے۔ یہی شرح مسجد فنڈ کے لئے ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی رقوم، جو عید کی خوشی میں ہر ایک شخص آسانی سے دے سکتا ہے، جماعت کے کاموں کے چلانے میں بڑی معاون ہو رہی ہیں۔ ان پر توجہ دے کر جماعت کے ہر ایک فرد کو ان میں شریک کرنا چاہئے۔ جمعۃ الوداع کے خطبے میں ان دونوں باتوں کی طرف بھی جماعت کو توجہ دلانی چاہئے۔ محمد علی

30 نومبر 1937ء

حضرت امیر کے قلم سے

صدقہ فطر کا نظام قائم کرنے کی ضرورت

آنحضرتؐ کی سنت کی خلاف ورزی سے مسلمانوں کا لاکھوں روپیہ بری طرح تباہ ہو رہا ہے!

برادران اسلام کی خدمت میں التماس

بدقسمتی سے آج مسلمانوں کا ہر وہ کام اس نظام کی حالت کو چھوڑ چکا ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری ٹھہرایا تھا۔ مسلمانوں کی تمام قوت اور طاقت اور ان کا روپیہ اور مال محض نظام کے ماتحت نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو رہا ہے۔ یہی حال صدقہ فطر کا ہے۔

بخاری کی حدیث بخاری ہے **عَنِ ابْنِ عُمَرَ فَرَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ . اَوْ قَالَ رَمَضَانَ عَلَى الذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ** یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر یا صدقہ رمضان مرد اور عورت اور آزاد غلام سب پر فرض ٹھہرایا۔ یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو۔ اور بعض احادیث میں ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر بھی آتا ہے۔ بخاری میں ہی ایک باب ہے **صَدَقَةُ الْفِطْرِ عَلَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ** صدقہ فطر چھوٹے اور بڑے سب پر ہے۔ یہی عملدرآمد صحابہؓ کا تھا کہ چھوٹے سے چھوٹے بچوں کی طرف سے بھی دیتے۔ صاع ایک حساب کی رُو سے تقریباً چار سیر اور ایک حساب کی رو سے تین سیر بنتا ہے۔ مگر مختلف اشیاء کے وزن کے لحاظ سے قیمتیں مختلف ہوں گی۔ آج کل کے نرخ کے لحاظ سے جَو اور گندم کو ایک ہی حکم میں رکھ کر اس کا اندازہ قریباً چار آنے فی کس ہو گا۔ اسی حدیث کے آخر پر ہے۔ **كَانُوْا يُعْطُوْنَ لِيُجْمَعَ لَا لِلْفُقَرَآءِ** صدقہ فطر صحابہؓ اکٹھا کرنے کے لئے دیتے تھے۔ اپنے اپنے طور پر فقیروں کو نہ دیتے تھے۔ اور دوسری جگہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں **وَكَّلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِحِفْظَةِ زَكٰوةِ رَمَضَانَ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سپرد یہ کام کیا تھا کہ میں صدقہ رمضان کی حفاظت کروں۔ جس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اسے جمع کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور سارا مال ایک جگہ جمع ہو کر پھر

حسبِ ضرورت تقسیم کیا جاتا تھا۔

حدیث ابن عمرؓ میں ہے کَانُوْا یُعْطُوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِیَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ یعنی یہ صدقہ عید سے ایک یا دو دن پہلے ادا کر دیتے تھے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور وہ اس طرح نہ دیا جاتا تھا، جس طرح آج مسلمانوں کی بدنظمی کی وجہ سے ہر ایک شخص جہاں چاہے، دے چھوڑتا ہے۔ اس طرح الگ الگ تقسیم کر دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روپیہ ضائع ہو جاتا ہے۔ کچھ بھیک مانگنے والوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ اگر سنت نبویؐ کی پیروی کی جائے تو صدقہ فطر کو ایک جگہ جمع کر کے اس میں سے حسبِ ضرورت خرچ کرنا چاہئے۔

غور کیا جائے تو مسلمان صدقہ فطر کے اس نظام کو توڑ کر، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، اپنا روپیہ، جو ان کی قوم کے لئے عظیم الشان قوت کا موجب ہوسکتا ہے، برباد کر رہے ہیں۔ مثلاً لاہور کو ہی ہم لے لیں۔ اگر ایک لاکھ آدمی بھی صدقہ فطر ادا کرتا ہو، تو اس کی کل میزان پچیس ہزار روپے ہوتی ہے۔ یہ پچیس ہزار روپیہ اگر ایک جگہ آئے، جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا، تو کس قدر قومی کام اس سے نکل سکتے ہیں! کس قدر غرباء کی تعلیم کا انتظام ہوسکتا ہے! لیکن ہم اپنے ہاتھوں سے اس روپے کو برباد کر رہے ہیں اور اپنی قوم کو کمزور کر رہے ہیں۔

صرف ایک پنجاب کو ہی لے لو۔ اگر اس کی نصف آبادی نہ سہی، ایک تہائی بھی صدقہ ادا کرنے والی ہو۔ اور یقیناً ہے۔ تو ہر سال پنجاب کے مسلمان کم از کم پندرہ سولہ لاکھ روپیہ برباد کر دیتے ہیں۔ جس سے ایک یونیورسٹی بن سکتی ہے۔ یا قوم کی عامہ حالت سدھر سکتی ہے۔

اس وقت مسلمانوں میں کتنی انجمنیں موجود ہیں! اگر مسلمان بھائی اپنے صدقہ فطر کو بجائے ادھر اُدھر پھینکنے کے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کرنے کے، ایسی انجمنوں کے سپرد کر دیں۔ مثلاً انجمن حمایت اسلام یا انجمن اسلامیہ ہے۔ یا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہے۔ یا اور کوئی انجمن ہے، تو وہ ان انجمنوں کی قوت کو بڑھا کر اپنی قوم کو کس قدر طاقتور بنا سکتے ہیں! مگر موجودہ حالت میں کیا ہو رہا ہے؟ مسلمانوں کی جیبوں سے روپیہ نکلتا بھی

ہے اور اپنی طرف سے وہ ایک فریضہ ادا بھی کرتے ہیں۔ لیکن آدھا حکم مانتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا روپیہ بھی گیا اور حکم نبویؐ کی اصل غرض بھی پوری نہ ہوئی۔

میری دردِ دل سے سب مسلمان بھائیوں کی خدمت میں یہ درخواست ہے۔ کہ وہ اپنے مال کو، جسے اللہ تعالیٰ نے قوم کی زندگی کا موجب بنایا ہے، ضائع ہونے سے بچائیں۔ اور سنت نبویؐ کے مطابق اپنا روپیہ قومی ضروریات کے لئے کسی انجمن کے سپرد کر دیں۔ خاکسار محمد علی پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور۔

مرزا ولی احمد بیگ مبلغ جاوا کی آمد: الحمدللہ جناب مرزا ولی احمد بیگ مبلغ جاوا 16 دسمبر کی شام کو ساڑھے سات بجے بمبئی ایکسپرس سے لاہور تشریف لے آئے۔ ریلوے اسٹیشن پر بزرگان و احباب جماعت اور کارکنان انجمن کے کثیر مجمع نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ شدید سردی کے باوجود بہت سے دوست کئی کئی میل کے فاصلے سے چل کر آئے تھے۔ جناب مرزا صاحب کو اس کثرت سے ہار پہنائے گئے کہ بار بار چہرا چھپ جاتا اور اتارنے کی ضرورت پیش آتی۔ چونکہ موصوف چودہ سال کے بعد ہندوستان تشریف لائے ہیں اس لئے بہت سے دوستوں نے آپ کو قبل ازیں نہ دیکھا تھا۔ آپ سادگی و انکسار کا مجسمہ ہیں۔ نیم عربی لباس زیب تن تھا۔ پلیٹ فارم پر مصافحوں اور معانقوں کا طویل سلسلہ جاری رہا اس کے بعد آپ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ، جناب ڈاکٹر طفیل حسین صاحب اور جناب مولوی عبدالحق صاحب ودیارتھی فاضل سنسکرت وعبرانی کی معیت احمدیہ بلڈنگس تشریف لے آئے۔

9 دسمبر 1937ء

حضرت امیر کے قلم سے

سالانہ جلسہ کا اجتماع

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس وقت جب یہ پرچہ آپ کے ہاتھ میں پہنچے گا، جلسہ سالانہ میں بمشکل پندرہ دن باقی ہوں گے۔ اور آپ میں سے کئی دوست ہیں، جو اس جلسہ میں شمولیت کا فیصلہ کر چکے ہوں گے۔ اور بہت سے ایسے بھی ہوں گے، جو ابھی سوچ رہے ہوں گے۔

ایک طرف سفر کی مشکلات میں سردی کے ایام ہیں۔ کچھ خرچ بھی کرنا پڑے گا۔ یہاں آ کر بھی تین دن تکلیف میں کاٹنے پڑیں گے۔ مگر دوسری طرف یہ بھی غور کر لیجئے کہ کیا یہ آپ کی فرداً فرداً تکلیف دین کی عظیم الشان تکلیف کے سامنے کچھ وقعت رکھتی ہے؟ اگر آپ کی تھوڑی سی تکلیف اُٹھانے سے اللہ خوش ہو جائے کہ میرے بندے نے میرا نام دنیا میں بلند کرنے کے لئے اور میرا دین دنیا میں پہنچانے کے لئے اپنے نفس کی تکلیف کو ہیچ سمجھا، تو غور فرما لیجئے کہ مولیٰ کی رضا مندی بڑی چیز ہے یا اپنے نفس کا آرام اور چند پیسوں کی بچت بڑی چیز ہے؟ خدا پر ہمارا ایمان کیا چیز ہے اگر ہم اس کی رضا کے لئے اتنی بھی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے!

خدا کی رضا تو بہت بڑی چیز ہے۔ کبھی آپ نے یہ غور بھی کیا کہ جب ہم ایک دوسرے کو ملتے ہیں، تو کس قدر انبساط ہمارے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک خوشی کی لہر سارے جسم میں دوڑ جاتی ہے۔ کیا وہ خوشی، جو آپ کو دیکھ کر سینکڑوں بھائیوں کے دلوں کے اندر خود پیدا ہوگی، وہ چھوٹی سی چیز ہے؟ اور یقین جانیے کہ آپ تشریف لائیں گے تو خود آپ کے دل کے اندر اس قدر راحت پیدا ہوگی کہ آپ کو اپنی تکلیف اس کے سامنے ہیچ نظر آئے گی۔ خدا کے فضل سے جماعت کے اندر بہت سے ایسے احباب ہیں، جن کے لئے یہ اجتماع ایک نشے کی طرح ہو گیا ہے۔ وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کب جلسہ سالانہ آئے اور کب ہم وہ خوشی کا منظر پھر دیکھیں! میری دعا ہے کہ اسی نشہ سے ہر اس دوست کا دل سرشار ہو، جس نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا ہے۔ اور جس نے

ہاتھ میں ہاتھ دے کر یہ اقرار کیا ہے کہ ہم خدا کے دین کو دنیا میں پھیلانے کے لئے اپنی ساری قوت خرچ کر دیں گے۔

آپ جانتے ہیں کہ اگر ایک طرف آپ یہاں آ کر ایک نئی روحانی قوت یہاں سے حاصل کر کے پھر اپنے اپنے کام کی طرف عود کرتے ہیں تو دوسری طرف آپ کے آنے سے یہاں کام کرنے والوں کے دلوں میں کس قدر نئی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ کئی کئی ماہ کی پریشانیاں اور مشکلات ایک دنوں کے اندر ایسی دور ہوتی ہیں کہ گویا تھی ہی نہیں! مشکلات ہر کام میں ہوتی ہیں۔ دنیا کے کاموں میں بھی اور دین کے کاموں میں بھی۔ مگر آپ کا یہ اجتماع، جو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے یعنی کارکنوں کے سروں پر ایک نیا بوجھ ہوگا، فی الحقیقت ہمارے بوجھ کو اتارنے کا موجب ہوتا ہے۔ خدا کی بڑی بڑی رحمتیں اس انسان پر ہوں، جس نے اس سالانہ اجتماع کی بنیاد رکھی۔ اور اسے اپنی جماعت کی تربیت کا ضروری حصہ قرار دیا۔ جس قدر زیادہ احباب اس اجتماع میں ہوتے ہیں، اسی قدر زیادہ کارکنوں کے سامنے سے تاریکی اور پریشانی دور ہو کر ان میں کام کرنے کی نئی قوت پیدا ہوتی ہے۔

یہاں کے کام کرنے والے تو خیر یہیں رہتے ہیں۔ مگر یہ جو چند محترم مجاہد سالوں ہم سے غائب رہ کر اور غیر ملکوں میں عظیم الشان خدمت کے کام سرانجام دے کر آ رہے ہیں۔ اور پھر اپنے اپنے کام پر چلے جائیں گے۔ کیا وہ اس قابل نہیں کہ آپ میں سے ہر ایک آ کر ان کی زیارت کرے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ پھر ان سے ملنے کا موقع ملے یا نہ ملے! ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب امام مسجد برلن پانچ سال بعد تشریف لائے ہیں۔ اور مرزا ولی احمد بیگ صاحب مبلغ جاوا چودہ سال بعد اور مرزا مظفر بیگ صاحب فجی میں تین سال کام کرنے کے بعد آئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اگر یورپ کے عین مرکز میں بیٹھ کر اللہ کا نام بلند کرتے رہے ہیں، اور وسط یورپ میں اسلام کے نمائندہ ہو کر آپ کی جگہ اسلامی جھنڈا لئے کھڑے رہے ہیں اور اللہ کے فضل سے بیسیوں کو اسلام کے اندر لانے میں اور سینکڑوں کو اسلام کے قریب لانے میں کامیاب ہوئے ہیں، تو مرزا ولی احمد بیگ صاحب نے ساڑھے پانچ کروڑ کی اسلامی آبادی میں وہ روح پیدا کر دی ہے، کہ وہ عیسائیت کا شکار ہونے کی بجائے، اب خود عیسائیت

کے شکار کے لئے باہر نکل رہیں ہیں۔ اور جاوی اور ڈچ زبانوں میں اسلام کا وہ سارا قیمتی لٹریچر ترجمہ کر کے رکھ دیا ہے، جس پر آپ نے یہاں اس قدر محنت اور روپیہ خرچ کیا ہے۔ اسی طرح مرزا مظفر بیگ صاحب نے فجی میں آریہ سماج کے خلاف اسلام کا جھنڈا بلند کیا اور ایک بڑی بھاری جماعت وہاں بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

کیا یہ کوئی معمولی خدمت کے کام ہیں؟ یاد رکھئے گا کہ آپ کا اس موقع پر گھر میں بیٹھ رہنا ان مجاہدین کی خدمات کی ناقدری کے مترادف ہوگا۔ آیئے اور نہ صرف ان کے مونہہ سے یہ سنیئے کہ ایک طرف کس طرح عیسائیت کی بڑھتی ہوئی فوجوں کے عین وسط میں اسلام کا جھنڈا لگ گیا ہے۔ اور قلوب اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اور دوسری طرف کس طرح ان اسلامی آبادیوں میں بیداری پیدا ہو رہی ہے، جن کی غفلت کی وجہ سے عیسائیت اور دوسرے مذاہب کے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اسلام کو روحانی رنگ میں مغلوب کر لیں گے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (28:48) کا وہ نظارہ آج آپ کی اس چھوٹی سی جماعت میں موجود ہے، جو دنیا میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔

آیئے اور اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے قلوب کے اندر نئی طاقت پیدا کیجئے۔ یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے۔ کہیں اور دنیا میں یہ نظارہ دکھائی نہیں دے گا کہ کس طرح ایک جماعت گالیاں کھا کر، دکھ اُٹھا کر تبلیغ اسلام کے جہاد میں ان تھک قوت کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اور اپنے لٹریچر کے ذریعے سے کس طرح ایک طرف مسلمانوں میں بیداری اور نئی قوت پیدا کر رہی ہے۔ اور دوسری طرف اس بڑے باطل کو، جو دجال کے وجود سے قائم ہے، نیچا دکھا رہی ہے۔ اور دجال کے مرکزوں میں اسلامی جھنڈا قائم کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔

پھر اس کی قوت کو دیکھئے کہ ادھر خود ہمارے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں ہماری مخالفت کا نیا جوش پیدا ہو رہا ہے۔ ہم تو اسلام کی فوج ہیں۔ مگر افسوس کہ ہمارے اپنے بھائی اس وقت ہمیں پیچھے سے مارنا چاہتے ہیں، جب ہم دشمن کے مقابل پر کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہمارا قدم خدا کے فضل سے آگے ہے۔ اور ہم نئے نئے میدانوں میں اسلام کے جھنڈے گاڑے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اسی جلسہ سالانہ پر یہ نظارہ بھی آپ دیکھیں گے کہ نائجیریا (مغربی افریقہ) میں ایک نیا مشن قائم ہو رہا ہے۔ جہاں

مولوی غلام نبی مسلم بی۔اے کو بھیجا جا رہا ہے۔آیئے اور اپنی شمولیت اور اپنی دعاؤں سے ان کاموں کو قوت دیجیئے۔اور دنیا کو دکھایئے کہ خدا کی نصرت کس طرح اس جماعت کے شامل حال ہو رہی ہے؟

ہاں! جہاں آپ اپنی شمولیت سے اس کام کو قوت دینے کے لئے آئیں وہاں اس سامان سے بھی غافل نہ ہوں، جس پر اس کام کی قوت کا دارومدار ہے۔وہ مجاہد جو اسلام کا پرچم نئے میدانوں میں لہراتے ہیں، وہ تو تھوڑے ہی ہیں۔ان کے پیچھے آپ کی مالی امداد وہ سامان ہے جس کو مہیا کر کے آپ بھی اس جہاد میں شامل ہو جاتے ہیں، جو اتنے دور دراز ملکوں میں جگہ جگہ ہو رہا ہے لہٰذا جلسہ میں آئیں تو اس سامان سے غافل نہ ہوں۔آپ کے ایک ایک قطرہ پانی لانے سے ایک نہر بن سکتی ہے۔ آپ کو یہ علم ہونا چاہیئے کہ انجمن کئی سال سے مالی طور پر زیر بار ہے۔اور آمد خرچ سے کم ہو رہی ہے۔

اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے بہت سے دوست ہاتھ ہلانا پسند نہیں کرتے۔اور ان کی تعداد تھوڑی ہے، جن کو یہ فکر یا احساس ہے کہ انجمن کو اس کی ضروریات کے مطابق مدد پہنچانا ہی ہمارا فرض ہے۔اس لئے آپ سالانہ جلسہ میں آئیں تو اس بات کا فکر کر کے آئیں کہ میں کس کس رنگ میں مدد پہنچا سکتا ہوں؟

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فضل کے سامان کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ ہماری ہمت ہے، جو ختم ہو جاتی ہے۔یا تھک کر رہ جاتی ہے وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ (87:12) (اللہ کی رحمت سے نہ اُمید نہ ہو) کی خوش خبری کو اپنے سامنے رکھیئے۔خدا کی نصرت کے سامانوں کی تلاش میں نکل پڑیئے۔ اگر نکلنے کے بعد آپ ناکام بھی ہو جائیں تو بہر حال آپ ثواب کے مستحق ہو گئے۔مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا کے دین کی نصرت کے لئے جو نکلے گا، جو کوشش کرے گا، وہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا پختہ وعدہ ہے وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (40:22) (اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (دے دین) کی مدد کرتا ہے) مشکل یہی ہے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ ہاتھ پیر نہ ہلائیں۔اور نصرت الٰہی آ جائے! اس لئے پندرہ دن کے لئے ہی کوشش کر کے دیکھ لیجئے۔ اور اپنے اردگرد نظر دوڑایئے۔اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو دیکھئے۔کہاں کہاں سے آپ کو دین کی نصرت کا کچھ سامان میسر آ سکتا ہے۔آپ سوچیں گے اور پھر کوشش میں لگ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نصرت کے سامان پید

اکر دے گا!

اس کے علاوہ ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں۔ایسے دوستوں کو ساتھ لائیں ،جنہیں کچھ دلچسپی سلسلہ سے پیدا ہو چکی ہے۔ ہماری راہ میں مشکل ایک ہی ہے کہ لوگ ہمارے کام سے ناواقف ہیں اور ہمارے عقائد کے متعلق ان کے دلوں میں غلط فہمی ہے۔ اگر وہ سالانہ اجتماع میں شامل ہوں اور اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتے۔اس لئے آج سے ہی اس فکر میں لگ جائیں کہ کتنے آدمیوں کو آپ ساتھ لا سکتے ہیں۔اگر ایسے دوست ہوں،جن کے لئے خاص انتظام کی ضرورت ہو تو اس کے متعلق پہلے سے دفتر میں اطلاع دیں۔انشاء اللہ مہمانوں کو ہر قسم کی سہولت پہنچانے کا انتظام کر دیا جائے گا۔والسلام۔خاکسار محمد علی

مسلم لیگ اور قادیانی جماعت: کانگریس سے قادیانی جماعت کا رشتہ عقیدت روز بروز زیادہ استوار ہو رہا ہے۔مشہور کانگریسی خاتون لارڈ ورانی زتشی صاحبہ قادیان جا کر ایک ''مؤثر لیکچر'' بھی دے آئی ہیں۔ ممکن ہے خلیفہ صاحب کی قصر خلافت میں ان سے کوئی ملاقات بھی ہوئی ہو۔یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس مضمون کے وزنی دلائل، جو حال ہی میں حضرت ممدوح نے ''مسلم لیگ اور کانگریس'' کے عنوان سے رقم فرمایا ہے قادیانی حضرات کے لئے بہت تکلیف دہ ثابت ہو رہے ہیں۔ محمودی خلافت کا سرکاری آرگن ''الفضل'' اپنے مخصوص عامیانہ رنگ میں طعنے دے رہا ہے کہ مسلم لیگ تو احمدیوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتی۔لیکن ''پیغامی'' اس کے باوجود مسلم لیگ کو کانگریس کے مقابلہ پر ترجیح دے رہے ہیں۔ارشاد ہوتا ہے کہ:

> ''ذرا ان کی جماعت لاہور کی ذہنیت اور ان کا طرز عمل ان کی اسلام سے وفاداری اور باغیرتی کا اندازہ اس سے لگایئے کہ مسلم لیگ تو اعلان کر چکی ہے کہ جو شخص حضرت مسیح موعود کو خدا تعالیٰ کا ماموراور استباز مانے،اسے وہ مسلمان نہیں سمجھتی...... لیکن غیر مبائعین کے جناب امیر بڑی سرگرمی کے ساتھ اپنی پارٹی کو یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہئے۔ یہ ہے وہ غیرت وحمیّت جس پر ''پیغام صلح'' اور اس کے امیر کو ناز ہے''(الفضل 24 نومبر)

اس غیر معقول اعتراض کا جواب حضرت امیر ایدہ اللہ نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرما دیا جو پیش نظر اشاعت کے تیسرے صفحہ پر درج ہے۔ ہمارا قادیانی معاصر اسے مطالعہ کرکے اپنی تسلی کر سکتا ہے۔ لیکن گذارش ہے کہ جب مسلم لیگ کے اس فیصلہ کے باوجود اس کو کانگریس پر ترجیح دینا ہے بے حمیتی ہے تو قادیانی جماعت نے مسلم لیگ کے قواعد کیوں طلب کئے اور بقول ''الفضل'' مسلم لیگ میں شرکت کا معاملہ ان لوگوں کے زیرِ غور کیوں ہے۔ مسلم لیگ کا یہ فیصلہ کوئی نیا نہیں اور اس فیصلے کے علم کے باوجود اس سے قواعد طلب کرنا اور اس میں شرکت کے مسئلہ پر غور کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا معاصر ''الفضل'' اس پر کوئی روشنی ڈال سکتا ہے۔ پیر پرستی تو معقولیت کی دشمن ہے۔

دارالیتامیٰ کی عمارت: (9 دسمبر 1937ء) میں نے خطبہ جمعہ میں احباب سے اپیل کی تھی کہ دارالیتامیٰ کی عمارت، جس پر پانچ ہزار روپے خرچ کا اندازہ ہے، کوئی مخیّر بزرگ بنوا دیں۔ اور میری یہ بھی خواہش تھی کہ اسے کوئی ایک ہی مالدار دوست، جنہیں خدا نے اپنے فضل سے دیا ہے۔ پورا کر دیں۔ مجھے یہ یقین تھا اور اب بھی ہے کہ یہ کام ہو کر رہے گا۔ اس اپیل پر ایک محترم دوست کی طرف سے مجھے اس قدر اطلاع ملی ہے کہ وہ اس عمارت کی ایک چوتھائی کو اپنے ذمے لیتے ہیں اور 1250 روپے اس کارِ خیر کے لئے عنایت فرمائیں گے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ اب باقی تین بزرگوں کی ضرورت ہے جو ایک ایک حصہ کو اپنے ذمہ لے کر اس کام کی طرف سے مجھے فارغ کر دیں۔

بے شک ہمیں اپنے بال بچوں کے لئے مکانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر مبارک وہ لوگ ہیں جو اپنے بال بچوں کے ساتھ جماعت کے بے باپ بچوں کے لئے مکان کی فکر کریں کہ ان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے قرب کی نسبت پیدا ہو جائے گی۔ مگر یہ فیصلہ کرنے میں زیادہ دن نہ لگنے چاہئیں۔ محمد علی

❁❁❁

9 دسمبر 1937ء

حضرت امیر کے قلم سے

خواتین جماعت سے اپیل

میری محترم بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں اس جلسہ سالانہ پر آپ کے ہاتھوں سے ایک عظیم الشان کام کی بنیاد رکھوانا چاہتا ہوں۔ یعنی یہ کہ آپ اپنی ہمت سے ایک دارالیتامیٰ قائم کر دیں۔ جہاں قوم کے بے باپ بچوں کی تربیت ہو سکے۔ میں خود اس کی عمارت کی فکر میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ راہ تو کھول دی ہے اور اس کے ساتھ میرا دل اس یقین سے لبریز ہے کہ جلسہ سالانہ سے پہلے تعمیر دارالیتامیٰ کی طرف سے میں بے فکر ہو جاؤں گا۔ مگر جہاں اگلے سال کے پہلے پانچ چھ ماہ میں اس کی عمارت بن جانے کی قوی امید ہے، وہاں ابھی تک مجھے خواتین میں وہ حرکت نظر نہیں آئی جو ایک دفعہ انسانی قلوب میں پیدا ہو جائے تو ہر ایک مشکل دور ہو جاتی ہے۔

اس لئے میں تمام جماعت کی محترم خواتین سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس دفعہ سالانہ جلسہ پر بہت زیادہ تعداد میں آئیں۔ بالخصوص قریب قریب کے شہروں کی خواتین کو تو چاہئیے کہ وہ سب کی سب جلسہ میں شامل ہوں۔ دو تین دن کے لئے انہیں تکلیف تو ضرور ہوگی مگر ان کی یہ تکلیف قوم کے لئے زندگی کا پیغام ثابت ہوگی اور ان کا یہ اجتماع اس کام کو جو بظاہر بہت مشکل نظر آ رہا ہے آسان کر دے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کام کو ہاتھ میں لینے سے پہلے وہ ایک سال کا خرچ جمع کر لیں کہ وقت پر کبھی تکلیف نہ ہو اور یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ سب خواتین مل کر یہ عزم کر لیں کہ ہم نے اپنے اپنے شہروں میں جا کر اس کام کو کامیاب کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تمام احباب سے اپیل ہے کہ وہ میری اس آواز کو اپنی اپنی خواتین تک پہنچا دیں اور انہیں جلسہ سالانہ پر شمولیت کے لئے تیار کریں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ زندگی کی رَو خواتین کے اندر پیدا ہو جائے۔ یعنی خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت کے لئے کام کرنا تو ہماری جماعت دنوں میں اوجِ ترقی پر پہنچ جائے گی۔

میں پھر اپنی خواہش کو دوہراتا ہوں۔ خواتین کثرت کے ساتھ جلسہ سالانہ پر آئیں اور اس کام کے لئے تیار ہو کر آئیں کہ ہم نے دارالیتامیٰ کا انتظام کر کے وہاں سے واپس آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہوگا۔ والسلام۔ محمد علی

13 دسمبر 1937ء

تحریک دستکاری

خواتین سلسلہ کی توجہ کے قابل

محترم بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو علم ہوگا کہ احمدیہ انجمن خواتین اسلام لاہور نے اشاعت اسلام میں مدد دینے کے لئے ایک دستکاری فنڈ جاری کیا ہے۔ یعنی ہر ایک بی بی کوئی سا دستکاری کا کام اپنے ہاتھ سے بنا کر سال میں ایک دفعہ دیں اور یہ سب اشیاء جمع کر کے سالانہ جلسہ پر، جو دسمبر میں ہوتا ہے، بذریعہ نمائش فروخت کی جائیں اور روپیہ اشاعت اسلام پر صرف ہو۔ چنانچہ چار پانچ سال سے یہ نمائش ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ اب تک بہت کم بہنوں نے اس مبارک کام میں حصہ لیا ہے۔ اگر یہ تحریک عام ہو جائے تو اشاعت اسلام کو گراں قدر امداد خواتین کی طرف سے مل سکتی ہے۔ اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ آپ بھی اس نیک و مفید تحریک میں شامل ہو کر ثواب دارین حاصل کریں اور اپنی بچیوں و دیگر رشتہ دار بہنوں کو بھی شریک کریں۔

آپ جانتی ہیں کہ آج کل مسلمانوں پر کس قدر مشکلات کا زمانہ گزر رہا ہے۔ ان کی ہستی چہار طرف سے معرض خطر میں ہے۔ ناموس اسلام پر گندے حملے ہوتے ہیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپاک ترین الزامات لگائے جاتے ہیں۔ تو کیا ہمیں یونہی خاموش بیٹھے رہنا چاہیئے ! ہر گز نہیں۔

مذہب اسلام نے طبقہ نسواں کو ذلیل ترین حالت سے نکال کر بام عروف پر پہنچایا اور ان کے حقوق قائم کئے۔ تو ہر ایک دختر اسلام کا فرض ہے کہ وہ تن من دھن سے اپنے پیارے دین کی حفاظت کے لئے تیار ہو جائے۔

آپ چار دیواری کے اندر سے بھی بذریعہ دستکاری حفاظت اسلام جیسے زبردست جہاد میں حصہ لے کر دین و دنیا میں سرخرو ہو سکتی ہیں۔ غریب سے غریب بہنیں بھی امداد دینے سے نہ ہچکچائیں کہ خلوص دل سے دیا ہوا ایک پیسہ بھی نہایت قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اور ہماری متمول بہنیں

بھی خادمہ اسلام ہونے کا شرف حاصل کرنے میں تاخیر نہ کریں۔

جس قسم کی دستکاری آپ کو آتی ہو وہ آپ تیار کر سکتی ہیں اور اگر پسند ہو تو اس کو دوبارہ خود ہی خرید سکتی ہیں۔ اس قدر خیال رکھنا چاہیئے کہ کم قیمت خوبصورت و پائیدار چیز ہو۔ ایک قیمتی چیز سے متعدد ہلکی قیمت کی چیزیں بہتر ہیں۔

آج مندرجہ ذیل اشیاء کی زیادہ کھپت ہے۔ مثلاً کڑھے ہوئے دوپٹے، ازار بند، بچوں کے سویٹر، موزے، (ٹوپی کا رواج بہت کم ہے) ٹیبل کلاتھ، غلاف تکیہ، کرسیوں کے کشن، بچوں کے کھلونے، پلنگ پوش، کاتا ہوا سوت، کڑھی ہوئی قمیض، لیڈیز رومال، دیواروں پر آویزاں کرنے کے خوبصورت قطعے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام اشیاء دسمبر کے پہلے ہفتہ میں خاکسار کے پاس پہنچ جانی چاہئیں۔

ہمارا سالانہ جلسہ اور دارالیتامیٰ کا قیام: (13 دسمبر 1937ء) سالانہ جلسہ قریب ہے اور ان ہستیوں کے لئے جن کو خدا نے ایک سال اور زندگی کا عطا کیا پھر موقع ہے کہ وہ اس مبارک موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ گذشتہ سالانہ جلسے پر شریک ہونے والوں میں سے کئی ایک کو آج ہماری آنکھیں ڈھونڈتی ہیں مگر نہیں پاتیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ کیا یہ سال زندگی کا ہمیں اس لئے ملا ہے کہ اس قیمتی وقت کو خواب غفلت میں گزار دیں یا اس لئے کہ کوئی ایسا کام کر جائیں کہ حیات جاوید مل جائے۔

میری معزز بہنو! آج ایک یتیم خانے کے قیام کا سوال ہماری جماعت کے سامنے ہے اور آپ سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ آپ اس کام کو سنبھال لیں۔ کس قدر مبارک اور مسرت خیز یہ وقت ہے کہ وہ کمزور طبقہ، وہ ناتوان وضعیف جنس، جس کو اب تک زمانے کی ضروریات سے بے خبر رکھا گیا، اس سے یہ توقع کی جا رہی ہے کہ وہ اس جماعتی وتعمیری کام کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھالیں۔ اور یقیناً وہی دن ہماری اصلی اور حقیقی ترقی کا ہوگا جب مرد وزن مل کر قدم آگے بڑھائیں گے۔ یتیم خانے کا انتظام یا دوسرے لفظوں میں بے باپ بچوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام عورتوں کے سپرد ہونا نہایت صحیح انتخاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت عورت ہی کو عطا فرمائی ہے کہ وہ بچوں کی صحیح طریق پر پرورش وتربیت کر سکے۔ مگر جس قدر یہ مسئلہ دل خوش کن ہے، اسی قدر اہمیت بھی رکھتا ہے۔ اور ہم

احمدی عورتوں کو احساس ہونا چاہئے کہ ہمارا فرض کیا ہے؟ ہمارے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص یتیموں کی پرورش کرتا ہے وہ مجھ سے اس قدر قریب ہے کہ جیسے ایک ہاتھ کی دو اُنگلیاں۔ میری پیاری بہنو! آپ اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہیں۔ آپ کو اُن یتیم بچوں کو بھی نہ بھولنا چاہئے جن کے سر سے باپ کا شفقت بھرا سایہ اٹھ چکا ہے یا جو ماں کی آغوش محبت سے محروم ہو گئے ہیں۔ جس بہن کے دو بچے ہیں وہ سمجھ لے دو نہیں تین ہیں۔ جس بہن کے چار بچے ہیں وہ یہ سمجھ لے چار نہیں پانچ ہیں۔ اور اسی طرح سب مل کر ایک ایک بچے کا بوجھ اٹھا لیں تو یہ سوال حل ہو جاتا ہے۔ ہم سینکڑوں روپیہ اپنے پیارے بچوں پر سے نثار کر کے دلی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ کیا یہ خیال بھی کبھی آیا ہے کہ یتیم بچے بھی اپنے والدین کے ایسے ہی جگر گوشہ تھے جو اب دردر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ یتیم کی پرورش وہ سودا ہے جس میں گھاٹا نہیں۔ اور یہ وہ تجارت ہے جس کو کبھی نقصان نہیں۔ ہمیں اپنی قسمت پر نازاں ہونا چاہیئے کہ خدا نے ہمیں حصول ثواب کا یہ زرین اور سہل موقع بخشا۔ اس لئے سلسلہ احمدیہ کی تمام خواتین سے میری استدعا ہے کہ وہ کسی طرح بھی دو چار دن کی فرصت نکال کر جلسہ سالانہ پر اپنے مرکز میں آئیں اور اس کارِ خیر میں معاون ہوں۔ جیسا کہ بہنوں کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ زنانہ جلسہ 23 دسمبر (جمعرات) کو صبح دس بجے منعقد ہو گا۔ اس لئے بیرونجات کی خواتین کو 22 دسمبر کی شام یا زیادہ سے زیادہ 23 دسمبر کی صبح تک لاہور تشریف لے آنا چاہیئے۔ والسلام

خاکسار اہلیہ محمد علی

آنریری سکریٹری احمدیہ انجمن خواتین اسلام

13 دسمبر 1937ء

حضرت امیر کے قلم سے

اجتماع کے عظیم الشان فوائد

ہمارا جلسہ سالانہ ایک امر جامع ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْکَ لِبَعْضِ شَاْنِھِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْھُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَھُمُ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ . (62:24)

ترجمہ: مومن وہی ہیں جو اللہ (تعالیٰ) اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور جب کسی بات کے لئے جہاں جمع ہونے کی ضرورت ہے اس کے ساتھ جمع ہوتے ہیں، تو جاتے نہیں جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لیں وہ لوگ جو تجھ سے اجازت لے لیتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، پس جب وہ اپنے کسی کام کے لئے تجھ سے اجازت مانگیں تو تُو ان میں سے جسے چاہے اجازت دے دے اور ان کے لئے اللہ سے استغفار کر اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اجتماع کے فوائد: اجتماع یعنی انسانوں کا اکٹھا ہونا یا اکٹھے کرنا اسلام کے عظیم الشان مقاصد میں سے ایک ہے۔ اسلام انسانوں کو جسمانی رنگ میں بھی اکٹھا کرنا چاہتا ہے اور روحانی رنگ میں بھی۔ اگر غور کیا جائے تو اجتماع نسل انسانی کی ترقی کے لئے ازبس ضروری ہے۔ جسمانی رنگ میں دیکھ لیجئے۔ جس قدر لوگوں کا زیادہ اجتماع ہوتا جاتا ہے، ترقی کے مختلف ذرائع نکلتے آتے ہیں۔ تہذیب کا زیادہ تر انحصار اجتماع پر ہی ہے۔ خانہ بدوش اور جنگلی اقوام میں کوئی تہذیب نہیں ہوتی۔ کیونکہ انہیں زیادہ تعداد میں اکٹھے ہونے کے مواقع نہیں ملتے۔

اسلام کا عظیم الشان کارنامہ: ظہور اسلام سے قبل دنیا کے تمام ممالک واقوام اجتماع کی نعمت سے محروم ہو چکے تھے۔ نسل انسانی میں اتحاد اور میل جول کی بجائے تشتت وافتراق پورے زور سے رونما ہو چکا

تھا۔اس طرح دنیا تہذیب وترقی سے محروم ہوتی چلی جارہی تھی اور تہذیب کے عظیم الشان درخت کا تنا کھوکھلا ہو چکا تھا۔اور یہ درخت سوکھ کر گر جانے کو تھا کہ اسلام نے اس کو از سرنو زندگی بخشی اور دنیا کی مختلف قوموں اور نسلوں کو اجتماع کی نعمت سے مالا مال کیا۔

ایک یورپین مصنف کا بیان: ایک بہت بڑے یورپین مصنف ڈینی سن نے تہذیب کے موضوع پر ایک شہرہ آفاق کتاب ''ایموشن ایز دی بیس آف سولیزیشن'' لکھی ہے۔اس میں اس حقیقت کو صاف الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ ظہور اسلام سے قبل دنیا افتراق وتشتت کے مرض میں گرفتار ہو کر تباہی کے قریب پہنچ چکی تھی کہ پیغمبر اسلامؐ نے اس کو اس تباہی سے بچا لیا۔چنانچہ وہ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کی افسوسناک حالت اور ابتری کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:

> ''ایسا معلوم ہوتا تھا وہ عظیم الشان تہذیب، جو چار ہزار سال کے عرصہ میں بنی تھی، ابتری کے کنارے پہنچ چکی ہے...... اور نسل انسانی اسی قدیم وحشیانہ پن میں قدم رکھنے کو تیار ہے...... تہذیب، اس عظیم الشان درخت کی طرح جس کی شاخیں دنیا کے کناروں تک پہنچ چکی ہوں، اب جڑ سے اکھڑی معلوم ہوتی تھی اور اندر تک کھائی جا چکی تھی...... کیا کوئی ایسی جذباتی تحریک تھی جو ایک دفعہ پھر انسانوں کو متحد کر سکے اور تہذیب کو فنا ہونے سے بچا لے؟''

اس سوال کے جواب میں مصنف مذکور حضرت نبی کریمؐ اور عرب کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:

> ''یہ وہ لوگ تھے جن میں وہ انسان پیدا ہوتا ہے جس نے مشرق اور جنوب کی تمام معلوم دنیا کو وحدت کی زنجیر میں منسلک کر دیا۔''

اجتماع کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی: یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قوم میں اجتماع کا رنگ نہیں وہ ترقی نہیں کر سکتی۔حالات زمانہ پر غور کرو۔کوئی قوم جس قدر متحد ہے، اسی قدر زیادہ وہ طاقتور اور ترقی یافتہ ہے۔اجتماع سے جسمانی فوائد کے علاوہ بے شمار روحانی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔دیگر مذاہب نے روحانی ترقی کے لئے تنہائی کو ضروری قرار دیا ہے۔ان کے خیال میں انسان اس وقت تک روحانی ترقی نہیں کر سکتا جب تک دنیا والوں سے علیحدہ ہو کر کسی پہاڑ کی کھوہ یا جنگل کے کسی گوشہ میں نہ جا

بیٹھتا۔ رومن کیتھولک عیسائیوں، ہندوؤں اور بدھوں کا یہی عقیدہ ہے۔ لیکن اسلام نے تنہائی وعلیحدگی کی جڑ کاٹی ہے اور روحانی ترقی کے لئے بھی اجتماع کو ضروری قرار دیا ہے۔ روزمرہ کی پانچ نمازیں، جمعہ، عیدین اور حج سب روحانی ترقی کے وسائل ہیں۔ اور یہ سب اجتماع کی صورتیں ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی میں دل کو زیادہ سکون اور یکسوئی میسر آتی ہے اور انسان زیادہ روحانی ترقی کر سکتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں۔ جو روحانی فوائد اجتماع سے حاصل ہو سکتے ہیں، وہ تنہائی میں بالکل ناممکن ہیں۔ آج تو سائنس بھی اس بات کا اعتراف کرنے لگی ہے کہ جب انسان آپس میں بیٹھتے تھے تو ایک دوسرے پر اپنے اثرات ڈالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے روحانی امور میں بھی جمع ہونے کو ضروری قرار دیا ہے۔ تاکہ نیک اور طاقتور لوگ دوسروں پر اپنا اچھا اثر ڈالیں۔ ہم محسوس کریں یا نہ کریں لیکن اجتماع سے روحانی برکات لازمی طور پر حاصل ہوتی ہیں۔

قیامت کا انقلاب عظیم: اسلام نے قیامت کے انقلاب عظیم کو بھی اجتماع کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ ہو سکتا تھا کہ جو لوگ مرتے ہیں، وہ موت کے ساتھ ہی فوراً ایک نئی زندگی میں داخل ہو جاتے۔ لیکن قرآن شریف کی تعلیم اس بارے میں یہ ہے کہ گو موت کے بعد ایک رنگ میں اعمال کی جزا و سزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن انکشاف تام کو قیامت کے اجتماع عظیم سے وابستہ کیا ہے۔ اور ایک خاص دن مقرر کیا گیا ہے جبکہ تمام نسل انسانی ایک جگہ اکٹھی ہوگی اور اس عظیم الشان انقلاب سے گزر کر ایک نئی زندگی حاصل کرے گی۔ جس سے انسان موت کے بعد بھی واقف نہیں ہوتا۔

امر جامع کی اہمیت: اب میں ان آیات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جن کا حوالہ میں نے اوپر دیا ہے۔ ان میں اول صاف طور پر امر جامع کا ذکر کر کے یہ فرمایا کہ مومن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب کسی اہم معاملہ میں اس کے ساتھ ہوتے ہیں تو جاتے نہیں یہاں تک کہ اس سے اجازت لے لیں۔ اور اس کے بعد اس سے زیادہ زور اور تاکید سے ارشاد ہوتا ہے۔ **اِنَّ الَّـذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓـئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ** (62:24) وہ لوگ جو تجھ سے اجازت لیتے ہیں، وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ گویا امر جامع میں شمولیت ہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے۔ اس کے بعد کے الفاظ بھی قابل غور ہیں۔ اس کے بعد یوں فرمایا کہ جو شخص کسی

ضرورت کی وجہ سے امر جامع سے الگ رہنے کی اجازت مانگتا ہے، تو تم چاہو تو اسے اجازت دے دو۔ لیکن پھر بھی ایسے شخص کے لئے اللہ سے استغفار مانگو۔ ان آیات سے امر جامع کی اہمیت بخوبی معلوم ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم نے امر جامع کی حد بندی نہیں کی۔ ہر ایک اہم قومی معاملہ امر جامع ہے۔ چنانچہ ہمارا جلسہ سالانہ بھی ایک امر جامع ہے۔ اور حضرت مسیح موعود نے اس کی بنیاد اسی اصول پر رکھی۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ قوم کی ترقی کے لئے اجتماع اور میل جول لازمی ہے۔ اس کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ اور نہ ہم کر سکتے ہیں۔ آج مسلمان کیوں پستی کی طرف جا رہے ہیں۔ محض اس لئے کہ ان میں اجتماع کے مواقع بہت کم رہ گئے ہیں۔ اور اسی لئے اتحاد اور اتفاق بھی اٹھتا جاتا ہے۔ نہ وہ متحد ہو کر کوئی کام انجام دے سکتے نہ کوئی متحدہ رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اسی ہندوستان میں بعض قومیں، جو تعداد میں مسلمانوں سے بہت کم ہیں، لیکن اپنی اجتماعی قوت اور اتحاد کی وجہ سے کامیاب ہو رہی ہیں۔

جلسہ سالانہ کا مقصد: اس کے ساتھ ایک بات بھی یاد رکھو۔ صرف وہی اجتماع قوم کے لئے باعث برکت اور فائدہ رساں ہو سکتے ہیں جو قومی اغراض رکھتے ہوں۔ جو اجتماع میلوں اور عرسوں کے رنگ میں ہوں وہ فائدہ کی بجائے نقصان پہنچاتے ہیں۔ میلوں میں لوگ شغل اور تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے سالانہ جلسے کی غرض یہ ہے کہ ہم اپنے کاروبار قومی کا جائزہ لیں اور غور کریں کہ اس میں کہاں کہاں کونسا نقص ہے اور وہ کس طرح دور ہو سکتا ہے۔ مشکلات پیش آمدہ کس طرح دور ہو سکتی ہیں۔ ترقی کے کون کون سے راستے ہیں جن پر ہمیں چلنا چاہئیے۔ پس اس امر جامع کی طرف میں اپنے احباب کو بلاتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس اہم دینی مقصد کو سامنے رکھ کر اس میں آپ آئیں جو حضرت مسیح موعود نے بتایا ہے۔

احباب جماعت کو دعوت شمولیت: کچھ عرصہ سے مخالفین کی طرف سے جو حملے ہو رہے ہیں اور ہمیں مٹانے اور نقصان پہنچانے کی جو جو کوششیں جاری ہیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے اس جلسہ کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ہمارا سب کا فرض ہے کہ ہم اس قومی اجتماع کو حاضری اور نتائج دونوں لحاظ سے کامیاب بنائیں۔ میں جماعت کے ہر ایک فرد کو جلسہ میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔ اپنی جماعت کے نوجوان دوستوں کو، جو لاہور کے کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں، خصوصیت سے مخاطب کرتا ہوں۔ وہ جلسہ سالانہ میں

کم شامل ہوتے ہیں۔ وہ کالجوں کے بند ہوتے ہی گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک بہت بڑی سعادت اور برکت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اگر وہ تین روز کے لئے لاہور میں رک جایا کریں تو ان کا کوئی حرج نہیں ہوتا۔ اسی طرح میں اپنے تاجر اور دکاندار دوستوں کو کہتا ہوں۔ بیشک کرسمس کے ایام میں کاروباری مصروفیت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن یاد رکھو اللہ نے تمہارا رزق انہی دنوں میں محدود نہیں کر دیا وہ اپنے فضل سے دوسرے دنوں میں اس سے بہت زیادہ دے سکتا ہے۔ آپ لوگوں کو بھی ذرا ایثار سے کام لے کر جلسہ میں ضرور شریک ہونا چاہئیے۔

احمدی خواتین کی نیک مثال: ہماری خواتین اپنے زنانہ جلسے اور نمائش دستکاری کے لئے جو کچھ کر رہی ہیں وہ ہم مردوں کے لئے ایک سبق ہے۔ میں اپنے گھر میں بھی دیکھتا ہوں اور دوسرے گھروں کی نسبت بھی معلوم ہوا ہے کہ خواتین اپنے اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے پورے انہماک سے کوشش کر رہی ہیں۔ نمائش کے لئے مختلف اشیاء تیار ہو رہی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اس بارے میں بھی اب تک بہت دوستوں نے اس تحریک کو اپنے گھروں تک نہیں پہنچایا۔ پھر بھی عورتوں کے اندر جو حرکت نظر آتی ہے اس کے بالمقابل مرد بے فکر اور غافل بیٹھے ہوئے ہیں۔ جس طرح ہمیں قیامت کے دن کی فکر کرنی چاہئیے کہ اعمال حسنہ کا کچھ اندوختہ ساتھ لے جائیں، اسی طرح اس دینی اجتماع سے قبل بھی ہمیں کچھ فکر کرنی چاہئیے۔

ہماری کامیابی کا معیار قربانیاں ہیں: اگر کسی دوسری جگہ کامیابی کا معیار کثرت تعداد ہے اور کوئی حاضرین کی بھاری تعداد کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے تو ہمارے ہاں قربانیاں اور کام کامیابی کا معیار ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک فرد کو شریک جلسہ ہونا چاہئیے۔ اور اس جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے کوئی تحفہ ساتھ لانا چاہئیے۔ اگر جماعت کا ہر ایک فرد تھوڑی سی کوشش بھی کرے تو ایک ایک قطرہ سے دریا بن جاتا اور ایک ایک اینٹ سے عمارت بن جاتی ہے۔

ہماری مخالفت بے شک زیادہ ہے۔ لیکن اس کا علاج یہ نہیں کہ ہم ہمت ہار کر بیٹھ جائیں۔ بلکہ یہ ہے کہ اپنی کوشش اور ہمت کو دو چند بلکہ دہ چند کر دیں۔ اور دنیا کو دکھا دیں کہ مخالفت ہمیں کمزور کرنے کا موجب نہیں ہوئی بلکہ ہماری ہمت کو بڑھانے کا اور ہماری ترقی کا موجب ہوئی ہے۔

17 دسمبر 1934ء

حضرت امیر کے قلم سے

دارالیتامیٰ کی نصف عمارت

حاجی میاں محمد اسمٰعیل صاحب لائل پوری اور ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب کا ایثار

اللہ تعالیٰ اپنی بڑی بڑی برکتیں نازل فرمائے حاجی محمد اسمٰعیل صاحب مالک کالونی فلور ملز لائل پور کہ سب سے پہلے انہوں نے چوتھائی عمارت کو اپنے ذمہ لیا۔ پھر اپنی رحمت اور برکت نازل فرمائے ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب پر جنہوں نے دوسری چوتھائی کا ذمہ لے کر اس عمارت کو نصف تک پہنچا دیا۔

دینی کاموں کے لئے ڈاکٹر صاحب کی ہمت: ڈاکٹر صاحب کی ہمت کو دیکھ کر ہر ایک دل سے بے اختیار دعا نکلنی چاہئیے۔ ان کے سینے میں ایسا دل خدا نے دیا ہے جو خدا کی راہ میں دے کر تھکتا نہیں بلکہ اس میں خدمت کی اور زیادہ تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ وہ امراء کے طبقہ میں سے نہیں۔ ابھی گذشتہ سال بورڈنگ ہاؤس کا ایک کمرہ بنوا کر دیا۔ جس کا خرچ ایک ہزار روپیہ اپنی معمولی سی کمائی سے ایک سو روپیہ ماہوار کے حساب سے دیتے رہے۔ اب بھی اقساط سے ہی 1250 روپے ادا کریں گے۔ اے خدا جس طرح تو نے ہمارے واجب الاحترام بھائی کو وسیع دل دیا ہے اپنی رحمت اور فضل کے دروازے بھی اس پر فراخ کر دے۔ یہی وہ بے نظیر قربانیوں کے نمونے ہیں جو میرے جیسے کمزور انسان کے دل کو بھی پہاڑ کی طرح مضبوط کر دیتے ہیں۔

نصف عمارت کا انتظام باقی ہے: ابھی نصف عمارت کا انتظام نہیں ہوا اور جلسہ سالانہ میں ایک ہفتہ ہی رہ گیا ہے۔ میں نے جماعت کی خواتین سے یہ وعدہ کیا ہے کہ جلسہ سالانہ تک دارالیتامیٰ کی عمارت کا انتظام ہو جائے گا۔ وہ مستقل خرچ کی فکر کریں۔ باقی نصف کے لئے کوئی آواز کب آئے گی یہ اللہ ہی کو علم ہے اور دل اسی کے ہاتھ میں ہیں وہ چاہے تو یہ توفیق کسی صاحب مال اور صاحب وسعت کو دے دے کہ وہ جہاں اس قدر خرچ اپنی ذات پر کرتا ہے تھوڑا سا خرچ ان یتیموں کے لئے کر دے جن میں سے بسا اوقات دُرِّ یتیم نکل آتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت

حاصل ہو جاتی ہے وہ چاہے تو یہ توفیق کسی ڈاکٹر صاحب جیسے غریب مگر امیر دل کو دے دے۔ مجھے پورا وثوق ہے کہ یہ کام رک نہیں سکتا۔

خواتین جماعت سے اپیل: دارالیتامٰی کے اخراجات کے لئے تین ہزار جمع کر دیں۔ اس لئے میں پھر جماعت کی خواتین سے اپیل کرتا ہوں کہ لاہور کی خواتین تو اس میں حصہ لیں گی ہی مگر بیرونی جماعتوں کی خواتین بھی کثرت سے اس عزم کے ساتھ سالانہ جلسہ میں شامل ہوں کہ انہوں نے اگلے سال کے اندر اندر اس کام کو شروع کر دینا ہے اور ایک سال کا خرچ، جو قریباً تین ہزار روپیہ ضرور ہونا چاہئیے، فوراً جمع کر کے آئندہ کے لئے اسے مستقل طور پر چلانے کی تجاویز سوچیں اور کمر ہمت باندھ کر یہ ثابت کر دیں کہ مسلمان خواتین بھی جماعتی جہاد کی اہل ہیں۔ دو چار بھی صاحب ہمت خواتین اٹھیں تو یہ تین ہزار روپیہ کچھ چیز نہیں۔ مگر میں پھر دوہرانا چاہتا ہوں کہ یہ سب فکر خواتین کو ہی کرنا چاہئیے مردوں کے لئے اور تفکرات بہت ہیں۔ محمد علی

دارالیتامٰی کی تعمیر: (17 دسمبر 1937ء) دارالیتامٰی کی تعمیر کے لئے نصف نہیں بلکہ تین چوتھائی کا انتظام ہو گیا۔ میرے مضمون کے اخبار میں چھپنے سے پہلے خان بہادر میاں غلام رسول صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ورئیس جھنگ کی طرف سے اطلاع مل گئی ہے کہ وہ ایک چوتھائی کا ذمہ لیتے ہیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ میاں صاحب موصوف نے بھی پچھلے سال ایک کمرہ بورڈنگ ہاؤس کا بنوا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے افضال ان پر اور ان کے خاندان پر ہوں۔ محمد علی

22 دسمبر 1937ء

روئیداد

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا سفر بٹالہ وقادیان

مقدمہ سرکار بنام شیخ عبدالرحمٰن صاحب (مہر سنگھ) قادیان میں مدعا علیہ کی طرف سے حضرت امیر کو بطور گواہ صفائی عدالت (ریذیڈنٹ مجسٹریٹ بٹالہ میں بلایا گیا تھا۔ بٹالہ جا کر معلوم ہوا کہ مقدمہ شیخ صاحب کے ایک ٹریکٹ کی بنا پر سرکار کی طرف سے چلایا جا رہا ہے۔ جس میں حضرت بابا نانکؒ کو گرنتھ صاحب کی تحریروں کی بنا پر مسلمان ثابت کیا گیا تھا۔ اگر اس بارہ میں پہلے سے اطلاع ہوتی تو کافی مواد حوالہ جات پیش کئے جا سکتے تھے۔

صبح آٹھ بجے کے قریب حضرت امیر معہ مکرم ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور خان صاحب محمد منظور الٰہی لاہور سے بذریعہ موٹر روانہ ہو کر ساڑھے نو بجے کے قریب امرتسر پہنچے۔ تقریباً ایک گھنٹہ سید نورالحسن شاہ صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس امرتسر کی کوٹھی پر ٹھہر کر بٹالہ 11 بجے پہنچ گئے۔ کچھ دیر کے بعد آپ کو شہادت کے لئے کمرہ عدالت میں بلایا گیا۔ ایک گھنٹہ کے قریب شہادت ہوتی رہی جس کے بعد ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب کو بھی گواہ صفائی طلب کر لیا گیا۔ ڈیڑھ بجے کے قریب فارغ ہو کر اخویم شیخ رحمت الٰہی صاحب انجینئر ہانڈر الیکٹرک کے بنگلہ پر، جو سٹیشن کے قریب ہے کھانا کھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ جہاں پر ڈاکٹر محمد شریف صاحب ریٹائرڈ سول سرجن بھی تشریف فرما تھے۔ شیخ صاحب نے کھانا کا نہایت پر تکلف انتظام کیا ہوا تھا۔ جس سے فارغ ہو کر مع ڈاکٹر محمد شریف صاحب بذریعہ موٹر ہی قادیان کے لئے روانہ ہو گئے۔ تین بجے بعد دوپہر قادیان پہنچ کر سیدھے حضرت مسیح موعود کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور جملہ بزرگان سلسلہ کے مزارات پر فاتحہ خوانی فرمائی۔ چونکہ وقت بہت کم تھا اور شام تک واپس لاہور پہنچنا تھا۔ اس لئے نصف گھنٹہ کے بعد قادیان سے روانگی عمل میں آئی۔ نہر پر ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے ادا کی گئیں اور شام کو سات بجے بخیریت واپس لاہور پہنچ گئے۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ

26 جنوری 1938ء

دعائے حرم

ارضِ مقدس میں اللہ تعالیٰ کے حضور التجاء بیتاب

اے خدا تیرے لئے ہر ذرّہ ہو میرا فدا مجھ کو دکھلا دے بہارِ دیں کہ میں ہوں اشکبار

دو تین سال قبل اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاکسار کو حج بیت اللہ شریف اور روضہ نبویؐ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ روانگی سے قبل حضرت مولٰینا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے ایک نہایت مؤثر دعا مندرجہ ذیل ارشاد کے ساتھ رقم فرما کر عنایت فرمائی۔

''وہ مقام جہاں آپ جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے افضال اور نصرتوں کی جگہ ہے۔ وہ دن جن میں آپ وہاں ہوں گے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات کے نزول کے خاص ایام ہیں۔ وہ مجمع جس میں آپ موجود ہوں گے سب کا سب دیوانہ وار تڑپ اپنے مولٰی کی رحمتوں کے لئے رکھتا ہوگا اور وقت ایسا ہوگا کہ خدا اور انسان کے درمیان سے حجاب اٹھ گئے ہوں گے اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی آواز بلند ہو کر یہ نظارہ پیدا کر رہی ہوں گی کہ میدان محشر کی طرح سب انسان خدا کے حضور کھڑے ہیں۔ وہ وقت قبولیت دعا کا وقت ہوگا۔ دلوں پر رقت ہوگی اور آنکھوں میں آنسو ہوں گے اور دل بے اختیار خدا کی طرف بہے جاتے ہوں گے۔ ان حالات میں خواہ آپ خانہ خدا کی دیواروں کے پاس پھر رہے ہوں خواہ عرفات کے مجمع میں کھڑے ہوں خواہ رات کی تنہائیوں میں ہوں۔ ہاں جب مدینہ منورہ جائیں تو روضہ مطہرہ پر بھی یہ دعا کریں۔ جو پیرایہ خدا سمجھائے اسی پیرایہ میں کریں۔''

چنانچہ ارض مقدس میں یہ دعا خاکسار نے مختلف مواقع پر مانگی۔ مدینہ منورہ میں، دارالحدیث کے جلسہ میں کثیر مجمع کے اندر بھی پڑھی گئی جس سے حاضرین پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی اور فی الحقیقت یہ ایک نہایت مؤثر دعا ہے۔ یہ ایک فدائے اسلام کی التجاء بیتاب اور ایک عاشقِ رسولؐ کی دلی تڑپ ہے۔ اب میں اس دعا کو اس مقصد سے شائع کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جن دوستوں کو اپنے فضل سے

حج اور دربار نبویؐ میں حاضری کی نعمت عطا کرے، وہ ارض مقدس میں اس دعا کو بار بار پڑھیں۔ اس کی اشاعت سے دوسری غرض میری یہ ہے کہ لوگوں کو حضرت مسیح موعود کے ایک عظیم المرتبت شاگرد اور جماعت احمدیہ لاہور کے امیر حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کے پاکیزہ دلی جذبات کا اندازہ ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ ممدوح کے قلب میں خدمت واشاعت دین کا کس قدر بلند جذبہ اور غلبہ اسلام کی کیسی زبردست امنگیں موجود ہیں۔ آخر پر میں ہر دوست سے درخواست کروں گا کہ وہ اس دعا میں اس قدر اور اضافہ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولٰینا ممدوح جیسے عاشق وخادم اسلام کو تا دیر سلامت رکھے اور انہیں بیش از پیش خدمات دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین (خاکسار حاجی شیخ محمد اسماعیل ملز اونر لائل پور)

دعائے حرم: ''اے خدا! تیرا دین نہایت ہی بیکسی کی حالت میں ہے۔ دنیا تیری دی ہوئی نعمتوں سے بھری ہوئی ہے۔ سونے اور چاندی کے پہاڑ بھی دنیا میں موجود ہیں۔ مگر اے مالک! تیرے دین کو، ہاں! اس دین کو جس کے متعلق تیرا حکم تھا کہ اسے دنیا کے کناروں تک پہنچایا جائے، دنیا میں پہنچانے کے لئے سامان نہیں ملتا۔ اے خدا! تثلیث اور کفارہ کے پھیلانے کے لئے دنیا کا مال پانی کی طرح بہہ رہا ہے اور دنیا کی طاقت اس کی پشت پر ہے۔ مگر تیرا دین حق اس بیکسی کی حالت میں ہے کہ مسلمانوں کے دل بھی اس کے لئے نرم نہیں ہوتے۔ تیرے پیغمبرؐ کے پروانے تو بہت ہیں مگر اس کی محبت کی آگ میں اپنے آپ کو جلا دینے والے نظر نہیں آتے۔ اے خدا! تیرے مسیح نے ایک جماعت تیار کی تھی کہ وہ تیرے دین کو دنیا میں پہنچائے اور تیرے وعدوں کے پورا ہونے کا نظارہ دکھائے۔ مگر آہ! وہ جماعت بھی سیاست میں بہہ گئی اور ایک چھوٹا سا گروہ، جو دنیا کی نظروں میں حقیر ہے، باقی رہ گیا۔ مگر اے خدا! وہ بھی کمزور ہے اور تیری امانت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اے خدا! تو ان کے سینوں میں وہ درد اپنے دین کا پیدا کر جو تو نے اپنے پاک رسولؐ کے سینے میں پیدا کیا تھا اور اپنے دین کے غم میں ان کی وہ حالت کر دے جو تو نے اپنے رسولؐ کی کی تھی۔ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (3:26) اے خدا! تو ان کی

دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کر اور اپنی محبت کی ایسی آگ ان کے سینوں میں جلا کہ وہ سب خس وخاشاک کو جلا دے اور اُس کی حرارت سے مردہ دلوں کے اندر زندگی پیدا ہو جائے۔ اے خدا! تو اپنی نصرتوں کی ہوائیں اس گروہ پر چلا اور اپنے فضلوں کی بارش ان پر برسا۔ اور اپنی رحمتوں کے دروازے ان پر کھول دے۔ اے خدا! تو اس گروہ کو یہ توفیق دے کہ تیرے کلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے۔ اُن بستیوں میں پہنچا دے جہاں یہ آج تک نہیں پہنچا۔ اے خدا! تو ہماری زندگی میں یہ نظارہ دکھا کہ دجال کی مملکت میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوں اور مسجدیں بن جائیں اور تیرا نام فضا میں گونجنے لگے۔ اے خدا! تو ہمیں ان آنکھوں سے وہ نظارہ بھی دکھا جو تو نے اپنے رسولؐ کو اور اس کے ہزار ہا سچے نام لیواؤں کو دکھایا ہے۔ ان کے ہاتھ پر گروہ در گروہ اور فوج در فوج لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور شہروں کے شہر اور ملکوں کے ملک کلمہ توحید پڑھنے لگے۔ اے خدا! تو ہمیں یہ بھی نظارہ دکھا کہ گروہ در گروہ لوگوں کو تیرے دین میں داخل ہوتا دیکھیں۔ آمین ثم آمین''

9فروری1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

پیغام عید

☆عید کا سب سے پہلا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر خدا کو یادرکھو۔عید کے دن ساری دنیا میں ایک ہی وقت میں اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کی آوازیں اس قدر زور سے بلند ہوتی ہیں کہ ساری دنیا کی فضا اس گونج سے بھر جاتی ہے۔مگر قابل غور یہ ہے کہ جو گونج فضا میں پیدا ہوتی ہے، کیا وہ ہمارے دل اور روح میں بھی پیدا ہوئی ہے؟!اصل میں اس گونج کا انسان کے اندر ہی پیدا کرنا مقصود ہے۔اور وہاں یہ گونج پیدا ہو جائے تو انسان کا کوئی کام نہ ہو،جس میں غرض خدا کی بڑائی نہ ہو۔یہی اصل پیغام مذہب ہے۔

☆عید کا دوسرا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر اپنے بھائیوں کو بھی یادرکھو۔بالخصوص غرباء کو۔عیدالفطر میں صدقہ فطر ہے،تو عیدالاضحٰی میں قربانی کا گوشت ہے۔یہ بھی ایک سبق ہے کہ اپنے بھائیوں کی جسمانی رنگ میں فکر کرتے ہو تو روحانی رنگ میں بھی ان کی فکر کرو۔کیا آپ نے اپنے نادار اور مفلس بھائیوں کو، جو قرآن کی نعمت سے محروم ہیں،اس روحانی غذا پہنچانے کا کوئی انتظام کیا ہے؟!

☆عیدالضحٰی کا تیسرا پیغام قربانی ہے۔ہر قریہ ہر شہر میں ایک ہی وقت میں ہزاروں جانوروں کی گردنوں پر چھریاں رکھ دی جاتی ہیں۔مگر کس لئے؟ اس کا جواب قرآن شریف دیتا ہے وَبَشِّرِ الۡمُخۡبِتِیۡنَ. الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُھُمۡ (22:34-35)تاکہ اس نظارہ کو دیکھ کر انسانوں کے دلوں کے اندر عاجزی پیدا ہو۔اور جانور کو جب اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے،ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو کہ جس طرح یہ جانور ہمارے محکوم ہیں،ہم بھی کسی کے محکوم ہیں۔تو اصل غرض یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں سارے عالم اسلام کے اندر ایک قربانی کی لہر اٹھے۔کیا جانور کی قربانی کے ساتھ یہ موج قربانی کرنے والے کے دل کے اندر بھی پیدا ہوئی ہے؟اگر ہوئی ہے تو اس کی قربانی قبول ہوئی ہے۔اگر نہیں،تو نہیں۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ. (27:5)اللہ صرف متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔جس کے دل کے اندر قربانی کی روح پیدا نہیں ہوئی، وہ متقی نہیں, نہ اس کی قربانی قبول ہوئی ہے۔غور کرو کہ اس وقت کتنے لوگ عالم اسلامی میں ہیں،جن کی قربانیاں قرآن کریم کے اس صریح ارشاد کے مطابق پوری ہو رہی ہیں؟کسی بُری عادت کو ذبح کر دو۔کسی نیک عادت کو اختیار کر لو۔محمد علی

17 مارچ 1938ء

ہماری قومی زندگی میں ایک اہم تقریب
انجمن کی سلور جوبلی کے متعلق پہلی تحریک

ہماری انجمن کو لاہور میں قائم ہوئے پچیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قابل ہو رہے ہیں کہ اس دینی ادارہ کی سلور جوبلی منا سکیں۔ اس قسم کی تقریبات اس لحاظ سے مفید ہوتی ہیں کہ ان سے جماعت میں ایک خاص حرکت و بیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے ولولے زندہ اور حوصلے از سر نو بلند ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص جماعت کے نوجوان اپنے ماضی کی طرف دیکھ کر مستقبل کو زیادہ شاندار اور مفید بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ 25 فروری 1938ء میں (جو گذشتہ اشاعت میں درج ہوا ہے) اس موضوع پر چند ضروری باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ جن پر تمام وابستگان سلسلہ کو پوری طرح غور و عمل کرنا چاہیئے۔ یہ تقریب ہماری جماعتی زندگی میں ایک اہم موقع ہے۔ اس پر ہمیں کوئی ایسا مفید اور عظیم الشان کام سرانجام دینا چاہیئے جو ہماری گذشتہ روایات اور مقاصد کے عین مطابق اور شایان شان ہو۔

ہماری جماعت خدمات دینی کے لحاظ سے تمام عالم اسلامی میں ممتاز ہے اور اس کو یہ امتیاز اس لئے حاصل ہوا ہے کہ اس نے تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کو اپنی زندگی کا مقصد وحید بنا لیا ہے اور اسی کے لئے وقف ہو گئی ہے۔ اس وقت دنیا کے باقی تمام مسلمانوں پر اس بارہ میں غفلت و جمود کی تاریکی چھائی ہوئی ہے وہ قرآن سے محبت کا دعوٰی کرنے کے باوجود اس کی خدمت و اشاعت کے لئے کوئی حرکت نہیں کرتے۔ اس عالمگیر جمود و غفلت و بے حسی و لاپرواہی کی تاریکی میں ہماری جماعت نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے قرآن کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ جن کے ایمان افروز نتائج اظہر من الشّمس ہیں۔

حضرت ممدوح نے اپنے محولہ بالا خطبہ میں بالکل بجا ارشاد فرمایا کہ:

> ''اپنی جماعت کے مقصد اور گزشتہ روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ اس موقع پر قرآن کی عظمت کو ظاہر کرنے کا کوئی عظیم الشان کام کریں۔ سردست میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا تجویز ہوگی۔ لیکن بہرحال اتفاق رائے یا کثرت رائے سے

ہمیں اس کا بھی جلد فیصلہ کرنا ہوگا۔ 15-16 اپریل کو ہماری جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوگا۔ اس میں ممبروں کے علاوہ دیگر خاص دوستوں کو بھی بلایا جائے گا۔ وقت زیادہ نہیں ڈیڑھ مہینہ باقی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان کی تجاویز اس کے کمزور علم پر مبنی ہوتی ہیں۔ ایک کام ہم جانتے ہیں کہ یوں ہو جائے۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اگر یہ کام قرآن کی عظمت کو ظاہر کرنے والا نہ ہوا تو ہمارا قدم اصل راستہ سے ہٹ جائے گا"

یہ تو ایک طے شدہ بات ہے کہ اس تقریب پر ہم جو کام بھی کریں گے وہ خدمت واشاعت قرآن کے متعلق ہوگا۔ لیکن اس کی معین صورت کیا ہوگی؟ اس کے متعلق حضرت ممدوح کا ارشاد ہے کہ:

"لیکن اس کے متعلق تجویز کیا ہے؟ یہ تا حال میرے ذہن میں بھی نہیں اور آپ میں سے بھی بہت ساروں کے ذہنوں میں نہیں ہوگی۔ لیکن اگر ہم دعا کریں **اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ** (5:1) کہ اے اللہ! ہمیں اس کے متعلق سیدھا راستہ دکھا، تو ہم اس کے فضل سے کوئی صحیح تجویز سوچ سکیں گے۔ میری خواہش ہے کہ اس سے قبل کہ اس بارہ میں کوئی فیصلہ کیا جائے، ہم میں سے ہر ایک شخص چالیس دن تک دعا کرے، جس کو توفیق ہے، وہ نماز تہجد میں اس کے متعلق دعا کرے جس کو اس کی توفیق نہیں، وہ عام نمازوں میں دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس راستہ پر چلاتے ہوئے جو مجدد زمان نے ہم کو بتایا، جس کا مقصد محض اللہ کے نام کو بلند کرنا اور اس کی کتاب کو پھیلانا ہے، ہمیں کوئی بہتر تجویز سوجھا دے!......اور اس کے ساتھ ہی دعا کریں کہ ہم جو کوئی فیصلہ کریں اس کو سب مل کر عمل میں لانے کی کوشش بھی کریں"

ہمیں امید ہے کہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل میں جماعت کے تمام حلقوں میں دعاؤں کا سلسلہ شروع ہو چکا ہوگا۔ ہم میں سے ہر ایک فرد کا فرض ہے کہ وہ خلوص دل اور عاجزی کے ساتھ خدا کے حضور دعا کرے اور اس بات کے لئے آمادہ ہو جائے کہ انجمن کی سلور جوبلی کے متعلق قومی فیصلہ کو عمل میں لانے کی انتہائی کوشش کرے گا۔

قسط دوم: مطبوعہ دراشاعت 22 مارچ 1938ء انجمن کی سلور جوبلی اور نوجوانانِ جماعت کے

فرائض: امید ہے انجمن کی سلور جوبلی کے خیال سے احباب سلسلہ اور قارئین ''پیغام صلح'' بخوبی واقف ہو چکے ہوں گے۔ کیونکہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبات جمعہ اور گذشتہ اشاعت کے مقالہ افتتاحیہ میں اس کا ذکر مناسب تفصیل سے آ چکا ہے۔ ہماری جماعت کو لاہور میں قائم ہوئے چوبیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور عنقریب اس کی زندگی کے پچیس سال پورے ہو جائیں گے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہم کو اپنے اصول اور حضرت مسیح موعود کی صحیح تعلیمات کے تحفظ کی خاطر ایک غالی اور غلط رو اکثریت کے آگے جھکنے اور اس کے ہمنوا ہونے سے محفوظ رکھا۔ ہم انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں قادیان سے لاہور پہنچے۔ حالات ناموافق اور اسباب وذرائع مفقود تھے۔ لیکن ہمارے چند باہمت بزرگوں نے ہر ایک چیز سے بے پرواہ ہو کر محض اللہ تعالیٰ کے بھروسے اس کام کی بنیاد رکھ دی۔ جو آج آپ کو ایک عظیم الشان عمارت کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔ ذرا غور کیجئے۔ اگر اس وقت یہ چند بزرگ ہمت نہ کرتے تو یقیناً حضرت مسیح موعود کا صحیح مشن اور آپ کی صحیح تعلیمات لوگوں کو فراموش ہو چکی ہوتیں۔ احمدیت کی اصل غرض وغایت ایک داستان ماضی بن چکی ہوتی۔ آج چاروں طرف غلو ولاعلمی کی تاریکی چھائی ہوئی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان باہمت بزرگوں کی دردبھری دعاؤں کو سنا اور مخلصانہ کوششوں کو قبول فرمایا۔ اس دینی کام میں روز بروز کامیابی وترقی ہونے لگی۔ آج ہمارے اندوختہ عمل پر چاروں طرف سے رشک بھری متعجبانہ نظریں پڑ رہی ہیں۔ اس قدر قلت تعداد ذرائع کے باوجود اس قدر کام! صفحہ ارض پر اس کی کوئی دوسری مثال کسی جماعت میں سے بھی پیش نہیں کی جا سکتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ ہمارا مقصد اس سے بہت بلند ہے۔ ہم نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا جو تا حال کرنا باقی ہے۔ دنیا کے بہت سے ملک اور لاتعداد بستیاں ایسی ہیں جہاں ابھی تک اسلام کا نور اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں پہنچا۔ وہاں ہم نے اس نور اور اس بابرکت نام کو پہنچانا ہے۔ اولاد آدم کی بہت بڑی تعداد کروڑ در کروڑ انسان اسلامی تعلیمات سے نا آشنا ہیں۔ انہیں قرآن پاک کا پیغام سنانا ہے۔ یہ اتنا بڑا کام ہے جس کے لئے دین کا جنون اور بے باک جرأت کی ضرورت ہے۔ قربانیوں اور بے شمار قربانیوں کی ضرورت ہے۔ ہزاروں لائق وقابل

اور مخلص وایثار پیشہ نوجوانوں کی زندگیوں کی ضرورت ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ تڑپتے ہوئے دین کے درد میں بے تاب دلوں کی مسلسل دعاؤں کی ضرورت ہے۔

مختلف قومیں مختلف طریقوں اور شکلوں میں اپنے اداروں کی جوبلیاں مناتی ہیں۔ لیکن ہمارے لئے اپنی انجمن کی جوبلی منانے کا بہترین اور موزوں ترین طریق یہی ہے کہ ہم اس کے حضور سجدہ شکر ادا کریں کہ اس نے ہم کو جماعتی زندگی کے پچیس سال عطا فرمائے۔ ہم بے سروسامان تھے۔ ہم کو سامان عطا فرمایا اور اس قابل بنایا کہ اس کے دین کی تھوڑی سی خدمت کر سکیں۔ اس سجدہ شکر کے بعد ہمیں یہ کرنا چاہئے کہ آئندہ کے لئے کسی ایسے کام کی داغ بیل ڈال دیں جو ہماری جماعت کے مقصد حیات اور گذشتہ روایات کے مطابق ہو کوئی ایسا بلند و محکم مینار تعمیر کر دیں جس سے اسلام کا نور دور دور پھیلے اور قرآن کی آواز بلند ہو۔ آج کل اولاد آدم کی کشتی حیات مادیت و دہریت کے خوفناک سمندر میں ڈگمگا رہی ہے اس وقت یقیناً ایک ایسے مینار نور کی ضرورت ہے جو اس کو آسمانی روشنی پہنچا کر اخلاقی و روحانی تباہی سے بچا لے۔

اس تجویز کی عملی صورت کیا ہوگی؟ اس کا فیصلہ جنرل کونسل اور مجلس مشاورت کے اجلاس میں بزرگان و نمائندگان جماعت کی آراء سے ہوگا۔ ان کا فرض ہے کہ وہ اس بارہ میں اچھی اور عملی تجاویز سوچیں۔ اس کے ساتھ ہی تمام افراد جماعت کا فرض ہے کہ وہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بارہ میں بہترین تجاویز سوچنے اور اس کو متحدہ قوت و کوشش کے ساتھ عملی جامہ پہنانے کی توفیق دے۔

قریب قریب یہ تمام باتیں قبل ازیں کہی جا چکی ہیں۔ اس صحبت میں ہم نوجوانان جماعت کو خاص طور پر مخاطب کرنا چاہتے ہیں۔ سلور جوبلی کی تقریب کے سلسلہ میں انجمن جس کام کی بھی بنیاد رکھے گی وہ زیادہ تر زمانہ مستقبل سے متعلق ہوگا۔ مستقبل کے مالک و ذمہ دار نوجوان ہی ہیں۔ اور کل کو ان ہی کے کندھوں پر جماعتی کاروبار کا بوجھ پڑنے والا ہے۔ اس لئے ہم نوجوانان جماعت کو کہنا چاہتے ہیں کہ سلور جوبلی کے سلسلہ میں بزرگان و نمائندگان جو تجویز بھی سوچیں۔ اس کو عملی شکل دینے کا اولین فرض نوجوانوں پر ہی عائد ہوتا ہے۔ انہیں اس فرض کی ادائیگی کے لئے ہمہ تن تیار رہنا

چاہئے اور اس بات کا عزم کر لینا چاہئے کہ سلور جوبلی کی تقریب سے ہماری جماعتی زندگی کا ایک زیادہ شاندار اور زیادہ عملی دور شروع ہوگا اور ہم اپنے مقصد اور منزل مقصود کی طرف زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ بڑھیں گے۔

قسط سوم: مطبوعہ دراشاعت (3 اگست 1938ء) وابستگان سلسلہ کو خوب اچھی طرح یاد ہوگا کہ 15 اپریل 1938ء کو مرکز میں ''مجلس مشاورت'' کے نام سے بزرگان جماعت ونمائندگان جماعت کا ایک اہم اجتماع منعقد ہوا تھا۔ جس میں تبادلہ خیالات اور کافی غور وفکر کے بعد فیصلہ کیا گیا تھا کہ:

> ''انجمن کی سلور جوبلی اسی سال جلسہ سالانہ کے موقع پر منائی جائے اور ایک لاکھ روپیہ ریزرو فنڈ کے لئے فراہم کیا جائے۔ فراہمی روپیہ کے لئے تحریک وصایا کی تکمیل کی جائے اور موصیّن سے اپیل کی جائے کہ وہ پانچواں حصہ قیمت جائیداد وصیت کردہ کا جلسہ سالانہ آئندہ تک نقد ادا کر دیں یا اس قدر حصہ انجمن کے نام ابھی سے ہبہ کر دیں۔ تاکہ انجمن کو اس حصہ جائداد کی آمد آنا شروع ہو جائے۔ جوبلی ریزرو فنڈ کا کل روپیہ استحکام جماعت پر خرچ ہو۔''

مندرجہ بالا فیصلہ کی اہمیت اس بات کی طالب تھی کہ جماعت کے تمام حلقے۔ مرد، عورتیں، بوڑھے، نوجوان حتّٰی کہ بچے بھی فی الفور اس کو عملی جامہ پہنانے کی سرگرم تیاری شروع کر دیتے۔ افسوس ایسا نہیں ہوا۔ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی تشویشناک علالت نے بھی جماعت کی توجہ کو دوسرے اکثر معاملات کی طرف سے ہٹا لیا۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت ممدوح صحت یاب ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ہمیں مزید تاخیر کئے بغیر سلور جوبلی کی تقریب کو جماعتی فیصلہ کے مطابق کامیاب بنانے کی تیاری شروع کر دینی چاہئے۔ اب وقت بھی کچھ زیادہ نہیں۔ بمشکل ساڑھے چار ماہ کا وقفہ رہ گیا ہے۔ یاد رہے کہ صرف نمائش کے طور پر ایک تقریب منا لینا کسی لحاظ سے بھی فائدہ رساں نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس سے حقیقی مقصد حاصل نہ کیا جائے۔ انجمن کی سلور جوبلی سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس موقع پر ایک ایسا کام کیا جائے جو جماعت کی ترقی واستحکام کا باعث ہو۔

اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے نوجوانان جماعت کو مخاطب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا جوش

عمل ہی اس جماعتی فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے میں سب سے زیادہ معاون ہوسکتا ہے۔ ہمارے نوجوان طبقہ میں بعض افراد ماشاءاللہ معقول جائدادوں کے مال ہیں۔ انہیں فی الفور وصیت کر دینی چاہیئے۔ ان کا یہ فعل نہ صرف اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ درجہ کا ہوگا بلکہ اس سے جماعت کے دیگر اہل ثروت اور غیراز جماعت لوگوں پر نہایت مفید اخلاقی اثر پڑے گا اور جو نوجوان صاحب جائداد نہیں وہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے دوسرے طریق پر امداد دے سکتے ہیں۔ غیراز جماعت طبقوں سے چندہ فراہم کر سکتے ہیں۔ اپنے بزرگوں کو وصایا پر آمادہ کر سکتے ہیں۔

چند ہفتوں تک سردیوں کی آمد آمد ہے۔ کالج وغیرہ کھل جائیں گے۔ لوگ پہاڑوں سے اتر آئیں گے۔ گویا سرگرم کام کرنے کا موسم آ رہا ہے۔ نوجوانوں کو اپنی زندگی اور صحیح احساس جماعتی کا مظاہرہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اس موقع پر ہم پھر مرکزی ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن کو مخاطب کرنے کی جسارت کریں گے۔ کاش! اس میں کوئی حرکت پیدا ہو اور وہ ایک اچھے نظم کے ماتحت نوجوانوں سے یہ کام لے۔

ہماری جماعتی زندگی میں ایک اہم مرحلہ: (9اپریل 1938ء) بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن کی اہمیت تقاضا کرتی ہے کہ انہیں بار بار جماعت کے سامنے لایا جائے اُنہیں میں سے ایک انجمن کی سلور جوبلی ہے۔ اگر ہم اس تقریب کو دوسرے لوگوں کی طرح معمولی طریق پر اظہار مسرت کے طور منانا چاہتے تو یقیناً اس کے لئے کسی لمبی چوڑی تیاری کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جیسا کہ آپ کو حضرت امیر اید ہ اللہ تعالیٰ کے خطبات اور ''پیغام صلح'' کے دوسرے مضامین سے معلوم ہو چکا ہوگا، اس تقریب پر خدمت اسلام کے کام کے لئے کسی مستقل اور پائیدار بنیاد رکھنے کا ارادہ ہے۔ پیش نظر اشاعت میں بھی حضرت ممدوح کا جو خطبہ شائع ہو رہا ہے اس میں بھی آپ نے فرمایا ہے کہ:

> ''آئندہ دسمبر میں جلسہ سالانہ پر ہم اپنی قومی زندگی کا ایک مرحلہ یعنی چوتھائی صدی طے کر چکے ہوں گے۔ لہٰذا اس وقت ہمیں یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ قوم کے نمائندگان اور اہل الرائے اصحاب جمع ہوکر کوئی ایسی بات سوچیں جس سے وہ کام، جس کو ہم اب تک ایک ایک قدم اٹھا کر کرتے رہے ہیں، ایک مستقل ومضبوط بنیاد

پر قائم ہو جائے۔اب تک ہمارے کاموں کا رنگ یہ ہے کہ آج ایک کام کرلیا تو کل دوسرے کے لئے توجہ دلائی گئی، تو اس کے لئے قدم اٹھالیا۔لیکن اس موقع پر میں خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہمیں کوئی ایسی کوشش کرنی چاہیئے کہ ہمارے کاموں کی بنیاد کسی مستقل اور دیرپا بنیاد پر قائم ہو جائے جو صدقہ جاریہ کا کام دے۔''

اس کے بعد اسی خطبہ میں ممدوح نے فرمایا:

''وہ تمام دوست جنہیں دعوت دی گئی ہے وہ مجلس مشاورت میں ضرور شریک ہوں۔ اور اس کو اپنا ایک اہم دینی فرض سمجھیں۔ہاں کسی اشد ضرورت یا مجبوری کو پیش کر کے وہ اجازت لے سکتے ہیں۔اب تک تو یہ کیفیت ہے کہ ہم ایک کام کر لیتے ہیں اور پھر ٹھہر جاتے ہیں۔لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی بنیاد رکھیں کہ خود بخود کام چلتا جائے۔مجلس مشاورت میں اس کے متعلق جو تجویز منظور ہوگی، اس کو عمل میں لانے کے لئے صرف آٹھ مہینے باقی رہ جائیں گے۔ یہ کوئی بڑا وقت نہیں۔میں نے دیکھا ہے کہ بعض اوقات دو دو تین تین مہینے معمولی معمولی باتوں میں صرف ہو جاتے ہیں۔ سو ہم سب کو اس کام کے لئے پوری طرح تیار رہنا چاہیئے''

مجلس مشاورت کے متعلق ہم گذشتہ اشاعت میں کافی لکھ چکے ہیں۔حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کے یہ تاکیدی ارشادات اور ہماری یہ گذارشات اس بارہ میں کافی ہیں۔ہمیں امید ہے کہ مجلس مشاورت کے موقع پر جن بزرگان واحباب جماعت کو دعوت دی گئی ہے وہ ضرور تشریف لاکر اپنے مفید مشوروں کے ذریعہ کوئی بہتر اور احسن تجویز طے کرنے میں مدد دیں گے۔لیکن اس سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ مجلس مشاورت میں جو تجویز طے پائے اس کو پوری مستعدی سرگرمی اور خلوص سے عملی شکل دی جائے۔اس میں ہر ایک فرد جماعت کی مدد و توجہ کی ضرورت ہوگی۔کام کی نوعیت اور اہمیت آپ کے سامنے ہے۔ یہ کام جماعت کی مجموعی قربانیوں کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا ہے لہٰذا ضرورت ہے کہ جماعت کا ہر ایک فرد، تمام مرد، تمام عورتیں، جوان بچے اور بوڑھے پورے جوش اور ولولہ کے ساتھ مجلس مشاورت کی تجویز کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار رہیں۔ جونہی یہ تجویز ان کے سامنے آئے وہ اسے کامل

انہماک اور یکجہتی سے عملی شکل دینے میں مصروف ہو جائیں۔ جیسا کہ حضرت ممدوح نے فرمایا کہ آٹھ مہینے کا عرصہ کچھ زیادہ نہیں۔ اس عرصہ میں ہم سلور جوبلی کی کامیاب اور خاطر خواہ تیاریاں اسی صورت میں کر سکتے ہیں جبکہ پوری سرگرمی سے کام لیں اور وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں۔

ارشاد امیر: مجلس مشاورت میں آنے والے احباب سے میری درخواست ہے کہ جس وقت یہ اخبار ان کے ہاتھ میں پہنچے گا تقریباً ایک ہفتہ مجلس مشاورت کے انعقاد میں باقی ہوگا۔ ان ایام میں یہ سب احباب پچھلی رات اٹھ کر دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ اس موقعہ پر ہماری جماعت کی صحیح طور پر رہنمائی فرمائے اور اس کے اندر یہ قوت پیدا کرے کہ وہ اس کے دین کی خدمت کے لئے کوئی نہایت مضبوط قدم اٹھائے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر شامل ہونے والے اس تڑپ کو دل میں لے کر آئیں اور یہ تڑپ اس کے حضور میں دعاؤں سے ہی پیدا ہو سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے دروازے ہمارے لئے کھول دے گا اور ہماری دستگیری فرما کر ہمیں صحیح رستے پر چلائے گا۔ ایک جماعت کی جماعت جب اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتی اور اس سے نصرتوں کی طالب ہوتی ہے تو اس کا فضل یقیناً اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ خاکسار محمد علی

مجلس مشاورت کی منظور کردہ تجاویز: (21 اپریل 1935ء) مجلس مشاورت منعقدہ 15 اپریل 1938ء میں مندرجہ ذیل تجاویز بالاتفاق منظور ہوئیں:

1۔ جوبلی اسی سال جلسہ سالانہ کے موقع پر منائی جائے۔

2۔ ایک لاکھ روپیہ ریزرو فنڈ کے لئے فراہم کیا جائے۔ فراہمی روپیہ کے لئے تحریک وصایا کی تکمیل کی جائے اور موصیین سے اپیل کی جائے کہ وہ پانچواں حصہ قیمت جائداد وصیت کردہ کا جلسہ سالانہ آئندہ تک نقد ادا کر دیں یا اس قدر حصہ انجمن کے نام ابھی سے ہبہ کر دیں۔ تا کہ انجمن کو اس حصہ جائداد کی آمد آنا شروع ہو جائے۔ اس کے علاوہ جماعت کے سب افراد خود بھی چندہ جوبلی میں حصہ لیں اور دوسروں سے بھی فراہم کرنے کی کوشش کریں۔

3۔ جوبلی ریزرفنڈ کا کل روپیہ استحکام جماعت پر خرچ ہو۔

4۔ ہماری جماعت ایک تبلیغی جماعت ہے مگر نئے افراد اس میدان کے لئے تیار کرنے کا اس

وقت خاطر خواہ سامان نہیں اس کے لئے سامان کیا جائے۔

5۔ انجمن کوئی ایسی تجاویز اختیار کرے کہ جماعت کے غریب بچوں کو دنیاوی کاروبار کے قابل بنایا جائے۔ دینی تعلیم کے ساتھ صنعت وحرفت کا کام سکھایا جائے۔

اس طریق پر دیہات میں تبلیغ کا کام کرنے کے لئے مبلغین بھی تیار ہوسکیں گے۔ مسعود بیگ اسسٹنٹ سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

حضرت امیر کی خدمت میں ایک دردناک خط: (21 اپریل 1938ء)

بخدمت اقدس قبلہ امیر جماعت سلامت باشد

بعد سلام مسنون امید ہے آپ بفضل خدا بخیریت ہوں گے۔ عرض ہے کہ میں نے پہلے بھی اختصاراً حالات جماعت سے خدمت والا میں اطلاع دی تھی۔ اب پھر مفصل عرض کرتا ہوں:

میرے گاؤں کبیل تحصیل گوجر خاں میں عزیز کرامت حسین کی جلسہ سالانہ کے موقع پر بیعت کرنے سے سخت مخالفت احمدیت پیدا ہوگئی ہے۔ کرامت حسین میجر صوبیدار کا لڑکا ہے جو بہت متمول ہے۔ اس کو اس سے بہت رنج پہنچا اور یہ سارا خاندان میرا بھی جانی دشمن بن گیا۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ عزیز مذکور کو احمدیت سے باز رکھیں مگر وہ ناکام رہے۔ انہوں نے گاؤں میں ایک جلسہ منعقد کرایا اور بڑے بڑے مولویوں کو بلوایا۔ عزیز مذکور کو بھی راولپنڈی سے بلوالیا کہ وہ جلسہ کی تقاریر سے اور علماء سے بحث بھی کرلے۔ یہ جلسہ 27 فروری 1938ء کو ہوا۔ مگر مولویوں نے اسے بحث کی اجازت نہ دی۔ لوگوں کے اصرار پر اسے تقریر کے لئے دس منٹ دیئے گئے۔ جس میں اس نے مولویوں کی خوب خبر لی اور احمدیت کی صحیح تصویر کو اس خوبی سے پیش کیا کہ لوگ دنگ رہ گئے۔ اس کے باپ نے جب دیکھا کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تو اس نے بیٹے کو خوب پیٹا۔ مگر ایک صادق انسان ایسی باتوں کے خوف سے صداقت کو کہاں چھوڑ سکتا ہے۔ یہاں سے بھی ناکام ہونے پر باپ نے اسے عاق کردیا۔

جلسہ کے دوسرے دن میری پوتی فوت ہوگئی۔ رشتہ داروں میں سے بھی کوئی گھر نہ آیا۔ ان میں ایسے ایسے لوگ بھی تھے جو میرے بہت ممنون احسان تھے۔ مگر احسان کے متعلق قرآنی اصول کہ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (60:55) انہیں بھول چکا ہے۔ اب تو موچی مصلی اور چوہڑے

تک ہمارے پاس نہیں پھٹکتے۔ اگر ہمارا اپنا کنواں نہ ہوتا تو شائد کربلا کی حالت ہی آجاتی۔ میرے رشتہ داروں سے میرے خلاف حلف لئے جا رہے ہیں۔ حالات بد سے بدتر ہو رہے ہیں۔ ہم گھر کے تین افراد نے خود ہی قبر کھودی اور خود ہی بچی کو دفن کر دیا۔ مجھے ان تکلیفوں سے کوئی رنج نہیں بلکہ راحت محسوس ہوتی ہے۔ آزمائش کا وقت ہے خدا کامیاب کرے۔ افسوس تو اس امر کا ہے کہ ہمارے علاقہ میں ایک سید گھرانہ عیسائی ہو گیا۔ اس وقت ایک بھی مولوی کی ''غیرت اسلامی'' جوش میں نہ آئی۔ مگر ایک مسلمان خدمت دین کے کام میں حصہ لینے پر آمادہ ہوتا ہے تو یہ سب اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ عوام کا کیا ہے وہ تو مولویوں کے فتوؤں کو احکام خداوندی سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں۔

حالات مندرجہ میں دو ضروری گذارشات کرنا چاہتا ہوں۔ اول۔ تو یہ کہ بندہ اور عزیز مذکور کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان مصائب کو ہمارے لئے موجب رحمت بنائے اور ہمیں حق پر استقامت بخشے۔ دوم یہ کہ ہم بھی گاؤں میں ایک جلسہ کرانا چاہتے ہیں تاکہ اس سے مخالفوں کے زہریلے اثرات کو دور کیا جائے اور عوام تک امام زماں کا پیغام بالوضاحت پہنچا دیا جائے۔ ممکن ہے بعض سعید روحیں متاثر ہوئیں۔ والسلام خاکسار غلام ربانی کاپی ایجنٹ کچہری راولپنڈی

مخالفین احمدیت کی افسوسناک حرکتیں: (27 اپریل 1938ء) گذشتہ اشاعت میں غلام ربانی صاحب کاپی ایجنٹ کچہری راولپنڈی کا ایک دردناک خط درج کیا گیا تھا جو انہوں نے چند روز ہوئے حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں تحریر کیا تھا۔ اس خط میں ان افسوسناک اور ظالمانہ تکالیف کی مختصر کیفیت بیان کی گئی ہے۔

یہ کوئی اپنی قسم کا نیا اور نادر واقعہ نہیں۔ اسلام اور احمدیت کی ساری تاریخ اسی قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہوئی ہے۔ حق وصداقت کے شیدائیوں کو ہمیشہ بڑی بڑی تکالیف سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ یہ واقعات تو ان واقعات کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے جو ابتداء میں احمدیت کے شیدائیوں کو پیش آئیں۔ یہ ایک وقت ہوتا ہے جبکہ صداقت کی مخالف طاقتیں اپنا پورا زور لگاتی ہیں اور بداخلاقی وظلم کے ہر قسم کے حربے استعمال کرتی ہیں۔ یہ وقت جلد یا دیر اوپر سے گزر جایا کرتا ہے۔ اس کشمکش ومقابلہ کا نتیجہ ہمیشہ ایک ہی ہوا ہے وہ یہ کہ بالآخر حق وصداقت کا بول بالا ہوتا ہے اور اس کی مخالف طاقتوں کو ناکامی

ونامرادی حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا جہاں جہاں بھی ہمارے دوستوں کو اس قسم کے مخالف حالات سے دوچار ہو پڑے، انہیں انتہائی صبر واستقامت سے کام لینا چاہئے۔ اپنے علاوہ مخالفین کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں راہ راست پر لائے۔

اس مکتوب کا ذکر ہم نے ان کالموں میں ایک خاص غرض سے کیا ہے۔ اگر ذرا گہری نظر سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمان عوام کے اس طرز عمل کی وجہ جہالت ولاعلمی کے سوا اور کچھ نہیں۔ مکفر مولویوں اور پیروں کی کثیر تعداد بے شک جان بوجھ کر اپنی ذاتی اغراض کی وجہ سے احمدیت اور احمدیوں کی مخالفت کرتی ہے۔ لیکن جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ غلطی خوردہ ہیں۔ ملّانوں اور پیروں نے غلط بیانیوں کے ذریعہ ان کو بہکایا ہوا ہے اور ان کو بتایا گیا ہے۔

آہ! علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال: (27 اپریل 1938ء) علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی وفات اس ہفتہ کا سب سے زیادہ المناک حادثہ اور ایک بہت بڑا قومی نقصان ہے جس کی تلافی کی موجودہ حالات میں بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ایسے عظیم الشان دماغ صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج پورا ہندوستان بلا امتیاز مذہب وملت ان کے ماتم میں شریک ہے۔ ہندوستان کے باہر اسلامی ممالک اور یورپ کے علمی حلقوں میں بھی گہرے رنج وافسوس کا اظہار ہو رہا ہے۔

قدرت نے مرحوم کو غیر معمولی دل ودماغ عطا کیا تھا۔ آپ کی ذات بے شمار قابلیتوں کا مجموعہ تھی۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر، اعلیٰ درجے کے مفکر بینظیر فلاسفر اور نہایت صحیح الخیال سیاست دان تھے لیکن ہمارے نزدیک مرحوم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ کے دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر معمولی عشق تھا۔ اگر آپ کو گلشن حجاز کا بلبل شیریں نوا کہا جائے تو بالکل صحیح ہے۔ اس دہریت و مادہ پرستی کے دور میں، جبکہ بڑے بڑے مسلمان اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے بھی شرماتے ہیں اور وطنیت کا فتنہ اسباب پر ہے، آپ نے قابل تعریف جوش اور دلیری سے اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور فتنہ وطنیت کے خلاف آواز بلند کی اور اپنے پرسوز نغموں اور شعلہ نوائیوں سے مسلمانوں کو جگانا اور آمادہ عمل کرنا چاہا۔ اقبال کی عظمت اس بات سے بہت بڑھ جاتی ہے کہ انہوں نے ناموافق ومایوس کن حالات میں ایک کٹھن مشن کا بیڑا اٹھایا اور آخری دم تک اس کے لئے مصروف جدوجہد رہے۔

ان کی موت یقیناً ان کی زندگی کی طرح ہی شاندار ہے۔ ہر ایک شخص ان کی زندگی کی طرح ان کی قابل رشک موت سے بھی قیمتی سبق حاصل کر سکتا ہے۔

مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں بعض غلط فہمیوں اور مخالف اثرات کے ماتحت تحریک احمدیت کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کیا جو ان کی گذشتہ زندگی کے صحیح خیالات سے مختلف تھے۔لیکن آج ہم ان اختلافات کے دفتر کو تہہ کر کے تاریخ کے حوالے کرتے ہیں اور اس شاعر اعظم کی عظمت اور جذبہ اسلامی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے ماتم میں شریک ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے۔اس کی یاد یقیناً بے شمار انسانوں کو غیر محدود عرصہ تک رولائے اور تڑپائے گی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

وفات اور جنازہ کی کیفیت:(27اپریل 1938ء) لاہور 21اپریل صبح سوا پانچ بجے مشرق کے شاعر اعظم علامہ سر محمد اقبال کا انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. آپ کی صحت عرصہ سے خراب تھی۔ چندہ ماہ سے مختلف عوارض کی وجہ سے طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ڈاکٹر آپ کی زندگی سے مایوس تھے۔لیکن مختلف وجوہات کی بناء پر اس خطرناک علالت کی اشاعت اخبارات میں مناسب نہ سمجھی گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ علامہ موصوف کی زندگی کا خاتمہ قلب کی ایک شریان پھٹ جانے سے ہوا۔

26 مئی 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

مجدد اعظمؒ کا کام

تعلیم اسلام کے چہرے سے ایک ہزار سال کے بدنما دھبّوں کو دھو دیا

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ میری امت کی تین قرن یا تین صدیاں بڑی اچھی حالت میں گزریں گی **خَیۡرُ الۡقُرُوۡنِ قَرۡنِیۡ ثُمَّ الَّذِیۡنَ یَلُوۡنَھُمۡ ثُمَّ الَّذِیۡنَ یَلُوۡنَھُمۡ** اورفرمایا **ثُمَّ یُکُوۡنُ فِیَج اَعۡوَجُ** اس کے بعد ایک کجرو گروہ پیدا ہو جائے گا، جن کے متعلق فرمایا **لَیۡسُوۡا مِنِّیۡ وَلَسۡتُ مِنۡھُمۡ** نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں۔ اسی فیج اعوج کے زمانے میں تعلیم اسلامی کے خوبصورت چہرے پر بہت سے بدنما دھبے ڈال دیئے گئے۔ جنہیں اعداء اسلام نے اسلام سے تنفر پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا۔ ان دھبوں کو چودھویں صدی کے مجدد نے صاف کر کے از سر نو اسلام کا خوبصورت چہرہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ تجدید کا یہی عظیم الشان کام ہے، جس کی وجہ سے احمدی مبلغین مہذب دنیا کو اسلام کے سامنے جھکانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند باتوں کا ذکر میں اس مضمون میں کروں گا۔

1۔ قرآن کریم، حدیث نبویؐ، اجتہاد آئمہ کا صحیح مقام: کوئی مسلمان بھی نہیں، جسے اس بات سے انکار ہو کہ مسلمانوں کی ہدایت کا اصل سرچشمہ قرآن کریم ہے۔ مگر عملی زندگی میں قرآن کریم کو سب سے پیچھے ڈالا گیا ہے۔ جس چیز کو آج شریعت اسلام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، وہ قرآن وحدیث نہیں بلکہ فقہ اسلامی ہے۔ یعنی قرآن وحدیث سے آئمہ کا اجتہاد۔ اہل سُنت والجماعت کے نزدیک چار اماموں میں سے ایک کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اہل تشیع اپنے آئمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اہل حدیث نے کچھ ترقی کی، مگر وہ بھی حدیث پر آ کر ٹھہر گئے ہیں۔ ایک طلاق کے مسائل کو ہی لے لیں۔ باوجود قرآن کریم کے اندر اعلیٰ ترین اصول کی موجودگی کے، جن سے دوسری قومیں اپنی مشکلات کو حل کر رہی ہیں، خود مسلمان فقہ کی قیود کے اندر اس قدر جکڑے ہوئے ہیں، کہ کسی مسلمان رہنما کو یہ جرأت نہیں

کہ وہ یہ کہہ سکے کہ ہم قرآن کریم کے اصول پر عمل پیرا ہوں گے اور اگر اس کے خلاف کوئی بات فقہ میں ہے تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے! کسی مقدمہ میں ہائیکورٹ کے مسلمان ججوں کے سامنے بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن شریف کی رو سے یہ مسئلہ یوں ہے۔ بلکہ ''فتوٰی عالمگیری'' یا زیادہ سے زیادہ ھدایہ پرآ کر سند ختم ہو جاتی ہے۔ عیسائی مصنفین جو اسلام کی تصویر کھینچتے ہیں، وہ بھی صرف فقہی مسائل کو سامنے رکھ کر کھینچتے ہیں۔ اس لئے وہ اسلام کی صحیح تصویر نہیں ہوتی۔ حضرت مجدد کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے کہ آپ نے بلاخوف لَوۡمَةُ لَائِمٍ اس صحیح اصول کو قائم کیا کہ:-

☆ قرآن کریم تمام چیزوں پر مقدّم ہے۔ اور اسلام کی تعلیم کا وہی اصلی سرچشمہ ہے۔

☆ حدیث میں چونکہ اکثر روایت بالمعنی ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک کے الفاظ اکثر حالتوں میں نہیں اور پھر اس کی حفاظت بھی قرآن کریم کی طرح نہیں ہوئی، جس کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے، اس لئے حدیث وہی قبول کی جائے گی، جو قرآن شریف کے مطابق ہو۔ اور جو حدیث صراحت قرآنی کے خلاف ہو، اسے قبول نہ کیا جائے گا۔

☆ آئمہ کا اجتہاد یا فقہ ان دونوں کے ماتحت ہے۔ اس لئے اجتہاد آئمہ یا فقہ کو اسی وقت قبول کیا جائے گا، جب وہ قرآن وحدیث کے مطابق ہو۔ اور جو اجتہاد قرآن وحدیث کے خلاف ہو، وہ قابل قبول نہ ہوگا۔

پس تمام مسائل پیش آمدہ میں اوّل قرآن کریم کو لیا جائے گا۔ اس کے بعد اور اس کے ماتحت حدیث شریف کو اور ان دونوں کے ماتحت اجتہاد آئمہ کو۔

2۔ اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے: اجتہاد کا دروازہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا۔ اس بارے میں حدیث صحیح موجود ہے کہ جب حضرت معاذؓ کو گورنر یمن کر کے بھیجا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم فیصلے کس طرح کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا کتاب اللہ سے فرمایا۔ اگر کتاب اللہ میں کوئی بات نہ پاؤ؟ عرض کیا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ فرمایا اگر وہاں بھی نہ پاؤ؟ عرض کیا پھر میں اجتہاد کروں گا۔ تو اجتہاد صرف اس لئے تھا کہ جو امر قرآن وحدیث سے نہ

ملے، اس کا حل مسلمان قیامت تک اجتہاد سے کرتے رہیں۔ مگر تیسری صدی کے بعد مسلمانوں نے یہ دروازہ خود اپنے اوپر بند کرلیا۔ اور اسی لئے اب وہ کسی امر میں قرآن وحدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ بلکہ اجتہاد آئمہ کو ہی تعلیم اسلام کا اصل ماخذ سمجھتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اس اصول کی غلطی کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے۔ اور جو حالات مسلمانوں کو آج پیش آرہے ہیں، ان کا حل بھی قرآن وحدیث کے اندر موجود ہے۔ اور سب سے پہلے انہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

3۔ **قرآن کریم میں ناسخ ومنسوخ کوئی نہیں:** یہ بات عام طور پر مسلمانوں کے اندر پھیل گئی ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے کہ قرآن کریم کے اندر بعض آیات دوسری آیات کو منسوخ کرتی ہیں۔ حالانکہ یہ صرف اس صورت میں درست تسلیم کیا جاسکتا ہے جب قرآن کریم کے اندر اختلاف مانا جائے۔ گویا ایک آیت ایک امر بیان کرتی ہے تو دوسری اس کے بالکل خلاف کہتی ہے۔ اس لئے ایک ناسخ ہوئی اور دوسری منسوخ۔ مگر قرآن کریم فرماتا ہے لَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا. (82:4) اگر قرآن کریم خدا عالم الغیب کا کلام نہ ہوتا تو اس میں اختلاف ہوتا۔ باوجود اس تصریح کے مسلمان اس بات کو مانتے تھے کہ اس میں اختلاف ہے اور بعض آیات دوسری آیات کو منسوخ کرتی ہیں۔ مگر اس بات پر اتفاق کبھی نہیں ہوا کہ وہ کون کون سی آیات ہیں؟ بعض نے ان کی تعداد پانچ سو بتائی ہے، بعض نے صرف پانچ۔ مجدد وقت کا یہ احسان ہے کہ اس نے اسلام کے چہرے سے اس بدنما دھبے کو صاف کیا اور بتایا کہ قرآن کریم میں کوئی ناسخ ومنسوخ نہیں۔ کیونکہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

4۔ **تعلیم اسلام کی وسعت کو از سر نو زندہ کیا:** قرآن کریم بالصراحت فرماتا ہے اِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ (24:35) دنیا کی کوئی قوم نہیں جس میں نذیر نہ آیا ہو وَّلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلٌ (47:10) ہر امت میں رسول آیا ہے وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ (7:13) ہر قوم میں ہادی گزرا ہے۔ مگر ان تصریحات کے باوجود مسلمان اس بات کے قائل ہو گئے کہ سوائے یہودیوں اور عیسائیوں کے دنیا کی تمام کی تمام قومیں وحی الٰہی سے محروم رہی ہیں۔ یہ تنگی یہودیوں اور عیسائیوں سے مسلمانوں کے اندر آئی۔ مجدد وقت نے

اس غلط بیانی کو دور کر کے تعلیم اسلام کی وسعت کو زندہ کیا اور یہ بتایا کہ اصولاً ہمیں اس بات کو تسلیم کرنا چاہئے کہ ایرانیوں میں، ہندوؤں میں، چینیوں میں غرض دنیا کی ہر قوم میں خدا کی طرف سے مصلحین آتے رہے ہیں۔ اور اہل کتاب کے متعلق جو احکام ہیں، وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ دنیا کی دوسری قوموں پر بھی عائد ہوتے ہیں۔

5۔ **کفّار کا دوزخ سے نکالا جانا:** مسلمانوں میں یہ خیال بھی پیدا ہو گیا ہے کہ بہشت صرف مسلمانوں کے لئے ہے۔ اور باقی تمام لوگ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔ اور ان کے تمام نیک عمل حبط ہو جائیں گے۔ مجدد وقت نے اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ تمام انسان اپنے اعمال کی سزا بھگت کر، شرک اپنے شرک کی سزا بھگت کر اور کافر اپنے کفر کی سزا بھگت کر اور مسلمان اپنے اعمال بد کی سزا بھگت کر، آخر سب دوزخ سے نکل جائیں گے۔ اور اس کے لئے قرآن کریم کی اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَایُرِیۡدُ. (107:11) (کیونکہ تیرا رب جو چاہے کر گزرے) اور حدیث شفاعت کی تصریح پیش کی۔ کہ سب صالح اور نبی اور رسولؐ شفاعت کر چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اَرۡحَمُ الرَّاحِمِیۡنَ (64:12) باقی رہ گیا۔ تو وہ ایک مٹھی بھر کر دوزخ سے لوگوں کو نکال دے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کی مٹھی میں سارے آسمان اور زمین آ جاتے ہیں۔ انسان کون اس سے باہر رہ جائے گا؟ اور پھر ان احادیث اور اقوال کو پیش کیا، جن میں دوزخ پر فنا آنے کا ذکر ہے۔ اور اس طرح اسلام کی تعلیم کی خوبصورتی اور معقولیت کو اور دوسرے مذاہب پر اس کی فوقیت کو ظاہر کیا۔

6۔ **عقل اور مذہب:** قرآن کریم میں عقل اور فکر سے کام لینے پر بار بار زور دیا گیا ہے۔ اور استنباط اور اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہی بتاتا ہے کہ عقلی دلائل کو اسلام کس قدر وزن دیتا ہے؟ مگر اسی تاریکی کے زمانہ میں، جسے فیج اعوج کہا گیا ہے، جب اجتہاد کا دروازہ مسلمانوں پر بند کیا گیا، تو اس کے بعد ہی مذہب میں عقل کے دخل کو بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں علمی ترقی کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ نئی تعلیم کی روشنی میں جب اس تنگ خیالی کا ردعمل پیدا ہوا تو مذہب کی بنیاد محض عقل اور عقلی دلائل پر قرار دی گئی۔ حالانکہ یہ بھی درست نہیں۔ ان حالات میں حضرت مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر صحیح طور پر رہنمائی کی اور بتایا کہ مذہب کے اصول کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے۔ لیکن اس کے اصول سب عقل

کے مطابق ہیں۔ اور اس کے بعض فروع کو معلوم کرنے میں بھی عقل انسانی معاون ہو جاتی ہے۔ انسان کی عقل قوٰی عالم کو اور مادہ کی صفات کو دریافت کر سکتی ہے۔ اور یوں ان پر ایک گونہ تصرف حاصل کر کے انہیں مسخر بھی کر سکتی اور اپنے کام میں لا سکتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کو عقل انسانی دریافت نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ ان پر تصرف حاصل کرنا ایک امر ممتنع ہے۔ لیکن جو امور اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ سے انسان پر ظاہر فرماتا ہے، ان کا خلاف عقل ہونا بھی ممتنع ہے۔ پس نہ تو یہ بات درست ہے کہ مذہب میں عقل کا کوئی دخل نہیں۔ اور نہ یہ درست ہے کہ اصول مذہب کی بنیاد عقل پر ہے یا عقل انسانی خود انہیں دریافت کر سکتی ہے۔ ان کا انکشاف وحی الٰہی سے ہی ہوتا ہے۔ مگر ان کی صحت یا غلطی عقل کی کسوٹی سے پرکھی جا سکتی ہے۔ اور فروع کے معلوم کرنے میں بہت کچھ عقل سے مدد لی جا سکتی ہے۔ یہ وہ درمیانی رستہ ہے جس پر مجدد وقت نے ڈالا۔ ایک طرف وحی الٰہی کی ضرورت کو واضح کیا۔ دوسری طرف عقل سے کام لے کر علمی ترقیات کا دروازہ کھولنے کی ہدایت فرمائی۔

7۔ اسلام اور تلوار: اسلام کے خوبصورت چہرے پر شاید سب سے زیادہ بدنما دھبہ یہ تھا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے! یہ اعتراض کرنے والے اصل میں اعداء اسلام تھے۔ مگر مسلمان بھی آہستہ آہستہ اس کے اثر کے نیچے ایسے آئے کہ ایک رنگ میں انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ اور بالخصوص دو باتوں میں غلط رستہ اختیار کر کے اعداء اسلام کے اس اعتراض کو تقویت دی۔ یعنی ایک اس بات کو تسلیم کر کے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور مرتدہ کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے اس عقیدہ کو تسلیم کر کے کہ امام مہدی آئیں گے اور تلوار سے لوگوں کو مسلمان کریں گے۔ اعداء اسلام کی اصل غرض یہ تھی کہ اس طرح اسلام سے تنفر پیدا کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ اسلام اپنی روحانی طاقت سے نہیں پھیلا، بلکہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور اس میں دلوں کو فتح کرنے کی روحانی طاقت کچھ بھی نہیں! مسلمانوں نے اپنی طاقت کے زمانے میں اس خیال کو ان دونوں مسائل سے قوت دی۔ کیونکہ جب مرتد واجب القتل ہوا تو معلوم ہوا کہ اسلام تلوار کے خوف سے لوگوں کو مسلمان رکھتا ہے۔ ورنہ اس مذہب کا دلوں پر کوئی اثر نہیں! اور اگر مہدی آ کر تلوار سے لوگوں کو مسلمان کرے گا تو معلوم ہوا کہ پہلے بھی اسلام کی ترقی کا موجب تلوار ہی ہوئی ہے۔ مجدد وقت نے اس غلط خیال کا قلع قمع کیا اور قرآن و حدیث کو پیش کر کے دکھایا کہ قرآن

کریم کی اصولی تعلیم یہ ہے کہ مذہب میں جبر کوئی نہیں اور کسی کو تلوار دکھا کر مسلمان کرنا اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اور اسلام جس قدر پھیلا صرف اپنی روحانی طاقت سے پھیلا۔ اس طرح ایک طرف تلوار کے اعتراضات کو دور کیا تو دوسری طرف اسلام کی روحانی طاقت کی طرف توجہ دلائی۔ اور بتایا کہ مہدی بھی وہی ہے جو اسلام کی روحانی طاقت کے ساتھ اسلام کو دنیا میں پھیلاتا ہے۔ دین کو تلوار کی ضرورت تو پڑ سکتی ہے لیکن دین اپنی تبلیغ کے لئے تلوار کا محتاج نہیں۔ اس طرح آپ نے تبلیغ اسلام کی عظیم الشان بنیاد رکھی۔ اور جہاد کی حقیقت کو بھی واضح کیا کہ جہاد کبیر وہی ہے جو قرآن کریم کے ذریعے سے کیا جائے وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (52:25) اور اس (قرآن) کے ساتھ ان سے (وہ) جہاد کر (جو) بڑا جہاد (ہے)

8۔ ختم نبوّت کا مسئلہ: ختم نبوت کا مسئلہ توحید کے مسئلہ کی طرح اسلام کا بنیادی پتھر ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے مسئلہ میں غلط فہمی نے ختم نبوت پر بھی ایک پردہ ڈال دیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وفات پا جانے کی تصریح قرآن کریم میں موجود تھی۔ لیکن ان کی آمد ثانی کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ان تصریحات کی غلط تاویل کر کے انہیں آسمان پر بجسد عنصری زندہ سمجھ لیا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نبی کے آجانے کو ممکن مان کر ختم نبوت کے مسئلے کو مشتبہ کر دیا گیا! مجدد وقت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی کہ ختم نبوت کے بعد کوئی نبی دنیا میں نہیں آ سکتا۔ خواہ نیا ہو یا پرانا۔ نبی سوائے اس کے نہیں آ سکتا کہ دنیا میں اس کے آنے کی ضرورت ہو اور ختم نبوت کے بعد اور قرآن کریم کے ذریعے سے تکمیل دین کر دینے کے بعد یہ ضرورت نہیں رہی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، تو ان کا واپس آنا کس طرح ممکن ہے؟ آپ نے ان احادیث کی طرف توجہ دلائی جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ اور دیا گیا ہے اور آنے والے مسیح کا حلیہ اور۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مخبر صادقؐ نے جس آنے والے کی خبر دی تھی وہ کوئی مسیحی صفت مجدد تھا، وہ اس امت کے اندر پیدا ہوگا، خود مسیح نہ تھا۔ اس انکشاف عظیم کے ساتھ آپ نے اس دھبہ کو بھی دھو ڈالا جو عیسائی تعلیم اسلام پر لگاتے تھے کہ اس کی رو سے حضرت عیسیٰؑ انسانی حوائج سے بالاتر ہیں کہ وہ بغیر کھانے پینے کی احتیاج کے اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر موجود ہیں اور ان کے جسم میں

کوئی تغیر بھی نہیں آتا۔ جس سے وہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ کا مصداق ٹھہر کر خدا تعالیٰ کی صفات میں شریک ٹھہرتے تھے۔ آپ نے آمد ثانی کی حقیقت کو واضح کر کے ان تمام دھبوں سے تعلیم اسلام کو پاک کر دیا، جن کو پیش کر کے عیسائی مسلمانوں کو دین اسلام سے منحرف کرتے تھے!

9۔ دجّال اور یاجوج ماجوج وغیرہ کا ظہور: جس طرح مسیح کی آمد کی اصل حقیقت نظروں سے مخفی تھی اور یہ پردہ مجدد وقت نے ہی اٹھایا، اسی طرح دجّال اور یاجوج ماجوج کے ظہور کے متعلق جن باتوں کا ذکر تھا، انہیں ظاہر پر حمل کر کے اور ان کی حقیقت پر غور نہ کرنے کی وجہ سے تعلیم اسلام کا یہ حصہ قصہ اور کہانی کے رنگ میں نظر آتا تھا اور معقولیّت پسند اصحاب نے ایسے امور کی وجہ سے خود احادیث کو ہی پایہ اعتبار سے ساقط خیال کر لیا۔ مجدد وقت کا یہ احسان عظیم ہے کہ جن باتوں کو دور از عقل کہانیاں سمجھا جاتا تھا، انہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک عظیم الشان نشان بنا دیا۔ اور یہ دکھا دیا کہ یہ تمام حقائق ہیں جو احادیث کے اندر موجود ہیں، جن میں آج سے تیرہ سو سال پیشتر اس زمانے کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ یہ اس قدر زبردست انکشاف مجدد وقت نے کیا کہ وہ لوگ بھی، جو آپ کے مخالف تھے اور ہیں، اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ آپ کے ذریعہ سے ہی وہ چیز، جسے اسلام پر ایک بدنما دھبہ سمجھا جاتا تھا، صداقت اور حسن کا ایک زبردست نشان بن گئی۔ اگر آپ ظاہر نہ ہوئے ہوتے تو اس عظیم الشان حقیقت کی طرف بھی کسی کی توجہ نہ گئی ہوتی!

10۔ سلسلہ نبوت کی صداقت پر گواہی: قرآن کریم میں بالتصریح یہ امر موجود ہے کہ وحی غیر انبیاء کو بھی ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غیر انبیاء کے ساتھ کلام کرتا ہے اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی (7:28) اور اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ (111:5) اس پر صریح دلیل ہیں۔ حدیث صحیح میں بھی بالصراحت یہ لفظ موجود ہیں رِجَالٌ یُّکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْبِیَآءَ اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو گو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا۔ اس وجہ سے مسلمانوں میں یہ خیال آہستہ آہستہ مروّج ہو گیا کہ نبوت کے ساتھ ہی کلام الٰہی کا سلسلہ بھی بند ہے اور اب اللہ تعالیٰ کسی بشر سے کلام نہیں کرتا دوسرے مذاہب تو پہلے ہی سلسلہ کلام الٰہی کو ختم کر چکے تھے۔ مسلمانوں نے بھی ان کا تتبع کیا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گزشتہ زمانے میں اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کو لوگوں نے ایک قصہ اور کہانی کہہ دیا۔ مجدد وقت

نے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا کہ اگرچہ نبوت کا سلسلہ اختتام کو پہنچ چکا، اس لئے کہ قرآن کریم نے حاجت شریعت کو کمال تک پہنچا دیا، مگر کلام الٰہی کا سلسلہ اس امت میں برابر جاری رہا ہے۔ اور آئندہ بھی قیامت تک جاری رہے گا۔ اور یہ سلسلہ نبوت کی صداقت پر ایک گواہی ہے اور خود اپنے وجود کو اس بات میں گواہ کے طور پر پیش کیا۔ اس طرح پر سلسلہ کلام الٰہی کو ختم کر دینے سے سلسلہ نبوت پر اشتباہ پیدا ہوتا تھا۔ اس کو دور کر کے اسلام کی صداقت کو روشن کیا تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ (196:2) باتیں اور بھی بہت ہیں مگر اس مضمون کے لئے یہ دس کافی ہیں۔ محمد علی

تحریک احمدیت کے اصول: ☆ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ جس کے کامل پیروؤں کو اللہ تعالیٰ اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرماتا ہے۔

☆ اسلام کامل وحدت کا مذہب ہے جس کے پیرو سب بھائی بھائی ہیں اور کوئی شخص کسی اختلاف کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا جب تک کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا قائل ہے۔

☆ اسلام کامل وسعت کا مذہب ہے جو تمام نسل انسانی کی وحدت کو اور ہر قوم کے اندر نبیوںؑ کے آنے کو تسلیم کرتا ہے۔

☆ اسلام ایک فاتح مذہب ہے جو تمام مذاہب پر غالب آئے گا اور جس کے اصول عام طور پر دنیا میں قبولیت حاصل کرتے جاتے ہیں۔

☆ اسلام ایک علمی مذہب ہے اور اس کے اصول اور فروع علم اور عقل کے مطابق ہیں۔

☆ اسلام میں اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے اور جو نئی ضروریات مسلمانوں کو پیش آئیں، ان کا حل بذریعہ اجتہاد ہوتا رہے گا۔

☆ قرآن شریف شریعت اسلامی کا اصل اور غیر متبدل ماخذ ہے۔ اور مسلمانوں کی زندگی کا اصل سرچشمہ اور سب سے بلند مقام رکھتا ہے۔ حدیث قرآن کے ماتحت ہے۔ اور فقہ یا اجتہاد آئمہ قرآن وحدیث کے ماتحت ہے۔

☆ قرآن شریف قیامت تک نسل انسانی کی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اس کی کوئی آیت نہ پہلے کبھی منسوخ ہوئی، نہ آئندہ ہوگی۔

☆ قرآن شریف عظیم الشان روحانی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے اور اپنی روحانی طاقت سے قلوب کو فتح کرتا ہے۔ اپنی فتوحات کے لئے تلوار کا نہ یہ پہلے کبھی محتاج ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔

☆ قرآن شریف تمام مذہبی صداقتوں کا جامع ہے۔ تمام مذہبی مسائل پر اعلیٰ درجہ کی روشنی ڈالتا ہے۔ مذہبی مسائل پر نہ صرف تمام دعادی کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے بلکہ ہر دعوٰی کے دلائل بھی پیش کرتا ہے۔

☆ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاءؑ کے کمالات کو اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ امت کسی دوسرے نبی کی تابع نہ پہلے ہوئی ہے اور نہ آئندہ ہوگی۔

☆ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوںؑ کے خاتم ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ نیا نہ پرانا۔ مجدد ہر صدی کے سر پر آتے رہیں گے تا کہ غلطیوں کو دور کر کے مسلمانوں کو سیدھی راہ پر ڈالیں۔ اور محدث اور اولیاء اللہ ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوگا۔

31 مئی 1938ء

ایک ضروری اپیل

یَاأَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (القرآن 1:5)

اے مسلمانو! عہدوں کو پورا کرو

اِنْ اَحْسَنْتُ فَاَعِیْنُوْنِیْ وَاِنْ زِغْتُ فَقَوِّ مُوْنِیْ (ارشاد حضرت ابوبکرؓ)

اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری امداد کرو اور اگر میں ٹیڑھا چلوں تو تم مجھے سیدھا کرو۔

یہ وہ عہد تھا جس پر حضرت ابوبکرؓ نے بیعت لی اور یہ وہ زرّین اصل ہے جس پر مسلمانوں کی یا مسلمانوں کی کسی جماعت کی تنظیم ہونی چاہئیے۔ ورنہ جماعت اور امارت کا نام بے معنی چیزیں ہیں۔

اس سال کے جلسہ سالانہ پر انجمن کے بجٹ کی کمی کو پورا کرنے کے لئے میں نے دس ہزار روپیہ چند ایسے اصحاب کے نام پر ڈالا تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے فراخی دی ہے۔ یہ مطالبہ اس جہاد کو جاری رکھنے کے لئے تھا جو ہماری جماعت اس وقت دجال کے مقابل پر کر رہی ہے۔ جہاد قرآن کو ہاتھ میں لے کر ہو یا جہاد بالسیف ہو۔ دونوں ایک ہی حکم کے ماتحت ہیں۔

جہاد کے موقعہ پر امیر کے حکم کی پروا نہ کرنا قاعدین میں داخل ہونا ہے۔ جن اصحاب کے نام یہ رقوم ڈالی گئی تھیں انہیں دفتر سے اطلاع دے دی گئی تھی۔ مگر بایں ابھی تک صرف 3445 روپے یعنی ایک تہائی کے قریب رقم وصول ہوئی ہے اور دو تہائی کے ذمہ دار احباب نے اب تک توجہ نہیں کی۔

مشکلات کے اندر وفاداری اصل ایمان ہے۔ جو شخص چند پیسوں سے محبت کر کے عہد وفاداری کو توڑتا ہے وہ یاد رکھے کہ وہ ایک فانی چیز کے لئے، جو کل کو بہرحال اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی، غیر فانی محبت کی جڑ پر تبر چلاتا ہے۔ ہماری ایک دوسرے سے محبت محض اللہ کی رضا کے لئے ہے۔ اسے توڑنے میں پہل نہ کرو اور اپنے عہد کو پورا کرو۔ محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور۔ 28 مئی 1938ء

آریہ سماج سامانہ کا جلسہ: (3 جون 1938ء) ایک زمانہ تھا کہ جب سامانہ (ریاست پٹیالہ، مشرقی پنجاب) میں آریہ سماج کا بڑا چرچا تھا۔ اپنے ہر ایک جلسہ میں آریہ پنڈت بڑے دھڑلے سے اسلام کے خلاف تقریریں کیا کرتے اور مسلمانوں کو مقابلے کے لئے للکارا کرتے تھے۔ لیکن جب سے جناب مرزا مظفر بیگ ساطع نے ان کا ناطقہ بند کیا۔ اس وقت سے آریہ سماج سامانہ بالکل دم بخود ہو گئی تھی۔

مناظرہ کرنا تو بہت ٹیڑھی کھیر تھی، اسلام کے خلاف ایک حرف کہنا بھی ان کے لئے دشوار ہو گیا۔ مگر گذشتہ چند ماہ سے سامانہ میں مسلمانوں کی کچھ باہمی خانہ جنگی رہی جس کی وجہ سے آریہ سماج کو از سر نو اسلام کے مونہہ آنے کی جرأت ہو گئی۔ چنانچہ 3 تا 5 مئی سامانہ میں جو آریہ سماج کا جلسہ ہوا اس میں انہوں نے اسلام کے خلاف بہت کچھ زہر اُگلا۔ سامانہ میں کوئی مولوی ان کے اعتراضات کا جواب دینے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ حالانکہ شیعہ، سنی اور اہلحدیث وغیرہ مختلف فرقوں کے مولوی یہاں ہیں مگر وہ سب سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مخالفت کرنے کو تیس مار خاں ہیں۔ دشمن کے مقابلہ کا کسی کو حوصلہ نہیں ہوا۔ اتفاق سے عین موقعہ پر محمد یوسف گرنتھی پشاور سے تشریف لے آئے۔ بس پھر کیا تھا! آریہ سماج کو جماعت احمدیہ کی طرف سے تحریری نوٹس دیا گیا کہ آپ نے اسلام کے متعلق جو غلط فہمی پھیلائی ہے اس کے ازالہ کا ہمیں موقعہ دیا جائے۔ آریوں نے ان اعتراضات کے جواب کے لئے تو وقت دینا گوارا نہ کیا۔ البتہ الہام کے موضوع پر مناظرہ کرنا منظور ہو گیا۔ چنانچہ مورخہ 5 مئی کو بعد دوپہر آریہ سماج پنڈال میں دو گھنٹہ تک گرنتھی صاحب نے پنڈت شانتی پرکاش جی کے ساتھ الہام کے موضوع پر مناظرہ کیا۔

گرنتھی صاحب نے فرمایا کہ قرآن مجید میں اس کے نازل کرنے والے کا نام اللہ، جس پر نازل ہوا اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب کا نام قرآن، عربی زبان میں نازل ہوا، کل روئے زمین کی انسانی آبادی کے لئے نازل ہوا، حضرت جبریل کی وساطت سے قلب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وغیرہ تمام ضروری باتوں کا نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ مگر وید میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملے گا جس میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ لکھا ہو کہ یہ خدا کی طرف سے الہام ہے۔ اگنی وغیرہ رشیوں پر نازل ہوا یا سنسکرت زبان میں نازل ہوا وغیرہ۔ البتہ سوامی دیانند نے یہ ضرور لکھا ہے کہ پرماتما نے اگنی وغیرہ رشیوں پر نازل کیا اور زبان کے متعلق سوامی صاحب فرماتے ہیں کہ سنسکرت زبان میں وید نازل ہوا۔ جو کسی ملک کی مروجہ زبان نہیں۔ پھر خود ہی سوال کرتے ہیں کہ رشیوں نے اس کو سمجھا کس طرح۔ خود ہی جواب فرماتے ہیں کہ خدا نے سمجھایا۔ سوال جوں کا توں رہا کہ کس زبان میں سمجھایا۔ اگر غیر زبان میں تو وہ سمجھے کس طرح اور اگر ان کی مادری زبان میں سمجھایا تو طرفدار ٹھہرا۔

آریہ پنڈت نے جواب میں صرف ایک وید منتر پڑھا۔ جس کا مطلب تھا کہ وید یگیہ سے پیدا

ہوئے اور گرنتھی صاحب کے سوالوں کا مطلق کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ قرآن پر اعتراضات کرنا شروع کئے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ اللہ مکار ہے۔ یوسف علیہ السلام نے دھوکہ کیا اور اپنے بھائی کے کجاوہ میں پیالہ رکھ دیا اور اللہ نے یوسفؑ کو یہ دھوکہ سکھایا۔ اللہ عرش پر بیٹھا ہے۔ محدود ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

گرنتھی صاحب نے جواب میں کہا کہ جو وید منتر آپ نے پیش کیا ہے اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے کہ اس یگیہ یعنی قربانی سے کہ جس میں سب نے آہوتی دی تھیں۔ رچائیں، سام اور یجو پیدا ہوئے۔ رچائیں اور سام جمع کے صیغہ ہیں۔ جس سے تعریفی گیت مراد ہیں نہ کہ رگوید وغیرہ۔ پھر اس کے آگے لکھا ہے کہ اسی یگیہ سے چار پائے پیدا ہوئے۔ نہ تو اس منتر میں خدا کا نام ہے نہ وید کا لفظ۔ نہ رشیوں کا نام اور نہ یہ ذکر کہ وید، رشیوں پر نازل ہوئے اور نہ یہ بیان ہے کہ کس زبان میں نازل ہوئے۔ نہ کیفیت الہام غرضیکہ میرے سارے سوال بدستور قائم ہیں۔ ایک کا بھی آپ نے جواب نہیں دیا۔

گرنتھی صاحب نے قرآن پاک پر کئے ہوئے اعتراضات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ مکر کے معنی دھوکہ کے نہیں بلکہ تدبیر کے ہیں۔ جو اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بری بھی۔ اور خدا کی طرف بری تدبیر منسوب کرنا بری فطرت کا ہی خاصہ ہے۔ اور حضرت یوسفؑ کے متعلق سارے قرآن میں کہیں نہیں لکھا کہ حضرت یوسف نے پیالہ خود رکھا یا رکھوایا۔ میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر حوصلہ ہے تو وہ الفاظ قرآنی پیش کرو جہاں یہ ذکر ہو۔ ورنہ غلط بیانی کر کے پبلک کو دھوکہ نہ دیں۔ پھر ساکن عرش وغیرہ کا کما حقہ جواب دے کر الزاماً متعدد وید منتروں سے ویدک ایشور کا کچھ حلیہ پیش کیا۔ آریہ پنڈت نے آخر تک نہ تو گرنتھی صاحب کے پیش کردہ سوالوں کا جواب دیا اور نہ ویدوں سے پیش کردہ ویدک ایشور کے حلیہ کا ہی کوئی جواب دیا۔ ہر ایک بات پر استعارہ کہہ کر وقت ٹالا اور بجائے اعتراضوں کا جواب دینے کے کبھی قرآن پاک پر اور کبھی حضرت مرزا صاحب پر بے بنیاد الزام لگا کر وقت پورا کیا۔ گرنتھی صاحب نے ویدوں کے مختلف نسخے میز پر رکھ کر تحریف وید کا ناقابل تردید ثبوت دیا۔ مگر آریہ پنڈت باوجود مطالبہ کے قرآن مجید کے دو ایسے نسخے بھی پیش نہ کرسکا جو باہم متضاد ہوں یا کم وبیش ہوں۔ گرنتھی صاحب نے حافظان قرآن کو پیش کر کے قرآن کی بقا اور زندگی کا زندہ ثبوت پیش کیا۔ مگر پنڈت جی نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑایا کہ ویدوں کے حافظ علاقہ دکن میں بکثرت ہیں۔ حالانکہ بدوملہی میں مرزا مظفر بیگ صاحب اس کا جواب دے چکے

تھے کہ دکن سے صرف ایک پنڈت حافظ وید ہمراہ لے کر سارے ہندوستان میں پھر جاؤ تا کہ سب مسلمانوں کو تمہارے دکن والے بیشمار حافظوں کا علم ہو سکے اور مسلمانوں کا آئے دن کا مطالبہ ٹوٹ جائے۔مگر یہ پنڈت شانتی پر کاش صاحب ہی کا مطالبہ ٹوٹ جائے۔مگر یہ پنڈت شانتی پر کاش صاحب ہی کا مطالبہ ٹوٹ جائے۔مگر یہ پنڈت شانتی پر کاش صاحب ہی کا حوصلہ ہے کہ بدوملہی میں شکست فاش کھا کر پھر احمدی مبلغین کے مونہہ آتے ہیں۔گرنتھی صاحب نے اس کا جو جواب دیا اس سے اس کی ایسی گھگی بندھی کہ پھر بول ہی نہیں سکے۔اللہ کے فضل سے اس مناظرہ کا ایسا اچھا اثر ہوا کہ سامانہ کی مسلم پبلک نے خود انتظام کر کے کئی روز بعد تک مختلف مساجد میں آپ کے وعظ کرائے فالحمدللہ علیٰ ذالک

اس موقعہ پر ہم علاوہ دیگر اہل اسلام کے بالخصوص جناب علی حسن صاحب سکرٹری انجمن اصلاح المسلمین سامانہ کے تہ دل سے شکر گزار ہیں کہ آپ نے ان جلسوں کے انعقاد میں نہایت اخلاص اور محبت کے ساتھ بیش از بیش حصہ لیا اور تمام شہر میں بذات خود چکر لگا کر منادی کی اور اس طرح اتحاد بین المسلمین کا بین ثبوت پیش کیا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سکرٹری صاحب موصوف کو اسی طرح اسلامی خدمات میں ہماری معاونت کرنے کے لئے بیش از بیش حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

راقم عاجز حکیم خلیفہ محمد اسلم علوی احمدی۔سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔سامانہ۔ریاست پٹیالہ

8 جون 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

میری علالت

اصل میں میں کوئی عرصہ ایک ماہ سے بیمار تھا۔ ہلکا بخار ہو جاتا تھا اور آرام کرنے سے خود بخود ہی دور ہو جاتا تھا۔ گذشتہ پیر کو اس بیماری نے زیادہ تکلیف دہ صورت اختیار کر لی۔ بخار بہت بڑھ گیا۔ صبح قریباً ایک ڈگری کا فرق ہوتا ہے۔ بلکہ جن دنوں میں گرمی کچھ کم ہو گئی تھی اس کے ساتھ ہی بخار بھی کم ہو گیا۔ ان حالات میں ڈاکٹری مشورہ یہی ہے کہ فوراً ڈلہوزی چلا جاؤں۔ اس لئے 7 جون کی شام کو یہاں سے جا رہا ہوں۔ احباب کو میری بیماری کی خبر سن کر ضرور پریشانی ہوتی ہوگی۔ بعض احباب تاریں بھی دیتے رہتے ہیں۔ مگر تار میں، میں اپنے حالات کا اظہار نہیں کر سکتا۔ میری درخواست جملہ برادران سے یہی ہے کہ وہ کسی تشویش کا اظہار نہ کریں۔ ہو سکے تو میرے لئے اور دوسرے بعض کارکن وجودوں کے لئے دعا کرتے رہیں۔ بظاہر تو یہی امید ہے کہ ڈلہوزی میں پانچ سات روز کے قیام سے بخار بہت نیچے آجائے گا۔ لیکن ہم سب لوگ کیا ہیں؟ خدا کے دین کے لئے تھوڑا تھوڑا کام کرنے والے ہیں۔ یہ اختیار مالک کا ہے کہ جب تک چاہے کسی سے کام لے اور جب چاہے اسے اپنی طرف بلا لے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہیئے۔ ڈاکٹروں نے کئی مرتبہ کے محتاط معائنہ کے بعد یہی رائے قائم کی ہے کہ معمولی بخار ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ ڈلہوزی میں میرا پتہ وہی پرانا ہے۔ دارالسلام۔ خاکسار محمد علی۔ ڈلہوزی 6 جون 1938ء

نوجوانان جماعت بیدار ہوں: (8 جون 1938ء) آج ہم نوجوانان جماعت سے چند باتیں کہنا چاہتے ہیں۔ امید ہے وہ انہیں توجہ سے سنیں گے۔ افراد کی طرح جماعتوں کی زندگی اور تندرستی بھی اسی حالت میں قائم رہ سکتی ہے جبکہ ان میں تازہ اور صالح خون پیدا ہوتا رہے۔ وجود قومی کے لئے تازہ اور صالح خون کیا چیز ہے۔ تازہ دم اور لائق و مخلص کارکن۔ جو جماعت اپنے نوجوانوں کو جماعتی خدمات کے لئے تیار کر سکتی ہے اور جس کی کیفیت یہ ہے کہ اگر اس کا ایک بوڑھا کارکن موت و علالت کی وجہ سے میدان عمل میں اپنی جگہ خالی کرتا ہے تو اُس کی خالی جگہ پُر کرنے کے لئے متعدد نوجوان دکھائی دیتے ہیں۔ وہ جماعت یقیناً زندہ ہے اور جب تک اس کو زندگی اور تندرستی کا یہ خون میسر ہے وہ زندہ رہے گی۔ حوادث

زمانہ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ ہمیں ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے کہ کیا ہماری جماعت کی بھی یہ کیفیت ہے؟ کیا ہمارے نوجوانوں کے اندر خدمات دینی کا وہی جذبہ موجود ہے جو ہمارے بزرگوں کے اندر آج کل ہے یا اُس وقت تھا جبکہ وہ جوان تھے۔ حقائق سے انکار دانشمندی نہیں۔ ایک محتاط غور کے بعد ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا اس بارہ میں کہ ہمارے نوجوانوں کے اندر کچھ کمزوری ہے اور حیات جماعتی کو برقرار رکھنے کے لئے اشد ضروری ہے کہ ہم اس کمزوری کو دور کرنے کے لئے جلد از جلد کوئی مؤثر کوشش کریں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ ہمارے نوجوانوں کے اندر نسبتاً مذہب سے دلچسپی اور دین کی غیرت موجود ہے۔ ان میں سے بہت سے خدمات دینی کے اندر ایک لذت محسوس کرتے ہیں۔ بعض نوجوان تو دین کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کر رہے ہیں اور اس لحاظ سے وہ ہمارے جماعتی مستقبل کے بہت بڑی حد تک ضامن ہیں۔ لیکن ضرورت ہے کہ ان کے اس جذبہ اور تڑپ کو ایک مفید و منظّم صورت دی جائے اور اس کو جماعت احمدیہ کے بلند مقاصد کے معیار پر لایا جائے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ آگ اور حرارت موجود ہے۔ اس کو ایک انجن کے اندر صحیح طریق پر استعمال کا بندوبست کیا جائے تا کہ یہ انجن جماعت کی گاڑی کو تیز رفتاری کے ساتھ منزل مقصود تک لے جائے۔ اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول اس کی کہ بزرگوں کو جوانوں کی اس تربیت کا کما حقہ خیال ہو۔ دوم اس کی کہ نوجوان اپنے آپ کو صحیح احساس اور عزم کے ساتھ اس غرض کے لئے پیش کر دیں اور یہ سمجھ لیں کہ وہ جماعت کے نونہال ہیں۔ جماعت کا مستقبل ان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ذمہ داریاں جو آج ہمارے بزرگوں کے کندھوں پر ہیں کل ہمارے دوش پر ہوں گی۔ اور جہاں تک قیاس کیا جاتا ہے نوجوانوں کا آنے والا دور ہمارے بزرگوں کے موجودہ دور سے زیادہ کٹھن اور نازک ہوگا۔ سوم اپنی جماعت کے نوجوانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو آنے والی ذمہ داریوں کے لئے تیار کریں۔ ان کے لئے اپنے اندر جوش اور جذبہ پیدا کریں اور اس کے ساتھ ہی بزرگوں کے زیر ہدایت صحیح تربیت حاصل کریں۔ ایک سپاہی کے لئے جوش جہاد کے ساتھ قواعد دان ہونا بھی ضروری ہے۔

22 جون 1938ء

ایک احمدی دوست کا خط بخدمت حضرت امیر

ایس۔ بی علی صاحب ہماری جماعت کے ایک پر جوش اور درد مند نوجوان ہیں۔ آج کل ملایا کے قریب ایک ریاست میں بسلسلہ ملازمت مقیم ہیں۔ وہاں سے ان کا ایک خط حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں آیا ہے۔ جو درج ذیل ہے، یہ خط کئی لحاظ سے قابل مطالعہ ہے۔ مدیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بخدمت شریف حضرت امیر صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر وصحت میں ترقی وبرکت عطا فرمائے۔ آمین۔ یہ آپ کا ناچیز خادم بفضل تعالیٰ وبطفیل آپ بزرگوں کی بزرگانہ دعاؤں کے بخیریت تمام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میری ہر نماز کے بعد صرف یہی دعا ہوتی ہے کہ یا الٰہی مجھے اور میری اولاد کو اور تمام مسلمانوں کو خدمت دین کی توفیق عطا فرما۔ اور میری اور میری اولاد کی زندگیوں کو احمدیت کے لئے مفید ثابت کر اور ہمیں اس پاک سلسلے پر آخر دم تک ثابت قدم رکھ اور آپ کی اور تمام بزرگان سلسلہ کی خدمت میں بھی میری گزارش ہے کہ للہ آپ بھی اس اپنے اور حضرت صاحب کی جماعت کے اس ناچیز خادم کے حق میں دعا گو رہیں کہ اللہ ہم سے بھی کوئی خدمت اپنے دین پاک کی لے۔

حضرت جس روز سے میں نے بیعت کی ہے میری طبیعت کا رنگ ڈھنگ ہی نرالا ہو گیا ہے۔ دل میں کوئی گھبراہٹ نہیں۔ طبیعت از حد خوش رہتی ہے۔ عبادت میں دل لگتا ہے۔ نیک کاموں کی طرف رغبت بڑھتی جاتی ہے۔ برے کاموں سے نفرت ہوتی جاتی ہے۔ ہر ایک انسان اپنی حالت اور طبیعت سے خوب واقف ہوا کرتا ہے۔ حضرت صاحب کے مبارک سلسلے میں داخل ہونے سے پہلے میری جو حالت تھی اس کو بھی خوب جانتا ہوں۔ اللہ کے فضل وکرم سے اب وہ بات بالکل باقی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جو حقیقت اس مبارک سلسلے میں داخل ہونے کے بعد مجھ پر کھلی ہے۔ اس کے بیان سے قلم قاصر ہے۔ ہاں اگر میرا سینہ چیر کر کوئی دیکھے تو البتہ معلوم ہو جائے گا میں کسی طرح سے

بھی اپنی کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔

احمدیہ لٹریچر کے انقلاب انگیز اثرات: مختصراً اتنا لکھے دیتا ہوں کہ میں ایک اندھیرے کنوئیں میں، جس کی گہرائی ہزار فٹ تھی، گر پڑا تھا اور پانی میں ڈوبتا ہی چلا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ گہرائی کی آخری حد تک پہنچنے میں صرف پچیس فٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ اس وقت اتفاقاً ووکنگ مسلم مشن کا لٹریچر میری نظروں سے گزرا جس نے مجھے اس پچیس فٹ پر روک لیا۔ اس کے بعد چند کتب، جو آپ کی ذات والا اور خواجہ صاحب مرحوم و مغفور کی تصنیف شدہ تھیں، دیکھیں۔ انہوں نے مجھے واپس اوپر کی طرف اٹھانا شروع کیا۔ آخر کار جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے مجھے حضرت صاحب کی جماعت مبارک میں شمولیت کی توفیق، جو اللہ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے عنایت فرمائی، ملی تو اب میں اسی اندھیرے کنوئیں کے روشن کنارے پر کھڑا ہوا ہوں۔ جس کے سامنے بڑا وسیع اور صاف میدان ہے۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے بڑا احسان اس گنہگار پر فرمایا۔ حضرت صاحب کی کتابوں نے مجھے حیوان سے انسان بنایا اور اب میں اس قابل ہوا ہوں کہ قرآن پاک کو سمجھ سکوں۔ آپ کے ترجمہ قرآن یعنی ''بیان القرآن'' کی پہلی جلد کی تلاوت کر رہا ہوں۔ حضرت صاحب کی براہین احمدیہ، سرمہ چشم آریہ اور ازالہ اوہام پڑھ چکا ہوں۔ واللہ حقیقت اب کھلی ہے۔ افسوس لوگوں نے انصاف کو بالائے طاق رکھ چھوڑا ہے۔ والّا اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ میں نے اپنے بچے کا حال ایک خط میں تحریر کیا تھا۔ جس کو جناب خان صاحب محمد منظور الٰہی صاحب نے پیغام صلح کے قیمتی کالموں میں بھی شائع کروا دیا تھا۔ آپ کی نظروں سے بھی ضرور گزرا ہوگا۔ تو یہ صاف اور کھلی کھلی دلیل حضرت اقدس ہی کی صداقت پر نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ اچھا یہ قصہ تو ہوا۔ اب میں کچھ گزارش حضور کی خدمت شریف میں کرنی چاہتا ہوں اور خاص کر اسی لئے یہ خط لکھ رہا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ لیجئے سنئے۔

میرا عرصہ سے ارادہ تھا کہ یہ گزارش حضور کی خدمت میں پیش کروں۔ مگر صرف بوجہ کاہلی و سستی تاخیر ہوتی گئی۔ اب چونکہ پیغام صلح مورخہ 21 اپریل 1938ء صفحہ سات کالم تین پر بعنوان ''حضرت امیر کی خدمت میں دردناک خط۔ مخالفین احمدیت کی افسوسناک حرکتیں'' جناب غلام ربانی صاحب راولپنڈی کی طرف سے ایک خط شائع ہوا ہے۔ اس نے مجھے مجبور کیا کہ یہ گزارش خدمت

والا میں کر دوں۔ حضرت اس قسم کے معاملے اکثر مخالفین سلسلہ ہم لوگوں سے کرتے رہتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی یہی حال ہوا اور ہو رہا ہے۔ ہندوستان میں جو لوگ ہماری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، وہ پھر بھی کئی طرح سے آرام میں ہیں۔ کیونکہ ہر جگہ ہماری جماعت کی شاخیں موجود ہیں۔ ہر گاؤں میں بھی دو چار احمدی ضرور ہوں گے۔ ایک دوسرے کی خوشی وغمی میں شریک ہو سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کی امداد موقع پر کر سکتے ہیں۔ مگر دور دراز ملکوں میں رہنے والے کیا کریں۔ ان کا کیا حال ہے اور کیا ہوگا۔ لیجئے ذرا میرا قصہ سنئے۔ میں گاہے بگاہے اپنی حالت سے خان صاحب کی خدمت میں اطلاع دیتا رہا ہوں۔ اگر میں اپنے عقیدے کو منافقوں کی طرح چھپائے رکھتا تو یہ حالت نہ ہوتی جواب ہو رہی ہے۔ اللہ ثابت قدم رکھے۔

میں نے یہاں پر ایک جماعت بنانے کی کوشش کی اور از حد کوشش کی۔ کامیابی کی امید بھی کافی ہوگئی تھی جس کا تذکرہ میں نے اپنے دوسرے خط میں کیا جو آپ کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ مگر جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں حضرت مسیح موعود کی جماعت میں داخل ہو گیا ہوں تو سب وعدے تو درکنار اپنے تمام لوگ دشمن بن گئے۔ بعض ظاہر و باطن دشمن اور بعض جو زیادہ خطرناک ظاہر دوست باطن میں دشمن۔ آخر کار میری سکیم کامیاب نہ ہوسکی۔ میری ناچیز سی حیثیت کا اندازہ آپ یوں فرمایئے کہ اس شہر میں ایک ایسوسی ایشن ہے جو آپ حیران ہوں گے کہ اس کا آنریری سیکرٹری میں صرف ایک مسلمان ہوں۔ باقی ممبر تمام ہندو، عیسائی اور سکھ ہیں۔ اس کے سالانہ جلسہ پر 225 ممبر حاضر تھے۔ جب انتخاب کا موقع آیا تو میرا نام سکرٹری کی جگہ کے لئے تجویز کیا گیا۔ 225 میں 213 میرے حق میں تھے۔ باقی 12 جو خلاف تھے یہ پنجابی مسلمان تھے۔ آخر مجھے منظور کرنا پڑا۔ مگر پنجابی مسلمان ایک بھی ممبر نہیں رہا۔ لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ موقع کی تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان کا بس مجھ پر نہیں چلتا۔ ورنہ مجھے ذلیل کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ آپس میں مشورہ ان پنجابیوں نے کیا کہ اگر علی کے ہاں کوئی موت وغیرہ ہوگئی تو پھر دیکھیں گے کون مدد کرتا ہے۔ حضرت یہ تو ان کے مونہہ کی باتیں ہیں۔ اللہ کارساز ہے۔ کوئی نہ کوئی سبب بنا ہی دے گا۔

حضرت! میری اس گزارش سے یہ مطلب نہیں ہے کہ میں ان لوگوں سے ڈرتا ہوں۔ خدا نہ کرے کہ ایک سچا احمدی ہو کر کسی انسان سے ڈرے۔ نہیں۔ میرا اس گزارش سے مطلب دوسرا ہے۔ میں نے پہلے بھی خان صاحب کی خدمت میں تحریر کیا تھا۔ مگر جواب سے محروم رہا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ کیا اس ملک میں بھی ہماری جماعت کا کوئی فرد موجود ہے یا نہیں۔ اور اگر ہیں تو کتنے اور کہاں کہاں پر مقیم ہیں۔ کیا خوب ہوتا کہ ایک چھوٹے سے پمفلٹ کی شکل میں تمام وابستگان سلسلہ کی فہرست ہوتی۔ جس میں تمام ممبروں کا نام نمبر شمار اور پتہ ڈاک لکھا ہوتا۔ اور جب کوئی ممبر تبدیل ہو کر کسی دوسری جگہ چلا جاتا تو وہ مرکز کو اطلاع دیتا اور مرکز ہر چھ ماہ کے بعد یا ہر جلسہ سالانہ کے بعد ایک نئی فہرست بمعہ نئے ممبروں کے جو اس عرصہ میں اس پاک سلسلے میں داخل ہو چکے ہیں اور نئے پیدا شدہ اور وفات یافتہ کی مرتب کر کے ہر ایک ممبر کو پہنچا دیتا۔ ایسا کرنے سے کئی فائدے ہیں۔ مجھے جہاں تک خیال ہے میں نے کسی جگہ پڑھا ہے کہ حضرت صاحب نے بھی اس امر کی تاکید فرمائی ہے اور واقعی یہ بہت مفید چیز ہے۔ خاص کر مجھے اور میری طرح دور دراز ملکوں میں رہنے والوں کے لئے از حد مفید ثابت ہوتی۔ اب میں اپنے آپ کو اکیلا بغیر یار و مددگار کے خیال کرتا ہوں (ہاں اللہ پر بھروسہ ہے) اگر فہرست ہوتی تو ایک دوسرے سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہوتا۔ دل مضبوط ہوتے کہ ہماری جماعت کے اتنے فرد یہاں پر موجود ہیں۔ موقع پڑنے پر ایک دوسرے کی شادی و غمی میں شریک ہو سکتے ہیں۔ ایک جماعت کی شکل میں ہو کر کچھ خدمت دین کی بجا لاتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت اس ملایا کا حال کیا لکھوں۔ اللہ ہی ان لوگوں کو راہ ہدایت پر لگائے تو لگائے ورنہ آثار تو بہت ہی خراب نظر آتے ہیں۔ تمام ملک میں شرک و بدعت بھرا پڑا ہے۔ 99 فیصد لوگ بھوت پریت جادو وغیرہ کے قائل ہیں۔ یہاں تک دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر کسی شخص کے بوجہ بد پرہیزی پیٹ میں درد بھی ہو گیا تو فوراً سب سے پہلے یہ کہتے ہیں کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ جاؤ فلاں سیامی کو یا فلاں پجاری کو بلا لاؤ۔ جب سب گنڈے منتر کرتے کرتے لاچار ہو جاتے ہیں۔ پھر ڈاکٹر یا حکیم کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ اس وقت تک مریض کا تین چوتھائی فیصلہ ہو چکا ہوا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعداد اموات اس ملک کی زیادہ ہے۔ اکثر لوگ شراب پیتے ہیں اور بیر (Beer) کو تو بالکل جائز اور ٹانک سمجھا ہوا ہے۔ سر

عام ہوٹلوں میں بیٹھ کر بیر کے گلاس پر گلاس چڑھاتے جاتے ہیں اور کوئی بھی ان کو بُرا بھلا نہیں کہتا۔ عورتیں بغیر نکاح کے رکھی ہوئی ہیں۔ شادی شدہ بات بات پر طلاق دیتے ہیں۔ جوّا، لاٹری، گھوڑ دوڑ میں تو ایسے ایسے لوگ بھی شریک ہوتے ہیں جو چار چار حج کر چکے ہیں۔ پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں۔ اپنے آپ کو حاجی کہلاتے ہیں۔ مگر لاٹری، گھوڑ دوڑ ان کے ورثے میں آیا ہوا ہے۔ بازاروں میں سرعام خنزیر کا گوشت بکتا ہے۔ یہاں تک کہ مسجد کے سامنے کوئی پچاس فٹ کے فاصلے پر لٹکا رہتا ہے۔ مگر کتے کے سائے سے بھی گھبراتے ہیں۔ کسی کام کو جاتے وقت کتا راستے میں نظر آیا تو اس کو بڑا منحوس خیال کرتے ہیں اور اس کام کا خیال چھوڑ دیتے ہیں۔ اب آپ ہی خیال فرمایئے کہ ان لوگوں کو کون راہ راست پر لاسکتا ہے اور کیا انہیں انسان بنانا کوئی آسان کام ہے!

لیجئے حضرت ذرا ان پنجابیوں کی جہالت تو ملاحظہ فرمایئے۔ عرصہ چار ماہ سے کچھ زیادہ گزرا ہے کہ ایک شخص ایک سرکس میں منیجر کی حیثیت سے یہاں پر آیا۔ ایک ہفتہ ان کی سرکس یہاں پر ٹھہری تھی۔ دوران قیام ایک روز کا ذکر ہے کہ یہ شخص ایک چائے خانہ میں بیٹھا ہوا ان پنجابیوں سے بحث کر رہا تھا جن میں ایک لمبی ڈاڑھی والا ملاّ بھی تھا۔ اتفاقاً میں بھی ایسوسی ایشن کو جاتا ہوا ادھر سے گزرا تو ایک شخص نے میرے ایک دوست کو کہا کہ ''وہ مرجے دا مرید جاندا اے اس نوں اس دے نال ڈاہو''۔ میرے دوست نے دوڑ کر مجھے گھیر لیا اور کہنے لگا۔ بھائی ذرا ادھر تو آؤ۔ دیکھو اس کرانٹے (عیسائی) نے ہم لوگوں کو بہت بری طرح سے گھیرا ہوا ہے اور خاص کر مُلاّ کی تو خوب مٹی پلید کی ہے۔ اسلام اور آنحضرتؐ پر طرح طرح کے الزام لگا رہا ہے اور کوئی بھی ان جاہلوں میں ایسا نہیں ہے جو جواب دے سکے۔ مُلاّ بھی مرا پڑا ہے۔ حضرت! میرا دل تو نہ چاہتا تھا کہ ان جاہلوں میں دخل اندازی کروں۔ مگر جب اسلام اور آنحضرتؐ کی عزت کا خیال غالب ہوا اور غیرت احمدیت نے مجبور کیا تو اپنے دوست کے ہمراہ چلا گیا۔ جس وقت میں وہاں پر پہنچا تو اس صاحب کی زبان پر ذیل کے الفاظ تھے۔ ''اور دیکھو کہ تمہارے نبیؐ (نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد) بڑے عیاش تھے۔ بہت سی عورتیں رکھی ہوئی تھیں۔ اسی لئے مسلمانوں کو بھی چار عورتیں رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر تمہاری عورتیں چار خاوند کر لیں تو تمہیں کتنا غصہ آئے گا'' میں نے جب یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلتے ہوئے سنے۔ اور

اس لمبی ڈاڑھی والے مُلّا کو اس کے آگے سرنگوں دیکھا تو بڑا غصہ آیا۔ مگر صبر سے کام لیا۔ اتنے میں ایک اور پنجابی اس کو کہنے لگا کہ صاحب جو مرجے دا چیلا آیا ہے۔'' اس کے ساتھ بحث کرو۔ اس پر وہ شخص کہنے لگا۔ ارے کتنے ہی تمہارے مرجے اور چیلے دیکھے ہیں۔ چلو اس کو بھی دیکھ لیں۔

اس پر میں نے بڑی نرمی سے جواب دیا کہ مسٹر ذرا صبر کرو اور اس دوسری میز پر تشریف لاؤ اور چائے پیو۔ میں نے چائے منگوائی اور ہم تینوں نے پی۔ اس کے بعد میں نے کہا۔ اچھا مسٹر اب فرمایئے۔ آپ کا کیا مطلب ہے۔ اس نے جواب دیا۔ مطلب تو کچھ نہیں ان لوگوں نے خود بحث شروع کی تھی اور اب قائل ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں قوم کا یوریشین اور مذہب سے رومن کیتھولک ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارا ہی مذہب حق ہے اور اسی پر نجات ہے۔ باقی تمام مذہب فضول ہیں اور اسلام میں تو بہت سے نقص ہیں اور بہت سے اعتراض اس پر آتے ہیں۔ جن کا جواب مسلمانوں کے پاس بالکل نہیں ہے۔ میں نے کہا۔ ذرا ان اعتراضوں کو فرمایئے تو سہی۔ اس نے یوں گنوائے۔ اول اسلام بزور تلوار پھیلایا گیا جس کے یہ سب لوگ بھی قائل ہیں۔ دوم اسلام میں چار عورتیں بھی جائز ہیں اور عورتوں سے ظالمانہ سلوک روا رکھا گیا ہے۔ سوم تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ لارڈ کرائسیٹ زندہ آسمان پر ہیں اور قیامت سے پہلے دنیا میں آئیں گے اور تمام مسلمان ان کے تابع ہوں گے۔ تب ہی نجات ہوگی تو اب سے ہی کیوں نہیں اس کے تابع ہو جاتے اور وہی نجات دلائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب میں نے اس کے تمام اعتراض سن لئے تو ایک چھوٹی سی تقریر کے ذریعے اس کے پہلے اعتراض پر روشنی ڈالی اور ساتھ ہی اپنے دوست سے ''اسلام اور چائس'' ایسوسی ایشن سے منگا کر اس کو دکھائی اور کہا کہ مسٹر ذرا غور تو کرو کہ اگر اسلام، اسلام کے زمانہ عروج میں بزور تلوار پھیلایا گیا ہے تو آج کل ان بڑے بڑے فلاسفروں، لارڈ اور ڈاکٹروں پر کس نے تلوار کھینچی ہوئی ہے۔ بس پہلے اعتراض کا تو اس کتاب نے خاتمہ کر دیا۔ اس کتاب کو اس نے پڑھنے کے لئے طلب کیا اور کہا کہ کل میں خود اس کو لے کر آپ کے مکان پر آؤں گا۔ اور وہیں پر ہی بات چیت کریں گے۔ ان جاہلوں کے ساتھ تو بات کرنا اپنا سر کھپانا اور سر درد مول لینا ہے۔

الحمدللہ دوسرے روز حسب وعدہ میرے غریب خانہ پر آیا اور تقریباً دو گھنٹہ گفتگو ہوتی رہی۔

ایک دفعہ اس نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ مسٹر کیا تم نیا اسلام پیش کر رہے ہو۔ میں نے کہا برادر! اسلام تو دراصل یہی ہے جو میں بتا رہا ہوں۔ مگر لوگ جہالت میں گھرے ہوئے ہیں۔ اس نے دو کتابیں مجھے دکھائیں جو ایک پادری کے حسد اور کینہ کا نتیجہ تھیں۔ انہیں کتابوں نے اسے اسلام سے نفرت دلائی ہوئی تھی۔ آخر دو گھنٹہ کے بعد اس نے اجازت مانگی اور کہا کہ مجھے کوئی اچھی سی کتاب مطالعہ کے لئے دو۔ میں نے خوشی سے حضرت خواجہ صاحب کی ''آئیڈیل پرافٹ'' اس کو دی۔ اس نے اس پر کافی اثر ڈالا۔ دوسرے روز پھر آیا۔ اسی طرح ہر روز آتا اور گھنٹہ دو گھنٹہ گفتگو کر کے چلا جاتا اور نئی کتاب پہلے کے بدلے میں لے جاتا۔ میں نے ''سورس آف کرسچیانٹی'' اور متعدد دیگر کتب اس کو پڑھنے کے لئے دیں۔ وہ ان تمام کتابوں سے یہ بڑا متاثر ہوا۔

قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت 27 جون 1938ء آخر کار ان کے کوچ کا وقت آیا تو مجھے ملنے کے لئے آیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگا۔ برادر! میں اب جا رہا ہوں زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔ خط و کتابت کا سلسلہ ضرور رکھنا میں مسافر ہوں۔ میرے خطوں کا جواب جلدی دیا کرنا۔ میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوں۔ اگر میں نے ایگریمنٹ نہ کیا ہوا ہوتا تو آپ سے کبھی بھی جدا نہ ہوتا۔ اسلام میرے دل پر نقش ہو چکا ہے۔ میں نے اس روز بڑی گستاخی اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کی تھی اور آپ کا دل بھی دکھایا مگر آپ کی شرافت اور برداشت نے مجھے برا شرمندہ کیا۔ آج میں معافی چاہتا ہوں۔ جو کچھ ہوا جہالت سے ہو چکا۔ آئندہ کبھی ایسی حرکت مجھ سے نہ ہوگی۔ رہا میرا اسلام قبول کرنا اس کا جواب پھر دوں گا۔ فی الحال اسلام سے مجھے از حد محبت ہے۔ اچھا گڈ بائی ٹل وی میٹ اگین۔

حضرت! اس کے چلے جانے کے دوسرے ہی روز سے اس کے خط آنا شروع ہو گئے۔ ہر دوسرے روز دو تین صفحوں کا خط آتا۔ مگر تمام خطوں کا مضمون اسلام اور بانی اسلام سے واقفیت حاصل کرنی ہی تھی۔ اس عرصہ میں میں نے اسے اپنی جماعت کا لٹریچر بھی پہنچایا اور ہر سوال کا اپنی حسب لیاقت جواب سوچ سمجھ کر دیا۔ پچھلے ہفتہ اس کا ایک خط ملا کہ ہمارا سرکس جاپان کو جانے والا ہے۔ مگر میں رخصت لے کر آپ کے پاس آ رہا ہوں۔ ایک نسخہ قرآن انگریزی اگر ہو سکے تو میرے لئے رکھنا

قیمت کی پروا نہیں جو بھی ہو مگر بہت ضروری ہے۔ میرے پاس حضور کا ترجمہ انگریزی چیپ ایڈیشن والا ایک نسخہ تھا۔ وہی اس کے لئے رکھ چھوڑا۔ دوسرے روز یہ بھی آ پہنچے۔ رات کو آرام کیا۔ دوسرے روز صبح اس نے غسل کیا اور مجھ سے خوشبو مانگی۔ میرے پاس گلاب کا عطر ایک شیشی میں تھا دیا۔ اس نے اپنے اور میرے کپڑوں پر لگایا اور کہنا شروع کیا کہ میرے بڑے بھائی! میں نے خوب تحقیق کی ہے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آپ ہی میری رہنمائی کا موجب بنے ہو۔ آج دن بھی جمعہ کا ہے۔ میں مسلمان ہوتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں (کلمہ شریف پڑھا) حضرت! اب میری خوشی کی کوئی انتہاء نہ تھی۔ میں نے جلدی سے نفل شکرانہ ادا کئے۔ سجدہ شکر بجالانے کے بعد اس سے بغل گیر ہوا۔ اس کے بعد اس نے نماز جمعہ کے لئے کہا کہ چلو نماز میں شامل ہو چلو۔ میں نے اپنی مجبوری پیش کی کہ مجھے اس وقت بالکل فرصت نہیں ملتی اور ساتھ ہی ایک اور معاملہ بھی ہے۔ یعنی مخالفت۔ اس لئے میں مجبور ہوں۔ آپ بڑی خوشی سے تشریف لیجایئے۔

آخر یہ شہر چلا گیا اور مسجد کے پاس اس کے دوست ملے اس نے اپنا اسلام قبول کرنا ان پر ظاہر کیا۔ ان میں چند ملائی مسلمان بھی تھے۔ یہ تو بہت خوش ہوئے۔ مگر عیسائی اور پنجابی تو کاہے کو خوش ہونے لگے۔ ان پنجابیوں نے مسجد میں فتور مچادیا کہ یہ شخص مرزائی ہو گیا ہے اسلام سے خارج ہے۔ مسجد میں نہ گھسنے دو۔ جب اس نومسلم نے سنا کہ لوگ یہ کچھ کہہ رہے ہیں تو چونکہ ابھی نماز میں ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا، اس نے مسجد کے سامنے ہی بڑے زور سے تقریر شروع کر دی۔ انگریزی، ملائی، اردو تینوں زبانوں میں ان لوگوں کی خوب مرمت کی۔

میں تو وہاں پر نہ تھا۔ مگر اپنے دوستوں سے سنا ہے کہ اس نے اس بات پر زیادہ زور دیا اور ثابت کیا کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے اور آخر میں ہاتھ جوڑ کر تمام مسلمانوں سے معافی مانگی کہ میں نے کچھ عرصہ پہلے بہت سے آدمیوں کے درمیان اسلام اور آنحضرتؐ کی توہین کی تھی۔ ممکن ہے اس دن بہت سے لوگوں کو صدمہ پہنچا ہو۔ لہٰذا آج چونکہ میں آنحضرتؐ کے غلاموں کا ایک ناچیز غلام ہوں اور سب سے آقائے دو جہان کا واسطہ دے کر معافی چاہتا ہوں۔ اب میں جاپان جا رہا ہوں۔ اگر زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔ مگر میں ایک نصیحت خاص کر مسلمانوں کو کرنا چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ

دین سے واقفیت حاصل کرے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ پکے مسلمان کے ساتھ کوئی غیر مسلم مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میں نے بڑے بڑے ہوشیار لوگوں سے مذہبی بحث کی ہے اور کئی دفعہ کی ہے۔ مگر مغلوب ہوا ہوں تو صرف اسلام سے۔ اور یہ بھی صرف ایک فرد کی وجہ سے۔ اگر مسٹر علی سے ملاقات نہ ہوتی تو نا معلوم کب تک اندھا رہتا۔ سوائے بھائیو! یاد رکھو اسلام سے بہتر کوئی مذہب نہیں ہے۔ اسلام میں ہر مرض کی دوا موجود ہے۔ بشرطیکہ عقل سے کام لو تو۔

دیکھو آج میں مسلمان ہو کر اپنے بھائیوں میں خوشی سے آیا ہوں کہ نماز سب مل کر ادا کریں۔ مگر افسوس کہ لوگ چہ میگوئیاں کر رہے ہیں کہ یہ احمدی ہو گیا۔ دوستو! تم نے احمدی کے معنی سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے۔ جناب مرزا صاحب سے اور ان کی کتابوں سے عداوت رکھتے ہو۔ یہ سراسر جہالت اور ظلم کر رہے ہو۔ دوستو! ذرا غور کرو۔ اگر مرزا صاحب اس جماعت کی بنیاد نہ رکھ جاتے تو آج یہ ہزاروں انگریز اسلام کے سامنے سرنگوں نہ ہوتے۔ برلن اور لنڈن میں اللہ اکبر کی آواز سنائی نہ دیتی۔ اگر اسلام کا جوش اور اسلامی غیرت مسلمانوں میں ہے تو صرف احمدیوں میں ہی ہے۔ وہ اسلام اور بانی اسلامؐ پر جان قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ جس شخص سے تم عداوت رکھتے ہو اس کا تم کو ممنون احسان ہونا چاہئے۔ اس نے تمہاری عزت رکھی ہے۔ مسٹر علی ایک ہی احمدی ہے۔ اللہ اسے آخر دم تک احمدیت پر ثابت قدم رکھے۔ اس کی ہی وجہ سے آج میں کفر سے توبہ کر چکا ہوں۔ ورنہ یہ ڈاڑھی والا ملاّ تو اس دن میرے سامنے ایسا خاموش تھا۔ گویا اللہ نے اسے قوت گویائی عطا ہی نہیں کی اور آج باتیں بناتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ بڑا افسوس تو اس پر ہے کہ ہمارے آقائے دو جہاںؐ نے اپنی مسجد میں عیسائیوں کو ٹھہرایا اور عبادت کی بھی اجازت دی۔ مگر آج میں مسلمان ہو کر مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آیا ہوں اور مسلمان میرے مسجد میں آنے کے خلاف ہیں۔ افسوس تم لوگ اپنے آپ کو بھی مسلمان کہلاتے ہو۔ سوچو۔ خوب سوچو اور اسلام کو بدنام مت کرو۔ اگر خود کچھ نہیں کر سکتے تو دوسروں کا راستہ نہ روکو۔ دیکھا حضرت! یہ ہیں پنجابی مسلمان جو احمدیت کے خلاف ہیں۔ بھلا ان سے کون ڈر سکتا ہے۔ ایک معمولی سوال کا بھی جواب ان کے پاس نہیں ہے ویسے ہی مخالفت پر کمر باندھی ہوئی ہے۔ آپ اس نو مسلم کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ اسے ثابت قدم رکھے اور خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

اس کا پہلا نام: Roben John Phumer اسلامی نام:Shaise Abdul Rahman ہے
ہاں اتنا میں اور عرض کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کے تمام دوستوں کو اپنے پاس کافی لٹریچر رکھنا چاہیئے۔ اگر بڑی قیمتی کتابیں خریدنے کی توفیق نہ بھی ہو تو مرکز سے چھوٹے چھوٹے پمفلٹ مل سکتے ہیں۔ یہ ضرور ہر شخص کو رکھنے چاہئیں۔ یہ ان کتابوں کی ہی وجہ تھی کہ یہ شخص اتنا متاثر ہوا۔ ورنہ مجھ میں کیا قابلیت تھی۔ میں نے اپنے پاس کافی ذخیرہ لٹریچر کا رکھا ہوا ہے۔ ایسوسی ایشن میں بھی کافی پمفلٹ رکھے ہوئے ہیں۔ درجنوں لوگ اسلام کی اصلیت سے واقف ہو چکے ہیں۔ اگر قبول اسلام سے بوجہ دنیاداری کے ڈرتے ہیں تو مخالف بھی نہیں ہیں جیسے اکثر غیر مسلم ہوا کرتے ہیں۔

حضرت! اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو اسی فہرست کی طرف جلد توجہ دیں۔ اس سے بہت اچھے نتائج نکلنے کی توقع ہے۔ میرے خیال میں اس کی لکھائی چھپائی کاغذ وغیرہ پر بہت خرچ نہ ہوگا۔ اگر اس کی قیمت بھی رکھ دی جائے تو بھی کوئی ہرج نہیں۔ آنہ یا دو آنے قیمت سے ہر ایک احمدی خرید سکتا ہے۔ آگے آپ کی مرضی پر منحصر ہے جیسا مناسب خیال فرمائیں کریں۔

مجھے ابھی تک اپنی جماعت کی تعداد معلوم نہیں ہے کہ اس پاک سلسلے میں کتنے اللہ کے بندے شامل ہیں اور نہ ہی قادیانی جماعت کا کچھ پتہ ہے۔ حضرت میں ایک غریب آدمی ہوں۔ بڑا بھاری کنبہ میرے سر پر ہے۔ اگر اللہ مجھے کافی دولت دیتا تو قسم خدا کی میں آپ کا ہاتھ بٹانے میں حصہ لیتا۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ میرا دل تو ایسا کرتا ہے کہ اپنی جماعت کا لٹریچر کسی طرح زبان ملائی، چینی اور ٹمبل میں ترجمہ ہو جائے تو ایک دفعہ تو اس ملایا کو الٹ پلٹ کر رکھ دوں۔ افسوس یہ مسلمان سوئے ہوئے ہیں۔ اگر میری سکیم کامیاب ہو جاتی تو آج تک ایک دو پمفلٹوں کا ترجمہ ہو گیا ہوتا۔ اچھا اللہ پر بھروسہ ہے وہ کبھی نہ کبھی تو کوئی سامان پیدا کر ہی دے گا۔ افسوس کہ میں اکیلا ہوں۔ اگر پندرہ بیس آدمی مل کر جماعت بنا لیتے تو انشاءاللہ اب تک کچھ نہ کچھ ضرور ہو گیا ہوتا۔ اب میں اس خط کو ختم کرتا ہوں اور دوبارہ معافی چاہتا ہوں کہ آپ کا وقت بہت خراب کیا ہے۔ میری اور میرے لڑکے نادر علی کی طرف سے السلام علیکم قبول فرمائیں۔ آپ کا خادم

ایس۔ بی علی کیلیڈ انیا اسٹیٹ۔ پنیانگ شیل۔ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی براہ پینانگ۔ ایس۔ ایس

حضرت امیر کی علالت اور ''الفضل'' (22 جون 1938ء) افسوس پر قادیانی جماعت (بالخصوص اس کے

اکابر واخبارات) نہ صرف اندرونی اور پوشیدہ امور ومشاغل کے لحاظ سے بلکہ ظاہری معاملات میں بھی اخلاق کی ایک ایسی پست سطح پر آگئے ہیں جس کا تصور بھی ایک مذہبی کہلانے والی جماعت کے لئے باعث ندامت ہونا چاہئے۔ان کی یہ پستی اخلاق ہمارے لیئے موجب رنج ہے۔کیونکہ اس طرح یہ لوگ حضرت مسیح موعود کے مقدس نام کو بدنام کررہے ہیں۔ جماعت لاہور کے متعلق تو قادیانی حضرات کی ذہنیت کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ وہ ہر ایک بداخلاقی، بدزبانی اور شرمناک طعنہ زنی کو ہمارے بارہ میں سمجھتے ہیں۔''پیغامیوں'' کا ذکر کیا تصور آتے ہی ان لوگوں کے قلم اور زبانیں ضابطہ اخلاق کی ہر ایک پابندی سے آزاد ہو جاتی ہیں۔خلیفہ صاحب کا ''گوبھی شلجم کے چھلکوں'' والا رسوائے عام خطبہ اس کی ایک ناقابل فراموش مثال ہے۔

دوسرے کی تکلیف اور مصیبت پر خوش ہونا،طعنہ زنی اوراظہار مسرت کرنا ایک بہت ہی قابل نفرت فعل ہے جس کو اسلامی اخلاق سے دور کا بھی تعلق نہیں۔لیکن ہمارے متعلق قادیانی حضرات کی ہمیشہ یہی روش رہی ہے۔ جب بھی ہماری جماعت یا ہمارے کسی بزرگ کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یہ لوگ وفور مسرت سے دیوانے ہوجاتے ہیں اوران کی طرف سے نہایت ذلیل قسم کی طعنہ زنی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا مزاج نصیب اعداء چند ہفتہ سے ناساز ہے۔گذشتہ دنوں کچھ زیادہ تکلیف ہوگئی تھی۔اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے افاقہ ہے۔عیادت وہمدردی کا کوئی کلمہ تو ایک طرف رہا، کیونکہ یہ تو شریف وبااخلاق انسانوں کا شیوہ ہوتا ہے۔لیکن افسوس!اس موقع پر''الفضل'' اپنے تقاضائے فطرت کی وجہ سے خاموش بھی نہ رہ سکا۔اس نے اپنی 21جون کی اشاعت میں''کیا مولوی محمد علی صاحب کو ڈاکٹری مشورہ نے ڈلہوزی جانے پر مجبور کیا'' کے عنوان سے ایک نہایت کمینہ گمنام تحریر شائع کی ہے۔اگر یہ ایڈیٹر''الفضل'' کی تحریر نہیں تو یقیناً مولوی اللہ دتہ عرف ابوالعطا صاحب جالندھری یا ان جیسے کسی اور غالی مصاحب کا کارنامہ ہوگی۔اس تحریر میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے موسم گرما میں ڈلہوزی تشریف لے جانے کے معمول کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے کے بعد لکھا ہے۔

''مگر معلوم نہیں اب کے انہوں (حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ) نے کیوں ایک تو وہاں جانے میں غیر معمولی دیر کر دی اور جب روانہ ہوئے تو اس عذر کی آڑ لے کر کہ ڈاکٹری مشورہ یہی ہے کہ فوراً

ڈلہوزی چلا جاؤں۔ اس لئے 7 جون کی شام کو یہاں سے جا رہا ہوں۔ گویا ڈاکٹری مشورہ نے انہیں ڈلہوزی جانے پر مجبور کر دیا اور نہ کبھی ڈلہوزی گئے ورنہ اب کے جانے کا ارادہ رکھتے تھے بحالی صحت کے لئے کسی سرد مقام پر جانا منع نہیں بلکہ توفیق ہو تو ضروری ہے۔ لیکن ایک ایسا شخص جو ایک سرد مقام پر اپنا مستقل رہائشی مکان رکھتا ہے اور سالہا سال سے وہاں موسم گرما گزار رہا ہے۔ اگر وہ وہاں جانے کی وجہ ڈاکٹروں کا مشورہ بتائے تو تعجب کی بات ہے۔''

''الفضل'' کا اس تحریر سے مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضرت ممدوح ڈاکٹری مشورہ کو بہانہ بنا کر ڈلہوزی تشریف لے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ تسلیم کرتا ہے کہ حضرت ممدوح ہر سال ڈلہوزی تشریف لے جاتے ہیں اور ان کا وہاں اپنا مکان بھی موجود ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص ہر سال جاتا ہے اس کو بہانہ کی کیا ضرورت ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اس سال بعض جماعتی اور ذاتی کاموں کی وجہ سے حضرت ممدوح 15 جون تک لاہور میں قیام فرمانا چاہتے تھے۔ لیکن اسی دوران میں نصیب اعداء علیل ہو گئے اور ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق 7 جون ہی کو تشریف لے گئے۔ قبل از وقت روانگی اور اس کی وجہ کا اعلان اخبار میں کرنا پڑا۔

بے شک حضرت امیر ہر سال ڈلہوزی تشریف لے جاتے ہیں اور انہوں نے جو بیش قیمت اسلامی لٹریچر تیار کیا ہے یہ زیادہ تر قیام ڈلہوزی ہی کا نتیجہ ہے۔ ہر سال اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت دینی کے لئے حضرت ممدوح کو تا دیر سلامت رکھے۔ لہٰذا ''الفضل'' کو معلوم ہونا چاہئیے کہ حضرت امیر کو ڈلہوزی جانے کے لئے کسی بہانہ کی ضرورت نہیں۔ بہانوں کی ضرورت ان کو ہوتی ہے جو تبلیغ اسلام کے نام پر جمع کئے ہوئے روپے سے محض سیر سپاٹے کی خاطر مع لاؤ لشکر پہاڑوں پر، اور پہاڑوں پر کیا، ولائت تک جاتے ہیں اور ان کی واپسی سے قبل ہی ان کی سیر و سیاحت کے متعلق ایسی باتیں ان کے مرکز میں پہنچ جاتی ہیں، جن کے باعث جماعت میں چند عدد ''منافقوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ فرمایئے کچھ اور عرض کیا جائے یا بات سمجھ میں آ گئی ہے؟!

حضرت امیر ایدہ اللہ کی صحت: (27 جون 1938ء) امیر جماعت حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی علالت سے چونکہ احباب جماعت کے دلوں میں بہت تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ اس لئے میں کچھ تھوڑا سا مجملاً عرض کر دینا چاہتا ہوں۔ آپ کے بخار کو آج پچیس روز کے قریب عرصہ ہو گیا ہے۔ لاہور میں ابتداء میں ٹمپریچر زیادہ

رہا اور موسم سخت گرم تھا۔ اس لئے ڈاکٹری مشورہ کے ماتحت ڈلہوزی چلا آنا پڑا۔ یہاں پہنچ کر بخار کم ہو گیا تھا۔ مگر بعد میں اچانک بخار کا حملہ پھر شدید ہوا جس کی وجہ سے ایک روز کے لئے لاہور سے ڈاکٹر غلام محمد صاحب کو تشریف لانا پڑا۔ ان کے چلے جانے کے بعد بخار کی حرارت روز بروز اللہ کے فضل سے برو بہ کمی ہے۔ اکثر صبح کے وقت نارمل ہو جاتا ہے۔ شام کو 100 درجہ تک کم وبیش ٹمپریچر پہنچتا ہے۔ عام حالت اللہ کے فضل سے اب بہتر ہوتی جارہی ہے۔

بخار کس قسم کا ہے یہ پوری طرح ابھی تک تشخیص نہیں ہو سکا۔ مختلف قیاسات ہیں جن میں سے کسی کو بھی یقینی نہیں کہا جاسکتا۔ یہاں آ کر انسانی علم اور قدرت کے معجزۃ کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور بات بھی سچی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کا علم کامل ہے اور جس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں۔ ڈاکٹری مشورہ بھی محض اسباب ہیں۔ جن سے کام لینے کا حکم ہے ورنہ اصل علاج آسمان پر ہے۔ جناب الٰہی کی درگاہ سے ہی انسان کو شفائے کامل حاصل ہوتی ہے۔ احباب کو چاہئے کہ وہ نہایت درد دل سے دعا فرمادیں کہ یہی سب سے بہتر طریق اس وقت ہمدردی کا ہے۔ ہاں اسی **مالک الملک عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** کے آگے جھکیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادے اور ایسے قیمتی وجود کو بہت عرصہ تک اسلام کی خدمت کے لئے زندہ اور باصحت رکھے۔ دوستوں کو جہاں تک ممکن ہے بذریعہ خطوط حضرت امیر کی صحت سے اطلاع دی جاتی ہے۔ لیکن اگر کبھی فروگذاشت ہو جائے تو یہاں کی مشغولیت پر نظر کرتے ہوئے امید ہے احباب معذور سمجھیں گے۔ احباب ڈلہوزی تشریف لانے کے لئے بھی تحریر فرماتے ہیں۔ ان کا بے حد شکریہ ہے۔ ان کا تشریف لانا ہمارے سر آنکھوں پر۔ لیکن پہاڑ میں یہ بوجہ جگہ کی قلت اور تیمارداری میں انہماک کے خطرہ ہے کہ انہیں تکلیف نہ ہو۔ سب سے بڑی ہمدردی دعا ہے۔ اس لئے میں پھر دعا کے لئے یاددہانی کراتا ہوں۔ دل کے درد اور تڑپ کی دعا کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے۔ والسلام خاکسار بشارت احمد ڈلہوزی 23 جون 1938ء

امیر اور جماعت کا تعلق: (8 جولائی 1938ء) دنیا میں جہاں کوئی جماعت نظر آتی ہے تو اس کے پہلو بہ پہلو ایک صاحب سطوت ہستی پر نگاہ پڑتی ہے۔ ہمیشہ بڑے بڑے کارہائے نمایاں امیروں کی قیادت سے ہی انجام کو پہنچے ہیں۔ یہ ایک عمرانی قانون ہے جس میں دنیا کے سب دستور العمل بندھے ہوئے

ہیں۔ جماعت بغیر امیر کے بھیڑوں کا پریشان گلہ ہے اور امیر بغیر جماعت کے ایسا گڈریا ہے جس کے پاس بھیڑیں نہیں۔ جماعتوں میں ان کے عناصر ترکیبی کے لحاظ سے ایک اصولی اختلاف اور تفاوت نظر آتا ہے۔ جماعت اور اس کے قائد کی نوعیت اس کے مرز و بوم کے لحاظ سے مختلف ہو جاتی ہے۔ اور ان کی امارت میں بشریت سے الوہیت تک مختلف مدارج پائے جاتے ہیں۔ لیکن جہاں تک کلیات کا تعلق ہے۔ ان میں ایک شدید مشابہت ہے۔ ہر جماعت میں اس کے نظام کا ظہور اس کی خصوصیات کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن سب کا مطمع نظر صرف ایک ہے۔ یعنی تسخیر، تسخیر اور صرف تسخیر۔ رومن کیتھولک عیسائیوں کے ہاں قائد اعظم کو پوپ کہتے ہیں۔ وہ پیٹرس کا جانشین اور مسیحؑ کا خلیفہ ہے۔ رومی کلیسا کے نزدیک پوپ ایک مافوق البشر ہستی ہے۔ جو اُن کے ہر مذہبی اصول پر حاوی ہے۔ وہ گناہ سے آزاد اور معصوم ہے۔ اس لئے اسے تقدس مآب کہتے ہیں۔ امارت کے اس نظریہ سے کلیسا کی داستان گناہ اور خون سے آلودہ ہے۔

اس قیادت سے اسلامی امارت کا بعد المشرقین: وہ عربی گڈریے جنہیں جان پر کھیل جانے کا ڈھب آتا تھا، امارت کے متعلق ان کا تخیل ساری دنیا سے نرالا تھا۔ ان کے امیر سے دنیا کے شہنشاہ تھر تھر کانپتے تھے اور معمولی بدوی بھری مجلس میں اسے ٹوک دیتے تھے۔ اس کی طاقت کی کوئی انتہاء نہ تھی اور قانون محمدؐ کے سامنے اس کی کمزوری کو دیکھ کر رحم آتا تھا۔ عرب مسلمانوں میں امارت کو کوئی تقدس حاصل نہ تھا۔ امیر خطا اور نسیان سے پاک نہ تھا۔ وہ انسان ہوتے ہوئے انسان کا رہنما تھا۔ اس سے نغزشیں ہونا عین ممکن تھیں۔ اسلام میں اصولی لحاظ سے بھی امارت کوئی مذہبی ادارہ نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اور آنحضرت کے مکالمات اس کے متعلق خاموش ہیں۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ مسلمانوں کے ہاں مقدس اختیارات کا فقدان رہا ہے۔ اور اگر کہیں نام نہاد اسلامی جماعت میں اس قسم کا تخیل پایا جاتا ہے جو امیر کو معصوم قرار دیتا ہو۔ جائز اور بیباک اعتراض سے بالا سمجھتا ہو۔ وہ یقیناً غیر اسلامی ہے۔ اسے اسلام سے دور کی بھی نسبت نہیں۔ اسلام کے ہاں ایسی امارت کا درجہ لات ومنات سے ہرگز بلند نہیں۔ لیکن باوجود اس الوہی فقدان کے مسلمانوں نے اپنے امیروں کی ایسی اطاعت کی ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ جب وہ مسلمانوں کے اجتماع کو خطاب کرتے تھے تو مسلمانوں کے جیوش قاہرہ پر ایک

مقناطیسی سکوت چھا جاتا تھا۔ اعصاب کی تاروں پر برقی روئیں دوڑنے لگتی تھیں اور مسلمان ریگستان سے نکل کر جابر اور پُر شوکت حکومتوں کے تختے الٹ دیتے تھے۔ یہ وہ اطاعت ہے جو الوہی قایدین کو کبھی خواب میں بھی میسر نہ آئی ہوگی۔

اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمان جب ایک رجل عظیم سے پیمان وفا باندھ لیتے تھے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس پیمان کو توڑ نہ سکتی تھی۔ مسلمان اپنے امیر کو مجہول اور فاسد نکتہ چینیوں کا ہدف نہیں بناتے تھے اور نہ چھپ چھپ کے اندر ہی اندر ایسا زہر پھیلاتے تھے۔ جس سے جماعت میں انحطاط اور زوال پیدا ہو۔ کامل اطاعت ان کا شیوہ تھی۔ وہ اسے صرف اس وقت ٹوکتے تھے جب وہ یہ خیال کرتے کہ اس کا رویہ قانون پیغمبر کے منافی ہے۔ ورنہ اس کے علاوہ وہ شوریدہ سر نہ تھے کہ یونہی اپنے امیروں کے مونہہ آیا کریں۔ یہی وجہ تھی کہ کامیابیاں ان کے قدم چومتی تھیں۔ وہ جس طرف سے گزر جاتے تھے مخلوقِ خدا اور عناصر پر ایک ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اصل میں اصلح جماعت کی مثال بالکل ایک تندرست بدن کی سی ہے۔ جس کے تمام اعضاء دماغ کے طبعی احکام پر بغیر کسی رکاوٹ کے لبیک کہتے ہیں۔

ہر وہ شخص جو پُر خلوص ہے جس کا سینہ ایمان ویقین سے لبریز ہے۔ اس کی روش منافقت سے پاک ہوتی ہے۔ اس کی آواز میں جرأت اور بیبا کی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ اسے اگر کوئی اختلاف ہو تو وہ اس اختلاف کو بیان کرنے کے لئے ایسے ذرائع ڈھونڈھتا ہے جس سے جماعت میں تخریب کی روح نہ پیدا ہو۔ لیکن جس شخص کا رویہ اس کے برعکس ہو وہ یقیناً قوم کا خیر خواہ نہیں۔ اس میں کجی ہے۔ نامحسوس طور پر اس میں شر پنہاں ہے۔ ورنہ صاحب ایمان وضمیر سے ایسی اسفل حرکات کا ہونا ناممکن ہے۔ یہ امر تسلیم کرنے سے کسے گریز ہے کہ مسلمان کسی شخصیت کے رعب اور سطوت سے مرعوب نہیں ہوتا۔ لیکن اس میں بھی تو کوئی شک نہیں کہ جب مرد مومن ایک دفعہ کسی امیر کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا ہے تو پھر اسے اس عہد سے کوئی بات منحرف اور متزلزل نہیں کر سکتی۔

ان حقائق کی روشنی میں ہمیں ذرا اپنا جائزہ لینا چاہئے۔ ہم میں کہاں تک عہد کی پختگی ہے۔ ہمارے قلوب میں اپنے امیر اید ہ اللہ کے متعلق کیسے جذبات موجزن ہیں۔ جب ہم اپنی مختصر سی حیات قومی پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ایثار وخلوص کا ایک بحر ناپیدا کنار موجیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ اگر

یوں نہ ہوتا تو یہ عظیم الشان کام کیسے بروئے کار آ سکتا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے نہایت محنت شاقہ کے ساتھ اسلام کی خدمت کی ہے۔ ان کے عمر رسیدہ اجسام اس وقت بھی انتہائی محنت اور کاوش کی وجہ سے پسینے میں شرابور ہیں۔

کسی ہستی کی صحیح قدر کچھ اس وقت معلوم ہوتی ہے۔ جب وہ نگاہوں سے پوشیدہ ہو جائے۔ پہاڑ کی بلندی کا اندازہ بالکل اس کے قریب کھڑے ہو کر نہیں لگایا جا سکتا۔ ہاں کچھ دوری سے اس کی شوکت، عظمت اور رفعت آنکھوں میں خوب جچتی ہے۔ ہمارے امیر اور قائد جن کے دماغی قویٰ نے مدت دراز تک ایک جدوجہد کی ہے۔ وہ دور حاضرہ میں اسلام کے سب سے بڑے قلمی مجاہد ہیں۔ اور ہمیں ان کی مساعی جمیلہ پر ایک جائز فخر ہے۔ قوم کے دِلوں میں خود ان کی ذاتی بزرگی اور جہاد کی وجہ سے ایک تندرست قدر و عزت موجود ہے۔ قوم کا ہر فرد ان کی اطاعت کو سعادت خیال کرتا ہے۔ اب جب کہ ان کے جامہ ہستی پر بڑھاپے نے شکن ڈال دیئے ہیں، ہمار دِلوں میں ان کی عظمت اور وقعت دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ہم سب نوجوان ان کے ارشادات پر سر خم تسلیم کرنے کے لئے ہر وقت مستعد ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ خداوند تعالیٰ انہیں اتنی لمبی عمر دے کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا دیکھ لیں۔ خداوند تعالیٰ ان کے اس مجاہد جسم کو جو انتہائی محنت کی وجہ سے علیل ہو کر بستر پر گر پڑا، طاقت اور توانائی دے۔ آمین۔

جماعت کے اس دور میں نوجوانوں کے فرائض دن بدن بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ انہیں نہایت قلیل عرصہ میں پہاڑ کاٹ کر جوئے شیر لانا ہے۔ انہیں نہایت سرعت کے ساتھ اپنے اندر ایک جماعتی تنظیم پیدا کرنا چاہئے۔ اور یہ جماعتی رنگ اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک ہم میں امیر اور امام کی مکمل اطاعت کا جذبہ موجود نہ ہو۔ وہ دھڑ جو اپنے سر سے جدا ہو۔ اس سے بقاء اور زندگی کی توقع رکھنا فضول اور بے معنی ہے۔ ان مندرجہ بالا سطور سے میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم میں پیر پرستی کی روح پیدا ہو۔ یا ہم ایک رجل عظیم کو ماسوا اللہ کے معبود بنا لیں۔ یہ اسلام کی تعلیم کے بالکل منافی ہے اور ہم اسے ایک لعنت خیال کرتے ہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہم میں ایک ایسا قوی اعتدال پیدا ہو جائے کہ جس سے ہماری اطاعت بھی کمال کو پہنچ جائے اور ہمارے قلوب میں ماسوا اللہ کے اور کوئی معبود بھی نہ بنتا ہو۔

یہ ناممکن نہیں ہے۔ اسلام کے قرن اولیٰ میں یہ رفیع منظر دنیا کو ایک دفعہ نظر آ چکا ہے۔ تاریخ خلافت کے اوراق الٹ کر دیکھئے تو وہاں آپ کو جلی حروف سے لکھا ہوا دکھائی دے گا۔ ایک طرف اطاعت کی بھی حد ہے اور دوسری طرف حریت بھی کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ جہاں خالدؓ کی معزولی اوراقِ حکومت پر شکن نہیں ڈالتی۔ تو ساتھ ہی ایک بڑھیا اور معمولی بدوی کی جسارت بھی حضرت عمرؓ کی غیور جبیں پر بل ڈالنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ حضرت عمرؓ وہ صاحب جبروت خلیفہ تھے کہ جن کا نام ہی دنیا کے تمام درباروں میں زلزلہ ڈال دیتا تھا۔ لیکن ان میں ایثار اتنا تھا کہ وہ کسی مظلوم کو دیکھ کر خود رعشہ براندام ہو جاتے تھے۔ یہی وہ اعتدال ہے جس کی ہمیں شدت کے ساتھ ضرورت ہے۔ یہ توحید اور اطاعت کا وہ بلند معیار ہے جس پر اسلام ہمیں لانا چاہتا ہے اور جس پر پہنچنے کے لئے اقوامِ عالم سرگردان ہیں۔ شیخ محمد آصف صاحب

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت: مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب پیغام صلح۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج چار روز سے حضرت مولٰنا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ کو بخار مطلق نہیں ہے اور نہ کسی اور مرض کی کوئی علالت ہے۔ طاقت اللہ کے فضل وکرم سے ماشاءاللہ عود کر رہی ہے۔ ابھی تک ہم نے چلنے پھرنے سے روکا ہوا ہے اور ہر ایک قسم کی دماغی محنت سے بھی پرہیز ہے۔ اللہ۔ اللہ! پچھلے دن جس قدر پریشانیوں میں گزرے ہیں۔ ان کا خیال کرنے سے ہی دل گھبرانے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کس قدر فضل کیا ہے کہ اس کے شکریہ کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ اتنی طویل علالت اور بخار کا اس قدر شدید حملہ اور ضعف اس قدر کہ کلام کرنا بھی مشکل تھا۔ ان سب سے نکالنا جناب الٰہی کا ہی کام تھا۔ ورنہ علم طبّ نے تو اتنا کہہ کر ساتھ چھوڑ دیا تھا کہ آرام کرو اور انتظار کرو۔ بس علاج ختم شد۔ کوئی مقوی دوا وغیرہ کسی وقت اگر دی جاتی تھی تو محض طاقت کے لئے تھی۔ بخار کا کوئی علاج نہ تھا۔ پس کس قدر سچا مقولہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرآن کریم میں مذکور ہے کہ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (80:26) کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی ذات ہے جو شفاء دیتی ہے۔ حضرت مولٰنا روم کا یہ شعر پڑھ کروں وجد کر اٹھتا ہے۔

ایکہ خواندی حکمت یونانیاں حکمتِ ایمانیاں راہم نجواں

میں تو اپنے آپ کو مخاطب کر کے اس شعر کو یوں پڑھا کرتا ہوں۔

ایکہ خواندی حکمتِ انگلیسیاں حکمتِ ایمانیاں راہم نجواں

احباب اپنی دعاؤں میں کمی نہ کریں۔ کیونکہ دعائیں ہی افضال الٰہی کی جاذب ہوتی ہیں۔

راقم بشارت احمد ڈلہوزی 2 جولائی 1938ء

احباب جماعت کا باہمی میل جول: (18 جولائی 1938ء) تنظیم جماعت کی ضرورت واہمیت سے احباب بخوبی واقف ہیں۔ ایک گروہ جو دنیا کے سب سے اعلیٰ اور بلند کام اشاعت اسلام کے لئے مصروف عمل ہے اور جس نے اس پاک فریضہ کو اپنی زندگی کا مقصد وحید بنالیا ہے۔ ضرورت ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ منظّم و مستحکم ہونے کی کوشش کرے۔ کیونکہ جہاں تک ظاہری اسباب وسائل کا تعلق ہے اس کی تنظیم واستحکام پر اشاعت اسلام کی کامیابی کا بہت بڑی حد تک انحصار ہے۔ لہٰذا تنظیم واستحکام جماعت پر نظر رکھنا اور اس کے لئے مناسب کوشش کرتے رہنا ہر ایک فرد جماعت کے لئے لازمی ہے۔

تنظیم جماعت کے لئے بہت سی چیزیں ضروری ہیں۔ ان سب کا بیان کافی فرصت چاہتا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں سب سے زیادہ ضروری چیز افراد و جماعت کا باہمی میل جول اور تعلقات محبت ہیں۔ یہ چیز تنظیم جماعت کی بنیاد ہے۔ اگر اس بنیاد کو اچھی طرح قائم کر دیا جائے تو اس کے اوپر ایک شاندار عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے۔ اجتماع اور باہمی میل جول پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ حتّٰی کہ اکثر عبادات کے لئے اجتماع کو ضروری قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت نبی کریمؐ کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں نظر آتا ہے کہ حضور روزمرہ کی دنیوی زندگی میں بھی باہمی میل جول کی اہمیت کو پورے طور پر پیش نظر رکھتے تھے۔ دوستوں اور ملنے والوں کے دکھ درد میں شریک رہتے۔ ان میں سے کوئی نظر نہ آتا تو اس کی خیریت دریافت فرماتے۔ کوئی بیمار ہو جاتا تو عیادت کے لئے تشریف لے جاتے۔ کوئی کسی مصیبت یا پریشانی میں مبتلا ہوتا تو اس کی دلجوئی وامداد فرماتے۔ اس میں چھوٹے بڑے اور ادنیٰ واعلیٰ کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں بھی ہمیں یہی بات دکھائی دیتی ہے اور یہی وہ چیز تھی جس نے منتشر اور خانہ جنگی کے شیدائی عربوں کو چند سال کے عرصہ میں ایک مضبوط و ناقابل تسخیر جماعت بنا دیا تھا۔

حضرت مسیح موعود کے مبارک زمانہ کی بھی یہی خصوصیت تھی۔ اس زمانہ میں افراد سلسلہ کے اندر حقیقی بھائیوں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر محبت تھی۔ وہ آپس میں اکثر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے

اور ان کے دکھ درد میں شریک رہتے۔ شہروں کو چھوڑ یئے، دیہاتی علاقوں میں بھی، جہاں سواری کا کوئی انتظام نہ ہوتا تھا، یہ کیفیت تھی کہ اگر کسی کو معلوم ہو جاتا تھا کہ دس کوس کے فاصلے پر کوئی احمدی موجود ہے تو وہ پیدل چل کر اس سے ملاقات کے لئے جاتا تھا۔ نماز جمعہ کے لئے کئی کئی کوس سے لوگ ایک دوسرے کے پاس پہنچتے تھے۔ غرضیکہ اس زمانہ کے احمدیوں کے باہمی میل جول اور تعلقات میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی جھلک نظر آتی تھی۔ یہی وہ چیز تھی جس نے اس زمانہ میں جماعت کے اندر شدید اور عالمگیر مخالفت کو کامیابی سے برداشت کر لینے کی طاقت پیدا کر دی تھی۔ ورنہ آپ غور کیجئے کہ ایک قلیل التعداد نئی جماعت جو بظاہر ہر لحاظ سے کمزور ہے، عالمگیر اور شدید مخالفت کا مقابلہ کس طرح کر سکتی؟

قدرت کا قانون افراد کی طرح اقوام پر بھی جاری ہے۔ قوموں کی زندگیوں میں ایسے اوقات بھی آیا کرتے ہیں کہ ان کی بعض خصوصیات کچھ کمزور ہو جایا کرتی ہیں۔ لیکن ایک زندہ جماعت ہر وقت ان چیزوں کا احتساب کرتی رہتی ہے اور جب بھی وہ اپنی کسی خصوصیت کو کمزور ہوتی دیکھتی ہے۔ فوراً اس کی اصلاح وتلافی کرتی ہے۔ ہم محسوس کر رہے ہیں کہ جماعت میں باہمی میل جول کی خصوصیت قدرے کم ہوگئی ہے۔ ضرورت ہے اس کی فوری اصلاح کی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے مقامات اور علاقوں میں ہمارے احباب کی تعداد بہت قلیل ہے۔ اور وہ ایک دوسرے سے فاصلے پر رہتے ہیں۔ دنیوی کاروبار کے لحاظ سے ان کے دوائرِ عمل بھی مختلف ہیں۔ وہ آسانی کے ساتھ ایک دوسرے سے مل جل نہیں سکتے۔ لیکن یہی بات اس امر کا زیادہ شدت کے ساتھ تقاضا کرتی ہے کہ دوست ایک دوسرے سے کوشش کر کے بھی بکثرت ملتے رہیں اور ایک دوسرے کے دکھ، درد، شادی اور غمی میں شریک رہیں۔ ہم اکثر مقامات پر اغیار ومخالفین کے ہجوم میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر کسی تکلیف کے وقت ہم کسی دوست کی امداد وہمدردی سے قاصر رہ جائیں تو یہ ایک بہت ہی افسوس کی بات ہے۔ اور اس کا اثر کم از کم زیرِ تبلیغ اور غیر از جماعت رشتہ داروں اور دوستوں پر بہت ہی بُرا ہوتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ ایک دوست بسترِ علالت پر پڑا ہے۔ لیکن اس کے علاج ودوا کا انتظام کرنے والا اور اس کو تسلی دینے والا کوئی نہیں۔ ایک دوست کے ہاں خدانخواستہ صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے لیکن اس کے آنسو پونچھنے والا اور اس کو تجہیز وتکفین میں امداد دینے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ ہم میں سے ہر ایک فرد کو ہر ایک مرد اور عورت کو، ہر ایک

بوڑھے اور جوان کو ان باتوں کا سختی کے ساتھ خیال رکھنا چاہئے۔

ہماری رائے میں ایسے مواقع پر بعض اوقات جو فروگذاشتیں ہو جاتی ہیں ان کا بنیادی سبب یہی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے پوری طرح باخبر نہیں رہتے اور ہمیں آپس میں ملاقات کے مواقع بہت کم ملتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ہر مقام پر جہاں جہاں ہمارے احباب اور جماعتیں موجود ہیں نماز باجماعت کا انتظام کیا جائے۔ اگر پانچوں نمازیں نہیں تو دو یا کم از کم ایک نماز تمام دوست اپنی مسجد یا جائے اجتماع میں آ کر ادا کریں۔ وہاں اخبارات سلسلہ بھی موجود رہیں۔ اس کے بعد جمعہ ہے۔ نماز جمعہ کے لئے ایک جگہ جمع ہونا تمام دوست اپنا ضروری فرض سمجھیں۔ اس کے علاوہ کوشش کر کے ہر جگہ درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ یہ کار خیر ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہوگا۔ اگر ان تجاویز پر عمل کیا جائے تو افراد جماعت کے اندر باہمی میل جول کے مواقع بکثرت پیدا ہو کر ان کے تعلقات ترقی کر سکتے ہیں۔ یہ امر تنظیم و استحکام جماعت کے لئے از بس مفید ہوگا۔

27جولائی1938ء

مکتوب امیر احباب کے نام

الحمدللہ۔حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت اس قابل ہوگئی ہے کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مکتوب احباب جماعت کے نام اپنے دست مبارک سے لکھا ہے۔ہم اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہوئے اس کا عکس (کمپوزنگ۔مرتب) شائع کرنے کی مسرت حاصل کررہے ہیں۔مدیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شکریہ احباب

ان تمام احباب کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا میرے لئے مشکل ہے جنہوں نے میری صحت کے لئے درددل سے دعائیں کیں۔اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔

ہاں میرے دل میں اس کے ساتھ ہی ایک اور خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ دعائیں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے لئے اس قدر زبردست جاذب ثابت ہوئیں کہ ایک عاجز بیکس انسان کو، جو نہ صرف خود محسوس کرتا تھا کہ اس کا قدم دوسرے عالم کی طرف اٹھ چکا ہے بلکہ اس کے معالج بھی اس کو محسوس کرتے تھے، دوبارہ زندگی عطا فرمائی گئی۔ابھی مجھے ان پر درد دعاؤں کی اور ضرورت ہے کہ میں خدمت دین کا کام کرنے کے بھی قابل ہو جاؤں۔لیکن اس سے بڑھ کر یہ ضرورت ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر پردرد دعائیں اس چھوٹی سی جماعت کے لئے کی جائیں کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ دین کا وہ درد پیدا کرے کہ یہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے مجنون ہو جائیں۔اور اپنی ضرورتوں پر دین کی ضرورت کو مقدم کرتے ہوئے اپنی جماعت کو مالی مشکلات سے باہر نکال دیں۔اپنے مالوں کو خدا کے دین کے پھیلانے میں لگا دینا بھی محبت الٰہی کا عملی ثبوت ہے۔ورنہ ہمارے زبانی دعوے ہیچ ہیں۔مجھے یقین ہے کہ وہ خدا، جس نے میری جماعت کی دعاؤں کو میرے لئے سنا، وہ جماعت کو زندگی عطا فرمانے کے لئے بھی ان دعاؤں کو سنے گا۔ضرورت اس کے در پر گرنے کی ہے۔والسلام۔خاکسار محمد علی۔ڈلہوزی 23جولائی1938ء

ہماری چھوٹی سی غریب و کمزور جماعت پر اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے افضال و کرام ہیں۔

ہماری جماعتی زندگی میں بہت سے ایسے مواقع آئے کہ جب بظاہر حالات مایوس کن تھے۔ چاروں طرف تاریکی نظر آتی تھی۔ دل کسی آنے والے خطرہ کو صاف محسوس کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے دروازے کھول دیئے۔ مایوسیاں، امیدوں اور مسرتوں سے بدل گئیں۔ تاریکی کی بجائے روشنی چاروں طرف چمکنے لگی۔ جب کبھی ان واقعات پر غور کرتے ہیں ہمارا سر بے اختیار اس مالک حقیقی کے حضور سجدہ شکر میں گر جاتا ہے۔ سچ ہے اگر اس کی غیبی امداد ہمارے شامل حال نہ ہو تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

اس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر ایک بہت بڑا فضل کیا۔ ماہ مئی کے آخری ہفتہ میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ شدید علیل ہو گئے۔ ہر وقت شدید بخار رہنے لگا۔ نقاہت بے حد ہو گئی۔ مریض و تیمارداروں کے علاوہ معالج بھی گھبرا گئے۔ خاکسار راقم الحروف کے لئے وہ منظر کس قدر دکھ دینے والا تھا۔ جبکہ اپنی علالت کے متعلق ایک اعلان کے سلسلہ میں حضرت ممدوح نے مجھے طلب فرمایا اور باوجود خواہش کے ایک حرف بھی اپنے قلم سے نہ لکھ سکے۔ پھر 7 جون کی شب کو جب حضرت ممدوح ڈلہوزی تشریف لے جانے لگے تو احباب ریلوے اسٹیشن پر رخصت کرنے گئے۔ اس وقت آپ نے لیٹے لیٹے سب سے مصافحہ کیا۔ کھڑا ہونا تو کجا بستر پر اُٹھ کر بیٹھنے کی بھی سکت نہ تھی۔ ڈلہوزی پہنچ کر کافی دنوں تک مرض کا غلبہ رہا۔ ساری جماعت دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ حضرت ممدوح کی صحت کے لئے دعائیں کرتی رہی۔

آخر اللہ تعالیٰ کے فضل سے یاس کے سیاہ بادلوں میں سے امید کا نور ہویدا ہوا۔ مایوسیاں دور ہوئیں۔ حضرت ممدوح کو غیر متوقع طور پر افاقہ ہونے لگا۔ الحمدللہ اب آپ کی صحت روز بروز ترقی کر رہی ہے۔ 23 جولائی کو حضرت ممدوح نے اپنے دست مبارک سے ایک مکتوب احباب جماعت کے نام تحریر فرمایا ہے جس کا عکس آج کے پرچے میں شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ ہماری جماعت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل نہیں تو اور کیا ہے؟ ہر فرد جماعت کو چاہیئے کہ وہ شکرانے کے نفل پڑھے اور حضرت ممدوح کی کامل صحت وتوانائی کے لئے درد سے دعا کرے تا کہ ہم اس سردار جماعت کو بدستور خدمات دینی اور جماعت کی رہنمائی میں مصروف دیکھ سکیں۔

حضرت ممدوح نے اپنے مکتوب گرامی میں احباب جماعت سے ایک نہایت نیک خواہش یا مطالبہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

''اس سے بھی بڑھ کر پُر درد دعائیں اس چھوٹی سی جماعت کے لئے کی جائیں کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ دین کا وہ درد پیدا کرے کہ یہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مجنون ہو جائیں۔ اور اپنی ضرورتوں پر دین کی ضرورت کو مقدم کرتے ہوئے اپنی جماعت کو مالی مشکلات سے باہر نکال دیں۔ اپنے مالوں کو خدا کے دین کے پھیلانے میں لگا دینا بھی محبت الٰہی کا عملی ثبوت ہے۔ ورنہ ہمارے زبانی دعوے ہیچ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ خدا، جس نے میری جماعت کی دعاؤں کو میرے لئے سنا، وہ جماعت کو زندگی عطا فرمانے کے لئے بھی ان دعاؤں کو سنے گا۔ ضرورت اس کے در پر گرنے کی ہے''

حضرت امیر کا یہ ارشاد ہر ایک فرد جماعت کی اولین توجہ کا مستحق ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اس کی فوری تعمیل کرنی چاہئے۔

8 اگست 1938ء
مکتوب امیر

مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (52:3)

برادران مکرم! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

اپریل میں انجمن نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ آئندہ سالانہ جلسہ کے موقع پر، جب ہماری اس انجمن کو قائم ہوئے پچیس سال اور احمدیہ جماعت کی بنیاد قائم ہوئے پچاس سال گزر چکے ہوں گے، جوبلی کی تحریک کے سلسلہ میں ایک لاکھ روپے کی فراہمی کا انتظام کیا جائے۔

میری علالت اور صحت کی موجودہ کیفیت: مئی میں میرا ارادہ اس کے لئے تحریک کرنے کا تھا۔ لیکن انہی ایام میں خفیف بخار ہونے لگا۔ اس لئے اس خیال کو ملتوی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ آخر مئی میں بیماری نے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی۔ اور اگرچہ میں اب بھی کمزور ہوں۔ اور ڈاکٹر ابھی کام کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے اور بعض چھوٹے چھوٹے عوارض حملہ اور بھی ہوتے رہتے ہیں۔ پہلے درد کمر کا دورہ ہو گیا۔ پھر قولنج کا۔ اور اب ریگ آ رہی ہے۔ لیکن وقت اس قدر تھوڑا رہ گیا ہے کہ اگر فوراً کوئی حرکت نہ کی گئی تو اس مقصد کا حصول ناممکن ہو جائے گا اور جماعت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

میرا فیصلہ۔ اس مقصد کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر دوں گا: جس وقت میری حالت نہایت نازک تھی۔ اس وقت بھی میں جماعت کے لئے یہی وصیّت لکھوانے کا فیصلہ کر چکا تھا کہ میری موت اس نہایت ضروری تحریک میں کسی طرح حارج نہ ہو۔ اور ساری جماعت اپنی تمام تر طاقت اور توجہ اس مقصد کے حصول کے لئے لگا دے۔ کیونکہ افراد کی موت سے جماعتی مقاصد کو نقصان پہنچنا ایک جماعت کی نہایت درجہ کی کمزوری کا نشان ہے۔ اور ایسی جماعت دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ اب میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ باوجود کمزوری کے، جس قدر قوت مجھ میں ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے صرف کر دوں گا۔

احباب کے تعاون کی ضرورت: لیکن یہ ظاہر ہے کہ میں اس کو تنہا پہلے بھی نہ کر سکتا تھا اور اب تو کمزوری وغیرہ کی وجہ سے اور بھی زیادہ اس بات کا محتاج ہوں کہ میرے احباب میری مدد کے لئے

اٹھیں۔ اور میرے ساتھ اس کام میں شامل ہوں۔ جو بلی کی تحریک اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس سے کچھ فائدہ حاصل ہوسکتا ہے جب تک کہ ہر ایک بچے، جوان، بوڑھے، مرد اور عورت کے اندر ایک حرکت پیدا نہ کر دی جائے۔ اس عزم سے ان کے دلوں کو معمور نہ کر دیا جائے کہ ہم نے زندہ رہنا، طاقت اور وسعت حاصل کرنا، خدا کے دین کو دنیا میں پھیلانا اور اس کے کلام کو دنیا میں پہنچانا ہے۔

جو بلی کا اصل مقصد کیا ہے؟: جو بلی صرف ایک بہانہ ہے جو اس بات کو یاد دلائی ہے۔ اصل غرض اس حرکت اور عزم کا پیدا کرنا ہے۔ پچیس سال کے اندر جو سستی اور غفلت ہم سے ہوئی ہے، اس کا کفارہ دینا ہے۔ گزشتہ پر نگاہ ڈال کر اپنی کمزوریوں کا علاج کرنا اور مزید قوت کا حاصل کرنا ہے۔ اگر دنیا میں کوئی جماعت زندہ رہنے کا حق رکھتی ہے، اگر کوئی جماعت ترقی کرنے اور قدم آگے بڑھانے کا حق رکھتی ہے، تو وہ ہماری جماعت ہے جس نے اسلام کے اندر از سر نو اتحاد کامل کی بنیاد رکھ کر، کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے، اسے اپنی اصلی صورت پر قائم کیا۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ اور پیغام اسلام کے دنیا میں پہنچانے کے بلند مقصد کو نہ صرف اپنے سامنے رکھا ہے بلکہ باوجود اپنی قلت کے پچیس سال کے عرصہ میں عملاً اشاعت حق اور تبلیغ دین کا اس قدر کام کر دکھایا ہے کہ مسلمانوں میں دوسری کوئی جماعت اس کی نظیر کوئی نہیں دکھا سکتی۔ اسی جماعت کی وسعت سے، اور انہی خیالات کے پھیلنے سے اسلام کا قدم آگے بڑھ سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے وہ نظارہ آ سکتا ہے جس کا وعدہ آج سے تیرہ سو برس پیشتر دیا گیا تھا **هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ.** (28:48) اگر ہم اپنی آنکھوں سے اس نظارہ کو آج نہ دیکھ سکیں تو کم سے کم ہمارے دل اس ایمان سے سرشار ہونے چاہئیں کہ ہماری نسلیں کل کو یقیناً اس نظارہ کو دیکھیں گی کہ اسلام اور قرآن کریم کس طرح دنیا میں غالب آتے ہیں! اور سید الکونین حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس طرح گردنیں جھکتی ہیں!

احباب جماعت کو دعوت۔ خدا کے دین کی مدد کے لئے اٹھو! پس میں اپنی کمزوری کے وقت اپنے احباب کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس ایمان اور یقین کو لئے ہوئے میری مدد کے لئے، اپنی جماعت کی مدد کے لئے، خدا کے دین کی مدد کے لئے اٹھیں اور میرے ساتھ شریک ہو کر اس کام کو انجام دیں۔ ہمارے سامنے صرف چار ساڑھے چار ماہ کا عرصہ باقی ہے اور کام بہت بھاری ہے۔ ان احباب کو میں

بالخصوص دعوت دیتا ہوں، جنہوں نے میری بیماری میں میری صحت کے لئے دعائیں کی ہیں۔ایک نہایت ہی قلیل تعداد کو چھوڑ کر یقیناً مجھ میں اوران میں سوائے اس کے کوئی رشتہ نہ تھا کہ ان کے دلوں میں خدا کے دین کی خدمت کی تڑپ تھی اور مجھے بھی وہ خدا کے دین کا خادم سمجھتے تھے۔تو میری صحت کے لئے ان کی دعاؤں کی تہہ میں بات صرف اس قدر تھی کہ خدا کے دین کو قوت پہنچے۔اوراس کام میں کوئی کمزوری نہ ہو۔اور میں سمجھتا ہوں یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو سنا۔

اصل چیز خدمت دین کی تڑپ اور جذبہ ہے: انسان کیا ہے؟ایک مٹی کا پتلا!اگراس نے سو سال زندگی کا بسر کرلیا تو کیا،اوراگر پچاس سال کر لئے تو کیا؟ اصل چیز تو وہ تڑپ ہے، جو اس کے اندر ہے۔وہ تعلق ہے، جو اسے اپنے مالک حقیقی سے پیدا ہوا ہے۔وہ روح ہے،جس نے خدا کے لئے کام کرنا اوراپنے مال اوراپنی طاقتوں کو خدا کی راہ میں صرف کرنا سیکھا ہے۔آپ کی دعاؤں میں تڑپ اس لئے پیدا نہ ہوتی تھی ،ان میں قابل قبول یہ بات نہ تھی کہ ایک مٹی کا پتلا چند دن اوراس زمین پر چل پھر لے بلکہ تڑپ بھی اس لئے پیدا ہوئی ،اورعنداللہ بھی قابل قبول یہی بات تھی کہ خدا کے دین کی خدمت کا کچھ کام ان ناتواں ہاتھوں اوراس مظلوم جماعت سے اور ہو جائے ، جو خدمت اسلام کے کام میں محو، گالیاں سن کراور ماریں کھا کربھی قدم پیچھے نہیں ہٹاتی !اگر آپ نے اسی غرض کے لئے میرے لئے اور مہلت چاہی تھی اور کوئی غرض آپ کی ہو نہ سکتی تھی تو اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے بھی قبول فرمایا ہے۔پس اس مہلت کو اب کام میں نہ لانا حد درجہ کی ناشکر گزاری ہوگی۔آیئے۔اور پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ اس کام میں لگ جایئے۔

احباب فوراً مجھے اطلاق دیں: پس اس کام کے لئے میں اب ان احباب کو نہیں ،کل احباب کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس تحریک کے کامیاب بنانے میں ،جس کی اصل غرض استحکام دین ہے،تبلیغ دین کے کام کی ایک زبردست بنیاد رکھنا ہے،جس پر آئندہ نسلیں عمارت بناتی چلی جائیں، میرے معاوت ہوں۔یہ معاون ہر شہراور قصبہ اور ہر گاؤں میں بکار ہیں۔جس قدرزیادہ تعداد میں مل سکیں ،اسی قدر ہماری کامیابی زیادہ یقینی ہے۔انہیں کس طرح کام کرنا ہوگا، کن ہدایات پر عمل کرنا ہوگا، یہ میں بذریعہ خطوط یا اخبار،جیسی صورت ہوگی ،انہیں اطلاع دیتا رہوں گا۔ہاں! جو احباب اس بارے میں

میرے شریک کار ہونا چاہیں، وہ مجھے فوراً اطلاع بھی دیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیں کہ وہ صرف اپنے شہر یا اپنے گاؤں میں ہی کام کر سکتے ہیں یا باہر بھی حسب ضرورت ان کو بھیجا جا سکتا ہے۔ خواہ کم ایّام کے لئے یا زیادہ کے لئے۔

جماعت کے اخبار نویسوں کو ہدایت: اس کے علاوہ میں اپنے اخبار نویسوں سے بھی ایک مدد چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اپنے کالموں میں بہت زیادہ توجہ اس کام پر دیں کہ ہماری یہ تحریک کس طرح کامیاب ہو یہ چار پانچ ماہ کا عرصہ اس کام کے لئے وقف ہونا چاہیئے۔ دوسری بحثوں کے لئے اور بہت وقت ہیں۔ سر دست جماعت میں ایک قربانی کی روح پھونکنے کی ضرورت ہے۔ جو تمام بحثوں سے بالاتر ہو۔ آخر پر میں پھر دوہراتا ہوں کہ وقت بہت کم رہ گیا ہے اور فی الحقیقت یہ معاملہ ایسا بھی نہیں کہ اس میں زیادہ سوچنے کی ضرورت ہو۔ پس جو احباب اس تحریک کے کامیاب بنانے میں میرے شریک کار ہونا چاہیں، وہ اخبار پڑھتے ہی مجھے اطلاع دیں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

دارالسلام ڈلہوزی۔ یکم اگست 1938ء

8 اگست 1938ء

ایک جائزہ

حضرت مرزا صاحب کی عظیم الشان خدمت

مولٰینا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ کی زبانی

بحوالہ ''پیغام صلح'' 26 مئی 1938ء سورہ سبا کی آیت **قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَۃٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰہِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوْا مَابِصَاحِبِکُمْ مِّنْ جِنَّۃٍ اِنْ ھُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ. قُلْ مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ** . (34:46-47) کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کے مخالفوں کو جو ایک جتھے کی صورت میں آپ کے پیغام کی طرف توجہ نہ کرتے تھے، یہ بات فرمائی کہ دو دو ایک ایک ہو کر غور کرو کہ تمہارے ساتھی کو کوئی جنون نہیں۔ بلکہ وہ تم کو تنبیہ کرتا ہے کہ تمہارے اعمال تم کو برے نتائج کی طرف سے لے جا رہے ہیں اور اس سے استدلال کیا ہے کہ مجدد زمان حضرت مرزا صاحب کے خلاف جو ایک اسی قسم کی ہوا چلی ہوئی ہے کہ کسی مجمع کے اندر آپ کی خدمات اسلام کا ذکر سننا سنانا بھی ناممکن ہو گیا ہے تو اس وقت بھی یہ قرآنی اصول موازنہ ایسا اعلیٰ اور حکیمانہ اصول ہے کہ مسلمان اس کو مدنظر رکھیں تو صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں اور اُن کو آپ کی خدمات دین کی قدر معلوم ہو سکتی ہے۔ اسی ضمن میں حضرت مرزا صاحب کی عظیم الشان خدمت قرآن کا ذکر کرنے سے پہلے تاج کمپنی کی خدمت قرآن کا ذکر کیا کہ:

> ''اس نے قرآن کریم خوبصورت اور دلکش کر کے چھاپ دیا۔ جس سے واقعی اُن کی محبت قرآن ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو جو چیز دلکش نظر آتی ہے وہ سیاہی کاغذ اور طباعت ہے اگر اور کسی چیز کا اس خوبصورتی اور اہتمام سے چھاپ دیا جائے تو وہ بھی دلکش نظر آئے۔ قرآن کی اصل خوبصورتی تو اس کے اصول اور حقائق و معارف ہیں جن کے اوپر حضرت مرزا صاحب کی نظر پڑی۔''

اس پر ابوالعطا صاحب جالندھری، جو قادیانی جماعت کے مبلغ ہیں، ''الفضل'' قادیان

مورخہ 26 جون 1938ء میں لکھتے ہیں ”سوال ہوتا ہے کہ جناب مولوی صاحب تاج کمپنی کی شاندار کامیاب کوشش کا اس طرح گرا کر کیوں ذکر کر رہے ہیں۔“ اور آپ ہی جواب دیتے ہیں: ”چونکہ مولوی صاحب ترجمہ انگریزی شائع کر چکے ہیں اس لئے اب اُن کو کسی دوسرے کا خدمت قرآن کرنا اس کی اشاعت کے لئے اپنے طریق پر کوشش کرنا پسند نہیں آتا۔ شائد وہ تاج کمپنی کو اپنا رقیب سمجھ کر ایسا استخفاف کر رہے ہوں“

اب قارئین خواہ وہ قادیانی جماعت کے ہوں، غور کریں کہ اس مبلغ نے کیوں یہ گوارا نہیں کیا کہ حضرت مرزا صاحب کے عشق قرآن وخدمت قرآن کا ذکر حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب کی زبان سے سنے اور کیوں اس کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ حضرت مولٰینا مخالفین سلسلہ احمدیہ کو قرآنی اصول موازنہ کی طرف توجہ دلائیں حضرت مرزا صاحب کی خدمت قرآن کو پیش کریں اور کس طرح اُس نے حضرت مولٰینا کی تقریر کا ایک فقرہ، جو اُس کی نقل کردہ عبارت کے ساتھ ہی تھا اور جس پر اصل مدعا کا سارا مدار تھا، چھوڑ کر اُس بے نماز کی طرح غلط نتیجہ نکالا جس کو کہا گیا کہ نماز کیوں نہیں پڑھتا تو اُس نے جواب دیا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ نماز کے نزدیک نہ جاؤ اور جب اُسے کہا گیا کہ اس کے آگے تو دیکھو کہ لکھا ہے کہ ایسی حالت میں جب تمہیں ہوش نہ ہو تو اُس نے کہا کہ سارے قرآن پر کون عمل کر سکتا ہے۔ میں صرف اتنے پر ہی عمل کر سکتا ہوں۔ یعنی لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ (43:4) پر۔

یہی بات اس قادیانی مبلغ نے کی بلکہ اُس سے بھی بدتر۔ کیونکہ اُس بے نماز نے تو صرف اپنے لئے ایک بہانہ ڈھونڈا اور یہ مبلغ صاحب خود احمدی کہلا کر اپنے پیشوا کی خدمت قرآن کے عظیم الشان کام کو دنیا کے سامنے پیش کیا جانا پسند نہیں کرتے۔ بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن کریم کو خوبصورت شکل میں چھپوانا قرآن کریم کی تھوڑی سی خدمت ہے اور قرآن کریم کے اصول اور حقائق اور معارف کو پیش کرنا اُس کی اصلی خوبصورتی کو پیش کرنا ہے جو ایک عظیم الشان خدمت قرآن ہے تو اے قادیانی مبلغ! خدا سے ڈر اور حسد اور بغض میں اتنا حد سے نہ بڑھ کر اپنے پیشوا کی خدمت قرآن کے لئے تجھے چڑ لگے اور تو اُس کو استخفاف کی نظر سے دیکھے۔ تو خدا کے لئے اس سارے خطبہ جمعہ کو، جو حضرت امیر جماعت احمدیہ کی زبان سے نکلا ہے، انصاف کی نظر سے دیکھ کہ کیونکر حضرت مرزا صاحب کے عشق قرآن اور خدمت قرآن کو بیان کیا

ہے۔ فرماتے ہیں کہ ''حضرت مرزا صاحب نے اسلام اور قرآن پر سے تمام اعتراضات کو دور کر دیا۔'' کہیں اسی عشق قرآن کی وجہ سے آپ کی خداداد قبولیت کا ذکر کرتے ہیں۔ کہیں مخالفوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ ''اس قدر خدمت دین وقرآن کرنے والے کو بُرا کہنا ظلم ہے۔'' پھر اسی مضمون میں خدمت قرآن کے عملی کام کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ''آپ نے (یعنی حضرت مرزا صاحب نے) اس بات کی بنیاد رکھی کہ اسلام اور قرآن کو پھیلایا جائے۔ آپ نے رسالہ ریویو آف ریلیجنز جو 1901ء میں شروع کیا۔ وہ اس کام کی عملی ابتداء تھی۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے ایک جماعت کی بنیاد رکھی جس نے قرآن کو پھیلایا۔ جتنا ہوسکتا تھا اپنی بساط کے مطابق کام کیا'' اے مبلغ قادیانی! اب دیکھ کہ کس طرح سے ان الفاظ میں حضرت مرزا صاحب کی خدمت قرآن کے عمل کام کو مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں ہی یہ کام شروع کر دیا کہ تعلیم اسلام اور قرآن کو انگریزی زبان میں یورپ اور امریکہ میں پہنچایا جائے اور باوجود اس امر کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں حضرت مرزا صاحب کے مضامین در بارہ تعلیم اسلام وقرآن کا انگریزی میں ترجمہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ہی کرتے تھے اور کئی مضامین اپنے قلم سے بھی لکھتے تھے اور رسالہ مذکور کو ایڈٹ کرتے تھے۔ لیکن اس تمام تعلیم کو حضرت صاحب کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔ اسی طرح سے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ جو حضرت مولٰینا صاحب نے سات سال کی محنت شاقہ کے بعد 1916ء میں شائع کیا اُس میں جو جو خوبی ہے اُس کو بھی حضرت مرزا صاحب کی طرف ہی منسوب کیا ہے۔ دیکھو آخری حصہ دیباچہ مورخہ 25 اگست 1918ء جہاں فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ میں جو عمدہ عمدہ نکات وحقائق ومعارف ہیں وہ حضرت مرزا صاحب غلام احمد قادیانی کی روحانی تربیت کا نتیجہ ہیں اور کہ میں نے اس مجدد اعظم بانی سلسلہ احمدیہ کے سرچشمہ علم سے اپنے آپ کو خوب سیراب کیا ہے''۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب کی وہ پیشگوئی جو آپ کی کتاب ''ازالہ اوہام'' کے صفحہ 773 پر ہے وہ حضرت مولوی محمد علی صاحب کے ذریعہ سے ہی پوری ہوئی۔ پیشگوئی کے الفاظ یہ ہیں جو **اسلام کو یورپ اور امریکہ میں پھیلانے کی احسن تجویز کے زیر عنوان ہے:**

''اگر قوم بدل وجان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر اُن کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف

صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جیسے مجھ سے یا جیسا اُس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے"

اب اسے مبلغ قادیانی! میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت صاحب کا یہ منشا پورا ہوا یا نہ؟ اور حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کے ذریعہ ہی انگریزی ترجمہ اور تفسیر کا کام ہو کر ثابت نہیں کرتا ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود کی شاخ ہے اور اسی کے وجود میں داخل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت مرزا صاحب کے مجدد وامام زمان ومہدی ومسیح دوران ہونے کے ثبوت میں بہت سی کتابیں آپ نے اردو میں بھی تالیف کی ہیں۔ مثلاً تحریک احمدیت۔ رسالہ مسیح موعود آیت اللہ بجواب مولوی ثناء اللہ۔ شناخت مامورین۔ ضرور مجدد۔ مغرب میں تبلیغ اسلام یا اسلام کا دور جدید وغیرہ اور آپ کے دل میں ہر وقت خدمت اسلام کا درد رہتا ہے اور اسی لئے اس مخالفت کے وقت بھی دعاؤں میں لگے رہتے ہیں کہ **اے خدا دل تیرے اختیار میں ہیں۔ ایک زمانہ میں احمدیت کی قبولیت عام ہوگئی تھی تو اس زمانہ کو لوٹا کر واپس لے آ تا کہ لوگ احمدیت کی مخالفت کی بجائے اُس کی حمایت وشمولیت کو اپنا فخر سمجھیں**۔ اور آپ اسی دعا کی ہدایت دوسروں کو کرتے ہیں۔ لیکن قادیانی مبلغ واکابرون رات آپ کی مخالفت میں اخباروں کے ورق سیاہ کرتے رہتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی، جن کو خود اپنے مرشد میاں محمود احمد صاحب قادیانی کے عقیدہ کی رو سے کافر اور خارج از دائرہ اسلام سمجھتے ہیں، حضرت مولٰینا محمد علی صاحب جیسے خادم اسلام اور موید احمدیت کے برخلاف اکساتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالٰی اُنہیں ہدایت دے۔ آمین مولٰینا عزیز بخش

17 اگست 1938ء
مکتوب امیر

جوبلی کے متعلق دوسری تحریک

برادرانِ مکرم! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

اس سلسلہ میں مَیں نے پہلی تحریک کارکنوں کے لئے کی تھی۔ اس کے متعلق جو جوابات مجھے آرہے ہیں، ان کی رفتار حوصلہ افزاء نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اسے شائع ہوئے ابھی تین چار دن ہی ہوئے ہیں۔ مگر میں نے لکھا تھا کہ وقت تھوڑا ہے اور کام بہت ہے۔ اگر احباب اس کام کی اہمیّت کو محسوس کرتے تو قریب قریب کے احباب کے جواب اس عرصہ میں آجانا چاہئیں تھے۔ بہرحال میں نے تو بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖیھَا وَمُرْسٰھَا (41:11) پر عمل کرتے ہوئے کام شروع کر دیا ہے۔ جماعت کے لئے آزمائش کا وقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عظیم الشان نعمت اسے عطا فرمائی ہے، وہ اس کا شکر یہ ادا کرتی ہے یا نہ! اس سے بڑھ کر نعمت الٰہی کیا ہوسکتی ہے کہ ہمیں خدا کے دین کو دنیا میں پہنچانے کی وہ توفیق ملی جو اور کسی جماعت کو نہیں ملی۔ لیکن خدا کی راہ میں ایک قدم اٹھا کر اگر دوسرے قدم میں سست ہوجائیں تو پہلی قربانیاں بھی بیکار ہوجائیں گی۔

کارکنوں پر بھی کیا انحصار ہے؟ کامیابی کا مدار جماعت کے قلوب کی حالت پر ہے۔ کیا وہ اس عظیم الشان قربانی کے لئے تیار ہیں جو اس وقت خدا تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے؟ قبل اس کے کہ میں اس کا کوئی جواب دوں، یا جماعت کا کوئی فرد اس کا جواب دے، یہ ضروری ہے کہ ہم سب کے سب خدا کے آگے کریں کہ وہ ہم کو اس قربانی کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم بعض وقت غلطی سے یوں سمجھ لیتے ہیں کہ جو کچھ حصہ اپنے اموال کا یا اوقات کا خدا کے دین کی خدمت کے لئے خرچ کرتے ہیں، تو یہ کوئی خدا کے دین پر، کسی انجمن یا جماعت پر احسان ہے! نہیں۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہم پر ہے کہ اس نے ہمیں ان اموال کو بجا طور پر خرچ کرنے کی توفیق دی۔ یہی وہ مال ہے جو بالآخر ہمارے کام آئے گا۔ باقی سب کچھ یہیں چھوڑ جائیں گے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا سے سبق سیکھو کہ ایک طرف مال پیدا کرنے والا باپ اور اس مال کا وارث بیٹا خدا کے گھر کی تعمیر میں مصروف تھے۔

کندھوں پر پتھر اٹھائے ہوئے خدا کے گھر کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے۔ اور ساتھ ہی تڑپ تڑپ کر یہ دعائیں کر رہے تھے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (127:2) اے خدا تو اس خدمت کو ہم سے قبول فرما۔ آج ہم بھی خدا کے دین کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ایک عمارت کی بنیادیں اٹھا رہے ہیں۔ آؤ ہم بھی اسی طرح خدا کے حضور گرتے ہوئے دعائیں کریں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے دین کی خدمت کا وہ حق ادا کرنے کی توفیق دے، جو اس کا حق ہے۔ اور وہ حق کیا ہے؟ کہ وہ مال جو ہمارے ہاتھ میں ہے، وہ ہمارا نہیں تو ہی اس کا حقیقی مالک ہے۔ کیونکہ تو نے ہی اپنے فضل سے وہ ہمیں دیا ہے۔ وہ تیری امانت ہے، جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم تیرے دین کی خدمت سے دل چراتے ہوئے اس امانت میں خیانت کر کے تیری سزا کے مستحق ٹھہریں۔ اور تو ہی اس مال کا حقیقی وارث ہے اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْھَا (40:19) یعنی ''ہم ہی زمین کے وارث ہیں اور (ان کے بھی) جو اس پر ہیں۔'' ہم غلطی سے سمجھتے ہیں کہ ہمارا وارث فلاں اور فلاں ہے۔ اور پھر دعا کریں کہ اے خدا! تو ہماری اس خدمت کو قبول بھی فرما اور ہمیں اس خدمت میں وہ خلوص نیّت عطا فرما دے جو تیری درگاہ میں قابل قبول ہے اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (27:5) یعنی اللہ صرف متقیوں سے قبول کرتا ہے۔

پس پہلی بات، جو میں تمام احباب جماعت سے چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ انہیں اگر تہجد کی توفیق ملتی ہے، تو نماز تہجد میں، اور اگر تہجد کی توفیق نہیں ملتی تو اپنی معمولی نمازوں میں، سجدوں میں اور قنوت میں اکیلے اکیلے اور مل مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ دن میں ایک مرتبہ، دو مرتبہ، تین مرتبہ جس قدر ہو سکے، دعا کریں۔ اور درد دل سے روتے ہوئے اور گڑ گڑاتے ہوئے دعا کریں کہ اے خدا! تو ہمارے دل میں اپنے دین کی وہ محبت پیدا کر کہ تیری راہ میں خرچ کرتے وقت ہمارے دلوں میں قبض پیدا نہ ہو۔ بلکہ خوشی اور راحت پیدا ہو۔ تیرے دین کی خدمت کا موقعہ آئے تو ہمارا سینہ کھل جائے۔ اور اس میں تنگی پیدا نہ ہو۔ اے خدا! تو ہمارے مالِ دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کر دے۔ اور اپنی اور اپنے رسولؐ کی محبت کی آگ کو ہمارے دلوں میں ایسا مشتعل فرما کہ وہ دنیا کی ہوا ہوس کی ساری خس و خاشاک کو جلا دے۔ اے خدا! تیرے دین کی مصیبت کے سامنے ہمیں اپنی مصیبتیں ہیچ معلوم ہوں۔ اور تیرے دین کے دکھ کو دیکھ کر ہمیں اپنے

دکھوں میں راحت محسوس ہو۔ اے خدا! تو اپنے دین کی خدمت میں ہمارے قدم کو آگے بڑھائیو۔ اور غفلت اور سستی کے زنگ کو ہمارے دلوں سے دھوڈال۔ اے خدا! ہم تیرے دین کی خدمت کا حق ادا نہیں کر سکے۔ جو حقیر خدمت ہم نے کی ہے تو اسے قبول فرما۔ ہاں! جن کے پاس دینے کو کچھ نہیں، وہ یہ دعائیں کریں کہ اے خدا! تو اپنے فضل سے ہمیں اس خدمت کے لئے سامان بھی عطا فرما۔ یہ دعا سب سے پہلے اپنی ذات کے لئے ہو۔ کیونکہ سب سے پہلے انسان کے اپنے نفس کا حق ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے متعلق سب سے بڑھ کر بخیل واقع ہوا ہے۔ وہ دوسروں کو نصیحت کر لیتا ہے، مگر اپنے لئے عذر تلاش کر لیتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے ہر دعا کرنے والا اپنے نفس کے لئے یہ دعا کرے۔ اور جب اس کے اپنے دل پر اس دعا کا اثر محسوس ہو تو پھر اپنے دوسرے بھائیوں کے لئے اور اپنی ساری جماعت کے لئے یہ دعا کرے۔

اور دوسری بات، جو میں تمام احباب جماعت سے کہنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ آج سے ہی ہر ایک دوست یہ عزم کر لے کہ اس نے اس تحریک میں عملی طور پر حصہ لینا ہے۔ اور اس کے لئے طریقے اور رستے سوچے کہ کن کن راہوں سے مال بچا کر وہ اس راہ میں خرچ کر سکتا ہے۔ کون کون سی تکلیف خود اٹھا کر دین کی تکلیف کے دور کرنے میں حصہ لے سکتا ہے۔ ہاں! اس تحریک میں ہر مرد، ہر عورت اور ہر بچے کو حصہ لینا ہوگا۔ اس لئے آج ہی اس تحریک کو اپنے دوستوں، اپنی خواتین اور اپنے بچوں تک پہنچا دو۔ تا کہ وہ آج سے ہی اس فکر میں لگ جائیں۔ خوب یاد رکھو کہ جب انسان خدا کی راہ میں دینے کا عزم کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے رستے کھول دیتا ہے۔ ہم اگر خدا کی راہ میں دینے کے لئے تیار ہو جائیں تو خدا بھی ہمیں دینے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ ہم ایک قدم آگے بڑھیں تو خدا ہماری مدد کے لئے دو قدم آگے بڑھتا ہے۔ پس اٹھو اور سب کے سب بیک وقت اٹھو۔ اُدھر اپنی دعاؤں سے خدا کے فضلوں کے جاذب بنو۔ اور ادھر اپنے قربانی کے عزم اور ارادہ کو پختہ کر کے اس کی رحمت کو اپنی طرف کھینچ لو۔ آج دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کر و توکل کو خدا تمہارے لئے ٹھنڈک کے سامان پیدا کر دے گا۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

26 اگست 1938ء

ایک قابلِ تقلید نمونہ

دیگر جماعتیں بھی جماعتِ سیالکوٹ کی پیروی کریں

جب میں نے سب سے پہلی تحریک جوبلی کے متعلق کی جس میں کارکنوں کے لئے اپیل تھی تو میرے خیال میں وہ بات تھی جس کا نمونہ جماعت سیالکوٹ نے پیش کیا ہے۔ یعنی یہ تحریک ساری جماعت کے اندر ہو اور جمعہ میں یا ویسے خاص اجتماع کر کے احباب میری اس تحریک پر کوئی عمل کی راہ سوچیں اور تمام جماعت کے اندر ایک حرکت پیدا ہو جائے اور وہ اس فکر میں لگ جائیں کہ کس طرح اس عظیم الشان موقعہ سے جماعت کے اندر عمل کی ایک نئی روح پھونکنے کا فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ ممکن ہے اپنی اپنی جگہ پر احباب نے اس کام کے لئے قدم اُٹھایا ہو یا اس فکر میں ہوں۔ لیکن، جیسا کہ میں دو دفعہ پہلے بھی لکھ چکا ہوں، وقت اس قدر کم ہے اور موقعہ اس قدر اہم ہے کہ اس بارے میں ذرا سی بھی غفلت ہم کو ان عظیم الشان نتائج سے محروم کر دے گی جو اس موقعہ سے ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی تعمیر جماعت کی ایک زبردست بنیاد رکھنا۔ جس سے تبلیغ اسلام کے کام میں وسعت اور استحکام کی غرض حاصل ہو سکے۔

جماعت سیالکوٹ میں جب سے سید امجد علی شاہ صاحب تشریف لے گئے ہیں جماعت کے اندر عملی روح ترقی کر رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس تحریک کی طرف خطبہ جمعہ میں پُر زور توجہ دلائی اور جمعہ کے بعد شیخ غلام حسین صاحب نے اس تحریک کو پیش کیا تو جماعت میں سے بیس اصحاب نے اپنے نام لکھوائے۔ جو درج ہیں۔

1۔ سید امجد علی شاہ صاحب 2۔ ماسٹر محمد رحیم بخش صاحب 3۔ ماسٹر عبدالقیوم صاحب بی۔ اے 4۔ بابو رحمت اللہ صاحب 5۔ بابو محمد شریف صاحب 6۔ مستری قادر بخش صاحب 7۔ شیخ غلام حسین صاحب 8۔ مسٹر محمد حسین صاحب متعلم بی۔ اے 9۔ مولوی عبداللہ صاحب امام مسجد 10۔ بابو بشارت احمد صاحب پنشنر 11۔ مستری فضل دین صاحب 12۔ غلام احمد صاحب چانگڑیاں 13۔ شیخ اصغر علی صاحب 14۔ شیخ علی شاہ صاحب 15۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب بوٹ ایجنٹ 16۔ چوہدری

جلال خاں صاحب 17۔ شیخ نور حسین صاحب پنشنر 18۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب پنشنر 19۔ مستری فضل احمد صاحب 20۔ شیخ عبداللطیف صاحب۔

جہاں تک مجھے علم ہے اب تک دوسری جماعتوں نے بحیثیت جماعت اس تحریک کو اپنے سامنے نہیں رکھا۔ البتہ جماعت گوجرانوالہ کی طرف سے قاضی محبوب عالم صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی ساری جماعت اس تحریک پر اپنی پوری طاقت صرف کرے گی۔ باقی فرداً فرداً بعض اصحاب کے خطوط آئے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ میں تیسری تحریک اس معاملہ کے متعلق کروں جس کے ساتھ کام شروع ہو جائے گا۔ میں اس بات کو نہایت ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلی دونوں تحریکیں جماعت کے سامنے بحیثیت جماعت آئیں اور ان کو فرداً فرداً افراد کے جوش پر نہ چھوڑا جائے۔ جمعہ کے خطبے میں بھی ان کی طرف توجہ دلائی جائے اور اس کے لئے خاص اجتماع بھی کئے جائیں۔

نماز جمعہ کے خطیب کا یہ فرض ہے کہ وہ خطبہ جمعہ میں ان دونوں تحریکات کی طرف اپنی اپنی جماعت کو پُر زور توجہ دلائیں۔ اور سیکرٹری اور پریذیڈنٹ جماعت کا فرض ہے کہ وہ جماعت سیالکوٹ کے نمونہ پر عمل کرتے ہوئے اپنی اپنی جماعتوں میں سے کارکن اصحاب کے نام کی فہرستیں مجھے بھجوا دیں۔ جہاں جماعتیں نہیں وہاں فرداً فرداً احباب سے التماس ہے کہ وہ اس کی طرف فوری توجہ فرمائیں تا کہ جوبلی کے موقعہ پر ہم یہ نمونہ پیش کر سکیں کہ تعداد میں اگر ہم تھوڑے ہیں تو خدا کے فضل سے قوت عمل کے لحاظ سے ہم کثیر التعداد جماعتوں سے آگے ہیں۔

خاکسار محمد علی

13 ستمبر 1938ء
مکتوب امیر

بِسۡمِ اللّٰہِ مُجۡرِیۡھَا وَمُرۡسٰھَا

قوم کے امتحان کا وقت!

جوبلی کے سلسلہ میں تیسری تحریک

برادران مکرم! اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

جس تحریک کی تمہید آج سے کوئی سوا ماہ پیشتر میں نے شروع کی تھی، آج اللہ کے نام سے اور اس کے فضلوں پر بھروسہ کرتے ہوئے میں اس کی ابتداء کرتا ہوں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو یہ مزید مہلت دی ہے، وہ اپنے دین کی کسی خدمت کے لئے ہی ہے۔ ان گھڑیوں میں جب موت کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے تھا، اگر ایک طرف مجھے یہ اطمینان تھا کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف حضرت مسیح موعود کی صحیح تعلیم کو محفوظ رکھنے کا کام لیا، بلکہ وہ کام، جس کی آرزو آپ کے دل میں تھی، یعنی قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر کر کے اطراف عالم میں پہنچانا اور اسلام کی صحیح تعلیم کو پیش کرتا ہوا لٹریچر تیار کرنا، وہ کام بھی اللہ تعالیٰ نے میری عاجزی اور میری نا قابلیت کے باوجود مجھ سے لیا۔ اور پھر اپنی جناب سے اسے اس قدر قبولیت عطا فرمائی کہ پچاس ہزار کی تعداد کے قریب قریب وہ ترجمہ دنیا میں پہنچ گیا۔ اور دنیا کی تیس مختلف زبانوں میں اس لٹریچر کا ترجمہ بھی ہو گیا!

میری ایک دلی آرزو: دوسری طرف ایک غم بھی میرے دل کو کھا رہا تھا کہ میری جماعت، جس کے سپرد اس صحیح تعلیم کی حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا یہ کام کیا گیا ہے، بہت کمزور اور بے سروسامانی کی حالت میں ہے۔ اور اگرچہ مجھے یہ یقین کامل ہمیشہ رہا ہے، اُس وقت بھی تھا، اور اب بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اور وہ اس کے لئے اپنے فضل سے کوئی سامان پیدا کر دے گا۔ لیکن یہ آرزو تھی اور اب بھی ہے کہ میں خود بھی اپنی جماعت کو اس قوت و استحکام کی حالت میں دیکھوں کہ جب ہم لوگ اس دنیا کو چھوڑیں، اور ہمارے جانشین ہماری جگہ کام کرنے کے لئے آگے بڑھیں تو اُن کے ہاتھ مضبوط ہوں۔

اوراس کام کی بنیاد اس قدر مضبوط ہو کہ نئے معمار اور مزدور اس عمارت کو فکر اور پریشانیوں کے بغیر بلند کرتے چلے جائیں۔

جوبلی پر ہماری خوشی بھی اظہار شکر گزاری کے رنگ میں ہونی چاہئے: جماعتی استحکام اوراس کی توسیع کا کام جماعت سے ایک بھاری قربانی چاہتا ہے۔اوراسی قربانی کے مطالبہ کے لئے میں اس وقت باوجود اپنی کمزوری کے اُٹھا ہوں۔ جوبلی کا مفہوم عموماً ایک خوشی کا اظہار لیا گیا ہے کہ ایک قوم یا ایک انسان کو اتنا لمبا عرصہ کام کرنے کے لئے مل گیا۔اور جہاں ہمیں اپنی جماعت کی زندگی پر پچیس سال کا عرصہ گزر جانے کی اس لئے خوشی ہے کہ ہمارے تباہ کرنے کے لئے نہ صرف مخالفین احمدیت نے پورا زور لگایا، بلکہ ان لوگوں نے بھی، جو اپنے آپ کو احمدیت کی طرف منسوب کرتے ہیں ہمیں ختم کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔مگر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ نے اس تمام مخالفت کو ناکام اور نامراد کیا۔اوراپنے خاص فضل سے اس چھوٹے سے پودے کی ہر قسم کی باد مخالف کے جھونکوں سے حفاظت کرتے ہوئے اسے **كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ** (29:48) کا مصداق بنایا۔اوراحمدیت کے تابوت میں میخیں لگانے والوں اور **لَيُمَزِّقَنَّهُمْ** کی آرزو رکھنے والوں کو سوائے حسرت کی آگ کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔تو بلاشبہ یہ خوشی کا موقع بھی ہے۔ہاں! یہ خوشی بھی شکر گزاری کے رنگ میں ہونی چاہئے۔اوراس نعمت کی شکر گزاری یہی ہے کہ ہم پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ اس کام کو انجام دیں، جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے۔

اپنے گذشتہ کام کا جائزہ لو اور کوتاہیوں کی تلافی کرو!: جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ ہمارے لئے جوبلی اپنے گذشتہ کام کا جائزہ لینے کا موقع ہے۔ جو کوتاہیاں خدا کے رستہ میں ہم سے ہوئیں، اُن کا کفارہ دینے کا موقع ہے۔ جو نقص ہمارے کام میں رہ گئے، ان کو دور کرنے کا موقع ہے۔کون ہے؟ جو خدا کے حضور کھڑا ہو کر تنہائی میں یہ کہہ سکے کہ اے خدا! میں نے تیرے دین کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔اے خدا! میں نے تیرے رستے میں قربانی کا حق ادا کر دیا؟ نہیں۔ بلکہ ایسے اوقات میں یہی آواز ہمارے دلوں سے اُٹھتی ہے **لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ**. (87:21) اے خدا تو نے اپنے فضلوں سے مجھے بہت کچھ دیا تھا۔مگر میرا نامہ اعمال کوتاہیوں سے بھرا ہوا ہے۔ بسا

اوقات ایسا ہوا کہ تیرے دین کے لئے مجھ سے مطالبہ کیا گیا تو میرے نفس نے بخل سے کام لیتے ہوئے اس سے دل چرایا۔ یا دنیا کی ضرورتوں نے تیرے دین کی خدمت سے روک دیا اور نفس کی خواہشات اور مال دنیا کے بڑھائے جانے کے حرص کی وجہ سے میں امتحان میں فیل ہوگیا۔ اے خدا! تو اس پچیس سالہ امتحان میں مجھے اپنے فضل سے کامیاب فرما۔ اور ایسی قربانی کرنے کی توفیق عطا فرما جو تیرے حضور قابل قبول ہو!

دین کے لئے قربانی کا عدیم النظیر موقعہ: میرے دوستو! اس بات کو یاد رکھنا کہ قربانی کا جو موقع آج آپ کو میسر ہے، وہ کسی اور قوم کو میسر نہیں۔ مجدد وقت نے کن پُر درد الفاظ میں یہ کہا تھا کہ ''بیکسے شد دین احمدؐ، ہیچ خویش و یار نیست'' جو حالات آپ کے سامنے تھے، آج ان سے بھی زیادہ پُر درد نظارہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ مجدد نے ایک جماعت تیار کی تھی کہ آپ کے بعد تبلیغ دین کے کام کو سنبھالے۔ اور خدا کے کلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچائے۔ وہ جماعت بڑی تو بن گئی، مگر خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانے کا کام اس کا نصب العین نہ رہا۔ بلکہ اس کی ساری قوت اپنی سیاسی طاقت بڑھانے اور ایک ریاست کا رنگ پیدا کرنے پر خرچ ہوگئی۔ بالفرض اگر یہ سچ مچ کی ریاست بھی بن جائے، تو بھی کیا ہوا! اس سے بڑی بڑی ریاستیں موجود ہیں۔ حکومتیں اور بادشاہتیں موجود ہیں۔ لیکن کیا ان کو خدا کا کلام دنیا میں پہنچانے کی کوئی توفیق ملتی ہے؟ اسلام کی بادشاہت نہ بڑھی، تو ہمارا بڑھنا کس کام کا ہے!

جماعت کو ایک مضبوط بنیاد پر کھڑا کرنے کی فکر کرو: آج اس بادشاہت کو ترقی دینے کی فکر اور قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی فکر صرف آپ کی چھوٹی سی جماعت کو ہے۔ اس لئے اب ہم میں سے ان لوگوں کو، جو جلد جلد اپنے آقا کے سامنے حاضر ہونے والے ہیں، اس بات کی فکر کرنی چاہئے کہ یہ جماعت ایک مضبوط بنیاد پر کھڑی ہوجائے۔ تا کہ ان کے بعد یہ کام پہلے سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ چلتا رہے۔ اور ان کی قربانیاں ضائع نہ ہوں۔ پس میں بار بار آپ کو اس موقعہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اس وقت اپنی اپنی اولاد اور اپنی اپنی جائداد کی فکر کو چھوڑیں اور صرف خدا کے دین کی ترقی کی فکر میں لگ جائیں۔ یہی آپ کے وہ لمحات ہیں جو دوسری زندگی میں آپ کی راحت

اور سرور کا سامان بہم پہنچائیں گے۔

جماعتی فیصلہ: جوبلی پر استحکام جماعت کے لئے ایک لاکھ روپیہ جمع کیا جائے۔ ہماری جماعت نے گذشتہ اپریل میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ جماعت اور اس کے کام کے استحکام کے لئے جوبلی کے موقع پر ایک لاکھ روپیہ جمع کیا جائے۔ بظاہر ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے، جو پہلے بھی چندوں کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی ہے، یہ بڑا مشکل کام معلوم ہوتا ہے۔لیکن اس سے بڑھ کر مشکل کام آپ نے پہلے کئے ہیں!

چند تجاویز: میں چند تجاویز اس وقت آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اگر آپ کو اپنا عہد یاد ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ اگر آپ کو اس بات کا احساس ہے کہ اس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حفاظت اور اس کو وسعت دینے کا کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے،تو میں اُمید رکھتا ہوں کہ آپ چند دنوں میں دنیا پر ظاہر کر دیں گے کہ مسلمان دنیا میں کیا کر سکتے ہیں! وہ تجاویز حسب ذیل ہیں۔

1۔ وصایا کی تکمیل: اپنے مال میں سے کچھ حصہ کی نیک کاموں کے لئے وصیت کرنا قرآن کریم نے ضروری ٹھہرایا تھا۔ **كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** (180:2)جن کے پاس خیر یا مال کثیر ہے،وہ اس پر غور کریں،ان پر وصیت فرض ٹھہرائی گئی ہے۔اور آیت کی ابتداء **كُتِبَ عَلَيْكُمْ** سے کرکے **حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** پر اسے ختم کیا ہے۔ **كُتِبَ عَلَيْكُمْ** قرآن کریم میں فرضیّت کے موقع پر ہی استعمال ہوا ہے مگر یہاں اسی فرضیّت کو پھر **حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ** کہہ کر بڑے زور سے مؤکد کیا ہے۔یعنی تاکیدً افرمایا ہے کہ متقیوں کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ ایسا ضرور کریں۔افسوس یہ ہے کہ مالدار لوگ،جنہیں اس قدر تاکید کی گئی تھی، وہی اس معاملہ میں سب سے پیچھے ہیں اور مال کی محبت ان پر اس قدر غالب آجاتی ہے کہ اپنی وفات کے بعد بھی وہ اس مال کے ایک حصہ کو نیک کاموں پر نہیں لگاتے۔ بلکہ بعض لوگوں نے اس آیت کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اسے منسوخ بھی کہہ دیا ہے!

وصایا کے متعلق حضرت مسیح موعود کا ارشاد: اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت تبلیغ اسلام کے لئے ایک جماعت کی بنیاد رکھی ،تو جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اطلاع ملی کہ آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا ہے،تو اس جماعت کی تکمیل کے لئے آپ نے وصیت

کرنا ضروری ٹھہرایا۔ اوران اموال کو تبلیغ اسلام کا مستقل فنڈ قرار دیا، جس کی آمدنی ''ترقی اسلام اور اشاعتِ علم قرآن و کتب دینیہ اور اس سلسلے کے واعظوں'' کے لئے قرار دی۔ اور ان اموال میں ''ان یتیموں اور مسکینوں اور نومسلموں کا بھی حق'' ٹھہرایا، جو کافی طور پر وجوہ معاش نہیں رکھتے۔ اور سلسلہ احمدیہ میں داخل ہیں۔ آپ نے اس لئے ان اغراض کے لئے اسے محدود کیا کہ آپ کے سپرد کام ہی تبلیغ اسلام کا کیا گیا تھا۔ اور جو جماعت تبلیغ اسلام کا کام کرے، اس کا استحکام بھی اغراض تبلیغ اسلام میں ہی داخل ہے۔

کوئی احمدی وصایا کے حکم کو ٹال نہیں سکتا: چنانچہ اول تو اللہ تعالیٰ کا حکم صراحت سے قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور پھر تبلیغ اسلام کی اغراض کے لئے حضرت مسیح موعود اسے اس قدر ضروری ٹھہراتے ہیں، تو اس حکم کو صرف وہی ٹال سکتا ہے جو خدا اور اس کے رسولؐ سے زیادہ مالِ دنیا سے محبت کرتا ہے۔ اور دنیا کو دین پر مقدم کرتا ہے۔ یقیناً کوئی احمدی اس حکم کو نہیں ٹال سکتا۔ کیونکہ اس کا اقرار بیعت ہی یہ ہے کہ وہ دنیا سے بڑھ کر دین سے محبت کرے گا۔ اور مال سے زیادہ خدا اور رسولؐ سے محبت کرے گا۔ اور اسی حکم کی تعمیل میں مشکل بھی کیا ہے؟ انسان جب مرے گا تو سارے مال سے سے ہی بے دخل ہوگا۔ اور دوسری زندگی میں، اگر اس کا اس پر ایمان ہے، کوئی چیز اس کے کام نہیں آئے گی، سوائے اس کے جو اپنے لئے اس نے پہلے آگے بھیج دیا ہے۔ باقی اس کا تمام مال اس کے ورثاء کا مال ہوگا۔ اور وہ جس طرح اسے چاہیں گے، خرچ کریں گے۔ معلوم نہیں معصیت پر خرچ کریں یا اسراف سے برباد کریں! مال کو بھی ہاتھ سے گنوائیں اور اللہ تعالیٰ کو بھی ناراض کریں! تو جب یہ یقینی نہیں کہ یہ مال کہاں جائے گا۔ اور اس کو لینے والے اسے ترقی دیں گے یا برباد کریں گے۔ اور ہماری آنکھوں کے سامنے یہ نظارے ہیں کہ کس قدر باپ اپنی اولاد کو غربت کی حالت میں چھوڑتے ہیں۔ اور وہ دنیا میں ترقی کر جاتی ہے۔ اور کس قدر اپنی اولاد کو مالدار چھوڑ کر جاتے ہیں، اور وہ برباد ہو جاتی ہے! تو کیا اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے، جو یقینی چیز ہے، اس مال کو دے دینا اور یقینی نفع اس سے حاصل کرنا کچھ مشکل ہے!

حضرت مسیح موعود نے صرف دسویں حصہ مال کی وصیت ضروری ٹھہرائی ہے: یہ نہیں کہ وصیت کا حکم یہ ہو کہ سارا مال وصیت کرو، بلکہ حضرت مسیح موعود نے صرف اس کا دسواں حصہ ضروری ٹھہرایا ہے۔

اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے حصہ مال سے زیادہ وصیت کرنے سے روکا ہے۔ تا کہ اولاد بھی محروم نہ ہو۔ آخر غور کرو کہ دسواں حصہ چیز کیا ہے؟ صرف اسی قدر مطالبہ ہے کہ ایک ہزار روپے میں سے ایک سو روپے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ تا کہ آگے تمہارے کام آئے۔ اور نو سو روپے اپنی اولاد کے لئے چھوڑ جاؤ۔ دس ہزار میں سے ایک ہزار اپنے ساتھ لے لو۔ تا کہ تمہاری عاقبت کا زادہ راہ ہو۔ اور نو ہزار روپے اپنی اولاد کے لئے چھوڑ دو۔ پچاس ہزار میں سے پانچ ہزار اپنے ساتھ لے جاؤ۔ تا کہ جب تمہاری روح اس جسم خاکی سے پرواز کرے۔ اور تم اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہو تو تمہارے قلب میں ایک سرور ہو کہ جس مالک نے تمہیں اس قدر دیا تھا، اس کے حضور تم خالی ہاتھ نہیں آئے!

خدا پر ایمان ہو تو وصیت کا حکم کسی پر بھاری نہیں!: تعجب ہے کہ زیادہ مالداروں کو ہی اس بارہ میں زیادہ گھبراہٹ ہوتی ہے۔ ایک شخص، جسے اللہ تعالیٰ نے دس لاکھ کی جائیداد دی ہے، یہ خیال کرتا ہے کہ کیا میں ایک لاکھ روپیہ دے دوں؟ مگر یہ خیال نہیں کرتا کہ دینے والے نے اسے دس لاکھ دے دیا اور وہ ایک لاکھ دینے سے گھبراتا ہے۔ کیا نو لاکھ اس کی اولاد کے کے لئے تھوڑا ہے؟ وہ ایک لاکھ کے دینے سے کیوں گھبراتا ہے؟ کیا جنہیں خدا نے دیا ہے وہ خدا کو نہیں دیں گے؟ **مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ** (11:57) اس مال کو جو دنیا میں بعض وقت تاریکی کے گڑھے میں گرا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آخرت کا نور قرار دیا ہے۔ **یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ** (12:57) آج جو مالدار ہیں، وہ غور کریں کہ ان کے باپوں نے ان کے لئے کیا چھوڑا تھا؟ اور خدا نے ان کو کس قدر دیا؟ پھر وہ اپنی اولاد کے باپ ہی بنیں۔ خدا کیوں بننا چاہتے ہیں؟ اگر وہ خدا پر بھروسہ کر کے کچھ مال خدا کی راہ میں دے دیں گے، تو خدا ان کی اولاد کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ ایک انسان کے ساتھ کچھ احسان کرو تو وہ تمہاری اولاد کے کام آتا ہے۔ تو کیا اگر تم خدا کے لئے دو گے تو خدا تمہاری اولاد کے کام نہ آئے گا؟ خدا پر ایمان ہو تو یہ وصیت کا حکم کسی پر بھی بھاری نہیں!

وصایا کے حکم پر عمل کرو۔ کامیابی ہمارے قدموں کے نیچے ہے: پس میں اپنی تمام جماعت کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بیک وقت سب کے سب اُٹھیں۔ اور بالخصوص وہ لوگ جو چالیس سال کی عمر کو پہنچ

چکے ہیں، اور اس عالم کی نسبت اُس عالم کے قریب ہو چکے ہیں، اور دنیا کو خدا پر ایمان کا ایک نظارہ دکھائیں تو جوبلی پر ایک لاکھ کیا پانچ لاکھ بھی ہماری اس چھوٹی سی جماعت کے لئے کچھ زیادہ رقم نہیں! اس سے نہ صرف ہماری جماعت اور ہمارا کام ہی ایک مستحکم بنیاد پر کھڑا ہو جائے گا بلکہ دنیا بھی وہ نظارہ دیکھے گی، جس سے دل ہل جائیں! اور ہزارہا لوگوں کے دلوں میں جماعت کے اس نمونہ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کے لئے ایک جوش پیدا ہوگا۔ وہ کامیابی جس کے لئے ہم روتے ہیں، اور وہ ہمیں دور نظر آتی ہے، فی الحقیقت ہمارے قدموں کے نیچے ہے۔ مگر قدم اُٹھانے کی ضرورت ہے۔ آیئے! سب کے سب مل کر اس پچیس سالہ جوبلی کے موقع پر یہ قدم اُٹھائیں اور اپنے مالوں کا دسواں حصہ یا اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے مسیح کے حکم کے آگے سر جھکاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں اور پھر عرض کریں۔ **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ** (127:2) اور پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت کا نظارہ دیکھیں!

مال وصیت کا کم از کم پانچواں حصہ جوبلی پر ضرور پیش کیا جائے: اب تک وصیت کے حکم پر عمل نہ کرنے میں ہم سے یقیناً ایک کوتاہی ہوئی ہے۔ تو آج اس کوتاہی کا کفارہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں۔ انجمن نے صرف یہ مطالبہ کیا ہے کہ اپنی اپنی وصیت کا پانچواں حصہ جوبلی کے موقعہ پر نقدی یا جائداد کی صورت میں پیش کیا جائے۔ مگر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے، ایسی محبت کرنے والوں سے، جو اولاد اور عزیزوں اور دنیا کے مال کی محبت سے بڑھ کر ہو، یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ پانچواں حصہ نہیں، بلکہ کل کا کل مال وصیت جوبلی کے موقعہ پر پیش کر دیں۔ تا کہ یہ ہماری کوتاہی کا کفارہ ہو جائے! آخر جب ہم نے حکم وصیت کے سامنے سر جھکایا، تو یہ حصہ مال کا بھی بہر حال ہمارے ورثاء کے ہاتھ میں نہیں جائے گا۔ بلکہ ان کو صرف 9/10 حصہ ملے گا۔ لیکن اپنی زندگی میں اس حصہ وصیت کو دے دینے کے کئی فوائد ہیں۔

پہلا اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے جماعت بن جائے گی۔ اور ہمارے کام کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں گی۔ اور ہمارے دل راحت سے بھر جائیں گے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ سارا مال ایک وقت میں آ کر اس سے بہت زیادہ استحکام کا موجب ہو سکتا ہے، جو کہ وقتاً فوقتاً

تھوڑا تھوڑا کر کے آنے سے ہوگا۔ اس سے ہم ایسا عظیم الشان کام سرانجام دے سکیں گے جو آمدنی کا ذریعہ بھی ہوگا اور جماعت کی قوت کا موجب بھی ہوگا۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جو مال ہمارے ہاتھ لگے گا، اس کا ثواب بھی بہر حال اس سے زیادہ ہوگا جو ہمارے ورثا ادا کریں۔ چوتھا فائدہ یہ کہ جو مشکل کل کو ہمارے ورثاء کو پیش آئے گی کہ وہ اس حصہ کو کس طرح نکالیں، اس مشکل کا حل ہم اپنے ہاتھوں سے کر دیں گے۔ اور اپنے ورثاء پر یہ احسان کریں گے کہ ان کو ان مشکلات سے بچا دیں گے۔ پانچواں فائدہ یہ کہ بعض وقت ورثاء کی نیت بدل جاتی ہے، تو عدالتوں تک جانے کے جو اخراجات ہر دو فریق کو پیش آئیں گے، وہ شاید مال وصیت سے بھی بڑھ جائیں۔ کیونکہ آج کل کی عدالتیں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو لوٹنے کا سامان ہیں!

آخری بات، جو میں اس ذیل میں کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ پنجاب میں عنقریب موت پر ٹیکس لگنے والا ہے۔ شاید اس سال کے اندر اندر ہی لگ جائے۔ موت پر ٹیکس سے شاید بعض اصحاب کو تعجب ہو۔ لیکن یہ ٹیکس خود انگلستان میں مروج ہے۔ جب ایک شخص وفات پاتا ہے تو اس کی ساری جائداد اس کے ورثاء کو نہیں ملتی، بلکہ حکومت اس کا معتد بہ حصہ لے لیتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید ایک چوتھائی جائداد یا اس کے قریب قریب اس ٹیکس میں چلی جاتی ہے۔ جو مالدار اصحاب خدا کی راہ میں دینے سے بخل کرتے ہیں، ان کی جائدادوں کا بہر حال دسویں حصہ سے زیادہ کل کو اس ٹیکس کی صورت میں حکومت کے ہاتھ میں جانے والا ہے۔ تو اپنی وصیت کا مال خود اپنی زندگی میں ادا کر دینے کا یہ فائدہ ہے کہ وصیت کردہ جائداد اس ٹیکس سے بچ جائے گی۔

چند بے حقیقت عذرات اور ان کے جوابات: بعض لوگوں کو یہ بھی عذر ہوتا ہے کہ ان کا مال شاید ان کے حسب منشاء خرچ ہو یا نہ۔ تو اول تو یہ یقینی ہے کہ یہ اموال مستقل جائداد کی صورت میں رہیں گے۔ اور اصل مال کے ضائع ہونے کا کبھی خطرہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ کوئی قدرتی حادثہ ہو۔ اس لئے یہ بہترین صدقہ جاریہ کی صورت ہے۔ دوسرے اس مال کی آمدنی بھی جماعت کی نمائندہ ایک انجمن کی کثرت رائے کے مطابق خرچ ہوگی۔ جس کے فیصلہ کو حضرت مسیح موعود نے قطعی قرار دیا ہے۔

جماعت کا فیصلہ نسبتاً زیادہ محفوظ ہوتا ہے: بعض یہ کہہ دیتے ہیں کہ انجمن بھی غلطی کر سکتی ہے۔ اس

لئے اس کے فیصلہ پر اعتماد کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ یہ درست ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود کی کھلی تحریر کے سامنے یہ عذر قابل قبول نہیں۔ یہ درست ہے کہ انجمن بھی غلطی کر سکتی ہے۔ مگر کیا زید یا بکر غلطی نہیں کر سکتا؟ ہم اگر خود ایک رائے قائم کریں تو کیا وہ غلط نہیں ہو سکتی؟ اسلام میں پوپ کوئی نہیں۔ اور بہرحال جب چند آدمی مشورہ کر کے ایک فیصلہ کرتے ہیں، تو وہ نسبتاً زیادہ محفوظ ہوتا ہے۔ اور یہی اسلام کا حکم ہے اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (38:42) یعنی ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے۔

وصیت کرنے والوں کے لئے ایک اور تسلی بخش تجویز: ان سب باتوں کے باوجود اگر کوئی شخص اپنی جائداد کو اپنے حسب منشاء خرچ کرنا چاہتا ہے تو یہ بھی اس کا اختیار ہے۔ اگر وہ حصہ جائداد دیتے وقت یا وصیت کرتے وقت یہ لکھ دے کہ کر میری جائداد کی آمد فلاں فلاں اغراض پر خرچ ہو، تو انجمن اس بات کی پابند ہوگی کہ انہی اغراض پر خرچ کرے۔ اس سے بڑھ کر یہ صورت ہے کہ کوئی صاحب جائداد اگر چاہے تو اپنی جائداد کے اس حصہ کو، بجائے انجمن میں ادا کرنے کے، وقف کر دے۔ اسلام میں وقف کا سلسلہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے چلا آتا ہے۔ اس صورت میں جائداد کی آمدنی وقف کرنے والے کی بالکل حسبِ منشاء خرچ ہوگی۔ مگر اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ جائداد کا متولی اپنے آپ کو یا اپنی اولاد کو نہ رکھا جائے، بلکہ اس کی تولیت انجمن کے سپرد کی جائے۔ اور انجمن کو یہ بھی اختیار دیا جائے کہ اگر اصل جائداد کی نسبت کسی اور قسم کی جائداد سے زیادہ آمدنی کی اُمید ہے، تو اصل جائداد کو بیچ کر دوسری جائداد حاصل کر لے۔ اگرچہ اس طریق سے انجمن کی انتظامی مشکلات میں اضافہ ہوگا، لیکن بہرحال اگر مال کا دینے والا اس طریق کو اختیار کرنا چاہے، تو انجمن کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اور وقف وغیرہ کا مسودہ تیار کرنے میں وہ ہر قسم کی امداد دینے کو تیار ہوگی۔

بعض احباب یہ عذر کر دیتے ہیں کہ ہمارے پاس جائداد صرف اس قدر ہے کہ اس میں بال بچوں کی سکونت رہے۔ لیکن یہ تو ظاہر ہے، بلکہ کل کو یہ سکنی جائداد بھی ورثاء میں تقسیم ہوگی۔ لہٰذا وصیت کے حکم کو ٹالنے کے لئے یہ کوئی عذر نہیں۔ ہر شخص جب اسے ذاتی ضروریات پیش آئیں تو کوئی نہ کوئی راستہ ان کے لئے نکال لیتا ہے۔ پس اس دینی ضرورت کے لئے وہ خود سوچ کر کوئی راستہ نکال لے۔

بعض اصحاب مقروض ہونے کا عذر کر دیتے ہیں۔ اگر ایک شخص اپنی دنیوی ضروریات کے

لئے قرضہ لے سکتا ہے، تو کیا دینی ضروریات کے لئے نہیں لے سکتا؟ یہ عذر صرف وہی شخص کر سکتا ہے، جو دنیا کو دین پر مقدم کرے۔ جن اصحاب نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا ہے، وہ عذر سوچنے کے بجائے عذروں کو دور کرنے کی راہیں اور طریقے سوچیں گے۔ اور اگر کسی کے دل میں بخل ہے۔ اور خدا کی راہ میں دینے کے لئے اسے شرح صدر حاصل نہیں ہوتا، تو وہ خدا کے آگے ہی گرے اور گڑگڑائے کہ وہ اس کے بخل کی بیماری کو دور کرے۔ اور اسے خدا کے راستے میں دینے کے لئے شرح صدر عطا فرمائے۔

اپنے متعلق فیصلہ: میں اس موقعہ پر صرف نصیحت کے الفاظ کو کافی نہیں سمجھتا۔ بلکہ جو کچھ میں نے دوسروں کے لئے کہا ہے اس پر عمل کرنا سب سے پہلے میرا اپنا کام ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنی وصیت کی رقم کو پانچ ہزار روپے سے دس ہزار روپے تک بڑھا کر یہ کل رقم جائداد یا نقدی اور جائداد کی صورت میں جوبلی کے موقعہ پر انجمن کے حوالہ کر دوں گا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ . میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ اس رقم میں سے کم سے کم پانچواں حصہ یعنی دو ہزار روپیہ ضرور نقد ادا کروں۔ کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس موقع پر علاوہ جائداد کے انجمن کے پاس نقد ایک لاکھ روپیہ آ جائے۔ اس لئے میں دوسرے احباب سے بھی یہی گزارش کروں گا کہ وصیت کردہ جائداد کا کل یا اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور بصورت نقدی تبدیل کر کے نقد روپیہ انجمن میں ادا کریں۔

جوبلی فنڈ کی فراہمی کے دیگر ذرائع: دوم وصایا کی تکمیل کے علاوہ جو اور ذرائع ایک لاکھ روپیہ کی فراہمی کے لئے اختیار کرنے چاہئیں، ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو وصیت نہیں کرتا، یا وصیت تو کرتا ہے لیکن اس کی وصیت کی مجموعی رقم ایک ماہ کی آمدنی سے کم ہے، وہ کم سے کم ایک ماہ کی پوری آمدنی جوبلی فنڈ میں دے۔ اس موقع پر بعض حضرات طرح طرح کے عذرات سے کام لیتے ہیں کہ ان کا خرچ پھر کس طرح پورا ہو؟ میں کہتا ہوں خرچ اسی طرح پورا ہو سکتا ہے جس طرح اس وقت پورا ہو جاتا ہے جب اپنی کوئی ذاتی ضرورت پیش آئے۔ مقدمہ کا خرچ ہو یا بیماری کا، شادی کا خرچ ہو یا مرگ کا۔ یا کوئی مکان بنانے کا خرچ ہو یا تجارت کی توسیع کا۔ ان تمام ضروریات کے موقعوں پر انسان جس طرح اپنے لئے راہیں نکال لیتا ہے، اسی طرح اللہ کی راہ میں دینے کے لئے بھی راہ نکال سکتا ہے۔ خدا تو ایسا نہیں کہ ذاتی ضرورتوں کے وقت انسان کی مالی مشکلات کے حل کے راستے اسے سمجھا دے اور

دین کی ضرورت کے وقت اس پر ایسے رستے بند کر دے۔ انسان جو کچھ کرتا ہے، خود کرتا ہے۔ سرکاری ملازمین اور بعض دیگر ملازمین بھی اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے یا کہیں اور سے قرضہ لے کر، روپیہ دے سکتے ہیں۔ یا کسی اور طرح اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔

خواتین جماعت سے اپیل: 3۔ تیسری شق جوبلی فنڈ کی آمدنی کا خواتین کا چندہ ہے۔ اس بارہ میں خواتین سے میری صرف ایک ہی اپیل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنے زیورات کا یا اگر ان کے پاس روپیہ جمع ہے، تو اس کا بھی کم سے کم دسواں حصہ جوبلی فنڈ میں دیں۔ زیور دو ہی غرضوں کے لئے ہوتا ہے۔ یا اس لئے کہ آرائش کا کام دے۔ اور یا وہ اندوختہ کے طور پر ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں صرف اس کا دسواں حصہ نکال دینے سے دونوں اغراض میں متعدبہ فرق نہیں پڑے گا۔ مگر ان کی اس قربانی سے جماعت اس حالت پر پہنچ جائے گی کہ کل کو ان کی مشکلات کے وقت ان کے کام آسکے گی۔ یہ ہمارا مال پھر ہماری ہی بہتری پر خرچ ہوگا۔ اگر سب احمدی گھرانوں کی خواتین اس پر عمل کریں، تو کم سے کم پچیس ہزار روپیہ اس طرح پر جمع ہوسکتا ہے۔ ہاں! جن خواتین کے ملک میں علاوہ زیورات یا نقدی کے کچھ اور جائداد بھی ہے، وہ یا تو خود شق اول کے ماتحت اس جائداد کی وصیت کریں، یا ان کے خاوند اپنی جائداد کے ساتھ اس جائداد کو ملا کر وصیت کریں۔

احمدی طلبہ سے اپیل: 4۔ چوتھی شق جوبلی فنڈ کی آمد کی نوجوانوں کا چندہ ہے۔ نوجوانوں سے میری مراد صرف وہ نوجوان ہیں، جو ابھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ہر ایک کالج کے طالب علم سے میری یہ اپیل ہے کہ وہ اپنے جیب خرچ سے کم سے کم دس روپیہ جوبلی فنڈ میں دے۔ اور ہر ایک سکول کا طالب علم کم سے کم پانچ روپیہ دے۔ جو نوجوان ولایت میں تعلیم پاتے ہیں، وہ پچیس روپے دیں۔ یہ رقم کچھ بھی نہیں، اگر ہمارے تمام نوجوان آج سے یہ عہد کر لیں کہ ان چار ماہ کے لئے وہ سینما دیکھنے نہیں جائیں گے، اور اپنی دوسری ضروریات کو بھی کم کر دیں گے، اور اپنے جیب خرچ کو سالم جوبلی فنڈ میں دے دیں گے۔

معاونین سے اپیل: 5۔ پانچویں مد جوبلی فنڈ کی وہ ہے، جو ہم اپنے معاونین سے جمع کریں گے۔ مگر معاونین کی اپیل میں اس وقت تک ملتوی رکھنا چاہتا ہوں، جب اپنی جماعت کے صاحب وسعت اصحاب کی

طرف سے مجھے یہ اطلاع مل جائے کہ وہ اس قربانی کے لئے تیار ہیں، جس کا ان سے مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

آخری بات: تمام جماعتوں سے اور ان کے آئمہ صلوٰۃ سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ اخبار کے ہاتھ میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے جمعہ میں یہ تحریک جماعت کو سنا دیں۔ اور اسی وقت یا اس کے جلد بعد خاص اجلاس کر کے عملی قدم اُٹھائیں۔ ستمبر کے مہینہ کے اندر اندر مجھے یہ اطلاع مل جانی چاہئے کہ کون کون اصحاب ان شقوں میں سے کس کس شق پر عمل درآمد کرنے کو تیار ہیں۔ اور ان کے وصیت کردہ مال کی یا ان کے چندہ کی یا ان کے زیورات کے حصہ کی اندازاً کس قدر قیمت ہے۔ خواتین کو اس امر کی اطلاع دینا، کہ قوم کو زندہ رکھنے کے لئے ان سے بھی ایک مطالبہ ہے، یہ مردوں کا فرض ہے۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس بارہ میں جس قدر اصحاب سبقت کریں گے، وہ سابقین میں داخل ہوں گے اور دوسروں کے لئے نیک نمونہ قائم کریں گے۔ اور جو اصحاب مال کی محبت پر غالب نہیں آ سکتے، وہ بھی یہ سن رکھیں کہ مال ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ جو جماعت خدا کے مامور کے ہاتھ پر ایک عہد کر چکی ہے، وہ اگر اس عہد پر قائم نہ رہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اور رنگ کا ہوگا۔ **وَاٰخِرُ دَعْوٰینَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** ۔خاکسار **محمد علی**

صاحب وسعت احباب سے اپیل: (28 ستمبر 1938ء) ابھی تک میری تیسری تحریک جوبلی کا جواب صاحب وسعت احباب کی طرف سے بہت کم ملا ہے حالانکہ ان پر خدا کے دین کا حق زیادہ ہے۔

ان احباب کو بالخصوص اور اس ضمن میں سب احباب کو میں اس تحریک کی طرف دوبارہ توجہ دلانے کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ اپنی وصیتوں کا کل مال اپنی زندگی میں جوبلی کے موقعہ پر ادا کر کے جماعت کو ایک بلند منار پر کھڑا کر دیں۔ اگر تمام احباب اس تجویز پر عمل درآمد کریں تو آئے دن کی اپیلوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ محمد علی

ان احباب سے درخواست جنہوں نے تحریک جوبلی میں کام کرنے کا وعدہ کیا ہے: میں سردست یہاں اکیلا ہونے کی وجہ سے انہیں فرداً فرداً خط نہیں لکھ سکا۔ کوشش کروں گا کہ انہیں علیحدہ خطوط بھی لکھوں مگر سردست میری اس اخبار کی تحریر کو کافی سمجھ کر سب وہ اصحاب جنہوں نے یہ وعدہ کیا تھا جماعت کے اندر تحریک کے کام میں لگ جائیں اور جو جو تجاویز میں نے اس تحریک کی تکمیل کے لئے طے کی ہیں ان کے مطابق وعدے لینے شروع کریں اور جس قدر جلد ممکن ہو مجھے اطلاع دیں۔ مگر یہ نہایت ضروری ہے کہ یہ کارکن پہلے

خود ان تجاویز پر عامل ہو اور پھر دوسرے اصحاب سے درخواست کرے اس لئے کارکن اصحاب کے وعدے مجھے فوراً پہنچ جانے چاہئیں۔خاکسار محمد علی دارالسلام ڈلہوزی۔20 ستمبر 1938ء۔

تحریک سلور جوبلی کے متعلق جماعت بغداد کی قابلِ تقلید قربانی اور مستعدی:(13 ستمبر 1938ء) مخدومی آقائی سیدنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔خاکسار اور جملہ اخوان سلسلہ مقیمان مابین النہرین سب سے پہلے حضور کی صحت یابی پر بارگاہ رب العزت میں لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی جناب میں درد دل سے مستدعی اور ملتجی ہیں کہ وہ ارحم الراحمین اپنے رحم وکرم سے حضور کو عمر طویل عطا فرمائے اور اپنے دین متین کی بیش از بیش خدمت لے کر دنیا کو دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ.(28:48) کا نظارہ دکھلائے۔آمین۔حضور کا نامہ مبارک سلور جوبلی کی تحریک کے سلسلہ میں اخبار ''پیغام صلح'' مورخہ 8 اگست میں ہماری نظروں سے گزرا۔اے قائد ملت! آپ کے قلب صافی سے پھوٹ پھوٹ کر نکلے ہوئے الفاظ ہم خدام سلسلہ کے دلوں کی گہرائیوں میں اپنے لئے گھر بنائے بغیر نہ رہے۔اے کشتی اسلام کے ناخدا! آپ کی تڑپا دینے والی آواز مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (52:3) کے الفاظ میں کانوں نے سنی۔قلب میں پہنچی اور زبان پر لبیک یا امیر کا کلمہ جاری کر دیا۔اے محترم امیر! ہم نے تو ماہ مئی میں ہی یہاں ''سلور جوبلی فنڈ'' کھول دیا تھا۔جس میں اس وقت تک مبلغ چھ سو پندرہ روپیہ کے وعدے ہو چکے ہیں۔یہ فنڈ دسمبر تک کھلا رہے گا۔آپ کی دعا سے اس میں مزید اضافہ کی قوی امید ہے۔

اے امیر جماعت! اے مجاہد اعظم! آپ کے دل سے نکلی ہوئی آواز اخوان سلسلہ کے قلوب میں پیوست ہوئے بغیر نہیں رہے گی۔کیونکہ یہ حضرت مسیح الزمان کے جانشین اور اس کی شاخ کی آواز ہے۔آپ کا مطالبہ انشاء اللہ قبل از وقت پورا ہو کر رہے گا۔کیونکہ یہ صدا کسی لِمَا تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ کے مصداق کی صدا نہیں ہے۔ہم سبھوں سے سلام علیکم قبول فرما دیں اور اپنی تہجد کی نمازوں میں یاد رکھیں والسلام۔خاکسار تصدیق حسین

3 اکتوبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

احباب سے ایک ضروری درخواست

سلو جوبلی فنڈ کے وعدوں سے جلد اطلاع دیں

میاں غلام رسول صاحب تمیم اور قاضی محبوب عالم صاحب کی نیک مثال

مجھے افسوس ہے کہ بعض رکاوٹیں جوبلی کی تحریک میں ایسی پیش آ گئیں جو میرے علم میں نہ تھیں۔ اس لئے اصل تحریک کچھ دیر سے شائع ہوئی اور قریباً پندرہ دن ضائع ہو گئے۔ میں چاہتا تھا کہ ستمبر کے آخر تک میں اپنی جماعت کے چندے کا اندازہ کر سکوں۔ اب بھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ کچھ مشکل نہیں۔ قربانی کا فیصلہ کرنے کے لئے بہت وقت بکار نہیں۔ ایک لمحہ کے اندر انسان فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس نے یہ کام کرنا ہے اور جس جماعت کی تربیت ہی اس رنگ میں ہوئی ہے ''یا جاں برہ یار باید داد۔ یا قطع تعلق زیار باید کرد'' اس کو اس سوچ میں زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے کہ انہوں نے قربانی کرنی ہے یا نہ۔ سرفروشوں کی جماعت کبھی یہ غور نہیں کیا کرتی کہ انہوں نے سر دینا ہے یا نہ۔ فیصلہ تو انہوں نے اسی وقت کر لیا جب دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کر کے اپنے مال و جان کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیا۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ میری طرف سے دیر ہو جانے کا کفارہ میرے دوست اپنی طرف سے فوری فیصلہ کر کے دیں گے۔

اس بارے میں خان بہادر میاں غلام رسول صاحب اور قاضی محبوب عالم صاحب نے ایسی مثال قائم کی ہے جو دوسرے احباب کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ جس دن اخبار مجھے ڈلہوزی میں ملا اس سے اگلے دن ہی اس ہر دو فدائیاں دین کے خط میرے پاس پہنچ گئے۔ گویا انہوں نے اخبار پڑھتے ہی نہ صرف فوراً فیصلہ کر لیا بلکہ اس کی خبر مجھے فوراً پہنچا دی۔ قاضی صاحب نے اپنی کل رقم وصیت پانچ سو روپے پیش کر دی اور میاں صاحب نے اپنی وصیت کا پانچواں حصہ یعنی دو ہزار چار سو روپیہ جلسہ کے موقعہ پر پیش کرنے کا وعدہ فرمایا۔ اور بھی خطوط آ رہے ہیں۔ سر دست میں جلدی میں صرف اس قدر توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ان رقوم کے متعلق سر دست مجھے صرف اطلاع دینی ہے۔ رقم جلسہ سالانہ کے موقع پر پیش کرنی ہوگی اور ساری اس وقت دے دینی ہوگی۔ خواہ نقد ہو یا بصورت جائداد۔ خاکسار محمد علی

3 اکتوبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

تحریک جوبلی فنڈ اور خواتین سلسلہ

مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ جوبلی فنڈ کی تحریک میں خواتین نے شرح صدر سے حصہ لینا شروع کیا ہے۔ چنانچہ اہلیہ ڈاکٹر عبدالمجید صاحب پشاور کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ اس کے بعد ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب نے اطلاع دی ہے کہ اہلیہ مولوی غلام ربانی خان صاحب نے بھی اپنے زیور کا دسواں حصہ جوبلی فنڈ میں دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس کی قیمت ابھی معلوم نہیں، اس کے بعد میری اہلیہ نے اپنے زیور کا نصف جو خوش قسمتی سے یا بدقسمتی سے صرف چھ عدد چوڑیاں طلائی ہیں، جن کا وزن ساڑھے تین تولے ہے۔ اس فنڈ میں دینے کا وعدہ کیا ہے۔ خوش قسمتی تو میں اس لئے کہتا ہوں کہ وہ اپنی شادی کا کل زیور پہلے ہی وقتاً فوقتاً تحریکات سلسلہ میں دے چکی ہیں۔ اور شادی کے بعد جو زیور بنوایا ہے اس کا یہ نصف ہے۔ تو اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کیا ہے کہ ان کا قریباً سارا زیور آخرت کی آرائش کا سامان بن چکا ہے۔ اور بدقسمتی اس لحاظ سے کہ اس وقت باوجود نصف دے دینے کے وہ اس قدر تھوڑا دے رہی ہیں جو شائد بمشکل ایک سو سے کچھ اوپر مالیت کا ہوگا۔

اس کے ساتھ میں دوسرے احباب کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں خواتین کو اس طرف توجہ دلائیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ جوبلی فنڈ کی ایک چوتھائی یعنی پچیس ہزار روپے صرف اس طرح جمع ہو سکتے ہیں کہ کسی کو بار بھی معلوم نہ ہو اور اتنی بڑی رقم بھی جمع ہو جائے اور اس طرح احمدی خواتین کا نام بھی دنیا میں روشن ہو جائے۔

محمد علی

26 ستمبر۔ دارالسلام۔ ڈلہوزی

8 اکتوبر 1938ء

مکتوب امیر

جوبلی کے متعلق چوتھی تحریک

برادران مکرم! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

تیسری تحریک احباب کے ہاتھ میں غالباً 15 ستمبر کے قریب پہنچی ہوگی۔ اس کے جواب میں 30 ستمبر تک یعنی پندرہ یوم میں میرے پاس کوئی قریباً چالیس اصحاب مردوں اور خواتین کے وعدے آئے ہیں۔ جن کی مجموعی میزان نقد یا زیورات کی صورت میں قریباً 7500 روپے ہے۔ وصایا، جو تیس ہزار روپے سے بہر حال اوپر ہوں گی، اس کے علاوہ ہیں۔ یہ رفتار سست ہے۔ اور ابھی تک عموماً غرباء کی طرف سے جواب آئے ہیں۔

امراء کی کم توجہی کی دو وجوہ: امراء کی طرف سے ابھی جواب نہیں آئے۔ اس کی وجہ تو شاید یہ ہو کہ جن لوگوں کو زیادہ حصہ مال الگ کرنا ہے، وہ اس کے متعلق غور کر رہے ہوں گے۔ چنانچہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے مجھے اسی طرح لکھا بھی ہے۔ لیکن عام طور پر کم توجہی کی دو وجوہ معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ بہت سے احباب کا خیال شاید یہ ہے کہ جوبلی کی تحریک کا تعلق سالانہ جلسہ سے ہے۔ اور اس کے لئے ابھی بہت وقت ہے۔ یہ خیال درست نہیں۔ جس وسیع پیمانہ پر اس تحریک کو عام کرنے کی، اور تمام احباب اور معاونین تک اس کو پہنچانے کی ضرورت ہے، اس کا تقاضہ یہ تھا کہ جو احباب دینی تحریکات میں ہمیشہ حصہ لیتے رہے ہیں، وہ فوراً قدم اٹھا کر دوسروں کی ہمت بڑھانے کا موجب ہوتے۔ اپنا نمونہ پیش کر کے جو سوئے ہوئے ہیں، ان کو جگاتے۔ جو سست ہیں، ان کا قدم تیز کرتے۔ وقت بہت نہیں۔ بلکہ اکثر اراکین کا یہ خیال ہے کہ وقت بہت تھوڑا ہے۔ اور یہی سچ ہے۔

جماعت احمدیہ اور اس کے چوتھائی صدی دور زندگی کی اہمیّت: دوسری وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ جماعت احمدیہ اور اس کے چوتھائی صدی دور زندگی کو وہ اہمیّت نہیں دی گئی، جو اس کا حق ہے۔ میں اس وقت اس جماعت کی خدمت اسلامی کے ان کاموں کو گننا نہیں چاہتا ہوں جو اس نے

پچیس سال میں کئے ہیں۔ بلکہ صرف ایک ہی امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اور وہ، وہ امر ہے، جو اس کو امام وقت حضرت مسیح موعود سے بطور ورثہ ملا ہے۔ یعنی جب اسلام کو جسمانی اور سیاسی رنگ میں دنیا مغلوب اور مفتوح سمجھ چکی تھی، تو اس کے لئے فتوحات کا ایک نیا دروازہ کھل گیا۔ اور مایوس دلوں میں امید کی ایک نئی جھلک پیدا ہوئی۔ حضرت مسیح موعود کے ظہور کا زمانہ وہ ہے، جب مسلمان ملکی رنگ میں بالکل مغلوب ہو چکے تھے۔ اور ان پر چاروں طرف مایوسی کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ ان تاریکیوں کے اندر آسمان سے ایک ندا آئی۔ ''بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدؐیاں بر مینار بلند تر محکم افتاد''۔ بلند تر مینار کے لفظ قابل غور ہیں۔ ملکی اور سیاسی غلبہ بھی ایک مینار ہے۔ جو ایک قوم کو دوسری اقوام سے ایک ممتاز حیثیت قرار دے کر اس کو دنیا میں ایک مینار پر کھڑا کر دیتا ہے جہاں سے ان کی ممتاز حیثیت سب دنیا کو نظر آتی ہے۔ مسلمان اس بلند مینار پر صدیوں سے کھڑے تھے۔ لیکن مصلحت ربی سے اب یہ زمانہ آ گیا تھا کہ مسلمان اس بلند مینار پر نہ رہے۔ بلکہ سیاسی اور ملکی رنگ میں مغلوب ہو گئے۔ تو اس وقت ایک مرد خدا کو یہ الہام ہوتا ہے، جس میں بشارت دی ہے کہ اگر مسلمان ایک بلند مینار پر اب نظر نہیں آتے تو ہم نے ان کے لئے بلند تر مینار یعنی اس سے بہت زیادہ بلند مینار پر چڑھنے کا راستہ کھول دیا ہے۔ اور وہ اسلام کی فتوحات روحانی کا راستہ ہے۔ اور یہ نرے لفظ نہ تھے، بلکہ حضرت مسیح موعود پر ان علوم روحانی کا دروازہ کھولا گیا۔ جس کی شہادت ایک دنیا نے دی۔ اور اب بھی آپ کے خدّام کے ذریعے سے دے رہی ہے۔

مجھے بارہا قادیانی جماعت پر جو افسوس ہوتا ہے، تو وہ صرف ان کے غلو پر نہیں، کہ جس طرح پہلے مسیحؑ کے پیروؤں نے ایک نبی کو خدا بنا دیا تھا، انہوں نے ایک مجدد کو نبی بنانے کی کوشش کی ہے، صرف ان کے اسلام میں ایک خطرناک تفریق پیدا کرنے پر نہیں، کہ کلمہ گو مسلمانوں کو، اہل قبلہ کو، جن کے ہاتھ میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کی دی ہوئی سند مسلمان ہونے کی تھی، کافر بنا دیا۔ یہ دونوں پہلو عقائد سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کی اصلاح کی صورت بھی تھی، بلکہ زیادہ افسوس اس بات پر ہے کہ انہوں نے اس روحانی فتوحات کے بلند تر مینار سے اپنی توجہ کو ہٹا کر سیاسی اقتدار کے مینار کو اپنا نصب العین بنا لیا۔ اور ہندوستان میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار شئے ہی کیا ہے؟ آج وہ دو غلامیوں کا

مجموعہ ہے۔ یعنی ایک انگریزوں کی غلامی۔ اور دوسرے ہندوؤں کی غلامی۔ چنانچہ پہلی غلامی کو اپنا نصب العین سمجھتے سمجھتے اب اس دوسری غلامی پر جماعت قادیان کو فخر ہے۔ اور کانگرس کے پریذیڈنٹ کو سلامی دنیا اور اسلامی اتحاد سے الگ ہو کر کانگرس کے پیچھے پیچھے چلنا، وہ باتیں ہیں، جو آج قادیان کے پروگرام میں نمایاں نظر آرہی ہیں!

ہماری جماعت کے ہاتھ میں حضرت مسیح موعود کا علمی ورثہ ہے: ان حالات کو دیکھ کر نظر صرف اس چھوٹی سی جماعت پر آکر جم جاتی ہے، جو تھوڑی ہے، مگر خدا کے فضل سے حضرت مسیح موعود کا علمی ورثہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور اسلام کی روحانی فتوحات کے بلند تر مینار کو بنانے کی یہ کوشش کر رہی ہے۔ اسی بلند تر مینار کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے یہ جوبلی کی تحریک ہے۔ دنیا میں اس کام کے لئے اب کوئی قوم باقی نہیں۔ کوئی جماعت نہیں، جس کا نصب العین **لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ** (28:48) ہو۔ یہی **عَصَابَۃٌ** (گروہ، جماعت) ہے۔ یہی جماعت قلیل ہے، جو تبلیغ اسلام کے پرچم کو لہرا رہی ہے۔

پوری فتح کی آرزو رکھتے ہو تو پورا دل پیش کرو: جماعت اس قدر قلیل اور کام اتنا عظیم الشان! مگر اس کا حاصل کرنا بھی اتنا مشکل کام نہ تھا۔ اگر یہ جماعت **اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ** (165:2) کا نظارہ دکھاتی۔ اگر یہ خدا کی رضا کے لئے اس سے بڑھ کر قربانیاں کر کے دکھاتی، جو دوسرے لوگ اپنے پیروں کی خوشی کے لئے کرتے ہیں۔ اگر یہ اپنے جان و مال کو اس سے زیادہ ہمّت کے ساتھ پیش کرتی، جو دوسرے لوگ سیاسی اور ملکی غلبہ کے لئے کرتے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ ہمارے احباب یہ چاہتے ہیں کہ قدم ایک اٹھائیں اور ہزار میل سفر طے ہو جائے! دل دنیا کی محبت میں پھنسا ہوا ہو اور روحانی فتح حاصل ہو جائے! اپنا آدھا دِل بلکہ آدھے سے بھی کم خدا کے سامنے پیش کریں اور پوری فتح کی امید رکھیں! یہ نہیں ہو سکتا! اگر دنیا میں فاتح قوم بننا چاہتے ہو، اگر پوری فتح کی آرزو رکھتے ہو، تو پورا دل پیش کرو۔ اگر یہ قلیل جماعت بھی اپنی ساری دنیا کو ہارنے کی آج ٹھان لے تو پوری روحانی فتح حاصل کر سکتی ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ بعض احباب قربانی بھی کرتے ہیں، تو اس کے لئے آسان راستہ تلاش کرتے ہیں۔ یہ خیال رہتا ہے کہ زیادہ نہ دینا پڑے! اس لئے میں پھر ایک دفعہ اپنی تحریک کے پہلوؤں کو واضح کر کے لکھتا ہوں۔ اور سب احباب سے امید رکھتا ہوں کہ وہ ایک دن کا بھی وقفہ ڈالے بغیر اٹھیں۔ اور اس آواز پر لبیک کہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کا نظارہ دیکھیں۔

میرا مطالبہ جماعت سے حسب ذیل تھا۔ جس کو سب احباب پھر غور سے پڑھ لیں۔

1۔ سب احباب جو جائداد رکھتے ہیں، وصیّت کریں۔ جو کم سے کم دسویں حصہ جائداد کی ہو۔

2۔ وصیّت کا مال بہتر تو یہ ہے کہ کل کا کل جوبلی کے موقعہ پر ادا کر دیا جائے۔ ایسی صورت میں یہ مال جماعت کے استحکام کا بہترین ذریعہ ہوگا۔ اگر کل مال وصیّت ادا نہ کر سکیں تو کم سے کم اس کا پانچواں حصہ ضرور جوبلی کے موقعہ پر نقد ادا کیا جائے۔ یہ انجمن کا فیصلہ تھا۔ مگر میں یہ درخواست کروں گا کہ نصف یا تہائی مال کم سے کم ادا کیا جائے۔ ورنہ ایک لاکھ روپیہ نقد جمع ہونا مشکل ہو جائے گا۔

3۔ وصیّت کے کل اموال، جیسا کہ پہلے بھی کئی بار صراحت ہو چکی ہے، ایک مستقل فنڈ کی صورت میں رہیں گے۔ اور ان کی صرف آمدنی خرچ ہوگی۔ جو اصحاب پسند کریں، وہ اپنی وصیّت کے ساتھ یہ شرط لگا سکتے ہیں کہ اس کی آمدنی صرف خاص غرض یا اغراض کے لئے خرچ ہو۔

4۔ یہ بھی اجازت ہے، گو اس سے انجمن کی مشکلات میں اضافہ ہوگا، کہ کوئی صاحب اپنی جائداد کو خاص غرض یا اغراض کے لئے وقف کر دیں۔ بشرطیکہ وقف کی تولیّت انجمن کے ہاتھ میں ہو۔ اور یہ شرط ساتھ موجود ہو کہ جائداد وقف کردہ کسی بہتر جائداد پر روپیہ لگانے کے لے فروخت یا رہن ہو سکتی ہے۔

5۔ جو اصحاب وصیّت کے لئے جائداد نہیں رکھتے، وہ اپنی ایک ماہ کی پوری آمدنی جوبلی فنڈ میں ادا کریں۔ اس کے لئے بہت سے سرکاری ملازمین اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرضہ لے سکتے ہیں، جو سہل اقساط پر مل جاتا ہے۔

6۔ جن اصحاب کی جائداد وصیّت کردہ اس قدر تھوڑی ہے کہ جوبلی فنڈ میں جو نقد ادائیگی وہ کریں گے، وہ ان کی ماہوار آمدنی سے کم ہے وہ بھی ایک ماہ کی پوری آمد ادا کریں۔ مثلاً ایک شخص کی ماہوار آمد پانچ سو روپے ہے۔ اور اس کی جائداد پانچ ہزار ہے۔ تو لازماً اسے پانچ سو روپیہ نقد جوبلی کے موقعہ پر ادا کرنا چاہئے۔ خواہ وہ یوں کرے کہ جائداد کا وصیّت کردہ دسواں حصہ کل کا کل نقد ادا کر دے۔ لیکن اگر اس کی جائداد بالفرض دو ہزار روپے کی ہے، تو وہ اپنی ایک ماہ کی پوری آمدنی ادا کرے۔ یعنی پانچ سو روپیہ۔ ہاں! چاہے تو اس میں سے دو سو روپیہ وصیّت میں شمار کر لے اور باقی تین سو وہ آمد میں سے دے۔ بہر حال کسی دوست کو اپنی ایک ماہ کی آمدنی سے کم رقم ادا نہ کرنی چاہئے۔

7۔خواتین اپنے زیورات کا کم سے کم دسواں حصہ جوبلی کے موقعہ پر ادا کریں۔اب میں ایک دوست کی تحریک پر یہ اضافہ کرتا ہوں کہ خواتین اپنے زیورات یا دیگر جائداد، اگر ان کے پاس کوئی ہو، کے کم سے کم دسویں حصہ کی وصیّت ضرور کریں۔اوراس میں سے نصف یا تہائی جوبلی کے موقعہ پر ادا کریں۔

عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ نرم دل دیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ دین کی بے کسی کی حالت کو مدنظر رکھتی ہوئی اپنی وصیّتوں اور عطیہ جات سے مردوں کی کوتاہیوں کا کفّارہ کر دیں گی۔ ہماری خواتین نے اللہ کے فضل سے بڑے بڑے مشکل اوقات میں اپنی قربانیوں سے جماعت کی عزت کو دو بالا کیا ہے۔امید ہے کہ جوبلی کے موقع پر بھی وہ خدا اور رسولؐ کی محبت پر دنیا کی محبت کو قربان کر دیں گی۔اور اپنے اپنے زیورات کا، جو کل بھی انہوں نے چھوڑنے ہیں، آج ہی دسواں حصہ خدا کی راہ میں پھینک دیں گی۔تا کہ آگے جا کر یہ انہیں چند در چند ہو کر ملے۔

8۔نوجوان، جو خود کچھ نہیں کماتے، اپنی تعلیم کے اخراجات سے یا اپنے جیب خرچوں سے بچا کر، کالج کے طالب علم دس روپے فی کس، اور سکول کے طالب علم پانچ روپے فی کس۔جو ولایت میں تعلیم پاتے ہیں، وہ پچیس روپے فی کس جوبلی فنڈ میں ادا کریں۔

9۔معاونین سے اپیل کے لئے بہت سے دوست استفسار کر رہے ہیں۔مگر میں نے اس کو اس وقت تک ملتوی رکھا ہوا ہے۔ جب تک کہ جماعت کے اندر پوری حرکت نظر آئے۔اور جماعت کے بڑے بڑے اراکین اس میں ان شرائط کے مطابق پورا حصہ لیں۔

10۔ جو اصحاب مقروض ہیں۔وہ اس دینی غرض کے لئے قرضہ لے کر ان شرائط بالا کو پورا کریں۔ مجھے امید ہے کہ دنیوی قرضوں کے ساتھ دینی قرضہ مل کر برکت کا موجب ہو جائے گا۔اور دنیوی مشکلات کے حل کا موجب بن جائے گا۔میں خود بھی اسی ذیل میں شامل ہوں۔اور جو اصحاب مجھے یہ اطلاع دیں کہ ان شرائط کو پورا کرنے کے لئے وہ قرضہ لئے بغیر کوئی راہ نہیں دیکھتے، میں انشاءاللہ ان کے لئے مجاہدہ کے طور پر حل مشکلات کی دعا برابر کرتا رہوں گا۔خاکسار محمد علی 5 اکتوبر 1938ء

8 اکتوبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (26:55)

چودھری منظور الٰہی مرحوم

چودھری منظور الٰہی صاحب مرحوم کی وفات کی خبر کل دس بجے کے قریب مجھے پہنچی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. ابھی تھوڑے دن ہوئے یہ خبر سُن کر بے حد خوشی ہوئی تھی کہ چودھری صاحب مرحوم بٹوٹ سے تندرست ہو کر واپس آ رہے ہیں۔ لاہور سے وہ مجھ سے اس وقت جدا ہوئے کہ میں بھی بیمار تھا اور وہ بھی بیمار تھے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت عطا فرمائی اور اُدھر اُن کی صحت کی خوشخبری پہنچی اور دل میں خیال تھا کہ ہم دونوں کو مل کر کام کرنے کا کچھ اور موقعہ دیا گیا ہے۔ مگر آہ چودھری صاحب مرحوم کی وفات سے میرا بازو ٹوٹ گیا۔ ہماری جماعت کے لئے یہ نا قابل تلافی صدمہ ہے۔ ان کی جگہ لینے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ ہاں خدا کو سب قدرت ہے۔

جماعت کے بھی اکثر احباب کو شائد علم نہ ہو کہ چودھری صاحب مرحوم نے خدمت دین کا کس قدر زبردست کام کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس قدر خاموشی سے کام کرتے تھے کہ کسی دوسرے کو علم نہ ہوتا تھا۔ اور اخلاص و دلسوزی اور محنت اس قدر تھی کہ میں نے ایسے کام کرنے والے نہیں دیکھے۔

جن دنوں وہ ملازم تھے اور اپنا فرض منصبی نہایت قابلیت اور محنت سے ادا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی نہ صرف اپنے دوروں میں دن رات تبلیغ کے کام میں مصروف رہتے تھے۔ بلکہ جب سفر یا دفتر سے تھکے ماندے واپس آتے تو گھر میں آرام کرنے کے بجائے سیدھے دفتر میں پہنچتے اور آدھی آدھی رات تک اپنی وسیع خط و کتابت کے سلسلہ میں مصروف رہتے۔ ممالک اسلامی کے حالات سے اس قدر باخبر رہتے کہ کوئی کام کی بات کہیں دیکھ لیتے تو وہ ان کے دماغ میں مستقل جگہ لے لیتی۔ ہر اخبار، رسالے، کتاب کو تلاش کرتے کہ کہاں کہاں تبلیغ کا کام ہو سکتا ہے۔ دنیا کے کس کونے میں کس کس کو یہ پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔

پچھلے دو تین سال میں جب کمزوری زیادہ ہو گئی پھر بھی اس محنت کو نہ چھوڑا اور باوجود بار بار احباب کے مشورہ دینے کے، کہ وہ آرام زیادہ کیا کریں اور محنت کم کر دیں، اپنی پہلی عادت کو نہ چھوڑا۔

اس محنت اور اس اخلاص کا اللہ تعالیٰ نے انہیں پھل بھی بڑا دیا۔ قرآن کریم اور دوسرا اسلامی لٹریچر دنیا کے ان ان کناروں میں پہنچایا کہ جن کا علم بھی اکثر مسلمانوں کو نہ تھا۔ امریکہ کی لائبریریوں، جاپان کی لائبریریوں، جہازوں کی لائبریریوں کو، یورپ، ایشیاء اور افریقہ کے مختلف ممالک کو اسلام کے نور سے روشن کر دیا۔ ان ان جزائر اور ممالک میں کھوج لگا کر اسلامی آبادیوں کے پتے لگائے کہ جن کا دوسروں کو کوئی علم نہ تھا۔ تبلیغ اسلام کا اس قدر زبردست کام کیا کہ جس کی کوئی دوسرا آدمی اس زمانہ میں نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ وہ بظاہر گھر میں بیٹھے نظر آتے تھے مگر ان کی روح تمام ممالک کی سیر کرتی تھی اور ہر جگہ پیغام اسلام کو پہنچاتی جاتی تھی۔ ہمارے لٹریچر کے دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمے کرانا اور ان ممالک میں انہیں تقسیم کرنا بھی انہی کی ہمت کا نتیجہ تھا۔

احمدیت کی توسیع میں جس قدر کام چودھری منظور الٰہی مرحوم نے کیا اس کی بھی کوئی دوسری نظیر نہیں۔ دنیا کے پچاس سے زیادہ ممالک میں احمدیہ جماعت کی شاخیں قائم کیں۔ اگر احمدیہ جماعت لاکھوں روپے خرچ کر کے ملک ملک میں اپنے اپنے مبلغ بھیجتی تو شاید وہ سب مل کر اتنا کام مشکل سے کر سکتے جتنا اس مرد خدا نے اکیلے گھر بیٹھ کر کیا۔ جماعت جماعت پکارنے والے بہت ہیں مگر جماعت سازی کا جو کام چودھری صاحب مرحوم نے کیا اس کی دوسری نظیر نہیں۔ اور صدمہ یہ ہے کہ کوئی آدمی نظر نہیں آتا جو ان کے اس عظیم الشان کام کو سنبھال سکے۔ **لعلّ اللّٰہ یحدث بعد ذٰلک امرا.** انہوں نے یہ نمونہ قائم کیا کہ اگر انسان کے اندر اخلاص اور جوش ہو تو وہ گھر بیٹھ کر بھی وہ کام کر سکتا ہے جو دوسرے چل پھر کر نہیں کر سکتے۔

حضرت مسیح موعود کی اس خواہش کو کہ لٹریچر کے ذریعہ سے دنیا میں تبلیغ کی جائے اور مبلغ ہر جگہ بھیجنے کی ضرورت نہیں چودھری صاحب مرحوم نے پورا کر کے دکھا دیا اور ان کا نام دنیا کے ہر ملک میں خدمت اسلام کے سلسلہ میں ہمیشہ کے لئے ایک روشن ستارے کا کام دے گا۔

اے خدا! تو ان کی روح پر اپنی بے شمار برکتیں اور رحمتیں نازل فرما اور اس جماعت میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے نوجوان پیدا کر اور ایسے ہی اخلاص اور محنت اور خاموشی سے کام کرنے کی انہیں توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔ خاکسار محمد علی۔ از ڈلہوزی۔ 9 اکتوبر 1938ء

8 اکتوبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

دو اور نیک اور قابل تقلید مثالیں

تحریک جوبلی فنڈ کی رفتار

ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب اور میاں نصیر احمد صاحب فاروقی

جوبلی کی تحریک کے سلسلہ میں جس قدر میری حوصلہ افزائی ان دو احباب نے کی ہے۔ اس کے لئے میری روح آستانہ الٰہی پر حمد کرتی ہوئی اور ان کے لئے دعا کرتی ہوئی گرتی ہے۔ میں نے پچھلے ہی اخبار میں لکھا تھا کہ میری تحریک پر پہلے پندرہ دن میں کوئی سات ساڑھے سات ہزار روپے نقد کے وعدے میرے پاس پہنچے ہیں۔ میرے صدر مقام سے دور ہونے کی وجہ سے، اور اس کی وجہ میری صحت کی حالت ہے، اخبار میں تحریکات نکلنے میں بھی دیر ہو جاتی ہے۔ اکتوبر کا پہلا ہفتہ میرے لئے خاص خوشی کا موجب ہے کہ ان دو مخلصین کی ہمت نے اس رقم کو دو چند کر دیا اور اب یہ وعدے قریباً پندرہ ہزار تک پہنچ گئے ہیں۔

ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب کا خط مجھے لاہور سے ہوتا ہوا کل ہی ملا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ایسا دل دیا ہے جس کی نظر بہت ہی کم ہوگی۔ چند سال کا ذکر ہے جب انجمن کا قرضہ پورا کرنے کے لئے تحریک کی گئی تو ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب نے ایک ہزار روپے کا گراں قدر عطیہ دیا۔ سال گذشتہ جب یتیم خانے کی عمارت کے لئے تحریک کی گئی تو اس کی ایک چوتھائی اس مرد خدا نے پوری کر دی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف، جہاں تک دنیا کے مال کا سوال ہے، امیر آدمی نہیں ہاں! وہ دل کے امیر ہیں اور خدا کا احسان ہے کہ وہ دل کے غریب بھی ہیں۔ ان رقوم کو آہستہ آہستہ اپنی حلال اور طیب مختصر سی کمائی سے پورا کرتے رہتے ہیں اور کبھی ان کو دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

میں نے وصایا کے متعلق ایک تحریک کی تھی کہ سب احباب، جن کو خدا نے کچھ مال دیا ہے، وصیت کریں اور پھر وصیت کے مال کو جوبلی کے موقعہ پر دے کر جماعت اور اس کے کاموں کے استحکام کا موجب ہوں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جن کو خدا اپنے فضل سے بہت دیتا ہے وہ خدا کے راستے میں دینے

میں بہت تأمل کرتے ہیں۔ قاضی محبوب عالم صاحب (گوجرانوالہ) پہلے آمی ہیں جنہوں نے کل رقم وصیت جو پانچ سو روپے ہے جوبلی کے موقعہ پر دینے کا وعدہ کیا۔ اب ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب نے، اللہ تعالیٰ ان کو بہت بہت جزائے خیر دے اپنی وصیت کی کل رقم جو پانچ ہزار روپے ہے جوبلی پر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بے شمار رحمتیں اور برکتیں ان پر نازل فرمائے کہ انہوں نے ایک نہایت ہی نیک نمونہ قائم کیا ہے اور جب بہت سے احباب کی بے توجہی سے میری کمر ہمت کمزور ہو رہی تھی انہوں نے ایک جوانمردانہ قدم اٹھا کر اسے مضبوط کر دیا اور ان کے اس نمونہ سے مجھے یہ امید پڑتی ہے کہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بہت کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ اپنے مولیٰ کے لئے بھی دیں گے۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا مال موت کے ساتھ ان کے ساتھ جائے گا؟ نہیں۔ صرف وہی حصہ ساتھ جائے گا جسے وہ خدا کی رضا کے لئے یہاں دے جائیں۔

دوسری نیک مثال میاں نصیر احمد صاحب فاروقی نے قائم کی ہے۔ انہوں نے اپنی وصیت کی رقم 328 روپے پیش کی تھی۔ وہ میرے بہت ہی قریبی عزیز ہیں۔ میں نے انہیں جواب میں لکھا کہ یہ میری تحریر کے مطابق نہیں۔ کیونکہ میری تجویز یہ ہے کہ جن اصحاب کی وصیت کی رقم ان کی ماہوار آمد سے کم ہو وہ اپنی ماہوار آمد جوبلی کے موقعہ پر پیش کریں۔ انہوں نے اس کے جواب میں اسی شرح صدر سے، جو قبل رشک ہے، مجھے لکھا کہ انہیں اس میں کوئی بھی عذر نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک ماہ کی سالم آمدنی 881 روپے جوبلی کے موقعہ پر پیش کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی دوسری خوشخبری یہ سنائی ہے کہ ان کی اہلیہ کے زیورات کا دسواں حصہ 119 روپے ہیں وہ بھی یہ رقم اس موقعہ پر پیش کریں گے۔ اس طرح ان دونوں کی طرف سے مجموعی رقم ایک ہزار جوبلی کے موقعہ پر پیش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس جوڑے پر اپنی بے حساب رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ یہ ایک ایسے نوجوان کی طرف سے نمونہ پیش کیا گیا ہے جو خدا کے فضل سے دنیا میں بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ آئی۔سی۔ایس ہیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا میں انڈر سکرٹری ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ایسے لوگوں کو اپنی حیثیت قائم رکھنے کے لئے خرچ بھی تنخواہ کے مطابق ہی کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے میاں صاحب موصوف کی ہمت بہت ہی قابل قدر ہے۔

ابھی تک مجھے صرف دوسو روپے تک تنخواہ والوں کی طرف سے وعدے پہنچے تھے۔ مگر میاں نصیر احمد صاحب نے ایک ہزار روپیہ پیش کر کے دوسرے ان اصحاب کے لئے، جن کی آمدنیاں پانچ پانچ سوا ایک ایک ہزار ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار ہیں، یہ نمونہ قائم کیا ہے کہ وہ بھی جلد اپنے وعدوں کے ساتھ میری حوصلہ افزائی کریں۔ میں نے بہت سے دوستوں کو خطوط بھی لکھے ہیں۔ گو میری صحت کی حالت یہ اجازت نہیں دیتی تھی۔ مجھے امید ہے کہ وہ جلد اپنے جوابات سے مجھے ممنون فرمائیں گے اور جن کو خطوط نہیں گئے وہ بھی بہت جلد قدم اٹھائیں گے۔ میں 19 اکتوبر تک ایسے خطوط کا انتظار ڈلہوزی میں کروں گا۔

میاں عبدالحیی صاحب کی اطلاع: میاں عبدالحیی صاحب خلف الرشید مستری یعقوب علی صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے انہوں نے بھی اپنی ایک ماہ کی سالم تنخواہ دوسو روپے پیش کی ہے۔

محمد علی

9 اکتوبر 1938ء

۞۞۞

14 اکتوبر 1938ء
حضرت امیر کے قلم سے

غُرباء اور اُمراء کا طبقہ اور جوبلی فنڈ

کچھ سنت اللہ ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ غرباء کا قدم نیکی کی طرف بہ نسبت امراء کے جلد اُٹھتا ہے۔ایک لوگ وہ ہیں، جنہیں دنیا کی نعمتوں سے زیادہ مل گیا، تو دوسرے وہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے زیادہ حصہ لے رہے ہیں۔بعض وہ لوگ ہیں، جو اپنی تنخواہوں یا آمدنیوں میں مشکل سے گزارہ کرتے ہیں، جب انہوں نے ایک ماہ کی آمد سے کم دینے کا ارادہ ظاہر کیا، تو میرے توجہ دلانے پر انہوں نے اپنے پیٹ کاٹ کر بھی جوبلی فنڈ کی شرط کو پورا کیا۔یعنی ایک ماہ کی آمد پوری دے دی۔جیسے میاں مولا بخش صاحب جالندھر اور ماسٹر محمد عبداللہ صاحب راولپنڈی۔اللہ تعالیٰ انہیں جزاء خیر دے۔متوسط الحال طبقہ میں سے میاں رحیم بخش صاحب ایم۔اے سپرنٹنڈنٹ سالٹ ڈیپارٹمنٹ نے اپنی ایک ماہ کی آمدنی ساڑھے چار سو روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔اور ان کی اہلیہ نے اپنے زیورات کا دسواں حصہ ساٹھ روپے۔جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

مگر امراء یا تو خاموش ہیں۔اور یا ایسے عذر پیش کر رہے ہیں۔جن کی تہہ میں مال کی محبت کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا! ایک غریب آدمی، جو پچاس روپے ماہوار میں بال بچے کا پیٹ پالتا ہے، اس بات کو برداشت کر لیتا ہے کہ وہ پچاس روپے جوبلی فنڈ خدا کی راہ میں دے کر اپنا گزارہ ایک سال کے لئے 45 روپے ماہوار میں کر لے گا۔لیکن ایک آسودہ حال آدمی، جو پانچ سو یا ہزار روپے ماہوار کماتا ہے، وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی آسودگی میں تھوڑا سا فرق آجائے! اور وہ پانچ سو کی بجائے ایک سال ساڑھے چار سو روپے ماہوار میں یا ہزار کی بجائے ایک سال نو سو روپیہ ماہوار میں گزارہ کر لے! گویا اسے خدا نے دوسرے انسانوں سے الگ ہی پیدا کیا ہے. اور اس کا گزارہ سوائے پانچ سو یا ہزار کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اِنَّـا لِـلّٰـهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (156:2) جوبلی فنڈ کی پانچویں تحریک مَیں دو تین دن کے اندر اخبار میں بھیج رہا ہوں۔جس میں کچھ کھری کھری باتیں سنانے پر مجبور ہوں گا۔اور 31 اکتوبر تک جن احباب کی طرف سے کچھ وعدے آئیں گے، ان کی فہرست ابتدائی فہرست کے طور پر نومبر کے پہلے اخبار میں شائع کر دی جائے گی۔محمد علی۔دارالسلام۔ڈلہوزی 14 اکتوبر 1938ء

نوجوانان سرحد اور جوبلی فنڈ: (14 اکتوبر 1938ء) ہم ایک سے زائد مرتبہ اس خیال کا اظہار کر چکے ہیں کہ سلور جوبلی کی تقریب کو کامیاب بنانے اور جوبلی فنڈ کی مقررہ رقم فراہم کرنے کے لئے حضرت امیر اید ہ اللہ تعالیٰ کے مطالبات کی روشنی میں جماعت کے بعض طبقات کو ضمنی تحریکات جاری کرنی چاہئیں۔ مثلاً خواتین سے جو مطالبہ کیا گیا ہے اس کو پورا کرنے کے لئے انجمن خواتین اپنے حلقہ عمل واثر کے اندر کوشش کرے۔ اسی طرح نوجوانان جماعت اپنے حلقہ عمل واثر کے اندر مصروف جدوجہد ہوں۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جوبلی فنڈ کی تحریک کے متعلق نوجوانان جماعت نے اپنی شایان شان بیداری وزندگی کا ثبوت اب تک نہیں دیا۔ حالا کہ اس بارہ میں انہیں سب سے پیش پیش ہونا چاہئے تھا۔ ان کی اس غفلت کی موجودگی میں صوبہ سرحد کے بعض نوجوانوں کی بیداری بہت دل خوش اور امید افزاء ہے۔ 8 اکتوبر کی اشاعت میں ہم ایک مراسلت درج کر چکے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چند ہفتے ہوئے احمدیہ مسجد مانسہرہ میں مقامی ینگ مین احمدیہ ایسوسی ایشن کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں سلور جوبلی فنڈ کے لئے نوجوانان جماعت سے اپیل کی گئی اور چند منٹ کے اندر ایک معقول رقم فراہم ہوگئی۔ بہت سے نوجوانوں نے غور وفکر کے لئے مہلت مانگی۔ امید ہے ان میں سے بھی اکثر اپنے عطیات کا اعلان کر چکے ہوں گے۔ نوجوانان مانسہرہ کی یہ مثال مرکزی ینگ مین ایسوسی ایشن اور اس کی تمام محو خواب شاخوں کے لئے لائق تقلید ہے۔ اس ایسوسی ایشن اور اس کی اکثر شاخوں کی موجودہ حالت تو ایسی ہے جیسے وہ لمبی تان کر سو رہے ہیں۔ ان کے عہدہ داروں کے خراٹوں کے علاوہ ان کی زندگی کا کوئی ثبوت نظر نہیں آتا۔ امید ہے ہمارے نوجوان دوست ان سچی باتوں پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں گے۔

17 اکتوبر 1938ء

ارشادات امیر

1۔صاحب جائداد اصحاب وصیت کریں اور وصیت کا کل مال نقدی یا جائداد کی صورت میں مگر کم سے کم پانچواں حصہ نقدی کی صورت میں ادا کریں۔ بشرطیکہ یہ عطیہ کسی صورت میں معطی کی ایک ماہ کی آمدنی سے کم نہ ہو۔

2۔دوسرے احباب کم سے کم ایک ماہ کی پوری آمدنی ادا کریں۔

3۔خواتین اپنے زیورات کا دسواں حصہ اس فنڈ میں دیں۔

نوٹ۔ جوبلی ایک لاکھ فنڈ میں وہی روپیہ لیا جائے گا جو ان شرائط کے مطابق ہو۔ جو ان شرائط کے مطابق نہ ہوگا۔ وہ انجمن کے معمولی چندے میں شامل سمجھا جائے گا۔محمد علی

☆

جو اصحاب جوبلی ایک لاکھ فنڈ میں حصہ لینے میں تساہل سے کام لے رہے ہیں وہ جماعت اور اس کے تبلیغ اسلام کے مقصد کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔پچیس سال اس کے لئے قربانیاں کرنے کے بعد اب اسے کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دینا اس شاخ کو کاٹنے کے مترادف ہے جس پر ہم بیٹھے ہیں۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا(92:16) خاکسار محمد علی

☆☆

کیا جماعت میں بیس کرم الٰہی نہیں؟: ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب نے پانچ ہزار روپیہ دے کر ایک لاکھ کا بیسواں حصہ دے دیا ہے۔ڈاکٹر صاحب موصوف سے دس بیس پچاس گنا زیادہ جائداد والے بیس سے زیادہ اصحاب جماعت میں یقیناً موجود ہیں۔اس نیک نمونہ پر عمل کرنے والے انیس اور اصحاب نکل پڑیں تو جماعت کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور تبلیغ اسلام کے کام کے لئے ایک مستحکم بنیاد بن جاتی ہے۔

محمد علی

26 اکتوبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

غفلت اور جمود کو دور کرنے کا سامان

ایک صاف شیشے پر سے اگر چند دن گرد وغبار صاف نہ کیا جائے تو وہ بالکل دھندلا پڑ جاتا ہے۔ یہی حالت انسان کے دل کی ہے اور اسی کا نتیجہ افراد اور جماعتوں کے اندر غفلت اور جمود کا آتے رہنا ہے۔ اس کو دور کرنے کا سامان مسلمانوں کو ماہ رمضان کی صورت میں دیا گیا ہے۔ ماہ رمضان مسلمانوں کے لئے ہر سال میں ایک مجاہدہ کا مہینہ ہے۔ احباب سے التماس ہے کہ وہ حسب ذیل طریقوں سے یہ تیس دن کا مجاہدہ پورا کریں۔

1۔ روزہ رکھ کر۔ روزہ کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ کسی قدر فاقہ کشی بھی کی جائے اور سحری کے وقت پھر شام کو معدہ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ اس طرح روزہ رکھنے سے جسمانی صحت کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور روحانیت بھی ترقی کرتی ہے۔

2۔ پچھلی رات کو تہجد کے لئے اٹھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں یہی طریق عمل تھا۔ اول شب میں تراویح بعد کا طریق ہے۔

3۔ نہ صرف خود اٹھیں بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی تہجد کے لئے اٹھائیں۔ خواہ کوئی دو رکعت ہی پڑے مگر سحری کھانے سے پیشتر ضرور نماز تہجد پڑھی جائے۔ آنحضرتؐ خود اپنی بیویوںؓ کو اٹھایا کرتے تھے۔ غفلت اور جمود کو دور کرنے کا اس سے بہتر سامان کوئی نہیں ہوسکتا کہ مستورات اور نوجوان سب اس تحریک میں شامل ہوں اور تاریک گھر ذکر الٰہی سے روشن ہو جائیں۔

4۔ نماز تہجد کے اندر دعائیں کریں اور دعاؤں کے ذریعے سے قرب الٰہی کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

5۔ جہاں تک ہو سکے صدقہ اور خیرات اس ماہ میں زیادہ کریں۔ آنحضرتؐ کے متعلق ہے كَانَ اَجْوَدُ مَايَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ رمضان میں سب سے بڑھ کر سخاوت کیا کرتے تھے۔

6۔ اپنی زبانوں کو ہر قسم کے جھوٹ، غیبت وغیرہ سے پاک رکھیں تاکہ ان کے مونہوں سے وہ خوشبو آئے جس کا ذکر حدیث نبویؐ میں ہے۔

7۔ بیمار اور مسافر روزہ کے سوائے باقی مجاہدات میں حصہ لیں۔

8۔ سب جماعتیں قرآن کریم کے درس کا انتظام ضرور کریں۔ محمد علی

18 اکتوبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

فریادِ درد

جوبلی کے سلسلہ میں پانچویں تحریک

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (44:40)

جو میں تمہیں کہتا ہوں کبھی یاد کرو گے اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

برادران مکرم! اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

15 ستمبر کو جوبلی کے سلسلہ میں چندہ کی تحریک شروع ہوئی۔ اور 15 اکتوبر تک یعنی ایک ماہ کے عرصہ میں اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ قریباً ساٹھ مردوں اور عورتوں کے دلوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ یعنی بارہ خواتین اور اڑتالیس مرد۔ اور ان ساٹھ دلوں کی حرکت سے جوبلی کی بنیاد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ قائم ہوگئی۔ یعنی قریباً اٹھارہ ہزار روپیہ نقد اور آٹھ ہزار کی جائداد یا کل چھبیس ہزار روپے کا مال انجمن کے ہاتھ میں آئے گا (یہ مضمون میں نے ڈلہوزی میں لکھا تھا۔ مگر آج 20 اکتوبر کو اخبار کے حوالہ کر رہا ہوں) یہ صرف ایک ماہ کے اندر ہوا ہے۔ جب صرف مجھ اکیلے بیمار کی آواز ڈلہوزی جیسے دور مقام پر بیٹھے ہوئے جماعت تک پہنچی۔

ہماری جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہے اور زندہ رہے گی: کون کہتا ہے خاکش بدہن کہ یہ جماعت مرگئی۔ یا یہ جماعت عاجز ہوگئی۔ یا رہ گئی۔ یا یہ جماعت مرسکتی ہے؟ یہ آواز صرف ابھی ان چند سو آدمیوں تک پہنچی ہے۔ جو اخبار ''پیغام صلح'' کے خریدار ہیں۔ ساٹھ آدمی چھبیس ہزار روپیہ اس غرض کے لئے گھروں سے نکال کر پھینک دیتے ہیں جس پر آج دنیا کے لوگ کان نہیں دھرتے۔ یعنی اسلام کی تبلیغ اور قرآن کریم کا دنیا میں پہنچانا۔ کیونکہ آج مسلمانوں کی آنکھیں بند ہو چکی ہیں۔ اور وہ دین کی راہ میں فدا نہیں ہوتے۔ مال نہیں لٹاتے جس راہ سے انہیں پہلے عظمت ملی تھی بلکہ سیاست کے سراب پر مرے جاتے ہیں۔ جہاں پہنچ کر لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا (39:24) یعنی اسے کچھ بھی نہیں پاتا کا نظارہ دیکھتے ہیں۔

کثرت کو بُت نہ بناؤ: میں نوحہ گروں کو بھی کہتا ہوں کہ خدا کے لئے اپنے نوحہ کو بند کرو۔ اور اس زندہ جماعت کو دنیا میں بطور نمونہ پیش کرو۔ ترقی کے لئے بے شک کوشش کرو۔ مگر کثرت کو بت مت بناؤ۔ اگر چالیس مؤمنوں کے ساتھ دنیا فتح ہوسکتی ہے تو ساٹھ کے ساتھ کیوں نہیں ہوسکتی؟!

ساٹھ نہیں پانچ ہزار سپاہی: مگر نہیں یہ ساٹھ نہیں۔ یہ انشاء اللہ پانچ ہزار ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے رؤیا میں ایک لاکھ سپاہی مانگے تھے۔ مگر آسمان سے حکم ہوا کہ ایک لاکھ نہیں پانچ ہزار دیئے جائیں گے۔ سواب میں لاہور جا رہا ہوں (اس کے علاوہ بھی کچھ وعدے ہیں۔ جو جوبلی کے متعلق ہیں۔ مگر ان کا مال جوبلی کے بعد انجمن کے ہاتھ میں آئے گا اور کچھ وعدے ایسے ہیں جن میں سے دو وعدے پانچ سو اور ایک سو روپے کے ہیں جو ایک ماہ کی آمدنی نہیں۔ اس لئے میں انہیں جوبلی میں شمار نہیں کرتا۔ ہاں وہ انجمن کی معمولی امداد میں شامل ہوں گے) اکیلا تو میں کسی کام کا بھی نہیں۔ اور پھر بیمار، شاید سفر کی صعوبتیں برداشت کرسکوں یا نہ کرسکوں۔ اگر چہ اس وقت مصمم ارادہ رکھتا ہوں کہ جو احباب اپنے آپ حرکت نہیں کرتے، ان کی جا کر منّت کروں۔ اور اگر میری بات نہ سنی جائے تو کسی سفارشی کو ساتھ لے جاؤں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ میرے ساتھ کم سے کم ایک سو کام کرنے والے اور اٹھیں گے۔ اور باقی دو ماہ میں، جو جلسہ سالانہ میں رہ گئے ہیں، اس تعداد کو پانچ ہزار تک پہنچا کر حضرت مسیح موعود کی اس رؤیا کو پورا کریں گے۔

پچیس سالہ دعاؤں کی قبولیّت کا وقت آ گیا ہے: مجھے میرے خدا نے موت کے مونہہ سے نکال کر اس دنیا میں واپس کیا۔ اور مجھے یہ امید ہے کہ میری پچیس سالہ گریہ وزاری اور پچیس سالہ دعاؤں کی، جو جماعت کے استحکام، قرآن کریم کو دنیا میں پھیلانے، اسلام کو دنیا میں غالب کرنے اور اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے میں نے کی ہیں، اور جس درد کو دوسروں سے پنہاں رکھا ہے، ان کی قبولیت کا وقت آ گیا ہے۔

یہ پانچ ہزار سپاہی کئی قسم پر منقسم ہوں گے۔ ان میں سے اگر میں بیس کرم الٰہی کی آرزو کروں تو مجھے امید ہے کہ میرا خدا میری مدد فرمائے گا۔ ''کرم الٰہی'' کون ہے؟ وہ لاکھ پتی نہیں۔ غریب یا زیادہ سے زیادہ متوسط الحال کہہ دو۔ مگر اپنی وصیّت کی کل رقم پانچ ہزار روپیہ جوبلی فنڈ میں دے دی۔ اے خدا!

تو مجھے انیس(19) اور کرم الٰہی عطا فرما۔تا کہ ایک لاکھ روپیہ اس طرح صرف تیرے کرم سے جمع ہو جائے۔نہیں۔یہ چھوٹی سی آرزو ہے۔خدا کے فضل سے اس جماعت میں وہ دوست بھی ہیں، جو اہل دل ہیں۔جو اگر وصیت کریں تو پانچ نہیں، پچاس ہزار روپے کی رقم ایک ہی دوست دے سکتا ہے۔اے خدا! تو ان دوستوں کے دلوں میں دنیا کے مال کی محبت کو ٹھنڈا کر کے اپنے دین کی محبت کی وہ آگ مشتعل فرما جو سارے خس وخاشاک کو جلا دے۔سارے اعتراضات کو بھسم کر دے۔سینوں کی تنگی کو دور کر کے انہیں فراخ کر دے۔اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیْرٌ(26:3)

☆اے صاحبانِ مال! میں کن الفاظ میں آپ سے اپیل کروں۔ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ (13:26) آپ کے شرح صدر نہ ہونے کے عذر نے میرے سینے کو تنگ کر دیا۔آپ کی خاموشی میری زبان بند کر رہی ہے۔اس لئے پھر اے مولیٰ! تیرے آگے ہی گرتا ہوں۔رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ. وَیَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ. وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ. یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ (20:25-28)

☆ حضرت مسیح موعود کے الفاظ (بحوالہ مرثیہ تفرقہ حالت اسلام) میں اپیل کروں ؎

اے مُسلماناں، چہ آثارِ مسلمانی ہمیں سُت؟ دِیں چُنیں ابتر، شما در جیفۂ دنیا رہیں

کاخِ دُنیارا، چہ استحکام در چشمِ شُماسُت؟ یا مگر، از دِل برُوں کر دید، موتِ اوّلیں

☆ یا سید البشر حضرت محمد مصطفیٰؐ کے الفاظ میں اپیل کروں:

اُقْسِم بِا للّٰہِ مَانَقَصَ مَالٌ مِّنْ صَدَقَةٍ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خدا کی راہ میں دینے سے گھاٹا نہیں پڑتا۔

☆ یا خداوند عالم کی آواز آپ کے کانوں تک پہنچاؤں :اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّةَ (111:9) ترجمہ: ''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں(اس کے) بدلہ میں کہ اُن کے لئے جنت ہے۔''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (15:49) ''مومن صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، پھر کچھ شک نہیں کرتے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔''اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ فَالَّذِیْنَ

اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ (7:57) ''اس سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں (اپنا) نائب بنایا ہے سو جو لوگ تم میں سے ایمان لاتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں ان کے لئے بڑا اجر ہے۔''

ایک قابل غور امر: آپ خدا کی راہ میں دینے میں تأمل کرتے ہیں۔ اس کے دونوں پہلو ہی ہو سکتے ہیں۔ کہ یہ مجھ میں یا انجمن میں بعض نقائص کی وجہ سے ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ آپ کے دلوں میں مال دنیا کی محبت کی وجہ سے ہو۔ اگر پہلی صورت ہے تو آپ کے مال دے دینے سے آپ کا ثواب کم نہیں ہو جائے گا۔ حدیث میں ایک شخص کا ذکر آتا ہے کہ اس نے خیرات کی تو پہلے دن اس کا مال ایک فاحشہ کے ہاتھ میں چلا گیا۔ پھر خیرات کی تو اس کا مال ایک چور کے ہاتھ میں چلا گیا۔ پھر خیرات کی تو اس کا مال ایک غنی کے ہاتھ میں چلا گیا۔ تو اسے بتایا گیا کہ تمہارا ثواب ضائع نہیں ہوا۔ سو اگر باوجود میرے یا انجمن کے نقائص کے بھی آپ دیں گے، تو آپ کو بہرحال ثواب مل جائے گا۔ لیکن اگر دوسری وجہ ہے تو پھر یہ بڑے خسارے کا موجب ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری مشابہت ان لوگوں سے ہو جائے جن کے متعلق فرماتا ہے:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۔ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ (14-13:57) یعنی جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے ہمارا انتظار کرو، ہم بھی تمہارے نور سے (روشنی) لیں۔ کہا جائے گا اپنے پیچھے کو لوٹ جاؤ اور نور تلاش کرو۔ پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی اس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے اندر کی طرف رحمت ہے اور اس کے باہر کی جہت سے عذاب ہے۔ انہیں پکاریں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ کہیں گے ہاں، لیکن تم نے اپنی جانوں کو فتنے میں ڈالا اور انتظار کرتے رہے اور شک میں پڑے رہے اور تمہیں آرزوؤں نے دھوکے میں رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا۔

سب سے بڑا طاغوت مال کی محبت ہے۔ اس سے بچو: میرے دوستو! میں سچ کہتا ہوں کہ وہ

تزکیہ نفس، جسے آپ دل سے چاہتے ہیں، اور جس کے لئے طرح طرح کی تجویزیں کرتے ہیں، وہ نور، جسے آپ خدا کی عبادت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ تب ہی مل سکتا ہے کہ مال کی محبت دل سے نکل جائے۔ اور اسے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے شرح صدر حاصل ہو! یہ مال ایک رحمت بھی ہے۔ کہ اس سے مشکلات حل ہوتی ہیں۔ مگر جب اس سے محبت بڑھ جائے تو یہ ایک لعنت بن جاتی ہے۔ اس کی محبت انسان کو مجنوں بھی بنا دیتی ہے۔ سود خوری سے کیوں روکا؟ تا کہ مال کی محبت سے انسان الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (275:2) (یعنی جسے شیطان نے چھوکر باؤلا بنا دیا ہو) کا مصداق نہ ہو جائے۔ اگر مسلمانوں کے دلوں میں مال کی وہ محبت موجود ہے کہ وہ خدا کے رستے میں اسے خرچ نہیں کر سکتے تو سود چھوڑ کر انہوں نے فائدہ کچھ نہیں، نقصان ہی اٹھایا ہے۔ سوڈرنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو، ہمارے دلوں میں مال کی محبت اس حد تک پہنچ گئی ہو، کہ وہ بجائے رحمت کے، ہمارے لئے لعنت بن جائے۔ بجائے حل مشکلات کے، وہ ہمیں ظلمتوں میں مبتلا کر دے۔ تمام طاغوتوں سے بڑا طاغوت یہی مال کی محبت ہے۔ لہٰذا اس سے بچو! بچو!! بچو!!!

استحکام جماعت پر خرچ کرنے کے لئے عذر تلاش نہ کرو: ہاں! یہ بھی غور کیجئے کہ اب تک جس غرض کے لئے آپ ہزار ہا روپے خرچ کر چکے، اس سے اب آپ دستکش ہو جائیں گے۔ پچاس ہزار کا مال وصیّت میں دے دینا۔ یا پانچ ہی سہی کسی کو بہت بڑا نظر آتا ہے، تو وہ حساب کرے کہ پچیس سال میں وہ کس قدر خرچ کر چکا ہے! جس تعمیر پر اس پچیس سال میں قوم پچاس لاکھ روپے سے زیادہ خرچ کر چکی ہے، کیا آج اس کے استحکام کے لئے پانچ لاکھ کر لینا کچھ بڑی بات ہے؟ خود آپ اپنے گھر میں حساب کر لیں۔ کہ اس سودے پر آپ کا کتنا روپیہ پہلے لگ چکا ہے، تو اب جب اس کے نفع کا وقت قریب ہے، کیا اب تھوڑا سا اور لگانے کے لئے عذر تلاش کرنا مناسب ہے؟ اگر یہ راستہ بُرا تھا۔ اگر اس پر آپ کا اطمینان نہ تھا، تو پچیس سال کیوں اس پر آپ میں سے ایک ایک نے ہزار ہا روپے خرچ کئے؟ ہاں شائد پچاس پچاس ہزار بھی خرچ کئے ہوں۔ تو اب دس یا پانچ ہزار روپے دینے سے کیوں گھبراتے ہیں؟

اپنے ہاتھ سے ایک صدقہ جاریہ کی بنیاد رکھ جاؤ: ہاں! دین کی بے کسی کی آواز، جس نے پہلے

آپ کو خواب سے بیدار کیا تھا، اور آپ پر یہ حقیقت واضح کی تھی کہ خدا کے دین کے لئے خرچ کرنے میں ہی حقیقی راحت ہے، وہی آج پھر آپ کو بلا رہی ہے۔ کہ اٹھو! ذرا اپنے مرنے سے پہلے، اور موت کا وقت کسے معلوم ہے، اپنے ہاتھ سے ایک صدقہ جاریہ کی بنیاد رکھ جاؤ۔ جس کا ثواب آپ کو مرنے کے بعد ملتا رہے۔ دین آج بھی بے کس ہے۔ قرآن کو آج بھی دنیا میں پہنچانے کی ضرورت ہے۔ کیا آپ کو اپنی انجمن پر اعتماد نہیں؟ دیکھ لیجئے کہ مسلمانوں کو ہر انجمن میں خیانتیں ہوئیں۔ مگر یہ خدا کا فضل ہے کہ آپ کی انجمن میں خیانت کوئی نہیں ہوئی۔ پس آپ کے مال اس وقت تو محفوظ ہیں، آئندہ کو کوئی نہیں جانتا۔ چاہے دنیا کے لئے مال چھوڑے یا دین کے لئے چھوڑے!

صاحب اولاد دین کو ایک بیٹے کی طرح سمجھ لیں: ہاں! آپ صاحب اولاد بھی ہیں۔ اور آپ کو خوشی ہے کہ یہ مال آپ کی اولاد کے ہاتھ نہیں جائے گا۔ تو کیا جس کا ایک بیٹا ہے، اس کو اگر دوسرا بیٹا دیا جائے، تو وہ اسے خدا کا فضل نہیں سمجھتا؟ اور خوش نہیں ہوتا؟ جس کے دو ہیں، اسے تیسرا ملتا ہے تو وہ اور خوش ہوتا ہے! حالانکہ ان بیٹوں کا مال تو کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ تو خدا کے دین کو ایک بیٹے کی طرح سمجھ لیں۔ اور اسے دو کے ساتھ تیسرا اور تیسرے کے ساتھ چوتھا حصہ دار بنا دیں!

پانچ سو ''نصیر احمد'' کی آرزو: ان پانچ ہزار میں کچھ اور بھی ہیں۔ جو صاحب جائداد تو نہیں، مگر صاحب مال ضرور ہیں۔ اور وہ اپنی معمولی سی قربانی سے قوم کے استحکام کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا میں پانچ سو ''نصیر احمد'' کی آرزو بھی رکھتا ہوں۔ نصیر احمد کون ہے؟ اس نے اپنی ایک ہزار ماہوار کی تنخواہ کو سب سے پہلے اور پوری شرح صدر سے پیش کر کے ایک نیک نمونہ قائم کیا۔ اس سے پہلے بھی بعض دوستوں نے اپنی ایک ایک ماہ کی آمد پیش کی۔ ان میں سے بعض بہت غریب ہیں۔ جو مشکل سے اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے اپنے پیٹ کاٹ کر دیا۔ جن میں سے کئی ایک کا ذکر میں مختلف اوقات میں کر چکا ہوں، یہ سب نصیر احمد ہیں۔ اور دین کے مددگار ہیں۔

بڑی تنخواہ والوں سے ایک بات: یہ نام میں نے اس لئے پیش کئے ہے کہ جن لوگوں کو بڑی بڑی تنخواہیں ملتی ہیں، خدا کی شان ہے کہ وہی خدا کی راہ میں دیتے وقت یہ سوچنے لگ جاتے ہیں کہ ہمارا گزارہ کس طرح ہوگا؟ مگر جس کے سامنے دین احمدؐ کی نصرت کی مانگ آجائے، اسے یہ نہیں سوچنا

چاہیئے۔ وہ اپنے بھائی سے اپنے آپ کو برتر کیوں بناتا ہے؟ مثلاً اگر وہ پندرہ سو روپے ماہوار لے کر مشکل سے گزارہ کرتا ہے، تو کیا اس کا بھائی جو ایسا ہی معزز ہے، پانچ سو یا دو سو ماہوار میں گزارہ نہیں کرتا؟ بلکہ پچاس میں گزارہ نہیں کرتا؟ تو پھر اپنے آپ کو یہ فوقیت دینے کے کیا معنی کہ ہمارا گزارہ ایک سال کے لئے پندرہ سو کی بجائے پونے چودہ سو میں نہیں ہوسکتا! ہزار کی بجائے نو سو میں نہیں ہوسکتا۔ پانچ سو کی بجائے ساڑھے چار سو میں نہیں ہوسکتا۔ دو سو کی بجائے پونے دو سو میں نہیں ہوسکتا۔ مگر ہمارا دوسرا بھائی جو اتنی ہی، شائد اس سے بھی بڑھ کر ذمہ داریاں اپنے ساتھ رکھتا ہے، ایسا ہی معزز ہے، ایسی ہی اس کی عزت بھی ہوتی ہے، ساری عمر ڈیڑھ سو میں گزارہ کر لیتا ہے۔ یا کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ایک ماہ کی پوری آمد کے پانچ سو یا ایک ہزار یا پندرہ سو روپیہ کیوں دیں؟ جب ہمارے دوسرے بھائی دس دس پچاس پچاس سو سو بھی دے کر قربانی کر سکتے ہیں تعجب ہے کہ وہ ایک دفعہ پانچ سو یا ہزار روپے دینے سے گھبراتے ہیں۔ اور خدا اپنے فضل سے انہیں ہر ماہ اس قدر دیتا ہے!

ایک ماہ کی آمد دینے والوں کی تعداد اور کیفیّت: اب تک ایسے اصحاب، جنہوں نے اپنی پوری ایک ماہ کی آمد پیش کی ہے، ان کی تعداد چوبیس ہے۔ اور ان کے مجموعی چندہ کی تعداد 4600 کے قریب ہے۔ گویا بڑی اور چھوٹی تنخواہوں والوں کو ملا کر اوسط فی کس ایک سو روپے سے زیادہ قریباً سوا سو روپیہ ہے۔ اس لئے اگر پانچ سو ایسے دوست اپنی پوری ایک ماہ کی آمد دے دیں تو پچاس ہزار روپے اس ذریعے سے ہو سکتے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ تعداد پانچ سو سے کم نہیں، اوپر ہی ہوگی۔ میں پہلے بھی دوہرا چکا ہوں۔ پھر دوہراتا ہوں کہ ایک ماہ کی آمد سے کم جو دوست دیں گے، وہ جوبلی فنڈ میں شمار نہیں ہو گی۔ انجمن کی معمولی امداد میں شکریئے کے ساتھ قبول کی جائے گی۔

خواتین کا طبقہ: تیسرا طبقہ اس پانچ ہزار میں ہماری خواتین کا ہے۔ اب تک بارہ خواتین نے اس تحریک میں حصہ لیا ہے۔ اور ان کے چندہ کی مجموعی تعداد 660 روپے کے قریب ہے۔ اس طرح ان کی اوسط پچاس روپے سے اوپر ہے۔ ان بارہ میں وہ بھی ہیں، جنہوں نے دسواں حصہ بھی دیا ہے۔ ایک باہمّت خاتون نے نصف بھی دے دیا ہے۔ بعض نے دسویں حصہ کی وصیّت کر کے اس کا کچھ حصہ نقد پیش کیا ہے۔ پس اگر پانچ خواتین بھی اس وقت قدم اٹھائیں۔ اور یہ تعداد زیادہ نہیں، تو پچیس ہزار

روپے اس ذریعے سے آنے کی امید ہوسکتی ہے۔

نوجوانوں یعنی طلبہ کا طبقہ: چوتھا طبقہ نوجوانوں کا ہے۔ یعنی وہ طالب علم جو کالجوں اور سکولوں وغیرہ میں تعلیم پاتے ہیں۔ ان کی کم سے کم شرح چندہ دس روپے فی طالب علم کالج، پانچ روپے فی طالب علم سکول اور پچیس روپے فی طالب علم ولایت ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ اکثر حالتوں میں ان کے والدین پر بوجھ ہوگا۔ لیکن جہاں وہ ان کی تعلیم کے اخراجات برداشت کرتے ہیں، وہاں یہ بھی کریں۔ اور کوشش یہ ہو کہ یہ ان کے جیب خرچ سے وصول کیا جائے۔ اور ضرورت ہو تو جوبلی کے دو تین ماہ بعد بھی یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔

زمینداروں کا طبقہ: پانچواں طبقہ زمینداروں کا ہے۔ جو زمیندار وصیّت کریں، وہ وصیّت کے اصول کے ماتحت عمل پیرا ہوں۔ جو وصیّت نہ کریں اور بیس پچیس ایکڑ سے زیادہ زمین ان کی نہیں، ان میں سے ہر ایک کو دس روپے جوبلی فنڈ میں دینے چاہئیں۔ اس سے کم رقم انجمن کی معمولی امداد میں شمار ہو گی۔ ہاں! جو بہت ہی غریب ہیں، وہ جس قدر دے سکیں، دیں۔ لیکن جو شخص دس روپے کسی اپنی دنیوی غرض کے لئے خرچ کرسکتا ہے، وہ خدا کی راہ میں دس روپے دینے سے بخل نہ کرے۔ چوتھے اور پانچویں طبقہ کی تعداد ایک ہزار تک پہنچائی جاسکتی ہے۔ اور اگر کوشش کی جائے تو دس ہزار روپیہ اس طبقہ سے بھی وصول ہوسکتا ہے۔

31 اکتوبر تک دوست اطلاع دیں: بہرحال یہ سب ابھی امید کے رنگ میں ہے۔ جو امر واقع ہے وہ یہ ہے کہ اٹھارہ ہزار روپے نقد پیش ہو چکے ہیں۔ اور آٹھ ہزار کا مال وصیّت۔ اور میں چاہتا ہوں کہ 31 اکتوبر کو ایک فہرست مکمل ان احباب کی شائع ہو جائے، جو اس بارے میں سبقت سے کام لیں۔ تا کہ دوسروں کے لئے یہ تحریص کا موجب ہو۔ میری آرزو ہے کہ اس فہرست میں سب اراکین جنرل کونسل ضرور شامل ہوں۔ آخر میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو صاحب وصیّت کریں، وہ اگر نقد پیش نہیں کر سکتے، تو جوبلی کے موقعہ پر جائداد پیش کر دیں۔ وہ بھی نقد کی طرح ہی سمجھی جائے گی۔ لیکن 31 اکتوبر سے پہلے وہ ضرور اس کا فیصلہ کر لیں۔

جوبلی کا چندہ صرف مذکورہ شرائط کے ماتحت لیا جائے گا: میں پھر اسی بات کو دوہراتا ہوں کہ جوبلی کا

چندہ صرف ان شرائط کے ماتحت لیا جائے گا۔ جو دوست ان شرائط کے مطابق نہیں دیتے، ان کی رقوم انجمن کی معمولی اعانت میں ڈال دی جائے گی۔ کیا بعید ہے کہ کوئی ظاہری نشان بھی قائم کیا جائے۔ جس میں جوبلی میں حصہ لینے والوں کے کام ایک یادگار کے رنگ میں رہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے نام لکھے ہوئے ہی ہیں۔ والسلام۔ محمد علی ڈلہوزی۔ 18 اکتوبر 1938ء

جوبلی کے چندہ کی پہلی فہرست: (4 نومبر 1938ء) جب میں ان حالات پر غور کرتا ہوں جو جوبلی کی تحریک کے وقت میرے سامنے تھے اور پھر اس قلیل جماعت کو دیکھتا ہوں۔ جو فتنوں کے اس زمانے میں حفاظت و تبلیغ اسلام کے پاک اور بلند مقصد کو سامنے رکھے ہوئے ہے تو میرا دل اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر سے بھرا ہوا بے اختیار آستانہ الٰہی پر گر جاتا ہے کہ اس نے محض اپنے فضل سے اس قدر نصرت فرمائی کہ ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں قریباً ایک سو مردوں اور چالیس خواتین کے دلوں میں تبلیغ دین کا ولولہ پیدا کر کے ستائیس ہزار کے قریب نقد رقم اور ساٹھ ہزار سے اوپر جائداد کا، جو تبلیغ اسلام کے لئے وقف ہو کر ایک صدقہ جاریہ کا کام دے گی، انتظام کر دیا۔ ان اصحاب کے اسمائے گرامی دینے سے پہلے جنہوں نے یہ قربانیاں کر کے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے نمونے کو زندہ کر دیا ہے میں چند تشریحی الفاظ ہر ایک فہرست کے متعلق لکھنا چاہتا ہوں۔

1۔ فہرست الف۔ ان اصحاب کی ہے جو جوبلی کے موقعہ پر نقد روپیہ دیں گے۔ اس میں اس وقت تک کل 95 اصحاب کے نام آئے ہیں۔ یہ دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ اصحاب ہیں جنہوں نے اپنی وصیت کی کل رقم اور کم سے کم اس کا پانچواں حصہ اپنی زندگی میں ہی نقدی کے رنگ میں انجمن کو دے دیا ہے۔ بشرطیکہ یہ رقم کسی صورت میں ان کی ماہوار آمدنی سے کم نہ ہو۔ دوسرے وہ اصحاب ہیں جنہوں نے اپنی ایک ماہ کی آمدنی چندہ میں دی ہے۔ صرف دو اصحاب ایسے ہیں جنہوں نے رقوم جمع کر کے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ان سب کے عطیہ جات کی مجموعی میزان 24113 روپے ہے۔ وصایا میں بڑی سے بڑی رقم ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب کی ہے جو پانچ ہزار روپے ہے۔ اور ماہوار آمدنی میں بڑی سے بڑی رقم مسٹر این۔ اے فاروقی کی ہے جو 881 روپے ہے۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وصایا بہت زیادہ مالیت کی ہیں۔ اس فہرست میں صرف ان وصیت کنندگان کے نام آئے ہیں جنہوں نے کوئی حصہ نقدی کے رنگ

میں جوبلی کے موقعہ پر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ میں دیگر وصیت کنندگان سے بھی یہی التجا کروں گا کہ وہ اپنی وصایا کا کچھ حصہ نقد ادا کر کے جوبلی فنڈ کو مضبوط کریں۔ ماہوار آمدنی کی صورت میں چندہ دینے والوں میں مَیں نے ان اصحاب کے نام شامل نہیں کئے۔ جن کے عطیہ کی رقم میرے علم میں ان کی ماہوار آمدنی سے کم تھی۔ ان میں ایک گراں قدر رقم پانچ سو روپے کی ہے اور تین رقوم 100 و 160 اور 200 کی ہیں اور ان سب رقوم کی کل میزان۔ ایک سو سات روپے آٹھ آنے ہے۔ میں ان اصحاب سے خط و کتابت کر رہا ہوں کہ وہ جماعت کے نظام کے ماتحت قربانیاں کر کے اپنے اپنے عطیہ جات کو ماہوار آمدنی کے مطابق کر دیں اور میں دوسرے احباب سے بھی یہ گزارش کروں گا کہ کوئی دوست جوبلی فنڈ میں ایک ماہ کی آمدنی سے کم نہ دیں۔ ورنہ ایک تو نظام ٹوٹ جائے گا اور دوسرے ایک لاکھ روپیہ نقد جمع ہونے کی کوئی توقع نہیں ہوسکتی۔

2۔ فہرست ب میں ان خواتین کے نام ہیں جنہوں نے یا تو اپنے زیور کا یا مال کا دسواں حصہ یا اس سے زیادہ جوبلی کے چندہ میں دیا ہے اور یا دسویں حصہ کی وصیت کر کے اس کا معتد بہ حصہ جوبلی کے موقع پر دیا ہے۔ یہ فہرست اس لحاظ سے ناقص ہے کہ بہت سی خواتین نے اس بات کی تصریح نہیں کی کہ وہ اپنے زیور یا مال کا دسواں حصہ دے رہی ہیں یا نہ۔ آخری فہرست چندہ جوبلی میں صرف ان خواتین کے نام ہوں گے۔ جو دسویں حصہ کی شرط کو پورا کریں گی۔ سردست اس فہرست میں کل 39 نام ہیں اور ان کے کل چندہ کی میزان 1655 روپے ہے۔

3۔ فہرست ج ان اصحاب کی ہے جنہوں نے جوبلی کے موقعہ پر جائداد حوالہ انجمن کر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ خواہ وہ وصیت کے رنگ میں ہو یا وقف کے طور پر۔ ایسے اصحاب کی کل تعداد 7 ہے اور کل جائداد 60750 روپے ہے جس میں سے 49000 کی جائداد صرف ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہے۔ جزاہ اللہ خیرا۔ یہ اصحاب اس کے علاوہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق نقد رقم بھی جوبلی کے موقعہ پر داخل کریں گے۔

4۔ فہرست د ان بچوں اور نوجوانوں کی ہے جو دس یا پانچ پانچ روپے کی رقوم داخل کر رہے ہیں اور یہ سب فہرستوں سے کمزور فہرست ہے یعنی صرف نو نام ہیں اور ستر روپے کی رقم ہے۔ اس

کی وجہ صرف والدین کی عدم توجہی ہے۔ جنہوں نے اپنے بچوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

میں اس پر صرف اس قدر بڑھانا چاہتا ہوں کہ ان ڈیڑھ سو اصحاب نے جنہوں نے یہ قربانی کی ہے درحقیقت جماعت کی رہنمائی کا قدم اٹھایا ہے اور جو اصحاب اب تک خاموش ہیں وہ اپنی خاموشی سے جماعت کے حوصلوں کو پست کر رہے ہیں۔ گو یہ بالکل ممکن ہے کہ ان کے دلوں میں ان قدم اٹھانے والوں سے بھی بڑھ کر جوش ہو۔

دوسری فہرست میں عید کے موقعہ پر شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ اس وقت تک ڈیڑھ سو نہیں ہزار آدمی باہر نکل آئے گا اور اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم اپنے مقصد کے بہت قریب پہنچے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہ ابتدائی فہرست بنیاد کے طور پر ہے اور اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ایک قلیل جماعت کے چھوٹے سے حصہ نے، جس میں سوائے ایک دو اصحاب کے ابھی غربا ہی آئے ہیں، اتنا بڑا قربانی کا کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کر دیا ہے جس کی نظیر اس زمانے میں تلاش کرنے سے بھی نہیں ملے گی۔

خاکسار محمد علی

مسلم ٹاؤن۔ لاہور

2 نومبر 1938ء

☆ تذکرہ فہرستوں کا اندر رخ پیغام صلح کے متعلقہ شمارے میں تفصیل سے درج ہے۔

(مرتب)

9 نومبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

میں نے مکان کیوں تبدیل کیا؟

لاہور تشریف لانے والے احباب سے ایک گذارش

مسلم ٹاؤن کا محل وقوع: جیسا کہ احباب کو اخبار کے ذریعے سے معلوم ہو چکا ہے میں نے اس سال ڈلہوزی سے واپس آ کر مسلم ٹاؤن اچھرہ میں سکونت اختیار کی ہے۔ یہ آبادی، جس کی بنیاد آج سے بہت سال پیشتر ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے رکھی تھی، فیروز پور روڈ پر نہر کے کنارے ہے اور احمدیہ بلڈنگس سے اس کا فاصلہ قریباً پانچ میل ہے۔

احمدیہ بستی کے آباد کرنے کی غرض: اس آبادی کا ایک حصہ احمدیہ بستی کے نام سے موسوم تھا۔ جس میں بہت سے احمدی احباب نے مکانات بنانے کے لئے زمین لی تھی اور اسی کے قریبا قریباً نصف میل کے فاصلے پر اب انجمن نے بھی ایک وسیع ٹکڑا زمین کا لیا ہے۔ اور بہت سے دوسرے احباب نے بھی وہاں زمینیں لی ہیں جو مجھے یقین ہے کہ عنقریب آباد ہو کر جماعت کے لئے ترقی کا ذریعہ بنیں گی۔ اس احمدیہ بستی کی آبادی کی بنیاد ڈالنے کی غرض یہ تھی کہ احمدیہ بلڈنگس میں ایک بڑھتے ہوئے سلسلہ کی ضروریات کی توسیع کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی اور بہت سے احباب کا یہ خیال تھا کہ ایک جگہ اپنی بستی بنانے میں جماعت کے استحکام کی بھی ایک صورت ہے۔ مگر ابھی تک ایسے حالات پیدا نہیں ہوئے کہ یہ غرض پوری ہو سکے۔ گو جماعت کے چند دوست یہاں جمع ہو گئے ہیں اور مسجد بھی شاہ صاحب نے بنا دی ہے۔ جہاں اب با قاعدہ جماعت ہوتی ہے۔

میری علالت اور ڈاکٹروں کی رائے: ابھی وہ حالات پیدا نہ ہوئے تھے کہ میں احمدیہ بلڈنگس کو چھوڑتا اور اس نئی آبادی میں سکونت اختیار کرنا موزوں ہوتا۔ مگر سال گذشتہ یعنی 1937ء کے شروع میں جلسہ سالانہ کے چند دن بعد ہی میرے اندر ایک مرض پیدا ہو گیا۔ جسے پہلے میں معمولی سمجھتا رہا۔ مگر جون میں جب میں ڈلہوزی چلنے کے لئے تیار تھا تو وہ بیماری ترقی کر چکی تھی اور ڈاکٹروں نے اس رائے کا

اظہار کیا کہ اس کی وجہ ٹیوبرکل ہے۔خیال تھا کہ ڈلہوزی جا کر اس میں افاقہ کی صورت ہو جائے گی۔مگر خلاف توقع وہاں پہنچ کر یہ بیماری اور بھی ترقی کر گئی اور میں قریباً ڈیڑھ یا دو ماہ بستر پر رہا۔اس کے بعد اس میں قدرے افاقہ ہو گیا۔لیکن اسی بات پر میرے سب معالجوں کا اتفاق تھا کہ بیماری کی وجہ ٹیوبرکل ہے۔ان حالات میں میں مجبور ہو گیا کہ کھلی ہوا میں سکونت کا کوئی انتظام کروں۔اس کے بعد گذشتہ مئی میں جو بخار شروع ہوا اور جولائی کی ابتدا تک اس کا سلسلہ جاری رہا۔اس میں بھی ہمارے محترم دوست ڈاکٹر غلام محمد صاحب کی یہ قطعی رائے تھی کہ اس کی وجہ بھی ٹیوبرکل ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اس نے عین مایوسی کے وقت میری دستگیری فرمائی اور از سر نو زندگی عطا فرمائی۔لیکن ان حالات میں اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔سوائے اس کے کہ میں کھلی ہوا میں سکونت اختیار کرتا۔

تبدیل مکان کی غرض علاج اور حفظ ماتقدم ہے: میرے لئے خود یہ آسان امر نہ تھا کہ جس مکان میں میری زندگی کے کئی سال گزر گئے تھے اور جس پر میں نے خود بھی اسے اپنی رہائش کے قابل بنانے کے لئے اور ضروریات کو مہیا کرنے کے لئے بہت سا خرچ کیا تھا۔اسے اس وقت چھوڑ کر دوسری جگہ جاتا۔لیکن علاج اور حفظ ماتقدم کو چھوڑنا بھی قوانین الٰہیہ کے خلاف ہوتا۔اس لئے میں باہر ایک مجبوری کے ماتحت آیا ہوں۔میں ابھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کیا اس تبدیل مکان سے واقعی مجھے فائدہ ہوگا یا نہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔مگر کوشش کرنا میرا کام تھا تا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو میں کچھ دن اور خدمت کر سکوں۔اس میں شک نہیں کہ جو خدمت میں احمدیہ بلڈنگس میں رہ کر کر سکتا تھا وہ یہاں میسر نہیں۔علاوہ اور سہولتوں کے جو دوست یا ملاقات کرنے والے باہر سے آتے تھے۔انہیں میں ہر وقت مل سکتا تھا۔مگر یہاں یہ صورت نہیں۔لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ کچھ ان بیماریوں کی وجہ سے جن کے حملے گذشتہ دو سال سے مجھ پر ہو رہے ہیں اور کچھ بتقاضائے عمر میں اب اس قدر محنت بھی برداشت نہیں کر سکتا جس قدر پہلے کر سکتا تھا۔اور باہر رہ کر مجھے دفتر کے کام سے بھی نسبتاً فراغت میسر ہوگی اور ویسے بھی زیادہ آرام کر سکوں گا۔اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ میرے احباب اس تبدیل مکان میں مجھے معذور سمجھیں گے۔

میرا دل اب بھی احمدیہ بلڈنگس میں ہوتا ہے: یہ سچ ہے کہ میری سہولت میرے ان احباب کے

لئے تکلیف کا موجب ہوگی جو مجھ سے ملاقات کے لئے آئیں۔لیکن میں امید کرتا ہوں کہ وہ میری بیماری اور معذوری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس تکلیف کو میری خاطر برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ میں انہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرا دل اب بھی احمدیہ بلڈنگس میں ہی ہوتا ہے اور میری یہ خواہش ہے کہ میری زندگی ان دوستوں کی معیت میں گزرے جن کے ساتھ میں نے بائیس سال احمدیہ بلڈنگس میں رہ کر تعلقات پیدا کئے ہیں اور میری موت بھی انہی کے ہاتھوں میں ہو۔ بلکہ میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ جب میں مروں (اللہ تعالیٰ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کو خدمت دین اور جماعت کی رہنمائی کے لئے تادیر صحت وتوانائی کے ساتھ سلامت رکھے آمین۔) تو میرا جنازہ اسی احمدیہ بلڈنگس کی مسجد میں پڑھا جائے اور اسی مقام پر میری میت ہو جہاں میں شب وروز کھڑا ہو کر اپنے دوستوں کو خدمت اسلام کے کام کی طرف توجہ دلاتا رہا ہوں اور جہاں قادیان کے بعد میری زندگی کی بہترین گھڑیاں گزری ہیں۔

احباب سے گزارش: ہاں ان حالات میں میں اپنے احباب سے یہ گزارش ضرور کروں گا کہ جب کبھی بھی وہ اس قدر تکلیف کریں کہ لاہور آئیں تو تھوڑی سی تکلیف اور اٹھا کر مجھے بھی اپنی ملاقات سے مشرف کیا کریں۔ کیونکہ ان مخلص احباب کی ملاقات سے، جو محض رضائے الٰہی کے لئے جمع ہوتے ہیں، میرے دل کو راحت اور قوت پہنچتی ہے۔ میری ملاقات میں میرے دوستوں کی تکلیف اب بڑھ گئی۔ مگر اسی قدر ان کا ثواب بھی بڑھ گیا اور میری محرومی ان کے لئے ازدیادِ ثواب کا موجب ہوگئی ہے۔ شاید ان کا بھی ایک امتحان مقصود ہے کہ وہ پہلے لاہور آتے ہیں تو اکثر دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے دنیا کے کسی کام کے لئے آتے ہیں۔ مگر اب جو انہیں مزید سفر کرنا پڑے گا۔ اس میں محض رضائے الٰہی مدنظر ہوگی اور اسی قدر خلوص زیادہ ہوگا۔ میری یہ خواہش تھی کہ میں روزانہ ایک وقت مقرر کرکے احمدیہ بلڈنگس میں چلا جایا کرتا اور ڈیڑھ دو گھنٹے اپنے وقت کے وہاں صرف کرتا۔ مگر میرے احباب نے موجودہ حالت میں اسے پسند نہیں کیا۔

احمدیہ بلڈنگس میں مولانا صدرالدین صاحب کی سکونت: اس قدر اور بڑھانا چاہتا ہوں کہ گو وہ جگہ، جو ہمارے بعض دوست دوسرے عالم میں جا کر خالی کر چکے ہیں، احمدیہ بلڈنگس میں اب خالی ہی

نظر آتی ہے۔ مگر جس جگہ کو میں نے چھوڑا ہے وہاں اللہ کے فضل سے وہی انتظام موجود ہے جو میرے وہاں ہوتے ہوئے تھا۔ یعنی مولانا صدرالدین صاحب نے اسی مکان میں سکونت اختیار کر لی ہے اور اب وہاں کی رونق میں اللہ کے فضل سے ان کی موجودگی سے کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے درس قرآن سے، جواب بارہ مہینے وہاں باقاعدہ ہوگا، یہ رونق ترقی کر جائے گی اور جماعت کے لئے قوت کو موجب ہوگی۔ خاکسار محمد علی 9 نومبر 1938ء

غازی مصطفیٰ کمال اتاترک کی وفات پر جماعت احمدیہ کا اظہار افسوس: غازی مصطفیٰ کمال اتاترک مرحوم کی وفات کی افسوسناک اور رنج دہ خبر 10 نومبر کی شام کو لاہور پہنچی۔ 11 کی صبح کو حضرت مولٰینا صدرالدین صاحب نے درس قرآن کے وقت اس حادثہ عظیم کا ذکر کرتے ہوئے نماز جمعہ کے بعد ایک ''تعزیتی جلسہ کے انعقاد اور دفاتر انجمن میں تعطیل کا اعلان فرمادیا۔ خطبہ جمعہ میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے غازی موصوف کی غیر فانی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ کی وفات کو دنیائے اسلام کا ایک بہت بڑا نقصان قرار دیا اور نماز کے بعد حضرت ممدوح نے مرحوم کا جنازہ غائبانہ پڑھایا۔

بعد ازاں حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے ایک مؤثر تقریر میں غازی موصوف کی خدمات اسلامی اور ناقابل فراموش کارناموں کو بیان کرتے ہوئے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی جو اتفاق رائے سے منظور ہوئی۔ (مولانا موصوف کی تقریر قلمبند کر لی گئی ہے جو انشاء اللہ کسی آئندہ اشاعت میں درج کی جائے گی)

تعزیتی قرارداد: ''ممبران احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا یہ اجتماع غازی مصطفیٰ کمال اتاترک کی وفات پر دلی رنج وتاسف کا اظہار کرتا ہے اور اسے نہ صرف ملت ترکیہ بلکہ تمام عالم اسلام کے لئے ایک صدمہ عظیم سمجھتا ہے اور ملت ترکیہ سے اس صدمہ میں دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔''

نومبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

ماہ رمضان اور جوبلی چندہ

جوبلی کے چندہ کی ادائیگی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ احباب، جنہوں نے وعدے کئے ہیں، سالانہ جلسہ کا انتظار کریں بلکہ اس کی ادائیگی ابھی سے شروع ہو جانی چاہئے۔ اس میں دفتر کو بھی سہولت رہے گی اور محاسب ساتھ ساتھ رسیدیں دیتا جائے گا۔ اور معطی بھی رمضان مبارک میں رقم ادا کر کے اس کارِ خیر کا دوہرا ثواب حاصل کر لیں گے۔

جوبلی کے چندہ کا حساب بنک میں علیحدہ کھول دیا گیا ہے اور یہ روپیہ قطعاً کسی کام پر خرچ نہیں ہو گا۔ جب تک کہ اس کی کل میزان معلوم ہو کر انجمن کی جنرل کونسل یا مجلس مشاورت کوئی قطعی فیصلہ نہ کرے۔

اسی طرح وہ زیورات بھی محفوظ ہوں گے جو خواتین کی طرف سے جوبلی کے چندہ میں آرہے ہیں۔ رمضان میں صدقات اور خیرات کی کثرت آنحضرتؐ سے ثابت ہے اور اس لئے جو اصحاب یہ توفیق رکھتے ہوں کہ وہ رمضان کے اندر اندر اپنے جوبلی کے چندے ادا کر دیں وہ اس سنت نبویؐ پر عمل کر کے دوہرا ثواب حاصل کریں۔

اسی طرح خواتین بھی اپنے اپنے زیورات کا دسواں حصہ ماہ رمضان کے اندر ادا کر دیں تو دوہرے ثواب کی مستحق ہوں گی۔ لاہور کی خواتین اس پر عمل کر رہی ہیں۔ بیرونجات کے احباب بھی اپنی اپنی جگہ پر خواتین میں یہ تحریک کریں۔ جن احباب نے وعدے نہیں کئے وہ رمضان کے اندر وعدوں کی اطلاع دیں۔

جن احباب نے ابھی تک وعدے نہیں کئے ان سے بھی میری یہ درخواست ہے کہ وہ رمضان کے اندر اپنے وعدوں کی اطلاع مجھے دیں۔ اگر سب دوست ادنیٰ توجہ سے بھی کام لیں تو رمضان کے اندر اندر چندہ جوبلی کی نقد میزان پچاس ہزار سے اوپر پہنچ سکتی ہے اور اگر یہ صورت ہو تو ہماری عید ہمارے لئے دوہری خوشی کا موجب ہو گی کہ ہم نے ایک عظیم الشان مہم کا نصف سے زیادہ حصہ طے کر لیا

اورمنزل کے قریب پہنچ گئے۔

میرے دوستو! نیکی کے کام میں بہت سوچنا اچھانہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (48:5) نیکیوں میں سبقت کرواور جلدقدم اٹھاؤ۔جب ایک نیک تحریک دل میں پیدا ہوا سے فوراً قبول کر کے اس پرعمل کرنا چاہئے۔اس سے آپ کے اندرنیکی کی قوت ترقی کر جائے گی۔ہاں!اس مجاہدہ کے مہینے کوضائع ہونے سے بچایئے اور بالخصوص ان آخری دس ایام میں جہاں ایک طرف اس مہم کی کامیابی کے لئے دعاؤں میں لگ جانا ضروری ہے،اس کے ساتھ ہی اپنے عمل سے اپنی دعاؤں کے لئے قبولیت کے دروازے بھی کھول دیں۔اللہ تعالیٰ آپ کامددگار رہواور آپ کو يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ کامصداق بنائے۔خاکسارمحمد علی

خواتین جماعت کے نام ایک ضروری خط:(12نومبر1938ء) میری عزیزخواہران!السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ان چندسطور کے ذریعہ میں آپ کودستکاری کی اُس نمائش کی طرف متوجہ کرتی ہوں جوآپ کے سالانہ جلسے پراشاعت اسلام کی مدد کے لئے منعقدکی جاتی ہے۔

مجھے علم ہے کہ آپ میں سے اکثر بہنیں سلسلہ کی تمام تحریکات میں جوش وخلوص سے حصہ لیتی رہتی ہیں مگراس دستکاری کے ذریعہ اپنے وقت عزیز کوقربان کر کے اوراپنے ہنر سے جوحصہ آپ خدمت دین میں لے سکتی ہیں۔اُس کودوسرے تمام کاموں پرفوقیت حاصل ہے۔اپنے اخراجات کوکم کر کے اپنی ضروریات سے بچا کر جو چندہ دیا جاتا ہے اُس کے ثواب سے کون انکار کرسکتا ہے۔مگرعملاً خودمحنت کر کے اگرآپ چندپیسوں کی چیزبھی بنا دیں گی تو نہ صرف اجرعظیم کی مستحق ہوں گی بلکہ آپ کی روح کوبھی سچی خوشی حاصل ہوگی۔خدمتِ دین کا شوق بڑھے گااوراشاعت اسلام جیسے نیک کام سے وہ تعلق پیدا ہو جائے گا جس سے ایثار کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔آپ محسوس کریں گی کہ یہ ایک خاص تعلق ہے جوآپ کوفی سبیل اللہ کام کرنے والوں سے وابستہ کئے ہوئے ہے۔اپنی نوجوان بچیوں کوبھی تاکید کریں کہ وہ دستکاری میں حصہ لیں اوراپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی کریں۔اس سے اُن کے دلوں میں خدمت دین کا جذبہ اورعادت پیدا ہوگی جس کواپنی اولادمیں پیدا کرنا ہراحمدی بہن کا فرض اولین ہے۔

میری عزیز بہنو! ہم رات دن اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں تو کیا چند لمحے خدا کے کام کے لئے نہیں نکال سکے؟ اگر آپ نے ابھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی تو ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ ایک ماہ باقی ہے اگر آپ چاہیں تو اس عرصے میں خود کوئی چیز بنا کر اور اپنی بہنوں، بچیوں، سہیلیوں سے بنوا کر دستکاری بھیجیں اور اس ثواب اور دینی خدمت سے محروم نہ رہیں۔ دستکاری کے متعلق چند ضروری امور عرض کرنا چاہتی ہوں:

1۔ یہ کہ اُون سے جو چیزیں بنائی جائیں اُن میں صفائی کا بہت خیال رکھیں۔

2۔ اُون کی بچوں کی ٹوپیاں نہ بنائی جائیں کہ اب ان کا رواج نہیں رہا۔ بچوں کو سویٹریں، گرم سوٹ، زنانہ سویٹریں بہت پسند کی جاتی ہیں۔ کڑھے ہوئے دوپٹے، ٹیبل کلاتھ، خوبصورت کشن یعنی گدیاں بہ آسانی فروخت ہو جاتی ہیں۔ یہ خیال رہے کہ ٹیبل کلاتھ ریشمی کپڑے پر نہ بنائے جائیں۔ بلکہ لٹھہ وسوتی کپڑے وغیرہ پر بنانے چاہئیں۔ اسی طرح تکیوں کے غلاف بھی ریشمی پسند نہیں کئے جاتے۔ کاڑھنے میں بہت نیلے پیلے رنگ کے تاگے نہ لگائے جائیں۔ ہلکے صوفیانے رنگ انتخاب کریں اور ممکن ہو تو ایک چیز پر ایک ہی رنگ کا تاگا لگایا جائے۔ کڑھی ہوئی قمیض بغیر سلی بھیجنی چاہئیں تاکہ جو خریدیں وہ اپنے ناپ کی سی سکیں۔ چھوٹے چھوٹے ریشمی لیڈیز رومال بنا کر بھیجیں۔

3۔ ہر چیز پر ایک چٹ لگا کر اس پر بنانے والی کا نام اور جو لاگت آئے وہ لکھ دی جائے۔

4۔ عام طور پر یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ تھوڑی لاگت آئے مگر اپنی محنت سے ہم اچھی پائیدار خوبصورت چیز بنائیں۔

5۔ یہ سب اشیاء دسمبر کے پہلے ہفتے تک پہنچ جانی چاہئیں۔ بہتر ہو کہ آپ اپنے شہر کی جماعت کے سکرٹری صاحب کو دے دیں اور وہ جمع کر کے لاہور پہنچا دیں۔ اس طرح آپ کو پارسل کا خرچ بچ جائے گا۔ خاکسار اہلیہ مولینا محمد علی

اسلامیہ کالج لاہور میں دل آزار لیکچر: (17 نومبر 1938ء) مسلمان قوم کی یہ کس قدر بدبختی ہے کہ فروعی اختلافات پر خانہ جنگی اور تکفیر بازی کا اتحاد سوز فتنہ اب مسجد و خانقاہ سے نکل کر اسلامی سکولوں اور کالجوں کا رخ کر رہا ہے۔ ملت مسلمہ کے نادان دوست یا چھپے دشمن کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمان طلبہ اپنے تعلیمی مشاغل اور

مستقبل کی تعمیر کی بجائے اس خانہ جنگی کی تباہ کن مصروفیتوں میں پڑ کر اپنے آپ کو تباہ کر لیں۔ پہلی مولوی اور پیر اپنی مسجد وخانقاہ میں بیٹھ کر فروعی اختلافات پر کفر کے فتوے دیا کرتے اور جاہل سادہ لوح مسلمانوں کو آپس میں لڑوایا کرتے تھے۔ اس کے بعد ہمارے سیاسی قسم کے لیڈروں اور ہنگامہ پسند اخبارات نے اس شغل قبیح کو اختیار کیا۔ اب ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں یہی منظر دکھائی دے رہا ہے۔ سیاہ بختی کی انتہاء یہ ہے کہ کسی دوسری قوم کا کوئی فرد حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہے تو خانہ جنگی کا یہ فتنہ اس کو بھی متاثر کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ وقت کا مطالبہ ہے کہ مسلمان آپس میں زیادہ سے زیادہ متحد ہو کر اپنے بچاؤ کی فکر کریں۔ لیکن ہو یہ رہا ہے کہ وہ آپس میں زیادہ سے زیادہ دست وگریباں ہیں۔ اسلامیہ کالج لاہور، جو صوبہ کی سب سے بڑی اسلامی درس گاہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ خانہ جنگی اور تکفیر بازی کے شوقین حضرات کے زیر اثر آ رہی ہے۔ کیونکہ کچھ عرصہ سے وہاں بعض ایسی حرکتیں ہو رہی ہیں جو ہر لحاظ سے قابلِ افسوس اور اتحاد سوز ہیں۔ ان میں سے ایک تازہ واقعہ یہ ہے کہ 13 نومبر اتوار کو کالج مذکور میں ایک انگریز نومسلم مسٹر عبدالرحمٰن صاحب کا لیکچر ہوا۔ انہوں نے اپنے لیکچر میں اصلی موضوع سے ہٹ کر حضرت مسیح موعود کے متعلق بہت دل آزار اور نازیبا کلمات کہے۔ ایسے کلمات جن کو سن کر ایک احمدی کا دل خون خون ہو جاتا ہے۔ کالج کے طلبہ میں ایک معقول تعداد احمدیوں کی ہے۔ اس لیکچر کو سن کر ان کی جو کیفیت ہوئی ہو گی وہ محتاج بیان نہیں، مگر انہوں نے اس نا قابل برداشت اشتعال انگیزی اور دل آزاری کے باوجود انتہائی صبر وسکون سے کام لیا اور آداب مجلس اور کالج کے نظام کی خاطر دوران تقریر میں خاموش رہے۔ بعد میں انہوں نے کالج کے پرنسپل صاحب اور منتظمین انجمن حمایت اسلام کو اس طرف توجہ دلائی اور احمدیہ بلڈنگس میں آ کر بھی اس رنجدہ واقعہ کی کیفیت بیان کی۔ اس پر حضرت مولٰنا صدرالدین صاحب نے پرنسپل صاحب کو ایک چٹھی لکھی۔ اگر کالج کے ذمہ دار حضرات ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس قسم کے لیکچر خود کالج کے مفاد کے لئے بھی زہر قاتل ہیں۔

مسٹر عبدالرحمٰن ایک انگریز نومسلم بیان کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے ایسا قابل اعتراض اتحاد سوز دل آزار لیکچر کیوں دیا اور کس غرض سے دیا؟ اس کے متعلق ہم زیادہ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ صرف اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ یہی مسٹر عبدالرحمٰن اسلامیہ کالج میں لیکچر دینے سے چند دن قبل

حضرت مولانا صدرالدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ مجھے اتوار کو اسلامیہ کالج میں ایک لیکچر دینا ہے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کے انگریزی ترجمۃ القرآن کا نسخہ عنایت فرمایا جائے۔ کیونکہ مجھے اسلام کے متعلق صحیح معلومات اسی ترجمہ سے مل سکیں گی۔ چنانچہ انہیں انگریزی ترجمۃ القرآن کا نسخہ بلا قیمت دیا گیا اور انہوں نے اس سے فائدہ بھی اٹھایا۔ لیکن ایک احسان شناس اور صداقت شعار انسان کے طرزِ عمل سے برعکس انہوں نے حضرت مسیح موعود کے خلاف اپنی زبان کھولی۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب، جن کے ترجمۃ القرآن کو حاصل کرنے کے لئے وہ احمدیہ بلڈنگس آئے تھے اور حضرت مولانا صدرالدین صاحب، جن کی خدمت میں انہوں نے اپنی درخواست پیش کی تھی، یہ دونوں اس حضرت مسیح موعود کے شاگرد ہیں اور قرآن کے ان مترجمین کو جو کچھ حاصل ہوا اسی ذات اقدس کے قدموں میں بیٹھ کر حاصل ہوا۔ بس اسی ایک واقعہ سے مسٹر عبدالرحمٰن کی ذہنیت وکردار اور اصول پسندی کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آخر پر ہم انجمن حمایت اسلام لاہور کے منتظمین کی خدمت میں چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کئی سال سے جماعت احمدیہ کے متعلق ان کا طرزِ عمل عجیب وغریب اور غیر متعین ہے۔ انجمن کے اندر احمدیت کی مخالفت کا جو طوفان اٹھا ہوا ہے اس کی حیثیت اور اغراض اور نتائج بالغ نظر اراکین انجمن سے بھی پوشیدہ نہیں ہیں۔ بہرحال انجمن حمایت اسلام اپنی پالیسی اور طرزِ عمل کے تعین میں آزاد ہے مگر وہ واضح ہونا چاہیئے۔ اسلامیہ کالج لاہور اور انجمن کی دیگر درسگاہوں کے دروازے دوسرے مسلمانوں کی طرح احمدیوں پر بھی کھلے ہوئے ہیں۔ اس حالت میں انجمن کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ دیگر جلسہ کی طرح احمدی طلبہ کے جذبات کا بھی خیال رکھے یا صاف کہہ دے کہ اس کے کالج اور سکولوں میں احمدیوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

17 نومبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

ایثار کے بینظیر نمونے

جوبلی فنڈ کی رفتار

جوبلی کے چندوں کی ابتدائی فہرست شائع کرنے کے بعد جماعت کی طرف سے برابر وعدے آرہے ہیں۔ان میں خاص ذکر کے قابل ایک تو میاں شریف احمد صاحب ہیں جو شیخ مولا بخش صاحب لائل پوری کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔انہوں نے میرے امرتسر جانے پر ایک ہزار روپیہ جوبلی کے موقعہ پر دینے کا وعدہ فرمایا۔اور دو ہزار روپیہ اپنی پالیسی کے واجب الادا ہونے پر۔اللہ تعالیٰ اس نوجوان پر اپنی بڑی بڑی برکات نازل فرمائے۔

دوسرے وہ احباب قابل ذکر ہیں جو اپنے جوبلی کے عطیات کو بغیر میری طرف سے تحریک کے خود بخود بڑھا رہے ہیں۔ڈاکٹر عبدالمجید صاحب کو تھوڑی دیر کے لئے زیادہ تنخواہ پر کام کرنے کا موقع ملا ہے۔تو انہوں نے اپنے عطیہ کو بھی اس عارضی تنخواہ کے برابر کر دیا ہے۔یعنی ایک سو سے دوسو روپیہ۔ پروفیسر عبداللہ صاحب نے برلن سے لکھا ہے کہ ان کا عطیہ بجائے دوسو کے چارسو کر دیا جائے اور اس طرح ان کے اور ان کی اہلیہ کے عطیہ کی کل میزان پانچ سو روپے ہو جائے گی۔ممتاز احمد صاحب فاروقی نے بھی پانچ سو روپے کا وعدہ کیا ہے۔چودھری فضل داد صاحب کی اہلیہ نے (وہ بیمار بھی ہیں احباب ان کے لئے دعا کریں) زیور کے پہلے دسویں حصہ کے ساتھ جو وہ دے چکی ہیں اسی قدر اور دے دیا ہے اور دو روپے ماہوار چندہ بھی۔جزاہا اللہ خیرا۔چودھری صاحب نہایت قلیل تنخواہ لیتے ہیں۔ایک بزرگ کا عطیہ ایک ہزار لکھا گیا ہے وہ اصل میں پانچ ہزار ہے۔جوبلی کے موقعہ پر ایک ہزار دیں گے اور باقی پھر۔ایسا ہی اور احباب بھی اسلام سے اپنے عشق کا ثبوت دے رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔خاکسار محمد علی

❁❁❁

17 نومبر 1938ء

مکتوب امیر

جوبلی کی تحریک کے متعلق چند ضروری باتیں

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جوبلی کی تحریک کے سلسلہ میں آج 13 نومبر تک میرے پاس نقد رقوم کے وعدے حسب ذیل پہنچ چکے ہیں:

140 مرد 35352 روپے، 41 خواتین 1702 روپے، 11 نوجوان 115 روپے یعنی کل 192 نفوس کی طرف سے 37169 روپے کی نقدی کے وعدے پہنچ چکے ہیں اور سات اصحاب کی طرف سے 60750 روپے کی جائداد کے وعدے پہنچ چکے ہیں۔ اس طرح اگر جائداد کو بھی نقدی کے ساتھ ملا لیا جائے تو ایک لاکھ میں اب صرف دو ہزار کی کمی ہے۔ جسے دو سو نفوس نے پورا کر دیا۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ.** مگر میں نے شروع سے جائداد کو الگ رکھا ہے۔ اس لئے کہ ایک لاکھ روپیہ نقد فراہم کرنے کا تہیہ ہماری جماعت نے کیا تھا۔ اور ایک خدا کی راہ میں کام کرنے والی جماعت کے لئے جس کی قربانیاں اس زمانہ میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے نقش قدم پر ہیں۔ یہ سزاوار نہیں کہ وہ ایک بات کا عزم کر کے قدم پیچھے ہٹائے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ایک لاکھ نقد کی بجائے ہمیں سوا لاکھ کی فکر کرنی چاہئے۔ اس رنگ میں دیکھا جائے تو ہم نے دو ماہ میں ابھی اپنی منزل کا دو بٹا پانچ حصہ طے کیا ہے اور بمشکل ڈیڑھ ماہ کا وقت باقی تین بٹا پانچ کے لئے ہمارے ہاتھ میں رہ گیا ہے۔ اس لئے ہماری رفتار بھی دو چند ہو جانی چاہئے۔ لیکن اگر حصہ لینے والوں کی تعداد کو دیکھا جائے۔ تو پانچ ہزار میں سے، جن کی میں توقع رکھتا ہوں دو سو صرف پچیسواں حصہ ہے اور اس لحاظ سے ہم پچیس زینوں میں سے، جن پر چڑھ کر ہم جماعت کی ترقی کی پہلی منزل پر پہنچ سکتے ہیں، صرف ایک زینہ پر چڑھے ہیں۔ اس کی وجہ؟!

بہت سے دوست اب تک یہ سوچ رہے ہیں کہ یہ کام ہو بھی جائے گا یا نہ۔ اور اس لئے ہم اس میں حصہ لیں یا نہ لیں۔ اور بعض یہ سوچ رہے ہیں کہ یہ نیکی کا کام ہے بھی یا نہ۔ میں ان دونوں قسم کے احباب سے عرض کروں گا کہ **وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ** (33:41) کے ارشاد الٰہی

کے ماتحت وہ یہ جان لیں کہ اس سے بڑھ کر نیکی کا کام کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ اور دوسری بات جس کا مَیں ایسے احباب کو یقین دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ وہ اب اس کام کو ایسا یقینی سمجھیں کہ گویا یہ ہو بھی چکا ہے اور چھوٹے بڑے مرد، عورتیں سب اپنا اپنا حصہ لے کر نکل آئیں اور اسے خدا کے حضور پیش کرتے ہوئے یہ دعا کریں رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (127:2)

میں نے اپنی تھوڑی سی کوشش میں یہ دیکھا ہے کہ امیر اور غریب کسی نے اب تک انکار نہیں کیا۔ ہماری جماعت فی الحقیقت ایک غرباء کی جماعت ہے۔ اس میں مالدار بھی چند ایک ہیں اور صاحب جائداد بھی گنتی کے نفوس ہیں۔ ان میں سے ابھی تک صرف ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے اپنے ارادہ کا اظہار کیا ہے۔ اگر اس حیثیت کے پانچ چھ دوست بھی اور نکل آئیں تو خدا کے فضل سے تین چار لاکھ کی جائداد جماعت کے ہاتھ میں آ سکتی ہے۔ اس طبقے میں جو کچھ کما کر بہت یا تھوڑا اپنا گزارہ چلاتے ہیں، میاں غلام عباس بی۔ اے ڈپٹی ملٹری اکونٹنٹ جنرل خدا کے فضل سے سب سے زیادہ تنخواہ لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ انہوں نے اپنی ایک ماہ کی سالم آمدنی بارہ سو روپے دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ مگر ان دونوں میں موازنہ کرنا مشکل ہے۔ یعنی ان لوگوں میں جو بڑی تنخواہ لیتے ہیں اور انہوں نے بڑی بڑی رقوم شرح صدر سے دے دی ہیں اور ان میں جو بیس پچیس تیس روپے کماتے ہیں اور انہوں نے وہی بیس پچیس دے دیئے ہیں۔ امرتسر میں یہ نظارہ دیکھ کر کہ کس طرح نہایت ہی غریب بھائیوں نے، جن کی بمشکل اس رقم میں روٹی چلتی تھی، اپنی اپنی ایک ماہ کی آمدنی دینے پر رضا مندی کا اظہار کیا۔ حالانکہ وہ پہلے مستقل ماہوار چندے بھی دیتے ہیں۔ میرے دل سے پُر درد دعائیں اٹھیں کہ اے خدا، یہ لوگ صرف تیری رضا کے لئے اس دکھ کو اپنے اوپر وارد کر رہے ہیں کہ اب ایک سال تک وہ بیس کی بجائے اٹھارہ میں اور تیس کی بجائے ستائیس میں گزارہ کریں گے تو بھی ان پر اپنے فضل اور رحمتیں نازل فرما اور ان کے دکھوں کو دور فرما کر انہیں آسودہ حال کر دے۔

اس کے بعد میں سمجھتا ہوں۔ جماعت میں کسی کو خاموش رہنے کا حق حاصل نہیں سوائے اس کے کہ یہ تحریک ہی اس کے پاس نہ پہنچے۔ امراء نے بھی نمونہ قائم کر دیا۔ متوسط الحال دوستوں نے بھی

نمونہ دکھا دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ غرباء نے بھی یہی نمونہ پیش کر دیا کہ اپنی ایک ایک ماہ کی آمدنی دے دی۔ تو اب ہر ایک دوست کو سمجھ لینا چاہئیے کہ کسی کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنے آپ کو یا تو جماعت سے الگ سمجھتا ہو اور یا اپنے آپ کو اس مقام پر سمجھتا ہو جس پر کوئی انسان پہنچ نہیں سکتا۔ اور جس طرح بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں نماز روزہ کی ضرورت نہیں۔ ہم ہر وقت ہی نماز اور روزہ کی حالت میں ہیں۔ کوئی شخص یہ خیال کر کے اپنے آپ کو دھوکا دے لے کہ اسے قربانی کی ضرورت نہیں، اس ضرورت سے انبیاءؑ بھی بالا نہیں، دوسرے کا کیا کہنا۔

اس لئے میں بہ اتمام حجت یہ چٹھی ان سب احمدی احباب کو بھجوا رہا ہوں جو اب تک اس تحریکِ زندگی میں شامل نہیں ہوئے کہ وہ رمضان مبارک کے اندر اس میں شمولیت اختیار کر کے اپنے مولیٰ کو راضی اور اپنی جماعت کو زندہ کر دیں۔

1۔ صاحب جائداد اصحاب کم سے کم دسویں حصہ جائداد کی وصیت کر کے وصیت کا ایک بٹا پانچ نقد یا ایک بٹا دو جائداد کی صورت میں ادا کر دیں۔ بشرطیکہ یہ رقم کسی صورت میں ان کی ماہوار آمدنی سے کم نہ ہو۔

2۔ جو اصحاب ماہوار کچھ رقم کما کر گزارہ چلاتے ہیں وہ اپنی پوری ایک ماہ کی آمد جوبلی کے موقعہ پر دیں۔

3۔ خواتین اپنے زیورات اور اموال کا دسواں حصہ کم سے کم دیں۔

4۔ نوجوانوں اور زمینداروں کا غرباء طبقہ دس دس روپے ماہوار دیں۔

جو عطیہ ان شرائط کے مطابق ہوگا وہ جوبلی میں جائے گا۔ جو اس سے کم ہوگا۔ وہ متفرق امداد انجمن میں شمار ہوگا۔ اور مستقل فنڈ کے رنگ میں نہیں جائے گا اور اس لئے صدقہ جاریہ کا کام نہ دے گا۔ مگر جوبلی کا چندہ سارے کا سارا صدقہ جاریہ ہوگا۔

خاکسار محمد علی

13 نومبر 1938ء

22 نومبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

جوبلی کا چندہ اور جلسہ سالانہ

تحریک جوبلی کے سلسلہ میں مَیں جماعتوں میں دورہ کر رہا ہوں۔ اس سفر میں بعض احباب نے اس امر کو صاف کر دینے کی خواہش کی ہے کہ کیا چندہ جوبلی کے علاوہ، حسب معمول سالانہ جلسہ پر بھی چندہ کی اپیل ہوگی یا نہ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

1۔ جو چندہ اخراجات جلسہ سالانہ کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی اخراجات مہمانداری کا چندہ۔ وہ تو حسب معمول ہوگا۔ اور چونکہ اس دفعہ جوبلی کی وجہ سے احباب کے زیادہ اجتماع کی توقع ہے، اس لئے وہ چندہ بھی زیادہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ علاوہ اپنے احباب کے دوسرے احباب کے بھی اس موقعہ پر زیادہ تعداد میں آنے کی اُمید ہے۔ اس لئے جملہ احباب اور انجمن اس بات کو مدنظر رکھیں کہ ان اخراجات میں معمول سے زیادہ دل کھول کر حصہ لیا جائے۔ یہ ایک رنگ میں اکرام ضیف کی سُنت نبویؐ کا احیاء بھی ہے۔ بالخصوص ان اصحاب سے جو اجناس مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً گوشت، آٹا، گھی وغیرہ) التماس ہے کہ وہ ان اجناس کو معمول سے کم سے کم ڈیڑھ گنا دیں۔

جو احباب جوبلی کی شرائط کے مطابق جوبلی کے چندہ میں حصہ لے چکے، وہ گویا اس اپیل کا جواب پہلے ہی دے چکے ہیں۔ البتہ جو احباب جلسہ سالانہ تک اس چندہ میں شامل نہ ہوئے ہوں گے، ان سے اس موقعہ پر جوبلی کے چندہ کے لئے اپیل کی جائے گی۔

اس صورت میں ایک دقت ضرور نظر آتی ہے کہ انجمن کے معمولی اخراجات کے لئے جلسہ سالانہ پر کچھ چندہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ اخراجات پورے نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اس معاملہ کو جلسہ کے موقع پر جنرل کونسل یا کانفرنس میں پیش کر دیا جائے گا۔ اس امر کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جلسہ سالانہ کے اخراجات مہمانداری کا چندہ دسمبر کے پہلے ہفتہ میں دفتر میں پہنچ جانا چاہیئے۔ تا کہ ضروری انتظامات وقت پر شروع ہو سکیں۔ خاکسار محمد علی

بیرونی جماعتوں کا ایثار: میں حسب ذیل جماعتوں میں اس وقت تک پھر آیا ہوں امرتسر۔ لائل

پور (فیصل آباد)، شیخوپورہ۔ وزیر آباد، جمّوں اور سیالکوٹ۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ ان سب جماعتوں نے میری آواز پر بڑی خوشی سے لبیک کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب احباب کو بہت بہت جزاء خیر دے۔ بالخصوص جماعت کا وہ حصہ، جو بالکل معمولی آمدنیوں پر گزارہ کر رہا ہے، انہوں نے بھی ایثار کا قابل قدر نمونہ دکھایا ہے اور **يُـؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ** (9:59) (وہ اپنے آپ پر (انہیں) مقدم رکھتے ہیں گو انہیں تنگی ہی ہو) کا مصداق اپنے آپ کو ثابت کیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی تنگی اور مشکلات کو اسی طرح دور فرمائے جس طرح انہوں نے خدا کے دین کی تنگی اور مشکلات کو دور کرنے کی سعی کی ہے۔

وزیر آباد میں دو باتیں میرے لئے خاص خوشی کا موجب ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ میں نے دیکھا کہ ایک امیر گھرانے کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی شوق سے نہ صرف مسجد میں نماز میں شامل ہوتے تھے، بلکہ جوبلی کے چندہ میں بھی چھوٹے سے چھوٹے بچوں تک نے پورا حصہ لیا۔ یہ ہمارے محترم دوست شیخ نیاز احمد صاحب کا گھر ہے۔ اور دوسری خوشی یہ ہوئی کہ شیخ نیاز احمد صاحب نے خود بھی جوبلی کے سلسلے میں دو ہزار روپے کی رقم سے امداد کرنے کا وعدہ فرمایا **جَـزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاء.** اس کے علاوہ ان کا ارادہ وصیت کرنے کا بھی ہے۔ اس دورہ کے آخری سفر میں جوبلی فنڈ میں خدا کے فضل سے چار ہزار روپے کے قریب اضافہ ہوا۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ**

خاکسار محمد علی

21 نومبر 1938ء

30 نومبر 1938ء

مکتوب امیر

جوبلی فنڈ کے سلسلہ میں جماعت کی بے نظیر قربانیاں

غیر از جماعت حضرات سے اپیل کرنے کا وقت آ گیا۔ مال کے بعد وقت کی قربانی کی ضرورت

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جوبلی فنڈ کی رفتار: جوبلی فنڈ رمضان مبارک کے اندر اندر جائداد کو شامل کر کے ایک لاکھ دس ہزار سے اوپر پہنچ گیا اور صرف نقد ادائیگی کے وعدے پچاس ہزار سے اوپر ہو گئے۔ فالحمدللہ ثم الحمدللہ۔ یوں نقد ایک لاکھ روپے جمع کرنے کا جو تہیہ کیا گیا تھا اس میں سے نصف سے زیادہ منزل طے ہو چکی اور جس رفتار سے اس وقت یہ فنڈ ترقی کر رہا ہے مجھے امید ہے کہ اور دس پندرہ دنوں اندر اندر ہم انشاءاللہ پون لاکھ سے اوپر نکل جائیں گے۔

جماعت کی قربانیوں کا بے نظیر سلسلہ: جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا۔ ہم تبلیغ اسلام کے اس عظیم الشان کام میں، جس کی کوئی دوسری مثال اس زمانہ میں مسلمانوں کے اندر پیش کی جا سکتی، دوسرے لوگوں سے اسی وقت اپیل کرنے کے حق دار ہیں، جب پہلے اپنی جماعت کی طرف سے مستحکم بنیاد بن جائے۔ سو الحمدللہ کہ ہم اب اس مرحلے پر پہنچ گئے ہیں اور جس عمارت کی آج سے دو ماہ پیشتر بنیاد رکھی تھی آج وہ خدا کے فضل سے اس قدر بلند ہو چکی ہے کہ دوسرے لوگ بھی اسے دیکھ سکتے ہیں اور قربانیوں کا وہ بے نظیر سلسلہ جو اس جماعت کی طرف سے ظہور پذیر ہوا ہے انہیں متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لئے اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ان کے سامنے بھی ان واقعات کو لائیں۔ شائد اللہ تعالیٰ کسی اور کو بھی اس نیک کام میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمادے۔

مال کے بعد اوقات کی قربانی کی ضرورت: اس کو مدنظر رکھتے ہوئے انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں میں کافی تعداد میں اپیل چھپوا دی گئی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے جلسہ تک باقی ایام کے لئے کمر ہمت باندھ لیں اور جہاں انہوں نے اپنے مال خدا کی راہ میں جہاد کے لئے دیئے ہیں

وہ اب اپنی جانوں یا اپنے اوقات کو بھی دیں۔ اس کی طرف توجہ دلانے میں میرے مدنظر صرف یہی بات نہیں کہ انجمن کو کچھ مالی اعانت پہنچے۔ اور اس طرح تبلیغ اسلام کا یہ کام اور زیادہ قوت پکڑے۔ بلکہ اس وقت جو غلط فہمیاں پھیلا دی گئی ہیں اُن کو دور کرنے کا بھی یہ ایک نہایت اچھا ذریعہ ہے۔ اس بہانے سے ہم ہر ایک شخص کے پاس پہنچ سکتے ہیں اور خواہ کوئی مالی مدد کرے یا نہ کرے ہم کم سے کم اس کی اس قدر مدد کر سکتے ہیں اس کو بعض غلط فہمیوں سے باہر نکال دیں۔ ہر ایک شخص اپنے احباب کا ایک دائرہ رکھتا ہے۔ اس کے کچھ عزیز بھی ہوں گے جو اب تک اس سلسلہ میں شامل نہیں۔ اور اس طرح پندرہ بیس تیس آدمیوں تک وہ پہنچ سکتا ہے۔ اگر پانچ سو آدمی بھی آج سے تہیہ کر لے تو سالانہ جلسہ تک ہم دس ہزار آدمیوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور دس ہزار آدمیوں سے اگر ہم دسویں حصہ کے غلط خیالات کی بھی اصلاح کر دیں تو یہ کوئی چھوٹی سی کامیابی نہیں۔ اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ بعض کے دل میں یہ بھی ڈال دے کہ اس خدمتِ اسلام کے بہترین کام میں شامل ہو جانا چاہیئے۔

یہ کام کس طریق پر کیا جائے؟: یہ کام کس طرح کیا جائے۔ اپنے اپنے حالات پر منحصر ہے۔ بعض جگہ خط و کتابت سے بھی کام ہوسکتا ہے۔ بعض ایسے بھی دوست ہوں گے کہ ان کے پاس تنہائی میں جانا مفید ہوگا۔ اور بعض ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے پاس دو تین آدمی مل کر جائیں تو بہتر اثر ہوگا۔ بہر حال اس کام کی طرف اب جماعت کی فوری توجہ بکار ہے۔ اور ہر ایک شخص کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ ایک دن بھی ایسا نہ گزرنے دے جس میں وہ خود یا بذریعہ خط کسی دوسرے تک نہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اس جہاد بالنفس کی ہوا احباب کے دلوں میں اسی طرح چلا دے جس طرح اسے جہاد بالاموال کی ہوا چلا کر ہمیں ایک بلند مقصد کے حصول میں کامیاب فرما دیا ہے۔ خاکسار محمد علی

27 نومبر 1938ء

اخبار پیغام صلح کا سلور نمبر جوبلی نمبر: (3 دسمبر 1938ء) اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلور جوبلی نمبر کی تیاریاں بہت بڑی حد تک مکمل ہو چکی ہیں۔ ہم احباب کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر کارساز حقیقی کی توفیق شامل حال رہی تو یہ نمبر ہر لحاظ سے جامع اور بے نظیر ہوگا اور ''پیغام صلح'' کی گذشتہ زندگی میں اس نمبر کی کوئی نظیر نہیں ملے گی۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہندوستان کے تمام مذہبی اردو اخبارات بھی شائد مشکل ہی سے اس کی کوئی

مثال پیش کر سکیں۔ اس خوشخبری کے ساتھ ہی ہم تمام بزرگوں اور دوستوں کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ وہ یہ دعا کریں کہ یہ نمبر مجوزہ سکیم کے مطابق بروقت شائع ہو جائے۔

اس نمبر کو مفید، اعلیٰ، دیدہ زیب اور دلچسپ بنانے کے لئے جو کچھ ہم کر سکتے تھے اس سے دریغ نہیں کیا اور نہ انشاء اللہ آئندہ ہو گا۔ لیکن انجمن اس نمبر کے مقصد اشاعت کو اسی صورت میں حاصل کر سکتی ہے۔ جب کہ بزرگان واحباب جماعت بھی اس کار خیر میں کارکنان پیغام صلح کی امداد وسرپرستی کریں۔ اس نمبر کے شائع کرنے کی سب سے بڑی غرض یہ ہے کہ غیر از جماعت حلقوں میں احمدیت اور جماعت لاہور کے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں وہ دور ہو جائیں اور انہیں صحیح معلومات جامعیت لیکن اختصار کے ساتھ یکجا مل جائیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ تحریک احمدیت کے اصول ومقاصد کیا ہیں۔ جماعت لاہور کیا کچھ کر چکی ہے کیا کر رہی ہے اور اس کا آئندہ پروگرام کیا ہے۔ اگر یہ نمبر پوری کوشش سے نہایت اعلیٰ طریق پر شائع کر دیا جائے اور غیر از جماعت حلقوں میں نہ پہنچے تو اس کی اشاعت سے چنداں فائدہ نہ ہو گا۔ لہٰذا ہماری امداد کریں۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ہر ایک جماعت اور ہر ایک دوست اپنی استطاعت کے مطابق اس کی کاپیاں خرید کر اپنے غیر از جماعت رشتہ داروں، دوستوں اور دیگر ذی علم اور سنجیدہ مزاج احباب میں تقسیم کریں۔ یا ہمیں قیمت بھیج دی جائے ہم مناسب اصحاب کو ان کی طرف سے یہ نمبر بھیج دیں گے۔ ہمارے خیال میں اس بارہ میں مندرجہ ذیل تین صورتیں اختیار کی جائیں تو بہتر ہے۔ احباب یا جماعتیں جس تعداد کا آرڈر دیں ان میں سے:

1۔ کچھ تعداد خود منگا لیں اور اپنے طور پر تقسیم کریں۔ لیکن اس تقسیم میں اس بات کا خیال رکھیں کہ پرچہ صحیح اصحاب کو پہنچایا جائے تا کہ یہ ضائع نہ ہو۔ جن جن مقامات پر ریڈنگ روم، لائبریریاں اور اسکول اور کالج ہیں، ان میں ایک ایک کاپی ضرور دے دی جائے۔ وہاں سے بہت سے لوگ مطالعہ کر سکیں گے۔ جہاں مقامی حالات اجازت دیتے ہوں وہاں مساجد اور امام باڑوں میں بھی ایک ایک کاپی دے دی جائے۔ دکانوں اور بیٹھکوں پر اس کو رکھا جائے۔ غرضیکہ کوشش کی جائے کہ ہر ایک پرچہ بہت سے لوگوں کی نظروں سے گزرے۔

2۔ اگر احباب یا جماعتیں ایسے حضرات کو پرچہ بھیجنا چاہتی ہوں جو ان کے اپنے شہر سے باہر ہوں تو اس صورت میں ان کے پتے ہمیں بھیج دیئے جائیں۔ ہم ان کو براہ راست پرچہ ارسال کر دیں گے۔ اگر وہ خود پرچہ منگا کر بذریعہ ڈاک بھیجیں گے تو ان کا تگنا چوگنا محصول ڈاک صرف ہوگا۔

3۔ کچھ پرچوں کا ہمیں اختیار دیا جائے کہ ہم خود پتے انتخاب کر کے بھیج دیں۔ ہمارے پاس ایسے سینکڑوں ہزاروں منتخب اصحاب کے پتے محفوظ ہیں۔ جن کو پرچہ بھیجنا مفید ہو سکتا ہے۔ گذشتہ اشاعت میں حاجی حافظ محمد حسن صاحب وکیل گجرات کی ایک مراسلت درج ہوئی تھی۔ جس میں انہوں نے تجویز کیا ہے کہ ایک ہزار پرچہ مختلف صوبوں کی اسمبلیوں اور مرکزی اسمبلی کے مسلمان ممبروں اور حکومت ہند اور صوبائی حکومتوں کے اعلیٰ افسروں کو بھیجا جائے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس تجویز کو پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ 2 دسمبر کو نماز جمعہ کے وقت حضرت ممدوح نے اس کی تحریک بھی فرمائی۔ جس پر کچھ تعداد کا انتظام بھی ہو گیا ہے۔ مزید کوششوں کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ اعلان کیا جا چکا ہے کہ اس نمبر کی قیمت فی کاپی چار آنے مقرر ہوئی ہے۔

بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ چار آنے قیمت کچھ زیادہ ہے۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ چار آنے قیمت زیادہ نہیں بلکہ بہت کم ہے۔ اس نمبر کی ضخامت پچاس ساٹھ صفحات ہوگی۔ متعدد عکسی تصاویر اور رنگین صفحات دیئے جائیں گے۔ سرورق بھی نہایت اعلیٰ اور دیدہ زیب ہوگا۔ بہترین کتابت کرائی جا رہی ہے۔ عمدہ کاغذ لگایا جائے گا۔ اس لحاظ سے یہ قیمت کچھ بھی نہیں۔ ہم اپنے بزرگوں اور دوستوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرتے ہوئے یقین دلاتے ہیں کہ آج تک کسی ہندوستانی زبان کے مذہبی اخبار نے اس قیمت میں اتنا ریڈنگ میٹر اور اتنی تصاویر نہ دی ہوں گی۔ اگر ہم قیمت کم کر دیں تو لازمی طور پر صفحات اور دیگر لوازم بھی کم کرنے پڑیں گے۔

اب وقت بہت ہی کم رہ گیا ہے۔ دوست اولین فرصت میں اپنی فرمائش بھیج دیں۔ پیش نظر اشاعت میں جماعت کے تاجر اور کاروباری اصحاب سے ایک علیحدہ درخواست مینجر صاحب اخبار نے کی ہے۔ وہ اس پر بھی غور کر کے اپنے ارادہ سے فوراً مطلع کریں۔

9 دسمبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب پر اُن کے مریدین کے الزامات

اور میاں صاحب کا مجھ پر اظہار غیظ

ایک بزرگ کا قصہ سنا تھا کہ ان سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص شاکی ہے کہ آپ گالیاں بہت دیتے ہیں تو انہوں نے بیساختہ ایک پھکڑ تول کر فرمایا کون......ایسا کہتا ہے؟ ہماری تو عادت ہی گالیاں دینے کی نہیں۔ جناب میاں صاحب کی تحریرات کو پڑھ کر مجھے اکثر وہ واقعہ یاد آ جاتا ہے۔ وہ ہمیں گندے اور سڑے ہوئے چھلکے کہہ لیں، جہنم کی چلتی پھرتی آگ کہہ لیں، دنیا کی شریر ترین جماعت کہہ لیں، جس کی مثل شرارت میں اور کوئی جماعت دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئی، مگر ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتے چلے جاتے ہیں کہ ہماری تو عادت ہی یہ ہے کہ دوسروں کی گالیاں سن کر ہم ''شریفانہ'' برتاؤ کرتے ہیں۔ ''فاروق'' میں ہمارے متعلق کیا کیا درفشانی ہوتی رہتی ہے۔ میاں صاحب کے دوسرے مریدوں نے کیسے کیسے ناپاک الفاظ ہمارے لئے استعمال کئے۔ مگر وہ سب ''شریفانہ'' سلوک ہے۔ اور اس کی دلیل صرف یہ ہے کہ میاں صاحب اور ان کے مرید یہ سلوک کرنے والے ہیں۔ اس لئے یہ سب شرافت کا نچوڑ ہے۔

2 دسمبر کے خطبہ جمعہ میں، جو 8 دسمبر کے ''الفضل'' میں چھپا ہے، آپ نے حسب معمول سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کی۔ جس کا عنوان ہے ''شیخ عبدالرحمٰن مصری کی نہایت ہی گندی گالیاں اور مولوی محمد علی صاحب''۔ میرا قصور صرف اس قدر ہے کہ میں نے خطبہ جمعہ میں یہ ذکر کیا کہ وہ قادیان، جس کی شہرت حضرت مرزا صاحب کے زمانے میں راستبازی اور پاکیزگی کی وجہ سے تھی، آج اس کی دوسری قسم کی شہرت دنیا میں پھیل رہی ہے۔ اب یہ تو ایک امر واقع ہے کسی اظہار غیظ سے یہ چھپ نہیں سکتا۔ میاں صاحب کی یہ کوشش ہے کہ وہ ثابت کریں کہ حضرت صاحب کے زمانے میں بھی قادیان کی شہرت نیکی اور راستبازی کی وجہ سے نہ تھی اور اس زمانے میں دشمن تو ایک طرف رہے دوست بھی نعوذ باللہ من ذالک حضرت صاحب پر ایسے ہی الزام لگایا کرتے تھے، جیسے آج میاں صاحب کے دوست ان پر لگا رہے

ہیں۔ سبحانک ھٰذا بہتان عظیم۔

میاں صاحب کو اپنی بریت کا اب صرف یہی ایک طریقہ نظر آتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کو بدنام کریں۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ بعض بد باطن دشمن ایسے ہی ہوتے ہیں کہ بلا وجہ جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ لیکن پرانے زمانے کے احمدیوں اور غیر احمدیوں دونوں سے کوئی دریافت کرے کہ کیا یہ سچ نہیں کہ قادیان میں لوگ آتے تھے تو وہ حضرت صاحب کے دشمنوں سے جا کر آپ کے حالات دریافت کرتے تھے اور وہ آپ کی نیکی اور راستبازی کی شہادت دیتے تھے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ باوجود عقائد سے مخالفت کے باہر کے لوگ بھی آپ کی اور آپ کے پاس بیٹھنے والوں کی نیکی اور راستبازی کے قائل تھے؟

مجھے افسوس ہے کہ اپنی بریت کے لئے میاں صاحب کو ان حقائق کا انکار کرنا پڑا اور وہ آج اپنے دور افتادہ مریدوں کو یہ یقین دلا رہے ہیں کہ حضرت صاحب کے زمانے میں حضرت صاحب کے چال چلن کے متعلق دشمنوں کے ایسے ہی خیالات تھے جیسے ان کے متعلق آج ان کے دشمنوں کے ہی نہیں، دوستوں کے ہیں۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. میاں صاح اپنے خطبوں کو جتنا چاہیں لمبا کریں اور الفاظ کی ہیرا پھیریوں میں اصل حقائق کو چھپاتے رہیں، لیکن کوئی تاریخ نویس ان دو موٹے واقعات کا انکار نہیں کر سکتا کہ قادیان کی آج سے چالیس سال پیشتر کی حالت اور آج کی حالت میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ آج سے چالیس سال پیشتر قادیان کا کیرکٹر وہ تھا جسے سر محمد اقبال نے بھی بطور نمونہ پیش کیا اور جس کو دنیا نیکی اور راستبازی سے تعبیر کرتی تھی۔ اور آج کا کیرکٹر وہ ہے جس پر اپنے بھی رو رو کر خاموش ہو رہتے ہیں۔ اور دنیا کے کونے کونے میں یہ باتیں پہنچ رہی ہیں۔ اگر مجھ عاجز پر اظہار غیظ سے یہ رک جائیں تو میں اس کی شکایت نہ کروں گا۔ کیونکہ قادیان کے نام کی بدنامی میں حضرت مسیح موعود کی نیک شہرت کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

جناب میاں صاحب نے مجھے دھمکی بھی دی ہے۔ اور ''مولوی محمد علی صاحب اور ان کے خاندان'' کی سرخی قائم کر کے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ بھی بدلہ لینے کے لئے ہمیں بدنام کر سکتے ہیں اور کریں گے۔ میری التماس ہے کہ اگر میری اور میرے خاندان کی بدنامی سے آپ کی بریت ہو سکتی ہے تو خوشی سے اس نسخہ کو استعمال فرمایئے۔ ہاں! بے شک مجھے جو چاہیں کہہ لیں مگر حضرت مسیح موعود کو بدنام

کرنا چھوڑ دیں۔اسی خطبہ میں فرماتے ہیں:

''جو باتیں آج مصری صاحب میرے متعلق کہہ رہے ہیں، ایسی ہی باتیں ان کی پارٹی کے بعض آدمی حضرت مسیح موعود کے متعلق کہا کرتے تھے''

جمعہ کا خطبہ اور مسجد میں کھڑے ہو کر اتنا بڑا جھوٹ اور صرف اپنے عیب کو چھپانے کے لئے۔ مصری صاحب اور ان کی پارٹی کے تو آج اشتہارات مطبوعہ موجود ہیں۔عدالتوں میں بیانات موجود ہیں۔اگر میاں صاحب کے اس بیان میں ایک ذرہ بھی صداقت موجود ہے تو وہ اٹھیں اور ہمارے فریق کے اس آدمی کا اعلان شائع کریں جس نے حضرت صاحب پر ایسا الزام لگایا تھا، جیسا میاں صاحب پر لگا ہے۔میں نے اس الزام کے الفاظ دوہراتا پہلے پسند نہ کئے تھے۔مگر اب نقل کر دیتا ہوں۔کیونکہ یہ الفاظ میاں صاحب اپنے اخبار ''الفضل'' میں خود شائع کرا چکے ہیں اور وہ حضرت مسیح موعود کو ان ناپاک الزامات کا مورد ٹھہراتے ہیں:

''موجودہ خلیفہ سخت بدچلن ہے۔یہ تقدس کے پردہ میں عورتوں کا شکار کھیلتا ہے۔اس کام کے لئے اس نے بعض مردوں اور بعض عورتوں کو بطور ایجنٹ رکھا ہوا ہے۔ان کے ذریعہ یہ معصوم لڑکوں اور لڑکیوں کو قابو کرتا ہے۔اس نے ایک سوسائٹی بنائی ہوئی ہے۔جس میں مرد اور عورتیں شامل ہیں اور اس سوسائٹی میں زنا ہوتا ہے۔''

میاں صاحب اپنے مریدوں کو جو چاہیں کہہ کر خوش کر لیں۔مگر اس سیاہ جھوٹ میں ایک رائی کے لاکھویں اور کروڑویں حصہ کے برابر بھی صداقت نہیں کہ جماعت احمدیہ لاہور کے کسی آدمی نے حضرت مسیح موعود پر کبھی کوئی الزام لگایا ہے۔اگر میاں صاحب کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے تو وہ اسے مرد میدان بن کر پیش کریں۔

میاں صاحب کو اپنی بریت کے یہ غلط طریق اس لئے استعمال کرنے پڑے ہیں کہ انہوں نے صحیح طریق کو چھوڑ دیا۔وہ سمجھ رہے ہیں کہ کسی دوسرے کو ملزم ثابت کر دینے سے ایک شخص کی اپنی بریت ہو جاتی ہے۔وہ اس بات کو تسلیم کریں یا نہ کریں، مجھے خوشی نہیں بلکہ سخت افسوس ہے کہ میاں صاحب پر ایسے الزام لگے جن سے قادیان کا اور ضمناً حضرت مسیح موعود کا نام بدنام ہوا۔لیکن اگر میں ان

کی جگہ ہوتا تو جب مولوی عبدالکریم صاحب (مباہلہ والے) نے الزام لگایا تھا اوران سے حلف کا مطالبہ کیا تھا کہ اگر انہوں نے اس فعل کا ارتکاب نہیں کیا تو وہ قسم کھالیں، میں اپنی خاطر نہیں تو قادیان اور حضرت مسیح موعود کے کام کی خاطر الزام کو جھوٹا جاننے کی صورت میں فوراً حلف اٹھالیتا۔ مصری صاحب نے جب ایسا ہی الزام لگایا تو ان کا مطالبہ اس سے سخت تھا۔ مگر اس تشہیر اور تذلیل کے مقابل میں جواب ہو رہی ہے یہ بھی کوئی بڑا مطالبہ نہ تھا۔ آخر مطالبہ تو اسی قدر تھا کہ ایک آزاد کمیشن کے ذریعہ سے تحقیقات ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کمیشن میں میاں صاحب کی مرید ہی ہوتے۔ ان پر یہ بدگمانی نہ ہوسکتی تھی کہ وہ بغیر کسی شہادت کے پیر کے خلاف غلط فیصلہ دے دیں گے۔ گھر کے اندر ایک فیصلہ ہو جاتا اور اس ساری ذلت سے ایک جماعت بچ جاتی۔

میاں صاحب کا یہ کہنا کہ وہ ان کے مرید نہیں، اس لئے کہ خلافت کے مسئلے میں انہیں اختلاف ہے، صحیح نہیں۔ اول تو یہ اختلاف خلافت میں صرف اس وجہ سے ہوا کہ ان کو خلیفہ میں سخت نقائص نظر آئے۔ پہلے یہ اختلاف نہ تھا۔ اور دوسرے میاں صاحب کا تو اعلان یہ ہے کہ مجھ سے اختلاف عقیدہ رکھ کر بھی کوئی بیعت کر سکتا ہے۔ ان کے تو وہ بھی مرید ہیں جو ان لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں جن کو میاں صاحب کافر کہتے ہیں۔ اور وہ بھی ہیں جو ان لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں جنہیں میاں صاحب مسلمان سمجھتے ہیں۔ جیسے جماعت احمدیہ لاہور کے افراد۔ تو مصری صاحب ایک ادنیٰ سے اختلاف کی وجہ سے ان کے دشمن کس طرح کہلا سکتے ہیں؟!

باقی رہا ان کا مجھے دھمکی دینا کہ وہ میرے خاندان کو بدنام کر سکتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر کبڑی عورت کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ دوسری عورتوں کو بھی کبڑی دیکھے۔ مگر ہر کبڑی کو یہ میسر نہیں آتا۔ تعجب یہ ہے کہ اسی مضمون میں ایک آریہ مخالف کے متعلق تو میاں صاحب کا ارشاد موجود ہے کہ اس کی لڑکی اور لڑکے کے متعلق اخبارات میں فحش باتیں چھپ رہی ہیں۔ مگر اپنے اخبار کو وہ ان کے نقل کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ حالانکہ وہ شخص میاں صاحب پر ان الزامات کو شائع بھی کر چکا ہے جو مستریوں نے ان پر لگائے تھے اور یہاں تک عزم موجود ہے۔

”اگر پھر بھی کبھی اس پر یا اس کے خاندان کے کسی فرد پر کوئی غیر شریفانہ حملے ہوئے تو ہم

کبھی حملہ کرنے والوں کی حمایت نہیں کریں گے اور کبھی وہ طریق اختیار نہیں کریں گے جو وہ ہمارے متعلق اختیار کرتا رہا ہے۔ کیونکہ شریف شرافت سے بدلہ لیا کرتا ہے‘‘

مگر حضرت مسیح موعود کے ایک پرانے خادم کے متعلق میاں صاحب کیسے ’’شریفانہ‘‘ ارادے ہیں۔ ’’شرافت‘‘ بھی آج دریائے ندامت میں غرض ہوگئی کہ میں کیا تھی اور خلیفہ وقت کے ہاتھوں پر کیا ہوگئی!

مجھے افسوس ہے کہ مجھے ان باتوں میں اپنا وقت ضائع کرنا پڑا۔ کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ اپنی جماعت کو میاں صاحب نے حقائق سے اس قدر دور پھینک دیا ہے کہ اس پر یہ امید نہیں ہوسکتی کہ وہ ان باتوں پر غور کرے۔ اور فی الحقیقت یہ سارے چھوٹے چھوٹے جھگڑے تضیع اوقات ہیں۔ میں نے تو اپنے درد دل کا اظہار کیا تھا تا شائد میاں صاحب کو یہ توفیق ملے کہ وہ اس موٹی بات کو دیکھ کر قادیان کی نیک شہرت کو دوبارہ قائم کرنے کی طرف توجہ کریں۔ مگر اس کا اثر الٹا یہ ہوا کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کو تو اپنے ساتھ لپیٹ لیا اور مجھے لپیٹنے کی تیاری ہے۔ مجھے اس کی کوئی فکر نہیں۔ نہ میں نے پیری کا جامہ کبھی پہنا۔ نہ اس کی خواہش ہے۔ میں جو کچھ ہوں میرے دوست بھی خوب جانتے ہیں اور دوسرے بھی۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر مجھ میں کوئی عیب ہے تو دوسرے میں وہی عیب ثابت کرنے سے میری بریت نہیں ہو جاتی۔

خاکسار محمد علی

8 دسمبر 1938ء

9 دسمبر 1938ء
حضرت امیر کے قلم سے

احباب جماعت سے ملاقات کے اثرات

اپنے سفر میں، جو جوبلی کی تحریک کے لئے میں نے کیا، مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ ہر جماعت کے احباب نے شرح صدر سے اس تحریک پر لبیک کہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کی ایک ہوا چل گئی ہے۔ جس نے تمام دلوں میں حرکت پیدا کر دی ہے اور وہ ہر قسم کی تکلیف اٹھاتے ہوئے، مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے، اپنے اموال کو اللہ تعالیٰ کے دین کی تقویت کے لئے بے دریغ پیش کر رہے ہیں۔ آج دہریت کے طوفان عظیم کے سامنے کس جماعت کا اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی رضا پر اس قدر زبردست یقین ایک مامور من اللہ کی قوت قدسی کا بین ثبوت ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کی آنکھیں اب بھی بند ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں ان احباب سے، جنہوں نے اس تحریک میں شمولیت سے انکار کیا، گو وہ اس قدر تھوڑے ہیں کہ ان کا وجود النادر کالمعدوم کے حکم میں ہے، کیونکہ کسی کسی جماعت میں صرف ایک دو دوست بمشکل ایسے ہوں گے، یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جماعت کی اس کثرت کے سامنے انہیں اپنے عذرات کو وساوس سمجھ کر مجاہدین فی سبیل اللہ کی قطار میں کھڑے ہو جانا چاہئے۔

پشاور میں مولانا غلام حسن صاحب سے ملاقات: گذشتہ اتوار کو میں پشاور میں تھا جہاں دیگر احباب سے ملاقات کی خوشی کے علاوہ مجھے مولانا غلام حسن خاں صاحب کی ملاقات سے خاص طور پر خوشی حاصل ہوئی۔ میں نے سب احباب کے ساتھ بھی مولانا سے لمبی ملاقات کی اور آتے ہوئے علیحدگی میں بھی ملاقات کی۔ اور مجھے یہ خوشی ہے کہ مولانا بالکل اسی مسلک پر جماعت کے ساتھ ہیں جو مسلک ان کا سالہا سال سے چلا آتا ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ اہل جنت کے متعلق فرماتا ہے **وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ** (47:15) یعنی اہل جنت میں بھی بعض رنج اور کدورتیں ایسی رہ جاتی ہیں جو جنت میں پہنچ کر دور کی جائیں گی، مگر مولانا کی کیفیت قلبی کے اظہار کے لئے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ نے فرمایا کہ اس جنت کو اگر ہم نے دنیا میں ہی حاصل نہ کیا تو افسوس

کی بات ہے۔یعنی ہماری پرانی محبتوں میں اگر کوئی کدورت کسی وقت پیدا ہو جائے تو اسے اس دنیا میں نکال دینا چاہیئے۔سوالحمدللہ کہ میں نے مولانا کے قلب کو اپنی طرف سے اور اپنے قلب کو ان کی طرف سے اس ملاقات میں کدورت سے صاف پایا۔اور جب میں ان سے بغل گیر ہو کر رخصت ہوا تو ہمارے قلوب میں وہی پرانی محبت موجزن تھی۔

احباب سے درخواست دعا: اس کے ساتھ ہی میں احباب سے یہ درخواست کروں گا کہ مولانا غلام حسن بہت ضعیف ہیں۔87 سال کی عمر کو پہنچے ہوئے ہیں اور بیماری کی وجہ سے کمزور بھی ہیں۔جماعت میں کم نکلتے ہیں۔ان کے لئے خاص طور پر دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے تا کہ ان سے اس جماعت کو،جس کی خدمت انہوں نے اس قدر لمبا عرصہ کی ہے،اور بھی فوائد پہنچیں۔خاکسار محمد علی 8 ستمبر 1938ء

تحریک جوبلی کے چندے: اللہ تعالیٰ کے فضل سے میزان ساٹھ ہزار روپے تک پہنچ گیا ہے۔پہلی فہرست کے بعد گو نقد چندہ کی کل میزان اس وقت ساٹھ ہزار کے لگ بھگ پہنچ گئی ہے۔لیکن میری موجودہ مصروفیت میں مکمل فہرست کا شائع کرنا مشکل ہے۔شائد اور ایک ہفتہ تک کرسکوں۔پہلی فہرست کے علاوہ ذیل کے احباب ہیں جن کا عطیہ ایک سو روپیہ یا اس سے زیادہ ہے(متعلقہ اخبار میں معطی حضرات کے اسماءگرامی معہ رقم عطیات درج ہیں۔یہ فہرست یہاں شامل نہیں۔مرتب)

خاکسار محمد علی

8 دسمبر 1938ء

17 دسمبر 1938ء

ارشاد امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

جوبلی کی تقریب کا مقصد اور ہمارے فرائض

ایک نئی بنیاد رکھنے کا موقع: جوبلی کا عام مفہوم تو صرف اس قدر ہے کہ ایک لمبا عرصہ حیات کا پچیس یا پچاس سال گزرنے پر اظہار تشکر کے طور پر یا ویسے ہی خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مگر جیسا کہ میں بار ہا لکھ چکا ہوں، ہمارے لئے ہماری قومی یا جماعتی زندگی میں یہ صرف اظہار خوشی اور اظہار تشکر کا موقعہ ہی نہیں بلکہ ایک نئی بنیاد رکھنے کا موقع ہے۔ آج خدا کے فضل سے اس دن پر، جب حضرت مسیح موعود نے اس جماعت کی بنیاد رکھی اور طوفان ضلالت کے اندر ایک کشتی تیار کرنے کے لئے مسلمانوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی تاکہ دین اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچایا جائے، قریباً پچاس سال گزرتے ہیں اور اس وقت سے، جب ہماری جماعت کو قادیان کے طوفان غلو اور تکفیر المسلمین سے الگ ہو کر اس جماعت کی ایک نئی بنیاد لاہور میں رکھنی پڑی، قریباً پچیس سال پورے ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ ہماری پچاس سالہ جوبلی بھی ہے اور پچیس سالہ بھی۔ اور اس موقعہ پر ہم جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس جماعت کی بنیاد، جس نے قرآن کریم اور تعلیم اسلام کو دنیا میں پہنچانے کی بلند غرض کو سامنے رکھا ہے ایسی مضبوط چٹان قائم ہو جائے کہ ہر قسم کی مشکلات کے اندر اس کا قدم آگے بڑھتا جائے اور اس فوج کی نہ صرف سپاہیوں کی تعداد ترقی کرتی جائے بلکہ ان سپاہیوں کی طاقت میں بھی ترقی ہو اور وہ بہترین ہتھیاروں سے مسلح ہوں اور کوئی سپاہی یا سپاہی کا بچہ ہماری غفلت سے ضائع نہ ہو۔

جوبلی کی تقریب ہماری جماعت کے لئے ایک امتحان ہے: یہ جوبلی ہماری جماعت کے لئے ایک امتحان بھی ہے۔ بلاشبہ ہماری جماعت نے ایثار کا ایک بلند نمونہ دکھایا ہے۔ جب انہوں نے اپنی آمدنیوں میں سے ایک آنہ فی روپیہ ماہوار چندہ دینے کو اپنے لئے قبول کیا۔ آج خدا کے دین کی تبلیغ کے لئے مسلمان ایک پیسہ فی روپیہ بھی دیں تو دنوں میں اللہ اکبر کی آواز سارے کفرستانوں میں گونجتی ہوئی سن سکتے ہیں۔ مگر ان کے دل ٹھنڈے پڑ گئے ہیں اور زندگی کی گرمی ان کے سینوں سے دور ہو گئی ہے۔ وہ پیسہ چھوڑ کر پائی فی روپیہ بھی دینے کو تیار نہیں۔ نہیں۔ بلکہ صرف ایک پائی دینے کو بھی بوجھ سمجھتے ہیں۔ تو

جماعت احمدیہ نے ایثار کا ایک نیک نمونہ پیش کیا۔لیکن پچیس سال کا لمبا عرصہ اگر یہ ایثار کا سبق پڑھ کر ہم میں یہ قوت پیدا نہیں ہوئی کہ ہم اس سے بھی بڑھ کر ایثار کر سکیں تو ہم بھی نقصان میں ہیں۔جس طرح جسمانی ورزشوں سے جسمانی طاقتوں میں ترقی ہوتی ہے اور علم حاصل کرنے سے علم ترقی کرتا ہے اسی طرح ایثار کرنے سے قوت ایثار میں ترقی ہونی چاہئے۔تو یہ پچیس سال کے بعد ہمارا امتحان ہے کہ ہم کس قدر ایثار کر سکتے ہیں۔کیا اپنے پورے دل اور مال کے ساتھ خدا کے سامنے حاضر ہو سکتے ہیں یا نہ؟!

خدمت دین اور استحکام جماعت کے لئے آسان شرطیں: میرے دوستو! کتنی بھی سخت شرطیں تمہیں معلوم ہوں۔مگر دیکھنا! اس موقعہ پر تمہاری زبانوں سے لَا کا لفظ نہ نکلے اور وہ سخت شرطیں کیا ہیں؟ صرف یہی کہ اپنی جائدادوں کا دسواں حصہ خدا کی راہ میں دے دو۔قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے وقف کر دو۔اپنی جماعت کے استحکام پر لگا دو۔غور کرو کہ کیا یہ سخت شرط ہے۔ہاں! ساری جائداد اور سارا مال مانگا جاتا تو بے شک سخت شرط ہوتی۔گو اس وقت بھی خدا کی رضا کے لئے کام کرنے والی جماعت کا قدم آگے ہی اٹھنا چاہئے تھا۔مگر یہ بات کہ نو حصے اپنے ورثا کے لئے چھوڑ دو اور ایک حصہ اس خدا کے لئے جو فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا (40:19) یہ تو بڑی سہل شرط ہے!

دوسری شرط: پھر دوسری شرط کیا ہے کہ غریب ہو یا امیر۔تھوڑا کماتا ہو یا بہت۔خدا کے حضور سب صف باندھ کر الگ ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔جس طرح نماز میں ایک ہو کر کھڑے ہوتے ہو۔اور سب کے سب اپنی ماہ کی پوری آمدنی جوبلی فنڈ میں دے دو۔دوسرے لفظوں میں ایک سال کے لئے اپنی جانوں پر یہ مشقت قبول کر لو کہ سو کی جگہ 92 میں اور پچاس کی جگہ 46 میں اور پچیس کی جگہ 23 روپے میں گزارہ کر لو گے۔صرف ایک سال کے لئے۔اور ایک سال تمہاری اتنی مشقت اٹھانے سے تمہاری جماعت ہمیشہ کے لئے مستحکم اور خدا کا دین ہمیشہ کے لئے مضبوط ہو جائے گا۔کیا اپنے نتائج کے لحاظ سے یہ سخت شرط ہے!

تیسری شرط: تیسری شرط خواتین کے لئے ہے کہ وہ اپنے زیور کا دسواں حصہ خدا کے لئے دے دیں۔یعنی اپنے زیور کے نو حصوں سے اپنے جسموں کو آراستہ کرتی رہیں اور ایک حصہ سے اپنے دل کو اپنی روح کو آراستہ کر لیں۔یا نو حصے یہاں چھوڑ جائیں ایک حصہ اپنے ساتھ لے جائیں۔کیا یہ کڑی شرط ہے۔مگر افسوس ہے کہ خواتین میں ابھی تک جہالت اور ناواقفیت زیادہ ہے۔ورنہ عورتوں کا دل نرم ہوتا ہے

اور وہ خدا کی راہ میں ایثار کرنے کی قوت بھی زیادہ رکھتی ہیں۔ میں اب بھی امید کرتا ہوں کہ وہ اس نیک تحریک میں ایک زبردست نمونہ دکھائیں گی۔

چوتھی شرط: چوتھی شرط نوجوانوں کے لئے ہے۔ جو ایک ایک ماہ میں بیس بیس، تیس تیس، چالیس چالیس روپے دنیوی علوم سیکھنے کے لئے خرچ کر لیتے ہیں، کہ وہ پانچ یا دس روپے خدمت دین کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے خرچ کر کے دکھائیں کہ ان کے دلوں میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن کریم کی محبت کا جذبہ موجود ہے۔

میری آخری استدعا: تو میری استدعا ہے کہ اس وقت سب کے سب دوست اٹھیں اور اس صدا پر، جو خدا کے دین کے استحکام کی صدا ہے، ایک ہو کر لبیک کی آواز بلند کریں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ وہ موقعہ ہے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ان پر رحمتوں اور برکتوں کی دعائیں کریں گی جو اس وقت اس تحریک میں شامل ہوتے ہیں۔ اور جو نہیں شامل ہوتے وہ خود تھوڑے دنوں بعد اپنے آپ کو ملامت کریں گے **اَلشَّیۡطٰنُ یَعِدُکُمُ الۡفَقۡرَ** (268:2) کو نہ بھولو۔ تم میں سے ہر ایک کا دل خوشی سے اچھلنا چاہئے کہ ہمارے لئے یہ مبارک موقعہ آیا۔ اس میں شمولیت سے تمہارے دلوں میں سرور پیدا ہونا چاہئے کہ ہم نے وہ کام کیا جس کے ساتھ اسلام کی زندگی وابستہ ہے۔ خاکسار محمد علی یک دسمبر 1938ء

حضرت امیر کا انگریزی اور اردو ترجمہ قرآن: (17 دسمبر 1938ء) خدمت و اشاعت قرآن ہماری جماعت کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ حضرت مجدد وقت نے یہی ہمارا اشعار قرار دیا ہے۔ کیونکہ قران کی اشاعت اور اس پر عمل ہی سے مسلمانوں کی زوال آمادہ قوم از سر نو ترقی و سربلندی حاصل کر سکتی ہے۔ اور اسی نسخہ شفا میں دنیا کی تمام مشکلات و مصائب کا علاج مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد زمان کی ہدایت کے مطابق ہماری سرگرمیوں کا بہت بڑا حصہ اس کار خیر کے لئے وقف ہے۔ اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہماری چھوٹی سی جماعت نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے جو خدمت قرآن کی ہے اس کی نظیر اس زمانہ میں مفقود ہے۔ اس مقدس خدمت کے سلسلہ میں ہمارے حضرت امیر جماعت ایدہ اللہ تعالیٰ کے انگریزی ترجمہ قرآن اور اُردو تفسیر ''بیان القرآن'' کو سب سے زیادہ نمایاں درجہ حاصل ہے۔ حضرت ممدوح کے یہ دو ایسے دینی کارنامے ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے

بے مثال ہیں۔ ہماری جماعت کے استحکام و وقار اور نیک نامی و کامیابی میں ان کارناموں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ لہٰذا اُن کے مختصر حالات ذیل میں عرض کرتا ہوں۔

انگریزی ترجمہ قرآن کا خیال سب سے اول حضرت مسیح موعود کے قلب مبارک میں پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ ''ازالہ اوہام'' میں فرماتے ہیں:

''پھر میں جہاں تک میرے امکان میں ہے تالیفات کے ذریعہ سے ان علوم اور برکات کو ایشیاء اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدا تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دیئے ہیں یہ سچ بات ہے کہ یورپ اور امریکہ نے اسلام پر اعتراضات کرنے کا ایک ذخیرہ پادریوں سے حاصل کیا ہے اور اُن کا فلسفہ اور طبعی بھی ایک الگ ذخیرہ نکتہ چینی کا رکھتا ہے۔ ان اعتراضات کا کافی جواب دینے کے لئے کسی منتخب آدمی کی ضرورت ہے سو میری صلاح یہ ہے کہ عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہو سکے گا جیسے مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے'' (صفحہ 771 تا 773)

حضرت اقدس کی زندگی میں رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے زیر ادارت جاری ہوا اور اس نے حفاظت اسلام کا بہت بڑا تاریخی کام کیا۔ اسی زمانہ میں اس رسالہ کے مضامین کے مبارک اثرات یورپ اور یورپ زدہ لوگوں پر ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن حضرت اقدس کی زندگی میں عملاً انگریزی ترجمۂ قرآن کے کام کی ابتدا نہ ہو سکی۔ حضرت مولانا نور الدینؓ کے عہد میں اس خیال کو عمل میں لانے کی تدبیر کی گئی اور مولانا کی نگاہ انتخاب نے اس کے لئے موزوں ترین ہستی کو چنا۔ یعنی حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے، جن کے مقدر میں ازل ہی سے سعادت لکھی جا چکی تھی، یہ اہم کام سپرد کیا گیا۔

1909ء کے آخر یا 1910ء کی ابتدا میں حضرت امیر نے انگریزی ترجمہ قرآن کا کام شروع

کیا۔ اس وقت ان کے سامنے غیر مسلموں کے انگریزی تراجم کے سوا اور کوئی نمونہ نہ تھا۔ ان تراجم میں سے بھی اکثر اسلام کی مخالفت وتخریب کی غرض سے کئے گئے تھے۔ یہ بات اس کام کی مشکلات میں غیر معمولی اضافہ کرنے والی تھی۔ ایک راستہ موجود ہوتو اس پر سفر کرنا مشکل نہیں۔ لیکن یہاں نہ صرف کٹھن سفر کی صعوبتیں سامنے تھیں بلکہ راستہ کی تعمیر کا فرض بھی انجام دینا تھا۔ کنواں کھود کر پانی پینے والی بات تھی۔ لیکن اس مردِ مجاہد کی ہمت بلند نے کسی مشکل کی پروانہ کرتے ہوئے خدا کے بھروسے کام شروع کر دیا۔ اس وقت تک یوروپین اور دوسرے مصنفین نے اسلام کے خلاف جو لٹریچر شائع کیا تھا اس کا کثیر حصہ ریویو کی ایڈیٹری کے زمانے میں حضرت امیر کی نظر سے گزر چکا تھا۔ لیکن پھر بھی ان کو اس ترجمہ کے لئے بیشمار کتابیں اور لغت وتفاسیر دیکھنی پڑیں اور برسوں محنت شاقہ کرنا پڑی۔

کام شروع ہونے کے بعد پوری سرگرمی سے جاری رہا کہ 1912ء میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ شدید علیل ہو گئے اور طبی مشورہ کی بنا پر مری تشریف لے گئے۔ وہاں بھی کمزوری صحت کے باوجود اس کام کو جاری رکھا۔ دوسرے سال 1913ء میں پھر آپ کو مری جانا پڑا تا کہ وہاں زیادہ تیزی اور سرگرمی کے ساتھ یہ کام ہو سکے۔ اسی اثنا میں خلیفہ قادیان کے نانا میر ناصر نواب صاحب مرحوم نے قرآن کریم کا ایک اُردو ترجمہ شائع کرنے کی غرض سے احباب جماعت سے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا اور حضرت مولانا نورالدین صاحب سے اُردو ترجمہ شائع کرنے کی اجازت چاہی۔ لیکن مولانا نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ جماعت کی طرف سے ایک ہی ترجمہ شائع ہوگا اور وہ وہی ہوگا جو مولوی محمد علی صاحب کر رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مولانا کے ایماء پر حضرت امیر نے انگریزی ترجمہ کے ساتھ اُردو تفسیر بیان القرآن کا کام بھی شروع کر دیا۔

حضرت مولانا اپنے آخری ایام زندگی تک حضرت امیر کے اس کام میں غیر معمولی دلچسپی لیتے رہے۔ 1913ء میں انہوں نے ترجمہ کے مسودات سننے شروع کئے اور اکثر حصہ بستر علالت پر سنا۔ جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں انہوں نے انگریزی ترجمہ قرآن کے تفسیری نوٹ 26 پاروں تک سنے اور اُردو ترجمہ چار پاروں تک دیکھا۔ مناسب مواقع پر حسب ضرورت آپ مشورہ بھی دیتے رہے اور بار بار حضرت امیر کی اس عظیم الشان خدمت دینی پر خوشی کا اظہار فرماتے رہے۔ جب کبھی حضرت امیر کسی

مشکل مقام کو حل کر کے لے جاتے تو مولانا کو بے حد مسرت ہوتی۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم نے خاکسار راقم الحروف (مدیر پیغام صلح) کو بتایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا نے مسودہ سنتے سنتے فرط مسرت سے حضرت امیر کی پیشانی اور سر چوما۔

1914ء میں حضرت مولانا نورالدین وفات پا گئے اور اختلاف سلسلہ کا حادثہ رونما ہوا۔ اس کے بعد حضرت امیر حالات کی مجبوری کی وجہ سے ترجمہ قرآن کے مسودات کو لے کر لاہور تشریف لے آئے اور یہی وہ ایک متاع تھی جو ہمارے بزرگ قادیان سے اپنے ساتھ لاہور لائے۔ ترجمہ اور حواشی کا باقی کام لاہور میں تکمیل کو پہنچا اور اس کے بعد سارے مسودہ پر نظر ثانی کی گئی۔ مسودہ گو ایک دفعہ پہلے ٹائپ ہو چکا تھا۔ لیکن نظر ثانی کے بعد پھر ٹائپ کرایا گیا۔ اور 1916ء میں یہ طباعت کے لئے بالکل مکمل ہو گیا۔ اس پر قادیان اطلاع دی گئی کہ مسودہ مکمل ہو گیا۔ آپ طباعت کے خرچ میں شرکت کریں اور بعد طباعت دونوں جماعتیں خرچ کے تناسب کے لحاظ سے مطبوعہ کا پیاں آپس میں تقسیم کر لیں گی۔ لیکن وہاں سے کورا جواب ملا۔ اکابر قادیان نے اس تجویز کو نہایت افسوسناک طریق پر مسترد کر دیا۔ حتّٰی کہ یہ نازیبا کلمہ کہا گیا کہ یہ ترجمہ جلانے کے قابل ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اس سے پہلے بھی قادیان سے اعلان ہو چکا تھا کہ جماعت لاہور قرآن کا انگریزی ترجمہ کیا شائع کرے گی؟! ہم ایک پارہ ماہوار کے حساب سے ڈھائی سال میں قرآن کا مکمل ترجمہ شائع کر دیں گے۔ ایک پارہ شائع بھی ہوا۔ لیکن اس کے بعد پچیس سال گزر گئے اور اب تک خاموشی ہے!

مولانا صدرالدین صاحب اُس زمانہ میں ووکنگ میں تھے۔ مسودہ طباعت کے لئے ان کے پاس بھیج دیا گیا۔ متن کی کتابت یہاں لاہور میں ہوئی۔ بلاک ولایت ہی میں بنے۔ غالباً 1918ء کی ابتداء میں اس ترجمہ کا پہلا اڈیشن ہندوستان پہنچا اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ایک دھوم مچ گئی۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے ذی علم طبقہ نے بھی اس کی دل کھول کر قدر راور تعریف وتوصیف کی۔ اور دو سال سے بھی کم عرصہ میں پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ 1920ء میں دوسرا ایڈیشن طبع ہوا۔ پھر اس کے بعد دو مرتبہ متن کے بغیر طبع ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تک اس کی کم وبیش 35 ہزار کاپی اشاعت پا چکی ہے۔ یہ ترجمہ کرہ ارض کے تمام قابل ذکر کتب خانوں، جہازی لائبریریوں اور قریب قریب دنیا کے تمام

انگریزی خواں اکابر، فضلا اور سیاست دانوں اور والیان ملک کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے۔ اور عام طور پر اسے اس قدر قبولیت حاصل ہو چکی ہے کہ اب اسے انگریزی زبان میں معیاری ترجمہ سمجھا جاتا ہے۔ عدالتوں اور ہائی کورٹوں میں بطور سند پیش ہوتا ہے۔ بڑے بڑے یوروپین مصنفین مترجم کی اجازت سے اپنی کتابوں میں اس کے اقتباسات شائع کرتے ہیں۔ اس کے نتائج واثرات اظہر من الشّمس ہیں۔ یورپ میں اشاعت اسلام کی تحریک کی کامیابی کا ایک بڑا ذریعہ ترجمہ ہی ہے۔ اور ہندوستان اور دیگر ممالک میں انگریزی خواں طبقہ میں اسلام کی محبت اور قرآن کریم کی صداقت پر ایمان پیدا کرنے میں اس نے عظیم الشان کام کیا ہے۔ صاحبزادہ آفتاب احمد مرحوم نے ایک دفعہ لاہور کی ایک مجلس میں یہ واقعہ سنایا کہ مصر کے ایک نہایت بلند خاندان کا ایک فرد جہاز میں ان کا ہم سفر تھا تو اس نے ان سے یہ بیان کیا کہ آپ حیران ہوں گے کہ حالانکہ ہماری مادری زبان عربی ہے مگر قرآن کریم کو ہم نے اس ترجمہ سے سمجھا۔

مثل مشہور ہے کہ چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے۔ ہماری جماعت جاوا کے پرجوش اراکین نے اس ترجمہ کو ڈچ زبان میں منتقل کر کے معہ متن شائع کیا۔ جس سے نہایت مفید اثرات مترتب ہو رہے ہیں۔ جاوا اور ہالینڈ کے مسلم و غیر مسلم حلقوں میں اس کی بڑی قدر ہوئی۔ قرآن کریم کے دوسرے انگریزی تراجم جو بعد میں مسلمان حضرات نے شائع کئے دراصل اسی ترجمہ کی صدائے بازگشت ہیں۔ یہ ہماری نہیں بلکہ ایک دنیا کی رائے ہے۔

انگریزی ترجمہ کی تکمیل کے بعد اُردو تفسیر ''بیان القرآن'' کا کام جاری رہا۔ پہلی جلد 1922ء میں، دوسری غالباً 1923ء میں، تیسری بھی 1923ء میں شائع ہوگئی۔ جہاں تک مشرقی زبانوں کا تعلق ہے یہ دور حاضرہ کی بہترین تفسیر ہے جو بہت مفصل مدلل اور مؤثر ہے۔ بہت سے غیر از جماعت حلقوں میں حتّٰی کہ مکہ معظّمہ میں بھی اس کی مدد سے درس قرآن دیا جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں اسلام کے متعلق جو شکوک وشبہات پیدا ہو گئے ہیں یا پیدا کر دیئے گئے ہیں اور جو نئے نئے اعتراضات اُٹھ رہے ہیں ان سب کا اس تفسیر میں شافی علاج ہے۔

17 دسمبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

احمدیہ جماعت لاہور کے عقائد

اس وقت جب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے غیرمسلموں کے مقابلہ پر اوران میں تبلیغ کے لئے وسیع پیمانہ پر کام شروع کر رکھا ہے، ان ممالک میں جو تثلیث کے مرکز تھے اور جہاں سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے پادری آتے تھے، تبلیغ اسلام کا جھنڈا نصب کیا ہے۔ مسجدیں بنوائیں ہیں۔ اللہ اکبر کی آواز بلند کی ہے۔ قرآن کریم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کی اشاعت کی ہے۔ سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں کو اسلام میں داخل کیا ہے۔ جن میں بڑے بڑے بلند پایہ لوگ ہیں۔ جن میں ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں ٹریکٹ اور رسالے اسلام کی تبلیغ کے لئے شائع کئے ہیں۔ ہزار ہا اچھوتوں کو داخل اسلام کیا ہے اور یہ کام زور سے جاری ہے۔ بعض لوگ ہمارے عقائد کے متعلق وسوسے پیدا کر رہے ہیں۔ اس لئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مسلمان بھائیوں کی اطلاع کے لئے اپنے عقائد کو شائع کر دوں۔ یہ وہ عقائد ہیں جو جماعت احمدیہ کا فریق لاہور رکھتا ہے:

1۔ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں۔

2۔ ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں۔ آپؐ کی بعثت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دین کو کامل کر دیا ہے اور اس لئے آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ خواہ نیا ہو یا پرانا۔ ہاں مجدد آئیں گے جن کا کام خدمت اسلام اور تائیدِ دین ہے۔

3۔ ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ قرآن کریم خدا کا کلام ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ نہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔ اور وہ قیامت تک واجب العمل ہے۔ حکم جہاد بھی قرآن کریم کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور وہ قیامت تک منسوخ نہ ہوگا۔ ہم ان لوگوں کو غلطی پر سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے کسی حکم کو یا کسی آیت کو منسوخ کہتے ہیں۔

4۔ ہم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔ نبی نہیں مانتے۔

5۔ ہم ہر اس شخص کو جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ایمان لاتا ہے مسلمان سمجھتے ہیں۔

6۔ ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے اولیاء اللہ سے کلام کرتا ہے اور ایسے لوگ اصطلاحِ شریعت میں محدث کہلاتے ہیں۔ ان پر ظلّی نبوت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ورنہ جیسے ظل اللہ، اللہ نہیں، اسی طرح ظلّی نبی، نبی نہیں۔

7۔ ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام بزرگان دین کی عزت کرتے ہیں اور کسی صحابی یا امام یا محدث یا مجدد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

8۔ مسلمانوں کی تکفیر کو ہم سب سے بڑھ کر قابلِ نفرت سمجھتے ہیں اور جو لوگ کسی مسلمان کی یا کسی مسلمان جماعت کی تکفیر کرتے ہیں اور خدا اور اس کے رسول کے صریح حکم کی، کہ کسی کلمہ گو کو کافر نہ کہا جائے، خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمان قوم کے اتحاد پر کاری ضرب لگاتے ہیں، ان سے اظہار نفرت کے طور پر ہم ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہاں تک کہ قادیانی جماعت کے جو لوگ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں، ان کے پیچھے بھی ہم نماز نہیں پڑھتے۔ اور جو لوگ تکفیر کے فتوؤں سے متنفر ہیں، ان کے پیچھے ہم نماز پڑھ لیتے ہیں۔ خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔

9۔ حدیثوں میں جو نزولِ مسیح کا ذکر ہے، اسے ہم درست مانتے ہیں۔ مگر چونکہ قرآن کریم حضرت مسیحؑ کی وفات کا ذکر صاف الفاظ میں فرماتا ہے، اس لئے اس سے مراد ہم ایک مجدد کا مثیل مسیح ہو کر ظاہر ہونا لیتے ہیں۔ اور چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو اس پیشگوئی کا مصداق مانتے ہیں۔

10۔ دین اسلام ہمارے نزدیک نہ پہلے جبر سے پھیلا نہ آئندہ کوئی ایسا مہدی ظاہر ہوگا جو اسلام کو بزورِ شمشیر پھیلائے۔ بلکہ مہدی وہی ہے جو خدا تعالیٰ سے ہدایت پا کر دین اسلام کی صداقت کو ظاہر کرتا ہے۔

11۔ تعلیم اسلامی کا ماخذ ہمارے نزدیک قرآن کریم، احادیث اور اجتہاد آئمہ ہے۔ لیکن قرآن کریم اصل سرچشمہ ہے۔ اور سب پر مقدم ہے۔ کوئی ایسی حدیث یا اجتہاد قابلِ قبول نہیں جو قرآن کریم کے خلاف ہو۔ اسی طرح حدیث اجتہاد آئمہ پر مقدم ہے۔ اور اجتہاد کا دروازہ، جسے اس امت کے لئے خدا اور اس کے رسولؐ نے کھولا ہے، اُسے کوئی بند نہیں کرسکتا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے عقائد: بانی سلسلہ احمدیہ کے عقائد کے متعلق دشمنوں نے فرطِ عداوت سے بہت سی باتیں منسوب کی ہیں۔ اور آپ کے پیروؤں کے ایک گروہ نے بھی آپ کے حق میں غلو کر کے بعض غلط عقائد پھیلائے ہیں۔ لہٰذا میں آپ کے عقائد آپ کی اپنی کتابوں سے اور آپ کے اپنے الفاظ میں یہاں دکھاتا ہوں:

1۔ ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (ازالہ اوہام صفحہ 137)

2۔ ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہوسکتا اور نہ کم ہوسکتا ہے۔ (ازالہ اوہام صفحہ 137)

3۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر۔ بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن وحدیث کے رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا ومولٰینا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں (اعلان مورخہ 2 اکتوبر 1891ء)

4۔ اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبیؐ خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آنجنابؐ کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیا ہو یا پرانا۔ اور قرآن کریم کا ایک شعشہ یا ایک نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جل شانہ سے ہمکلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کی بعض صفات ظلّی پر اپنے اندر رکھتے ہیں (نشان آسمانی صفحہ 28)

5۔ ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں (مجموعہ اشتہارات صفحہ 224)

''میں نے نبوت کا دعوٰی نہیں کیا اور نہ میں نے انہیں کہا ہے کہ میں نبی ہوں۔ لیکن ان لوگوں نے جلدی کی اور میرے قول کے سمجھنے میں غلطی کی ہے'' (ترجمہ از عربی حمامۃ البشرٰی صفحہ 79)

6۔ آنے والے مسیح موعود کا نام جو زبان مقدس نبوی سے نبی اللہ نکلا ہے وہ انہی مجازی معنوں

کے رو سے ہے جو صوفیا کرام کی کتابوں میں مسلم ہے۔ ورنہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کیسا'' (انجام آتھم)

7۔ ہیچ دینے نداریم بجز دین اسلام و ہیچ کتابے نداریم بجز قرآن شریف و ہیچ پیغمبرے نداریم بجز حضرت محمد صلعم کہ خاتم الانبیاء است (انجام آتھم صفحہ 143)

8۔ اس شریعت میں نبی کے قائمقام محدث رکھے گئے ہیں (شہادت القرآن صفحہ 27 طبع ثانی)

9۔ ابتداء سے میرا مذہب یہی ہے کہ میرے دعوٰی کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا (تریاق القلوب صفحہ 130)

10۔ میں کسی کلمہ گو کا نام کافر نہیں رکھتا'' (تریاق القلوب صفحہ 130)

11۔ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگاویں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے'' (حقیقت الوحی صفحہ 120)

12۔ ہم اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ جو راستباز اور کامل لوگ شرفِ صحبت آنحضرتؐ سے مشرف ہو کر تکمیل منازل سلوک کر چکے ہیں ان کے کمالات کی نسبت بھی ہمارے کمالات اگر ہمیں حاصل ہوں بطور ظل کے واقع ہیں۔ اور ان میں بعض ایسے جزئی فضائل ہیں جو اب ہمیں کسی طرح سے حاصل نہیں ہو سکتے'' (ازالہ اوہام صفحہ 138)

قادیانی جماعت کے عقائد: بعض لوگ غلطی سے قادیانی جماعت کے عقائد ہماری طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم برابر 25 سال سے ان کے عقائد کی تردید کر رہے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت تھے اور کہ جو مسلمان آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے وہ کافر ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ بھی غلطی پر ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ تعلیم نہ دی ہوتی تو قادیانی جماعت کیوں ایسا مانتی! میں اوپر حضرت مرزا صاحب کے عقائد کو ان کی اپنی کتابوں سے وضاحت سے بیان کر چکا ہوں ان میں صاف طور پر دعوٰی نبوت سے انکار موجود ہے۔ مدعی نبوت کو کافر اور خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ مدعی نبوت پر لعنت بھیجی ہے۔ کسی کلمہ گو کو کافر کہنے سے انکار کیا ہے۔ اپنے دعوٰی کے انکار کرنے والوں کو کافر کہنے سے انکار کیا ہے۔ مگر جماعت قادیان نے اسی طرح مسیح موعود کے حق میں غلو کیا جس طرح پہلے مسیح (حضرت عیسٰیؑ) کے پیروؤں کے بڑے گروہ نے ان کے حق میں غلو کیا۔ انہوں نے غلو کر

کے ایک نبی کو خدا بنا دیا۔ قادیانی جماعت نے غلو کر کے ایک مجدد کو نبی بنا دیا۔ اور بھی بزرگانِ دین کے حق میں بعض مسلمان غلو کرتے رہے ہیں۔ جیسے بعض اہل تشیع حضرت علیؓ یا امام حسینؓ کے حق میں اور بعض اہل سنت حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے حق میں۔ حضرت مرزا صاحب نے خود بھی اپنے پیروؤں کو متنبہ کیا تھا کہ آپ کے حق میں غلو نہ کیا جائے۔ جیسا کہ آپ اپنے خط مورخہ 17 اگست 1899ء میں تحریر فرماتے ہیں:

''جو شخص انکار میں حد سے گزر جاتا ہے جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں اسی طرح وہ جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گزرتا ہے (منقول از الحکم جلد 3 صفحہ 29)

''اور تحفہ گولڑویہ صفحہ 5 پر لکھتے ہیں''

''عیسائیوں کی طرح نادان دوست نہ بنیں اور ناجائز صفات اپنے پیشوا کی طرف منسوب نہ کریں''

ہدیہ عقیدت: ''پیغام صلح''، جس کو حضرت مسیح موعود کی قائم کردہ جماعت کا جماعتی آرگن ہونے کا شرف حاصل ہے، انجمن کی سلور جوبلی کی مبارک وسعید تقریب پر ساری جماعت کی طرف سے حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ اور ان کے بزرگ وایثار پیشہ رفقاء کی خدمت میں دلی خلوص کے ساتھ ہدیہ عقیدت پیش کرتا ہے۔ جہاں تک انسانی جدوجہد کا تعلق ہے یہ انہی پاک نفوس کی ان تھک مساعی، بے مثال قربانیوں، عشق دین اور دلی تڑپ کا نتیجہ ہے کہ ہم یہ مبارک دن دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جماعت کی رہنمائی کے لئے تادیر سلامت رکھے۔ آمین ثم آمین۔ مدیر

17 دسمبر 1938ء

حضرت امیر کے قلم سے

احباب جماعت کے لئے ایک ضروری اعلان

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

''پیغام صلح'' کا جوبلی نمبر آپ کے ملاحظہ سے گزر چکا ہوگا۔ ایڈیٹر اور عملہ نے اس کی تیاری کا حق ادا کر دیا اور جس قابلیت اور محنت سے ادا کیا ہے وہ یقیناً قابل مبارک باد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ لیکن جماعت پر جو اس کا حق ہے وہ ابھی باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس پرچہ کو جہاں تک ممکن ہے نہ صرف اپنے دوست سب کے سب پڑھیں اور ایک ایک کاپی اس کی اپنے پاس محفوظ رکھیں بلکہ غیر از جماعت احباب کو جس قدر ممکن ہو پہنچایا جائے۔ میری یہ رائے ہے کہ جو پراپا گنڈا احمدیت کے خلاف کئی سالوں سے ہو رہا ہے اس کا یہ بہترین ومؤثر جواب ہے۔ اور اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اس کو سب بردران اسلام تک پہنچایا جائے۔ کوئی کتاب اس قدر دلچسپی سے نہیں پڑھی جا سکتی جس قدر دلچسپی سے یہ اخبار پڑھا جائے گا۔ صاحب وسعت احباب اس کی زیادہ تعداد میں کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کریں اور غریب سے غریب دوست کے پاس بھی یہ ایک پرچہ موجود رہے۔ یہ تبلیغ میں اس کا زبردست معاون ثابت ہوگا۔

خاکسار محمد علی

12 دسمبر 1938ء

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

محرم الحرام 1358ھ
31 مارچ 1939ء

تا

ذوالحجہ 1360ھ
26 دسمبر 1941ء

جلد 16

احمدیہ انجمن لاہور

نام کتاب	:	افکارِ محمد علیؒ (جلد 16)
ناشر	:	دارالکتب علمیہ، 5 عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
باہتمام	:	محمد ارشد علوی
طبع	:	اول
تعداد	:	300
مقام اشاعت	:	5۔عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ نے ادا کیے ہیں۔(برائے مفت تقسیم)

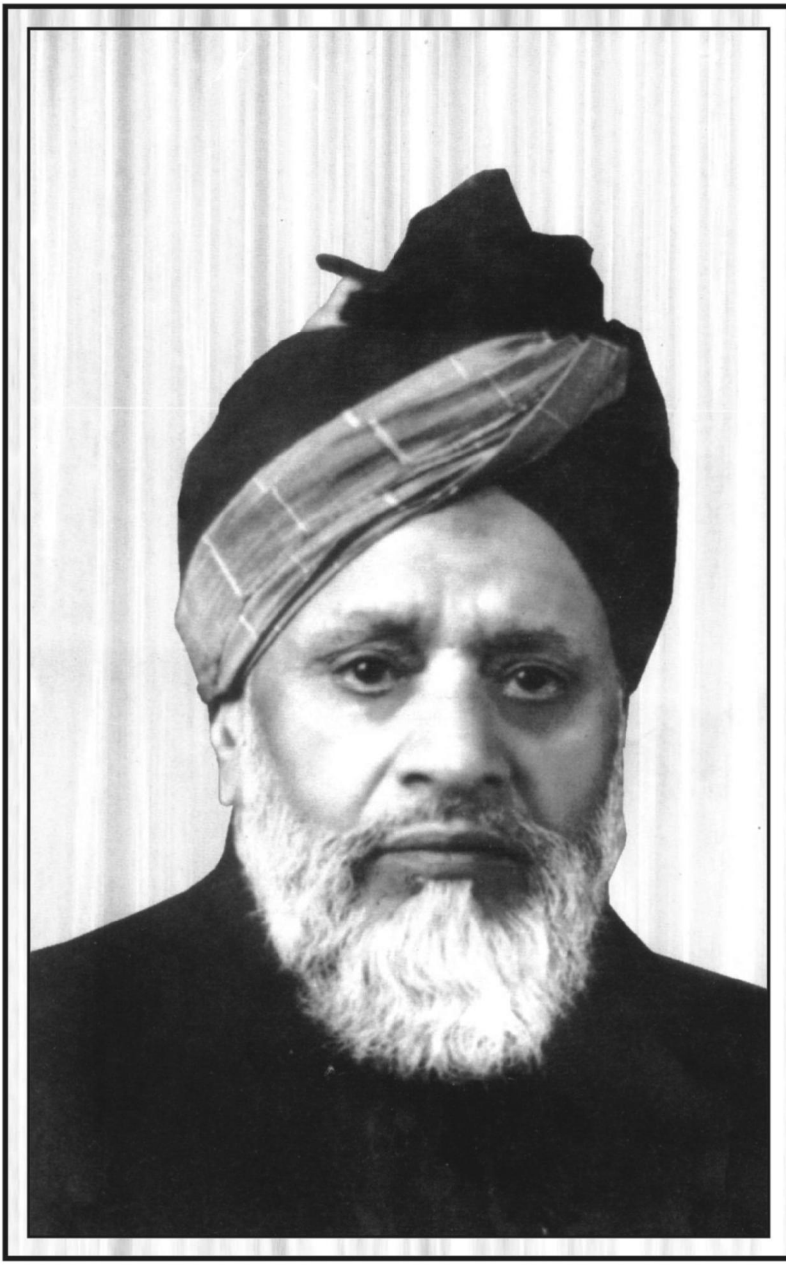

شبیہہ مجاہد کبیر، مجدالدّین، المنصور، فاضل الٰہیات، مفسر قرآن علامہ حضرت مولٰینا محمد علیؒ

ایم۔اے، ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر
— محمد اعظم علوی

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی۔ جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض انجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالٰی نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمہ القرآن جس کی ابتداء 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کی دوسری ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوئی اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ و تفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی) 1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ و حواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجنز آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت

اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اور اسی طرح سال بہ سال حضرت مولانا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی۔ اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ''عشق قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی۔ تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعی اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِہٖ۔

خاکسار

عامر عزیز بن عبدالعزیز الازہری

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

حرف اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی 16 ویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔اس میں اخبار پیغام صلح 31 مارچ 1939ء تا 26 دسمبر 1941ء سے انتخاب شامل ہے۔اگرچہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولٰینا محمد علیؒ ہیں۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کر رہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فرد گذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار
محمد ارشد علوی
انچارج شعبہ تالیف وتصنیف

فہرست

31 مارچ 1939ء

مرزا ولی احمد بیگ اور ہالینڈ مشن

از حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کے احسانات کا کس طرح شکریہ ادا کیا جائے کہ جہاں ایک طرف اس نے سلور جوبلی کے موقع پر ہماری جماعت کو غیر متوقع کامیابی عطا فرمائی۔ دوسری طرف محض اپنے فضل سے اسی سال کی ابتداء میں ہمارے کاموں میں ہالینڈ مشن کا اضافہ فرمایا اور اس کے علاوہ ان تین ماہ کے اندر اڑھائی سو سے زیادہ نفوس جماعت میں داخل ہوئے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ۔ ہالینڈ مشن کا قائم ہونا جماعت کی کسی کوشش کا نتیجہ نہیں۔ گو یہ یقینی ہے کہ اس تڑپ کا نتیجہ ہے جو اس جماعت کے دِلوں میں قرآن کریم اور اشاعت اسلام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے موجود ہے۔ کوشش اگر ہے تو مرزا ولی احمد بیگ کی۔ جنہوں نے اپنے آپ کو ایسی حالت میں ہالینڈ میں جا ڈالا کہ ان کے پاس ایک ماہ کے گذارے کا سامان بھی نہ تھا اور نہ کہیں سے کوئی اُمید تھی۔ انجمن میں وہ استعفیٰ دے کر چلے گئے تھے اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کو چھوڑ کر اس زمانہ میں تبلیغ اسلام کا جنون کہیں نہیں جہاں سے کوئی مدد ملنے کی توقع ہو سکتی۔ فی الحقیقت مرزا ولی احمد بیگ کا اس طرح بے سروسامان اپنے آپ کو ہالینڈ کے ملک میں جا ڈالنا اس ایمان کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اپنا دین پھیلانے کے لئے، اپنے کلام کو پہنچانے کے لئے اور اپنے نام کو بلند کرنے کے لئے خود ہی کوئی سامان کردے گا، اس واقعہ کو یاد دلاتا ہے جب طارق نے ہسپانیہ کے ساحل پر اُتر کر اپنی کشتیوں کو جلا دیا تھا مرزا صاحب کے اس زندہ ایمان پر ایک اور بزرگ کے دل میں اس قدر زبردست تڑپ پیدا ہوئی کہ اُنہوں نے ہالینڈ مشن کے کل اخراجات کو دو سال کے لئے اپنے ذمہ لے لیا۔ یہی بزرگ ابھی جوبلی کے موقعہ پر ایک بیش بہا قربانی کر چکے ہیں۔ جاؤ! اور اس زمانہ میں قرآن پر اس زندہ ایمان کا کوئی اور نمونہ تلاش کرو جو ان دو بزرگوں نے دکھایا ہے۔ یعنی ایک وہ شخص، جس نے بے سروسامانی کی حالت میں تبلیغ اسلام کے لئے دیوانوں کی طرح اپنے آپ کو یورپ کے ایک ملک میں جا پھینکا اور دوسرا وہ شخص جس نے اکیلے ہی اس سارے مشن کا بوجھ اپنے سر پر لے لیا!

ابھی مرزا ولی احمد بیگ صاحب کے تازہ خط سے معلوم ہوا کہ ڈچ گورنمنٹ نے انہیں

ہالینڈ میں رہنے والے مسلمانوں کا ہیڈ تسلیم کرلیا ہے۔ اوراس کے متعلق ہالینڈ کے ایک نیم سرکاری اخبار میں اعلان بھی ہوگیا ہے۔ گو پادریوں نے اس کی بہت مخالفت کی مگر حکومت نے ان کی مخالفت کی کچھ پروانہیں کی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ یوں ہالینڈ میں ایک بنیاد مستحکم تبلیغ اسلام کی پڑ گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مشن کے معمولی اخراجات کا بوجھ ایک ہی بزرگ نے اپنے سر پر لے لیا ہے۔ لیکن ابھی ایک ضرورت باقی ہے۔ مشن کے معمولی اخراجات کے علاوہ اب وہاں لٹریچر کی ضرورت ہے۔ لٹریچر کے پھیلانے میں خدا کے فضل سے مرزا صاحب ایک بینظیر قابلیت کے مالک ہیں۔ جس طرح اُنہوں نے تھوڑے عرصہ میں جاوا اور سماٹرا کو اسلامی لٹریچر سے بھر دیا، وہ ہالینڈ کو بھی انشاء اللہ اسی طرح سے بھر دیں گے۔ لیکن ابتداء میں تھوڑے سے خرچ کی ضرورت ہوگی۔ اور مجھے اُمید ہے کہ کچھ احباب جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بہت کچھ دیا ہے اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہالینڈ مشن کے لئے کوئی دو ہزار روپے کی رقم جمع کر دیں گے۔ جو اس لٹریچر کے لئے بنیاد کے طور پر ہوگی۔ اس تحریک کو پیش کرتے ہوئے میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ایسی امداد کا کوئی اثر ماہوار چندوں یا جوبلی کی تحریک پر نہ پڑنا چاہیئے۔

قرآن مجید کی تفسیر: آج سے چودہ سو سال پیشتر وہ قوم جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا اعتقادو اعمال و اخلاق انسانیت کے اسفل درجہ میں تھی لیکن جب ان کو کتاب الٰہی پر ایمان نصیب ہوا تو اُنہوں نے نہایت قلیل عرصہ یعنی 23 سال میں ایسی حیرت انگیز اور مافوق العادت ترقی کی کہ وہ خدا شناس انسان ہو کر قوموں کے شہداء اور ملوک ہوگئے۔ یہ ترقی ان کو صرف اس تغیر سے نصیب ہوئی کہ اُنہوں نے مقابل اصنام پرستی خالص توحید الٰہی اختیار کر کے قرآن کریم کے ہر ایک فرمان کو اپنے عمل میں دکھا دیا۔ عجمی اقوام، جن کے اندر کتاب الٰہی کی درس و تدریس ایک اجنبی زبان کے سبب ابھی جاری نہیں ہوئی تھی، ان کے اعمال کی شائستگی دیکھ کر اسلام میں داخل ہوتی گئیں۔ ذوالوجوہ آیات، جن کو قرآن کریم میں متشابہات سے تعبیر کیا گیا تھا، ان کے معانی کا اختلاف ان کی اخوت میں کبھی خلل انداز نہیں ہوا تھا۔ ہجرت کی دوسری صدی خلافت عباسیہ کے دوران میں یونان کا فلسفہ عربی میں ترجمہ ہونا شروع ہوا اس وقت اسلام میں جید فقہاء موجود تھے۔ بجائے اس کے کہ کتاب الٰہی کے معانی میں، جو ان

کو اپنے سلف سے پہنچے تھے، فلسفہ کے موافق تاویلیں کرتے، فلسفہ کو جو منطقیانہ حیثیت رکھتا تھا، توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ مگر اس فعل میں مسلمان قرآن کریم پر عمل کرنے میں سست ہو گئے اور ایمان کا انحصار دلائل پر رہ گیا۔ چودھویں صدی میں یورپ کا فلسفہ قوموں میں شائع ہوا۔ چونکہ وہ سائنس کے لباس میں اور غیر ممکن التردید تھا اس کا قوی اثر کالجوں کے سند یافتوں اور مطالعین پر ہوا۔ یہ فلسفہ اسلام کو بھی دھمکاتا تھا، جب اسلام پر زلزلہ دیکھا تو تعلیم یافتہ جماعت کے غم گساروں نے اسلام کی مدافعت میں لکھنا شروع کیا۔ بعض نے تفاسیر بھی لکھیں۔ سائنس کو تو رد نہیں کر سکتے تھے، جہاں قرآن کریم میں کوئی واقعہ سائنس کے خلاف پایا اس کی ایسی تاویل کر دی جس پر اعتراض نہ رہے اور یورپینوں کے طبائع کے افتاد کے موافق ہو جاوے جو فلسفہ نے ان کے اندر پیدا کر دیئے تھے۔ فلسفہ جدید نے طبائع میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا ہے کہ نظام شمسی ایک غیر متبدل قانون کے ماتحت چل رہا ہے۔ جس کو کتاب الٰہی، سنت اللہ سے تعبیر کرتی ہے۔ یہاں تک تو کتاب الٰہی کی تعلیم یہ ہے کہ سنت اللہ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت محدود نہیں کر دی۔ اس کی قدرت مطلقہ پر کوئی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ وہ جب چاہے ایسا واقعہ ظہور میں لا سکتا ہے جو قانون جاریہ کے موافق نہ ہو۔ قانون قدرت جو نادر ظہور میں آتا ہے عمل سے معطل نہیں، میں نے تقریباً پچاس سال قرآن کریم کا مطالعہ اور تدریس کی۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس میں مافوق الطبیعت واقعات پائے جاتے ہیں۔ علاوہ اس کے اللہ کی کتاب عالمگیر شریعت میں کسی خاص فرد یا قوم کے حُسن و قبح کی پابند نہیں ہے۔ پس ان وجوہ کے ماتحت اللہ تعالیٰ کی کتاب کے معانی تبدیل کرنا اور سلف صالح سے جو کچھ ہم کو پہنچا ہے اس کو پس پشت ڈالنا صراط مستقیم نہیں۔ میں نے اس اصول کو مدنظر رکھ کر قرآن کریم کا ایک عام فہم ترجمہ اور مختصر تفسیر مسمی ''بہ حسن بیان'' لکھی ہے۔ پشاور میں بازار قصہ خوانی دُکان کتاب فروش، اور لاہور میں دارالکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس میں مل سکتی ہے۔ غلام حسن۔ سابق سب رجسٹرار۔ پشاور

۞۞۞

31 مارچ 1939ء

جماعت کے استحکام کی بعض تجاویز

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

توسیع واستحکام کی بعض تجاویز، جو خرچ کو چاہتی ہیں، آئندہ اجلاس میں جنرل کونسل میں پیش ہوں گی۔ جو غالباً وسط اپریل میں ہوگا۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ قومی معاملات میں دلچسپی لینے والے احباب، جو جنرل کونسل کے ممبر ہیں، اس موقع پر تشریف لاکر اس مشورہ میں شریک ہوں گے۔ لیکن استحکام جماعت کی بعض تجاویز ایسی ہیں جن کے لئے کسی خرچ کی ضرورت نہیں صرف اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسی ہی چند باتوں کی طرف میں اپنے احباب کو اس وقت توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جماعت کے اندر شادیوں کے ذریعہ سے رشتہ داری کے نئے تعلقات پیدا کئے جائیں۔ یہ وہ بات ہے جس کے لئے خود حضرت مسیح موعود نے تحریک فرمائی اور اپنے ہاتھ سے اس کی بنیاد رکھی۔ آپ نے ایک اعلان کے ذریعہ سے جماعت کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ نکاح کے تعلقات آپس میں قائم کئے جائیں۔ آپ کا کبھی وہ مذہب نہیں ہوا جو آج قادیان والوں نے بنایا ہوا ہے کہ غیر از جماعت عورت کا نکاح احمدی مرد کے ساتھ جائز ہے مگر غیر از جماعت مرد کا نکاح احمدی عورت کے ساتھ جائز نہیں۔ قادیان کے اس فتوٰی کی بنیاد حضرت مسیح موعود نے کسی اعلان یا فتوٰی پر نہیں۔ کیونکہ آپ نے کبھی کوئی ایسا اعلان نہیں کیا بلکہ اس کی بنیاد ان کے اپنے مسئلہ تکفیر مسلمین پر ہے۔ جس سے حضرت مسیح موعود کا دامن پاک ہے اور وہ دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دے کر انہیں اہل کتاب کی طرح ٹھہراتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لئے ایک سی تحریک کی تھی اور یہ لکھا تھا کہ دونوں کے رشتے جماعت کے اندر کئے جائیں اور اس کی غرض بھی یہ بیان فرمائی تھی کہ آپس کے تعلقات میں ازدیاد محبت سے جماعت کے اندر استحکام پیدا ہو۔

یہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گو کم و بیش یہ انتظام ہماری جماعت میں شروع سے موجود رہا ہے لیکن جماعت کی اس طرف توجہ بہت ہی کم رہی ہے اور بعض احباب برادریوں کی قید کی وجہ سے اور بعض کچھ اور اُمور کو مدنظر رکھ کر اس معاملہ میں سہل انگاری سے کام لیتے رہے ہیں۔ مرکز میں بھی اس بارے میں کچھ سستی رہی ہے لیکن اب جب کہ استحکام جماعت کے لئے خاص طور پر قدم اُٹھایا جانے والا ہے جس پر روپیہ بھی خرچ ہوگا یہ ضروری ہے کہ ان تجاویز کو پہلے عمل میں لایا جائے جن کے لئے کسی روپے کے خرچ کی ضرورت نہیں بلکہ صرف توجہ کی ضرورت ہے۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ انتظام نئے ہاتھوں میں دیا گیا ہے اور گو میں خود بھی اس کی طرف خصوصیت سے توجہ دینے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر چونکہ زیادہ خط و کتابت کے بوجھ کو میں برداشت نہیں کر سکتا، اس لئے یہ کام مولوی مرتضٰی خان صاحب کے سپرد کیا گیا ہے۔ جو اس کے متعلق جیسا کہ اخبار میں اعلان بھی ہو چکا ہے، ہر قسم کی خط و کتابت کریں گے۔ اور جو خط و کتابت احباب کی طرف سے ہوگی، اسے پوری راز داری سے محفوظ رکھیں گے۔ اس لئے جو احباب اپنے لئے یا اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے رشتے چاہتے ہوں وہ ان سے خط و کتابت کریں۔ وہ میرے مشورے سے موزوں رشتوں کی اطلاع اس قسم کے اصحاب کو دیتے رہیں گے۔ اور گو ایک حد تک وہ خود بھی صحیح حالات معلوم کر کے ایسی اطلاع دیں گے مگر شادی کے ساتھ چونکہ ساری عمر کے تعلقات وابستہ ہیں۔ اس لئے پوری تشفی ان حالات کے متعلق کرنا احباب کا اپنا کام ہوگا۔

پس میں جملہ احباب کی خدمت میں درخواست کروں گا کہ استحکام جماعت کے فرض کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ آئندہ کے لئے تعلقات نکاح کو جماعت کے اندر رکھنے کی پوری پوری کوشش کریں اور لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لئے پہلے جماعت میں رشتہ تلاش کریں۔ بہت سے اصحاب کا اب تک یہ طریق عمل رہا ہے کہ لڑکوں کے رشتے تو باہر کر لیتے ہیں اور لڑکیوں کے لئے جماعت میں رشتے تلاش کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس طریق عمل سے لڑکیوں کے رشتے جماعت میں میسر نہیں آ سکتے۔ مگر بعض اصحاب برادریوں پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اگر برادری اور جماعت دونوں ایک جگہ میسر آ سکیں تو یہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ مگر تعلقات محبت کا سلسلہ وسیع

کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ برادریوں سے باہر تعلقات کو کسی رنگ میں معیوب نہ سمجھا جائے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ برادریوں سے باہر رشتوں میں بوجہ ناواقفیت بعض وقت مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔لیکن کیا برادریوں کے اندر ایسی مشکلات موجود نہیں؟ بلکہ قریب سے قریب رشتہ داروں میں بھی ایسے تعلقات نکاح دیکھے گئے ہیں جن کا نتیجہ خوشگوار نہیں بلکہ بہت تلخ ثابت ہوا ہے۔تو چھوٹی چھوٹی مشکلات کی وجہ سے ایک عظیم الشان قومی غرض کو، جس پر ہمارے اشاعت اسلام کے کام کی قوت کا انحصار ہے، نقصان نہ پہنچنا چاہئے۔اور آج سے تمام احباب کو اپنے دل کے ساتھ یہ عہد کر لینا چاہئے کہ وہ جہاں تک ممکن ہے جماعت کے اندر تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ کتنے لڑکے اور لڑکیاں ہیں جو اپنے سینوں میں تبلیغ اسلام کی زبردست تڑپ رکھتے تھے، مگر انہیں تعلقات نکاح کے ذریعہ سے ایک دوسرے ماحول میں ڈالنے سے ان کا وہ جوش ٹھنڈا پڑ گیا بلکہ بعض وقت بالکل مر گیا۔ اس کی ذمہ داری خود والدین پر ہے!

دوسری بات، جو استحکام جماعت کا ایک زبردست ذریعہ بن سکتی ہے، وہ باہمی ہمدردی کے تعلقات کو بڑھانا ہے۔میری مراد اس سے صرف اس قدر نہیں کہ ہم ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک ہوں جس طرح برادریوں میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ بیمار کی خبر گیری کرنا تکلیف زدہ کی تکلیف میں اس کے کام آنا، جنازوں میں شمولیت اختیار کرنا، دعوت کا قبول کرنا یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی رو سے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔اور اس لئے احمدی بھائیوں کا، جو ایک چھوٹی سی جماعت ہیں اور جن سے دوسرے مسلمان اکثر حالات میں بغض رکھتے ہیں اور ان کی ان باتوں میں شریک نہیں ہوتے، اور بھی زیادہ حق ہے۔مگر ان امور کے علاوہ میں ایک دو اور امور کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

ایک یہ کہ ہم اپنے بھائیوں کے کاروبار میں ایک دوسرے سے تعاون اور ہمدردی کریں۔ جماعت کے اندر ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔تاجر ہیں، وکیل ہیں، ڈاکٹر اور حکیم ہیں، پیشہ ور ہیں۔تو ہم نہ صرف اپنی ذاتی ضروریات میں ایک دوسرے سے کام لیں۔ اپنے تاجروں سے اشیاء خریدیں۔ اپنے وکیلوں کو مقدمات دیں۔ اپنے ڈاکٹروں اور حکیموں سے علاج کرائیں۔ اپنے پیشہ

وروں سے کام لیں۔ جہاں تک ممکن ہو ان کی تجارت یا پریکٹس یا کام کو فروغ دینے کی کوشش کریں۔ یعنی جہاں تک ممکن ہو بہ نسبت اوروں کے ان کی طرف رجوع کی کوشش بھی کریں۔ قابلیت کے سوال کو الگ رکھ کر میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ آج جب دنیا میں فریب دہی، خیانت، دوسروں کے حقوق کو دبانے کی وبا عام پھیلی ہوئی ہے، ہماری جماعت میں نسبتاً اخلاص اور سچائی اور دوسروں کے حقوق کا خیال زیادہ ہے۔ بلاشبہ یہاں بھی تکلیفیں پیش آئیں گی۔ جھگڑے ہوں گے۔ مگر کون سے کاروبار کے تعلقات ہیں جہاں تکلیفیں پیش نہیں آتیں یا جھگڑے نہیں ہوتے۔ میں یہاں اس غلط فہمی کو بھی رفع کرنا چاہتا ہوں کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہمارے بھائیوں پر یہ حق ہے کہ وہ ہمارا کام مفت کریں۔ لیکن اپنے اوپر دوسروں کا یہ حق نہیں سمجھتے۔ ایک مسلمان کی یہ ذہنیت ہونی چاہئے کسی احمدی تاجر کی تجارت اس بات کی متحمل نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنے احمدی بھائیوں کو چیزیں مفت دیتا جائے۔ کسی احمدی ڈاکٹر کا گذارہ نہیں چل سکتا اگر ہم یہ توقع رکھیں کہ وہ احمدیوں کا علاج بلافیس کرے۔ کسی احمدی وکیل کا کام نہیں چل سکتا اگر وہ احمدیوں کے مقدمات مفت کرے۔ جب ہم دوسری جگہ بھی خرچ کر کے یہ کام کراتے ہیں تو اپنوں کو ان کا حق دے کر کام کرانے میں بھی نیکی اور عزت ہے۔ ہاں غرباء کی امداد الگ بات ہے۔

دوسرا، امر جس کی طرف میں خصوصیت سے اہل ثروت اور صاحب روپیہ اصحاب کی توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اس بیکاری کے زمانہ میں جہاں تک ہوسکے اپنی جماعت کے نوجوانوں کی سبیل معاش کے حصول میں مدد کرنی چاہئے۔ اس بارے میں کم وبیش پہلے بھی تحریک ہوتی رہی ہے لیکن وہ بہت ناکافی ہے۔ بہت سے اصحاب ہیں جو کافی تعداد میں آدمیوں کو اپنے کاروبار میں لگا سکتے ہیں اور انہیں نوکریاں دے سکتے ہیں۔ بہت سے ہیں جو اپنے اثر سے انہیں کوئی ملازمت دلا سکتے ہیں۔ اگر ایسے اصحاب اس قسم کی ضرورت کی اطلاع مرکز میں دے دیا کریں کہ ان کے پاس یا ان کے علم میں کسی قسم کے آدمیوں کی کھپت ہوسکتی ہے تو اس کے متعلق مرکز میں باقاعدہ ایک نظام قائم کیا جاسکتا ہے اور بیسیوں آدمی، جو اس وقت بیکار رہیں، برسرکار ہو کر قوم کے لئے استحکام اور قوت کا موجب ہوسکتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ کَانَ فِیْ حَاجَةِ اَخِیْهِ

كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ ۔ مَنْ كَانَ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ عَوْنِهٖ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت کو پورا کرتا ہے اللہ اس کی حاجت پورا کرتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی مدد میں لگ جاتا ہے اللہ اس کی مدد میں لگ جاتا ہے۔

اے صاحبان ثروت و مرتبہ! میں آپ سے دردِ دل سے اپیل کرتا ہوں کہ قوم کی طرف سے جو لاپرواہی آپ برت رہے ہیں۔ آپ کی طاقت بھی جماعت کی طاقت میں ہے۔ دولت اور مرتبہ کوئی چیز نہیں۔ حقیقی عزت اسی میں ہے کہ آپ اپنے محتاج بھائیوں کو اُٹھانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اپنے بھائیوں کی امداد سے لاپرواہی اختیار نہ کریں۔ ایسا نہ وہ کہ خدا آپ کی امداد کی پرواہ نہ کرے۔ دولت اور مرتبہ آنے جانے والی چیزیں ہیں۔ لیکن خدا کی محبت ایک غیر فانی چیز ہے۔ سو مخلوق کی محبت سے خالق کی محبت کو حاصل کرو۔ والسلام۔ محمد علی

ملفوظات حضرت مسیح موعود۔ جماعت کیسے بنتی ہے: (27 مارچ 1939ء) جماعت تب ہی بنتی ہے کہ بعض بعض کی ہمدردی کریں۔ آپس میں پردہ پوشی کی جائے۔ جب ایسی حالت پیدا ہو جائے تب وہ ایک وجود ہو کر ایک دوسرے کے جوارح ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو حقیقی بھائی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ اگر ایک شخص کا بیٹا کوئی قصور کر بیٹھے تو اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اور اس کو الگ ہو کر سمجھایا جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے بھائی کی ہر شخص پردہ پوشی چاہتا ہے اور یہ نہیں چاہتا کہ اس کے عیبوں کے لئے اشتہار دے۔ پھر جب خدا تعالیٰ ایک دوسرے کا بھائی بنائے تو کیا بھائیوں کے حقوق یہی ہیں کہ بدسلوکی اور بے مروتی کی جائے؟...... اللہ تعالیٰ اس طریق کو بہت ناپسند کرتا ہے کہ اندرونی پھوٹ ہو۔ اور یہ طریق نامبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو بھی یہی طریق و نعمت اخوت یاد دلائی ہے اور اگر وہ پہاڑ بھی خرچ کر دیتے تو وہ اخوت ان میں پیدا نہ ہو سکتی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ان کو ملی۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اسی قسم کی اخوت یہاں بھی قائم کرے گا وہ ایک جماعت قائم کرے گا جو قیامت تک منکروں پر غالب رہے گی۔ مگر یہ دن جو ابتلا۔ کے دن ہیں اور کمزوری کے ایام ہیں ہر ایک شخص کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔

۞ ۞ ۞

22 اپریل 1939ء

انجمن کا مستقل فنڈ یا صدقہ جاریہ کی عظیم الشان بنیاد

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

جوبلی فنڈ کی آخری میزان: جوبلی فنڈ میں اس وقت تک 193019 روپے کے وعدے آ چکے ہیں۔ جس میں 96369 نقد روپے کے وعدے ہیں اور 96700 کی جائداد کے۔ یوں دو لاکھ کے پورا ہونے میں صرف سات ہزار روپے کی کمی ہے۔ گویا ہمارے جوبلی فنڈ کی بنیاد ایک لاکھ کی بجائے دو لاکھ سے رکھی جا رہی ہے۔ **فالحمد للّٰہ علٰی ذالک** اللہ تعالیٰ کے احسان عظیم کے سامنے ہماری گردنیں بے اختیار جھکتی ہیں کہ ایک لاکھ روپے کا مل جانا بھی کسی کے وہم وگمان میں نہ تھا، اس نے دو لاکھ روپے دے دیئے!

جوبلی فنڈ میں حصہ لینے والے احباب سے درخواست: اس موقعہ پر میں ان احباب سے بھی چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اب تک جوبلی فنڈ میں حصہ نہیں لیا اور ان سے بھی جنہوں نے حصہ لیا ہے۔ مؤخر الذکر سے تو میری درخواست صرف اس قدر ہے کہ وہ جلد از جلد ایفائے وعدہ کی طرف توجہ دیں۔ اور موعودہ رقم ادا فرمائیں۔ سوائے ان احباب کے جنہوں نے بوقت وعدہ اس روپے کو باقساط آخر سال تک ادا کرنے کی اجازت لے لی تھی۔ باقی سب احباب کو چاہیئے کہ وہ اپنے حصہ کی رقم بہت جلد محاسب انجمن کے نام بھیج دیں اور جن احباب نے باقساط ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ اپنے وعدے کے مطابق اقساط باقاعدہ ادا کرتے جائیں اور بار بار یاددہانیوں کی ضرورت نہ رہنے دیں۔

وعدہ کا ایفاء اسلامی اخلاق کا طرۂ امتیاز ہے: اسلامی اخلاق کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ مسلمان جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا کر کے دکھاتا ہے اور موت کو قبول کر لیتا ہے مگر وعدہ شکنی نہیں کرتا۔ کسی دوسرے کے ساتھ جھوٹ بولنا کتنا بڑا گناہ ہے اور کس قدر اخلاقی پستی کا ثبوت ہے۔ مگر جو شخص خدا کے لئے وعدہ کر کے توڑتا ہے، وہ گویا خدا کے ساتھ جھوٹ بولتا ہے۔ اور خدا کے ساتھ جھوٹ بولنا اپنے آپ کو انسانیت کے مرتبہ سے نیچے گرا دینا ہے۔ خدا کو دھوکا دینے کی کوشش کرنا ہے۔ اپنے آپ کو دھوکا دینا

ہے۔اس کی سزا معمولی جھوٹ سے بہت بڑھ کر ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (1:5) اے مسلمانو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔

جوبلی فنڈ میں حصہ نہ لینے والے احباب سے چند باتیں: ان اصحاب سے جنہوں نے اب تک جوبلی فنڈ میں حصہ نہیں لیا مجھے مسلسل جہاد کرنا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کو کھول دے اور مجھے اس کام میں کامیاب فرمائے۔ میں انہیں صدقہ جاریہ کے اس عظیم الشان کام میں شامل کرسکوں جس کی بنیاد ہماری قوم نے اس وقت رکھی ہے۔ یہ جہاد کیا ہے۔ان احباب کو سمجھانا ہے کہ خدا کے راستے میں اس وقت ان کا قدم پیچھے نہ ہٹے۔ان کی منت کرنا ہے کہ ایک ایک شخص جو پیچھے رہتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا وہ جماعت کے ساتھ وفاداری نہیں دکھاتا۔ خدا کے راستے میں کام کرنے والی جماعت کے ساتھ وفاداری نہیں دکھاتا۔علانیہ اور مخفی طور پر انہیں بار بار توجہ دلانا ہے اور سب سے بڑھ کر اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو راتوں کو اُٹھ کر اس کے لئے گریہ وزاری کرنا ہے کہ وہ ہم سب کو ایک سطح پر کھڑا کردے۔

جوبلی فنڈ کا مقصد: اگر کسی دوست کو محض جوبلی کے لفظ کی وجہ سے اعتراض ہے تو اس سے صرف اسی قدر عرض کرنا ہے کہ وہ جوبلی فنڈ کی جگہ مستقل فنڈ کا لفظ رکھ لے۔ کیونکہ میرا منشاء اس سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے لئے ایک زبردست مستقل فنڈ قائم ہوجائے۔ یا صدقہ جاریہ کا لفظ رکھ لے۔ کیونکہ میرا منشاء صرف یہی ہے کہ جو نیک کام ہم لوگ اپنی زندگیوں میں کرتے رہے ہیں وہ ہمارے بعد بھی جاری رہے۔ اشاعت اسلام کا کام وہ کام ہے جس سے زمانہ میں عام مسلمان بہت حد تک غافل ہوچکے ہیں اور مجدد وقت کی جماعت نے اس کام کو زندہ کرکے دکھایا۔اس کام کے لئے ایک مستقل بنیاد خود حضرت مسیح موعود نے اپنی وصیت میں رکھی اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ آپ کی جماعت کا وہ حصہ، جس نے اپنے آپ کو آپ کے علم کا وارث ثابت کیا ہے اور جس نے آپ کے اصل کام تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کو ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک رکھ کر زندہ رکھا ہے، حضرت مسیح موعود کی اس خواہش کو بھی پورا کرکے دکھائے گا کہ ان کے ذریعہ سے قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی ایک مستقل اور زبردست بنیاد قائم ہوجائے۔کون سا دل ہے جس میں اشاعت اسلام کی تڑپ موجود ہو اور اس کو اس بات سے خوشی نہ ہو کہ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے ایک مستقل بنیاد قائم ہوجائے۔

اشاعت اسلام کے لئے ہمارے نوجوانوں کی قربانیاں: اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم اپنے پیچھے آنے والوں سے ڈرتے ہیں کہ خدا جانے وہ ہماری روایات کو زندہ رکھیں یا نہ رکھیں۔ اور اشاعت اسلام کے لئے قربانیاں کریں یا نہ کریں۔ ہماری قوم کے نوجوانوں نے خدا کے فضل سے اشاعت اسلام کا ایک بے نظیر نمونہ دکھایا ہے۔ ان میں سے بہت سے ہیں جو اپنی آمدنیوں کا دسواں حصہ اس غرض کے لئے دے رہے ہیں۔ پھر جو اصحاب تجارت پیشہ ہیں ان کی اولاد کے اندر بھی تبلیغ اسلام کے کام کی ایک زبردست تڑپ نظر آتی ہے۔ یہ مستقل بنیاد رکھ کر فی الحقیقت ہم ان کی ذمہ داریوں کو بڑھا رہے ہیں کہ ان کا کام صرف اس قدر نہیں کہ وہ اپنی زندگی میں تبلیغ اسلام کے کام کو اپنے دل میں سب سے بلند جگہ دیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کو یہ فکر بھی ہونی چاہئے کہ ان کے بعد ان کے اموال سے صدقہ جاریہ کے طور پر تبلیغ اسلام کا کام ہوتا رہے۔

نصرتِ الٰہی: جوبلی کے پہلے سال میں ہم نے ایک لاکھ سے اس کام کو شروع کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ہمارے اس ارادہ کے پورا کرنے میں ہماری امداد فرمائی بلکہ اس میں اس قدر برکت ڈالی کہ ایک لاکھ کی جگہ دو لاکھ سے اس کی بنیاد رکھوا دی۔ اور اس کے فضل سے کیا بعید ہے کہ یہ دو لاکھ بھی اس سال کے آخر تک تین لاکھ ہو جائے۔ اور ہم میں اور قادیان کی جماعت میں، جن کے سامنے ہم آٹے میں نمک کی طرح ہیں، صرف یہ فرق رہ جائے کہ وہ اپنے خلیفہ کے سامنے تین لاکھ رکھ کر اس کی خوشنودی کو حاصل کریں اور ہم تین لاکھ کے مستقل سرمایہ سے تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کی بنیاد رکھ کر اپنے مولیٰ کی خوشنودی کے حق دار ہوں!

میری یہ آرزو کس طرح پوری ہوسکتی ہے؟: میری اس تڑپ کو پورا کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔ اسی کے ہاتھ میں خزانوں کی کنجیاں ہیں اور وہی دلوں کے دروازوں کو کھولنے پر قادر ہے۔ **وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا** (4:19) اس میں شک نہیں کہ مخلصین جماعت کا بڑا حصہ جوبلی فنڈ میں شامل ہو چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسے احباب ہیں اور کافی تعداد میں ہیں جن کے دِلوں میں اگر اللہ تعالیٰ یہ ڈال دے کہ جو مال اُن کو دیئے گئے ہیں ان میں خدا کے دین کا بھی حق ہے اور اس کو ادا کرنے کا یہ زرین موقعہ ہے تو میری آرزو دِنوں میں پوری ہوسکتی ہے۔ ہم میں سے کون ہے جو اپنے مال کا حصہ ہر ماہ کاٹ

کر دیتا ہے اور خوش نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے نیک کام میں اپنا مال صرف کرنے کی توفیق دی تو پھر کون ہے جس کے دل میں اس خیال سے خوشی پیدا نہ ہو کہ اس کا مال ایسی جگہ پر لگ جائے کہ اس سے اس کی وفات کے بعد بھی یہ نیک کام ہوتا رہے اور جب تک دنیا قائم رہے ہوتا رہے۔

صدقہ جاریہ کی اپنی قسم کی پہلی مثال: مسلمانوں میں بہت سے مخیّر بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے بڑی بڑی جائدادیں نیک کاموں کے لئے وقف کر دیں۔ اور آج تک ان کے یہ مال صدقہ جاریہ کا کام دے رہے ہیں۔ مگر تاریخ اسلام میں شاید یہ پہلی مثال ہو کہ ایک جماعت ایک ایسے صدقہ جاریہ کی بنیاد رکھے جس سے تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کا کام دنیا میں ہمیشہ کے لئے ہوتا رہے۔ فرد واحد کا کام اتنا ہی ہوتا ہے جتنا وہ کر دے۔ لیکن جماعت کا کام اگر خدا کو منظور ہو تو ہمیشہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اور اس میں پہلوں کے صدقہ جاریہ پر پچھلوں کے صدقہ جاریہ کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ آج اگر ہم تین لاکھ سے اپنے صدقہ جاریہ کی بنیاد رکھیں تو کیا بعید ہے کہ اور بیس پچیس سال میں یہ تیس لاکھ تک پہنچ جائے۔

اس کارِ خیر میں شرکت ہر ایک احمدی پر فرض ہے: اگر قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے کے لئے صدقہ جاریہ کی اس قدر زبردست بنیاد کا رکھنا ایک بہت بلند نیکی کا کام ہے اور یقیناً ہے، اگر ایک ایسے مینار کی تعمیر جس سے دنیا میں روز بروز زیادہ سے زیادہ روشنی پھیلتی جائے لوگوں کو نفع پہنچانے کا کام ہے اور ضرور ہے، تو پھر اس کام کے لئے تکلیف اُٹھانا اور قربانی کرنا بھی ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے۔ جماعت کا بڑا حصہ اس کے لئے اُمید سے بڑھ کر قربانیاں کر چکا۔ اب باقی احباب کا فرض ہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ مل جائیں۔ ہماری جماعت کا بنیادی اُصول کثرت رائے کا فیصلہ ہے۔ جب قوم کی کثرت رائے ایک بات پر ہو جائے تو سب کا فرض ہے کہ اس کام کے لئے کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جائیں۔ سو جماعت کی کثرت رائے اپنے عمل سے یہ فیصلہ دے چکی ہے کہ ہم نے اس صدقہ جاریہ کی بنیاد رکھی ہے۔ جو احباب اب تک شامل نہیں ہوئے ان کے لئے دو ہی راستے کھلے تھے۔ ایک یہ کہ کثرت رائے ان کی طرف ہوتی اور فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے صدقہ جاریہ کی بنیاد رکھنے کی ضرورت نہیں۔ سو وہ راستہ بند ہو چکا۔ اب دوسرا راستہ یہی ہے کہ وہ جماعت کے کثیر حصہ کے ساتھ شامل ہو کر جماعت کے استحکام اور تبلیغ اسلام کے کام کی قوت کا موجب بنیں۔

ایک بے بنیاد وسوسہ: بعض دِلوں میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ انجمن کے دفتر میں بعض نقائص ہیں۔ مگر دنیا کا کون سا کام ہے جو نقائص سے خالی ہو۔ ہاں خدا کے فضل سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انجمن کو اب تک دیانتدار کارکن ہی ملے ہیں اور سوائے ایک برلن کے واقعہ کے جہاں دوری کی وجہ سے انجمن پورے طور پر نگرانی نہ کر سکتی تھی انجمن کا کوئی کارکن خیانت کا مرتکب نہیں ہوا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہمارے اپنے کاموں میں ہمارے نوکر خیانت نہیں کرتے تو کیا ہم اپنے کاروبار کو بند کر دیتے ہیں؟ خیانتیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ ان کا علاج بھی ہوتا رہتا ہے اور کام بھی چلتے رہتے ہیں۔ کوئی شخص کمانا اس لئے نہیں چھوڑ دیتا کہ اس کا کمایا ہوا مال چور لے گئے تھے۔ پس خدا کی راہ میں اس عذر پر نہ دینا کہ خیانت کے ارتکاب کا اندیشہ ہے صحیح نہیں۔ اس عذر باطل کو دل سے حرف غلط کی طرح مٹا دو۔

اس قیمتی موقع سے فائدہ اُٹھاؤ: اب ہم کس وقت کے انتظار میں ہیں؟ کیا اس وقت دینے کا ارادہ کریں گے جب دینا بھی چاہیں تو نہ دے سکیں۔ یا اس وقت ہم جب اپنے مالوں سے بے دخل کئے جانے والے ہوں گے؟ میرے دوستو! سوچ لو اور خوب غور کر لو کہ مسلمان اگر تباہی کی حالت کو پہنچے ہیں تو اسی لئے کہ قربانیاں کرنی ترک کر دیں نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (67:9) ایسا نہ ہو کہ ہماری جماعت کے قدم بھی قربانیوں سے بچنے کی وجہ سے تباہی کی طرف چلا جائے۔ اُٹھو اور غنیمت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ایک موقعہ دیا ہے کہ ہمارا کچھ مال اس کے راستے میں لگ جائے اور یہی آخرت میں ہمارے کام آئے۔

خیراتی کاموں کے لئے وصیت کا حکم: خیراتی کاموں کے لئے وصیت کا حکم صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور كُتِبَ عَلَيْكُمْ کے الفاظ لا کر اسے فرض قرار دیا گیا ہے۔ پھر اسی وصیت کے حکم کو مجدد وقت نے تازہ کیا اور اپنی وصیت کی رو سے اپنی جماعت کے لئے اسے ضروری قرار دیا۔ پھر تم اور کس بات کے انتظار میں ہو۔ خدا اور اس کے رسول کا حکم موجود۔ مسیح موعود کا حکم موجود۔ کام شروع ہو چکا ہے۔ دو لاکھ سے بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ اب اس کو ترقی نہ دو گے تو عنداللہ یقیناً مواخذہ ہوگا کہ خدا کے نام کو دنیا میں پھیلانے کا راستہ تمہارے سامنے تھا۔ تمہارے ساتھی اس پر چل رہے تھے۔ مگر تم نے منہ پھیر لیا اور اپنے دوستوں کا ساتھ نہ دیا۔ تمہارا صدقہ جاریہ کا کام، جو تم نے جوبلی کے موقعہ پر شروع کیا ہے، وصایا کے اموال سے اس قدر ترقی پا سکتا ہے کہ تمہاری اولاد اور اولاد در اولاد ہمیشہ تم پر خدا کی

رحمتیں اور برکتیں بھیجے گی۔ جب وہ تمہاری جماعت کے اس کارنامے کو دیکھیں گی کہ کس طرح اسلام کے لئے دنیا کو فتح کرنے کی مضبوط بنیاد رکھی گئی۔ دن کے اوقات میں علیحدہ ہو کر سوچو۔ راتوں کی تاریکیوں اور تنہائیوں میں رورو کر دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ اس قربانی کی تمہیں توفیق دے اور پھر اپنے رحم سے اسے قبول فرمائے۔

خدا کی راہ میں کام کرنے والے وہ دِل چاہیں کہ آج ایک قربانی خدا کی راہ میں کر چکے ہیں اور کل دوسری کی ضرورت پیش آئی ہے تو کشادہ سینوں سے اس کے لئے تیار ہوں جس طرح ملائکہ اور خدا کے برگزیدہ بندے دن رات خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں۔ اسی طرح خدا کی راہ میں دینے والے بھی تھکتے نہیں۔

ملک محمد بخش صاحب آسٹریلیا کی قابل تقلید قربانی: جب جوبلی کے چندہ کی میزان ایک لاکھ اسی ہزار کے قریب تھی تو میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ رقم دو لاکھ تک پہنچ جائے تو کیا اچھا ہو! ہمارے جسمانی لحاظ سے دور مگر دل سے بہت نزدیک ایک دوست ہیں۔ ملک محمد بخش صاحب آسٹریلیا والے جو ابھی جوبلی میں ایک سو چالیس روپے یا اس سے زیادہ باوجود مالی مشکلات کے فنڈ ادا کر چکے ہیں۔ اُنہوں نے چالیس روپے اور بھیج دیئے ہیں۔ تا کہ اس نمونہ پر عمل کرتے ہوئے دوسرے احباب بھی اس تھوڑی سی کمی کو پورا کر دیں۔ **مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُمَنْ عَملَ بِهَا ۔**

خاکسار

محمد علی

مسلم ٹاؤن۔ اچھرہ۔ لاہور

20اپریل1939ء

4 مئی 1939ء

حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی وفات حسرت آیات

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

حضرت شاہ صاحب مرحوم کی وفات پر آپ کی طرف سے کثرت سے تعزیت کے پُر درد خطوط آ رہے ہیں۔ میرے نام بھی اور شاہ صاحب مرحوم کے صاحبزادگان کے نام بھی۔ نہ تو یہ رسمی تعزیت کے خطوط ہیں اور نہ میں ان کا رسمی طور پر شکریہ ادا کرنے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ غم سے بھرے ہوئے دِلوں کے خیالات ہیں۔ جو پھوٹ پھوٹ کر باہر نکل رہے ہیں اور ایسے غم سے بھرے ہوئے دل سے میں ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔ اگر جماعت پر یہ حق ہے کہ اس صدمہ کے وقت وہ مجھے تعزیت کے خطوط لکھے تو مجھ پر بھی حق ہے کہ میں جماعت سے تعزیت کا فرض ادا کروں۔

پے در پے تین عظیم صدمات: اس سال مجھے اور میری جماعت کو بہت سے غموم برداشت کرنے پڑے ہیں۔ ہمارے عزیز نوجوان دوست سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب فوت ہوئے اور جماعت کو بڑا بھاری نقصان پہنچا۔ پھر ایک ناقابل تلافی نقصان ہمارے نہایت ہی محترم دوست چودھری منظور الٰہی صاحب کی وفات سے پہنچا۔ اور اب اس سال میں یہ تیسرا صدمہ ہے جو جماعت کو پہنچا۔ اور یہ بہت ہی بڑا صدمہ ہے۔ پس یہ غموں کا سال ہمارے لئے عام الحزن کا مقام رکھتا ہے۔ اے اللہ! ہم تیرے رحم کے محتاج ہیں۔ رحم۔ رحم۔ رحم فرما اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما۔

شاہ صاحب کی مالک حقیقی کے حضور جانے کی تیاریاں: حضرت شاہ صاحب کی صحت کوئی ڈیڑھ سال سے بہت اچھی ہوگئی تھی۔ اور بیماریوں کے ایک لمبے دور میں سے گزر کر وہ بظاہر بالکل تندرست ہوگئے تھے اور ان کے اس طرح یکایک انتقال کر جانے کا کسی کو وہم بھی نہ تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود سفر آخرت کی تیاری میں مصروف تھے۔ اس سے پیشتر ان بیماریوں کے بڑے بڑے خطرناک حملے

ہوئے۔ مگر اپنے آقا اور مالک کے حضور حاضر ہونے کی تیاری اُنہوں نے انہی ایام صحت میں کی۔ اپنی جائداد کا کچھ حصہ وقف کیا۔ کچھ حصہ کی وصیت کی اور باون ہزار روپے کے گرانقدر عطیہ سے صدقہ جاریہ کی ایک عظیم الشان بنیاد رکھی۔ پھر اپنے ورثاء کے متعلق بھی جو کچھ کارروائی کرنی تھی وہ انہی ایام میں کی۔ اور اپنی وصیت کو چند ہی دن ہوئے مکمل کیا۔

آخری ایام عمر میں مرحوم کا قابل رشک شرح صدر: اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان ایام میں دنیا سے بے رغبتی اور انقطاع الی اللہ بہت زیادہ ہو گیا۔ گو وہ خدا کے راستے میں ہمیشہ ہی کھلے دل سے دیا کرتے تھے لیکن خدا کی راہ میں دینے کے لئے جو شرح صدر میں نے ان میں ان ایام میں دیکھا وہ بہت ہی بلند تھا۔

پیکر اخلاص کا ایک خاموش کارنامہ: بمشکل تین ماہ ہوئے ہوں گے کہ مرزا ولی احمد بیگ کا خط آنے پر، کہ وہ ہالینڈ میں ایک اسلامی مشن قائم کر چکے ہیں اور انہیں دو سال کے لئے دو سو روپے ماہوار کی ضرورت ہے، میں نے ایک دو دفعہ یہیں مسلم ٹاؤن میں مسجد میں ان سے اور دیگر دوستوں سے یہ ذکر کیا اور اپنی مشکلات کا ذکر کیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ چند دوستوں کو تکلیف دوں کہ وہ اس رقم کو تھوڑا تھوڑا بانٹ کر پورا کر دیں، تو اس پیکر ایثار نے سوچنے کے لئے بھی لمبا وقت نہیں لیا۔ تیسرے ہی دن مغرب کی نماز کے بعد واپس ہوتے ہوئے مجھے علیحدہ کر کے فرمایا کہ آپ کسی کو نہ لکھیں۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ رقم میں اکیلا ادا کر دوں گا۔ اور دو سو روپیہ ماہوار ہر ماہ آپ کو پہنچا دیا کروں گا۔ مگر میرا نام ظاہر نہ کریں۔ اور فرمایا کہ میں نے سوچا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو اس قدر فضل کیا ہے اور مجھے اس قدر مال عطا فرمایا ہے تو اس لئے مجھے یہ دیا ہے کہ میں اس کے راستے میں خرچ کروں۔ یہ ان کے لفظ میرے دل میں میخ کی طرح گڑ گئے۔ میری آنکھوں سے اس وقت خوشی سے آنسو نکل آئے اور گو میں کھڑا تھا مگر میری روح آستانہ الٰہی پر گری ہوئی تھی کہ اے خدا! تو نے اس اپنے بندے کو کیسا پاکیزہ قلب عطا فرمایا ہے جس سے مال دنیا کی محبت بکلی نکال لی گئی ہے۔ کمال انسانی کے اس بلند مقام پر پہنچا کر اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اپنی طرف بلا لیا اور ہمارے ملک کی عام عمر طبعی کو بھی وہ پہنچ چکے تھے یعنی ان کی عمر پینسٹھ سال کی ہو چکی تھی تو اس پر شکایت نہیں بلکہ

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہوئے ہم اس کے مزید فضلوں اور رحمتوں کے اُمیدوار ہیں۔

شاہ صاحب اور ان کے رفقائے مرحوم نے امانت کا پورا حق ادا کیا: کمال کا یہ بلند مقام درحقیقت اس امانت کی ادائیگی تھی جو حضرت مسیح موعود نے شاہ صاحب مرحوم کے سپرد کی تھی۔ اپنی وفات کے قریب ہونے کی خبر جب حضرت مسیح موعود کو دی گئی تو آپ نے اپنی جانشینی کا منصب ایک انجمن کو دیا اور اس کے چودہ ممبروں کو منتخب کرتے وقت لاہور کے چار ممبروں پر آپ کی نظر پڑی۔ یہ چار ممبر حضرت شیخ رحمت اللہ مرحوم، حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم، حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم اور حضرت سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم تھے۔ جس کمال خوبی اور اخلاص سے ان چاروں نے حضرت صاحب کی امانت کا حق ادا کیا اس کی طرف اس الہام الٰہی میں اشارہ معلوم ہوتا ہے ''لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں''۔ ان چاروں اصحاب کے دِلوں میں اس قدر عشق خدا کے دین کی خدمت کا تھا کہ انجمن کے ہر اجلاس میں لاہور سے دوڑے آتے تھے اور پھر اس کے ساتھ ہی مالی نصرتوں میں جماعت میں پیش پیش تھے۔ ان دِنوں قادیان کا سفر اچھا خاصا صبر آزما تھا اور پھر ان چاروں اصحاب کو اپنے اپنے کاروبار کی مصروفیت بھی بے انتہاء تھی۔ مگر خدمت دین کے جذبہ نے ان دونوں مشکلات کو آسان کر دیا تھا۔ مجھے اس انجمن کے سیکرٹری کا منصب تفویض کیا گیا تھا۔ اور اگر ایک طرف ان چاروں بزرگوں کے مشورے میرے لئے قوت کا موجب تھے تو دوسری طرف ان کے خلوص کا گہرا اثر میرے دل پر تھا۔

ہماری محبت کی انتہاء۔ پنج قالب و یک جان: اس طرح 1906ء کی ابتداء میں اس محبت کی بنیاد پڑی جو ہم پانچ میں یہاں تک ترقی کر گئی تھی کہ گویا ہم پنج قالب و یکجان کا مصداق تھے۔ آج یہ چاروں دوست یکے بعد دیگرے اپنے مولیٰ سے جا ملے ہیں۔ اور میں صدق اور اخلاص اور وفاداری کے نمونے اپنی جماعت میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے ان دوستوں کے جدا ہو جانے کے بعد تنہائی سی محسوس کرتا ہوں۔ وَاللّٰہُ وَلِیٌّ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

وفاداری، خدمت دین، استقلال وخلوص کا بینظیر نمونہ: ان چاروں دوستوں نے جو نمونہ وفاداری اور خدمت دین میں استقلال اور اخلاص کا دکھایا ہے، آج اس کی نظیریں بہت ہی کم ملتی ہیں۔

خدا کے مسیح کی نظر اپنے پیچھے کام چلانے والے چند بزرگوں پر پڑی۔ جن میں یہ چار حضرت مولوی نورالدینؒ کے بعد نمایاں ہستیاں نظر آتی ہیں اور عملی طور پر کام کا بوجھ انہی پر تھا۔ اُنہوں نے حضرت مسیح موعود کی اس امانت کا حق ایسا ادا کیا کہ خدا کی راہ میں ان کا قدم آگے ہی آگے ترقی کرتا چلا گیا۔ شیخ صاحب مرحوم کی مالی اعانت اپنے زمانے میں تمام احباب سلسلہ پر سبقت لے گئی اور غالباً ایک لاکھ روپے کے قریب اُنہوں نے خدمت اسلام کے کام میں خرچ کیا۔ خواجہ صاحب مرحوم کو درد اسلام نے بے سروسامانی کی حالت میں انگلستان جا پہنچایا اور یورپ میں سب سے پہلے اسلامی مشن کی بنیاد ان کے پاک ہاتھوں سے رکھی گئی۔ مرزا صاحب مرحوم اور شاہ صاحب مرحوم نہ صرف احمدیت کی شمع کے پروانے تھے اور اپنا مال اور وقت اس کے لئے وقف کیا ہوا تھا بلکہ اسلام کی تمام قومی اور مذہبی تحریکوں میں پیش پیش رہتے تھے۔

موجودہ زمانہ میں مرحوم کی بے مثال مالی قربانیاں: آج اسی زمانہ میں جس قدر شاہ صاحب مرحوم کے مال سے اعلائے کلمۃ اللہ کے کام کو قوت پہنچی ہے، اس کی دوسری نظیر مجھے نظر نہیں آتی۔ یہ ہے اس امانت کا حق جو مسیح موعود نے ان کے سپرد کی تھی۔ یہ چاروں جو کچھ بنے حضرت مسیح موعود کے انفاس طیبہ کی برکت سے بنے۔ جس شخص کی صحبت میں بیٹھنے والے اس بلند مقام کو پہنچے ہوں اس کی صداقت کا انکار کرنا آفتاب کے موجود ہونے کا انکار ہے۔

مرحوم کے خلوص کی زبردست شہادت۔ تین مساجد کی تعمیر: حدیث میں آتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک مسجد بنواتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنتا ہے۔ شاہ صاحب مرحوم نے یکے بعد دیگرے تین مسجدیں بنوائیں۔ سب سے پہلے قادیان میں مسجد نور۔ اس کے بعد احمدیہ بلڈنگس لاہور میں مسجد احمدیہ اور اس کے بعد مسلم ٹاؤن میں مسجد عائشہ۔ قادیان کی مسجد نور قادیان کی بیرونی آبادی کا مرکز ہے اور وہیں جماعت قادیان کے سالانہ جلسے ہوتے ہیں۔ احمدیہ بلڈنگس والی مسجد جماعت احمدیہ لاہور کا مرکز ہے۔ اور مسجد عائشہ جماعت احمدیہ لاہور کی بیرونی آبادی اور مسلم ٹاؤن کی آبادی کا مرکز ہے۔ ایک شخص کا تین مسجدیں بنوانا، جن تینوں میں خدا کے آگے اس کثرت سے مخلوق خدا جھکتی ہے۔ شاہ صاحب مرحوم کے خلوص پر ایسی گواہی ہے جس کا ظالم سے ظالم دشمن بھی

انکار نہیں کر سکتا۔

شاہ صاحب مرحوم کی دیگر شاندار خدمات دینی: شاہ صاحب مرحوم کی خدمت کے اور بڑے بڑے زبردست کام ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر بے نظیر ہے۔ وہ جماعت کے لئے زبردست قوت کا موجب تھے اور ہر تحریک میں، جو کی جائے، ان کا قدم عموماً سب سے آگے ہوتا تھا۔ ہم جب قادیان میں فتنہ تکفیر کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے قادیان کو چھوڑ کر لاہور چلے آئے تو ہمارے پاس نہ کوئی روپیہ تھا نہ کوئی مکان۔ ان دونوں بزرگوں نے یعنی مرزا صاحب مرحوم اور شاہ صاحب مرحوم نے اپنا ایک وسیع مکان انجمن کے حوالے کر کے انجمن کی بنیادوں کو مضبوط کر دیا۔ اور شاہ صاحب مرحوم نے مسجد تو پہلے ہی بنوادی تھی۔ اب جب جوبلی کے موقعہ پر تحریک کی گئی تو شاہ صاحب مرحوم نے 52000 روپے کی جائداد انجمن کے سپرد کر کے قوم کو ایک ایسے بلند مقام پر پہنچا دیا کہ اس نمونہ کو دیکھ کر دوسرے احباب کا قدم بھی تیز ہو گیا۔ اور بالآخر ہالینڈ مشن کا سارا بوجھ شاہ صاحب مرحوم نے ہی اُٹھایا۔ ان کی کل مالی نصرت کا اندازہ کیا جائے تو ڈیڑھ لاکھ روپے سے کم نہ ہو گی۔ او راس کے علاوہ جو وہ خیرات کرتے تھے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ مگر ہم اس قدر جانتے ہیں کہ اپنے بہت سے عزیزوں کی پرورش کے علاوہ بھی ان کی سخاوت کا دائرہ بہت وسیع تھا اور حاجت مند بہت ان کے پاس آتے اور ان سے فائدہ اُٹھاتے۔ **اَللّٰھُمَّ اکْرِمْ نَزَلَهٗ وَوسعّ مَدْخَلهٗ وَارْفَعْ دَرَجٰتَهٗ فِی الْجَنَّةِ۔**

توسیع واستحکام جماعت کے متعلق خدمات: شاہ صاحب مرحوم کے دل میں اگر ایک طرف تبلیغ اسلام کا انتہائی جذبہ موجود تھا تو دوسری طرف وہ توسیع واستحکام جماعت کے فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ یہ دونوں باتیں لازم وملزوم ہیں اور ان میں مقدم موخر کا سوال غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جن لوگوں نے حضرت مسیح موعود کی صحبت میں پرورش پائی تھی، ان کی بڑی خوبی ان کی قوت عمل میں نظر آتی ہے۔ تبلیغ اسلام کا موقعہ نظر آیا تو اس کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اور جہاں کسی کو جماعت میں شامل کرنے کا موقعہ دیکھا تو وہ کام بھی کر کے دکھا دیا۔ اپنے عزیزوں اور زیر اثر لوگوں کو جماعت میں داخل کیا۔ اس کی مثال بھی کم نظر آتی ہے۔ گذشتہ تین ماہ میں ڈیڑھ دوصد کے قریب نفوس جماعت میں انہی کی تحریک سے شامل ہوئے

اور اس دنیا میں ان کا آخری کام بھی اپنے ایک عزیز فدا حسین کو جو ملازمت کے سلسلہ میں بمبئی جا رہا تھا بیعت میں شامل کروانا تھا۔ چنانچہ وفات کے دن سے پہلی شام اسے رقعہ دے کر میرے پاس بھیجا کہ اس کی بیعت لے لیں۔

شاہ صاحب مرحوم کی ایک اور خوبی: شاہ صاحب مرحوم کی ایک اور خوبی جو نمایاں نظر آتی ہے وہ ان کا اپنے گھر والوں میں اسی جذبہ کا پیدا کر دینا ہے جو خود ان کے اندر تھا۔ ان کی وفات کے تیسرے دن جمعہ کے خطبہ میں میں نے اس بات کا ذکر کیا کہ ہالینڈ مشن کا بوجھ شاہ صاحب مرحوم نے ہی اُٹھایا ہوا تھا اور یہ فکر بھی ظاہر کی کہ اب آئندہ اس کا کیا حشر ہوگا اور فی الحقیقت اگر ایک طرف شاہ صاحب کی جدائی نے کمر توڑ رکھی تھی تو دوسری طرف ہالینڈ مشن کا فکر میری کمزور پیٹھ پر کوئی چھوٹا سا بوجھ نہ تھا۔

ہالینڈ مشن کا انتظام۔ مرحوم کی بیگم صاحبہ اور بچوں کا پیغام: اس سے اگلے ہی دن جب میں شاہ صاحب کے مکان پر گیا تو مجھے ان کی بیگم صاحبہ اور ان کے بچوں کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ وہ شاہ صاحب کے وعدے کو پورا کریں گے اور دو سال کے لئے دو سو روپے ماہوار کا بوجھ جو شاہ صاحب نے اُٹھایا تھا اب وہ اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ **اَللّٰھُمَّ اجْرُھُمْ عَنِّیْ وَعَنْ قَوْمِیْ وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ اَحْسَنَ الْجَزَآءِ ۔**

میری دلی دعا: میں ان کے اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے لفظ نہیں پاتا کہ کس طرح اُنہوں نے اپنے حزن وغم کے اندر میرے غم کا بوجھ ہلکا کیا۔ ہاں! میرے دل سے پھوٹ پھوٹ کر یہ دعا نکلتی ہے کہ جس طرح اُنہوں نے میرے غموں کے بوجھ کو ہلکا کیا اے خدا تو اُن کے غموں کے بوجھ کو ہلکا کر دے اور ان پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کی بارش برسا۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ ہر ایک احمدی کے دل سے یہی دعا نکلے گی۔ اس وقت گویا شاہ صاحب مرحوم کی بیگم صاحب ہمارے لئے شاہ صاحب کے مقام پر کھڑی ہو گئیں اور ہمارا بھی فرض ہوگا کہ ہم ان کا وہی احترام کریں جو شاہ صاحب مرحوم کا کرتے تھے۔ ان کا شاہ صاحب مرحوم کے عہد کو یہ مقام دینا بتاتا ہے کہ شاہ صاحب کی کس قدر عزت ان کے اہل بیت کے دل میں ہے اور یہ انسان کے بلند سے بلند اخلاص کی شہادت ہے کہ اس کی سب سے بڑھ کر عزت ان لوگوں

کے دِلوں میں ہوتی ہے جو اس سے سب سے زیادہ قریب ہوں۔

یہ صدمہ عظیم برکتوں کے نزول کا موجب بھی ہوسکتا ہے: ایسے عظیم الشان انسان کا اُٹھ جانا جماعت کے لئے بڑا صدمہ ہے۔ مگر یہی صدمہ جماعت پر برکتوں کے نزول کا موجب بھی ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ جماعت خدا کی طرف قدم اُٹھائے۔ شاہ صاحب مرحوم کی دنیوی حیثیت کے بہتیرے آدمی جماعت میں ہیں۔ ان سے بڑھکر مال دنیا رکھنے والے بھی ہیں۔ اس کے قریب قریب رکھنے والے بھی ہیں۔ کیا وہ میرے بار کو ہلکا نہیں کر سکتے ؟!

جرمن مشن کی مشکلات اور جماعت کا فرض: جرمن مشن کا بوجھ اب تک جماعت نے ذمہ دارانہ طریق پر نہیں اُٹھایا۔ حالانکہ وہاں مسجد بھی ہے۔ جرمن میں ترجمہ قرآن بھی ہو چکا ہے اور پندرہ سال سے زیادہ عرصہ سے مشن بھی قائم ہے۔ وہاں کے اخراجات اس قسم کے ہیں کہ قادیان کی جماعت اپنی کثرت کے باوجود اس بوجھ کو نہ اُٹھا سکی اور بنتی ہوئی مسجد کو فروخت کر دیا۔ ہم نے بے حد مشکلات کا مقابلہ کر کے مسجد کی تکمیل بھی کی۔ اب اس کی سالانہ مرمت پر تقریباً ایک ہزار روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ مشن کا کل خرچ، جو سالانہ پندرہ ہزار روپے تک تھا، اب کم کر کے اس حد تک لایا گیا ہے کہ یہاں سے قریباً دس ہزار روپے سالانہ بھیجنے کی ضرورت ہے۔ باقی کچھ چندہ پروفیسر صاحب وہاں بھی کر لیتے ہیں۔ انجمن کے معمولی ماہوار چندے اس بھاری خرچ کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ میں نے دو سال ہوئے سالانہ جلسہ پر تحریک بھی کی تھی کہ اس رقم میں سے پانچ ہزار روپے سالانہ خاص جرمن مشن کے لئے چندہ اگر جماعت کر لیا کرے تو باقی ہم معمولی چندوں سے پورا کر لیں گے۔ اس سال بوجہ جوبلی کے معمولی عطیے بھی اس مشن کے لئے نہیں آئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پروفیسر محمد عبداللہ سخت مشکلات کے اندر کام چلا رہے ہیں اور ان کی چیخ پکار کو سن کر دل پر سخت چوٹ لگتی ہے۔ کیونکہ اس کی آخری ذمہ داری انجمن پر اور اس کے سرکردہ کارکنوں پر عائد ہوتی ہے۔ ایک طرف بہت سے دوست جدا ہو گئے۔ ان کی موت کے صدمات یکے بعد دیگرے دل پر زخم لگا رہے ہیں۔ دوسری طرف مالی مشکلات کا بوجھ ہم جیسے کمزور انسانوں کی پیٹھ توڑنے کے لئے کافی ہے۔

جماعت کے اہل ثروت احباب سے اپیل: کیا اس جماعت میں ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب

مرحوم کی مالی حیثیت کے پانچ آدمی موجود نہیں؟ اگر سید صاحب باون ہزار کی جائداد وقف اور وصیت کرنے کے بعد دوسو روپے ماہوار کا بوجھ ہالینڈ مشن کے لئے اُٹھا سکتے تھے تو کیا پانچ دوست اس حیثیت کے اس جماعت میں اور نہیں جو جرمن مشن کے لئے دو دوسو روپے ماہوار کا بوجھ اُٹھا سکیں۔ خواہ اُنہوں نے وصیت کی ہے یا نہیں؟ اور میں دوسو بھی نہیں کہتا۔ اگر ایک ایک سو ماہوار کا بوجھ بھی پانچ آدمی اُٹھا لیں تو جرمن مشن چل سکتا ہے۔ یہ بھی نہیں تو دس آدمی یکمشت پانچ پانچ سو کی رقم دے دیں تو بھی جلسہ سالانہ تک کام نکل سکتا ہے۔ میں تو کوئی چیز نہیں۔ آپ کے اور بہت سے قیمتی آدمی ہیں۔ ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں کہ وہ ان کی روح کو پگھلا دے اور آپ کی قوم اعلائے کلمۃ اللہ کا جو کام کر رہی ہے اسے نقصان پہنچے۔ مال سے محبت کر کے اپنے قیمتی انسانوں کو ضائع نہ کرو۔ پانچ سو روپے سے کسی مالدار آدمی کا مال کم نہیں ہو جائے گا بلکہ شاید اس کے نکلنے سے برکت ہی ہو۔ والسلام

خاکسار محمد علی

2 مئی 1939ء

18 مئی 1939ء

استحکام جماعت کے متعلق چند ضروری تجاویز

بیرونی جماعتوں کے نمائندہ احباب سے اپیل

ازحضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

1937ء کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ایک اجتماع خاص احباب کا ہوا تھا جس کی غرض جماعت میں قوت عمل کو بڑھانا اور اس کے بعد نظام کو مستحکم کرنا تھا۔ اس اجتماع میں جو اُمور سب اصحاب کے اتفاق رائے سے طے ہوئے تھے وہ حسب ذیل تھے۔

1۔ ہر جگہ درس قرآن کریم کا سلسلہ جاری ہو۔ خواہ وہاں ایک دو آدمی ہی ہوں۔

2۔ تبلیغ کے سلسلہ کو وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (214:26) کی ہدایت کو مدنظر رکھتے ہوئے وسیع کیا جائے اور جماعت کا ہر ایک فرد سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں میں تبلیغ کا حق ادا کرے۔ اس کے بعد جہاں تک ممکن ہو دوسروں میں۔

3۔ جہاں جہاں جماعت ہے وہاں ایک مقام اجتماع کا مقرر ہو۔ جو جماعت کا مقامی مرکز ہو اور وہاں ایک لائبریری بھی موجود ہو جہاں سلسلہ کی ضروری کتب اور مفت اشاعت کے ٹریکٹ وغیرہ موجود رہیں۔

4۔ جماعت میں جہاد بالمال کی زبردست روح پیدا کی جائے اور ہر شخص چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت اپنی استطاعت کے مطابق ہر ماہ کچھ نہ کچھ چندہ ادا کرے اور سب دوست بچت فنڈ اور ایک آنہ فنڈ میں بھی شامل ہوں۔

5۔ مرکز سے جو تحریک ہو اس میں ہر جماعت کے سب کے سب افراد حصہ لیں۔

6۔ ہر دوست اس بات کا خیال رکھے کہ وہ کس ذریعہ سے جماعت کو یا اس کے مقاصد اشاعت قرآن و تبلیغ اسلام کو مدد پہنچا سکتا ہے۔

ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے میں افسوس ناک التواء: ان تمام باتوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہر جماعت کا ایک ایک نمائندہ لیا گیا تھا۔ جو ان اُمور کو عمل میں لانے کا ذمہ دار تھا۔ ان میں سے بعض اصحاب نے تو خود اپنے نام پیش کئے تھے اور بعض کے نام منتخب کر کے ان کو اطلاع دی گئی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ یہ امر سوا سال کے عرصہ سے اسی طرح معرض التوا میں پڑا رہا۔ بظاہر نہ دفتر سے کوئی خاص کارروائی اس میں ہوئی اور نہ ہی ان احباب نے، جنہوں نے یہ کام اپنے ذمے لیا تھا، کوئی باقاعدہ کارروائی کی۔

التوٰی کی وجوہ اور نتائج: میں خود جلد ہی اس کے بعد بیمار ہو گیا اور جب کچھ کام کرنے کے قابل ہوا تو جوبلی کا اس قدر کام سامنے تھے کہ دوسرے کسی امر کی طرف میری توجہ نہ جاسکی۔ ایک یا سوا سال تک اس کام کے معرض التواء میں پڑا رہنے سے جماعت کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ اور آمدنی میں بھی بجائے اضافہ ہونے کی کمی ہو گئی ہے۔ اور اس وجہ سے انجمن کی مالی مشکلات بھی بڑھ گئی ہیں۔ مگر از ماست آنچہ بر ماست۔ ہماری مشکلات صرف ہماری اپنی غفلت کا نتیجہ ہیں۔

مرکز کی غفلت اور نمائندہ احباب کا تساہل: مجھے اس بات سے بھی انکار نہیں کہ اس بارے میں سب سے بڑھ کر ذمہ دار مرکز کی سستی اور لاپرواہی ہے۔ اگر مرکز سے اس بارے میں متواتر تحریکات ہوتی رہیں تو وہ احباب، جو ایک عزم کو لے کر اُٹھے تھے، اپنی اپنی جگہ پر کام میں لگ کر مرکز کے لئے بھی قوت کا موجب ہوتے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی درست ہے کہ ان احباب نے بھی اپنے اس عہد کی طرف توجہ نہیں کی جو اُنہوں نے اس اجتماع کے موقع پر کیا تھا۔ ایک ایک دوست کو ایک جماعت کا نمائندہ قرار دینے کا مقصد ہی تھا کہ وہ خود اس ذمہ داری کو محسوس کریں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ہر جماعت میں صرف ایک آدمی مومنانہ عزم کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو ہماری ساری مشکلات دِنوں میں حل ہو سکتی ہیں۔ افسوس ہے تو صرف یہی کہ تھوڑی سی سستی سے ہم اپنے آپ کو عظیم الشان فوائد سے محروم کر رہے ہیں۔ میرے دوستو! اُٹھو ایک ایک لمحہ، جو آپ سستی میں گذار رہے ہیں، وہ آپ کے اپنے نقصان کا موجب ہے، جماعت کے نقصان کا موجب ہے اور اسلام کے نقصان کا موجب ہے۔

مرد مسلمان کا عزم مقصد پر غالب آتا ہے: مجھے علم ہے کہ ان مقاصد کو حاصل کرنے میں مشکلات

ہیں۔شاید بڑی بڑی مشکلات بھی ہیں۔لیکن ایک ایسے مسلمان کے سامنے،جس کے اندر مسیح وقت نے ایک نئی روح پھونک دی ہے، یہ مشکلات اس طرح اڑ جانی چاہئیں جس طرح تیز آندھی کے سامنے خس وخاشاک اڑ جاتے ہیں۔اپنے اس عہد کو یاد کرو۔اپنی انجمن کی مشکلات پر غور کرو جن کی وجہ سے آپ کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔اور سب سے بڑھ کر دین اسلام کی مشکلات پر غور کرو۔جن کو دور کرنے کے لئے آپ کھڑے ہوئے ہیں اور آپ کی جماعت دنیا میں قائم ہوئی ہے۔اگر اسلام کی مشکلات اور اپنی جماعت کی مشکلات کی اہمیت آپ کے سامنے ہوتو اپنی مشکلات آپ کو خود ہی ہیچ نظر آنے لگیں گی۔

ہر جماعت میں ایک صاحب عزم و ہمت کی ضرورت ہے: ہر جماعت میں صرف اگر ایک آدمی کمر ہمت باندھ کر کھڑا ہو جائے تو وہ ساری جماعت کو بیدار کرسکتا ہے۔اور اس وقت ہمارے ہاتھ میں اور کوئی دوسرا طریق بھی نہیں۔ہمارے پاس مبلغ بہت کم ہیں اور حضرت مسیح موعود کے زمانے میں کام کا طریق بھی یہی تھا کہ ہر فرد اپنے اندر جوش رکھتا تھا۔ایک ایک آدمی نے ایک ایک زبردست جماعت بنادی۔کیا ان پہلوں کے نقش قدم پر چل کر ہم اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ اس بنی بنائی جماعت کو کام میں لگادیں۔

درس قرآن کریم: قرآن کریم کا درس پہلی بات ہے جس کے اجراء کی ضرورت ہے۔اس کے لئے کسی بڑے علم کی ضرورت نہیں۔''بیان القرآن'' سے ہی دو دوست اکٹھے ہوکر ایک یا دو رکوع ایک دوسرے کو سنا دیں۔دوسرا دوست نہ ہوتو اپنے بیوی بچوں کو ہی سنا دیں۔آخر خدا کا کلام پڑھنا یا سنانا رائیگاں نہیں جائے گا۔خدا پر ایمان بڑھے گا۔قوت عمل بڑھے گی۔اسی طرح اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو اس نظام میں منسلک کر لینا کچھ مشکل نہیں صرف تھوڑی سی کوشش کی ضرورت ہے۔

چندوں میں باقاعدگی کی ضرورت: چندوں کی موجودہ حالت بہت قابل افسوس ہے۔جماعت کا بہت بڑا حصہ چندوں میں شامل نہیں۔اور یہی ہماری ساری کمزوری کا موجب ہے۔پھر جو دیتے ہیں وہ اپنی وسعت کے مطابق نہیں دیتے۔سب دوستوں کو ایک شرح پر لانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور وہ ہے ایک آنہ فی روپیہ یا پچاس روپے سے کم آمدنی والوں میں تین پیسے فی روپیہ۔

جوبلی فنڈ میں سے بیرونی جماعتوں کی امداد کی شرط: ایک اور بات بھی آپ کے علم میں لانے کی ضرورت ہے۔اس وقت انجمن نے جوبلی فنڈ میں سے کچھ رقوم جماعت کے بعض استحکام کے کاموں

کے لئے صرف کر دینے کا فیصلہ کیا ہے اور اسی ذیل میں ایک ہزار روپے بیرونی جماعتوں کی امداد کے لئے الگ کیا گیا ہے۔ لیکن اس امداد سے صرف وہی جماعتیں فائدہ اُٹھا سکتی ہیں جو اس وقت بیدار ہو کر کام میں لگ جائیں۔ اور جن کے نمائندے اس بات کا یقین دلائیں کہ اس امداد سے وہ جماعت کے نظام کو مضبوط کر دیں گے۔

جماعتوں کے نمائندگان سے اپیل: اس لئے میں نیچے نمائندگان جماعت کی وہ فہرست درج کرتا ہوں جو 1937ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر تیار ہوئی تھی۔ سب اصحاب اپنے اپنے نام دیکھ کر اپنی جماعت کے نظام اور استحکام کے کام کو اپنی فوری ذمہ داری سمجھیں۔ جن احباب کو میں نے علیحدہ خطوط لکھے ہیں، گو ان کے نام فہرست میں نہ ہوں، مگر وہ اسی طرح ذمہ دار ہوں گے جس طرح یہ نمائندگان جماعت۔ اور ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ سر دست میں علیحدہ علیحدہ خطوط نہیں لکھوں گا۔ کیونکہ اس میں بھی بہت سے وقت اور روپے کا خرچ ہے۔ سب دوست اس تحریک کو، جو اخبار میں شائع ہو رہی ہے، کافی سمجھیں۔ اور 30 مئی سے پہلے پہلے مجھے اطلاع دیں کہ اُنہوں نے اپنی اپنی جماعت میں کام شروع کر دیا ہے۔ چندوں کے متعلق مجھے چند اُمور کی اطلاع ان احباب کی طرف سے اسی تاریخ تک مل جانی چاہئے۔

1۔ کل احباب جماعت کی تعداد۔ اس میں کمانے والوں کے علاوہ خواتین اور نو جوان بھی شامل کئے جائیں۔ خواہ وہ کتنا ہی تھوڑا چندہ دیں۔

2۔ جماعت کے موعودہ ماہوار چندے کی کل میزان۔

3۔ بجٹ فنڈ میں حصہ لینے والوں کی تعداد۔

ماہ مئی کا چندہ بھی حتی الوسع ان نئی فہرستوں کے مطابق وصول ہونا چاہئے اور ان اصحاب کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہر ماہ کا چندہ اس ماہ کی 10 تاریخ تک وصول کر کے منی آرڈر ہو جانا چاہئے۔ بقایا جات بعد میں وصول ہو کر دوسرے ماہ کے چندے کے ساتھ بھیج دیئے جایا کریں۔ مگر یہ نظام پختہ ہو کہ بہت بڑا حصہ چندوں کا 10 تاریخ تک وصول ہو کر فوراً محاسب انجمن کے نام بھیج دیا جائے۔ جماعتوں کے نمائندگان کی فہرست دوسرے صفحہ پر ملاحظہ کریں۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی۔

فہرست نمائندگان: جالندھر: مولوی عبدالرحمان صاحب۔ گوجرانوالا: شیخ محمد حسین صاحب۔

وزیرآباد: شیخ محمد عبداللہ صاحب۔ گجرات: حافظ محمد حسین صاحب۔ جہلم: شیخ عبدالعزیز صاحب۔ راولپنڈی: ماسٹر محمد عبداللہ صاحب۔ پشاور: ڈاکٹر نظام الدین صاحب۔ ہری پور: ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب۔ بازید خیل: جناب فضل علی صاحب۔ سفید ڈھیری: ملک کندل خان صاحب۔ شیخ محمدی: استاد گل صاحب۔ اسلامیہ کالج: بابو عبداللہ خان صاحب۔ ایبٹ آباد: شیخ محمد احمد صاحب۔ مانسہرہ: قاضی عبدالرشید صاحب۔ کچھی: مبارز خاں صاحب۔ داتہ: مولوی محمد یمین صاحب۔ پونچھ: مولوی محمد عبداللہ صاحب۔ سرینگر: جناب عبدالصمد صاحب۔ بھدرواہ: چودھری عبدالرزاق صاحب اودہم پور: شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم۔ جموں: مستری یعقوب علی صاحب۔ سیالکوٹ: شیخ غلام حسین صاحب۔ پسرور: جناب قاضی نثار مجدد صاحب۔ بدوملہی: چودھری محمد سرفراز خان صاحب، مولوی مسیح الزمان۔ کنجاہ: ملک غلام سرور صاحب۔ چندر کے منگولے: چودھری اللہ دتا صاحب۔ برنالہ: چودھری عطاء الٰہی صاحب۔ کوٹلی: چودھری عمر الدین صاحب۔ کلانور: مرزا سکندر بیگ صاحب۔ شیخو پورہ: مولوی عالم دین صاحب وکیل۔ لائل پور: قاضی فضل قادر شیر صاحب کارخانہ حاجی مولا بخش صاحب۔ جھنگ: جناب میاں غلام رسول صاحب تمیم۔ ملتان: جناب عبدالعزیز خان صاحب۔ چک نمبر 81: چودھری محمد حسین صاحب۔ ڈیرہ غازی خاں: جناب محمد اعظم صاحب۔ علی پور: جناب قاضی شیر محمد صاحب۔ گوجرہ: چودھری عبداللہ خاں صاحب۔ امرتسر: بابو ثناء اللہ صاحب۔ مرار: جناب چودھری احمد علی صاحب۔ لدھیانہ: جناب فضل رب صاحب۔ دہلی: میاں نصیر احمد صاحب فاروقی۔ علیگڑھ: پروفیسر عنایت علی صاحب۔ شملہ: جناب عبدالعزیز صاحب۔ فیروز پور: شیخ بشیر احمد صاحب۔ سامانہ: قاضی محمد سلیمان صاحب۔ پٹیالہ: ماسٹر صادق علی صاحب۔ جبہ: مرزا معصوم بیگ صاحب۔ چک نمبر 2 اوکاڑہ: چودھری نظام الدین صاحب۔ چک نمبر 6/4-L چودھری عبدالمجید صاحب۔ کپورتھلہ: سید عبدالمجید صاحب۔ بہاولنگر: شیخ عبدالعزیز صاحب۔

نوٹ: جن جماعتوں کے نام اس فہرست میں نہیں وہاں سے کوئی صاحب اپنا نام خود پیش کریں۔

محمد علی

8 ستمبر 1939ء

مکتوب امیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہم کون ہیں؟

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

برادرانِ محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

ہم کون ہیں؟ اس کا جواب تو وہ ہے جو دوسرے لوگ دیں گے اور یہ موٹے طور پر چار گروہ ہیں۔ عام مسلمان ہمیں کافر قرار دیتے ہیں اور ایسے پکے کافر کہ جب تک ہمارے کفر کا اقرار نہ کیا جائے کوئی مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا۔ کافر ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور ایسے متعصب مسلمان جو اسلام کی حمایت میں دوسرے مذاہب پر سختی بھی کر جاتے ہیں اور جو مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت ہے جن کی اغراض سوائے اشاعت اسلام کے کچھ اور نہیں۔ تعلیم یافتہ مسلمان ہمیں عقائد کی رو سے غلطی پر سمجھتے ہیں اور کام کے لحاظ سے اسلام کی بہترین کارکن جماعت سمجھتے ہیں۔ ہمارے قادیانی دوست ہمیں اس وجہ سے تو فاسق قرار دیتے ہیں کہ ہم نے اس شخص کو خلیفہ نہیں مانا، جس نے تمام روئے زمین کے کلمہ گوؤں کو کافر قرار دے کر کلمہ کو عملاً منسوخ قرار دیا اور اس وجہ سے مرتد قرار دیتے ہیں کہ ہم بانی سلسلہ احمدیہ کو نبی نہیں مانتے۔

گروہ اول یعنی عام مسلمانوں سے خطاب: گروہ اول کو تو میں کہتا ہوں کہ اگر ایک کافر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ کے اقرار سے مسلمان ہو سکتا ہے اور آپ لوگ بھی قادیانی جماعت کی طرح کلمہ کے عملاً منسوخ ہونے کے قائل نہیں تو ہم دن رات اس کلمہ کا اقرار کرتے اور اس پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور اگر صحیح حدیث کی رو سے جو شخص قبلہ کی طرف منہ کر کے مسلمانوں کی نماز پڑھے اس کے مسلمان ہونے کا عہد اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے تو ہماری مسجدیں قبلہ رُخ بھی ہیں اور ہماری نماز بھی مسلمانوں کی نماز ہے۔ یہ مشاہدہ کی بات ہے۔ جو چاہے دیکھ لے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت کو ماننا مسلمان کے لئے ضروری ہے تو ہم آپ کے بعد نہ قادیانیوں کی طرح

نئے نبی کے آنے کے قائل ہیں۔ اور نہ آپ کی طرح پرانے نبی کے آنے کے قائل ہیں اور صحیح معنے میں نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم یقین کرتے ہیں۔

دوسرے گروہ یعنی غیر مسلموں سے خطاب: دوسرے گروہ کو میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ ہماری ایک ہی غرض ہے تبلیغ اسلام لیکن یہ صحیح نہیں کہ ہم دوسرے مذاہب پر سختی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی اس تعلیم کو، کہ ہر قوم کے اندر نبی آئے اور اسی لئے دنیا کے تمام مذاہب اپنی اصلیت میں منجانب اللہ ہیں، ہم نے ہی زندہ کیا اور جس صورت میں ہم ہر قوم کے ہر بزرگ کے متعلق یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ وہ اس قوم میں خدا کا فرستادہ مصلح تھا تو ہم سب بزرگان دین کی عزت کرتے ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں نے اسلام اور بانی اسلام کے متعلق دریدہ ذہنی سے کام لیا انہیں بعض الزامی جواب دینے میں ہم نے سختی بھی کی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی اب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزت سے نام لینے لگے ہیں۔

تیسرے گروہ یعنی تعلیم یافتہ مسلمانوں سے خطاب: تیسرے گروہ کو میں کہتا ہوں کہ وہ سوچیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ جس جماعت کا قدم دین کی خدمت، اس کی حفاظت اور تبلیغ میں سب سے آگے ہو اور اس غرض کے لئے وہ اعلیٰ درجہ کی قربانیاں کرے وہ عقائد میں گمراہ ہو؟ یا صحیح عقائد سے عداوت رکھتی ہو؟ یا کیا یہ ممکن ہے کہ وہ لوگ جو عقائد کے لحاظ سے صحیح رستے پر ہوں اور دین سے صحیح معنے میں محبت رکھتے ہوں وہ اس دین کی حفاظت اور تبلیغ کے معاملہ میں مردوں کی طرح بے حس وحرکت ہوں؟ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ صحیح عقائد سے غلط اعمال پیدا ہوں، اور غلط اعمال سے اعلیٰ درجہ کے اعمال؟ یا یہ ہوسکتا ہے کہ اچھے بیج سے خراب پھل پیدا ہو اور خراب بیج سے اچھا درخت؟ کیا کبھی آم کے درخت پر تھوہر کا پھل دیکھا ہے یا تھوہر کے درخت پر آم دیکھے ہیں؟ پھر آپ کیوں اس گمان باطل میں ہیں کہ ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہم کافروں کو اسلام کی دعوت دیں۔ تعلیم اسلام پر اور رسول خدا پر جو حملے ہوں ان کا جواب دیں۔ قرآ ن کریم کے ترجمے کر کے ان لوگوں تک پہنچائیں جن کو آج تک صحیح رنگ میں اسلام کی تعلیم نہیں پہنچی۔ ان ملکوں میں مسجدیں بنوائیں جہاں آج تک اللہ اکبر کی آواز بلند نہیں ہوئی۔ ان لوگوں کو اسلام میں داخل کریں جو اسلام کے بدترین دشمن سمجھے جاتے ہیں اور عقائد کے لحاظ سے ہم باطل پر ہوں آپ کیوں اس گمان باطل

میں ہیں کہ باوجود صحیح عقائد پر ہونے کے آپ کو خدمت دین کی توفیق نہیں ملتی؟ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت قائم کرنے کے لئے قربانی کرنے کی توفیق نہیں ملتی؟

اصولی طور پر عقائد میں کوئی اختلاف نہیں: غور کیجئے عقائد تو وہ درست ہوں گے جو قرآن وحدیث کے مطابق ہوں ہم میں اور آپ میں عقائد کا کیا فرق ہے؟ خدا کی توحید کے آپ بھی قائل ہیں ہم بھی۔قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے آپ بھی قائل ہیں ہم بھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آپ بھی قائل ہیں ہم بھی۔اصولی طور پر تو یہی باتیں ہیں اور یہی عقائد اسلامی کی بنیاد ہیں۔

ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو کیوں مانتے ہیں: ہاں! ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو اس صدی کا مجدد مانتے ہیں، آپ نہیں مانتے۔تیرہ صدیوں کے مجدد آپ بھی مانتے ہیں ہم بھی۔چودھویں صدی میں آپ کسی مجدد کو نہیں مانتے۔ہم اس میں بھی مجدد کا آنا مانتے ہیں۔اب آپ خود غور کرلیں کہ اگر تیرہ صدیوں کے مجدد دین کا ماننا بھی صحیح عقیدہ ہونا چاہئے اور اگر پہلے مجدد دین کا انکار گمراہی ہے تو چودھویں کے مجدد کا انکار بھی گمراہی ہے۔

حضرت مرزا صاحب کو ماننے کے نتائج: اور گمراہی کس چیز کا نام ہے صحیح راستہ گم کردینے کا۔وہ راستہ گم کردینے کا جس پر چل کر انسان کا ایمان ترقی کرے اس کے دل میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو اور ترقی کرے۔اگر حضرت مرزا صاحب کو چودھویں صدی کا مجدد مان کر ہمارے دِلوں میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے ترقی کی ہے اس کی بین شہادت وہ قربانیاں ہیں جو ہماری جماعت خدا اور رسولؐ کے دین کے لئے اس کو دنیا میں پھیلانے کے لئے اس کے متعلق غلط فہمیاں دور کرنے کے لئے کررہی ہے تو یقیناً ہم صحیح راستے پر ہیں۔قربانی کسی چیز کے لئے وہی انسان کر سکتا ہے جس کی اس کے دل میں سخت ترین محبت ہو۔اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی حسب فرمودہ نبوی اصل ایمان ہے۔ **لایومن احدکم حتّٰی اکون احبّ الیہ من والدہٖ وولدہ والنّاس اجمعین** پس ہماری جماعت کی اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے قربانیاں، اس کے دین کی تبلیغ کا جوش صاف بتاتے ہیں کہ اس جماعت کے دِلوں میں مجدد کو مان کر مجدد کا ساتھ دے کر خدا اور خدا کے رسول کی محبت نے ترقی کی ہے۔اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا پیدا ہو جانا ان کے زندہ

ایمان کی دلیل ہے۔

ہمارے مخالفین کی حالت: اور اگر ان لوگوں کے دِلوں میں، جو ہم پر گمراہی کا فتوٰی دیتے ہیں، خدا اور اس کے رسول کے لئے یہ قربانی کا جذبہ موجود نہیں تو یقیناً ان کے دِلوں میں خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت کی کمی ہے اور اگر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی کمی ہے تو یقیناً ایمان کی بھی کمی ہے اور اس کا علاج مجدد کے دامن سے وابستہ ہونے کے سوائے کچھ نہیں۔

آپ بھی تجربہ کر کے دیکھ لیں آپ میں سے بہت لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس کام میں تعاون کے لئے تیار ہیں جو تم کر رہے ہو بشرطیکہ تم مرزا صاحب کو چھوڑ دو۔ میں کہتا ہوں کہ مرزا صاحب کو چھوڑ کر ہم بھی آپ کی طرح نکمے ہو جائیں۔ ہاں آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ مرزا صاحب کے دامن سے وابستہ ہو کر آپ میں بھی اسلام کی وہی روح اور وہی تڑپ پیدا ہو جائے گی جو ہماری جماعت میں ہے۔ پس سوچ لیں کہ اسلام کے لئے ان میں سے کون سی حرکت مفید ہے؟

شریعت کا ظاہری فتوٰی ہمارے حق میں: اگر شریعت کا ظاہری فتوٰی دیکھا جائے تو وہ بھی ہمارے حق میں ہے۔ مجدد کا آنا صحیح حدیث سے ثابت ہے اور اس حدیث کو بڑے بڑے اولیاء اللہ نے اپنے دعوٰی کی تائید میں پیش کیا ہے۔ اگر وہ حدیث جھوٹی ہے جیسا کہ بعض بیباک کہہ دیتے ہیں تو پھر ایسے بزرگوں کو بھی، جنہوں نے اپنے منجانب اللہ ہونے کی دلیل میں اسے پیش کیا ہے۔ جیسے حضرت مجدد الف ثانیؒ، نعوذ باللہ جھوٹا کہنا پڑے گا۔ اب اگر چودھویں صدی کا اور کوئی مجدد آپ نہیں بتا سکتے مگر جس نے علی الاعلان دعوٰی کیا ہے۔ اسے آپ گمراہ کہتے ہیں تو پھر خود سوچ لیں کہ گمراہ کون ہے؟

مسئلہ نزولِ مسیحؑ: دوسرا نزولِ مسیحؑ کا مسئلہ ہے۔ جس پر ہم میں اور آپ میں اختلاف ہے۔ آج کون عقلمند ہے جو اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے۔ پھر نزولِ ابن مریمؑ کی، جو مسلمانوں کے عقائد میں داخل ہے، ماسوائے اس کے اور کیا توجیہہ ہو گی جو حضرت مرزا صاحب نے کی ہے۔ یعنی اس اُمت کا ایک مجدد مسیحؑ کی صفات کو لے کر اس اُمت میں ظاہر ہو۔ اور اسی بات کو ہم مانتے ہیں اور دوسری طرف ایک کثیر حصہ علماء کا، جیسے مولانا ابوالکلام آزاد، سید سلیمان ندوی وغیرہ اور مصر کے بڑے

بڑے علماء اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ مگر وہ قدم آگے اُٹھا کر یہ نہیں بتاتے کہ اب نزول ابن مریم کس طرح ہوگا۔ کیا اس کی کوئی توجیہہ سوائے اس کے ہوسکتی ہے۔ جو اس صدی کے مجدد نے کی ہے؟ ان کی خاموشی کی وجہ سے مسلمان گمراہ ہو رہے ہیں۔ کاش وہ جرأت سے کام لے کر کلمہ حق کہہ دیتے۔

چوتھا گروہ یعنی قادیانی حضرات: اب چوتھے گروہ کو لیجئے۔ اُنہوں نے اول ہمیں فاسق ٹھہرایا۔ اس لئے کہ ہم نے ایک ایسے شخص کو خلیفہ تسلیم نہ کیا جو روئے زمین کے کل مسلمانوں کی تکفیر کرتا تھا۔

خلیفہ قادیان اور تکفیر المسلمین: اگر یہ سچ ہے کہ ایک کلمہ گو کی تکفیر بھی اتنا بڑا جُرم ہے کہ وہ کفر الٹ کر خود مکفر پر پڑتا ہے۔ تو جو شخص چالیس کروڑ مسلمانوں کی تکفیر کرے۔ کیا وہ اس قابل ہے کہ اسے خلیفہ بنایا جائے؟ آپ لوگ تو اس بات کے قائل ہیں کہ یزید کی بیعت امام حسینؓ نے صرف اس لئے نہیں کہ اس میں کچھ ذاتی عیوب تھے اور امام حسینؓ حق پر تھے۔ میں ایسے ہی ذاتی عیوب کے متعلق، جو خود قادیانی جماعت کے بڑے بڑے افراد نے موجودہ خلیفہ پر لگائے ہیں کچھ نہیں کہتا لیکن مسلمانوں کی تکفیر جس سے اسلام کی جڑ پر تبر چلایا گیا ہے۔ کیا یہ اتنا بڑا عیب نہیں کہ اس وجہ سے ہم ایسے شخص کی بیعت سے انکار کرنے میں حق بجانب قرار پائیں، جو بیک جنبش قلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ صدیوں کی کمائی کو برباد کر دیتا ہے۔

مسئلہ نبوت اور قادیانی حضرات: پھر ہمیں وہ مرتد بتاتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں جو نبی کا لفظ آنے والے مسیح کے متعلق آیا ہے یا حضرت مجدد کے الہامات میں جو یہ لفظ کہیں آ گیا ہے تو وہ مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے۔ اور اس سے مراد محض ولایت یا محدثیت ہے نبوت نہیں۔ کیونکہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور خدا کی لعنت کے نیچے ہے۔ تو ایسا کہنے کی وجہ سے ہمیں مرتد کہتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود اور دعویٰ نبوت: لیکن میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اگر بالکل یہی بات حضرت مسیح موعود نے کہی ہو تو لوگ ان کے حق میں کیا کہیں گے؟

کیا یہ سچ نہیں کہ جب آپ پر یہ الزام لگا کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور کفر کا فتویٰ

لگایا گیا۔تو آپ نے یہ لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعوٰی نبوت کرنے والے کو میں ''بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔'' (1891ء) اور یہ لکھا کہ ''اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدث مراد ہے'' (1891ء) اور لکھا کہ: ''نبوت کا دعوٰی نہیں بلکہ محدثیت کا دعوٰی ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔(1891ء) پھر لکھا کہ: ''ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمد یہ اور بہ اتباع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کو ملتی ہے۔اس کے ہم بھی قائل ہیں،اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگاوے وہ تقوٰی اور دیانت کو چھوڑتا ہے'' (1897ء)

لفظ رسول اور نبی سے حضرت صاحب کی مراد: اور لکھا ہے کہ:

> ''رسول کے لفظ سے اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا۔اور نبی کے لفظ سے اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے علم پا کر پیش گوئی کرنے والا، معارف پوشیدہ بتانے والا۔سو چونکہ ایسے لفظوں سے، جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں، اسلام میں فتنہ پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے اس لئے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور......دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہیئے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے'' (1896ء)

نبی اور رسول کے الفاظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں: او پھر تحریر فرمایا کہ: ''نبی اور رسول کے الفاظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں'' (1899ء) پھر لکھا کہ: ''یہ اطلاق مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے۔'' (1952ء) اور پھر تحریر کیا کہ: ''ماعنی اللّٰه من نبوتی الّا کثرة المکالمه وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی مَنْ اَرَادَ فَوْقَ ذٰلِکَ (1907ء) اور یہ لکھا کہ: ''سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰهِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْهِ الْحَقِیْقَةِ '' (1907ء)

فاسق اور مرتد کے خطابات کا مستحق کون ہے: یعنی ابتدائے دعوٰی سے لے کر وفات تک وہی لکھتے رہے جو ہم کہتے ہیں۔تو کیا یہ ایمانداری ہے کہ حضرت مرزا صاحب تو یہ باتیں لکھ کر بھی نبی بن

جائیں اور ہم وہی باتیں کہیں تو مرتد ہو جائیں۔ پھر سوچیں کہ حضرت مسیح موعود کی صریح تحریر کی رو سے محدثیت کا دعویٰ خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے اور نبوت کا دعویٰ نہیں کیا گیا۔ آپ خدا کے حکم کے منکر ہو رہے ہیں۔ پھر سوچیں کہ کیا آپ ''دلی ایمان'' سے یہ سمجھتے ہیں کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ پھر سوچیں کہ جس پر وحی آتی ہے وہ خود کہتا ہے کہ اس پر وحی نبوت نازل نہیں ہوتی۔ بلکہ وحی ولایت نازل ہوتی ہے۔ اور آپ نعوذ باللہ اسے جھوٹا ٹھہرا کر اس کی طرف وحی نبوت منسوب کرتے ہیں۔ اور یوں ''تقویٰ اور دیانت'' کو چھوڑتے ہیں۔ پھر وہ آخر تک نبی کے لفظ کو مجاز اور استعارہ قرار دیتے ہیں اور اس کی حقیقت قرار دینے سے انکار کرتے ہیں اور آپ اسے حقیقت قرار دیتے ہیں اور اس کے مجاز اور استعارہ ہونے کے منکر ہیں۔ اب خود غور کریں کہ فاسق اور مرتد کے خطابات کا کون مستحق ہے؟!

پچھلے خط میں مَیں نے یہ ذکر کیا تھا کہ ہمارے متعلق لوگ کس طرح پر غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ اور بالخصوص عوام الناس اور ان کے علماء ایک طرف اور قادیانی جماعت کے لوگ دوسری طرف۔ جن میں سے اول الذکر ہمیں کافر قرار دیتے ہیں اور موخر الذکر فاسق اور مرتد، جو کافر سے کسی طرح کم نہیں۔ اور یہ دونوں گروہ ایک لمحہ کے لئے اس کام کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے جو ہم کر رہے ہیں۔ ایک اتنی چھوٹی جماعت، جو اپنی قلت کے لحاظ سے شاید ہی مسلمانوں میں اپنی دوسری نظیر رکھتی ہو، خدا کے فضل سے اتنا بڑا تبلیغ اسلام کا کام سرانجام دے رہی ہے کہ اس کی نظیر یقیناً مسلمانوں کے اندر نہیں۔ مئی 1914ء میں انتہاء درجے کی بے سروسامانی میں، جب ہمارے ساتھ نہ کوئی جماعت تھی، نہ ہمارے پاس کوئی جگہ تھی، نہ کوئی مبلغ اور کارکن تھے، اس کام کی بنیاد لاہور میں رکھی اور پچیس سال کے عرصہ میں صرف ایک دجال کے مقابل میں تین مشن یورپ میں قائم کئے۔ تین یورپین زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ کر دیا اور پچاس ہزار کے قریب کاپی ان تراجم کی دنیا میں پھیلا دی۔ دس ہزار قرآن کریم کے ترجمے مفت لائبریریوں میں اور خاص خاص اشخاص کو پہنچا دیئے۔ پندرہ ہزار سیرت نبویؐ مفت پہنچا دی اور کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو گئے۔ پچاس ہزار سے اوپر تعلیم اسلامی پر اعلیٰ درجہ کے رسائل مختلف زبانوں میں دنیا میں مفت پہنچا دیئے۔ دو ہائی سکول اور اُن کے ساتھ دو بورڈنگ ہاؤس قائم کر دیئے۔ پانچ ہزار کے قریب ہندوستانیوں کو اور ڈیڑھ ہزار کے قریب یورپین لوگوں کو داخل اسلام

کیا۔ وسط یورپ میں ایک عظیم الشان مسجد بنادی۔ ایک دارالیتامیٰ قائم کردیا۔ اور دس لاکھ کے قریب جائداد منقولہ و غیر منقولہ اس انجمن کی ہوگئی۔ جس کے پاس 1914ء میں ایک پیسہ نہ تھا۔ اگر کوئی اور جماعت مسلمانوں میں ہے جس نے اسی پچیس سال کے اندر اس قدر عظیم الشان کام تعمیر اسلامی کا کردیا ہوتو اس کا نام بتایا جائے۔ اگر نہیں تو میں نکتہ چینوں اور معترضین سے صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ جس جماعت کے ساتھ اس قدر نصرت الٰہی ہو اور جس نے تبلیغ اسلام کی اس قدر مضبوط بنیاد رکھ دی ہو اس کے خلاف زبان کھولنے میں خدا کا خوف کرنا چاہئے۔

اس کے ساتھ ہی میں اپنے احباب کو ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اگر دوسرے لوگوں کو ہمارے متعلق غلط فہمی ہوتو اس سے ہمارا اتنا نقصان نہیں ہوتا، جتنا اس بات سے ہمیں نقصان پہنچتا ہے کہ ہمیں خود اپنے متعلق غلط فہمی ہو۔ بہ الفاظ دیگر ہم میں سے ایک ایک فرد کو اس بات کا پوری قوت کے ساتھ احساس ہو کہ ہم کس کام کے لئے کھڑے کئے گئے ہیں۔ اور مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں سے بعض احباب ایسے ہیں جنہیں یہ احساس نہیں اور بدقسمتی سے یا شاید اللہ تعالیٰ کا قانون ہی یہ ہے کہ ان میں زیادہ اصحاب ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے زیادہ دیا ہے۔ کاش! ان احباب کی نظر کے سامنے وہ نظارہ ہوتا جو حضرت مسیح موعود کو دکھایا گیا تھا۔

گرآں چیزے کہ مے بینم، عزیزاں نیز دیدندے ز دنیا توبہ کردندے، بچشمِ زار و خونبارے

رسالہ ''فتح اسلام'' میں اسلام کی حالت زار کا جو نقشہ حضرت مسیح موعود نے کھینچا ہے میں اپنے دوستوں سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ اسے ایک دفعہ اس خط کے ساتھ پڑھ لیں اور ایڈیٹر صاحب پیغام صلح سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ جس اخبار میں وہ یہ خط شائع کریں۔ اس میں ''فتح اسلام'' سے وہ مرثیہ بھی شائع کردیں جو ع ''مے سزد گرخون ببارد دیدۂ ہر اہل دیں'' سے شروع ہوتا ہے۔ (صفحہ اول پر درج ہے۔ مدیر) تاکہ جس کے دل میں اسلام کا درد ہے وہ چند پانی کے آنسو بہا کر ہی اس پاک گروہ میں شامل ہوجائے۔ جن کی آنکھوں سے دین کے غم میں خون کے دریا رواں ہوئے ہیں ہم کون ہیں کا جواب اس مرثیہ کے ان دو اشعار میں ہے۔

پیشِ چشمانِ شما، اسلام در خاک اُفتاد چیست عذرے، پیش حق، اے مجمع المتنعّمین

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدینؒ

یا ان دو میں ؎

ایں دو فکر دینِ احمدؐ مغز جان ما گداخت کثرت اعدائے ملت، قلتِ انصار دیں

کاروبارِ صادقاں، ہرگز نماند ناتمام صادقاں را، دستِ حق باشد نہاں در آستیں

ہاں ہم بھول گئے ہیں کہ ہم کون تھے اور کس کام کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ ہم میں سے کئی صاحب توفیق بھول گئے ہیں۔ اور قادیان کے رہنما بھی بھول گئے ہیں جنہوں نے تبلیغ اسلام کے میدان کو چھوڑ کر اور اسلام کو اس کی بیکسی کی حالت میں خاک وخون میں چھوڑ کر سیاست کے میدان میں دنگل لڑنا شروع کر دیا ہے۔ وَيَحْسِبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ (18:58) مگر ان کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ اپنی توجہ کو تبلیغ اسلام کے میدان تک محدود رکھتے تو یقیناً انہیں ہم سے کچھ نہیں تو بیس گنا زیادہ کام کرنا چاہئے تھا۔ اور آج اسلام کے لئے یہ امر کس قدر قوت کا موجب ہوتا کہ جس طرح ہماری چھوٹی سی جماعت کی کوشش سے دجال کے مقابل پر تین مشن یورپ میں قائم ہیں ان کی کوشش کے ساٹھ مشن یورپ میں قائم ہوتے، اور اگر ہم نے پچیس سال میں تین یورپین زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ کر دیا ہے تو وہ ساٹھ یورپین زبانوں میں ترجمہ کر دیتے اور اگر ہم نے پچاس ہزار کاپی تراجم کی دنیا میں شائع کی ہے تو وہ دس لاکھ شائع کر دیتے۔ اور اگر ہم نے دس ہزار قرآن کریم کے تراجم، پندرہ ہزار سیرت نبویؐ، پچاس ہزار تعلیم اسلامی پر رسائل مفت دنیا میں پہنچا دیئے ہیں تو وہ علی الترتیب دو لاکھ اور تین لاکھ اور دس لاکھ پہنچا دیتے۔ اور اگر ہم نے دو ہائی سکول بنا دیئے ہیں تو وہ دس ہائی سکول اور ایک کالج بنا دیتے۔ اگر ہم نے ایک مسجد یورپ میں بنادی ہے تو وہ بیس مسجدیں بنا دیتے۔ اللہ اکبر کی آوازیں ہمارے یورپ میں گونج رہی ہوتیں بستی بستی میں خدا کا آخری کلام اور خدا کے آخری رسولؐ کا نام پہنچا ہوا ہوتا۔ تو فرمایئے کہ اسلام کی شوکت اس سے زیادہ ظاہر ہوتی یا ان کھیلوں سے جو کوروں اور وردیوں اور مقدمہ بازیوں کے بڑے بڑے جمگھٹوں اور خلیفہ کی شان وشوکت اور بالآخر اپنوں ہی کے الزاموں سے رسوائی کے رنگ میں ظاہر ہونے سے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ (2:59)

اسلام کی بیکسی کا رونا روتے ہوئے مجھے قادیانی جماعت کی حالت پر بھی رونا آجاتا ہے۔

حالانکہ میں جانتا ہوں کہ ان کو ان باتوں کی طرف توجہ دلانے سے سوائے اس کے کچھ حاصل نہیں کہ چندابوالعطاؤں کا غیظ وغضب جوش میں آجائے اوران گالیوں میں کچھ اضافہ ہوجائے جن کا کافی انبار پہلے بھی موجود ہے۔تو اے میرے رفیقو اور عزیز دوستوں! اس بات کو نہ بھلاؤ کہ آپ کون ہیں اور کہاں کھڑے ہیں؟! کفر اور اسلام کی ایک سخت جنگ ہورہی ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی اور نہیں دیکھ سکتی مگر حضرت مسیح موعود نے اس کو دیکھا اور اس راستباز کی بدولت آپ نے بھی دیکھا۔ پھر اس کو پڑھو ۔

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدینؒ

کفر کے ساتھ بے شمار فوجیں ہیں۔ بے انداز ساز وسامان ہیں۔ چاندی اور سونا دریاؤں کے پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ اور اسلام ہاں !وہ اسلام جس کے لئے یہ بھی وعدہ موجود ہے اور وہ نہایت ہی سچا وعدہ ہے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (33:9) کہ کفر کی ان ساری طاقتوں کے باوجود وہ غالب آئے گا۔ وہ اسلام اس بے کسی اور بیچارگی کی حالت میں پڑا ہے آج چالیس کروڑ مسلمان اس کفر و اسلام کی جنگ میں ایک طرف کھڑے ہیں۔ مسیح موعود کی جماعت کا بہت بڑا حصہ بھی اس جنگ کے میدان کو چھوڑ کر دوسرے زیادہ دلفریب میدانوں کی طرف بھاگا جارہا ہے۔ اور ایک نہایت ہی چھوٹی سی جماعت، جس کو دنیا وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی، کفر کے ان سیلابوں کے سامنے اسلام کی حمایت میں سینہ سپر کھڑی ہے۔

یہی بات ہے جس کی طرف میں اپنی جماعت میں سے قدم پیچھے ہٹا لینے والوں کو، غفلت کی نیند سونے والوں کو، ادھورے دل سے ہاں میں ہاں ملانے والوں کو اور طاقت رکھتے ہوئے کمزور سی حرکت کرنے والوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ کیا انہیں اس بات کا احساس ہے کہ وہ کس مقابلہ میں کھڑے ہیں اور اس کیا کررہے ہیں! کیا ان میں سے ہر شخص اپنی پوری قوت اور طاقت کو اس مقابلہ میں خرچ کررہا ہے۔ کیا جس کے ہاتھ میں یہ طاقت ہے کہ وہ اسلام پر چلتی ہوئی تلوار کو اپنے ہاتھ پر روک لے، اپنا ہاتھ آگے کررہا ہے۔ کیا جس کے پاس وہ سامان ہے کہ وہ اس سے اسلام پر برستے ہوئے تیروں کو روک لے، وہ اس سامان کو لے کر میدان جنگ میں حاضر ہے؟ کیا اس کی ساری توجہ اس مقابلہ کی طرف ہے جس کے لئے اُسے کھڑا کیا گیا ہے یا اس کا دل دنیا کے منصوبوں میں غلطان و پیچان ہے۔ اور صرف

ان کا جسم میدان جنگ میں ہے؟ میرے دوستو! یاد رکھو کہ تمہارے ہاتھ میں اسلام کا علم ہے۔ تم اگر گر جاؤ اور پاؤں کے تلے روندے جاؤ تو ہرج نہیں، مگر اسلام کا جھنڈا سرنگوں نہ ہونے دینا۔ اگر تم میں سے ایک مرتا ہے تو اس جھنڈے کو سنبھالنے والا دوسرا موجود ہونا چاہئے۔ اگر ایک کا دایاں ہاتھ کٹ گیا ہے تو وہ بائیں ہاتھ سے ہی اس جھنڈے کو سنبھال لے۔ یاد رکھو کہ یہ جھنڈا قرآن کا جھنڈا ہے۔ اگر تم اس کو بلند رکھنے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دو گے تو خدا کی نصرت تمہارے ہاتھ چومنے کو تیار ہے۔ لیکن اگر تم نے ادھورے دل سے کام کیا اور قرآن کے جھنڈے کی وہ عزت نہ کی جو اس کا حق ہے تو تمہاری دنیا بھی تمہارے کسی کام نہیں آئے گی۔ خدا نے تمہیں بڑا بلند مقام دیا ہے اور تمہیں تبلیغ اسلام کی کشتی کا ناخدا بنایا ہے۔ اگر تم نے اس کشتی کو بچانے کے لئے اپنی پوری قوت صرف نہ کی تو خدا قادر ہے کہ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْآ اَمْثَالَكُمْ (38:47)

قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت 26 ستمبر 1939ء

برادرانِ محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں نے پچھلے خط میں یہ ذکر کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو ایک عظیم الشان روحانی جنگ کا نظارہ دکھایا۔ جو تمام مسلمانوں کی نظر سے مخفی تھا کہ کفر اور اسلام اور بالخصوص مسیحیت اور اسلام میں ایک جنگ ظاہری تیر و تفنگ سے نہیں بلکہ پروپیگنڈا کے رنگ میں ہو رہی ہے۔ جس میں مسیحیت کے ساتھ افواج اور سامان کی کوئی انتہا نہیں اور اسلام انتہاء درجہ کی بے کسی اور کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی آپ پر یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ بموجب وعدہ الٰہی، جو تیرہ سو سال پیشتر قرآن کریم میں دیا گیا تھا، اس جنگ میں آخری غلبہ اسلام کے لئے ہے۔ اس مقابلہ کے لئے آپ نے وہ جماعت تیار کی جو جماعت احمدیہ کہلاتی ہے۔ اور اس جماعت کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ قرآن کے جھنڈے کو دنیا میں بلند کرے اور کفر اور دجالیت کی ساری طاقتوں کا مقابلہ کرتی ہوئی قدم آگے بڑھاتی چلی جائے۔ کیونکہ اگر اس مقابلہ میں ایک طرف دنیا کے سارے سامان اور مادیت کی ساری طاقتیں ہیں تو دوسری طرف روحانیت کی وہ زبردست طاقت ہے جو تمام مادی طاقتوں کو پاش پاش کر سکتی ہے۔ پس اس بات کو، کہ ہم کون ہیں، ہم اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب ہمیں اس بات کا کامل احساس ہو کہ ہم فی

الواقع ایک میدان جنگ میں کھڑے ہیں۔جس میں کفر کی طاقتیں اپنی پوری قوت کے ساتھ جمع ہیں۔ اور ہم نے ان کا مقابلہ کرتے ہوئے قرآن کریم کے جھنڈے کو، جو ہمارے ہاتھ میں دیا گیا ہے، آگے لے جانا اور دنیا کی تمام بستیوں، حتیٰ کہ دجالیت کے مرکزوں میں، نصب کرنا ہے۔

جنگ میں کامیابی کے لئے لازمی شرط: جب کسی قوم کو جنگ پیش آتی ہے تو کامیابی کی وہ اُسی صورت میں توقع ہوسکتی ہے کہ اس کی تمام تر توجہ جنگ پر ہو۔اور اس کے دوسرے تمام مشاغل ایک ثانوی حیثیت اختیار کرلیں۔گذشتہ عالمگیر جنگ کا نظارہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کس طرح ان تمام قوموں نے، جو اس جنگ میں شامل تھیں، اپنے تمام علمی اور تجارتی اور دیگر اشغال کو بھلا کر اپنی ساری توجہ فوجوں کی بھرتی اور اسلحہ اور سامان کی تیاری پر لگا دی۔اور آج پھر ہم یہی نظارہ دیکھ رہے ہیں کہ وہی تہذیب جو کل تک صنعت اور علم اور تجارت وغیرہ کی ترقی میں مصروف تھی، آج ان سامانوں کے تیار کرنے میں مصروف ہے جو انسانوں اور بستیوں اور شہروں کو برباد کر کے زمین کے ساتھ ملا دیں۔اور ان تمام اقوام کے دماغوں پر آج ایک ہی خیال مسلط ہے کہ کس طرح جنگ میں کامیابی حاصل کریں۔

حضرت مسیح موعود خیالات میں انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے: حضرت مسیح موعود اس قسم کا انقلاب ان لوگوں کے خیالات میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔جن کو آپ نے اس روحانی جنگ کے لئے تیار کرنا تھا جس کا نظارہ آپ کو دکھایا گیا تھا۔اسی لئے آپ نے ایسے لوگوں کے لئے اپنی بیعت کو ضروری ٹھہرایا اور اس بیعت میں یہ زبردست اقرار لیا کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا''۔اس اقرار کا مطلب صاف الفاظ میں یہی تھا کہ اس دنیا کے کاموں کی نسبت ہمارے خیالات پر خدمت دین اور تبلیغ اسلام کا تسلط زیادہ ہوگا۔جتھہ، مال، دولت اور حکومت یہ سب دنیا کے مختلف رنگ ہیں۔اور جو لوگ اس دنیا میں اپنی ذاتی اغراض سے کسی قدر بلند ہوتے ہیں اور صرف اپنی ذات کے لئے مال اور جائداد کا حاصل کرنا ان کی غرض نہیں ہوتا، ان کا انہماک بھی انہی خیالات میں ہوتا ہے کہ کس طرح ان کا جتھہ ترقی کرے یا کس طرح وہ اپنی قوم یا دوسری اقوام پر حکومت حاصل کریں۔اس اقرار کا مقصد تو ہم سے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد لے کر ہمیں یہ سمجھایا گیا تھا کہ ہمارے خیالات پر خدمت دین اور تبلیغ دین کا خیال

غالب ہو۔ ہمارا انہماک ان باتوں میں ہو کہ خدا کا دین کس طرح دنیا میں غالب ہو۔ قرآن کریم کو کس طرح دنیا کی قوموں تک پہنچائیں۔ خدا کے نام کو کس طرح کفرستانوں میں بلند کریں۔ حق کا پیغام کس طرح ان لوگوں کو پہنچائیں جنہیں یہ اب تک نہیں پہنچا۔ یہ اقرار اس لئے لیا گیا تھا کہ جس طرح ایک جنگ کرنے والی قوم کو سب سے بڑھ کر یہ فکر ہوتی ہے کہ کس طرح جنگ میں کامیابی حاصل کرے۔ ہمیں سب سے بڑھ کر یہ فکر ہونا چاہئے کہ کس طرح کفر کی افواج کا مقابلہ کریں۔ کس طرح دجالیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکیں۔ کون سے ہتھیار اس مقابلہ کے لئے ہمارے ہاتھ میں ہونے چاہئیں۔ کس طرح پیغام حق کو دنیا میں پہنچائیں اور اس وعدہ الٰہی کو پورا کرنے کا ذریعہ بنیں جو اسلام کے تمام ادیان پر غالب آنے کے متعلق قرآن کریم میں دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کی دو بھاری غلطیاں: حضرت مسیح موعود کو جہاں دجالیت اور اسلام کی روحانی جنگ کا نظارہ دکھایا گیا، یہ بھی آپ پر کھولا گیا کہ جہاد کے مفہوم کو صرف جہاد بالسیف تک محدود کرنا اور پھر یہ خیال کرنا کہ جہاد بالسیف تبلیغ اسلام کے لئے تھا، مسلمانوں کی دو بڑی بھاری غلطیاں ہیں۔ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ دو جہادوں کا ذکر ہے۔ ایک جہاد بالقرآن اور دوسرا جہاد بالسیف۔ جہاد بالقرآن پر ابتداء سے ہی زور دیا گیا۔ اور یہی وہ جہاد تھا جو تبلیغ اسلام کا ذریعہ تھا۔ یعنی قرآن کریم دوسروں کو پہنچانے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کرنا۔ اس کی ضرورت پہلے دن سے ہی پیش آ گئی تھی اور اس جہاد کے فرض سے کوئی مسلمان، خواہ کسی ملک میں ہو، کسی حکومت کے ماتحت ہو، کسی حالت میں ہو، کبھی آزاد نہیں ہوتا۔ اسی لئے اس جہاد کو قرآن کریم نے جہاد کبیر کہا ہے **وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا** (52:25) جہاد بالسیف کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب مخالفوں نے اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے تلوار اُٹھائی اور جہاد بالقرآن کو، جو ہر مسلمان کا پیدائشی حق تھا، تلوار سے روکنا چاہا۔ اسی لئے یہ جہاد مشروط بالشرائط بھی تھا **قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ** (190:2) جہاد بالسیف کرتے ہوئے بھی جہاد بالقرآن کا حکم قائم تھا۔ کیونکہ یہ پیغام حق کے نازل ہوتے ہی اول المسلمین صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر مسلمان پر لازم ہو گیا تھا۔ مگر جہاد بالسیف کا حکم تیرہ سال بعد نازل ہوا۔ اور اسے چند شرائط کے ساتھ مشروط کیا گیا۔

مجدد وقت نے اپنی جماعت کو جہاد بالقرآن کے لئے تیار کیا: مسلمانوں نے جہاد بالقرآن کو، جو ابتدائی زمانے کے مسلمانوں کی کامیابی کا اصل راز تھا، بھلا دیا اور جہاد بالسیف کو ہی تبلیغ اسلام کا ذریعہ سمجھ لیا۔ اس غلطی کو اس صدی کے مجدد کے ذریعے سے دور کیا گیا۔ اور آپ نے اپنی جماعت کو اس جہاد بالقرآن کے لئے تیار کیا۔

دو یاد رکھنے والی باتیں: پس ان دو باتوں کو ہمیں بھولنا نہ چاہئے۔ ایک یہ کہ ہمیں ایک جنگ کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ ہمارا جہاد، جہاد بالقرآن ہے۔ ہماری جماعت کا ایک ایک فرد اس میدان جنگ کا ایک مرد مجاہد ہے۔ ایک سپاہی ہے۔ خواہ وہ مرد ہے یا عورت۔ بوڑھا ہے یا جوان۔ دولت مند ہے یا غریب۔ کارخانوں کا مالک ہے یا ٹوکری اُٹھاتا ہے۔ حاکم اعلیٰ ہے یا چپڑاسی۔ ہم کتنے بھی تھوڑے ہوں۔ اگر ہم اپنی اس حیثیت کو پہچان لیں اور ہر بڑا آدمی اس خیال کو دل سے نکال دے کہ میں اس جنگ کا سپاہی اس لئے نہیں بن سکتا کہ میں بڑا آدمی ہوں۔ مجھے اور بہت مصروفیتیں ہیں۔ میرے دنیوی کاروبار بہت توجہ کو چاہتے ہیں۔ اور چھوٹا اس خیال کو دل سے نکال دے کہ میں کہاں اس قابل ہوں کہ اس عظیم الشان جنگ میں ایک سپاہی بن سکوں تو ہماری موجودہ جماعت بھی دو چند نہیں دہ چند بلکہ اس سے بھی زیادہ کام کر سکتی ہے۔ اس میدان کا سپاہی بننے کے لئے صرف اسی بات کی ضرورت نہیں کہ آپ کے چند پیسوں سے اس کام کو قوت ملے۔ وہ بھی ضروری ہے اور نہایت ضروری ہے۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ اپنا پورا دل اور پوری توجہ س کام کے لئے دیں۔ ہم لوگ تارک الدنیا نہیں۔ آپ بے شک ملازمت کریں، تجارت کریں، کارخانے بنائیں، زمینوں کا انتظام کریں یا انہیں کاشت کریں۔ مگر ان سب کاموں کے اندر ہر وقت آپ کے دل اور دماغ پر اس خیال کا تسلط ہو کہ میں کن کن ذریعوں سے پیغام حق دوسروں کو پہنچا سکتا ہوں۔ کس طرح قرآن کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔ کس طرح اعلائے کلمۃ الحق کر سکتا ہوں۔

سید تصدق حسین کی ڈائری کا ایک ورق: آپ کس طرح یہ کر سکتے ہیں؟ اس کے لئے میں آپ کو اپنے نہایت ہی مخلص دوست اور ایک زبردست مجاہد سید تصدق حسین صاحب کی ڈائری کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ مجھے یہ علم تھا کہ سید صاحب موصوف خدمت اسلام کے لئے بڑا جوش رکھتے ہیں۔ اور کوئی

تحریک نہیں ہوتی جس کو کامیاب کرنے کے لئے وہ اپنی پوری قوت صرف نہیں کر دیتے۔ لیکن جب میں نے پہلی دفعہ ان کی ڈائری کا ایک ورق اخبار ''پیغام صلح'' میں پڑھا اور یہ غالباً گذشتہ کا واقعہ ہے تو میرے دل میں اسی وقت یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ ہماری ساری جماعت کے اندر یہ روح پیدا ہو۔

یہ مثال ہر فرد جماعت کے لئے قابل تقلید ہے: سید تصدق حسین صاحب اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ اپنے بال بچوں کی بھی فکر رکھتے ہیں۔ اپنی کمائی میں سے ہر مالی تحریک میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ مگر ان سب سے بڑھ کر جو بات ہے وہ یہ ہے کہ وہ کسی موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے جس میں خدمت اسلام کا کوئی پہلو نہ آ جائے اور وہ اپنی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیتے۔ جس میں وہ تبلیغ اسلام یا استحکام جماعت کا کوئی کام نہ کر لیں۔ ان کے دل اور دماغ پر یہ خیال پورا پورا مسلط نظر آتا ہے کہ وہ ایک جنگ میں مصروف ہیں اور اس جنگ میں کامیابی کی راہیں سوچنا اور ان پر عمل پیرا ہونا یہ ان کا سب سے پہلا فرض ہے۔ اس ڈائری کو پڑھ کر میرے دل پر اس قدر اثر ہوا کہ میں نے اگلے ہی خطبہ جمعہ میں اس امر کی طرف اپنے احباب کو توجہ دلائی۔ گو افسوس ہے کہ ایڈیٹر صاحب پیغام صلح کی زبردست مصروفیتوں کی وجہ سے وہ میری آواز جماعت تک نہ پہنچ سکی۔

میری دلی تڑپ: جماعت میں ضرور اور بھی ایسے احباب ہوں گے جو اپنی اپنی جگہ پر اسی طرح کام میں لگے ہوئے ہوں گے، مگر میرے دل میں یہ تڑپ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص اسی قسم کا جنون غلبہ دین کے لئے اپنے دل میں رکھتا ہو۔ پھر اگر ہم پانچ ہزار بھی ہوں تو پانچ لاکھ کا کام کر سکتے ہیں۔ مَیں مالی قربانیوں کو نہایت ضروری سمجھتا ہوں اور ان کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ لیکن اس سے پہلے میں یہ توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اپنے دِلوں کو قربان کریں اور اپنے خیالات کو قربان کریں تو آپ کا نام ان سپاہیوں میں آ سکتا ہے جنہیں حضرت مسیح موعود نے اپنی فوج قرار دیا ہے۔

جہاد بالقرآن سے قادیانی جماعت کی افسوس ناک غفلت: ہمارے قادیانی دوستوں کو یہ شوق تو ضرور ہے کہ ایک طرف دس لاکھ ہونے کا دعویٰ ہے تو دوسری طرف کسی طرح ''پانچ ہزار'' بھی بن جائیں۔ مگر کاش! اس دس لاکھ میں سے بھی وہ پانچ ہزار چنے جاتے جو جہاد بالقرآن کو اپنی زندگیوں کا مقصد بناتے۔ تا کہ حضرت مسیح موعود کا اصل منشاء پورا ہوتا۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر دس لاکھ

میں سے ''پانچ ہزار'' نے ''تحریک جدید'' میں حصہ لیا تو اس تحریک جدید کا مقصد بھی وہ نہیں جو حضرت مسیح موعود نے ہمارے سامنے رکھا تھا۔ یعنی قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانا۔ اور تحریک جدید پر پانچ سال گزر جانے کے باوجود قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کا کام اسی جگہ پر ہے، جہاں 1914ء میں تھا۔ میں بار بار اس امر کی طرف جو توجہ دلاتا ہوں تو خدا شاہد ہے کہ میرا منشاء اس جماعت پر چوٹ کرنے کا نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح ان کے اموال اور ان کی توجہ قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے پر صرف ہو۔ کیونکہ اسی سے اسلام کی عزت اور اسی سے احمدیت کی عزت بن سکتی ہے۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

فروعی اختلافات کا خاتمہ: (27 مئی 1939ء) آج کل مسلمانوں کے فروعی اختلافات ان کے تنزل و پستی کا سب سے بڑا باعث بنے ہوئے ہیں اور بعض اوقات یہ ایسی خوفناک کشمکش کی بنیاد بن جاتے ہیں۔ جو کہ نہ صرف اسلامی مفاد کے لئے انتہائی نقصان رساں ہوتی ہے بلکہ اس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو غیر مسلمانوں کی نظروں میں بے آبرو ہونا پڑتا ہے۔ لکھنؤ میں ان دِنوں مدح صحابہ اور تبرا کی تحریکات کے سلسلہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کی ایک واضح مثال ہے۔ معمولی اور فروعی اختلاف کو فریقین کے رہنماؤں کی کم عقلی و ذاتی اغراض نے اس قدر ناگوار اور رسوا کن صورت دے دی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے بہترین مصالح بے دریغ اس پر قربان کئے جا رہے ہیں۔ اصل میں یہ بات ہے کہ ہر ایک چیز کو اس کی حیثیت کے مطابق اہمیت دینے میں ہی قوموں کی زندگی اور ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔ جو قوم غیر اہم اور معمولی اُمور پر اپنی تمام تر طاقت یا اس کا بہت بڑا حصہ ضائع کر دیتی ہے، ضروری ہے کہ وہ اہم معاملات میں کمزوری دکھائے۔ آج مسلمانوں کے ہاں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ ان کے علماء معمولی معمولی اختلافات پر معرکہ کارزار گرم کئے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی طاقتیں اس خانہ جنگی میں ضائع ہو رہی ہے۔ ملانوں کا شوق پیکار اتحاد اسلامی کے لئے زبردست روک ثابت ہو رہا ہے۔ اس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

تمام دردمند اور مخلص مسلمان اس صورت حالات سے پریشان ہیں۔ اس کی اصلاح کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ لیکن اب تک کوئی کوشش خاطر خواہ کامیاب نہیں ہوئی۔ بلکہ اس قسم کی بعض مساعی نوجوانوں کی ٹھوکر کا باعث بن گئی ہیں اور اُنہوں نے ان سے غلط طور پر متاثر ہو کر ایک ایسی راہ اختیار کر لی ہے جو دین کی طرف نہیں بلکہ بے دینی کی طرف جاتی ہے۔

اس خطرناک وتباہ کن مصیبت کا کامیاب علاج احمدیت کے پاس موجود ہے۔ اگر غور وانصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو احمدیت ایک ایسی اصلاحی اسلامی تحریک ہے۔ جس میں فروعی اختلافات کو اہمیت دینے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور صرف اسی تحریک میں اتحاد اسلامی کے مہتم بالشان کام کو انجام دینے کی قابلیت موجود ہے۔ یہ کوئی خوش فہمی یا لفظی دعوٰی نہیں بلکہ واقعات اس کی زبردست تائید کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک حضرت مسیح موعود کے عظیم الشان کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضور نے اپنے علم اور عمل سے فروعی اختلافات کی اہمیت کا پورے طور پر خاتمہ کر دیا۔ جس وقت مسیح موعود نے اپنا مشن شروع کیا ہے۔ اس زمانہ میں فروعی اختلافات کا ہنگامہ موجودہ وقت سے بھی زیادہ ناگوار صورت میں بپا تھا۔ آپ کے سامنے ایک بلند مقصد تھا۔ آپ نے بے دھڑک ہو کر اپنا کام شروع کیا۔ آپ کی بعض تعلیمات لوگوں کو لاعلمی کی وجہ سے کچھ نئی سی معلوم ہوئیں۔ ان کی وجہ سے آپ کی سخت مخالفت بھی ہوئی۔ مناظروں اور بحثوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے فروعی اختلافات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور صرف انہی باتوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ جن کا تعلق اسلامی اصولوں اور اسلام کی ترقی کے ساتھ تھا۔ آپ کی جماعت میں شیعہ، سنی، اہلحدیث وغیرہ مختلف فرقوں کے افراد شریک ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ فروعی اختلافات بھی لائے۔ لیکن جماعت احمدیہ کے اندر داخل ہوتے ہی۔ ان اختلافات کی اہمیت یکسر زائل ہو گئی۔

حضرت مسیح موعود نے اپنے قول وفعل سے بتایا کہ فروعی اختلافات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ ان کو کشادہ دلی اور رواداری سے برداشت کرنا چاہئے۔ ان کو اہمیت دینا اور ان کی وجہ سے معرکہ کارزار بپا کر لینا غلطی ہے۔ اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب قوم اپنے اصولوں اور مقاصد کو فراموش کر دے۔ جس قوم کے پاس اعلیٰ درجہ کے اصول اور بلند مقاصد ہوں، وہ فروعی اختلافات کی وجہ سے آپس میں ہرگز اُلجھ نہیں سکتی۔ یہ اختلافات زمین پر گری ہوئی خشک پتیاں ہیں۔ جس شخص کی نظر درخت کے پختہ وشیریں اثمار پر ہو وہ خشک پتیوں کی پروا کیسے کر سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے اپنے پیچھے ایک جماعت چھوڑی جو خدا کے فضل سے حضور کے مسلک پر قائم ہے۔ اس کے سامنے خدمت وتبلیغ اسلام کا بلند مقصد ہے۔ وہ اس مقصد کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ وہ ہرگز کسی ایسے فروعی اختلاف کو اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں جو اسلام کے کسی اصول ومقصد پر اثر انداز ہو۔ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے جماعت کا طرز عمل اس پر گواہ ہے۔ جو روشن خیال اتحاد دوست اصحاب ان اختلافات اور ان کی وجہ سے پیدا شدہ مذہبی نزاع سے

گھبرا گئے ہیں، انہیں مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ان کے لئے جماعت احمدیہ لاہور کی آغوش امن کھلی ہوئی ہے۔ یہ جماعت خدمت اسلام کے لئے بلند مقام پر کھڑی ہے جہاں فروعی اختلافات خود بخود حقیر اور بے حقیقت نظر آنے لگتے ہیں۔ ہر ایک فرد سلسلہ کا فرض ہے کہ وہ روشن خیال اور اتحاد دوست مسلمانوں کو حضرت مسیح موعود کے اس شاندار کارنامہ اور جماعت احمدیہ لاہور کے اس نمایاں مسلک کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائے۔

مسئلہ جہاد کے متعلق شیخ الازہر کے خیالات: (27 جون 1939ء) اس زمانہ میں مسلمان دین کے متعلق جن غلط فہمیوں میں مبتلا تھے ان میں ایک بڑی غلط فہمی یہ تھی کہ اُنہوں نے جہاد کے مفہوم کو صرف جہاد بالسیف تک محدود کر دیا تھا۔حضرت مسیح موعود نے اس کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا کہ جہاد بالسیف ، جہاد کی صرف ایک شکل ہے جس کی اجازت حسبِ ضرورت چند خاص شرائط کے ساتھ اسلام نے دی ہے۔قرآن کریم میں صاف ارشاد ہے **قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ** (190:2) اللہ کے راستہ میں ان لوگوں کے ساتھ لڑو جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو۔لیکن جہاں دینی معاملات میں تلوار کے ذریعہ مداخلت نہ کی جاتی ہو وہاں جہاد بالسیف کی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود نے موجودہ زمانہ میں ہندوستان کے حالات کے پیش نظر فرمایا کہ **وَجُوْہُ الْجِھَادِ مَعْدُوْمَۃٌ فِیْ ھٰذَاالزَّمَنِ وَھٰذَا الْبِلَادِ** یعنی جہاد کی شرائط اس زمانہ اور اس ملک میں مفقود ہیں۔

مخالفین نے اس صاف اور سیدھی بات میں طرح طرح کے الجھاؤ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کی طرف سے قسم قسم کی غلط بیانیاں کی گئیں۔حتّٰی کہ یہاں تک کہہ دیا گیا کہ حضرت مرزا صاحب جہاد کے منکر ہیں اور مسلمانوں کو اس سے روکتے ہیں۔حالانکہ یہ ایک سفید جھوٹ ہے۔حضرت مرزا صاحب نے نعوذ باللہ جہاد کو منسوخ قرار نہیں دیا۔ بلکہ احکام قرآنی کے مطابق اور اس کے وسیع مفہوم کو بیان فرمایا اور اس ملک میں موجودہ زمانہ کے اندر اسلام کو جس جہاد کی ضرورت ہے اس کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلائی۔اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ جہاد بالسیف ایک مشروط اور وقتی جہاد ہے لیکن دین کی تبلیغ اور قرآن کی اشاعت سب سے بڑا جہاد ہے۔ جو کہ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مسلسل جاری رہنا چاہئے۔اور یہی جہاد کبیر ہے **وَجَاھِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا** (52:25)

لیکن ملانوں کے زیر اثر مسلمان اس بات کو نہ مانے وہ اسی پر زور دیتے رہے کہ جہاد کے معنی صرف جہاد بالسیف کے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاد بالسیف کی تو ان میں ہمت اور توفیق ہی نہ تھی، اس لئے وہ جہاد بالقرآن اور جہاد بالمال، جہاد بالقلم اور جہاد باللسان سے بھی محروم ہو گئے۔ آج مسلمانوں پر بے عملی اور بے حسی کی تو نحوست چھائی ہوئی ہے وہ مجدد وقت کی اسی بات کو نہ ماننے کا نتیجہ ہے۔ دین کی مدافعت واشاعت کا جذبہ اور اس کے لئے مال خرچ کرنے کی توفیق مسلمانوں میں سے قریباً مفقود ہو چکی ہے۔

جس طرح یورپ کے عیسائی اور لامذہب اور ہندوستان کے آریہ وغیرہ اسلام کی شدید و خطرناک مخالفت کے باوجود اس دین فطرت کے احکامات کو قبول کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اور اس طریق پر اسلام کی صداقت کا اقرار عملاً کرتے رہتے ہیں، اسی طرح احمدیت کے مخالف مسلمان بھی رفتہ رفتہ احمدیت کے اصولوں کو کسی نہ کسی شکل میں قبول کر رہے ہیں۔ ہندوستان کا مولوی یہ تسلیم کر چکا ہے کہ موجودہ زمانہ میں ہندوستان کے اندر جہاد بالسیف ممکن نہیں ہے۔ اور اس کا عمل بھی اس کی گواہی دے رہا ہے۔ اب ہندوستان کے باہر کا ایک بہت بڑا مولوی اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ جہاد صرف اسی کا نام نہیں کہ تلوار لے کر میدان جنگ میں لڑا جائے بلکہ جو کوئی لڑانے والوں کو کسی قسم کی مدد دیتا ہے یا دین کی اور کوئی خدمت کرتا ہے وہ مجاہد ہے۔

اخبار بین حضرات علامہ شیخ مصطفیٰ المراغی شیخ الازہر کے اسم گرامی سے وقف ہوں گے۔ آپ قاہرہ کی مشہور عالم اسلامی یونیورسٹی الازہر کے افسرِ اعلیٰ ہیں۔ اس سال آپ نے یوم میلاد النبیؐ پر ایک طویل تقریر فرمائی۔ جس کا خلاصہ عربی اخبارات کی وساطت سے اردو کے بعض روزناموں اور ہفتہ واروں میں درج ہو چکا ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں کہ:

> ”آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مصیبت کے وقت جو خدمت بھی انجام دی جائے گی۔ اس کا شمار جہاد میں ہوگا۔ وہ کسان جو کاشتکاری کر کے مجاہدین کے لئے رسد فراہم کرے، وہ خود مجاہد ہے۔ جو شخص مجاہدین کو کھانا اور پانی بہم پہنچاتا ہے، اس کا شمار بھی مجاہدین میں ہے۔ جو شخص لوگوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرتا ہے، وہ بھی مجاہدین

کے زمرہ میں شامل ہے۔‘‘

اس کے بعد شیخ موصوف فرماتے ہیں:

’’جو لوگ اپنی جان سے جہاد کر سکتے ہیں ان کو جان سے جہاد کرنا چاہئے اور اگر کسی میں اس کی قدرت و استطاعت نہیں ہے تو اسے مال کے ذریعہ جہاد میں حصہ لینا چاہئے۔ اور اگر ان دونوں کاموں میں سے کسی ایک کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس کا فرض یہ ہے کہ وہ قوم کو مذہب اسلام کے احکام سکھائے۔‘‘

شیخ موصوف نے ان الفاظ کے ذریعہ جہاد کے مفہوم کا وہ تنگ دائرہ، جو ہندوستان اور دوسرے ممالک کے مولویوں نے اپنی تنگ خیالی اور کوتاہ فہمی سے قائم کر رکھا تھا، توڑ دیا ہے۔ اور اس بات کو واضح طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ مصیبت کے وقت دین کی جو خدمت بھی انجام دی جائے گی اس کا شمار جہاد میں ہوگا۔ اب دیکھنا چاہئے کہ موجودہ زمانہ میں دین کی سب سے بڑی مصیبت کیا ہے۔ اور دشمن اس پر کس ذریعہ سے حملہ آور ہو رہا ہے۔ آج تلوار کے ذریعہ اسلام کو مٹانے کی ناپاک کوششوں کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ حروب صلیبیہ کے شمشیر بکف، خون آشام عیسائی دیوانے اب نظر نہیں آتے۔ آج تلوار کی جگہ قلم نے لے لی ہے اور اسلام کی مخالفت، قلم، لٹریچر اور تبلیغ کفر و ضلالت کے ذریعہ ہو رہی ہے۔ اس لئے دین کی سب سے بڑی ضرورت اس وقت یہ ہے کہ اس کی مدافعت قلم لٹریچر اور تبلیغ حق کے ذریعے کی جائے۔ مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیا جائے۔ اسلام کی خوبیاں بیان کی جائیں۔ قرآن کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلایا جائے۔ جگہ جگہ اشاعت اسلام کے لئے مشن کھولے جائیں تاکہ اسلام کی مدافعت کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے پیروؤں تک کلمہ حق بھی پہنچایا جا سکے۔ حضرت مجدد وقت نے ضروریات زمانہ کے مطابق انہی باتوں کی تلقین کی اور ان کی جماعت بھی یہی کر رہی ہے اور اس وقت یہی سب سے بڑا جہاد ہے۔

باقی رہا جہاد بالسیف، سو حضرت مرزا صاحب نے اس کو ہرگز ہرگز منسوخ قرار دیا۔ اور نہ یہ ان کا یا کسی اور کا منصب ہے کہ اسے منسوخ قرار دے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جہاد بالسیف کے لئے چند شرائط قرآن نے لازمی قرار دی ہیں۔ جہاں ان شرائط کی پابندی کے ساتھ جہاد بالسیف کی

ضرورت پیدا ہو جائے، وہاں جہاد بالسیف بھی ضروری اور فرض ہے۔

مسئلہ جہاد و نبوت: (13 ستمبر 1939ء) چند روز ہوئے جناب خلیفہ قادیان نے جنگ کے سلسلہ میں اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے مندرجہ ذیل پیغام وفاداری گورنر پنجاب کے حضور بھیجا ہے:

> ''میں اور میرے تمام مرید اپنی حقیر خدمات اعلیٰ حضرت ملک معظم کی حکومت کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو جناب والا کے سپرد کرتے ہیں۔ میں حضور کو یقین دلاتا ہوں کہ (میں اور میرے) مرید ہز رائل امپیریل میجسٹی شہنشاہ معظم اور ان کی حکومت کے ساتھ وفاداری کی روایات کو جاری رکھیں گے''
>
> (احسان 13 ستمبر 1939ء)

جناب خلیفہ صاحب کے اس پیغام کا ذکر کرتے ہوئے معاصر ''احسان'' رقمطراز ہے:

> ''اس بات سے ہر شخص متعجب ہوگا کہ جن لوگوں کے ہاں جہاد بالسیف اعتقاداً جائز نہیں، ان کی طرف سے جنگ میں پیشکش کا مطلب کیا ہے؟ اب قادیان کے امیر نے عملاً جہاد کی طرف قدم اُٹھایا ہے......اور عقیدہ تنسیخ جہاد خود بخود منسوخ ہو جائے گا۔ اگر انگریز کی حمایت کے لئے قادیانی بزرگ اپنے عقیدہ جہاد پر نظر ثانی کر سکتے ہیں تو کیا ان سے ہماری یہ عرض بے محل ہوگی کہ مسلمانان عالم کی رضا مندی اور خداوند عالم کی رضا جوئی کے لئے وہ عقیدہ ختم نبوت پر بھی نظر ثانی کر لیں اور غیب سے مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عملی کا جو عارضی موقع بہم پہنچا ہے اسے مستقل صورت دے دیں...... جنگ کے لئے اُنہوں نے اپنے آپ کو ملک معظم کے سپرد کر دیا ہے۔ کاش ختم نبوت کے لئے وہ اپنے آپ کو سوادِ اعظم اسلام کے سپرد کر دیں''
>
> (13 ستمبر 1939ء)

جناب خلیفہ قادیان کے اس پیغام وفاداری اور پیشکش کے متعلق ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ کیونکہ ہمارے اس مقالہ کا مقصد معاصر ''احسان'' کے مندرجہ بالا الفاظ کے متعلق چند باتیں عرض کرنا ہے۔ ہمارے معاصر کی خواہش اتحاد بہت نیک اور قابل قدر ہے۔ اس کے نزدیک جماعت قادیان

سے اختلاف کی بڑی وجہ جہاد اور نبوت کے مسائل ہیں۔ بقول اس کے انگریز کی حمایت کے لئے قادیانی بزرگوں نے عقیدہ جہاد پر عملاً نظر ثانی کر لی ہے۔ اب وہ اس بات کا خواہاں ہے کہ قادیانی بزرگ عقیدہ نبوت پر بھی نظر ثانی کر لیں۔ تا کہ مسلمانوں کے اتحاد کی ایک مستقل صورت پیدا ہو سکے۔

قادیانی حضرات کے متعلق جو کچھ ''احسان'' نے لکھا ہے۔ اور ان کو جو دعوت اتحاد دی گئی ہے۔ اس کا جواب تو وہی دیں گے۔ البتہ اپنے معاصر کی خواہش اتحاد کا احترام اور اس کی دلی قدر کرتے ہوئے ہم اس کی خدمت میں چند باتیں عرض کرتے ہیں۔ اگر قادیانی حضرات سے اختلاف اور ان کی شدید مخالفت کی وجہ محض مسئلہ جہاد اور نبوت ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ جماعت احمدیہ لاہور کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ اتحاد و اشتراک عمل میں کون سی چیز مانع ہے؟ ان دونوں مسائل کے متعلق بانیٔ جماعت حضرت مرزا صاحب اور جماعت لاہور کا مسلک بالکل واضح ہے۔ جہاد بالسیف جہاد کی ایک قسم ہے جس کی اجازت خاص حالات میں چند شرائط کے ماتحت قرآن کریم نے دی ہے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں وہ حالات پیدا ہو جائیں جہاد بالسیف بھی مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے جہاد بالسیف کو منسوخ قرار دیا ہے۔ وہ تو بار بار فرماتے ہیں کہ تا قیامت قرآن کریم کا کوئی حکم کوئی لفظ اور کوئی شوشہ تک منسوخ نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ بات جماعت لاہور کی طرف سے بارہا پیش ہو چکی ہے۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ گذشتہ چار پانچ ماہ کے اندر ''پیغام صلح'' اپنے دو مقالات افتتاحیہ میں نہایت وضاحت سے اس کا ذکر کر چکا ہے۔ باقی رہا مسئلہ نبوت تو اس کے متعلق بھی جماعت لاہور کا مسلک بالکل صاف ہے۔ ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّن مانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ خواہ وہ نیا ہو یا پرانا۔ بانی جماعت کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنا ایک افترا اور بہتان ہے۔ جس کی پرزور تردید خود اُنہوں نے اپنی کتب میں بارہا کی ہے۔ اجرائے نبوت کے غلط اور خلاف اسلام عقیدہ کے متعلق جس قدر وسیع اور مسلسل جہاد جماعت لاہور نے کیا ہے اس کی مثال اسلامی تاریخ میں بہت مشکل سے ملے گی۔

ان حقائق کی موجودگی میں سمجھ میں نہیں آتا کہ جماعت احمدیہ لاہور کی مخالفت و تکفیر کی وجہ جواز مخالفین کے پاس کیا ہے۔ قادیانیوں کا عقیدہ اجرائے نبوت بیشک سخت نقصان رساں اور تکلیف دہ

ہے۔ احمدیت کی مخالفت کی ایک وجہ ان کا یہ عقیدہ بھی ہے۔ لیکن کم از کم موجودہ زمانہ میں یہ وجہ ایک حد تک ثانوی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ بڑی وجہ مخالفین کا تعصب خود غرضی اور جہل ولاعلمی ہے۔ اگر کسی کو ہمارے اس بیان سے اختلاف ہے تو وہ بتائے کہ یہ لوگ جماعت لاہور کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟!
ہمارا یقین ہے کہ جہاں قادیانی حضرات کے عقیدہ اجرائے نبوت کی تردید واصلاح کی ضرورت ہے وہاں احمدیت کے متعصب وخود غرض مخالفین کی ذہنیت کی اصلاح کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اول الذکر فرض کو ہم نہایت تندہی اور باقاعدگی سے انجام دے رہے ہیں۔ دوسرے فرض کو ہمارا معاصر اور اس کے ہم خیال اپنے ذمہ لیں تو مسلمانوں کے اتحاد کی ایک مفید اور بابرکت صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر یہ اسی حالت میں ممکن ہے کہ ہمارے مخاطب اصول پسندی، حق گوئی اور جرأت و بے غرضی کو اپنا شعار بنائیں۔

26 اکتوبر 1939ء

رمضان المبارک مجاہدات کا مہینہ ہے

روحانی طاقت اور اُس کے حصول کے ذرائع

از حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: **وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ** (186:2) یہ آیت رمضان شریف کے ذکر میں آتی ہے اور ترجمہ اس کا یوں ہے کہ جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو میں بہت نزدیک ہوں۔ میں ہر ایک پکارنے والے کی دعا کو، جب وہ دعا کرتا ہے، قبول کرتا ہوں۔ پس چاہئے کہ وہ راستے جو میں نے بتائے ہیں ان پر چلیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تا کہ ہدایت پائیں۔ قرآن کریم کے جس قدر دعاوی ہیں وہ بغیر کسی استثناء کے ہمارے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی زندگیوں میں ثابت اور واضح اور روشن ہو گئے ہیں۔ یہ تو بظاہر دو لفظ ہیں کہ میرے بندے جن کے دل میں یہ خواہش اور تڑپ پیدا ہو کہ وہ میرا قُرب حاصل کریں، میں اُن سے قریب ہوں۔ لیکن اگر صحابہؓ کی زندگیوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرب، جو بہت لوگوں کے نزدیک ایک خیال ہے، حتّٰی کہ خود مسلمانوں کا بہت سا حصہ بھی یہی خیال رکھتا ہے، اُن کے لئے ایک حقیقت بن گیا تھا۔ خدا ہونا، اس کا قرب ہونا، کیا معنی رکھتا ہے؟ دوسری جگہ ہے **وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ** (16:50) ہم اس سے اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ شاہ رگ کیا چیز ہے؟ وہ انسان کی جسمانی زندگی کی قائم مقام ہے۔ اس کے کٹ جانے سے انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کا خدا سے تعلق: تو مطلب یہ ہے کہ خدا کا تعلق انسان کے ساتھ ایسا ہے کہ وہ اُس کی جسمانی زندگی سے بھی زیادہ قریب ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ انسان کے اندر اس جسمانی زندگی سے بھی بڑھ کر ایک حقیقت ہے۔ صحابہؓ کا تعلق خدا کے ساتھ اتنا نظر آتا ہے کہ وہ خدا، جس پر ایمان ایک قصہ اور کہانی تھا یا اب قصہ اور کہانی ہے، وہ صحابہؓ کی زندگیوں میں ایک حقیقت تھی۔ اُن کا ہر فعل، ہر خواہش اور ہر تڑپ محض

خدا کے لئے تھی۔ اگر انہیں کسی چیز کی ضرورت ہوئی ہے تو اُس خدا کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔ اور یہ تو واقعہ ہے کہ دشمنوں کے مقابلہ میں خدا پر ہی ان کا بھروسہ ہوتا تھا۔ اس لئے باوجود کمزور ہونے اور ظاہری سامان نہ رکھنے کے بڑے بڑے دشمنوں کے مقابلہ سے وہ نہ جھجکتے تھے!

مسلمان بادشاہوں کی مثالیں: بڑے بڑے مسلمان فاتحین نے جب بڑے بڑے مقابلوں میں اپنے آپ کو بے کس اور بے بس پایا تو عین میدان جنگ کے اندر وہ سجدہ میں گر گئے اور اُن کے خدا پر ایمان نے وہ کام کر دکھایا جو اُن کی فوجیں کرنے سے عاجز آ گئی تھیں۔ تو صحابہؓ کی زندگیوں میں خدا کی ہستی اور خدا کا قرب فی الواقعہ ایک ایسی حقیقت نظر آتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے اوراد وظائف سے وہ ایمان حاصل نہیں ہوتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی زندگیوں کے مطالعہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔

خدا پر ایمان بڑی بھاری طاقت ہے: خدا کی ہستی پر ایمان ایک بڑی بھاری طاقت ہے۔ یہ انسان کے اندر اتنی بڑی طاقت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ واقعات کے اندر نظر آ جاتا ہے۔ یہ تو موٹی بات ہے کہ انسان کے اندر ایسی طاقتیں ہیں کہ وہ ہر چیز کو مسخر کر سکتا ہے۔ ویسے تو یہ حقیقت ہمیشہ ظاہر رہی ہے لیکن آج تو اس قدر واضح تر ہے کہ واقعات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کائنات کی ہر چیز پر حکمران ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو جس طرح اس طاقت کا ہونا اس طرح مشاہدہ کے اندر آ گیا ہے کہ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا، سوائے ان احمقوں کے جو اپنے قوٰی کو کام میں لگانا نہیں چاہتے، اسی طرح ان لوگوں کے متعلق بھی، جو خدا کی طرف سے مامور ہوتے ہیں، یہ مشاہدہ ہے کہ ان کے اندر بھی ایک ایسی طاقت ہے جو تمام انسانوں کی تمام مادی طاقتوں پر غالب آ جاتی ہے۔ گویا انسانی طاقت تمام کائنات پر غالب ہے۔ تو مامور من اللہ کی طاقت تمام انسانی طاقتوں پر غالب ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خدا کی طرف سے پیغام لے کر آئے تو تنہا تھے اور آپ کے مقابل پر سارے ملک عرب کی ساری طاقتیں تھیں۔ لیکن یہ سب طاقتیں بالآخر مغلوب ہوئیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ نے بھی تمام دنیا کو اپنے آگے جھکا لیا۔ وہ روحانیت نہیں تو کیا چیز تھی جس نے اکیلے آدمی کو اتنے لوگوں پر غالب کر دیا؟! اور پھر یہ نہیں کہ اتفاقی طور پر ہی یہ غلبہ حاصل ہو گیا ہو بلکہ نہایت بے کسی اور بے بسی کے

وقت کہہ کر اور سُنا کہ ہم غالب آئیں گے بعد میں اس غلبہ کو حاصل کیا۔ تو کیا جس طرح ہم لوگ انسان کے اندر کی طاقت کو دیکھ کر اس کا یقین کر لیتے ہیں، اسی طرح اس روحانی طاقت کو دیکھ کر، جو انسان کو انسانوں کے اوپر غالب کر دیتی ہے، اس پر ایمان نہیں لا سکتے؟ روحانی قوت وہ ہے جو خدا سے تعلق پیدا کرنے سے انسان کے اندر آتی ہے۔ یہ مشاہدہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر صحابہ کرامؓ کے اندر اور اولیاء کے اندر نظر آتا ہے۔

حضرت مجدد زمان کی روحانی طاقت: اور اس زمانہ میں دیکھ لو قادیان ایک چھوٹا سا غیر معروف گاؤں تھا۔ اس گاؤں کے رہنے والا انسان کی روحانی طاقت کہاں کہاں فتح حاصل کر رہی ہے۔ وہ یورپ کو فتح کرتی چلی جا رہی ہے اور زندگی رہی تو جس طرح ہم نے دیکھا ہے کہ وہ اسلام، جو یورپ کے نزدیک وحشی لوگوں کا اور دنیا کا بدترین مذہب تھا، وہ آج بہترین مذہب سمجھا جانے لگا ہے۔ اسی طرح ہم نہیں تو ہماری آئندہ نسلیں دیکھیں گی کہ ایک گاؤں کا رہنے والا، جس کی تمام دنیا دشمن بن گئی، جس کو اپنے طرح طرح کے نام دے کر الگ کر دیتے ہیں، وہ کس طرح تمام مہذب دنیا کو اسلام کا مفتوح اور حلقہ بگوش بنالیتا ہے۔ اس شخص کا ساتھ دینے سے اس قدر روحانی طاقت ترقی کرتی ہے کہ دنیا اُس کے سامنے جھکنے لگتی ہے۔

بعض دشمنانِ سلسلہ: آج بعض لوگ کھڑے ہوتے ہیں کہ ہم اس تحریک کو کچل دیں گے اگر یہ کچل جانے اور دب جانے والی ہوتی تو کبھی کی نیست و نابود ہو جاتی۔ مگر اس کا قدم پیچھے نہیں ہٹتا آگے بڑھتا ہے۔ تو خوب یاد رکھو میں جس بات پر زور دینا چاہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ روحانیت ایک حقیقت ہے۔ جس نے مشاہدات میں آ کر خدا کی ہستی اور اُس کے قرب کو ثابت کر دیا ہے۔ یہ کوئی قصہ کہانی نہیں بلکہ واقعی ایک حقیقت ثابتہ ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے کام کر رہی ہے۔ ہاں! جو لوگ واقعی روحانیت پیدا کرنا نہیں چاہتے، اُن کے نزدیک یہ کہانی ہو تو کوئی عجیب بات بھی نہیں۔ تو قرآن نے یہ کمال کیا ہے کہ جس خیال کو پیدا کیا ہے اس کو انسان کی زندگی میں عملی رنگ میں لانے کے لئے بھی سامان پیدا کر دیا ہے۔

انسان خدا کا قرب کس طرح حاصل کر سکتا ہے: خدا کا قرب انسان کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اول تو اس کا ذکر رمضان کے اندر ہے۔ گویا روزہ ان اسباب میں سے ہے جو خدا کا قرب پیدا کرتے

ہیں۔دوسرا ذریعہ یہ بتایا **اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ** (186:2) کوئی بلانے والا ہونا چاہئے۔ اس کی دعا کو میں قبول کرتا ہوں۔تو رمضان میں دعا کے اندر لگنا یہ دوسری ضرورت ہے۔تیسری بات یہ بتائی کہ اگر اس قرب کو دیکھنا چاہتے ہو تو میری بتائی ہوئی راہوں پر چلو اور مجھ پر ایمان رکھو۔کیونکہ یہ حقیقت تو آہستہ آہستہ ظاہر ہوگئی۔بہت سے لوگ ہیں جو کچھ دن خدا کو پکارتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں اور جب ان کی خواہش بظاہر پوری نہیں ہوتی تو اُن کا ایمان متزلزل ہونے لگتا ہے۔بیشتر حصہ وہ ہے جو **اَعطٰی قَلِیْلًا** کا مصداق ہے۔ہر ایک چیز میں ناکامی کی جڑ یہی ہے کہ انسان تھوڑا سا قدم اُٹھائے اور پھر رُک جائے۔کامیابی کی راہ یہی ہے کہ خدا کی بتائی ہوئی راہوں پر چلو اور ایمان رکھو۔یہ نہیں کہ کوئی بیماری کوئی مصیبت آ گئی تو ہم نے کہا خدا کہاں؟ روپیہ مل گیا تو ہم نے کہا خدا کہاں؟ ہر حالت میں دُکھ ہو یا آرام خدا پر ایمان رکھ کر اس کے بتائے ہوئے رستوں پر چلتے رہنا یہی کامیابی کی راہ ہے۔

رمضان مجاہدات کا مہینہ ہے: یہ تو رمضان کا مہینہ ہے۔میں احباب سے اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ یہ خدا نے خاص مجاہدہ کا مہینہ رکھا ہے۔روحانی ترقی کے لئے اس مہینہ میں بہت سے سامان ہیں۔لیکن اگر ان اسباب سے کام نہ لیا جائے تو وہ روحانی ترقی حاصل نہیں ہوتی جو رمضان کا اصل مقصد ہے۔جس طرح کسی چیز سے وہ کام نہ لیا جائے جس کے لئے وہ بنی ہے تو کچھ عرصہ کے بعد وہ بیکار ہو جاتی ہے۔ایک شخص ہاتھ سے کام نہیں لیتا اس کی ہاتھ کی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔اسی طرح اگر رمضان کے اندر ان اسباب سے کام نہ لیا جائے جو روحانی ترقی کا ذریعہ ہیں تو اس کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

نماز تہجد: ایک تو روزہ ہے اور ایک دعا ہے۔اور یہ دعا ایک تو پانچ وقت کی نماز ہے۔مگر اس کے ساتھ رمضان میں بالخصوص نماز تہجد کا اضافہ ہے۔حدیثوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ویسے بھی تہجد کے پابند تھے،لیکن رمضان میں بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد پر بہت زور دیتے تھے۔یہاں تک کہ اپنے گھر والوں کو بھی اُٹھا دیتے تھے رمضان میں تہجد باقاعدہ پڑھنی چاہئے اور جہاں اپنے لئے دعا کریں وہاں جماعت کی ایزادی اور اس کی طاقت کے لئے بھی دعا کریں۔ہمارے سامنے بہت سے کام ہیں۔جس طرح صحابہؓ کے اند ر ایمان تھا،جس سے وہ فتح کرتے چلے جاتے تھے۔خوب یاد رکھو تم بھی ایمان رکھو تو تمہاری فتح ہے۔

۞۞۞

4 نومبر 1939ء

رمضان کی غرض دِلوں میں انقلاب پیدا کرنا ہے

تعلق باللہ سے خدائی طاقتوں کی جلوہ فرمائی

از حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

ماہ رمضان کی خصوصیت: **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ** (2:185-186)

ان آیات میں روزوں کے احکام کے علاوہ بتلایا گیا ہے کہ ماہِ رمضان کو ایک بہت بڑی خصوصیت یہ حاصل ہے کہ اس میں قرآن جیسی عظیم الشان کتاب نازل ہوئی۔ اس زمانہ میں ان تحریکات کو بڑی قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جن کا اثر عوام لناس تک پہنچ جائے۔ کیونکہ اس طرح عوام الناس کے قلوب میں ایک انقلاب پیدا ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ آسان بات نہیں اور بالکل انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ انسانوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ بعض اوقات اچھی اچھی تحریکیں جاری ہوتی ہیں اور عام نہیں ہوتیں۔ ان کا اثر خاص لوگوں اور خاص حلقوں کے اندر ہی محدود رہتا ہے۔ عوام الناس کو ان کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

قرآن اور رمضان دِلوں میں انقلاب پیدا کرتے ہیں: قرآن اور رمضان کا ذکر اس لئے بھی اکٹھا کیا گیا ہے کہ یہ دونوں چیزیں انسان کے اندر زبردست انقلاب پیدا کرنے والی ہیں۔ تمہارا ایک عزیز سے عزیز دوست ہو۔ جس کے دل میں تمہارا احترام بھی ہو۔ لیکن اگر تم اس کو پچھلی رات جگانا چاہو اور یہ کہو کہ وہ سات آٹھ بجے جو چائے پیتا ہے اور گیارہ بجے جو کھانا کھاتا ہے وہ چند گھنٹے قبل صبح کے چار پانچ بجے کھالیا کرے تو اس کو اس بات پر آمادہ نہیں کرسکو گے۔ لیکن رمضان کے آتے ہی مسلمانوں میں

ایک زبردست انقلاب پیدا ہوجاتا ہے۔ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں، ہندوستان میں ہوں یا عرب و افغانستان وایران میں، ایشیائی ممالک میں ہوں یا یورپ وامریکہ میں یا ان جزائر یا غیر معروف علاقوں میں جن کا نام بھی ہمیں معلوم نہیں۔ غرضیکہ دنیا کے ہر ایک حصہ میں ماہ رمضان کا چاند نمودار ہونے کے ساتھ وہ اپنے اندر عظیم الشان انقلاب پیدا کرلیتے ہیں۔ وہ لوگ جو صبح آٹھ آٹھ اور نو نو بجے اُٹھنے کے عادی ہیں، تین تین چار چار بجے اُٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اپنے کھانے پینے کے اوقات تبدیل کردیتے ہیں اور سارے دن کی بھوک پیاس کو برداشت کرنے لگتے ہیں۔

قرآن کا پیدا کردہ انقلاب: اسی انقلاب پیدا کرنے والے مہینے میں قرآن کریم نازل ہوا۔ گویا ماہ رمضان قرآن کریم کی سالگرہ کا مہینہ ہے۔ اور پھر قرآن کریم نے دنیا میں جو انقلاب پیدا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس نے بیشمار قوموں اور ملکوں کے عقائد، طریق عبادت، خیالات، رسم ورواج، زبان، رسم الخط، تمدن ومعاشرت، لباس اور خوراک کو تبدیل کردیا اور یہ تبدیلی اس قدر مہتمم بالشان ہے جو انسانی طاقت سے قطعاً بعید ہے۔ اس کو پیدا کرنا یقیناً خدائی ہاتھ کا کام ہے۔ بیشک خدا نظر نہیں آتا، لیکن جب خدا کی صفات کا جلوہ نمودار ہوتا ہے وہ اس قدر نمایاں ہوتا کہ آنکھوں والے تو ایک طرف رہے بغیر آنکھوں والے بھی اسے دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔

کائنات کی ہر شے میں خدا کا جلوہ ہے: ویسے تو خدا کی ہستی کا جلوہ کائنات کی ہر چیز میں نظر آتا ہے۔ ایک ایک درخت اور اس کے ایک ایک پتے اور ہر ایک رگ وریشہ میں، گھاس کے ایک ایک تنکے میں خدا کی شان نظر آتی ہے۔ پھر پہاڑ ہیں، سمندر ودریا ہیں، ہماری یہ زمین ہے جس پر ہم بستے ہیں، پھر زمین کا ماں باپ ہے۔ یعنی جہاں سے زمین نکلی ہے۔ کیونکہ سائنس نے ثابت کیا ہے کہ زمین سورج یا کسی سیارے کا ایک حصہ ہے۔ یہ ساری چیزیں خدا کی ہستی کی مظہر ہیں۔ لیکن خدا کا سب سے زبردست جلوہ انسان کی ہستی کے اندر نمودار ہوتا ہے۔ یہ کوئی عجیب بات یا فرضی بات نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ جس طرح انسان کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے اسی طرح خدا کا وہ جلوہ جو اس کے اندر نمودار ہوتا ہے باقی سب جلوؤں سے زیادہ افضل اور زبردست ہوتا ہے۔ بیشک کائنات کی دوسری چیزوں میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں بھی بڑی زبردست ہوتی ہیں جن کی وجہ سے خدا کی ہستی کا یقین

ہو جاتا ہے۔ زمین کے کسی ٹکڑے کا ہل جانا، دریاؤں اور سمندروں میں طوفان کا برپا ہو جانا، ہواؤں کی تیزی و تندی، یہ سب خدا کے جلوے ہیں۔ لیکن جب انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا ہوتی ہے اور وہ دل اس کی وجہ سے ہلتا اور کانپتا ہے تو یہ خدائی صفات کا سب سے بڑا جلوہ ہوتا ہے۔

قرآن کی طاقت: انسان کا دل ایک کیا سینکڑوں پہاڑوں سے بھی زیادہ زبردست چیز ہے اور اس قرآن کے آگے ہر زمانہ میں ہزاروں اس قسم کے پہاڑ گرتے رہے ہیں اور گرتے رہیں گے اور اس زمانہ میں بھی گر رہے ہیں۔ قرآن کریم میں جو آتا ہے **لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ** (21:59) یعنی قرآن اتنی بڑی عظیم الشان طاقت ہے کہ اگر ہم اسے پہاڑوں پر نازل کرتے تو وہ بھی خدا کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ یہاں بھی پہاڑوں سے مراد انسانی دل ہی ہیں۔ اس زمانہ میں بھی جبکہ مادی ترقیات انتہاء کو پہنچ گئی ہیں خدائی صفات قرآن کی طاقت کی شکل میں اپنی شان دکھلائیں گی۔

خدائی طاقتوں کی جلوہ فرمائی کے لئے اس سے تعلق پیدا کرو: لیکن اس کے لئے ضرورت ہے کہ تم خدا کے ساتھ تعلق پیدا کر کے خدائی طاقتوں کو ظاہر کرنے کا موجب بنو۔ کیونکہ خدائی طاقتوں کو جلوہ فرما دیکھنے کا واحد ذریعہ تعلق باللہ ہے۔ جب انسان کے اندر خدائی جلوہ نمودار ہوتا ہے تو پھر اس کے آگے مادی طاقتیں خود بخود جھک جاتی ہیں۔ جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ رمضان کا مہینہ قرآن کریم کی گویا سالگرہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم اس مہینہ میں ایک مجاہدہ کر کے خدائی طاقتوں کو ظاہر کرو۔ یہ بوجھ انسان پر اس لئے ڈالا گیا ہے کہ انسان کا تعلق خدا کے ساتھ بڑھے۔

خدا انسان کے بہت قریب ہے: خدا انسان کے بہت قریب ہے۔ انہی آیات میں جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ** (186:2) اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو بیشک میں قریب ہوں۔ یہ غلط ہے کہ خدا تعالیٰ انسان سے بہت دور ہے اور عرش پر ہی بیٹھا ہوا ہے بلکہ قرآن کریم میں تو بار بار آتا ہے کہ خدا انسان کے بہت قریب ہے مثلاً **وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ** (16:50) (اور ہم اس سے اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں) انسان کا قرب جو اپنی جان سے ہے وہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ مگر خدا فرماتا

ہے کہ جس قدر تم اپنی جان سے قریب ہو اس سے بھی میں تم سے زیادہ قریب ہوں۔ ایک جگہ قرآن کریم میں آتا ہے فَلَوْ لَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ. وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ. وَنَحنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ. (85-83:56) (ترجمہ: تو کیوں نہیں جب روح گلے میں آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم تمہاری نسبت اس سے قریب تر ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے) یہاں فرمایا کہ میں تمہاری جان سے اس قدر قریب ہوں کہ تم بھی اتنے قریب نہیں۔ لیکن باوجود اس قدر قریب ہونے کے تم دیکھتے نہیں کیونکہ وہ عالم دوسرا ہے۔

خدا کے قرب سے کیا مراد ہے: پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا ہر وقت اور ہمیشہ انسان کے قریب تر ہے تو پھر اس کے کیا معنی ہوئے کہ خدا کا قرب حاصل کرو۔ اس پر اس قدر زور کیوں دیا گیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل پر جو حجابات ہیں ان کو دور کیا جائے۔ یہ باتیں روحانی عجائبات ہیں جن کو انسانی عقل نہیں سمجھ سکتی۔ بیشک خدا انسان کے بالکل قریب ہے لیکن انسان خود ہی اس سے دور پڑا ہوا ہے۔ انسان کے خدا سے قرب حاصل کرنا یہی ہے کہ وہ حجاب جو اس کو خدا کے دیکھنے سے روکتے ہیں وہ دور ہوں۔ دل کے حجابات کو دور کرنا ہی اس کا قرب ہے۔

حجابات دور کرنے کے لئے مشقت اُٹھاؤ: یہ حجابات کس طرح دور ہوتے ہیں۔ اس کے کیا طریق ہیں؟ اس کے طریق یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ بھوک پیاس برداشت کرو۔ کچھ محنت مشقت اُٹھاؤ۔ سارا قرآن اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ آسائش کی زندگی انسان کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔ احادیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً غرباء کا بہشت میں پہلے داخل ہونا، امیروں کی حالت دیکھ لو۔ ان کو بہت کم خدا کی یاد آتی ہے۔ الّا ماشاء اللّٰہ۔ خدا کے راستہ میں مشقت برداشت کرنے کے معنی بھوک پیاس برداشت کرنا ہی نہیں۔ آج کل کے روزوں میں تو یہ بھی میسر نہیں آتا۔ شام کو جس وقت روزہ افطار کیا جاتا ہے تو معلوم نہیں ہوتا کہ روزہ رکھا تھا۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ کسی اور ذریعے سے مشکلات کو برداشت کیا جائے۔

شب بیداری کی مشقت اور اعضاء پر پابندی: اس لئے اللہ نے رات کا اُٹھنا رکھ دیا۔ خیرات رکھ دی، آنکھ، کان اور زبان پر پابندیاں لگا دی گئیں۔ جھوٹ اور فحش باتوں اور غیبت سے روک دیا گیا جس کی زبان رُک جائے وہ بہت امن میں ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو اپنی زبان کی ضمانت دے

میں اس کے لئے جنت کی ضامن ہوں آؤ اسی زبان کو روک کر مجاہدہ کریں۔ انسان کو اپنی بڑائی کا بہت خیال ہوتا ہے اور وہ اپنے بھائی کے سامنے کسی بات میں دبنا نہیں چاہتا، دوسروں کی عیب شماری اور نکتہ چینی اس کا شعار ہے۔ جو شخص ایک مہینے کے لئے اپنی زبان کو روک لے گا، اسے باقی گیارہ مہینوں کے لئے بھی اس پر قابو حاصل ہو جائے گا۔ زبان کو نہ صرف جھوٹ سے روکو بلکہ غیبت اور فحش گوئی، دل آزاری اور عیب بیانی سے بھی روکو۔

عید کا پہلا پیغام

(9 نومبر 1939ء) جس پر سب سے پہلے ہر ایک خطیب، ہر ایک ممبر مجلس معتمدین، ہر جماعت کا ہر ایک عہدیدار پہلے خود عامل ہو۔ پھر دوسروں کو عمل کے لئے تحریک کرے۔ اور جسے خطیب ساری جماعت کو پہنچا دیں۔ ہم میں سے ہر ایک شخص، جس کی آمدنی ماہوار ہے، اپنا ماہوار چندہ اپنے کسی مصرف میں لانا اپنے لئے حرام سمجھے گا۔ کیونکہ وہ خدا کا مال ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کی کم سے کم مالی قربانی اس کی آمدنی کا سولہواں حصہ ہوگی۔ یعنی فی روپیہ ایک آنہ دین کی تبلیغ کے لئے وقف ہوگا۔ یہ عزم آج ہی ساری جماعت کو کر لینا چاہئے اور ماہ نومبر میں، جو ہمارے بجٹ کے سال کا پہلا مہینہ ہے، سارے چندے اسی حساب سے ادا کرنے ہوں گے۔

عید کا دوسرا پیغام

جو سب خطیب اپنی اپنی جمات کو پہنچا دیں۔ ایک سال کے لئے سخت جدوجہد جو ظاہری جنگ کی جدوجہد سے کسی صورت میں کم نہ ہو اس بات کے لئے کہ نئی بھرتی کے ذریعہ سے مجاہد فوج کی تعداد کو دو چند کیا جائے اور جماعت کا ہر ایک فرد پورے عزم اور پوری ہمت سے کھڑا ہو جائے کہ اس کے ذریعہ سے کم سے کم ایک نیا آدمی جماعت میں داخل ہو جائے۔ مگر جو لوگ جماعت میں معزز ہیں ان سے کم سے کم پانچ آدمیوں کو ساتھ ملانے کی میں توقع رکھتا ہوں۔ محمد علی 27 رمضان المبارک

۞۞۞

9 نومبر 1939ء

غیر منظّم خیرات کی وجہ سے عظیم الشان قومی نقصان

صدقہ فطر کا نظام قائم کرنے کی ضرورت

از حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

بدقسمتی سے آج مسلمانوں کا ہر وہ کام اس نظام کی حالت کو چھوڑ چکا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری ٹھہرایا تھا اور مسلمانوں کی تمام قوت اور طاقت اور ان کا روپیہ اور مال محض نظام کے ماتحت نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو رہا ہے۔ یہی حال صدقہ فطر کا ہے۔ حدیث بخاری میں ہے عَنْ اِبْنِ عُمَرَ فَرَضَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ اَوْ قَالَ رَمَضَانَ عَلَی الذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوْکِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر یا صدقہ رمضان مرد اور عورت اور آزاد غلام سب پر فرض ٹھہرایا۔ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو اور بعض احادیث میں ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر بھی آتا ہے۔ اور بخاری میں ایک ہی باب ہے صَدَقَةُ الْفِطْرِ عَلَی الصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ صدقہ فطر چھوٹے بڑے سب پر ہے۔ اور یہی عملدرآمد صحابہؓ کا تھا کہ چھوٹے سے چھوٹے بچوں کی طرف سے بھی دیتے۔ صاع ایک حساب کی رو سے تقریباً چار سیر اور ایک حساب کی رو سے تقریباً تین سیر بنتا ہے۔ مگر مختلف اشیاء کے وزن کے لحاظ سے قیمتیں مختلف ہوں گی۔ آج کل کے نرخ کے لحاظ سے جَو اور گندم کو ایک ہی حکم میں رکھ کر اس کا اندازہ قریباً چار آنے فی کس ہوگا۔ اسی حدیث کے آخر پر ہے کَانُوْا یُعْطُوْنَ لِیُجْمَعَ لَا لِلْفُقَرَآءِ صدقہ فطر صحابہؓ اکٹھا کرنے کے لئے دیتے تھے۔ اپنے اپنے طور پر فقیروں کو نہ دیتے تھے اور دوسری جگہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں وَکَلَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِحِفْظَةِ زَکٰوةِ رَمَضَانَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سپرد یہ کام کیا تھا کہ میں صدقہ رمضان کی حفاظت کروں۔ جس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اسے جمع کرنے کا حکم دیتے تھے اور سارا مال ایک جگہ جمع ہو کر پھر حسب ضرورت تقسیم کیا جاتا تھا۔

اور حدیث ابن عمرؓ میں ہے کَانُوْا یُعْطُوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِیُوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ یعنی یہ صدقہ عید سے ایک یا دو دن پہلے ادا کر دیتے تھے۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطرت کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ اس طرح نہ دیا جاتا تھا جس طرح آج مسلمانوں کی بدنظمی کی وجہ سے ہر ایک شخص جہاں جی چاہے دے چھوڑتا ہے۔اس طرح الگ الگ تقسیم کر دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روپیہ ضائع ہو جاتا ہے۔کچھ بھیک مانگنے والوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔اگر سنت نبویؐ کی پیروی کی جائے تو صدقہ فطر کو ایک جگہ جمع کر کے اس میں حسب ضرورت خرچ کرنا چاہئے۔

غور کیا جائے تو مسلمان صدقہ فطر کے اس نظام کو توڑ کر، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، اپنا روپیہ جو ان کی قوم کے لئے عظیم الشان قوت کا موجب ہوسکتا ہے، برباد کر رہے ہیں۔مثلاً لاہور کو ہی ہم لے لیں۔اگر ایک لاکھ آدمی بھی صدقہ فطرت ادا کرتا ہو۔تو اس کی کل میزان پچیس ہزار روپے ہوتی ہے۔یہ پچیس ہزار روپیہ اگر ایک جگہ آئے۔جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا تو کس قدر قومی کام اس سے نکل سکتے ہیں۔کس قدر غرباء کی تعلیم کا انتظام ہوسکتا ہے۔لیکن ہم اپنے ہاتھوں سے اس روپے کو برباد کر رہے ہیں۔صرف ایک پنجاب ہی کو لے لو۔اگر اس کی نصف آبادی نہ سہی، ایک تہائی بھی صدقہ فطر ادا کرنے والی ہو اور یقیناً ہے تو ہر سال پنجاب کے مسلمان کم از کم پندرہ سولہ لاکھ روپیہ برباد کر دیتے ہیں۔جس سے ایک یونیورسٹی بن سکتی ہے۔یا قوم کی عامہ حالت سدھر سکتی ہے۔اس وقت مسلمانوں کی کتنی انجمنیں موجود ہیں۔اگر مسلمان بھائی اپنے صدقہ فطرت کو بجائے اِدھر اُدھر پھینکنے کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کرنے کے ایسی انجمنوں کے سپرد کر دیں۔مثلاً انجمن حمایت اسلام ہے یا انجمن اسلامیہ ہے۔یا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہے یا اور کوئی انجمن ہو۔تو وہ ان انجمنوں کی قوت بڑھا کر اپنی قوم کو کس قدر طاقتور بنا سکتی ہے۔مگر موجودہ حالت میں کیا ہو رہا ہے۔مسلمانوں کی جیبوں سے روپیہ بھی نکلتا ہے اور اپنی طرف سے وہ ایک فریضہ ادا بھی کرتے ہیں۔لیکن آدھا حکم ہی مانتے ہیں۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا روپیہ بھی گیا اور حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل غرض بھی پوری نہ ہوئی۔

میری درد دل سے سب مسلمان بھائیوں کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے مال کو، جسے اللہ تعالیٰ نے قوم کی زندگی کا موجب بنایا ہے، ضائع ہونے سے بچائیں اور سنت نبویؐ کے مطابق اپنا روپیہ قومی ضروریات کے لئے کسی انجمن کے سپرد کر دیں۔خاکسار محمد علی۔پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔لاہور۔

❁❁❁

21 نومبر 1939ء

آوازۂ حق

مندرجہ ذیل مکتوب ایک ذی علم اور ذمہ دار شیعہ بزرگ نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں تحریر فرمایا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے، دیگر بالغ نظر مسلمانوں کی طرح شیعہ جماعت کے روشن خیال حضرات بھی تکفیر المسلمین اور اجرائے نبوت کے قادیانی عقیدہ سے بیزار ہیں اور حضرت مسیح موعود کے دامن کو بجا طور پر ان غلط عقائد سے پاک سمجھتے ہیں۔ مدیر

مکرم و معظم مولینا۔ سلام مسنون۔ آپ کے ارسال کردہ رسائل و جواب مجھے ملے تھے۔ ان کا مطالعہ ایک گہری نظر سے کیا۔ اور نہایت دلچسپی سے ان کی تحریروں کو پڑھا۔ مجھے ''ردِ تکفیر اہل قبلہ''، ''مسیح موعود اور ختم نبوت'' اور ''خاتم النبیّن کی حقیقت'' میں حقائق کی جھلک دکھائی دی۔ ان رسائل میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے آخری ہونے اور ''ردِ تکفیر اہل اسلام'' پر بحث کی گئی ہے۔ الحمدللہ کہ آپ حضرات نے ایسا کام اپنے کندھوں پر اُٹھا رکھا ہے۔ ملتِ مرحومہ کی شیرازہ بندی کو منتشر کرنے والی عظیم بلا کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ اچھا! خداوند بزرگ و برتر آپ کو ان اہم امور میں کامیاب و کامران فرمائے۔ ہر بالغ نظر کو یہ بکلّی اعتراض نہیں کرنا چاہئے کہ کوئی جماعت مرزا صاحب کو مجدد کیوں تسلیم نہیں کرتی ہے۔ لیکن درجہ نبوت دینا ایک ضرب کاری ہے جمعیت اسلام پر۔ رسالہ خاتم النبیّن ورد تکفیر پڑھ لینے کے بعد کسی قسم کے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ بلکہ علاوہ قرآن واحادیث وتفاسیر کے مرزا صاحب خود اپنی تحریروں میں بیانگِ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ میں حاشا وکلا نبی نہیں ہوں! تو پھر مرزا محمود صاحب کسی قسم کا حق نہیں رکھتے کہ وہ اعلان نبوت پس رحلت فرمائیں۔ حالانکہ منسوب نبوت اس بارگراں سے انکار کرتا رہا ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ باقی سب اہلِ اسلام خارج از اسلام ہیں تو بتایئے وہ نبوت کیسی ہوئی جو بجائے توسیع کے اہل ایمان میں کمی کا باعث ہو۔ کیا ایسی نبوت سے کروڑوں مسلمان سوائے چند ہزار کے اہل ایمان نہ ہونے سے مذہب کی سچائی ہم غیر مذاہب پر ظاہر کر سکتے ہیں۔ اگر مرزا محمود صاحب نے ان رسائل کا بغور مطالعہ کیا ہے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ وہ ایسے عقائد سے دست بردار نہ ہوں۔ ایک ہٹ کا پکا انسان ہی ان رسائل کو نہ سمجھے گا۔ باقی ہر ذی فہم انسان سمجھ سکتا ہے۔ اُمید کہ آپ میرے مطالعہ کو وسیع کرنے کے لئے مزید لٹریچر روانہ فرماویں گے۔ والسلام

17 دسمبر 1939ء

سالانہ جلسہ میں تنظیم جماعت کا عملی سبق

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

ہمارے سالانہ جلسہ کی اہمیت تو اسی سے واضح ہے کہ یہ حضرت مسیح موعود کے ارشاد پر اور آپ کے تعامل پر مبنی ہے۔ اس کی بنیاد حضرت مسیح موعود نے دعوٰی کے ساتھ ہی رکھی اور اس جماعت کے نظام میں اس کو خاص اہمیت دی۔ اسے روحانی فیوض کے علاوہ تبلیغ اسلام کی تجاویز سوچنے اور ان پر عمل پیرا ہونے اور علم دین حاصل کرنے کا خاص ذریعہ ٹھہرایا۔ سچ تو یہ ہے کہ جس قدر غور کیا جائے اس کے فوائد ہی فوائد نظر آتے ہیں۔ انہی میں سے ایک فائدہ یہ ہے۔ جسے ہمیں اس اجتماع میں خاص طور پر مدنظر رکھنا چاہئے کہ اس میں تنظیم جماعت کا عملی سبق بھی ہے۔

تنظیم جماعت کی سب سے پہلی ضرورت: تنظیم جماعت کی سب سے پہلی ضرورت اس کے افراد میں میل جول کا پیدا کرنا ہے۔ اس کے بغیر کوئی تنظیم موثر نہیں ہوسکتی۔ اپنی اپنی جگہ پر جماعتوں کے اندر میل جول کا محدود دائرہ سالانہ جلسہ کے رنگ میں وسیع ہو کر ساری جماعت پر حاوی ہوجاتا ہے اور دور ونزدیک کے بہت سے احباب اس موقعہ پر اکٹھے ہوجاتے ہیں اور یہاں سے ایک نئی قوت عمل لے کر پھر اپنے کام میں لگ جاتے ہیں۔ جس طرح پر ایک انسان اپنی قوت بدن کو بحال رکھنے کے لئے ایک مقرر وقت پر غذا کا محتاج ہے اسی طرح جماعت کے نظام کا قیام بغیر اس کے نہیں رہ سکتا کہ ہم سال بھر میں ایک مقرر وقت پر جمع ہو کر نئی روحانی غذا حاصل کریں۔

شامل نہ ہونے والے احباب کے عذر: اکثر احباب، جو اس موقع پر شمولیت سے پیچھے رہ جاتے ہیں، وہ دو عذروں کی وجہ سے رہ جاتے ہیں۔ اول خرچ اور دوسرے سفر کی تکلیف۔ جہاں تک خرچ کا سوال ہے، ایک حد تک یہ بات درست بھی معلوم ہوتی ہے کہ بعض دوست فی الواقع کافی خرچ نہ ہونے کی وجہ سے معذور ہوتے ہیں۔ لیکن قریب قریب کی جماعتوں کے لئے یہ عذر صحیح نہیں۔ ایک طرف دہلی اور دوسری طرف پشاور کو میں قریب کی جماعتوں میں سے ہی سمجھتا ہوں۔ ہم دن رات اپنے

دنیوی کاموں کے لئے لمبے لمبے سفر بھی کرتے رہتے ہیں۔ اگر سال میں ایک دفعہ دین کے لئے، خدا کی رضا کے لئے سفر کرنا پڑے تو اس کے لئے تھوڑے سے خرچ کو عذر بنانا درست نہیں۔ عموماً یہ عذر اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب یا تو ہمارا اپنا ارادہ کافی مضبوط نہیں ہوتا اور یا ہم اپنے سالانہ اجتماع کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ہم میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو اس آیہ کریمہ کا مصداق ہوں تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَايُنْفِقُوْنَ (92:9) یعنی جب ان کے لئے سواری کے خرچ کا انتظام نہ ہوسکا تو وہ پھر گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ ان کو خرچ نہیں ملتا کہ سفر کرسکیں۔ پس ایسے احباب تو عنداللہ معذور ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے کہا عموماً قریب قریب کے رہنے والے یہ عذر نہیں کرسکتے۔ ہاں سفر بہت لمبا ہو تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ باری مقرر کرکے بعض احباب ایک سال آجائیں اور بعض دوسرے سال آجائیں۔ لیکن بہت سے احباب ایسے ہیں جو محض سستی کرتے کرتے رہ جاتے ہیں اور اگر وہ مضبوط عزم کرلیں تو سامان ان کو میسر آسکتے ہیں۔

دوسرا عذر سفر کی تکلیف ہے جس کو بالخصوص سردی کے موسم کی وجہ سے اہمیت دی جاتی ہے۔ اس سے بڑا عذر ان لوگوں کا تھا۔ جنہوں نے کہا تھا کہ گرمی بہت ہے ہم نہیں نکل سکتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس عذر کو قبول نہیں فرمایا۔ گرمی کے مقابل میں سردی کا عذر بہت کمزور ہے۔ رہا سفر کی تکلیف کا عذر تو یہ کچھ بھی نہیں۔ جس شخص کے دل کے اندر وہ ایمان پیدا نہیں ہوا جو خدا کے راستے میں تکلیف کو راحت بنادے، وہ حلاوت ایمان سے محروم ہے۔ زندہ ایمان خدا اور رسولﷺ کی وہ محبت دل میں پیدا کردیتا ہے کہ سفر کی تکلیفیں اس کے سامنے ہیچ ہوجاتی ہے۔ بلکہ فی الواقع ان میں لذت محسوس ہوتی ہے۔

ہمارے بزرگوں کا طرز عمل: جہاد بالسیف کے لئے تو ہمارے بزرگوں نے کیا کیا تکلیفیں اُٹھائیں۔ ان کو ہر ایک جانتا ہے۔ لیکن وہ لوگ علم کے حصول کے لئے بھی تکلیف میں راحت پاتے تھے۔ ایک حدیث کی صحت معلوم کرنے کے لئے ایک ماہ کا سفر۔ اور اس زمانہ کا سفر جس کے مقابل آج کا سفر آرام ہی آرام ہے۔ اور ملک عرب کا سفر۔ ان کے لئے معمولی کام تھا۔ مجھے حضرت مسیح موعود کا وہ ابتدائی زمانہ یاد ہے جب دو چار دوست ملتے تھے اور ہر ہفتے یا پندرھویں دن قادیان کا رُخ کرتے تھے۔ رات کو بارہ بجے کے قریب بٹالہ اسٹیشن پر گاڑی پہنچتی تھی۔ وہاں سے کئی دفعہ اسی وقت پیدل چل پڑتے تھے اور صبح 3

بجے کے قریب قادیان پہنچ کر جہاں جگہ ملی پڑ رہتے تھے اور اس میں راحت یہ راحت معلوم ہوتی تھی۔ سو اگر خدا اور رسولؐ پر ایمان ہو تو یقیناً وہ محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے تکلیف بھی راحت بن جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ (4:90) ہم نے انسان کو مشقت کے لئے پیدا کیا ہے۔ دنیا میں کامیاب وہی انسان ہوتا ہے جو مشقت کو کامیابی کا ذریعہ سمجھ کر اس میں راحت پاتا ہے۔ پھر یہ سفر تو فی الحقیقت تبلیغ دین کے جہاد کا ایک حصہ ہے۔ اور جہاد میں کیا کیا مشقتیں اُٹھانا پڑتی ہیں۔ جن کے سامنے ہماری اس مشقت کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ یہ سب جانتے ہیں۔ آج بعض دوست یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے جہاد کے لئے آئیں تو آگے ان کے لئے آرام ہو، کھانا اچھا ہو، مکان بھی علیحدہ ہو۔ جس میں ہر قسم کی آسائش ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہاں منتظمین کا یہ فرض نہیں کہ وہ ان چیزوں کا انتظام کریں۔ کھانا مکان وغیرہ سب چیز کا خیال رکھیں۔ بلاشبہ یہ ان کا فرض ہے۔ لیکن جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے لئے آرام مہیا ہو، وہ نصف فوائد اس اجتماع کے پہلے ضائع کر دیتا ہے۔ سفر کرنے والے کو یہ پختہ فیصلہ کر کے چلنا چاہئے کہ اس سفر میں کسی تکلیف اور مشقت کی پروا نہیں ہوگی۔ یہ پہلی شرط ہے جس کے بغیر ہمیں وہ روحانی فوائد نہیں ہو سکتے جو اس اجتماع سے حاصل ہونے چاہئیں۔

تنظیم جماعت کا عملی سبق دینے والی چند باتیں: اب میں چند ان باتوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر عمل میں لا کر ہم تنظیم جماعت کا عملی سبق سیکھ سکتے ہیں۔

پہلی بات تین دن کی باقاعدہ شرکت: ان میں سب سے پہلی بات پورے تین دن کی شمولیت جلسہ ہے۔ یعنی سب احباب کو 25 تاریخ کی صبح کو جلسہ شروع ہونے سے پہلے پہنچنا چاہئے۔ اور 27 تاریخ کے سہ پہر تک جب جلسہ ختم ہوتا ہے یہاں ٹھہرنا چاہئے۔ بہت سے دوست ہیں جو یا پہلے دیر سے پہنچتے ہیں اور یا ایک دو دن جلسہ میں شامل ہو کر پھر بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ ہمارا فرض ہے کہ جلسہ میں شامل ہوں۔ بلکہ غالباً یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم کسی پر احسان کر رہے ہیں جو جلسہ میں آ گئے ہیں اور ہمارا شکل دکھا دینا ہی کافی ہے۔ نہ وہ سب تقریروں کو سن سکتے ہیں نہ ہی دوسرے احباب سے ملنے جلنے کے لئے وقت نکالتے ہیں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں ان کا یہاں آ کر اور شکل دکھا کر چلے جانا کافی ہے۔ وہ خرچ بھی برداشت کرتے ہیں سفر کی تکلیف بھی اُٹھاتے ہیں۔ مگر

تھوڑی سی غلط فہمی کے ماتحت کہ بس شمولیت کافی ہے، اجتماع کے فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بعض دوست یہ عذر کر دیتے ہیں کہ ہمیں اپنے کاروبار میں فرصت نہیں ملتی۔ یہ عذر میں ان لوگوں کی طرف سے درست سمجھتا ہوں جو کسی کے ملازم ہیں اور باوجود پوری کوشش کے انہیں فرصت نہیں ملتی۔ یا پورے وقت کے لئے رخصت نہیں ملتی۔ لیکن زمیندار تاجر اور دیگر کاروباری لوگ یہ عذر نہیں کر سکتے۔ ان کو اپنی دنیوی ضرورت پیش آ جائے تو آٹھ دن بھی باہر رہ سکتے ہیں۔ لیکن دین کی ضرورت کے لئے تین دن نہیں نکال سکتے۔ گو ان کو یہ خیال نہ ہو مگر دوسرے بھائیوں کے دِلوں میں یقیناً یہ خیال گزرتا ہے کہ یہ لوگ ہماری برادری میں اپنے آپ کو شامل نہیں سمجھتے اور اپنے آپ کو دوسرے بھائیوں سے اونچے مرتبہ پر سمجھتے ہیں۔ یہ ایک دینی برادری ہے اور اس دینی برادری میں امیر و غریب اسی طرح یکساں ہیں جس طرح دنیوی برادری کے موقعہ پر۔ اس لئے میں سب احباب کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ وہ پورے تین دن جلسہ کے لئے نکالیں اور سال میں ایک دفعہ اس دینی برادری میں دوسرے بھائیوں کے برابر آ کر بیٹھیں۔ یہ تنظیم جماعت کا پہلا عملی سبق ہے۔

دوسری بات۔ نماز باجماعت: دوسرا عملی سبق، جو فی الحقیقت اپنی اہمیت کے لحاظ سے اول درجہ پر ہے، وہ ان تین دِنوں میں نماز باجماعت کی پابندی ہے۔ ہمارا سلسلہ ایک روحانی سلسلہ ہے۔ ہم ایک روحانی جنگ کے سپاہی ہیں اور اس جنگ میں روحانیت ہی ہمارا اصلی ہتھیار ہے۔ اس لئے جو چیز ہماری روحانیت کی بنیاد ہے، اس کی طرف یہاں آ کر سب سے پہلے توجہ بکار ہے۔ لاہور پہنچ کر ہم جہاں چاہیں رہیں۔ لیکن نماز مقررہ وقت پر مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہئے۔ جو لوگ تقریروں کے وقت تو آ جاتے ہیں، کھانے کے وقت بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ نماز کے وقت جمع نہ ہوں تو یہ حد درجہ قابل افسوس امر ہے۔ نماز مسلمانوں کی تنظیم کا بنیادی پتھر ہے۔ شارع علیہ السلام نے نماز باجماعت کے ذریعہ سے ہی وہ تنظیم مسلمانوں میں پیدا کی جس کی آج دنیا مداح ہے۔ وہ ایک ہوئے تو نماز باجماعت کے ذریعہ سے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ایک سطح پر کھڑے ہوئے اور ایک صف میں کھڑے ہوئے تو نماز باجماعت کے ذریعہ سے۔ ایک دوسرے کے غم دُکھ میں شریک ہوئے، ایک دوسرے کے ہمدرد بنے تو نماز باجماعت کے ذریعہ سے۔ اسی لئے شارع علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ

اقامت کہلوا کر خود مسجد سے چلا جاؤں اور ان لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو اس وقت گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور نماز با جماعت کے لئے نہیں آتے۔ قرآن کریم نے لفظ ہی یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کے استعمال کئے ہیں۔ اور اقامت ہوتی ہی جماعت کے وقت ہے۔ اکیلے کی نماز میں اقامت کوئی نہیں۔ تو بغیر جماعت نماز پڑھنے سے (سوائے اشد مجبوری کے) یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کے حکم کی تعمیل نہیں ہوتی۔ پھر جب ہر طرف سے احباب جماعت کا اجتماع ہوتا ہے، اس وقت اگر ان کے سامنے یہ نظارہ ہی ہو کہ چار آدمی ایک ڈیرے میں نماز پڑھ رہے ہیں اور دس دوسرے میں۔ اور ایک کہیں ٹکریں مار رہا ہے تو جماعت کی تنظیم کی بنیاد ہی برباد ہوگئی۔ تنظیم کی عمارت کیا بنے گی؟ اس لئے مجھ میں جس قدر قوت ہے، اس پوری قوت کے ساتھ خدا کے حکم یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کی طرف توجہ دلاتا ہوا جملہ احباب سے یہ عرض کروں گا کہ یہ تین دن پانچوں نمازیں مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ اور کھانے پر، لیکچروں پر، باہم گفتگو پر، کسی مجلس میں حصہ لینے پر، غرض ہر چیز پر نماز با جماعت کو مقدم کریں۔ ظہر اور عصر کی نماز میں جمع تاخیر ہوگی اور ٹھیک پونے چار بجے نماز کھڑی ہوگی۔ اور مغرب اور عشاء کی نماز میں جمع تقدیم ہوگی اور ٹھیک ساڑھے پانچ بجے نماز کھڑی ہوگی۔ اس وقت سے دس منٹ پیشتر سب احباب کو مسجد میں جمع ہو جانا چاہیئے۔ جو اس کے خلاف کرے گا، جماعت تو کیا چیز ہے خدا اور اس کے رسولؐ اس کے اس عمل سے بیزار ہوں گے۔ اس میں میرے مخاطب صرف بیرونجات سے آئے ہوئے احباب ہی نہیں بلکہ لاہور کی جماعت بھی ہے۔ وہ بھی نماز کو جلسہ کا ضروری جزو سمجھ کر بلکہ سب سے اہم جزو سمجھ کر مسجد میں با جماعت وقت مقررہ پر ادا کریں۔

تیسری بات۔ پابندی اوقات: تیسرا عملی سبق تقریروں کے وقت پابندی کا ہے۔ بہت سے دوست ایک یا دو آدمیوں کو سامنے رکھ کر یہ پہلے ہی فیصلہ کر لیتے ہیں کہ فلاں صاحب کی تقریر ہوگی تو سنیں گے اور باقی اِدھر اُدھر پھرتے رہیں گے۔ یا گھر میں بیٹھے رہیں گے۔ میں پھر اس بات کی طرف توجہ دلاؤں گا کہ وہ جلسہ کی شمولیت کو اپنا فرض منصبی سمجھیں۔ وہ اس غرض کے لئے نہ آئیں کہ کوئی مزیدار تقریر سنیں گے بلکہ اس لئے آئیں کہ یہ جلسہ ہماری جماعت کا بنیادی نظام ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کس دوست کے منہ سے کوئی درد سے بھرا ہوا کلمہ ایسا نکلے گا جو دل پر اثر کر جائے اور نہ کوئی جانتا ہے کہ کس کی لچھے دار تقریر

بظاہر تو خوش کرنے کا موجب ہوگی لیکن دل پہ اُس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ ہر گدارا بردرت نازے دگر والا معاملہ ہے۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ جو لوگ میری طرح بہت تقریریں کرنے کے عادی ہیں ان سے کوئی نئی بات سننے میں کم آتی ہے اور ایک شخص جو پہلی مرتبہ درد دل کو لے کر کھڑا ہوا ہے، شاید اس سے ہم کو زیادہ مفید باتیں مل جائیں۔ اگر کوئی ایسے ہی دوست ہیں جو ضرور کسی نہ کسی تقریر میں غیر حاضر رہنا ہی ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے بغیر ان کو چین نہیں آتا تو میں اپنی تقریروں کے متعلق انہیں اجازت دیتا ہوں کہ وہ غیر حاضر ہو جائیں۔ کیونکہ میری باتیں وہ دن رات سنتے رہتے ہیں۔ لیکن دوسرے مقرروں کی دل شکنی اپنی غیر حاضری سے نہ کریں۔ اور جس طرح ایک جماعت کے طالب علم پابند ہوتے ہیں کہ اپنے اساتذہ کے سبقوں میں سے یکے بعد دیگرے حاضری پوری کریں، اسی طرح وہ بھی 11 بجے سے 3 بجے تک اپنی حاضری کو پورا کریں۔ مختلف لیکچرار مختلف مضامین کو پڑھانے والے اساتذہ ہیں اور سننے والے اس وقت سب طالب علم کی حیثیت میں ہوتے ہیں۔ جو شخص طالب علم بن کر نہیں آتا وہ نہ بڑے زبردست لیکچرار سے کچھ حاصل کرتا ہے نہ معمولی سے۔ اور جو طالب بن کر آتا ہے وہ دامن مراد کو بھر کر لے جاتا ہے خواہ لیکچرار کمزور ہی ہو۔

مقررین کو بھی اوقات کی پابندی کرنی چاہئے: اس سلسلہ میں مَیں تنظیم کے ایک چوتھے سبق کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ جس طرح سامعین گیارہ سے تین بجے تک وقت کے پابند ہیں کہ لیکچروں میں شامل رہیں، مقررین کو اپنے وقت کا پورا پابند ہونا چاہئے۔ جب مدرسہ میں گھنٹی بجتی ہے تو سوائے اس کے کہ آخری استاد کا وقت ہو، کسی استاد کی مجال نہیں کہ ایک منٹ بھی جماعت کو اس وجہ پر روک رکھے کہ ایک نہایت ضروری مضمون درپیش تھا۔ اسی طرح لیکچرار کا فرض ہے کہ اپنے وقت مقررہ کا پورا پابند ہو۔ اگر اس کے پاس بہت سی مفید باتیں ہیں جن کے بغیر وہ سمجھتا ہے کہ لوگ تشنہ رہیں گے تو اس کا فرض ہے کہ وہ پہلے لمبی چوڑی تمہید میں وقت ضائع نہ کرے۔ پھر ان کو اس قدر مختصر پیرائے میں بیان کرے کہ وہ سب باتیں لوگوں کو پہنچ جائیں اور بالفرض اگر کوئی عظیم الشان نکتہ باقی رہ گیا ہے تو حسب کتاب اللہ کہتا ہوں قرآن کی طرف توجہ دلائے اور اپنی تقریر کو اپنے وقت پر ختم کردے۔

نظام کی پوری پابندی کرو: پابندی وقت خود ایک عظیم الشان عملی نکتہ ہے۔ بعض وقت مقرروں کو جب

صدر اطلاع دیتا ہے کہ تمہارا وقت ختم ہے تو وہ حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ اگر تمہاری اجازت ہوتو میں اس مضمون کو پورا کرلوں۔ یعنی اپنے سے پیچھے آنے والے مقرر کا حق لے لوں۔ حالانکہ یہ سامعین کے اختیار کی بات نہیں کہ وہ لیکچراروں میں وقت تقسیم کرنے بیٹھیں۔ اس لئے ان میں سے دس پانچ کا آوازیں بلند کردینا کہ آپ مضمون کو جاری رکھیں خلاف آداب مجلس ہے۔ اور بدنظمی کا بدترین مظاہرہ۔ اور نہ صدر کے اختیار میں ہے کہ مقررہ پروگرام کو چھوڑ کر کسی کو کہہ دے کہ اچھا آپ دس منٹ اور لے لیں بلکہ خود مقرر کا بھی اختیار نہیں کہ وہ اپنا وقت چھوڑ دے۔ یہ سب کچھ ایک نظام کے ماتحت ہوا ہے۔ اور اگر ایک لیکچرار وقت پر نہ پہنچے یا کسی وجہ سے معذور ہوجائے تو اس نظام کے ماتحت کوئی انتظام ہوگا۔ صدر اس بات کا پابند ہے کہ کسی مقرر کو مقررہ پروگرام سے اِدھر اُدھر نہ ہونے دے۔ اور سامعین کا اگر کوئی فرض ہے تو وہ یہی ہے کہ مقررہ پروگرام کے مطابق اس پر زور دیں بلکہ مقررین کو خود چاہئے کہ اپنے وقت کو دیکھ کر عین وقت پر خود اپنی تقریر کو ختم کردیں اور صدر کی توجہ دلانے کے محتاج نہ ہوں۔

پانچواں عملی سبق: پانچواں عملی سبق تنظیم جماعت کا جو اس جلسہ سے حاصل کرنا چاہئے۔ ہر بات میں پابندی اوقات کا لحاظ ہے۔ جو نماز کا وقت ہے اس سے دس منٹ پہلے مسجد مین پہنچ جانا چاہئے۔ جو لیکچر کا وقت ہے اس سے پانچ منٹ پیشتر اپنی جگہ پر بیٹھ جانا چاہئے اور اس کی پابندی ان لوگوں کو بھی اختیار کرنی چاہئے جو خود لیکچرار ہیں۔ یہ عذر نہ ہونا چاہئے کہ ہم اس وقت اپنا لیکچر تیار کرنے میں مصروف تھے۔ جس نے لیکچر تیار کرنا ہے وہ پہلے تیار کرکے آئے۔ اسی طرح پر افسر جلسہ کی طرف سے جو کھانے کے اوقات دیئے جائیں۔ انہی اوقات میں کھانا کھالینا چاہئے۔ آگے پیچھے جانے سے انتظام میں گڑبڑ ہوتی ہے اور شکایات کا دروازہ وسیع ہوتا ہے۔ آخر کیا رمضان کے مہینے میں ہمیں یہ عادت نہیں ہوجاتی کہ سحری کا وقت ہوجانے کے بعد کھانا ترک کردیں اور افطار کے وقت جلدی کرکے پہلے افطار کریں۔ صبح اور شام صرف دو دو گھنٹے کھانے کے اوقات کے دیئے جائیں گے۔ انہی کے اندر اندر سب کو کھانا کھالینا چاہئے اور اس موقعہ پر بھی مساوات کا نظارہ دکھانا چاہئے۔ یہ خیال نہ ہو کہ ہم جس وقت جا کر کہیں گے کھانا مل جائے گا۔ اسی طرح جنرل کونسل کے لئے سب ممبران جنرل کونسل کو مقررہ جگہ پر مقررہ وقت سے دس منٹ پیشتر جمع ہوجانا چاہئے۔ بعض وقت آدھ آدھ گھنٹہ اسی تلاش میں لگ جاتا ہے کہ فلاں

صاحب کہاں ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل معاملات پر بحث کے لئے وقت کم رہ جاتا ہے۔ جو ممبر وقت مقررہ پر خود بخود نہیں آجاتے اور اس بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ انہیں کوئی بلانے جائے اور پھر وہ آہستہ آہستہ دوسروں کے ساتھ باتیں کرتے کرتے خاص شان کے ساتھ اجلاس میں آئیں، وہ خدا کی دی ہوئی نعمت وقت کو ضائع کرتے ہیں۔ نہ صرف دوسروں کے وقت کو، بلکہ اپنے وقت کو بھی۔ اسی طرح اگر اجلاس کے درمیان نماز کا وقت آجائے تو نماز سے فارغ ہوتے ہی فوراً واپس اپنی جگہ پر پہنچ جانا چاہئے۔ اسی طرح کانفرنس کے وقت مقررہ کا لحاظ رہنا چاہئے۔ اور پھر کانفرنس میں کوئی تقریر تین منٹ سے زیادہ نہ ہونی چاہئے۔ سوائے اختتامی تقریر کے جو دس منٹ تک ہوسکتی ہے۔ غرض ہر جگہ احباب جماعت کو پابندی وقت کا پورا نمونہ دکھانا چاہئے۔

چھٹا عملی سبق: چھٹا عملی سبق باہم تعارف کا بڑھانا ہے۔ اس دفعہ لیکچروں کا وقت کم کر دیا گیا ہے۔ اس کی غرض صرف یہی ہے کہ جو وقت بچے اسے باہم تعارف بڑھانے میں صرف کیا جائے۔ کتنی کتنی دور سے لوگ جلسہ میں آتے ہیں۔ تو یہ بہت ہی افسوس کا مقام ہوگا اگر اس قیمتی اجتماع سے باہم تعارف کو بڑھانے کا فائدہ حاصل نہ کیا جائے۔ جن لوگوں سے ہم دن رات ملتے ہیں ان کے ساتھ سوائے ضرورت کے وقت صرف نہ کیا جائے۔ بلکہ وہ لوگ جنہوں نے خدمت دین کے لئے اس قدر صعوبت اُٹھائی ہے اور دور دور سے آئے ہیں، ان سب کے ساتھ ملنا ان کے حالات دریافت کرنا چاہئے۔ یہ ہماری دوستیاں صرف اللہ کی رضا کے لئے ہیں۔ ان کے بڑھانے میں ہم جس قدر وقت خرچ کریں گے۔ وہ گویا عبادت کے اندر ہی داخل ہے۔ کیونکہ اصل مقصد حصول رضائے الٰہی ہے۔

الغرض یہ چند دن محض خدا کے فضل سے ہمیں ایسے مل جاتے ہیں کہ جن میں روحانیت، علم، جذبہ خدمت اسلام، جذبہ محبت الٰہی ومحبت رسولؐ، جذبہ خدمت انسان، جذبہ اخوت ومؤدت کو ترقی دے سکتے ہیں۔ ان کا ایک لمحہ ضائع نہ ہونے دینا چاہئے۔

خاکسار۔ محمد علی

4 جنوری 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

اصحاب قادیان سے اپیل

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ہماری جماعت کو قادیان سے علیحدہ ہوئے پچیس سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا۔ ہمارے عقائد کے متعلق آپ کی کچھ رائے ہو لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ہم نے اس سارے عرصہ میں صرف ایک ہی کام پر اپنی توجہ کو مرکوز رکھا ہے۔

حضرت مسیح موعود کی دلی تڑپ اور ہمارا کام: اور وہی کام کرتے رہے ہیں جس کی تڑپ مسیح موعود کے دل میں تھی۔ یعنی قرآن کریم کو بذریعہ تراجم اور تعلیم اسلام کو کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ دنیا میں اور بالخصوص یورپ میں پھیلانا۔ تاکہ مغرب سے طلوع آفتاب کی پیشگوئی پوری ہو۔ یعنی آفتاب اسلام کی ضیاباری جس طرح سے پہلے مشرق میں ہوتی رہی ہے اب مغرب میں بھی ہو اور وہ دجال جو اسلام کو مٹانے کی کوشش کرتا رہا ہے اسلام کی غلامی میں داخل ہو۔

حضرت مسیح موعود کے چند ارشادات: حضرت مسیح موعود دعوٰی میسحیت کے ساتھ ہی فرماتے ہیں:

> ''ایسا ہی طلوع شمس کا جو مغرب کی طرف سے ہوگا ہم اس پر بہر حال ایمان لاتے ہیں۔ لیکن اس عاجز پر جو ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت اور کفر وضلالت میں ہیں آفتاب صداقت سے منور کئے جائیں گے۔ اور ان کو اسلام سے حصہ ملے گا'' (ازالہ اوہام صفحہ 515)

> ''اس نازک وقت میں ایک شخص خدائے تعالٰی کی طرف سے اُٹھا اور چاہتا ہے کہ اسلام کا خوبصورت چہرہ تمام دنیا پر ظاہر کرے اور اُس کی راہیں مغربی ملکوں پر کھولے۔ لیکن قوم اس کی امداد سے دستکش ہے اور سوظن اور دنیا پرستی کی راہ سے مطلق قطع تعلقات کر کے چپ چاپ بیٹھی ہے'' (ازالہ اوہام صفحہ 769)

''ایسے سفیر اگر یورپ اور امریکہ جائیں تو کس کام کو انجام دیں گے اور مشکلات پیش کردہ کا کیا حل کریں گے۔ اور ممکن ہے کہ اُن کے جاہلانہ جوابات کا اثر معکوس ہو......سو میری صلاح یہ ہے کہ بجائے ان واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر اُن کے پاس بھیجی جائے میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ جیسے مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے'' (ازالہ اوہام صفحہ 773)

ہماری جماعت کی پچیس سالہ کارگذاری: یہ تھی حضرت مسیح موعود کی دلی تڑپ جس کا اظہار آپ نے دعوٰی مسیحیت کے ساتھ ہی کیا۔ اب آپ غور کر لیں کہ ذیل کا کام جو ہماری جماعت نے پچیس سال کے عرصہ میں کیا ہے تو حضرت مسیح موعود کی دلی تڑپ کو پورا کیا ہے یا نہ۔ اور وہی کام کیا ہے یا نہ، جو آپ کرنا چاہتے تھے اور جس کے لئے مسلمانوں کو بلاتے تھے اور ان کی غفلت اور بدگمانیوں پر افسوس کرتے تھے کہ کیوں وہ آپ کے ساتھ مل کر کام کو انجام نہیں دیتے!

1۔ قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو اب تک پچیس ہزار کی تعداد میں چھپ چکا ہے اور جس کی دس ہزار کاپی یورپ اور امریکہ کی لائبریریوں کو اور دوسرے لوگوں کو مفت پہنچائی گئی ہے۔

2۔ قرآن شریف کا ڈچ زبان میں ترجمہ کیا جس کی پانچ ہزار کاپی چھپ چکی ہے اور جس میں سے بہت سی کاپیاں بڑے بڑے ہالینڈ کے رہنے والوں کو بھجوائی گئی ہیں۔ اب اس کی دوسری ایڈیشن تیار ہے۔

3۔ جرمن زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا جس کی تین ہزار کاپی چھپ چکی ہے۔ اس میں سے دو ہزار کاپی مفت اشاعت کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے۔

4۔ ''ریلجن آف اسلام'' جیسی ضخیم اور جامع کتاب تعلیمات اسلامی پر شائع کی گئی ہے۔ جس کی تعریف میں بڑے بڑے مسلمان اہل علم رطب اللسان ہیں اور جس کے متعلق مرحوم مسٹر محمد مارماڈیوک پکتھال نے یہ اعتراف کیا ہے کہ علوم اسلامی کی تجدید کا جو کام اس کتاب کے ذریعہ سے ہوا ہے وہ نہ

صرف بینظیر ہے بلکہ اس وقت اس کی ضرورت علاوہ غیر مسلموں کے خود ہر ایک ملک کے مسلمانوں کو بھی بہت تھی ☆

5۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ایک مبسوط اور ایک مختصر کتاب لکھی ہے ان دونوں کا چھ یورپین اور گیارہ ایشیائی زبانون میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور صرف انگریزی کی پندرہ ہزار کے قریب کاپی مفت یورپ، امریکہ اور ہندوستان میں تقسیم ہو چکی ہے۔

6۔ تعلیم اسلام پر رسائل کا ترجمہ تیس زبانوں میں ہو چکا ہے اور صرف ایک رسالہ ''اسلام دی ریلجن آف ہومینیٹی'' کی پچاس ہزار سے زیادہ کاپیاں نکل چکی ہیں جن میں سے بیشتر حصہ مفت تقسیم ہوا ہے۔

اس قیمتی لٹریچر کے علاوہ تین مشن یورپ میں قائم ہیں اور اسی پچیس سال کے عرصہ میں دو ہائی سکول بھی قائم کئے گئے ہیں۔ دونوں کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس بھی ہیں اور ان سب کی عمارتیں اسی جماعت کے خرچ سے تیار ہوئی ہیں۔

☆ مسٹر پکتھال ''اسلامک کلچر'' اکتوبر 1936ء صفحہ 659 تا 662 میں ''ریلجن آف اسلام'' کے ریویو کوان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:

> ''غالباً کوئی شخص زندہ اس وقت ایسا موجود نہیں جس نے اس سے زیادہ لمبے عرصے پر ممتد یا اس سے زیادہ قیمتی تجدید اسلام کی خدمت کی ہو جو مولٰینا محمد علی آف لاہور نے کی ہے۔ یہ کتاب ان کا بہترین کام ہے۔ یہ اسلام کا بیان اس شخص کے قلم سے ہے جو قرآن اور سنت نبویؐ سے بخوبی واقف ہے جس کے دماغ پر مسلمانوں کی گذشتہ پانچ صدیوں کے انحطاط کا بوجھ ہے اور جس کے دل میں احیائے قوم کی وہ امید ہے جس کے نشان اب ہر طرف دیکھے جا سکتے ہیں ......ایسی کتاب کی اس زمانے میں بڑی سخت ضرورت تھی جب بہت سے مسلمان ملکوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو اسلام کی تجدید اور اصلاح چاہتے ہیں صرف اس علم کے نہ ہونے کی وجہ سے غلطیاں کر رہے ہیں''

ہم حضرت مسیح موعود کی شاخ اور آپ کے دامن سے وابستہ ہیں: آپ لوگوں کا خیال ہے کہ ہم نے مسیح موعود کا دامن چھوڑ دیا ہے۔ اگر یہ درست ہوتا تو ہمارے ہاتھوں سے اس قدر خدمت اسلام کا وہ کام کس طرح سرانجام پاتا، جس کی تڑپ خود حضرت مسیح موعود کے دل میں تھی اور اگر حضرت مسیح موعود کو چھوڑ کر بھی کوئی جماعت تبلیغ اسلام کا اتنا بڑا کام کر سکتی ہے تو پھر مسیح موعود کے آنے کی ضرورت کیا تھی؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ مسلمان، جنہوں نے حضرت مسیح موعود سے تعلق پیدا نہیں کیا، تبلیغ اسلام اور قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے کام سے الّا ماشاء اللہ اس قدر دور نکل گئے ہیں کہ اُن کے دلوں میں اس کا احساس بھی پیدا نہیں ہوتا۔ ہماری جماعت کا تبلیغ دینی کا یہ عظیم الشان کام ہی صاف بتاتا ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود کے دامن سے وابستہ ہیں۔ آپ ہی کی شاخ ہیں اور آپ ہی میں داخل ہیں۔ ان لفظوں پر پھر غور کریں۔

> ''یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے''

قادیانی دوست غور کریں: پس میرے دوستو! خدا کے کام کو رد نہ کرو۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اندر کوئی قابلیت نہ تھی۔ ہمارے پاس سامان بھی کوئی نہ تھا۔ قادیان سے جب ہم نکلے تو صرف غم سے بھرے ہوئے دل ساتھ تھے اور ہاتھ خالی تھے۔ ہاں قرآن شریف کا نامکمل ترجمہ ساتھ تھا اور یہ ایمان ساتھ تھا کہ اسلام کا غلبہ حضرت مسیح موعود اور آپ کے پیروؤں کے ہاتھ پر مقدر ہے۔ اور یہ فیصلہ کر کے نکلے تھے کہ خواہ پانچ آدمی ہی رہیں۔ لیکن کام وہی کریں گے جس کی تڑپ حضرت مسیح موعود کے دل میں تھی۔

اختلاف کے بعد ہماری بے سروسامانی اور بتدریج ترقی: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابتداء میں ہماری جماعت 98 فیصد تھی اور قادیان میں صرف 2 فیصد رہ گئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ کیا دو فیصد جماعت سے خلافت قائم ہوگئی؟ خلافت کی دلیل تو یہی دی جاتی تھی کہ چار پانچ آدمیوں کے سوا ساری جماعت متفق ہے۔ اگر 98 فیصد ہمارے ساتھ تھے اور دو فیصد خلافت کے ساتھ تو اس خلافت کے بطلان کی اور کوئی دلیل ہی بکار نہ تھی۔ امر واقع یہ ہے کہ ڈیڑھ ماہ تک تو ہم نے اپنی علیحدہ جماعت کی بنیاد بھی نہ رکھی تھی۔ 14 مارچ کو اختلاف ہوا اور 3 مئی کو ہم نے لاہور میں اپنی جماعت کی بنیاد رکھی۔ ہماری

انجمن کی پہلی روئداد موجود ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ صرف تیرہ مقام پر ہی ہماری شاخیں تھیں اور پہلے سال کا چندہ صرف سات ہزار روپے تھا۔

پچیس سال میں ہماری جماعت کی ترقی: بیشک آپ کی جماعت نے بہت ترقی کی ہے۔ مگر ہماری جماعت نے اپنی تعداد کی نسبت سے کس طرح آپ سے کم ترقی نہیں کی۔ اس وقت سو کے قریب ہماری شاخیں ہیں اور سات ہزار سالانہ آمد سے ترقی کر کے ہم دو لاکھ روپے پر پہنچے ہوئے ہیں اور اس وقت خدا کے فضل سے جماعت کے پاس پانچ لاکھ کے قریب مستقل سرمایہ ہے جو زمین کی صورت میں اور جوبلی فنڈ اور وصایا فنڈ کی صورت میں ہے اور کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ دس لاکھ سے اُوپر ہے۔

جماعت قادیان نے اس عرصہ میں کیا کام کیا: آپ کو بیشک یہ خوشی ہے کہ آپ کی جماعت بہت بڑی ہے۔ لیکن ہمیں یہ خوشی ہے کہ ہماری چھوٹی سی جماعت سے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا کام لیا۔ جماعت کے بڑا ہونے کا کیا فائدہ اگر کام بڑا نہ ہو۔ یوں تو چالیس کروڑ مسلمان دنیا میں موجود ہیں۔ جگہ جگہ گدیوں اور پیروں کے لئے قربانیاں بھی اعلیٰ درجہ کی کرنے والے ہیں۔ سر آغا خاں کے مرید اپنی آمدنیوں کا دسواں حصہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ کثرت اور نظام اور قربانیاں یہ سب چیزیں ملا کر نتیجہ کیا ہے؟ آخر کام تو حضرت مسیح موعود نے اپنے سامنے یہی رکھا تھا کہ قرآن کریم کو دنیا میں پہنچائیں۔ صحیح تعلیم اسلام کو دنیا میں پہنچائیں۔ وہ کام آپ کی کثیر اور منظّم بڑی بڑی قربانیاں کرنے والی جماعت نے کس قدر کیا؟ اس جماعت نے جسے یہ بھی دعوٰی ہے کہ وہی مسیح موعود کی اصل جانشین ہے۔ اگر آپ کی جماعت کی تعداد ہم سے پچاس گناہ ہو اور آپ کا نظام بھی ہم سے اچھا ہو اور قربانیاں بھی زیادہ ہوں اور مسیح موعود کے جانشین بھی آپ ہی ہوں، جیسا کہ آپ کی طرف سے بار بار دعوٰی ہوتا رہتا ہے، تو ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چاہئے یہ تھا کہ آپ کا وہ کام جسے حضرت مسیح موعود کی جانشینی کا اصلی کام قرار دیا جا سکتا ہے یعنی قرآن کریم اور صحیح تعلیم اسلام کا دنیا میں پہنچانا کم سے کم ہم سے پچاس گنا تو ہوتا۔ ہم نے تین زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا آپ کی طرف سے ڈیڑھ سو زبانوں میں ہو جاتا۔ ہم نے پچاس ہزار کے قریب کاپی قرآن شریف کی مختلف زبانوں میں پھیلائی آپ کی طرف سے پچیس لاکھ کاپی نکل چکی ہوتی۔ ہم نے بارہ ہزار کے قریب کاپی قرآن شریف کے

تراجم کی دنیا میں مفت پہنچائی۔ آپ کی طرف سے چھ لاکھ پہنچ چکی ہوتی۔ ہم نے سیرت نبویؐ کے ترجمے سترہ زبانوں میں کئے۔ آپ نے دو چار سو ہی میں کر دیئے ہوتے۔ ہم نے تعلیم اسلام کا ترجمہ بیس زبانوں میں پھیلایا آپ نے ہزار ڈیڑھ ہزار میں پھیلا دیا ہوتا اور اگر یہ کیا ہوتا تو آج احمدیت کی کس قدر عزت دنیا میں ہوتی۔ اس عظیم الشان کام سے اگر ایک طرف غیر مسلم دنیا میں اسلام کی فتوحات کا چرچا ہوتا تو دوسری طرف یقیناً دنیائے اسلام سے احمدیت کی مخالفت اٹھ گئی ہوتی۔

جماعت قادیان کی محرومی عمل اور اس کی وجہ: مگر آپ نے یہ کام کس حد تک کیا آپ خود سوچ لیں۔ سو ڈیڑھ سو زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے اور پچیس لاکھ کاپی کو تو ایک طرف رہنے دیں ایک انگریزی ترجمہ جس کو اس قدر زور شور سے شروع کیا گیا تھا وہ بھی آپ سے پچیس سال میں پورا نہ ہو سکا۔ پھر اچھی طرح سوچ لیں کہ حضرت مسیح موعود کا یہی کام تھا یا نہ۔ خود آپ نے دعویٰ میسحیت کے ساتھ ہی اپنا کام یہ بتایا تھا یا نہ کہ قرآن کریم کا ترجمہ کر کے دنیا میں پہنچائیں اور تعلیم اسلام پر اعلیٰ درجہ کی کتابیں اور رسائل لکھ کر اُن کو دنیا کے مختلف ممالک میں اور بالخصوص یورپ اور امریکہ میں شائع کریں اور پھر اچھی طرح غور کریں۔ اپنی جماعت کے بزرگوں سے دریافت کریں کہ حضرت مسیح موعود کا کام آپ کی جماعت کے ہاتھ سے کیونکر سرانجام نہ پا سکا اور اس کام کو اس جماعت نے کس طرح کر دکھایا۔ جس کی تعداد ''ڈھائی بوٹیاں تے فتو باغبان'' کے حقارت آمیز الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے اور جسے آپ حضرت مسیح موعود سے منحرف قرار دیتے ہیں۔ پھر یہ بھی دریافت کر لیں کہ کیا اسی کام کو حضرت مسیح موعود کا اصلی کام سمجھ کر اختلاف کے ساتھ ہی ایک نئے ترجمہ قرآن کی بنیاد رکھی گئی تھی یا نہ۔ اور اس کے متعلق یہ اعلان کیا گیا تھا یا نہ کہ ایک پارہ ماہوار شائع ہوا کرے گا اور پھر ایک اور امر بھی دریافت کر لیں کہ پہلا پارہ جس کو شائع ہوئے پچیس سال گزر گئے کس قدر تعداد میں شائع ہوا اور کس قدر صندوقوں میں بند پڑا ہے اور کس قدر مفت تقسیم ہوا اور اس کے بعد پھر ماہوار پارہ شائع کرنے کا عزم کہاں گیا اور کس الوالعزمی پر نثار کر دیا گیا اور یہ بھی دریافت کر لیں کہ مولوی شیر علی صاحب جو اس ترجمہ کو مکمل کر کے ولایت نظر ثانی کے لئے لے گئے تھے اور وہ تین سال وہاں رہے بھی وہ نظر ثانی کیوں نہ ہوئی اور اگر ہوئی تو مطبع میں وہ مسودہ کیوں نہ گیا۔ اور اب وہ مسودہ کہاں اور کس حال میں ہے؟ کیا اس ساری ناکامی کی وجہ صرف یہی تو نہیں

کہ وہ ترجمہ تو ہو چکا جس کے متعلق حضرت مسیح موعود نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

''یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جیسے مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں بھی داخل ہے''

دنیا نظام اور کثرت سے مرعوب نہیں ہوسکتی: اب آپ جوبلی منائیں گے تو کیا آپ کے دلوں میں بھی خوشی ہوگی کہ ہم نے حضرت مسیح موعود کے کام کو اس حد تک کر لیا اور کیا یہ عزم ہوگا کہ آئندہ پچیس سال میں اس سے دہ چند کام ہم نے کرنا ہے یا یہ غم ہوگا کہ حضرت مسیح موعود کے دل میں جو تڑپ تھی افسوس ہم اسے پورا نہ کر سکے اور جس راہ پر چلنے کے لئے ہمیں کہا گیا تھا اس راہ پر نہ چلے۔ اور پچیس سال تک ایک غلط راہ پر چل کر اسے چھوڑنا اور دوسرا صحیح راستہ اختیار کرنا آسان امر نہیں۔ کیونکہ آپ صرف کثرت پر نازاں ہیں کام کی طرف آپ کی توجہ نہیں رہی۔

میرے دوستو! غور کرو کہ اگر آپ نے حضرت مسیح موعود کا بتایا ہوا کام اختیار کیا ہوتا تو آج احمدیت کی کتنی عزت دنیا میں ہوتی۔ دنیا آپ کے نظام اور کثرت سے مرعوب نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ چیزیں اور بہت جگہ موجود ہیں۔ دلوں کو فتح کرنے والی وہی چیز ہے جو حضرت مسیح موعود لائے تھے اور وہ ہے قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کا کام۔ اسلام کی تبلیغ آپ کہیں گے کہ ہمارے ہاں بھی ''تحریک جدید'' کے ماتحت کچھ اسلامی مشن کھولے گئے ہیں۔ مگر یہ نیم سیاسی نیم مذہبی مشن وہ چیز نہیں جو حضرت مسیح موعود چاہتے تھے۔ کیا کوئی پرانے تجربہ کار بزرگ ان مشنوں کے انچارج ہیں، جو مذاہب کی اس سخت جدوجہد کے اندر جو باہم ہو رہی ہے اور اس جدوجہد کے اندر جو مذاہب اور مادہ پرستی میں ہو رہی ہے کسی مشکل کو حل کر سکیں؟ کیا ان کے ساتھ کوئی لٹریچر ہے جس کے ساتھ وہ کوئی اپنا دیرپا اثر قائم کر سکیں؟ یا بالآخر یہ سب محض ایازی افسانے ہو کر رہ جائیں گے؟ کیا کہیں آپ نے قرآن کریم کا ترجمہ کر کے کسی قوم کو پہنچا دیا ہے؟ یا سیرت نبویؐ کے ترجمے کر کے پہنچا دیئے ہیں یا تعلیم اسلامی کے ترجمے کر کے پہنچا دئے ہیں؟ یا صرف سیاسی اغراض کو مدنظر رکھ کر چند ناتجربہ کار نوجوانوں کو بعض ملکوں میں دھکیل دیا ہے تا کہ لوگ یہ خیال کریں کہ اتنے مشن قائم ہیں۔ پھر سوچو کہ یہ نوجوان کہیں انہی الفاظ کے مصداق تو نہ ہوں گے جو حضرت مسیح موعود نے تحریر فرمائے ہیں:

''ایسے سفیر اگر یورپ اور امریکہ میں جائیں تو کس کام کر سر انجام دیں گے اور مشکلات پیش کردہ کا کیا حل کریں گے اور ممکن ہے کہ اُن کے جاہلانہ جوابات کا اثر معکوس ہو''

حضرت مسیح موعود نے تو یہ راستہ بتایا تھا کہ (بجائے ان واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں) مگر آپ کی توجہ اس طرف نہ ہوئی۔ حتّٰی کہ احمدیت پر بھی کوئی قابل ذکر لٹریچر آپ نے پیدا نہ کیا۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود کی مفصل سوانح عمری لکھنے کا کام بھی ہماری جماعت کے حصہ میں آیا۔

حضرت مسیح موعود کی روح اور خدا کی نصرت: میرے دوستو! غور کرو کہ آپ کے نزدیک ہماری تعداد بھی کچھ نہیں اور ہمارا نظام بھی کچھ نہیں اور حضرت مسیح موعود کے ساتھ ہمارا تعلق بھی کچھ نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم سے اتنا بڑا کام کرالیا جس پر کوئی بڑی سے بڑی جماعت آج بجا طور پر فخر کرسکتی ہے۔ خدا کے کلام کا تین یورپین زبانوں میں ترجمہ کرکے اس کی پچاس ہزار کاپی دنیا میں پہنچا دینا۔ بارہ ہزار کاپی مفت لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچا دینا۔ سیرت نبویؐ کے سترہ زبانوں میں اور تعلیم اسلام پر رسالوں اور کتابوں کے تیس زبانوں میں ترجمے کردینا یہ کوئی معمولی کام نہیں۔ اگر حضرت مسیح موعود کی روح ہم میں کام نہ کررہی ہوتی۔ اگر خدا کی نصرت کا وہ ہاتھ ہماری تائید میں نہ ہوتا جو مسیح موعود کی تائید میں تھا۔ اگر یہ جماعت اللہ تعالیٰ کی قدرت ثانی کا مظہر نہ ہوتی تو باوجود اس قدر بے سروسامانی کے اور باوجود قلت تعداد کے یہ اس مشکل کام سے کس طرح عہدہ برآ ہوسکتی تھی جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مامور کو کھڑا کیا تھا۔

❀❀❀

17 جنوری 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

توسیع جماعت کے متعلق ضروری ہدایات

سب احباب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس سال ہم نے اپنی جماعت کو کم سے کم دوگنا کرنے کا عزم کیا ہے یہ ہمارے سالانہ جلسہ کی سب سے زیادہ اہم تحریکات میں سے ہے۔ اس کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے یہ عہد سب دوستوں نے جلسہ میں کھڑے ہو کر کیا کہ:

''ہر ایک دوست کم سے کم ایک مزید دوست کو جماعت میں لانے کی پوری کوشش کرے گا''

اور اس کے لئے طریق عمل یہ تجویز کیا گیا کہ ہر دوست کم سے کم دس آدمیوں کی شمولیت جماعت کی دعوت دے اور پھر اس کو ایک مجاہدہ سمجھ کر جد وجہد کو جاری رکھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کے دل میں یہ بات ڈالے کہ وہ اس جماعت میں شامل ہو کر تبلیغ اسلام کے کام کے لئے قوت کا موجب بنے۔ اس کے لئے سب سے پہلے میں نے یہ ہدایت دی ہے کہ ''وہ احباب جن کے ذریعے سے جماعت میں کوئی آدمی شامل ہو۔ ان کے نام وقتاً فوقتاً اخبار میں درج ہوتے رہیں'' تا کہ یہ معلوم ہوتا رہے کہ کون کون سے دوست اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہو رہے ہیں۔ اب میں جملہ احباب کو اس کار خیر میں شامل کرنے کے لئے دعوت دیتا ہوا ذیل کے امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں:

اول۔ کوئی دوست صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مال بہت دیا ہے یا کسی بڑے مرتبہ پر فائز کیا ہے اس کام کو لاپروائی کی نظر سے نہ دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان انسان کو اس زمانہ میں اپنی ہمکلامی کا مرتبہ عطا فرما کر اس کام کے لئے کھڑا کیا وہ اس فتن کے زمانے میں ایک جماعت بنائے جس کی غرض اعلاء کلمۃ اللہ اور خدا کے کلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانا ہو۔ پس یہ حضرت مسیح موعود کے سب سے بڑے کاموں میں سے ایک ہے کہ آپ نے اپنے بعد ایک جماعت کی بنیاد رکھی۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو آپ کا کام آپ کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا۔ اور جن لوگوں نے حضرت مسیح موعود کو قبول کیا ہے۔ ان کا سب سے پہلے یہ کام ہے کہ وہ بھی اپنے بعد کام کی فکر کرتے ہوئے اس

جماعت کی ترقی کے لئے سر توڑ کوشش کریں اور بڑے بڑے بزرگ، نوجوان، امیر، غریب، مرد اور عورتیں سب یکساں کوشش کریں کہ ان میں سے ہر ایک کے ذریعہ سے کم سے کم ایک آدمی اس سال کے اندر جماعت میں داخل ہو۔

دوم۔ کوئی دوست مایوسی کو اپنے پاس نہ آنے دے اور یہ خیال نہ کرے کہ لوگ سنتے نہیں یا مانتے نہیں۔ ہمیں اس بات کی پروا نہ کرنی چاہئے کہ لوگ سنتے ہیں یا نہیں۔ مانتے ہیں یا نہیں۔ ہمارا کام سنا دینا ہے۔ ایک بات کا پہنچا دینا ہے **قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّنَہَارًا** (5:71). کو یاد کرنا چاہئے اور **وَلَا تَایۡـَٔسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰہِ** (87:12) کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ غلط ہے کہ لوگ سنتے نہیں یا مانتے نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ سنانے والوں کی سستی اور کم ہمتی ہے۔ جد و جہد سے تو نہایت درجہ کی نامعقول باتیں ماننے والے بھی اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ ایسے معقول عقائد اور خیالات ہوں جن میں کوئی جماعت ہماری اس جماعت کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور کام ایسا اعلیٰ درجہ کا ہو کہ اس سے بڑھ کر بلند کام خدمت اسلام کا کوئی دوسرا نہیں۔ بہر حال ہمارا فرض سنانا ہے۔ پہنچانا ہے۔ اگر ہم اس کام کے لئے اپنی پوری قوت خرچ کر دیں تو اللہ تعالیٰ اس جہاد کو کبھی بلا نتیجہ نہیں چھوڑے گا۔

سوم۔ **وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ** (214:26) کے ارشاد الٰہی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر ایک دوست کو چاہئے کہ سب سے پہلے وہ اپنے قریبیوں اور رشتہ داروں پر نظر دوڑائے۔ ماں باپ، اولاد، بھائی، بہن۔ پھر اس سے دور کے رشتہ دار۔

احمدیت ایک عظیم الشان نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو دی ہے اور سب سے پہلے ہمارے عزیزوں کا ہم پر حق ہے کہ اگر ایک نعمت ہمیں ملی ہے تو ہم ان کو بھی اس میں شامل کریں۔ بلکہ جتنا کوئی شخص ہمیں زیادہ عزیز ہے۔ اسی قدر ہم پر اس کا زیادہ حق ہے۔ بہت سے نوجوان ہوں گے۔ جن کے ماں باپ اس نعمت سے محروم ہیں۔ بہت سے ماں باپ ہوں گے جن کی اولاد اس سے محروم ہے۔ بہت سے خاوند ہوں گے جن کی بیویاں اس سے محروم ہیں اور ایسی بیویاں بھی ہوں گی جن کے خاوند محروم ہیں۔ ان میں ایسے ایسے بھی لوگ ہوں گے۔ جن کو شامل کرنے کے لئے ہمیں صرف اپنی زبان کو حرکت

دینے کی ضرورت ہے۔ ویسے وہ سلسلہ کے حالات سے بھی باخبر ہیں اور اس خدمت کے کام کو بھی جانتے ہیں جو ہم کر رہے ہیں۔ بعض لوگ اپنی اولاد کو یا بیویوں تک کو اس غلط خیال کے ماتحت کچھ نہیں کہتے کہ مذہب کے معاملہ میں ہر شخص آزاد ہے۔ یہ درست ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ کسی کے سر پر تلوار رکھ کر یا اسے سوٹا دکھا کر اسے یہ کہا جائے کہ جماعت میں شامل ہو جاؤ۔ محبت سے کہا جائے اور سمجھایا جائے۔ جب ہمارے گھروں کے اندر ہمارے اردگرد کے لوگ ہمارے ہم خیال ہوں گے تو یہ خود ایک بھاری نعمت ہوگی اور ہم اس دنیا میں ایک جنت حاصل کر لیں گے۔ ورنہ بعد میں حسرت ہوگی۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو اس بارے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے لئے شرم کی بات یہ ہے کہ ہم خود تو دنیا کو دعوت دیتے پھریں اور ہمارے اپنے عزیز اس نعمت سے محروم ہوں۔ پھر اگر ایسی ہی ضرورت محسوس ہو تو کئی ذرائع ایسے ہیں کہ ہم ان سے کام لے کر ان تک یہ پیغام پہنچا سکتے ہیں۔

اس بارے میں میں خصوصیت سے حلقہ خواتین کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جن کی وجہ سے ہمارے اکثر احباب ایسے لاپروا ہو گئے ہیں کہ گویا ان کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ وہ احمدی ہوں گی تو کیا اور نہ ہوں گی تو کیا۔ حالانکہ جس گھر میں ماں کے خیالات میں روشنی پیدا نہیں ہوئی وہاں اولاد بھی نور سے محروم رہ جاتی ہے۔ اپنی بیویوں، اپنی ماؤں، اپنی بیٹیوں، اپنی بہنوں کو سلسلہ میں شامل کریں اور ان میں تبلیغ اسلام کا بلند جذبہ پیدا کریں۔

چہارم۔ اس کے بعد اپنے دوستوں پر نظر دوڑاؤ۔ یہ حلقہ ہر شخص کے لئے الگ الگ ہے۔ یہاں تک کہ باپ اور بیٹے کا حلقہ احباب بھی الگ ہے۔ ہمارے ہاتھ میں خدا کے فضل سے ایک صداقت ہے۔ اس کا بیج ڈالنے کے لئے سب سے بہتر زمین وہی ہے جہاں ہمارا تعلق محبت ہے۔ کیونکہ ایک دوست ہمارے حالات سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ اپنے دوستوں کو یہ پیغام پہنچانے میں تساہل وہی کرے گا جس کا سر ان کے سامنے نیچا ہو۔ جو اپنے اندر کوئی ایسا عیب پاتا ہو جس سے وہ اپنی ذلت محسوس کرتا ہو۔ پس اپنے آپ کو درست کرنا چاہئے۔ پھر دوستوں کے بعد ایسے لوگوں کو بھی اس پیغام کے پہنچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جن سے ہم کبھی اتفاق سے ہی مل جائیں۔ مثلاً سفر میں یا اپنے کاروبار کے اثناء میں۔ اس غرض کے لئے ہر ایک دوست کو چاہئے کہ وہ عموماً اپنے پاس کچھ نہ کچھ ٹریکٹ

یا اشتہار وغیرہ رکھیں۔ جس طرح بعض زمینوں میں کھیتی کی نشوونما کی استعداد اچھی ہوتی ہے۔ یہی حال انسانوں کا ہے۔ بعض وقت راہ چلتے چلتے ایک بیج اچھی زمین پر گر جاتا ہے اور وہ نشوونما پا کر ایک عظیم الشان درخت بن جاتا ہے۔

پنجم۔ قادیانی جماعت کی طرف خصوصیت سے توجہ کی ضرورت ہے۔ قادیان کی جوبلی پر یہ بھی اعلان ہوا ہے کہ جوبلی فنڈ کی آمد کا ایک حصہ ہم پر خرچ کیا جائے گا۔ ہمارے پاس روپیہ تو نہیں جسے ہم قادیانی دوستوں پر خرچ کر سکیں۔ لیکن صداقت روپے سے زیادہ طاقتور چیز ہے۔ پس اگر اُدھر تعداد کی ظاہری شان و شوکت اور روپیہ ہے تو ادھر ایک قلیل جماعت کی صداقت اور روحانی قوت ہے۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ (249:2) کا نظارہ ہم دکھا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ سستی کو چھوڑ کر جدوجہد اختیار کریں اور اس بات کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیں کہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت اور صداقت کے مقابلہ میں ہماری سستی کی وجہ سے صداقت کو زک پہنچے۔ قادیانی جماعت کے متعلق ہمارے پاس لٹریچر بہت ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ان کو پہنچانے کا انتظام نہیں۔ اگر ہر ایک دوست یہ عہد کرے کہ وہ کم سے کم دس قادیانی احباب کو اپنا لٹریچر پہنچا دے گا تو مجھے یقین ہے کہ بہت سے قادیانی احباب صداقت کے سامنے سر جھکا دیں گے۔

ششم۔ ہر جگہ امام صلوٰۃ اور خطیب اور درس قرآن دینے والے اپنے سامعین کو اور سب دوست ایک دوسرے کو ان امور کی طرف توجہ دلاتے رہیں اور توسیع جماعت کے خیال کو ایک دوسرے کے سامنے لا کر اسے قوت دینے کی کوشش کریں۔ اپنے اجتماعوں میں بھی ایسی تجاویز سوچتے رہیں جن سے جماعت کی توسیع کے خیال کو قوت ہے۔ محمد علی

16 جنوری 1940ء

❁❁❁

30 جنوری 1940ء

اناطولیہ ریلیف فنڈ

حضرت ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک ضروری مکتوب

24 جنوری کو حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل مکتوب بیرونی جماعتوں کے سیکرٹری صاحبان کی خدمت میں بھیجا گیا تھا اُمید ہے انہوں نے حضرت ممدوح کے ارشاد کے مطابق 26 جنوری کے جمعہ میں اسے پڑھ کر سنا دیا ہوگا اور اناطولیہ ریلیف فنڈ کے متعلق تحریک ہوگی۔ از راہ کرم اس فنڈ کے لئے فراہم شدہ چندہ فی الفور مرکز میں بھیج دیا جائے۔ جن مقامات پر یہ خط 26 جنوری کو نہ پہنچا وہاں 2 فروری کے جمعہ میں تحریک کی جائے۔ جن مقامات پر جماعتیں نہیں ہیں وہاں کے احباب براہ راست اپنا چندہ مرکز میں بھیج دیں۔ خاکسار ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ جنرل سیکرٹری انجمن

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

اناطولیہ کے خوفناک زلزلہ کے متعلق آپ کو اخبارات کے ذریعہ سے علم ہو چکا ہوگا۔ یہ زلزلہ سات سو میل لمبے اور اڑھائی سو میل چوڑے مسلمان علاقہ کو تباہ کر چکا ہے اور صرف تعداد اموات پینتالیس ہزار ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مسلمانوں کے لئے ایک مصیبت عظمیٰ ہے اور کروڑوں روپیہ کے خرچ سے اب وہ علاقہ دوبارہ آباد ہو سکتا ہے۔ اس مصیبت عظمیٰ میں غیر مذاہب کے لوگ بھی حصہ لے رہے ہیں۔ اس لئے ہماری جماعت کے لئے بھی مناسب ہے کہ ہم اپنی اپنی طاقت کے مطابق اس میں کچھ حصہ لیں۔ بالخصوص ان احباب کی خدمت میں، جن کو خدا نے اپنے فضل سے تھوڑی یا بہت وسعت دی ہے، یہ التماس ہے کہ وہ اس میں دل کھول کر حصہ لیں۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ یہ کُل رقم بحیثیت مجموعی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی طرف سے بھیجی جائے اور اس کے متعلق ایک تار بھی صدر جمہوریہ ترکیہ کے نام بھیجی جائے گی۔ لہٰذا جہاں جہاں یہ خط انجمنوں کے سیکرٹری صاحبان کے پاس پہنچے وہ اسے اسی جمعہ یعنی 26 جنوری کو اپنی جماعت میں پڑھ کر سنا دیں اور جس قدر چندہ وصول ہو سکے اسے وصول کر کے فوراً مرکز میں بھجوا دیں۔ ماہوار چندوں کے ساتھ بھیجنے کا انتظار نہ کیا جائے۔ ایسا ہی جہاں فرداً فرداً احباب کے پاس چٹھی پہنچے وہ اپنا چندہ فوراً مرکز میں بھجوا دیں۔ والسلام خاکسار محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور

5 فروری 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

مولوی غلام حسن خان صاحب پشاوری کی قادیانی بیعت

22 جنوری 1940ء کے ''الفضل'' میں یہ شائع ہوا ہے کہ مولوی غلام حسن خان صاحب نے قادیان میں بیعت کر لی ہے۔ اس لحاظ سے کہ مولوی صاحب کے ہمارے ساتھ دیرینہ تعلقات تھے۔ ہمارے لئے افسوس کا موجب ہے۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ دل خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جن کو چاہے آخر تک اس عہد کو نبھانے کی توفیق دے جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے اور جو اپنے لئے دوسری جگہ کو زیادہ موزوں سمجھتا ہے اس کا اختیار ہے۔ یوں بھی کئی دوست اپنے عہد پر قائم رہتے ہوئے اپنے مولیٰ سے جا ملے ہیں۔ کسی کے خیالات میں انقلاب واقع ہو جائے اور وہ جیتے جی ہم سے الگ ہو جائے تو کوئی شکایت نہیں۔

قادیانی جماعت سے نکل کر ہمارے ساتھ ہونے والے دوست: خدا دیتا بھی رہتا ہے اور لیتا بھی ہے۔ خدا کے فضل سے انہی ایام میں یعنی یکم جنوری 1940ء کے بعد پورے دس نفوس جماعت قادیان سے نکل کر ہمارے ساتھ مل چکے ہیں اور اگر خدا نے چاہا اور جماعت نے تبلیغ کے میدان میں سستی کو چھوڑ کر اسی طرح جدوجہد سے کام لیا جس کے آثار اس جلسہ کے بعد نظر آ رہے ہیں تو ہم ایسے لوگوں کو دہائیوں میں نہیں بلکہ انشاءاللہ سینکڑوں میں گننے کے قابل ہو جائیں گے۔

''الفضل'' کا غلط دعویٰ: الفضل میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ مولوی صاحب ایک لمبی تحقیقات کے بعد جماعت قادیان میں شامل ہوئے ہیں۔ حالانکہ مولوی صاحب کے خیالات میں شروع سے قادیانی خیالات سے اس قدر بعد رہا ہے کہ انہوں نے 1908ء میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کی بیعت بھی کی تھی۔ پھر 1914ء میں جب اختلاف ہوا تو مولوی صاحب نے، باوجود قادیان میں تعلقات رشتہ داری کہ میاں بشیر احمد صاحب ان کے داماد تھے، ہماری جماعت میں شمولیت اختیار کی اور ابتداء سے اس جماعت کے وائس پریذیڈنٹ رہے۔ 1920ء یا 1930ء تک ان کے ان خیالات میں کوئی فرق نہیں آیا۔

مولوی صاحب کا جماعت لاہور سے بُعد: جماعت لاہور سے ان کا بُعد اس وقت سے شروع ہوا جب شیخ غلام محمد نے ماموریت کا دعویٰ کیا۔ ابتداء میں وہ خفیہ خفیہ خط و کتابت کرتے تھے۔ مگر 1936ء کے اواخر میں وہ علی الاعلان شیخ غلام محمد کے ساتھ ہو گئے۔ اوران کی تحقیقات کا نتیجہ یہ تھا کہ غیر ملہمین کے ادارے، خواہ وہ لاہور میں ہوں یا قادیان میں، باطل پر ہیں اوران کی اصلاح کے لئے کسی مامور ملہم کی ضرورت ہے اور وہ شیخ غلام محمد کو ایسا امور سمجھتے تھے۔

یہ تازہ تغیر کسی فوری جذبہ کا نتیجہ ہے: قادیان جا کر جو تغیر ان کے خیالات میں واقع ہوا ہے وہ فوری ہے اور کسی فوری جذبہ کے ماتحت ہے۔ کیونکہ 1936ء کے آخر سے دسمبر 1939ء تک یعنی قادیان جانے کے وقت تک وہ اسی بات کے قائل تھے اور قادیانی ادارہ کو بھی كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (34:9) کا مصداق قرار دیتے تھے اور حضرت مسیح موعود کو مہدی معہود ہونے کے دعویٰ میں غلطی پر سمجھتے تھے۔

قادیانی ادارہ کے متعلق مولوی صاحب کے سابق خیالات: جیسا کہ ان کے ان خطوط سے ظاہر ہے جو وقتاً فوقتاً شیخ غلام محمد کے رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں:

> ''شیخ صاحب ضرور روح القدس کی تائید سے بولتے ہیں اور مہدویت کا منصب رکھتے ہیں اور ڈیوٹی یہ معلوم ہوتی ہے کہ غیر ملہمین کے جو ادارے چل رہے ہیں ان کی اصلاح کرے۔ مجھے یہ امید رکھنا عبث معلوم ہوتا ہے کہ غیر ملہمین کے ادارے اپنا کام وعظ و پند سے کسی ملہم کے سپرد کریں۔ بلکہ وہ اصرار میں بڑھتے جاتے ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ جب تک اپنی سنت استعمال نہ کریں اور فراعین کے مقابلہ میں اپنی قوت استعمال نہ کریں......'' (مئی 1937ء)

> ''اگرچہ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ دعویٰ مدعی کو بہت نزدیک سے دکھایا جاتا ہے اوراس میں کوئی غلطی نہیں لگتی۔ باایں اپنے آپ کو مہدی معہود قرار دینے میں غلطی کی۔ یوں تو ہر مامور مہدی ہوتا ہے۔ مگر مہدی معہود جدا ہستی ہے۔ اس وقت اس دعویٰ پر دو ملہم قائم ہیں'' (مئی 1937ء)

اس سے پیشتر دسمبر 1936ء کے رسالہ میں ان کے ذیل کے خطوط چھپ چکے تھے۔

☆''میں اس پر یقین رکھتا ہوں کہ دونوں جماعتیں لاہوری اور قادیانی صحیح طریق پر نہیں چل رہیں۔ خلیفہ ہو یا امیر دونوں اپنی نفسانی خواہشوں کا اتباع کر رہے ہیں۔ اِنَّ كَثِيْـرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ(34:9)

☆''میں چونکہ مامور نہیں مجھے اس قدر زور نہیں کہ خود خرچ کر کے اور کچھ جماعت اپنے ساتھ ملا کر اشتہارات کے ذریعے اصلاح کروں۔ البتہ میں آپ کی مناسب امداد انشاءاللہ کروں گا'' (دسمبر 1936ء)

مولوی صاحب کی ایک تازہ تحریر کے چند اقتباسات: مولوی صاحب سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ وہ کیا اصلاح چاہتے ہیں تو انہوں نے انجمن کے وجود پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ یہ مطالبہ کیا کہ انجمن کے قواعد وضوابط میں ترمیم کی جائے۔ مختلف انجمن ہائے احمدیہ کے نمائندے مجلس منتظمہ میں لئے جائیں۔ انجمن کا حساب کتاب یوں رکھا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اس پر جنرل کونسل نے متفقہ طور پر اپنا فیصلہ ان کے پاس بھیجا۔ بظاہر وہ اس وقت اس پر خاموش ہو گئے۔ مگر وساوس کا رنگ پھر کسی نہ کسی صورت میں ان پر غالب آ جاتا تھا۔ میں اس مضمون کو لمبا نہیں کرنا چاہتا۔ ان کی آخری تحریر سے، جو انہی رسالوں میں دسمبر 1939ء میں شائع ہوئی ہے، کچھ اقتباس دیتا ہوں:

''جواباً خوشی ہوئی کہ آپ نے تبلیغ نامہ لکھا۔ اللہ تعالیٰ ماموروں کو بیکار نہیں بیٹھنے دیتا۔ اِنَّ اللّٰـهَ لَا يَضِيْـعُ وَقت الْمَامُوْرِ میں انشاءاللہ تعالیٰ طباعت کی ضرورت کے سبب اس دفعہ دس روپے بھیج دوں گا...... میں نے ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوا ایک رسالہ لکھا تھا جس میں اداروں پر بھی تنقید تھی۔ طباعت کے لئے بھیجا تھا مگر واپس منگوا لیا خیال یہ ہوا کہ مامور خود لکھے۔ ان کے کلام میں برکت ہوتی ہے۔''

''احمدی ادارے جو بانی کی بنیاد پر نہیں ہیں۔ اپنے اپنے ادارے کے لئے بذریعہ پیڈ مبلغین کے پروپاگنڈا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ حتّٰی کہ عوام کے عقل اور فکر اور

اموال پر قابو پاتے جاتے ہیں''

''آپ (مسیح موعود) نے بذریعہ ایک وصیت کے، جو 1905ء میں لکھی گئی، جماعت کا انتظام 14 ارکان کی ایک انجمن کے عارضی طور پر سپرد کیا...... جو قابلیت آپ نے کسی پیرو میں نہ پائی تھی۔ وہ آپ کی وفات کے بعد جو 1908ء میں واقع ہوئی آپ کے چند مریدوں کو حضرت مولوی نورالدین صاحب میں نظر آ گئی۔ الوصیت کے خلاف اور بغیر مشورہ انجمن مولوی صاحب سے بیعت خلافت کر لی۔ یہ پہلا کبیرہ گناہ تھا۔ جس کا ارتکاب مریدوں نے کیا۔ اس کا خمیازہ اٹھانا پڑا۔ پارٹیاں بن گئیں۔ فتنہ شروع ہو گیا۔ جس کو اپنا بنایا ہوا خلیفہ دبا نہ سکا۔ چھ سال اس معاویہ کے سے زمانے پر گزر گئے اور خلیفہ پر موت آ گئی جس کی انتظار ایک جمِ غفیر کر رہا تھا۔ خلیفہ کے جنازہ سے مقدم وہاں کے موجودہ لوگوں نے کثرت رائے سے میاں محمود احمد صاحب فرزند اکبر مسیح موعود سے بیعت خلافت کر لی...... یہ دوسرا موقعہ ہے کہ جماعت احمدیہ نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ مرزا محمود احمد صاحب نے اگرچہ مصلح موعود ہونے کا دعوٰی صریحاً تو نہ کیا مگر ضمناً کام کئے جو مصلح موعود کے شایاں تھے۔ مسیح موعود کی مرتبہ انجمن توڑ کر اپنے مبائعین کی انجمن بنائی......پچیس سال کے عرصہ کے اندر آپ کے مبائعین میں سے بعض نے آپ پر خود الزام لگائے۔ مگر اس کا کچھ اثر آپ کے مبائعین پر نہ ہوا۔ اغیار کے لئے اس میں یہ گنجائش ہے کہ وہ دیکھیں کہ آپ کے خلیفہ کی کرامت ہے یا جماعت کی سفاہت ہے''

''میں نے مختصر نقشہ انجمنوں کا آپ کے سامنے رکھا ہے۔ آپ کو ان واقعات سے کوئی امر پسند ہو تو اپنی عبارت میں اپنے رسالہ کے اندر درج کر دیں۔ اگرچہ آپ کو سب واقعات مستحضر ہوں گے۔ ماموروں کے الفاظ میں کچھ نور ہوتا ہے۔ غیر ماموروں کے الفاظ تاریکی میں ہوتے ہیں''

مولوی صاحب کی ''تحقیقات'' اور بیعت: یہ تھا مولوی صاحب کی تحقیقات کا نتیجہ۔ جن پر ان کے

سات آٹھ سال صرف ہوئے۔ دسمبر 1939ء کے شروع میں وہ قادیانی بیعت کو گناہ کبیرہ قرار دیتے ہیں اور اسی مہینے کے آخر میں قادیان جاتے ہیں اور جنوری ختم ہونے سے پیشتر اس امر کا ارتکاب خود کرتے ہیں۔ جسے اتنا بڑا گناہ قرار دیتے تھے۔ سو مولوی صاحب اول ہمیں چھوڑ کر شیخ غلام محمد کی ماموریت کے قائل ہوئے اور اس کو بھی چھوڑ کر اب قادیان میں بیعت کر لی۔ اس بیعت سے اگر کچھ نتیجہ نکل سکتا ہے تو صرف اس قدر کہ ایک مصلح موعود کے ایک دعویدار کو چھوڑ کر، جسے وہ مامور یقین کرتے تھے، اب وہ ایک ایسے دعویدار کے ساتھ شامل ہو گئے جو خود بھی مامور ہونے کا مدعی نہیں اور جس کی بیعت کو وہ ساری عمر گناہ کبیرہ قرار دیتے رہے ہیں۔ اور جس پر الزامات سے بھی وہ یہاں تک متاثر تھے کہ ان باتوں پر باور نہ کرنے والے قادیانیوں کو وہ سفیہہ تک کہہ گئے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے اگر بیعت کی ہے تو جس شخص کو آٹھ سال سے مامور مان رہے تھے۔ اسے مجنون یا جھوٹا قرار دے کر کی ہے۔ اور جس تحقیقات پر ان کے کئی سال خرچ ہوئے تھے وہ قادیان کی کثرت کے سامنے دنوں میں ھباء منثورا ہو گئی۔ نئی تحقیقات انہوں نے کوئی کی ہے یا نہ یہ اللہ کو ہی علم ہے اور یہ بھی کہ اگر کی ہے تو اس پر کتنے دن قائم رہیں گے!

''الفضل'' کا اظہار مسرت۔ چند قابل غور باتیں: مگر الفضل میں اس بات کو جماعت لاہور پر فتح قرار دے کر بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ مولوی سید محمد احسن صاحب مرحوم کا جواب ہے۔ سو یہاں بھی چند باتیں قابل غور ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب کو سلسلہ میں ایک خاص مقام حاصل تھا اور جن دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسیح موعود کا نزول ہوا تھا۔ ان میں سے ایک انہیں قرار دیا گیا تھا۔

مولوی صاحب نے قادیان جا کر کیا تحقیقات کی؟: مجھے خان بہادر مولوی غلام حسن خان صاحب کی علمی قابلیت کا انکار نہیں۔ البتہ میں ان کے اس علم کی وجہ سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ صفائی سے یہ اعلان کر دیں کہ قادیان میں انہوں نے کیا تحقیقات کی جس کی وجہ سے ان پر شیخ غلام محمد کا مجنون یا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا اور میاں محمود احمد کا سچا مصلح موعود ہونا ثابت ہو گیا۔

کیا مولوی صاحب قادیانی عقیدہ سے متفق ہیں؟: اور جس کی وجہ سے ان پر یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ جو کل تک سب کلمہ گوؤں کو مسلمان قرار دیتے تھے آیا اب ان کا اطمینان ہو گیا کہ وہ سب کافر اور

دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور اگر ان کا عقیدہ وہی ہے جس پر وہ پچاس سال قائم ہیں۔ تو وہ شخص کس طرح مصلح موعود ہوسکتا ہے۔ جو روئے زمین کے سب مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا ہو۔ مجھے امید ہے کہ اپنی علمی قابلیت سے وہ اس عقدہ لاینحل کو حل کر دیں گے۔ باتیں دو ہی ہیں۔ یا میاں صاحب یہ اعلان کر دیں کہ وہ آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) اور حدیث متفق علیہ مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ کے سامنے سر جھکاتے ہوئے اہل قبلہ کو مسلمان قرار دیتے ہیں اور جو جو الفاظ ان کی تحریروں میں آئے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت مسیح موعود کی بیعت نہیں کی۔ خواہ انہوں نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ان خیالات سے وہ توبہ کرتے ہیں اور یا جناب مولوی غلام حسن خان صاحب اعلان کر دیں کہ ان کے سابقہ خیالات کہ اہل قبلہ مسلمان ہیں غلط تھے اور خلاف قرآن وحدیث تھے۔ اور اب وہ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ آج روئے زمین پر صرف وہی لوگ مسلمان رہ گئے ہیں جنہوں نے قادیان میں بیعت کر لی ہے اور باقی سب مسلمان کہلانے والے پکے کافر۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ کا مصداق بلکہ بقول مرزا بشیر احمد صاحب اکفر ہیں۔ ان دو اعلانوں میں سے جب تک ایک نہیں ہو جاتا مولوی صاحب کی بیعت محض قادیانی اخباروں کا ڈھنڈورا ہے۔

میر محمد اسحاق صاحب کا خط: مجھے میر محمد اسحاق صاحب نے ایک خط لکھا ہے جس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ مولوی صاحب نے اپنے عقائد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ مسئلہ کفر واسلام کوئی چیز نہیں۔ آخر ہمارے اپنے اقرار کے مطابق میاں صاحب مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہوئے بھی حضرت مولوی نور الدین صاحب مرحوم کی بیعت میں تھے۔ مگر میر صاحب نے کئی واقعات سے آنکھیں بند کر کے یہ لکھا ہے۔ اول یہ کہ حضرت مولوی نور الدینؓ صاحب میاں صاحب کے اس مسئلہ تکفیر کو ایک عارضی حالت سمجھتے تھے اور آپ کا خیال تھا کہ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں گے تو ان کے خیالات میں تبدیلی واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ نے مرض الموت میں مجھے میاں صاحب کے ان خیالات کی تردید کے لئے بار بار کہا اور آپ کے ارشاد پر ہی وہ رسالہ میں نے لکھا جو ابتداء اختلاف میں چھپ چکا ہے۔

دوسرے میاں صاحب 1916ء میں آج سے چوبیس سال پیشتر مجھے دعوت مباہلہ دے چکے ہیں اس بناء پر کہ جب وہ یعنی میاں صاحب ان لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں جنہیں میں مسلمان کہتا ہوں تو پس وہ یعنی میاں صاحب میرے نزدیک کافر ہوئے اور میں ان کے نزدیک کافر ہوا۔ یہ مضمون میاں صاحب نے سوچ سمجھ کر اپنے قلم سے لکھا ہے۔ پس جس صورت میں وہ اپنے اقرار کے مطابق مجھے کافر قرار دیتے ہیں اور اپنے آپ کو میرے نزدیک کافر قرار دیتے ہیں صرف اس بنا پر کہ جن اہل قبلہ کو میں مسلمان کہتا ہوں وہ انہیں کافر کہتے ہیں۔

مرشد کے نزدیک مرید کافر اور مرید کے نزدیک مرشد کافر: تو ان کے جو مرید اہل قبلہ کو مسلمان سمجھتے ہیں، وہ بھی اسی طرح ان کے نزدیک کافر ہوئے۔ یعنی مریدوں کے نزدیک مرشد کافر اور مرشد کے نزدیک مرید کافر۔ پس میں نہیں سمجھتا کہ ایک شخص جو روئے زمین کے سارے مسلمانوں کو کافر قرار دیتا ہے اس کا مرید وہ شخص کس طرح ہوسکتا ہے جو انہیں مسلمان کہتا ہے۔ خدا کے لئے سوچو کہ یہ دین کو کھیل بنانے کا کیا مطلب ہے۔ محمد علی کو میاں محمود احمد صاحب مباہلہ کی دعوت دینا اس بنا پر جائز سمجھتے ہیں کہ جنہیں میں مسلمان کہتا ہوں وہ انہیں کافر کہتے ہیں تو مولوی غلام حسن یا میر حامد شاہ مرحوم یا اور ایسے بیسیوں اصحاب کس طرح مرید رہ سکتے ہیں۔ جس بنا پر میاں صاحب کے نزدیک میں کافر اور میرے نزدیک میاں صاحب کافر (اور یہ میاں صاحب کا اپنا قرار ہے یہ میرا دعویٰ نہیں) اس بنا پر ایک مرید جو اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرے وہ میاں صاحب کے نزدیک کافر۔ اور میاں صاحب اس کے نزدیک کافر۔ ''خلافت ثانیہ'' کی اس کامیابی کا کہیں اخباروں میں ذکر نہیں آتا۔ جائے تعجب ہے کہ مرشد اور مرید بھی ہیں اور ایک دوسرے کے نزدیک کافر بھی ہیں۔ 1916ء میں میں نے اس دعوت مباہلہ کا یہی جواب دیا تھا کہ ایسے مریدوں کے نام میں میاں صاحب کو دیتا ہوں جو اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔ مباہلہ کا چیلنج میاں صاحب ان کو دیں اور پھر جب ان مباہلوں سے مرشد اور مریدوں کے عقائد کی حقانیت یا بطلان کا فیصلہ ہو جائے گا تو تیسرے آدمی کو مباہلہ کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ آخر مریدوں پر تو مرشد کا اقرار حجت ہے!

مولوی صاحب کی بیعت کی حقیقت: اس کے ساتھ ہی میں پھر اس بات کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ

مولوی صاحب نے اگر بیعت کی ہے تو ایک مصلح موعود کو چھوڑ کر دوسرے کو مصلح موعود مان کر کی ہے اور اس بات کی وضاحت ان کے ذمے ہے کہ جو شخص چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر بنا تا ہے وہ مصلح موعود کس طرح بن گیا!

سید محمد احسن صاحب مرحوم کی جرأت ایمانی: مولانا سید محمد احسن صاحب کا جواب تو دے دیا گیا۔ لیکن مولانا سید محمد احسن صاحب وہ جری انسان تھے کہ جب ان کے سامنے صحیح بات آ گئی تو انہوں نے صاف الفاظ میں اس کا اعتراف بھی کر لیا اور دوسروں کو ڈھنڈورا پیٹنے کے لئے مقرر نہیں کیا۔ بلکہ خود اس بات کو صاف کر دیا کہ میں نے پہلے میاں محمود احمد صاحب کو کیوں بطور امیر پیش کیا۔ اور اب میں انہیں کیوں اس بات کا اہل نہ سمجھتے ہوئے انہیں معزول کرتا ہوں۔ ایک عالم کے شایان شان یہی بات ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو گومگو کی حالت میں نہ چھوڑے۔ مولانا سید محمد احسن صاحب مرحوم کے متعلق اس وقت قادیانی اخباروں نے یہ کہا تھا کہ ان کے حواس ٹھیک نہیں رہے۔ مگر اس مرد میدان نے خود اعلان لکھ کر اور پوری جرأت سے کام لیا اور کئی کتابیں یکے بعد دیگرے میاں صاحب کے عقائد کی غلطی پر لکھ کر ان تمام یاوہ گوؤں کا مونہہ بند کر دیا۔

مولانا سید محمد احسن صاحب مرحوم کے اعلان کی تمہید: یہ اعلان 24 دسمبر 1916ء کو شائع کیا گیا۔ اس اعلان کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے:

> ''آپ سب صاحبان کو علم ہے کہ 1914ء کے اوائل میں حضرت خلفیۃ المسیح مولوی نورالدین صاحب کی وفات پر ہماری جماعت میں ایک اختلاف نمودار ہوا۔ اس وقت میں نے محض اتحاد قائم رکھنے کی خاطر یہی مناسب سمجھا کہ ہم سب لوگ صاحبزادہ محمود احمد صاحب کی بیعت کر لیں تا کہ وحدت قومی قائم رہے۔ مجھے اس وقت تک علم نہ تھا کہ صاحبزادہ صاحب کے عقائد میں کوئی فساد ہو چکا ہے...... بعد میں جب اس اختلاف نے ترقی کی اور طرفین نے ایک دوسرے کے عقائد پر روشنی ڈالی تو اس میں میری تحریروں کا حوالہ بھی دیا گیا۔ یعنی ہمارے بعض احباب لاہور نے اس بات کو پیش کیا کہ میری تحریروں مثل ستہ ضروریہ وغیرہ میں، جو بعد وفات حضرت

مسیح موعود لکھی گئی تھی، انہی عقائد کا اظہار ہے جو وہ رکھتے ہیں۔ اس پر مجھے قادیان سے ایک خط اکمل صاحب کا آیا جس میں اسی امر کی طرف توجہ دلا کر آخر پر یہ لکھا گیا تھا کہ تم اپنے عقائد تبدیل کرو۔ اس پر مجھے بہت فکر ہوئی کہ اس طرح پر جب مجھ جیسے لوگوں کو تبدیل عقائد کے لئے سکھایا جاتا ہے تو بیچارے عوام الناس کا کیا حال ہوگا۔ وہ تو قادیان کے اخبارات کے رعب میں آکر خاموش ہو جائیں گے۔ اس کے بعد قادیان کے اخباروں میں غلو کی ترقی دیکھ کر میں نے اندر ہی اندر اصلاح کی کوشش کی مگر میرے خطوط پر کوئی توجہ نہ ہوئی''

سید محمد احسن صاحب مرحوم کا اصل اعلان: اس تمہید کے بعد جس میں صفائی کے ساتھ اصل واقعات کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس بات کا بھی کہ کیوں 1914ء میں مولانا مرحوم نے میاں صاحب کو گدی پر بٹھایا اور اس بات کا بھی کہ کیوں انہیں، اس جرأت کو دیکھ کر کہ آپ کو عقائد تبدیل کرنے کے لئے لکھا جاتا ہے اور غلو میں ترقی ہوتی جا رہی ہے، وہاں سے الگ ہونے کی ضرورت پیش آئی کس قدر قوت کا اظہار ہے جس سے اصل اعلان کیا ہے۔

''پس اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اس کے حضور جواب دہی کا خوف کرتے ہوئے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد بوجہ اپنے عقائد فاسدہ پر مصر ہونے کے میرے نزدیک ہرگز اب اس بات کے اہل نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود کی جماعت کے خلیفہ یا امیر ہوں اور اس لئے میں اس خلافت سے جو محض ارادی ہے سیاسی نہیں صاحبزادہ صاحب کا اپنی طرف سے عزل کر کر عنداللہ وعندالناس اس ذمہ داری سے بری ہوتا ہوں جو میرے سر پر تھی...... اور جماعت احمدیہ کو اطلاع کرتا ہوں کہ صاحبزادہ صاحب کے یہ عقائد کہ

1۔ سب اہل قبلہ کلمہ گو کافر اور خارج از اسلام ہیں۔

2۔ حضرت مسیح موعود کامل حقیقی نبی ہیں۔ جزوی نبی یعنی محدث نہیں۔

3۔ اسمہٗ احمد کی پیشگوئی جناب مرزا صاحب کے لئے ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے واسطے نہیں اور اس کو ایمانیات سے قرار دینا، ایسے عقائد اسلام میں موجب ایک خطرناک فتنہ کے ہیں۔ جس کے دور کرنے کے لئے کھڑا ہو جانا ہر ایک احمدی کا فرض اولین ہے......''

مولوی غلام حسن صاحب کی بیعت نا قابل فہم ہے: مجھے مولوی غلام حسن صاحب کی بیعت کی سمجھ نہیں آئی۔ جو پیراں نمے پرند مریداں مے پرانند کی مصداق ہے۔ ''الفضل'' میں صفحوں کے صفحے سیاہ ہو رہے ہیں۔ مبارکبادیں مل رہی ہیں۔ گویا کوئی عظیم الشان کفر کا قعلہ فتح ہو گیا۔ یا کوئی لارڈ یا شہزادہ داخل اسلام ہو گیا۔ حالانکہ مولوی صاحب نے خود ایک سطر بھی نہیں لکھی۔ ایک عالم کے شایان شان یہ ہے کہ وہ خود روشنی ڈالے۔ جس طرح مولانا سید محمد احسن نے کیا۔

مولوی صاحب سے چند ضروری سوالات: جب تک مولوی صاحب خود خاموش ہیں۔ یہ بیعت محض ایک افسانہ ہے۔ وہ خود امور ذیل کو صاف کریں۔

1۔ وہ کیوں 1908ء میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کی بیعت کو ناجائز سمجھتے تھے اور گناہ کبیرہ قرار دیتے تھے۔

2۔ وہ کونسی وجوہات تھیں جنہوں نے 1914ء میں انہیں قادیان سے ہٹا کر ہمارے ساتھ کیا؟

3۔ وہ کونسی وجوہات تھیں جن کی بناء پر انہوں نے 1921ء میں شیخ غلام محمد کو مامور سمجھا؟

4۔ کیا وہ اب بھی شیخ غلام محمد کو مصلح موعود سمجھتے ہیں اور اس کے کلام میں ان کو نور اور برکت نظر آتی ہے؟

5۔ کیا انہوں نے میاں محمود احمد کی بیعت کی ہے اور کس بنا پر؟

6۔ کیا وہ میاں محمود احمد کو مصلح موعود سمجھتے ہیں؟

7۔ کیا ان کا عقیدہ کفر و اسلام کے مسئلہ میں وہی ہے جو حضرت صاحب کی بیعت سے لے کر 1939ء کے آخر تک پورے پچاس سال رہا۔ یا اب انہوں نے وہ عقیدہ تبدیل کر کے اہل قبلہ کے کفر پر مہر لگا دی ہے؟

8۔ اگر وہ چالیس کروڑ کلمہ گو کو، حتّٰی کہ ان کو بھی جنہوں نے کبھی حضرت مرزا صاحب کا نام بھی

نہیں سنا، کافر سمجھتے ہیں تو اس کے کیا وجوہات اب ان کو ملے ہیں جو پہلے ان کی عالمانہ نگاہ سے مخفی رہے۔

9۔ اگر وہ انہیں مسلمان ہی سمجھتے ہیں، جیسا وہ پچاس سال سے سمجھتے چلے آئے ہیں، تو ایک مکفر مسلمین کو اپنا امیر یا مرشد کس طرح تسلیم کر لیا ہے۔

10۔ کیا جو شخص خلاف قرآن و حدیث و خلاف تحریرات و عمل حضرت مسیح موعود ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر کہتا ہے وہ مصلح موعود ہو سکتا ہے؟

مولوی صاحب ان سوالات کا جواب ضرور دیں: یہ دس سوال ہیں جن کا جواب مولوی صاحب کے ذمے ہے۔ تا کہ ان کے سابقہ رفقاء کو بھی پتہ لگ سکے کہ ان کے خیالات میں کیا تغیر آیا ہے اور اس کی وجوہات کیا ہیں؟ اور جن میں وہ شامل ہوئے ہیں انہیں بھی معلوم ہو سکے کہ مولوی صاحب کس حد تک ان کے ساتھ ہیں اور کن باتوں میں انہیں غلطی پر سمجھتے ہیں۔

قادیانی اکابر و اخبارات سے ایک مطالبہ: قادیانی اصحاب کو شوق ہے کہ ہمیں فتنہ انداز اور دشمن مسیح موعود کہا جائے اور ان کے اخبارات جوبلی میں اول سے آخر تک ہر شخص نے یہی راگ الاپا ہے کہ پیغامیوں نے ایک عظیم الشان فتنہ کھڑا کر کے حضرت مسیح موعود کے مشن کو نا کام کرنے کی کوشش کی ہے وہ اس بارے میں مولوی صاحب سے اتنا ہی شائع کرا دیں کہ جب ہم لوگ 1914ء میں قادیان سے الگ ہوئے تھے تو واقعی ہماری غرض نیک نیتی سے خدمت اسلام کا کام کرنا تھا اور مسیح موعود کے کام اور عقائد کی حفاظت تھی یا محض فتنہ اندازی اور حضرت مسیح موعود سے دشمنی تھی۔ آخر ہم ایک دوسرے کے حالات سے خوب واقف تھے۔

ہم لوگ قادیان سے کیوں الگ ہوئے تھے: مولوی صاحب یہی اعلان فرما دیں کہ 1914ء میں جب لاہور میں انجمن قائم کی گئی اور اس وقت وہ خود موجود تھے اور اس کی وائس پریذیڈنٹی انہوں نے قبول کی تو کیا خیالات ان کے دل میں تھے۔ کیونکہ یقیناً خیالات ہم سب کے دل میں ایک ہی تھے۔ ہم سب لوگ اس بات پر قسم کھانے کے لئے تیار ہیں کہ اگر میاں محمود احمد صاحب نے چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر نہ بنایا ہوتا تو ہم ان کو امیر ماننے کے لئے تیار تھے اور ہمارا قادیان سے الگ ہونا محض اس وجہ سے تھا کہ ہم اس عقیدہ سے اسلام کا اتحاد پاش پاش ہوتا دیکھتے تھے اور ایک بڑی مصیبت کے سامنے ہم نے

ایک چھوٹی مصیبت کو قبول کر لیا۔ مولوی صاحب اسی بات پر قسم کھا دیں کہ ہم لوگ اس لئے الگ ہوئے تھے کہ اپنی الگ نمبرداری قائم کریں۔

مولوی صاحب کثرت کے سامنے مرعوب ہو گئے: اگر مجھے افسوس ہے تو یہ کہ مولوی صاحب عالم ہو کر کثرت کے سامنے اسی طرح مرعوب ہو گئے جس طرح عوام الناس مرعوب ہو جاتے ہیں۔ مگر کثرت پر فخر کرنے والی جماعت کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ **اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا** (25:9) کسی قادیانی اخبار کے جوبلی نمبر میں اس بات پر فخر کیا گیا ہے کہ 1914ء میں قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ کا پہلا پارہ مدراس میں مطبع میں چلا گیا۔ مگر اس بات پر شرم نہ آئی کہ آج چھبیس سال بعد تک دوسرا پارہ مطبع میں نہ جا سکا۔ یہ کثرت پر فخر کرنے کا نتیجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کے کام سے محروم رہ گئے!

حضرت مسیح موعود کی ایک پیشگوئی: ہاں! علم الٰہی میں کثرت کے لئے یہ مقدر نہ تھا کہ وہ اس کام کو کرے اور حضرت مسیح موعود کی کھلی پیشگوئی دعوٰی کے ساتھ ہی موجود ہے کہ آپ کا کام کثرت کے ہاتھوں سے نہیں ہوگا۔ بلکہ قلیل گروہ کے ہاتھ سے ہوگا۔ 1891ء میں حضرت مسیح موعود دعوٰی کرتے ہیں اور اسی سال یہ کشف بھی دیکھتے ہیں۔

> ''ایک دفعہ میں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں۔ ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب۔ پہلے میں نے اس شخص کو، جو زمین پر تھا، مخاطب کر کے کہا مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ چپ رہا۔ پھر اس دوسرے کی طرف رخ کیا جو چھت کے قریب آسمان کی طرف تھا۔ میں نے اسے بھی کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ اس نے کہا ایک لاکھ نہیں ملے گی مگر پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا۔ اس کا جواب سن کر میں نے کہا کہ پانچ ہزار سپاہی اگرچہ تھوڑے ہیں۔ لیکن اگر خدا چاہے تو تھوڑے بہتوں پر غلبہ پا سکتے ہیں اور میں نے کشفی حالت میں یہ آیت پڑھی۔ **كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ** (249:2)

اس پیشگوئی کی تشریح واقعات کی روشنی میں: یہ پیشگوئی جو صاف دو الگ الگ گروہوں کا ذکر کر

رہی ہے اب کھسیانے ہوکر اسے ''تحریک جدید'' پر چسپاں کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گویا دس لاکھ میں سے حضرت مسیح موعود کے منشاء کے مطابق کام کرنے والا صرف پانچ ہزار آدمی نکلا۔ باقی نو لاکھ پچانوے ہزار کو ردی قرار دے کر نکال دیا گیا۔ اڑتیس ہزار جو جلسہ جوبلی پر آئے وہ بھی کسی شمار میں نہ رہے اور پھر کتنی موٹی بات ہے کہ یہاں صاف مذکور ہے کہ دو الگ الگ آدمی ہیں۔ ایک زمین پر بیٹھا ہے اس سے ایک لاکھ آدمی مانگا ہے وہ چپ رہا۔ یہی حالت قادیان والوں کی ہے کہ فخر تو یہ ہے ہم لاکھوں ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود کے کام قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے وقت ایسی خاموشی طاری ہوتی ہے کہ نہ پیر بتاتا ہے کہ ہمارا یہ کام کہاں گیا نہ مرید پوچھتے ہیں کہ جب 1914ء میں اس زور شور سے اس کام کو سامنے رکھا گیا تھا تو ہماری ناکامی کی کیا وجہ ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو زمین پر بیٹھا ہے۔ یعنی زمینی اسباب کثرت مال اور کثرت تعداد اس کے ساتھ ہے۔ اور سیاسی امور میں جو اس دنیا سے تعلق رکھتے ہیں الجھا ہوا ہے۔

خداداد قبولیت کا کھلا نشان: لیکن اس کے بالمقابل ایک دوسرا آدمی ہے جو آسمان کی طرف چھت کے قریب ہے۔ یعنی وہ سیاسیات سے بلند ہو کر خدا کے کام میں لگا ہوا ہے۔ اس کے پاس آدمی تو تھوڑے ہیں۔ مگر جو کچھ ہیں وہ اس کام کے لئے حاضر کر دیتا ہے اور کہتا ہے ایک لاکھ میرے پاس موجود نہیں پانچ ہزار ہیں۔ سو وہ خدمت دین کے لئے حاضر ہیں۔ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے حاضر ہیں۔ قادیانی اصحاب جو چاہیں کہتے رہیں۔ مگر اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ یہ پانچ ہزار آج پچاس ہزار کاپی قرآن شریف کی تین زبانوں میں ترجمہ کر کے اسے دنیا میں پھیلا چکا ہے کیا یہ قبولیت خدا کی طرف سے ایک کھلا نشان نہیں؟

خدمت قرآن کے کام کی افسوسناک تحقیر: پھر سوچ لو کہ خدا کو کیا جواب دو گے جب تم ان قرآن کے دنیا میں پہنچانے والوں کو کتب فروشوں کی انجمن کہتے ہو۔ تمہارے ہاتھ سے صرف قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی توفیق ہی نہیں چھینی بلکہ اس کام کو تم حقارت کی نظر سے بھی دیکھتے ہو۔ آخر کتابیں تو حضرت مسیح موعود کی بھی فروخت ہوتی تھیں۔ لیکن جو انجمن دس ہزار قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ مفت دنیا میں پہنچا چکی ہے۔ سیرت نبویؐ اور تعلیم اسلام پر جو کتابیں مفت دنیا میں پہنچائی جا چکی ہیں انہیں ملا کر یہ تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔ ٹریکٹوں اور اشتہارات کا کوئی حساب نہیں۔ اسے کتب فروشوں کی انجمن کہنا تبلیغ

قرآن کے کام کی تحقیر نہیں تو اور کیا ہے۔

کثرت والوں کا گردہ زمینی ہے: یہ شخص آسمان کی طرف ہے یعنی اس کے مدنظر دنیا کا کوئی کام نہیں بلکہ صرف تبلیغ قرآن اس کے مدنظر ہے اور اس کا بھروسہ خدا کی نصرت پر ہے۔ ورنہ اتنا بڑا کام پانچ ہزار آدمی کس طرح کر سکتے تھے۔ کشف میں حضرت مسیح موعود کے مونہہ سے خود یہ لفظ نکلتے ہیں کہ پانچ ہزار تھوڑے ہیں۔ پھر کشف میں صاف طور پر دو الگ الگ آدمیوں کا ذکر ہے۔ جن میں سے ایک کے ساتھ کثیر تعداد ہے۔ مگر وہ حضرت مسیح موعود کی آواز پر خاموشی اختیار کرتا ہے۔ دوسرے کے ساتھ جماعت تو قلیل ہے۔ یعنی صرف پانچ ہزار مگر وہ پانچ ہزار حضرت مسیح موعود کے کام کے لئے حاضر ہیں۔ اب یہ وہ گروہ کونسے ہیں۔ ایک غیر آدمی بھی بتا سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے تو آیت قرآنی كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (249:2) پڑھ کر صاف بتا بھی دیا کہ یہ دو الگ الگ گروہ ہیں ایک فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ (249:2) ہے اور ایک فِئَةً كَثِيْرَةً ہے۔ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ وہی ہے جو خود بھی اپنی قلت کا معترف ہے اور قادیانی اصحاب بھی دن رات اسے قلیل کہہ کر اس پر ہنستے رہتے ہیں اور فِئَةً كَثِيْرَةً وہی ہے جس کو دن رات یہی فخر ہے کہ ہماری کثرت ہے ہمارے جلسے میں اتنے آدمی آئے ہیں۔ کثیر گروہ اور قلیل گروہ کو کشف نے الگ الگ کر دیا ہے۔ ان دو گروہوں کے دو الگ الگ لیڈر بھی بتا دیئے ہیں۔ کثرت والوں کا زمینی ہونا بھی بتا دیا ہے۔

ہم اپنے کام کی وجہ سے قادیان پر غالب ہیں: یہ بھی بتا دیا کہ چھوٹا گروہ بڑے گروہ پر غالب آجائے گا۔ سو خدا کے فضل سے آج ہم اپنے کام سے قادیان پر غالب ہیں۔ خدا چاہے گا تو کل کو ہمیں ویسے بھی غالب کر دے گا۔ یہ خدا کی تقسیم ہے۔ جتھہ اور مال کی کثرت جو زمینی چیزیں ہیں کثیر گروہ کے ساتھ ہیں اور کام قلیل گروہ کے ہاتھ سے ہو رہا ہے۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ (4:62)

خاکسار محمد علی

یکم فروری 1940ء

17 فروری 1940ء

نقد و نظر

''مجدد اعظم'' کے متعلق قیمتی رائے

حضرت امیر جماعت ایدہ اللہ تعالیٰ کی رائے گرامی

جماعت احمدیہ لاہور پر اللہ تعالیٰ کے افضال میں سے ایک ''مجدد اعظم'' بھی ہے۔ جس کی پہلی جلد ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے قلم سے اس وقت شائع ہو رہی ہے۔ اس سلسلہ میں ایسا شخص شائد ہی ہو جو اس بات سے واقف نہ ہو کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے جب کبھی کسی مضمون پر قلم اٹھایا ہے تو اس کا وہ حق ادا کیا ہے جس پر سب لوگ عش عش کر اٹھتے ہیں اور غیر از جماعت اصحاب میں بھی علم دوست لوگوں نے ان کے مضامین کو ہمیشہ شوق سے پڑھا اور ہر مسئلہ پر ان کی بحث کو سیر کن پایا ہے۔ ان کے مضامین کا یہ سلسلہ ایک لمبے زمانہ پر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن ''مجدد اعظم'' کے لکھنے میں ڈاکٹر صاحب اپنے اوپر بھی سبقت لے گئے ہیں اور ایک ایسی کتاب لکھی ہے جو اگر تاریخی لحاظ سے اس مضمون پر پہلی جامع کتاب ہے تو اپنے کمال کے لحاظ سے اور محققانہ طرز استدلال کے لحاظ سے اردو زبان میں انشاء اللہ حضرت مسیح موعود کی سیرت پر آخری کتاب رہے گی۔ میں نے اس سیرت کے بعض مضامین کو گرمیوں میں ڈلہوزی جانے سے پیشتر سنا تھا۔ جب ڈاکٹر صاحب بعض اہم اور دقیق مسائل کو، جن پر اس کتاب میں بحث کی گئی ہے، ایک مختصر مجمع احباب میں مسلم ٹاؤن کی مسجد میں سنایا کرتے تھے اور جب کسی مسئلہ پر ان کی تحریر ختم ہوتی تھی تو کوئی تشنگی باقی نہ رہتی تھی اور قلوب کے اندر ایک کامل اطمینان پیدا ہو جاتا تھا۔ اب میں نے چھپی ہوئی کتاب کو جُستہ جُستہ مقامات سے دیکھا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری کتاب اول سے آخر تک ایک ہی رنگ میں لکھی ہوئی ہے۔ ہر بات پر مکمل بحث اور استدلال نہ صرف مبسوط بلکہ اسی قدر واضح کہ ایک موٹی سمجھ کا آدمی بھی اس سے فائدہ اٹھا لے اور دلچسپ اس قدر کہ جہاں سے کھول کر پڑھنا شروع کرو، دل چاہتا ہے کہ وہیں سے پڑھتے چلے جاؤ۔ اور پھر اس زمانہ کی یاد کو ایسا سامنے لے آتی ہے کہ گویا خود حضرت مسیح موعود دوبارہ آ گئے۔ احمدیت کی پوزیشن کو صاف کرنے کے لئے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے یہ بہترین

کتاب ہے۔ میں اس کتاب کے متعلق صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ:

1۔ ہر احمدی گھرانے میں اس کی ایک کاپی ہونی چاہیئے۔

2۔ ہر ایک آدمی کو مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان، اسے ایک دفعہ پڑھنا چاہیئے۔

3۔ ہر ایک دوست کو چاہیئے کہ وہ حسب گنجائش اس کے نسخے خرید کر اپنے غیر از جماعت دوستوں اور عزیزوں کو پہنچائے اور جس کو ایک کاپی بھی اس طرح پہنچانے کی وسعت حاصل نہیں۔ وہ اپنی کاپی ہی انہیں پڑھنے کو دے۔ محمد علی

حضرت مولٰینا صدرالدین صاحب کی رائے: ''کتاب ''مجددِ اعظم''، جس میں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی سوانح کے علاوہ بہت سے اہم مسائل پر سیر کن بحث کی ہے، بہت قابل قدر ہے۔ یہ تصنیف تفقہ فی الدین کا نتیجہ ہے۔ جس کا وافر حصہ خدا تعالیٰ نے مصنف کو عطا فرمایا ہے۔ کتاب بے شمار دلچسپیوں سے معمور ہے۔ اور علم کلام اور علم ادب کا نہایت اعلیٰ درجے کا نمونہ ہے۔ اپنوں اور بیگانوں کے اعتراضات کے جوابات قابلیت سے دیئے ہیں کہ مصنف کو اگر حضرت مجدد زماں کی فوج کا سپہ سالار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا''۔ صدرالدین

❁❁❁

8 مارچ 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

مولوی غلام حسن خان صاحب سے ایک مخلصانہ گذارش

مکرم معظم مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے دونوں مضمون جو قادیان میں بیعت کرنے کے متعلق آپ نے لکھے ہیں، میں نے پڑھے ہیں۔ مگر میں افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے۔ اس سے کوئی بات صاف نہیں ہوئی بلکہ آپ کی تحریروں نے اس معاملہ میں اور زیادہ الجھن پیدا کر دی ہے اور جو کچھ میں نے دریافت کیا تھا اس کے جواب کی طرف آپ نے توجہ کم فرمائی ہے۔

میرا سب سے پہلا سوال: میرا سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ جس صورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کی دولت عطا فرمائی ہے اور ساری عمر آپ کی اسی روش پر گزری کہ بغیر تحقیقات کے آپ نے کسی امر کو قبول نہ کیا تو آپ اس بات کو صاف کر دیں کہ جن امور کو آپ 1908ء کے آخر تک صحیح مانتے رہے ہیں وہ قادیان کی تھوڑی سی رہائش میں کس طرح غلط ثابت ہو گئے۔ آخر وہ تحقیقات جو تیس سال کے عرصہ پر پھیلی ہوئی تھی اور تیس سال تک برابر آپ اس بات پر قائم رہے اور اس کی تائید فرماتے رہے اور بعض صورتوں میں وہ تحقیقات پورے پچاس سال پر پھیلی ہوئی تھی، وہ اب کس طرح غلط ثابت ہوئی۔ اور اگر ایک شخص کی تحقیقات کا یہی حال ہو کہ پچاسی سال کی عمر کو پہنچ کر وہ اپنی ساری پہلی تحقیقات کو ایک دن میں غلط کر دیتا ہے تو کیا اس کی تحقیقات پر سے اعتماد نہیں اٹھ جائے گا۔ پھر ایک عالم دین سے اتنی بڑی غلطی کس طرح ہو سکتی ہے کہ تیس سال تک وہ بعض باتوں کی اپنی تحریروں اور تقریروں اور عمل سے شب و روز تائید کرتا رہے اور پھر انسانی اوسط عمر کی حد سے بھی گزر کر اسے یہ معلوم ہو کہ یہ سب کچھ باطل تھا جس کی وہ تائید کرتا رہا۔

اول۔ 1908ء سے لے کر 1939ء کے آخر تک اس بات کے قائل رہے کہ بیعت خلافت ☆ گناہ کبیرہ ہے۔

☆ اس تحریر میں خلافت سے آپ کی مراد حضرت مسیح موعود کی خلافت کا سلسلہ ہے۔

چنانچہ دسمبر 1939ء کو جو خط آپ نے شیخ غلام محمد کو لکھا اس میں آپ کے یہ صاف الفاظ ہیں:

''الوصیت کے خلاف اور بغیر مشورہ انجمن مولوی صاحب (حضرت مولوی نور الدین مرحوم) سے بیعت خلافت کر لی۔ یہ پہلا گناہ کبیرہ تھا جس کا ارتکاب مریدوں نے کیا۔

جب خلافت ختم ہو چکی تو بیعت خلافت کے کیا معنی؟: اور یہ صرف آپ کی تحریر ہی نہیں بلکہ عملاً بھی آپ اسی بات کے قائل رہے۔ چنانچہ 1908ء میں جب عام طور پر دوسرے احمدیوں نے حضرت مولوی نور الدین صاحب کی بیعت کر لی۔ آپ نے نہیں کی۔ اور باوجود اس کے کہ آپ کو قادیان سے بیعت کے لئے لکھا گیا۔ آپ نے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ آپ کا اسے گناہ قرار دینا غالباً اسی بنا پر تھا۔ جس کا اظہار آپ نے اپنی تفسیر ''حسن بیان'' میں کیا ہے کہ خلافت حضرت مرزا صاحب پر ختم ہو چکی۔ ''اور یہ خلافت حضرت مرزا صاحب غلام احمد قادیانی پر ختم ہوئی۔'' (صفحہ 376) تو جب خلافت ہی ختم ہو چکی تو بیعت خلافت کے کیا معنی؟!

بیعت خلافت کے متعلق اپنے دلائل سے آگاہ کریں: میرا پہلا سوال صرف اس قدر تھا کہ آپ کی تیس سال کی تحقیقات یہ تھی کہ بیعت خلافت گناہ کبیرہ ہے تو اب وہ کون سے دلائل ہیں جن سے ثابت ہو گیا کہ آپ کی یہ تحقیقات غلط تھی اور بیعت خلافت اب گناہ کبیرہ نہیں بلکہ فرض اولین ہے۔ حتّٰی کہ اس بیعت کے بغیر خدمت اسلام کا کوئی کام بھی قابل قبول نہیں۔ بلکہ خلیفہ کے عقائد کو باطل قرار دیتے ہوئے بھی یہ بیعت ضروری ہے۔ میری صرف اس قدر التجا ہے کہ آپ ان دلائل سے بھی ہم کو آگاہ کریں۔ جن کی بنا پر پہلے آپ تیس سال تک خلافت کو حضرت مسیح موعود پر ختم مانتے تھے۔ اور بیعت خلافت کو گناہ کبیرہ قرار دیتے تھے اور ان دلائل سے بھی، جو اب قادیان جا کر آپ پر منکشف ہوئے کہ بیعت خلافت فرض اولین ہے اور اس کے بغیر ہمارا خدمت اسلام کا کام بھی عند اللہ مردود ہے اور کہ خلافت حضرت مسیح موعود پر ختم نہیں ہوئی بلکہ آیت کریمہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (55:24) کے ماتحت حضرت مسیح موعود کے ایسے بھی خلیفے ہوں گے جو مجدد تو نہ ہوں گے مگر ان کی بیعت سب پر فرض ہوگی۔ اور جو ایسی بیعت نہ کرے گا وہ فاسق ہوگا۔ آپ کے مضمون میں قرآن وحدیث کی سند کا تو مطلق ذکر ہی نہیں۔ البتہ یہ آپ نے لکھا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے الہامات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو

خلافت کا نظام پسند ہے۔ ان الہامات سے غالباً آپ کی مراد حضرت مسیح موعود کے الہامات ہی ہوں گے۔ مگر آپ نے وہ الہامات نہیں بتائے جن سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے الہامات پسندیدگی کے وہی ہو سکتے ہیں۔ جن میں خاص طور پر یہ ذکر ہو کہ مسیح موعود کی خلافت کا سلسلہ خدا کے نزدیک ایک امر پسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ خلافت کا سلسلہ جاری رہے۔ تو کم سے کم یہی وضاحت کر دی ہوئی کہ حضرت مسیح موعود کے فلاں فلاں الہامات میں خلافت کی پسندیدگی کا ذکر ہے۔ بلکہ ضرورت تو یہ ہے کہ آپ پہلے قرآن وحدیث کے حوالے پیش کریں۔ جن سے مسیح موعود کی خلافت کے سلسلہ کا ثبوت ملتا ہے۔ اور پھر ان کی تائید کے لئے حضرت مسیح موعود کا کوئی الہام پیش کریں۔ جس سے صفائی سے یہ معلوم ہو کہ حضرت مسیح موعود کے بعد آپ کے خلفاء کا سلسلہ چلنا چاہئے اور ان خلفاء سے انحراف کرنے والے فاسق ہوں گے۔

تفسیر ''حسن بیان'' سے خلافت کے متعلق ایک حوالہ: اس کے متعلق تفسیر ''حسن بیان'' کا، جو آپ نے بہت تحقیقات کے بعد لکھی ہے، اور جس کے متعلق تمہید میں یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ ''جو کچھ لکھا ہے، محققانہ لکھا ہے'' خلافت کے متعلق ذیل کا حوالہ بھی پیش کرتا ہوں تا کہ اب اس تحقیق کو رد کر کے آپ دوسری تحقیقات کے دلائل دے سکیں۔

> ☆ ''بنی اسرائیل میں خلافت دو طریق سے تھی۔ سیاسی اور روحانی۔ ان میں بادشاہ بھی ہوئے اور انبیاء بھی، مشیت یہ چاہتی ہے کہ دونوں خلافتیں مسلمانوں میں بھی جاری رہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیّن ہیں۔ جن کے بعد کوئی نبی نیا ہو یا پرانا نہیں آ سکتا۔ اس واسطے بجائے انبیاء ان میں ملہم بفتح ہا، جن کو محدث بفتح وتشدید دال سے تعبیر کرتے ہیں، خلیفہ یا مجدد کے لقب سے آتے رہے اور یہ خلافت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی پر ختم ہوئی اور آئندہ کوئی آئے گا تو بطور مجدد آئے گا یا بطور مصلح۔ آخری خلیفہ کو مسیح کا نام دے کر احادیث میں خاص اہمیت دی گئی ہے''
>
> تو میرا پہلا سوال تو صرف اسی قدر تھا کہ:

پہلے سوال کا خلاصہ: 1۔ حضرت مسیح موعود کے بعد بیعت خلافت جو آپ کی تحقیقات میں گناہ کبیرہ تھی

اب کن دلائل سے وہ صرف گناہ کبیرہ ہی نہیں رہی بلکہ ایسا فرض اولین بن گئی ہے کہ اس کے نہ کرنے والے فاسق اور ان کے خدمت دین کے کام مردود ہیں۔ اور اب اس کے ساتھ دو سوال اور بھی ہیں کہ:

☆ کیا اب آپ خلافت کو حضرت مسیح موعود پر ختم مانتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کن دلائل سے؟

☆ کیا جس صورت میں مسیح موعود بھی مجدد ہی ہو کر آیا ہے یہ ضروری نہیں کہ مصلح موعود بھی مجدد ہی ہو اور مسیح موعود کی طرح حدیث مجدد کے ماتحت ہی آئے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ مصلح موعود جیسی کوئی بڑی ہستی ہو اور حدیث نبویؐ سے وہ الگ ہو کر آئے۔

دوسرا سوال اور مولوی صاحب کا جواب: دوم۔ میرا سوال یہ تھا کہ کیا آپ میاں محمود احمد صاحب کو مصلح موعود سمجھتے ہیں؟ اس کا جواب آپ نے یوں دیا ہے کہ گو میاں محمود احمد صاحب خود تو مصلح موعود ہونے کا دعوٰی نہیں کرتے لیکن آپ ان کو مصلح موعود مانتے ہیں۔

اس پر وہ ضرب المثل صادق آتی ہے کہ پیراں نمے پرند مریداں مے پرانند۔ مصلح موعود تو وہی ہوسکتا ہے جسے خدا کہے کہ تم مصلح موعود ہو۔ حضرت مسیح موعود تو فرماتے ہیں "جب تک کوئی خدا تعالیٰ سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو" اور پھر مزید وضاحت کے طور پر فرماتے ہیں "اس کو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کروں گا" تو مصلح موعود کی پہلی شرط تو یہ تھی کہ وہ وحی الٰہی سے کھڑا ہو اور آپ اس شخص کو مصلح موعود بنا رہے ہیں۔ جسے خود مصلح موعود ہونے کا دعوٰی بھی نہیں اور جو یہ دعوٰی نہیں کرتا کہ اس کو وحی الٰہی نے کھڑا کیا ہے اور وہ مامور من اللہ ہے۔

شیخ غلام محمد کے متعلق مولوی صاحب کے سابق ارشادات: اس سے پیشتر آپ شیخ غلام محمد کو مصلح موعود اور مامور من اللہ مانتے تھے۔ یہ صحیح نہیں کہ آپ محض حسن ظن کی بنا پر کہہ رہے تھے۔ آپ کے صاف الفاظ، جو شیخ غلام محمد کے رسالوں میں طبع شدہ ہیں، دوبارہ نقل کرتا ہوں:

"شیخ صاحب ضرور روح القدس کی تائید سے بولتے ہیں اور مہدویت کا منصب رکھتے ہیں" اور ایک اور خط میں آپ نے لکھا ہے کہ مہدویت کے مدعی کا نام ہی حضرت صاحب نے مصلح موعود رکھا ہے۔ پھر آپ نے شیخ غلام محمد صاحب کے تبلیغ نامہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"اللہ تعالیٰ ماموروں کو بیکار نہیں بیٹھنے دیتا۔ **ان اللّٰہ لا یضیع وقت المامور**" پھر جب

آپ نے اپنا رسالہ شیخ غلام محمد کو بھیجا تو 4 دسمبر 1939ء کو اس کے ساتھ ایک خط لکھا۔ جس میں یہ لفظ لکھے:

''آپ کو ان واقعات سے کوئی امر پسند ہو تو اپنی عبارت میں اپنے رسالہ کے اندر درج کر دیں۔ اگرچہ آپ کو سب واقعات مستحضر ہوں گے۔ ماموروں کے الفاظ میں کچھ نور رہوتا ہے۔ غیر ماموروں کے الفاظ تاریکی میں ہوتے ہیں''

تو آپ نے اپنی تحقیقات کی رو سے دنیا کو یہ یقین دلایا کہ شیخ غلام محمد روح القدس کی تائید سے بولتے ہیں اور مہدویت کا منصب رکھتے ہیں۔ اس میں ان کے مہدی یا مصلح موعود ہونے کا صاف اقرار ہے۔ پھر ان کی کارگزاری کو دیکھ کر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَایَضِیْعُ وَقْتَ الْمَامُوْرِ. اور پھر ان کی تحریر میں آپ کو نور بھی نظر آتا تھا۔ اب ان ساری باتوں کی آپ یوں توجیہہ کرتے ہیں کہ ''میں شیخ غلام محمد صاحب کو اس رنگ میں مخاطب کرتا رہا ہوں جس طرح کہ شیخ صاحب اپنی ذات کو سمجھتے ہیں۔ نہ اس طرح جس طرح کہ میں ان کو سمجھتا ہوں''

شیخ غلام محمد کے متعلق حسن ظن کی یہ توجیہہ صحیح نہیں: آپ ہی انصاف کریں کہ کیا یہ توجیہہ درست ہے۔ آپ تو صاف الفاظ میں اس کے مہدی اور مصلح موعود اور مامور من اللہ ہونے کے قائل تھے۔ یہاں تک کہ اس کی مہدویت پر حضرت مرزا صاحب کی مہدویت کو بھی قربان کر دیا اور مہدی کا دعویٰ کرنے میں آپ نے حضرت مسیح موعود کو غلطی پر قرار دیا۔ آپ کے صاف الفاظ آپ کے خط میں طبع شدہ موجود ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے آپ کو مہدی معہود قرار دینے میں غلطی کی۔ اور یہی مسلک آپ نے اپنی تفسیر حسن بیان میں صفحہ 367 پر اختیار کیا ہے تو اب ان سب باتوں کے بعد اور صاف طور پر لکھ دینے کے بعد کہ شیخ غلام روح القدس کی تائید سے بولتے ہیں اور مہدویت کا منصب رکھتے ہیں، آپ کا یہ کہنا کہ آپ ان کو اس طرح مخاطب کرتے رہے جس طرح شیخ صاحب اپنے آپ کو سمجھتے تھے، یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ شائد میاں صاحب کو مصلح موعود بھی آپ نے اسی رنگ میں مانا ہو کہ چونکہ ان کے مریدان کو مصلح موعود کہتے تھے، اسی طرح آپ نے بھی کہہ دیا اور انہیں اسی طرح مخاطب کیا جس طرح وہ اپنے آپ کو سمجھتے تھے یا جس طرح ان کے ہزارہا مریدان کو سمجھتے تھے۔

عالمانہ شان کے خلاف ایک افسوسناک بات: پھر آپ نے یہ بات بھی اپنی عالمانہ شان کے

خلاف لکھی ہے کہ جس طرح آنحضرتؐ نے ابن صیاد کے دعوے پر یہ کہا تھا کہ میں خدا کے سب رسولوں پر ایمان لاتا ہوں۔اسی طرح آپ بھی شیخ غلام محمد سے حسن ظن رکھتے ہوئے ایسی باتیں لکھتے رہیں کہ وہ مہدویت کا منصب رکھتے ہیں اوران کے کلام میں خدا کے ماموروں والا نور ہے۔ یہ تو نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر حملہ ہے کہ گویا آپؐ بھی ابن صیاد کو حسن ظن کی بنا پر مامور سمجھتے تھے یا آپؐ نے ایسے لفظ بولے جن سے یہ خیال ہوسکتا ہے کہ شائد وہ نبی ہی ہو۔جس طرح آپ اپنے نئے اعتراف کے مطابق سمجھ رہے تھے کہ شائد شیخ غلام محمد مصلح موعوداور مامور ہی ہو۔العیاذ باللہ! آنحضرتؐ کے ان الفاظ کے تو صاف معنی تھے کہ میں تو کل دنیا کی قوموں میں رسولوں کے آنے پر ایمان لاتا ہوں مگر تم رسالت کے دعوے میں جھوٹے ہو۔اس لئے میں تم پر ایمان نہیں لاتا۔اسی لئے تو حضرت عمرؓ نے وہیں قسم کھادی کہ ابن صیاد دجال ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ جس طرح قادیانیوں نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت مسیح موعود کو تیرہ سال تک اپنا دعوٰی سمجھ نہیں آیا، نبی کریمؐ کے متعلق یہ بھی کہہ دیا کہ آپؐ کو چھ سال تک اپنا دعوٰی سمجھ نہیں آیا۔اور آپ کو شک تھا کہ آپ کی وحی منجانب اللہ ہے یا نہیں،اسی رنگ میں آپ بھی تو رنگین نہیں ہو رہے۔

<u>قسط دوم:مطبوعہ دراشاعت 12 مارچ 1940ء</u>

کیا میاں صاحب کو مصلح موعود ماننا سخت تر غلط تو نہیں: بہر حال یہ تو خدا کا شکر ہے کہ آپ ایک غلطی سے نکلے اور آپ کو یہ بات سمجھ آئی کہ جسے آپ سات آٹھ سال تک مصلح موعود سمجھتے رہے تھے۔وہ مصلح موعود نہیں نہ مامور ہے۔لیکن آپ غور فرمالیں کہ اس سے بھی سخت تر یہ غلطی ہے کہ جو شخص خدا کی طرف سے وحی پا کر کھڑا نہیں ہوا، جو مامور ہونے کا مدعی نہیں، آپ اسے مصلح موعود مان رہے ہیں اور حضرت مسیح موعود کے صریح ارشاد کو باطل قرار دے رہے ہیں کہ مصلح موعود وہ ہوگا جو خدا تعالیٰ سے وحی پا کر کھڑا ہوگا۔یعنی مامور ہونے کا دعوٰی کرے گا۔

خدا کی فعلی شہادت کسے کہتے ہیں؟: اور اس ارشاد کو باطل کرنے کے لئے آپ نے دلیل یہ دی ہے کہ خدا کی فعلی شہادت اس کے ساتھ ہے۔مگر خدا کی فعلی شہادت اسے نہیں کہا جا سکتا کہ ایک آدمی کو جماعت کا کثیر حصہ خلیفہ مان لے۔ بلکہ خدا کی فعلی شہادت وہ کہلاتی ہے کہ ایک شخص بے کسی کی حالت

میں اٹھتا ہے۔ دنیا میں کوئی اس کا ساتھ نہیں دیتا اور ساری دنیا اس کی مخالف ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنی نصرت کے وعدے کرتا ہوا اس مخالفت کو آہستہ آہستہ کم کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ **كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ** (29:48) کا مصداق ہوتا ہوا **فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ** (29:48) کی حالت کو پہنچتا ہے اور دنیا اس کی طرف رجوع کرتی ہے۔ یہ خدا کی فعلی شہادت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ظاہر ہوئی اور ایسی ہی فعلی شہادت حضرت مسیح موعود کے لئے ظاہر ہوئی۔ جو لوگ آپ کے مداح تھے وہ بھی آپ کے دشمن ہو گئے۔ تب آہستہ آہستہ آپ کی صداقت نے دلوں میں گھر کرنا شروع کیا اور آپ کی قبولیت پھیلتے پھیلتے ایک جماعت کثیر آپ کے ساتھ ہو گئی۔ یہ خدا تعالیٰ کی نصرت کہلاتی ہے اور یہی خدا کی فعلی شہادت ہے جو مخلوق کے مقابلہ میں ظاہر ہوتی ہے اور ایک بیکس اور اکیلے انسان کو، جو چاروں طرف دشمنوں میں گھرا ہوا ہو، ان دشمنوں پر غالب کر دکھاتی ہے۔

صرف کثرت صداقت کی دلیل نہیں: لیکن جہاں کسی جماعت کے دو ٹکڑے ہو جائیں تو زیادہ لوگوں کا ایک طرف ہو جانا کوئی شہادت ان کی سچائی کی نہیں بلکہ ایسے حالات میں عموماً عوام الناس، جن کی نظر صرف ظاہر پر ہوتی ہے اور وہی کثیر گروہ ہوتا ہے، حق کی پروا نہیں کرتے اور نہ وہ ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں جو حق کے ساتھ ضرور آتی ہیں اور پھر اس رو میں اچھے اچھے لوگ بھی بہہ جاتے ہیں۔

اسلامی تاریخ سے ایک مثال: اس کی مثال اگر دیکھنی ہو تو یزید اور امام حسینؓ کے واقعہ میں دیکھ لیں۔ یزید کو خلیفہ ماننے والوں کی کثرت اس قدر تھی کہ امام حسینؓ صرف اکیلے ہی چند خاندان کے آدمیوں کے ساتھ رہ گئے اور باقی سب بڑے بڑے لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی۔ ان میں اچھے اچھے بلند پایہ صحابہؓ بھی تھے اور پھر امام حسینؓ یزید کے مقابلہ میں دنیوی نقطہ نگاہ سے ناکام نظر آتے ہیں۔ حالانکہ عند اللہ حق پر ہونے کی وجہ سے وہی کامیاب تھے۔ تو یہاں یہ خدا کی فعلی شہادت نہ تھی کہ یزید کے ساتھ کثیر حصہ ہو گیا اور پھر یزید کو یہاں تک ترقی ہوئی کہ حضرت امام حسینؓ شہید ہو گئے اور ان کے خاندان میں سے صرف ایک آدمی باقی رہ گیا اور ادھر یزید کی سلطنت ترقی کرتی گئی۔

حضرت مسیح موعود کے پیروؤں کے دو گروہ: اسی طرح حضرت مسیحؑ کے بعد ان کے پیروؤں کے دو

گروہ ہو گئے۔ ایک کثیر گروہ جنہوں نے غلو کر کے مسیحؑ کو نبی سے خدا بنا لیا۔ اور دوسرا قلیل گروہ جو آپ کو خدا کا بندہ اور رسول ماننے والا تھا۔ اور پھر یہ غالی گروہ یہاں تک ترقی کر گیا کہ دوسرے گروہ کا وجود بھی باقی نہ رہا۔ تو یہ خدا کی فعلی شہادت نہ تھی۔ یہ وہ باتیں ہیں جو آپ خود بارہا جماعت کے سامنے کہتے رہے ہیں اور ان کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ آپ غور فرمائیں گے تو آپ کو صاف نظر آ جائے گا۔ آپ کا پاؤں عالمانہ بلند مقام سے پھسل گیا اور عوام الناس کی کثرت سے آپ مرعوب ہو گئے اور اس کو غلطی سے خدا کی فعلی شہادت سمجھ لیا۔ اور یہ خیال کہ جماعت قادیان ترقی کر رہی ہے اور جماعت لاہور نے ترقی نہیں کی۔ اگر یہ درست بھی ہو تو مسیح اول کے غالی پیروؤں اور حق پر قائم رہنے والے پیروؤں کی نسبت کو اور ان کی نسبتی ترقی کو بھی آپ دیکھ لیں۔ یقیناً غالیوں کی ترقی اور حق پرستوں کا کم ہو جانا غلو کی سچائی کی شہادت نہیں۔

جماعت لاہور کی پچیس سالہ ترقی: لیکن یہ آپ کا خیال خود آپ بھی جانتے ہیں درست نہیں۔ آپ جماعت لاہور کے پہلے بنانے والوں میں سے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ ہم خالی ہاتھ قادیان سے آئے اور 35 آدمیوں کی موجودگی میں، جن میں سے ایک آپ تھے، صرف تیرہ شاخوں کے ساتھ کام کی بنیاد رکھی اور آپ کو یہ بھی علم ہے کہ ہماری پہلے سال کی کل آمد صرف 7333 روپے تھی۔ اور قادیان کی اس وقت کی آمد دو لاکھ روپے کے قریب تھی۔ آج ہماری ایک سو کے قریب شاخ ہے اور ہماری آمد سات ہزار سے ترقی کر کے آج پونے دو لاکھ تک پہنچتی ہے۔ یعنی پچیس سال میں پچیس گنا ہو جاتی ہے اور قادیان کی دو لاکھ سے ترقی کر کے چھ لاکھ تک پہنچتی ہے۔ یعنی صرف تگنی ہوتی ہے۔ پروپاگنڈا قادیان سے جتنا چاہے کر لیا جائے۔ مگر یہ ٹھوس واقعات ہیں۔ اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا کہ قادیان کے اردگرد کے دیہات سے کتنے لوگ جلسہ پر آ کر روٹی کھا گئے اور جلسہ دیکھ گئے۔ تائید الٰہی یہ ہے کہ جس جماعت نے نہایت کس مپرسی کی حالت میں کام شروع کیا۔ جن کے پاس نہ دفتر تھا نہ مبلغ تھے نہ روپیہ تھا۔ نہ مکانات تھے۔ آج خدا کے فضل سے وہ اپنے کام کے لحاظ سے اس مقام پر پہنچی ہے کہ تین یورپ کی زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ کر کے چالیس ہزار سے زیادہ قرآن شریف (جس میں سے دس ہزار مفت ہے) دنیا میں پہنچایا۔

جماعت قادیان کی خدمت قرآن سے محرومی: مگر قادیان کی اتنی بڑی جماعت کی ناکامی کا اعتراف آج چھبیس سال بعد صرف ایک قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے متعلق جسے 1914ء میں زور

شور سے شروع کیا گیا تھا اس سے بہتر الفاظ میں نہیں ہو سکتا جو خود آپ نے لکھ دیئے ہیں۔ ’’اور خدا نے چاہا تو تفسیر کی صورت میں بھی ترجمہ قرآن کریم کی اشاعت بھی ہو جائے گی‘‘

یہی میں بھی کہتا ہوں کہ خدا نے یہی چاہا کہ وہ قرآن کریم کی اشاعت کا کام اسی فِـئَةٌ قَلِيْلَةٌ سے لے جو حق پر قائم رہا ہے اور قادیان کی جماعت کے فِئَةٌ قَلِيْلَةٌ کے متعلق اس نے یہ نہ چاہا۔ یہاں تک کہ جوبلی بھی آئی اور چلی گئی۔ ریاست بھی بن گئی۔ حکومت نہ سہی مگر حکومت کا ٹھاٹھ بھی بن گیا۔ جلوس بھی نکلے۔ خلافت کا جھنڈا بھی لہرایا اور اڑھائی تین منٹ میں آسمان پر پہنچ گیا۔ تین لاکھ روپیہ کی تھیلی بھی ’’خلیفہ‘‘ کے ہاتھ میں آ گئی!

قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کے لئے حضرت مسیح موعود کی تڑپ: مگر نہ ہوا تو قرآن کریم کا وہ ترجمہ نہ ہوا جس کی تڑپ مسیح موعود کے دل میں تھی۔ نہ لہرایا تو قرآن کریم کا جھنڈا نہ لہرایا اور پچیس سال میں بھی زمین کے اوپر نہ اٹھ سکا۔ اور آخر آپ جیسے فاضل کو بھی اپنے آپ کو یوں تسلی دینی پڑی کہ یہ کام ہی کیا ہے؟! ’’قرآن کریم کے ترجمے اور تفاسیر تو بعض غیر مسلموں نے بھی کئے ہیں‘‘ حالانکہ یہ اس وقت بھی موجود تھے جب حضرت مسیح موعود کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی تھی۔ بلکہ انہی کی وجہ سے یہ تڑپ پیدا ہوئی تھی کہ ’’میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جیسے مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے‘‘ سو خدا کا چاہا ہو گیا اور یہ کام بھی اس سے ہو گیا۔ جو مسیح موعود کی شاخ ہے اور مسیح موعود میں داخل ہے۔

حضرت مسیح موعود کا پانچ ہزار سپاہی والا کشف: اسی لئے تو حضرت مسیح موعود نے پانچ ہزار والی جماعت کو جب کشف میں دیکھا کَـمْ مِّـنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِـاِذْنِ اللّٰهِ (249:2) سو فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ اللہ کے فضل سے فِئَةً كَثِيْرَةً پر اپنے کام سے غالب آ گیا۔ ہاں بِاِذْنِ اللّٰهِ غالب آ گیا۔ خدا نے ایسا چاہا کہ اس کے ہاتھ سے مسیح موعود کا کام ہوا اور خدا نے نہ چاہا کہ فِئَةً كَثِيْرَةً کے ہاتھ سے یہ کام ہو۔ اب جو شخص اس فِـئَةٍ قَلِيْلَةٍ کو چھوڑ کر فِـئَةً كَثِيْرَةً کی طرف جانا چاہتا ہے اس کا اختیار ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ اب یہ فِئَةً كَثِيْرَةً بھی قلت کی طرف رجوع کر رہا ہے اور دس لاکھ پر فخر کرتے کرتے

آج نو لاکھ پچانوے ہزار کو بیکار اور مردہ قرار دیتا ہے اور پانچ ہزار بننے کے لئے تڑپ رہا ہے۔ قادیان والے کثرت سے قلت کی طرف آنا چاہتے ہیں اور لاہور والے قلت سے کثرت کی طرف ۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ (2:59) مگر یہ کوشش بے سود ہے۔

میاں صاحب کا اپنا بیان: خود میاں صاحب 1935ء میں بمصداق حق برزبان ہماری یہ اقرار کر چکے ہیں کہ ہماری تعداد پانچ ہزار ہے۔ دیکھو انگریزی ریویو آف ریلجنز مارچ 1935ء جس کے صفحہ 82 پر میاں صاحب نے کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ اقرار کیا ہے۔

> ''لاہور کی احمدیہ انجمن...... والے بڑی احمدیہ جماعت سے اس بات میں اختلاف رکھتے ہیں کہ وہ بانی احمدیت کو نبی نہیں مانتے۔ بلکہ آپ کو صرف ولی اور مجدد مانتے ہیں۔ وہ اس بات کو بھی درست نہیں سمجھتے کہ تحریک احمدیت کے بانی کے بعد خلفاء یا جانشینوں کا انتخاب کیا جائے۔ جیسے پیغمبر اسلام کے بعد خلفاء کا انتخاب ہوتا تھا۔ ان کی کل تعداد قریباً پانچ ہزار ہے۔''

یہ وہی کشف والا پانچ ہزار ہے اور یہ وہی فِئَۃٌ قَلِیْلَۃٌ ہے۔ جس کا فِئَۃٌ کَثِیْرَۃٌ پر غالب آنا پہلے سے حضرت مسیح موعود کو بتا دیا گیا تھا۔

سوم۔ آپ نے بیعت کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے:

> ''اسلام کا یہ منشاء ہے کہ باوجود اختلاف رکھنے کے انسان کو چاہیئے کہ وہ جماعت میں منسلک ہو کر رہے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا **اتبعوا السواد الاعظم** نیز فرمایا۔ **تلزم الجماعة**''

اس کا صاف منشاء تو سوائے اس کے کیا ہے کہ کثرت خواہ غلطی پر ہو، اس کے ساتھ رہنا چاہیئے اور اسی لئے قادیان کی کثرت کو غلطی پر مانتے ہوئے آپ اس کے ساتھ جا ملے۔ اگر اس کا یہی مطلب ہے تو پہلے آپ کو سواد اعظم کے ساتھ ملنا چاہئے۔ یعنی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ۔ بلکہ شائد آپ کے نزدیک حضرت مرزا صاحب نے غلطی کی جو اپنی جماعت کو الگ کیا۔ حالانکہ چاہیئے تھا کہ اختلاف کے باوجود کام دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کرتے۔ یہ علیحدہ جماعت بنانا اور علیحدہ کام کی بنیاد ڈالنا، حالانکہ آپ کے اور ہمارے نزدیک اختلاف بھی محض فروعی تھا، جائز نہ تھا۔ سواد اعظم جیسے

کیوں الگ ہوئے؟ اگر حضرت مرزا صاحب سواد اعظم سے الگ ایک جماعت بنانے اور اس طور پر کام پر لگانے میں راستی پر تھے تو ہم بھی قادیان کی جماعت کثیر سے الگ ہو کر جماعت بنانے اور اس کو علیحدہ طور پر کام پر لگانے میں راستی پر ہیں اور اگر ہم غلطی پر ہیں تو پھر حضرت مرزا صاحب بھی غلطی پر تھے۔ حضرت مرزا صاحب نے الگ جماعت کیوں بنائی۔ اس لئے کہ سواد اعظم ایک غلط رستہ پر پڑا ہوا تھا اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنا ناممکن تھا۔ ہم نے علیحدہ جماعت کیوں بنائی۔ اس لئے کہ قادیان کی جماعت کثیر ایک غلط راستہ پر پڑی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ مل کر وہ کام کرنا ناممکن تھا جس کے لئے حضرت مسیح موعود آئے تھے۔

اختلاف عقائد کو حقیر دکھانے کی افسوسناک کوشش: اب ذرا آپ غور فرمائیں کہ وہ اختلاف عقائد کیا ہے۔ آپ نے اس اختلاف کو حقیر دکھانے کی کوشش کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ وہ یعنی قادیانی جماعت ''غیر احمدی مسلمانوں کے متعلق کفر بمعنی منکر کا لفظ استعمال کرتی ہے'' آپ نے اس اختلاف کو اتنا ہلکا بنانے کی کوشش کی ہے کہ قادیانیوں کی وکالت کرتے کرتے ان کا اصل مذہب ہی بدل ڈالا

قادیان والوں کی پالیسی: اور قادیان والے بھی چونکہ جانتے ہیں کہ آپ ابھی نئے نئے ان میں ملے ہیں، اس لئے انہوں نے ''الفضل'' میں اس بات کو چھاپ دیا ہے اور اس کی تردید بھی نہیں کی۔ وہ شائد یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ چند روزہ بات ہے۔ تھوڑے دنوں میں آپ بھی ان ہزار ہا مریدوں کی طرح، جو مسلمانوں کو پہلے کافر نہ سمجھتے تھے۔ مگر اب مئے تکفیر سے سجادہ کو خوب رنگین کر چکے ہیں، انہی کے مسلک پر آجائیں گے اور تھوڑے دنوں میں آپ کو بھی چاروں طرف کلمہ گو کافر ہی کافر نظر آنے لگیں گے!

مسئلہ تکفیر کے متعلق قادیانیوں کا مسلک: ورنہ ان کا مسلک تو یہ نہیں ہے اور آپ اسے ایسا اچھا جانتے ہیں کہ مجھے یہ سطور آپ کے سامنے رکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے جو سینکڑوں دفعہ قادیانیوں کے سامنے آپ خود پیش کر چکے ہوں گے:

> ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں'' (آئینہ صداقت صفحہ 35)

ایک طرف ان الفاظ کو پڑھیئے اور دوسری طرف اپنی توجیہہ ''کافر بمعنی منکر'' کو پڑھئے اور خود ہی انصاف کیجئے کہ آپ کس طرح قادیانی دنیا کی آنکھوں میں مٹی ڈال گئے۔ یہ کتاب 1921ء کی لکھی ہوئی ہے۔ اس سے بہت پیشتر 1912ء میں جب خواجہ (کمال الدین) صاحب مرحوم نے یہ لکھ دیا تھا کہ میرا مرشد زادہ غیر احمدیوں پر کفر کا لفظ بمعنی انکار بالماموراستعمال کرتا ہے تو جناب میاں صاحب ایک لمحہ کے لئے اس توجیہہ کو برداشت نہ کر سکے تھے۔ مگر آج صرف اس لئے کہ ایک اچھا شکار ہاتھ میں آتا ہے، اپنے اخبار میں یہ توجیہہ چھاپ رہے ہیں جو ان کے مشتہرہ عقائد کو جڑ سے کاٹتی ہے، اور چھوٹے میاں صاحب نے تو اس پر بھی اکتفا نہیں کیا۔ وہ غیر احمدیوں کو عیسائیوں اور یہودیوں کے مقابل میں اکفر قرار دیتے ہیں۔

قادیانیوں کا عمل: اور یہ لفظوں پر کیا انحصار ہے۔ ذرا ان کے عمل پر نظر ڈالئے اور میں کیا عرض کروں۔ آپ ان سب باتوں کو جانتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ قادیانی غیر احمدی کے جنازہ کو قطعی ناجائز سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ میاں صاحب کے کھلے فتوے کی رو سے ایک غیر احمدی کے معصوم بچے کا جنازہ بھی ناجائز ہے اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ کیا تم ''ہندوؤں اور عیسائیوں کے بچوں کا جنازہ'' پڑھتے ہو۔

قادیان میں نئے دین کی بنیاد رکھی جا رہی ہے: آپ تو کہتے ہیں کہ آپ نے اختلاف عقیدہ رکھ کر بیعت کی ہے۔ مگر آج ہی کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھ کر دکھایئے تو معلوم ہو کہ آپ کی بیعت کیسی ہے۔ کوئی مضمون لکھ کر دکھایئے جس میں غیر احمدیوں کو مسلمان ثابت کیا گیا ہو تو میں بھی سمجھ لوں گا کہ فی الواقع یہ اجازت، کہ اختلاف عقیدہ رکھ کر بیعت کر لو، نیک نیتی پر مبنی ہے۔ میں پھر عرض کروں گا کہ آپ سو دفعہ کہیں کہ آپ نے اختلاف عقیدہ رکھ کر بیعت کی ہے۔ مگر یہ قادیان کی سیاست محض بھولے بھالے آدمیوں کو پھنسانے کے لئے ہے۔ عقیدہ قادیان کا ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ سوائے قادیانیوں کے روئے زمین پر کوئی کلمہ گو مسلمان نہیں اور نہ ہی آج روئے زمین پر کوئی شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو سکتا ہے اس لئے کلمہ منسوخ ہے۔ اور یہ ہے اس نئے دین کی بنیاد جو قادیان میں بنایا جا رہا ہے!

بیعت خلافت کے بعد آپ مکفر فوج کے سپاہی بنے ہیں: بیعت کر کے آپ بھی عملاً اسی عقیدہ کے مؤید ہیں۔ ممکن ہے آپ کے دل میں کچھ ہو۔ مگر آپ اس کا اظہار نہیں کر سکتے۔ اگر کہہ سکتے ہیں تو کر

کے دکھایئے۔ ورنہ آپ کا روپیہ اور آپ کی طاقت سب اسی نئے دین کے بنانے میں خرچ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ آپ ''تحریک جدید'' کے سپاہی کیا بنے ہیں۔ مکفر فوج کے سپاہی بنے ہیں۔ چاہیں آپ اگلی صف میں کھڑے ہو کر مسلمانوں پر تکفیر کی تلوار چلائیں یا مکفرین کے لئے رسد رسانی کا انتظام کریں۔ آپ کے دل میں خواہ کچھ ہو لیکن فی الحقیقت آپ مکفر فوج کے سپاہی ہیں۔

قسط سوم: مطبوعہ دراشاعت 17 مارچ 1940ء

مسلمانوں کو کافر بنانے والا مصلح موعود نہیں ہوسکتا ہے: پھر آپ نے اس اختلاف کو اتنا ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ وہ شخص جس کے ہاتھ پر آپ نے بیعت کی ہے۔ 1916ء میں مجھے یہ چیلنج دے چکا ہے کہ میں صرف ان لوگوں کو مسلمان کہنے کی وجہ سے، جن کو وہ کافر کہتا ہے، ان کے نزدیک کافر ہوں۔ حضرت مرزا صاحب نے بھی یہی فرمایا ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والے پر خود کفر پڑتا ہے اور یہ اس حدیث نبویؐ کی بنیاد پر ہے۔ جس میں یہ سخت زجر ہے کہ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کو، کسی کلمہ گو کو، اہل قبلہ کو کافر کہتا ہے وہ کفر الٹ کر اسی پر پڑتا ہے اور وہ کفر سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ **مَنْ كَفَرَ اَهْلَ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ فَهُوَ اِلَى الْكُفْرِ اَقْرَب**۔ اور آپ ارشاد نبویؐ کا صریح مقابلہ کرتے ہوئے ایسے شخص کو اپنا پیرومرشد بناتے ہیں خلیفہ بتاتے ہیں، مصلح موعود بناتے ہیں جو چالیس کروڑ اہل **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ** کو کافر ٹھہرا کر بروئے حدیث نبویؐ کفر سے قریب پہنچ گیا ہے۔ اگر روئے زمین کے کل مسلمانوں کو کافر کہنے والا اور اس طرح کلمہ کو منسوخ قرار دینے والا آپ کے نزدیک مصلح موعود ہے تو آپ ہی انصاف فرمائیں کہ دنیا میں کوئی مفسد بھی کہلا سکتا ہے۔ ہاں! اگر مسلمانوں کو کافر بنانے کے لئے کسی ''مصلح'' کی ضرورت تھی تو شائد کافروں کو مسلمان کرنے کے لئے کسی مفسد کی ضرورت ہوگی۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ مسلمانوں کو کافر بنانے والا ''مصلح'' اچھا ہے یا کافروں کو مسلمان بنانے والا ''مفسد''۔

اجرائے نبوت کے متعلق تفسیر ''حسن بیان'' کے چند حوالے: اس کے بعد نبوت کے مسئلے کے اختلاف کو لیجئے۔ یہاں بھی آپ نے وہی وطیرہ اختیار کیا ہے۔ یعنی آپ لوگوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ قادیان والوں کے عقیدہ میں اور آپ کے عقیدہ میں کچھ ایسا فرق نہیں۔ اس کے متعلق میں زیادہ کچھ نہیں کہتا صرف آپ کی تفسیر ''حسن بیان'' سے چند حوالے پیش کرتا ہوں:

''اس آیت ☆ سے ایک باطل پرست جماعت یہ استدلال کرتی ہے کہ کسی نبی کے بعد دوسرے نبی کے نہ آنے کا عقیدہ آل فرعون کا عقیدہ ہے۔ گویا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّن ماننا آل فرعون کی تقلید ہے۔ فَقَدْ جَآءُ وْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا'' 4:25۔مرتب (صفحہ 480)

''جدید شریعت کی ضرورت پیش آتی ہے۔تو شارع نبی مبعوث ہوتے ہیں۔جن کی نبوت حقیقی ہے اوراگر شریعت کے احکام میں کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں۔جو امت کے لئے مضر ہیں تو محدث بفتح دال یا مجدد کہو مبعوث ہوتے ہیں۔جن کو مجازاً نبی کہہ سکتے ہیں کہ ان میں الہام جو قوی شعبہ نبوت ہے پایا جاتا ہے''(صفحہ 162)

''رسول کے لفظ میں مجدد ہی شامل ہیں۔ جہاں کہیں اس سنت الٰہی کا ذکر آیا ہے۔ وہاں رسل کا لفظ آیا ہے نہ انبیاء کا۔ پس رسول دو قسم کے ہیں۔ایک وہ جو شریعت لاتے ہیں۔ان کو نبی کہتے ہیں اور ایک وہ جو شریعت سابقہ کی تجدید اور تعمیل کرانے کے لئے آتے ہیں،ان کو مجدد یا محدث (بفتح دال) کہتے ہیں اور ملہم (بفتح ہا) ہونے کی صفت میں انبیاء کے مثیل ہوتے ہیں''(صفحہ 8)

تفسیر ''حسن بیان'' میں قادیانیوں کے لئے ''مبطلین'' کا لفظ: پھر آیت وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) احمد کی تفسیر میں آپ نے میاں صاحب کے اس خیال کو، کہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا صاحب ہیں،''باطل'' قرار دیا ہے اور ان کو اور ان کے مریدوں کو پانچ جگہ لفظ ''مبطل'' سے یاد فرمایا ہے''مبطلین کو یہاں ماضی کا معنی مضارع لینا پڑتا ہے''۔''مبطلین کے نزدیک اسلام کی طرف بلانے والے غیر احمدی ہیں''۔''مبطلین اپنی تائید میں ایک اور وجہ بھی بیان کرتے ہیں''۔''مبطلین یہ سمجھتے ہیں''۔''باطل حق کے قالب میں کبھی ٹھیک نہیں بیٹھ سکتا''

صفائی کی دو صورتیں: اب آپ ساری عمر کی تحقیقات کو دریا برد کر کے جب مبطلین کے اندر شامل

☆لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا (المؤمن،33:40)

ہوئے اور ایک باطل پرست کو اپنا پیر و مرشد بنایا تو دریافت طلب یہ ہے کہ آپ نے ان کا عقیدہ اختیار کر لیا ہے یا انہوں نے آپ کا؟ اس کی صفائی کی صرف دو ہی صورتیں ہیں۔ یا آپ اعلان کر دیں کہ میں ان تحریروں کے لکھنے میں غلطی پر تھا۔ یا وہ اعلان کر دیں کہ انہوں نے اپنے پہلے عقیدہ کو تبدیل کر لیا ہے۔ تیسری صورت صرف یہ ہے کہ آپ اب بھی ان کے عقائد کو باطل ہی مانتے ہیں۔ مگر کسی خاص غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے اہل باطل کے ساتھ مل گئے ہیں اور ''گو باطل حق کے قالب میں ٹھیک نہیں بیٹھ سکتا''۔ مگر حق باطل کے قالب میں ٹھیکہ بیٹھ گیا ہے۔

چہارم۔ آپ نے پہلی اور سب سے بڑی وجہ بیعت یہ بیان کی ہے کہ انجمن کا نظام جو حضرت مسیح موعود نے قائم کیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف تھا اور خدا نے اسے مٹا دیا اور آپ کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت صاحب کے اپنے الہامات سے ثابت ہوتی ہے:

> ''اس عرصہ میں آپ کو انجمن کی نسبت جو الہام ہوا۔ وہ یہ تھا **انّاامتنا اربعة عشر دوا با ذالک بماعصوا و کانوا یَعْتَدُوْنَ** ''(الفضل 7 فروری)
>
> ''دوسرا الہام انجمن کے متعلق میرے خیال میں یہ تھا کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود سے فرماتا ہے۔ وہ کام جو تم نے کیا۔ خدا کی مرضی کے موافق نہیں ہوگا'' **انّا عفونا عنک** ''(الفضل 7 فروری)

آپ اگر اپنے پرانے مصلح موعود کا نیا رسالہ پڑھیں گے تو شائد دیکھ سکیں گے کہ اس طرح الہامات کو جس پر چاہیں لگا لینا کتنا آسان ہے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ آپ آج انجمن کے چودہ ممبروں کو دواب بنا رہے ہیں۔ اگر آپ قادیان تک تشریف نہ لے گئے ہوتے تو آج شیخ غلام محمد صاحب کی ہاں میں ہاں ملا کر کَلْبٌ یَمُوْتُ عَلٰی کَلْبٍ کا الہام میاں محمود احمد صاحب پر لگا رہے ہوتے۔ دو ماہ کی بات ہے آپ انہیں فرعون اور لَیَاْ کُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (34:9 مرتب) کا مصداق قرار دے رہے تھے۔

یہ استدلال نہایت کمزور اور خطرناک ہے: ڈوبتے کے لئے تنکے کا سہارا مشہور ہے۔ مگر آپ کا استدلال اس سے بھی کمزور ہے۔ آپ نے اتنا بھی غور نہ فرمایا کہ اگر **اربعة عشر دوابا** انجمن کے چودہ

ممبروں کے متعلق ہے تو ان چودہ میں آپ خود اور وہ بھی ہیں جنہیں آپ خلیفہ اور مصلح اور فخر رسل اور خدا جانے کیا کیا مانتے ہیں۔ ہمارے ساتھ رنجش میں، افسوس ہے کہ، آپ بہت دور نکل گئے اور حضرت مسیح موعود کی جماعت کا کچھ بھی باقی نہ رکھا۔ جس کے چودہ منتخب بزرگوں کو دواب بنا دیا۔ عصیان اور اعتداء کا مرتکب بنا دیا۔ غالی شیعوں نے تو اڑھائی مومن باقی رکھے تھے، آپ نے ایک بھی نہ چھوڑا۔ باقی رہا یہ کہ آپ نے جو لفظ لکھے ہیں ان میں چودہ ارکان نہیں لکھا۔ چودہ ارکان والی انجمن لکھا ہے۔ تو اول تو الہام کے لفظ لئے جائیں گے۔ اس میں چودہ دواب کا ذکر ہے۔ کسی انجمن کا نہیں۔ دوسرے پھر بات وہیں رہے گی۔ انجمن بذات خود کوئی چیز نہیں۔ اگر انجمن کا ذکر بھی ہوتا تو جس طرح جماعت کے عصیان سے مراد اس کے افراد کا عصیان ہوتا ہے انجمن کے عصیان اور اعتداء سے مراد اس کے افراد کا عصیان اور اعتداء ہوگا۔

قادیانی رنگ کے کرشمے: انجمن حضرت مسیح موعود نے بنائی۔ وصیت کی رو سے اس نظام کو قائم کیا۔ حالانکہ آپ کے نزدیک یہ خدا کے منشاء کے خلاف کام تھا۔ مگر اس کا علم مسیح موعود کو نہ دیا گیا جو مامور من اللہ تھے۔ بلکہ وہ انجمن اڑھائی سال آپ کی زندگی میں کام کرتی رہی۔ حضرت صاحب کی وفات کے قریب جب ''اہل بیت'' کے ایک بزرگ نے اس انجمن کے حکم کی خلاف ورزی کی تو اسے جھاڑ دیا اور یہ تحریر لکھ کر انجمن کے حوالے کر دی کہ انجمن کے فیصلہ کو میری زندگی میں بھی ماننا ہوگا اور ''میرے بعد ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا''۔ شائد یہ بھی قادیان کا رنگ ہے جو آپ پر چڑھ گیا۔ قادیان والے کہتے ہیں کہ خدا تو مرزا صاحب کو یہی کہتا تھا کہ تم نبی ہو مگر مرزا صاحب انکار کرتے چلے جاتے تھے اور مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے چلے جاتے تھے۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو انجمن کی نسبت الہام کیا تھا کہ اس کے چودہ ممبر چودہ دواب ہیں جو خدا کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں اور تمہارا انجمن بنانا خدا کی مرضی کے خلاف ہے اور ملہم کہتا ہے۔ ''انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے'' (الوصیت) اور میرے بعد ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا''۔ اور تعجب یہ ہے کہ یہ پتہ کب لگا کہ انجمن کے چودہ ممبر چودہ چارپائے ہیں۔ جو خدا کے نافرمان اور سرکش ہیں۔ جب ملہم کو فوت ہوئے بھی بتیس سال گزر چکے اور پتہ کس کو لگا؟ جو نہ ملہم ہے نہ مامور ہے۔ سبحان اللہ!

یہ الہام حضرت مسیح موعود کے مخالفین کے لئے ہے: کیا آپ کی رائے یا خیال کا اتنا بلند مرتبہ ہے کہ اس کے سامنے مسیح موعود کی صریح تحریریں اور کھلا کھلا عمل سب ہیچ ہیں۔ پھر تو آپ خیال کر لیں کہ حضرت مرزا صاحب مسیح موعود نہیں۔ جس طرح آپ نے مہدویت سے حضرت صاحب کو جواب دے دیا ہے تو بعید نہیں کہ قادیانی آپ کی بیعت کی خاطر یہ بھی اپنے اخبار میں شائع کر دیں۔ ان کو تو ایک آدمی چاہئے کہ مولوی سید محمد احسن نے جو زخم لگایا تھا اس پر مرہم لگ جائے۔ چاہے اس سے ان کا خلیفہ بھی دوآب میں داخل ہو جائے اور نافرمانی اور اعتداء کا مجرم بن جائے۔ مگر ان باتوں سے وہ مرہم نہیں لگ سکتی۔ کم سے کم ایک حصہ تو اس انجمن کے ممبران کا تو وہ ہے جس کی پاکیزگی کی الہام الٰہی نے صراحت سے شہادت دی۔ ''لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں'' انہی میں سے ایک آپ بھی تھے۔ اللہ کے فضل سے کیا بعید ہے کہ وہ پھر آپ کو ان پاک ممبروں میں واپس لے آئے۔ مگر جب ایک الہام میں صراحت موجود ہے کہ لاہور کی جماعت سے تعلق رکھنے والے پاک ممبر ہیں۔ تو ان پر تو چودہ دوآب کا الہام کسی صورت میں نہیں لگ سکتا۔ ہاں انجمن کو میاں محمود احمد کے سپرد کر دینے کے بعد جو ممبر وہاں رہ گئے ہوں، ان کو جو آپ چاہیں کہہ لیں۔ کیونکہ اس وقت انجمن مر چکی تھی۔ مگر میں یہ بھی نہیں کہتا۔ کیونکہ میں تو جانتا ہوں کہ یہ ان مخالفین کے متعلق الہام ہے جنہوں نے حضرت مسیح موعود کا فر اور دجال ٹھہرانے میں نہ عقل وفکر سے کام لیا نہ تقویٰ سے۔ اس لئے الہام الٰہی میں انہیں دوآب کہا گیا۔

مولوی صاحب کی خدمت میں مخلصانہ درخواست: آپ نے بارہا اس بات پر زور دیا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی وصیت ہے کہ سب مل کر کام کرو۔ مگر تعجب یہ ہے کہ آپ مل کر کام کرنے کی صورت کو تو خدا کے منشاء کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ مل کر کام کرنے کی صورت تو حضرت مسیح موعود کے نزدیک انجمن ہی تھی۔ چنانچہ مل کر کام کرنے کی ہدایت کے ساتھ ہی آپ نے فوراً انجمن بنا دی اور اس کے ممبر خود منتخب فرمائے اور اسے اپنا جانشین قرار دیا۔ اسے آپ نے خلاف منشائے الٰہی قرار دے کہ خود ہی اس حکم کی تنسیخ کر دی۔ ہم تو آج تک اسی حکم کے ماتحت اپنے کاروبار کو چلا رہے ہیں اور اس بات کے تو آپ بھی قائل ہیں کہ قادیان والوں کے اور خود میاں صاحب کے عقائد باطل ہیں۔ ان کو آپ باطل پرست بھی قرار دیتے ہیں اور پھر ہمیں یہ کہتے ہیں کہ حق کو چھوڑ دو اور باطل پرستوں کے ساتھ مل جاؤ۔ مل کر کام

کرنے کی ہدایت نہایت قیمتی ہے۔ مگر اس کا منشاء یہ امکانی طور پر نہیں ہوسکتا کہ اہل حق، حق کو چھوڑ کر مبطلین کے ساتھ مل جائیں۔ بلکہ اس کا منشاء تو صاف ہے کہ مبطلین باطل کو چھوڑ کر اہل حق کے ساتھ مل جائیں۔ اور آپ کا دامن بھی چونکہ اس باطل سے قدرے ملوث ہو گیا ہے اس لئے آپ بھی اس کو چھوڑ کر اہل حق کے ساتھ مل جائیں اور چھوٹی چھوٹی رنجشوں سے خدا کے دین کو نقصان نہ پہنچائیں۔ مل کر کام کرنے کی جو صورت حضرت مسیح موعود نے بتائی تھی وہ یہاں موجود۔ حضرت مسیح موعود کے عقائد صحیحہ یہاں موجود۔ خدا کے فضل سے وہ علم یہاں موجود۔ جو حضرت مسیح موعود لائے تھے۔ اور قرآن کو دنیا میں پہنچانے کا کام یہاں موجود۔ یہ چار چیزیں جہاں ہوں گی، عنداللہ وہی مرکز ہوگا۔ آپ میں اور قادیان میں اختلاف عقائد ہے، اختلاف مسائل نہیں۔ آپ کے نزدیک مرزا صاحب مومن بہ نہیں "اگر مسلمانوں میں مومن بہ مبعوث ہوتے تو ان میں سے لاکھوں کافر ہو کر مرتے" (حسن بیان صفحہ 69) قادیانیوں کے نزدیک حضرت مرزا صاحب مومن بہٖ ہیں۔ پس یہ اصولی اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک ایک نبی آ گیا۔ جس پر ایمان لائے بغیر انسان مسلمان نہیں ہوتا۔ آپ اس نئے دین کے مؤید نہ بنیں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

24 فروری 1940ء

8مارچ1940ء
مکتوب امیر

احباب جماعت کے لئے چار خوشخبریاں اور چند ضروری باتیں

برادران محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے ایک مختصر سا دورہ سال گذشتہ اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں کیا تھا۔ جس میں احباب جماعت کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ ان کا ماہوار چندہ ایک نظام کے ماتحت اپنی اپنی حیثیت کے مطابق یکساں ہونا چاہئے اور وہ شرح ایک آنہ فی روپیہ آمدنی کا حصہ ہے۔ یا پچاس سے کم آمدنی والے احباب کی صورت میں تین پیسے فی روپیہ۔ مجھے اس بات سے **پہلی خوشی** تو یہی بہت تھی کہ جن احباب کے پاس میں گیا، انہوں نے عام طور پر میری آواز پر خوشی سے لبیک کہا اور اس کا اظہار میں وقتاً فوقتاً اخبار میں بھی کرتا رہا۔ لیکن ابھی یہ امر دیکھنے کے قابل تھا کہ آیا عملی رنگ میں یہ وعدے پورے بھی ہوتے ہیں یا نہ۔ سو آج میں خدا کے فضل سے یہ **دوسری خوشخبری** آپ کو سنانے کے قابل ہوں کہ جن احباب نے وعدے کئے تھے وہ عام طور پر ان کا ایفاء بھی کر رہے ہیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا ماہوار چندہ جو پہلے اوسطاً سترہ اٹھارہ سو روپے ماہوار ہوتا تھا۔ گذشتہ چار ماہ میں یعنی یکم نومبر سے آخر فروری تک اوسطاً اڑھائی ہزار روپے ماہوار سے اوپر ہو گیا۔ فالحمدللہ۔

اس کے ساتھ ہی میں دیکھتا ہوں کہ عموماً احباب میں مالی قربانیوں کے لئے ایک نئی روح پیدا ہو رہی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ گذشتہ مالی سال کے آخر پر سترہ ہزار روپے کے بل قابل ادائیگی تھے اور جو انجمن کے ذمہ ایک قرضہ تھا۔ فروری کے آخر تک وہ کل کے کل اور ان کے ساتھ ہی نومبر، دسمبر اور جنوری کے بل بھی ادا ہو چکے ہیں۔ اور یوں احباب کے اس ایثار سے انجمن کے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ گو اس کو اتارنے کے لئے تین چار ہزار روپے قرضہ حسنہ کے رنگ میں بھی بعض احباب سے لینے پڑے ہیں۔ اور یہ اللہ کے فضل سے ہماری جماعت کے لئے **تیسری خوشخبری** ہے۔

اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی خوشی ہے کہ جماعت کے اندر جدوجہد اور کام کے لئے ایک نئی حرکت اور جماعت کی توسیع کے لئے سرگرمی پیدا ہو گئی ہے۔ گو اس میں شک نہیں کہ ابھی کثیر حصہ احباب

نے اس طرف توجہ نہیں کی۔اور بہت تھوڑے حصہ نے شائد بمشکل دسویں حصہ نے توجہ کی ہوگی۔لیکن پھر بھی جماعت کی ترقی کی رفتار بہت دل خوش کن ہے اوراس رنگ میں یہ ایک **چوتھی خوشخبری** جماعت کے لئے ہے کہ کئی ایک احباب جو قادیانی جماعت میں شامل تھے۔وہ ادھر سے فسخ بیعت کر کے ادھر شامل ہو رہے ہیں۔جن کے اعلان وقتاً فوقتاً آپ کی نظروں سے گزرتے رہتے ہیں۔قادیانی جماعت کے کثیر حصہ کو ابھی تک ہمارے متعلق ایک غلط فہمی میں رکھا گیا ہے اور ہمارے عظیم الشان خدمت اسلام کے کام کو دن رات قادیانی اخبارات ایک فتنہ قرار دے کر ہمارے ساتھ متنفر پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔یہ پروپاگنڈا ہماری طرف سے ایک زبردست کوشش چاہتا ہے کہ ہم قادیانی جماعت کو اس حقیقت سے آگاہ کریں۔یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ ہماری اتنی تھوڑی سی حرکت پر اس کے اتنے بڑے انعامات نازل ہورہے ہیں۔مگر یہ اس کا احسان لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ (7:14) کے اٹل قانون کے ماتحت یہ چاہتا ہے کہ اس کے احسانات کو اور زیادہ جذب کرنے کے لئے ہم بھی اپنے قدم کو تیز کریں اور جو احباب اس وقت تک ہشیار نہیں ہوئے وہ بھی ہشیار ہو جائیں۔اس کے لئے میں ذیل کے چند امور کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔

اول۔ جماعت کے اندر ایک فرد بھی ایسا نہ ہونا چاہیئے جو اپنا چندہ شرح مقررہ سے کم ادا کرے۔یعنی کم سے کم چندہ ماہوار، جو ہر دوست کو اپنے اوپر لازم کر لینا چاہیئے، وہ ایک آنہ فی روپیہ یا تھوڑی آمدنی والے احباب کی صورت میں تین پیسے فی روپیہ سے کم نہ ہو۔اگر ساری جماعت اس پر عامل ہو جائے تو ہمارا صرف ماہوار چندہ چار ہزار روپے ماہوار سے کسی صورت میں کم نہیں رہ سکتا۔

دوم۔تمام دوست اس بات کو اپنے اوپر لازم کر لیں کہ چندہ ماہوار اگر کوئی ان سے وصول نہ بھی کرنے والا ہو تو اس کو آمدنی کے ہاتھ میں آتے ہی الگ کر دیں اور اپنی طرف بقایا کسی صورت میں نہ ہونے دیں۔

سوم۔اس وقت تک جو کمی ہماری آمد میں بمقابلہ اخراجات کے ہے اس کو پورا کرنے کے لئے میں نے جلسہ سالانہ پر اپیل کی تھی اور جو اصحاب سالانہ جلسہ میں شامل نہیں ہوئے۔ان سے بعد میں تحریراً اپیل کی تھی۔جلسہ سالانہ پر جو دوست شامل تھے ان میں سے تو شاذ و نادر ہی کوئی دوست رہ

گئے ہوں گے جنہوں نے کوئی عطیہ نہ دیا ہو۔ مگر جن احباب کو بعد میں اپیل کی گئی تھی ان میں سے ابھی بہت سے احباب باقی ہیں۔ وہ جلد تر اس کی طرف توجہ فرمائیں۔

چہارم۔ تمام دوست جس نعمت سے خود فائدہ اٹھا رہے ہیں اسے دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں اور اس نعمت کے پہنچانے میں قادیانی جماعت کو نظر انداز نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان میں سے بہت آدمیوں کو پیر پرستی اور تکفیر مسلمین کی لعنت سے نجات دے کر ہمارے ساتھ ملا دے گا۔ یہ تو فرداً فرداً احباب سے درخواست ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں سب جماعتوں کو ایک نہایت ضروری امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مارچ، اپریل، مئی ان تین ماہ کے اندر اندر سب جماعتوں میں جلسے ہونے چاہئیں۔ اس کے متعلق سکرٹری صاحب نے بھی اخبار میں اعلان کیا ہے اور جماعتوں کو خطوط بھی لکھے گئے ہیں۔ بعض جماعتوں نے سالہا سال سے اس ضروری کام کی طرف توجہ نہیں کی۔ لیکن اس وقت، جب جماعت میں اللہ کے فضل سے ایک زبردست حرکت پیدا ہو رہی ہے، ہر جماعت کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ وہ مرکز سے مبلغین کو بلا کر ناواقف لوگوں تک اس پیغام کو پہنچا دے۔ جلسہ کے انتظام کے لئے کسی بڑے خرچ کی ضرورت نہیں۔ اور ایک ایک دو دو لیکچر بھی کافی ہیں۔ ہر ایک شہر میں ہی نہیں بلکہ ہر گاؤں میں بھی جہاں جہاں ہماری جماعت کا کوئی آدمی ہے جلسے ہونے چاہئیں۔ خاکسار محمد علی

ایک مبارک تقریب: (26 مارچ 1940ء) 24 مارچ کی سہ پہر کو حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی عزیزہ محترمہ زکیہ نوشین صاحبہ۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی کا عقد پانچ ہزار روپے مہر پر جناب شیخ ایزد بخش صاحب بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل پشاور (خلف الرشید جناب شیخ خدا بخش صاحب مرحوم ومغفور) سے ہوا۔ خطبہ نکاح جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے پڑھا۔ جناب شیخ ایزد بخش صاحب سے اکثر احباب واقف ہوں گے۔ کیونکہ آپ عرصہ تک لاہور میں مقیم رہ چکے ہیں۔ کچھ عرصہ تک آپ انجمن کے اسسٹنٹ سکرٹری اور اخبار ''لائٹ'' کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ نہایت شریف الطبع با اخلاق اور سعید الفطرت نوجوان ہیں۔

یہ تقریب مسلم ٹاؤن میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے دولت کدہ پر ہی منعقد ہوئی۔ چار

بجے کے قریب جناب ڈاکٹر صاحب نے خطبہ نکاح پڑھا جو نہایت پُر معارف تھا۔ ممدوح نے مؤثر انداز میں اسلام، قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احسانات کو بیان کیا جو صنف نازک پر کئے گئے ہیں۔ نیز مرد اور عورت کے تعلقات کی نزاکت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن کے ان پر حکمت قوانین واحکام اور حضرت نبی کریمؐ کے پاکیزہ عمل کو پیش کیا جن سے ازدواجی زندگی بہشت کا نمونہ بن سکتی ہے۔ اعلان نکاح ودعا کے بعد مہمانوں کی تواضع چائے اور کیک پیسٹری وغیرہ سے کی گئی۔ چائے اور نشست کا انتظام نہایت معقول اور صاف ستھرا تھا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس رشتہ کو فریقین کے لئے باعث برکت بنائے۔ آمین ثم آمین

❁❁❁

3 اپریل 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

مولوی غلام حسن خان صاحب کی نگارش

مکرم معظم مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا مضمون 16 مارچ کے ''الفضل'' میں دیکھا۔ میں پھر عرض کروں گا کہ آپ نے میری معروضات پر توجہ نہیں فرمائی۔

اول۔ آپ ناراض ہوتے ہیں کہ میں تغیر کی بنا پر آپ پر اعتراض کیوں کرتا ہوں۔ حالانکہ میں نے تغیر کی وجوہات دریافت کی تھیں۔ اور دلائل ہم اس لئے بھی دریافت کرتے ہیں کہ آپ ہمیں بھی اس جدید مذہب کی دعوت دیتے ہیں۔ میرا سوال صاف الفاظ میں ''گزارش'' کے صفحہ 3 پر لکھا ہوا موجود ہے:

> ''حضرت مسیح موعود کے بعد بیعت خلافت جو آپ کی تحقیقات میں گناہ کبیرہ تھی اب کن دلائل سے وہ صرف گناہ کبیرہ ہی نہیں بلکہ ایسا فرض اولین بن گئی ہے کہ اس کے نہ کرنے والے فاسق اور ان کی خدمت دین کے کام مردود ہیں''

ظاہر ہے کہ سوال یہ تھا کہ آپ کی تحقیقات میں پہلے حضرت مسیح موعود کے بعد خلافت کا سلسلہ نہ چلتا تھا اس لئے کسی کو خلیفہ بنا کر اس کی بیعت کرنا گناہ کبیرہ تھا۔ اور اب آپ نہ صرف ایک خلیفہ بناتے ہیں بلکہ اس کی بیعت کرنے کو ایسا ضروری قرار دیتے ہیں کہ جو بیعت نہ کریں وہ فاسق ہیں اور اگر وہ خدمت دین کا کوئی کام کریں تو وہ بھی مردود ہے۔ تو میں نے اس کی دلائل دریافت کی تھیں کہ کن دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود کے بعد اب خلفاء کا ایک ایسا سلسلہ چلے گا جن کی بیعت نہ کرنے والے فاسق ہوں گے۔

دلائل پیش کرنے کی بجائے ہماری مفروضہ غلطیوں کا شمار: اس کا جواب دینے کی بجائے کہ وہ دلائل کیا ہیں آپ نے ہماری مفروضہ غلطیاں گننی شروع کر دیں۔ پہلی غلطی یہ کہ ہم نے حضرت مولانا نورالدین صاحب کی بیعت کی۔ دوسری یہ کہ اس فعل کو الوصیت کے مطابق قرار دیا۔ تیسری یہ کہ

میاں محمود احمد کی بیعت نہ کی۔

لیکن اگر یہ غلطیاں خلافت کی دلیل ہیں تو یہ خلافت کی بھی کوئی نئی قسم ہے۔ کیونکہ ایسی خلافت آج تک اسلامی دنیا میں قائم نہ ہوئی تھی جس کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہونے کی بجائے چند انسانوں کی غلطیوں پر ہو۔ یہ طریق قادیان کے پیشہ ور مناظرین کا تو ضرور ہے۔ لیکن آپ جیسے عالم قرآن سے اس کی توقع نہ تھی۔ خلافت کے دلائل، چاہئے تو یہ تھا کہ، آپ قرآن کریم سے دیتے، حدیث شریف سے دیتے اور پھر بالآخر حضرت مسیح موعود کی تحریرات کو بھی تائید میں پیش کرتے۔ ایسی کوئی دلیل تو آپ نے دی نہیں۔ صرف ہماری چند غلطیاں گن دینے کو خلافت کے دلائل تصور فرما لیا ہے۔

مکرر گذارش۔ قرآن وحدیث سے دلائل پیش کیجئے: اس لئے اب پھر دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ آپ کی تحقیقات میں مسیح موعود کے بعد ایک سلسلہ خلفاء کا ہونا خلاف قرآن وحدیث وخلاف تحریرات حضرت مسیح موعود تھا۔ اور انہی دلائل کی بنا پر آپ نے حضرت مولوی صاحب کی اور پھر میاں محمود احمد صاحب کی بیعت سے انکار کیا تھا۔ تو اب کونسی آیت قرآنی مل گئی ہے یا کونسی حدیث کی سند مل گئی ہے یا حضرت مسیح موعود کی کونسی تحریر مل گئی ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ مسیح موعود کے بعد ایسا خلفاء کا سلسلہ ہوگا جن کی بیعت نہ کرنے والے فاسق ہوں گے۔

مولوی صاحب کے ارشادات کے متعلق چند گذارشات: یہ درست ہے کہ آپ نے ہماری غلطیاں گننے کے بعد بھی یہ لکھ دیا ہے کہ ''مستقل روحانی خلافت کا سلسلہ بند ہے۔ مگر تابع خلفاء کا سلسلہ بند نہیں'' اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ''انتظامی اور سیاسی رنگ میں تو خلافت کا سلسلہ کبھی بھی بند نہیں ہوسکتا'' مگر یہاں پر کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔

1۔ آپ کی ذاتی رائے دلیل نہیں ہوسکتی: کیا صرف آپ کا کہہ دینا کافی ہے اور دلیل اسی کو کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہہ دے کہ میری رائے میں یہ یوں ہے اور یوں نہیں۔ جن ''تابع خلفاء'' کے دامن کے نیچے آپ پناہ ڈھونڈھ رہے ہیں کیا ان کا ذکر کہیں قرآن میں یا حدیث میں یا حضرت مسیح موعود کی تحریرات میں ہے۔ دلیل تو وہ ہوگی جو آپ قرآن کریم کی آیت سے پیش کریں یا حدیث صحیح پیش کریں یا بالآخر حضرت مسیح موعود کی کوئی تحریر پیش کریں۔ تو آپ کا یہ کہہ دینا کہ ''تابع خلفاء کا سلسلہ بند نہیں'' اسی پہلے

دعوے کا اعادہ ہے یہ کوئی دلیل نہیں۔ دلیل یوں ہوگی کہ جس طرح قرآن کریم **لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِي الۡاَرۡضِ** (55:24) میں اسلامی دنیوی بادشاہت یا روحانی بادشاہت یعنی مجددین کے آنے کا وعدہ ہے یا جس طرح حدیث میں مجددین کے آنے کا وعدہ ہے اسی طرح مجددین کے خلفاء کا سلسلہ قائم کرنے کا بھی کوئی وعدہ قرآن یا حدیث سے دکھایا جائے یا جس طرح حضرت مسیح موعود نے اپنے آپ کو خلیفہ کہا ہے اسی طرح کہیں یہ بھی فرمایا ہو کہ میرے بعد میرے خلفاء کا سلسلہ چلے گا اور وہ ''تابع خلفاء'' ہوں گے۔ یا یہی فرمایا ہو کہ میرے بعد روحانی خلفاء تو نہیں ہوں گے۔ لیکن انتظامی اور سیاسی رنگ میں خلفاء کا سلسلہ ہوگا۔ آپ نے تو اس بارے میں اگر کچھ فرمایا تو وہ صرف اسی قدر ہے کہ میں خدا کا مقرر کردہ خلیفہ ہوں اور میری جانشین انجمن ہے۔ سو مہربانی کر کے اپنے دعوے کی دلیل پیش فرمائیں۔ سند قرآن وحدیث کی ہو یا حضرت مسیح موعود کی تحریرات کی۔

2۔ تابع خلفاء کا سلسلہ تک چلے گا؟: یہ تابع خلفاء کا سلسلہ کب تک چلے گا۔ یعنی کیا اب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا سلسلہ بند ہوگیا اور قیامت تک مسیح موعود کے خلفاء کا سلسلہ چلے گا یا دونوں قسم کے خلفاء آتے رہیں گے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کا سلسلہ بھی جاری رہے گا اور مسیح موعود کے خلفاء کا سلسلہ بھی اور اس کی دلائل کیا ہیں؟!

3۔ کیا ''تابع خلفاء'' کی بیعت نہ کرنے والے فاسق ہوں گے؟: کیا تابع خلفاء کی بیعت نہ کرنے والے فاسق ہوں گے۔ اس کا کوئی پتہ قرآن شریف سے یا حدیث سے یا حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے ملتا ہے یا اس کا نشان صرف اس نئے مذہب میں ہی ملتا ہے جو قادیان میں بنایا جا رہا ہے۔

4۔ انتظامی اور سیاسی خلافت کے متعلق ضروری سوال: اگر انتظامی اور سیاسی رنگ میں خلافت کا سلسلہ کبھی بند نہیں ہوسکتا تو کیا جہاں جہاں بھی مسلمانوں میں کوئی انتظامی کام ہوگا اس کے ساتھ ایک خلافت کا سلسلہ بھی ہوگا۔ یا جہاں جہاں اسلامی بادشاہت ہوگی وہاں اس کے ساتھ ساتھ ایک خلافت کا سلسلہ بھی ہوگا۔ اور جو لوگ ان خلفاء کی، جو دنیا میں ہر وقت شائد ہزاروں نہیں تو سینکڑوں کی تعداد میں تو ضرور ہوں گے، بیعت نہ کریں گے وہ بھی فاسق ہی ہوں گے۔ آپ چونکہ ہمیں بھی بیعت کے لئے بلاتے ہیں اس لئے ہم آپ سے دلائل دریافت کرتے ہیں اور آپ کا فرض ہے کہ دلائل پیش کریں۔

دوم۔ دوسرا سوال مصلح موعود کے متعلق تھا۔ اس کو بھی آپ نے صاف نہیں کیا۔ بلکہ جس طرح میاں صاحب خود اسے گول مول رکھنا چاہتے ہیں آپ نے بھی اسے گول مول رکھا ہے۔

میاں صاحب کی منطق: میاں صاحب کی منطق تو یہ ہے کہ جس طرح ریل کے متعلق بعض پیشگوئیاں ہیں اور وہ یقیناً پوری ہوگئی ہیں مگر ریل دعویٰ نہیں کرتی کہ میں ریل ہوں یا جس طرح دجال کے متعلق بعض پیشگوئیاں ہیں اور وہ پوری ہو چکی ہیں۔ مگر دجال خود یہ نہیں کہتا کہ میں دجال ہوں اسی طرح ان کے مصلح موعود ہونے کے متعلق پیشگوئیاں ہیں جو پوری ہوگئی ہیں۔ مگر وہ خود کبھی یہ نہ کہیں گے کہ میں مصلح موعود ہوں۔ کیونکہ نہ ریل ایسا کہتی ہے نہ دجال ایسا کہتا ہے۔ یہ میں نہیں کہتا بلکہ خود میاں صاحب نے اس خطبہ میں یہ مثالیں بیان کی ہیں۔ جو سچ بولنے پر آپ نے ''الفضل'' 23 مارچ میں ارشاد فرمایا ہے۔

ایک قابل غور امر: مگر یہ غور نہ کیا کہ خر دجال اگر یہ نہیں کہتا کہ میں خر دجال ہوں اور دجال اگر یہ نہیں کہتا کہ میں دجال ہوں تو وہ یہ بھی تو نہیں کہتے کہ ہمارے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں پوری ہوگئی ہیں۔ مگر جناب میاں صاحب ایک طرف تو یہ کہتے چلے جاتے ہیں کہ مصلح موعود کی پیشگوئیاں میرے حق میں پوری ہوگئی ہیں اور دوسری طرف یہ کہتے جاتے ہیں کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں مصلح موعود ہوں۔ یا تو خر دجال اور دجال کی طرح بالکل خاموش رہتے اور کچھ نہ بولتے۔ مگر یہ عجیب منطق ہے کہ یہ تو کہہ دیتے ہیں کہ مصلح موعود کی پیشگوئیاں میرے حق میں پوری ہوگئیں اور اس وقت خر دجال اور دجال کو بھول جاتے ہیں اور جب دعویٰ کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ جس طرح خر دجال اور دجال نے دعویٰ نہیں کیا میں بھی نہیں کرتا۔ دعویٰ کرنے کا مطلب تو صرف اس قدر ہوتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں یقیناً ایسا ہوں۔ پس جو دعویٰ نہیں کرتا اُسے خود گویا شک ہے۔ تو دوسروں کو وہ کیوں یہ کہتا ہے کہ مجھے ایسا مان لو۔

اسی کے متعلق میرا دوسرا سوال یہ تھا کہ آپ کے نزدیک کلمہ گو مسلمان ہیں اور میاں صاحب کے نزدیک وہ سب کے سب کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، سوائے ان کے چند مریدوں کے۔ تو کیا حدیث میں اس وعید کے ہوتے ہوئے کہ جو اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے وہ کفر

اسی پر الٹ کر پڑتا ہے۔ کیا ایسا شخص جو چالیس کروڑ مسلمانوں کو۔ ہاں! ان مسلمانوں کو بھی جو مسیح موعود کے نام سے بھی بے خبر ہیں، کافر قرار دیتا ہے، مصلح موعود ہو سکتا ہے؟!

ان دونوں سوالوں کے جواب میں آپ نے قطعاً خاموشی اختیار کی ہے۔ جب آپ نے قلم اٹھانے کی تکلیف کی تھی اور آپ ہمیں بھی اپنے نئے مسلک کی طرف بلا رہے ہیں تو ان امور کو تو کم سے کم ہمیں سمجھا دیں کہ میاں صاحب مصلح موعود ہونے کے باوجود یہ کیوں نہیں کہتے کہ میں یقیناً مصلح موعود ہوں۔ اور میرا دعویٰ ہے کہ میں مصلح موعود ہوں۔ یا اس کا کیا حل ہے کہ ایک مسلمان کو کافر کہنے والا تو اتنا بڑا مفسد ہے کہ کفر کو الٹا کر اس پر ڈالا جاتا ہے اور چالیس کروڑ مسلمانوں کو ہاں! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت کو کافر قرار دینے والا مصلح موعود ہے!

سوم۔ میرا تیسرا سوال یہ تھا کہ آپ اب تک یہ کہتے ہیں کہ میں کلمہ گوؤں کو کافر نہیں کہتا۔ حضرت مرزا صاحب کو مومن بہ نہیں مانتا۔ لیکن دوسری طرف آپ اس مکفر فوج کے سپاہی بھرتی ہوتے ہیں جو روئے زمین کے کل مسلمانوں کو کافر قرار دیتی ہے۔ آنحضرتؐ کے بعد حضرت مرزا صاحب پر ایمان لانا اسی طرح ضروری قرار دیتی ہے جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے بعد آنحضرتؐ پر اور جو نہ مانے وہ کافر بلکہ اکفر ہے۔ کلمہ کو منسوخ قرار دیتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اب کوئی شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہو سکتا اور یوں ایک نئے دین کی بنیاد رکھی ہے۔ اور پھر آپ ہمیں بھی دعوت دیتے ہیں کہ ہم بھی اس مکفر فوج کے سپاہی بن جائیں اور دین محمدؐ کی جڑ پر کلہاڑا چلائیں۔ اس پر کچھ روشنی ڈالیں مگر آپ نے اس بارے میں بالکل چپ سادھ لی ہے!

چہارم۔ میں نے آپ کے سامنے حضرت مسیح موعود کی کھلی تحریرات اور آپ کا عمل پیش کیا تھا کہ آپ نے اپنی وصیت کی رو سے اپنی وفات کے بعد سلسلہ کے انتظام کو ایک انجمن کے سپرد کیا تھا اور اڑھائی سال تک اپنی زندگی میں اس نظام کو اپنے سامنے چلوایا اور صریح طور پر انجمن کو اپنا جانشین ٹھہرایا۔

''انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے''

''میرے بعد ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا''

حضرت مسیح موعود کی وصیت، عمل اور رائے کی تحقیر: آپ اس وصیت کو بدلتے ہیں اور حضرت

صاحب کی کھلی تحریروں کو اور آپ کے اڑھائی سالہ عمل کو اور آپ کی وصیت کو رد کرتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ایک منذر الہام جو مخالفین کے متعلق تھا آپ نے غیظ میں آ خر اسے اس انجمن کے ممبروں پر لگا دیا اور یہ بات محض اپنے قیاس کی۔ بناء پر کی حضرت صاحب کی کوئی سند آپ کے ہاتھ میں نہ تھی اور اب یہاں تک آپ اس خیال کی پیروی میں دور نکل گئے ہیں کہ جب آپ کے سامنے حضرت مسیح موعود کی اپنی تحریر بھی پیش کی گئی کہ آپ نے خود اس الہام کو مخالفین سلسلہ پر لگایا ہے تو آپ نے اس تحریر پر بھی اپنی رائے کو ہی مقدم کیا اور حضرت مسیح موعود کی رائے کو پیروں تلے مسل دیا۔ یہ لکھ کر کہ ''بعض اوقات اصل حقیقت ملہم پر بھی مستور رہتی ہے''۔ مگر کیا اس الہام کی حقیقت ملہم پر مستور رہی یا آپ محض **اعجاب کل ذی رای رایه** کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ حقیقت کا مستور رہنا یہ ہوتا ہے کہ اس کی طرف توجہ نہ جائے لیکن جب آپ نے واضح الفاظ میں اس الہام کے مصداق، جو لوگ تھے، ان کا نام بھی لے دیا تو کیا یہ تقوٰی کی راہ ہے کہ آپ اپنی رائے پر یہاں تک اڑے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کی توجیہہ کی بھی پروا نہیں کرتے۔

عجیب وغریب منطق: پھر آپ کی منطق بھی عجیب ہے۔ آپ کے نزدیک حضرت مسیح موعود نے انجمن بنائی۔ وہ خدا کے منشاء کے خلاف کام تھا۔ پھر ہم نے حضرت مسیح موعود کی وفات پر آپ کی رائے میں اس انجمن کو توڑ دیا۔ وہ بھی خدا کے منشاء کے خلاف تھا۔ عصیاں واعتداء تھا۔ یہ عجیب معاملہ ہے۔ ایک بات کا اقرار بھی عصیاں، اس کا انکار بھی عصیاں۔ تو اب صورت یہ ہوئی کہ انجمن کا بنانا بھی خدا کی منشاء کے خلاف اور اس کا توڑنا بھی خدا کی منشاء کے خلاف، تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کہتا کہ اے میرے مامور! تو نے انجمن تو میرے منشاء کے خلاف بنائی ہے مگر اب میں اپنی رضا پر تیری رضا کو مقدم کرتا ہوں جس طرح مرید مرشد کی رضا کو مقدم کر لیتا ہے۔ اب جو کوئی اسے توڑے گا میں اسے توڑ دوں گا؟ اور یہ آپ کی بیعت خلافت کی بنیاد ہے۔ اس مشکل کو بھی آپ ہی حل کر سکتے ہیں کہ اگر انجمن کا بنانا خلاف منشاء الٰہی تھا تو اس کا توڑنا تو ثواب کا کام ہونا چاہئے تھا۔ وہ عصیان اور اعتداء کیونکر ہوا۔ اور الہام کہتا ہے کہ وہ عصیان اور اعتدا تھا۔

عدم تدبر کا افسوسناک مظاہرہ: افسوس یہ ہے کہ آپ نے الہام تو اٹھا کر انجمن کے چودہ ممبروں پر لگا

دیا اور کبھی اس کے لفظوں پر غور نہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انجمن سے آپ کے دل میں ایک کینہ پیدا ہو گیا تھا۔ کسی نے آپ کو حضرت مسیح موعود کا یہ الہام بتا دیا اور آپ صرف چودہ کا لفظ دیکھ کر خوش ہو گئے اور قادیان کی تیاری کر لی کہ چلو اس الہام سے انجمن کو مار لیں۔ گو مشت خاک ما ہم بر باد رستہ باشد۔ خواہ اس زد میں آپ خود بھی آ جائیں اور مسیح موعود کا پہلا ''خلیفہ'' اور دوسرا ''خلیفہ'' بھی دونوں آ جائیں۔ آپ نے الہام کے الفاظ پر غور نہ کیا کہ اس میں انجمن پر موت وارد کرنے کا ذکر نہیں، چودہ آدمیوں پر موت وارد کرنے کا ذکر ہے۔ اور پورے چودہ پر اور ان چودہ میں سے ایک بھی باہر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اِنَّـا اَمَتْنَا اَرْبَعَةَ عَشَرَ دَوَابًا لفظ وہاں موجود ہے۔ ہم نے چودہ جانوروں کو مار دیا۔ جب تک چودہ نہ مریں الہام پورا نہیں ہوتا اور یہ موت ان پر کیوں وارد کی گئی۔ اس لئے کہ وہ چودہ کے چودہ آپ کی تشریح کے مطابق ان کی اکثریت عصیان اور اعتداء کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور اس اکثریت میں بہر حال دونوں ''خلیفے'' تو ضرور شامل ہیں۔ ایک جس نے اس خلافت کا بار اٹھایا دوسرا وہ جو اس خلافت کا سب سے بڑا حامی اور اس کا متمنی تھا۔ اپنے آپ کو اب آپ نے باہر نکال لیا ہے!

الفاظ کے معانی پر ذرا غور کیجئے: اب آپ ان الفاظ کے معنی پر بھی ذرا غور فرمالیں۔ آپ کے نزدیک تصور تو صرف ان ممبروں کا یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود نے جو آپ کے قول کے مطابق خدا کے حکم کی نافرمانی کی تھی یا خلافت رضاء الٰہی کوئی کام کیا تھا اس کی انہوں نے اصلاح کر دی۔ مسیح موعود نے خلاف منشاء الٰہی انجمن بنائی تھی۔ حالانکہ چاہیئے تھا کہ خلافت کا نظام قائم کرتے جو خدا کو پسند تھا۔ ان چودہ ممبروں نے انجمن کو توڑ دیا اور خلافت کا نظام قائم کر دیا۔ گویا منشاء الٰہی کو پورا کر دیا۔ مگر الہام کہتا ہے ہم نے ان کو مار دیا۔ کیوں؟!

ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ (61:2) ''نافرمانیاں کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے'' یہ خود آپ کا ترجمہ ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ لفظ قرآن شریف میں تین جگہ پر صرف ان یہودیوں☆

☆**وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ** (61:2)،(112:3)

کے متعلق استعمال ہوئے ہیں۔جن پر غضب الٰہی نازل ہوا۔جن پر ذلت اور مسکنت وارد کر دی گئی جن پر لعنت کی گئی اور یہ سب باتیں کیوں ہوئیں اس لئے کہ وہ نافرمانیاں کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔

منشاء الٰہی پورا کرنے پر نافرمانی کی سزا: اور بقول آپ کے ہمارا قصور آیات اللہ کا انکار نہ تھا۔انبیاء کا قتل کرنا بھی نہ تھا۔کسی خلیفے کا قتل بھی نہ تھا۔ بلکہ جس خلافت کو مسیح موعود نے مار کر گویا خلیفوں کو قتل کر دیا تھا۔ بقول آپ کے ہم نے اس خلفاء کے سلسلے کو زندہ کر دیا۔اور خدا کے منشاء کو پرا کر دیا۔ان آیات اللہ کو مان لیا۔جن کا انکار مسیح موعود نے کیا تھا اور اس خلفاء کے سلسلے کو زندہ کر دیا،جنہیں مسیح موعود نے قتل کر دیا تھا۔مگر خدا بھی عجیب خدا ہے کہ ہم پر سزا وہ وارد کی جو آیات اللہ کا انکار کرنے والوں کو اور انبیاء کو قتل کرنے والوں کو دیا کرتا تھا۔اب آپ خود بھی غور فرمالیں کہ مسیح موعود کی تشریح کے خلاف چل کر آپ کہاں پہنچے ہیں!

میری نیت پر افسوسناک حملہ: آپ میری مخلصانہ گذارش پر صرف اس لئے خفا ہو گئے کہ ''میری غرض صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ مجھے پبلک میں، جو آپ کی مرجع امید ہے، بے اعتبار ثابت کریں۔'' غالبًا آپ بیعت کر کے قادیانیوں کی طرح دلوں کے حالات سے بھی واقف ہو گئے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ میری غرض آپ کی اصلاح نہیں بلکہ آپ کو پبلک میں بے اعتبار ثابت کرنا ہے۔اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ میرا مرجع امید خدائے واحد نہیں بلکہ پبلک ہے۔گویا میں مشرک ہوں۔حالانکہ میں نے آپ کی نیت پر اب تک حملہ نہیں کیا۔بلکہ جو کچھ کیا۔مؤدبانہ کیا۔

آپ کی گذشتہ تحریروں کی ذمہ داری آپ پر ہی ہے: ہاں اگر آپ کی تحریریں یہ رنگ اختیار کر لیں کہ جو آپ کا وقار بوجہ آپ کے علم کے دلوں میں تھا اسے ٹھیس لگے تو یہ میرا قصور نہیں۔آپ کہہ دیں کہ میں نے یہ جھوٹ لکھا ہے کہ آپ شیخ غلام محمد کے مہدی ہونے کا اقرار کر چکے ہیں۔ یہ لفظ آپ کے قلم سے لکھے ہوئے طبع شدہ ہیں:

> ''شیخ صاحب ضرور روح القدس کی تائید سے بولتے ہیں اور مہدویت کا منصب رکھتے ہیں''

اور اسی بات پر ایمان لانے کی وجہ سے آپ حضرت مسیح موعود کے مہدی معہود ہونے کا انکار بھی کر چکے ہیں۔اس تحریر میں بھی اور بالآخر اپنی تفسیر میں بھی جہاں آپ نے حضرت صاحب کے خلاف مسیح اور مہدی کو الگ الگ وجود قرار دیا ہے،اب آپ نے الہام اِنَّـا اَمَتْـنَا اَرْبَعَةَ عَشَرَ دَوَابًا کو حضرت مسیح موعود کے برگزیدہ ساتھیوں پر لگا کر جو مضحکہ خیز صورت پیدا کی ہے تو اس کی ذمہ داری بھی خود آپ پر ہے۔

ایک مخلصانہ مشورہ: اب بھی بگڑا کچھ نہیں۔ بیعت کو چھوڑیں یا نہ چھوڑیں۔صرف اتنا اعتراف کر لیں کہ آپ سے یہ الہام انجمن پر لگانے میں غلطی ہوئی ہے تو یہ آپ کی عزت اور وقار کو بحال کرنے کا موجب ہوگا۔

دو ضروری امور کی وضاحت: ان چار امور کا اعادہ کرنے کے بعد،جن کا جواب عنداللہ اور عندالناس آپ کے ذمے ہے، میں اس بات کو بھی واضح کرنا چاہتا ہوں جس پر آپ نے بہت زور دیا ہے کہ ہم نے انجمن کو توڑ کر خلافت کو خود قائم کیا اور کہ یہ ہمارا عذر لنگ ہے کہ نیا خلیفہ غیر احمدی مسلمانوں کو کافر کہتا ہے۔

امر دوم کے متعلق میں اوپر لکھ چکا ہوں۔آپ اس امر پر روشنی ڈالیں کہ اگر آپ کے پیر کے نزدیک تکفیر کرنے والوں اور نہ تکفیر کرنے والوں میں مباہلہ ہوسکتا ہے تو مرشد و مرید کے تعلقات ان میں کس طرح قائم ہو سکتے ہیں اور جب بروئے حدیث ایک مسلمان کو کافر کہنے والا بھی اتنا بڑا مفسد ہے کہ اسے یہ سزا دینی چاہیئے کہ کفر الٹا کر اسی پر ڈالا جائے تو چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر کہنے والے کی کیا یہی سزا ہے کہ اسے مرشد بنایا جائے اور اس کی ہر ایک بات کو قرآن و حدیث کی طرح مانا جائے!

ہم نے انجمن کو کبھی نہیں توڑا: امر اول کے متعلق یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ محض آپ کا خیال ہے ہم نے انجمن کو کبھی توڑا۔ہم حضرت مسیح موعود کے وقت سے لے کر آج تک نظام سلسلہ کے متعلق انہی اصولوں کے پابند رہے جو خود حضرت مسیح موعود نے قائم کر دیئے ہیں۔

”انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے“

”میرے بعد ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا“

”جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہیئے اور کثرت رائے اسی میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے اور وہی قطعی ہونا چاہیئے“

یہ تینوں تحریریں حضرت مسیح موعود کی ہیں اور حضرت مولوی صاحب کے زمانہ میں بھی پہلے دن سے لے کر ان کی وفات کے دن تک انہی پر نہ صرف ہمارا بلکہ ساری جماعت کا عمل رہا۔ جو فیصلے ہوتے تھے وہ سب انجمن کرتی تھی اور حضرت مولوی صاحب بھی اگر کوئی کام کرانا چاہتے تھے تو اس کے لئے انجمن میں صرف سفارش کرتے تھے۔

حضرت مولانا نورالدینؓ کے لئے ''خلیفۃ المسیح'' کا لفظ: خلیفۃ المسیح کا لفظ بے شک ہم حضرت مولوی صاحب کے لئے استعمال کرتے تھے۔ مگر اس لحاظ سے کہ جس طرح پہلے حضرت صاحب لوگوں کو بیعت میں لیتے تھے۔ اب ان کی جگہ حضرت مولوی صاحب بیعت میں لیتے تھے۔ بیعت لینے کے لحاظ سے وہ حضرت مسیح موعود کے جانشین تھے اور نظام کے لحاظ سے انجمن اسی معنی میں خود آپ اور خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کو بھی خلیفۃ المسیح لکھا جاتا تھا۔ اس پر کم سے کم آپ کی گواہی تو ضرور موجود ہے۔ کیونکہ جب 1914ء کے اختلاف کے وقت ایک ضروری اعلان لکھا گیا جس میں اس امر کی تشریح موجود ہے۔ تو اس تشریح کا کرنے والا میں اکیلا نہ تھا بلکہ میں اور آپ دونوں تھے اور آپ نے اس ضروری اعلان پر اپنے قلم سے یہ لفظ لکھے:

> ''مذکورہ بالا مضمون کی میں تصدیق اور تائید کرتا ہوں اور سلسلہ کی بھلائی اس پر عامل ہونے میں یقین رکھتا ہوں''

اس اعلان کو قادیانی اصطلاح میں بمب کا گولہ کہا جاتا ہے۔ مگر اس کا پھینکنے والا میں اکیلا نہ تھا۔ میں اور آپ دونوں تھے۔

انجمن 1914ء میں ٹوٹی: ہاں! اس کے علاوہ ایک اور شہادت بھی آپ کی موجود ہے کہ انجمن 1908ء میں حضرت مسیح موعود کی وفات پر نہیں ٹوٹی بلکہ 1914ء میں اس وقت ٹوٹی جب انجمن کے قواعد کے قاعدہ نمبر 18 سے حضرت مسیح موعود کا نام کاٹ کر اس کی جگہ میاں محمود احمد صاحب کا نام داخل کیا گیا۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کا نام کبھی انجمن کے بانی لاز میں نہیں آیا۔ صرف مسیح موعود کا نام تھا اور حضرت مولوی صاحب کے چھ سال میں وہی مسیح موعود کا نام رہا۔ مگر 26 اپریل 1914ء کو یعنی اختلاف کے کوئی ڈیڑھ ماہ بعد حضرت مسیح موعود کا نام کاٹ دیا گیا۔ یعنی آئندہ کے لئے

انجمن کے لئے مسیح موعود کا حکم قطعی اور ناطق نہ رہا۔اور میاں محمود احمد کا حکم قطعی ہو گیا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج قادیانی جماعت ساری کی ساری (الّا ماشاءاللہ) حضرت مسیح موعود کے فیصلوں کو کھلے طور پر رد کرتی ہے اور میاں صاحب کے ان فیصلوں کے سامنے، جو حضرت صاحب کے فیصلوں کے خلاف ہیں، سر جھکاتی ہے۔

آپ کی دوسری شہادت: جب یہ تبدیلی ہوئی تو اس موقعہ پر ضروری اعلان کے نام سے ایک اشتہار چھ آدمیوں کے دستخط سے شائع ہوا۔ جن میں سب سے پہلے آپ کا اسم گرامی ہے۔ اس اشتہار کے مضمون سے میں چند سطریں یہاں نقل کرتا ہوں جن سے معلوم ہوگا کہ آپ جواب کہہ رہے ہیں کہ انجمن 1908ء میں توڑ دی گئی۔ یہ صرف قادیان میں بیعت کا اثر ہے۔ ورنہ اس کے اندر حقیقت کوئی نہیں۔

> ضروری اعلان: ''مجلس معتمدین نے اپنے ریزولیوشن نمبر 198 مورخہ 26 اپریل 1914ء میں بصدارت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کثرت رائے سے فیصلہ کیا ہے کہ مندرجہ ذیل قاعدہ نمبر 18 میں (یعنی ہر ایک معاملہ میں مجلس معتمدین اور اس کی ماتحت مجلس یا مجالس اگر کوئی ہوں اور صدر انجمن احمدیہ اور اس کی کل شاخہائے کے لئے حضرت مسیح موعود کا حکم قطعی اور ناطق ہو گا) بجائے الفاظ ''حضرت مسیح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ثانی'' درج قواعد ہوں اور موجودہ قاعدہ نمبر 18 حسب ذیل ہو:
> ''ہر ایک معاملہ میں مجلس معتمدین اور اس کی ماتحت مجلس یا مجالس اگر کوئی ہوں اور صدر انجمن اور اس کی کل شاخہائے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی کا حکم قطعی اور ناطق ہوگا''

ہمارے اعتقاد اور یقین میں یہ فیصلہ حضرت مسیح موعود کے کھلے کھلے فیصلہ کے خلاف ہے وہ اسی لئے خود انجمن کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ قواعد انجمن کے اس قاعدہ نمبر 18 کی رو سے جس کی ترمیم اب کی جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود کے جملہ احکام اور فیصلہ جات قطعی اور ناطق ہیں اور انجمن کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ آپ کے کسی فیصلہ یا حکم کے خلاف کوئی فیصلہ کرے۔ پس حضرت مسیح موعود کے حکم اور اپنے قواعد کی خلاف ورزی میں انجمن کوئی فیصلہ کرنے کی مجاز نہ تھی اور جو ترمیم کی گئی ہے وہ قانوناً، شرعاً،

اخلاقاً نا جائز ہے۔ اور ہم نے اجنڈا پر انجمن کو اس سے متنبہ کر دیا تھا کہ اس قسم کی ترمیم کے معنی یہ ہیں کہ عملاً گویا انجمن کو توڑ دیا جائے گا۔ مگر اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی گئی۔ چونکہ مجلس معتمدین کے وہ ممبران، جو بیعت کر چکے ہیں، ان کی رائے دراصل صاحبزادہ صاحب کی رائے ہے اور وہ اس وقت ہماری بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس لئے ہم نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ جماعت کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دیں اور ہم سخت افسوس سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ صاحبزادہ صاحب اور ان کے مبائعین نے قواعد میں حضرت مسیح موعود کا نام کاٹ کر نہ صرف ایک غیر مامور کو وہ مرتبہ دیا ہے جو صرف ایک مامور کا حق تھا بلکہ خود حضرت مسیح موعود کے نام کی ہتک کی ہے اور ان کے احکام اور فیصلہ جات کو آئندہ کے لئے مجلس معتمدین کے واسطے نا قابل عمل قرار دیا ہے اور اس طرح پر ایک رنگ میں سلسلہ احمدیہ میں سے اس کے مقدس بانی کا نام کاٹ دیا ہے اور اس کی بجائے اپنا نام رکھ دیا ہے......ان کا اصل منشاء کارروائی سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انجمن کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ دیا جائے۔ سارے قومی روپے اور ساری قومی جائداد پر جو لاکھوں روپے کے خرچ سے تیار ہوئی ہے، کلیۃً ان کا تصرف ہو جائے تا وہ اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ یہ ایک ایسی صورت ہے کہ اگر قانونی چارہ جوئی کی جائے تو ان کی یہ ساری کارروائی ناجائز ٹھہر کر انجمن اپنی اصلی حالت پر قائم ہو سکتی ہے۔ مگر چونکہ ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ جماعت کی طاقت اور جماعت کا روپیہ مقدمات میں برباد ہو۔ اس لئے ہم ان ناجائز کارروائیوں سے اپنی بریت کے لئے یہ اعلان کرتے ہیں......"

اس کے نیچے حسب ذیل دستخط ہیں:

(خان صاحب مولوی) غلام حسن (سب رجسٹرار پشاور) (شیخ) رحمت اللہ۔ صدرالدین (بی۔اے بی۔ٹی) سید محمد حسین (اسسٹنٹ سرجن) محمد علی (ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی) مرزا یعقوب بیگ (اسسٹنٹ سرجن)

13 اپریل 1940ء

مکتوب امیر

مولوی غلام حسن خان صاحب کی دوسری نگارش پر ایک نظر

مکرم مولوی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

1۔ میں نے جناب کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ مسیح موعود کے بعد مسیح کے خلفاء کا سلسلہ چلنے پر قرآن شریف سے، حدیث سے بالآخر حضرت مسیح موعود کی کسی تحریر سے کوئی دلیل پیش کریں۔ اس کے جواب میں آپ نے وہ طریق اختیار کیا ہے جو آپ کے شایان نہ تھا۔ ہاں قادیانی مناظروں کی وہ فطرت ثانی بن چکا ہے۔ یعنی مجھے چند گالیاں سنا دی ہیں ''تلبیس سے کام نہ لیں'' ''یہ تقوٰی کا طریق نہیں'' ''یہ ایک تلخ گولی ہے جو آپ کے گلے میں رکتی ہے'' وغیرہ اور کچھ ذاتی نکتہ چینی سے غصہ نکالا ہے۔ میں ان باتوں کا جواب اس رنگ میں کبھی نہ دوں گا۔ کیونکہ میں اب بھی آپ کی عزت کرتا ہوں۔ ہاں تیسری مرتبہ پھر عرض کرتا ہوں:

وہ دلائل قرآن کریم سے، حدیث سے، بالآخر حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے پیش کریں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضرت مسیح موعود کے بعد آپ کے خلفاء کا ایک سلسلہ چلے گا۔ جن پر ایمان لانا اور جن کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری ہوگا۔

2۔ میاں صاحب کے مصلح موعود ہونے یا نہ ہونے کے متعلق بھی آپ بالکل خاموش ہیں۔ صرف پہلی تحریر میں گول مول بات تھی کہ میاں صاحب مصلح موعود ہونے کا دعوٰی تو نہیں کرتے لیکن انہوں نے کام ایسے کر دیئے ہیں۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ مصلح موعود والی پیشگوئیاں تو مجھ میں پوری ہوگئی ہیں۔ لیکن میں نہیں کہتا کہ میں مصلح موعود ہوں۔ مرید تو بے شک ہر چیز پر آمنّا و صدقنا کہہ دیں گے۔ لیکن یہ ایسی بات ہے جسے عقل انسانی دھکے دیتی ہے۔ اگر وہ پیشگوئیوں کا پورا ہونا اپنے اوپر چسپاں کرتے ہیں تو دعوٰی کیوں نہیں کرتے!

3۔ میرا اعتراض تھا کہ آپ اس شخص کو، جو روئے زمین کے سارے مسلمانوں کو کافر قرار دیتا ہے، حالانکہ آپ انہیں مسلمان ہی سمجھتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کو کافر کہے، کفر اس پر الٹ

کر پڑتا ہے، کس طرح اپنا مرشد بنا سکتے ہیں۔ کس طرح خلیفہ یا مصلح موعود قرار دے کر اس پر ایمان لا سکتے ہیں؟!

مولوی صاحب کا بے حقیقت اعتراض: اس کا جواب دینے کی بجائے آپ نے مجھ پر اعتراض کیا ہے کہ جب میں کلمہ گوؤں کو مسلمان سمجھتا ہوں اور اسی لئے شیعوں کو بھی مسلمان سمجھتا ہوں اور شیعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو کافر کہتے ہیں تو شیعوں کو مسلمان کہنے کی وجہ سے میں بھی کافر ہوا۔ یہ سوال از آسمان جواب از ریسمان والا معاملہ ہے۔ میں نے کسی شیعہ کو اپنا پیر و مرشد نہیں مانا۔ کسی شیعہ کو خدا کا خلیفہ نہیں مانا۔ مصلح موعود نہیں مانا۔ جواب تو یوں ہو سکتا تھا کہ آپ نے اگر رئیس المکفرین کو، جس کی ایک جنبش قلم سے ساری مسلمان دنیا کافر ہوگئی، خدا کا مقرر کردہ خلیفہ مانا ہے تو میں نے کسی شیعہ کو، جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو کافر کہتا ہے، اسی طرح خلیفہ مانا ہے۔ یہ ایک الزامی جواب ہوتا نہ تحقیقی۔

مولوی صاحب کا عجیب وغریب جواب: مگر یہ عجیب جواب ہے کہ میں بھی شیعوں کو مسلمان کہنے کی وجہ سے کافر ہو گیا ہوں۔ اگر آپ کے دل میں واقعی یہ اعتراض پیدا ہوا تھا کہ کفر کس طرح الٹ کر پڑ سکتا ہے تو آپ میری طرف رجوع کرنے کی بجائے اپنے پیر و مرشد کی طرف رجوع کرتے۔ جو یہ لکھ چکے ہیں کہ ان دو آدمیوں میں، جن میں سے ایک مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے اور دوسرا نہیں کرتا، مباہلہ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کے نزدیک کافر ہو گئے۔ میں نے تو صرف اس بات کو دہرایا تھا کہ جب تکفیر کرنے والوں اور نہ کرنے والوں میں مباہلہ بھی ہو سکتا ہے تو ان میں مرید و مرشد کا تعلق کس طرح ہو سکتا ہے۔ پس اگر آپ کے دل میں کوئی اعتراض پیدا ہوا ہے تو وہ جناب میاں صاحب پر ہونا چاہئے۔ مگر ان پر اب آپ کوئی اعتراض کر نہیں سکتے۔ کیونکہ بقول خلیفہ صاحب ایک ایسی ہستی ہے کہ اس پر سچا اعتراض کرنے والا بھی جہنمی ہوتا ہے۔ اس لئے آپ نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے مجھ پر اعتراض کر دیا ہے۔

کلمہ گو کا مکفر کافر نہیں بلکہ مفسد فی الدین ہے: اگر آپ اپنی پچاس سالہ تحقیقات کو بھول گئے ہوں تو میں آپ کو یاد دلا دیتا ہوں کہ آپ کا اور ہمارا مسلک یہ تھا اور ہمارا اب بھی یہی ہے۔ لیکن بیعت خلافت نے آپ کے لبوں پر مہر لگا دی ہے اور آپ اس سچائی کا اب اعتراف نہیں کر سکتے کہ ہر ایک کلمہ گو مسلمان ہے اور وہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا جب تک کلمہ کا انکار نہ کرے۔ کلمہ کے اقرار سے انسان

اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ اور اس کے انکار سے اسلام سے نکل سکتا ہے۔ اور جو کلمہ گو کو کافر کہے اس کو شریعت نے یہ سزا دی ہے کہ کفر الٹ کر اسی پر پڑتا ہے اور یہ محض سزا ہے۔ اس کے اس فعل کو کفر کہا گیا ہے۔ مگر وہ دائرہ اسلام سے اس وقت تک خارج نہیں ہوتا جب تک کہ کلمہ کا انکار نہ کرے۔ ہاں وہ اسلام کے اتحاد پر ایک ضرب کاری لگانے کی وجہ سے مفسد فی الدین ہے۔

سب سے بڑے مکفر کو آپ نے مرشد خلیفہ اور مصلح موعود کس طرح مان لیا ہے: اس بات پر ہمارا اور آپ کا اتفاق تھا کہ جناب خلیفہ قادیانی اس وجہ سے کہ وہ روئے زمین کے سارے کلمہ گوؤں کو کافر قرار دیتے اور اسے اپنے نئے مذہب کا بنیادی پتھر بناتے ہیں، اس سے بہت زیادہ شدید کفر کے مرتکب ہیں۔ جس کا مرتکب ایک کلمہ گو کو کافر کہنے والا بھی بن جاتا ہے۔ اور اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے دین میں فسادِ عظیم کے مرتکب ہیں۔ گو اس وجہ سے کہ وہ کلمہ کا انکار نہیں کرتے، وہ دائرہ اسلام میں داخل ہیں۔

تو میرا سوال یہ تھا کہ ایسے شخص کو آپ نے پیرو مرشد، خلیفہ مصلح موعود کس طرح مان لیا۔ کیا دین میں اتنا بڑا افساد پیدا کرنے والا بھی اس قابل ہوسکتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے یا اسے اپنا امام اور پیشوا تسلیم کیا جائے اور اسلامی دنیا کی امیدوں کا مرجع قرار دیا جائے!

مولوی صاحب کی نرالی منطق: آپ نے کس قدر بھولے پن سے لکھا ہے ''اگر آپ یہ فرمائیں کہ کفر اس طرح لوٹتا نہیں اور اس مسئلہ کو یہ وسعت حاصل نہیں جو سمجھی گئی ہے تو پھر آپ کو بھی کیا ڈر ہے۔ آپ انشراحِ صدر کے ساتھ بیعت کی طرف قدم اٹھا سکتے ہیں''۔ گویا میں جس شخص کو دائرہ اسلام میں سمجھوں گو وہ اسلام کے اتحاد کو پاش پاش کر کے دین میں فسادِ عظیم کا مرتکب ہو، اسے میں انشراحِ صدر کے ساتھ اپنا پیرو مرشد بھی مان سکتا ہوں۔ یہ عجیب منطق ہے!

یہ ایک بنیادی اور اصولی مسئلہ ہے: پھر آپ بار بار اسے اختلافی مسئلہ کہہ کر اپنے فعل کو، جس کے لئے آپ کے ہاتھ میں ادنیٰ سے ادنیٰ بھی دلیل نہیں، جائز ٹھہرا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ کا اختلاف ہے، ایمانیات میں اختلاف ہے، اصولی اختلاف ہے۔ یہ اختلاف نہیں دین میں تفرقہ کی بنیاد ہے۔ دینِ اسلام کی جگہ نیا دین بنانا ہے۔

میاں صاحب صریحاً ایک نئے دین کی بنیاد ڈال رہے ہیں: آپ حضرت مرزا صاحب کو مومن بہ

نہیں مانتے۔ میاں صاحب مانتے ہیں۔ آپ کے نزدیک حضرت مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان لانے کے بغیر انسان مسلمان ہوسکتا ہے۔ میاں صاحب کے نزدیک نہیں ہوسکتا۔ تو ان کا دین بھی نیا ہے۔ وہ پرانا مسلمانوں کا دین نہیں۔ آپ کے نزدیک کلمہ کافر کو مسلمان بنانے کے لئے کافی ہے۔ میاں صاحب کے نزدیک کلمہ پڑھنے سے اب کوئی مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ حضرت مرزا صاحب کی نبوت پر بھی ایمان نہ لائے۔ گویا ان کے نزدیک کلمہ منسوخ ہے۔ یہ کھلی کھلی نئے دین کی بنیاد ہے۔ اور پھر صرف یہی نہیں کہ ایک مامور پر ہی ایمان لانا کافی ہے بلکہ اب ایک غیر مامور خلیفہ پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

4۔ رہی چوتھی بات کہ آپ امتنا اربعة عشر دواباً کا الہام ضرور انجمن کے چودہ ممبروں پر لگائیں گے اور آپ کو حضرت صاحب کی تحریر کی بھی پروا نہیں۔ کیونکہ ملہم ایک پیشگوئی کے معنی کرنے میں غلطی کرسکتا ہے۔ مانا کہ ملہم غلطی کرسکتا ہے۔ لیکن آپ تو نہیں کر سکتے؟ آپ کو کس بات نے یقین دلا دیا کہ جو معنی آپ کرتے ہیں وہ درست ہیں۔ ملہم غلطی کرسکتا ہے۔ مگر غیر ملہم نہیں کرسکتا۔ یہ منطق انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور غیر ملہم بھی کون؟ وہ جس نے اپنے آپ کو ایک غیر مامور کے ہاتھ پر بیچ دیا ہے!

آپ کو اس الہام کے انجمن کے چودہ ممبروں پر چسپاں کرنے پر اس قدر اصرار ہے کہ آپ نے ملہم کے کیئے ہوئے معنی کو بھی رد کر دیا۔ گویا خلیفہ کی طرح جو کچھ آپ کے مونہہ سے نکل گیا، اب اسے کوئی چیز رد نہیں کرسکتی۔ چاہے ملہم کا اپنا قول ہی ہو۔ اور قول بھی ایک نہیں بلکہ متواتر اقوال کو اور تحریروں کو، جو جماعت کو عمل کے لئے دی گئی تھیں، آپ نے سب کو اپنی رائے پر قربان کر دیا۔ آپ نے اس توجیہہ کو بھی رد کیا کہ اس الہام میں مخالفین سلسلہ کا ذکر ہے۔ آپ کی وصیت کی اس صاف تحریر کو بھی رد کیا کہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔ آپ کے قلم کی اس آخری تحریر کو بھی رد کیا کہ ''میرے بعد ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا''۔ آپ کی اس تحریر کو بھی رد کیا کہ ''میرے بعد سب مل کر کام کرو''۔ نہیں ان ساری تحریروں کے علاوہ آپ نے حضرت مسیح موعود کے عمل کو بھی رد کیا۔ کیونکہ انجمن کو انہوں نے اپنے ہاتھ سے بنایا۔

خدا کے لئے اپنی رائے اور طرز عمل پر غور فرمایئے۔ یہ کوئی آسان بات نہیں۔ پھر غور فرمالیں کہ حضرت مسیح موعود اپنی وفات کی خبر پا کر ایک وصیت لکھتے ہیں۔ اس وصیت میں مل کر کام کرنے کی

ہدایت کرتے ہیں۔مل کر کام کرنے کی صورت خود یہ تجویز فرماتے ہیں کہ ایک انجمن بنائی جائے۔اس انجمن کو خود اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں۔اس کے ممبر خود نامزد کرتے ہیں۔اس کے قواعد خود بناتے ہیں۔اپنی زندگی میں اپنے سامنے سارا سلسلہ کا انتظام اس کے سپرد کرتے ہیں۔اپنی وفات کے بعد اسے اپنا جانشین قرار دیتے ہیں۔مگر آپ بانی سلسلہ، ملہم اور مامور من اللہ کی اس ساری کارروائی کو اپنے اس ظن فاسد کی بنا پر باطل قرار دے رہے ہیں کہ آپ کے نزدیک فلاں الہام کے وہ معنی درست نہیں جو مامور من اللہ نے کئے!

گویا اب مامور کی وفات کے بتیس سال بعد ایک ایسا غیر مامور آتا ہے۔جس کی رائے کے ساتھ مامور کے سارے کام ھباءً منثورا ہو جاتے ہیں۔العجب ثم العجب کہ حضرت مسیح موعود تو اپنے ہاتھ سے ایک کام کرتے ہیں۔ایک نظام بناتے ہیں اور آپ کی وفات سے بھی بتیس سال بعد آپ کے ایک مرید کو پتہ لگتا ہے کہ یہ سب کچھ باطل تھا اور ان باتوں کو ایک باطل پرست جماعت اب اپنا دین اور ایمان سمجھتی ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ چودہ کا لفظ دنیا کے اور کسی واقعہ پر منطبق ہی نہیں ہو سکتا۔اس لئے خواہ کوئی معنی بنیں یا نہ بنیں۔خواہ سلسلہ احمدیہ کا کچھ باقی رہے یا نہ رہے۔آپ نے اسی طرح پیشگوئی کو پورا کر کے نئے قادیانی دین کی تائید کا ذریعہ اسے بنانا ہے۔اس خلیفہ کے دین کا، جس کے پیرو اب قیامت تک اس کے منکروں پر غالب رہیں گے۔

اور تماشا یہ ہے کہ میں بار بار الہام کے باقی الفاظ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔اس میں عصیان کا ذکر ہے اس میں اعتداء کا ذکر ہے۔اس میں چودہ آدمیوں کی موت کا ذکر ہے۔خواہ آپ اسے جسمانی موت لے لیں۔خواہ روحانی۔اور ان چودہ میں آپ خود بھی شامل ہیں۔آپ کے ''خلیفے'' بھی شامل ہیں۔مگر آپ اس طرف آنے کا نام نہیں لیتے۔مجھے ڈر ہے کل کو اس نئے قادیانی مذہب کا کوئی پیرو، جس کے رو سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چودہ صدیوں کی محنت برباد ہوگئی اور کل روئے زمین کے مسلمان ایک ''خلیفہ'' کی جنبش قلم سے اسلام سے نکل کر کفر میں داخل ہو گئے، اس الہام سے یہ سند تلاش نہ کرے کہ اس سے مراد چودہ صدیوں کے چودہ مجددینِ دین ہیں جو دین اسلام کی تائید اور خدمت کے لئے آتے رہے کہ ان سب کی محنت برباد ہوگئی اور ایک نیا دین قائم ہو گیا۔

خدا کے لئے فرمائیں۔ وہ عصیان کیا ہے۔ وہ اعتداء کیا ہے۔ کیا یہی کہ انہوں نے اپنی سمجھ کے مطابق وصیت کا یہ مفہوم لیا کہ نظام سلسلہ کے لئے انجمن حضرت مسیح موعود کی جانشین ہے اور بیعت میں لوگوں کو داخل کرنے کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا متقی انسان چاہئے جو جماعت کے لئے نمونہ کا کام دے سکے۔ اور اس کا اہل انہوں نے حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کو سمجھا۔ فرض کے طور پر تسلیم کر لیجئے کہ یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ مگر دنیا میں شائد آپ پہلے انسان ہوں گے جو ایک اجتہادی غلطی کو عصیان اور اعتداء قرار دیتے ہیں۔ ورنہ آج تک تو یہی سنتے رہے تھے کہ اجتہاد میں اگر غلطی بھی ہو تو اجتہاد کرنے والے کو اس کا ثواب ملتا ہے۔ اس پر گرفت نہیں ہوتی۔ مگر آپ ہیں کہ اپنی ضد پر قائم ہیں!

لفظ خواہ کچھ کہیں مگر آپ کو تو چودہ کا لفظ پسند آ گیا ہے۔ گویا وہی ایک لفظ خدا کی طرف سے ہے اور الہام کے باقی لفظ خدا کے نہیں۔ اور پھر یہاں چودہ افراد کی موت کا ذکر ہے۔ اس کے معنی انجمن کی موت لینا۔ یہ الفاظ کے ساتھ ہنسی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور تماشا یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں تو صرف پانچ ہیں۔ محمد علی، شیخ رحمت اللہ مرحوم، مرزا یعقوب بیگ مرحوم، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ مرحوم، خواجہ کمال الدین مرحوم اور ان پانچ کو نیچا دکھانے کے لئے آپ اپنے سمیت نو اور ممبروں کا خون بھی کرتے ہیں۔ شیخ غلام محمد کے نام جو آپ کا خط چھپا ہے۔ اس میں آپ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ کام انجمن کے مشورے سے نہیں ہوا تھا۔ بلکہ چند ممبروں کی رائے سے ہوا۔

بالآخر آپ نے اپنی ذاتی رنجش کو بھی، جو ایک مدت سے اس عاجز سے پیدا ہو چکی ہے، ظاہر کر ہی دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہاں لاہور میں جماعت کی اخلاقی اور روحانی اصلاح کا کام مفقود ہے۔ اس لئے تفسیر کا لکھ لینا بھلا کوئی کام ہے! تو کیا جماعت کی اخلاقی اور روحانی اصلاح کا کام قادیان میں ہو رہا ہے۔ جہاں چوتھے دن بڑے بڑے مخلص اور رازدار دوست یہ اعلان کرتے ہیں کہ خلیفہ فلاں ناگفتہ بہ کام کا مرتکب ہے۔ درست ہے کہ ہمارے ہاں یہ اخلاقی اور روحانی اصلاح کا کام نہیں ہے!

اور پھر آپ کو یہاں خدائی نصرت نظر نہیں آتی۔ اس لئے کہ خدائی نصرت آپ کے نزدیک یہ نہیں کہ دو چار آدمیوں کے کام کو یہ برکت ملے کہ وہ ایک عظیم الشان جماعت قائم کر دیں۔ جو آپ بھی

اب تک معترف ہوں گے کہ حضرت مسیح موعود کے صحیح عقائد اور صحیح تعلیم کی حفاظت کر رہی ہے اور حضرت مسیح موعود کے علمی کام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ جس نے تین یورپین زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ کر کے خدا کے کلام کو لاکھوں ایسی مخلوق تک پہنچایا۔ جہاں یہ پہلے پہنچا تھا نہ جس نے چالیس ہزار کاپی دنیا میں پہنچا دی اور دس ہزار کاپی مفت پہنچا دی۔ آپ کے نزدیک خدا کی نصرت یہ ہے کہ عرس پر بیس پچیس ہزار آدمی جمع ہو جاتے ہیں۔ ''خلیفہ'' کا جلوس بہت شان و شوکت سے نکلتا ہے۔ روپیہ بہت آتا ہے! مگر خدا جانے کہاں جاتا ہے اور جس بات کو حضرت مسیح موعود نے اپنا کام بتایا تھا۔ انگریزی ترجمہ اور تفسیر کر کے دنیا میں پہنچانا۔ وہ گویا آپ کے نزدیک ''خذلان'' ہے۔ جس شاخ کو صراحت کے ساتھ اپنی شاخ قرار دیا تھا۔ اس پر لعن و طعن کرنا اب آپ کے نزدیک سب سے زیادہ ثواب کا کام ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ مامور پر تو سب حقیقتیں ''مستور'' رہیں۔ وہ اب آپ پر کھلی ہیں کہ قرآن کا دنیا میں پہنچانا کتب فروشی ہے۔ ترجمے عیسائیوں نے بہت کر رکھے ہیں ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں!

قادیانیوں کے محبوب مشاغل: ہمارے لئے اب محبوب شغل تو یہی ہونے چاہئیں کہ مقدمہ بازیاں کریں۔ عدالتوں میں خوار ہوں۔ اور بقول ''خلیفہ صاحب'' جھوٹ بولنے کے بغیر کسی مقدمہ میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ریاست بنے، کوریں بنیں، ہجوم ہو جس سے عوام الناس کے ساتھ بڑے بڑے لوگ بھی مرعوب ہو کر بیعت کر لیں۔

میرے رزق حلال پر بے معنی اعتراض: آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حق تصنیف لینے کو اپنا جہاد اکبر قرار دے رکھا ہے۔ آپ کو غلطی لگی ہے۔ میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ میرا جہاد اکبر ہے۔ بلکہ ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ یہ جماعت کا جہاد اکبر ہے۔ ہاں اس جہاد اکبر میں اس کے فضل نے مجھے بھی کچھ کام کرنے کا موقع دیا ہے۔ مجھ پر اگر حق تصنیف لینے کا اعتراض ہے۔ تو میرے لئے مقام فخر ہے۔ اپنی روٹی کے لئے لوگوں کی جیبوں پر نذر و نیاز کے رنگ میں ڈاکہ ڈالنے کا مرتکب نہیں ہوں۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنے بال بچے کی مایحتاج کا انتظام کرتا ہوں۔ حضرت مولینا نور الدین صاحب طبابت سے اس مایحتاج کا انتظام کر لیتے تھے۔ میں تصنیف سے کر لیتا ہوں۔

میرے مرشد آقا حضرت مسیح موعود بھی تصنیف کرتے تھے اور ایک نا اہل گروہ اب تک یہ رونا

رو رہا ہے کہ براہین احمدیہ کی قیمت کا ہزار ہا روپیہ لے کر کھا گئے۔ ایک اور ایسے ہی گروہ کی قسمت میں اگر یہ لکھا ہو کہ وہ میرے حق تصنیف پر روتا رہے تو میرا اس میں کیا قصور ہے:

حق تصنیف کیا ہے۔ میری کسی محنت کا معاوضہ ہے جو میرے مایحتاج کا کام دیتا ہے۔ جس کا انتظام جماعت کسی نہ کسی رنگ میں کرتی ہے۔ میں نے خود یہ کبھی مانگا نہیں۔ پانچ سال تک انجمن سے ایک پیسہ لئے بغیر کام کیا۔ اس وقت حق تصنیف بھی نہ تھا۔ پھر انجمن نے خود یہ تجویز کی۔ دس گیارہ سال کے بعد آپ نے یا دو ایک اور آدمیوں نے اعتراض کیا تو انجمن کی جنرل کونسل نے ایک دفعہ نہیں تین دفعہ اور آخری مرتبہ آپ کے ہی اعتراض پر اسے بالاتفاق درست قرار دیا اور اعتراض کو غلط قرار دیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا ترجمہ میں نے قادیان کی انجمن کی ملازمت میں کیا اور وہاں سے تنخواہ لیتا رہا۔ ''سالہا سال'' اس کا لینا یہ آپ کی مبالغہ آمیزی قابل افسوس ہے۔ یہ درست ہے کہ قریباً چار سال میں نے قادیان میں رہ کر یہ کام کیا اور اس کے بعد چار سال اس طرح پر کام کیا کہ نہ قادیان کی انجمن مجھے کچھ مدد دیتی تھی نہ کوئی اور۔

آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ 1930ء میں آپ نے اس قسم کے اعتراضات کرنے شروع کئے۔ اس پر میں نے 12 ستمبر 1930ء کو آپ کو ایک خط لکھا جس کے حاشیہ پر آپ نے جواب لکھ کر مجھے واپس کیا۔ آپ کے اس خط کے چند فقرے نقل کرتا ہوں۔ آپ اگر انکار کریں تو ان کا فوٹو بھی شائع کر دوں گا۔ اور اگر چاہیں تو جہاں آپ کو اعتماد ہو۔ اس خط کو پیش کر دینے کے لئے تیار ہوں۔

> ''میں نے مرزا صاحب سے صرف انگریزی ترجمۃ القرآن کا ذکر کیا تھا۔ نہ کسی اور تصنیف کا۔ اور میں نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ مجھ کو اس پر صرف لوگوں کے اعتراض کا دفعیہ مقصود ہے۔ میں خود اس کو اعتراض کی شکل میں پیش نہیں کرتا''
>
> ''میں آپ کی مصنفہ کتب کے حق تصنیف پر کبھی معترض نہیں ہوا''
>
> ''میں آپ کے حق تصنیف بڑھانے پر بھی کبھی معترض نہیں ہوا۔ بلکہ مجھے گوارا ہے کہ آپ کے گزارہ کے لئے کافی رقم مقرر ہو''

ترجمۃ القرآن کے متعلق چند ضروری باتیں: میں نے اس خط میں ترجمۃ القرآن کے متعلق حسب

ذیل الفاظ لکھے تھے:

''اور اگر آپ کا اعتراض سب کتابوں پر نہیں، صرف انگریزی ترجمۃ القرآن پر ہے اور آپ کا یہ خیال ہے کہ میں نے وہ کام قادیان کی انجمن سے تنخواہ لے کر کیا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اول تو میں نے اس معاملہ کو اس وقت صاف کر لیا تھا۔ جب قادیان سے الگ ہوا۔ اور قادیان والوں نے بھی اپنی جگہ اس پر قانونی مشورہ لے لیا تھا۔ دوسرے قادیان میں میں نے صرف چار سال اس پر کام کیا یعنی 1910ء سے لے کر 1914ء فروری تک۔ اور 1914ء سے لے 1917ء تک یعنی چار سال اس کے بعد کیا۔ اس وقت میں ان سے تنخواہ نہ لیتا تھا۔ نصف کام اگر ان کی تنخواہ میں کیا تو نصف خود کیا۔ تیسرے جب ترجمہ کا کام مکمل ہوا تو چھپوائی کے شروع کرنے سے پہلے میں نے قادیان والوں کو رجسٹرڈ خط لکھ دیا تھا کہ وہ اگر چاہیں تو اس کی چھپوائی میں شریک ہوں۔ اور کچھ حصہ خرچ اپنے ذمہ لے لیں اور اس کے ساتھ پہلے چار سال جو روپیہ انہوں نے خرچ کیا ہے وہ بھی مجرا لے لیں اور بحصہ رسدی قرآن شریف کی جلدیں لے لیں۔ مگر مصنف میں ہوں۔ مسودہ میں کسی تغیر وتبدل کے وہ مجاز نہ ہوں گے۔ انہوں نے اسے نامنظور کیا اور جو کچھ اخلاقاً بھی ان کا حق تھا۔ وہ انہوں نے خود ضائع کر دیا۔

چہارم۔ جب ترجمہ قرآن کی پہلی ایڈیشن نکلی تو یہ چار سال میں ختم ہو گئی اور ان میں سے پہلے دو سال میں جن میں نصف سے بہت زیادہ جلدیں نکل گئی تھیں۔ میں نے کوئی حق تصنیف ان کی فروخت پر نہیں لیا۔ یوں نصف عرصہ جو قادیان کی انجمن سے تنخواہ لے کر کام کیا۔ اس کے حق تصنیف کی رقم بھی میری جیب میں نہیں آئی۔ بلکہ وہ رقم اور اس سے بھی بڑھ کر انجمن لاہور کے خزانے میں گئی۔ اور وہ اعتراض بھی باقی نہ رہا کہ میں نے کچھ مدت ترجمہ کے کام میں حق الخدمت لے لیا تھا۔

پنجم۔ تاہم انجمن نے 1919ء سے 1925ء تک ترجمۃ القرآن اور دیگر کتب کے حق

تصنیف میں فرق رکھا اور اول الذکر میں چھٹا حصہ اور موخر الذکر میں چوتھا حصہ دیتی رہی۔

اس پر آپ نے یہ لفظ لکھے:

''مجھے تو صرف ایک بات کے متعلق اعتراض کی صورت نظر آتی تھی اور وہ انگریزی ترجمہ ہے۔ اب آپ نے جو اس کی توجیہہ کی ہے اور واقعات بیان کئے ہیں۔ تو یہ بھی کسی قدر معقولیت کے اندر آ گئی ہے۔ مجھے ان واقعات سے بھی آ گاہی نہ تھی اور غالبًا اور کئی آدمیوں کو بھی اس سے آ گاہی نہ ہوگی''

پس اب اطمینان کے بعد پھر معترض ہونا صرف بیعت خلافت کا کرشمہ ہے!

محمد علی

10 اپریل 1940ء

12 مئی 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب سے ایک درخواست

مکرم معظم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ نے اپنے کسی خطبہ میں یا تحریر میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ جس طرح جماعت قادیان تبلیغ اور اشاعت کا کچھ کام کر رہی ہے، جماعت لاہور بھی اپنی جگہ پر کچھ کام کر رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اشاعت اور تبلیغ کا کام ہی حضرت مسیح موعود کا اصل کام تھا اور دونوں جماعتوں کے لئے یہ سب سے مقدم کام ہے۔ بایں اس وقت دونوں جماعتوں کی طاقت کا ایک خاصہ حصہ باہمی جھگڑے پر صرف ہو رہا ہے۔ اپنی اپنی جگہ پر ہر ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود کے اصل عقائد پر قائم ہے اور آپ کے مشن کو پورا کر رہی ہے۔ اور ہر ایک جماعت یہ چاہتی ہے کہ دوسری جماعت کے افراد کو اپنے اندر جذب کر کے اپنی قوت کو بڑھائے۔ اس لئے دونوں جماعتیں اس بات کی خواہش مند ہیں کہ ان کے دلائل سے دوسرا فریق بھی آگاہ ہو۔ اور اس وجہ سے ہر قسم کے سوالات اور اعتراضات اور ان کے جوابات دونوں طرف سے ہو رہے ہیں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ ہر فریق کے سامنے اس کے اپنے ساتھیوں کے اعتراضات اور دلائل تو آتے رہتے ہیں۔ مگر دوسرے فریق کے سوالات یا دلائل نہیں آتے۔ اور پھر لکھنے والے ہر قسم کے آدمی ہیں۔ ایک انبار اختلافی لٹریچر کا پہلے موجود ہے اور ایک نیا انبار اب تیار ہو رہا ہے اس میں جو خطرہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ خانہ جنگی دونوں جماعتوں کے اصل محاذ کو، جو اعداء اسلام کا مقابلہ ہے، نقصان پہنچائے گی۔

میں نے کچھ دن ہوئے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ ان مسائل میں، جن کی وجہ سے ہم میں باہم اختلاف ہے۔ ایک سیر کن بحث ہو جائے۔ جو آپ کے اور میرے درمیان ہو۔ اس کی طرف تو آپ نے کوئی توجہ نہیں کی۔ اس لئے اب میں یہ ایک دوسری تجویز آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اس باہمی اختلاف میں ہماری کم سے کم قوت خرچ ہو۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ قوت تبلیغ اسلام پر خرچ ہو سکے۔ میری تجویز یہ ہے کہ ہم دونوں فریق ایک دوسرے پر ایک معین تعداد سوالات یا اعتراضات کی

قائم کرلیں۔ مثلاً بیس یا چالیس یا پچاس، ہر ایک سوال ایک معین تعداد والفاظ سے زیادہ پر مشتمل نہ ہو۔ مثلاً بیس یا تیس یا چالیس الفاظ۔ ہر ایک سوال کے جواب میں بھی ایک معین تعداد زیادہ الفاظ نہ ہوں۔ مثلاً دوسو یا چار سو یا پانچ سو۔ پھر اول یہ دونوں فریق کے سوالات ''الفضل'' اور ''پیغام صلح'' میں آپ کے اور میرے دستخطوں سے شائع ہو جائیں۔ اوراس کے بعد ہفتہ وار یا جیسا مناسب سمجھا جائے، ایک ایک سوال لے کراس کا جواب دونوں اخباروں میں شائع ہوتا رہے اوراس جواب پر دستخط یا آپ کے ہوں یا میرے۔ میں جتنے سوال اور جواب لکھوں گا۔ اپنے قلم سے لکھوں گا۔ آپ اگر چاہیں تو بے شک دوسرے سے لکھوا لیں۔ مگر سوال یا جواب کی ذمہ داری صرف آپ کی ہوگی۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دونوں جماعتوں کو معلوم ہو جائے گا کہ مضبوط دلائل کس گروہ کے ہاتھ میں ہیں۔ پھر ہر ایک شخص کو اختیار ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے جس کے ساتھ چاہے شامل ہو جائے۔

اس طرح بہت سا وقت اور بہت سا خرچ اور بہت سی طاقت بچ کر وہ کسی اور زیادہ مفید کام پر لگ سکتے ہیں۔ آخر ہماری اپیل تو دلائل کے رنگ میں ہی ہے۔ زبردستی تو ہم کسی کو منوا نہیں سکتے۔ اگر ہم آپ کے دلائل کو کمزور سمجھتے ہیں۔ تو ہمیں اس میں کیا خطرہ ہے کہ آپ کے کمزور دلائل ہماری جماعت کے سامنے بھی آجائیں اور آپ ہمارے دلائل کو کمزور سمجھتے ہیں تو آپ کو اس میں کیا خطرہ ہے کہ ہمارے کمزور دلائل سے آپ کی جماعت آگاہ ہو کر اور بھی مضبوطی سے اپنے عقائد پر قائم ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں نقصان کسی کا نہیں اور فائدہ دونوں کا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو ایک دفعہ جواب کا موقع بھی دونوں فریق کو دیا جا سکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ بذات خود میری اس درخواست پر توجہ فرما کر جواب سے ممنون فرمائیں گے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

11 مئی 1940ء

12 مئی 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

مولوی غلام حسن خان صاحب سے گذارش

مکرم معظم مولوی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے آخری مضمون کو پڑھ کر مجھے اس بات پر افسوس ہوا کہ جس طرز کلام سے آپ آج سے پیشتر سخت ترین مخالفوں کے ساتھ بھی پیش نہ آئے تھے، وہ میاں صاحب کی بیعت کے بعد آپ نے میرے متعلق اختیار کیا ہے۔ میرے مطالبات نہایت سیدھے ہیں ان پر برہم ہونے کی ضرورت نہیں۔ آخر آپ پچیس سال لگا تار ''خلافت'' کی مخالفت کرتے رہے ہیں اس سے نہ آپ کو انکار ہوسکتا ہے، نہ دنیا کبھی اس کے خلاف یہ بات مان سکتی ہے کہ آپ ''خلافت'' کے مخالف نہ تھے۔ تو میرا ایک نہایت صاف سوال صرف اس قدر تھا کہ آیا آپ کی اتنی عمر بلا دلیل ہی مخالف میں گزری یا کچھ دلائل بھی آپ کے ہاتھ میں تھے۔ اگر آپ اتنی مدت بلا دلیل ہی مخالفت کرتے رہے ہیں تو پھر آپ سے اس وقت تائید خلافت کے دلائل طلب کرنا فی الواقع مناسب نہیں۔ لیکن اگر جیسا کہ دنیا جانتی ہے آپ قوی دلائل کے ساتھ خلافت کے مخالف تھے تو میں نے صرف اس قدر دریافت کیا تھا کہ وہ دلائل اب کس طرح غلط ثابت ہوئے؟!

آپ نے اس بات کی طرف توجہ کرنے کی بجائے مجھے دھوکا دینے اور تفرقہ اندازی کا مرتکب ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ آپ اس مضمون میں لکھتے ہیں کہ ''آپ نے ایک خلاف واقعہ بات پیش کر کے پبلک کو دھوکا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت میں تفرقہ کی بنیاد قائم ہوگئی اور اس نتیجہ کی ذمہ داری صرف آپ پر اور آپ کے رفقاء پر ہے۔''

اگر یہ سچ ہے تو اور رفقاء کو تو چھوڑ یئے۔ یہ ذمہ داری ہم دونوں پر ہے۔ یعنی آپ پر اور مجھ پر۔ کیونکہ جس نظام میں میں صدر تھا۔ اس میں آپ پہلے دن سے نائب صدر تھے۔ اور بیس سال تک نائب صدر رہے۔ اس لئے پبلک کو دھوکا دینے اور تفرقہ کی بنیاد قائم کرنے میں، میں اور آپ برابر کے شریک ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ میرے دوسرے رفقاء پر یہ ذمہ داری ڈالتے ہیں۔ لیکن آپ اپنے پر نہیں

ڈالتے۔ یہ تو انصاف نہیں۔ بلکہ دوسرے رفقاء پر یہ ذمہ داری اس قدر نہیں جس قدر آپ پر ہے۔ کیونکہ آپ ایک اور رنگ میں بھی اس میں میرے برابر کے شریک تھے جسے آپ اس وقت خلافت ثانیہ اور حق کا بلند ترین مظہر خیال کر رہے ہیں۔ اس کی تردید میں 1914ء میں ایک رسالہ لکھا گیا تھا جو صرف میری طرف سے نہ تھا بلکہ ہم دونوں کی طرف سے تھا اور آپ نے ذیل کے الفاظ بڑھا کر اس رسالہ پر اپنے دستخط کئے:

''مذکورہ بالا مضمون کی میں تصدیق اور تائید کرتا ہوں اور سلسلہ کی بھلائی اسی پر عامل ہونے میں یقین رکھتا ہوں'' (غلام حسن سب رجسٹرار پشاور)

''سلسلہ کی بھلائی'' کی بات دھوکا اور تفرقہ کس طرح بن گئی؟ تو اس وقت میرے اور آپ کے نزدیک انکار ''خلافت ثانیہ'' سلسلہ کی بھلائی تھی اور آپ نے اس رسالہ کو پڑھ کر اس کے مضمون کی نہ صرف تصدیق بلکہ تائید بھی کی تھی۔ اب آپ غور فرمائیں کہ جس بات پر عامل ہونے میں 1914ء میں آپ سلسلہ کی بھلائی سمجھتے تھے۔ آج اسے دنیا کو دھوکا دینا اور تفرقہ کی بنیاد قرار دے رہے ہیں۔ اس کی وجہ کیا اسی قدر ہے کہ آپ میرے مطالبات کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ طیش میں آ گئے ہیں اور اس غیظ کی وجہ سے جو آپ کو آئینہ دار اس عاجز میں نظر آیا اس بات میں جس میں 1914ء میں سلسلہ کی بھلائی نظر آتی تھی، آج دھوکا اور تفرقہ نظر آ رہا ہے۔ بہر حال اگر یہ سچ ہے کہ ہم محض دھوکہ دے رہے تھے تو آپ یوں تحریر فرماتے کہ:

''ہم دونوں یعنی محمد علی اور غلام حسن نے 1914ء میں ''خلافت'' کا انکار کر کے دنیا کو محض دھوکا دیا تھا۔ اور ایک تفرقہ کی بنیاد رکھی تھی''

میرا گناہ یہ ہے کہ میں دلائل کا مطالبہ کرتا ہوں۔ میں یہ اس لئے نہیں لکھتا کہ آپ کو اپنے ساتھ شامل کرنے سے مجھے کوئی خوشی ہوتی ہے۔ بلکہ اس لئے لکھ رہا ہوں کہ صرف اسی طرح آپ کے اس نظریہ کی لغویت آپ پر کھل سکتی ہے جو اب آپ قائم کر رہے ہیں کہ انکار خلافت محض دنیا کو دھوکا دینے کے لئے تھا۔ ہاں یوں آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت میں نے اور آپ نے سلسلہ کی بھلائی ''انکار خلافت'' میں دیکھی تھی۔ اب پچیس سال انکار کرتے کرتے آپ کو یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ سلسلہ کی

بھلائی تائید خلافت میں ہے اور میں اب بھی سلسلہ کی بھلائی اس خود ساختہ ''خلافت'' کے انکار میں ہی دیکھتا ہوں۔ جس سے میرے نزدیک بھی اور آپ کے نزدیک بھی چالیس کروڑ کلمہ گو کافر ہو گئے اور ختم نبوت کے بعد ایک نئی نبوت قائم ہو گئی اور ایک نئے دین کی بنیاد رکھ دی گئی۔ جس کا کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَـمَّـدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہیں۔ میرا گناہ صرف اسی قدر ہے کہ میں آپ سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ پہلے جن دلائل سے آپ سمجھتے تھے کہ ''خلافت'' کے انکار میں ہی سلسلہ کی بھلائی ہے۔ ان میں کیا غلطی نکلی۔ کسی آیت یا حدیث کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی یا حضرت مسیح موعود کی کسی تحریر کے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ اتنی معمولی سی بات پر روشنی ڈالنے کی بجائے آپ اس طرز کلام پر کیوں اتر آئے جو آپ کی ساری عمر کی عادت کے خلاف ہے۔ اور دوسرا یہ بتا دیں کہ اب اس ''خلافت'' کی تائید میں دلائل کیا ملے ہیں۔ ان دو سیدھے سوالوں کا جواب آپ نہیں دیتے۔ جس سے سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ کا بیعت خلافت کرنا دلائل پر مبنی نہیں بلکہ کسی جذبہ کے ماتحت ہے۔ آپ نے اپنی آخری گزارش میں یہ لکھا ہے کہ یہ بھی تلبیس کا طریق ہے کہ میں آپ سے خلافت کے دلائل مانگتا ہوں۔ حالانکہ نفی خلافت کے دلائل دینا میرے ذمہ ہے۔ کیونکہ میں ایک جاری شدہ چیز کو بلا وجہ بند کر رہا ہوں اور آپ میرے سوالات کو ملّا نوں کے سے سوالات قرار دیتے ہیں۔ تو یہ سوالات تو وہی ہیں جو میں اور آپ ہم دونوں پچیس سال سے قادیان والوں سے کر رہے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ختم نبوت کے بعد ایک نئی نبوت کس طرح قائم ہو گئی۔ ساری دنیا کے مسلمان، وہ جو حضرت مسیح موعود کے نام سے بھی بے خبر ہیں، دائرہ اسلام سے کس طرح خارج ہو گئے۔ لیکن اس کو بھی الگ رکھ کر آپ بھی جانتے ہیں اور ساری دنیا جانتی ہے کہ جو شخص دعوٰی کرے وہ اس کے اثبات کے لئے دلائل دیا کرتا ہے۔ اس کے مخالف سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تم پہلے انکار کے دلائل دو۔ پھر ہم اپنے دعوے کے اثبات کے دلائل پیش کریں گے۔

آیت استخلاف میں کس کے ساتھ خلافت کا وعدہ ہے؟: آپ نے اس حقیقت کا ایک رنگ میں اعتراف بھی کیا ہے۔ جب آپ نے خلافت کے دلائل میں آیت استخلاف کو پیش کیا تو میں آپ سے اول تو یہ سوال کرتا ہوں کہ آیت استخلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے لئے ہے یا مسیح موعود کے خلفاء کے لئے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ (55:24) میں ایمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم پر مراد ہے یا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پر۔خلافت کا وعدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے یا حضرت مرزا صاحب کو۔اگر ایمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی یہاں مراد ہے، اگر خلافت کا وعدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ہے،تو مسیح موعود کی خلافت تو یہاں سے نہ نکلی! مگر آپ نے الفاظ قرآنی کو تو بحث سے ہی خارج کر دیا۔اور ایک لمبی جست لگا کر الفاظ کے خلاف اپنی طرف سے ایک نیا اصول قائم کر لیا کہ:

''اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں میں خلافت کا سلسلہ قائم ہوگا۔اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔مگر کئی لوگ اس کا کفران کر کے فاسقون میں داخل ہو جائیں گے۔ چنانچہ اسلام کے ہر زمانہ میں خلافت کا سلسلہ کسی نہ کسی رنگ میں چلا آیا ہے اور ہر زمانہ میں اس کے منکر بھی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں آپ اور آپ کی انجمن اسی زمرہ میں داخل ہیں''

کاش دو جملے اور بھی بڑھا دیئے ہوتے۔یعنی ایک یہ کہ'' آج سے چار ماہ پیشتر میں (مولوی غلام حسن) بھی اسی زمرہ میں داخل تھا'' اور دوسرا یہ کہ''چودھویں صدی ہجری کے شروع میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بھی اسی زمرہ میں داخل تھے'' آپ ایسی کچی باتیں لکھنے کے عادی نہ تھے اور اس لئے مجھے بعض وقت یہ شک ہوتا ہے کہ یہ مضمون آپ ہی لکھ رہے ہیں؟ اگر یہ سچ ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ''ہر زمانے میں خلافت کا سلسلہ کسی نہ کسی رنگ میں چلا آیا ہے اور ہر زمانہ میں اس کے منکرین پیدا ہوتے رہے ہیں۔تو چودھویں صدی کے شروع میں یا تیرھویں کے آخر میں کونسا خلیفہ تھا جس کی بیعت حضرت مرزا صاحب نے کی تھی یا حضرت مرزا صاحب بھی منکر خلافت اور نعوذ باللہ خلافت کا کفران کر کے فاسقون میں داخل تھے۔اور کیا تاریخ اسلام میں آپ یہ دکھا سکتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک خلیفہ کہیں نہ کہیں موجود رہا ہے جس کی بیعت ساری اسلامی دنیا پر واجب تھی۔اور کوئی شخص قرآن کو مانے۔حدیث کو مانے مگر اس خلیفہ کو نہ مانے تو وہ فاسق تھا۔زیادہ نہیں مجھے صرف ایک پچھلی صدی کے ان خلفاء کا نام بتا دیں جو تیرھویں صدی ہجری کے آغاز سے لے کر اس کے آخر تک تھے اور پھر یہ بھی اعلان کر دیں کہ سوائے ان چند نفوس کے، جنہوں نے تیرھویں صدی میں پہلے مثلاً سید احمد صاحب

بریلویؒ کی، ان کے بعد ان کے فلاں خلیفہ کی، پھر اس خلیفہ کے بعد اس کے فلاں خلیفہ کی بیعت کر لی۔ باقی ساری دنیا کے مسلمان نعوذ باللہ فاسق تھے۔ کاش! آپ غور فرماتے کہ اس خلافت کی بیعت کر کے آپ کا قدم کس طرف جا رہا ہے اور کس طرح پر آپ ایسی باتیں کہتے چلے جاتے ہیں۔ جن سے اسلام کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

آپ یقیناً یہ جانتے ہیں کہ اس آیت میں یہ ذکر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس ساری امت، جو مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہوگی، ایک شخص ہر وقت ایسا موجود رہے گا۔ جس کی بیعت تمام مسلمانان عالم پر واجب ہوگی اور جو نہ کرے گا وہ فاسق ہوگا۔ یہ معنی تو کھلے واقعات کے خلاف ہیں اور قرآن شریف کے ایسے معنی کرنا، جو خلاف واقعات ہوں، بہت بڑی جسارت ہے۔ تو یہ آپ کی دلیل، جو آپ نے قادیانی ''خلافت'' کی تائید میں پیش کی ہے اور الفاظ قرآنی کی صراحت کو چھوڑ کر اپنی طرف سے بنا لی ہے، بہت ہی بودی تھے اس لئے عرض کروں گا کہ پھر غور فرمائیں اور کوئی مضبوط دلیل پیش کریں۔

دوسرے مطالبہ کو آپ نے چھوا ہی نہیں: میرا دوسرا مطالبہ آپ سے یہ تھا کہ میاں صاحب کے مصلح موعود ہونے کے بارے میں آپ کا خیال ہے۔ اس کو آپ نے چھوا ہی نہیں۔ اس لئے میں اس پر جو کچھ پہلے لکھ چکا ہوں کافی ہے۔

تیسرے مطالبہ کا جواب: میرا تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ آپ کے عقائد میں اور اس خلیفہ کے عقائد میں جس کی آپ نے بیعت کی ہے ایک بڑا بھاری فرق موجود ہے۔ یعنی وہ دنیا کے چالیس کروڑ کلمہ گو مسلمان کو کافر خارج از اسلام سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک آج کوئی شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار سے مسلمان نہیں ہوتا۔ گویا کلمہ اس کے نزدیک منسوخ ہے اور آپ کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے تو آپ دونوں میں مرشد اور مرید کا تعلق کس طرح قائم ہوسکتا ہے! کیونکہ مرید کے نزدیک مرشد کافر اور مرشد کے نزدیک مرید کافر۔ اور اس پر حوالہ میں نے خود جناب میاں صاحب کا دیا تھا کہ مسلمانوں کی تکفیر کرنے والوں اور عدم تکفیر کرنے والوں کو وہ ایک دوسرے کے نزدیک کافر ٹھہراتے ہیں۔ آپ نے جھنجھلا کر اس کا جواب دینے کی بجائے مجھے دو چار سنا دیں اور بالآخر کافر بنا دیا!

''یہ آپ کی سراسر دھوکا دہی ہے اور اگر دھوکا دہی نہیں تو پھر جہالت ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ آپ شیعوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور شیعہ خلفائے ثلاثہ کو، جو یقینی مومن ہیں، کافر سمجھتے ہیں۔ اب اگر ایک مومن کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے تو شیعہ کافر ہوئے اور جب آپ ان کو مسلمان کہتے ہیں تو اس اصل کے مطابق کہ ایک کافر کا مسلمان کہنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے، آپ خود ہی اس کفر کی لپیٹ میں آجاتے ہیں''

''دھوکا دہی'' اور ''جہالت'' کے الفاظ کے استعمال سے تو میں قائل نہیں ہو گیا۔ بلکہ پتہ لگ گیا کہ آپ کے پاس بجائے دلائل کے اس قسم کے نازیبا الفاظ کا ذخیرہ ترقی کر رہا ہے۔ آپ کی دلیل کا بوداپن میں پہلے بھی ظاہر کر چکا ہوں۔ پھر عرض کرتا ہوں کہ میرا سوال یہ ہے کہ ایک مسلمانوں کی تکفیر کرنے والا اور ایک کلمہ گوؤں کو مسلمان کہنے والا ان دو میں بوجہ ایک اختلاف عظیم کے پیر اور مرید کا تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔ آپ تو مجھے کفر کی لپیٹ میں لا کر خوش ہو گئے ہوں گے۔ مگر اول تو یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ کافر کو مسلمان کہنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ دوسرے آپ نے یہ غور نہ فرمایا کہ میں کس کے نزدیک کافر ہوں؟ اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے نزدیک نہیں۔ وہ بھی کلمہ گوؤں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ میں بھی سب کلمہ گوؤں کو مسلمان سمجھتا ہوں۔ مجھے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ وہ لوگ جو مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں، اپنے لئے ایسے پیر یا خلیفہ کا انتخاب کریں جو مسلمانوں کا مکفر ہے۔ بہرحال دونوں کا مسلک تو ایک ہوا۔ لیکن وہ لوگ جو مسلمانوں کی تکفیر نہیں کرتے۔ اس شخص کے مرید نہیں بن سکتے جو مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے۔ اور نہ وہ لوگ، جو مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں، اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کر سکتے ہیں جو مسلمانوں کی تکفیر نہیں کرتا۔ اس لئے میں تو کبھی کسی شخص کی بیعت نہیں لوں گا جو مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہو۔ اس طرح میاں صاحب کو چاہئے کہ ان لوگوں کی بیعت نہ لیں جو مسلمانوں کی تکفیر نہیں کرتے۔ وہ رئیس المکفرین ہوں اور ان کے مرید مکفر ہوں۔ تو یہ بات تو موزون ہے۔ لیکن جو مسلمان کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں وہ ایک رئیس المکفرین کی بیعت کس طرح کر سکتے ہیں۔ کیونکہ میاں صاحب کے اپنے قول کے مطابق ایسی صورت میں مرشد کے نزدیک ایک مرید کافر اور مرید کے نزدیک ایک مرشد کافر! اور ہمارے خیال کے مطابق بھی ایسا شخص، جو سارے روئے زمین کے مسلمانوں کی تکفیر

کرتا ہو، ایک ایسے جرم عظیم کا مرتکب ہے کہ گو ہم اسے مسلمان تو کہہ لیں۔ مگر وہ اس بات کا ہرگز اہل نہیں کہ مسلمانوں کے کسی گروہ کا ہادی اور رہنما بن سکے۔ ایسا شخص اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے نفرت کے قابل ہے نہ احترام کے قابل!

خان دلاور خاں صاحب کا خط: آپ نے اس کا ایک اور جواب دیا ہے۔ یعنی خان دلاور خان صاحب کے کسی خط کا ذکر کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس خط میں:

> ''حضرت خلیفہ صاحب نے کفر غیر احمدیاں کے مسئلہ کو حل کر دیا ہے اور صاف فرمایا ہے کہ اس سے مراد کفر دون کفر ہے۔ اور یہ منشاء نہیں کہ غیر احمدی لوگ ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرح اسلام سے نکل گئے ہیں''

یہ ایک سیاسی خط ہے۔ آپ خود بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔ تو پہلا تعجب مجھے یہ ہے کہ یہ خط تو آپ نے مدت سے دیکھا ہوا تھا اور اس کو دیکھنے کے بعد بھی آپ نے اپنی تفسیر میں قادیانیوں کو باطل پرست لکھا۔ پھر آپ نے جو بیعت کے وقت یہ اعلان کیا تھا کہ آپ کو خلیفہ صاحب سے بعض مسائل میں اختلاف ہے۔ وہ کیا مسائل تھے۔ کفر دون کفر کے تو آپ بھی قائل ہوں گے۔ اور خلیفہ صاحب بھی اب آپ کے نزدیک اسی حد تک جاتے ہیں۔ اس سے آگے نہیں جاتے۔ اور اسلام سے غیر احمدیوں کو خارج قرار نہیں دیتے۔ بایں آپ کا ''خلیفہ'' صاحب سے اختلاف عقیدہ کا اعلان کر کے بیعت کرنا بتاتا ہے کہ آپ کو بھی دلاور خاں والے خط کی صداقت پر یقین نہیں۔ تو آپ مجھے اس کی صداقت کا کس طرح قائل کر سکتے ہیں! وہ تو محض ایک سیاسی خط ہے اور اس کا منشاء ممکن ہے اسی قدر ہو کہ خان صاحب، جو ایک بڑے آدمی ہیں، پہلے کی طرح پھر جماعت سے نہ نکل جائیں۔ بہر حال آپ کا اختلاف عقیدہ بتاتا ہے کہ آپ بھی جو کچھ اب فرما رہے ہیں، کہ اس خط میں لکھا ہوا ہے، اس کے قائل نہیں۔

میاں صاحب کے عقیدہ کے متعلق الفضل کا تازہ اعلان: لیکن آپ کا قائل ہونا یا نہ ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ جناب میاں صاحب کا اصل عقیدہ ان کے اپنے اخبار ''الفضل'' میں اب پھر شائع ہو گیا ہے اور آپ نے جو وسوسہ پیش کیا ہے کہ جناب میاں صاحب اپنے پہلے عقیدہ سے کچھ پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ اس کی تردید اخبار ''الفضل'' میں ہو گئی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے اخبار ''الفضل'' 5 مئی 1940ء صفحہ اول

''حضرت امیر المومنین کا جو عقیدہ ہے اور جو پیغام صلح نے بھی نقل کیا وہ صرف یہ ہے کہ کل مسلمان، جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''

اس بات کو نوٹ فرمالیں کہ ''صرف'' یہی عقیدہ ہے۔ گویا اسلام سے خارج کرنے کے بعد کچھ اور بھی سزا دی جاسکتی تھی جو نہیں دی گئی۔

قادیانی اخبارات کا دین کے ساتھ تمسخر: مجھے ان باتوں پر تعجب آتا ہے کہ کس طرح کے اخبار میں دین کے ساتھ ہنسی ہو رہی ہے۔ آپ لکھ دیتے ہیں کہ میاں صاحب غیر احمدیوں کو خارج از اسلام نہیں کہتے تو وہ بھی شائع کر دیا جاتا ہے اور اگلے دن یہ بھی بڑے زور شور سے شائع کر دیا جاتا ہے کہ میاں صاحب کے نزدیک تمام غیر احمدی، وہ بھی جنہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام تک نہیں سنا، دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ '' کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی'' وہ 26 اپریل کا پرچہ یہ 5 مئی کا۔ پانچ اور پانچ دس دن کا فرق۔ ایک میں یہ دعوٰی کہ غیر احمدی خارج از اسلام نہیں۔ دوسرے میں یہ دعوٰی کہ خارج از اسلام ہیں۔ خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو۔ خاکسار

محمد علی

8 مئی 1940ء

اپنی جماعت کو ضروری انتباہ

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کو اس بات کا علم ہے کہ ہماری جماعت کے لئے حضرت مسیح موعود نے ماہوار چندہ کو اس قدر ضروری ٹھہرایا ہے کہ صاف الفاظ میں یہ فرمایا ہے کہ جو شخص نظام جماعت کے ماتحت ماہواری چندہ تین ماہ تک ادا نہیں کرتا، اسے جماعت سے خارج کر دیا جائے۔ بایں جماعت میں کئی ایک احباب ایسے ہیں جو اب تک ماہوار چندہ ادا نہیں کرتے اور بعض ایسے بھی ہیں جو باقاعدہ ادا نہیں کرتے اور بعض ایسے بھی ہیں جو ماہوار چندہ کی ادائیگی سے انکار کرتے ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود کے ارشاد کا احترام کرتے ہوئے میں آئندہ کے لئے اپنے سب احباب کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں اپنے مبلغین کو یہ ہدایات دے رہا ہوں کہ جو اصحاب ماہوار چندہ کے دینے سے قطعی انکار کرتے ہیں۔ ان کے ناموں سے مجھے اطلاع دیں۔ وہ نام شائع کر دیئے جائیں گے تاکہ جماعت میں کارکن احباب یا حضرت مسیح موعود کا حکم ماننے والے احباب کے متعلق غلط فہمی نہ رہے۔ فرمانبرداری اور یک دلی سے کام کرنے والے چالیس آدمی ان اسّی (80) سے اچھے ہیں جن میں سے بڑا حصہ کام میں کوئی مدد نہ دے اور تماشائی کے طور پر جماعت میں شامل ہوں۔ سو اول تو ان اصحاب کے نام سے جملہ احباب کو مطلع کر دیا جائے گا جو ماہوار چندہ دینے سے انکاری ہیں۔ اور پھر اس کے بعد دوسری کوشش یہ کی جائے گی کہ سب اصحاب اپنے چندوں کو باقاعدہ ماہ بہ ماہ ادا کریں۔ سوائے زمیندار اصحاب کے جن سے فصل کے موقعہ پر چندہ وصول کیا جائے گا اور جو اصحاب بار بار بیقاعدگی اختیار کر کے جماعت کی کمزوری کا موجب بن رہے ہیں ان کے ناموں سے بھی جماعتوں کو مطلع کر دیا جائے گا۔ ہمیں کام کرنے والے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ جو کام کرنے سے انکار کریں انہیں نام کے لئے ساتھ رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔

خاکسار محمد علی

❁❁❁

26 مئی 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

قادیانی احباب کے لئے ایک قابل غور موازنہ

اگر جماعت لاہور قادیانی جماعت کے ساتھ مل جاتی!

جماعت قادیان 1914ء کے شروع میں یعنی اختلاف کے وقت خواہ چار لاکھ تھی اور خواہ پچیس ہزار۔ یہ امر یقینی ہے کہ جماعت لاہور اس وقت جماعت قادیان کے مقابلہ میں صرف دو فیصد تھی۔ اگر احباب قادیان کا حافظہ کام نہ دے تو ذیل کے حوالے نکال کر دیکھ لیں:

الفضل 14 اپریل 1914ء ...... قادیان میں سوائے تین کے سب آپ کی خلافت پر متفق ہیں''

الفضل 20 اپریل 1914ء اختلاف کے سوا ماہ بعد ''یقینی طور پر کل انجمنیں بیعت میں داخل ہو چکی ہیں۔ پشاور اور گوجرانوالہ کے دو چار آدمی رکے ہوئے ہیں'' دو چار کو کل سے کیا نسبت تھی۔ یہ حساب آپ خود لگا سکتے ہیں۔

الفضل 11 مئی 1940ء جماعت احمدیہ لاہور کے بننے کے آٹھ دن بعد۔ ''ہم کئی بار بتا چکے ہیں کہ 98 فیصدی بیعت کر چکے ہیں'' اور اس وقت بھی

اگر جماعت قادیان جماعت احمدیہ لاہور کے ساتھ مل جاتی!

جماعت احمدیہ لاہور کی سالانہ آمدنی پہلے سال میں صرف سات ہزار روپیہ تھی اور اس وقت پونے دو لاکھ کے قریب ہے۔ جماعت قادیان کی آمدنی اختلاف کے وقت دو لاکھ تھی اور اس وقت پانچ لاکھ ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ جماعت قادیان کی تنظیم بہت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ لیکن اگر جماعت قادیان جماعت لاہور کے ساتھ مل گئی ہوتی تو آج بجائے پانچ لاکھ کے اس کی آمدنی پچاس لاکھ سے اوپر ہوتی۔ کیونکہ اگر جماعت لاہور نے اپنی موجودہ تعداد کے ساتھ اپنی آمدنی کو پچیس گنا کر لیا ہے تو جماعت قادیان کے ساتھ مل جانے سے اس کی آمدنی جو دو لاکھ تھی یقیناً اسی نسبت سے ترقی کر جاتی۔ یعنی پچیس گنا ہو کر پچاس لاکھ تک پہنچ جاتی۔ لیکن آمدنی کے سوال کو چھوڑ کر جو کام بھی اس اثناء میں اکیلی جماعت لاہور نے کیا ہے۔ اگر جماعت قادیان، جو پچاس گنا تھی، اسی کی ہدایت کے

قادیانی جماعت کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ ہم صرف دو فیصد ہیں۔

پس اگر جماعت لاہور الگ نہ ہوئی ہوتی تو خلافت قادیان کے وابستگان میں صرف دو فیصد کا اضافہ ہوتا۔ یعنی اگر وہ اس وقت بقول خود دس لاکھ ہیں تو ہماری شمولیت سے دس لاکھ بیس ہزار بن جاتے۔ سوا دس لاکھ بھی نہیں۔ ان کی موجودہ سالانہ آمدنی ان کے اپنے اقرار کے مطابق پانچ لاکھ روپے سالانہ ہے۔ دو فیصد کے اضافہ سے دس ہزار روپیہ اور بڑھ جاتا۔ یعنی کل پانچ لاکھ دس ہزار آمدنی ہو جاتی۔ پچیس ہزار کے سالانہ اجتماع کے بجائے پچیس ہزار پانچ سو کا اجتماع ہو جاتا۔ سوال یہ ہے کہ اس حقیر سے اضافہ سے کیا قادیان کی جماعت کے کسی کام کو کوئی معتد بہ فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ یا ان کے نکل جانے سے ان کے کسی کام کو کوئی معتد بہ نقصان پہنچا؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔

اگر 1904ء سے پہلے کا بنا ہوا ایک ہائی سکول پانچ لاکھ سالانہ آمدنی اور دس لاکھ آدمیوں کی کوشش سے کالج نہ بن سکا۔ اگر اس ہائی سکول کے ساتھ دو چار اور ہائی سکولوں کا اضافہ نہ ہو سکے تو ظاہر ہے کہ پانچ لاکھ کی آمد پر دس ہزار ماتحت چلتی تو یہ کام بھی پچاس گنا ہوتا اور پچاس گنا کام ہونے سے نتائج ذیل ہوتے۔

الف۔ جماعت لاہور نے دو ہائی سکول قائم کئے ہیں۔ اگر جماعت قادیان جماعت احمدیہ لاہور کی ہدایت کے ماتحت چلتی تو یقیناً پانچ کالج اور پچاس ہائی سکول بنا چکی ہوتی۔

ب۔ جماعت لاہور نے تین یورپین زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے کر دیئے ہیں۔ اگر پچاس گنا جماعت قادیان بھی اس کے ساتھ ہوتی تو اس وقت تک ڈیڑھ سو زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ ہو چکا ہوتا۔

ج۔ جماعت احمدیہ لاہور نے یورپ میں چار اسلامی مشن قائم کر دیئے ہیں۔ انگلستان، جرمنی، ہالینڈ، سپین۔ اگر اس سے پچاس گنا جماعت قادیان بھی ان کے ساتھ ہوتی تو بجائے چار کے دوسو اسلامی مشن یورپ میں کام کر رہے ہوتے۔

د۔ جماعت احمدیہ لاہور نے وسط یورپ میں ایک عظیم الشان مسجد بنوا دی ہے۔ اگر پچاس گنا جماعت قادیان بھی اس کی ہدایت کے ماتحت کام کرتی ہوتی تو پچاس مسجدیں مختلف کفرستانوں میں بنی ہوئی ہوتیں۔ جہاں سے اللہ اکبر کی آواز بلند ہوتی۔

بڑھ جانے سے بھی یہ کام نہ ہوسکتا۔ جہاں پانچ لاکھ سالانہ خرچ ہو رہا ہے۔ دس ہزار اور بھی اس میں خرچ ہو جاتا۔

اگر پانچ لاکھ سالانہ کی آمد سے اور دس لاکھ انگریزی ترجمہ جو 1914ء میں بڑے زور شور سے شروع کیا گیا تھا، پچیس سال میں تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ یعنی ایک کروڑ روپے سے جو پچیس سال میں آیا ہوگا، یہ کام نہ ہوسکا تو ایک کروڑ دو لاکھ سے بھی کوئی تیر نہ مارا جا سکتا تھا۔

غرض جماعت قادیان جو بھی مفید کام کر رہی ہے اس میں ہمارے دو فیصد کے اضافہ سے کوئی معتد بہ فائدہ نہ پہنچتا۔ لیکن **اگر جماعت لاہور قادیان سے الگ نہ ہوئی ہوتی** تو خدمت اسلام کے کام کو حسب ذیل بھاری نقصان پہنچا ہوتا۔

الف۔ آج یورپ میں چار اسلامی مشن قائم نہ ہوتے

ب۔ برلن میں ایک عظیم الشان مسجد نہ بنی ہوتی

ج۔ تین یورپین زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے نہ ہوئے ہوتے۔ یعنی انگریزی، ڈچ اور جرمن

د۔ پانچ زبانوں میں اسلامی رسالے اور اخبار جاری نہ ہوئے ہوتے

ہ۔ تیس زبانوں میں اسلامی لٹریچر کا ترجمہ ہو کر

ہ۔ جماعت احمدیہ لاہور کے پانچ اسلامی رسالے مختلف زبانوں میں کام کر رہے ہیں۔ جماعت قادیان نے بھی اس جماعت کا ساتھ دیا ہوتا تو اڑھائی سو زبانوں میں اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں اسلامی تعلیم کے پھیلانے والے رسالے اور اخبار کام کر رہے ہوتے۔

و۔ جماعت احمدیہ لاہور نے تیس زبانوں میں تعلیمات اسلام کا ترجمہ کر کے انہیں پھیلایا ہے۔ اگر جماعت قادیان بھی اس کے ساتھ ہوتی تو پندرہ سو زبانوں میں ایسے ترجمے ہو چکے ہوتے اور دنیا کے ہر کونہ میں صحیح تعلیمات اسلام پہنچ چکی ہوتیں۔

ز۔ جماعت احمدیہ لاور نے بارہ ہزار کاپی انگریزی اور جرمن میں ترجمہ قرآن کی دنیا کے مختلف ممالک میں مفت بھجوائی ہے جماعت قادیان بھی اس کے ساتھ ہوتی تو مختلف زبانوں میں ترجمہ قرآن کی چھ لاکھ کاپی مفت پہنچ چکی ہوتی۔ پندرہ ہزار سیرت نبویؐ کے بجائے ساڑھے سات لاکھ کاپیاں سیرت نبویؐ کی مفت دنیا میں پہنچ چکی ہوتیں۔ پچاس ہزار رسالہ جات کے بجائے جو تعلیم اسلام کے متعلق دنیا میں مفت پہنچائے گئے ہیں۔ پچیس لاکھ کاپی پہنچ گئی ہوتی۔

دنیا میں نہ پھیلا ہوتا۔ و۔ دس ہزار کاپی قرآن قرآن کریم کے ترجمہ انگریزی کی مفت دنیا میں نہ پہنچی ہوتی۔ نہ دو ہزار جرمن ترجمہ کی۔ نہ پندرہ ہزار کاپی سیرت نبویؐ کی پہنچی ہوتی۔ نہ پچاس ہزار سے اوپر کتابیں اور رسالے تعلیم اسلام پر دنیا میں مفت پہنچے ہوتے ز۔ مسلمان قوم کی جائیداد میں دو ہائی سکولوں اور ان کی دو عمارتوں اور بورڈنگ ہاؤسوں کا اضافہ نہ ہوا ہوتا۔ جن سے ہزار ہا طالب علم دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کر کے نکل چکے ہیں۔

ح۔ اتنا بڑا ذخیرہ اسلامی لٹریچر کا جس پر آج مسلمان قوم بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ قرآن، حدیث، سیرت، غیر مذاہب کی تحقیقات وغیرہ یہ کوئی کام نہ ہوا ہوتا۔ اور حضرت مسیح موعود کے ورثہ سے دنیا محروم رہ جاتی۔ اور اس فائدہ سے محرومی کے علاوہ یہ نقصان بھی پہنچا ہوتا کہ: آج حضرت مسیح موعود کی اصلی تعلیم پر وہی تاریکی کا پردہ پڑ گیا ہوتا جو مسیحؑ اسرائیلی کی تعلیم پر پڑ گیا تھا۔ یعنی غلو ہی غلو باقی رہ جاتا۔ اور جس طرح مسیحؑ اسرائیل کے خدا ہونے کا اعتقاد ہی باقی رہ گیا اور آپ کی رسالت کا اعتقاد آپ کے پیروؤں میں سے بالکل نابود ہو گیا، اسی طرح

ح۔ اور اسلامی لٹریچر میں پچاس گنا اضافہ ہو کریم کے ترجمہ انگریزی کی مفت دنیا میں نہ پہنچی ہوتی۔ نہ دو ہزار جرمن ترجمہ کی۔ نہ کر ساری دنیا نور اسلام سے منور ہو چکی ہوتی۔

میں نہیں کہتا کہ جماعت قادیان کی موجودہ رہنمائی کس حد تک جماعت قادیان کی بے عملی کی ذمہ دار ہے۔ لیکن خدارا غور فرمائیں کہ اگر جماعت قادیان بھی جماعت لاہور کی رہنمائی کے نیچے کام کر رہی ہوتی اور جماعت احمدیہ کے کارنامے یہ ہوتے کہ پانچ کالج قائم ہوتے، پچاس ہائی سکول ہوتے، دنیا کی ڈیڑھ سو زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ ہو چکا ہوتا، دوسو اسلامی مشن یورپ اور امریکہ ایشیاء وغیرہ میں کام کر رہے ہوتے۔ پچاس مساجد یورپ اور امریکہ وغیرہ میں بنی ہوئی ہوتیں۔ اڑھائی سو زبانوں میں رسالے اور اخبار تعلیم اسلام پر نکل رہے ہوتے۔ پندرہ سو زبانوں میں تعلیم اسلام دنیا میں پھیل چکی ہوتی۔ چھ لاکھ کاپی قرآن کریم کے تراجم کی، ساڑھے سات لاکھ کاپی سیرت نبویؐ کی، پچیس لاکھ کاپی تعلیمات اسلام پر رسائل کی مفت دنیا میں پہنچ چکی ہوتی۔ یہ کچھ نہ سہی۔ اس سے نصف یا تہائی یا پانچواں حصہ ہی

حضرت مسیح موعود کی نبوت کا اعتقاد ہی باقی رہ جاتا اور آپ کے اصل منصب مجددیت کو کوئی سامنے لانے والا نہ ہوتا۔ اور یہ سمجھا جاتا کہ جس طرح باب اور بہاء اللہ نے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو منسوخ قرار دے کہ ایک نیا دین بنا لیا۔ اسی طرح حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے کلمہ کو منسوخ قرار دے کر ایک نئے دین کی بنیاد رکھ دی تو ہمارے جماعت قادیان سے الگ ہونے سے نقصان تو کوئی نہیں ہوا۔ البتہ فوائد بے شمار پہنچے ہیں۔

کام ہوا ہوتا تو دنیا میں احمدیت کی اور حضرت مسیح موعود کی کس قدر عزت ہوتی۔ اور کس طرح گروہ در گروہ مسلمان اس میں شامل ہوتے اور فوج در فوج غیر مسلم اسلام میں داخل ہو رہے ہوتے۔

میرے پیارے بھائیوں! آج بھی اس کام کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اور بیس سال میں ہم یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ کے مدنظر خدمت اسلام، تبلیغ قرآن، احمدیت اور مسیح موعود کی عزت میں قائم کرنا ہو۔ اور آپ بلا وجہ تعصب کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ آملیں۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

21 مئی 1940ء

26 مئی 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

قادیانی اصحاب سے حضرت مسیح موعود کے دعوٰی نبوت کے متعلق دو سوال

پہلا سوال: حضرت مسیح موعود نے دعوٰی نبوت کب کیا؟ جناب میاں صاحب کے اس بارے میں تین متضاد بیانات ہیں۔

پہلا بیان: 30 جنوری 1915ء ''القول الفصل''، صفحہ 44

☆''تریاق القلوب کی اشاعت تک (جو کہ اگست 1899ء میں شروع ہوئی اور 25 اکتوبر 1902ء میں ختم ہوئی) آپ کا عقیدہ یہی تھا...... کہ آپ کو جو نبی کہا جاتا ہے تو یہ ایک قسم کی جزوی نبوت ہے اور ناقص نبوت ہے۔ لیکن بعد میں...... آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ آپ...... کسی جزوی نبوت کے پانے والے نہیں بلکہ نبی ہیں''

☆''پس 1902ء سے پہلے کی کسی تحریر سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہوسکتا''

دوسرا بیان: مارچ 1915ء ''حقیقت النبوت''، صفحہ 121

☆''نبوت کا مسئلہ آپ پر 1900ء یا 1901ء میں کھلا ہے''

☆''یہ بات ثابت ہے کہ 1901ء کے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے''

تیسرا حلفی بیان: 27 مارچ 1935ء بعدالت دیوان سکھا نند مندرجہ الفضل 30 مارچ 1935ء

☆''حضرت مرزا صاحب نے دعوٰی نبوت 1890ء کے آخر میں یا 1891ء کے شروع میں کیا''

جناب میاں صاحب کے ان تینوں بیانات میں سے، جو ایک دوسرے کے متضاد ہیں، آپ

کس بیان کو سچا سمجھتے ہیں؟ دعوٰی نبوت 1902ء میں کیا یا 1901ء میں کیا یا 1890ء میں کیا؟

غالباً آپ کا جواب یہی ہوگا کہ آخری اور حلفی بیان درست ہے۔ ورنہ دروغ حلفی بن جاتی ہے اور میرا خیال ہے کہ اگر کسی عدالت میں جناب میاں صاحب سے یہ حلف کے ماتحت دریافت کیا جائے کہ ان کا کونسا بیان سچا ہے۔ تو وہ خود بھی اپنے حلفی بیان کو ہی سچا کہنے پر مجبور ہوں گے۔ لیکن اس صورت میں دو اور سوال پیدا ہوتے ہیں کہ:

الف۔ اگر فی الواقع 1890ء میں حضرت مسیح موعود نے دعوٰی نبوت کیا تھا تو کیا وہ مکفر علماء، جنہوں نے اس بنا پر آپ پر کفر کا فتوٰی لگایا تھا کہ آپ نبوت کا دعوٰی کرتے ہیں، سچے تھے؟

ب۔ اور حضرت مرزا صاحب نے جب بالفاظ ذیل دعوٰی نبوت سے انکار کیا۔

☆''نبوت کا دعوٰی نہیں بلکہ محدثیت کا ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے'' (ازالہ اوہام صفحہ 421)

☆''ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں'' (مجموعہ اشتہارات صفحہ 223)

☆''اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا ہو'' (نشان آسمانی صفحہ 28)

☆''ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعوٰی کرتا ہے'' (حمامتہ البشرٰی صفحہ 8)

☆''بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال کر لیں'' (اقرار نامہ 3 فروری 1892ء)

تو 1890ء میں دعوٰی نبوت کرنے کے بعد جب یہ اور اس قسم کی صدہا اور تحریریں لکھیں تو نعوذ باللہ من ذالک کیا آپ دن رات یہ جھوٹ بولتے جاتے تھے اور صرف اپنے مخالفوں کو دھوکا دے رہے تھے؟!

دوسرا سوال: حضرت مسیح موعود نے اپنے متعلق لفظ نبی کی جو تشریح کی ہے، کیا آپ اسے درست سمجھتے

ہیں یا غلط؟

مثلاً آپ فرماتے ہیں:

☆ ''اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنی آنحضرت صلعم نے مکلّم مراد لئے ہیں'' (اقرار نامہ 3 فروری 1892ء)

☆ ''نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لئے صرف خدا تعالیٰ کی یہ مراد ہے کہ کوئی شخص کامل طور پر شرف مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ حاصل کرے اور تجدید دین کے لئے مامور ہو'' (تجلیات الٰہیہ صفحہ 8 حاشیہ)

☆ ''بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے بیشک ہیں۔ لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں اور جیسے یہ محمول نہیں ویسے ہی وہ ''نبی'' کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے۔ وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے'' (سراج منیر صفحہ 3)

☆ ''اس جگہ میری نسبت کلام الٰہی میں رسول اور نبی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے...... یہ اطلاق مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے'' (تحفہ گولڑویہ صفحہ 24)

وَسُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ (ضمیمہ حقیقت الوحی صفحہ 65)

☆ ''محدثیت کو ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے تو کیا اس سے دعوٰی نبوت لازم آ گیا'' (ازالہ اوہام صفحہ 422)

اس سوال کا جواب دینے کے لئے جناب میاں صاحب کی طرف رجوع نہ کریں۔ کیونکہ وہ دونوں باتیں لکھ گئے ہیں:

☆ ''حضرت مسیح موعود کے اپنے کئے ہوئے معنوں سے باہر جانے کی اجازت کسی کو نہیں'' (حقیقۃ النبوۃ صفحہ 161)

☆''ہم کیوں اس نبی کے لفظ کے ساتھ ظلّی یا جزوی کا لفظ بول کر مجرم بنیں''(الفضل26 نومبر 1913ء)

آپ لوگ مجھ پر جو اعتراض کرتے ہیں وہ بلاسوچے سمجھے کرتے ہیں۔ میں حضرت صاحب کی تشریحات کو درست مانتا ہوں۔ اس لئے میرے لفظ نبی کے استعمال کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں نے اسے اسی طرح مجاز اور استعارہ کے طور پر استعمال کیا۔ جس طرح حضرت مسیح موعود نے کیا۔ مراد اس سے محدث لیا۔ جس طرح حضرت صاحب نے مراد محدث لیا۔

مسئلہ نبوت آپ کے لئے ایک عقدہ لاینحل اس لئے ہو گیا ہے کہ آپ حضرت صاحب کی تشریحات کو رد کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک حضرت صاحب کے مکفر حق پر تھے اور حضرت صاحب خود باطل پر۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اور پھر آپ کو کسی بات پر قرار نہیں۔ دعویٰ نبوت تک کی تاریخ تک کی تعین آپ نہیں کر سکتے۔

محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

3 جون 1940ء
مکتوب امیر

موجودہ وقت میں ہمارا فرض

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج کل قادیانی جماعت میں جناب میاں صاحب کی تحریک پر ایک خاص جوش ہمارے مٹانے کے لئے پیدا ہوا ہے اور وہ اٹھتے بیٹھتے اسی فکر میں ہیں کہ ہم پر ہر قسم کے اعتراضات کا ایک طومار بنا کر ہمارے احباب کے دلوں میں وساوس پیدا کریں۔ ابتدائے اختلاف میں بھی کئی سال تک ان کا یہی شغل رہا۔ تا کہ یہ جماعت بننے نہ پائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام کوششوں کو ناکام کر کے چار پانچ آدمیوں کے کام میں وہ برکت دی کہ آج دنیا کے کناروں تک اس جماعت کا کام پہنچا ہوا ہے۔

جماعت لاہور کا کام: اور اپنے کام کے لحاظ سے یہ جماعت ایک بلند مینار پر کھڑی ہے۔ لیکن جس طرح ایک عیسائی یا آریہ بغیر اس بات کو سوچنے کے کہ اسلام نے نسل انسانی کی بہتری کا کتنا بڑا کام کیا، اسلام کو صرف اعتراضات کا ہدف بنانا جانتا ہے۔ یا جس طرح ملاں لوگ اور ان کے پیرو حضرت مجدد صد چہار دہم کی عظیم الشان خدمات اسلام کی طرف توجہ کئے بغیر صرف آپ پر نکتہ چینی کرنا ہی جانتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے قادیانی احباب کی حالت ہے کہ ان کی آنکھیں اس طرف سے تو بند ہیں کہ ہم سے محض اللہ کے فضل نے اپنے دین کی خدمت کا کتنا بڑا کام لیا جو تعداد کے لحاظ سے ہماری طاقت سے بہت ہی بلند نظر آتا ہے۔ کتنے اسلامی مشن ہم نے یورپ میں قائم کر لئے۔ کتنی زبانوں میں قرآن کریم اور تعلیمات اسلامی کا ترجمہ کر دیا۔ کتنے ہزار کاپیاں قرآن کریم کے تراجم اور دیگر کتب مفت دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں۔ تعلیمی رنگ میں بھی دو ہائی سکول قائم کر دیئے۔ اور یہ اتنا بڑا کام ہے کہ قادیان کی ہم سے پچاس گنا جماعت بھی اتنا کام نہیں کر سکی۔ لیکن یہ ہمارا سارا کام ان کی نظروں میں ہیچ ہے اور اس کام کو دیکھتے ہوئے بھی وہ ہماری جماعت کو تباہ کرنے کے درپے ہیں۔ اسے فاسق اور باغی قرار دیتے ہیں۔ **لِیُمَزِّقَنَّھُمْ** کے خواب چھبیس سال سے دیکھ رہے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ہم ان کی خود ساختہ خلافت کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔

قادیانیوں نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی ہے: خدمت اسلام کا کام ہو نہ ہو۔ مسیح موعود کی تعلیم قائم رہے نہ رہے۔ وہ تب خوش ہوں گے کہ ہمارے سر اس خلیفہ کے سامنے جھکیں جس نے بیک جنبش قلم چالیس کروڑ مسلمانوں کو اسلام سے خارج کر دیا کلمہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کو منسوخ کر دیا اور دین اسلام کی تیرہ سو سالہ بنیاد کو گرا کر ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔ جس میں خدا اور رسولؐ کی جگہ خلیفہ نے لے لی ہے کیونکہ اس نئے مذہب میں خلیفہ ایک ایسی ہستی ہے جسے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے یہ غلطی کی ہے۔ اگر اس کا اعتراض سچا بھی ہو۔ یعنی خلیفہ سچ مچ غلطی پر ہو تو بھی معترض ہی جہنم میں جائے گا۔ لیکن میں آپ کو پہلی بات یہ کہوں گا کہ آپ ان کے اپنے پاس آنے کو بُرا نہ منائیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ایک موقعہ پیدا کر دیا ہے کہ شائد وہ ہماری بات سنیں اور اگر خدا توفیق دے تو سن کر غور بھی کریں۔ وہ آپ کے پاس تبلیغ کے لئے آئیں۔ تو آپ ان سے نرمی اور محبت سے پیش آئیں اور انہیں بتائیں کہ ہم آپ کے اعتراضات کو سننے کے لئے اور ان کا جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن پہلے ان سے دو باتیں دریافت کریں کہ:

1۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے تبلیغ و اشاعت قرآن کی توفیق کیوں چھین لی؟ کیا یہی وہ غرض نہ تھی۔ جس کے لئے مسیح موعود کو مبعوث کیا گیا تھا۔ کیا آپ نے مسیح موعود کے دعوے کے ساتھ ہی اس بات کو واضح نہ کر دیا تھا کہ ''ایک شخص خدا کی طرف سے اُٹھا ہے اور چاہتا ہے کہ اسلام کا خوبصورت چہرہ تمام دنیا پر ظاہر کرے اور اس کی راہیں مغربی ملکوں کی طرف کھولے'' (ازالہ اوھام صفحہ 669)، ''میری صلاح یہ ہے کہ...... عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے'' (ازالہ اوھام صفحہ 773) اور پھر یہ دریافت کریں کہ کیا یہ سچ ہے یا نہیں کہ 1914ء میں اختلاف کے وقت جماعت قادیان نے اسی غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ ایک پارہ ماہوار کی رفتار سے ترجمہ قرآن کریم دنیا کو دے دیں گے اور اس طرح اڑھائی سال میں حضرت مسیح موعود کی دلی تڑپ کو پورا کر دیں گے۔ اور پھر یہ بھی دریافت کریں کہ یہ سچ ہے یا نہیں کہ اڑھائی سال کی بجائے پچیس سال بھی گزر گئے۔ جوبلی بھی ہوگئی۔ لیکن یہ کام ان سے نہ ہو سکا۔ اور کیا یہ سچ ہے یا نہیں کہ اس چھوٹی سی

جماعت نے جس کے چند افراد خالی ہاتھ قادیان سے نکلے تھے، اس مدت میں ایک نہیں تین زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ کر دیا اور اس کی ہزار ہا کاپیاں مفت دنیا میں پہنچا دیں۔ اور سیرت نبویؐ اور تعلیمات اسلام کا ترجمہ تیس زبانوں میں کر دیا اور بالآخر یہ بھی دریافت کریں کہ کبھی آپ لوگ یہ غور کیوں نہیں کرتے کہ اتنی تعداد اور اتنے مال اور اتنے نظام کے باوجود حضرت مسیح موعود کی بعثت کی اصل غرض کو پورا کرنے کی توفیق آپ سے کیوں چھن گئی اور جس جماعت کو آپ فاسق اور مرتد قرار دے کر تباہ کرنا چاہتے ہیں، اسے بے سروسامانی کی حالت میں کیوں اتنی نصرت مل گئی!

2۔کلمہ منسوخ ہے یا نہیں؟ دوسری بات جو سب سے پہلے فیصلہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ ان سے دریافت کیا جائے کہ آپ کے خلیفہ صاحب، جن کی بیعت آپ ہم سے چاہتے ہیں کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی منسوخی کے قائل تو نہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان کے کھلے اعلان کی رو سے چالیس کروڑ مسلمان، جو روئے زمین پر آباد ہیں، دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔ گو انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آج اس زمین پر کہیں کوئی کافر کلمہ پڑھ کر مسلمان بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے تو یہ چالیس کروڑ، جو کلمہ پڑھتے ہیں، یہ کافر کس طرح بن گئے اور اگر نہیں ہو سکتا تو پھر کلمہ منسوخ ہوا۔ تیرہ سو سال تک تو اس کلمہ کو پڑھ کر لوگ مسلمان ہو جاتے تھے۔ لیکن اگر آج کلمہ کے پڑھنے سے مسلمان نہیں ہوتے تو پھر اس بات کے ماننے سے کوئی چارہ نہیں کہ کلمہ منسوخ ہوا۔ اور یہ بھی دریافت کریں کہ اگر یہ کلمہ منسوخ ہے، تو اس کی جگہ کون سا کلمہ ہے، جسے پڑھ کر آج کوئی شخص مسلمان ہو سکتا ہے۔

مسئلہ کفر و اسلام پر فیصلہ کن بحث کی دعوت: اس کے بعد نصیحت کے رنگ میں انہیں یہ توجہ دلائیں کہ جب دونوں جماعتوں میں اتنا بڑا اختلاف ہو۔ جس کی زد دین اسلام کی بنیاد پر پڑتی ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ دین اسلام کی بنیاد ہے۔ اگر وہ بنیاد ہی نہ رہی تو اس کے اوپر جو عمارت ہے وہ خود گر گئی۔ پس اتنے بڑے اختلاف کے سامنے چھوٹے چھوٹے اعتراضات کو لانا بے معنی ہے۔ اگر ہم میں اور آپ میں پچاس بھی اور اختلافی مسائل ہوں تو وہ اس ایک اختلاف کے سامنے، کہ کلمہ منسوخ ہے یا دین اسلام ہی منسوخ ہے، ہیچ ہیں۔ پہلے کیوں اس اصولی اختلاف کا فیصلہ نہ کیا جائے کہ کیا حضرت مسیح موعود کا

یہ مذہب تھا۔ اور کیا اس کے فیصلہ کا اس سے بہتر کوئی طریق ہوسکتا ہے کہ دونوں جماعتوں کے امام اس پر ایک فیصلہ کن بحث کر لیں۔ جو چاہے ایک مجمع میں ہو جائے اور چاہے اخبارات کے ذریعے سے ہو جائے۔ اور کیوں جناب میاں صاحب اس بحث سے گریز کرتے ہیں۔ اگر ان کا یہی عقیدہ ہے تو مرد میدان بن کر آئیں۔ کم سے کم یہ تو ثابت کرنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود کا یہی مذہب تھا کہ اب کلمہ کے اقرار سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ ہم تمام دوسرے اعتراضات کو سننے کے لئے اور ان کا جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔ مگر اس وقت پہلے اس بنیادی اختلاف پر گفتگو ہو جائے۔

تین ضروری باتیں: اس کے ساتھ ہی میں آپ کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری کامیابی کا انحصار اس پر نہیں کہ ہم نے زید یا بکرؓ کو شکست دے دی بلکہ اپنی جماعت کو مضبوط کرنے پر ہے۔ **عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ** (105:5) خدا کا حکم ہے اس کے لئے مختصراً تین باتوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

توسیع جماعت کی کوشش کرو: **اول**۔ یہ کہ ہمیں چاہئے کہ ہم اُٹھتے بیٹھتے اس فکر میں رہیں کہ کس طرح دوسروں کو اس جماعت کے اندر لا کر انہیں خدمت اسلام کے کام کی قوت کا موجب بنا سکتے ہیں۔ جو دوست اس طرف توجہ نہیں کرتے میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ اپنی خداداد طاقتوں کو ضائع کر رہے ہیں۔ ایک ایسا آدمی، جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا، وہ بھی تبلیغ کا کام کرسکتا ہے۔ پھر ابھی تو ہمارے اپنے گھروں کے اندر تبلیغ کی ضرورت ہے۔ اپنے دوستوں میں تبلیغ کی ضرورت ہے۔ اپنے ساتھ ہر وقت ہتھیار رکھو۔ ہمارا ہتھیار وہ علمی دلائل ہیں جو ہمارے ٹریکٹوں، رسالوں اور کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ مفت اشاعت کے ٹریکٹ اپنے پاس رکھو اور انہیں ایک بیج کی طرح جہاں موقعہ دیکھو ڈالتے رہو۔ اور جہاں ضرورت ہو مزید لٹریچر مرکز سے منگوا کر دوسروں کو جماعت کے اندر لانے کی کوشش کرو۔

ماہوار چندہ کی اہمیت کو نظر انداز نہ کرو: **دوم**۔ ہماری جماعت میں بڑی کوتاہی یہ نظر آتی ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگوں نے ماہوار چندہ کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔ حالانکہ یہ نظام حضرت مسیح موعود کا قائم کردہ ہے۔ اور آپ نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جو شخص تین ماہ متواتر چندہ ادا نہ کرے اسے جماعت سے خارج کر دیا جائے۔ میری اپنی رائے ہے کہ ہم نے حضرت مسیح موعود کے اس حکم کی تعمیل کی طرف کافی

توجہ نہیں دی اور یہی وجہ ہے کہ جماعت میں اس بارے میں کمزوری نظر آتی ہے۔ بہت سے ایسے دوست ہیں جو کبھی چندہ دیتے ہی نہیں بلکہ بعض تو آہستہ آہستہ اس خیال کی طرف آرہے ہیں کہ ہم اپنے طور پر خدا کے رستے میں خرچ کر دیں یا اپنے غریب رشتہ داروں کو دے دیں تو وہی کافی ہے۔ اور چندہ ماہوار دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اس بات کو صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ جو اصحاب چندہ ماہوار دینے سے انکار کرتے ہیں ان کا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ چندہ ماہوار ہمارا جہاد ہے۔ اور جو اپنے طور پر خرچ کریں وہ خیرات ہے۔ جہاد میں شمولیت فرض ہے۔ خیرات نفل ہے۔ پس اپنے طور پر خرچ کر کے یہ کہہ دینا کہ چندہ ماہوار کی ضرورت نہیں، ایسا ہی ہے کہ ساری رات نفل پڑھتا رہے اور فجر کی نماز کو ترک کر دے۔ میں عنقریب اس بارے میں ایسے لوگوں کے متعلق ایک آخری کوشش کر کے ان کے ناموں کا اعلان کر دوں گا جو جماعت کے جہاد میں شامل نہیں ہوتے۔

چندہ ماہوار کی شرح کے متعلق انجمن کا فیصلہ: اسی ذیل میں میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس انجمن نے جسے آپ حضرت مسیح موعود کی جانشین مانتے ہیں اور جس کے فیصلوں کو حضرت صاحب نے صاف طور پر قطعی اور واجب العمل قرار دیا ہے۔ جماعت کے نظام چندہ کی بنیاد یہ ٹھہرائی ہے کہ پچاس روپے سے کم آمدنی والے اصحاب بحساب تین پیسے فی روپیہ چندہ دیں اور اس سے اوپر ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے۔ میں نے 1939ء کے آخر مہینوں میں ایک مختصر سا دورہ کیا تھا اور جہاں جہاں میں گیا احباب جماعت نے انجمن کے اس فیصلے کے سامنے عموماً سر تسلیم خم کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت کا ماہوار چندہ، جو اوسطاً سترہ اٹھارہ سو روپے ماہوار ہوتا تھا، اڑھائی ہزار روپے ماہوار تک پہنچ گیا۔ لیکن نادہندگان کو چھوڑ کر ابھی چندہ دینے والوں میں نصف سے بھی کم لوگ ہیں، جنہوں نے اس اصول کو قبول کیا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر سب احباب اس اصول کو قبول کر لیں تو جماعت کا ماہوار چندہ آسانی سے تین ہزار روپے ماہوار تک ترقی کر سکتا ہے اور بہت سی مشکلات کو حل کر سکتا ہے جن کی وجہ سے جماعت کی ترقی رکی ہوئی ہے۔

بچت فنڈ: **سوم۔** تیسری اہم بات جس کی طرف میں اس خط کے ذریعہ سے آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعرات کے دن اپنے کھانے کی عادت کو تبدیل کر دیں۔ اگر آپ دو سالن کے عادی ہیں تو ایک پر اکتفا کریں۔ اگر گوشت کھاتے ہیں تو دال یا سبزی پر گزارہ کر لیں۔ اگر

پہلے ہی دال یا سبزی پر گزارہ ہے تو سادہ روٹی پر گزارہ کر لیں۔ اگر خالی روٹی پر گزارہ ہو تو اس میں ایک مٹھی بھر آٹا کم کر دیں۔ اگر آپ گھی دودھ چائے پان وغیرہ کے عادی ہیں تو اس میں کمی کر دیں۔ مگر امیر ہو یا غریب اس سے خالی کوئی نہ رہے۔ اور اس کمی سے جو کچھ بچت ہو اسے ایک صندوقچی میں جمع کرتے جائیں۔ یا اگر صرف آٹے کی بچت ہے تو اسے ایک برتن میں جمع کرتے جائیں اور مہینے کے آخر پر اسے انجمن کے سپرد کر دیں۔ یہ ہمارا بچت فنڈ کہلاتا ہے۔

بچت فنڈ کے فوائد: اس میں پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ خود آپ اور آپ کے بیوی بچوں کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ خدا کے دین کو دنیا میں پہنچانے کے لئے ہمیں کچھ تکلیف اٹھانی چاہئے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آپ کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ہمارے اپنے غریب بھائی کس طرح گزارہ کرتے ہیں۔ آخر وہ بھی ہماری طرح ہی انسان ہیں۔ اگر وہ سادہ روٹی کھا کر زندہ رہ سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں رہ سکتے۔ تیسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ ہم اپنی عادات کے غلام نہیں بنتے۔ اور شرف انسانیت یہی ہے کہ انسان عادات کا غلام نہ ہو بلکہ ان پر حکمران ہو۔ چوتھا فائدہ اس میں یہ بھی ہو کہ معدے کو ایک دن قدرے آرام مل کر وہ بہتر کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے جس سے صحت جسمانی ترقی کرتی ہے۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

12 جون 1940ء

مکتوب امیر

موجودہ جنگ اور جماعت احمدیہ کا طرز عمل

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جنگ یورپ نے جو خطرناک صورت اس وقت اختیار کر لی ہے۔ اس کے پیش نظر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ چند باتیں آپ سے کہوں۔ تا کہ ہماری جماعت کا رویہ ہر جگہ ایک ہی ہو۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ جنگ کے شروع میں ہی جب اکتوبر 1939ء میں ہماری جنرل کونسل کا اجلاس ہوا تو اس میں کونسل نے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ چونکہ جنگ میں ابتداء اور زیادتی جرمنی کی طرف سے ہوئی ہے اس لئے ہماری جماعت کی ہمدردی اور امداد انگریز قوم اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہے اور رہے گی۔ اس وقت صرف چند ماہ کے عرصہ میں جرمن فوج کئی ممالک فتح کر کے انگلستان کے ساحل سے انیس میل کے فاصلے پر آ پہنچی ہے اور اُدھر فرانس پر اس کا دباؤ دن بدن بڑھ رہا ہے اور وہ خطرات جو ابتدائے جنگ میں ایک دور کا قصہ معلوم ہوتے تھے اب ایک ہولناک صورت اختیار کر کے بہت قریب آ گئے ہیں۔ ہندوستان پر کسی بیرونی حملے کا خطرہ تو شائد اب بھی اس قدر قریب نہیں۔ لیکن بیرونی حملے سے بدتر وہ خطرہ ہے جو برطانیہ کو اور اس کے ساتھ ہندوستان میں انگریزی حکومت کو کوئی ضعف پہنچنے کی وجہ سے اندرونی فساد کی صورت میں رونما ہو کر اس ملک کی تباہی اور بربادی کا موجب ہو سکتا ہے۔ گو وہ ضعف محض وقتی ہی ہو۔ ہندوستان میں جہالت کا دور دورہ اس قدر ہے کہ ہر ایک شریر اور مفسد اس ملک کے امن کے خرمن کو ایک ادنیٰ سی حرکت سے جلا سکتا ہے۔ اور جب ایک دفعہ حکومت کے رعب میں فرق آ جائے تو اس کو دوبارہ قائم کرنے میں جس قدر وقت لگے گا، اس وقفہ میں لاکھوں بلکہ کروڑوں انسان تباہ ہو سکتے ہیں۔ اور ہزاروں خاندانوں کی عزت اور آبرو برباد ہو سکتی ہے۔

اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ ایسے وقت میں حکومت کے رعب کے اٹھ جانے کے نتائج نہایت ہولناک ہو سکتے ہیں اور اگر کوئی ابتری کی آگ ایک دفعہ بھڑک اٹھی تو اس کی لپیٹ ان لوگوں کو بھی جھلس دے گی جو نادانی سے اس کی چنگاڑیاں سلگانے والے ہیں۔ اس لئے کوئی ہندوستانی برطانیہ کے

ہندوستان پر اقتدار کے قائم رہنے کا خواہ کتنا ہی مخالف ہو اس کے اپنے ملک اور قوم کی، اس کے ہم مذہبوں کی، اس کی اپنی خیر خواہی اسی میں ہے کہ اس وقت ہندوستان کی حکومت کو جیسی بھی وہ ہو کسی قسم کا ضعف نہ پہنچے۔ اس بارہ میں جو سب سے بڑی امداد ہم حکومت کی کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر ایک آدمی نہ صرف قانون اور نظام کا حامی ہو۔ بلکہ اس بارہ میں وہ ایک مستعد سپاہی کی طرح کام کرنے والا ہو۔ اور جہاں تک اس کے بس میں ہو یہ کوشش کرے کہ دوسروں کو بھی قانون اور نظام کا حامی بنائے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک مسلمان کا جس طرح یہ فرض ہے کہ وہ مساجد کے علاوہ گرجوں اور دوسری اقوام کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرے، اسی طرح اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں غرض ہر قوم کی جان اور مال اور آبرو کا محافظ ہو۔

خاکسار محمد علی

دارالسلام ڈلہوزی

7 جون 1940ء

۞۞۞

17 جون 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

خان بہادر مولوی غلام حسن خان صاحب کی توجہ کے لئے

قادیانی احباب کی طرف سے جو خطوط مجھے آئے ہیں، ان سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جناب میاں صاحب نے گو آج تک اس بات کے صاف صاف کہنے سے گریز کیا ہے کہ ان کے نزدیک کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ منسوخ ہے۔لیکن ان کی جماعت کے ایک حصہ نے خواہ، وہ ابھی تھوڑا ہی ہو، اس عقیدہ کو بلا تکلیف قبول کر لیا۔

چند قادیانی احباب کے خطوط کے خلاصے: رکن الدین صاحب لکھتے ہیں:

”آپ سے شائد بھول گیا ہے کہ ہر نبی کا کلمہ ابھی تک موجود ہے۔ بالخصوص صاحب شریعت نبیوں کا۔ مگر ان کی امت بعد میں آنے والے نبی کے ماننے سے کافر ہوئی۔ آپ کو اگر یاد نہ ہو تو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُوْسٰى كَلِيْمُ اللّٰهِ کے ماننے والی امت بعد کے نبیوں سے کافر ہوئی۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ عِيْسٰى رُوْحُ اللّٰهِ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِبْـرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللّٰهِ اسی طرح ہر ایک امت اس کے بعد میں آنے والے نبی کے ماننے سے یا اس کے پہلے کسی نبی کے انکار سے کافر ہوئی......اور صرف کلمہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔“

برکت علی صاحب لکھتے ہیں:

”ہم مرکزی مقام قادیان کی وابستگی کو مکہ معظّمہ کی وابستگی کے برابر قرار دیتے ہیں......لَآ اِلٰـهَ اِلَّا الـلّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اسی کا قبول ہے جو مسیح موعود پر ایمان لائے“ (پہلا فقرہ نئے قبلہ کی بنیاد ہے اور دوسرا نئے کلمہ کی)

جناب ایس۔اے صوفی صاحب لکھتے ہیں:

”بروز محمدؐ کا آنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا پھر ویسی ہی بروزی کافر ہو چکی تھی اور اس میں کلمہ گو بھی آ گئے اور دوسرے بھی آ گئے۔ جس طرح پہلے UNITARIAN اور

یہود آ گئے تھے“

جرأت کر کے نیا کلمہ کیوں نہیں بناتے ؟: ان بزرگوں سے تو میں صرف اس قدر عرض کروں گا کہ اگر کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی وہی حیثیت ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُوْسٰی کَلِیْمُ اللّٰهِ کی۔تو جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰؑ کا کلمہ بن گیا اور حضرت عیسیٰؑ کے بعد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ بن گیا۔آپ اب تک کس بھول میں پڑے ہوئے ہیں اور جرأت کر کے وہ کلمہ کیوں نہیں بناتے جس سے ایک کافر مسلمان ہو سکے؟!اور پھر جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ کے آنے سے اور حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے آنے اور حضرت عیسیٰؑ کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلا دین بدل گیا اور ایک نئے دین کی بنیاد رکھ دی گئی۔آپ صاف الفاظ میں کیوں نہیں کہتے کہ اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بدل گیا ہے اور اس کی جگہ ایک نئے دین نے لی ہے......میاں صاحب صاف الفاظ میں اپنے عقیدہ کا اعلان کریں۔اور جناب میاں صاحب سے یہ عرض کروں گا کہ وہ اپنے قلم سے میری خاطر نہیں اپنے مریدین کے ایمان کی خاطر اس بات کا اعلان صاف الفاظ میں کریں کہ آیا ان کے مرید یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ درست ہے یا غلط۔ کیا ان کے نزدیک آج لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا وہی مقام ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُوْسٰی کَلِیْمُ اللّٰهِ یا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اِبْرَاهِیْمُ خَلِیْلُ اللّٰهِ کا مقام ہے۔اگر یہ غلط ہے تو ان کا فرض ہے کہ صاف الفاظ میں اعلان کریں کہ ان کے مرید حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔اور اگر یہ درست ہے اور ان کا اپنا بھی یہی عقیدہ ہے اور قرآئن یہی ہیں تو پھر صاف طور پر اعلان کر دیں کہ ہمارا نبی بھی نیا ہے۔کلمہ بھی نیا ہے اور دین بھی نیا۔دوسروں کے کندھوں پر رکھ کر بندوق چلانا ایک مذہبی پیشوا کا کام نہ ہونا چاہئے۔اسے لازم ہے کہ وہ صاف طور پر اس بات کا اعلان کرے جو اس کا عقیدہ ہے۔ تا کہ خان بہادر مولوی غلام حسن خاں اور خان بہادر دلاور خان صاحب جیسے بزرگ اور مقتدر لوگ ایسی غلطی سے نکل جائیں کہ جناب میاں صاحب کے نزدیک کلمہ منسوخ نہیں بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی جماعت کی بنیاد ایک سیاسی مسلک پر رکھنے کے بجائے ایک مذہبی عقیدہ پر رکھیں۔ان کا دعوٰی تو مذہبی رہنما ہونے کا ہے اور کام وہ کر رہے ہیں جو آج کل کے سیاست دانوں کو زیب دیتے ہیں کہ جو بھی جس

بہانے سے ساتھ مل جائے اسے ملا لیا جائے۔

مولوی غلام حسن صاحب کے لئے قابل توجہ بات: اسی لئے میں شروع سے جناب خان بہادر مولوی غلام حسن خاں صاحب کو، جب سے انہوں نے قادیانی خلافت میں بیعت کی ہے، اس طرف توجہ دلا رہا ہوں کہ وہ اور الجھنوں میں پڑنے کی بجائے پہلے اس بات کو صاف کر لیں کہ کیا ان کا مصلح موعود ان کا خلیفہ ایک نئے دین کی بنیاد تو نہیں رکھ رہا؟ بات تو صاف ہے کہ اگر آج **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کا وہی مقام ہے جو پہلے انبیاءؑ کے کلموں کا۔ تو جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت موسٰیؑ کے آنے سے دین بدل گیا اور حضرت موسٰیؑ کے بعد حضرت عیسٰیؑ کے آنے سے دین بدل گیا اور حضرت عیسٰیؑ کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے دین بدل گیا، اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مرزا صاحب کے آنے دے سے دین بدل گیا۔ یہ دین جس کی اب میاں صاحب تبلیغ کر رہے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نہیں بلکہ ایک نیا دین ہے۔

مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ بڑے بڑے علماء اور فضلاء قادیانی جماعت میں شامل ہو کر بجائے اصولی طور پر کسی مسئلہ کو طے کرنے کے، کھیلوں میں لگ جاتے ہیں۔ میں نے مولوی غلام حسن خان صاحب کو بار بار اس طرف توجہ دلائی کہ پہلے اس اصولی بات کی طرف توجہ کریں کہ میاں صاحب کے نزدیک حضرت مرزا صاحب مومن بہ ہیں۔ آپ کے نزدیک نہیں۔ میاں صاحب کے نزدیک کلمہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کے پڑھنے سے ایک کافر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ آپ کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ میاں صاحب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو منسوخ کر کے ایک نیا دین بنا رہے ہیں۔ آپ اسلام کو منسوخ نہیں سمجھتے۔ مگر اس بات کی طرف مولوی صاحب نے نہ آنا تھا اور نہ آئے۔ یہاں تک کہ اپنے آخری مضمون میں جھنجلا کر لکھ دیا کہ اس کے بعد وہ کچھ نہیں لکھیں گے!

لیکن اب پھر میرے کسی خطبے کی بناء پر 7 جون کے الفضل میں خلافت کی تائید میں بولے ہیں۔ مگر اس بنیادی مسئلے کا نام تک نہیں لیا اور اسی کھیل میں لگ گئے ہیں کہ حضرت صاحب کے الہام **اِنَّـا اٰمَنَّا اَرْبَعَةَ عَشَرَ دَوَابًّا** سے مراد انجمن کے چودہ ممبر ہیں۔

مولوی صاحب حضرت صاحب کی واضح تحریروں کو پس پشت پھینک رہے ہیں۔ چونکہ خلافت قادیان کی عمارت کا بنیادی پتھر حضرت مسیح موعود کی تحریرات کو پس پشت پھینکنا ہے۔ اس لئے جناب مولوی صاحب نوے سال کی عمر میں اسی رنگ میں رنگین ہو گئے ہیں۔ حضرت صاحب خود اپنے الہام کی تشریح کرتے ہوئے اسے مخالفین سلسلہ پر لگاتے ہیں۔ مگر مولوی صاحب حضرت صاحب کی تشریح کو پرپشہ کے برابر وقعت نہیں دیتے۔ جنہوں نے اس الہام کا بارھواں مصداق ایک مخالف کو قرار دیا ہے۔ حضرت صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ملہم سے بڑھ کر الہام کے معنی سمجھنے والا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی ''حقیقت الوحی'' میں ہی لکھا ہے۔ مگر خلافت کی تائید حضرت مسیح موعود کی مخالفت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جناب مولوی صاحب اس بات کو کس طرح مانیں۔ حضرت مسیح موعود نے اس الہام کو مخالفین سلسلہ پر لگایا اور بارھویں آدمی کا، جو اس الہام کے نیچے ہے، کھول کر حقیقت الوحی میں ذکر کیا۔ جہاں یہ الہام بھی موجود ہے۔ مگر مولوی غلام حسن خان صاحب اپنی ضد کو نہیں چھوڑتے اور حضرت مسیح موعود کی واضح تحریر کو پس پشت پھینک رہے ہیں۔ ان کو اگر یہی شوق ہے کہ اس الہام کو انجمن کے بعض ممبروں پر لگانا ہے۔ تو میں ان سے اس پر زیادہ بحث کرنا فضول سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ جب وہ امام حکم عدل کی بات کو نہ مانیں۔ خود ملہم کے اپنے کئے ہوئے معنی کو نہ مانیں، تو ان کا مونہہ میں کس طرح بند کر سکتا ہوں۔ خلافت کی تائید ہو جائے۔ خواہ مسیح موعود کی تحریروں کو پاؤں کے نیچے روندنا پڑے!

پاک ممبر دو آب نہیں ہو سکتے: مولوی صاحب کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس کی زد میں وہ ممبران انجمن نہیں آسکتے جو حضرت مسیح موعود کے فیصلہ کے سامنے، کہ اس سے مراد مخالفین سلسلہ ہیں، سر جھکاتے ہیں، وہ دو آب نہیں۔ کیونکہ وہ مامور کی بات کو صحیح مانتے ہیں۔ ہاں! جو ممبران انجمن ایک طرف حضرت مسیح موعود کے اپنے فیصلہ کو رد کرتے ہیں اور دوسری طرف خود اپنے آپ کو اس الہام کا مصداق بنانے کا شوق رکھتے ہیں۔ ہم ان کو کہاں تک روک سکتے ہیں۔ بارہ کا عدد تو حضرت مسیح موعود نے خود پورا کر دیا۔ اب چودہ بنانے کے لئے دو اور کی ضرورت تھی۔ سو جناب مولوی غلام حسن خان صاحب اپنے آپ کو بار بار اس کا مصداق بناتے ہیں۔ کیونکہ چودہ میں وہ خود بھی ہیں اور جناب میاں صاحب بھی۔ اس توجیہہ کو اپنے اخبار میں بار بار چھپوا کر اپنے آپ کو اس الہام کا مصداق سمجھنے میں ہرج نہیں سمجھتے تو بارہ اور دو چودہ

یوں پورے کرلیں۔ یہ ان کا اختیار ہے۔ہم اس توجیہہ سے بری ہیں۔ہم حضرت مسیح موعود کے فیصلے کے سامنے سر جھکاتے ہیں کہ اس سے مراد مخالفین سلسلہ ہیں۔ اور دوسرے الہام میں ''لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں'' کم سے کم ان ممبروں کو، جو جماعت احمدیہ لاہور سے تعلق رکھتے ہیں، اس سے مستثنٰی بھی کر دیا ہے۔ پاک ممبر دو آب نہیں ہو سکتے!

میں پھر مولوی صاحب سے عرض کروں گا کہ خدا کے لئے اصولی بات پہلے طے کریں۔ کیا آپ کا مصلح موعود آپ کا خلیفہ کلمہ کو منسوخ قرار دے کر نیا دین بنا رہا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر آپ پہلے مصلح موعود کی اصلاح کی فکر کریں۔ یا لے سجادہ رنگین کن کا مصداق ہو کر خود بھی اپنی ساری عمر کی تحقیقات پر پانی پھیر کر اس بات کا اعلان کر دیں کہ حضرت مرزا صاحب مومن بہ ہیں۔ اب کوئی شخص لَآ اِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار سے مسلمان نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ مسیح موعود پر ایمان نہ لائے۔ کلمہ اب منسوخ ہو چکا ہے اور نیا دین بن چکا ہے۔

خاکسار محمد علی

دارالسلام ڈلہوزی

10 جون 1940ء

17 جون 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب کے نام کھلی چٹھی ۔1

مکرم معظم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے آپ کے سامنے تین تجویزیں رکھی تھیں ۔تا کہ اس غیر متناہی سلسلہ اعتراضات وجوابات میں، جس میں دونوں جماعتوں کی قوت برباد ہورہی ہے،کوئی روشنی پیدا ہو۔جس سے لوگوں کو صحیح راستہ نظر آنے لگے۔

پہلی تجویز: پہلی تجویز یہ تھی کہ آپ میرے ساتھ تینوں مسائل مختلف فیہا پر بہ تقرر ثالثان☆ تحریری بحث کرلیں۔

1۔کیا حضرت مسیح موعود نے سوائے اپنے بیعت کنندگان کے کل روئے زمین کے مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

2۔کیا حضرت مسیح موعود نے بارہ سال تک دعوٰی نبوت کا انکار کرتے کرتے آخر 1901ء میں دعوٰی نبوت کیا؟

3۔کیا حضرت مسیح موعود نے اپنے بعد کسی ایسی شخصی خلافت کا سلسلہ قائم کیا۔جس میں بیعت نہ کرنے والوں کا فاسق قرار دیا ہو۔ یہ تین صاف اور سیدھے سوال ہیں۔آپ ان تینوں باتوں کا جواب اثبات میں دیتے ہیں۔یعنی یہ کہتے ہیں کہ حضرت صاحب نے کل روئے زمین کے مسلمانوں کو،سوائے اُن کے جو آپ کی بیعت کر چکے ہیں، دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو اور آپ کا دعوٰی ہے کہ حضرت مسیح موعود 1901ء تک دعوٰی نبوت کا انکار کرتے رہے

☆ یہ آپ کی اپنی خواہش تھی۔ میں اس قدر بڑھا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ثالثوں کے تقرر کا بہترین طریق یہی ہے کہ آپ پانچ آدمی احمدیہ جماعت لاہور سے منتخب کرلیں اور میں پانچ آدمی آپ کی جماعت سے منتخب کرلوں،جس امر پر ان دس کی کثرت رائے ہو جائے، وہ امر ثابت شدہ سمجھا جائے۔

اور 1901ء میں دعویٰ نبوت کیا۔ اور آپ یہ بھی مانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے اپنے بعد ایسی شخصی خلافت کا سلسلہ قائم کیا جس میں بیعت نہ کرنے والے فاسق ہوں گے۔ گو وہ حضرت مسیح موعود کی بیعت میں داخل ہوں۔ ہم ان تینوں سوالوں کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔

دوسری تجویز: دوسری تجویز یہ تھی کہ آپ اگر آمنے سامنے بیٹھ کر تحریری بحث کرنا نہیں چاہتے تو ایک معین تعداد سوالات کی، جو ہم پر عائد ہوتے ہوں، آپ خود کریں۔ اور ہم اتنے ہی سوالات آپ پر کریں۔ پھر ان دونوں قسم کے سوالات کے جواب ایک مقررہ حد کے اندر ایک طرف آپ کے قلم سے لکھے جائیں اور دوسری طرف اسی مقررہ حد کے اندر میرے قلم سے۔ اور پھر یہ سوالات و جوابات دونوں جماعتوں کے اخبارات میں شائع ہو جائیں۔ یعنی ایک طرف ''الفضل'' میں اور دوسری طرف ''پیغام صلح'' میں (اس غرض کے لئے دونوں اخبارات کے ساتھ زائد اوراق لگائے جا سکتے ہیں)

تیسری تجویز: تیسری تجویز اس لئے تھی کہ اگر آپ لمبی بحث میں پڑنے سے گھبراتے ہوں تو اس بحث کو مختصر کرنے کے لئے میں نے یہ بھی کہا تھا کہ چونکہ اختلاف کا سب سے اہم مسئلہ تکفیر اہل قبلہ ہے۔ اور آپ کا مسلک یہ ہے کہ کوئی کافر کلمہ **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کا اقرار کر کے مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نبوت کا اقرار نہ کرے۔ گو اس نے حضرت مرزا صاحب کا نام بھی نہ سنا ہو۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کلمہ منسوخ ہے۔ لہٰذا آپ میرے ساتھ صرف اس ایک بات پر بحث کر لیں کہ کیا حضرت مسیح موعود نے کلمہ کو منسوخ قرار دیا؟

ان تجاویز پر ایک ڈیڑھ ماہ گزر جانے کے باوجود آپ ایسے خاموش ہیں کہ گویا یہ باتیں آپ کے علم میں ہی نہیں آئیں۔ حالانکہ میں آپ کو ایک اخبار رجسٹری کروا کر بھی بھیج چکا ہوں۔ اور اتمام حجت کے لئے اب پھر یہ اخبار رجسٹری کروا کر بھیج رہا ہوں۔ آپ کی جماعت میں بڑے بڑے عالم فاضل ہوں گے اور خدا کے فضل سے ہماری جماعت میں بھی ہیں۔ لیکن ان مسائل کی ذمہ داری صرف ہم دو پر عائد ہے۔ یعنی ایک طرف آپ پر اور دوسری طرف مجھ پر۔ اور ایک آگ لگا کر ہمارا خاموشی اختیار کرنا اور دونوں جماعتوں کے اندر ایک جھگڑا کھڑا کر کے، جس سے ان کی توجہ تبلیغ اسلام کے کام سے لازماً ہٹ رہی ہے، خود ایک طرف ہو جانا اور دوسروں کو یہ کہہ دینا کہ جس طرح چاہو کیچڑ اچھالو، شرعاً اخلاقاً

کسی طرح بھی جائز نہیں۔اس کا نتیجہ سوائے اس کے کیا ہو گا کہ ایک ایسا لٹریچر پیدا ہو گا جیسا حضرت عیسیٰؑ کے بعد پیدا ہو گیا تھا۔جس کے متعلق گبن لکھتا ہے کہ اگر اس کو جلا کر اسکندریہ کے حمام گرم کئے گئے ہوں تو یقیناً اس سے بہتر مصرف اس لٹریچر کا نہ ہوسکتا تھا۔

میں آپ سے قرآن کریم کا واسطہ دے کر، جس کے دنیا میں پہنچانے کے لئے ہمیں کھڑا کیا گیا تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر، جس رسولؐ پاک کے دین کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے ہماری جماعت بنائی گئی تھی اور بالآخر حضرت مسیح موعود کا واسطہ دے کر، جنہوں نے اس بلند کام پر اس زمانہ میں ہمیں لگایا تھا، یہ درخواست کرتا ہوں کہ ان تینوں تجویزوں میں سے جس تجویز کو آپ چاہیں پسند کر کے ان جھگڑوں کو ختم کرنے کی طرف قدم اٹھائیں۔آپ کی تھوڑی سی توجہ سے دونوں جماعتیں بجائے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کے علوم قرآنی کو، جن کے لئے اس زمانہ کے امام نے رستہ کھولا تھا، حاصل کرنے اور اسے دنیا میں پھیلانے کا ذریعہ بن سکتی ہیں، اسلام کو کفر پر غالب کرنے میں ایسا کام کرسکتی ہیں جس کا ذکر خیر، جب تک یہ دنیا رہے، رہے گا۔

آپ اس جھگڑے کو ختم کیوں نہیں کرتے: اور یہ کوئی لمبی چوڑی تکلیف نہیں۔صرف چند ایام کا اس کام کے لئے مخصوص کر دینا ہے کہ ان تینوں مسائل میں حضرت مسیح موعود کی صحیح تعلیم کیا ہے۔اور مجھے یقین ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہی حضرت مسیح موعود کی اصل تعلیم ہے تو ہماری جماعت کے لوگ ایک لمحہ توقف کئے بغیر آپ کے ساتھ مل جائیں گے اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ اگر آپ کے مریدوں کو اس بات کا پتہ لگ جائے کہ جس راہ پر آپ نے انہیں ڈالا ہے وہ حضرت مسیح موعود کی تعلیم نہیں تو ان میں سے بھی کچھ لوگ ☆ ہماری جماعت کے ساتھ مل جائیں گے۔پس آپ کیوں اس جھگڑے کو ختم کرنے اور جماعت کو اس کے اصل کام تبلیغ اسلام اور اشاعت علوم قرآنی کی طرف نہیں

☆ دونوں جماعتوں میں یہ فرق ہے کہ ایک طرف پیری مریدی کا سلسلہ ہے اور مرید پیر کو بری راہ پر دیکھ کر بھی یہ تاویل کر لیتے ہیں کہ پیر نے غلطی نہیں کی بلکہ ہماری آنکھوں نے غلطی کی۔اور دوسری جماعت کے لوگ آزادانہ اپنی رائے رکھتے ہیں۔

آنے دیتے؟ اگر آپ حق پر ہیں اور آپ کے پاس دلائل ہیں تو آپ ہماری جماعت کو چند دنوں میں اس بحث کے ذریعے سے اپنے ساتھ ملا سکتے ہیں۔ ہمارا آپ سے اختلاف صرف ان تین مسائل پر ہے اور میں اپنی ہر ایک جماعت کی طرف سے یہ ریزولیوشن بھی پاس کرا کر اخبار میں شائع کرادوں گا کہ اگر ان پر یہ ثابت ہو جائے کہ:

1۔ حضرت مسیح موعود نے ان تمام مسلمانوں کو، جو آپ پر ایمان نہیں لائے، خواہ انہوں نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی تعلیم دی ہے کہ اب آپ کے آجانے کے بعد کوئی کافر **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** کے اقرار سے مسلمان نہیں ہو سکتا اور کہ

2۔ حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں دعویٰ نبوت کیا اور اس سے پہلے کی آپ کی کل تحریریں، مسئلہ نبوت و تکفیر اہل قبلہ کے متعلق، منسوخ ہیں۔ اور کہ

3۔ حضرت مسیح موعود نے اپنی وفات کے بعد ایک ایسی ''شخصی خلافت'' کا سلسلہ قائم کیا۔ جس میں بیعت نہ کرنے والے گو مسیح موعود کے پیرو بھی ہوں فاسق ہوں گے اور جس کی بیعت کرنے والے خلیفہ پر سچا اعتراض بھی کریں گے تو جہنمی ہوں گے۔

تو وہ سب کے سب آپ سے مل جائیں گے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اس کے بالمقابل آپ بھی اپنی جماعتوں کی طرف سے ایک ایک ریزولیوشن شائع کرادیں گے کہ اگر ان پر یہ ثابت ہو جائے کہ:

1۔ حضرت مسیح موعود کا یہ مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا۔ اور

2۔ حضرت مسیح موعود کا دعویٰ 1890ء-1891ء سے لے کر آخر زندگی تک ایک ہی رہا اور وہ دعویٰ مجددیت کا محدثیت کا مسیح اور مہدی ہونے کا مجازی اور ظلّی طور پر انہی معنوں میں نبی کہلانے کا تھا، جن معنوں میں اس امت کے دوسرے اولیاء پر بھی یہ لفظ مجازاً بولا جا سکتا ہے اور بولا جاتا رہا ہے۔ اور:

3۔ حضرت مسیح موعود نے اپنے بعد انجمن کو اپنا جانشین ٹھہرایا۔ اور اس انجمن کو خود اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اس کے کثرت رائے کے فیصلوں کو قطعی قرار دیا۔

تو ہم جناب میاں صاحب کی بیعت کو فسخ کر کے جماعت احمدیہ لاہور کے ساتھ مل جائیں گے۔ خاکسار محمد علی

26 جون 1940ء

مکتوب امیر

موجودہ جنگ۔ایک ہولناک عذاب الٰہی

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

موجودہ جنگ دنیا پر ایک ہولناک عذاب کی صورت میں مسلط ہو رہی ہے۔ملکوں کے ملک برباد ہو گئے۔ان کے رہنے والے مارے مارے پھرتے ہیں اور انہیں پناہ نہیں ملتی۔انسانوں سے بھری ہوئی خوبصورت آبادیاں اور زمین کے بڑے سرسبز قطعات، جو باغوں کی طرح تھے، آج ویرانے بن گئے۔جس حصہ زمین میں یہ آگ بھڑکتی ہے۔اس کے سامنے مردوں،عورتوں اور بچوں کے گروہوں کے گروہ بے سروسامانی کی حالت میں بھاگ اٹھتے ہیں کہ کہیں ان کو پناہ ملے۔مگر نہ صرف اُن پر زمینی آبادیوں کے دروازے بند ہوتے ہیں بلکہ آسمان سے بھی ان پر آگ برستی ہے۔جس شخص نے اس عذاب کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے، وہ سوائے جہنم کے اسے کسی دوسرے نام سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ وہ آخرت کا دوزخ،جس کا مادی تہذیب انکار کرتی تھی،اسی دنیا کی زندگی میں وہ ان کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا گیا۔وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا. الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا. (101-100:18) یعنی ہم اس دن جہنم کو ایک رنگ میں کافروں کے سامنے لا کر رکھ دیں گے۔ان لوگوں کے سامنے جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں اور وہ (میرا نام) سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

اس ہیبتناک عذاب کے نیچے بھی رحمت الٰہی کام کر رہی ہے: بعض لوگ کہتے ہیں اگر کوئی خدا ہوتا۔اگر رحم اس کی صفت ہوتی تو ایسا ہیبتناک عذاب،جس میں بوڑھے اور جوان، بچے اور عورتیں سب گرفتار ہیں، کیوں دنیا پر آتا۔مگر حق یہ ہے کہ اس دردناک عذاب کے نیچے بھی رحمت الٰہی کام کر رہی ہے۔جب کبھی بھی لوگ دنیا پرستی میں اور اپنی حرص و ہوا کی اتباع میں حد سے زیادہ مبتلا ہو جاتے ہیں اور خدا کو بھول جاتے ہیں، مال اور آسائش کے حصول کو اپنی آخری غرض ٹھہرا لیتے ہیں تو ان کے اندر روحانی بیداری پیدا نہیں ہو سکتی۔جب تک کہ مال دنیا کے معبود باطل کو اللہ تعالیٰ نیست

ونابود نہ کردے۔

اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون: اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون قرآن کریم میں اسی طرح بیان ہوا ہے۔ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَازَّيَّنَتۡ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَيۡهَاۤ اَتٰٮهَاۤ اَمۡرُنَا لَيۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا حَصِيۡدًا كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ (24:10) جب زمین اپنا سنگھار اختیار کر لیتی ہے اور خوبصورتی میں اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اور دنیا کے رہنے والے اس قدر اس پر فریفتہ ہو جاتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کا کیا کام۔ ہم اس کے مالک ہیں اور اس پر ہر قسم کی قدرت رکھتے ہیں۔ تب ہمارا حکم رات یا دن کے وقت اس پر آتا ہے۔ اور ہم اسے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیتے ہیں۔ گویا وہ کل تھی ہی نہیں۔ پھر اسی کی طرف آگے چل کر حضرت موسٰیؑ کی دعا میں اشارہ کیا ہے رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاَهٗ زِيۡنَةً وَّ اَمۡوَالًا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِكَ رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤى اَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ (88:10) اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں آسائش کا سامان اور انبار در انبار مال دیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ خود تو بہکے تھے۔ وہ اپنے ان اموال اور آسائش کے سامانوں سے دوسروں کو بھی صحیح راستہ سے بہکا رہے ہیں۔ اے ہمارے رب تو ان کے مالوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں پر حملہ کر۔

دلوں پر خدا کی حکومت کس طرح قائم ہو سکتی ہے؟: سو اگر یہ سچ ہے کہ آج دنیا مال اور آسائش کی غلام بن گئی ہے اور اسی کی پوجا کرتی ہے۔ بلند اخلاق سب اسی قربان گاہ پر چڑھا دئے گئے ہیں۔ مکاری اور فریب کا دور دورہ ہے۔ جھوٹ اور عیاری سے کام لینے والے دنیا میں آگے آگے ہیں۔ تو کیا ان آسائشوں اور اس حال پر تباہی وارد کرنے کے بغیر بھی دنیا بیدار ہو سکتی ہے؟ اگر یہ مال کی پرستش دنیا کو روز بروز نیچے گراتی چلی جاتی ہے اور آج مادی تہذیب اسی گڑھے کی طرف دنیا کو لے جا رہی ہے تو سوائے اس کے کہ دنیا پر ایسا عالمگیر عذاب مسلط ہو، جو ایک وسیع پیمانے پر ان مالوں کو برباد کر دے اور اس آسائش کا خاتم کر دے، دلوں پر خدا کی حکومت کس طرح قائم ہو سکتی ہے اور نسل انسانی اپنی بہتری کی راہوں کو کس طرح دیکھ سکتی ہے؟ ہاں! اللہ تعالیٰ نے بار بار عذاب بھیجنے کی صرف یہی ایک غرض بیان فرمائی ہے۔ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ (21:32) تاکہ لوگ خدا کی طرف رجوع کریں۔ لَعَلَّهُمۡ

يَضَّرَّعُوْنَ (94:7)۔تا کہ وہ خدا کے سامنے عاجزی اختیار کریں۔

مادی تہذیب کی ناکامی: سو یہ تو سچ ہے کہ دنیا پر آج خدا کا غضب بھڑک اٹھا ہے مگر اس غضب کی آگ کے اوپر رحمت کے بادل بھی منڈلا رہے ہیں اور ان دکھوں اور مصائب کے نیچے دنیا کی اصلاح پنہاں ہے۔ مادی تہذیب نے جس عروج پر انسان کو پہنچانا تھا پہنچا چکی۔ مگر وہ اپنی ساری علمی ترقیوں اور عجیب وغریب ایجادات کے باوجود انسانوں کو امن اور محبت کے ساتھ بھائیوں بھائیوں کی طرح رہنا نہ سکھا سکی۔ علمی ترقیاں ہوں، ہماری آسائش کے لئے اعلیٰ درجہ کی ایجادات ہوں، لیکن اگر ان کے ساتھ امن ومحبت نہیں تو یہ سب دوزخ کا ایندھن ہیں **اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ** (98:21) یہی چیز، جس کو لوگ قصہ سمجھتے تھے، آج وہ حقیقت بن گئی ہے۔ اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جن چیزوں کو انسان کی آسائش کا ذریعہ سمجھا گیا تھا۔ کس طرح آج وہی دوزخ کا ایندھن بن گیا ہے۔ اور بعید نہیں کہ اس آگ کی لپیٹ میں ہم خود بھی آ جائیں۔ اس لئے کہ یہاں بھی اسی دجالی تہذیب نے حقائق پر پردہ ڈال دیا ہے۔

مال کو یہاں بھی انسانوں نے اپنا معبود بنایا ہوا ہے ابھی تو ہلکا سا جھونکا بھی مغرب کی آگ کا یہاں نہیں پہنچا۔ ہاں پہنچنے کا خطرہ پیدا ہوا ہے۔ تو سب لوگوں کو یہی فکر ہے کہ کسی طرح اپنے مال کو اپنے بچاؤ کے لئے محفوظ کر لیں۔ کوئی بنک کی طرف دوڑا جا رہا ہے کہ اپنے سرمایہ کو گھر میں لا کر دفن کرے۔ کوئی نوٹوں کو چاندی اور سونے کی صورت میں تبدیل کرنے کی فکر میں ہے اور اسی میں اپنی نجات سمجھتا ہے۔ لیکن کیا یہ گھروں میں دفن کئے ہوئے مال انسانوں کے لئے جہنم نہیں بن جاتے۔ کیا ان کی فکر انسانوں کو نہیں کھا جاتی؟ اور کیا ہمارے لئے کوئی خدائی وعدہ ہے کہ یہ آگ ہم تک نہ پہنچے گی۔ اور اگر پہنچی خواہ کسی رنگ میں پہنچی تو کیا اس ملک کی حالت وہی نہ ہوگی جو ہماری آنکھوں کے سامنے پولینڈ اور ناروے اور بیلجیم اور ہالینڈ اور فرانس کی حالت ہو چکی ہے!

دنیا میں امن اور محبت کس طرح پیدا ہو سکتے ہیں؟: ان لوگوں کو تو کیا کہا جائے جن کی آنکھیں بند ہیں۔ میں اپنے دوستوں کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ عذاب ہمارے بھی قریب آ رہا ہے اور اس سے بچنے کی راہ ایک ہی ہے۔ مال دنیا کی محبت کو، آسائش کے فکر کو کم کرنا اور خدا کے حضور عاجزی سے

گرنا۔ خوب یاد رکھئے! کہ دنیا پر محبت اور امن پیدا کرنے والی ایک ہی طاقت ہے۔ اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر گرنے کے سوا نہیں مل سکتی۔ یہی وہ رحمۃ للعالمین ہے۔ جس نے پہلے دنیا کی باہمی عداوتوں کی آگ کو محبت اور اخوت کی بارش سے بجھا دیا۔ اس پر قرآن گواہ ہے۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (103:3) اور جس چیز کی گواہی قرآن دے دے، دنیا اس کی گواہی دینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

یورپ کے علماء فضلا کا اعتراف: چنانچہ آج خود یورپ کے علماء فضلا اس بات کے قائل ہیں کہ اخوت اور محبت پیدا کرنے کی جو طاقت اسلام میں ہے اور کسی مذہب میں اور کسی نظام میں نہیں اور اس بات کے بھی قائل ہیں کہ یورپ کی مادی تہذیب اسلام کی روحانی طاقتوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔

امام الزماں کا تجویز کردہ نسخہ۔ یورپ میں اشاعت اسلام: یہی وہ حقیقت تھی جو آج سے پچاس سال پیشتر اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک برگزیدہ بندے پر ظاہر فرمائی اور نسل انسانی کو مصائب سے بچانے کے لئے اس نے یہ نسخہ تجویز کیا کہ اسلام کے پیغام اخوت اور محبت کو یورپ میں پہنچایا جائے۔ کاش! مسلمان اس کی بات پر کان دھرتے! کاش خود اس کی اپنی جماعت کا بڑا حصہ اس مادی تہذیب سے متاثر ہو کر اور دنیوی جاہ وحشم کے پیچھے پڑ کر اصل مقصد سے نہ ہٹ جاتا۔ کاش! جماعت کے چھوٹے حصہ نے اس بلند مقصد کے لئے وہ قربانیاں کرنے میں سستی نہ کی ہوتی، جن کے بغیر یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ خوب یاد رکھئے کہ اگر آپ دنیا کی ان مصائب سے نجات چاہتے ہیں۔ ہاں! اور اپنی بھی نجات چاہتے ہیں، تو صحیح راستہ وہی ہے جو امام الزمان نے تجویز کیا۔ یعنی مغربی مما لک میں پیغام اسلام کا پہنچانا۔

امن عالم اسلام کے ساتھ وابستہ ہے: باقی اگر آج صلح بھی ہو جائے تو یورپ میں پھر بھی امن قائم نہیں ہوگا۔ جب تک کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل نہ ہو۔ کیا 1919ء میں یہ نہ ہوا تھا کہ جس طاقت کو دنیا کے امن میں مخل سمجھا جاتا تھا، اسے بظاہر کچل کر رکھ دیا گیا تھا۔ اور ایسی

شرائط صلح تجویز کی گئی تھیں کہ وہ قوم کبھی اٹھ نہ سکے۔ لیکن آج پہلے سے بدتر منظر عذاب کا دنیا کے سامنے ہے۔ اور اسی قوم کے ہاتھوں رونما ہوا ہے جسے اس طرح کچل کر رکھ دیا گیا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ جنگ کا انجام کیا ہے۔ لیکن کوئی بھی ہو، دنیا کی نجات سوائے اس کے نہیں کہ دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو اور یہ ہو کر رہے گا۔ کیونکہ خدائی وعدہ ہے۔ **لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ** (28:48) جب تک یہ نہ ہوگا۔ اس وقت تک کوئی اثر ایک فریق کے غلبہ یا دوسرے کی مغلوبیت سے دنیا کے امن پر نہیں پڑ سکتا۔ اسلام پیغام امن ہے اور امن اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر دنیا اس پیغام کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو پھر **بطشتہ الکبریٰ** بھی باقی ہے۔ اور یہ چھوٹے چھوٹے عذاب **اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّکُمْ عَآئِدُوْنَ**. (15:44) کے مصداق میں اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ابھی کیا کیا مصائب دنیا پر آنے والے ہیں!

مال کی محبت چھوڑ دو اور اسے خدا کے راستے میں خرچ کرو: ہم نہیں جانتے کہ ہمیں کن کن مصائب سے گزرنا پڑے **وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّۃً** (25:8) ہاں! ہمارا فرض واضح طور پر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم نے وہ زور اس فرض کو پورا کرنے کے لئے نہیں لگایا جو لگانا چاہئے تھا۔ ہم میں سے بہت ہیں جنہوں نے اس فرض کو بھلا رکھا ہے اور کیوں؟ صرف مال سے محبت کر کے۔ یہ وہی بیماری ہے جس کے علاج کے لئے آج یہ عذاب الٰہی نازل ہوا ہے۔ اگر ہم نے پہلے سستی کی ہے تو کم سے کم اس عذاب کو سامنے دیکھ کر آؤ آج اس سستی کو خیر باد کہیں۔ یہ مال ہمارے ہاتھوں سے نکلنے والا ہے۔ اور اگر رہے گا بھی تو کل کو بالکل ممکن ہے کہ ہمارے لئے بجائے آرام کے دکھ کا موجب ہو۔ میرے دوستو! آؤ اس وقت، جب لوگ اس مال کو زمین میں دفن کرنے کی فکر میں ہیں، تاکہ کل یہ ان کے کام آئے، ہم خدا کے کلام پر ایمان لاتے ہوئے اسے آسمان پر پہنچا دیں۔ جس سے نہ صرف ہمیں ہی دکھ سے نجات ملے بلکہ یہ دنیا کے دکھوں کو بھی دور کرنے کا ذریعہ بن جائے۔ اور پھر یہ مال کئی گنا ہو کر بھی ملے۔

خدا کے لئے اپنی آسائشوں کی فکر کم کر دو: حضرت مسیح موعود تبلیغ اسلام کی ایک عظیم الشان بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔ آؤ آج وہ بنیاد ہم اپنے ہاتھوں سے رکھیں۔ جس پر وہ بلند مینار بن جائے۔ جس سے قرآن

کی روشنی ساری دنیا میں پہنچ جائے۔ خدا کے لئے اپنی ان آسائشوں کے فکر کو کم کرو۔ آپ خیال کرتے ہیں کہ فلاں چیز کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں۔ فلاں کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں۔ فلاں کے بغیر ہم کیونکر زندہ رہ سکتے ہیں۔ حالانکہ ان سب کے بغیر ہمارے ہی بھائی گزارہ کر رہے ہیں اور وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ شائد ہم سے بہتر انسان ہیں کیونکہ ان کا بھروسہ مال پر نہیں۔ اور جس کا بھروسہ مال پر نہ ہو اس کے دل میں خدا پر بھروسہ پیدا ہو جانا بہت آسان ہے۔ اور بالکل ممکن ہے کہ ہم پر بھی وہ وقت آ جائے کہ ان سب چیزوں کے بغیر ہمیں گزارہ کرنا پڑے۔

میں صرف اس قدر کہتا ہوں کہ ایک مقرر حصہ اپنے کمائے ہوئے مال کا خدا کے دین کی ضرورتوں کے لئے الگ کر دو۔ اسے خدا کا مال سمجھ کر اپنے لئے حرام سمجھو۔ اپنی ضرورتوں پر اس کو خرچ کرنا خدائی مال میں غبن یقین کرو۔ اور وہ حصہ ایک آنہ روپیہ سے کم نہ ہو۔ آؤ ہم سب خدا کے سامنے عاجز بندوں کی طرح کھڑے ہو کر اپنے اموال اگر سب کے سب خدا کی راہ میں نہیں دے سکتے تو ان کا ایک حصہ ہی دے دیں۔ اور جو ایک حصہ دے دیتا ہے اور باقی حصہ خدا کے حکم کے ماتحت ہی اپنے متعلقین کی بہتری پر صرف کرتا ہے، وہ درحقیقت سب ہی دے دیتا ہے۔ آؤ سب خدا کے سپاہی بن کر کفر پر اسلام کو غالب کرنے کے لئے اس کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو خرچ کریں۔ قبل اس کے کہ وہ وقت آ جائے جبکہ یہ مال ہمارے ہاتھ سے نکل کر خدا جانے کہاں پہنچے۔ آؤ ہم خود اپنے ہاتھوں سے اسے خدا کی راہ میں خرچ کر دیں۔ جہاں نہ صرف اسی قدر ہمیں واپس مل جائے گا بلکہ چند در چند ہو کر ملے گا۔ اس قدر بڑھ کر ملے گا کہ ہم اسے پہچان بھی نہ سکیں گے!

اپنی وصیتوں کے ساتھ تبلیغ اسلام کی مضبوط بنیاد رکھو: اس موقعہ پر میں ایک اور بات کی طرف بھی آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔ آؤ آج ہم اپنی وصیتوں کے ساتھ تبلیغ اسلام کی وہ مضبوط بنیاد رکھیں۔ جس کی تڑپ حضرت مسیح موعود کے دل میں تھی۔ آپ نے وصایا کے اموال کو تبلیغ اسلام کی بنیاد قرار دیا تھا۔ یعنی ان اموال کو تجارت یا اور ذرائع آمدنی پر لگا کر ان کی آمدنی سے تبلیغ اسلام کو مستقل طور پر جاری رکھنے کا حکم دیا تھا۔ قادیان میں وصایا کا مال بہت آیا۔ مگر افسوس ہے کہ حضرت مسیح موعود کی غرض پوری نہ ہوئی اور تبلیغ اسلام کی مستقل بنیاد اس کے ذریعہ سے رکھنا تو ایک طرف رہا اس کا کثیر حصہ تبلیغ اسلام کی بجائے

دوسری کھیلوں پر برباد ہو گیا۔

تبلیغ اسلام کے لئے بیس لاکھ روپے کا مستقل سرمایہ: آپ کی جماعت نے حضرت مسیح موعود کے علم کو ورثہ میں لے لیا ہے۔ مگر اب آپ کے بعد یہ ورثہ بھی برباد نہ ہو جائے۔ اس بات کی کوشش اور فکر کو سب فکروں پر مقدم کرو کہ اس کے حاصل کرنے والے بھی پیدا ہوتے رہیں اور یہ علم دنیا میں پہنچتا بھی رہے۔ اگر ہماری ساری جماعت، خواہ وہ کتنی ہی تھوڑی ہے، آج اپنی وصایا سے تبلیغ اسلام کی مستقل بنیاد رکھنے کا فیصلہ کر لے تو بیس لاکھ کا سرمایہ یقیناً ہو سکتا ہے۔ جس سے ایک لاکھ سالانہ کی آمدنی ہو سکتی ہے۔ کیوں آپ کے دلوں میں اس خیال سے وجد پیدا نہیں ہوتا کہ آج ہم وہ عظیم الشان بنیاد تبلیغ اسلام کی رکھیں جس پر قیامت تک عمارت بنتی چلی جائے اور پیچھے آنے والی نسلیں دونوں ہاتھ اٹھا کر اس عمارت کی بنیاد رکھنے والوں کے لئے دعائیں کرتی رہیں کہ اے خدا جن لوگوں نے یہ عظیم الشان بنیاد رکھی تو ان کی روحوں پر رحمت بھیج اور ان کی ترقی درجات فرما۔ اور ان کی اولاد پر اپنی برکتیں نازل فرما۔ کیوں آپ کو اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ آپ جب یہ مال چھوڑیں تو اس کا ایک حصہ وہ بھی ہو جو آپ کے ساتھ ہی خدا کے ہاں پہنچ جائے اور اس سے خدا کا نام ہمیشہ دنیا میں پھیلتا رہے۔

آپ کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے تو آپ کا دل چاہتا ہے کہ کچھ حصہ آپ کی دولت کا اس کے لئے آپ کے بعد رہ جائے۔ کیا خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت کا تقاضا یہ نہیں کہ آپ اپنی دولت کا کچھ حصہ خدا اور اس کے رسولؐ کے نام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے چھوڑیں جو آپ کے لئے صدقہ جاریہ کا کام دے۔

مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ہی وہ چیز ہے جو دنیا پر عذاب کو لائی ہے۔ اور اس کا علاج سوائے اس کے کچھ نہیں کہ مال کو خدا کی راہ میں قربان کیا جائے۔ یہی مال کی قربانی اب خدا کی رحمت کو کھینچ کر لا سکتی ہے اور دنیا پر اللہ اکبر کی آواز بلند ہو کر اس کے بندے باہم امن اور محبت سے رہ سکتے ہیں۔ آؤ آج ہم تھوڑی تھوڑی قربانیاں کر کے اس رحمت الٰہی کے جاذب بنیں۔ جو دنیا کو دکھوں سے نجات دینے کا موجب ہو جائے۔ ایک چیز تو آج ایک حقیقت عظمیٰ بن کر دنیا کے سامنے آ گئی ہے

کہ مال کی حد سے زیادہ محبت ہی دنیا پر عذاب کے لانے کا اصل باعث ہے۔ اس دوسری چیز کو، کہ مال کو خدا کی راہ میں قربان کرنے سے خدا کی رحمت کا نزول دنیا پر ہوگا، حقیقت عظمیٰ بنا کر دکھا دینا آپ کا کام ہے۔ کیا آپ اس بلندی پر پہنچنے کے لئے ہمت کر کے قدم اٹھائیں گے؟! جہاں سے آپ کا نام دنیا میں بھی ہمیشہ روشن رہے۔ اور میں آپ کو یہ بھی یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ ہمت کر کے یہ بلند قدم اٹھالیں تو اس عذاب کے اندر بھی جو سامنے آتا ہوا نظر آرہا ہے اور جو **لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ** (43:11) کا مصداق ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے گا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ آگ جو ایک کو جلا دیتی ہے وہی دوسرے کے لئے گلزار بھی بن سکتی ہے۔ بشرطیکہ ابراہیمی اخلاص اس کے اندر ہو۔ قبل اس کے کہ ہمارا مال آگ کے اندر بھسم ہو جائے، آؤ اسے خدا کی راہ میں قربان کر کے آگ کے بجھانے کا ذریعہ بنالیں۔ ؎

من از ہمدردی ات گفتم، تو خود ہم فکر کُن بارے خرد از بہر ایں روز است، اے دانا و ہشیارے

حق کی فتح اور غلبہ اسلام کے لئے دعائیں کرو: دوسری بات جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس وقت جب عذاب الٰہی دنیا پر مسلط ہے۔ مخلوق کی حالت زار کو سامنے رکھ کر خدا کے آگے ہم گر جائیں۔ راتوں اور تنہائی کے وقت میں گر جائیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی اس مصیبت کو ختم کر دے۔ مگر ایسے رنگ میں جو دیر پا ہو۔ بالفاظ دیگر دنیا میں وہ حالات پیدا کر دے جو اسلام کے دنیا میں پھیل جانے کا موجب ہوں۔ سب فتوحات اور شکستیں عارضی ہیں۔ آج اگر ایک قوم کا حصہ ہیں تو کل دوسری کا، مگر حق کی فتح ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے۔ سو آؤ ہم حق کی فتح کے لئے دعا کریں۔ اسلام کے غلبہ کے لئے دعائیں کریں۔

خدا سے اشاعت قرآن اور تبلیغ اسلام کے سامان مانگو: خدا کے آگے گریں اور اس کے آگے رورو کر یہ التجا کریں کہ اے خدا! ہمیں وہ سامان عطا فرما۔ اپنے فضل اور رحمت کے وہ دروازے ہم پر کھول دے۔ جس سے ہم تیرے آخری پیغام قرآن کو دنیا میں پہنچا دیں۔ اور دنیا میں وہ حالات پیدا کر دے کہ تیرے قرآن اور تیرے اسلام اور تیرے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا کی گردنیں جھکنے لگیں۔ تاکہ دنیا کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو۔ اے خدا! تو ہماری عاجزانہ کوششوں کو قبول فرما۔

ہم کو اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرما اور ہمیں اپنا جند اور اپنا حزب بنا لے۔ ہاں اپنا دین دنیا میں پھیلانے والی فوج بنا لے اور ہماری طرف رحمت کی وہ نظر فرما جو ایک بادشاہ کی اپنی فوج کی طرف ہوتی ہے۔ تو ہماری نصرت اسی طرح فرما جس طرح تو نے اپنے برگزیدہ بندے محمد مصطفیٰؐ کی نصرت فرمائی تھی اور تو ہمیں اسی طرح فوج در فوج لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا جس طرح تو نے محمد مصطفیٰؐ اور آپ کے صحابہؓ کو دکھایا تھا۔ ہاں اے خدا! تو اپنے دین کی نصرت فرما۔ اپنے رسولؐ کی نصرت فرما۔ اپنے قرآن کی نصرت فرما۔ یہ سب آج بیکسی کی حالت میں ہیں اور ہم بھی بیکسی کی حالت میں ہیں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

ڈلہوزی۔ 9 جون 1940ء

30 جون 1940ء

مکتوب امیر

چند قادیانی اعتراضات کے جواب

ہمارے ایک محترم دوست نے حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں جناب میاں صاحب کے ایک مرید کے چند اعتراضات بذریعہ خط پیش کئے تھے۔حضرت ممدوح نے ان کا جواب انہیں خط ہی کی صورت میں بھیج دیا۔اس خط کو قارئین پیغام صلح کے استفادہ کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔مدیر

مکرم معظم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

......کا یہ ارشاد، کہ میں نے اپنے عقائد میں تبدیلی کر لی ہے، محض سنی سنائی باتوں کی بنا پر معلوم ہوتا ہے۔ وہ خود اس بارہ میں مجھ پر گوجرانوالہ میں جرح بھی کر چکے ہیں اور میں نے ان کو یہی جواب دیا تھا کہ جس مجازی اور لغوی معنی میں حضرت مسیح موعود نے اپنے لئے لفظ نبی استعمال کیا اس لغوی اور مجازی معنی میں میں نے استعمال کیا۔ ہاں حضرت صاحب چونکہ مامور تھے۔ وہ احتیاط بھی زیادہ فرماتے تھے اور جہاں لفظ نبی استعمال فرماتے تھے، ساتھ ہی اس کی تشریح بھی فرما دیتے تھے۔ میں نے یہ احتیاط نہیں کی ۔لیکن اس زمانہ میں اس لفظ کو استعمال کیا جب نہ صرف خود حضرت صاحب نے اس بات کی صراحت فرما دی تھی کہ اس زمانہ میں لفظ نبی سے اللہ تعالیٰ کی مراد صرف مامور محدث ہے۔ بلکہ قادیانی جماعت کے بڑے بڑے بزرگ خود یہی تشریح کرتے تھے جس کا جواب وہ آج کچھ نہیں دیتے۔ یہی تشریح آپ نے امتی نبی کی فرمائی کہ اس سے مراد محدث ہے اور آخر تک یہی کہتے رہے کہ مجھے صرف نبی مت کہو اور عام بول چال میں بھی میرے لئے لفظ نبی استعمال نہ کرو۔

لیکن ایک بات...... سے دریافت طلب ہے کہ عقیدہ میں تبدیلی اسی جماعت نے کی جس نے حضرت صاحب کے زمانہ کا سارا مسلک تبدیل کر دیا یا اس جماعت نے جو حضرت مسیح موعود کے مسلک پر قائم ہے؟ آخر......کو بھی اس بات کا علم ہے کہ حضرت صاحب کے زمانہ میں اور حضرت مولوی نورالدین صاحب کے زمانہ میں غیر احمدیوں کے جنازے پڑھے جاتے تھے۔ لاہور میں، شملہ میں،

سیالکوٹ میں، ان میں سے جماعت کے کسی پرانے آدمی سے دریافت کرلیا جائے۔ خود قادیان میں پڑھے جاتے تھے۔ خود حضرت مسیح موعود نے پڑھے۔ پڑھنے کا فتوٰی ایک دفعہ نہیں چار دفعہ دیا۔ اپنی وفات کے سال میں دیا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے پڑھے اور پڑھوائے۔ میاں صاحب کے زمانہ میں یہ سارا پچیس سال کا عمل دریا برد ہوگیا۔ عقیدہ کا اثر عمل پر ہوتا ہے۔ پس عقیدہ اس جماعت نے تبدیل کیا جس کے عمل میں تبدیلی نظر آتی ہو۔

تعجب ہے کہ...... جیسا فہیم انسان اس بات میں غلطی کھا جائے کہ عقیدہ کس جماعت نے بدلا ہے۔ اگر حضرت صاحب کے زمانہ کا عمل جماعت قادیان نے تبدیل کیا ہے تو عقیدہ بھی انہوں نے ہی تبدیل کیا ہے۔ اس سے انہیں انکار نہ ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ میاں صاحب اب غیر احمدی کے جنازہ کے خلاف اس لئے ہیں کہ وہ غیر احمدیوں کو کافر خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔ حضرت صاحب اس کو جائز سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ وہ ان غیر احمدیوں کو کافر خارج از اسلام نہ سمجھتے تھے۔ تو...... کم سے کم اسی قدر تسلیم کرلیں کہ مسئلہ کفر و اسلام میں جماعت قادیان نے اپنا عقیدہ تبدیل کرلیا ہے۔

رہا یہ سوال کہ میں نے دربارہ نبوت عقیدہ تبدیل کیا ہے۔ یہ محض ایک مغالطہ ہے۔ جو مولوی صاحبان نے پیدا کیا ہے۔ مجھے اس سے نہ پہلے انکار ہوا۔ نہ آج انکار ہے کہ حضرت صاحب نے اپنے لئے لفظ نبی ایک خاص معنی میں استعمال کیا۔ یعنی لغوی معنی میں یا مجاز اور استعارہ کے طور پر۔ اسی معنی میں میں نے استعمال کیا۔ اور آج بھی اس معنی میں لفظ نبی کا استعمال جائز سمجھتا ہوں۔ گو صرف اس لئے کہ جماعت قادیان نے ایک غلط راہ اختیار کی ہے اور اس لفظ کے مجازی استعمال سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ میں اس کو استعمال نہیں کرتا۔ حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ اسی لفظ نبی کا استعمال آپ نے:

1۔ لغوی معنوں میں کیا ہے۔ تشریحی اصطلاح میں نہیں کیا۔ یعنی مراد صرف پیشگوئی کرنے والا ہے۔

2۔ مجاز اور استعارہ کے طور پر کیا ہے۔ یہ لفظ اول سے لے کر آخر تک پائے جاتے ہیں۔

3۔ امتی نبی کا لفظ محدث پر صادق آتا ہے۔

پس اصل جھگڑا لفظ نبی کے استعمال میں نہیں کہ اس سے کوئی نتیجہ نکل سکے۔ جماعت قادیان

نے تو کفر واسلام کے مسئلہ میں تو صاف اور کھلی کھلی تبدیلی کی ہے۔ لفظ نبی کے مفہوم میں تبدیلی کر دی ہے۔ اور جو مفہوم حضرت صاحب نے لیا تھا۔ اسے تسلیم نہیں کیا جاتا۔

اصلی مسائل تو یہی دو ہیں۔ ان کو پہلے صاف کرنا چاہئے۔ میں بار بار میاں صاحب کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ ان مسائل کو آمنے سامنے بحث میں یا اخباری بحث میں ہی صاف کر لیا جائے۔ مگر اس طرح کہ یا وہ بحث کریں اور لکھیں یا میں۔ یہ جو مولوی صاحبان کی طبع آزمائیاں ہوتی رہتی ہیں ان کو کچھ عرصہ کے لئے موقوف کر دیا جائے۔ آخر......بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ دونوں جماعتوں کا کس قدر وقت ان جھگڑوں پر برباد ہو رہا ہے۔ جو کسی بہتر مصرف پر لگ سکتا تھا......ہی جناب میاں صاحب سے عرض کریں کہ وہ خود توجہ فرمائیں۔ تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ حضرت مسیح موعود کی تعلیم کو کس جماعت نے تبدیل کیا ہے۔

مجھ سے اگر کسی حوالے کے نقل کرنے میں یا حوالہ دینے میں غلطی ہوگئی ہو تو یہ بالکل ممکن ہے۔ کم سے کم یہ میں نے بھی کبھی نہیں لکھا کہ حضرت مسیح موعود کو کوئی ایسے الہامات بھی ہوتے تھے۔ جنہیں آپ نے خلاف قرآن وحدیث پا کر کھنگار کی طرح پھینک دیا تھا۔ اور امکان اگر میری تحریر میں موجود ہے تو حضرت صاحب کی تحریر میں بھی موجود ہے۔ اس وقت تو اصل الفاظ میرے سامنے موجود نہیں۔ لیکن اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت صاحب کی کس تحریر کا حوالہ دینے میں مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ تو میں اس کی اصلاح ضرور کر دوں گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات دریافت کرتا ہوں کہ اگر جناب میاں صاحب نے اس سے بدتر غلطیاں حضرت صاحب کی تحریروں کے حوالے دینے میں کی ہوں تو وہ بھی اصلاح فرما دیں گے؟

ہم خدا کے فضل سے کبھی تفریط سے کام نہیں لیتے۔ نہ ڈاکٹر صاحب نے لیا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے نہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ نہ آپ نبی ہیں۔ تو یہ وہی بات ہے جو خود حضرت مسیح موعود نے کہی ہے۔ دعویٰ نبوت کو آپ نے اپنے اوپر افتراء قرار دیا ہے۔ ہاں لفظ نبی کا استعمال مجاز اور استعارہ کے طور پر اور چیز ہے۔ یہاں تک کہ لفظ خدا کا استعمال بھی مجاز کے طور پر کتب سابقہ میں ہوا۔ بلکہ آنحضرتؐ کے متعلق جو پیشگوئیاں ہیں۔ ان میں آپ کو بھی خدا کہا گیا ہے۔ ابن اللہ کا

مجازی استعمال بھی ہوا۔ تو اب یہ نہیں کہا جائے گا کہ جس شخص کے متعلق لفظ خدا کا استعمال مجازی طور پر ہوا وہ بھی ایک قسم کا خدا ہے۔ جس طرح جب انسان کو مجازی طور پر شیر کہا جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ ایک قسم کا شیر ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اگر یہ لکھا ہے کہ ہم مرزا صاحب کو کسی قسم کا نبی نہیں مانتے، تو اس سے مراد بھی اسی قدر ہے۔ مجاز نبی طور پر استعارہ کے طور پر لغوی معنی میں کسی پر لفظ نبی کا استعمال یہ نہیں بتاتا کہ وہ ایک قسم کا نبی ہے۔ حدیثوں میں بادشاہ کو ظُل اللہ کہا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ ایک قسم کا خدا ہے۔ اسی طرح ظلّی نبوت، لغوی نبوت، مجازی نبوت یہ سب ولایت کے نام ہیں۔ حضرت مسیح موعود کا مرتبہ مجدد کا ہے نہ کہ نبی کا۔ ہاں چونکہ مجدد اور محدث میں بعض صفات نبوت کے پائے جاتے ہیں اور حضرت مسیح موعود میں وہ بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ اس لئے مجازی طور پر استعارہ کے طور پر ان کے لئے لفظ نبی کا استعمال ہوسکتا ہے۔

اگر آپ کے پاس کتاب ''النبوت فی الاسلام'' ہو تو اس کو موقعہ پا کر ایک دفعہ دیکھ لیں۔ بلکہ اگر...... کی نظر سے یہ کتاب نہ گزری ہو تو میں ایک کاپی ان کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔ ہم خدا کے فضل سے حضرت مسیح موعود کے مرتبہ میں کسی قسم کی تفریط نہیں کرتے۔ ہاں یہ مانتے ہیں کہ جو دعوٰی آپ نے 1891ء میں کیا، اسی پر آپ آخر تک قائم رہے۔ یہ نہیں ہوا کہ 1901ء میں آپ نے دعوٰی تبدیل کر لیا ہو۔ اور جس دعوٰی نبوت کو پہلے اپنے اوپر افتراء قرار دیتے تھے، پھر وہی دعوٰی نبوت کر دیا ہو۔ 1891ء سے لے کر 1901ء تک جو کچھ حضرت مسیح موعود اپنے متعلق فرماتے تھے۔ اگر وہ تفریط نہیں تو جو کچھ ہم آپ کو مانتے ہیں، اس میں بھی کوئی تفریط امکانی طور پر نہیں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

دارلسلام۔ ڈلہوزی

20 جون 1940ء

❁❁❁

8 جولائی 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

قادیانی ''یوم تبلیغ''

میاں صاحب کی خدمت میں فیصلہ کن بحث کی یاد دہانی اور ایک مخلصانہ مشورہ

آپ اپنے آدمیوں کو ہماری جماعت میں تبلیغ کے لئے کوئی معقول و مضبوط ہتھیار دے کر بھیجیں

4 جولائی کو قادیانی احباب ''یوم تبلیغ'' منا رہے ہیں اور سنا گیا ہے کہ اس دن کے لئے قادیان سے ہدایت جاری ہوئی ہے کہ احمدیہ جماعت لاہور کے افراد کو خصوصیت سے قادیانیت کی تبلیغ کی جائے۔

پہلی بات، جو میں اس موقع پر پیش کرنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ اگر اس کی غرض تحقیق حق ہے تو جناب میاں صاحب وہ طریق اختیار کیوں نہیں کرتے جس سے حق ظاہر ہو جائے اور میں اس کو تین ماہ سے بار بار پیش کر رہا ہوں۔ اس کی طرف اصل میں بلایا بھی مجھے خود میاں صاحب نے ہی تھا۔ اور انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ بہ تقرر ثالثان مجھ میں اور ان میں یہ بحث ہو جائے کہ میرا عقیدہ در بارہ نبوت حضرت مسیح موعود کیا تھا اور ان کا کیا؟ اس کی بجائے میں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ حکم وعدل تو حضرت مسیح موعود تھے نہ میں حکم وعدل ہوں نہ آپ ہیں۔ اس لئے میں اس بات پر خوش ہوں کہ مجھ میں اور آپ میں بحث ہو جائے اور بہ تقرر ثالثاں ہی ہو۔ مگر بحث اس بات پر ہو کہ حضرت مسیح موعود کا مذہب امور ذیل میں کیا تھا؟

1۔ کیا آپ کل روئے زمین کے مسلمانوں کو کافر خارج از اسلام قرار دیتے تھے۔ جنہوں نے آپ کی بیعت نہ کی ہو۔ گو انہوں نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو۔

2۔ کیا آپ کا دعویٰ نبوت کا تھا یا مجددیت کا۔

3۔ کیا آپ نے اپنے بعد نظام سلسلہ کے لئے انجمن کو اپنا جانشین قرار نہیں دیا تھا؟

اب میں پھر میاں صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ ''یوم تبلیغ'' کو اس طرح منائیں کہ اس دن اس بحث کے لئے ان کی طرف سے رضامندی کا اظہار ہو جائے۔

فیصلہ کے لئے سہل وسادہ تجویز: دیکھئے کس قدر سہل بات ہے۔ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو

اپنے اندر جذب کرنا چاہتی ہیں۔ مگر اس کا کس قدر آسان طریق میں ان کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ دونوں جماعتوں میں سے پانچ پانچ بزرگ منتخب کر لئے جائیں۔ میاں صاحب کی جماعت میں سے میں منتخب کر لوں۔ میری جماعت میں سے میاں صاحب منتخب کر لیں۔ ان دس آدمیوں کے سامنے جناب میاں صاحب ایک طرف سے اور میں دوسری طرف سے اپنے اپنے دلائل پیش کریں کہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے میاں صاحب کا دعوٰی سچا ثابت ہوتا ہے یا میرا۔ اگر ایک فریق کی تائید میں کثرت رائے ہو جائے تو دونوں جماعتیں آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکیں گی کہ دونوں میں سے کون فریق حق پر ہے۔ یہ گھر کے اندر بیٹھ کر فیصلہ ہو جاتا ہے۔

میاں صاحب خود میدان میں کیوں نہیں نکلتے؟: اور میں کہتا ہوں کہ جب جناب میاں صاحب اپنے مریدوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت کے افراد سے احقاق حق کے لئے بحث و تمحیص کریں۔ تو کیا ان پر یہ حق نہیں کہ وہ خود اس بحث و تمحیص کے لئے میدان مقابلہ میں نکلیں۔ **لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ** ۔ (2:61) آپ خود اس بحث میں پڑنے سے گریز کرتے ہیں اور مریدوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ تم میدان میں نکلو۔ تو آپ خود میدان میں کیوں نہیں نکلتے۔ اگر آپ کی جماعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ میری جماعت کو سمجھانے کے لئے میدان میں نکلے۔ تو آپ پر بھی یہ حق ہے کہ آپ مجھے سمجھانے کے لئے نکلیں۔ مہروں کو چلانے کی بجائے آپ یا میں خود کیوں نہ چلیں۔

اختلاف کی اصل جڑ اور حل طلب مسئلہ: دوسری بات جو میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس بات کو بھی صاف کر دیا جائے کہ آپ ہماری جماعت کو کیا تبلیغ کرنا چاہتے ہیں؟ خدا پر، رسولؐ پر، قرآن پر آپ کا بھی ایمان ہے ہمارا بھی ایمان ہے۔ دونوں اس بات پر بھی متفق ہیں کہ چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اس امت میں جس مسیح اور مہدی ...... کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے وہ آپ ہیں۔ اختلاف ہم میں صرف یہ ہے کہ آپ کے نزدیک حضرت مسیح موعود مومن بہ نبی ہیں۔ جن پر اگر پہلے رسولوں اور نبیوں کی طرح ایمان نہ لایا جائے تو انسان اسلام میں نہیں رہ سکتا۔ ہمارے نزدیک آپ کا ماننا اسی طرح ضروری ہے۔ جس طرح مجددین سابقین کا۔ اور آپ کے دعوے کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا۔

کیا مسیح موعود مومن بہ نبی ہیں؟: اس لئے اگر آپ اپنی جماعت کو ہماری جماعت میں تبلیغ کے لئے بھیجنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ بھی بتا دیں کہ وہ سب سے پہلے ہماری اس مشکل کو حل کریں کہ کیا فی الواقع جن لوگوں نے حضرت مسیح موعود کی بیعت نہیں کی۔ گو انہوں نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو، وہ کافر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

آپ اپنے عقیدہ تکفیر کی تبلیغ کی بجائے اسے چھپاتے کیوں ہیں؟ جس چیز کی تبلیغ کرنی ہے اسے تو آپ کے مبلغ ایک سڑی ہوئی لاش کی طرح چھپاتے پھرتے ہیں۔ اور پھر کہتے یہ ہیں کہ دیکھو ہمیں بدنام اور ذلیل کرنے کے لئے یہ ہمارے عقیدہ تکفیر کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ کا عقیدہ تکفیر واقعی ایسا ہے کہ اس سے بدبو پھیلتی ہے اور آپ کی بھی بدنامی ہوتی ہے تو پھر اسے ترک کیوں نہیں کرتے۔ اور اگر فی الواقع یہ ایک خوبصورت چیز ہے تو اسے فخر سے ہر جگہ پیش کیوں نہیں کرتے، بالخصوص ہمارے سامنے کہ آپ کا اور ہمارا اختلاف بھی یہ ہے۔ جس دن آپ ہم پر یہ ثابت کر دیں گے کہ مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں، جو عقیدہ آپ کا ہے، وہی حضرت مسیح موعود کا تھا تو ہماری جماعت فوراً ٹوٹ جائے گی اور آپ کی دلی مراد پوری ہو جائے گی۔ اور یوں اگر کوئی کثرت کو دیکھ کر اور کوئی تنظیم کے رعب سے اور کوئی نوکری مل جانے کے لالچ سے آپ کے ساتھ مل جائے۔ خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو۔ تو اس سے ہماری جماعت کا ایمان آپ کی کمزوری پر اور بھی پختہ ہوتا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اگر آج آپ نے پیری مریدی کے رنگ میں اپنی جماعت کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے تو کل کو یہ پٹی ضرور کھلے گی۔ اور آپ کی جماعت بالآخر عقیدہ حقہ کی طرف رجوع کرے گی۔ غلو کی بنیاد کچھ نہیں ہوتی۔ اور جس عمارت کی بنیاد غلو پر ہو تو وہ آج نہیں تو کل ضرور گرے گی۔

کیا محمد رسول اللہ کا کلمہ منسوخ ہے؟: اور یہ مشکل صرف اسی قدر نہیں جس کا حل کرنا آپ کے ذمہ ہے۔ تا کہ آپ کی جماعت ہماری جماعت کو تبلیغ کر سکے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ مشکل ہے کہ آپ کے اس عقیدہ کی رو سے آج کوئی کافر کہیں روئے زمین پر محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ تو آپ اس بارے میں ان مریدوں کو جب ہم میں تبلیغ کرنے کے لئے بھیجیں تو پوری طرح تیار کر کے بھیجیں۔ کہ کیا آپ کے عقیدہ کی رو سے فی الواقع یہ سچ ہے یا نہ کہ کوئی کافر آج کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے اقرار سے مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ سچ نہیں تو حضرت مرزا صاحب مومن بہ نبی نہ ہوئے۔ اور آپ کو مسلمانوں کی تکفیر کے عقیدہ سے بھی رجوع کرنا پڑے گا اور اگر یہ سچ ہے تو پھر گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ حضرت مرزا صاحب کے آنے سے منسوخ ہو گیا۔

اور اگر محمد رسول اللہ کا کلمہ منسوخ ہے تو پھر انہیں پورے طور پر مسلح کر کے آپ بھیجیں کہ اب کون سا کلمہ ہے جس سے کافروں کو اسلام میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان عیسائیوں میں تبلیغ کے لئے جاتا ہے۔ تو وہ ان کے سامنے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو پیش کرتا ہے۔ آپ کی جماعت اب تبلیغ اسلام کے لئے کس کلمہ کو پیش کرتی ہے۔ کیونکہ آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ کو تو منسوخ کر دیا۔

اور انہیں یہ بھی بتا دیجئے کہ کیا کلمہ دین سلام کی بنیاد ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو پھر کلمہ کی منسوخی سے دین بدل گیا یا نہیں۔ جس عمارت کی بنیاد اکھڑ جائے وہ عمارت کھڑی نہیں رہ سکتی۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ منسوخ ہے۔ تو پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بھی باقی نہیں رہا۔ اور اب نئی عمارت یا نئے دین کی بنیاد ہی وہ رکھے گا جو نیا کلمہ بناتا ہے۔ یہ سب باتیں کھول کر آپ اپنے مبلغین کو بتا دیں تا کہ وہ ہم میں تبلیغ کا حق ادا کر سکیں مجھے یہ معلوم ہے کہ آپ نے ان کو یہ سمجھا رکھا ہے کہ یہ کہہ دیا کرو کہ سیاسی رنگ میں ہم سب کو مسلمان مانتے ہیں۔ تو میرا آپ کے ساتھ سیاسی جھگڑا نہیں۔ انہیں بتانا یہ چاہئے کہ کیا آج اسلام کی رو سے وہ شخص مسلمان ہے یا نہیں۔ حدیث کے رو سے وہ مسلمان ہے یا نہیں۔ آپ اپنی سیاست کو قرآن وحدیث سے بلند مرتبہ نہ دیں۔ ہماری بحث آپ کے ساتھ قرآن وحدیث کی رو سے ہے۔ یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ ایک جواب آپ نے یہ بھی انہیں سکھا رکھا ہے کہ تم کہہ دیا کرو کہ کلمہ پڑھ کر انسان صرف رسمی طور پر مسلمان ہوتا ہے۔ مگر میں آپ کے ساتھ بروئے رسم ورواج بحث نہیں کر رہا۔ میں تو قرآن وحدیث کی رو سے بحث کرتا ہوں۔ اس لئے انہیں یہ بتایئے کہ بروئے قرآن وحدیث وہ مسلمان ہوا یا نہ؟

اور یہ بھی انہیں بتا دیں کہ آپ کے نزدیک اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ سے صرف رسمی مسلمان بنتا ہے تو کیا مرزا صاحب پر ایمان لانے سے حقیقی مسلمان بن جاتا ہے؟! ان دونوں میں سے افضل کون ہوا۔ وہ جس پر ایمان لانے سے انسان صرف رسمی مسلمان بنا۔ یا وہ جس پر ایمان

لانے سے وہ حقیقی مسلمان بن گیا؟! یہ باتیں آپ نے محض اپنے گھنونے عقیدہ کی پردہ پوشی کے لئے انہیں سکھا رکھی ہیں۔ وہ جہلا کو تو شائد ان باتوں سے دھوکہ دے لیں۔ مگر ہماری جماعت خدا کے فضل سے عالم دین جماعت ہے۔ وہ آپ کے ان جوڑ توڑوں سے قائل نہیں ہو سکتے۔

غرض میں آپ کو خود آپ کی اپنی خیر خواہی کے لئے کہتا ہوں کہ آپ ان لوگوں کے ہاتھ میں جنہیں ہماری جماعت میں تبلیغ کے لئے بھیجیں کوئی مضبوط ہتھیار دے کر بھیجیں۔

سب سے اول بنیادی اصول طے کیجئے: باقی رہا خلافت کا جھگڑا تو یہ بت کلمہ کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا۔ کلمہ کی تلوار بڑی زبردست تلوار ہے۔ یہ سب جھگڑے پیچھے چک جائیں گے۔ پہلے تو بنیادی اصول کو طے کر لیں۔ پھر یہ سب فروعی جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح میری کمزوریوں کے گننے سے بھی کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ بے شک آپ کے مرید پتھر اچھا پھینک سکتے ہیں۔ لیکن آپ ان کو اس قدر بتا دیں کہ آپ خود ایک شیش محل میں رہتے ہیں۔ اگر دوسری جماعت نے ایسے پتھر پھینکنے شروع کئے تو یہ شیش محل چکنا چور ہو جائے گا۔

اپنے احباب سے ایک ضروری بات۔ قادیانیت کے مقابلہ کے لئے مؤثر ہتھیار: اور اب میں اپنے احباب کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ میاں صاحب ان امور کے متعلق ایک لفظ نہیں بولیں گے۔ کیونکہ ان کے بولنے سے ان کے باطل عقیدہ کا پول کھلتا ہے۔ آپ کے پاس ان کے بڑے بڑے مبلغ آئیں گے۔ جن کے دنیوی مرتبہ کی وجہ سے آپ ان کی عزت کریں گے اور ضرور کرنی چاہئے۔ لیکن حق کے معاملہ میں کسی دنیوی مرتبہ سے مرعوب ہو جانا یا کثرت سے مرعوب ہو جانا مومن کا کام نہیں۔ مسلمانوں کی نشانی یہ رہی ہے کہ وہ بڑے بڑے بادشاہوں کے سامنے بھی کلمہ حق کہنے سے نہیں رکے۔ آپ بھی خواہ کتنا بڑا آدمی آپ کے سامنے آئے اسے صاف طور پر کہیں کہ جب تک یہ بنیادی امر طے نہ ہو جائے جو ہم میں اور آپ میں اصل وجہ اختلاف ہے اس وقت تک ہم دوسری کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں۔ کیا محمد رسول اللہ کلمہ منسوخ ہے؟ اسی ایک ہتھیار کو آپ برتیں۔

خاکسار محمد علی

2 جولائی 1940ء

17 جولائی 1940ء

مکتوب امیر

ایک قادیانی بزرگ کے خط کے جواب میں

مندرجہ ذیل مکتوب حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے ایک قادیانی بزرگ کے خط کے جواب میں رقم فرمایا تھا۔ چونکہ اس میں بعض اہم مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لہٰذا اسے قارئین پیغامِ صلح کے استفادہ کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔ مدیر

مکرم معظم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط پہنچا۔ بلاشبہ ہماری واقفیت بہت پرانی ہے اور نہ بھی ہو تو خط لکھنے میں جب غرض کسی مسئلہ کو صاف کرنا ہو کوئی ہرج نہیں۔ البتہ مجھے اس بات پر ہمیشہ تعجب رہا ہے کہ 1930ء میں جو خط آپ نے مجھے مولوی عبدالکریم وغیرہ کا معاملہ قادیان میں رونما ہونے پر لکھا تھا، اس کے بعد آپ میاں صاحب کی بیعت میں کیونکر رہ سکے؟!

آپ نے میرے مضمون مندرجہ اخبار ''پیغامِ صلح'' مورخہ 17 جون 1940ء پر کچھ اعتراضات کئے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ بعض قادیانی بزرگوں نے جو خطوط مجھے لکھے ہیں۔ ان کی طرف توجہ کرنے کی کیا ضرورت تھی اور کہ ان خطوط میں جو نبیوں کے کلموں کا ذکر ہے، اس کا ماخذ کیا ہے۔ اور آپ کا یہ خیال ہے کہ چونکہ ان نبیوں کی زبان عربی نہ تھی، اس لئے ان کا یہ کلمہ بھی نہ ہو سکتا تھا۔ آپ کو کلمے کے لفظ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ کسی نبی کے کلمہ سے مراد وہ اقرار ہے جو وہ نبی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کے لئے اپنے پیروؤں سے لیتا رہا۔ اس کی زبان کوئی ہو۔ یہی ہر نبی کا کلمہ تھا اور یہی اس نبی کے دین کی بنیاد تھا۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار سب انبیاء میں مشترک ہے، اس لئے نئے نبی کے آنے پر نبوت کا اقرار بدل جاتا تھا اور جو شخص اس نبوت کا اقرار نہ کرتا وہ کافر تھا۔ اس پر خود میاں محمود احمد صاحب اور میاں بشیر احمد صاحب کی تحریریں شاہد ہیں۔ جن کے حوالے دینے کی مجھے ضرورت نہیں۔

چنانچہ میاں محمود احمد صاحب نے ان لوگوں کو، جو حضرت مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان نہیں

لاتے، خواہ انہوں نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ اور میاں بشیر احمد صاحب نے یہ لکھا ہے کہ کوئی شخص جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہو مگر حضرت مسیح موعود پر ایمان نہ لاتا ہو۔ وہ پکا کافر ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ قادیانی رہنماؤں کے نزدیک آج کوئی شخص لَآ اِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کر کے مسلمان نہیں ہوسکتا۔ آپ اس خطرناک عقیدہ کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ اور یہی حالت دوسرے قادیانی بزرگوں کی ہے کہ اصل مسئلہ، جو اختلاف کا موجب ہے، اس کی طرف وہ قطعاً نہیں آنا چاہتے۔ اور وہ مسئلہ یہی ہے کہ کیا آج کوئی شخص حضرت مسیح موعود کی نبوت پر ایمان لانے کے بغیر مسلمان ہوسکتا ہے یا نہیں۔ قادیانی عقیدہ یہ ہے کہ نہیں ہوسکتا۔ اور آپ خود دوسروں کو غلو کا مرتکب قرار دیتے ہوئے اور اپنے آپ کو اس غلو سے پاک قرار دیتے ہوئے اس مسئلہ میں صفائی سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے اس کو یہ کہہ کر ٹالنا چاہا ہے کہ حضرت مسیح موعود کسی نہ کسی رنگ میں نبی تھے اور نبی کا انکار کیا ہوگا۔ تو آپ صفائی سے یہ کیوں نہیں لکھتے کہ حضرت مرزا صاحب نبی تھے اور ان کی نبوت پر ایمان لانے کے بغیر آج کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا الـلّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ منسوخ قرار پائے گا اور جب کلمہ منسوخ ہو گیا تو وہ دین، جس کی بنیاد وہ کلمہ تھی، خود منسوخ ہو گیا۔

دوسرا سوال۔ آپ نے یہ پوچھا ہے کہ مسیح موعود کی پوزیشن کیا ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ اگر وہ محض ایک عالم ہیں تو پھر ان کی کوئی وقعت نہیں۔ اور اگر مجدد ہیں تو پھر ان کے نہ ماننے سے فسق لازم آئے گا۔ اور پھر فسق پر اصرار کرنے کا کیا حشر ہوگا۔ پھر آپ یہاں گول مول کر گئے ہیں۔ آپ خود ہی فرما دیجئے کہ کیا حشر ہوگا۔ کیا وہ کافر دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا؟ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کا بھی نہ ماننا فسق ہے۔ تو اگر آپ کا یہی مذہب ہے کہ کوئی شخص جو خدا اور رسولؐ کے کسی حکم کو نہیں مانتا فاسق ہے۔ اور پھر فسق پر اصرار کر کے کافر بن جاتا ہے۔ تو فرمائیے آپ خود یا آپ کی ساری جماعت خدا اور اس کے رسولؐ کے جملہ احکام کی پوری فرمانبرداری کرتے ہیں یا اس جماعت میں ایسے بھی لوگ ہیں جو بعض احکام کو نہ مانتے ہوں؟ تو پھر احمدی بھی اس کفر کے دائرے کے اندر آ جائیں گے۔ جس میں آپ دوسروں کو لانا چاہتے ہیں۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ لوگ حضرت صاحب کی تحریروں کو

کبھی توجہ سے نہیں پڑھتے۔ حضرت مسیح موعود نے 1908ء میں اپنی وفات سے کچھ پیشتر لاہور میں ایک تقریر کی تھی اور اس تقریر کو ''حجۃ اللہ'' کے نام سے حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے شائع بھی کیا تھا۔ اس میں صاف طور پر حضرت مسیح موعود نے یہ فرمایا کہ جس طرح پر نماز پڑھنا، روزہ رکھنا اور سچ بولنا وغیرہ خدا اور رسولؐ کے احکام ہیں۔ اسی طرح مسیح موعود کا ماننا بھی خدا اور رسول کا ایک حکم ہے۔ اور جو شخص خدا اور رسولؐ کے کسی حکم کو نہیں مانتا وہ ایمان کے زیور سے آراستہ نہیں۔ یعنی اس کا ایمان کمال کو نہیں پہنچا۔ اس تقریر میں اپنے ماننے کو حضرت صاحب نے ایسا ہی ایک حکم قرار دیا ہے جس طرح پر شریعت کے دوسرے احکام ہیں۔ اور جو بات کسی اور حکم کے نہ ماننے سے لازم آتی ہے، وہی مسیح موعود کے نہ ماننے سے لازم آتی ہے۔

آپ پوچھتے ہیں کہ مسیح موعود کی پوزیشن کیا ہے؟ مجھ سے دریافت کرنے کی بجائے آپ یہی سوال جناب میاں صاحب سے کر سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک 1901ء سے پہلے آپ کی پوزیشن کیا تھی۔ کیونکہ آپ لوگوں کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے نبوت کا دعویٰ 1901ء میں کیا۔ تو پہلے آپ قادیان سے یہ صاف کر دیں کہ 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی پوزیشن کیا تھی۔ پھر آپ نے لکھا ہے کہ اگر وہ مجدد ہیں تو بھی ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ یہ تو درست ہے لیکن اسی رنگ میں تسلیم کرنا ضروری ہے۔ جس طرح باقی مجددوں کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اب آپ خود غور کر لیں کہ کیا وہ لوگ جو کسی مجدد پر ایمان نہیں لائے تھے، کیا وہ سب کے سب کافر اور دائرہ اسلام سے خارج تھے۔ پھر تعجب ہے کہ اتنی ایچا پیچیوں سے نتیجہ وہ نکالا جاتا ہے جس کی حضرت مسیح موعود نے خود کھلے الفاظ میں تردید کی ہے اور اس کا تا قیامت کوئی قادیانی جواب نہیں دے سکتا۔ آپ نے صاف الفاظ میں فرمایا کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا۔ لیکن قادیانی بزرگ پیچ در پیچ تاویلات سے انہیں کافر بنانا چاہتے ہیں اور جس بات کی حضرت مسیح موعود نے حکم وعدل نے خود تردید کی ہے اسے قائم کرنا چاہتے ہیں۔ تو اب آپ کے نزدیک حکم وعدل مسیح موعود نہیں بلکہ یا میاں صاحب ہیں یا آپ خود ہیں۔

پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت صاحب نے کھلے الفاظ میں ہی یہ نہیں فرمایا کہ ان کے دعویٰ کا انکار کرنے والا کافر نہیں بلکہ اپنے عمل سے غیر احمدیوں کے جنازے پڑھنے کے فتوے

دے کر اور خود ان کے جنازے پڑھ کر ان پر ایسی تصدیق کی مہر لگا دی جس کو قادیانی جماعت قیامت تک توڑ نہیں سکتی۔ اور انشاء اللہ آپ کو ایک نہ ایک دن یہ عقیدہ چھوڑنا پڑے گا۔ بشرطیکہ آپ کے دل میں حضرت مسیح موعود کی وہ عزت سچ مچ ہو۔ جس کا دعویٰ زبانی ہے۔ یوں تو آپ کو نبی مانا جاتا ہے۔ مگر بات مسیح موعود کی نہیں مانی جاتی بلکہ جو کچھ میاں صاحب کے منہ سے نکل جائے۔ وہ مانا جاتا ہے۔

تیسرا سوال۔ آپ لفظ نبی کے استعمال میں پناہ لیتے ہیں اور آپ نے اس کو بڑی بھاری دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود کو یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَّ الہام ہوا تھا اور آپ فرماتے ہیں کہ آج تک کسی مجدد کو اللہ تعالیٰ نے لفظ نبی سے مخاطب نہیں کیا۔ افسوس ہے کہ اس بارے میں آپ کا علم بہت محدود ہے۔ مجدد تو ایک طرف رہے، معمولی اولیاء کو بھی اللہ تعالیٰ کا لفظ نبی سے مخاطب کرنا ثابت ہے۔ اس کی ایک شہادت تو آپ خان بہادر دلاور خان صاحب سے لے سکتے ہیں کہ کیا ان کے علاقہ میں جو ایک بزرگ کوٹھے والے گزرے ہیں۔ ان کے الہامات میں لفظ نبی سے خطاب پایا جاتا ہے یا نہیں۔ اور ابھی تین چار دن کی بات ہے کہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو کلکتہ سے ایک صوفی صاحب کا خط آیا ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے الہامات میں کئی بار لفظ نبی سے مخاطب کیا ہے۔ اور پھر یہ امر مسلم ہے اور خود حضرت صاحب نے اس کو لکھا ہے کہ قرآن شریف کی کوئی آیت کسی ولی کو الہام ہو سکتی ہے۔ مگر وہ اپنے اصل معنی پر نہیں ہوتی۔ اس میں سب کچھ آ جاتا ہے۔

مگر مجھے قادیانی بزرگوں کی اس جرأت پر بار بار تعجب آتا ہے کہ وہ ملہم کے الہام پر تو اتنا زور دیتے ہیں اور جو اس نے خود تشریح کی ہے اس کو پرپشہ کے برابر وقعت دینا پسند نہیں کرتے۔ کیا حضرت صاحب نے بار بار یہ نہیں لکھا کہ اس لفظ نبی سے جو میرے الہامات میں یا حدیث میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے، مراد محض مجاز اور استعارہ ہے اور خود ہی یہ بھی تصریح فرما دی ہے کہ محدث کو ہی مجازی طور ر نبی کہا جاتا ہے۔ اور یہاں تک بھی لکھ دیا ہے کہ جو شخص اس لفظ کو ناپسند کرتا ہو وہ اسے کٹا ہوا سمجھ کر اس کی جگہ لفظ محدث رکھ لے۔ اسی طرح پر آپ لفظ امتی نبی کو تو لے لیتے ہیں۔ لیکن اس بات پر کبھی غور نہیں کرتے کہ امتی نبی کی تشریح حضرت مسیح موعود نے یہ کی ہے کہ اس سے مراد محدث ہے اور اس لئے فرمایا کہ میرے

لئے حضرت لفظ نبی استعمال نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس میں نبوت کاملہ تامہ محمدیہ کی ہتک ہے۔

چوتھا سوال۔ آپ لکھتے ہیں کہ ہم نے حضرت مولوی نورالدین صاحب کو خلیفہ تسلیم کیا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک لفظ کی آڑ لے کر ایک شخص ان عقائد کی ترویج کرے جو صریحاً قرآن وحدیث کے اور حضرت مسیح موعود کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ جب میاں محمود احمد صاحب خلاف قرآن وحدیث اور اقوال حضرت مسیح موعود مسلمانان عالم کو کافر ٹھہراتے ہیں تو کیا حضرت مولوی صاحب مرحوم کو، جو حضرت مسیح موعود کے مسلک پر چل رہے تھے، خلیفہ ماننے سے یہ لازم آ گیا کہ مسلمانوں کی تکفیر کرنے والے کو حضرت مسیح موعود کے مسلک کے خلاف چلنے والے کو بھی خلیفہ تسلیم کر لیا جائے اور آئندہ جو کوئی بھی پاک یا ناپاک اس گدی پر بیٹھے اس کو خلیفہ مان لیا جائے۔ یہ عجیب منطق ہے۔ جو شخص حضرت مسیح موعود کے مسلک کے صریح خلاف چل رہا ہے، اسے مسیح موعود کا خلیفہ ماننا دین نہیں۔ دین کے ساتھ استہزاء ہے!

پہلے خود آپ کے خلیفہ صاحب یا آپ یہ ثابت کر دیں کہ حضرت مسیح موعود روئے زمین کے سارے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے تھے اور کلمہ کو منسوخ قرار دیتے تھے۔ پھر یہ سوال بھی ہوسکتا ہے کہ کیا میاں صاحب مسیح موعود کے خلیفہ ممکن طور پر ہو بھی سکتے ہیں۔ جس طرح پولوس نے حضرت عیسٰیؑ کے مذہب کو بدل دیا۔ اسی طرح جناب میاں صاحب نے حضرت مسیح موعود کے مذہب کو بدل دیا ہے۔ پہلے وہ اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود کے مذہب پر ثابت کریں۔ پھر خلافت کا دعوٰی کریں۔ یہ بات صرف جہلا کو اپیل کر سکتی ہے کہ چونکہ لوگوں نے انہیں خلیفہ بنا لیا ہے اس لئے جو کچھ وہ قرآن کے، حدیث کے مسیح موعود کے خلاف کہتے چلے جائیں، اس پر غور کرنے کی ضرورت کوئی نہیں۔ پہلے ایک خلیفہ بنا لیا۔ پھر جو کچھ وہ کہے اسے مانتے چلے گئے۔ یہ مذہب خدا اور رسول کا دیا ہوا نہیں۔

بالآخر میں آپ کو یہ توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ آپ نے جو بار بار لکھا ہے کہ غلو پہلے بھی لوگ کرتے رہے ہیں۔ اس لئے ہم کو کوئی زیادہ پروا غلو کی نہ کرنی چاہئے۔ تو یہ بھی آپ ایک غلط فہمی میں ہیں۔ یہ غلو وہ ہے جس کے ساتھ دین اسلام کو منسوخ قرار دے کر ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ اس میں اور بہائیت میں کوئی زیادہ فرق نہیں۔ اس لئے اس غلو کے خلاف اپنی قوت خرچ کرنا ہر

اس شخص کا پہلا فرض ہے جو حضرت مسیح موعود کی محبت دل میں رکھتا ہے اور جو اس بات کا قائل ہے کہ آخری دین وہی ہے جس میں ساری مخلوق کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے جمع کرنا ضروری ہے۔ خاکسار محمد علی

☆

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا تعزیتی مکتوب: چودھری نذیر احمد صاحب مرحوم کی وفات کی خبر ملنے پر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے جناب مولوی عزیز بخش صاحب کو مندرجہ ذیل تعزیتی مکتوب لکھا:

برادران مکرم معظم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط ایسے صدمہ جانکاہ کی خبر لایا جس سے دل بہت مغموم ہے۔ آہ! ایسے نوجوان کا اٹھ جانا نہ صرف عزیزوں کے لئے ہی صدمہ ہے بلکہ جماعت کے لئے صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عزیز کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کے قلوب حزیں کو اپنی جانب سے تسکین عطا فرمائے۔ حافظ صاحب (حافظ محمد بخش صاحب نذیر مرحوم کے والد محترم) کا ایسے جوان بیٹے کی موت پر صبر کا یہ نمونہ دکھانا بہت بلند ہمتی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ اس صدمہ کو ان کے ترقی درجات کا موجب بنائے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

از ڈلہوزی

7 جولائی 1940ء

❁❁❁

21 جولائی 1940ء

کیا کلمہ طیّبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ منسوخ ہے!

قادیانی حضرات سے ’’یوم تبلیغ‘‘ پر چند ضروری سوالات

14 جولائی 1940ء کو میاں محمود احمد صاحب قادیانی کی طرف سے ’’یوم تبلیغ‘‘ مقرر ہوا ہے اور انہوں نے اپنی جماعت کو یہ ہدایت کی ہے کہ اس دن جماعت احمدیہ لاہور کو قادیانیت کی خصوصیت سے تبلیغ کی جائے۔ اس بارہ میں ہم **دو ضروری باتیں** قادیانی اصحاب اور ان کے خلیفہ صاحب سے عرض کرنا چاہتے ہیں:

1۔ میاں صاحب جہاں دوسروں کو تبلیغ کے لئے ہدایت کرتے ہیں وہاں خود ان کا بھی فرض ہے کہ تبلیغ کے میدان میں نکلیں اور جہاں ان کے مرید ہماری جماعت کے عام افراد کے پاس تبلیغ کے لئے جاتے ہیں، وہاں خود میاں صاحب ہماری جماعت کے امیر مولٰینا مولوی محمد علی صاحب ایّدہ اللہ کو تبلیغ کا مرجع ٹھہرائیں۔ اور اس کی بہتر صورت وہ ہے جو انہوں نے (میاں صاحب) خود دو تین ماہ ہوئے تجویز کی تھی کہ دونوں حضرات کے مابین بہ تقرر ثالثان **تحریری مناظرہ** ہو جائے۔ ان کی اس دعوت کے جواب میں حضرت مولٰینا محمد علی صاحب بار بار لکھ رہے ہیں کہ وہ میاں صاحب سے حسبِ ذیل امور میں تحریری بحث کے لئے تیار ہیں:

1۔ کیا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کل مسلمانوں کو، جنہوں نے آپ کی بیعت نہیں کی خواہ انہوں نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو، کافر خارج از اسلام قرار دیتے تھے؟

2۔ کیا حضرت مرزا صاحب کا دعوٰی نبوت کا تھا یا محدثیت کا؟

3۔ کیا آپ نے اپنے بعد نظام سلسلہ کے لئے انجمن کو اپنا جانشین قرار دیا تھا یا نہیں؟

اس بحث کے فیصلہ کے لئے دس ثالث مقرر کئے جائیں جن میں سے پانچ میاں محمود احمد صاحب ہماری جماعت میں سے منتخب کر لیں اور پانچ حضرت مولٰینا محمد علی صاحب میاں صاحب کے مریدین میں سے منتخب کر لیں۔ اور ان دس آدمیوں کی کثرت رائے سے جو فیصلہ ہو اسے منظور کر لیا جائے۔ ضرورت ہے کہ میاں محمود احمد صاحب سب سے پہلے اس دعوت مناظرہ کو منظور کریں اور ’’یوم تبلیغ‘‘

کواس طرح منائیں کہ ان کی طرف سے اس بحث کی منظوری کا اظہار ہو جائے۔

دوسری ضروری بات: ہم ان سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ پیشتر اس کے کہ ان کے مریدین ہماری جماعت کے افراد کے پاس تبلیغ کے لئے آئیں، انہیں یہ بتا دیا جائے کہ ان کے نزدیک آج روئے زمین پر کوئی غیر مسلم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر (بغیر اس کے کہ حضرت مرزا صاحب پر ایمان لائے) مسلمان ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوتا، جیسا کہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے، **تو کلمہ منسوخ ہوا یا نہیں؟** اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ منسوخ ہے تو 1۔قادیانی مذہب ایک نیا دین ہوا 2۔اس نئے دین کا کلمہ کیا ہے جس کے اقرار سے ایک غیر مسلم اسلام میں داخل ہو سکے؟

ایک اور قابل غور بات: آخر میں ہم قادیانی اصحاب سے یہ بھی درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح موعود کا دعوٰی نبوت کا تھا۔ اور اپنے نہ ماننے والوں کو آپ کافر سمجھتے تھے تو آپ کے حسب ذیل ارشادات کا کیا مطلب ہے.

1۔''نبوت کا دعوٰی نہیں بلکہ محدثیت کا دعوٰی ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا'' (ازالہ اوہام صفحہ 421)

2۔''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوٰی کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا'' (ازالہ اوہام صفحہ 421)

3۔''محمد مصطفیٰ صلعم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر یقین کرتا ہوں'' (اشتہار 2 اکتوبر 1891ء)

امید ہے قادیانی حضرات ان سوالات پر اچھی طرح غور کر کے تبلیغ کے لئے نکلیں گے۔ اور جناب میاں صاحب سے بھی تحریری مناظرہ کی منظوری لے کر آئیں گے۔ خاکسار سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

☆ یہ پوسٹر قادیانی ''یوم تبلیغ'' پر شائع کیا گیا تھا۔ جناب میاں صاحب اور ان کے مریدوں نے تا حال اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پیغام صلح

30 جولائی 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

مرزا محمود احمد صاحب کا چیلنج

قبولیت دعا کا مقابلہ

''صرف اعتراض کرنا کافی نہیں۔ غیر مبائعین مقابلہ میں قبولیت دعا کا نشان دکھائیں''۔ اس عنوان سے 12 جولائی کے الفضل میں میاں صاحب کا خطبہ چھپا ہے۔ اس کے متعلق اس وقت میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اگر اعتراض کرنا کافی نہیں تو اعتراض کے جواب سے پہلوتہی کر کے ایک چیلنج دے دینا بھی تو اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ پہلے اعتراض کا جواب دیا جاتا اور پھر چیلنج دیا جاتا۔ اور چیلنج بھی کیا عجیب ہے۔ ''مقابلہ میں قبولیت دعا کا نشان دکھائیں''

گویا جناب میاں صاحب کی دعا سے یا نیم دعا سے، کیونکہ پوری دعا تو ابھی باقی ہے جو بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے، ہٹلر کی فوجیں بھاگ چکی ہیں اور اس عظیم الشان نشان کے مقابلہ پر جناب میاں صاحب کو حق پہنچا ہے کہ دوسروں کو بھی قبولیت دعا کے نشان کے لئے چیلنج دیں۔ اس خوش فہمی کے قربان جائیں جس کا شکار پیر اور مرید دونوں واقع ہوئے ہیں۔ تو کیا ساری دنیا اب یہ فرض کرے کہ دعا ہوگئی اور ہٹلر کی فوجیں بھاگ چکیں۔ گاندھی جی تو اہنسا سے انگریزوں سے ہتھیار رکھواتے ہیں۔ میاں صاحب اس فرضی قبولیت دعا سے ہتھیار رکھوا دیں۔ کہنا تو یوں چاہئے تھا کہ ''مقابلہ میں قبولیت دعا کا دعوٰی کریں''۔ مگر قادیان کی جو بات ہے انوکھی! جناب میاں صاحب کے دعوٰی بھی انوکھے۔ اور مریدین کا اس پر ایمان بھی دنیا بھر سے نرالا۔ یہی نہیں کہ میاں صاحب نے ہی یہ فرض کر لیا ہو کہ ان کی دعا قبول ہو چکی اور نشان ظاہر ہو چکا، مرید بھی سب اس بات پر ایمان لاتے ہیں۔ تو جب تک وہ نشان ظاہر ہو جس کے متعلق ابھی امیدوار بودہ بدانند کی حالت ہے، اس وقت تک اعتراضات کے جواب کی طرف ہی توجہ فرمائی جائے۔

ہم قبولیت دعا کے منکر نہیں ہیں: ایک بات میں اور بھی کہنا چاہتا ہوں کہ میاں صاحب کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ہمارے متعلق غلط بیانی کر کے اپنے مریدوں پر یہ ظاہر کریں کہ گویا ہم قبولیت دعا کے

منکر ہیں یا اس بات کا ہمیں انکار ہے کہ حضرت مسیح موعود نے جہاں اور تجدید کی ہے دعا کا زبردست حربہ بھی ہمارے ہاتھوں میں دیا ہے۔

میاں صاحب نے دعا اور اس کی قبولیت کو کھیل بنا دیا ہے: ہاں دعا اور اس کی قبولیت کو ہم کھیل بنانا نہیں چاہتے اور نہ اس کے ذریعہ لاف زنی کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً میاں صاحب کو ایک مرید خط لکھتا ہے کہ حضور میرا فلاں عزیز بیمار تھا۔ یا فلاں ابتلا مجھ پر تھا۔ اور ادھر دعا کے لئے خط میں نے لیٹر بکس میں ڈالا اور ادھر وہ تکلیف دور ہو گئی۔ اور پھر اس واقعہ کو فخر یہ الفضل میں شائع کیا جاتا ہے۔ اب یہ واقعہ تو کوئی انوکھا نہیں۔ لیکن اس کو میاں صاحب کی قبولیت دعا کا رنگ دینا، قبولیت دعا کے ساتھ کھیل نہیں تو اور کیا ہے؟ گویا میاں صاحب اور خدا ایک جگہ بیٹھے تھے۔ اور جب خدا نے دیکھا کہ خلیفہ کے نام دعا کا خط لکھا گیا ہے، فوراً خلیفہ کو دعا کی تحریک کرادی اور منٹوں کے اندر مصیبت دور ہو گئی!

اب اس بات کو برا نہیں منانا چاہئے یہ اپنا اپنا نظریہ ہے۔ جس چیز کو میاں صاحب نے قبولیت دعا کے نمونہ کے طور پر کل دنیا میں پیش کیا ہے، وہ ہمارے نزدیک دعا اور اس کی قبولیت کے ساتھ استہزاء ہے۔ یعنی وہ امر جس کا ذکر ان کے 26 مئی کے خطبہ میں ہے، اور اسی وجہ سے اخبار ''لائٹ'' میں بھی اس پر اعتراض کیا گیا، اور اسلام کی عزت کو بچانے کے لئے کیا گیا۔ اور پیغام صلح میں بھی اعتراض کیا گیا۔ میاں صاحب نے چونکہ اپنی جماعت میں ایک قانون بنا دیا ہے کہ ان پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ سچا اعتراض ہی ہو۔ اس لئے اعتراض کوئی دوسرا بھی کرے تو میاں صاحب برافروختہ ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ جو کچھ اعتراض ان کے اس خطبہ پر کیا گیا تھا۔ بجائے اس کے کہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرتے انہوں نے مجھے اور تمام جماعت لاہور کو خود دل بھر کر کوسا ہے۔ میاں صاحب ایک طرف تو مریدوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بُرا نہ کہا کریں۔ بلکہ نرمی سے پیش آئیں۔ دوسری طرف وہ ہمارا نام بھی لیں گے تو گالی دے کر لیں گے۔ وہ ''پیغامی'' کے سوائے ہمارا نام نہیں لے سکتے۔ پھر مریدوں کو یہ وعظ کس زبان سے کیا جاتا ہے کہ تم انہیں بُرا نہ کہو۔ میں بار بار اس بات کو لکھ چکا ہوں کہ کسی کا ایسا نام رکھنا، جسے وہ ناپسند کرتا ہو، گالی ہے۔ قرآن کریم میں بھی وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (11:49) کا کھلا حکم

ہے۔ مگر میاں صاحب کبھی بھی فریق لاہور کے نام سے ہمارا ذکر نہیں کریں گے۔ جب ہمارا ذکر ہوگا۔ ''پیغامی'' کہیں گے۔

میاں صاحب کے دو متضاد دعوے: لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اعتراض کا بھی کوئی جواب دیا ہے 26 مئی کے خطبہ میں میاں صاحب کے اپنے الفاظ میں ان کے ذیل کے دو دعوے موجود ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان دنوں جو برطانیہ پر ابتلا آیا ہوا ہے۔ اس کے متعلق چاہے ہنسیں۔ چاہے ٹھٹھا اور مذاق کریں۔ چاہے ہمیں پاگل اور مجنون سمجھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ان آہوں کا نتیجہ ہے جو 1934ء و 1935ء و 1936ء میں ہمارے دلوں سے بلند ہوئیں''

2۔ میں تو اس وقت بھی جماعت کو روکتا تھا اور بار بار کہتا تھا کہ یہ جھگڑا چند مقامی افسروں سے ہے۔ حکومت برطانیہ کا اس جھگڑے سے کوئی تعلق نہیں''

اس پر اصل اعتراض تو آگے آتا ہے۔ لیکن پہلے مرحلہ پر یہی بات قابل غور ہے کہ ایک ہی خطبہ میں یہ دونوں باتیں جمع کرنے والا کس حالت میں ہے۔

1۔ ''حکومت برطانیہ سے اس جھگڑے کا کوئی تعلق نہیں''

2۔ ''برطانیہ پر جو ابتلا آیا ہوا ہے...... یہ ان آہوں کا نتیجہ ہے...... جو ہمارے دلوں سے بلند ہوئیں''

چند مقامی افسروں میں اور جماعت قادیان میں کچھ جھگڑا ہے۔ اس جھگڑے کی وجہ سے میاں صاحب اور جماعت قادیان کے دلوں سے حکومت برطانیہ کے خلاف آہیں بلند ہوتی ہیں۔ یعنی برطانیہ کے لئے بددعائیں کرتے ہیں۔ اب میاں صاحب فرماتے ہیں کہ یہ مقامی افسروں کی زیادتی تھی۔ حکومت برطانیہ کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لئے حکومت برطانیہ کے خلاف آہوں کا بلند کرنا حماقت کا فعل تھا۔ اور ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ انہی آہوں کی وجہ سے اس عالمگیر جنگ کا مزہ برطانیہ کو چکھنا پڑا۔ قصور بھی کوئی نہ تھا اور پکڑے بھی بری طرح گئے! سکھوں کے وقت کی باتیں لوگ کیا کرتے تھے کہ کسی کو پکڑا گیا تو اس نے پوچھا میرا قصور کیا ہے۔ تو جواب ملا کہ تم قصور نہ کرو تو ہم پکڑیں بھی نہ۔ اب

5 جولائی کے خطبہ میں ارشاد ہوتا ہے ’’اگر کسی انگریز کے سامنے میری تقریر کا یہ حصہ رکھ دیا جائے تو وہ کہے گا یہ کوئی پاگل ہے جو ابھی پاگل خانہ سے چھوٹ کر آیا ہے‘‘۔ میں کہتا ہوں اس میں انگریز کی کیا خصوصیت ہے۔ جو شخص یہ دو بیان ایک ہی وقت میں دیتا ہے۔

1۔حکومت برطانیہ نے قادیانیوں کو کوئی تکلیف نہیں دی۔ 2۔حکومت برطانیہ پر جو آج کل سخت مصیبت آئی ہوئی ہے وہ اسی تکلیف کی وجہ سے ہے جو قادیانیوں کو دی۔اس کے متعلق ہر شخص یہی کہنے پر مجبور ہے کہ اسے اپنے حواس پر قابو نہیں۔

آخر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے قادیانیوں کو کیا تکلیف پہنچی تھی۔ جس پر حکومت برطانیہ پر یہ عذاب نازل ہوا۔ یہ تو خطبہ میں بتایا گیا ہے کہ آہیں بلند ہوگئیں۔مگر تکلیف کیا پہنچائی گئی تھی جس پر آہیں بلند ہوئیں۔ یہ نہیں بتایا۔کیا حکومت نے بے گناہ قادیانیوں کو پھانسی دے دیا تھا۔ یا جیل خانہ میں ڈال دیا تھا۔کیا ان کی مذہبی آزادی چھین لی گئی تھی۔اور ان کو اذان دینے اور نماز پڑھنے پر سزائیں دی جاتی تھیں۔آخر کیا ہوا تھا؟! خطبہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ آہیں ضرورت سے زیادہ بلند ہوگئیں۔’’یہ نہیں دیکھا گیا کہ ظلم کتنا ہے اور آہیں کتنی بلند ہو رہی ہیں‘‘ مگر دیکھتا کون؟ جب خود نعوذ باللہ خدا یہاں تک مرعوب ہو گیا کہ اس نے یہ نہ دیکھا کہ ظلم کتنا ہوا ہے اور دو مقامی افسروں کی خاطر صرف ایک برطانیہ کو ہی نہیں پکڑا بلکہ ملکوں کے ملک تباہ کر دیئے!

کیا یہ خدا اور دین کے ساتھ استہزاء نہیں ہے؟: اب خلیفہ صاحب اور ان کے مرید خدا کے لئے غور کریں کہ یہ خدا کے ساتھ، دین کے ساتھ استہزاء نہیں تو اور کیا ہے؟ کسی کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ خود قادیان والے تین آدمیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔کسی کو جیل خانہ میں نہیں ڈالا گیا بلکہ ان کے احراری دشمن جیل خانہ میں بھیجے جاتے ہیں۔قادیانیوں کی مذہبی آزادی نہیں روکی گئی بلکہ ان کے اعداء احرار کو حدود قادیان میں جلسہ کرنے سے روکا گیا۔ پھر وہ ظلم کیا تھا جس پر آہیں بلند ہو رہی تھیں اور اتنی بلند کہ اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ عرش پر پریشان کر کے تمام دنیا کی تباہی کا پروانہ حاصل کر لیا گیا۔کیا ظلم ہوا تھا؟ صرف یہی کہ حکومت کی وہ پہلی سی نظر عنایت نہ رہی تھی اور اس نے خلیفہ قادیان کو اپنا لاڈلا سمجھنے کی بجائے، جیسا پہلے سمجھتی رہی تھی، دوسرے شہریوں کی طرح سمجھا۔جب باتیں ایسی کہی جائیں تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ لوگ انہیں

پاگل پن کی باتیں کہیں گے۔

خلیفہ قادیان کی انتہائی افسوسناک حرکت: جس وثوق کے ساتھ میاں صاحب نے برطانیہ کی تکالیف کو اپنی آہوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انکشاف خود اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا ہے۔ لیکن اگر ایک انسان ایسا کام کرے تو اسے دنیا کا ظالم ترین انسان کہا جائے گا کہ قصور کسی کا ہو اور پکڑا کوئی جائے۔ ہٹلر کو ظالم کیوں کہا جاتا ہے؟ اس لئے کہ لڑائی تو ہے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے ساتھ۔ اور پیس دیا۔ برباد کر دیا۔ بے گناہ ڈنمارک کو، بے گناہ ناروے کو، بے گناہ ہالینڈ کو، بے گناہ بیلجیم کو، مگر یہ ظلم تو ہٹلر کے ظلم سے بھی بڑھ گیا کہ حکومت برطانیہ کے دو افسروں نے خلیفہ صاحب کی اتنی رعایت نہیں کی۔ جتنی انہیں اپنی خدمات کی بنا پر توقع تھی۔ تو برطانیہ کو سخت ترین مصائب میں ڈال دیا اور بے گناہ پولینڈ، بے گناہ ناروے، بے گناہ ڈنمارک، بے گناہ ہالینڈ، بے گناہ بیلجیم، بے گناہ فرانس کو پیس کر رکھ دیا۔ جن غریبوں کو یہ بھی علم نہیں کہ ''خلیفہ قادیانی'' کون ہے۔ قصور ایک یا دو آدمیوں کا ہو یا تین کا سہی اور پکڑی جائے ساری قوم! اور قوم بھی وہ جسے اس قصور کا علم تک نہیں۔ اور ساری قوم نہیں بلکہ اس سے زیادہ سختی سے دنیا کی وہ قومیں پکڑی جائیں، جن کے خواب وخیال میں بھی نہ کبھی ''خلیفہ قادیان'' آیا اور نہ کبھی انگریز افسر کا ان کے ساتھ ناواجب سلوک آیا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کی طرف کس قدر رحم وانصاف منسوب کیا جا رہا ہے۔ اور یہ سب مظالم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف منسوب کر کے ابھی ''دربار خلافت'' سے فتوی یہ صادر ہوگا کہ دیکھا ان ''پیغامیوں'' کا خدا پر بھی کوئی ایمان نہیں!

خلیفہ صاحب کی دعا کا اثر: یہ تو تھی انگریزوں کی سزا کی وجہ۔ اس عالمگیر جنگ کی وجہ خلیفہ کی آہ اور خلیفہ کی بد دعا نہیں بلکہ خلیفہ کے غلط کار مریدوں کی بد دعا۔ جو ان لوگوں کے لئے بد دعا کر رہے تھے۔ جن کا قصور کوئی نہ تھا۔ اب خلیفہ کی دعا کا اثر دیکھئے۔ اس 26 مئی کے خطبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

> ''اگر یہ سچے طور پر توحید کا اقرار کر کے مجھ سے دعا کی درخواست کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے فتح کے سامان پیدا کر دے گا۔ لیکن ابھی انہیں طاقت پر بہت گھمنڈ ہے اور ان کے لئے یہ ماننا بہت مشکل ہے کہ قادیان میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی کی دعا سے ہٹلر کی فوجیں بھاگ سکتی ہیں''

سنگدلی کی انتہاء: اللہ اکبر! یہ کیسا ظالم انسان ہے کہ ہٹلر کی فوجوں کی وجہ سے دنیا تباہ ہوگئی اور ہو رہی ہے۔ سرسبز ملک ویرانے ہو گئے۔ خوبصورت شہر کھنڈر بن گئے۔ بچے، عورتیں، بوڑھے بے سروسامانی کی حالت میں پھر رہے ہیں اور فاقوں سے مر رہے ہیں۔ مگر یہ انسان، جس کی دعا سے ہٹلر کی فوجیں بھاگ سکتی ہیں، بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہے۔ وہ دعا کیوں نہیں کرتا۔ دنیا کو اس عذاب سے نجات کیوں نہیں دلاتا۔ اس کی شرائط بھی سن لیجئے:

1۔ ''یہ سچے طور پر توحید کا اقرار کرے''

2۔ ''مجھ سے دعا کی درخواست کریں''

اب غور طلب یہ امر ہے کہ سزا میں تو خدا کی توحید کا کوئی ذکر نہ تھا۔ سزا بقول خلیفہ صاحب ان پر اس لئے نہ آئی تھی کہ وہ توحید کے منکر ہیں۔ یا عیسٰی مسیحؑ کو خدا مانتے ہیں۔ بلکہ اس لئے آئی تھی کہ خلیفہ کو انہوں نے معمولی انسانوں کی طرح ایک انسان سمجھا تھا۔ پس جس وجہ سے سزا آئی۔ اس راستہ سے چھٹکارا بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی وہ خلیفہ کو معمولی انسان نہ سمجھیں اور دوسروں سے ممتاز کر کے اس سے دعا کی درخواست کریں اور یوں خلیفہ کی جو گستاخی ہوگئی تھی۔ اس کی معافی مانگیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے توحید کا اقرار صرف اس لئے رکھا گیا ہے کہ تبلیغ کا ڈھنگ بھی قائم رہے۔ حقیقت یہی ہے کہ ''خلیفہ'' کی گستاخی ہوئی تو دنیا کی بربادی کا حکم صادر ہوگیا۔ ''خلیفہ'' کے سامنے التجا کر لی گئی تو فتح کا ڈنکا بج گیا۔ چنانچہ 5 جولائی کے خطبہ میں جو ''الفضل'' 12 جولائی میں چھپا ہے۔ اس بات کو مان لیا ہے کہ صرف خلیفہ کے آگے جھک جانا کافی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

> ''لیکن پھر بھی مجھے اتنا علم ہے کہ انگریز قوم نے اس پر ہنسی نہیں اڑائی بلکہ نہایت ذمہ دار افسروں کے سامنے جب یہ بات پیش ہوئی تو انہوں نے اس پر **نیم آمادگی کا اظہار کیا** اور صرف اس بات سے ڈرے کہ دوسری قومیں یہ نہ کہیں کہ صرف احمدیوں کو دعا کی درخواست کے لئے کیوں چنا گیا ہے۔ مگر باوجود اس بعد کے، جو اس قوم کو روحانی امور سے ہے اور باوجود اس بعد کے جو اس قوم کی شان وشوکت کو ہماری بے کسی اور بے سروسامانی سے ہے۔ **ان کا دعا کی طرف اتنا رجحان بھی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کو**

پسند آجائے اور وہ اسی وجہ سے ان پر رحم کردے"

خدا بڑا یا خلیفہ؟: آخری سطر کو میں نے جلی کیا ہے اور درمیانی کو "خلیفہ صاحب" نے خود کرایا ہوگا۔ اب دیکھئے سچے دل سے توحید کی طرف رجوع کرنے کی شرط اڑ گئی۔ وہ محض ایک سیاسی تدبیر تھی۔ اور خلیفہ ہی خلیفہ رہ گیا۔ جب اس کے سامنے عاجزی کرلی تو پھر فتح ہی فتح ہے۔ خدا کے آگے جھکنے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ خلیفہ کے آگے جھکنا کافی ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا بڑا ہؤا یا خلیفہ؟ اور کیا شرک کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔ ابھی اس بات پر کہ سر ظفراللہ خان اور ہز ایکسی لینسی وائسرائے کے درمیان کیا گفتگو ہوئی۔ حکومت ہند کی طرف سے تو کوئی کمیونکے شائع نہیں ہوا۔ لیکن جناب میاں صاحب کی طرف سے کمیونکے شائع ہوگیا اور اس کمیونکے کی رو سے "نہایت ذمہ دار افسران" نے اس بات پر نیم آمادگی کا اظہار کر دیا ہے کہ "خلیفہ" صاحب ان کے لئے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ کو بھی یہ پسند آنے کا احتمال ہوگیا ہے۔ کیونکہ خلیفہ صاحب کو پسند آگیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ناپسند فرمائیں۔ جسے خلیفہ پسند کرے اسے خدا ناپسند کس طرح کرسکتا ہے! کیونکہ جب خلیفہ کے آگے جھکنا خدا کے آگے جھکنے سے مستغنی کر دیتا ہو تو یقیناً جسے خلیفہ پسند کرے، خدا کو بھی وہ پسند کرنا پڑے گا۔ نعوذ باللہ من ذالک! اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت رونما ہوگئی تو پھر یہاں گنجائش بھی رکھی گئی ہے کہ "نیم آمادگی" پر پورے نتائج کس طرح مترتب ہوں!

رمالوں والی حکمت عملی: بہت سے رمال حاملہ عورت کو خوشخبری دے جاتے ہیں کہ تمہارے ہاں لڑکا ہوگا اور پاس والے گھر میں کہہ جاتے ہیں کہ لڑکی ہوگی۔ ان کی پیشگوئی بہرحال پوری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خلیفہ صاحب کی اس دعا کے قبول ہونے پر شبہ کی ادنیٰ گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ اگر انگریزوں کی فتح ہوگئی تو یہ کسی افسر کی نیم آمادگی کے اظہار کی وجہ سے ہوگی۔ جو اس نے کسی قادیانی عہدیدار کے سامنے کر دیا تھا کہ "خلیفہ صاحب" ہمارے لئے دعا کریں اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت ہوئی تو اس وجہ سے ہوگی کہ پوری آمادگی نہیں ہوئی تھی۔

اب غور فرمایئے کہ کیا یہ قبولیت دعا ہے یا دعا کے ساتھ مضحکہ ہے۔ اللہ میاں گویا میاں صاحب کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ہیں۔ خلیفہ کے تیور بگڑے تو اللہ میاں نے ناراض ہوکر ساری دنیا

کو تہ و بالا کر دیا۔ خلیفہ خوش ہو گیا تو اللہ میاں خود خوش ہو گئے۔ کتنا بڑا دعویٰ ہے۔ **"قادیان میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی کی دعا سے ہٹلر کی فوجیں بھاگ سکتی ہیں"**

کسی نے کہا تھا ہماری بکری شیر مار سکتی ہے۔ دوسرے نے دریافت کیا کہ پھر مارتی کیوں نہیں۔ جواب ملا کہ چاہتی نہیں۔ سو خلیفہ کی محض ایک دعا سے ہٹلر کا ناس ہو سکتا ہے مگر خلیفہ چاہتا نہیں۔ انگریز خلیفہ کی منت کریں گے تو وہ چاہے گا۔ ابھی ادھوری منت کی ہے اس لئے اس نے بھی نیم چاہا ہے۔

اب کہا جاتا ہے کہ دیکھو "پیغامی" حضرت مسیح موعود کے پیروؤں میں دعا کی قبولیت کے قائل نہیں رہے۔ اور انہوں نے مسیح موعود کو بدنام کر دیا ہے۔ مگر کیا لاف زنی نہیں ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خدا کی یقینی اور قطعی وحی سے بتایا گیا تھا کہ بدر میں آپ کی فتح ہوگی۔ اور یہ پیشگوئیاں ایک لمبے زمانہ پر ممتد تھیں۔ مگر پھر بھی آپ نے یہ دعویٰ نہ کیا کہ میری دعا سے ابوجہل کی فوجیں بھاگ جائیں گی۔ بلکہ ایک ایک آدمی جو مل سکتا تھا لے کر مقابلہ کے لئے نکلے۔ جو ہتھیار مل سکتے تھے ان سے ان کو مسلح کیا۔ خود بھی مسلح ہوئے۔ پھر ساری رات گریہ وزاری میں گزاری اَللّٰھُمَّ اِنْ تَھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ مِنْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ الْیَوْمَ فَلَا تُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا اور جب حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ خدا کا وعدہ ہے۔ تو فرمایا اے ابوبکر بے شک اس کا وعدہ تو ہے۔ مگر وہ **غنّی عن العالمین** ہے یہ ہے عرفان۔ اور وہ ہے تاریکی جو میاں صاحب کے دعوے میں ہے۔

اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ "رات کو میری نیند اڑ گئی اور بے چینی اور اضطراب کی حالت میں میں نے اتحادیوں کی کامیابی کے لئے دعا کرنی شروع کر دی۔ اور گھنٹوں دعا کرتا رہا"۔ اب یہ خلیفہ صاحب کی اضطراری حالت کی دعائیں تو قبول نہ ہوئیں۔ جیسا کہ واقعات نے ان کی عدم قبولیت پر مہر لگا دی ہے۔ اور اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَ یَکْشِفُ السُّوْٓءَ (62:27) کا وعدہ الٰہی بھی خلیفہ کے لئے پورا نہ ہوا۔ تو وہ کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے یقین ہے کہ انگریزوں کے ان سے درخواست کرنے پر جو دعا وہ کریں گے وہ فوراً قبول ہو جائے گی۔ کیا خدا نے ان کو یہ خبر دے دی ہے۔ کوئی الہام ہوا ہے۔ اگر ہوا ہے تو وہ کیا۔ کو نہیں بتایا شائد اس کے گواہ بھی بعد از وقت پیدا کئے جائیں گے۔ یا اسی الہام پر دارومدار ہے کہ "ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا"۔ اس الہام سے تو اتنا معلوم ہوا کہ یہ

دعوٰی غلط ہے کہ انگریزوں پر مصیبت ’’خلیفہ‘‘ کی وجہ سے آئی ہے۔قصور خلیفہ کے مریدوں کا تھا نہ کہ انگریزوں کا۔پس اگر الہام سے کچھ معلوم ہوا تو صرف اس قدر کہ خلیفہ کا یہ دعوٰی، کہ اس کی بد دعا سے یہ عذاب آیا ہے، سراسر جھوٹا ہے۔اور جب بد دعا سے عذاب آنے کا دعوٰی بروئے الہام میاں صاحب غلط نکلا تو دعا سے فتح کا دعوٰی اسی الہام سے خود باطل ہو گیا۔تو تعجب ہے کہ خلیفہ کی دعا سے فتح ہونے کے متعلق الہام ہے کوئی نہیں اور جو الہام بد دعا کے متعلق ہے وہ اس دعوٰی کو جھوٹا ثابت کر رہا ہے۔لیکن کتنا بڑا دعوٰی ہے جو آج تک کسی نے بھی نہ کیا ہوگا کہ میری ایک دعا سے ہٹلر کی تمام فوجیں نیس و نابود ہو سکتی ہیں۔

یہ کمی معرفت کا نتیجہ ہے یا محض بڑا بننے کی خواہش۔جو یہ باتیں میاں صاحب کے مونہہ سے نکل رہی ہیں۔ورنہ کسی خدا ترس بلکہ خدا پر ایمان رکھنے والے انسان کے مونہہ سے یہ باتیں نہیں نکل سکتیں۔الہام نہیں، وحی نہیں، مامور نہیں، خدا نے کچھ کہا نہیں۔مگر دعوٰی یہ کہ میری ایک بلند آہ سے دنیا پر عذاب آیا اور میری ایک دعا سے یہ آن کی آن میں دور ہو سکتا ہے۔گویا خلیفہ خود ہی خدا ہے اور خدا بھی ایسا جس کے نزدیک عدل و انصاف کی کوئی وقعت نہیں۔ہاں جو شخص بھی لاف زنی کرنا چاہے وہ ایسی باتیں کہہ سکتا ہے۔ایک خلیفہ قادیان پر کیا انحصار ہے۔

ہاں! جناب خلیفہ صاحب کو ’’نشان‘‘ بنانے میں مہارت ہے۔اسی طرح ان کا یہ دعا کا دعوٰی بھی ایک نشان بن گیا ہے۔یعنی ابھی دعا کوئی نہیں۔اس کی قبولیت کوئی نہیں۔جرمن فوجیں اسی طرح میدان میں موجود ہیں۔ہٹلر اسی طرح بلند بانگ دعاوی کر رہا ہے۔مگر دیکھئے یہ نشان بھی بن گیا۔ایسے عظیم الشان نشان کا مقابلہ بیچارے ’’پیغامی‘‘ کیا کریں گے!

خلیفہ صاحب کا تاریخ عالم میں ’’بے نظیر‘‘ خواب: دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔خلیفہ صاحب کو ایک خواب آئی تھی جو انہوں نے ایک دو مریدوں کو سنا بھی دی تھی۔مگر اسے مخفی تفسیر کی طرح مخفی رکھا گیا اور اب اس کے مخفی گواہ بھی بہت نکل آئے ہیں۔اس خواب میں حکومت برطانیہ اور فرانس کی مخفی خط و کتابت خلیفہ صاحب کے سامنے پیش ہوئی۔ان میں ایک چٹھی تھی ’’جس میں حکومت برطانیہ نے فرانسیسی حکومت کو لکھا ہے کہ ہمارا ملک سخت خطرہ میں پڑ گیا ہے۔جرمنی اس پر حملہ آور ہونے والا ہے اور

قریب ہے کہ اسے مغلوب کرے۔ اس لئے ہم آپ سے چاہتے ہیں کہ انگریزی حکومت اور فرانسیسی حکومت کا الحاق کر دیا جائے‘‘ یہ ایک خواب تھی۔ سچے خواب کافروں کو بھی آجاتے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی۔ لیکن اس کا ڈھنڈورا یوں پیٹا گیا کہ ’’یہ ایسے رنگ میں پورا ہوا ہے کہ جس کی نظیر، جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے، نہیں ملتی‘‘ دنیا کی ہزاروں سال کی تاریخ میں اس کی ایک بھی مثال نہیں ملتی۔ تمام انبیاؑء، خود سرکارِ دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، اس امت کے مجددین، خود مسیح موعود سب پیچھے رہ گئے۔ دنیا کی تاریخ میں بے نظیر نشان ایک غیر مامور یعنی خلیفہ قادیان کے لئے مخصوص ہو گیا۔ اَلْعَظْمَۃُ لِلّٰہِ۔ اور دیکھئے خواب پورا بھی کیسی صفائی سے ہوا کہ خواب کی رو سے انگلستان سخت خطرہ میں تھا۔ تب اس نے فرانس سے خواہش ظاہر کی کہ دونوں ملکوں کی جنگ ایک ہو جائے۔ اور واقعات سے اس کے الٹ ظاہر ہوا۔ یعنی یہ ایک ہونے کی خواہش اس وقت ہوئی۔ جب فرانس سخت خطرہ میں تھا۔ شائد اسی وجہ سے یہ دنیا کی تاریخ میں بے نظیر نشان ہے۔ اور ان باتوں پر ایک جماعت بغیر سوچے سمجھے ایمان لاتی ہے۔ جس میں بڑے بڑے عقلمند انسان بھی ہیں۔

پھر اعلان کیا جا رہا ہے کہ میرے ساتھ قبولیت دعا میں مقابلہ کر لو۔ گویا خلیفہ صاحب کی دعا قبول بھی ہو چکی ہے۔ یہ سمجھ نہیں آیا کہ ’’خلیفہ صاحب‘‘ کیا مقابلہ چاہتے ہیں۔ اعتراض کرنے والوں کو بہت برا بھلا کہا گیا ہے کہ انہیں اعتراض کرنے کے بجائے اپنے آپ کو یا اپنے امیر کو قبولیت دعا میں مقابلہ کے لئے پیش کرنا چاہیئے تھا۔ یعنی یوں کہنا چاہیئے کہ خلیفہ صاحب جھوٹے ہیں۔ وہ مسیح موعود کی صحیح تعلیم کے وارث نہیں اور نہ مسیح موعود کے مسلک پر قائم ہیں۔ اس لئے حکومت برطانیہ کو ان سے دعا کی درخواست نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ہم سے دعا کی درخواست کرنی چاہیئے۔ ہٹلر کی فوجیں ہماری دعا سے بھاگ سکتی ہیں۔ نہ خلیفہ قادیان کی دعا سے۔ جناب میاں صاحب کا خیال ہے کہ اس صورت میں حضرت مسیح موعود کی عزت رہ جاتی۔ یہ خوب تماشا ہوتا کہ ایک طرف قادیان سے اعلان پر اعلان نکل رہا ہوتا کہ میاں محمود احمد صاحب کی دعا سے ہٹلر کی فوجیں بھاگ سکتی ہیں اور دوسری طرف لاہور سے اعلان نکلتا کہ یہ جھوٹے ہیں۔ ہٹلر کی فوجیں ہماری دعا سے بھاگ سکتی ہیں اور دنیا کہہ رہی ہوتی کہ دو مجنون گروہ باہم جھگڑا کر رہے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کی خوب عزت ہوتی! یہ ہے قبولیت دعا کا مقابلہ۔

جو غالباً میاں صاحب کے ذہن میں تھا اور جس کے لئے چیلنج دیا گیا ہے۔ یا شاید یوں مقابلہ چاہتے ہوں کہ ایک فریق انگریزوں کی فتح کے لئے اور دوسرا شکست کے لئے (یہ شکست کی دعا میاں صاحب کے مریدوں کو ہی زیب دیتی ہے جو پہلے بھی بددعائیں کرتے رہے ہیں اور بقول خلیفہ صاحب بلا وجہ کرتے رہے ہیں) پھر جو بھی صورت ہو۔ مسیح موعود کے پیروؤں کا ایک گروہ تو سچا ہو جائے گا اور یوں مسیح موعود کی دنیا میں عزت رہ جائے گی۔ یا آں باشد کہ من مے گویم یا آں باشد کہ مادر من مے گوید آخر اس موقع پر دعا کے مقابلہ کا منشاء کیا تھا۔ اور اگر فی الواقع دعا کے مقابلہ کا شوق ہے تو اس کے پورا کرنے کے لئے خود خلیفہ صاحب کے گھر میں ان کے سابق مرید مخلص حکیم عبدالعزیز موجود ہیں۔ جو بڑے بڑے نشان دیکھ کر ہی بار بار خلیفہ صاحب کو مباہلہ کا چیلنج دے رہے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں خلیفہ صاحب بھیگی بلی بنے بیٹھے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ اگر یہ لفظ سخت معلوم ہوں تو خلیفہ صاحب اپنے ان لفظوں کو پڑھ لیں کہ: ''خدا تعالیٰ کے کلام کے ساتھ ان کو صرف اتنا ہی واسطہ ہے کہ اسے بیچ کر اس سے روٹی کمالیں اور پیٹ بھر لیں'' (الفضل 16 جولائی) اور ان کو بھی اپنے اوپر یوں دہرالیں کہ خلیفہ صاحب کو خدا تعالیٰ کے دین کے ساتھ صرف اتنا ہی واسطہ ہے کہ اسے بیچ کر اس سے روٹی کمالیں اور پیٹ بھر لیں''

رہا یہ کہ پیغامی کوئی قبولیت دعا کا نشان دکھائیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ ان کا وجود ہی قبولیت دعا کا نشان ہے۔ اس سے بڑھ کر قبولیت دعا کا نشان کیا ہوسکتا ہے۔ خلیفہ صاحب نے ہماری تباہی کے لئے پوری کوشش کی لِيُمَزِّقَنَّهُمْ کا الہام بھی ہو گیا۔ مگر خدا کے فضل سے وہ جماعت جس کی بنیاد آج سے پچیس سال پیشتر دو چار آدمیوں نے خالی ہاتھ رکھی تھی، آج اس کے کارناموں کی وجہ سے دنیا اسے جانتی ہے۔ پھر ہماری دعاؤں کی قبولیت کو دیکھنا ہو تو ہمارے اخبار اٹھا کر دیکھ لیں کہ ہماری سب سے بڑی دعا ایک ہی رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی تبلیغ کی خدمت کے لئے قبول فرما دے۔ ہم خدا کے آخری پیغام کو دنیا کے مختلف ملکوں میں پہنچانے والے ہوں اور خدا کے دین کو دنیا میں پھیلانے والے ہوں۔ اس کے وعدہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (28:48) کے پورا ہونے میں ہمیں بھی کچھ خدمت کی توفیق ملے۔ سو دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اتنی چھوٹی جماعت سے اتنا بڑا کام لیا۔ جس کی

ساری اسلامی دنیا میں ایک بھی نظیر نہیں۔ کیا اتنی چھوٹی جماعت کا قرآن شریف کا ترجمہ تین یورپین زبانوں میں کر کے اسے چالیس ہزار کی تعداد میں دنیا میں پہنچا دینا نصرت الٰہی کا کام نہیں؟!

اگر یہ نصرت الٰہی سے نہیں ہوا تو خلیفہ صاحب دس لاکھ کی جماعت سے ہی یہ کام کر دکھائیں۔ چھبیس سال گزر گئے ایک وہ ترجمہ بھی نہ کر سکے جس کی تڑپ حضرت مسیح موعود کے دل میں تھی۔ اس کے لئے پورا زور بھی لگایا۔ بلند بانگ دعادی بھی کئے کہ ہم ایک ماہ میں ایک پارہ نکال کر اڑھائی سال میں قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ کر دیں گے۔ مگر چھبیس سال گزر گئے ابھی روز اول ہے۔ ان کی قسمت میں سوائے نکتہ چینی اور عیب شماری کے کچھ نہ تھا۔ سو سب باطل پرستوں کی طرح اس نکتہ چینی پر ان کا گزارہ ہے۔ اور خدا کی طرف سے اتنی توفیق نہ ملی کہ جس ترجمہ کے متعلق حضرت مسیح موعود کے دل میں تڑپ تھی کہ انگریزی میں ترجمہ کر کے قرآن کو دنیا میں پہنچاؤں۔ اور جس کے متعلق آپ کو خدا کی طرف سے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ آپ کا کام ہے یا اس کا جو آپ کی شاخ ہے اور آپ کے وجود میں ہی داخل ہے۔ وہ ترجمہ بھی نہ ہو سکا۔

جس نے یہ کام کر کے اپنے آپ کو مسیح موعود کی شاخ ثابت کر دیا۔ اس پر فضول نکتہ چینی کے سوا اور کچھ ان کی قسمت میں نہیں۔ جس کے متعلق خلیفۃ المسیح (حضرت مولٰینا نورالدینؓ) کا آخری وقت میں یہ ارشاد تھا کہ یہ ترجمہ مقبول ہو گیا۔ اس کی صداقت پر دنیا گواہ ہو گئی۔ اس پر نکتہ چینی کرنا، جس کی قبولیت الہاماً بھی معلوم ہو گئی اور دنیا میں اسے قبولیت دے کر خدا کے فضل نے بھی اس الہام کی سچائی کو ظاہر کر دیا، گندگی پر مونہہ مارنے کے سوائے اور کچھ نہیں۔ جس کی قسمت میں یہ ہو اللہ تعالیٰ ہی اس کو اس سے باہر نکالے تو نکالے۔ کسی انسان کے اختیار کی یہ بات نہیں۔

چلئے اتنا ہی کام کر دکھائیں۔ چار سال اور لے لیں۔ تیس پورے کر لیں۔ جتنا کام اس چھوٹی سی جماعت نے، جس کو خلیفہ صاحب نے ڈھائی بوٹیاں کا خطاب دیا ہے، پچیس سال میں کر دکھایا۔ یعنی تین زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ کر کے اسے چالیس ہزار کی تعداد میں دنیا میں پہنچا دیں۔ جس میں بارہ ہزار ہی مفت ہو۔ کیا جماعت قادیان یا خلیفہ قادیان کے دل میں یہ تڑپ پیدا نہیں ہوتی کہ ان کے ہاتھ سے قرآن کریم کا پیغام دنیا میں پہنچے۔ تا اس پیغام امن کو قبول کر کے دنیا کا باہمی جنگ وجدل ختم ہو

اور وہ باہمی محبت اور امن سے رہنا سیکھیں۔ خدائے واحد کے سامنے جھکنا سیکھیں۔ اگر یہ تڑپ ان کے دل میں ہے تو چلو اسی میں قبولیت دعا کا مقابلہ کرلو۔ کیونکہ اس سے یہ بھی پتہ لگ جائے گا کہ نصرت الٰہی کس گروہ کے ساتھ ہے۔ اگر یہ تڑپ قادیان والوں کے دلوں میں ہے تو وہ اس کے لئے دعا کریں۔ یقیناً اس سے بلند تر کوئی دعا نہیں۔ ہمیں خوشی ہوگی اگر ان کی یہ دعا قبول ہوجائے۔ ہاں! مقابلہ کے رنگ میں نہ کریں۔ صرف اسی غرض کے لئے کہ یورپ کی گمراہ قوموں کو، جن میں اسلام کا صحیح پیغام اب تک نہیں پہنچا، یہ پیغام پہنچانا ہے اور اگر یہ دعا احباب قادیان کرنا ہی نہیں چاہتے تو معلوم ہوگیا کہ ان کے دلوں سے خدا کا پیغام دنیا میں پہنچانے کی تڑپ مرچکی ہے اور مسیح موعود کا ورثہ وہ کھو چکے ہیں۔ قبولیت دعا کا مقابلہ کرنا ہے تو اس رنگ میں کریں۔ ہاں! حضرت مسیح موعود کی اس تڑپ کو نہ بھولیں ؎

ہر کسے اندر نمازِ خود دعائے مے کند　　　من دعا ہائے برو بارِ تو، اے باغِ بہار

یہی ایک تڑپ آپ کے پیرووں کے دل میں ہونی چاہئے کہ قرآن کی حکومت کو لوگ قبول کریں اور محمد رسول اللہ کا دنیا میں غلبہ ہو۔ ہٹلر کی فوجیں اگر بھاگ بھی جائیں جس کے لئے ہندو مسلمان سب دعا کرتے ہیں تو بھی یورپ میں امن اسلام کے سامنے جھکے بغیر قائم نہیں ہوسکتا۔

محمد علی

دارالسلام۔ ڈلہوزی

20 جولائی 1940ء

26 جولائی 1940ء
مکتوب امیر

نوجوانانِ جماعت سے خطاب!

عزیزان محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میرے خطبات یا خطوط میں نوجوان اس طرح مخاطب ہوتے ہیں جس طرح بزرگان جماعت۔ بلکہ اس وقت تو اولین مخاطب آپ لوگ ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ تبلیغ اسلام کا وہ عظیم الشان کام جو آپ کے بزرگوں نے 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھ کر شروع کیا تھا۔ اس کا بوجھ فی الحقیقت اب آپ کے کندھوں کی طرف منتقل ہو چکا ہے اور اصل حامل اس بوجھ کے آپ ہی ہیں۔ جس خوبی کے ساتھ اس بوجھ کو آپ نے اٹھایا ہے اس کے لئے میرے دل سے آپ کے لئے دعائیں نکلتی ہیں۔

''خلیفہ'' قادیان کی اپنی جماعت کے متعلق رائے: میں جب قادیان کے اخباروں میں ''خلیفہ قادیان'' کی ان کی اپنی جماعت کے متعلق رائے دیکھتا ہوں کہ وہ ابھی کچی ہے اور بلوغت کی حالت کو نہیں پہنچی تو اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ ہمارے نوجوانوں نے خدا کے فضل سے اپنی پختگی اور تبلیغ اسلام کے عظیم الشان کام کو چلانے کی اہلیت کا وہ ثبوت دیا ہے۔ جس سے قادیان کے پختہ کار بھی عاری ہیں۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ**

ہمارے نوجوانوں کے متعلق قادیانیوں کا غلط پروپیگنڈا: یہ تو سچ ہے کہ نوجوانوں کے اندر بعض کمزوریاں بھی ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ بعض نوجوان اپنے فرائض سے غافل بھی ہیں۔ چند ایک ایسے بھی ہیں جو ایک غلط راہ پر پڑ گئے ہیں۔ لیکن ان تھوڑوں کی خاطر نوجوانوں کے کثیر حصہ کی بیش بہا خدمات کا اعتراف نہ کرنا بھی ناشکری ہوگی۔ کسی جماعت پر جو حکم لگایا جاتا ہے۔ وہ اس کی اکثریت پر ہی لگایا جاتا ہے۔ ورنہ ایک قلیل تعداد کمزوروں کی ہر جگہ ہوتی ہے۔ اصل میں یہ پراپاگنڈہ جماعت قادیان نے شروع کیا تھا کہ جماعت احمدیہ لاہور کے نوجوانوں کو دین سے کچھ مس نہیں اور پھر ہٹلر کے پانچویں دستہ کی طرح اس خیال کو ہماری جماعت کے اندر پھیلانا شروع کیا۔ مثلاً ایک بزرگ باپ کے کمزور جانشین

کو چن لیا اور ایک دو ایسی مثالیں بیان کر کے یہ خیال پھیلانا شروع کیا کہ لاہور کی جماعت صرف چند پُرانے آدمیوں کے وجود سے قائم ہے۔ جس دن یہ اٹھ گئے، اس دن یہ جماعت ہی برباد ہو جائے گی۔

ہمارے نوجوانوں کے اخلاص نے قادیانیوں کو مایوس کر دیا: لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب یہ لوگ ہماری بربادی سے مایوس ہو گئے ہیں اور اب ان کے ''خلیفہ'' نے انہیں یہ بتا دیا ہے کہ لَیُمَزِّقَنَّهُمْ کے الہام کو اب بھول جاؤ۔ کیونکہ ایک دوسرے الہام سے انہیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ یہ برباد نہیں ہوں گے بلکہ قیامت تک ان کا وجود باقی رہے گا۔ اور یہ اعلان ''خلیفہ قادیان'' اپنے خطبہ جمعہ میں کر چکے ہیں تو اصل بات یہ ہے کہ پہلے ان کا گذارا لَیُمَزِّقَنَّهُمْ کے ورد پر تھا۔ اب واقعات نے جب اس الہام کو غلط ثابت کر دیا اور ہماری جماعت کے نوجوانوں کے اخلاص نے انہیں بتا دیا کہ خدا کے فضل سے ان کی بنیادیں مضبوط ہیں تو اب دوسرا الہام لَیُمَزِّقَنَّهُمْ سے بھی پہلے کا نکل آیا کہ ان کا وجود قیامت تک رہے گا۔

دو امتحان۔ جن میں 95 فیصد نوجوان کامیاب نکلے: گو کم و بیش میں اکثر بڑی جماعتوں میں ہمیشہ ہی جاتا رہا ہوں۔ لیکن 1938ء میں جوبلی کی تحریک کو لے کر اور 1939ء میں چندہ ماہوار کو ایک آنہ روپیہ کی شرح پر لانے کے لئے جماتوں کے اندر کسی قدر وسیع پیمانے پر دورہ نے میرے دل کو اس یقین سے بھر دیا کہ ہمارے نوجوانوں کا اخلاص خدا کے فضل سے بہت بلند مرتبہ پر ہے۔ یہ فی الحقیقت جماعت کے نوجوانوں کے دو امتحان تھے۔ جن میں میں سمجھتا ہوں کہ پچانوے فیصد سے بھی زیادہ جماعت کے نوجوان کامیاب نکلے۔ بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ جہاں بعض پرانے بزرگوں نے بہ تقاضائے عمر یا اور وجودہ سے وہ ہمت نہ دکھائی۔ جس کی مجھے ان سے توقع تھی اور مجھے ایک طرح ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ وہاں نوجوانوں نے میری اس قدر ہمت افزائی کی کہ میری ان ناکامیوں کا بھی ازالہ کر دیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اور یہ آپ لوگوں کی ہی ہمت افزائی کا نتیجہ تھا کہ میری ہمت بلند ہوتی چلی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں تحریکوں میں مجھے وہ کامیابی عطا فرمائی جو میرے ہی نہیں جماعت کے اندر کسی کے وہم و گمان میں نہ تھی۔

مالی قربانیوں کے لحاظ سے چوٹی پر نوجوان ہیں: جیسا کہ میں نے کہا اس وقت درحقیقت وہ بوجھ جو آپ کے بزرگوں کے کندھوں پر تھا۔ اب آپ کے کندھوں کی طرف منتقل ہو چکا ہے اور جہاں پہلے

بزرگوں کی طرف سے ہی قربانیوں کے مطالبہ پر لبیک کی آواز آتی تھی، اب بہت زیادہ لبیک کی صدائیں وہ ہیں جو آپ کی طرف سے آتی ہیں۔ اس وقت مالی قربانیوں کے لحاظ سے چوٹی پر پہلے دوسرے تیسرے نمبر تک آپ لوگ یعنی نوجوان ہیں۔ یعنی اول میاں نصیر احمد فاروقی۔ جن کی طرف سے باقاعدہ ایک سو پچاسی روپے ماہوار کی رقم خزانہ انجمن میں آتی ہے۔ یعنی 2200 روپے سالانہ سے بھی اوپر علاوہ دیگر تحریرات کے جن میں وہ برابر حصہ لیتے ہیں۔ دوم شیخ عبدالرحمٰن صاحب۔ ڈسٹرکٹ جج جن کی طرف سے ایک سو پندرہ روپیہ ماہوار آتے ہیں۔ اور سوم میاں غلام عباس صاحب جن کی طرف سے پچھتر روپے ماہوار آتے ہیں (ان رقوم میں ان اصحاب کی بیگمات کے ماہوار چندے بھی شامل ہیں)

میاں نصیر احمد کے متعلق ایک باخدا بزرگ کے الہامات: سید اسد اللہ شاہ صاحب (لدھیانہ) حضرت مسیح موعود کی جماعت کے ایک ملہم اور باخدا بزرگ ہیں۔ ان کا تعلق اختلاف کے بعد جماعت قادیان سے رہا۔ لیکن اب جو کچھ ان کو وہاں کی حالت دکھائی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کا تعلق قادیان کے ساتھ نہیں رہا۔ ان کو آج سے غالباً بتیس سال پیشتر میاں نصیر احمد کے متعلق کئی ایک الہام ہوئے۔ بلکہ ان کی پیدائش سے بھی پیشتر ان کا الہامی نام بتایا گیا۔ زین الدین۔ دوسرا الہام جب وہ بچہ ہی تھے یہ ہوا۔ ''مسیح موعود کی فوج کا جرنیل''۔ اس وقت کون جانتا تھا کہ وہ جماعت، جس میں خدا کے فضل سے بڑے بڑے قربانیاں کرنے والے ہیں یہ بچہ ایک دن سب پر سبقت لے جائے گا!

مسیح موعود کی فوج درحقیقت جماعت لاہور ہی ہے: لیکن جہاں میاں نصیر احمد کے اخلاق اور قربانیوں نے اس الہام کی صداقت کو روز روشن کی طرح ثابت کر دکھایا ہے وہاں اس الہام سے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ مسیح موعود کی فوج درحقیقت جماعت لاہور ہی ہے۔ ورنہ جماعت قادیان میں اس سے بہت بڑھ کر چندے دینے والے بھی موجود ہیں۔ جماعت لاہور میں البتہ میاں نصیر احمد ہی سب سے آگے ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ (4:62) سو جس فوج کے وہ جرنیل ہیں وہی ''مسیح موعود کی فوج'' ہوئی۔ یہ حضرت مسیح موعود کے اپنے اس کشف کے مطابق بھی ہے جس میں آپ کو بتایا گیا تھا کہ آپ کو جو فوج دی جائے گی وہ ایک لاکھ والا گروہ نہیں ہوگا بلکہ پانچ ہزار والا گروہ ہوگا۔ جماعت قادیان کا اسے بعد میں ''تحریک جدید'' پر لگانا ایک بے سود کوشش ہے۔ اس لئے کہ کشف میں ان دونوں

گروہوں کے امیر دو الگ الگ آدمی دکھائے گئے ہیں۔

یہ تین نوجوانوں کے نام میں نے بطور مثال لئے ہیں۔ ورنہ میں جانتا ہوں کہ اس جماعت میں ایسا ہی اخلاص رکھنے والے اور بھی بہت سے نوجوان ہیں۔ جن کے ذرائع یا تو اس قدر وسیع نہیں اور یا اور بعض قیود کی وجہ سے وہ اس قدر امداد نہیں کر سکتے جس قدر ان کے دلوں میں تڑپ ہے۔ لیکن میرے سامنے وہ اس وقت ہوتے ہیں جب خدا سے اس کے دین کو دنیا میں پہنچانے کے لئے مدد کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔

اس گفتگو کا خاص مقصد۔ ہمتوں کو بلند کرنے کی ضرورت: اس وقت جو میں آپ کو خصوصیت سے مخاطب کر رہا ہوں تو اس کی غرض اور ہے۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے کتنا بڑا کام ہے اور اس کے لئے کس قدر ہمتوں کو بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ کے سامنے جو کام ہے وہ ہے دنیا میں ایک انقلاب عظیم کا پیدا کرنا۔ دنیا کو مادہ پرستی سے نکال کر اخلاق اور روحانیت کی طرف لانا۔ خدائے واحد کے آگے نسل انسانی کو جھکا کر اس قابل بنانا کہ جو قوٰی انسان کو دیئے گئے ہیں، ان کی بہترین طریق پر نشو ونما ہو۔ دنیا کی قوموں میں جو بغض اور عداوت اور منافرت پیدا ہو چکی ہے اسے دور کر کے ان میں اخوت و محبت کا پیدا کرنا۔ تا کہ انسانی خونریزی اور بربریت کا دور دورہ، جس کو تہذیب کا نام دیا جاتا ہے، ختم ہو اور سچی تہذیب اس کی جگہ لے۔ آپ کہیں گے کہ ہماری اتنی چھوٹی سی جماعت ہے۔ اس میں یہ طاقت کہاں ہے کہ اتنے بڑے کام کو سرانجام دے سکے!

ہماری جماعت کا مقصد دراصل ایک خدائی ارادہ ہے: یہ سچ ہے کہ اگر ہم نے خود اپنے سامنے یہ مقصد رکھا ہوتا تو ہم قطعاً اس قابل نہ تھے کہ اسے ہاتھ ڈال سکتے۔ لیکن یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔ اس انسان کا کام ہے جو تنہا اٹھ کر ہر قسم کی مخالفتوں کو پاؤں تلے روندتا ہوا کامیابی کے اس بلند مینار پر پہنچا جہاں آج تک کوئی دوسرا انسان نہیں پہنچا۔ جس کے متعلق اس کے سخت ترین اعداء یہ شہادت دے چکے ہیں کہ ''وہ دنیا کا سب سے بڑا کامیاب انسان ہے''۔ پھر اس کی کامیابی اس کی زندگی تک محدود نہ تھی۔ اس کی روحانی قوت، وہ قوت جو موت کے بعد بھی قائم رہتی ہے بلکہ ترقی کرتی رہتی ہے، اس قدر زبردست ہے کہ وہ اس کے وصال کے بعد بھی کام کر رہی ہے۔ ہاں یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ اس

خدا کا جس کا یہ وعدہ تھا۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (28:48) ہمارا خدا سچا خدا ہے اس کا وعدہ بھی سچا ہے اور وہ پورا ہو کر رہے گا۔

خدائی ارادوں کو پورا کرنے والوں کے ساتھ خدائی طاقت ہے۔ تو جب خدائی ارادہ یہ ہے کہ دینِ اسلام دنیا میں غالب ہو تو جو لوگ اس کے غالب کرنے کے لئے کوشش کریں گے، وہ درحقیقت خدائی ارادہ کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ ان کا ارادہ ہوتا اور خدا کا نہ ہوتا تو ساری دنیا کی قوت اور دولت کو جمع کر کے بھی یہ ارادہ پورا نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن خدائی ارادوں کو پورا کرنے والوں کی پشت پر خدائی طاقت ہوتی ہے۔ انسان صرف آلے ہوتے ہیں۔ آلہ وہی طاقتور ہے، خواہ وہ ہیچ نظر آتا ہو، جس کے اندر قوت زبردست ہو۔ پس خدائی ارادہ کو پورا کرنے والی جماعت خدائی طاقت سے کام کرتی ہے۔ پھر یہ کام وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو یہی کام کرتے۔ اور یہ کام وہ ہے جس کی طرف توجہ دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مجدد کو اس زمانہ میں بھی مبعوث فرمایا اور اسے یہ بتایا کہ آپ کا اصل کام یہی ہے کہ قرآن کے پیغام کو، اسلام کی صحیح تعلیم کو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تصویر کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ وہ کام مسیح موعود کے کندھوں سے منتقل ہو کر ہمارے کمزور کندھوں پر آیا اور وہاں سے منتقل ہو کر آپ کے کندھوں پر جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہم سے زیادہ طاقتور ثابت کرے۔

توسیع جماعت کی ضرورت: پہلی بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ آپ نے دنیا میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کرنا ہے جس کی دوسری نظیر دنیا میں نہیں۔ یہی وہ دنیا کا انقلاب ہے جس کے بعد دنیا امن اور چین سے زندگی بسر کر سکتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں چھوٹے سے چھوٹا انقلاب بھی پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس انقلاب کے پیدا کرنے کے لئے سرفروشوں کی ایک جماعت کھڑی نہ ہو جائے۔ جو اپنی ساری طاقت کو اس انقلاب کے پیدا کرنے کے لئے لگا دے۔ اور اس مقصد کا حصول ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے رہے۔ اس میں تو کسی کو بھی شک نہیں کہ ایسی جماعت جس قدر بھی وسیع ہو گی اسی قدر وہ زیادہ کام کو سرانجام دے سکے گی۔ تو اس جماعت کی توسیع اس مقصد کے حصول کے لئے اشد ترین ضروریات میں سے ہے۔ اور اس کی توسیع کی تڑپ ہر وقت آپ لوگوں میں ہونی چاہئے۔

کامیابی کا اصل انحصار جذبہ سرفروشی ہے: یہ بھی یاد رکھیں کہ اصل انحصار جماعت کی کامیابی کا گنتی پر

نہیں بلکہ اس کی سرفروشی کے جذبہ پر ہے۔ اوراسی مقصد کو سامنے رکھنے پر ہے جس مقصد کے لئے اسے کھڑا کیا گیا ہے۔ اگر سرفروشی کا جذبہ موجود ہے مگر مقصد سامنے سے ہٹ گیا تو یہ بھی ناکامی ہے اور اگر مقصد سامنے ہے اور سرفروشی کا جذبہ نہیں تو بھی ناکامی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جماعت قادیان خدا کے آخری پیغام قرآن کو دنیا میں پہنچانے میں ناکام رہی ہے۔ یہ ایک امر واقع ہے کہ ان کی توجہ اس طرف نہیں رہی۔ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ (28:48) کی آواز ان کے کانوں میں نہیں گونجتی۔ 1914ء میں اختلاف کے وقت یہ مقصد ان کے سامنے تھا۔ اس لئے سب سے پہلے انہوں نے انگریزی میں ترجمہ قرآن کی طرف توجہ کی۔ گو مقابلہ کے رنگ میں اور بڑے زور شور سے ایک پارہ ماہوار کے حساب سے نکال کر اڑھائی سال کے عرصہ میں پورا کرنے کا دعوٰی کیا۔ مگر ایک اڑھائی سال گزر گئے۔ ایک پارہ نکلا اور مطبع سے نکل کر اس کا کثیر حصہ صندوقوں میں بند ہو گیا۔ دوسرے اڑھائی سال گزرے تو عملاً خاموشی ہو گئی۔ مگر تیاری کا اعلان ہوتا رہا۔ تیسرے اڑھائی سال گزرے تو وہ اعلان بھی کمزور ہو گیا۔ غرضیکہ دس دفعہ اڑھائی سال گزر گئے مگر وہ کام نہ ہوا اور اب سوائے دوسروں کے کام پر نکتہ چینی کرنے کے، جو ناکام اور نامراد جماعتوں کا خاصہ ہے، ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ دس اڑھائی سال میں کچھ نہیں تو اپنے پہلے اعلان پر قائم رہتے ہوئے دس زبانوں میں ہی قرآن شریف کے ترجمے کر دیتے اور دس لاکھ نہ سہی ایک لاکھ کی تعداد میں ہی دنیا میں پہنچا دیتے۔ جس جماعت کی تعداد دس لاکھ بتائی جائے۔ جس کی تنظیم کا غلغلہ دنیا میں بلند ہو۔ جس کی قربانیاں عظیم الشان ہوں۔ جس کا سالانہ چندہ چھ لاکھ ہو۔ اس کے لئے تو اتنا کام کچھ بھی نہ تھا۔ اگر مقصد سامنے رہتا تو اس سے بھی دس گنا کام ہو سکتا تھا۔

اس کے بالمقابل قلیل جماعت کو دیکھ لیں۔ جس نے اصل مقصد کو سامنے سے نہ ہٹنے دیا۔ وہ انہی پچیس سالوں میں ایک نہیں چار زبانوں میں ترجمے کر چکی اور پچاس ہزار کی تعداد میں انہیں دنیا میں پہنچا چکی۔ یہ کیوں ہوا؟ جماعت لاہور گو قلیل تھی۔ اس نے ایک طرف سرفروشی کا کچھ نمونہ دکھایا اور دوسری طرف اپنے اصل مقصد کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔

جماعت قادیان نے اپنی توسیع اور اپنی دنیوی ترقی کو ہی اصل مقصد بنالیا اور جو روپیہ آتا گیا وہ اپنی جماعت کی دنیوی شان وشوکت کو بڑھانے پر صرف ہوتا گیا۔ مسیح موعود اور اس کا مقصد عظیم

نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اب بھی ''خلیفہ قادیان'' اپنے خطبوں میں یہ رونا روتے رہتے ہیں کہ ہر یجنوں سے حکومت دبتی ہے۔ کیونکہ ان کی تعداد بہت ہے اور احمدیوں سے نہیں دبتی۔ کیونکہ ان کی تعداد تھوڑی ہے۔ مگر کاش انہیں یہ یاد رہتا کہ حکومت ہند پر رعب جمانا وہ غرض نہ تھی جس کے لئے مسیح موعود مبعوث ہوئے تھے۔ بلکہ دنیا میں قرآن کو پہنچانا اور اس ذریعہ سے نسل انسانی کی خدمت کرنا آپ کا اصل مقصد تھا۔ اگر اس مقصد کو جماعت قادیان نے اپنے سامنے رکھا ہوتا تو اس کی عزت دنیا میں اس سے بہت زیادہ ہوتی۔ جواب ہے۔ اور حکومت پر بھی اس سے بہت بڑھ کر رعب ہوتا۔ یہ ناکامی کا داغ جماعت قادیان کو کیوں لگا؟ اس لئے کہ اس نے کثرت اور قوت یعنی سیاسی پہلو کو اپنا اصل مقصد بنا لیا اور نظام اور کثرت پر فخر کرتے کرتے آخر اصل مقصد یعنی قرآن کا دنیا میں پہنچانا ان کے ہاتھ سے بالکل نکل گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ علوم قرآنی کی طرف سے بھی ان کی توجہ ہٹ گئی اور وہ علم کا چشمہ، جو مسیح موعود کے ساتھ قادیان سے جاری ہوا تھا، خشک ہو کر رہ گیا۔ جب قوم کی توجہ ان علوم کے بجائے دنیا کی طرف ہو گئی تو علم کس طرح زندہ رہتا!

علم قرآن حضرت مسیح موعود کا زبردست ورثہ ہے: نیکی اور تقویٰ تو مصلحین کا ورثہ ہے ہی۔ جہاں آپ اس کو لیں، اس کے ساتھ ہی علم قرآن کو لینے کے لئے پوری جدوجہد کریں۔ کیونکہ یہ مسیح موعود کا وہ زبردست ورثہ ہے جس کے ساتھ اسلام کا دنیا میں غلبہ وابستہ ہے۔ سب علوم حاصل کریں مگر انہیں قرآن کا خادم بنائیں۔ سب زبانیں سیکھیں مگر انہیں قرآن کا خادم بنائیں۔ مگر ان چیزوں کو آپ قرآن کا خادم نہیں بنا سکتے جب تک کہ خود قرآن شریف کو نہ سیکھیں۔

خدمت قرآن کے لئے تین ضروری باتیں: ان تینوں باتوں کے بغیر آپ قرآن کو دنیا میں نہیں پہنچا سکتے۔ یعنی خود علم قرآن کو حاصل کرنا۔ دوسرے علوم سیکھنا اور انہیں خادم قرآن بنانا۔ یعنی ان کے ذریعہ سے اصول قرآن کی صداقت کو دنیا پر واضح کرنا۔ دوسری زبانیں سیکھنا اور ان میں تعلیمات قرآنی کو منتقل کر کے دنیا کی مختلف قوموں تک پہنچانا۔ ہر ایک نوجوان کو چاہئے کہ وہ ان تین اغراض کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کریم اور اس کے ساتھ جملہ علوم دینی، حدیث، سیرت وغیرہ سے اور خود زبان عربی سے واقفیت حاصل کرے۔ جو کوئی علم وہ سیکھے اسے قرآن کی خدمت میں لگائے۔ کوشش کرے اور ایک

نہ ایک غیر زبان سے ضرور واقفیت حاصل کرے۔ تا کہ شائد ایک دن اسی زبان میں قرآن کو دنیا تک پہنچانے کا کام اللہ تعالیٰ اس سے لے لے۔ آپ نہیں جانتے کہ آج سے دس سال بعد آپ کی جماعت کو ان چیزوں کی کس قدر ضرورت ہوگی۔ دنیا میں ایک فسادِ عظیم برپا ہے اور یہ بند نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے لوگوں کو جمع نہ کیا جائے۔ اس کے لئے مزدور بکار ہیں۔ وہ مزدور جو آج سے اس تیاری میں لگ جائیں کہ کل کو ہمارے ہاتھ سے تبلیغ اسلام کو کوئی کام ہوجائے۔ آج سے قطرہ قطرہ جمع کرنا شروع کریں تو کل کو آپ ایک دریا بہانے کے قابل ہوجائیں گے۔ جس سے دنیا سیراب ہوگی یہی علم کی مثال ہے۔

پس اے میرے عزیز دوستو! اگر آپ نے تبلیغ اسلام کے بوجھ کو اپنے کندھوں پر لیا ہے۔ جیسا کہ آپ کی مالی قربانیاں ظاہر کرتی ہیں۔ تو یہ کام صرف مال کے خرچ کرنے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ علم کا حاصل کرنا اس کا اصل ذریعہ ہے۔ اور مال صرف اس کا خادم ہے۔ علم کے حصول کو مقدم کرو اور کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں کیا کرسکتا ہوں۔ اس کا کام ہے کہ فوراً کوشش میں لگ جائے کہ علم قرآن کو حاصل کر کے دوسروں کو پہنچاؤں۔

خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرو اور اس کے سامنے گرو: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون شخص کل کو اس بات کا اہل ثابت ہوگا کہ وہ علم قرآن کو دنیا میں بہترین طریق پر پہنچا کر دنیا کی مفید ترین خدمت سرانجام دے۔ اگر اس کی کوشش سے ایک آدمی بھی اسلام میں آجائے تو اس کی زندگی کا مقصد حل ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ یہ خدا کا کام ہے اور جب تک الٰہی طاقت ایک شخص کے اندر پیدا نہ ہو، وہ اس کام کو سرانجام نہیں دے سکتا۔ ایسی طاقت خدا کے آگے گرنے سے اور خدا سے مدد طلب کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ پس جہاں علم قرآن کو حاصل کرنا، اس غرض کے لئے کہ اسے دنیا میں پہنچا کر دنیا کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنایا جائے، آپ کی زندگیوں کا مقصد ہے وہاں خدا سے تعلق پیدا کرنا، خدا کے آگے گرنا اور خدا سے اس کام کے لئے طاقت مانگنا بھی اپنی زندگی کا مقصد سمجھنا چاہئے۔

نماز حصول طاقت کا بہترین ذریعہ ہے: اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نماز کو ذریعہ بنایا ہے۔ نماز کیا ہے؟ پانچ وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا۔ اس کی عظمت کا احساس اور اپنی عاجزی کا اعتراف دل

پر پیدا ہونا۔ نماز ہی وہ ذریعہ ہے جس سے مسلمانوں کے اندر قوت پیدا ہوئی۔ کیونکہ ان کی روحیں آستانہ الٰہی پر گری رہتی تھیں اور جو شخص صدق دل سے آستانہ الٰہی پر گرے گا اس کے اندر الٰہی طاقت بھر جائے گی۔ آج بھی نماز کے ذریعہ سے ہمارے اندر ہی قرون اولیٰ جیسی طاقت پیدا ہو سکتی ہے۔ اسلامی کلچر کی بنیاد نماز ہے۔ اور اسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی تربیت میں سب سے بلند مرتبہ دیا ہے۔ اگر ابتداء میں نماز میں خوشوع وخضوع کی حالت پیدا نہ ہو تو بھی نماز کی عادت ڈسپلن کے طور پر پختہ کرنا چاہئے۔ جس طرح ایک بچہ جو سکول یا کالج میں داخل ہوتا ہے۔ اسے پہلے دن علم کا شوق پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ پہلے تکلف سے علم حاصل کرتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اس کا شوق خود اس کے دل کے اندر پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح پہلے پہلے اپنے آپ کو تکلف کے طور پر نماز کا عادی بنانا چاہئے۔ آہستہ آہستہ اس کے اندر وہ لذت اور شوق پیدا ہوگا جس کے ساتھ یہ الٰہی طاقت کو حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے گی۔ اور اس کے ساتھ انسان کا کیریکٹر بھی بنے گا۔ جس سے اس کی دنیا سنورے گی۔ عموماً تعلیم یافتہ نوجوان کے دلوں میں یورپ کی تاریک تہذیب کے اثر کے نیچے یہ خیال پیدا ہوجاتا ہے کہ نماز ایک بے سود سا فعل ہے۔ یہ مادہ پرستوں کا خیال ہے۔ خدا پرست انسان جانتا ہے کہ خدا کی ہستی کا احساس انسان کے دل پر پیدا ہوجانا انسانیت کا بلند ترین مرتبہ ہے۔ اور انسانی ارتقاء میں اس کی ترقی کے مدارج میں یہ آخری مرتبہ ہے۔ دنیا ابھی اس ارتقاء کی سب سے نچلی سیڑھی پر ہے۔ اور صرف خدا کی ہستی کا احساس ہی اسے انسانیت کے بلند ترین زینے پر پہنچا سکتا ہے اور اس احساس کے پیدا کرنے کا نماز سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔

آخر پر میں ایک اور بات بھی کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ بعض دلوں میں یہ خیال اٹھتا ہے کہ اتنے عظیم الشان مقصد کے ہوتے ہوئے ہماری جماعت قادیان کے ساتھ جو ایک لمبی بحث کا سلسلہ شروع ہے۔ اور دونوں جماعتوں کا اس پر بہت سا وقت ضائع ہو رہا ہے، اس سے کیا حاصل ہے۔ بلکہ اس سے ایک ایسا لٹریچر پیدا ہو گیا ہے جو اس احمدیت کے لئے، جو اسلام کو کفر پر غالب کرنے کے لئے اٹھی تھی، مقام شرم ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں۔ غلو پہلے بھی دنیا میں ہوتا رہا ہے اور مسیحؑ کے نام سے یہ غلو خصوصیت سے وابستہ ہے۔ آج بھی مسیح موعود کے پیرو اسی طرح غلو میں مبتلا

ہو گئے۔ جس طرح پہلے مسیح کے پیرو ہو گئے تھے۔

اصل اختلاف اور اس کے متعلق دو فیصلہ کن باتیں: جہاں تک اصل اختلاف ہے۔ وہ اس قدر موٹی بات ہے کہ اس کے لئے کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ کیا حضرت مسیح موعود پر ایمان نہ لا کر ایک شخص مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے لئے فیصلہ کن دو باتیں ہیں۔ ایک حضرت مسیح موعود کا یہ صریح ارشاد کہ ''میرے دعوے کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا''۔ اور دوسرا حضرت مسیح موعود کا غیر احمدیوں کے جنازے کا فتوٰی دینا۔ یعنی ایک طرف آپ کی تحریر کہ آپ اپنے اوپر ایمان نہ لانے والوں کو کافر نہ سمجھتے تھے۔ دوسری طرف آپ کا عمل، کہ آپ ان کا جنازہ پڑھتے تھے اور جماعت کو پڑھنے کی ہدایت کرتے تھے، اس پر زبردست گواہ ہے۔ ان کا کوئی جواب قادیانی جماعت کے پاس نہیں۔

قادیانیت اور بہائیت ایک ہیں: اگر حضرت مسیح موعود کا یہ ارشاد اور یہ عمل ہمارے لئے ہادی راہ بن سکتے ہیں تو پھر لمبی بحثیں بے سود ہیں۔ اس صورت میں لفظ نبی کا استعمال بھی، جیسا کہ حضرت صاحب نے خود بار بار لکھا ہے، مجاز کے طور پر تھا۔ لغوی معنی کے لحاظ سے آپ نبی کہلائے۔ یعنی محض پیشگوئی کرنے والا۔ اصطلاح شرعی میں آپ نے خود نبی ہونے سے انکار کیا۔ اور اگر ہم حضرت مسیح موعود کے اس ارشاد اور اس عمل کو رد کر دیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آج کوئی کافر کسی ملک میں کلمہ **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کا اقرار کر کے اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہوا کہ کلمہ طیبہ منسوخ ہے۔ پھر قادیانیت اور بہائیت ایک ہیں۔ اور ان میں کوئی ما بہ الامتیاز نہیں۔ اور اس کا مقابلہ ہم اسی طرح کریں گے جس طرح ہر ایک اس باطل کا جو اسلام پر حملہ آور ہو۔ یوں میں ایک مدت سے اس کوشش میں ہوں کہ ان امور پر میاں صاحب میرے ساتھ بحث کر لیں۔ تا کہ کچھ نہ کچھ دونوں جماعتوں کے لئے روشنی کی راہ نکل آئے۔ اور کم سے کم اس کے بعد دونوں فریق مزید بحثوں کو چھوڑ کر کوئی زیادہ مفید کام کر سکیں۔

خاکسار محمد علی

دار السلام ڈلہوزی

23 جولائی 1940ء

12 اگست 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب کے نام کھلی چٹھی ۔2

اُن کے خطبہ جمعہ مندرجہ ''الفضل'' 24 جولائی 1940ء کے متعلق چند ضروری باتیں

مکرم معظم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

میں یہ چٹھی براہ راست آپ کو پہلے بھیج رہا ہوں۔ اس لئے کہ آپ کے اخبار ''الفضل'' 24 جولائی سے یہ معلوم ہوا کہ میری پہلی تحریریں، جن میں تین ماہ کے عرصہ سے میں آپ کو مخاطب کر رہا تھا، وہ آپ نے نہیں پڑھیں۔ حالانکہ ایسے اخبار میں رجسٹری کروا کر بھی آپ کی خدمت میں بھجواتا رہا اور آپ کے سامنے جو کچھ آیا۔ وہ آپ کے اپنے الفاظ میں کوئی خلاصہ تھا۔

''میرے سامنے اخبار پیغام صلح کے ایک مضمون کا ایک خلاصہ پیش کیا گیا''

مجھے اس بات پر تعجب بھی ہے کہ میری اصل تحریروں کو آپ نے کیوں نہیں پڑھا۔ جب وہ آپ کے اپنے چیلنج مندرجہ اخبار ''الفضل'' 23 مارچ 1940ء کے جواب میں تھیں۔ اگر آپ اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتے تھے کہ دوسرے کی تحریر پڑھنا بھی آپ نہیں چاہتے تھے تو پھر چیلنج ہی کیوں دیا تھا۔ اور جب آپ نے مجھے ایک چیلنج دیا تھا تو آپ کا فرض تھا کہ آپ میرے جواب کو پڑھتے۔ دنیا میں آخر کوئی اخلاقی قوانین بھی ہیں۔ اور بحیثیت ایک انسان ہونے کے آپ ان سے بالاتر نہیں۔ آپ ایک چیلنج دیتے ہیں۔ اس کا جواب رجسٹری کرا کر آپ کو بھیجا جاتا ہے۔ آپ اسے نہیں پڑھتے۔ پھر اس کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے۔ پھر نہیں پڑھتے۔ پھر تیسری بار لکھا جاتا ہے اور پھر اخبار رجسٹری کرا کر بھیجا جاتا ہے۔ پھر نہیں پڑھتے۔ اور آخر تین ماہ بعد بھی صرف ایک خلاصہ کو دیکھنا آپ کو گوارا ہوا۔ وہ بھی شائد کسی بیرونی تحریک پر۔ حالانکہ میری تینوں تحریریں بھی اکٹھی کی جائیں تو آپ کے ایک خطبہ کی طوالت کو نہیں پہنچتیں۔ بہرحال اب یہ چٹھی براہ راست آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ تاکہ یہ ساری آپ کی نظر سے گزرے۔

آپ کا اصل چیلنج مندرجہ ''الفضل'' 23 مارچ 1940ء: خطبہ مندرجہ ''الفضل'' 24 جولائی کا بیشتر

حصہ آپ نے ثالثوں کی بحث پر صرف کر دیا ہے اور اصل مضمون کو چھوا تک نہیں۔ آپ کا اصل چیلنج مندرجہ اخبار 23 مارچ 1940ء یہ تھا کہ:

ثالثوں سے یہ فیصلہ کرایا جائے کہ میرا اور آپ کا عقیدہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں آپ کے منصب کے متعلق کیا تھا۔ اور آپ نے یہاں تک لکھا تھا کہ:

''اگر ثالث یہ فیصلہ کر دیں کہ مولوی صاحب کا عقیدہ پہلے بھی وہی تھا جواب ہے تو ہم مان لیں گے کہ وہ صحیح ہیں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ وہ اس فیصلہ کی طرف کبھی نہیں آئیں گے''

مگر میں نے آپ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور آپ کے چیلنج کو منظور کر لیا۔ صرف اس قدر اضافہ کے ساتھ کہ جہاں ثالث یہ فیصلہ کریں کہ میرا عقیدہ کیا تھا اور آپ کا عقیدہ کیا تھا، وہ یہ بھی فیصلہ کر دیں کہ حضرت مسیح موعود کا اپنا عقیدہ کیا تھا؟

ظاہر ہے کہ جو ثالث یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ محمد علی کا عقیدہ کیا تھا۔ اور محمود احمد کا عقیدہ کیا تھا۔ وہ یہ بھی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا عقیدہ کیا تھا۔ مگر میں ثالثوں کی بحث کو سر دست چھوڑتا ہوں۔ تا کہ اصل موضوع، جو زیر بحث آنا چاہیئے، وہ پہلے طے ہو لے۔ جب تک اس کی طرف آپ توجہ نہ کریں ثالثوں کی بحث سے اخبار کے صفحات سیاہ کرنے کے سوائے کچھ حاصل نہیں۔ اس لئے میں پہلے اصل موضوع بحث کو لیتا ہوں۔

آپ کے اس نئے خطبے میں پھر وہی ذکر ہے کہ بحث اس بات پر ہو کہ میرا عقیدہ حضرت مسیح موعود کے زمانے میں کیا تھا اور آپ کا کیا تھا۔ اور میرا مطالبہ، کہ یہ بھی بحث ہو کہ حضرت مسیح موعود کا اپنا عقیدہ کیا تھا، اس کا ذکر تک نہیں۔ بلکہ اشارہ تک نہیں کہ میں نے بھی کوئی مطالبہ کیا ہے۔ میرا پہلا سوال یہ ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ میرا اور اپنا عقیدہ معلوم کرنے کے لئے خود چیلنج دیتے ہیں اور اسی بحث کے لئے وقت نکال سکتے ہیں۔ بلکہ ثالثوں سے اس کا فیصلہ کرانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود کا اپنا عقیدہ معلوم کرنے سے، اس پر بحث کرنے سے آپ اس قدر دور بھاگتے ہیں کہ اس بات کا آپ ذکر تک بھی نہیں کرتے۔ اس خاموشی کی وجہ کیا ہے؟

آخر اس کی کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ میں نے آپ کا چیلنج منظور کیا۔ میں نے یہ کہا کہ بے شک

میں اس بات کے لئے تیار ہوں کہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں جو میرا یا آپ کا عقیدہ تھا اس پر بحث ہو جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس پر بھی بحث ہو جائے کہ حضرت مسیح موعود کا اپنا عقیدہ کیا تھا۔ مگر تین ماہ خاموشی میں ٹال کر آخر آپ نے میرے جواب کا ذکر کیا تو میرے مطالبہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ آپ تو یہ کہہ سکتے تھے کہ فلاں وجہ ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود کے عقیدہ پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن اس سے اس طرح گریز کرنا، کہ اس کا ذکر تک بھی نہ ہو جائے، تعجب ہے اور سوائے اس کے اس سے کوئی شخص کیا نتیجہ نکال سکتا ہے کہ آپ کو ڈر ہے کہ حضرت مسیح موعود کے عقائد کی بحث سے آپ کے عقائد کی عمارت گر جائے گی۔

آپ حضرت مسیح موعود کے عقائد پر بحث سے کیوں ڈرتے ہیں؟ آپ خدا کے لئے غور کریں کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ میرے اور اپنے عقائد معلوم کرنے کے لئے اس قدر زور شور سے چیلنج دیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود کے عقائد معلوم کرنے سے آپ اس قدر گھبراتے ہیں کہ میری اس تحریر کا ذکر تک نہیں کرتے۔ آپ مجھ سے یہ دریافت کر سکتے تھے کہ حضرت مسیح موعود کے عقائد سے ہمیں کیا واسطہ ہے اور ان کے معلوم کرنے کی ہمیں کیا ضرورت ہے۔ یہ کافی ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں میرا اور آپ کا کیا عقیدہ تھا۔ مگر آپ تو اس بات کا نام تک لینا گوارا نہیں کرتے۔ آخر کچھ وجہ تو ہے کہ حضرت مسیح موعود کے عقائد پر بحث کرنے سے آپ ڈرتے ہیں اور میں آپ سے عرض کر دوں کہ میں اس پر کیوں زور دیتا ہوں کہ آپ کے اور میرے عقائد پر بحث سے کوئی لمبا چوڑا فائدہ نہیں۔ جماعت کا فائدہ اس میں ہے کہ حضرت مسیح موعود کے عقائد پر بحث ہو کر اس کا صحیح علم جماعت کو ہو جائے۔ اور اب تو مجھے بتانے کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ اپنے اس نئے خطبہ میں آپ نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ آپ کی جماعت کے عقیدہ کا کوئی اثر آپ کے عقیدہ پر نہیں پڑ سکتا۔ تو اسی طرح آپ کے عقیدہ کا اثر آپ کی جماعت کے عقیدہ پر نہیں پڑنا چاہئے۔ آپ کے الفاظ نقل کرتا ہوں:

''مجھے شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی کہ خدا تعالیٰ کے سامنے میرے عقائد کے متعلق کوئی دوسرا شخص جواب دہ ہو سکے گا''

''عقیدہ کے معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کہا ہے اور ہماری جماعت میں سے ان

کے چنے ہوئے پانچ آدمی تو در کنار اگر سو فیصد جماعت بھی اس کے خلاف فیصلہ کرے تو میں کبھی نہیں مانوں گا بلکہ صاف کہہ دوں گا کہ تم لوگ جدھر مرضی ہے جاؤ۔ میرا عقیدہ یہی رہے گا''

دونوں جماعتیں صرف حضرت مسیح موعود کے عقیدے کی پابند ہیں: تو اب غور فرمایئے کہ اگر آپ کی جماعت کے سو فیصد آدمی بھی آپ کے عقیدہ کو غلط کہہ دیں تو آپ اس کے ماننے کے لئے تیار نہیں تو جس طرح آپ ان کے عقیدہ کے پابند نہیں، وہ بھی آپ کے عقیدہ کے پابند نہیں۔ یہ تو آپ نہیں کہہ سکتے کہ آپ تو اپنی سو فیصد جماعت کے عقیدہ کے پابند نہیں۔ لیکن سو فیصد جماعت آپ کے عقیدہ کی پابند ہے۔ کیونکہ آپ نے صفائی سے تسلیم کر لیا ہے کہ ہر شخص اپنے عقیدہ کا آپ ذمہ دار ہے۔ اور زید کا کیا عقیدہ ہے اس سے بکر پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ خواہ وہ اس کا بھائی ہو۔ تو فرمایئے کیا میں بھی یہ کہہ سکتا ہوں یا نہ کہ میں بھی اپنی جماعت کے سو فیصد عقیدہ کا پابند نہیں۔ نہ میری جماعت میرے عقیدہ کی پابند ہے۔ اب دونوں جماعتوں کی یہ حالت ہوئی کہ نہ میری جماعت میرے عقیدہ کی پابند ہے اور نہ آپ کی جماعت آپ کے عقیدہ کی پابند ہے۔ تو میرا اور آپ کا عقیدہ معلوم کرنے سے حاصل کیا ہوا۔ کیا اس پر بحث تضیع اوقات ہے یا نہیں؟ لیکن دونوں جماعتیں حضرت مسیح موعود کے عقیدہ کی پابند ہیں۔ غالباً اس سے آپ انکار نہ کریں گے تو آپ کیوں اتنا بھی غور نہیں کرتے کہ جن دو آدمیوں کے عقیدہ کی پابند ان کی جماعتیں نہیں، ان کے عقائد معلوم کرنے کے لئے آپ چیلنج بھی دیتے ہیں۔ بحث کو بھی تیار ہوتے ہیں۔ ثالثوں سے فیصلہ لینے کو بھی تیار ہوتے ہیں۔ لیکن جس کے عقیدہ کی دونوں جماعتیں پابند ہیں اس پر بحث کرنے کے لئے جب آپ کو چیلنج دیا جاتا ہے تو آپ اس سے اس قدر گریز کرتے ہیں کہ آپ اس کا نام بھی نہیں لیتے۔ ذکر تک نہیں کرتے۔

میرے اور آپ کے عقائد پر بحث بے سود ہے: اب اگر آپ اپنی ہی تحریر یا تقریر ''الفضل'' 24 جولائی پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے جو کچھ (23 مارچ کے ''الفضل'' میں) چیلنج دیا تھا کہ میرے اور آپ کے حضرت مسیح موعود کے زمانے کے عقائد بذریعہ بحث و ثالثان معلوم کئے جائیں۔ وہ محض ایک بے سود بحث تھی اور اس سے فائدہ کوئی مترتب نہ تھا۔ لیکن میں نے اس چیلنج کو اسی

لئے منظور کیا کہ اگر میں بھی وہی بات کہتا جو آپ نے اب خود کہہ دی ہے کہ نہ میرے عقیدہ کی پابند میری جماعت ہے۔ نہ آپ کے عقیدہ کی پابند آپ کی جماعت ہے۔تو آپ کہتے کہ دیکھو یہ بھاگ گیا۔اور اس بحث سے خائف ہے۔اس لئے بحث نہیں کرتا۔اس لئے میں نے صرف آپ کی خوشی کے لئے اسے قبول کرلیا۔لیکن اس کے ساتھ ہی جو اصل حقیقت تھی اس کی طرف آپ کو متوجہ کیا کہ اگر عقیدہ معلوم کرنا ہے تو حضرت مسیح موعود کا معلوم کیجئے۔اگر بحث کرنی ہے تو حضرت مسیح موعود کے عقیدہ پر کیجئے۔مگر آپ اس سے خائف ہیں۔ بلکہ اس قدر خوفزدہ ہیں کہ مسیح موعود کا نام تک لینا پسند نہیں کرتے۔حالانکہ میں اور آپ میری ساری جماعت آپ کے سارے مخلص مریدین اور منافقین اور مخرجین اور تنظیمی مبائعین حضرت مسیح موعود کے عقیدہ کے پابند ہیں۔مگر آپ میرے ساتھ بحث کے لئے، میرا عقیدہ معلوم کرنے کے لئے بحث کے لئے تیار، اپنا عقیدہ معلوم کرنے کے لئے بحث کے لئے تیار اور یہ باوجود اس بات کے کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ بحث محض بے سود ہے۔ بلکہ محض ایک دل لگی ہے۔مگر حضرت مسیح موعود کا عقیدہ معلوم کرنے کے لئے، جس سے دونوں جماعتوں پر کچھ اثر پڑے، بحث سے آپ بھاگ رہے ہیں۔اور تعجب ہے کہ حضرت مسیح موعود کے زمانے میں میرا اور اپنا عقیدہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔مگر خود حضرت مسیح موعود کا عقیدہ معلوم کرنے سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں!

زمانہ مستقبل کا مورخ اس واقعہ سے کیا نتیجہ نکالے گا؟: آپ یہ نہ سمجھیں کہ مرید تو آنکھیں بند کر کے ہاں میں ہاں ملاتے جائیں گے۔آپ ہی غور کیجئے کہ جب کوئی تاریخ نویس آپ کی ''خلافت'' کی تاریخ لکھے گا تو وہ اس واقعہ سے کیا نتیجہ نکالے گا۔یہی نہ کہ 1۔آپ نے اپنا عقیدہ معلوم کرنے کے لئے بحث کے لئے چیلنج دیا2۔میرا عقیدہ معلوم کرنے کے لئے بحث کے لئے چیلنج دیا۔حالانکہ آپ کو یہ مسلم تھا کہ نہ آپ کے عقیدہ کی پابند آپ کی جماعت ہے نہ میرے عقیدہ کی پابند میری جماعت ہے۔ لیکن 3۔حضرت مسیح موعود کا عقیدہ معلوم کرنے کے لئے بحث سے آپ نے گریز کیا۔

حالانکہ آپ کو یہ امر مسلم تھا کہ دونوں جماعتیں حضرت مسیح موعود کے عقیدہ کی پابند ہیں۔

اس بحث سے آپ کے گریز کی اصل وجہ: اور میں یہ بھی عرض کر دیتا ہوں کہ آپ اس بحث سے کیوں گریز کرتے ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ آپ نے بنانے کو عقیدہ تو ایک بنا لیا اور مریدوں نے

آنکھیں بند کر کے اسے مان لیا، اور لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کی طرح آپ نے اپنے مطلب کے چند حوالے بھی قطع و برید کر کے یاد کر لئے اور کرا دیئے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ بحث میں اول تو آپ کو اپنا عقیدہ صفائی سے ظاہر کرنا پڑے گا۔ اس وقت یہ حالت ہے کہ آپ کے بعض مرید اندر اندر یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے اپنے اس عقیدہ سے، جو ''آئینہ صداقت'' کے صفحہ 35 پر یوں مذکور ہے۔ ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔ خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو۔ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''، رجوع کر لیا ہے۔ اور وہ ثقہ لوگ ہیں۔ ممکن ہے آپ نے یا آپ کے بعض مریدین نے انہیں ایسا کہہ دیا ہو۔ لیکن دوسری طرف دوسرے مریدین علی الاعلان ''الفضل'' میں لکھ رہے ہیں کہ آپ کا عقیدہ اب بھی یہی ہے کہ آپ روئے زمین کے مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج مانتے ہیں اور آپ دونوں باتوں کو خاموشی سے سن رہے ہیں۔ لیکن بحث میں آ کر آپ کو یہ بات صاف کرنا پڑے گی کہ آپ ''آئینہ صداقت'' والے عقیدہ پر قائم ہیں یا اس سے رجوع کر لیا ہے۔

آپ نے حضرت مسیح موعود کے کھلے مسلک کو بدل دیا ہے: لیکن اس سے زیادہ مشکل جو آپ کو نظر آتی ہے، وہ اس عقیدہ کو حضرت مسیح موعود کا عقیدہ ثابت کرنے کی ہے۔ یہ بحث کا موقع نہیں۔ لیکن میں ایک بات آپ کو کہہ دینا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے ہی آپ کی اور آپ کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چلنے والوں کی ہدایت کا موجب بنا دے کہ آپ تو میری تبدیلی عقیدہ کو روتے ہیں۔ لیکن آپ نے حضرت مسیح موعود کے کھلے مسلک کو ایسا تبدیل کر دیا ہے کہ ''خیرہ ام از بر چشم بندی خدا'' کا نظارہ نظر آ جاتا ہے۔

آپ غیر احمدیوں کو کافر اور ان کے جنازہ کو ناجائز سمجھتے ہیں: آپ اس سے تو انکار نہیں کر سکتے کہ آپ چونکہ کل غیر احمدیوں کو کافر، دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ خواہ ان کو یہ بھی پتہ نہ ہو کہ کوئی شخص دنیا میں ایسا بھی ہوا ہے۔ جس نے مسیح موعود ہونے کا یا آپ کے زعم کے مطابق نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس لئے آپ کسی غیر احمدی کا جنازہ کسی صورت میں درست نہیں سمجھتے۔ حتّٰی کہ غیر احمدیوں کے شیر خوار بچے کا جنازہ بھی جائز نہیں سمجھتے۔ اور اس کی دلیل آپ نے یہ دی ہے کہ کیا ہم عیسائیوں اور ہندوؤں کے شیر خوار بچوں کا جنازہ پڑھتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود غیر احمدیوں کے جنازے جائز سمجھتے تھے: تو اسی قدر یقینی یہ بات بھی ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود غیر احمدیوں کے جنازے کو جائز سمجھتے تھے اور ایسے جنازوں کے فتوے آپ نے دیئے ہیں اور خود بھی ایسے جنازے پڑھے ہیں۔ تو آپ ان لوگوں کو کافر نہیں بلکہ مسلمان ہی سمجھتے تھے۔ اب یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ ابھی حضرت مسیح موعود کے زمانے کے لوگ ہر جماعت میں زندہ ہیں۔ آپ لاہور کی جماعت کے ایسے بزرگوں کو، سیالکوٹ کی جماعت کے ایسے بزرگوں کو، شملہ کی جماعت کے ایسے بزرگوں کو، خود قادیان کی جماعت کے ایسے بزرگوں کو قسم دے کر پوچھیں کہ کیا حضرت مسیح موعود کی زندگی میں بلکہ آپ کی گدی نشینی تک وہ غیر احمدیوں کے جنازے حضرت مسیح موعود کے فتوٰی کے ماتحت پڑھتے تھے یا نہیں۔

آپ قسم کھا کر بتائیں: آپ خود قسم کھا کر بیان شائع کریں کہ کیا آپ کے علم میں ایسے جنازے حضرت مسیح موعود کے زمانے میں پڑھے جاتے تھے یا نہ۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کبھی ان بزرگوں سے یہ شہادت لینا پسند نہ کریں گے۔ کیونکہ آپ کے عقائد کی ساری عمارت اس ایک بات سے ہی، جس کا انکار نہیں ہوسکتا، گر جاتی ہے۔ اور وہ بزرگ بھی، باوجود اس علم کے کہ ایسا ہوتا تھا۔ آپ کی خوشی کو خدا کی خوشی پر مقدم کر کے میرے کہنے پر شہادت حقہ کا اظہار نہیں کریں گے۔ لیکن چلئے آپ ہی اس بات کا انکار کر دیں اور لکھ دیں کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں غلط ہے۔ اور حضرت مسیح موعود کی زندگی میں لاہور میں، سیالکوٹ میں، شملہ میں، خود قادیان میں کسی غیر احمدی کا جنازہ نہیں پڑھا گیا۔ آپ کی ساری جماعت میں سے ایک شخص ہی انکار کر دے اور اگر آپ یا آپ کی ساری جماعت میں سے کوئی فرد واحد اس کا انکار نہیں کرسکتا اور میں جانتا ہوں کہ نہیں کرسکتا تو یہ سو فیصد شہادت خود آپ کی اور آپ کے مریدوں کی کم سے کم اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ آپ نے حضرت مسیح موعود کے مسلک کو تبدیل کر دیا ہے۔

آپ نے عقیدہ خود تبدیل کیا اور الزام مجھے دیتے ہیں: خدارا اکیلے ہوکر سوچیں کہ حضرت مسیح موعود کے مسلک کو تو آپ علی الاعلان تبدیل کریں اور اپنی ساری جماعت کی آنکھوں میں مٹی ڈال کر کریں۔ اور تبدیلی عقیدہ کا الزام مجھ پر دیں۔ کیا آپ کا یہ الہام۔ ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ اسی پر تو نہیں لگتا۔ اگر یہ خدا کی طرف سے الہام ہے تو یقیناً اسی موقعہ کے لئے ہے۔ یہ تو بکف

چراغ وارد والا معاملہ نظر آرہا ہے۔ خود حضرت مسیح موعود کے تیئیس سالہ کھلے مسلک کو تبدیل کر دیں اور الزام مجھ پر دیتے جائیں کہ محمد علی نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا ہے۔

کاش! آپ حضرت مسیح موعود کے ارشاد کو مانیں: ہاں آپ کی جماعت کی سو فیصد شہادت کے ساتھ، کہ آپ نے حضرت مسیح موعود کے مسلک کو تبدیل کر دیا ہے، میں سو فیصد شہادت حضرت مسیح موعود کی تحریروں اور فتاوٰی کی پیش کرتا ہوں۔ اگر جماعت کی ایسی خاموشی گواہی کے سامنے (بولنے سے آپ نے انہیں روکا ہوا ہے) آپ سر نہیں جھکاتے اور آپ نے لکھ دیا ہے کہ اگر آپ کی جماعت کے سو فیصد آدمی بھی آپ کے عقیدہ کو غلط قرار دیں تو آپ نہیں مانیں گے (ٹھیک ہے اولوالعزمی اسی کا نام ہے) تو حضرت مسیح موعود کے ارشاد کے سامنے ہی سر جھکا دیں۔ ورنہ جس کی خلافت کا دعوٰی ہے اسی کی بغاوت اختیار کرنا، اس کے فیصلوں کے خلاف چلنا، اس کے عقائد کی تردید کرنا روحانی فرزندیت سے اپنے آپ کو خارج کرنا ہے۔ جسمانی خلافت کیا کام دے گی جب روحانیت کا تعلق منقطع ہو گیا۔ آپ ناراض نہ ہوں یہ واقعات ہیں۔

حضرت مسیح موعود کے چار فتوے: لیجئے چار تحریری گواہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں:

پہلا فتوٰی۔ وہ خط جس کا اعتراف آپ تحریراً ایک سے زیادہ مرتبہ کر چکے ہیں اور آخری دفعہ اسی ''الفضل'' 23 مارچ 1940ء میں، جس میں مجھے چیلنج دیا تھا، اس اعتراف کے ساتھ اپنی عاجزی کا اعتراف بھی بدیں الفاظ کر چکے ہیں۔ ''ایک شخص نے ایک خط میرے سامنے پیش کیا جو غیر احمدی کے جنازے کے متعلق حضرت مسیح موعود کا لکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر کہہ دیا کہ اس کا کوئی جواب میرے ذہن میں نہیں''

دوسرا فتوٰی۔ 18 اپریل 1902ء مندرجہ ''فتاوٰی احمدیہ''۔ سوال ہوا کہ جو آدمی اس سلسلہ میں داخل نہیں اس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود نے فرمایا۔ اگر اس سلسلہ کا مخالف تھا اور ہمیں بُرا کہتا تھا اور بُرا سمجھتا تھا تو اس کا جنازہ نہ پڑھو اور اگر خاموش تھا اور درمیانی حالت میں تھا تو اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے''

تیسرا فتویٰ: پھر اب خط میاں غلام قادر ساکن جیود بخل بقلم مفتی محمد صادق صاحب
''جو مخالف بُرا نہ بولتا ہو اس کا جنازہ جائز ہے''

چوتھا فتویٰ۔ شرط معاہدہ از طرف احمدیاں موضع بھڈیار ضلع امرت سر۔ ''ہاں معمولی رنگ میں رہنے والے بے شر غیر احمدی رشتہ دار کا جنازہ پڑھ لیں گے'' اس پر حضرت مسیح موعود نے اپنے قلم سے لکھا۔ ''بہت خوب اور مبارک ہے''

ان فتاوی کے خلاف حضرت مسیح موعود کا کوئی حوالہ نہیں ہے: اس کے خلاف حضرت مسیح موعود کا کوئی فتویٰ عدم جواز جنازہ پر نہیں۔ گو ''آپ'' نے بلا سوچے سمجھے اس خطبہ میں، جس میں سچ بولنے کی تاکید دوسروں کو کی تھی، یہ بے بنیاد دعویٰ کر دیا ہے:

''مگر بہر حال دوسرے حوالے ایسے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر احمدی کا جنازہ آپ جائز نہیں سمجھتے تھے''

لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایسا کوئی حوالہ نہیں۔ اور یہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے قطعی غلط ہے۔ اور اس کے متعلق میں پہلے بھی آپ کو چیلنج دے چکا ہوں اور اب پھر دیتا ہوں کہ آپ اپنی ساری جماعت کو اس تحقیقات اور تلاش میں لگا دیں۔ حوالے تلاش کرنے میں تو آپ کے آدمیوں کو خاص مہارت حاصل ہے لیکن ''بعض حوالے'' چھوڑ آپ ایک بھی ایسا حوالہ پیش نہ کر سکیں گے اور قیامت تک نہ کر سکیں گے۔

یہ گریز آپ کی کھلی شکست ہے: تو لیجئے کہ آپ کی اپنی اور آپ کی جماعت کی سو فیصد شہادت ایک۔ اور حضرت مسیح موعود کے فتاوے کی سو فیصد شہادت دو۔ یہ دو زبردست شہادتیں آپ کے عقیدہ کا بطلان کر رہی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ حضرت مسیح موعود کے عقائد کے متعلق بحث سے گریز کر رہے ہیں۔ مگر شکست تو آخر شکست ہے۔ چاہے ایک شخص میدان میں آنے سے انکار کر دے۔ کیونکہ وہ اپنی کمزوری کو جانتا ہے اور چاہے میدان میں آ کر شکست کھائے۔

آپ حضرت مسیح موعود کے مسلک سے بہت دور چلے گئے ہیں: اگر یہ اختلاف محض فروعی باتوں پر ہوتا تو میں اس کا ذکر بھی نہ کرتا۔ آپ مجھ سے ناواقف نہیں۔ قادیان کے آدمی مجھ سے ناواقف نہیں۔ جماعت کے اکثر پُرانے آدمی مجھے جانتے ہیں۔ میری زندگی قادیان میں بھی گوشہ گزینی کی رہی

ہے۔ مباحثات کا مجھے شوق نہیں۔ نہ میں نے آج تک کبھی کوئی مباحثہ کیا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ حضرت مسیح موعود سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ ہاں خود اسلام سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ اور آپ خود ہی نہیں نکلے ایک جماعت کو بھی اسی قدر دور پھینک دیا ہے کہ وہ آپ کے مسلک کو حضرت مسیح موعود کے کھلے مسلک کے خلاف جانتے ہوئے مسیح موعود کو چھوڑ کر آپ کی اتباع کر رہے ہیں۔ آہ! اچھے اچھے آدمیوں کو آپ نے کس طرح گمراہ کر دیا۔ اے خدا تو ہی اس جماعت کو ہدایت دے کہ تا ان کے اندر اس قدر جرأت ایمانی پیدا ہو کہ وہ مامور کی باتوں کے سامنے غیر مامور کی باتوں کو مادہ السعال کی طرح پھینک دیں۔

آپ نے شریعت محمدیہ کو بدل دیا ہے: آپ اس بات کے قائل نہیں رہے کہ کوئی کافر آج کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار سے مسلمان ہوسکتا ہے۔ یہ وہ بات تھی جس پر شریعت محمدیہ کی بنیاد تھی۔ لیکن مسیح موعود تو ایک طرف، آپ آج شریعت محمدیہ کی بھی پروا نہیں کرتے۔ بے شک غور کر لیں۔ آپ نے شریعت محمدیہ کو بدل دیا ہے۔ آپ کی شریعت اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نہیں رہی۔ اس لئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا بنیادی پتھر یہ تھا کہ شہادۃ اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔

اسلامی شریعت کی رو سے ہر ایک کلمہ گو مسلمان ہے؟

آپ کی شریعت کا بنیادی اصول ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نبوت پر ایمان۔ آپ نے لوگوں کو ایک مغالطہ میں ڈال رکھا ہے کہ کلمہ کے اقرار سے رسمی مسلمان ہوتا ہے۔ یہ محض ایک دھوکا ہے۔ آپ اس کو مسلمان نہیں سمجھتے اور قطعاً نہیں سمجھتے۔ پکا کافر سمجھتے ہیں۔ دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس کا جنازہ جائز نہیں سمجھتے۔ آپ کی شریعت کی رو سے وہ مسلمان نہیں ہوا۔ خدارا ان الجھنوں میں ڈال کر لوگوں کو گمراہ نہ کریں۔ لفظ مسلم ہماری شریعت کا لفظ ہے۔ یہ نام خود قرآن شریف نے ہمیں دیا ہے۔ کسی رسم ورواج کے ماتحت یہ نہیں رکھا گیا تھا۔ بات کو صاف کریں۔ کیا آپ کے نزدیک شریعت کی رو سے وہ شخص مسلمان ہو جاتا ہے جو کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرے۔ شریعت اسلام کی رو سے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی رو سے، قرآن وحدیث کی رو سے تو اسلام کی بنیاد یہی کلمہ تھی اور قیامت تک رہے گی اور جو شخص اس کلمہ کا اقرار کرتا ہے وہ

اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔

آپ بہاء اللہ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں: مگر آپ کی نئی شریعت کی رو سے وہ مسلمان نہیں ہوتا۔ مسلمان اس وقت ہوتا ہے جب حضرت مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان لاتا ہے۔ تو غور فرمائیں کہ آپ کی شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے الگ ہوئی یا نہ۔ اور شریعت الگ ہے تو دین بھی الگ ہوا۔ آپ بہاء اللہ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے نقش قدم پر نہیں چل رہے۔ آپ نے حضرت مسیح موعود کے مذہب کو بدل کر خود حضرت مسیح موعود کو بدنام کر دیا ہے۔ اس وقت بھی اپنے قدم کو سنبھالیں۔ مسیح موعود کی مخالفت کو چھوڑ کر عاجزانہ طور پر خدا کی رضا کو مقدم کریں۔

آپ کی ایک اور غلطی کا ازالہ: آپ ایک اور غلطی میں مبتلا معلوم ہوتے ہیں۔ اگر آپ میرے اور اپنے عقائد کو ہی معلوم کرنے کے لئے بحث کرنا چاہتے ہیں تو وہ بحث یہ نہیں ہوگی کہ میں نے یا آپ نے لفظ نبی کو حضرت مسیح موعود کے لئے استعمال کیا یا نہیں۔ کیونکہ یہ لفظ تو خود حضرت مسیح موعود نے بھی اپنے لئے استعمال کیا ہے۔ بلکہ وہ بحث یہ ہوگی کہ کیا میں یا آپ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں آپ کو ایسا نبی مانتے تھے جس پر ایمان لائے بغیر کوئی کافر اب مسلمان نہیں ہوسکتا۔ کیا میں یا آپ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو کافر خارج از اسلام مانتے تھے۔ یا انہیں مسلمان ہی مانتے تھے۔ اگر میرا یا آپ کا ایمان اس وقت بھی یہی ثابت ہو کہ حضرت مسیح موعود پر ایمان لانا مسلمان ہونے کے لئے ضروری نہیں۔ بلکہ آپ کے دعوٰی کے انکار سے بھی کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ ہاں یہ خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کی نافرمانی ضرور ہے۔ تو محض لفظ نبی کا استعمال مجاز اور استعارہ قرار پائے گا۔ جیسا کہ حضرت صاحب نے خود اسے مجاز اور استعارہ قرار دیا ہے۔ اور آپ میدان مباحثہ سے اسی طرح خالی ہاتھ اٹھیں گے جس طرح اب دلائل سے تہید ست ہونے کی وجہ سے اصل موضوع پر بحث کا رخ نہیں کرتے۔

بحث سے میرا مقصد کیا ہے؟: میں ایک بات پھر دہرانا چاہتا ہوں۔ میں آپ سے بحث کے ذریعے صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ آپ کی جماعت کے علم میں یہ باتیں آجائیں کہ آپ کس طرح حضرت مسیح موعود کے مسلک کے خلاف چل رہے ہیں۔ اور توجہ دلانے کے باوجود توجہ نہیں کرتے۔ شائد ان میں بہت سی سعید روحیں ہوں۔ جن کے لئے یہ امر موجب ہدایت ہو جائے۔

ایک سادہ اور سہل تجویز: اس لئے میں نے تو یہاں تک بھی لکھا تھا کہ چند گنتی کے سوال، جن کو آپ اہم سمجھتے ہیں، مجھ پر کریں۔ آپ کا اختیار ہے۔ کوئی سوال کریں یا وہ بھی کریں جن کو آپ میری مفروضہ تبدیلی عقیدہ پر دلیل سمجھتے ہیں۔ میں اسی قدر سوال آپ پر کروں گا۔ پہلے یہ دونوں سوال ''الفضل'' اور ''پیغام صلح'' میں شائع ہو جائیں۔ پھر ایک ایک کر کے ان کے جواب دونوں اخباروں میں شائع ہوتے رہیں۔ اس طرح آسانی سے دونوں جماعتوں کے سامنے ہم دونوں کے دلائل آ جائیں گے۔ پھر جو شخص جو مسلک چاہے اختیار کرے۔ آپ کے عقائد کو صحیح تسلیم کرے یا میرے عقائد کو۔ اس کی ذمہ داری خود اسی پر ہوگی۔ کیونکہ دونوں طرف کے دلائل اس نے دیکھ لئے ہوں گے۔ میں اور آپ دونوں اس بارے میں عنداللہ بری الذمہ ہوں گے کہ ہم نے اپنی اپنی جماعت کو دوسرے کے دلائل سے ناواقف نہیں رکھا۔

آپ یہ تجویز مان لیں تو ثالثوں کے مطالبے کو چھوڑ دوں گا: آگر آپ اس قدر بات بھی مان لیں تو میں ثالثوں کے مطالبے کو بھی چھوڑ دوں گا۔ جس کو آپ میرا تئیس سالہ مطالبہ بتاتے ہیں۔ مگر جس کو اب آپ خود پیش کر کے پھنس گئے ہیں اور اخلاقاً آپ کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہی کہ اب آپ اس مطالبہ کو ٹال سکیں۔

آپ کے مرید بھی آپ کے دلائل کو کچا سمجھتے ہیں: میں اس پر زور اس لئے دیتا رہا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ کے اپنے مرید بھی آپ کے دلائل کو کچا سمجھتے ہیں۔ اور جب حضرت مسیح موعود کے زمانے کے پرانے بزرگوں کو یا اور سمجھدار اشخاص کو حلف دے کر دلائل کے موازنہ کے لئے بٹھایا جائے گا تو اغلب ہے کہ ان میں سے کچھ نہ کچھ اس بات کو کھلے طور پر کہہ دینے کی جرأت بھی کر لیں۔ جس کو اب کئی لوگ اندر اندر رکھتے ہیں۔ ورنہ حاشا وکلا کہ مجھے آپ کے منافقوں کا کوئی علم ہو۔ یا ان منافقوں کو ثالث بنانے کا خیال ہو۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ میں نے جاسوسی کا محکمہ رکھا ہوا ہے، یہ محض اپنے نفس پر قیاس ہے۔

لیکن بہر حال اگر آپ اس قدر بھی راضی ہو جائیں کہ آپ پر میں سوال کروں اور مجھ پر آپ سوال کریں۔ جو تعداد میں یکساں ہوں۔ اور میرے اور آپ کے دونوں کے جواب مع سوالوں کے دونوں اخباروں میں چھپ جائیں اور ضرورت ہو تو ان کے جواب الجواب بھی چھپ جائیں۔ بشرطیکہ ہر جواب مثلاً دو یا تین ہزار الفاظ کے اندر ہو۔ تا کہ فضول طوالت نہ ہو۔ تو میں باقی تمام مطالبات کو چھوڑ دوں گا۔ جو خود آپ کے چیلنج سے پیدا ہوئے ہیں اور اس عرصہ میں اور اس عرصہ کے بعد بھی دونوں

اخباروں میں ایک دوسرے کے خلاف بحث بند ہو جائے اور وہ سوالات اور جوابات ایک رسالے میں میرے اور آپ کے دستخطوں سے چھپ جائیں اور طالبان حق کے لئے وہی کافی سمجھا جائے۔

کیا آپ رضائے الٰہی کے لئے مصالحت کی راہ اختیار نہیں کر سکتے: آپ جانتے ہیں کہ سیاسی لوگوں میں بھی اختلاف ہوتے ہیں۔ مگر وہ بھی، حالانکہ خدا سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، آپس میں ایک مصالحت کی راہ اختیار کر کے باوجود الگ الگ مسلکوں پر چلنے کے اپنی قوتوں کو ضائع ہونے سے بچا لیتے ہیں۔ تو کیا جہاں دونوں طرف اس بات کے دعویدار ہوں کہ ہم خدا کی رضا کے لئے ایک کام کر رہے ہیں۔ وہ آپس میں اتنی معمولی سی مصالحت کی راہ اختیار نہیں کر سکتے؟ تا کہ ان کی قوت باہمی جھگڑوں سے بچ کر بہتر کام پر لگے۔

آپ کی جماعت ایک غلط راستے پر پڑی ہوئی ہے: آپ ہی غور فرما لیں کہ جس قدر آپ کی جماعت کا وقت ہمارے خلاف حوالوں کے نکالنے پر ضائع ہوتا ہے اگر اتنا وقت وہ دہریت کے خلاف، عیسائیت کے خلاف، دوسرے عقائد باطلہ کے خلاف قرآن وحدیث سے حوالے نکالنے پر صرف کریں تو ان کا علم کس قدر ترقی کر جائے؟ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی جماعت کے اندر سے علم اسی لئے اٹھتا جا رہا ہے کہ ان کی توجہ ان علوم کی طرف نہیں رہی، جن کی طرف حضرت مسیح موعود نے توجہ دلائی تھی اور نہ مذاہب باطلہ کے مقابلہ کے اس مقصد عظیم کی طرف رہی ہے جو حضرت مسیح موعود کی بعثت کی غرض تھی۔ اس لئے کہ وہ ایک غلط راستے پر پڑے ہوئے ہیں۔

میرا مطالبہ آپ کے لئے نقصان رساں نہیں ہے: میں آپ سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرتا۔ جس میں آپ کو نقصان ہو۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرے دلائل آپ کی جماعت کے سامنے آ جائیں۔ اگر دلائل کچے اور غلط ہوں گے تو آپ کی جماعت کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ آپ کی مریدی میں اور پکے ہو جائیں گے اور جو لوگ اب اختلاف عقائد رکھ کر آپ کی بیعت میں شامل ہیں، وہ بھی دل سے آپ کے ہمنوا ہو جائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری اس ساری چٹھی کو خود ایک دفعہ پڑھ کر ضروری امور کے جواب دینے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ خاکسار محمد علی۔ دارالسلام۔ ڈلہوزی 9 اگست 1940ء

8 ستمبر 1940ء
مکتوب امیر

ایک ضروری اعلان

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

چند یوم ہوئے میں نے ایک کھلی چٹھی بنام جناب میاں محمود احمد صاحب پیشوائے جماعت قادیان لکھی تھی جو اخبار ''پیغام صلح'' 12 اگست میں چھپ چکی ہے۔ اب بہت سے احباب کا یہ تقاضا ہے کہ اس چٹھی کو بصورت ٹریکٹ چھاپ کر قادیانی احباب کو پہنچایا جائے۔ مناسب یہ ہوگا کہ اس کے لئے ہم مختصر سا چندہ الگ کرلیں۔ چار ہزار کاپی کی طبع کے خرچ کا اندازہ قریباً ستر روپے ہے اور اس میں سے اگر ایک ہزار کاپی چیدہ چیدہ بزرگوں کو بذریعہ ڈاک بھجوائی جائے تو اس پر زائد خرچ تیس روپیہ ہوگا۔ چودھری یوسف علی صاحب ہیڈ ماسٹر نے اس نیک تحریک کی ابتداء کی ہے اور پانچ روپے چندہ دیا بھی ہے اور ایک ہزار کے طبع کے خرچ کا مزید وعدہ بھی کیا ہے۔ بہرحال یہ ایک مختصر سی رقم ایک سو روپے کی ہے۔ اگر دس احباب بھی دس دس روپے اس کارخیر کے لئے بھیج دیں یا کم وبیش جیسے اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے تو شائد ہمارے کچھ پرانے احباب کے لئے یہ ہدایت کا ذریعہ بن جائے۔ اگلے جمعہ تک ہر جگہ احباب یا جماعتیں اس امر کا فیصلہ کر کے اس کی اطلاع سیکرٹری صاحب کو لاہور دے دیں تا کہ وہ مناسب تعداد کی طبع کا انتظام کرسکیں۔ باقی کاپیاں جماعتوں کو یا ان احباب کو تقسیم کے لئے بھیج دی جائیں گی۔ جو انہیں قادیانی احباب کو پہنچانے کا وعدہ کریں۔ عام مسلمانوں میں بھی اس کی تقسیم بہت مفید ثابت ہوگی۔ اس لئے اگر دس ہزار کاپی کی طبع کا انتظام ہوجائے تو اور بھی بہتر ہے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

دارالسلام۔ ڈلہوزی

6 ستمبر 1940ء

26 ستمبر 1940ء
مکتوب امیر

مجاہدہ کا مہینہ

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (69:29)

جو لوگ ہمارے لئے اپنا پورا زور لگاتے ہیں۔ ہم یقیناً انہیں اپنے رستوں پر چلاتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچا دیتے ہیں

محترم برادران وخواہران جماعت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اگر مصلحت الٰہی یہی ہے کہ قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے اور اسلام کو دنیا میں پھیلانے میں ہم اس وقت کامیاب نہ ہوں اور اس وعدہ الٰہی لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (28:48) کے لئے کوئی اور وقت اور کوئی اور جماعت مقدر ہے۔ کیونکہ یہ وعدہ تو اٹل ہے، تو پھر بھی ہم ناکام نہیں۔ موت تو ناگزیر ہے۔ آنے والی چیز ہے۔ آج آئے یا کل آئے۔ لیکن اگر وہ اس حالت میں ہم پر آئے کہ ہم اس کے دین کے پھیلانے کے لئے راستے ڈھونڈھ رہے ہوں۔ یا راستے ہمارے سامنے ہوں مگر وہ سامان ڈھونڈھ رہے ہوں۔ جس سے اس کا دین دنیا میں پھیلایا جاسکتا ہے۔ تو اس سے بڑھ کر کامیابی اور خوشی کی موت بھی کوئی نہیں ؎

گر نبا شد بدولت رہ بردن شرط عشق است در طلب مردن

نتائج کا مترتب کرنا۔ دینا نہ دینا خدا کا کام ہے۔ ہمارا کام ڈھونڈنا ہے۔ جدوجہد کرنا ہے۔ لیکن جدوجہد شرط ہے۔ اپنے آپ کو وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا (69:29) کا مصداق بنانا ضروری ہے۔ پھر کامیابی بھی دور نہیں۔ ہم نہیں تو ہمارے بعد کام سنبھالنے والے یقیناً کامیابی کی منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ مگر جو کام کرتے کرتے مر جائیں۔ وہ بھی کامیاب ہی ہیں۔ اس وقت رمضان کا مہینہ، جو مسلمان قوم کے مجاہدہ کا مہینہ ہے، ہمارے سامنے ہے۔ اس مہینہ میں میں جماعت کی ایک متحدہ کوشش کو چاہتا ہوں۔ جس کے لئے میں جماعت کے بزرگوں کو، نوجوانوں کو، خواتین کو مخاطب کر رہا ہوں۔ دنیا میں وہ بھی لوگ ہیں جو محض چھوٹے چھوٹے دنیوی مقاصد کے لئے، اپنی مملکتوں کی

توسیع کے لئے ، اپنی قوموں کی مالی برتری کے لئے خون اور آگ سے کھیل رہے ہیں ۔ کیا ہم خدا کے دین کی توسیع کے لئے ، نسل انسانی کو روحانی رنگ میں مالدار کرنے کے لئے ، اسے خدا آگے گرنا اور جھکنا سکھانے کے لئے چار آنسو نہیں بہا سکتے ؟ اپنے سینوں میں خدا کی محبت کی آگ مشتعل نہیں کر سکتے ؟ میں آپ سے کوئی بڑا مطالبہ اس وقت نہیں کر رہا۔ مطالبہ تو بہت چھوٹا ہے مگر اس کے نتائج یقیناً بہت بڑے ہیں ۔ رمضان کی رات کو کونسا اسلام کا فرزند نہیں اٹھتا۔ کونسی دختر اسلام بیدار نہیں ہوتی ؟ ہاں سحری کی تیاری کے لئے اور سحری کھانے کے لئے ہم سب اُٹھتے ہیں ۔ تو صرف ان ایام کے لئے میرا مطالبہ صرف اس قدر ہے کہ سب کے سب بزرگان جماعت ، نوجوانان جماعت ، ہاں وہ بھی جن کے قدموں کے نیچے جنت ہے ، کم از کم دو رکعت نماز تہجد ضروری پڑھیں ۔ اور زیادہ جس قدر اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دے ۔ دو رکعت نماز کے لئے پندرہ منٹ بھی وقت کافی ہوسکتا ہے اور اگر حضوری قلب میسر آ جائے تو ایک گھنٹہ بھی اس کے لئے کم ہے ۔ کوئی پہلی رات تراویح پڑھ لے تو اس کا اختیار ہے ۔ مگر رمضان کی اصل نماز تہجد ہی ہے ۔ یعنی پچھلی رات کی نماز اور اس میں اور کئی فوائد بھی ہیں ۔ جو شخص صرف سحری کے لئے اٹھے گا وہ اگر نماز نہیں پڑھتا تو اغلب یہ ہے کہ کلی کی اور بغیر اشتہاء کے کھانے پر بیٹھ گیا اور کھانا کھالیا اور پھر سو رہا۔ لیکن جو شخص سحری کے ساتھ نماز تہجد کو (خواہ دو رکعت ہی ہوں) اپنے لئے لازم کرے گا ، وہ اٹھ کر مسواک کرے گا ، وضو کرے گا ، پھر دو رکعت نماز پڑھے گا تو کھانے کی اشتہاء بھی اس کے اندر پیدا ہو جائے گی ۔ اور پھر اتنے میں نماز فجر کا وقت بھی قریب ہو گا۔ تو وہ فجر کی نماز پڑھ کر ہی آرام کرے گا۔ مگر اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے قلب میں نماز کی لذت سوائے تہجد کے پیدا ہی مشکل سے ہوتی ہے ۔ پانچ وقت کی نماز بسا اوقات ایک بوجھ سا بنی رہتی ہے اور لذت اور کشش اس میں پچھلی رات کی نماز سے ہی پیدا ہوتی ہے ۔ اس طرح دو رکعت پچھلی رات کی نماز رمضان میں اپنے اوپر لازم کر لینے سے دوسری نمازوں کے اندر ایک لذت پیدا ہو جائے گی اور نماز کی اصل غرض کو پانا آسان ہو جائے گا۔

ان سب فوائد کے ساتھ ، جو اس وقت میری غرض ہے ، وہ غلبہ اسلام کے لئے ایک مجاہدہ ہے ۔ دنیا میں اس وقت وہ حالات پیدا ہو چکے ہیں جو گولوں اور توپوں اور بموں کے لرزا دینے والی

آواز سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے کے سوائے اور اسلام کی اخوت میں منسلک ہونے کے سوائے دنیا کی نجات کا کوئی دوسرا رستہ نہیں رہا۔ کسی کو اچھا لگے یا بُرا۔ سچ یہی ہے کہ نہ کسی قوم کو اس کی ہوائی کشتیاں بچا سکتی ہیں اور نہ اس کی آبی کشتیاں۔ یہ دنیا کی طاقت کے سامان، جب ذہنیت بگڑ چکی ہو، ہلاکت کے سامان ہیں نہ نجات کے۔ یہ محض ایک دھوکا ہے کہ کوئی قوم یہ سمجھ لے کہ مجھے میری ہوائی کشتیاں بچالیں گی۔ اور کوئی یہ سمجھ لے کہ مجھے میری آبی کشتیاں بچا لیں گی۔ حالانکہ بچانے والے چیز صرف یہ ہے کہ ان دونوں قسم کی کشتیوں کے بھروسہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی قوم گر جائے ؎

کوئی کشتی اب بچا سکتی نہیں اس سیل سے حیلے سب جاتے رہے اک حضرت توّاب ہے

تو اس وقت جب ارادہ الٰہی یہ ہو چکا ہے کہ اسلام کے غلبہ کے لئے رستے کھل جائیں۔ اگر بس مسلمان نہیں تو ایک اس چھوٹی سی جماعت کے، جس نے خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانے، خدا کے دین کو دنیا میں پھیلانے، خدا کے نام کو دنیا میں بلند کرنے کا مقصد عظیم اور یہی واحد مقصد اپنے سامنے رکھا ہے، سب مرد اور عورتیں، بوڑھے اور جوان خدا کے آگے گریں۔ صرف ایک ماہ رمضان کے لئے، جو مسلمانوں کے مجاہدہ کا مہینہ ہے، گریں اور نوجوانوں کو میں بالخصوص مخاطب کرتا ہوں۔ اس لئے کہ جو نوجوان خدا کے آگے گرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہوتا ہے۔ دنیا کی ہوس کی آگ کو، جو اب جہنم کی کھلی صورت اختیار کر کے دنیا پر نمودار ہو چکی ہے، بجھانے کے لئے اپنے دلوں کے اندر خدا کی محبت کی آگ جلائیں۔ انسانی خون کی بہتی ہوئی ندیوں کو آنسوؤں کے چند قطروں سے روکنے کے لئے مجاہدہ کریں۔ ہاں یہ خواب وخیال کی باتیں نہیں۔ اس سے پیشتر بھی بہتری مثالیں ملتی ہیں کہ کس طرح ہوس انسانی کی جلائی ہوئی آگ کو، جسے کوئی پانی فرو نہ کرسکتا تھا، دردمند دلوں کے چند آنسوؤں نے بجھا دیا اور آج بھی دنیا وہ نظارہ دیکھ سکتی ہے۔ بشرطیکہ کوئی جماعت اس عزم کے ساتھ کھڑی ہو جائے۔

ہاں! ہماری دعا صرف اسلام کے غلبہ کے لئے ہوگی۔ کیونکہ ہم یقین کے ساتھ یہ جانتے ہیں کہ اسلام کے غلبہ میں ہی دنیا کی نجات کا راز مضمر ہے۔ اس غلبہ کے لئے جس مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ وہ ابھی ہماری طرف سے نہیں ہوا۔ آؤ اس میں ماہ رمضان کی راتوں کی دعاؤں کے ذریعہ سے قوت پیدا

کرنے کی کوشش کریں۔ ان دو رکعت نماز میں، جن کے لئے میں اس وقت بغیر کسی استثناء کے جملہ احباب جماعت سے درخواست کر رہا ہوں، ہماری دعا صرف ایک ہی ہو۔ اور وہ دعا غلبہ اسلام کے لئے ہو۔ جب ہم سورہ الفاتحہ پڑھیں تو اس وقت بھی یہی مقصد ہمارے سامنے ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ . (1:1) اے اللہ تو سارے جہانوں کی ربوبیت کرتا اور انہیں کمال تک پہنچاتا ہے تو اس وقت ان لوگوں کی ربوبیت اپنے قرآن کے ساتھ فرما جو گمراہی میں پڑے ہوئے اور تیری اس نعمت سے محروم ہیں۔ اور ہماری بھی ربوبیت فرما اور ہمیں وہ سامان عطا فرما جن کے ساتھ ہم تیرے قرآن کو اور تیرے نام کو دنیا میں پہنچا سکیں۔ ہاں اس جماعت کی ربوبیت فرما۔ جس نے تیرے اس روحانی رزق کو دنیا میں پہنچانے کا مقصد واحد اپنے سامنے رکھا ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . (2:1) تیرا رحم اتنا بڑا ہے کہ انسانی التجا کے بغیر بھی جوش میں آتا ہے۔ اور تیرے ہی رحم سے انسان کی کوشش بھی بارآور ہوتی ہے۔ پس تو اپنی رحمانیت سے ان گمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کو اپنے قرآن کی طرف سے ہدایت دے اور وہ سامان پیدا کر دے کہ وہ مجبور ہو کر تیرے قرآن کے آگے جھکیں اور دنیا کی ہوس کی آگ کی جگہ ان کے دلوں میں اپنی محبت کی آگ مشتعل کر دے اور ہماری ناچیز کوششوں کو بھی بارآور فرما کہ ہم تیرے اس پاک پیغام کو ان لوگوں تک پہنچا سکیں۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (3:1) تو ہمارا رحیم و کریم مالک ہے۔ اور ہم تیرے عاجز و نالائق بندے ہیں۔ ہمارے اندر، میرے اندر، میری جماعت کے اندر کمزوریاں بھی ہیں۔ تیرے حکموں کی نافرمانی بھی ہو جاتی ہے۔ کمزوریوں اور نافرمانیوں کو اپنے مالکانہ اختیار سے معارف فرما اور ہماری کمزوریوں اور نافرمانیوں کو ہماری کوششوں کے بارآور ہونے میں روک نہ ہونے دیجئیو۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ . (4:1) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے نام کو ہی دنیا میں بلند کرنا چاہتے ہیں۔ یہی ہماری زندگیوں کا مقصد واحد ہے۔ مگر ہم کمزور ہیں۔ تعداد میں تھوڑے ہیں اور کام بہت بڑا ہے۔ ہاں دنیا کی اصلاح وہ عظیم الشان کام ہے کہ جس کے سامنے تیرے رسول بھی جنہیں تو اسی غرض کے لئے دنیا میں بھیجتا رہا ہے۔ اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس لئے ہم تھکے ماندے، کمزور، عاجز گنہگار تیری ہی مدد مانگتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم عاجز ہو کر راستہ میں ہی رہ

جائیں۔ اس کام کو تکمیل تک پہنچانے میں تو ہمارا مددگار رہو۔ اور ہماری جماعت کو وہ نصرت عطا فرما جو اپنا نام دنیا میں پھیلانے والوں کو تو عطا فرمایا کرتا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ . صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (6-5:1) تو اپنے بندوں پر بڑے بڑے انعام فرماتا رہا ہے۔ اور جن لوگوں کو اپنا نام بلند کرنے کے لئے تو نے چُنا یا جنہوں نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنا اپنی زندگیوں کا مقصد ٹھہرایا، انہیں تو نے کبھی ناکام نہیں رکھا۔ بلکہ عظیم الشان مخالفتوں کو مٹا کر تو انہیں دنیا میں کامیاب فرماتا رہا ہے اور تیرا وعدہ بھی ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (51:40) پس ہمیں سیدھے راستہ پر چلا کر وہی انعام عطا فرما جو تو پہلوں کو عطا فرماتا رہا ہے۔ اور اسی طرح سے اپنے دین کے پھیلانے میں اور اپنے نام کے بلند کرنے میں ہمیں کامیاب فرما۔ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوںؓ کو کامیاب فرمایا۔ اور اپنی نصرتوں کی ہوا ہمارے لئے اسی طرح چلا جس طرح تو نے ان کے لئے چلائی تھی اور اپنے فضلوں اور رحمتوں کے دروازے اسی طرح ہم پر کھول دے جس طرح تو نے ان پر کھول دیئے تھے۔ اور ہماری قبولیت کو اسی طرح پھیلا دے جس طرح تو نے ان کی قبولیت کو پھیلایا تھا۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ . (7:1) اے آقا! ایسا نہ ہو کہ ہم یہودیوں کی طرح دنیا کو غرض بنا کر دین کو پھیلانا ہی چھوڑ دیں۔ جیسے آج مسلمانوں کی حالت ہوگئی ہے۔ یا عیسائیوں کی طرح غلو کر کے غلط عقیدہ کی ترویج کے لئے اپنی طاقتوں کو تباہ کر دیں۔ جیسے آج ہمارے قادیانی دوستوں کی حالت ہوگئی ہے۔ سورہ الفاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں سورہ البقرہ کی آخری دو یا تین آیات پڑھی جائیں اور ان میں بالخصوص اس دعا پر زور دیا جائے جس پر یہ سورۃ ختم ہوتی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (286:2) اے ہمارے رب! تیرے دین کو دنیا میں پھیلانے کے لئے یہ ایک چھوٹی سی جماعت کھڑی ہوئی ہے۔ مگر ہم کمزور ہیں۔ اگر ہم میں سے کسی سے کوئی بھول ہو جائے یا خطا ہو جائے تو اس پر گرفت نہ فرمائیو۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا (286:2) اے خدا!

ہم سے پہلے لوگ عہد شکنی کر کے تباہ ہو گئے تو ہماری جماعت کو، ہاں اس کے ہر ایک فرد کو عہد شکنی کے گناہ کے ارتکاب سے بچائیو۔ ہم نے تیرے مامور کے ہاتھ پر یہ عہد کیا تھا کہ دین کو دنیا پر مقدم کریں گے اور تیرے قرآن کو دنیا میں پہنچانا اور تیری عظمت کو دنیا پر ظاہر کرنا، ہر قسم کے باطل کا مقابلہ کر کے تیرے دین کی حقانیت کو قائم کرنا ہمارا سب سے پہلا کام ہوگا۔ ہم دنیا کے لوگوں کی طرح اپنے اور اپنی جماعت کے سیاسی نہ پڑیں گے۔ بلکہ محض تیری عظمت، تیرے رسولؐ کی عظمت، تیرے قرآن کی عظمت، تیرے دین کی عظمت کو قائم کرنا ہمارا کام ہوگا۔ سو تو ہم سب کو یہ توفیق دے کہ ہم اس عہد پر قائم رہیں اور کوئی شخص ہم میں سے عہد شکنی کر کے ہلاکت میں نہ گرے۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (286:2) اے خدا! ہماری پیٹھیں کمزور ہیں۔ ہمارے دل ناتواں ہیں۔ تو ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو، جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ اور جو بوجھ تو نے ہم پر ڈالا ہے۔ اس کے اٹھانے کی ہمیں طاقت بھی عطا فرما۔

وَاعْفُ عَنَّا (286:2) اے خدا! تو ہم سب کی خطاؤں اور گناہوں اور کمزوریوں کو معاف فرما۔ تیرے دین کو صرف وہی جماعت پھیلا سکتی ہے جو متحد العمل ہو کر تیرے راستے میں جدوجہد کرے۔ پس اگر ہم میں سے کسی سے تیرے حکم کی نافرمانی ہوگئی ہے۔ یا کسی نے دوسرے کی حق تلفی کی ہے تو تو ہی اسے بھی معاف فرما اور مجھے بھی معاف فرما۔ ہاں اے مالک! تو ہمیں یہ بھی توفیق دے کہ ہم ایک دوسرے کی خطا کو معاف کرنے والے ہوں اور ہم سب کی خطاؤں کو معاف کرنے والا ہو۔

وَاغْفِرْ لَنَا (286:2) اے خدا! تو میری بھی حفاظت فرما اور میرے بھائیوں کی بھی حفاظت فرما۔ ان کی بھی جو میرے ساتھ نیکی کرتے ہیں اور ان کی بھی جو مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ ہاں تو ہمارے قلوب کی اصلاح فرما کہ ہم ایک دوسرے کی حفاظت کرنے والے ہوں اور تو ہمارا آقا ہم سب کی حفاظت کرنے والا ہو۔

وَارْحَمْنَا (286:2) اے خدا! تو اس جماعت پر رحم فرما۔ بیشک ہم میں کمزوریاں ہیں اور ہم تھوڑے ہیں۔ مگر اس وقت تیرے دین کو دنیا میں پھیلانے کے لئے یہی ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ جب تک اس پر تیرے رحم اور فضل کے دروازے نہ کھلیں۔ تیرا دین دنیا میں پھیل نہیں سکتا۔ پس اے آقا!

تو اپنے رحم اور فضل کے دروازے اس جماعت پر کھول دے۔ اے خدا! تو ہمیں توفیق دے کہ ہم دوسرے پر رحم کر کے تیرے رحم کے مستحق ٹھہریں اور تو ہم سب پر رحم فرما۔

اَنۡتَ مَوۡلٰنَا (286:2) تو ہمارا مولا اور آقا ہے تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ ہم ہی نالائق ہیں کہ تیری بندگی اور تیری خدمت کا حق ہم سے ادا نہیں ہوتا۔ مگر اے ہمارے کارساز! تو اپنے رحم سے ہماری دستگیری فرما اور ہمیں اس قابل بنا کہ ہم تیرے بندے کہلا سکیں۔ تیرے فرمانبردار ہوں اور تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے والے ہوں۔

فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ۔ (286:2) اے آقا! دنیا میں کفر اور شرک کا غلبہ ہے اور تیرہ وہ پاک کلام جو دنیا کی ہدایت کے لئے نازل ہوا تھا، آج خود کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ یہاں تک کہ اس کے نام لیوا بھی اسے دنیا میں پہنچانے کا نام نہیں لیتے۔ مگر تیرا وعدہ ہے کہ تو اسے دنیا میں غالب کرے گا اور تیرا وعدہ ٹل نہیں سکتا۔ اَنۡتَ الۡحَقُّ وَ وَعۡدُکَ الۡحَقُّ تو بہتر جانتا ہے کہ تو کس طرح اسے دنیا میں غالب کرے گا۔ ہمیں بھی تیری ہی طرف سے ایک آواز دینے والے کی آواز پہنچی کہ اسلام کے غلبہ کا وقت آ گیا اور ہمارے ناتواں ہاتھوں نے اس عظیم الشان بوجھ کو اٹھانے کے لئے قدم اٹھایا۔ ہمارے مردہ دلوں میں اسی آواز سے ایک زندگی کی حرکت پیدا ہوئی اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ ہم تیرے قرآن کو دنیا میں پہنچائیں اور تیرے نام کو دنیا میں بلند کریں۔ مگر کفر و شرک کے مقابل میں ہماری کمزور جماعت کی حالت ایسی ہے جیسے ایک پہاڑ کے سامنے چیونٹی ہو۔ ہاں تیرے وعدے نے ہی ہمارے دلوں میں کچھ قوت پیدا کی ہے۔ لیکن تیری نصرت کے ہم سب سے زیادہ محتاج ہیں۔ تو ہمیں کفر پر اور کافروں پر غلبہ عطا فرما۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم تیری نصرت کے اہل نہیں۔ کیونکہ ہم نالائق ہیں۔ مگر اے خدا تیرا دین، تیرا قرآن، تیرا رسولؐ تیری نصرت کے اہل ہیں۔ تو ان کی نصرت فرما۔ ہاں اسی طرح آج بھی نصرت فرما۔ جس طرح تو نے پہلے نصرت فرمائی تھی۔ تیری قوت ہمارے ناتواں ہاتھوں میں کام کرنے والی ہو۔ تیرا نور ہمارے تاریک دلوں میں روشنی پیدا کرنے والا ہو۔ اور ہم تیرے ان وعدوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھیں کہ یورپ اور امریکہ کے مادہ پرست اور ہندوستان اور چین و جاپان کے بت پرست تیرے دین میں گروہ در گروہ داخل ہوں۔

میں نے صرف یہ ایک خاکہ دیا ہے کہ جب ہم تہجد کے لئے کھڑے ہوں تو ہمارے دلوں میں کیا خیالات موجزن ہوں۔ اس وقت ہم سب چیزوں کو بھول جائیں اور ایک ہی خیال ہمارے دلوں پر غالب ہو۔ یعنی دینِ حق کے دنیا میں غلبہ کی آرزو اور اس کمزور جماعت پر، جو اس آرزو کو لے کر نکلی ہے، رحم اور فضل کی درخواست۔ جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا درد دیا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ اس جماعت میں ایسا درد رکھنے والے بہت ہیں۔ ان کے دلوں میں، ان کی دعاؤں میں، ان کی آواز میں وہ قوت ہے جو مجھ میں نہیں۔ لیکن اگر کمزور اور طاقتور چھوٹے اور بڑے غریب اور مالدار، مرد اور عورتیں سب کے سب دعاؤں میں لگ جائیں اور جماعت کی دعا میں وہ برکت ہوتی ہے جو ایک آدمی کی دعا میں نہیں ہوتی۔ تو مجھے یقین ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم، اس کی نصرت اور تائید کے اس طرح جاذب بن جائیں گے جس سے دینِ حق کو ایک زبردست قوت پہنچے گی۔

سورہ الفاتحہ اور قرآن کریم کو پڑھتے ہوئے دعائیں کرنا سنت نبویؐ ہے۔ لیکن سب سے افضل دعا وہ ہے جو سجدہ کی حالت میں انسان کرتا ہے۔ افضل سے میری مراد یہ ہے کہ قبولیت کے لحاظ سے وہ بہت بلند مرتبہ پر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں انسان کا دل عاجزی میں اس حد تک گرا ہوا ہوتا ہے جہاں تک وہ گر سکتا ہے اور جس قدر انسان نیچے گرے گا اسی قدر اس کی دعا اوپر چڑھے گی۔ پس سجدہ میں بھی یہ سب دعائیں ہوں یا ایسی ہی اور دعائیں جو اس وقت انسان کے دل سے اُٹھیں۔ بلکہ رکوع اور سجدے میں جب انسان **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ یا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی** پکار رہا ہو تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور علو کے ساتھ ساتھ جو خیال اس کے دل پر غالب ہو وہ یہی ہو کہ جب ہمارا آقا ہماری ربوبیت فرمانے والا اس قدر عظمت اور علو کا مالک ہے۔ جہاں تک انسان کا وہم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ تو ہم اپنے عاجز بندوں کی ربوبیت بھی وہ اسی طرح فرمائے کہ ہم کو پستی اور ذلت کے مقام سے اٹھا کر، جو محض دنیا پر جھکے ہوئے انسان کا مقام ہے، وہ اس عظمت اور علو کے مقام پر پہنچائے۔ جہاں اس کے پاک بندے کھڑے ہوتے ہیں۔ جن کی غرض دنیا میں خدا کا نام بلند کرنا اور انسانوں کے دلوں کی اصلاح کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح التحیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم پر درود پڑھتے ہوئے یہی تڑپ دل میں ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت دنیا میں پھیلے اور ہم اس قبولیت کے پھیلانے کا ذریعہ بنیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ان الفاظ کو کوئی شخص یاد کر کے اس کے مطابق دعا کرے۔ بلکہ میری خواہش یہ ہے کہ جن خیالات کو میں نے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ ان خیالات کو اپنے دل میں لیا جائے اور پھر جو دعا ہو، وہ دل سے اٹھے۔ خدا کے ہاں قبولیت زبان کے لفظوں کو نہیں بلکہ دل کی تڑپ کو ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے سب احباب کو یہ توفیق دے کہ وہ جیسا کہ میں نے خواہش کی ہے سب کے سب بلا استثناء کریں۔ مجاہدہ میں شامل ہوں۔ فوج میں کمزور سپاہی بھی ہوتے ہیں اور طاقتور بھی۔ مگر سپاہی ہونے کے لحاظ سے سب یکساں ہوتے ہیں۔ اسی طرح کسی کا مجاہدہ کمزور ہو، کسی کا طاقتور، کسی کی دعاؤں میں زیادہ اثر ہو، کسی کی دعاؤں میں کم، مگر مجاہدہ کے لحاظ سے سب یکساں ہوں گے اور طاقتوروں کے ذریعہ سے کمزوروں کو اور کمزوروں کے ذریعہ سے طاقتوروں کو قوت ملے گی۔ اور سب کے ذریعہ سے خدا کے دین کو قوت ملے گی۔ **وھو المراد اَللّٰھُمَّ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ** خاکسار محمد علی

ارشاد امیر: جماعت تین خصوصتیں پیدا کرنے کی ضرورت

1۔ بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز کی عادت ڈالو۔

2۔ بچوں کو سات سال کی عمر سے تبلیغ اسلام کے لیئے کچھ خرچ کرنے کی عادت ڈالو۔ بالفاظ دیگر جہاد میں شامل ہونے کی عادت ڈالو۔

3۔ بچوں کو سات سال کی عمر سے قرآن شریف کا ترجمہ سکھانا شروع کرو۔ خاکسار محمد علی

21 نومبر 1940ء
حضرت امیر کے قلم سے

سالانہ جلسہ کے متعلق میری ایک خواہش

بارہ سال سے زائد عمر کے سب نوجوان اس میں شرکت کریں!

سالانہ جلسہ کو ہر سال ہی کامیاب دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ خواہش پوری بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن نوجوانانِ جماعت کا عنصر اس جلسہ میں عموماً کم ہوتا ہے۔ اس لئے اس سال عام طور پر احباب کو دعوت دیتے ہوئے میں اس کوتاہی کی طرف خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ میں ان بزرگوں کو جانتا ہوں جو باوجود بیماریوں کے اور طرح طرح کے عوارض کے سالانہ جلسہ پر کبھی ناغہ نہ ہونے دیتے تھے۔ ان کا اکثر حصہ تو اپنے مولا سے جا ملا۔ اور جو کچھ باقی ہیں وہ بھی تیار بیٹھے ہیں۔ ان دینی ذمہ داریوں کا بوجھ، جو اس انجمن نے اٹھائی ہوئی ہیں، اب نوجوانوں کے کندھوں کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ ان کے اندر وہی اخلاص اور جوش پیدا کرنا جو ان کے بزرگوں میں تھا یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ اس کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے اور اس کوشش کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان سب کو سالانہ جلسہ میں اکٹھا کرنے کی خاص طور پر کوشش کی جائے۔

نوجوانوں کی سستی پر ہم لوگ افسوس تو کرتے ہیں اور میرا خیال ہے شائد ہی کوئی والد ہوگا جسے اپنی جوان اولاد میں دین کی طرف سے غفلت یا لاپرواہی دیکھ کر رنج نہ ہوتا ہو۔ مگر فی الحقیقت اس کی ذمہ داری ایک حد تک خود والدین پر یا والد پر ہی ہوتی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس زمانے میں لامذہبی کی ایک ہوا بھی چلی ہوئی ہے اور نوجوانوں کے بہت بڑے حصے پر، خواہ وہ کسی مذہب یا جماعت سے تعلق رکھتے ہوں، اس کا اثر ہے۔ پھر اگر ان میں بعض سعید الفطرت بھی ہیں تو ان کا ماحول ایسا ہے کہ وہ بھی کم و بیش اس اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ کیونکہ ان کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا اسی خاص دائرہ میں ہے۔ تاہم والدین کا یہ فرض ہے کہ ان کے لئے وہ مواقع بھی پیدا کریں جن سے وہ اس ماحول سے الگ ہو کر ایک دوسرے ماحول کے اندر آجائیں، جہاں انہیں

مذہب کا روشن پہلو نظر آ سکے۔

سالانہ جلسہ ایسا ایک موقع ہے جو اگرچہ صرف تین دن کا اجتماع ہے۔ لیکن اس میں ایک ایسا زبردست ماحول پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ بہت سے بڑے تاثرات کو دور کر کے دلوں پر ایک ایسا نقش کر دیتا ہے جو بعد میں تھوڑی سی توجہ سے سارا سال قائم رہ سکتا ہے۔ ہمارا سالانہ اجتماع عام اجتماعوں کی طرح نہیں بلکہ خدا کے فضل سے یہ تین دن ایک طرح پر صبح سے شام اور شام سے صبح تک ذکر الٰہی کے دن بن جاتے ہیں۔ لیکچر اور تقریریں ہیں تو ان کی غرض صرف قرآن کی عظمت اسلام کی عظمت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا دلوں پر نقش کرنا ہے۔ کوئی کانفرنس ہے تو اس کی غرض قرآن کو دنیا میں پہنچانے، اسلام کے دنیا میں پھیلانے، اعلاء کلمۃ اللہ کی تدابیر پر غور کرنا ہے۔ کوئی رپورٹ ہے تو اس میں بھی یہی بتایا جاتا ہے کہ یہ عظیم الشان کام جو ہمارے سید و مولا کی دلی تڑپ تھی۔ یعنی کلمہ حق کا دنیا میں پہنچانا اس میں ہم نے اب تک کیا کچھ کیا ہے اور آئندہ کیا کچھ کرنا ہے۔ باہم دوستوں کی میل ملاقات ہے تو اس میں بھی یہی ذکر ہے۔ دن ہے تو مسجد میں سب اکٹھے ہو کر خدا کے سامنے گر رہے ہیں۔ رات ہے تو اپنی اپنی کوٹھریوں میں گریہ وزاری کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کا بول بالا کرے۔ غرض سارے مجمع پر ذکر الٰہی کا ایک ایسا رنگ چڑھا ہوا ہوتا ہے جو کسی دوسرے مجمع میں نظر نہیں آتا۔

اس پاکیزہ مجمع میں جب آپ کے بچے آئیں گے تو یقین رکھئے کہ وہ ایک نہایت نیک اثر لے کر جائیں گے اور مادہ پرستی اور دہریت کی اس زہریلی ہوا کے لئے، جس کے اندر انہیں سال بھر رہنا پڑتا ہے، یہ ایک نہایت موثر تریاق ہوگا۔ آپ ان کی تعلیم پر کتنا خرچ کرتے ہیں۔ یہ آپ خود خوب جانتے ہیں۔ لیکن وہ تعلیم صرف اس حد تک ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ انہیں اپنی روٹی کمانے کے قابل بنا دے۔ وہ بھی پتہ نہیں کہ اس موجودہ زمانے میں میسر آتی ہے یا نہ۔ لیکن آپ کفایت کرنے بیٹھتے ہیں تو ایک دو تین روپے کے خرچ کے لئے انہیں اس تعلیم سے محروم کر دیتے ہیں۔ جو ان کو حقیقی معنی میں انسان بنا سکتی ہے۔ جس سے ان کے اخلاق پر اچھا اثر پڑ سکتا ہے۔ جس سے ان کے دلوں میں خدا اور اُس کے رسولؐ کی محبت جاگزیں ہوتی ہے۔ جس سے ان کو وہ موقع ملتا ہے کہ وہ

دنیا کے رہنما بن سکیں اور اس دنیا میں اپنا وہ اچھا اثر چھوڑ سکیں جس کی وجہ سے ان کا نیک نام دنیا میں ہمیشہ باقی رہے۔

میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ اس جلسہ کے موقع پر نوجوانوں کو خاص طور پر بھی مخاطب کروں اور ان کے سامنے ایک ایسا لائحہ عمل رکھوں جس سے وہ اپنے آپ کو خود اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اپنے عزیزوں اور اقرباء کے لئے اپنی جماعت کے لئے، مخلوق خدا کے لئے زیادہ مفید بنا سکیں۔ اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر بارہ سال کے اوپر عمر کے سب نوجوانوں کو شامل کیا جائے اور صرف کرایہ کے چند پیسوں کی کفایت کا خیال نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو وہ یہاں سے اس سے بہت زیادہ قیمتی سامان لے کر جائیں گے۔ جو ان کے کرائے پر خرچ ہوگا۔ جماعت کے سب والدین سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ضرور ساتھ لائیں بلکہ خود نہ بھی آسکیں تو انہیں ضرور بھیجیں۔

خاکسار محمد علی

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور

12 دسمبر 1940ء

جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

1۔ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں۔

2۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّن مانتے ہیں اور بالفاظ بانئے سلسلہ:

''اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبیؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا''

''جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اسے بیدین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں''

''میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی'' ''ہم نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں''

3۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب مانتے ہیں جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں اور نہ قیامت تک ہوگا۔

4۔ ہم آنحضرتؐ کے بعد مجدد دین کا آنا مانتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اس امت کے اولیاء سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے۔ اس اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رِجَالٌ يُّكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْبِيَآء

5۔ ہم تمام صحابہ کرامؓ تمام آئمہ دینؒ کی عزت کرتے ہیں۔ خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے۔ اور کسی صحابیؓ یا امام یا محدث یا مجدد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

6۔ ہم ہر اُس شخص کو جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرتا ہے مسلمان سمجھتے ہیں خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

7۔ ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔ نبی ہرگز نہیں مانتے۔ اُن کے اپنے الفاظ میں ''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔'' ''میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں'' ''اور ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے'' محمد علی۔ امیر جماعت لاہور

12 دسمبر 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

برادران اسلام کو دعوت

جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا سالانہ جلسہ 25-26-27 دسمبر کو ہو رہا ہے۔ اس کی چند خصوصیات کو آپ کے سامنے پیش کر کے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ تین دن کے لئے اس اجتماع میں شمولیت فرما کر کارکنان انجمن کو شکر گزاری کا موقعہ دیں۔

1۔ عالم اسلامی میں یہ واحد انجمن ہے جس نے اتحاد اسلام کو اس کی اصل بنیاد پر، کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے، قائم کر کے اس خیال کو دوبارہ زندہ کیا ہے۔ جس سے مسلمانوں کی قوت مجتمع ہو کر اعداء اسلام کے مقابل پر صرف ہو سکتی ہے اور اسلام کا قدم آگے بڑھ سکتا ہے۔

2۔ تمام دنیا کے مسلمانوں میں یہ ایک ہی گروہ ہے جو ختم نبوت کا اس صحیح معنی میں قائل ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پرانا۔ کیونکہ نبوت کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے ساتھ اپنے کمال کو پہنچ کر ختم ہو گیا۔ اس لئے اب نہ نبوت کا کوئی کام باقی ہے نہ نبی کی ضرورت۔

3۔ سارے عالم اسلامی میں یہ ایک ہی جماعت ہے جس نے مغربی دنیا میں تبلیغ اسلام کے لئے مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم، سیرت نبویؐ کے تراجم، تعلیمات اسلامی کے تراجم ہزار ہا کی تعداد میں مفت شائع کر کے یورپ اور امریکہ کی لائبریریوں میں اور بڑے بڑے آدمیوں تک انہیں پہنچایا ہے۔

4۔ سارے عالم اسلامی میں یہ ایک ہی انجمن ہے جس کے سامنے تبلیغ اسلام کا واحد مقصد ہے اور جس کی تمام توجہ اسی ایک واحد مقصد پر صرف ہوتی ہے۔

اس لئے اس انجمن کے جلسہ میں شمولیت ان مقاصد کو قوت دینے کے مترادف ہے جو تبلیغ اسلام اور قرآن کریم کے دنیا میں پہنچانے کے کام سے تعلق رکھتے ہیں۔ جلسہ میں تمام تقریروں اور

لیکچروں کی غرض ایک ہی ہوتی ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کس طرح ہو۔ قرآن کریم کس طرح دنیا میں پہنچے۔ غیر مسلموں کو اسلام کا خوبصورت چہرہ کس طرح دکھایا جائے۔ اسلام کا اتحاد کس طرح قائم ہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کس طرح دلوں میں بٹھائی جائے۔ آپ مختلف مجمعوں میں شامل ہوتے ہیں۔ اس کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اس مجمع میں بھی شامل ہونے کے لئے تھوڑی سی تکلیف اٹھائیں۔ جس کی غرض اسلام کو دنیا میں غالب کرنا ہے۔ میں یہ بھی آپ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اس وقت جنگ یورپ نے اس وعدہ کو قریب کر دیا ہے جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر قرآن حکیم میں دیا گیا تھا لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (28:48) کہ اللہ تعالیٰ بالآخر ساری مخالفتوں کو توڑ کر عیسائیت کی مخالفت کو بھی توڑ کر دین اسلام کو سب دینوں پر غالب کر دے گا۔ آیئے اور اس جلسہ میں شامل ہو کر وہ راحت حاصل کیجئے جس کے لئے ہر مسلمان کی روح تڑپتی ہے کہ خدا اور اس کے رسولؐ کا نام جس طرح مشرق میں پھیلا ہے، مغرب میں بھی پھیلے اور دنیا خداء واحد کے سامنے سر جھکا کر ان مصائب سے نجات حاصل کرے جن میں مال کی پرستش نے اسے مبتلاء کر دیا ہے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

12 دسمبر 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

احباب قادیان کو دعوت

جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے

برادران مکرم !السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا سالانہ جلسہ 25-26-27 دسمبر کو ہو رہا ہے۔ میں آپ کو بھی اس جلسہ میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ ان ایام میں گھر سے نکلے ہیں۔ سفر کی تکلیف بھی اٹھائی ہے۔ تھوڑی سی مزید تکلیف سے آپ ہمارے جلسہ میں بھی ایک دو دن کے لئے شمولیت اختیار کر سکتے ہیں۔ کم سے کم یہ تو آپ بھی مانتے ہوں گے کہ ہم بھی مسیح موعود کی ایک شاخ ہیں اور حضرت اقدس نے قرآن کریم کا ترجمہ دنیا میں پھیلانے والی جماعت کے لئے **"میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے"** کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ان الفاظ کی وہ عزت کریں جس کے یہ حق دار ہیں۔ ظاہر ہے کہ جماعت قادیان کے خواہ اور کتنے بڑے بڑے کام ہوں۔ لیکن قرآن کریم کے ترجمے کو مغربی دنیا میں پھیلانے کی جو تڑپ آج سے پچاس سال پیشتر حضرت مسیح موعود کے دل میں اٹھی تھی وہ جماعت لاہور کے ذریعے سے ہی پوری ہوئی۔ یہاں تک کہ انگریزی، جرمن، ڈچ تین زبانوں میں ترجمہ کر کے پچاس ہزار کاپی دنیا میں پھیلا دی۔ جس میں بارہ ہزار مفت اشاعت کی کاپی ہے۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ مغرب سے طلوع آفتاب کی پیشگوئی کو حضور نے اپنے اوپر چسپاں کر کے اس سے مراد مغرب میں نور اسلام کا پھیلانا لیا ہے۔ اس کا ظہور بھی جس قدر ہماری جماعت کے ذریعے سے ہوا ہے، کہ یورپ میں تین مشن ہم قائم کر چکے ہیں اور چوتھا تیار ہے، اس قدر اس کا ظہور جماعت قادیان کے ذریعے سے نہیں ہوا۔ اس لحاظ سے بھی آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ نور اسلام سے مغرب کو منور کرنے والی جماعت مسیح موعود کی ہی شاخ ہو سکتی ہے۔

عقائد کے لحاظ سے بھی یہ تو آپ کو مسلم ہے کہ 1891ء سے لے کر 1901ء تک یعنی گیارہ سال تک جو کچھ دعویٰ حضرت مسیح موعود کا نبوت اور کفر و اسلام کے متعلق تھا اس پر ہم قائم ہیں۔ اس

وقت بھی آپ حکم وعدل تھے۔ پس ہم آپ کے دعوے منحرف نہیں۔ ہاں آپ کا خیال ہے کہ 1901ء میں آپ نے دعوٰی تبدیل کر لیا تھا اور زندگی کے پچھلے سات سال میں آپ مدعی نبوت تھے۔ جس سے آپ کی پہلی تحریریں منسوخ ہو گئیں۔ اس کا بار ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ بہرحال جو دعوٰی آپ نے 1891ء میں کیا، اور جو آپ کے نزدیک 1901ء تک اور ہمارے نزدیک 1908ء تک رہا، اس کو ہم مانتے ہیں۔

پس ہمارا کام بھی حضرت مسیح موعود کا کام ہے اور ہمارے عقائد بھی حضرت مسیح موعود کے عقائد ہوئے۔ تو آپ کو اس سے تو انکار نہ ہونا چاہئے کہ ہم بھی حضرت مسیح موعود کی شاخ ہیں۔ اس لئے اس کام کو بھی ایک نظر دیکھ لیں جو حضرت مسیح موعود کی یہ دوسری شاخ کر رہی ہے۔ آخر دو چند کام کو دیکھ کر آپ کو خوشی ہونی چاہئے۔ تو اس خوشی کو اگر آپ خاص تکلیف اٹھائے بغیر حاصل کر سکتے ہوں تو کیوں نہ حاصل کریں اور شائد اس مشاہدہ سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ حضرت مسیح موعود کے مسلک کو ہم نے نہیں چھوڑا۔ اور آپ کو جو بعض غلط فہمیاں ہمارے متعلق ہیں وہ بھی دور ہو جائیں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

❀❀❀

17 دسمبر 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

ایک حل طلب معمہ

کیا جناب میاں صاحب نے اپنے عقیدہ تکفیر میں تبدیلی کر لی ہے یا نہیں کی؟

اخبار الفضل 13 دسمبر 1940ء میں میری اس تحریر پر اعتراض کیا گیا ہے جو میاں صاحب کو مخاطب کر کے لکھی گئی تھی کہ:

''آپ کے بعض مرید اندر اندر یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے اپنے اس عقیدہ سے، جو ''آئینہ صداقت'' کے صفحہ 35 پر یوں مذکور ہے کہ ''کُل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، رجوع کر لیا ہے اور وہ ثقہ لوگ ہیں''

اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ میں نے ان لوگوں سے جو میاں صاحب کے ذاتی کیرکٹر پر الزام لگا کر ان سے الگ ہوئے ہیں، کچھ ساز باز کر رکھی ہے اور گویا میرا اشارہ مضمون میں انہی لوگوں کی طرف تھا۔ یہ ہرگز درست نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ مجھے زبانی بھی یہ بات سننے کا ایسے لوگوں سے اتفاق ہوا ہے جن کا اس گروہ مذکور سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اس واقعہ سے پہلے کی یہ بات ہے اور میرے پاس ایک ایسے بزرگ کی تازہ تحریر بھی موجود ہے جو جناب میاں صاحب کی جماعت میں بڑے بلند پایہ بزرگ سمجھے جاتے ہیں اور مصنف بھی ہیں۔ میں ابھی ان کا نام لینا پسند نہیں کرتا۔ صرف ان کی تحریر کا وہ حصہ درج کر دیتا ہوں:

''اس میں کوئی شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ حضرت مسیح موعود نے اپنے منکرین کو کافر کہا ہے اور یہ وہ کفر نہیں جو اسلام سے خارج کر دے۔ کفر دون کفر ہے۔ ایمان کی کچھ اوپر 70 شاخیں ہیں۔ اور اس کے مقابل کفر کی شاخیں ہیں۔ ہر ایک شخص میں ایمان کی باتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور کفر کی بھی۔ کسی میں ایمان کی اور کسی میں کفر کی باتیں بڑھ کر ہوتی ہیں۔ بعض کفر کی باتیں ایمان کی باتوں پر

غالب ہوتی ہیں۔ جس کے سبب سے اس پر کفر کا اطلاق ہوسکتا ہے اور باوجود اس کے وہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جاتا اور کلمہ منسوخ نہیں ہو جاتا، جیسا کہ آپ کا غیر محققانہ خیال ہے......آپ اس جگہ دو دو غلطیاں کرتے ہیں ایک یہ کہ حضرت خلیفہ صاحب کا ابتدائی جذباتی عقیدہ لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں اور انہوں نے اپنے عقیدہ میں کئی مواقع پر تغیر کیا ہے اس کو مخفی رکھتے ہیں''

مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ جناب میاں صاحب کی آنکھوں کے سامنے ان کا عقیدہ دربارہ کفر غیر احمدیاں ایک گورکھ دھندا بنا ہوا ہے۔ ایک طرف بڑے بڑے بزرگ مجھ پر الزام دیتے ہیں کہ میاں صاحب نے جو اپنا عقیدہ دربارہ کفر غیر احمدیاں بدل لیا ہے، میں اس کو مخفی کرتا ہوں اور میاں صاحب کے پہلے عقیدہ کو ہی پیش کرتا ہوں۔ دوسری طرف قادیانی اخبار یہ شکایت کرتے ہیں کہ جناب میاں صاحب نے عقیدہ قطعاً تبدیل نہیں کیا۔ اور نہ ان کی جماعت میں کسی کا ایسا خیال ہے۔ تعجب یہ ہے کہ جناب میاں صاحب خود اس بات کو صاف کیوں نہیں کرتے۔ آخر جب تک میاں صاحب نے خود کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے ان کے عقیدہ میں تبدیلی مترشح ہوتی ہو یہ بزرگ کیوں مجھ پر الزام دیتے کہ میں اُن کی تبدیلی کو مخفی رکھتا ہوں۔ گویا قادیانی جماعت تو ساری تبدیلی کی قائل ہے اور میاں صاحب علی الاعلان اپنا عقیدہ دربارہ کفر بدل چکے ہیں۔ مگر میں اس کو مخفی رکھ کر اپنی جماعت کے سامنے غلط طور پر میاں صاحب کا پہلا عقیدہ ہی پیش کرتا چلا جاتا ہوں۔ پیر پرستی کے بھی کیا کیا عجائبات ہیں۔ ایک گروہ مجھ پر الزام دیتا ہے کہ میں جناب میاں صاحب کی طرف تبدیلی عقیدہ منسوب کرتا ہوں۔ اور دوسرا یہ الزام دیتا ہے کہ میں جناب میاں صاحب کے تبدیلی عقیدہ کو مخفی کرتا ہوں۔ اور جناب میاں صاحب خاموش بیٹھے ہیں اور اتنا نہیں فرما دیتے کہ واقعی انہوں نے تبدیلی عقیدہ کی ہے یا نہ۔ آج تک کسی شخص کے عقائد کا اس کی زندگی میں ایسا گورکھ دھندا نہ بنا ہوگا۔ محمد علی

❁❁❁

17 دسمبر 1940ء

خواتین اسلام کا عظیم الشان جلسہ

دستکاری کی مشہور و اعلیٰ ترین نمائش

زیر صدارت محترمہ بیگم صاحبہ آنریبل میاں عبدالحیی صاحب وزیر تعلیم پنجاب

احمدیہ انجمن خواتین اسلام لاہور کا پندرھواں سالانہ جلسہ مورخہ 24 دسمبر 1940ء بروز منگل بوقت دس بجے صبح مسلم ہائی سکول احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور میں منعقد ہوگا۔اس قومی اجتماع میں لیڈی عبدالقادر صاحبہ، بیگم شاہ نوار صاحبہ، خدیجہ بیگم صاحبہ اور بیگم نواب سر بلند جنگ صاحبہ آف حیدرآباد اپنے قیمتی خیالات سے بہنوں کو مستفید فرمائیں گی۔ان کے علاوہ اور بھی کئی لائق اور قابل خواتین تقاریر فرمائیں گی۔جلسے کے ساتھ حسب سابق ہاتھ کی بنائی ہوئی اشیاء کی ایک عمدہ نمائش ہوگی۔جس میں سب قسم کی دستکاری بغرض فروخت رکھی جائے گی۔کڑھے ہوئے جوخوبصورت دوپٹے، لیڈیز رومال، بچوں کے اونی گرم سوٹ وسویٹر، فراک، موزے، نفیس ٹیبل کلاتھ، قمیض، کُشن، ٹی کوزیاں، قطعے اور گڑیاں وغیرہ واجبی قیمت پر مل سکیں گی۔نمائش کے علاوہ اور بھی کئی قسم کی زنانہ دوکانیں ہوں گی۔تمام خواہران اسلام سے درخواست ہے کہ وہ تشریف لاکر اس اسلامی اجتماع کو کامیاب بنائیں اور ثواب حاصل کریں۔معزز بہنوں کے اصرار پر جلسے میں لاؤڈ سپیکر کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

نوٹ۔جلسہ ٹھیک وقت پر شروع کر کے ایک بجے ختم کر دیا جائے گا۔اس لئے سب بہنیں وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھیں اور مہربانی سے ناسمجھ بچوں کو ہمراہ نہ لائیں۔

الداعیۃ

بیگم محمد علی

آنریری سیکرٹری احمدیہ انجمن خواتین اسلام۔لاہور

17 دسمبر 1940ء

حضرت امیر کے قلم سے

احباب کی خدمت میں ایک ضروری گذارش

جو جلسہ میں آ رہے ہیں اور جو نہیں آ رہے

1۔ جو احباب جلسہ میں آ رہے ہیں ان سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ جلسہ کی افتتاحی دعا اور خاتمہ کی دعا میں شامل نہ ہوں تو جلسہ کی ایک بڑی بھاری غرض مفقود ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جلسہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تقریریں بھی ہوں گی اور تجویزیں بھی ہوں گی۔ مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کس تقریر کا قلوب پر اثر ہوگا یا کونسی تجویز بابرکت ہوگی۔ البتہ ایک بات یقینی ہے کہ مجمع کی دعا یقیناً موثر اور بابرکت ہوگی اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارا بھروسہ نہ تقریروں پر ہے نہ تجویزوں پر۔ بلکہ اگر کسی ایک چیز پر ہے تو دعا پر، خدا کے آگے گرنے پر، اس کے آستانہ سے مدد طلب کرنے پر۔ اس لئے میں ان احباب کی خدمت میں جو جلسہ پر آ رہے ہیں یہ عرض کروں گا کہ وہ جلسہ کی اصل غرض کو مفقود نہ ہونے دیں۔ اور افتتاحی دعا اور جلسہ کے اختتام کی دعا ہر دو میں شامل ہوں۔ حج جیسے عظیم الشان فریضہ میں بھی سب سے بڑی غرض عرفات کے میدان میں اکٹھے ہونا اور دعا کرنا ہے۔ جو عرفات میں وقت پر پہنچ جاتا ہے اس کا حج ہو جاتا ہے اور جو عرفات میں نہیں پہنچتا اس کا حج نہیں ہوتا۔ پس جو احباب آ رہے ہیں ان سب کو چاہیئے کہ 24 کی شام یا زیادہ سے زیادہ 25 کی صبح دس بجے سے پہلے پہلے پہنچ جائیں۔ یوں بھی حضرت مسیح موعود کا حکم جلسہ میں تین دن کے لئے شمولیت کا ہے۔ پس اپنی تھوڑی سی تکلیف یا کسی دنیوی کام کو اس حکم کی تعمیل میں روک نہ ہونے دیں۔

2۔ اور جو احباب بوجہ کسی قوی مانع کے نہیں آ رہے۔ مثلاً ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب کا خط ابھی ملا ہے کہ ان کو باوجود سخت کوشش کے رخصت نہیں مل سکی۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب کا خط ملا ہے جس سے یہ افسوسناک خبر ملی کہ ان کے والد محترم مولوی محمد یحیٰی صاحب پر فالج کا حملہ ہوا ہے اور ایسی صورت میں نہ مولوی صاحب شامل ہو سکیں گے نہ ڈاکٹر صاحب۔ مولوی محمد یحیٰی صاحب ایک بڑے خدا رسیدہ انسان ہیں اور انہوں نے کبھی جلسہ کا ناغہ نہیں ہونے دیا۔ ان کا جو مقام اس جماعت میں ہے اس لحاظ سے

ساری جماعت کو مل کر اور علیحدہ علیحدہ ان کی کامل صحت کے لئے دعا کرنی چاہیئے ۔ ان لوگوں کا وجود سلسلہ کے لئے ایک برکت کا حکم رکھتا ہے۔ تو جو لوگ کسی قوی مانع کی وجہ سے جلسہ میں شامل نہیں ہو سکتے ان سے میری یہ عرض ہے کہ وہ اپنی دعا سے شمولیت کے علاوہ جو ہمارے مقاصد کی کامیابی کے لئے ہو ان مقاصد کی اپنی مالی قربانیوں سے بھی تائید کریں ۔ اگر وہ آتے تو یقیناً ان کو سفر پر خرچ کرنا پڑتا۔ اور پھر یہاں کی تحریکات میں بھی وہ یقیناً حصہ لیتے تو اپنی جگہ پر خود حساب کر کے وہ ایک رقم جلسہ سالانہ سے پہلے پہلے بطور عطیہ امدادی بھیج دیں ۔ یہ ان کی جلسہ میں شمولیت کے قائم مقام ہو جائے گی ۔

محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

17 جنوری 1941ء
مکتوب امیر

جلسہ سالانہ کی تین متمیّز خصوصیات

برادران مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جلسہ سالانہ پر اللہ تعالیٰ نے جو اس سال ہمیں غیر معمولی کامیابی عطا فرمائی ہے۔ اس کا ایک گہرا اثر ان تمام دِلوں پر ہے جو اس میں شامل تھے۔ تین باتیں اس میں ایسی تھیں جو اسے دنیا کے دیگر تمام اجتماعوں سے خاص طور پر متمیّز کرتی ہیں۔

اول: مجمع کی **انابت الی اللّٰہ** ۔ خدا کے حضور اکٹھے ہو کر عاجزانہ دعائیں اور ایک زبردست روحانی احساس۔ یہ وہ چیز ہے جس سے عام طور پر دنیا کے اجتماع بلکہ اکثر مذہبی اجتماع بھی خالی نظر آتے ہیں۔

دوم: اول سے آخر تک بلند پایہ تقریریں۔ جو بے اختیار دِلوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔

سوم: اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایسی قربانیاں جو اس زمانہ میں اپنی نظیر کوئی نہیں رکھتیں۔

یہی تیسری بات ہے جس کی طرف میں اس وقت آپ کو خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ خدا کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرنے میں مَیں نے جو خصوصیت اپنی جماعت میں دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس قدر شرح صدر سے خرچ کرتی ہے کہ تھکتی نہیں۔ ماہوار مستقل چندے کا بوجھ جماعت پر ایک خاصہ بوجھ ہے۔ کیونکہ اکثر اصحاب اپنی آمدنی میں سے ایک آنہ روپے کے حساب سے مستقل ماہوار چندہ دیتے ہیں۔ مگر اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً خاص تحریکات بھی ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ جلسہ سالانہ سے چند روز پیشتر بھی دو ایسی تحریکات ہو چکی تھیں جن میں احباب نے دل کھول کر حصہ لیا۔ یعنی رمضان ٹریکٹ فنڈ اور اخراجات مہمانداری جلسہ۔ اس کے بعد جو چند سو احباب باہر سے یہاں تشریف لائے۔ وہ کافی اخراجات برداشت کر کے آئے۔ لیکن ان تمام اخراجات نے تحریک کے وقت ان کے دِلوں میں یہ وسوسہ پیدا نہیں کیا کہ ہم تو پہلے ہی کافی دے رہے ہیں یا دے چکے ہیں۔ بلکہ ایک ایسی زبردست قوت ایمانی کا مظاہرہ جلسہ کے موقع پر نظر آیا۔ جو تلاش کرنے سے بھی دوسری جگہ نہ مل سکے گا۔

پہلی تحریک کتاب ''ریلیجن آف اسلام'' کے متعلق تھی۔ جس کے لکھے جانے سے حضرت مسیح

موعود کی وہ آرزو پوری ہوئی جو آپ نے 1892ء میں سالانہ جلسہ کے موقع پر اپنے دعویٰ کے ساتھ ہی ظاہر فرمائی تھی۔ کہ اسلام کا خوبصورت چہرہ دکھانے کے لئے ایک جامع کتاب اسلام پر انگریزی زبان میں لکھی جائے۔ یہ تو سب احباب کو معلوم ہے کہ بلند پایہ غیر از جماعت اور غیر مسلم مصنفین نے اس کتاب کو اس زمانہ میں دین اسلام کی بہترین تصویر تسلیم کیا ہے اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام کا خوبصورت چہرہ دکھانے میں جو کام اس کتاب نے کیا ہے، وہ اور کسی تصنیف نے نہیں کیا۔ اسلام اور موجودہ جنگ کے متعلق تقریر کرتے ہوئے میں نے یہ تحریک کی کہ عین جنگ کے اندر بھی ہم تبلیغ اسلام کے فریضہ کو ادا کر سکتے ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ اس کتاب کی کچھ کاپیاں ان لوگوں کو بھیجی جائیں جو اپنے خیالات کا اثر دوسروں پر ڈالتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جن کا شغل تصنیف ہے۔ جس سے ان کے خیالات کا اثر دوسرے لوگوں کے دِلوں پر پڑتا رہتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ اگر ہم یہ کتاب ایک سو آدمیوں کو بھی بھیجیں اور ان میں سے نوے ایسے ہوں جو اپنے تعصب کی وجہ سے اس سے متاثر نہ ہوں تو دس یقیناً ایسے ہوں گے جن کے دل اس کا اثر قبول کئے بغیر نہ رہیں گے۔ اور ان دس کی وجہ سے یہ اثر لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں تک پہنچ جائے گا۔ اس وقت تک بھی جو لٹریچر ہماری طرف سے مغربی ممالک میں پہنچ چکا ہے، اس نے مغرب کے نقطہ نگاہ میں ایک خاص انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود کی آرزو صرف یہی نہ تھی کہ ایسی کتاب لکھی جائے۔ بلکہ یہ بھی کہ وہ مغربی ممالک میں پہنچائی جائے۔ چنانچہ 1892ء کے سالانہ جلسہ کا سب سے پہلا ریزولیوشن بدیں الفاظ منقول ہے:

> ''یہ اقرار پایا کہ ایک رسالہ، جو اہم ضروریات اسلام کا جامع اور عقائد اسلام کا خوبصورت چہرہ معقولی طور پر دکھاتا ہو، تالیف ہوکر اور پھر چھاپ کر یورپ اور امریکہ میں بہت سی اس کی کاپیاں بھیجی جائیں۔''

سو اگر 1936ء میں اس کتاب کی تالیف سے حضرت اقدس کی آرزو اور جماعت احمدیہ کے سب سے پہلے ریزولیوشن کا ایک حصہ پورا ہوا۔ اور چار سال کے اندر اس کتاب کی قبولیت نے یہ ثابت کر دیا کہ یہی وہ کتاب ہے۔ تو آج 1940ء میں اس ریزولیوشن کے دوسرے حصہ کو پورا کرنے کی بنیاد رکھی گئی۔ اور میری اس تحریک پر جو کسی سوچ بچار کا نتیجہ نہ تھی 175 کتابوں کے بھیجنے کا انتظام ہوگیا۔ اور

اس کے بعد ڈاکٹر سید طفیل حسین شاہ صاحب نے چالیس کتابوں کے اپنی طرف سے بھیجا جانے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ جس سے یہ تعداد 215 ہوگئی۔ سید صاحب کے اس ایثار کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس تحریک کو ان احباب تک بھی پہنچا دوں جو جلسہ سالانہ میں شامل نہ تھے یا شامل تھے تو کسی وجہ سے اس میں حصہ نہیں لے سکے۔ یہ ایک عظیم الشان تعمیر ہے جس کی آرزو حضرت مسیح موعود کے دل میں تھی۔ اور جس کی بنیاد آج ہمارے ہاتھوں سے رکھی جارہی ہے۔ اور جس کی سر بفلک منازل ہمارے بعد میں آنے والی نسلیں دیکھیں گی۔ ہاں اس کتاب کی اصل قیمت تو دس روپے ہے۔ لیکن اس کی مفت تقسیم کی غرض کے لئے اسے صرف پانچ روپے کر دیا گیا ہے۔

دوسری تحریک، اور جو اصل اپیل میں میرے مدنظر تھی، وہ ہے مغرب میں تبلیغ اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کرنا۔ اس میں شک نہیں کہ ہم چار جگہ مشنوں کا انتظام کر کے اس کی بنیاد رکھ چکے ہیں۔ یعنی انگلستان، جرمنی، ہالینڈ، ہسپانیہ۔ مگر صرف یورپ میں بھی بہت سی مختلف زبانیں جاننے والے مبلغ ہمیں بکار ہیں۔ اس جنگ کے ختم ہونے کے بعد اگر ہم ان بنیادوں کو وسیع کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے ضرورت ہے کہ آج سے ہم ایسے لوگوں کو تیار کرنا شروع کریں جو ایک طرف مختلف زبانوں میں مہارت پیدا کریں اور دوسری طرف قرآن کریم، حدیث شریف اور علوم اسلامی میں مہارت پیدا کریں۔ تا کہ ہم ان سے مختلف زبانوں میں لٹریچر پیدا کرنے کا کام لے سکیں۔ دجال کے متعلق یہی ہمارا اصل کام ہے۔ اس اپیل پر بھی بہت سے اصحاب نے لبیک کہا اور شاید ہی کوئی دوست رہ گئے ہوں جنہوں نے حصہ نہ لیا ہو۔ جو اصحاب جلسہ میں شامل نہیں ہوئے ان کے لئے اور بھی زیادہ ضرورت ہے کہ وہ اس تحریک میں شامل ہوں۔ یہ تو ان پر ایک گونہ فرض ہے کہ وہ جو روپیہ یہاں آنے میں سفر میں خرچ کرتے اسے اب اس کام میں بطور صدقہ دیں۔ لیکن جس طرح ان اصحاب نے عطیے دیئے ہیں جو شامل جلسہ تھے اسی طرح غیر حاضر اصحاب کو بھی چاہئے کہ وہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ بطور عطیہ بھی دیں۔ جلسہ سالانہ میں کل نقد عطیہ جات کی رقم وصول شدہ پانچ ہزار سے اوپر ہے۔ جس میں خواتین کی طرف سے جمع شدہ قریباً آٹھ صد روپے ہوں گے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک اور اس کے علاوہ وعدے ہیں۔

تیسری تحریک مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی کی کتاب ''میثاق النبین'' کے انگریزی ترجمہ

محمدان ورلڈ سکرپچرز (Mohammad in World Scriptures) کے لئے تھی۔ کہ اسے لائبریریوں میں مفت پہنچایا جائے۔ اس غرض کے لئے کتاب کی قیمت پونے چار روپے کی بجائے دو روپے کر دی گئی تھی۔ اس اپیل پر بھی احباب نے فراخدلی سے لبیک کہا۔ اور 252 جلدوں کا انتظام جلسہ میں ہو گیا۔ اُمید ہے کہ غیر حاضر احباب بھی اس میں شامل ہو کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ اور یہ تعداد پانچ سو تک پہنچا دی جائے گی۔

چوتھی تحریک ووکنگ مشن کے متعلق تھی۔ ووکنگ مشن سب سے پہلا اسلامی مشن ہے۔ جو یورپ میں قائم کیا گیا۔ اور یہ حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم کے عزم اور بلند ایمان کا ایک زندہ نشان ہے۔ 1930ء تک ووکنگ مشن ہماری انجمن کی ہی ایک شاخ تھا۔ اس کے بعد اس کے لئے علیحدہ ٹرسٹ ہو گیا۔ جس میں بہت سے احمدی احباب اور کچھ غیر از جماعت بزرگ شامل ہیں۔ لیکن اس لحاظ سے کہ یہ تبلیغ اسلام کا کام ہے۔ یہ انجمن کا ہی کام ہے۔ حضرت خواجہ مرحوم اپنی زندگی میں اس مشن کے لئے بہت کچھ نظام کر گئے تھے۔ مگر اس کے بعد باوجود خواجہ عبدالغنی سیکرٹری ٹرسٹ کی کوششوں کے اور خواجہ نذیر احمد صاحب (خواجہ صاحب مرحوم کے فرزند) کے ہزار ہا روپے اپنی جیب سے اس پر خرچ کرنے کے، یہ ضرورت ہے کہ ہماری جماعت بھی بحیثیت جماعت اس میں حصہ لے۔ یہ اپیل سب سے آخر کی گئی۔ اور تقریباً ایک ہزار روپیہ اس میں بھی نقد اور وعدوں کی صورت میں آ گیا۔ مگر یہ امداد بہت تھوڑی ہے۔ اور مجھے اُمید ہے کہ باقی احباب بھی توجہ کر کے اس امداد کو کم سے کم دو ہزار روپے تک پہنچا دیں گے۔

اس چٹھی کے ذریعہ میں نے تمام واقعات آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ یہ آپ کا اختیار ہے کہ آپ ان تحریکات میں سے کسی ایک میں حصہ لیں یا دو میں یا سب میں۔ اور جس میں چاہیں حصہ لیں۔ مگر یہ نہایت ضروری ہے کہ ہر ایک دوست، جس کو یہ چٹھی بھیجی جاتی ہیں، کسی نہ کسی تحریک میں کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لے۔ اور جو عطیہ وہ دے۔ اس کے ساتھ صراحت بھی کر دے کہ یہ عطیہ کسی غرض کے لئے ہے۔

خاکسار محمد علی

15 جنوری 1941ء

۞۞۞

27 جنوری 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

ختم نبوت کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے

ان الفاظ میں آج سے نہیں سالہا سال سے میں اپنے عقائد کو بیان کرتا رہا ہوں۔ اور یہ لفظ بھی میرے نہیں حضرت مسیح موعود کے ہیں۔ جماعت قادیان کا آرگن ''الفضل'' 3 جنوری 1941ء کے پرچہ میں بڑے موٹے عنوانات کے ساتھ یوں لکھتا ہے:

☆ ''مولوی محمد علی صاحب کا عام مسلمانوں کے خلاف صریح فتویٰ کفر۔''

☆ ''مولوی محمد علی صاحب کا فتویٰ کہ جماعت احمدیہ کے افراد بے دین اور خارج از دائرہ اسلام ہیں۔''

میں نے ایک چھوٹا سا ٹریکٹ لکھا تھا جس میں مَیں نے جماعت قادیان کے ایک ایک فرد کو چیلنج کیا تھا کہ ان میں اگر ہمت ہے تو وہ میرے خلاف فیصلہ صادر کریں۔ موضوع اس ٹریکٹ کا یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود کا یہ مذہب تھا کہ غیر احمدی کافر نہیں۔ کیونکہ آپ نے ان کے جنازے پڑھنے کے یکے بعد دیگرے چار فتویٰ دیئے۔ خود ایسے جنازے پڑھے اور آپ کی جماعت 1914ء تک (جب میاں محمود احمد صاحب نے حضرت مسیح موعود کے حکم کے خلاف حکم دے کر اپنی جماعت کو ایسے جنازے پڑھنے سے روکا) ایسے جنازے پڑھتی رہی۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ اس مسئلہ پر میں جماعت قادیان کے ایک ایک فرد کو ثالث ماننے کے لئے تیار ہوں۔ اور یہ ٹریکٹ قادیان کے جلسہ پر جانے والے بھائیوں کو کثرت سے پہنچایا کہ شاید کسی بندۂ خدا کے دل میں خوف پیدا ہو کہ ہم کیوں ایک غیر مامور کے حکم سے حضرت مسیح موعود کے مسلک کے خلاف ایک مسلک بنا رہے ہیں۔ مگر خود میاں صاحب سے لے کر قادیانی جماعت کے ایک ایک فرد نے خاموشی اختیار کر کے اس بات پر تو مہر لگا دی کہ جماعت قادیان حضرت مسیح موعود کے مسلک کے خلاف چل رہی ہے۔ کیوں کوئی قادیانی بزرگ یا خورد یہ جرأت نہیں کرتا کہ وہ کہہ دے کہ:

1۔ یہ فتاویٰ حضرت مسیح موعود کے نہیں۔

2۔ حضرت مسیح موعود کا فتویٰ اس کے خلاف غیر احمدی کے جنازہ کے عدم جواز کا ہے۔

3۔ حضرت مسیح موعود کا عمل اپنے فتویٰ کے خلاف تھا۔ یعنی کہتے کچھ تھے۔ کرتے کچھ تھے۔

4۔ جماعت 1914ء سے پہلے غیر احمدیوں کے جنازے نہ پڑھتی تھی۔ اگر قادیانی جماعت کے دس لاکھ آدمیوں میں سے ایک کی بھی یہ جرأت نہیں کہ وہ یہ کہہ سکے تو کیا کسی ایک میں یہ خوفِ خدا بھی نہیں۔ کہ وہ کہہ دے کہ ان کا خلیفہ انہیں مسیح موعود کے مسلک کے خلاف چلا رہا ہے۔

یہ تو تھی ایک فیصلہ کن بات۔ اور چاہئے تھا کہ اگر قادیانی جماعت کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تو وہ ان مسائل میں ہمیشہ کے لئے خاموشی ہی اختیار کر لیتے۔ مگر جواب کا ایک نمونہ بھی سن لیجئے۔ جو ایک بزرگ نے اصل رسالہ پر بھی لکھ کر مجھے بھیجا ہے۔

''مولوی صاحب! معلوم ہوتا ہے کہ آپ سترے بہترے ہو گئے ہیں۔ اسلامی دنیا آپ جیسوں کے پیچھے نہیں لگتی۔ وہ کہتی ہے ؎

بہر رنگِ کہ خواہی جامہ می پوش من اندازِ قدت را می شناسم

عطائے تو بلقائے تو۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔ اسلام کی خلافت مخول اور ٹھٹھہ نہیں ہے۔''

دوسرا نمونہ وہ ہے جو اخبار ''الفضل'' میں نکلا ہے کہ اپنے ہم خیالوں کو یہ کہا جائے کہ اگر ہم مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں تو جماعت لاہور بھی کافر ہی قرار دیتی ہے۔ حالانکہ یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ان کے عقائد میں یہ ذکر ہے کہ وہ ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ بفرض محال اگر میں بھی مسلمانوں کو کافر قرار دوں تو اس سے تو اتنا ہی ثابت ہوگا کہ مسیح موعود کی ساری جماعت نے مسیح موعود کے مسلک کو چھوڑ دیا۔ اس سے حضرت مسیح موعود کے فتاوی اور عمل بدل جائیں گے۔ دیکھئے میں نے بار بار لکھا ہے اور اب پھر دوہراتا ہوں۔ اور یہ حضرت مسیح موعود کے الفاظ ہیں۔ ان کا ہی پاس کیجئے:

''جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔''

جماعت قادیان کہتی ہے کہ ان الفاظ سے میں نے ان تمام مسلمانوں کو، جو حضرت مسیحؑ کے دوبارہ آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں، بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج ٹھہرایا اور عام مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ دے دیا۔ اتنا بڑا بول مونہہ سے نکالنے سے پہلے آپ کا فرض تھا کہ یہ ثابت کرتے کہ جو لوگ مسیحؑ کی

دوبارہ آمد کے قائل ہیں۔ وہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ مسیحؑ کی دوبارہ آمد کا خیال تو زمانہ نبوت سے ہی ملتا ہے۔ اور ہر زمانہ اور ہر ایک ملک کے مسلمان یہ مانتے چلے آئے ہیں کہ حضرت مسیحؑ آئیں گے۔ لیکن آج تک مسلمانوں میں سے کسی نے ختم نبوت کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ ختم نبوت پر ان کے ایمان کی بنیاد ہے۔ اور اسی لئے جن محققین نے مسیحؑ کی دوبارہ آمد پر ختم نبوت کی روشنی میں غور کیا ہے اُنہوں نے صاف طور پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مسیح مجدد ہو کر آئے گا۔ نبی کی حیثیت میں نہیں آئے گا۔ نہ وہ کوئی نبوت کا کام کرے گا۔ حکام میں سے ایک حاکم ہوگا اور بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ وصف نبوت ورسالت سے انہیں بالکل الگ کر دیا جائے گا۔ یعنی نبوت سے وہ معزول ہو کر آئیں گے۔

خواہ مناظرہ ہی ہو، مگر یہ دیانتداری نہیں کہ دوسروں کی طرف وہ بات منسوب کی جائے جس کے وہ قائل نہیں۔ کوئی قادیانی تیرہ سو سال کے کسی مسلمان کی کوئی تحریر پیش کرے جس میں اس نے ختم نبوت کا انکار کیا۔ مسیحؑ کی دوبارہ آمد کی وہ کوئی نہ کوئی توجیہہ کرتے ہیں۔ لیکن ختم نبوت کا انکار کوئی مسلمان نہیں کرتا۔ بے شک ختم نبوت کے منکر کو میں بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ مگر آج تک کوئی مسلمان ختم نبوت کا منکر نہیں ہوا۔ ہاں ایک سوال رہ جاتا ہے کہ کیا قادیانی ایک نبی کو ماننے کے بعد، جس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، ختم نبوت کے منکر ہیں یا نہیں؟! اس کا جواب وہ خود دیں۔ میں ختم نبوت کے منکر کو خارج از اسلام سمجھا ہوں۔ چنانچہ بابی اور بہائی ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اور میں انہیں خارج از اسلام سمجھتا ہوں۔ اور جناب میاں صاحب نے باوجود اس عقیدہ کے یہ لفظ بھی بیعت کے الفاظ میں بڑھائے تھے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان لاتا ہوں۔ جس دن وہ کہہ دیں گے کہ ہم ختم نبوت کے منکر ہیں، اس دن میں انہیں خارج از اسلام ہی قرار دوں گا۔

خاکسار محمد علی

22 جنوری 1941ء

۞۞۞

21 اپریل 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

میری تحریر میں لفظ ''نبی'' کا استعمال

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قادیانی علماء جب بانی سلسلہ کے کھلے مسلک کی خلاف ورزی کا کوئی جواب نہیں دے سکتے تو وہ اپنی شرمساری کو چھپانے کے لئے میرے متعلق ایک غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں اس بات کو صاف صاف کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میری یا دوسرے کسی احمدی کی کوئی تحریر بانی سلسلہ کے مسلک کے خلاف ہو تو وہ ہرگز قابل قبول نہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آج تک میرے وہم میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ بانی سلسلہ کا دعویٰ فی الحقیقت نبوت کا ہے۔ جس کے نہ ماننے سے کوئی مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن مجھے اس سے کبھی انکار نہیں ہوا کہ میری تحریر میں بہ اتباع بانی سلسلہ بعض وقت لفظ ''نبی'' مجاز اور استعارہ کے رنگ میں یا اپنے لغوی معنے میں یعنی پیشگوئی کرنے والے کے معنے میں استعمال ہوا اور یہ بات نہ بانی سلسلہ سے خاص ہے نہ مجھ سے۔ بلکہ کئی اولیاء اللہ کے کلام میں یہ استعمال پایا جاتا ہے۔ جس کی مشہور مثال مولانا رومؒ کا یہ قول ہے ''او نبی وقت خویش است اے مرید''۔ لیکن اس سے بڑھ کر جو امر قابل افسوس ہے کہ وہ یہ ہے کہ حالانکہ میں کئی بار وضاحت کر چکا ہوں مگر قادیانی علماء میرے اس جواب کا اپنی تحریروں میں اشارہ تک نہیں کرتے۔ اب میں ذیل کی تین باتوں کی طرف جملہ طالبان حق کو (اور میں قادیانی جماعت کے افراد سے بھی مایوس نہیں کہ ان میں بھی طالبان حق ہیں) توجہ دلاتا ہوں:

اول۔ اگر میرے لفظ ''نبی'' کے استعمال سے وہی مراد ہوتی جو آج قادیانی جماعت لیتی ہے تو ظاہر ہے کہ جس طرح وہ بانی سلسلہ پر ایمان نہ لانے والوں کو کافر قرار دیتی ہے، میں نے بھی کبھی ان کو اپنی کسی تحریر میں کافر قرار دیا ہوتا۔ اور میں ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ ان بزرگوں کو یہ چیلنج دے چکا ہوں کہ وہ میری انبار در انبار تحریروں سے اور میرے کسی مضمون سے یہ نکال کر دکھائیں کہ میں نے کبھی غیر احمدیوں کو کافر قرار دیا ہو۔ لیکن وہ آج تک کوئی ایسا حوالہ پیش نہیں کر سکے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک نہ کر سکیں گے۔ یہ جواب کافی تھا۔ مگر میں نے اس کے ساتھ یہ بھی لکھا اور کئی دفعہ لکھ چکا ہوں کہ جس ریویو (رسالہ

ریویو آف ریلیجنز) سے وہ لفظ نبی کے حوالے نکالتے ہیں، وہیں جو اس کے معنے کی تشریح موجود ہے، اس کو کیوں پیش نہیں کرتے؟! بحث مباحثہ میں یہ دیانتداری کے خلاف ہے کہ بعض حوالوں کو ظاہر کیا جائے اور بعض کا اخفاء کیا جائے۔ اور پھر جب میں نے خود ان کو پیش کیا۔ تو پھر بھی بار بار اعتراض کو دوہرایا جاتا ہے۔ لیکن اس کے جواب کا ذکر تک نہیں کیا جاتا۔ میں کئی دفعہ توجہ دلا چکا ہوں کہ میں نے اگر لفظ ''نبی'' استعمال کیا ہے تو اس معنے کی بھی وضاحت کر دی ہے جس معنے میں مَیں نے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ جس ''ریویو'' سے لفظ نبی کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔ اسی ریویو کی ابتدائی جلدوں میں (مگر قادیانی حضرات کی مزعومہ منسوخی کی تاریخ 1901ء کے بہت بعد) یہ لفظ موجود ہیں:

> ''اگر باب نبوت مسدود نہ ہوتا تو ایک محدث اپنے وجود میں قوت اور استعداد نبی ہو جانے کی رکھتا تھا اور اس قوت اور استعداد کے لحاظ سے محدث کا حمل نبی پر جائز ہے۔ یعنی کہہ سکتے ہیں کہ **المحدث نبی**'' (ریویو آف ریلیجنز جلد 3، 1904ء، ص117)

> ''یہی اُمت ہے کہ اگرچہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کی مانند خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہو جاتے ہیں۔ اور اگرچہ رسول نہیں مگر رسولوں کی مانند خدا تعالیٰ کے روشن نشان ان پر ظاہر ہو جاتے ہیں'' (ریویو آف ریلیجنز جلد 3، 1904ء، ص131)

کیا ان دونوں حوالوں سے صاف ظاہر نہیں کہ میں لفظ ''نبی'' اصطلاح شریعت میں نہیں بلکہ لغوی معنے کے لحاظ سے استعمال کر رہا ہوں۔ اور باب نبوت کو مسدود سمجھتا ہوں۔ اس اُمت میں رسولوں اور نبیوں کے آنے کا قائل نہیں۔ بلکہ ان کی مانند یا ان کے مثیل آنے کا قائل ہوں۔ **عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ كَـاَنْبِيَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِيْلَ** یہ تو 1904ء کے حوالے ہیں۔ پھر 1914ء میں جب اشتباہ پیدا ہونے کا موقع دیکھا تو پھر میں نے ریویو میں ایک مضمون پر، جس کا عنوان تھا ''احمد ایز اے پرافٹ'' اور جو میرا لکھا ہوا نہ تھا، یہ نوٹ لکھا:

> ''لفظ پرافٹ (نبی) یہاں اصطلاح شریعت میں استعمال نہیں ہوا۔ کیونکہ اس لحاظ سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ بلکہ اس کو یہاں خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرنے والے کے وسیع معنے میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہی وہ نعمت ہے جس

کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سب سچے مسلمانوں کو دیا ہے **لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** (64:10) اور یہی وہ نعمت ہے جو ایک ممتاز رنگ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو عطا کی گئی۔''

دوم۔ یہ مفہوم کوئی میرا ایجاد کردہ نہ تھا۔ اس وقت قادیانی علماء سب لوگوں کو یہی یقین دلاتے تھے کہ ہم لفظ ''نبی'' اصطلاح شریعت میں استعمال نہیں کرتے بلکہ اس سے صرف پیشگوئی کرنے والے کے لغوی معنے مراد لیتے ہیں۔ اور نبوت کو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم سمجھتے ہیں۔ اور آپ کے بعد نہ نئے نبی کے آنے کے قائل ہیں نہ پرانے کے۔ میں زیادہ حوالے نہیں دیتا۔ قادیان کے دو چوٹی کے علماء کو لیتا ہوں۔

اول مولوی سرور شاہ صاحب جو خلیفہ قادیان کے استاد بھی ہیں اور مفسر قرآن بھی۔ انہوں نے لکھا ہے کہ:

''لفظ نبی کے معنی اپنے مصدروں کے لحاظ سے دو ہیں۔ اول اپنے خدا سے اخبار غیب پانے والا۔ دوم عالی رتبہ شخص۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ بکثرت مکالمہ سے ممتاز کرے اور غیب کی خبروں پر مطلع کرے وہ نبی ہے۔ اس رنگ میں میرے نزدیک تمام مجددین سابق مختلف مدارج کے انبیاء گذرے ہیں'' (اخبار بدر مورخہ 16 فروری 1911ء)

دوسرے بزرگ مفتی محمد صادق صاحب ہیں وہ لکھتے ہیں:

''شبلی نے دریافت کیا کہ ہم لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں میں نے عرض کیا کہ ہمارا عقیدہ اس معاملہ میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبییّن ہیں۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ نہ نیا اور نہ پرانا۔ ہاں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل۔ آپ سے فیضیاب ہو کر اس اُمت میں ایسے آدمی ہوتے رہے جن کو الہام الٰہی سے مشرف کیا گیا اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے اور الہام الٰہی کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ

نے بہت سی آئندہ کی خبریں بطور پیشگوئی کے بتلائی تھیں جو پوری ہوتی رہیں۔ اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں''(بدر جلد 9 نمبر 52,51)

یہ دونوں بزرگ ابھی زندہ ہیں۔ کوئی ان سے کیوں نہیں پوچھتا کہ کیا آپ لوگ اس وقت لوگوں کو دھوکا دیا کرتے تھے جو اپنا عقیدہ اس معاملہ میں دیگر مسلمانوں کی طرح بتاتے تھے؟ اوروں کو چھوڑیئے۔ خود خلیفہ قادیان جو کچھ اس وقت کہتے تھے۔ وہ بھی دیکھ لیں:

''آنحضرت صلعم کے دعوٰی کے بعد تیرہ سو برس گذر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوت کا دعوٰی کر کے کامیابی حاصل نہیں کی...... آپؐ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ کیوں بند ہو گیا...... اس سے بڑھ کر کیا نشان ہو سکتا ہے کہ آپ کے بعد کوئی شخص جو مدعی نبوت ہوا ہو کامیاب نہیں ہوا۔ پس اس طرف اشارہ تھا کہ **كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا** (40:33) یعنی ہم نے آپؐ کو خاتم النبیّن بنایا اور ہم جانتے ہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور کوئی جھوٹا آدمی بھی ایسا دعوٰی نہیں کرے گا کہ ہم اس کو ہلاک نہ کر دیں۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی پیشگوئی ہے کہ اس کا رد کسی سے ممکن نہیں۔ اگر ہے تو ہمارے سامنے پیش کرو''(تشحیذ الاذہان اپریل 1910ء)

ایسا ہی 14 مارچ 1911ء کے اخبار الحکم میں موجودہ خلیفہ قادیان (میاں محمود احمد) کا مضمون بعنوان خاتم النبیّن چھپا ہے جس میں یہ لفظ موجود ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیّن کے مرتبہ پر قائم کر کے آپ پر ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ کر دیا۔''

اب جائے غور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ بھی تسلیم ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت کا نہ ہونا بھی تسلیم ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی جھوٹا مدعی ہو، جسے ہلاک کر دیا گیا۔ اور اب کہا جاتا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ مدعی نبوت تھے۔ یہ تھا قادیانی خلیفہ صاحب اور قادیانی علماء کا سابقہ مذہب! کہ لفظ نبی کے استعمال کو وہ مجاز اور استعارہ قرار دیتے

تھے۔لغوی معنے میں اس کا استعمال بتاتے تھے۔اور اصطلاح شریعت میں استعمال کرنے سے انکار کرتے تھے۔اور ہر قسم کی نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم یقین کرتے تھے۔اور آپ کے بعد نہ نئے نبی کے آنے کے قائل تھے نہ پرانے کے!

سوم۔سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ دیکھنا تو یہ چاہئے کہ خود بانی سلسلہ کا اپنے متعلق کیا عقیدہ تھا۔اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ آپ نے لفظ ''نبی'' کسی رنگ میں استعمال کیا اور اسی پر کفر کے فتوٰی کی بنیاد تھی جو 1891ء میں آپ پر لگایا گیا۔مگر غور طلب یہ ہے کہ جب یہ بات آپ کی طرف منسوب کی گئی کہ آپ کا دعوٰی نبوت کا ہے تو آپ نے کیا جواب دیا:

> ☆''نبوت کا دعوٰی نہیں بلکہ محدث کا دعوٰی ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے......اس کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے......تو کیا اس سے نبوت کا دعوٰی لازم آ گیا''(ازالہ اوہام صفحہ 421و422)
>
> ''اور ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعوٰی کرتا ہے''(حمامۃ البشرٰی ص8)
>
> ''ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں''(مجموعہ اشتہارات ص224)
>
> ''کیا ایسا بدبخت مفتری، جو خود رسالت اور نبوت کا دعوٰی کرتا ہے،قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص، جو قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہے اور آیت وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (40:33) کو خدا کا کلام یقین کرتا ہے، وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا۔لیکن بعض اوقات خدا تعالیٰ کے الہامات میں ایسے الفاظ استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے بعض اولیاء کی نسبت استعمال ہو جاتے ہیں اور وہ حقیقت پر محمول نہیں ہوتے۔سارا جھگڑا یہ ہے جس کو نادان متعصب اور طرف کھینچ

کر لے گئے ہیں۔ آنے والے مسیح موعود کا نام جو صحیح مسلم وغیرہ میں زبان مقدس حضرت نبویؐ سے نبی اللہ نکلا ہے وہ انہی مجازی معنوں کے رو سے ہے جو صوفیائے کرام کی کتابوں میں مسلم اور ایک معمولی محاورہ مکالمات الٰہیہ کا ہے۔ ورنہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کیسا؟'' (انجام آتھم حاشیہ ص 27و28)

اب سے سے بڑھ کر صفائی اور کیا ہو سکتی ہے! یہ لفظ استعارہ اور مجاز ہیں۔ حقیقت پر محمول نہیں۔ نادان متعصب اسے حقیقت بنا کر جھوٹا الزام آپ پر تراش رہے ہیں۔ قادیانی علماء کے لئے یہ مقام غور ہے کہ نادان متعصب اس وقت کون ہیں! اور ''بد بخت مفتری'' وہ کس کو بنا رہے ہیں۔ اور ایسے ایک دو نہیں سینکڑوں بیانات ہیں۔ یہ اتنا نہیں سوچتے کہ یہ الفاظ ان لوگوں کے مقابل پر لکھے گئے ہیں جنہوں نے آپ کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کیا تھا۔ پھر 1901ء سے پہلے کی تحریروں کی منسوخی کا ایک ڈھکوسلا نکالا ہے۔ بانی سلسلہ نے کہیں نہیں لکھا اور نہ 1914ء تک کسی احمدی کے وہم وگمان میں یہ بات تھی کہ بانی سلسلہ کی 1901ء سے پہلے کی تحریریں منسوخ ہیں۔ جب تک کہ خلیفہ قادیان نے مسلمانوں کی تکفیر کے شوق میں یہ ایجاد نہیں کی۔ اگر تھی تو اب بھی قسم کھا کر کوئی احمدی کہہ دے کہ خلیفہ قادیان کے ایسا لکھنے سے پہلے اسے یہ علم تھا کہ 1901ء میں بانی سلسلہ کے دعوٰی میں تبدیلی ہوگئی تھی اور پہلی تحریریں منسوخ ہوگئی تھیں۔ اور اس ڈھکوسلا کا تو یہی جواب کافی ہے کہ 1901ء کے بعد جنوری 1903ء میں اپنی کتاب ''مواہب الرحمٰن'' میں بانی سلسلہ صفحہ 66 و 67 پر ''اند کے ذکر در بارہ عقائد ما'' کے عنوان کے نیچے لکھتے ہیں:

''وخدارا مکالمات ومخاطبات است باولیائے خود دریں امت وایشاں را رنگ انبیاء دادہ میشود ودر حقیقت انبیاء نیستند زیرا کہ قرآن حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است۔''

اس ظلم کی کوئی انتہاء ہے! کہ ایسی صاف تحریروں کے باوجود آج بانی سلسلہ کو فی الحقیقت نبی بنایا جاتا ہے۔ احمدیت کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں کہ اپنے وہ کام کر رہے ہیں جس کی غیروں سے شکایت تھی! خاکسار محمد علی۔ پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

3 مئی 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں بشیر احمد صاحب ایم۔اے برادر خورد خلیفہ قادیان کا فیصلہ بحیثیت ثالث

میاں بشیر احمد ایم۔اے نے 226 صفحات کی ایک کتاب بنام ''مسئلہ جنازہ کی حقیقت'' میرے اس ٹریکٹ کے جواب میں لکھی ہے۔ جس میں مَیں نے جماعت قادیان کے ایک ایک فرد کو ثالث بننے کی دعوت دی تھی کہ کیا جماعت قادیان کا مسلک خلاف مسلک حضرت مسیح موعود نہیں؟ جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ 2 پر مصنف نے تسلیم کیا ہے۔ میں نے اس دعوت میں ذیل کے دو مطالبات پر کسی قادیانی خورد یا بزرگ کا دوحرفہ فیصلہ مانگا تھا۔

اول کیا حضرت مسیح موعود کے جو فتاوی غیر احمدی کے جنازہ کے جواز کے متعلق میں پیش کر رہا ہوں۔ وہ فی الحقیقت آپ کے ہیں یا نہیں۔

دوم کیا حضرت مسیح موعود کا کوئی فتوٰی ان کے خلاف ایسا بھی ہے جس میں آپ نے غیر احمدی کے جنازہ کو قطعی ناجائز قرار دیا ہو۔ کتاب میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ واقعی وہ فتاوی حضرت مسیح موعود کے ہی ہیں۔ اور ان کے خلاف کوئی فتوٰی پیش کرنے کی بجائے حضرت مسیح موعود کے تین اور فتاوی انہی کی تائید میں پیش کئے گئے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:

☆ ''اگر میت مجوب الاحوال ہو اور جہری دشمن نہ ہو۔ اس نے کبھی اعلانیہ تکفیر و تکذیب نہ کی ہو تو کچھ ڈر نہیں۔ اس کا جنازہ اگر پڑھ لیا جائے۔'' (الحکم 17 جنوری 1902ء)

☆ ''اگر متوفی بالجہر مکفر اور مکذب نہ ہو۔ تو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں ہرج نہیں'' (بدر 24 اپریل 1903ء)

☆ ''ایک صاحب نے پوچھا کہ ہمارے گاؤں میں طاعون ہے اور اکثر مخالف مکذب مرتے ہیں ان کا جنازہ پڑھا جائے کہ نہ۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ یہ فرض کفایہ ہے اگر کنبہ میں سے ایک آدمی بھی چلا جائے تو ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں ایک تو طاعون زدہ ہے کہ جس کے پاس جانے سے خدا روکتا ہے۔ دوسرے وہ مخالف

ہے۔ خواہ مخواہ تداخل جائز نہیں‘‘ (بدر 15 مئی 1903ء)

1۔ حضرت صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط، جس کے متعلق میاں محمود احمد صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ غیر احمدی کے جنازہ کے جواز کے متعلق ہے (انوار خلافت ص 91 الفضل 23 مارچ 1940ء)

2۔ ’’اگر اس سلسلہ کا مخالف تھا اور ہمیں بُرا کہتا تھا اور بُرا سمجھتا تھا تو اس کا جنازہ نہ پڑھو اور اگر خاموش تھا اور درمیانی حالت میں تھا تو اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے‘‘ (فتاویٰ احمدیہ ص 118)

3۔ جو مخالف بُرا نہ بولتا ہو اس کا جنازہ جائز ہے (ردتکفیر ص 62)

4۔ ’’معمولی رنگ میں رہنے والے بےشر غیر احمدی رشتہ دار کا جنازہ پڑھ لیں گے‘‘ (بدر 13 مئی 1909ء)

پس اب چار کی بجائے سات فتوے غیر احمدی کے جنازہ کے جواز کے ہو گئے۔ یہ ہے میاں بشیر احمد صاحب کا فیصلہ بحیثیت ثالث کہ چار نہیں سات فتوے ایسے ہیں جن میں غیر احمدی کا جنازہ جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور ایک بھی فتویٰ ایسا نہیں جس میں خلیفہ قادیان کی طرح غیر احمدی کے جنازہ کو قطعی ناجائز قرار دیا گیا ہو۔

دوم میاں بشیر احمد صاحب نے اپنی کتاب کو اس قدر طول یہ ثابت کرنے کے لئے دیا ہے کہ ان فتوؤں میں ’’غیر احمدی‘‘ مخالف ’’جو بُرا نہ بولتا ہو‘‘، ’’خاموشی اور درمیانی حالت میں‘‘، ’’جہری دشمن نہ ہو‘‘، ’’اعلانیہ کبھی تکفیر یا تکذیب نہ کی ہو‘‘، ’’بالجہر مکفر اور مکذب نہ ہو‘‘ ان سب سے مراد صرف ’’مصدقین احمدیت‘‘ ہیں۔ ’’جو احمدیوں کے اندر احمدیوں کی طرح ملے جلے رہتے ہوں‘‘۔ بالفاظ دیگر صرف احمدیوں کا جنازہ جائز ہے۔ بہت خوب! ’’غیر احمدی‘‘ بھی مراد ’’احمدی‘‘ ہے۔ ’’مخالف احمدیت جو بُرا نہ بولتا ہو‘‘ اس سے مراد بھی احمدی ہے۔ جو ’’جہری دشمن نہیں‘‘ وہ بھی احمدی ہے۔ جو ’’اعلانیہ تکفیر اور تکذیب نہ کرے‘‘ وہ بھی احمدی ہے۔ شکر ہے کہ بزرگان قادیان نے اگر اسلام کا دائرہ تنگ کر دیا تھا اور چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر بنا دیا تھا تو احمدی کا دائرہ اس قدر وسیع کر دیا ہے کہ سوائے چند افراد کے، جو اعلانیہ تکفیر و تکذیب کریں، باقی سب احمدی بن گئے۔ لیکن اب مشکل یہ پڑتی ہے کہ جن حوالہ جات سے میاں بشیر احمد صاحب نے یہ استدلال کیا ہے کہ ان کے دوست غیر احمدی کا جنازہ جائز قرار نہیں پاتا، صرف

احمدی کا جنازہ جائزٹھہرتا ہے۔انہی حوالہ جات سے خودخلیفہ قادیان نے اوران کی ساری جماعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ ان سے غیر احمدی کے جنازہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔خلیفہ قادیان سالانہ جلسہ پر ساری جماعت کوخطاب کر کےفرماتے ہیں:

''پھرایک سوال غیراحمدی کے جنازہ کے جواز کے متعلق کیا جاتا ہے۔اس میں ایک یہ مشکل پیش کی جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعود نے بعض صورتوں میں جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔اس میں شک نہیں کہ بعض حوالے ایسے ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہےاورایک خط بھی ملا ہے جس پرغور کی جائے گی۔''(انوارخلافت ص91)

اب خلیفہ قادیان کے الفاظ کوایک طرف رکھیں۔بعض حوالے ایسے ہیں جن سے غیراحمدی کے جنازہ کا جوازمعلوم ہوتا ہےاور میاں بشیراحمد صاحب کے الفاظ کو دوسری طرف رکھئے کہ ان تمام حوالوں سےصرف احمدی کے جنازہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔تو صاف نظرآئے گا کہ یہ معنے ایجاد کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اورکوئی مفرنظر نہ آتا تھا۔اس لئے میاں بشیراحمد صاحب کے معنوں کے خلاف میں خودخلیفہ صاحب قادیان کوگواہ کےطور پربھی پیش کرتا ہوں اوراگر وہ پسندکریں تو ثالث کے طور پربھی کہ آیا حضرت صاحب کے حوالوں کے وہ معنی صحیح ہیں جو میں کرتا ہوں اوراُنہوں نے خود کئے بھی ہیں یا وہ معنے جو جناب میاں بشیراحمد صاحب نے ایجاد کئے ہیں!

سوم۔میاں بشیراحمد صاحب نے ذرا بھی غور سے کام لیا ہوتا تو بات صاف تھی۔حضرت صاحب پرسوال صرف اس قدر ہوا تھا کہ جوآدمی سلسلہ میں شامل نہیں اس کا جنازہ جائز ہے یانہیں۔اور آپ نے جواب میں سلسلہ میں شامل ہونے والوں یعنی غیراحمدیوں کودوحصوں میں تقسیم کیا۔

1۔''اس سلسلہ کا مخالف تھااورہمیں بُرا کہتا تھااور براسمجھتا تھاتواس کا جنازہ نہ پڑھو''

2۔''اگرخاموش تھااوردرمیانی حالت میں تھاتواس کاجنازہ پڑھ لیناجائز ہے''

اسی طرح کےالفاظ ہرفتوٰی میں ہیں۔مخالف مکذب ہوتو جنازہ نہ پڑھو۔''مخالف ہو۔بُرا نہ کہتا ہو''تو جنازہ پڑھ لو۔اعلانیہ تکفیروتکذیب کرتا ہوتو جنازہ نہ پڑھو۔کچھ تصدیق کی بو ہو(''تصدیق کی بو''۔اورخاموشی دونوں ایک چیزیں ہیں)جہری مکذب نہ ہوتو جنازہ پڑھ لو۔جناب میاں صاحب کواتنا

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ تفریق ''اعلانیہ تکفیر و تکذیب کرنے والوں'' اور ''خاموش'' یا ''بُرا بولنے والوں'' میں ہے، وہ نادانی کا خیال قرار دیتے ہیں، ''مضحکہ خیز'' کہتے ہیں، ''طفلانہ خیال'' کہتے ہیں خود حضرت مسیح موعود کی تجویز کردہ ہے۔ خدا کے خوف کے لئے میاں صاحب نے اپنی کتاب میں بار بار دعائیں کی ہیں۔ مگر وہ تنہائی کی گھڑی میں بھی یہ دعا کریں تو ان کی گردن حضرت مسیح موعود کے فیصلہ کے سامنے جھک جائے۔

بات صاف ہے۔ تکذیب کے معنے ہیں دوسرے کو جھوٹا کہنا۔ تصدیق کے معنی ہیں دوسرے کو سچا کہنا۔ ان دونوں کے درمیان ایک حالت ہے۔ جس میں آدمی نہ تکذیب کرتا ہے نہ تصدیق کرتا ہے بلکہ خاموش رہتا ہے۔ میاں صاحب مجھے جھٹلانے میں جلدی کریں گے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی سر جھکا دیں کہ آپؐ نے اہل کتاب کے ذکر پر فرمایا **لَاتُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَاتُكَذِّبُوْهُمْ** نہ اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو نہ تکذیب کرو۔ یہی خاموش اور درمیانی حالت ہے۔ جیسا کہ حضرت صاحب نے خود بھی تسلیم فرمایا ہے۔ جہاں پہلے مکذبین کا ذکر کیا پھر ماننے والوں کا اور پھر ان دونوں کے درمیان ایک گروہ کا اور اسی کو بڑا گروہ قرار دیا۔

۞۞۞

3 مئی 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

مسئلہ جنازہ کی حقیقت

مسئلہ جنازہ سے قادیانی اصحاب کو بہت تکلیف پہنچتی ہے۔ اور جس طرح ڈوبنے والا ہر تنکے کو ہاتھ ڈالتا ہے کہ شاید اس کے سہارے سے بچ جائے۔ وہی حالت اصحاب قادیان کی ہے۔ پیروں کے پیرے خود بنا کر دیدہ دلیری سے اخبار میں چھاپے گئے جن کے نیچے حوالہ تھا۔ ریویو آف ریلیجنز جلد فلاں نمبر فلاں۔ حالانکہ یہ ساری عبارتیں خود ساختہ ہیں۔ اور جب یہاں دفتر سے اخبار الفضل کو لکھا گیا کہ وہ اس کا پتہ بتائیں یا اصلاح کریں۔ اور میں نے بھی خطبہ جمعہ میں توجہ دلائی تو اخبار میں ایک پرانا رٹا ہوا فقرہ دوہرایا گیا کہ میں نے غیظ وغضب کا اظہار کیا ہے۔ بلا وجہ کسی کو گوبھی اور شلجم کے سڑے ہوئے چھلکے کہنا یا جہنم کی چلتی پھرتی آگ بتانا تو قادیانی اصطلاح میں رحمت اور محبت ہے۔ بشرطیکہ کہنے والے خلیفہ قادیان ہوں۔ لیکن کسی افتراء کی طرف توجہ دلانا، کہ یا اس کا ثبوت دو یا تردید کرو، یہ غیظ وغضب کا اظہار ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ الفاظ تو اس سے پہلے بھی میری طرف منسوب کر کے لکھے گئے تھے۔ یعنی جموں سے کسی اشتہار میں۔ گویا جھوٹ اگر دو دفعہ بولا جائے تو وہ سچ ہو جاتا ہے۔ کیسے کیسے عجیب گُر اس قوم کو سکھا دیئے گئے ہیں۔ باطل بھی حق بن سکتا ہے بشرطیکہ اسے بار بار دوہراتے رہو۔ مسئلہ نبوت اور تکفیر میں بھی اس گُر نے کام دیا ہے۔ کہتے چلے جاؤ کچھ نہ کچھ بن ہی جائے گا!

پھر کبھی کہا جاتا ہے کہ میں نے پہلے مسئلہ نبوت پر 1917ء میں چیلنج دیا تھا۔ پھر مسئلہ تکفیر پر چیلنج دیا۔ اور اب مسئلہ جنازہ پر چیلنج دے رہا ہوں۔ گویا مجھے کسی بات پر ثبات نہیں۔ یہ بھی عجیب منطق ہے۔ میں نے پہلے مسئلہ نبوت پر چیلنج دیا تو خلیفہ صاحب قادیان نے گریز کی راہ اختیار کی اور مباحثہ کے لئے نہ نکلے۔ کیا میں ان کا ہاتھ پکڑا تھا کہ وہ اس چیلنج کو قبول نہ کریں! پھر مسئلہ تکفیر اور نبوت پر بحث کے لئے چیلنج دیتے دیتے مجھے کئی سال گذر گئے تو خلیفہ صاحب اس پر بھی خاموش رہے اور بحث کے لئے نہ نکلے۔ بالآخر میں نے ایک نہایت موٹی بات پیش کی۔ جس میں کسی علمی موشگافی کی

ضرورت نہ تھی۔یعنی غیر احمدی کسے جانزہ۔کا جواز جس کے جواز پر حضرت مسیح موعود کے سات فتوے ہیں اور عدم جواز پر ایک بھی نہیں۔اور اسی عدم جواز پر قادیانی عقائد کی عمارت بنی ہوئی ہے۔تو وہاں بھی خلیفہ صاحب نے وہی گریز کی راہ اختیار کی۔میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا میرے قدم کو ثابت نہیں یا خلیفہ صاحب کی ہر مسئلہ میں گریز کرنے کی عادت ہوگئی ہے۔خدا شاہد ہے کہ میں ان کی شکست کے لئے ،انہیں نیچا دکھانے کے لئے یہ کام نہیں کرتا ،صرف حضرت مسیح موعود کے دامن کو غلط الزامات سے پاک کرنے کے لئے اور خلیفہ صاحب قادیان اور ان کی جماعت کی اصلاح کے لئے یہ سب کچھ کرتا ہوں تا کہ وہ اسلام میں فتنہ پیدا نہ کریں۔کیونکہ اس سے بڑھ کر کیا فتنہ ہوگا کہ اب کوئی کافر کلمہ کے اقرار سے اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا۔اس مختصر سوال کا دوحرفہ جواب قادیانی علماء نہیں دیتے کہ کیا ان کے نزدیک آج روئے زمین پر کوئی کافر لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار سے اسلام میں داخل ہوسکتا ہے؟ اس سیدھے سوال کے جواب سے گریز کے لئے ساری قادیانی منطق صرف ہورہی ہے۔لیکن ایک اتنی سی بات نہیں کہیں گے کہ ہوسکتا ہے یا نہ۔کیونکہ دونوں صورتوں میں قادیانی عقائد کی موت ہے۔''ہاں'' کہنے سے اس لئے کہ پھر حضرت مرزا صاحب مومن بہ نبی نہ ہوئے اور قادیان کی ساری عمارت دھڑام سے گرگئی۔اور''نہ'' کہنے سے اس لئے کہ پھر انہیں یہ ماننا پڑے گا کہ کلمہ منسوخ ہوگیا اور دین بدل گیا۔اور اسی پول کے کھلنے سے ان کا اندرونہ ظاہر ہوجاتا ہے اور اس کا ظاہر ہونا بھی انہیں موت کی طرح نظر آتا ہے!

''مسئلہ جنازہ کی حقیقت'' باوجود سوا دوسو صفحات پر ممتد ہونے کے قادیانی عقائد کے حق میں ایک ہی لفظ''موت'' کا حکم رکھتا ہے۔اس لئے کہ ستائیس سال تک خلیفہ قادیان یہ کہتے رہے کہ ان حوالوں سے غیر احمدی کے جنازہ کا جواز نکلتا ہے۔مگر مرزا بشیر احمد صاحب نے دوسو پچیس صفحات لکھ کر بزعم خود یہ ثابت کر دیا کہ ان حوالوں سے غیر احمدی کے جنازہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں رہنماؤں کے اقوال میں سے سچا کس کو کہا جائے! اس کو جو یہ کہتا ہے کہ ان حوالوں سے غیر احمدی کے جنازہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔یا اس کو جو کہتا ہے کہ جواز ثابت نہیں ہوتا! ہاں! خیال آ گیا۔شاید یہ کہا جائے کہ ان دونوں رہنماؤں کو عصمت کبریٰ کا مقام حاصل ہے! جب

1915ء سے 1940ء تک بڑے میاں صاحب یہ کہتے رہے کہ حضرت مسیح موعود کے ان حوالوں سے جو ہم پیش کرتے ہیں غیر احمدی کے جنازہ کا جواز ثابت ہوتا ہے تو اس وقت وہی بات درست تھی۔ اور اب جب 1941ء میں چھوٹے میاں صاحب نے یہ لکھ دیا کہ ان سے جواز ثابت نہیں ہوتا تو اب یہی درست ہے۔ یا یہ بھی درست ہے اور وہ بھی درست ہے۔ اور جواز اور عدم جواز کے ایک ہی معنے ہیں! جس لغت میں ظل کے معنے اصل، اور مجاز کے معنے حقیقت، غیر احمدی کے معنے احمدی، مخالف کے معنے مصدق ہو سکتے ہیں، اس میں جائز کے معنی ناجائز اور ناجائز کے معنی جائز کر لینا کون سا مشکل کام ہے!

مگر غور فرمایئے کہ حضرت مسیح موعود کی پوزیشن کیا ہے۔ آپ کی زندگی میں سات دفعہ آپ پر یہ سوال ہوا کہ غیر احمدی کا جنازہ پڑھا جائے یا نہ۔ تو ساتوں دفعہ یہ جواب دیا کہ غیر احمدی تکفیر و تکذیب کرتا ہو۔ مخالف ہو، اور گالیاں دیتا ہو تو جنازہ نہ پڑھو اور جو غیر احمدی خاموش اور درمیانی حالت میں ہو، مخالف ہو مگر بُرا نہ بولتا ہو، اس کا جنازہ پڑھ لو۔ مگر اب اس کی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ خاموش اور درمیانی حالت والے غیر احمدی سے مراد آپ کی احمدی تھی یا ایسا شخص جو ہر طرح احمدی ہو چکا ہو۔ مگر بیعت اس نے نہ کی ہو۔ گویا حضرت صاحب کہنا تو یہی چاہتے تھے کہ غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھو۔ مگر لفظ ایسے استعمال کئے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ پڑھ لو۔ سبحان اللہ! کیا بلند مقام ہے! گویا نعوذ باللہ آپ اپنے مریدوں کو دھوکا دیتے تھے۔ یہ قادیان کا علم کلام ہے۔ لیکن اب صرف ایک سوال رہ جاتا ہے۔ کہ جو شخص لفظ کچھ بولے اور مطلب ان لفظوں کے بالکل خلاف ہو اس کو منافق کہا جائے گا یا کچھ اور؟

اب ایک اور سلسلہ شروع ہوا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں غیر احمدیوں کے جنازے پڑھے ہی نہ جاتے تھے۔ اس قسم کی دو شہادتیں الفضل میں شائع ہو چکی ہیں۔ اور ایک ایسی بے باکی سے، جس کی نظیر دینداروں میں کیا دنیا داروں میں بھی نہیں ملتی۔ ''الفضل'' میں سرخیاں باندھی جاتی ہیں۔ جن کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کے زمانے میں غیر احمدی کے جنازے نہ پڑھے جاتے تھے۔ کھلے واقعات کا یہ انکار خدا کی شان ہے اس اخبار میں نکل رہا ہے جس کو تقوٰی کی تعلیم دینے کا دعوٰی ہے۔ تعجب ہے کہ جماعت قادیان کے کوئی بزرگ لب کشائی نہیں کرتے۔ اور اس کذب صریح کی تردید نہیں

کرتے۔ اب ان شہادتوں کو لیجئے۔ پہلی شہادت کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

> ''مستری میاں سوندھی خاں صاحب، جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معتقد تھے، اُنہوں نے غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنی ترک کر دی تھی۔ بیعت کے متعلق وہ کہتے تھے کہ میں قادیان جا کر حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ اتفاقیہ طور پر بیمار ہو گئے اور تین یوم بیمار رہ کر فوت ہو گئے۔ ان کے پسر مستری میاں الہ دیا صاحب نے، جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت قادیان پہنچ چکے تھے۔ بخدمت خلیفہ محمد اکرم صاحب جو اس وقت جماعت احمدیہ سامانہ کے رکن تھے۔ حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے والد میاں سوندھی خاں صاحب قادیان نہیں جا سکے۔ دل سے احمدی ہو چکے تھے۔ اس پر خلیفہ محمد اکرم صاحب نے یہ فرمایا کہ بیعت کر لینے کی جو شرط ہے۔ وہ چونکہ پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا۔ خود مستری میاں الہ دیا صاحب نے بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی'' (الفضل 27 اپریل 1941ء)

دوسری شہادت میں یہ ذکر ہے کہ جماعت کے لوگوں نے فلاں موقعہ پر غیر احمدی کا جنازہ پڑھا تو میں نے نہیں پڑھا۔ یا فلاں موقعہ پر جنازہ پڑھنا چاہا تو میں نے روکا اور آخری موقعہ حسب ذیل ہے:

> ''میری ہمشیرہ جو شادی شدہ تھی 1910ء میں فوت ہوئی۔ اگرچہ وہ مصدقہ تھی۔ ہرگز مخالف نہ تھی۔ تاہم چونکہ اس نے بیعت نہ کی ہوئی تھی۔ میں نے اس کا جنازہ نہ پڑھا۔''

اب یہ شہادتیں بتاتی ہیں کہ ان دونوں گواہوں نے ''مصدق احمدیت'' کا جنازہ بھی نہیں پڑھا۔ حالانکہ میاں بشیر احمد صاحب نے اپنی کتاب ''مسئلہ جنازہ کی حقیقت'' میں یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت صاحب کے فتاوی کے مطابق ''مصدقین احمدیت'' کا جنازہ جائز ہے۔ مدعی سُست گواہ چست کی مثل شاید ہی کبھی ایسی پر معنی ثابت ہوئی ہو۔ یعنی ضرورت تو تھی یہ ثابت کرنے کی کہ مصدقین کے جنازے پڑھے جاتے تھے مگر گواہ کہہ رہے ہیں کہ مصدقین کے جنازے بھی نہ پڑھے

جاتے تھے۔ اب ان گواہوں کو سچا ثابت کرنے کے لئے یہ ضرورت ہوگی کہ کوئی اور بزرگ قادیان سے اُٹھیں اور پانچ سو صفحات کی کتاب لکھ کر یہ ثابت کریں کہ حضرت مسیح موعود کے فتاوٰی کا یہ منشاء تھا کہ مصدقین کا جنازہ بھی نہ پڑھا جائے۔ یہ تین درجے ہوگئے۔ بڑے میاں صاحب کے نزدیک ان حوالوں سے غیر احمدیوں کے جنازہ کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ چھوٹے میاں صاحب کے نزدیک غیر احمدیوں کے جنازہ کا جواز نہیں بلکہ مصدقین کے جنازہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور اب ایک تیسرے صاحب کی ضرورت ہے جو یہ ثابت کریں کہ ان حوالوں میں مصدقین کے جنازہ کو بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اُمید ہے اخبار الفضل کو یہ سمجھ آجائے گی کہ وہ آئندہ اس قسم کے گواہوں کی بجائے مناسب حال گواہیاں شائع کیا کریں گے۔ آج کل کا قانون ہی ایسا خراب ہے کہ وکیلوں کو گواہ سے اپنے حسب منشاء کہلانا پڑتا ہے۔

لیکن میں ان دو بزرگوں سے پوچھتا ہوں کہ یہ جو اُنہوں نے اپنا کارنامہ بیان کیا ہے کہ اُنہوں نے مصدق کا جنازہ بھی نہیں پڑھا کیا اس کی غرض یہی ثابت کرنا ہے کہ حضرت مسیح موعود کچھ کہیں ہم اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ چلیئے تنزل کے طور پر یہی مان لیجئے کہ حضرت صاحب نے سات دفعہ فرمایا کہ مصدقین کے جنازے پڑھ لیا کرو۔ تو یہ سرکاری گواہ کس کے مذہب کی پیروی کرتے تھے کہ بڑے فخر سے لکھ رہے ہیں کہ ہم مصدقین کے جنازے بھی نہ پڑھتے تھے۔ کیا دوسرے الفاظ میں وہ یہ نہیں کہہ رہے کہ مسیح موعود کو کیا سمجھ تھی ہم ان سے بہتر سمجھتے تھے! اس لئے وہ سو دفعہ کہیں کہ مصدقین کے جنازے پڑھ لیا کرو۔ ہم کبھی نہ پڑھتے تھے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ پہلے حضرت مسیح موعود کی کوئی سند پیش کرتے کہ جب تک کوئی شخص ہماری بیعت میں داخل نہ ہو اس کا جنازہ نہ پڑھو۔ اور پھر یہ گواہی پیش کرتے کہ ہم اس پر عامل تھے۔ یہ درحقیقت جماعت قادیان کی ذہنیت ہوچکی ہے کہ ان کو حضرت مسیح موعود کے احکام کی کوئی پروا نہیں۔ وہ اپنی ہوا و ہوس کی اتباع کرتے ہیں۔ نہ خدا کے مامور کی!

میں نے تو یہ سوال نہ کیا تھا کہ جماعت میں کوئی ایسے لوگ بھی تھے جو حضرت مسیح موعود کے جنازے کے فتاوی کو اس وقت بھی پاؤں تلے روندتے تھے۔ میرا سوال یہ تھا کہ کیا جماعت قادیان میں کوئی ایسے پرانے بزرگ ہیں جو یہ حلف اُٹھائیں کہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں آپ کے ان فتاوی

کے ماتحت غیر احمدیوں کے جنازے بڑی بڑی جماعتوں میں نہ پڑھے جاتے تھے۔ جیسے مثلاً لاہور، سیالکوٹ، خود قادیان۔

اگر پچاس ایسے گواہ بھی پیش کر دیئے جائیں جو یہ کہہ دیں کہ ہم باوجود حضرت مسیح موعود کے فتاوی کے کسی غیر احمدی کا جنازہ بھی نہ پڑھتے تھے، ہمارا عمل ان کے صریحاً خلاف تھا، تو اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ یہ پچاس گواہ صرف یہ ثابت کریں گے کہ انہیں حضرت مسیح موعود کے فتاوی اور احکام کی کوئی پروانہ تھی۔ لیکن اگر حضرت مسیح موعود کے ان فتاوی کے ماتحت بڑی بڑی جماعتوں میں غیر احمدیوں کے جنازے پڑھے گئے ہوں۔ حتیٰ کہ میاں چٹو کا جنازہ بھی احمدیہ جماعت لاہور نے پڑھا ہو۔ جو جنازہ کے قائل ہی نہ تھے۔ اور حضرت صاحب کے مصدق بھی نہ تھے۔ تو یقیناً جماعت ان فتاوی کے یہی معنی لیتی تھی جو آج ہم لیتے ہیں۔ اور جو آج تک خلیفہ صاحب قادیان بھی لیتے رہے۔ جنازہ کا مسئلہ قادیانی عقیدہ تکفیر کو ہمیشہ کی نیند سلا چکا ہے۔ قادیانی دوست اسے چاہے آج مان لیں چاہے کل۔

۞۞۞

26 مئی 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

تاریخ اسلام میں انقلاب عظیم

مسیح موعود کے دعوٰی پر پچاس سال

1891ء میں کتاب ''ازالہ اوہام'' کے طبع پر بانی سلسلہ احمدیہ کا یہ دعوٰی، کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہوگئے اور اس آنے والے مسیح کے متعلق جو پیشگوئیاں ہیں ان کے مصداق آپ ہی ہیں، اگر ایک طرف عالم اسلام میں ایک عظیم الشان ہیجان پیدا کرنے کا موجب ہوا تو دوسری طرف تاریخ اسلام میں ایک انقلاب عظیم بھی اس سے پیدا ہو چکا ہے۔ اس دعوٰی پر مخالفت کا طوفان اس قدر بلند ہوا کہ ایک معمولی انسان اس کے اندر کھڑا نہ رہ سکتا تھا۔ چہ جائیکہ جیسا کہ علماء کا خیال ہے۔ ایک مفتری علی اللہ ہو جو دن رات خدا پر جھوٹ بنا کر اس کے بندوں کو گمراہ کر رہا ہو۔ پھر وہ مخالفت کوئی ایسی نہ تھی کہ وہ چار دس سال میں ختم ہوگئی ہو بلکہ آج اس دعوت پر پچاس سال گذر جانے کے بعد بھی اس کا سلسلہ چلا ہی چلتا ہے۔ مسلمانوں، عیسائیوں، آریہ سماجیوں نے مل کر بھی زور لگایا اور علیحدہ علیحدہ بھی زور لگایا کہ وہ اس تحریک کو نیست و نابود کر دیں مگر اللہ تعالٰی نے نہ صرف اسے زندہ رکھا بلکہ اس تحریک کا قدم روز بروز ترقی کی طرف ہی اُٹھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آج پچاس سال بعد گو گنتی کے لحاظ یہ بہت بڑی جماعت نہ ہو مگر اپنے اثر کے لحاظ سے اسلام میں یہ سب سے زبردست تحریک نظر آتی ہے۔ اور کم و بیش دنیا کے ہر ملک تک اس کا اثر پہنچ گیا ہے۔ مسلمان بھائیوں کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ کیا تائید الٰہی کے بغیر یہ ہوسکتا تھا؟!

مسلمان اس گئی گذری حالت میں بھی اللہ تعالٰی کی ہستی اور اس کی قدرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ سوچیں کہ کیا یہ ہوسکتا تھا کہ ایک شخص دن رات خدا پر جھوٹ بولے اور اس ذریعہ سے ہزارہا مخلوق خدا کو گمراہ کر رہا ہو اور دوسری طرف علمائے حق پرست ہوں جو خدا کے دین کی تائید کے لئے کھڑے ہوں اور اپنا پورا زور اس مفتری علی اللہ کو گرانے کے لئے لگا رہے ہوں۔ مگر بایں ان کی ساری جدوجہد اللہ تعالٰی کی راہ میں اکارت جائے اور وہ مفتری علی اللہ خدا کے خلاف جھوٹ بولتا ہوا کامیاب

ہوتا چلا جائے۔ گویا بقول علماءِ حق اور باطل کی ایک زبردست کشتی ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے حق کو ناکام کیا اور باطل کو کامیاب کیا۔ کیا تاریخ مذہب میں اس کی اور بھی کوئی نظیر ہے!

دوم۔ یہ کامیابی یہیں تک محدود نہیں کہ وہ جماعت، جس نے مدعی کا ساتھ دیا، ترقی کرتی چلی گئی ہو۔ بلکہ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ جن عقائد کو مٹانے کے لئے حضرت مرزا صاحب کھڑے ہوئے تھے وہ آج آپ کے سخت ترین مخالفوں کے دِلوں سے بھی مٹ چکے ہیں۔ اور جس حق کو آپ نے پیش کیا تھا اس کا اقرار آج آپ کے سخت ترین مخالفوں کو بھی ہے۔ گویا دل مان چکے ہیں۔ گو زبانوں سے اب تک انکار ہے!

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے، زندہ چوتھے آسمان پر موجود ہیں اور وہ کسی وقت اُتر کر دجال اور یاجوج ماجوج کا مقابلہ کریں گے اور ان کو نیچا دکھا کر اسلام کا بول بالا کریں گے۔ یہ بھی ان کا عقیدہ ہو گیا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے وقت امام مہدی بھی ان سے مل جائیں گے اور دونوں مل کر تلوار کے زور سے اسلام کو دنیا میں پھیلائیں گے۔ دجال کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ ایک کانا انسان ہوگا جس کے ساتھ بہشت اور دوزخ ہوں گے اور جو ساری روئے زمین پر پھر کر لوگوں کو گمراہ کر دے گا اور اس کے ساتھ اس کا عجیب الخلقت گدھا بھی ہوگا۔ اور یاجوج ماجوج بھی عجیب الخلقت قومیں ہوں گی۔ جو معمولی انسانوں کی طرح نہ ہوں گی۔ وہ مسیحؑ کے نزول سے پہلے ساری دنیا پر قابض ہو جائیں گی۔ ان تمام باتوں کے خلاف حضرت مرزا صاحب نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی ہے کہ:

1۔ حضرت عیسیٰؑ زندہ نہیں بلکہ دوسرے انبیاءؑ کی طرح فوت ہو چکے۔

2۔ ان (حضرت عیسیٰؑ) کے نزول سے مراد ان کا دوبارہ دنیا میں آنا نہیں۔ کیونکہ مرنے کے بعد لوگ اس دنیا میں نہیں آتے بلکہ اس سے مراد ایک ایسے مجدد کا ظہور ہے جو حضرت مسیحؑ کی صفات اپنے اندر رکھتا ہوگا۔

3۔ کوئی مہدی ایسا نہیں آسکتا جو تلوار کے زور سے اسلام پھیلائے۔ کیونکہ یہ امر قرآن کریم کے صریح خلاف ہے کہ دین کو دنیا میں بجبر پھیلایا جائے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (256:2)

4۔ دجال سے مراد مسیحی مشنری ہیں۔ جو ایک غلط عقیدہ حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کر کے دنیا میں گمراہی اور ضلالت پھیلا رہے ہیں۔

5۔ یاجوج ماجوج یہی یورپ کی عیسائی اقوام ہیں جو دنیا پر مادی رنگ میں اس قدر غلبہ حاصل کر چکی ہیں کہ ان کے مقابلہ کی طاقت کسی کو نہیں۔ اور اس لئے مسیح ان کا مقابلہ روحانی رنگ میں کرے گا۔ اور بالآخر یہ قومیں آپس میں جنگ کریں گی اور ان کا کچھ حصہ فنا ہو جائے گا اور باقی کی اکثریت اسلام کے آگے سر جھکا دے گی۔

اب غور کا مقام ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ باوجود حضرت مرزا صاحب کی سخت ترین مخالفت کے خود مخالف ان پانچوں باتوں کے قائل ہو چکے ہیں۔ جن کو دنیا میں پھیلانے کے لئے وہ شخص کھڑا ہوا تھا۔ جسے وہ مفتری علی اللہ، کذاب، دجال وغیرہ ناموں سے یاد کرتے ہیں! آج بڑے بڑے علماء اور مخالفین احمدیت اس بات کے علی الاعلان قائل ہیں کہ دجال اور یاجوج ماجوج کی مصداق یہی اقوام یورپ ہیں۔ اور وہ اپنے اخباروں اور تحریروں میں بھی اس کا اقرار کر دیتے ہیں۔ علامہ اقبال نے بھی اسے تسلیم کیا ہے ۔

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

حدیث میں آتا ہے کہ دجال کا فتنہ ایسا زبردست ہوگا کہ باوجود اس کی صریح علامات کے لوگ اسے پہچان نہ سکیں گے۔ یہاں تک کہ ایک شخص یہ آواز بلند کرے گا۔ یٰٓاَیُّھَا لنَّاسُ ھٰذَا الرَّجُلُ الَّـذِیْ ذَکَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اے لوگو! یہ وہ دجال ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ تب لوگ اسے پہچان لیں گے۔ اب اگر برادران اسلام ایک لمحہ کے لئے بھی ٹھنڈے دل سے سوچیں تو کس قدر صاف بات ہے کہ وہ شخص جس نے یہ پتہ بتایا کہ دجال کون ہے اور یہ آواز بلند کی ھٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ ذَکَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی ہیں۔ اور جس کو آپ نے دجال کہا تھا اسے آج ساری اسلامی دنیا حتٰی کہ آپ کے سخت ترین مخالف بھی دجال مان چکے ہیں۔ یہی حال یاجوج ماجوج کے متعلق ہے کہ جو کچھ آپ نے مسلمانوں کے خیالات اور معتقدات کے بالکل خلاف کہا تھا، اسے آج ساری اسلامی

دنیا صحیح تسلیم کرتی ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا سوال ہے۔ اس کی وجہ سے ابتداء میں حضرت مرزا صاحب پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ مگر آج کتنے علماء ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ واقعی قرآن وحدیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ چوتھے آسمان پر اُٹھایا جانا ثابت ہوتا ہے! ہندوستان کے چوٹی کے علماء، مصر کے چوٹی کے علماء، فلسطین کے چوٹی کے علماء سب اسی بات کے قائل ہیں جو حضرت مرزا صاحب نے فرمائی تھی کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے اور جو کچھ لکیر کے فقیر علماء اب تک اس بات کے قائل چلے آتے ہیں ان میں یہ جرأت نہیں کہ اس پر پبلک مباحثہ کر سکیں۔ اسلام کو بہ جبر دنیا میں پھیلانے کے بھی اب اکثر علماء قائل نہیں۔ اسی لئے ایسے مہدی کے ظہور کا عقیدہ، جو تلوار سے اسلام پھیلائے، خود بخود مر رہا ہے۔

پانچویں بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی رہ جاتی ہے۔ لیکن جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا اقرار کرے گا اور اس کا اقرار تمام ممالک کے چوٹی کے علماء کو ہے تو اس کے لئے سوائے اس کے چارہ نہیں کہ وہ یہ تسلیم کرے کہ آنے والا مسیح، جس کی پیشگوئیاں صحیح ترین کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں، کوئی اسی امت کا مجدد ہونا چاہئے۔ جو مسیحی صفات کے ساتھ ظہور کرے یا جو مسیحی قوم کے لئے ہدایت اور روشنی کا سامان لائے۔ پس باوجود اس مخالفت کے، جو حضرت مرزا صاحب کی اب تک ہو رہی ہے، دل آپ کی صداقت کے قائل ہو چکے ہیں اور ان سب باتوں کو مان چکے ہیں جن کی طرف آپ نے توجہ دلائی تھی کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے، دجال اور یاجوج ماجوج یہی یورپ کی اقوام ہیں، اسلام کا بزور شمشیر پھیلانا قرآن کریم کے خلاف ہے۔ تو جائے غور ہے کہ کیا یہ ایک انقلاب عظیم نہیں جو بانی سلسلہ احمدیہ نے پیدا کر کے دکھا دیا کہ مخالفین تک کو وہ بات منوا دی جس پر پہلے ہنسی اور ٹھٹھا کیا جاتا تھا!

سوم اگر عقائد کے رنگ میں حضرت مرزا صاحب نے انقلاب عظیم پیدا کیا ہے تو عملی رنگ میں بھی ایک انقلاب عظیم کی بنیاد رکھی ہے۔ اور وہ ہے مغربی اقوام میں تعلیم اسلام کا پھیلانا اور ان کو نور اسلام سے منور کرنا۔ اسی کو احادیث میں مغرب سے طلوع آفتاب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یعنی اسلام کا روحانی آفتاب مغرب میں چمکے گا۔ اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ تیرہ سو سال تک اسلام کا رُخ

مشرقی اقوام کی طرف زیادہ رہا ہے۔ اور مغربی اقوام کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ یہاں تک کہ ترکی جیسی عظیم الشان سلطنت پانچ سو سال سے یورپ کے قریباً وسط تک پہنچ گئی اور دوسری طرف ہسپانیہ میں بھی ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت صدیوں تک قائم رہی۔ مگر تبلیغ اسلام کی بنیاد مغربی دنیا میں ایک گاؤں کے رہنے والے گوشہ نشین بظاہر بے کس انسان کے ہاتھ سے رکھی گئی۔ اور جونہی آپ کو یہ بتایا گیا کہ آپ اس اُمت کے موعود مسیح ہیں، اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا کہ آپ کا کام بالخصوص مغربی دنیا میں قرآن کریم کا بذریعہ تراجم پہنچانا اور صحیح تعلیم اسلام کا پھیلانا ہے۔ چنانچہ یہ دو باتیں تھیں جن کی طرف آپ نے اسی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں توجہ دلائی۔ جس میں مسیح موعود ہونے کا دعوٰی وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اور اس تحریک کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا اس سے ظاہر ہے کہ باوجود اس شدید مخالفت کے جو آپ کی ہورہی تھی آپ عملی رنگ میں اس میں کامیاب ہوگئے۔ اور آپ کی جماعت کے اس حصہ نے، جو غلو سے محفوظ رہا، آج قرآن شریف کو یورپ کی تین زبانوں میں ترجمہ کرکے ان کے گھروں میں پہنچا دیا ہے۔ سیرت نبویؐ کے ترجمے بھی متعدد یورپین زبانوں میں کردیئے ہیں۔ ایک نہیں تین چار اسلامی مشن یورپ میں قائم کردیئے ہیں۔ یعنی انگلستان، جرمنی، ہالینڈ اور ہسپانیہ کے لئے تیار ہے۔ یہ وہ بات ہے جو آج سے پچاس سال پیشتر مسلمانوں کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی۔ مگر آج ایک سخت ترین مخالف کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ مغربی دنیا میں تبلیغ اسلام کی بنیاد جو کسی سلطنت اسلامی کے حصہ میں بھی نہ آسکی، آج مسیح موعود کے انفاس طیبہ کی بدولت آپ کی جماعت کے ایک حصہ نے ایسی مضبوط رکھی ہے کہ نہ صرف مسلمان مخالف بلکہ خود یورپین وعیسائی مخالف بھی اس بات کے معترف ہیں کہ یہ وہ احمدیت کا کارنامہ ہے جو اسلام کی حدود سے باہر سمجھا جاتا تھا۔ یعنی مسلمانوں کو کبھی اس کا خیال بھی نہ آتا تھا۔ احمدیت نے مغرب میں تبلیغ اسلام کا خیال ہی پیدا نہیں کیا بلکہ اسے عملی جامہ بھی پہنا کر دکھا دیا۔

4۔ تعجب ہوتا ہے کہ اس انقلاب عظیم کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود مسلمان ابھی حالت تذبذب میں ہیں۔ اور قادیانی غلو نے اس تذبذب کی حالت کو اور مستحکم کردیا ہے۔ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ پہلے مسیح کے بعد تو غلو یہاں تک پہنچا کہ ایک نبی کو خدا بنا دیا گیا اور پھر اس خیال کی

مخالفت کرنے والی بھی کوئی مضبوط جماعت ان کے اندر نہ رہی، یہاں تک کہ آج عیسائی دنیا ساری کی ساری ہی اس غلو میں مبتلا ہے۔ مگر اُمت مسلمہ کے مسیح کے بعد جب غلو کر کے ایک مجدد کو نبی بنایا گیا تو آپ کے ہی پیروؤں کی ایک مضبوط جماعت اس غلو کی بیخکنی کے لئے کھڑی ہوگئی اور قادیان کی جماعت کے لیڈر کو یہ جرأت نہیں کہ وہ اپنے عقائد تکفیر اہل قبلہ اور نبی نبوت پر پبلک میں بحث کے لئے باہر میدان میں نکلے اور اپنے مریدوں کو ہی ثالث مان کر اُن کے فیصلہ کے سامنے سر جھکائے جس کی دعوت انہیں بار بار دی گئی ہے۔ مگر اُنہوں نے ایسی چپ سادھ رکھی ہے کہ اس معاملہ پر بولنے کا نام نہیں لیتے!

میاں غلام عباس صاحب کی صحت یابی: (26 مئی 1941ء) میاں غلام عباس صاحب بی۔اے کو قریباً تین ماہ کی طویل بیماری کے بعد، جس میں بڑی بڑی گھبراہٹ کے وقت بھی آئے، اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی اور میاں صاحب موصوف کے غسل صحت کر کے 2 جون کو شملہ تشریف لے جانے کے ارادہ کی اطلاع ابھی مجھے ملی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰالِکَ.

میاں صاحب کی اس طویل بیماری سے صحت یابی درحقیقت ایک نئی زندگی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے یہ دوبارہ زندگی انہیں دوسری مرتبہ عطا فرمائی ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ پہلے بھی وہ ایسی نازک حالت میں سے گزر چکے ہیں کہ ان کی زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تھی۔ میرا اپنا نقطۂ نگاہ یہی ہے کہ یہ دوسری بار نئی زندگی اللہ تعالیٰ نے محض ان کو خدمت دین کے لئے عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مصالح اور حکمتوں کو ہم کیا سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن ان پریشانی کے ایام میں، جب ان کے متعلق نہایت تشویش ناک خبریں آتی تھیں، میری دعا یہی تھی کہ اے خدا ہم پہلے ہی بہت تھوڑے ہیں۔ تو اس نوجوان کو اپنے دین کی خدمت کے لئے نئی زندگی عطا فرما۔ تو نے ایک دفعہ پہلے بھی اسے نئی زندگی عطا فرمائی اور اس وقت صرف تو ہی جانتا تھا کہ وہ تیرے دین کی کیا خدمت کرے گا۔ لیکن اب تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ تیری رضا کے لئے اور تیرے اس دین کی خدمت کے لئے جو اس وقت کس میرسی کی حالت میں ہے کس قدر عزم اور ہمت کا مالک ہے۔ پس تو اپنے دین کی بے کسی کی خاطر اس کی بے کسی پر رحم فرما۔ سو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے رحم فرمایا اور شاید ہم سے بہت زیادہ تڑپ تڑپ کر

دعا کرنے والے خود ان کے والد خان بہادر میاں غلام رسول صاحب تھے، جو ان کی تیمارداری کے لئے جلتی لُو ؤں میں سارا سارا دن ہسپتال کے برآمدہ میں پڑے رہتے تھے۔ ان کے اس زبردست مجاہدہ اور ان کی تڑپتی ہوئی دعاؤں سے ہماری دعاؤں کو کیا نسبت ہے! لیکن میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ میاں غلام عباس صاحب کو اللہ تعالیٰ نے یہ نئی زندگی صرف اسی بلند مقصد کے لئے عطا فرمائی ہے کہ وہ پہلے سے بہت بڑھ کر عزم اور ہمت کے ساتھ خدا کے دین کی خدمت میں مصروف ہو جائیں۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ میں اپنے سب نوجوان دوستوں کو بھی یہی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ خدا کے دین کی بے کسی کی حالت میں اس کا ساتھ دیں تا خدا ان کی مشکلات اور بے کسی میں ان کا ساتھ دے۔ خاکسار محمد علی

سلسلہ کے نوجوان دوست خاص توجہ سے مطالعہ فرمائیں: (17 جون 1941ء) میں چاہتا ہوں کہ جماعت کے نوجوان اپنی اپنی جگہ پر تبلیغ کے کام میں لگ جائیں۔ اس غرض کے لئے اگر وہ اصحاب، جو کہیں ملازم ہیں، تین یا چار ماہ کے لئے رخصت لے کر لاہور آجائیں تو انہیں تبلیغ کے لئے خاص طور پر تیار کر دیا جائے گا۔ یہ انتظام چار ماہ کے لئے یکم ستمبر سے آخر دسمبر تک کر دیا جائے گا۔ اس لئے جن دوستوں کا یہ ارادہ ہو وہ ابھی سے رخصت کا انتظام بھی کریں اور مجھے بھی اطلاع دیں۔ وہ لاہور کے قیام میں انجمن کے مہمان ہوں گے۔ محمد علی

12 جولائی 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

حضرت مسیح موعود بھی پیغامی[1] تھے

جب کبھی میاں محمود احمد صاحب خود اختلافی مسائل پر کچھ فرماتے ہیں، تو مجھے ایک گونہ خوشی ہوتی ہے کہ شاید کوئی فیصلہ کی راہ نکل آئے۔ جس سے ہمارا اختلاف ختم ہو کر دونوں جماعتوں کی قوت اس عظیم الشان کام پر لگ سکے، جس کے لئے حضرت مسیح موعود آئے تھے اور جس کی اس وقت دنیا کو سب سے بڑھ کر ضرورت ہے۔ یعنی اسلام کے پیغام توحید اور اخوت کو دنیا میں پہنچانا۔

جناب میاں صاحب کا ایک خطبہ: 18 جون 1941ء کے ''الفضل'' میں جناب میاں صاحب کا ایک خطبہ چھپا ہے۔ جس کا عنوان ہے ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے متعلق اللہ تعالیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام، خود مولوی محمد علی صاحب کی شہادت''۔ میں اس رفاقت پر جس قدر فخر کروں بے جا نہ ہوگا۔ اس خطبہ کی ابتداء اور انتہاء حسب معمول ''پیغامیوں'' کے متعلق قادیانی خوش کلامی سے ہوتی ہے۔ اور موزوں بھی یہی ہے کہ جس اسلام کے ہم پیرو اور مبلغ کہلاتے ہیں، اس کی تعلیم کا کوئی نمونہ بھی دنیا کو دکھایا جائے۔

سب سے پہلے اپنے اور ''پیغامیوں'' کے اختلاف کا ذکر کر کے (یہ جناب میاں صاحب کی اولوالعزمی ہے کہ باوجود بارہا ان کو توجہ دلانے کے کہ قرآن کریم کا حکم ہے لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (11:49) وہ اس نام سے ہمیں یاد کرتے ہیں، جس سے وہ اپنے مریدوں کے دلوں میں ہمارے لئے تحقیر پیدا کر سکیں۔ حالانکہ نہ ہم نے کبھی اپنا وہ نام رکھا، نہ دنیا میں ہم اس نام سے مشہور ہیں) ہمیں ان لوگوں میں سے قرار دیا گیا ہے: ''جو کہتے ہیں کہ دنیا میں قوت واہمہ ہی اصل چیز ہے۔''

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ''یہ درحقیقت مریض ہوتے ہیں۔ اور قوت فیصلہ ان میں نہیں ہوتی۔''

---

[1] ہم تو احمدی ہیں۔ مگر قادیانی بزرگ ہمیں پیغامی کے نام سے ہی یاد کرنا پسند کرتے ہیں۔ صرف انہی کی خاطر یہ لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود بھی احمدی تھے۔

ہماری مثال اپنے حملہ کے مقابل پر یوں بیان فرمائی ہے۔''ان کی مثال اس کبوتر کی طرح ہوتی ہے جو آنکھیں بند کر کے یہ سمجھ لیتا ہے کہ اب بلی اس پر حملہ نہ کر سکے گی۔'' یہ واقعی بیچارے کبوتروں کی غلطی ہے کہ وہ اپنے آپ کو جناب میاں صاحب کے حملے سے محفوظ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہر وقت ان کی گردن مروڑنے کے لئے تیار ہیں۔ اور ابھی ابھی مولانا غلام حسن صاحب اور صاحبزادہ سیف الرحمٰن صاحب کی گردن مروڑ چکے ہیں۔ کیونکہ ان بزرگوں کے عقیدے اب تک وہی ہیں، جو ہمارے ہیں۔ مگر عقائد کی طرف سے انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور قادیانیت کی بلی کا شکار ہو گئے! اس کے بعد جناب میاں صاحب کی تعلّی اور بھی ترقی کرتی ہے:

> ''بھلا وہ کون سی چیز تھی جس نے حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفوں کو ضد پر قائم رکھا تھا۔ اور وہ کون سی بات تھی، جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفوں کو ان کے مقابل پر کھڑا کر رکھا تھا۔''

پھر داؤدؑ و سلیمانؑ، عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا ذکر کر کے ارشاد ہوتا ہے:

> ''کوئی نہ کوئی نفسانی غرض، کوئی پوشیدہ مقصد اور یا پھر کوئی دماغی کمزوری اس کا سبب ہوتا ہے۔ قربانی کرنے یا دوسروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت اور ہمت ان میں نہیں ہوتی۔''

اور تان یہاں آکر ٹوٹتی ہے: ''یہی حال ہمارے پیغامی دوستوں کا ہے۔''

گویا ایک طرف جناب میاں صاحب تمام پیغمبروںؑ کے نمائندے، اور دوسری طرف پیغامی ابوجہل اور ابولہب تمام پیغمبروں کے مخالفین کے نمائندے! یہ ہے جناب میاں صاحب کے نزدیک وہ جماعت، جس کو حضرت مسیح موعود نے تیار کیا۔ اور جس نے ہزار ہا کی تعداد میں تبلیغ اسلام کے لئے کتابیں دنیا میں پہنچائیں۔ اور چار زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ اور تفسیر کی۔ جس نے یورپ کے ملکوں میں اسلامی مشن قائم کئے۔ اور ہزار ہا لوگوں کو اسلام میں داخل کیا۔ جن کے پیدا کردہ لٹریچر کو آج اسلامی اور غیر اسلامی دنیا اسلام کا بہترین لٹریچر سمجھتی ہے۔ جن کے متعلق مارما ڈیوک پکتھال جیسے فاضل انسان کا یہ اعتراف موجود ہے کہ اس سے بڑھ کر تجدید اسلام کی قیمتی یا طویل

خدمت اور کسی زندہ انسان نے نہیں کی! جن کی تصنیفات کو آج غیر مسلم بھی اسلام کی صحیح تصویر مانتے ہیں۔ خطبہ ختم اس مثال پر ہوتا ہے:

> ''ایسے لوگوں کی مثال وہی ہوتی ہے، جیسے ایک نٹ باریک رسی پر چڑھ کر ناچتا، کودتا، چھلانگیں لگاتا، اپنی جان کو خطرات میں ڈال کر کوئی کھیل دکھاتا ہے، تو نیچے سے ایک بڑھا کہہ دیتا ہے۔ میں نہ مانوں۔''

معلوم نہیں ایسے مقدس مقام پر کھڑے ہو کر، پھر جمعہ کے خطبہ میں، ایسی مثالیں جناب میاں صاحب کو کیوں سوجھتی ہیں! یہ یقینی بات ہے کہ ''میں نہ مانوں'' کہنے والا بڑھا اس عاجز کو ہی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ وہ ''نٹ'' کون ہے؟ جو باریک رسی پر چڑھ کر ناچتا، کودتا، چھلانگیں لگاتا ہے اور مختلف کھیل دکھاتا ہے! مثال صرف اسی بات پر دی گئی ہے کہ جناب میاں صاحب بڑے بڑے اچھے دلائل دیتے ہیں۔ مگر ''میں نہ مانوں'' کہنے والا بڑھا تو نہیں مانتا۔ اب سمجھنے والے سمجھ لیں کہ جناب میاں صاحب کے نزدیک یہ ''نٹ'' کون ہے؟ یہ ہے اس عدم توازن کا نتیجہ، جس کی طرف جناب میاں صاحب کا دماغ بے اختیار چلا جاتا ہے!

مضمون کا اصل موضوع: اب میں اصل بحث کی طرف آتا ہوں۔ اور یہی فی الحقیقت میرے اس مضمون کا اصل موضوع ہے۔ جناب میاں صاحب نے جو دلائل حضرت مسیح موعود کی نبوت کے متعلق دیئے ہیں، میں ان تمام کو لفظ بہ لفظ قارئین پیغام صلح کے سامنے لانے کو تیار ہوں بشرطیکہ جناب میاں صاحب میرے اس جواب کو، جو اصل مضمون کے متعلق میں اب لکھتا ہوں، اپنے اخبار الفضل میں شائع کر دیں۔ جب میاں صاحب کے نزدیک ان کے دلائل اس قدر وزنی ہیں کہ سوائے ایک سوفسطائی کے کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ تو ان کے جواب میں جو کچھ میں کہوں گا، وہ محض وہم ہی وہم ہوگا۔ اور مجھے یقین ہے کہ جناب میاں صاحب اپنے مریدین کے متعلق اس قدر بدگمان نہ ہوں گے، کہ ان کے محض وہمی باتوں کی بنا پر پھسل جانے کا انہیں اندیشہ ہو۔ بلکہ میرے وہمی دلائل کو دیکھ کر تو ان کے مرید اور بھی زیادہ مضبوط ہو جائیں گے!

دوسری طرف اس تجویز سے میاں صاحب کو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ ہماری جماعت، جو

ان کے نزدیک محض وہم میں مبتلا ہے، ایک حقیقت کو دیکھ کر ان کی آنکھیں کھل جائیں گی، اور وہ جناب میاں صاحب کے عقائد کو صحیح تسلیم کر لیں گے۔ اور میرا ساتھ چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ میں یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ جناب میاں صاحب اس تجویز کو کبھی منظور نہ کریں گے۔ اس کی وجہ؟ اپنے مخالف کے دلائل کو اپنی جماعت کے سامنے لانے سے وہی شخص ڈرتا ہے، جسے یہ خوف ہو کہ اس کی جماعت مخالف کے دلائل سے متاثر ہو کر پھسل جائے گی۔ لہٰذا یہی خوف میاں صاحب کے دل میں ہے۔ مونہہ سے خواہ وہ کچھ کہیں۔ ورنہ یہ تجویز ایسی سہل ہے کہ بغیر کوئی تکلیف اُٹھائے حق اور صداقت واضح ہو سکتے ہیں۔ اور دونوں جماعتیں اس سے فائدہ اُٹھا سکتی ہیں۔ اگر جناب میاں صاحب غور نہیں فرماتے، تو ان کے مرید ہی غور کریں کہ اپنے دلائل کو کمزور کون شخص سمجھتا ہے؟ وہ جو دوسرے کے دلائل کو اپنی جماعت کے سامنے آنے سے روکتا ہے! یا وہ جو بار بار یہ سہل سی تجویز پیش کر چکا ہے۔ مونہہ سے جناب میاں صاحب جس قدر بلند دعاوی چاہیں، کریں مگر ان کا طرزِ عمل یہ بتا رہا ہے کہ ان کا دل ہمارے دلائل کی مضبوطی کے خوف سے کانپ رہا ہے۔ اور ان کے نزدیک اس کے سواء اپنی جماعت کی حفاظت کا اور کوئی طریقہ ہی نہیں کہ وہ ہمارے دلائل کو ان کے سامنے نہ آنے دیں!

میاں صاحب کے اصل دلائل: اب میں جناب میاں صاحب کے اصل دلائل کو لیتا ہوں۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت جناب میاں صاحب نے پیش کی ہے۔ میں ان کے اپنے الفاظ میں ہی یہ شہادت پیش کرتا ہوں:

1۔ ''بیشک آپؐ نے فرمایا ہے کہ میری اُمت میں مجددین آئیں گے۔ مگر یہ بھی تو فرمایا ہے کہ نبی بھی ہوگا''

2۔ ''اس حدیث کو بعض لوگ ضعیف قرار دے دیتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے استعمال کیا ہے''

3۔ ''پیغامی کہتے ہیں کہ یہ لفظ جو ہے، اس کے کچھ اور معنی ہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ بہت اچھا ہم مان لیتے ہیں کہ آپ نے یہ لفظ مجدد اور محدث کے معنوں میں استعمال فرمایا''

4۔ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک استعارات بھی استعمال فرمائے ہیں۔ مگر ایسی

چیزوں میں، جن کا ایمان سے تعلق نہیں۔ مثلاً پیشگوئیاں ہیں۔ کسی پیشگوئی کے کسی حصہ کا پتہ نہ بھی لگے تو کوئی وجہ نہیں اور نہ ان پر جب تک سمجھ نہ آئے ایمان لانا ضروری ہے۔ اس لئے آپ نے استعارے استعمال فرمائے''

5۔ ''لیکن ایمان کے ساتھ تعلق رکھنے والی کسی بات میں آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اگر کہیں استعارہ استعمال فرمایا تو دوسری جگہ اس کی وضاحت بھی فرما دی۔ مثلاً جہاں حضرت مسیحؑ کے آسمان سے آنے کا ذکر فرمایا وہاں اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ فرما کر اس طرف توجہ دلائی کہ وہ آنے والا مسیح تم میں سے ہی ہوگا۔ یعنی اُمت محمدیہ کا فرد ہوگا''

میاں صاحب خود ڈگری دے رہے ہیں: اب ان اعتراضات کو سلسلہ وار لیجئے تو معلوم ہوگا کہ جناب میاں صاحب اپنے خلاف خود ڈگری دے رہے ہیں۔ کسی دوسرے کو حکم بنانے کی ضرورت نہیں۔ اعتراف اول کی رو سے میاں صاحب کا مسلمہ مذہب، کہ اس اُمت میں نبوت کا دروازہ کھلا ہے، باطل ہوگیا۔ کیونکہ آپ نے یہاں تسلیم کرلیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس اُمت میں مجددین ہی آئیں گے۔ ہاں! ایک اور صرف ایک نبی ہوگا۔ جناب میاں صاحب نے اس خطبہ میں یہ تو تسلیم کرلیا کہ اس اُمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجددین کے آنے کا وعدہ دیا ہے۔ مگر ایسی کوئی حدیث پیش نہیں کی، جس میں انبیاءؑ کے آنے کا ذکر ہو۔ اور کرتے کہاں سے؟ ایسی کوئی حدیث ہے ہی نہیں۔ تو یہ اعتراف ہے، کہ اس اُمت میں نبی نہیں آئیں گے، مجددین ہی آئیں گے۔ لیکن اس سلسلہ مجددین میں ایک استثناء جناب میاں صاحب کے نزدیک ہے۔ اور وہ یہ کہ مسیح موعود کو ایک حدیث میں نبی بھی کہا گیا ہے، اس لئے آگے پیچھے تو سب مجدد ہی آئیں گے، صرف مسیح موعود ایک نبی ہوگا، اس کی بنیاد نواس بن سمعان کی ضعیف حدیث پر ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

دوسرا اعتراف: 2۔ جناب میاں صاحب فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو بعض لوگ ضعیف قرار دے دیتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود نے اسے استعمال فرمایا۔ مشکل یہ ہے کہ ان بعض لوگوں میں سے، جنہوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، خود حضرت مسیح موعود بھی ہیں۔ فرماتے ہیں:

☆ ''وہ دمشقی حدیث، جو امام مسلم نے پیش کی ہے، خود مسلم کی دوسری حدیث سے

ساقط لاعتبار ٹھہرتی ہے۔اور صریح ثابت ہوتا ہے کہ نواس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکا کھایا ہے۔ یہ فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا کہ وہ اپنی ذکر کردہ حدیث کا تعارض اپنی قلم سے رفع کرتے، مگر انہوں نے جو ایسے تعارض کا ذکر تک نہیں کیا، تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمد بن المنکدر کی حدیث کو نہایت قطعی اور یقینی اور صاف اور صریح سمجھتے تھے۔ اور نو اس بن سمعان کی حدیث کو از قبیل استعارات وکنایات خیال کرتے تھے" (ازالہ اوہام ص238)

"یقیناً سمجھو کہ اس حدیث اور ایسا ہی اس کی مثال کے ظاہری معنے ہرگز مراد نہیں۔ اور قرائن قویہ ایک شمشیر برہنہ لے کر اس کوچہ کی طرف جانے سے روک رہے ہیں، بلکہ یہ **تمام حدیث** ان مکاشفات کی قسم میں سے ہے، جن کا لفظ لفظ تعبیر کے لائق ہوتا ہے" (ازالہ اوہام ص232)

بات موٹی ہے ۔حضرت مسیح موعود نے اسے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ اور تمام کی تمام حدیث کو مع اس حصہ کے، جس میں مسیح ابن مریم کے نام کے ساتھ نبی اللہ کا لفظ بولا گیا ہے، صرف اس صورت میں قبول کیا ہے کہ اس کو استعارہ اور مجاز قرار دیا جائے۔ جناب میاں صاحب کا اس کے صرف اس حصہ کو مستثنیٰ قرار دینا، جس میں نبی کا لفظ آیا ہے، ایک باطل دعوٰی ہے، جس کی کوئی سند وہ پیش نہیں کر سکتے۔ بلکہ میں آگے چل کر دکھاؤں گا کہ اس خاص حصہ کو تو خود حضرت مسیح موعود نے بار بار مجاز اور استعارہ کہا ہے اور اس کو حقیقت پر محمول کرنے سے انکار کیا ہے۔ جناب میاں صاحب کو یہ مناسب نہ تھا کہ وہ ایسا بیان حضرت صاحب کی طرف منسوب کرتے، جو خلاف واقعات ہے۔ حضرت مسیح موعود نے اس حدیث کو استعمال ضرور کیا ہے۔ مگر ساقط الاعتبار کہہ کر یوں استعمال کیا ہے کہ اس حدیث کا لفظ لفظ مجاز اور استعارہ ہے۔ جناب میاں صاحب نے ان باتوں کو مخفی رکھ کر حق کا اخفاء کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہی روایت نواس بن سمعان کی مسلم کے علاوہ ترمذی میں بھی آئی ہے۔ اور ترمذی میں حضرت مسیح ابن مریم کا لفظ بار بار آیا ہے۔ نبی اللہ کا لفظ جو مسلم کی روایت میں آیا ہے، وہ ترمذی میں موجود نہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی اللہ کا لفظ کسی راوی کا ذاتی تصرف ہے۔ جو مسیح ابن مریم کے نام کے ساتھ اس لئے

لگا دیا کہ اس کے خیال میں مسیح ابن مریم سے مراد مسیح اسرائیلی ہے۔ایک اس قدر کمزور روایت کی بنا پر یہ کہنا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میری اُمت میں ایک نبی بھی ہوگا، حد درجہ کی جسارت ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف نزول ابن مریم کا ذکر کیا ہے۔اور اسی کو امام بخاریؒ نے قبول کیا ہے۔تمام مجموعہ روایات میں نواس بن سمعان کی طرف ایک روایت ہے۔جس میں نزول ابن مریم کے ساتھ نبی اللہ کا لفظ بڑھایا ہے۔ باقی تمام احادیث نزول ابن مریم میں، خواہ وہ بخاری میں ہوں یا مسلم میں یا دیگر صحاح ستہ میں، نبی اللہ کا لفظ نہیں۔اور نواس بن سمعان کی بھی ترمذی کی روایت میں لفظ نبی اللہ موجود نہیں۔اس قدر کمزور بنیاد پر یہ کہنا کہ اگر حدیث میں مجددین کے آنے کا وعدہ ہے، تو ایک نبی کے آنے کا ذکر بھی ہے۔ایسا دعوٰی باطل ہے، جسے کوئی عقل مند ایک لمحہ کے لئے بھی قبول نہیں کرسکتا۔زیادہ سے زیادہ یہ ایک راوی کا خیال ہے۔ باقی تمام روایات اس خیال کو غلط قرار دیتی ہیں۔ اور ہم اسے اسی حد تک ہی قبول کرسکتے ہیں، جہاں تک حضرت مسیح موعود نے اسے قبول کیا ہے۔یعنی صرف اس رنگ میں کہ اسے مجاز اور استعارہ مانا جائے۔اگر اس حق کو قبول کرنے کا نام ''پیغامیت'' ہے، تو حضرت مسیح موعود پہلے ''پیغامی'' تھے جنہوں نے ہمیں اس راہ پر ڈالا!

تیسرا اعتراف: 3۔''پیغامی یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ جو ہے اس کے کچھ اور معنی ہیں۔'' الحمد للہ کہ جناب میاں صاحب نے حضرت مسیح موعود کو اب کھلے الفاظ میں ''پیغامی'' بنا دیا۔اور ''ہمارے پاس بیٹھ جاؤ'' کی تشریح بھی کردی۔کیونکہ یہ اور معنے خود حضرت مسیح موعود نے کئے ہیں۔اور آپ کے ہی ارشاد کے مطابق ہم یہ معنی کرتے ہیں۔ایک جگہ نہیں، آپ نے بار بار یہ معنی کئے ہیں۔اختصار کے لئے صرف دو حوالے پیش کرتا ہوں:

> ''آنے والے مسیح موعود کا نام جو صحیح مسلم میں زبان مقدس حضرت نبویؐ سے نبی اللہ نکلا ہے، وہ انہی مجازی معنوں کی رو سے ہے، جو صوفیاء کرام کی کتابوں میں مسلم اور ایک معمولی محاورہ مکالمات الٰہیہ کا ہے۔ ورنہ خاتم الانبیاء کے بعد نبی کیسا'' (انجام آتھم ص 27)
>
> ''وہ نبی کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے وہ بھی اپنے حقیقی

معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے۔ پس جب قرآن کے بعد بھی ایک حقیقی نبی آ گیا اور وحی نبوت کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو کہو کہ ختم نبوت کیونکر اور کیسا ہوا۔ کیا نبی کی وحی، وحی نبوت کہلائے گی یا کچھ اور......**توبہ کرو اور خدا سے ڈرو اور حد سے مت بڑھو**'' (سراج منیر ص3)

آخری الفاظ کو جلی قلم سے میں نے لکھوایا ہے۔ میں ایسے لفظ کہوں تو میاں صاحب بُرا منائیں گے۔ حضرت مسیح موعود کے الفاظ میں توجہ دلاتا ہوں۔

چوتھا اعتراف: 4۔ جب یہ امر مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استعارات استعمال فرمائے ہیں۔ اور اس کی مثال خود میاں صاحب نے پیشگوئیوں سے دی ہے۔ یعنی پیشگوئیوں میں لازماً استعارات استعمال ہوئے ہیں، تو مسیح ابن مریم کا آنا بھی ایک پیشگوئی ہی ہے۔ اور میاں صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ نواس بن سمعان والی حدیث کے متعلق، جس میں لفظ نبی اللہ ابن مریم کے ساتھ بڑھایا ہے، حضرت مسیح موعود نے یہ لفظ لکھے ہیں:

''یہ تمام حدیث مکاشفات کی قسم میں سے ہے جن کا لفظ لفظ تعبیر کے لائق ہوتا ہے۔''

اور پھر پیشگوئی بھی ایسی ہے، جو محض ایک خواب کے رنگ میں ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے ''ازالہ اوہام'' میں پرزور دلائل سے یہ ثابت کیا ہے۔ اور خواب میں استعارہ اور بھی غالب ہوتا ہے۔ جناب میاں صاحب نے ''حقیقۃ النبوت'' کے صفحہ 191 پر لکھا ہے:

''گو اس حدیث میں کثرت سے استعارہ استعمال ہوا ہے، مگر مسیح موعود کے عہدے کو استعارہ نہیں کہہ سکتے۔ ورنہ کوئی شخص کہہ دے گا کہ اس حدیث میں چونکہ سب استعارے ہیں اس لئے مسیح موعود بھی ایک استعارہ ہے اور مہدی بھی ایک استعارہ ہے۔''

یہ لفظ بتاتے ہیں کہ جناب میاں صاحب نے جس طرح حضرت مسیح موعود کی کتابوں کو نہیں پڑھا، اس لئے ان کے خلاف لکھ جاتے ہیں۔ اور ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں، جن سے حضرت مسیح موعود کی تحقیر ہوتی ہے۔ اسی طرح حدیث کو بھی بغیر پڑھنے کے یہ سب کچھ لکھ دیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں

مہدی کا تو ذکر تک نہیں اور مسیح کا لفظ بھی یوں نہیں۔ بلکہ مسیح ابن مریم ہے۔ اور یہ یقیناً استعارہ ہے۔ بہرحال اس پیشگوئی کے لفظ نبی کو خود حضرت مسیح موعود نے صراحت سے مجاز اور استعارہ قرار دیا ہے۔ اب چاہیں تو جناب میاں صاحب بھی حضرت مسیح موعود کے پیچھے لگ کر ''پیغامی'' بن جائیں اور چاہیں تو حضرت مسیح موعود سے الگ ہو کر اپنا ایک نیا مذہب بنالیں۔ جس طرح پہلے مسیحؑ کے غالی پیروؤں نے بنالیا! بہرحال حضرت مسیح موعود جناب میاں صاحب کی اس پیشگوئی کی دلیل کی رو سے ''پیغامی'' قرار پائے، کہ آپ اس حدیث کے ایک ایک لفظ کو استعارہ قرار دیتے ہیں!

پانچواں اعتراف: 5۔ جناب میاں صاحب کو یہ علم تھا کہ حضرت مسیح موعود نے خود ہی نواس بن سمعان والی حدیث میں لفظ نبی کے معنے مجدد یا محدث کئے ہیں۔ اور اسے مجاز اور استعارہ قرار دیا ہے۔ مگر وہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں کو محض اس لئے پس پشت پھینکتے ہیں کہ حدیث میں آنے والے مسیح کو مجدد نہیں کہا۔ ''مسیح موعود کے لئے آپ نے مجدد یا محدث کا لفظ کبھی استعمال نہیں فرمایا۔'' بات تو صاف تھی کہ جب وعدہ صرف مجددوں کے آنے کا دیا ہے نہ نبیوں کے آنے کا، تو جو بھی آئے گا، مجدد ہی آئے گا۔ مجدد کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ مگر اس دقت کو بھی انہوں نے خود ہی حل کر دیا۔ جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں۔ ''اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ فرما کر اس طرف توجہ دلا دی کہ وہ آنے والا مسیح تم میں سے ہی ہوگا۔ یعنی اُمت محمدیہ کا فرد ہی ہوگا۔'' تو فرمایئے۔ اب دِقت کیا رہی؟ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ تو صراحت سے بتاتا ہے کہ وہ اس اُمت کا ایک مجدد ہوگا۔ کیونکہ ہر مجدد اپنے وقت کا امام ہوتا ہے۔ اور یہ بھی میاں صاحب تسلیم کر چکے ہیں کہ اس اُمت کے لئے صرف مجددین کے آنے کا وعدہ ہے۔ انبیاءؑ کے آنے کا کوئی وعدہ نہیں۔ تو جو کوئی بھی اس اُمت کے اندر موعود ہوگا، وہ مجدد ہی ہوگا، نہ کہ نبی۔ کیونکہ وعدہ ہی مجددین کے آنے کا ہے، نہ نبیوں کے آنے کا! اور جناب میاں صاحب کی یہ دِقت بھی، کہ آنے والے مسیح کو مجدد نہیں کہا، حضرت مسیح موعود کی کتابوں کی لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ حضرت مسیح موعود ''ازالہ اوہام'' میں صفحہ 59 پر تحریر فرماتے ہیں:

''ابتداء سے یہی مقرر ہے کہ مسیح اپنے وقت کا مجدد ہوگا۔''

کیا جناب میاں صاحب کے نزدیک یہ حضرت صاحب نے غلط لکھا تھا؟ بہرحال اس چوتھی

دلیل کی رو سے بھی حضرت مسیح موعود ''پیغامی'' ثابت ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی شہادت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کو پیش کرنے کے بعد جناب میاں صاحب نے اللہ تعالیٰ کی شہادت یوں پیش کی ہے: ''اب چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس غلطی کا ازالہ فرما دیتا اور کہہ دیتا اس حدیث سے غلطی نہیں کھانی چاہئے۔ آپ کا اصل مقام محدث ہے آپ نبی نہیں۔'' تعجب یہ ہے کہ جناب میاں صاحب کس جرأت سے حضرت مسیح موعود کی تحریروں کو رد کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو کہا، لیکن جو نہ مانے اس کا کیا علاج! ''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔'' (ازالہ اوہام صفحہ 421) میں جناب میاں صاحب سے صرف اتنا دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ان کے نزدیک یہ حضرت صاحب نے جھوٹ لکھا تھا کہ دعویٰ نبوت کا نہیں بلکہ محدثیت کا ہے؟ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے؟ اور اگر یہ خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا تھا، تو کیا یہ حکم حضرت مسیح موعود نے اپنے دل سے بنالیا تھا۔ یا خدا نے ایسا کہا تھا؟ اور اگر خدا تعالیٰ نے ایسا کہا تھا، تو اور جناب میاں صاحب کیا چاہتے ہیں؟ اگر کوئی غلطی امکانی طور پر واقعی ایک ضعیف حدیث کے لفظ نبی اللہ سے لگ سکتی تھی، تو حضرت مسیح موعود کو یہ بتا کر، کہ آپ کا اصل مقام محدث ہے نبی نہیں، اس غلطی کو دور کر دیا گیا۔ مگر جو خود اس غلطی میں رہنا چاہیں، انہیں کون نکال سکتا ہے!

میاں صاحب کو حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے یہ نظر نہ آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ آپ کا اصل مقام واقعی محدث ہے نہ نبی۔ مگر یہ نظر آ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو یہ الہام کیا کہ ''دنیا میں ایک نبی آیا''۔ حالانکہ اس کی دوسری قرأت ''نذیر آیا'' کو ہی حضرت صاحب نے ترجیح دی ہے۔ اور پھر آپ کے شائع شدہ مجموعہ الہامات میں ''سینکڑوں'' دفعہ لفظ نبی کا استعمال بھی نظر آ گیا۔ اور ایک حساب کے رو سے یہ سینکڑے لاکھوں بن گئے۔ کیا یہی وہ دلیل نہیں جس کی بنا پر عیسائیوں نے مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بنالیا؟ ایک موٹی سمجھ کا آدمی بھی اتنی بات سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک لفظ کی ایک تشریح کر دی جائے، تو پھر چاہے اسے ایک دفعہ استعمال کیا جائے یا ہزار دفعہ، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ میں حیران ہوں کہ جناب میاں صاحب کس کی پیروی کرتے ہیں؟ حضرت مسیح موعود کی یا اپنے نفس کی خواہشات

کی! ایک دفعہ نہیں بار بار حضرت مسیح موعود نے یہ تصریح فرمائی کہ آپ کے الہامات میں لفظ نبی اور رسول سے مراد محدث ہے۔ ایک دو حوالے کافی ہیں۔ فرماتے ہیں:

☆ ''یہ سچ ہے کہ وہ الہام، جو خدا نے اپنے اس بندہ پر نازل فرمایا، اس میں اس بندہ کی نسبت نبی اور رسول اور مرسل کے لفظ بکثرت موجود ہیں۔ سو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں وَلِکُلٍّ اَنْ یَّصْطَلِحَ۔ سو خدا کی یہ اصطلاح ہے جو اس نے ایسے لفظ استعمال کئے۔ ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے۔ مگر مجازی معنوں کی رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یاد کرے'' (سراج منیر صفحہ 3-4)

☆ ''اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اسے بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔ مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکا لگ جانے کا احتمال ہے۔ لیکن وہ مکالمات اور مخاطبات جو اللہ جلشانہ کی طرف سے مجھ کو ملے ہیں۔ جن میں یہ لفظ نبوت اور رسالت کا بکثرت آیا ہے۔ اس کو میں بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا۔ لیکن بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا میرے لئے آیا ہے وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے۔ اور اصل حقیقت، جس کی میں علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں، یہی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا'' (انجام آتھم صفحہ 28)

ان تمام تشریحات کو رد کرنے کے لئے میاں صاحب کی یہ ایجاد واقعی قابل داد ہے۔ میاں صاحب کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کی 1901ء سے پہلے کی تحریریں دربارہ نبوت منسوخ ہیں۔ اور ان سے حجت پکڑنا غلط ہے۔ مگر کیا حضرت مسیح موعود نے خود کبھی یہ کہا کہ میری 1901ء سے پہلے کی تحریریں

منسوخ ہیں؟ اگر جناب میاں صاحب کے دل میں واقعی حضرت مسیح موعود کی کوئی عزت ہے، تو یا دتو وہ یہ الفاظ حضرت مسیح موعود کی کسی تحریر سے دکھائیں کہ میری 1901ء سے پہلے کی تحریریں منسوخ ہیں۔ یا اپنی اس تحریر کو واپس لیں تا کہ ان کے مرید گمراہی سے باہر نکلیں!

کیا جناب میاں صاحب نے یا ان کے مریدین نے کبھی یہ غور کیا کہ 1901ء سے پہلے کی تحریروں کو منسوخ کہنے کے کیا معنی ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ 1891ء میں اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کو یہ کہا تھا کہ آپ محدث ہیں نبی نہیں۔ اور 1901ء میں کہا کہ آپ نبی ہیں محدث نہیں۔ اس لئے 1891ء میں جو کچھ کہا تھا، وہ منسوخ ہو گیا۔ مگر محدث ہیں نبی نہیں۔ نبی ہیں محدث نہیں۔ دونوں متضاد باتیں ہیں۔ ان میں سے سچی صرف ایک ہی ہو سکتی ہے۔ دوسری جھوٹی ہو گی۔ یہ جھوٹ کس کی طرف منسوب کیا ہے؟ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی طرف یا اس کے مامور کی طرف؟ یہ ہے دین کو بچوں کا کھیل بنانا! ہاں یوں کہیئے کہ 1891ء میں آپ فی الواقع محدث تھے، نبی نہ تھے۔ اور 1901ء میں ترقی دے کر نبی بنا دیا گیا، تو کم سے کم جھوٹ کو اللہ تعالیٰ کی طرف یا اس کے مامور کی طرف منسوب نہ کرنا پڑتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ نہیں کہا تھا کہ آپ محدث ہیں، نبی نہیں، تو آپ کا یہ لکھنا کہ ''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا ہے، جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔'' جھوٹ ٹھہرتا ہے اور اگر آپ نے جھوٹ نہیں کہا تو پھر نعوذ باللہ جھوٹ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا پڑا کہ 1891ء میں کہا کہ آپ محدث ہیں نبی نہیں۔ اور 1901ء میں کہا کہ آپ نبی ہیں محدث نہیں!

اور پھر مقام غور ہے کہ اگر 1901ء میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ آپ نبی ہیں محدث نہیں، تو پھر 1903ء میں ''اند کے ذکر در بارہ عقائد ما'' کے نیچے ''مواہب الرحمٰن'' میں یہ کیوں لکھا؟

''وخدا را مکالمات ومخاطبات است باولیائے خود دریں اُمت وایشاں را رنگ انبیاء دادہ میشود وایشاں درحقیقت انبیاء نیستند زیرا کہ قرآن حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است۔'' (ص67,66) یعنی اللہ تعالیٰ اس اُمت میں اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے اور ان کو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے اور وہ درحقیقت نبی نہیں۔ اس لئے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال کو پہنچا دیا۔

جناب میاں صاحب کے سامنے یہ تحریر حضرت صاحب کی بیسیوں دفعہ پیش کی گئی۔ مگر اس کا جواب وہ کبھی نہیں دیتے۔ اور دیں کس طرح؟ اس کا جواب کوئی ہے ہی نہیں۔ اسی لئے وہ مباحثہ کے میدان میں نکلنے سے گریز کرتے ہیں۔ البتہ ان کے بعض ناواقف مرید بے سوچے سمجھے یہ جواب دے دیا کرتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ کا ذکر ہے۔ اور حضرت مسیح موعود تو نبی ہیں۔ مگر ان نادانوں کو اتنا پتہ نہیں کہ کسی کو اس سے مستثنٰی کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال کو نہیں پہنچایا، پھر سیدھے بہاء اللہ کے آگے کیوں نہیں گرتے؟!

مکرم میاں صاحب! میں آپ سے ایک اپیل کرتا ہوں۔ اگر آپ کے دماغ میں یہ خیال، کہ حضرت مسیح موعود درحقیقت نبی ہیں، ایسا پھنس گیا ہے کہ آپ اپنے آپ کو معذور سمجھتے ہیں تو کم سے کم اپنے مریدوں کو گمراہ کرنے کا بوجھ اپنی گردن پر نہ لیں۔ یہ باتیں ان کے سامنے آنے دیں۔ میں آپ کی تحریر کو اپنے اخبار میں شائع کرتا ہوں۔ آپ اس تحریر کے اس حصہ کو جو مسئلہ زیرِ بحث سے تعلق رکھتا ہے، اپنے اخبار میں شائع کر دیں۔

ایک الہام کے غلط معنے: ایک عرض اور بھی کرتا ہوں۔ آپ لوگوں کو حضرت صاحب کے ایک نہایت صاف الہام کے غلط معنے کر کے گمراہی میں ڈال رہے ہیں۔ حضرت صاحب کا الہام میرے متعلق یہ تھا۔ ''آپ بھی صالح تھے۔ اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ''۔ اس کے یہ معنی کرنا کہ میں حضرت مسیح موعود سے دور ہو گیا ہوں، آپ کی ذہانت کا ثبوت تو بیشک ہے، مگر اس کے ساتھ ہی تاویل باطل کی بھی یہ ایک بے نظیر مثال ہے! حضرت صاحب مجھے بلا کر اپنے پاس بٹھاتے ہیں۔ اس لئے کہ میں آپ کا ہی کام آپ کے بعد کر رہا ہوں۔ تو اس لئے جب اس دوسرے عالم میں جاؤں گا، جہاں میرا یہ محسن پہلے پہنچ چکا ہے، تو وہ مجھے یوں ارشاد فرمائے گا۔ آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ مگر لوگوں نے بدگمانی کی۔ آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔ جناب میاں صاحب تو بال کی کھال اتارنے میں ماہر ہیں۔ مگر الہام کے اس لفظ بھی پر کیوں غور نہیں کرتے؟ اور کون صالح تھا اور نیک ارادہ رکھتا تھا؟ کہ آپ کو یہ کہنا پڑا کہ آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ وہی جو اپنے پاس بٹھاتا ہے۔ اور یہ بھی غور فرمائیں کہ آپ جو میری طرف حضرت مسیح موعود کا ساتھ چھوڑنا منسوب کرتے ہیں، تو آخر کس رنگ میں

مَیں نے حضرت صاحب کا ساتھ چھوڑا؟!

عقائداورکام: دو ہی چیزیں ہیں۔عقائد یا کام۔عقائد کے لحاظ سے میں حضرت مسیح موعود کی 1880ء سے لے کر 1908ء تک کی تحریروں کو قبول کرتا ہوں۔اور آپ 1880ء سے 1901ء تک یعنی اکیس سال کی تحریروں کو منسوخ قرار دے کر رد کرتے ہیں۔اور صرف 1901ء سے 1908ء تک سات سال کی تحریروں کو قبول کرتے ہیں۔یعنی صرف چوتھے حصہ کو۔تو فرمایئے میں نے حضرت مسیح موعود کو چھوڑا یا آپ نے! پھر میں حضرت صاحب کے الہامات کو بھی قبول کرتا ہوں کہ آپ کو الہامات میں نبی کے نام سے پکارا گیا۔اور آپ کی اس تشریح کو بھی قبول کرتا ہوں کہ یہاں لفظ نبی سے لغوی معنی میں پیشگوئی کرنے والا یا مجازی معنی میں محدث مراد ہے۔آپ الہامات کو قبول کرتے ہیں۔اور تشریح کو رد کرتے ہیں۔اور اس کے خلاف ایک اپنی تاویل کرتے ہیں، جس کی وجہ سے آپ کو حضرت صاحب کی کثیر تحریروں کو رد کرنا پڑتا ہے۔تو فرمایئے مسیح موعود کو آپ نے چھوڑا یا میں نے؟!

اب رہا کام! حضرت صاحب نے صاف الفاظ میں لکھا ہے اور اپنے دعویٰ مسیح موعود کے ساتھ ہی لکھا ہے:

> ''میں چاہتا ہوں ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کران کے پاس بھیجی جائے۔اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا۔کہ یہ **میرا کام ہے**'' (ازالہ اوہام صفحہ 773)

اب للہ غور فرمائیں کہ جس کام کو حضرت مسیح موعود نے اپنا کام قرار دیا تھا، وہ کس کے ہاتھ سے ہوا؟ میرے ہاتھ سے یا آپ کے ہاتھ سے؟ یہ نہیں کہ آپ کی توجہ اس طرف نہیں تھی۔نہیں۔آپ خوب جانتے تھے کہ یہ حضرت مسیح موعود کا کام ہے۔اس لئے خلافت کی گدی پر بیٹھتے ہی آپ نے بڑے زوروں میں یہ اعلان کیا کہ ہم ایک پارہ ماہوار انگریزی ترجمہ اور تفسیر کر کے اسے شائع کر دیں گے۔مگر چونکہ خدائی ارادہ یہ نہ تھا، اس لئے آپ سے قریباً ساری جماعت کو ساتھ لے کر اور بے شمار سامانوں کے باوجود یہ کام نہ ہوسکا۔ایک پارہ شائع کر کے آپ رہ گئے۔آپ کو بار بار توجہ دلائی گئی۔مگر آپ سے نہ ہوسکا۔مریدوں کو یہ یقین دلایا جا رہا تھا کہ ترجمہ اور تفسیر تیار ہے۔مولوی شیر علی صاحب اسے ولایت بھی

لے کر پہنچ گئے، تا کہ اس کی تصحیح ہو جائے۔ مگر یہ کام آپ کے ہاتھ سے ہونا خدا کو منظور نہ تھا۔ اس لئے نہ ہوا اور نہ ہو سکا۔ ''تحریک جدید'' کے لاکھوں روپے بھی آئے۔ جائداد بھی بے حساب بن گئی، مگر قرآن شریف کی طبع کا کام نہ ہو سکا۔ جو بلی بھی آئی۔ تین لاکھ روپے کی تھیلی بھی آپ کے ہاتھ میں آئی۔ مگر حضرت مسیح موعود کا کام آپ سے نہ ہو سکا۔ اور مجھ عاجز سے باوجود انتہا درجہ کی بے سروسامانی کے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کام لیا، بلکہ محض اپنے کرم سے اس کو قبولیت کا ثمر بھی عطا فرمایا۔ یہاں تک کہ اس کی چالیس ہزار کاپی دنیا میں پہنچ گئی۔ ڈچ زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو گیا۔ اردو میں بھی ہو گیا۔ اب آپ خدا کے ساتھ جنگ نہ کریں۔ اور حضرت مسیح موعود کے ان الفاظ کے سامنے اپنا سر جھکا دیں۔

> ''یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جیسے مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔''

میں اپنے مرشد کے الفاظ کو دہراتا ہوں ؎

اے آنکہ، سوئے من بدویدی، بصد تبر — از باغباں بترس، کہ من شاخِ مُثمرم

محمد علی

دارالسلام۔ ڈلہوزی

3 جولائی 1941ء

31 جولائی 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

سری نگر میں مسجد کی تعمیر

ہماری جماعت کشمیر کی مدت سے یہ خواہش تھی کہ ان کی اپنی ایک مسجد سری نگر میں ہو۔ سال گذشتہ ہماری انجمن نے جوبلی فنڈ سے ایک ہزار روپیہ جماعت سری نگر کو زمین خریدنے کے لئے دیا۔ اور ایک ٹکڑہ اراضی اس روپے سے خرید لیا گیا۔ اس ایک ہزار روپے میں سے پانچ سو روپیہ بطور امداد جماعت کو دیا گیا۔ اور پانچ سو روپیہ بطور قرض۔ لیکن حالات پیش آمدہ کے مدنظر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ پانچ سو روپیہ بھی غالبًا انجمن کو امداد میں ہی منتقل کرنا پڑے گا۔ زمین خریدنے کے بعد اب یہ انتظار تھا کہ تعمیر مسجد کے لئے روپیہ فراہم ہو۔ سری نگر کی جماعت گو اپنی تعداد کے لحاظ سے ایک بڑی جماعت ہے۔ مگر اس کا بہت بڑا حصہ کشمیر کے مسلمانوں کی طرح غرباء کا ہے۔ اور اس لئے مسجد کی تعمیر کے لئے کوئی عملی قدم نہ اُٹھایا جاسکا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مخلص دوست ماسٹر کھنڈے خاں صاحب کے دل میں یہ زبردست تحریک پیدا کی کہ اُنہوں نے ایک ہزار روپے کی گرانقدر رقم تعمیر مسجد کے لئے عطا فرمائی اور اس کے جلد بعد ہی ان کی اہلیہ نے پانچ سو روپیہ عطا فرما کر اس رقم کو ڈیوڑھا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں میاں بیوی کو بہت بہت جزائے خیر دے کہ ان کے ان گرانقدر عطیوں سے جماعت میں اس کام کو انجام دینے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ اور اس وقت تک مزید ایک ہزار روپے کے وعدے اس جماعت کی طرف سے ہو چکے ہیں اور اس طرح اڑھائی ہزار روپے کی رقم کا انتظام ہو چکا ہے۔

مسجد کے کل خرچ کا اندازہ چار ہزار روپیہ ہے۔ اور گرانی اشیاء کی وجہ سے ممکن ہے اس پر بھی کچھ بڑھ جائے۔ ماسٹر کھنڈے خاں صاحب خود انجینئرنگ کے کام کے ماہر ہیں اور وہ ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں کہ خرچ نہایت کفایت سے ہو۔ ان کے مدنظر یہ بھی ہے کہ مسجد کے ساتھ دو تین رہائشی کمرے بھی ہوں۔ جہاں لائبریری اور تبلیغ کے کام کے علاوہ ایسے دوست بھی ٹھہر سکیں جو کشمیر سیر کے لئے جاتے ہیں۔ اور اس طرح ایک طرف انہیں آرام پہنچے اور جماعت کے ساتھ تعلقات بڑھیں اور دوسری طرف یہ امر مسجد کے اخراجات میں بھی امداد کا باعث ہو۔ ان کی تجویز کے مطابق بہت کم خرچ

سے یہ دو تین کمرے بن جائیں گے۔ ممکن ہے بعض دوستوں کے دل میں یہ خیال ہو کہ مسجد چھوٹی کیوں نہ بنوالی گئی۔ کشمیر کے حالات عام مقامات سے قدرے مختلف ہیں۔ یہاں شدت سردی کے باعث یہ ضروری ہے کہ چھتی ہوئی جگہ زیادہ ہو۔ جس میں جماعت کے سب آدمی سما سکیں۔ مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے موقعہ پر جب مجھے نماز پڑھانے کا موقعہ ملا تو دو سو کے قریب یا اس سے بھی زیادہ دوستوں نے میرے پیچھے نماز جمعہ ادا کی۔ اس لئے مسجد کا اس قدر وسیع ہونا ضروری ہے کہ جس میں تین چار سو آدمی سما سکیں اور خواتین کے لئے بھی انتظام ہونا ضروری ہے۔ اس قدر وسیع مسجد کے لئے چار ہزار روپیہ بالکل معمولی خرچ ہے۔ خواہ اسے کتنا بھی سادہ بنایا جائے۔ اس لئے مسجد کی تکمیل کے لئے پندرہ سو روپے کی اور ضرورت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی صاحب توفیق دوست کے دل میں ڈالے تو ماسٹر کھنڈے خاں صاحب کی طرح وہ اکیلا ہی پندرہ سو روپے کی رقم دے سکتا ہے۔ لیکن بظاہر حالات پر پندرہ سو روپے کی اپیل اب ساری جماعت کے سامنے ہے۔ میں اس امر کو جانتا ہوں کہ جماعت پر چندوں کا بوجھ بڑا بھاری ہے۔ لیکن اس رقم کو پورا کرنا بھی جماعت کی اہم ضروریات میں سے ہے۔ دو سو آدمی کی جماعت بغیر اپنی مسجد کے کوئی ترقی نہیں کرسکتی۔ کیونکہ اس قدر وسیع مکان، جس میں اتنے آدمی جمع ہوسکیں، اگر کرایہ پر لیا جائے تو پانچ سات سال میں اس کا خرچ مسجد کی تعمیر کے خرچ سے بھی بڑھ جائے گا۔ اور بغیر جماعت کے اجتماع کے جماعت کی ترقی کی کوئی صورت نہیں۔ جماعت سری نگر اور وجوہ سے بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ مگر اپنی کثرت کے لحاظ سے یہ اس بات کی مستحق ہے کہ ہماری ساری قوم اس کے بوجھ کو بٹائے۔ اس لئے میں پندرہ سو روپے کے لئے اپنے احباب سے اپیل کرتا ہوں۔ جو آخر اگست تک جمع ہوکر جماعت سری نگر کو پہنچ جانا چاہئے۔ تاکہ سردیوں سے پہلے پہلے عمارت کا کام مکمل ہوجائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے متمول احباب کے دل میں یہ ڈالے کہ معقول رقوم سے جلد اس رقم کو پورا کردیں۔

اس سلسلہ میں مَیں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ٹرکش زلزلہ ریلیف فنڈ کا کچھ روپیہ ابھی تک انجمن کے پاس پڑا ہے۔ جس کا اب وہاں بھیجنا ممکن نظر نہیں آتا۔ اس کے متعلق انجمن معطیوں سے دریافت کر رہی ہے کہ اب اسے کس غرض پر خرچ کیا جائے۔ یوں ہر معطی کا اختیار ہے کہ وہ جہاں چاہے اسے خرچ کرنے کی

اجازت دے، لیکن میں جملہ معطیان کے سامنے یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ اگر وہ اس روپے کو مسجد سری نگر کی تعمیر پر لگا دینے کی اجازت دیں تو بہت بڑے ثواب کا کام ہوگا۔ بلکہ میری تجویز یہ ہے کہ فرداً فرداً جو معطی اسے کسی اور غرض پر خرچ کرنے کے لئے نہ لکھیں۔ ان سب کی طرف دو تین دفعہ اخبار میں یاد دہانی کے بعد یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اس تجویز سے اتفاق کر کے اپنی اس رقم کو، جو ٹرکش ریلیف فنڈ میں دی تھی۔ اب مسجد سری نگر کی تعمیر کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ روپیہ بنام محاسب بھیج کر تصریح کر دی جائے کہ مسجد سری نگر کے لئے ہے اور مجھے بھی اس کی اطلاع دی جائے۔ خاکسار محمد علی ڈلہوزی 24 جولائی 1941ء

معاصر ''فاروق'' اور حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ: (17 جولائی 1941ء) ''فاروق'' مورخہ 7 جولائی کے سرورق پر ''وہ'' کے عنوان سے ایک نظم شائع ہوئی ہے۔ جس میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا گیا ہے اور ایسے اسفل طریق پر اپنے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے جو حد درجہ دل آزار ہے۔ قادیانی دوست اگر چاہتے ہیں کہ ان کے قائد یعنی خلیفہ صاحب کی عزت کی جائے تو انہیں بھی چاہئے کہ دوسروں کے قائدین کی عزت کریں۔ ورنہ ان کے غیر ذمہ دارانہ بیانات کی وجہ سے کوئی شخص مشتعل ہو جائے اور ایسے اشارات کو برداشت نہ کر سکے تو اس کی تمام ذمہ داری اس شخص پر ہے جو ابتداء کرتا ہے۔ اس نظم کے دو تین اشعار ہم درج ذیل کرتے ہیں ۔

کلام پاک کی چوری بھی کارگر نہ ہوئی کسی طریق سے بگڑی ہوئی بنا نہ سکا
وہ نورِ دیں کی نہیں، اس کی اپنی ہمت تھی دلوں کو آج تلک یہ یقین دلا نہ سکا
وہ بیٹھا اٹھا تھا اچھی بھلی مجالس میں بلند کوئی نمونہ مگر دکھا نہ سکا

ہم کہتے ہیں کہ ان قادیانی حضرات کے قلم ٹوٹ کیوں نہیں جاتے جو حضرت مسیح موعود کے واضح ارشادات کے خلاف لکھنے کی جرأت کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود تو حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تقوی اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھلائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے''

اور معاصر فاروق کے شاعر صاحب فرماتے ہیں کہ ع بلند کوئی نمونہ مگر دکھا نہ سکا

پھر لکھا ہے ؎

وہ نوردیں کی نہیں، اس کی اپنی ہمت تھی دلوں کو آج تک یہ یقیں دلا نہ سکا

حالانکہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے ''بیان القرآن'' کے دیباچہ میں لکھا ہے:

''فہم قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا۔ وہ استاد المکرّم حضرت مولوی نوردین صاحب مرحوم ہیں۔ اگر کسی شخص کو میری اس ناچیز خدمت سے کچھ فائدہ پہنچے تو جہاں میرے لئے دعا کرے، ان بزرگوں کے لئے بھی دعا کرے۔ میں محض مٹی ہوں۔ اگر اس میں کچھ خوشبو کسی کو معلوم ہو تو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی روح ہے ؎

جمال ہمنشیں درمن اثر کرو وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

باقی رہا ''کلام پاک کی چوری'' کا سوال۔ اس شخص کے دل میں خود تقوٰی اور مہارت کا ایک شائبہ تک نہیں جو ایسا ناپاک الزام حضرت مسیح موعود کے ایک جید اور صاحب سطوت صحابی کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اسے اپنے اس فعل پر شرم آنی چاہیئے۔ جو بغیر قرائن کے ایسا الزام لگانے کی جرأت کرتا ہے۔

۞۞۞

8 اگست 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ایک مبارک تجویز

دونوں فریق کے دلائل کو ایک دوسرے کے سامنے لانے کی

جناب میاں محمود احمد صاحب نے 18 جولائی کے خطبہ میں، جو 26 جولائی کے الفضل میں چھپا ہے، میرے اس مطالبہ کا جواب دیا ہے جو میں نے بذریعہ اخبار پیغام صلح مورخہ 12 جولائی 1941ء کیا تھا کہ جناب میاں صاحب نے جو دلائل حضرت مسیح موعود کی نبوت کے مسئلہ کے متعلق الفضل مورخہ 18 جون 1941ء میں دیئے ہیں، ان کو اخبار پیغام صلح میں شائع کر دیتا ہوں بشرطیکہ جناب میاں صاحب میرے اس جواب کو الفضل میں شائع کر دیں۔ وہ اس بات پر ناراض ہیں کہ میں نے یہ کیوں لکھا کہ میاں صاحب اس تجویز کو منظور نہ کریں گے۔ اور اسے میری ''تعلّی'' قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس میں تعلّی کی کوئی بات نہ تھی۔ میں نے اپنے گذشتہ تجربہ کی بناء پر یہ کہا تھا۔ سال گذشتہ انہی کی تجویز پر میں نے بارہ مرتبہ انہیں خطاب کیا۔ مگر اُنہوں نے ایک مرتبہ بھی جواب دینا پسند نہ کیا۔ دونوں جماعتوں کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے سہل سے سہل تجویزیں ان کے سامنے پیش کیں۔ حضرت مسیح موعود کی تحریروں کی بناء پر مباحثہ کے لئے لکھا۔ یہ لکھا کہ اگر آپ مباحثہ میں نکلنا پسند نہیں کرتے تو ایک خاص حد کے اندر آپ کے اور میرے دلائل دونوں اخباروں میں شائع ہوتے رہیں۔ مگر اُنہوں نے باوجود بارہ متواتر یاد دہانیوں کے اس کا جواب نہ دیا۔ اس سے پیشتر بھی اس قسم کی تجویزیں ہوتی رہی ہیں۔ مگر کبھی بھی اُنہوں نے اس کا جواب دینا پسند نہ کیا۔ مجھے اس بات سے خوشی ہے کہ اب اُنہوں نے میرے اس سابقہ تجربہ کے خلاف میرے مطالبہ کا جواب دیا ہے۔

میاں صاحب کو غلطی لگی ہے: جناب میاں صاحب کو یہ شکایت ہے کہ میں نے بھی ان کی کسی تجویز کو، جو اُنہوں نے سال گذشتہ کی تھی، نہیں مانا۔ یہ ان کو غلطی لگتی ہے۔ میں نے ان کی اس تجویز کو مان لیا تھا کہ میرے عقائد پر، جو حضرت مسیح موعود کی زندگی میں تھے، بحث ہو جائے مگر اس شرط کے ساتھ کہ

حضرت مسیح موعود کے اپنے عقائد پر اس کے ساتھ ہی اس طرح بحث ہو جائے۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ جناب میاں صاحب اسے نہ ماننا کیوں کہتے ہیں۔

مسیح موعود کے عقائد ہی حجت ہیں: میں نے ان کے مطالبہ کو مانتے ہوئے یہ کہا تھا کہ صرف اس بات سے، کہ میرے عقائد کیا تھے اور آپ کے عقائد کیا تھے، کسی پر اتمام حجت نہیں ہوتا۔ خواہ دونوں جماعتیں ہوں یا عام پبلک ہو۔ ہر ایک شخص کے نزدیک ہمارے اختلاف میں فیصلہ کن بات صرف ایک ہی ہے کہ حضرت مسیح موعود کے عقائد کیا تھے۔ جناب میاں صاحب نے خود بعد میں تسلیم کیا کہ ان کی ساری جماعت کے عقائد اُن پر کوئی حجت نہیں۔ اور اس سے ان کا عقیدہ بھی ان کی جماعت پر حجت نہ ہوا۔ اسی طرح میرے عقائد خود میری جماعت پر حجت نہیں اور کسی پر کیا ہوں گے۔ احمدی اور غیر احمدی ہر ایک کے نزدیک حضرت مسیح موعود کے عقائد ہی حجت ہیں۔ تو میں نے بار بار عرض کیا کہ جہاں آپ کے اور میرے عقائد پر بحث ہو، حضرت مسیح موعود کے عقائد پر بھی اسی طرح بحث ہو جائے۔ مگر جناب میاں صاحب نے بار بار مطالبہ کرنے کے باوجود اس کا جواب تک نہ دیا۔ حالانکہ میرے اور میاں صاحب کے عقائد پر بحث محض بے سود تھی۔ اس سے غرض کوئی حاصل نہ ہوتی تھی۔ مگر میں نے اسے صرف اس لئے مان لیا کہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ میری تجویز کو رد کر دیا۔ سو میں اب بھی اسے اسی طرح مانتا ہوں۔ ہاں! وہ بھی اتنا ہی بتا دیں کہ وہ حضرت مسیح موعود کے عقائد پر بحث سے کیوں گھبراتے ہیں تو میں اس پر بھی غور کرنے کو تیار ہوں۔

تحریروں پر خرچ برداشت کرنے کا سوال: جناب میاں صاحب نے اس پر اب بھی بڑا زور دیا ہے کہ ان کا کتنا بڑا احسان ہوگا کہ میری تحریر میں خود خرچ کا بڑا حصہ برداشت کر کے وہ اپنی جماعت کے سامنے لے آئیں گے۔ حالانکہ ستائیس سال سے یہ کام ہو رہا ہے۔ اور وہ میری تحریروں کو اپنی جماعت کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور غالباً سارا خرچ برداشت کر کے ہی کر رہے ہیں۔ اور خود اُنہوں نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کی کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مگر ان ساری تحریروں کا خلاصہ ایک لفظ میں اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہ میں نے حضرت مسیح موعود کے لئے لفظ ''نبی'' استعمال کیا۔ چاہے وہ پچیس صفحات ہوں یا دوسو ہوں۔ چنانچہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے جب ایک کتاب میں یہ سارے

حوالے جمع کر کے میرے پاس بھیجے تو میں نے صرف ایک صفحہ چھاپ کر ان کے پاس بھیج دیا تھا اور وہ بھی میری اپنی تحریر نہ تھی بلکہ حضرت مسیح موعود کی تھی۔ اور بطور ایک اقرار نامہ کے وہ تحریر تھی کہ اس کتاب کے اوپر حضرت صاحب کی یہ دو سطریں لگا دیں۔ کیونکہ میں نے اگر لفظ ''نبی'' استعمال کیا تو انہی معنوں میں کیا جن معنوں کا اقرار خود بانی سلسلہ کو ہے۔ مگر میری تحریروں کے دو سو صفحات پر اتنا روپیہ خرچ کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود کی دو سطروں کو بھی مولوی صاحب نے یا میاں صاحب نے بطور تشریح شائع کرنا پسند نہ کیا۔ حالانکہ اس کا خرچ بھی ان پر ایک پائی تک نہ پڑتا تھا۔ اور وہ تشریح بھی بطور ایک اقرار نامہ حضرت صاحب نے یہ ایک مباحثہ میں لکھ کر دی تھی جس سے مخالف بھی خاموش ہو گیا تھا۔ مگر آہ! آج مرید کہلانے والوں کو وہ تشریح خاموش نہیں کر سکی اور وہ اس کی وہ بے حرمتی کرنے کو تیار ہیں جو ایک مخالف معاند نے بھی نہ کی تھی۔ اور وہ الفاظ یہ تھے جو جلی قلم سے چھپوا کر ان کی خدمت میں بھیجے تھے ''بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو یعنی لفظ نبی کو کاٹا ہوا خیال فرمالیں۔'' اور اس کی دلیل بھی اسی اقرار نامہ میں موجود ہے: ''ابتدا سے میری نیت، جس کو اللہ تعالیٰ جلشانہٗ خوب جانتا ہے، اس لفظ نبی سے مراد حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدث مراد ہے۔''

میاں صاحب کا کارنامہ: جناب میاں صاحب میری تحریروں پر میرے دستخط کرانے کو بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں۔ مگر خود حضرت مسیح موعود کی تحریر پر دستخط کرنے کو تیار نہیں۔ وہ ان اوپر کی دو سطروں پر دستخط کر کے اس تصدیق کے ساتھ میرے پاس بھیج دیں کہ یہ اقرار حضرت مسیح موعود نے بحث میں ایک مخالف کے ساتھ کیا تھا۔ اور بے شک یہ ساتھ بڑھا دیں کہ فلاں سنہ میں حضرت مسیح موعود نے اس اقرار نامہ کو منسوخ کر دیا تھا۔ پھر میں اس سنہ کے بعد کا حوالہ ساتھ لگا دوں گا۔ میاں صاحب جہاں میری تحریروں کے ساتھ میری تشریح کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، حضرت مسیح موعود کی تشریح کو کیوں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں! کیونکہ میں نے جو لفظ استعمال کیا وہ حضرت مسیح موعود کی تشریح کو قبول کر کے کیا۔ مجھے رہ رہ کر یہ تعجب آتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے نام کے ساتھ قادیانی جماعت کے اکابر کو (اور اب یہ بیماری سب میں سرایت کرتی جاتی ہے) یہ چڑ کیوں ہے وہ میری تحریروں کے ساتھ میری تشریح کو بڑھانے کے لئے تیار ہیں۔ کیا میری غلطی تھی کہ میں نے حضرت مسیح موعود کی تشریح کو قبول کیا۔ اور اپنا

مذہب اپنے لئے جناب میاں صاحب کی طرح خود نہیں بنایا۔ اور کیا یہ قادیانی جماعت کا حضرت مسیح موعود سے انحراف نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود کی تشریح کو قبول کرنے کو تیار نہیں؟ بہرحال میں جناب میاں صاحب کا شکر گذار ہوں کہ اُنہوں نے ایک شرط کے ساتھ میری بات کو قبول کیا۔ میں ان کی طرح یہ نہیں کہوں گا کہ چونکہ اُنہوں نے شرط ساتھ لگا دی ہے، اس لئے یہ میرے مطالبہ کو رد کرنے کے برابر ہے۔ البتہ اس شرط کے بالمقابل ایک شرط پیش کروں گا۔ جناب میاں صاحب فرماتے ہیں ''میں ان کے مضمون کو الفضل میں شائع کرانے کو تیار ہوں بشرطیکہ وہ میرا جواب الجواب بھی پیغام صلح میں شائع کرائیں۔'' مجھے یہ منظور ہے۔ مگر جس طرح میاں صاحب کو جواب الجواب کی ضرورت اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں میرے جواب میں کچھ نئی باتیں آ گئی ہیں۔ آخر میاں صاحب کے جواب الجواب میں بھی ایسی باتیں ہوں گی جن کو صاف کرنے کے لئے پھر مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہوگی۔ اصل غرض چونکہ احقاق حق ہے، حضرت مسیح موعود کا عقیدہ معلوم کرنا ہے، تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ بجائے ایک ایک پرچہ کے تین تین پرچے ہوں۔ اور آخری پرچے کا حق جناب میاں صاحب کو ہی ہو۔ مگر اس شرط پر کہ اس میں صرف میرے آخری جواب کے اُس حصہ پر بحث ہو جو میں نے کوئی نئی بات کہی ہو۔ یہی قاعدہ ہر جگہ آخری جواب الجواب کے لئے ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ضرورت سے زیادہ طویل نہ ہو۔ یعنی لفظوں کی تعداد اس میں اندازاً میرے آخری جواب کے ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ بلکہ ان سب پرچوں کی طوالت بھی محدود ہو۔ جناب میاں صاحب کے ابتدائی بیان میں لفظوں کی تعداد اندازاً چار ہزار ہے۔ اور میرے جواب میں اندازاً تین ہزار۔ یہ ہر دو پرچوں کی ابتدائی اور آخری ریمارکس کو چھوڑ کر ہے۔ جن کا تعلق مضمون زیر بحث سے نہیں۔ باقی پرچوں کی طوالت بھی اندازاً اسی قدر رہو۔ یعنی چار ہزار الفاظ سے زیادہ نہ ہوں۔ اس میں سو پچاس الفاظ کی کمی بیشی کی کوئی حقیقت نہ ہوگی۔ اور جس طرح اس مسئلہ پر بحث ان تین تین پرچوں میں ختم ہوجائے گی۔ اسی طرح کفر واسلام پر بھی تین تین پرچوں میں بحث ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح کفر واسلام پر بھی تین تین پرچوں میں بحث ختم ہو جائے گی۔ جناب میاں صاحب مسئلہ کفر واسلام پر اپنے نقطہ نگاہ کو اپنے خطبہ مندرجہ الفضل مورخہ 13 جولائی 1941ء میں واضح کر چکے ہیں۔ اس کا جواب میں لکھوں گا۔ اسی طرح تین تین پرچے ہو جائیں اور چوتھا پرچہ میاں

صاحب کے آخری جواب الجواب کا انہی شرائط سے ہوگا جو اوپر درج ہیں۔

صورت یہ ہوگی کہ اول میں ان کا مضمون پیغام صلح میں چھپوا دوں گا۔ اس کے بعد وہ میر مضمون الفضل میں چھاپ دیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے۔ یہاں تک کہ ہر دو مسائل پر سارے پرچے ختم ہو جائیں۔ اور پھر ایک خاص نمبر ''الفضل'' کا اور ایک خاص نمبر ''پیغام صلح'' کا شائع ہو۔ جس میں یہ کل کے کل پرچے ایک جگہ ہو جائیں۔ اور اس خاص پرچہ میں ان مسائل پر اور بحث نہ ہو۔ اس طرح میاں صاحب کی وہ غرض بھی پوری ہو جائے گی جو وہ کتابی صورت میں شائع کرنے کے متعلق چاہتے ہیں۔ یعنی سب مضمون ایک جگہ کتابی صورت میں ہو جائیں گے۔ مگر دونوں جماعتوں کو اخبار کی صورت میں پہلے پہنچ جائیں گے۔ اس میں اخراجات کا بھی جھگڑا نہیں۔ وہ اپنے سب اخراجات برداشت کریں اور ہماری جماعت اپنے اخراجات برداشت کرے۔ اور اگر جناب میاں صاحب تین تین پرچوں کی تجویز آخری جواب الجواب کے مزید حق کے ساتھ کسی صورت میں ماننے کو تیار نہ ہوں تو میں، جو کچھ اُنہوں نے اس وقت منظور کیا ہے، اُسے ہی قبول کرتا ہوں۔ بشرطیکہ ان کا جواب الجواب انہی شرائط سے مشروط ہو جو میں نے اوپر لکھی ہیں۔

قادیان میں لیکچر دینے کی دعوت منظور: آخر میں مَیں جناب میاں صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنہوں نے مجھے قادیان میں لیکچر دینے کی حسب ذیل دعوت دی ہے: ''میں اس کے لئے بھی تیار ہوں کہ وہ قادیان میں آ جائیں۔ میں یہاں ان کے تین لیکچر اپنی جماعت میں کرا دوں گا۔ اور ان لیکچروں میں وہ دل کھول کر اپنے عقائد اور دلائل بیان کر لیں۔''

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں جَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرًا میں حاضر ہوں۔ مگر اس کے لئے بہترین موقع جلسہ سالانہ ہے۔ جب واقعی میاں صاحب کی جماعت قادیان میں جمع ہوگی۔ وہ اس وقت تین نہیں صرف دو دن مجھے دے دیں۔ 27 و 28 دسمبر اور وقت بھی بے شک محدود کر دیں۔ اسے میں اُن کی پسند پر چھوڑتا ہوں۔ میں ان دنوں میں مسئلہ کفر و اسلام اور مسئلہ نبوت پر دلائل بیان کروں گا۔ اس کے ساتھ ہی میں جناب میاں صاحب کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ وہ بھی اسی طرح لاہور میں لیکچروں میں اپنے عقائد اور دلائل کھول کر بیان کر لیں۔ ان کے لئے موزوں دن 25، 26 دسمبر ہوں گے۔ جو ہمارے

جلسہ کے ابتدائی دن ہوتے ہیں۔ یا اگر وہ 26 دسمبر کو اپنے لئے موزوں خیال نہ کریں تو ہم جلسہ کی تاریخیں 24، 25، 26 دسمبر کر لیں گے۔ خاکسار محمد علی۔ ڈلہوزی 28 جولائی 1941ء

آنریری مبلغین۔ جماعتوں کا فرض: (8 اگست 1941ء)

میں نے جو تحریک کی تھی کہ کچھ نوجوان تین چار ماہ کے لئے رخصت لے کر آ جائیں تو انہیں تبلیغ کے لئے تیار کرنے کا انتظام کیا جائے گا اور ان کے قیام طعام وغیرہ کا بندوبست انجمن کرے گی۔ اس کے جواب میں پانچ چھ نوجوانوں کی طرف سے اطلاع آئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کچھ اور اصحاب بھی اس موقعہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔ آخر دنیوی اغراض کے لئے بھی رخصت لے لی جاتی ہے۔ بیماریوں کے موقعہ پر بھی رخصت لے لی جاتی ہے اور اس رخصت کے نیچے تو ایک بلند غرض ہے۔ جس کے ساتھ جماعت کی ترقی اور مسلمانوں کی بیداری وابستہ ہے۔ کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ آج مسلمانوں کے اندر تبلیغ اسلام کا احساس پیدا کرنا ایک زبردست جدوجہد کو چاہتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ فرماتا ہے وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ. (122:9) یعنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب مومن یک مرتبہ (تعلیم دین کے حصول کے لئے) نکل پڑیں تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر ایک جماعت میں سے چند آدمی نکلیں۔ تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور اپنی اپنی جماعت کی طرف جب لوٹ کر جائیں تو ان کو انذار کریں۔ یعنی متنبہ کریں اور بیدار کریں۔

لہٰذا میں اپنے نوجوان دوستوں کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر ہر سال دس بارہ پندرہ آدمی بھی ان میں سے رخصت لے کر یا اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر تین چار ماہ کے لئے آ جایا کریں تو آہستہ آہستہ ایک بڑی بیداری پیدا ہو سکتی ہے۔ اور مسلمان قوم ہماری تھوڑی سی کوشش سے زندہ ہو سکتی ہے۔ تین چار ماہ کا کاروبار دنیا کا ہرج کوئی بڑی بات نہیں۔ کئی رنگوں میں یہ ہرج ہو جاتا ہے۔ ایک نوجوان دوست نے لکھا ہے کہ اگر انہیں رخصت با تنخواہ نہ ملی تو وہ بلا تنخواہ رخصت لے کر آ جائیں گے۔ جَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَآءِ یہ روح سب نوجوانوں کے اندر ہونی چاہئے۔ اس کے لئے موقع ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو علاوہ شغل معاش کے کسی مفید کام پر لگائیں۔ سو اس کے لئے تین چار ماہ کی رخصت لے کر یا

کاروبار سے فراغت حاصل کر کے وہ مرکز میں آئیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ چار ماہ میں قرآن شریف سب کا سب یا اس کا بڑا حصہ باترجمہ پڑھ لیں۔ زبان عربی کے بھی چند معمولی قواعد ان کو سکھا دیئے جائیں اور حضرت صاحب کی کتب کے ضروری حصوں سے واقف کرایا جائے۔ یہ ایک تین چار ماہ کا مجاہدہ ہوگا جو خدا چاہے تو زندگی کی ایک قیمتی بنیاد بن جائے گا۔

اس لئے میں پھر یہ تحریک تمام جماعتوں کے سامنے رکھتا ہوں۔ ہر ایک جماعت کوشش کرے کہ ایک آدمی اپنی طرف سے بھجوا دے۔ ہمارا ارادہ یکم ستمبر سے اس کام کو کرنے کا ہے۔ اور میرا اپنا بھی ارادہ اس میں کچھ وقت دینے کا ہے۔ اس لئے سب جماعتیں جمعہ کے خطبوں میں اس بات کو اپنے سامنے لا کر اس کے متعلق ایک امر طے کر کے جلد سے جلد ہمیں اطلاع دیں۔ تا کہ احباب کی رہائش وغیرہ کا اور تعلیم دینے والوں کا مناسب انتظام کیا جا سکے۔ جو دوست اطلاع دیں وہ یہ اطلاع ضرور دیں کہ وہ کتنے عرصہ کے لئے کس تاریخ کو لاہور پہنچ سکتے ہیں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

۞۞۞

12 اگست 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

قریشی صاحب اور جماعت احمدیہ لاہور

مدیر ''ایمان'' قریشی صاحب میں ایک ایسی خوبی موجود ہے جس سے اس زمانہ کے اکثر اخبار نویس خالی ہیں۔ اور وہ ہے جماعت احمدیہ کے حق میں کسی وقت کلمہ خیر کہہ دینا یا اس کی کسی خوبی کا اعتراف کرنا۔ ورنہ اکثر اخبار نویسوں کا یہ حال ہے کہ وہ محض اس خوف سے، کہ ان کے قارئین ناراض نہ ہو جائیں، ایسی بات کو اپنے اخبار میں کم آنے دیتے ہیں جس سے جماعت احمدیہ کی تعریف کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ اس لحاظ سے مجھے یہ ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ 30 جولائی کے ''ایمان'' میں جو قریشی صاحب نے ہمارے تبلیغی پروگرام پر اعتراض کیا ہے، اس کے جواب میں چند باتیں عرض کروں۔ میں نے ان کے مضمون کا صرف وہ اقتباس پڑھا ہے جو پیغام صلح 30 جولائی 1941ء میں نکالا ہے۔ قریشی صاحب کا اعتراض ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

> ''لاہور کی احمدیہ جماعت اس سال ایک تبلیغی پروگرام پر زور دے رہی ہے۔ ان کے امیر جماعت نے حکم دیا کہ ہر لاہوری احمدی عام مسلمانوں میں سے دس بیس آدمیوں کو چن لے اور ہر ممکن ذریعہ سے یہ کوشش کرے کہ وہ احمدی بن جائیں۔ اس سال کم وبیش دس ہزار آدمیوں کو اس تبلیغ کے لئے چنا جائے گا۔ اور انہیں ایک فرقہ سے نکال کر دوسرے فرقہ میں شامل کیا جائے گا۔ یہ تبلیغ ہے یا اندونی کشمکش؟''

مجھے اُمید ہے کہ جہاں قریشی صاحب نے یہ اعلان دیکھا ہوگا، وہیں اس کے ساتھ دو اور اعلان بھی دیکھے ہوں گے۔ یعنی ایک ساتھ تین اُمور کی طرف جماعت کو توجہ دلائی جارہی ہے۔ جو پیغام صلح کے کسی نمبر میں ''ہماری اس سال کی تحریکات'' کے عنوان کے نیچے نظر آجائے گا۔

> ''سب احباب سلسلہ کا فرض ہے کہ وہ اس سال کی تحریکات، یعنی 1۔ دس ہزار آدمیوں کو تبلیغ 2۔ نوجوان دنیا کی زبانیں سیکھیں 3۔ بزرگ اشاعت اسلام کے لئے وصیت کریں، کو ہر وقت پیش نظر رکھیں''

ان تین تحریکات کا بیک جا اور بکثرت شائع ہونا ہماری غرض کو صاف بتا رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت بڑھے اور اس جماعت کے نوجوان دنیا کی زبانیں سیکھ کر قرآن کو اور تعلیم اسلام کو دنیا کے مختلف ممالک میں پہنچائیں۔ اور بزرگ اپنی وصایا کے ذریعہ سے مزید مالی قربانیاں کر کے اشاعت اسلام کی اس تحریک کو مالی طور پر مضبوط کریں (کیونکہ ایک زبردست قربانی وہ ماہوار چندوں کے رنگ میں ایک آنہ فی روپیہ اپنی آمدنیوں کا اشاعت اسلام کے لئے دے کر پہلے کر رہے ہیں) میں پوچھتا ہوں کہ آیا اس غرض کے لئے توسیع جماعت کی خواہش کرنا کوئی جرم ہے؟ حالانکہ اگر ذرا غور کی نگاہ سے دیکھا جاتا تو اس غرض کے لئے توسیع جماعت کی خواہش نہ کرنا جرم ہے۔ یہ تو خیر اتفاق کی بات ہے کہ ایک ہی اعلان میں وہ تین باتیں جمع ہیں۔ جن سے دنیا میں تبلیغ اسلام کے کام کو قوت پہنچائی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر یہ ایک جگہ جمع نہ بھی ہوں اور ہماری طرف سے صرف اس قدر اعلان ہو کہ ہم توسیع جماعت چاہتے ہیں۔ تو کیا آج ان لوگوں کو چھوڑ کر، جن کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہے اور جن کے دلوں میں اس حد تک بغض ہے کہ اگر موقع مل جائے تو مسجد برلن کو ڈھا دیں یا اس مشن کو ویران کر دیں جو اس کے ساتھ وابستہ ہے، کوئی مسلمان ہے جو اسے اسلام کے فوائد کے خلاف سمجھے یا اس میں اسلام کا نقصان سمجھے: کیا آج مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ وہ کام، جس سے آج ساری اسلامی دنیا محروم پڑی ہے اور کسی کو اس کے لئے قدم اُٹھانے کی توفیق نہیں ملتی، وہ صرف یہ جماعت احمدیہ لاہور یا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہی کر رہی ہے۔ جس نے 1914ء میں قائم ہو کر یعنی ستائیس سال کے عرصہ میں تین یورپین زبانوں اس قرآن شریف کے ترجمے کر دیئے۔ جس کے قائم کردہ یا جس سے تعلق رکھنے والے تین مشن یورپ میں کام کر رہے ہیں۔ سترہ زبانوں میں سیرت نبویؐ کے ترجمے کر دیئے اور تیس زبانوں میں متفرق تعلیمات اسلامی کے ترجمے کر کے پھیلا دیئے۔ چالیس ہزار کاپی مختلف تراجم قرآن کی دنیا میں پھیلا دی۔ جس میں بارہ ہزار مفت پھیلائی۔ اور اسی طرح ہزار ہا کاپیاں سیرت نبویؐ اور تعلیمات اسلام کی مفت پھیلائیں۔ وسط یورپ میں ایک عظیم الشان مسجد بنا دی۔ اپنے گھر کے اندر بھی دو ہائی سکول قائم کر دیئے۔ اور یہ باوجود اس کے کہ عام مسلمانوں کی طرف سے کفر اور ارتداد اور دجالیت کے فتوؤں کے سوائے اور اسے کچھ حاصل نہیں!

اب فرض کیجئے کہ یہ کام پانچ ہزار کارکنوں کی جماعت نے کیا ہے۔ تو کیا اگر پانچ ہزار کی جگہ یہ کارکن دس ہزار ہو جائیں۔ تو یہ کام دو چند ہو جائے گا؟ اور کیا اس کے دو چند ہونے سے اسلام کو نفع پہنچے گا یا نقصان؟ اگر فی الواقع جناب قرشی صاحب کا یہ فتوی ہے کہ یہ کام اسلام کے نقصان کا موجب ہے۔ تو پھر تو میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ سارے مسلمانوں کو ایک چھوٹی سی جماعت پر پل پڑنا چاہئے۔ اور اس کو دنوں میں کچل کر رکھ دینا چاہئے۔ آخر چالیس کروڑ کے سامنے پانچ ہزار کی حیثیت کیا ہے۔ اور جو مسلمان اس جماعت کو کچل کر رکھ دیں گے وہ عنداللہ بڑے اجر کے مستحق ہوں گے۔ لیکن اگر یہ کام اسلام کے نفع کا موجب ہے تو پھر اس کے دو چند ہونے کی کوئی تجویز ہو تو اس پر ہر مسلمان کو خوش ہونا چاہئے اور دہ چند ہونے کی تجویز ہو۔ تو اور بھی زیادہ خوش ہونا چاہئے۔

میں فخر یہ نہیں کہتا اظہار واقعات کے طور پر کہتا ہوں کہ یہی ایک جماعت ہے جو آج اسلام کی فوج کا کام دے رہی ہے۔ جو اعدائے اسلام کے مقابل پر سینہ سپر ہے۔ جو اسلام کی مملکت کی توسیع کی فکر میں دیوانہ وار آگے بڑھی جا رہی ہے۔ کیا جو فوج کسی مملکت کی توسیع کر رہی ہو اس فوج کی تعداد زیادہ ہونے پر اس ملک کے رہنے والے ناراض ہو سکتے ہیں؟ اس ناراضگی کے تو یہ معنی ہوئے کہ اگر تم اسلام کی مملکت کو توسیع کرنے کی فکر کرو گے تو ہم اس فوج کو بھی جو کچھ تھوڑا بہت کام کر رہی ہے برباد کر کے رکھ دیں گے۔ اگر آج ایک ملک کو جنگ درپیش ہے اور کوئی شخص اس فوج کو بڑھانے کی کوشش کرے جو دشمن کا مقابلہ کر رہی ہے تو کیا اس کا یہ جواب درست ہوگا کہ اگر تم اور لوگوں کو فوج میں شامل کرنے کی کوشش کرو گے تو ہم موجودہ فوج کو بھی اس کام سے روک دیں گے؟ غور کر لیا جائے ٹھنڈے دل سے سوچ لیا جائے۔ آج اسلام کو اپنی توسیع کے لئے، ہاں مسلمانوں کو اس وعدہ الٰہی کو پورا ہوتا دیکھنے کے لئے ایک جنگ کی ضرورت ہے۔ سخت جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ایک لمحہ کے لئے اپنے مزعومہ عقائد کے اختلاف کو پیچھے رکھ کر مملکت اسلام کی توسیع کے کام کو مقدم کیا جائے تو شاید ہر مسلمان کے دل سے بے اختیار یہ نکلے کہ کاش! اسلام کے چالیس کروڑ فرزندان پانچ ہزار کی طرح ہو جائیں۔ میں ہر ایک مسلمان سے دریافت کرتا ہوں کہ چلو ہم گمراہ ہی سہی مگر یہ گمراہ اسلام کی مملکت کو بڑھانے والے بہتر ہیں یا وہ جو اپنے عقائد کے صرف صحیح ہونے کے خیال میں ایسے مگن ہیں کہ انہیں کفر کو مغلوب کرنے کی کوئی فکر

نہیں؟ کیا یہ سچ نہیں کہ اگر چالیس کروڑ مسلمان ہماری طرح گمراہ ہو جائیں۔ تو آج دنیا کے ہر کونے سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اور انسان اپنے مالک حقیقی کے سامنے جھک کر بھائی بھائی بن جائیں۔ اور نسل انسانی کی تین چوتھائی مصائب کا خاتمہ ہو جائے۔ پھر اس سے بڑھ کر بھولے پن کا کیا خیال ہوگا:

''اگر شیعہ لوگ سنیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ اگر اہلحدیث دیو بندیوں کو شکار کریں۔ اگر قادیانی لوگ بریلویوں کی فہرستیں بنائیں اور انہیں اپنی جماعت میں شامل کرنے کے لئے زور آزمائی شروع کر دیں۔ اور اس کے بعد ان زور آزمائیوں کا ردِ عمل شروع ہو۔''

''اگر''۔ میں اس لفظ پر تعجب کرتا ہوں۔ کیا وہ واقعات مدح صحابہ اور تبرا کے، اور ان دونوں پر ہزاروں لوگوں کا جیل خانے جانا اور فسادات اور شور در ہنگامہ، کیا وہ بریلویوں اور دیو بندیوں کے ایک دوسرے پر فتاوی اور خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں، پر گرما گرم مباحثے، کیا وہ قادیانیوں کا بغیر فہرستیں بنانے کے بریلویوں کا تمام عالم اسلام کو کافر قرار دینا۔ کیا یہ سب باتیں خواب ہیں! قرشی صاحب ڈراتے ہیں کہ اگر ان لوگوں نے بھی اس خاکسار کی نقل کی تو مسلمانوں میں اندرونی کشمکش شروع ہو جائے گی۔ اور ان کی وہ طاقت جو اس وقت اعدائے اسلام کے مقابل پر صرف ہو رہی ہے آپس کی خانہ جنگی میں صرف ہو جائے گی۔ کیا اس وقت مسلمانوں میں اندرونی کشمکش نہیں؟ اور اس وقت وہ اعدائے اسلام کے مقابلہ پر اپنی قوت صرف کر رہے ہیں؟ کون اس بات کو نہیں جانتا کہ آج مسلمان کی تمام تر طاقت اندرونی جھگڑوں پر صرف ہو رہی ہے۔ اور اس لئے ان میں اعدائے اسلام کے مقابلہ پر نکلنے کا نہ خیال باقی ہے نہ طاقت باقی ہے۔

ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا بڑی بہادری کی بات ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر بہادری کی بات کلمہ حق اس قوم کے سامنے کہنا ہے جو بے راہ ہو چکی ہے اور جو حق بات سننے کو گوارا نہیں کرتی۔ میں نے اپنے دوستوں کو یہی کیا ہے کہ ہماری قوم ایک غلط راہ پر لگی ہوئی ہے، اُٹھو اور اسے کلمہ حق پہنچاؤ۔ کہ یہاں وہ فوج ہے جو دشمن کے مقابلہ میں کھڑی ہے۔ آؤ اور اس میں شامل ہو۔ اور اگر کوئی غلط فہمی کسی کے دل میں ہمارے عقائد کے متعلق ہو تو اسے صاف کر دو۔ ہمارے عقائد خدا کے فضل سے وہی ہیں۔ جس

پر مسلمانوں کا سوادِ اعظم آج تک قائم رہا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر کچھ فرق ہے کہ ہم ایک شخص کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں اور دوسرے مسلمان نہیں مانتے؟ مگر کیا یہ مجدد کا ماننا سوادِ اعظم سے الگ ہو کر ہم نے ایجاد کیا ہے۔ آج تک سوادِ اعظم مجدد دین کو مانتا رہا ہے۔ اور اس چودھویں صدی کے مسلمانوں نے ہی چودھویں صدی کے مجدد کے ماننے سے انکار کیا ہے۔ اگر ہم اسی راستے پر چل رہے ہیں جس پر آج تک سوادِ اعظم چلتا آیا ہے۔ اور ہر صدی کے سر پر مجدد کے آنے کی نہ صرف صحیح حدیث موجود ہے۔ بلکہ مسلمان عملاً اس کو صحیح تسلیم کرتے رہے ہیں۔ تو ہمارا حق ہے کہ ہم مسلمانوں کو اس حق کی طرف دعوت دیں۔ محض اس خوف سے، کہ پھر دوسرے مسلمان ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے، ہم قرآن کریم کے حکم تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ (3:103) کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اور یہ بھی کچھ عجیب سا خیال ہے کہ پھر مسلمان ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان کی مخالفت میں کون سی کسر باقی رہ گئی ہے، جسے اب پورا کیا جائے گا اور جس کا ہمیں خوف ہونا چاہئے!

باقی رہا یہ کہ ہم تبلیغ یوں کریں یا یوں کریں۔ یہ راستے تو وہ شخص بھی بتا چکا جس نے ہمیں اس راہ پر لگایا۔ ہم بھی اسی طرح جمود کی حالت میں پڑے تھے۔ جس طرح آج عام مسلمان ہیں۔ ہمارے دِلوں میں اس بات پر ایمان، کہ اسلام کے غلبہ کا وقت آ گیا، اسی مجدد نے پیدا کیا۔ اسی نے اس جماعت کے اندر وہ قربانی کی روح پیدا کی کہ اُنہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو اس راہ پر لگا دیا۔ اور اب تو خدا کے فضل سے ہم اس کے نتائج بھی دیکھ چکے ہیں۔ پھر کس طرح اس راہ کو چھوڑ کر کسی دوسری راہ کو اختیار کر سکتے ہیں؟ یہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کی اہمیت کا احساس ہی نہیں رہا۔ ورنہ اس کھلی بات کو دیکھ کر کس طرح آج ایک جماعت محض ایک مجدد کے دامن سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اسی ایمان سے سرشار ہو کر کہ اسلام دنیا میں غالب آنے والا ہے، پیغام اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا رہی ہے۔ اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کر رہی ہے۔ اور کس طرح دوسرے مسلمان اس کام سے بیگانہ ہو رہے ہیں۔ نتیجہ پر پہنچنا کچھ مشکل نہ تھا کہ واقعی خدائی روح اس کے اندر کام کر رہی تھی۔ اور اسی کے دامن سے وابستگی اس ایمان کو ہمارے اندر بھی پیدا کر سکتی ہے۔ قریشی صاحب کو چاہئے تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو ابھارتے کہ اُٹھو اور تبلیغ اسلام کے مقدس فریضہ کو اپنی زندگیوں کا مقصد بناتے ہوئے اسلام

کے پیغام کو ساری دنیا میں پہنچا دو۔ اگر پانچ ہزار کی ایک ''گمراہ'' جماعت ستائیس سال کے عرصہ میں اس قدر اسلام کا غلغلہ دنیا میں بلند کر سکتی ہے، تم چالیس کروڑ صحیح عقیدے رکھنے والے مسلمان اس سے دس ہزار گنا کام کیوں نہیں کر سکتے؟ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ آج دنیا کی کوئی زبان باقی نہ ہو جس میں قرآن شریف کا اور سیرت نبویؐ کا اور تعلیمات اسلام کا ترجمہ نہ ہو گیا ہو اور کوئی شہر باقی نہ ہو جہاں آج مسجد بن کر اللہ اکبر کی آواز بلند نہ ہو۔ اور کوئی قریہ باقی نہ ہو۔ جہاں اسلام کی منادا سلام کی خوشبو لوگوں کو نہ پہنچا رہے ہوں۔ اور اگر تم باوجود بار بار کہنے کے اس کام کی اہلیت دکھانے سے قاصر ہو تو جاؤ پھر ان گمراہ لوگوں کے ساتھ ہی مل جاؤ۔ تا کہ تمہارے وجود سے اسلام کو کچھ نفع تو پہنچے۔ اگر قرشی صاحب کی اس نصیحت سے چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے پانچ ہزار اور ہماری طرح گمراہ ہو کر پیغام اسلام کو دنیا میں پہنچانے کی راہ پالیں تو اس سے چالیس کروڑ کا تو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ دس ہزار کم چالیس کروڑ میں اور چالیس کروڑ میں کوئی چنداں فرق نہیں۔ لیکن دین اسلام کی خدمت کا کام دو چند ہو جائے گا اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ لوگوں کو اس طرح ''گمراہ'' بنانے مگر بالآخر صحیح راہ لگانے کا ثواب قرشی صاحب کو بھی مل جائے گا۔ کیونکہ چاہے گا تو یہ جس قدر ''گمراہ'' ہوں گے، اس سے کہیں زیادہ لوگوں کو اسلام میں لانے کا موجب بھی بن جائیں گے۔

خاکسار محمد علی

ڈلہوزی۔ 5 اگست 1941ء

❁❁❁

18 اگست 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

مسئلہ کفر واسلام اور میاں محمود احمد صاحب

جناب میاں (محمود احمد) صاحب نے ایک مدت کے بعد اپنے خطبہ مندرجہ الفضل 13 جولائی میں مسئلہ کفر و اسلام پر توجہ فرمائی ہے اور اس میں کہیں کہیں مسئلہ نبوت کا بھی ذکر کیا ہے۔ میں اس کی وجہ شروع میں بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ جناب میاں صاحب کو یہ ضرورت تھی کہ ''پیغامیوں'' کو بدترین مخلوق قرار دیا جائے اور بد دیانت ثابت کیا جائے تو چونکہ اس کے لئے مسئلہ کفر و اسلام میں گنجائش نہ ملی۔ یعنی کسی ''پیغامی'' کی طرف وہ یہ بات منسوب نہ کر سکے کہ اس نے کبھی چالیس کروڑ کلمہ گوؤں کی تکفیر کی ہو۔ اور جو لوگ حضرت مسیح موعود پر ایمان نہیں لاتے، گو انہیں حضرت مسیح موعود کے نام کی بھی خبر نہ ہو، انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہو۔ مگر نبی کا لفظ، اس تشریح کے مطابق جو حضرت مسیح موعود نے خود فرمائی کہ اس سے مراد صرف لغوی معنی میں یعنی پیشگوئی کرنے والا یا مجازی معنی یعنی محدث ہے۔ جو خدا سے ہمکلامی کا شرف رکھتا ہے، اُنہوں نے استعمال کیا تھا۔ تو چونکہ یہ ضروری تھا کہ یہ مضمون ''پیغامیوں'' کی بد دیانتی سے شروع ہو۔ اور ''پیغامیوں'' کی بد دیانتی پر ختم ہو۔ اس لئے مسئلہ نبوت کا ذکر کرنا پڑا۔ ارشاد ہوتا ہے:

> ☆''دنیا میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی نے اتنی شدت اور اتنی کثرت کے ساتھ نبی اور رسول کہنے کے بعد یہ کہہ دیا ہو کہ ہم نے کبھی ایسا کہا ہی نہیں'' (صفحہ 4)
>
> ☆''جنہوں نے دس بیس مرتبہ نہیں بیسیوں مرتبہ حضرت مسیح موعود کو خدا تعالیٰ کا نبی اور رسول لکھا ہو اور ان کا یہ کہہ دینا کہ ہم آپ کو نبی نہیں کہتے رہے یہ ایسا عظیم الشان انقلاب ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے'' (صفحہ 4)
>
> ☆''یہ بڑی عبرت کا مقام ہے۔ بڑی عبرت کا مقام ہے۔ بری عبرت کا مقام ہے کہ دنیا میں ایک قوم سالہا سال تک حضرت مسیح موعود کو خدا تعالیٰ کا نبی اور رسول قرار دیتی رہی ہے۔ مگر اب وہ دیانتداری کا دعویٰ کرنے کے باوجود یہ کہتی ہے کہ اس نے آپ کو کبھی نبی اور رسول نہیں کہا'' (صفحہ 10)

میاں صاحب کی غلط بیانی: مجھے مجبوراً وہ لفظ کہنے پڑتے ہیں جو میں کہنا نہ چاہتا تھا کہ اس ایک خطبہ میں، جناب میاں صاحب نے محض اس غرض کے لئے کہ ہماری جماعت ان کے مریدوں کی نگاہ میں بددیانت اور ذلیل ترین مخلوق قرار پائے، تین دفعہ جھوٹ بولا ہے۔ یہی جھوٹ اُنہوں نے پہلے بھی اُس خطبہ میں بولا تھا جس میں دوسروں کو سچ بولنے کی ہدایت کی تھی۔ اور میں نے اس پر ان کو توجہ بھی دلائی تھی کہ ہم نے کبھی نہیں کہا کہ ہم نے لفظ نبی استعمال نہیں کیا۔ پیغامیوں کی دوسری مثال تو دنیا میں ملتی ہو یا نہ ملتی ہو لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ میں محض دوسروں کی تذلیل اور تحقیر کے لئے اتنے بڑے جھوٹ پر اصرار کرنا اور باوجود بتا دینے کے، کہ یہ جھوٹ ہے، اسے دوہراتے جانا اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ہی ملے گی۔ ہم نے نہ صرف کبھی یہ نہیں کہا کہ ہم نے یہ لفظ استعمال ہی نہیں کیا بلکہ سینکڑوں دفعہ لکھ چکے ہیں کہ ہم نے بے شک لفظ نبی حضرت مسیح موعود کے لئے استعمال کیا۔ مگر خود مسیح موعود کی اپنی تشریح کے مطابق استعمال کیا۔ جس کو اختصاراً پھر نقل کرتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود کی تشریحات: ''ابتداء سے میری نیت میں، جس کو اللہ تعالیٰ جلشانہٗ خوب جانتا ہے، اس لفظ نبی سے مراد حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ صرف محدث مراد ہے۔'' (اشتہار 3 فروری 1892ء)

☆ ''اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اسے بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں'' (انجام آتھم ص 27)

☆ ''یہ بھی یاد رہے کہ نبی کے معنی لغت کی رو سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے اطلاع پا کر غیب کی خبر دینے والا۔ پس جہاں یہ معنی صادق آئیں گے۔ نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا'' (ایک غلطی کا ازالہ)

☆ ''محدثیت کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا جائے۔ تو کیا اس سے دعویٰ نبوت لازم آ گیا'' (ازالہ اوہام ص 422)

''**سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ**'' یعنی میرا نام اللہ کی طرف سے مجازی طور پر نبی رکھا گیا نہ حقیقی طور پر (حقیقۃ الوحی ضمیمہ ص 65)

میاں صاحب کے الفاظ کا اعادہ: میں جناب میاں صاحب کے الفاظ دہراتا ہوں۔ ’’بڑی عبرت کا مقام ہے۔ بڑی عبرت کا مقام ہے۔ بڑی عبرت کا مقام ہے‘‘ کہ ایک شخص ایک جماعت کا امام اور پیشوا کہلا کر دنیا میں واحد خلیفہ ہونے کا مدعی ہوکر مسجد میں کھڑا ہوکر، منبر پر کھڑا ہوکر جمعہ کے خطبہ میں نہ صرف اتنا بڑا جھوٹ بولے بلکہ باوجود بتانے کے کہ یہ جھوٹ ہے پھر مسجد میں منبر پر کھڑا ہوکر اس جھوٹ کو دوہرائے اور ایک ہی خطبہ میں بڑے پرزور الفاظ میں اسے تین دفعہ دہرائے۔ صرف اس لئے کہ اس کے مریدوں کی نگاہ میں ہم بددیانت اور ذلیل ثابت ہوں۔ میں جناب میاں صاحب کو چیلنج دیتا ہوں کہ وہ اپنے تمام مریدوں کو اس حوالہ کی تلاش میں لگادیں اور میری وہ تحریر پیش کریں جس میں مَیں نے یہ لکھا ہو کہ میں نے حضرت مسیح موعود کے لئے کبھی لفظ نبی استعمال نہیں کیا۔

میاں صاحب کا اصل مضمون: اب میں میاں صاحب کے اصل مضمون مسئلہ کفر و اسلام کو لیتا ہوں۔ میاں صاحب نے اس مضمون کی بنیاد حضرت مسیح موعود کے چھوٹے سے ٹریکٹ ’’تجلیات الٰہیہ‘‘ کے اس حوالہ پر رکھی ہے:

> ’’جب دورِ خسروی یعنی دورِ مسیحی جو خدا کے نزدیک آسمانی بادشاہت کہلاتی ہے ششم ہزار کے آخر میں شروع ہوا۔ جیسا کہ خدا کے پاک نبیوں نے پیشگوئی کی تھی تو اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ جو صرف ظاہری مسلمان تھے۔ وہ حقیقی مسلمان بننے لگے۔ جیسا کہ اب تک چار لاکھ کے قریب بن چکے ہیں۔‘‘

اس سے میاں صاحب نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ صرف نام کے مسلمان ہیں۔ یعنی ہم انہیں کہیں گے مسلمان ہی۔ مگر وہ حقیقت میں مسلمان نہیں۔ یعنی درحقیقت وہ کافر ہیں۔ اور جو لوگ مسیح موعود پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ درحقیقت مسلمان ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے کل اسلامی دنیا کو دو گروہوں پر تقسیم کیا ہے۔ ایک جماعت میں مکفر و مکذب، خاموش درمیانی حالت والے، تصدیق کرنے والے، مسیح موعود کی نبوت پر ایمان لانے والے، مسیح موعود کے نام سے بے خبر سب آگئے، بظاہر دونوں گروہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ مگر میاں صاحب کے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ گروہ اول یعنی چالیس کروڑ درحقیقت کافر ہیں اور گروہ ثانی یا دس لاکھ میاں

صاحب کے مرید مسلمان ہیں!

محکمات کو چھوڑنے کا نتیجہ: جب انسان محکمات کو چھوڑ دے تو متشبہات کی پیروی سے وہ جدھر چاہے نکل جائے۔ یہاں حضرت مسیح موعود نے تو جو کچھ کہا تھا وہ مسلمانوں کے اعمال کی بناء پر کہا تھا۔ یعنی جن لوگوں نے میرے ہاتھ پر توبہ کی۔ اُنہوں نے حقیقت اسلام کو پالیا۔ لیکن جن کے اعمال قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔ وہ صرف نام کے مسلمان ہیں۔

قرآن مجید کا ارشاد: خود قرآن شریف میں بھی ان لوگوں کو، جو اسلام میں داخل ہو گئے تھے مگر حقیقت اسلام سے ابھی بے خبر تھے، یہ کہا گیا ہے **قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط وَ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا** (14:49) یعنی بعض اعراب، اس لئے کہ ایمان ان کے دِلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے وہ دور پڑے ہوئے ہیں، اس بات کے مستحق نہیں کہ انہیں مومن کہا جائے۔ وہ صرف نام کے مسلمان ہیں۔ اور پھر فرمایا **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** (15:49) یعنی حقیقی مومن وہی ہیں جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں اور کوئی شک ان کے دِلوں میں باقی نہیں رہتا اور وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور یوں اللہ اور رسولؐ کی کامل فرمانبرداری کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود کے نزدیک حقیقی مسلمان کون ہے؟: اسی طرح حضرت مسیح موعود نے حقیقی مسلمان ہونے کو بداعمال سے بچنے اور اچھے اعمال کرنے کی وجہ سے قرار دیا ہے، نہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ آپ کی نبوت پر ایمان لائے۔ جیسا کہ میاں صاحب کے اپنے نقل کردہ حوالہ میں صاف مذکور ہے:

> ''میرے لئے یہ شکر کی جگہ ہے کہ میرے ہاتھ پر چار لاکھ کے قریب لوگوں نے اپنے معاصی اور گناہوں اور شرک سے توبہ کی۔''

تو حضرت مسیح موعود نے تو یہ لکھا ہے کہ جو لوگ شرک اور معاصی سے توبہ کرتے ہیں۔ وہ حقیقی مسلمان ہیں۔ یعنی اُنہوں نے حقیقت اسلام کو پالیا۔ ورنہ صرف نام کے اسلام سے کچھ فائدہ

نہیں۔ یعنی انسان اپنے آپ کو مسلمان کہے۔ مگر اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کرے۔ آپ نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انسان صرف نام کا مسلمان ہوتا ہے۔ مگر میری نبوت پر ایمان لانے سے حقیقی مسلمان بنتا ہے۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ وہ معاصی یعنی اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی سے توبہ کر کے حقیقی مسلمان بنتا ہے۔ میاں صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ مسیح موعود کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے اوپر کوئی چیز ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان سے انسان صرف نام کا مسلمان ہوتا ہے اور مسیح موعود پر ایمان لانے سے حقیقی مسلمان بنتا ہے!

جماعت قادیان سے اپیل: میں جماعت قادیان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ خود غور اور فکر کریں۔ جو بات حضرت مسیح موعود نے نہیں لکھی۔ یعنی یہ کہ میری نبوت پر ایمان لانے سے انسان حقیقی مسلمان بنتا ہے، اسے آپ کی طرف منسوب کرنا، اور جو آپ نے لکھی ہے کہ معاصی سے توبہ سے انسان حقیقی مسلمان بنتا ہے، اسے چھپانا مسیح موعود پر ظلم عظیم ہے۔ اور اس کے معنی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اب محض ایک نام ہے کہ اس پر ایمان لانے سے انسان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا اور مسیح موعود کی نبوت اصل چیز ہے جس پر ایمان سے انسان حقیقی مسلمان بنتا ہے۔

میاں صاحب کا عجز: جناب میاں صاحب چونکہ مسئلہ کفر و اسلام میں عاجز آ چکے ہیں۔ اس لئے وہ ڈوبنے والے کی طرح ہر تنکے کا سہارا تلاش کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے تو یہ کہا تھا کہ معاصی سے توبہ کرنے والے حقیقی مسلمان بنتے ہیں۔ اور جناب میاں صاحب نے آپ کی طرف یہ منسوب کیا کہ میری نبوت پر ایمان لانے سے حقیقی مسلمان بنتے ہیں۔ حقیقی مسلمان ہونا تو ایک طرف رہا حضرت صاحب کی کسی تحریر سے یہ دکھاویں کہ آپ نے لکھا ہو کہ میری نبوت پر ایمان لانے سے انسان ظاہری مسلمان بنتا ہے۔ ''تجلیات الٰہیہ'' میں تو یہ نہیں۔ کسی اور تقریر سے یا تحریر سے یہ دکھاویں۔ بلکہ اس کے خلاف حضرت مسیح موعود نے تو صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے:

> ☆''ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا'' (تریاق القلوب ص130)

جماعت قادیان سے دوبارہ اپیل: جو شخص یہ کہے کہ میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔ کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میری نبوت پر یا میرے دعویٰ پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص حقیقی مسلمان نہیں بنتا۔ میں پھر جماعت قادیان سے اپیل کرتا ہوں کہ جناب میاں صاحب نے صرف اپنی مطلب براری کے لئے حضرت مسیح موعود کی طرف وہ بات منسوب کی ہے جو آپ نے نہیں کہی۔ اور جو آپ نے کہا ہے کہ معاصی سے توبہ سے انسان حقیقی مسلمان بنتا ہے، اسے جناب میاں صاحب ہضم کر گئے ہیں۔ غلو کا ستیاناس ہو۔ اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے **لَاتغلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ** (171:4) جس طرح عیسائیوں کو اپنے غلو کی وجہ سے اللہ پر افترا کرنا پڑا۔ اسی طرح قادیانی بزرگوں کو اپنے غلو کی وجہ سے حضرت مسیح موعود پر افترا کرنا پڑتا ہے۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**

جناب میاں صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جو شخص کسی نبی پر ایمان لاتا ہے۔ وہ ظاہری پیرو ہی ہوتا ہے اور حقیقی پیرو اس وقت بنتا ہے جب وہ اس کی تعلیم پر عامل ہو۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے ایک انسان ظاہری مسلمان ہی ہوتا ہے۔ حقیقی مسلمان آپ کی تعلیم پر عامل ہونے سے ہوتا ہے۔ تمام اُمت کا یہی مذہب ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جو حضرت مسیح موعود نے کہی ہے۔ مگر چونکہ حقیقت کو جاننے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے او کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ فلاں شخص حقیقی مسلمان ہے یا نہ۔ اس لئے شریعت کی بنیاد ظاہر پر ہے۔ اور اعمال کی جزا و سزا قیامت کے دن حقیقت اعمال پر ہے۔ جو شخص کلمہ **لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** پڑھ کر داخل اسلام ہوتا ہے۔ ہم اسے مسلمان ہی کہیں گے اور وہی احکام اس پر وارد کریں گے جو ایک مسلمان پر وارد ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہم صرف ظاہر کو جانتے ہیں۔ مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو جزا یا سزا اس کے اعمال کے مطابق دے گا۔ کیونکہ وہ دِلوں کی حالت کو جانتا ہے۔ ہمیں کوئی علم نہیں کہ کون شخص کس قدر اطاعت اللہ اور رسولؐ کی کرتا ہے۔ پھر یہ بھی سچ ہے کہ کسی شخص کی اطاعت میں کچھ نقص ہوتا ہے اور کسی کی اطاعت میں کچھ۔ اور کسی کے اعمال کا موازنہ کوئی انسان نہیں کرسکتا۔ وزن کرنے والی صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس لئے ہم تمام مسلمانوں پر احکام شریعت یکساں وارد کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے مراتب مختلف ہیں۔ جیسے ان کے اعمال ہیں۔

صریح الفاظ کے خلاف نتیجہ: میاں صاحب نے جو نتیجہ صریح الفاظ کے خلاف حضرت مسیح موعود کی تحریر سے نکالا ہے کہ ایک نبوت یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تو ایسی ہے کہ اس پر ایمان لانے سے انسان صرف ظاہر میں مسلمان ہوتا ہے اور دوسری نبوت یعنی مسیح موعود کی نبوت ایسی ہے کہ اس پر ایمان لانے سے حقیقتاً مسلمان ہو جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے کو اعمال صالحہ کی ضرورت ہے مگر مسیح موعود پر ایمان لانے والے کو اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں۔ اور یوں جناب میاں صاحب ایک ہی جست میں عیسائیوں کی صف میں جا کھڑے ہوئے۔ جو حضرت عیسیٰ پر ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اُنہوں نے ایک نبی کو خدا بنا کر کفارہ کا مسئلہ بنایا تھا۔ جناب میاں صاحب نے ایک مجدد کو نبی بنا کر وہی کفارہ کا مسئلہ بنالیا۔ اگر یہ درست تھا تو جناب میاں صاحب خود ہی تشریح فرما دیں کہ ان کی اس عبارت کے کیا معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انسان ظاہری مسلمان ہوتا ہے اور مسیح موعود کی نبوت پر ایمان لانے سے وہ حقیقی مسلمان ہوتا ہے۔ کیونکہ حقیقی مسلمان ہونے کے لئے تو اعمال صالحہ کی ضرورت تھی۔ اور ایک قادیانی صرف ایمان سے حقیقی مسلمان بن گیا!

شاید جناب میاں صاحب کو معلوم نہیں کہ حضرت مسیح موعود نے تو ان لوگوں کو اپنی جماعت میں نہیں سمجھا جو تبلیغ دین کے لئے ماہوار چندہ نہیں دیتے۔ جو ہنسی اور استہزاء اور حقہ نوشی کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں، جو اپنے رشتہ داروں سے، اپنی بیوی کے اقارب سے حسن سلوک سے پیش نہیں آتے جو ادنیٰ سے ادنیٰ معاملہ میں اسلام کی تعلیم سے منہ موڑتے ہیں۔ اور میاں صاحب کہہ رہے ہیں کہ مسیح موعود پر محض ایمان سے انسان حقیقی مسلمان بن جاتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ مسیح موعود پر ایمان لا کر بھی انسان حقیقی مسلمان اس وقت بنتا ہے جب اس کے اعمال ہی صالح ہوں۔ تو پھر مسیح موعود پر ایمان سے صرف ظاہری مسلمان ہی ہوا۔ نہ حقیقی مسلمان۔ میرا خیال ہے کہ جناب میاں صاحب جذبات کی رو میں اس قدر بہہ گئے کہ اُنہوں نے سوچا نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

حضرت مسیح موعود کیا چاہتے تھے؟: حضرت صاحب کا منشاء، جیسا کہ آپ نے صراحت بھی فرما دی،

صرف اس قدر تھا کہ جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر معاصی سے توبہ کر لی ہے وہ حقیقی مسلمان ہیں بشرطیکہ اس توبہ پر قائم بھی رہیں۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ امام زمان کی شناخت بھی حقائق اسلام میں سے ایک حقیقت ہے۔ اور اعمال صالحہ میں سے ایک عمل صالح۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خدا اور رسولؐ کی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ نماز، روزہ کے پابند نہیں۔ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ چوری کرتے ہیں۔ رشوت لیتے ہیں۔ وہ حقیقت اسلام سے اسی طرح دور ہیں جس طرح اور کوئی ایسی ہی نافرمانی کرنے والا۔

ساری بحث کا ماحصل: پھر اس ساری بحث سے جناب میاں صاحب کو حاصل کیا ہوا؟! وہ کہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کو، جو حضرت مسیح موعود پر ایمان نہیں لاتے، ظاہری مسلمان کہتے ہیں۔ غالباً ان کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر داری کے طور پر لوگوں کو خوش رکھنے کے لئے وہ انہیں مسلمان کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں ''مولوی ثناء اللہ صاحب اور دوسرے مخالف مسلمانوں کو ہم مسلمان کہتے اور مسلمان ہی لکھتے ہیں۔ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ وہ ہندو ہیں یا عیسائی ہیں یا سکھ ہیں۔''

بے شک میاں صاحب انہیں ہندو یا عیسائی اور سکھ نہیں کہتے۔ اس لئے کہ وہ ہندو نہیں، عیسائی نہیں، سکھ نہیں۔ مگر وہ ان کو کافر کہتے ہیں۔ دائرہ اسلام سے خارج کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو بھی دائرہ اسلام سے خارج کہتے ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام نہیں سنا۔

''آئینہ صداقت'' کا ایک حوالہ: آئینہ صداقت اگر فی الواقع جناب میاں صاحب کے نزدیک ''آئینہ صداقت'' ہے تو اس کے صفحہ 35 کو پڑھ لیں۔ جس پر لکھا ہوا موجود ہے:

> ''کل مسلمان، جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ اُنہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔''

اور لیجئے مولوی ثناء اللہ اور دوسرے مخالف یہاں مسلمان قرار پائے ہیں اور دوسری جگہ پر وہ بھی، جو آپ کو دل میں سچا قرار دیتا ہے اور زبانی بھی آپ کا انکار نہیں کرتا، لیکن ابھی بیعت میں اسے کچھ توقف ہے، کافر قرار دیا گیا ہے۔

کہتے مسلمان ہیں سمجھتے کافر ہیں: اس سے کیا نتیجہ نکلا کہ جناب میاں صاحب غیر احمدیوں کو کہتے

مسلمان ہیں سمجھتے کافر ہیں۔ زبان پر یہ ہے کہ یہ مسلمان ہیں۔ دل میں یہ ہے کہ یہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ گویا زبان پر کچھ ہے دل میں کچھ ہے۔ زبان اور دل کی حالت یکساں نہیں۔ اس کا نام جناب میاں صاحب خود تجویز فرمالیں۔ بہتر یہی ہے کہ جو کچھ میاں صاحب کے دِل میں ہے اسی کو زبان بھی کہیں اور اسی طریق کے اختیار کرنے کی تلقین اپنے مریدوں کو بھی کریں۔ ورنہ ساری جماعت سے اعتماد اُٹھ جائے گا کہ خدا جانے جو کچھ یہ مونہہ سے کہہ رہے ہیں، ان کے دل میں بھی یہ بات ہے یا نہیں!

میاں صاحب کا چیلنج منظور ہے: جناب میاں صاحب نے بار بار یہ بھی چیلنج کیا ہے کہ وہ بڑھ رہے ہیں اور ہم گھٹ رہے ہیں۔ اور اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ جتنے آدمی ہم ان میں سے لے رہے ہیں اس سے زیادہ وہ ہم میں سے لے رہے ہیں۔ میں اس مقابلہ کے لئے تیار ہوں۔ جس کا میاں صاحب بار بار چیلنج دیتے ہیں کہ ان میں سے کتنے آدمی ہماری طرف آئے اور ہم میں سے کتنے آدمی اُن کی طرف گئے۔ چونکہ یہ دو مذہبی جماعتیں ہیں۔ اس لئے جو لوگ میرے عقائد کو خلاف عقائد حضرت مسیح موعود سمجھ کر میاں صاحب کی طرف گئے ہیں وہ فی الحقیقت دین کے لئے گئے۔ خواہ وہ میرے نزدیک غلطی پر ہوں۔ اور جو لوگ میاں صاحب کے عقائد کو خلاف عقائد مسیح موعود سمجھ کر ہماری طرف آئے ہیں۔ وہ دین کے لئے آئے۔ گو وہ میاں صاحب کے نزدیک غلطی پر ہوں۔ جو اس کے سوائے کسی اور وجہ سے کہتے ہیں وہ دنیا کے لئے یا کسی دنیوی غرض کے لئے گئے ہیں۔ اور آج ہزاروں لوگ دنیا کی خاطر بھی ایک مذہب سے نکل کر دوسرے مذہب میں چلے جاتے ہیں۔

فیصلہ کس طرح ہوسکتا ہے؟: فیصلہ کن بات یہ ہے کہ عقیدہ کی خاطر کتنے لوگ اِدھر گئے یا اُدھر گئے! یوں تو دنیوی فوائد کی خاطر لوگ دھڑا دھڑ عیسائی ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اگر بعض بدقسمت عقائد کی طرف سے آنکھیں بند کر کے میرے ساتھ آملیں یا میاں صاحب کے ساتھ جاملیں تو وہ کسی شمار کے قابل نہیں۔ کیونکہ ان کی غرض دنیا ہے دین نہیں۔ سو مجھے یہ منظور ہے کہ جناب میاں صاحب ان لوگوں کے نام شائع کر دیں جو اس اعلان کے ساتھ میری جماعت سے نکل کر ان کے ساتھ جا ملے ہوں کہ محمد علی کے عقائد خلاف عقائد حضرت مسیح موعود ہیں۔ تو میں ان لوگوں کے نام شائع کر دوں گا جو اس اعلان کے

ساتھ میاں صاحب کی جماعت سے نکل کر میرے ساتھ آ ملے ہوں کہ میاں صاحب کے عقائد خلاف عقائد مسیح موعود ہیں۔ اور ہر ایک نام کے ساتھ اس اخبار کا حوالہ دیا جائے۔ جس میں وہ اعلان چھپا ہو۔ یہ مقابلہ جناب میاں صاحب چاہیں تو شروع اختلاف سے کر لیں اور چاہیں تو تین سال آخری کافی سمجھ لیں۔ بلکہ صرف یکم جنوری تا آخر جولائی 1941ء کے ہی ایسے نام لے لیں۔ آج نہ میں کسی سے ایسا اعلان کرانے کا حق دار ہوں نہ جناب میاں صاحب، کہ میں عقائد کی بنا پر اِدھر یا اُدھر ہوا تھا۔ ہاں کسی شخص نے تبدیلی کے وقت جو اعلان کیا ہو۔ اس کو مقابلہ میں لیا جائے گا۔ کیا جناب میاں صاحب اپنے چیلنج پر قائم رہیں گے؟

میاں صاحب کا دعویٰ الہام: رہا یہ کہ میاں صاحب کو دعویٰ الہام ہے۔ اور مجھے چونکہ دعویٰ الہام نہیں، اس لئے میں خشک مُلا ہوں، تو یہ بھی سوچ لیا ہوتا کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب مرحوم کو بھی دعویٰ الہام نہ تھا۔ کیا وہ بھی خشک ملا ہی تھے۔ پھر جناب میاں صاحب کا خیال ہے کہ جسے بہت خوابیں آئیں وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> ☆ ''میری ایک سال کی خوابیں ہی اگر جمع کر لی جائیں تو وہ مولوی محمد علی صاحب کی ساری عمر کی خوابوں سے بڑھ جائیں گی۔''

سید مہر علی شاہ صاحب کی خواب: یہاں میں اپنی ہار مان لیتا ہوں۔ اس لئے بھی کہ میاں صاحب کی ایک ایک خواب بعض وقت تین تین صفحوں کی ہوتی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں سید مہر علی شاہ صاحب جو حضرت مسیح موعود کے زمانے میں تھے۔ ان کے خواب تو حضرت مسیح موعود سے بھی تعداد میں بڑھے ہوئے تھے۔ اور مجھے تو وہ زمانہ یاد ہے۔ جب حضرت صاحب سیر کو نکلتے تھے اور اُدھر سید مہر علی شاہ صاحب اپنے اس رات کے خواب سنانے شروع کرتے تھے اور بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ سیر کے وقت کا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ انہی خوابوں کے سننے میں لگ جاتا تھا۔ اگر جناب میاں صاحب کو خوابوں کے تولنے کا شوق ہے تو سید مہر علی شاہ صاحب مرحوم کے چھ ماہ کے خواب جناب میاں صاحب کی ساری عمر کے خوابوں سے زیادہ نکلیں گے۔ اعمال کا وزن تو قیامت کے دن ہونا تھا۔ مگر جناب میاں صاحب کی ذہانت نے خوابوں کے اسی دنیا میں وزن کرنے کا مسئلہ بھی نکال لیا

ہے۔ جناب میاں صاحب فرماتے ہیں: ''مولوی محمد علی صاحب الہامات پر ہنسی اُڑاتے ہیں۔'' یہ بھی غلط بیانی ہے۔ میں اس اُمت میں سلسلہ الہام کا قائل ہوں اور اس بات کا قائل ہوں کہ اس اُمت میں مجددین، محدثین اور اولیاء اللہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ رِجَالٌ یُّکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْبِیَآءَ کی حدیث کو بار بار نقل کر چکا ہوں میں الہامات پر ہنسی کس طرح اُڑا سکتا ہوں۔ جناب میاں صاب کا اس غلط بیانی سے اسی قدر مقصود ہے کہ میں ان کے مریدوں کی نگاہ میں حقیر ٹھہروں۔ میں حضرت مسیح موعود کے الہامات کو بھی منجانب اللہ سمجھتا ہوں۔ میں اس بات کا بھی قائل ہوں کہ مامورین کے سوائے بھی اس اُمت میں الہام، کشف اور رویائے صادقہ کا سلسلہ جاری ہے۔ اس بات کا بھی قائل ہوں کہ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی سچے خواب آجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود کے ساتھ اس بات کا بھی قائل ہوں کہ فاسقوں اور فاجروں کو بھی سچے خواب آجاتے ہیں۔

ہاں! میں سمجھتا ہوں کہ خواب اور الہام کے ساتھ استہزاء جناب میاں صاحب کرتے ہیں۔ جب غیر مامور ہو کر وہ ماموروں کی طرح اپنے خوابوں اور الہاموں کو پیش کرتے ہیں۔ وہ مامورین کی نقل کر کے خواب اور الہام کے سلسلہ کو بدنام کرتے ہیں۔

خواب اور الہام کے تین اقسام: حضرت مسیح موعود نے خواب اور الہام کی تین اقسام ''حقیقت الوحی'' کی ابتدا میں لکھی ہیں۔ اور یہ تقسیم انہی لوگوں کی خاطر کی ہے جو غیر مامور ہونے کے باوجود اپنے الہامات اور خوابوں کو مامورین کی طرح پیش کرتے تھے۔ ان میں سے دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کا تعلق خدا تعالیٰ سے ناقص ہوتا ہے اور ان کے الہامات اور خوابوں میں بھی ملاوٹ ہو جاتی ہے اور تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اکمل اور اصفٰی طور پر وحی پاتے ہیں اور کامل طور پر شرف مکالمہ و مخاطبہ ان کو حاصل ہے اور خوابیں بھی ان کو فلق صبح کی طرح سچی آتی ہیں۔ اور وہ خدا تعالیٰ سے اکمل اور اتم اور اصفٰی تعلق رکھتے ہیں۔ میں جناب میاں صاحب سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا جب وہ اپنے آپ کو مدعی الہام کہتے ہیں تو ان میں سے قسم دوم میں اپنے آپ کو شامل کرتے ہیں یا قسم سوم میں۔ جب تک یہ بات صاف نہ ہو۔ اس وقت تک میں اس پر مزید بحث تضیع اوقات سمجھتا

ہوں۔ خاکسار محمد علی ڈلہوزی 3 اگست 1941ء

مسجد سری نگر: (10 اگست 1941ء) اس کے لئے میں پہلے تحریک کر چکا ہوں۔ چونکہ وقت پر تکمیل عمارت کے لئے یہ ضروری ہے کہ آخر اگست تک یا شروع ستمبر میں روپیہ جماعت سری نگر کو بھجوا دیا جائے۔ اس لئے سب جماعتوں کو چاہئے کہ 22 اگست کے جمعہ میں اس کے لئے خاص طور پر تحریک کریں اور اس میں حتی الوسع سب احباب حصہ لیں۔ گو ایک ایک دو دو روپے سے ہی ہو۔ ہاں ذی ثروت احباب کو اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ایک آدمی ہی اس کی تکمیل کرا سکتا ہے۔ بہر حال 22 اگست کے خطبہ میں یا بعد از نماز میری اصل تحریک کو، جو 30 جولائی کے پیغام صلح میں شائع ہو چکی ہے، سب احباب کے سامنے پیش کر دیا جائے اور جو کچھ چندہ ہو سکے اسے فوراً دفتر محاسب میں بھجوا دیا جائے یا زیادہ سے زیادہ شروع ستمبر میں ماہوار چندوں کے ساتھ بھجوا دیا جائے۔

خاکسار محمد علی

۞۞۞

4 ستمبر 1941ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مسئلہ نبوت

میاں محمود احمد صاحب کے مضمون مندرجہ الفضل 14 اگست 1941ء کا جواب

تمہیدی نوٹ: میرے مضمون مندرجہ پیغام صلح 12 جولائی کا جواب میاں محمود احمد صاحب نے الفضل 14 اگست میں اخبار کے چوبیس صفحات پر دیا ہے۔ یہ جواب چونکہ ان شرائط کے مطابق نہیں جو میں نے پیغام صلح 8 اگست میں پیش کی تھیں کہ فریقین کے تین تین پرچے ہوں اور ہر پرچہ میں الفاظ کی تعداد میرے آخری پرچہ کی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہوں۔ اس لئے میں اس کو کسی صورت میں ان شرائط کے مطابق تو قبول نہیں کرسکتا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ان پرچوں کو کتابوں کی طرح طول دینے سے اصل غرض حاصل نہیں ہوتی۔ یہ مضمون جو اب میاں صاحب نے لکھا ہے اگر اسے کتابی سائز پر لکھا جائے تو اسّی یا سو صفحات کے قریب لے گا۔ اور ایسے دو مضمون اور اُنہوں نے لکھے تو ان کی ''حقیقۃ النبوت'' سے بھی بڑی ایک کتاب بن جائے گی۔ اس سے بہتر یہ تھا کہ ''حقیقۃ النبوت'' اور ''النبوت فی الاسلام'' کو، جو میں نے ''حقیقۃ النبوت'' کے جواب میں لکھی تھی، اکٹھا شائع کردیا جاتا۔ غرض تو یہ تھی کہ چند امور تنقیح طلب سامنے رکھ کر ان میں مدلل اور مختصر بحث ہو۔ جس سے عام قارئین کو کوئی فائدہ پہنچے۔ مگر میاں صاحب انہیں ایک لفظوں کے جنگل میں ڈال کر پریشان رکھنا چاہتے ہیں۔ اور دلائل کا مقابلہ طول کلامی سے کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کوئی ایسا مطالبہ نہ کیا تھا جس کو وہ پورا نہ کرسکتے۔ میں نے ان کے ابتدائی مضمون کے الفاظ گنوا لئے تھے۔ جو غیر متعلق باتوں کو چھوڑ کر چار ہزار بنتے تھے اور میرے مضمون کا وہ حصہ جو ان کے جواب میں مسئلہ نبوت پر لکھا گیا تین ہزار الفاظ پر مشتمل تھا۔ اس لئے میں نے اس غرض کے لئے، کہ مختصراً دونوں فریق کے دلائل ایک دوسرے کے سامنے آجائیں، یہ شرط پیش کی تھی کہ الفاظ کی تعداد ہر پرچہ میں محدود ہوگی۔ اس لئے میں ان کے مضمون کا اس قدر حصہ پیغام صلح میں شائع کرنے کو تیار ہوں جو چار ہزار حد ساڑھے چار ہزار الفاظ پر مشتمل ہو۔ چاہے وہ اسی مضمون کے ایک حصہ کی تعیین کردیں اور چاہے اس کا خلاصہ کردیں۔ بحیثیت ایک فریق کے میاں صاحب اس بات کے پابند تھے کہ

مضمون لکھنے سے پہلے یا میری شرائط کو رد کر کے اور شرائط پیش کرتے۔اور جب دونوں فریق خاص شرائط کو تسلیم کر لیتے۔تب مضمون لکھتے۔یا اگر ان شرائط کے ایک حصہ کو مان کر مضمون لکھا تھا تو میری پیش کردہ سب شرائط کی پابندی کرتے۔اب تین تین پرچوں کی شرط کو منظور کر کے اُنہوں نے مضمون تو لکھ دیا۔مگر الفاظ کی حد بندی کا وہ اپنے آپ کو پابند نہیں سمجھتے۔اور چار ہزار کی جگہ چالیس ہزار الفاظ کا مضمون پیش کرتے ہیں۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ میں ان کے مضمون کا جواب نہیں دوں گا۔جواب تو میں دے رہا ہوں۔ لیکن اخبار میں اور پھر ان کو یکجا شائع کرنے کی تجویز اس صورت میں قابل عملدرآمد ہے کہ دونوں فریق طول مضمون کی شرط کے پابند ہوں۔اس لئے میں اپنے اصل مضمون میں اب بھی اس شرائط کا پابند رہوں گا جو میں نے پیش کی ہے۔یعنی چار ساڑھے چار ہزار سے زیادہ الفاظ نہ ہوں گے۔اور میاں صاحب کے مضمون کو بھی اسی حد تک اپنے اخبار میں لینے کے لئے تیار ہوں،جس حد تک وہ میری پیش کردہ شرط کی پابندی اختیار کریں۔وہ چاہیں خلاصہ کر کے دے دیں یا خاص حصہ کی تعین کر دیں۔دوسری بات جس کی طرف میں اس تمہیدی نوٹ میں توجہ دلانا چاہتا ہوں،وہ یہ ہے کہ میاں صاحب کے مضمون میں بہت سی باتیں ایسی آ گئی ہیں جن کا تعلق مسئلہ نبوت سے، جو زیر بحث مسئلہ ہے،کوئی نہیں۔بلکہ اپنے پہلے ہی مضمون میں اُنہوں نے مجھ پر ذاتی حملے بھی کئے ہیں۔ان امور کا جواب میں الگ دوں گا۔اصل مبحث میں دوسری باتوں کو یا ذاتی حملوں کو وہ لوگ لاتے ہیں جو اپنے حریف کو دلائل میں مضبوط پا کر اس کو اپنے ساتھیوں میں دوسری طرح نیچا دکھانے کی آرزو رکھتے ہوں۔اس تمہیدی نوٹ کے ساتھ،جس کو اصل مضمون سے کوئی تعلق نہیں، میں اپنا دوسرا پرچہ مسئلہ نبوت پر پیش کرتا ہوں اور اُمید رکھتا ہوں کہ میاں صاحب اسے اپنے اخبار الفضل میں شائع کر دیں گے۔ محمد علی

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

بحث نبوت پر میرا جواب الجواب

نبوت مسیح موعود پر بحث میاں صاحب نے اس عنوان سے اُٹھائی تھی۔ ’’اللہ تعالیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعودؑ اور خود مولوی محمد علی صاحب کی شہادت‘‘۔ مگر ان کے دونوں پرچوں میں اللہ تعالیٰ کی شہادت کے ماتحت قرآن کریم کا کوئی حوالہ نہیں۔ صرف الہامات حضرت مسیح موعود کا ہے۔ حالانکہ مقدم قرآن شریف تھا۔ ظاہر ہے کہ انہیں قرآن کریم سے کوئی شہادت نبوت مسیح موعود پر نہیں مل سکی۔ یا شاید یہ وجہ ہو کہ مسیح موعود کے تازہ الہامات کے سامنے وہ قرآن کریم کو انجیل کا مرتبہ دیتے ہوں۔ میں اس مضمون کو قرآن کریم کی آیت وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (40:33) سے شروع کرتا ہوا جس کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ہیں۔ ’’لَانَبِیَّ بَعۡدِیۡ‘‘ اور حضرت مسیح موعود نے کئے ہیں ’’ہر نبوت را بروشد اختتام‘‘۔ میاں صاحب کی بحث کو لیتا ہوں۔

اول۔ میاں صاحب کی پیش کردہ حدیث نبویؐ کی شہادت

میاں صاحب نے نبوت مسیح موعود پر صرف ایک حدیث نواس بن سمعان کی پیش کی تھی اور لکھا تھا کہ اس اُمت میں گو وعدہ مجددین کے آنے کا ہے مگر ایک آنے والے کو نبی بھی کہا ہے۔ اس پر میں نے لکھا تھا کہ جب اس اُمت میں مجددین کے آنے کا وعدہ ہے اور انبیاءؑ کے آنے کا کوئی وعدہ نہیں تو معلوم ہوا کہ اجرائے نبوت کا عقیدہ غلط ہے۔ اس کا جواب دیا ہے۔ ’’نزاع کی بنیاد یہ نہیں کہ حضرت مسیح موعود کے بعد کوئی نبی آئے گا۔ ہاں نزاع کی بنیاد یہ ہے کہ اس وقت تک اُمت محمدیہ میں محدث آتے رہے ہیں۔ صرف حضرت مسیح موعود نبی تھے۔‘‘

جواب (ا): یہ اصل بحث کو ٹالنا ہے۔ لاہور اور قادیان میں مابہ النزاع یہی ہے کہ ختم نبوت کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے یا بند۔ جب تک اس دروازے کو کھلا ثابت نہ کیا جائے اس وقت تک مسیح موعود کی نبوت کا سوال ہی نہیں اُٹھ سکتا۔ 27 سال سے یہ بحث قادیان اور لاہور میں ہو رہی ہے۔ ہزار ہا صفحات لکھے گئے۔ خود میاں صاحب نے ’’حقیقۃ النبوت‘‘ میں بار بار اس پر زور دیا۔ ایک حوالہ کافی ہے:

''جبکہ نبوت کا دروازہ علاوہ محدثیت کے اُمت محمد یہ میں کھلا ثابت ہوگیا تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ مسیح موعود بھی نبی اللہ تھے'' (ص229)

صرف یہ بتایا جائے کہ کس حدیث کی رو سے نبوت کا دروازہ محدثیت کے علاوہ کھلا ثابت ہوتا ہے۔

ب: یہ اکیلی حدیث ہے۔ جس میں مسیح کے ساتھ نبی اللہ کا لفظ آیا ہے۔ بلکہ ترمذی میں یہی حدیث ہے اور اس میں لفظ نبی اللہ نہیں۔ اس کے مقابل پر بیسیوں حدیثیں ہیں جن میں آنے والے مسیح کو نبی نہیں کہا گیا۔ بلکہ **اِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ** کہہ کر اسے مجدد بتایا گیا ہے۔ یعنی جس طرح اُمت محمد یہ میں اور امام آتے رہے ہیں۔ اسی طرح مسیح بھی اپنے زمانہ کا امام یعنی مجدد ہوگا۔ اگر مجددین سے اسے نکالنا مقصود ہوتا تو **نَبِیُّکُمْ مِّنْکُمْ** کہنا چاہئے تھا۔

ج: اس حدیث کو حضرت مسیح موعود نے ساقط الاعتبار ٹھہرایا ہے۔ یہ لفظ میرے نہیں مسیح موعود کے ہیں ''دمشقی حدیث...... خود مسلم کی دوسری حدیث سے ساقط الاعتبار ٹھہرتی ہے'' (ازالہ اوہام ص 238) اس سے بڑھ کر اسے **قرآن کریم کے متناقض اور ضد** ٹھہرایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں

''مسلم کی ظنی حدیث پیش کی جاتی ہے۔ جس پر صدہا شبہات چیونٹیوں کی طرح چمٹے ہوئے ہیں۔ اور جو ظاہر الفاظ کی رو سے صریح قرآن شریف کے متناقض اور اس کی ضد پڑی ہوئی ہے...... یہ بھی ہمارا مسلم پر احسان ہے کہ ہم نے تاویل سے کام لے کر حدیث کو مان لیا۔ ورنہ رفع تناقض کے لئے ہمارا حق تو یہ تھا کہ اسے موضوع ٹھہراتے'' (تحفہ گولڑویہ ص 47)

اس اکیلی حدیث کی بنیاد پر، جو بالفاظ مسیح موعود ساقط الاعتبار ہے، ''ظنی'' ہے ''صدہا شبہات'' کا محل ہے۔ ظاہرا الفاظ کی رو سے قرآن شریف کے متناقض اور ضد ہے۔ ''موضوع ٹھہرایا جانے'' کے قابل تھی، مسیح موعود کی نبوت کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔ کیا کوئی عدالت مسیح موعود کی تحریرات کی روشنی میں اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت قرار دے گی؟!

د: حضرت مسیح موعود نے اس کے ''لفظ لفظ'' کو استعارہ قرار دیا ہے۔ میاں صاحب نے اس کا جواب دیا ہے کہ آخر کوئی لفظ تو اس میں ایسا ہوگا جس کی تاویل کی ضرورت نہ ہو۔ وہ میں بتا دیتا ہوں۔ حضرت نے اسے ظاہری الفاظ کی رو سے قرآن کریم کے متناقض اور ضد قرار دیا ہے۔ پس اس

کے ہر لفظ کو استعارہ کہا جائے گا سوائے اس کے جو قرآن کریم کے متناقض نہ ہو۔ایسی حدیث کی بنیاد پر، جس کا لفظ لفظ تاویل کے قابل ہے، کسی دینی مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔اور مسیح موعود کی نبوت ایک اہم دینی مسئلہ ہے۔تاویل کر کے حدیث کو مان لینا دوسری بات ہے۔اور یہی حضرت صاحب نے کیا ہے۔

ہ: اس میں جو لفظ''نبی''مسیح کے لئے آیا ہے، اسے خود حضرت مسیح موعود نے بار بار مجاز اور استعارہ کہا ہے۔آپ لکھتے ہیں:

☆''آنے والے مسیح موعود کا نام جو صحیح مسلم وغیرہ میں زبان مقدس حضرت نبویؐ سے نبی اللہ نکلا ہے وہ انہی مجازی معنوں کی رو سے ہے''(انجام آتھم ص28)

☆''مسلم میں مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ بھی آیا ہے۔یعنی بطور مجاز اور استعارہ کے''(ایام الصلح ص75)

☆''یہ الفاظ بطور استعارہ ہیں۔جیسا کہ حدیث میں بھی مسیح موعود کے لئے نبی کا لفظ آیا ہے''(اربعین نمبر1 ص18)

☆''وہ نبی کر کے پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے۔وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔**یہ وہ علم ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے**''(سراج منیر ص3)

میاں صاحب کہاں تک مسیح موعود کا انکار کرتے جائیں گے۔ابھی اور بہت حوالے ہیں۔

و: میاں صاحب کہتے ہیں''حقیقت استعارہ اور مجاز کے الفاظ نسبتی ہوتے ہیں۔ایک قوم کی اصطلاح کے مطابق جو معنے حقیقی ہوتے ہیں، دوسری کے نزدیک وہ مجازی ہو جاتے ہیں۔''اس سے تو انکار نہیں کہ حضرت صاحب نے اسے مجاز قرار دیا۔اب میاں صاحب اسے حقیقی معنے قرار دے کر اپنے آپ کو حضرت صاحب کے مقابل ایک قوم بنا رہے ہیں۔بعینہٖ جس طرح حضرت عیسٰی نے ابن اللہ کا لفظ مجاز کے طور پر استعمال کیا تھا۔غالی پیروؤں نے اسے حقیقت بنا دیا۔مسیح موعود نے نبی بطور مجاز استعمال فرمایا۔غالی متبع اسے حقیقت بنا رہے ہیں!

ز: حضرت صاحب نے تو صفائی سے یہ بھی کہہ دیا کہ حدیث میں لفظ نبی سے مراد محدث

ہے۔ ''مسیح جو آنے والا ہے اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا۔ یعنی خدا تعالیٰ سے وحی پانے والا لیکن اس جگہ نبوت تامہ کاملہ مراد نہیں...... **بلکہ وہ نبوت مراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے**''(ازالہ اوہام ص701)

مجاز کو حقیقت بنا کر بھی کچھ نہ بنا۔ اگر مسیح موعود کا فیصلہ منظور ہے تو حدیث میں نبی کے معنے محدث ہی ماننے پڑیں گے۔

دوم۔ حدیث نبویؐ کی انقطاع نبوت پر شہادت

میاں صاحب تو کوئی شہادت اجرائے نبوت پر یا مسیح موعود کی نبوت پر احادیث نبوی سے پیش نہ کر سکے۔ اب میں انقطاع نبوت پر حدیث نبوی کی شہادت پیش کرتا ہوں:

حدیث	ترجمہ
1۔ کَانَتْ بَنُوْا اِسْرَآئِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَآءُ کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَهٗ نَبِیٌّ وَّاِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَآءُ (بخاری)	1۔ بنی اسرائیل میں نبی رہنمائی فرماتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا نبی اس کے پیچھے آتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ہاں خلفاء ہوں گے۔
2۔ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلٰثُوْنَ کَذَّابًا کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (متفق علیہ)	2۔ میری اُمت میں تیس کذاب ہوں گے۔ ہر ایک ان میں سے دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔ اور میں خاتم النّبیّن ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔
3۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اَلَا اِنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ (متفق علیہ)	3۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا تو مجھ سے ایسا ہے جیسا ہارون موسیٰ سے۔ البتہ میرے بعد نبی کوئی نہیں
4۔ اَنَا الْلَبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ (بخاری)	4۔ میں (نبوت کی عمارت کی آخری) اینٹ ہوں اور میں خاتم النّبیّن ہوں۔
5۔ خُتِمَ بِیَ الْنَبِیُّوْنَ (مسلم)	5۔ میرے ساتھ نبی ختم کئے گئے۔
6۔ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ (ترمذی)	6۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔

انقطاع نبوت پر اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں تو مسیح موعود بھی نبی نہیں ہو سکتے۔

سوم۔ حضرت مسیح موعود کی شہادت میں محکمات

1۔ میاں صاحب محکمات کو چھوڑ کر متشابہات میں پڑ گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود کی شہادت تو یوں معلوم کرنی چاہئے کہ آپ نے 1891ء میں مسیح موعود کا دعویٰ کرتے وقت نبوت کا دعویٰ کیا یا محدثیت کا۔ وہی قطعی بات ہوگی اور وہی محکم ہے۔ ''ازالہ اوہام ص 421'' پر لکھا ہے:

''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔''

میاں صاحب کہتے ہیں کہ حضرت صاحب محدث بھی تھے اس لئے محدثیت کا دعویٰ خدا کے حکم سے ہی ہوا۔ ''ہم اس کے کبھی بھی منکر نہیں ہوئے کہ آپ خدا تعالیٰ کے حکم سے محدث تھے۔'' اب یہ امر بھی مسلم ہے کہ ''محدث'' وہ خدا سے ہمکلام ہونے والا ہے جو نبی نہ ہو۔ رِجَالٌ يُّكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْبِيَآءَ خدا کی ہمکلامی نبی سے بھی ہوتی ہے اور غیر نبی سے بھی۔ اور **ایسا غیر نبی محدث** کہلاتا ہے۔ پس 1891ء میں اللہ تعالیٰ نے جسے مسیح موعود بنایا اسے یہ بھی بتایا کہ **آپ کی ہمکلامی صرف غیر نبی ہونے کے رنگ میں ہے۔** خدا تعالیٰ کے حکم سے محدثیت کا دعویٰ کرنے کے اس کے سوائے کوئی معنی نہیں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود نے خود تصریح فرما دی۔ کہ ''نبوت کا دعویٰ نہیں۔'' تاکہ ایک غبی آدمی بھی سمجھ لے کہ محدثیت کے دعویٰ کے ساتھ انکار نبوت کا دعویٰ لازم وملزوم ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں۔ اس کے بعد انکار نبوت کیسے پرزور الفاظ میں کیا ہے:

☆ ''ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔''

☆ ''اگر یہ اعتراض ہے کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کلمہ کفر ہے تو بجز اس کے کیا کہیں کہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔''

☆ ''میں...... ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کذاب اور کافر جانتا ہوں۔''

☆ ''جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔''

☆ ''مجھے کب جائز ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں۔ اور کافروں کی جماعت سے جا ملوں۔''

☆ ''ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔''

میاں صاحب کو مسلم ہے کہ 1901ء کے آخر تک یعنی بارہ سال تک یہ انکار نبوت کرتے رہے۔ کیا دنیا میں کوئی نبی ایسا ہوا ہے جو اپنی نبوت کا منکر ہو۔ نبی تو اپنی نبوت پر اول المومنین ہوتا ہے۔ مگر یہاں نعوذ باللہ نبی کو اول الکافرین بنایا جا رہا ہے۔ میاں صاحب کے ہاتھ میں انصاف کا بھی خوب ترازو ہے۔ دوسرے لوگ نبوت کا انکار کریں تو کافر۔ لیکن خود مرزا صاحب نبوت کا انکار کر کے مدعی نبوت پر لعنت بھیج کر بھی خدا کے مقرب نبی! جب انکار نبوت مسلم طور پر کفر ہے تو کم سے کم یہ ماننا پڑے گا۔ کہ نعوذ باللہ مسیح موعود بھی حکم وعدل کہاں، محدث کہاں، مومن کہاں، بارہ سال تک کافر رہے!

2۔ میں بالمقابل دو عبارتیں رکھتا ہوں۔ طرز خطاب کے سوائے ان میں کوئی فرق دکھائے تو میں انعام دینے کو تیار ہوں۔

''اگرچہ قادیانی (حضرت مرزا غلام احمد صاحب ۔مرتب) نے یہ بات کہہ دی ہے کہ جس نبوت کا اس کو دعویٰ ہے اور اس کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا اس کا دوسرا نام محدثیت ہے اور اسی محدثیت کے معنی سے نبوت کا وہ مدعی ہے۔ مگر ساتھ اس کے اس نے محدثیت کے معنے ایسے بیان کئے ہیں اور اس کی حقیقت کی ایسی شرح کر دی ہے کہ اس سے بجز نبوت اور کچھ مراد نہیں ہوسکتا'' (فتویٰ کفر ص 76-77)

''گو ان ساری باتوں کا دعویٰ کرتے رہے جن کے پائے جانے سے کوئی شخص نبی ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ آپ ان شرائط کو نبی کی شرائط نہیں خیال کرتے تھے بلکہ محدث کی شرائط سمجھتے تھے۔ اس لئے اپنے آپ کو محدث کہتے رہے اور نہیں جانتے تھے کہ میں دعویٰ کی کیفیت تو وہ بیان کرتا ہوں جو نبیوں کے سوائے اور کسی میں نہیں پائی جاتی اور نبی ہونے کا انکار کرتا ہوں'' (''حقیقۃ النبوۃ'' ص 124)

اس کا جواب حضرت مسیح موعود نے یوں دیا ہے:

''اور میں نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ محدثیت کا مقام، مقام نبوت سے شدید مشابہت رکھتا ہے اور سوائے قوت اور فعل کے ان میں کوئی فرق نہیں۔ **لیکن ان لوگوں نے میرے قول کو نہیں سمجھا۔ بلکہ یہی کہا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا یہ قول صریح کذب ہے** اور اس میں ذرہ بھر سچائی کی چاشنی نہیں اور نہ اس کا کوئی اصل ہے۔'' (حمامۃ البشریٰ ص 81)

اگر میاں صاحب مسیح موعود کے جواب کو صحیح سمجھتے ہیں تو خود بھی اس ''صریح کذب'' سے توبہ کریں۔ اگر غلط مانتے ہیں تو مسیح موعود ماننا چھوڑ دیں۔ مسیح اول کے غالی پیروؤں نے اپنے ہادی کو خدائی کا دعویدار قرار دے کر یہودیوں کی ہمنوائی کی۔ مسیح ثانی کے غالی پیرو انہی کے نقش قدم پر چل کر مکفرین کی ہمنوائی کر رہے ہیں۔ مسیح موعود کے فیصلہ کو نہ مکفرین نے مانا نہ غالی مرید مانتے ہیں!

3۔ یاد رکھو مسیح موعود اگر دعویٰ نبوت کر سکتے تھے۔ تو اس وقت کر سکتے تھے جب خدا کے حکم سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ مگر اس وقت خدا کے حکم سے انکار نبوت کیا۔ اب کوئی دوسرا مسیح موعود پیدا کرو۔ جو دعویٰ کے ساتھ نبوت کا دعویٰ بھی کرے۔ یہ کس طرح ہوسکتا تھا کہ مخالفین الزام لگائیں کہ آپ نے دعویٰ نبوت کیا ہے تو انکار کریں اور مدعی نبوت پر لعنت بھیجیں اور پھر یہ ذلت اختیار کریں کہ بارہ سال انکار کرتے کرتے کہیں کہ مخالف سچے تھے۔ میں نبی ہی تھا۔ مگر مجھے نہ نبی کے معنی معلوم تھے اور نہ رسول کے۔ نہ محدث کے نہ ولی کے۔ اس لئے غلطی سے دعویٰ محدثیت و مجددیت اور انکار نبوت و رسالت کرتا رہا اور پھر نعوذ باللہ جھوٹ کہتا رہا کہ انکار کا حکم خدا کی طرف سے ہے اور یہ نبی کا بمعنی محدث ہونا خدا کا دیا ہوا علم ہے۔ یہ ہے غلو کا نتیجہ! حضرت صاحب نے کسی تحریر کسی تقریر میں ایک دفعہ بھی نہیں کہا کہ میں انکار نبوت میں غلطی پر تھا۔ میاں صاحب حضرت صاحب کی وہ تحریر کیوں پیش نہیں کرتے۔ میں میاں صاحب کے چوبیس صفحات کو کیا کروں۔ مجھے اس سارے مضمون کی جگہ ایک فقرہ مسیح موعود کا دکھا دیتے کہ جب میں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو عام مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق یہ کہتا رہا۔ کہ میں نبی نہیں محدث ہوں۔ عام مسلمان بھی نبی اور محدث کے معنی غلط سمجھتے تھے۔ میں بھی غلط سمجھتا تھا۔ 1901ء میں مجھے سمجھ آئی۔

چہارم۔ میاں صاحب کا اتباع متشابہات

میاں صاحب نے حسب ذیل دلائل حضرت مسیح موعود کی نبوت پر دیئے ہیں:

1۔ مسیح موعود کے الہام میں لفظ نبی اور رسول آیا ہے۔

جواب (ا): الہام میں لفظ نبی کے معنی حضرت صاحب نے خود محدث کئے ہیں۔ اس کو مجاز اور استعارہ قرار دیا ہے۔ لغوی معنی میں محض پیشگوئی کرنے والا قرار دیا ہے۔ مسیح موعود کی ان تشریحات کا انکار مسیح موعود کا انکار ہے:

☆ ''بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے الہامات میں ایسے الفاظ استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے بعض اولیاء کی نسبت استعمال ہوجاتے ہیں'' (انجام آتھم ص 28)

اور حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔

ب میاں صاحب کے نزدیک ان الہامات کی وجہ سے لوگ مکلّف ہیں کہ مسیح موعود کو نبی مانیں۔ تو یہ دعویٰ تشریعی نبوت کا ہوا۔ کیونکہ شریعت اسی کا نام ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسانوں کو کسی ایسے حکم کا مکلّف کیا جائے جس کے وہ پہلے مکلّف نہیں۔ میاں صاحب کا فرض ہے کہ اگر وہ ان الہامات کی بناء پر مسیح موعود کی نبوت منوانا چاہتے ہیں تو مسیح موعود کو تشریعی نبی مانیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے کہ ''جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے۔ وہ ملحد بے دین ہے اور غالبًا ایسا شخص اپنا کوئی نیا کلمہ بنائے گا'' (انجام آتھم ص 28) میاں صاحب صرف کلمہ کا نام لینے سے جھجکتے ہیں۔ یہی نیا کلمہ ہے کہ مسیح موعود کی نبوت پر ایمان لائے بغیر آج روئے زمین پر کہیں کوئی کافر مسلمان نہیں ہوسکتا۔

2۔ حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے کہ میں خدا کی اصطلاح میں، نبیوں کی اصطلاح میں وغیرہ وغیرہ نبی ہوں۔

جواب (ا): خدا کی اصطلاح کی وضاحت خود فرمائی ہے۔ ''یہ سچ ہے کہ وہ الہام، جو خدا نے اپنے اس بندہ پر نازل فرمایا، اس میں اس بندہ کی نسبت نبی اور رسول اور مرسل کے لفظ بکثرت موجود ہیں۔ سو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہیں۔ وَلِکُلٍّ اَنْ یَّصْطَلِحَ سو یہ خدا کی اصطلاح ہے جو اس نے ایسے الفاظ استعمال کئے'' (سراج منیر ص 3) **یعنی خدا کی اصطلاح کی رو سے یہ لفظ نبی اور رسول غیر حقیقی یا**

مجازی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔

ب: یہی حال نبیوں کی اصطلاح کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ نبی آنے والے مسیح کے لئے بطور مجاز استعمال فرمایا۔ حوالے اوپر گزر چکے ہیں۔ پہلے نبیوں نے بھی لفظ نبی محض پیشگوئی کرنے والے کے معنی میں استعمال کیا۔ جیسا کہ سلاطین 1-19-22 میں چار سو نبیوں کا ذکر ہے اور حضرت صاحب نے "ضرورت الامام" میں صفحہ 16-17 پر یہ مانا ہے۔ پس نبیوں کی اصطلاح کی رو سے بھی لفظ نبی بطور مجاز استعمال ہوسکتا ہے۔ یعنی پیشگوئی کرنے والے یا محدث کے معنی میں۔ حضرت صاحب نے لکھا ہے۔ "**خدا کو کیوں یہ حرام ہوگیا کہ مرسل کا لفظ مجازی معنوں پر بھی استعمال کرے**" مجاز کا استعمال خدا بھی فرماتا ہے۔ اس کے نبی بھی۔ یہی مراد خدا کی اصطلاح اور نبیوں کی اصطلاح سے ہے۔

ج: اسی طرح قرآن شریف میں اِنَّآ اِلَیۡکُمۡ لَمُرۡسَلُوۡنَ (14:36) میں مرسل کا لفظ مجاز کے معنی میں استعمال ہونا ساری اُمت کو مسلم ہے۔ خود حضرت صاحب کو بھی (سراج منیر ص 3)۔ تو قرآن کریم کی اصطلاح میں بھی لفظ مرسل مجازی معنی میں استعمال ہوا۔ حضرت صاحب کا منشاء تو یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے، پہلے نبیوں نے، قرآن کریم نے لفظ نبی کو بطور مجاز استعمال کیا ہے تو میرے اس لفظ کو بطور مجاز استعمال کرنے پر اعتراض کیوں؟ مگر میاں صاحب اس مجاز کو لے کر جہلاء کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔

د: میاں صاحب اسلام کی اصطلاح اور لغت کی اصطلاح کو ایک قرار دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود صفائی سے ان دونوں کو الگ کرتے ہیں۔ "یہ الفاظ بطور استعارہ ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں بھی مسیح موعود کے لئے نبی کا لفظ آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کو خدا بھیجتا ہے۔ وہ اس کا فرستادہ ہی ہوتا ہے۔ اور **فرستادہ کو عربی میں رسول کہتے ہیں۔ اور جو غیب کی خبر خدا سے پا کر دیوے۔ اس کو عربی میں نبی کہتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح کے معنی الگ ہیں۔ اس جگہ محض لغوی معنے مراد ہیں**" (اربعین نمبر 2 ص 18) مسیح موعود کو سچا مانا جائے یا میاں صاحب کو؟

ھ: میاں صاحب کی حقیقی نبوت کی تعریف من گھڑت ہے۔ حضرت صاحب نے حقیقی نبی کے مقابل محدث کو رکھا ہے۔ اس لئے جو حقیقی نبی نہیں وہ محدث ہے۔ جو محدث سے اوپر ہے وہ حقیقی نبی ہے۔ "**جھوٹے الزام مجھ پر مت لگاؤ کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ محدث**

بھی ایک مرسل ہوتا ہے'' (سراج منیر ص3)

''اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں۔ بلکہ صرف محدثیت مراد ہے'' (اشتہار 3 فروری 1892ء)

و میاں صاحب اُمتی نبی سے مراد نبی لیتے ہیں۔حضرت صاحب نے اسے صراحت سے محدث قرار دیا ہے۔ ''جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور اُمتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے بکلّی ممتنع ہے۔**وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ** (64:4) یعنی ہر ایک رسول مطاع اور امام بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو۔ ہاں محدث جو مرسلین میں سے ہے اُمتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی'' (ازالہ اوہام ص569)

3۔ حضرت مسیح موعود کو کثرت مکالمہ کا دعویٰ ہے اور کثرت مکالمہ ہی نبوت ہے۔

جواب: حضرت مسیح موعود نے کثرت مکالمہ کو صفائی سے محدثیت یا مجازی نبوت قرار دیا ہے۔ ''حقیقۃ الوحی'' کی ابتدا میں جہاں تین بابوں میں خواب دیکھنے والوں، الہام پانے والوں کا ذکر ہے۔ وہاں باب سوم میں محدثین مجددین وغیرہ کا ذکر ہے۔ اور ان کے متعلق فرمایا ''تیسری قسم کے لوگوں کی خوابیں نہایت صاف ہوتی ہیں اور پیشگوئیاں ان کی تمام دنیا سے بڑھ کر صحیح نکلتی ہیں اور نیز وہ عظیم الشان امور کے متعلق ہوتی ہیں **اور اس قدر ان کی کثرت ہوتی ہے کہ گویا ایک سمندر ہے**'' (ص55)

''اور میری نبوت سے اللہ تعالیٰ کی مراد سوائے کثرت مکالمہ اور مخاطبہ کے اور کچھ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی لعنت اس شخص پر جو اس سے اوپر کچھ ارادہ کرے'' (الاستفتاء ص62)

''اور میرا نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی بطور مجاز رکھا گیا۔نہ بطور حقیقت'' (ایضاً ص62)

4۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ لگاتار بارہ سال انکار نبوت کرنے یعنی مسیح موعود ہونے کے زمانہ کے دو تہائی حصہ تک غلطی میں رہنے کے بعد نومبر 1901ء میں آپ کو اپنی نبوت کی سمجھ آ گئی تھی۔

جواب (ا): کیا یہ ممکن ہے کہ خدا جسے مسیح موعود بنائے وہ **بارہ سال تک اسلام کے اصولی عقیدہ نبوت کے سمجھنے میں** غلطی پر رہے۔ پھر جو شخص اپنی نبوت کو نہیں سمجھ سکتا۔ وہ محمد رسول اللہ کی نبوت کو کیا سمجھے گا۔

ب: آج سے چوبیس سال پیشتر میاں صاحب کے سامنے 1901ء سے پیشتر بیعت کرنے والے ستر احمدیوں کی حلفی شہادت پیش کی گئی تھی کہ ہم نے 1901ء میں حضرت مسیح موعود کے دعویٰ میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھی۔ اور مطالبہ کیا تھا کہ وہ بھی ستر ایسے ہی احمدیوں کی حلفی شہادت پیش کریں کہ ہم نے 1901ء میں غلطی کے ازالہ کے شائع ہونے پر یہ سمجھ لیا تھا کہ اب حضرت صاحب محدث نہیں رہے نبی بن گئے ہیں۔ اور انکار نبوت کی تحریریں جن سے آپ کی کتابیں بھری پڑی ہیں منسوخ ہیں۔ پھر چیلنج کرتا ہوں کہ وہ ستر ایسی شہادتیں پیش کریں۔

ج۔ اگر دعویٰ میں تبدیلی کی تھی تو حضرت صاحب کی وہ تحریر پیش کی جائے۔ جس میں آپ نے یہ لکھا کہ آج تک میں محدثیت اور نبوت کے غلط معنی کرتا رہا۔ اب مجھے صحیح مفہوم معلوم ہو گئے ہیں اس لئے اب میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اس قدر بیہودہ بات حضرت صاحب کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور سند محض میاں صاحب کا قول ہے!

د۔ حضرت عیسیٰؑ کی حیات وفات کے سوال پر، جو محض ایک فروعی مسئلہ تھا، دنیا میں شور پڑ گیا۔ مگر اتنی بڑی اصولی بات کی کہ محدثیت کی بجائے نبوت کا سلسلہ شروع ہو گیا، کسی کو خبر نہ ہوئی اور میاں صاحب کو مسیح موعود کی وفات کے بھی سات سال بعد یہ پتہ لگا۔ پہلے یہ کہ مسیح موعود نے دعویٰ 1902ء میں تبدیل کیا اور بعد میں یہ کہ 1901ء میں تبدیل کیا۔ میاں صاحب کے ستر مرید یہی حلف اُٹھالیں کہ میاں صاحب کے ایسا لکھنے سے پہلے ہی ان کا عقیدہ تھا کہ مسیح موعود کے 1902ء یا 1901ء سے پہلے کی انکار نبوت کی تحریریں منسوخ ہیں۔ ''دین الحق'' کے مصنف میر قاسم علی اکیلے ہی مؤکد بعذاب قسم کھالیں تو میں انہیں ستر کا قائم مقام سمجھ لوں گا۔

ھ: میں بار بار حضرت صاحب کی 1903ء کی کتاب ''مواہب الرحمٰن'' کا حوالہ پیش کر چکا ہوں کہ اس اُمت میں اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ انہیں صرف ''نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے۔ مگر وہ فی الحقیقت نبی نہیں۔ اس لئے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال کو پہنچایا۔'' اس کا جواب دیا گیا ہے کہ مسیح موعود اس سے مستثنیٰ ہیں۔

1۔ لیکن یہاں تو نبی نہ ہونے کی وجہ یہ دی گئی ہے کہ قرآن میں شریعت کامل ہو چکی۔ تو

حضرت صاحب بھی بغیر شریعت کو ناقص قرار دینے کے نبی نہیں ہو سکتے۔ کیا میاں صاحب مانتے ہیں کہ شریعت اسلامی ناقص ہے!

2۔ جو الفاظ یہاں اولیاء اللہ کے لئے استعمال کئے ہیں کہ **وہ نبوت کے رنگ میں رنگین ہوتے ہیں** وہی 1908ء کی کتاب چشمہ معرفت میں اپنے لئے استعمال کئے ہیں۔ ’’آنجناب کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرت مکالمات ومخاطبات الٰہیہ بخشے کہ جو اس کے وجود میں عکسی طور پر **نبوت کا رنگ** پیدا کر دے‘‘ (ص324) **یہ وہی نبوت کا رنگ ہے جو اولیاء اللہ میں بھی ہے۔**

و۔ ’’حقیقۃ النبوت‘‘ کے مصنف میاں صاحب نے لکھا تھا ’’1901ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے، اب منسوخ ہیں۔‘‘ 14 اگست 1941ء کے ’’الفضل‘‘ میں میاں صاحب لکھتے ہیں۔ ’’یہ کہنا کہ میں 1901ء سے پہلے کی **سب تحریرات دربارہ نبوت منسوخ قرار دیتا ہوں مجھ پر ایک افترا ہے‘‘**

میاں صاحب ایک اشتہار شائع کر دیں کہ فلاں فلاں تحریرات دربارہ نبوت منسوخ ہیں۔ جب تک وہ ایسا نہ کریں میں اپنا آخری پرچہ نہیں لکھ سکتا۔

حضرت صاحب کے الفاظ کو نقل کرتے ہوئے کہ ’’اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔‘‘ میاں صاحب لکھتے ہیں ’’یعنی اب اسے **جزئی فضیلت** قرار نہیں دیتا بلکہ **کلّی فضیلت** قرار دیتا ہوں۔‘‘ اور پھر ایک چھلانگ لگا کر اسے نبوت کی دلیل بناتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اول تو کلی فضیلت کا لفظ حضرت صاحب کی تحریر (یا تقریر سے ہی) دکھائیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت صاحب نے حضرت مسیح پر کلی فضیلت کا دعویٰ کبھی کیا اور دوسرے یہ کس طرح ہوا کہ 1901ء میں ’’کلی فضیلت‘‘ کے حاصل ہو جانے کے باوجود پھر مئی 1902ء میں لکھا ’’ایسا ہی مثیل عیسیٰ بھی بہت سی باتوں میں عیسیٰ سے بڑھ کر ہے۔ اور یہ جزئی فضیلت ہے جس کو خدا چاہتا ہے دیتا ہے۔‘‘ (ریویو مئی 1902ء)

حضرت صاحب کے لفظ صرف اس قدر ہیں۔ ’’تمام شان میں بڑھ کر ہے۔‘‘ ’’بہت سی باتوں میں بڑھ کر ہے۔‘‘ ’’اپنے کارناموں کی وجہ سے افضل ہے۔‘‘ کلی فضیلت کا دعویٰ حضرت صاحب پر افترا

ہے۔ اگر ہمت ہے تو اس الزام کو دور کریں!

پنجم۔ دو آخری فیصلہ کن مطالبات

اب میں بالآخر اس مضمون کو دو باتوں پر ختم کرتا ہوں۔

1۔ حقیقۃ الوحی ص 111 پر ہے۔ تمام نبی یہی سکھلاتے آئے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کو واحد شریک مانو۔ ساتھ اس کے ہماری رسالت پر بھی ایمان لاؤ۔ میاں صاحب صرف ایک آدمی کی حلفی شہادت پیش کریں۔ اپنی ہی حلفی شہادت پیش کریں کہ **حضرت صاحب نے بیعت کے وقت اپنی نبوت کا اقرار لیا تھا۔**

2۔ حضرت مسیح موعود نے بار بار اس بات کا اقرار کیا ہے کہ وحی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ منقطع ہو چکی ہے۔ اور کہ میری وحی، وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت ہے۔ صرف وہ حوالے پیش کرتا ہوں۔

☆ ''اب جبریل بعد وفات رسول اللہ صلعم **ہمیشہ کے لئے وحی نبوت لانے سے منع کیا گیا ہے**'' (ازالہ اوہام ص 577)

☆ ''ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور **وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت** زیر سایہ محمدیہ اور بہ اتباع آنجناب صلعم اولیاء اللہ کو ملتی ہے۔ اس کے ہم قائل ہیں۔ اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگاوے۔ **وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے**'' (مجموعہ اشتہارات حصہ سوم ص 223)

جو شخص یہ کہے کہ مجھے وحی نبوت نہیں وحی ولایت ہوتی ہے۔ کیا اسے نبی کہا جائے گا یا ولی! صرف ایک حوالہ پیش کریں۔ جس میں حضرت صاحب نے یہ فرمایا کہ میری وحی، وحی ولایت نہیں بلکہ وحی نبوت ہے۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

17 اگست 1941ء

8 ستمبر 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب کا پیش کردہ طریقہ فیصلہ اور دعوت

مندرجہ الفضل 14 اگست 1941ء

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں میاں صاحب کے مضمون میں بہت سی باتیں قابل جواب ہیں جن کو میں نے اصل بحث سے الگ کر دیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ایک طرف تو میاں صاحب میری اس تجویز کو مشروط طریق پر منظور کرتے ہیں کہ دونوں فریق کے تین تین پرچے ہوں جو یکجا شائع ہوں اور شرط یہ لگاتے ہیں کہ وہ آخری جواب الجواب میں چاہیں تو ایک پوری کتاب لکھ دیں۔ وہ کسی حد کے پابند نہیں ہوں گے اور نہ ہی یہ حد بندی اُنہوں نے اپنے دوسرے پرچے میں مدنظر رکھی ہے۔ لیکن ان باتوں پر میں الگ بحث کروں گا۔ اور دوسری طرف ابھی سے پوسٹر اور اشتہارات نکلنے شروع ہو گئے ہیں اور بڑے زور شور سے یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ فیصلہ کا فلاں طریق ہے اور فلاں طریق ہے۔ اور قبل از وقت ہی نقارہ فتح بجنا شروع ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ خود کمزوری کی علامت ہے۔ جب ایک فریق بحث کنندہ دیکھتا ہے کہ وہ دلائل سے غالب نہیں آ سکتا تو پروپیگنڈا کے طور پر نقارہ فتح بجانا شروع کر دیتا ہے۔ میاں صاحب بھول گئے۔ فیصلہ کا تو ایک ہی طریق تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ دونوں فریق میں سے تین تین یا پانچ پانچ آدمی دوسرے فریق کے منتخب کردہ لے لئے جاتے اور ان کی کثرت رائے اگر ایک طرف ہو جاتی تو اسے فیصلہ سمجھا جاتا۔ مگر اسے اُنہوں نے منظور نہ کیا۔ اب بھی اگر وہ فیصلہ چاہتے ہیں تو اس کا کوئی دوسرا طریق سوائے اس کے نہیں۔ اور اگر وہ تیار ہوں تو مجھے منظور ہے۔

باقی رہا یہ کہ حضرت مسیح موعود کی فلاں تحریر اور فلاں فقرے دونوں فریق کے دستخطوں سے شائع کر دیئے جائیں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ بشرطیکہ میرے تجویز کردہ اسی قدر الفاظ بھی ساتھ شائع کر دیئے جائیں۔ وہ بھی مسیح موعود کے ہی الفاظ ہوں گے۔ میں ان میں کوئی تصرف نہ کروں گا۔ مثال کے طور پر میں کہتا ہوں حضرت صاحب نے لکھا ہے اور ایک اقرار نامہ کے طور پر لکھ کر دیا تھا کہ: ''ابتداء سے میری نیت میں، جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ خوب جانتا ہے، اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدث مراد ہے۔'' یا مثلاً ''میری طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنا مجھ پر افترا ہے'' یا مثلاً ''ہم بھی مدعی نبوت پر

لعنت بھیجتے ہیں۔'' وغیرہ وغیرہ۔ شرط یہ ہوگی کہ جتنے الفاظ حضرت مسیح موعود کے جناب میاں صاحب پیش کر کے ان پر اپنے اور میرے دستخط چاہتے ہیں۔ اتنے ہی لفظ میں پیش کروں گا۔ جن پر ان کے اور میرے دستخط ہوں۔ اور یہ دونوں تحریریں اکٹھی شائع ہو جائیں۔ لاکھ دو لاکھ چار لاکھ جس قدر میاں صاحب تجویز کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ میاں صاحب اب خود اس اپنی پیش کردہ تجویز سے گریز نہیں فرمائیں گے۔

دوسری بات، جو میں اس وقت سب سے پہلے کہنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ جناب میاں صاحب مجھے یہ دعوت دے کر اب پچھتا رہے ہیں کہ میں ان کی جماعت کے سامنے اپنے خیالات قادیان آ کر پیش کروں۔ قادیان کے چند اہلکار یا وظیفہ خوار یا وہاں رہنے والے جو مقاطعہ کے خوف سے زبان نہیں کھول سکتے وہ جماعت کے قائم مقام کس طرح سمجھ لئے جائیں! اور جو اظہار رائے میں آزاد نہیں ان کے سامنے کچھ کہنے سے کیا حاصل ہے! میاں صاحب کی جماعت وہ ہے جو جلسہ سالانہ پر جمع ہوتی ہے۔ میاں صاحب نے دعوت دی تھی۔ میں نے اسے منظور کر لیا اور کہا کہ وہ مجھے سالانہ جلسہ کے موقع پر جب فی الواقع ان کی جماعت قادیان میں موجود ہوگی، تین دن نہ دیں دو دن دے دیں۔ سالم دن نہ دیں میرا وقت محدود کر دیں۔ اور اس کے بالمقابل خود لاہور میں تشریف لا کر ہمارے سالانہ جلسہ پر ہماری جماعت کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ اپنے لاہور آنے کے متعلق تو میاں صاحب نے کچھ نہیں لکھا اور میرے قادیان جانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ جلسہ سالانہ کے دِنوں میں تو نہیں، جلسہ ختم ہونے پر وہ دو دن دے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کے مہمانوں کا خرچ بحساب تین ہزار روپیہ یومیہ میں ادا کروں۔ مجھے میاں صاحب سے یہ توقع ہرگز نہ تھی کہ میں اپنی جماعت کے ساتھ ان کا مہمان بن کر جاؤں تو وہ بجائے میری مہمان داری کرنے کے اپنے مہمانوں کا خرچ بھی مجھ سے مانگیں گے۔ اور خرچ بھی تین ہزار روپیہ یومیہ۔ گویا میں کسی ریاست کا ملک ہوں۔ جن لوگوں کو وہ ''ڈھائی بوٹیاں تے فتو باغبان'' قرار دے چکے ہیں ان سے تین ہزار روپیہ یومیہ طلب کرنا صریح انکار نہیں تو اور کیا ہے!

پھر میں نے تو جلسہ کے بعد اُن سے دو دن مانگے ہی نہیں۔ نہ میں ان کا خرچ بڑھانا چاہتا ہوں مجھ سے وہ خرچ کس طرح طلب کر سکتے ہیں۔ وہ خود دو دن جلسہ بڑھانے کی تجویز کرتے ہیں۔ اس کا خرچ مجھ سے مانگنا کس قدر بے معنی بات ہے۔ میں تو یہ دو دن بڑھانے کے ویسے بھی مخالف ہوں۔ کیونکہ باہر سے

آئے ہوئے لوگوں کا تو اکثر حصہ جلسہ ختم ہونے کے ساتھ ہی چلا جائے گا باقی وہی قادیان کے آدمی رہ جائیں گے یا اس کے ارد گرد کے، جو جلسہ کو میلہ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ میاں صاحب یہ شرط پیش کر کے کہ ان کے مہمانوں کا خرچ میں ادا کروں، نہ صرف اپنی خاندانی روایات کو پاؤں تلے روندر ہے ہیں بلکہ مہمان نوازی کے اسلامی خلق کو بھی جڑ سے کاٹ رہے ہیں۔ اور میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے ملک کی عامہ روایات کے بھی خلاف ہے کہ ایک شخص ہمارے گھر مہمان ہو کر آئے تو ہم کہیں کہ تم ہمارے مہمان تب رہ سکتے ہو کہ اپنے خرچ کے علاوہ ہمارے گھر کا خرچ بھی تم ادا کرو۔ یورپ کے لوگ بھی صرف مہمان سے اس کا ذاتی خرچ وصول کرتے ہیں۔ اپنا خرچ وہ بھی نہیں مانگتے۔ اس سے یہ تو صاف نظر آتا ہے کہ اُنہوں نے مجھے جو دعوت دی تھی یہ دوستانہ دعوت نہ تھی، لیکن مخالف کو بھی گھر بلایا جائے تو اسے مہمان ہی سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال اس کے بعد اگر میاں صاحب اپنی دعوت پر قائم رہیں اور مجھے جلسہ سالانہ پر کچھ وقت دیں تو میری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ میں اپنا اور اپنے ساتھیوں کا خرچ ان پر ڈالوں۔ وہ اس سے بے فکر رہیں۔ ہم اپنے کھانے کا انتظام خود کر لیں گے۔ اور رہائش کے انتظام کے لئے بھی انہیں تکلیف نہ دیں گے۔

میاں صاحب نے انکار کے لئے جو عذر کیا ہے وہ بہت کمزور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کی جماعت کے لوگ جلسہ سالانہ پر ان کے اور ان کے علماء کے خیال سننے آتے ہیں۔ کہنا انہیں یوں چاہئے تھا کہ وہ حضرت مسیح موعود کے ارشادات کو سیکھنے اور آپ کے آنے کی غرض کو معلوم کرنے کے لئے آتے ہیں۔ تو آخر میں بھی جو وقت لوں گا اس میں حضرت مسیح موعود کی تعلیم اور ارشادات پر ہی بحث ہوگی۔ میں کوئی اپنی بات تو پیش کروں گا نہیں۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ میاں صاحب بزعم خود اس مسیح موعود کو پیش کرتے ہیں جو بارہ سال عام مسلمانوں کی طرح غلطی پر رہا اور ان بارہ سالوں میں وہ حکم وعدل نہ تھا۔ اور نہ اس کے ان ایام کے فیصلے ماننے کے قابل ہیں۔ اور صرف چھ سال وہ حکم وعدل ہونے کے لحاظ سے مسیح موعود رہا۔ مگر ان چھ سالوں کی تحریروں کو بھی رد کرتے ہیں۔ اور میں اُس مسیح موعود کو پیش کروں گا جو 1891ء سے لے کر 1908ء تک یعنی ابتدائے دعویٰ مسیح موعود سے وفات تک حکم وعدل تھا۔ تو اس سے ان کی جماعت کی تعلیم کی تکمیل ہوگی یا کوئی نقصان ہوگا؟ میاں صاحب اگر غور فرمائیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ صرف یہ خوف ان کے دل پر ہے کہ جماعت کو مسیح موعود کا اصل دعویٰ معلوم نہ ہو جائے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ میں جلسہ سالانہ پر ان کے اوران کے علماء کے خیالات کے سننے سے ان کی جماعت کو روک تو نہیں رہا ہوں۔میاں صاحب کا جلسہ عموماً 9 بجے صبح سے نو بجے شام تک رہتا ہے۔ یعنی بارہ گھنٹے۔اس میں لیکچروں کا وقت اگر دس گھنٹے بھی سمجھ لیا جائے تو تین دن میں تیس گھنٹے ہوئے۔ ان میں سے میں ان سے صرف چار گھنٹے مانگتا ہوں۔باقی چھبیس گھنٹے بلکہ اس سے بھی زیادہ باقی اوقات میں بھی وہ ان کے اوران کے علماء کے خیالات کو سنیں گے تو اس میں کتنا نقصان ہو جائے گا۔ بلکہ ان دو گھنٹوں کے لئے بھی میں اس بات پر بھی راضی ہوں کہ صرف ایک گھنٹہ میری تقریر ہو جس میں اس مسیح موعود کو پیش کروں جو ابتدائے دعوٰی سے وفات تک حکم وعدل رہا اور اس کے بعد ایک گھنٹہ سوال و جواب پر خرچ ہو۔مگر صرف اس شرط پر کہ میری تقریر کے متعلق سوال کرنے والے خود میاں صاحب ہوں۔تا کہ اگر وہ یہ سمجھتے ہوں کہ میں نے کہیں اُن کی جماعت کو گمراہ کر دیا ہے تو وہ مجھ پر گرفت کر کے جماعت کو اس گمراہی سے نکال لیں۔وہ تین منٹ سوال کریں مگر سوال صرف ایک ہو۔اور میں سات منٹ میں اس کا جواب دوں۔اوراس طرح چھ دفعہ یہ سوال و جواب ہو کر بحث مکمل ہو جائے۔

اب بات تو بالکل صاف ہے۔دعوت میاں صاحب نے خود دی۔جلسہ سالانہ کے سوائے ان کی دعوت کو قبول کرنے کا میرے لئے کوئی موقعہ ہی نہیں۔جلسہ سالانہ پر اتنا تھوڑا وقت مجھے دینے سے ان کا نقصان کوئی نہیں۔دو دن صرف دو گھنٹے روزانہ۔ان دو گھنٹوں میں سے بھی ایک گھنٹہ میں ان کے جرح کے جواب دوں گا۔باقی سارا وقت ان کے اوران کے علماء کے خیالات ہی ان کی ساری جماعت سنتی رہے گی۔ پھر میں بھی حضرت مسیح موعود کے ارشادات کے سوائے کچھ نہ پیش کروں گا۔اوراس مسیح موعود کو پیش کروں گا جس سے ان کی جماعت نا آشنا ہوگئی ہے۔یعنی وہ مسیح موعود جو ابتدائے دعوٰی مسیح موعود سے وفات تک حکم و عدل تھا۔اوراصول دین یعنی توحیداور رسالت کے مسائل میں اس سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔جیسا کہ میاں صاحب کا خیال ہے۔پھران سب پر یہ بات کہ اسی طرح اورانہی شرائط کے ساتھ میں جناب میاں صاحب کو لاہور آنے کی بھی دعوت دیتا ہوں۔جہاں نہ صرف احمدیہ جماعت لاہور بلکہ عام پبلک کے سامنے اپنے خیالات بیان کرنے کا موقع ہوگا۔ خاکسار محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور ڈلہوزی 2 ستمبر 1941ء

12 ستمبر 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب کے مضمون مندرجہ الفضل 14 اگست 1941ء کے ایک حصہ کا جواب

میاں صاحب نے اپنے مضمون میں بحث نبوت کے علاوہ اور بہت کچھ بھر دیا ہے۔ مگر یہ سب باتیں خلط مبحث میں داخل ہیں۔ مختصراً ان میں سے ضروری امور کا جواب اصل بحث سے الگ کر کے دے رہا ہوں۔

نیت پر حملہ: سب سے پہلے میاں صاحب نے یہ لکھا ہے کہ گو اُنہوں نے اپنے مضمون کا عنوان ''اللہ تعالیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود اور مولوی محمد علی صاحب کی شہادت'' رکھا تھا۔ مگر میرا اس پر یہ لکھنا کہ مجھے اس رفاقت پر فخر ہے، سنجیدگی سے نہیں، استہزاء کے طور پر ہے۔ گویا انہیں میری نیت کا بھی علم ہے۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ میں نے کس کی تحقیر کے لئے لکھا یا کس سے استہزاء کیا حاشا وکلاّ۔ ہاں میں یہ ضرور سمجھتا ہوں کہ میاں صاحب کے قلم سے یہ بات بے اختیار نکل گئی ہے۔ وہ اگر میرے خلاف لکھ رہے ہیں تو خود اللہ تعالیٰ کی شہادت کو بھی رد کر رہے ہیں۔ جس نے قرآن کریم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین فرمایا۔ جس کے معنے کبھی خود بھی یوں کئے تھے۔ (تشحیذ الاذہان اپریل 1910ء)

> ''آپ کے بعد کوئی شخص نہیں آئے گا کہ جس کو نبوت کے مقام پر کھڑا کیا جائے اور وہ آپ کی تعلیم کو منسوخ کر دے اور نئی شریعت جاری کرے بلکہ جس قدر اولیاء اللہ ہوں گے اور متقی اور پرہیزگار لوگ ہوں گے سب کو آپ کی غلامی میں ہی ملے گا جو کچھ ملے گا۔ گویا آپؐ کے بعد صرف اولیاء اللہ آئیں گے نبی نہیں آئیں گے''

> ''اس طرح خدا تعالیٰ نے بتا دیا کہ آپ کی نبوت نہ صرف اس زمانے کے لئے ہے بلکہ آئندہ بھی کوئی نبی اور نہیں آئے گا''

> ''یہاں آپ کے خاتم النبین ہونے کے متعلق ایک پیشگوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے دنیا میں سینکڑوں نبی گذرے ہیں۔ مگر آنحضرت صلعم کے بعد تیرہ سو برس گزر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوت کا دعویٰ کر کے کامیابی حاصل

نہیں کی''

اب دیکھئے 1910ء میں میاں صاحب مسیح موعود کو اولیاء اللہ میں داخل کر رہے ہیں اور ان کی نبوت کے دعوٰی کا انکار کر رہے ہیں۔ کیا میاں صاحب بھی اسی غلطی میں مبتلا تھے جو حضرت مسیح موعود کو لگی تھی۔ اور جس کا پتہ نہ خود مسیح موعود کو لگا نہ اور کسی کو بلکہ خود میاں صاحب کو بھی 1910ء تک پتہ نہ ملا۔ پھر اسے سے بھی زیادہ زور سے لکھتے ہیں۔ یعنی ہم نے آپ کو خاتم النّبیّن بنایا اور جانتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور کوئی دوسرا آدمی بھی ایسا دعوٰی نہ کرے گا۔ کہ ہم اس کو ہلاک نہ کر دیں۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی پیش گوئی ہے کہ جس کا رد کسی سے ممکن نہیں۔ اگر ہے تو ہمارے سامنے پیش کرو۔ اب میں جناب میاں صاحب کو ہی میاں صاحب کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ اس تاریخی پیشگوئی کو رد کرنے والے بھی وہ خود ہی نکلے۔ جس بات کے لئے 1910ء میں چیلنج دیا جا رہا تھا کہ یہ کسی سے ممکن نہیں وہ 1914ء میں ایسے زور سے ممکن ہوگئی کہ گویا اپنی طرف سے اسلام کی بنیادوں کو ہلا دینے کی کوشش کر دی گئی۔ بلاشبہ اس عظیم الشان پیشگوئی کا رد سوائے میاں صاحب کے کسی سے ممکن نہ تھا!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا رد: پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کو بھی رد کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اس کی تشریح لَانَبِیَّ بَعۡدِیۡ سے کی اور اپنے آپ کو قصرِ نبوت کی آخری اینٹ قرار دیا۔ اور اپنے بعد دعوٰی نبوت کرنے والوں کو دجال کذاب قرار دیا۔ مگر میاں صاحب ان سب کو رد کر کے ایک حضرت عائشہؓ کے قول کو پکڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ کے قول کی تاویل حدیث نبویؐ کے ماتحت ہونی چاہیئے۔ نہ یہ کہ حضرت عائشہؓ کے قول کے معنے حدیث کے خلاف کئے جائیں اور پھر ان احادیث کو، جو کثیر مقدار میں انقطاع نبوت پر شاہد ہیں رد کر دیا جائے۔

حضرت مسیح موعود کی شہادت کا رد: پھر وہ (میاں صاحب) حضرت مسیح موعود کی شہادت کو رد کرتے ہیں کہ آپ نے مسیح موعود کے دعوٰی کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ''نبوت کا دعوٰی نہیں بلکہ محدثیت کا دعوٰی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔'' پھر فرمایا کہ: ''ابتدا سے میری نیت میں، جس کو اللہ تعالیٰ جلشانہٗ خوب جانتا ہے، اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدث مراد ہے۔'' پھر فرمایا ''ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں''۔ پھر فرمایا کہ مجھے وحی نبوت نہیں ہوئی صرف وحی ولایت

ہوتی ہے۔ ازیں قبیل میں سینکڑوں تحریریں پیش کر سکتا ہوں جنہیں میاں صاحب رد کرتے ہیں (مجھے کیا افسوس ہو کہ وہ مجھے رد کر رہے ہیں) اور باایں نبی نبی پکارتے جاتے ہیں۔ آخر کچھ تو خدا کا خوف دل میں ہونا چاہیئے کہ جس شخص کو ایک طرف نبی بنایا جا رہا ہے دوسری طرف اس کے فیصلہ جات کو پیٹھ کے پیچھے پھینکا جاتا ہے!

میاں صاحب کی تجویز منظور ہے: میں نے ابھی ان کے طریق فیصلہ کے جواب میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے جو ''ایک غلطی کے ازالہ'' کو دونوں فریق کے دستخطوں کے ساتھ شائع کرنے کی تجویز پیش کی ہے مجھے وہ منظور ہے۔ بشرطیکہ اسی قدر الفاظ حضرت مسیح موعود کے لکھے ہوئے جو میں پیش کروں۔ انہیں بھی اسی طرح دونوں فریق کے دستخطوں کے ساتھ شائع کر دیا جائے۔ اب خود پتہ لگ جائے گا کہ حضرت مسیح موعود کی شہادت کو کون رد کر رہا ہے!

مجھے رفاقت پر فخر ہے: میرے ہاتھ میں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اللہ تعالیٰ کی شہادت بھی موجود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت بھی موجود ہے۔ حضرت مسیح موعود کی شہادت بھی موجود ہے۔ پس مجھے فی الواقع اس رفاقت پر فخر ہے۔ اور میاں صاحب کا اسے استہزاء قرار دینا محض ایک تعلّی ہے جس کے وہ اس لئے عادی ہو گئے ہیں کہ ان کے مرید بغیر سوچے سمجھے جو وہ لکھ دیں اسے مانتے چلے جاتے ہیں اور اپنے آپ کو **اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ** (31:9) کا مصداق بنا رکھا ہے۔

میری شکایت: میں نے شکایت یہ کی تھی کہ میاں صاحب ہمارا نام ''پیغامی'' رکھ کر باوجود ہمارے بار بار توجہ دلانے کے کہ یہ ہمارا نام نہیں **لا تنابزوا بالالقاب** کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس کے جواب میں میاں صاحب نے 1916ء سے شروع کر کے 1941ء تک پیغام صلح کے فائلوں میں سے حوالے تلاش کرا کر سخت الفاظ کے نمونے پیش کئے ہیں۔ حالانکہ اس کا تعلق بحث سے کچھ نہ تھا۔

میاں صاحب کی دماغی کیفیت: مگر وہی ان کی دماغی کیفیت ان پر غالب آ جاتی ہے کہ کسی طرح مریدوں کو یہ دکھایا جائے کہ یہ ''پیغامی'' بڑے قابل نفرت ہیں۔ تا کہ ان کے دِلوں پر دلائل کا کچھ اثر نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت یہ ہتھیار جناب میاں صاحب کو اچھا کام دے رہا ہے مگر یہ ہمیشہ کام آنے والی چیز نہیں۔ اور ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں۔ اگر اس کے مقابل میں بھی جناب میاں صاحب کے سرکاری

اور غیر سرکاری اخباروں سے ایسے ہی الفاظ نکلوانا شروع کر دوں تو نتیجہ کیا ہوگا؟! یہی کہ اب اخباروں کے اوراق انہی باتوں پر ضائع ہوں۔ کون ان باتوں کی وجہ سے ہمیں عقلمند کہے گا؟ یہ تو انتہاء درجہ کی بیوقوفی ہوگی کہ جو گند پہلے اچھالا گیا۔ اب اسے پھر تازہ کر کے لوگوں کے سامنے رکھا جائے!

سخت کلامی کا مقابلہ: ہاں! یہ میں میاں صاحب کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اگر اس غلاظت کو تولنے کی ضرورت ہے تو اس سوال کو الگ کر کے بھی کہ یہ گند ''پیغام صلح'' نے پہلے اچھالنا نہیں شروع کیا بلکہ جواباً سختی اختیار کی۔ اس لئے کہ دوسرے فریق کی تعلّی اور سخت کلامی، جو بعض وقت ......تک پہنچ جاتی تھی حد سے بڑھتی جاتی تھی اگر ایک پلڑے میں پیغام صلح کے اٹھائیس سال کے فائل کی سخت کلامی رکھ دی جائے اور میاں صاحب کے ''خالد'' اور ''الفاروق'' کا ایک سال کا فائل گندہ ذہنی کا دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو پیغام صلح کا پلڑا آسمان کی طرف اُٹھ جائے گا!

میری طرف سے اعلان: پھر میں تو کئی بار پیغام صلح میں یہ اعلان کر چکا ہوں کہ ہمارے اخبار میں ہر قسم کے ذاتی حملوں سے اجتناب ہونا چاہئے اور سختی کو چھوڑنا چاہیئے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس معیار پر سارے مضمون نویس پورے اترتے ہیں یا نہیں۔ میاں صاحب اپنا ایک ہی اعلان اس مضمون کا دکھاویں۔ بلکہ ان کے سامنے جب یہ سوال آیا تو اپنے اخبارات کی یوں پیٹھ ٹھونکی کہ ان میں تو سختی ہوتی ہی نہیں گویا وہ تو نرم کلامی کا اسوۂ حسنہ پیش کر رہے ہیں جس کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ ہو سکتا ہی نہیں کہ اور بھی زیادہ سختی کی جائے۔

میاں صاحب کا مشورہ: میں میاں صاحب سے عرض کرتا ہوں کہ ان باتوں کو جانے دیں اور وقت اور روپیہ ان باتوں پر ضائع نہ کریں اور اگر انہیں اس بات کے فیصلہ کرنے کا بہت ہی شوق ہے کہ سخت کلامی میں زیادتی کس فریق کی ہے تو دوسرے مضمون نویسوں کو جانے دیں۔ وہ بحث بہت طویل ہو جائے گی۔ صرف اپنی اور میری تحریروں کا مقابلہ کر لیں اور اس کے لئے بھی اٹھائیس سال کے اخباروں کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں۔ ایک تحریر میں ان کی بطور نمونہ پیش کر دیتا ہوں۔ اور ایک تحریر وہ میری بطور نمونہ پیش کر دیں۔ جسے وہ سب سے زیادہ سخت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ میں ان کی وہ تحریر بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔ جس میں ہمیں گوبھی اور شلجموں کے اُن سڑے ہوئے چھلکوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو کھاد کے ڈھیر پر پڑے ہوئے

ہوں اور ہمیں دنیا کی بدترین قوم قرار دیا گیا ہے۔ جس کی مثل بدقوم اور دنیا میں کوئی ہوئی ہی نہیں اور ہمیں زمین پر جہنم کی چلتی پھرتی آگ قرار دیا ہے۔ اس کے مقابل پر وہ میری ایک تحریر پیش کر دیں جوان کو سب سے زیادہ سخت نظر آتی ہو۔ اور ان دونوں کو ایسے تین ثالثوں کے سامنے رکھ دیں جس کا ہم دونوں فریق سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور جس فریق کی وہ کثرت رائے سے سختی زیادہ قرار دیں وہ دوسرے سے معافی مانگ لے اور آئندہ کے لئے ان فضول باتوں پر وقت ضائع نہ کیا جائے۔ یا معافی بھی نہ سہی صرف آئندہ کے لئے وہ اپنے فریق کو ہدایت کر دے کہ چونکہ بے تعلق ثالثوں کی رائے میں ہماری تحریریں زیادہ سخت ہیں، اس لئے آئندہ ہم کو چاہئے کہ سختی سے اور ذاتی حملوں سے قطعی اجتناب کیا جائے۔

پیغامی نام سے یاد کرنے کی وجہ: میاں صاحب ''پیغامی'' نام سے ہمیں یاد کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ بھی انہیں قادیانی یا محمودی نام سے یاد کرتے ہیں۔ اگر بالفرض ہمارا انہیں قادیانی یا محمودی کہنا **لَاتَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ** ہے۔ اور انہیں یہ نام پسند نہیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ چونکہ ان کی رائے میں ہم نے ایک حکم قرآن کی مخالفت کی، اس لئے وہ بھی اس حکم کی مخالفت کریں گے۔ کیا یہ دلیل میاں صاحب کے نزدیک درست ہے؟

اصل حقیقت: اصل حقیقت یہ ہے کہ جب سے دو فریق الگ ہوئے ہیں ان کو الگ الگ نام دینے کی بھی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ ایک فریق کا ہیڈ کوارٹر قادیان ہے۔ دوسرے کا لاہور۔ ہم انہیں اگر قادیانی کہتے ہیں تو ان کے ہیڈ کوارٹر کے لحاظ سے کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ بھی ہمارے ہیڈ کواٹر کے نام کے لحاظ سے ہمیں احمدیہ فریق لاہور کہیں تو ہمارے لئے برا منانے کی کوئی وجہ نہیں۔ دونوں فریق کو تمیّز کرنے کے لئے ہر ایک کو اگر اس کے ہیڈ کوارٹر کے نام سے موسوم کیا جائے تو یہ بالکل درست ہے۔ بلکہ جہاں تک مجھے علم ہے سرکاری کاغذات میں ہر دو فریق انہی دو ناموں سے موسوم ہیں۔ یعنی Qadian Section یا فریق قادیان اور Lahore Section یا فریق لاہور۔

میاں صاحب کا عذر: میاں صاحب کا یہ عذر کہ اگر وہ ہمیں فریق لاہور یا احمدیہ جماعت لاہور کہیں تو ان کی لاہور کی جماعت برا مناتی ہے۔ اس لئے وہ حکم قرآن کی خلاف ورزی کر کے ہمارا نام ''پیغامی'' رکھیں گے یا کبھی ہم کو ''غیر مبائع'' کہتے ہیں، عذر گناہ بدتر از گناہ، کا مصداق ہے۔ ان کی جماعتیں تو جگہ

جگہ موجود ہیں۔ ہر جگہ کے لحاظ سے ان کا نام الگ نہیں۔ بلکہ وہ سب کے سب اپنے ہیڈ کوارٹر کے لحاظ سے قادیانی ہی کہلائیں گے۔ لاہور والے قادیانی جماعت لاہور۔ پشاور والے قادیانی جماعت پشاور۔ دوسرا نام محمودی ہے۔ جس سے ہمارے بعض دوست قادیانی جماعت کو متمیّز کرتے ہیں۔ سو وہ ان کے رہنما کے لحاظ سے ہے۔ جن کا نام محمود ہے۔ اگر حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب اپنے رہنماؤں کے نام کے لحاظ سے کہلاتے تو قادیان والے محمودی نام کو برا کس طرح منا سکتے ہیں! کم از کم آج تک میری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی قادیانی نے محمودی نام کو ناپسند کیا ہو۔ اگر وہ فی الواقع اسے بُرا مناتے ہیں تو میاں صاحب ہی ایک اعلان کر دیں کہ ہم محمودی نام کو برا مناتے ہیں۔ میں اپنے دوستوں کو ہدایت کر دوں گا کہ وہ محمودی نام استعمال نہ کریں۔

اصل میں بات یہ ہے کہ یہ محض ایک جواب کے طور پر میاں صاحب نے کہہ دیا ہے۔ ورنہ فی الحقیقت وہ محمودی نام کو ناپسند نہیں کرتے۔ لیکن ہم نہ پیغامی کہلاتے ہیں نہ پیغامی نام کو پسند کرتے ہیں نہ ہی ہم غیر مبائع نام کو پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی ہوئی ہے۔ اور اب جو لوگ ہمارے سلسلہ میں شامل ہوتے ہیں، بذریعہ بیعت شامل ہوتے ہیں۔ اگر قادیانی ہمیں اس لئے غیر مبائع کہتے ہیں کہ ہم نے ان کے ''خلیفہ'' کی بیعت نہیں کی تو ہم بھی انہیں غیر مبائع کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے ہمارے سلسلہ میں بیعت نہیں کی۔ تو اس سے فائدہ کیا ہوگا؟!

سنگاپور ہائی کورٹ کا مقدمہ: ہاں ایک بات بطور حقیقت ظاہر کر دینا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ مجھے صحیح تاریخ یاد نہیں۔ بیس سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہو گا کہ سنگاپور کے ہائی کورٹ میں ایک مقدمہ میں جو ازالہ حیثیت عرفی کی بنا پر ایک احمدی نے بعض مخالفین پر کیا تھا، جج نے اپنے فیصلہ میں جماعت احمدیہ کے دونوں فریق میں یہ امتیاز قائم کیا تھا کہ فریق لاہور احمدی کہلا سکتا ہے اور فریق قادیان قادیانی۔ گویا بجائے لاہوری اور قادیانی کے انہوں نے۔ احمدی اور قادیانی کا امتیاز قائم کیا تھا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ امتیاز درست ہے۔ اگر صرف احمدی لکھا جائے تو اس سے مراد احمدی فریق لاہور ہو اور اگر قادیانی لکھا جائے تو اس سے مراد احمدی فریق قادیان ہو۔

میاں صاحب کا اعتراض: جناب میاں صاحب اس بات پر معترض ہیں کہ ہم انہیں قادیانی لکھتے

ہیں۔اس کے ساتھ احمدی کا لفظ کیوں نہیں لگاتے۔اس کی دو وجوہات ہیں۔اول تو قادیانی کے ساتھ احمدی کا لفظ لگانے کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔قادیانی کے نام سے ذہن سوائے اس کے دوسری طرف منتقل ہی نہیں ہوتا کہ وہ احمدی ہے۔تو قادیانی کے ساتھ احمدی لگانا تحصیل حاصل ہے۔ہاں لاہوری یا فریق لاہور کے ساتھ احمدی کا لفظ لگانا ضروری ہے۔کیونکہ صرف لاہوری کے لفظ سے ذہن قطعاً اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ یہ شخص جماعت احمدیہ کا فرد ہے۔اس لئے احمدی کا لفظ ساتھ لگانا ضروری ہے۔ لیکن نام تو اختصار کے لئے ہوتا ہے۔اس لئے جس قدر مختصر نام ہو بہتر ہے۔یعنی دونوں فریق کے نام یوں ہوں۔قادیانی جس سے مراد جماعت احمدیہ کا وہ فریق ہے جس کا ہیڈ کوارٹر قادیان ہے۔احمدی جس سے مراد جماعت احمدیہ کا وہ فریق ہے۔جس کا ہیڈ کوارٹر لاہور ہے اور میں پسند کروں گا کہ ہمارے دوست ان اصطلاحات پر زور دیں۔قادیانی جماعت کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔

فریق قادیان کا نیا مذہب: گو ہم جانتے ہیں کہ فریق قادیان نے حضرت مسیح موعود کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب بنالیا ہے۔مگر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔اگر وہ اپنے آپ کو احمدی کہیں جس طرح حضرت عیسٰیؑ کو خدا ماننے والے بھی گو غلو کرتے ہیں۔اور حضرت عیسٰیؑ کی صحیح تعلیم سے منحرف ہیں،مگر عیسائی ہی کہلاتے ہیں۔لیکن امتیاز کے لئے۔اور یہ امتیاز ایک حقیقت پر ''نبی'' ہے۔موزوں یہی ہے کہ فریق قادیان قادیانی کہلائے اور فریق لاہور احمدی کہلائے۔

حقیقی وجہ: دوسری اور حقیقی وجہ اس کی ایک اور ہے۔حضرت مسیح موعود نے جب اس جماعت کا نام احمدیہ جماعت رکھا تو اس میں دو باتیں بالصراحت بیان فرمائیں۔جن دونوں سے اب قادیانی بزرگ انکار کر رہے ہیں۔پہلی بات یہ ہے کہ احمدیہ نام کو آپ نے آنحضرت کی طرف منسوب کیا۔اپنی طرف نہیں کیا۔ چنانچہ نام رکھنے کی وجہ آپ نے یوں بیان فرمائی ہے۔

> ''اور اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام ہیں۔ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم''

میاں صاحب اسے تسلیم نہیں کرتے: اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے ''احمدیہ'' نام آنحضرتؐ کے اسم احمدؐ کی طرف منسوب کر کے رکھا۔مگر جناب میاں صاحب آنحضرتؐ کے دوسرے نام

احمد کا رکھا جانا تسلیم نہیں کرتے۔ اور چیلنج کر چکے ہیں کہ کوئی شخص ثابت کرے کہ آنحضرت ﷺ کا نام احمد رکھا گیا ہو اس لئے جب میاں صاحب کے نزدیک وہ بنا ہی باقی نہ رہی جس بنا پر اس جماعت کا نام احمدیہ رکھا گیا تھا۔ تو اب انہیں احمدیہ کہلانے کا حق نہیں ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود نے صرف اپنی جماعت کا نام ہی احمدیہ نہیں رکھا کہ یہ خیال گذر سکے کہ شائد اپنے نام پر رکھ لیا ہو۔ بلکہ خود اپنا نام بھی یہی پسند کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''اور وہ نام جو اس سلسلہ کے لئے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے''

پس حضرت مسیح موعود اپنے آپ کو بھی مسلمان فرقہ احمدیہ کہتے ہیں۔ اگر انہوں نے اپنے نام کی طرف منسوب کر کے یہ نام رکھنا ہوتا تو یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اپنے لئے بھی احمدیہ نام پسند کرتے ہیں۔

دوسری بات: دوسری بات جو میاں صاحب اور ان کی جماعت کو اس بات کا حق دار نہیں ٹھہراتی کہ وہ اپنے لئے احمدی کا لفظ استعمال کریں، وہ یہ ہے کہ حضرت صاحب نے اپنا اور اپنی جماعت کا نام صرف احمدی نہیں رکھا بلکہ ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' رکھا ہے۔ گویا اسلام کے بہت سے فرقوں میں سے یہ ایک فرقہ ہے۔ یا بہت سی جماعتوں میں سے ایک جماعت ہے۔ لیکن میاں صاحب کو یہ تسلیم نہیں۔ وہ اپنے آپ کو ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' کبھی نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اور فرقوں کے لوگ بھی ہیں مسلمان بھی۔ اور وہ اسی طرح مسلمان کہلا سکتے ہیں جس طرح احمدی مسلمان کہلا سکتے ہیں۔ اب میاں صاحب چاہیں یوں کہیں کہ ہم زیادہ پکے مسلمان ہیں۔ اور دوسرے اتنے پکے نہیں۔ اور چاہیں یوں کہیں کہ دوسرے صرف ظاہری طور پر مسلمان ہیں۔ ہم حقیقی طور پر مسلمان ہیں۔ لیکن اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو فی الحقیقت مسلمان نہیں مانتے۔ کیونکہ وہ سب کو کافر ہی نہیں دائرہ اسلام سے خارج بھی کہتے ہیں۔ ''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں'' (انوار خلافت صفحہ 90) ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں'' (آئینہ صداقت صفحہ 35)

مسلمانوں سے قطعی علیحدگی: یہی نہیں کہ صرف دنیا کے چالیس یا ساٹھ کروڑ مسلمان کافر بن گئے بلکہ

ان کے نزدیک آج کوئی کافر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار سے اسلام میں داخل بھی نہیں ہوسکتا۔ پس جب وہ مسلمانوں سے قطعی طور پر الگ ہو چکے ہیں اور ان کا ایک اخبار ان کی تقریر کے یہ الفاظ بھی نقل کر چکا ہے کہ ''جیسے ایک غیر احمدی کا فرض ہے کہ جب تک وہ بیعت میں داخل نہ ہو مسیح موعود اور اس کے متبعین کو مسلمان نہ سمجھے، ایسے ہی ایک احمدی کا فرض ہے کہ جو مسیح موعود کی بیعت میں نہیں، اسے مسلمان نہ سمجھے'' (فاروق 16 جنوری 1916ء صفحہ 10)

حضرت مسیح موعود نے ہمارا نام ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' رکھا ہے اور احمدی نہیں رکھا۔ جب ہم اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں۔ تو وہ صرف اختصار کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں ورنہ اصل نام ہمارا ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' ہی ہے۔ اور جب ہم اختصاراً اپنے آپ کو ''احمدی'' کہتے ہیں تو اس سے مراد درحقیقت ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' ہوتا ہے۔ پس جب تک جناب میاں صاحب یہ اعلان نہ کریں کہ وہ حضرت مسیح موعود کے اصلی اعلان کے مطابق اپنے آپ کو ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' کہتے ہیں۔ اس وقت تک وہ اپنے آپ کو احمدی بھی نہیں کہہ سکتے۔ یا وہ اپنے آپ کو اسلام کے مختلف فرقوں میں سے ایک فرقہ قرار دیں اور یا اپنے آپ کو احمدی نہ کہیں۔ صرف قادیانی کہیں۔

خاکسار محمد علی

دارالسلام ڈلہوزی

7 ستمبر 1941ء

۞۞۞

8اکتوبر1941ء

دعائے امیر

کفر پر غلبہ کے لئے دعا

وَاعۡفُ عَنَّا وَاغۡفِرۡلَنَا وَارۡحَمۡنَا اَنۡتَ مَوۡلٰنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ۔ (286:2)اے خدا کفر دنیا پر غالب ہے۔ بے ایمانی کا دور دورہ ہے۔ جھوٹ زوروں پر ہے۔ دنیا اور مال دنیا کی محبت انسانی دلوں کو اپنے قبضہ میں لے چکی ہے۔ جسمانی طاقت اور مادی سامانوں اور ظاہری زیب وزینت سے انسانوں کو گمراہی کی طرف لے جایا رہا ہے۔ مگر اے مالک! تیرا وعدہ ہے کہ تو اسلام کو دنیا پر غالب کرے گا۔ تیرا وعدہ ہے کہ ایک عظیم الشان گمراہی اور ضلالت کے بعد لوگ پھر تیری طرف جھکیں گے۔ تو حق ہے اور تیرا وعدہ حق ہے۔ سو آج تو اپنے اس وعدہ کو پورا فرما اور حق کو باطل پر، رشد کو ضلالت پر اور اسلام کو کفر پر غالب فرما۔

اے! خدا کفر اور ضلالت کی فوجیں اس قدر زور سے حملہ آور ہو رہی ہیں کہ ان کو روکنا کسی انسان کا کام نہیں۔ لیکن تو ہمارا مولیٰ اور مددگار رہے۔ اور تیری طاقت سب طاقتوں پر غالب ہے۔ تو اپنی طاقت کو ظاہر فرما۔ ہاں! تیری طاقت پہلے بھی کمزور انسانوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی رہی ہے۔ آج اس چھوٹی سی جماعت کے ذریعہ سے اسے ظاہر فرما۔ ہم گنہگار ہیں، کمزور ہیں، عاجز ہیں، مگر دلوں میں یہ تڑپ ہے کہ حق باطل پر اور اسلام کفر پر غالب آئے۔ تو ہمارے گناہوں اور ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔ تو ہماری حفاظت فرما۔ اور ہمیں ٹھوکروں سے اور گرنے سے بچا اور اپنے فضلوں اور رحمتوں کی بارش ہم پر برسا۔ تیرا عفو اور تیری مغفرت اور تیرا رحم میرے بھی شامل حال ہو۔ اور میرے ان بھائیوں کے بھی جو تیرے در پر گر کر تیری مدد کے طالب ہیں اور ان کے بھی جو غفلت میں پڑے سو رہے ہیں۔ اور ان کے بھی جو اس نیک کام میں دانستہ یا نادانستہ روکیں پیدا کر رہے ہیں۔

اے اللہ! تو ہمارا مددگار بن اور اسلام کی کمزور جماعت کو کفر کی بے پناہ طاقتوں پر غالب فرما۔ کیونکہ انسانوں کی ساری طاقتیں تیری طاقت کے جلوہ کے سامنے هباء منثورًا (23:25) ہو کر اُڑ جاتی ہے۔ اے خدا! تو قرآن کو دنیا میں غالب فرما۔ اسلام کو غالب فرما۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غالب فرما۔ اور کفر اور ضلالت کی فوجوں کو مٹا دے۔ اَللّٰھُمَّ انۡجُزۡ وَعۡدَکَ وَانۡصُرۡ عَبۡدَکَ وَاھۡزِمِ الۡاَحۡزَابَ وَحۡدَکَ. اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجۡعَلُکَ فِیۡ نُحُوۡرِھِمۡ وَنَعُوۡذُبِکَ مِنۡ شُرُوۡرِھِمۡ

8 اکتوبر 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

ربوبیت الٰہی کے لئے دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. اے خدا! کہ تیری ربوبیت اس کائنات کے ذرّے ذرّے پر حاوی ہے۔ تو نے انسانوں کو ان کی جسمانی ربوبیت کے بہتر سے بہتر سامان عطا فرمائے ہیں۔ تو اب اپنی اس مخلوق کی، جو تجھ سے دور جا پڑی ہے اور طرح طرح کی ظلمتوں میں گرفتار ہو کر اپنی ہلاکت کی طرف دوڑی جا رہی ہے، اپنے قرآن کے ذریعہ سے ربوبیت فرما۔ ان کو اپنے در پر جھکنا سکھا اور ان کے دِلوں کو اس لذت سے آشنا کر جو تیرے در پر گرنے سے ملتی ہے۔ اے خدا! تو نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کو وہ بینظیر کامیابی عطا فرمائی کہ ان کے ذریعہ سے ملکوں اور قوموں کی کایا پلٹ دی اور انہیں پست ترین مقام سے اُٹھا کر بلند ترین مقام پر پہنچایا، تو آج ہماری اور ہماری جماعت کی ربوبیت فرما کر اسے قرآن کو دنیا میں پہنچانے میں اور اسلام کو دنیا میں پھیلانے میں کامیابی کے بلند مینار پر کھڑا کر دے اور ہمارے ہاتھوں سے اپنے دین کی تبلیغ کی وہ بنیاد رکھوا جس پر قیامت تک عمارت بنتی چلی جائے۔ اور ہر مسلمان کو توفیق عطا فرما کہ اس کے دل میں اس مقام پر پہنچنے کی تڑپ پیدا ہو۔

8 اکتوبر 1941ء

مکتوب امیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قادیانی اعتراضات کے جواب

مکرم ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

بعض احباب نے آج کل کے قادیانی اشتہارات کا ذکر کر کے بعض باتوں کا جواب بذریعہ اخبار مانگا ہے۔ اس لئے ذیل کی سطور کو اخبار میں شائع کر دیں۔

اول: پہلا اعتراض یہ ہے کہ میں نے 1904ء میں کسی مقدمہ کے دوران میں اثنائے شہادت میں یہ کہا ہے کہ: ''مرزا صاحب دعویٰ نبوت کا اپنی تصانیف میں کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ نبوت کا اس قسم کا ہے کہ میں نبی ہوں۔ لیکن کوئی نئی شریعت نہیں لایا۔ ایسے مدعی کا مکذب قرآن شریف کی رو سے کذاب ہے۔''

جواب:1۔ اس بیان سے یہ تو صاف نظر آتا ہے کہ میں نے ایک خاص قسم کا دعویٰ نبوت حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کیا ہے اور وہ اس قسم کی نبوت ہے کہ اس کا مکذب کذاب ہے۔ حالانکہ اصطلاح شریعت میں جو نبوت ہے اس کا مکذب کافر ہے۔ جیسا کہ **اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡکَافِرُوۡنَ حَقًّا**(151:4) سے ظاہر ہے۔ تو اس کو نبوت صرف اس رنگ میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک انسان سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ اس پر وحی یا کشف یا الہام کے رنگ میں ظاہر فرماتا ہے، اس کی تکذیب یعنی اس کو افتراء اقرار دینا ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔ اس لئے ایسا شخص کذاب ہے مگر وہ کافر نہیں۔ حالانکہ اگر یہ **ہمکلامی** نبوت کے رنگ میں ہوتی۔ تو اس کا انکار کرنے والا کافر ہوتا۔ پس میرے بیان میں نبوت کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کے معنے میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی لغوی معنے ہیں۔ جس معنے میں حضرت مسیح موعود نے بھی اسے استعمال کیا ہے نہ اصطلاح شریعت میں۔

2۔ پھر میرے یہ الفاظ ہیں:

''یہ دعویٰ اس قسم کا ہے کہ میں نبی ہوں۔ لیکن کوئی نئی شریعت نہیں لایا۔''

ان الفاظ سے بعض وقت یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا بلا تشریع نبوت بھی اصطلاح

شریعت میں نبوت ہے۔ حالانکہ اصطلاح شریعت میں جو چیز نبوت ہے اس کے ساتھ تشریع لازم وملزوم ہے۔ اس امر کو ''النبوت فی الاسلام'' میں واضح کیا گیا ہے۔ نبوت بلا تشریع یا غیر تشریعی نبوت محض لغوی معنوں کی رو سے نبوت ہے۔ نہ اصطلاح شریعت میں۔ یہی امر صوفیاء کو مسلم ہے۔ اور ان کے کلام میں جہاں نبوت غیر تشریعی کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد ولایت اور محدثیت ہی ہے۔ خود حضرت مسیح موعود نے ''تریاق القلوب'' میں اسی بات کو تسلیم فرمایا ہے۔ جہاں لکھا ہے:

> ''اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں۔ گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا'' (تریاق القلوب ص 130 حاشیہ)

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ **صاحب الشریعت** کے ماسوا جس قدر ہیں وہ اصطلاح شریعت میں **ملہم اور محدث** ہیں۔ ہاں لغت کی رو سے ان پر کبھی نبی کا لفظ بول دیا جائے تو وہ محض مجاز ہوگا۔ لغت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی نبوت کہلا سکتی ہے اور یہی لغوی استعمال ہے جس سے لوگوں کو دھوکا لگا۔

پس اول میرا یہ کہنا کہ ایسے مدعی نبوت کا منکر بروئے قرآن کذاب ہے یعنی کافر نہیں۔ اور دوم میرا اسے صاف طور پر ایسی نبوت کہنا جس کے ساتھ شریعت نہیں۔ یہ دونوں باتیں صاف بتاتی ہیں کہ میں نے لفظ نبی بطور مجاز یا لغوی معنے میں استعمال کیا جس طرح حضرت صاحب اور آپ کے سب مرید اس زمانہ میں کرتے تھے۔

3۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جس قدر محتاط حضرت مسیح موعود اس بارے میں تھے۔ اس قدر احتیاط دوسرے لوگ نہیں برت سکے۔ چنانچہ اسی مقدمہ میں حضرت صاحب کے اپنے بیان میں یہ موجود ہے کہ دعویٰ آپ کا مسیح اور مجدد ہونے کا ہی ہے اور لفظ نبی اور رسول محض ظل کے رنگ میں ہے اور یہ ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی جانتا ہے کہ ظل اور اصل دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جس طرح ظل اللہ،

اللہ نہیں ہے، اسی طرح ظلّی نبی، نبی نہیں وہ ولی ہے جس میں صفات نبوت منعکس ہوتی ہیں۔

دوم: خط میں دوسری بات، جو میری طرف منسوب کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ میں نے یوں لکھا ہے:

''حضرت مسیح موعود فی الواقع مرسل اور انبیاء میں شامل ہیں۔ سنت اللہ کے مطابق پہلے مختلف زمانوں کے اندر مختلف ممالک میں انبیاء آتے رہے۔ مگر گذشتہ انیس سو سال میں صرف تین نبی آئے۔ حضرت عیسٰیؑ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود۔''

اس پر حوالہ دیا ہے۔ ''میرا عقیدہ در بارہ نبوت صفحہ 82''

میری کوئی کتاب اس نام کی نہیں۔ اور یہ محض جھوٹ اور افترا ہے جو قادیانیوں نے ایک باطل کو کھڑا کرنے کے لئے بنا دیا ہے۔ میں اس قسم کی بعض عبارتوں کے متعلق پہلے بھی اخبار میں اعلان کر چکا ہوں کہ قادیانی محض جھوٹ بنا کر میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ جس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ یہ ہم پہلے بھی شائع کر چکے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بے دینی کیا ہوگی کہ عبارتوں کی عبارتیں بنا کر ایک شخص کی طرف منسوب کی جائیں۔ پھر اتنا بھی نہیں کہ توجہ دلانے پر اس پر اظہار افسوس کیا جائے! افسوس یہ ہے کہ ان کے بڑے لوگ ایسے موقعوں پر ان کو شاباش ہی دیتے ہیں۔ دنیا کو وہ ضرور دھوکہ دے لیں گے لیکن آخر اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک دن افتراؤں کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

میاں صاحب کے مخلص مرید کا مکتوب بنام حضرت امیر: (19 اکتوبر 1941ء)

سیدنا مولٰینا حضرت امیر ایدکم اللہ بنصرہٖ العزیز۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خاکسار نے تئیس یا چوبیس سال ہوئے جناب میرزا محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کی بیعت کی تھی۔ کچھ عرصے ان عقائد کے متعلق جو جناب میاں صاحب موصوف نے حضرت مسیح موعود کی تعلیم کے صریح خلاف جماعت میں رواج دے دیئے تھے دل میں سخت بے چینی اور بے اطمینانی رہتی تھی۔ اپنے ان شکوک اور شبہات کو میں نے میاں صاحب کی خدمت میں دو مرتبہ پیش کیا۔ مگر میاں صاحب موصوف نے ان کے ازالہ کی طرف توجہ مبذول نہ فرمائی۔ اور حق یہ ہے کہ ان اعتراضات کا ان کے پاس کوئی جواب ہی نہ تھا۔ اس لئے کسی جواب دینے کی بجائے جو میرے دل کو اطمینان اور تسلی بخشتا، انہوں نے مجھے سیکرٹری تبلیغ و تعلیم و تربیت کے عہدہ سے محض اس بنا پر علیحدہ فرما دیا کہ میں نے اپنے سوالات پیغام صلح جیسے

مخالف اور سخت معاند اخبار میں کیوں شامل کرائے ۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

بہر حال خاکسار اپنے طور پر برابر تحقیق میں لگا رہا۔جس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت صاحب نے کبھی اپنے دعوے میں تبدیلی نہیں فرمائی۔اور ہمیشہ آپ کا دعوٰی ظلّی ، بروزی، مجازی اور امتی نبی ہونے کا تھا۔جس کو آپ نے دوسرے لفظوں میں محدث فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ .اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ .ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ اس نے اپنے رحم اور فضل سے حق کے پا لینے کی توفیق عطا فرمائی۔اس لئے میں آج میاں صاحب کی بیعت فسخ کرتا ہوں اور حضور سے نہایت ادب اور عاجزی سے التجا کرتا ہوں کہ سلسلہ حقہ احمدیہ میں میری شمولیت قبول فرمائیں۔اور مجھ عاجز کے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے اپنے رحم اور فضل سے استقامت عطا فرمائے۔اور مجھے صحیح معنوں میں احمدی بننے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق بخشے۔آمین ثم آمین۔خاکسار محمد حسین احمدی پنشنر۔محلّہ کشمیریاں۔پٹیالہ۔19 اکتوبر 1914ء

راقم مکتوب ہذا کے دو خط جناب میاں صاحب کے نام پیغام صلح 26 ستمبر اور 17 اکتوبر میں شائع ہو چکے ہیں۔ان کا تیسرا مکتوب حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں لکھا گیا ہے۔قارئین پیغام صلح ملاحظہ فرمائیں۔مدیر

۞۞۞

21 نومبر 1941ء

حضرت امیر کے قلم سے

حضرت امیر بنام میاں محمود احمد صاحب۔1

قادیان اور لاہور کے جلسوں میں دونوں فریقوں کے رہنماؤں کی تقریروں کی ضرورت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مکرم معظم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

چند ماہ ہوئے آپ نے مجھے دعوت دی تھی کہ میں قادیان میں آکر آپ کی جماعت کے سامنے وہ دلائل پیش کروں جن کی بناء پر جماعت لاہور کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اپنے دعوٰی کے نہ ماننے والے مسلمانوں کو کافر نہیں ٹھہرایا اور نہ خود نبوت کا دعوٰی کیا۔ اسے میں نے خوشی سے منظور کیا اور صرف اس قدر درخواست کی تھی کہ جماعت تو جلسہ سالانہ کے موقع پر ہی جمع ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت مجھے یہ موقعہ دیا جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی آپ کو بھی دعوت دی تھی کہ آپ اسی طرح ہمارے جلسہ سالانہ میں تشریف لا کر وہ دلائل پیش کریں جن کی بناء پر آپ تمام مسلمانوں کو، جو جماعت احمدیہ میں شامل نہیں، دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور حضرت مسیح موعود کو مدعی نبوت قرار دیتے ہیں۔

جلسہ سالانہ پر تبادلہ خیالات: اس کے جواب میں آپ نے یہ لکھا کہ جلسہ سالانہ پر آپ یہ موقع نہیں دے سکتے۔ البتہ جلسہ سالانہ کے بعد دو دن دے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ کے مہمانوں کا خرچ بحساب تین ہزار روپے یومیہ میں ادا کروں۔ یعنی چھ ہزار روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ جواباً میں نے لکھا تھا کہ قادیان میں جا کر ہم آپ کے مہمان ہوں گے اور آپ اور آپ کی جماعت کی حیثیت میزبان کی ہوگی اور میزبان کا یہ مطالبہ، کہ مہمان اپنا ہی نہیں میزبان کا خرچ بھی ادا کرے، مہمان نوازی کے اسلامی خلق کی بالکل ضد ہے۔ اور دوسرے جلسہ کے بعد بیرونی جماعتوں کے لوگ تو چلے جائیں گے۔ میں کس کو اپنے دلائل سناؤں گا۔ اس لئے سالانہ جلسہ پر صرف دو دن دو گھنٹے روزانہ وقت دیا جائے۔ ایک دن مسئلہ کفر واسلام کے لئے۔ ایک دن دعوٰی نبوت کے لئے۔ اس طرح پر کہ ایک گھنٹہ میں اپنے

دلائل بیان کروں اور ایک گھنٹہ آپ کی جرح کا جواب دوں۔ اور بعینہٖ اسی طرح آپ ہمارے جلسہ سالانہ پر دو دن اپنے دلائل پیش کریں۔ یعنی ایک گھنٹہ پہلے آپ دلائل پیش کریں۔ اور دوسرے گھنٹے میں اسی طرح میری جرح کا جواب دیں۔ آپ نے اس کا کوئی جواب اب تک نہیں دیا۔ اور اب چونکہ جلسہ سالانہ بالکل قریب آ رہا ہے۔ اس لئے یاددہانی کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ خود دعوت دے کر اب آپ کا اس طرح خاموشی اختیار کرنا مناسب نہیں۔

ہماری قلیل جماعت کے عظیم الشان کام: میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کی جماعت کے مقابلہ میں ہماری جماعت تعداد میں تھوڑی ہے۔ لیکن دوسری طرف خدا کے فضل سے جس قوت سے یہ جماعت کام کر رہی ہے اس کا انکار آپ بھی نہیں کر سکتے۔ اس قلیل جماعت نے چند سالوں میں دو نئے مشن یورپ میں قائم کر لئے۔ یورپ کی تین زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ کر دیا۔ دو ہائی سکول قائم کر لئے۔ ہزار ہا کی تعداد میں تراجم قرآن اور تراجم سیرت نبویؐ اور تراجم تعلیمات اسلامی مفت دنیا میں شائع کئے۔ ایک عظیم الشان مسجد وسط یورپ میں بنا دی۔ بہت سا اسلامی لٹریچر پیدا کیا۔ جو آج مسلمانان عالم کے لئے رہنمائی کا کام دے رہا ہے۔ ایسی فعال جماعت اگر آپ کے ساتھ مل جائے تو یقیناً آپ کے لئے بڑی قوت کا موجب ہوگی۔

دونوں جماعتوں کی علیحدگی کی وجوہ: مگر یہ جماعت آپ سے کیوں الگ ہوئی ہے؟ اس لئے کہ یہ یقین رکھتی ہے کہ آپ حضرت مسیح موعود کی تعلیم سے منحرف ہو گئے ہیں اور حضرت مسیح موعود نے کبھی یہ تعلیم نہ دی تھی کہ جن لوگوں نے آپ کو نہیں مانا، وہ خارج از اسلام ہیں۔ اور کہ ختم نبوت کے بعد آپ مدعی نبوت ہیں۔ دوسری طرف آپ (میاں صاحب) کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود کی تعلیم سے منحرف ہو گئے۔ اور کہ واقعی حضرت مسیح موعود نے اپنے نہ ماننے والوں کو خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ اور کہ آپ ختم نبوت کے بعد مدعی نبوت ہیں۔

دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کے دلائل سننے کی ضرورت: حضرت مسیح موعود کی تحریریں بغیر کسی تحریف کے ہمارے سامنے موجود ہیں۔ کیا ہم دونوں اکٹھے ہو کر اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکتے؟ اور کیا ایسا فیصلہ کرنے کی سب سے بڑھ کر ذمہ داری ایک طرف آپ پر اور دوسری طرف مجھ پر نہیں؟ اور

فرض کیجئے کہ فیصلہ کوئی نہ ہو سکے تو کم سے کم دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے دلائل کو تو سن لیں۔ ان میں بہتیرے ایسے لوگ ہوں گے۔ جو ہم دونوں کے دلائل کو سن کر دل سے ایک دوسرے فریق کے ساتھ ہو جائیں گے تو آپ اس طریق فیصلہ یا اس طریق عمل کو کیوں رد کرتے ہیں؟!

فیصلہ کا بہترین طریق: فیصلہ تو یوں ہو سکتا ہے۔ جس کی طرف میں پہلے بھی آپ کو بارہا توجہ دلا چکا ہوں کہ چار ثالث آپ جماعت لاہور سے منتخب کر لیں اور چار ثالث میں جماعت قادیان سے منتخب کرلوں اور دو دو ثالث ہم دونوں دوسرے مسلمانوں میں سے چن لیں۔ ان بارہ آدمیوں میں سے اگر سات کی یہی رائے ہو جائے کہ فلاں فریق کے دلائل زیادہ مضبوط ہیں تو اسے فیصلہ سمجھا جائے گا۔ مگر اس فیصلہ کا یہ منشاء ہرگز نہ ہوگا کہ یا آپ مَیں یا آپ کی اور میری جماعت کے لوگ اپنے عقیدہ کو ترک کر دیں۔ یا اپنی ضمیر کے خلاف کوئی عقیدہ قبول کر لیں۔ ہاں یہ فائدہ اس کا ضرور ہو جائے گا کہ ایک تو جو اس وقت اس بحث پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے، وہ اُٹھ جائے گا اور دوسرے کم سے کم آئندہ ہمارا وقت اور روپیہ بجائے اس جھگڑے کے کسی اور بہتر کام پر صرف ہوگا۔

جلسوں میں تقریریں: اگر آپ باوجود اپنے دلائل کو مضبوط سمجھنے کے اس سیدھے طریق فیصلہ کو قبول کرنا پسند نہیں کرتے تو میں اس کو بھی چھوڑتا ہوں۔ کم سے کم دونوں جماعتیں دونوں فریق کے دلائل کو تو سن لیں۔ اور جس کے لئے خدا چاہے اس میں روشنی کی جھلک پیدا کر دے۔ اس لئے اگر آپ صرف میرے ثالثوں کے مطالبہ کی وجہ سے خاموش ہیں تو میں اس مطالبہ کو چھوڑتا ہوں۔ صرف دونوں جماعتوں کو یہ موقعہ دے دیا جائے کہ وہ ایک دوسرے کے دلائل کو سن لیں۔ اور دونوں مسائل پر آپ کی جماعت کے سامنے میری تقریر اور جماعت لاہور کے سامنے آپ کی تقریر ہو جائے۔ زیادہ نہ سہی ایک ہی دن میں دونوں مسائل پر تقریر ہو جائے۔ مثلاً ہمارا جلسہ 25 دسمبر کو شروع ہوتا ہے اور اس دن آپ کا جلسہ نہیں ہوتا۔ تو آپ 25 دسمبر کے دن ہمارے جلسہ پر دو تقریریں کریں۔ ایک مسئلہ کفر پر اور دوسری حضرت صاحب کے دعویٰ نبوت پر۔ اور آپ کا جلسہ 28 دسمبر کو ختم ہوتا ہے اور اس دن ہمارا جلسہ نہیں ہوتا۔ تو میں 28 دسمبر کو آپ کے جلسہ پر دو مسائل پر دو تقریریں کروں۔

تقریروں اور جرح کے لئے وقت: یہ دونوں تقریریں دو دو گھنٹے کی ہوں۔ اس طرح پر کہ آپ یا میں

پہلے ایک گھنٹے تک تقریر میں اپنا مسلک اوراس کے دلائل کھول کر سنادیں اور دوسرے گھنٹہ میں، مَیں آپ کی تقریر پر اور آپ میری تقریر پر جرح کریں۔ یعنی تین منٹ سوال کے لئے ہوں اور سات منٹ جواب کے لئے۔ اس طرح چند مرتبہ سوال و جواب ہو کر ہر قسم کے اعتراض جو کسی فریق کے دلائل کی کمزوری کو ظاہر کر سکتے ہیں سامنے آجائیں گے۔ اوران کے جوابات کی کمزوری یا مضبوطی بھی معلوم ہو جائے گی۔ چار گھنٹے کی تقریر ایک دن میں آپ کے لئے تو قطعاً مشکل نہیں۔ کیونکہ آپ چھ چھ گھنٹے بھی تقریر کرنے کے عادی ہیں۔ اس میں اگر دقت ہے تو مجھے ہے۔ کیونکہ میں اتنی لمبی تقریر کرنے کا عادی نہیں۔ اور پھر ایک طرف بوجہ تقاضائے عمر اور دوسری طرف بعض عوارض کی وجہ سے، جو میرے لاحق حال ہیں، میں کمزور بھی ہوں۔ لیکن جماعت کے مفاد کی خاطر میں اس تکلیف کو اُٹھانے کے لئے تیار ہوں۔

اگر قادیان کے جلسہ پر موقعہ نہ دیں تو لاہور ہی آجائیں: اگر آپ کسی صورت میں یہ پسند نہیں کرتے کہ آپ کی جماعت میرے دلائل کو سنے تو پھر بھی اپنی دعوت پر قائم ہوں۔ یعنی پھر بھی آپ کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ آپ مندرجہ بالا طریق عمل کے مطابق 25 دسمبر کو ہمارے جلسہ سالانہ پر تقریر کریں اور اپنے دلائل کو جماعت لاہور کے سامنے پیش کریں۔ اور جو کچھ ان پر اعتراضات وارد ہوتے ہیں، ان کے جواب بھی ہماری جماعت کے سامنے پیش کریں۔ شاید آپ کہیں کہ آپ کو جلسہ کی وجہ سے مصروفیت بہت ہوتی ہے۔ مگر آپ کا 25 دسمبر کا دن خالی ہے۔ اور شام کو آپ گھر واپس جا سکتے ہیں اور یہ فائدہ تھوڑا نہ ہوگا کہ آپ جماعت لاہور کے سامنے اپنے دلائل کو پیش کر کے انہیں تکفیر اور نبوت کے عقائد میں اپنا ہم خیال بنالیں گے۔ اس کے بعد آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انہیں کیا انکار ہوگا؟!

دلائل سننے یا سنانے میں گھبراہٹ کیوں ہے؟: مجھے بعض وقت حیرت ہوتی ہے کہ آپ اپنے دلائل ہماری جماعت کے سامنے بیان کرنے سے یا میرے دلائل کے اپنی جماعت کے سامنے آنے سے کیوں گھبراتے ہیں! بلکہ خود ثالثوں کے تقرر سے کیوں گھبراتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا تو یہ دعوٰی ہے کہ ایک تحریر بھی حضرت مسیح موعود کی ہم دونوں کے دستخطوں سے شائع ہو جائے۔ تو سب لوگوں کو حضرت مسیح موعود کا مذہب سمجھ آجائے گا۔ پس وہی تحریر ہی آپ پیش کر دیں اور پھر دیکھ لیں کہ کیا اس تحریر سے وہ نتیجہ نکلتا ہے جو آپ نکالنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ کا اور آپ کے مریدوں کا یہ خیال ہے کہ خود میری فیصلہ کن

تحریریں ایسی موجود ہیں جن سے حضرت مسیح موعود کا دعویٰ نبوت اور مسلمانوں کو کافر قرار دینا کھلا کھلا ثابت ہو جاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں تو آپ کو ثالثوں کے تقرر سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ثالث اس کے حق میں فیصلہ دیں گے جس کے دلائل قوی ہیں۔

تو میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اپنے دلائل کو اتنا مضبوط سمجھتے ہیں تو للہ اس جلسہ سالانہ پر اس کا فیصلہ بھی کر لیں۔ اور اگر ثالثوں کا تقرر کسی صورت میں آپ کو منظور نہیں تو کم سے کم اپنے دلائل ہمارے جلسہ سالانہ پر سنا دیں اور ہمارے دلائل اپنے جلسہ سالانہ پر سن لیں۔ اور اگر آپ کو یہ کسی صورت میں منظور نہیں کہ میرے ''کچے'' دلائل کو بھی آپ کی جماعت سنے۔ تو پھر کم سے کم اسی قدر منظور فرما لیں کہ مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ اپنے دلائل ہی جماعت لاہور کے سامنے واضح کر دیں۔ مجھے اُمید ہے کہ میرے ان جملہ مطالبات کو آپ منظور فرما لیں گے۔ اور عقلاً آخری مطالبہ کو کہ آپ خود ہمارے جلسہ میں تشریف لا کر وہ دلائل ہمیں سنائیں جن سے ہم پر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت مسیح موعود نے اپنے نہ ماننے والوں کو خارج از اسلام قرار دیا ہے اور خود ختم نبوت کے بعد دعویٰ نبوت کیا ہے۔ والسلام۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

20 نومبر 1941ء

22 دسمبر 1941ء

حضرت امیر بنام میاں محمود احمد صاحب۔2

نوٹ: حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ نے ایک کھلی چٹھی قادیان اور لاہور کے جلسوں میں دونوں فریقوں کے رہنماؤں کی تقریروں کی ضرورت کے عنوان سے لکھی تھی۔ اس کا جواب جناب میاں صاحب نے ایک خطبہ جمعہ کے ذریعہ دیا ہے۔ جو الفضل قادیان میں شائع ہوا ہے۔ اس خطبہ کے جواب میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے دوسرا مکتوب مورخہ 15 ستمبر 1941ء کو بذریعہ رجسٹری جناب میاں صاحب کی خدمت میں ارسال کیا ہے۔ اس کی نقل درج ذیل ہے۔ قارئین پیغام صلح ملاحظہ فرمائیں اور قادیانی دوستوں تک بھی اسے پہنچائیں۔ مدیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکرم و معظم میاں صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

آپ کا خطبہ الفضل 12 دسمبر 1941ء میں پڑھ کر مجھے تعجب ہوا کہ آپ نے میری کھلی چٹھی کے پڑھنے کا اعتراف کرنے کے باوجود ایک ایسی بات میری طرف منسوب کردی۔ جس کا نہ اس چٹھی میں ذکر ہے۔ نہ میں نے کبھی وہ مطالبہ کیا۔ یعنی آپ نے یہ فرض کرکے خطبہ میں اس کا جواب دینا شروع کردیا کہ میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ کے جلسہ سالانہ پر میں دو ہزار آدمی ساتھ لاؤں گا اور آپ ان کی مہمانی کا انتظام کریں۔ میں نے آج تک آپ کو کبھی نہیں لکھا کہ آپ میرے ساتھ دو ہزار تو ایک طرف رہے، دوسو بلکہ دو آدمیوں کی مہمانی کا ہی انتظام کریں۔ بلکہ میں نے تو اس پہلے مضمون میں صاف لکھ دیا تھا کہ میں اگر قادیان آؤں گا تو اپنے اور اپنے ساتھیوں کے کھانے کا خود انتظام کروں گا۔ مگر میری طرف بالکل خلاف واقعہ بات منسوب کرکے پھر آپ نے خود اس پر ہنسی اڑانی شروع کردی اور نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ کہیں اسے بے حیائی قرار دیا۔ کہیں لکھا ہے۔ ایسے آدمی کو ہر شخص ''ڈھیٹ کہے گا''۔ کہیں لکھا ہے یہ ایک سوال کا رنگ ہے۔ جسے اسلام ''بے شرمی'' قرار دیتا ہے۔ کہیں لکھا ہے ''یہ تو کوئی مہمانی یا میزبانی کی صورت نہیں۔ بلکہ یہ تو لوٹ ہے۔'' ایک مذہبی لیڈر کے لئے یہ اخلاق سے انتہاء درجہ کی گری ہوئی بات ہے کہ وہ اپنے فریق مخالف کی طرف منبر پر کھڑا ہو کر جمعہ کے خطبہ میں مسجد کے اندر غلط باتیں منسوب کرے۔ اور پھر انہی غلط

باتوں کی بناء پر اسے بے حیا اور بے شرم اور ڈھیٹ وغیرہ ناپاک الفاظ سے یاد کرتا جائے۔

میں بار بار آپ سے ایک ہی درخواست کر رہا ہوں کہ دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کے خیالات سننے کا موقعہ دیں۔ اس سے سالانہ جلسہ کا کچھ بگڑتا نہیں۔ بلکہ اس جلسہ کی اصل غرض پوری ہوتی ہے۔ آپ میری جماعت کے سامنے اگر پیش کریں گے تو حضرت مسیح موعود کی تعلیم کو ہی پیش کریں گے۔ میں اگر آپ کی جماعت کے سامنے پیش کروں گا تو حضرت مسیح موعود کی تعلیم کو ہی پیش کروں گا۔ تو فرمایئے کہ جلسہ سالانہ پر لوگوں کے آنے کی اگر یہ غرض نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود کی صحیح تعلیم کو معلوم کریں تو اور کیا ہے؟! ہاں اگر حضرت صاحب کے الفاظ سے آپ کوئی غلط مفہوم نکالنے کی کوشش کریں گے تو میں اس کو صاف کر دوں گا۔ اگر میں غلط مفہوم نکالنے کی کوشش کروں تو آپ صاف کر دیں۔

میں وہی چٹھی اس خط میں ملفوف کرتا ہوں اور اپنے مطالبہ پر سرخ نشان کرتا ہوں۔ تا کہ آپ آسانی سے اس طرف توجہ کر سکیں۔ اور آخری فقرہ کو جو خلاصہ کے طور پر ہے پھر دوہراتا ہوں:

> ''تو میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اپنے دلائل کو اتنا مضبوط سمجھتے ہیں۔ تو للہ اس جلسہ سالانہ پر اس کا فیصلہ بھی کر لیں۔ اور اگر ثالثوں کا تقرر کسی صورت میں آپ کو منظور نہیں تو کم سے کم اپنے دلائل ہمارے جلسہ سالانہ پر سناویں اور ہمارے دلائل اپنے جلسہ سالانہ پر سن لیں۔ اور اگر آپ کو یہ کسی صورت میں منظور نہیں کہ میرے ''کچے'' دلائل بھی آپ کی جماعت سنے تو پھر کم سے کم اسی قدر منظور فرما لیں کہ مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ اپنے دلائل ہی جماعت لاہور کے سامنے واضح کر دیں۔''

اگر آپ ہمارے دلائل کا اپنی جماعت کے سامنے آنا پسند نہیں کرتے تو اس میں کیا ہرج ہے کہ آپ اپنے دلائل شرائط مندرجہ چٹھی کے ساتھ ہمیں سنا دیں۔ آپ کو قریباً پونے دو گھنٹے وقت اپنے دلائل کے سنانے کے لئے لے گا۔ اور میں صرف اٹھارہ منٹ ان پر جرح کروں گا۔ یعنی چھ مرتبہ تین تین منٹ۔ اس کے لئے میں 25 دسمبر کی دو پہر کو آپ کے اور آپ کے ساتھ ایک ہزار مہمانوں کے کھانے کا انتظام بھی کروں گا۔ اور آپ اسی دن فارغ ہو کر گھر جا سکتے ہیں۔ خاکسار محمد علی۔ مسلم ٹاؤن۔ اچھرہ لاہور۔ 15 دسمبر 1941ء

26 دسمبر 1941ء

سالانہ جلسہ کی مہمان نوازی کے اخراجات

حضرت امیر ایدّہ اللہ کا مکتوب گرامی احباب جماعت کے نام

ذیل میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک نہایت ضروری مکتوب ھدیہ قارئین کرام ہے اُمید ہے تمام احباب جماعت اس کو غور سے ملاحظہ فرما کر حضرت ممدوح کے فرمان کو نہ صرف خود جلد از جلد عملی جامہ پہنائیں گے بلکہ دوسرے احباب کو اس کی اطلاع دے کر اس کی تعمیل کرانے کی کوشش کریں گے۔ مدیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ. نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جلسہ سالانہ کے متعلق میں چند اُمور کی طرف آپ کو توجہ دلانے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ ان میں سے پہلی بات جلسہ کی مہمان نوازی کے اخراجات کا سوال ہے۔ سالانہ جلسہ کا خرچ دو ہزار روپے کے قریب ہو جاتا ہے۔ مگر وہ چندہ خواہ بصورت نقدی ہو یا بصورت اجناس جو اخراجات جلسہ کو پورا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ وہ ایک ہزار تک بھی نہیں پہنچتا۔ اور اس وجہ سے ایک ہزار روپے سالانہ کے قریب قریب انجمن کو خسارہ رہتا ہے۔ یہ ابتدا میں یہ صورت نہ تھی بلکہ احباب جماعت فیاضانہ عطیوں سے، جو نقد یا جنس کی صورت میں ہوتے تھے، اخراجات جلسہ کو پورا کر دیتے تھے۔ لیکن غالباً گذشتہ پندرہ سال سے یہ قریباً قریباً ایک ہزار روپے سالانہ کا نقصان چلا آیا ہے۔ گویا انجمن کی زیر باری میں پندرہ ہزار روپے کی رقم کا اضافہ اس کوتاہی کی وجہ سے ہو گیا ہے۔

میں اسے کوتاہی اس لئے کہتا ہوں کہ یہ نقصان محض کچھ احباب اور کچھ کارکنوں کی غفلت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ سالانہ جلسہ ایک مستقل چیز ہے۔ جس کا قیام ہماری قومی زندگی کے لئے سب سے پہلی ضرورت ہے۔ اور اس لئے اس کے اخراجات کا مستقل فکر ہونا چاہئے۔ اور اگر احباب جماعت توجہ کریں تو جس طرح یہ رقم پہلے سالوں میں پوری ہو جایا کرتی تھی۔ اب بھی آسانی سے ہو سکتی ہے۔ اور اس کے لئے میں ذیل کی چند تجاویز احباب کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

اول۔ یہ رقم درحقیقت قوم کی مہمان نوازی پر خرچ ہوتی ہے۔ اور مہمان وہ ہیں جو اپنی کسی ضرورت کے لئے نہیں بلکہ ایک دین کی ضرورت کے لئے محض حصول رضائے الٰہی کے لئے دور دور سے بہت سے اخراجات اور تکلیف اُٹھا کر آتے ہیں۔ اب اگر ایک معمولی مہمان کی مہمان نوازی بھی عنداللہ بڑے ثواب کا موجب ہے اور اخلاق اسلامی میں اس کا بڑا بلند مقام ہے تو اس مہمان پر خرچ کرنا جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اور دین اسلام کو قوت پہنچانے کے لئے اس شدید سردی کے ایام میں سفر کے مجاہدہ کو برداشت کرتا ہے۔ کس قدر ثواب کا موجب ہوگا۔ اور کس قدر حصول رضائے الٰہی کا موجب ہوگا۔ آپ خود سوچ سکتے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے تو ہر ایک احمدی دوست کی خدمت میں میری یہ درخواست ہے کہ جماعت کے کسی فرد کو اس چندہ سے باہر نہ رہنا چاہئے۔ غریب سے غریب دوست بھی ایک آنہ سے ہی سہی اس میں شامل ہو کر اس ثواب سے حصہ لے سکتا ہے۔ زمیندار اگر نقد نہ دے سکتے ہوں تو چند سیر غلہ یا کسی اور جنس سے اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ عام طور پر معمولی استطاعت کے اصحاب ایک روپیہ فی کس کے حساب سے شرکت فرمائیں۔ قومی نظام کا اصلی راز یہی ہے کہ اس میں ہر فرد شامل ہو۔ مگر اس کے لئے ہر جماعت کے عہدیداران بالخصوص سیکرٹری صاحبان اور پھر مبلغین کی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اگر عہدیداران اور مبلغین اس بات کا تہیہ کر لیں تو یقیناً کوئی دوست، جو جماعت میں شامل ہے، مہمان نوازی جلسہ سالانہ کا چندہ دینے سے انکار نہ کرے گا۔

دوم۔ ذی استطاعت احباب کا چندہ ان کی حیثیت کے لحاظ سے دفتر سیکرٹری کی طرف سے مقرر کر دیا جانے کی ہدایت کر دی گئی ہے۔ جس کی غرض یہ ہے کہ مطلوبہ رقم پوری ہو جائے۔ اس لئے جو مطالبہ دفتر انجمن کی طرف سے ایسے احباب کی خدمت میں پہنچے، نقد ہو یا غلہ یا کسی دوسری جنس کی صورت میں، ان سے یہ درخواست ہے کہ وہ رقم یا جنس جلد از جلد دفتر میں بھجوا دیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو مطلوبہ رقم فراہم نہیں ہو سکتی۔

سوم۔ یہ چندہ آخر نومبر اور زیادہ سے زیادہ پہلے ہفتہ دسمبر میں جمع ہو کر محاسب کے نام پہنچ جانا چاہئے۔ اکثر احباب اس بارے میں اس قدر غفلت سے کام لیتے ہیں کہ دو یا چار آنے منی آرڈر کی فیس بچانے کے لئے وہ اسے جلسہ تک ملتوی کر دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض وقت چندہ جمع ہونے

سے ہی رہ جاتا ہے۔علاوہ ازیں جو فائدہ قبل از وقت رقم ہاتھ میں آ جانے سے ہوتا ہے کہ اجناس اکٹھی خریدنے میں فائدہ رہتا ہے، وہ منی آرڈر کی فیسوں کے خرچ سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔

پس یہ تین باتیں یاد رکھئے۔ایک یہ کہ ہر ایک دوست اس چندہ مہمان نوازی میں ضرور شامل ہو اور عام طور پر معمولی حیثیت کے اصحاب ایک روپیہ فی کس کے حساب سے دیں۔اور دوسرے یہ کہ ذی استطاعت اصحاب کے نام دفتر کی طرف سے جس قدر رقم کا مطالبہ کیا جائے وہ اسے پورا کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔اور تیسرے یہ کہ یہ چندہ آخر نومبر تک ورنہ دسمبر کے پہلے ہفتہ میں بہر حال بھیج دیا جائے۔

جماعت کے سیکرٹری صاحبان خاص طور پر کوشش فرمائیں اور مبلغین اپنے اپنے علاقوں کی بڑی بڑی جماعتوں کے ذمہ دار ہوں گے۔اس قسم کی قربانیوں کی روح جماعت میں پیدا کر دینا وعظ و نصیحت یا لیکچروں اور تقریروں سے بدرجہا بڑھ کر مفید کام ہے۔والسلام

خاکسار محمد علی

23 نومبر 1941ء

۞۞۞

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

ذوالحجہ 1360ھ
جنوری 1942ء

تا

محرم الحرام 1365ھ
دسمبر 1945ء

جلد 17

احمدیہ انجمن لاہور

نام کتاب	:	افکارِ محمد علیؒ (جلد 17)
ناشر	:	دارالکتب علمیہ، 5 عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
باہتمام	:	محمد ارشد علوی
طبع	:	اول
تعداد	:	300
مقام اشاعت	:	5۔عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ نے ادا کیے ہیں۔(برائے مفت تقسیم)

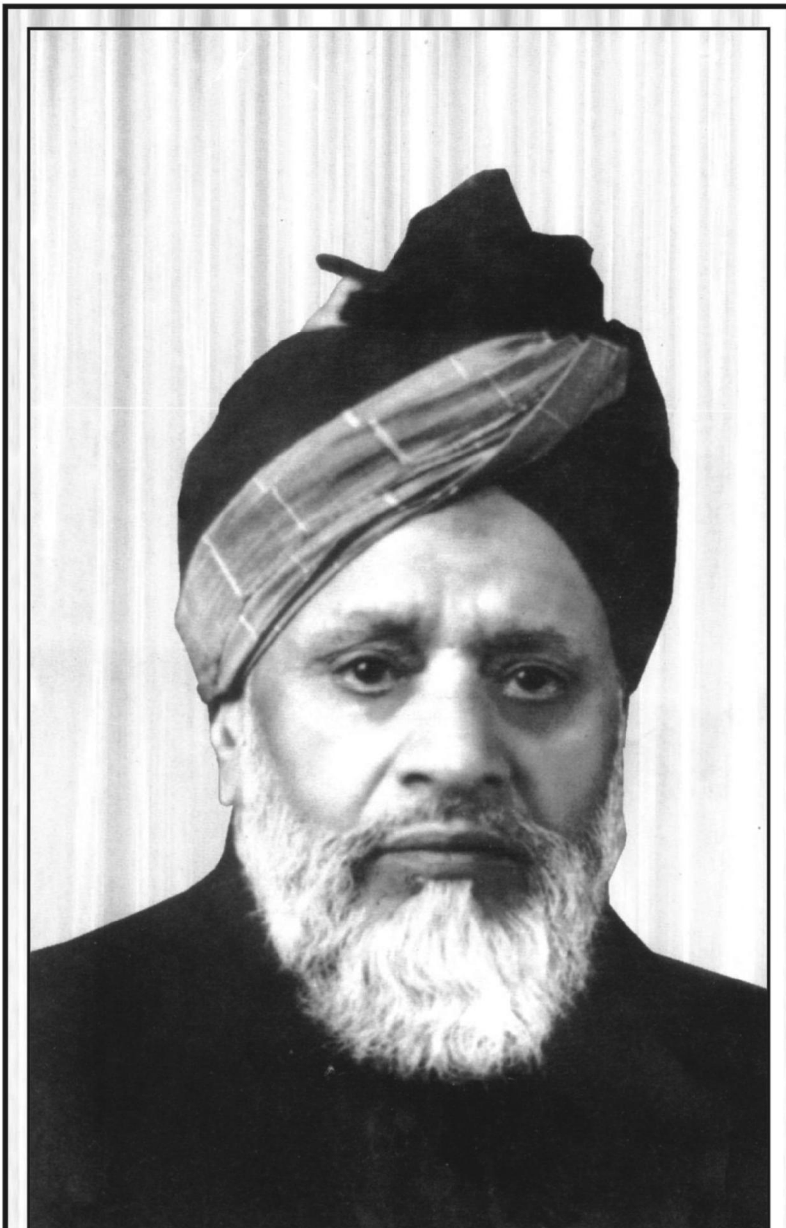

شبیہہ مجاہد کبیر، مجدالدّین، المنصور، فاضل الٰہیات، مفسر قرآن علامہ حضرت مولٰینا محمد علیؒ

ایم۔اے، ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

— محمد اعظم علوی

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اوراسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی۔ جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض انجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمہ القرآن جس کی ابتداء 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کی دوسری ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوئی اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ وتفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ '' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی) 1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجنز آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت

اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اور اسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی۔ اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ''عشق قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی۔ تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعی اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولٰی کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِهٖ۔

خاکسار

عامر عزیز بن عبدالعزیز الازھری

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

حرف اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی 17 ویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔ اس میں اخبار پیغام صلح جنوری 1942ء تا دسمبر 1945ء سے انتخاب شامل ہے۔ اگرچہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولانا محمد علیؒ ہیں۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولانا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کر رہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فرد گذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار
محمد ارشد علوی
انچارج شعبہ تالیف وتصنیف

فہرست

شخصیّت: صفحہ الف

حرف اول: صفحہ ج

☆ انتخاب از پیغام صلح جلد 30: جنوری 1942ء تا دسمبر 1942ء

☆ انتخاب از پیغام صلح جلد 31: جنوری 1943ء تا دسمبر 1943ء

☆ انتخاب از پیغام صلح جلد 32: جنوری 1944ء تا دسمبر 1944ء

☆انتخاب از پیغام صلح جلد33: جنوری 1945ء تا دسمبر 1945ء

4 جنوری 1942ء

حضرت امیر کی افتتاحی تقریر

احمدیہ انجمن لاہور کا اٹھائیسواں سالانہ جلسہ میں

حضرت ممدوح نے سورالفاتحہ کی تلاوت کے بعد ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم میں ہماری اس قوم کو، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پیدا کی خَیۡرُ اُمَّۃٍ کا خطاب دیا گیا ہے۔ یعنی جتنی قومیں دنیا میں انسانوں کی بھلائی کے لئے پیدا کی گئیں۔ ان میں یہ بہترین قوم ہے۔ وہ پہلے مسلمان، جنہوں نے حضرت رسالت مآب کی آواز پر لبیک کہا۔ ان کا خَیۡرُ اُمَّۃٍ ہونا ایک دنیا کو مسلم ہے، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ جو اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔ ان کو بھی یہ امر مسلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وہ الفاظ جو قرآن مجید میں لکھے ہوئے ہیں۔ وہی تاریخ عالم میں بھی لکھے ہوئے ہیں۔ یہ فخر ہے جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آج سب سے گری ہوئی قوم مسلمانوں کی قوم ہے۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان سمجھتا ہوں کہ اس زمانہ میں بھی ایک نمونہ خیرامۃ کا پیدا کیا۔ واقعات کی بنا پر پہلے مسلمانوں کا خَیۡرُ اُمَّۃٍ ہونا مسلم ہے۔ آج واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی جماعت جس کے نمائندے اس وقت جمع ہوئے ہیں، دنیا کی قوموں میں بہترین جماعت ہے۔

تین خصوصیتیں اس کے افضل ہونے کی ہیں۔ 1۔ پہلے عقائد کا سوال ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح مسلمان قوم بحیثیت مجموعی اپنے عقیدہ توحید کے لحاظ سے دنیا کی بہترین قوم ہے، اسی طرح زمانہ کے اندر آپ کی جماعت عقائد کے لحاظ سے بہترین جماعت ہے۔ مسلمانوں میں ایک بہت بڑا عیب پیدا ہو گیا۔ وہ ہے ایک دوسرے کو کافر کہنا۔ اس نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ یعنی وہ امت جس کا نمونہ خَیۡرُ اُمَّۃٍ کا تھا آج اس قوم کی یہ حالت ہے کہ ایک ہی عقیدہ رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو کافر بنا رہے ہیں۔ کوئی کلمہ گو باقی نہیں رہ گیا جسے کافر نہ بنایا گیا ہو۔ خدا کے فضل سے ہماری جماعت ہی دنیا میں ایسی جماعت ہے جسے بلا شبہ دنیا کی بہترین جماعت کہا جا سکتا ہے۔ جس کا عقیدہ ہے کہ کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔ مسلمانوں کا اتحاد اگر ہو سکتا ہے تو صرف اسی ایک بات پر ہو سکتا ہے کہ کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔ بعض لوگوں نے نقل کے طور پر ہماری باتیں لے لی ہیں۔ لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ کیونکہ

ان کے ساتھ قوت ایمانی اور ہماری جماعت کے پاس قوت ایمانی ہے۔

دوسری بات، جس میں آپ نے اسلامی اتحاد کو قائم کیا ہے، وہ آنحضرتؐ کا خاتم النبیّین ہونا ہے۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ حضرت مسیحؑ نازل ہوں گے۔ یہ ختم نبوت پر ایک بھاری زد تھی۔ ختم النبوت کے عقیدہ کو صرف آپ کی جماعت نے قائم کیا ہے۔ درحقیقت اس اصول کے قائم کرنے والے حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم ہیں۔ انہوں نے اصول کے طور پر ایک بات آپ کے ہاتھ میں دے دی ''کہ نہ نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پرانا''۔ خوب یاد رکھئے۔ مسلمانوں کو اسی عقیدہ پر آنا پڑے گا اور یقین جانئے کہ وہ مٹھی بھر لوگ، جو اس وقت کچھ حقیقت نہیں رکھتے، یہی دنیا کے پیش رو ہوں گے۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان دو اصولوں کے خلاف سب سے زیادہ منظّم کوشش حضرت مسیح موعود کے پیروؤں کی طرف سے ہوئی ہے۔ اور میں یہ آپ کو کہنا چاہتا ہوں کہ اس سال میں نے جماعت قادیان پر اتمام حجت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان دو باتوں کی وجہ سے ہمیں جماعت قادیان سے اختلاف ہے۔ کیونکہ وہ جماعت حضرت مسیح موعود کی تعلیم سے الگ ہو چکی ہے۔ یہ ایک بات کتنی مضبوط بات ہے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں ''میرا ابتدا سے یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا'' یہ تریاق القلوب میں لکھا ہوا موجود ہے۔ ایک شخص کو مسیح موعود کہا جاتا ہے اور اس کے الفاظ کا یہ حشر ہے کہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جو شخص انہیں دل سے بھی سچا مانے اور مونہہ سے بھی انکار نہ کرے۔ وہ بھی کافر ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میاں صاحب جرأت نہیں کرتے سامنے آنے کی۔ کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی بنیاد بہت کمزور ہے۔ میں نے بہت آسان طریق فیصلہ کے ان کے سامنے رکھے۔ لیکن وہ سامنے نہیں آئے۔

اب مسئلہ نبوت کو لیجئے۔ میاں صاحب کو میرا چیلنج ہے کہ پبلک کے سامنے آ کر اپنے عقیدہ کو کھول کر رکھیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص حضرت مرزا صاحب پر ایمان نہیں لاتا وہ مسلمان نہیں۔ بہت اچھا۔ میں صرف ان سے اتنا پوچھتا ہوں کہ آج کلمہ سے اگر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا تو بتایئے کلمہ منسوخ ہوا یا نہیں۔ اور لازماً آپ کو اور کلمہ بنانا پڑے گا۔ جس میں حضرت مرزا صاحب کی رسالت کا اقرار ہو۔ آپ قادیانیوں کی کثرت پر نہ جائیں۔ یہ کثرتیں کام نہیں آیا کرتیں۔ یہ چیز کبھی باقی نہیں رہ

سکتی۔ قادیانیوں کو بھی اسے چھوڑ نا پڑے گا۔ بہائیوں کی طرح کٹ کر اسلام سے علیحدہ ہونا پڑے گا۔

2۔ میں آپ کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود نے ایک قلمی جہاد شروع کیا۔ جہاد کے معنی یہ تھے کہ اسلام کو دنیا پر غالب کرنا۔ حضرت مسیح موعود نے یہ بنیاد قائم کی تو آپ کی جماعت نے ان بنیادوں پر خدا کے فضل سے وہ عمارت اٹھائی جسے آج باہر کی دنیا بھی دیکھ سکتی ہے اور دنیا اس جماعت کی خدمات کو تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ ہالینڈ کے مشہور عیسائی پادری کریمر نے رسالہ مسلم ورلڈ میں ہماری جماعت کے متعلق لکھا کہ لاہور کی جماعت کا اثر اس سے بہت زیادہ ہے جو ان کی تعداد سے قیاس ہوسکتا ہے۔ ان کے اسلام سے دفاع اور اس کی حفاظت کو بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان قبول کرتے ہیں اور یہی وہ صورت ہے جس میں وہ اسلام کے عملی رنگ میں وفادار رہ سکتے ہیں''

مشہور انگریز نو مسلم مسٹر محمد مارمیڈیوک پکتھال نے کہا ''کوئی دوسرا زندہ انسان ایسا نہیں جس نے اسلام کی تجدید کے لئے مولٰینا محمد علی آف لاہور سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام دی ہوں''۔ سو حضرت مسیح موعود کی خصوصیات جہاد کو قائم رکھنے والی یہی ایک جماعت ہے۔

3۔ تیسرا اور سب سے بڑھ کر آپ کی فضیلت کا کھلا نشان وہ قوت عمل ہے جو آپ کی جماعت کے اندر پیدا ہو چکی۔ اس جماعت کی خدمت قرآن کی نظیر دنیا میں مفقود ہے۔ سیرۃ اور دین پر تصانیف ہیں۔ یورپ میں مشن قائم کر رکھے ہیں۔ دو ہائی سکول کام کر رہے ہیں۔ بورڈنگ ہاؤس بھی ہیں۔ جن کی اپنی عمارتیں ہیں۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو اس جماعت کو باقی سب اسلامی جماعتوں سے ممتاز کرتی ہیں اور اس جماعت کے کارناموں میں خدا کا ہاتھ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

دسمبر 1941ء کی 24-25-26-27 تاریخوں میں جماعت احمدیہ لاہور کا اٹھائیسواں سالانہ جلسہ تھا۔ جو باوجود اس محاربے عظمٰی کے، جس کی وجہ سے دنیا کے طول وعرض میں ایک بے چینی اور اضطراب پھیلا ہوا ہے، نہایت ہی کامیاب رہا۔ اس شدید سردی کے موسم میں لوگ دور دراز مقامات سے اپنے جماعتی مرکز احمدیہ بلڈنگس لاہور میں تشریف لائے۔ جلسہ سالانہ کے مہتمم ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام تھے جنہیں اس انتظام کا کافی تجربہ ہے۔ انتظام بحیثیت مجموعی نہایت ہی اچھا رہا۔ جلسہ سالانہ کو انتظامی لحاظ سے کامیاب بنانے کے لئے اور اس غرض سے باہر سے آنے والے

مہمانوں کو تکلیف نہ ہو اور انہیں زیادہ سے زیادہ آرام پہنچایا جا سکے، مذکورہ جلسہ سالانہ کے انتظام کے لئے تین شعبے قائم کئے گئے اور ان کے الگ الگ انچارج بنائے گئے۔ مکانات ورہائش مہمانان کے انچارج جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب تھے۔ خورونوش کے انچارج مرزا خلیل الرحمٰن صاحب ٹیچر مسلم ہائی سکول تھے۔ اور نشرواشاعت کے انچارج مرزا مسعود بیگ صاحب تھے۔ انتظام کی اس تقسیم سے انتظام جلسہ میں بحیثیت مجموعی نہایت ہی خوشگوار اثر پڑا۔ مسلم ہائی سکول لاہور کے اساتذہ، کارکنان انجمن اور دیگر مقامی دوستوں نے نہایت محنت وخلوص کے ساتھ کام کیا اور مسلم ہائی سکول کے طلباء نے بھی بطور معاون اپنے فرائض کو نہایت سعادت مندی کے ساتھ سرانجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام دوستوں کو جزائے خیر دے۔ اور دین کی خاطر ایثار وخلوص ظاہر کرنے کی پہلے سے زیادہ توفیق دے۔ آمین۔

خوردونوش اور رہائش کا انتظام: ایسے اجتماع، جن میں سینکڑوں ہزاروں لوگ شامل ہوتے ہوں، ان کے لئے خوردونوش اور رہائش کا خاطر خواہ انتظام کرنا نہایت مشکل ہوا کرتا ہے اور اس کے لئے محنت شاقہ درکار ہوتی ہے۔ خدا کا فضل ہے کہ ہمارا انتظام بہت اچھا رہا۔ کھانے کے لئے مسلم ہائی سکول کے وسیع صحن میں ایک شامیانہ کے نیچے انتظام تھا۔ کھانے کے اوقات مقرر تھے۔ دوست وقت مقررہ پر آ کر کھانا کھاتے رہے۔ مہمانوں کی رہائش کے لئے مسلم ہائی سکول کے کمروں، انجمن کے دفاتر، مہمان خانہ اور احمدیہ بلڈنگس کے دیگر مکانات میں انتظام تھا۔

مہمانوں کی تشریف آوری: مہمان 23 دسمبر کو آنے شروع ہو گئے تھے۔ 25 تاریخ تک کافی دوست آ گئے تھے۔ گو یہ سلسلہ 26 تاریخ جاری رہا۔ مہمانوں کے استقبال کا احمدیہ بلڈنگس کے باہر برانڈرتھ روڈ پر باقاعدہ انتظام تھا کہ مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

جلسہ گاہ: مسجد احمدیہ بلڈنگس لاہور میں جلسہ سالانہ کا انعقاد ہوا۔ مستورات کے لئے علیحدہ پردہ کا انتظام تھا۔ جلسہ گاہ کو جھنڈیوں اور قطعات سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس دفعہ لاؤڈ سپیکر کا بھی انتظام تھا۔ تا کہ آواز دور دور تک پہنچ سکے۔ جلسہ میں حاضری کافی رہی۔

خواتین کا جلسہ: خواتین کا جلسہ اور نمائش دستکاری مورخہ 24 دسمبر کو منعقد ہوئی جس کی روئیداد کسی دوسرے شمارے میں محترمہ سیکرٹری صاحبہ احمدیہ ینگ وومن ایسوسی ایشن لاہور کی طرف سے شائع ہوگی۔

نماز اور درس قرآن: جلسہ کے دوران نمازیں حسب اعلان مقررہ اوقات پر ادا ہوتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ساری جماعت کا مجتمع قیام وقعود ایک عجیب کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس اثر سجود کو قلم کے ذریعہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جماعت، جس نے امام عصر حاضر کے ہاتھ پر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا ہے، اس کا اللہ کے حضور گر گر کر غلبہ اسلام کے لئے حضور قلب سے دعا کرنا عجیب نظارہ تھا۔ ایام جلسہ میں نماز فجر کے بعد پہلے دن حضرت مولانا صدرالدین صاحب اور بعد میں حضرت قبلہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اپنے مخصوص اور پر تاثیر انداز میں درس قرآن مجید دیتے رہے۔ جس میں احباب سلسلہ نہایت شوق سے شریک ہوتے رہے۔

25 دسمبر بروز جمعرات حسب پروگرام ساڑھے دس بجے زیر صدارت جناب خان بہادر میاں غلام رسول صاحب تمیم جلسہ شروع ہوا۔ تلاوت قرآن مجید اور نعت کے بعد حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقریر سے جلسہ کا افتتاح کیا۔ حضرت ممدوح کی افتتاحی تقریر کا ملخص درج ذیل ہے۔ یہ مذکورہ تقریر چھپی ہوئی ہے۔ احباب کو چاہئے کہ اسے جائنٹ سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور سے طلب فرما کر احمدی، قادیانی اور غیر احمدی حلقوں میں تقسیم کریں۔

24 فروری 1942ء

تبلیغی پروگرام کے متعلق حضرت امیر کا تازہ ارشاد

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطاب مورخہ 13 فروری میں تبلیغی پروگرام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ

''میں نے سال گزشتہ ایک تحریک کی تھی کہ اس سال دس ہزار آدمیوں کو زیرِ تبلیغ لاؤ۔ خدا کے فضل سے یہ تحریک ایک حد تک کامیاب ثابت ہوئی۔ اور گزشتہ سال پہلے سے زیادہ لوگ جماعت میں داخل ہوئے۔ چاہیئے تھا کہ اس سال اس تحریک کو بڑھایا جاتا۔ اور زیادہ آدمیوں کو زیرِ تبلیغ لانے کی تحریک کی جاتی۔ لیکن ایک غلطی ہوگئی، جس کا میں ذمہ دار ہوں۔ چاہیئے تھا کہ نئے سال کے شروع میں پھر تحریک کرتا، لیکن یہ بات رہ گئی۔ اب میں سر دست اس تحریک کو اسی پر محدود رکھتا ہوں کہ دس ہزار آدمیوں کو اس سال پھر زیرِ تبلیغ لایا جائے۔ لیکن اس میں ایک تبدیلی پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس کو کام کرنے والوں کی مرضی پر نہ چھوڑا جائے بلکہ یہ بات ریکارڈ میں آجائے کہ زید اتنے آدمیوں کو زیرِ تبلیغ لانے کا وعدہ کرتا ہے اور بکر اتنے آدمیوں کو۔ اس کے لئے محنت کرنی پڑے گی۔ اور دفتر کے کارکنوں کو خاص طور پر کام کرنا پڑے گا۔ یہ بھی میں اسی وقت سنا دینا چاہتا ہوں کہ بہت سے کام کارکنوں کی غفلت کی وجہ سے رہ جاتے ہیں۔ اس لئے کارکنوں کو خاص طور پر اس تحریک کو چلانا پڑے گا۔ اور پورا ریکارڈ رکھنا ہوگا۔ یہ امر، کہ اس سے کہاں تک کامیابی ہوگی، اس کو خدا پر چھوڑ و!''

''میں یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ وقت آچکا ہے کہ ہماری قلت کو اللہ تعالیٰ کثرت سے بدل دے۔ ہمیں وہ کثرت بکار نہیں، جو محض نام کی کثرت ہو اور کوئی کام اس سے تبلیغ اسلام کا نہ ہو، بلکہ کام کرنے والے آدمی بکار ہیں۔ اس لئے پہلے اپنے اندر یہ عزم پیدا کرو کہ ہم نے اس کام کو کرنا ہے۔ اور پھر دوسروں کے اندر اس روح کو پھُونکو۔ اس کے ساتھ ہی میں پھر اعادہ کرتا ہوں کہ دعا کے اندر بھی لگے رہو۔ پہلے

اپنے دل کے اندر یقین پیدا کرو کہ تبلیغ اسلام ہی صحیح راستہ ہے۔ پھر دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ اس راستہ پر چلنے اور دوسروں کو شامل کرنے کی توفیق دے۔ اور پھر کوشش کرو۔ خدا تمہاری کوششوں کو کامیاب کرے گا''

گذشتہ سال پیغام صلح نے جس تندہی کے ساتھ تبلیغی پروگرام کو جماعت کے سامنے پیش کیا وہ اصحاب جماعت پر خوب واضح ہے۔ چنانچہ یہ اس تواتر اور پیہم یاد دہانیوں کا ہی نتیجہ تھا کہ جس سے جماعت کے قریباً تمام حلقوں میں تسلیم کر لیا گیا کہ جماعت میں تنظیم اور تبلیغ کی اہمیت کا خیال پیدا ہو گیا اور دوستوں نے اس پروگرام کو عمل جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ اور اس تحریک تبلیغ کی وجہ سے، جیسا کہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا اقتباس میں ارشاد فرمایا ہے، گذشتہ سال پہلے سے زیادہ لوگ جماعت میں شامل ہوئے۔ اب حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے پھر اس پروگرام کو کچھ ترمیم کے ساتھ جماعت کے سامنے پیش کیا ہے اور وہ ترمیم اور اضافہ یہ ہے کہ اس سال تبلیغی کوشش ایک باقاعدگی اور انتظام کے ماتحت کی جائے۔ اس کا مختصر ساخاکہ محترمی جنرل سکرٹری صاحب انجمن نے اسی شیوع میں کسی جگہ پیش کر دیا ہے۔ اور امید ہے کہ آئندہ دو ایک اشاعتوں میں اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی۔ جماعت کے تمام دوستوں کو مستعدی اور جوش کے ساتھ اس کام کو شروع کر دینا چاہیئے اور زندہ اور فعال جماعت کی طرح منظّم ہو کر میدان عمل میں نکل آنا چاہیئے۔ ہمارے سب دوستوں پر روشن ہونا چاہیئے کہ تبلیغ دین کے لئے توسیع جماعت ہمارے عالمگیر نصب العین کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ جتنا اس پر زور دیا جائے گا اتنا ہی اس پروگرام کو تقویت پہنچے گی۔ سو اس معاملہ میں تساہل اور تغافل ایک خطرناک غلطی ہے۔ امید ہے سب دوست ایک یقین کے ساتھ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر لبیک کہیں گے۔ کیونکہ یقین ہی وہ طاقت ہے کہ جس سے کوہ گراں ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ شدید سے شدید مخالفت دب جاتی ہے۔ بڑے سے بڑا کام بروئے کار آ جاتا ہے۔ اور ناممکن، ممکن میں بدل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فرائض کو سمجھنے اور انہیں بروائے کار لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

24 فروری 1942ء

وزیرآباد میں حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کا ورود مسعود

ہمارے احباب یہ مژدہ جاں فزاء سن کو خوش ہوں گے کہ ہمارے محترم بزرگ شیخ نیاز احمد صاحب رئیس وآنریری مجسٹریٹ وزیرآباد کے فرزند اکبر جناب شیخ عزیز احمد صاحب طول عمرہ، نے اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے لئے وزیرآباد میں ایک وسیع میدان کے اندر ایک بہت بڑا کارخانہ ٹینری کا حال ہی میں قائم کیا ہے۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ شیخ عزیز احمد صاحب کچھ عرصہ ہوا ٹینری کے کام میں ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے ولایت تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے اس کام میں کماحقہ قابلیت پیدا کی اور اب آپ نے موجودہ ضروریات کے مطابق سائنٹیفک طریق پر کام کرنے کے لئے یہ کارخانہ کھولا ہے۔ پنجاب میں یہ کارخانہ اپنی نوعیت کا ایک ہی ہوگا۔ اس کارخانہ کے افتتاح کے لئے حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ ومولینا صدرالدین صاحب 12 تاریخ ماہ حال کو وزیرآباد تشریف لے گئے، دونوں بزرگوں کے ہاتھ سے اس عظیم الشان کارخانہ کا افتتاح عمل میں آیا اور خداوند کریم سے یہ دعا کی گئی کہ یہ کارخانہ پھولے اور پھلے۔ حضرت شیخ نیاز احمد صاحب نے اس خوشی میں وزیرآباد کے غربا میں کھانا تقسیم کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خاندان کو حوادث زمانہ سے محفوظ ومصئون رکھے اور ان کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ اور خدمت دین کے کام میں جو حصہ حضرت شیخ نیاز احمد صاحب اور ان کے نیک نہاد فرزندان شیخ نثار احمد وشیخ عزیز احمد صاحب لے رہے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ بعد از افتتاح حضرت امیر اسی دن لاہور واپس تشریف لے آئے۔ حضرت مولینا صدرالدین صاحب بعض تبلیغی اور تنظیمی اغراض کے لئے وہاں ٹھہر گئے۔ بعض غیر از جماعت احباب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے علمی اور دینی استفادہ کرتے رہے۔ جمعہ کے روز آپ نے احمدیہ مسجد میں ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ تحویل قبلہ کی اہمیت اور اس کی فلاسفی نہایت موثر اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کی اور فرمایا کہ درحقیقت تحویل قبلہ سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بڑی بڑی قوموں میں اتحاد اور اتفاق کی بنیاد قائم کی ہے۔ پھر دیگر مذاہب کے مذہبی مراکز کا مقابلہ کر کے بیت اللہ کی فوقیت اور اس کی برکات وحسنات پر مفصل تبصرہ فرمایا۔ پھر حضرت امام الزمان کی صحیح تعلیم اور آپ کے سلسلہ میں شامل

ہونے کی اہمیت اور حضرت مسیح موعود کے اصلی دعاوی پر روشنی ڈالی اور غیر از جماعت احباب کو شمولیت سلسلہ کی دعوت دی۔ خطبہ بہت طویل تھا اور سامعین نے بڑی دلچسپی سے سنا۔ بعد از جمعہ آپ ایک امریکن مشنری کی ملاقات کو تشریف لے گئے اور وہاں اسلام کی خوبیوں پر ایک مختصر مگر جامع تقریر آپ نے فرمائی۔ جس سے وہ مشنری اور اس کے اہل وعیال بہت متاثر معلوم ہوتے تھے۔ بعض تنظیمی امور بھی جمعہ کے دن طے کئے گئے۔ جناب شیخ عزیز احمد صاحب نے 50 روپے اور جناب شیخ نثار احمد صاحب بی اے نے مبلغ 20 روپے تحریک صدقہ میں مرحمت فرمائے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ یہ حضرت شیخ نیاز احمد صاحب کے عطیہ کے علاوہ رقوم ہیں۔ حضرت شیخ صاحب نے اس تحریک میں ایک ہزار روپیہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے عزیز محترم شیخ حفیظ اللہ صاحب نے بھی مبلغ 20 روپے کا وعدہ فرمایا ہے۔ جو وہ چند دنوں کے اندر اندر ادا کر دیں گے۔

ارشاد امیر ایدہ اللہ تعالیٰ: جماعت میں تین خصوصیتیں پیدا کرنے کی ضرورت

☆ بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز کی عادت ڈالو۔

☆ بچوں کو سات سال کی عمر سے تبلیغ اسلام کے لئے کچھ خرچ کرنے کی عادت ڈالو۔

☆ بچوں کو سات سال کی عمر سے قرآن شریف کا ترجمہ سکھانا شروع کرو۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❀❀❀

17 مارچ 1942ء

حضرت امیر کا تبلیغی دورۂ حیدر آباد دکن

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ پروگرام کے مطابق 25 فروری 1942ء کی صبح کو پہلی مرتبہ حیدر آباد تشریف لائے۔ جناب مولانا عبدالحق صاحب دو یارتھی فاضل سنسکرت وعبرانی حضرت ممدوح کی تشریف آوری سے قبل 21 فروری کو پہنچ چکے تھے۔ سید اختر حسین صاحب بی۔اے مولوی فاضل اور چودھری سلطان محمود صاحب آپ کے ساتھ آئے۔

حیدر آباد کے اکابر واہل علم کا اشتیاق: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی آمد کی خبر محض چند پرائیویٹ گفتگوؤں اور ملاقاتوں کی وجہ سے حیدر آباد کے متعدد علمی ومذہبی حلقوں میں شہرت پا گئی تھی اور بہت سے اکابر واہل علم وفضل اصحاب حضرت ممدوح کی تشریف آوری کے منتظر اور آپ کی ملاقات کے مشتاق تھے۔ بار بار مجھ سے استفسار فرماتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ خبر علمی ومذہبی حلقوں سے نکل کر شروع فروری میں اخبارات میں بھی شائع ہوگئی۔ اور بے شمار اصحاب کی طرف سے تاکیدیں کی جانے لگیں کہ حضرت ممدوح کی آمد کی صحیح تاریخ کی اطلاع ہمیں ضرور دی جائے۔ چنانچہ اسی وجہ سے تشریف آوری سے چند روز قبل اطلاعی پوسٹر شائع کرنا پڑا۔ کیونکہ فرداً فرداً سب کو اطلاع دینا ناممکن تھا۔

سکندر آباد ریلوے اسٹیشن پر استقبال: صبح سات بجے کے قریب گاڑی سکندر آباد ریلوے اسٹیشن پر پہنچی۔ ریلوے اسٹیشن پر حضرت ممدوح کے معزز میزبان عالی جناب خان صاحب عبدالکریم بابو خان صاحب آنریری مجسٹریٹ ورئیس اعظم سکندر آباد معہ احباب جناب شیخ عبدالسلام صاحب برادر زادہ حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم معہ احباب اور مجلس اتحاد وعمل کے اور دیگر پرجوش اراکین استقبال کی خاطر ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔ خاکسار راقم الحروف بھی وہیں پہنچ گیا تھا۔ اچھا خاصہ مجمع ہوگیا جس نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور پھولوں کے ہار پہنائے۔

حیدر آباد (نام پلی) ریلوے اسٹیشن پر استقبال: سکندر آباد کے بعد ٹرین نام پلی ریلوے اسٹیشن پر پہنچی۔ یہاں ہر طبقہ وخیال کے مسلمانوں کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ گل پاشی، تعارف اور مصافحوں میں کافی وقت صرف ہوا۔ دو تین مرتبہ فوٹو لیا گیا۔ ریلوے اسٹیشن ''نام پلی'' سے حضرت ممدوح بذریعہ موٹر اپنی قیام گاہ

یعنی جناب خان صاحب عبدالکریم بابو خاں صاحب کے دولت کدہ پر سکندر آباد تشریف لے گئے۔ ناشتہ کے بعد ہی ملاقاتیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا جو سارا دن جاری رہا۔ شام کو حضرت ممدوح نے معزز میزبان کی خواہش پر شہر کے بعض تاریخی اور قابل دید مقامات کا معائنہ فرمایا۔

26 فروری 1942ء کو بھی سارا دن ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ شام کو معزز میزبان نے حضرت ممدوح کے اعزاز میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ایک پر تکلف ڈنر دیا۔ جس میں حیدرآباد و سکندرآباد کے چیدہ امراء و اکابر علماء اور اعلیٰ عہدیدار تھے۔ یہ تقریب نہایت کامیاب رہی۔ ڈنر سے قبل اور بعد کافی عرصہ تک تبادلہ خیالات کا سلسلہ جاری رہا۔ 27 فروری کو صبح سے بارہ بجے دوپہر تک قیام گاہ پر ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ نماز جمعہ حضرت ممدوح نے جماعت حیدرآباد کے دارالمطالعہ واقع محلّہ اعظم پورہ میں پڑھائی۔ جس میں احباب جماعت کے علاوہ متعدد غیر از جماعت اصحاب بھی شریک تھے۔ دوپہر کا کھانا خاکسار راقم الحروف کے ہاں از راہ کرم تناول فرمایا۔ بعد نماز جمعہ حیدرآباد میں جماعت کی باقاعدہ بنیاد رکھی گئی۔ اور عہدہ داروں کا انتخاب عمل میں آیا۔

شام کو پانچ بجے انجمن ''فیض عام'' سکندرآباد کے زیر اہتمام سکندرآباد ہی میں بصدارت عالی جناب نواب ناظر یار جنگ بہادر ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ جس میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے ''نسل انسانی کا سب سے بڑا محسن'' اور جناب مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی نے سورہ الفاتحہ کی روشنی میں مسلمانوں کے لئے راہ عمل کے عنوانات پر تقریریں کیں۔ ان تقریروں سے سامعین بے حد متاثر ہوئے۔ سلسلہ عالیہ کے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا۔ مجمع کافی تھا۔ جلسہ کے انتظامات قابل تعریف و معقول تھے۔ سامعین میں ہر طبقہ و خیال کے مسلمان اور بہت سے غیر مسلم شامل تھے۔

28 فروری 1942ء جلسہ اور ملاقاتیں: سارا دن ملاقاتیوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ شام کے پانچ بجے مجلس اتحاد و عمل سکندرآباد کے اہتمام سے بصدارت ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ سکندرآباد میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں حضرت ممدوح، جناب مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی اور سید اختر حسین صاحب کی کامیاب تقریریں ہوئیں۔ بعض احباب کی طرف سے جلسہ گاہ میں کچھ شکوک پیش کئے گئے۔ جن کا اسی وقت شافی جواب دیا گیا۔ اس طرح مزید غلط فہمیوں کا

ازالہ ہوگیا۔

یکم مارچ 1942ء ملاقاتیں: صبح سے بارہ بجے تک ملاقاتیوں سے باتیں ہوتی رہیں۔اس کے بعد حضرت ممدوح معہ احباب جناب شیخ عبدالسلام صاحب کے دولت کدہ واقع کاچی گوڑہ میں دوپہر کے کھانے پرتشریف لے گئے۔شیخ صاحب موصوف کے ہاں متعدد غیراز جماعت معززین بھی مدعو تھے اور انہوں نے دعوت کا انتظام وسیع پیمانہ پرنہایت سیرچشمی سے کیا تھا۔بعد طعام دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ پانچ بجے شام حضرت ممدوح خاکسار کے ہاں عصرانہ (ایٹ ہوم) پرتشریف لائے۔اس تقریب پرمختلف عقیدہ وخیال کے قریباً چالیس حضرات مدعو تھے۔گفتگو کا سلسلہ قریب مغرب تک جاری رہا۔یکم مارچ کو مدراس سے حضرت ممدوح کی ملاقات کے لئے ملنگ احمد بادشاہ صاحب بھی تشریف لائے۔

2مارچ 1942ء طعام ظہر: آج ملاقاتوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔حضرت ممدوح کے اعزاز میں عالی جناب نواب اکبر یار جنگ بہادر نے اپنے دولت کدہ واقع عنبرپیٹھ پرایک پرتکلف ظہرانہ (لنچ) ترتیب دیا۔جس میں حیدرآباد اور سکندرآباد کے متعدد معززین واکابر مدعو تھے۔شام کو جناب مولوی عبدالرزاق صاحب جالندہری اوران کے صاحبزادوں نے حضرت ممدوح کوعشائیہ کی دعوت دی تھی۔اس تقریب پرساٹھ ستر مہمان مدعو تھے۔دعوت ونشست کا انتظام نہایت اعلیٰ اور پرتکلف تھا۔شام کوسوا آٹھ بجے جماعت کے اپنے دارالمطالعہ واقع اعظم پورہ میں بصدارت عالی جناب نواب بہادر یار جنگ ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔جس میں حضرت ممدوح، جناب مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی اور سید اختر حسین صاحب نے سیرت نبویؐ اورمحاسن قرآن کریم پرتقریریں فرمائیں۔جن کے بعد صدر محترم نے بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔حاضری بہت زیادہ تھی۔جلسہ میں لاؤڈ سپیکر کا انتظام جناب ملنگ احمد بادشاہ صاحب کی طرف سے تھا۔3مارچ کوصبح آٹھ بجے حضرت ممدوح جناب مولوی ضیاء الدین صاحب انصاری پروفیسر انجینئرنگ کالج حیدرآباد کے ہاں ناشتہ پرتشریف لے گئے۔مولوی صاحب موصوف کی طرف سے دیگر متعدد اصحاب بھی مدعو تھے۔دیر تک سلسلہ عالیہ کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔آج دوپہر کا کھانا نواب بہادر یار جنگ بہادر کے ہاں تھا۔بارہ بجے کے بعد حضرت ممدوح ان کی ڈیوڑھی پرتشریف لے گئے۔کھانے کے بعد قریباً دو بجے وہاں سے قیام گاہ پرواپس آئے۔شام کے ساڑھے پانچ بجے سکندر

آباد اسٹیشن سے روانگی عمل میں آئی۔ عالی جناب خان صاحب عبدالکریم بابو خان صاحب ودیگر متعدد اصحاب پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ٹرین سکندرآباد سے حیدرآباد (نام پلی) ریلوے اسٹیشن پر پہنچی۔ یہاں احباب جماعت اور غیر از جماعت اصحاب کافی تعداد میں الوداع کہنے کے لئے جمع تھے۔ جناب مولوی عبدالرزاق صاحب اوران کے صاحبزادوں نے پھولوں کے ہار پہنائے۔اور سارے مجمع نے نہایت خلوص اور دلی دعاؤں کے ساتھ حضرت ممدوح اور آپ کے معزز رفقاء کو رخصت کیا۔ خاکسار راقم الحروف بیگم عنبر پیٹھ ریلوے اسٹیشن تک حضرت ممدوح کے ساتھ گیا۔ یہاں سے حضرت ممدوح بمبئی تشریف لے گئے وہاں سے مانگرول ہوتے ہوئے انشاء اللہ مارچ کے دوسرے ہفتے میں لاہور پہنچ جائیں گے۔

❁❁❁

14 اپریل 1942ء

احمدیہ جماعت لاہور اور قادیانی جماعت کا اختلاف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کا پیش کردہ طریق فیصلہ

سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب حیدر آباد دکن کی قادیانی جماعت کے ایک معزز رکن ہیں۔ میرے قیام حیدر آباد میں سیٹھ صاحب نے مجھ سے نفرت کا اظہار تو یہاں تک کیا کہ انہوں نے اپنے محترم دوست خان صاحب عبدالکریم بابو خان صاحب کی اس دعوت میں شامل ہونا بھی پسند نہ کیا جو حیدر آباد دکن کے معززین سے تعارف کے لئے میرے معزز میزبان نے کی تھی اور جس میں سیٹھ صاحب بھی مدعو تھے۔ مگر عین اس وقت جب میں حیدر آباد سے روانہ ہو رہا تھا ایک خط مجھے بھیجا جو جماعت قادیان کے آرگن الفضل میں بھی چھپوا دیا گیا ہے۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ جن عقائد کا اظہار میں نے حیدر آباد دکن میں کیا وہ حضرت مسیح موعود کے خلاف ہیں۔ اور اس اختلاف کا فیصلہ یوں ہو سکتا ہے کہ میں ان الفاظ میں، جو انہوں نے تجویز کئے ہیں، مؤکد بعذاب حلف اٹھاؤں۔

قبل اس کے کہ میں سیٹھ صاحب کی پیش کردہ تجویز کے متعلق کچھ اظہار خیال کروں، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور میں اور قادیانی جماعت میں جو اختلاف ہے، اس کو واضح کر کے بیان کر دیا جائے۔ اہم اختلاف، جیسا کہ سیٹھ صاحب نے بھی لکھا ہے، دو باتوں میں ہے۔

1۔ یہ کہ کیا بانی سلسلہ احمدیہ نے دعوٰی نبوت کیا۔

2۔ یہ کہ آپ نے اپنے منکرین کو کافر خارج از اسلام قرار دیا۔

اس اختلاف کے سمجھنے کے لئے پہلے ان باتوں کو دیکھنا ضروری ہے جن پر دونوں جماعتوں کا اتفاق ہے۔ دونوں جماعتوں کو یہ مسلم ہے کہ:

1۔ حضرت مرزا صاحب نے 1882ء میں مجدد ہونے کا دعوٰی کیا۔

2۔ 1890ء میں یہ دعوٰی کیا کہ حضرت عیسٰیؑ فوت ہو چکے ہیں اور مسیح موعود کے متعلق جو پیشگوئیاں ہیں ان کا مصداق میں ہوں۔ اس وقت نبوت کا کوئی دعوٰی نہیں کیا۔

3۔1890ء-1891ء میں جب آپ پر اس بناء پر کفر کا فتوٰی لگایا گیا کہ آپ دعوٰی نبوت کرتے ہیں تو آپ نے دعوٰی نبوت سے انکار کیا اور اپنا دعوٰی صرف محدثیت تک محدود قرار دیا۔ دعوٰی نبوت کو مخالفین کا افتراء قرار دیا۔ مدعی نبوت کو کاذب اور کافر قرار دیا اور مدعی نبوت پر لعنت بھیجی۔

4۔اس کے ساتھ ہی ایک حدیث میں جو لفظ نبی آنے والے مسیح کے متعلق آیا ہے یا آپ کے الہامات میں جو یہ لفظ آیا ہے اسے آپ نے مجاز اور استعارہ قرار دیا۔ جس کے معنی محدث ہوتے ہیں۔

5۔آپ نے کسی بیعت کرنے والے سے اپنی نبوت کا اقرار کبھی نہیں لیا۔

6۔آپ نے اپنی وحی کو کبھی وحی نبوت نہیں کہا بلکہ ہمیشہ یہی کہا کہ میری وحی، وحی ولایت ہے۔

یہ چھ امور دونوں جماعتوں کو مسلم ہیں۔ مگر ان مسلمات کے باوجود جماعت قادیان کہتی ہے۔

1۔1901ء میں آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ فی الواقع نبی ہیں۔

2۔اور یہ بھی کہتی ہے کہ انکار نبوت کی اس سے پہلے کی تحریرات منسوخ ہیں۔ اور آپ نبوت کا انکار اور مدعی نبوت پر لعنت اس لئے کرتے رہے کہ آپ لفظ ''نبی'' کے معنی نہ جانتے تھے۔ نبی آپ 1891ء سے ہی تھے۔ لیکن لفظ نبی کے صحیح معنی آپ پر 1901ء میں کھلے۔ لیکن اس پر حسب ذیل سوال پیدا ہوتے ہیں۔

1۔کیا آج تک دنیا کی تاریخ میں ایسا ہوا کہ کسی شخص کو نبی بنا کر بھیجا گیا ہو اور اسے یہ پتہ نہ ہو کہ نبی کسے کہتے ہیں۔

2۔نبوت کا انکار تو بہر حال کفر ہے۔ چاہے اس کی وجہ کوئی ہو۔ تو جب حضرت مرزا صاحب اپنی نبوت کا انکار کرتے تھے ایسے دعوے کو اپنے اوپر افتراء قرار دیتے تھے۔ مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے تھے تو کیا آپ نعوذ باللہ اس عرصہ میں کافر ہوئے یا نہ؟ کیا صرف دوسرے لوگ نبی کی نبوت کا انکار کرنے سے کافر ہوتے ہیں اور نبی خود انکار کرے تو وہ کافر نہیں ہوتا؟!

3۔بموجب مسلمہ جماعت قادیان بارہ سال تک مسیح موعود جو حکم وعدل تھا یہ کہتا تھا کہ میں نبی نہیں ہوں۔ بلکہ مدعی نبوت کو کافر اور کاذب یقین کرتا ہوں اور مدعی نبوت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اور جن

علماء نے آپ پر کفر کا فتوی لگایا تھا وہ یہ کہتے تھے کہ یہ نبوت کا دعوی کرتا ہے۔ تو کیا 1901ء میں خدائی فیصلہ یہ ہوا کہ مکفر علماء حق پر تھے اور حکم وعدل غلطی پر تھا۔ یا کیا خود مسیح موعود نے جو حکم وعدل تھا یہ مان لیا کہ بارہ سال تک میں غلطی پر تھا اور میرے مخالف حق پر تھے؟!

4۔ اگر 1901ء میں آپ پر نبی کے صحیح معنی منکشف ہو گئے تھے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ 1901ء سے پہلے بھی یہی کہتے تھے کہ لفظ نبی میرے لئے بطور مجاز استعمال ہوا ہے اور 1901ء کے بعد بھی یہی کہتے رہے کہ لفظ نبی میرے لئے بطور مجاز استعمال ہوا ہے۔ ''حقیقت الوحی'' آخری کتاب ہے جس میں آپ ضمیمہ صفحہ 64 پر لکھتے ہیں وَسُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَۃِ میرا نام نبی اللہ کی طرف سے بطور مجاز رکھا گیا ہے نہ بطور حقیقت۔

5۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ جس طرح 1901ء سے پہلے اپنی وحی کو وحی ولایت کہا اور اس کے وحی نبوت ہونے سے انکار کیا، اسی طرح 1901ء کے بعد بھی اپنی وحی کو وحی ولایت ہی قرار دیا۔

6۔ 1901ء کے بعد بھی اسی طرح صفائی سے انکار نبوت کیا ہے جس طرح پہلے کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ''مواہب الرحمٰن'' کی تحریر پیش ہے جو 1903ء کی کتاب ہے۔ جس میں ''اند کے ذکر در بارہ عقائد ما'' کے ماتحت صفحہ 66 پر لکھتے ہیں:

> ''وخدارا مکالمات ومخاطبات است با اولیائے خود دریں امت وایشاں رارنگ انبیاء دادہ میشود ودر حقیقت انبیاء نیستند زیرا کہ قرآن حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است''
>
> یعنی اللہ تعالیٰ اس امت میں اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ کرتا ہے اور ان کو نبیوں کا رنگ بھی دیا جاتا ہے اور وہ در حقیقت نبی نہیں اس لئے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال تک پہنچا دیا۔

جماعت قادیان اگر در حقیقت حضرت مرزا صاحب کو نبی سمجھتی ہے تو انہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال تک نہیں پہنچایا۔ بالفاظ دیگر قرآن نعوذ باللہ ناقص ہوا۔ یہ تحریر ایک ناقابل تردید شہادت ہے کہ 1903ء میں بھی حضرت مرزا صاحب نے نبی ہونے سے صاف انکار کیا۔

اس کا کوئی جواب آج تک جماعت قادیان نے نہیں دیا کہ کیا یہ تحریر بھی منسوخ ہے؟ اور آیا فی الواقع حضرت مرزا صاحب نبی ہیں اور قرآن ناقص ہے؟!

7۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر 1890ء میں محض مسیح موعود کا دعوٰی کرنے کی وجہ سے اور نبوت کا انکار کرنے کے باوجود آپ پر کفر کا فتوٰی لگ گیا اور ساری مسلمان دنیا میں ایک شور پڑ گیا تو اس کی کیا وجہ ہے کہ جب 1901ء میں آپ نے اپنا نبی ہونا صراحت سے بیان کر دیا تھا تو مخالفین چھوڑ موافقین □ کو بھی کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ اتنا بڑا انقلاب پیدا ہو گیا ہے کہ جو شخص کل تک دعوٰی نبوت سے انکار کرتا تھا، مدعی نبوت کو کاذب اور کافر کہتا تھا، مدعی نبوت پر لعنت بھیجتا تھا وہ آج خود مدعی نبوت بن بیٹھا ہے۔ اتنا بڑا انقلاب واقع ہو جائے اور کسی شخص کو پتہ نہ لگ سکے!

میں نے خلیفہ صاحب قادیان کے سامنے اپنی جماعت کے ستر آدمیوں کی حلفی شہادت پیش کی تھی جنہوں نے حلف اٹھا کر یہ بیان کیا تھا کہ ہم نے 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی اور مجدد سمجھ کر کی۔ اور آپ نبوت کا انکار کرتے تھے اور 1901ء میں ہم نے کوئی نیا دعوٰی آپ کی زندگی میں نہیں دیکھا۔ یہ حلفی بیان حسب ذیل تھا:

''ہم دستخط کنندگان ذیل حلفی شہادت ادا کرتے ہیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے جب 1891ء میں یہ اعلان کیا کہ حضرت عیسٰیؑ کا وفات پا جانا قرآن کریم کی رو سے ثابت ہے اور حدیثوں میں جس ابن مریم کے امت محمدیہ میں آنے کا ذکر ہے وہ میں ہوں تو اس وقت آپ نے نبوت کا دعوٰی نہیں کیا۔ ہاں بعض علماء نے لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالا اور آپ کو مدعی نبوت قرار دے کر آپ پر کفر کا فتوٰی لگایا۔ جس کے بعد حضرت موصوف نے صاف طور پر کئی مرتبہ اعلان کیا جیسا کہ آپ کی تحریروں سے ظاہر ہے کہ آپ کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنا محض افتراء ہے اور آپ نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم سمجھتے ہیں اور آنحضرتؐ کے بعد مدعی نبوت کو کاذب اور کافر یقین کرتے ہیں اور آپ کے بعض الہامات میں جو مرسل یا رسول یا نبی کیا ہے یا حدیث میں آنے والے مسیح کی نسبت جو لفظ نبی کا آیا ہے، تو اس سے مراد فی الحقیقت نبی نہیں بلکہ مجازی، جزوی، ظلّی نبی ہے۔ جسے محدث کہا جاتا ہے اور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نہیں آ سکتا نہ نیا نہ پرانا۔

''ہم یہ بھی حلفی شہادت ادا کرتے ہیں کہ ہم نے نومبر 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی اور میاں محمود احمد صاحب سرگروہ احمدی فریق قادیان نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعوٰی ابتداء میں نبوت کا نہ تھا۔ مگر نومبر 1901ء میں آپ نے اپنا دعوٰی تبدیل کیا اور نبوت کے مدعی بن گئے اور انکار نبوت کی دس گیارہ سال کی لگا تار تحریریں منسوخ ہیں۔ یہ محض غلط اور سراسر خلاف واقعات ہے۔ ہم اللہ جلشانہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ کبھی ہمارے وہم وگمان میں یہ بات نہیں آئی کہ 1901ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنے دعوٰی میں تبدیلی کی یا آپ کی سابقہ تحریروں میں، جو انکار دعوٰی نبوت سے بھری پڑی ہیں، منسوخ ہوگئیں، نہ ہم نے اپنے علم میں کبھی ایسے لفظ کسی ایک شخص کے بھی مونہہ سے سنے جب تک میاں محمود احمد صاحب نے ان کا اعلان نہیں کیا۔ وَاللّٰهُ عَلٰى مَانَقُوْلُ شَهِيْدٌ.

ان ستّر اعلان کنندگان نے جماعت قادیان سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ اپنی جماعت کی کثرت کو مدنظر رکھتے ہوئے سات سو آدمی کی، ورنہ ستّر آدمیوں کی ہی یہ حلفی شہادت پیش کریں کہ انہوں نے 1901ء سے پہلے بیعت کی اور 1901ء میں انہوں نے یہ انقلاب عظیم محسوس کیا کہ جس کے ہاتھ پر انہوں نے بیعت کی جو صرف مجدد ہونے کا دعوٰی کرتا تھا اور مدعی نبوت پر لعنت بھیجتا تھا، آج وہ خود مدعی نبوت بن گیا ہے۔

مگر ستّر آدمی تو ایک طرف رہے، ساری جماعت میں سے ایک شخص نے بھی یہ حلفی شہادت نہ دی۔ مجھے یہ تو علم نہیں کہ جناب سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے 1901ء سے پہلے بیعت کی تھی یا نہ۔ لیکن حیدر آباد کی جماعت میں ضرور ایسے اصحاب موجود ہوں گے، جنہوں نے 1901ء سے پہلے بیعت کی ہو۔ وہ حلفی شہادت دیں کہ کیا انہوں نے 1901ء میں حضرت مسیح موعود کی زندگی میں یہ انقلاب محسوس کیا کہ آپ آج سے مدعی نبوت ہو گئے ہیں اور آپ کی سابقہ تحریریں، جن میں انکار نبوت ہے، منسوخ ہوگئی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ سیٹھ صاحب ایسے حلف اٹھانے والوں کو ضروری انعام دیں گے۔ کیونکہ اس شہادت سے دونوں جماعتوں کے اختلاف میں فیصلہ کی راہ نکل آتی ہے۔ اور وہ فیصلہ ہی چاہتے ہیں۔ میرا مطالبہ تو صرف لَاتَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ (283:2) کے حکم خداوندی کے ماتحت ہے۔ ان تینوں باتوں پر غور کیجئے۔

1۔ جماعت احمدیہ میں ایک دو نہیں، ستّر آدمی یہ حلفی شہادت دیتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب سے 1901ء سے پہلے بیعت اس حال میں کی کہ وہ آپ کو مجدد سمجھتے تھے۔ اور 1901ء میں انہوں نے کوئی تبدیلی دعوٰی نہیں دیکھی اور نہ یہ خیال ان کے دل میں گزرا کہ آپ کی انکارِ نبوت کی تحریریں منسوخ ہیں۔

2۔ ساری جماعت میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو حلف اٹھائے کہ اس نے 1901ء سے پہلے حضرت مرزا صاحب کو مجدد سمجھ کر بیعت کی تھی اور 1901ء میں آپ کے دعوٰی میں یہ تبدیلی دیکھی کہ آپ نے مجددیت کی بجائے نبوت کا دعوٰی کر دیا اور انکارِ نبوت کی پہلی تحریروں کو منسوخ کر دیا۔

3۔ سارے احمدیہ لٹریچر میں ایک حوالہ بھی جناب خلیفہ صاحب قادیان کی اس ایجاد سے پہلے کا نہیں دکھایا جا سکتا جس سے یہ معلوم ہو کہ 1901ء سے پہلے کی حضرت صاحب کی انکارِ نبوت کی تحریریں منسوخ ہیں۔

تو وہ فیصلہ، جس کی طرف سیٹھ صاحب نے مجھے مہربانی سے بلایا ہے، اسی ایک بات سے ہو جاتا ہے۔ میں کسی سے مؤکد بعذاب حلف نہیں مانگتا۔ اظہارِ حق کے لئے لاکھوں کی جماعت میں سے چند آدمیوں کا حلفی بیان مانگتا ہوں۔ جو یہ کہہ دیں کہ 1901ء سے پہلے انہوں نے حضرت مرزا صاحب کو مجدد سمجھ کر بیعت کی اور 1901ء میں انہیں یہ پتہ لگ گیا کہ اب آپ دعوٰی نبوت کرتے ہیں اور انکارِ نبوت کی تحریریں منسوخ ہو گئی ہیں۔ سیٹھ صاحب کی خدمت میں میں یہ درخواست کروں گا کہ وہ اپنا گیارہ ہزار روپے کا انعام ایسے حلف اٹھانے والوں کے لئے پیش کریں تو شائد کسی کو یہ ہمت پڑ جائے۔ ہم پچیس سال سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں، کوئی بزرگ نہیں نکلا!

اور اگر سیٹھ صاحب کو یہ اعتراض ہو کہ پھر لفظ نبی تحریروں میں کیوں آیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ نبی 1901ء سے پہلے بھی استعمال ہوا اور 1901ء کے بعد بھی۔ مگر حضرت صاحب نے 1901ء سے پہلے بھی اس کی یہی تشریح کی کہ یہ لفظ بطور مجاز اور استعارہ استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد فی الحقیقت نبوت نہیں بلکہ محض لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر پیشگوئی

کرنے والا اور 1901ء کے بعد بھی یہی تشریح کرتے رہے بلکہ وہ بزرگ، جن کے لبوں پر اب میاں صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کی وجہ سے خاص اس معاملہ میں مہر سکوت لگ گئی ہے، حضرت صاحب کی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی یہی کہتے رہے۔ اختصار کے لئے صرف دو حوالے پیش کرتا ہوں۔

1۔ ''شبلی نے دریافت کیا کہ ہم لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارا عقیدہ اس معاملہ میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیّن ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ نہ نیا اور نہ پرانا۔ ہاں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے اور الہام الٰہی کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ نے بہت سی آئندہ کی خبریں بطور پیشگوئی کے بتلائی تھیں جو پوری ہوتی رہیں، اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں'' (بدر جلد9 نمبر 51-52)

2۔ حیدر آباد دکن کے ایک مرحوم بزرگ کی شہادت سے جو اس جماعت کے رہنما سمجھے جاتے تھے یعنی میر محمد سعید صاحب، انہوں نے اپنی کتاب ''انوار اللہ'' مطبوعہ 1904ء کے (یعنی مزعومہ تاریخ تبدیلی عقیدہ سے تین سال بعد) صفحہ 263 پر لکھا ہے۔

''ہاں حضرت مرزا صاحب نے محدث ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور محدث کی تعریف جو احادیث صحیح بخاری وغیرہ سے ثابت ہے وہ ایک قسم کی جزوی نبوت اور ظلّی اور طفیلی رنگ کی ہوتی ہے جو ہر ایک محدث اُمتی کو عطا ہوتی ہے''

اور خود خلیفہ صاحب قادیان 1910ء-1911ء تک یہی مذہب رکھتے تھے جو اوپر کے بزرگوں کا بیان ہوا ہے اور جو تمام جماعت احمدیہ لاہور کا مذہب ہے۔ چنانچہ الحکم 14 مارچ 1911ء میں جناب میاں صاحب کا یہ بیان موجود ہے:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیّین کے مرتبہ پر قائم کر کے آپ پر ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ کر دیا''

اور اسی طرح تشحیذ الاذہان اپریل 1910ء میں جناب میاں صاحب نے خود اپنے قلم سے یہ لکھا۔

''اور آنحضرتؐ کے بعد تیرہ سو برس گذر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوت کا دعوٰی کر کے کامیابی حاصل نہیں کی......آپؐ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ کیوں بند ہو گیا...... اس سے بڑھ کر کیا نشان ہو سکتا ہے کہ آپ کے دعوٰی کے بعد کوئی شخص جو مدعی نبوت ہوا ہو کامیاب نہیں ہوا۔ پس اسی طرف اشارہ تھا کہ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا. (40:33) یعنی ہم نے آپ کو خاتم النبیّین بنایا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا''

یہ تو ہے جماعت احمدیہ لاہور اور جماعت قادیان کے اختلاف کی حقیقت۔ جس کے فیصلہ کا ایک آسان طریق میں نے اوپر پیش کر دیا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی میں تو بار بار جناب میاں صاحب کی خدمت میں کئی سالوں سے فیصلہ کی ایک آسان راہ پیش کرتا رہا ہوں۔ معلوم نہیں جناب سیٹھ صاحب کو اس کا علم ہے یا نہیں اور وہ راہ یہ ہے کہ جناب میاں صاحب اور میں اپنے اپنے عقائد کو معہ دلائل کہ حضرت مسیح موعود کا مسلک کس کے عقائد کے مطابق تھا ایک جلسہ میں بیان کریں اور اس میں آٹھ آدمی بطور ثالث مان لئے جائیں، چار جماعت قادیان کے آدمی، جن کو میں منتخب کروں اور چار جماعت لاہور کے آدمی جنہیں میاں صاحب منتخب کریں۔ اور یہ آٹھ آدمی اپنی رائے اس بارہ میں ظاہر کریں کہ دونوں میں سے کس فریق کے عقائد حضرت مسیح موعود کے عقائد کے مطابق نظر آتے ہیں۔ اور اس رائے کے ساتھ یہ بحث شائع ہو جائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جناب میاں صاحب اپنے عقائد کو چھوڑ دیں۔ لیکن کم سے کم اتنا تو معلوم ہو جائے گا کہ کس فریق کے دلائل زیادہ وزنی ہیں اور پبلک کو ایک رائے قائم کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ مگر جناب میاں صاحب اس بات کی طرف نہیں آتے۔ آخر اس میں خوف کس بات کا ہے کہ میاں صاحب اس سے سالہا سال سے انکار کر رہے ہیں؟ صرف یہی نہ کہ جناب میاں صاحب یہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے

دلائل سے اپنے مریدوں کو بھی قائل نہیں کر سکتے۔ جناب سیٹھ صاحب نے جونہایت فیاضی سے میرے لئے انعام مقرر کیا ہے میرا مشورہ ہے کہ وہ گیارہ ہزار روپیہ مع اس روپے کے جس کے لئے اور مریدوں کے دلوں میں اُبال اُٹھ رہا ہے۔ جناب میاں صاحب کی خدمت میں بطور نذرانہ اس استدعا کے ساتھ پیش کیا جائے کہ وہ اس سادہ طریق فیصلہ کو مان لیں تو روپیہ بھی گھر کا گھر میں ہی رہا اور کام بھی ہو جائے گا۔ یعنی خدا نے چاہا تو خود قادیان کی جماعت یہ شہادت دے دے گی کہ جناب میاں صاحب کا عقیدہ خلاف مسیح موعود ہے!

جہاں تک مجھ سے حلف مؤکد بعذاب کا مطالبہ ہے میں اس کے لئے صرف ایک بات چاہتا ہوں۔ یعنی یہ کہ سیٹھ صاحب نے جو خدا سے فیصلہ لینے کا طریق ظاہر کیا ہے اس کی کوئی سند خدا کے کلام میں یا اس کے رسولؐ کی حدیث میں ہے؟ آخر ہمارا مذہب بچوں کا کھیل تو نہیں کہ جو شخص جو بات چاہے مونہہ سے نکال دے۔ سیٹھ صاحب نے خود یا کسی کے کہنے پر یہ لفظ تو لکھ دیئے کہ

''آیئے ہم خدا تعالیٰ سے اس کا فیصلہ کرالیں''

لیکن یہ نہ سوچا کہ اگر خدا تعالیٰ سے فیصلہ لینا ہے تو جو طریق فیصلہ لینے کا پیش کرتے ہیں اس کی کوئی سند خدا کے کلام میں ہی ہونی چاہیئے۔ جب سیٹھ صاحب وہ آیت قرآنی یا حدیث پیش کر دیں گے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ جو شخص اپنے عقیدہ کے صحیح ہونے پر مؤکد بعذاب حلف اٹھا لے، حالانکہ وہ عقیدہ غلط ہو، اُس پر ایک سال کے اندر عذاب آجایا کرتا ہے۔ اور اگر ایک سال کے اندر عذاب نہ آئے تو اس کا عقیدہ سچا ثابت ہو جاتا ہے، تو مجھے اس طریق فیصلہ سے بھی کوئی انکار نہ ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ صرف ایک شرط ہوگی کہ اگر عذاب نہ آیا تو جماعت قادیان کے اپنے اقرار کے مطابق میرا عقیدہ سچا ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے ساری جماعت کو معہ خلیفہ صاحب کے میرے ہاتھ پر بیعت کرنی ہوگی۔ اور یہ اقرار صرف خلیفہ صاحب کر سکتے ہیں۔ پس اس طریق فیصلہ کو منظور کرنے سے پیشتر ان دو باتوں کی ضرورت ہے۔

اول۔ یہ کہ وہ آیت قرآنی یا حدیث پیش کی جائے جس میں خدا سے فیصلہ لینے کا یہ طریق مذکور ہے۔

دوم۔ یہ کہ خلیفہ صاحب قادیان ایک اعلان کریں کہ اگر میں اس طریق فیصلہ کو منظور کر لوں تو

مجھ پر عذاب نہ آنے کی صورت میں وہ اوران کی ساری جماعت اپنے عقائد باطلہ سے بیزاری کا اعلان کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ آج سے ساری جماعت قادیان اس حوالہ کی تلاش میں لگ جائے اور ایک ماہ تک یہ حوالہ نکال کر بھیج دے۔ رہا گیارہ ہزار روپے کا سوال، تو میں جناب سیٹھ صاحب کو اور ان کی نقل کرنے والوں کو یہ مشورہ دوں گا کہ میرے سچا ثابت ہونے کی صورت میں جب جناب خلیفہ صاحب اوران کی جماعت کو اس قدر ندامت اٹھانی پڑے گی تو میری طرف سے یہ اجازت ہے کہ یہ روپیہ جناب خلیفہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ البتہ اگر اس طریق فیصلہ کے لئے سیٹھ صاحب کوئی سند قرآن کریم یا حدیث کی پیش نہ کر سکیں تو میں یہ ضرور کہوں گا کہ وہ یہ گیارہ ہزار روپیہ بطور تاوان احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو تبلیغ اسلام کے لئے ادا کریں۔ تا کہ آئندہ انہیں یا ان کی جماعت کو یہ جرأت نہ ہو کہ خلاف قرآن وحدیث اپنی طرف سے باتیں کہتے جائیں۔ جن سے لوگوں کو دھوکا لگ سکتا ہے۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

مسلم ٹاؤن لاہور

30 مارچ 1942ء

28 اپریل 1942ء

دلچسپ مکالمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خان بہادر میاں محمد صادق صاحب اور جناب میاں محمود احمد صاحب

''محمد رسول اللہ صلعم بھی اپنی نبوت کا اقرار نہ لیتے تھے؟''

برکاتِ خلافتِ قادیان میں ایک اور اضافہ!

یہ مکالمہ 29 مارچ 1942ء کو ہوا۔ جماعت لاہور کے احباب وقتاً فوقتاً جناب میاں صاحب کی ملاقات کے لئے جاتے رہے۔ میرا خیال ہے اگر جناب میاں صاحب اُن سب مکالموں کو شائع فرما دیا کریں تو ان کے عقائد کا ایک دلچسپ مجموعہ تیار ہو جائے۔

اس مکالمہ کے چند ضروری امور کی طرف میں خود جناب میاں صاحب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، گو مجھے امید کم ہے کہ وہ اس طرف توجہ کریں۔ اس لئے کہ خلافت کی شان یہ ہے کہ خلیفہ جو کچھ چاہے کہہ دے، اسے اگر صریحاً بھی قرآن وحدیث یا حضرت مسیح موعود کی تحریرات کے خلاف دکھایا جائے تو وہ بولا نہیں کرتا۔ اور یہی چیز ہے جو آج تک قادیانی عقائد کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ اور اصل میں یہی وجہ ہے کہ جناب میاں صاحب مسائل کفر واسلام اور نبوت پر بحث کرنے سے گھبراتے ہیں۔ جن عقائد کی حالت یہ ہو کہ ایک شخص نیاز مندانہ طریق پر بھی جا کر کچھ دریافت کرے تو جناب میاں صاحب گھبرا کر الٹے سیدھے جواب دے دیتے ہیں، وہ بحث کے میدان میں کس طرح نکل سکتا ہے!

میاں محمد صادق صاحب کا پہلا سوال یہ تھا۔ حضرت مسیح موعود نے شرائط بیعت میں اپنی نبوت اور رسالت پر ایمان لانا ضروری قرار نہیں دیا معلوم ہوا کہ آپ کا دعویٰ نبوت کا نہ تھا۔ اس کا جواب جناب میاں صاحب نے یوں دیا ہے۔

> ''شرائط بیعت میں اس ذکر کے نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح موعود نبی نہ تھے یا حضور کا دعویٰ نبوت کا نہ تھا۔ دیکھئے! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی شرائط بیان کی ہیں۔فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآئَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْلَھُنَّ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (12:60)اس جگہ اللہ تعالیٰ نے شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور بہتان تراشی سے اجتناب اور طاعت درمعروف کو شرائط بیعت قرار دیا کیا اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہ تھے یا حضور کا دعوٰی نبوت کا نہ تھا؟ بیعت درحقیقت اقرار اطاعت کے لئے ہوتی ہے اور بیعت کرنے وہی آتا ہے جو پہلے دعوٰی اور مقام کو مان لیتا ہے۔اس لئے شرائط بیعت میں نبوت یا رسالت کے ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔پھر آپ غور فرمائیں کہ کیا شرائط بیعت میں مسیح موعود ماننے کی شرط ہے۔اگر نہیں تو کیا یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت مسیح موعود کا یہ بھی دعوٰی نہ تھا کہ میں مسیح موعود ہوں''

اس جواب کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم لوگوں کو اسلام میں داخل کرتے وقت اپنی نبوت ورسالت کا اقرار نہ لیا کرتے تھے۔یہ اس قسم کا پہلا واقعہ نہیں ہے کہ جناب میاں صاحب پر خود کوئی زد پڑے تو وہ اسے الٹا کر فوراً رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈال دیتے ہیں۔بلکہ یہ ایک عادت ہے جو ان میں رائج ہو چکی ہے۔جب ان پر یہ اعتراض ہوا کہ آپ کے نزدیک حضرت مسیح موعود بارہ برس تک اپنی نبوت کو نہ سمجھ سکے۔تو اس کا جواب دیا گیا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نعوذ باللہ تین یا چھ سال تک اپنے دعوٰی کو نہیں سمجھ سکے تھے اصل میں یہ اعتراض عیسائیوں کا تھا۔جسے جناب میاں صاحب نے مسیح موعود کی خلافت کا حق ادا کرنے کے لئے اپنا لیا۔

خلافت قادیان کی برکت نمبر 1: آنحضرت صلعم چھ سال تک اپنے دعوٰی کو نہیں سمجھ سکے۔قادیانی عجوبوں میں سے یہ پہلا عجوبہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ سال تک اپنی نبوت کو سمجھ نہیں آئی اور یہ عجوبہ اس لئے ایجاد کیا گیا کہ جناب میاں صاحب کو اس زمانہ کے لئے ایک ایسا نبی بنانا پڑا (خلیفہ کو

تو خدا بنا تا ہے مگر نبی کو خلیفہ بنا تا ہے) جو ان کے اپنے الفاظ میں بارہ سال تک اپنی نبوت کو نہیں سمجھ سکا۔ اور یہ تو در حقیقت پردہ پوشی کے طور پر ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں نہ سمجھ سکنے کا سوال نہیں۔ بلکہ الٹی سمجھ کا سوال ہے۔ یہ نہیں کہ نبی اپنی نبوت کو سمجھ نہیں سکا بلکہ وہ خود نبی ہونے کے باوجود مدعی نبوت کا کاذب اور کافر کہتا رہا۔ دعویٰ نبوت کو افتراء کہتا رہا۔ مدعی نبوت پر لعنتیں بھیجتا رہا۔ اسے یہ شک نہ تھا کہ میں نبی ہوں یا نہیں۔ اسے یہ یقین تھا کہ میں نبی نہیں ہوں۔ اور اس لئے وہ کہتا رہا کہ میرا اس بات پر محکم ایمان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ نیا نبی آ سکتا ہے نہ پرانا۔ اور قسمیں کھا کھا کر نبوت سے انکار کرتا رہا۔ اس لئے اس قادیانی ایجاد کو، کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چھ سال تک اپنی نبوت کے متعلق شک رہا، ابھی ترقی دینے کی گنجائش ہے۔ اور جب تک یہ نہ کہا جائے کہ نعوذ باللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چھ سال تک یہ یقین تھا کہ آپ نبی نہیں ہیں اور آپ بھی دعویٰ نبوت کو اپنے اوپر افتراء قرار دیا کرتے تھے اور مدعی نبوت پر لعنت بھیجا کرتے تھے، تب تک جناب میاں صاحب کی اصل غرض پوری نہیں ہوتی۔ شائد جناب میاں صاحب سے کوئی بڑا خلیفہ آ کر یہ کام بھی کر دکھائے۔ البتہ یہ مناسب ہے کہ ساری جماعت قادیان اس دعا میں لگی رہے کہ یہ توفیق موجودہ خلیفہ صاحب کو ہی مل جائے جو کَانَ اللّٰہُ نَزَلَ مَنَ السَّمَآءِ. کا مصداق ہے یا اور کوئی ان سے زیادہ ''اولوالعزم'' خلیفہ آ جائے!

خلافت قادیان کی برکت نمبر 2: آنحضرت صلعم نے لفظ رسول اپنے نام سے کاٹ دیا۔ جب یہ کہا گیا کہ حضرت مسیح موعود نے تو ایک مخالف کے ساتھ بحث کرتے ہوئے یہ اقرار نامہ کے طور پر لکھ دیا تھا کہ میری تحریر میں جہاں جہاں لفظ نبی ہے اسے کٹا ہوا سمجھ کر اس کی جگہ لفظ محدث سمجھ لو۔ کیونکہ ''ابتداء سے میری نیت میں، جس کو اللہ تعالیٰ جلشانہ خوب جانتا ہے، اس لفظ نبی سے مراد حقیقی نہیں، بلکہ صرف محدث مراد ہے''

تو اس کا بھی ایک جواب قادیان میں موجود تھا کہ آنحضرت صلعم نے بھی اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ لکھا ہوا کاٹ دیا تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ صلح حدیبیہ میں جب معاہدہ لکھتے وقت یہ لفظ آئے کہ یہ معاہدہ فلاں فلاں کے مابین ہے اور اس میں لفظ تھے محمد رسول اللہ تو کفار نے اعتراض کیا کہ اگر ہم

آپ کو محمد رسول اللہ مانتے تو یہ جھگڑا ہی کیوں ہوتا۔ تو آپ نے اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ دیا اور محمد ابن عبداللہ لکھوا دیا۔ ظاہر ہے کہ ان دو باتوں میں باہم کوئی نسبت نہیں۔ رسول اللہ دشمنوں سے ایک ملکی معاہدہ کرتے ہیں اور ہم آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے۔ رسول اللہ کا لفظ کاٹ دیتے ہیں۔ اور حضرت مرزا صاحب کے ساتھ ایک مخالف اس امر پر بحث کرتا ہے کہ آپ نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے اور وہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ میرا دعوٰی ہی نبوت کا نہیں۔ اور میں نے لفظ نبی کو صرف مجاز کے طور پر یا لغوی معنی کے لحاظ سے محدث کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اس لئے لفظ نبی میری تحریر میں جہاں جہاں ہو کٹا ہوا سمجھ کر اس کی جگہ لفظ محدث سمجھ لو۔ اور اس پر مباحثہ ختم ہو جاتا ہے۔ مگر قادیان والوں کو اس سے کیا غرض! وہ تو جس طرح بھی ہوگا تبلیغ کریں گے حوالے رٹے ہوئے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے لفظ نبی کو کٹا ہوا قرار دیا تو کیا ہوا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رسول اللہ کا لفظ کاٹ دیا تھا۔ گویا جس طرح حضرت مرزا صاحب قادیانیوں کے نزدیک ایک زمانہ تک اپنے آپ کو نبی نہیں سمجھتے تھے، اسی طرح صلح حدیبیہ کے زمانہ تک نعوذ باللہ رسول خدا صلعم بھی اپنے آپ کو رسول نہ سمجھتے تھے!

خلافت قادیان کی برکت نمبر 3: نبیوں کے پیروان پر زنا کاری کا الزام لگایا کرتے تھے۔ جب قادیان میں یکے بعد دیگرے ایسے مرید اٹھے، بڑے بڑے مخلص مرید اٹھے جو اپنی زندگیاں وقف کر کے سالہا سال سے وہاں رہتے تھے، بڑے بڑے فدائی اٹھے اور جناب میاں صاحب پر وہ الزام لگائے جن کو ایک غیر کے کان بھی برداشت نہیں کر سکتے اور جناب میاں صاحب کو اس اعتراض کے جواب کی ضرورت پیش آئی کہ میرے اپنے مرید مجھ پر ایسے الزام کیوں لگاتے ہیں، تو آپ نے جھٹ ایک مضمون لکھ مارا کہ سب انبیاءؑ پر اُن کے مرید زنا کا الزام لگاتے رہے ہیں۔ حتّٰی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی آپ کے مریدوں نے ایسے الزام لگائے۔ حضرت موسٰیؑ پر بھی لگائے۔ حضرت عیسٰیؑ پر بھی لگائے اور مرزا صاحب پر بھی لگائے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اور جب کہا گیا کہ اس کی کوئی شہادت پیش کرو تو پھر ایسے خاموش ہوئے جیسے شان خلافت کا تقاضا ہے!

خلافتِ قادیان کی برکت نمبر 4: آنحضرت صلعم اپنی رسالت کا اقرار نہ لیتے تھے۔ اب یہ قادیان کا چوتھا عجوبہ ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب لوگوں کو اپنی جماعت میں داخل کرتے وقت ''باوجود نبی ہونے

کے" اپنی نبوت کا اقرار نہ لیتے تھے تو اس میں ہرج کیا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو اپنی رسالت اور نبوت کا اقرار نہ لیتے تھے۔ اور اس کی سند کیا ہے۔ آیت قرآنی اِذَا جَآئَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ (12:60) اس آیت میں جن باتوں پر بیعت لی گئی ہے ان میں رسالت اور نبوت کا ذکر نہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کافروں کو مسلمان کرتے تھے تو اپنی رسالت کا اقرار نہ لیتے تھے۔

جناب میاں صاحب نے حسب عادت ایک بات تو کہہ دی۔ لیکن کیا اس کا صریح بطلان دیکھ لینے کے بعد وہ رجوع کریں گے؟ یہ شان خلافت سے بعید ہے! کیا وہ اس کا جواب دیں گے؟ خلیفہ اعتراضات کا جواب نہیں دیا کرتا!

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار تو اتنا بین امر ہے جس پر تیرہ سو سال کی امت کی گواہی کا انکار ایک اندھا بھی نہیں کر سکتا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا کلمہ "پیغامیوں" کی ایجاد نہیں۔ نہ کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ "پیغامیوں" نے بنایا ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال سے اسی کلمہ شہادت کی تلقین سے لوگ اسلام میں داخل ہوتے رہے ہیں۔ البتہ اب خلافت قادیان نے اسے منسوخ قرار دیا۔ ہے کیونکہ اس کے پڑھنے سے اب کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اگر جناب میاں صاحب کو جرأت ہے تو وہ میدان میں نکلیں اور اس اکیلے موضوع پر ہی بحث کر لیں کہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت کا اقرار لوگوں سے لیتے تھے یا نہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار تو! تنا زبردست ہے کہ پانچ وقت ہر ایک مسجد کے میناروں سے ہر ایک مسلم آبادی سے یہ ندا پہاڑوں اور جنگلوں کو کاٹتی ہوئی چلی جاتی ہے کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ بلکہ ایک ندا کیا، پانچوں نمازوں میں ہر نماز پڑھنے والا جتنی دفعہ التحیات میں بیٹھتا ہے، اتنی ہی دفعہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کا اقرار کرتا ہے۔ کہاں یہ رسالت اور کہاں وہ نبوت جو کاغذ کے چند چیتھڑوں میں قصر خلافت میں چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔ جو حضرت مرزا صاحب کی طرف جھوٹ منسوب کی جاتی ہے۔ جس کے متعلق اتنا بھی کسی قادیانی کو میسر نہیں آتا کہ ایک دفعہ ہی دن میں کسی اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کی جگہ یہ لفظ کہہ دے

اَشْهَدُ اَنَّ مِرْزَا غُلَامَ اَحْمَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حالانکہ وہ لوگوں کو یہ کہتا پھرتا ہے کہ اب محمد رسول اللہ کی رسالت پر ایمان لانے سے کچھ حاصل نہیں، جب تک مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان نہ لایا جائے۔

اب آیت قرآنی کو لو جو جناب میاں صاحب نے بطور دلیل پیش کی ہے۔ یہ شروع یہاں سے ہوتی ہے اِذَا جَآئَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَا یِعْنَکَ (12:60) جب مومن عورتیں تجھ سے بیعت کریں۔ مگر ''تفسیر کبیر'' جدید کے بلند پایہ مصنف کو مؤمنات کا لفظ ہی نظر نہیں آتا اور وہ کہتا ہے کہ اس آیت کی شرائط بیعت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا کوئی ذکر نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب غیر مسلموں کو مسلمان بناتے تھے تو اپنی رسالت کا اقرار نہ لیتے تھے۔ اور اسی طرح حضرت مرزا صاحب بھی اپنی جماعت میں داخل کرتے وقت اپنی نبوت کا اقرار نہ لیتے تھے۔ اور اتنا نہیں سمجھتا کہ آیت قرآنی میں تو مومنات کا لفظ ہے اور وہاں صرف مومن عورتوں کی بیعت کا ذکر ہے۔ یہ اب مومن نہیں ہورہیں بلکہ پہلے سے مومن ہیں۔ بایں ان سے چند خاص باتوں کی بیعت لی جاتی ہے۔

کہا جائے گا کہ مومن عورتوں سے بیعت کیوں لی جاتی تھی؟ میں کہتا ہوں کیا مومن مردوں سے وقتاً فوقتاً ایسی بیعت نہیں لی گئی۔ بیعت رضوان یا بیعت تحت الشجرۃ کن سے لی گئی تھی۔ ان وفاداروں سے جو مکہ سے ہجرت کر کے ساتھ آئے تھے یا ان سے جنہوں نے مدینہ میں دین کی نصرت کی تھی۔ اگر اب کل کو کوئی شخص اس بیعت کے الفاظ کو لے کر یہ کہہ دے کہ انہی الفاظ کے ساتھ کفار کو اسلام میں داخل کیا جاتا تھا تو اس سے بڑھ کر نادان کون ہوگا؟! اس قسم کی بیعت ایک خاص مقصد کے لئے لی جاتی تھی۔ حدیبیہ میں چودہ سو صحابیؓ کے ساتھ آپ حج کرنے کو آئے تھے۔ تلوار کے سوائے ہتھیار کوئی ساتھ نہ تھا۔ دشمن نے روکنا چاہا۔ مقابلہ کی ضرورت پیش آ گئی۔ لیکن دشمن اپنے گھر میں موجود اور یہ بغیر ہتھیاروں کے دشمن کے علاقہ میں۔ نہ ہتھیار مل سکتے ہیں نہ مدد پہنچ سکتی ہے۔ اس لئے بیعت لی گئی کہ اب سر کٹوا دیں گے مگر پیچھے نہ ہٹیں گے۔

اسی طرح پر فتح مکہ کے بعد مومن عورتوں سے بیعت لی گئی۔ جس کا ذکر محولہ آیت قرآنی میں ہے۔ کیوں لی گئی؟ فتح مکہ کے بعد کثرت سے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اسلام میں داخل ہوئیں۔

مرد تو چونکہ دن رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں آتے اور وعظ و نصیحت سنتے۔ ان کے اندر سے پرانی بد عادات کا دور ہونا آسان امر تھا۔ مگر عورتوں کو ایسا موقعہ کم ملتا تھا۔ اس لئے ان سے ایسی باتوں سے اجتناب کا اقرار لیا گیا جو عام طور پر زمانہ جاہلیت میں ان میں مروج تھیں۔ اور جو ایک طرح ان کی عادات میں داخل ہو چکی تھیں۔ شرک، زنا، قتل اولاد، چوری بہتان یہ اخلاق قبیحہ ان کے اندر راسخ ہو چکے تھے، اس لئے ان سے ان باتوں سے بچنے کا خاص طور پر اقرار لیا۔ اس خاص اقرار میں رسالت کے اقرار کی ضرورت نہ تھی۔

مگر جناب میاں صاحب کی کمال جرأت کو دیکھئے کہ مومن عورتوں کی بیعت کو، جو ایک خاص غرض کے لئے تھی، کافروں کا اسلام میں داخل ہونا قرار دے دیا۔ اور چونکہ یہاں رسالت کا ذکر نہ تھا اس لئے اس سے یہ کلیہ بنالیا ہے کہ نبی اپنی نبوت کا اقرار نہیں لیا کرتا۔ اتنے بڑے باطل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ حضرت مرزا صاحب کی نبوت اس کے بغیر بن نہیں سکتی اور سے بنانا ضرور ہوا۔ اس لئے جس طرح بھی ہوگا بنائیں گے۔ جس طرح جناب میاں صاحب کے مبلغین کہتے ہیں کہ ''جس طرح بھی ہوگا تبلیغ کریں گے'' جناب میاں صاحب کا عمل بھی یہی ہے کہ جس طرح بھی ہوگا نبوت بنائیں گے۔ تعجب ہے خلیفہ خود ایک کام جس طرح بھی ہوگا کرے تو ہرج نہیں، لیکن غریب مبلغ وہی کام کریں تو ان کے حق میں وہ لفظ بولے جاتے ہیں جو آج تک شائد ہی کسی نے اپنے مریدوں کے حق میں بولے ہوں۔ ہاں ایک اور جواب بھی جناب میاں صاحب نے دیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب اپنے مسیح موعود ہونے کا بھی اقرار نہ لیا کرتے تھے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا؟! جناب میاں صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود نے مسیح موعود کے دعویٰ کو مجدد کے دعویٰ سے بڑھ کر قرار نہیں دیا۔ ''مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ملہم من اللہ اور مجدد ہونے کے دعویٰ سے کچھ بڑھ کر نہیں'' (یہ حضرت صاحب کے قلم کے الفاظ ہیں) تو اصل بات یہاں آ رہتی ہے کہ اگر مجدد اپنی مجددیت کا اقرار لیا کرتے ہیں تو حضرت مرزا صاحب اپنی مجددیت یا مسیح موعود ہونے کا اقرار لیتے۔ مگر جس طرح نبی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی نبوت کا اقرار لے مجدد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی مجددیت کے اقرار کو ایمانیات میں داخل نہ کرے۔ بات تو موٹی ہے۔ جسے جناب میاں صاحب سمجھنا

چاہیں تو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ جس چیز کے انکار سے کفر لازم آتا ہے اسی کا اقرار لیا جاتا ہے اور جس کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا اس کا اقرار بھی نہیں لیا جاتا۔ نبوت کے انکار سے کفر لازم آتا ہے اس لئے اس کا اقرار لینا ضروری ہے۔ مجددیت کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا اس لئے کسی مجدد نے بھی اس کا اقرار نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صاحب نے صراحت سے لکھ بھی دیا ہے کہ ''ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوٰی کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا'' تو جس دعوٰی کے انکار کی وجہ سے کوئی کافر نہیں ہوتا اس کا اقرار کیوں لیتے ؟!

ہاں اگر آپ نبی تھے۔ جیسا جناب میاں صاحب کا زعم ہے تو ضروری تھا کہ آپ اپنی نبوت کا اقرار ہر اس شخص سے لیتے جسے اپنی جماعت میں (یا امت میں) داخل کرتے۔ کس قدر موٹی بات ہے کہ آج جناب میاں صاحب کے نزدیک کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ وہ حضرت مسیح موعود کی نبوت پر ایمان نہ لائے۔ لیکن جس کی نبوت پر ایمان لانا جناب میاں صاحب اس قدر ضروری قرار دیتے ہیں وہ خود اس نبوت کا اقرار کسی ایک فرد سے بھی نہیں لیتا۔ نہ 1901ء سے پہلے نہ 1901ء کے بعد۔ ایمان کس چیز کا نام ہے۔ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق۔ تو جب زبان سے اقرار ہی ندارد ہے تو ایمان کا لفظ اس پر کس طرح بولا جاسکتا ہے۔ اگر حضرت صاحب اپنی نبوت کو ایمانیات میں داخل کرتے تو ضروری تھا کہ ہر بیعت کنندہ سے، جب وہ جماعت میں داخل ہونے کے لئے آتا، اس کا اقرار لیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے آپ کا دعوٰی نبوت کا نہ تھا۔

خلافت قادیان کی برکت نمبر 5: انکار نبوت دعوٰی نبوت ہے۔ قادیان میں جو عجائبات ایجاد ہوئے ہیں ان کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے جو میں اس وقت گن رہا ہوں۔ اسی میں سے یہ عجوبہ ہے کہ قادیانیوں کے نزدیک انکار نبوت اصل میں اقرار نبوت ہے۔ جب جناب میاں صاحب پر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ میں یہ سوال ہوا کہ بانی احمدیت نے کب دعوٰی نبوت کیا تو جواب دیا۔ آپ نے 1891ء میں دعوٰی نبوت کیا۔ اب ایک شخص حیرت میں ڈوب جاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ یہ 1891ء ہی وہ سال ہے جب آپ نے لگاتار انکار نبوت شروع کیا۔ اور نہ صرف معمولی الفاظ میں انکار نبوت کرتے ہوئے یہ کہا کہ

''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے''
بلکہ یہ بھی کہا کہ ''ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں'' یہ بھی کہا کہ ختم نبوت کے منکر کو ''بیدین اور دائرہ اسلام سے خارج'' سمجھتا ہوں۔ یہ بھی کہا کہ ''یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا'' یہ بھی کہا کہ ''ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے'' یہ بھی کہا کہ ''ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں'' اور یہ سب کچھ 1891ء میں یا اس کے بعد کہا۔ مگر ان تمام چیزوں کو جناب میاں صاحب دعویٰ نبوت قرار دیتے ہیں۔ واقعی یہ عجوبہ روزگار تاریخ میں لکھا جانے کے قابل ہے کہ اتنا وسیع انکار نبوت بھی دعوے نبوت ہے۔ دعویٰ نبوت کو افتراء کہنا بھی دعویٰ نبوت ہے۔ اس بات پر محکم ایمان اور یقین کہ آنحضرت صلعم کے بعد نہ نیا نبی آ سکتا ہے نہ پرانا بھی دعویٰ نبوت ہے۔ مدعی نبوت کو کاذب کافر بے دین دائرہ اسلام سے خارج اور ملعون کہنا بھی دعوے نبوت ہے۔ اب میں کس لغت کے لفظ جناب میاں صاحب کے سامنے لا کر رکھوں جن سے ان پر یہ ثابت ہو جائے کہ 1891ء میں حضرت مسیح موعود نے دعویٰ نبوت نہیں کیا۔ بلکہ انکار نبوت کیا سوائے اس کے کہ جناب میاں صاحب کی اپنی تحریر کو پیش کروں کہ ''1901ء میں آپ (یعنی مسیح موعود) نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے''
اگر جناب میاں صاحب حضرت مسیح موعود کے لفظوں کی عزت نہیں کرتے تو اپنے ہی لفظوں کی عزت کریں۔ اگر 1901ء میں عقیدہ میں تبدیلی کی تو یقیناً 1891ء میں دعویٰ نبوت نہیں کیا۔ اور آپ کا عدالت میں بیان اگر دروغ حلفی نہیں تو جھوٹ تو ضرور ہے!

خلافت قادیان کی برکت نمبر 6: مدعی نبوت کو کاذب، کافر، ملعون قرار دینے والا خود مدعی نبوت بن گیا۔ مگر یہی 1901ء کی تبدیلی قادیان کا چھٹا عجوبہ ہے۔ پہلی بات تو یہی کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ جناب میاں صاحب کا کیا عقیدہ ہے۔ کیا حضرت صاحب نے 1901ء میں تبدیلی کی یا نہیں۔ ''حقیقت النبوت'' کا حوالہ اوپر درج ہے کہ ''1901ء میں آپ نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے'' مکالمہ میں ہے ''محض نام کا سوال ہے۔ نفس دعویٰ میں میں کسی تبدیلی کا قائل نہیں ہوں'' یعنی عقیدہ میں تبدیلی اور نفس

دعوٰی میں تبدیلی دو الگ الگ باتیں ہیں۔ایک مامور نے اپنا عقیدہ اپنے دعوٰی کے متعلق تبدیل کر لیا۔مگر دعوٰی تبدیل نہیں ہوا! یہ نفس دعوٰی میں تبدیلی نہ ہونا صرف جہلاء کو مغالطہ دینے کے لئے ہے۔ پھر سوال ہوا کہ تعریف نبوت کی یہ تبدیلی کس سن میں واقع ہوئی جس کا جواب ملا۔''میری تحقیق کے مطابق اس تبدیلی کا پورا اعلان 1901ء کے شروع اور 1900ء کے آخر میں ہوا ہے۔اس تبدیلی کی تصریح رسالہ ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں ہوئی ہے'' اب دیکھئے۔اس عجوبہ میں کتنے عجوبے ہیں۔ایک تو اوپر گزرا۔ دوسرا عجوبہ یہ ہے کہ ''تبدیلی کا پورا اعلان 1900ء کے آخر میں یا 1901ء کے شروع میں ہوا۔مگر پورے اعلان میں تصریح کوئی نہ تھی۔اس لئے ''تبدیلی کی تصریح'' کے لئے رسالہ ''ایک غلطی کا ازالہ'' لکھنا پڑا۔ اور یہ 1901ء کے آخر میں ہوا۔گویا ''تبدیلی کے پورے اعلان'' اور ''تبدیلی کی تصریح'' میں پورے ایک سال کا فرق ہے!

یہ پورا اعلان کیا بلا تھی اور تبدیلی کی تصریح کس جانور کا نام ہے۔''کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی''، ممکن ہے خان بہادر میاں محمد صادق صاحب سمجھ گئے ہوں۔کیونکہ اس مکالمہ میں کہیں یہ نوٹ موجود ہے کہ 1901ء کی تبدیلی کے متعلق ان کی تسلی ہوگئی تھی۔مگر میں نے سنا ہے کہ وہ تسلی ہونے سے انکار کرتے ہیں۔پھر تبدیلی کی تصریح تو ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں ہے۔لیکن تبدیلی کا اعلان کس کتاب یا اشتہار میں ہے۔یہ نہیں بتایا۔کم سے کم اس پر تو جناب میاں صاحب ضرور روشنی ڈالیں۔اور اس کے ساتھ ہی اس کی بھی وضاحت کر دیں کہ ''حقیقۃ النبوت'' میں جو لکھا ہے ''1901ء ایک درمیانی زمانہ ہے۔جو دونوں خیالات کے درمیان برزخ کے طور پر حد فاصل ہے'' کیا اس سے مراد صرف یہ ہے کہ آپ مذبذب تھے کہ تعریف نبوت میں تبدیلی کریں یا نہ کریں۔لیکن اصل عجوبہ یہ ہے

1901ء میں اول ہو یا آخر۔پورا اعلان ہو یا تصریح۔جب نبوت کے متعلق یہ تبدیلی فی الواقع ہوگئی کہ پہلے آپ دعوٰی نبوت سے انکار کرتے تھے۔اپنی طرف دعوٰی نبوت کو منسوب کیئے جانے کو دشمنوں کا افتراء قرار دیتے تھے۔مدعی نبوت کو کاذب، کافر، دائرہ اسلام سے خارج اور بیدین قرار دیتے تھے۔مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے تھے۔اب خود مدعی نبوت بن بیٹھے اور اسی نبوت پر ایمان لانے کو اتنا ضروری قرار دیا کہ اس کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا۔پہلے اگر کوئی شخص آپ کو مدعی نبوت قرار

دیتا ہے تو وہ مفتری تھا۔ جھوٹا تھا، اب جو آپ کو مدعی نبوت نہ سمجھے وہ کافر، دائرہ اسلام سے خارج ہوا۔ اور انکار نبوت سے بھری ہوئی تحریریں اب دیا سلائی دکھانے کے قابل ہوگئیں تو اتنی بڑی تبدیلی کے باوجود مریدوں کو کیوں نہ پتہ لگا کہ آج یہ عظیم الشان انقلاب واقع ہوا ہے۔ اور اگر پتہ لگا تھا تو کوئی قادیانی یہ حلف کیوں نہیں اٹھاتا جس کا مطالبہ کرتے ہوئے ہمیں ستائیس سال گزر گئے کہ میں نے 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت یہ سمجھ کر کی تھی کہ آپ صرف مجدد ہیں اور مدعی نبوت کو جھوٹا بے ایمان، ملعون سمجھتے ہیں اور دعویٰ نبوت کو اپنے اوپر افتراء قرار دیتے ہیں۔ مگر 1901ء میں مجھے یہ محسوس ہوگیا تھا کہ اب آپ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے اور آپ کی انکار نبوت کی تحریریں منسوخ ہوگئی ہیں۔ سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اپنا بارہ ہزار روپیہ کسی عاشق خلافت کی خدمت میں پیش کریں تو شائد وہ حلف اٹھالے اور اس طرح جس تودہ ریت پر خلافت کی بنیاد ہے، اس میں ایک اینٹ تو دیکھنے کو نظر آ جائے!

اتنی بڑی تبدیلی کہ مدعی نبوت کو کاذب، کافر، ملعون، بیدین اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے والا خود مدعی نبوت بن بیٹھے، چالیس کروڑ مسلمان گھر بیٹھے مسیح موعود کا نام سنے بغیر کافر ہو جائیں۔ پھر 1900ء کے آخر اور 1901ء کے شروع میں اس کا پورا اعلان بھی ہو جائے اور 1901ء کے آخر میں اس کی تصریح ہو جائے اور نہ کسی مرید کو اعلان کا پتہ لگے نہ تصریح کو کوئی سمجھے۔ ہاں سارے عالم اسلامی میں موافقوں اور مخالفوں میں صرف ایک آدمی تھا، جس نے یہ الزام اس وقت دیا کہ جناب مرزا صاحب اب دعویٰ نبوت کر رہے ہیں۔ جس کے جواب میں مولوی سید محمد احسن صاحب نے انیس وجوہات اخبار الحکم میں پیش کی تھیں کہ تبدیلی کوئی نہیں جو عقیدہ پہلے تھا وہی اب ہے۔ اور کسی قسم کا فرق نہیں اور خود حضرت مرزا صاحب نے بھی اس مضمون کو دیکھا اور اس کو غلط نہ کہا۔

خلافت قادیان کی برکت نمبر 7: ''نبی'' اول الکافرین ہوتا ہے۔ اس بات کو سمجھانا بکار تھا کہ ایک شخص کو نبی مانا جاتا ہے جسے یہ معلوم نہیں کہ نبی کسے کہتے ہیں، بلکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ محدث کسے کہتے ہیں۔ اس دلچسپ مکالمہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

''انکشاف تام میں تدریج سے کوئی ہرج نہیں۔ ایک شخص خربوزہ کو چکھتا اور دیکھتا ہے

اس کے خواص اور ذائقہ سے آگاہ ہے تو اگر اس کا نام اسے کچھ عرصہ بعد بھی معلوم ہو تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے''

مگر کیا فرماتے ہیں اس بارہ میں خلیفہ قادیان! کہ ایک شخص خربوزے فروخت کر رہا ہے اور جو خریدار اس کے پاس آتا ہے اسے کہتا ہے کہ میں کدو فروخت کر رہا ہوں لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو خربوزے ہیں۔ کدو نہیں وہ کہتا ہے میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ کدو ہیں۔ اور خربوزے فروخت کرنا تو ایک لعنتی کا کام ہے۔ میں خربوزے کے خواص سے اور ذائقہ سے آگاہ ہوں۔ میں نے انہیں خود چکھ کر دیکھا ہے یہ خربوزے نہیں کدو ہیں۔ کچھ ''بیوقوف'' اس کی بات پر اعتبار کر کے انہیں کدو سمجھ کر لے لیتے ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ کہتے ہیں یہ بیچنے والا دھوکا دیتا ہے، دجال ہے، کذاب ہے۔ بیچتا خربوزے ہے اور کہتا انہیں کدو ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کی بات کو سچا مان لیا ہے، وہ بیوقوف ہیں۔ بارہ سال یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آخر بارہ سال کے بعد ایک دن وہ اپنے ''دام افتادوں'' کو بتاتا ہے کہ فی الحقیقت مجھے بھی غلطی لگی۔ تم نے بھی غلطی کھائی۔ یہ چیز، جو میں تمہارے ہاتھ بیچتا رہا ہوں، یہ خربوزے ہیں، کدو نہیں اور جو لوگ اس وقت مجھ پر اعتبار نہ کرتے تھے وہ سچے تھے۔

العظمۃ للہ۔ یہ خلافت کے عجائبات ہیں۔ یہ خلافت کی برکات ہیں۔ کہ حضرت مرزا صاحب نعوذ باللہ دھوکہ دیتے تھے یا غلطی خوردہ تھے۔ اور ان کے ماننے والے بیوقوف تھے۔ اور مخالف دشمن، جو آپ پر کفر کا فتوٰی لگاتے اور آپ کو مدعی نبوت قرار دیتے تھے، وہ سچے تھے۔ اور بارہ سال بعد اپنی دھوکہ دہی کا اعلان خود آپ نے اپنے قلم سے کیا۔ گو اس اعلان کا وجود دنیا میں کہیں نہیں، نہ کوئی مرید یہ حلف اٹھاتا ہے کہ میں نے 1901ء میں اس تبدیلی کو محسوس کر لیا تھا۔

اور کیا فرماتے ہیں خلیفہ قادیان اس بارے میں کہ اگر ایک شخص نبی کی نبوت کا انکار اس لئے کرے کہ وہ نبی کے معنی نہیں جانتا تو کیا وہ کافر تو نہیں ہوتا؟ اور اگر نبی کی نبوت کا انکار کرنے والا بہر حال کافر ہے تو جو شخص دعوٰی نبوت کو کذب اور افتراء قرار دیتا ہو، خود نبی ہو کر اپنے نبی ہونے سے انکار کرتا ہو، مدعی نبوت پر لعنت بھیجتا ہو، وہ اگر سب سے بڑا کافر نہیں تو کیا ہے؟! نبی کی شان تو ہوتی ہے کہ وہ اول المسلمین ہوتا ہے۔ سب سے پہلے وہ خود اپنی نبوت پر ایمان لاتا ہے، اور یہ نبی ایسا ملا جو اپنی

نبوت کا اول الکافرین ہے۔ کچھ ہرج نہیں۔ خلافت کی برکات میں ایسے ایسے انقلاب خلیفہ کے کمالات کا ایک معمولی کرشمہ ہیں!

اور کیا فرماتے ہیں خلیفہ قادیان کہ 1901ء میں بارہ سال بعد خدائی فیصلہ یہی تھا نہ کہ وہ علماء جو آپ کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرتے تھے وہ سچے تھے۔ اور ''نبی'' جو ان کو جھوٹا کہتا تھا، خود جھوٹا تھا۔ اور کیا فرماتے ہیں خلیفہ قادیان کہ لفظ نبی کے معنی تو علماء کو بھی نہ آتے تھے اور حضرت مرزا صاحب کو بھی نہ آتے تھے۔ مگر یہ کیا معاملہ ہے کہ دونوں نبی کا ایک ہی مفہوم سمجھتے ہیں۔ پھر بھی اس قدر اختلاف ہے کہ علماء کہتے ہیں تم دعویٰ نبوت کرتے ہو۔ ''نبی'' کہتا ہے تم جھوٹ کہتے ہو۔ اور یہی ''نبی'' جب لفظ نبی کے ایسے معنی کرتا ہے جو علماء کے نزدیک غلط ہیں، تو اسے سمجھ آ جاتی ہے کہ میں مدعی نبوت ہوں یا تھا! اس کی بھی تشریح فرما دی جائے۔

سردست یہ سات برکات کافی ہیں۔ اگر ان باتوں کا کوئی جواب جناب میاں صاحب اپنی زبان مبارک سے دیں یا قلم کو جنبش میں لائیں تو ایک دنیا پر احسان ہوگا۔ اور اگر ان کے پاس کوئی جواب نہیں تو ان کا اختیار ہے۔ شان خلافت کو قائم رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کریں اور مریدوں کو چھوڑ دیں کہ جس طرح چاہو ان ''پیغامیوں'' کو تبلیغ کرو۔

جماعت قادیان سے ایک گذارش: بالآخر میں جماعت قادیان کو اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ غور کریں کہ ان کا قدم کس طرف جا رہا ہے۔ گھروں میں بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ کیا یہی تعلیم حضرت مسیح موعود دینے آئے تھے؟ اور آخر اس قدر اخباروں، رسالوں اور ٹریکٹوں اور مبلغوں کی بھرمار ایک چھوٹی سی بات کو حل کرنے سے قاصر کیوں ہے؟ **تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ** (64:3) کے اصول کو نہ بھولئے۔ آخر ہم میں اور آپ میں کوئی امر مشترک ہے اور وہ امر مشترک یہ ہے کہ آپ بھی مانتے ہیں اور ہم بھی مانتے ہیں کہ حضرت صاحب نے 1891ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ شائع کیا اور اسی وقت اس کے ساتھ ہی نبوت کا انکار کیا۔ اور 1901ء تک آپ نبوت کا انکار کرتے رہے۔ یہاں آ کر یہ اختلاف ہوتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ 1901ء میں آپ نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا۔ ہم کہتے ہیں کہ تبدیل نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ جب اس بات پر اتفاق ہے کہ مسیح موعود کا دعویٰ کرنے کے بعد آپ انکار

نبوت کرتے رہے اور مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے رہے۔ دعویٰ نبوت کو اپنے اوپر افتراء قرار دیتے رہے تو اب اس بات کا ثبوت، کہ 1901ء میں آپ نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا اور انکار نبوت کی تحریریں منسوخ کر دیں، آپ پر ہے۔ اور اس کا مختصر حل یہ ہے کہ آپ میں سے وہ لوگ، جنہوں نے 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی، حلف اٹھا کر یہ کہہ دیں کہ 1901ء میں ہم نے سمجھ لیا تھا کہ حضرت صاحب نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا ہے اور انکار نبوت کی تحریریں منسوخ کر دی ہیں۔ اور حالانکہ یہ حلف آپ پر تھی۔ مگر ہم میں سے ستر آدمی، جنہوں نے 1901ء سے پہلے بیعت کی، یہ حلف 1915ء میں اُٹھا چکے کہ حضرت صاحب کے دعویٰ میں 1901ء میں ہم نے کوئی تبدیلی محسوس نہیں کی اور نہ ہمارے وہم وگمان میں کبھی یہ بات آئی کہ آپ کی 1901ء سے پہلے کی تحریریں انکار نبوت کے بارے میں منسوخ ہیں۔ اور آپ سے اس کے بالمقابل حلف کا مطالبہ کیا۔ مگر آپ کی ساری جماعت آج ستائیس سال سے اس حلف سے گریز کر رہی ہے۔ آخر اس کی وجہ؟ خدارا غور کیجئے کہ آیا اس چھوٹی سی بات سے سارے مسائل اختلافی کا فیصلہ کس قدر آسانی سے ہوسکتا ہے۔ مگر آپ کے خلیفہ صاحب اور آپ کے علماء آپ کو حلف اٹھانے سے روک رہے ہیں۔ اگر حق آپ کے پاس ہے تو حلف کیوں نہیں اٹھاتے۔ اور کس قدر شرم کی بات ہے کہ آپ ہم سے اس حلف کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے عقائد حضرت مسیح موعود کے عقائد کے مطابق ہیں۔ حالانکہ یہ حلف ایک دو نہیں ہم میں سے ستر آدمی اٹھا چکے ہیں۔ اور آپ اس کے بالمقابل حلف اٹھانے سے انکار کر رہے ہیں۔ سوچ لیجئے کہ آپ کی تحریروں کے ساتھ طومار اور رٹے ہوئے حوالے بیکار ہیں جب تک کہ آپ حلف نہیں اٹھاتے کہ واقعی 1901ء میں ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ حضرت مسیح موعود نے آج اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا ہے اور انکار نبوت کی تحریریں منسوخ کر دی ہیں۔ ہم حلف اٹھا چکے۔ اور ستائیس سال ہوئے اٹھا چکے اب اگر آپ بالمقابل حلف نہیں اٹھاتے تو ہر ایک عقل مند آدمی اس سے یہی نتیجہ نکالے گا کہ آپ کے دل اس بات کو محسوس کر رہے ہیں کہ آپ کے عقائد حضرت مسیح موعود کے خلاف ہیں۔ خاکسار محمد علی۔ مسلم ٹاؤن۔ اچھرہ، لاہور

22 اپریل 1942ء

❁❁❁

5 مئی 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

حلف سے کون گریز کر رہا ہے؟!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

جناب میاں محمود احمد صاحب نے بجا فرمایا تھا کہ ان کے مبلغ صرف حوالے رٹنا جانتے ہیں۔ نہ ان میں وسعت خیالی ہے نہ روشن دماغی۔ ان کا کہنا ہے کہ:

''میں نے کرید کرید کر ان کے دماغ میں داخل ہونا چاہا مگر چاروں طرف سے ان کے دماغ کا رستہ بند نظر آیا اور مجھے معلوم ہوا کہ سوائے اس کے کہ انہیں کہا جاتا ہے کہ وفات مسیحؑ پر یہ آیتیں رٹ لو یا نبوت کے مسئلہ کی یہ دلیلیں یاد کر لو انہیں اور کوئی بات نہیں سکھلائی جاتی...... جب سوال کیا کہ کس طرح تبلیغ کرو گے تو یہ جواب دیا کہ جس طرح بھی ہوگا تبلیغ کریں گے۔ یہ الفاظ کہنے والوں کی ہمت تو بتاتے ہیں۔ مگر عقل تو نہیں بتاتے۔ الفاظ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کہنے والا ہمت رکھتا ہے مگر یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ کہنے والوں میں عقل نہیں۔ اور نہ وسعت خیالی ہے۔ جس طرح ہوگا تو سؤر کہا کرتا ہے۔ اگر سؤر کی زبان ہوتی اور اس سے پوچھا جاتا کہ تو کس طرح حملہ کرے گا تو وہ یہی کہتا کہ جس طرح ہوگا کروں گا...... پس یہ تو سؤروں والا حملہ ہے کہ سیدھے چلے گئے اور عواقب کا کوئی خیال نہ کیا'' (الفضل 24 جنوری 1935ء)

سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب حیدرآباد آج کل ایسے ہی مبلغین کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں۔ میں نے ان کے مطالبہ کے جواب میں دو باتیں پیش کی تھیں۔

اول۔ یہ کہ ہم تو 1915ء میں حلف اٹھا چکے اور ان سے اسی وقت سے حلف کا مطالبہ کر رہے ہیں یا وہ حلف اٹھائیں یا وجہ بیان کریں کہ حلف اٹھانے سے وہ کیوں گریز کر رہے ہیں۔

دوم۔ یہ کہ جس قسم کی حلف کا وہ مطالبہ کرتے ہیں اس کے لئے قرآن وحدیث کی کوئی سند پیش کریں اور اس کے ساتھ ہی خلیفہ قادیان کا اعلان ہو کہ میں اس طریق فیصلہ کو درست مانتا ہوں اور اگر حلف اٹھانے والے پر کوئی عذاب نہ آیا تو میں اس کے عقائد کو سچا تسلیم کر کے اپنی جماعت سمیت اس

کی بیعت کرلوں گا۔

امر اول کے جواب میں خاموشی اختیار کی گئی ہے اور امر دوم کے جواب میں قرآن وحدیث کی کوئی سند تو پیش نہیں کی گئی مگر حسب عادت کتر بونت کر کے اور لمبی تحریروں میں سے اپنے مطلب کے چند فقرے لے کر حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے تین حوالے پیش کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے میں انہی رٹے ہوئے حوالوں کو لیتا ہوں۔

پہلا حوالہ: پہلا حوالہ انجام آتھم صفحہ 40,39 کا ہے۔ جو صریحاً خود الفاظ نقل کردہ الفضل کے رو سے مباہلہ کی دعوت ہے۔ سیٹھ صاحب نے مجھے مباہلہ کی دعوت نہیں دی۔ اس لئے یہ حوالہ قطعی طور پر غیر متعلق ہے۔ خود حضرت مسیح موعود مباہلہ کو کس حد تک جائز سمجھتے تھے، اس کے لئے مولوی عبدالحق غزنوی کے مطالبہ کو دیکھ لیا جائے کہ آپ نے کیا جواب دیا تھا (مجموعہ اشتہارات حصہ اول صفحہ 48 تا 52)

☆ ''مسلمانوں کو جزئی اختلافات (گویا اپنے اور غزنوی صاحب کے اختلاف کو جزئی اختلاف کے دائرہ میں رکھا) کی وجہ سے باہم مباہلہ کرنا عندالشرع ہرگز جائز نہیں۔

☆ ''اب اگر فرض کریں کہ ان سب میں اختلافات جزئیہ کی وجہ سے مباہلہ واقعہ ہو اور خدا تعالیٰ مخطی پر عذاب نازل کرے تو بلا شبہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام متفرق فرقے اسلام کے صفحہ زمین سے یک لخت نابود ہوں''

☆ ''ہمیں مباہلہ مسنونہ سے انکار نہیں۔ اگر انکار ہے تو ایسے مباہلہ سے جس کا قرآن اور حدیث سے نشان نہیں ملتا''

☆ ''اس آیت میں لفظ الْكَاذِبِيْنَ صاف ہمارے مدعا اور بیان کا شاہد ناطق ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ (61:3) فرما کر ظاہر کرتا ہے کہ مباہلہ اسی صورت میں جائز ہے کہ جب فریقین ایک دوسرے کو عمداً دروغ باف یقین کرتے ہوں نہ یہ کہ صرف مخطی خیال کرتے ہوں''

☆ ''جب تک یہ تمام شرائط نہ پائے جائیں تو عندالشرع مباہلہ ہرگز درست نہیں۔ مباہلہ میں دونوں فریق ایسے چاہئیں کہ درحقیقت یقینی طور پر ایک دوسرے کو مفتری سمجھیں...... اجتہادی اختلافات میں ہرگز مباہلہ جائز نہیں اور اگر مباہلہ ہوگا تو ہرگز کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوگا اور ناحق غیر

مذاہب والے ہنسی ٹھٹھا کریں گے‘‘

جناب میاں صاحب فرمائیں کہ ان میں اور ہم میں اجتہادی اختلاف ہے یا فریقین ایک دوسرے کو مفتری سمجھتے ہیں۔ کسی حوالے رٹنے والے مبلغ نے یہ جولکھ دیا کہ جناب میاں صاحب نے بھی کبھی ہمیں مباہلہ کا چیلنج دیا تھا۔ اگر جناب میاں صاحب سمجھتے ہیں کہ اوپر جو حضرت صاحب کے ارشادات نقل کئے گئے ہیں اور جو قرآن وحدیث سے مؤید کئے گئے ہیں۔ ان کی رو سے ان کی درخواست مباہلہ درست ہے تو وہ اس اعلان کے ساتھ اسے پیش کریں کہ میں نے حضرت صاحب کے ان ارشادات کو پڑھ لیا ہے اور کہ ہم یعنی فریق قادیان فریق لاہور کو قطعی طور پر مفتری سمجھتے ہیں نہ کہ خاطی، تو میں اس پر ضرور غور کروں گا۔

دوسرا حوالہ: دوسرا رٹا ہوا حوالہ ’’تبلیغ رسالت‘‘ جلد سوم (مجموعہ اشتہارات) صفحہ 139 کا ہے۔ جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ پادری عبداللہ آتھم سے حضرت مسیح موعود نے اسی قسم کی قسم کا مطالبہ کیا تھا۔

افسوس ہے کہ یہ ایک دروغگوئی ہے۔ جس کے کرنے میں بہت چالاکی سے کام لیا گیا ہے۔ یعنی ان عبارات کے ان حصوں کو حذف کر دیا گیا ہے جن سے صریحاً نظر آتا ہے کہ اس قسم میں جو آپ نے پادری عبداللہ آتھم سے چاہی تھی اور اس قسم میں جو سیٹھ صاحب تجویز کرتے ہیں کوئی نسبت نہیں۔

الف۔ یہ ایک پیشگوئی تھی اور اللہ تعالیٰ سے الہام کی بنا پر آپ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ عبداللہ آتھم ایسی قسم کھائے گا تو وہ ایک سال کے اندر ہلاک ہو جائے گا اور آپ خود اسی سال میں وفات نہ پائیں گے۔ فرماتے ہیں: ’’بیشک خدائے قادر ذوالجلال ایک دن میں کیا بلکہ ایک طرفۃ العین میں مار سکتا ہے۔ مگر جب اس نے الہامی تفہیم سے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تو اس کی پیروی کرنا لازم ہے‘‘ ’’جب اسی کی تفہیم سے معلوم ہوا کہ اپنی قدرت کے دارد کرنے میں اس نے ایک سال کی مدت کا ارادہ کیا ہے‘‘ جناب میاں صاحب خود اس طرح کا مطالبہ کرتے تو چونکہ وہ اکثر اوقات اپنے آپ کو مامور کی طرح پیش کر دیتے ہیں۔ گو ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ میں مامور نہیں اور کچھ الہام اور خوابیں بھی بعد از وقت سنا دیا کرتے ہیں تو اور بات تھی مگر جناب سیٹھ صاحب کو کب سے الہام کا دعویٰ ہوا؟ اور کیا وہ یہ اعلان کریں گے کہ انہوں نے الہامی تفہیم سے یہ پیشگوئی کی ہے جس طرح حضرت صاحب نے کی تھی۔

ب۔ یہ ایک رنگ کا مباہلہ تھا اور حضرت مسیح موعود نے خود بھی بالمقابل قسم کھانے کی آمادگی کا اظہار کیا تھا اور ایک سال کے اندر عبداللہ آتھم کے ہلاک ہونے اور اپنے ہلاکت سے بچنے کی پیشگوئی کی تھی فرماتے ہیں۔ ”کیا ہم نے عہد نہیں کیا کہ ہمارا خدا اس سال میں ہمیں ضرور مرنے سے بچائے گا اور آتھم صاحب کو اس جہان سے رخصت کر دے گا“ ”اگر میں اس بیان میں حق پر نہیں تو خدا مجھ کو سب سے پہلے موت دے“ ”اگر آپ چاہیں گے تو میں بھی ایک برس یا دو برس یا تین برس کے لئے قسم کھا لوں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ سچا ہرگز برباد نہیں ہوسکتا“ ”جب کہ میں بھی قسم کھا چکا اور آپ بھی کھائیں گے تو جو شخص ہم دونوں میں جھوٹا ہوگا وہ دنیا پر اثر ہدایت ڈالنے کے لئے اس جہان سے اٹھا لیا جائے گا“ کیا سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے بھی بالمقابل قسم کی آمادگی کا اظہار کیا ہے۔ جو اس حوالہ کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے؟ ہاں بالمقابل قسم کھانا ہے تو جناب میاں صاحب کو میدان میں نکلنا چاہیئے۔ حضرت صاحب تو مامور ہوکر خود میدان میں نکلتے تھے۔ مگر جناب میاں صاحب دوسروں کے کندھوں پر رکھ کر بندوق چلانا چاہتے ہیں۔ باتوں میں تو مامور کی نقل کرتے ہیں مگر کام میں مامور کی نقل کبھی نہ کریں گے۔

تیسرا حوالہ: یہ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ 83 کا ہے۔ اور اس کی حالت بھی قریب قریب وہی ہے جو اوپر کے حوالے کی ہے۔ اس کا تعلق درحقیقت لیکھرام والی پیشگوئی سے ہے۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر بعض لوگوں نے ایسے خیالات کا اظہار کیا کہ لیکھرام آپ یعنی حضرت مسیح موعود کی سازش سے قتل ہوا ہے۔ یہ ایک خطرناک الزام تھا۔ جس پر آپ نے یہ لکھا۔

”اگر اب بھی کسی شک کرنے والے کا شک دور نہیں ہوسکتا اور میری نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ گویا میں سازش قتل میں شریک ہوں تو ایسا شخص میرے سامنے قسم کھا دے جس کے الفاظ یہ ہوں“

یہ بھی ایک افتراء کی تردید کے لئے فی الحقیقت ایک رنگ کی پیشگوئی تھی۔ جس کا تعلق صرف مامور کی ذات سے ہے۔ چنانچہ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

”یہ کہنا کہ ایک سال کو میں نہیں مانتا بلکہ چاہتا ہوں کہ فوراً زمین میں غرق کیا جاؤں کہ مہینہ اور تاریخ اور گھنٹہ موت کا مجھے بتلایا جائے۔ آپ کے پہلے اقرار کے برخلاف ہے جو سما چار 3 اپریل 1897ء میں کر چکے ہو۔ علاوہ اس کے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں۔ اس کے حکم سے زیادہ

نہیں کہہ سکتا اور نہ کم۔ ہاں اگر میعاد کے اندر کوئی زیادہ تشریح خدا تعالیٰ کی طرف سے کی گئی تو میں اس کو شائع کر دوں گا''

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جماعت قادیان کے اندر اس قدر جرأت پیدا ہو گئی ہے کہ ہر ایک اپنے آپ کو جناب میاں صاحب کی دیکھا دیکھی مامور ہی سمجھتا ہے۔ اور بن سوچے سمجھے مامور کی نقالی کرتا ہے۔ سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے تو غلطی کی تھی۔ مگر ان کی دیکھا دیکھی اور بہتوں کو جوش آ گیا کہ چلو ہم بھی انگلی کو سرخ رنگ لگا کر شہیدوں میں داخل ہو جائیں۔ گویا ان میں سے ہر ایک مامور تھا۔ نہ ان کو کوئی روکنے والا ہے نہ سمجھانے والا۔ اس لئے میرا مطالبہ قائم ہے کہ:

اول۔ قرآن وحدیث کی سند پیش کرو۔ ایک مامور امر الٰہی سے جس کام کو کرتا ہے یا پیشگوئی کے رنگ میں اگر کسی بات کو ظاہر کرتا ہے تو غیر مامور کا اس کی نقل کرنا خدا کے ساتھ ہنسی اور مخول ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جو میں نے کہی تھی کہ یہ دین کو بچوں کا کھیل بنانا ہے اور دوسرا مطالبہ یہ کہ:

دوم۔ خلیفہ قادیان یہ اعلان کریں کہ میں اس طریق فیصلہ کو جو سیٹھ عبداللہ الہ دین نے پیش کیا ہے قرآن وحدیث کے رو سے یا حضرت مسیح موعود کی تحریرات کے رو سے درست سمجھتا ہوں۔ اس لئے اگر ایک سال کے عرصہ میں حلف اٹھانے والے پر ہلاکت کا عذاب نہ آئے تو میں اس کے عقائد کو سچا تسلیم کر کے اپنی ساری جماعت سمیت اس کی بیعت کر لوں گا۔ میری بحث تو جماعت قادیان سے اور ان کے خلیفہ سے ہے۔ مجھے سیٹھ عبداللہ الہ دین کے ساتھ کھیل کی ضرورت نہیں کہ ان کا اطمینان فلاں قسم کا تماشا دیکھ کر ہوتا ہے تو میں تماشا انہیں دکھا دوں۔ اور ایسے روپے پر جو دین کو تماشا بنا کر لیا جائے میں لعنت بھیجتا ہوں۔

ہاں اگر جماعت قادیان اس طریق کو صحیح مان کر اپنے خلیفہ کے ذریعہ سے یہ اعلان کر دے کہ ان کے نزدیک فیصلہ کا یہ طریق سچا ہے اور خلیفہ صاحب بمع اپنی جماعت کے میری بیعت کر لیں گے تو میں دونوں شرطوں کے پورا ہونے کی صورت میں تیار ہوں۔ بچوں والی باتوں سے کچھ حاصل نہیں۔ کوئی کہتا ہے تم تو پرانے مریدین سے بیعت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ مگر جو لوگ راہ سے منحرف ہو چکے ہیں، غلو کے مرتکب ہو کر ایک دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں، ان سے بیعت میں اب بھی لیتا ہوں۔ جب وہ ان عقائد سے توبہ کر کے میرے ساتھ آ کر ملتے ہیں۔

اب یہ کہنا کہ میں نے حلف سے گریز کیا ہے دیانتداری نہیں۔ میں تو جس طرح کی حلف سیٹھ صاحب نے کہا ہے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مگر انہیں شرائط کے ساتھ تا کہ میں بھی دین کو کھیل بنانے والا نہ بنوں جس طرح جماعت قادیان نے اسے بنا رکھا ہے۔ کیا حضرت مسیح موعود نے جب مولوی عبدالحق غزنوی کے ساتھ اس بنا پر مباہلہ سے انکار کیا کہ ہمارا اور تمہارا اختلاف جزئی ہے۔ اور اس صورت میں مباہلہ جائز نہیں۔ بلکہ مباہلہ صرف اس وقت جائز ہے جب دونوں فریق ایک دوسرے کو مفتری قرار دیں اور کہ وہ اس مباہلہ مسنونہ کے سوائے دوسری صورت میں مباہلہ کرنے کو تیار نہیں تو کیا یہ مباہلہ سے گریز تھی؟!

رہا حلف کا سوال تو جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں ہم تو ستائیس سال ہوئے حلف اٹھا چکے ہیں۔ اور ایک آدمی نہیں ستر آدمی حلف اٹھا چکے۔ ستائیس سال سے ہی آپ کی جماعت سے حلف کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ جرأت واقعی قابل داد ہے۔

مگر یہاں تو معاملہ اس سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے کہ چور صاحب خانہ کو چور قرار دیتا ہے۔ یعنی ستائیس سال سے قادیان والے حلف اٹھانے سے گریز کر رہے ہیں اور ان کے خلیفہ صاحب نے یہ کہہ کر انہیں روک دیا کہ کوئی شخص اس مطالبہ کے جواب میں حلف نہ اٹھائے اور اس جرأت سے جو ایک مسلمان کے شایان شان نہیں لکھا یہ جاتا ہے کہ ہم حلف سے گریز کر رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے 1891ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو علماء نے آپ پر اس بنا پر کفر کا فتویٰ لگایا کہ آپ دعویٰ نبوت کرتے ہیں۔ جس کے جواب میں آپ نے نبوت کے دعویٰ کا انکار کر کے اپنا دعویٰ صرف محدثیت کا بتایا۔ اپنی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنے کو اپنے اوپر افتراء قرار دیا۔ نبوت کے ختم ہو جانے کو اپنا ایمان قرار دیا۔ اس پر حلف اٹھائی۔ مدعی نبوت پر لعنت بھیجی۔ یہ وہ باتیں ہیں جو روز روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ علماء قادیان ان کا انکار نہیں کر سکتے۔ مگر ان کا اقرار کرنا بھی ان کے لئے موت ہے۔ کیوں یہ لوگ یہ نہیں کہتے کہ ٹھیک ہے۔ علماء نے آپ پر دعویٰ نبوت کی بنیاد پر کفر کا فتویٰ لگایا تو آپ نے نہ صرف دعویٰ نبوت کا انکار کر کے اسے دعویٰ محدثیت قرار دیا۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا تھا بلکہ یہ بھی کہا کہ آپ کی طرف ایسا دعویٰ منسوب کرنا آپ پر افتراء ہے۔ ان جاہلوں کا کام ہے جو نبی اور محدث میں

امتیاز نہیں کر سکتے۔ مدعی نبوت کو کاذب اور کافر کہا۔ مدعی نبوت پر لعنت بھیجی......اے رہنمایان قادیان ایک دفعہ تو اس صداقت کا بھی اپنی زبان سے اور قلم سے اعتراف کر لو اور کہہ دو کہ بیشک یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود نے لکھا۔ مگر آپ غلطی پر تھے اور وہ غلطی آپ کی وفات کے سات سال بعد میاں محمود احمد کو معلوم ہوئی۔ آپ کا دعوٰی نبوت کا تھا۔ مگر غلطی سے کہہ دیا کہ میرا دعوٰی نبوت کا نہیں۔ آپ کا دعوٰی محدثیت کا نہ تھا۔ مگر یہ جھوٹ کہا کہ میرا دعوٰی محدثیت کا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو نبوت کا دعوٰی کرنے کا حکم دیا تھا مگر آپ نے جھوٹ محدثیت کا دعوٰی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ آپ نے علماء پر یہ جھوٹ الزام لگایا کہ یہ لوگ نبی اور محدث میں فرق نہیں سمجھتے۔ آپ خود نبی اور محدث کے فرق کو نہ جانتے تھے۔ اے علماء قادیان! پہلے مردمیدان بن کر ان باتوں کا اقرار کرو پھر مردمیدان بن کر یہ کہو کہ 1901ء میں آپ نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا اور سابقہ تحریروں کو منسوخ کر دیا۔ باوجود مسیح موعود حکم وعدل ہونے کے بارہ سال تک غلط فیصلے کرتے رہے۔ اور صرف آخری سات سال میں آپ کو سمجھ آئی کہ میں کیا ہوں۔ دیکھئے ہم حلف اُٹھا چکے ہیں اور اس حلف کے الفاظ پھر اختصاراً نقل کرتا ہوں۔ سب الفاظ پہلے پیغام صلح 14 اپریل میں نقل کر چکا ہوں

''ہم اللہ جلشانہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ کبھی ہمارے وہم وگمان میں یہ بات نہیں آئی کہ 1901ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنے دعوٰی میں تبدیلی کی یا آپ کی سابقہ تحریریں جو انکار دعوٰی نبوت سے بھری پڑی ہیں منسوخ ہو گئیں''

اب ہم آپ سے حکم قرآنی لَاتَکْتُمُوا الشَّھَادَةَ (283:2) کے ماتحت گواہی مانگ رہے ہیں۔ حلفیہ شہادت مانگ رہے ہیں۔ ہم آپ میں سے ان لوگوں کی حلفی شہادت مانتے ہیں جنہوں نے 1901ء سے پہلے بیعت کی ان میں سے بہت سے آگے چلے گئے مگر جو زندہ باقی ہیں وہ اب بھی وعید قرآنی مَنْ یَّکْتُمْھَا فَاِنَّہٗ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ (283:2) سے ڈریں۔ اور شہادت حقہ کا اخفائنہ کریں۔ اگر انہوں نے 1901ء میں حضرت صاحب کے عقیدہ میں تبدیلی دیکھی ہے۔ اگر انہوں نے اس وقت اس بات کو محسوس کیا تھا کہ آج حضرت صاحب کا عقیدہ بدل گیا۔ آج آپ مجددین میں سے نکل کر زمرہ انبیاء میں شامل ہو گئے ہیں اور اپنی انکار نبوت کی سابقہ تحریروں کو منسوخ کر دیا ہے تو اٹھیں اور خدا کے لئے حلف

اٹھائیں۔ چالاکیوں سے چند لوگ کچھ دنوں کے لئے دھوکا کھا سکتے ہیں مگر سارے لوگ ہمیشہ کے لئے دھوکا نہیں کھا سکتے۔ اگر ایسے لوگ یہ حلف نہیں اٹھا سکتے تو پھر خدا کے لئے یہی شہادت ادا کریں کہ ہمارے علم میں حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنے عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی نہ کبھی اپنی سابقہ تحریروں کو جو انکار نبوت سے بھری پڑی ہیں منسوخ کیا۔ ہم نے 1915ء میں حلف اٹھائی اور اس وقت وہ جماعت جس کے پاس نہ کوئی دفتر نہ مکان نہ مبلغ تھا جس کی مثال اس سوئی کی طرح ہے جو زمین سے نکلتی ہے۔ جس کی پہلے سال کی آمد سات ہزار روپے تھے ایک تناور درخت کی طرح اپنے کام سے روئے زمین پر پھیل گئی۔ قرآن کریم کے یورپ کی تین زبانوں میں ترجمے کر کے ایک عظیم الشان نئی دنیا میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھ دی۔ اگر ہماری حلف جھوٹی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس طرح سرسبز نہ کرتا۔

قادیان کی جماعت اگر اپنے آپ کو حق پر سمجھتی ہے تو وہ اپنے ان آدمیوں کو اٹھائے جنہوں نے 1901ء سے پہلے بیعت کی اور وہ حلفیہ شہادت ادا کریں کہ ہم نے 1901ء میں ایک غلطی کا ازالہ نکلنے پر یہ محسوس کر لیا تھا کہ:

1۔ حضرت مسیح موعود نے اپنا عقیدہ دربارہ نبوت تبدیل کر لیا ہے۔

2۔ اور اپنی سابقہ تحریروں کو، جن میں انکار نبوت ہے، دعویٰ نبوت کو افتراء کہا گیا ہے۔ مدعی نبوت کو کافر اور کاذب کہا گیا ہے۔ اس پر لعنت بھیجی گئی ہے، منسوخ قرار دے دیا ہے۔

مؤکد بعذاب حلف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ وہ صرف حلف اٹھائیں اور پھر خدا تعالیٰ کے ہاتھ کو دیکھیں کہ وہ کس طرح ان پر گرفت فرماتا ہے۔ کاذب اور صادق میں فرق کرنا اس کا کام ہے۔ شائد اسی سے ڈر کر خلیفہ قادیان نے انہیں حلف اٹھانے سے روک رکھا ہے۔ ان لوگوں نے ستائیس سال تک ایسی حلف اٹھانے سے گریز اختیار کر کے اپنے جھوٹ پر مہر لگا دی ہوئی ہے۔ اور یہ حلف اٹھانا ان کے لئے موت ہے جس سے وہ بھاگ رہے ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ یہ موت ان پر وارد ہو چکی اور اب قادیانی عقیدہ ایک لاش ہے جسے وہ اٹھائے پھرتے ہیں۔ جس کا تعفن اب دنیا میں پھیل رہا ہے اور عنقریب خود ان کے اپنے دماغ اس تعفن کو برداشت نہ کر سکیں گے۔ خاکسار محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور مسلم ٹاؤن۔ 19 اپریل 1942ء

12 مئی 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمد صادق صاحب کے چار سوال

مندرجہ ’’الفضل‘‘ 12 اپریل 1942ء

سوال 1۔ جناب میاں صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے کرم دین کے مقدمہ میں شہادت دیتے وقت کہا تھا کہ حضرت میرزا صاحب مدعی نبوت ہیں اور یہ دعوٰی اس قسم کا ہے کہ آپ نبی ہیں۔ لیکن کوئی شریعت نہیں لائے۔ اور ایسے مدعی کا مکذب قرآن شریف کی رو سے کذاب ہے۔ اور حضرت مسیح موعود نے ’’حقیقت الوحی‘‘ صفحہ 163 پر لکھا ہے کہ بڑے کافر دو ہی ہیں۔ ایک خدا پر افتراء کرنے والا اور دوسرا خدا کے کلام کی تکذیب کرنے والا۔ اس پر سوال یہ ہے ’’ان دونوں حوالوں کو ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کذاب اور کافر الفاظ ہم معنی ہیں‘‘

جواب 1۔ کذاب اور کافر کو ہم معنی ثابت کرنے کے لئے لغت کی صرف رجوع کرنا چاہیئے تھا۔ کذاب کے معنی ہیں امت جھوٹ بولنے والا۔ اور کافر کے معنی ہیں منکر۔ اور اصطلاح شریعت میں وہ شخص جس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ کافر بھی کذاب ہوسکتا ہے اور مسلمان بھی۔ مگر نہ ہر کافر کذاب ہے نہ ہر کذاب کافر۔ اس لئے ان دونوں کو ہم معنی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہم معنی وہ لفظ ہوتے ہیں جن کو ایک دوسرے کی جگہ رکھ کر پورا مفہوم ادا ہو سکے۔ جب ہم کسی کو کافر کہیں گے تو اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ وہ جھوٹا بھی ہے۔ اور جب ہم کسی کو کذاب کہیں گے تو اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ وہ مسلم نہیں۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے منکر کو کافر کہا ہے اُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ حَقًّا (151:4) تو میرا یہ کہنا، کہ ’’ایسے مدعی کا مکذب قرآن شریف کی رو سے کذاب ہے‘‘، صاف بتاتا ہے کہ میں نے حضرت مرزا صاحب کو کسی خاص قسم کی نبوت کا مدعی قرار دیا ہے اور ان کو زمرہ انبیاء میں شامل نہیں کیا۔ اگر میں حضرت صاحب کو زمرہ انبیاء میں شامل سمجھتا تو میں آپ کے مکذب کو کافر کہتا نہ کذاب۔

3۔ میرے بیان میں اس امر کی صاف تصریح موجود ہے کہ یہ کیسی نبوت ہے۔ ’’یہ دعوٰی اس قسم کا ہے کہ نبی ہوں لیکن کوئی شریعت نہیں لایا‘‘۔ ظاہر ہے کہ یہاں لفظ نبی کا استعمال میں اس کے لغوی

معنی میں کر رہا ہوں۔ یعنی خدا سے غیب کی خبر پا کر پیشگوئی کرنے والا۔ کیونکہ بروئے قرآن شریف نبی وہ ہے جو شریعت لاتا ہے یا شریعت میں تغیر وتبدل کرتا ہے۔ یہی مذہب حضرت مسیح موعود کا ہے۔ جیسا کہ ''تریاق القلوب'' میں صاف فرمایا

''اپنے دعوٰی کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوںؑ کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا''
(تریاق القلوب صفحہ 130)

یہاں الفاظ ''صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں'' قابل غور ہیں۔ جو شریعت نہیں لاتا اصطلاح شریعت میں وہ صرف ملہم اور محدث کہلاتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں نبی صرف وہی ہے جو صاحب الشریعت بھی ہے۔ مگر یاد رہے جیسا کہ حضرت صاحب نے یہاں تصریح فرما دی ہے ایک حکم جدید بھی ہو تو وہ ایک شریعت کا حکم رکھتا ہے۔ مجھے یہ علم ہے کہ جناب میاں محمود احمد صاحب اس حوالہ کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک 1901ء میں مسیح موعود کی سابقہ تحریریں دربارہ نبوت منسوخ ہو گئیں۔ کیونکہ گو یہ اس کتاب میں ہے جو 28 اکتوبر 1902ء کو شائع ہوئی۔ مگر ان کا خیال ہے کہ یہ حصہ 1901ء سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن میں میاں محمد صادق صاحب کا جواب لکھ رہا ہوں۔ جو میرا خیال ہے محض قادیان جانے سے منسوخی کے قائل نہیں ہو گئے۔ ہاں احتیاطًا اور مزید شہادت کے طور پر ایک اور حوالہ بھی پیش کرتا ہوں۔ جو 1901ء کے بعد کا ہے۔ اور اس پر تنسیخ کا قلم نہیں پھیرا جا سکتا۔ یہ حوالہ ''مواہب الرحمٰن'' صفحہ 67-66 کا ہے۔ جس میں صاف فرماتے ہیں

''وَلِلّٰهِ مُكَالَمَاتٌ وَمُخَاطَبَاتٌ مَعَ اَوْلِيَائِهٖ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَاِنَّهُمْ يُعْطُوْنَ صِبْغَةَ الْاَنْبِيَآءِ وَلَيْسُوْا نَبِيِّيْنَ فِي الْحَقِيْقَةِ . فَاِنَّ الْقُرْاٰنَ اَكْمَلُ وَطَرَ الشَّرِيْعَةِ ''(مواہب الرحمٰن مطبوعہ 1903ء صفحہ 67-66) اللہ تعالیٰ اس اُمت میں اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمہ ومخاطبہ کرتا ہے۔ اور ان کو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے۔ اور وہ

درحقیقت نبی نہیں ہوتے۔اس لئے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال کو پہنچا دیا''

یہ 1903ء کی تحریر ہے۔مزعومہ تاریخ بتدیلی سے دو سال بعد اور اس میں بھی اسی اصول کو واضح کیا ہے کہ چونکہ اب شریعت میں تغیر وتبدل کوئی نہیں ہوسکتا اور کوئی شخص شریعت یا احکام شریعت نہیں لاتا اس لئے اس امت میں درحقیقت نبی کوئی نہیں ہوتا۔گو اولیاء اللہ کو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے۔ یہی مذہب سلف صالحین کا تھا کہ وہ نبوت کو تشریح کے ساتھ مخصوص سمجھتے تھے۔مثلاً شیخ اکبر کے اقوال ذیل کو دیکھئے۔

☆لَایُطْلَقُ اِسْمُ النَّبُوَّةِ وَلَا النَّبِیّ اِلَّا عَلَی الْمُشْرِعِ خَاصَّةً. نبوت اور نبی کا نام حاجت شریعت کے ساتھ مخصوص ہے۔اور اولیاء اللہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

☆فَهُمْ وُرَثَةُ الْاَنْبِیَآءِ لِاِ شْتِرَاکِهِمْ فِی الْخَبَرِ وَانْفِرَادِ لْاَنْبِیَآءِ بِالتَّشْرِیْعِ. یہ یعنی اولیاء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔کیونکہ وہ خبر میں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام یا الہام پانے میں ان کے شریک ہیں اور انبیاء تشریع میں منفرد ہیں۔یعنی احکام شریعت ان کے ساتھ مخصوص ہیں۔

پس اصطلاح شریعت میں نبوت اور تشریح لازم وملزوم ہیں۔اور صاحب الشریعت کے ماسوا جو بھی ہوگا وہ اصطلاح شریعت میں نبی نہیں۔گو اصطلاح لغت میں یعنی خدا سے غیب کی خبر پانے میں وہ نبی کہلا سکتا ہے۔پس میرے الفاظ میں یہ تصریح موجود ہے کہ آپ اصطلاح شریعت میں مدعی نبوت نہیں محض خدا سے ہمکلامی کا دعویٰ ہے۔

4۔اس تصریح کے بعد کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی کہ میرے لفظ کذاب پر ناحق یہ معنی تھوپے جائیں کہ اس سے مراد کافر ہے۔میں تو اسے صاف کذاب کہتا ہوں کافر نہیں کہتا۔اس لئے کسی کا یہ حق نہیں کہ یہ کہے کہ میں نے اسے کافر کہا ہے۔رہی یہ بات کہ حضرت صاحب نے ح''قیقۃ الوحی'' میں یہ لکھا ہے کہ بڑے کافر دو ہیں۔ایک وہ جو خدا پر افتراء کرتا ہے یعنی یہ کہتا ہے کہ خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے۔حالانکہ وہ نہیں ہوتا۔اور ایک وہ جو خدا کے مکالمہ کو افتراء قرار دیتا ہے۔تو یہ ایک الگ بحث ہے۔ حضرت صاحب نے اس موقع پر صرف یہ لکھا ہے کہ مجھے کافر کہنے والا اور مجھے مفتری کہنے والا دونوں یکساں ہیں۔دونوں مجھے کافر قرار دیتے ہیں۔اس لئے کفر اُلٹ کر انہی پر پڑتا ہے۔تو یہاں بھی آپ

نے یہ نہیں کہا کہ چونکہ میں نبی ہوں اس لئے میرا منکر کافر ہے۔ بلکہ یہی کہا ہے کہ مجھے مفتری قرار دینے والا مجھے کافر قرار دیتا ہے۔ اور چونکہ میں کافر نہیں، اس لئے کفر اُلٹ کر اسی پر پڑتا ہے۔ اور یہ ہر مومن کے لئے ہے۔ یعنی جو کوئی بھی کسی مومن کو کافر کہتا ہے وہ کفر اُلٹ کر اسی پر پڑتا ہے۔ وہ کس معنی میں پڑتا ہے۔ یہ پھر الگ بحث ہے۔ حضرت صاحب نے خود اسی جگہ آگے چل کر اس کی مثال یہ دی ہے کہ جس طرح زانی زنا کی حالت میں، اور چور چوری کی حالت میں مومن نہیں ہوتا۔ یہی مثال اس کی ہے جو مومن کو کافر کہتا ہے۔ اگر کسی شخص میں ہمت ہے تو وہ چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر بنانے سے پہلے یہ بات حضرت صاحب کی تحریر یا تقریر میں کہیں دکھائے کہ چونکہ میں نبی ہوں، اس لئے میرا منکر کافر ہے۔ یہ مطالبہ آج تک قادیانی جماعت پورا نہیں کر سکی۔ اور نہ کبھی پورا کر سکے گی۔

سوال 2۔ ''چونکہ میں 1914ء سے امیر چلا آتا ہوں اور میاں صاحب اسی وقت سے اپنے آپ کو ''خلیفہ'' کہتے ہیں تو میری امارت اور ان کی خلافت میں کیا فرق ہے؟''

جواب 2۔ امارت اور خلافت کے الفاظ کی بحث تو الگ رہی۔ مجھ میں اور جناب میاں صاحب میں یہ فرق ہے کہ ہمارے نزدیک انجمن حضرت مسیح موعود کی حقیقی جانشین ہے۔ اور وہ امیر یا خلیفہ کو مقرر بھی کر سکتی ہے۔ اور اسے معزول بھی کر سکتی ہے۔ اور امیر یا خلیفہ انجمن کو توڑ نہیں سکتا۔ لیکن میاں صاحب کے نزدیک انجمن خلیفہ بنا تو سکتی ہے مگر معزول نہیں کر سکتی۔ اور خلیفہ انجمن کو جب چاہے توڑ سکتا ہے۔ یہ کافی بین فرق ہے۔ رہا یہ کہ انجمن ہر سال امیر کا انتخاب کیوں نہیں کرتی؟ یہ سوال بے معنی ہے۔ ایک سال کے لئے امیر مقرر کرنے کی حد بندی نہ شریعت نے لگائی ہے اور نہ حضرت مسیح موعود نے۔ انجمن کا اختیار ہے کسی کو ایک سال کے لئے مقرر کر دے یا دس سال کے لئے یا ساری عمر کے لئے۔ لیکن اسے یہ اختیار بھی ہے کہ وہ اگر چاہے تو امیر کو معزول کر دے۔

ایک اور فرق یہ ہے کہ ''خلیفہ قادیان'' پر سچا اعتراض کرنے والا بھی جہنمی ہوتا ہے۔ اور جماعت لاہور کے امیر پر جھوٹا اعتراض کرنے والا بھی اگر نیک نیتی سے اعتراض کرتا ہے تو اتنی بات سے جہنمی نہیں ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ''خلیفہ'' صاحب ایک بات تو کہہ دیتے ہیں مگر جب اس پر اعتراض کیا جائے تو اس کا جواب نہیں دیتے۔ مثلاً ''خلیفہ'' صاحب نے ایک مقدمہ میں حلفیہ شہادت

دیتے ہوئے یہ تو کہہ دیا کہ حضرت مسیح موعود نے 1891ء میں دعوٰی نبوت کیا۔ مگر جب اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس وقت تو آپ نے انکار نبوت کیا تو اب خاموش ہیں۔ میں نے سات اسی قسم کی باتیں ابھی خلیفہ صاحب کے سامنے رکھی ہیں۔ میں میاں محمد صادق صاحب کا ممنون ہوں گا اگر وہی ان کا جواب لے دیں۔

سوال 3۔ ''آزادی رائے لاہور میں بھی مفقود ہے۔ اور قادیان میں بھی۔ اس لئے مجھ میں اور خلیفہ قادیان میں کیا فرق ہے؟''

جواب 3۔ آزادی رائے اگر اس بات کا نام ہے کہ ہر آدمی اپنی رائے کو لئے پھرے اور اِعْجَابُ کُلِّ ذِیْ رَاْیٍ رَاْیَہٗ کا مصداق بنا رہے تو بیشک یہ لاہور میں مفقود ہے۔ کیونکہ جماعت لاہور کا اصول یہ ہے، جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے کہ جو کچھ فیصلہ انجمن اپنی کثرت رائے سے کرے اسے درست تسلیم کرنا ہوگا۔ تو ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ جو چاہے رائے دے۔ لیکن جب انجمن کی کثرت رائے ایک بات پر ہو جائے تو پھر اسی کو تسلیم کرنا ہوگا۔ عبدالواجد کے اعتراضات کو آپ اپنے رنگ میں ڈھال کر انجمن میں پیش کر کے دیکھ چکے ہیں اور اب پھر جس طرح چاہیں پیش کر سکتے ہیں۔ میں نے تو خود عبدالواجد کو لکھا تھا کہ وہ اگر اپنے اعتراض انجمن میں پیش کرنا چاہتا ہے، تو میں اسے موقع دوں گا کہ وہ پیش کرے۔ مولوی غلام حسن خان صاحب نے اپنے اعتراض انجمن میں پیش کئے تھے۔ لیکن جب انجمن نے انہیں غلط قرار دیا تو پھر فیصلہ کو تسلیم نہ کیا اور اپنی رائے کے پیچھے لگے رہے۔ آپ بھی جو اعتراض چاہیں عبدالواجد کے ہوں یا اپنے، انجمن میں پھر پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن انجمن کے فیصلہ کے سامنے آپ کو سر جھکانا ہوگا۔ آپ کے اور میرے اختلاف رائے میں جو کچھ فیصلہ کیا ہے انجمن نے کیا ہے۔ پھر یہ معاملہ دوبارہ بھی انجمن میں پیش ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ آپ اس اصول کو مان لیں کہ جو کچھ انجمن فیصلہ کرے گی، آپ اس کے سامنے سر جھکا دیں گے۔ آزادی رائے تو موجود ہے۔ آپ چاہیں تو اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

سوال 4۔ ''آپ کی طرف سے یہ شکایت سنی گئی ہے کہ خلیفہ صاحب قادیان نے حضرت مسیح موعود کے کئی ایک خدام کو بصورت اختلاف علیحدہ کیا ہے۔ آپ کی جماعت کے مولوی عبدالستار

صاحب، مولوی احمد صاحب، مولوی غلام حسن صاحب، ماسٹر فقیر اللہ صاحب بھی اسی طرح علیحدہ ہو چکے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا؟''

جواب 4۔ میں نے یہ شکایت کبھی نہیں کی کہ ''خلیفہ قادیان'' کیوں کسی اپنے ملازم یا مرید کو الگ کرتے ہیں۔ آپ کو خود یہ شکایت ہو تو مجھے علم نہیں۔ ہاں مجھے جو بات ان کے سلوک میں ناپسند ہے وہ ان کا ان لوگوں کا مقاطعہ کرنا ہے جو ان سے اختلاف کی وجہ سے الگ ہو جاتے ہیں۔ مولوی عبدالکریم صاحب مباہلہ والے کا اختلاف رائے کی وجہ سے مقاطعہ کیا گیا۔ یہاں تک کہ بالآخر ان کا گھر بھی خلیفہ صاحب کی آنکھوں کے سامنے جلا دیا گیا۔ مولوی فخر الدین پر اختلاف رائے کی وجہ سے قاتلانہ حملہ ہوا۔ حکیم عبدالعزیز پر بھی حملہ ہوا۔ گو وہ بال بال بچ گئے۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری جیسے سنجیدہ عالم اور خاموش انسان کا بھی مقاطعہ ہوا۔ اس کے بالمقابل مولوی غلام حسن خان صاحب نے ہم سے علیحدگی اختیار کی مگر ہم نے آج تک ان کا مقاطعہ نہیں کیا۔ بلکہ اب بھی ہمارے دوست ان سے آزادانہ ملتے ہیں۔ رہا مولوی عبدالستار صاحب، مولوی احمد صاحب مرحوم اور ماسٹر فقیر اللہ صاحب کا معاملہ، سو انہیں نہ ہم نے الگ کیا نہ وہ خود الگ ہوئے۔ ہاں بروئے قواعد جب ان کی پنشن کا وقت آیا تو انہیں حسب قواعد پنشن دی گئی جو ان میں سے زندہ ہیں وہ آج تک ہمارے ساتھ ہیں۔

باقی آپ کو قادیان کا انتظام اچھا نظر آتا ہے تو اس لئے کہ آپ اسے دور سے دیکھتے ہیں اور دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ چوبیس سال تک آپ کو ہمارا انتظام بھی اچھا نظر آتا تھا۔ ابھی قادیان کا تو پہلا دن ہے۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

12 مئی 1942ء

حُبِّ علیؓ یا بُغضِ معاویہ

معاصر ''الفضل'' اور جناب میاں محمد صادق صاحب کے مضامین

الفضل مورخہ 12 اپریل 1942ء اور مورخہ 12 مئی 1942ء میں خان بہادر میاں محمد صادق صاحب کے دو مضمون شائع ہوئے ہیں۔ جن میں حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر چند ایک بے معنی اعتراضات شائع کئے گئے ہیں۔ اور راقم الحروف کا خیال ہے کہ جناب میاں صاحب کو چند ایک غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں اور انہیں کھینچ تان کر بڑا بنایا گیا ہے۔ ورنہ ان اعتراضات میں جو کچھ ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔ ان کو چھاپنا اور تقسیم کرنا محض پانی بلونے والی بات ہے۔ جناب میاں صاحب مذکور کا جو مضمون الفضل مورخہ 12 اپریل میں شائع ہوا۔ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب لکھ کر الفضل کو بھیج دیا۔ لیکن الفضل نے اسے چھاپنے سے گریز کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ اصل سوالات کا جواب نہیں دیا گیا۔ اس لئے ہم مضمون شائع نہیں کرتے۔ خوب ہے! کیا یہ دیانتداری ہے۔ افسوس ہے قادیانی جماعت کے پراپیگنڈہ آرگن پر۔ ذرا اس جواب کو شائع تو کر دیا ہوتا۔ اور پھر فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیتے۔ لیکن اتنی ہمت کسے اور اتنی اخلاقی جرأت کہاں؟

کیا معاصر الفضل کو جناب میاں محمد صادق صاحب سے اتنی محبت ہے اور تحقیق حق کا شوق ہے کہ وہ یہ مضامین شائع کر رہا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو ہم ایک مضمون جناب میاں صادق کا لکھا ہوا جو خلیفہ صاحب کے متعلق ہے معاصر الفضل کو ارسال کرتے ہیں۔ ذرا اسے بھی شائع کر دیا جائے۔ اس مضمون کا عنوان ہے ''کیا عدالت میں حلف لے کر جھوٹ بولنے والا خلیفہ کسی متقی جماعت کا امام ہوسکتا ہے''۔ معاصر الفضل کبھی اسے شائع نہیں کرسکتا!

اس صحافتی نوازش کے عقب میں کسی محبت اور عقیدت کا جذبہ نہیں۔ بلکہ محض حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ سے بغض کا جذبہ ہے۔ بغض وعناد کا کھولتا ہوا لاوا ہے۔ اور دنیا اسے محسوس کر رہی ہے۔ ورنہ اگر تحقیق حق کے لئے معاصر الفضل کے کالم وقف ہیں، تو معاصر الفضل کو حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کے جوابات کو بھی شائع کرنا چاہئیے۔ اور یہ نہیں تو جناب میاں محمد صادق صاحب کے ان مضامین کو ہی شائع

کر دینا چاہیے جوانہوں نے جناب خلیفہ صاحب قادیان کی شان میں رقم فرمائے ہیں۔کیا جناب میاں محمد صادق صاحب کی تسلی ہوگئی ہے کہ جناب خلیفہ صاحب نے بقول ان کے عدالت میں حلف لے کر جھوٹ نہیں بولا۔اور کیا اب ایسا شخص ایک متقی جماعت کا امام ہوسکتا ہے......اگر جناب میاں صاحب مذکور کی تسلی نہیں ہوئی جیسا کہ ہمیں علم ہے کہ نہیں ہوئی۔تو پھران کے مضامین شائع کرنا قادیانی پریس کے اس بغض کی علالت ہے جواس کی غیرت پر بھی حاوی ہے۔ایک مرد صالح سے بغض اور عداوت، جسے الہام الٰہی نے صالح کا خطاب دیا،کبھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکتی۔''الفضل'' مورخہ 12اپریل میں خان بہادر میاں محمد صادق صاحب کے چند سوالات شائع ہوتے تھے۔اوران کا جواب حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ سے طلب کیا گیا تھا۔حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب لکھ کر الفضل کو بھیج دیا۔لیکن الفضل نے اس جواب کو چھاپنے سے گریز کر دیا اور بغیر مضمون کو چھاپنے کے تبصرہ کر دیا۔معلوم ہوتا ہے قادیانی صحیفہ حضرت امیر کے وزنی دلائل کا متحمل نہیں ہوسکا۔ورنہ جب سوالات شائع ہوئے تھے تو ان کا جواب چھپنے میں کیا مضائقہ تھا۔الفضل نے لکھا ہے کیونکہ وہ اصل سوالات کا جواب نہیں اس لئے ہم نے اسے شائع نہیں کیا۔لیکن ہم دریافت کرتے ہیں کہ کیا ''الفضل'' کے قارئین میں اتنی بصیرت اور بصارت نہیں کہ وہ اس کا اندازہ کرسکیں۔اگر جواب غیر متعلق تھا تو اس کا چھپنا الفضل کے مقصد کے لئے بہتر تھا۔کیونکہ لوگ خود اندازہ کر لیتے کہ جناب میاں محمد صادق صاحب کے سوالات کا جواب نہیں دیا گیا۔الفضل لکھتا ہے کہ چونکہ ہمارے جواب کو کبھی پیغام صلح میں درج نہیں کیا گیا اس لئے ہم اسے الفضل میں شائع کرنے کو تیار نہیں ہیں۔حالانکہ یہ اتنا بڑا دروغ ہے کہ جس کی انتہا نہیں۔ابھی گذشتہ سال کی بات ہے کہ جناب چودھری سر ظفر اللہ خاں صاحب نے مدیر پیغام صلح کے ایک مطالبہ پر جواب دیا اور انہوں نے یہ تحریر کیا کہ اس جواب کو پیغام صلح میں شائع کیا جائے۔اور ہم نے اسے پیغام صلح 17 مئی 1941ء میں شائع کیا۔کیا معاصر الفضل اس کا انکار کرسکتا ہے۔الفضل میں اتنی جرأت نہیں کہ اس کا انکار کر سکے۔

❀❀❀

20 مئی 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

قادیانی جماعت اور میاں محمد صادق صاحب کی کھلی چٹھی

میاں محمد صادق صاحب نے مجھ پر کچھ الزامات لگا کر ایک کھلی چٹھی شائع کی ہے۔ میاں صاحب تئیس چوبیس سال ہمارے ساتھ رہے ہیں۔ اور اگر اتنے لمبے عرصہ میں وہ اس بات کے قائل رہے کہ میری ایک دعا سے ان کی بڑی بڑی مشکلات حل ہوگئیں اور میری تعریف میں انہوں نے وہ باتیں بھی کہیں، جن کا میں شائد مستحق نہیں تھا، تو اس بات پر مجھے رنج نہ ہونا چاہیئے کہ اب انہوں نے مجھے برا کہہ کر دل خوش کر لیا ہے۔ لیکن مجھے رنج اس بات کا ہے کہ وہ چٹھی اور اس سے پہلے مضامین بھی انہوں نے قادیانیوں کی مدد سے چھپوائے، وہی ان کے کرتا دھرتا بنے رہے۔ اور وہی سب خرچ کرتے رہے۔

قادیانی جماعت ان الزامات کو ہاتھ میں لے کر خوشی سے پھولی نہیں سمائی۔ گویا کسی شخص کا کسی کے خلاف چند باتیں کہہ دینا اس کو مردود ٹھہرانے کے لئے کافی ہے۔ میاں محمد صادق صاحب نے ابھی اتنی باتیں میرے خلاف نہیں کہیں، جتنی ڈاکٹر عبدالحکیم نے حضرت مسیح موعود کے خلاف کہی تھیں۔ یہ تو دور کی بات ہے۔ اپنے گھر کی طرف ہی دیکھ لیتے۔ میرے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے، وہ اس قدر خطرناک تو نہیں جو جناب میاں محمود احمد صاحب کے خلاف ان کے مریدوں نے کہا۔ اور ایک مرید نے نہیں کہا بیسیوں نے کہا۔ جن میں بعض بلند پایہ علماء بھی شامل ہیں۔ جو جماعت قادیان کے ستون سمجھے جاتے تھے۔ خوشی کے مارے پہلے جماعت قادیان نے اس چٹھی کو بطور ٹریکٹ شائع کیا۔ پھر اخبار الفضل میں اسے شائع کیا۔ اور اب تیسری مرتبہ اس کے اہم اعتراضات کو لے کر پھر الفضل میں شائع کیا ہے۔ اور ابھی خدا جانے قادیانی مبلغین کا وہ جھنڈ، جو بقول خلیفہ صاحب ''جس طرح بھی ہوگا تبلیغ کریں گے'' کی صفت اپنے اندر رکھتے ہیں، ان اعتراضات کو دوہرائیں گے۔ اور اخبار کے اوراق اور اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرتے چلے جائیں گے۔

میں پوچھتا ہوں کہ ایک شخص پر الزام لگانا اور پھر اس کا جواب شائع نہ کرنا، کیا یہی وہ

ایمانداری ہے جو قادیانیت نے انہیں سکھائی ہے۔ ''خلیفہ صاحب'' کے پاس تو ایک جواب ہے کہ ابھی ان کی جماعت بلوغت کو نہیں پہنچی۔ گویا حضرت مسیح موعود اس جماعت کو بلوغت کو نہ پہنچا سکے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نہ پہنچا سکے۔ خود جناب میاں محمود احمد صاحب اپنی لمبی خلافت میں نہ پہنچا سکے تو اب اس کا بلوغت کو پہنچنا ناممکن ہے۔ ایمانداری کا تقاضا یہ ہے کہ جب تم الزام شائع کرتے ہو تو میرا جواب بھی شائع کرو۔ معمولی دنیاداری کا اصول صحافت بھی یہی ہے کہ وہ جب کسی پر کوئی الزام لگائیں گے یا اس سے کوئی سوال کریں گے تو اس کا جواب بھی شائع کردیں گے۔ مگر یہ مذہب اور اسلام کے نام کو بدنام کرنے والی جماعت اپنے آپ کو کسی بات کی ذمہ داری نہیں سمجھتی۔ انہوں نے خود میاں محمد صادق صاحب کے چار سوال اپنے اخبار میں شائع کر کے مجھ سے جواب طلب کیا اور جب میں نے جواب لکھ کر بھیجا تو اسے شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ تاکہ ان کے دام افتادہ اصل حقیقت سے آگاہ نہ ہو جائیں۔ یہ ہیں جنت کے ٹھیکدار۔ جنہوں نے ایک جنبشِ قلم سے چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر بنا دیا اور کلمہ کو منسوخ قرار دے دیا۔ اب اس کھلی چٹھی کو بار بار اخبار میں شائع کیا جا رہا ہے۔ لیکن کیا یہ لوگ جو اپنے آپ کو ایمانداری کے مجسمے قرار دیتے ہیں میرے جواب کو شائع کریں گے؟ اور کیا ان کا خلیفہ انہیں راہ راست پر چلنے کی ہدایت کرے گا؟ جس مذہب میں اخلاق اور انسانیت کچھ چیز نہیں اور صرف ایک ہی پختہ اصول ہے کہ ایمانداری ہو یا بے ایمانی ''پیغامیوں'' کو گراؤ۔ اس سے یہ امید رکھنا بے سود ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ الزامات جواب میاں محمد صادق صاحب نے کھلی چٹھی میں شائع کئے ہیں، ان میں سے بہت بڑا حصہ وہ ہے جو اکتوبر 1941ء میں ہماری جنرل کونسل کے سامنے میاں محمد صادق صاحب کی موجودگی میں پیش ہوا۔ اور جب جنرل کونسل نے ان کا ثبوت مانگا تو میاں صاحب نے کہا کہ میں کل پیش کروں گا۔ جس پر جنرل کونسل نے ایک کمیٹی سات آدمیوں کی مقرر کر دی۔ کہ اس کے سامنے میاں صاحب اپنے ثبوت پیش کریں۔ چنانچہ اگلے دن میاں صاحب نے وہ ثبوت پیش کیا۔ اس کا آخری نتیجہ یہ تھا کہ کمیٹی کے سامنے میاں صاحب نے ان الزامات کو واپس لینے کا اقرار کیا۔ سو میری صفائی تو خدا کے فضل سے ہو چکی۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں نے خود میاں محمد صادق صاحب سے کہا کہ وہ دوبارہ چاہیں تو ان باتوں کو انجمن میں پیش کریں۔ بشرطیکہ انجمن کو وہ اسی طرح حضرت صاحب کی جانشین سمجھ کر جس طرح چوبیس سال سے سمجھتے آئے ہیں اس کے کثرت رائے کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیں۔ اور میں پھر اس بات کو دوہراتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود کے ارشاد کے مطابق ہمارے تمام جھگڑوں کا فیصلہ انجمن کی کثرت رائے سے ہی ہوسکتا ہے۔ اور میں ہوں یا کوئی دوسرا کارکن، سب انجمن کے سامنے جوابدہ ہیں۔ اس لئے اگر اب بھی وہ چاہیں تو اپنا جھگڑا انجمن کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ اور اپنے اعتراضات کو جتنا چاہیں دل کھول کر لمبا کرلیں۔ اور اگر انہیں یہ اعتراض ہو کہ انجمن میں بعض میرے رشتہ دار بھی ہیں اور انجمن کے بعض کارکن بھی، تو میں اس بات کے لئے بھی تیار ہوں کہ رائے شماری کے وقت میرے رشتہ دار اور وہ کارکن جن پر انہیں اعتراض ہو کوئی رائے نہ دیں۔

رہا یہ کہ میں قادیانیوں کو قائل کر دوں جو اٹھائیس سال سے دن رات اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ مجھے جھوٹ بول کر بھی بدنام کریں۔ تو اس کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ جناب میاں محمود احمد صاحب پر ان کے مریدوں نے جو زنا، شراب خوری، سٹہ بازی کے الزام لگائے ہیں، اور ان میں سے کسی نے مباہلہ چاہا مگر جناب میاں صاحب اس سیدھے طریق فیصلہ کی طرف نہ آئے۔ اور کسی نے صرف یہ مطالبہ کیا کہ اسے مجلس شوریٰ میں اپنے ثبوت پیش کرنے کی اجازت دی جائے اور یہ آسان فیصلہ کی صورت بھی انہوں نے نہ مانی۔ اور بالمقابل مجھ پر ایک شخص نے یہ الزامات لگائے ہیں کہ میں انجمن کو کافی چندہ نہیں دیتا یا انجمن سے الاؤنس مہمانداری لیتا ہوں۔ یا انجمن مجھے بطور قرضہ کچھ رقم گزارہ کے لئے دیتی ہے۔ جس کے عوض میری کوئی جائداد مکفول نہیں یا انجمن نے مجھے ایک پرسنل اسسٹنٹ اور ایک قاصد دیا ہوا ہے یا دو تین اخبار جو میرے نام آتے ہیں ان کی قیمت انجمن ادا کرتی ہے تو اول تو یہ سب باتیں انجمن کے علم اور انجمن کے فیصلوں کے مطابق ہو رہی ہیں۔ اور دوسرے یہ الزامات انجمن کے سامنے آچکے اور انجمن نے مجھے ان میں ہر طرح بری الذمہ قرار دے کر میاں محمد صادق صاحب سے ان کو واپس لینے کا اقرار بھی لیا۔ مگر باایں ہمہ قادیانیوں کی مزید تشفی کے لئے میں اس بات پر بھی رضا مند ہوں کہ دونوں

جماعتوں کی ایک مشترکہ پنچ بن جائے۔ جس کے تین ممبران کی جماعت سے میں منتخب کرلوں اور تین ممبر ہماری جماعت سے ''خلیفہ صاحب'' منتخب کرلیں۔ اور ساتواں آدمی دونوں متفقہ طور پر منتخب کر لیں۔ جس کا تعلق دونوں جماعتوں سے نہ ہو۔ اور میاں صاحب کے خلاف زنا اور شراب خوری اور سٹہ بازی کے الزامات کی گواہیاں اور مجھ پر مندرجہ بالا الزامات کی شہادت پیش ہو کر ان سات آدمیوں کا جو کچھ فیصلہ کثرت رائے سے ہو، اسے دونوں جماعتیں منظور کر لیں۔

مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ یہ الزامات جو مجھ پر میاں محمد صادق صاحب نے لگائے ہیں کیا خود خلیفہ قادیان پر یہ عائد نہیں ہوتے؟ تو کم سے کم قادیانی جماعت اور قادیانی اخبارات کو ان کے شائع کرتے ہوئے شرم آنی چاہیئے تھی۔ کیا جناب میاں صاحب انجمن قادیان کے مقروض نہیں؟ اور اس قرضہ کے عوض جو شائد ڈیڑھ لاکھ سے کم نہ ہوگا، جناب میاں صاحب کی کونسی جائیداد مکفول ہے؟ میں تو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ چندہ دیتا ہوں۔ جناب میاں صاحب کے متعلق بھی اعداد شائع کئے جائیں کہ ہزاروں مربعوں کے مالک ہوتے ہوئے اور تیس پینتیس ہزار روپیہ سالانہ بطور نذرانہ وصول کرتے ہوئے اور پانچ چھ سو کی رقم ماہوار انجمن سے لیتے ہوئے وہ کس قدر ماہوار چندہ ادا کرتے ہیں۔ اور ان بیش بہار قوم کے علاوہ اور کس کس قسم کے الاؤنس لے رہے ہیں۔ اور پرائیویٹ سکرٹری وغیرہ کتنا عملہ ہے جو میاں صاحب کے ساتھ ہے۔ اور جس کا خرچ میاں صاحب اپنی جیب خاص سے ادا نہیں کرتے۔ یہ دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھنے والے اپنی آنکھ کا شہتیر کیوں نہیں دیکھتے؟ اگر ساڑھے تین سو ماہوار کی رقم جس میں اس وقت بہت بڑا حصہ قرضہ ہے واقعی ایسی چیز ہے کہ اس کے ساتھ آٹھ بچوں کی تعلیم اور دیگر اخراجات کو برداشت کرتے ہوئے ایک شخص اپنے اخراجات شاہانہ رکھ سکتا ہے تو پانچ چھ سو لینے والا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اس سے کچھ بڑھ کر ہی ہے۔ اور جناب میاں محمود احمد صاحب کی چالیس پچاس ہزار روپے سالانہ آمد و اخراجات کا کیا نام رکھا جائے!

اخبار الفضل کو اس بات سے خوشی ہوئی ہے اور شائد جناب ''خلیفہ صاحب'' کو بھی ہوئی ہو کہ میاں محمد صادق صاحب نے جو چند ماہ انجمن لاہور کے جنرل سیکرٹری رہ چکے ہیں انہیں یہ راز کی بات بتا دی کہ لاہور کی ''جماعت رو بہ تنزل'' ہے۔ مگر یہ راز تو قادیان والوں کو اٹھائیس سال سے معلوم ہے۔ یہ تو

محض جماعت احمدیہ لاہور کو لوگوں کی نظروں سے گرانے کے لئے قادیانی پروپاگنڈا کا ایک حصہ ہے۔ کیونکہ اس انجمن کے حیرت انگیز کام کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں۔ تو اس کھلی چٹھی سے کسی نئے راز کا انکشاف نہیں ہوا۔ بلکہ یہی ہمارے باہمی اختلاف اور روپیہ تنزل ہونے کے گیت گاتے گاتے قادیانی مبلغوں کی عمریں ختم ہو گئیں۔ ہاں یہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ایک آدمی بھی ان کا ہمنوا ہو گیا۔ مگر کب سے؟ ان میں سے بہت سی باتیں وہ ہیں جو ہر سال انجمن کے بجٹ میں آ کر تمام ممبران جنرل کونسل کے سامنے آتی رہتی ہیں۔ اور میاں محمد صادق صاحب کے سامنے بھی آتی رہی ہیں۔ مگر ان میں ان کو بھی اس وقت کوئی عیب نظر نہ آیا۔ یہ اختلاف تو اس دن واقع ہوا جس دن ایک ذاتی معاملہ میں ہم سے کچھ ناراضگی پیدا ہو گئی۔ اسی دن سے میں بھی بُرا بن گیا ہوں اور انجمن بھی گردن زدنی ہو گئی۔ ہم مایوس نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں پھر پہلی حالت پر لے آئے۔

یہ روپیہ تنزل ہونے کی کونسی دلیل ہے کہ انجمن پر قرضہ ہے۔ کیا قادیان کی انجمن پر قرضہ نہیں؟ اور اس سے بہت بڑھ کر نہیں جو ہم پر ہے؟ اور کیا ابھی باوجود پچیس تیس لاکھ سالانہ کے معمولی چندوں کے اور تحریک جدید کے لاکھوں روپے کے چندے کے اور جوبلی کے تین لاکھ کے چندے کے انگریزی ترجمہ قرآن کے لئے پچیس ہزار روپیہ قرضہ نہیں لیا گیا؟ یہی بات میں نے اکتوبر 1941ء کی جنرل کونسل کے سامنے پیش کی تھی جس پر میاں محمد صادق صاحب بجائے خوش ہونے کے اور برافروختہ ہو گئے۔ میں نے کہا تھا کہ گو انجمن کو پہلے چودہ سال کے بعد دوسرے چودہ سال میں بہت سی مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر انہی چودہ سال میں بمصداق ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است زیر آں گنج کرم بنہادہ است

اس انجمن کی بنیادیں ہماری امیدوں سے بڑھ کر مضبوط ہو گئیں۔ مثلاً انہی چودہ سال میں

1۔ انجمن نے قریباً چھپن مربع زرعی اراضی پیدا کر لی جو اس وقت انجمن کے کارکنوں کی کوشش سے اس قابل ہے کہ نہ صرف اپنی قیمت ادا کر رہی ہے بلکہ اس کے علاوہ آٹھ ہزار روپے سالانہ یا اس سے زیادہ منافع پیدا کر رہی ہے۔ اور 1962ء تک قیمت پوری ہو کر انجمن کے پاس یہ تین لاکھ کی جائیداد ہو گی۔ جس سے خدا چاہے تو اٹھارہ بیس ہزار روپے سالانہ کی آمدنی ہو گی۔

2۔انہی مصیبت کے ایام کے اندر ہی گذشتہ تین چار سال کے اندر اندر انجمن نے شہر لاہور میں دوسو کنال کے قریب ایک ٹکڑہ اراضی کا پیدا کرلیا ہے۔اس کے ساتھ ملتی ہوئی زمین دیال سنگھ کالج نے قریباً پانچ سو روپے کنال پر خریدی ہے۔اور دو چار سال میں کالج کے باہر آجانے پر یہ دو لاکھ سے کم کی جائیداد نہیں۔

3۔انہی مشکلات کے ایام میں انجمن نے جوبلی کے موقعہ پر قریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ بصورت جائداد و نقدی حاصل کیا۔جس جائداد سے قریباً ایک سو روپیہ ماہوار آمد کی توقع ہے۔اور نقد روپے میں سے بیس ہزار کے قریب جائداد یا مستقل منافع کی صورت میں تبدیل ہوکر ایک سو روپے ماہوار کے قریب آمدنی دے رہا ہے۔گویا علاوہ بہت سا روپیہ توسیع اور استحکام جماعت پر خرچ کرنے کے دوسو روپیہ ماہوار مستقل آمدنی بڑھ گئی ہے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ انجمن کا قرضہ دن بدن بڑھ رہا ہے۔یہ محض سنی سنائی باتوں پر ہے۔ ورنہ انجمن کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ قرضہ دن بدن کم ہو رہا ہے۔میں نے انجمن کے دفتر سے سیکرٹری صاحب سے جو نقشہ انجمن کے قرضہ کا اکتوبر میں بنوایا تھا،اس سے معلوم ہوا کہ کچھ اتار چڑھاؤ کے بعد انجمن کا قرضہ جو اکتوبر 1937ء میں 72500 روپے تھا،ستمبر 1941ء میں وہ کم ہوکر پچپیس ہزار روپے ہوگیا۔یعنی پانچ سال کے عرصہ میں قرضہ کی رقم سترہ ہزار کم ہوگئی ہے۔اس پچپن ہزار کی رقم میں چوبیس ہزار بیرونی قرضہ ہے۔اور 31000 روپے انجمن کی اپنی مختلف مدات کا ہے اور یہ حالت ستمبر 1941ء میں تھی لیکن جلسہ سالانہ پر اپیل سے آج خدا کے فضل سے انجمن بیرونی قرضہ سے قریباً بکلی آزاد ہوچکی ہے۔ یعنی صرف تین ہزار کے قریب رقم باقی رہ گئی ہے۔جو خدا نے چاہا تو آخر سال تک اس کے لئے بھی کوئی سامان ہو جائے گا۔اور انجمن کا قرضہ اب صرف وہی ہے جو اس کی اندرونی مدات کا ہے۔اور اس کی ادائیگی کے لئے بھی زمین کے ایک دو ٹکڑے، جو شاہ جمال میں ہیں،جس وقت فروخت ہو گئے انجمن قرضہ سے بکلّی آزاد ہو جائے گی۔یہ اصل حقیقت ہے جس کو دیکھ کر شائد الفضل اور قادیانی مبلغوں کو بہت تکلیف ہوگی۔کہ جس عمارت کو وہ دھانا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسے اس قدر مضبوط کر دیا ہے کہ ان کی ساری کوششیں اس کو گرانے کی انشاءاللہ رائگاں جائیں گی۔اور بالمقابل ذرا

اپنی حالت کو بھی کہ دیکھیں دس لاکھ کی جماعت کو ساتھ لے کر اٹھائیس سال کے عرصہ میں کس قدر جائداد ان کی انجمن نے پیدا کر لی ہے۔ 1914ء سے پہلے کی بنی ہوئی جائداد انجمن کو چھوڑ کر اختلاف کے بعد کیا اتنی جائداد اپنی انجمن کے استحکام کے لئے پیدا کر لی ہے جتنی انجمن لاہور نے اسی عرصہ میں کر لی ہے۔ اگر الفضل میں جرأت ہے تو وہ اس بات پر روشنی ڈالے کہ کیا بعد از اختلاف جماعت قادیان نے دس لاکھ آدمی کے ساتھ دس لاکھ کی جائداد بھی پیدا کی ہے؟ ہاں جماعت لاہور نے 1914ء میں خالی ہاتھ کام شروع کر کے اٹھائیس سال کے عرصہ میں دس لاکھ سے اوپر جائیداد پیدا کر لی ہے۔

اور یہ تو محض مالی حالت کے لحاظ سے میں نے ذکر کیا ہے۔ اگر کام کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ایسی جماعت، جو لگا تار حیرت انگیز نئے کام کرتی چلی جاتی ہے، اس کو تنزل کی حالت بتانا محض ان دھوکہ خوردہ لوگوں کا کام ہے، جو ''دس لاکھ'' جماعت کا دعوٰی کرتے ہوئے اتنا بھی کام نہیں کر سکے اس کا نصف یا تہائی بھی نہیں کر سکے۔ ذرا گریبان میں مونہہ ڈال کر جناب ''خلیفہ صاحب'' اس بات کا جواب دیں کہ ہماری جماعت کو وہ اپنا پچاسواں حصہ قرار دیتے ہیں تو

1۔ اگر ہماری جماعت نے 1918ء میں انگریزی ترجمہ قرآن شریف، 1935ء میں ڈچ ترجمہ قرآن شریف، 1939ء میں جرمن ترجمہ قرآن شریف شائع کیا تو کیا یہ شرم کی بات نہیں کہ وہ دس لاکھ کی جماعت کو ساتھ لے کر، جس کا چندہ ہر قسم کی تحریکات اور آمدنیوں کو شامل کر کے پچاس لاکھ سالانہ سے کم نہ ہونا چاہئیے، آج قرضہ مانگ رہے ہیں کہ انگریزی ترجمہ قرآن شائع ہو جائے، تا تبلیغ کے راستے انگریزی دانوں میں کھل جائیں۔

2۔ اگر ہماری جماعت نے اس عرصہ میں دس ہزار ترجمہ بزبان انگریزی اور پندرہ بیس ہزار کاپی سیرت نبویؐ اور پچاس ہزار کاپی تعلیمات اسلام پر ٹریکٹوں کی مفت شائع کی ہے تو جماعت قادیان کے دس لاکھ آدمی نے کس قدر کاپیاں قرآن شریف کی غیر مسلموں کو پہنچائی ہیں؟!

3۔ اگر ہماری جماعت نے ایک مسجد وسط یورپ میں ڈیڑھ لاکھ روپے کے خرچ سے بنوائی ہے تو اُن کی دس لاکھ کی جماعت نے کتنی مسجدیں ان بلاد میں بنوادی ہیں؟!

4۔اگر ہماری جماعت نے دو ہائی سکول اس عرصہ میں جاری کئے۔دونوں کی عمارتیں بھی بنوائیں۔دونوں کے بورڈنگ ہاؤسوں کی عمارتیں بھی بنوائیں۔تو جماعت قادیان کے دس لاکھ آدمی ایک بنے بنائے ہائی سکول کو،جس کی عمارت مع اس کے بورڈنگ ہاؤس کے اختلاف سے پہلے بن چکی تھی،کالج تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے حالانکہ حضرت مولوی نورالدینؓ کے زمانے میں کالج کی دو جماعتوں کی تعلیم کا انتظام ہو گیا تھا۔

برادران قادیان! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو کہ خدا کی نصرت اس قلیل جماعت کے ساتھ نظر آتی ہے جس کو تم پہلے دن سے دو چار آدمی کہہ رہے ہو یا **اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ** (25:9) کی مصداق جماعت کے ساتھ نظر آتی ہے!

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

احمدیہ بلڈنگس۔لاہور

3 جون 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

میرا بیان عدالت میں اور جماعت قادیان سے اپیل

ایک مدت سے قادیانی اخبارات میں میرے اس بیان کا ایک حصہ شائع ہو رہا تھا جو میں نے مولوی کرم دین جہلمی کے مقدمہ میں بطور گواہ دیا تھا۔ گو اس بیان میں جو لفظ ''نبوت'' میں نے حضرت مسیح موعود کے لئے استعمال کیا، اس کے متعلق ایک سے زیادہ مرتبہ تصریح کر چکا ہوں کہ آپ کے منکر کو محض کذاب یا دروغگو قرار دے کر میں نے اس بات کو صاف کر دیا تھا کہ یہاں لفظ نبوت اپنے لغوی معنے میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی یا غیب کی خبریں خدا سے پانا یا پیشگوئی کرنا۔ اور اگر میں اس لفظ کا استعمال اصطلاح شریعت میں کرتا تو آپ کے منکر کو بھی کافر قرار دیتا نہ محض دروغگو۔ تاہم میں نے ایڈیٹر ''الفضل'' کو یہ لکھا کہ وہ میرا مکمل بیان شائع کر دیں۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ کچھ اور بھی تشریحی لفظ اس بیان میں موجود ہیں، جن کو قادیانی مبلغ شائع نہیں کرتے، جن کا جواب ایڈیٹر صاحب کی طرف سے یہ آیا:

> ''کیونکہ یہ بیان فل سکیپ سائز کے 17 صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور عدالتی بیان کے رنگ میں مختلف امور پر مشتمل ہے۔ اس میں نبوت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق وہی فقرات ہیں جو بارہا اخبار وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں۔''

تب میں نے اس کی نقل مصدقہ حاصل کی، تو میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ جماعت قادیان کے وہ مبلغ اور اخبار، جو اس بیان کے ایک حصہ کو شائع کرتے رہے ہیں، کتنی بڑی خیانت سے کام لیتے رہے ہیں! کیونکہ اسی بیان کے آخر میں میرے یہ الفاظ موجود ہیں:

> ''مرزا صاحب نبی ہونے کا۔ سینٹ یعنی ولی ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں۔''

مگر بیان کے اس حصہ کو قادیانی مبلغ اس تمام عرصہ میں پبلک سے اور اپنی جماعت سے چھپاتے رہے۔ حتّٰی کہ جب میں نے سارے بیان کو شائع کرنے کے لئے لکھا، تب بھی یہی جواب دیا گیا کہ اس میں نبوت حضرت مسیح موعود کے متعلق اور کوئی فقرہ نہیں، سوائے اس کے جو وہ شائع

کر چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جیسا کہ میں نے ابتداء بیان میں بھی آپ کی نبوت کے منکر کو کذاب یا محض دروغگو قرار دے کر یہ واضح کر دیا تھا کہ اس سے مراد محض پیشگوئی کرنے والا ہے۔ آخر میں اس کو اور بھی صاف کر دیا کہ آپ کا دعویٰ نبی بمعنی محدث یا ولی ہونے کا ہے، نہ کہ درحقیقت نبی۔ اور میں درحقیقت آپ کو نبی قرار بھی کس طرح دے سکتا تھا؟ جب کہ اسی کتاب ''مواہب الرحمٰن'' میں، جو اس مقدمہ میں زیر بحث تھی، جس کی بناء پر مجھ پر بیسیوں سوال ہوئے۔ کیونکہ اس میں لفظ کذاب وغیرہ استعمال ہوئے تھے۔ حضرت صاحب اپنے عقائد کے عنوان کے نیچے یہ لفظ لکھ چکے تھے کہ اس اُمت میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے۔ اور ان کو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے۔ لکھا ہے ''وایشاں درحقیقت انبیاء نیستند زیرا کہ قرآن حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است''، یعنی وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے اس لئے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال تک پہنچا دیا۔ یعنی قرآن کے ہوتے ہوئے کوئی شخص اس اُمت میں فی الحقیقت نبی نہیں ہوتا۔ گو اسے نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے۔ اور یہ 1903ء کی تحریر ہے۔ جس سے قادیانی جماعت کے مبلغ اس طرح بھاگتے ہیں کہ گویا شیر ان کے سامنے آ گیا!

چاہیئے تو یہ تھا کہ اگر میرے بیان میں کوئی نقص یا خامی بھی تھی، تو حضرت مسیح موعود کی کتاب ''مواہب الرحمٰن'' کی روشنی میں اس بیان کی وہ تشریح کی جاتی، جس کو آپ نے صراحت سے بیان کر دیا کہ اس اُمت میں نبیوں کا رنگ تو مل جاتا ہے **عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ** لیکن فی الحقیقت کوئی نبی نہیں ہوتا، اس لئے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال تک پہنچا دیا۔ یہ تو صحیح طریق عمل تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ قادیانی علماء نے میرے بیان کے ایک حصہ کو، جس میں خود مَیں نے یہ واضح کر دیا تھا کہ حضرت صاحب نبی بمعنی محدث یا ولی ہیں، لوگوں سے مخفی رکھا۔ بلکہ میرے دریافت کرنے پر بھی یہی کہا کہ اس میں نبوت کے متعلق اور کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی!

میں علماء اور مبلغین سے نہیں، کیونکہ انہوں نے دوسرا رنگ اختیار کیا ہوا ہے، جس کے خود جناب ''خلیفہ صاحب'' شاکی ہیں، بلکہ جماعت قادیان کے عام لوگوں سے دریافت کرتا ہوں، خود جناب میاں صاحب سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا یہ علماء اب تک میرے بیان کے اس حصہ کو چھپا کر

خیانت کے مرتکب نہیں ہوئے؟ اور پھر یہ کہہ کر کہ اس بیان میں نبوت کے متعلق سوا ان کے شائع کردہ فقرات کے اور کچھ بھی نہیں، اس جرم کو کمال تک پہنچایا؟!

اس کے جواب میں شاید یہ کہا جائے کہ میرے اس بیان کے اوپر اخبار ''ٹروتھ سیکر'' کا ذکر ہے۔ اور ممکن ہے کہ میرا یہ بیان اخبار ''ٹروتھ سیکر'' پر مبنی ہو۔ تو اول تو میرے بیان میں یہ نہیں کہ ''ٹروتھ سیکر'' میں یوں لکھا ہے، بلکہ وہ الگ بیان ہے۔ اور دوسرے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خواہ وہ ''ٹروتھ سیکر'' پر مبنی ہے یا نہیں۔ بہرحال وہ میرا بیان ہے۔ آخر میرے بیان میں بیسیوں لغت اور تفسیر کی کتابوں کے حوالے ہیں۔ حضرت صاحب کی کتابوں کے حوالے ہیں۔ تو اس سے اس بیان کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جب نبوت کے متعلق میرے بیان کا ایک حصہ شائع کیا گیا، تو دوسرے حصہ کا اخفاء کیوں کیا؟ صرف اس لئے کہ اس میں ولایت اور محدثیت کی تشریح کھلے الفاظ میں موجود تھی۔ اور قادیانی علماء نہ چاہتے تھے کہ یہ حصہ عام لوگوں کے سامنے آئے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ میرے بیان کا یہ حصہ وکیل ملزمان کے جواب میں ہے۔ یعنی یہ سوال، جن کے جواب میں مَیں نے یہ لفظ کہے، یا اخبار ٹروتھ سیکر پیش کیا، حضرت مسیح موعود کی طرف سے مجھ پر ہو رہے تھے۔ اگر اخبار ٹروتھ سیکر پیش کیا گیا، تو اس کے پیش کرانے والے خود حضرت مسیح موعود تھے۔ ہر ایک وہ شخص جو اس مقدمہ میں گورداسپور میں موجود تھا، جانتا ہے کہ مقدمہ روزانہ تین بجے شام کے قریب پیش ہوتا تھا۔ اور ہم سب لوگ اور خود حضرت مسیح موعود کچہری کے احاطہ میں درختوں کے سائے کے نیچے بیٹھے ہوئے کتابیں اور حوالے تلاش کیا کرتے تھے۔ اور ہر ایک حوالہ حضرت مسیح موعود کے سامنے پیش ہوکر، جسے آپ پسند کرتے تھے، وہی عدالت میں پیش کیا جاتا تھا۔ عام طور پر بھی وکیل اپنے مؤکل کی ہدایات کا پابند ہوتا ہے۔ اور وکیل کا سوال مؤکل کا سوال ہی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جہاں وکیل مؤکل کا مرید ہو، ظاہر ہے کہ وہ اس کی ہدایت کے بغیر ایک قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ پس اگر یہ بیان ٹروتھ سیکر پر بھی مبنی ہے، تو حضرت صاحب نے خود اس اخبار کو پیش کرا کر یہ تشریح کروائی کہ لفظ نبوت سے، جو میرے بیان کے شروع میں استعمال ہوا، مراد محض محدثیت یا ولایت ہے نہ کچھ اور۔ خاکسار محمد علی

❁❁❁

6 اگست 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب قادیانی پر الزامات کے متعلق ہمارا طریق عمل

''فرقان'' جولائی 1942ء میں جناب چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب ریٹائرڈ ای۔اے۔سی کا بیان کہ ''شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری اور اس کے ساتھیوں کے الزامات محض جھوٹ ہیں'' کے عنوان سے ایک مضمون نکلا ہے۔ اس کا ایک کٹنگ میرے پاس کسی دوست نے جواب کے لئے بھیجا ہے۔ اگر مضمون کو چوہدری صاحب کے بیان تک محدود رکھا جاتا تو مجھے قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس معاملہ میں کچھ لکھتا۔ مگر مجھے خواہ مخواہ درمیان میں لا کر اس مضمون میں یہ لکھا گیا ہے کہ میں ان الزامات کو غلط بھی قرار دیتا ہوں جو جناب میاں صاحب کے مریدان پر لگاتے ہیں اور ان کی تشہیر میں مدد بھی دیتا ہوں۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ میاں صاحب کے نادان دوست ان پر الزامات کی تشہیر خود کر رہے ہیں اور پھر الزام دوسروں پر دیتے ہیں۔ ایسے ناپاک الزامات کے معاملہ میں، جن کے لگانے والے میاں صاحب کے اپنے مخلص مرید ہیں، جس قدر خاموشی اختیار کی جاتی بہتر تھا۔ اگر اس میں کوئی بولنے کا حق رکھتا تھا تو وہ خود میاں صاحب تھے۔ اور ان کے لئے دو موقعے ایسے آئے تھے کہ وہ پبلک کو مطمئن کر سکتے تھے۔ پہلا موقع وہ تھا جب مولوی عبدالکریم مباہلہ والے نے میاں صاحب سے ان الزامات پر مباہلہ کرنا چاہا تھا اگر وہ اس کو منظور کر لیتے تو ان الزامات کے سچا یا جھوٹا ہونے کا فیصلہ ہو جاتا۔ مگر قادیان کی منطق عجیب ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ میں اس بات پر مباہلہ کرنے کو تیار ہوں کہ زنا کے الزام پر مباہلہ کرنا جائز ہے یا نہ۔ مگر اس بات پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار نہیں کہ مجھ پر زنا کا الزام سچا ہے یا جھوٹا۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود کی صاف تحریر موجود ہے کہ زنا کے الزام پر مباہلہ ہو سکتا ہے۔ جناب میاں صاحب نے اس معاملہ میں حضرت مسیح موعود کے جواز مباہلہ کے فیصلہ کے ہوتے ہوئے مباہلہ سے انکار کر کے کوئی اچھا اثر پبلک پر پیدا نہیں کیا۔

اس پر کچھ عرصہ گزر گیا تو ایک جماعت مخلصین کی قادیان سے اٹھی۔ جس نے اسی قسم کے بلکہ اس سے بھی بدتر الزامات کے متعلق تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ اور اپنی ہی جماعت کے کمیشن کے سامنے اپنا

ثبوت پیش کرنے کے لئے میاں صاحب سے درخواست کی۔ یہ بات کس قدر معقول تھی۔ مگر میاں صاحب نے اس مطالبہ کو بھی منظور نہ کیا اور تحقیقات کے ذریعہ سے بھی اصل حقیقت کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ ایک پیغمبر، حضرت یوسفؑ پر جھوٹا الزام لگتا ہے تو وہ قید خانہ سے نکلنے سے انکار کرتے ہیں جب تک کہ ان پر الزام کی تحقیقات نہ ہو جائے۔ اور وہ تحقیقات بھی ایک غیر بادشاہ کے ذریعے کرائی اور جھوٹ کا جھوٹ ہونا ظاہر ہو گیا۔ مگر میاں صاحب نے خود اپنی جماعت کے کمیشن کے سامنے بھی تحقیقات سے انکار کر دیا۔ مریدوں کا سوال نہیں، دنیا اس سے کیا نتیجہ نکالے گی؟

تو میاں صاحب کے مریدوں نے، اب ان الزامات کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے جنہیں خود میاں صاحب جھوٹا ثابت کرنے کی جرأت نہیں رکھتے، یہ طریق اختیار کیا ہے کہ لوگوں کے پاس دوڑے پھرتے ہیں کہ تم ان الزامات کو غلط سمجھتے ہو یا صحیح۔ اور کیا تم خیال کرتے ہو کہ میاں صاحب سے ایسے ناکردنی افعال سرزد ہوئے ہوں گے! اگر کہیں بیس میں سے ایک نے کہہ دیا کہ نہیں تو بس اسی کو لے دوڑے کہ دیکھو یہ ثابت ہو گیا کہ میاں صاحب پر یہ الزامات غلط ہیں۔ اور باقی انیس کا نام نہ لیں گے۔ یہ مریدوں نے نرالا طریق پیر کی بریت کا اختیار کیا ہے۔ کسی ایسے مرید سے ہی دریافت کر لیتے جو جج ہو یا جج رہ چکا ہو کہ کیا اس طریق سے کبھی کسی ملزم کی بریت ثابت ہو گئی ہے کہ ملزم خود تو کہے کہ میں نہ الزامات کا جواب دوں گا نہ بریت کا ثبوت پیش کروں گا، نہ تحقیقات ہونے دوں گا، نہ بالمقابل حلف اٹھاؤں گا اور ایک تیسرا شخص عدالت میں آ کر کہہ دے کہ میں ان الزامات کو غلط سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہ شخص ایک بڑا لیڈر رہے اور اس بلند مقام کے لحاظ سے اس سے یہ امید نہیں کی جاتی کہ وہ ایسے افعال کا ارتکاب کرے۔ چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب کا بیان، جسے بڑے فخر سے شائع کیا گیا ہے، وہ کیا ہے؟ صرف اس قدر کہ میاں صاحب حضرت مسیح موعود کے فرزند ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے ایسا کام نہیں کیا۔ مگر کیا نیکوں کے فرزندوں کے بُرا کام کرنے کی کوئی مثال نہیں؟ یا یہ کہ میاں صاحب چونکہ قادیان میں رہتے ہیں جہاں حضرت مسیح موعود رہتے تھے، اس لئے انہوں نے ایسا کام نہیں کیا تو کیا صلحا کے رہنے کے مقامات پر اور اچھے لوگوں کی گدیوں پر زنا اور شراب خوری اور طرح طرح کی بدکاریاں نہیں ہوتیں؟ یا یہ کہ میاں صاحب چونکہ چار بیویوں کے خاوند ہیں، اس لئے ان کے نزدیک وہ زنا کا

ارتکاب نہیں کر سکتے۔ حالانکہ نہ کسی کا مجرد ہونا اس کی زنا کاری کی دلیل ہے، نہ کسی کا چار چھوڑ چار سو بیویوں کا خاوند ہونا اس کی پاک بازی کی شہادت ہے! اگر میاں صاحب کے مرید دنیا کو ان الزامات کے جھوٹا ہونے کا قائل کرنا چاہتے ہیں تو اس کی اب بھی وہی دو سیدھی راہیں ہیں۔ وہ میاں صاحب کو تیار کریں کہ الزام لگانے والوں کے مقابلہ پر مباہلہ کریں۔ یا جس طرح شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے کہا ہے، اپنی جماعت کا ایک کمیشن مقرر کر کے الزام لگانے والوں کو موقعہ دیں کہ وہ اپنے ثبوت ان الزامات کی تائید میں پیش کریں۔ اور میاں صاحب ان کا جواب دیں۔

چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب کے بیان سے الزامات کی تردید نہیں ہو سکتی۔ نہ ایسے ایک سو اور ایسے بیانات سے۔ میاں صاحب میں اگر ان کو غلط ثابت کرنے کی جرأت ہے تو یا عام دنیا کے قانون پر چلیں اور اپنی جماعت کے ہی ایک کمیشن کے سامنے اس کی تحقیقات ہونے دیں اور یا جس چیز کو حضرت مسیح موعود نے درست کہا ہے اس پر عمل کر کے مباہلہ کے لئے میدان میں نکلیں۔ بلکہ خود ان سب لوگوں کو جو ان پر بڑے بڑے گندے الزام لگاتے ہیں مباہلہ کی دعوت دیں۔

چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب کے بیان میں میرا بھی ذکر ہے۔ چوہدری صاحب کے الفاظ میرے متعلق ایسے نہ تھے کہ ان سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا کہ میں ان الزامات کو یا الزامات لگانے والوں کو جھوٹا جانتا ہوں۔ ان کے الفاظ محتاط ہیں۔ وہ یہ کہ:

> ''ایسے الزامات کے متعلق حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی زبان سے میں نے کبھی نہیں سنا کہ وہ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ الزامات ضرور سچے ہی ہیں۔ جب کبھی ایسی گفتگو ہوتی ہے تو وہ ایسے معاملات کو ٹال دیتے ہیں اور حوالہ بخدا کرتے ہیں''

مجھ سے کئی بار یہ سوال کیا گیا اس وقت بھی جب ابھی ابتداء تھی میاں صاحب کے ایک مرید نے یہ سوال کیا کہ کیا میں ان الزام لگانے والوں کو جھوٹا سمجھتا ہوں، تو میں نے یہی کہا کہ اگر ایک دشمن کی طرف سے الزام ہو تو میں فوراً کہہ دوں کہ یہ جھوٹ ہے۔ کیونکہ دشمنی میں انسان بسا اوقات بہت دور نکل جاتا ہے۔ لیکن یہ الزام لگانے والے میاں صاحب کے مخلص مرید ہیں۔ ایسے مرید جنہوں نے خدمت دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں۔ ایک مرید تو پیر کے ارتکاب معاصی پر حتی الوسع پردہ ڈالتا ہے بلکہ ایسے

ایسے مرید بھی ہیں جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ پیر اگر شراب کا پیالہ مونہہ سے لگائے تو وہ دودھ بن جاتا ہے۔ قادیان کے ایک اچھے بزرگ کے متعلق بھی میں نے یہ روایت سنی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر اپنی آنکھوں سے جناب میاں صاحب کو کسی فعل بد کا ارتکاب کرتے دیکھیں تو ہم اپنی آنکھوں کو جھوٹا قرار دیں گے اور میاں صاحب کو فعل بد کا مرتکب قرار نہیں دیں گے۔ تو ایسے مخلص مرید جب انہوں نے خدمت دین کے لئے زندگی بھی وقف کر رکھی ہو، اپنے پیر پر جان بوجھ کر جھوٹ نہیں باندھ سکتے، پھر اس الزام کی وجہ سے ان لوگوں کو سخت ترین نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کا مقاطعہ کر دیا گیا۔ عرصہ حیات ان پر تنگ کر دیا گیا۔ اور بالآخران کا مکان جلا دیا گیا۔ جھوٹ پر ایک انسان عموماً تب مونہہ مارتا ہے جب اس کا کچھ دنیوی فائدہ اس میں ہو۔ یا کوئی حد درجہ کا بغض کسی کے متعلق دل میں بیٹھ جائے۔ تو جو لوگ مرید ہیں پھر انہیں نظر آتا ہے کہ فلاں بات مونہہ سے نکال کر ان کی دنیا برباد ہو جائے گی، قیاس یہی ہوگا کہ وہ جھوٹ نہیں کہہ رہے۔ پھر میاں صاحب نے ان الزامات کے بارے میں ایک سیدھے طریق فیصلہ سے، یعنی دعوت مباہلہ سے انکار کر کے ان الزامات کو اور بھی قوت پہنچائی۔ اور اس کے مقابل میں ایک صریح جھوٹا عذر پیش کیا کہ ایسی صورت میں مباہلہ جائز نہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود کا صریح فیصلہ موجود ہے کہ مباہلہ جائز ہے۔

یہ تو ابتداء کی بات تھی۔ اس کے بعد تو معاملہ حد سے گزر گیا۔ میرے پاس ایسے مخلص مرید میاں صاحب کے آئے کہ جن پر گمان بھی نہ ہوسکتا تھا کہ وہ اندر سے اتنے ضرر رسیدہ ہیں۔ بایں صبر کر کے قادیان میں بیٹھے ہیں۔ ایک مشہور نومسلم جن کی زندگی قادیان میں نہایت خاکساری میں گزری تھی۔ وہ میرے پاس آ کر اپنا ماجرا سنا کر زار زار روتے رہے۔ اور پھر ایک دو نہیں بہت زیادہ تعداد میں وہ لوگ تھے جنہوں نے ایک ہی قسم کے الزامات میاں صاحب پر لگائے۔ ایک میاں صاحب کے نہایت مخلص مرید نے جو بہت ہی راز دار تھے اور ایک دفعہ کسی پہاڑ پر میاں صاحب کے ساتھ رہے تھے مجھے یہ خط لکھا کہ میں اندرونی حالات کو دیکھ کر دہریہ ہو گیا تھا۔ مگر ''بیان القرآن'' نے میری دستگیری کی اور میرا ایمان خدا اور اس کے رسولؐ پر از سر نو زندہ ہوا۔

پھر اس کے بعد شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری جیسا مخلص بزرگ جو سالہا سال قادیان میں

رہے تھے اور میاں صاحب کے بلند پایہ علماء میں سے اور نہایت مخلص احباب میں سے تھے جن کے سپرد بڑے بڑے کام تھے ان کو وہ دھکا لگا کہ انہوں نے اپنی دنیا کو برباد کرنا آسان سمجھا۔ پنشن کے قریب پہنچے ہوئے پنشن کو چھوڑا۔ سخت ترین مخالفت کا مقابلہ کیا۔ مگر جس بات کا قطعی ثبوت ان کو بہم پہنچ گیا تھا اس کے بعد میاں صاحب کی خلافت کا جُوا وہ اپنی گردن پر نہ رکھ سکے۔ ہاں یہ ان کی شرافت تھی کہ انہوں نے کوئی بات اخباروں میں، اشتہاروں میں شائع نہیں کی۔ بلکہ پرائیویٹ طور پر میاں صاحب سے بار بار یہ التجا کرتے رہے کہ وہ اپنی جماعت کے چیدہ احباب کا ایک کمیشن بنائیں جو ان شہادتوں پر غور کرے جو ان کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ کیسا سیدھا طریق تھا۔ مگر میاں صاحب نے اس کو نہ مانا۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری مجھ سے ملے ہیں۔ بار بار ملتے رہتے ہیں۔ بہت قریب رہے ہیں۔ اور رہتے ہیں میں نے ان میں اس قدر شرافت دیکھی ہے جس کے نمونے دنیا میں کم نظر آتے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ کیا یہ شرافت کم ہے کہ انہوں نے اپنے پاس ایسے ثبوت رکھتے ہوئے، جنہیں وہ اپنی جماعت کے کمیشن کے سامنے بطور شہادت پیش کرنا چاہتے تھے۔ اور ہر قسم کی مقاطعت اور اور ایذا رسانی کی تکلیفوں کو اٹھاتے ہوئے میاں صاحب کے متعلق جو کچھ لکھا، کمال درجہ کی شرافت اور متانت سے لکھا۔ ان کے معتقدات پر بحث کی، خیالات پر بحث کی مگر ان کے کیرکٹر پر کبھی حملہ نہیں کیا۔ اس قدر شریف اور راستباز انسان کو میں جھوٹا نہیں کہہ سکتا ہاں یہ سچ ہے کہ میں ان الزامات کے معاملہ میں بھی کچھ نہیں کہتا۔ انہیں حوالہ بخدا کرتا ہوں۔

رہی یہ بات کہ میں نے ان الزامات کی تشہیر میں مدد کی ہے۔ میاں صاحب اور ان کے مریدوں کی حالت یہ ہے کہ وہ خود جو چاہیں کرتے چلے جائیں اور ان کو کبھی خیال نہیں آتا کہ یہ بھی کوئی بُرا کام ہے۔ 1930ء کے قریب کا واقعہ ہے کہ ایک گمنام خط میرے متعلق الفضل میں چھاپا گیا۔ جس میں میرے متعلق بہت کچھ غلط بیانیاں تھیں۔ اور اصول صحافت کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھا کہ گمنام خط اس قابل نہیں ہوتے کہ انہیں بلا تحقیق شائع کر دیا جائے۔ اور اس کے بعد بھی یہی حالت رہی ہے کہ میرے متعلق کوئی غلط مسلط جا کر کہہ دے تو اسے آسمانی وحی کی طرح اخبار الفضل میں شائع کرا دیا جاتا ہے۔ اور پھر میں جو جواب دوں اسے کبھی شائع نہیں کیا جاتا۔ ابھی چند دنوں کی بات ہے۔ ہمارے ایک دوست کو

میرے متعلق کچھ غلط فہمی ہوئی اور یہ ایک معمولی بات ہے کہ غلط فہمیاں بعض وقت بڑے بڑے مخلص احباب میں ہو جاتی ہیں۔ اس کو لے کر اخبار الفضل میں میاں صاحب نے بڑا بھاری پروپیگنڈا کرایا اور یہ سمجھا کہ گویا اس سے ہماری جماعت کو تباہ ہی کر دیں گے۔ پھر اس کو ایک علیحدہ ٹریکٹ کی صورت میں شائع کیا اور میرے جواب کا انتظار نہ کیا۔ جواب کا انتظار نہیں بلکہ جب میں نے جواب دیا تو اس کو شائع نہ کیا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جب اس دوست کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان کے اعتراضات چند غلط فہمیوں پر مبنی تھے اور انہوں نے اخبار میں اس کے متعلق اعلان بھی کر دیا تو اس اعلان کو بھی اپنے اخبار میں جگہ نہ دی۔ ان ظالموں سے کوئی پوچھے کہ کیا تمہیں یہ کہنے کا حق ہے کہ میاں صاحب پر الزامات کی تشہیر میں مدد کرتا ہوں۔ حالانکہ تمہارا اپنا یہ دن رات کا شغل ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ بات میرے متعلق مل جائے تو اس سے اخباروں اور رسالوں کے اوراق اور اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتے چلے جاتے ہو۔ ایک بُرا کام خود کرتے ہو اور اس کا الزام مجھ پر دیتے ہو وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا (112:4) کے وعید کو پڑھو۔ انہیں خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ فرماتا ہے لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (148:4) اس لئے کہ خدا پسند کرے یا نہ کرے پیر تو پسند کرتا ہے!

میں پوچھتا ہوں کیا کبھی اخبار پیغام صلح میں یا کبھی انجمن کے کسی ٹریکٹ میں ان قابلِ شرم الزامات کو دوہرایا گیا جو میاں صاحب پر ان کے مخلص مریدوں نے لگائے ہیں۔ بلکہ کبھی کسی ایسی شائع شدہ تحریر کو بھی نقل نہیں کیا جس میں میاں صاحب پر نہایت ناپاک اور گندے الزام تھے۔ پھر میرے پاس ایک دو نہیں بہت سے بیانات ہیں۔ حلفی بیانات ہیں۔ جن میں میاں صاحب پر شدید ترین الزامات ہیں۔ مگر میں نے وہ اپنے کسی دوست کو بھی نہیں دکھائے۔ میں چاہتا تو ان کی اشاعت کر سکتا تھا۔ مگر اس شرافت کا، جو ہم نے برتی اور ہمارے احباب نے برتی، ہمارے اخبار نے برتی، یہ بدلہ ہے کہ آج میاں صاحب نے اپنے مبلغین کا ایک گروہ ہمارے پیچھے چھوڑا ہوا ہے۔ جو ہم پر حملہ کرنے کے لئے جائز و ناجائز کی پروا بھی نہیں کرتا۔ اور ادنیٰ ادنیٰ باتیں لے کر ان کی تشہیر پر ساری قوت صرف کر دیتا ہے۔ اور یہ ایسا ناسمجھ گروہ ہے کہ انہیں یہ بھی تمیز نہیں کہ اس سے نقصان خود ان کو پہنچتا ہے۔ پرائی شگون کے پیچھے اپنی ناک کٹوا لینے کو تیار ہیں۔ اسی لئے میاں صاحب نے خود اپنے مبلغین کو خنزیر سے نسبت دی

تھی کہ حملہ کرتے وقت سوچتے کچھ نہیں۔

پھر میں کہتا ہوں کہ اس ڈھٹائی کا بھی کوئی ٹھکانا ہے کہ جس بات کو خود خان بہادر میاں محمد صادق صاحب کسی غلط فہمی کا نتیجہ قرار دے چکے ہیں۔ یہ جان لینے کے بعد بھی کہ وہ ایسا کر چکے ہیں ان کی ایسی تحریر کو پھر بطور دلیل میرے خلاف شائع کیا جاتا ہے۔ اور آنکھیں بند کر کے مان لینے والوں کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ ہم میاں صاحب پر الزامات کی تشہیر کرتے ہیں۔ تشہیر کرنے والے خود یہ نادان ہیں جو نہیں جانتے کہ اس معاملہ میں ان کا بولنا ان کی اپنی پردہ دری کا موجب ہے۔ ہم نے تو انتہائی شرافت سے کام لیا۔ کبھی ان گندے الزامات سے بھری ہوئی تحریروں کو شائع نہیں کیا جو میاں صاحب کے مریدوں نے شائع کیں۔ کبھی ان گندے الزامات سے بھرے ہوئے بیانات کا نام نہیں لیا جو ایک کثیر تعداد میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ اور یہ باوجود اس کے کہ میاں صاحب نے ہمارے خلاف جو کچھ مل سکا ہے، اسے شائع کرنے پر اپنے اخباروں کی پیٹھ ٹھونکی۔ میں تو ان باتوں کو بھی لکھنا نہ چاہتا تھا۔ مگر میں مجبور ہوں کہ جب میرے متعلق غلط بیانی کی جائے، تو اس کی تردید کروں۔ اب میاں صاحب کا اختیار ہے کہ اپنے مریدوں کو سمجھائیں یا نہ سمجھائیں کہ ناپاک الزامات کی تشہیر کا موجب وہ خود ہیں۔ خاکسار محمد علی ڈلہوزی۔

29 جولائی 1942ء

خلیفہ قادیان کے ایک مرید☆ کے دو سوال۔ جواب میں خلیفہ صاحب کا غیظ و غضب: (6 اگست 1942ء)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! مزاج شریف میں اس قابل نہ تھا کہ مضمون ہذا اخبار پیغام صلح میں شائع کراتا۔ لیکن میاں صاحب کی چند غلطیوں کی بناء پر مجھے قادیانی جماعت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ ایک روز بیٹھے بٹھائے میاں صاحب سے سوالاً ذکر ہو گیا کہ:

☆ معاصر الفضل کو حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لینی چاہئیے اور اس مکتوب کا غور سے مطالعہ کر کے میاں صاحب کے ایک مخلص مرید کی تسلی و تشفی کے لئے میاں صاحب کے حضور میں درخواست کرنا چاہئیے یا خود ان دو سوالوں کا کوئی جواب دینا چاہئیے۔

1۔ جب آپ عورتوں کے جلسہ میں صدر منتخب ہوئے ہیں تو اپنے ارد گرد خوبصورت عورتوں کا پہرہ کیوں رکھتے ہیں؟

2۔ اس امر کا کس طرح یقین ہو کہ آپ واقعی خدا کے بھیجے ہوئے خلیفہ ہیں۔ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ گھڑ کے خلیفہ بنائے گئے ہیں۔

ان ہر دو سوالات پر جناب میاں صاحب کو بے حد طیش آیا اور فرمایا کہ آپ بہت ہی گستاخ اور بے ادب ہیں!

میں نے عرض کیا کہ حضور! پہلے آپ میرے سوالات کا جواب دیں۔ بعد ازاں کوئی بات ہوگی۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ اگر خدا نے مجھے زندگی دی تو اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ خلافت، جو یزیدی خلافت ہے، ایک نہ ایک دن ضرور اس کا بھانڈا پھوڑوں گا۔ چہ جائیکہ مجھے اپنی جان تک ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ بس یہ بات سننا تھی کہ بورڈ پر لکھ دیا ''مقاطع''۔ جب میں باہر نکلا تو بورڈ پر اپنا نام لکھا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہاں لکھا تھا کہ یہ شخص اسلام میں فتنہ ڈالنے والا ہے۔ اس واسطے اس سے قطعاً کوئی کلام نہ کرے اور اسے قادیان سے نکل جانے کے لئے کہیں۔ میں اسی وقت بستر بوریا سنبھال اپنے گھر سرائے عالمگیر (جہلم) آ گیا۔ میں میاں صاحب سے سوال کرتا ہوں کہ انہوں نے یہ مقاطع ایکٹ کہاں سے نکال لیا۔ اب بھی دعا مانگتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان گھڑ گھڑ کے نبی بنانے والوں کی جماعت سے بچائے (آمین)۔ میں مولوی صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے سیدھے راستے پر لائے۔ آپ سے جتنی جلدی ہو سکے اس مضمون کو شائع کر دیں۔ بدھوار کے پرچہ میں انتظار کروں گا! نیاز مند چوہدری فضل الرحمٰن ٹھیکہ دار عفی عنہ، سرائے عالمگیر جہلم

ش 6 اگست 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

ایک اہم فریضہ اسلامی کے احیاء کے لئے جہاد کی دعوت

حسب معمول ہماری انجمن نے اس ماہ یعنی رجب میں اپنے احباب سے زکوٰۃ کی اپیل کی ہے اور ایک مطبوعہ ٹریکٹ غالباً ان سب احباب کے پاس بھیجا گیا ہوگا جو بظاہر صاحب نصاب معلوم ہوتے ہوں۔ لیکن میں دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

اول یہ کہ زکوٰۃ کی اہمیت کی طرف عام مسلمانوں کی توجہ قطعاً ہے ہی نہیں۔ اور اگر کچھ مخیّر حضرات ہیں تو ان کی زکوٰۃ بجائے قومی تعمیر کے کاموں پر لگنے کے گداگری کے مروج کرنے پر صرف ہو رہی ہے۔ یعنی اس ماہ میں چند لوگ، جنہوں نے بجائے خود محنت کر کے کمانے کے، لوگوں سے مانگنے کو اپنا پیشہ بنایا ہوا ہے، اس ماہ میں شمال سے نکل کر جنوب تک زکوٰۃ مانگتے ہوئے پہنچ جاتے ہیں۔ ہمارے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا تھا کہ ایک شخص کے لئے دست سوال پھیلانے کے بجائے یہ بہتر ہے کہ جنگل میں جا کر لکڑی کاٹے اور اس کا گٹھا اُٹھا کر اسے لا کر بازار میں فروخت کر کے اپنے لئے روٹی کمائے۔ مگر آج آپ کی امت کا ایک حصہ اگر گداگری کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہے تو دوسرا حصہ جو مخیّر حضرات کا ہے اس قومی تخریب میں ان کا معاون ہو رہا ہے۔ اور یوں اسلام کا اہم فریضہ زکوٰۃ، جو اسلام کے دو ستوں میں سے ایک ستون ہے، مسلمانوں کے اندر سے قریباً مر چکا ہے۔ اس کے احیاء کے لئے میں اپنی جماعت کے احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہوئے کہ وہی اس آواز میں یہ اثر پیدا کرے کہ خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کے سامنے ہمارے دوستوں کی گردنیں جھک جائیں۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ. یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ (20:27-28)

اسلام کے دو بڑے ستون ہیں نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا۔ قرآن شریف میں بار بار ان دو کا اکٹھا ذکر کر کے سمجھایا ہے کہ اسلام اور اسلامی سوسائٹی کی بنیاد انہی دو پر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ (9:11) اگر اپنی زیادتیوں سے توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صرف نماز خدا کی عبادت میں مصروف رہنا، خدا کی تسبیح وتحمید، اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنے، اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں، جب تک کہ انسان اپنے مال کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے بالمقابل دنیا کا سب سے بڑا معبود مال دنیا ہے۔ اور جس دل میں دنیا کے مال کی محبت ہے اس میں خدا کی محبت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کو بار بار جمع کیا ہے يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (3:2) کیونکہ خدا کی محبت، جو عبادت کا اصل مقصود ہے، پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ مال کی محبت کم نہ ہو۔ بلکہ صاف فرمایا اگر مال کی محبت انسان پر اس قدر غالب ہے کہ وہ خیرات نہیں کرتا، زکوٰۃ نہیں دیتا تو اس کی نماز بے سود ہے۔ بلکہ محض ریاکاری ہے اور ایسے نماز پڑھنے والوں پر ہزار افسوس ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ . الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ . الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ . وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ . (107:4-7) مَاعُوْنَ کے اصل معنی قلیل شئے کے ہیں. اور زکوٰۃ بھی چونکہ جمع شدہ مال کا چالیسواں حصہ خدا کے دیئے ہوئے مال کے مقابل میں بہت تھوڑی چیز ہے, اس لئے زکوٰۃ کو مَاعُوْنَ کہا ہے۔ پس اگر ایک شخص یہ خیال کرتا ہے کہ نماز میں خضوع وخشوع سے, تہجد خوانی سے، خدا کے آگے گڑگڑاتے رہنے سے خدا مل جاتا ہے, چاہے وہ مال دنیا سے کتنی محبت کیوں نہ رکھتا ہو, تو وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے۔ خدا کی محبت اور مال کی محبت دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں. جس دل میں مال کی محبت اس قدر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے مال کو خرچ نہیں کرسکتا, اس کا معبود مال ہے خدا نہیں۔ چاہے وہ نمازیں پڑھتا ہو. اور جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکاتا ہوا اپنے مال کو خرچ کرتا ہے اس کا معبود خدا ہے اور وہی خدا کو پا سکتا ہے۔

جس طرح نماز میں اللہ تعالیٰ نے دو حصے رکھے ہیں۔ ایک حصہ باجماعت ہے۔ اقامت صلوٰۃ کا مفہوم صادق نہیں آتا جب تک باجماعت نماز نہ ہو۔ دو شخص بھی سفر میں نکلیں تو آنحضرت صلعم نے فرمایا دیکھو اذان دو اور اقامت کہو اور جماعت سے نماز پڑھو۔ اور دوسرا حصہ تنہائی کی نماز کا ہے۔ باجماعت حصہ سب لوگوں کی موجودگی میں مسجد میں ہی ادا ہوتا ہے۔ نفل گھر کی کوٹھڑی میں چھپ کر بہترین طریق پر ادا ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح انفاق مال کو اللہ تعالیٰ نے دو حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ حصہ جو اسلامی جماعت کے ساتھ مشترکہ طور پر ادا ہوسکتا ہے۔ دوسرا وہ حصہ جو چھپ کر خیرات کی جاتی

ہے۔اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں یہ تفریق فرمائی ہے۔فرماتا ہے: وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ (177:2) اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے مال قریبیوں، یتیموں مسکینوں وغیرہ کو دیتا ہے اور نماز قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ یہاں مال کا خدا کی محبت کے لئے دینا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا دو الگ الگ باتیں بیان ہوئی ہیں۔اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے سوائے بھی حق ہے۔

زکوٰۃ حقیقتاً با جماعت ہی ادا ہوسکتی ہے۔خود آنحضرت صلعم نے اس کے لئے عامل مقرر کئے۔ ہر ایک کے مال کی تشخیص کرائی کہ کسی کے پاس کس قدر مال ہے۔اور اس میں سے زکوٰۃ کا حصہ آپ کے تحصیلداروں نے وصول کیا۔ اور اس کو بیت المال میں لا کر جمع کیا۔ اور وہاں سے اسلامی ضروریات پر صرف ہوا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں، جب بعض قوموں نے جو کلمہ پڑھتی تھیں، نماز بھی پڑھتی تھیں اور ان کی مسجدوں میں با جماعت نماز ہوتی تھی، بیت المال میں زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا، حالانکہ وہ زکوٰۃ کے منکر نہ تھے، صرف یہ سمجھتے تھے کہ ہم اپنی زکوٰۃ خود خرچ کریں گے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کی۔ پس زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی جب تک وہ بیت المال میں جمع نہ ہو۔ جس طرح اقامت صلوٰۃ بغیر مسجد اور جماعت اور اذان کے نہیں، اسی طرح زکوٰۃ بغیر بیت المال کے اور ایک جگہ جمع ہونے کے اور وصولی کرنے والوں کے اور بیعت المال کے ذریعہ خرچ ہونے کے نہیں۔ اپنے طور پر جو شخص زکوٰۃ کسی غریب مسکین کی مدد پر خرچ کرلیتا ہے، وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، خیرات کرتا ہے۔ ہاں ایک تہائی زکوٰۃ کے اپنے طور پر خرچ کرنے کی اجازت آنحضرت صلعم نے دی ہے۔

ہماری جماعت خدا کے فضل سے نہ صرف ایک نظام کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ بلکہ زکوٰۃ کے مصارف کا بھی بہترین مصرف اس کے سامنے ہے۔ اور جو آٹھ مصرف قرآن کریم نے زکوٰۃ کے بیان فرمائے ہیں، وہ سب کے سب انجمن کے مقاصد میں شامل ہیں۔ پھر خود حضرت مسیح موعود نے زکوٰۃ کے ایک جگہ جمع کرنے کے اور مرکز میں بھیجنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اور یہ جماعت آپ کی سچی جانشین ہونے کی وجہ سے اس بات کی ذمہ دار ہے کہ اس کی زکوٰۃ ایک جگہ جمع ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے تعمیری کاموں پر خرچ ہو۔

اسی لئے پہلی بات جس کی طرف میں اپنے احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں ۔ وہ یہ ہے کہ تبلیغ اسلام کے ساتھ ہم نے ایک اسلامی جماعت کی صحیح تصویر بھی پیش کرتی ہے ۔ اگر ہم صرف اصول کی تعلیم دیں ۔ لیکن کوئی جماعت اس اصول پر عمل پیرانہ دکھائیں تو اسلام پھیل نہیں سکتا ۔ کیونکہ جس چیز کا عملی نمونہ کوئی نہیں وہ محض لفظوں سے قائم نہیں رہ سکتی ۔ اس لئے ہماری جماعت کا فرض ہے کہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے دوستونوں کو سب سے پہلے قائم کریں ۔ جو جماعت ان دو اصولوں پر قائم نہیں وہ اسلامی جماعت کا صحیح نمونہ نہیں ۔ ہم کو چاہئیے کہ جہاں کسی گھر میں یا محلّہ میں دو بھی ہوں تو نماز جمع ہو کر پڑھیں ۔ اور اپنے مالوں میں سے زکوٰۃ یعنی جمع شدہ مال کا، جس پر ایک سال گزر گیا ہو، چالیسواں حصہ اپنے قومی بیت المال میں ادا کریں ۔ ہاں اگر اپنے بعض غریب رشتہ داروں کو دینا چاہیں تو ایک تہائی تک اپنے طور پر دے دیں ۔ لیکن باقی ضرور ہے کہ بیت المال میں جمع ہو ۔ اور وہاں سے خرچ ہو ۔ تبلیغ اسلام کی کوشش کبھی کوئی عظیم الشان نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ اسلامی جماعت کا نمونہ ساتھ نہ ہو ۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود نے جماعت بنانے پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلنے والی جماعت بنانے پر اس قدر زور دیا ہے ۔

دوسری بات جس کی طرف میں توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں یہ ہے کہ اس فریضہ کا احیاء ایک سخت جد و جہد کو چاہتا ہے ۔ اور کسی ادھوری کوشش سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا ۔ اگر میں یہ سمجھ لوں کہ میں نے ایک ٹریکٹ لکھ دیا وہ کافی ہے یا انجمن کے کارکن یہ سمجھ لیں کہ انہوں نے ایک ایک کاپی اس ٹریکٹ کی بھیج کر حق ادا کر دیا اور مبلغ یہ سمجھ لیں کہ دفتر سے ایک رسالہ آ گیا ہے جس نے زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی وہ کر دے گا تو ہم سب دھوکے میں ہیں ۔

1 ۔ سب سے پہلے تو ہر احمدی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مال کو دیکھے، اپنی بیوی کے مال کو دیکھے، اپنے متعلقین کے مال کو، جو اس کے زیر اثر ہیں، دیکھے ۔ جب تک ہمارے اندر اسلامی روح نہ ہو ۔ اور اسلامی روح کیا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینا، ہم مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں ۔ اپنے اپنے مالوں کو دیکھو ۔ اپنے اپنے سیفوں اور صندوقوں کو دیکھو ۔ اپنے اپنے بنک کے حسابوں کو دیکھو ۔ خواتین اپنے اپنے زیورات کو دیکھیں ۔ خواہ وہ استعمال میں آتے ہیں یا دھراؤ میں ۔ اور سب کے سب خدا کے فرمانبردار بندے یعنی مسلم بنتے ہوئے خدا کے حکم کے سامنے سر جھکا دیں ۔ ان مالوں کا، ان

روپوں کا، ان زیورات کا چالیسواں حصہ نکال دیں۔ جس کے پاس پچاس روپے کا مال یا زیور ہے وہ سوا روپیہ نکال دے۔ جس کے پاس سو روپے کا مال یا زیور ہے وہ اڑھائی روپیہ نکال دے۔ جس کے پاس ہزار روپے کا مال یا زیور ہے وہ پچیس روپے نکال دے، جس کے پاس لاکھ روپے کا مال یا زیور ہے وہ اڑھائی ہزار روپے نکال دے۔ اور تمام حیلوں کو تمام عذرات کو یہ حصہ نکالتے وقت سامنے آئیں، شیطانی وسوسہ سمجھ کر باہر نکال دیں۔ ہاں جس طرح شیطان پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔ شیطانی وساوس پر بھی لعنت بھیجی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُ کُمُ الْفَقْرَ (2:268) یہ شیطان ہے جو تمہیں ڈراتا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال دے کر تم تنگدست ہو جاؤ گے۔ ہاں مالوں کا یہ حصہ نکال دینے سے مال بھی پاک ہو جائیں گے اور دل بھی پاک ہو جائیں گے۔ مال تمہارا معبود نہ ہو اور تم مال کے غلام نہ ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا معبود ہو اور تم اس کے بندے ہو۔ بالخصوص خواتین سے یہ اپیل ہے۔ کیونکہ ان میں سے بہت بڑا حصہ ایسا ہے جن کے پاس زیور ہوتا ہے۔

2۔ دوسرے نمبر پر ہر ایک احمدیہ جماعت کا فرض ہے کہ اپنے ممبروں میں سے فوراً ایک مختصر سا وفد بنائے جو جماعت کے ہر فرد کے گھر میں پہنچیں۔ جن پر صاحب نصاب ہونے کا گمان ہے۔ اور جماعت کے ہر مرد ممبر سے اور ہر خاتون سے یہ اپیل کریں کہ قبل اس کے خدا کا دیا ہوا مال ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کے نکلنے کے سامان روز بروز قوی ہو رہے ہیں، وہ خدا کے حکم کے سامنے سر جھکا دیں۔ اور تمام احمدی صاحب نصاب گھرانوں میں پھرنے کے بعد دوسرے صاحب نصاب مسلمانوں کے پاس بھی جائیں۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے اسی حکم کی طرف توجہ دلائیں اور ان سے اپیل کریں کہ خدا کے حکم سے انحراف کر کے ہم دنیوی رنگ میں بھی فلاح حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں وہ چاہیں تو ہمارے بیت المال میں اپنی زکوٰۃ ادا کریں اور چاہیں تو کسی اور قومی بیت المال میں ادا کریں۔ بشرطیکہ اس بیت المال میں ان سب مقاصد پر خرچ کرنے کا قابلِ اطمینان انتظام ہو جو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف بیان فرمائے ہیں۔

3۔ پھر ہر ایک مبلغ کو، جس کے سپرد کوئی علاقہ ہے، یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اپنے علاقہ کا ذمہ دار ہے۔ اور ایک دفعہ اپنے علاقہ میں صرف اس غرض کے لئے دورہ کرے کہ صاحبِ نصاب احباب کے گھروں میں پہنچ کر اُن سے زکوٰۃ وصول کرے۔ اور جہاں جہاں جماعتوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی

طرف توجہ نہیں کی، ان کو توجہ دلا کر ان کے وفد بھی بنائے۔ اور جہاں تک ممکن ہو صاحب ثروت اصحاب کے گھروں میں خود بھی پہنچے۔ اور علاوہ احمدی جماعتوں کے دوسرے مسلمان صاحب ثروت اصحاب کے پاس بھی جائے اور ان کو اسی طرح توجہ دلائے جس طرح اوپر مذکور ہے۔ اگر کوئی مبلغ اپنے آپ کو ایسے بلند مقام پر سمجھتا ہے کہ وہ زکوٰۃ مانگنے کو اپنی ہتک خیال کرتا ہے تو اسے یاد رکھنا چاہئیے کہ حضرت عمرؓ جیسے عظیم الشان شخصیت کے مالک کو بھی رسول کریم صلعم نے ایک دفعہ تحصیل زکوٰۃ پر مقرر کیا تھا۔ اور اس کا کچھ عوضہ بھی انہیں دیا تھا۔ خدا کے حکم کی تعمیل کرنے یا کرانے کو جو شخص ذلت سمجھتا ہے، وہ دھوکا خوردہ ہی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی تحقیر بھی کرتا ہے اور خود ان سے بڑا بننا چاہتا ہے۔

4۔ بالآخر انجمن کے معتمدین اور اس کے جملہ کارکنوں کا بالخصوص سکرٹری صاحب اور ان کے عملہ کا فرض ہے کہ ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کریں۔ افراد کو اپیل کریں، جماعتوں کو اپیل کریں، مبلغوں کو توجہ دلائیں، جہاں وہ خود پہنچ سکتے ہیں خود پہنچیں۔ اور ایک زندہ کام کرنے والی جماعت کا نمونہ دکھائیں۔ احکام بھی جاری کریں مگر کچھ کام بھی کریں اور نمونہ بھی دکھائیں۔ صرف کاغذی گھوڑے دوڑا کر مطمئن نہ ہو جائیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا اور نہ ہی اس حیلہ سے کام لیں کہ ہمارے ذمہ اور کام بہت ہے۔ اس وقت خدا کے فریضہ کے احیاء کے کام کو سب کاموں پر مقدم کر لیں۔

ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے رجب کے ساتھ شعبان اور رمضان کے ماہ بھی ملا لیں۔ بہت لوگ رمضان میں بھی اپنی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ جن جن اصحاب سے زکوٰۃ وصول ہوتی ہے ان کی ایک الگ فہرست ہر ماہ کے آخر پر مجھے بھجواتے رہیں۔ لیکن آخری فہرست 20 رمضان کو تیار ہو کر میرے پاس پہنچ جائے۔ اس کام میں جن جن مبلغین، جماعتوں کے عہدیداروں، معتمدین یا دیگر افراد نے جتنی جتنی مدد کی ہے، اس کے متعلق بھی ایک رپورٹ تیار کی جائے کہ مجھے یہ علم ہو سکے کہ کون کون سے احباب ہیں جو اس جہاد میں حصہ لیتے ہیں۔ خاکسار محمد علی۔ دارالسلام۔ ڈلہوزی۔ 27 جولائی 1942ء

20 اگست 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

انجمن کا قرضہ

1928ء یا 1929ء سے ہماری انجمن مقروض ہونا شروع ہوئی اور مختلف وجوہات سے، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، ایک وقت یہ قرضہ اندرونی اور بیرونی رقوم کو ملا کر ایک لاکھ سے بھی اوپر پہنچ گیا۔ اندرونی رقوم قرضہ سے مراد وہ رقوم ہیں جو ایک صیغہ سے دوسرے صیغہ نے قرض لیں اور بیرونی رقوم قرضہ سے مراد وہ رقوم ہیں جو انجمن نے باہر سے قرض لیں۔ اس وقت منتظمین کو بڑی فکر ہوئی۔ اخراجات میں تخفیف اور آمدنی میں اضافہ کے ہر پہلو پر غور کیا گیا۔ یہاں تک کہ وقتاً فوقتاً جرمن مشن کو یا کسی سکول کو یا کسی اخبار کو بند کرنے کی تجاویز پر بھی بحث ہوتی رہی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ مقاصد انجمن میں سے کسی اہم مقصد کو نقصان پہنچائے بغیر یہ قرضہ سال گذشتہ کے آخر پر پچپن ہزار کے قریب رہ گیا جس میں اندرونی اور بیرونی رقوم قریب نصف نصف تھیں۔

یہ بھی ایک غریب جماعت پر بڑا بوجھ تھا۔ اور چونکہ آئندہ اس جنگ کے اختتام پر تحریک تبلیغ اسلام کو اور بھی زیادہ قوت دینے کی ضرورت تھی اس لئے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالا کہ میں جماعت سے ہی اپیل کروں کہ وہ اس قرضہ کے بوجھ کو انجمن سے اتار دے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس گرانی اور مشکلات کے زمانہ میں جبکہ جنگ کی وجہ سے لوگوں کو اپنے گزارے چلانے بھی مشکل ہیں، جماعت نے میری آواز پر اس خوش دلی سے لبیک کہا کہ بیرونی قرضہ کا بوجھ ایک ہی قدم سے بہت ہلکا ہو گیا اور اس کے بکلی اترنے میں صرف چند احباب کی توجہ بکار ہے۔ جنہوں نے اب تک اس تحریک میں حصہ نہیں لیا۔

ایک ماہ کا عرصہ ہوا دفتر نے مجھے ایسے احباب کی ایک فہرست بھیجی جس میں اگر اس گروہ کثیر کے نام تھے جنہوں نے اس رقم کو جو میں نے ان کے نام ڈالی تھی پورا پورا ادا کر دیا۔ بلکہ بعض نے اس سے بھی بڑھ کر دیا۔ جیسے چوہدری نظام الدین صاحب اوکاڑہ، چوہدری سلطان علی صاحب بدوملہی، میاں نصیر احمد صاحب فاروقی۔ تو کچھ نام ایسے بھی تھے جنہوں نے اس نیک تحریک میں اعانت کی طرف

ابھی تک توجہ نہیں کی۔ حالانکہ میں ان کو اپنے اخلاص میں ان دوسرے احباب سے کسی طرح کم نہیں سمجھتا تھا اور اب بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ میرا ارادہ ان سب احباب کو علیحدہ علیحدہ خط لکھنے کا تھا لیکن بہت دعا کے بعد میں نے ان احباب میں سے دو احباب کو منتخب کیا۔ جن میں سے ایک کے ذمے ایک ہزار کی رقم ڈالی گئی تھی اور ایک کے پانچ سو کی۔ ان میں سے اول الذکر شیخ نیاز احمد صاحب تھے۔ جنہوں نے فوراً اپنی یہ رقم بلکہ اس کے ساتھ کچھ مزید صدقہ کی رقم ملا کر ایک ہزار کی بجائے گیارہ سو روپے صدقہ ادا کیا اور اس کے علاوہ تین سو روپے زکوٰۃ کا بھی دیا جَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَآءَ ۔ دوسرے دوست کی طرف سے ابھی تک جواب نہیں ملا۔ میں نے یہ مناسب سمجھا کہ علیحدہ علیحدہ خطوط لکھنے سے قبل پھر ایک دفعہ ایسے سب احباب سے بذریعہ اخبار ہی اپیل کروں۔ شائد بہت سے دوست ایسے نکل آئیں کہ مجھے علیحدہ علیحدہ خطوط لکھنے کی زحمت سے اور انجمن کو اس کے اخراجات سے بچا لیں۔ جو دوست جماعت کے اندر شامل ہیں وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ اور یہ کام ان سے عظیم الشان قربانیاں چاہتا ہے۔ انہوں نے ایسی قربانیاں کی ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے میں یہی توقع رکھتا ہوں کہ وہ سب کے سب اس تحریک میں بھی حصہ لیں جو تبلیغ اسلام کے کام کو زیادہ مستحکم کرنے کے لئے کی گئی ہے۔ اگر تو ان میں سے کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے آج تک اس کام کے لئے کوئی قربانی نہیں کی اپنا مال خرچ نہیں کیا اپنی طاقت خرچ نہیں کی تو وہ میرا مخاطب نہیں۔ کیونکہ نہ یہ انجمن اس کی ہے اور نہ وہ اس انجمن کا ممبر ہے۔ لیکن اگر وہ اس کے لئے خرچ کرتا رہا ہے اور کرتا رہتا ہے تو پھر اس کا فرض ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ قدم اٹھائے اور جو کام اس کے دوسرے بھائیوں نے کیا ہے وہ بھی کرے۔

جماعت اسی صورت میں جماعت کہلانے کی مستحق ہے جب اس کا قدم اکٹھا اٹھے۔ اگر قدم اکٹھا نہیں اٹھتا تو وہ جماعت نہیں۔ میدان جنگ میں وہی فوج کامیاب ہوسکتی ہے جو سب ایک حکم کے ماتحت ایک طرح پر قدم اٹھاتی ہے۔ اگر ایک سو کی فوج میں دس بھی ایسے سپاہی ہیں جو حکم ملنے پر کھڑے رہتے ہیں اور قدم آگے نہیں بڑھاتے یا پیچھے بھاگتے ہیں تو وہ ساری فوج کو ناکام رکھنے کا موجب ہوں گے۔ لیکن اگر سو کا سو آیک آہنی دیوار کی طرح اکٹھا قدم اٹھاتا ہے تو اس فوج کو کوئی مغلوب نہیں کرسکتا۔

اس لئے جو دوست ابھی سوچ رہے ہیں کہ قدم اٹھائیں یا نہ اٹھائیں وہ ساری جماعت کی کمزوری کا موجب ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ انہوں نے سینکڑوں موقعوں پر خرچ کیا ہے اگر اب نہ کریں گے تو اس میں ہرج کیا ہے۔ وہ یاد رکھیں کہ جس جماعت کو انہوں نے سینکڑوں موقعوں پر خرچ کر کے اس قوت اور استحکام کی حالت تک پہنچایا ہے اب اس کو چھوڑ کر وہ اس کو کمزور کرنے کا موجب ہو رہے ہیں گویا اپنے کئے کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں۔ میری درخواست اپنے دوستوں سے انہی الفاظ میں ہے جو ہمارے ایک عظیم المرتبت پیشوا نے کہے تھے اِنْ زِغْتُ فَقَوِّ مُوْنِیْ وَاِنْ اَحْسَنْتُ فَاَعِیْنُوْنِیْ. اگر میں ٹیڑھا چلنے لگوں تو مجھے سیدھا کرو، برا کام کرنے کو کہوں تو میرے مقابلہ پر کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ مجھے سیدھا کردو اور اگر اچھا کام کرنے کو کہوں تو میری مدد کرو۔ اگر آپ کی انجمن ہاں آپ کی بنائی ہوئی عمارت کو میری اس تحریک سے کہ قرضہ کا بوجھ اس سے اُتر جائے فائدہ پہنچتا ہے تو سب کا ہاتھ میری پیٹھ پر ہونا چاہیئے۔ اگر یہ اس عمارت کے نقصان کا موجب ہے تو میرے مونہہ پر اسے مارو۔ اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس نقصان سے بچاؤ جس سے خود بچنا چاہتے ہو۔

میں اپنے دوستوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ خدائی ارادہ تھا جس نے میری رہنمائی فرمائی کہ میں نے اس تحریک کو جماعت کے سامنے رکھا۔ یہ اس انجمن میں ایک نئی قوت پیدا کرنے کا موجب ہوئی اور ہوگی، تا کہ جنگ کے بعد جو حالات پیدا ہونے والے ہیں ان میں ہم پیغام اسلام کو اور زیادہ قوت کے ساتھ دنیا کے کناروں تک پہنچائیں۔ ایک طرف اگر اس تحریک نے بیرونی قرضوں کے بہت بڑے حصہ سے انجمن کو آزاد کر دیا اور جو تھوڑا حصہ رہ گیا ہے وہ ان احباب کے قدم اٹھانے سے دور ہو سکتا ہے جو ابھی کھڑے سوچ رہے ہیں کہ قدم اٹھائیں یا نہ اٹھائیں، تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے وہ سامان پیدا کر دیا کہ جو زمین انجمن نے کسی وقت پندرہ روپے کنال پر خریدی تھی اس کا ایک حصہ پانچ سو روپے کنال پر بِک کر انجمن کو اندرونی قرضوں کے بڑے حصہ سے بھی نجات مل گئی ہے تو یہ صاف خدائی ارادہ نظر آتا ہے کہ وہ اس انجمن کے پاؤں کو مضبوط کر دے تا کہ خدمت اسلام کے اس کام کو جو اس چھوٹی سی جماعت کے سوائے کسی کے مدنظر نہیں، یعنی قرآن کو دنیا میں پہنچانا، قوت پہنچے۔ اے میرے دوستو! جنہوں نے اس انجمن کو بنایا اس کو اس قدر استحکام کی حالت کو پہنچایا اس کے لئے اپنی قوت اور اپنے

مالوں کو خرچ کیا۔ اس وقت آپ اس کی کمزوری کا موجب نہ بنیں۔ میرے یہ وہم میں بھی نہیں آ سکتا کہ آپ ایسا کر سکتے ہیں۔ مگر آپ کی خاموشی کا مفہوم اس کے سوائے کچھ نہیں لیا جائے گا۔ آپ کی نیتوں کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ جو رقم میں نے لکھی ہے ضرور پورا کر دو۔ چاہے آپ میں توفیق ہو یا نہ ہو میں نے ظاہر حالات کو دیکھ ایک تحریک کی۔ پوشیدہ حالات کو جاننے والی خدا کی ذات ہے۔ ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اس سے بھی بڑھ کر دیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں۔ جو ہمارے مرشد نے ہمیں اس سیدھی راہ پر ڈالنے والے نے کہا۔ "لطف کن مارا نظر براندک و بسیار نیست" میں نے ایک شخص کو ایک ہزار دینے کے لئے کہا ہے تو کیا اگر اس میں ایک ہزار کی طاقت نہیں تو وہ سوچ لے کہ کیا اس میں پانچ سو کی بھی طاقت نہیں۔ دوسرے کو میں نے پانچ سو کے لئے کہا تو وہ سوچ لے کہ کیا اس میں اڑھائی سو کی بھی طاقت نہیں۔ تیسرے کو میں نے اڑھائی سو کے لئے کہا تو وہ سوچ لے کیا اس میں سوا سو کی طاقت بھی نہیں۔ چوتھے کو میں نے سوا سو کے لئے کہا تو وہ سوچ لے کہ کیا اس میں پچاس کی بھی طاقت نہیں۔ پانچویں کو میں نے پچاس کے لئے کہا تو وہ سوچ لے کہ اس میں پچیس کی طاقت بھی نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے ہزار ہزار کا مطالبہ بھی کیا ہے، پانچ پانچ سو کا بھی کیا ہے، اڑھائی اڑھائی سو کا بھی کیا ہے۔ سوا سوا سو کا بھی کیا ہے، پچاس پچاس کا بھی کیا ہے۔ اگر میرا ایک دوست اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ مجھ میں صرف ایک روپیہ دینے کی گنجائش ہے تو میں اپنا سر اس کے سامنے جھکا دوں گا۔ ہاں اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے کہ وہ سچ کہتا ہے یا نہیں۔ لیکن جو خود اندر نہیں آنا چاہتا میں اسے کس طرح اندر لاؤں! ہاں اس کے لئے میرے دل میں اتنا ہی غم ہے جتنا اس کے لئے جو خود عمارت بنا کر اسے گرانا شروع کر دیتا ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (92:16)

اے دوستو! آپ کی انجمن کا قرضہ ایسی چیز ہے کہ آپ کے دلوں میں یہ احساس ہونا چاہیئے تھا کہ یہ ہم میں سے ہر ایک پر قرضہ ہے۔ اور یہ کتنی بڑی بات تھی کہ اگر پچیس ہزار کے بیرونی قرضے کے لئے آپ لوگوں نے تھوڑا تھوڑا حصہ لے کر بہت سا بوجھ اتار دیا تو دوسرا نصف خدا کے فضل سے قریباً

قریباً خود بخود اُتر گیا۔ اتنی چھوٹی سی جماعت سے پچاس پچپن ہزار کا قرضہ بغیر کام کو نقصان پہنچانے کے ایک ہی سال کے اندر اندر اُتر جانا نصرت الٰہی کا ایک زبردست کرشمہ ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کس طرح اس قوم کی تائید میں کام کر رہا ہے جو خدا کے دین کو دنیا میں پھیلانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ بڑی بڑی جماعتیں بعض وقت ایسے بوجھوں کے نیچے دب کر عاجز آ جاتی ہیں۔ آیئے ہم اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کے، کہ اس نے ہماری چھوٹی سی جماعت کو کس طرح محض اپنے فضل سے اس بوجھ سے آزاد کر دیا، شکرانہ کے طور پر، ہاں آنے والی بلاؤں سے بچنے کے لئے صدقہ کے طور پر، اپنی جماعت کو قوت دینے کے لئے اپنا اپنا حصہ عاجزی سے اپنے مولیٰ کے سامنے پیش کرتے ہوئے اسے انجمن کے خزانہ میں داخل کر دیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنی نعمتوں کو اور زیادہ کر دے اور ہمیں اپنی راہ میں بڑے بڑے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آنے والی مصائب میں ہمارا محافظ ہو۔

میں تو ایک ناچیز انسان ہوں۔ آپ میں سے بہت سے اخلاص میں، قربانیوں میں، علم میں مجھ سے بڑھ کر ہوں گے۔ لیکن ایک بوجھ آپ نے مجھ پر ڈالا ہوا ہے۔ اور وہ اس جماعت کو، جو خدا کے دین کی نصرت کے لئے کھڑی ہوئی ہے، آگے لے جانا ہے۔ یہ بہت بڑا بوجھ ہے۔ میں اگر اسے اٹھا سکتا ہوں تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے، اس کے کرم سے، اس کے لطف سے، اس کی غریب نوازی سے اٹھا سکتا ہوں۔ ہاں اور آپ کی امداد سے اُٹھا سکتا ہوں۔ اگر آپ اس میں میری مدد کرنا نہیں چاہتے تو اس سے بہتر ہے کہ اس بوجھ سے مجھے آزاد کر دیں۔ مگر یہ سلوک میرے ساتھ نہ کریں کہ آپ نے خود مجھے آگے کیا اور اب آپ خود ہی مجھے پیچھے ہٹائیں۔ کیونکہ اگر آپ عملاً میرے ساتھ قدم نہیں اٹھاتے تو آپ مجھے پیچھے ہٹاتے ہیں۔ میں آپ سب کو ساتھ لے کر آگے چل سکتا ہوں اور اگر آپ آگے نہیں چلتے تو مجھے بھی پیچھے ہٹنا پڑے گا۔ مگر میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ آپ کا قدم یا میرا قدم پیچھے ہٹے۔ اس لئے پھر کہتا ہوں کہ یا آپ میرے ساتھ چلیں اور یا مجھے آگے چلانے کے بوجھ سے آزاد کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہی آپ کے دل میں وہ بات ڈالے جو اسلام کی قوت اور شوکت اور اس کمزور جماعت کے استحکام کا موجب ہے۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

3 ستمبر 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب کے نام کھلی چٹھی!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

مکرم معظم میاں صاحب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج میں پھر کوشش کرتا ہوں کہ اس کھلی چٹھی کے ذریعہ سے آپ کی توجہ ایک اہم امر کی طرف پھیروں۔ آپ بھی اس بات کے قائل ہیں اور ہم بھی کہ خروج دجال و یاجوج ماجوج ہو چکا۔ اور وہ وقت آ گیا جو کسر صلیب اور غلبہ اسلام کے لئے مقدر تھا۔ اس پر بھی ہم دونوں کا اتفاق ہے کہ جس مردِ خدا کے ذریعہ سے یہ غلبہ مقدر تھا، جس کے ظہور کے ساتھ آفتاب اسلام مغرب سے طلوع ہونا تھا، وہ آ چکا۔ اس پر بھی ہم دونوں کا اتفاق ہے کہ یہ غلبہ تلوار سے نہیں، جنگ و جدال سے نہیں، بلکہ صداقت اسلام کے نشانات سے، قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے سے، اسلام کی صحیح تعلیم کو پیش کرنے سے اور جو غلط خیالات دلوں میں اسلام کے متعلق بیٹھے ہوئے ہیں، ان کو دور کرنے سے ہوگا۔ اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ اس جنگ کے بعد (جس طرح بھی اس کا خاتمہ ہو، دونوں متحارب فریق کے تھک جانے یا ایک کے غالب آ جانے سے) اشاعت قرآن اور تبلیغ اسلام کا ایک زرّین موقعہ ہمارے سامنے ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر آج سے ہم اس کے لئے تیاری نہ کریں، تو ہماری تنگ نظری پر آنے والی نسلیں ماتم کریں گے۔ آج وہ قومیں بھی، جو جنگ میں اپنی پوری قوت خرچ کر رہی ہیں، ساتھ ساتھ اس فکر میں بھی ہیں کہ اس جنگ کے بعد انہیں کیا کرنا ہے؟ مگر ہمارے سامنے تو کام ہی ایک ہے۔ اس لئے ہمیں اس وقت ساری توجہ اس بات پر صرف کرنی چاہئے کہ اپنی تمام قوت کو اس لٹریچر کے تیار کرنے میں لگا دیں، جس سے اسلام کا دلکش چہرہ ظاہر ہو کر لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لے۔ ایسے مبلغوں کے تیار کرنے میں لگا دیں، جو یورپ کے الحاد و دہریت اور مادہ پرستی کا مقابلہ کر سکیں۔ اور اس کے سر کو اسلام کی روحانیت کے سامنے جھکا سکیں۔ ایسا سامان جمع کرنے میں لگا دیں جو کل کو ہمارے کام آ سکے۔ اس سے بھی کوئی سمجھدار آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ مغرب میں تبلیغ اسلام ایک اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے لئے چاہئے تو یہ تھا کہ سب اہل

اسلام مل کر اس کام کو کرتے اور یہی آرزو بانی سلسلہ احمدیہ کی تھی، لیکن بدقسمتی سے عام مسلمانوں کے اندر سے یہ جذبہ قریباً قریباً مفقود ہو چکا ہے۔ اس لئے اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہماری دونوں جماعتوں کی طاقت ساری کی ساری اس کام پر خرچ ہو۔ اس کے لئے مبلغ تیار ہوں۔ اس کے لئے لٹریچر تیار ہو۔ اس کے لئے سامان جمع ہوتا۔ کہ اس جنگ کے ختم ہوتے ہی ہم پوری قوت سے دنیا کی توجہ کو اس طرف پھیر سکیں کہ مادی تہذیب دنیا کو آگ کے گڑھے کے اندر دھکیلتی چلی جا رہی ہے۔ اور وہ نظام جو اب دنیا کو اس آگ سے بچا سکتا ہے، اسلام کا آسمانی نظام ہے!

مجھے اس بات سے انکار نہیں کہ آپ کے ساتھ جماعت احمدیہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اور تعداد کے لحاظ سے ہماری جماعت کو آپ کی جماعت سے کوئی نسبت نہیں۔ اور آپ کو اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ تبلیغ و اشاعت اسلام کے کام کے لحاظ سے ہماری جماعت آپ کی جماعت سے بہت آگے نکل گئی ہے۔ یہ دونوں واقعات ہیں۔ جن سے آنکھیں بند کرنا کسی عقلمند کا کام نہیں۔ ہماری جماعت نے تین یورپین زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کر کے پچاس ہزار کے قریب قریب انہیں دنیا میں پہنچا بھی دیا ہے۔ اور آپ ابھی پہلے ترجمہ کو چھپوانے کی فکر میں ہیں۔ جس کی ابتداء 1914ء میں ہوئی تھی۔ یعنی آج سے اٹھائیس سال پیشتر۔ اس ایک واقعہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہی کیا یہ صاف نظر نہیں آتا کہ آپ نے اتنی بڑی جماعت کو ساتھ لے کر، جہاں تک اشاعت اسلام کا سوال تھا، صدی کا چوتھا حصہ کھو دیا۔ سیرت نبویؐ کے تراجم ہماری طرف سے چھ یورپین زبانوں میں اور گیارہ ایشیائی زبانوں میں ہو چکے۔ آپ کے لئے ابھی روز اول ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ کی جماعت کی توجہ تبلیغ اسلام کی نسبت دوسرے کاموں کی طرف زیادہ رہی ہے۔ ورنہ جس عرصہ میں ہماری چھوٹی سی جماعت نے تین زبانوں میں قرآن شریف کے ترجمے کر دیئے، آپ کی کثیر جماعت کی توجہ بھی اگر اتنی ہی ہوتی، تو آج تک ساٹھ ستر زبانوں میں تراجم ہو گئے ہوتے!

آپ بیشک تنہائی میں سوچ لیں۔ آپ کی توجہ اس مقصد عظیم کی طرف نہیں رہی۔ ورنہ آج آپ کا کام ہم سے کم سے کم بیس گُنا تو ہونا چاہیئے تھا۔ یہی بات ہے جس کی طرف میں آپ کو اس وقت توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جس رستے پر آپ کی جماعت پڑی ہوئی ہے، اس میں آپ کی بہت سی طاقت تبلیغ

اسلام کے کام پر نہیں، دوسرے کاموں پر خرچ ہو رہی ہے۔ اور شائد ان میں سے بہت سے ایسے ہیں، جن کے ساتھ تبلیغ اسلام کو دور کا واسطہ بھی نہیں۔ اس لئے میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ ابھی وقت ہے آپ کوشش کر کے جماعت کی توجہ کو اس مقصد عظیم کی طرف پھیریں۔ ورنہ آہستہ آہستہ یہ جماعت اس مقصد کو بالکل بھول جائے گی۔ اور اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ کیونکہ یہ جماعت، جدھر آپ اس کا رُخ پھیریں، پھرنے کو تیار ہے۔

آپ بُرا نہ مانیں۔ آپ نے جماعت کو نبوت کی بھول بھلیوں میں ڈال کر ان کی علمی قوتوں کو ناکارہ کر دیا ہے۔ وہ دن رات نبوت کے متعلق حوالوں کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ قادیان سے کوئی بلند پایہ علمی تصانیف نکلنے کی بجائے، جن سے دنیا میں اسلام کا نام روشن ہو (یا احمدیت کا ہی ہو) وہ رسالے اور مضامین نکلتے رہتے ہیں، جو ایک صاحب علم کے نزدیک مضحکہ خیز ہیں۔ ہمارا اور آپ کا اختلاف دو باتوں میں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اس وقت سارے کلمہ گو، سوائے ان کے جو مسیح موعود کی نبوت پر ایمان لائیں، دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور آج کوئی کافر، جسے مسیح موعود کے نام کی بھی خبر نہیں، کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرتا ہے، دائرہ اسلام میں داخل ہے۔ مسلمان ہو جاتا ہے۔ چاہے اس میں کتنی کمزوریاں ہوں۔ چاہے وہ بعض صحابہؓ کا انکار کرے۔ بعض آئمہ کا انکار کرے۔ بعض مجددین کا انکار کرے۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے وحی نبوت پانے کا، اصطلاح شریعت کی رو سے نبی ہونے کا، حقیقی طور پر نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ نے لفظ نبی اور نبوت اپنے لئے بیشک استعمال فرمایا، مگر اپنے لغوی معنے کے لحاظ سے، خدا سے ہمکلام ہونے والے کے معنی میں، خدا سے غیب کی خبر پا کر پیشگوئی کرنے والے کے معنی میں، محدث کے معنی میں، حقیقی طور پر نہیں بلکہ مجازی رنگ میں، اور بروز اور ظل کے طور پر اس لفظ کو استعمال فرمایا۔ مجھے یہ شکایت ہے کہ آپ ان دونوں میں سے کسی مبحث کو صاف ہو کر دونوں جماعتوں کے سامنے نہیں آنے دیتے۔ آپ یہ کہہ دیں کہ میں نے ان میں سے کوئی عقیدہ آپ کی طرف منسوب کرنے میں غلطی کی

ہے۔ میں اسے واپس لے لوں گا۔ اور اس حد تک اختلاف صاف ہو جائے گا۔ مگر آپ نے آج تک ایسا بھی نہیں کیا۔ میں نے بار بار آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ دونوں جماعتوں کے ایک جلسہ میں انہی جماعتوں کے چند منتخب افراد کو ثالث ٹھہرا کر میرے ساتھ بحث کر لیں۔ اس طرح کہ میں آپ کی جماعت کے چند افراد منتخب کر لوں۔ آپ میری جماعت کے اسی قدر افراد منتخب کر لیں۔ مگر آپ اس سے بھی انکار کرتے ہیں۔

کبھی آپ اسے یوں ٹالتے ہیں کہ کوئی ثالث کسی مذہبی عقیدہ کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ حالانکہ میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ ثالث عقیدہ کا فیصلہ کر دیں۔ اور آپ یا میں اس عقیدہ کو مان لینے کے لئے مجبور ہوں گے۔ میں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ وہ ثالث یہ فیصلہ دیں کہ ہم میں سے کس فریق کا عقیدہ قرآن و حدیث کے مطابق یا حضرت مسیح موعود کی تحریرات کے مطابق ہے۔ وہ صرف ایک اظہار رائے ہوگا، جس سے دونوں جماعتوں کے علاوہ عام مسلمان پبلک کو بھی پتہ لگ جائے گا کہ کون فریق حق پر ہے۔ لیکن کوئی فریق مجبور نہ ہوگا کہ اپنا عقیدہ اس کے مطابق کرے۔ کبھی آپ اسے یوں ٹالتے ہیں کہ میں آپ کی جماعت میں سے منافقوں کا انتخاب کر لوں گا۔ حالانکہ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ میں جن آدمیوں کا انتخاب کروں، آپ اگر یہ کہہ دیں کہ ان میں سے فلاں فلاں منافق ہیں، تو میں ان کی بجائے دوسرے آدمی منتخب کر لوں گا۔ اور اس طرح ہوتا رہے گا، جب تک کہ آپ یہ نہ کہہ دیں کہ میرے منتخب کردہ آدمیوں میں سے کوئی منافق نہیں! تو کونسی بات ہے جو آپ کو روکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ کے دلائل اس قدر کمزور ہیں کہ آپ کی اپنی جماعت کے آدمی بھی بطور ثالث حلف اُٹھا کر انہیں صحیح قرار نہیں دے سکتے! حالانکہ آپ ان کے پیر ہیں اور وہ آپ کے مرید۔ اور میرا تعلق اپنی جماعت سے پیری مریدی کا نہیں۔ آپ اپنے مریدوں سے ڈرتے ہیں، مگر میں اپنے بھائیوں سے نہیں ڈرتا! یہ فرق کیوں ہے؟ اس لئے کہ میں اپنے قدم کو مضبوط سمجھتا ہوں اور آپ اپنے آپ کو کمزور جانتے ہیں! پھر میں نے یہ بھی کہا کہ آپ ہمارے سالانہ جلسہ پر اپنے عقائد کی صحت پر دلائل پیش کریں۔ اور مجھے جرح کا حق دیں۔، اور میں آپ کے سالانہ جلسہ پر اپنے عقائد کی صحت کے دلائل پیش کروں اور آپ کو جرح کا حق ہوگا۔ مگر آپ نے اسے بھی نہ

مانا! اور یہ عذر پیش کیا کہ آپ کی جماعت کے لوگ سالانہ جلسہ پر آپ کے مواعظ اور نصائح کو سننے آتے ہیں۔ وہ میری بات کو کیوں سنیں گے؟ حالانکہ آپ کے اخباروں اور رسالوں کا بہت بڑا حصہ انہیں باتوں پر صرف ہوتا ہے، جو میں صاف کرنا چاہتا ہوں۔ مگر آپ کو یہ گوارا ہے کہ آپ کی جماعت کی ساری طاقت نبوت کے حوالوں کی تلاش پر ضائع ہو مگر یہ گوارا نہیں کہ وہ میرے مونہہ سے بھی ان کے متعلق کچھ سن لیں! بالآخر میں نے یہاں تک بھی کہا کہ آپ اپنے سالانہ جلسہ کو اپنے مواعظ کے لئے مخصوص کر لیں۔ اور مجھے وہاں بولنے کی اجازت نہ دیں۔ مگر آپ ہمارے سالانہ جلسہ پر آ کر اپنے عقائد کی صحت کے دلائل سنا دیں، تو آپ کا وہ روپیہ اور وقت، جو آپ کے مبلغین ان باتوں پر ضائع کر رہے ہیں، بچ رہے گا۔ اور آپ اسے تبلیغ اسلام کے کام میں لگا سکیں گے۔ مگر آپ نے اس کو بھی نہ مانا۔ اور جواب میں لکھ دیا یا لکھوا دیا کہ اس سے تمہارے سالانہ جلسہ کی رونق بڑھ جائے گی۔ یعنی آپ کے کچھ مرید بھی وہاں آ جائیں گے۔ یہ ایک ایسا پست خیال ہے کہ ایک مذہبی پیشوا کے دل میں یہ نہ آنا چاہئے تھا۔ مگر آپ جس بات سے گھبراتے ہیں، وہ صرف اس قدر ہے کہ آپ کو سوال کو صاف کر کے اس کا جواب دینا پڑے گا، اور وہ جواب آپ کے پاس نہیں!

پھر میں نے یہ بھی کہا کہ جو اعتراضات آپ کے عقائد پر وارد ہوتے ہیں، ان کو چند سوالوں کی صورت میں میں لکھ دوں۔ اور جو اعتراضات میرے عقائد پر وارد ہوتے ہیں، ان کو اسی قدر سوالوں کی صورت میں آپ لکھ دیں۔ اور پہلے یہ دونوں سوالات دونوں اخبارات میں شائع ہو جائیں۔ پھر میرے ایک ایک سوال کا جواب آپ کے اخبار میں۔ اور آپ کے ایک ایک سوال کا جواب اسی قدر تعداد الفاظ میں ہمارے اخبار میں شائع ہوتا رہے۔ اس سے بھی ہمارا اختلاف دونوں جماعتوں کے سامنے صاف طور پر آ ئے گا۔ مگر آپ نے ان صاف اور سیدھے طریقوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی بجائے، جس سے ہر دو مسائل صاف ہو جاتے، یہ بہتر سمجھا کہ پہلے اخبارات پر اضافہ کر کے ایک اور رسالہ نکال دیا۔ اور کچھ اور مبلغین کو جو بہتر کام کر سکتے تھے، ایک نکمی بحث پر لگا دیا۔ تا کہ ان کے لئے بھی ایک شغل رہے۔ اور جماعت بھی یہ سمجھتی رہے کہ آپ کے پاس اپنے عقائد کے کوئی دلائل ہیں۔ کم سے کم ان کے دلوں کو یہ اطمینان تو ہو کہ ہمارے پاس بھی

کچھ جواب ہے!

☆ سیدھا طریق یہ تھا کہ آپ بھی مانتے ہیں کہ 1901ء تک حضرت مسیح موعود کا وہی مذہب تھا، جواب ہمارا یعنی جماعت لاہور کا مذہب ہے۔ تو ہمارے مطالبہ پر آپ اپنی جماعت میں سے ستر آدمی لاتے، جو حلف اُٹھا کر کہہ دیتے کہ 1901ء میں ہمیں یہ علم ہو گیا تھا کہ حضرت مسیح موعود نے آج اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا ہے۔ یا کم سے کم یہی کہ آپ نے آج سے لفظ نبی کا مفہوم تبدیل کر دیا ہے۔ مگر آپ یا آپ کے مبلغ اس سیدھے سوال کا جواب قیامت تک نہ دیں گے۔ حالانکہ ہم اس کے خلاف ستر آدمیوں کی حلفی شہادت چھبیس سال ہوئے پیش کر چکے ہیں۔

☆ سیدھا طریق یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود نے یہ تو صاف طور پر اقرار کیا ہے کہ میری وحی، وحی نبوت نہیں، وحی ولایت ہے۔ آپ کہیں یہ بھی دکھا دیں کہ آپ نے یہ لکھا ہو کہ یہ میری وحی، وحی نبوت ہے۔ صرف ایک حوالہ سے سارا جھگڑا طے ہو جاتا ہے۔ سیدھا طریق یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود نے یہ تو لکھا ہے کہ میں نے لفظ نبی اپنے لئے اصطلاح شریعت میں استعمال نہیں کیا، اصطلاح لغت میں استعمال کیا ہے۔ جس طرح پہلے بھی صوفیا نے استعمال کیا ہے۔ پیشگوئی کرنے والے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ آپ یا آپ کے مبلغ یہ دکھا دیتے کہ حضرت مسیح موعود نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں اصطلاح شریعت کے رُو سے نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں!

مگر بجائے اس کے کہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے آپ خود اس بات کو صاف کرتے، کیونکہ عقیدہ آپ نے وضع کیا تھا، آپ نے اپنے مبلغوں کو اب حوالوں کی تلاش میں لگا دیا ہے۔ اس مذموم طریق پر جس کی مذمت آپ خود کر چکے ہیں۔ اور اسی وجہ سے آپ ان کو ایک ناپاک جانور سے مشابہت دے چکے ہیں۔ اور وہ حوالے کیا ہیں؟ کہ زید نے حضرت مسیح موعود کو نبی کہا۔ بکر نے کہا۔ خالد نے نبی کہا۔ کبھی خدا کے خوف سے کام لے کر یہ نہیں سوچتے کہ اگر کسی نے نبی کہا، تو اسی معنی میں کہا ہوگا، جس معنی کی وضاحت حضرت مسیح موعود نے خود کر دی ہے۔ وہ آپ کے خلاف نہ کہہ سکتے تھے۔ اور اگر آپ کے خلاف کہا ہے، تو غلط کہا ہے۔ خواہ وہ حضرت مولوی نور الدین صاحب مرحوم ہوں، خواہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم ہوں، خواہ مولوی سید محمد احسن مرحوم ہوں، خواہ محمد علی ہو۔ خواہ مفتی محمد

صادق ہوں، خواہ مولوی سید سرور شاہ ہوں۔ اور فلاں نے آپ کو نبی کہا، کیا اس سے کوئی مقصد امکانی طور پر حاصل ہوتا ہے؟ آپ بھی جانتے ہیں کہ نہیں۔ پھر یہ لوگ کس کو دھوکا دیتے ہیں؟ سوال یہ نہیں کہ کسی شخص نے حضرت مسیح موعود کے لئے لفظ نبی استعمال کیا۔ سوال یہ ہے کہ اس نے کس معنی میں استعمال کیا۔ یہ تفریق (کہ میں اصطلاح شریعت میں نبی نہیں ہوں، لغوی معنی کی رو سے نبی ہوں۔ حقیقت میں نبی نہیں، مجاز کے طور پر نبی ہوں۔ میری نبوت اصلی نہیں، بلکہ ظلّی ہے۔ میری نبوت تامہ نہیں بلکہ جزوی ہے۔ میری وحی، وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت ہے) خود حضرت مسیح موعود نے کی ہے۔ اور پہلے دن سے لے کر آخر وقت تک کی ہے۔ اور یہی میرا اور میری جماعت کا مذہب ہے۔ تو آپ اگر حضرت مسیح موعود کی ان تحریروں کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتے ہیں، تو اپنے مبلغوں کو یہ ہدایت کیجئے کہ وہ حوالے نکالیں، جن میں کسی احمدی کہلانے والے نے، بڑا ہو یا چھوٹا، خود آپ ہی کیوں نہ ہوں، 1914ء سے پہلے یہ کہا ہو کہ حضرت مسیح موعود اصطلاح لغت میں نبی نہیں، اصطلاح شریعت میں نبی ہیں۔ مجاز اور استعارہ کے طور پر نبی نہیں، حقیقت کے طور پر نبی ہیں۔ آپ کی وحی، وحی ولایت نہیں بلکہ وحی نبوت ہے۔ آپ کی نبوت جزوی نہیں، بلکہ تامہ کاملہ ہے۔ جس دن وہ یہ حوالے نکال کر پیش کریں گے، اس دن ان کا قدم اصل مسئلہ کی طرف اُٹھے گا۔ اور میں اس دن اُن سے یہ دریافت کروں گا کہ
''دونوں میں سے غلطی پر کون ہے؟ مسیح موعود یا مرید؟''

پھر آپ نے ایک حصہ مبلغین کا اس کام کے لئے وقف کر دیا کہ وہ میری تحریروں میں سے یہ دکھا دیں کہ میں نے حضرت مسیح موعود کو نبی کہا ہے۔ حالانکہ آج نہیں بیس سال ہوئے ہوں گے، یا کم وبیش، جب چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے گوجرانوالہ کی عدالت میں مجھ سے بعض قادیانیوں کے اصرار پر یہ سوال کیا کہ میں نے حضرت مسیح موعود کے لئے لفظ نبی استعمال کیا ہے، تو میں نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ کِیا ہے، مگر اصطلاح شریعت میں نہیں، بلکہ اصطلاح لغت میں۔ اور میں اپنی کتابوں میں، ٹریکٹوں میں، اشتہاروں میں بار بار لکھ چکا ہوں کہ میں نے لفظ نبی حضرت مسیح موعود کے لئے استعمال کیا ہے، مگر اس معنی میں جس معنی میں حضرت مسیح موعود نے کیا۔ میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں حضرت مسیح موعود کو حقیقت کے طور پر نبی مانتا ہوں، مجاز کے طور پر نہیں۔ میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں

حضرت مسیح موعود کی نبوت کو نبوت تامہ مانتا ہوں جزوی نہیں۔ میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں حضرت مسیح موعود کی وحی کو وحی نبوت مانتا ہوں، وحی ولایت نہیں مانتا!

اس کے برخلاف آپ کے موجودہ سرکردہ مریدوں میں سے ایک ایک کے حوالے میں نے پیش کئے کہ انہوں نے 1914ء سے پہلے لکھا ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود کو صرف لغت کے معنی کی رُو سے نبی کہتے ہیں، شریعت کی رُو سے نہیں۔ اس معنی سے نبی کہتے ہیں جس معنی میں دیگر مجددین کو نبی کہتے ہیں۔ جزوی طور پر نبوت پانے والا کہتے ہیں۔ جسے اصطلاح شریعت میں محدث کہا جاتا ہے، نبوت تامہ پانے والا نہیں۔ اور یہ حوالے 1904ء سے لے کر 1914ء تک پھیلے ہوئے ہیں۔ میرے پاس اتنے آدمی نہ تھے کہ میں ان کو حوالوں کی تلاش میں لگا دیتا۔ اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کو، کہ انہوں نے اب اس مضمون کو خوب صاف کر دیا ہے۔ اور صاف طور پر دکھا دیا ہے کہ 1914ء تک ساری جماعت کا مذہب حضرت مسیح موعود کی نبوت کے بارے میں وہی تھا، جو اب جماعت لاہور کا ہے۔ قادیانی مذہب (کہ حضرت مسیح موعود اصطلاح شریعت میں نبی ہیں، مجازی طور پر نہیں بلکہ حقیقی طور پر نبی ہیں۔ آپ کی نبوت جزوی نہیں بلکہ تامہ ہے، آپ کی وحی، وحی ولایت نہیں بلکہ وحی نبوت ہے) 1914ء میں پیدا ہوا۔ اس کے بانی حضرت مسیح موعود نہیں بلکہ آپ ہیں۔

☆ چنانچہ آپ کے ذمہ یہ ایک مطالبہ ہے کہ آپ ان لوگوں سے (جو اب تک زندہ ہیں، مولوی سید سرور شاہ صاحب سے، مفتی محمد صادق صاحب سے، قاضی اکمل صاحب سے اور مولوی غلام نبی صاحب سے) یہ اعلان کرائیں کہ جو تحریریں ان کی طرف منسوب ہو رہی ہیں، جن کی رو سے حضرت مسیح موعود لغوی معنی کی رو سے نبی ٹھہرتے ہیں، اصطلاح شریعت کی رو سے نہیں جزوی نبوت یا محدثیت پانے والے ہیں نبوت کے نہیں، اولیاء اللہ کی صف میں ہیں، انبیاء کی صف میں نہیں، وہ تحریریں ان کی نہیں، بلکہ اس کے خلاف ان کی 1914ء سے پہلے کی فلاں فلاں تحریریں ایسی ہیں، جن میں انہوں نے حضرت مسیح موعود کو اصطلاح شریعت میں نبی قرار دیا، وحی نبوت کے پانے والے قرار دیا، حقیقی طور پر نبی قرار دیا۔

☆ اور جو وفات پا چکے ہیں (جیسے میر قاسم علی اور میر محمد سعید حیدر آبادی) ان کے نمائندہ آپ خود بن کر یہ اعلان کریں کہ کتاب ''دین الحق'' میر قاسم علی صاحب کی کتاب نہیں۔ یہ جماعت احمدیہ لاہور کا افتراء ہے۔ اور نہ کتاب ''انوار اللہ'' (جس میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود جزوی نبوت کے پانے والے تھے۔ اور کہ آپ کی نبوت وہی تھی جو کہ شریعت میں محدثیت کے نام سے پکارا جاتا ہے) میر محمد سعید حیدر آبادی کی کتاب ہے۔

☆ اور آپ خود بھی یہ اعلان کریں کہ میں نے 1910ء میں رسالہ تشحیذ الاذھان میں یہ نہیں لکھا کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کے بعد تیرہ سو برس گزر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوت کا دعویٰ کر کے کامیابی حاصل نہیں کی۔''

☆ یا یہ کہ میں نے یہ لکھا تو ضرور تھا مگر حضرت مسیح موعود کو ایسا نبی مانتا ہوں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ تو کیا مگر ناکام رہے!

☆ آپ نے میری تحریروں سے ایک بات پیش کی کہ میں نے حضرت مسیح موعود کو نبی لکھا ہے۔ میں نے اس کو تسلیم کر کے بار بار اس کا جواب دیا۔ ہم آپ کی تحریروں سے ایک بات پیش کرتے ہیں، تو آپ کیوں اس کو تسلیم نہیں کرتے؟ اور سکوت عن الحق اختیار کر رہے ہیں!

میرا مطلب ان باتوں کے لکھنے سے صرف اس قدر ہے کہ نبوت کی بحث، (جس میں آپ نے مبلغین کو لگا کر اپنی جماعت کے لاکھوں روپے بھی برباد کئے ہیں اور ان کی علمی استعدادوں کو بھی برباد کیا ہے) نہایت مختصر ہے۔ اگر آپ یا آپ کے مرید اسے حل کرنا چاہیں، تو ذیل کی تین باتوں سے یہ حل ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد مسئلہ کفر کو لے لیا جائے گا۔

1۔ حضرت مسیح موعود نے یہ تفریق کرنے کے بعد (کہ میری نبوت تامہ نہیں، جزوی ہے، میں اصطلاح شریعت میں نبی نہیں، اصطلاح لغت میں نبی ہوں، جس کے معنی ہیں خدا سے غیب کی خبر پانے والا۔ میں حقیقت میں نبی نہیں، مجاز اور استعارہ کے طور پر نبی کہلا سکتا ہوں۔ میری وحی، وحی نبوت نہیں وحی ولایت ہے) کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ میری نبوت تامہ ہے، جزوی نہیں۔ میں مجاز کے طور پر نبی نہیں، حقیقی طور پر نبی ہوں۔ میں لغت کی اصطلاح میں نہیں شریعت کی اصطلاح میں نبی ہوں۔ میری

وحی، وحی ولایت نہیں، وحی نبوت ہے!

2۔ آپ اور آپ کے ستّر مرید یہ حلف اٹھا کر کہہ دیں کہ 1901ء میں ہمیں یہ علم ہو گیا تھا کہ حضرت مسیح موعود نے آج اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا ہے یا مفہوم نبوت تبدیل کر لیا ہے!

3۔ اپنے زندہ مریدوں سے اعلان کرا دیں۔ اور وفات یافتہ کی طرف سے اور اپنی طرف سے خود اعلان کر دیں کہ ان کی وہ تحریریں، جن میں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے لئے جو ہم لفظ نبی استعمال کرتے ہیں، اس سے مراد جزوی نبوت ہے، محدثیت والی نبوت یا محض اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی ہے، جیسے پہلے اولیاء امت سے ہوتی رہی ہے، اصطلاح شریعت میں نبوت نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دعوٰی نبوت کر کے کامیاب نہیں ہوا'' ہماری تحریریں نہیں۔

خاکسار محمد علی

دارالسلام۔ ڈلہوزی

30 اگست 1942ء

10 ستمبر 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

دعوۃ الی الاسلام کا کام اور ماہ رمضان المبارک

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ .(104:3)

ترجمہ: ’’اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

قرآن کریم جب مسلمانوں کو مخاطب فرماتا ہے۔ تو صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کو مخاطب نہیں فرماتا بلکہ بعد میں آنے والی نسلوں کو بھی مخاطب فرماتا ہے بلکہ بعض مقامات ایسے ہیں کہ ان میں خطاب کسی پچھلے زمانہ کے لوگوں کو بھی ہے۔ مثلاً سورۃ الحدید میں فرماتا ہے اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (16:57) کیا ان لوگوں پر جو ایمان لائے ہیں ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل، اللہ کے ذکر اور اس حق کے سامنے جو آسمان سے اُترا ہے، جھک جائیں۔ حالانکہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت کے مسلمان تو ذکر اللہ اور حق کے سامنے ایسے جھکے ہوئے تھے کہ جس کی نظیر تلاش کرنے سے نہیں ملتی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ خطاب کسی بعد کے زمانے کے مسلمانوں کے لئے ہے۔ جب باوجود دعوٰی ایمان کے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اور اس حق سے جو آسمان سے اترا ہے، یعنی قرآن سے غافل ہوں گے۔ چنانچہ اس کے بعد اس کو خود ہی واضح بھی کر دیا وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ (16:57) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی اور ان پر ایک لمبا زمانہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ تو معلوم ہوا کہ اَلَمْ يَاْنِ میں اس زمانے کا ذکر ہے۔ جب ایک لمبا زمانہ گزر کر مسلمانوں کے دل سخت ہو جائیں گے اور وہ ذکر اللہ اور قرآن سے غافل ہو جائیں گے۔ تب ان پر طرح طرح کے مصائب نازل ہوں گے۔ تو اس زمانہ کے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ اتنے امتحانوں اور مصائب کے بعد اور قرآن کریم کی صداقت کے نشانوں کے ظہور

کے بعد بھی کیا تم پر وقت نہیں آیا کہ خدا کے ذکر اور قرآن کے سامنے جھک جاؤ۔

اسی طرح آیت مندرجہ عنوان سے پہلی آیت میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (103:3) سب کے سب اللہ کی رسی یعنی قرآن کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ مت کرو۔ تو جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت مسلمانوں میں کوئی تفرقہ نہ تھا۔ اور سب کے سب نے قرآن کریم کو مضبوط پکڑا ہوا تھا۔ پس اس میں خطاب ایسے زمانہ کے مسلمانوں کے لئے ہے جب ایک طرف وہ تفرقوں میں مبتلا ہوں گے اور دوسری طرف قرآن کریم کو انہوں نے چھوڑ رکھا ہوگا وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. (30:25) رسول بھی بارگاہ الٰہی میں فریاد کرے گا کہ اے میرے رب! میری اپنی قوم نے ہی قرآن کو ترک کر رکھا ہے۔ تو اس وقت کے مسلمانوں کو ارشاد فرمایا کہ قرآن کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ مت کرو۔

اسی طرح اس آیت وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (104:3) میں خطاب کسی بعد کے زمانہ کے مسلمانوں کو ہے۔ کیونکہ ابتدائی زمانہ تو وہ تھا جب سب کے سب مسلمان دَعْوَتُ اِلَى الْخَيْرِ کے کام میں سرشار تھے اور ہر ایک مسلمان تبلیغ اسلام کو اپنی پیدائشی ذمہ داری سمجھتا تھا۔ ان کو اس قدر یقین تھا کہ اسلام میں ہی دنیا کی بھلائی ہے اور ان کے سینے لوگوں کی خیر خواہی سے اس طرح بھرے ہوئے تھے کہ وہ دیوانہ وار چاروں طرف دنیا میں نکل گئے کہ پیغام اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں۔ نہ سمندر ان کے لئے روک تھا نہ پہاڑ۔ یہاں تک کہ دنیا نے تسلیم کر لیا کہ ایک مسلمان پیدائشی مبلغ (Born Missionary) ہوتا ہے۔ مگر اس کے بعد جب حکومت، بادشاہت، ریاست، دولت اور ان کے لوازم تن آسانی اور آسائش وغیرہ نے مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ لیا تو آج ان پر وہ زمانہ بھی آ گیا کہ ان کے سامنے عیسائی مبلغ ساری دنیا میں پھیل گئے۔ سات سو سے اوپر زبانوں میں بائبل کے ترجمے کر کے ہر ملک میں ہر قوم میں اسے پہنچا دیا۔ ان کے سامنے ہندو مذہب، جو وہ ہزار سال سے تبلیغ کا نام نہ جانتا تھا ایک تبلیغی مذہب بن گیا۔ اور مسلمانوں کو مرتد کرنا شروع کر دیا۔ مگر وہ پھر بھی خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئے تو اسی زمانہ کے مسلمانوں کو خطاب ہے کہ ایک جماعت تم میں سے اٹھے جو دَعْوَتُ اِلَى الْخَيْرِ کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے۔ جس کا واحد مقصد اسلام کو اور قرآن کو دنیا کے کناروں تک پہنچانا ہو

اور اس جماعت کو یہ بشارت دی کہ وہ مسلمانوں کی بے حسی سے اور تمام دنیا کے اسلام کے مقابلہ پر کھڑا ہونے سے گھبرائیں نہیں۔ وہ ضرور ضرور کامیاب ہوں گے اور دین حق کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے پورا ہونے کا ذریعہ بن جائیں گے لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (28:48) یعنی دین اسلام کل دنیا پر غالب آ جائے گا۔

اس مذکورہ آیت میں تین لفظ قابل غور ہیں اُمَّةٌ. خَيْر. مُفْلِحُوْنَ. اُمَّةٌ لفظ اَمَّ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں ایک چیز کا قصد کیا۔ اور اُمَّةٌ اس جماعت کو بھی کہا جاتا ہے جس کا مقصد ایک ہو اور وہ ایک غرض کے لئے جمع ہوں۔ خَيْر بھلائی کو کہتے ہیں اور یہ شر کے مقابل پر ہے۔ یہاں يَدْعُوْنَ اِلَى الْحَقِّ یا يَّدْعُوْنَ اِلَى الْاِسْلَامِ کے بجائے يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ فرمایا۔ شائد اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس وقت اسلام کی طرف بلانا ایک عظیم الشان شر سے بچانے کے لئے ہوگا جو دنیا پر محیط ہوگا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اس وقت جو عذاب الیم دنیا پر نازل ہوا ہے اس سے بچاؤ صرف اسلام میں ہی ہوسکتا ہے۔ فلاح یا کامیابی کی بشارت بھی ساتھ دی۔ تاکہ ایک جماعت محض اپنی قلت کی وجہ سے یہ خیال نہ کرے کہ وہ اتنے عظیم الشان مقصد میں، جس میں ساری دنیا مقابل پر ہے، کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے۔ پس اس آیت میں ایک ارشاد بھی ہے اور ایک بشارت بھی۔ ارشاد تو یہ ہے کہ جب مسلمان عام طور پر دعوت الی الاسلام کے کام سے غافل ہو جائیں تو ایک جماعت کھڑی ہو جائے۔ جس کا مقصد واحد صرف یہی ہو کہ وہ دنیا کو اس شر سے بچانے کے لئے، جو دنیا پر محیط ہوگئی ہو، دعوت الی الاسلام کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیں اور بشارت یہ ہے کہ وہ جماعت باوجود اپنی قلت کے کامیاب ہو جائے گی۔

چنانچہ اس صدی کے سر پر جس مجدد کو اللہ تعالیٰ نے کھڑا کیا۔ اس کی سب سے بڑھ کر توجہ اس طرف ہوئی کہ پیغام اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچایا جائے۔ 1882ء کا زمانہ تھا۔ یعنی آج سے ساٹھ سال پیشتر جب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مجددیت کے مقام پر کھڑا کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی صداقت اسلام پر وہ بلند پایہ کتاب نکلی۔ ''براہین احمدیہ'' جس کی نظیر تیرہ سو سال میں نہ لکھی گئی تھی۔ اور یہ وہ بات تھی جس کا اقرار اس زمانہ کے سب سے بڑے عالم (اور بعد

میں اس سلسلہ کے سب سے بڑے مخالف) مولوی محمد حسین بٹالوی نے کیا۔ اوراس کتاب میں سب مذاہب پر اتمام حجت کر کے ساری قوموں کے اندر دعوت اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ 1890ء میں اس مجدد پر یہ ظاہر کیا گیا کہ آپ وہی مسیح ہیں جس کے آنے کی خوشخبری اس امت کو دی گئی تھی۔ جو کسر صلیب کرے گا یعنی جس کے آنے سے عیسائی مذہب کی قوت ٹوٹ جائے گی اور اس کے ساتھ ہی آپ کی توجہ کو عیسائیت کے مرکز یعنی مغربی دنیا کی طرف پھیرا گیا۔ جہاں آج تک اسلام نہ پہنچا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ یہی مغربی دنیا اسلام کو سیاسی اور مذہبی دونوں رنگوں میں مٹانے کا کامل تہیہ کر چکی تھی۔ اور گوان میں اور اختلافات تھے مگر اسلام کو مٹانے کے لئے وہ سب ایک تھے۔ مسیح موعود کے دعویٰ کے ساتھ ہی آپ پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ دجال اور یاجوج ماجوج کا ظہور انہی مغربی اقوام میں ہے۔ اور انہی میں اسلام کا پہنچانا مسیح موعود کا خاص کام ہے۔ عین اس وقت تمام عالم اسلامی آپ کے خلاف ہو گیا۔ دوسری قومیں پہلے ہی خلاف تھیں۔ مگر دنیا کے آپ کی مخالفت پر جمع ہو جانے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک داعی الی الاسلام جماعت کے بنانے میں کامیاب کر دیا۔ اور نہ صرف وہ جماعت بن گئی بلکہ دعوت الی الاسلام کی بنیاد بھی آپ کی زندگی میں رکھ دی گئی۔ جب خود مسلمانوں کی سخت ترین مخالفت کے باوجود اور جماعت کی قلت اور بے سروسامانی کے باوجود 1902ء میں رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' انگریزی میں شروع کیا گیا۔ جس کو نہ صرف مسلمانوں میں قبولیت حاصل ہوئی بلکہ عیسائی دنیا سے بھی اس نے خراج تحسین وصول کیا۔ آپ کی وفات کے معاً بعد انگریزی ترجمۃ القرآن کی بنیاد رکھی گئی اور داعی الی الاسلام جماعت کے یہ دونوں بنیادی کام، اللہ تعالیٰ کا محض احسان تھا، اس عاجز کے کمزور کندھوں پر ڈالے گئے اور یہ محض اس کا فضل تھا۔ یقیناً میرے اندر کوئی ایسی قابلیت نہ تھی، ایسے طریق پر ہوئے کہ اس میں کوئی شبہ باقی نہ رہ گیا کہ وہ داعی الی الاسلام جماعت، جس کا ذکر آیت قرآنی مندرجہ عنوان میں ہے یہی جماعت ہے جو مسلمانوں کے اندر ایسے وقت میں اٹھی جب وہ سخت ترین جمود کی حالت کو پہنچ چکے تھے اور جب ان کے اندر سے تبلیغ اسلام کا جوش قریباً قریباً مٹ چکا تھا۔

پھر اس جماعت کا قدم اور ترقی کی طرف اٹھا اور یورپ میں پہلے اسلامی مشن کی بنیاد خواجہ

کمال الدینؒ مرحوم مغفور کے ہاتھوں سے اسی جماعت کی تائید سے رکھی گئی۔ یہ ایک ایسے زمانہ میں ہوا کہ جب کسی مسلمان کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ یورپ میں اسلام پھیل سکتا ہے۔ پھر 1914ء میں اس جماعت میں اختلاف رونما ہوا اور محض خدائی ارادہ سے جس قدر لوگ تبلیغ اسلام کا خاص جوش اپنے سینوں میں رکھتے تھے، خواجہ کمال الدین مرحوم، شیخ رحمت اللہ مرحوم، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ مرحوم، مولانا صدرالدین، مولانا محمد یعقوب خان اور دیگر کئی ایک احباب جن کے نام لینا موجب طوالت ہے، جماعت احمدیہ لاہور میں شامل ہو گئے اور بے سروسامانی کی حالت میں ازسرنو تبلیغ اسلام کے کام کی بنیاد احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام سے لاہور میں رکھی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کام میں اتنی برکت دی جو ہمارے وہم وگمان سے بڑھ کر تھی۔ ووکنگ کے بعد وسط یورپ میں برلن میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ وہاں ایک مشن قائم ہو گیا۔ ایک عظیم الشان مسجد بن گئی ایک سہ ماہی رسالہ نکلنا شروع ہو گیا۔ دو ہی قومیں اصل میں اس وقت برسر پیکار ہیں۔ انگریز اور جرمن۔ اور دونوں میں اس جماعت کے ہاتھ سے تبلیغ اسلام کی زبردست بنیادیں رکھی جا چکی ہیں۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس جماعت کے ہاتھوں سے وہ بلند پایہ لٹریچر اسلام پر پیدا ہوا قرآن کریم پر، سیرت نبویؐ پر، تاریخ اسلامی پر اور حدیث پر جس کی وجہ سے لوگوں نے یہ اعتراف کیا کہ وہ علمی چشمے جو حضرت مسیح موعود کی بدولت قادیان میں پھوٹے تھے وہ لاہور میں آ نکلے اور دنیا کی سیرابی کا موجب ہوئے۔

دعوت الی الاسلام کے کام کو رمضان کے مہینے سے خاص مناسبت ہے۔ کیونکہ اس مبارک کام کی بنیاد اسی مہینے میں رکھی گئی شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (185:2) اور رمضان کا مہینہ مسلمانوں کے مجاہدہ کے تیس دن ہیں۔ یہ مجاہدہ صرف بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کرنے کا مجاہدہ نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھ لیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بھوک اور پیاس کی برداشت کا مجاہدہ خود ایک بڑا مجاہدہ ہے اور معدہ کے خالی ہونے کو قلب کی صفائی سے ایک خاص مناسبت ہے۔ اور ہر قوم میں کم وبیش بھوک کو قلب کی صفائی کا ذریعہ مانا گیا ہے۔ مگر اسلام نے روزہ کے خیال کو بھی دوسرے تمام خیالات کی طرح کمال تک پہنچایا ہے اور مجاہدہ رمضان کو بھوک اور پیاس کے علاوہ تین

اور رنگوں کا مجاہدہ قرار دیا ہے۔ جن میں سب سے زیادہ اہم شب بیداری اور عبادت الٰہی کا مجاہدہ ہے۔ باقی دو کو میں پھر بیان کروں گا۔ انسان کا کمال صرف قوائے حیوانی کے مغلوب کرنے میں نہیں بلکہ وہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ اور اس کا اصل کمال قوائے روحانی کی ترقی میں ہے۔ اور اس ترقی کا راز رات کے جاگنے میں ہے۔ رمضان میں یہ دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ یعنی دن کے وقت انسان کو یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ قوائے حیوانی کو کس طرح مغلوب کیا جائے اور رات کے وقت یہ کہ قوائے روحانی کو کس طرح ترقی دی جائے۔ اس دوسرے حصہ کو عام طور پر مسلمانوں نے اول شب میں بیداری کا رنگ دیا ہے۔ یعنی نماز تراویح کے ذریعہ سے۔ جس میں جماعت کے رنگ میں کچھ حصہ رات جاگ کر خدا کے کلام کو سنا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بھی ایک اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ ہے اور صفائی قلب کا ذریعہ۔ مگر نبی کریمؐ کی سنت آخر شب کی بیداری اور تنہائی کی نماز ہے۔ جس میں قرآن شریف کا کوئی حصہ جو یاد ہو پڑھا جاتا ہے۔ اور اسی طریق پر حضرت مسیح موعود بھی عامل تھے۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ رات کے پچھلے حصہ میں اللہ تعالیٰ آسمان اول پر نزول فرماتا ہے اور اس وقت رحمت الٰہی کا دریا اس قدر جوش مارتا ہے کہ سننے والے اس کی آواز ''کوئی ہے جو مجھ سے مانگے'' کو سنتے ہیں اور نیند کو چھوڑ کر اس کے دروازے کی طرف بھاگتے ہیں۔ اس لئے میں اپنی جماعت کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان میں سے ایک کثیر حصہ کو چاہیئے کہ وہ ''رمضان کے مہینے میں نماز تہجد کو اپنے اوپر لازم کر لیں''۔ مخلوق خدا کی ہدایت اس کی صحیح رہنمائی سب سے بڑی دولت ہے۔ جو انسان حاصل کر سکتا ہے لِاَنْ یَّھْدِیْ بِکَ رَجُلٌ خَیْرُلَکَ مِنْ حمرِالنعمِ. ایک آدمی بھی تمہارے ذریعے سے ہدایت پا جائے تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ مگر اس سب سے قیمتی دولت کو حاصل کرنا ہے بھی سب سے مشکل کام۔ اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ قیمتی کوئی دولت ہو اسی قدر زیادہ مشکل سے وہ میسر آتی ہے۔ اور اسی قدر کمیاب بھی ہوتی ہے۔ تانبے سے بڑھ کر چاندی قیمتی ہے اور چاندی سے بڑھ کر سونا اور سونے سے بڑھ کر جواہرات۔ اسی ترتیب سے ان کا حاصل کرنا بھی مشکل ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے کام انسان اپنی خداداد طاقتوں سے کر لیتا ہے۔ ہواؤں اور پانیوں اور بجلیوں کو مسخر کر لیتا ہے۔ دریاؤں کے رخ بدل لیتا ہے۔ پہاڑوں کو اڑا دیتا

ہے۔ ملکوں کو فتح کر لیتا ہے۔ حکومتوں کے تختے اُلٹ دیتا ہے۔ مگر انسانی قلوب کی حالت کو بدلنا، ان کے اندر اللہ تعالیٰ پر ایمان کا پیدا کرنا، بدی سے نفرت اور نیکی سے محبت کا پیدا کرنا، یہ اپنی قوت سے نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے ایک اور رنگ کی خدائی طاقت کی ضرورت ہے۔ اور یہ خدا کے حضور گرنے سے ملتی ہے۔ خدا کے حضور گر کر طاقت کا ملنا یہ صرف لفظ نہیں یہ حقیقت عظمیٰ ہے۔ سب سے بڑی سچائی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا واقعہ ہے کہ جو شخص خدا کے سامنے گرا دنیا اس کے سامنے گر جاتی ہے۔ اور وہ وہ کام کر سکتا ہے جو دنیا کا کوئی دوسرا انسان نہیں کر سکتا۔ پس جو جماعت دعوت الی اللہ کے کام میں لگی ہے۔ مخلوق خدا کی ہدایت کو اس نے اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرایا ہے۔ اس کی کامیابی کی پہلی شرط یہی ہے کہ وہ پوری قوت سے خدا کے آگے گرے اور اس سر چشمہ قوت سے قوت حاصل کرے **اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ** (4:1) اس کے سینوں کے اندر سے اس طرح جوش مار کر نکلے جس طرح ایک پہاڑ کے دامن میں پانی پھوٹ کر نکلتا ہے۔ اور ایسے چند چشمے جب اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ایک دریا بن کر دنیا کی سیرابی کا موجب بن جاتے ہیں۔ تو کیا جب انسانوں کے دلوں سے اگر روحانیت کے چشمے پھوٹیں گے اور وہ اکٹھے ہو کر ایک دریا کی صورت اختیار کریں گے تو دنیا ان سے سیراب نہ ہوگی؟ ہاں اکیلا اکیلا چشمہ بعض وقت زمین کے اندر ہی خشک ہو جاتا ہے۔ اس لئے جماعت کی دعاؤں کی ضرورت ہے تاکہ یہ چھوٹے چھوٹے چشمے اکٹھے ہو کر دریا بن سکیں۔

چنانچہ میری اپنے احباب سے یہ التجا ہے کہ ان میں سے جس قدر زیادہ تعداد میں ممکن ہو اٹھیں اور اس مجاہدہ کے مہینے میں رات کے اوقات میں پچھلی رات کی نیند کو اپنے اوپر حرام کر کے اپنی دعاؤں سے، اپنی گریہ وزاری سے، اپنی آہوں سے جو آسمان کی طرف اٹھیں اللہ تعالیٰ کی نصرت کو کھینچیں۔ تاکہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ دیا ہے کہ وہ داعی الی الاسلام جماعت کو کامیاب کرے گا۔ مگر اس کامیابی کی راہ بھی اس نے خود ہی بتائی ہے۔ اسی راہ پر خدا کے سب برگزیدہ بندے چلے۔ اسی راہ پر ہمارے لئے چلنا ضروری ہے۔ ورنہ ہم اس کامیابی کے وارث بھی نہیں ہو سکتے جس کا وعدہ داعی الی الخیر جماعت کے لئے ہے۔ ہم سب کے دلوں سے ایک ہی تڑپ اٹھے اور وہ تڑپ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو اپنے دین حق کی طرف، اسلام اور قرآن

اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رہنمائی فرمائے۔ تاکہ دنیا اس عذاب الیم سے نجات پائے جس میں وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے گرفتار ہو چکی ہے۔ خوب یاد رکھو کہ اس دعا کے لئے اپنے آپ کو بھی بھلا دینے کی ضرورت ہے۔ اپنی تکلیفوں کو اپنے دکھوں کو بھلا دینے کی ضرورت ہے۔ اپنے آرام اپنی آسائش اپنی بہتری کو بھی بھلا دینے کی ضرورت ہے۔ ہم سب کے دلوں میں ایک ہی تکلیف ہو اور وہ دنیا کی گمراہی کی تکلیف ہو۔ اور ہم سب کے اندر ایک ہی بہتری کی تڑپ ہو اور وہ قرآن اور اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوئے کے نیچے آکر دنیا کی بہتری کی تڑپ ہو۔ میں غالب ہوں۔ میری قوم غالب ہو۔ میرا ملک غالب ہو، ان سب باتوں کو ہم بھول جائیں اور ایک ہی بات خدا کے حضور گرتے وقت ہمیں یاد رہ جائے کہ خدا کا دین غالب ہو۔ اسلام غالب ہو، قرآن غالب ہو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالب ہوں۔ ہاں! ایک فرد واحد کا غلبہ بھی عارضی شئے ہے۔ آج ہے تو کل نہیں۔ ایک قوم کا غلبہ بھی عارضی شئے ہے۔ ایک ملک کا غلبہ بھی عارضی شئے ہے۔ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ (140:3) مگر حق کا غلبہ اور اسلام کا غلبہ ایک دائمی چیز ہے۔ اسی کو مانگو اسی کے لئے تڑپو۔ اسی کے لئے روؤ، اور پھر اس چیز کو مانگو جو ہو کر رہنے والی ہے۔ اسلام غالب ہو کر رہنے والا ہے۔ قرآن غالب ہو کر رہنے والا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالب ہو کر رہنے والے ہیں ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (33:9) اللہ تعالیٰ حق ہے۔ اور اس کا وعدہ بھی حق ہے۔ اٹل ہے ہو کر رہنے والا ہے۔ اس کے لئے دعا کرو تو تمہاری دعائیں یقیناً سنی جائیں گی۔ بلکہ یہی دعائیں تمہیں خدا تعالیٰ کے قرب کے اس مقام پر پہنچا دیں گی جہاں انسان کی ہر دعا سنی جاتی ہے۔ ہاں دلوں کی ہدایت خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ پس اسی سے دعا کرو کہ وہ اسلام اور قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت کی ایک زبردست ہوا دنیا میں چلا دے۔ اور اس اندھی دنیا کو نظر آجائے کہ حقیقی آسائش دولت میں نہیں، دلوں کی راحت دولت پرستی میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے میں ہے۔ اس وقت دنیا پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو ابتدائے آفرینش سے آج تک نازل نہیں ہوئی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام دنیا مبتلاء مصیبت ہے۔ آباد شہر ایک

دو نہیں دس بیس نہیں شہروں کے شہر کھنڈر بن گئے۔ لہلہاتے کھیت بنجر بن گئے۔ ایک دو نہیں ہزاروں میلوں میں وہ زمینیں، جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں، آج ان میں خاکستر کے سوائے کچھ نظر نہیں آتا۔ دنیا کا محنت سے کمایا ہوا مال وہ مال، جس کی دنیا پرستش کرتی تھی، اسی کو اپنا محبوب اپنا مقصود اپنا مطلوب خیال کرتی تھی، اپنا اللہ سمجھتی تھی، اپنا معبود جانتی تھی، انباروں کے انبار، پہاڑوں کے برابر انبار یا سمندر کی تہہ میں ہمیشہ کے لئے گل سڑ گیا یا آگ کی نذر ہو گیا۔ جہنم دنیا پر آ گیا۔ اور اس کی آگ صرف زمین کی خشکی پر نہیں بلکہ سمندروں کے پانیوں میں بھی شعلے مارتی ہے۔ ہوا کی بلندیوں میں بھی اس کا دھواں پھیل گیا ہے۔ اس آگ سے نجات کسی انسانی صلح سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ انسانی صلح بقول صادق و مصدوق پیغمبرؐ ھدنة علیٰ دخن کی مصداق ہے۔ اوپر سے صلح ہو گی اس کے نیچے فساد ہو گا۔ اس سے نجات صرف اس آسمانی صلح سے ہو سکتی ہے جس کا نام آج سے تیرہ سو سال پیشتر اسلام رکھ کر اسے دنیا کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا صرف ایک، صرف یہی اس کا علاج ہے اور کوئی نہیں۔ اس لئے جب تم یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ دنیا کو اس مصیبت سے نجات دے تو یہی دعا کرو کہ اے خدا! تو اس جنگ کا، اس مصیبت کا خاتمہ ایسے رنگ میں فرما کہ دنیا کا اس سے چھٹکارا عارضی نہ ہو بلکہ ہمیشہ کے لئے ہو۔ ایسے رنگ میں فرما کہ تیری صلح کا پیغام۔ اسلام۔ دنیا میں غالب ہو۔ ایسے رنگ میں فرما کہ دنیا آنکھیں حق کے دیکھنے کے لئے کھل جائیں اور حق کی آواز سننے کے لئے اس کے کانوں کے پردے دور ہو جائیں۔ ہاں اور یہ بھی دعا کریں کہ اے خدا تو اس آگ کو ہم سے دور رکھیو۔ ہمارے ملک سے بھی دور رکھیو۔ تا کہ یہ کمزور جماعت جو تیرے دین کو دنیا میں پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے اس آگ سے بچی رہے۔

ہاں جہاں اسلام کے غلبہ کے لئے دعا کریں، اس جماعت کے لئے بھی، جو نہایت کمزور حالت میں ہے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسی طاقتور فوج بنا دے جو دنیا کو اس کے دین کے لئے فتح کرتی چلی جائے۔ اس کی بنیادوں پر وہ عمارت کھڑی ہو جو قیامت تک بلند ہوتی چلی جائے۔ اس کے لئے وہ سامان میسر فرما جس سے یہ تیرے قرآن کو ساری دنیا میں پہنچا دے۔ اس کو ان ہتھیاروں سے مسلح فرما جس سے یہ دلوں کو فتح کرے۔ اس کو مال بھی عطا فرما تا کہ یہ تیرے پیغام کو

لوگوں تک پہنچا سکے۔ اسے وہ علم بھی عطا فرما جس سے یہ تیرے دین کو اس دلکش پیرائے میں پیش کر سکے جو اس کی اصل صورت ہے۔ اس کے دلوں پر صرف اپنے خوف کو غالب فرما تا کہ یہ دوسرے خوفوں سے آزاد ہو جائے۔ اس کے دلوں میں صرف اپنی محبت پیدا کرتا کہ یہ غیر کی محبت سے آزاد ہو جائے۔ اور امت محمدیہ کے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی آنکھیں کھول دے کہ وہ بھی اس پیغام کو دنیا میں پہنچانے میں ایک ہو جائیں۔

ہاں اس جماعت کے افراد کے لئے بھی دعا کریں۔ کیونکہ انہی کی دعاؤں سے یہ جماعت اس حالت تک پہنچی ہے۔ انہی کی قربانیوں سے اس نے وہ کام کیا ہے جو دنیا کی اور کسی قوم کو میسر نہیں آیا۔ ان کے لئے بھی دعا کریں جن کو آپ جانتے ہیں اور ان کے لئے بھی دعا کریں جن کو آپ نہیں جانتے۔ اور بالآخر اس عاجز کے لئے بھی دعا کریں جس کو آپ نے خود ہی آگے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اندر سے وہ نقص دور فرمائے جو میرے بعض احباب کی ٹھوکر کا موجب ہو جاتے ہیں۔ اور ان نقصوں کو بھی دور فرمائے جن کی وجہ سے میرے بعض دوست میری آواز پر لبیک کہتے۔ حالانکہ وہ بھی خدا کی رضا کو چاہتے ہیں اور میں بھی اسی کا طالب ہوں۔ وہ بھی اس جماعت کی قوت اور استحکام کو چاہتے ہیں۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔

خاکسار محمد علی

دارالسلام۔ ڈلہوزی

6 ستمبر 1942ء

17 ستمبر 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

رمضان کا تیسرا مجاہدہ

میں نے پچھلے مضمون میں یہ ذکر کیا تھا کہ رمضان کے ایک مجاہدہ کو تو ہر ایک مسلمان جانتا ہے۔ یعنی دن کے وقت بھوک اور پیاس کی شدت کو برداشت کرنا اور قوائے حیوانی اور شہوانی کو مغلوب کرنا۔ مگر جہاں تک دوسرے مجاہدہ کا سوال ہے جس کا تعلق رات سے ہے۔ یعنی شب بیداری، عبادت اور دعا، اس کی بہترین صورت وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پائی جاتی ہے۔ یعنی پچھلی رات اُٹھنا اور تنہائی میں تہجد کی نماز پڑھنا۔ اور ایک داعی الی الاسلام جماعت کے لئے بالخصوص اس کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ دعا جو اس کی اصل غرض ہے اس کا بہترین وقت پچھلی رات ہے اور اس کی بہترین صورت تنہائی ہے۔ گو عامۃ المسلمین کے لئے نماز تراویح اور قرآن کریم کا سننا ایک حد تک اس مجاہدہ کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اس مضمون میں ایک تیسرے مجاہدہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جس کا تعلق انسان کی زبان سے ہے۔ کیونکہ جیسا کہ حدیث نبویؐ سے ثابت ہے۔ زبان کو اپنے قابو میں رکھنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا قوائے حیوانی اور شہوانی کو قابو میں رکھنا۔ اور جو انسان ان دو چیزوں پر حکومت حاصل کرے وہ فی الحقیقت اسی دنیا میں جنت میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مَنْ یَضْمَنُ لِیْ مَابَیْنَ لِحْیَتَیْهِ وَمَابَیْنَ رِجْلَیْهِ اَضْمَنُتُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ جو شخص مجھے اپنی زبان اور قوائے شہوانی کی ضمانت دے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان کے ناجائز استعمال سے جس قدر فساد دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ اس سے کم نہیں جو قوائے شہوانی کے ناجائز استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جہاں بہت لوگ زنا کے عیب سے صرف اس لئے محفوظ رہ جاتے ہیں کہ اسے عام طور پر ایک بھاری گناہ سمجھا جاتا ہے۔ بعض وقت بڑے بڑے لوگ بھی زبان کے ناجائز استعمال سے نہیں بچ سکتے۔ اور جھوٹ غیبت اور افتراء کا ارتکاب ان سے اس لئے ہوتا رہتا ہے کہ اسے نہ وہ خود بڑی اہمیت دیتے ہیں اور نہ ہی دوسرے لوگ اسے اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ان سے اسی قدر

نفرت کریں جس قدر نفرت ایک زنا کا ارتکاب کرنے والے سے کرتے ہیں۔ حالانکہ شارع علیہ السلام نے ان دونوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ رمضان میں زبان کے ناجائز استعمال سے بچنے کی اسی قدر تاکید ہے جس قدر کھانے اور پینے سے بچنے کے لئے۔ صحیح بخاری میں ارشاد نبویؐ ان الفاظ میں موجود ہے مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ جو شخص جھوٹ بولنے اوراس پر عمل کو نہیں چھوڑتا، اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں نہیں کہ وہ کھانے اور پینے کو چھوڑے۔ تو جس قدر یہ ضروری ہے کہ انسان روزہ رکھ کر کھائے نہیں پیئے نہیں، اسی قدر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جھوٹ نہ بولے۔ اگر کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو یقیناً جھوٹ بولنے سے بھی وہ باقی نہیں رہ سکتا۔ اور روزہ فی الحقیقت اسی کا ہوتا ہے جو جھوٹ بولنے سے اسی طرح بچتا ہے جس طرح کھانے پینے سے۔ جس طرح وہ نہایت جوانمردی سے ایک قطرہ پانی کا اپنے حلق سے نیچے گزرنے نہیں دیتا۔ خواہ کتنی ہی سخت پیاس اسے کیوں نہ لگی ہو، اسی طرح چاہئیے کہ ایک لفظ جھوٹ کا اس کی زبان پر نہ آئے۔ خواہ اس سے اسے کتنی ہی دولت ملتی ہو۔ مگر افسوس یہ ہے کہ لوگ بعض وقت جھوٹ بولنے کا اپنے آپ کو اس قدر عادی کر لیتے ہیں کہ بلاضرورت بھی جھوٹ بول دیتے ہیں۔

جس طرح روزے میں جھوٹ بولنے سے بچنے کی تاکید ہے، اسی طرح غیبت سے بچنے کی بھی تاکید ہے۔ گو غیبت میں انسان صحیح طور پر اپنے بھائی کی کمزوریوں کا ذکر کرے۔ خوب یاد رکھنا چاہئیے کہ غیبت اتنا ہی قبیح فعل ہے جتنا جھوٹ بولنا۔ گو عام طور پر اچھے اچھے لوگ، جو جھوٹ سے نفرت کرتے ہیں، غیبت کو شیر مادر سمجھ کر پی جاتے ہیں۔ اور اپنے دل کو یوں تسلی دے لیتے ہیں کہ ہم نے جھوٹ نہیں بولا۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت کو اس قدر قابل نفرت فعل قرار دیا ہے کہ اسے اپنے بھائی کا مردہ گوشت کھانے کے برابر کہا ہے۔ تو کیا روزہ دار مردار کھا سکتا ہے۔ اور وہ بھی انسانی مردار۔ اگر نہیں تو یقیناً غیبت سے اسی طرح بچنا ضروری ہے جس طرح مردار کھانے سے۔

پھر ایک حدیث میں فرمایا اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ روزہ ڈھال ہے۔ یعنی ایسا ہتھیار ہے جس سے انسان اپنے اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔ پس روزہ دار کو نہ چاہئیے کہ فحش کلامی کرے یا جاہلانہ باتیں کرے۔ تو علاوہ جھوٹ افتراء غیبت وغیرہ کے ایسی باتوں سے بھی بچنا چاہئیے جن

میں شہوانی امور کا ذکر ہو اور ٹھٹھہ مذاق بے ہودہ یا لغو باتوں سے بھی بچنا چاہئیے۔ کیونکہ یہ جہالت کی باتیں ہیں۔ اسلام ان کو پسند نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ میں زبان کو پورے طور پر اپنے قابو میں رکھنا ضروری ہے۔ بلکہ یہاں تک حکم ہے کہ اگر دوسرا شخص اس سے جھگڑا بھی کرے یا گالی دے تو بھی روزہ دار اپنے غصہ کو دبائے اور اشتعال کی حالت میں بھی زبان سے کوئی بُرا لفظ نہ نکالے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا اِنِ مْـرَءٌ قَـاتَلَہٗ اَوْشَاتَمَہٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ مَرَّتَیْنِ اگر کوئی شخص اس سے جھگڑا کرے یا اسے گالی دے تو وہ دو دفعہ اسے ضرور یہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

یہ کس قدر بلند مقام ہے جس پر اسلام روزہ دار کو پہنچانا چاہتا ہے۔ اور یہ کتنی بڑی غلط فہمی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ روزہ میں صرف بھوک اور پیاس کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روزہ میں ہر ایک شہوانی خیال، ہر ایک لغویات، ہر قسم کے ہنسی ٹھٹھے، ہر قسم کی گالی گلوچ، ہر قسم کے جھگڑے سے بچنا ضروری ہے۔ ایسے ہی روزہ دار کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّآئِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ رِّیْحِ الْمِسْکِ. روزہ دار کے مونہہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔ فی الحقیقت یہ وہی خوشبو ہے جو ہر قسم کے جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ، ناپاک باتوں اور ہنسی ٹھٹھے کی باتوں سے بچنے سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر روزہ میں زبان کا جہاد صرف اسی حد تک محدود نہیں کہ انسان ہر قسم کی بُری باتوں سے بچے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے آپ کو ان ایام میں ذکر الٰہی میں زیادہ مصروف رکھا جائے۔ کیونکہ روزہ کی اصل غرض اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا حصول ہے۔ اور اس کو حاصل کرنے کے لئے کھانے پینے اور ہر قسم کی ناپاک باتوں کو چھوڑنا صرف پہلا مرحلہ ہے۔ یوں کہنا چاہئیے کہ صرف ایک زمین کو بیج کے لئے تیار کرنے اور اس کو جھاڑیوں وغیرہ سے صاف کرنے سے مشابہ ہے۔ اور ذکر الٰہی وہ بیج ہے جس سے نفس انسانی کی نشوونما ہوتی ہے۔ تو روزہ کی تکمیل ذکر الٰہی سے ہوتی ہے۔ ذکر الٰہی کی سب سے بہتر صورت نماز ہے۔ اور رمضان میں چاہئیے کہ ہر شخص اپنے آپ کو نماز کا پورا پورا پابند کرے۔ اور حتی الوسع نماز باجماعت ادا کرے۔ نماز میں خضوع خشوع کی حالت پیدا کرے۔ تہجد کی عادت ڈالے۔ پھر قرآن کریم کی تلاوت اور بالخصوص اس کے مفہوم کو سمجھ کر تلاوت بہترین ذکر الٰہی ہے۔ جسے میسر ہو۔ احادیث نبویؐ کو بھی پڑھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر، جن کی طفیل یہ خوبی کی

باتیں انسان کو میسر آئی ہیں، درود بھیجنا بھی ذکر الٰہی میں شامل ہے۔ کیونکہ درود دراصل نبی کریمؐ کی اور آپ کے دین کی قبولیت کے لئے دعا ہے۔ درود شریف کو اس کے اس مفہوم کے ساتھ پڑھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کی قبولیت کو دنیا میں پھیلا وے اور دنیا ان فیوض سے متمتع ہو جو آپ کے دامن سے وابستہ ہیں۔ پھر جہاں آپ کی قبولیت کے پھیلانے کے لئے انسان دعا کرتا ہے، چاہئے کہ اس کے لئے اس بابرکت مہینے میں بالخصوص کوشش بھی کرے۔ یعنی اسلام کی طرف بلائے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں دعوت الی الاسلام کی بنیاد اسی ماہ میں رکھی گئی۔ کیونکہ اسی میں قرآن کریم کا نزول شروع ہوا اور تبلیغ اسلام کے جس کام کی بنیاد اس مہینے میں رکھی جائے گی اللہ تعالیٰ اسے ضرور بابرکت فرمائے گا۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

24 ستمبر 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

مجاہداتِ رمضان میں قلب کی پاکیزگی

کس قدر احسان ہے اسلام کا دنیا پر، کہ قلب کی پاکیزگی، خدا کی رضا کے حصول، خدا سے تعلق پیدا کرنے کی وہ راہیں جو لوگ جنگلوں اور پہاڑوں کی تنہائیوں میں یا دنیا سے بکلّی منقطع ہوکر اور دن رات عبادت میں مصروف رہ کر یا طرح طرح کی ریاضتوں کی مشقتیں اٹھا کر تلاش کرتے تھے، ان رحمت کے دریاؤں کو اس طرح بہا دیا کہ ہر گھر کے دروازے پر اس کی نہریں چلنے لگیں۔ ایک عام دنیادار اپنے کام کاج میں مصروف، بیوی بچوں کی ذمہ داریوں کو سر پر لئے ہوئے، تھوڑی سی کوشش سے ان نعمتوں کو حاصل کرسکتا ہے۔ اور جو شخص ایک ماہ کے لئے رمضان کے مجاہدات میں سے ہوگزرتا ہے، بھوک اور پیاس کی شدت کو برداشت کرنا سیکھ لیتا ہے، شہوات کو حد اعتدال کے اندر لے آتا ہے، زبان کو اپنے قابو میں رکھنے کی مشق کر لیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے رات کی تاریکی اور تنہائی میں الگ ہوکر گوشہ نشین زاہد بن جاتا ہے۔ **من السائل** کی آواز کو سن لیتا عظمت اور جلال والے بادشاہ کو دیکھ لیتا، اور اس کے آستانہ پر گر جاتا ہے اس کا دل یقیناً ہر رنگ سے صاف ہوکر ایک مصقل آئینہ کی طرح انوار الٰہی کو اپنے اندر لے لیتا ہے۔ لیکن مجاہدات رمضان کی یہ تصویر نامکمل رہتی، اگر اس کے ساتھ ایک چوتھے مجاہدہ کو شامل نہ کر دیا جاتا۔ جو درحقیقت انسانی مجاہدات کا انتہائی مرحلہ ہے۔ یعنی اپنے مال کو خدا کی راہ میں خدا کی رضا کے لئے خرچ کرنا اور جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بہترین گواہ ہے **كَانَ اَجْوَدُ مَايَكُوْنَ فِيْ رَمَضَانَ**

مال کو خدا کی راہ میں دینا کس قدر پاکیزگی قلب کا ذریعہ ہے خود اسی بات سے ظاہر ہے کہ اپنے جمع شدہ مال میں سے چالیسویں حصہ کی ادائیگی کا نام ہی زکوٰۃ رکھا ہے۔ جو تزکیہ سے ہے۔ اور یہ انتہائی مقام ہے جس پر پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوںؑ کو دنیا میں بھیجتا ہے **وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ** (129:2) پھر صفائی سے مال خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو ہی انسان کی تطہیر اور تزکیہ کا موجب قرار دیا ہے **خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا** (103:9) تزکیہ نفس نہیں ہوسکتا جب تک کہ انسان اپنے مال کو خدا کی راہ میں نہیں دیتا۔

جس شخص نے نماز پڑھ کر، مال کا خرچ کرنا نہیں سیکھا اس کو نماز کی حقیقت سے بے خبر اور اس کی نماز کو ریا کاری قرار دیا ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ . الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَا تِهِمْ سَاهُوْنَ . الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ . وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ . (107:4-7) بلکہ مال کے خرچ کرنے کو ایمان قرار دیا ہے۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ (7:57) اس مال کے خرچ کرنے کو وہ نور قرار دیا ہے جو قیامت کے دن مومنوں کے آگے ہوگا اور جس کے بغیر ظلمت ہی ظلمت ہوگی۔

رمضان کا آخری عشرہ خاص طور پر برکات اور انوار کے حاصل کرنے کا وقت ہے۔ جس کے لئے احادیث نبویؐ میں بھی تاکید پائی جاتی ہے اور جس کا ذکر قرآنی شریعت میں بھی ہے اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ (2:187) لیکن جو شخص مال کی محبت کو دل میں لے کر مسجد میں جا بیٹھتا ہے، وہ یقیناً اعتکاف کی غرض سے بہت دور ہے۔ کاروبار اور علائق دنیوی کو چھوڑ کر مسجد میں بیٹھنے کی غرض تو یہ تھی کہ ان علائق پر اللہ تعالیٰ کا تعلق اس قلب کے ساتھ نہیں جس میں مال کی محبت ہے۔

تو میں نے رمضان کے آخری ایام کو اس تحریک کے لئے اسی غرض سے چنا ہے۔ یوں بھی جب انسان کچھ روزے رکھ لیتا ہے تو اُس کے قلب میں ایک چنگاری محبت الٰہی کی سلگ اُٹھتی ہے جو تھوڑی سی کوشش سے اس شعلے کا رنگ اختیار کر سکتی ہے جو ہوا و ہوس اور خواہشات کو جلا دینے کی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے۔

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی دو تحریکات اپنے احباب کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ جن میں جماعت کا ایک بڑا حصہ، حصہ لے چکا ہے۔ مگر کوئی جماعت جماعت، کہلانے کے مستحق نہیں جب تک اس کے کل افراد اس حصہ نہیں لیتے۔ میں چاہتا ہوں کہ رمضان کے ان بابرکت ایام میں ایک اور کوشش کر دیکھوں کہ ساری کی ساری جماعت ان دو تحریکات میں شامل ہو۔ ایک تحریک زکوٰۃ کی ہے۔ جو فریضہ اسلامی ہے یا اسلام کا مقررہ ٹیکس ہے۔ جس طرح ایک حکومت کی رعایا میں سے جو شخص مقررہ ٹیکس کو ادا نہیں کرتا، وہ اس حکومت کی رعیت کہلانے کا مستحق نہیں، اسی طرح جو شخص قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کردہ ٹیکس یا زکوٰۃ کو ادا نہیں کرتا، وہ قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے اور اسلام کی رعایا میں شامل نہیں۔ بعض احمدیوں کا خیال ہے کہ ہم احمدی ہو جانے کی وجہ سے حقیقت اسلام کو پا گئے ہیں۔ لیکن حقیقت اسلام تو نام ہی احکام اسلام کے سامنے گردن جھکانے کا

ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زبان سے ایمان لانے سے وہ حقیقت نہیں مل سکتی تو آپ کے ایک غلام کو زبان سے مان لینے سے کس طرح مل سکتی ہے۔ اپنے آپ کو دھوکہ میں نہیں رکھنا چاہئیے۔

دوسری تحریک صدقہ کی تھی۔ جس میں جماعت کا ایک حصہ ابھی تک شامل نہیں ہوا۔ یہ تحریک سالانہ جلسہ میں جماعت کے استحکام کے لئے کی گئی تھی۔ تا کہ انجمن قرضہ سے آزاد ہو جائے اور آئندہ آنے والے حالات میں تبلیغ اسلام کے کام کو ایک نئی قوت کے ساتھ شروع کر سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر انجمن مقروض رہے تو اس کی قوت کا بیشتر حصہ اسی قرضہ کی ادائیگی پر صرف ہوتا رہے گا اور جنگ کے بعد جو ضرورت تبلیغ اسلام کی ہوگی اس کو پورا کرنے کے قابل یہ نہ ہوگی۔ بلکہ پہلے ہی مقروض ہونے کی وجہ سے کسی نئے کام کو ہاتھ ڈالنے کی ہمت اس میں نہ ہوگی۔ جماعت کے ایک بڑے حصہ نے اس موقعہ پر خدا کی راہ میں وہ قربانیاں کیں، جن کی نظیر اس زمانہ میں کم ملتی ہے۔ مگر ایک حصہ ابھی تک تذبذب کی حالت میں ہے۔ اس کی وجہ میں نہیں سمجھ سکتا۔ اس میں کچھ حصہ ان احباب کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بہت دیا ہے اور کچھ متوسط الحال احباب بھی ہیں۔ اس لئے یہ وجہ تو ہو نہیں سکتی کہ ان میں دینے کی طاقت نہیں۔

میں نے اندازاً دس دس دن کی آمدنی کا مطالبہ کیا تھا۔ بعض سے کچھ زیادہ بھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس اندازہ میں کچھ غلطی ہوگئی ہو تو اس کا آسان علاج یہ تھا کہ وہ اپنی دس یوم کی آمد بھیج دیتے اور باقی کے متعلق لکھ دیتے۔ یا شائد کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ صدقہ تو ایک اختیاری بات ہے۔ انسان اپنی خوشی سے چاہے تو کرے اور جب چاہے کرے۔ جس کو چاہے دے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے دوست اس بات سے بے خبر ہوں کہ ہمارے صدقات میں بھی جہاد کا رنگ ہے۔ اور جہاد میں سب کو اکٹھے ہو کر چلنا ہوتا ہے۔ نبی کریمؐ کے زمانہ میں جو جہاد کے لئے اموال اکٹھے ہوتے تھے اور صدقات بھی کہلاتے تھے وہ اپنی اپنی خوشی سے جہاں کسی کا دل چاہے نہ دیئے جاتے تھے۔ بلکہ ایک قومی یا دینی غرض کے لئے ایک جگہ جمع ہو کر خرچ ہوتے تھے۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بعض احباب کو انجمن پر بعض اعتراضات ہوں یا میری ذات میں بعض کمزوریاں نظر آتی ہوں۔ جن کی وجہ سے وہ اس تحریک میں شامل نہیں ہوتے۔ مگر حدیث کی صراحت کی رو سے جہاد تو ایک فاجر امیر کے ماتحت بھی واجب ہے۔ اور حضرت مسیح موعود کی کھلی تحریر کی رو سے جو فیصلہ انجمن کا کثرت رائے سے ہو وہی قطعی اور واجب

التعمیل ہے۔ اور اگر کسی کے نزدیک اس روپے کا مصرف درست نہیں تو وہ اپنی رقم کو، جس شرط کے ساتھ چاہے، مشروط کر سکتا ہے۔ اور جس مد میں چاہے خرچ کر سکتا ہے۔

لہٰذا ان احباب سے، جنہوں نے اب تک اس میں حصہ نہیں لیا، میری یہ درخواست ہے کہ وہ ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد اپنے دلوں کو ٹٹولیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی وجہ مال کی محبت ہے۔ تو یہ ایک بیماری ہے۔ اور بیماری بھی ایسی بُری جو اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں داخل ہونے سے روکتی ہے۔ اس کے علاج کی فکر آج ہی کریں۔ اس کے لئے اول تو میری خود ان احباب سے یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے مال کی محبت کو دور کر کے ان کو اس جہاد میں شامل ہونے کی توفیق دے۔ اور یہ رمضان کے مبارک ایام ہیں۔ اور بالخصوص اس کے بعد دو چار دن میں اس کا آخری بابرکت عشرہ شروع ہونے والا ہے۔ اس میں دوسرے احباب بھی جہاں اور باتوں کے لئے دعا کریں یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری ساری جماعت کو اپنی محبت کے رنگ میں ایسا رنگین کرے کہ ان میں مال کی محبت کی کوئی آلائش باقی نہ رہ جائے اور یہ جماعت اس آیت کریمہ کی مصداق ہو اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (111:9) اور جب یہ دعا کریں وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. (286:2) تو اپنے ساتھ اپنی ساری جماعت کو بھی سامنے رکھیں۔ کہ ہم سب کی ہر قسم کی کمزوریاں دور فرما دے اور ہم پر رحم فرما کر ہمیں وہ سامان میسر فرمائے، جن سے اہم اس کے قرآن کو دنیا میں پہنچانے اور اس کے دین کو دنیا میں پھیلانے اور اس کے نام کو دنیا میں بلند کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مال جہاں اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، ایک ابتلا بھی ہے۔ اس لئے جس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ مال ملے وہ نبی کریمؐ کے ارشادات کو بھی بہت زیادہ اپنے سامنے رکھے۔ اَلَاکْثَرُوْنَ هُمُ الْاَقَلُّوْنَ بہت مال والے ہی زیادہ تنگدست ہیں۔ سوائے ان کے جو اپنے مال کو خدا کی راہ میں دیتے جائیں رَجَلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْمَالَ فَسَلَّطَهٗ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِى الْحَقِّ. قابل رشک وہ مالدار ہے جس کو اللہ تعالیٰ مال دے تو اسے حق کی خاطر خرچ کرنے کی توفیق بھی دے۔ وَمَنْ يَّاْخُذُ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ كَانَ كَالَّذِىْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ جو اس مال کو مال کی محبت کے ساتھ لیتا ہے وہ اس جانور کی طرح

ہے جو کھاتا چلا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ لَا یَمْلَأُ جَوْفُ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ. دنیا دار کے پیٹ کو دنیا کا مال نہیں بھرتا۔ قبر کی مٹی بھرتی ہے۔ غرباء کا دل کیسا ہوتا ہے چند فقرات ایک خط کے نقل کرتا ہوں۔

''آپ کا ارشاد در بارہ قرضہ انجمن پیغام صلح کے ذریعہ خاکسار تک پہنچا۔ دل میں ایک جوش تھا اور ساتھ ہی پشیمانی بھی تھی کہ کیا کروں یہ رقم کہاں سے برداشت کروں۔ طبیعت پر ایک بوجھ تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ بارگاہ ایزدی میں دعا بھی کی کہ کوئی رستہ نکل آئے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ کل 12 ستمبر 1942ء کو میں حسن اتفاق سے بذات خود ڈاک خانہ میں جا نکلا۔ ڈاک دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مبلغ تیس روپے کا منی آرڈر میرے نام پر ہے۔ حیران ہوا کہ یہ کہاں سے آ گیا۔ معلوم ہوا کہ بقایا مہنگائی الاؤنس ہے۔ اس کو فضل ربی خیال کیا۔ اور اسی وقت بیس روپے کا منی آرڈر بنام محاسب احمدیہ انجمن لاہور کو کر دیا۔ میرے دل میں ایک سرور پیدا ہوا خوشی سے آنسو نکل آئے۔ بارگاہ رب العزت میں سجدہ شکر ادا کیا کہ میرے دل کی تمنا پوری ہوئی''

یہ خط ایک غریب بھائی ساٹھ روپے ماہوار ملازم کا ہے۔ جن کا نام چوہدری فضل داد ہے۔

اس خط کو پڑھ کر میں کتنی دیر تک یہ دعا کرتا رہا کہ اے خدا تو امرا کو غرباء کا دل عطا فرما تا کہ چند زائد پیسے، جن کو وہ بالآخر ساتھ نہیں لے جائیں گے، خدا کی راہ میں پھینک کر ان کے سینوں میں بھی وہی سرور اور ٹھنڈک پیدا ہو، جو ایک غریب کے دل میں اپنا پیٹ کاٹ کر پیدا ہو سکتی ہے اور غرباء کو امراء کا مال عطا فرما تا کہ تیرے دین کو قوت پہنچے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے دین کی بے کسی کس طرح دور ہو گی اور اس کے دین کو دنیا میں پھیلانے والوں کے دلوں کی تڑپ کب پوری ہو گی۔ مگر یہ دونوں باتیں ہو کر رہیں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ اس کا دین غالب ہوگا۔ اور قرآن کے سامنے بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں جھک جائیں گی۔ اگر وہ پہاڑوں کی طرح بھی ہیں تو قرآن کی عظمت کے سامنے کھڑے نہیں رہ سکتے۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ. (21:59) والسلام

خاکسار محمد علی۔ دارالسلام ڈلہوزی۔ 8 رمضان۔ 20 ستمبر 1942ء

یکم اکتوبر 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

رمضان اور زکوٰۃ

میں جملہ برادران وخواہران سلسلہ کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں ایک منظّم اور زبردست کوشش کی جائے کہ ہمارے مالوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے۔ جن مردوں کی نظر سے یہ مضمون گزرے وہ اپنے تعلق والی خواتین کو اگر وہ خواندہ ہیں تو یہ مضمون پڑھنے کے لئے دے دیں اور اگر خواندہ نہیں تو انہیں پڑھ کر سنا دیں۔

زکوٰۃ کیا چیز ہے۔ جن لوگوں کے پاس ان کے روزمرہ ضرورتوں سے زائد کوئی مال ہے اور اس مال پر ایک سال گزر چکا ہے۔ اس میں سے چالیسواں حصہ غرباء کے فائدہ کے لئے دے دینا۔ فرض کیجئے ایک شخص کے پاس دس روٹیاں ہیں اور اس کے ہمسائے کے بچے بھوک سے بیتاب ہیں۔ تو کیا یہ انسانیت ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق روٹی کھا کر باقی اپنے ہمسایہ کے بچوں کی جان بچانے کے لئے نہ دے۔ یقیناً ایسا انسان سنگدل کہلائے گا۔ زکوٰۃ کا منشاء بھی اسی قدر ہے کہ جن لوگوں کے پاس ان کی روزمرہ ضرورت سے زیادہ مال ہے، وہ اس کا چالیسواں حصہ ہر سال کے سال اپنے غریب بھائیوں کو فاقوں سے بچانے کے لئے دے دیں۔ حدیث نبویؐ میں زکوٰۃ کی یہی تعریف دی ہے۔ **تُؤخَذُ مِنْ اَغْنِيَآئِهِمْ وَتُرَدُّ اِلٰى فُقَرَآئِهِمْ**۔ غنی وہ ہے جس کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ کچھ ہے۔ فرض کرو ایک شخص کے پاس ایک سو روپیہ یا اس قدر مال جمع ہے اور اس پر ایک سال گزر چکا ہے تو یہ اس کی ضرورت سے زائد چیز ہے۔ یا ایک خاتون کے پاس ایک سو روپے کا زیور ہے اور اس پر ایک سال گزر چکا ہے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس میں سے اڑھائی روپے بطور زکوٰۃ ادا کر دیئے جائیں۔ تاکہ اس سے اس کے غریب بھائیوں اور بہنوں کی پرورش ہو سکے۔

پھر دیکھئے کہ چالیسواں حصہ نکالنے سے باقی مال پاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کا نام زکوٰۃ رکھا ہے۔ یعنی یہ جمع شدہ مال کو پاک کرنے والی چیز ہے۔ جمع شدہ مال جو انسان کے پاس پڑا ہے اس کو گویا ایک طرح پر غلاظت قرار دیا ہے۔ اسی لئے رؤیا میں غلاظت کی تعبیر مال سے کی جاتی ہے۔ یہ ایک

حقیقت ہے۔اس لئے کہ جب مال انسان کے پاس جمع ہونا شروع ہوتو اس کا دل اس کی محبت میں گرفتار ہوتا چلا جاتا ہے۔اور مال کی محبت سے یقیناً انسان کا دل ناپاک ہو جاتا ہے۔تو جو چیز انسان کے دل کو ناپاک کردے وہ خود ناپاک ہے۔اسی لئے مال کے جمع کرنے والوں کو آخرت میں عذاب کی خبر دی ہے فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ (35:9) مگر جب اس مال کا چالیسواں حصہ نکال دیا جائے تو وہی مال پاک ہو جاتا ہے۔کیونکہ ایسے صاحب مال نے یہ ثبوت دے دیا کہ اسے مال سے محبت نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ماتحت وہ اپنے مال کو الگ بھی کرسکتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر خاص احسان ہے کہ اسے کتنی آسانی دی ہے کہ صرف چالیسواں حصہ نکال دینے سے گویا اس نے کل مال ہی خدا کی راہ میں دے دیا۔مال کا جمع کرنا یا سرمایہ داری ایک بیماری ہے۔اس بیماری کا علاج اللہ تعالیٰ نے نہایت آسان تجویز کیا ہے۔یعنی یہ کہ صرف چالیسواں حصہ ہر سال کے بعد دے دینے سے وہ بیماری کا رنگ باقی نہیں رہتا۔انسانوں نے جب سرمایہ داری کا علاج تجویز کیا تو انہوں نے یہ قرار دیا کہ کسی کے پاس مال جمع ہی نہ ہو۔بلکہ ہر کمانے والے کا سارا مال لے لو۔یہ وہ علاج ہے جو بالشوزم نے تجویز کیا ہے۔اور دنیا کے ایک بڑے ملک میں جو آج کل گرفتار بلا ہے یہ اصول مروج بھی ہو گیا۔گو اپنے مضرات کی وجہ سے وہ قائم نہیں رہ سکتا۔لیکن خدائی علاج اور انسانی علاج میں کس قدر فرق ہے۔دونوں نے مال کے جمع کرنے کو ایک بیماری قرار دیا۔اللہ تعالیٰ نے آج سے تیرہ سو سال پہلے (اور فی الحقیقت ہر نبیؑ کے ذریعہ سے) یہ بتا دیا تھا کہ مال کا انسان کے پاس جمع ہوتے جانا ایک بیمار ہے۔آخر انسانوں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کر لیا۔لیکن خدائی علاج کتنا سہل ہے۔صرف چالیسواں حصہ دے دو تو یہ بیمار دور ہو جاتی ہے۔انسانی علاج مشکلات سے پُر ہے اور قابل عمل در آمد نہیں۔

اب ہماری قوم جو دنیا میں تبلیغ اسلام کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔جو دنیا کو یہ بتانا چاہتی ہے کہ دنیا کی بیماریوں کا علاج قرآن میں ہے شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (57:10) تو کیا وہ دنیا کو یہ بتائے گی کہ آپ کی فلاں بیماری کی یہ دوا ہے مگر ہم اسے کبھی استعمال نہیں کرتے پھر اس علاج کو کون درست مانے گا۔اس لئے ایسا نہ ہو کہ ہم لوگ مونہہ سے تو تبلیغ اسلام کریں اور دلوں سے اسلام کو ہی جھٹلائیں۔ایسے

لوگوں کے کام میں کوئی برکت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ہماری جماعت پر یہ فرض دیگر مسلمانوں سے بھی بڑھ کر عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنے اموال کی زکوٰۃ ٹھیک چالیسواں حصہ حساب کر کے فوراً نکال دیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں اس کا ثواب اس قدر ہوگا کہ گویا ہم نے سارا مال خدا کی راہ میں دے دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم صرف چالیسواں حصہ کا تھا اور وہ ہم نے پورا کر دیا۔

میں اس جگہ اس غلط فہمی کو بھی دور کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی زکوٰۃ کو جس طرح چاہیں خرچ کر لیں۔ چاہیں تو اسی میں سے چندے بھی دے دیں اور برائے نام مجاہد بن جائیں۔ چاہیں تو اسی میں سے دوستوں یاروں کو بھی کھلا دیں۔ چاہیں تو اسی سے سرکار کو بھی خوش کر لیں۔ رشتہ داروں کو بھی خوش کر لیں۔ کسی بھیک منگتے پر بھی احسان کر دیں۔ چندے ضروری ہیں۔ وہ آپ دیں اور ضرور دیں۔ یہ ہماری جماعت کا جہاد ہے۔ زکوٰۃ اور چیز ہے۔ اور جہاد اور چیز ہے۔ دونوں کو ایک مت ٹھہرائیں۔ یہ خدا کے احکام سے ہنسی ہوگی۔ اس لئے زکوٰۃ میں سے چندہ نہ دیں، رشتہ داروں، دوستوں کو خوش کریں۔ مگر اپنے اموال کو خرچ کر کے نہ کہ زکوٰۃ کو، جو فی الحقیقت ایک غلاظت ہے، اور بیت المال میں جمع ہو کر یہ پاک مال بنتا ہے۔ ہاں اس میں سے تیسرا حصہ بیشک اس غرض کے لئے رکھ لیں۔ یہ رسول خدا کی اجازت ہے۔ اس سے بڑھ کر نہیں۔ بھیک منگتوں پر ضرور احسان کریں مگر وہ بھی اسی شرط کے ساتھ۔

ایک بات اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ دوسرے لوگ اپنے طور پر زکوٰۃ خرچ کر لیں تو شائد ان پر چنداں گرفت نہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں نظام کوئی نہیں۔ مگر آپ کی جماعت خدا کے فضل سے منظّم ہے۔ آپ کو کوئی حق نہیں کہ زکوٰۃ کو اپنے طور پر خرچ کریں۔ پھر منظّم جماعت ہی نہیں۔ یہ مجاہد جماعت ہے۔ یہ تبلیغ کا عظیم الشان جہاد کر رہی ہے، جس سے اس وقت دوسری سب جماعتیں اور دوسرے لوگ لاپروا ہیں اور زکوٰۃ کے مال میں ایک خرچ جہاد فی سبیل اللہ کا بھی ہے۔ یہی نہیں یہ جماعت اس زمانہ کے امام کی، مجدد کی مسیح موعود کی سچی جانشین ہے۔ اس لئے آپ کی زکوٰۃ اس کے بیت المال میں جمع ہونی ضروری ہے تا کہ اس کے ذریعہ یہ جماعت بھی مضبوط ہو اور دین کو دنیا میں پوری قوت سے پہنچا سکے۔ اس کے غریب بھی اپنی روٹی کمانے اور خدا کے راستے میں خرچ کرنے کے قابل ہوں۔ اور ویسے بھی زائد زکوٰۃ تبلیغ دین پر خرچ ہو۔ مسلمانوں میں بھیک منگتے اس قدر ہو گئے ہیں کہ ان کا پیٹ کسی بادشاہ

کے خزانوں سے بھی نہیں بھر سکتا۔ اس لئے امام وقت کی جانشین جماعت کو اپنی اپنی زکوٰۃ سپرد کر دو۔ اور خدا اور اس کے رسولؐ اور امام وقت کے سامنے سر جھکا دو۔

ہاں! رمضان کے آخری عشرہ میں اس مجاہدہ کو سامنے رکھ کر جماعت کے اندر پاکیزگی قلب کی ایک زبردست رو پیدا کر دو۔ زکوٰۃ کے نکالنے کے بغیر ہمارے تمام مجاہدات بیکار ہیں۔ زکوٰۃ کو ادا کر کے ہم رمضان کے مجاہدہ کو دس گنا زیادہ قوی کر سکتے ہیں۔ ہمارے دل اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جائیں گے۔ ہمارے تبلیغ کے کام میں برکت ہوگی اور ہمارے مالوں کے ساتھ ہمارے دل بھی پاک ہو جائیں گے۔ بلکہ خود ہمارے اموال میں بھی اس سے برکت ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا. (122:4) والسلام۔ خاکسار محمد علی دارالسلام۔ ڈلہوزی 13 رمضان

مولٰینا محمد علی جوہر مرحوم کا تبصرہ انگریزی ترجمۃ القرآن پر! (یکم اکتوبر 1942ء) یہ ترجمہ انگریز مترجمین کے پھیلائے ہوئے زہر کا تریاق اور صحیح اور مفید معلومات سے لبریز ہے۔ مولٰینا محمد علی جوہر مرحوم جن کی زندگی کا بیشتر حصہ ایک ملکی لیڈر کی حیثیت سے گذرا مذہب اور بالخصوص اسلام کی ان صحیح تعلیمات سے کس قدر آشنا تھے۔ جو قومیت کی تنگ حدود سے بالا تر ایک عالمگیر اور پرامن برادری پیدا کرنے والی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کے انگریزی ترجمۃ القرآن کو وہ کس عزت وعظمت کی نظروں سے دیکھتے تھے، اور اس سے ان کے دل میں تبلیغ اسلام کا کس قدر جوش پیدا ہوا، اس کی کیفیت ذیل کی چند سطور سے معلوم ہو سکتی ہے۔ جو ان کی خودنوشت سوانح حیات سے، جو حال ہی انگریزی زبان میں شائع ہوئی ہے، ترجمہ کی گئی ہے۔

قریباً یہی وہ وقت ☆ تھا جب ایک مشفق دوست نے ایک ایسا تحفہ ہمیں بھیجا جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ یہ قرآن کریم کا ایک نسخہ تھا۔ جو میرے بھائی کے لئے اور میرے لئے بھیجا گیا۔ یہ قرآن کریم نہایت اعلیٰ درجہ کے بلاکوں سے جو بہترین کتابت کا عکس لے کر تیار کئے گئے تھے چھپوایا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی انگریزی زبان میں نہایت صحیح ترجمہ اور معلومات سے بھرے

☆ دسمبر 1918ء۔ جب مولٰینا معہ اپنے بھائی مولٰینا شوکت علی نظر بند تھے۔

ہوئے حواشی اس میں درج ہیں۔ جو قرآن کریم کی تفاسیر اور صحف یہود و نصاریٰ کے، جن سے اس آخری کتاب پر روشنی پڑ سکتی ہے، گہرے مطالعہ پر مبنی ہیں۔ یہ میرے فاضل ہم نام مولٰینا محمد علی صاحب لاہوری کا کارنامہ ہے۔ جو ایک بہت بڑی مذہبی جماعت کے لیڈر ہیں۔ اس جماعت کے کچھ ممبر انگلستان میں تبلیغ اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے مسجد ووکنگ (سرے) میں مشن قائم کر رکھا ہے۔ یہ ترجمہ اور اس کے حواشی جو اس زہر کا نہایت ضروری تریاق ہے، جو سیل، راڈویل اور پامر جیسے انگریزی مترجمین قرآن کے فٹ نوٹوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی انگریزی اور عربی دونوں کی نہایت اعلیٰ درجہ کی چھپائی، اس کا انڈیا پیپر اور سبز مراکو چمڑے کی نہایت اعلیٰ لچکدار جلد جو مشرقی طرز کے مخصوص سنہری طغرا سے مزین ہے۔ یہ سب چیزیں بظاہر بہت سے کارکنوں کی محبت سے بھری ہوئی محنت ومشقت اور مخلصانہ جوش کا اظہار کر رہی ہیں۔ اس خوبصورت کتاب نے میرے دماغ پر فارسی ضرب المثل کے مطابق سرور دبستان کا کام کیا اور اس ذہنی کیفیت میں، جس میں میں اس وقت مبتلا تھا، میں نے اس دوست کو، جس نے قرآن کریم کے یہ نسخے بھیجے تھے، یہ لکھا کہ میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز دل خوش کن نہیں ہوسکتی کہ جونہی میں ان قیود سے، جو نظر بندی کی حالت میں مجھ پر عائد ہیں، آزاد ہو جاؤں، یورپ چلا جاؤں۔ اور ان لوگوں کو جن کے دماغ جنگ کے اثر سے پاگل ہو چکے ہیں، ہر ایک پارک سے اور ہر بازار کے چوک سے (اگر ہر پبلک ہاؤس کے ناپاک احاطوں میں سے نہ ہو سکے) اس پاک مذہب کی تلقین کروں جو ان جنگ کرنے والی قوموں کے شور وغل کو اسلام کے متحد کر دینے والے امن وامان میں خاموش کرا دیتا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر میں واضح کروں گا۔ اسلام کی خدائی حکومت نے اس تنگ دلانہ بغض وتعصب کی مذمت کی ہے جو قومیت کی پیدائش اور انسانیت کی تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو تمام جہانوں کا خدا ہے، عرب وعجم، آریائی اور سامی اینگلوسکین اور ٹیوٹن کے امتیازات کوئی چیز نہیں اور اس تباہ کن جنگ میں قومیت کے طبعی نتائج اور اس کا عروج مجھے شروع ہی سے نظر آ رہا ہے۔

❁❁❁

8 اکتوبر 1942ء

حضرت امیر کے قلم سے

قرآن مجید میں انبیاءؑ کے حالات

لَقَدۡ کَانَ فِیۡ قَصَصِہِمۡ عِبۡرَۃٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ (111:12)

اِن کے ذکر میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے

مسیحی معترضین کو قرآنی تذکروں کے بارے میں ایک سخت غلطی لگی ہے۔ ان تذکروں کے متعلق قرآن شریف اَنۡبَآءُ الۡغَیۡبِ یعنی غیب کی خبریں اور اسی قسم کے اور الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اور نیز ان کو آیات یعنی نشان کہہ کر پکارتا ہے۔ مسیحی صاحبان نے انہی الفاظ کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قرآن شریف میں گذشتہ انبیاءؑ اور گذشتہ اقوام کے حالات کو اس لئے اَنۡبَآءُ الۡغَیۡبِ یعنی غیب کی خبریں کہہ کر پکارا گیا ہے تا اس سے یہ ظاہر ہو کہ ان حالات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے خبر نہ تھی۔ اور آپ کا ان غیر معلوم قصوں کو بیان کرنا گویا غیب کی باتوں کا بیان کرتا تھا۔ اور اس بات کا ایک ثبوت تھا کہ یہ سب باتیں آپ کو بذریعہ وحی بتلائی گئی ہیں۔ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ جس تفصیل کے ساتھ یہ حالات قرآن شریف میں بیان کئے گئے ہیں، آپ کو پہلے ان تفاصیل کی خبر نہ تھی۔ اور نہ آپ نے یہ تفاصیل کسی یہودی، مسیحی یا مجوسی سے حاصل کیں۔ بلکہ جو کچھ آپ نے بیان کیا خدا تعالیٰ سے الہام پا کر بیان کیا اور اس میں کچھ شک وشبہ نہیں کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف خالص وحی الٰہی کے پاک سرچشمہ سے نکلا ہوا ہے۔ مگر جب قرآن شریف ان حالات کو انباء الغیب اور آیات کہہ کر پکارتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ چونکہ یہ قصے پہلے آنحضرتؐ کو معلوم نہ تھے، اس لئے یہ غیب کی خبریں ہیں۔ اور آپ کا ان قصوں کو بیان کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے نبی ہیں۔ خدا تعالیٰ کہیں بھی یہ نہیں فرماتا کہ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس لئے سچا نبی سمجھنا چاہئیے کہ یہ ایسی ایسی کہانیاں سناتا ہے جن کا اس کو پہلے علم نہ تھا۔ بیشک قرآن مجید ان حالات کو، جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، آیات کہتا ہے۔ مگر جو شخص اس سے یہ خیال کرے کہ ان حالات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے علم نہ تھا۔ اس لئے یہ حالات آپؐ کی نبوت کی آیات نہیں، وہ قرآن شریف کے مطالب سے بے خبر

ہے۔ راڈویل مترجم قرآن سورہ یوسف کا ترجمہ کرتے ہوئے اپنے ایک نوٹ میں لکھتا ہے کہ ''میور کا خیال ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس زمانہ میں یقیناً عمداً دھوکا دینا شروع کر دیا تھا۔ یہ ظاہر کر کے کہ یہ واقعات مجھے خدا کی طرف سے بذریعہ وحی معلوم ہوتے ہیں''۔ مسیحی معترضین کو شرم نہیں آتی کہ کتنی جلدی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوکا دینے کا الزام لگاتے ہیں۔ عربی میں یہ مثال کیسی سچی ہے کہ اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِهٖ ہر ایک شخص اپنے نفس پر دوسروں کو بھی قیاس کرتا ہے۔ اگر ایک شخص خود اپنے لئے دوسرے کو فریب و دھوکا دینا جائز سمجھتا ہے تو دوسروں کی نسبت بھی ایسی ہی رائے رکھتا ہے۔ مگر جو شریف انسان ہوتا ہے وہ دوسرے شریف لوگوں کے بارے میں بُری رائے قائم نہیں کرتا۔ مسیحی معترضین بڑے عقلمند ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں۔ مگر جب اسلام پر نکتہ چینی کرنے کا وقت آتا ہے تو معلوم نہیں کیوں ان کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اس بات کے سمجھنے کے لئے، کہ قرآن مجید گذشتہ اُمتوں اور نبیوں کے حالات کو کیوں آیات قرار دیتا ہے، کسی بڑے فکر اور تدبر کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان حالات کو بطور پیشگوئیوں کے بیان کرتا ہے اور اسی لئے ان کا نام آیات رکھتا ہے۔

یہ امر، کہ خدا تعالیٰ کس غرض سے گذشتہ امتوں اور ان کے نبیوں کے حالات قرآن شریف میں بیان کرتا ہے، مندرجہ ذیل آیات قرآنی سے ہویدا ہے:

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّىَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ. لَقَدْ كَانَ فِىْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ (111-109:12)

ترجمہ: اور نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے مگر مرد کہ وحی بھیجی تھی ہم نے ان کی طرف بستیوں کے رہنے والوں میں سے۔ کیا انہوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلی امتوں کا کیسا انجام ہوا اور آخرت کا گھر متقیوں کے لئے اور بھی بہتر ہے۔ یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہو گئے، اور انہوں

نے یہ خیال کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا (ایسی حالت میں) ان کے پاس ہماری مدد پہنچی۔ پس جس کو ہم چاہتے تھے نجات دی گئی اور ہمارا عذاب مجرموں کے گروہ سے نہیں ٹلتا۔ ان کے حالات میں عقلمندوں کے لئے یقیناً ایک سبق ہے۔

ب۔ اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَایَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَیْدِیَهُمْ فِیْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا کَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ......وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْلَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا فَاَوْحٰی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ. وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ. وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ. (15-9:14)

ترجمہ: کیا تمہارے پاس ان قوموں کی خبریں نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے تھیں۔ یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود کی قومیں اور وہ لوگ جو ان کے پیچھے آئے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ جب ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ کر کہا کہ جو کچھ تم لے کر آئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کی طرف سے ہم شبہ اور شک میں ہیں......اور منکرین نے اپنے رسولوں کو کہا کہ اگر تم لوٹ کر ہمارے مذہب میں نہ آؤ گے تو ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے۔ اس وقت ان کے رب نے ان کی طرف (یعنی رسولوں کی طرف) یہ وحی نازل کی کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور ان کے بعد تم کو (یعنی انبیاء اور ان کی جماعت کو) اس ملک میں آباد کریں گے۔ یہ ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو میرے حضور حاضر ہونے اور میرے وعید سے ڈرتے ہیں۔ اور انبیاء نے خدا سے دعائیں مانگیں کہ سچ کا فیصلہ ہو اور ہر ایک جبار دشمنی کرنے والا نامراد مرا۔

ج۔ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُکَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَایُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ. وَلَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَاکُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓی اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَکَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ. (34-33:6)

ترجمہ: ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ (تیرے دشمن) کہتے ہیں اس سے تو دلگیر ہوتا ہے۔ یہ تیری تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم اللہ تعالیٰ کے نشانوں کا انکار کرتے ہیں۔ تجھ سے پہلے بھی رسولوں کی تکذیب کی گئی اور انہوں نے مخالفوں کی تکذیب اور ایذاء پر صبر سے کام لیا۔ یہاں تک کہ ہماری نصرت ان کے پاس آ گئی اور خدا تعالیٰ کی باتوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور ان رسولوں کی خبریں تجھے (اس قرآن مجید کے ذریعے سے) پہنچ چکی ہیں۔

د۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَانُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (120:11)

ترجمہ: اور ہر ایک بات جو ہم رسولوں کی خبروں میں سے تیرے پاس بیان کرتے ہیں اس کی غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ہم تیرے دل کو مضبوط کریں۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں جو گذشتہ نبیوں اور پچھلی قوموں کے حالات بیان کئے گئے ہیں، وہ اس غرض سے بیان نہیں کئے گئے کہ ان سے یہ ثابت کیا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ کہانیاں اور مخفی قصے بیان کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح آپ کا نبی ہونا ثابت ہو۔ بلکہ ان کے بیان کرنے سے اور ہی غرض مقصود ہے۔ یہ حالات کہانیوں اور قصوں کے رنگ میں بیان نہیں کئے گئے بلکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (111:12) یعنی ان انبیاءؑ کے حالات میں عقلمندوں کے لئے عبرت اور نصیحت ہے۔ پھر فرمایا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ یعنی قرآن شریف میں جو انبیاء سابقین کے حالات بیان کئے گئے ہیں ان کی غرض یہ ہے کہ تیرا دل مضبوط ہو۔ یعنی جیسا اس وقت تو کمزور ہے اور دشمن تیری کمزوری اور اپنی قوت اور کثرت کو دیکھ کر اتراتا اور تجھے دکھ دیتا ہے اور بظاہر تیری کامیابی کا کوئی سامان موجود نہیں، ایسا ہی گذشتہ انبیاءؑ کا حال تھا۔ جیسا اس وقت دشمن اپنی طاقت اور جتھے کے گھمنڈ میں تجھے دھمکاتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اپنے نئے مذہب کو چھوڑ کر ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ، ورنہ ہم تمہیں اس قدر ستائیں گے کہ آخر تمہیں اس شہر سے بھاگ کر اپنی جان بچانی پڑے گی۔ ایسا ہی تجھ سے پہلے جو نبی آئے ان کو کہا گیا لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا (13:14) یعنی اگر تم ہمارے مذہب میں واپس نہیں آ جاؤ گے تو ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے۔ مگر ایسی حالت میں خدا نے اپنے رسولوں کو یہ تسلی دی کہ دشمن تمہیں نابود

نہیں کر سکیں کے بلکہ بجائے اس کے کہ تمہیں نابود کریں وہ خود نابود کئے جاویں گے۔اور جس ملک سے وہ تمہیں نکال کر خود امن سے رہنا چاہتے ہیں ایک زمانہ آئے گا کہ تمہارے مخالفین کا اس ملک میں پتہ ونشان نہ ملے گا اوران کی جگہ تم ہی آباد ہو گے رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ. وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ (14-13:14) یعنی خدا تعالیٰ نے ان نبیوں کی طرف یہ وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اوراُن کے بعد تمہیں اس زمین میں آباد کریں گے۔

جس شخص کو کچھ بھی بصارت وبصیرت سے حصہ دیا گیا ہے وہ صاف دیکھ سکتا ہے کہ اس آیت میں یہ پیشگوئی ہے کہ جیسا کہ تجھ سے پہلے نبیوںؑ کے دشمنوں کو خدا تعالیٰ نے نابود کر دیا اوران کی جگہ انبیاءؑ کے پیروؤں کو اس ملک میں آباد کیا، ایسا ہی اب ہوگا۔یعنی تیرے دشمن ہلاک کئے جائیں گے اور ملک عرب میں تیرے پیرو آباد ہوں گے۔ جب خدا تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ. (34:6) یعنی تیرے پاس رسولوں کی خبر پہنچ چکی ہے تو ایسا کہنے سے خدا تعالیٰ کا یہ ہرگز منشا نہیں تھا کہ تجھے ہم نے ایسے قصے اور کہانیاں سنائی ہیں جو تو نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ بلکہ اس سے یہ منشاء ہے کہ جیسا گذشتہ نبیوںؑ اوران کی قوموں کا حال ہوا، وہی تیری اور تیری قوم کا حال ہوگا۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (34:6) یعنی جیسا اب تیری قوم تجھے جھوٹا کہتی ہے اور تجھے ایذا دیتی ہے، ایسا ہی جو رسول تجھ سے پہلے آئے، ان کی بھی تکذیب کی گئی اوران کو بھی اسی طرح دکھ دیا گیا۔مگر انہوں نے اس پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد آ گئی اور خدا کی باتوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

قارئین! بتلائیں کہ اس آخری فقرے کا کیا مطلب ہے۔اور خدا تعالیٰ کیوں فرماتا ہے کہ خدا کی باتوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا ان نبیوں نے صبر کیا اور آخر ہماری مدد آ پہنچی ایسا ہی اب بھی ہوگا۔ یہ خدا کی بات ہے اور خدا تعالیٰ کی باتیں ٹلا نہیں کرتیں۔غرض قرآن مجید میں جو حالات گذشتہ قوموں اور گذشتہ انبیاءؑ کے لکھے ہیں، وہ کہانیاں نہیں بلکہ ان میں ان واقعات کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کو پیش آنے والے تھے۔یعنی یہ حالات آنے والے واقعات کی زبردست پیشگوئیاں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان حالات کو خدا تعالیٰ اَنْبَآءُ الْغَيْبِ کہہ کر پکارتا

ہے۔ اور یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ چونکہ یہ کہانیاں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھیں۔ اس لئے ان کو غیب کی خبریں کہا گیا ہے۔ اگر چہ یہ سچ ہے کہ یہ واقعات بھی اس تفصیل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھے۔ مگر جب ان حالات کو خدا تعالیٰ غیب کی خبریں کہتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ ان میں آئندہ کے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ نہ یہ کہ گذشتہ قصے اور کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ پھر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد گذشتہ امتوں اور نبیوں کے حالات بیان کرنے سے یہ ظاہر کرنا نہ تھا کہ آپ ایسی کہانیاں بیان کر سکتے ہیں، جن کی آپ کو خبر نہ تھی، اس امر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں جن نبیوں اور قوموں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں بعض ایسے نبی اور ایسے لوگ بھی ہیں جن کے حالات سے ملک عرب کے لوگ بے خبر نہ تھے اور جن کی نسبت آنحضرتؐ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ پوشیدہ کہانیاں ہیں۔ جو میں نے تمہارے پاس بیان کی ہیں۔ مثلاً حضرت ہود کے حالات اور قوم عاد کا بیان، حضرت صالح کے حالات اور قوم ثمود کا بیان۔ مگر قرآن شریف میں جیسا حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوموں کے حالات بیان کئے گئے ہیں، ایسا ہی حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ بلکہ جیسا دیگر انبیاءؑ کے حالات کو آیات کے طور پر پیش کیا گیا ہے، ایسا ہی حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کے حالات کو بھی بطور آیات کے پیش کیا گیا ہے (دیکھو سورہ الشعراء) اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ نے انبیاءؑ اور ان کی قوموں کے حالات کو اس لئے آیات نہیں کہا کہ وہ پوشیدہ کہانیاں تھیں بلکہ اس لئے آیات کہا ہے کہ ان میں آنے والے واقعات کی پیشگوئیاں ہیں۔ جن کا پورا ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان تھا۔

قرآن مجید میں گذشتہ نبیوں اور ان کی امتوں کے تذکرے کس غرض سے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ امر اور بھی واضح ہو جاتا ہے جب ہم ان آیات پر غور کرتے ہیں جن میں آنحضرتؐ کے دشمنوں کو بار بار متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ گذشتہ امتوں اور ان کے انبیاءؑ کے حالات سے سبق حاصل کریں۔ ورنہ ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو گذشتہ انبیاءؑ کے دشمنوں کا ہوا۔ قارئین مندرجہ ذیل آیات قرآنی کو غور سے پڑھیں۔

(۱) وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ. قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ. (6:10-11)

یعنی تجھ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان پر بھی ہنسی کی گئی۔ مگر جس چیز پر ہنسی کرتے تھے، اسی نے آخر ہنسی کرنے والوں کو گھیر لیا۔ تو اپنے جھٹلانے والوں کو کہہ کہ زمین میں پھر کر دیکھو، پہلے جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا (پس ایسا ہی تمہارا بھی انجام ہوگا)

ب۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ. اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْاَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ. (37-36:50) یعنی ان (مکہ والوں) سے پہلے ہم نے کتنی نسلیں ہلاک کیں جو ان مکہ والوں سے طاقت میں زیادہ زبردست تھے۔ پس انہوں نے شہروں کو چھان مارا کیا کوئی بھاگنے کی جگہ ہے۔ اس میں نصیحت ہے ایسے شخص کے لئے جس کا دل ہو اور جو کان رکھ کر سنے اور وہ دل سے حاضر ہو۔

ج۔ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَايَشْعُرُوْنَ. فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْكَانُوْا يَعْلَمُوْنَ. وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ. (27-25:39) یعنی ان (مکہ والوں) سے پہلے بھی لوگوں نے (انبیاءؑ کی) تکذیب کی۔ پس ان پر عذاب ایسی جگہ سے آیا جہاں کہ ان کو خواب و خیال بھی نہ تھا۔ اس ورلی زندگی میں خدا تعالیٰ نے ان کو ذلت کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کاش کہ وہ جانتے اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے تا کہ وہ سبق حاصل کریں۔

د۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ. (13:41) یعنی اگر (مکہ والے) مونہہ پھیر لیں تو ان کو کہہ دے کہ میں تم کو ایسے ہی عذاب سے ڈراتا ہوں، جیسا کہ عاد اور ثمود کا عذاب تھا۔

قسط دوم: مطبوعہ دراشاعت 15 اکتوبر 1942ء

ھ۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَ هُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى...... الْاَرْضِ وَمَكْرَا لسَّيِّئِ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَلِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا. اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا

فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَکَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْھُمْ قُوَّۃً وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعْجِزَہٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ اِنَّہٗ کَانَ عَلِیْمًا قَدِیْرًا. (44-42:35) یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی سخت قسم کھائی کہ اگر اُن کے پاس نذیر آیا تو وہ ہر ایک امت سے زیادہ راہ پانے والے ہوں گے۔ مگر جب ان کے پاس نذیر آیا تو اس کے آنے سے انہوں نے صرف بیزاری اور نفرت میں ترقی کی۔ یہ سب اس لیئے کہ انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور بری تدبیریں کیں۔ اور بری تدبیریں تو صرف کرنے والے کو گھیرتی ہیں۔ پس یہ لوگ صرف اسی سلوک کا انتظار کرتے ہیں جو پہلی قوموں کے ساتھ کیا گیا۔ اور خدا کی اس سنت میں جو نبیوں کے دشمنوں کے متعلق ہے تو ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا اور خدا تعالیٰ کی سنت نہیں ٹلے گی۔ کیا تیرے دشمنوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ جو قومیں اُن سے پہلے گزری ہیں (یعنی جنہوں نے ان کی طرح نبیوں سے عداوت کی) ان کا کیا انجام ہوا اور وہ ان سے (یعنی آنحضرتؐ کے دشمنوں سے) طاقت اور قوت میں بہت بڑھے ہوئے تھے اور کوئی چیز نہیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں جو اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکے۔ وہ علیم بھی ہے اور قدرت بھی رکھتا ہے۔

و۔ ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّہٗ عَلَیْکَ مِنْھَا قَآئِمٌ وَّحَصِیْدٌ. ...... وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ. اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَۃِ (103-100:11) یعنی یہ ہیں بعض خبریں بستیوں کی جو ہم تیرے پاس بیان کرتے ہیں۔ بعض ان میں سے ابھی موجود ہیں اور بعض بالکل جڑھ سے کاٹی گئیں اور ان کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں...... تیرا رب جب ظالم بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اسی طرح پکڑتا ہے۔ اس کا پکڑنا بڑا دردناک اور سخت ہے۔ اس میں نشان ہے ایسے شخص کے لئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

ز۔ وَلَقَدِ اسْتُھْزِیَٔ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُھُمْ فَکَیْفَ کَانَ عِقَابِ. (32:13) یعنی جیسا تجھ پر تیرے دشمن ہنسی کرتے ہیں ایسا ہی تجھ سے پہلے بھی رسولوں پر ہنسی کی گئی ہے۔ ہم نے منکروں کو ایک عرصہ تک مہلت دی اس کے بعد میں نے اُن کو پکڑا اور میرا عذاب کیسا سخت تھا۔

ح۔ اَھُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ اَھْلَکْنٰھُمْ اِنَّھُمْ کَانُوْا مُجْرِمِیْنَ.

(37:44) یعنی کیا یہ (تیرے مخالف) اچھے ہیں یا قوم تبع اور قومیں جو ان سے پہلے گذری ہیں۔ہم نے ان کو ہلاک کیا تحقیق وہ مجرم لوگ تھے۔

و۔وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ ہِیَ اَشَدُّ قُوَّۃً مِّنۡ قَرۡیَتِکَ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَتۡکَ اَہۡلَکۡنٰہُمۡ فَلَا نَاصِرَ لَہُمۡ. (13:47) اور بہت بستیاں ہیں جو تیری اس بستی سے، جس نے تجھے نکالا زیادہ طاقتور تھیں، ہم نے ان کو ہلاک کیا اور کوئی ان کی مدد نہ کر سکا۔

ط۔اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ کُبِتُوۡا کَمَا کُبِتَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ وَلِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ. (5:58) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرتے ہیں وہ ہلاک کئے جائیں گے۔جیسا کہ وہ قومیں ہلاک کی گئیں جو ان سے پہلے تھیں اور کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

ی۔اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً وَّاَثَارُوا الۡاَرۡضَ وَعَمَرُوۡہَاۤ اَکۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡہَا وَجَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظۡلِمَہُمۡ وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُوا السُّوۡۤاٰۤی اَنۡ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَکَانُوۡا بِہَا یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ. (10-9:30) کیا انہوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھا کہ قومیں۔ان سے پہلے گزریں ان کا کیا انجام ہوا۔وہ ان سے قوت میں بڑے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو پھاڑا اور مکہ والوں کی نسبت زیادہ زمین کو آباد کیا اور ان کے رسول ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آئے۔اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔پھر بدی کرنے والوں کا انجام بُرا ہوا۔اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی تکذیب کی اور وہ ان پر ہنستی کیا کرتے تھے۔

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات کافی طور سے اس امر کو ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن شریف میں گذشتہ انبیاءؑ اور ان کی قوموں کے حالات کس غرض سے بیان کئے گئے ہیں۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ایک ایسا ہی نذیر ہے جیسا کہ اس سے پہلے دنیا میں نذیر آئے۔اور یہ کہ خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ اپنے نبیوں کے دشمنوں کو ہلاک کر دیتا ہے اور اپنے پاک بندوں کو ان کے

ستانے والوں پر فتح مبین عطا فرماتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا اٹل قانون ہے۔ اور چونکہ یہ نبیؐ بھی ایک سچا نبی ہے۔ اس کے دشمنوں سے بھی وہی برتاؤ کیا جائے گا جو پہلے نبیوںؑ کے دشمنوں سے برتاؤ کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّـذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗۤ اُولٰٓئِکَ فِی الۡاَذَلِّیۡنَ. کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَاوَ رُسُلِیۡ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ. (21-20:58) جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتے ہیں وہی نیچا دیکھیں گے۔ خدا تعالیٰ نے یہ بات لکھ رکھی ہے کہ ضرور میں اور میرے رسول ہی غالب آیا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ طاقتور اور زبردست ہے۔

اسی قانون کی تشریح کے لئے قرآن مجید میں انبیاءؑ اور ان کی قوموں کے حالات کثرت سے بار بار بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان حالات کے بیان کرنے کی غرض خود انہی حالات میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے۔ اور جب ہم ان حالات کو پڑھتے ہیں تو یہ امر صاف طور پر کھل جاتا ہے کہ ان حالات کے بیان کرنے والے کی غرض یہ نہیں کہ ایک قصہ ہمیں سنائے بلکہ اس کی غرض یہ ہے کہ سننے والے اس سے عبرت حاصل کریں۔ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے میں بعض انبیاءؑ کے حالات کو، جو قرآن شریف میں بیان کئے گئے ہیں، بطور مثال پیش کرتا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے حالات: پہلے میں حضرت نوحؑ کے حالات پیش کرتا ہوں۔ قارئین اس عظیم الشان نبی کے حالات کو سورہ یونس میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس سورہ شریفہ میں آپ کے حالات ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتے ہیں وَاتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَنُوۡحٍ (71:10) یعنی ان لوگوں کو نوح (علیہ السلام) کی خبر پڑھ کر سناؤ۔ خود یہی لفظ، جن کے ساتھ حضرت نوحؑ کے بیان کو شروع کیا گیا ہے، صاف طور پر ظاہر کر رہے ہیں کہ اس بیان سے بیان کرنے والے کی غرض کیا ہے۔ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کرتا ہے کہ تم اپنی قوم کو حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کا حال سناؤ۔ یہ حکم کیوں دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس بیان میں آپ کی قوم کے لئے ایک عبرت اور ایک سبق ہے۔ اس کے بعد حضرت نوحؑ کے وہ الفاظ درج ہیں جو آپ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمائے۔ اور وہ الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ اِنۡ کَانَ کَبُرَ عَلَیۡکُمۡ مَّقَامِیۡ وَتَذۡکِیۡرِیۡ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَعَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡتُ فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَکُمۡ وَشُرَکَآءَکُمۡ ثُمَّ لَا یَکُنۡ اَمۡرُکُمۡ عَلَیۡکُمۡ غُمَّۃً ثُمَّ اقۡضُوۡۤا اِلَیَّ وَلَا

تُنْظِرُوْنَ. (71:10)

یعنی اے میری قوم! اگر میرا کھڑا ہونا اور میرا اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ نصیحت کرنا تمہیں دوبھر معلوم ہوتا ہے تو میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے۔ پس تم اپنے کام کو مقرر کرلو اور اپنے شرکاء کو جمع کرو پھر تمہاری بات تم پر پوشیدہ نہ رہے۔ پھر تم مجھ پر ٹوٹ پڑو اور مجھے مہلت نہ دو۔ کیا قارئین یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ صرف کہانی کے الفاظ ہیں۔ یہ صرف حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ نہیں تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا بلکہ یہ آپ کے ذاتی واقعات تھے جو آپ نے اپنی قوم کو سنائے۔ اور اس لئے جو کچھ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سنایا، وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے سنایا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح آپ نے اپنی قوم کو کہا کہ میرا بھروسہ خدا تعالیٰ پر ہے۔ تم اپنی تدبیروں کو جمع کرو اور اپنے سب معبودوں کو بھی اپنی مدد کے لئے بلاؤ اور اپنے شرکاء کو بھی اکٹھا کرو۔ اور چھپ کر میری دشمنی نہ کرو۔ بلکہ کھلم کھلا زور لگاؤ۔ اور سب کے سب مجھ پر ٹوٹ پڑو اور مجھے مہلت نہ دو۔ ان الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو کھلا کھلا چیلنج دیا کہ میرے تباہ کرنے کے لئے تم جتنا زور لگا سکتے ہو لگاؤ اور میرے سلسلہ کی بیخکنی کے لئے تم کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑو۔ میرا خدا میری مدد کرے گا اور بجائے اس کے کہ تم مجھے تباہ کرسکو خود تباہ کئے جاؤ گے۔ جیسا کہ نوحؑ کی قوم تم سے پہلے تباہ کی گئی۔ اس کے بعد قرآن شریف یہ بیان کرنے کے بعد، کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے نوحؑ کو بچایا اور آپ کے دشمنوں کو ہلاک کیا، اس بیان کو ان پُرمعنی الفاظ میں ختم کرتا ہے۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ. (73:10) پس دیکھ کہ ان لوگوں کا جن کو پہلے ڈرایا گیا تھا کیسا انجام ہوا۔ حضرت نوحؑ کے قصہ کو ان الفاظ پر ختم کرنے سے صاف یہ غرض ہے کہ جیسا حضرت نوحؑ کے مخالفوں کا انجام ہلاکت ہوا، ایسا ہی اس وقت کے مخالفین کا حال ہوگا۔ بشرطیکہ وہ حق کی طرف رجوع کریں۔

سورہ ہود میں خدا تعالیٰ ان الفاظ کو نقل کرتا ہے جو حضرت نوحؑ کی قوم نے آپ کو کہے اور وہ الفاظ یہ ہیں فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَانَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَانَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ. (27:11) یعنی حضرت نوحؑ کی قوم کے انکار کرنے والے سرداروں نے حضرت نوح کو کہا۔ ہم

دیکھتے ہیں کہ تو صرف ہمارے جیسا ایک انسان ہے اور تیرے تابعدار بھی ہم میں نہایت ہی چھوٹے درجہ کے لوگ ہیں اور ہم تم میں کوئی فضیلت کی بات نہیں دیکھتے۔ بلکہ ہم تمہیں کاذب خیال کرتے ہیں۔مگر حضرت نوحؑ کی قوم کے منکر سرداروں کی طرح قریش کے متکبر سردار ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اتباع کے بارہ میں اسی قسم کے الفاظ کہا کرتے تھے۔اور اس لئے حضرت نوحؑ کے قصہ میں ان کے لئے ایک عبرت اور ایک پیشگوئی تھی۔حضرت نوحؑ اور آپ کے اتباع کو آپ کی قوم کے منکر سردار کمزور سمجھتے تھے اور نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔مگر خدا تعالیٰ نے اپنے نبی اور اس کے کمزور اتباع کی نصرت فرمائی اور ان کے مغرور دشمنوں کو ہلاک کیا اور خدا تعالیٰ حضرت نوحؑ اور آپ کے متکبر دشمنوں کا یہ قصہ مکہ کے سرکش سرداروں کو سنا کر یہ بتلاتا ہے کہ یہی حال تمہارا ہوگا۔اس سورہ یعنی سورہ ہود میں بھی جن الفاظ کے ساتھ حضرت نوحؑ کا قصہ ختم ہوتا ہے، وہ بھی نہایت قابل غور ہیں۔اس قصہ کو ختم کر کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْکَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَاقَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ. (49:11) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔اس سے پہلے یہ نہ تجھے معلوم تھیں اور نہ تیری قوم کو۔پس تو صبر کر اور اس بات پر یقین رکھ کہ انجام متقیوں کے لئے ہے۔

حضرت نوحؑ کے قصہ کو اَنْبَآءُ الْغَيْبِ کیوں کہا گیا؟!اس کو غیب کی خبر اس لئے نہیں کہا گیا کہ طوفان نوح کی خبر کبھی پہلے کسی کو معلوم نہ تھی، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نہ آپ کی قوم سے کسی فرد کو۔ بلکہ اس قصہ کو اس لئے انباء الغیب کہا گیا ہے کہ اس میں آپ کے اور آپ کی قوم کے آنے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو ان غیب کی خبروں کو پہلے نہیں جانتا تھا اور نہ تیری قوم ان خبروں کو پہلے جانتی تھی۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو اور آپ کے زمانہ کے لوگوں کو طوفان نوح وغیرہ کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن آنے والے واقعات کی اس قصہ کے ذریعہ خبر دی گئی ہے ان کی خبر نہ تجھے پہلے تھی اور تیری قوم کو۔مکہ کے سردار نہیں جانتے تھے کہ ہمارے لئے بدر کے میدان میں غرق ہونا مقدر ہے۔جب حضرت نوحؑ اور آپ کی قوم کا ماجرا ان کو سنایا گیا تو اس وقت اُن کو اپنی طاقت کا اس قدر گھمنڈ تھا کہ اُن کے وہم وگمان میں بھی یہ امر نہیں آ سکتا کہ ہمارا انجام ہلاکت ہے

اور وہ مسلمانوں کی ضعفاء کی جماعت کو، جو ان کے شہر کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے سامنے تیار کر رہا تھا، ایسی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ ان کے واہمہ میں بھی یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ انہی ضعفاء کے ہاتھوں سے وہ نابود کئے جاویں گے۔ جیسا حضرت نوحؑ کی قوم ان کی کشتی کو دیکھ کر ہنستی تھی۔ ایسے ہی مکہ کے صنادید اس چھوٹی سی اسلامی جماعت کو دیکھ کر ہنستے تھے اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہی کشتی اسلام کی نجات کا ذریعہ ٹھہرے گی اور اسی کشتی کے سامنے وہ صنادید خشک بیابان میں غرق ہوں گے، یہ عجیب وغریب خبریں تھیں جو حضرت نوحؑ کے قصہ میں ان کو پیش از وقت سنائی گئی تھیں اور انہی کا نام **اَنۡبَآءُ الغَیۡبِ** رکھا گیا۔ کیونکہ یہ واقعات ابھی غیب کے پردہ میں مخفی تھے، اسی لئے تو قرآن شریف حضرت نوحؑ کے قصہ کو ختم کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے **فَاصۡبِرۡ اِنَّ الۡعَاقِبَۃَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ**۔ (49:11) پس صبر کرو اور یقیناً یاد رکھو کہ انجام متقیوں کے لئے ہے۔ ان الفاظ سے خدا تعالیٰ اس امر کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ جیسا نوحؑ اور ان کی قوم کا حال ہوا ویسا ہی اب ہوگا۔ پس تم مت گھبراؤ اور دشمن کی طاقت اور ان کی تعدیوں کو دیکھ کر حوصلہ نہ ہارو۔ کیونکہ جیسا کہ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں متقیوں کا گروہ آخرکار کامیاب ہوا اور ان کے دشمن غرق کئے گئے، ایسا ہی اب بھی خدا تعالیٰ متقیوں کی جماعت کی مدد کرے گا اور ان کے دشمنوں کا نام ونشان مٹا دے گا۔ غرض قرآن شریف کے پڑھنے سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت نوحؑ کا قصہ قرآن شریف میں صرف کہانی کے طور پر بیان نہیں کیا گیا بلکہ اس میں آنے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ جیسا نوحؑ کے زمانہ میں آپ کے دشمن ہلاک ہوئے، ایسا ہی اب بھی شہر مکہ کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کامیاب ہوگا اور اس کے دشمن صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے قصہ کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **تِلۡکَ مِنۡ اَنۡبَآءِ الۡغَیۡبِ** یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں اور پھر سورہ مومنوں میں اسی قصہ کے بارے میں فرمایا ہے۔ **اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیَاتٍ** (30:23) یعنی اس میں نشانات ہیں

قسط سوم: مطبوعہ در اشاعت (22 اکتوبر 1942ء)

حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ اور دیگر انبیاءؑ: جیسا کہ قرآن شریف میں حضرت نوحؑ کے حالات پڑھنے سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ یہ حالات بطور قصہ بیان نہیں کئے گئے بلکہ بطور پیشگوئی کے بیان کئے

گئے ہیں۔ یہی امر دوسرے انبیاءؑ کے حالات کے مطالعہ سے، جوقرآن مجید میں مذکور ہیں، ثابت ہوتا ہے۔ان حالات کوغور سے پڑھوتو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ان میں سے ہرایک بیان آنحضرتؐ کے متعلق ایک پیشگوئی ہے۔ ہرایک بات میں، جوانبیاءؑ سابقین کے متعلق بیان کی گئی ہے،سوچنے والوں کے لئے ایک نشان اور ایک سبق ہے۔ جو جو باتیں پہلے نبیوں نے اپنی قوموں کو کہیں، وہی باتیں مکی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قوم پر چسپاں ہوتی ہیں۔مثلاً سورہ ہود میں وہ اقوال درج کئے گئے ہیں جو حضرت شعیبؑ کی قوم نے اپنے نبی کو کہے۔اور نیز وہ اقوال درج ہیں جو حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو کہےاور یہ اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم پر بھی ایسے ہی زور کے ساتھ چسپاں ہوتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت شعیبؑ اور آپ کی قوم پر چسپاں ہوتے تھے۔ مثلاً خدا تعالیٰ فرماتا ہے

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ. (91:11) یعنی حضرت شعیبؑ کی قوم نے کہا اے شعیبؑ تیری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔اور ہم تجھے اپنی جماعت میں بہت ضعیف دیکھتے ہیں۔اور اگر تیری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تجھے پتھر مار مار کر مار ڈالتے اور تو ہم پر قدرت نہیں رکھتا۔اب ہو بہو یہی بات مکہ والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے تھے۔اس لئے جو جواب حضرت شعیبؑ کی طرف سے ان کی قوم کو دیا گیا وہ درحقیقت آنحضرتؐ کی طرف سے مکہ والوں کے قول کا جواب تھا اور وہ جواب یہ ہے **يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ. وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ.** (93-92:11) اے میری قوم کیا میری برادری کی عزت تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی نسبت زیادہ ہے۔اور تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا ہے۔ تحقیق میرا رب تمہارے کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے۔اور اے میری قوم (تم میری برادری کا ہرگز لحاظ نہ کرو بلکہ) جہاں تک تمہارا بس چلتا ہے اپنا زور لگالو۔ میں بھی اپنا کام کئے جاتا ہوں۔عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کو رسوا کرنے والا عذاب پہنچتا ہے۔اور کون جھوٹا ہے اور تم بھی (خدا کے فیصلہ کا) انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

ان الفاظ میں مکہ والوں کو یہ بتلایا گیا کہ جہاں تک تم میں طاقت ہے تم میرے نابود کرنے کے لئے زور لگاؤ۔ تمہاری کوششیں کچھ کارگر نہ ہوں گی۔ کیونکہ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ اور تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس فریق کو خدا تعالیٰ عذاب دے کر اور ذلت اور ناکامی کا مزہ چکھا کر کس کی سچائی کی گواہی دیتا ہے۔ اور مکہ والوں کو کہا گیا کہ تم بھی اس الٰہی فیصلہ کا انتظار کرو۔ میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

میں بوجہ خوف طوالت زیادہ مثالیں اس بات کی پیش نہیں کر سکتا کہ قرآن مجید میں جو کچھ گذشتہ انبیاءؑ کے حالات بیان کئے گئے ہیں وہ کہانیاں نہیں بلکہ پیشگوئیاں ہیں۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور آپ کے دشمنوں کی تباہی اور دیگر آنے والے واقعات کی قبل از وقت خبر دی گئی ہے۔ میں صرف چند اور آیات قرآنی یہاں نقل کرتا ہوں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ دشمنان اسلام کو بار بار متنبہ کیا گیا کہ وہ ان انبیاءؑ اور امم کے نمونے سے سبق حاصل کریں، جن کے حالات قرآن شریف میں اسی غرض سے بیان کئے گئے ہیں۔ قارئین کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ مندرجہ ذیل آیات کریمہ غور سے پڑھیں تا ان کو معلوم ہو کہ گذشتہ انبیاءؑ کے حالات کس غرض سے قرآن شریف میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

ا۔ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُوالْاَوْتَادِ. وَثَمُوْدُوَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ. اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ. (38:12-14)

ان سے پہلے (یعنی تیرے مخالفین سے پہلے) نوح (علیہ السلام) کی قوم نے اور عاد اور فرعون ذوالاوتاد نے اور ثمود اور قوم لوط (علیہ السلام) اور بن والوں (یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم) نے نبیوں کی تکذیب کی۔ یہ تھیں بڑی جماعتیں۔ ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کی تکذیب کی پس ان پر میرا عذاب ثابت ہوا۔

ب۔ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ. كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْ نٰهُمْ اَخْذَعَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ. اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَ ةٌ فِي الزُّبُرِ. اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ. سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. (54:41-45) فرعون کی قوم کے پاس ڈرانے والے آئے۔ انہوں نے (یعنی اس قوم کے لوگوں نے) ہمارے سارے نشانوں کی تکذیب کی۔ پس ہم نے ان کو پکڑا۔ جیسا ایک طاقتور قدرت والا پکڑتا ہے (بھلا اے مکہ والو بتلاؤ) کیا تمہارے کفار ان کفار سے بہتر

ہیں یا تمہارے لئے الٰہی کتابوں میں بریت آ چکی ہے کیا وہ (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ ہم ایک بدلہ لینے والی جماعت میں ہیں۔ یہ جماعت (کفار) ہزیمت اٹھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

ج۔اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا. فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْ نٰهُ اَخْذًاوَّبِيْلًا. فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا. (17-15:73) ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے تم پر گواہی دینے والا جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی۔ اس لئے ہم نے سخت عذاب کے ساتھ پکڑا۔ پس تم کس طرح کفر کر کے اس دن سے بچ سکتے ہو جو (سخت عذاب کی وجہ سے) بچوں کو بھی بوڑھا کر دے گا۔

د۔كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَ هُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. ...... كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ. (54-52:8)

ان کا حال ایسا ہے جیسا کہ فرعون کی قوم کا اور ان قوموں کا جو اُن سے بھی پہلے تھے۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کے نشانوں کا انکار کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا۔ اللہ تعالیٰ طاقتور اور عذاب دینے میں سخت ہے...... ان کا حال ایسا ہے جیسا کہ فرعون کی قوم کا اور ان قوموں کا جو اُن سے پہلے تھے۔ انہوں نے اپنے رب کے نشانوں کی تکذیب کی سو ہم نے ان کو اُن کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور سب ظالم تھے۔

ھ۔اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ. (51:40) اس دنیا کی زندگی میں بھی ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی نصرت کرتے ہیں اور اس دن بھی جبکہ گواہ کھڑے ہوں گے۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن شریف میں جو قصص پہلے نبیوں اور ان کی امتوں کے بیان کئے گئے ہیں، وہ یونہی کہانیوں کے طور پر بیان نہیں کئے گئے بلکہ وہ ایک غرض اور مدعا رکھتے ہیں۔ یعنی اُن میں سے ہر ایک پیشگوئی ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی

اور آپ کے دشمنوں کی ذلت اور ہلاکت اور دیگر امور متعلقہ کی خبر دی گئی ہے۔ ان قصوں میں آنحضرتؐ کے لئے تسلی اور بشارت تھی اور آپ کے دشمنوں کے لئے ہلاکت کی خبر تھی۔ اور نہ صرف عام طور پر مومنوں کی کامیابی اور دشمنوں کی ہلاکت کی خبر دی گئی تھی بلکہ ان قصوں میں سے بعض میں تو آنحضرتؐ کی زندگی کے آنے والے واقعات کو بھی قبل از وقت ظاہر کر دیا گیا تھا۔ میں اوپر قرآن شریف کی وہ آیات درج کر چکا ہوں جن میں آنحضرتؐ کو حضرت موسیٰؑ سے مشابہت دی گئی ہے۔ اور آپ کے دشمنوں کو بتلایا گیا ہے کہ وہ ایسی ہی سزا کے منتظر رہیں جو فرعون کو دی گئی تھی (دیکھو آیات نمبر ج اور د) چنانچہ ہم انہی آیات کے مطابق آنحضرتؐ کی زندگی اور حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں ایک گہری مشابہت پاتے ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے اسی مشابہت کی طرف اشارہ کیا جب آپ نے مکہ کے بدقسمت انسان ابوجہل کو فِرْعُوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ کا خطاب دیا۔ دیکھو! جیسا کہ حضرت موسیٰؑ اپنے ہمراہیوں سمیت ملک مصر سے بھاگے ایسا ہی آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ کو شہر مکہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ اور جیسا فرعون نے طیش میں آکر بھاگنے والے اسرائیلیوں کا اپنے شکر سمیت تعاقب کیا ایسا ہی مکہ کے فرعون نے ایک لشکر جرار کے ساتھ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہؓ پر ہجرت کے بعد چڑھائی کی۔ مگر اس کا وہی انجام ہوا جو فرعون کا ہوا تھا۔ یعنی جیسا فرعون حضرت موسیٰؑ اور آپ کے ہمراہیوں کی آنکھ کے سامنے غرق ہوا ایسا ہی ملک عرب کا فرعون اپنے ہمرکاب سرداروں کے ساتھ آنحضرتؐ اور آپ کی جماعت کی آنکھوں کے سامنے غرق ہوا۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کے دشمن فرعون مصر اور اس کے ہمراہیوں کے غرق ہونے کے لئے تو دریا کی ضرورت پڑی مگر آنحضرتؐ کے دشمن فرعون عرب اور اس کے ساتھیوں کو خدا کی غیرت نے خشکی ہی میں غرض کر دیا اور اس طرح خدا تعالیٰ کا وہ کلام پورا ہوا جو کئی سال پہلے شہر مکہ میں نازل ہوا تھا۔ اور جس کے الفاظ یہ ہیں كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ. (54-52:8) یعنی فرعون کے لوگوں کی طرح اور جو ان سے پہلے ہوئے، انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا۔ سو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا۔ اللہ طاقت ور سزا دینے میں سخت ہے۔

حضرت یوسفؑ کے حالات: قرآن مجید میں سب سے لمبا قصہ حضرت یوسفؑ کا ہے۔ اور اس لئے مناسب ہے کہ دیکھا جاوے کہ آیا اس قدر لمبے حالات صرف دل لگی کے طور پر بیان کئے گئے ہیں یا ان

کے بیان کرنے میں اسی قسم کے اغراض مدنظر ہیں۔ جیسے کہ دوسرے انبیاءؑ کے حالات بیان کرنے میں مدنظر ہیں۔ راڈ ویل مترجم قرآن کہتا ہے کہ ''حضرت یوسفؑ کا قصہ اس بات کا ایک صریح ثبوت ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہودیوں علماء کے ساتھ خفیہ تعلقات رکھتے تھے''۔ اور میور لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودیوں سے سنے ہوئے قصوں کا نام وحی الٰہی رکھ کر لوگوں کو عمداً دھوکا اور فریب دنیا شروع کر دیا تھا۔ غرض ان ہر دو مسیحی بزرگوں کی رائے ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت یوسفؑ کے حالات مخفی طور پر یہودی علماء سے سیکھے اور پھر ان کا نام وحی الٰہی رکھ کر ان کو اپنی نبوت کے ثبوت میں پیش کیا۔ یہ ایسے کمینہ اعتراضات میں کہ ان سے خود معترضین کا کمینہ پن ظاہر ہوتا ہے۔

ایک طرف قرآن شریف میں سورہ یوسف کا مطالعہ کرو اور دوسری طرف بائبل کی کتاب پیدائش کا وہ حصہ پڑھو جس میں حضرت یوسفؑ کے حالات درج ہیں۔ آپ پر یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ قرآن شریف میں جو حضرت یوسفؑ کے حالات بیان کئے گئے ہیں وہ وحی الٰہی کے پاک سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ اور پیدائش کی کتاب کا قصہ انسانی ہاتھوں کی تحریر ہے۔ جو الہام الٰہی کے نور سے بالکل خالی ہے۔ اور جس کی بنا صرف قومی روایات پر ہے اور بس۔ کتاب پیدائش کا مصنف ہمیں صرف ایک داستان سناتا ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی غرض نہیں۔ وہ اس قصہ کو صرف قصہ کی خاطر بیان کرتا ہے۔ اس ساری کہانی کو کتاب پیدائش میں اول سے آخر تک پڑھ جاؤ اور تمہیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملے گا جس سے یہ ظاہر ہو کہ کہانی بیان کرنے والے کی غرض کہانی بیان کرنے کے سوا کچھ اور بھی تھی۔ اس کی غرض یہ نہیں کہ اس کہانی سے کوئی سبق حاصل کیا جاوے یا کوئی نتیجہ نکالا جاوے، بلکہ وہ صرف ہمیں ایک کہانی سناتا ہے۔ تاکہ ہم اس کہانی کو سن کر خوش ہوں۔ اگر کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ غرض ہوسکتی ہے تو صرف یہی ہوسکتی ہے کہ ایک تاریخی واقعہ کو قومی روایات میں سے جمع کر کے قلم بند کیا جاوے۔ اس سے بڑھ کر کوئی غرض کتاب پیدائش کے مصنف کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی۔ اپنے طور پر مسیحی صاحبان خواہ ہزار نتیجے اس داستان سے نکالیں، مگر اس کہانی کا لکھنے والا کسی نتیجہ کی طرف اشارہ نہیں کرتا اور کہیں قارئین کی توجہ کو اس طرف نہیں پھیرتا کہ اس داستان سے کوئی سبق حاصل کیا جائے۔ اگر مسیحی صاحبان

اس سے کوئی نتیجہ نکالیں تو ایسا ہی وہ رامائن اور مہا بھارت کے افسانوں سے بھی کئی ایک سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ اور کئی نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خود افسانہ گو کی بھی یہ غرض تھی کہ اس قصہ کے ذریعہ لوگوں کو کوئی سبق سکھائے یا کوئی صداقت اُن کے ذہن نشین کرے۔ برخلاف اس کے کہانی کے پڑھنے سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ اس کی غرض صرف ایک کہانی بیان کرنا ہے اور بس۔ مگر جو حالات حضرت یوسفؑ کے قرآن مجید میں مذکور ہیں ان کا یہ حال نہیں۔

قرآن شریف میں حضرت یوسفؑ کے حالات بطور قصہ اور کہانی کے بیان نہیں کئے گئے۔ اور نہ یہ ثابت کرنے کے لئے بیان کئے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخفی اور پوشیدہ کہانیوں کو بھی بیان کر سکتے ہیں۔ قرآن شریف میں یہ حالات اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ ہم اُن سے بڑے بڑے عظیم الشان نتائج اخذ کریں۔ اور جا بجا ان نتائج کی طرف صریح الفاظ میں توجہ بھی دلائی گئی ہے۔ مثلاً انہی الفاظ پر غور کرو جن کے ساتھ یہ بیان شروع کیا گیا ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں **لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ.** (7:12) یعنی حضرت یوسفؑ اور آپ کے بھائیوں کے حالات میں (جو قرآن شریف میں بیان کئے جاتے ہیں) حق کی تحقیق کرنے والوں کے لئے ایک نشان نہیں بلکہ کئی نشانات ہیں۔ اس طرح ابتداء میں ہی یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ جو حالات اب بیان کئے جاتے ہیں اس میں حق کی جستجو کرنے والوں کے لئے بہت سے نشانات ہیں جن کے ذریعہ وہ حق کی شناخت کر سکیں گے۔ پھر ان الفاظ پر غور کرو جن کے ساتھ یہ بیان ختم ہوتا ہے اور وہ الفاظ ہیں **ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ** (102:12) یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ پس قرآن شریف حضرت یوسفؑ کے حالات کو بطور انباء الغیب یعنی غیب کی خبروں کے پیش کرتا ہے۔ یعنی قرآن شریف کے نزدیک ان حالات میں آنے والے پوشیدہ واقعات کی خبریں قبل از وقت بیان کی گئی ہیں۔ یہی امر اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے جو اس کے بعد مذکور ہے۔ اور وہ یہ ہے **وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ.** (102:12) یعنی تو ان کے پاس نہ تھا جب انہوں نے (حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے) اپنی بات پر ایکا کیا درحالیکہ وہ مخفی تدبیریں کر رہے تھے اس آیت کریمہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے بھائی کے برخلاف مشورہ کیا،

ایسا ہی تیرے بھائی (قریش کے سردار) تیرے برخلاف ایک آنے والے زمانہ میں مخفی طور پر سازش کریں گے۔ تا کہ تجھے نابود کر دیں۔ اس سے اگلی عبارت میں ہے کہ اگر چہ لوگ تیرے بھائیوں کی سازشوں سے تیری نجات کا نشان دیکھیں گے مگر وَمَآ اَکۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡحَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ. (103:12) اکثر ان لوگوں میں سے تجھ پر اس نشان کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر چہ تیری بڑی خواہش ہے کہ یہ لوگ ایمان لا کر عذاب الٰہی سے بچ جاویں۔

قسط چہارم: مطبوعہ دراشاعت 29 اکتوبر 1942ء

جو آیات اس کے بعد آتی ہیں۔ ان سے بھی اس نتیجہ کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت یوسفؑ کے حالات بطور قصہ کے بیان نہیں کئے گئے۔ بلکہ ان میں عقلمندوں کے لئے سبق ہیں۔ ان آیات میں گذشتہ انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدۡ کَانَ فِیۡ قَصَصِہِمۡ عِبۡرَۃٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ (111:12) یعنی ان انبیاءؑ کے بیان میں عقلمندوں کے لئے ایک عبرت ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسفؑ کا بیان بھی اسی غرض سے بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی گذشتہ انبیاءؑ میں سے ایک نبی ہیں۔ مگر پیشتر اس کے کہ میں بیان کروں کہ کون کون سی غیب کی خبریں ہیں جو سورہ یوسف میں قبل از وقت بیان کی گئیں اور وہ کون کون سی آیات ہیں جن کی طرف اس سورہ کے ابتداء میں اشارہ کیا گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قارئین کی توجہ بعض ان خصوصیات کی طرف پھیروں جو سورہ یوسف میں پائی جاتی ہیں اور کتاب پیدائش اُن سے خالی ہے۔

پہلی خصوصیت تو وہ الفاظ ہیں۔ جن سے حضرت یوسفؑ کا بیان سورہ مذکورہ میں شروع کیا گیا ہے یعنی لَقَدۡ کَانَ فِیۡ یُوۡسُفَ وَاِخۡوَتِہٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیۡنَ. (7:12) یوسفؑ اور آپ کے بھائیوں کے حالات میں حق تلاش کرنے والوں کے لئے کئی نشانات ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعہ شروع میں ہی یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ یہ حالات قصہ کے رنگ میں بیان نہیں کئے جاتے اور نہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ آنحضرتؐ پوشیدہ کہانیاں بیان کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہ حالات اس وجہ سے بیان کئے جاتے ہیں کہ ان میں حق کے طالبوں کے لئے ایک نہیں بلکہ کئی نشانات ہیں۔ پھر حضرت یوسفؑ کے نام کے ساتھ اِخۡوَتِہٖۤ یعنی آپ کے بھائیوں کے نام بھی شامل کرنا بلا وجہ نہیں بلکہ اپنے اندر ایک معنی رکھتا ہے۔ خدا

تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ حضرت یوسفؑ اور آپ کے بھائیوں کے حالات میں حق کے طالبوں کے لئے کئی نشانات ہیں۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے جو اَنْبَآءُ الْغَیْبِ (غیب کی خبریں) ان حالات کے ذریعہ قبل از وقت بیان کی گئی ہیں۔ وہ صرف اس زمانہ کے یوسف یعنی آنحضرتؐ سے ہی تعلق نہیں رکھتیں بلکہ آپ کے بھائیوں یعنی قریش سے بھی تعلق رکھتی ہیں۔ اس سورہ کی تیسری آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جن آنے والے واقعات کی اس سورہ میں خبر دی گئی ہے۔ وہ ایسے پوشیدہ ہیں کہ خود آنحضرتؐ کو ان کی خبر نہ تھی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ. (3:12) ہم تیرے پر بیان کرتے ہیں۔ بہت اچھی طرح بیان کرتا اس طرح سے کہ وحی کیا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو ر(ان باتوں سے جن کی اس سورہ میں خبر دی گئی ہے) پہلے بے خبر تھا۔

قرآنی بیان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسفؑ اور آپ کے بھائیوں کے حالات ایسی طرز سے بیان کئے گئے ہیں جس سے خدا تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کا احساس نہایت ہی محکم طور پر پڑھنے والے کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ جب حضرت یوسفؑ کو لڑکپن کے زمانہ میں آپ کے بھائیوں نے ایک تاریک اور گہرے کنوئیں میں پھینک دیا تو ایسی حالت میں، جبکہ ہر طرف سے ہلاکت ہی ہلاکت نظر آتی تھی، خدا تعالیٰ کا تسلی بخش پیغام آپ پر نازل ہوا۔ جس میں ایک عجیب اور عظیم الشان آنے والے واقعہ کی خبر دی گئی اور جو جو نظارے اور واقعات آئندہ پیش آنے والے تھے۔ ان کے حیرت انگیز خاتمہ سے اس کنوئیں میں گرے ہوئے بچہ کو آگاہی دی گئی۔ اور جو ڈراما اس بچہ کو پیش آنے والا تھا۔ اس کے آخری سین کا حصہ اس کے سامنے کھینچا گیا۔ وہ کلام الٰہی، جو کنوئیں کی تہہ میں اس بے کس بچہ پر نازل ہوا، وہ یہ تھا لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَایَشْعُرُوْنَ. (15:12) یعنی تو انہیں ان کے کام کی خبر دے گا اور وہ نہیں جانتے ہوں گے۔ جب حضرت یوسفؑ کی نسبت اس کے بھائیوں نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس کو کنوئیں میں پھینک دیا جائے اور اس وقت اس کو اس کے خونخوار بھائیوں کے ہاتھوں سے کوئی چھڑانے والا موجود نہ تھا۔ تو ایسی بے بسی اور بے کسی کی حالت میں اس ویرانہ میں اس بچہ کے کانوں میں ایک تسلی دینے والے کی آواز پہنچی۔ اور وہ آواز یہ تھی کہ اگرچہ اس وقت تیرے باپ کے بیٹے تیرے خونی

دشمن ہیں اور وہ غالب اور تو مغلوب نظر آتا ہے۔ مگر بہت سے تغیرات زمانہ کے بعد خدا تعالیٰ ایک ایسا وقت لائے گا کہ یہی تیرے بھائی تیرے حضور پیش ہوں گے اور تو ان سے سوال کرے گا کہ تم نے اپنے بھائی یوسف سے کیا سلوک کیا؟! اور اس وقت تیرا جاہ وجلال اور تیری عظمت اور شان اس قسم کے ہوں گے کہ وہ تجھے نہ پہچان سکیں گے کہ یہ ہمارا بھائی یوسف ہے!

اور قرآن شریف صرف اسی بشارت کا ذکر نہیں کرتا جو بیابان میں کنوئیں کے اندر حضرت یوسفؑ کو دی گئی بلکہ جو کچھ وہ اس کے بعد ذکر کرتا ہے۔ اس میں بھی اس کو ہی دکھلانا مقصود ہے کہ کس طریق اور کس راہ سے خدا تعالیٰ کی یہ عجیب بشارت آخرکار پوری ہوئی۔ چنانچہ اثنائے بیان میں ہر ایک ضروری موقعہ پر قاری کی توجہ اس طرف پھیرتا ہے اور دکھلاتا ہے کہ کن کن پُرحکمت اور لطیف راہوں سے خدا تعالیٰ اپنے ارادوں کو پورا کرتا ہے اور جس شخص کو اس کے بھائیوں نے نابود کرنا چاہا تھا۔ کس طریق سے وہ اس کی مدد کرتا ہے۔ اور جس بے کس انسان کو اس کے بھائیوں نے اپنے وطن سے نکال دیا تھا۔ کن راہوں سے خدا تعالیٰ اس کو ایک غیر ملک میں اجنبی لوگوں کے درمیان عزت بخشتا ہے۔ چنانچہ اس بیان کے بعد کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو اس تاریک اور مہیب کوئیں سے نکال کر مصر میں ایک رئیس کے گھر میں ایک عزت کی جگہ پر پہنچایا، خدا تعالیٰ فرماتا ہے **وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ** (21:12) اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں جگہ دی۔ تا کہ ہم اس کو باتوں کی حقیقت سمجھائیں اور اللہ تعالیٰ اپنی بات پر قادر ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اسی طرح جب آخر حضرت یوسفؑ ملک مصر میں ایک ہی معزز عہد پر ممتاز ہوئے تو اس امر کا ذکر کرنے کے بعد بھی خدا تعالیٰ ہماری توجہ کو اپنے کاموں اور اپنی حیرت انگیز قدرتوں کی طرف پھیر کر فرماتا ہے **وَكَذٰلِكَ مَكَّنَا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ. وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ.** (57-56:12) اس طرح ہم نے یوسف کو (جسے بھائیوں نے کوئیں میں پھینک دیا تھا اور جس کو ہم نے مدد کی بشارت دی تھی، زمین میں جگہ دی، اور اس کو اس قسم کی آزادی بخشی) کہ وہ جہاں چاہتا تھا۔ اپنا مقام کرتا۔ جس کو ہم چاہتے ہیں (اسی طرح اپنی رحمت

پہنچاتے ہیں اور ہم کسی محسن کا اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرت کا اجر مومنوں متقیوں کے لئے اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

یہ تو درمیانی مرحلے ہیں۔ جن کو بیان کر کے خدا تعالیٰ ہمیں دکھاتا ہے کہ کن راہوں سے اس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ ان کے بعد خدا تعالیٰ اس رقت آمیز نظارہ کا نقشہ کھینچتا ہے۔ جب کہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے مصر کے ایک شہزادے کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ قحط کی مصیبت میں گرفتار اور قریباً تہید ست اس شہزادے سے یہ التجا کرتے ہیں یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ. (88:12)
یعنی اے عزیز! ہم اور ہمارے گھر والے قحط کے دکھ میں مبتلا ہیں۔ ہم ایک حقیر پونجی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ آپ ہمیں پورا تول مرحمت فرمائیں اور ہم پر خیرات کریں۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھی جزا دیتا ہے۔ اس پر وہ شاہزادہ خیرات مانگنے والے اجنبیوں سے پوچھتا ہے هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَاَخِیْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ. (89:12) کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے اپنی جہالت کے دنوں میں کیا کیا۔ اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ یہ شاہزادہ، جس سے وہ خیرات مانگ رہے ہیں، یہ تو وہی ان کا چھوٹا بھائی یوسف ہے جس کو انہوں نے کنویں میں پھینکا تھا اور جس کو وہ اس کی شان وشوکت کی جھلک کی وجہ سے اب پہچان نہیں سکے۔ چنانچہ حیرت میں ہو کر پوچھنے لگے ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ (90:12) کیا آپ یوسف ہیں۔ اور جب اس شاہزادے نے جواب دیا کہ میں ہی یوسف ہوں۔ اور یہ میرا بھائی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ اور جو شخص تقوٰی کرے اور صبر کرے۔ تو اس کو ایسا ہی اجر ملتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی محسن کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ تو اس وقت ان بھائیوں نے سخت شرمندگی کے ساتھ اپنے قصور کا اقرار کیا اور کہنے لگے تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِیْنَ. (91:12) اللہ تعالیٰ کی قسم خدا تعالیٰ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی اور ہم خطا کار تھے۔ مگر اُس رحیم وکریم انسان نے پسند نہ کیا کہ اپنے بھائیوں کو ملامت کر کے اُن کو رنجیدہ خاطر کرے۔ وہ لطف کے ساتھ اُن سے پیش آیا اور اُن کے قصوروں کی معافی دے کر نہایت کرم سے فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ (92:12) آج تم پر کوئی ملامت نہیں یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ. (92:12) خدا تعالیٰ

تمہیں معاف کر دے گا۔ وہ سب سے زیادہ رحیم و کریم ہے۔ اس طرح وہ وعدہ پورا ہوا جو خداء تعالیٰ نے اس بیکس بچے سے نہایت بے کسی کی حالت میں بیابان کے اندر ایک تنہا اور تاریک کوئیں میں کیا تھا۔

اس کے بعد وہ نظارہ ہے جب کہ حضرت یوسفؑ کا باپ اور ماں اور بھائی خدا تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے کہ اس قدر لمبی جدائی کے بعد اور اس قدر تغیرات اور حوادث کے گزرنے کے بعد اُس نے بچھڑے ہوؤں کو پھر ملا دیا اور غم کو خوشی سے بدل دیا۔ زمین پر سجدہ میں گر پڑے۔ اُس وقت حضرت یوسفؑ بول اٹھے **يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ**. (12:100) میرے ابا جان! یہ ہے نتیجہ میرے اس رؤیا کا جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے رب نے اس کو سچا کر دیا اور اس نے میرے پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکال لایا اور تمہیں بیابان سے لایا۔ بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ میرا رب جو چاہتا ہے اُس کو لطیف طریق سے پورا کرتا ہے۔ وہ جاننے والا اور حکیم ہے۔ انہوں نے اپنے باپ حضرت یعقوبؑ کو اپنا وہ خواب یاد دلایا جو بچپن میں انہوں نے دیکھا تھا اور جو سورہ یوسف کے ابتداء میں مذکور ہے۔ یہ خواب کیسے عجیب طریق کے ساتھ آخر پورا ہوا!

غرض قرآن شریف میں حضرت یوسفؑ کا بیان ایک حیرت انگیز بشارت اور ایک عجیب پیشگوئی کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اور اس بیان کے اثناء میں جا بجا اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے ارادہ کو پورا کیا اور سورہ شریفہ کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے کی غرض یہ نہیں کہ صرف ایک کہانی سنائی جائے بلکہ یہ دکھلانا مقصود ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے اس حیرت انگیز کلام کو پورا کیا جو اُس نے بیابان میں کوئیں میں گرے ہوئے بچے پر بالکل بے کسی اور بے بسی کی حالت میں نازل فرمایا تھا۔ مگر پیدائش کی کتاب میں اس قسم کی کوئی غرض مدنظر نہیں۔ بلکہ اس کتاب کے مصنف کی اتنی ہی غرض ہے کہ ایک کہانی کو قلمبند کرے۔ پادری صاحبان اپنے طور پر خواہ کتنے ہی مطالب اس کہانی میں سے اخذ کریں مگر وہ اس کہانی میں کوئی ایک بھی ایسا لفظ نہیں دکھا سکتے جس سے صاف طور پر ظاہر ہو کہ کہانی بیان کرنے والے کی اپنی غرض قطعہ گوئی کے سوا کچھ اور تھی۔

ایک اور امر، جس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی غرض کہانی بیان کرنا نہیں مگر مصنف کتاب پیدائش کی غرض صرف قصہ گوئی ہے، یہ ہے کہ قرآن شریف غیر ضروری تفاصیل کو بغیر بیان کرنے کے چھوڑ دیتا ہے۔ مگر کتاب پیدائش کا مصنف چھوٹی چھوٹی بیہودہ تفاصیل پر بڑا زور دیتا ہے۔ اور نکمی نکمی لچر باتوں کو، جن سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہو، بڑی تفصیل اور تطویل سے بیان کرتا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن شریف ایک حکیم کا کلام ہے۔ کیونکہ اس میں لغو اور غیر ضروری تفاصیل سے اعراض کیا ہے۔ اور صرف انہی امور کو خوبصورت اور پیارے پیارے دلربا پیرایہ میں بیان کیا ہے جو اصلی اغراض سے تعلق رکھتے ہیں۔ قارئین اس امر کو مدنظر رکھ کر دونوں جگہ یعنی قرآن شریف میں اور کتاب پیدائش میں حضرت یوسفؑ کے حالات کو پڑھیں۔ تا اُن کو اس فرق بین کا پورا پورا لطف حاصل ہو۔

ایک اور بڑا بھاری فرق، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں حضرت یوسفؑ کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں وہ وحی الٰہی کے ہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے ہیں اور کتاب پیدائش کا بیان ایک انسان کا کلام ہے جس کو قصہ گوئی کے سوا اور کوئی غرض نہ تھی، یہ ہے کہ سورہ یوسف میں خدا تعالیٰ کے علیم اور خبیر ہونے کا ایک زبردست ثبوت دیا گیا ہے۔ مگر کتاب پیدائش کا بیان اس وصف سے خالی ہے۔ سورہ یوسف کو پڑھو اور تمہیں معلوم ہوگا کہ شروع سے آخر تک حضرت یعقوبؑ کو اس بات کا یقین ہے کہ میرا بیٹا ابھی زندہ ہے۔ کئی سال گزر گئے۔ حضرت یوسفؑ کا کوئی پتہ ونشان نہیں ملا۔ سب اُس کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں بلکہ حضرت یعقوبؑ کو اُن کے بیٹے یہ کہہ کر ملامت بھی کرتے ہیں تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ. (85:12) اللہ تعالیٰ کی قسم تو ہمیشہ یوسف کو یاد ہی کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ تو مضمحل ہو جاوے یا (اسی غم میں) گذر جاوے۔ اس کے جواب میں حضرت یعقوبؑ فرماتے ہیں اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّىْ وَحُزْنِىْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. (86:12) میں تو اپنی بے قراری اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے مجھے وہ علم دیا گیا ہے جو تمہیں نہیں دیا گیا۔ ایسا ہی جب حضرت یوسفؑ کے بھائی آپ کی قمیض کو بطور نشان کے لئے ہوئے مصر سے روانہ ہوتے ہیں تو ادھر کنعان میں حضرت یعقوبؑ فرماتے ہیں اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ. (94:12) مجھے تو اس وقت یوسف کی خوشبو آ رہی ہے اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ کہو غرض اول سے آخر

تک حضرت یعقوبؑ کو اس بات کا یقین ہے کہ حضرت یوسفؑ زندہ ہیں۔ اور وہ بار بار اپنے اس یقین کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے مجھے وہ علم دیا گیا ہے جو تمہیں نہیں دیا گیا۔ چنانچہ جو علم خدائے تعالیٰ نے آپ کو دیا تھا وہ صحیح ثابت ہوا اور جب حضرت یوسفؑ کا پیراہن آپ کے سامنے رکھا گیا اور آپ کا علم الیقین بصیرت اور رؤیت سے بدل گیا تو آپ فرماتے ہیں اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. (96:12) کیا میں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک علم دیا گیا ہے۔ جو تمہیں حاصل نہیں۔ آپ اپنے پاس رہنے والوں کو یہ بتلاتے ہیں کہ دیکھو جو بات میں تمہیں کہتا تھا وہ آخر پوری ہوئی۔ اور خدا کا کلام سچا ثابت ہوا۔ غرض قرآن شریف نے حضرت یوسفؑ کے حالات میں اپنے علیم وخبیر ہونے کا ثبوت دیا ہے اور دکھایا ہے کہ کس طرح وہ اپنے برگزیدوں پر غیب کی خبریں ظاہر کرتا ہے اور کس طرح اس کی بتائی ہوئی باتیں، جو لوگوں کی نظروں میں ان ہونی معلوم ہوتی ہیں، پوری ہو کر رہتی ہیں۔ غرض یہ علیم وخبیر اور قدیر ہونے کا ثبوت، جو سورہ یوسف میں دیا گیا ہے، کتاب پیدائش اس خصوصیت سے بالکل بے بہرہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش کا لکھنے والا ایک انسان تھا۔ جس نے واقعات کو صرف روایات سے اخذ کر کے جمع کر دیا اور اس کا کلام الہام الٰہی کے رنگ میں رنگین نہیں اور سورہ یوسف کا طرز بیان بتا رہا ہے کہ وہ عظیم وحکیم کا کلام ہے۔

ایک اور امتیاز، جو سورہ یوسف کو حاصل ہے اور جس سے پیدائش کی کتاب محروم ہے، وہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں حضرت یوسفؑ کو اس تہمت سے بری کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے آپ کو قید خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ مگر پیدائش کی کہانی میں آپ کو اس اتہام سے بری نہیں کیا گیا جو آپ کے آقا کی بیوی نے آپ پر لگایا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ پیدائش کی کتاب میں حضرت یوسفؑ کو ایک پاک انسان ظاہر کیا گیا ہے۔ مگر اس میں کوئی ایسی بات نہیں کی گئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ کے ہم عصروں کی نظروں میں بھی آپ کا معصوم ہونا اور تہمت معلومہ سے بری ہونا ثابت ہو گیا تھا۔ وہ الزام جس پر آپ کو قید خانہ میں ڈالا گیا سب کو معلوم تھا۔ مگر کتاب پیدائش کی کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی موقعہ پر آپ نے اپنے تئیں اس الزام سے بری کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ خاموشی اختیار کی۔ جس سے شبہ کرنے والوں کو اور بھی شک کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔ مگر یہ امر وہم میں بھی نہیں آ سکتا کہ حضرت یوسفؑ جیسا بزرگ نبی

ایک نہایت ہی برے کام کے ساتھ متہم کیا جاوے اور وہ ذرا بھی اپنی بریت کے لئے کوشش نہ کرے! اس نے ضرور اس داغ کو اپنے مقدس نام سے دور کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ چنانچہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مصر کے بادشاہ نے آپ کے پاس اپنا خاص قاصد اس غرض کے لئے بھیجا کہ وہ آپ کو قید خانہ سے نکال کر دربارشاہی میں لاوے۔ آپ نے پسند نہ کیا کہ اس طرح رعائیتی طور پر قید خانہ سے باہر قدم بھی رکھیں۔ چنانچہ آپ نے شاہی قاصد کو کہا کہ تم واپس بادشاہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ میں اس جگہ سے باہر نہیں آسکتا جب تک کہ اس مقدمہ کی بادشاہ بہ نفس نفیس خود تحقیقات کر کے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ نہ کرے۔ جس کی وجہ سے مجھے جیل خانہ میں بھیجا گیا تھا۔ اور جب تک تحقیقات کے بعد آپ کا گناہ سے بکلّی پاک ہونا ثابت نہ ہوا آپ نے قید خانہ سے قدم باہر نہ رکھا۔

قسط پنجم: مطبوعہ دراشاعت 5 نومبر 1942ء

اس عورت نے، جس نے جھوٹا الزام لگا کر حضرت یوسفؑ کو قید کروایا تھا، یہ کہہ کر اپنے قصور کا اقرار کیا اَلْـئٰـنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَارَا وَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ. (51:12) اب سچ ظاہر ہوگیا ہے۔ میں نے ہی اس کو اس کے نفس سے پھسلانا چاہا تھا اور وہ سچا ہے۔ یہ اقرار اس نے اس وقت کیا جبکہ ساتھ والی عورتوں نے، جو اس سازش میں شریک تھیں، بادشاہ مصر کے آگے یہ بیان دیا حَاشَ لِلّٰهِ مَاعَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ (51:12) ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی غرض جب بادشاہ نے کل عورتوں کو اپنے پاس بلا کر ان سے حضرت یوسفؑ کے بارہ میں دریافت کیا اور بادشاہ کی تحقیق سے یہ امر کھل گیا کہ حضرت یوسفؑ بالکل بےقصور ہیں۔ اس وقت حضرت یوسفؑ نے قید خانہ میں سے نکلنا منظور کیا۔ آپ نے نہ چاہا کہ آپ کی حالت مشتبہ رہے بلکہ آپ نے اپنے دامن کو بالکل پاک اور صاف دکھا کر لوگوں کو اپنا چہرہ دکھایا۔ چنانچہ آپ خود ہی اس بات کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے یہ تحقیقات کیوں کرائی آپ فرماتے ہیں ذٰلِکَ لِیَـعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَایَهْدِیْ کَیْدَ الْـخَآئِنِیْنَ. (52:12) میں نے یہ تحقیقات اس لئے کرائی ہے تاکہ میرے سابق آقا پر یہ بات ظاہر ہو جائے کہ میں نے اس کے گھر میں رہ کر اس کی پیٹھ کے پیچھے کسی قسم کی خیانت نہیں کی۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو کامیاب نہیں کرتا۔ کوئی شریف آدمی پسند نہیں کرتا کہ اس پر ایسا سخت الزام

بلا وجہ لگایا جائے اور وہ اپنی بریت کے لئے اور اپنے چال چلن کی صفائی کے لئے ذرا بھی کوشش نہ کرے۔ضرور ہر ایک معزز آدمی، جو علاوہ معزز ہونے کے بےقصور بھی ہے،اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کرے گا کہ جو قابلِ شرم الزام اس پر لگایا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ جب ایک معمولی درجہ کا شریف آدمی بھی پسند نہیں کرتا کہ ناجائز طور پر اس پر خطرناک بہتان باندھے جائیں،تو ایک نبی جو دوسروں کے لئے ایک نمونہ ہوتا ہے،کس طرح پسند کرسکتا ہے کہ اس کا چال چلن مشتبہ حالت میں رہے۔ اس پر نہایت ہی گندے الزامات لگائے جائیں اور وہ ذرا بھی اپنی بریت کی کوشش نہ کرے۔ اس کو جھوٹے الزام لگا کر قید خانہ میں بھی ڈالا جائے اور پھر بھی وہ خاموش رہے۔اوراس طرح اپنی خاموشی سے لوگوں کے شبہ کواور بھی مضبوط کرے۔اور جب اس کو اپنی بریت کا موقعہ بھی میسر آ جائے،اس وقت بھی وہ خاموشی ہی اختیار کرے اور باوجود عوام الناس کا انگشت نما بن جانے کے اپنے ہونٹوں پر سے خاموشی کی مہر کو نہ توڑے۔ان لوگوں کواس قدر اپنی عزت کا فکر نہیں ہوتا جتنا کہ اس بات کا فکر ہوتا ہے کہ لوگ ان کی نسبت کوئی شبہ اپنے دل میں رکھ کر اپنے تئیں ہلاک نہ کر دیں۔اس لئے وہ اس امر کو برداشت نہیں کر سکتے کہ لوگ ان کی نسبت کوئی بدگمان اپنے دل میں رکھیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت احادیث میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جب آپؐ مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے آپؐ کی بی بی حضرت صفیہؓ آپؐ کے پاس تشریف لائیں اور آپؐ کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ کر گفتگو کرتی رہیں اور جب پھر اُٹھ کر چلنے لگیں تو آپؐ بھی ان کے ساتھ مسجد کے دروازہ تک تشریف لے گئے۔ وہاں انصار میں سے دو آدمی آپؐ کے پاس سے گزرے انہوں نے آپ کی طرف دیکھا اور آپ کی خدمت میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ عرض کیا۔آپ نے ان دونوں کو فرمایا کہ ٹھہر جاؤ اور دیکھ لو کہ یہ میری بی بی صفیہؓ ہے۔ انہوں نے عرض کیا سُبْحَانَ اللّٰہِ یارسول اللہ یعنی ہم کب آپ کی نسبت کوئی بُرا گمان کر سکتے ہیں۔آپ نے جواب دیا اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ وَاِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ یُّلْقِیَ فِیْ اَنْفَسِکُمَا شَیْئًا یعنی شیطان انسان کے اندراس طرح چلتا ہے جیسا کہ خون انسان کے اندر چلتا ہے۔ اور میں نے خوف کیا کہ شیطان تمہارے دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈال دے(اس لئے میں نے تمہیں بتلا دیا کہ یہ میری بی بی صفیہؓ ہے)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کہاں تک محتاط ہوتے ہیں کہ لوگوں کے

دلوں میں ان کی نسبت کوئی بدظنّی پیدا نہ ہوتا وہ بدظنی ان کی ہلاکت کا موجب نہ ہو۔

غرض حضرت یوسفؑ کی نسبت یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ ان پر الزام تو ایسا خطرناک لگایا جاتا اور وہ اپنی بریت کے لئے کچھ سعی نہ فرماتے! خصوصًا ایسے وقت میں جبکہ آپ کو ایک نہایت ہی اعلیٰ موقعہ خدا تعالیٰ نے اپنی بریت ثابت کرنے کا دے دیا تھا۔ خدا تعالیٰ اپنے انبیاءؑ کے بارے میں سخت غیرت رکھتا ہے اور کبھی ممکن نہیں ہوسکتا کہ غیور خدا اپنے ایک پاک نبی اور مطہر انسان کے روشن نام سے وہ سیاہ دھبہ دور نہ کرتا جو ایک عورت اور اس کے مددگاروں کی شرارت سے لگ گیا تھا۔ ضرور خدا تعالیٰ نے ایسا کیا۔ مگر کتاب پیدائش میں کسی ایسی بریت کا ذکر تک نہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو قصہ اس کتاب میں کسی لکھنے والے نے درج کیا ہے وہ ایک ناقص اور نامکمل اور ناقابل اعتماد قصہ ہے۔

دیکھو تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ بعض لوگوں نے جارج پنجم قیصر ہند کی نسبت یہ الزام شائع کیا کہ آپ نے شہزادگی کے زمانہ میں ایک بحری افسر کی لڑکی سے شادی کی تھی اور بعد میں اس کو ترک کر کے موجودہ شہزادی سے نکاح کیا اور اس لئے یہ نکاح مسیحی قانون کی رو سے ناجائز ہے۔ اگرچہ اکثر اخباروں نے اس الزام کی تردید شائع کی اور اس کو بے بنیاد بیان کیا اور عام طور پر اس کو ایک غلط اور نہایت ہی کمینہ بہتان سمجھا جاتا تھا اور اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور لوگ خوب سمجھتے تھے کہ اس الزام کے شائع کرنے والے صرف بداندیشی اور حسد کی وجہ سے ایسے اتہامات پھیلا رہے ہیں۔ پھر بھی شہنشاہ کی غیرت نے پسند نہ کیا کہ ایسے بے بنیاد الزاموں سے وہ اپنی پوری بریت ثابت کر کے اپنے شاہی دامن کو ہمیشہ کے لئے اس بہتان سے پاک نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے خود اپنا مقدمہ اپنی سلطنت کے ایک جج کے پاس بھیجا تا عدالت کے ذریعہ باقاعدہ طور پر تحقیق کی جائے کہ الزام کہاں تک درست ہے اور یہ بھی لکھا کہ اگر قوانین سلطنت مجھے اجازت دیتے تو میں خود عدالت میں حاضر ہو کر بیان دیتا۔ چنانچہ اس مقدمہ کی پوری تحقیق بہ پابندی قوانین سلطنت کی گئی اور جو اس الزام کا بانی مبانی تھا اس سے برسر اجلاس ثبوت طلب کیا گیا مگر وہ کوئی ثبوت پیش نہ کر سکا بلکہ شہادتوں سے یہ ثابت ہوا کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ (یہ واقعہ 1911ء کا ہے۔ قادیانی حضرات اس واقعہ پر غور فرمائیں۔ اس میں ان کے لئے کافی سامان بصیرت موجود ہے۔ مدیر)

اس تازہ مثال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شریف آدمی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ پسند نہیں کر سکتا کہ اسے خطرناک اتہامات سے متہم کیا جائے اور اسے اپنی بریت ثابت کرنے کا موقعہ بھی ملے مگر وہ اپنی بریت کے لئے کچھ بھی سعی نہ کرے۔ جب ایک شریف ایسا نہیں کرسکتا تو یوسفؑ جیسا راستباز اور مقدس اور مطہر انسان، جو نبی بھی تھا، کس طرح پسند کرسکتا تھا کہ وہ اپنی حالت کو لوگوں کی نظروں میں مشتبہ رہنے دے اور لوگوں کو موقعہ دے کہ وہ نہایت ہی خطرناک بہتان آپ کی طرف منسوب کریں اور آپ کچھ بھی کوشش نہ فرمادیں کہ اپنا بری ہونا ثابت کریں! مگر کتاب پیدائش سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کوئی کوشش نہ کی جس سے عیاں ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش ناقص اور نا قابل اعتبار ہے۔ اور جو کچھ قرآن شریف نے بیان فرمایا ہے، ہر ایک سلیم الفطرت انسان کی فطرت اس کے سچا ہونے کی گواہی دیتی ہے۔

اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن سے کتاب پیدائش کی کہانی کا ادنیٰ پن ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس سے زیادہ اس مقابلہ پر بحث کرنا موجب تطویل ہوگا۔ اس لئے اب میں ان پیشگوئیوں کی طرف رجوع کرتا ہوں جو اس سورہ کریمہ میں پائی جاتی ہیں۔ اس سورہ کریمہ میں بہت سی غیب کی خبریں (اَنۡبَـآءُ الۡغَیۡبِ) بیان کی گئی ہیں۔ ان پیشگوئیوں کے دریافت کرنے کے لئے کسی بڑی سعی کی ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدۡ کَانَ فِیۡ یُوۡسُفَ وَاِخۡوَتِہٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیۡنَ. (7:12) یعنی حضرت یوسفؑ اور آپ کے بھائیوں کے حالات میں، جو اس سورہ میں بیان کئے گئے ہیں حق کی تلاش کرنے والوں کے لئے بہت سے نشانات ہیں۔ جس زمانہ میں یہ سورہ شریف نازل ہوئی اس وقت بھی ایک یوسف تھا۔ اور اس وقت بھی اس یوسف کے بداندیش بھائی موجود تھے۔ جو اس سے عداوت رکھتے تھے اور اسے نابود کرنا چاہتے تھے۔ وہ یوسف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے مقابل میں یہاں آنحضرتؐ کے بھائی بند قریش تھے۔ اور جو واقعات آنحضرتؐ کی زندگی میں آپ کو پیش آئے اور ایسا ہی جو سلوک آپؐ کے بھائیوں قریش کی طرف سے آپؐ کے ساتھ ہوا۔ اور پھر آخر میں جو سلوک آپؐ نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا جب ان سب پر نظر کی جائے اور پھر ان کا واقعات کے ساتھ مقابلہ کیا جائے جو حضرت یوسفؑ اور آپ کے بھائیوں کو پیش آئے، تو اس میں کچھ بھی شک باقی نہیں رہتا کہ وہ کون سے آنے والے واقعات تھے جن کی اس سورہ کریمہ میں قبل از وقت خبر دی گئی۔ جیسا

کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں ۔یوسف واخوتہٖ کے الفاظ اس امر کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ جن آنے والے واقعات کی اس سورہ کریمہ میں خبر دی گئی ہے وہ صرف آنحضرتؐ کی ذات سے ہی تعلق نہیں رکھتے بلکہ آپ کے بھائیوں قریش کا بھی ان میں بڑا دخل ہے۔آنحضرتؐ اور قریش کے حالات کو حضرت یوسفؑ اور آپ کے بھائیوں کے تعلقات سے ایک نہایت ہی حیرت انگیز مشابہت ہے۔اور وہ مشابہت اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ یہ کہنا بھی کچھ مبالغہ نہ ہوگا کہ آنحضرتؐ کو ہو بہو وہی واقعات پیش آئے جو حضرت یوسفؑ کو پیش آئے تھے۔اور جن کو بطور پیشگوئی کے سورہ یوسف میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سورہ کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے ایک رؤیا دیکھا۔جس کی تعبیر آپ کے باپ نے یہ بیان کی وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ (6:12) یعنی تیرا رب تجھے برگزیدہ کرے گا اور تجھے باتوں کی حقیقت سکھائے گا اور اپنی نعمت کو تجھ پر پورا کرے گا۔ جیسا کہ اس نے اس سے پہلے تیرے دو بزرگوں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحٰقؑ پر اپنی نعمت کو پورا کیا تھا۔اسی طرح آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوئی۔جس میں آپ کو یہ بشارت دی گئی کہ ہم تیرے ذکر اور تیری شان کو بلند کریں گے۔اور اپنی نعمتوں کو تیرے پر ایسا ہی پورا کریں گے جیسا کہ اس سے پہلے تیرے دو بزرگوں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ پر پورا کیا تھا اور جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا یہ دیکھ کر حسد بھڑکا کہ ان کا باپ اپنے اس بیٹے سے زیادہ محبت کرتا ہے اور جیسا کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹے کا رؤیا سن کر ان کو یہ نصیحت کی کہ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا (5:12) یعنی تیرے اس رؤیا کو سن کر،جس میں تجھے بڑے بڑے انعاموں کا وعدہ دیا گیا ہے، تیرے بھائی تیرے خلاف سازشیں کریں گے ایسا ہی آنحضرتؐ کے ساتھ ہوا۔جب آپ کے بھائیوں قریش نے دیکھا کہ ان کا آسمانی باپ ان کی نسبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیار کرتا ہے اور اپنی نصرت اور تائید سے اس کو روز افزوں ترقی دے رہا ہے تو اُن کا حسد بھڑکا۔ان میں یہ تاب نہ تھی کہ آپ کے سلسلہ کو ترقی کرتے ہوئے دیکھیں۔جوں جوں آپ کا سلسلہ ان کو بڑھتا ہوا نظر آتا تھا،ان کے حسد کی آگ زیادہ اور زیادہ بھڑکتی تھی۔آخر جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حسد کی وجہ سے آپ

کو نابود کرنے پر اتفاق کر لیا تھا، ایسا ہی قریش نے بھی اسی حسد کی وجہ سے یہ ارادہ کر لیا کہ اپنے بھائی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں۔

پھر جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی سازش کا آخر یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت یوسفؑ کو جنگل میں ایک تاریک کوئیں کے اندر رہنا پڑا، ایسا ہی اس مکی یوسف صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائیوں کی سازشوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کو بھی جنگل میں ایک تنگ وتار غار کے اندر رہنا پڑا۔ اور پھر جیسا کہ اس کوئیں میں حضرت یوسفؑ کو خدا تعالیٰ نے اپنی نصرت کا وعدہ دے کر تسلی دی، ایسا ہی اُس غار میں آنحضرتؐ کو خدا تعالیٰ کی نصرت کے وعدوں پر پورا یقین تھا۔ اور جب آپ کے یارِ غار حضرت ابوبکرؓ دشمنوں کو اپنے سر پر کھڑا دیکھ کر گھبرائے تو آپؐ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. یعنی کچھ غم نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور پھر جیسا کہ حضرت یوسفؑ کوئیں سے نکل کر ایک غیر ملک کو گئے تو وہاں خداء تعالیٰ نے آپ کو ایک عزت کا مقام بخشا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَقَالَ الَّذِیْ اشْتَرٰیهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِیْ مَثْوٰیهُ عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (21:12) اور جس شخص نے مصر والوں سے اسے خریدا اس نے اپنی جورو سے کہا کہ اس کو اعزاز واکرام کے ساتھ رکھنا۔ شائد یہ کسی دن ہمارے کام آوے۔ یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں۔ اور اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو مصر کے ملک میں جمایا اور غرض یہ تھی کہ اس کو باتوں کی حقیقت سکھائیں۔ یعنی اس کو اس بات کا تجربہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی باتیں کس طرح پوری ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے جو کام چاہتا ہے پورا کرتا ہے۔ اسی طرح جب آنحضرتؐ نے غار سے نکل کر اپنے خون کے پیاسے بھائیوں سے ایک اجنبی شہر میں جا کر پناہ لی تو وہاں خدا تعالیٰ نے آپ کو عزت کے مقام پر پہنچایا۔

سورہ یوسف میں خدا تعالیٰ قحط کے واقعہ کو بڑی بسط کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ جو ملک مصر میں واقعہ ہوا نیز بیان کرتا ہے کہ کس طرح لوگ حضرت یوسفؑ کے پاس آ کر امداد طلب کرتے۔ یہ واقعہ بھی جیسا حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں ہوا ایسا ہی آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں ہوا۔ صحیح بخاری میں اس شدید قحط کا حال لکھا ہے جو آنحضرتؐ کے زمانہ مبارک میں واقع ہوا۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں۔ اِنَّ

النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّارَاٰی مِنَ النَّاسِ اِدْبَارًا قَالَ اَللّٰھُمَّ سَبْعًا کَسَبْعِ یُوْسُفَ فَاخَذَتْھُمْ سَنَۃٌ حَصَتْ کُلَّ شَیءٍ حَتّٰی اَکَلُوْا الْجَلُوْدَ وَالْمَیْتَۃَ وَالْجِیَفَ وَیَنْظُرُ اَحَدُھُمْ اِلَی السَّمَآءِ فَیَرٰی الدُّخَانَ مِنَ الْجُوْعِ. جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ لوگوں نے حق کی طرف سے پیٹھ پھیر دی ہے اور آپ نے چاہا کہ لوگوں میں تضرع اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع پیدا ہو تو آپؐ نے دعا کی کہ اے اللہ تو اسی قسم کے قحط کے سال بھیج جیسے کہ یوسفؑ کے زمانہ میں تو نے بھیجے تھے۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی۔ اور ایسا سخت قحط پڑا جو ہر ایک چیز کو کھا گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے چمڑے اور مردار اور لاشیں کھا کھا کر اپنا پیٹ بھرا۔ اور جب ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف نظر کرتا تو بھوک کے مارے آسمان دھوآں دھار نظر آتا'' (دیکھو بخاری جز اول۔ باب استسقاء) یہ قحط مدنی زمانہ میں واقع ہوا۔ مگر اس کی خبر بطور پیشگوئی کے مندرجہ ذیل مکی آیت میں موجود تھی۔ فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ. یَّغْشَی النَّاسَ ھٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ. (44:10-11) یعنی اس دن کا منتظر رہ جب آسمان ایک کھلا کھلا دھواں لائے گا۔ یہ دھوآں لوگوں کو ڈھانپ لے گا (وہ دھوآں نہ ہوگا بلکہ) ایک دردناک عذاب ہوگا۔ چنانچہ جب اس شدید قحط کے دنوں میں لوگوں کو مارے بھوک کے آسمان دھوآں دھار نظر آنے لگا اس وقت لوگوں کو یہ آیت یاد آ گئی اور مومنوں کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی عذاب الیم ہے جس کی خبر سورہ دخان میں دی گئی تھی۔

اور جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں قحط زدہ لوگ حضرت یوسفؑ کے پاس جاتے اور آپ کے ذریعہ اس مصیبت سے آرام حاصل کرتے تھے، ایسا ہی آنحضرتؐ کے زمانہ میں عرب کے لوگ اس مصیبت کی فریاد آپؐ کے پاس لاتے تھے۔ ہاں! اتنا فرق تھا کہ حضرت یوسفؑ ایک زمینی بادشاہ کے خزانوں سے غلّہ دے کر لوگوں کی امداد کرتے تھے۔ مگر آنحضرتؐ نے کسی زمینی چیز کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ آپؐ نے اس بادشاہ کی طرف رجوع کیا جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ جس طریق سے آپ نے قحط زدہ لوگوں کی امداد کی، وہ مندرجہ بیان سے ظاہر ہے۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے! اِنَّ رَجُلًا دَخَلَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ مِنْ بَابٍ کَانَ وُجَاہَ الْمِنْبَرِ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ یُّخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَآئِمًافَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلَکَتِ الْمَوَاشِیُ

وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّغِيْثَنَا فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا اللّٰهُمَّ اسْقِنَا اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا قَالَ اَنَسٌ فَلَا وَاللّٰهِ مَانَرٰى فِي السَّمَآءِ مِنْ سَحَابٍ وَّلَا قَزَعَةٍ وَّلَا شَيْءٍ وَّلَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِّنْ بَيْتٍ وَّلَا دَارٍ قَالَ فَطَلَعَتْ مِنْ وَّرَآئِهٖ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُرْسِ فَلَـمَّا تَوَسَطَتِ السَّمَآءُ اِنْتَشَرَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ قَالَ فَوَ اللّٰهِ مَا رَاَيْنَا الشَّمْسَ سَبْتًا ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِّنْ ذٰلِکَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَآئِمٌ يَّخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهٗ قَآئِمًا فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْاَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّمْسِكَهَا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَاعَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالْجِبَالِ وَالظِّرَابِ وَالْاَوْدِيَةِ وَمَنَا بِتِ الشَّجَرِ قَالَ فَانْقَطَعَتْ وَخَرجْنَا نَمْشِيْ فِي الشَّمْسِ (صحیح بخاری جزاول ابواب الاستسقاء)

قسط ششم: مطبوعہ دراشاعت 12 نومبر 1942ء

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ان شدید قحط کے دنوں میں) ایک دن مسجد میں خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص سامنے کے دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے رسول خدا (قحط کی وجہ سے) مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے (سبب قزاقوں اور ہزنوں کے) چھوٹ گئے ہیں۔ پس آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ بارش نازل فرماوے۔ آپؐ نے اسی وقت ہاتھ اُٹھائے اور تین دفعہ دعا کی کہ اے اللہ ہمیں پانی پہنچا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اس وقت آسمان پر بادل کا ٹکڑا تو کجا کوئی چیز بھی نظر نہیں آتی تھی اور ہمارے اور سلع پہاڑی کے درمیان کوئی گھر نہیں تھا (جو اس پہاڑی کو ہماری نظروں سے چھپاتا) اسی وقت ہمارے دیکھتے دیکھتے اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک چھوٹا سا بادل کا ٹکڑا اُٹھا جو شکل میں ایک ڈھال کی طرح تھا اور جب وہ آسمان کے وسط میں پہنچا تو سارے آسمان پر پھیل گیا اور پھر بارش برسنی شروع ہوئی اور برابر چھ دن یعنی دوسرے جمعہ تک برستی رہی۔ خدا کی قسم ہم نے اس عرصہ میں سورج کو بالکل نہیں دیکھا۔ جب دوسرے جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے تو ایک شخص (وہی یا کوئی اور) پھر سامنے کے دروازہ سے داخل ہوا اور آپؐ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول!

مویشی (بہ سبب بارش کے ہلاک ہو رہے ہیں) اور راستے (بہ سبب سلابوں کے) متروک ہو چکے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اس بارش کو تھام لے۔ آنحضرتؐ نے پھر دونوں ہاتھ اُٹھائے (اور ایک روایت میں ہے کہ آپ یہ سن کر مسکرائے اور ہاتھ اُٹھائے) اور دعا کی کہ اے اللہ! یہ بارش ہمارے اور گرد ہو اور ہم پر نہ ہو۔ اے اللہ! اس بارش کو پہاڑیوں اور ٹیلوں اور وادیوں اور درختوں کے اُگنے کی جگہ پر برسا (ہم پر نہ برسا) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ بارش فی الفور تھم گئی اور جب ہم جمعہ کی نماز ادا کر کے باہر نکلے تو بجائے بارش کے دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ صحیح بخاری کی دوسری روایتوں میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ بارش کے لئے دعا فرمائی۔ تو ابھی آپؐ منبر پر ہی تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ چنانچہ جب آپ منبر پر سے اُترے تو آپ کی ریش مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا اور لکھا ہے کہ جب آپؐ نے دوسرے جمعہ کو یہ دعا کی اَللّٰھُمَّ حَوَالِیْنَا وَلَا عَلَیْنَا تو بارش مدینہ پر تو تھم گئی اور گردونواح کی وادیوں پر برابر برستی رہی۔ چنانچہ بعض وادیاں برابر ایک مہینہ تک دریاؤں ک طرح بہتی رہیں اور ہر ایک آدمی جو بیرونجات سے مدینہ میں آتا وہ بارش ہی کا ذکر کرتا تھا اور مدینہ کو ایک گول دائرہ کی طرح کہتا تھا۔

آنحضرتؐ کے اس قسم کے نشانات کثرت سے دیکھے گئے کہ ابو طالب کا مندرجہ ذیل شعر اپنے لفظی معنوں میں آپ پر لگایا جاتا تھا۔ ابو طالب نے اپنے نامی بھتیجے کی تعریف میں چند شعر کہے تھے اور یہ شعر بھی انہیں اشعار میں سے ایک ہے ؎

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ

وہ پاکیزہ ہے بادل اس کے چہرہ سے پانی پیتے ہیں وہ یتیموں کا مددگار اور بیواؤں کی پشت و پناہ ہے۔ ابو طالب نے تو استعارہ کے رنگ میں آنحضرتؐ کی نسبت کہا تھا کہ بادل اس کے چہرہ سے پانی پیتے ہیں مگر صحابہؓ نے دیکھا کہ واقعی آپؐ کی دعائیں ایسی جلدی مستجاب ہوتی ہیں کہ آپؐ ابھی منبر پر ہی تشریف رکھے ہوتے ہیں کہ بارش کے ساتھ پرنالے بہنے لگتے ہیں۔ تو ان کو ابو طالب کا یہ شعر یاد آیا اور وہ آپ کی تعریف میں یہ شعر پڑھا کرتے اور حقیقی معنوں میں آپ پر چسپاں کرتے (دیکھو صحیح بخاری ابواب الاستسقاء)

پھر ایک اور بڑی عجیب مشابہت یہ ہے کہ جیسے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے قحط کے دنوں میں اپنے بھائی کی طرف رجوع کیا اور اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یٰٓاَیُّھَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَھْلَنَا الضُّرُّوَ جِئْنَا بِبِضَاعَۃٍ مُّزْجٰۃٍ فَاَوْفِ لَنَا الْکَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا اِنَّ اللّٰہَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ. (12:88) اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر قحط کی مصیبت پڑی ہے اور ہم تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں۔ آپ ہم کو پوری ماپ غلہ مرحمت فرمادیں اور ہم پر خیرات کریں۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ اسی طرح شدید قحط کے مصائب سے تنگ آ کر ابوسفیان، جو اس وقت قریش کا سردار تھا، آنحضرتؐ کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ یٰامُحَمَّدُ اَنْتَ تَاْمُرُ بِصِلَۃِ الرَّحْمِ وَاِنَّ قُوْمَکَ ھَلَکُوْا فَادْعُ اللّٰہَ تَعَالٰی ۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو لوگوں کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم کرتا ہے اور تیری قوم قحط کی وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے۔ پس آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس مصیبت کو دور کرے (صحیح بخاری ابواب الاستسقاء) غرض ملک میں قحط کا پڑنا اور لوگوں کا اور خود قریش کا آنحضرتؐ کی طرف رجوع کرنا اور آپ کی خدمت میں دعا کی درخواست کرنا اور پھر آپ کی دعا کی برکت سے قحط کی مصیبت کا دور ہونا، یہ ایسے امور ہیں جو حضرت یوسفؑ کے حالات سے بڑی مشابہت رکھتے ہیں۔

پھر جیسا کہ حضرت یوسفؑ ملک مصر میں جا کر جہاں وہ بطور غلام کے بیچے گئے تھے آخر کار ایک نہایت ہی اعلیٰ اور معزز عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ چنانچہ خود ان کے بھائی ان کو یٰٓاَیُّھَا الْعَزِیْزُ یعنی اے عزیز مصر کہہ کر پکارتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں ہجرت کرنے کے بعد خدا تعالیٰ نے کل عرب کا بادشاہ بنا دیا۔ چنانچہ جب آپ دس ہزار قدوسیوں کی فوج کے ساتھ مکہ کے قریب پہنچے تو قریش کا سردار ابوسفیان آپؐ کے جاہ و حشم کو دیکھ کر ششدر رہ گیا اور حضرت عباسؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ لَقَدْ اَصْبَحُ مُلْکُ ابْنِ اَخِیْکَ مُلْکًا عَظِیْمًا (مواہب زرقانی جلد ثانی صفحہ 382) تیرے بھتیجے کی سلطنت ایک نہایت عظیم الشان سلطنت ہے۔

سب سے بڑی عظیم الشان مشابہت جو حضرت یوسفؑ کے حالات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کے درمیان ہے وہ اس وقت پوری ہوئی جبکہ آپؐ فاتح ہو کر شہر مکہ میں داخل ہوئے۔

جیسے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے بھائی کے سامنے طرح طرح کی مخالفتوں اور ناکامیوں کے آخر شرمندگی کے ساتھ اپنے قصور کا اقرار کیا اور کہا تَـاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَـخَـاطِئِيْنَ. (91:12) اللہ تعالیٰ کی قسم۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برگزیدہ کرلیا ہے اور ہم خطا کار تھے۔ ایسا ہی جب قریش قریباً 21 سال کی لگا تار اور جان توڑ کوششوں کے بعد آخر عاجز ہو گئے اور آنحضرتؐ بمع اپنے دس ہزار مقدس صحابیوںؓ کے شہر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اُن قریش سے جواب تک آپ کے خون کے پیاسے رہے تھے) یہ سوال کیا يَـامَـعْشَرَ قُرَيْشٍ مَا تَرَوْنَ اَنِّیْ فَاعِلٌ فِيْكُمْ اے قریش اب تم مجھ سے کیسے سلوک کی امید کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا خَيْـرًا اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ کیونکہ آپ ہمارے رحیم کریم بھائی ہیں۔ اور ہمارے شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ اس وقت آپ نے فرمایا اِنِّـیْ اَقُـوْلُ كَـمَـا قَالَ اَخِیْ يُـوْسُفُ لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ. (92:12) اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمْ طُلَقَاءُ . اب میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔ وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ تم چلے جاؤ میں تم سب کو آزاد کرتا ہوں۔ یعنی اگرچہ یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح تم نے مجھے نابود کرنا چاہا مگر خدا تعالیٰ نے میری مدد کی اور تم اپنے بدارادوں میں ناکام رہے۔ لیکن میں آج تمہیں معاف کرتا ہوں اور تمہارے ظلموں سے درگزر کرتا ہوں اور اگرچہ تم اپنے مظالم کی وجہ سے سزائے قتل کے مستحق ہو مگر میں تمہیں آزاد کرتا ہوں اور جیسا میں تمہارے قصوروں کو معاف کرتا ہوں، ایسا ہی میرا خدا بھی معاف کر دے گا۔ کیونکہ وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر اُس نے جنگ کا حکم دیا تھا تو وہ اس لئے دیا تھا کہ تم نے خود پیشدستی کی اور تم نے چاہا کہ تلوار سے مسلمانوں کو نابود کر دیا جاوے۔ مگر اب چونکہ تم میں تاب مقابلہ نہیں رہی اس لئے اب تمہیں معاف کیا جاتا ہے اور تمہارے قصوروں سے درگذر کیا جاتا ہے۔ اس معافی سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ زیادتی کس فریق کی طرف سے ہوئی۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ جیسا میرے بھائی حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا، ایسا ہی میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جیسا حضرت یوسفؑ کے بھائی قصوروار تھے، کیونکہ انہوں نے اپنے بھائی کو نابود

کرنا چاہا تھا، ایسا ہی قریش قصوروار تھے۔ کیونکہ انہوں نے تلوار سے آنحضرتؐ اور آپ کی جماعت کو نابود کرنا چاہا تھا۔ آنحضرتؐ اپنی حالت کو حضرت یوسفؑ کی حالت سے مشابہ کرتے ہیں اور قریش کے حالات کو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے حالات سے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے تئیں حضرت یوسفؑ کی طرح مظلوم سمجھتے تھے اور قریش کو ظالم۔

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ سورہ یوسف کے نازل ہونے کے بعد جو واقعات آنحضرتؐ کو پیش آئے وہ بالکل حضرت یوسفؑ کے واقعات کے مشابہ ہیں۔ گویا سورہ یوسف کیا ہے۔ آپؐ کے آنے والے واقعات کا نقشہ ہے۔ اسی واسطے اس سورہ کے آغاز میں یہ بیان کیا گیا ہے **لَقَدْ کَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِہٖٓ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ.** (7:12) یعنی حضرت یوسفؑ اور آپؐ کے بھائیوں کے حالات میں حق کے طالبوں کے لئے کئی نشانات ہیں۔ اب قارئین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان حالات کو کیوں نشانات کہا گیا۔ ان کو اس لئے نشانات کہا گیا کہ یہ آنے والے واقعات کی پیشگوئیاں ہیں۔ اور یہ بتلایا گیا ہے کہ جس قسم کے واقعات حضرت یوسفؑ کو پیش آئے اور جس طرح ان کو آخر کار کامیابی حاصل ہوئی اور ان کے بھائی ان کے آگے ذلیل و ناکام ہوئے اسی طرح اب آنحضرتؐ اور آپؐ کے بھائیوں قریش کا حال ہوگا۔ چنانچہ آنے والے واقعات نے اس امر کی تصدیق کی۔ اس لئے ہر ایک بات جو اس سورہ شریفہ میں بیان کی گئی ہے وہ ایک پیشگوئی اور ایک نشان ہے۔ اس لئے کہ اس سے آنحضرتؐ کی صداقت اور آپ کے دشمنوں کا کاذب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

پیشتر اس کے کہ میں حضرت یوسفؑ کے حالات کی بحث کو ختم کروں میں قارئین کی توجہ کو ایک اور مماثلت کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ مماثلت یہ ہے کہ جیسا حضرت یوسفؑ پر جھوٹا الزام لگایا تھا مگر آخر خدا تعالیٰ نے ان کا اس الزام سے بری ہونا ثابت کر دیا۔ ایسا ہی آنحضرتؐ پر بھی ایک جھوٹا الزام لگایا گیا تھا اور وہ الزام یہ تھا کہ آپ اپنے دعویٰ میں نعوذ باللہ کاذب ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے آپ کی نصرت پر نصرت کر کے اور آپ کی صداقت کے بہت سے نشانات ظاہر کر کے آپ کا اس جھوٹے الزام سے بری ہونا ثابت کر دیا۔ کیونکہ اگر آپ نعوذ باللہ اپنے دعویٰ میں صادق نہ ہوتے تو آپؐ کا وہی انجام ہوتا جو کاذبوں کا انجام ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جب سے کہ انبیاءؑ کا سلسلہ قائم کیا ہے اس کا یہ اٹل قانون چلا آیا ہے کہ وہ

صادقوں کی تائید کرتا اور ان کو ان کے دشمنوں پر آخر کامیاب کرتا ہے۔ مگر جو جھوٹے طور پر دعوٰی نبوت کرتے ہیں اور جو جھوٹے طور پر کہتے ہیں کہ ہم پر خدا تعالیٰ اپنی وحی نازل کرتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ ان پر کوئی وحی نازل نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ ناکام کرتا ہے۔ وہ ناکامی اور حسرت کی موت مرتے ہیں اور ان کا خاتمہ دنیا کے لئے ایک عبرت کا مقام ہوتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ اس لئے کرتا ہے تا سچوں اور جھوٹوں میں تمیز ہو جائے۔ پس اسی قانون کے مطابق خدا تعالیٰ نے اول سے آخر تک آپ کی تائید فرمائی آپؐ کے دشمن باوجود قوت اور طاقت کے آخر کار عاجز آ گئے اور آپ غالب اور کامیاب ہوئے۔ اور اس طرح خدا تعالیٰ نے آپ کے صادق ہونے کی خود گواہی دی اور اپنی گواہی سے آپ کا سچا ہونا ثابت کیا اور آپؐ کو اس جھوٹے الزام سے بری ثابت کر دیا۔ آپ کی کامیابی کی آخری سیڑھی فتح مکہ تھی۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے آپ کے زبردست اور خونی دشمنوں کو ذلیل کر کے آپ کے پاؤں میں گرا دیا اور اپنی کامل تائید اور نصرت سے آپؐ کا سچا ہونا ثابت کر دیا۔ اور ان تمام الزامات سے آپ کو بری کر دیا جو آپ پر جھوٹے طور پر لگائے جاتے تھے۔ اسی واسطے جب آپ نے دیکھا کہ اب خدا تعالیٰ نے اپنی نصرت میں کمال کر دیا ہے تو آپؐ مکہ معظّمہ میں داخل ہونے سے پہلے اپنے اونٹ پر ہی سجدہ میں گر پڑے اور اپنے اس خدا کا شکر یہ ادا کیا جس نے اس دن پورے طور پر آپ کو کامیابی کی آخر سیڑھی پر پہنچا کر اور آپؐ کے دشمنوں کو کلی طور پر عاجز کر کے آپ کی صداقت کا ایک بے نظیر معجزہ دکھا دیا۔ اور اس طرح ان تمام فرضی گناہوں کو اپنی نصرت کے پانی سے دھو دیا جو اب تک آپ کی طرف منسوب کئے جا چکے تھے۔ یا آئندہ آپ کے بدطینت دشمنوں نے آپ کی طرف منسوب کرنا تھے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ اس فتح کا ذکر کر کے فرماتا ہے **اِنَّـا فَتَـحْنَـا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا. لِّيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَ خَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَه' عَلَيْکَ** (2-1:48) (سورہ فتح)

یعنی ہم نے تجھے کھلی کھلی فتح دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر عیب تیری طرف منسوب کئے گئے ہیں یا آئندہ منسوب کئے جائیں گے، وہ سب ڈھپ گئے ہیں۔ کیونکہ ایسا شخص جس کو خدا تعالیٰ اس طریق سے اپنی نصرت کے ساتھ مؤید کرے وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی طرف کوئی ایسا عیب منسوب نہیں ہو سکتا جو جھوٹوں میں پایا جاتا ہے۔ اور اس فتح کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے تجھ پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔

اب میں ان آیات یعنی نشانات میں سے بعض کا ذکر کر چکا ہوں جو سورہ یوسف میں پائے

جاتے ہیں اور جن کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ. (7:12) یعنی حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے حالات میں بہت سے نشانات ہیں جن سے حق کے طالب فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور جن کی نسبت اس سورہ کریمہ کی ابتدائی آیات میں فرمایا گیا ہے کہ اس سورہ میں ایسے واقعات کی خبر دی جاتی ہے جن سے آنحضرتؐ پہلے بے خبر تھے۔ کیونکہ وہ آنے والے واقعات تھے جن کی خبر دی گئی۔ اب قارئین نے سمجھ لیا ہوگا کہ کیوں اس سورہ کریمہ کے مضامین کی نسبت آخر میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ (102:12) یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم بذریعہ وحی قبل از وقت تجھ پر اس سورہ شریفہ کے ذریعہ ظاہر کرتے ہیں۔

اصحاب کہف: اب میں ایک اور تذکرہ کی طرف رجوع کرتا ہوں جس کا ذکر قرآن شریف میں بطور پیشگوئی کے بیان فرمایا ہے اور وہ اصحاب کہف کا تذکرہ ہے۔ جو سورہ کہف کے ابتدائی حصہ میں مذکور ہے اس سورہ کے پڑھنے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بطور پیشگوئی کے نازل ہوئی۔ اصحاب کہف کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ شروع ہوتا ہے اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا. (9:18) کیا تو گمان کرتا ہے کہ اصحاب کہف ورقیم ہمارے نشانوں میں سے کوئی عجیب نشان ہیں۔ ان الفاظ میں صریح طور پر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرتؐ کے لئے اصحاب کہف کا ایک کہف میں پناگزین ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ آپؐ کے لئے بھی مقدر ہے کہ آپ بھی اصحاب کہف کی طرح ایک غار میں پناہ گزین ہوں گے۔ اصحاب کہف کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًی. وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْقَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا. هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَیِّنٍ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا. (15-13:18) یہ لوگ (اصحاب کہف) چند جوان شخص تھے جو اپنے مالک پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا تو یا تو وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا مالک تو وہی ہے جو آسمان اور زمین کا مالک ہے۔ ہم تو ہرگز اس کے سوا کسی دوسرے خدا کو پکارنے والے نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہم نے بڑی کفر کی بات کہی۔ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ

تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ ان کے معبود ہونے پر کوئی کھلی سند کیوں نہیں لاتے۔ پھر اس سے بڑھ کر کوئی زیادہ ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے۔ بعینہٖ یہی عقائد اور یہی تعلیم آنحضرتؐ کی تھی۔ اور آنحضرتؐ نے بھی اصحاب کہف کی طرح اٹھ کر کہا کہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور آپ نے بھی ان کی طرح جھوٹے معبودوں کی مذمت کی۔

قسط ہفتم (آخری): مطبوعہ دراشاعت 19 نومبر 1942ء

مگر سب سے بڑی مشابہت، جو اصحاب کہف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ جیسا کہ اصحاب کہف نے ایک کہف میں پناہ لی۔ ایسا ہی آنحضرتؐ نے ایک وفادار ہمراہی کے ساتھ غار ثور میں پناہ لی۔ مگر آپ میں اور اصحاب کہف میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ آپؐ نے کوئی بہت لمبا عرصہ اس غار میں نہیں رہنا تھا۔ جیسا اصحاب کہف کی نسبت مشہور ہے۔ اس تذکرے کے آخر میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا. اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّھْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ ھٰذَا رَشَدًا. (18:23-24) یعنی تو کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہہ کہ یہ کام میں کل کروں گا۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے اور جب تو بھول جائے تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر اور کہہ کہ قریب ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے (اصحاب کہف کی نسبت) زیادہ قریب راہ پر چلا دے۔ ان الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی کام کرنے والے تھے اور وہ کام اسی قسم کا تھا جیسا کہ اصحاب کہف نے کیا۔ یعنی جیسا کہ اصحاب کہف نے بھاگ کر ایک کہف میں پناہ لی، ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کرنے والے تھے۔ لیکن یہ کہ وہ بھاگنا اور اصحاب کہف کی طرح ایک ہولناک اور ڈراؤنی غار میں پناہ لینا کب ہوگا، اس امر کے بارہ میں آنحضرتؐ کو ارشاد ہے کہ آپؐ کوئی وعدہ نہ کریں بلکہ ہر ایک بات خدا تعالیٰ کے منشاء پر چھوڑ دیں۔ جس طرح اور جب خدا تعالیٰ چاہے گا اس بات کو پورا کر دے گا۔ مگر یہ بتلا دیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کو اس قدر عرصہ غار میں نہیں رہنا پڑے گا جس قدر کہ اصحاب کہف کی نسبت مشہور ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّھْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ ھٰذَا رَشَدًا. (18:24) یعنی تو کہہ کہ قریب ہے کہ میرا رب مجھے (اصحاب کہف کی نسبت) زیادہ قریب راہ پر چلائے۔ یعنی مجھے خدا تعالیٰ اس سے بچائے گا کہ مجھے بہت عرصہ تک غار میں رہنا پڑے جیسا کہ اصحاب کہف کی نسبت کہا جاتا

ہے بلکہ میرا رب بہت جلدی مجھے اس غار میں سے نکال لے گا اور مجھے ایسی راہ پر چلائے گا جس سے کہ میں جلدی کامیابی کی منزل پر پہنچ جاؤں گا۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں بتلایا کہ اصحاب کہف تعداد میں کتنے تھے یا کتنا عرصہ وہ غار میں چھپے رہے بلکہ فرماتا ہے قُلْ رَبِّیْ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ (22:18) یعنی کہہ کہ میرا رب بہتر جانتا ہے کہ ان کی تعداد کتنی تھی اور فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا (26:18) یعنی کہہ کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنا عرصہ غار میں ٹھہرے رہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کا ذکر کرنے سے خدا تعالیٰ کی غرض کوئی کہانی بیان کرنی نہیں۔ بلکہ یہ تذکرہ بطور پیشگوئی کے بیان کیا گیا ہے اور خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میں ان غار میں پناہ لینے والوں کی تعداد اور مدت قیام کو بہتر جانتا ہوں، یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ان آدمیوں کی تعداد، جو ایک غار میں پناہ لیں گے اور ان کا غار میں رہنے کا عرصہ یہ ایسی غیب کی باتیں ہیں جن کو اس وقت سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

غرض جس عظیم الشان واقعہ کی اصحاب کہف کے تذکرے کے ذریعہ خبر دی گئی ہے وہ آنحضرتؐ کا بمع اپنے یارِ غار حضرت ابوبکرؓ کے غار ثور میں پناہ گزین ہونے کا واقعہ ہے۔ اس وقت اگرچہ غار کے اندر دو ہی آدمی تھے اور ان کے ساتھ تیسرا خدا تھا۔ مگر ان کے علاوہ بعض آدمی اور بھی تھے جن کا اس عرصہ میں اس غار کے ساتھ تعلق رہا۔ اُن میں سے ایک حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہؓ تھا جو سارا دن بکریاں چراتا اور شام کے بعد بکریوں کو ہانکتا ہانکتا غار ثور کے پاس لاتا۔ اور ان کا دودھ آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ کو پلاتا۔ دوسرا شخص جس کا تعلق غار ثور سے رہا ہے وہ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ تھے۔ یہ سارا دن شہر مکہ میں رہتے اور شام کے بعد اپنی ہمشیرہ حضرت اسماءؓ سے کھانا پکوا کر لاتے اور شہر کے حالات اور قریش کے خیالات سے آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ کو مطلع کرتے۔ لکھا ہے کہ کھانا لانے کے بعد یہ غار میں ہی آنحضرتؐ کے پاس رہتے اور پچھلی رات کو اُٹھ کر چلے جاتے۔ ایسا ہی لکھا ہے کہ خود حضرت اسماءؓ بھی غار ثور میں تشریف لائیں۔ چنانچہ جب غار ثور سے روانگی کا وقت آیا تو وہ جلدی جلدی سفر کے لئے کھانا تیار کر کے شام کے بعد غار ثور میں تشریف لائیں۔ مگر جلدی کی وجہ سے وہ تسمہ لانا بھول گئیں جس سے کہ اس کیسہ کا مونہہ بند کرتیں یا اس کو اونٹ کے کجاوہ کے ساتھ باندھتیں۔ اس لئے اپنے ہی کمر بند کے دو ٹکڑے کر کے ایک کے ساتھ کیسے کا مونہہ بند کیا اور دوسرے ٹکڑے کے

ساتھ اس کو اونٹ کے کجاوہ سے باندھ دیا۔ اسی وجہ سے وہ تاریخ اسلام میں ذات النطاقین کے لقب سے مشہور ہیں۔ چوتھا شخص جس کو غار ثور سے تعلق تھا اور جو اس معاملہ میں راز دار تھا وہ عبداللہ بن اریقط تھا۔ یہ شخص مشرکین میں سے تھا۔ مگر وہ راستے سے خوب واقف تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے اس کو اس کام کے لئے پہلے سے مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ وہ دو اونٹنیاں، جن پر آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ سوار ہو کر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئے، وہ اسی عبداللہ بن اریقط یا اریقد یا ارقد کے سپرد تھیں اور جب آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ غار ثور میں چھپے ہوئے تھے، اس وقت یہ شخص اونٹنیوں کو غار ثور کے مونہہ کے پاس ادھر ادھر چراتا رہا اور جب روانگی کا وقت آیا تو اس نے دونوں اونٹنیوں کو لا کر حاضر کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بطور رہنما کے روانہ ہوا۔ اس مشرک لیکن وفادار خادم کو اگر اصحاب کہف کے وفادار کتے سے تشبیہہ دی جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ جیسا اصحاب کہف نے کھانا لانے کے لئے اپنا آدمی شہر میں بھیجا، ایسا ہی آنحضرتؐ آدمی کھانا لانے کے لئے شہر میں جایا کرتا تھا اور جیسا کہ اصحاب کہف نے مشرکوں کی اذیت کے خوف سے اپنے ساتھی کو تاکید کی کہ ہوشیاری اور احتیاط سے کام لینا اور کسی سے جھگڑا نہ کرنا۔ تا ایسا نہ ہو کہ ہمارے دشمنوں کو ہماری اس پناہ گاہ کی خبر ہو جائے۔ اور وہ ہمیں مار ڈالیں۔ ایسا ہی اصحاب غار ثور کی طرف سے ان کے ساتھی عبداللہ بن ابی بکرؓ کو تاکید تھی کہ وہ کسی طرح شہر کے رہنے والوں کو خبر نہ ہونے دے کہ وہ توحید کے حامی کس جگہ پناہ گزین ہیں۔ چنانچہ وہ دن کو چوکنا ہو کر شہر میں پھرتا اور دشمن کے حالات کی خبر رکھتا اور ایسے وقت میں کھانا لاتا۔ جب کوئی اس کو دیکھنے والا نہ ہوتا تھا۔ چونکہ اصحاب غار ثور کی نسبت پہلے وعدہ ہو چکا تھا کہ اصحاب کہف کی نسبت خدا تعالیٰ ان کو زیادہ قریب راہ پر چلائے گا، اس لئے اصحاب کہف کی جائے پناہ کی تو دشمنوں کو خبر ہو گئی مگر غار ثور کا پتہ نہ لگا جب تک کہ اصحاب غار ثور وہاں سے نکل نہ گئے۔ غار ثور کے اصحاب نے اپنی غار کو چھوڑ کر ایک زیادہ محفوظ جگہ یعنی مدینہ میں جا کر پناہ لی۔ اب کل مشرکان عرب کو خبر ہو گئی کہ وہ موحدوں کی جماعت جو مشرکان مکہ کی اذیت سے تنگ آ کر بھاگی تھی اس نے مدینہ میں آ کر پناہ لے لی ہے۔ اور وہ اس جماعت کو نابود کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ یہ اس لئے ہوا تا کہ ان کو معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور موجودہ گھڑی میں کوئی شک نہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والی جماعت

غالب آئے گی اور ان کے دشمن جوان کو نابود کرنا چاہتے تھے وہ خود نابود کئے جائیں اور تا کہ حق اور باطل کے فیصلہ کی گھڑی ظاہر ہو جائے وَ کَذٰلِکَ اَعْثَرْنَا عَلَیْھِمْ لِیَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَاللّٰہِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَۃَ لَارَیْبَ فِیْھَا (21:18)اسی طرح ہم نے ان کی خبر کھول دی تا ان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ (نصرت الٰہی کا) سچا ہے۔ اور جس گھڑی کی خبر دی گئی تھی اس میں شک نہیں۔ یہ وعدہ بدر کے میدان میں پورا ہوا اور اس دن کا نام خدا تعالیٰ نے یَوْمُ الْفُرْقَانَ (41:8) رکھا ہے۔ یہی وہ موعود گھڑی تھی جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے بطور پیشگوئی کے فرما تا تھا۔ قُلْ لَّکُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ (30:34) اگر چہ قریباً سارا عرب ان موحدوں کی جماعت کا جانی دشمن تھا لیکن اس ملک میں ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہو گئی جوان کی طرف دار ہو گئی۔ اس جماعت کا نام انصار کی جماعت ہے۔ جب موحدوں کی جماعت کو انہوں نے اپنے ہاں پناہ دی تو انہوں نے ان کے لئے ایک مسجد تیار کی اور یہ مسجد، جو غریب مہاجرین کی جائے پناہ میں تیار کی گئی، اب تک موجود ہے ہی نہیں بلکہ جس جگہ اصحاب غار ثور نے پہلے پہل آ کر مدینہ سے باہر راستہ کی تکلیف اور تھکان سے آرام کیا وہاں بھی انصار نے ایک مسجد بنائی۔ جو مسجد قُبا کے نام سے مشہور ہے۔ اور مسجد اس غار ثور میں پناہ لینے والے موحد کا ایک ایسا نشان ہے کہ جہاں جہاں اس کی تعلیم پھیلی ہے وہاں یہ نشان بھی موجود ہے قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِھِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْھِمْ مَّسْجِدًا. (21:18) اصحاب کہف کے انصار نے تو ایک مسجد بنائی مگر اصحاب غار ثور کے خدام نے ہزاروں نہیں، لاکھوں نہیں بلکہ بے شمار مسجدیں بنائیں۔ غرض اصحاب کہف کا واقعہ خدا تعالیٰ نے بطور قصہ کے بیان نہیں کیا۔ بلکہ یہ ایک پیشگوئی تھی جو آنحضرتؐ کی ہجرت کے واقعات کی خبر دیتی تھی اور اس کے علاوہ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اور بھی آنے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ مگر جو کچھ یہاں لکھا گیا ہے وہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اصحاب کہف کے حالات کہانی کے رنگ میں بیان نہیں کئے گئے بلکہ جیسا دوسرے حالات بطور پیشگوئیوں کے بیان کئے گئے ہیں، ایسا ہی یہ بھی بطور پیشگوئی کے بیان کئے گئے ہیں۔

میں نے گذشتہ مضامین میں (بتوفیق ایزدی) یہ دکھایا ہے کہ قرآن شریف میں جو گذشتہ انبیاءؑ اور گذشتہ قوموں کے حالات بیان کئے گئے ہیں وہ بطور قصہ کے بیان نہیں کئے گئے بلکہ ان میں

آنے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ یہ امر اول تو ان حالات کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا اس سے کہ ان کی نسبت صراحتہً یہ لکھا ہے کہ یہ انباء الغیب یعنی آنے والے واقعات کی خبریں ہیں۔ ایک اور بڑی بھاری دلیل ان کے پیشگوئیاں ہونے کی یہ ہے کہ یہ سب کے سب حالات مکی زمانہ میں نازل ہوئے۔ اسلام مکہ میں پیدا ہوا اور مکہ کے مسلمان نہ صرف ضعیف و کمزور تھے بلکہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے نہ قابل بیان اذیت اُٹھا رہے تھے۔ ایسے حالات میں، جبکہ اسلام ابھی ابتدائی حالت میں تھا اور مسلمانوں کو طرح طرح کے دُکھ دیئے جاتے تھے اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس مذہب کا انجام کیا ہوگا۔ ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے گذشتہ انبیاءؑ اور گذشتہ امتوں کے حالات کے ذریعہ اور نیز دوسری پیشگوئیوں کے ذریعہ اپنے نبی کو (فداہ امی وابی) خبر دی کہ تو مظفر و بامراد ہوگا۔ اور تیرے دشمن ذلیل و ناکام ہوں گے۔ اور یہ کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ ملک میں صرف تیرے ہی پیرو ہوں گے اور تیرے دشمنوں کا نام ونشان بھی نہ رہے گا۔ یہ سب پیشگوئیاں ایسے وقت میں مشتہر کی گئیں جبکہ ان کے پورا ہونے کا کوئی نشان موجود نہ تھا۔ دشمن طاقتور اور زور آور تھے۔ اور اسلام کے پیرو نہایت کمزوری اور بے بسی کی حالت میں تھے۔ مسلمان مارے مارے پھرتے تھے اور ان کو سر چھپانے کے لئے جگہ نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ جیسے عظیم الشان انسان کو مکہ سے بھاگنا پڑا اور آخر ایک قوم کے رئیس کی سفارش سے آپ کو مکہ میں بعض شرائط کے ماتحت رہنے کی اجازت دی گئی۔ ایسے وقت میں یہ پیشگوئی کی گئی کہ یہ طاقتور دشمن سب کے سب یا تو ہلاک ہو جائیں گے یا اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اور یہ ملک جواب بت پرستی کا گھر ہے اس میں اسلام ہی اسلام ہو جائے گا۔ جن واقعات کی انبیاءؑ کے حالات کے ذریعہ خبر دی گئی وہ ایک عرصہ کے بعد ہو بہو پورے ہو گئے۔ مثلاً حضرت یوسفؑ کے قصہ کو دیکھو۔ جن عظیم الشان واقعات کی اس میں خبر دی گئی ہے کیا کوئی انسان اس وقت اُن واقعات کو قبل از وقت بیان کر سکتا تھا۔ کیا اس وقت کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ یہ نبی حضرت یوسفؑ کی طرح جنگل کے ایک گڑھے میں رہ کر ایک غیر شہر میں جائے گا اور وہاں جا کر خدا تعالیٰ اس کو ایسی عزت اور جلال بخشے گا کہ آخر مغرور قریش حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح آپ سے نہایت عاجزی کے ساتھ طالب معافی ہوں گے۔ کون ان واقعات کو اس وقت بیان کر سکتا تھا۔ یہی حال ان پیشگوئیوں کا ہے جو دوسرے انبیاءؑ کے تذکروں میں

پائی جاتی ہیں۔ ان تذکروں کا ایسے وقت میں نازل ہونا جب ان واقعات کا ابھی نام ونشان بھی نہ تھا۔ جن کی ان میں خبر دی گئی تھی اور پھر ان واقعات کا ہو بہو واقع ہونا، اس بات کا ایک صریح ثبوت ہے کہ یہ تذکرے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے بیان نہیں کئے گئے کہ آنحضرتؐ پوشیدہ کہانیاں بیان کر سکتے ہیں۔ بلکہ ان کو بطور پیشگوئیوں کے بیان کیا گیا ہے۔

ان تذکروں کا پیشگوئیاں ہونا اس جواب سے بھی ظاہر ہے جو خدا تعالیٰ نے ان مشرکوں کو دیا ہے جو حقارت سے قرآن شریف کا نام اساطیر الاولین رکھتے تھے۔ خداء تعالیٰ فرماتا ہے **قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِىْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** (6:25) کہہ کہ اس کو اس خدا نے نازل کیا ہے جو ہر ایک پوشیدہ بات کو، جو آسمان اور زمین میں ہے، جانتا ہے۔ یعنی یہ کہانیاں نہیں ہیں بلکہ یہ آسمان اور زمین کے اسرار ہیں۔ یعنی وہ غیب کی خبریں جن کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے اور جو زمین پر ظاہر ہونے والی ہیں۔

اب اس بات کا جانچنا، کہ کیا یہ تذکرے خدا تعالیٰ کا کلام ہیں یا کسی انسان کی بناوٹ ہیں، بالکل آسان ہے۔ اگر یہ صرف بطور کہانیوں کے بیان کئے جاتے تو شائد اس امر کا فیصلہ کرنا مشکل ہوتا۔ مگر اب چونکہ قرآن شریف ان کو بطور پیشگوئیوں کے بیان کرتا ہے۔ اور مخالفین اسلام کو ان سے سبق حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے ہمارے ہاتھ میں اب ایک پختہ معیار آ گیا ہے۔ جس سے ہم ان کا الہامی یا غیر الہام ہونا آسانی سے جانچ سکتے ہیں۔ اب امور تنقیح طلب یہ ہیں۔ **اول**۔ کیا یہ تذکرے جو آئندہ واقعات کو ظاہر کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، واقعی ان واقعات کے ظہور سے پہلے نازل ہوئے یا بعد۔ **دوم**۔ کیا ان واقعات کی اس وقت خبر دینا جبکہ یہ سورتیں نازل ہوئیں انسان کی طاقت میں تھا۔ **سوم**۔ کیا جن واقعات کی ان میں خبر دی گئی ہے وہ پورے ہوئے یا نہ۔ **چہارم**۔ کیا ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا ایک نبی کی سچائی کا نشان ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ان سوالات کے جواب صاف ہیں۔ جن سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ سورتیں ان واقعات کے ظہور سے بہت عرصہ پہلے نازل ہوئیں۔ جن کی ان میں خبر دی گئی ہے۔ اور ایسے وقت میں نازل ہوئیں جبکہ کسی انسان طاقت میں یہ تھا کہ ان واقعات کی خبر دے سکے اور کوئی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ واقعات جن کی ان سورتوں میں خبر دی گئی تھی ہو بہو واقع ہو گئے۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ باتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں اور جس پر یہ خبریں نازل ہوئیں وہ ایک

سچا نبی تھا۔

ان پیشگوئیوں کی حقیقت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان سورتوں کے پڑھنے کے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ اس وقت مسلمانوں کی کیا حالت تھی۔ ایک طرف ان زبردست پیشگوئیوں کو پڑھو اور دوسری طرف اس زمانہ کی تاریخ کا مطالعہ کرو کہ مسلمان کیسی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ کیسی زبردست پیشگوئیاں ہیں۔ جن سے نہ صرف خدا تعالیٰ کا علم ثابت ہوتا ہے بلکہ اس کی قدرت اور طاقت کا بھی پتہ لگتا ہے۔ کاش کہ دنیا ان پیشگوئیوں کو غور سے پڑھے اور پھر ساتھ اس کے اس زمانہ کا نقشہ اپنے سامنے رکھے جس زمانہ میں یہ پیشگوئیاں نازل ہوئیں۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جن میں خدا تعالیٰ کا چہرہ صاف صاف نظر آتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس سے آنحضرتؐ کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

19 نومبر 1942ء

مکتوب امیر

ایک خط کا جواب

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

شیخ مقبول الٰہی صاحب ایم اے کامرس ڈیپارٹمنٹ شملہ نے حضرت امیر کی خدمت میں ایک خط تحریر فرمایا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ احمدیہ جماعت کہاں تک کسی ایسے فرد یا جماعت سے تعاون کرسکتی ہے جس کا مقصد بھی اشاعت اسلام ہو۔ مسٹر مقبول کسی زمانہ میں مغربی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ لیکن اب خدا کے فضل و کرم سے وہ اس رٹ سے نکل آئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے دل میں اسلام کے لئے بھی تڑپ پیدا ہوچکی ہے۔ لیکن وہ اس بات پر معترض ہیں کہ احمدیہ جماعت کو فرقی رنگ کیوں دیا جاتا ہے اور حضرت صاحب کی شخصیت کو درمیان سے نکال کیوں نہیں دیا جاتا۔ احباب جماعت سے درخواست ہے کہ وہ اس سعید نوجوان کے لئے دعا فرمائیں۔ تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں حق کی شناخت کی توفیق دے۔

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کا جواب: اخویم مکرم معظم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نوازشنامہ ملا۔ کسی نیک کام کے لئے بھی قدم اٹھایا جائے ہماری جماعت اس کی مخالف نہیں ہوسکتی۔ لیکن اس کا کام بحیثیت جماعت اسی طریق پر ہوگا جس پر اسے اس زمانہ کے مجدد نے ڈالا ہے۔ اور وہ ہے مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ تبلیغ اور اشاعت اسلام کا کام۔

مجھے امید ہے کہ مجوزہ حلف نامہ کے مطابق آپ بھی یہ غور فرما دیں کہ آنحضرتؐ نے جو مجددین کے آنے کی خبر دی ہے اس کے سامنے ہر مسلمان کو سر جھکانا چاہیئے یا نہ۔ **اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِئَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا.** صحاح ستہ میں سے ایک کتاب کی حدیث ہے۔ اور اس کے متعلق لکھا ہے کہ حدیث کے حافظ حدیث مجدد کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔ اور تیسری بات امتہ کا تعامل ہے کہ مجدد ہوتے رہے اور دعوٰی بھی کرتے رہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نام تو بہت مشہور ہے۔ تو کیا بجائے اپنی جانب سے ایک حلف نامہ تجویز کرنے کے یہ بہتر نہ ہوگا کہ نبی کریمؐ کی حدیث کے ماتحت مجدد کا ساتھ دیا جائے۔ اس اقرار نامہ کی بھی ایک نقل ملفوف ہے۔ جس میں مَیں نہیں

سمجھتا کہ کوئی مسلمان کوئی قابل اعتراض بات بتا سکتا ہے۔

مجھے صرف ایک ڈر ہے کہ مسلمانوں میں تشتت کی بیماری ترقی کرتی چلی جارہی ہے۔ کتنے لوگوں نے بجائے امام وقت کا ساتھ دینے کے اور مجدد صد چہارم امام وقت سے کسی نہ کسی پیرایہ میں الگ جماعت بنانے کی کوشش کی لیکن اگر آپ واقعات کو دیکھیں گے تو کام ایک ہی جماعت کا ایسا ممتاز نظر آتا ہے کہ کسی کو اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ یہ تعمیری کام ہے۔ خدمت اسلام کا کام ہے۔ تبلیغ واشاعت کا کام ہے۔ کفرستانوں میں اسلام کی بنیادیں رکھی جا چکی ہیں۔ اب صرف ان بنیادوں پر عمارت اٹھانے والوں کی ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے آپ اس پر غور فرمائیں گے۔ اور کم سے کم یہ کہ اس دفعہ ہمارے جلسہ سالانہ پر 27,26,25 دسمبر تشریف لا کر بچشم خود ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ جماعت اپنے عقائد اور عمل کے لحاظ سے کس رستہ پر چل رہی ہے۔ اور اس میں شرکت کسی نقصان کا موجب نہیں، سوائے اس کے کہ چند دن لوگ شائد بُرا کہیں گے اور یہ بھی حقیقت میں نقصان نہیں، نفع ہی کا موجب ہے۔ والسلام محمد علی

تبلیغ کے متعلق حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کا تازہ ارشاد: (19 نومبر 1942ء) جلسہ سالانہ پر آتے ہوئے ہر ایک دوست ایک غیر احمدی کو اپنے ہمراہ ضرور لائے۔

گذشتہ سال حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے ایک تبلیغی پروگرام جماعت کے سامنے رکھا تھا۔ جسے جماعت کے متعدد حلقوں نے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اور پیغام صلح نے بھی تبلیغی پروگرام کی اہمیت کی طرف بار بار توجہ دلائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریباً دوسو اشخاص سلسلہ میں شامل ہوئے۔ انفرادی کوششوں کے ذریعہ دوسو اشخاص کی شمولیت اچھی کامیابی تھی۔ اگر یہ کام مستقل طور پر جماعت کے سامنے رہے تو اس سے بہت کامیابی ہوسکتی ہے۔ گذشتہ دو خطبوں میں حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے پھر جماعت کی توجہ تبلیغ کی طرف مبذول فرمائی ہے۔ ایک خطبہ اسی شیوع میں شائع ہو رہا ہے۔ دوسرا خطبہ بھی آئندہ شیوع میں دوستوں کے سامنے آجائے گا۔ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے **الف۔** ہر ایک احمدی کو ایک مبلغ ہونا چاہیئے **ب۔** تبلیغی کوششوں سے لوگوں کو سلسلہ میں شامل کریں **ج۔** کام کریں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں۔ کام سے قوٰی مضبوط ہوتے ہیں۔ حضرت ممدوح نے تبلیغ پر بہت زور دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر ایک احمدی کو اپنے دائرہ میں ایک مجاہد اور سرگرم مبلغ ہونا چاہیئے۔ ہر ایک دوست کو چاہیئے کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں

نہایت محبت کے ساتھ احمدیت کا پیغام پہنچائے۔ سو ہر ایک دوست کو چاہیئے کہ حضرت امیر اید ہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ماتحت چند ایک سعید الفطرت اشخاص کو اپنے پیش نظر رکھے اور ان تک احمدیت کے اغراض ومقاصد رکھے۔ اور دلائل سے ان کے ذہن نشین کرائے کہ صرف احمدیت کے ذریعہ ہی از سرنو غلبہ اسلام ہو سکتا ہے۔ جماعت کے سب دوستوں کو چاہیئے کہ حضرت امیر اید ہ اللہ تعالیٰ کے اس تازہ ارشاد کو بڑی محنت اور جوش کے ساتھ عملی جامہ پہنائیں اور ہمیشہ اسے پیش نظر رکھیں۔ انفرادی تبلیغ کو تقویت دینے اور کامیاب بنانے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ وہ احباب سلسلہ، جو جلسہ سالانہ پر تشریف لانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اپنے ہمراہ کم از کم ایک غیر احمدی دوست کو ضرور لائیں۔ اس جلسہ سالانہ میں بہت برکت ہے اس سے جہاں اپنی جماعت کے دوست علم حاصل کرتے ہیں، روحانیت پیدا کرتے ہیں اور جذبہ اخوت کو مضبوط کرتے ہیں، وہاں اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیر از جماعت دوست ہماری مساعی کو دیکھیں اور ہمارے مرکز میں آ کر ہمارے خیالات اور عقائد کو سنیں۔ تو اس سے ان کی بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ اور وہ سلسلہ کے بہت قریب ہو جائیں۔ اور بعض حالات میں تو ایسے بلند پایہ اجتماع کا فوری اثر بھی ہوتا ہے۔ اور مخلص لوگ کسی واقعہ اور کیفیت سے متاثر ہو کر فوراً سلسلہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہ بھی ہو، کم از کم یہ تو ہوسکتا ہے کہ انفرادی تبلیغ کے لئے ایک نہایت خوشگوار فضاء پیدا ہو جائے۔ جس کا پیدا ہونا تبلیغ کے لئے از بس ضروری ہے۔ ہمارے دوستوں کو چاہیئے کہ اپنے دائرہ اور حلقہ میں ابھی سے ایسے غیر احمدی احباب کو جلسہ میں شمولیت کے لئے کہیں۔ جن کے متعلق یہ خیال ہو کہ وہ حق کو جلد ہی قبول کر سکتے ہیں۔ اور ان کے قلوب میں اسلام کا صحیح درد ہے۔ انہیں ضرور اپنے ہمراہ لائیں۔ غیر احمدی دوستوں کی شمولیت سے ہمارا جلسہ بھی بارونق ہوگا۔ اور تبلیغ کا بھی ایک غیر معمولی موقعہ پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ اجتماع سے بہت متاثر ہوتی ہے۔ خیال ہے کہ اس ضمن میں مرکزی دفتر سے بھی جماعت کے ذمہ دار حضرات کو بعض ہدایات عنقریب پہنچ جائیں۔ احباب سلسلہ کو اس کا ابھی سے اہتمام کرنا چاہیئے۔ اور تبلیغ کے اس غیر معمولی موقعہ کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ امید ہے بیرونی جماعتوں کے دوست ہماری اس گذارش پر ضرور توجہ مبذول فرمائیں گے۔

❁❁❁

26 نومبر 1942ء

مکتوب امیر

جلسہ سالانہ میں شمولیت کی دعوت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

برادر مکرم معظم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں ان ایام میں سفر کی مشکلات کو جانتا ہوا آپ کو جلسہ سالانہ میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔سردی کے ایام میں گھر سے نکلنا اور پھر آج کل بھیڑ بھاڑ میں سفر کرنا،جس میں شاید رات کو جاگ کر اور بعض وقت کھڑے ہو کر بھی سفر کرنا پڑتا ہے،آسان کام نہیں۔مگر اس جلسہ کی غرض اور آپ کی اس میں شمولیت کی غرض جماعت کی روحانی ترقی اور نصرت الٰہی کے حصول کے لئے جدوجہد کے سوا اور کچھ نہیں۔اور صعوبتیں اٹھانے کے بغیر نہ نصرت الٰہی ملتی ہے نہ روحانی ترقی حاصل ہوتی ہے۔بلکہ جب تک ایسی جدوجہد کے لئے اور مشقت اٹھانے کے لئے انسان دیوانہ وار کام نہیں کرتا نصرت نہیں ملتی۔میں خود اسی نصرت کی طلب میں پندرہ دن کے لئے ایک لمبا سفر اختیار کر رہا ہوں۔حالانکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کس رستے سے آنے والی ہے۔لیکن جس غرض کے لئے میں آپ کو بلاتا ہوں اس راستے سے نصرت کا ملنا یقینی ہے۔کیونکہ اس جلسہ سالانہ کی بنیاد خدا کے مامور نے رکھی ہے۔اور ادھر دعوٰی کے ساتھ بھی دنیا میں تبلیغ اسلام کے کام کو ہاتھ میں لیا اور ادھر اسی سال یعنی 1891ء میں انہی دسمبر کے ایام میں پہلا سالانہ جلسہ بھی منعقد فرمایا۔اور اس کے ساتھ ہی تحریر فرمایا کہ جماعت کی روحانی تربیت کے لئے یہ جلسہ ہر سال ہونا ضروری ہے۔میں حضرت صاحب کے الفاظ میں ہی آج آپ کو دعوت دیتا ہوں۔اس لئے یہ دعوت میری طرف سے نہیں خدا کے برگزیدہ مسیح کی طرف سے ہے۔

> ''سال میں تین روز ایسے جلسے کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط صحت وفرصت عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہوسکیں۔حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کے سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہئے اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے

سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔ اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں کی جائیں گی اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الرّٰحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے دور کرنے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلشانہ کوشش کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے''

ہر ایک دوست جو اس جماعت میں شامل ہے وہ یاد رکھے کہ جس تربیت کو حضرت مسیح موعود نے ہماری روحانی ترقی اور نصرت الٰہی کے جذب کرنے کا صحیح ذریعہ سمجھا ہے، اس کو ہمیں استخفاف کی نگاہ سے نہ دیکھنا چاہئیے۔ اور یہ خیال نہ کرنا چاہئیے کہ ایک مَیں شامل نہ ہوا تو کیا ہرج ہے۔ ہر شخص جو مامور من اللہ کے اس مقرر کردہ طریق پر عمل پیرا نہیں ہوتا وہ خود بھی نقصان اٹھاتا ہے اور جماعت کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ آپ بار بار تمام مخلصین اور تمام دوستوں کا آنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور صرف آسودہ حال حضرات کو نہیں بلکہ کم استطاعت اصحاب کے لئے بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''کم مقدرت احباب کے لئے مناسب ہوگا کہ پہلے ہی سے اس جلسہ میں حاضر ہونے کا فکر رکھیں اور اگر تدبیر اور قناعت شعاری سے کچھ تھوڑا تھوڑا سرمایہ سفر خرچ کے لئے ہر روز یا ماہ بماہ جمع کرتے جائیں......''

اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ اپنے قوٰی یا اپنے مال کو کام میں لگانے سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ آخر کم استطاعت اصحاب اپنے دنیوی فوائد کے لئے خرچ کرتے ہی رہتے ہیں۔ تو روحانی فائدہ کے لئے اور دین کو قوت پہنچانے کے لئے اگر کچھ خرچ کرنا پڑے تو اس سے گھبرانا نہیں چاہئیے۔ اور حتی الوسع سب احباب کو شامل ہونے کے لئے مضبوط قدم اٹھانا چاہئیے۔ ہماری جماعت تعداد میں تھوڑی ہے اور گو قربانیوں میں اس کا قدم کسی دوسری جماعت سے پیچھے نہیں بلکہ آگے ہی ہوگا۔ لیکن جلسہ سالانہ پر شمولیت کے بارے میں بیشتر حصہ میں سستی پائی جاتی ہے۔ اور یہ سستی بالآخر

نقصان کا موجب ثابت ہوگی۔ دہلی اور پشاور جو لاہور سے صرف قریب قریب بارہ گھنٹے کا سفر ہے اور جہاں سے آمد ورفت پر بھی دس بارہ روپے سے گزارہ چل جاتا ہے، وہاں تک کے احباب بھی غیر معمولی سستی دکھاتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ جب ہم چندہ دیتے ہیں تو ایک جلسہ سالانہ میں نہ شامل ہوئے تو کیا ہرج ہے۔ مگر میں اس بات کو اگر سو بار بھی دوہراؤں تو کم ہے کہ ہر قربانی الگ قسم کے نتائج پیدا کرتی ہے۔ اور کوئی قربانی بھی سالانہ اجتماع سے غیر حاضر رہنے کا کفارہ نہیں ہوسکتی۔ اچھے اچھے ذی استطاعت اصحاب ادنیٰ ادنیٰ عذر پر رہ جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس قدر تکلیف سے کسی پیر کی خوشنودی کی سند نہیں ملتی۔ اور نہ اس کے حضور میں آپ کا نام پیش ہوتا ہے۔ مگر عالم الغیب والشھادۃ کی رضاء ضرور حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ کسی کو بھولتا نہیں۔ اگر دلوں کے اندر حضرت مسیح موعود کے احکام کا پورا احترام اور جلسہ میں شمولیت کے لئے سچی تڑپ موجود ہو، تو اللہ تعالیٰ سامان بھی کر دیتا ہے۔ زمیندار، تجارت پیشہ یا دیگر کاروبار کرنے والے اصحاب تو ہر طرح سے آزاد ہوتے ہیں۔ ملازمین سرکار کے دلوں میں بھی اگر تڑپ موجود ہو تو رخصت بھی مل جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دوسرے سامان بھی کر دیتا ہے۔ 27,26,25 دسمبر جلسہ ہے۔ اور ان ایام جنگ میں بھی یہ تینوں تعطیل کے دن ہیں۔ اور جو کوشش کرے وہ ڈیوٹی پر لگایا جانے کے باوجود بھی رخصت حاصل کرسکتا ہے۔ صحت کے عذر میں بھی اس حد تک غلو نہ ہونا چاہئیے کہ اگر ہم سفر کریں گے تو بیمار ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے جو کام اس کی خوشنودی کا ہے اسے کرنا چاہئیے۔ ہاں جس کے دل میں درد اور تڑپ موجود ہو کہ مجھے اس اجتماع میں بہر حال پہنچنا چاہئیے جس کے لئے امام زماں نے بلایا ہے اس کے سامنے اگر کوئی موانع قویہ ہوں تو اس کے دل کی حالت وہی ہوگی جو بعض جہاد میں شامل نہ ہوسکنے والوں کی تھی اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَايُنْفِقُوْنَ. (92:9) ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے کہ آج ہم اس روحانی اجتماع سے جہاں سے، سال بھر کے لئے قوت روحانی مل سکتی تھی محروم رہ گئے اور خدا کے دین کی خدمت کے کام کو ہماری وجہ سے نقصان پہنچا۔

ایک لفظ ان احباب کی خدمت میں بھی عرض کرتا ہوں جن کی رواداری اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ عام لوگوں کی طرح پورے تین دن جلسے میں شامل نہیں ہوتے اور اپنے لئے دو دن یا ایک دن یا

ایک آدھ لیکچر کا سن لینا کافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود نے تین دن ضروری ٹھہرائے ہیں۔ یہ جلسہ جمعہ کی نماز سے شروع ہوتا ہے اور جو جمعہ کی نماز سے محروم رہ جائے گا اس کی محرومی بھی بہت بڑی ہے۔ کون جانتا ہے کہ جن حالات میں سے ہمارا ملک گزر رہا ہے، ان حالات میں اگلے سال ہم اس نعمت سے متمتع ہو سکیں گے۔ یا نہیں۔ اور کون انکار کر سکتا ہے کہ جو لوگ محض اللہ تعالیٰ کی رضاء کیے لئے جمع ہو کر بارگاہ الٰہی میں گڑ گڑاتے ہیں، ان کی اجتماعی دعاوں سے خدا کے غضب کی آگ پر، جو آج دنیا میں اس کے فسق و فجور کی وجہ سے بھڑکی ہوئی ہے، رحمت کا بادل برس کر اسے ٹھنڈا کر سکتا ہے اور خدا کا نام دنیا میں پھیلانے کے لئے راستے کھل سکتے ہیں۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

حق کی آواز: (10 دسمبر 1942ء) حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کے ٹریکٹ ''نیا نظامِ عالم'' پر تبصرہ ایک مسلمان مبصر کے قلم سے۔

موجودہ ہولناک اور تباہ کن جنگ کو شروع ہوئے تین سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ ابھی تک بظاہر اس کے جلد ختم ہو جانے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اس طویل عرصہ کے دوران میں متحارب فریقوں نے جس بے دردی کے ساتھ روپیہ اور انسانی خون پانی کی طرح بہایا ہے اور ادعائے تہذیب کے باوجود جس وحشیانہ جوش اور انتقام کے ناپاک جذبات کے ماتحت لاکھوں انسان روزمرہ بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے جا رہے ہیں اس کا تصور لرزہ بر اندام کر دینے کے لئے کافی ہے۔

گذشتہ جنگ عظیم کے بعد عوام میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اب دنیا کو کم سے کم پچاس سال تک امن کی زندگی بسر کرنے کا موقعہ ملے گا اور جنگ کے ہوشربا مناظر کی داستان ایک قصہ پارینہ ہو کر رہ جائے گی۔ مگر بیس سال کے بعد جنگ کی جس راکھ کو ہم ٹھنڈا سمجھتے تھے، اس سے دفعتہً اس شدت کے ساتھ آگ کی دبی ہوئی چنگاریوں نے دیکھتے دیکھتے خوفناک اور ہلاکت بار شعلوں کی صورت اختیار کر لی کہ دنیا حقیقی معنوں میں جہنم کا نمونہ بن گئی ہے۔ جس ناقابل قیاس اور عظیم الشان پیمانے پر قتل وغارت کا سلسلہ جاری ہے اس کے لحاظ سے گذشتہ جنگ عظیم موجودہ جنگ کے مقابلے میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اور اگر یہ سلسلہ دو تین سال تک اسی طرح جاری رہا تو خود یورپ کے مفکرین کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی تہذیب، جس کی بنیاد مادی ترقی اور رنگ اور نسل کے غرور و تفاخر پر ہے، دنیا کے امن کے لئے سب سے بڑی لعنت ثابت

ہوئی ہے۔ اور جب تک اس لعنت کے وجود کو حرف غلط کی طرح نہیں مٹایا جائے گا دنیا کو امن اور چین نصیب نہیں ہوگا۔

یورپ کے مادہ پرستوں نے مذہب یا دوسرے الفاظ میں اخلاق اور روحانیت سے بے نیاز ہو کر علمی ایجادوں کو اپنی دنیاوی مشکلات کا بہترین حل سمجھ رکھا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے علوم وفنون کو حیرت انگیز فروغ دیا اور انہوں نے اپنی غیر معمولی ذہنی ترقی کی بدولت دنیا کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔ لیکن یہ عقلی قوی کا ناجائز استعمال ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ بتا رہا ہے اور تاریخ بھی اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ جن قوموں نے قدرت کے اسرار کو بے نقاب کر کے اس کے لامتناہی خزائن کو قادر مطلق کی منشاء کے خلاف استعمال کیا وہ زود یا بدیر ہلاک ہو گئیں۔ یہ خزائن صرف اسی صورت میں دنیا کے لئے رحمت و برکت کا باعث ہو سکتے ہیں کہ ان سے خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچایا جائے اور دنیا میں انسانیت کا درجہ بلند کیا جائے۔

مثلاً دنیا میں مٹی کے تیل کی اصلی غایت یہی ہے کہ یہ اس قدر ارزاں ہو کہ غریب سے غریب آدمی بھی رات کے وقت اپنے جھونپڑے میں دیا جلا سکے۔ لیکن جب اسی تیل کو ہلاکت آفریں گلوں کے چلانے کے لئے اس کثرت سے استعمال کیا جائے کہ خدا کی غریب مخلوق اس کے گراں ہو جانے کے باعث اس نعمت سے محروم ہو جائے تو یہ صریح کفران نعمت ہے۔ یورپ اور دنیا کے دوسرے حصوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسی کفر کا نتیجہ ہے۔

آپ یورپ کے ہر ملک اور ہر قوم کی طرف سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے کہ دنیا کی تباہی اور بربادی کو دور کرنے کے لئے ایک نئے نظام کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں برادران اسلام کو مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ انہوں نے ''نیا نظام عالم'' کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا ہے۔ جس میں ممدوح نے ایک سلیس اور دلنشین پیرائے میں قرآنی آیات کی رو سے یہ آواز بلند کی ہے کہ اگر دنیا میں کوئی نظام امن اور سلامتی کی بنیادوں کو استوار کر سکتا ہے اور جس کی وجہ سے بنی نوع انسان کے دکھ ہمیشہ تک قائم رہنے والے سکھ میں بدل سکتے ہیں، تو وہ اسلام کا نظام ہے۔ اسلام کے معنی ہی صلح، محبت اور امن ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

''اس نظام کی اساس دو باتوں پر رکھی گئی۔ خدا ایک ہے اور سب قومیں ایک کنبہ

ہیں۔ یہی دو بنیادی باتیں ہیں جن سے دنیا میں صلح اور محبت قائم ہو سکتی ہے۔ انہی دو بنیادوں پر اسلام کی بنیاد اٹھائی گئی۔ اور ایک عظیم الشان نظام قائم کیا گیا جو انسانوں کی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی تھا''

اگر یورپ کی سفید فام قومیں اس نظام پر کاربند ہوتیں، تو وہ نسلی غرور اور اس کے تباہ کن نتائج سے محفوظ ہوتیں اور دنیا ایک عالمگیر اخوت کی سلک میں منسلک ہوتی۔ خداوند کریم ایسے غرور کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ اس نے غرور کرنے والوں کو متنبہ کر دیا۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ. (65:6)

اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تم پر اوپر سے کوئی عذاب بھیجے یا تمہیں گروہ گروہ بنا کر ابتری میں ڈالے اور تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھائے دیکھو ہم کیونکر طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں کہ کہیں ان کو سمجھ ہو۔

موجودہ جنگ پر یہ آیت کس قدر صاف اور واضح طور پر منطبق ہوتی ہے۔ ''اوپر سے'' بمبار طیارے اور ''نیچے سے'' جہازوں کو غرق کرنے والی آبدوزیں۔ ''تمہیں گروہ گروہ بنا کر'' یعنی جرمنی، اٹلی، جاپان کو برطانیہ، امریکہ اور روس کا مدمقابل قرار دے کر انہیں لڑائی کا مزہ چکھایا۔

جیسا کہ مولانا نے تحریر فرمایا ہے قومی تفریق اور نسلی امتیاز کی تباہ کاریوں کا سوائے اس کے اور کوئی علاج نہیں کہ نسل انسانی کی وحدت کو قائم کیا جائے اور ساری نسل انسانی کو ایک کنبہ قرار دیا جائے۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (213:2) سب انسان ایک جماعت ہیں۔ اسلام نے کسی قوم کو قومیت کے لحاظ سے دوسری قوم پر کوئی فضیلت نہیں دی۔ بلکہ اس کی بڑائی اعمال حسنہ پر ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (13:49) تم میں بڑا وہ ہے جو خدا کے نزدیک نیکوکار یعنی اس کے احکام بجالانے والا ہے کالے گورے سانولے اور پیلے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سب اسی کے بندے ہیں۔

اسلام اور صرف اسلام ہی ایک ایسا نظام ہے جو نہ صرف نسل انسانی کی وحدت کو قائم بلکہ تمام بنی

نوع انسان کو محبت اخوت اور امن کی روحانی سلک میں منسلک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جب تک یہ صورت پیدا نہیں ہوگی دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہوگا۔ اس بارے میں عیسائی مذہب کی تعلیم بالکل بیسود اور ناکام ثابت ہوئی ہے۔ عیسائیت نے اپنی دو ہزار سال کی زندگی میں کسی ملک کے اندر انسانی اخوت اور مساوات کی زندہ مثال قائم نہیں کی۔ اور وہ کیسے قائم کر سکتی ہے۔ جب خود اس کے گرجوں میں نسلی امتیاز روا رکھا جاتا ہے۔ جس گرجے میں انگلستان کا بادشاہ یا وائسرائے عبادت کرنے کے لئے جاتے ہیں، وہاں رعایا کے عام افراد کو جو سانولے یا کالے رنگ کے ہوں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ مسجد یعنی خدا کے گھر میں شاہ و گدا ایک ہی صف میں سربسجود نظر آتے ہیں ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

ہندو مذہب میں اچھوتوں کو اس قدر ذلیل پست اور ناپاک سمجھا جاتا ہے کہ اعلیٰ ذات کے ہندو ان کے سائے تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ انہیں سڑک پر چلنے کی اجازت نہیں جن پر برہمن اور دوسرے ہندو گذرتے ہیں۔ دنیا کے دوسرے مذاہب بھی انسانی اخوت اور مساوات کے اعتبار سے اس معیار پر پورے نہیں اترتے جو اسلام نے قائم کر رکھا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس لئے اس کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ اسلام غیر مسلموں تک کے حقوق کا بھی ویسا ہی محافظ ہے جیسا مسلمانوں کے حقوق کا۔ تاریخ ہمیں بتا رہی ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے تاجدار اپنی عیسائی رعایا سے ایسا فیاضانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتے تھے کہ ان کے دوسرے ہم مذہب بھی اپنے عیسائی حکمرانوں کے علاقوں سے نکل کر سلطان کی رعایا بن جاتے۔ کیونکہ اسلامی حکومت میں ان کو معاشرتی، اقتصادی اور تجارتی پہلو سے ایسی رعائتیں دی جاتی تھیں، جو عیسائی حکومت میں انہیں قطعاً حاصل نہ تھیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ اسلام کا حسن سلوک، جس کی تفصیل سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، مذکورہ بالا دعویٰ کا ایک روشن ثبوت ہے۔

میں اس امر کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہندوستان میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ایک فعال جماعت ہے۔ جو اپنے تبلیغی فرائض کو پوری سرگرمی اور خلوص سے بجا لا رہی ہے۔ ''نیا نظام عالم'' کے متعلق جو آواز اس کے فرض شناس امیر نے اٹھائی ہے، وہ صرف اسی صورت میں مطلوبہ

نتائج پیدا کر سکتی ہے کہ یہ ان کانوں تک پہنچائی جائے جو موجودہ جنگ کے بعد دنیا میں ایک نیا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ نظام ایک بہت بڑا انقلاب ہوگا۔ کیا اچھا ہوا گر ہندوستان کی تمام تبلیغی انجمنیں اس انقلاب کی تشکیل کے لئے مشترکہ کوشش اور اتحاد وعمل سے کام لیں۔ تاکہ جو آواز اٹھائی گئی ہے اس کی گونج کا سلسلہ برابر جاری رہے۔ اس مہتمم بالشان مقصد کی تکمیل کے لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ''نیا نظام عالم'' کا ترجمہ نہ صرف انگریزی بلکہ جہاں تک ہو سکے دوسری زبانوں میں بھی کیا جائے تا کہ دنیا کو اپنی نجات کا رستہ معلوم ہو جائے۔

لائل پور میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا ورودِ مسعود: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خان بہادر میاں غلام رسول صاحب تمیم کی صاحبزادی کی شادی کی تقریب میں شمولیت کی غرض سے جھنگ تشریف لے جاتے ہوئے 10 دسمبر 1942ء کو چار بجے عصر کے وقت گاڑی سے لائل پور کے سٹیشن پر اترے سٹیشن پر استقبال کے لئے الحاج شیخ میاں محمد اسمٰعیل صاحب، الحاج شیخ میاں مولا بخش صاحب اور الحاج شیخ میاں محمد صاحب کے علاوہ جماعت کے دیگر معززین موجود تھے۔ حضرت ممدوح اسی وقت آگے جھنگ تشریف لے گئے۔ 11 دسمبر 1942ء کو مغرب کے قریب حضرت ممدوح واپس لائل پور تشریف لائے اور الحاج شیخ میاں محمد صاحب کی کوٹھی پر رات آرام فرمایا۔ 12 دسمبر 1942ء کی صبح کو متعدد احباب نے شرف ملاقات حاصل کیا اور مختلف امور پر حضرت ممدوح کے قیمتی خیالات سنے۔ مسٹر ریاض حسین صاحب نے حضرت ممدوح کے مبارک ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ میں شمولیت اختیار کی۔ مسٹر ریاض حسین صاحب ایک عرصہ سے زیر تبلیغ تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ خدا نے انہیں توفیق دی اور حضرت امام عصر کی فوج میں شامل ہو گئے۔

12 دسمبر 1942ء کو تین بجے بعد دوپہر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ واپس لاہور تشریف لے گئے۔ جماعت کے بزرگ ودیگر احباب حضرت ممدوح کو رخصت کرنے کے لئے سٹیشن پر موجود تھے۔ جماعت کی زبردست خواہش تھی کہ حضرت ممدوح پانچ چھ روز لائل پور قیام فرما کر احباب کو استفادہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ مگر سالانہ جلسہ کی مصروفیات کے پیش نظر حضرت ممدوح کا لاہور میں موجود ہونا ضروری تھا۔ اس لئے احباب نے اپنی درخواست پر اصرار مناسب نہیں سمجھا۔

❁❁❁

21 جنوری 1943ء

مکتوبِ حضرت امیر

مندرجہ ذیل دو خطوط حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوست کے بعض استفسارات کے جواب میں لکھے ہیں:

☆ اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا خط پہنچا۔ آپ کے سوالات کا جواب حسب ذیل ہے:

سوال۔ کیا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ثانی کا صراحت سے ذکر موجود ہے؟

جواب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمدِ ثانی یا بعثت ثانی کے الفاظ جب ہم استعمال کرتے ہیں۔ احادیث میں مہدی کے آنے کا ذکر ہے اور اس مہدی کی صفات میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اس کا اسم میرا اسم ہے۔ یعنی وہ میری صفات کو لئے ہوئے ہوگا۔ اسی کو دوسرے الفاظ میں آمد ثانی کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح احادیث میں جو ابن مریم کے آنے کا ذکر ہے۔ اس سے بھی مراد ایسے شخص کا آنا ہے جو مسیحی صفات اپنے اندر رکھتا ہو۔

سوال۔ کیا خلفاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مجددین اور محدثین اُمت میں سے کوئی دوسرا بزرگ آمدِ ثانی کا مصداق قرار نہیں پا سکتا؟

سوال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ثانی کے مصداق کی امتیازی شان (مطابق پیشگوئی قرآن وحدیث) کیا ہے۔ جس کے پائے جانے کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب کو پہچانا اور دوسرے بزرگوں سے بزرگ تر مانا جائے۔

جواب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کم وبیش تمام مجددین، محدثین اور اولیائے اُمت کے اندر منعکس ہوتی ہیں۔ مگر آمد ثانی کا مصداق وہی شخص قرار پائے گا۔ جس میں یہ صفات کسی ممتاز رنگ میں ظاہر ہوں۔ اسلام کے مٹانے کے لئے دو دفعہ زبردست کوشش ہوئی ہے۔ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں عرب کے لوگوں نے کی۔ اور دوسری مرتبہ اس کے مٹانے کی زبردست

کوشش مغربی اقوام کے عیسائیوں نے کی۔ اور دونوں دفعہ یہ مقدر تھا کہ اسلام مغلوب ہونے کی بجائے قوت کے ساتھ ظاہر ہو۔ چودھویں صدی کے مجدد نے اس دوسرے غلبہ کی بنیاد رکھی اور اس وقت جبکہ مسلمان قومیں دنیوی اور سیاسی اقتدار کے لحاظ سے حد درجہ کی پستی میں گر گئی تھیں اور اسلام کے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کی طرف ان کی توجہ ہٹ چکی تھی۔ ان لوگوں میں تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا جو اسلام کے مٹانے کے متمنی تھے۔ اس لئے ہم اس مجدد کو مجازاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ثانی یا بعثت ثانی کہتے ہیں۔ تکذیب اول کا قلع قمع خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے ہوا۔ تکذیب ثانی کے قلع قمع کے لئے اور ان اقوام کو نور اسلام سے منور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک شاگرد مجدد سے کام لیا۔

سوال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ثانی مثل آمد اول کے اپنے بعد میں آنے والے مجددین پر محیط ہوگی یا گذشتہ مجددین اُمت محمدیہ کے سلسلوں کی طرح اس صدی کے آخر پر سلسلہ کا انجام بھی ہو جائے گا۔

جواب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو مجددین کے سلسلہ چلتا ہے، وہی قیامت تک چلے گا۔ مگر چونکہ اس صدی کے مجدد کا کام محض وقتی تجدید نہیں بلکہ اسلام کو دنیا پر غلبہ کرنے کی بنیاد اس کے ظہور کے ساتھ رکھی گئی ہے اور یہ غلبہ قیامت تک چلتا چلا جائے گا اور ہمیشہ رہے گا اس لئے اس سلسلہ کا انجام بھی کوئی نہیں بلکہ ہر مجدد اپنے وقت کا امام ہوگا اور غلبہ اسلام کی جن راہوں پر وہ چلائے ان پر چلنا ہوگا۔ خواہ وہ وہی ہوں جن پر اس صدی کے مجدد نے چلنے کے لئے کہا ہے اور خواہ کوئی اور ہو۔

سوال۔ کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو آنحضرت کے آمد ثانی کا مصداق ہونا بذریعہ الہام واضح کیا تھا اور آپ نے اس دعوٰی کو دنیا کے سامنے علی الاعلان پیش کیا؟

جواب۔ حضرت مسیح اور مہدی کے مقام پر آپ اللہ تعالیٰ کے الہام سے کھڑے ہوئے ہیں۔ اور ان دعاوی کو آپ نے علی الاعلان پیش کیا ہے اس امر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ثانی بھی کہا ہے۔

سوال۔ کیا آمد ثانی پر ایمان لانا آنحضرت کی طرح ضروری ہے یا مثیل مجددین سابق

عمومیت کا رنگ رکھتا ہے۔

جواب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت نہیں صرف مجددین کا سلسلہ ہے۔ مجددین کا ماننا اور ان کے ساتھ دینا ضروری ہے۔ مگر ان کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ انبیاء کے انکار سے کافر ہو جاتا ہے۔ والسلام۔ خاکسار۔ محمد علی

☆ اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

ڈاکٹر نظام الدین صاحب کے ہاتھ آپ کا ایک مفصل خط ملا۔ میرا خیال تھا کہ آپ جلسہ سے فراغت کے بعد ملیں گے تو اس پر مفصل گفتگو کروں گا۔

آپ نے زیادہ تر حضرت ابوبکرؓ وعمر رضی اللہ عنہما کے حالات، سادہ زندگی، خدا کا خوف، خدمت مخلوق کا بلند جذبہ کا ذکر کر کے یہ لکھا ہے کہ اگر مجھ میں یہ باتیں ہیں تو آپ مجھے امیر ماننے کے لئے تیار ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ جس کی بدولت مجھے اسلام کی خدمت کا تھوڑا سا موقع ملا ہے جو اس صدی کا مجدد تھا اور ان پیشگوئیوں کا مصداق جو اس اُمت میں ایک مسیح کے آنے کے متعلق تھیں۔ آپ سے جب کسی نے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے مرتبہ کی نسبت دریافت کیا تو فرمایا کہ میرے لئے یہ کافی فخر ہے کہ میں ان بزرگوں کی خاک ہوں۔ اور میرے لئے یعنی راقم الحروف کے لئے یہ کافی فخر ہے کہ میں اس کہنے والے کی خاک پا ہوں۔ ہاں دل میں تڑپ ضرور ہے کہ مجھے بھی ان بزرگوں کی خاک پا کے طور پر ہی معیت حاصل ہو جائے اور ان کے نمونہ کی پیروی کر سکوں۔ اور یہ بھی آرزو ہے کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کا کچھ کام لے اور جو کام میں کر رہا ہوں اسے وہ قبول فرمائے۔ اور عمل میں پورا اتروں یا نہ اتروں مگر اپنے ساتھیوں سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ مجھ میں کوئی کجی پائیں تو مجھے سدھا کریں۔ اور یہ بھی ان سے بار بار کہہ دیتا ہوں کہ اگر اس کام کو چلانے کے لئے، جس کے لئے یہ جماعت کھڑی ہوئی ہے، یعنی تبلیغ اسلام کے جہاد کے لئے، کوئی اور زیادہ موزوں آدمی مل سکے، تو وہ مجھے الگ کر کے اسے اپنا امیر منتخب کر لیں۔ دوسری یہ بات عرض کر دینا ضروری ہے کہ میں حضرت مرزا صاحب کو امام وقت مانتا ہوں۔ ایسا امام وقت جسے حفاظت اور تبلیغ کا کام سپرد کیا گیا ہے اور بالخصوص ؎

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند ابن مریم مصلحت را نام من بنہادہ اند

کا مصداق بنایا گیا ہے۔ اور اس دینی جہاد کے لئے آپ نے ایک جماعت بنائی۔ پھر جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ کے پیروؤں کے دو حصے ہو گئے۔ ایک کثیر گروہ جنہوں نے غلو کر کے اور بعض مجازی کلمات کو حقیقت کا جامہ پہنا کر ایک نبی کو خدا بنا دیا ایک قلیل گروہ جو آپ کی نبوت کا قائل رہا۔ اسی طرح اس مثیل مسیح کے پیروؤں کے بھی دو گروہ ہو گئے ایک کثیر گروہ جنہوں نے غلو کر کے اور مجازی کلمات کو، جسے خود امام وقت نے بالتصریح مجاز کہا تھا۔ ''محدثیت کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آ گیا'' (ابتدائی تحریر ازالہ اوہام ص422) سُمِّیْتُ نَبِیًّا مِّنَ اللّٰہِ عَلٰی طَرِیْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰی وَجْہِ الْحَقِیْقَةِ (آخری تحریر حقیقۃ الوحی ضمیمہ ص65) ان کھلے مجازی کلمات کو حقیقت بنا کر ایک مجدد کو نبی بنا دیا، اسی دوسرے قلیل گروہ نے، جو حضرت مرزا صاحب کو مجدد مانتا ہے، اس دینی جہاد کے لئے مجھے اپنا امیر بنایا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ تین آدمی بھی ایک کام کے لئے نکلیں تو ایک کو امیر بنا لیں۔ اور یہ بھی آتا ہے کہ اَلْجِھَادُ وَاجِبٌ عَلَیْکُمْ مَعَ کُلِّ اَمِیْرٍ بَرًّا کَانَ اَوْ فَاجِرًا کہ جہاد تم پر واجب ہے امیر کے ساتھ ہو کر خواہ وہ امیر جماعت اچھا ہو یا بُرا۔ صرف اس وجہ پر کوئی شخص جہاد کو ترک نہیں کر سکتا کہ اس وقت امیر بُرا ہے۔ اور اگر ایک ناقص امیر کے ساتھ آپ شامل ہو جائیں گے تو اس سے آپ کے ثواب میں کوئی نقص واقع نہ ہوگا۔ آپ نے اپنے خط کے آخر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن حکیم کا پیغام لوگوں تک پہنچانا آپ کی بڑی خواہش ہے۔ لیکن اگر آپ کے ہمارے ساتھ وابستگی کا علم لوگوں کو ہو جائے تو آپ کا دائرہ عمل تنگ اور محدود ہو جائے گا اور آپ کو آپ کے اپنے عزیز اچھوت سمجھنے لگیں گے۔ دوسری بات تو شاید ایک حد تک درست ہے۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا دائرہ عمل بہت وسیع ہو جائے گا۔ کیونکہ جہاں جہاں یہ جماعت خدا کا نام دنیا میں پہنچا رہی ہے، اس میں آپ بھی شامل ہوں گے اور گو یہ جماعت کتنی بھی کمزور ہو، اس وقت پیغام حق کے پہنچانے میں اس جماعت کا دائرہ وسیع ترین ہے۔ اس لئے آپ کو **لا یخافون یومۃ لائم** پر عمل کرتے ہوئے ہمارا ساتھ دیں۔ لوگ بُرا کہیں۔ مگر اللہ کے نزدیک یہ فعل اچھا ہوگا۔ والسلام

خاکسار محمد علی

۞۞۞

10 مارچ 1943ء
مکتوبات

ایک ہندو دوست کا مکتوب

حضرت مسیح موعود کی ایک بلند پایہ تصنیف پر خراج تحسین

ایک معزز ہندو دوست نے حضرت مسیح موعود کی کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا ترجمہ، جو حضرت امیر ایدہ اللہ نے (Teachings of Islam) کے عنوان سے کیا تھا، مطالعہ کر کے حضرت امیر کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا۔ جس میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ وہ اس کتاب کے مطالعہ سے بہت متاثر ہوئے ہیں اور حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی دینی خدمات نہایت شاندار ہیں۔ اس خط کے ایک حصہ کا ترجمہ درج ذیل ہے۔ مدیر

محترم معظم مولانا صاحب۔ آداب عرض۔

نہایت ادب کے ساتھ میں یہ لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ میری موجودہ چند دِنوں کے لئے صاحب فراشی فی الواقعہ زحمت کے بھیس میں رحمت ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس نے میرے لئے موقعہ مہیا کر دیا کہ میں کتاب موسومہ ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' مصنفہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو غیر معمولی دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کر سکوں۔ یہ کتاب عرصہ سے میری الماری میں پڑی تھی۔ میں اس مذکورہ کتاب کے بلند مرتبت مصنف کی اعلیٰ دماغی اور قلبی خصوصیات پر پُر جوش خراج تحسین ادا کرتا ہوں جنہوں نے لارڈ کرشنا اور ازمنہ قدیم کے روشن ضمیر بزرگوں کی طرح سادہ اور روح کو گرمانے والا دعوٰی کیا۔ ''میں ایک بہت بڑی ناانصافی کا مرتکب ہوں گا اگر میں اس حقیقت کو چھپاؤں کہ میں اس بلند روحانی مقام پر اُٹھایا گیا ہوں''۔ اس کے علاوہ میں آپ کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ میں

آپ نے اس کتاب کا ترجمہ نہایت صاف اور واضح اسلوب میں کیا ہے۔ میں اس مذکورہ کتاب کے متعلق نہایت وثوق کے ساتھ عرض کر سکتا ہوں کہ یہ کتاب انسانیت کے تمام عوارض کے لئے

اکسیر اعظم ہے۔ اور یہ بھی درحقیقت بہت فرحت بخش ہے کہ میں اس کتاب کے ذریعہ اس قابل ہوا کہ اسلامی تعلیمات اور عقائد کے متعلق کچھ معقول اور حقیقی معلومات حاصل کرسکوں۔ ایک لفظ میں اسلام کو بیان کیا جاسکتا ہے کہ یہ اعتدال کا مذہب ہے جو زندگی کے تمام مدارج اور مشاغل میں میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ جسے عربی کی ایک ضرب المثل میں نہایت صحیح طور پر بیان کیا گیا ہے **خیر الامور او سطھا**

میری ناچیز رائے میں اسلام کے جھنڈے کے نیچے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت اور استحکام کا باعث اسلامی عقائد اور تعلیم ہے۔ یہ آزادی، مساوات، اخوت اور جمہوریت کی محبت پیدا کرتی ہے اور معقول پسند روح پیدا کرتی ہے۔ یہی خصوصیات دنیا میں اسلام کے پھیلنے کا باعث ہوئی ہیں۔ یہ بالکل بجا تعریف ہے جب میں یہ کہوں کہ آپ کا ایثار، قربانی، وقف نہ صرف ان دماغوں کو فرحت بخشیں گے جو تاریک آفاق میں سرگرداں ہیں بلکہ یہ اس مقدس مقصد کی پائندہ اور مستقل یادگار رہیں گے جو آپ کو اس قدر پیارا ہے وغیرہ وغیرہ۔''

آپ کا مخلص

آر۔ بی۔ سیٹھی

آفس مینجر وی۔ وی ریسرچ انسٹیٹیوٹ، لاہور

۞۞۞

4 اپریل 1943ء

حضرت امیر کے قلم سے

کیا اناجیل قابل اعتبار ہیں؟!

اناجیل کا سب سے قدیم نسخہ، جو 1859ء میں دستیاب ہوا، یونانی زبان میں ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی کے قریباً وسط میں تیار ہوا تھا۔ یہ نسخہ چونکہ جبل سینا پر سینٹ کیتھرائین کے راہب خانہ سے دستیاب ہوا تھا، اس لئے سینیاٹیکس (Siniaticus) کے نام سے یہ مشہور ہے۔ ایک اور نسخہ، جو الیگزینڈرنیس (Elexandriness) کے نام سے مشہور اور آج کل برٹش میوزیم میں رکھا ہوا ہے، پانچویں صدی عیسوی کی یادگار ہے۔ تیسرا نسخہ، جو ویٹیکن (Vatican) کہلاتا ہے، چوتھی صدی عیسوی سے تو تعلق رکھتا ہے۔ لیکن یہ بالکل نامکمل نسخہ ہے۔ یہ تین سب سے بڑے اور مشہور نسخے ہیں۔ ان تینوں نسخوں کی حالت اور ان کے قابل اعتبار ہونے یا نہ ہونے کے متعلق میں بائبل کے نقاد کو نہیں بلکہ مفسر کو پیش کرتا ہوں۔ ریورنڈ جے آر۔ ڈمیلو (Dummelau) اپنی تفسیر بائبل میں لکھتا ہے:

> ''سب سے پہلے یہ امر قابل ذکر ہے کہ اناجیل کے لکھنے والوں نے مسیح کے کلام کو یونانی زبان میں نقل کیا ہے۔ حالانکہ ان بیانات کو آرامی (Aramie) زبان میں اُنہوں نے حاصل کیا ہوگا۔ جس میں جناب مسیح عموماً گفتگو کیا کرتے تھے۔ ان مصنفین یا ان کے نقل کرنے والوں کو دراصل اس بات کا خیال بھی نہ تھا کہ ان کے جمع کردہ بیانات قرون اولیٰ کے بعد بھی مسیحی کلیسا میں باقی رہیں گے۔ کیونکہ وہ خود قرون اولیٰ ہی کے کلیسا سے زیادہ تر واقف تھے۔''
>
> ''یہی حال پولوس کا ہے۔ اس کے خطوط، جنہیں اب اتنی قدر و قیمت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، صرف چند پیغامات ان کلیساؤں کے نام تھے جن کی طرف ان خطوط کو بھیجا گیا۔ وہ لوگ، جنہوں نے ان خطوط کو سب سے پہلے نقل کیا، کبھی بھی انہوں نے ان کو ان معنوں میں ''مقدس'' نہیں سمجھا۔ جو ہم اس لفظ سے مفہوم لیتے ہیں بعد کے زمانوں میں بھی عبارات مقدسہ کی وہ عزت و تکریم ہمیں نظر نہیں آتی جس نے عہد

نامہ عتیق کو امتیاز خاص دے دیا ہے۔''

ایک نقال بعض اوقات وہی کچھ نہیں لکھتا جو اصل عبارت میں موجود ہو۔ بلکہ اپنی طرف سے ایسی باتیں بھی لکھ دیتا ہے جو اس کے نزدیک اس میں ہونی چاہئیں۔ وہ اپنے رہے سہے حافظہ پر زیادہ اعتبار کرتا یا اصل عبارت کو بدل کر اپنے ان خاص خیالات کے مطابق بھی کر لیتا ہے جن کا وہ خود حامی ہے۔ اس کے علاوہ اناجیل کی بے شمار نقلیں اس وقت تک محفوظ ہیں۔ ان تمام بیانات اور حوالہ جات کے علاوہ، جواز منہ سلف کے عیسائی بزرگوں سے مروی ہیں، عہد نامہ جدید کے قریباً چار ہزار یونانی نسخے موجود ہیں۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ قرأتوں میں بہت زیادہ اختلاف پیدا ہو چکا ہے۔ ایسے نسخوں پر، جو اس قدر لاپرواہی اور ایزادی ترمیم کا نتیجہ ہیں، کہاں تک اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ اور تو اور ان سب کی تاریخ تصنیف اور مصنفین کا بھی یقینی علم کوئی نہیں!

انجیل متی: اناجیل مقدسہ میں سب سے پہلی انجیل وہ ہے جو متی کے نام سے منسوب ہے۔ جو مسیحؑ کے بارہ رسولوں میں سے ایک تھا۔ مگر یہ یقینی امر ہے کہ یہ انجیل متی نے خود کبھی نہیں لکھی بلکہ کسی غیر معلوم شخص کی تصنیف ہے۔ اس انجیل کی تصنیف کی داستان محولہ بالا شارح اناجیل نے یہ لکھی ہے کہ متی نے غالباً زبان عبرانی میں ایک (Logia یا Oracles) کی کتاب تھی۔ جو بالکل نایاب ہوگئی تھی۔ صرف پاپی آس (Papias) نے 135ء میں اپنی تصنیف کے اندر ذکر کیا ہے کہ متی نے ایک ایسی کتاب مرتب کی ہے۔ اور اس کتاب میں Logia کے یونانی ترجمہ کا استعمال معلوم ہوتا ہے، کہ مصنف انجیل متی نے اس قدر آزادی کے ساتھ کیا ہے کہ اپنی کتاب کو متی کی تصنیف کے مطابق بنا کر اس سے استفادہ کا اعتراف اسے کرنا پڑا ہے۔

یہ بیان بطور خود بالکل واضح اور ظاہر ہے اور کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ ممکن ہے کہ متی نے کوئی ایسی کتاب لکھی ہو جس کا پتہ پاپی آس کے حوالہ کے سوائے اور کہیں سے نہ ملتا ہو۔ اس کے علاوہ باقی جو کچھ کہا جاتا ہے وہ سب اٹکل پچو اور بناوٹ ہے۔ اور اس امر کی کوئی ذرا سی بھی شہادت ہمارے پاس موجود نہیں کہ انجیل اول کے غیر معلوم مصنف کے پاس متی کی کتاب کا کوئی نسخہ یا اس کا یونانی ترجمہ موجود تھا۔ نہ ہی یہ کہیں سے پتہ لگ سکتا ہے کہ اس نے کسی ایسے نسخہ یا ترجمہ کا استعمال اس قدر

آزادی کے ساتھ کیا۔ یہ تمام اٹکل پچو باتیں محض اس حقیقت پر مبنی ہیں کہ اس نے اپنی انجیل کو متی کے مطابق قرار دیا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے زبانی روایات کو سنا ہو جو متی سے منسوب ہوں۔ انہی کے مطابق اس نے اپنی انجیل کو بنایا ہو۔

انجیل مرقس: دوسری انجیل مرقس کی ہے۔ جو پطرس کا ایک ساتھی تھا۔ اور ذیل کی شہادت کی بنا پر، جو پاپی آس نے قریباً 130ء میں لکھی ہے، اس انجیل کی تصنیف کا ذمہ دار اسے قرار دیا گیا ہے:

> ''مرقس نے جو پطرس کا ترجمان تھا (یا ترجمان رہ چکا تھا) تمام وہ باتیں لکھیں جو اسے یاد تھیں (یا تمام وہ باتیں جو پطرس نے بیان کیں) اگرچہ اس نے وہ تمام باتیں جمع نہیں کیں جو مسیح نے کہیں یا اُس نے کر کے دکھائیں۔ کیونکہ اس نے مسیح کے کلام کو نہ تو سُنا تھا اور نہ وہ اس کا پیرو تھا۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ مسیح کے بعد اس نے پطرس کے ساتھ اپنا تعلق کیا۔ جو سامعین کی فوری ضروریات کے مطابق تعلیم دیتا اور انہیں وعظ کرتا تھا نہ کہ مسیح کی تعلیم اور مواعیظ کی مسلسل خبریں اور حالات بتایا کرتا تھا۔''

اگر ہم اس شہادت پر ایمان لے آئیں تو ماننا پڑے گا کہ مرقس کی انجیل پطرس کی زبانی روایات پر مبنی ہے۔ لیکن یہ شہادت بھی اس بات کو یقینی نہیں ٹھہراتی کہ وہ انجیل مرقس، جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے، واقعی طور پر مرقس کی تصنیف ہے۔ اور تنقید اعلیٰ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ وہ موجودہ انجیل کے، جو اس سے منسوب ہے، صرف اس ہی کا مصنف ہے اور باقی انجیل کا نہیں۔

لوقا بھی خود مسیح کا نہیں بلکہ اس کے رسولوں کا شاگرد تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ پولوس کا وہ پیرو تھا۔ رہی چوتھی انجیل۔ سو اس کے متعلق تو شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ وہ بہت بعد کے زمانہ کی تصنیف ہے۔

ان مختلف اناجیل کی تاریخ ہائے تصنیف کا جہاں تک تعلق ہے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پہلی تین اناجیل کے متعلق سب سے بڑھ کر تائیدی خیال یہ ہے کہ وہ قریباً 70ء میں تصنیف ہوئی تھیں۔ لیکن تنقید

اعلیٰ اس سے بھی بعد کی تاریخ کی مؤید ہے۔ اور خود اناجیل کی اندرونی شہادت بھی اسی نتیجہ کی حامی ہے۔ متی کے مستند ہونے کی تاریخ کے متعلق ایک بحث میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ بہت سے لوگ تمام کی تمام انجیل کی تاریخ تصنیف 130ء قرار دیتے تھے۔ اس سے قبل کی تاریخ اس صورت میں مانی جاسکتی ہے کہ اس کے بہت سے مقامات کو بعد کی ملاوٹ سمجھا جائے:

> ''لوقا کی انجیل کی تاریخ تصنیف کے متعلق جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ 100ء سے لے کر قریباً 110ء تک کے ایام اس کی تاریخ تصنیف کا زمانہ ہے۔ اس طرح پر اول الذکر تاریخ زیادہ صحیح ہے اور مؤخر الذکر اس سے کم درجہ پر'' (انسائیکلوپیڈیا ببلیکا)

اناجیل کے مصنفین، ان کی تاریخ ہائے تصنیف وغیرہ اُمور کے متعلق یہ تمام حالات و واقعات، اس کے نسخوں اور قرأتوں میں کثیر اختلاف اور ان میں ناقابل انکار دستبرد یہ سب ایسی باتیں ہیں جو اُن کے اعتبار کو بالکل گنوا دیتی ہیں۔ اور اسی وجہ سے انسائیکلوپیڈیا ببلیکا میں اس پر تنقید کرتے ہوئے ریورنڈ ای اے ایبٹ اس سوال کے اُٹھانے پر مجبور ہوئے کہ:

> ''متذکرہ ذکر فقرات و آیات سے بعض وقت اس شبہ کا احتمال ہوسکتا ہے کہ کیا تمام اناجیل میں کوئی قابل اعتبار باتیں بھی ہیں یا نہیں۔''

اس سوال کا جواب یہ دیا گیا کہ تمام اناجیل میں ذیل کے پانچ فقرے یقینی طور پر قابل اعتبار سمجھے جانے چاہئیں:

1۔ ''وہ فقرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ نے بے گناہ کہلانے سے انکار کیا ہے اور وہ اور اس کی بیوی دونوں ایک جسم ہوں گے۔ پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں'' (مرقس باب 10 آیت 8)

2۔ ''وہ فقرہ جس سے پتہ لگتا ہے کہ مسیحؑ کا یہ اعتقاد تھا کہ اس کے اپنے متعلق جو بُری باتیں کہی جائیں یا اس پر لعنت کی جائے وہ قابل معافی ہے (دوسرا یہ ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں'' (مرقس باب 12 آیت 31)

3۔ ''وہ فقرہ جو ظاہر کرتا ہے کہ مسیحؑ کی اپنی ماں اور بھائی اس پر کوئی ایمان نہ رکھتے

تھے۔اور کہ ان کا یہ پختہ خیال تھا کہ وہ پاگل ہے (جب اس کے عزیزوں نے یہ سُنا تو اُسے پکڑنے کو نکلے۔کیونکہ کہتے تھے کہ وہ بے خود ہے'' (مرقس باب 2 آیت 21)

آیت 21 سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسیحؑ کے یہ دوست،جن کا مندرجہ بالا آیت میں ذکر ہے،اس کی ماں اور بھائی تھے۔

4۔''وہ فقرہ جو اس بات کا مظہر ہے کہ مسیحؑ کو غیب کا کوئی علم نہ تھا (اس گھڑی کو سوائے باپ کے کوئی نہیں جانتا)''

5۔''وہ فقرہ جس میں مسیحؑ کی اس مایوسانہ پکار کا ذکر ہے جو صلیب پر اس نے کی۔ **ایلی ایلی لما سبقتنی** ''(متی باب 27 آیت 14)

ان پانچ فقروں کے ساتھ چار اور شامل کئے گئے ہیں جو مسیحؑ کے معجزات پر مشتمل ہیں۔اور ان نو فقرات کو مسیحؑ کی ایک خالص عملی زندگی کے بنیادی ستون قرار دیا گیا ہے۔

❁❁❁

20 مئی 1943ء

مکتوب امیر

زمیندار اصحاب سے اپیل۔1

برادرم مکرم معظم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

گو اس وقت گرانی تو ہر چیز کی ہوگئی ہے لیکن جہاں دوسری ضروریات میں کمی کر لینا آسان ہے اور گرانی کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر شخص کو ایسی کمی کرنی پڑے گی اور کرنی چاہیئے ،غلہ کے خرچ میں کمی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ پیٹ بھر کر روٹی بہر حال انسان کو ملنی چاہیئے۔ اور غلہ کی انتہاء درجہ کی گرانی ، جو وہم و گمان سے بھی بڑھ کر ہے،غرباء کے لئے سب سے زیادہ پریشان کن ہے۔

اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے میں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ کی جس قدر پیداوار غلہ کی ہوئی ہو اس سے اس قدر حصہ کو الگ کر کے، جو آپ کی ذاتی ضروریات کو کفایت کرے، باقی اناج جو قابل فروخت ہو، اس کا بیسواں حصہ اپنی جماعت کے غرباء کے لئے الگ کر دیں۔ مثلاً آپ کی پیداوار پچاس من ہے۔ اور اس میں سے تیس من آپ کی اپنی ضروریات کے لئے کفایت کرتی ہے تو باقی بیس من، جو قابل فروخت ہے، اس میں سے ایک من غرباء کے لئے الگ کر دیں۔ جو محض اللہ تعالیٰ کے اس فضل کا شکر یہ ہوگا جو غلہ کی گرانی کے رنگ میں زمیندار اصحاب پر ہوا ہے۔ کہ جہاں پر بیس من غلہ آج سے دو تین سال پیشتر بمشکل چالیس یا پچاس روپے میں فروخت ہوتا تھا، آج اس کی قیمت دو سو روپے سے زیادہ ہے۔ جس میں سے اگر آپ دس روپے (ایک من کی قیمت) اپنے غریب بھائیوں کی امداد کے لئے الگ کر دیں تو ان کی جان بھی بچ سکتی ہے۔

میں یہ عریضہ آپ کی خدمت میں اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ اس اصول کے ماتحت حساب کر کے یہ اطلاع دیں کہ آپ کس قدر غلہ غرباء کی امداد کے لئے الگ کر سکیں گے۔ جملہ زمیندار اصحاب سے ایسی اطلاع آ جانے کے بعد غرباء میں اس کی تقسیم کا انتظام کیا جائے گا۔ اور جہاں یتامیٰ اور بیواؤں کا خیال رکھا جائے گا، جن کو انجمن تھوڑی تھوڑی امداد دیتی ہے، جس سے ان کا پیٹ بھر سکتا، ان غیر زمیندار اصحاب کا بھی خیال رکھا جائے گا جن کی آمدنیاں گرانی کی وجہ سے ناکافی ہوگئی ہیں۔ اور ہر

جماعت کی ضروریات معلوم کرنے کے بعد مناسب ہدایات دی جائیں گی۔ یہ یاد رہے کہ اس امداد کے اول حق دار یتامیٰ اور بیوائیں ہوں گی۔ اور اس کے بعد جماعت کے وہ غرباء جو نظام جماعت میں منسلک ہو کر باقاعدہ چندہ دیتے رہے ہیں۔ خاکسار محمد علی۔ 17 مئی 1943ء

جناب میاں محمود احمد صاحب سے مناظرہ کے متعلق حضرت امیر کا مکتوب:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایڈیٹر صاحب پیغام صلح السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اس مباحثہ کے متعلق میری طرف سے حسب ذیل تحریر شائع کر دیں۔

ان چار موضوعوں پر میرے اور میاں محمود احمد صاحب کے درمیان بحث کی ذمہ داری ماسٹر صادق علی صاحب اور ڈاکٹر محمد صدیق صاحب نے لی تھی۔ ماسٹر صاحب کا خط آنے پر میں نے اسی وقت اس بحث کو منظور کر لیا تھا۔

وہ چار موضوع یہ ہیں۔

1۔ نبوت حضرت مسیح موعود۔

2۔ کفر و اسلام غیر احمدیاں۔

3۔ اسمہٗ احمد۔

4۔ خلافت احمدیہ۔ اس کے ساتھ شرائط کوئی نہ تھیں۔

ڈاکٹر محمد صدیق صاحب کو جو جواب آیا ہے اور جو الفضل میں چھپا ہے اس میں موضوع بھی تبدیل شدہ ہیں۔ اور قبل از وقت ایسی شرائط بھی لگا دی ہیں جن کا کسی ایک فریق کو کوئی حق نہ تھا۔ سب سے پہلے یہ ضرورت ہے کہ میاں صاحب انہی چار موضوعوں پر بحث کی منظوری اعلان کریں۔ اگر کوئی موضوع مستقل نہیں جیسا کہ وہ اسمہٗ احمد کو کہتے ہیں، تو نہ سہی۔ مگر موضوع تو ہے۔ اس پر بحث سے گریز کیوں؟ ہاں صرف ایک صورت ہے۔ وہ یہ اعلان کر دیں کہ اس موضوع پر ہم اپنے دلائل کی کمزوری کا اعتراف کرتے ہیں۔ پھر کفر و اسلام غیر احمدیاں کو بدل کر اُنہوں نے ایک بے معنی موضوع اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔ ''انکار مسیح موعود''۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ''کفر و اسلام غیر احمدیاں'' پر بحث

کرنے کو تیار نہیں۔ جو ایک صاف موضوع ہے کہ کیا کل وہ مسلمان جواب تک احمدی نہیں ہوئے، کافر ہیں یا مسلمان۔

ڈاکٹر محمد صدیق صاحب یا تو یہ اعلان کر دیں کہ جو چار موضوعوں پر بحث کی ذمہ داری اُنہوں نے لی تھی وہ اسے پورا نہیں کر سکے۔ اور یا انہیں چار موضوعوں پر منظوری کا اعلان کرائیں۔ جس میں کوئی شرط نہ ہو درمیانی رستہ کوئی نہیں۔ محمد علی

ان احباب کے لئے جو گرمیوں میں ڈلہوزی جاتے ہیں: میرا یہ ارادہ ہے کہ اس دفعہ مولٰینا عبدالحق صاحب ودیارتھی کو ڈلہوزی اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اس کی دو غرضیں ہیں:

اول یہ کہ مولٰینا کی صحت چونکہ بہت کمزور ہوگئی ہے ان کی قوت بحال ہو، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ گرمیوں میں یہاں ان کی صحت اور زیادہ نہ گر جائے جو جماعت کے لئے تشویش کا موجب ہوگا۔

اور دوسری غرض یہ ہے کہ چونکہ حضرت ڈاکٹر (بشارت احمد) صاحب مرحوم کے وصال سے درس قرآن کی جگہ ڈلہوزی میں خالی ہوگئی ہے اور میری اپنی صحت بھی کمزور ہے، شاید میں اس کی برداشت نہ کر سکوں اس لئے کم سے کم اس سال اس کمی کو مولٰینا عبدالحق صاحب اپنے قیمتی درس قرآن سے پورا کریں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی سب طاقت ہے۔ محمد علی۔ 20 مئی 1943ء

ڈاکٹر محمد صدیق صاحب سنوری قادیانی کی تحریر: ڈاکٹر محمد صدیق صاحب سنوری قادیانی نے جو تحریر جناب ماسٹر صادق علی صاحب پٹیالہ کو لکھ کر دی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف میاں محمود احمد صاحب سے منظوری لینے کے ذمہ دار ہوں گے کہ میاں صاحب نبوت، کفر و اسلام غیر احمدیاں اور خلافت اور اسمہٗ احمد کے چار مضمونوں پر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ سے بغیر ثالث کے بحث کریں گے وہ درج ذیل ہے۔ قارئین پیغام صلح ملاحظہ فرمائیں۔ اس مناظرہ کے متعلق حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک مکتوب بھی اسی شیوع میں درج ہے:

''میں بھی حضرت مرزا محمود احمد صاحب خلیفۃ الثانی ایدہ اللہ کی طرف سے مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور سے بحث کرانے کی، ذمہ داری لیتا ہوں۔ جو مسائل نبوت حضرت مسیح موعود و کفر و اسلام غیر احمدیاں، اسمہٗ احمد اور خلافت احمدیہ پر ہوگی۔ دستخط محمد صدیق احمدی۔ 20 مارچ 1943ء

23 جون 1943ء (بشارت احمد نمبر)

حضرت امیر کے قلم سے

دو گونہ قابلِ رشک زندگی

حدیث صحیح میں آتا ہے کہ دو آدمیوں کی زندگی قابل رشک ہے رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْمَالَ فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور پھر اس مال کو راہ حق میں خرچ کرنے پر مسلط کرے۔ اور ایک وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ اسے علم دے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے۔ کس قدر قابل رشک ہے زندگی اس انسان کی، جسے ان دونوں باتوں کی توفیق مل جائے۔ یعنی وہ اپنے مال کو بھی راہ حق میں خرچ کرتا ہو اور اپنے علم سے بھی دنیا کو فائدہ پہنچاتا ہو!

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم بڑے مالدار انسان نہ تھے۔ اگر ان کے دِل میں مال کی محبت ہوتی تو شاید مالدار بھی ہو سکتے تھے۔ ایک معزز عہدے پر ممتاز تھے۔ اور معقول تنخواہ لیتے تھے۔ اپنے فن کے ماہر تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفاء بھی رکھی تھی۔ اسی لائن میں کام کرنے والے بڑے بڑے صاحب جائیداد بھی بن گئے۔ مگر اس بے نفس انسان کے دل میں مال جمع کرنے کی خواہش کبھی پیدا نہیں ہوئی تَصِلُ الرِّحْمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ کی صفات نبویؐ کا پرتو ان کے قلب پر بھی پڑا تھا۔ ابتدائے زندگی سے قریبیوں کا ایک اچھا خاصہ کنبہ، جسے حوادث زمانہ نے اپنا بوجھ اُٹھانے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔ آپ کے عیال میں اس طرح شامل تھا جیسے اپنے بچے۔ 1910ء سے مجھے بھی آپ سے نسبتِ فرزندی حاصل ہوئی اور میں نے بچشم خود دیکھا کہ اپنے بچوں میں اور ان میں، جن کی پرورش کا ذریعہ خدا نے انہیں بنا دیا تھا، آپ نے کبھی فرق نہیں کیا۔ لڑکیوں کی شادیاں اسی طرح کیں جس طرح اپنی لڑکیوں کی۔ لڑکے کو اسی طرح تعلیم دی جس طرح اپنے لڑکوں کو۔ جب سے سلسلہ احمدیہ میں شامل ہوئے اپنے مال کا مقررہ حصہ خدا کی راہ میں اس طرح خرچ کیا کہ گویا وہ ان کا مال ہی نہیں تھا۔ بہت سے چندہ دینے والے اس بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ انہیں کوئی یاددہانی کرائے، کوئی تقاضا کرے مگر ڈاکٹر صاحب مرحوم خود تقاضا کر کے دینے والوں میں سے تھے۔ خدا کے مقررہ حصہ کو کبھی اپنا مال نہیں

سمجھا۔ بلکہ اسے ایک امانت سمجھا اور اپنے مال سے الگ کر دیا۔ جب کبھی کوئی تحریک ہوئی تو سابقون میں ہوتے تھے اور وعدہ کیا تو اسے فوراً پورا کر دیا۔ ملازمین تک کی تنخواہوں کے متعلق یہ حال تھا کہ جب تک پہلی تاریخ کوادا نہ کر دیں چین نہ پڑتا تھا۔ مجھے اس لمبے عرصے میں ایک بھی ایسی مثال یاد نہیں کہ کبھی کسی کو ان سے تقاضا کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔ بایں اس قدر متوکل تھے کہ کبھی یہ فکر نہیں ہوا کہ فلاں ضرورت کے لئے روپیہ کہاں سے آئے گا۔ خدا پر یہ بھروسہ تھا کہ وہ دے گا اور بمصداق اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وہ دے بھی دیتا تھا۔ عشق اور فہم قرآن کے علاوہ حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم کی بہت سی صفات حضرت ڈاکٹر صاحب کے اندر تھیں۔ انہیں میں سے یہ توکل تھا۔ جب پنشن لی تو ان کا دل نہ چاہتا تھا کہ پنشن کی نصف رقم اکٹھی لیں۔ کہتے تھے میں اسے کیا کروں گا۔ میں نے یہ مشورہ دیا کہ آپ ڈلہوزی میں اپنی رہائش کے لئے ایک کوٹھی بنوالیں۔ تا کہ گرمیوں میں آرام سے زندگی بسر کر سکیں۔ اور اسے خدا کے دین کی خدمت میں صرف کر سکیں۔ اُنہوں نے میری اس بات کو بھی کسی قدر اکراہ کے ساتھ مانا۔ یہ کوٹھی ''پروین'' میں نے خود بڑی محنت سے ان کے لئے تیار کرائی۔ سب کام میں ہی کراتا تھا۔ پھر اس مقام سے لگاتار دس سال میں نے ذکر الٰہی کی آوازیں سنیں۔ آہ! آج وہ ''پروین'' میرے سامنے خاموش ہے۔ اصل میں میری خودغرضی تھی کہ میں چاہتا تھا کہ میرے پاس رہیں اور میں ان کے پاس رہوں کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا. وَّ نَذْکُرَکَ کَثِیْرًا. (20:33-34) صرف یہی ایک جائیداد تھی جو اُنہوں نے بنائی۔ یا کچھ کتابیں لکھیں۔ نقد روپیہ کچھ اس نیت سے رکھا ہوا تھا کہ حج کریں۔ مگر جنگ کے شروع ہو جانے کی وجہ سے وہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلا لیا۔ یہ کوئی تیرہ سو روپیہ نقد آپ کی وفات کے بعد نکلا۔ وصایا کی تحریک مجھے یاد نہیں کہ میں نے کب کی۔ غالباً اس تحریک پر سب سے پہلے (یا شاید اس سے بھی پیشتر) 1935ء میں ڈاکٹر صاحب نے وصیت کی اور اس وصیت کی رو سے اپنے ترکہ کا ایک تہائی حصہ انجمن کے لئے چھوڑا ''جو باقی بچے اس کا ایک تہائی حصہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی ملکیت تصور ہوگا۔''

ایک تہائی سے زیادہ وصیت کی اجازت شریعت نہ دیتی تھی۔ جس نے ایک تہائی دیا اس نے سب کچھ ہی دے دیا۔ یوں آپ کی زندگی اول سے آخر تک اٰتَاہُ اللّٰہُ الْمَالَ فَسَلَّطَہٗ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ

فِی الْحَقِّ کی روشن مثال نظر آتی ہے۔ ایک ایسے زمانہ میں، جب مال دنیا کے دوزخ کے هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کے نعرے فضائے آسمانی میں گونج رہے ہیں اور ابن آدم کا چھوٹا سا پیٹ، جو ایک دن چار مٹھی مٹی سے بھر جائے گا، سونے اور چاندی کے انباروں سے نہیں بھرتا، زمینوں اور مکانوں سے نہیں بھرتا اور ہر شخص کے دل و دماغ کو جائز یا ناجائز طور پر مال دنیا کو جمع کرنے کی ہوس اس طرح بھسم کئے جارہی ہے جیسے گھاس پھونس کے انبار کو آگ۔ جب یہی مال دنیا کی ہوس دنیا کو آج دوزخ کا نظارہ، جو ایک روحانی نظارہ تھا، جسمانی آنکھوں سے دکھارہی ہے اس قسم کا انسان، جس کے قلب کے کسی گوشہ کو مال کی محبت چھو بھی نہ گئی ہو، یقیناً اولیاء اللہ میں سے ہے۔ اسی لئے تو حدیث نبویؐ نے ایسے انسان کی زندگی کو ایک نمونہ ٹھہرایا اور قابلِ رشک ٹھہرایا۔ تا کہ دوسرے انسان بھی اسی سانچہ میں اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ بات یہ ہے کہ مال کی محبت اور خدا کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں۔ اور جب تک کہ مال کی محبت کا بھوت انسان کے دماغ سے نہیں نکلتا، اس وقت تک خدا کی سچی محبت اس کے اندر داخل نہیں ہوسکتی۔ جب تک مال کی محبت کی نجاست سے انسان کا دل صاف نہیں ہوتا، اس وقت تک اس کی تطہیر بھی نہیں ہوتی۔ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوںؓ کو یہ حکم ہوا تھا کہ مال دنیا کی خواہش کو دل سے نکال دو تو ازواج مطہراتؓ کہلانے کی مستحق ہو اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحاً جَمِيْلًا (28:33) اگر دنیا کے مال اور اس کی زینتوں کی محبت تمہارے دِلوں میں ہے تو پھر پیغمبر کے گھر سے رخصت ہو جاؤ اور جب اُنہوں نے مال دنیا کی محبت پر لات ماری تو ارشاد ہوا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيْرًا (33:33) اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ تم سے مال دنیا کی محبت کی پلیدی کو دور کر کے تمہیں کامل طور پر پاک کر دے۔ تو مال دنیا کی محبت ایک پلیدی ہے۔ وہی قلب مطہر ہے جو اس سے پاک ہو۔ اسی میں کامل محبت اور معرفت الٰہی داخل ہوتی ہے۔

میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات پر یہ لفظ کہے تھے کہ آپ اولیاء اللہ میں سے تھے تو ایک جماعت کا آرگن ان الفاظ کو برداشت نہ کرسکا۔ اور بے صبر ہو کر اس مہر خاموشی کو توڑ دیا جو حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات پر دل سے اُٹھ کر زبان پر لگ گئی تھی کہ آپ کی وفات کا ذکر نہ کیا جائے۔ مگر یہ

ایک حقیقت ہے جس کی میں **علیٰ رؤس الاشھاد** گواہی دیتا ہوں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے دل میں مال کی محبت نہ تھی۔ میں نے انہیں اس قدر قریب ہوکر دیکھا جس قدر ایک انسان دوسرے قریب ہوسکتا ہے۔ میں نے اس قلب کو خدا کی محبت سے بھرا ہوا اور مال کی محبت سے بکلی خالی پایا۔ اور ان کی ساری زندگی اول سے آخر تک یہی نقشہ پیش کرتی ہے۔

جب ایک خوبی کسی انسان میں کمال کو پہنچتی ہے تو پھر روشنی کی شعاعوں کی طرح یہ وہاں سے نکل کر دوسرے قلوب پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ جس قدر زیادہ آپ سے قریب تھے، اسی قدر مال دنیا کی محبت بھی ان میں کم تھی۔ سب سے زیادہ قریب انسان سے اس کی اپنی اولاد ہوتی ہے۔ اور گو انسان اس مقام پر بہت عاجز ہے اور وہ باوجود اپنی شدید ترین تڑپ کے اپنی اولاد کے اندر وہ خوبی پیدا نہیں کرسکتا جو اس کے اپنے اندر ہو۔ لیکن میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کی ساری اولاد میں کم وبیش اس خوبی کو دیکھا ہے کہ ان کے دِلوں میں مال دنیا کی محبت نہیں۔ ان کے دو بیٹے (میاں ممتاز احمد فاروقی اور میاں نصیر احمد فاروقی) ہیں۔ دونوں کو خدا نے دنیا میں اچھا بلند اور معزز مقام دیا ہے اپنے مال سے بھی اچھا حصہ دیا ہے۔ لیکن دونوں خدمت دین کا اس قدر جذبہ اپنے دِلوں میں رکھتے اور اس کے لئے وہ کچھ قربانیاں کرتے ہیں جو اس مقام پر پہنچ کر بہت کم لوگوں کو میسر آتی ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جماعت میں کئی ایسے آدمی تھے کہ جب ان کو رزق کسی قدر تنگی کے ساتھ ملتا تھا تو خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں ان کے سینے فراخ تھے۔ پھر جب خدا نے اپنے فضلوں کا دروازہ ان پر کھولا اور ان کو وسعت اور آسودگی عطا فرمائی تو ان کے دِل مال دنیا کی محبت میں اس قدر گرفتار ہوگئے کہ خد اکے دین کی خدمت کے کام کو بھول گئے! مگر حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے یہ دونوں فرزند، جن میں سے اتفاق حسنہ سے ایک ہندوستان کے بعید ترین مشرق میں یعنی کلکتہ میں ایک معزز عہدے پر ہے اور دوسرا ملک کے بعید ترین مغرب میں یعنی بمبئی میں بڑے بلند مقام پر ہے۔ ان دونوں کے دِلوں میں مال دنیا کی محبت سرد ہے۔ اور وہ اپنے اموال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس قدر دلیر ہیں کہ جماعت کے نوجوانوں کے لئے ایک نمونہ کا کام دے رہے ہیں۔ اُن میں سے مؤخر الذکر یعنی میاں نصیر احمد خدا کے فضل سے اس وقت اکیلے ایک جماعت کے حکم میں ہیں۔ اور اگر خدا نے ان کو بہت دیا ہے تو وہ بھی

خدا کے راستے میں دیتے ہیں۔ بہت ہی وسیع القلب واقع ہوئے ہیں۔ اور کیا اپنے چندہ ماہوار کے لحاظ سے اور کیا دیگر تحریکات میں حصہ لینے کے لحاظ سے، ان کا قدم اس جماعت میں سب سے آگے ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کبھی یہ ارادہ ظاہر فرمایا تھا کہ میں نے کچھ روپیہ حج کی نیت سے الگ رکھا ہوا ہے۔ میاں ممتاز احمد کو اس کا علم تھا۔ اور اُنہوں نے کہا کہ ان کے والد مرحوم کا یہ ارادہ ضرور پورا ہونا چاہئے۔ اور چونکہ ان کو اپنی زندگی میں یہ موقعہ نہ مل سکا، اس لئے ان کی جگہ کسی اور کو بھیج کر حج بدل کروایا جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا حضرت ڈاکٹر صاحب کا چھوڑا ہوا نقد روپیہ اس غرض کے لئے خرچ کیا جائے، تو اُنہوں نے کہا کہ اس سے وصیت والے مال میں کمی واقع ہو جائے گی۔ اس لئے میں اپنے والد مرحوم کے اس ارادہ کو پورا کرنے کے لئے حج بدل کا کل خرچ خود ادا کروں گا۔ اسی طرح بمبئی میں حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات ہونے کی وجہ سے آپ کی نعش کو یہاں لانے پر ڈیڑھ دو ہزار کے قریب غیر معمولی خرچ پڑا تو ان کے دونوں فرزندوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بجائے اس کے کہ اس خرچ کو ان کے والد مرحوم کے ترکہ پر ڈالا جائے جس سے مال وصیت میں کمی ہوگی، ہم دونوں اس خرچ کو خود برداشت کریں گے۔ ان کی صاحبزادیوں میں بھی میں نے اعلیٰ حسب مراتب یہی خوبی دیکھی ہے کہ ان میں سے سب سے بڑی لڑکی میری رفیقۂ حیات ہے۔ میری زندگی میں بعض بڑی بڑی مشکلات کے زمانے آئے ہیں۔ ان میں ایک وہ زمانہ بھی تھا جب ساڑھے پانچ سال کے لمبے عرصہ تک میرے مایحتاج کا کوئی انتظام نہ تھا۔ مگر ان ایام میں کیا اور اس کے بعد فراخی اور پھر تنگی کے زمانہ میں کیا، مجھ سے کبھی کوئی ایسا مطالبہ نہیں ہوا جو میرے دل پر بوجھ ہوتا۔ حتیٰ کہ فراخی کے زمانے میں تو مختلف تحریکات پر یکے بعد دیگرے اپنا سارا زیور دے دیا، بغیر اس کے کہ اس کی جگہ نیا زیور بنوایا جائے۔ اور جہاں تک میرا علم ہے کم وبیش حضرت ڈاکٹر صاحب کے سارے دامادوں میں یہی جذبہ اپنی اپنی جگہ ہے۔

یہ صرف ایک وجہ ہے جس پر میں انہیں اولیاء اللہ میں سے شمار کرتا ہوں۔ یعنی مال کی محبت ان کے دل میں نہ تھی۔ اور یہ خوبی اس کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ ان کی ساری اولاد میں یہ خوبی علیٰ حسب مراتب سرایت کر گئی۔ بلکہ ان کے اندر ایک اور کمال بھی موجود تھا۔ جسے ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے

دوسری قابل رشک خوبی بیان فرمایا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ درجہ کا علم اور فہم دیا۔ ہاں اپنے پاک کلام کا اعلیٰ درجہ کا علم اور فہم دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ توفیق بھی دی کہ اس علم کو آپ نے دوسروں تک پہنچایا۔ جہاں اثنائے ملازمت میں تبدیل ہوئے، وہیں درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع کیا۔اور ہر مقام پر جہاں اللہ تعالیٰ ان کو لے گیا، خدا کا کلام دوسروں کو پہنچایا۔اور پھر اس خوبی سے پہنچایا کہ جو قرآن کی محبت اور عشق ان کے اپنے دل میں تھا، اس کو ان ہزارہا لوگوں کے دِلوں میں پیدا کر دیا۔جنہوں نے آپ کا درس قرآن سنایا آپ کی تفسیر قرآن پڑھی! آپ کے قرآن کے علم وفہم میں جو خوبی میں نے دیکھی ہے وہ روحانیت کا تموج ہے جس سے وہ دوسرے قلوب میں قرآن کی محبت وعشق کے ساتھ ان اُمور پر جو دوسری زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ایک ایسا یقین پیدا کر دیتے تھے کہ وہ باتیں حق الیقین کی طرح دل میں گڑ جاتی تھیں۔

ان کے دو پاروں کی تفسیر اب بھی موجود ہے۔ جو شخص چاہے اسے آزما کر دیکھ لے کہ اس کو پڑھ کر کس طرح ایمانی باتیں ایسے حقائق بن جاتی ہیں کہ انسان اس دوسرے عالم کو جو **مَالَا عَیۡن رَأَتۡ** کا مصداق ہے اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگتا ہے۔ان کے قلب میں وہ نور تھا کہ وہ قرآن کریم کی گہرائیوں تک پہنچ کر اس سے ایسا نور لاتے تھے جو دِلوں کو روشن کر دیتا تھا۔ان کا پیرایہ بیان بھی اعلیٰ درجہ کا موثر تھا۔تحریر میں بھی اور تقریر میں بھی۔اور اس یقین نے، جس سے ان کا اپنا دل لبریز تھا کہ قرآن حکیم کی ہر ایک بات ایک روشن صداقت ہے، دوسروں کے دِلوں کو بھی بھر دیتے تھے۔ مجھے ان کا درس قرآن سننے کا بہت کم اتفاق ہوا۔اور وہ بھی دو چار دفعہ چھپ کر۔اس لئے کہ اپنے حُسنِ ظن کی بناء پر وہ یہ خیال کرتے تھے کہ جس مجلس میں مَیں ہوں، وہاں قرآن کریم سنانا بھی مجھے ہی چاہئے۔اور اُنہوں نے مجھے ایک دفعہ کہہ بھی دیا تھا کہ جس مجلس میں مَیں ہوں گا، وہاں وہ درس قرآن نہ دیں گے۔ یہ دو چار مواقع جب مجھے اتفاق ہوا سالانہ جلسوں کے موقعے تھے۔عموماً میں صف اول میں ہوتا تھا اور نماز فجر کے بعد چلا آتا تھا۔ تب ڈاکٹر صاحب اپنا درس شروع کرتے تھے۔لیکن دو چار دفعہ میں عمداً آخری صف میں رہا تاکہ انہیں علم نہ ہو کہ میں یہاں موجود ہوں۔ان میں سے آخری موقعہ اس جلسہ سالانہ کا تھا۔جس کے آخری دن حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم نے **اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ** (1:105) اور

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ (1:106) ان دونوں سورتوں کو ملا کر درس دیا۔ جس نے سارے مجمع پر ایک وجدان کی کیفیت طاری کر دی۔ اور کلام الٰہی پر میرے اپنے ایمان میں اس قدر ازدیاد ہوا کہ اس کا اثر مدتوں تک رہے گا۔ چنانچہ اسی دن میں نے اپنی آخری تقریر میں اس درس قرآن کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ میرا دل اس وقت چاہتا تھا کہ کاش! ''بیان القرآن'' کے لکھنے والے حضرت ڈاکٹر صاحب ہوتے!

خدا اور اس کے رسولؐ اور اس کے کلام کی محبت کے ساتھ ایک اور عشق بھی حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے قلب میں تھا۔ اور وہ تھا اس شخص کے ساتھ عشق، جس نے کلام الٰہی کا عشق ان کے دل میں پیدا کیا تھا۔ یعنی امام زماں سے عشق۔ جب لوگ ملازمت سرکاری سے ریٹائر ہوتے ہیں تو اس عمر کو پہنچ چکے ہوتے ہیں کہ ان کی کام کرنے کی طاقت قریباً ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب نے بڑے بڑے بلند پایہ مضامین اثنائے ملازمت میں لکھے اور ایک طرف روحانی مسائل پر اور دوسری طرف دونوں جماعتوں میں اختلافی مسائل پر وہ روشنی ڈالی کہ جس نے ان مضامین کو پڑھا اس کا دل یقین سے لبریز ہو گیا۔ لیکن ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ کر وہ کام اُنہوں نے کیا جو نہ صرف دنیا میں ہمیشہ ان کے نام کو زندہ رکھے گا بلکہ اس بات کا بھی ایک زندہ گواہ رہے گا کہ عشق انسان کے دل میں کس قدر قوت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ کام تھا ''مجدد اعظم'' کی تالیف۔ 1936ء میں آپ کی عمر ساٹھ سال کی ہو چکی تھی۔ صحت کی حالت یہ تھی کہ ایک لمبی مسلسل بیماری نے مدت تک صاحب فراش بنا رکھا تھا بلکہ ایسے ایسے اوقات آئے تھے کہ زندگی کی اُمید نہ رہی تھی کہ کوئی علاج کارگر نہ ہوتا تھا۔ کوئی غذا ہضم نہ ہوتی تھی، مگر دل میں ایک تڑپ تھی جس کو مَیں آپ کے اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہوں:

> ''خدا پر زندہ ایمان، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق، قرآن کریم سے محبت اور دین کی خدمت وحفاظت واشاعت میں بے انتہاء جوش کا جو نظارہ ہماری آنکھوں نے دیکھا ہے ناممکن ہے کہ کوئی قلم اس کو دکھا سکے، لیکن تاہم جب میں نے دیکھا کہ وہ مقدس زمانہ تاریخ کے لحاظ سے ہم سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کو دیکھنے والے بھی سفر کرتے جاتے ہیں اور پبلک میں دشمنوں نے بوجہ تعصب وعناد اور غالی

دوستوں نے بوجہ غلو اور خوش عقیدگی اس راستباز انسان کی تصویر اس قدر غلط اور مکروہ بنا کر پیش کی ہے، جس سے ایک حق پرست انسان کا دل غم اور رنج سے خون ہو جاتا ہے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلتے ہیں، تو میں نے مناسب سمجھا کہ اس برگزیدہ الٰہی کی حتی المقدور صحیح تصویر اس کتاب کے ذریعہ جس کا نام ''مجددِ اعظم'' ہے پیش کروں۔''

اس کتاب کا لکھنا انسان کا کام نہ تھا۔ اس شخص کی سیرت کا لکھنا، جسے دوست اور دشمن دونوں نے بدنام کر رکھا تھا، محنتِ شاقہ کو چاہتا تھا پھر حضرت صاحب کی اپنی دس بارہ ہزار صفحات پر مشتمل کتابوں، رسالوں، اشتہاروں، خطوط، تقریروں کے مجموعوں کی ورق گردانی۔ دشمن اور غالی دوست دونوں کی دس بارہ ہزار صفحات پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ، اس سارے ذخیرہ کی ترتیب ایک تندرست نوجوان کی محنت شاقہ کو چاہتا تھا۔ مگر کرنے کون بیٹھا ہے۔ ایک ضعیف العمر انسان۔ جو اپنے قویٰ کو ساری عمر سرکاری ملازمت کو ایمانداری سے بجالانے کی وجہ سے ختم کر چکا ہے۔ عمر ساٹھ سال کی ہو چکی ہے۔ قویٰ جواب دے رہے ہیں۔ خطرناک امراض کا شکار رہ چکا ہے۔ رفیقۂ حیات کے داغ مفارقت کی وجہ سے دو چھوٹی بچیوں کا بوجھ اس کے سر پر ہے۔ اس عمر اور ان حالات میں کس چیز نے یہ ممکن بنایا کہ وہ دو ہزار صفحات کی عظیم الشان کتاب، جس کی تیاری کے لئے بیس پچیس ہزار صفحات کی ورق گردانی کی ضرورت ہے، تیار کر لے؟ یہ تھا امام زمان کا عشق۔ عشق جب انسان کے دل میں پیدا ہو جائے تو بڑھاپا اس کے لئے روک نہیں ہوتا۔ بیماری اس کے لئے روک نہیں ہوتی۔ عیالداری اس کا بوجھ اس کے لئے روک نہیں ہوتا۔ میں نے ایک دفعہ نہیں سینکڑوں دفعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دلہوزی میں کیا اور لاہور میں کیا۔ قریب قریب اور ان کو دیکھ کر حیرت میں رہ جاتا تھا کیا کوئی طالب علم کسی امتحان کے لئے محنت کرے گا جو اس مرد خدا نے بڑھاپے اور بیماری میں ''مجدد اعظم'' کے لکھنے کے لئے کی! میں خود لکھنے کی بیماری کا شکار رہا ہوں۔ قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر انگریزی اور اردو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، صحیح بخاری کا ترجمہ اور دیگر کتب لکھیں۔ اور بڑی محنت سے لکھیں۔ لکھتا تھا اور محنت شاقہ کے بعد دل راحت سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔ مگر اس عمر کو پہنچ

کر، جسے حضرت ڈاکٹر صاحب پہنچ چکے تھے، میری کام کرنے کی قوت، حالانکہ ساری عمر اسی کام میں صرف ہوئی تھی، کم ہو چکی تھی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ کام کرتا تو پھر ادھر اُدھر باغیچہ میں پھرنے لگتا۔ میں جب جاتا اور دیکھتا کہ کس طرح صبح سے لے کر شام تک حضرت ڈاکٹر صاحب میز پر بیٹھے ہوئے قلم چلا رہے ہیں تو حیران ہوتا اور بسا اوقات کہتا تھا کہ میں نے تو اتنی محنت شاید جوانی میں بھی نہ کی ہو، جس قدر آپ اس عمر میں کر رہے ہیں! مگر جیسا کہ اُنہوں نے خود لکھا ہے:

> ''یہاں تک کہ میں گھنٹوں لکھتا تھا اور تکان بہت کم محسوس ہوتی تھی۔ مجھے ایک قسم کی فرحت معلوم ہوتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روحانیت کا ایک چمن ہے جس کے اندر میں گلگشت میں مصروف ہوں یا علم وحکمت کے موتی ہیں جنہیں میں لوٹ رہا ہوں۔''

میں جب اس انقلابِ عظیم کو دیکھتا ہوں جو چودھویں صدی کے مجدد نے پیدا کیا تو بالکل اس کا رنگ وہی نظر آتا ہے جو چودھویں رات کے چاند کا ہوتا ہے۔ یعنی چاند کا نور اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ وہ کمال نہ اس سے پہلے ہوتا ہے نہ اس کے بعد۔ اسی طرح تجدید کے کام کو بھی چودھویں صدی کے مجدد نے کمال کو پہنچا دیا۔ اتنا بڑا مجدد نہ پہلے ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ اس لئے وہ ''مجددِ اعظم'' کہلایا۔ اسی طرح جب میں آپ کی اس سیرت کو دیکھتا ہوں، جس کا نقشہ ''مجددِ اعظم'' میں حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کھینچا ہے تو مجھے یقین ہوتا ہے کہ گو آپ کی سیرت لکھنے کی پہلے بھی لوگوں نے کوشش کی اور بعد میں بھی کریں گے، لیکن مجددِ اعظم کے پایہ کی کتاب لکھنے والا دوسرا پیدا نہ ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجددِ اعظم لکھ کر حضرت مسیح موعود کے تمام سیرت نویسوں کے قلموں کو توڑ دیا ہے۔ اس کام کا اہل ایک ہی آدمی تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پہلی بڑی بیماری سے صرف ''مجددِ اعظم'' لکھنے کے لئے دوبارہ زندگی دی تھی۔ ادھر مجددِ اعظم کی تیسری جلد ختم ہوئی اور ادھر اس کے لکھنے والے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلا لیا۔ گویا اسے 1936ء کی بیماری کے بعد، جو درحقیقت پیغامِ اجل کا حکم رکھتی تھی، صرف اس لئے دوبارہ زندگی دی کہ تا ''محررِ مجددِ ہند'' مجددِ اعظم کی سیرت کو پورا کر لے۔ کیا پیارے لفظ سے تھے جو کسی دوست کے قلم سے نکلے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لئے اس قدر جلد بلا لیا کہ تا اس عظیم الشان کام کے اجر میں تاخیر نہ ہو!

یہاں پر میں ایک رؤیا کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ جو آپ کے صاحبزادے میاں نصیر احمد صاحب نے 7,6 مئی کے قریب دیکھا۔ کہ سید اسد شاہ صاحب مجھے سنا رہے ہیں کہ ایک فرشتہ نے آ کر کہا کہ ڈاکٹر صاحب بہت خوش ہیں۔ اور اس جملہ کے ساتھ ہی میں ایک نہایت خوبصورت ہار کو دیکھتا ہوں جو کسی ایسی ہستی کے گلے میں پڑا ہے جو میری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اور فرشہ نے یہ بھی کہا کہ احمدی (جو آسمان پر ہیں) اُن میں ڈاکٹر صاحب کے آنے سے بہت خوشی پھیلی ہوئی ہے۔ اور اُنہوں نے مل کر ایک ریزولیوشن بھی پاس کیا ہے۔ اور ہر روز صبح ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کرتے ہیں اور خاص علیحدگی میں باتیں کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کو فی الواقعہ حضرت امام الزمان سے ''مجدد اعظم'' کے لکھنے سے ایک خاص نسبت پیدا ہوگئی ہے۔ جو دوسرے کسی احمدی کو حاصل نہیں۔ اسی کے مطابق حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کا ایک اپنا رؤیا بھی ہے۔ جس میں اُنہوں نے یہ دیکھا تھا کہ جیسے حضرت مسیح موعود تشریف لائے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ قادیان میں میرے قتل کی سازش ہو رہی ہے۔ میں آپ کو پہریدار مقرر کرتا ہوں تو ڈاکٹر صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضور میں ضرور پہرہ دوں گا۔ یہ رؤیا غالباً اوائل اختلاف کے زمانہ کا ہے۔ حضرت مسیح موعود کے عقائد کو بگاڑ نا فی الحقیقت آپ کے قتل کی سازش ہے اور اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کو مجددِ اعظم لکھنے کی توفیق دے کر اس قتل سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ ایک دن آئے گا کہ قادیانی جماعت خود اس حقیقت کو تسلیم کرے گی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا ایک اور واقعہ اس قابل ہے کہ میں جماعت کو اس طرف توجہ دلاؤں۔ پنشن لینے کے بعد ڈاکٹر صاحب کو ایک دوست کی وساطت سے ایک ریاست سے معقول مشاہرہ پر ملازمت کی آفر آئی۔ اُنہوں نے مجھ سے اس کے متعلق خط لکھ کر مشورہ چاہا۔ بظاہر اس کے قبول کرنے میں کوئی روک نہ تھی۔ اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ جہاں رہیں گے درس بھی دیں گے اور لوگوں کو قرآن کریم سنا کر فائدہ پہنچائیں گے۔ جماعت بھی بنائیں گے انجمن کے لئے خود بھی مزید چندہ دیں گے اور اوروں سے بھی دلائیں گے۔ اُس وقت یہ بات بھی سامنے نہ تھی اور نہ کبھی اُدھر خیال تک گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کوئی تصنیف کا کام کریں گے یا یہ کہ حضرت صاحب کی سیرت آپ لکھ سکتے ہیں۔ لیکن

عین ان ایام میں حضرت صاحب کا ایک شعر جو شاید پہلے کبھی چھپا نہ تھا میری نظر سے گذرا تھا اور میری زبان پر وہ بہت رہتا تھا اور دل پر اس کا اثر تھا۔

عمر بگذشت و نماند ست جز ایامے چند　　بہ کہ در یاد کسے صبح کنم، شامے چند

یعنی عمر گذر گئی اور اب تھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اب خدا کی یاد میں شام کو صبح کر دیا جائے۔ میں نے یہی شعر انہیں لکھ بھیجا۔ ان کے دل پر بھی اس کا ایسا اثر پڑا کہ نہ صرف اس ملازمت کے مقبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ آئندہ بھی اس خیال کو کلی طور پر ترک کر دیا۔ اور اس شعر کا قطعہ لکھوا کر اسے چوکھٹا میں لگوا کر اپنے کمرہ میں اپنی میز کے سامنے دیوار پر لگوا لیا۔

''ایں چنیں باید خدا را بندہ''

میری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ ہمارے دوست پنشن لے کر خدا کے کام میں لگ جائیں۔ مگر ہر ایک کے لئے یہ سامان نہیں ہوتا۔ دل رابدل رہے ست اس ایک جملہ نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی زندگی کی لائن کو تبدیل کر دیا۔ اب اس کے بعد دن رات کچھ لکھنے کا شغل ہو گیا۔ علاوہ اس کے اخبار کے صفحات میں ان کے نہایت بلند پایہ مضامین نکلتے رہتے۔ چھوٹے چھوٹے رسالے اور ٹریکٹ بھی لکھنے شروع کئے۔ اور بالآخر ''انوار القرآن'' جیسی اسم با مسمی تفسیر پارہ عم (اور اس کے بعد ستائیسویں پارہ کی تفسیر) ان کے قلم سے نکلی۔ اور اپنے اصلی کام ''مجدد اعظم'' کی تکمیل کے ساتھ وہ طوطی خوش بیان ہمیشہ کے لئے راحت کی نیند سو گئے۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں ان پر اور اس جماعت پر اور ان کی اولاد پر ہوں اور وہ ہم کو ایسے بلند پایہ خدام دین ہزاروں کی تعداد میں عطا فرمائے۔

جس دل میں محبت الٰہی ہو مال کی محبت نہ ہو، وہ فراخ بھی بہت ہوتا ہے۔ مال کی محبت انسان کے دل کو تنگ کرتی ہے اور خدا کی محبت اسے فراخ کرتی ہے اور اس لئے اخلاق کو بلند کرتی ہے۔ محبت الٰہی ایک نور ہے جو قلب سے پھوٹ کر انسان کے چہرہ پر بھی آ جاتا ہے۔ وہ دوسروں سے ملتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک نور چہرہ پر دوڑ گیا ہے۔ اس سے ملاقات کرنا راحت کا حاصل کرنا تھا۔ ''عشق الٰہی منہ تے وسے ولیاں ایہہ نشانی'' ان کے دل میں اپنے دوستوں کی محبت تھی اور دوستوں کے دل میں ان

کی محبت تھی۔ بہت لوگ ہوتے ہیں کہ وہ باہر لوگوں سے نہایت اچھے اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ وہ اخلاق نمائشی ہوتے ہیں۔ تصنع سے بھی لوگ دوسروں کے سامنے مسکرا لیتے ہیں۔ مگر انسان کے اخلاق کا امتحان ان لوگوں میں آ کر ہوتا ہے جن سے اس کے دن رات کے تعلقات ہوں۔ گھر کے اندر ہوتا ہے۔ بیوی بچوں میں ہوتا ہے۔ اولاد کی محبت ہر انسان کے دل میں ہوتی ہے۔ یہ فطری امر ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب مرحوم ان لوگوں میں سے تھے جن کی اولاد کے دِلوں میں ان کی محبت تھی۔ اور اتنی محبت تھی جتنی ایک موحد انسان کے دل میں دوسرے سے پرستش کی حد سے ادھر اُدھر ہوتی ہے۔ وہ ہر اس بات سے الگ رہنے کی کوشش کرتے تھے جس میں یہ سمجھیں کہ وہ ناراض ہوں گے۔ اور ہر اس بات کو کرنے کے لئے پوری سعی کرتے تھے جس سے ان کو خوشی ہو۔ جلسہ سالانہ پر کلکتہ، بمبئی، کوئٹہ سے دوڑے آتے کہ علاوہ ایک قومی اجتماع کے اس سے ان کے والد کا دل خوش ہوگا۔ اور جب سب جمع ہوتے تو اکثر حصہ وقت خدا اور رسولؐ کے ذکر میں صرف ہوتا۔ وہ ان کے تقرب باللہ اور استجابت دعا کے قائل تھے۔ کسی کو ذرا مشکل پیش آئی تو آپ کی طرف دعا کے لئے دوڑا۔ ولایت وہ ہے جسے بیوی بچے تسلیم کریں! باہر بیٹھ کر بہت ولی بن سکتے ہیں۔ گھر کے اندر ولی بننا مشکل ہوتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم گھر کے اندر بھی ولی تھے اور باہر بھی۔ میرے پاس بہت سے خطوط، جو دعا کے لئے آتے، ان میں ساتھ یہ ہوتا کہ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب سے بھی دعا کے لئے کہیں۔ میرے لئے وہ ہمیشہ بمنزلہ ایک ایسے دوست کے تھے۔ کہ دل پر کوئی غم ہوتا تو اُن سے مل کر ہی وہ غم ہلکا ہو جاتا۔ گو میں ان سے اسے بیان کروں یا نہ کروں۔ اور میری اکثر عادت یہی تھی کہ بیان نہ کرتا تھا، مگر غموں کو فی الحقیقت دور کرنے والا ہمیشہ باقی ہے۔ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔

غمزدہ محمد علی

۞۞۞

23 جون 1943ء

میری یہ خواہش ہے

جو ہماری جماعت کے نوجوان ملٹری سروس میں جنگ کرنے والی فوج کا حصہ ہیں ان کے لئے ابتلاء کے ایام میں جو ابھی سامنے ہیں خاص طور پر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جسمانی طور پر بھی اپنی حفاظت میں رکھے اور روحانی طور پر بھی ان بلاؤں سے محفوظ رکھے جو بعض وقت انسان کی زندگی کو برباد کرنے کا موجب بن جاتی ہیں۔ اور اس ضمن میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ان سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہے۔ تا کہ یہ ان کی طرف سے ایک یاددہانی بھی ہو۔ یعنی ایسے نوجوانوں کے ناموں اور پتوں کا مجھے علم ہے اور ان کے لئے میں عموماً روزانہ دعا بھی کرتا ہوں۔ اور اُن سے سلسلہ خط وکتابت بھی جاری ہے۔ مگر ایک حصہ ایسا بھی ہے جن کا مجھے علم تو ہے مگر خط وکتابت کے لئے پتے نہیں۔ اور نہ ہی ان کی طرف سے کوئی تحریک ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جن کا مجھے علم بھی نہیں۔ اس لئے میں اخبار کے ذریعہ سے جملہ ان احباب سے، جن کے بچے یا دیگر اعزہ فوج میں ہیں، خواہ وہ میدان جنگ میں ہوں یا ابھی ملک کے اندر ہوں اور کوئی نہیں جانتا کہ کسی کے میدان جنگ میں جانے کی باری کب آجائے گی۔ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے ایسے بچوں یا اعزہ کے ناموں سے اور پتوں سے مجھے جلد سے جلد اطلاع دیں۔ میں اُمید رکھتا ہوں کہ بعض اور احباب بھی ان دعاؤں میں میرے ساتھ شامل ہوں گے۔

خاکسار محمد علی

دارالسلام ڈلہوزی۔ 9 جون 1943ء

23 جون 1943ء

ارشادات حضرت امیر

زمیندار اصحاب اور ایک اور گروہ سے اپیل۔2

میں نے اخبار میں یہ تحریک کی تھی کہ وہ احباب جن کے پاس اپنی ضرورت سے زائد غلہ قابل فروخت ہے وہ اس قابل فروخت غلہ کا بیسواں حصہ اپنے ان بھائیوں کی امداد کے لئے دیں جو ایسی امداد کے مستحق ہوں. جس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اگر ان کا غلہ دس روپے من فروخت ہوتا رہا ہے اور یہ آج کل قریب قریب قیمت غلہ ہے تو 8 آنہ من اس میں سے اُنہوں نے صدقہ کے رنگ میں دے دیئے یا یوں کہنا چاہئے کہ ان کا غلہ 9 روپے 8 آنہ من فروخت ہوا۔ظاہر ہے کہ یہ بھی غلہ کی بہت گراں قیمت ہے جو ان لوگوں کے لئے ،جن کا اپنا غلہ نہیں ،غرباء کا طبقہ تو الگ ،متوسط الحال لوگوں کے لئے بھی نا قابل برداشت ہے۔اس میں شک نہیں کہ دوسری ضروریات بھی گراں ہیں مگر ان میں سے ہر ایک چیز میں کمی ہوسکتی ہے۔کپڑا پہننے کو اچھا نہ سہی موٹا سہی۔زیادہ نہ سہی تھوڑا سہی۔چینی اور شکر کا استعمال بھی کم ہوسکتا ہے۔گھی کی جگہ کسی قسم کا تیل بھی استعمال ہوسکتا ہے۔مگر پیٹ بھرنا جسم کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے اور اس لئے غلہ کم نہیں ہوسکتا۔تو میں نے زمیندار اصحاب سے اپیل کی تھی کہ وہ مندرجہ بالا حساب کے مطابق اپنے دوسرے بھائیوں کی امداد کے لئے ہاتھ بڑھائیں۔الحمد للہ کہ بہت سے دوستوں کی طرف سے اطلاعات آرہی ہیں کہ وہ اس کے مطابق عمل کررہے ہیں۔مگر ابھی بہت سے احباب خاموش بھی ہیں۔شاید اس لئے کہ موسم قدرے ٹھنڈا رہنے کی وجہ سے غلہ کے گھروں میں لانے میں دیر لگ گئی ہے۔مجھے اُمید ہے کہ جماعت کے سب زمیندار دوست اس تحریک میں شریک ہوکر دنیا کے مال کے ساتھ ساتھ ثواب عظیم حاصل کریں گے اور عاقبت کے لئے توشہ اپنے ساتھ لے لیں گے۔

اس تحریک کی یاد دہانی کراتے ہوئے میں جماعت کے ایک اور گروہ سے بھی اپیل کرتا ہوں۔کیونکہ ہماری جماعت میں زمیندار اصحاب کی تعداد کم ہے اور نسبتاً شہروں میں رہنے والے مستحقین امداد کی تعداد زیادہ ہے۔یہ دوسرا گروہ ان اصحاب کا ہے جو اس وقت کسی قسم کے ٹھیکوں یا War Industry یعنی جنگی ضروریات مہیا کرنے کے ذریعے سے روپیہ کمارہا ہے۔ان میں ایسے

احباب بھی ہیں جو خدا کے فضل سے لاکھوں روپے کمار ہے ہیں۔ گو وہ لاکھوں روپے ان کے ہاتھوں میں نہیں آتے اور ان کی کمائی کا بہت بڑا حصہ حکومت ٹیکس کی صورت میں لے جاتی ہے۔ اور ایسے بھی ہیں جو ہزاروں روپے کمار ہے ہیں۔ بہرحال یہ دو گروہ موجودہ پیدا شدہ صورت حالات میں، جب جنگ نے غرباء کی زندگی دوبھر کر دی ہے اپنی ضروریات سے غیر معمولی طور پر زیادہ روپیہ کمار ہے ہیں اور ان پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کی امداد کے لئے ہاتھ بڑھائیں۔ مال تو حکومت کی طرح تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (140:3) کا مصداق ہے۔ آج ایک کے۔ ہاتھ میں تو کل دوسرے کے اور جو مال آج کسی گروہ کے ہاتھ میں آرہا ہے وہ بہت دن اس کے پاس نہیں رہے گا۔ تو اس غیر معمولی آمد میں سے وہ اگر ایک پیسہ فی روپیہ بھی اس وقت غرباء کی امداد کے لئے نکال دیں تو یہ نہ صرف ان کے ہاتھ سے کبھی نکلے گا بلکہ جب اعمال کے موازنہ کا وقت آئے گا تو یہ نیکیوں کے پلڑے میں اس قدر وزنی عمل ہوگا جو بہت سی کوتاہیوں اور فروگذاشتوں کی تلافی کر دے گا۔ زمیندار اصحاب کو چونکہ مال سے کم محبت ہوتی ہے، اس لئے وہ تو شرح صدر سے بیسواں حصہ یا تین پیسے فی روپیہ دے رہے ہیں مگر اس دوسرے گروہ سے میں نے صرف ایک پیسہ فی روپیہ کی اپیل کی ہے۔ اس سے زیادہ اگر وہ دیں تو خدا کے ہاں سے بھی زیادہ کے حق دار ہوں گے۔ مگر مجھے اُمید ہے کہ وہ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ جہاں ان کے اور طرح طرح کے اخراجات ہیں، اس کو بھی اپنے خرچ کا ایک حصہ قرار دیں۔ اس سے بڑھ کر ضروری خرچ ہے کونسا کہ ایک سخت مصیبت کے وقت، جس نے ایک حصہ کی زندگی نا قابل برداشت کر دی ہے، وہ اپنے بھائیوں کی زندگی کے سہارے کا موجب بن سکیں گے۔

بالآخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ 8 جولائی تک مجھے یہ علم ہو جانا چاہیے کہ کون کون دوست کس حد تک اُس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ تا کہ جلد سے جلد جماعت کے مستحقین کی فہرستیں تیار کر کے اس غلہ کو ان میں تقسیم کیا جا سکے۔ جب تک ایسی فہرستیں تیار ہوں، یہ غلہ بطور امانت معطیان کے پاس ہی پڑا رہے۔ مجھے اُمید ہے 15 جولائی تک انشاء اللہ تعالیٰ ایسی فہرستیں تیار ہو جائیں گی اور اس وقت ان احباب کو اطلاع دی جائے گی کہ اس غلہ کو کہاں بھیجنا ہے یا فروخت کرنا ہے۔ لیکن جو اپیل میں نے دوسرے

گروہ سے کی ہے، ان کا روپیہ 8 جولائی تک بمد فراہمی غلہ دفتر محاسب میں پہنچ جانا چاہیئے۔ اور مجھے بھی اس کی اطلاع مل جانی چاہیئے۔ تا کہ کل رقم یا غلہ قابل تقسیم معلوم ہو کر صحیح طور پر تقسیم کا انتظام ہو سکے۔ یہ روپیہ نقدی کی صورت میں نہیں دیا جائے گا بلکہ اس سے بھی غلہ خرید کر ہی مستحقین کو پہنچایا جائے گا۔ سوائے ان شاذ صورتوں کے جہاں غلہ نہ پہنچایا جا سکے یا اس کا پہنچانا غیر معمولی خرچ کو چاہتا ہو۔ اور سوائے روپیہ کے جو بہر حال دفتر محاسب میں جانا چاہیئے، باقی اُمور کے متعلق معطیان کی طرف سے اگر براہ راست مجھ سے ڈلہوزی کے پتے پر خط و کتابت کی جائے، تو اس میں خرچ کم ہوگا اور جملہ اُمور کا فیصلہ بھی جلد ہو سکے گا۔ مستحقین کی فہرستیں اور درخواستیں سب دفتر انجمن میں لاہور بھیجی جائیں۔

نوٹ: ابھی مجھے اپنے ایک نہایت ہی مخلص زمیندار دوست کا خط ملا ہے کہ ان کے گاؤں میں تمام فصل ربیع ژالہ باری سے بکلی برباد ہوگئی اور ان کے پاس نہ مویشیوں کے لئے چارہ ہے نہ کھانے کا غلہ، ایسے اصحاب کا بھی دوسرے بھائیوں پر باہمی امداد کے رنگ میں حق ہے۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁ ❁ ❁

14 جولائی 1943ء

حضرت امیر کے قلم سے

تبلیغ اسلام اور علماء اسلام

10 اپریل 1943ء کے ''احسان'' میں علمائے اسلام کو ان کے اصل فریضۂ تبلیغ اسلام کی طرف حسب ذیل توجہ دلائی گئی ہے:

''اسلام جو کہ دنیا کو پیغام امن سنانے نکلا تھا وہ ہندوستان پہنچ کر دوسروں کی بنائی ہوئی سیاست کے گورکھ دھندے میں آ گیا اور علمائے کرام بھی آزادی اور غلامی کے الفاظ میں پھنس گئے۔ اور اسلام کا سب سے بڑا فرض یعنی اشاعت وتبلیغ اسلام پس پشت ڈال دیا گیا۔ غور کیجئے کہ آج اگر کوئی جماعت اشاعت وتبلیغ کے لئے میدان میں آئی بھی ہے، تو وہ بھی کوئی نہ کوئی سیاسی لبادہ پہن لیتی ہے۔ بعض قابلِ احترام علماء کرام نے ایک راستہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ جب تک ملک آزاد نہ ہوگا مذہب کی اشاعت اور تبلیغ بے معنی چیز ہے۔ حالانکہ ان کا مقصد یہ نہیں تھا۔ ہم درد بھرے دل سے ان کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ ہندوستان کی وہ سیاست کہ جس کے لئے وہ لڑ رہے ہیں اس کو اس مذہب سے کوئی تعلق نہیں جو بطحا کی وادی سے باہر نکلا......ہم بڑے ادب سے علمائے کرام کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ اگر وہ صحیح طور پر دینِ اسلام کے ترجمان ہیں تو انہیں سیاسی گڑ بڑ سے قطعی طور سے کنارہ کشی اختیار کر کے اشاعت وتبلیغ کے لئے قدم اُٹھانا چاہیئے۔''

یہ کوئی ایسی آواز نہیں جس سے مسلمانوں کے کان پہلی مرتبہ آشنا ہوئے ہوں۔ وقتاً فوقتاً ایسی آوازیں اُٹھتی رہتی ہیں، بلکہ اشاعت فرقان حمید اور تبلیغ اسلام کے لئے انجمنیں بھی بنتی رہتی ہیں۔ گذشتہ پچاس سال میں شاید بیسیوں ایسی انجمنیں بن چکیں اور دو دو چار چار سال زندہ رہ کر مٹ چکیں۔ یا سِسک رہی ہیں۔ بڑے بڑے نامور علماء نے اس کام کے لئے قدم اُٹھایا مگر دو چار قدم اُٹھا کر رہ گئے۔ کسی میدان میں مسلمانوں نے اتنی ناکامی نہیں دیکھی جیسی تبلیغ اسلام کے معاملہ میں دیکھی ہے۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کا منشاء نہیں کہ اسلام دنیا میں پھیلے۔ وہ تو فرماتا ہے کہ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اس لئے تا اسلام کو سب دینوں پر غالب کرے هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ (33:9) اور پھر فرماتا ہے کہ جو کوئی بھی اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کوشش کرے گا ہم اسے ضرور کامیاب کریں گے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (69:29) باوجود اللہ تعالیٰ کے کھلے وعدوں کے کیوں تبلیغ اسلام کی وہ کوششیں، جو علمائے کرام وقتاً فوقتاً کرتے رہے، ناکام ہوئیں؟ حالانکہ ان میں کئی ایک تحریکات ایسی تھیں جن کی پشت پر سارا اسلامی ہندوستان تھا۔

اگر کسی دردمند مسلمان کے دل میں اس ناکامی کی صحیح وجہ تلاش کرنے کی تڑپ ہے تو اسے واقعات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔ جہاں تبلیغ اسلام کی یہ سب تحریکات ناکام ہوئی ہیں، وہاں ایک کامیاب تحریک بھی نظر آتی ہے۔ یہ وہ تحریک ہے جس کی بنیاد اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے 1889ء میں رکھی۔ یہاں ایک بین تفاوت نظر آتا ہے۔ جہاں دیگر تبلیغی تحریکوں کو سب مسلمانوں کی ہمدردی حاصل تھی بلکہ بعض ان میں سے مرکزی حیثیت رکھتی تھیں اور سارا اسلامی ہندوستان ان کی پشت پر تھا۔ مجدد کی اس تحریک کی بعض وجوہ پر نہ صرف مخالفت کی گئی بلکہ اس کو مٹانے کے لئے پوری پوری کوشش کی گئی۔ لیکن جہاں دوسری تمام تحریکات باوجود تمام مسلمانوں کی حمایت کے یکے بعد دیگرے ناکام ہوتی چلی گئیں، مجددِ وقت کی تحریک باوجود مسلمانوں کی اپنی سخت ترین مخالفت کے کامیاب ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آج وہ باوجود اپنی قلت کے یورپ اور امریکہ میں اور دوسرے مقامات پر پیغام اسلام کو کامیابی کے ساتھ پہنچا چکی ہے۔ جگہ جگہ تبلیغی مرکز قائم کر چکی ہے۔ مساجد بنا چکی ہے۔ قرآن شریف سیرت نبویؐ اور تعلیمات اسلام کے تراجم کر کے ان میں اسلام کی صحیح تصویر پہنچا چکی ہے۔ اور نہ صرف ہزارہا بڑے بڑے انسانوں، نوابوں، رئیسوں اور مصنفوں تک کو حلقہ بگوش اسلام بنا چکی ہے بلکہ لاکھوں دِلوں سے اسلام کی اس غلط تصویر کو مٹا کر، جو کہ نسلاً بعد نسل ان کے اندر چلی آتی تھی۔ اسلام کے متعلق ان کا نقطہ نگاہ تبدیل کر چکی ہے۔ اور اس کا احترام ہی پیدا نہیں کر چکی بلکہ یہ خیال بھی ان کے اندر پیدا کر چکی ہے کہ دنیا کا آئندہ مذہب اگر کوئی ہوسکتا ہے تو اسلام ہی ہوسکتا ہے۔ یہاں

تک کہ ایک مصنف (برناڈ شا) تو یہ لکھتا ہے کہ آئندہ سو سال میں یورپ کا غالب مذہب اسلام ہوگا۔ اور ایک دوسرا مصنف (گب) لکھتا ہے کہ ''اپنی علمی اور اخلاقی زندگی کی تکمیل کے لئے یورپ ان طاقتوں اور استعدادوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا جو اسلامی سوسائٹی میں پائی جاتی ہیں'' اور پھر لکھتا ہے ''اسلام میں اب بھی یہ طاقت موجود ہے کہ وہ قومیت اور روایات کے ایسے پراگندہ اجزاء کو جو باہم ملنے کے قابل نظر نہیں آتے اکٹھا کر دے۔''

اور جہاں دیگر تبلیغی تحریکات کی ناکامی کا رونا خود مسلمان رو رہے ہیں، تحریک احمدیت کی کامیابی کا اعتراف خود دشمنان اسلام کو ہے۔ ایک کہتا ہے:

''اس وقت احمدی جماعت دنیا میں سب سے زیادہ اشاعت اسلام کرنے والی جماعت ہے۔''

''یہاں ہم عیسائیت کے خلاف نئے سے نیا پروپیگنڈا پاتے ہیں جو کبھی دنیا میں پیدا ہوا ہو اور یہاں سے ایک عالمگیر نظام بیرونی مشنوں کا قائم کیا گیا ہے۔''

دوسرا کہتا ہے:

''مسلمانوں میں فرقی جھگڑوں کی روح جو عام طور پر سرایت کر گئی ہے ان میں ایک دلچسپ استثناء احمدی ہیں۔ وہ صرف مذہبی اشاعت پر سارا زور صرف کرتے ہیں اور سیاسیات سے الگ رہتے ہیں۔ ان کی توجہ زیادہ تر اس بات میں مرکوز ہے کہ اسلام ہی صرف ایک مذہب ہے جو عقل اور فطرت کے مطابق ہے۔''

تیسرا اعتراف کرتا ہے:

''اسے (احمدیت کو) یہ یقین ہے کہ یہ مغربی اقوام کو اپیل کر سکتی ہے۔ ایسی اپیل جو اس وقت بھی ایک حد تک کامیاب ہو چکی ہے۔''

چوتھا کہتا ہے:

''یہاں سے شاید مشرقی لوگوں میں ایک نئی طاقت پیدا ہو گئی ہے جو اسلام کے موجودہ تنزل کو روک دے۔ بلکہ اس کو ترقی کی صورت میں تبدیل کر دے۔''

پانچواں لکھتا ہے:

''احمدیت ایک خاص اثر ان حدود سے آگے نکل کر ڈال رہی ہے جو اب تک اسلام کی حدود سمجھی جاتی تھیں۔''

اب میں اپنے مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان واقعات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ ایک طرف تبلیغ اسلام کی اس قدر تحریکات باوجود مسلمانوں کی تائید کے ناکام کیوں ہوئیں اور دوسری طرف تحریک احمدیت باوجود ان کی مخالفت کے کامیاب کیوں ہوئی؟ اس کی وجہ بھی خود مجدد وقت نے آج سے پچاس سال پہلے بتا دی تھی۔ 1890ء میں آپ نے ایک کتاب ''فتح اسلام'' کے ذریعہ سے اس تحریک کی بنیاد رکھی۔ تو اس میں یہ بھی لکھا:

''جاننا چاہئے کہ انتہائی غرض اس زندگی کی خدا تعالیٰ سے وہ سچا اور یقینی پیوند حاصل کرنا ہے جو تعلقات نفسانیت سے چھڑا کر نجات کے سرچشمہ تک پہنچاتا ہے۔ اس یقین کامل کی راہیں انسانی بناوٹوں اور تدبیروں سے ہرگز نہیں کھل سکتیں اور انسانوں کا گھڑا ہوا فلسفہ اس جگہ کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا بلکہ یہ روشنی ہمیشہ خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے ذریعہ سے ظلمت کے وقت میں آسمان سے نازل کرتا ہے۔ اور جو آسمان سے اُترا وہی آسمان کی طرف جاتا ہے۔ سوائے وہ لوگ جو ظلمت کے گڑھے میں دبے ہوئے اور شکوک وشبہات کے پنجہ میں اسیر اور نفسانی جذبات کے غلام ہو، صرف اسمی اور رسمی اسلام پر نازمت کرو۔ اور اپنی سچی رفاہیت اور اپنی حقیقی بہبودی اور اپنی آخری کامیابی انہیں تدبیروں میں نہ سمجھو جو حال کی انجمنوں اور مدارس کے ذریعہ سے کی جاتی ہیں۔''

تبلیغ اسلام کی ان دونوں قسم کی تحریکات میں ایک فرق ہے۔ مجدد کی تحریک کا بنیادی پتھر ایمان ہے۔ اسلام کی صداقت اور اس کی کامیابی کا دنیا میں اس کے غالب آنے کا پورا پورا یقین ہے اور وہ اس قدر زبردست یقین ہے کہ جو لوگ اس کے پاس بیٹھتے ہیں ان کے دِلوں میں بھی وہی ایمان پیدا کر دیتا ہے اور اتنا زبردست ایمان پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اس کام کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے

لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہی چیز ہے جو مجدد اور اس کی جماعت کو کامیاب کر رہی ہے۔ اور اسی کا فقدان علمائے ظاہر اور ان کی بنائی ہوئی انجمنوں کو ناکام رکھتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ خدا کا دین پھیلانے کے لئے کوشش کی جائے اور وہ ناکام ہو۔ اگر وہ کوشش دنیاوی رنگ میں ہے اور اس زبردست ایمان پر اُس کی بنیاد نہیں کہ یہی ہماری زندگیوں کی اصل غرض ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور اس کے پورا کرنے کے لئے ہم سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے تو وہ عمارت کو ایک خام بنیاد پر کھڑا کرنے کی کوشش ہے جو کامیاب نہیں ہوسکتی۔ مسلمان اسلام کے لئے قربانیاں کیوں نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ان کے دِلوں میں نہ اسلام کی صداقت پر زندہ ایمان موجود ہے، نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں پر زندہ ایمان موجود ہے کہ اسلام ہی بالآخر دنیا کی مشکلات کا حل ہے۔ اور وہ یقیناً دنیا میں غالب ہوگا۔ اگر یہ ایمان دِلوں میں ہوتو مسلمان سب سے بڑھ کر اس کے لئے قربانیاں کریں اور جان و مال کی پروا نہ کرتے ہوئے اس مقصد کے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ مگر حالت یہ ہے کہ اس بات کا اثر ہی ان کے دِلوں پر نہیں ہوتا۔ ہر کام پر روپیہ برباد کریں گے۔ مگر خدا کا نام دنیا میں بلند کرنے کے لئے، خدا کے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اور خدا کے دین کو غالب کرنے کے لئے، ان کے دِلوں میں حرکت تک پیدا نہیں ہوتی۔ اِلّا ماشاء اللہ۔

میں اپنے مسلمان بھائیوں سے، جن کے دِلوں میں تبلیغ اسلام کا درد ہے، یہ اپیل کرتا ہوں کہ اگر وہ اس کام میں کامیابی دیکھنا چاہتے ہیں تو اس شخص کے دامن سے وابستہ ہو جائیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت چودھویں صدی کا مجدد بنا کر بھیجا ہے۔ آخر اس سے خوف کی وجہ کیا ہے۔ کیا وہ صرف گذشتہ پچاس سال کی تاریخ پر نظر نہیں ڈالتے کہ تبلیغ اسلام کی تمام کوششیں ناکام ہو کر رہ گئیں۔ حالانکہ عامۃ المسلمین کی ہمدردی انہیں حاصل تھی۔ مگر وہ تحریک کامیاب ہوئی جس کو برباد کرنے کے لئے خود مسلمانوں نے سارا زور صرف کر دیا۔ کیوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ پر ان کا ایمان نہیں رہا **ان اللّٰہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا** اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایسے شخص کو مبعوث کرتا رہے گا جو دین کی تجدید کرتا رہے گا۔ یہ مسلمان قوم کی بدقسمتی ہے کہ جس بات میں اس قوم کی زندگی ہے، اسی سے اس کے رہنما مسلمانوں کو دور لے جا رہے ہیں۔ یہ

حدیث جس کی بنیاد پر امام غزالیؒ نے چھٹی صدی ہجری کے سر پر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا اور جس کی بنیاد پر یہاں ہندوستان میں حضرت مجدد صاحب سرہندیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا، آج چودھویں صدی کے مجدد کی تکذیب کے لئے اسے ضعیف قرار دے کر ان سب برگزیدہ لوگوں کو جن کے نام آسمان پر روشن ستاروں کی طرح نظر آتے ہیں، نعوذ باللہ جھوٹے قرار دیا جاتا ہے۔ گویا اُنہوں نے عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہ دعوے کئے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ وعدہ نہ دیا تھا کہ اس اُمت کے اندر مجدد آیا کریں گے۔

لہٰذا چودھویں صدی کا مجدد آ گیا اس نے ہزار ہا انسانوں کے دِلوں کو اس زمانہ کی مسموم ہوا کے اثر سے پاک کر دیا اور ان کے دِلوں میں صداقت اسلام کا یقین محکم پیدا کر کے ان کو دین کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں کرنے کے قابل بنا دیا۔ تبلیغ اسلام کی بنیادیں تمام دنیا میں رکھ دیں۔ ہزار ہا فضلائے یورپ کے دِلوں کو اسلام کے نور سے منور کر دیا۔ اس مغربی دنیا کا جو اسلام کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھی اسلام کے متعلق نکتہ نظر بدل دیا۔ ہندوستان میں گورمکھی اور ہندی میں، یورپ میں انگریزی، ڈچ اور جرمن زبانوں میں قرآن شریف کے ترجمے کرا کر پچاس ہزار سے زیادہ تعداد میں انہیں ان لوگوں تک پہنچا دیا جو اب تک اسلام کی روشنی سے ناآشنا اور اس کے سخت ترین دشمن تھے۔ سیرت نبویؐ اور تعلیمات اسلامی کے تیس زبانوں میں تراجم کرا کر انہیں دنیا کے مختلف مقامات پر پہنچا دیا۔ یورپ کے کفر گڑھوں میں مسجدیں بنوا دیں۔ تثلیث کی سرزمینوں میں اللہ اکبر کی آوازیں بلند کر دیں۔ تبلیغ اسلام کی بنیادیں اس قدر بلند ہو گئی ہیں کہ سوائے ان لوگوں کے، جو اپنی آنکھوں کو بند کر لیں ہر ایک کو نظر آ سکتی ہیں۔ اب بھی اگر مسلمان اس طرف توجہ نہیں کرتے اور مجدد کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر مجدد کی قوت ایمانی سے بہرہ ور ہو کر اسلام کے پیغام کو دنیا کے کناروں تک نہیں لے جاتے تو یہ خدا اور اس کے رسول کے احکام سے انحراف ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ۔ لاہور

۞۞۞

21 جولائی 1943ء

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک ٹریکٹ

گذشتہ اشاعت میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک مضمون ''تبلیغ اسلام اور علمائے اسلام'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے وہ ٹریکٹ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ احباب سلسلہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اس ٹریکٹ کو جائنٹ سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے مفت منگوا کر مسلمانوں میں تقسیم کریں شاید مسلمانوں کو اس ٹریکٹ کے مطالعہ سے تبلیغ اسلام کا بھولا ہوا سبق یاد آئے اور وہ حضرت امام عصر حاضر کو پہچانیں اور سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہو کر تبلیغ اسلام کے فریضہ کو ادا کرنے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ یہ ٹریکٹ صرف غیر از جماعت احباب میں تقسیم کرنے کے لئے منگوایا جائے۔

فراہمی غلہ: ان سب احباب کی خدمت میں، جنہوں نے فراہمی غلہ کی مد میں کچھ غلہ یا رقم دینے کا وعدہ کیا ہے، یہ درخواست ہے کہ وہ اپنی اپنی رقوم یا غلہ کی قیمت جلد سے جلد بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور بھیج دیں۔ تاکہ اب اُسے مستحقین تک پہنچایا جا سکے۔ 31 جولائی تک بہر حال یہ رقوم دفتر محاسب میں پہنچ جانی چاہئیں۔ افسوس ہے کہ زمیندار اصحاب کے علاوہ دوسرے احباب نے اس طرف کم توجہ کی ہے۔

محمد علی

ڈلہوزی۔ 17 جولائی 1943ء

زکوٰۃ قابلِ توجہ باتیں (21 جولائی 1943ء): اس بارے میں سیکرٹری صاحب کی طرف سے چٹھیاں احباب کو موصول ہو چکی ہوں گی۔ میں دو تین باتوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتا ہوں:

1۔ جمع شدہ مال کا چالیسواں حصہ خدا کی راہ میں ہر سال دینا خدا اور اس کے رسول کا حکم ہے۔ جس شخص کا خدا اور اس کے رسول پر ایمان کا دعوٰی ہے اسے مال سے محبت کر کے خدا کے حکم کو ٹالنا نہ چاہئے۔ یہی مال کی محبت یورپ کی قوموں میں انتہاء کو پہنچ کر آج دنیا پر اس عذاب کو لائی ہے۔ جو تمام عالم پر محیط ہے اور قیامت آنے سے پہلے دنیا میں ایک قیامت برپا ہو چکی ہے۔ مال سے محبت کر کے خدا کے حکم کو ٹالنے والے فی الحقیقت خدا کو نہیں بلکہ مال کو اپنا معبود بناتے ہیں۔

2۔ زکوٰۃ کا بیت المال میں جمع ہو کر وہاں سے مستحقین میں تقسیم ہونا یا اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے خرچ ہونا خدا اور اس کے رسول کا حکم ہے، ہماری قوم کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ اسلام کے کام پر کھڑا کر کے یہ بیت المال بھی دیا ہے۔ جہاں سے زکوٰۃ اپنے صحیح مصرف پر خرچ ہوتی ہے۔ البتہ انجمن نے جو خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے، بنائے حدیث یہ اجازت دی ہے کہ ایک تہائی زکوٰۃ کی ہر شخص اپنے طور پر اپنے قریبی مستحقین پر خرچ کر سکتا ہے باقی دو تہائی ضروری ہے کہ بیت المال میں آئے۔

3۔ جمع شدہ مال میں وہ زیور بھی شامل ہے جو لوگ سونا جمع کرنے کے لئے یا عورتوں کے پہننے کے لئے بنواتے ہیں۔ مگر حدیث صحیح میں صریح حکم ہے کہ زیورہ پہننے سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ سونے اور چاندی کو کوئی قفل کے اندر رکھ چھوڑے کوئی بنک میں جمع کر دے کوئی اپنے جسم پر بوجھ لادے پھرے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

4۔ زکوٰۃ فی الحقیقت اس مال سے ادا کی جاتی ہے جو انسان کے پاس جمع ہو۔ سونے میں سے سونا چاندی میں سے چاندی۔ اونٹوں میں سے اونٹ۔ بکریوں میں سے بکریاں۔ غلہ میں سے غلہ وغیرہ۔ آج جب سب چیزوں کے نرخ گراں ہو گئے ہیں تو جب روپیہ بھیجا جائے تو رائج الوقت نرخ کے لحاظ سے بھیجا جائے۔ ایک شخص کا پچاس من غلہ ہے تو اس کی زکوٰۃ پانچ سو روپے پر واجب الادا ہے۔ کیونکہ غلہ کی قیمت دس روپے من کے قریب ہے۔ ایک شخص کے پاس پچاس تولہ سونا ہے یا ایک عورت کے زیور میں پچاس تولے سونا ہے۔ تو زکوٰۃ 80x50 یعنی چار ہزار روپے پر واجب الادا ہے۔ کیونکہ سونے کی قیمت اسی روپے تولہ ہے۔ اس کا چالیسواں حصہ ایک سو روپیہ ہوگا۔ یا وہ سوا تولہ سونہ دے دے، یا زیور کا کوئی حصہ اس وزن کا دے دے۔ زیور میں سے صرف سونے اور چاندی کے وزن پر زکوٰۃ ہے۔ اگر جڑاؤ زیور ہے تو نگینوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں۔

محمد علی

دارالسلام، ڈلہوزی

28 جولائی 1943ء

حضرت امیر کے قلم سے

ایک بزرگ کے خط کا جواب

آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ دونوں جماعتوں کے محاربات کے خاتمہ کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ کیوں نہیں اگر اس کا علاج ایک فریق کے ہاتھ میں نہیں۔ جب قادیان سے علاوہ ''الفضل'' کے کالموں کے ایک خاص رسالہ صرف جماعت لاہور کے لئے نکلے تو اس کے سوائے کیا چارہ ہے کہ یہ جنگ و جدل جاری رہے۔ جماعت میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو حالات سے پورے باخبر نہیں ہوتے۔ البتہ ایک بات اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ عالم اسلامی کی تکفیر اور کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی تنسیخ کو میں ایک ایسا فتنہ سمجھتا ہوں اور باہمی تکفیر کو بھی کہ اس کے خلاف پوراز ور لگانا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ اور ہمارا بھی یہ فرض ہے۔

آپ فرماتے ہیں پچیس سالہ کوشش سے میاں صاحب کے مسلک کو غلط ثابت کر کے ہم ان کی جماعت کی ترقی کو نہیں روک سکے۔ عرض ہے کہ:

1۔ ہماری غرض یہ نہ تھی کہ ان کی جماعت ترقی کرے یا نہ کرے بلکہ ایک جماعت قائم کرنے کی تھی جو حضرت مسیح موعود کے دامن کو ناپاک الزامات سے (جن میں سے اہل قبلہ کی تکفیر کا الزام بھی ایک ہے) صاف کر کے اشاعت اور تبلیغ اسلام کے کام پر اپنی پوری توجہ دے۔ سو الحمد للہ ہم اس جماعت کے قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

2۔ ترقی کو روکنا یا نہ روکنا ہمارا کام نہیں۔ وہ خدا کے اختیار میں ہے۔ جب چاہے کسی فتنہ کو روکے۔ فتنہ عیسائیت کے خلاف آج سے تیرہ سو سال پیشتر حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز اُٹھائی مگر وہ فتنہ ترقی کرتا چلا گیا۔ کیا مسلمان اب اس فتنہ کے انسداد کا کوئی علاج نہ کریں۔ صرف اس لئے کہ اس کی ترقی نہ رُکی۔

حضرت مسیح موعود بھی آئے۔ از سر نو کسر صلیب کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ اگر عیسائیت اب بھی ترقی کر رہی ہے تو کیا ہم اس فتنہ کے خلاف اب آواز اُٹھانا بند کر دیں۔ فتنہ تکفیر اہل قبلہ، تنسیخ

کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بہت بڑا فتنہ ہے۔ یہ خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ یہ فتنہ کب ختم ہوگا۔ لیکن ہم اس لئے ہمت نہیں ہار بیٹھیں گے کہ یہ فتنہ باوجود ہماری کوشش کے ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس کو روکنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ہمارا فرض اسی قدر ہے کہ ہم اس کے خلاف جدوجہد کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ آئندہ اس کے رکنے کی اُمید نہیں۔ میں کہتا ہوں ہم اب بھی کامیاب ہیں۔ اس لئے کہ اس فتنہ کو پیدا کرنے والے کو یہ جرأت نہیں کہ وہ تکفیر اہل قبلہ اور تنسیخ کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ہم سے بحث کرے۔ ان کے ایک مرید (پٹیالہ کے رہنے والے) نے ذمہ لیا کہ وہ اپنے پیرومرشد کو اس بحث پر راضی کرلے گا کہ غیر احمدی کافر ہیں یا مسلمان۔ مگر نہ وہ راضی کر سکا نہ جناب میاں صاحب یہ جرأت کر سکے کہ اس موضوع پر بحث کریں اور اپنی طرف سے ایک مضمون بحث کا، جو بالکل بے معنی ہے، تجویز کر دیا ''انکار نبوت مسیح موعود''۔ ایک صاف موضوع کو اپنے مرید کے اقرار کے خلاف ترک کر کے ایک بے معنی موضوع تجویز کرنا کیا صاف نہیں بتاتا کہ جناب میاں صاحب میں آج یہ جرأت نہیں رہی کہ وہ غیر احمدی اسلامی دنیا کے کفر کو ثابت کرسکیں کیا یہ ان کی شکست اور ہماری کھلی کامیابی نہیں؟ پھر ہم آئندہ سے کیوں مایوس ہوں؟!

میں اپنی جماعت کو پُرزور الفاظ میں یہ وصیت کرتا رہتا ہوں کہ اس بات پر جس قدر ممکن ہو زور دیں اور اس مسئلہ کو بار بار قادیانی جماعت کے سامنے پیش کریں۔ یہاں تک کہ وہ ایچاپیچیوں کو چھوڑ کر اپنی شکست کا کھلا کھلا اعتراف کریں۔ اس میں نہ صرف جماعت لاہور کی قوت کا راز ہے بلکہ اتحاد اسلام کی قوت کا راز بھی اسی فتنۂ تکفیر کو دور کرنے میں ہے۔ اور یہ ہمارا وقت ضائع نہیں ہو رہا بلکہ نہایت مفید کام میں لگ رہا ہے۔ یہ اشاعت اسلام کی مضبوط بنیاد ہے۔ باقی رہا یہ کہ ہم بھی غیر احمدیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ ہیں، یہ درست ہے۔ لاہور میں بھی اور لاہور سے باہر بھی۔ اس کے لئے دعا کریں اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ یہ ان کی ناواقفیت ہے، جہالت ہے۔ اس کو دور کرنا اور حضرت مسیح موعود کا صحیح مذہب ان کے سامنے پیش کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ جو ہم کر رہے ہیں۔

انجمن کے کام میں نقص ہیں تو دنیا میں کس کے کام میں غلطی نہیں؟ مگر ایک نظر اُٹھا کر دیکھئے

کہ خالی ہاتھ (پچیس سال ہوئے) شروع کر کے آج ہم خدا کے فضل سے، باوجود اپنی قلت کے، دنیائے اسلام میں ایک نمایاں امتیاز اپنی جماعت کا قائم کر چکے ہیں۔ تین چار غیر زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ، سترہ زبانوں میں سیرت نبویؐ کے تراجم، تیس زبانوں میں تعلیمات اسلامی کے تراجم، لاکھوں کی تعداد میں ان کو دنیا میں پہنچا دینا کیا یہ کوئی چھوٹا سا کام ہے۔ خدا کی نصرت اس جماعت کے ساتھ ہے۔ ورنہ یہ کام بالکل نئی بنیاد رکھ کر اس قدر قلیل عرصہ میں ہو نہ سکتا تھا۔ ہاں اگر ابھی تک بعض احباب کا قدم اس راہ میں اس قوت سے نہیں اُٹھتا جس قوت سے اُٹھنا چاہئے تو ان کے لئے بھی دعا کریں کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثاروں کی طرح اس کام میں دیوانہ وار لگ جائیں۔ اصلاح چاہنا بُری بات نہیں۔ کسی غلطی کو دور کرنے کی خواہش کرنا عیب نہیں۔ مگر ایک نظر اس عظیم الشان کام کی طرف بھی ڈالیں جو اب تک ہو چکا ہے۔ اور جس کے لئے آئندہ خدا تعالیٰ کے فضل کے اور راستے کھل رہے ہیں۔ اور اپنی پوری قوت کے اس کام پر لگا دیں۔ میں نے تنسیخ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو قادیانی عقائد میں سے قرار دیا ہے۔ یہ اس لئے کہ آج ان کے نزدیک کوئی شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار سے اسلام میں داخل نہیں ہوتا۔ جیسا تیرہ سو سال سے ہوتا چلا آیا تھا۔ پس یہ کلمہ منسوخ ٹھہرا۔

خاکسار محمد علی

28 جولائی 1943ء

حضرت امیر کے قلم سے

دو سوالوں کا جواب

سوال۔ **الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا** (159:6) سے کیا مراد ہے اور ہم تو اس کے اندر نہیں آتے؟!

جواب۔ اس سے مراد وہ فرقے ہیں جو ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں۔ خدا کے فضل سے ہم اس کے اندر نہیں آتے۔ اس لئے کہ ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے۔ قادیانی جماعت اس کے اندر آتی ہے یا نہ۔ یہ آپ خود غور فرمالیں۔ جیسے میں نے پہلے عرض کیا تھا ہم سب اُمت محمدیہؐ کا حصہ ہیں۔ اس اُمت کے اندر جو فرقے بھی ایک دوسرے کو کافر قرار دیں، وہ **كَانُوْا شِيَعًا** کے مصداق ہیں۔

سوال۔ کیا قادیان کے ساتھ ہمارے اختلافات اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ مستقل طور پر ایک علیحدہ جماعت قائم کی اور رکھی جائے۔

جواب۔ قادیانی جماعت نے اسلام کے اندر ایک ایسے تفرقہ کی بنیاد رکھی ہے جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ان کے ساتھ ہمارے ملنے کے یہ معنے ہیں کہ ہم بھی عملاً انہی کی تائید کرتے ہیں۔ یعنی کُل روئے زمین کے مسلمانوں کو، سوائے اپنے چند نفوس کے، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا اور کلمہ طیبہ **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کو منسوخ قرار دینا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اب اس کلمہ کے اقرار سے کوئی شخص داخل اسلام نہیں ہوسکتا۔ اتحاد اسلام کو قائم کرنے کے لئے، جو سب سے بڑا اتحاد ہے اور جس کے توڑنے پر ہی وہ وعید ہے جو آپ کے پہلے سوال میں مذکور ہے، جماعت قادیان کے ان بنیادی اُمور میں مخالفت کرنی پڑتی ہے۔ اور جب تک ہم اپنے آپ کو اس جماعت سے الگ نہ رکھیں، اس فتنہ کی اصلاح ناممکن ہے۔

ایک اور امر بھی آپ کی توجہ کے لائق ہے۔ اصل چیز تو وہ مسلک ہے جو حضرت مسیح موعود کا قائم کردہ ہے۔ دونوں جماعتوں میں سے جو جماعت اس مسلک پر قائم ہے وہی حضرت مسیح موعود کی اصل جانشین ہے۔ محض کثرت کسی جماعت کی حقیقی جانشینی کا ثبوت نہیں۔ اگر حضرت مسیح موعود نے کوئی جماعت بنائی اور اس جماعت کا تبلیغ اسلام کے لئے دنیا میں رہنا ضروری ہے تو وہ یہی جماعت ہے جو اپنے عقائد کے لحاظ سے بھی حضرت مسیح موعود کے مسلک پر قائم ہے اور اپنے کام کے لحاظ سے بھی تبلیغ اسلام کے اس کام میں، جس کی بنیاد حضرت مسیح موعود نے رکھی، مصروف ہے۔ خاکسار محمد علی

۞۞۞

4 اگست 1943ء

حضرت امیر کے قلم سے

مباحثہ میں ثالثوں کا تقرر

مجھے اس مناظرہ کے متعلق توجہ دلائی گئی ہے جس کا اعلان ہوا ہے کہ مابین مولوی عمر الدین صاحب و مولوی اللہ دتہ صاحب ہوگا۔ اس بارے میں مَیں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ مولوی عمر الدین صاحب نے اس بارے میں مرکز سے کوئی خط و کتابت نہیں کی مگر مجھے اُمید ہے کہ مولوی اللہ دتہ صاحب نے جناب میاں صاحب کی اجازت حاصل کر لی ہوگی۔ کیونکہ وہ جماعت قادیان کے تنخواہ دار مبلغ ہیں۔

البتہ مجھے ایک بات پر تعجب ہوا کہ اس مناظرہ میں فریق قادیان نے ثالث منظور کئے ہیں۔ جو دونوں فریق کے دلائل کا وزن کر کے انعام کا فیصلہ کریں گے۔ یعنی اگر مولوی اللہ دتہ صاحب کے دلائل ان کے نزدیک وزنی ہوئے، تو انہیں انعام کا حق دار قرار دیا جائے گا۔ اور اگر مولوی عمر الدین صاحب کے دلائل وزنی قرار دیئے گئے تو مولوی اللہ دتہ صاحب کو شکست خوردہ قرار دے کر انعام کی رقم، جو پہلے مولوی عمر الدین صاحب نے جمع کرادی ہے، انہیں واپس دلائی جائے گی۔ مجھے تعجب یہ ہوا کہ میں کوئی بیس سال سے اختلافی مسائل کے متعلق ثالثوں کے تقرر کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اور قادیانی جماعت اپنے خلیفہ کی سرکردگی میں اس کا انکار کر رہی ہے۔ حالانکہ میرا ثالثوں کے تقرر کا مطالبہ نہایت معقول بھی تھا کہ کوئی غیر اس میں شامل نہ ہو بلکہ تین چار ثالث میں جماعت قادیان سے منتخب کرلوں اور اسی قدر جناب میاں صاحب ہماری جماعت سے چن لیں۔ اور یہ لوگ صرف اس قدر فیصلہ کر دیں کہ کس فریق کے دلائل زیادہ وزنی ہیں۔ ان کے اس فیصلہ کی وجہ سے کوئی فریق اپنے عقائد کو تبدیل کرنے کا پابند نہیں۔ میرے اس مطالبہ سے بیس سال سے لگاتار انکار ہو رہا ہے۔ لیکن اب خود جماعت قادیان نے اس طریق کو جائز اور پسندیدہ قرار دیا اور اغلب یہ ہے کہ جناب میاں صاحب کی منظوری سے ایسا ہوا ہے۔ کیونکہ فریق قادیان کا ایک سرکاری تنخواہ دار مبلغ اس مقابلہ میں نکلتا ہے اور ہماری جماعت میں سے، جو دوست اس مناظرہ میں نکل رہا ہے، وہ مرکز کی طرف سے اس کام کے لئے مقرر نہیں، بلکہ بکلی

آزاد ہیں۔تو قادیان کا ایک مرکز سے تنخواہ لینے والا مبلغ بغیر مرکز کی اجازت کے ایسا مناظرہ نہ کرسکتا تھا۔اب جناب میاں صاحب کے لئے دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنا لازمی ہے یا تو وہ یہ اعلان کریں کہ یہ مناظرہ بغیر ان کی اجازت کے ان کے مبلغ نے کیا ہے۔اور ان کے نزدیک ثالثوں کا اعلان جائز نہیں۔اور یا اگر وہ اس بارے میں خاموشی اختیار کریں تو اس مناظرہ کا اعلان جناب میاں صاحب پر قطعی حجت ہے کہ جس طرح یہاں ثالثوں کا تقرر جائز ہے، میرے اور ان کے درمیان مباحثہ میں بھی ثالثوں کا تقرر ہوسکتا ہے۔ جو صرف اس قدر فیصلہ کریں گے کہ کس کس مسئلہ میں کس فریق کے دلائل زیادہ وزنی ہیں۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ اس بات کا فیصلہ، کہ ان دونوں میں سے کون سا طریق انہیں اختیار کرنا چاہئے، جناب میاں صاحب جلد کردیں گے۔الحمدللہ کہ ان کی صحت اب اچھی ہے۔اور اس بارے میں کوئی روک نہیں۔

خاکسار محمد علی

27 جولائی 1943ء

قائداعظم پر حملہ کی مذمت: (4 اگست 1943ء) لاہور 30 جولائی۔احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا ایک غیر معمولی اجتماع آج مسجد احمدیہ بلڈنگس میں بعد نماز جمعہ منعقد ہوا۔جس میں جناب مرزا مسعود بیگ صاحب اسسٹنٹ سیکرٹری کی تحریک اور جملہ حاضرین کے اتفاق سے ذیل کا ریزولیوشن پاس ہوا:

> ’’احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا یہ اجتماع اس وحشیانہ حملہ پر دلی رنج ونفرت کا اظہار کرتا ہے جو قائداعظم مسٹر محمد علی جناح پریذیڈنٹ آل انڈیا مسلم لیگ کی جان لینے کے لئے کیا گیا۔جن کی قابلانہ اور زبردست سیاسی رہنمائی نے اس نازک ترین دور میں مسلمانوں کو اس قابل بنادیا ہے کہ وہ اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکیں۔ یہ اجتماع قائداعظم کی جان کی سلامتی پر انہیں دلی مبارک باد دیتا ہے اور دست بدعا ہے کہ باری تعالیٰ انہیں اپنی خاص حفاظت میں رکھے اور عمر طویل عطا فرمائے۔‘‘

❁ ❁ ❁

4 اگست 1943ء

حضرت امیر کے قلم سے

چودھری خان زمان صاحب کی وفات

اخویم مکرم معظم چودھری صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آج آپ کے خط سے عزیز خان زمان کے انتقال کی خبر سے اس قدر صدمہ ہوا جو بیان سے باہر ہے۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۔اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلَہٗ وَارۡحَمۡہُ

میں اپنے اس عزیز کے لئے ڈیڑھ دو سال سے، جب سے وہ کلکتہ سے بیمار ہو کر واپس آئے برابر دعا کرتا رہا ہوں۔ اب آپ کے خط سے کچھ تسلی بھی ہوئی تھی کہ شاید مرض جاتی رہی ہے اور صرف کمزوری باقی ہے۔ عزیز خان زمان نے میرے ساتھ بہت تھوڑے دن کاٹے ہیں۔ مگر جتنے دن وہ میرے پاس رہے ان کی محبت نے میرے دل میں گھر کر لیا ایسے صالح اور خدمت دین کا جذبہ دل میں رکھنے والے نوجوان میں نے بہت کم دیکھے ہیں۔ وہ شرافت کا مجسمہ تھا۔ جب اُنہوں نے گورنمنٹ سروس میں جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو میرا دل نہ چاہتا تھا۔ میں نے صرف اس خیال کو مدنظر رکھ کر انہیں اجازت دے دی کہ وہ یہ نہ خیال کریں کہ میں ان کی ترقی میں روک بنتا ہوں۔ ایسے ہونہار نوجوان کی وفات ایک قومی صدمہ ہے۔ میرا یہ خیال تھا کہ وہ کسی وقت اسلام کے لئے مفید کارکن بنیں گے۔ مگر ہر انسان کے لئے جس وقت اجل مقدر ہے، وہ اور اس کے متعلقین بے بس ہوتے ہیں۔ نہ دعا کارگر ہوتی ہے اور نہ دوا۔ وہ مالک حقیقی جب چاہے، جو چیز دے اور جب چاہے، اسے لے لے۔

آپ کو اور دیگر اعزہ کو جو صدمہ ہوا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس سے آپ کو تسکین عطا فرمائے۔ بالخصوص ان کی بیمار اہلیہ کی طرف سے میرے دل پر بہت ہی صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرمائے اور اپنی حفاظت میں رکھے۔ غالباً ان کا ایک بچہ بھی ہے۔ مجھے بڑی آرزو تھی کہ میں انہیں دیکھ لوں۔ مگر وہ جلسہ پر نہ آسکے اور ان کی صحت یابی کے بعد یہ خیال بھی نہ تھا کہ وہ اس قدر جلد داغ مفارقت دے جائیں گے۔ سوائے صبر کے چارہ نہیں۔ والسلام محمد علی

دارالسلام ڈلہوزی۔ 25 جون 1943ء

11 اگست 1943ء

حضرت امیر کے قلم سے

ایک دوست کے خط کا جواب

آپ نے اَلَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِيَعًا (159:6) کے معنے دریافت کئے تھے کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس سے مراد وہ فرقے ہیں جو ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر فتنہ ملکی لڑائیاں ہیں جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ میں ہوئیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے ایک قدم اور پیچھے چلیں تو حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ نظر آتی ہے۔ لیکن ان جنگوں سے مسلمانوں کے اتحاد کو وہ نقصان نہیں پہنچا جو فتنہ تکفیر سے پہنچا یا پہنچتا ہے۔ جنگ ہوئی۔ چند دن یا چند ماہ کے بعد صلح ہوگئی۔ پھر ایک ہوگئے۔ حضرت عائشہ اور حضرت علی کی جنگ کے بعد پھر مسلمان ایک ہوگئے۔ اور حضرت علی اور حضرت معاویہ کی جنگ کے بعد بھی ایک ہوگئے۔ لیکن فتنہ تکفیر جب شروع ہوتا ہے تو وہ مٹنے میں نہیں آتا۔ اس لئے اہل اسلام نے اتحاد مسلمین کو توڑنے والا ان جنگوں کو قرار نہیں دیا بلکہ خوارج کے فتنہ تکفیر کو قرار دیا ہے۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے قَدۡ شَقّوۡا اعصَا الۡمُسۡلِمِیۡنَ۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو توڑ دیا پس فتنہ تکفیر ہی سب سے بڑا فتنہ ہے۔

خود قرآن کریم کے جو لفظ آپ نے پیش کئے تھے ان میں فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ کے لفظ ہیں۔ اُنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ملکی لڑائیوں سے دین ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا۔ ہاں تکفیر سے دین ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص دوسرے کو اور ایک فریق دوسرے فریق کو دین سے خارج قرار دیتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ آپ کے نزدیک تفریق کے یہ معنے ہیں کہ باہمی تعاون کسی قسم کا نہ رہے۔ اور ہر گروہ اپنی زندگی دوسرے کے نابود ہونے میں تصور کرے۔ یہ حالت بھی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک دوسرے کو کافر قرار دیں۔ جب تک ایک فریق دوسرے کو مسلمان سمجھتا ہے، وہ اس سے تعاون بھی ضرور کرے گا، خواہ کم ہو۔ تعاون اسی وقت ختم ہوتا ہے جب دوسرے کو کافر قرار دیا جاوے۔ باقی تعاون کی کمی بیشی ہوسکتی ہے مگر وہ ختم نہیں ہوتا۔

آپ بار بار ''دونوں جماعتوں'' کو اس الزام کے نیچے لاتے ہیں جو صرف قادیانی جماعت پر

عائد ہوتا ہے۔ ہم نے خدا کے فضل سے اتحاد بین المسلمین کا رستہ کھولا ہے۔ اس اصل الاصول کو قائم کر کے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ سنی ہو یا شیعہ، احمدی ہو یا غیر احمدی۔ اور آج اس کا اثر اسلامی دنیا پر نظر آتا ہے۔ قادیانی جماعت نے کل عالم اسلامی کی تکفیر کر کے فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ کی بدترین مثال قائم کی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود کو اور جماعت احمدیہ کو بدنام کیا ہے۔ ان کے اس مسئلہ تکفیر کو توڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کے پیرووٴں کی ہی ایک جماعت کو کھڑا کر دیا۔ ورنہ عام مسلمان، جو خود ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے، اس فتنہ کو دور نہ کر سکتے تھے۔ اس جماعت کا وجود اس وقت عالم اسلامی میں مغتنمات میں سے ہے۔ اس کے قائم رہنے کے لئے حجت شرعی یہی ہے کہ یہ اسلام سے بدترین فتنہ کو مٹانے والی اور اتحاد اسلام کو قائم کرنے والی ہے۔

آپ کا خیال ہے کہ جس طرح جماعت قادیان ہمیں مٹانے کے درپے ہے ہم بھی اس جماعت کو مٹانے کے درپے ہیں۔ یہ خیال غلط ہے۔ اور میں اپنی جماعت کی طرف سے علی الاعلان یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت اس مسلک پر قائم نہیں اور جو شخص اس جماعت میں ہو کر ایسا خیال کرتا ہے وہ سخت غلطی کا ارتکاب کرتا ہے۔ یہ صرف قادیانی جماعت کا پروپیگنڈا ہے جس سے ممکن ہے ہماری جماعت میں سے کوئی شاذ و نادر کے طور پر متاثر ہو گیا ہو۔ ہم قادیانی جماعت کی صرف اس قدر اصلاح چاہتے ہیں کہ وہ عالم اسلامی کی تکفیر کو چھوڑ دے اور کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو، جس پر اتحاد اسلام کی بنیاد ہے، منسوخ قرار نہ دے۔ جس دن قادیانی جماعت کے رہنما یہ اعلان کر دیں کہ وہ ان لوگوں کو، جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں قرار دیتے اور جو کافر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرے اسے مسلمان سمجھتے ہیں، اس دن ہماری اور ان کی اصلی بحث ختم ہو جائے گی۔ باقی جو اختلافات ہوں گے وہ محض فروعی ہوں گے اور ہمیں ان کی مخالفت کی ضرورت نہ ہو گی۔

رہا نماز کا مسئلہ۔ آپ کا خیال ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اس میں شدت برتی ہے۔ اور آپ بھی شدت کے قائل ہیں اور کوئی بھی غیر احمدی ہو آپ اس کے پیچھے نماز مکروہ سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود کی آخری تحریر وفات سے چند یوم پیشتر کی تحریر ہمارے ہاتھ میں کھلی سند ہے۔

کہ آپ اس شدت کو کہاں تک جائز سمجھتے تھے:

''چونکہ عام طور پر اس ملک ہندوستان کے ملاں لوگوں نے اپنے تعصب کی وجہ سے ہمیں کافر ٹھہرایا ہے اور فتوے لکھے ہیں اور باقی لوگ ان کے پیرو ہیں پس اگر ایسے لوگ ہوں کہ وہ صفائی ثابت کرنے کے لئے اشتہار دے دیں کہ ہم ان مکفر مولویوں کے پیرو نہیں ہیں تو پھر ان کے ساتھ نماز پڑھنا روا ہے۔ ورنہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے وہ آپ کافر ہو جاتا ہے۔ پس اس کے پیچھے نماز کیونکر پڑھیں۔ یہ تو شرع شریف کے رو سے جائز نہیں۔''

ان الفاظ پر غور کیجئے۔ نماز سے اس لئے نہیں روکا کہ وہ مسیح موعود کے دعوٰی کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے روکا ہے کہ وہ کلمہ گو مسلمان کو کافر کہتے ہیں۔ اور بروئے شریعت مسلمان کو کافر کہنے والے پر خود کفر اُلٹ کر پڑتا ہے۔ جو بھی مسلمان کو کافر کہے اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکا ہے۔ اب یہاں قادیانی اور غیر قادیانی کی تخصیص باقی نہیں رہتی۔ اگر ایک قادیانی سارے عالم اسلامی کو کافر قرار دے تو اس کے پیچھے نماز اسی طرح مکروہ ہوگی جیسے ایک مکفر مولوی یا اس کے پیرو کے پیچھے۔ یہی ہماری جماعت کا مسلک ہے۔ میں نے جن جن موقعوں پر غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھی ہے، اس بات کو پورا اطمینان ہوتے ہوئے پڑھی ہے کہ وہ حضرت صاحب کا مکفر نہیں تھا۔

۞۞۞

18 اگست 1943ء
مکتوب امیر

نیا نظام عالم

برادران مکرم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اس نام کا ایک مختصر سا رسالہ میں نے گذشتہ سالانہ جلسہ پر لکھا تھا۔صرف اردو میں۔مگر اصل غرض انگریزی میں اسے انگریزی دنیا میں پہنچانا تھا۔جلسہ کے بعد پہلے تو پے در پے تین چار حملے انفلوائنزا کے ہوئے اور پھر خفیف حرارت شروع ہوگئی اور قریباً چار پانچ ماہ بیکاری ہی میں گذرے۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے سید تصدق حسین قادری پر۔ان کے دل میں تبلیغ کا جو ولولہ ہے۔وہ قابل رشک ہے۔اُنہوں نے مجھ سوتے کو جگایا۔یعنی دفتر سے دریافت کرنے پر انہیں یہ معلوم ہوا کہ کاغذ کی بے حد گرانی کی وجہ سے اس کا انگریزی ترجمہ شائع نہیں ہوسکا۔ تو اُنہوں نے فوراً ایک ہزار روپے کی رقم جمع کرنے کا تہیہ کرلیا۔ **جزاہ اللّٰہ احسن الجزاء** اور ان سب دوستوں کو بھی جزائے خیر دے جنہوں نے اس کام میں ان کی معاونت کی اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ جب ایک چھوٹی سی جماعت ظاہری مسافت کے لحاظ سے دور افتادہ مگر روحانی رنگ میں قریب ترین یہ ہمت دکھا سکتی ہے تو میں کیوں اس رسالہ کو زیادہ مفید بنانے کی کوشش نہ کروں۔گو اس پر خرچ زیادہ ہوجائے گا۔مگر میں اُمید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کچھ اور دِلوں میں بھی حرکت پیدا کرے گا۔اور اس رسالہ کا خرچ پورا ہوکر رہے گا میرے دل میں یہ یقین ہے کہ سید تصدق حسین قادری کی خواہش کو اللہ تعالیٰ ضرور پورا کرے گا۔

اُنہوں نے ایک دفعہ پہلے بھی ایک عظیم الشان کام کیا تھا۔غالباً 1938ء اپریل کا مہینہ تھا یا مئی کی ابتداء جب جوبلی کی تحریک جنرل کونسل نے منظور کی۔اس کے بعد میں بیمار ہوگیا اور بیماری سخت اور لمبی ہوگئی۔یہاں تک کہ میرے معالج بھی کچھ مایوس ہی ہوگئے۔میری اس بیماری کی حالت میں جوبلی کی تحریک بھی مردہ سی ہوگئی۔اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء دی تو میں نے جوبلی کی تحریک کو پھر زندہ کرنا چاہا مگر تمام کے تمام دوست اس کے خلاف تھے۔انجمن اس وقت قریب ایک لاکھ روپے کی مقروض تھی

اور جماعت معمولی اخراجات کو پورا نہ کرسکتی تھی ۔قرضہ بڑھتا چلا جاتا تھا۔اس وقت سید تصدق حسین قادری ہی تھے جنہوں نے میرے عزم کو پختہ کردیا۔جب مجھے شفاء ہوئی تو بغداد سے ان کا خط پہنچ گیا کہ اُنہوں نے ایک معقول رقم جوبلی کے لئے جمع کر لی ہے۔اس پر میں نے بھی بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖیهَا وَمُرۡسٰهَا (41:11) پڑھتے ہوئے باوجود دوستوں کی مخالفت کے تحریک کوشروع کردیا۔اوراللہ تعالیٰ نے اس میں اس قدر برکت دی کہ دوتین ماہ کے اندر جوبلی کے وعدوں کی رقم پونے دولاکھ تک پہنچ گئی ۔اس تحریک میں مَیں سید تصدق حسین قادری کوبھی اصل محرک سمجھتا ہوں۔

اب جب میرے برادرمحترم مولوی عزیز بخش صاحب جائنٹ سیکرٹری نے مجھے اطلاع دی کہ ’’نیا نظام عالم‘‘ کے انگریزی ترجمہ کے لئے سید تصدق حسین قادری نے ایک ہزار روپیہ کرلیا ہے یا اس کے قریب قریب کرلیا ہے تو میرے دل میں معاً یہ تحریک ہوئی کہ ان کی اس ہمت مردانہ کا صرف یہ جواب نہیں کہ میں اس خرچ سے ٹریکٹ کا انگریزی میں ترجمہ کردوں بلکہ ہمیں بھی کچھ ہمت کرنی چاہئے اوراسے مکمل کرنا چاہئے ۔ یہاں تک کہ اسلام کی ساری تعلیم کا ایک مختصر ساخاکہ اس میں ایسا پیش کردیا جائے جوموجودہ جنگ کے اندربھی اگرخدا چاہے تو کسی کے لئے رہنمائی کا باعث بن جائے ۔اور جنگ کے بعد تو یقیناً ان لوگوں کی جو اس وقت کشت وخون میں محو ہیں، آنکھیں کھلیں گی اورانہیں معلوم ہوگا کہ اسلام میں وہ نیا نظام عالم ہے جس سے اس دنیا میں کشت وخون کی بجائے انس اورمحبت کی دائمی بنیادیں رکھی جاسکتی ہیں۔

ابتداء میں میرا یہ بھی خیال تھا کہ اس کام کو جنگ کے خاتمہ پر کیا جائے ۔مگر اب میری رائے بدل گئی ہے۔اورمیں چاہتا ہوں کہ اس کام کوفوراً سرانجام دیا جائے ۔اوردسمبر سے پہلے پہلے یہ کام ہوجائے ۔اس لئے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے بہت سے دور دور کے لوگوں کو لاکر اس ملک میں جمع کردیا ہے۔اور ہماری آواز گھر بیٹھے بڑی آسانی سے ان لوگوں تک پہنچ سکتی ہے۔لیکن میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ کم سے کم دس ہزار یہ کتاب انگریزی میں شائع ہو۔اوراردو میں جس قدر ضرورت سمجھی جائے ۔اورموجودہ کاغذ کی گرانی کی وجہ سے اوراجرتوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے میرا یہ خیال ہے کہ کم سے کم دس ہزار روپیہ اس کے لئے درکار ہوگا۔اورسید تصدق حسین قادری کے ایک ہزار کو بطور

بیانہ پیش کرتے ہوئے میں اپنی جماعت کے امراء سے اپیل کرتا ہوں کہ باقی رقم کو وہ پورا کریں۔ وہ غرباء اور متوسط الحال لوگ جنہیں اس گرانی میں اپنے اخراجات کا پورا کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے، انہیں میں اس بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ صرف اس طبقہ سے اپیل کرتا ہوں جن کے پاس خدا کا دیا ہوا بہت ہے کہ وہ کچھ دنیوی کارخانوں سے نکال کر اس دینی کارخانہ پر خرچ کریں۔ اور اس نازک موقعہ پر، جب جنگ کا کوئی خاتمہ نظر نہیں آتا اور نہ انسانوں کی تباہی اور انسان کے پیدا کردہ اصول کی بربادی کا کوئی انجام نظر آتا ہے، نسل انسانی کی اس خدمت کے لئے ہاتھ بڑھائیں جوان کے کاموں کو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھے گی۔

میرا یہ ارادہ ہے کہ اس کام کے لئے پانچ سو یا پانچ سو روپے سے زیادہ دینے والے یا جمع کر دینے والے احباب کے نام بطور اعتراف اس کتاب کی تمہید میں بطور شکریہ درج کر دوں گا۔ اور یہ ان کا صدقہ جاریہ ہوگا۔ جس سے لوگوں کو ایک مدت دراز تک فائدہ پہنچتا رہے گا۔ لَاَنْ یَّھْدِیَ بِکَ رَجُلٌ خَیْرٌ لَّکَ مِنْ حُمَرِ النَّعَمِ ایک آدمی بھی کسی کی بدولت ہدایت پا جائے تو اس سے بہتر کوئی دولت نہیں۔ والسلام۔

خاکسار محمد علی

14 اگست 1943ء

۞۞۞

31 اگست 1943ء
مکتوب امیر

مجاہدہ کا مہینہ

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

دو تین سال سے غالباً متواتر میں احباب کو اس طرف توجہ دلاتا رہا ہوں کہ گو ماہ رمضان ایک رنگ میں سب مسلمانوں کے لئے ہی مجاہدہ کا مہینہ ہے مگر اس لحاظ سے کہ یہ اُنْـزِلَ فِیْـهِ الْقُـرْاٰنُ کا مصداق ہے۔ اس مجاہد جماعت کے لئے جو اس قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے یہ ایک زبردست مجاہدہ کے تیس دن ہیں۔ فی الحقیقت روزے کی تکمیل دو اور باتوں سے ہوتی ہے۔ دعا اور صدقہ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے کہ ماہ رمضان میں آپ ان دونوں باتوں میں خصوصیت سے کوشش فرماتے تھے۔ دعا اور صدقہ یوں بھی دو زبردست روحانی ہتھیار ہیں۔ اور پھر جب تیسرے روحانی ہتھیار کھانے پینے اور شہوات کے ترک کے ساتھ مل جائیں تو یہ تینوں روحانی ہتھیار اکٹھے ہو کر ایک زبردست اثر پیدا کرتے ہیں۔ سو ہمارے سامنے اب وہ موقعہ آ رہا ہے اور میں سب دوستوں سے، بزرگوں سے، نوجوانوں سے اور خواتین سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنی اپنی مقدرت کے مطابق وہ ان تیس ایام میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عملی ثبوت دیں۔

جماعت نے جو مجاہدات اب تک کئے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے پھل بھی بہت لگایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ جب ایک طرف ایک خطرناک گرانی کی وجہ سے انجمن کو سخت ترین مشکلات کا سامنا تھا، کیونکہ اس کے سارے کاروبار کا انحصار چندوں پر ہے، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے جماعت کی چھوٹی چھوٹی کوششوں کو قبول فرما کر ان پر زبردست اجر مترتب کیا۔ اتنا بڑا اجر جو ہمارے وہم و گمان سے بھی بڑھ کر ہے۔ دسمبر 1941ء کے سالانہ جلسہ پر صدقہ قرضہ کے نام سے ایک تحریک ہوئی اس وقت انجمن قریباً پچیس ہزار کی مقروض تھی۔ آج ابھی پورے دو سال نہیں ہوئے کہ نہ صرف قرضہ اُتر گیا ہے بلکہ اس وقت انجمن کے ہاتھ میں نقد روپیہ اس سے زیادہ موجود ہے، جو آج سے چار پانچ سال پیشتر اس کے ذمہ قرضہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس سال اوکاڑہ کی زمین بھی اس میں بڑی معاون

ہوئی ہے۔مگر یہ خدا کا فضل ہے کہ جماعت کے چندے ان دو سال کے اندر پچاس فیصد سے لے کر سو فیصد تک ترقی کر گئے ہیں اور ماہوار چندہ جو آج سے تین چار سال پیشتر بمشکل سترہ اٹھارہ سو روپے ماہوار ہوتا تھا اب بتیس سو پینتیس سو بلکہ بعض مہینوں میں چار ہزار تک بھی پہنچ جاتا ہے۔عطیہ جات میں بھی آمدنی دوگنی کے قریب ہوگئی ہے۔قریباً دو سال ہوئے انجمن نے تین نئے مشن کھولے تھے یعنی لائل پور، دہلی، حیدر آباد دکن۔سو یہ تینوں مشن خدا کے فضل سے بے حد کامیاب ہوئے ہیں۔جماعت لائل پور میں مرزا مظفر بیگ صاحب کی ان تھک کوششوں سے بالخصوص نوجوانوں کے اندر ایک نئی روح پیدا ہوگئی ہے۔ جماعت اپنی تعداد کے لحاظ سے بھی بہت ترقی کر گئی ہے۔اور ماہوار چندہ دوگنے سے بھی زیادہ ہوگیا ہے۔دہلی میں بھی اگر ایک طرف جماعت کے اندر بہت مفید کام ہوا ہے،تو دوسری طرف سید اختر حسین صاحب کے لیکچر عام پبلک کو گرویدہ کررہے ہیں۔حیدر آباد دکن میں شیخ انعام الحق صاحب کی قابل قدر کوشش سے نہ صرف جماعت بن گئی اور اس کے ممبروں میں ایثار کی ایک زبردست روح پیدا ہوگئی ہے بلکہ تین زبانوں میں یعنی کنٹری تیلگو اور مرہٹی میں مفید ٹریکٹ شائع ہونے شروع ہوگئے ہیں۔ اور اس طرح ہندوؤں میں تبلیغ اسلام کے کام کی بنیاد پڑ گئی ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ ۔

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (7:14) اگر شکر کرو تو میں اپنی نعمتیں اور زیادہ دیتا ہوں۔سو ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی اپنے ان مجاہدات میں پہلے سے بڑھ کر ہمت دکھائیں۔تبلیغ اسلام اتنا عظیم الشان کام ہے کہ گو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت نے خدا کے فضل سے اس میدان میں بہت کام کیا ہے لیکن جو کام ابھی ہمارے سامنے ہے،اس کے مقابل پر ابھی ایک بحر ذخار سے ہم نے ایک گھونٹ ہی لیا ہے۔اس کام کی عظمت کو اور اپنی جماعت کی قلت کو مدنظر رکھتے ہوئے جب تک ہماری جماعت کا ایک ایک فرد اپنی پوری قوت اس کام پر نہیں لگا دیتا، بڑے نتائج کی توقع رکھنا عبث ہے۔ بیشک ہماری جماعت میں دوسری تمام اسلامی جماعتوں کے مقابلہ میں تبلیغ اسلام کے لئے ایک حرکت نظر آتی ہے۔ان کی طرح جمود کی حالت نہیں۔لیکن اس حرکت میں ابھی پوری قوت پیدا نہیں ہوئی۔اس قوت کو پیدا کرنے کے لئے آیئے ہم سب مل کر چھوٹے اور بڑے مرد اور عورتیں ان تیس ایام میں، جو ہمارے سامنے ہیں،ایک زبردست کوشش کریں۔

رمضان کے مجاہدہ کی تکمیل کے لئے، جیسا کہ میں نے اوپر کہا، دعا اور صدقہ دو اور چیزوں کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کی نصرت کے دن بہت قریب آ رہے ہیں۔ مگر اس نصرت کا ظہور اس وقت تک رُکا ہوا ہے جب تک ہمارے دل اس کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اور دل دعا سے تیار ہوتے ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑے انقلاب جو پیدا ہوئے ہیں وہ دعا سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ زبردست انقلاب یہ نہیں کہ آج ایک قوم کی ایک ملک پر حکومت ہے تو کل دوسرے کی ہے۔ یہ تو لیل ونہار کی گردش کی طرح ہونے والی چیز ہے اور ہوتی رہتی ہے تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (140:3) زبردست انقلاب وہ ہیں جنہوں نے قوموں کی رفتار کے طرزِ عمل کو بدل دیا۔ ان کے دِلوں میں خدا پر ایمان پیدا کر کے ایک نیک زندگی اور صحیح تہذیب کی بنیاد رکھی۔ بھیڑیوں کو، جو ایک دوسرے کو کھانے کو تیار رہتے تھے، بھائی بھائی بنا دیا۔ آج ہم کو بھی ایسا انقلاب پیدا کرنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔ مگر یہ انقلاب اسی راہ سے پیدا ہوسکتا ہے جس راہ سے پہلے ایسے انقلاب دنیا میں پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی خدا کے آگے جھکنے سے۔

رمضان کا مہینہ دعا کے لئے خاص طور پر موزوں ہے۔ اس لئے کہ دعا کے لئے پچھلی رات موزوں ترین وقت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سمائے اول پر نزول فرماتا ہے۔ یعنی انسان کے دل سے قریب تر ہوتا ہے۔ اور اس کا دریائے رحمت جوش مارتا اور وہ خود آواز دیتا ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے؟ رمضان میں خواہ مخواہ بھی پچھلی رات اُٹھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ہر مسلم گھرانے میں اس وقت ایک ہلچل ہوتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے میں اپنے احباب کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سب کے سب رمضان کے مہینے میں تہجد کو لازم کرلیں اور جو پہلے اس کے عادی ہیں وہ اس وقت کو لمبا کردیں تا کہ زیادہ دیر تک اپنے مالک حقیقی کے سامنے جھکا رہنے کا موقع ملے۔ اپنی معروضات کو کھول کر پیش کرنے کا موقعہ ملے۔ اپنے سینے کو کھول کر رکھ دینے کا موقعہ ملے۔ تا کہ انوار الٰہی ان کے اندر داخل ہوں۔ یوں تو قبض وبسط بھی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کسی وقت انسان کی طبیعت میں انشراح ہوتا ہے۔ دل خدا کی طرف دوڑا جاتا ہے۔ کبھی انسان پر کسل غالب ہوجاتا ہے۔ نیند نہیں کھلتی یا کھلتی ہے تو انسان سوچتا رہتا ہے کہ ابھی اُٹھتا ہوں کہ پھر نیند غالب آجاتی ہے۔ اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ انسان رات کے وقت زیادہ شکم کو پُر نہ کرے۔ بلکہ رات کی غذا کو سادہ اور ہلکا رکھے۔ جس قدر معدہ پر زیادہ بوجھ ہوگا، اسی قدر انسان کی طبیعت پر کسل

زیادہ ہوگا۔ زیادہ مرغن غذا بھی اس وقت نہ کھائی جائے بلکہ جو لوگ اپنے آپ کو تہجد کا عادی بنانا چاہتے ہیں انہیں دیگر ایام میں یہ تجربہ کر کے دیکھنا چاہیئے۔ دوسرا علاج یہ ہے کہ جب وقت پر نیند نہ کھلے تو انسان کا دل اسے ملامت کرے۔ ضمناً میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ سحری کے وقت بھی زیادہ بوجھ معدہ پر نہ ڈالنا چاہیئے۔ غذا بیشک مقوی ہو مگر مقدار میں زیادہ نہ ہو۔ روزے کی اصل غرض جسمانی رنگ میں یہ ہے کہ انسان کے اندر جو محفوظ (Reserve) قوت ہے، وہ شدائد کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو اور روحانی رنگ میں یہ کہ قوائے جسمانی میں کسی قدر کمزوری واقع ہو تو اس سے قوائے روحانی میں ترقی کی ایک راہ کھلے۔

دوسری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں اپنی دعاؤں کو اسلام کی ترقی کے لئے اور دنیا میں غلبہ اسلام کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ کسی دعا کے لئے بھی دو باتوں کی ضرورت ہے۔ اول یہ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اور اس بات پر، کہ وہ مجھ سے قریب ہے اور میری دعا کو سنتا ہے، ایمان ہو۔ اور یہ ایمان دعا کے وقت ایک مشاہدہ کے رنگ میں تبدیل ہو جائے اور انسان یہ محسوس کرے کہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا اپنے دل کو کھول رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو چیز وہ مانگ رہا ہے اس کے لئے اس کے دل میں ایک سچی تڑپ موجود ہو۔ دعا منہ سے چند لفظوں کے رٹ لینے کا نام نہیں۔ یہ دل میں ایک درد پیدا ہونے کا نام ہے۔ جس کے لئے بعض وقت کافی لفظ بھی نہیں ملتے۔ اپنی ذاتی اغراض کے لئے انسان کے دل میں ایسا درد آسانی سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی بیوی بیمار ہو، بچہ بیمار ہو، خود کسی مصیبت میں مبتلا ہو، اس وقت کیا کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ (62:27) اضطرار کی حالت کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ اگر دوسری شرائط بھی موجود ہوں۔ کیونکہ اس وقت دل میں درد پیدا ہو جاتا ہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اور مخلوق خدا کو راہ راست پر لانے کے لئے اس درد کا پیدا ہونا آسان نہیں۔ اس لئے یہ مشکل ترین دعا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ (3:26) اپنے آپ کو اسی غم میں ہلاک کر دو گے کہ یہ لوگ راہ راست پر نہیں آتے! جب انسان کے دل کا درد اس انتہاء کو پہنچ جاتا ہے تو خدا کی رحمت کا دریا بھی جوش میں آتا ہے، اسی لئے اس کے بعد فرمایا اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَۃً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُہُمۡ لَہَا خٰضِعِیۡنَ (4:26)

ہم ان پر آسمان سے ایسا نشان اُتاریں گے کہ حق وصداقت کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں گی۔ آج بھی اگر ایک جماعت کے دِلوں میں یہ درد پیدا ہو جائے تو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے سامنے دنیا کی گردنیں جھک سکتی ہیں۔ یہی سب سے بڑی دولت ہے جس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اپنے دِلوں کے اندر راتوں کی دعاؤں سے اور دِنوں کے عمل سے اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبہ اسلام کے لئے وہ درد پیدا کرو جس سے سرکشوں کی گردنیں اسلام کے سامنے جھک جائیں۔

اگر یہ درد ہمارے دِلوں میں پیدا ہو جائے تو وعدہ الٰہی کے پورا ہونے کے دِن بھی قریب آ جائیں گے۔ اس بات پر محکم ایمان رکھو کہ خدا کا وعدہ ٹل نہیں سکتا۔ وہ فرما چکا ہے کہ وہ اسلام کو دنیا میں غالب کرے گا۔ ہاں دل میں جب یہ درد اُٹھے کہ وہ وعدہ پورا ہو تو اسی کے وعدے کو اس کے حضور بطور واسطہ پیش کرو۔ بدر کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تھا۔ جب سامنے ایک زبردست مسلح جنگ آزمودہ ایک ہزار فوج نظر آئی اور ادھر تین سو تیرہ۔ ان کے پاس بھی کافی ہتھیار نہیں۔ اکثر جنگ کا تجربہ نہ رکھنے والے نوجوان تو آپ ساری رات دعا میں گرے رہے۔ یہ بھی رمضان کا مہینہ تھا اور رو رو کر فرماتے تھے۔ تیرا وعدہ ہے کہ تو مجھے غالب کرے گا اسی وعدہ کا واسطہ تیری جناب میں پیش کرتا ہوں **اَللّٰھُمَّ ان اھلکت ھذہ العصابۃ فلن تعبد فی الارض ابدًا** اے خدا اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین میں تیری عبادت نہیں رہے گی۔ **یاحیّ یا قیّوم برحمتک استغیث**

آج ہم بھی ایک چھوٹی سی جماعت ہیں۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج قرآن کو دنیا میں پہنچانے کا فکر رکھنے والی اس کے سوائے کوئی جماعت نہیں۔ حکومتیں ہیں، خزانے ہیں، امراء ہیں، علماء ہیں، پیر ہیں، ان پر جانیں فدا کرنے والے ہیں، ان کے سیاہ کو سفید کہنے والے مرید ہیں جتھے ہیں، نظام ہیں، چندے بھی ہیں، مگر خدا کے کلام کو دنیا میں آگے کرنے والے نہیں۔ ہاں تو رو رو کر یہ دعا کرو کہ اے خدا تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو نا کام رکھا تو تیرے قرآن کو دنیا میں پہنچانے والا کوئی نہ رہے گا۔ اے خدا تیرا وعدہ ہے کہ تو اپنے دین کو دنیا میں غالب کرے گا۔ تو اس وعدہ کو پورا فرما اور اپنے ان بندوں کی نصرت فرما جو تیرے دین کی نصرت کر رہے ہیں۔

ہاں یوں بھی دعا کرو کہ اے خدا آج ہم نے اپنی آنکھوں سے تیرے بیشمار وعدوں کو پورا ہوتے دیکھ لیا ہے۔ جو تو نے اپنے پاک کلام میں یا اپنے رسولؐ کی زبان سے کئے تھے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس دجال کو دیکھ لیا جس کی بائیں آنکھ ستارے کی طرح روشن ہے۔ اور جس کی دنیوی ترقیاں کمال کو پہنچ گئیں۔ اور جس کی دائیں آنکھ روشنی سے بالکل خالی ہے۔ اور اسے تیری ہستی نظر نہیں آتی۔ ہم نے اس کے بہشت کو بھی دیکھ لیا جو آج ہماری آنکھوں کے سامنے جہنم بن چکا ہے۔ اور ہم نے اس چیز کو بھی تجربہ کر کے دیکھ لیا جسے وہ جہنم بتاتا ہے کہ اسی میں دلوں کی حقیقی راحت ہے اور وہی حقیقی جنت ہے۔ ہم نے یاجوج ماجوج کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔ جو مِّنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ (96:21) کے مصداق ہیں۔ جو تمام بلندیوں پر قابض ہو گئے۔ ہم نے اس قوم کو دیکھ لیا جس نے دنیا کے کاریگری کے کاموں کو انتہاء تک پہنچا دیا اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُہُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ ہُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا (104:18) ہم نے تَرَکۡنَا بَعۡضَہُمۡ یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ (99:18) کے وعدے کو بھی پورا ہوتے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ہم نے وَّعَرَضۡنَا جَہَنَّمَ یَوۡمَئِذٍ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ عَرۡضًا (100:18) کا نظارہ بھی دیکھ لیا۔ اور دنیا میں چاروں طرف یہ آوازیں بلند ہوتیں سن لیں کہ جہنم دنیا پر آ گیا۔ ہم نے ان کی دنیا کی زینت کے انجام کو بھی دیکھ لیا کہ کس طرح شہروں کے شہر آج کھنڈروں کی صورت میں تبدیل ہو گئے، اور لہلہاتے باغ اور سبزہ زار ویران ہو گئے۔ جیسا کہ تو نے فرمایا تھا وَ اِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَیۡہَا صَعِیۡدًا جُرُزًا (8:18) ہم نے ان جسمانی آنکھوں سے تیرا یہ وعدہ بھی پورا ہوتے دیکھ لیا کہ دنیا کی کوئی آبادی نہیں، جسے ہم ہلاک نہ کر دیں یا سخت عذاب میں مبتلا نہ کر دیں۔ جیسا کہ تو نے فرمایا تھا وَ اِنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا نَحۡنُ مُہۡلِکُوۡہَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡہَا عَذَابًا شَدِیۡدًا (58:17) مگر اے خدا تو نے ہی فرمایا تھا کہ جب ان سب باتوں کو دیکھ لو تو یہ بھی جان لو وَ اقۡتَرَبَ الۡوَعۡدُ الۡحَقُّ (97:21) حق کے غلبہ کا وعدہ بھی قریب آ گیا۔ ہاں جہاں تو نے یہ فرمایا تھا کہ اَلۡقَیۡنَا بَیۡنَہُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَ الۡبَغۡضَآءَ (64:5) کہ ان عیسائیوں کے درمیان جو اسلام کو برباد کرنا چاہتے تھے، ہم سزا کے طور پر باہم عداوت اور بغض پیدا کر دیں گے۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ وَّ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ وَ جَمَعۡنٰہُمۡ جَمۡعًا (99:18) کہ صور پھونک کر ہم ان کو دین واحد پر بھی

جمع کر دیں گے۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ تیرا آخری دین اسلام سب دینوں پر بالآخر غالب آجائے گا۔ سوائے خدا! جہاں تو نے ہمیں اپنی آنکھوں سے اتنے وعدے پورا ہوتے دکھائے ہیں، اپنے دین کے غلبہ کا وعدہ بھی انہی آنکھوں سے پورا ہوتا دکھا۔ ہمیں وہ سامان عطا فرما اور وہ کارکن عطا فرما کہ ہر ملک اور ہر قوم کے اندر تیرے دین کی تبلیغ کا ایک مرکز قائم ہو جائے۔ ایک روشنی پہنچانے والا مینار بلند ہو جائے اور دنیا میں وہ ہوا چلا اور وہ حالات پیدا کر دے کہ لوگوں کی گردنیں تیرے قرآن تیرے اسلام اور تیرے رسول کے سامنے جھکتی چلی جائیں۔ اور بالآخر وہ نصرت بھی ہمیں عطا فرما کہ ہم لوگوں کو تیرے دین میں گروہ در گروہ اور فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ کر تیری تسبیح اور تیری حمد کرتے ہوئے اور تیری حفاظت چاہتے ہوئے تیری طرف آئیں۔

یوں تو ہمیں یہ دعا بھی اللہ تعالیٰ نے ہی سکھائی ہے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (201:2) اپنی بھلائی بھی ہم اللہ تعالیٰ سے ہی مانگتے ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس رمضان کی دعاؤں کو ہم اس قدر غلبۂ اسلام کے لئے وقف کر دیں کہ اپنے نفسوں کو بھی بھول جائیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ہم اس کے دین کی خاطر اپنے آپ کو بھول جائیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں نہیں بھلائے گا۔ خدا اسی کو بھلاتا ہے جو خدا کو بھلاتا ہے یا خدا کے دین کو بھلاتا ہے۔ ہاں اپنی دعاؤں کو خدا کے دین کے لئے وقف کرنے میں دو اور دعائیں بھی شامل ہیں۔ ایک دعا اس جماعت کے لئے جو اس وقت پیغام الٰہی کی حامل ہے اور خدا کے کلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے میں ساعی ہے۔ کیونکہ اسی کی قوت استحکام سے آج اسلام کی اشاعت وابستہ ہے۔ اور جب ہم اس جماعت کے لئے دعا کریں گے تو ان سب لوگوں کے لئے بھی فرداً فرداً دعا کریں گے جو عملاً اس جماعت کے ساتھ شامل ہیں اور اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے مصداق ہیں۔ اور دوسری اپنی آئندہ نسلوں کے لئے دعا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دِلوں کو بھی اس چنگاری سے روشن فرمائے جو امام وقت کی بدولت اس نے ہمارے دِلوں میں ڈالی ہے۔ اور ان کے اندر بھی تبلیغ اسلام کا وہ ولولہ پیدا ہو جو امام وقت اپنی جماعت کے اندر پیدا کرنا چاہتا تھا۔ تا کہ اس کے دین کی تبلیغ کا یہ کام جس کی بنیاد ہم نے رکھی ہے ہمارے بعد بھی جاری رہے اور یہ عمارت قیامت تک بلند ہوتی چلی جائے۔

حدیث میں آتا ہے مَن کَانَ فِیُ حَاجَۃِ اَخِیۡہِ کَانَ اللّٰہُ فِیُ حَاجَتِہٖ جو اپنے بھائی کی ضرورت میں امداد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت میں اس کی امداد کرتا ہے۔ دعا سے بھی انسان ایک حد تک اپنے بھائی کی امداد کرسکتا ہے۔ اس لئے جب ہم اپنے بھائیوں کے لئے دعا کریں گے تو اس لحاظ سے کہ اس میں شفاعت کا رنگ ہے اور ذاتی فرض سے خالی ہے، وہ استجابت کے زیادہ قریب ہوگی اور دوسری طرف اپنے بھائی کی ضرورت میں معاون ہونے کی وجہ سے، ہم خود اللہ تعالیٰ کی اعانت کے مستحق ہوں گے۔ اور چونکہ ہمارے بھائی ہمارے لئے دعا کرنے والے ہوں گے، اس لئے ان کی دعا ہمارے حق میں اغراض ذاتی سے پاک ہونے کی وجہ سے استجابت سے زیادہ قریب ہوگی۔ پس فرداً فرداً سب بھائیوں کے لئے، جہاں تک یادداشت ہو دعا کی جائے اور بحیثیت مجموعی سب ان دوستوں کے لئے، جو نصرت دین میں مشغول ہیں۔

اس موقعہ پر میں بعض احباب کا خصوصیت سے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اور یہ وہ دوست ہیں جن کے نام پیغام صلح کے پچھلے پرچہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ یعنی تحریک صدقہ قرضہ میں حصہ لینے والے احباب۔ ان لوگوں نے ایک سخت تنگی کے وقت، جب انجمن قرضہ کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی تھی اور کہنے والے کہتے تھے کہ یہ انجمن اب رہ گئی، ایک بے نظیر قوت ایمانی دکھائی۔ وہ انجمن کے لئے سَاعَۃُ الۡعُسۡرَۃِ تھی۔ جب میں اس قرضہ کو اُتارنے کے لئے ان احباب کے نام خود رقمیں ڈال کر خطبہ جمعہ میں اس کا اعلان کر رہا تھا اور میں نہ جانتا تھا کہ مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا یا اللہ تعالیٰ میری آواز میں اثر ڈالے گا تو چاروں طرف سے لبیک لبیک کی آوازیں چلی آرہی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اس صدقہ کو ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ اس کے بعد انجمن کا قدم ترقی کی طرف ہی اُٹھتا چلا گیا۔ اور ہر قسم کے قرضے صاف ہو جانے کے علاوہ انجمن کے چندے بھی ترقی کرتے چلے گئے۔ اور انجمن کے قدم مالی طور پر بہت مضبوط ہو گئے اس فہرست کو کبھی کبھی دیکھ لیا کریں اور ان کے لئے ممکن ہو تو نام لے لے کر دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ اور جس طرح وہ خدا کے دین کی تنگی کے وقت اس کے کام آئے خدا بھی ان کے آڑے وقت ان کے کام کر دے۔ ہاں اور ان کے لئے بھی دعا کریں جو باوجود مقدرت کے اس میں شامل نہیں ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ اب کے ان کے سینوں کو کھول

دے اور اس کوتاہی کا کفارہ کرنے کے قابل انہیں بنا دے۔ میں اُمید رکھتا ہوں کہ اگر جماعت کا اخلاص اور ایثار اسی طرح ترقی کرتا چلا گیا تو تھوڑے دِنوں میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے وہ نظارے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے جن کی اس وقت ہمارے دِلوں میں آرزو ہے۔

دعا کے متعلق اس قدر تفصیل سے لکھنے کے بعد میں چند الفاظ رمضان میں صدقہ کے متعلق بھی لکھنا چاہتا ہوں۔ رمضان میں صدقہ تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ كَانَ اَجْوَدُ مَايَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ جس قدر اس مہینے میں خدا کی راہ میں دیتے تھے اب صدقہ غرباء کے امداد کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ اور اس زمانہ کے سب سے بڑے غریب (بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَّسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ) دین کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ جو لوگ جماعت میں امداد کے مستحق تھے الحمدللہ کہ چند زمیندار احباب اور دیگر اہل دل اصحاب کی توجہ سے انہیں امداد پہنچا دی گئی ہے۔ میرے سامنے ان اصحاب کے نام ہیں اور میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں اور اب میں چاہتا ہوں کہ رمضان کا صدقہ اسی طرح دین کی تبلیغ کے لئے وقف کر دیا جاوے جس طرح دعاؤں کو غلبہ اسلام کے لئے وقف کیا جائے گا۔ درحقیقت یہ صدقہ ہی اصل دعا ہے ہاں یہ الفاظ میں دعا نہیں یہ عمل میں دعا ہے۔ ایک تو ہم لفظوں میں دعا کرتے ہیں اپنے درد کا اظہار خدا کے سامنے یوں کرتے ہیں کہ اے خدا تو اپنی مخلوق کو ہدایت دے لیکن اگر فی الواقعہ ہمارے دِلوں میں درد موجود ہے اور ہماری دعا ہمارے منہ کے چند لفظ نہیں تو ہم اپنے مال کو مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے خرچ کر کے اس بات کا ثبوت اپنے عمل سے دیتے ہیں کہ فی الواقع ہمارے دل میں درد موجود ہے جو شخص اپنا مال حسب مقدرت مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے خرچ نہیں کرتا اس کا یہ دعویٰ کہ وہ غلبہ اسلام کے لئے دعا کرتا ہے یا کرے گا صحیح نہیں۔ جس طرح ایک بھوک سے مرتے ہوئے انسان کو دیکھ کر ایک شخص کے دل میں درد پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے پاس سے کچھ خرچ کر کے اس کی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح دنیا کی روحانی موت کے قریب پہنچی ہوئی حالت کو دیکھ کر اگر ہمارے دِلوں میں یہ درد پیدا نہیں ہوتا کہ اپنے پاس سے کچھ خرچ کر کے انہیں روحانی موت سے بچانے کی کوشش کریں تو ہمارا ان کے لئے لفظوں سے دعا کرنا بے سود ہے۔

اس صدقہ کے لئے میں ایک راستہ تجویز کر چکا ہوں۔ اور وہ ہے دنیا کے موجودہ مصائب

کے وجوہ پر ایک نظر ڈال کر اس کے سامنے اس نظام کو پیش کرنا جو انہی مصائب کے علاج کے لئے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر منکشف فرمایا تھا۔ فی الحقیقت اسلام ہی ایک نظام ہے جو نظام عالم یا (World order) کہلانے کا مستحق ہے۔ کیونکہ اسلام کے سوائے دوسرا کوئی نظام ایسا نہیں جس میں انسان کی زندگی کے ہر پہلو کے لئے ایک راہ تجویز کی گئی ہو۔ اور یہ راہ چونکہ خدائے عالم الغیب نے تجویز فرمائی ہے، اس لئے ان مصائب کو دور کرنے کی یہی راہ صحیح ہے۔ اور اس کے سوائے جتنی راہیں بھی اختیار کی جائیں، خواہ وہ ایک ملک کے مدبر پیش کریں یا سب ملکوں کے مدبر مل کر پیش کریں، ناکام ثابت ہوں گی۔ یہ نظام آج سے تیرہ سو سال پیشتر دنیا پر ظاہر کر دیا گیا تھا۔ یورپ کے لوگوں نے اس نظام کو جھٹلایا بلکہ اس کو مٹانے کی پوری کوشش کی اور آخر اس کی سزا بھگت رہے ہیں۔ مگر وہی نظام ان مشکلات کا علاج ہے۔ چاہے اسے آج قبول کر لیں اور چاہے دس یا بیس یا پچاس سال بعد اور سزا کا مزہ چکھ کر قبول کریں۔ یہ خدا کا وعدہ ہے جو ہو کر رہے گا۔

میں نے سال گذشتہ ایک چھوٹا سا رسالہ اس مضمون پر ''نیا نظام عالم'' کے عنوان سے اردو میں لکھا تھا۔ جو خدا کے فضل سے بہت مقبول ہوا ہے۔ اب بعض تحریکات کے ماتحت میں اسے ذرا بسط سے لکھنا چاہتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ مغربی دنیا کی کیا کیا مصائب ہیں۔ اور ان کی کیا کیا علاج اسلام نے تجویز کیا ہے۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ سردست انگریزی میں اس کی دس ہزار کاپی طبع ہو کر ان لوگوں تک پہنچائی جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دی تو میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ میرے ایام رمضان صرف اسی کام میں صرف ہوں۔ میں نے دفتر میں بھی لکھ دیا ہے کہ سوائے اشد ضرورت کے مجھے رمضان میں کوئی کاغذات نہ بھیجے جائیں۔ اور اپنے دوستوں سے بھی التجا کرتا ہوں کہ سوائے اس خط و کتابت کے، جو ان دو اُمور کے تعلق رکھتی ہو، جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے، یعنی ایک دعا کے متعلق کہ جو کوئی دوست مجھے اپنی کسی تکلیف میں دعا کے ساتھ شامل کرنا چاہے، اس کے لئے حاضر ہوں۔ اور دوسرے اس نئے جہاد میں حصہ لینے کے متعلق اور کسی قسم کی خط و کتابت سوائے اشد ضرورت کے نہ کی جائے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی توفیق دی۔ اور یہ میں اس کے در سے اُمید رکھتا ہوں، تو پھر اس کی طباعت کا سوال شیدائیان دین کی جماعت ہی حل کر سکتی ہے۔ اس کے لئے کاغذ کی موجودہ گرانی میں

کم سے کم دس ہزار روپیہ بکار ہے۔ جس میں سے ایک ہزار سے اوپر سید تصدق حسین صاحب قادری بغداد سے بھیج رہے ہیں۔ باقی کے لئے میں اپنی ہندوستان کی جماعت سے اپیل کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اس جماعت میں خدا کے فضل سے وہ متمول بھی موجود ہیں کہ ان میں سے ایک بھی اس رقم کو پورا کر سکتا ہے۔ مگر مال کی کشائش اور دل کی کشائش دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ پرانا رونا میں نہیں روتا کیوں کہ اس جماعت کے خداوندان نعمت نے بعض اوقات بڑی دریا دلی سے اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کیا ہے۔ ہاں! خدا کے آگے روتا ہوں کہ وہ میری آواز میں یہ اثر پیدا کر دے کہ اس عظیم الشان کام کے لئے بھی صاحب ثروت لوگوں کے دل کھل جائیں۔ اے خدا تو اگر چاہے تو میری کمزور آواز کے اندر طاقت پیدا کر دے کہ میں اس رسالہ کے لکھنے میں کامیاب ہو جاؤں اور میری جماعت اس کی طبع کے مصارف جمع کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اور پھر میری اس محنت کو اور جماعت کے ان صدقات کو اے خدا تو اس طرح قبول فرما کہ تیری مخلوق کی ہدایت کا ذریعہ ہو جائے۔ والسلام۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

8 ستمبر 1943ء

حضرت امیر کے قلم سے

مکتوب بنام مرزا محمود احمد صاحب

مکرم معظم میاں صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کی بیماری سے شفایابی پر مبارک باد عرض کرتا ہوا ایک درخواست کرتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کی شفایابی کے لئے دعا کرتا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی زندگی میں ان غلط عقائد سے رجوع کی توفیق دے جو آپ نے حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کئے ہیں۔ اور اس طرح حضرت مسیح موعود کا دامن ان غلط الزامات سے جلد پاک ہو سکے۔ اور اس کام کی تکمیل میں سہولتیں پیدا ہوں جس کے لئے حضرت مسیح موعود کو کھڑا کیا گیا تھا۔ یعنی اسلام کا پیغام امن دنیا کے کناروں تک پہنچانا اور دنیا کو یہ بتانا کہ اس تمام جنگ وجدال کا، جس سے اس وقت دنیا تباہ ہو رہی ہے، علاج اسلام اور صرف اسلام ہے۔

میں بارہا آپ سے ی درخواست کر چکا ہوں اور آج پھر کرتا ہوں کہ ہمارے درمیان جو چند مسائل متنازعہ فیہ ہیں اور جن پر دونوں جماعتوں کا بہت سا وقت ضائع ہو رہا ہے ان کی وجہ سے ہمارے اصل کام کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ آپ بھی ایک بیماری سے اُٹھے ہیں اور میں بھی قریباً تین ماہ بیمار رہ کر ہی اُٹھا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کب تک ہم کو مہلت دی گئی ہے۔ ہم دونوں اس صحت یابی کے شکریہ کے طور پر ان مسائل کو صاف کرنے کی کوشش کریں جن میں اُلجھ جانے کی وجہ سے ہماری تبلیغ اسلام کی کوششوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور عام پبلک کو چھوڑ یئے، خود احمدی کہلانے والے بھی حیرت میں ہیں۔

ممکن ہے آپ اس بحث کو لمبا سمجھ کر اس سے گھبراتے ہوں۔ اور میں بھی اس عمر میں کسی لمبی بحث کے قابل نہیں۔ اس طویل قصہ کو مختصر کرنے کے لئے آپ کے سامنے ایک راہ پیش کرتا ہوں۔ میں آپ کو یہ تکلیف بھی دینا نہیں چاہتا کہ ہم دونوں ایک جگہ اکٹھے ہو کر بحث کریں۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کے بعد کوئی غیر مسلم مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک کہ حضرت مسیح موعود کی

نبوت پر ایمان نہ لائے اور جو مسلمان اس دعویٰ کے وقت موجود تھے یا جو آئندہ پیدا ہوں گے وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے اور خارج رہیں گے۔ جب تک کہ وہ حضرت مسیح موعود کی نبوت پر ایمان نہ لائیں۔ خواہ ان غیر مسلموں یا مسلمانوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو۔ میرا دعویٰ ہے کہ جس طرح تیرہ سو سال تک اسلام میں داخل کرنے کے لئے صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا کا اقرار کافی تھا، حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کے بعد بھی وہی اقرار کافی ہے اور کوئی مسلمان دائرہ اسلام سے اس وجہ پر خارج نہیں ہوسکتا کہ وہ مسیح موعود پر ایمان نہیں لایا۔

ہم دونوں اپنے اپنے دعویٰ کی تائید میں ایک ایک مضمون لکھیں۔ جو صرف واقعات کے رنگ میں ہو۔ یعنی حضرت مسیح موعود کا عمل اس بارے میں کیا تھا۔ عمل کی شہادت ایک ایسی شہادت ہے جو نہایت مختصر ہونے کے باوجود ایسی قطیع الدلالت ہوتی ہے کہ اس میں کسی کو شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ مضمون بوجہ واقعات پر مبنی ہونے کے لمبا نہیں ہوسکتا۔ اور اخبار کے صرف دو صفحات کافی ہوں گے۔ یہ مضمون دونوں اخبارات میں چھپ جائے۔ اس کے بعد اتنا ہی لمبا جواب آپ میرے مضمون کا لکھیں اور میں آپ کے مضمون کا لکھوں۔ جو اسی طرح دونوں اخبارات میں چھپ جائے۔ پھر ایک مختصر سا جواب الجواب دونوں طرف سے اسی طرح ہو جائے۔

آپ آج سے پیشتر ثالثوں کے مقرر کرنے کے خلاف رہے ہیں۔ لیکن اب مولوی اللہ دتہ صاحب کو مولوی عمر الدین صاحب کے ساتھ بحث میں آپ نے ثالثوں کی اجازت دے کر اس اصول کو منظور کر لیا ہے۔ میرا منشاء ہرگز یہ نہیں کہ ثالثوں کے فیصلے کے سامنے مَیں یا آپ اپنے عقائد کو بدل لیں۔ لیکن ثالث اگر کسی رائے کا اظہار کریں تو اس سے عام پبلک کو فائدہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے تین ثالث آپ میری جماعت سے منتخب کر لیں۔ میں تین ثالث آپ کی جماعت سے منتخب کر لوں گا۔ یہ چھ آدمی ایک جگہ جمع ہو کر ان مضامین کو پڑھ لیں۔ اور باہم ان پر بحث کر کے حلف اُٹھا کر اپنی رائے کا اظہار کر دیں کہ ان کے نزدیک دونوں فریق میں سے کس کا دعویٰ ثابت ہے۔ اور اس کے ساتھ وہ دلائل بھی دے دیں جن سے ان کے نزدیک ایک یا دوسرے فریق کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ اگر اس طرح پر آپ کا دعویٰ کثرت رائے سے صحیح ثابت ہو جائے تو میں اپنے آپ کو شکست خوردہ تسلیم کر لوں گا

اور مزید کسی بحث کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور اگر کثرت رائے سے میرا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے تو میں آپ سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ آپ اپنے آپ کو شکست خوردہ مان لیں۔ بلکہ اس کے بعد (اور اسی طرح اس صورت میں کہ ثالثوں کی کثرت رائے کسی طرف نہ ہو) تین تین پرچے اس مضمون پر عملی رنگ میں ہو جائیں۔ یعنی حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے ہم دونوں اپنے اپنے دعویٰ کی تائید میں دلائل پیش کریں۔ اور اس پر بھی اسی طرح ثالث اپنی رائے کا اظہار کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر مسئلہ کفر و اسلام حل ہو جائے تو نبوت کے مسئلہ پر یا خلافت پر بحث کی ضرورت بھی باقی نہ رہے گی۔ لیکن اگر آپ ضرورت سمجھیں تو مسئلہ نبوت پر یا خلافت پر تنقیحات قائم ہو کر وہ بھی آسانی سے اسی طرح طے ہو سکتا ہے۔

ثالثوں کی تجویز میں نے صرف اس لئے پیش کی ہے کہ آپ اب خود ثالثوں کے تقرر کو اصولاً مان چکے ہیں۔ اور عام پبلک کے لئے اس میں سہولت ہوگی۔ کیونکہ اگر میں اپنے دلائل سے آپ کے مریدوں کو قائل کر دوں یا آپ اپنے دلائل سے میرے ساتھیوں کو قائل کر دیں، تو پبلک خود سمجھ لے گی کہ حضرت مسیح موعود کے مذہب پر کون سا فریق ہے۔ میں اس پر زور تو دیتا ہوں لیکن اصرار نہیں کرتا۔ اگر آپ ثالثوں کی تجویز کو کسی صورت میں اپنے مباحثہ کے لئے منظور نہیں کرتے، حالانکہ اپنے ایک مرید کے لئے اسے منظور کر چکے ہیں، تو بغیر اس کے بھی میری تجویز کو منظور فرمالیں۔

خاکسار محمد علی

8 ستمبر 1943ء

حضرت امیر کے قلم سے

ماہِ رمضان اور جہادِ کبیر

بہت دِنوں سے میرے دل میں یہ خیال ہے کہ اس جنگ کے بعد تبلیغ اسلام کا کام ایک وسیع پیمانے پر شروع کیا جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے میں نے چند سوالات تیار کر کے مختلف احباب کو بھجوائے تھے۔ تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کس حد تک اور کس طریق پر ہم اس کام کو شروع کر سکتے ہیں۔ ان سوالات کے جواب ابھی تک انیس احباب کی طرف سے مجھے پہنچے ہیں۔ لیکن میں نے ابھی صرف سرسری نظر سے ہر ایک جواب کو دیکھا ہے۔ اور اس انتظار میں ہوں کہ مزید جوابات آنے پر غور کروں کہ کن کن احباب کی خدمات سے کس کس رنگ میں فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں میرے دل میں ایک اور خیال بھی دیر سے ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اس رمضان میں ہی اس طرف بھی جماعت کو توجہ دلاؤں۔ قبل اس کے کہ میں اس کا ذکر کروں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری خواہش یہ ہے کہ جنگ کے بعد پہلے کام کے علاوہ کم سے کم چھ اور ممالک میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی جائے۔ اور ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے کام کو بھی وسیع کیا جائے۔ سپین مشن تو مدت سے ایک فیصلہ شدہ امر ہے۔ اور اس میں اگر کوئی روک رہی تو پہلے خود اس ملک کے اندر جنگ اور اس کے بعد دوسری جنگِ عالمگیر کا شروع ہو جانا۔ اس کے بعد سب سے پہلے امریکہ میں تبلیغ اسلام کا ایک مرکز قائم ہونا چاہئے۔ جہاں پہلے بھی کچھ مدت تک ہم کام کر چکے ہیں۔ اور جو بظاہر حالات آئندہ کی دنیا میں ایک غالب عنصر نظر آتا ہے۔ اس کے بعد چین اور جاپان دو مشرقی ممالک ہماری توجہ کے محتاج ہیں۔ پھر روس جو دہریت کا مضبوط ترین قلعہ ہونے کی وجہ سے اس جماعت کی توجہ کا مرکز ہونا چاہئے۔ جس کی تبلیغ کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ سب سے پہلے خدا کی ہستی منوائی جائے۔ پھر اطالیہ جو عیسائیت کا مرکز ہے۔ چار مشن پہلے موجود ہیں۔ تین یورپ میں اور ایک جاوا میں۔ اس طرح ہندوستان کو ملا کر یہ کل گیارہ ہو جائیں گے۔

اگر یہ سب تبلیغی مراکز روپے پر چلائے جائیں تو نہایت سادگی اور کم خرچی کو مدنظر رکھ کر بھی

دو لاکھ روپے سالانہ کا خرچ بکار ہے۔ اور اس قدر سامان ہمارے پاس نہیں۔ لیکن میرے خیال میں بعض وقت یہ بات آتی ہے کہ اگر کچھ لوگ اغراض تجارت کے لئے یا بعض اور قسم کے کاموں کے لئے بیرونی ممالک میں نکل جائیں، تو ابتداء میں تھوڑا سا خرچ کر کے یہ تبلیغی مراکز بہت کم خرچ سے قائم ہو سکتے ہیں۔ ابتداء میں اسلام زیادہ تر تاجروں کے ذریعہ سے ہی پھیلا۔ اور ملکوں کے ملک محض ان لوگوں کی تبلیغی کوششوں سے مسلمان ہو گئے۔ شاید اس حدیث میں **التاجر الصدوق الامین مع النّبیّٖن والصدّیقین والشھدآء** سچا اور امین تاجر نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہے۔ (جس سے قادیانیوں کے ختم نبوت کے بعد نبی بنانے کی عمارت کا سب سے بڑا ستون گر جاتا ہے) اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میری اُمت میں تاجر وہ کام کریں گے یعنی دعوت الی الاسلام کا کام، جو نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کا کام ہے۔ لیکن اس پرانی اسلامی تبلیغی عمارت کی تجدید کے لئے یہ ضرورت ہے کہ پہلے کچھ لوگ اپنے آپ کو دین کی تبلیغ کے لئے تیار کریں۔ یہاں پر مجھے یہ خیال آتا ہے کہ ہم یہ کیوں کہیں کہ کچھ لوگ اپنے آپ کو تبلیغ دین کے لئے تیار کریں۔ کیوں یوں نہ کہیں کہ ہماری ساری جماعت اپنے آپ کو تبلیغ دین کے لئے تیار کرے۔ اس جماعت کے نوجوان آج سے یہ عزم کر لیں کہ اُنہوں نے بالآخر کام تبلیغ دین کا کرنا ہے۔ چاہے وہ آج ملازمت کر رہے ہیں یا تجارت کر رہے ہیں یا کوئی اور کام کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے خیر دے محمد حسن خاں بی کام کو۔ یہ ڈاکٹر حسن علی خاں صاحب (گوجرانوالا) کے فرزند ہیں۔ رمضان سے پہلے بہت لوگ دعا کے لئے خط لکھتے ہیں۔ اُنہوں نے بھی لکھا مگر بدیں الفاظ کہ جماعت کے نوجوانوں کے لئے دعا کریں۔ سو اس وقت سے میرے دل میں یہ تحریک اور بھی زیادہ قوت پکڑ گئی ہے کہ اِدھر میں اور میرے دوسرے دوست جماعت کے نوجوانوں کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی توجہ دنیا سے پھیر کر بکلی دین کی طرف کر دے۔ اور ادھر یہ نوجوان اپنی زندگیوں کا رُخ پھیر دیں۔ اور اس رمضان میں یہ عزم کر لیں کہ اُن کی زندگی کا اصل مقصد یہ نہ ہوگا کہ وہ اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے معاش کی فکر کریں۔ بلکہ یہ محض ایک سہارا ہوگا۔ اصل غرض کے لئے، کہ وہ اپنے آپ کو تبلیغ دین کے لئے تیار کریں، وہ بیشک نوکری کریں لیکن اگر اپنی زندگی کا یہ مقصد قرار دے

لیں گے کہ اُنہوں نے ایک دن تبلیغ اسلام کا کام کرنا ہے تو وہ ابھی سے اس کے لئے تیاری بھی شروع کر دیں گے۔ اس میں بھی اُن کی رہنمائی کے لئے پوری کوشش کروں گا۔ شاید آہستہ آہستہ کوئی کورس بھی مقرر کر دیا جائے۔ کوئی کتابیں بھی تجویز کر دی جائیں۔ بلکہ مہیا بھی کر دی جائیں۔ کوئی امتحان بھی مقرر کر دیئے جائیں۔ لیکن اصل چیز جس کی ضرورت ہے وہ ہے ان کے اپنے عزم میں اپنے خیالات میں ایک تبدیلی کا پیدا کرنا۔ مقصد زندگی کا تبدیل کر دینا۔ وہ دنیا نہ ہو، دنیا کی آسائشیں نہ ہوں، مال و دولت نہ ہوں ان سب سے صرف فائدہ اُٹھایا جائے مگر اصل مقصد ہو دین۔ خدا کے نام کو خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانا۔ اور اس کے لئے آج سے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کر دینا۔ میں دعا کرتا ہوں اور اپنے دوستوں سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھی دعا کریں اور جماعت کے نوجوانوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ اس رمضان میں اپنی زندگی کی ایک نئی بنیاد رکھ دیں اور وہ بنیاد اس عہد پر رکھی جائے کہ ان کی زندگی کا مقصد دنیا نہ ہوگی دین ہوگا۔

یہ تو درست ہے کہ ان لوگوں کی زندگیوں کا مقصد بھی ایک گونہ دین ہو جاتا ہے جو اپنی آمدنیوں کا ایک مقررہ حصہ تبلیغ دین کے لئے دیتے ہوں اور ان نوجوانوں سے، جو اب سلسلہ ملازمت میں داخل ہو رہے ہیں، میں یہ درخواست کروں گا کہ وہ پہلے دن سے ہی یہ اصول مقرر کر لیں کہ دسواں حصہ اپنی آمد کا اشاعت اسلام کے لئے دیتے رہیں گے۔ لیکن موجودہ تحریک سے میرا منشاء یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو تبلیغ دین کے لئے اسی طرح تیار کرنے میں لگ جائیں، جس طرح ایک طالب علم ایک مقابلہ کے امتحان کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔ وہ اپنے مفوضہ کام کو، جس کی وہ تنخواہ لیتے ہیں، بیشک اچھی طرح انجام دیں لیکن اپنے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اگر زیادہ نہیں دو گھنٹے روزانہ بھی اس مطالعہ کے لئے نکال دیں جس سے بالآخر تبلیغ دین کے قابل ہو جائیں، تو ہر سال میں ایک ماہ گویا اس کام پر صرف ہوگا۔ اس روزانہ کام کے علاوہ جو ملازم ہیں وہ کبھی کبھی رخصت بھی لیں، تو ان ایام میں لاہور میں آ کر اپنی معلومات میں مزید واقفیت پیدا کریں۔

میں اس بات کو صفائی سے کہنا چاہتا ہوں کہ کوئی نوجوان، خواہ اسے کسی خالص دینی مدرسہ میں ہی دو تین سال تعلیم دی جائے، اس قابل نہیں ہو جاتا کہ مبلغ بن جائے۔ تبلیغ کی اہلیت اس میں ضرور

پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر مبلغ بننے کے لئے کسی قدر پختہ کاری کی ضرورت ہے۔ کسی قدر دنیا کا تجربہ بکار ہے۔ کسی قدر قوائے جسمانی کے ڈھلنے اور قوائے روحانی کے ترقی پذیر ہونے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ فطرت انسانی کو صحیح طور پر جاننے والا اس فطرت کا خالق فرماتا ہے حَتّٰـی اِذَا بَـلَـغَ اَشُـدَّهٗ وَبَـلَـغَ اَرْبَـعِيْنَ سَنَةً (15:46) جسمانی رنگ میں بلوغت کی عمر اٹھارہ یا اکیس سال ہے مگر روحانی بلوغت کی عمر چالیس ہے۔ اور ایسے ممالک میں جا کر جہاں طرح طرح کے ابتلاؤں کا مقابلہ کرنا پڑے، یہ عمر زیادہ موزوں ہے کہ انسان بطور مبلغ جائے۔ یونہی نوجوانوں کو ایک یا دو سال کی تعلیم دین دے کر غیر ممالک میں پھینک دینا، الا ماشاء اللہ، اچھے نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مبلغ کے لئے علمی دلائل کی نسبت اپنا اخلاقی نمونہ دکھانا اور تعلق باللہ پر اپنی عمارت کو قائم کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اور یہ چیزیں ذرا دیر سے پید اہوتی ہیں۔ اس لئے اگر ہماری جماعت کے نوجوان آج سے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کر دیں تو بعض آج سے پانچ سات سال بعد، بعض دس سال بعد، بعض پندرہ بیس سال بعد تیار ہوں گے مگر جہاں نسل انسانی کی اصلاح مقصود ہو، وہاں یہ پندرہ بیس سال بلکہ پچاس سال بھی کوئی چیز نہیں۔

ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو کلیۃً اپنے خرچ پر ہی باہر چلے جائیں گے اور ان کے ذاتی اخراجات کا انجمن پر کوئی بوجھ نہ ہوگا۔ بعض احباب اس وقت بھی ایسے ارادہ کا اظہار کر چکے ہیں ان کی پنشن اور پراویڈنٹ فنڈ اپنے اخراجات کے لئے کافی ہوں گے۔ بعض ایسے ہوں گے کہ ان کو شاید کچھ مدد دینی پڑے اور بعض ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ کسی ملک میں جا کر تجارت کے رنگ میں اپنی معاش پیدا کر لیں اور تبلیغ اسلام بھی ساتھ ساتھ کریں۔ یہ حصہ ہے جس کی طرف میں بالخصوص توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ بعض ممالک ہیں۔ مثلاً چین، جاپان جہاں نہایت آسانی سے تجارت کا سلسلہ قائم کر کے انسان اپنی روزی بھی پیدا کر سکتا ہے اور تبلیغ دین کا کام بھی کر سکتا ہے۔ بہتیرے ممالک ہیں جہاں اس وقت بھی تاجروں کی حیثیت میں صدہا مسلمان موجود ہیں۔ اور ان کی کامیاب تجارتیں چل رہی ہیں۔ جیسے آسٹریلیا و امریکہ وغیرہ۔ مگر ان میں تبلیغ دین کا وہ احساس نہیں جو پہلے مسلمانوں میں تھا۔ ہماری جماعت کے تاجر دوست یا تجارت کی طرف میلان رکھنے والے دوست اگر اس طرف توجہ کریں تو ہم بہت جلد اسلام کا پیغام ساری دنیا میں پہنچا سکتے ہیں۔ رہ جائے گا صرف لٹریچر کا مہیا کرنا، سو وہ خدا کے فضل سے یہ

انجمن بہت کچھ پیدا کر چکی ہے۔ اور اُمید ہے آئندہ بھی ایسا لٹریچر پیدا کرنے والے اس میں پیدا ہوتے رہیں گے۔ ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ ایک نوجوان جو سال ڈیڑھ ہوا، ہماری جماعت میں داخل ہوئے ڈلہوزی میرے پاس اس مشورہ کے لئے آئے تھے کہ وہ گو اس وقت ملازمت میں ہیں اور 160 روپے ماہوار تنخواہ بھی لے رہے ہیں۔ لیکن ان کا میلان تجارت کی طرف زیادہ ہے۔ اور وہ میلان اور بھی زیادہ اس لئے ہو گیا ہے کہ ان کے دل میں تبلیغ اسلام کا جوش ہے۔ اور یہ کام جس قدر آسانی سے وہ تاجر ہونے کی حیثیت میں کر سکتے ہیں، ملازم ہونے کی حیثیت میں نہیں کر سکتے۔ تو جہاں میں نے عام طور پر نوجوانوں کو اپنی زندگی کا مقصد دین بنانے کے لئے کہا ہے یہ بھی میری خواہش ہے کہ جماعت کے نوجوان اس ملک کے مختلف حصوں میں یا دوسرے ممالک میں اپنی تجارتیں قائم کریں۔ اور اس نیت سے قائم کریں کہ ان کی تجارت تبلیغ اسلام کا ایک مرکز ہوگی اور اپنے آپ کو وہ بطور ایک مبلغ کے تیار کریں۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

۞۞۞

8 ستمبر 1943ء

حضرت امیر کے قلم سے

نیا نظام عالم۔ایک تجویز

برادرانِ مکرم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

نیا نظام عالم: اس تحریک کے متعلق پہلے ڈاکٹر حسن علی صاحب نے گوجرانوالہ سے اور پھر مستری یعقوب علی صاحب نے جموں سے میری تجویز میں ایک اصلاح پیش کی ہے۔ یہ دونوں بزرگ حضرت مسیح موعود کے مخلص احباب میں سے ہیں اور یہ ان دونوں کے درد دل کی آواز ہے اور دونوں کے خیالات میں توارد ہوا ہے۔ میرا خیال یہ تھا کہ متوسط الحال اور غرباء کا طبقہ چونکہ بوجہ گرانی بہت زیادہ بوجھ کے نیچے ہے اس لئے ان سے اس نئے رسالے کے اخراجات کے متعلق اپیل نہ کی جائے۔ مگر ان دونوں اصحاب کی رائے ہے کہ اس جہاد میں، جو حضرت مسیح موعود کا اصل کام ہے، نہ صرف سب حصہ لیں بلکہ ہر گھرانے کے جملہ افراد حصہ لیں۔ خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔ اور ہر گھرانے کا کفیل خود اس بات کا ذمہ لے کہ سب بڑوں چھوٹوں کی طرف سے چندہ جمع کرے۔ چنانچہ ان دونوں اصحاب نے خود اس پر عامل ہو کر میرے پاس یہ تجویز بھیجی ہے۔ ڈاکٹر حسن علی صاحب کے اپنے گھرانے کی طرف سے پچیس روپے لکھے ہیں اور مستری یعقوب علی صاحب نے پچاس روپے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

لہٰذا اب میں اپنی پہلی تحریک میں یہ تبدیلی کر کے احباب کے سامنے رکھتا ہوں۔ اور فی الحقیقت میرا خیال صحیح بھی نہ تھا، اس لئے کہ کامیابی اسی تحریک میں ہوتی ہے جس میں غرباء اور متوسط الحال طبقہ کے لوگ بھی شامل ہوں۔ کیونکہ امراء کی نسبت ان لوگوں کی قربانیاں، جو اپنے آپ پر تنگی وارد کر کے ان کاموں میں حصہ لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہیں۔ ایک امیر آدمی جو لاکھوں کا مالک ہے اور جس کی لاکھوں روپے کی سالانہ آمد ہے، اگر ایک یا دو ہزار بھی چندہ دے تو اس کے نفس پر اس سے کچھ تکلیف وارد نہیں ہوتی، سوائے اس تکلیف کے جو ہر مالدار کو اپنا مال جُدا کرتے وقت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی محبت مال سے کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے۔ لیکن ایک غریب یا متوسط الحال آدمی، جس کے پاس بمشکل اس قدر ہے کہ وہ اپنا یا اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرے، اسکے دس روپے بھی

بارگاہِ الٰہی میں بہت قابل قدر ہیں۔ کیونکہ وہ فی الواقعہ تکلیف اُٹھا کر دیتا ہے اور پھر جو اس طرح دیتا ہے اُس کے دل میں ایک درد بھی پیدا ہوتا ہے اور وہ دعا بھی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام میں برکت دے۔ لہٰذا اس تحریک کے لئے ہزار ہا دِلوں کی دعاؤں کو لینے کے لئے میں اسے اب عام کرتا ہوں۔ اور سب دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو اس جہاد میں شامل ہو کر ثواب حاصل کریں۔

اس سے پیشتر میں ماہ رمضان کے مجاہدہ کے متعلق بھی ایک تحریر اخبار میں بھیج چکا ہوں۔ جس میں یہ بھی احباب سے عرض کیا تھا کہ جو احباب مجاہدہ رمضان کو تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کچھ صدقہ بھی کریں۔ اور یہ صدقہ صرف اس نئے جہاد کے لئے مخصوص ہو۔ یوں فی الحقیقت میرے دل کی آواز وہی تھی جس کی طرف زیادہ وضاحت سے میرے دوستوں نے مجھے متوجہ کیا ہے۔ ہاں اس کے ساتھ ہی اس قدر عرض کرنا ضروری ہے کہ چونکہ اپیل دس ہزار روپے کے لئے ہے، بلکہ مستری یعقوب علی صاحب نے جموں سے مجھے یہ توجہ دلائی ہے کہ دس کی بجائے بیس ہزار روپے کر دیا جائے۔ تاکہ علاوہ انگریزی اردو کے دوسری زبانوں میں بھی یہ رسالہ شائع ہو سکے۔ اس لئے احباب سے میری یہ درخواست ہے کہ اپنے حسب حیثیت معقول رقوم سے امداد فرمائیں۔ اور دوسرے یہ کہ یہ سب رقوم ماہ رمضان کے اندر اندر محاسب کے نام پہنچ جائیں۔ منی آرڈر کے کوپن پر اس بات کی وضاحت ہو کہ یہ "نیا نظام عالم" کے لئے ہے۔

اس کے ساتھ ہی میں احباب سے یہ درخواست بھی کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے دعا کریں کہ میں ماہ رمضان میں اس کام کو سرانجام دے سکوں اور یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے، اس کے لئے سامان مہیا کر دے اور اسے اپنی مخلوق کی رہنمائی کا ذریعہ بھی بنائے رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ وَیَسِّرۡلِیۡۤ اَمۡرِیۡ وَاحۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ یَفۡقَھُوۡا قَوۡلِیۡ (20:25-28)

تبلیغ اسلام کے لئے یہ ایک عظیم الشان عملی قدم ہے۔ جو اس رمضان میں ہم اُٹھا رہے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی احباب سے معافی کا خواستگار ہوتا ہوں۔ ایک اور عملی قدم کے لئے بھی انہیں توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ معافی اس لئے کہ بعض احباب اسے بہت بوجھ خیال نہ کریں۔ مگر فی الحقیقت یہ کوئی بوجھ نہیں۔ وہ ہے توسیع جماعت کے لئے عملی قدم۔ یوں کہ اس ماہ میں ہر ایک دوست کم سے کم دس ان

بھائیوں تک پہنچنے کی کوشش کرے جو اس جماعت میں شامل نہیں۔ جو دور اور ناواقف ہیں۔ انہیں قریب لانے کی کوشش کرے اور جو قریب ہیں انہیں اندر لانے کی کوشش کرے۔ خود کسی کے پاس جا کر، خط لکھ کر، کوئی ٹریکٹ یا رسالہ یا کتاب بھیج کر۔ یہ توسیع جماعت کی دعا کی تکمیل کے لئے ایسا ہی ضروری عملی قدم ہے، جیسا غلبہ اسلام کی دعا کے لئے ''نیا نظام عالم'' کے جہاد میں شریک ہونا۔ غرض میری خواہش ہے کہ اس رمضان میں ان دونوں کاموں کے لئے سر توڑ کوشش کی جائے۔ میں جماعت کے بڑے آدمیوں سے اُن سے، جو مرتبہ یا مال یا علم کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز ہیں، اور پھر ان سے جو نکتہ چینی زیادہ کرتے ہیں اور کام کم، درخواست کرتا ہوں کہ اس غرض کے لئے وہ بھی اپنے آپ کو اسلام کی فوج کا ایک معمولی سپاہی سمجھیں۔ اور ان دونوں جہادوں میں اپنی مقدرت کے مطابق شریک ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کام میں شرکت سے ممتاز اصحاب اور زیادہ ممتاز ہو جائیں گے اور شاید بعض احباب کی نکتہ چینی کم ہو کر کام کی قوت زیادہ ہو جائے۔ میں خود اپنے آپ کو اسلام کی فوج کا ایک ادنیٰ سپاہی قرار دے کر اس مضمون کا اپنے آپ کو بھی مخاطب سمجھتا ہوں۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

22 ستمبر 1943ء

حضرت امیر کے قلم سے

اشاعت قرآن ٹرسٹ

آخری عشرہ رمضان کے لئے ایک دعا کی التجا

میرے پیارو دوستو اور بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

14 یا 15 ماہ شعبان تھی کہ میرے معمولی طور پر اُٹھنے کے وقت سے کوئی آدھ گھنٹہ پیشتر مجھ پر ایک نیم خوابیدگی کی حالت وارد ہوگئی اور اس حالت میں میری زبان پر یہ فقرہ تھا اور بار بار میں یہی کہتا چلا جاتا تھا رب قربنی الیک وقرب نصرتک الیّ اے میرے رب تو مجھے اپنے قریب کرلے اور اپنی نصرت کو مجھ سے قریب کردے۔ یہاں تک کہ میرے اُٹھنے کا وقت ہوگیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ خواہ وہ میری زندگی میں ہو یا میرے بعد میری جماعت کو ملے۔ جس خاص دعا کے لئے میں اب آپ سے التجا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لئے شاید آپ کو پورا عشرہ تو نہیں ملے گا۔ مگر مجھے اُمید ہے کہ 21 یا زیادہ سے زیادہ 22 رمضان تک میری یہ التجا اخبار کے ذریعہ سے آپ تک پہنچ جائے گی۔

سب سے بڑی تڑپ جو حضرت مسیح موعود کے دل میں تھی وہ یہ تھی کہ قرآن کریم کو دوسری زبانوں میں ترجمہ کرکے غیر مسلموں تک پہنچایا جائے اور ہماری جماعت کا سب سے بڑا نصب العین یہی رہا ہے اور خدا نے اس چھوٹی سی جماعت کو توفیق بھی وہ دی جو کسی اسلامی حکومت یا کسی اسلامی جماعت کو نہیں ملی کہ چار زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے کئے اور پچاس ہزار کی تعداد میں انہیں دنیا میں پہنچایا۔ مگر اس کام کے لئے ابھی تک ہم نے کوئی مستقل بنیاد نہیں رکھی۔ اب 14,13 رمضان کے قریب ایک دور کے مقام سے ایک ایسی تحریک اُٹھی ہے، جس سے اس کام کی بنیاد مستقل ہو جانے کی قوی اُمید ہے۔ اور وہ یہ تحریک ہے کہ اشاعت قرآن کریم کے لئے ایک ٹرسٹ بنایا جائے۔ جس کا ایک لاکھ کا سرمایہ ہو۔ اور اس سرمایہ سے قرآن کریم کے تراجم مختلف زبانوں میں کرکے انہیں غیر مسلموں تک پہنچایا جائے۔ اور خدا کے فضل سے اس تحریک میں کامیابی کے فوری آثار پیدا ہوگئے

ہیں۔ اور ایسے فوری آثار پیدا ہو گئے ہیں کہ شاید ایک لاکھ کی بجائے دسمبر تک ان کا سرمایہ دو لاکھ روپے ہو جائے۔ سو میں نے چاہا کہ رمضان مبارک میں، جس کا نزول قرآن سے خاص تعلق ہے، ہم اس کام کی بنیاد رکھ دیں۔ آج 17 رمضان ہے اور جنگِ بدر کی سالگرہ۔ اس لئے جہاں ایک طرف اس بنیاد کے لئے میں کچھ عملی کارروائی کر رہا ہوں، دوسری طرف یہ چاہتا ہوں کہ جماعت کے دوست اس آخری عشرہ کی تہجد میں، جس میں لَيْلَةُ الْقَدر بھی ہے، اس مقصد میں کامیابی کے لئے دعاؤں پر خاص زور دیں۔ ہمارا کام تو قرآن کریم کو دنیا میں پہنچا دینا ہے۔ اور اس کا پہنچانا صرف یوں ہی ہو سکتا ہے کہ دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے ہو کر اسے لوگوں کو پہنچا دیا جائے۔ دلوں کو فتح کرنا اس کا اپنا کام ہے۔ اور یہ ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا یہ وعدہ ہے مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى (2:20) نہ وہ ناکام ہوا جس پر قرآن اُترا نہ وہ ناکام ہوں گے جو قرآن کو دنیا میں پہنچا دیں۔ والسلام۔

خاکسار محمد علی

17 رمضان المبارک

23 ستمبر 1943ء

مکتوب امیر

صدقہ رمضان کا جہاد

برادرانِ محترم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

یہ خط اس وقت آپ کی نظر سے گذرے گا جب آپ رمضان کے آخری عشرہ میں داخل ہو چکے ہوں گے ۔ اس وقت تک بہت سے احباب اس جہاد میں شریک ہو چکے ہوں گے جو اس رمضان کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے ۔ اور ممکن ہے ابھی بہت سے باقی ہوں ۔ اس لئے میں تین باتوں کی طرف آخری مرتبہ توجہ دلانا چاہتا ہوں ۔

1 ۔ کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ رمضان کے اندر اندر ہر ایک دوست ، جس قدر رقم سے شرکت کرتا ہے ، وہ وصول ہو جائے ۔

2 ۔ اس جہاد میں گھر کے سب افراد شامل ہوں ۔ اور دفتر میں جو فہرست بھیجی جائے ، اس میں ہر ایک احمدی کا نام ہو ۔ اگر ایک امیر آدمی پانچ سو یا ہزار روپیہ بھی دیتا ہے تو بھی وہ اپنی بیوی اور بچوں کو اس ثواب سے محروم نہ رکھے ۔ بلکہ وہ بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لیں ۔ تا کہ انہیں بھی اس جہاد میں شمولیت کا ثواب حاصل ہو ۔

3 ۔ غریب سے غریب احمدی بھی اس جہاد میں شامل ہو جائے ۔ وہ ایک آنہ یا ایک پیسہ سے بھی شامل ہو ۔ اس کا ایک آنہ شاید عند اللہ ایک امیر آدمی کے ایک سو روپے سے بھی زیادہ قابل قدر ہو ۔

خاکسار محمد علی

14 رمضان المبارک

22 ستمبر 1943ء

افاضات حضرت امیر

''بِسْمِ اللّٰہِ'' اسلامی زندگی میں!

مسلم کی زندگی کے بعض اہم ترین اور ضروری اصول چھوٹے چھوٹے فقروں کے لباس میں ہر ایک مسلمان کے سامنے آٹھوں پہر رہتے ہیں۔ خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ، عرب ہو یا ایرانی یا افغان یا ہندوستانی یا چینی یا ترک یا مصری یا ایشیائی ہو یا یورپ وافریقہ یا کسی اور ملک کا رہنے والا ہو۔ آج اسلام میں داخل ہوا ہو یا نسلاً بعد نسل مسلمان چلا آیا ہو۔ چونکہ یہ اصول چھوٹے چھوٹے جملوں کے رنگ میں ہیں، اس لئے ان کا نام اگر اسلامی کہاوتیں رکھا جائے تو غیر موزوں نہیں ہے۔ ان جملوں میں نہ صرف بعض زریں اصول زندگی ہی پوشیدہ ہیں، جو انسان کو ہر حال میں کام دینے والے ہیں بلکہ یہ جملے یہ اسلامی کہاوتیں، اس وجہ سے کہ ساری اسلامی دنیا میں شہرت رکھتے ہیں اور ہر ایک مسلمان گھرانے میں یکساں علم ان کا ہے اور ہر مسلم کی زبان پر یکساں پائے جاتے ہیں، درحقیقت اسلامی محبت واتحاد کی اس قدر ضمانتیں ہیں، اس زنجیر اخوت کی اس قدر زبردست کڑیاں ہیں، جس کے اندر ساری دنیا کے مسلمان جکڑے ہوئے ہیں۔ اور جو مشرق کے ایک مسلمان کے دل کو مغرب کے مسلمان کے دل سے ملاتے ہیں۔ یہ جملے تمام ملکی اور زمین کی حدبندیوں سے بالاتر، قوم اور ذات کی قیود سے آزاد، رنگ اور زبان کے اختلاف سے غیر متاثر اور وہ ایک مسلمان کی سچی وراثت ہیں۔ خواہ وہ ایک پر رونق شہر میں ہجوم کے اندر ہو یا اکیلا کسی جنگل میں ہو۔ درحقیقت ان کا دائرہ ایسا ہی وسیع ہے جیسے کہ خود دنیا کا۔

مسلم کی زندگی کے ان زریں ہدایت ناموں کو میں ان الفاظ سے شروع کرتا ہوں جن سے قرآن کریم کی ابتداء ہے۔ اور جو وہ پہلا جملہ ہے جو ہر ایک ملک میں ہر ایک قوم میں ہر ایک گھرانے میں ہر ایک مسلم بچہ کو سب سے پہلے سکھایا جاتا ہے۔ اور جن الفاظ کو ہر ایک مسلمان ہر کام اور بالخصوص اہم کاموں کی ابتداء میں دہراتا ہے۔ دنیا میں شاید کوئی مسلمان ہوگا جو ان الفاظ سے ناواقف ہو، اور وہ الفاظ کیا ہیں۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یا اور بھی اختصار کر کے صرف بِسْمِ اللّٰہِ جس کے معنے ہیں خدا کے نام سے۔ بسم اللہ ایک رنگ میں سارے قرآن کریم کا گویا خلاصہ ہے۔ کیونکہ

سورۃ فاتحہ کے سارے مطالب اجمالی رنگ میں بسم اللہ کے اندر موجود ہیں۔ اور اس طرح پر گویا بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ لیکن سورۃ فاتحہ خود سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ اسی لئے اس کا نام اُم القرآن بھی ہے۔ ان الفاظ کو کیوں ایک مسلمان کے ہر کام کی ابتداء میں رکھا گیا ہے۔ خود ان الفاظ کی ابتداء اس پر روشنی ڈالتی ہے۔

ہاں ساری نسل انسان کی قعر تنزل میں چلے جانے کی حالت کو مشاہدہ کر کے وہ انسان، جو نسل انسانی کا سب سے بڑا ہمدرد ثابت ہوا ہے، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا کی کنج تنہائی مین عزلت گزیں ہوا۔ تا کہ ایک خلوص بھرے دل کے اندرونی سازوں کو اپنے مالک حقیقی کے سامنے کھولے اور اس کی جناب میں گڑ گڑائے اور گریہ وزاری کرے۔ گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عرب اور شام کی پستی کا ہی مشاہدہ کیا تھا۔ مگر آپؐ کا پاک دل گویا کل قوموں کی بگڑی ہوئی حالت پر اطلاع پا چکا تھا۔ جیسا کہ بعد کے ان الفاظ سے جو آپؐ کے قلب مطہر پر نازل ہوئے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (41:30) سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن ایک طرف اگر آپؐ ان تاریکیوں اور جہالتوں ان بداعتقادیوں اور ناپاک اور ذلیل کاموں پر تاسف کرتے تھے تو دوسری طرف کوئی ایسی راہ بھی آپؐ کو نظر نہ آتی تھی کہ نسل انسانی کو اس گری ہوئی حالت سے باہر نکال سکیں۔ آپؐ کے ذرائع ایک اتنے بڑے کام کے لئے کچھ بھی نہ تھے۔ آپ کے والد تو آپؐ کی پیدائش سے بھی چند ماہ پیشتر فوت ہو چکے تھے۔ ابھی چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ دو سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب بھی فوت ہو گئے۔ مال اور دولت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ تھا کہ کسی اصلاح کی بنیاد مال کے بھروسہ پر ڈالتے۔ علم آپؐ نے کوئی حاصل نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپؐ کو پڑھنا اور لکھنا بھی نہیں آتا تھا۔ آپؐ اُمی یعنی ان پڑھ تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بار بار فرمایا ہے۔ اسی طرح پر اس عظیم الشان اصلاح کے لئے، جس کی تڑپ ایک سچے ہمدرد نوع انسانی کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے، آپؐ کے پاس کوئی بھی سامان نہ تھا۔ آپؐ کے دل میں ایک تڑپ تھی۔ مگر اس کے پورا ہونے کا کوئی بھی سامان نہ تھا۔ آپؐ کو کوئی بھی راہ نظر نہ آتی تھی جس سے آپ ان لوگوں کو، ان جہالتوں اور غلطیوں سے باہر نکال سکیں۔ اسی تڑپ اور انہی مشکلات کا نقشہ قرآن کریم نے سورہ والضحٰی میں ایک ہی لفظ میں کھینچا ہے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (7:93)

آپؐ کو کوئی راہ نظر نہ آتی تھی۔ کیونکہ کوئی سامان آپؐ کے پاس تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے راہ دکھا دی۔ یہاں ضال سے مراد صرف اس قدر ہے کہ آپؐ کو اپنی کوشش سے، ہاں محض انسانی کوشش سے کوئی راہ نہ مل سکتی تھی۔ اور آپ حیران تھے کہ کیا ہوگا۔ اور کس طرح دنیا سے تاریکی کا تسلط اُٹھ کر لوگ حق کو قبول کریں گے۔ کہ ناگہاں خدا کی طرف سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور وہی روشنی ان تاریکیوں کے اندر آپؐ کی ہادی راہ ہوئی۔ خدا کا فرشتہ ناموس اکبر، جو ہمیشہ خدا کے پیغام اس کے برگزیدہ بندوں کو پہنچاتا رہا تاکہ وہ انسانوں کو تاریکیوں سے باہر نکالے، آپؐ پر ظاہر ہوا۔ اور سب سے پہلا پیغام یہی لایا کہ پڑھو۔ کیا پڑھیں اور کس طرح پڑھیں۔ کیونکہ پڑھنا تو آپؐ جانتے نہیں تھے۔ اس لئے جواب میں آپؐ نے یہی فرمایا **ما انا بقاریٔ** میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتہ نے پھر وہی لفظ دوہرائے۔ اور وہی جواب آپؐ نے دیا۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ اسی بات کا اعادہ ہوا۔ کیونکہ جو شخص پڑھنا نہیں جانتا تھا وہ کس طرح پڑھنے پر قادر ہو۔ اس لئے ناموس اکبر نے چوتھی بار کہا **اِقْـرَاْ بِـاسْـمِ رَبِّکَ الَّـذِیْ خَلَقَ** (1:96) اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔ ان الفاظ میں کیا بجلی کی طاقت تھی! ہاں بجلی کی طاقت بھی اس کے مقابل ہیچ ہے کہ رب کے نام سے پڑھنے کا حکم پاتے ہی وہ سب تاریکی دور ہوگئی۔ وہ سب حیرت اور طبیعت کی کشمکش جاتی رہی۔ ایک لمحہ کے لئے یہ خیال دل میں آیا کہ کیا کل عالم کی اصلاح کے عظیم الشان کام کو میں سر پر اُٹھا سکتا ہوں۔ مگر **بِـــاسْـمِ رَبِّکَ** نے ساری مشکلات کو حل کر دیا۔ اور سارے بوجھوں کے پہاڑ کو اُڑا دیا۔ اور ادھر حکم ملا اُدھر آپؐ اصلاح خلق کے کام میں لگ گئے۔ وہ عظیم الشان کام، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی کوشش سے کرنا ایسا ناممکن تھا کہ کبھی اس کے کرنے کا وہم بھی کسی کو نہ ہوسکتا تھا، وہ خدا کی مدد سے ایسا سہل ہوگیا کہ اب کوئی مشکل آپؐ کی راہ میں باقی نہ رہی۔ ہاں اس خدا کے نام کی مدد سے جو ناممکن تھا ممکن ہوگیا۔

یہ ہے ان الفاظ کی ابتداء اور ان حالات میں۔ ہاں **بِسْـمِ اللّٰہِ** میں، جس کے ساتھ قرآن کریم شروع ہوتا ہے، ایک مسلم کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ وہ عظیم الشان کام جو فی الحقیقت ناممکن نظر آتا تھا اس کو خدا کے نام نے ہاں اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نے ایسا آسان کر دیا۔ تو ایک مسلم کی زندگی میں وہ کون سی مشکل ہے جو ایسے خدا کے نام کی مدد سے دور نہیں ہوسکتی۔ ہاں اس کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو کام

اس کی اپنی کوشش سے نہیں ہوسکتا، وہ بِسْمِ اللّٰہِ سے ہوسکتا ہے۔ اور اسی لئے اسے تاکید ہے کہ وہ ہر کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرے۔ وہ بات، جو انسان کو منزل مقصود تک پہنچاتی ہے، وہ جو اس سے بڑے بڑے جوانمردی کے کام کراسکتی ہے، وہ کیا ہے۔ کامیابی کا یقین۔ یہ یقین کہ کوئی روک اس کی راہ میں ایسی نہیں جو دور نہ ہو سکے۔ اسی سے انسان کے اندر وہ عزم پیدا ہوتا ہے جس کے سامنے مشکلات کے پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اُڑ جاتے ہیں۔ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (5:101) اسی یقین کو پیدا کرنے کے لئے اسے بِسْمِ اللّٰہِ سکھائی گئی ہے اور اسے بتایا گیا ہے کہ وہ کسی کام کو ناممکن نہ سمجھے، بلکہ خواہ اس کی اپنی کوشش کسی کام کے مقابل میں کیسی بھی کمزور نظر آئے، اس کو اپنی کمزوری پر نہیں بلکہ اس ذات پاک کی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہئے جس نے سب کچھ پیدا کیا ہے۔ اسی طرح پر بسم اللہ گویا انسانی زندگی کی ساری مشکلات کی کنجی ہے۔ جس کے سامنے مشکلات کے تالے ٹوٹتے چلے جاتے ہیں۔ ہاں انسان کا دل اپنی کمزوری کو محسوس کرتا ہے۔ مگر خدا کی مدد کا بھروسہ اس کی ساری کمزوریوں کو دور کر کے اس کے دل کو پہاڑ کی طرح مضبوط بنا دیتا ہے۔ بہت سی باتیں ہیں جو انسان کے نزدیک ناممکن ہیں۔ مگر خدا کے نزدیک کچھ ناممکن نہیں۔

پس بِسْمِ اللّٰہِ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انسان کے قلب کی کیا حالت ساری مخلوق کے خالق کے سامنے ہونی چاہئے۔ اپنی عاجزی کا پورا اعتراف اور خدا کی مدد کا کامل بھرسہ۔ پہلا اعتراف انسان کے قلب کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ دوسری جگہ سے امداد حاصل کرے۔ دوسرا یقین انسان کے لئے وہ سرچشمہ ہے جو اس کی ساری کمزوریوں کو دور کر دے گا۔ اور یوں توحید الٰہی کا عملی سبق ہر مسلمان کو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں ملتا ہے۔ اور یہ وہ ہدایت ہے جو ساری کتب مقدسہ کی اوراق گردانی کے بعد بھی انسان کو کہیں نہیں مل سکتی!

ایک اور بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ صفات الٰہی کی جو تصویر بسم اللہ میں کھینچی گئی ہے وہ کیسی ہے۔ یہاں تین نام ذات باری تعالیٰ کے آئے ہیں۔ اللہ، رحمٰن، رحیم اور چونکہ ایک مسلمان اپنے ہر کام کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰہِ پڑھتا ہے۔ اس لئے یہ تین نام گویا اسمائے الٰہی ہیں۔ جو شب و روز ایک مسلمان کے سامنے رہتے ہیں۔ اور انہی صفات الٰہی میں وہ شب و روز پناہ ڈھونڈتا ہے۔

ان میں سے لفظ اللّٰہ ذات باری کا نام ہونے کے علاوہ توحید الٰہی کا ایک نشان ہے۔ کیونکہ یہ لفظ عربی زبان میں سوائے خدائے واحد کے اور کسی پر نہیں بولا گیا۔ پھر اسم اللہ جامع جمیع صفات حسنہ باری تعالیٰ ہے۔ دوسرا اسم الرحمٰن ہے جس کے معنے ہیں رحم کو کمال کے ساتھ رکھنے والا۔ وہ جس کا رحم کافرو مومن پر یکساں ہے۔ یعنی اس کی صفت رحمانیت کا یہ تقاضا ہے کہ انسان کے استحقاق پیدا کرنے سے وہ اپنا رحم اس پر کرتا ہے۔ اور اس لئے یہ رحم اس کا ساری مخلوق کے لئے عام ہے۔ تیسرا اسم رحیم ہے۔ جس کے معنے ہیں وہ جس کی صفت رحم بار بار کام کرتی رہتی ہے۔ صفت رحیمیت کا تعلق انسان کے افعال کے ساتھ ہے۔ یعنی جو شخص اپنے آپ کو اس قابل بناتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔ وہ صفت رحیمیت سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ گویا صفت رحمانیت کا رحم ایک عام قانون کے رنگ میں ہے۔ اور صفت رحیمیت کا رحم ایک فعل کے نتیجہ کے رنگ میں۔ وہ رحمان ہے کہ اس نے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے وہ سارے سامان پیدا کئے جن سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور وہ رحیم ہے کہ جو انسان اس کے قوانین اور سامانوں کو اپنے کام میں لاتا ہے وہ ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ پس یہ تینوں اسمائے یعنی اللّٰہ، رحمٰن، رحیم ذات باری تعالیٰ کے کمال اس کی محبت، اس کی رحمت پر دلالت کرتے ہیں اور جو شخص اپنی ذات پر بھروسہ کرتا ہے اور اس سے مدد طلب کرتا ہے۔ وہ یقیناً محروم نہیں کیا جاتا!

بسم اللہ اس بات کا فیصلہ بھی کرتی ہے کہ ایک مسلمان اپنے خدا کو کیسا سمجھتا ہے۔ کیونکہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ درحقیقت قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ در خلاصہ ہے، اس لئے جن صفات الٰہی کا یہاں اظہار ہے وہ خدائے اسلام کی صفات کا اصلی نقشہ دکھاتی ہیں۔ اب بِسْمِ اللّٰہِ میں اسم اللّٰہ کمال پر۔ اسم رحمٰن محبت غیر متناہی پر۔ اسم رحیم غلبہ رحم پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام اس خدا کو پیش کرتا ہے جس کی ذات میں کمال اور جس کی صفات میں محبت اور رحم کا غلبہ ہے۔ اور ان صفات الٰہی کو ہر وقت نظر کے سامنے رکھنے سے ایک مسلمان بھی انہی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ پس نہ صرف بِسْمِ اللّٰہِ اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ خدائے اسلام کی صفات پر غالب محبت اور رحم ہیں، بلکہ ساتھ ہی یہ بھی سکھلاتی ہے کہ اس انسان کو، جو ہر حال میں ایک محبت اور رحم والے خدا کی مدد طلب کرتا ہے، خود بھی محبت اور رحم کی صفات

اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔

بعض معترضین نے کہا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ عربوں کو طائف کے شاعر امیہ نے سکھائی تھی۔ یہ یقیناً غلط ہے۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کفار عرب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے لکھنے سے انکار کرتے ہیں۔ اور اس کی بجائے اپنی پرانی طرز میں بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھتے ہیں۔ کیونکہ سہل بن عمر نے معاہدہ حدیبیہ پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے سے انکار کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ہر قوم کے اندر ابتداء کرنے کے لئے بطور تبرک کوئی جملہ استعمال کیا جاتا ہو گا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ یہی بِسْمِ اللّٰهِ کسی قوم میں مروج تھی۔ اسلام کا کمال اس میں ہے کہ پہلوں کی خوبیوں کا ہونا تسلیم کر کے اُن سے بڑھ کر خوبی کی بات پیش کرتا ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ کی جو صورت قرآن کریم نے سکھلائی اور جن جن صفات الٰہی کا اس کے اندر بطور خلاصہ نقشہ کھینچا وہ اسلام کے امتیازات میں سے ہے۔

۞۞۞

29 ستمبر 1943ء

تعزیتی مکتوب

محترم شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے نام

اخویم مکرم محترم شیخ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

یہ فقرہ لکھتے وقت، کہ ہمارے نہایت پیارے بچے مبارک احمد کا انتقال ہو گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ لَانَرْضٰی اِلَّا بِقَضَآءِ رَبِّنَا اس سعید نوجوان کے ساتھ آپ کی اُمیدیں تو وابستہ تھیں ہی، میری بھی بہت سی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ اور اس کے چہرے پر سعادت کے آثار دیکھ کر مجھے یہ یقین تھا کہ وہ ایک دن اس جماعت کا ایک نہایت ہی مفید رکن بنے گا۔ مگر آہ یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اس قدر تھوڑی عمر لے کر اس دنیا میں آیا ہے اور اپنے مولیٰ سے ملنے میں اس قدر جلدی کرے گا فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَاعْفُ عَنْهُ. اَللّٰهُمَّ اَكْرِمْ مَنْزِلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِى الْجَنَّةِ.

اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے آپ پر ابتلاؤں کا بڑا بھاری امتحان بھیجا ہے۔ جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے اور بڑے امتحانوں سے گزر کر آئے تو ارشاد ہوا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ (155:2) ابھی کچھ اور امتحان باقی ہیں جو کچھ خوف کے ذریعہ سے کچھ بھوک کے ذریعہ سے کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ اس کی غرض کیا تھی۔ ان کو کمال تک پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت جس طرح انعامات کے ذریعہ سے ہوتی ہے، مصائب کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو بڑے بلند درجات عطا فرمانا اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا تھا۔ مگر وہ بلند درجات مل نہ سکتے تھے جب تک کہ مصائب کے بڑے بھاری امتحانوں سے نہ گزرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی ایسے ہی امتحانوں سے گذارا ہے اور مجھے کامل اُمید ہے کہ آپ کی بلندی درجات کے لئے ہی گذارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ان مصائب میں صبر کرنے والوں کو بشارت دی ہے اور یہ خوشخبری بھی دی ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (157:2) الحمد للہ کہ آپ نے تمام مصائب کو ایسے رنگ میں برداشت کیا ہے جو دوسروں کے لئے اعلیٰ درجہ کا نمونہ

ہے۔ آپ نے جس کو اپنا گھر بنایا تھا، اس مقام کو محض خدا کی رضا کے لئے چھوڑا۔ جو عزت بنی ہوئی تھی اس کو خدا کے لئے چھوڑا۔ دنیوی آسائشوں کو خدا کے لئے چھوڑا۔ معیشت کے سامان کو چھوڑا اور ہر قسم کی تکلیفوں کو خدا کی رضا کے لئے قبول کیا۔ آپ کا مقام قابلِ رشک ہے۔ اور اب اللہ تعالیٰ نے سنت صلحاء کے مطابق آپ پر اس تکلیف کو وارد کیا۔ اولاد کا صدمہ۔ پھر ایسے سعید اور صالح اور ہونہار جوان بیٹے کا صدمہ دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ مگر آپ نے اسے بھی صبر سے برداشت کیا۔ مجھے کل شام کو یہ خبر ملی۔ پرسوں شام کو بیماری کی خبر ملی تھی مگر اس وقت ہمارا یہ پیارا بچہ داعی اجل کو لبیک کہہ چکا تھا۔ اور آج رات میں آپ کے لئے بار بار یہی دعا کرتا رہا کہ اے خدا تو نے اپنی جن رحمتوں اور برکتوں کا اپنے صابر بندوں کے لئے وعدہ فرمایا ہے وہ سب شیخ عبدالرحمٰن صاحب کو عطا فرما **رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ** (286:2) اور آئندہ کے لئے انہیں ایسے مصائب سے اپنی حفاظت خاص میں رکھیو۔

والد کی محبت کی گہرائیوں کو تو کون پہنچ سکتا ہے مگر میں بھی آپ کے صدمہ میں شریک ہوں اور میری بیوی اور بچے بھی۔ ان کی طرف سے گھر میں اظہار افسوس کر دیں۔ کل شام کا وقت میرے لئے اس قدر غم کی خبریں لایا کہ انسان کی زندگی میں یہ کم ہی واقع ہوتا ہے۔ عزیز مبارک احمد کی وفات کی خبر، پھر دوسری کھنڈے خاں صاحب کے نوجوان بیٹے عبدالرحیم خاں کی وفات کی خبر، پھر سید عبدالجبار شاہ صاحب کے پوتے کی وفات کی خبر۔ وہ مالک ہے جو کچھ وہ کرے اس کے سامنے سر جھکانے کے سوائے چارہ نہیں۔ والسلام۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

۞۞۞

6 اکتوبر 1943ء

حضرت امیر کے قلم سے

پیغام عید

برادرانِ محترم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

میں نے رمضان کے شروع ہونے سے پہلے ایک تحریک کی تھی۔یعنی ''نیا نظام عالم'' کی تحریک ۔میرا دل چاہتا تھا کہ یہ تحریک رمضان میں ہی تکمیل کو پہنچ جائے اور یہ رسالہ بھی رمضان میں ہی مکمل ہو جائے ۔مگر نہ ابھی جماعت کی طرف سے یہ کام پورا ہوا ہے اور نہ مجھ سے ہو سکا۔البتہ دونوں باتوں کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھی ہو گئی ہے۔اور اسی لئے دونوں کاموں کو بعد رمضان بھی جاری رکھنا چاہتا ہوں۔اور آج 29 رمضان کو یہ پیغام آپ کو پہنچانا چاہتا ہوں کہ تھوڑی سی کوشش اور کریں اور عید کے ساتھ ہی اس کام کی تکمیل کا تہیہ کر لیں۔ہاں میں دور بیٹھا ہوں۔نہیں کہہ سکتا کہ کب تک یہ پیغام آپ کو پہنچے۔

جماعت کی طرف سے جو ابتداء اس کام کی ہوئی ہے، وہ ان ایام کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔جماعت کا اکثر حصہ ان غرباء کا ہے جن کی آمدنیاں بہت ہی محدود ہیں۔اور اس وقت کی ہوشربا گرانی نے انہیں پریشان کر رکھا ہے۔مگر خدا کے دین کے عشق کا جذبہ اس قدر زبردست ہے کہ احباب نے اپنی مشکلات کی پروانہ کرتے ہوئے اس نئے جہاد میں شرکت کے لئے اُمید سے بڑھ کر جوش دکھایا ہے۔بغداد کی جماعت، جہاں سے اس تحریک کی ابتداء ہوتی تھی، دور کی جماعت ہے۔مگر کس قدر قریب ہے۔سید تصدق حسین صاحب قادری کے تازہ خط سے معلوم ہوا کہ اخی المکرّم عبداللطیف اسماعیل صاحب نے، جو گذشتہ فروری میں لاہور بھی تشریف لائے تھے اور اپنی ملاقات سے اُنہوں نے یہاں کی جماعت کو مسرور فرمایا تھا، میری سب سے پہلی تحریک کو پڑھتے ہی علاوہ اس ایک سو روپے کے جو پہلے دے چکے تھے، ایک ہزار روپے کا مزید چیک فوراً کاٹ کر قادری صاحب کے حوالہ کر دیا۔جزاہ اللہ احسن الجزاء۔میں جماعت کے سب بزرگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ عبداللطیف اسماعیل صاحب کے لئے دردِ دل سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اموال میں برکت عطا

فرمائے۔ اوران کے سینے میں اس سے بھی زیادہ وسعت پیدا کرے۔ میں بھی دعا کرتا ہوں اس طرح ایک جماعت بغداد نے ہی رقم مطلوبہ کا پانچواں حصہ پورا کر دیا۔ یعنی ایک ہزار روپے پہلے دیا تھا اور ایک ہزار اب آ گیا اور باقی ساری جماعت کے لئے صرف چار قسطیں باقی رہ گئے۔

عبداللطیف صاحب کے نام سے میرا ذہن ان کے ہم نام اپنے عزیز بھائی عبداللطیف صاحب حیدرآبادی کی طرف منتقل ہو گیا۔ اس مرد بیمار نے، جو مالی لحاظ سے غرباء میں شامل ہیں، اپنی عمر کا اندوختہ سولہ سو روپے کی رقم ابھی ابھی انجمن کو عطا کی ہے جزاہ اللہ خیرا۔ میں نے ان کا ذکر اس موقعہ پر اس لئے کیا ہے کہ وہ اکثر بیمار رہتے ہیں۔ دمہ کا عارضہ ہے۔ میں جماعت کے بزرگوں سے، جنہیں رات کو اُٹھنے کا موقعہ ملتا ہے، یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ عبداللطیف صاحب حیدرآبادی کے لئے بھی درد دِل سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کامل صحت عطا فرمائے۔ ان کا دُکھ ہم سب کا دُکھ ہے اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (83:21) ایسے درد دِل رکھنے والے اور اس قسم کا ایثار کرنے والے احباب آج عنقا کا حکم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جماعت کو اس قسم کے انصار دین سے بھر دے اور خود اپنے رحم سے ان کی تکلیفوں کو دور فرمائے۔

میں ان دوستوں کا نہایت شکر گزار ہوں، جنہوں نے مجھے اس طرف توجہ دلائی کہ اس جہاد کو امراء تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ غریب سے غریب آدمی کو بھی اس میں شامل کیا جائے۔ اور جماعت کے ایک ایک فرد کو شامل کیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ امراء بھی اس میں حصہ لے کر جلد رقم مطلوبہ کو پورا کر دیں گے۔ گو اس وقت تک جو میں لکھ رہا ہوں مجھے ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ سوائے ایک دو اصحاب کے۔ اس وقت میرے لکھنے کی غرض صرف اس قدر ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس تحریک میں جماعت کا ایک ایک فرد، مرد ہو یا عورت، عمر رسیدہ ہو یا نوجوان شامل ہو، خواہ کوئی ایک پیسہ سے ہی شامل ہو مگر کوئی شخص جو اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے اس سے باہر نہ رہے۔ اس میں ایک خاص مصلحت ہے جس کو میں پھر کسی وقت بیان کروں گا۔ اس لئے اس تحریک کو میں اس وقت تک جاری رکھنا چاہتا ہوں جب تک مجھے یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ جماعت کا کوئی دوست اس سے باہر نہیں رہا۔

بعض اصحاب نے مجھے یہ کہا ہے کہ اس تحریک کی کیا ضرورت ہے۔ انجمن کیوں یہ رقم خرچ

نہیں کر دیتی۔ میرا خیال ہے کہ اس بارے میں انہیں مجھ پر اعتماد کرنا چاہئے۔ انجمن نے کوئی ریزولیوشن پاس نہیں کیا تھا کہ میں یہ تحریک کروں۔ اور یہ بھی میں جانتا ہوں کہ انجمن چاہے تو وہ اس قدر رقم خرچ کر سکتی ہے۔ لیکن ابتداء سے میرا خیال تھا کہ جہاد کو شروع کرتے وقت، جو فی الحقیقت ہمارے آئندہ کرنے والے کاموں کی ایک بنیاد ہے، ساری جماعت کو ساتھ لے کر قدم آگے بڑھایا جائے۔ اور اب جو میں نے اس رسالہ کو لکھنا شروع کیا ہے تو میرا یہ خیال اور بھی زیادہ مستحکم ہو گیا ہے کہ اس جہاد میں ساری جماعت کا قدم اکٹھا اُٹھے۔ اور نہ صرف وہ مالی رنگ میں اس میں شریک ہوں بلکہ اپنی دعاؤں کے ساتھ بھی شریک ہوں۔ اور فی الحقیقت یہ ساری جماعت کو دعا میں شامل کرنے کا ہی ایک بہانہ ہے۔ ورنہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے ؎

بمفت ایں اجر نصرت را، دہندت اے اخی ورنہ قضائے آسمان ست ایں، بہر حالت شود پیدا

میں نے اب تک جس قدر حصہ اس رسالہ کا لکھا ہے اور آئندہ جو راستہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے کھولا ہے، میرا اس پر شرح صدر ہے کہ دلائل کے رنگ میں یہ ایک زبردست ہتھیار ہمارے لئے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے میری بہت سی تحریروں کو محض اپنے کرم سے وہ قبولیت عطا فرمائی ہے جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھی میری تقصیروں سے درگذر فرماتا ہوا اپنے رحم کے دامن کو اس قدر وسیع کرے گا کہ یہ رسالہ شاید سب پر سبقت لے جائے۔ مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہم نے دِلوں کو فتح کرنا ہے اور محض دلائل سے دل فتح نہیں ہوتے جب تک کہ اس کے ساتھ روحانی قوت نہ ہو۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس جہاد کو شروع کرتے ہوئے ساری جماعت کا عزم، ساری جماعت کی ہمت اور ساری جماعت کی دعائیں میری اس ناچیز کوشش کے ساتھ ہوں اور اس میں وہ قوت پیدا کرنے کا موجب ہوں جس سے دل خدا کے آگے جھک جائیں۔ اس لئے میں ساری جماعت کی شرکت اس میں چاہتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں بعض وقت تیرہ تیرہ اور چودہ چودہ سال کے لڑکے بھی مجاہدین میں شامل ہوتے تھے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ہماری جماعت میں بھی اس پاک نمونہ کی ایک جھلک پیدا ہو۔

مجھے یہ کوئی امر بعید معلوم نہیں ہوتا کہ ہمیں اس رسالہ کے دس بیس یا چالیس پچاس زبانوں

میں ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ تا کہ اس وقت ہم پیغام اسلام کو اطراف عالم تک پہنچا دیں۔ یہ سب کام انجمن ہی کرے گی اور انجمن ہے کیا۔ وہ جماعت کا ہی نام ہے۔ آپ لوگ ہی کریں گے میں تو سپاہی بننے کے لائق نہ تھا مگر آپ لوگوں نے خود ہی مجھے اپنا کمانڈنگ افسر بنا دیا۔ اس لئے جب تک آپ کے دِلوں میں میری یہ حیثیت ہے، کیونکہ میری ظاہری طاقت تو کوئی ہے نہیں، اس وقت تک آپ میں سے ہر ایک کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ اور اس وقت میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس جہاد میں اس جماعت کا ایک ایک فرد، مرد ہو یا عورت، لڑکا ہو یا لڑکی، سب کے سب شامل ہوں۔ اور اس تحریک کو اس وقت تک جاری رکھا جائے گا۔ جب تک یہ غرض پوری ہو جائے۔ یعنی اب میری غرض دس ہزار روپے کی رقم بھی نہیں جو کچھ ہو جائے کم ہو یا زیادہ اس کی پروا نہیں۔ لیکن ساری جماعت اس میں شامل ہو جائے۔ جو اصحاب پہلے کچھ ادا کر چکے ہیں اور ان کے بیوی بچوں کی طرف سے کچھ نہیں آیا وہ اب ان کو بھی شامل کریں۔ ہاں جو ایک پیسہ سے بھی شامل ہونے کی طاقت نہیں رکھتے ان کے متعلق مجھے علم ہو جائے تو شاید اللہ تعالیٰ ان کے لئے بھی شمولیت کا کوئی راستہ کھول دے۔ والسلام۔

خاکسار محمد علی

ڈلہوزی۔ 29 رمضان

3 اکتوبر 1943ء

ارشادات حضرت امیر

تبلیغ اسلام کے تین ذرائع

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ. (33:41) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور اچھے کام کرتا ہے اور کہتا ہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔'' بظاہر یہاں ایک دقت معلوم ہوتی ہے۔ شروع یوں کیا تھا وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا اس سے بہتر بات کون کہتا ہے۔ لیکن اس کے آگے جو ذکر کیا وہ کہنے کا نہیں بلکہ کچھ کرنے کا ذکر ہے۔ کس سے اچھی بات کوئی نہیں کہتا؟ مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰهِ اس شخص سے جو اللہ کی طرف بلائے۔ یہ ایک عمل ہے۔ پھر کہا وَعَمِلَ صَالِحًا یہ بھی ایک عمل ہے۔ اور تیسری بات کہی قَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ. اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ یہ قول ہے۔ دو باتیں جو اس قول سے پہلے بیان کیں، وہ درحقیقت یہ بتانے کے لئے ہے کہ جس چیز کی طرف اشارہ ہے، وہ صرف اتنا کہنا نہیں کہ میں مسلم ہوں یا مسلموں میں سے ایک ہوں۔ بلکہ وہ شخص ایسا کہہ سکتا ہے، جو دو کام پہلے کرتا ہے۔ ایک دعوت الی اللہ اور دوسرے اعمال صالحہ۔ تب اس کا اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ. کہنا بھی موزوں ہے۔

غرض کیا ہے؟ یہ قول کہ میں مسلمان ہوں۔ مسلمانوں میں سے ہوں، فی الحقیقت اس شخص کو سزاوار ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بھی بلائے اور اچھے عمل بھی کرے۔ یہ تو ہم عام طور پر کہہ دیتے ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنا اس کو سجتا ہے، جو پہلے مسلمان بنے۔ لیکن یہاں ایک مرتبہ اور آگے بڑھایا۔ فرماتا ہے۔ اس شخص کو مسلم بننا سزاوار ہے، جو صرف عمل صالح ہی نہیں کرتا، خود مسلمان ہی نہیں بنتا، بلکہ دعوت الی الاسلام کا کام بھی کرتا ہے۔ یعنی لوگوں کو مسلمان بناتا بھی ہے۔ یعنی دوسروں کو مسلمان بناؤ اور خود اپنے عمل سے آپ مسلمان ہونا ثابت کرو۔ اور پھر کہو اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ. کہ مسلمانوں میں سے ہوں!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کے لئے یہی ضروری نہیں کہ وہ اچھا مسلمان بنے، بلکہ یہ بھی

ضروری ہے کہ وہ اور لوگوں کو بھی مسلمان بنائے۔ یعنی لوگوں کو اسلام کی طرف بلائے۔ آگے اس پر اجر کا مرتب کرنا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لیکن ایک مسلم کے دل میں یہ تو خواہش اور تڑپ ہونی چاہیئے کہ وہ لوگوں کو مسلمان بنائے۔ صحابہؓ کی تاریخ کو غور سے پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ تڑپ ان لوگوں کے دل میں کس قدر زبردست تھی، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان بنایا۔ وہ صرف خود ہی مسلمان نہ بنتے تھے، بلکہ دوسروں کو بھی مسلمان بناتے تھے۔ مغرب کے جن لوگوں نے اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ایک مسلمان پیدائشی مبلغ اسلام ہوتا ہے۔ جس دن وہ مسلمان بنتا ہے، اُسی دن سے وہ اسلام کا ایک داعی بھی ہوتا ہے۔ جتنا جذبہ اس کے دل میں مسلم بننے کا ہوتا ہے، اتنا ہی مسلمان بنانے کا بھی ہوتا ہے۔

جس طرح جسمانی رنگ میں ہر انسان کی یہ خواہش فطری ہے کہ اس کے ذریعہ اور انسان بھی پیدا ہوں، اسی طرح روحانی رنگ میں ہر مسلمان کی یہ فطری خواہش ہے کہ اس کے ذریعہ سے اور مسلمان بنیں۔ اسلام ایک فطرت کا مذہب ہے۔ جیسا کہ فرمایا **فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا** (30:30) اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت پر قائم رہو، جس پر اس نے لوگوں کو اصل حالت میں پیدا کیا ہے۔ اس لئے مذہب فطرت نے اس تڑپ کو ہر مسلم کی فطری تڑپ قرار دیا ہے کہ جس طرح جسمانی رنگ میں وہ نسل انسانی کی افزائش کا موجب ہے، اسی طرح روحانی رنگ میں بھی وہ مسلمانوں کی افزائش کا موجب ہو۔

مذہب پھیلانے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ کچھ لوگ اس کے پھیلانے میں لگ جائیں۔ اور عام طور پر مذاہب میں یہی طریق مذہب کی ترقی کا پایا جاتا ہے۔ لیکن اسلام نے پہلی بات، جس کا تقاضا کیا ہے، وہ یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان کے اندر یہ تڑپ پیدا ہو جائے کہ وہ دوسروں کو مسلمان بنائے۔ وہ چیز جس کو دوسرے مذاہب نے اختیار کیا ہے، وہ بھی اسلام میں موجود ہے۔ **وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** (104:3) اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک گروہ ہو، جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں۔ جس چیز کو دوسرے مذاہب نے اختیار کیا، وہ بھی قرآن میں موجود ہے۔ مگر یہاں اس سے بڑھ کر یہ بھی موجود ہے

کہ ہر ایک مسلمان کے دل میں یہ تڑپ ہو کہ وہ مسلمان بنائے۔

اسلام کامل مذہب ہے: یہ آپ سب جانتے ہیں کہ اسلام ایک کامل دین ہے۔ فرمایا **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ** (3:5) نہ اسلام سے پہلے کسی مذہب نے کامل ہونے کا دعوٰی کیا اور نہ اسلام کے بعد کوئی کامل مذہب آیا۔ قرآن مجید پہلی اور آخری کتاب ہے جس نے دعوٰی کیا **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ** ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں وہ فرماتے ہیں۔

> ''میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کے تمہیں کہیں لیکن فارقلیط جو پاک روح ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا'' (یوحنا۔ باب 14)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عیسٰی ہیں۔ وہ کہہ جاتے ہیں کہ میرا مذہب کامل نہیں ہے۔ وہ کامل مذہب دینے والا بعد میں آئے گا۔ لیکن اسلام صرف کامل مذہب ہی نہیں، خود کامل ہونے کا دعوٰی ہی نہیں کرتا، بلکہ اس کی تبلیغ کے کامل ذرائع بھی اس کے اندر موجود ہیں، جن سے یہ کامل طور پر دنیا میں پھیل سکتا ہے۔

اسلام کو پھیلانے کے تین ذرائع: پہلا ذریعہ یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری ٹھہرایا کہ وہ **اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ.** اس وقت کہے جب دعوت الی اللہ بھی کرے۔ اور دوسری چیز اسلام کی تبلیغ کے ذرائع میں سے یہ ہے **وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ** (104:3) کہ مسلمانوں کے اندر ایک گروہ ایسا رہے جو اسلام کو پھیلاتا رہے۔ اور تیسرے یہ کہ اس امت کے اندر وہ لوگ آتے رہیں گے جو وقتی ضروریات کے مطابق اسلام کا احیاء اور اس کی تجدید کرتے رہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِئَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا** اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سر پر ایسا شخص مبعوث کرتا رہے گا جو دین کی تجدید کرتا رہے گا۔ اس تیسرے ذریعہ کے ماتحت مجدد دین آتے رہے۔ اور اسلام کو پھیلاتے رہے۔ وہ اسلام کو دنیا میں پھیلانے والے کس طرح تھے؟ مجدد کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کے ایک گروہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے پیدا کر دیتا ہے۔ اور ان کے قلوب میں زندہ ایمان پیدا کر دیتا ہے۔ یہ کام عام انسان سے نہیں ہوسکتا۔ بہت سے علماء اچھے دلائل دے سکتے ہیں، مگر یہ کام نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ضروری

ہے کہ کچھ لوگوں کا اللہ تعالیٰ سے زندہ تعلق ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ صورت رکھی کہ وقتاً فوقتاً ان میں وہ لوگ پیدا ہوتے رہیں، جو اسلام کو پھیلانے کا ذریعہ بنیں۔

حضرت مسیح موعود کا سلسلہ: اسی ذیل میں یہ سلسلہ بھی آتا ہے، جو چودھویں صدی میں حضرت مسیح موعود نے قائم کیا۔ آپ کی بعثت بھی اسی غرض کے لئے ہوئی کہ انسانوں کے دلوں میں خدا تعالیٰ پر پختہ ایمان پیدا کر کے انہیں تبلیغ اسلام پر لگایا جائے۔ ہم جو آپ کو ''مجدد اعظم'' اور ''مجدد کامل'' کہتے ہیں، وہ بھی اسی لئے ہے کہ آپ کی جماعت اسی منہاج پر دنیا میں اسلام پھیلانے کے لئے اٹھی ہے، جس طرح صحابہ کرامؓ تبلیغ اسلام کرتے تھے۔ ہر ایک شخص، جو اس جماعت میں داخل ہوتا ہے، اس سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم کرے۔ یعنی دین کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو۔ حضرت مرزا صاحب بھی فرماتے ہیں کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ اسلام کو دنیا میں پھیلاؤں۔ اور ان ممالک میں اس کی تبلیغ کروں، جو اب تک اس نور سے محروم ہیں۔

اسلام چونکہ کامل مذہب ہے، اس لئے اس کی تبلیغ کے ذرائع بھی مکمل ہونے چاہئیں تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیئے، جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ تبلیغ بڑا مشکل کام ہے۔ اور بڑا آسان کام بھی۔ مشکل اس لئے کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اور اسلام کی صداقت پر زبردست ایمان بکار ہے۔ آسان اس لئے کہ اسلام کے اندر وہ تمام ضروریات موجود ہیں، جو وقتاً فوقتاً لوگوں کو پیش آتی ہیں۔ گویا لوگوں کی پیاس کو بجھانے کا سامان یہاں موجود ہے۔ آپ کو معلوم ہے، کہ عیسائیت کیوں ناکام ہوئی؟ اس لئے کہ وہ مادی ترقی کے مقابل پر اللہ تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ایمان قائم نہ رکھ سکی! یورپ اور امریکہ میں خدا پر ایمان مونہہ پر ہے، دلوں میں نہیں۔ اسلام میں خدا پر زندہ ایمان پیدا کرنے کے ذرائع موجود ہیں۔ اور کئی ضروریات کا علاج بھی اس میں ہے۔ عیسائیت میں نئی ضروریات کا علاج نہیں چنانچہ اسلام دنیا میں اس لئے پھیلے گا کہ اس میں نئی ضروریات کا علاج موجود ہے۔ اس حقیقت کو اس زمانہ کے مجدد نے ہمارے قلوب میں میخ کی طرح گاڑ دیا ہے کہ اسلام دنیا کا آخری مذہب ہے۔ اور وہ دنیا پر غالب آئے گا۔

جس شخص کو ضرورت ہے کہ آج کسی ضرورت کا علاج مذہبی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کرے، وہ قرآن مجید کی طرف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف توجہ کرے۔ اس میں

سب کچھ موجود ہے۔

ٹریکٹ ''نیا نظام عالم'': میری ساری زندگی اس شغل میں گزری ہے۔اس وقت اس کا نچوڑ خلاصہ کے طور پر میں نے ٹریکٹ ''نیا نظام عالم'' میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔میری اس کوشش کے نتیجہ میں کچھ ہوا بھی ہے؟ یہ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔لیکن اس ٹریکٹ کو لکھتے ہوئے از سر نو میرے دل میں یہ یقین پیدا ہوا ہے کہ اسلام کے سوا کوئی مذہب کامیاب نہیں ہوسکتا۔اور اسلام یقیناً کامیاب ہوگا۔اور ان مذاہب پر بھی غالب آئے گا، جو اس مادی تہذیب کے مقابل ناکام ہو چکے ہیں!

میں نے گزشتہ جمعہ کے خطبہ میں کہا تھا کہ لوگ بعض دفعہ ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔لوگوں کی یہ ذہنیت ہوتی ہے کہ یا تو اس انتہاء پر ہوتے ہیں کہ اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔اور دنیا میں ایک مامور آتا ہے اس کو تسلیم نہیں کرتے۔اور یا ایسے کرتے ہیں کہ اگر ایک گدھے کے ماتھے پر بھی یہ بورڈ لگا دیا جائے کہ میں مامور ہوں، تو اس کے ماننے کے لئے تیار ہو جائیں گے!

خوب یاد رکھو! اسلام سے بڑھ کر اعلیٰ اور مکمل تعلیم آپ کسی مذہب میں نہیں پائیں گے! میں اس بات کو آپ کے ہاتھ میں بطور دلیل دیتا ہوں کہ جو شخص کسی نئی نبوت یا نئے دین کی طرف بلاتا ہے، اس سے ایک ہی مطالبہ کافی ہے کہ قرآن سے بڑھ کر وہ کیا چیز دیتا ہے؟ اگر تمہیں کوئی کہے کہ یہ کپڑے، جو تم نے پہنے ہوئے ہیں، اب پھینکنے کے قابل ہو گئے ہیں، تو تمہارا پہلا سوال یہ ہوگا کہ ان کی جگہ وہ کون سے کپڑے تمہیں دیتا ہے؟ مذہب کی تبدیلی کی طرف جو بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت منسوخ ہوگئی ہے، قرآن منسوخ ہوگیا، تو سیدھی ہے کہ ہم اس سے پوچھیں کہ قرآن کریم کی جگہ تم ہمیں کیا دیتے ہو؟ یہ واقعات کی پرکھ ہے کہ قرآن سے بہتر کوئی شخص کچھ نہیں دے سکتا۔پس جو شخص یہ کہے کہ میں قرآن کے بعد کوئی کتاب لایا ہوں، وہ جھوٹا ہے۔جسے ایسے شخص کو مفتری کہنے میں کسی قسم کا وسوسہ پڑا ہوا ہے، اس کا آنحضرتؐ پر ایمان نہیں۔یہ شخص مجنون تو ہے نہیں، جو ایک شریعت اپنے پاس سے بنالیتا ہے۔پس اس کے اس فعل کو سوا افتراء کے اور اسے سوا مفتری کے اور کیا کہا جائے؟ جسے ایسے شخص کے مفتری ہونے میں شبہ ہے، اس کا قرآن مجید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کوئی شے نہیں! ہم حضرت مسیح موعود کی پیروی کرتے ہوئے مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے

ہیں، تو ایسے مدعی کو مفتری کیوں نہ کہیں؟!

مجھے تو قادیانی جماعت کی چشم بندی پر تعجب آتا ہے کہ جس شخص نے یہ لفظ اپنے قلم سے لکھے ہیں کہ ہم مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں، اس کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرتے ہیں۔ اور پھر یہاں تک اس میں غلو ہے کہ ساری اسلامی دنیا کو کافر قرار دیتے ہیں! یہاں تک کہ حضرت صاحب کو مجدد، حکم وعدل، مسیح اور مہدی ماننے والوں کو بھی پکے کافر قرار دیتے ہیں!

سکرٹری بہشتی مقبرہ قادیان کا خط: میں نے کل اخبار پیغام صلح دیکھا۔ جس میں سکرٹری بہشتی مقبرہ قادیان کا ایک خط، جو انہوں نے ڈاکٹر حسن علی صاحب کے ایک خط کے جواب میں لکھا ہے، شائع ہوا ہے۔ اس خط میں انہوں نے کہا ہے کہ ''پیغامی'' **اُولٰئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا** (151:4) کے مصداق ہیں اور پکے کافر ہیں۔ کیونکہ یہ خدا کے ایک نبی کو نہیں مانتے۔ خیر ہمیں اس سے کوئی رنج نہیں، جہاں ساٹھ کروڑ مسلمان کافر ہو گئے، وہاں ہم بھی سہی!

یہ خط میاں صاحب کے علم کے بغیر نہیں لکھا گیا۔ کیونکہ اصل خط وکتابت ان سے ہی ہو رہی تھی۔ اور انہوں نے ڈاکٹر حسن علی صاحب کے خط کے جواب کے لئے اپنے بہشتی مقبرہ والوں کو جواب کا حکم دیا۔ اس لئے ان کے ایماء پر ہی یہ جواب دیا گیا۔ خوب یاد رکھو۔ کہ خدا نے تمہیں اس بلند مقام پر پہنچایا ہے کہ تم واحد جماعت ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اس وقت اسلام کے پھیلانے کے لئے کھڑا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس بلند مقام کو نہ چھوڑیں، جس پر اللہ تعالیٰ نے ہم کو کھڑا کیا ہے۔ چند آدمی تھے جو قادیان سے علیحدہ ہوئے، ان سے کچھ نہ بنتا، مگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام میں بڑی برکت دی۔ اور ہر قدم پر تمہاری نصرت کی۔ اب اس بلند مقام میں اور ترقی کرو۔ اور تمہارا قدم اس مقام سے نیچے نہ آئے بلکہ اور اوپر اُٹھے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(3 نومبر 1943ء)

❁❁❁

27 اکتوبر 1943ء

جنرل کونسل کا اجلاس

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

میری یہ خواہش ہے کہ اس اجلاس جنرل کونسل میں زیادہ سے زیادہ ممبران شامل ہوں۔ بہت دور کے احباب کے لئے تو شاید مشکل ہو، سوڈیڑھ سو میل کے اندر اندر کے احباب ضرور کوشش کریں۔ اس کونسل میں اشاعت قرآن ٹرسٹ کو عملی جامہ پہنانے کی تجاویز بھی پیش ہوں گی اور بعض اور بھی اہم معاملات ہیں۔ اس لئے اس موقعہ پر زیادہ سے زیادہ احباب کے مشورہ کی ضرورت ہے۔ جو لائنز تجویز ہوں گی ان کے مطابق ٹرسٹ کا مسودہ تیار کرنے میں بھی کچھ وقت لگے گا۔ اس کے بعد اگر خدا نے چاہا تو اس کے لئے چندہ کی عام اپیل کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے اور جس طرح چاہے گا اس کے فضل سے امید ہے کہ وہ ہمارے لئے وہ راستے کھول دے گا جن پر چل کر ہم جلد سے جلد قرآن کریم کے تراجم کو دنیا میں پہنچا سکیں۔ جہاں تک میں نے محسوس کیا ہے یہ تڑپ ساری جماعت کے دلوں میں موجود ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ ایمان بھی موجود ہے کہ یہ خدا کا کام ہے۔ اور وہ ضرور اس کی طرف قدم اُٹھانے والوں کی نصرت فرمائے گا۔ اگر عبدالمطلب یہ کہہ سکتے تھے کہ کعبہ کا رب اپنے گھر کی فکر خود کرے گا تو ہم خدا کے وعدوں پر ایمان لاتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کو نازل فرمانے والا اور اس کے ذریعہ سے اپنی مخلوق کی ربوبیت فرمانے والا اس کی اشاعت کے سامان خود ہی کر دے گا اور جس سے وہ چاہے یہ کام لے لے گا۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

5 جنوری 1944ء

تراجم قرآن فنڈ

مغربی اقوام کی تکذیب کے باوجود اسلام کا غلبہ ہو کر رہے گا

تقریر فرمودہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ مورخہ 26 دسمبر 1943ء جلسہ سالانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیٰنا نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی:

وَلَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا سُیِّرَتۡ بِهِ الۡجِبَالُ اَوۡ قُطِّعَتۡ بِهِ الۡاَرۡضُ اَوۡ كُلِّمَ بِهِ الۡمَوۡتٰى بَلۡ لِّلّٰهِ الۡاَمۡرُ جَمِیۡعًا اَفَلَمۡ یَایۡـَٔسِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیۡعًا وَلَا یَزَالُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا تُصِیۡبُهُمۡ بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَةٌ اَوۡ تَحُلُّ قَرِیۡبًا مِّنۡ دَارِهِمۡ حَتّٰى یَاۡتِیَ وَعۡدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ (31:13)

اور فرمایا کہا گر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہے جس سے پہاڑ دور کر دیئے جائیں یا اس سے زمین کاٹ دی جائے یا اس کے ذریعہ سے مردوں سے باتیں کی جائیں۔ مفسرین نے کہا کہ یہاں لَوۡ کی جزا محذوف ہے۔ تو یہی قرآن ہوتا۔ مگر فی الحقیقت محذوف کچھ نہیں۔ جواب خود قرآن شریف میں مذکور ہے **بَلۡ لِّلّٰهِ الۡاَمۡرُ** (31:13) یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ یعنی قرآن یہ سب کچھ کر دکھائے گا۔ اس سے آگے ہے۔ کیا مایوس نہیں ہو گئے مومن؟! مفسرین نے یہاں **یَایۡـَٔسِ** کے معنے **یَعۡلَمۡ** کئے ہیں۔ کیا مومنوں نے جان نہیں لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب ہی لوگوں کو ہدایت دے دے۔ یہاں **یَایۡـَٔسِ** کا لفظ استعمال کرنے میں خاص حکمت ہے۔

اس سے آگے فرماتا ہے کہ قرآن مجید کے منکر بھی ہوں گے۔ لیکن ان کی قرآن کی مخالفت کی وجہ سے ان کو کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی۔ بلکہ یہ مصیبت ان کے گھر کے قریب یعنی ان کے گھر کے اوپر نازل ہوتی رہے گی (کب تک یہ ہوتا رہے گا) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو جائے۔ خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں ہونے دے گا۔ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

اس آیت کا تفصیلی مفہوم: اب کچھ تفصیل سے اس آیت کا مفہوم سنئے۔ اس کی ابتداء **لَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا**

سے کی ہے۔ اگر کوئی قرآن ایسا ہوسکتا۔ قرآن تو موجود ہے۔ پھر اس کو نکرہ کیوں لایا گیا۔ یہ تنکیر درحقیقت تعظیم کے لئے ہے۔ اور لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا میں گویا ایک تمنی کا رنگ ہے۔ طاقتور خدا کا کلام تو ایسا ہونا چاہئے کہ اگر پہاڑ بھی اس کے سامنے ہوں تو اس کو اڑا دے تو فرمایا کہ ایسا ہی تو یہ قرآن ہے۔ پہاڑوں کے اڑا دینے سے مراد کیا ہے؟ دوجگہ اور بھی ایسا ہی ذکر آتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (21:59) اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے تو تُو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔ دوسری جگہ فرمایا وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ (105:20) اور تجھ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ یہاں ان پہاڑوں کا ذکر نہیں جو سطح زمین پر نظر آتے ہیں بلکہ ان پہاڑوں کا ذکر ہے جو قرآن کریم کے راستے میں کفار نے کھڑے کر رکھے تھے۔ اسی لئے جواب میں فرمایا فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا (105:20) تو کہہ دو کہ میرا رب انہیں جڑ سے اُکھیڑ کر بکھیر دے گا۔ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا (106:20) پس ان کو صاف ہموار میدان کر چھوڑے گا لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (107:20) ایسے صاف ہو جائیں گے کہ نہ تو ان میں کجی باقی دیکھے گا نہ اونچ نیچ۔ پھر کیا ہوگا يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (108:20) اس دن اس دعوت دینے والے کی پیروی کریں گے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں۔ اور رحمان کے سامنے آوازیں پست ہو جائیں گی۔ پس سوائے ہلکی آواز کے تو کچھ نہ سنے گا۔

پہاڑوں کے اڑا دینے کا نتیجہ: یعنی پہاڑوں کے اڑا دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہی لوگ داعی الی اللہ کی پیروی کریں گے۔ اس داعی کی صفت یہاں بیان کی ہے لَا عِوَجَ لَهٗ۔ اور لَا عِوَجَ لَهٗ خود قرآن کی صفت ہے۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (28:39) اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (1:18) پس اسی داعی کی پیروی مراد ہے جس کے سامنے شور و غوغا نہیں رہے گا۔ اور جو یہ کہتے تھے لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (26:41) اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور ڈالو۔ شاید تم غالب آجاؤ۔ لیکن فرماتا ہے وقت آتا ہے کہ شور باقی نہیں رہے گا۔ مخالفت کرنے والی آوازیں پست ہو جائیں گی۔ بجائے مخالفت کے شور کے ذکر الٰہی کی ہلکی آوازیں ہوں گی۔

قرآن کے اندر ڈائنامیٹ کی قوت: جبل کا لفظ عظیم الشان روک پر بولا جاتا ہے۔ جیسے ظاہر طور پر سطح زمین پر ایک عظیم الشان روک پہاڑ کی شکل میں نمودار ہو جاتی ہے، اسی طرح قرآن کے مقابلہ پر بڑی بڑی روکیں تھیں۔ ان روکوں کو دور کرنے کے لئے ایک زبردست قوت روحانی کی ضرورت تھی۔ پہاڑوں کو اڑانے والی چیز ڈائنامیٹ ہوتی ہے۔ فرماتا ہے قرآن مجید کے اندر ڈائنامیٹ کی قوت موجود ہے جو تمام روکوں کو اُڑا دے گی۔ لوگوں کو بعض دفعہ غلطی لگتی ہے کہ وہ قرآن مجید کے الفاظ کو واقعات پر چسپاں نہیں کرتے۔ قرآن مجید کا ایک زبردست مقابلہ تھا۔ عرب نے تمام تر طاقت اس کے مٹانے پر لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہی اس کی تکذیب تھی۔ تکذیب صرف نہ ماننے کا نام نہ تھا بلکہ اس کو مٹانے کے تہیہ کا نام تھا۔ جیسا کہ فرماتا ہے بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ. وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ (20-19:85) بلکہ وہ کافر ہیں جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ نے ان کے گرداگرد سے ان کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو مغلوب کر کے اسے دنیا میں پہنچائے گا۔ اسی لئے صفائی سے اس کے بعد فرمایا بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ. (22-21:85) اس آیت میں اس کی حفاظت کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو مٹا نہیں سکتی بلکہ جو دنیا کی طاقت اسے مٹانے کے لئے اس کے ساتھ ٹکر لگائے گی وہ خود فنا ہو جائے گی۔

قرآن کی تکذیب کرنے والوں کا انجام: بیشک قرآن کے بڑے بڑے دعاوی ہیں۔ لیکن واقعات کے رنگ میں ان کا ثبوت نہ ہوتا تو یہ محض ایک بڑ ہوتی! تاریخ کو دیکھ لو۔ وہ جو پہلے تکذیب کرنے والے تھے ان کا انجام کیا ہوا۔ عرب کے لوگوں نے قرآن مجید کو مٹانے کے لئے کتنا زور لگایا لیکن آخر کیا ہوا۔ انہیں اس کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ جس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید میں واقعی ڈائنامیٹ کی طاقت موجود ہے۔ جس سے وہ روکوں کے پہاڑ اڑ گئے اور ان کے سر اسلام کے سامنے جھک گئے اور سرکش لوگ مطیع اور فرماں بردار ہو گئے۔ یہ خدا تعالیٰ کے الفاظ ہیں۔ ان میں خدا کی قوت اور طاقت ہے۔ ان کے سامنے مادی طاقت کتنی بھی زبردست نظر آئے۔ پہاڑ کی طرح معلوم ہو ٹھہر نہیں سکتی۔ جو خدا تعالیٰ نے کہا وہ تئیس سال کے عرصہ میں پورا ہو گیا اور عرب کی کایا پلٹ گئی جس کی نظیر اور کہیں نہیں مل سکتی۔

پھر دوسری بات اس قرآن کے متعلق فرمائی اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ (31:13) زمین کی بڑی بڑی مسافتیں اس سے طے ہو جائیں۔ پہاڑوں یا روکوں کے دور ہو جانے سے کوئی فائدہ نہ ہوتا اگر یہ قرآن زمین کی مسافتیں طے کر کے اس کے کناروں تک نہ پہنچ جاتا۔ تو فرمایا یہ قرآن زمین کی مسافتوں کو بھی طے کرے گا۔ قرآن کریم کا زمین کی مسافتوں کو طے کرنا دو طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ یہ زمین کے کناروں تک پہنچ جائے۔ دوسرے یہ کہ ملکوں کی جغرافیائی حدود کا اثر دور ہو جائے۔ اول مسافتوں کے طے کرنے کو لیجئے۔ اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں آئے مگر جس طرح قرآن مجید نے زمین کی مسافتوں کو طے کیا وہ اس سے پہلے کسی کتاب کو میسر نہیں آیا۔ حالانکہ اس وقت ذرائع آمدورفت بھی نہ بدلے تھے۔ ایک سو سال کے اندر اندر مشرق اور مغرب کے انتہائی مقامات تک قرآن پہنچ گیا۔ اسلام نے کس طرح زمین کو قطع کیا! صحابہؓ کی زندگی میں مصر، ایران و ہندوستان میں قرآن مجید پہنچ گیا۔ اور سو سال کے عرصہ میں ایک طرف انتہائے مشرق میں اور دوسری طرف انتہائے مغرب میں پہنچ گیا۔

اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ: بیشک اس وقت عیسائیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ مگر عیسائیت کو آج پیدا ہوئے دو ہزار سال کے قریب ہو گئے اور اسلام کو دنیا میں آئے ہوئے صرف تیرہ سو سال ہوئے ہیں۔ اس کا مقابلہ عیسائیت کے ساتھ کرنا ہو تو دیکھو کہ کیا عیسائیت تیرہ سو سال میں اسی قدر دنیا کو مغلوب کر چکی تھی جس قدر اسلام نے آج کر لیا ہے۔ یہ تو اسلام سے پہلے مذہب کا حال ہے۔ اسلام کے بعد ایک بابی یا بہائی مذہب دنیا میں پیدا ہوا۔ جسے آج ایک سو سال کا عرصہ گذر گیا مگر، وجود اس قدر آسانیوں کے آج کسی ملک کے کسی کونہ میں منہ چھپاتا پھرتا ہے۔

اب زمین کے قطع کرنے کے دوسرے رنگ کو لیجئے، تو اس میں جو کمال قرآن کا نظر آتا ہے وہ نہ اس سے پہلے کسی کتاب کو میسر آیا نہ بعد میں آئے گا۔ اس نے زمین کو اس رنگ میں بھی قطع کیا کہ اسلامی برادری کے راستے سے تمام ملکی روکوں کو دور کر دیا۔ ملکوں اور قوموں کی تفریق مٹا دی۔ زبان اور رنگ کے تفاوت کو مٹا دیا۔ گورے اور کالے کی تمیز مٹا دی۔ سب انسانوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔ جس ملک میں گیا اس کی کایا پلٹ دی۔ کوئی ملکی، نسلی اور لونی امتیاز نہیں رہنے دیا۔ یہ اسلام کا بڑا بھاری امتیاز ہے اسلام اس میدان کا واحد پہلوان ہے۔

مختلف معاشی نظامات کا مقابلہ: میں جب ٹریکٹ (New World Order) لکھنے بیٹھا۔ اور اس ذیل میں مجھے مختلف سوشل آرڈرز یا نظام ہائے معاش کا مقابلہ کرنا پڑا تو مجھے یہاں بھی اسلام کا ایک ممتاز پہلو نظر آیا۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ہر ایک مذہب اپنے غلبہ کے لئے کسی دنیوی طاقت کا محتاج ہوا ہے۔ عیسائیت کا غلبہ قسطنطین کی بدولت ہوا تو بدھ مذہب کا اشوک کی بدولت۔ لیکن اسلام اپنے غلبہ کے لئے کسی بادشاہ کا مرہون منت نہیں ہوا بلکہ اسلام نے خود ان لوگوں کو بادشاہ بنا دیا جو اس کے متبع ہوئے۔ یہ ایک عیسائی کے لفظ ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کے پیغام کو ابھی تک لوگوں نے نہیں سمجھا کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اپنے غلبہ کے لئے دنیوی طاقت کا محتاج ہے۔ حالانکہ اسلام نہ پہلے کبھی دنیوی طاقت کا محتاج ہوا نہ آئندہ ہوگا۔ چنانچہ میں نے دیکھا اسلام کا ایک سوشل آرڈر ہے۔ اور ایک مثلاً روس کا سوشل آرڈر ہے۔ بولشوزم نے سب کو معاشی لحاظ سے برابر کر دیا۔ اُنہوں نے لوگوں کے کھانے پینے کو برابر کر دیا۔ یہ ایک ردعمل ہے اس معاشی نظام کا، جسے سرمایہ داری کہتے ہیں۔ جو یورپ بھر پر غالب آیا ہوا ہے۔ ہندوستان میں بھی غالب آ رہا ہے۔ ہندوستان کے اندر روپیہ کے ذریعہ سے غلام بنایا جا رہا ہے۔ مسلمان یہاں کیوں مغلوب ہوتے جا رہے ہیں۔ کیونکہ ہندوؤں کے پاس روپیہ ہے۔ روس والے یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں سرمایہ داری کا حل مل گیا ہے لیکن اشترا کی تحریک صرف سرمایہ داری کا ردعمل ہے اس کا حل نہیں۔

معاشی نظامات کو حکومت کی ضرورت: میں اس وقت اس کی وضاحت نہیں کروں گا۔ میں اس وقت صرف ایک بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ہر ملک کا سوشل آرڈر محتاج ہے حکومت کا۔ سرمایہ داری کی جمہوریتیں۔ ان کے بعد فسطائیت اور نازیت کبھی قائم نہ ہوتیں، اگر ان کی پشت پر حکومتیں نہ ہوتیں۔ اور اگر روس کے بالشوزم کی پشت پر حکومت نہ ہو تو یہ ایک دن بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ جیسا کہ میں نے کہا یہ ردعمل ہے۔ حل نہیں۔ اس نے سرمایہ داروں کو مٹا کر خود حکومت کو ایک سب سے بڑا سرمایہ دار بنا دیا ہے۔ اس نے اوپر والوں کو نیچے کر دیا ہے۔ اسلام نیچے والوں کو بلند کر کے اوپر لاتا ہے۔ لیکن ان تمام سوشل آرڈروں میں اور اسلام کے سوشل آرڈر میں ایک اور بین فرق یہ ہے کہ اسلام کا سوشل آرڈر کسی حکومت کے بل بوتے پر نہیں کھڑا۔ اول تو یہ اس قسم کا سوشل آرڈر ہے کہ تیرہ سو سال تک اس میں تبدیلی نہیں آئی۔ زمانہ کا

اثر اس پر کوئی نہیں پڑا۔ حالانکہ اس عرصہ کے اندر یورپ کے سوشل آرڈر بدلتے چلے گئے ہیں۔

اسلامی سوشل آرڈر کا دوسرا کمال: دوسرا کمال یہ ہے کہ اسلام کا سوشل آرڈر اپنے پاؤں پر کھڑا ہے۔ کسی حکومت پر اس کی بنیاد نہیں۔ جہاں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں بھی یہی سوشل آرڈر ہے۔ اور جہاں مسلمان مغلوب ہیں وہاں بھی یہی سوشل آرڈر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے۔ یہ سوشل آرڈر کسی حکومت اور زمانہ سے نہیں بدلتا۔ کیونکہ اس کا بادشاہ ایک ہے اور وہ خدا ہے۔ **اَوْ قُطِّعَتْ بِـــهِ الْاَرْضُ** ۔ اسلام نے کس طرح پر زمین کی حدود کو مٹایا ہے اور سب کو ایک سوشل آرڈر میں منسلک کر دیا۔ یہ نسل انسانی کی خوش قسمتی ہے کہ وہ ایک بن جائے **یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا** (13:49) اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم تو ایک کنبہ ہو۔ ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہو۔ تمہیں ایک خاندان بنایا ہے۔ تمہارا ایک سوشل آرڈر بنایا ہے۔ یہ صرف دعویٰ نہیں ہے بلکہ اسے عملی جامہ پہنا کر بھی دکھایا۔ ہسپانیہ سے چین تک اسلام پہنچ گیا۔ اور اپنا تسلط جما لیا اور نسلوں، زبانوں اور رنگوں کے امتیازات کو مٹا دیا۔ اور ایک سوشل آرڈر میں سب کو منسلک کر دیا۔

قرآن کا روحانی مردوں کو زندہ کرنا: خدا تعالیٰ کا کلام بڑا پُر حکمت ہے۔ کاش! مسلمانوں کو اس طرف توجہ ہوتی! پہاڑ اُڑا دیئے اور سب روکیں دور کر دیں۔ زمین کو قطع کر کے ایک گھر بنا دیا۔ سب امتیازات مٹا دیئے۔ یہ سب کچھ ہو گیا لیکن ابھی ایک مرحلہ باقی تھا۔ اگر یہ صرف ایک دنیوی نظام ہی رہتا تو پھر اس کا فائدہ محدود ہوتا۔ تیسرا مرحلہ تھا مردوں کو زندہ کرنا۔ اس لئے فرمایا **اَوْ کُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰی** (31:13) اگر یہ مردہ انسان زندہ نہیں ہوئے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہ مردے وہ مردے نہیں جو قبروں کے اندر ہیں۔ جسمانی طور پر چلتے پھرتے مگر روحانی طور پر مردہ انسان تھے۔ ان کو زندہ بھی کر دیا۔ اگر ان مردوں کے اندر اس نے زندگی پیدا نہ کی ہوتی تو پھر کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ فرماتا ہے کہ ہم ان مردوں کو بھی زندہ کر دیں گے۔ عرب کے لوگ جو صدیوں سے مردہ چلے آتے تھے ان کو نہ صرف زمین کا فاتح بنایا بلکہ دنیا کے لئے خدا نما بھی بنایا اور وہ خوبیاں ان کے اندر پیدا کر دیں جن سے انسان، انسان کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ **بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا** (31:13) سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں۔ یہ سب کام

خدا کے ہاتھ میں ہے۔

مومنوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے: لیکن تم کہو گے ابھی تو زمین کافروں سے بھری پڑی ہے۔ اس لئے فرماتا ہے **اَفَلَمْ یَایْئَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ** (31:13) کہیں مسلمان مایوس تو نہیں ہو گئے **اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا** (31:13) کہ اگر خدا چاہے تو ساری دنیا کو ہدایت دے دے۔ مگر یہ بھی اسی طرح ہوگا جس طرح پہلے ہوا۔ انکار کرنے والوں پر اور تکذیب کرنے والوں پر مصائب آتی رہیں گی۔ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو اور حق ساری دنیا پر غالب آ جائے۔ اور حق وصداقت کے سامنے ان لوگوں کے دِل جھک جائیں گے اور قرآن مجید غالب آ جائے گا۔ سو خدا تعالیٰ کے اندر طاقت ہے کہ ان لوگوں کو بھی ہدایت دے دے۔

قرآن کی دو تکذیبیں: یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو تکذیبوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اگر تاریخ کو دیکھیں تو اسلام کو مٹانے کی دو ہی کوششیں نظر آتی ہیں۔ ایک وہ کوشش جو عرب کے لوگوں نے کی۔ اور ایک وہ کوشش جو یورپ کے لوگوں نے کی۔ آپ اگر مقابلہ کریں تو ان دونوں کے اندر بڑی مشابہت پائیں گے۔ وہی زنا کاری، جوئے بازی، شراب خوری اور جذبہ انتقام دونوں کے اندر مشترک ہے۔ کوئی وہ بُری صفت نہیں جو عرب کے لوگوں کے اندر پائی جاتی ہو۔ اور یورپ کے لوگوں کے اندر وہ موجود نہ ہو۔ یہ سب باتیں ان دونوں کے اندر یکساں ہیں۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، جب لوگ تکلیفیں اُٹھا کر مسلمان ہو گئے، تو پھر کفارِ عرب نے انہیں تلوار کے ساتھ مٹانا چاہا۔ یہی تھا تلوار اُٹھانے کا موقعہ، ورنہ مسلمانوں کی طرف سے تلوار کبھی نہ اُٹھتی۔ عرب کے لوگوں نے اسلام کو مٹانے کے لئے پوری قوت صرف کی۔ یورپ کے لوگوں نے بھی اسلام کو مٹانے کی پوری کوشش کی۔ صرف واقعات آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔ پہلے یورپ نے حروب صلیبیہ کے ذریعہ تلوار کے ساتھ اسلام کو مٹانے کی کوشش کی۔ جب تلوار سے مٹانے کی کوشش فیل ہو گئی تو دوسری کوشش کی کہ باریک ذرائع سے اسلام کو مٹایا جائے۔ سلطنتوں کو کمزور کر دیا جائے۔ اسلامی علوم کو مٹا دیا جائے۔ سو خدا کا وعدہ سچا ہوا کہ دو دفعہ قرآن کی تکذیب ہو گی۔ دو دفعہ اسلام کو نابود کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ سورہ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے اسے بار بار دہرایا ہے **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ** (13:55) اسی لئے اس کو دہرایا ہے کہ یہ بھی نہ بھول جائے کہ تم اس کی کس کس نعمت کی

تکذیب کرو گے۔ ساری سورۃ کو اس سے بھر دیا۔ یہ مقدر تھا کہ یہ دو تکذیبیں ہوں۔

مگر قرآن مجید پر ان تکذیبوں کا اثر نہیں ہوسکتا۔ **بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ. وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ. بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ.** (85:19-22) قرآن مجید محفوظ ہے۔ اس پر ان تکذیبوں کا اثر نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں موازنہ ہوتا رہتا ہے۔ جب وقت آجاتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ کی سزا آتی ہے اور کوئی قوت اسے روک نہیں سکتی۔ اسی طرح دیکھئے یورپ پر بھی وہ وقت آ گیا کہ کوئی طاقت اسے نہ روک سکی۔

عیسائیوں سے خدا نے میثاق لیا: **مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ** (5:14) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان عیسائی لوگوں سے ہم نے ایک میثاق لیا تھا۔ وہ کیا میثاق تھا۔ وہ مولوی عبدالحق صاحب ودیارتھی سے پوچھیئے جنہوں نے ''میثاق النبین'' کتاب لکھی ہے **فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ** (5:14) ان لوگوں کو جو نصیحت کی گئی تھی وہ اسے بھول گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام انہیں کہہ گئے تھے:

> ''میں نے یہ سب باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تمہیں کہیں لیکن وہ فارقلیط جو پاک روح ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور وہ سب باتیں جو میں نے تمہیں کہیں تمہیں یاد دلائے گا'' (یوحنا باب 14۔آیت 26,25)

عیسائی اس عہد کو بھول گئے: لیکن کمال دیکھئے۔ اسلام کی شریعت کو اللہ تعالیٰ نے ایسا مکمل کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے یہ پیغام پہنچا دیا **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ** (5:3) یہ کمال ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسائی لوگ اس عہد کو بھول گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عیسیٰؑ ان سے کہہ گئے تھے کہ میرا مذہب کامل نہیں ہے۔ وہ کامل مذہب دینے والا بعد میں آئے گا لیکن اُنہوں نے اس کامل مذہب کی مخالفت کی اور اسے مٹانا چاہا تو اس کی سزا یہ بتائی **فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ** (5:14) سو ہم نے اس کو اس مخالفت کی یہ سزا دی کہ ہم نے قیامت کے دن تک کے لئے ان میں دشمنی ڈال دی۔ اور یہ سزا انہیں کیوں دی۔ کیونکہ یہ اسلام کو مٹانے کے لئے متفق ہو گئے۔

حضرت مسیح موعود نے ان پردوں کو اُٹھا دیا: خدا تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں اس شخص کی روح پر جس نے اس بات کو آشکار کیا جس کو مسلمان گالیاں دیتے ہیں۔ جس سے مسلمان اتنے ڈرتے ہیں کہ

اگر کوئی شخص ہماری بات بھی سننے کے لئے تیار ہو جائے تو اسے ''مرزائی نواز'' کا خطاب ملتا ہے۔ مگر کتنا بڑا احسان کیا اس شخص نے کہ ان حقائق کو واضح کر دیا۔ وہ یاجوج ماجوج اور دجال کا تخیل کیا تھا؟! مگر اس نے ان تمام پردوں کو اُٹھا کر رکھ دیا کہ یہ تمام چیزیں تمہارے سامنے پڑی ہیں۔ عرب والوں نے تلوار سے اسلام کو مٹانا چاہا اور وہ تلوار سے مٹ گئے۔ مگر یہاں سزا کا رنگ اور ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ وہ ایسی قومیں ہیں کہ ان کے ساتھ کسی کو تاب مقابلہ نہ ہوگی۔ تو خدا تعالیٰ نے ان کے اس اتفاق اور قوت کو توڑنے کے لئے ان کے درمیان عداوتیں ڈال دیں۔ یاجوج اور ماجوج کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ** (96:21) جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے تیزی سے نکل پڑیں گے۔ کاش! مسلمان اس پر غور کرتے۔ اقبال نے کہا تھا ؎

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

یاجوج و ماجوج کا غلبہ اور خدا کا وعدہ: لیکن مسلمانوں نے اس پر غور نہیں کیا۔ یہ ہر بلندی پر غالب آجائیں گے۔ اگر کوئی اور شناخت کی چیز نہ ہو تو صرف یہی علامت کافی ہے۔ جب سے انسان پیدا ہوا، دنیا کی کوئی اور قوم غالب نہیں آئی جس طرح پر یہ قومیں غالب آ گئی ہیں۔ یورپ کی قومیں تو اسلام کو مٹانا چاہتی تھیں۔ مگر قرآن کو غور سے پڑھو جہاں یاجوج ماجوج کے غلبہ کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ لفظ موجود ہیں **وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ** (97:2) جب یاجوج اور ماجوج کے غلبہ کو دیکھو تو یہ بھی سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ کے وعدے کے پورے ہونے کا وقت آ گیا۔ یعنی اب حق دنیا پر غالب آ جائے گا!

سورۃ کہف اور عیسائی اقوام: حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کیا کیا پردے اُٹھا دیئے۔ بتا دیا کہ سورۃ کہف میں عیسائیت کا ذکر ہے اور اس کی آخری آیات میں یاجوج ماجوج کا ذکر ہے **وَتَرَکْنَا بَعْضَھُمْ یَوْمَئِذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ** (99:18) اور ہم نے انہیں اس دن ایک دوسرے پر موجیں مارتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔ یہ ان کی موجودہ جنگوں کا ذکر ہے۔ یعنی یہ طاقتیں اور قوتیں آپس میں ٹکرائیں گی۔ کیونکہ یہ قرآن مجید کو مٹانا چاہتی ہیں۔ جس میں ان کی مصیبتوں کا حل ہے۔ اس بات پر سب سے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دُکھا تھا کہ وہ اس بات کو مٹانا چاہتے ہیں۔ جس میں ان کی مصیبتوں کا حل ہے۔

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا (6:18)تو کیا تو اپنی جان کوان کے پیچھے رنج میں ہلاک کردے گا، اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں۔اس کفرانِ نعمت کی وجہ سے ان کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ **وَاِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَیْھَا صَعِیْدًا جُرُزًا** (8:18)ہم یقیناً اسے جو اس پر ہے ہموار میدان سبزہ سے خالی بنانے والے ہیں۔ان کے محلات گردوغبار بن جائیں گے اور سرسبز زمین بالکل بنجر ہوجائے گی۔اور یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہورہا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں جو درد نسل انسانی کے لئے تھا اس کی تہہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔پس جس طرح اس قوم کی وجہ سے، جو آپ کے سامنے کفر پر اصرار کررہی تھی، آپ کو رنج وغم تھا اور اسی طرح ان قوموں کے لئے بھی تھا جو بعد میں آنے والی تھیں۔جس طرح اس غم نے اپنا اثر دکھایا اور وہ قوم مسلمان ہوگئی، اسی طرح ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ درد اب بھی رنگ لائے۔

لیگ آف نیشنز اس کا علاج نہیں: یہ دنیا آج عذاب میں مبتلا ہے۔دیکھئے خوب یاد رکھئے۔جس قرآن نے یہ ساری باتیں بتائی ہیں اور جس مجدد نے ان پر روشنی ڈالی ہے، اس نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ساری باتیں پوری ہوکر رہیں گی۔ یہ عذاب اس وقت دور ہوگا جب دنیا کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوگا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس فساد کو دور کرنے کے لئے یہ انتظام کریں گے، وہ انتظام کریں گے۔ اُنہوں نے انتظام کیا۔League of Nations کو قائم کیا۔مگر وہ اپنے مقاصد میں ناکام ہوگئی۔اسی کے متعلق ڈاکٹر اقبال نے بڑی جرأت کے الفاظ کہے تھے ؎

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

اس لیگ سے ہر ایک قوم کی غرض یہ ہے کہ وہ سب سے اونچی ہوجائے اور فائدہ حاصل کرے۔ان کی نیت درست نہیں۔ یہ کوئی لیگ اور اتحاد کی صورت بنالیں لیکن خوب یاد رکھیں کوئی لیگ اس وقت تک کامیاب نہ ہوگی جب تک کہ اس کا سر خدا تعالیٰ کے آگے نہ جھکے گا۔

اب عیسائیت ان کے اندر خدا پر ایمان پیدا نہیں کرسکتی۔ کیونکہ عیسائیت کے اندر سے روحانیت مرچکی ہے۔لوگ کہیں گے کہ پھر یہ عیسائی مشن کیسے ہیں؟ یاد رکھئے یہ عیسائیت نہیں۔ یہ دہریت اور مادہ پرستی عیسائیت کا لبادہ پہنے پھر رہی ہے۔روس کے اندر خدا تعالیٰ کا انکار کیا گیا۔فرمایئے

اگر ان مشنوں کی غرض یہ ہوتی کہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان پیدا کیا جائے تو یہ سب سے پہلے روس کی طرف توجہ کرتے اور ان لوگوں میں کام کرتے۔ مگر یہ کس طرح کرتے جبکہ ان کا اپنا ایمان خدا کی ہستی پر نہیں ہے! لیکن میں تم کو بھی بتا دیتا ہوں کہ اگر تمہارے اندر بھی ایمان نہ ہو تو تم بھی یہ کام نہیں کر سکتے۔ یہاں چوہڑوں اور چماروں کو یہ لوگ عیسائی بناتے ہیں۔ اچھا کام ہے لیکن یہ انہیں بلند نہیں کرتے۔ ایک مسلمان جب ایک ہریجن کو مسلمان کرتا ہے تو اسے بلند کرتا ہے۔ لیکن ایک عیسائی اسے عیسائی بناتے ہوئے یہ جانتا ہے کہ وہ گورے آدمی کے برابر نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ عیسائیت ہے جس کے اندر نہ روحانیت ہے اور نہ خدا پر ایمان ہے!

ان روحانی اور معاشی مشکلات کا حل صرف اسلام ہے: یورپ کے لوگ مقابلہ کرتے ہیں روس کے بالشوزم کا۔ مگر بالشوزم کے اندر دو باتیں ہیں۔ ایک خدا کا انکار اور دوسرے معاشی انقلاب۔ ان کو اپنے معاشی نظام کی فکر ہے۔ خدا کے انکار سے کوئی سروکار نہیں۔ بولشوزم کی مخالفت یہ لوگ خدا کے انکار کی وجہ سے نہیں کرتے، معاشی انقلاب کی وجہ سے کرتے ہیں۔ خوب یاد رکھئے ان سب روحانی اور معاشی مشکلات کا حل صرف اسلام میں ہے۔ اور یہی ان کا واحد علاج ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ میں یہاں اسے تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کر سکتا بلکہ میں نے اسے اپنے رسالے New World Order میں بیان کیا ہے۔

قرآن بے مثل ہے: یہ قرآن یہ بے مثل چیز ہے۔ کوئی اس کی مثال نہیں لا سکتا۔ ساری دنیا اس کی مثل پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ ہم وہ لوگ ہیں جو اس یقین کے ساتھ کھڑے ہوئے ہیں کہ قرآن مجید کا مقابلہ دنیا کی کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ **یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ** (67:5) اس کے معنی مسلمانوں نے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اسے چھاپ چھاپ کر گھروں میں رکھتے جائیں۔

امیر فیصل کے الفاظ: ہاں! کبھی کبھی اُمید کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ مجھے امیر فیصل کے یہ الفاظ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ ہماری عرب فیڈریشن کی بنیاد قرآن مجید پر ہوگی۔ سو اس قرآن کو نہ صرف اپنا ہادی بنایئے بلکہ دنیا کا رہنما بنایئے۔ تاکہ دنیا کی بیماریاں دور ہوں۔

قرآن سے غفلت اور بائبل کے تراجم: اسلام کے معنی ہیں صلح اور امن کے۔ رسول کو حکم ہوا **بَلِّغْ مَآ**

اُنْزِلَ اِلَیْکَ تو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک ایک شخص اس الزام کے نیچے ہے کہ تم اسے دنیا تک نہیں پہنچاتے۔ اس دنیا کی محبت چھوڑ دو خدا کی محبت کو دل میں جگہ دو۔ اتنی بڑی کتاب تم کو دی گئی اور تم نے اسے بند کر کے رکھا ہوا ہے۔ وہ کتاب بائبل، جس میں فحش واقعات ہیں، تاریخ کے خلاف واقعات ہیں، اس کا ترجمہ 750 زبانوں میں ہو چکا ہے۔ مگر مسلمانوں نے قرآن کا ترجمہ کتنی زبانوں میں کر کے اسے کہاں کہاں دنیا میں پہنچایا؟! ہمارا کام صرف پہنچانا ہے دِلوں کو فتح کرنا اس کا اپنا کام ہے!

گوئٹے اور قرآن: جرمن فلاسفر گوئٹے نے کہا تھا کہ قرآن کے اندر یہ کمال ہے کہ پوری نفرت کے ساتھ اسے پڑھنا شروع کرو لیکن ختم کرنے سے پہلے یہ اپنی محبت تمہارے دل میں پیدا کر دے گا۔ یہ ایک کافر کے الفاظ ہیں۔ مسلمانوں کے اندر یہ خیال نہیں پیدا ہوتا!

جو کچھ میں اس وقت تمہیں کہہ رہا ہوں۔ اور جس چیز کی طرف تمہیں توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ یہ تمہارے خیالات کا عکس ہے جو میرے اندر ہے۔ یہ تمہاری دعاؤں کے اثرات ہیں۔ یہ امام زماں کی روح ہے جو ہمارے اندر کام کر رہی ہے۔ یہ ان خیالات کا نتیجہ ہے کہ ہم اس کام کے لئے مستقل بنیاد رکھ دیں جس دن مسلمان اور قادیانی قرآن مجید کے ترجمہ کے لئے کوئی ادارہ بنائیں گے سب سے پہلے میں ان کے لئے دعائے خیر کروں گا۔ سوائے اس جماعت کے اور کوئی جماعت اس کام کے لئے موجود نہیں ہے۔ چاہے دوسرے لوگ اسے مدد دیں یا نہ دیں!

ہمارا تیس سال کا کام: یہ تیس سال یونہی صرف نہیں ہوئے۔ ان تیس سالوں کے اندر یہ قوم خاموش نہیں بیٹھی رہی۔ انگریزی ترجمہ قرآن مجید کی 35 ہزار کاپی شائع ہو چکی ہے۔ جب ہم نے انگریزی ترجمہ قرآن کو شائع کیا اس وقت ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھے۔ یہ قرآن کا ڈچ ترجمہ۔ یہ بھی اس جماعت کی ہمت کا نتیجہ ہے۔ اس کی پہلی ایڈیشن چھپ کر دوسری ایڈیشن شائع ہونے والی تھی کہ جاپان کی آفت نازل ہوگئی۔ یہ جرمن ترجمہ بھی اسی جماعت کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ یہ موجودہ جنگ سے چند دن ہی پہلے مطبع سے نکلا تھا۔ یہ روشنی کے تین منارے ہیں۔ جو ان ملکوں میں کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔ خدا ان لوگوں کو مدد دے جنہوں نے یہ کام کیا۔ اور یہ ''بیان القرآن'' اردو ترجمہ اس سے یہاں جگہ جگہ درسوں میں مدد لی جاتی ہے۔ یہ سب کام ان تیس سالوں میں اس جماعت نے کر دکھایا۔ غور کر کے دیکھ لو

کہ اس کے علاوہ کوئی اور جماعت ہے۔ کوئی مسلمانوں کی حکومت ہے۔ جو یہ کام کر سکی ہو! قادیانی ہمیں بہت حقیر سمجھتے ہیں۔ ہمیں حقارت سے کہتے ہیں ''ڈھائی بوٹیاں تے فتو باغبان''۔ ان سے یہ بھی کام نہیں ہو سکا۔ یہ کام اس سے ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے!

تراجم قرآن فنڈ کے لئے تحریک: میں آج ایک تحریک آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آج کل جماعت کے حالات اچھے ہیں۔ تاجر اور زمینداروں کی حالت بھی اچھی ہے۔ ان کے سامنے میں یہ تحریک رکھنا چاہتا ہوں۔ ہماری کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اپنی انجمن میں ایک فنڈ کھولیں گے جس سے مستقل طور پر تراجم قرآن کی بنیاد رکھی جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس جنگ کے ختم ہونے تک تین چار یورپ کی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم موجود ہوں۔ میں اپنی زندگی میں اس کام کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں 70 سال کے قریب پہنچ گیا ہوں۔ ہمارے ساتھی آگے چلے گئے۔ حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب، حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحب، حضرت خواجہ کمال الدین صاحب، حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اور بہت سے دوسرے روحانیت کے پہلوان (سب آگے جا چکے ہیں) مجھے اب زندگی کا جو سال مل جاتا ہے، میں اسے غنیمت سمجھتا ہوں۔

دو لاکھ روپے کا فنڈ: آج انجمن کے حالات اچھے ہیں۔ آج اگر ہم اس کام کے لئے مستقل بنیاد رکھ دیں تو اس سے یہ کام چلتا رہے گا۔ اس کام کے لئے میں نے دو لاکھ روپے کا فنڈ تجویز کیا ہے۔ ایک لاکھ روپے تو بڑے بڑے تاجر دیں اگر وہ نہ دیں گے تو پھر میں اس کا مطالبہ بھی جماعت سے کروں گا۔ اور دوسرے لاکھ میں سے کچھ خواتین سلسلہ کو تکلیف دوں گا۔ اُنہوں نے پہلے بھی تحریکات میں بہت حصہ لیا ہے۔ برلن مسجد کی تعمیر میں ان کا کافی حصہ ہے۔ میں پچیس ہزار روپیہ ان کے ذمہ ڈالتا ہوں۔

احمدی احباب سے اپیل: باقی روپیہ میں نے تم سے وصول کرنا ہے۔ احمدی احباب سے وصول کرنا ہے۔ جن کی آمدنی ماہوار 500 روپے سے اوپر ہے۔ وہ ایک ہزار روپیہ دیں۔ جن کی آمدنی ایک سو سے پانچ سو تک ہے وہ ایک مہینہ کی آمد دیں۔ اور جن کی آمد 60 سے سو تک ہے، وہ دس روز کی آمد دیں۔ اس سے کم آمد والے جو چاہیں دیں۔

۞۞۞

9 فروری 1944ء

حضرت امیر کے قلم سے

''نیوورلڈ آرڈر'' کی تقسیم

اس کتاب کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر واقع ہوئی ہے۔ میں قریباً 10 دسمبر کو اس کا مضمون پورا کر کے مطبع کے حوالہ کر چکا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ مطبع اس معاملہ میں لاپروائی سے کام لے رہا ہے نصف کے قریب کتاب چھپ چکی ہے اور باقی کے پروف نہیں ملتے۔

اس تقسیم کے متعلق میں اپنے احباب سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ گو کتاب دس ہزار کی تعداد میں طبع ہونی ہے مگر یہ تعداد کچھ زیادہ نہیں کہ ہم اسے آزادی سے اپنے مسلمان بھائیوں تک پہنچا سکیں۔ اس کا بہت بڑا حصہ امریکہ اور انگلستان اور دوسرے انگریزی ممالک میں جانا چاہئے۔ اور غیر مسلموں میں تقسیم ہونا چاہئے۔ پھر ایک حصہ اخبارات میں جانا چاہئے اور وہ بھی شاید قریب قریب دو ہزار کاپی بن جائے گی۔ کیونکہ علاوہ ہندوستان کے، دیگر ممالک کے اخبارات کو بھی اس کا بھیجنا ضروری ہوگا۔ اسی لئے جن احباب نے اس کے لئے چندہ دیا ہے وہ گو کچھ کاپیاں خاص خاص آدمیوں کو دینے کے لئے منگوا سکتے ہیں، لیکن اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ وہ تعداد حتی الوسع کم ہو۔ اور صرف ایسے لوگوں کے دینے کے لئے منگوایا جائے جن کو اس کا دینا خاص طور پر مفید ہو اور بیشتر حصہ انجمن کے سپرد رہے کہ جہاں بہت موزوں ہو، وہاں اسے پہنچایا جائے۔ اس غرض کے لئے احباب کاپیاں طلب کرتے وقت ذیل کی ہدایت کو مدنظر رکھیں تو بہتر ہے۔

جن احباب نے پانچ سو یا اس سے زیادہ چندہ دیا ہے، وہ پچاس سے زیادہ کاپیاں خود تقسیم کرنے کے لئے نہ منگوائیں۔ جنہوں نے ایک سو سے پانچ سو تک دیا ہے وہ پچیس سے زیادہ نہ منگوائیں۔ پچیس سے لے کر سو تک چندہ دینے والے دس سے زیادہ کاپیاں نہ منگوائیں۔ اور اس سے نیچے پانچ تک ایک ایک یا دو دو کاپیوں سے زیادہ نہ منگوائیں۔ خاکسار محمد علی

7 فروری 1944ء

۞۞۞

16فروری1944ء

مکتوب امیر

ہر مسلمان کا سب سے پہلا فرض

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

برادران محترم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

کلمۂ حق دوسروں کو پہنچانا ہر مسلمان کا سب سے بڑا فرض تھا۔اس لئے ہر مسلمان ایک پیدائشی مبلغ تھا۔مگر آج اس ذمہ داری کو مسلمان بھول چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس جماعت کو اپنا کلام دنیا میں پہنچانے کے لئے اور اپنا دین دنیا میں پھیلانے کے لئے چُن لیا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک فرد ایک مبلغ بنے۔اس غرض کے لئے میں نے ایک علیحدہ چٹھی جماعت کے ہر ایک دوست کو بھجوانے کا انتظام کیا ہے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔صرف تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے۔اس کے علاوہ بعض احباب خصوصیت سے اپنے نام آنریری مبلغین میں بھی لکھوا چکے ہیں۔ان دونوں صورتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کے لئے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ اس حصہ تبلیغ کا چارج شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کو دیا جائے۔وہ اس بارہ میں احباب سے جو خط وکتابت کریں یا جو ہدایات ان کو اس غرض کے لئے دیں اس میں ان کی پوری پوری امداد کی جائے اور ان کی ہدایات کو عمل میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔وہ جہاں ضرورت سمجھیں گے اس کام کو قوت دینے کے لئے خود بھی تشریف لے جاویں گے۔ایسے موقعوں پر جماعتوں کو ان کے علم اور تجربہ سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہئے۔والسلام

خاکسار محمد علی

7فروری1944ء

23 فروری 1944ء

مکتوب امیر

ارشادات حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا یہ مکتوب بعض احباب سلسلہ کو فرداً فرداً بھی بھجوایا گیا ہے۔ اب سب احباب سلسلہ پر اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے اخبار میں شائع کیا جاتا ہے۔ احمدی دوستوں پر واضح ہونا چاہیئے کہ ارشادات امیر پر عمل پیرا ہونے میں ہی ہماری فلاح اور بہبود پوشیدہ ہے۔ سب احباب سلسلہ کا فرض ہے کہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر لبیک کہیں۔ مدیر

برادر محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جماعت میں قوت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب جماعت کا ہر فرد اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے اور ان کی ادائیگی کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر دے۔ اس لئے میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ اس جماعت کی، جو اب خدا کے فضل سے اپنے آپ کو تمام دنیائے اسلام میں واحد حامل قرآن جماعت ثابت کر چکی ہے، قوت واستحکام کے لئے امور ذیل کی طرف توجہ فرمائیں۔ اور اس خط کو اپنے پاس محفوظ رکھ کر وقتاً فوقتاً اسے دیکھتے رہیں۔ اور مندرجہ ذیل اُمور میں سے جو کام آپ کر سکتے ہوں اس سے دریغ نہ فرمائیں۔

1۔ اپنی بیوی اور اولاد کو دیکھیں۔ اگر ان میں سے کوئی بالغ ایسے ہیں جو اب تک جماعت میں شامل نہیں تو انہیں جماعت میں شامل کریں۔ اس سے نہ صرف جماعت کو قوت ملے گی بلکہ آپ کے گھر میں بھی زیادہ راحت کا سامان ہو جائے گا۔

2۔ اپنے بھائی بہنوں اور دیگر اقارب کی طرف نظر دوڑائیں۔ ان میں سے جو جو ابھی تک اس نعمت سے محروم ہیں ان کو اس طرف لانے کی پوری سعی کریں۔

3۔ اپنے احباب اور شناساؤں کی طرف توجہ کریں۔ اور جن جن کو آپ براہِ راست شمولیت جماعت کی دعوت دے سکتے ہیں، دیں۔

4۔ آپ کے زیر اثر جو لوگ ہیں یا جن سے آپ کا کسی قسم کا واسطہ پڑتا ہے۔ ان کو سمجھائیں

کہ یہ جماعت خدمت اسلام کے بہترین کام میں مصروف ہے۔ وہ بھی اس میں شامل ہو جائیں۔

ان چار گروہوں کو نہ صرف دعوت شمولیت جماعت دیں بلکہ پہلے اس کے لئے خود جو کوشش آپ کر سکتے ہیں کریں۔ جن جن کو پہنچا سکتے ہوں اپنے ٹریکٹ پہنچائیں۔ اس کے بعد اپنی جماعت کے کسی مبلغ سے، جو آپ کے پاس آسانی سے پہنچ سکتا ہو، مدد لیں اور اگر ضرورت سمجھیں تو مرکز میں اطلاع دیں کہ یہاں سے ایسے لوگوں کے ساتھ خط و کتابت کی جائے یا ان کو ضروری لٹریچر پہنچایا جائے۔ بیعت کی کچھ فارمیں بھی اس خط کے ساتھ ارسال ہیں۔

5۔ اپنے متعلقین کی طرف یہ توجہ بھی رکھیں کہ وہ حتی الوسع نماز کے پابند رہیں۔ کسی کو اس بارے میں کمزور یا سست دیکھیں تو اسے نرمی سے سمجھائیں اور کوشش کریں۔ اسی طرح یہ بھی دیکھتے رہیں کہ وہ شعار اسلامی کے پابند ہیں۔ اگر کسی نقص کی اصلاح آپ کی طاقت سے بڑھ کر ہے تو دعا سے کام لیں یا کسی اور ذریعہ سے اصلاح کی کوشش کریں۔

6۔ اپنے بچوں کو، لڑکے ہوں یا لڑکیاں، سات سال کی عمر سے نماز کی عادت ڈالیں۔

7۔ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے ہاتھ سے، خواہ ایک دو پیسے ماہوار ہی ہوں، اشاعت اسلام کے لئے دلوائیں۔ اور ان کا نام با قاعدہ چندہ دہندگان میں لکھوائیں۔ اس طرح آپ ان کے دِلوں میں چھوٹی عمر میں تبلیغ اسلام کے جذبہ کا بیج بو دیں گے، جو بڑی عمر میں جا کر ایک بڑا درخت بن جائے گا۔

8۔ اپنے گھروں میں حضرت مسیح موعود کی کتابوں کو، اپنے اردو اور انگریزی اخبارات کو اور اپنے دینی لٹریچر کو مروج کرنے کی کوشش کریں۔ اور یہ چیزیں نہ صرف آپ کی نظر سے گذریں بلکہ آپ کے بیوی بچوں کی نظر سے بھی گذریں۔

9۔ اپنی اولاد کو قرآن کریم باترجمہ پڑھانے کی کوئی تجویز کریں۔ آپ خود پڑھائیں یا اس کے لئے اپنے سنٹر یا علاقہ کے مبلغ کی خدمات حاصل کریں۔ ایسی تعلیم ممکن ہو تو روزانہ ہو۔ ورنہ ہفتہ میں ایک دن۔ جو سکولوں، کالجوں اور دفاتر میں تعطیل کا دن ہو۔ ہفتہ میں ایک دن بھی ہو تو سال میں پچاس سبق ہو سکتے ہیں۔

10۔ آپ کے لڑکے، جو خود کماتے ہیں یا آپ کی لڑکیاں، جو شادی شدہ ہیں، ان کے متعلق

آپ یہ علم حاصل کریں کہ وہ چندہ ماہوار دیتے ہیں یا نہیں۔ اخبارات سلسلہ ان کے پاس جاتے ہیں یا نہیں۔ دیگر تحریکات دینی میں حصہ لیتے ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی نقص ہو تو اس کی اصلاح کی خود کوشش کریں۔ اپنی کوشش کامیاب نہ ہو تو مرکز کو اطلاع دیں۔ فقط والسلام

اس چٹھی کے جواب کا میں دو ماہ تک انتظار کروں گا تا کہ مجھے معلوم ہو کہ کس دوست نے کیا کوشش کی اور اسے کس قدر کامیابی ہوئی۔

خاکسار محمد علی امیر جماعت احمدیہ۔ لاہور۔ مسلم ٹاؤن۔ ڈاک خانہ اچھرہ یکم جنوری 1944ء

مسلم ہائی سکول لاہور میں الوداعی پارٹی: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا طلباء مسلم ہائی سکول سے خطاب۔

مورخہ 18 فروری 1944ء کو مسلم ہائی سکول لاہور کے جماعت نہم کے طلباء نے جماعت دہم کے طلباء کو الوداعی پارٹی دی جس میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا عزیز بخش صاحب، محترم جناب شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری، جناب ڈاکٹر طفیل حسین صاحب، ڈاکٹر غلام محمد صاحب، ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب، ڈاکٹر الٰہ بخش صاحب بھی مدعو تھے۔ چائے نوشی کے بعد تلاوت قرآن مجید کی گئی اور چند جماعت نہم کے طلباء نے جماعت دہم کے طلباء کو الوداع کہتے ہوئے اپنے نہایت پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا اور دوسری طرف سے ایک طالب علم نے جواب دیا اور اپنے جذبات کا اظہار کیا طلباء کے بعد جناب مولٰینا یعقوب خاں صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول لاہور نے طلباء کو نہایت قیمتی نصائح کیں اور مسلم ہائی سکول کے اساتذہ اور طلباء کی نمایاں اور امتیازی خصوصیات کو بیان فرمایا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے بعد حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے طلباء سے خطاب فرمایا حضرت ممدوح نے فرمایا بچو اب تم سکول سے رخصت ہو رہے ہو۔ لیکن رخصت ہوتے ہوئے اپنے قلب میں اس جذبہ کو لے کر جاؤ کہ تم قرآن مجید کو ہمیشہ زیر مطالعہ رکھو گے یعنی قرآن مجید سے زندہ تعلق رکھو گے اور دوسرے خواہ کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلم اس تک کلمہ حق پہنچاؤ گے۔ یاد رکھو! اسلام ایک شاندار مذہب ہے سب دنیا کی مشکلات کا حل اس میں ہے اس نعمت کو دوسروں تک پہنچاؤ۔ امید ہے تم میری ان نصائح کو پیش نظر رکھو گے اس کے بعد حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے بچوں کے لئے دعا فرمائی اور مجلس تمام ہوئی۔

۞۞۞

3 مئی 1944ء

ہمارا تبلیغی پروگرام

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا تازہ ارشاد

احباب سلسلہ کو اچھی طرح یاد ہوگا کہ 1940ء و 1941ء میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

''میں اس وقت آپ کے سامنے ایک تجویز رکھنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس سال ہم دس ہزار آدمیوں کو زیر تبلیغ لائیں۔ ایک ہزار آدمی ایسا اُٹھے جو سال بھر میں دس دس آدمیوں کو تبلیغ کرنے کی ذمہ داری لے۔''

دوستوں نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر لبیک کہا اور اس تبلیغی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ حقہ میں شمولیت کی توفیق اور سعادت عطا فرمائی۔ کچھ عرصہ یہ تبلیغی کام جوش و خروش سے ہوتا رہا۔ لیکن بعد میں دوست کچھ سُست پڑ گئے۔ اب پھر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ خطبہ جمعہ میں جماعت کو اس تبلیغی پروگرام کی اہمیت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے خطاب فرمایا کہ سلسلہ کا ہر ایک فرد مبلغ بنے۔ اور پانچ دس آدمیوں کو اپنے سامنے رکھ کر انہیں تبلیغ کرے۔ اس طریقہ سے ہم ایک سال کے اندر اندر دس بیس ہزار آدمیوں تک اس پیغام کو پہنچا سکتے ہیں۔ احباب سلسلہ کا فرض ہے کہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو مطالعہ فرما کر، جو اس پرچہ میں خطبہ جمعہ کے اندر درج ہے، اس کام کو شروع کر دیں اور پہلے سے بڑھ چڑھ کر اس کام کو شروع کریں۔ اپنے عزیزوں اور دوستوں میں سے پانچ دس آدمیوں کو مستقل طور پر پیش نظر رکھ کر انہیں حضرت امام عصر حاضر کا پیغام پہنچائیں اور سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیت کی دعوت دیں۔ احباب سلسلہ پر یہ امر خوب روشن ہو جانا چاہیئے کہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جس قدر یہ جماعت مضبوط ہوگی اتنی ہی قوت کے ساتھ ہم تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے عظیم الشان کام کو بروئے کار لا سکیں گے۔ تبلیغ و اشاعت کے اس کام کو عملی جامہ پہناتے ہوئے کسی مخالفت کی پرواہ نہیں کرنا چاہیئے۔ الٰہی سلسلوں کی قدیم سے مخالفت ہوتی رہی ہے۔ اور اس مخالفت سے کبھی کسی

سلسلہ کی ترقی نہیں رُکی۔ البتہ سلسلہ کے افراد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس پیغام کو نہایت رفق و ملائمت کے ساتھ پہنچائیں۔ اور نہایت استقلال و تندہی کے ساتھ اس کام کو کریں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں کامیاب کرے گا اور یہ سلسلہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کی ترقی کو روک سکے۔ حضرت مسیح موعود کی اس سلسلہ کے عظیم الشان مستقبل کے متعلق ایک پیشگوئی بھی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:

''خدا اس مذہب اور سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کی فکر رکھتا ہے، نامراد رکھے گا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی۔ اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہ ہوگی کہ انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہوکر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے۔ اور دنیا میں صرف ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔''

احباب سلسلہ کو چاہئے کہ وہ حضرت مسیح موعود کی اس پیشگوئی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایمان اور یقین کے ساتھ تبلیغ و اشاعت کے کام کو کریں۔ اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک اپنے حلقہ اثر میں سب اشخاص پر اتمام حجت نہ کرلیں۔ اور اپنی تبلیغی مساعی کی روئیدادیں مرکز میں بھجوائیں۔ اس کام کے لئے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ سے ہدایات طلب کریں اور حضرت ممدوح کو اپنے کام سے مطلع کریں۔ اُمید ہے جب سلسلہ کا ہر ایک فرد اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اس کام کو استقلال اور یقین کے ساتھ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کامیابی بھی عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فرائض کو سمجھنے اور انہیں بروئے کار لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جرمن ترجمۃ القرآن کیسے ہوا؟: (17 مئی 1944ء) یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے جماعت احمدیہ لاہور کو توفیق عطا فرمائی کہ وہ یورپ کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کرے اور مغرب کی دور افتادہ اقوام تک کلام الٰہی کو پہنچائے۔ خدمت قرآن تو ایسا کام ہے کہ اس سے ہر ایک مسلمان کا دل خوش ہونا چاہئے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کی یہ بلند پایہ خدمات معاندین کی

آنکھوں میں خار کی کھٹک ہیں۔ ان گراں قدر خدمات کی وقعت کو کم کرنے کے لئے ادنیٰ درجہ کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ اور جرمن ترجمۃ القرآن بھی ایسے بیہودہ پراپیگنڈا سے کیسے بچ سکتا تھا! اگر ان پراپیگنڈا کرنے والوں نے خلوص نیت کے ساتھ حالات اور کوائف کا مطالعہ کی ہوتا تو شائد انہیں اعتراضات کی جرأت نہ ہوتی۔

جرمن ترجمۃ القرآن کی مجمل کیفیت یوں ہے۔ انجمن نے فیصلہ کیا کہ جرمن زبان میں بھی قرآن پاک کا ترجمہ شائع ہونا چاہئیے اور اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ یہ کام حضرت مولٰینا صدرالدین صاحب سرانجام دیں۔ کیونکہ وہی اس کام کے اہل ہیں۔ حضرت مولٰیناؒ نے فرمایا کہ مجھے جرمن زبان کا اتنا علم نہیں کہ مَیں اپنے ترجمہ اور تفسیر کو جرمن زبان کا جامہ پہنا سکوں۔ لیکن جماعت نے اصرار کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا علم عطا فرمایا ہے اور قرآن پاک کے معارف میں بصیرت بھی دی ہے۔ ہم آپ کا ترجمہ اور تفسیر جرمن زبان میں دیکھنا چاہتے ہیں آپ اس کام کے لئے کسی ماہر جرمن زبان کو ملازم رکھ لیں۔

حضرت مولٰینا نے جماعت کے اصرار اور خواہش کو دیکھ کر اس کام کا بیڑا اُٹھایا۔ اور متواتر پانچ سال تک ضخیم تفاسیر کا مطالعہ فرمایا اور اس تیاری کے بعد ڈاکٹر منصور کو ملازم رکھا۔ ان پانچ سالوں کے علاوہ دو سال اور قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر پر صرف کئے۔ دوسرے جرمن تراجم بھی پیش نظر رہے۔ آپ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا مفہوم اور مطالب بیان فرماتے اور ڈاکٹر منصور اسے جرمن زبان میں ترجمہ کرتے۔

آپ نے متواتر دو سال تک یہ محنت شاقہ برداشت فرمائی۔ تب کہیں جا کر قرآن مجید کا ترجمہ مکمل ہوا۔ اس کے بعد آپ جرمنی تشریف لے گئے اور ایک جرمن ماہر زبان سے مسودہ کی نظر ثانی کروائی۔ ترجمہ کے ساتھ تفسیر بھی ہے۔ تفسیر انگریزی میں لکھی گئی۔ جس کا ترجمہ ایک جرمن فاضل نے کیا۔ لیکن وہ ترجمہ کرنے سے مفسر قرآن نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح پر ڈاکٹر منصور مترجم قرآن نہیں کہلا سکتے۔ اس لئے کہ وہ مفہوم کے ذمہ دار نہیں بلکہ مفہوم کو لباس پہنانے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کی اس محنت کا ذکر اور شکر یہ دیباچہ میں کر دیا گیا اور یہی مناسب تھا۔ لیکن جرمن فاضل نے اتنا بھی گوارا نہ کیا کہ ان کی

اس محنت کا ذکر تک کیا جائے۔ چنانچہ جب جرمن فاضل سے حضرت مولٰینا نے کہا کہ میں آپ کا ترجمہ کے دیباچہ میں ذکر کرنا چاہتا ہوں تو اس نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ترجمہ اور تفسیر تو آپ نے کیا ہے، میں نے آپ کے خیالات کو جرمن زبان میں صرف ادا کیا ہے۔ میرا نام اگر دیباچہ میں آئے گا تو لوگ اس پر ہنسیں گے۔ کیونکہ یہ بات ہمارے ملک میں بہت معیوب خیال کی جاتی ہے کہ کسی شخص کے خیالات کو اجرت پر زبان کا لباس پہنائیں اور اس کے مصنف کہلائیں! مختصر یہ کہ حضرت مولٰینا کی ان تھک کوششوں کے بعد سات سال میں یہ ترجمہ مکمل ہوا اور اس کے بعد طبع ہوا۔ ان واقعات اور حقائق کے ہوتے ہوئے ہمیں معلوم نہیں کہ اس پراپگینڈا کی گنجائش کیسے پیدا ہوتی ہے۔ اگر جماعت احمدیہ کی مساعی جمیلہ کو دیکھ کر کوئی حسد کی آگ میں جلتا ہے تو اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔ اس آگ کو تو خدا تعالیٰ ہی ٹھنڈا کر سکتا ہے۔

۞۞۞

31 مئی 1944ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب کا تفسیر نویسی پر چیلنج

میاں محمود احمد صاحب کا ذیل کا چیلنج، جو اخبار الفضل 23 اپریل میں نکلا ہے، اس کی طرف مجھے ایک دوست نے توجہ دلائی ہے:

> ’’میں، جسے خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی (مصلح موعود) کا مصداق قرار دیا ہے، تمام علماء کو چیلنج دیتا ہوں کہ میرے مقابلہ میں قرآن کریم کے کسی مقام کی تفسیر لکھیں اور جتنے لوگوں سے اور جتنی تفسیروں سے چاہیں مدد لے لیں مگر خدا کے فضل سے پھر بھی مجھے فتح حاصل ہوگی۔‘‘

اس سے پیشتر میں دو طرح پر جناب میاں صاحب کو چیلنج دے چکا ہوں۔ اور بار بار اس کو دوہرا چکا ہوں۔ ایک یہ کہ وہ مسئلہ تکفیر اہل قبلہ و ختم نبوت کے بعد اجرائے نبوت پر بحث کر لیں اور ان کے اپنے مریدوں کو اس بحث میں حکم ٹھہراؤں گا۔ اور دوسرا یہ کہ جس طرح ہماری جماعت کے ستر آدمی یہ حلف اُٹھا چکے ہیں کہ اُنہوں نے 1901ء میں حضرت مسیح موعود کے دعوٰی میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں کی۔ ان کی جماعت کے لوگ بھی یا وہ خود ہی حلف اُٹھائیں کہ 1901ء میں ’’ایک غلطی کا ازالہ‘‘ نکلنے پر ہم نے اس بات کو محسوس کیا تھا کہ حضرت مسیح موعود اپنے دعوٰی میں تبدیلی کر رہے ہیں اور گو وہ اس سے پہلے دعوٰی نبوت کو اپنے اوپر افترا قرار دیتے تھے، مدعی نبوت کو کافر اور کاذب یقین کرتے تھے، مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے تھے، قسمیں کھا کھا کر یہ فرماتے تھے کہ میں نے لفظ نبی صرف اس کے لغوی معنے میں، محدث کے معنے میں یُکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَکُوْنُوْا اَنْبِیَاء (بخاری) کے معنے میں استعمال کیا ہے۔ لیکن جب 1901ء میں ’’ایک غلطی کا ازالہ‘‘ نکلا تو ہم نے سمجھ لیا تھا کہ اس قسم کی آپ کی پہلی تحریریں آج سے منسوخ ہوگئی ہیں اور اب آپ خود فی الواقع نبوت کے مدعی ہو گئے ہیں۔ مگر جناب میاں صاحب ان دونوں مقابلوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ کوئی جواب دیتے ہیں۔

اس کی بجائے اُنہوں نے تفسیر نویسی کا یہ چیلنج دیا ہے۔ جس کے متعلق پہلی بات تو یہ دریافت

کرنا چاہتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں واقعی وعدہ دیا ہے کہ اگر وہ قرآن کریم کے کسی مقام کی تفسیر لکھیں گے تو دوسرے سب لوگ ان کے مقابلہ میں مغلوب ہوں گے؟! یا یہ صرف ان کے اپنے نفس کی تعلّی ہے۔ دشمنوں پر غلبہ کے ایسے وعدے تو وہ اپنے مامورین کو دیا کرتا ہے اور مامور ہونے سے میاں صاحب انکار کر رہے ہیں۔ مگر ساتھ ہی مامور کا مقام اپنے لئے تجویز کر رہے ہیں۔ دوسری بات یہ دریافت طلب ہے کہ ان کی فتح صرف اس طرح ہوگی کہ ان کے مرید کہیں گے کہ ہمارے پیر کی تفسیر سب سے بہتر ہے یا کوئی غیر احمدی علماء، جو ان کے قول کے مطابق کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اور جن سے ان کے خیال کے مطابق فہم قرآن ہی سلب کر لیا گیا ہے، یہ فیصلہ کریں گے۔ یا عیسائیوں اور یہودیوں سے یہ فیصلہ لیا جائے گا۔ آخر کون جج اس کا فیصلہ کرے گا کہ میاں صاحب کو فتح ہوئی یا ان کے مقابل تفسیر لکھنے والے کو؟! مثلاً اگر جماعت لاہور سے کوئی آدمی اس مقابلہ کے لئے نکلے تو کیا انہیں غیر احمدی علماء کا فیصلہ منظور ہوگا یا غیر احمدی علماء میں سے کوئی نکلے تو کیا وہ جماعت لاہور کے فیصلہ کو قبول کر لیں گے۔ یا صرف مریدوں کی صدائے سبحان اللہ کافی ہوگی! تیسری بات یہ دریافت طلب ہے کہ لوگوں نے سارے قرآن کی تفسیریں بھی لکھی ہیں میاں صاحب اگر خود ایک مکمل تفسیر شائع کر کے پھر یہ دعوٰی کرتے تو زیادہ موزوں تھا۔ پھر ان کی تفسیر کا دوسری تفسیروں سے موازنہ کرنے کے لئے کوئی راستہ کھلتا۔ ابھی تک تو وہ مثال ہے کہ ہماری بکری شیر مار سکتی ہے۔ اور جب پوچھا جائے کہ مارتی کیوں نہیں۔ تو جواب ملتا ہے کہ چاہتی نہیں۔ پہلے خدا سے یہ توفیق تو مانگیں کہ وہ اپنی تفسیر کو مکمل کر سکیں!

ان تینوں باتوں کے بعد بھی میں، جن کا جواب میاں صاحب سے ملنے کی مجھے اُمید نہیں، ان کے اس چیلنج کو، کہ قرآن کریم کے کسی مقام کی تفسیر وہ بھی لکھیں اور دوسرے لوگ بھی لکھیں، قبول کرتا ہوں اور سہولت کے لئے صرف ایک ہی آیت ان کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ **وَمُبَشِّـرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ** (6:61)۔ اس آیت کا انتخاب میں نے اس لئے بھی کیا ہے کہ اس سے پیشتر جناب میاں صاحب دنیا کے علماء کو یہ چیلنج دے چکے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر کا انہیں سب سے بڑھ کر علم دیا گیا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کا فیصلہ کس طرح ہوگا کہ میاں صاحب کو فتح ہوئی ہے۔ میں اس کے لئے بھی آسان طریق پیش کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ انہی کے مریدوں میں سے میں تین آدمی منتخب کر لوں گا جو

حلف اُٹھا کر یہ فیصلہ کر دیں کہ جناب میاں صاحب کی تفسیر قرآن وحدیث کے مطابق ہے اور حضرت مسیح موعود کی تفسیر کے خلاف نہیں۔ اگر وہ ان تمام طریقوں سے کوئی طریق بھی اختیار نہ کریں تو اس سے صرف ایک ہی قیاس ہوسکتا ہے۔ یعنی یہ کہ ان کا مطلب فی الواقع کسی مسئلہ کو صاف کرنا یا کسی مشکل کو حل کرنا نہیں بلکہ ایک ہنگامہ آرائی ہے۔ جس سے مقصود صرف یہ ہے کہ مریدوں کی توجہ کسی نئی بات کی طرف لگی رہے۔ خاکسار محمد علی

یوم مسیح موعود: (31 مئی 1944ء) 25 مئی کو نماز مغرب کے بعد برکت علی اسلامیہ ہال بیرون موچی دروازہ لاہور میں زیر صدارت حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ، حضرت مسیح موعود کے یوم وصال کا جلسہ منعقد ہوا۔ باوجود شدید گرمی کے ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور ہال کے دروازہ پر لوگوں کا جمگھٹا تھا۔ جتنے لوگوں کو جگہ ملی اتنے ہی لوگ قریباً جگہ نہ ملنے کی وجہ سے واپس ہو گئے۔ حاضرین میں شہر کے عمائد بھی تھے، عوام بھی تھے، مرکزی جماعت کے لوگ بھی تھے، اور بیرونی جماعتوں کے دوست بھی تھے۔ ہندو بھی تھے، سکھ بھی تھے، ہمارے مسلمان بھائی بھی تھے اور قادیانی دوست بھی تھے۔ غرضیکہ جلسہ بہت بارونق تھا۔ حضرت مولٰینا صدرالدین صاحب نے اپنے مخصوص اور دلنشین انداز میں ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ان کے دین کے خادم ہیں'' کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ حضرت مولٰینا کے بعد جناب مولٰینا عبدالحق صاحب ودیارتھی نے ''مجدد وقت کا پیغام'' کے موضوع پر تقریر کی۔ حاضرین جلسہ نے بڑی توجہ کے ساتھ ان تقریروں کو سنا۔ ان تقاریر کے اختتام پر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کے خالص اسلامی اور بلند مقاصد کو نہایت اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہوئے اہل لاہور کو جماعت احمدیہ لاہور میں شمولیت کی دعوت دی۔ حضرت ممدوح کے ارشادات کو لوگوں نے بہت غور سے سنا۔ اور رات کے ساڑھے بارہ بجے حضرت امیر نے دعا کے ساتھ جلسہ کو برخواست کیا۔ جلسہ بہت ہی کامیاب رہا۔ اس جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے جنرل سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اور مرکزی نوجوانوں نے غیر معمولی جدوجہد کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تڑپ دیکھ کر یہ غیر معمولی کامیابی عطا فرمائی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوانوں کو اسلام اور سلسلہ کے لئے تعمیری اور تخلیقی جدوجہد کرنے کے لئے بیش از پیش توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اس جلسہ

کی کامیابی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اس پراپیگنڈا کا اثر، جو تحریک احرار نے قادیانی اعتقادات کو سامنے رکھ کر کیا تھا، دور ہو چکا ہے اور لوگوں کے دلوں میں جو نفرت کے جذبات پیدا کئے تھے وہ مرورِ زمانہ سے کم ہو چکے ہیں اور لوگ پھر حضرت امام عصر حاضر کا پیغام سننے کے لئے تیار ہیں۔ضرورت ہے کہ ان بدلے ہوئے رجحانات کے پیش نظر حضرت مسیح موعود کی خالص اسلامی تعلیمات کو مسلمانوں تک پہنچایا جائے اور انہیں سلسلہ حقہ میں شمولیت کی دعوت دی جائے۔اس جلسہ کی کامیابی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے تبلیغی پروگرام کے لئے بڑا وسیع میدان پیدا کر دیا ہے۔دوستوں کو چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کے بدلے ہوئے رجحانات سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیں اور تبلیغی پروگرام کو ہر ممکن ذریعہ سے کامیاب بنانے کی کوشش کریں کیونکہ حالات مساعد ہیں اور فضا سازگار ہے۔

۞۞۞

31 مئی 1944ء

حضرت امیر کے قلم سے

مساکین جماعت کے لئے غلہ کی اپیل

سال گذشتہ مَیں نے اس خطرناک گرانی اشیاء کی وجہ سے، جو جنگ کے سلسلہ میں ہمارے ملک میں بھی ایک عذاب بن کر نازل ہوا ہوا ہے، مساکین جماعت کے لئے غلہ کی اپیل کی تھی۔ جس پر جماعت کے ایک حصہ نے لبیک کہا اور سینکڑوں دِلوں سے ان لوگوں کے حق میں دعائیں اُٹھی ہوں گی جنہوں نے اس نازک موقعہ پر اپنے بھائیوں کی امداد کے لئے قدم اُٹھایا۔ غلہ کے لحاظ سے اس سال گو سال گذشتہ کے مقابل میں قدرے قیمتوں میں کمی ہوگئی ہے، مگر وہ کمی ایسی نہیں کہ غرباء اطمینان کا سانس لے سکیں۔ اور بعض ضرورت کی اشیاء مثلاً لکڑی، دودھ، گھی، گوشت، سبزی وغیرہ کی قیمت پہلے سے بڑھ گئی ہے۔ اس لئے میں ان لوگوں سے، جن کے ذرائع آمد وسیع ہو گئے ہیں، مثلاً زمیندار یا تجارت پیشہ اصحاب، پھر سال گذشتہ کی درخواست کو دوہراتا ہوں۔

زمیندار اصحاب سے میں نے یہ درخواست کی تھی کہ ان کی اپنی ضرورت سے جس قدر زائد غلہ ہو وہ اس کی قیمت میں سے جو پہلے سے تگنی کے قریب ہے غلہ فروختنی میں سے 8 آنہ فی من کے حساب سے اپنے غریب بھائیوں کی امداد کریں اور تجارت پیشہ اصحاب یا ان اصحاب سے، جن کو ٹھیکوں وغیرہ کی وجہ سے خاصہ فائدہ پہنچتا ہے، یہ اپیل کی تھی کہ وہ بھی اپنے غریب بھائیوں کی حسب توفیق امداد کریں۔ اب بھی ان ہر دو گروہوں سے میری یہی درخواست ہے۔ مال میں برکت خدا کے فضل سے ہوتی ہے اور ایک مسکین یا غریب کی اس دعا سے، جو اس کے دل سے اس وقت اُٹھتی ہے جب اس کا بھائی اس کی حاجت کو پورا کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے، بڑھ کر فضل الٰہی کی جاذب کم چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ دِلوں کی حالت کو جانتا ہے۔ میری اس اپیل سے غرض صرف ان لوگوں کی ہمدردی نہیں جن کو خدا نے اپنی کسی مصلحت سے کم دیا ہے مگر ان لوگوں کی ہمدردی ہے جن کو خدا نے اپنے فضل سے بہت دیا ہے۔ یہ مال تو آخر انسان کے ہاتھ سے نکلنے والا ہے لیکن اس کا جو حصہ فضل الٰہی کا جاذب بن کر نکلے وہ انسان کے لئے ایک کھیتی کا حکم رکھتا ہے۔ وہ اس بیج کی طرح ہے جو زمین میں بو دیا گیا۔ تا کہ وہ پھولے

اور پھلے۔ اس لئے میں ان دو گروہوں سے اور ان کے علاوہ ان اصحاب سے، جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے، درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے غلوں کا کچھ حصہ صدقہ کے طور پر بھیج دیں۔ تا کہ غرباء کی حاجت پوری ہو اور امراء کے مال کا ایک حصہ صحیح مصرف میں لگ جائے۔ ممکن ہے بعض دِلوں میں یہ خیال ہو کہ ہم اپنے طور پر بھی تو خرچ کر دیتے ہیں اور غرباء کی امداد کرتے رہتے ہیں۔ یہ درست ہے مگر جماعت کے نظام میں بھی ان کا شامل ہونا ضروری ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ مسکین جماعت، جو اس وقت لوگوں کے مظالم کا تختہ مشق ہے، اس میں سے کون سا غریب ہے۔ جس کی آج پرورش ہو جائے تو کل کو وہ خدا کے دین کی خدمت کا کوئی عظیم الشان کام سرانجام دے۔ اس تحریک کے جواب میں غلہ بھیجنے کی ضرورت نہیں بلکہ نقد روپیہ ''تحریک غلہ'' کے نام سے محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو بھیج دیا جائے۔ اور سیکرٹری انجمن کو بھی اس کی اطلاع دی جائے۔

خاکسار محمد علی

27 مئی 1944ء

7 جون 1944ء

حضرت امیر کے قلم سے

روسی زبان کے لئے ایک اور نوجوان کی پیشکش

اس سے پہلے ہمارے نوجوان دوست پروفیسر حمید اصغر ایم۔اے روسی زبان کے سیکھنے میں مصروف ہیں۔ اور قرآن کریم کا بھی گہرا مطالعہ تفسیر بیان القرآن سے کررہے ہیں۔ اب یہ دوسرے نوجوان دوست (پروفیسر عماد الدین صاحب) ہیں۔ جن کی توجہ روسی زبان کی طرف ہوئی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس وقت امریکہ کے بعد جہاں انجمن اختتام جنگ پر مشن کھولنے کا فیصلہ کر چکی ہے اور ہسپانوی مشن تو پہلے طے شدہ ہے، روس کی اہمیت سب سے بڑھ کر ہے۔ اور ہماری جماعت کے لئے یہ بہت شکر کا مقام ہے کہ کس طرح جماعت کے نوجوان اپنے خرچ پر اپنے آپ کو اس عظیم الشان کام کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ فی الواقعہ کام آج سے پانچ سال بعد ہو یا دس سال بعد، کوئی نہیں کہہ سکتا، اس کا انحصار حالات اور انجمن کے فنڈ پر بھی ہے لیکن مجھے یہ یقین ہے کہ یہ تحریک ارادہ الٰہی کے ماتحت پیدا ہورہی ہے۔ اور دو چھوڑ دس نوجوان بھی روس میں کام کرنے کے لئے نکلیں تو بہت نہیں۔ لیکن اس کے بعد میرا یہ خیال ہے کہ جو نوجوان اس کام کی طرف توجہ کریں وہ دیگر یورپین زبانوں کو لیں۔ مثلاً ہمیں ضرورت ہے کہ فرانسیسی زبان کے لئے کچھ نوجوان اپنے آپ کو تیار کریں۔ کچھ اطالوی اور جرمن زبانوں کے لئے بھی اپنے آپ کو تیار کریں۔ اسی طرح دیگر یورپین زبانیں ہیں۔ یہ فکر ہم آج کریں گے تو کہیں دس سال تک اس کام کی داغ بیل ڈالی جا سکے گی۔ جو نوجوان اس طرح پر اپنے آپ کو تیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، وہ مجھے اپنے ارادے سے اطلاع بھی دیتے رہیں۔ تا کہ یہ کام ایک نظام کے ماتحت رہے۔ اس کے علاوہ کچھ ہندوستانی زبانیں بھی ہیں۔ جن کے لئے ہمیں اپنے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ مثلاً جہاں سندھی، بنگالی اور تامل زبانوں میں ہم اپنے آدمیوں کو ترجمہ قرآن کریم کے کام پر لگا چکے ہیں، مرہٹی، گجراتی، تیلگو وغیرہ کے لئے بھی ہمیں ضرورت ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ ہر ایک تعلیم یافتہ نوجوان کو اپنی معاش کی فکر کے ساتھ یہ فکر بھی ہونی چاہئے کہ وہ کم سے کم ایک زبان اور سیکھے خواہ وہ کوئی یورپ کی زبان ہو یا ایشیاء کی جیسے چینی، جاپانی وغیرہ یا ہندوستان کی کوئی زبان ہو۔

پروفیسر عماد الدین صاحب کا مکتوب حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں: مخدومی محترمی قبلہ حضرت

امیر اید ہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیزی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔آپ کا نوازش نامہ مبارکبادی موصول ہوا۔ یہ آپ کی بندہ نوازی ہے جس کا میں نہایت ہی ممنون ہوں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہے کہ میں Audits کے امتحان میں کامیاب ہوں۔ ورنہ میری کیا ہستی ہے۔ دراصل یہ میری دعاؤں کا نتیجہ ہے جو میں اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتا تھا کہ اے اللہ تو مجھے صاحب اسباب بنادے تا کہ میں اس دنیا کے تمام علوم سے مستفید ہوکر پھر قرآن مجید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا میں اونچا اور قائم کرسکوں۔ اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے دنیوی کامیابی دی ہے یا دینے والا ہے تو یہ محض میری اسلام نوازی اور اتباع قرآن کا امتحان ہے کہ میں ان اسباب کو کہاں تک اسلام کی اشاعت اور قرآن کریم کی تبلیغ کے لئے خرچ کرتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر، جس کی ذات اقدس پر مجھے پورا ایمان ہے، آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ مجھے دین کی خدمت میں صف اول میں دیکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں نے اپنے خدا سے یہ وعدہ حتمی کرلیا ہے کہ میں قرآن مجید کی ایک نہایت ہی عظیم الشان تفسیر وترجمہ روسی زبان میں کروں۔ اور یہ اس لئے کہ آج ساری دنیا پر روس کی سیاست، معاشیات اور فکر کا رعب وتسلط ہے۔ اس لئے اگر روس کو اسلام کی طرف بلایا جائے اور ذہنی اور روحانی ترفّع اور ایمانداری سے روس کو تبلیغ کی جائے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ روس اسلام قبول نہ کرے۔ آخر اسلام ہی تو اکمل اور آخری مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ انسانیت کا مذہب یہی ہوگا۔ اس لئے خدا کے وعدوں پر پورا ایمان رکھ کر اور قرآن مجید کے ہر ایک شوشہ اور فقرے کو خدا کا اٹل کلام سمجھتے ہوئے میرا یہ حتمی وعدہ ہے کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی ایک نہایت ہی بلند پایہ تفسیر روسی زبان میں روس کی ہدایت کے لئے شائع کروں گا۔ یہ میں نے اپنی زندگی کا اول اور آخری مقصد بنایا ہے۔

Audits کی نوکری کافی وقت کو ضائع کرے گی لیکن اس سے جو فارغ البالی ملے گی میں اس کو کتابوں کے خریدنے اور مطالعہ پر اچھی طرح فراخدلی سے خرچ کرسکوں گا اور آج سے دس یا بیس برس بعد اپنے مقصد حیات میں ضرور بالضرور انشاء اللہ کامیاب ہوجاؤں گا۔ آپ درددل سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کے نقش قدم پر چلائے۔

7 جون 1944ء
مکتوب امیر

جماعت کے نام

برادرمکرم خواہر محترمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

ادائیگی زکوٰۃ کے متعلق میں آپ کو دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں:

اول یہ کہ بیت المال کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مسلمان زکوٰۃ ادا بھی کرتے ہیں مگر سنت نبویؐ پر پھر بھی عمل نہیں کرتے۔ کچھ گداگر زکوٰۃ کا مہینہ آنے پر گھروں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور ایک ایک دولت مند کے پاس پہنچ کر حصہ رسدی کچھ پیسے وصول کر لیتے ہیں۔ دینے والے سمجھتے ہیں کہ ہم نے زکوٰۃ ادا کردی۔ حالانکہ زکوٰۃ اس چیز کا نام نہیں جو فقیروں کو دی جائے۔ بلکہ زکوٰۃ وہ ہے جو بیت المال میں جمع کرکے وہاں سے خرچ کی جائے۔ جو لوگ اپنے طور پر زکوٰۃ خرچ کرتے ہیں، وہ قوم میں گداگری پیدا کرنے والے اور بیکاری کے جرم کی اعانت کرنے والے ہیں۔ قرآن کریم میں صریح ہدایت ہے کہ امام کے عامل زکوٰۃ وصول کریں۔ یہاں تک کہ ان عاملوں کو مدز کوٰۃ سے تنخواہ دینا بھی قرآن کریم نے زکوٰۃ کے ضروری مصارف میں سے قرار دیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل تھا۔ کوئی شخص اس بات کا مجاز نہ تھا کہ یہ کہے کہ میرے پاس بہتیرے زکوٰۃ مانگنے والے آجاتے ہیں۔ یا میرے رشتہ دار بہتیرے مستحق ہیں۔ میں بیت المال میں نہیں دیتا۔ آپ کی وفات کے بعد جب بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ کہلا بھیجا کہ ہم اپنی زکوٰۃ کو بیت المال میں داخل نہیں کرتے، اپنے طور پر خرچ کریں گے تو آپ نے ان کے خلاف لشکر کشی کی۔ نماز اگر کوئی شخص نہیں پڑھتا یا اکیلا گھر میں پڑھ لیتا ہے اور مسجد میں نہیں آتا تو وہ گنہگار تو ہے، مگر نقصان اپنی جان کا کرتا ہے۔ مگر جو شخص اپنی زکوٰۃ کو بیت المال میں ادا نہیں کرتا، وہ گنہگار بھی ہے اور اس کے گناہ سے ساری قوم کو نقصان پہنچتا ہے۔

دوم۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم جو چندہ ماہوار تبلیغ اسلام کے لئے دیتے ہیں، وہ زکوٰۃ نہیں بلکہ جہاد ہے۔ اور زکوٰۃ اور جہاد اسلام کے دو الگ الگ رکن ہیں۔ ایک کے ادا کرنے سے دوسرا ادا نہیں ہوجاتا۔ ایک شخص جو چندہ دیتا ہے زکوٰۃ نہیں دیتا، وہ بھی ایک رکن اسلام کو چھوڑتا ہے۔ ایک شخص زکوٰۃ

دیتا ہے چندہ نہیں دیتا، وہ بھی ایک رکن اسلام کو چھوڑتا ہے۔ البتہ احباب کی سہولت کے لئے انجمن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایک تہائی تک زکوٰۃ کے معطی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے طور پر خرچ کرلے۔ اپنے کسی غریب رشتہ دار کو دے دے یا کسی محتاج کو دے دے۔ یا اس کا کچھ لٹریچر منگوا کر اپنے طور پر تقسیم کردے۔ اور اس کی بناء ایک حدیث پر ہے۔ جس میں آتا ہے کہ تم جب زکوٰۃ کا اندازہ کرلو تو ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ دیا کرو۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ تا ایک شخص خود اپنے ہمسائیوں یا قریبیوں پر، جو مستحق زکوٰۃ ہوں، خرچ کر سکے۔ لیکن جو لوگ ساری زکوٰۃ اپنے طور پر خرچ کرتے ہیں، وہ خدا کے حکم کے خلاف چلتے ہیں۔ اگر ایک شخص سمجھتا ہے کہ اس کی ایک تہائی زکوٰۃ سے زیادہ کے کوئی اس کے قریبی حق دار ہیں، تو وہ ان کے لئے انجمن میں لکھ سکتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے حسب منشاء امداد بھی دے سکتا ہے اور خدا کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی اور قوم کی عزت بھی بڑھے گی۔

زکوٰۃ کن چیزوں پر ہے: 1۔ نقدی خواہ سونا ہو یا چاندی یا نوٹوں کی صورت میں۔ اپنے پاس جمع ہو یا کسی جگہ امانت کے طور پر جمع ہو۔ زیورات خواہ روپے کو جمع رکھنے کی غرض سے بنوائے گئے ہوں۔ خواہ استعمال کے لئے۔ خواہ شب و روز پہنے جاتے ہوں خواہ رکھے رہتے ہوں ان پر بھی نقدی کی طرح زکوٰۃ ہے۔ اگر وہ جڑاؤ ہیں تو نگینوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں۔ نہ ہی جواہرات پر زکوٰہ ہے۔ صرف سونے یا چاندی کی قیمت پر زکوٰۃ ہے جو اس میں لگا ہے۔ بشرطیکہ باون روپے سے زیادہ مالیت کا ہو۔ سونا ساڑھے سات تولہ تک مستثنیٰ ہے۔ ساڑھے سات تولہ سے زائد سونے پر زکوٰۃ ہے۔

2۔ تجارت پر لگا ہوا مال اور انڈسٹری کی صورت میں لگا ہوا سرمایہ، مکان یا زمین۔ یعنی جائداد غیر منقولہ سے زیادہ مشابہ ہے۔ ان دونوں صورتوں میں زکوٰۃ اس نفع پر ہونی چاہئے جو تجارت یا کارخانے سے اُٹھایا گیا ہے۔ یعنی ضروری اخراجات کو ادا کرنے کے بعد جو اس کی آمدنی ہو، اس میں سے آڑھائی فیصد دیا جائے۔ انکم ٹیکس وغیرہ لازمی اخراجات میں سے شمار ہوں گے۔

3۔ زمینوں کی پیداوار میں عشر اور بیسویں حصہ کا طریق اس لئے قابل عمل نہیں کہ غیر حکومت مالکان زمین سے خراج الگ لے لیتی ہے۔ اس صورت میں زکوٰۃ زمین کے منافع پر ہوگی۔ یعنی اس کی آمدنی میں سے ضروری اخراجات کو، جن میں معاملہ، آبیانہ یا ضروری اخراجات شامل ہیں، نکال کر جو رقم

باقی رہے اس پر اڑھائی فیصد زکوٰۃ ہے۔

4۔ مکانات کے کرایہ پر زکوٰۃ۔ مکانات کے کرایہ پر ایک سال کی آمدنی کرایہ بعد منہائی لازمی اخراجات باون روپے سے زیادہ ہوتو زکوٰۃ بحساب اڑھائی روپے فی سینکڑہ ہوگی۔ اپنے رہائشی مکانات پر یا جن مکانات سے کوئی کرایہ وصول نہیں ہوتا کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح جو زمین صرف کسی کے اپنے گذارہ کے لئے ہے، اس پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

5۔ بالآخر تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں عموماً اور برادران جماعت کی خدمت میں بالخصوص التماس ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف میں غرباء اور مساکین کی امداد کے علاوہ سب سے بڑا اور سب سے اہم خرچ تبلیغ اسلام ہے۔ اور یہ سب کام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ایک وسیع پیمانے پر کر رہی ہے۔ اس نے نہ صرف ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر یورپ وغیرہ ممالک میں متعدد اسلامی مشن کھولے ہوئے ہیں بلکہ قرآن کے تراجم انگریزی اور دوسری زبانوں میں ہزار ہا کی تعداد میں سیرت نبویؐ کے تراجم اور تعلیم اسلام پر رسالے ہزاروں کی تعداد میں مفت غیر مسلموں تک پہنچائے جاتے ہیں۔ اور اس کے بیت المال سے ایک خاص تعداد غرباء اور مساکین کی بھی فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ اس لئے سب بھائی اپنی زکوٰۃ بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس، لاہور کو بھیج کر ممنون فرمائیں۔ والسلام

خاکسار محمد علی
پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

❁❁❁

12 جولائی 1944ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب کے تازہ ارشادات

''عربی نہ جاننے کی وجہ سے ٹھوکریں کھانے والے''

5 جولائی 1944ء کے الفضل میں جو خطبہ چھپا ہے۔اس میں جناب میاں صاحب فرماتے ہیں:

''عربی نہ جاننے کی وجہ سے بعض لوگوں کو کئی رنگ میں ٹھوکریں بھی لگ جاتی ہیں اور اسی وجہ سے ہماری جماعت کے بعض لوگ اتنے لمبے عرصہ میں یہ بھی نہیں سمجھ سکے کہ درحقیقت **ماموراور نبی** ایک ہی ہوتا ہے۔**پیغامی** اس بات سے ٹھوکر کھا گئے۔اُنہوں نے ماموراور نبی کوالگ الگ سمجھ لیا۔حالانکہ نبی اور مامورایک ہی ہوتا ہے۔''

جماعت کے لوگ کیا کریں اور کس طرح سمجھیں!ان کے رہنما نے انہیں اسی راستہ پر ڈالا۔ عربی زبان کے نہ جاننے کی وجہ سے ''پیغامی'' اگرٹھوکر کھا گئے تو یہ کوئی بڑی بات نہ تھی،مگر جناب میاں صاحب کا یہ فتوٰی حضرت مسیح موعود تک پہنچتا ہے۔وہ بھی یہی فرماتے ہیں جو پیغامی کہتے ہیں کہ ماموراور نبی الگ الگ ہیں۔وہ فرماتے ہیں:

''اور محدث بھی خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔امورغیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور نبیوں اور رسولوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطان سے منزہ کیا جاتا ہے۔اور بعینہٖ انبیاء کی طرح مامور ہوکر آتا ہے اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے تئیں بآواز بلند ظاہر کرے''(توضیح مرام،ص10,9)

یہ ہیں مسیح موعود اور حکم وعدل جناب میاں صاحب کے ''نبی وقت'' جو زبان عربی سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے ٹھوکریں کھارہے ہیں۔انہی کے اقتداء میں غریب پیغامی بھی ٹھوکریں کھارہے ہیں۔ یہ دونوں تو عربی سے ناواقف ہیں اور اس لئے ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔انہیں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے جناب میاں صاحب مامور ہوئے ہیں۔بہرحال خدا کا شکر ہے کہ ''پیغامی'' اگرعربی زبان سے ناواقف ہوکرٹھوکریں کھاتے ہیں تو کم سے کم اسی کشتی میں سوار ہیں جس میں حضرت مسیح موعود سوار ہیں۔

تخت خلافت پر متمکن ہو کر جناب میاں صاحب نے ارشاد فرمایا تھا کہ بعض نادان کہہ دیا کرتے ہیں کہ نبی مطیع نہیں ہوتا مطاع ہوتا ہےاوراس کے لئے آیت قرآنی وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (64:4) سے استدلال کرتے ہیں۔حالانکہ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے آیت قرآنی وَمَـا اَرۡسَـلۡـنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (64:4) سے استدلال کر کے یہ فرمایا کہ ''نبی مطیع نہیں ہوتا مطاع ہوتا ہے'' تو خلیفہ صاحب نے اپنے ''نبی'' کو ''نادان'' قرار دے کر دنیا کی تاریخ میں ایک بینظیر کارنامہ انجام دیا تھا۔ اب مصلح موعود کا عہدہ سنبھالتے ہی یہ دوسرا بےنظیر کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ حکم وعدل کو، مسیح اور مہدی کو، ہاں خود اپنے ''نبی'' کو زبان عربی سے ناواقف اور ٹھوکریں کھانے والا قرار دیا ہے۔ جناب میاں صاحب سے اختلاف عقیدہ رکھ کر بیعت کرنے والوں کو مبارک ہو کہ ان کی دونوں حیثیتیں قائم ہیں۔ مرید ہونے کے لحاظ سے وہ عقلمندوں اور زبان عربی کے ماہروں کی جماعت میں شامل ہیں۔اور عقیدہ کے لحاظ سے نادان بھی ہیں اور زبان عربی سے ناواقف بھی ہیں۔طریق احتیاط یہی ہے کہ دونوں کشتیوں میں پاؤں رہے۔

میں قادیانی احباب سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا اب بھی انہیں سمجھ نہیں آتی کہ جناب میاں صاحب انہیں حضرت مسیح موعود کے راستے پر نہیں چلا رہے، بلکہ اس کے اُلٹ راستہ پر چلا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے ''نبی'' کو نادان اور زبان عربی سے جاہل قرار دینے میں بھی ان کو تامل نہیں۔ ''تم میں سے ہائے سوچنے والے کدھر گئے۔''

خاکسار محمد علی

19 جولائی 1944ء

حضرت امیر کے قلم سے

مکتوب امیر بنام خلیفہ قادیان

خلیفہ صاحب قادیان نے اپنی ایک تقریر میں، جو الفضل مورخہ 28 جون میں چھپی ہے، حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ پر یہ الزام لگایا کہ حضرت ممدوح نے جو بیان مولوی کرم دین کے مقدمہ میں دیا تھا اس کے متعلق آپ کا طریق دیانتدارانہ نہیں۔ اس کا جواب حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے 3 جولائی کو میاں صاحب کو بذریعہ رجسٹری بھجوایا۔ جو الفضل میں ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ حضرت ممدوح پر الزام دیا جاتا ہے اور پھر ان کا جواب شائع نہیں کیا جاتا حالانکہ پیغام صلح میں جب سر ظفر اللہ خاں صاحب کے متعلق ایک مضمون شائع کیا گیا تھا تو چودھری صاحب کا جواب بھی شائع کر دیا تھا۔ مگر میاں صاحب صرف اس لئے حضرت امیر کے بیان کو شائع نہیں کرتے کہ ان کے مریدوں کے سامنے کہیں اصل واقعات نہ آ جائیں۔ حضرت ممدوح کا مکتوب درج ذیل ہے۔ مدیر

مکرم معظم میاں صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کی جو تقریر الفضل 28 جون میں چھپی ہے۔ اس میں آپ نے مجھ پر یہ الزام دیا ہے کہ میں نے جو بیان مولوی کرم دین کے مقدمہ میں دیا تھا اس کے متعلق میرا طریق دیانتدارانہ نہیں۔ میرا بیان اس مقدمہ میں یہ تھا۔ جو آپ نے نقل بھی کیا ہے:

> ''مرزا صاحب دعوٰی نبوت کا اپنی تصانیف میں کرتے ہیں۔ یہ دعوٰی نبوت اس قسم کا ہے کہ میں نبی ہوں لیکن کوئی نئی شریعت نہیں لایا۔ ایسے مدعی کا مکذب قرآن شریف کی رو سے کذاب ہے۔''

آپ کا خیال ہے کہ اب میں نے اپنا عقیدہ اس بارہ میں تبدیل کر لیا ہے۔ لیکن میں یہ کہتا نہیں کہ میں نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا ہے اور یہ دیانتداری نہیں۔ میں اس کا جواب اس سے پیشتر بھی دے چکا ہوں۔ جو پیغام صلح میں چھپ چکا ہے۔ اور اس کی طرف آپ نے اشارہ تک نہیں کیا۔ اس لئے

اب میں یہ جواب آپ کی خدمت میں براہِ راست بھیجتا ہوں۔ تاکہ آپ نے جہاں مجھ پر ایک الزام اخبار میں دیا ہے، اس کا جواب بھی اسی اخبار میں شائع کرا دیں۔ گو آپ مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہیں لیکن دشمن پر بھی اگر الزام دیا جائے تو اس کا جواب لے لینا چاہئے **لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا** (8:5) میں جواب اختصار سے عرض کرتا ہوں۔

1۔ میرا پہلا فقرہ یہ ہے کہ ''مرزا صاحب دعوٰی نبوت کا اپنی تصانیف میں کرتے ہیں'' تو جو کچھ دعوٰی حضرت صاحب کا ان کی اپنی تصانیف میں پایا جاتا ہو، اسی کا میں قائل ہوں۔ اسی کا قائل اس بیان کے وقت بھی تھا، اسی کا قائل اب بھی ہوں۔ فی الواقع میں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ تو اب سوال صرف یہ ہے کہ وہ دعوٰی آپ کی اپنی تصانیف میں کیا ہے۔ میں صرف بطور نمونہ تین زمانوں کی تین تحریریں پیش کرتا ہوں۔

ا۔ ابتداء میں ہی 1892ء میں تحریر فرمایا اور ایک مخالف سے بحث کرتے ہوئے یہ فیصلہ کن تحریر دی:

> ''اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکلم من اللہ مراد لئے ہیں۔''

ب۔ درمیانی زمانہ میں انجام آتھم میں 1897ء تحریر فرمایا:

> ''اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعوٰی نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔''

ج۔ آخری زمانہ میں یعنی 1901ء کے بعد 1903ء میں ''مواہب الرحمٰن'' میں تحریر فرمایا۔ ترجمہ دیتا ہوں:

> ''اللہ تعالٰی اس اُمت میں اپنے اولیاء کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے اور ان کو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے اور درحقیقت وہ نبی نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال کو پہنچا دیا۔''

ان تینوں تحریروں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود نے جو لفظ نبی اپنی تحریروں میں استعمال کیا ہے یا جو لفظ نبی آپ کے الہامات میں آیا یا حدیث میں آپ کے لئے آیا اس سے مراد حضرت صاحب کے نزدیک اصطلاح شریعت میں نبوت کا لفظ نہ تھا بلکہ لغوی معنے مراد تھے۔ جسے دوسرے لفظوں میں محدث بھی کہتے ہیں۔ یہ صرف لفظ کا غیر حقیقی استعمال تھا۔ جسے دوسری جگہ مجاز اور استعارہ بھی کہا ہے۔ آخر تک اسی بات کے قائل تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی نہیں آ سکتا۔ ہاں اس اُمت کے اندر مکالمہ مخاطبہ کا سلسلہ جاری ہے اور ان لوگوں کو، جن سے اللہ تعالیٰ اس اُمت میں مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے، نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے۔ وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے۔ حضرت مسیح موعود کے ان **اول زمانہ، درمیانی زمانہ، آخری زمانہ کی تصریحات کے مطابق میں نے بھی لفظ نبی استعمال کیا۔** اور آپ کی نبوت کو صرف لغوی معنے میں لیا۔ محدثیت کے معنی میں لیا۔ غیر حقیقی معنے میں لیا۔ اس وقت بھی یہی معنی لیتا تھا، آج بھی یہی معنے لیتا ہوں۔ چنانچہ میرے اس بیان کے آخر میں ایسے لفظ بھی موجود ہیں۔ یعنی یہ کہ مرزا صاحب کا دعویٰ نبی بمعنی Saint یعنی ولی ہونے کا تھا۔ اور حضرت صاحب کے زمانہ میں سب احمدی اسی معنی میں اس لفظ کو لیتے تھے۔ ''زسعدی شنو گر زمن نشنوی'' مفتی محمد صادق صاحب نے شبلی مرحوم کے سامنے بیان اپنے اخبار بدر میں یوں شائع کیا:

> ''شبلی نے دریافت کیا کہ ہم لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارا عقیدہ اس معاملہ میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ نہ نیا نہ پرانا۔ ہاں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوتے رہے اور الہام الٰہی کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ نے بہت سی آئندہ کی خبریں بطور پیشگوئی کے بتلائی تھیں جو پوری ہوتی رہیں، اس واسطے مرز اصاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں۔''

2۔ دوسرا فقرہ میرے بیان کا یہ ہے:

''یہ دعویٰ نبوت اس قسم کا ہے کہ میں نبی ہوں لیکن کوئی نئی شریعت نہیں لایا۔''

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جس نبوت کے ساتھ شریعت نہ ہو، وہ فی الحقیقت نبوت نہیں۔ اس پر لفظ نبی صرف مجاز اور استعارہ کے طور پر بولا جاسکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے خود اپنی کتاب ''تریاق القلوب'' کے صفحہ 130 پر لکھا ہے:

''اپنے دعوٰی کا انکار کرنے والوں کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خداتعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت کے ماسوائے جس قدر ملہم اور محدث ہیں۔''

اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ صاحب شریعت کے ماسوائے جو کوئی بھی مکلم من اللہ ہو وہ ملہم اور محدث کی تعریف میں آتا ہے۔ اور لفظ نبی حقیقتاً صرف اسی شخص پر بولا جاسکتا ہے جو شریعت یا احکام جدیدہ لاتا ہے۔ جس کے ساتھ شریعت نہیں وہ حضرت صاحب کے نزدیک نبی بھی نہیں۔ اسی طرح ''مواہب الرحمٰن'' کی عبارت منقولہ بالا سے ظاہر ہے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ اس اُمت میں مکالمہ مخاطبہ والے لوگوں کو، گو نبیوں کا رنگ دیا جاتا ہے، مگر وہ درحقیقت نبی نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ قرآن نے حاجت شریعت کو کمال کو پہنچادیا۔ یعنی چونکہ اب کوئی شریعت نہیں لاسکتا اس لئے فی الحقیقت کوئی نبی بھی نہیں ہوسکتا۔ پس جب یہ کہا جائے کہ یہ ایسی نبوت ہے جس کے ساتھ کوئی شریعت نہیں تو اس کے معنے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ فی الحقیقت نبوت نہیں۔ مراد اس سے صرف پیشگوئی کرنے والا ہے۔ لغت کے معنے مراد ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں لفظ کا استعمال نہیں۔ یہی مذہب اولیائے اُمت کا ہے جیسا کہ شیخ اکبر نے یہ فقرہ بھی لکھا ہے **انما ارتفعت نبوۃ التشریع** یعنی صرف نبوت تشریعی ختم ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ **لا یطلق اسم النبوۃ ولا النبی الا علی المشرع خاصۃ** نبوت اور نبی کے نام کا اطلاق سوائے مشرع یعنی تشریعی نبی کے دوسرے پر نہیں ہوتا۔ پس حضرت مرزا صاحب کی اصطلاح میں اور اولیائے اُمت کی اصطلاح میں نبوت غیر تشریعی صرف ولایت یا محدثیت کا دوسرا نام ہے۔

3۔ تیسرا فقرہ میرے بیان کا یہ ہے:

''ایسے مدعی کا مکذب قرآن شریف کی رو سے کذاب ہے۔''

اب جو شخص فی الحقیقت مدعی نبوت ہے، اس کا مکذب تو یقیناً کافر ہے۔ اور قرآن کریم صراحت سے فرماتا ہے کہ کسی نبی کے نہ ماننے والے بھی اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا (151:4) کے مصداق ہیں۔ مگر میں آپ کے مکذب کو کافر قرار نہیں دیتا۔ بلکہ صرف کذاب قرار دیتا ہوں۔ اور کذاب کے معنی کافر نہیں۔ میری ساری تحریروں کو آپ از سر نو پڑھوالیں۔ اور حوالہ نکالنے کے ماہرین کو اس کام پر لگا دیں۔ ان میں کہیں حضرت مرزا صاحب کے منکروں کے لئے آپ کافر کا لفظ نہیں پائیں گے اور جیسا کہ ''تریاق القلوب'' کی محولہ بالا عبارت سے ظاہر ہے۔ جس کا منکر کافر نہیں، وہ نبی بھی نہیں۔ وہ حقیقی طور پر ملہم اور محدث ہے۔

خاکسار محمد علی

۞۞۞

26 جولائی 1944ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب کی دعوتِ مباہلہ

7 جولائی کے الفضل میں ''مولوی محمد علی صاحب کو مباہلہ کی دعوت'' کے عنوان سے میاں محمود احمد صاحب کا ایک مضمون نکلا ہے۔ جس کا خاتمہ ذیل کی شیریں کلامی پر ہوتا ہے:

''مولوی محمد علی صاحب بزدل بھی ہیں اور جھوٹے بھی وہ کبھی اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو اس مقام پر کھڑا نہ کریں گے بلکہ اس عظیم الشان جھوٹ بولنے کے بعد بزدلوں کی طرح بہانوں سے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو جھوٹوں کی سزا سے بچانے کی کوشش کریں گے۔ وہ وقتی طور پر بیشک بچ جائیں لیکن اگر وہ اتہام سے باز نہ آئیں گے اور خدا تعالیٰ کی پھانسی سے بھی بھاگنے کی کوشش کرتے رہیں گے تو ایک دن آئے گا کہ خواہ وہ اس پھانسی سے بھاگیں، پھانسی خود ان کے پاس جائے گی اور خدا تعالیٰ کی لعنت کذابوں کی طرح ان کا گلا گھونٹ کر رکھ دے گی۔ اور وہ بھی اور اس افتراء میں شرکت کرنے والا ان کا ہر ساتھی خدا کی چکی میں پیس دیا جائے گا۔ وہ اپنے افتراء کی لعنت کو اپنے صحنوں میں اُترتا ہوا دیکھیں گے اور کذابوں کی موت مریں گے۔''

غیظ و غضب کی اس آگ کے نیچے، جس نے جناب میاں صاحب کے دل میں مشتعل ہو کر ان کی زبان کو بے قابو کر دیا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو خدائی طاقت کا مالک سمجھنے لگ گئے ہیں، شاید مفہوم تو صرف اس قدر ہوگا کہ اگر میں فوراً نہ مر گیا تو ایک دن ضرور مر جاؤں گا۔ اور میرے ساتھی بھی ایک دن ضرور مر جائیں گے۔ اور ان کی اپنی تمنا شاید اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ (14:7) زندہ رہنے کی ہے۔ تو مجھے اعتراف ہے کہ میں اور میرے ساتھی ایک دن ضرور مر جائیں گے۔ ستر سال کی عمر کو جو شخص پہنچ چکا ہو اسے کہنا کہ تم مر جاؤ گے ایک مضحکہ خیز حرکت ہے۔ مگر یہ اپنے آپ کو کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ کا مصداق ٹھہرانے والا غصہ سے کانپ کانپ کر اور دانت پیس پیس کر کتنا بڑا انکشاف کر رہا ہے کہ تم مر جاؤ گے!

وہ عظیم الشان جھوٹ اور افتراء کیا ہے؟ کیا میں نے جناب میاں صاحب پر زنا کا الزام لگایا یا

اور کسی فعل شنیع کا الزام لگایا ہے یا شراب خوری یا سٹہ بازی کا الزام لگایا ہے حَاشَاوَ کَلَّا. یہ کام ان کے مریدوں کا ہے میرا نہیں۔ میں نے صرف ان کی طرف ایک عقیدہ منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک لَآ اِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر اب کوئی کافر مسلمان نہیں ہوسکتا اور یہ آج نہیں تیس سال سے وہ خود بھی کہہ رہے ہیں اور تیس سال سے میں بھی ان کے اس عقیدہ کو نجس قرار دے رہا ہوں اور دلیل پر دلیل دے کر انہیں اس نجس عقیدہ سے توبہ کرنے کی دعوت دے رہا ہوں۔ پھر اب اس پر اس قدر جھاگ منہ پر لانے کی کیا ضرورت تھی؟!

یہ ہمیں چکی میں پیسنے کی تمنا بھی کوئی نئی نہیں۔ آج سے تیس سال پیشتر 1914ء میں اختلاف کے وقت بھی میاں صاحب کے نفس کی خواہش نے انہیں یہ الہام کیا تھا۔ جب ابھی یہ جماعت بھی نہ بنی تھی۔ لَیُـمَـزِّ قَنَّھُمْ خدا ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ پیس کر رکھ دے گا۔ مگر یہ ان کی خواہش بھی اِلَّا غُرُوْرًا کی مصداق ہوئی۔ اور جن کو اس وقت دو چار آدمی کہتے تھے آج اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو وہ قوت عطا فرمائی ہے جو خود میاں صاحب کو نہ ملی۔ یعنی اس جماعت کی عزت، شہرت ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اس کا لٹریچر دنیا میں ایسے ایسے مقامات پر پہنچا جہاں میاں صاحب کے آدمی خواب میں بھی نہیں پہنچے۔ اس کے ذریعہ انگلستان میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ ووکنگ مشن کی صورت میں قائم ہوا۔ جرمنی کے دارالخلافہ برلن میں ایک عظیم الشان مسجد بنی اور تبلیغ اسلام کا مرکز وسط یورپ میں قائم ہوا۔ قرآن کریم کا ترجمہ تین یورپ کی زبانوں میں ہوا اور ان کی پچاس ہزار کاپی دنیا کے مختلف مقامات پر پہنچی۔ قرآن کریم کے ترجمے مختلف زبانوں میں پھیلانے کے لئے دو لاکھ روپے کا ایک مستقل فنڈ قائم ہوا۔ دو ہائی سکول بنے۔ جن میں سے ایک خاص لاہور میں ہے۔ آمدنی، جو سال اول میں صرف سات ہزار روپے تھی، ترقی کر کے سوا لاکھ تک پہنچی۔ جو سال اول سے ساٹھ گنا ہے۔ اور قادیانی جماعت اپنے سارے بلند بانگ دعاوی کے ساتھ دو لاکھ آمدنی سے ترقی کر کے صرف چھ لاکھ سالانہ آمدنی تک پہنچی جو ابتدائی حالت سے تگنی ہے۔ کہاں ساٹھ گنی ترقی اور کہاں تگنی!

یہ ہے میاں صاحب کے 1914ء کی خواب لَیُـمَزِّ قَنَّھُمْ کا نتیجہ اور اب 1944ء میں تیس سال بعد یہ اعلان کیا گیا ہے کہ وہ بھی اور ان کا ہر ساتھی بھی خدا کی چکی میں پیس دیا جائے گا۔ ہم تو میاں صاحب

کی طرح خدائی اختیارات کے مالک ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔اس کے دین کے خادم ہیں اور اس کے دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچانا ہماری زندگیوں کا مقصد ہے۔دنیا دیکھ رہی ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور خدا بھی دیکھ رہا ہے۔اور اس کی نصرت کا ہاتھ ہمیں آگے لے جا رہا ہے۔اب تک اس کے فضل سے ہمارا قدم آگے بڑھتا گیا اور یہی عزم ہمارا اب بھی ہے کہ اس کے کلام کو اور اس کے دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچائیں۔ہاں! وہ مالک ہے اگر کسی وقت اس کی نگاہ میں ہماری کوششیں اس قابل نہ ہوں کہ اس کی بارگاہ میں قبولیت کا مرتبہ حاصل کر سکیں، تو بھی مسیح موعود کے ساتھ ہماری زبانوں پر یہی ہوگا۔

خواہی بقرم کن جدا، خواہی بلطفم رونما   خواہی بکش یا کن رہا، کے ترک آن دامان کنم

میاں صاحب نے میرا خطبہ شاید کسی ایسی حالت میں پڑھ کر، جب ان کے دماغ پر پہلے سے اور خیالات کا تسلط ہو چکا تھا، یہ لکھ دیا ہے کہ میں نے ''ایسا مضمون لکھا ہے جس میں بہت سی گالیاں دی ہیں''۔غالباً ان کی مراد میرے اس خطبہ سے ہے جو 31 مئی 1944ء کے پیغام صلح میں چھپا ہے۔وہ گالیاں کیا تھیں۔صرف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوت کا عقیدہ اور تمام دنیائے اسلام کی تکفیر ایک نجاست ہے۔غلاظت ہے۔جس سے بچنا چاہئے۔اور میں نے لکھا تھا کہ میاں صاحب کے جو اچھے کام ہیں ان کے ساتھ ان دو ناپاک عقیدوں کا اجتماع ایسا ہی ہے، جیسے دودھ میں پیشاب ملا دیا جائے۔قادیان کا عقیدہ کیا ہے۔میاں صاحب نے اپنی کتاب ''آئینہ صداقت'' کے صفحہ 35 پر خود لکھا ہے ''وہ تمام مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ اُنہوں نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''۔اور ان کے چھوٹے بھائی میاں بشیر احمد صاحب نے لکھا ہے:

> ''ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰؑ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰؑ کو نہیں مانتا یا عیسیٰؑ کو تو مانتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلعم کو نہیں مانتا یا محمد صلعم کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ پکا کافر ہے''(کلمۃ الفصل یعنی مسئلہ کفر واسلام کی حقیقت صفحہ 28)

میرے نزدیک یہ عقیدہ اسلام کی جڑوں کو کاٹنے والا ہے۔خلاف قرآن، خلاف حدیث، خلاف آئمہ کرام، خلاف حضرت مسیح موعود ہے۔تو میں اسے ناپاک یا نجاست نہ کہوں تو کیا کہوں؟! گالی

اسے کہا جاتا ہے جو کسی کی ذات پر حملہ ہو۔مگر عالم ''خلافت'' کی لغت ہی نرالی ہے۔کسی ناپاک عقیدہ کو ناپاک کہنا تو گالی ہے۔اور میاں صاحب کا مجھے اس بناء پر جھوٹا اور بزدل کہنا، کہ ان کا خیال ہے کہ میں ان کی دعوت مباہلہ قبول نہیں کروں گا، شیریں کلامی ہے۔اگر واقعی دوسرے کی دعوت مباہلہ قبول نہ کرنے والا ''جھوٹا اور بزدل'' ہوتا ہے اور ''خدا تعالیٰ کی لعنت کذابوں کی طرح اس کا گلا گھونٹ کر'' رکھ دیا کرتی ہے اور وہ ''کذابوں کی موت'' مرا کرتا ہے تو کیا فرماتے ہیں جناب میاں صاحب اس پیر کے بارے میں کہ جس کے مرید، مخلص مرید، مبلغ، مہاجر، اس پر زنا کا الزام لگائیں اور پھر اسے مباہلہ کی دعوت دیں کہ اگر اس نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا تو وہ ان سے مباہلہ کر لے۔اور وہ پیر مباہلہ کے لئے میدان میں نہ نکلے تو وہ جھوٹا اور بزدل ہے یا نہیں؟ نیز اس پیر کے بارے میں کیا ارشاد ہے جس کے مخلص مرید اس پر زنا کا الزام لگائیں اور پھر اس سے یہ درخواست کریں کہ وہ اپنے ہی مریدوں کے ایک کمیشن کے سامنے ان الزامات کی جوابدہی کرے۔تو وہ بجائے تحقیقات پر راضی ہونے کے ان کا مقاطعہ کر کے انہیں باہر نکلوا دے۔کیا اسے بہادر اور سچا سمجھا جائے گا یا بزدل اور جھوٹا!

جناب میاں صاحب کی بہادری اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک مریدوں میں بیٹھ کر جو چاہیں کہتے چلے جائیں اور مرید روتے چلے جائیں۔مگر مقابلہ کے وقت وہ آج تک مباہلہ تو ایک طرف رہا مباحثہ کے لئے بھی کبھی باہر نہیں نکلتے۔بلکہ تفسیر نویسی کا چیلنج دے کر پھر ایسے خاموش ہوئے کہ گویا قادیان کی بستی میں زندہ لوگ نہیں بستے۔مصلح موعود کا عہدہ سنبھالنے کے بعد بڑے زور وشور سے چیلنج دیا گیا کہ میرے مقابل کوئی شخص قرآن شریف کے جس حصہ کو چاہے چُن کر تفسیر نویسی میں میرا مقابلہ کرے میں غالب آجاؤں گا۔مگر یہ نہ بتایا کہ وہ غلبہ ثابت کس طرح ہوگا۔کوئی ثالث ہوں گے جو یہ فیصلہ دیں گے کہ دونوں فریق میں سے، جنہوں نے ایک دوسرے کے مقابل تفسیر لکھی ہے، اچھی تفسیر کس کی ہے؟ یعنی جن لوگوں کی اس مقابلہ میں ثالث کی حیثیت ہوسکتی ہے وہ ان کے نزدیک پہلے ہی بے ایمان ہیں۔اگر کوئی غیر احمدی مقابلہ کے لئے نکلے تو ثالث جماعت لاہور کے سوا کون ہوسکتا ہے۔یا چلو کوئی غیر احمدی ہی سہی۔مگر یہ دونوں گروہ تو ان کے نزدیک علم قرآن سے بے بہرہ ہیں۔فیصلہ کیا دیں گے! اور اگر کوئی جماعت لاہور کا آدمی نکلے تو کوئی غیر احمدی جو ان کے نزدیک پکا بے ایمان ہے فیصلہ کا اہل کس طرح ہوسکتا

ہے! یہ تو محض مریدوں میں ایک تعلّی کے لئے ایک بات تھی۔ لیکن جب ان کے اس چیلنج کو میں نے قبول کر کے آیت وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کو پیش کیا کہ اس کی تفسیر میاں صاحب بھی لکھیں اور میں بھی لکھوں گا۔ اور ثالث بھی ان کے مریدوں میں سے منتخب کروں گا۔ اور اسی طرح شیخ عبدالرحمان صاحب مصری نے آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (40:33) کو مقابلہ تفسیر کے لئے پیش کیا تو قادیان اور ڈلہوزی کے دربار گویا دو گورستان ہیں، جہاں سے کوئی آواز نہیں اُٹھتی۔ نہ پیر بتاتا ہے کہ میں اب کیوں مقابلہ میں نہیں نکلتا، نہ مرید سوال کرتے ہیں کہ اتنا بڑا چیلنج دے کر اب خاموشی کے کیا معنے ؟! فرمایئے یہ سچوں اور بہادروں کا نشان ہے یا جھوٹوں اور بزدلوں کا!

پھر آج تیس سال گذر گئے مَیں ایک ایک سال میں دس دس مرتبہ بھی دعوت دے چکا ہوں کہ عقائد کے معاملہ میں وہ میرے ساتھ بحث کرلیں۔ مگر میاں صاحب کو مقابل میں نکلنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور بالآخر میں نے یہاں تک لکھ دیا کہ میں آپ کے اپنے مریدوں میں سے ثالثوں کا انتخاب کرلوں گا۔ یہ ایسی بات تھی جو بزدل سے بزدل پیر کو بھی شیر بنا دیتی۔ مگر میاں صاحب کو پھر بھی مقابلہ میں نکلنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کیا یہ سچوں اور بہادروں کا نشان ہے یا جھوٹوں اور بزدلوں کا؟!

پھر تیس سال ہو گئے۔ جب سے جناب میاں صاحب نے وہ بات کہی جو اس سے پیشتر نہ حضرت مسیح موعود کے وہم و گمان میں تھی، نہ اس سلسلے کے کسی آدمی کے۔ یعنی یہ کہ گو 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود انکار نبوت کرتے تھے۔ اور لفظ نبی کا استعمال بمعنی محدث کرتے تھے، اور مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے تھے اور دعوٰی نبوت اپنی طرف منسوب کیا جانے کو اپنے اوپر افتراء قرار دیتے تھے، مگر 1901ء میں آپ نے اپنی سابقہ تمام تحریروں کو، جو انکار نبوت سے پُر تھیں، منسوخ کر دیا اور دعوٰی نبوت کر دیا۔ مگر جب یہ مطالبہ کیا گیا کہ اس کی تائید میں وہ گواہ پیش کرو جو حلف اُٹھا کر یہ بیان کریں کہ واقعی 1901ء میں ہم نے سمجھ لیا تھا کہ آج حضرت صاحب مدعی نبوت ہو گئے ہیں اور انکار نبوت کی سالہا سال کی مسلسل تحریروں کو منسوخ کر دیا ہے، تو جناب میاں صاحب کو ایک بھی گواہ نہ ملا۔ اور جب یہ مطالبہ کیا گیا کہ 1901ء کی تبدیلی کا دعوٰی کرنے والا یعنی جناب میاں صاحب خود ہی حلف اُٹھا کر یہ بیان دیں کہ اُنہوں نے 1901ء میں یہ سمجھ لیا تھا کہ حضرت صاحب آج مدعی نبوت ہو گئے ہیں اور انکار نبوت کی

تحریروں کو منسوخ کر دیا ہے تو جناب میاں صاحب کو خود بھی یہ جرأت نہ ہوئی۔ کیا یہ سچوں اور بہادروں کا نشان ہے یا جھوٹوں اور بزدلوں کا؟!

پھر میاں صاحب کی اس مباہلہ کی دعوت سے پونے دو ماہ پیشتر 17 مئی 1944ء کے اخبار پیغام صلح میں میاں صاحب کو ایک دعوت دے چکا ہوں۔ یہاں اس کے آخری فقرے پھر نقل کرتا ہوں:

> ''اب میں اس سے بھی آگے ایک قدم اُٹھاتا ہوں اور میاں صاحب کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ایک مجلس عام میں 1901ء کی تبدیلی کے متعلق اپنے دلائل پیش کریں اور میں ایسی تبدیلی نہ ہونے پر دلائل پیش کروں گا۔ اس کے بعد جناب میاں صاحب یہ حلف اُٹھائیں کہ ان کے وہ عقائد، جو اُنہوں نے ''آئینہ صداقت'' کے صفحہ 35☆ پر لکھے ہیں، واقعی وہی ہیں جو حضرت مسیح موعود کے عقائد تھے۔ اور میں یہ حلف اُٹھاؤں گا کہ میاں صاحب کے یہ عقائد حضرت مسیح موعود کے خلاف ہیں۔ اگر وہ مؤکد بعذاب حلف اُٹھائیں تو میں بھی مؤکد بعذاب حلف اُٹھاؤں گا''

دو ماہ گذر گئے۔ اس کا جواب دینے کی میاں صاحب کو جرأت نہیں ہوئی۔ اور جب تیس سال سے وہ یہ ذلت گوارا کر رہے ہیں کہ 1901ء میں تبدیلی دعویٰ کے متعلق سینکڑوں بار مطالبات کے باوجود نہ ان کا کوئی مرید حلف اُٹھا سکا ہے نہ وہ خود حلف اُٹھا سکے ہیں۔ تو اب موکد بعذاب حلف اُٹھانے کے لئے کس طرح تیار ہوں۔ بالخصوص اس صورت میں کہ اس بنیادی افتراء کی تائید جب وہ اور کسی طرح نہ کر سکے تو دو اور افتراء حضرت مسیح موعود پر اس کی تائید کے لئے کرنے پڑے۔ **اول** یہ کہ حضرت مسیح موعود خود فرمایا کرتے تھے کہ 1901ء سے پہلے میں لفظ نبی کی غلط تشریح کیا کرتا تھا۔ اور **دوم** یہ کہ مہینوں تک حضرت مسیح موعود کی مجالس میں یہ چرچا رہتا تھا کہ حضرت مسیح موعود کا اجتہاد

☆ یہ عقائد حسب ذیل ہیں۔ اول یہ کہ ''حضرت مسیح موعود فی الواقع نبی ہیں'' دوم یہ کہ ''آپ ہی آیت اِسْمُهٗ اَحْمَدُ کی پیشگوئی مذکورہ قرآن کریم کے مصداق ہیں'' سوم یہ کہ ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''

دوبارہ نبوت درست نہیں نکلا۔ جن دونوں کا ادنیٰ سے ادنیٰ ثبوت ان کے ہاتھ میں نہیں۔ اور یہ دونوں بھی ایسے ہی سیاہ جھوٹ ہیں جیسے وہ بنیادی جھوٹ کہ 1901ء میں آپ نے اپنا دعویٰ تبدیل کیا تھا اور انکار نبوت کرتے کرتے اور مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے بھیجتے، خود دعویٰ نبوت کر دیا۔ اور بارہ سال کی تحریروں کو، جو انکار نبوت سے بھری پڑی تھیں، منسوخ کر دیا۔ میں تو اسی بات کا قائل ہوں کہ جب انسان سے ایک غلطی ہو جائے تو اس کا آسان علاج اس غلطی کو واپس لے لینا ہے۔ اس سے انسان کی عزت بڑھتی ہے۔ لیکن اگر جناب میاں صاحب کو مباہلہ کا شوق ہے تو میں نے اس دعوت کی رو سے انہیں مباہلہ کا بھی اختیار دے دیا ہے۔ مباہلہ طرفین کی مؤکد بعذاب حلف کا نام ہے۔ اگر وہ اس کے لئے تیار ہیں تو میں بھی تیار ہوں۔ اگر انہیں ان لوگوں سے مباہلہ کرنے میں، جو ان پر زنا کا الزام اور دیگر فواحش کے الزامات لگاتے ہیں، خدا کی سزا میں پکڑے جانے کا خوف ہے اور وہ اس شوق مباہلہ کو عقائد کے اختلاف کے ذریعہ سے پورا کرنا چاہتے ہیں، تو میں اپنی طرف سے ابتداء نہیں کرتا۔ ان کو اختیار دیتا ہوں۔ لیکن حضرت مسیح موعود پر جو افتراء اُنہوں نے کئے ہیں، میں ان کو افتراء ہی کہتا رہا ہوں اور کہتا رہوں گا۔ اگر وہ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ میری اس دعوت کو قبول کریں اور مؤکد بعذاب حلف اُٹھائیں۔ میں بھی مؤکد بعذاب حلف اُٹھاؤں گا۔ ورنہ جو الزام مَیں ان پر دے رہا ہوں وہ ایک ثابت شدہ حقیقت قرار پائے گا۔ دیکھئے میں پھر صاف الفاظ میں ان الزامات کو دوہراتا ہوں۔

1۔ جناب میاں محمود احمد صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے اور حضرت مسیح موعود پر افتراء کیا ہے کہ 1901ء میں آپ نے اپنے دعویٰ میں یہ تبدیلی کی کہ انکار نبوت کرتے کرتے اور مدعی نبوت پر لعنتیں بھیجتے بھیجتے خود دعویٰ نبوت کر دیا اور اپنی سابقہ سالہا سال کی انکار نبوت کی تحریروں کو منسوخ کر دیا۔

2۔ جناب میاں محمود احمد صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے اور حضرت مسیح موعود پر افتراء کیا ہے کہ آپ خود یہ فرمایا کرتے تھے کہ 1901ء سے پہلے میں لفظ نبی کی غلط تشریح کیا کرتا تھا۔

3۔ جناب میاں محمود احمد صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے اور حضرت مسیح موعود پر افتراء کیا ہے

کہ 1901ء کے قریب حضرت مسیح موعود کی مجالس میں یہ چرچا رہتا تھا کہ حضرت صاحب کا سابقہ اجتہاد دربارہ نبوت درست نہیں نکلا۔

اگر جناب میاں صاحب کو یہ جرأت ہے تو ان الزامات کی بنیاد پر چاہیں وہ مجھ سے بحث کرلیں۔ جن میں مَیں ان کے اپنے مریدوں کو ثالث بناؤں گا۔ اور چاہیں تو بحث کے بعد مباہلہ بھی کریں۔ یعنی مؤکد بعذاب حلف اُٹھائیں کہ ان کے عقائد، جو ''آئینہ صداقت'' کے صفحہ 35 پر درج ہیں، حضرت مسیح موعود کے عقائد کے مطابق ہیں۔ اور میں مؤکد بعذاب حلف اُٹھاؤں گا کہ ان کے یہ عقائد حضرت مسیح موعود کے قطعی خلاف ہیں۔ مگر مباہلہ سے پہلے مباحثہ بہرحال ضروری ہوگا۔

اور اگر میاں صاحب اب بھی خاموش رہیں تو دیکھئے میں ان الزامات کو دوہراتا رہوں گا یہاں تک کہ ان کے مریدوں میں بھی یہ ایمانی ہوش پیدا ہو کہ وہ میاں صاحب سے ان الزامات کی بریت کے متعلق سوال کریں۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو یہ وہ پھانسی ہے، جو جب تک میاں صاحب زندہ ہیں، ان کے پیچھے پیچھے پھرے گی۔ معلوم نہیں میاں صاحب کے نزدیک کذابوں کی موت کیا ہوتی ہے۔ مگر خدا اور مخلوق کے نزدیک کذاب کی موت یہی ہے کہ وہ جھوٹ پر جھوٹ بولتا چلا جاتا ہے اور اپنے کسی بیان کی صداقت ثابت کرنے کے لئے میدان میں نہیں نکلتا!

میاں صاحب کی دعوت مباہلہ کا جواب دینے سے پہلے میں مختصراً اپنے مطالبات کو دہراتا ہوں

1۔ سب سے پہلے جناب میاں صاحب زنا کا الزام لگانے والے مریدوں کے ساتھ مباہلہ کریں۔ اور میں حضرت صاحب کا ارشاد اس بارے میں نقل کرتا ہوں:

> ''ہاں اگر کسی ایک شخص پر سراسر تہمت کی راہ سے کسی فسق اور معصیت کا الزام لگایا جاوے جیسا کہ مولوی اسماعیل صاحب ساکن علی گڑھ نے اس عاجز پر لگایا تھا کہ نجوم سے کام لیتے ہیں اور اس کا نام الہام رکھتے ہیں تو مظلوم کو حق پہنچتا ہے کہ مباہلہ کی درخواست کرے'' (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ 161)
>
> ''اس جواب میں میاں عبدالحق صاحب اپنے دوسرے اشتہار میں اس عاجز کو یہ لکھتے ہیں کہ اگر مباہلہ مسلمانوں سے بوجہ اختلافات جزئیہ جائز نہیں تو پھر تم نے

مولوی محمد اسماعیل سے رسالہ ''فتح اسلام'' میں کیوں مباہلہ کی درخواست کی۔ سوا نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ درخواست کسی جزئی اختلاف کی بناء پر نہیں بلکہ اس افتراء کا جواب ہے جو اُنہوں نے عمداً کیا۔ اور یہ کہا کہ میرا ایک دوست جس کی بات پر مجھے بکلّی اعتماد ہے دو مہینے تک قادیان میں میرزا غلام احمد کے مکان پر رہ کر بچشم خود دیکھ آیا ہے کہ ان کے پاس آلات نجوم ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے وہ آئندہ کی چیزیں بتلاتے ہیں۔ اور ان کا نام الہام رکھ لیتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ اس صورت کو جزئی اختلاف سے کیا تعلق ہے۔ بلکہ یہ تو اس قسم کی بات ہے جیسے کوئی کسی کی نسبت یہ کہے کہ میں نے اس کو بچشم خود زنا کرتے دیکھا یا بچشم خود شراب پیتے دیکھا۔ اگر میں اس بے بنیاد افتراء کے لئے مباہلہ کی درخواست نہ کرتا تو اور کیا کرتا'' (تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ 3)

2۔ میاں صاحب نے تفسیر نویسی کا چیلنج دیا جس کو میں بھی منظور کر چکا ہوں۔ شیخ عبدالرحمان صاحب مصری بھی منظور کر چکے ہیں۔ اس مقابلہ میں وہ نکلیں۔

3۔ میاں صاحب کے عقائد، جو ''آئینہ صداقت'' کے صفحہ 35 پر درج ہیں، ان کے متعلق میرے ساتھ بحث کر لیں۔

4۔ جناب میاں صاحب کے مریدوں میں سے وہ لوگ، جنہوں نے 1901ء سے پہلے بیعت کی اور جناب میاں صاحب خود حلف اُٹھائیں کہ 1901ء میں اُنہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ حضرت مسیح موعود نے اپنی سابقہ تحریروں کو، جو انکار نبوت سے بھری پڑی ہیں، منسوخ کر دیا ہے اور مدعی نبوت ہو گئے ہیں۔

5۔ میری اس دعوت کا جواب دیں جو پیغام صلح 17 مئی 1944ء میں دی گئی ہے۔

6۔ اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے کہ میں 1901ء سے پہلے لفظ نبی کی غلط تشریح کیا کرتا تھا اور کہ حضرت مسیح موعود کی مجالس میں مہینوں چرچا رہتا تھا کہ آپ کا سابقہ اجتہاد دربارہ نبوت درست نہیں نکلا۔

یہ چھ باتیں، جب تک جناب میاں صاحب ان کا جواب نہ دیں، ان کی بزدلی اور جھوٹ پر چھپروں کا کام دیتی رہیں گی!

اب میں جناب میاں صاحب کی دعوت مباہلہ کا جواب دیتا ہوں، حالانکہ مجھے حق ہے کہ جب تک میاں صاحب میری دعوت 17 مئی کا جواب نہ دیں، میں انہیں ان کی اپنی تحریر کے مطابق جھوٹا اور بزدل قرار دوں، اوران کی کسی تحریر کی طرف توجہ نہ کروں۔ میرے لفظ یہ تھے:

> ''خوب یادرکھو قادیان والوں نے کلمہ طیبہ کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس میں تمہارے دل میں شک نہیں ہونا چاہئے۔ میں نے خود ان کے بڑے بڑے آدمیوں سے پوچھا ہے کہ ایک شخص ایک ایسے ملک کے اندر ہے جہاں حضرت مسیح موعود کا پیغام نہیں پہنچا وہ کافر کو کلمہ پڑھاتا ہے۔ کیا وہ کافر مسلمان ہوگیا۔ تو جواب دیتے ہیں۔ نہیں۔ کیونکہ اگر یہ مان لیں کہ وہ مسلمان ہوگیا تو یہ ساٹھ کروڑ کلمہ پڑھنے والے کس طرح کافر ہوگئے!''

اگر جناب میاں صاحب خود ان لوگوں میں شامل نہیں جنہوں نے ایسا کہا ہے تو ان کو صاف کہنا چاہئے کہ اگر ان کے مریدوں نے ایسا کہا ہے تو جھوٹ کہا ہے۔ ان کے نزدیک آج ایک کافر صرف کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار سے مسلمان ہوجاتا ہے اور دائرہ اسلام کے اندر آجاتا ہے اور اس کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود کی نبوت پر بھی ایمان لائے اور اس کے ساتھ ہی ''آئینہ صداقت'' کے صفحہ 35 کے ان الفاظ کی بھی تشریح فرماویں کہ:

> ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔ خواہ اُنہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔''

اور کلمۃ الفصل کے ان الفاظ کی بھی کہ:

> ''ہر ایک ایسا شخص جو موسٰیؑ کو تو مانتا ہے مگر عیسٰیؑ کو نہیں مانتا۔ یا عیسٰیؑ کو تو مانتا ہے مگر محمد صلعم کو نہیں مانتا یا محمد صلعم کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ پکا کافر ہے'' (کلمۃ الفصل صفحہ 28)

یہ دو متضاد باتیں ہیں۔ایک طرف یہ کہنا کہ ہم کلمہ کو منسوخ نہیں مانتے اور ہمارے نزدیک ایک کافر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کے لئے مسیح موعود پر ایمان لانا ضروری نہیں۔اور دوسری طرف یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ اُنہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ پہلے جناب میاں صاحب یہ صاف کریں کہ ان دونوں میں سے ان کا صحیح مذہب کیا ہے۔تب میں اس پر مباہلہ کا جواب بھی دوں گا۔

ایک اور بات بھی واضح کردوں۔کلمہ اسی نبی کا سمجھا جاتا ہے جو سب سے آخر میں ہو۔آپ اس کو یوں کہیں گے کہ جو نبی سب سے آخر میں ہو اس پر ایمان لائے بغیر انسان اسلام میں داخل نہیں ہوتا۔مثلاً ہم یوں کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ کے آنے پر حضرت موسیٰ کا کلمہ منسوخ ہو گیا۔کیونکہ اس وقت حضرت عیسیٰ پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص کفر سے نہ نکل سکتا تھا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر حضرت عیسیٰ کا کلمہ منسوخ ہو گیا۔کیونکہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص داخل اسلام نہ ہوسکتا تھا۔اور چونکہ میاں صاحب کا مشتہرہ مذہب یہی ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے آنے پر کوئی شخص داخل اسلام نہیں ہوسکتا جب تک کہ حضرت مرزا صاحب پر ایمان نہ لائے، اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں کہیں گے کہ حضرت مرزا صاحب کے آنے پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ منسوخ ہو گیا۔قادیانی اصحاب یوں کہہ دیتے ہیں کہ جس طرح موسیٰؑ کے بعد، جو شخص عیسیٰؑ پر ایمان نہیں لاتا، وہ کافر ہے۔اور جس طرح عیسیٰؑ کے بعد جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا، وہ کافر ہے، اسی طرح وہ بھی کافر بلکہ پکا کافر ہے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مرزا صاحب پر ایمان نہیں لاتا۔ہم ان عبارتوں کو کلمہ کی منسوخی کے الفاظ میں منتقل کریں گے تو یوں کہیں گے کہ حضرت عیسیٰؑ کے آنے پر حضرت موسیٰؑ کا کلمہ منسوخ ہو گیا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر حضرت عیسیٰؑ کا کلمہ منسوخ ہو گیا۔اور قادیانی اصحاب کے نزدیک حضرت مرزا صاحب کے آنے پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ منسوخ ہو گیا۔ وہ ان باتوں پر واویلا کرنے کی بجائے اور شور ڈالنے کی بجائے کہ ہائے ہماری طرف کلمہ کی منسوخی کو منسوب کر کے ہم پر ظلم کر دیا۔ ہماری اولادوں کو قتل کر دیا۔ ہر بات کو پیر کی حیثیت میں نہیں ایک عام انسان کی

حیثیت میں سمجھنے کی کوشش کریں۔ کلمہ کی منسوخی کے سر پر سینگ نہیں ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد آج تیرہ سو سال تک لوگ یونہی مسلمان ہوتے رہے کہ کلمہ پڑھا اور داخل اسلام ہو گئے۔ آج جناب میاں صاحب کے نزدیک کلمہ پڑھنے سے کوئی شخص داخل اسلام نہیں ہوتا جب تک کہ حضرت مرزا صاحب پر ایمان نہ لائے۔ تو جس کلمہ کے ذریعہ سے اب کوئی داخل اسلام ہی نہیں ہوسکتا، وہ منسوخ نہ ہوا تو اور کیا ہوا۔ ہاں جناب میاں صاحب نے اپنا عقیدہ مصلح موعود کا دعوٰی کرنے کے بعد تبدیل کرلیا ہو تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ وہ صرف یہ اعلان کردیں کہ اب ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب پر ایمان لائے بغیر صرف کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار سے ایک شخص داخل اسلام ہو جاتا ہے۔ اس سے میرا اور ان کا مقابلہ ختم ہو جاتا ہے۔ نہ مباحثہ کی ضرورت باقی رہتی ہے نہ مباہلہ کی۔ ہمارے لئے وہ انتہا درجہ کی خوشی کا دن ہوگا کہ حضرت مسیح موعود کی جماعت اس خطرناک ضلالت سے، جس میں وہ اس وقت ہے، باہر نکل جائے۔ اور شاید اللہ تعالیٰ کوئی ایسی راہ نکال دے کہ دونوں جماعتیں ایک دوسری کے ساتھ تعاون کرتی ہوئی قرآن کریم کو اور اسلام کو اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دنیا کی تمام بستیوں میں پہنچا دیں۔ اور ہم بھی رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْ خُلُوْ نَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (2:110) کا نظارہ دیکھ لیں۔

خاکسار محمد علی

دارالسلام۔ ڈلہوزی

18 جولائی 1944ء

۞۞۞

9 اگست 1944ء

حضرت امیر کے قلم سے

میاں محمود احمد صاحب جواب دیں

حضرت مسیح موعود پر جو افتراء میاں محمود احمد صاحب نے کئے ہیں، ان کو افتراء ہی کہتا رہا ہوں اور کہتا رہوں گا۔ اگر وہ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ میری اس دعوت کو قبول کریں اور مؤکد بعذاب حلف اُٹھائیں۔ میں بھی مؤکد بعذاب حلف اُٹھاؤں گا۔ ورنہ جو الزام میں ان پر دے رہا ہوں وہ ایک ثابت شدہ حقیقت قرار پائے گا۔ دیکھئے میں پھر صاف الفاظ میں ان الزامات کو دوہراتا ہوں:

1۔ جناب میاں محمود احمد صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے اور حضرت مسیح موعود پر افتراء کیا ہے کہ 1901ء میں آپ نے اپنے دعویٰ میں یہ تبدیلی کی کہ انکار نبوت کرتے کرتے اور مدعی نبوت پر لعنتیں بھیجتے بھیجتے خود دعویٰ نبوت کر دیا۔ اور اپنی سابقہ سالہا سال کی انکار نبوت کی تحریروں کو منسوخ کر دیا۔

2۔ جناب میاں محمود احمد صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے اور حضرت مسیح موعود پر افتراء کیا ہے کہ آپ خود یہ فرمایا کرتے تھے کہ 1901ء سے پہلے میں لفظ نبی کی غلط تشریح کیا کرتا تھا۔

3۔ جناب میاں محمود احمد صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے اور حضرت مسیح موعود پر افتراء کیا ہے کہ 1901ء کے قریب حضرت مسیح موعود کی مجالس میں یہ چرچا رہتا تھا کہ حضرت صاحب کا سابقہ اجتہاد دربارہ نبوت درست نہیں نکلا۔

اگر جناب میاں صاحب کو یہ جرأت ہے تو ان الزامات کی بنیاد پر چاہیں وہ مجھ سے بحث کرلیں۔ جن میں مَیں ان کے اپنے مریدوں کو ثالث بناؤں گا۔ اور چاہیں تو بحث کے بعد مباہلہ بھی کریں۔ یعنی مؤکد بعذاب حلف اُٹھائیں کہ ان کے عقائد جو ''آئینہ صداقت'' کے صفحہ 35 پر درج ہیں حضرت مسیح موعود کے عقائد کے مطابق ہیں۔ اور میں مؤکد بعذاب حلف اُٹھاؤں گا کہ ان کے یہ عقائد حضرت مسیح موعود کے قطعی خلاف ہیں۔ مگر مباہلہ سے پہلے مباحثہ بہرحال ضروری ہوگا۔

اور اگر میاں صاحب اب بھی خاموش رہیں تو دیکھئے میں ان الزامات کو دوہراتا رہوں گا یہاں تک کہ ان کے مریدوں میں بھی یہ ایمانی ہوش پیدا ہو کہ وہ میاں صاحب سے ان الزامات کی بریت کے متعلق سوال کریں۔

23 اگست 1944ء

حضرت امیر کے قلم سے

سید امجد علی شاہ صاحب سے ایک درخواست

سید امجد علی شاہ صاحب نے 13 اگست کے الفضل میں ایک مقالہ سپردِ قلم کیا ہے جس میں جماعت لاہور کو کچھ نصائح کی گئی ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی فلاں بات بُری ہے فلاں بُری ہے فلاں بُری ہے۔ اور اس سے فریقین کی خلیج افتراق وسیع ہو رہی ہے۔ میری سید صاحب سے صرف یہ گذارش ہے کہ اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی بات کا ہم پر کوئی اثر ہو تو اس کی صورت صرف ایک ہی ہے کہ وہ جماعت قادیان کی بُری باتوں کو بھی اسی طرح بُرا کہنے کی جرأت اپنے اندر پیدا کریں جس طرح وہ دوسروں کی باتوں کو برملا بُرا کہہ دیتے ہیں۔ اور جہاں دوسرا حق پر ہو اس کو بھی تسلیم کرنے کی جرأت پیدا کریں۔ بلکہ یہ بھی غور کر لیں کہ کیا وہ آزادیِ ضمیر، جو ان کو لاہور میں حاصل تھی، کہ جماعت لاہور سے انہیں کچھ اختلاف دکھانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اُنہوں نے ایک ٹریکٹ شائع کر دیا، کیا وہ جرأت ان میں اب بھی باقی ہے۔ میاں صاحب یا جماعت قادیان کی بُری باتوں کو اگر الفضل شائع نہ کرے اور وہ یقیناً نہیں کرے گا تو کیا وہ ان کو ایک ٹریکٹ کی صورت میں شائع کر دیں گے؟!

1۔ یہ بات ان کو بُری معلوم ہوئی کہ میں نے میاں صاحب کے بعض عیوب کو ''المصلح الموعود'' کی تمہید میں کھولا یا۔ ان کی دعوتِ مباہلہ کے جواب میں کھولا۔ اور میرا یہ عذر ان کے نزدیک ناکافی ہے کہ المصلح الموعود کی تمہید میں تو میاں صاحب کو ننگا دکھانے کی ضرورت اس نے محسوس ہوئی کہ اُنہوں نے مصلح موعود ہونے کا دعوٰی کیا اور میرا فرض تھا کہ میں بتاتا کہ اس حیثیت کا انسان وہی ہو سکتا ہے جس کی سابقہ زندگی پر دشمن بھی حرف نہ رکھ سکتا ہو۔ چہ جائیکہ اس کے اپنے مرید اس پر طرح طرح کے فواحش کے ارتکاب کے الزام لگاتے ہوں۔ اور دعوتِ مباہلہ کے جواب میں **لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِا لسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ** (148:4) کی اجازت کے ماتحت میں مجبور تھا کہ جو شخص مجھے جھوٹا اور بزدل قرار دیتا ہے، میں اس کے جھوٹ اور بزدلی کے چند واقعات کو ظاہر کر دوں۔ لیکن میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا سید صاحب کو میاں صاحب کی وہ تحریر بھی بُری معلوم ہوئی تھی یا نہیں:

ا۔ جس میں اُنہوں نے مجھے بلا وجہ جھوٹا اور بزدل ہی نہیں کہا بلکہ ہماری ساری جماعت کے صحنوں میں لعنتوں کی بوچھاڑ شروع کردی۔ اور ہمیں کذاب کہا اور کذابوں کی موت کی پیشگوئی بھی ہمارے لئے کردی اور پھانسی لے کر دوڑے کہ کوئی ''پیغامی'' مل جائے تو اس کے گلے میں ڈال دیں۔ مگر وہ ''پیغامی'' ان کا اپنا نفس ہی نکلا۔ یہ بات سید صاحب کو اگر بُری لگی تھی تو اس وقت ان کی زبان پر مہر کیوں لگی رہی اور میرے جواب پر وہ مہر کس طرح ٹوٹ گئی۔ پیر کی گالیاں نظر نہ آئیں اور میرا ''اشاعت فواحش'' کا ارتکاب نظر آ گیا!

ب۔ جس میں اُنہوں نے اپنے مشہور گوبھی خطبہ میں اس جماعت کو، جس میں سید امجد علی شاہ صاحب بھی اس وقت شامل تھے، شلغم اور گوبھی کے سڑے ہوئے چھلکے کہا تھا۔ جو کھاد کے ڈھیر پر پڑے ہوئے ہوں۔ زمین پر جہنم کی چلتی پھرتی آگ قرار دیا تھا اور یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ ایسی گندی قوم جیسے ''پیغامی'' ہیں آج تک دنیا میں پیدا نہیں ہوئی اور اگر کوئی ہوئی ہوگی تو تاریخ نویسوں نے اپنی تاریخ کو ایسی گندی قوم کے ذکر سے گندہ کرنا پسند نہیں کیا (مگر جناب میاں صاحب نے پسند کرلیا) اور یہ تحریر ہماری کسی تحریر کا جواب میں نہ تھی بلکہ ان کے کسی مرید نے دریافت کیا تھا کہ جماعت لاہور کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں یا نہ۔ اس پر یہ ابال آیا تھا۔ مجھے اُمید ہے کہ سید امجد علی شاہ صاحب حق گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ بتا دینے کی جرأت کریں گے کہ میاں صاحب کی یہ باتیں انہیں بُری معلوم ہوتی ہیں یا نہ۔ یا اس مشہور مثل کے مطابق، کہ شراب جب پیر کے ہونٹوں کو چھوتی ہے تو وہ دودھ بن جاتی ہے، یہ گالیاں جناب میاں صاحب کے منہ سے نکل کر سید صاحب کے نزدیک خلیج افتراق کے لئے شیریں کلامی کے پل کا کام دیتی ہیں۔

ج۔ اور یہ بھی دریافت کرتا ہوں کہ جماعت قادیان کے صوفی اعظم نے جو مجھے الفضل میں بار بار چور کہہ کر اپنے خلیفہ کو خوش کیا، وہ تو کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں اور اشاعت فواحش میں داخل نہیں؟ اور اگر ہے تو سید صاحب کی زبان اس وقت کیوں نہ کھلی یا صرف پیغام صلح سے ہی ان کو طیش آتا ہے۔

یہ میں جانتا ہوں کہ اگر وہ ان باتوں کو بُرا کہیں گے تو وہ مضمون الفضل میں چھپ نہیں سکتا لیکن اور اخباروں میں تو چھپ سکتا ہے۔ اور ایک صفحہ کا ٹریکٹ بھی نکل سکتا ہے جس کے وہ عادی ہیں۔

میں سید صاحب سے یہ بھی دریافت کرتا ہوں کہ آخر میاں صاحب کی اس جرأت پر کہ وہ حضرت مسیح موعود کی نبوت کو قائم کرنے کے لئے جھوٹ پر جھوٹ بناتے جاتے ہیں اور افتراء پر افتراء کرتے چلے جاتے ہیں، ان کی زبان کیوں نہیں کھلتی۔ کیا حضرت مسیح موعود کی طرف اس بات کو منسوب کرنا، کہ دعوٰی نبوت کو اپنے اوپر افتراء قرار دیتے دیتے، مدعی نبوت پر لعنتیں بھیجتے بھیجتے 1901ء میں محدثیت کا دعوٰی چھوڑ کر نبوت کا دعوٰی کر دیا تھا اور اپنی سابقہ گیارہ سال کی تحریروں کو، جو انکارِ نبوت سے بھری ہوئی ہیں، منسوخ قرار دیا تھا، حضرت مسیح موعود پر افتراء ہے یا نہیں؟ اور پھر اس افتراء کو مضبوط کرنے کے لئے حال ہی میں میاں صاحب نے دو اور افتراء حضرت مسیح موعود پر باندھے ہیں یا نہیں؟ ایک یہ کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ 1901ء سے پہلے میں لفظ نبی کی غلط تشریح کیا کرتا تھا۔ دوسرے یہ کہ 1901ء میں حضرت مسیح موعود کی مجالس میں اس بات کا مہینوں چرچا رہتا تھا کہ آپ کا اجتہاد در بارہ نبوت درست نہیں نکلا۔ یہ دو سفید جھوٹ ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو کیا ایک جھوٹ کی تائید میں دو اور جھوٹ بنالینا یہی وہ تزکیہ نفس ہے جو میاں صاحب کی ذات میں آپ کو قریب ہو کر یعنی مرید بن کر نظر آ گیا! کیا ایک جھوٹ کے لئے دو اور ایسے جھوٹ بنالینا یہ کسی خدا ترس انسان کا کام ہوسکتا ہے۔ کیا اس قدر دلیری سے جھوٹ بنانے والا آدمی مزکی بھی ہوا کرتا ہے۔ اور میں شاہ صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان میں یہ جرأت ہے کہ وہ ان تین جھوٹوں کے متعلق اپنی زبان کھولیں۔ اور ایک مضمون الفضل میں لکھ بھیجیں کہ ہمارے مصلح موعود کی شہرت بے شک بہت پھیلی ہے اور اُنہوں نے کچھ اچھے کام بھی کئے ہیں مگر ان تین باتوں میں حضرت مسیح موعود پر افتراء کیا ہے۔ یا یہ شہادت حقہ الفضل کے ذریعہ سے ادا نہیں کی جاسکتی تو پیغام صلح کے ذریعہ سے ہی ادا کر دیں۔ یا ایک ٹریکٹ ہی ایک صفحہ کا چھپوا دیں۔ اگر حضرت مسیح موعود کی کوئی عزت سید صاحب کے دل میں ہے اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ ہے تو وہ ضرور میاں صاحب کے ان افتراؤں پر، جو وہ حضرت مسیح موعود پر باندھ رہے ہیں، اپنی زبان کھولیں گے اور لَاتَكْتُمُوْ الشَّهَادَةَ کے حکم کو مدنظر رکھیں گے۔ وہ 1901ء سے پہلے کے مرید ہیں۔

مجھے ڈر ہے کہ سید امجد علی شاہ صاحب بعض باتیں اپنے ضمیر کے خلاف بھی ان مضامین میں نہ لکھ رہے ہوں۔ یہ تو درست ہے کہ پختہ مریدی کا سرٹیفکیٹ ایسی باتوں کے بغیر نہیں مل سکتا اور شاید

قادیان کے قانون کی رو ہر مرید کے لئے ایک سال پروبیشن کا ہوتا ہے، تب جا کر وہ مستقل ہوتا ہے اور خاص خاص حقوق اسی وقت اسے ملتے ہیں۔ اور سید صاحب کی آرزو بھی ان حقوق کو حاصل کرنے کی ضرور ہے۔ لیکن آخر حق بھی کوئی چیز ہے۔ سید صاحب نے مجھ پر یہ الزام دیا کہ میں قادیان والوں پر یہ غلط الزام لگا رہوں کہ ان کے نزدیک کلمہ منسوخ ہے سید صاحب کی دلیل حسب ذیل ہے:

> ''اگر بادشاہ کا نائب یہ کہے کہ جو میرے مصدقہ قوانین کی نافرمانی کرے گا میری اطاعت سے سرکشی کرے گا وہ حکومت وقت یا بادشاہ کا باغی شمار ہوگا تو اس کو یہ کہنا کہ اس نے اپنے نام کا سکہ جاری کرا لیا ہے جس طرح غلط ہے اسی طرح مندرجہ بالا تفریق مدارج کو قائم رکھنے والے کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے کلمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منسوخ کر دیا ہے خلاف واقعہ ہے۔''

میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ قادیان والے حضرت مسیح موعود کو یہ مقام دیتے ہیں کہ ان سے بغاوت کرنے والا کافر ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک کلمہ منسوخ ہے۔ بغاوت تو اس چیز کا نام ہے کہ ایک شخص کو مسیح موعود کا پیغام پہنچا اور اس نے بجائے غور کرنے کے اور سوچنے کے یہ کہہ دیا کہ یہ شخص کافر ہے۔ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا یہ خدا پر افتراء کرتا ہے۔ اس لئے ہم اس کی بات کو نہیں مانتے اور اس کو مٹا دیں گے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے، اور ایک دفعہ نہیں کہا بیسیوں دفعہ کہا ہے۔ سید صاحب جب جماعت لاہور میں شامل تھے تب بھی اسے سنتے رہے ہیں اور پڑھتے رہے ہیں اور سالہا سال تک یہ لفظ ان کے کانوں تک پہنچتے رہے ہیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے آتے رہے ہیں اور اب میری دعوت مباہلہ کے جواب میں بھی موجود تھے۔ جس جواب کو پڑھ کر ہی اُنہوں نے اپنا مضمون لکھا ہے، وہ یہ ہے:

> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد آج تیرہ سو سال تک لوگ یونہی مسلمان ہوتے رہے کہ کلمہ پڑھا اور داخل اسلام ہو گئے۔ آج جناب میاں صاحب کے نزدیک کلمہ پڑھنے سے کوئی شخص داخل اسلام نہیں ہوتا جب تک کہ حضرت مرزا صاحب پر ایمان نہ لائے۔ تو جس کلمہ کے ذریعہ سے اب کوئی داخل اسلام ہی نہیں ہوسکتا وہ منسوخ نہ ہوا تو اور کیا ہوا۔''

سید صاحب کی خاطر 1940ء کا ایک حوالے دے دیتا ہوں کہ اس وقت بھی میں نے یہی لفظ کہے تھے اور یہ خطبہ 26 مئی 1940ء کے پیغام صلح میں چھپا ہوا موجود ہے۔ اور بڑے موٹے عنوان کے نیچے ''کلمہ کو منسوخ قرار دینا کفر عظیم ہے'' چھپا ہوا ہے۔ تعجب ہے کہ میاں صاحب کو 1940ء میں وہ جوش نہ آیا جواب ''مصلح موعود'' بن کر آیا ہے۔ شاید مصلح موعود کے دعوٰی نے ان کے دماغی توازن کو قائم نہیں رہنے دیا!

''قادیان والوں سے یہ سوال پوچھئے کہ ایک غیر مسلم، جس نے حضرت مسیح موعود کا نام نہ سنا ہو، وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب قادیان والوں کے لئے موت ہے۔ اگر یہ غیر مسلم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوسکتا ہے تو ایک پرانا مسلمان، جو کلمہ پڑھتا ہے قرآن پر ایمان لاتا ہے نماز روزہ دیگر احکام اسلامی کا پابند ہے تو وہ کیوں کلمہ پڑھنے کے باوجود مسلمان نہیں۔ اس کو قادیان والے کس وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں؟! اور اگر ایک غیر مسلم صرف کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوسکتا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ کلمہ منسوخ ہو چکا ہے۔ اب اس کا سکہ نہیں چلتا۔''

یہی بات ایک دفعہ نہیں بیسیوں دفعہ کہہ چکا ہوں۔ سید صاحب مجھے معاف رکھیں۔ میں سمجھتا ہوں صرف ارباب قادیان کو خوش کرنے کے لئے اُنہوں نے اس بات کا ذکر تک نہیں کیا جو میں کہتا ہوں۔ کہتا رہا ہوں، جسے وہ پڑھ چکے ہیں، ہمیشہ پڑھتے اور سنتے رہے ہیں اور اپنی طرف سے ایک بات تراش کر میری طرف منسوب کردی۔ یہ قادیان کی مریدی کا پہلا اثر ہے کہ حق کو چھپاتے چلے جاؤ اور غلط سلط کہہ کر اپنے ساتھیوں کو خوش کرتے چلے جاؤ۔ جب پیر جھوٹ بولنے پر اور حضرت مسیح موعود پر افتراء کرنے پر دلیر ہو تو مرید حق کو نہ چھپائیں گے تو اور کیا کریں گے ۔

مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آرند   رو بسوئے خانہ خمار دارد پیر ما

میری آخری درخواست سید صاحب سے یہ ہے کہ اگر وہ اپنے پیر کی بُری باتوں کو بُری کہنے کے لئے تیار نہیں اگر وہ اپنے پیر کے جھوٹ اور افتراء کو جھوٹ اور افتراء کہنے کے لئے تیار نہیں تو کم سے کم اس قدر تو الفضل میں چھپوا دیں کہ میں جس بناء پر کلمہ کی منسوخی جماعت قادیان کی طرف منسوب کرتا

ہوں وہ یہ نہیں کہ وہ باغیوں کو باغی قرار دیتے ہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ یہ مانتے ہیں کہ آج کوئی شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوسکتا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار سے داخل اسلام نہیں ہوسکتا جب تک حضرت مرزا صاحب کی رسالت اور نبوت پر ایمان نہ لائے۔ اس لئے ان کے نزدیک کلمہ منسوخ ہوا۔ اگر آج وہ یہ اعلان کر دیں جیسا کہ میں دعوت مباہلہ کے جواب میں لکھ چکا ہوں کہ:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب پر ایمان لائے بغیر صرف کلمہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اقرار سے ایک شخص داخل اسلام ہو جاتا ہے۔''

تو میرا اور ان کا مقابلہ ختم ہو جاتا ہے۔ سید صاحب کو اگر خلیج افتراق دور کرنے کی فکر ہے تو اس کے لئے ان کے پیرو مرشد کی طرف سے یہ تین سطروں کا اعلان کافی ہے۔ ورنہ جب تک وہ کلمہ منسوخ قرار دیتے رہیں گے ہم اپنی پوری قوت سے ان کا مقابلہ کرتے رہیں گے۔ مگر جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں قادیانیوں کے لئے ایسا اعلان موت ہے۔ اور اس کا نہ کرنا بھی موت ہے۔ اس وقت ان کا قدم دو کشتیوں میں ہے۔ ایک بہائی کشتی میں۔ کہ بہائیوں کی طرح وہ یہ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار نا کافی ہے۔ اور ایک اسلامی کشتی میں کہ وہ مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا کے قائل ہیں۔ سید امجد علی شاہ صاحب کا قدم آخر کہاں آ کر ٹھہرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ محمد علی۔ ڈلہوزی

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی حلف درج ذیل ہے: (21 ستمبر 1944ء) میں محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر قسم اُٹھاتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میرے علم میں 1901ء سے لے کر 1908ء تک حضرت مسیح موعود کا یہی عقیدہ تھا کہ ان کا نہ ماننے والا بھی مسلمان اور دائرہ اسلام میں ہے اور ان کا منکر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں اور میرا بھی یہی عقیدہ 1901ء سے لے کر آج تک بر بنائے عقیدہ حضرت مسیح موعود ہے۔

خاکسار محمد علی

22 رمضان

۞۞۞

23 اگست 1944ء

میاں محمود احمد کا ایک جھوٹ کا

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

جناب میاں صاحب 12 اگست کے الفضل میں ان لوگوں پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے، جنہوں نے ان کی نئی شادی کا ذکر کرتے ہوئے کچھ خلاف واقعہ باتیں بھی لکھ دی ہیں، فرماتے ہیں:

''اب جھوٹ بولنے والوں میں مسلمان بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں، کسی مصلح کی ضرورت نہیں......صاف ظاہر ہے کہ محمد مصطفیٰ صلعم کا وجود اب ان کے لئے کسی فائدہ کا موجب نہیں رہا اور ضرورت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی زندہ بروز پیدا ہو''

اس منطق کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ اگر کسی نبی کی امت میں سے بعض آدمیوں کا جھوٹ بولنا ایک نئے نبی کے آنے کی دلیل ہے تو کیا اس سے پیشتر تیرہ سو سال میں تو کسی مسلمان نے جھوٹ نہیں بولا۔ اس وقت کوئی نیا بروز ظاہر کیوں نہ ہوا؟ یا خود احمدیوں میں سے بعض لوگ جھوٹ تو نہیں بولتے۔ جس کی شکایت خود میاں صاحب کو ہو اور اگر بولتے ہیں تو اب نیا بروز کہاں ہے؟ البتہ ایک سوال نہایت اہم ہے جس کے متعلق امید ہے کہ میاں صاحب جواب دے کر ممنون فرمائیں گے کہ: اس جھوٹ کا علاج ہے جو خود ''مصلح موعود'' بونے اور وہ جھوٹ بھی ایسا ہو جس سے دین کی جڑوں پر کلہاڑا چلایا جا رہا ہو؟

حسب ذیل تین صریح جھوٹ میاں صاحب نے بولے ہیں۔ جن کا بہت دنوں سے جواب مانگا جا رہا ہے۔ اگر ان کا جواب کوئی نہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ کوئی نہیں، تو امت میں کسی کے جھوٹ کا علاج تو نئے نبی یا مصلح کے آنے سے ہو گیا۔ مگر ''مصلح'' کے جھوٹ کا علاج کیا ہے۔ وہ تین جھوٹ حسب ذیل ہیں۔

1۔ جناب میاں محمود احمد صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے اور حضرت مسیح موعود پر افتراء کیا ہے کہ 1901ء میں آپ نے اپنے دعوٰی نبوت میں تبدیلی کی کہ انکار نبوت کرتے کرتے اور مدعی نبوت پر

لعنتیں بھیجتے بھیجتے خود دعویٰ نبوت کر دیا اور اپنی سابقہ سالہا سال کی انکار نبوت کی تحریروں کو منسوخ کر دیا۔

2۔ جناب میاں محمود احمد صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے اور حضرت مسیح موعود پر یہ افتراء کیا ہے کہ آپ خود یہ فرمایا کرتے تھے کہ 1901ء سے پہلے میں لفظ نبی کی غلط تشریح کیا کرتا تھا۔

3۔ جناب میاں محمود احمد صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے اور حضرت مسیح موعود پر افتراء کیا ہے کہ 1901ء کے قریب حضرت مسیح موعود کی مجالس میں یہ چرچا رہتا تھا کہ حضرت صاحب کا سابقہ اجتہاد دربارہ نبوت درست نہیں نکلا۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

13 ستمبر 1944ء
مکتوب امیر

تراجم فنڈ کے متعلق میری آخری اپیل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میرے بھائیو! رمضان ختم ہو رہا ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اس رمضان کے ساتھ تحریک تراجم قرآن کو، جہاں تک احمدیہ جماعت لاہور سے اپیل کا سوال ہے، ختم کر دوں۔ اور دو لاکھ روپے میں جو کمی رہ جائے اس کے لئے دوسرے مسلمانوں سے اپیل کروں۔ اگر میرے بعض دوستوں نے اپنے دلوں کو سخت کر لیا ہے۔ اور وہ ایسی مبارک تحریک میں شامل نہیں ہوتے تو شائد میں بھی اپنے دل کو سخت کر کے اپنی جماعت کے دوستوں کی شمولیت کو اس رمضان کے خاتمہ پر بند کر دوں۔ اور پھر ان کے لئے ایک ہی موقعہ ہوگا کہ جو تحریک میں غیر از جماعت دوستوں سے کروں گا، اس میں ان کو بھی شامل کروں گا۔ اس لئے میں اس اخبار کے ذریعہ سے، جو اس رمضان کا آخری اخبار ہے، اپنی جماعت کے دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق، اس وسعت کے مطابق جو خدا نے ان کو دی ہے، اس مال میں سے جو خدا نے ان کو دیا ہے، خدا کا پیغام امن دنیا میں پہنچانے کے لئے ایسا قرضہ خدا کی راہ میں دیں جو آخرت میں بھی انہیں کئی گنا ہو کر ملے گا۔ انہوں نے حکومت کو قرضے دئے ہیں۔ بہت اچھا کیا۔ ہمارا فرض تھا کہ اپنی حکومت کی امداد کرتے۔ لیکن اس سے بھی بڑا فرض ہے کہ اس جنگ میں قرضہ دیں، جس کی بنیاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں رکھی۔ کیونکہ دنیا میں امن دنیا کی جنگوں سے پیدا نہیں ہوگا۔ یہ ہمیشہ کشت وخون، بربادی، ہلاکت اور فساد کا موجب ہی رہیں گی۔ دنیا میں امن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام امن کو دنیا میں پہنچانے سے قائم ہوگا۔ پس جماعت کے سارے دوست بھی غور کر لیں کہ وہ ان تین چار دنوں میں کیا رقم تراجم قرآن فنڈ کے لئے دے سکتے ہیں۔ لیکن بالخصوص ان دوستوں سے اپیل ہے جنہوں نے جنگ میں قرضے دیئے ہیں، خواہ وہ ملازم ہوں، خواہ زمیندار ہوں، خواہ تاجر اور ٹھیکدار ہوں، کہ اسلام اور کفر کی جنگ میں بھی قرضہ دیں۔ وہ ان کو اس وقت واپس ملے گا جس وقت دنیا کی دولت اور دنیوی جائداد کو پیچھے چھوڑ کر، وہ اپنے مالک حقیقی کے سامنے

حاضر ہوں گے وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (94:6) یعنی اور یقیناً تم ہمارے سامنے اکیلے حاضر ہو گے، کوئی سامان تمہارے ساتھ نہ ہو گا جس طرح ہم نے تمہیں پیدا کرتے وقت اکیلے اور بے سروسامان دنیا میں بھیجا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو عطا کیا تھا وہ اپنی پیٹھوں کے پیچھے دوسروں کے لئے چھوڑ آؤ گے۔

تو میرے محترم بھائیو! اس بے سروسامانی کی حالت کے لئے کچھ سامان اپنے ساتھ لے لو۔ ہاں! اس رمضان کے اندر صرف وعدہ ہی کر لو اور اس وعدہ کو آہستہ آہستہ پورا کر دو۔ مگر صدق نیت سے اور اخلاص سے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

⁂

یکم نومبر 1944ء

ارشادات حضرت امیر

تبلیغ اسلام کے لئے دس جواں ہمت اشخاص کی ضرورت

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تازہ خطبہ جمعہ میں، جو اسی اشاعت میں درج ہے، ارشاد فرمایا ہے:

''ابھی گذشتہ اجلاس میں ہی ہماری انجمن نے ایک تجویز کی ہے اس پہلی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے جو خدا کے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔ وہ پہلی بات کیا ہے کہ چند لوگ پیدا ہو جائیں جن کے اندر یہ اہلیت ہو کہ وہ خدا کے پیغام کو دنیا میں پہنچائیں بہت مشکل کام ہے۔ خدا کے نام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے وہی لوگ موزوں ہو سکتے ہیں جن کے دِلوں میں سب سے پہلے یہ ایمان ہو۔ زبردست ایمان موجود ہو کہ خدا کے وعدے سچے ہیں۔ خدا کا دین دنیا میں غالب آئے گا۔ اس لئے کوئی شخص، جو اپنے آپ کو بطور مبلغ تیار کرنا چاہے، اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے اندر یہ ایمان موجود ہو۔ جس کے اندر یہ چیز نہیں۔ وہ اس کا اہل نہیں ہر کام کے لئے انسان کے اندر اس وقت اہلیت پیدا ہوتی ہے جب اس کام کو تکمیل کو پہنچانے کی صفات اس کے اندر موجود ہوں۔ خدا کے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اس صفت کا ہونا ضروری ہے کہ اس شخص کا ایمان ہو کہ خدا کا دین دنیا پر غالب آئے گا اور دنیا بالآخر اس کے سامنے جھکے گی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اس کام کو اس غرض کے لئے نہ کرے کہ اس ذریعہ سے میں اپنی ضروریات زندگی پوری کرسکتا ہوں۔ اپنے اہل وعیال کی خبر گیری کرسکتا ہوں۔ بلکہ اس لئے اس کو اختیار کرے کہ یہ میرا سب سے اہم فریضہ ہے۔ انجمن نے ایسے دس آدمی اس وقت لینے اور انہیں بطور مبلغ تیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس کے لئے بجٹ میں کافی گنجائش رکھی گئی ہے۔ آج وہ باہر میدان میں نکل آئیں تو دو تین سال کے اندر وہ اس قابل

ہوں گے کہ باہر جا کر خدا کے دین کا کام کریں۔ میں اس وقت آپ سے اور اپنے اخبار کے ذریعہ سے ساری جماعت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس بات کی طرف زبردست توجہ کریں خود اخبار میں زبردست تحریک جاری رہے کہ اس کام کے لئے دس آدمی نکل آئیں۔ چاہئے کہ جلسہ سالانہ تک وہ نکل چکے ہوں۔ تا کہ نئے سال کے ساتھ وہ تیاری شروع کر دیں۔ دفتر کے ذریعہ سے بھی جماعتوں میں تحریک ہونی چاہئے۔ اس کام کے لئے میں نوجوانوں کو مخصوص نہیں کرتا۔ جواں ہمت لوگوں کی ضرورت ہے۔ بلکہ 40 اور پچاس سال کے آدمی اس کام کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ جب جذبات حیوانی ٹھنڈے پڑ چکے ہوں۔ دنیا کا تجربہ ہو چکا ہو۔ خدا پر ایمان محکم پیدا ہو چکا ہو۔''

وہ دوست، جن میں وہ خصوصیات موجود ہوں جن کی صراحت حضرت امیر نے اپنے اس مذکورہ خطبہ جمعہ میں فرمائی ہے، اپنے آپ کو اس عظیم الشان کام اور نصب العین کے لئے پیش کریں۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں تھیں۔ انہی خصوصیتوں سے ان مسلمانوں نے دنیا میں فتح پائی اور دنیا کی ڈگمگا کر گرتی ہوئی تہذیب کو تھام لیا۔ پہلی فرسودہ قدروں کی جگہ دنیا کو نئی روحانی اقدار دیں۔ دنیا کو ایک نیا روحانی کلچر دیا۔ ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ انہی خصوصیات سے آج بھی فتح کے دروازے کھل سکتے ہیں اور اسلام دنیا میں غالب آ سکتا ہے۔

اسلام کے احیاء اور غلبہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو مبعوث فرمایا اور حضور نے اس غلبہ اور احیاء کے لئے ایک متقی جماعت کے وجود کو ضروری قرار دیا۔ جیسا کہ حضرت فرماتے ہیں:

''یہ سلسلہ بیعت بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقوٰی شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کے لئے ہے تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت وعظمت ونتائج خیر کا موجب ہو اور وہ بہ برکت کلمہ واحدہ پر متفق ہو کے اسلام کی پاک ومقدس خدمات میں جلد کام کر سکیں۔''

تبلیغ اسلام کا کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جو دین کو دنیا پر مقدم کرتے ہوں۔ جن کے دل

پاک ہوں۔ جن کا خدا تعالیٰ کی ہستی پر زندہ اور محکم ایمان ہو۔ اور تبلیغ اسلام کی ان کے قلوب میں وہی تڑپ ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تھی۔ حضرت مسیح موعود نے اپنے متبعین میں یہ روحانی اور اخلاقی خصوصیات پیدا کیں۔ انہیں ایک جماعت کی صورت میں منظّم کیا اور اس جماعت کو تبلیغ اسلام کے کام پر لگایا۔ باوجود اس کے کہ حضور کی وفات کے بعد سلسلہ میں اختلاف نمودار ہوا اور جماعت کا ایک رجعت پسند حصہ اس پیر پرستی، جمود اور روال کی پستیوں کی طرف لوٹ گیا، جہاں سے حضرت امام وقت نے انہیں اُٹھا کر بلند کیا تھا۔ مقام شکر ہے کہ جماعت کا دوسرا حصہ حضرت مسیح موعود کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بلند نصب العین کو عملی جامہ پہنا رہا ہے۔ اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کو تیار ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور نے باوجود قلیل ہونے کے اشاعت اسلام کے لئے بہت بڑی قربانیاں کی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسے کام کرنے کا کافی موقعہ دیا ہے لیکن ابھی بہت بڑا کام باقی ہے جس کے لئے غیر معمولی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ اس جنگ کے بعد مادیت کے خلاف ایک ردعمل ہوگا اور یورپ کی مادہ پرست اقوام اخلاق اور روحانیت کی ضرورت محسوس کریں گی۔ تاکہ وہ اس سے اپنے دُکھوں اور عارضوں کا علاج کرسکیں اور ان پیہم جنگوں کے سلسلہ سے، جس نے ان کے نظام کی ہر چُول کو ڈھیلا کر دیا ہے، نجات حاصل کرسکیں۔ ان حالات اور ردعمل میں اسلام کو پھیلانے کا ایک نفسیاتی موقعہ ہے۔ اس موقعہ سے جماعت احمدیہ لاہور کو فائدہ اُٹھانا چاہئے اور اسلام کو ان قوموں کے سامنے بطور علاج پیش کرنا چاہئے۔ لیکن اس کام کے لئے ایسے مجاہدین کی ضرورت ہے جن کی سیرت بلند ہو۔ اور جن کا علم وسیع ہو۔ انہیں اسلامی روح کا علم ہونا چاہئے اور مغربی اقوام کی فطرت کا بھی علم ہونا چاہئے۔ تاکہ وہ اسلام کو اس معیار پر پیش کرسکیں جس معیار پر یہ قومیں اسلام کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور اس کی خوبیوں کا اندازہ کرسکیں۔ انجمن نے اس کام کے لئے دس آدمی لینے اور انہیں بطور مبلغ تیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اس کے لئے بجٹ میں کافی گنجائش بھی رکھی ہے اور حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے زبردست تحریک فرمائی ہے۔ اُمید ہے جماعت کے وہ جواں ہمت دوست جو اپنے اندر یہ خصوصیات رکھتے ہیں وہ اپنے آپ کو فوراً اس کام کے لئے پیش کریں گے اور بیرونی جماعتوں کے دوسرے احباب بھی ایسے لوگوں کو، اس جہاد میں

شریک ہونے کے لئے آمادہ کریں گے۔اس کام کی طرف فوری توجہ درکار ہے۔سب جماعت اس طرف توجہ کرے،اور اپنے اندر سے دس ایسے مجاہدین پیدا کرے جو اس معیار پر پورے اتریں۔اور خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں۔اور اس کام کو ایک عظیم الشان جذبہ کے ماتحت کریں یہ تو خدا تعالیٰ کا کام ہے بہرصورت ہو کر رہے گا۔لیکن ان لوگوں کو یقیناً بہت بڑا اجر ملے گا جو خدا تعالیٰ کی اس مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کر کے میدان میں نکل آئیں گے ۔

بمفت ایں اجر نصرت را، دہندت اے اخی ورنہ قضائے آسماں ست ایں، بہر حالت شود پیدا

❁❁❁

30 نومبر 1944ء

حضرت امیر کے قلم سے

اسلام کا معاشی نظام

اسلام نے ہستی باری تعالیٰ پر ایک زندہ ایمان پیدا کر کے پرامن نظام عالم کی پختہ بنیادیں رکھی ہیں۔ اور اس طرح انسانی قلب میں ایمان باللہ کی جڑوں کو مضبوط کیا ہے اور انسانوں کے غیر مصالحت پسند اور سخت دشمن طبقات میں رفق و ملائمت کے جذبات پیدا کئے ہیں۔ مختلف انسانی نسلوں کو مربوط کرتے ہوئے وحدت نسل انسانی پیدا کر دی ہے اور تمام انسانوں کو ایک قوم بنا دیا ہے۔ اور اس کے علاوہ اسلام نے نظام عالم کی تفصیلات کو بھی بیان کیا ہے۔ ایک اعلیٰ سوشل سسٹم اور مضبوط سیاسی نظام کے رہنمائی کرنے والے اصولوں کو بھی بہم پہنچایا ہے۔ ایک دائمی اور مستحکم تہذیب انسانی کی یہی خصوصیات ہوسکتی ہیں۔

سماجی نظام میں معاشی مسئلہ مقدم حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نہایت اہم سوال بنا ہوا ہے۔ ایک ایسا سوال جو ہر دماغ میں ایک ہیجان پیدا کرتا ہے۔ مغرب کی مادی تہذیب نے ایک طرف تو انسانوں کے بین الاقوامی حالات میں افراتفری پیدا کر دی اور دوسری طرف ہر ایک قوم کے اندر طبقاتی جنگ پیدا کر دی۔ بنیادی معائب خواہ کچھ ہوں ہم مغرب کے معاشی نظام کو دو انتہاؤں پر پہنچا ہوا دیکھتے ہیں اور جس انتہاء پسندی کی وجوہ اس نظام کی وہ نا قابلیت اور معذوری ہے جس کی وجہ سے وہ بدلے ہوئے حالات کے تقاضوں کا حریف نہیں ہوسکتا۔ اس نے یا تو سرمایہ داری اور مزدور کی پیکار کی شکل اختیار کر لی ہے یعنی بورژوازی طبقات کی پولتاری طبقات سے آویزش یا مزدوروں کی سرمایہ داروں کے خلاف جنگ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ یعنی پرولتاری طبقات کی بورژوازی طبقات کے خلاف صف آرائی۔ یہ کبھی نہ ختم ہونے والی پیکار یورپ کے ہر ملک میں اس وقت جاری ہے جبکہ تلوار کی تباہ کن جنگ ختم ہو چکی ہے اور بظاہر دنیا میں امن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ظاہر طور پر جنگ سطح کے اوپر ختم ہو چکی ہے لیکن قومی زندگی کی سطح کے نیچے جنگ بدستور جاری ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ گو تلوار نیام میں جا چکی ہے لیکن انسان کے انسان پر استبداد اور ناانصافی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ جس کی طبقاتی اور بین الاقوامی جنگ بہترین

آئینہ دار ہے۔

ایک اور جنگ کی بنا ڈالی جا رہی ہے: سماجی دائرے کی جنگ نے مغرب کو دو کمپوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ یورپ کے متعدد ممالک میں سرمایہ داری غالب ہے اور مزدور جبر و استبداد کا شکار ہے۔ روس دوسری انتہاء پر پہنچ چکا ہے۔ جہاں پرولتاری طبقات بورژوائی طبقات سے غیر معمولی تندی کے ساتھ انتقام لے رہے ہیں۔ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوجاتا۔ ایک ملک میں مزدور کی فتوحات نے مزدوروں کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں اور دوسرے ممالک میں ایسی ہی فتوحات حاصل کرنے کے لئے ان کی اُمیدیں بندھ گئیں ہیں۔ اور یہ پیکار قوم کے دائرے سے نکل کر عالمگیر جنگ کی صورت اختیار کر رہی ہے۔ اور اس جنگ میں سویٹ روس تمام یورپ کے خلاف صف آرا ہے۔ یہ درست ہے کہ موجودہ عالمگیر جنگ کی ناگہانی ضرورتوں نے نئے اتحادات کے لئے قوموں کو مجبور کر دیا ہے۔ روس آج انگلستان اور امریکہ کا حلیف ہے۔ لیکن طبقاتی جنگ سے جو صلح اور امن کے قیام کا ناگزیر نتیجہ ہوگی یہ مذکورہ بالا حلیف اپنے آپ کو دو مختلف کمپوں میں پائیں گے۔ اور موجودہ عارضی اتحادات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑتی ہوئی نظر آئیں گی۔

انگلستان اور امریکہ کا حقیقی اتحاد ایک طرف اور روس کا اتحاد دوسری طرف دنیا میں صلح اور امن کی بنیاد خیال کیا جاتا ہے لیکن یہ اتحاد اس وقت تک نہیں ہوسکتا جس وقت تک ان ممالک کے معاشی نصب العینوں میں مصالحت کی صورت نہ پیدا ہوجائے۔ جب تک معاشی مسئلہ کا تصفیہ نہیں ہوتا صحیح امن دنیا میں قائم نہیں ہوسکتا۔ اس تصفیہ کے بغیر مغربی طاقتوں کے نمائندے صلح اور امن کی میز پر بیٹھ کر بھی آئندہ جنگ کی تیاری میں مصروف ہوجائیں گے۔ اگر یورپ کے ارباب حل وعقد یہ چاہتے ہیں کہ یہ جنگوں کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے تو انہیں سرمایہ داری اور مزدور کے جھگڑوں کو چکانے کے لئے ذرائع تلاش کرنے چاہئیں۔ تمام روئے زمین پر ان دو مذکورہ طبقات میں آویزش ہے اس آویزش کا تصفیہ از بس ضروری ہے۔ عیسائیت اور مادی تہذیب، جو عیسائیت کے بطن سے پیدا ہوئی ہے، ان دو طبقات میں مصالحت نہیں کرا سکتیں۔ اس پیکار میں صلح کی تجاویز صرف اسلام پیش کرسکتا ہے۔ اسلام کا سماجی نظام سرمایہ دار اور مزدور کے متضاد و مفاد میں وسعی درجہ پر قائم ہے، صرف اسلامی نظام کے ذریعہ

سے یہ مصالحت ہوسکتی ہے اور دنیا میں صحیح امن قائم ہوسکتا ہے۔

سرمایہ داری اور بالشوزم میں درمیانی راستہ: متعدد مغربی مصنفین نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ مغرب کے معاشی تصورات کی پیکار میں اسلام کو وسعی درجہ حاصل ہے۔ جیسا کہ گبس اپنی تصنیف Whether Islam کے خاتمہ پر رقمطراز ہے:

''مغربی دنیا کی مبالغہ آمیز افراط وتفریط میں اسلام توازن قائم رکھے ہوئے ہے۔ یہ مغربی قومیت کی انارکی اور روسی کمیونزم کی فوج آرائی کے مساوی طور پر خلاف ہے۔ زندگی کا معاشی پہلو جو موجودہ یورپ اور موجودہ روس کی نمایاں خصوصیات ہے اسلام ابھی اس واہمہ سے مغلوب نہیں ہوا۔''

اور اس کے بعد لکھتا ہے:

''اسلام میں یہ خوبی ہے کہ اس میں ہر شہری کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا مستقل اور مساوی حکم ہے زکوٰۃ کا روپیہ قوم کے بیت المال میں جمع ہونا چاہئے۔ بغیر قیود کے تبادلہ اشیاء بینکوں کا سرمایہ حکومت کے قرضے اور ضروری اشیاء پر بالواسطہ محصول، اسلام ان جملہ باتوں کے خلاف ہے۔ لیکن یہ باپ اور خاوند کی ذاتی جائیداد اور تجارتی سرمایہ سے متعلقہ حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ یہاں بھی بورژوازی سرمایہ داری اور بالشوزم کمیونزم کے مابین وسطی درجہ کا حامل ہے۔''

نقطہ نگاہ میں تغیر: مغربی اقوام کے جنگجو معاشی طبقات میں اسلام کی حیثیت صلح کرانے والے کی ہے۔ اس کے سماجی نظام میں متعدد ایسی خصوصیات ہیں جو اور کسی نظام میں نہیں پائی جاتیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان کا دماغ ضرورت سے زیادہ زندگی کے معاشی پہلو سے متاثر ہوجائے اور زندگی کی رفیع اقدار کو فراموش کردے۔ مسلمان کا پہلا سبق یہ ہے کہ خدا کی طرف سے عائد کردہ فریضہ تمام فرائض پر فوقیت رکھتا ہے وہ خواہ دنیا کا کوئی کام کررہا ہو جب اذان کی آواز اس کے کانوں میں آئے اسے اس کام کو چھوڑ کر اپنے خالق کے حضور میں سربسجود ہوجانا چاہئے۔ یہ اذان صرف صبح کے وقت ہی نہیں دی جاتی اور نہ رات کو سونے کے وقت دی جاتی ہے بلکہ دن کے اس حصہ میں بھی

اذان کی آواز بلند ہوتی ہے جبکہ انسان کاموں کے ہجوم میں گھرا ہوا ہوتا ہے۔ اس آواز کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے ایک مسلمان خدا تعالیٰ کی موجودگی کو یقینی طور پر محسوس کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے معاش کے لئے اسے اپنی تمام تر توجہ اپنے کام پر مرکوز کرنا چاہئے لیکن وہ اس کے ساتھ یہ بھی جانتا ہے کہ انسان صرف روٹی سے ہی زندہ نہیں۔ زندگی کا ایک بلند مقصد بھی ہے جس کے سامنے معاشی اقدار ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب تک اس حقیقت اور صداقت کا لوگوں میں صحیح احساس پیدا نہ ہوگا۔ اس وقت تک افراد اور قوموں کے درمیان معاشی مقابلے سکون قلب کی بجائے دُکھ درد اور تباہی کے احساسات پیدا کرتے رہیں گے۔ یورپ کی مہذب اقوام اپنے معاشی مفاد کی گہما گہمی میں اس قیمتی سبق کو فراموش کر چکی ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے درپے آزار ہیں اور ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔

دوسرے یہ کہ اسلام کا معاشی نظام مشیّت ایزدی کا اظہار ہے۔ اس لئے اسے وہ استحکام حاصل ہے جو انسان کے بنائے ہوئے نظام کو حاصل نہیں۔ اور کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ ہر ایک نظام کو اپنے نفوذ کے لئے دنیوی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اسلام کا نظام دنیوی حکمرانوں اور حکومتوں کا محتاج نہیں ہے۔ کمیونزم روس میں اس لئے قائم نہیں کہ اس میں پبلک کے لئے کوئی اپیل موجود ہے بلکہ اس لئے قائم ہے چونکہ سویت روس میں حکومت کی طرف سے اس کو جبری نفاذ کیا گیا ہے۔ فسطائیت بھی اسی وقت تک صفحہ ہستی پر موجود ہے جب تک اس کی پشت پر دنیوی طاقت اور حکومت ہے۔ یورپ میں عام طور پر سرمایہ داری کا تسلط بھی اس لئے ہے۔ کیونکہ اس کے مالی ذرائع بہت وسیع ہیں۔ اور نام نہاد جمہوری حکومتیں اس کی پشت پر ہیں۔ یورپ میں طاقت درحقیقت عوام کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ حکومت کی باگ دوڑ برے بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں ہے۔ خواہ وہ یہودی ہوں یا غیر یہودی ہوں۔ لیکن اسلام کا سوشل نظام اس طرز کا نہیں ہے۔ وہ مذہب کی بنیادوں پر قائم ہے۔ انسانی دماغ کے لئے اس میں اپیل ہے وہ اپنے نفاذ کے لئے عسکریت اور سیاسی طاقت کا محتاج نہیں۔ روئے زمین کے مسلمان خواہ وہ راعی ہوں یا رعایا ہوں، ان پر اسلامی قوانین کی حکومت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی نظام لوگوں کے قلوب میں راسخ ہو چکا ہے۔ اس کے نفاذ

کے لئے کسی دنیوی طاقت کی ضرورت نہیں۔

ایک مستحکم نظام: تیسرے اسلام کا سماجی نظام ہی وہ نظام ہے جس نے اپنی تیرہ سو سالہ زندگی میں ثابت کر دیا ہے کہ وہ نظام عالم ہے۔ تمام اسلامی اقوام کے، جو مشرق بعید سے لے کر مغرب بعید تک آباد ہیں، باوجود نسلی، لونی اور لسانی اختلافات کے، سماجی تصورات ایک ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر عجیب تر بات یہ ہے کہ گذشتہ ایک ہزار سال میں دوسری اقوام کے سماجی تصورات میں بیشمار تغیرات رونما ہوئے لیکن اسلام کا سماجی نظام تغیر پذیر نہیں ہوا۔ گو مسلمان قوموں کی تقدیریں بدل گئیں۔ لیکن ان کا سماجی نظام چٹان کی طرح مضبوط ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی نظام کے خمیر میں ایسی طاقت موجود ہے جو اسے ان اقوام کے، جو اس کے دائرہ واثر میں ہیں، تمام تغیرات اور انقلابات سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ یہ صرف نظامِ عالم ہی نہیں ہے بلکہ مستحکم نظام عالم ہے۔

دولت کوئی معیار نہیں ہے: اسلام کے سماجی نظام کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا منتہائے مقصود مساوات ہے۔ جہاں تک قوم کے افراد کے لئے مساوات ممکن ہوسکتی ہے اسلام پست لوگوں کو بلند کرتا ہے اور غریبوں کو امیر بناتا ہے، اس لحاظ سے اسلام اور بالشوزم میں نمایاں فرق ہے۔ کیونکہ بالشوزم امیروں کو غریب بنا کر اور بلند کو پست کر کے مساوات پیدا کرتا ہے۔ قرآن مجید کی ابتدائی آیات پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ اسلام صرف مظلوم کو نجات دلانے اور غریبوں کی مدد کے لئے نہیں آیا بلکہ غرباء کو بلند سطح پر پہنچاتا ہے۔ جہاں وہ دولت کے مساوی طور پر مالک بن کر امراء کے دوش بدوش کھڑے ہو سکتے ہیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے امراء اور غرباء کے ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ سونے اور چاندی کے ڈھیر وجہ امتیاز نہیں ہیں۔ یہ انسان کی وجاہت میں اضافہ نہیں کرتے۔ اور نہ غربت باعث ذلت ہے۔ یہ مقسوم کے تغیرات اور زمانہ کے اتفاقات خدا کے حضور میں کچھ وقعت نہیں رکھتے اور نہ ان لوگوں کی نگاہوں میں ان کی اہمیت ہونی چاہئے، جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

☆فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَاابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ وَاَمَّآ اِذَا

مَآ ابۡتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ (16-15:89) تو انسان کی حالت یہ ہے کہ جب اسے اس کا رب آزماتا ہے پھر اسے عزت دیتا ہے اور نعمت بخشتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے معزز کیا ہے اور جب اسے آزماتا ہے پھر اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔

☆وَلَوۡلَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ . وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ. وَزُخۡرُفًا وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ (35-33:43) اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ہی گروہ بن جائیں گے تو ہم ان کے لئے جو رحمان کا انکار کرتے ہیں۔ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں اور ان کے دروازے اور تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں سونے کے۔اور صرف دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور آخرت تیرے رب کے نزدیک متقیوں کے لئے ہے۔

دولت کی جگہ: پہلی بات، جو اسلام دنیا میں ایک نظام پیش کرتے ہوئے، کرتا ہے وہ یہ ہے کہ دولت کے حصول کو صحیح رنگ اور صحیح تناسب کے ساتھ انسانی دماغ کے سامنے رہنا چاہئے۔ دولت ایسی چیز نہیں ہے جسے ترک کیا جائے۔خدا ہی اس دنیا میں بھلائی دیتا ہے (سورۃ بقرہ) اور نعمتوں کے استعمال سے منع نہیں کرتا قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِيۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ (32:7) کہو کس نے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے اور کھانے کی ستھری چیزوں کو حرام کیا ہے۔قرآن مجید کی سورۃ النساء میں نہایت وضاحت کے ساتھ دولت کو سہارا اقرار دیا ہے۔فرمایا لَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ الَّتِىۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِيٰمًا وَّارۡزُقُوۡهُمۡ (5:4) اور کم عقل لوگوں کو تم اپنے مال نہ دے دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سہارا بنایا ہے اور تم انہیں ان کے ذریعہ سے کھانے کے لئے دو۔لیکن اس کے ساتھ ہی تنبیہ بھی کی گئی ہے کہ دولت صرف ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔مقصد نہیں ہے۔ دولت سے بڑھ کر بلند بھی زندگی کی اقدار ہیں۔انہیں دولت کے حصول میں نظروں سے اوجھل نہیں کرنا چاہئے وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ (32:43) اور تیرے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع

کرتے ہیں۔ انسانی دل میں سب سے بڑھ کر جگہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہونی چاہئے۔

عدم مساوات زندگی کا قانون: الٰہی نظام عالم کی ترکیب میں، جو انسان کی طرف نازل کیا گیا ہے، ایک اور امر کو بھی بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ ساری نیچر میں ایک تنوع پایا جاتا ہے۔ کائنات میں اختلافات موجود ہیں۔ جو وحدت کے منافی نہیں ہیں۔ کوئی دو آدمی جیسے نہیں۔ نہ ان کے دماغ ایک ایسے ہیں۔ انسانی استعدادوں میں بھی فرق موجود ہے۔ سب یکساں کام نہیں کر سکتے۔ بعض لوگوں کو دوسرے لوگوں کی نسبت بہتر دماغ ودیعت کئے گئے ہیں۔ بعض لوگوں کو کام کرنے کی استعداد زیادہ عطا ہوئی ہے۔ اور بعض لوگوں کو اچھا ماحول میسر آجاتا ہے جہاں ان کا کام زیادہ موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے۔ ان اختلافات کو مٹایا نہیں جاسکتا۔ انہیں حیات انسانی کے لئے ضروری کوائف کے طور پر تسلیم کرنا چاہئے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے: **نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُم مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُم بَعۡضًا سُخۡرِيًّا** (32:43) ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے۔ اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے ہیں تاکہ ایک دوسرے کو خدمت میں لگالے۔ اللہ تعالیٰ نے معاش میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ یہ اختلافات مٹائے نہیں جاسکتے یہاں تک کہ بالشویک روس بھی ان اختلافات کو نہیں مٹا سکا۔ سٹالن اور معمولی کان کن برابر نہیں ہیں۔ اس دنیا کا نظام اس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک کہ بعض لوگ بعض پر حاوی ہو کر ان سے خدمت نہ لیں۔ اگر اختلافات نہ ہوتے تو ریاست نہ ہوتی کوئی نظام نہ ہوتا اور ہر جگہ ایک افراتفری سی مچی ہوتی دماغی اختلافات اور کام کرنے کی استعدادوں کے اختلاف کا اعتراف تو اشتراکی نظام میں بھی کیا جاتا ہے۔ جو اس مفروضہ سے شروع ہوتا ہے کہ دنیا میں مساوات ہونی چاہئے۔ حکومت سرمایہ داروں پر جبر کر کے اور انہیں ان کے املاک سے محروم کر کے دولت کو مساوی تقسیم کر سکتی ہے جیسا کہ بعض حکومتیں مزدوروں پر ظلم کرتی ہیں اور غریبوں پر ستم توڑتی ہیں لیکن یہ اس معاشی مسئلہ کا حل نہیں ہے۔

مساوی تقسیم: اسلام کا معاشی نظام اسباب معیشت کی نہایت انصاف سے اور صحیح تقسیم کرتا ہے اور اس کے لئے اس نے ایک بے نظیر نظام قائم کیا ہے۔ سرمایہ داری کو تباہ کرنا یا بالفاظ دیگر امراء کی دولت کو

زبردستی چھین کر اسے حکومت کی جائیداد بنانا یا برائے نام طور پر سماج کی ملک بنانا بہت بڑی ناانصافی کا کام ہے۔ اور اسلامی روح کے بالکل منافی ہے۔ اسلام نے خیرات کا ایک لازمی نظام قائم کیا ہے۔ اس لحاظ سے لازمی نہیں کہ اس کو جمع کرنے کے لئے دنیوی طاقت کو استعمال کیا جائے۔ بلکہ یہ دباؤ اخلاقی ہے۔ فرد کی ذہنیت کو بدل دیا جاتا ہے۔ جو کچھ آدمی کماتا ہے وہ اس کی محنت کا پھل ہے۔ اور اسے اس پھل سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن جب وہ اپنی ضروریات کے مطابق خرچ کر لیتا ہے اور کچھ پس انداز بھی کر لیتا ہے تو یہ جمع شدہ سرمایہ مستقل سرمایہ متصور ہوتا ہے۔ اس سرمایہ کا ایک معین حصہ اسے اپنے مستحق اور غریب بھائیوں کی مدد کے لئے حکومت کو دینا پڑتا ہے۔ یہ حصہ ایسا ہے جو غرباء کو فائدہ پہنچاتا ہے اور امراء کو کنگال بھی نہیں کرتا۔ یہ خدائی حکم ہے اور انسان کو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہیئے۔

روپیہ جمع کرنا ایک گناہ ہے: دولت کو سمیٹنا اسلام میں ایک حد تک نجس اور ناپاک خیال کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا اثر انسان کے قلب پر پڑتا ہے اور دولت کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ ناپاکی جمع شدہ دولت کا چالیسواں حصہ ادا کرنے سے دھوئی جا سکتی ہے۔ اس لئے اسے زکوٰۃ کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے۔ یعنی یہ ایک ایسا فعل ہے جس سے تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ اسلامی حکومت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کو جمع کر کے مستحق لوگوں میں تقسیم کرے۔ اگر اسلامی حکومت نہ ہو تو بھی اسلامی سماج کی تشکیل اس افتاد پر ہوئی ہے کہ وہ اس روپیہ کو اکٹھا کر کے غرباء میں تقسیم کر سکتا ہے۔ یہ یقین کہ دولت کا جمع کرنا ایک ناپاک فعل ہے اور تزکیہ صرف ڈھائی فیصد ادا کرنے سے ہو سکتا ہے اس جذبہ نے زکوٰۃ کی ادائیگی میں پہلے اور آج بھی بہت کام کیا ہے۔ یہ ایک طریقہ ہے جس سے اسلام نے جمع شدہ دولت کی تقسیم پر اثر ڈالا ہے۔ جتنے نظامات آج دنیا میں موجود ہیں کسی کی طرف سے ایسی کوشش معرض وجود میں نہیں آئی۔

سرمایہ داری اور حکومت: تقسیم دولت کا مسئلہ، جس کے ساتھ سیاسی اقتدار وابستہ ہے، آج انسانیت کے سامنے عظیم الشان مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے۔ مغرب کی مادی تہذیب کا بنیادی پتھر سرمایہ داری ہے۔ اور اس سرمایہ دارانہ نظام نے دولت کو صرف چند ہاتھوں میں جمع کر دیا ہے۔ جس سے عوام کی غربت اور مشکلات میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ سیاسی اقتدار دولت کے پیچھے چلتا ہے اور

سرمایہ داروں کے اشارات پر سیاسی مدبروں کو صلح اور جنگ کا اعلان کرنا پڑتا ہے۔ سرمایہ دار جن کے اختیار میں سیاسی قوت ہے ان کی پیاس کبھی نہیں بجھتی۔ اس لئے اُنہوں نے اسے پر شوکت لفاظی کے ساتھ قانونی جامہ پہنا دیا ہے۔ نوآبادی قائم کرنے، فوجی قبضہ کرنے اور انجمن اقوام کی طرف سے کسی ریاست کو کسی ملک پر حکومت کرنے کے عارضی اختیار کی شکل میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ یورپ کی بڑی بڑی طاقتیں قومی پیمانہ پر بڑے بڑے سرمایہ دار ہیں۔ یہ طاقتیں جنگی مصارف کے لئے قرضے لے کر سرمایہ داری کی طاقت میں اضافہ کرتی ہیں۔ اسلام نے اس عارضہ کا علاج سود کی مخالفت سے کیا ہے جس کا مفصل ذکر آگے آئے گا۔

بالشوزم کے حقیقی معائب: انیسویں صدی کے وسط میں یعنی آج سے قریباً ایک سوسال قبل سرمایہ داری کے خلاف ردعمل شروع ہوا اور اس ردعمل نے سوشل ازم کا نام اختیار کیا۔ اور بتدریج بالشوزم کی شکل اختیار کر گیا۔ روس پر اس کا مکمل تسلط ہے۔ غالباً اتنا شدید تسلط ہے جتنا کہ یورپ کے دوسرے ممالک پر سرمایہ داری کا ہے۔ روس سے باہر اس نے کوئی زیادہ ترقی نہیں کی۔ گو روس کی طرف سے غیر معمولی پروپیگنڈا کیا گیا ہے۔ کیا یہ روس میں ایک مستقل نظام کی صورت اختیار کرلے گا۔ اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا۔ لیکن اس میں ایک بات بہت عجیب معلوم دیتی ہے۔ بالشوزم لوگوں کو آزاد کرنے کے لئے پیدا ہوا لیکن اس نے بھی اتنی ہی غلامی پیدا کی ہے جتنی کہ سرمایہ داری نے پیدا کی۔ زاؔر کے زمانہ کی مطلق العنانیت کی جگہ سویت استبداد نے لے لی ہے۔

ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ کیا بالشوزم نے انڈسٹری کو حکومت کی ملک بنا کر تقسیم دولت کے مسئلہ کو بالآخر حل کر دیا ہے؟ یہ کہنا کہ روس میں پانچ سالہ تجویز نے پیداوار کو اس حد تک مستعجل کر دیا ہے کہ وہ خیال میں نہیں آسکتی۔ اس لئے انڈسٹری کا حکومت کی ملک بن جانا اس مسئلہ کا حقیقی حل ہے۔ ایسا خیال کرنا غالباً کسی نتیجہ پر پہنچنے میں عجلت سے کام لینا ہے۔ کون جان سکتا ہے کہ وہ لوگ جو اس تجویز کو بروئے کار لانے کے لئے مامور ہیں جو حکومت کے ایجنٹ ہیں وہ شاید کل کو روبہ تنزل ہو کر ایک طبقہ امراء بن کر رہ جائیں جو کہ سرمایہ داری کے طبقہ امراء سے مشابہ ہو۔ انسانی فطرت ایسے میلانات کی طرف راغب ہے۔ بالشوزم کے پاس ان میلانات کو روکنے کے لئے کوئی علاج نہیں ہے۔ لیکن اس سے بھی

بڑھ کر یہ بات قابل غور ہے کہ بالشوزم جو کہ مزدوروں کے دوست کے طور پر رونما ہوا ہے وہ مزدور کو اس کی محنت کے پھل سے محروم کر کے اپنے مقاصد کو خود شکست دیتا ہے۔ ضروری اشیاء کا سُست اور محنتی، احمق اور عقلمند میں مساوی تقسیم کر دینا یقیناً ایسے نتائج پیدا کر دے گا جو ناقابل برداشت ہوں گے۔ یہ فطرت اور فطرت کے مسلمہ قوانین کے خلاف ہے۔ بڑے نتائج ایک دن میں نہیں دیکھے جا سکتے۔ سرمایہ داری کے معائب کے ظاہر ہونے میں صدیاں لگی ہیں۔ بالشوزم کے معائب نمایاں ہونے کے لئے بھی عرصہ درکار ہے۔

بالشوزم اور اسلام کا معاشی نظام: اسلام نے ہی دولت کے مسئلہ کا بہترین حل پیش کیا ہے۔ انسان میں اعلیٰ جذبات پیدا کئے ہیں اور بلند کردار کی تعمیر کی ہے۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جن پر نسل انسانی کے لئے پائیدار تہذیب کی بنیادیں استوار کی جا سکتی ہیں۔ بالشوزم کے سخت گیرانہ اصول، جن میں صرف انسانی جسم کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اسی کے لئے اشیاء مہیا کی جاتی ہیں تا کہ یہ زندہ رہ سکے۔ لیکن یہ قوانین رفق و ملائمت اور محبت کے اعلیٰ جذبات کو کچل دیں گے۔ اور ان خصوصیات کو بھی تباہ کر دیں گے جو انسانی زندگی کو بلند کرتی ہیں اور انسان کے دل میں زندہ رہنے کی خواہش پیدا کرتی ہیں۔ اور جن سے محرومی انسانیت کو روبہ تنزل کر دے گی۔ اور انسان بربریت کا شکار ہو جائے گا۔ اسلام زکوٰۃ سے دونوں مقاصد کو پورا کرتا ہے۔ زکوٰۃ صرف معاشی مساوات کو ہی پیدا نہیں کرتی بلکہ بلند جذبات کی نشوونما بھی کرتی ہے۔ لوگوں کے دِلوں میں اپنے انسانی بھائیوں کے لئے محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ اس کے برعکس حکومت کی ملکیت کا سخت گیرانہ نظام انسان کے بلند جذبات کو کچل دیتا ہے۔ اس طریقہ سے دولت جمعیت اسلامی میں دورہ کرتی رہتی ہے۔ جس طرح کہ خون ایک جسم کے اندر دورہ کرتا ہے۔ اسلامی سماج کے دولت مند ارکان کی دولت کا مخصوص حصہ مرکزی بیت المال میں جمع ہو جاتا ہے۔ جہاں سے یہ ان حلقوں میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کا ادارہ صرف دولت کی مساوی تقسیم میں مدد نہیں دیتا بلکہ بحیثیت مجموعی قوم کے اُٹھانے کا موجب بنتا ہے۔ اس امر کو اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہئے کہ زکوٰۃ صرف لازمی اور ناگزیر خیرات ہی نہیں ہے۔ یہ حکومت کا ارادہ ہے اور جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے وہاں یہ ایک ملی ادارہ کی

شکل اختیار کر لیتا ہے۔ فرد کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کا حساب کرے اور اپنی مرضی کے مطابق اسے خرچ کرے۔ حکومت یا قومی تنظیم کو زکوٰۃ جمع کرنا چاہئے۔ معطی کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے جمع شدہ سرمایہ کا ایک حصہ خیرات کے طور پر مستحقین کو دے بلکہ اسے اس رقم کا قومی فنڈ میں بھیجنا چاہئے جہاں سے یہ قوم کی بہتری اور بہبودی کے لئے خرچ ہو سکے۔

انڈسٹری اور جائیداد کا حکومت کی ملکیت ہونا اسلام کے سماجی نظام کے زکوٰۃ اور عشر کی دوسری صورت ہے۔ اول الذکر کو بعض دفعہ لسانی اور روائتی کے ساتھ دنیا کے معاشی مسئلہ کے بہترین حل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا اس سے ملک کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے؟ جتنا ایک قوم محنت کرے گی اور جتنا محنت میں عقل کو استعمال کرے گی اسی نسبت سے نیچر کے ذرائع پر اس کا تسلط بڑھتا جائے گا اور یہی دوسرے الفاظ میں دولت ہے۔ لیکن انڈسٹری کا حکومت کی ملکیت ہونا اور انفرادی مہم کا فقدان ہر قسم کے مقابلہ کے لئے مانع ہے۔ اور محنت شاقہ اور دماغی محنت کے محرکات سے لوگوں کو محرم کر دیتا ہے۔ اور بالآخر یہ سستی کاہلی اور جمود پیدا کر کے پیداوار کے معیار کو کم کر دیتا ہے اور اس قوم کو مفلس کر دیتا ہے جو اسے اختیار کرتی ہے۔ قومی شعور، علیحدہ رہنے کی خواہش، طاقتور اور خود مختار قوم کے تصورات شاید ایک وقت کے لئے محرک ثابت ہوں لیکن یہ تحریک بھی قومی پیمانہ پر مقابلوں کی وجہ سے پیدا ہوگی۔ جنگ کے دوران میں شاید یہ محرک بہت بڑھ جائے اور اس وقت اور بھی ترقی کر جائے جب کسی طاقتور قوم کے ہاتھوں قوم کو تباہی اور بربادی کا خطرہ ہو۔ جیسا کہ روس میں ہوا ہے۔ انفرادی مہم اور شخصی جائیداد کا فقدان صلح اور امن کے زمانہ میں کاہلی اور سستی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی بین حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ سویت روس کو بھی اپنے پہلے خیالات میں ترمیم کرنی پڑی ہے اور کسی نہ کسی صورت میں مقابلہ کو رواج دینا پڑا ہے۔

جدائیداد کا حکومت کی ملکیت ہونا انڈسٹری کے حکومت کے ملک ہونے کا ضمنی نتیجہ ہے۔ اس کے نتائج بالآخر اس سے بھی زیادہ بھیانک ہوں گے جتنا کہ سرمایہ داری کے ظاہر ہوئے ہیں۔ جوں جوں سرمایہ داروں کی تعداد میں کمی ہوتی ہے سرمایہ داری کے نقصانات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ جتنے سرمایہ دار کم ہوں گے اسی نسبت سے سرمایہ داری کے نقصان میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور جب ایک ہی سرمایہ

دار میدان میں رہ جائے گا خواہ وہ فرد ہو یا حکومت ہو تو سرمایہ داری کے نقصانات انتہائی شدت کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔

ایک قوم کے اندر ایک سرمایہ دار زیادہ قابل برداشت ہے بہ نسبت اس کے کہ انڈسٹری اور جائیداد کی مالک حکومت بن جائے۔ ایک فرد پر تو تنقید ہوسکتی ہے اور وہ اپنے مفاد کی خاطر اپنی اصلاح بھی کرسکتا ہے۔ لیکن حکومت ایسا نہیں کرسکتی۔ کیونکہ وہ عموماً ایسی تنقید کو دبا دیتی ہے۔ جس سے اس کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ دنیا میں ہر ایک قسم کے استبداد کا علاج ہوسکتا ہے۔ لیکن حکومت کے استبداد کا کوئی علاج نہیں۔ اور خصوصاً اس حکومت کے استبداد کا جو ملک میں واحد سرمایہ دار ہو۔ یہ کہنا کہ ایسی سرمایہ دار حکومت لوگوں کی بہتری اور بہبودی کے لئے کام کرتی ہے، اتنا ہی بے بنیاد دعا ہے جتنا کہ یہ خیال کرنا کہ ایک جابر اور خود مختار حکمران اپنی رعایا کی بہتری کے لئے کام کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت ایک ایسی برائی ہے جسے مجبوراً سوسائٹی کے خطرناک عناصر کو دبانے کے لئے اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس کا استبداد خوفناک ہوتا ہے۔ لیکن یہ بہت ہی خوفناک اور بھیانک بن جاتا ہے جبکہ تمام مالی ذرائع اس کے ہاتھ میں ہوں۔ جن سے کہ دوسروں کو محروم کردیا گیا۔ حکومت کو انڈسٹری اور جائیداد کی ملکیت دے دینا درحقیقت اس کے ہاتھوں میں خطرناک حربہ دینا ہے اسکی تباہ کاریاں موجودہ جنگ سے بھی زیادہ دہشت انگیز اور ہولناک ہوں گی جو اس وقت دنیا میں لڑی جارہی ہے۔

<u>قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت 13 دسمبر 1944ء</u>

اسلام کا سماجی نظام انڈسٹری اور جائیداد کی شخصی ملکیت میں مداخلت نہیں کرتا اور ایک آدمی کو اس کی محنت کے پھلوں سے محروم نہیں کرتا اور مقابلہ، محنت شاقہ، اور دماغی قوٰی کے استعمال کے لئے کھلا میدان چھوڑتا ہے۔ لیکن یہ سرمایہ داروں سے ان کی دولت کے ایک حصہ کا مطالبہ کرکے دولت کی مساوی تقسیم کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اور وہ دولت کا حصہ جو سرمایہ داروں سے لیا جاتا ہے اسے غرباء کی بہتری اور بہبود کے لئے صرف کیا جاتا ہے۔ اسلام کا معاشی نظام سرمایہ داروں کی تعداد کو بڑھاتا ہے تاکہ مقابلہ جتنا ممکن ہوسکتا ہے وسیع ہوجائے۔ زکوٰۃ دراصل قوم کے غریب افراد کو تجارت میں لگانے کے ہے تاکہ وہ تھوڑے سے سرمایہ کے ساتھ تجارت شروع کرسکیں اور پھر اپنی محنت اور عقلمندی سے اس

سرمایہ کو بڑھا سکیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ اسلام کا قانون وراثت بھی ہے۔ جس کے ذریعہ سے جائیداد بڑی تعداد میں تقسیم ہو جاتی ہے اور چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ ہر سال اپنی جمع شدہ دولت کا چالیسواں حصہ ادا کرنے کے بعد بھی ایک آدمی کچھ نہ کچھ دولت مرنے کے بعد چھوڑتا ہے۔ جیسا کہ ایک عقلمند اور محنتی آدمی کو چھوڑنی چاہیئے۔ یہ دولت اسلامی نظام کے مطابق ایک فرد واحد کی ملکیت نہیں بن جاتی۔ جیسا کہ آج کل Law of Primogeniture (یعنی خلف اکبر ہونے کی وجہ سے جو حق بحرومئی دیگر پسران حاصل ہوتا ہے) کی وجہ سے عموماً ہوتا ہے۔ اسلام نے قوانین وراثت میں دو طرح کی اصلاح کی ہے۔ عورت کو بھی مرد کے ساتھ جائیداد کا حق دار بنایا ہے اور حکم دیا ہے کہ جائیداد کی تقسیم ورثاء میں جمہوری طرز پر ہو. اس طرح سے ایک بڑے سرمایہ دار کی جگہ بہت سے چھوٹے چھوٹے سرمایہ دار لیتے ہیں۔ عام قانون کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہوا ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (7:4) مردوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی چھوڑیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت ایک مقرر حصہ۔

اسلام کی آمد سے پہلے ایک بہت مضبوط اور بظاہر بڑی معقول روایت تھی کہ ورثہ صرف اسی کو ملنا چاہیئے جو ضرب وحرب کا ماہر ہو۔ اس لئے ان ورثاء کو جو دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور جنگوں میں نہیں لڑ سکتے تھے، وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ اس روایت میں ان لوگوں کے لئے بڑی اپیل تھی جن میں دن رات قبائلی جنگوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ عورت کو یہودی شریعت کی طرح وفات شدہ شخص کی جائیداد کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔ اس واسطے اس کے لئے وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب مٹھی بھر مسلمانوں نے سارے عرب کے خلاف مدافعانہ جنگ شروع کی تو پہلے قانون وراثت کو نامنصفانہ قرار دیا گیا اور ایک نیا قانون نازل ہوا جس میں بیواؤں اور یتیموں کو ان مجاہدین کے برابر حقوق دیئے گئے جو ان مدافعانہ جنگوں میں شریک ہوتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی ہستی پر مسلمانوں کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ نئے قانون وراثت کو بغیر کسی قسم کے اعتراض کے قبول کر لیا گیا۔

اسلامی قانون وراثت نے ورثاء کو دو گروہوں میں منقسم کر دیا۔ پہلا گروہ خاوند بیوی والدین اور بچوں پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا گروہ بھائیوں اور بہنوں پر مشتمل ہے۔ پہلے گروہ کے تمام افراد براہِ راست حصہ دار ہیں۔ اگر وہ تمام زندہ ہوں تو ان سب کا جائیداد پر حق ہے۔ دوسرے گروہ کے ارکان اس وقت ورثہ پائیں گے جب پہلے گروہ کے بعض افراد مفقود ہوں۔ دونوں گروہوں کو اور بھی وسیع کیا جا سکتا ہے۔ اور ان میں پوتے اور ان سے بھی نیچے کی نسل کو بچوں کی جگہ شامل کیا جا سکتا ہے۔ اور اوپر کے رشتہ دار والدین کی جگہ لے سکتے ہیں۔ چچے اور پھوپھیاں اور ان سے بھی دور دراز کے رشتہ دار بہنوں اور بھائیوں کی جگہ لے سکتے ہیں۔

اسلام کے سماجی نظام کا ایک تیسرا پہلو بھی ہے جو دولت کی منصفانہ تقسیم کو باقاعدہ کر دیتا ہے۔ یہ مقروض اور قرض خواہ کا تعلق ہے۔ مقروض کو حکم ہے کہ وہ نہایت ایمانداری کے ساتھ اپنے قرضہ کو ادا کرے۔ ''تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنے قرضوں کی ادائیگی میں بہتر ہیں''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ قرض دینے والے کو بہت نرمی سے کام لینا چاہئے اور روپیہ سے بڑھ کر انسان کا خیال رکھنا چاہئے۔ انسانی سوسائٹی کے متعلق اسلام کا بنیادی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ جو شخص مشکل میں ہو اس کی مدد کی جائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (280:2) اور اگر مقروض تنگدست ہو تو فراخی تک مہلت دینا چاہئے اور اگر تم خیرات کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اس اصول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو اسلامی حکومت کے مقتدر اعلیٰ تھے، بڑی فراخدلی کے ساتھ عملی جامہ پہنایا۔ آپ نے فرمایا میں مومنوں سے بڑھ کر ان کے قریب ہوں سو جو مومن فوت ہو جائے اور قرضہ چھوڑے اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے۔ اور جو کوئی جائیداد چھوڑے وہ اس کے ورثاء کے لئے ہے۔ جو قرضہ اچھے مقصد کے لئے لیا گیا ہو اس کی ادائیگی اسلامی حکومت کے ذمہ ہوگی۔ بشرطیکہ مقروض اس قرضہ کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام سود لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ سود کی ممانعت کو نہایت وضاحت کے ساتھ قرآن مجید میں خیرات کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ خیرات انسانی ہمدردی کو وسیع بنیاد دیتی ہے اور

سود تو ہر قسم کی ہمدردی کے جذبات کو کچل دیتا ہے۔ سود خور کی مثال اس شخص کی طرح ہے جسے شیطان نے اپنے لمس سے منہ کے بل گرا دیا ہو اور وہ اُٹھ نہ سکے۔ سود خوار کی حالت درحقیقت ایسی ہوتی ہے کہ اگر اس کے لاکھوں اور کروڑوں روپوں میں ایک پیسے کا اضافہ ہوتا ہو تو وہ مقروض کو انتہائی تنگدستی اور افلاس میں مبتلا کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔ اس کی خود غرضی بڑھتی جاتی ہے۔ حتٰی کہ وہ ہمدردی کے تمام جذبات اور احساسات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے قلب پر صرف حرص کی حکومت ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام بنیادی طور پر اس کے خلاف ہے۔

سود خوری کاہلی اور سستی پیدا کرتی ہے۔ سود خور ایک طفیلی کی مانند دوسروں کی محنت پر زندہ رہتا ہے۔ آج جو سرمایہ دار اور مزدور میں زبردست کشمکش ہو رہی ہے، اس میں اسلام مزدور کی تائید کرتا ہے اور سود کی ممانعت سے دونوں میں توازن قائم کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ سرمایہ دار مزدور کو غلام نہ بنا سکے۔ مزدور کو اسلام باعزت جگہ دیتا ہے۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ نے تجارت کی اجازت دی ہے اور سود کی ممانعت کی ہے۔ تجارت میں محنت اور ہنرمندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس سے اخلاق بلند ہوتے ہیں اور سود مکاری، سستی اور ظلم کی عادات کو فروغ دیتا ہے۔ مظلوم اور مفلس کی مدد کرنا اسلام کے سماجی نظام کا مقصد ہے۔ مظلوم اور مفلس کو تنگدستی اور مشکلات کی انتہائی پستیوں میں گرا دینا سود کا منتہا ہے۔ اس لئے سود کو حرب من اللّٰہ و رسولہٖ یعنی اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ قرار دیا گیا ہے۔

یہ ممانعت صرف یہیں تک محدود نہیں ہے جسے اصطلاحی طور پر سود کہا جاتا ہے۔ اس میں ہر قسم کا کا سود شامل ہے۔ خواہ شرح زیادہ ہو یا کم یا سود متعین وقفوں کے بعد اصل زر میں جمع ہوتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ معمولی سود بھی بالآخر بھاری سود کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور مقروض کے لئے انتہائی مشکلات کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی ثابت شدہ حقیقت ہے جس کی تصدیق سب ممالک کے قرضوں کی تاریخ سے ہوتی ہے۔ بعض دفعہ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ سود کی ممانعت تجارت اور کاروبار کے لئے بہت نقصان رساں ثابت ہوگی۔ اور اہم قومی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے میں بھی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اگر یہ خرابی بھی پیدا ہوتی ہے تو اس کی ضرورت سے زیادہ تلافی اس صورت میں ہو جاتی ہے کیونکہ اس ممانعت سے عالمگیر جنگوں کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ جن کی وجہ سے نسل انسانی بیشمار مصائب میں مبتلا

ہے۔ان جنگوں کا باعث سودی قرضے ہیں۔ہمیں حقائق کا جائزہ لینا چاہئے۔قرون اولیٰ کے مسلمان جو وسیع ممالک میں پھیلے ہوئے تھے وہ تجارتی کاروبار قومی پیمانہ پر کرتے تھے۔وہ تہذیب کی رفتار میں بڑی بڑی اقوام کے ہراول تھے۔اس میں شک نہیں کہ موجودہ حالات میں سود کی ممانعت راس نہیں آتی۔یہ حالات یورپ کی مغربی تہذیب کے پیدا کردہ ہیں۔لیکن اسلام کا بلند نصب العین ایسا نہیں، جسے عملی جامہ نہ پہنایا جاسکے بلکہ صدیوں تک اسلامی تہذیب میں اس پر عمل ہوتا رہا۔

اس سرمایہ کا سود، جس سے کاروبار چلا جاتا ہے، عام قرضوں سے مختلف ہے۔اس صورت میں سرمایہ دار اور مزدور دونوں حصہ دار ہیں۔یہ شرکت ممنوع نہیں ہے لیکن اسلام کا سماجی نظام یہ چاہتا ہے کہ جس طرح سرمایہ دار اور مزدور نفع میں بھی ساجھی ہوں اسی طرح نقصان میں بھی برابر کے شریک ہوں۔سود کی ایک خاص شرح مقرر کردینے کا مطلب یہ ہے کہ سرمایہ پر ہمیشہ نفع ملنا چاہئے خواہ تجارت میں نقصان ہورہا ہو۔بعض دفعہ اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ سرمایہ دار اور مزدور کا نفع اور نقصان میں ساجھی ہونا ناقابل عمل ہے۔کیونکہ اس کے لئے حسابات رکھنے کی ضرورت ہے اور تجارت کے لئے حسابات رکھنا ازبس ضروری ہے۔

حسابات ٹیکسوں کی ادائیگی کے لئے بھی رکھے جاتے ہیں۔تمام جائنٹ سٹاک کمپنیاں حسابات رکھتی ہیں۔جو وسیع پیمانے پر تجارت کرتی ہیں۔قوم کی بہتری اور بہبودی کے لئے یہ طریقہ بہت مفید ہے۔بہ نسبت اس کے کہ سرمایہ پر سود لیا جائے جس سے سرمایہ داری کے نقصانات میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ مزدوروں کے لئے غیر منصفانہ بھی ہے۔حکومت یا کمپنی کے قرضے جو بڑے بڑے کاموں کے لئے لئے جاتے ہیں۔مثلاً ریلوے اور نہروں کی تعمیر کے لئے وہ بھی اسی اصول پر لئے جاسکتے ہیں اور اگر بینکنگ سسٹم کو کواپریٹو طرز پر ڈھال لیا جائے جیسا کہ اسلام کا منشاء ہے تو یہ یقیناً انسانیت کے لئے رحمت کا باعث ہوگا۔

سرمایہ داری کے مصائب کو کم کرنے کے لئے اسلام کے سماجی نظام میں اور بھی انتظامات ہیں۔لیکن میں صرف ایک کا اور ذکر کروں گا۔اور وہ وصیت کے متعلق تاکیدی حکم ہے۔قرآن مجید کی رو سے ہر وہ شخص جو اپنے پیچھے جائیداد چھوڑتا ہے اس کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنی جائیداد کا کچھ حصہ وصیت

کرے جو 1/3 حصہ سے زیادہ نہ ہو۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول کے مطابق خیراتی کاموں کے لئے، جن میں غرباء، بیواؤں اور یتیموں کی امداد کو بہت اہمیت حاصل ہے قرآن مجید کی رو سے یہ وصیت لازمی ہے کُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَ كُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا نِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنَ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (180:2) تم پر، جب تم میں سے کسی کے لئے موت آ موجود ہو، عمدگی کے ساتھ وصیت کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر وہ بہت سا مال ماں باپ کے لئے اور قریبیوں کے لئے چھوڑے یہ متقیوں پر لازم ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کی رو سے یہ وصیت خیراتی کاموں کے لئے ہے۔ جو ایک شخص کی جائیداد کے 1/3 حصہ سے متجاوز نہیں ہونی چاہئے۔ تا کہ ورثاء محروم نہ رہ جائیں۔ یہ وصیت بھی غرباء کی حالت کو سدھارنے کے لئے ایسا ہی مفید ذریعہ ہے جیسا کہ زکوٰۃ ہے۔ اگر حکومت اس کو لازمی قرار دے تو یہ بالکل قرآن مجید کے الفاظ اور ان کی روح کے مطابق ہوگا۔

۞۞۞

13 دسمبر 1944ء
مکتوب حضرت امیر

جلسہ سالانہ کے متعلق لاہور کے دوستوں کو ضروری ہدایات

برادرانِ مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جس غرض کے لئے بیرونی احمدی احباب سفر کی سخت صعوبت اور بہت سے اخراجات اُٹھا کر آتے ہیں، اسے آپ بہت آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا کے راستے میں تکلیف اُٹھانے سے انسان کی زندگی میں حقیقی راحت پیدا ہوتی ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے میں آپ کو امور ذیل کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔

1۔ 24 دسمبر اتوار کو خواتین کا جلسہ ہے۔ اس دن آپ کے گھرانے کی خواتین ضرور شامل جلسہ ہوں اور اس کے لئے کوئی نہ کوئی دستکاری بھی پہلے سے بھیج دیں۔

2۔ 27,26,25 دسمبر پورے تین دن آپ جلسہ کے لئے فارغ رکھیں۔ اور جلسہ کے وقت مقررہ سے آدھ گھنٹہ پیشتر جلسہ گاہ میں پہنچنے کی کوشش کریں۔

3۔ اگر آپ کی رہائش احمدیہ بلڈنگس سے ایک میل کے اندر اندر ہے تو نماز فجر میں اور اس کے بعد درس قرآن کریم میں ضرور شامل ہوں۔

4۔ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ آپ کے گھر سے بچے اور خواتین تینوں دِنوں میں جلسہ میں ضرور شامل ہوں۔

5۔ آپ آج سے ہی اس بات کے پیچھے لگ جائیں کہ آپ نے ایک دو غیر از جماعت دوستوں کو ضرور ساتھ لانا ہے تاکہ وہ بھی جلسہ میں شامل ہوں۔ اور پھر خواہ انہیں اپنے ٹانگہ پر ہی لانا پڑے ساتھ لے کر آئیں۔ چند پیسے زیادہ تو خرچ ضرور ہو جائیں گے لیکن اگر آپ کی اتنی سی تکلیف سے ایک دو آدمیوں تک کلمۂ حق پہنچ جائے یا جماعت میں ایک دو آدمیوں کا اضافہ ہو جائے تو وہ بڑی دولت ہے۔

6۔ ظہر اور عصر کی نمازیں تو جلسہ کے وقت میں ہوتی ہیں لیکن مغرب اور عشاء کے لئے بھی اگر آپ مسجد میں ٹھہر جائیں تو غروب آفتاب کے معاً بعد جمع ہو جاتی ہیں۔ ان تین ایام میں نماز

باجماعت میں شامل ہونے کی ضرور کوشش کریں۔

7۔ان تین ایام میں چاہے دو نفل ہی پڑھیں مگر نماز تہجد ضرور پڑھیں۔اور اس وقت بالخصوص اسلام کی ترقی اور نصرت کے لئے دعا کریں۔اور یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو وہ کارکن عطا فرمائے جو تبلیغ اسلام کے اہل ہوں۔اور وہ سامان عطا فرمائے جن کی تبلیغ اسلام کے لئے اور قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کے لئے ضرورت ہے۔

8۔جلسہ کے اشتہارات اور پروگرام لے کر اپنے محلّہ اور اپنے حلقہ احباب میں تقسیم کریں۔والسلام۔

خاکسار محمد علی۔امیر جماعت احمدیہ لاہور

حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں: (20دسمبر 1944ء) ایک دوست نے اختلاف عقیدہ رکھ کر خلیفہ صاحب قادیان کی بیعت کی اور اس کے بعد حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک مکتوب لکھا جو درج ذیل ہے اور ساتھ ہی حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کا جواب بھی درج ہے۔قارئین پیغام صلح ملاحظہ فرمائیں۔مدیر

یا سیدی و یا امیری۔السلام علیکم۔گو میں نے قادیان کی بیعت کر لی ہے۔لیکن آپ کی محبت اور آپ کا احترام جو ہر طرح دل و جگر کے کونہ کونہ میں موجود ہے۔موجود رہے گا۔آپ کو خدا نے ایک قلب سلیم عطا کیا ہے اور علم سے بہت بڑا حصہ بخشا ہے۔آپ سے عقیدت جو تھی وہ قائم رہے گی۔

جب خلافت مآب نے میری بیعت اختلاف رکھتے ہوئے بلکہ انہیں عقائد پر رہتے ہوئے منظور کر لی تو میرے پاس دوری کی کوئی حجت باقی نہ تھی۔

علاوہ ازیں اس میں شک نہیں کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کی وفات پر اکثریت نے حضرت بشیر الدین محمود احمد صاحب کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔چاہے کیسے بھی ہوا اور اختلاف رائے کا ہر ایک کو حق ہے لیکن الگ جماعت کھڑی کرنا صرف مبعوث کا ہی حق ہوسکتا ہے جو وحی الٰہی کے ماتحت الگ جماعت کھڑی کرتا ہے۔غیر مبعوث مجاز نہیں کہ محض اپنی رائے پر کسی گروہ میں تفرقہ ڈالے۔دین کے معاملہ میں اگر انسان اکثریت کو غلط بھی دیکھے تو بھی ان سے وابستہ رہے۔اور اگر جبر کا معاملہ ہو تو بہتر ہے کہ خاموشی سے بسر کرے،نسبت اس کے کہ تفرقہ ڈالنے کا بوجھ اُٹھائے۔میرے عقائد وہی ہیں

صرف فرق اس قدر رہے کہ خلافت امت محمدیہ میں ضرور ہونی چاہیئے۔

اور میں اس سے وابستہ رہوں گا۔ میں اپنے عقائد کا اظہار بابانگِ بلند کرتا ہوں اور یہی صحیح چیز ہے۔ میں نئی جماعت کا بوجھ اٹھانے سے ڈرتا ہوں انشاءاللہ جلد ملنے کی کوشش کروں گا۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا جواب (13 دسمبر 1944ء)

اخویم مکرم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

ایک خط میں مَیں خلافت اور اکثریت پر بحث نہیں کرسکتا۔ مجھے یہ خوشی ہے کہ آپ عقائد حقہ پر قائم ہیں۔ مگر آپ ان کا اعلان نہیں کر سکتے۔ اور نہ صرف دنیا کی نظروں میں بلکہ عنداللہ بھی غلط عقائد کی ترویج میں معاون ہورہے ہیں۔ آپ کا مال ان عقائد کے پھیلانے میں صرف ہورہا ہے، جنہیں آپ قرآن شریف وحدیث وبروئے تحریرات حضرت مسیح موعود غلط سمجھتے ہیں۔ اور تعجب ہے کہ تیس سال کے بعد کون سی نئی بات پیش آئی۔ آپ کہتے ہیں کہ اکثریت کا ساتھ دینا چاہیئے۔ آج دنیا امام حسینؓ کی کس قدر عزت کرتی ہے کہ اُنہوں نے اکثریت کے خلاف اور تنہاء اس خلیفہ کا مقابلہ کیا جو خلافت کا اہل نہ تھا۔ وہ مبعوث تو نہ تھے۔ آپ کے دادا ہیں۔ اور آپ کے دل میں یقیناً ان کا احترام موجود ہوگا۔ کیا ہمیں وہ حق حاصل نہیں جو امام حسینؓ کو تھا۔ کاش کسی وقت آپ ملتے تو زبانی گفتگو ان معاملات پر ہوسکتی۔ اس وقت بھی میرا دل چاہتا ہے کہ آپ جلسہ سالانہ میں زیادہ نہیں تو ایک دو دن کے لئے ہی شامل ہوں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

۞۞۞

20 دسمبر 1944ء

مکتوب حضرت امیر

جماعت کے بیرونی دوستوں کو جلسہ سالانہ کے متعلق ضروری ہدایات

برادرانِ مکرم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

1 ۔ سالانہ جلسہ میں شامل ہونے کو بانی سلسلہ نے خاص اہمیت دی تھی ۔ اور تمام احباب کو جو زادراہ کی گنجائش نکال سکیں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ وہ سالانہ جلسہ پر ضرور اکٹھے ہوا کریں ۔ جو شخص جلسہ میں شمولیت کے لئے پورا زور نہیں لگاتا وہ ایک رنگ میں حضور کے اس ارشاد کو استخفاف کی نگاہ سے دیکھتا ہے ۔ سو اس کی تعمیل کی ہر ممکن کوشش کریں ۔ اگر آپ عزم کرلیں تو انشاء اللہ رکاوٹیں بھی دور ہو جائیں گی ۔ سوائے ایسی بیماری کے جو سفر کی اجازت نہ دیتی ہو یا ملازمت کی صورت میں رخصت نامنظور ہو جائے اور کوئی مانع نہ ہونا چاہئے ۔ دل میں تڑپ ہو تو سامان بھی مہیا ہو جاتے ہیں ۔

2 ۔ حضور کا یہ تاکیدی ارشاد ان لوگوں کے لئے تھا جو عموماً سال میں کئی کئی دفعہ مامور من اللہ کے فیض صحبت سے مستفیض ہوتے رہتے تھے ۔ اب جبکہ جماعت کی روحانی تربیت کا یہی ایک ذریعہ رہ گیا ہے اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ آپ سالانہ جلسہ پر حاضری کو اپنا اولین فرض سمجھیں ۔

3 ۔ اس سال کے جلسہ کو یہ خاص اہمیت حاصل ہے کہ ایک طرف کام کے اور دوسری طرف خدا کے فضلوں کے نئے راستے کھل رہے ہیں ۔ جنگ کا خاتمہ ، جواب قریب نظر آتا ہے ، یہ چاہتا ہے کہ ہمارا قدم تبلیغ کے راستے میں زیادہ مضبوطی سے اور زیادہ تیز اُٹھے ۔ اس کے لئے حتی الوسع سب احباب کی شرکت کی ضرورت ہے تاکہ جو قدم ہم اُٹھائیں سب مل کر اُٹھائیں ۔

4 ۔ ایسے بچوں کو جن کی عمر سمجھنے کے قابل ہو گئی ہے اپنے ہمراہ لائیں تاکہ ان کے دِلوں میں اس کام کی اہمیت بچپن سے بیٹھ جائے ۔

5 ۔ اپنے دائرہ واقفیت میں یہ کوشش کریں کہ سب بھائی اس جلسہ میں شامل ہوں اور جو سُست نظر آئیں ان کو خاص طور پر سمجھائیں ۔ جو شوق رکھتے ہوں اور زادراہ نہ رکھتے ہوں ان کی مدد کریں ۔

6۔ جماعت کی قلت کی وجہ سے ہمارا کام کمزور ہے۔ ایک دو آدمی جن پر آپ اثر ڈال سکیں ہمراہ لائیں۔ یہ تبلیغ کی بہترین صورت ہے۔ اگر آپ کی تھوڑی سی کوشش سے یا چند پیسوں کے خرچ سے جماعت میں ایک آدمی کا بھی اضافہ ہو جائے تو یہ اس کوشش اور خرچ کا بہت بڑا ثمرہ ہے۔

7۔ پورے تین دن نکال کر آئیں۔ اگر آپ کے ساتھ خواتین ہیں، 24 دسمبر کی صبح تک پہنچ جائیں۔ ورنہ 25 کی صبح تک اور 27 دسمبر چار بجے تک ضرور ٹھہریں۔ تا کہ اس اجتماع کے پورے فوائد سے متمتع ہو سکیں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ۔ لاہور

۞ ۞ ۞

10 جنوری 1945ء

دجال اور یاجوج ماجوج کون ہیں؟!

حضرت مسیح موعود نے یورپ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی اور تبلیغ کا مکمل پروگرام دیا

تقریر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ مورخہ 26 دسمبر 1944ء

تشہد وتعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیٰنا نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ . وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ . (97-96:21) اورفرمایا کہ اسلام کی تاریخ کا سرسری نظر سے مطالعہ کرنے سے ایک بڑی واضح اور موٹی بات ہم کو نظر آجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام کی ترقی کا رخ ابتداء سے اس وقت تک یعنی چودھویں صدی کے شروع تک زیادہ تر مشرقی ممالک کی طرف رہا اور مغرب میں گو کسی زمانہ میں اسلام کا قدم جما بھی اور مغرب کے بعض ملکوں میں اسلام کی سلطنت بھی پہنچی مگر تبلیغی رنگ میں مغرب میں اسلام کی ترقی مشرق کے بالمقابل بہت ہی کمزور اور بہت ہی محدود نظر آتی ہے۔ اس وقت بھی اگر ہم دنیا کا نقشہ اپنے سامنے رکھیں تو اسلام مشرق کے وسیع ممالک میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے اور مغرب میں جہاں کسی زمانہ میں اسلام کی حکومت تھی اب برائے نام کہیں کہیں کچھ مسلمان جماعتیں رہ گئی ہیں۔

اسلام کو مٹانے کی کوشش: صرف یہی نہیں کہ مغرب میں اسلام کی ترقی رک گئی بلکہ اس قریب کے زمانہ میں مغرب نے مشرق میں بھی اسلام کو مٹانے کی یا اس کی طاقت کو کمزور کرنے کی زبردست کوشش کی۔ تو گویا نہ صرف یہ ہوا کہ مغرب میں اسلام کی ترقی رکی رہی بلکہ مشرق میں بھی یورپ نے کچھ اپنی سیاسی طاقت کے ذریعہ سے اور کچھ مشنری نظام کے ذریعہ سے اسلام کو نابود کرنے کی یا خطرناک ضعف کی حالت میں کردینے کی کوشش کی۔

یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھنے والا شخص: لیکن اس وقت جب یہ حالات پیدا ہو چکے تھے اور بظاہر ایسا نظر آتا تھا کہ اسلام اب دن بہ دن کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ ایک شخص اُٹھا جس نے

اسلام کی ترقی کا رخ مغرب کی طرف پھیرا آئندہ کسی زمانہ میں جب یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کی تاریخ لکھی جائے گی تو تاریخ نویس یقیناً اس بات کو تعجب سے دیکھے گا کہ جس شخص نے یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی اس کو آج مسلمان سب سے زیادہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس قدر اس شخص کے نام کے ساتھ مسلمانوں کو بغض ہے کہ اس کے صریح کارناموں کو دیکھتے ہوئے بھی ان کے اس بغض میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

یاجوج ماجوج اور غلبہ اسلام کا وعدہ: یہ جو میں نے قرآن شریف کی آیت پڑھی **حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ** . (96:21) یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے تیزی سے نکل پڑیں گے۔ یعنی ان کا غلبہ دنیا میں ہو جائے گا یہ ایک حصہ اس پیشگوئی کا ہے کہ وقت آئے گا کہ یاجوج اور ماجوج تمام بلندیوں پر غالب آ جائیں گے اور اس پیشگوئی کا دوسرا حصہ ہے **وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ** اور سچا وعدہ قریب آ جائے گا وہ وعدہ جو پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ وہ کیا ہے؟ قرآن کریم نے خود اس کے متعلق کوئی شبہ باقی نہیں چھوڑا۔ اس رکوع میں آگے جا کر بیان فرما دیا کہ وہ وعدہ غلبہ اسلام کا ہے۔ ایک انقلاب کا ذکر کر کے فرمایا **وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ** . (104:21) یہ ہم پر وعدہ ہے ہم اسے ضرور پورا کر کے رہیں گے۔ وہ کیا وعدہ ہے؟ **وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ** . (105:21) وہ وعدہ جو ہمارے ذمہ ہے ہم اس کو پورا کر کے رہیں گے۔ زبور میں بھی ہم اس کو بیان کر چکے ہیں۔ بنی اسرائیل کے انبیاء بھی اس کو بتا چکے ہیں کہ گو اس زمین پر فسق و فجور پھیلے گا اور اٹھے گا لیکن اس زمین کے وارث خدا تعالیٰ کے صالح بندے ہوں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے جس کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمایا **هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ** (33:9) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور پھر **وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ** . کے آگے فرمایا **اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ** . (106-105:21) اس میں بڑا بھاری پیغام ہے خدا کی عبادت کرنے والے لوگوں کے لئے۔ **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ** . (107:21) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

تمہیں صرف ایک زمانہ کے لئے نہیں بھیجا۔ ایک قوم کے لئے نہیں بھیجا بلکہ ہم نے تمہیں تمام قوموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ خوب یاد رکھو وہ وعدہ جس کو یاجوج ماجوج کے غلبہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے وہ یہی وعدہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تمام قوموں کے لئے رحمت ثابت ہوگا اور ہر ایک قوم اس رحمت کے سرچشمہ کی طرف آئے گی۔

یاجوج ماجوج کی حقیقت: یاجوج اور ماجوج کون ہیں؟ ان کا ذکر بہت پرانا چلتا ہے۔ بائبل میں ان کا ذکر ہے قرآن کریم میں بھی ان کا ذکر ہے۔ اور حدیث میں بھی ان کا ذکر ہے۔ مگر مفسرین اور شارحین کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے کہ ان سے مراد کیا ہے۔ بائیبل کے شارحین میں اختلاف نظر آتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے یہ فلاں قوم ہے اور کوئی کہتا ہے کہ فلاں قوم ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کے مفسرین میں بھی اختلاف ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے اس سے پردہ اٹھادیا: یہ ایک عقدہ لاینحل تھا جس کو کوئی حل نہیں کر سکا یہاں تک کہ ایک شخص ہماری آنکھوں کے سامنے اُٹھا۔ اس نے اس کا پتہ بتایا کہ یاجوج اور ماجوج کون ہیں۔ تمام مسلمان توہمات میں پڑے ہوئے تھے اور ان کو عجیب الخلقت مخلوق سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اٹھتے ہیں اور 1891ء میں ایک ایسا دعویٰ کرتے ہیں جس سے دنیا میں ایک شور پڑ جاتا ہے مگر اسی سال یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ ہمارے ایک عزیز نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ 1891ء ہی وہ سال ہے جب ووکنگ مسجد کی بنیاد رکھی گئی 1891ء میں جب ہندوستان کے سارے لوگ آپ کو مجدد مانتے تھے آپ پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جن کے متعلق مسلمانوں کا خیال ہے کہ وہ آسمان پر بیٹھے ہوئے ہیں وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اور ان کی آمد کے متعلق جو پیشگوئی پائی جاتی ہے وہ مجھ میں یعنی چودھویں صدی کے مجدد میں پوری ہوگئی ہے۔ ابن مریم کے نزول کے ساتھ اور بہت سی باتیں وابستہ تھیں۔ یاجوج ماجوج کا غلبہ بھی اسی نزول مسیح کے ذکر سے وابستہ تھا۔ دجال کا ذکر بھی اسی ذیل میں تھا۔ مغرب سے طلوع آفتاب بھی اسی کا نشان تھا۔

ازالہ اوہام میں یاجوج ماجوج کا ذکر: آپ نے ازالہ اوہام کا نام سنا ہوا ہوگا مگر میرا خیال ہے کہ

بہت کم لوگوں نے اس کتاب کو اس نظر سے پڑھا ہے کہ اس میں ان تمام امور کو جو اسلام کی ترقی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں بیان کیا گیا ہے چنانچہ آپ اس کتاب میں یاجوج ماجوج کے متعلق فرماتے ہیں:

''اور یاجوج ماجوج کی نسبت تو فیصلہ ہو چکا ہے جو یہ دنیا کی دو بلند اقبال قومیں ہیں جن میں سے ایک انگریز اور دوسرے روس ہیں۔ یہ دونوں قومیں بلندی سے نیچے کی طرف حملہ کر رہی ہیں یعنی اپنی خداداد طاقتوں کے ساتھ فتح یاب ہوتی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کی بدچلنیوں نے مسلمانوں کو نیچے گرا دیا اور ان کی تہذیب اور متانت شعاری اور ہمت اور الوالعزمی اور معاشرت کے اعلیٰ اصولوں نے بحکم و مصلحت قادر مطلق ان کو اقبال دے دیا۔ ان دونوں قوموں کا بائیبل میں بھی ذکر ہے'' (ازالہ اوہام صفحہ 506)

ان لفظوں پر غور کیجئے یہ نہیں فرماتے کہ میرا یہ خیال ہے یا میری یہ رائے ہے یا مجھے یہ معلوم ہوتا ہے بلکہ فرماتے ہیں کہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ میں آپ کو اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ آپ فرماتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس وقت تک بائیبل اور قرآن کریم کے مفسرین کسی فیصلہ پر نہیں پہنچے تھے۔ مگر آپ فرماتے ہیں کہ فیصلہ ہو چکا ہے گویا یہ اپنی طرف سے نہیں لکھ رہے کوئی شخص اپنی طرف سے نہیں کہتا کہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ اگر وہ کہتا اور دنیا نہ مانتی اور بات تھی مگر یہ لفظ خدا جانے کس قوت سے آپ کے قلم سے نکلے ہیں کہ ساری دنیا کو تسلیم کرنا پڑا کہ یاجوج ماجوج وہی ہیں جن کا نشان حضرت مرزا صاحب نے دیا۔ چنانچہ جس وقت یہ الفاظ نکلے تو اس وقت آپ کے خلاف ایک شور پیدا ہو گیا اور وقت لوگ آپ کی باتوں پر ہنسی کرتے تھے لیکن کتنے سال گزرتے ہیں کہ تمام مسلمان اس بات کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ واقعی یاجوج ماجوج یہی قومیں ہیں اور جو فیصلہ حضرت مسیح موعود نے لکھا تھا ساری اسلامی دنیا اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتی ہے۔

ڈاکٹر اقبال کے مونہہ سے بھی یہ بات نکل گئی: ایک شخص جو اس ملک میں مسلمانوں کے خیالات کا ترجمان ہے میں سمجھتا ہوں اقبال کو یہ مقام حاصل ہے۔ نظر ان کی بڑی وسیع تھی۔ یہ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت صاحب کی مخالفت بھی انہوں نے کسی وقت کی مگر خدا تعالیٰ نے ان کے مونہہ سے بھی یہ الفاظ نکلوا دیئے کہ یاجوج اور ماجوج یہی لوگ ہیں۔

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون

آج واقعات نے بھی اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ جو بات حضرت مرزا صاحب نے اس وقت کہی تھی اس کے آگے ساری دنیا کو سر جھکانا پڑا۔

دجال کون ہے؟: یہی حالت دجال کے متعلق بھی ہے۔ سیاسی قوت کے لحاظ سے یورپ کی قوموں کا نام یاجوج اور ماجوج ہے اور مذہبی طور پر لوگوں کو ورغلانے کی وجہ سے ان کا نام دجال ہے۔ دنیا کو گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اسلام کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مغرب سے طلوع آفتاب کے معنی: اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ حدیثوں میں مغرب سے طلوع آفتاب کا ذکر ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ مسلمانوں کو اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے یہ شخص اپنی بڑائی نہیں کرتا بلکہ اس کے دل میں ایک تڑپ لگی ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''ایسا ہی طلوع شمس کا جو مغرب کی طرف سے ہوگا۔ ہم اس پر بہر حال ایمان لاتے ہیں۔ لیکن اس عاجز پر جو ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفرو ضلالت میں ہیں، آفتاب صداقت سے منور کئے جائیں گے اور ان کو اسلام سے حصہ ملے گا''

حضرت مسیح موعود کا ایک رؤیا: یہ 1891ء کا زمانہ ہے۔ آپ پر کفر کا فتوی لگا ہوا ہے۔ مسلمان آپ کے دشمن ہیں اور آپ کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ یورپ میں اسلام پھیلے گا۔ اپنی رؤیا کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''میں نے دیکھا میں شہر لنڈن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں۔ اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے اور شائد تیتر کے جسم کے موافق ان کا جسم تھا۔ سو میں نے اس کی تعبیر یہ کی اگرچہ میں نہیں مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت

سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے۔ درحقیقت آج تک مغربی ملکوں کی مناسبت دینی سچائیوں کی نسبت بہت کم رہی ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے دنیا کی عقل تمام یورپ اور امریکہ کو۔ نبیوں کا سلسلہ اول سے آخر تک ایشیا کے ہی حصہ میں رہا اور ولایت کے کمالات بھی ان لوگوں کو ملے اب خدا تعالیٰ ان لوگوں پر نظر رحمت ڈالنا چاہتا ہے''

مغرب میں اشاعت اسلام کی بنیاد: یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھنے والے حضرت مرزا صاحب ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ چند انگریزی خواں مرید ہو گئے اور ان کے دل میں مغربی ممالک میں تبلیغ اسلام کا خیال آ گیا۔ یہ غلط ہے مغرب میں تبلیغ اسلام کی بنیاد حضرت مرزا صاحب نے اپنے ہاتھ سے رکھی۔ اور وہ اپنے دعوٰی کے ساتھ اس کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یہ دعوٰی اور بنیاد لازم وملزوم طور پر نظر آتے ہیں۔ آپ نے یہ نہیں کیا کہ یاجوج ماجوج کے ساتھ دجال اور مغرب سے طلوع آفتاب کی حقیقت بیان کر دی اور پھر خاموش ہو گئے۔

یہ کام آپ شروع کر دیتے ہیں: اس پر آپ اکتفاء نہیں کرتے کہ دجال اور یاجوج ماجوج کا پتہ بتا دیں بلکہ دجال کی ہلاکت کا کام اور یاجوج ماجوج کو مسلمان کرنے کا کام بھی آپ شروع کر دیتے ہیں۔

''ہر ایک شخص جہاں تک خدا تعالیٰ نے وسعت وطاقت ومقدرت دی ہے اس راہ میں دریغ نہ کرے اور اللہ اور اللہ کے رسول سے اپنے اموال کو مقدم نہ سمجھے اور پھر میں جہاں تک میرے امکان میں ہے تالیفات کے ذریعہ سے ان علوم اور برکات کو ایشیاء اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدا تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دی ہیں...... بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ یورپ اور امریکہ نے اسلام پر اعتراضات کرنے کا ایک بڑا ذخیرہ پادریوں سے حاصل کیا ہے اور ان کا فلسفہ اور طبعی بھی ایک الگ ذخیرہ نکتہ چینی کا رکھتا ہے......ان اعتراضات کا کافی جواب دینے کے لئے کسی منتخب آدمی کی ضرورت ہے جو ایک دریا معرفت کا اپنے صدر منشرح میں رکھتا ہو......سو میری صلاح یہ ہے کہ بجائے ان واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان

ملکوں میں بھیجی جائیں اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جیسے مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے''

اس کام کے لئے آپ کو آدمی مل جاتے ہیں: دیکھئے سب کچھ مکمل کر دیا پروگرام بتا دیا۔ دشمن کا پتہ بتا دیا۔ یاجوج ماجوج اصل دشمن ہیں یہ بھی بتا دیا۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ ان لوگوں کے اندر اسلام پھیلانا ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ اسلام پھیلانے کا ذریعہ کیا ہوگا۔ آپ خود اس کی بنیاد رکھ دی۔ ایک چنگاری انہوں نے ڈال دی خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے اپنے کاروبار کو چھوڑ کر اس طرف رخ کیا کہ بظاہر اس میں کامیابی کا کوئی سامان نہ تھا۔ یہ حضرت صاحب کی روح تھی جو خواجہ صاحب کے اندر کام کر رہی تھی۔ خدا تعالیٰ کی مصلحت اسی طرح پر ہے۔ ایک انسان ختم ہو جاتا ہے اور اس کی روح دوسرے لوگوں کے اندر کام کرتی رہتی ہے۔ دیکھئے یہ انسان کے اختیار کی بات نہیں۔ آپ نے دجال یاجوج ماجوج اور مغرب سے طلوع آفتاب کے متعلق ساری باتیں بیان کر دیں۔ لیکن یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ اس کام کے لئے آپ کو آدمی بھی مل جائیں۔ اور پھر اس قوم سے مل جائیں جو آپ کو دجال قرار دیتی تھی۔ گالیاں دیتی تھی۔

میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا: میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے مہینہ دو مہینے چار مہینے گزر گئے، آخر ایک دن فرمانے لگے کہ ہمارا ارادہ ہے کہ انگریزی میں ایک رسالہ نکالیں۔ میں ایک معمولی طالب علم ایم۔اے پاس تھا۔ اور کالج کے زمانہ میں تحریر اور تقریر کی طرف کوئی خاص رجحان بھی نہیں تھا۔ لیکن نظر انتخاب مجھ پر پڑ گئی۔ خدا جانے اس نظر کے اندر کیا قوت تھی کہ خدا تعالیٰ نے یہ کام مجھ سے لیا۔

خواجہ کمال الدین صاحب بے نظیر انسان ہیں: خواجہ کمال الدین صاحب پر نظر پڑ گئی۔ جو کام خواجہ صاحب نے کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جو لوگ حضرت مرزا صاحب کی عظمت کو تسلیم نہیں کرتے میں

ان سے کہتا ہوں کہ خواجہ صاحب جیسا کوئی آدمی مجھے بتاؤ۔ جب وہ تبلیغ اسلام کے عزم سے انگلستان گئے تو یہاں کے لوگ بھی اور وہاں کے لوگ بھی کہتے تھے کہ یہ پاگل ہے۔ یورپ کو مسلمان کرنا یہ ایک دیوانہ پن ہے۔ لیکن وہ اپنے کام میں لگ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ان ناسازگار حالات میں وہ کامیابی عطا فرماتا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

یورپ کے نومسلمین: میرے ہاتھ میں یہ کتاب ہے۔ Charms of Islam۔ اس میں یورپ کے نومسلموں کے حالات دیئے ہیں اور نام لکھے ہیں جن کے فوٹو موجود ہیں اور جن کے اپنے قلم سے وہ وجوہ موجود ہیں کہ وہ کیوں مسلمان ہوئے ہیں۔ ان سب کو یہاں نہیں پڑھ سکتا۔ میں سمجھتا ہوں بڑا زبردست ایمان تھا حضرت مرزا صاحب کا۔ بظاہر کوئی سامان نہیں جس کی وجہ سے دل میں خیال پیدا ہو کہ یورپ میں اسلام پھیلائیں گے۔ وہ یورپ جو ایشیاء پر حکومت کر رہا ہے، اس میں اسلام پھیلانے نکلے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرا اصل مقصد مغربی اقوام میں اسلام پھیلانا ہے۔

یورپ کے مفکرین کی شہادتیں: آج یہ شہادتیں دنیا کے سامنے آتی ہیں کہ یورپ کے لوگ خود اسلام کے متعلق کیا سمجھتے تھے۔ اور آج برنرڈ شا بھی اپنی کتاب Getting Married میں 1929ء میں لکھتا ہے:

"The whole of the British Empire will adopt a reformed
Mohammadian before the end of the Century"

یہ حضرت مرزا صاحب کی وفات سے اکیس سال بعد کی تحریر ہے۔ مگر حضرت مرزا صاحب کو 1891ء میں یہ نظر آ گیا تھا کہ یورپ اسلام کو قبول کرے گا۔

تالیفات بھی ان ممالک میں پہنچ گئیں: یہ شخص صرف ایک ایمان کی بنیاد پر اس کام کو شروع کرتا ہے اور اس کے شاگرد بھی صرف ایک ایمان کی بنیاد پر اس کو شروع کرتے ہیں۔ اور اس کے نتائج دیکھ لیجئے کہ نومسلمین کس طرح آپ کو یورپ کے ملکوں میں نظر آتے ہیں۔ اور دوسری طرف جو آپ کا ارادہ تھا کہ کچھ تالیفات کر کے ان ممالک میں بھیجی جائیں وہ کس طرح ہو گئیں اور ان ممالک میں پہنچ گئیں جن کو دیکھ کر ان لوگوں کی گردنیں اسلام کے سامنے جھک گئیں۔ جب پہلے یہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز نکلا ہے تو

اس کے چند پرچے میں نے کونٹ ٹالسٹائی کو بھیجے تو اس نے مجھے لکھا یہ باتیں بالکل نئی ہیں اور ان میں موجودہ مشکلات کا حل ہے۔ اور جن مضامین کے متعلق اس نے یہ لکھا وہ حضرت مسیح موعود کی تحریرات کا ترجمہ تھا۔

موجودہ جنگوں کی بھی آپ نے خبر دی: حضرت مسیح موعود نے جتنی باتیں بتائیں وہ درست نکلیں چنانچہ موجودہ جنگوں کے متعلق بھی آپ نے خبر دی ہے یہ آپ کی کتاب ''حقیقۃ الوحی'' ہے اس میں آپ نے زلزلہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن ''براہین احمدیہ'' حصہ پنجم میں آپ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس سے مراد کسی قسم کی تباہی ہے وہ ایسی تباہی ہے جو دنیا میں کبھی نہ آئی ہو گی۔ آپ ساری دنیا کی تاریخ کو لے لیجئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ جنگ جیسی تباہی دنیا میں کبھی نہیں آئی۔ آپ فرماتے ہیں:

> ''یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے...... بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہوں گے اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔ اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہوں گے اور زمین پر اس قدر تباہی آئے گی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی اور اکثر مقامات زیروزبر ہو جائیں گے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین و آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہوں گی۔ یہاں تک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائیں گی اور ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں کے کسی حصہ میں ان کا پتہ نہیں ملے گا۔ تب انسانوں میں اضطراب پیدا ہوگا کہ یہ کیا ہونے والا ہے اور بہتیرے نجات پائیں گے اور بہتیرے ہلا ہو جائیں گے''

پھر اس کے آگے لکھتے ہیں:

> ''اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیاء تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس

کی آنکھوں کے سامنے۔ مگر وہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا۔ مگر وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا جس کے کان سننے کے ہوں، سنے کہ وہ وقت دور نہیں‘‘

ان سب باتوں کو آپ نے تبلیغ اسلام کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ اتنا تو صاف نظر آ گیا کہ یہ تمام باتیں آپ نے یورپ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھنے کے لئے فرمائی تھیں۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا بمبئی میں استقبال: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خدا تعالیٰ کے فضل سے خیریت کے ساتھ آج بروز بدھ مورخہ 24 جنوری 1945ء کو سوا گیارہ بجے فرنٹیئر میل سے بمبئی تشریف فرما ہوئے۔ اسٹیشن پر گورنمنٹ آفیسرز، تجار اور دیگر احباب کثیر تعداد میں پھولوں کے ہار اور گلدستے لے کر بمبئی سینٹرل اسٹیشن پر موجود تھے۔

حضرت امیر ایدہ اللہ کے گلے میں کثیر تعداد میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔ حضور نے ہر ایک سے ملاقات فرمائی۔ اور پھر بمعہ چوہدری فضل حق صاحب کے جناب فاروقی صاحب کلکٹر بمبئی کے ہاں مالا بار ہل پر تشریف لے گئے۔ جناب فاروقی صاحب کے مکان تک خان صاحب جناب عبدالعزیز خان صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس اور جناب حبیب الرحمٰن صاحب صادق بھی تشریف لے گئے۔ جیسا کہ پروگرام ہے۔ حضور بمبئی کے قیام میں از حد مصروف رہیں گے۔

جناب سر رحمت اللہ چنائی کی طرف سے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے اعزاز میں چائے کی دعوت: (31 جنوری 1945ء) بمبئی کے ایک تازہ مکتوب سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے اعزاز میں سر رحمت اللہ چنائی نے ٹی پارٹی دی۔ جس میں پچاس کے قریب بمبئی کے معززین شامل تھے اس پارٹی میں سر فضل بھائی کریم بھائی بھی شامل تھے۔ جو ابھی ولایت سے واپس آئے ہیں۔ اور مسٹر انعام رحیم کمشنر برار صوبجات متوسط بھی موجود تھے جو بمبئی کسی کانفرنس میں شمولیت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اس پارٹی میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ لاہور کے کام اور اس کے اعتقادات کے متعلق ایک گھنٹہ تک تقریر فرمائی۔ جس کا اثر سامعین پر بہت اچھا ہوا۔ حضرت ممدوح کی تقریر کے بعد سر فضل بھائی کریم بھائی اور مسٹر انعام رحیم صاحب نے بڑی پرزور تائید کی اور سر فضل بھائی کریم بھائی نے فرمایا کہ ولایت میں جو حالت میں دیکھ کر آیا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو خدا کی تلاش

ہے۔انہوں نے سنایا کہ میرے پاس دو قرآن شریف کے انگریزی ترجمے تھے۔جن میں سے ایک میں نے ایک سکاچ کو دیا جسے پڑھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔اور یہ بھی بتایا کہ مسجدوں میں انگریز نو مسلم بھی آتے ہیں اور اسلام کے لئے ایک خاص فضاء نظر آتی ہے۔

بمبئی میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی مصروفیات: (7 فروری 1945ء)

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے 24 جنوری کو جماعت کے چند احباب سے مقامی حالات کے متعلق گفتگو فرمائی۔25 کو قرآن شریف کا درس بعد نماز مغرب بیان فرمایا۔جس میں جماعت کے احباب کے علاوہ دیگر احباب بھی موجود تھے۔26 کو نماز جمعہ پڑھائی اور ایمان باللہ، اعمال صالح، اتفاق اور اتحاد اور اشاعت اسلام کے لئے قربانی کے متعلق بصیرت افروز خطبہ ارشاد فرمایا۔جمعہ کی نماز کے بعد ایک صاحب محمد یونس صاحب نے بیعت کی۔اسی دن ساڑھے پانچ بجے اسلام کلب میں انریبل سر رحمت اللہ چنائی نے حضرت امیر کے اعزاز میں ٹی پارٹی دی جس میں بمبئی کے سر برآوردہ اصحاب کو مدعو کیا گیا۔اس پارٹی کی مختصر روئیداد گذشتہ پرچہ میں شائع ہو چکی ہے۔

28 کو حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے پنجابی مسلمانوں کے ایک وفد نے ملاقات کی۔اور اسی دن جناب سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب اور ان کے صاحبزادے آدم اسمٰعیل صاحب نے بھی دو گھنٹہ تک ملاقات کی۔29 کو مغرب کی نماز کے بعد حضرت امیر نے قرآن شریف کا پر از معارف درس بیان فرمایا۔جس میں اپنی جماعت کے علاوہ قادیانی اور غیر احمدی احباب بھی موجود تھے۔ساڑھے نو بجے جناب سیٹھ منشی فضل حسین صاحب نے کھانے کی دعوت دی۔جس میں حضرت امیر جناب فاروقی صاحب، جناب عبدالعزیز خاں صاحب پولیس افسر اور بہت سے تاجر اور گورنمنٹ آفیسر اور حبیب الرحمان صاحب صادق موجود تھے۔

بمبئی میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی مصروفیت: (21 فروری 1945ء) مورخہ 6 فروری کو شیخ نذیر احمد صاحب تاج کمپنی بمبئی نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے اعزاز میں دعوت طعام دی۔جس میں ہر طبقہ کے اصحاب موجود تھے۔کھانے کے بعد شیخ صاحب موصوف نے ایک تحریک میں خود بھی کثیر رقم دی اور ان کی تحریک پر دیگر احباب نے بھی حصہ لیا۔بہت بڑی رقم جمع ہوئی۔اللہ تعالیٰ شیخ نذیر احمد صاحب اور

اس تحریک میں حصہ لینے والوں کو جزائے خیر دے۔

مورخہ 8 فروری چھ بجے بمبئی کے مشہور کلب (ریڈیو کلب) میں حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے اعزاز میں جناب جلال الدین صاحب قریشی اسسٹنٹ کنٹرولر آف سپلائی نے ٹی پارٹی دی۔ جس میں آنریبل سر رحمت اللہ چنائی، مسٹر لیٹین نوری بیرسٹر سابق مسٹر بمبئی۔ سپلائی ڈیپارٹمنٹ کے آفیسرز، انڈسٹریز اینڈ سول سپلائی کے آفیسرز، کنٹرولر جنرل آف سول سپلائی کے آفیسرز۔ خان بہادر محمد طاہر صاحب آنریری مجسٹریٹ، جے۔ پی، خان صاحب عبدالعزیز خان صاحب۔ ڈی۔ ایس۔ پی جناب سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب اوران کے صاحبزادہ آدم اسماعیل صاحب دیگر مشہور تجار اور جناب نصیر احمد صاحب فاروقی۔ آئی۔ سی ایس او۔ بی۔ ای۔ کلکٹر بمبئی موجود تھے۔

چائے کے بعد میزبان کی درخواست پر حضرت امیر نے قرآن شریف کی صداقت، مسلمانوں کی قرآن سے بے توجہی، روزانہ قرآن شریف تلاوت کرنے کی نصیحت، اشاعت قرآن اور انجمن کے مقاصد اور کام کے متعلق ایک مفصل اور جامع تقریر فرمائی۔ حضور کے بعد جناب جلال الدین قریشی صاحب نے حضور کی تصنیفات اور خصوصاً انگریزی تفسیر کے متعلق بہت ہی بلند خیالات کا اظہار فرمایا۔ صاحب موصوف کئی بار حضور کے درس قرآن میں تشریف لا چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں حضرت مولانا کو اس قدر بلند پایہ بزرگ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ میں سے کسی بزرگ کو مسلمانوں کی ہدایت اور اشاعت قرآن کے لئے دوبارہ بھیج دیا ہے۔ پونے آٹھ بجے یہ مجلس ختم ہوئی۔ اسی وقت حضور نے نماز مغرب کے بعد قرآن شریف کا درس بیان فرمایا جس میں بہت سے اصحاب موجود تھے۔

بمبئی میں قادیانیوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کی وجہ سے اردو پریس میں کافی سے زیادہ مخالفت ہو رہی ہے۔ لیکن ساتھ ہی حضرت امیر کے مضامین بھی ہر ایک اخبار میں شائع ہو رہے ہیں۔ جو بہتوں کی ہدایت کا باعث ہوں گے۔

گورنمنٹ کالج بمبئی میں تقریر: مورخہ 15 فروری کو ایک بجے سے دو بجے تک حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے ''مغرب سے طلوع اسلام'' پر مجلس ادب کی درخواست پر اسماعیل یوسف گورنمنٹ کالج بمبئی

میں تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد سوال و جواب ہوئے۔ بعد میں جناب ڈاکٹر بذل الرحمٰن صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ پرنسپل کالج ہذا کے ہاں کھانے کی دعوت تھی۔ وہاں تشریف لے گئے۔

چھ بجے حبیب الرحمٰن صاحب صادق کی درخواست پر تاج محل ہوٹل میں ٹی پارٹی پر تشریف لے گئے۔ جناب فاروقی صاحب کلکٹر اور چوہدری فضل حق صاحب بھی موجود تھے۔ جناب جلیل صاحب اسسٹنٹ ڈائریکٹر جنرل آف سول سپلائی گورنمنٹ آف انڈیا کے ساتھ تراجم قرآن شریف اور یورپ میں اشاعت اسلام کے مرکز قائم کرنے کے متعلق گفتگو فرمائی۔

مغرب کی نماز کے بعد قرآن شریف کا درس بیان فرمایا۔ درس میں احمدی اور غیر احمدی اصحاب موجود تھے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بمبئی سے غالباً 20 فروری کو دہلی کے لئے روانہ ہوں گے۔ جناب میاں غلام عباس صاحب او۔ بی۔ ای۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ فینشیل اڈوئیزر ملٹری فائیننس گورنمنٹ آف انڈیا چند دن کے لئے بمبئی تشریف لائے ہیں۔ جناب فاروق صاحب کے ہاں قیام فرماتا ہے۔

11 اپریل 1945ء

ایک لاکھ روپیہ نقد کی ضرورت

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ جو سامان اپنے دین کی نصرت کے جماعت احمدیہ لاہور کے لئے پیدا کر رہا ہے ان کے سامنے انسان کا سر بے اختیار جھک جاتا ہے۔ جماعت پر وہ زمانہ سخت مشکلات کا زمانہ تھا جب اس کے سامنے انگریزی ترجمہ قرآن کی طبع کا کام تھا۔ جس کے خرچ کا اندازہ پچاس ہزار تھا۔ مگر جماعت اپنی قلت اور ابتدائی حالت کی وجہ سے اس قدر کمزوری تھی کہ اس کے لئے پانچ ہزار کا انتظام کرنا بھی مشکل نظر آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ روپے کے نہ ہونے کی وجہ سے ایک دن بھی یہ کام نہ رکا اور ایک سال کے اندر اندر یہ ترجمہ انگلستان میں طبع ہو کر ہندوستان پہنچ گیا۔ اور اس قدر ظاہری خوبصورتی کے ساتھ چھپا کہ اس کا مقابلہ آج تک کوئی دوسرا ترجمہ اس لحاظ سے بھی نہیں کر سکا۔ حالانکہ قادیان جیسی کثیر، مالدار، قربانیاں کرنے والی جماعت کے انگریزی ترجمہ کا کام سالہا سال روپے کے نہ ہونے کی وجہ سے رکتا چلا آیا ہے۔ پھر 1928ء سے لے کر 1942ء تک ایک اور ایسا مشکلات کا زمانہ انجمن پر آیا کہ قرضے لے کر کام چلایا جاتا تھا۔ اور ایک لاکھ سے اوپر انجمن کے ذمہ قرضہ ہو گیا۔ مگر انہی ایام میں دو ترجمے قرآن کریم کے ہی انجمن کے ذریعے سے اور طبع ہو گئے۔ اور یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے سامان ہوا کہ 1935ء میں ڈچ ترجمہ قرآن طبع ہو گیا اور 1939ء میں جرمن ترجمہ قرآن ہو گیا۔

اس کے بعد 1943ء میں تراجم قرآن فنڈ کی بنیاد رکھی گئی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اس قدر کامیاب کیا کہ چار ترجموں کا کام شروع ہے۔ اور ایک سال کے اندر اندر چھ اور ترجموں کا کام شروع ہو جائے گا اور اس طرح تین چار سال کے عرصہ میں مزید دس ترجمے قرآن شریف کے ہو جائیں گے۔ ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے اس قدر سامان کا پیدا ہو جانا نصرت الٰہی کا ایک ایسا زبردست نظارہ ہے کہ جس کی مثال دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ پھر قرآن کریم کے تراجم کا یہ کام ایک ایسی مستقل بنیاد پر شروع ہوا ہے کہ خدا نے چاہا تو اب یہ برابر ہوتا چلا جائے گا اور جب تین چار سال بعد پہلے دس ترجمے شائع ہو

جائیں گے اور دس ہاتھ میں لے لئے جائیں گے اور پھر یہ کام انجمن کے دوسرے کاموں میں رکاوٹ کا موجب نہیں ہوا۔ بلکہ تراجم کے اس عظیم الشان کام کے ساتھ ہی اگلے سال یعنی 1944ء میں دس مزید تبلیغی مرکز اس جماعت نے قائم کرنے کا تہیہ کرلیا اور اس کے لئے دو سال میں دس لاکھ روپیہ جمع کرنے کی تجویز بڑی کامیابی کے ساتھ عمل میں آرہی ہے۔ جس کی غرض یہ تھی کہ پانچ سال تک ہم بے فکری کے ساتھ یہ کام کرتے چلے جائیں۔ مگر یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ہاتھ نے ایک ایسا نظارہ دکھایا ہے کہ اس کے لئے جس قدر سجدات شکر کئے جائیں کم ہیں۔ یعنی ایک ایسی صورت سامنے آگئی ہے کہ اس وقت صرف تین لاکھ روپیہ صرف کر کے انشاءاللہ چار پانچ سال کے اندر اندر دس مشنوں کے مستقل طور پر چلنے کا سامان ہو جائے گا۔ یعنی فی مشن پندرہ یا بیس ہزار روپیہ سالانہ خرچ کے لئے ڈیڑھ دو لاکھ کی سالانہ کی آمد پیدا ہو جائے گی فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اسی غرض کی تکمیل کے لئے میں یہ ایک لاکھ روپے کی اپیل کر رہا ہوں۔ اس وقت دو لاکھ روپیہ انجمن کے خزانہ میں موجود ہے۔ جس کو اس تجویز کی تکمیل کے لئے دوسرے مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اور ایک لاکھ کی مزید ضرورت اس اپریل کے اندر اندر ہے۔ اس کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ وصایا کی تجویز کے سلسلہ میں اپنے دوستوں سے ایک اپیل کروں۔ کیا بعید ہے کہ جس طرح وہ سب کام محض اپنے فضل سے کر رہا ہے۔ یہ تجویز بھی تکمیل کو پہنچ جائے۔ میں نے سالانہ جلسہ پر احباب سے یہ اپیل کی تھی کہ وہ نہ صرف وصیتیں کریں بلکہ ان وصایا کی رقوم کو اپنی زندگی میں ہی ادا کرنے کی بھی کوشش کریں۔ اور اس طرح دو سال میں پانچ لاکھ روپیہ پورا کر دیں۔ اس پانچ لاکھ میں سے ایک لاکھ کی اب فوری ضرورت پیش آگئی ہے۔ اس لئے جہاں باقی چار لاکھ آہستہ آہستہ دو سال میں جمع ہو جائے یا اس کی جگہ جائدادیں انجمن کے ہاتھ میں آجائیں ہر وصیت کرنے والا اپنی وصیت کی رقم کا پانچواں حصہ جس طرح بھی ہو نقد ادا کرے۔ خواہ یہ کام اسے قرض لے کر ہی کرنا پڑے۔ یہ کم سے کم مطالبہ ہے اگر کسی کے پاس سامان ہیں تو وہ سارا بھی ادا کرنے سے دریغ نہ کرے۔ مگر پانچواں حصہ آخر اپریل سے پہلے پہلے ضرور خزانہ انجمن میں داخل ہو جائے۔ اس کے لئے میں اب انجمن کو قرضہ کے بوجھ کے نیچے نہیں لانا چاہتا۔ ہاں ضرورت ہو تو افراد

اپنی اپنی جگہ قرضہ لے لیں اور بہتیرے ایسے ہوں گے کہ وہ بغیر قرضہ لئے بھی اس مطالبہ کو پورا کر سکتے ہیں۔ میں اس وقت وہی قرض مانگتا ہوں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے خود ہی توجہ دلائی ہے۔ مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ (11:57) لوگ جائیدادیں بنانے کے لئے بھی قرضے لے لیتے ہیں۔ شادیوں اور بیاہوں میں اسراف کے لئے بھی قرضے لے لیتے ہیں۔ مقدموں کے لئے بھی قرضے لے لیتے ہیں۔ کسی اور مصیبت کے آنے پر بھی قرضے لے لیتے ہیں۔ اگر بغیر قرضہ آپ اس پانچویں حصہ کے مطالبہ کو پورا نہیں کر سکتے تو قرضہ لے کر پورا کریں۔ اس سے نہ صرف آپ کی جائیداد آخرت میں بن جائے گی بلکہ اس دنیا میں بھی آپ کی جماعت کی وہ جائداد بنے گی کہ آنے والی نسلیں اس کام کے کرنے والوں پر رحمتیں بھیجتی رہیں گی۔

پھر تاکیداً تمام احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ جس وقت یہ اپیل ان کے ہاتھوں میں پہنچے گی اپریل کے قریباً پندرہ سولہ دن باقی رہ گئے ہوں گے۔ اس لئے یاددہانی کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ اس اپیل کو پڑھتے ہی پہلی فکر یہ کریں کہ اپنی وصیت کا کم سے کم پانچواں حصہ نقد فوراً انجمن میں بھیج دیں۔ چونکہ بعض احباب واقعی معذور ہوں گے اس لئے میری یہ درخواست ہے کہ جو دوست پانچویں حصہ سے زیادہ دینے کی توفیق پاتے ہیں، تہائی نصف یا سارا وہ زیادہ دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اس وقت جماعت کی صرف ایک لاکھ کی قربانی سے دس مشنوں کے خرچ کا مستقل انتظام ہوتا ہے جو کہ ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ ہے۔ اگر امراء توجہ فرمائیں تو دو تین آدمی ہی یہ رقم پوری کر سکتے ہیں۔ مگر توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جماعت کے سامنے یہ ایک زرین موقعہ ہے۔ اے خدا تو اس جماعت کے سینوں کو کھول دے۔ ایسے احباب کے نام میں اس غرض کے لئے شائع کر دوں گا کہ ان کے لئے دعا کرنے میں وہ سب احباب شامل ہو جائیں جو خدا کے دین کی نصرت کے لئے راتوں کو روتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ

خاکسار محمد علی۔ امیر جماعت احمدیہ لاہور۔ 8 اپریل 1945ء

❁❁❁

9 مئی 1945ء

ایک لاکھ روپے نقد کی تحریک آخر مئی تک

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

میں احباب جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وصایا کے سلسلہ میں جس غرض کے لئے میں نے اپریل کے آخر تک ایک لاکھ روپیہ نقد جمع کرنے کی تحری کی تھی اس میں خدا کے فضل سے ایک ماہ کی مہلت مل گئی ہے۔ اور اب آخر اپریل کی بجائے آخر مئی تک اس رقم کی وصول ہونا ضروری ہے۔

مجھے اس بات سے خوشی ہے کہ اس تحریک میں حصہ لینے والوں نے خدمت دین کے لئے ان قربانیوں کا نمونہ دکھایا ہے جو آج اس زمانہ میں، جس میں مال کی محبت کی زہریلی ہوا اچھے اچھے لوگوں کے دلوں پر بھی اثر کر گئی ہے، صحابہؓ کے زمانہ کو یاد دلاتی ہیں۔ ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنی وصیتوں کا سارا روپیہ ادا کر دیا ہے۔ ایسے بھی ہیں جنہوں نے پانچواں حصہ نقد ادا کر دیا ہے۔ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنا سارا اندوختہ دے دیا ہے۔ ایسے بھی ہیں جنہوں نے قرض لے کر خدا تعالیٰ کی راہ میں دیا ہے۔ عراق کے اس فدائی (سید تصدق حسین صاحب) کی طرف سے جو اس نیک تحریک میں سبقت لے جانے کے لئے مضطرب رہتا ہے ابھی یہ خوشخبری ملی ہے کہ دس ہزار روپے سے اوپر رقم کا اس جماعت نے انتظام کر لیا ہے۔ میرے دل سے ان احباب اور خواتین کے لئے دعائیں نکلتی ہیں کہ جس طرح فراخ دلی سے انہوں نے اپنے اموال کو خدا کی راہ میں قربان کر دیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کی وسیع بارش ان پر نازل فرمائے اور ان کے اموال میں بھی برکت دے۔ اور ان کے دلوں میں بھی اپنی محبت اور زیادہ کرے۔

فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے انعامات اسی وقت نازل ہوتے ہیں جب انسان اپنی طرف سے سب کچھ اپنے مولا کی رضا کے لئے اس کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اور امام وقت کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کی یہی حالت ہونی چاہئیے۔

اس کے ساتھ ہی ان احباب سے، جنہوں نے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی اور یہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، میری یہ گذارش ہے کہ جماعت کے استحکام کی

ایک زبردست بنیاد اس وقت رکھی جا رہی ہے۔ اور میرا دل چاہتا ہے کہ سب کے سب احباب اس میں شامل ہوں اور کوئی دوست بھی، جسے اللہ تعالیٰ نے مال سے حصہ دیا ہے، اس سے باہر نہ رہے۔ اب یہ بھی اللہ تعالیٰ نے ایک موقعہ پیدا کر دیا ہے کہ ہماری وہ ضرورت خود ایک ماہ پیچھے ہو گئی۔ اس لئے میں نے اس میں حصہ لینے والوں کی فہرست کے شائع کرنے کو بھی ایک ماہ کے لئے ملتوی کر دیا ہے۔ اور آخر مئی تک اس میں شمولیت کے لئے اب کافی وقت ہے۔ اس اخبار کو پڑھتے ہی ہر ایک دوست یہ فکر کرے کہ وہ اپنا حصہ اس میں بھیج دے۔ بہت سے دوست ہیں کہ یہ مال ان کے گھروں میں بیکار پڑا ہے۔ وہ اگر اس وقت اس نیک تحریک میں شامل ہو جائیں تو وہ مال انشاء اللہ ان کے لئے بھی اور خدا کے دین کے لئے بھی بڑی برکت کا موجب ہوگا۔ مجھے یہ امید ہے کہ اگر ہم نے روپیہ مئی کے اندر اندر ادا کر دیا تو اس میں بیس پچیس ہزار روپے کا جماعت کو فائدہ پہنچے گا۔ اس لئے یہ ایک لاکھ روپیہ 20، 25 مئی تک پورا ہو جانا چاہئے۔

اے خدا تو جو حقیقی بادشاہ ہے انسانوں کے دلوں پر بھی تیرا تصرف ہے۔ تو ہی اس جماعت کے مخلصین کے دلوں کو اس طرف پھیر دے کہ وہ اس ضرورت کے وقت اپنے اموال کو تیری راہ میں پیش کر کے تیری رضا کو حاصل کر لیں۔ اور مال کی محبت کی ناپاکی ان کے دلوں سے دھل کر وہ تیری محبت کے انوار کا محل بن جائیں۔ خاکسار محمد علی

ایک نہایت ضروری اعلان: (11 اپریل 1945ء) جن احباب کے دل میں یہ تڑپ ہو کہ وہ کلیۃً اپنے آپ کو خدمت دین کے کام میں لگا دیں خواہ فوراً انہیں ایسا کرنے میں کچھ رکاوٹ بھی نظر آتی ہو وہ اپنے ناموں سے مجھے اطلاع دیں میں ایسے احباب کی ایک فہرست اپنے پاس صرف اس غرض کے لئے رکھوں گا کہ ان کے لئے جب اللہ تعالیٰ موقعہ دے دعا کرتا رہوں کہ ان کے راستے سے رکاوٹیں دور ہوں اور ان کے اندر اس کام کے لئے صلاحیت پیدا کر دے۔ محمد علی

17 مئی 1945ء

ایک سوال ایک جواب

جن کی جائیداد کوئی نہیں

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ میری جائیداد کوئی نہیں۔ مگر میرے دل میں یہ تڑپ ہے کہ اس تحریک میں میں بھی حصہ لوں۔

وصیت کے جس قدر اموال آتے ہیں ہماری انجمن کا ان کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ انہیں کسی جائیداد پر لگا کر صرف ان کی آمدنی اشاعت اسلام کے لئے خرچ کی جائے۔ اور اصل وصیت کردہ مال محفوظ رہے۔ اس طرح ہر وصیت کا مال ایک صدقہ جاریہ کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے جن کے پاس جائیداد کوئی نہیں ایک صورت، جو حضرت مسیح موعود کے زمانہ سے چلی آتی ہے، یہ ہے کہ ایسے اصحاب اپنی آمدنی کا دسواں حصہ دیتے رہیں۔ اس طرح ان کے چندہ میں سے سوا چھ روپے سینکڑہ معمولی چندہ میں آجائے گا۔ اور پونے چار روپے سینکڑہ اس خاص غرض کے لئے مخصوص ہو جائے گا۔

چونکہ انجمن نے مزید دس مشنوں کے قیام کے مدنظر ایک علیحدہ صیغہ بنام فارن مشن فنڈ یا تبلیغ بلاد غیر کھول دیا ہے، اس لئے جہاں ایک طرف اس صیغہ کے اخراجات کا ایک حصہ مستقل جائدادوں کی آمدنی سے ہوگا دوسرا حصہ اس کا ماہوار چندوں اور عطیہ جات سے پورا ہوتا رہے گا۔ اس لئے ایسے اصحاب، جن کے پاس جائداد نہیں، جس کی وہ وصیت کر سکیں، اصل غرض کو اس طرح بھی پورا کر سکتے ہیں کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ اس فنڈ میں بطور چندہ ماہوار دیتے رہیں۔ ہاں مال وصیت کو یہ فضیلت ضرور حاصل ہے کہ وہ صدقہ جاریہ کا کام ہوگا۔ اور ایک شخص کی موت کے بعد بھی اس کی طرف سے تبلیغ دین کے لئے اس کا مال خرچ ہوتا رہے گا۔

محمد علی

9 مئی 1945ء

27 جون 1945ء

مکتوب حضرت امیر بنام مفتی محمد صادق صاحب

حضرت مولٰینا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کا مکتوب مورخہ 4 دسمبر 1899ء درج ذیل ہے۔ جو حضرت ممدوح نے مفتی محمد صادق صاحب کو رقم فرمایا اور انہیں لکھا کہ یہ خط پڑھ کر مولانا عزیز بخش صاحب کو بھجوا دیں۔ یہ مکتوب حضرت مسیح موعود کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ حضرت مولٰینا عزیز بخش صاحب نے اسے پیغام صلح میں شائع کرنے کے لئے عنایت فرمایا ہے جو قارئین پیغام صلح کے استفادہ کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ مدیر

برادرم مکرم مفتی محمد صادق۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آج ہی مکرمی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک خط مکرمی منشی تاج الدین صاحب کے نام لکھا تھا جو انہوں نے مجھے بھی سنایا۔ واقعی ایک عجیب خط ہے جس کو سن کر آپ بہت محظوظ ہوں گے۔ ان کو خدا تعالٰی نے ایک خاص قوت عطا فرمائی ہے۔ مگر میں نے خیال کیا کہ حضرت اقدس کے بعض کلمات کا خلاصہ، جو وقتاً فوقتاً میرے سننے میں آئے ہیں، میں بھی صادق بھائی کی خدمت میں لکھ چھوڑوں۔ آج شعبان کا چاند دیکھا گیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا اب اگلہ مہینہ رمضان المبارک کا ہے جو اپنے اندر بہت ساری برکتیں رکھتا ہے۔ اور ایک برکت اس کی یہ ہے۔ اس مہینہ میں شیاطین (کہتے ہیں) زنجیریں ڈال کر قید کر لئے جاتے ہیں جس سے مراد یہی ہے کہ گویا جرائم اور گناہ کم ہو جاتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل میں انسان کی ہر ایک قوت کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہوتا ہے۔ سو اس مبارک مہینہ میں کثرت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو روزے کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے گویا شیطان قید ہی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک شخص نے اہل کشف کا ایک قول سنایا۔ جس کا حضرت اقدس کو بھی صرف ایک اجمالی سا حال بتلایا گیا تھا۔ اس نے کہا کہ اخیر تک دنیا اس کے نوروں سے (یعنی حضرت اقدس کے نوروں سے) فائدہ اٹھائے گی۔ خصوصاً کابل (اصل فارسی میں تھا) اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ میرے میں اور حضرت مسیحؑ میں بارہ طرح مماثلت ہے۔ (نمبر 10 کی مماثلت سے معلوم ہوگا کہ اس بیان کا اس قول سے کیا تعلق ہے)

1۔ حضرت مسیحؑ قیصر کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور اسی طرح سے ہم قیصرہ کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔

2۔ مدت بعثت ملتی ہے۔ یعنی جیسے حضرت مسیحؑ موسٰیؑ سے بعد چودھویں صدی میں ہوئے اسی طرح سے ہمارا زمانہ ہمارے سید و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی میں ہے۔ یہ ایک مشابہت تامہ ہے۔

3۔ حضرت مسیحؑ نام کے شہزادہ تھے۔ یعنی حضرت داؤد کے خاندان سے ہونے کی وجہ سے ان کا نام شہزادہ تھا۔ مگر ان کی اپنی حالت نہایت غریبانہ تھی۔ اسی طرح سے ہمارا حال ہے کہ ایک وقت میں تو ایک ایسی ریاست ہمارے بزرگوں کے پاس تھی، جو پچاس میل سے بھی زیادہ طویل تھی اور اب حضرت مسیحؑ کی طرح صرف ایک نام کی ریاست ہے۔

4۔ حضرت مسیحؑ کی تعلیم میں حرب نہ تھی اور اسی طرح پر مسیح موعود بھی حدیث نبوی کے مطابق کوئی لڑائی نہیں لڑے گا۔ اور حدیث یضع الحرب میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

5۔ تعلیم کی مناسبت۔ تعلیم کے دو حصے ہیں۔ اول اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا کرنا اور کے ذکر سے ایک خاص لذت اٹھانا دوم۔ خلق اللہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی ہمدردی۔ دونوں قسم کی تعلیم ہماری اور حضرت مسیحؑ کی ملتی ہے۔

6۔ انجیل سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو بھی اپنوں نے کافر کہا اور وہی نام رکھے جو ہمارے رکھے جاتے ہیں۔

7۔ جس طرح سے حضرت مسیحؑ کو عدالتوں میں گھسیٹا گیا، اسی طرح سے ہمارے ساتھ بھی وقوع میں آیا۔

8۔ میرا ایک الہام ہے جو شائد شائع ہوا ہے یا نہیں۔ جس میں یہ ذکر ہے کہ تمہارے نشان حضرت مسیح موعود کے نشانوں سے ملتے ہیں۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جو لوگ تاریکی کے زمانہ میں روحانی طور پر مفلوج مجذوم اکمہ ابرص وغیرہ ہو گئے ہیں، ان کا معالجہ ہمارا کام ہے۔ اور یہی کام حضرت مسیحؑ کا تھا اور یہ ایک بڑا اعظیم الشان نشان ہے۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں جسمانی معالجات کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔

9۔ جیسے لوگ مسیحؑ کے قتل کے درپے تھے تو ان کو خدا تعالیٰ نے طبعی موت کا وعدہ دیا، ایسے ہی

یہاں الہام میں اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ دیااوراسی طرح ہمارے بھی قتل کے درپے تھے۔

10۔ مشابہت رَافِعُکَ اِلَیَّ میں ہے۔یوں تو ہرایک نیک بندے کا رفع ہوتا ہے لیکن خاص طور پر رفع کرنے سے مراد یہ ہے کہ مرفوع کے برکات ہمیشہ کے لئے محسوس طور پر رہ جائیں گے۔ یہاں تک کہ موت کے بعد لوگ یہی سمجھیں کہ یہ شخص مرانہیں۔گویا اس کے برکات اورانوارحیات میں بھی اور قبر میں بھی دنیا میں موجود ہیں۔یہ ایک ہمیشہ کی زندگی ہے۔

11۔جیسے حضرت مسیح سے وعدہ کیا جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (55:3)ایسا ہی وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہمارے ساتھ بھی ہے۔یعنی بغیراس کے کہ کسی قسم کی حرب ہوا خیر میں جولوگ ہمارے مقابل ہیں وہ ذلیل ہوجائیں گے۔

12۔صلیب کے ساتھ ایک خاص تعلق۔وہاں صلیب سے رہائی تو یہاں کسرِصلیب اَللّٰھُمَّ ایِّدْ عَبْدَکَ وَانْجِزْ وَعْدَکَ وَانزل جنودک وَاھْزِمِ الْاَحْزَابَ وَحْدَکَ فرمایا نشان جب نیا نیا واقع ہوتا ہے تو دوقسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ایک وہ جواس پر استہزاء کرتے ہیں۔دوسرے وہ جو دوچار دن جب نشان تازہ ہوتا ہے اس کا ذکر کرتے ہیں۔لیکن بعد میں اس کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔یا پھراس کو باسی بات سمجھا جاتا ہے۔فرمایا نشان تو ابھی بکثرت ظاہر ہوں گے لیکن یہ مجھ پر نہیں کھولا گیا کہ کون لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔یعنی ان نشانات کو دیکھ کر ایک سچی تبدیلی اپنے اندر پیدا کرلیں اور قدم آگے بڑھائیں۔اسی کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ اب ہمارا ارادہ ہے کہ اس کتاب کے بعد ایک کتاب خاص اپنی جماعت کے لئے تعلیم کے متعلق لکھیں کہ ان کو کون کون سے منازل سلوک طے کرنے چاہئیں۔یہ وہ ہدایتیں ہوں گی جن پر انہیں کاربند ہونا ہوگا۔اوراس میں ایک طرح پر قرآن کریم کے بہت سارے حصوں کی تفسیر آجائے گی۔

یہ آج شام کے وقت کی گفتگو ہے۔کل شام کو ایک سوال پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ نماز ساری تاکید ہی تاکید ہے۔یعنی ایک ہی بات کو بار بار عرض کرنا اور مختلف پیرایوں میں خدا تعالیٰ کے سامنے بیان کرنا۔چنانچہ فرمایا سب سے پہلے باری تعالیٰ کی حمد سے نماز شروع کی جاتی ہے اور نہ صرف قلب ولسان ہی اس وقت حمد میں لگے ہوئے ہوتے ہیں بلکہ انسان کے سارے جسم کی ہیت ہی اس

وقت ایسی ہوتی ہے کہ صرف اس کا اس طرح پر کھڑا ہونا حمد کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ حمد کے لئے دست بستہ قیام ہی سزاوار ہے۔ اس طرح پر گویا انسان اپنے قول کی فعل سے تائید کرتا ہے۔ پھر انسان حمد کے بعد خدا تعالیٰ کی عظمت بیان کرتا ہے۔ تو چونکہ عظمت کے پورا پورا بیان کرنے کے لئے انسان کو اسی ربِ عظیم کی اطاعت اختیار کرنی چاہئے اور اس کے آگے گردن جھکا دینی چاہیئے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کا بندہ **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم** کہتا ہوا اطاعت کی پوری پوری وضع اختیار کر کے اس مالک حقیقی کے آگے اپنی گردن جھکا دیتا ہے۔ اور اس طرح سے قال کی حال کے ساتھ تاکید کرتا ہے۔ اسی طرح **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی** کہتا ہوا فرمانبردار بندہ اس کے آگے گر پڑتا ہے۔ اور جیسا کہ کمالِ علو کے لئے لازم ہے کہ اس کے آگے تذلل اور انکساری بھی پوری طور کی اختیار کی جائے۔ سو وہی ہیّت انسان نماز میں اختیار کرتا اور خدا تعالیٰ کے آگے اپنا سر زمین پر رکھ کر حال سے اپنے قال کی تائید اور تاکید کرتا ہے۔ بات اس پر چھڑی تھی کہ **رَبَّنَالَکَ الْحَمْدَ حَمْدًا کَثِیْرًا طیّباً مبارکًا** میں جب الحمد کا لفظ خود ساری حمدوں کا جامع ہے۔ تو **حَمْدًا کَثِیْرًا** کہنے کی کیا حاجت تھی۔ علاوہ اس کے جواوپر بیان کر آیا ہوں، حضرت اقدس نے یہ بھی بیان فرمایا کہ **اَلحَمْد** میں اگرچہ ال استغراقیہ ہے۔ لیکن ہر کس و ناکس کی سمجھ اتنی دور کہاں پہنچ سکتی ہے۔ اور چونکہ نماز میں ہر ایک قسم کی طبیعت کو لذت اٹھانے کا موقعہ ملنا چاہیئے، اس لئے **حَمْدًا کَثِیْرًا** عام فہم رکھ دیا۔ علاوہ ازیں جس طرح نماز میں فرائض اور نوافل ہوتے ہیں اور نوافل فرائض کے متمم ہوتے ہیں تا جو نقص فرائض میں رہ جاتا ہے اس کو نوافل پورا کر سکیں، اسی طرح سے لفظ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ** کہتے وقت جو مدعا اس لفظ کا ذہن میں نہ آئے اس کا نفل **حَمْدًا کَثِیْرًا** سے پورا ہو جاتا ہے۔ گویا **اَلحَمْد** بطور فرض کے ہوا اور **حَمْدًا کَثِیْرًا** بطور نوافل کے۔

قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت 18 جولائی 1945ء

حضرت موسیٰؑ کے قول **رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ** (143:7) کے متعلق سوال پر فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں کوئی زجر و توبیخ نہیں فرمایا بلکہ جہاں تک ممکن تھا اس کے سوال کو بھی پورا کیا اور اپنے مکالمہ سے اور بھی شرف بخشا۔ یعنی ان کے اس سوال کے جواب میں اپنے مکالمہ سے ممتاز کیا اور گفتارِ الٰہی اور دیدارِ الٰہی درحقیقت دو ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔ یہ دو نہریں ہیں

جوایک ہی سرچشمہ سے نکلتی ہیں اور جہاں یہودیوں نے کہا نُؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً (55:2) تو وہاں ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ گویا ایک کلمہ جب ایک مونہہ سے نکلا تو اس کا نتیجہ کچھ اور ہوا جب ایک دوسرے کے مونہہ سے وہی الفاظ نکلے تو اس کا نتیجہ کچھ اور ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان دونوں سائلوں کی نیتوں سے خوب واقف تھا۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۔ یہودیوں کا سوال تو ان کی فطرت کے مطابق سراسر شرارت پر مبنی تھا کہ ہم تو ایمان ہی نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو صاف صاف نہ دیکھ لیں۔ اس لئے ان کو جواب وہی ملا جو چاہیئے تھا۔ اور حضرت موسیٰؑ کا سوال عرفان الٰہی کی بناء پر تھا۔ کیونکہ اگرچہ ایمان بالغیب پر بہت بڑا ثواب مترتب ہوتا ہے مگر جو شخص عرفان الٰہی سے بے بہرہ ہو اس کا ایمان بھی ناقص ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب انسان ایمان الٰہی میں ترقی کرتا ہے تو اس کا اور بھی جی چاہتا ہے کہ اس راہ میں قدم آگے بڑھائے۔ اسی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کا سوال تھا۔ اور جوں جوں انسان معرفت میں قدم آگے بڑھاتا اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف رجوع برحمت کرتا ہے۔ چنانچہ آگے جو حضرت موسیٰؑ کے الفاظ ہیں کہ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ (18:4) سے بھی یہی مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف اب میں اور بھی رجوع کرتا ہوں۔ یعنی اس کے اس انعام واکرام کے بعد میں اس کی معرفت میں اور بھی قدم آگے بڑھاتا ہوں۔
توبہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو معمولی انسان کی توبہ۔ جس میں بدی چھوڑ کر انسان نیکی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور دوسرے نبیوں کی توبہ جس میں خدا تعالیٰ کی طرف اور بھی زیادہ رجوع کر کے معرفت الٰہی میں اور ترقی ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی نسبت بھی تو فرماتا ہے فَتَابَ عَلَیْہِ (37:2)

فرمایا ''براہین'' میں میرا نام ابراہیم، آدم، نوح، یوسف، داؤد، سلیمان، عیسیٰ وغیرہ رکھا گیا۔ اوراس کے علاوہ اس جملہ میں کہ جری اللّٰہ فی حلل الانبیآء تمام نبیوں سے ایک قسم کی مشابہت بتائی گئی ہے۔ کیونکہ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ ایک ایک نبی کا نام لے کر کہا جاتا اور اس جملے کے معنے یہی ہیں کہ کوئی نبی ایسا نہیں جس کے خلقوں میں سے کوئی خلق اور جس کی سنتوں میں سے کوئی سنت مجھے نہ دی گئی۔ ہو ورنہ حلل سے یہاں سچ مچ کے حلے مراد نہ تھے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر سارے نبیوں سے مشابہت ہے تو پھر یوسف، نوح، ابراہیم وغیرہ کوئی نام خاص طور پر کیوں نہ رکھا گیا اور اس کا نام احمد

اور عیسٰی کیوں رکھا گیا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نام بلحاظ اکثر اور اغلب کے ہے۔یعنی اور انبیاءؑ کے اخلاق اور سنن میں سے تو تھوڑا تھوڑا حصہ ملے گا۔لیکن ان دو آخری نبیوں سے ایک مشابہت عظیم ہوگی۔ جن میں سے خاتم الانبیاء علیہ الف الف الصلوٰۃ والسلام خود جامع جمیع کمالات انبیاء ہیں۔اور وہ مشابہت جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یہ ہے کہ تعلیم کے متعلق تو مشابہت حضرت عیسٰیؑ سے ہے۔یعنی جس کی اخلاقی تعلیم اور جس طرح پر حضرت عیسٰیؑ کی تھی،ویسی ہی ہمارے نبیؐ کو تھی۔اور احمد نام رکھنے میں یہ حکمت تھی کہ بعض خصوصیتیں جو احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہیں،اس امام میں بھی پائی جائیں گی۔

یہ تین خصوصیتیں ہیں۔اول۔تحدی۔جس قسم کی تحدی قرآن کریم میں پائی جاتی ہے اس کا نمونہ اور کسی نبی کے کلام میں نہیں تھا دوم۔معارف اور حقائق الٰہی اور اسراء پر آگاہی۔جس بسط اور تکمیل کے ساتھ حقائق شریعت کو آنحضرتؐ نے بیان فرمایا ہے اور جو کمال آپ کو معارف اور حقائق پر حاصل ہے،اس کی کوئی برابری نہیں کرسکتا۔سوم۔مخالفوں پر فتح۔اس کی شاہد اَذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ. (1:110) ہے اور اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ (3:5) سو ان ہر سہ خصوصیات میں سے ظلّی طور پر ہم کو بھی حصہ دیا گیا ہے اور یہی وجہ احمد نام رکھا جانے کی ہے۔اسی کی طرف اس حدیث میں بھی اشارہ ہے۔ جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ وہ مہدی موعود آدھا بنی اسرائیلی ہوگا اور آدھا محمدی۔گویا اس کی مماثلت ان دو انبیاءؑ سے پورے طور پر ہوگی۔اب اس حدیث کی موجودگی میں حضرت عیسٰیؑ کے آسمان سے اترنے کی کوئی ضرورت بتائے۔جب خود مہدی میں آدھا حصہ بنی اسرائیلی موجود ہے تو ایک اور بنی اسرائیلی نبی کو جنت سے نکال کر اس دار الابتلاء میں لانے کی کیا ضرورت ہے۔غرض ان حصوں کی یہ فلسفی ہے۔مگر افسوس ہے کہ ہمارے مخالف لفظ پرستی کی طرف جاتے ہیں اور کوئی بھی لطیف استدلال نہیں کرتے۔

ایک دن سیر میں فرمایا کہ مجھے یہ بھی الہام ہوا ہے انما امرک اذا اردت شیئًا ان تقول لهٗ کن فیکون. یعنی جب تو کسی چیز کا ارادہ کرے تو وہ ہو جاتی ہے۔اور خدا تعالیٰ نے اپنی نسبت بھی یہی الفاظ فرماتے ہیں۔تو پھر ان میں کیا فرق ہوا۔فرمایا فرق یہ ہے کہ جب انسان کو یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے تو اس وقت اس کا اپنا ارادہ کوئی بھی نہیں ہوتا۔بلکہ جب تک ایک امر کے لئے خدا تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو تو اس کا ارادہ بھی نہیں ہوتا۔اسی بات پر ہوتے ہوتے اولیاء اللہ کے قرب الٰہی پر بات چل پڑی۔

فرمایا کہ نوافل فرائض کے متمم ہوتے ہیں اور نوافل سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فرائض سے مراد صرف نماز کے چند فرض ہیں۔ اور نوافل سے مراد نماز کی چند رکعتیں ہیں۔ بلکہ یہ الفاظ تمام احکام پر محیط ہیں۔ ہر ایک امر میں اللہ تعالیٰ کے دو طرح کے حکم ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو انسان کو ضرور کرنے چاہئیں اور ان کے بغیر نجات نہیں۔ اور دوسرے وہ جن کا اس کو اختیار دیا گیا ہے۔ مثلاً چالیسواں حصہ مال کا دینا تو فرض ہوا۔ لیکن آدمی کو چاہیئے کہ قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے اپنے مال سے اور بھی حصہ دے۔ اسی طرح سے مہمان کا اکرام لازمی ہے۔ لیکن اس کی اور بھی خاطر داری کرنی چاہیئے۔ غرض تمام قسم کے احکام میں ایک فرائض ہوتے ہیں اور ایک نوافل۔ جب آدمی ایک فرض بجالاتا ہے تو وہ ایک ایسا کام کرتا ہے۔ جس کا اس کو لازمی طور پر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جس کے نہ کرنے کی صورت میں وہ مستوجب سزا ہوتا ہے۔ اور کام کے کرنے میں وہ اپنے میں اور اپنے مولیٰ میں ایک قسم کا فرق کرتا ہے۔ مثلاً ایک شخص زکوٰۃ دیتا ہے تو جب وہ چالیسواں حصہ مال خدا کی راہ میں ادا کرتا ہے تو یہ تفریق عملی طور پر کرتا ہے کہ ایک حصہ تو خدا کا ہوا اور انتالیس حصے اس کے اپنے ہوئے۔ لیکن جب وہ اس سے آگے قدم رکھتا ہے اور اپنی ہستی کو کچھ بھی نہ سمجھ کر اس سارے مال کو خدا کا مال سمجھتا ہے اور خدا کی راہ میں دیتا اور دینے کو تیار ہوتا ہے تو اس ذوق کو، جو پہلے اپنے آپ میں اور اپنے مولیٰ میں کیا تھا، درمیان سے اُٹھا دیتا ہے۔ اور وہ سب کچھ خدا کا ہی سمجھتا ہے۔ اسی طرح پر انسان جوں جوں نوافل میں ترقی کرتا ہے اپنے اور اپنے مولیٰ کے درمیانی فرق کو دور کرتا جاتا اور قرب الٰہی حاصل کرتا جاتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس کے کہ نوافل سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب انسان یہ قرب کا مرتبہ پالیتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس قدر تردد ایسے بندے کی روح قبض کرتے وقت مجھے ہوتا ہے، دنیا میں اور کوئی کام کرتے وقت نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ بندہ تو چاہتا ہے کہ اور دنیا میں رہ کر اور اپنے اوپر طرح طرح کی مصیبتیں جھیل کر خدا تعالیٰ کی راہ میں اس کی مخلوق کو اور فائدہ پہنچاؤں اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تکلیفوں سے اسے نجات دے کر ابدی راحت کے لئے اسے اپنا پاس بلالوں۔

اس کے بعد یہ ذکر شروع ہوا کہ راستبازوں کو ہمیشہ سے لوگ مفسد اور خونی کہتے اور گالیاں دیتے چلے آئے ہیں۔ حالانکہ اسی قادیان کے قصبہ میں ہی کئی آدمی ایسے مل سکیں گے، جن کی نسبت یہ

شہادت مل سکے گی کہ انہوں نے کبھی کسی کو بُرا نہیں کہا یا کسی کا مال نہیں کھایا۔فرمایا اصل بات یہ ہے کہ جسے گالیاں نہ دی جائیں اور خونی اور مفسد اور ڈاکو نہ کہا جائے ، وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوسکتا۔اور اس کا ثبوت ہمیں قرآن شریف سے ملتا ہے۔کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (30:2) تو ملائکہ نے یہی اعتراض کیا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ (30:2) یعنی یہ خلیفہ تو مفسد اور خونی ہوگا۔اور تیری عبادت کے لئے ہم کافی ہیں۔''وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ'' (30:2)

تسبیح کے معنی ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کا تمام عیبوں اور نقصوں سے پاک ہونا۔اور تقدیس کے معنی خدا تعالیٰ کا تمام کمالات کا جامع ہونا۔تو گویا فرشتوں نے کہا کہ تیری پاکی اور بڑائی بیان کرنے کو تو ہم موجود ہیں اور یہ خلیفہ آکر کیا کرے گا سوائے اس کے کہ خونریزیاں کرے اور فساد ڈالے۔ابوالبشر حضرت آدمؑ پر اس اعتراض کے بیان کرنے میں خداوند تعالیٰ نے یہ پیشگوئی بیان فرمائی ہے کہ اس کی اولاد میں سے جتنے صفی اور برگزیدہ ہوں گے ان پر ہمیشہ اعتراض اسی قسم کے ہوتے رہیں گے۔ بلکہ اس قسم کے اعتراضات کا ہونا ان کے منجانب اللہ ہونے کی ایک بڑی دلیل ہوگی۔اور ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی نبی یا ولی ایسا نہیں گذرا جس کی سب لوگ تعریف کرتے ہوں۔ بلکہ ضرور ضرور ایک فرقہ اس کو گالیاں نکالنے والا بھی موجود رہتا ہے۔کچھ اور بھی لکھتا لیکن خط پہلے ہی لمبا ہوگیا ہے۔اور وقت بھی ڈاک کا قریب ہے۔آپ یہ مہربانی کریں کہ اس خط کو پڑھ کر مولوی عزیز بخش صاحب۔بی۔اے۔ریکارڈ کیپر ڈیرہ غازی خاں کے نام پر ارسال کردیں۔آپ کا بڑا احسان ہوگا۔

خاکسار (دستخط) محمد علی

4 دسمبر 1899ء

11 جولائی 1945ء

السّابقون

از حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

وصایا کی تحریک ہماری جماعت میں ایک عرصہ سے چل رہی ہے اور اس کی بنیاد حضرت مسیح موعود کی اپنی وصیت ہے۔ جس کی رو سے جماعت کو تحریک کی گئی کہ وہ تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کی غرض سے اپنے مالوں میں سے ایک حصہ کی وصیت کریں۔ جو ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ اور دسویں حصہ سے کم نہ ہو۔ اس سلسلہ میں کئی احباب وصایا کر چکے ہیں۔ جن میں سے بعض فوت بھی ہو چکے ہیں اور ان کی وصایا کی رقوم وصول بھی ہو چکی ہیں۔ بعض ایسی ہیں کہ ان کا ایک حصہ وصول ہوا ہے ایک نہیں ہوا۔ اور بعض بڑی قیمتی وصایا ایسی ہیں کہ ان کا کوئی حصہ بھی ورثاء کے غلط طریق عمل کی وجہ سے وصول نہیں ہو سکا۔ بعض احباب نے اپنی زندگی میں اپنی وصایا کی رقوم ادا کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آخری گروہ اس عمل میں سبقت لے گیا ہے۔ کیونکہ ایک تو ان کا مال ایک ایسی ضرورت دینی کے وقت کام آ گیا جس سے بڑھ کر کوئی دوسری ضرورت نہیں۔ اور دوسرے انہوں نے اپنا حق ادا کر کے اپنے ورثاء کی مشکلات کو کم کر دیا۔ اور ان کے تعلقات قومی کو زیادہ مضبوط کر دیا اس میں کوئی شک نہیں کہ وصیت کا مال ادا کرتے وقت ورثاء کو ایک تکلیف سی محسوس ہوتی ہے۔ اور مال دنیا کی محبت دلوں پر غالب ہو جاتی ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا مال ہے جو دوسری جگہ جا رہا ہے۔ حالانکہ چھوڑنے والے نے اسے ان کے لئے نہ چھوڑا تھا۔ اور وہ اپنے محسن کے ساتھ بھی ظلم کرتے ہیں اور خدا کے حق کو بھی مارتے ہیں۔ یہی ورثاء کی محبت دنیا بعض وصایا کی ادائیگی میں روک ہو گئی ہے۔ اس لئے جو شخص اپنی وصیت کا مال اپنی زندگی میں ادا کر دیتا ہے وہ اپنے ورثاء پر ایک احسان بھی کرتا ہے کہ ان کو حق تلفی سے بچاتا ہے اور اس لئے میں اس بات پر اب خصوصیت سے زور دے رہا ہوں کہ جو احباب دل سے یہ چاہتے ہیں کہ ان کا مال خدا کے رستے میں خرچ ہو، وہ وصیت کی رقم کو اپنی زندگی میں ادا کرنے کی کوشش کریں اور اپنے ورثاء کو ابتلاء سے بچائیں۔

گذشتہ سالانہ جلسے کے موقعہ پر میں نے وصایا کے متعلق خاص تحریک کی تھی۔ وہ اپیل دس

مشنوں کے قائم کرنے کے سلسلہ میں تھی۔ جن کے پانچ سال کے اخراجات کے لئے دس لاکھ روپیہ جمع کرنے کی تجویز کی گئی تھی اس وقت کوئی ساٹھ کے قریب احباب نے وصیت کے وعدے کئے تھے۔ جن میں سے بعض وصایا مکمل ہو کر دفتر میں آ گئی ہیں۔ مگر بہت سی ابھی باقی ہیں۔ اسی اثناء میں ایک خاص ضرورت کے سلسلہ میں اپریل کے آخر میں ایک خاص تحریک کی ضرورت محسوس ہوئی۔ گو وہ ضرورت تو معرض التوا میں پڑ گئی۔ شائد اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی اور بہتر صورت اس کے لئے پیدا کر دے۔ لیکن اس سے جماعت میں ایک خاص حرکت پیدا ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں ستاسی ہزار روپیہ سے اوپر نقد برنگ وصایا یا عطیہ جات یا وعدوں کی صورت میں آ گیا۔ اور اس میں حصہ لینے والے احباب کی تعداد بھی قریب قریب اسی قدر ہے۔ ان میں سے بعض احباب ایسے بھی ہیں جنہوں نے قرضہ لے کر اپنے حصہ کی رقم کو ادا کیا۔ اور بعض نے وہ روپیہ جو انہوں نے کسی اہم دنیوی غرض کے لئے جمع کیا تھا اس دینی تحریک میں دے دیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ میں ان کے اسمائے گرامی دو غرضوں کے لئے شائع کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ جن دوستوں کو اللہ تعالیٰ رات کے اوقات میں اُٹھنے کی توفیق دے وہ ان سب احباب کے لئے درد دل سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس قربانی کو قبول فرمائے اور ان پر اپنی بڑی بڑی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ اور جس طرح یہ لوگ دین کی ضرورت کے وقت کام آئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ضرورتوں اور تکلیفوں میں ان کے کام آئے۔

میری دوسری غرض اس فہرست کے شائع کرنے سے یہ ہے کہ باقی احباب بھی اس طرف توجہ کریں تو دس لاکھ روپیہ دو سال کی بجائے ایک سال میں بھی جمع ہو سکتا ہے۔ اگر اسی پچاسی احباب کی توجہ سے ایک ڈیڑھ ماہ کے اندر ستاسی ہزار روپیہ جمع ہو سکتا ہے، تو اگر ایک ہزار آدمی اس طرف توجہ کرے تو تین یا چھ ماہ کے عرصہ میں یا زیادہ سے زیادہ ایک سال کے عرصہ میں دس لاکھ روپیہ جمع ہونا کوئی مشکل امر نہیں۔ بہت سے احباب ایسے ہیں جو بعض مشکلات حساب کی وجہ سے یا جائداد کے غیر تقسیم شدہ ہونے کی وجہ سے وصیت کرنے سے رک رہے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ امور اس نیک کام میں روک نہ ہونے چاہئیں۔ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ وہ اندازہ کر کے ہی اپنی وصیت لکھ کر بھیج دیں اور پھر سب روکوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اور پھر دوسری یہ کوشش کریں کہ ان

کی وصیت کی رقم ان کی زندگی میں ادا ہو جائے۔

میں اس فہرست کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ وہ احباب جنہوں نے نقد روپیہ ادا کر دیا ہے۔ وہ احباب جنہوں نے نقد ادئیگی کے وعدے کئے ہیں۔ وہ احباب جنہوں نے تمسکات وغیرہ انجمن کے حوالہ کئے ہیں۔ ان میں سے ان احباب کے نام کے سامنے جن کی رقم یا وعدہ یا تمسک پانچ سو یا پانچ سو سے اوپر ہے اصل رقم بھی درج کر دی گئی ہے۔ اور جو رقوم پانچ سو سے کم ہیں ان کے صرف نام دیئے گئے ہیں۔ یہ صرف موجودہ اخبار کے سائز میں جگہ کی قلت کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کی حالت کو دیکھتا ہے ممکن ہے ایک شخص نے رقم تھوڑی دی ہے مگر اس کی حیثیت کے لحاظ سے وہ زیادہ ہے تو وہ زیادہ اجر کا مستحق ہے۔ ممکن ہے ایک شخص کی رقم زیادہ نظر آتی ہے مگر اس کی حیثیت کے لحاظ سے وہ کم ہے۔ اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ وہ خود دوبارہ غور کر لیں۔ ابتدائی کام ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کچھ دفتری غلطیاں بھی ہو گئی ہوں۔ جو احباب کسی قسم کی غلطی محسوس کریں وہ اطلاع دے دیں۔ تا کہ ان کی صحت کر دی جائے۔ اس کے علاوہ میں یہ خوشخبری بھی احباب کو پہنچانا چاہتا ہوں کہ خالص چندوں کی تحریک میں، جو دس لاکھ روپے کے لئے جاری ہے، پچاس ہزار روپے کے قریب گذشتہ تین چار ماہ میں جمع ہو چکا ہے، اور اس میں پچاس ہزار روپے انجمن نے اراضی اکاڑہ کی آمد کے ڈالے ہیں۔ اور اس طرح اس مد میں ایک لاکھ روپیہ جمع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ستاسی ہزار روپیہ ہے۔ اس کے علاوہ ماہوار وعدے ہیں۔ جن میں سے دو ایک ایک سو روپے ماہوار کے ہیں۔ اور ایک پچاس روپے ماہوار۔ گویا یہ بھی ایک لاکھ تک پہنچ چکا ہے۔

خاکسار محمد علی

30 جون 1945ء

11 جولائی 1945ء

مکتوب امیر

اعلاء کلمۃ الحق کا کام

''ایک احمدی نوجوان کے اپنی زندگی خدمت دین کے لئے وقف کرنے پر اور گورنمنٹ سروس پر لات مارنے پر ان کے غیر احمدی والد نے حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کو یہ خط لکھا کہ وہ اسے اس کام سے روکیں اور اسے گورنمنٹ سروس اختیار کرنے کا مشورہ دیں۔ یہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس خط کا جواب ہے۔نوجوان دوست کا نام حذف کر کے مکتوب درج ذیل ہے۔مدیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مکرم معظم خاں صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط پہنچا۔آپ مجھے خدا اور رسولؐ کا واسطہ دیتے ہیں کہ میں ......کو خدا اور رسولؐ کا نام دنیا میں پھیلانے سے روکوں۔استغفر اللہ۔اگر......کوئی برا کام کرتا ہے تو میں اسے روک دوں گا۔لیکن اگر وہ کام نیک ہے تو خواہ میں اس سے روکوں،خواہ آپ روکیں،ہم خدا اور رسولؐ کے دشمن ہوں گے۔ آپ کی نگاہ تو اس دنیا کی چند روزہ زندگی پر ہے۔لیکن جس دن ہم سب احکم الحاکمین کے سامنے پیش ہوں گے اور آپ سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے اپنے بیٹے کو خدا اور رسولؐ کا نام دنیا میں پھیلانے سے روکا تھا تو اس وقت آپ کیا جواب دیں گے۔آپ سوچ لیں۔دنیا روزے چند عاقبت کار با خداوند۔ آپ رسولؐ کا واسطہ دے کر مجھے کہتے ہیں کہ میں ......کو اس کام سے روک دوں جو کام خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔رسول کو دنیا میں کس لئے بھیجا گیا تا کہ خدا کا نام دنیا میں بلند کرے۔ سُبۡحَانَ اللّٰہِ لِمَ نیک کام سے آپ اسے روکتے ہیں اور مجھے بھی کہتے ہیں کہ میں اسے روک دوں لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (99:3) کے وعید کو یاد کیجئے۔خدا سے ڈریئے۔ایسا نہ ہو کہ آپ کا یہ فعل خدا کے غضب کو لے آئے۔آپ مجھے سو دفعہ کہیں کہ......فلاں بُرا کام کرتا ہے اس سے اسے روکو میں روکوں گا۔لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ......فلاں نیک کام کرتا ہے۔اس سے اسے روکوں،تو میں اسے کبھی نہیں روکوں گا۔میں خدا کے غضب سے ڈرتا ہوں۔کسی انسان کے غضب سے نہیں ڈرتا۔

ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں ...... نے وہ عظیم الشان کام اختیار کیا ہے، جو اولیاء اللہ کرتے رہے۔ شائد اس کا یہ فعل خدا کی نظر میں اس قدر پسندیدہ ہو کہ آپ کی بھی بخشش کا موجب ہو جائے۔ کیا آپ سچ مچ اس بات سے ناواقف ہیں کہ خدا کی نگاہ میں پسندیدہ ترین فعل وہ ہے کہ اس کے نام کو دنیا میں پھیلایا جائے۔ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی جائے۔ اور اس کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر تیری وجہ سے ایک آدمی بھی ہدایت پا جائے تو وہ دنیا کی تمام دولتوں سے بڑھ کر ہے۔ **لَاَنْ يَّهْدِیَ بِکَ رَجُلٌ لَّکَ مِنْ حُمَرِ النِّعَم** ...... نے وہ راستہ اختیار کیا ہے کہ ایک آدمی کیا شائد سینکڑوں نہیں، ہزاروں، شائد قوموں کی قومیں اس سے ہدایت پا جائیں۔ آپ کو دنیا کی دولت بڑی نظر آتی ہے۔ یہ خدا اور اس کے رسولؐ کی نگاہ میں ایک مردود شئے ہے۔ دنیا کے مردار پر کوئی گرے یہ آپ کو پسند آتا ہے اور دین کی دولت سے مالا مال ہو، اس کو آپ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کی نگاہ میں گردن زدنی ہے۔ میں جس رستہ کو بہترین رستہ سمجھتا ہوں اس کی طرف سب کو بلاتا ہوں۔ پھر خدا جس حد تک جس کو توفیق دے یہ اس کی طرف سے ہے۔ بعض کو یہ توفیق مل جاتی ہے کہ وہ خالصتاً اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ بعض کو یہ توفیق مل جاتی ہے کہ وہ اپنی معاش کے لئے بھی کام کرتے ہیں اور پھر اس کمائے ہوئے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ نیک کام ہیں۔ مگر پہلا دوسرے سے بلند تر کام ہے۔ اگر میں کسی کو اس بات سے روکوں کہ وہ اپنی زندگی دین کی خدمت کے لئے وقف کریم تو اس کام سے بھی روکوں گا کہ وہ اپنے مال کو دین کی خدمت کے لئے خرچ کرے۔ مگر میں ایسے نیک کاموں سے روک کر خدا کے غضب کو مول نہیں لے سکتا۔ ہاں یہ میرے اختیار کی بات نہیں کہ یہ جذبہ خدا کس کے دل میں پیدا کرے۔ اگر اس نے ...... کے دل میں یہ جذبہ پیدا کیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو خدا اور اس کے دین کی خدمت میں لگا دیم تو اس کا خدا اور رخدا کا رسولؐ اس سے خوش ہیں۔ میں ناخوش کس طرح ہو سکتا ہوں، جو اس کام سے ناخوش ہوگا وہ خدا اور اس کے رسول کو ناخوش کرنے والا ہوگا۔ آج سے پچاس سال پیشتر اس نے میرے بعض دوستوں کے دلوں میں بھی یہی جذبہ پیدا کیا۔ میرے دل میں بھی یہی جذبہ پیدا کیا اور آج ہم میں سے کوئی بھی اس بات پر پچھتانے والا نہیں کہ اس نے یہ راہ کیوں اختیار کی۔ جن کے

دلوں میں آج یہ جذبہ پیدا ہوگا وہ بھی انشاءاللہ اس بات پر کبھی پچھتائیں گے نہیں۔ بلکہ خوش ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر مشکلات ہوتے ہوئے ان کے قدم کو لغزش سے بچایا۔ پہلے جن لوگوں نے خدا کے دین کی خدمت کی ان کے نام آج ستاروں کی طرح دنیا میں روشن ہیں۔ آج جو خدمت کریں گے ان کے نام بھی کل کو اسی طرح روشن ہوں گے۔ جب تک یہ دنیا باقی رہے گی ان کے نام بھی عزت سے دنیا میں لئے جائیں گے۔ اور جب وہ اس دنیا کی زندگی کو ختم کر کے اپنے مولا کے سامنے حاضر ہوں گے تو اُن کو جو خوشی ہوگی اس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

باقی روزی خدا سب کو پہنچاتا ہے۔ جو لوگ نرے مردار دنیا کے پیچھے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کو بھی روزی مل جاتی ہے تو جو لوگ خدا کے دین کی خدمت کریں گے انہیں روزی کیوں نہ ملے گی۔ دنیا میں بہتیرے بھوکے بھی مرتے ہیں۔ مگر خدا کے دین کی خدمت کرنے والا کبھی بھوکا نہیں مرا۔ دنیا میں نری دنیا کی تلاش کرنے والے ذلیل اور ناکام اور نامراد بھی ہوتے ہیں۔ مگر خدا کے دین کی خدمت کرنے والا کبھی ذلیل اور نامراد نہیں ہوا۔ اگر آپ اپنے بیٹے کے لئے کامیابی اور عزت کی زندگی چاہتے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسے وہ رستہ مل گیا ہے، ہاں جب وہ خدا اور رسولؐ کی رضا کی راہوں پر چلنے والا ہوگا تو والدین کا بھی خدمت گذار ہوگا۔ اور صلہ رحمی کرنے والا بھی ہوگا۔ ایسا شخص کبھی والدین سے بدسلوکی نہیں کرے گا۔ بدسلوکی کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے سامنے دنیا ہی دنیا ہو۔ کتنے دنیادار ہیں جن کو اپنی اولاد کے ہاتھ سے دکھ اٹھانا پڑا۔ لیکن جو اولاد خدا کی رضا کی طالب ہو۔ اس کے ہاتھ سے والدین کو دکھ نہیں پہنچے گا۔ مجھے امید ہے کہ اس کے بعد آپ کبھی یہ خیال دل میں نہ لائیں گے کہ ......کو ایک نیک کام سے روکیں۔ اس نیک کام کی وجہ سے اس کی عزت دنیا میں بھی بڑھے گی اور آخرت میں بھی۔ اور وہ آپ کی باقیات الصالحات میں سے ہوگا۔ والسلام

خاکسار محمد علی

❁❁❁

8 اگست 1945ء

کیا میاں محمود احمد صاحب مباہلہ کے لئے تیار ہیں!

میں نے حلف اُٹھالی ہے وہ بھی حلف اٹھالیں

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

دسمبر 1944ء کے سالانہ جلسہ قادیان پر میاں محمود احمد صاحب نے جمع شدہ مریدوں کو خوش کرنے کے لئے بڑے زور سے یہ دعوٰی کیا تھا کہ میں ان کے ساتھ اختلافی مسائل (حضرت مسیح موعود کے دعوٰی نبوت اور تکفیر اہل قبلہ) پر بحث کے لئے نہیں نکلتا۔ حالانکہ وہ مجھے بار بار بلا چکے ہیں۔ یہ دعوٰی ''چہ دلاوراست دزدے کہ بکف چراغ دارد'' کا مصداق تھا۔ مباحثہ کے لئے ہمیشہ میں انہیں بلاتا رہا۔ دعوتوں پر دعوتیں دیں۔ ایک ایک سال میں دس دس دفعہ بھی دعوت دی۔ مگر انہوں نے ہمیشہ گریز کیا اور اکثر اوقات خاموشی اختیار کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے غیر احمدیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ لوگ ہی جا کر میری (راقم کی) منت کریں کہ میں میاں صاحب سے مباحثہ منظور کر لوں۔ وقتی اثر اچھا ہوا ہو گا۔ شائد بعض مرید روئے بھی ہوں گے کہ ہمارا خلیفہ کس قدر بہادر ہے کہ کوئی اس کے بالمقابل میدان میں نہیں نکلتا۔ اور اب وہ ''غیر احمدی کافروں'' کی بھی منت کر رہا ہے کہ وہ مجھے میاں صاحب کے مقابلہ پر نکلنے کی ترغیب دیں!

اس کا جواب میں نے 5 جنوری 1945ء کے خطبہ میں دیا جو 17 جنوری 1945ء کے ''پیغام صلح'' میں طبع ہو چکا ہے۔ کہ گو ثالثوں کے بارہ میں جو جوان کے عذرات ہیں میں اُن کو دور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مثلاً ان کا خیال ہے کہ میں ان کی جماعت سے ایسے آدمیوں کو بطور ثالث منتخب کر دوں گا جو منافق ہیں یا جو فیصلہ کرنے کے اہل نہیں۔ میں نے کہا کہ جس کے متعلق وہ یہ اعلان کر دیں کہ وہ منافق ہے یا وہ فیصلہ کرنے کا اہل نہیں، میں اسے ثالث منتخب نہیں کروں گا۔ میں چاہتا تھا کہ میاں صاحب کی اپنی جماعت کے لوگوں کے مونہہ سے یہ نکلواؤں کہ میاں صاحب حضرت مسیح موعود کے عقائد کے خلاف ہیں۔ لیکن اگر انہیں خود اپنے مریدوں سے بھی یہ ڈر ہے کہ وہ ثالث بن کر فیصلہ ان کے خلاف دیں گے تو میں بغیر ثالثوں کے بھی مباحثہ کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ لفظ حسب ذیل طبع شدہ موجود ہیں۔

''اگر بااین بھی وہ ثالثوں کی تجویز کو رد کر دیں تو یہ ان کی کمزوری کا کھلا نشان ہوگا مگر میں بغیر ثالثوں کے بھی ان سے بحث کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ہاں بحث ان تین مسائل پر ہوگی جن کے متعلق وہ ''آئینہ صداقت'' کے صفحہ 45 پر تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ واقعی ان کے عقائد ہیں۔

1۔ ''حضرت مسیح موعود فی الواقع نبی ہیں۔

2۔ حضرت مسیح موعود ہی اِسۡمُہٗ اَحۡمَدُ کی پیشگوئی کے مصداق ہیں۔

3۔ کل مسلمان، جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''

اس پر چھ ماہ گذر چکے ہیں۔ میاں صاحب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور نہ ان کا کوئی مرید بولا کہ اب مباحثہ کیوں نہیں کرتے۔ ایک طرف تو غیر احمدیوں کے آگے ہاتھ جوڑتے تھے کہ وہ مجھے مباحثہ پر راضی کریں اور دوسری طرف ساری جماعت قادیان اب شہر خموشاں کی طرح ہے۔ گویا ان میں کوئی زندہ ہی نہیں جو میری بات کو سنے۔ تو یہ ساری تعلّی اور لجاجت صرف نمائش کے لئے تھی۔ جلسہ سالانہ نکل گیا۔ مرید ایک اثر لے کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اب پھر جلسہ سالانہ آئے گا تو کوئی اور نمائش ان کے لئے تیار ہوگی۔

اس کے بعد میں نے انہیں بعض امور پر ایک مباہلہ کی دعوت دی جو 21 مارچ 1945ء کے پیغام صلح میں درج ہے۔ یہ دعوت مباہلہ تین امور کے متعلق تھی۔ میں نے لکھا تھا کہ میاں صاحب کا یہ دعوٰی ہے کہ:

1۔ ''حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا اور اپنی سابقہ تحریروں کو منسوخ کر دیا تھا۔

2۔ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ 1901ء سے پہلے جو میں لفظ نبی کی تشریح کیا کرتا تھا وہ غلط تھی۔

3۔ حضرت صاحب کے مرید آپ کی زندگی میں آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ حضرت

صاحب کا اجتہاد در بارہ نبوت درست نہیں نکلا‘‘

اور آخر پر میں نے لکھا تھا کہ

’’اگر وہ صرف مباحثہ سے ان باتوں کو ثابت کرنا چاہتے ہیں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں اور اگر وہ ان میں مباہلہ کرنا چاہیں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں‘‘

اس کا بھی کوئی جواب میاں صاحب کی طرف سے شائع نہیں ہوا۔ اور چار ماہ اس پر گذر چکے مگر ان کے ایک مرید ملک فیض الرحمٰن فیضی ایم اے نے مجھے یہ لکھا کہ تین شقوں میں سے صرف شق 1 فیصلہ کن امر ہے۔ باقی دو باتوں میں سے ایک کے متعلق یعنی شق 2 کے متعلق لکھا کہ میاں صاحب نے کہیں نہیں لکھا کہ حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے کہ 1901ء سے پہلے میں لفظ نبی کی جو تشریح کیا کرتا تھا وہ غلط تھی۔ اور تیسری شق کا ذکر ہی چھوڑ دیا۔ یعنی میاں صاحب کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط کہ حضرت مسیح موعود کی مجالس میں یہ چرچا رہتا تھا کہ حضرت صاحب کا اجتہاد در بارہ نبوت درست نہیں نکلا۔ مگر ان کے نزدیک یہ دونوں شقیں میاں صاحب کے مسلمات سے نہیں ہیں۔ اس لئے صرف شق اول پر مباہلہ ہونا چاہئیے۔ میں نے انہیں جواب میں لکھوا دیا کہ مباحثہ یا مباہلہ میاں صاحب کا اپنا کام ہے۔ اگر وہ مباحثہ یا مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہیں تو وہ خود یہ اعلان کر سکتے ہیں۔ یعنی یہ کہنا کہ فلاں امر پر مباہلہ ہونا چاہئیے اور فلاں پر نہیں یہ کسی دوسرے کا کام نہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے میاں صاحب کے پرائیویٹ سکرٹری کے ایک خط کی نقل بھجوائی ہے۔ جو وہ کہتے ہیں کہ انہیں قادیان سے آیا ہے۔ وہ خط حسب ذیل ہے۔

’’آپ کا خط مورخہ 16 اپریل 1945ء ملا۔ سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا۔ یہ بالکل درست ہے **کہ انسان مباہلہ اپنے مسلمہ پر کرتا ہے نہ دوسرے کے اتہام پر۔** ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے آخری عمر میں نبوت کی تعریف میں تبدیلی کی ہے اور 2 یہ کہ آپ جب بھی نبوت کا انکار کرتے تھے اس پہلی تعریف کے مطابق انکار کرتے تھے۔ دوسری تعریف کے مطابق آپ نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور وفات تک اس پر قائم رہے **اور اس دعویٰ پر ہم مباہلہ کے**

لئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ مولوی صاحب بھی ہمارے بعض بتائے ہوئے امور پر مباہلہ کے لئے تیار ہوں انہیں بھی یہ حق ہوگا کہ ہمارے بتائے ہوئے امر کے بارہ میں یہ اعلان کر دیں کہ ان کا یوں دعوٰی نہیں یوں ہے۔ یا یہ کہ ان سے غلطی ہوئی۔ اب وہ اس غلطی پر قائم نہیں۔ مگر یہ طریق درست نہیں کہ آدمی خود تو چیلنج دیتا جائے اور دوسرے کے چیلنج خاموشی سے گزار دے۔ انصاف یہ ہے کہ دونوں کو ایک سا حق دیا جائے'' دستخط۔ عبدالرحیم درد پرائیویٹ سکرٹری

یہ اضطراب جناب میاں صاحب کا ہے یا پرائیویٹ سیکرٹری کا۔ یہ کہنا مشکل ہے۔ یہ درست ہے کہ انسان مباہلہ اپنے مسلمہ پر کرتا ہے۔ تو وہ تین امور جو میں نے لکھے تھے ان میں سے کونسا امر ہے جو میاں صاحب کے مسلمات میں سے نہیں۔ مرید کہتا ہے کہ شق نمبر 1 یعنی ''حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا اور اپنی سابقہ تحریروں کو منسوخ کر دیا تھا'' فیصلہ کن ہے اور صرف اسی پر مباہلہ ہونا چاہئیے۔ گویا شق 2 اور 3 میاں صاحب کو مسلم نہیں۔ خود میاں صاحب بروایت پرائیویٹ سکرٹری کہتے ہیں...... کہ شق 1 بھی انہیں مسلم نہیں کہ یہ ان پر محض میرا اتہام ہے۔ ان کا دعوٰی صرف اس قدر ہے کہ آخری عمر میں حضرت مسیح موعود نے نبوت کی تعریف میں تبدیلی کی تھی اور صرف اسی دعوٰی پر وہ مباہلہ کے لئے تیار ہیں۔ میں حیران ہوں کہ میاں صاحب کو اس بات سے کسی نے روکا ہوا تھا کہ جب مباہلہ کا چیلنج شائع ہوا تھا تو وہ خود کہہ دیتے کہ میری پیش کردہ تین باتوں میں سے فلاں فلاں ان پر اتہام ہے۔ اور فلاں بات انہیں مسلم ہے۔ ایک طالب علم نے انہیں خط لکھا تھا تو پرائیویٹ سکرٹری نے جواب لکھ دیا میں تو اب بھی ان کی اپنی تحریر چاہتا ہوں۔ جس میں صفائی سے وہ یہ اعلان کر دیں کہ میرے پیش کردہ امور میں سے کونسی بات ان پر اتہام ہے۔ اور کونسی انہیں مسلم ہے۔ ہاں چند امور کی طرف انہیں توجہ بھی دلا دیتا ہوں۔

امر اول کیا یہ سچ ہے جیسا کہ ان کے مرید نے لکھا ہے کہ میری دعوت مباہلہ کی شق 2، 3 انہیں مسلم نہیں۔ یعنی کہ

2۔ ''حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ 1901ء سے پہلے جو میں لفظ نبی کی تشریح کیا کرتا

تھا وہ غلط تھی''

3۔''حضرت صاحب کی مجالس میں یہ چرچا رہتا تھا کہ حضرت صاحب کا اجتہاد دربارہ نبوت درست نہیں نکلا''

اگر یہ مسلم نہیں تھے تو (1) مجھے جو اخبار میں شائع کرتے ہوئے ایک سال کے قریب ہو گیا اور لگا تار اخبار میں چوکھٹے میں بھی نکلتا رہا کہ یہ میاں صاحب کے دو افتراء حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت پر ہیں اس کے متعلق انہوں نے خود کبھی یہ اعلان کیا کہ انہوں نے یہ لکھا ہی نہیں۔ (2) پھر میں نے جو اس بارے میں سر محمد ظفر اللہ خاں کو ثالث ٹھہرایا تھا تو اس کا جواب سر موصوف نے کیوں یہ نہ دیا کہ جناب میاں صاحب نے یہ کبھی لکھا ہی نہیں۔ اور اختلافی مسائل پر سو صفحے کا مضمون لکھنے کے باوجود اس بارے میں خاموشی اختیار کر کے اس بات پر مہر لگا دی کہ ان کے پاس کوئی جواب نہیں۔ اب اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ دونوں باتیں میاں صاحب نے لکھی ہیں۔ اگر سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو وہ ثالث تسلیم نہیں کرتے تو جس شخص کو بھی وہ ثالث ٹھہرائیں، میں ثالث منظور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ یا وہ میرے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کریں کہ میں نے ان پر ان دو امور میں افتراء کا الزام جھوٹ لگا کر ان کی ازالہ حیثیت عرفی کی ہے۔ تاکہ میں خود انہیں بطور گواہ بلا کر ان کے ہاتھ میں الفضل کا پرچہ دے کر یہ دریافت کر سکوں کہ کیا یہ میرا افتراء ان پر ہے یا یہ ان کا افتراء حضرت مسیح موعود ہے۔

امر دوم۔ اب فرض کر لیجئے کہ مرید نے سچ لکھا ہے کہ ان دونوں شقوں پر میاں صاحب مباہلہ کے لئے اس لئے تیار نہیں کہ یہ دونوں باتیں ان کے مسلمات میں سے نہیں۔ اور یہ ان پر محض میرے اتہامات ہیں تو اسی بات پر بحث بھی کر لیں اور چاہیں تو مباہلہ بھی کر لیں۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ

1۔ میاں صاحب نے الفضل مورخہ 26 مئی 1944ء صفحہ 1 کالم 1 میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود خود فرمایا کرتے تھے کہ 1901ء سے پہلے میں جو لفظ نبی کی تشریح کیا کرتا تھا وہ غلط تھی۔

2۔ میاں صاحب نے الفضل مورخہ 26 مئی 1944ء صفحہ 1 کالم 3 میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی مجالس میں مہینوں تک اس بات کا چرچا رہتا تھا کہ آپ کا اجتہاد دربارہ نبوت درست نہیں نکلا۔

اگر میاں صاحب کا یہ خیال ہے کہ میں نے ان پر یہ افترا کیا ہے تو میں اس بات پر، کہ اس معاملہ میں ہم دونوں میں سے کون سچا ہے اور کون جھوٹا، مباحثہ کے لئے بھی تیار ہوں اور مباہلہ کے لئے بھی۔

امر سوم۔ اگر یہ دونوں باتیں میاں صاحب کے مسلمات میں سے نہیں اور ان پر مباہلہ سے وہ گھبراتے ہیں تو پھر تو جھگڑا اور بھی آسانی سے طے ہو گیا۔ گویا خود میاں صاحب نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ حضرت مسیح موعود نے خود کبھی نہیں فرمایا کہ آپ 1901ء سے پہلے جو لفظ نبی کی تشریح کیا کرتے تھے وہ غلط تھی۔ اور نہ حضرت مسیح موعود کی مجالس میں کبھی یہ ذکر ہوا کہ حضرت مسیح موعود کا سابقہ اجتہاد دربارہ نبوت درست نہیں تھا۔ تو پھر معلوم ہوا کہ میاں صاحب کے اپنے اقرار کے مطابق وہ تشریح لفظ نبی کی، جو حضرت مسیح موعود 1901ء سے پہلے کرتے تھے، یعنی یہ کہ اس سے مراد محدث ہے، غلط نہیں تھی، اور اگر آپ کو بھی اس کی غلطی کا احساس نہیں ہوا تو پھر لفظ نبی کی نئی تعریف بھی میاں صاحب کی ایجادات میں سے ہے۔ نہ کبھی آپ نے اسے غلط کہا نہ کسی مرید نے اسے غلط کہا نہ آپ کی مجالس میں کبھی یہ چرچا ہوا۔ بات تو موٹی ہے اگر فی الواقع حضرت مسیح موعود پہلے لفظ نبی کی تشریح، جو الفاظ محدث وغیرہ سے کرتے تھے، وہ غلط تھی۔ اور 1901ء میں نبی کی صحیح تعریف کا آپ کا علم ہوا تو سب سے پہلے مسیح موعود کو ہی یہ علم ہوا ہوگا کہ میں پہلے لفظ نبی کی تشریح غلط کیا کرتا تھا اور انہوں نے مریدوں کو ایسا کہا بھی ضرور ہوگا۔ اور مریدوں میں یہ چرچا بھی ضرور ہوگا۔ اور اگر نہ مریدوں میں کبھی چرچا ہوا نہ حضرت مسیح موعود نے کبھی مریدوں کو ایسا کہا تو معلوم ہوا کہ یہ سب کہانی میاں صاحب کی دماغی کیفیت سے تعلق رکھتی ہے۔ واقعات میں اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ جب تک پہلی تعریف کی غلطی محسوس نہ ہوتی تو آپ دوسری تعریف کو کس طرح سکتے تھے!

امر چہارم۔ اب مباہلہ کی شق اول کو لیجئے۔ اس کو مرید تو درست مانتا ہے مگر میاں صاحب اس کو بھی ٹال گئے ہیں۔ شق اول کے الفاظ یہ تھے:

> ''حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا اور اپنی سابقہ تحریروں کو منسوخ کر دیا تھا''

تبدیلی عقیدہ اور منسوخی کتب کے لفظ میاں صاحب کے ہی ہیں۔ مگر وہ تو پتھر ہی ہیں جو

بدلتے نہیں۔ اب ان کو دوہرانے سے میاں صاحب گھبراتے ہیں۔ ''ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح موعود نے آخری عمر میں نبوت کی تعریف میں تبدیلی کی ہے'' میں پوچھتا ہوں کہ کیا میاں صاحب کا یہ دعویٰ نہیں کہ 1901ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا؟ کیا ان کے نزدیک نبوت کی تعریف کی تبدیلی کوئی محض علمی موشگافی تھی؟ یا اس تعریف کی تبدیلی کے ساتھ ہی آپ نے اپنا عقیدہ بھی تبدیل کر لیا تھا؟ میاں صاحب نے ایک دفعہ نہیں بار بار لکھا ہے کہ 1901ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنا عقیدہ درباره نبوت تبدیل کیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ 1901ء سے پہلے کے حوالے درباره انکار نبوت منسوخ ہیں۔ اور بات بھی صاف ہے جب پہلی تعریف نبوت غلط معلوم ہوئی اور اس کی جگہ دوسری تعریف نبوت کی، تو انکار نبوت بھی ضرور منسوخ کیئے ہوں گے۔ اور اگر وہ حوالے منسوخ نہیں کیئے تو پھر عقیدہ بھی نہیں بدلا اور تعریف نبوت بھی نہیں بدلی۔ تو میاں صاحب صاف الفاظ میں یہ کیوں نہیں کہتے کہ شق اول پر مجھے مباحثہ اور مباہلہ منظور ہے۔

امر پنجم۔ اگر میاں صاحب یہ اعلان کر دیں کہ جن امور پر میں نے دعوت مباہلہ دی تھی ان میں سے شق دو اور تین دونوں باطل ہیں، یہ دونوں باتیں ان کو مسلم نہیں یا انہوں نے پہلے یہ باتیں کہی تھیں، مگر وہ اب ان پر قائم نہیں تو میں صرف شق ایک پر بھی مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ہاں مباہلہ سے پہلے ایک مباحثہ اس امر پر ضرور ہوگا کہ حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ تبدیل کیا یا نہیں۔

امر ششم۔ فی الحقیقت اس شق اول پر مباہلہ کی عملی دعوت تو ہماری طرف سے 1915ء سے ہو چکی۔ ہم میں سے جماعت کے ستر سرکردہ آدمیوں نے، جنہوں نے 1901ء سے پہلے بیعت کی تھی، اس بات پر حلف اٹھائی کہ 1901ء میں نہ حضرت مسیح موعود نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی نہ سابقہ کتابوں کو منسوخ کیا۔ وہ ہم سے سوگنا تھے۔ اگر بالمقابل ہم ان سے سات ہزار آدمی کے حلف اٹھانے کا بھی مطالبہ کرتے تو وہ جائز تھا۔ مگر ہم نے ستر آدمیوں کے حلف اٹھانے کا مطالبہ کیا کہ وہ یہ حلف اٹھائیں کہ ہم نے 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی اور 1901ء میں حضرت صاحب نے اپنا عقیدہ تبدیل کیا تھا۔ اور ہم نے بھی اپنا عقیدہ درباره نبوت حضرت مسیح موعود تبدیل کر لیا تھا۔ یعنی 1901ء سے پہلے ہم آپ کو صرف محدث سمجھتے تھے۔ اور لفظ نبی سے مراد لغوی معنی لیتے تھے اور 1901ء کے بعد ہم آپ کو فی الواقع

نبی سمجھنے لگے۔ اور حضرت صاحب کی سابقہ تحریروں کو، جن میں انکار نبوت تھا، منسوخ سمجھ لیا۔

اب مباہلہ تو اس چیز کا نام ہے کہ دو فریق بالمقابل حلف اٹھائیں۔ سو ہم وہ حلف آج سے تیس سال پیشتر اٹھا چکے۔ اور میاں صاحب کو بالمقابل حلف اٹھانے کے لئے تیس سال سے برابر دعوت دے رہے ہیں۔ اور یہاں اس کا اب تک نہیں دیتے جو اس امر پر مباہلہ سے گریز ہے۔ اگر اب وہ جیسا کہ ان کے مرید کا خیال ہے اس کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو میں بھی تیار ہوں۔

امر ہفتم۔ اگر حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ در بارہ نبوت تبدیل کیا ہوتا تو آپ کے مریدوں نے بھی ضرور اپنا عقیدہ تبدیل کیا ہوتا۔ حضرت صاحب کا اپنا عقیدہ تبدیل کرنے کے معنی ہی کچھ نہیں۔ اگر مریدوں نے عقیدہ تبدیل نہیں کیا۔ مگر میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ میں نے اپنا عقیدہ در بارہ نبوت حضرت مسیح موعود 1901ء میں تبدیل نہیں کیا نہ حضرت صاحب کے 1901ء سے پہلے کے انکار نبوت کے حوالوں کو منسوخ سمجھا۔ اور یہ قسم آج سے تیس سال پیشتر میں اکیلا ہی نہیں ہم ستر آدمی کھا چکے ہیں۔ اگر میاں صاحب کا خدا پر ایمان ہے تو وہ صرف اسی قدر قسم کھائیں کہ میں میاں محمود احمد نے 1901ء میں اپنا عقیدہ در بارہ نبوت حضرت مسیح موعود تبدیل کر لیا تھا اور آپ کے سابقہ انکار نبوت کے حوالوں کو منسوخ سمجھ لیا تھا۔ اور اگر ان کا یہ عذر ہو کہ ان کی عمر اس وقت صرف بارہ سال تھی اور وہ محض بچے تھے اور ان کو ان باتوں کی خبر تک نہ تھی تو ان کا کوئی مرید، جس نے 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی ہو اور جسے میاں صاحب اپنی جگہ پر خود پیش کریں، مثلاً مولوی شیر علی صاحب یا مولوی سرور شاہ صاحب، یہ حلف اٹھائے کہ اس نے 1901ء میں اپنا عقیدہ در بارہ نبوت حضرت مسیح موعود تبدیل کر لیا تھا۔ اور حضرت صاحب کے انکار نبوت کے حوالوں کو منسوخ سمجھ لیا تھا۔ اس کے بعد دونوں قسموں کو اکٹھا شائع کر کے ہم نیچے لکھ دیں گے **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ** یہ بھی ایک مباہلہ ہو جائے گا۔

اگر میاں صاحب کو ایک شمہ بھر بھی اپنے اس دعوے میں، کہ حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ در بارہ نبوت تبدیل کر لیا تھا، حق پر ہونے کا یقین ہے تو اب اس چھوٹی سی بات سے گریز نہ کریں۔ اپنے اوپر رحم نہیں کرتے تو اپنے مریدوں پر ہی رحم کریں۔ اپنے مریدوں پر رحم نہیں کرتے تو

اپنے اوپر رحم کریں۔ یا صاف طور پر حلف اٹھائیں اور یا حضرت مسیح موعود پر یہ افتراء کرنے سے باز آجائیں کہ آپ نے 1901ء میں اپنا عقیدہ دربارہ نبوت تبدیل کر لیا تھا۔ اور اپنے سابقہ انکارِ نبوت کے حوالوں کو اور اسی تعریف کو، کہ لفظ نبی سے آپ کی تحریر میں صرف محدث مراد ہے، غلط قرار دے کر منسوخ کر دیا تھا۔

میرے قادیانی دوستوں کی آنکھیں آج بند ہیں تو کل کو کھلیں گی۔ اور ضرور کھلیں گی۔ اس لئے کہ اتنے کھلے واضح سفید جھوٹ کو، وہ ہمیشہ کے لئے کبھی قبول نہیں کر سکیں گے، جس کے لئے قطعاً کوئی سند موجود نہیں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں میاں صاحب کی بے عزتی کا خواہاں نہیں۔ میں قطعاً ان کی بربادی کا خواہاں نہیں۔ مگر میں دین اسلام کی بے عزتی کو اور حضرت مسیح موعود کی صحیح تعلیم کی بربادی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے مجبور ہو کر یہ باتیں لکھتا ہوں۔ میرا مطالبہ کوئی بڑا نہیں۔ میاں صاحب قسم کھائیں کہ 1901ء میں انہوں نے اپنا عقیدہ دربارہ نبوت حضرت مسیح موعود تبدیل کر لیا تھا۔ اور اپنی سابقہ تحریروں کو منسوخ کر دیا تھا۔ یا حضرت مسیح موعود پر اس افتراء سے باز آجائیں کہ آپ نے اپنا عقیدہ 1901ء میں تبدیل کر لیا تھا۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

8 اگست 1945ء
مکتوب امیر

مجاہدہ رمضان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

قرآن کریم کے متعلق تین قسم کا جہاد۔ علمی، عملی، تبلیغی

برادران وخواہران محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

رمضان چند دنوں میں شروع ہونے والا ہے۔ اور اس بات کا انحصار، کہ یہ بابرکت مہینہ ہمارے لئے نئے برکات کے دروازے کھول دے، اس بار پر ہے کہ ہم ان برکات کو لینے کے لئے کس قدر جدوجہد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (185:2) اس کی پہلی برکت تو یہی تھی کہ خدا کی رحمت کے دروازے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھل گئے اور قرآن کریم کا نزول شروع ہو گیا اور آئندہ مسلمانوں کے لئے اسی قدر برکتوں کے دروازے کھلتے رہیں گے۔ جس قدر وہ اس ماہ میں قرآن کریم کے متعلق جہاد کریں گے۔ ہماری جماعت خدا کے فضل سے اس قابل ہے کہ تین رنگوں میں قرآن کریم کے بارے میں جہاد سے اپنے اوپر خدا کے فضلوں اور رحمتوں کے دروازے کھول لے۔

1۔ سب سے پہلا جہاد قرآن کریم کے متعلق یہ ہے کہ ہم اس کا علم حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ سو اس سے پیشتر بھی میں جماعت کے کل نوجوانوں کو اس طرف توجہ دلا چکا ہوں کہ وہ سورہ البقرہ اور سورہ آل عمران میں امتحان کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔ ایک خاتون نے اس تحریک کو دیکھ کر یہ دریافت کیا ہے کہ کیا خواتین بھی اس میں شامل ہو سکتی ہیں؟ یہ میری کوتاہی تھی اور بہت بڑی کوتاہی کہ میں نے خواتین کو خطاب نہ کیا۔ یہ ہماری قوم کا وہ حصہ ہے جس کے سپرد ہماری آئندہ نسلوں کی تربیت ہے۔ اور فی الحقیقت انسان کی تربیت ماں باپ کے پیٹ میں ہی شروع ہو جاتی ہے۔ اور انسان کا بچہ ماں کے خیالات سے اس وقت بھی متاثر ہوتا ہے جب دنیا کی اور کوئی چیز اس پر اثر نہیں ڈال سکتی۔ اس لئے میں اب خواتین سے بھی یہی خطاب کرتا ہوں۔ غالباً نومبر کے وسط سے پہلے پہلے یہ امتحان ہوگا۔ تو

رمضان کے مبارک مہینہ سے یہ فائدہ اٹھایا جائے کہ یہ دونوں سورتیں جو پونے چار پاروں پر مشتمل ہیں رمضان کے اندر تیار کی جائیں اور یہ کوشش کی جائے کہ ایک دفعہ سب دوست ان دو سورتوں کو باترجمہ رمضان میں پورا کرلیں۔

سوالات کے متعلق بھی مجھ سے دریافت کیا گیا تھا۔ سو اس کا جواب میں نے یہ دیا ہے کہ سوالات کا پرچہ دو حصوں پر مشتمل ہوگا۔ درجہ اول اور درجہ دوم۔ درجہ دوم کے سوالات بہت معمولی ہوں گے۔ اور درجہ اول میں ذرا مشکل سوالات ہوں گے۔ اور ہر امتحان دینے والے کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ صرف درجہ دوم کے سوالات کا جواب دے یا درجہ اول کے بھی۔ جو شخص درجہ اول کے سوالات کے جواب نہ دے گا یا ان جوابات میں کامیاب نہ ہوگا، وہ صرف درجہ دوم میں پاس سمجھتا جائے گا۔ اس پر زیادہ روشنی مَیں عنقریب ڈالوں گا۔ اس وقت صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ گو امتحان دینے والے صرف گنتی کے لوگ ہوں گے مگر اس علمی جہاد میں سب دوستوں کو شامل ہونا چاہئیے۔ جن کو خدا نے اپنے علم و فضل سے اچھا حصہ دیا ہے وہ بھی ان دونوں سورتوں پر تدبر سے بہت کچھ فوائد حاصل کرسکیں گے۔

2۔ دوسرا جہاد قرآن کریم کے متعلق یہ ہے کہ ہم اس پر عمل کریں۔ اور یہ جہاد اس سے سخت تر ہے جو علم قرآن حاصل کرنے کے لئے کرنا پڑتا ہے۔ شائد کم ہی مسلمان ہوں گے جو اس بات کا اعتراف نہ کرتے ہوں کہ ہمارے مصائب کی اصل وجہ قرآن کریم پر عمل کو چھوڑ دینا ہے۔ لیکن اس سے بھی کم وہ مسلمان ہوں گے جو کبھی قرآن کریم پر عمل کے لئے جہاد کریں۔ زبان سے ہم ضرور کہتے رہتے ہیں کہ قرآن کریم پر عمل ہونا چاہئیے۔ مگر ہم میں سے بہت کم ہیں۔ بلکہ بہت ہی کم ہیں۔ جو اس کے لئے واقعی کچھ کوشش کریں اور اس سے بھی کم وہ ہیں جو سرتوڑ کوشش کریں، جس کا نام اللہ تعالیٰ نے جہاد رکھا ہے۔ قرآن کریم پر عمل کا جہاد یہ چاہتا ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنی حرص و ہوٰا کا مقابلہ کریں بسا اوقات یہ اپنی ہی خواہشات پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس وقت تو میں صرف اتنا کہوں گا کہ اگر ہم یہ تہیّہ کرلیں کہ اس رمضان میں فلاں ایک حکم خدا کے سامنے ہم اپنی سب خواہشات کو چھوڑ دیں گے تو یہ اس جہادِ عملی کا پہلا قدم ہے۔ پھر اس کا دوسرا قدم اس سے سخت تر یہ ہے کہ فی الواقع جب ان دونوں میں مقابلہ کا وقت آئے تو اپنی خواہش یا رسم و رواج کو گرانے اور قرآن کریم کو بلند کرنے کی کوشش کریں۔ اور اگر اس وقت اپنی

خواہش کا غلبہ دیکھیں تو خدا کے آگے گریں اور اس سے مدد مانگیں کہ وہ ہمیں حکم قرآنی کے لئے اپنی خواہش کو گرانے میں کامیاب کرے۔

3۔ تیسرا جہاد قرآن کریم کے متعلق تبلیغی جہاد ہے۔ یعنی قرآن کریم کو اور اس کی تعلیم کو دنیا میں پہنچانے کا جہاد۔ اور یہ سخت ترین جہاد ہے۔ کیونکہ اس میں نہ صرف اپنی حرص وہوا کا مقابلہ ہے بلکہ ایک دشمن کا مقابلہ بھی ہے۔ حرص وہوا کا مقابلہ اس لحاظ سے بھی ہے کہ جو شخص خود قرآن کریم پر عمل نہیں کرتا اس کا دوسروں کو عمل کی طرف بلانا ایک بے معنی حرکت ہے۔ مگر اس سے سخت تر مقابلہ ہوا وحرص سے یہ ہے کہ یہ جہاد بغیر مال کے خرچ کے نہیں ہوسکتا۔ اور مال کی محبت انسان کو اس قدر اپنا غلام بنا لیتی ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا اس کے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

جہاں تک اس تبلیغی جہاد کا سوال ہے، جیسا کہ میں نے گذشتہ خطبہ جمعہ میں توجہ دلائی ہے، ہمارے پیش نظر اب یہ بات ہونی چاہیئے کہ ہر ایک میں تبلیغ اسلام کا ایک مرکز قائم ہو جائے۔ اور ہر قوم کے اندر قرآن کریم اور اسلامی لٹریچر ان کی زبان میں پہنچا دیا جائے۔ اور بطور ابتداء ہمارا اس ماہ رمضان کا یہ مجاہدہ ہو کہ اس ماہ کے اندر اندر دس تبلیغی مرکز قائم کرنے کا سامان مہیا ہو جائے۔ چھ ماہ مجھے اس تجویز پر کام کرتے گزر گئے ہیں۔ اور خدا کے فضل سے، جیسا کہ میں 11 جولائی کے اخبار میں فہرستیں چھپوا چکا ہوں، دو لاکھ روپیہ کے قریب سرمایہ اس غرض کے لئے ہمارے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ ان احباب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، جنہوں نے میری آواز پر لبیک کہا، میں اسی بات کو محسوس کرتا ہوں کہ ابھی تک جماعت نے بحیثیت جماعت اس جہاد کے لئے قدم نہیں اٹھایا۔

مسلمانوں کے اکثر رہنما اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ مسلمان ایک جماعت کا حکم نہیں رکھتے بلکہ ایک بھیڑ کی طرح ہیں۔ وہ کوئی قدم دنیا میں بحیثیت ایک جماعت کے نہیں اُٹھاتے بلکہ جس کا جدھر دل چاہتا ہے وہی رستہ اختیار کر لیتا ہے۔ مسلمانوں کے اس تشتت نے ان کی قوت کو اس قدر کمزور کر دیا ہے کہ اب وہ دنیا میں کوئی عظیم الشان کام کرنے سے عاجز نظر آتے ہیں۔ جماعت ایک فوج کے حکم میں ہوتی ہے کہ جب ان کا قدم اُٹھتا ہے تو اکٹھا اٹھتا ہے۔ اور اکٹھا قدم اگر اُٹھے تو اس جماعت کی قوت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر جماعت میں سے کچھ لوگ قدم اٹھائیں اور

کچھ اپنی جگہ سے نہ ہلیں تو وہ قدم اٹھانے والوں کے قدم کو بھی کمزور کر دیتے ہیں۔ پانچ ہزار کی جماعت میں سے اگر صرف سوآدمی نے حرکت کی ہے، تو یہ جماعت کی حرکت نہیں کہلائے گی۔ بلا شبہ جماعت کے سوآدمیوں نے ایک بڑی نیک مثال قائم کی ہے۔ ان میں سے بعض نے تو بہت ہی بڑی قربانی کی ہے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ میں نے کس بات کے لئے بلایا تھا؟

1۔ سب دوست وصیت کریں

2۔ اس وصیت کے مال کو اپنی زندگی میں دوسال کے اندر اندر ادا کرنے کی کوشش کریں۔

ایک سو دوستوں نے اس پر لبیک کہا اور ایک لاکھ روپیہ آ گیا۔ مگر میرا اندازہ ہے کہ کم سے کم ایک ہزار یا اسی سے بھی زیادہ دوست ایسے ہیں جو وصیت کر سکتے ہیں۔ تو اگر جماعت بحیثیت جماعت قدم اٹھاتی تو دس لاکھ روپیہ یقیناً آ جاتا۔ اب میری غرض یہ ہے کہ اس رمضان کا ہمارا یہی جہاد ہو۔ اور فی الحقیقت اس جہاد کے اندر قرآن پر عمل کا جہاد بھی آ جاتا ہے۔ عمل کے جہاد کے ضمن میں مَیں نے یہ کہا ہے کہ اس رمضان میں ہم صرف ایک حکم قرآن کے سامنے نفس کی خواہشوں کو قربان کر دیں۔ یہ بڑی کامیابی ہوگی۔ اب حکم قرآن ہے۔ اور بڑا پُر زور حکم قرآن ہے کُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨالْوَصِيَّةُ (180:2) وصیت کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے۔ پھر اس حکم قرآنی کی طرف امام وقت نے جس کے ہاتھ پر ہم نے بیعت کی اپنی وصیت میں ہمیں توجہ دلائی اور اشاعت قرآن کے لئے وصیت کو ضروری ٹھہرایا۔ آؤ اس رمضان میں یہ آزمائیں کہ اس حکم قرآنی کے سامنے بحیثیت جماعت ہم سر جھکاتے ہیں یا نہیں۔ اگر ہم نے اس وقت سر نہ جھکایا تو یاد رکھئے کہ ہم پر وہ وقت آنے والا ہے کہ ہم سر جھکانا چاہیں گے بھی تو نہ جھکے گا يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ. خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ (43-42:68)

یہ مضمون رمضان سے پہلے آپ کے ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔ شائد اس وقت رمضان کے شروع ہونے میں کچھ دن باقی ہوں گے۔ ان ایام میں یہ سوچ لیں کہ ہم نے اس حکم خداوندی کے سامنے اور اپنے امام کی خواہش کے سامنے سر جھکانا ہے یا نہیں۔ سر جھکانے سے کونسی چیز ہمیں روکتی

ہے۔ اپنی خواہش نفس، مال کی محبت اور کچھ نہیں۔ یہ ایک کھلا مقابلہ ہے۔ ایک طرف خدا کا حکم ہے دوسری طرف نفس کی خواہش ہے۔ ہم کس کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ حکم وصیت بڑا زبردست حکم ہے۔ یہ نہ صرف جہادِ عمل کا ایک حصہ ہے بلکہ جہادِ تبلیغ قرآن کی بھی ایک زبردست بنیاد ہے۔ اور آج دوسرے سب احکام سے بڑھ کر اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس ایک حکم پر عمل سے ہم جہادِ عمل میں بھی کامیاب ہو جائیں گے اور جہادِ تبلیغ قرآن میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔

میری اپنے دوستوں سے یہ التجا ہے کہ اس دوہری کامیابی کو ہاتھ سے نہ دیں۔ جس رات ہلال رمضان نظر آئے اور ہلال الخیر والرشد کی دعا ہمارے مونہہ سے نکلے تو اس خیر ورشد کی طرف توجہ ہو جو اس حکم وصیت پر عمل سے ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ پھر اس پہلی رات خدا کی بارگاہ میں گر جایئے کہ اے خدا تو ہمیں آج اپنے حکم کی تعمیل کی توفیق عطا فرما۔ اور اگر پہلی رمضان کو اپنی وصیت لکھ کر آپ نہیں بھیج سکے تو دوسری رات پھر خدا کے آگے گریئے۔ اور اس سے مدد مانگئے کہ اے خدا! تو ہمیں وہ طاقت عطا فرما کہ ہمارا سر تیرے اس حکم کے سامنے جھک جائے۔ اے خدا! ہم اس شیطان سے جو ہمیں تیرے سامنے سر جھکانے سے روکتا ہے، تیری پناہ میں آتے ہیں اور پھر 2 رمضان کو اپنی وصیت لکھ کر بھیج دیں۔ دوسری کو بھی یہ توفیق نہ ملے تو اس سے اگلی رات کو پھر اس سے زیادہ درد سے دعا کیجئے۔ اور تیسری رمضان کو بھی یہ توفیق نہ ملے تو پھر چوتھی رات ہماری چیخیں خدا کے سامنے نکل جائیں کہ اے خدا! تین دن بھی ضائع ہو گئے اور تین راتیں بھی ضائع ہو گئیں۔ تو اب مجھ پر اپنے فضل ورحمت کے دروازے کھول دے۔ اور مجھے اپنے حکم کی تعمیل کی توفیق عطا فرما۔ پھر اپنے کسی دلی دوست سے کہیئے کہ وہ بھی آپ کے لئے یہ دعا کرے کہ آپ خدا کے حکم سے سرتابی کرنے والے نہ ہوں۔ تین دن بھی بہت ہوتے ہیں۔ مگر ہمارے سامنے تیس دن ہیں۔ اگر آخری دن بھی آپ کامیاب ہو گئے تو یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کے تیس دن ٹھکانے لگ گئے۔ اور آپ کا رمضان کا مجاہدہ پورا ہو گیا۔

پھر میری ایک اور درخواست ہے۔ اس امتحان میں آپ ایک دوسرے کی مدد کریں۔ جن لوگوں کے ساتھ آپ کے بڑے گہرے دوستانہ تعلقات ہیں۔ ان کو آپ مل کر کہیں یا خط لکھیں کہ وہ اس حکم خداوندی کی تعمیل کریں۔ اور ان کا قدم جماعت کے ساتھ ہو۔ خاوند اپنی بیویوں کو اور بیویاں

اپنے خاوندوں کو اس وصیت کے حکم کی طرف توجہ دلائیں۔ باپ بیٹوں کو اور بیٹے باپ کو توجہ دلائیں، بھائی بھائی کو توجہ دلائے، ہر غمخوار دوست اپنے دوست کو توجہ دلائے۔ اس وقت ہم سب اپنے ایک جماعت ہونے کا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کریں۔ دنیا کچھ چیز نہیں خدا کے سامنے پیش کریں۔ پھر ایک طرف بذریعہ تحریر یا گفتگو ایک دوسرے کو توجہ دلائیں تو دوسری طرف ایک دوسرے کے لئے رات کے اوقات میں دعا بھی کریں۔ ان باتوں کو میں ساری جماعت کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ جماعت کے دلوں میں اگر حرکت پیدا ہو جائے تو جو سست ہیں وہ بھی جماعت کے ساتھ چل پڑیں گے اور جماعت کا قدم اس رمضان میں کامیابی کی ایسی شاہراہ پر پڑ جائے گا کہ وہ دنوں میں ایک انقلاب دیکھ لیں گے۔

کون وصیت کرے؟: جو وفات کی صورت میں کوئی جائیداد یا کوئی مال والدین (اور اولاد) اور قریبیوں کے لئے چھوڑے۔

یہ قرآن کا صریح حکم ہے۔ نوجوان، جن کے والدین زندہ ہیں وہ سمجھتے ہیں، کہ ابھی ہمارا باپ موجود ہے ہمیں وصیت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ یہاں پہلے اولاد کا ہی ذکر کیا ہے کہ وہ اولاد وصیت کرے جو اپنے ماں باپ کے لئے کچھ مال چھوڑتی ہے۔ اور والدین جو اولاد کے لئے مال چھوڑتے ہیں، ان کا ذکر ضمناً آ گیا ہے۔ کیونکہ زبان عربی میں ایک طرف کا ذکر کر کے دونوں طرفیں مراد لے لیتے ہیں۔ تو نوجوانوں پر بھی یہ فرض ہے بشرطیکہ ان کے پاس مال ہے۔ بعض نوجوانوں کا شائد خیال ہو کہ ہمارے ماں باپ نے وصیت کی تھی اور ہم نے تو اس جائیداد کو لیا ہے جس میں سے ہمارے باپ کی وصیت کا مال ادا ہو چکا ہے۔ مگر وصیت کا حکم تو ہر عاقل و بالغ کے لئے ہے۔ اب وہ جائیداد اس کی ہے اور اسے بھی حکم ہے کہ وہ بھی وصیت کرے۔ بعض بیویاں سمجھتی ہیں کہ ہمارے شوہر نے وصیت کر دی ہے۔ وہ کافی ہے۔ درست ہے وہ کافی اس کے لئے ہے۔ لیکن شوہر کا عمل بیوی کے لئے کافی نہیں۔ جس طرح شوہر کی نمازیں بیوی کے کام نہیں آئیں گی، شوہر کی وصیت بھی بیوی کے کام نہیں آئے گی۔ اسلام نے عورت کو بہت سے حقوق دیئے ہیں۔ اور غنیمت ہے کہ جہاں لوگوں نے بہت سے احکام قرآنی کو چھوڑا ہوا ہے، بیویوں کو جائیدادوں کا مالک بنانے

کا حکم پر بہت لوگ عامل ہیں۔ان کے مہران کو ادا کر دیتے ہیں۔جس سے وہ جائدادوں کی مالک بن جاتی ہیں۔ یا بعض اور مصالحہ کی بناء پر انہیں جائدادوں کا مالک بنا دیتے ہیں۔کئی بیویاں ہیں جو شوہروں سے زیادہ مالدار ہیں۔تو بیویوں کے لئے بھی وصیت کا حکم ہے۔اور شوہر کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بھی وصیت کے حکم کی تعمیل میں مدد دے۔اور اس کو اس بات کی ترغیب دے۔

ہر ایک شخص، جس جس کے پاس یہ تحریک پہنچے، بوڑھا ہو یا نوجوان، مرد ہو یا عورت، یہ سوچے کہ اگر میں آج مر جاؤں تو کیا میری کوئی جائیداد ہے جو کل کو میرے ورثا کو پہنچے گی۔اس میں خدا کا بھی حصہ ہے۔افضل تیسرا حصہ ہے۔جس نے تیسرا حصہ دے دیا اس نے گویا سارا مال راہ خدا میں دے دیا۔ کیونکہ تیسرے حصہ سے زیادہ کی اجازت شریعت نہیں دیتی۔تیسرا حصہ نہ دے تو چوتھا دے۔ چوتھا نہ دے سکے تو پانچواں ۔ پانچواں نہ دے سکے تو چھٹا۔ چھٹا نہ دے سکے تو ساتواں۔ ساتواں نہ دے سکے تو آٹھواں۔آٹھواں نہ دے سکے تو نواں۔نواں نہ دے سکے تو دسواں ۔ یہ آخری حد ہے جو ہمارے امام نے مقرر کی ہے۔اور سوچنا اصل میں اسے یہ چاہئیے کہ میں اپنے مال کا کونسا حصہ اپنے ساتھ آگے لے جاؤں۔ جو اس دوسرے عالم میں میرے کام آئے۔اور کونسا حصہ اپنے ورثاء کے لئے چھوڑ جاؤں۔ پھر تیسرے سے لے کر دسویں تک جہاں بھی نفس راضی ہو جائے، اس کے مطابق وصیت کر دے۔

کیا میرا کوئی مکان ہے؟ کیا میری کوئی زمین ہے؟ کیا میرے پاس کچھ نقد روپیہ ہے؟ کیا میرے پاس کوئی سامان ہے؟ کیا میرے پاس کچھ زیورات ہیں؟ کیا میرے پاس کسی کمپنی کے کوئی حصے ہیں کیا میں نے حکومت کو یا اور کسی کو کوئی قرضہ دیا ہوا ہے جو میرے بعد قابل وصول ہوگا؟ کیا میں نے اپنی زندگی کا بیمہ کرایا ہوا ہے؟ کیا میرا کوئی پراویڈنٹ فنڈ جمع ہے یا جمع ہو رہا ہے؟ تو یہ سب جائیداد ہے۔اور اس سب کی وصیت ہونی ضروری ہے۔

اس ذیل میں میں اس آخری ضمن کی طرف خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جماعت کے بہت سے احباب ملازمت میں ہیں۔خواہ وہ ملازمت سرکاری ہو اور خواہ غیر سرکاری ہو۔اور عام طور پر ملازمین کا ایک پراویڈنٹ فنڈ ہوتا ہے۔ ہماری انجمن کے کارکنوں کا بھی پراویڈنٹ فنڈ ہے۔اور اس

وقت ہمارے کارکنوں کا پینتیس ہزار روپے سے اوپر پراویڈنٹ فنڈ جمع ہے۔ اگر یہ سارے کارکن صرف اس رقم کی وصیت کریں تو بحساب اوسط ساتواں حصہ لے کر پانچ ہزار سے اوپر یہی رقم ہوتی ہے۔ اور سرکاری ملازمتوں میں بعض ایسے احباب بھی ہیں جن کے پراویڈنٹ فنڈ کا روپیہ ستر ستر، اسی اسی ہزار روپیہ تک پہنچتا ہے۔ وہ بھی ابھی خاموش ہیں۔ ان سب احباب کو میں توجہ دلاتا ہوں کہ اس رمضان کے ختم سے پہلے اس حکم خداوندی کی تعمیل کر دیں۔

میں اس خط کے ساتھ وصیت کے فارم بھجوا رہا ہوں۔ تاکہ احباب کو حکم قرآنی کی تعمیل میں سہولت ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی میری یہ التماس ہے کہ جن احباب کو بوجہ شراکت وغیرہ اپنی جائداد کا حساب کرنے میں کوئی دقت ہے، وہ سر دست مجمل وصیت ہی کر دیں کہ جو اُن کی جائداد بعد وفات ثابت ہو، اس کے فلاں حصہ کی وصیت وہ بحق احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کرتے ہیں، جس کی اندازاً مالیت اس قدر ہے اور بعد تقسیم جائیداد وہ مزید تفصیلات سے انجمن کو اطلاع دیں گے۔

ان دوستوں سے، جنہوں نے وصیت کا روپیہ یا اس کا کچھ حصہ ادا کر دیا ہے مگر اپنی تحریری وصیت ابھی نہیں بھیجی، یہ التماس ہے کہ وہ بھی اپنی تحریری وصیت فی الفور انجمن کو بھیج دیں۔

خاکسار محمد علی

دارالسلام۔ ڈلہوزی

25 جولائی 1945ء

15 اگست 1945ء

ہم نے رمضان میں کیا کرنا ہے؟

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

1۔ جنہوں نے اب تک وصیت نہیں کی یا لکھ کر دفتر میں نہیں بھیج دی وہ اپنی وصیت، خواہ کتنی بھی مجمل ہو، لکھ کر دفتر میں بھیج دیں۔

2۔ جو خود وصیت کر چکے ہیں مگر ان کی بیویوں یا اور عزیزوں نے، جن کے پاس خدا کا دیا ہوا مال ہے، وصیت نہیں کی وہ اپنی بیویوں سے یا اور عزیزوں سے وصیت تحریر کرانے کی پوری کوشش کریں۔

3۔ جو وصیت کر چکے ہیں اگر ان کی وصیت دسویں حصہ سے لے کر چوتھے حصہ تک ہے، تو اس میں اس قدر اضافہ کی کوشش کریں کہ ان کی وصیت ایک تہائی تک پہنچ جائے۔ ایسے لوگوں نے گویا سارا مال خدا کے رستے میں دے دیا۔ کیونکہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کو خدا کا حکم روکتا ہے۔

4۔ جو وصیت کر چکے ہیں اور کچھ حصہ رقم وصیت کا ادا بھی کر چکے ہیں، وہ یہ کوشش کریں کہ کچھ حصہ اور ادا کر دیں اور ممکن ہو تو سارے کا سارا ہی ادا کر دیں۔

5۔ جو وصیت کر چکے ہیں اور ابھی کوئی حصہ وصیت کا ادا نہیں کیا، وہ کوشش کریں کہ کچھ حصہ رقم وصیت کا اس رمضان میں ادا کر دیں۔

6۔ جن کے راستے میں وصیت کرنے میں یا وصیت کا مال ادا کرنے میں کوئی روک ہے یا انہیں اس کام کی توفیق نہیں ملتی، وہ نماز تہجد میں کچھ آنسو ہی بہائیں کہ اے خدا تو ہمارے دلوں کی سختی کو دور فرما۔ اور اپنی محبت کی وہ چنگاری ہمارے دلوں میں ڈال جو مال کی محبت کو خاکستر کر دے۔

خاکسار محمد علی

30 شعبان

15 اگست 1945ء

رمضان کے لئے کچھ دعائیں

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

☆ اے خدا! تو مجھے ان لوگوں کے اس راستے پر چلا جنہوں نے اپنا سب کچھ تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لئے قربان کر دیا اور اس لئے تیرے انعامات کے مستحق ہوئے۔

☆ اے خدا! تو میرے بیوی بچوں کو میرے عزیزوں اور دوستوں کو بھی اسی راستے پر چلا۔

☆ اے خدا! تو ہماری ساری جماعت کے اندر یہ حرکت پیدا کر دے کہ وہ تیرے حکم وصیت کی تعمیل اس رمضان میں کر کے تیری رضا کو، جو روزے کا اصل مقصد ہے، حاصل کر لیں اور مال کی پرستش کے ذلیل مقام سے اُٹھ کر تیری پرستش کے بلند مقام کو حاصل کر لیں۔

☆ اے خدا! تو ہمیں وہ سامان عطا فرما اور ایسے کارکن عطا فرما کہ ہم تیرے قرآن کو دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں پہنچا دیں۔

☆ اے خدا! تو ہمیں وہ نصرت فرما کہ ہم تیرے دین کی تبلیغ کے مرکز دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں قائم کر دیں۔

☆ اے خدا! تو قرآن اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی قبولیت کی ایک زبردست ہوا دنیا میں چلا دے۔

☆ اے خدا! تو دنیا پرست انسانوں کو ظلم وفساد اور فسق وفجور سے باہر نکال اور انہیں حق کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔

☆ اے خدا! تو ساری دنیا کو نورِ اسلام سے منور کر دے۔

خاکسار محمد علی

30 شعبان

15 اگست 1945ء

سیٹھ اللہ دین صاحب کا مطالبہ حلف

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

بعض احباب نے مجھے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ سیٹھ عبداللہ اللہ دین صاحب اپنا مطالبہ حلف اب تک بار بار دوہراتے رہتے ہیں۔

اس کا تو میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ دوا فروشوں کے انعامی اشتہارات اسی طرح نکلتے رہتے ہیں۔ خواہ ان کی دوائی سے کوئی مرے یا جیئے۔ مجھے آج تیس سال یہ حلف اٹھائے گزر چکے کہ نہ حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ در بارہ نبوت تبدیل کیا نہ میں نے تبدیل کیا۔ اور یہی قادیانی جماعت اور ہمارے درمیان مابہ النزاع ہے۔ پھر میں نے اسی قسم کی ایک حلف گذشتہ سال قادیانی جماعت مانسہرہ کے مطالبہ پر اٹھائی اور اب پھر یہی حلف اُٹھائی ہے اور میاں صاحب سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ حلف اُٹھائیں کہ 1901ء میں انہوں نے اپنا عقیدہ در بارہ نبوت حضرت مسیح موعود تبدیل کر لیا تھا اور سابقہ انکار نبوت کی تحریروں کو منسوخ قرار دے دیا تھا۔ سیٹھ صاحب کو چاہئیے تو یہ تھا کہ وہ بیس ہزار روپیہ مجھے بھیج دیتے۔ تا کہ مجھے عدالت کے ذریعہ سے طلب کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔ اور اس وقت یہ انکا روپیہ اعلاء کلمۃ اللہ پر لگ جاتا۔ مگر سیٹھ لینے سے بنتے ہیں دینے سے نہیں بنتے!

سردست انہیں چاہئیے کہ جس طرح بیس ہزار روپے انہوں نے مجھے دینے کا وعدہ کیا تھا، اگر میں اپنے عقائد کی صحت پر حلف اٹھاؤں۔ اب یہ اعلان بھی کریں کہ اگر میاں صاحب اپنے اس عقیدہ کی صحت پر حلف اُٹھائیں کہ حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ در بارہ نبوت تبدیل کر کے اپنی سابقہ تشریحات نبوت کو، کہ اس سے مراد محض لغوی اور مجازی معنی ہیں جسے اصطلاح شریعت میں محدثیت کہا جاتا ہے، غلط اور منسوخ قرار دیا تھا اور خود میاں صاحب نے بھی اسی بنا پر اپنا عقیدہ 1901ء میں تبدیل کر لیا تھا۔ اوران کی جماعت کے لوگوں نے بھی تبدیل کر لیا تھا اور حضرت صاحب کے انکار نبوت کے حوالوں کو منسوخ سمجھ لیا تھا تو وہ بیس ہزار روپیہ ان کو انعام دیں گے۔ خاکسار محمد علی۔ دارالسلام۔ ڈلہوزی۔ 9 اگست 1945ء

❁❁❁

22 اگست 1945ء

جماعت کو مبارکباد

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

برلن برباد ہو گیا۔ ایسا برباد ہوا کہ لندن اور وارسا اور سٹالن گراڈ کی بربادی اس کے سامنے ماند پڑ گئی۔ اس پر آسمان سے دن اور رات آگ برستی رہی۔ کئی لاکھ من گولے اس پر پڑے۔ اور دو تین سال برابر یہ سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر ایک انتقام کے جذبہ سے بھری ہوئی قوم، جو جرمنی کے ہاتھ سے بے حساب نقصان اٹھا چکی تھی، جس کے شہر اور صنعتیں اور زراعت جرمن فوجوں نے ویرانے بنا دیئے تھے، اس پر حملہ آور ہوئی اور شہر کی عمارتوں کو اس طرح مسمار کیا کہ دیکھنے والوں نے کہا کہ لندن برباد نہیں ہوا وارسا برباد نہیں ہو، اس سٹالن گراڈ برباد نہیں ہو، اگر برباد ہوا ہے تو برلن برباد ہوا ہے۔ مگر اس برباد شدہ شہر میں آج ''ریوٹر'' کا نامہ نگار بتاتا ہے کہ برلن مسجد زندہ موجود ہے۔

اس برلن میں ایک غریب جماعت نے خدا کا ایک گھر بنایا تھا۔ اس جماعت کو کوئی نمود مقصود نہیں تھا۔ کیونکہ وہاں جا کر دیکھنے والا کون تھا کہ ہم نے کیا بنایا ہے۔ یہ اپنے مالوں کو خدا کا گھر بنانے کے لئے دیتی تھی اور عاجزی سے دعائیں کرتی تھی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا (127:2) اے ہمارے رب تو ہماری اس عاجزانہ کوشش کو قبول فرما۔ مجھے وہ نظارہ یاد ہے۔ ہمارے جلسہ سالانہ میں ایک مٹھی بھر خواتین بھی بیٹھی تھیں۔ جب برلن سے یہ اپیل ہمارے مبلغ کی طرف سے آئی کہ میناروں کے لئے روپیہ نہیں رہا۔ اس وقت میں نے ان مٹھی بھر خواتین سے اپیل کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اس طرح کھولا کہ کئی ہزار روپیہ چندہ ایک چھوٹی سی جماعت کی تھوڑی سی خواتین سے ہو گیا۔ تو میں آج اپنی جماعت کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس قربانی کو قبول فرمانے کا ایک کھلا نشان ظاہر کیا۔ اور آج ''ریوٹر'' کے نامہ نگار نے تمام دنیا کو اطلاع دے دے ہے جو بات ہمارے بس کی نہ تھی کہ خدا نے اس برباد شدہ شہر میں اپنے گھر کو بچا لیا۔

اور عجیب بات ہے کہ یہ بھی اس اطلاع میں بتا دیا گیا ہے کہ گو گنبد اور میناروں کو کچھ نقصان پہنچا ہے مگر وہ مینارہ جس پر چڑھ کر موذن اذان دیتا تھا بالکل محفوظ رہا اَلْعَظْمَةُ لِلّٰه ۔ وہاں سے خدا کا نام بلند ہوتا تھا۔ خدا نے کتنا بڑا نشان دکھایا۔ ہمیں آج اس بات کی خوشی نہیں۔ گو یہ یہ بھی ایک بڑی بھاری

خوشی کی بات ہے کہ ہمیں از سر نو اس کی تعمیر پر مال خرچ کرنا نہیں پڑا۔ خوشی اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو بچانے میں کتنا بڑا نشان دکھایا۔ اور اپنی طاقت کا اور اپنی ہستی کا کتنا بڑا ثبوت دیا۔ جس نے یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ (69:21) کا نظارہ دنیا کو دکھایا تھا آج دنیا کو پھر یہ نظارہ دکھایا کہ وہ جسے بچانا چاہے جلتی آگ کے اندر بھی سلامت رکھتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ جب روسیوں کا حملہ شروع ہوا تو جرمنوں نے اس محلّہ میں حملے کی روک کے لئے اسی مسجد کو منتخب کیا۔ ایسی جگہ پر تو حملہ اور بھی سخت ہونا تھا اور ہوا۔ جب روسی فوج اس پر قابض ہوئی تو چودہ جرمن سپاہیوں کی لاشیں اس مسجد میں پڑی تھیں۔ مگر مسجد کی خادمہ اس گھر میں محفوظ تھی۔ پھر اس خادمہ نے یہ بھی بتایا کہ جنگ کے دوران میں یہ چھ ہزار مسلمانوں کا مرکز تھی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ. کہاں ہیں وہ مسلمان یا وہ گروہ۔ جنہوں نے مسلمانوں کو اس بات کے لئے اُکسایا تھا کہ برلن مسجد کو برباد کر دو۔ کیونکہ یہ مرزائیوں کی بنائی ہوئی ہے۔ اے مسلمانوں کے فرزندو! اپنے ارادوں کو بھی دیکھو اور خدا کے ارادوں کو بھی دیکھو۔ تم اس کو برباد کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے کہ خدمت اسلام کی تڑپ رکھنے والی ایک جماعت نے اسے بنایا تھا۔ خدا نے اسے جلتی آگ میں بچا کر رکھ دیا کہ خدا کا ہاتھ اس جماعت کے ساتھ ہے۔ اس شخص کے ساتھ ہے جس نے اس جماعت کو اس کام پر لگایا۔

میرے دوستو! آؤ اور خدا کے سامنے عاجزی کے سجدوں میں گر جاؤ۔ کہ ہم گنہگاروں ہم ناکاروں کے لئے اس نے اتنا بڑا نشان دکھایا۔ اپنی طاقت اور قدرت کا نشان دکھایا۔ اپنے زندہ موجود ہونے کا نشان دکھایا۔ یہ محض اس کا رحم ہے۔ ہم کہاں اس قابل تھے مگر اس کی قدردانی کی کوئی انتہا نہیں۔ اس نے ایک بہت ہی چھوٹی سی کوشش کی اتنی قدردانی فرمائی۔ آؤ ہم بھی اس کی قدردانی پر اس معجز نمائی پر کچھ شکریہ ادا کریں۔ مگر عملی رنگ میں۔ اے شک کرنے والو! اپنے شکوک کو خدا کے اس عظیم الشان نشان کے سامنے تو دلوں سے نکال دو۔ اور اب تو جان لو کہ خدا کا یہ ارادہ ہو چکا ہے کہ اس کا نام دنیا میں پھیلے اور یہ تمہارے مال اگر آج خدا کا نام دنیا میں بلند کرنے میں اور خدا کا کلام دنیا میں پہنچانے میں لگ جائیں تو یہ غلیظ مال بھی پاک ہو کر ابدی زندگی حاصل کر لیں گے اور ان مالوں کو لگانے والوں کے لئے خدا نے اپنی کیا کیا نعمتیں رکھی ہیں انہیں کوئی نہیں جانتا۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ

(17:32) دیکھو یہ نشان بھی دنیا میں اسی رمضان میں ظاہر ہوا۔ کیونکہ ہمیں اس کا صحیح علم اسی رمضان میں ہوتا ہے۔ 10 اگست کو رمضان شروع ہوتا ہے اور ٹھیک تیسرے روزے یعنی 12 اگست کو ایک کافر ایجنسی اسی نشان کو دنیا میں مشتہر کرتی ہے اور اسی رمضان کے لئے میں نے آپ سے یہ درخواست کی تھی کہ دس اور تبلیغی مرکز دنیا میں قائم کرنے کا تہیہ کرلو۔ اور اپنے جمع شدہ مالوں کا، جنہیں آپ فنا ہونے کے لئے اپنے پیچھے یہاں چھوڑنے والے ہیں، دسویں سے تیسرے حصہ تک اس کام پر لگا دو۔ تا کہ تمہارا سارا مال ابدی اور لا فانی ہو جائے۔ اور تمہاری اس دوسری زندگی میں دس گنا ہزار گنا لاکھ گنا بے حساب گنا ہو کر تمہیں لے۔ خدا نے تمہاری پہلی کوشش کی اتنی قدر دانی فرمائی۔ اب تم اپنے قدموں کو خدا کی راہ میں تیز کرو۔ اگر پہلے تم بیٹھنے سے کھڑے ہوئے تھے تو اب چل پڑو۔ اگر پہلے تم کھڑے ہو کر چل پڑے تھے تو اب دوڑ پڑو۔ جو کچھ لا سکتے ہو لاؤ کہ ہم مل کر خدا کا نام دنیا میں بلند کریں۔ اور اس آنے والے سال میں دس اور مرکز تبلیغ اسلام کے دس مرکز قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے دنیا کے دس بڑے بڑے شہروں میں قائم کر دیں۔ تمہارا خدا تمہارے ساتھ ہے۔ تم ارادہ کرلو وہ تمہارے اندر قوت پیدا کر دے گا۔

اے صاحبان مال! اگر میری اس آواز پر تم اپنے مال نہیں لاتے تو یاد رکھو کہ ایک دن اس بات پر پچھتاؤ گے۔ خدا کے راستے میں اپنے مال دے دو۔ خدا کا نام دنیا میں بلند کرنے کے لئے اپنے مال دے دو۔ خدا کا آخری پیغام اس کا رزقِ روحانی بھوکی مرتی دنیا تک پہنچانے کے لئے اپنے مال دے دو۔ اور اگر میری یہ تمام التجائیں بھی تمہارے دلوں پر کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتیں اور میں جانتا ہوں کہ ایک نا کارہ ایک گنہگار کی آواز میں کیا اثر ہو سکتا ہے، تو پھر آخری التجا یہ ہے کہ اس رمضان میں خدا کے آگے گرو۔ اور روؤ اور اس سے یہ دعا مانگو کہ اے خدا! تو اپنے دین کی نصرت کا کوئی اور سامان ہی کر دے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے۔ خدا کے دین کی نصرت کے لئے دعائیں کرو اور اس قدر گریہ وزاری کرو کہ تمہاری آہیں آسمان تک پہنچ جائیں۔ اس مضمون کے آپ تک پہنچنے کے بعد شائد پندرہ دن ہی رمضان کے باقی ہوں گے۔ مگر آخری عشرہ ابھی باقی ہوگا۔ میری آخری التجا کو نہ بھولو کہ اگر مال نہیں دے سکتے تو دعاؤں سے ہی، مگر ان دعاؤں سے جو آسمان تک پہنچ جائیں، میری مدد کرو۔ خاکسار محمد علی۔ 7 رمضان المبارک

❁❁❁

19 ستمبر 1945ء

صحیح معنوں میں مبلغ کس طرح بن سکتا ہے؟!

مکتوب امیر ایک دوست کے نام

آپ کا خط پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کا آپ پر ہزار احسان ہے کہ اس نے آپ کے دل میں تبلیغ اسلام کے لئے جوش پیدا کیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اور زیادہ کرے۔ **اللھم زدفزد** ۔ مبلغ صحیح معنی میں بننے کے لئے ایک تو خدا کے آگے گرا رہنا ضروری ہے، بالخصوص رات کے اوقات میں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے جو حکم دیئے گئے، ان میں **قُمِ الَّیْلَ** (2:73) کا حکم بھی ہے۔ خدا تعالیٰ سے انسان مدد مانگے کہ دلوں کو حق کی طرف پھیرنا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوشش سے کچھ نہیں بنتا ہے جب تک خدا کی مدد شامل حال نہ ہو۔ اور خدا تعالیٰ وہ اثر کلام میں پیدا بھی کرے کہ اس کی بات دوسرے کے دل میں گھر کر جائے۔ دوسرے ان تھک کوشش ہونی چاہیئے۔ **اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا** (7:73)

انسان اگر دل کے دروازوں کو بھی کھٹکھائے تو ان میں سے اگر ایک بھی کھل جائے تو یہ خدا کا فضل ہے۔ دروازوں کو کھٹکھٹانے میں تھکنا نہیں چاہیئے۔ خواہ ناکامی پر ناکامی پیش آتی جائے۔ ہمارے مبلغ چاہے وہ یہاں کام کر رہے ہوں چاہے باہر کے ملکوں میں جا کر کام کریں، اگر ان دو اصولوں پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کو کوششوں میں برکت دے گا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے اپنے دین کی خدمت کا بہت کام لے۔ یہی سب سے بڑی دولت ہے کہ کسی انسان کی وجہ سے کسی دوسرے انسان کو ہدایت مل جائے اور وہ صحیح راستہ پر چلنے لگے۔ خاکسار محمد علی

19 دسمبر 1945ء

جلسہ سالانہ میں شریک ہونے والے دوستوں کو ہدایات

از حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

میں جلسہ سالانہ کے متعلق تین باتیں آپ سے کہنا چاہتا ہوں اور جماعت کے ان تمام دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں جو اس جلسہ سالانہ میں شریک ہوں گے۔ یہ جلسہ کے تین دن ہمارے لئے مجاہدے کے تین دن ہیں۔ ان تین دنوں میں اپنے مجاہدہ سے ثبوت دو اور دکھاؤ کہ خدا تعالیٰ کے سامنے تم اپنی تمام خواہشات کو ہیچ سمجھتے ہو۔

☆ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ سب دوست، جو جلسہ سالانہ میں شریک ہوں، وہ اس موقعہ پر نماز با جماعت کی خصوصیت سے پابندی کریں۔ ہر چیز سے مقدم اس بات کو سمجھیں۔ جلسہ کے موقعہ پر ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع ہوتی ہیں۔ جن میں ہر شخص بڑی آسانی کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے۔ سو اس مجاہدہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ باہر سے آنے والے لوگ مقامی لوگ اور ہو سکے تو وہ لوگ بھی جو جلسہ سالانہ کے کام پر لگے ہوئے ہوں، نماز با جماعت ادا کریں اور اس چیز کو ہر بات پر مقدم کریں۔

☆ دوسری بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ سب لوگ اور ہر ایک وہ شخص جس کو میرا یہ پیغام پہنچے ان تین دنوں میں خاص طور پر تہجد کی نماز پڑھیں جو لوگ مہمان کے طور پر ہوں گے ان کے لئے جگانے کا ہم بندوبست کر سکتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو گھروں میں ہوں گے وہ بھی تہجد کی نماز پڑھیں۔ 25-26-27 دسمبر کی تاریخوں میں ہر ایک شخص تہجد کی کم از کم دو رکعت ادا کرے۔ اور تہجد میں دعا کی جائے میں دو دعاؤں کی سفارش کرتا ہوں ایک تو وہ دعا جو سورۃ البقرہ کے آخر پر ملتی ہے۔ اور جس میں تمام التجاؤں کا خاتمہ اس بات پر ہوتا ہے اَنۡتَ مَوۡلٰىنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ. (286:2) اور دوسری حضرت ایوبؑ کی دعا ہے وَاَيُّوۡبَ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ (83:21) اور ایوبؑ کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ انبیاءؑ کی دعائیں اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ خدا تعالیٰ کا نام دنیا میں پہنچانے کے لئے۔ ان کے راستہ میں مشکلات ہوتی ہیں اور ان مشکلات کو

دور کرنے کے لئے وہ خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ یہ کام بہت بڑا ہے تو ہماری مدد فرما۔ سب دوست مل کر تین دن کے لئے یہ دعائیں کریں تا کہ ہماری دعائیں اکٹھی ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور میں پہنچیں اور اللہ تعالیٰ اسلام کو کفر پر غالب کرے اور اس غلبہ کے لئے ہم کو طاقت اور ضروری سامان عطا فرمائے۔

☆ تیسری بات یہ ہے کہ لیکچروں کی پابندی اختیار کریں۔ بغیر اس خیال کے کہ فلاں شخص کا لیکچر ہے اور ضرور سننا چاہئیے، معلوم نہیں کہ کس شخص کے مونہہ سے کوئی بات نکل جائے جو اثر کر جائے۔

یہ میری تین عرض داشتیں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس موقعہ پر مل کر ہمارے قلوب سے یہ دعائیں نکلیں۔ یہ بڑا مشکل مقام ہے۔ کوئی شخص اپنے بازو سے حاصل نہیں کر سکتا۔ خدا کے ہاں جو کچھ قبول ہوتا ہے عاجزی سے ہوتا ہے۔ امید ہے جلسہ سالانہ میں شامل ہونے والے تمام دوست ان تین باتوں کو پیش نظر رکھیں گے اور اہتمام کے ساتھ انہیں عملی جامہ پہنچائیں گے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

❁❁❁

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

جمادالثانی 1368ھ	تا	محرم الحرام 1365ھ
اپریل 1949ء		جنوری 1946ء

جلد 18

احمدیہ انجمن لاہور

نام کتاب	:	افکارِ محمد علیؒ (جلد 18)
ناشر	:	دارالکتب علمیہ،5 عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
باہتمام	:	محمد ارشد علوی
طبع	:	اول
تعداد	:	300
مقام اشاعت	:	5۔عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ نے ادا کیے ہیں۔(برائے مفت تقسیم)

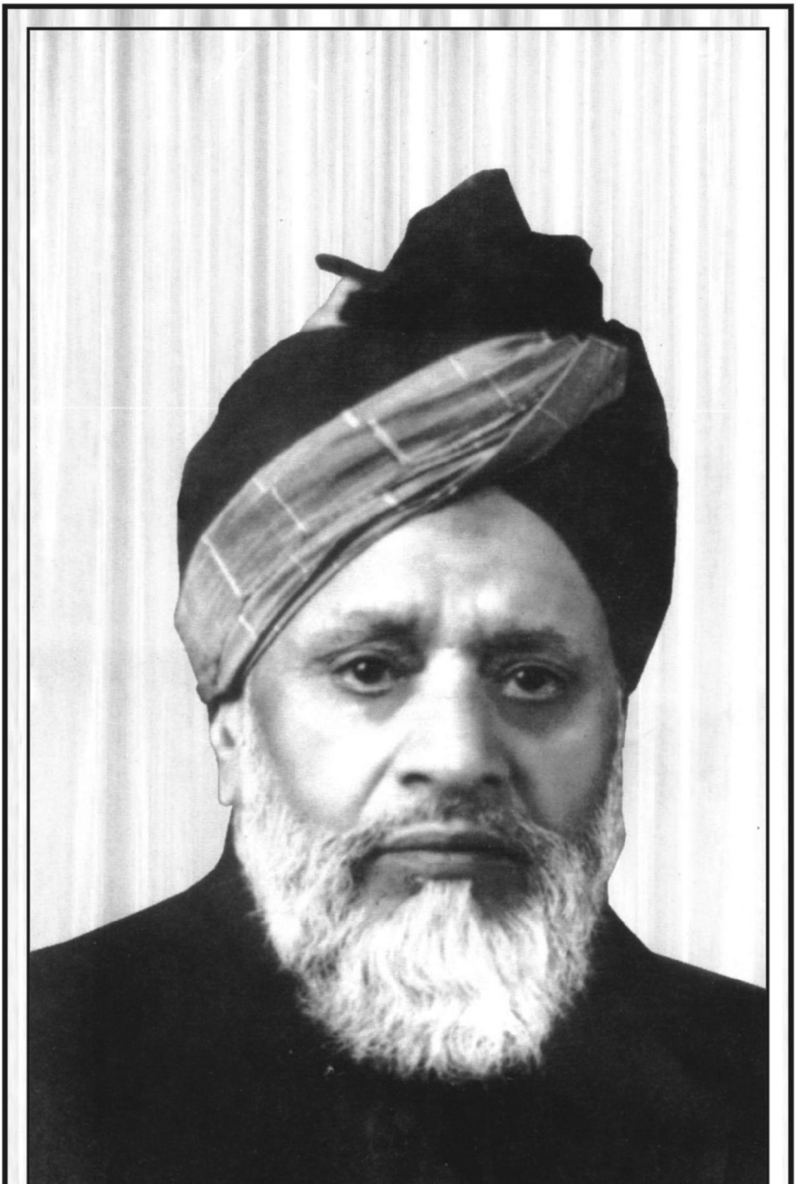

شبیہ مجاہد کبیر، مجدد الدّین، المنصور، فاضل الٰہیات، مفسر قرآن علامہ حضرت مولانا محمد علیؒ

ایم۔اے، ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

— محمد اعظم علوی

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی۔ جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نورالدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض انجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمہ القرآن جس کی ابتداء 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کی دوسری ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوئی اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ و تفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ '' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی) 1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجنز آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت

اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اور اسی طرح سال بہ سال حضرت مولینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی۔ اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یعنی "عشق قرآن"۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی۔ تا کہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعی اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِهٖ۔

خاکسار

عامر عزیز بن عبد العزیز الازھری

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

حرف اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی 18ویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔ اس میں اخبار پیغام صلح کا (جنوری 1946ء تا اپریل 1949ء) سے انتخاب شامل ہے۔ اگرچہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولٰینا محمد علیؒ ہیں۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔ حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولٰینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔ عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کر رہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فرد گذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار
محمد ارشد علوی
انچارج شعبہ تالیف وتصنیف

فہرست

10 جنوری 1946ء

صوبہ وار اسمبلیوں کے انتخابات

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے سلسلہ میں مسلم لیگ کی شاندار کامیابی نے اس امر کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا ہے کہ مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کا اب دوسرا کوئی مرکز نہیں ہوسکتا۔ اس وقت جو مسلمان جماعتیں مسلم لیگ سے علیحدگی اختیار کر کے یا ان کے مقابل پر علیحدہ سیاسی مرکز بنانا چاہتی ہیں وہ اپنی قوت کو ہی بیکار نہیں کر رہیں بلکہ مسلمان قوم کو اور اس کے ساتھ خود اسلام کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔

آج ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان موجود ہیں اور اس قدر تعداد مسلمانوں کی اور کسی ملک میں نہیں۔ یہ دس کروڑ آدمی اگر متحد ہو جائیں اور کسی اپنے نظام کے ماتحت چلیں تو دنیا کی زبردست طاقتوں سے ایک طاقت بن سکتے ہیں۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ان پراگندہ اجزاء میں اب اتحاد کی ہوا چل گئی ہے۔ اس وقت اس اتحاد سے علیحدگی اختیار کرنے والے، خواہ وہ کسی نام کے پیچھے علیحدگی اختیار کریں، مسلمانوں کے اتحاد کو پاش پاش کرنے کے جرم کی اعانت کے مرتکب ہوں گے۔ مانا کہ اسلام کے اتحاد کو نقصان پہنچانا کسی مسلمان کے مدنظر نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس وقت مسلم لیگ کی مخالفت کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جس نقطہ اتحاد پر مسلمان قوم عملاً جمع ہو چکی ہے اسے توڑ دیا جائے۔ ممکن ہے بعض اصحاب کو بعض باتوں میں مسلم لیگ سے یا مسلم لیگ کے بعض کارکنوں کے خلاف شکایات ہوں۔ ان شکایات کا علاج بعد میں ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ مسلم لیگ اس وقت ناکام ہو جائے اور ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان ایک اقلیت بن کر رہ جائیں جو اکثریت کے رحم پر ہوں گے تو اس کا حشر وہی ہوگا جو آٹھ کروڑ اچھوت کا حشر ہو رہا ہے۔ اور پھر ہم سب اس میں شریک ہوں گے۔ یہ محض پرانا قصہ نہیں، اس وقت بھی کانگرس کے چندروزہ اور محدود دائرہ کے اندر حکومت نے مسلمانوں کو پامال کرنے اور ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا چھوڑی۔ تو جب کل حکومت کے اختیارات اس اکثریت کو مل جائیں گے تو وہ کیا کچھ نہ کر گذریں گے جب ایک جذبہ انتقام بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہوگا!

اس وقت، جبکہ صوبہ وار اسمبلیوں کے انتخابات ہمارے سامنے ہیں، میں اپنے احباب کو بالخصوص اس امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارا فرض صرف اسی قدر نہیں کہ اپنی ذاتی رائے سے مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں بلکہ اس وقت ہمیں اپنی ساری قوت اس کام کے لئے خرچ کرنی چاہئیے۔ ہماری جماعت کے آدمی سارے ہندوستان کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے اگر ہم میں سے ہر شخص اپنی جگہ پر کوشش کرے تو یہ کوشش بہت موثر ہو سکتی ہے۔ ہماری جماعت میں خدا کے فضل سے یہ قوت موجود ہے کہ وہ خدا کی رضا کے سامنے دنیوی مفاد کو قربان کر دیتی ہے۔ اس لئے ہم میں سے کسی شخص کو یہ کمزوری نہ دکھانی چاہئیے کہ وہ کسی دنیوی لالچ یا دنیوی مفاد کے خیال سے اسلام کے اتحاد کو نقصان پہنچائے۔ ہم نے ایک بڑی جماعت سے صرف اس لئے علیحدگی اختیار کی کہ ہمارے نزدیک ان کے عقائد سے اتحاد اسلامی کو نقصان پہنچتا تھا۔ اس لئے ہمیں اب بھی کسی دنیوی مفاد کی پروا نہ کرتے ہوئے جو کچھ ہو سکے، اتحاد اسلام کو کامیاب بنانے کے لئے کام کرنا چاہئیے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارا مسلک یہی ہے کہ ہم سیاسیات سے الگ رہ کر صرف تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کا کام کریں۔ مگر اتحاد اسلام کا سوال ایک بنیادی سوال ہے۔ اور اس وقت مسلم لیگ ہندوستان میں اتحاد اسلام کی نمائندہ ہے۔ جس کے لئے دوسری کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ اس لئے اس وقت ہمیں اتحاد اسلام کے اہم سوال کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلم لیگ کی امداد میں مساعی ہونا چاہئیے۔ اور جو کچھ ہماری طاقت میں ہو اس کی کامیابی کے لئے وہ سب کچھ کرنا چاہئیے۔ البتہ جن مقامات میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کوئی شخص اسمبلی کے لئے کھڑا نہیں ہو رہا۔ وہاں مناسب ہوگا کہ مرکز میں اطلاع دے کر مشورہ کے بعد مناسب راستہ اختیار کیا جائے۔ لیکن جہاں مسلم لیگ کی طرف سے کسی کو ٹکٹ مل چکا ہو اس کی کامیابی کے لئے ہمیں اپنی پوری قوت صرف کرنی چاہئیے اور اس کے مقابل ہمارے ذاتی تعلقات کیسے بھی ہوں ان کی پروا نہیں کرنی چاہئیے۔

محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

10 جنوری 1946ء

ایک جائزہ

عظیم الشان کاموں کی بنیاد

جماعت کے استحکام اور ترقی کے لئے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی تحریک۔

گذشتہ دو تین سالوں میں اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ لاہور کو بڑے بڑے کاموں کی بنیاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ دس مشنوں کے قیام کی بنیاد اور تراجم قرآن کو وسیع پیمانے پر کرنے کی بنیاد اور اس سال جماعت احمدیہ نے اپنے امیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایک ادارہ تعلیم قرآن کی بنیاد رکھی ہے۔ تراجم قرآن کا کام جس سرگرمی سے ہو رہا ہے اس کے متعلق جماعت کو پہلے اطلاع دی جا چکی ہے۔ تامل زبان میں قریباً بیس پارے ترجمہ ہو چکے ہیں۔ سندھی زبان میں دس پاروں تک ترجمہ ہو چکا ہے اور گورمکھی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ اطالوی زبان میں ترجمہ شروع ہے۔ روسی، بنگالی اور ہندی تراجم کا کام زیر غور ہے۔ انشاء اللہ جرمن مشن، امریکہ مشن اور سپین مشن کا کام بھی عنقریب شروع ہو جائے گا۔ مصر اور افریقہ کے مشنوں کے لئے تیاری ہو رہی ہے۔ ادارہ تعلیم قرآن کی تحریک میں جماعت احمدیہ کے بزرگوں اور دوستوں نے جس فراخدلی اور ایثار کے ساتھ حصہ لیا ہے اس کا گذشتہ پرچہ میں مفصل ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان تحریکات کے علاوہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کی ترقی اور استحکام کے لئے بھی تحریک فرمائی ہے اور اس نصب العین کو بروئے کار لانے کے لئے موجودہ اشاعت میں مفصل پروگرام بھی جماعت کے سامنے رکھ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جماعت کی ترقی اور استحکام کے لئے جماعت کے سو آدمی بطور مبلغ کے میدان میں نکل آئیں جو فکر معاش کے علاوہ تبلیغ دین کے لئے کوشش کریں اور عملی طور پر تبلیغ کے فریضہ کو سرانجام دیں۔ انجمن کی منظوری سے ایسے مجاہدین کو لٹریچر بھی ہم پہنچایا جائے گا اور ان کے لئے وہ تمام سامان مہیا کرنے کی کوشش کی جائے گی جو تبلیغ کے لئے ضروری ہیں۔ جماعت احمدیہ لاہور ایک زندہ اور فعال جماعت ہے۔ اسے اپنی گذشتہ روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اپنے امیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے میدان میں نکل آنا چاہئیے۔ اور جماعت کے ان سرگرم افراد کو جو تبلیغ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اپنے نام مرکز میں بھجوا دینے چاہئیں۔ تا کہ شروع سال

سے ہی یہ کام باقاعدگی کے ساتھ ہو سکے اور مرکز سے انہیں کام کرنے کے لئے ہدایات بھجوائی جا سکیں۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ معمولی کام نہیں بلکہ یہ وہ کام ہے جس کے لئے انبیاءؑ دنیا میں مبعوث ہوتے رہے۔ اور یہ وہ کام ہے جس کے لئے اس امت میں مجددین اور محدثین آتے رہتے ہیں۔ جماعت کا کوئی فرد خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو اس کام کو معمولی نہ سمجھے۔ یہ عظیم الشان کام ہے۔ امید ہے دوست اس کام کی عظمت کو سمجھتے ہوئے اس کام کے لئے اپنے آپ کو وقف کریں گے اور واقعی اپنی عملی زندگی سے اس بات کا ثبوت دیں گے کہ انہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے اور انہوں نے جو عہد حضرت امام عصر حاضر کے ہاتھ پر کیا تھا اس میں وہ ثابت قدم ہیں اور اس کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کرنے کو تیار ہیں اور دنیا کی کوئی مشکل ایسی نہیں جو اس کام کو کرتے ہوئے ان کا راستہ روک سکے۔

اس جماعت کے سامنے ایک بلند نصب العین ہے۔ دنیا میں اسلام کو غالب کرنا یہ کوئی معمولی کام نہیں۔ ہمارے دوستوں کو اس کام کی نوعیت سے غافل نہیں رہنا چاہئیے۔ دنیا کی اقوام موجودہ مسائل کو آتشیں حربوں سے حل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ان عالمگیر مسائل کی مشکلات اور الجھاؤ کی وجہ سے دنیا میں ایک کہرام مچ رہا ہے۔ غلبہ اسلام بھی دراصل اسلامی نقطہ نگاہ سے ان مسائل کا حل ہے۔ یہ کام معمولی کام نہیں۔ اس کے لئے محنت شاقہ درکار ہے اور محنت شاقہ سے کام کرنے والی جماعت درکار ہے۔ جس کے قلب میں ایک زبردست روحانی اور اخلاقی قوت موجود ہو۔ اور اس روحانی قوت سے وہ دنیا پر چھا جائے۔ اس لئے اشد ضرورت ہے کہ جماعت، جس کے سامنے یہ نصب العین ہے، وہ اپنے آپ کو مضبوط اور مستحکم کرلے۔ تبلیغ اور تزکیہ نفس سے اپنے اندر وہ زبردست روحانی واخلاقی خصوصیات پیدا کرے جو اس کام کے لئے درکار ہیں اور جن کے بغیر یہ کام کبھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو، کہ سو آدمی اپنے آپ کو تبلیغ کے لئے وقف کریں، ہم بار بار جماعت کے سامنے پیش کرتے رہیں گے امید ہے ہمارے مجاہد اور سرگرم دوست بھی اس تحریک کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے اپنی فوری توجہ اس طرف مبذول فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذمہ داری کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

16 جنوری 1946ء

مکتوب امیر

ایک جائزہ

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا یہ مکتوب بذریعہ ڈاک بھی احباب سلسلہ کی خدمت میں پہنچ چکا ہوگا اور اب اسے اخبار میں بھی شائع کیا جاتا ہے۔ اس مکتوب میں حضرت ممدوح نے ادارہ تعلیم قرآن کے قیام کے لئے جماعت کے تمام افراد سے، خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین، ایک نہایت ضروری اور اہم اپیل کی ہے۔ جماعت کے سب احباب کا فرض ہے کہ وہ اس مکتوب کو نظر غائر سے مطالعہ فرمائیں اور حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہیں۔ مدیر

برادران مکرم و خواہران محترمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

1943ء، و1944ء اور 1945ء کے تین سالانہ جلسوں میں خدمت قرآن کی تین تحریکوں کی بنیاد ہماری جماعت نے رکھی ہے جو خدا کے فضل سے تینوں نہایت کامیاب تحریکات ثابت ہوئی ہیں۔ اور خدا چاہے تو چار پانچ سال تک جو لوگ ہم میں سے زندہ ہوں گے وہ ان تینوں تحریکوں کو ایسی حالت میں دیکھیں گے جن سے نہ صرف ہماری جماعت کے دلوں کو راحت پہنچے گی بلکہ ہر اس شخص کا دل، جس کو اسلام سے اور قرآن سے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے، اس عمارت کو دیکھ کر جس کی بنیاد آج رکھی گئی ہے، خوشی سے بھر جائے گا۔ 1943ء میں ہماری جماعت نے تراجم قرآن کی تحریک کی بنیاد رکھی۔ یعنی قرآن کریم مختلف زبانوں میں ترجمے کر کے اسے دنیا میں پہنچانا۔ اور اس کے لئے دو لاکھ روپے کا علیحدہ فنڈ جمع کرنے کا اعلان کیا۔ گو ابھی وہ فنڈ پورے دو لاکھ تک نہیں پہنچا۔ اور بہت سے اصحاب ایسے ہیں جنہوں نے ابھی اس میں حصہ نہیں لیا۔ لیکن خدا کے فضل سے کام بڑی قوت سے شروع ہو گیا۔ ترجمہ کے لئے موزوں آدمیوں کی تلاش بڑا وقت لے جاتی ہے۔ تاہم تامل ترجمہ بیس پارے کے قریب ہو چکا ہے۔ سندھی ترجمہ دس پارے سے اوپر ہو چکا ہے۔ گورمکھی ترجمہ بھی دس پاروں کے قریب ہو چکا ہے۔ اطالوی زبان میں ترجمہ شروع ہے۔ ہندی اور بنگالی میں شروع ہو کر بعض مشکلات کی وجہ سے رکا پڑا ہے۔ اور عنقریب پھر ہاتھ میں لے لیا جائے گا۔ ہسپانوی فرانسیسی اور روسی زبانوں میں ترجمہ کے لئے موزوں

آدمیوں کی تلاش جاری ہے۔

1944ء کے جلسہ سالانہ میں تبلیغ قرآن کے سلسلہ میں ایک نئی تحریک کی بنیاد رکھی گئی۔ یعنی دس نئے تبلیغی مرکزوں کا قائم کرنا۔ تاکہ قرآن کریم اور اس کی تعلیم کو دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف قوموں کو پہنچایا جائے۔ 1945ء کے جلسہ سالانہ سے پہلے پہلے اس فنڈ میں خدا کے فضل سے پونے چار لاکھ روپے کے قریب رقم کا انتظام ہو چکا تھا۔

1945ء کے جلسہ سالانہ میں تعلیم قرآن کے سلسلہ میں ایک ایسے ادارہ کی بنیاد رکھی گئی ہے جہاں ابتدائی عمر سے نوجوانوں کے لئے اپنے دیگر اشغال کے ساتھ تعلیم قرآن کا انتظام ہو۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ تراجم قرآن اور تبلیغ قرآن کی تحریکات اسی صورت میں سرسبز ہو سکتی ہیں کہ ان کے پیچھے ایک جماعت تعلیم قرآن کو حاصل کرنے والی ہو۔ جس میں سے ترجمہ قرآن اور تبلیغ قرآن کے لئے بوقت ضرورت موزوں آدمی مل سکیں۔ اس ادارہ میں یہ کوشش ہوگی کہ جماعت کے نوجوانوں کو، جو معمولی تعلیم اپنے سلسلہ معاش میں حاصل کر رہے ہوں، جہاں تک ممکن ہے قرآن کریم سے، ابتدائی تاریخ اسلام سے اور قدرے حدیث سے واقف کر دیا جائے اور ان کی تربیت ایسے طریق پر ہو کہ ان کے دلوں میں قرآن کریم کی خدمت کی محبت پیدا ہو۔ لیکن اس کے علاوہ اور بھی کئی رنگوں میں یہاں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے والے ہوں گے۔ اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی زندگیاں ریسرچ میں گذریں گی اور وہ نئے سے نئے مسائل دنیوی کا حل اسی کتاب پاک سے تلاش کر کے دنیا کی رہنمائی کرنے والے ہوں گے۔ اس تحریک کے لئے قریب قریب ایک لاکھ روپے کے وعدے جلسہ سالانہ پر ہو چکے ہیں۔ اور اس کے علاوہ جماعت کے ان احباب نے، جو یہاں موجود تھے، اپنی پندرہ دن کی آمد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جس سے انشاء اللہ پچاس ہزار روپیہ سے زیادہ ہی رقم وصول ہو جائے گی اور پچاس ہزار روپیہ انجمن اراضی اکاڑہ کی آمد سے ڈالے گی۔ اس طرح یہ رقم بھی دو لاکھ تک انشاء اللہ پہنچ جائے گی۔

جیسا کہ میں نے جلسہ سالانہ میں کہا تھا یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس ادارہ کے لئے ڈیڑھ سو پونے دوسو کنال زمین انجمن کے پاس موجود ہے۔ جو انجمن کے تنگی کے ایام میں خرید کی گئی

تھی۔ اور یہ زمین ایسی جگہ پر واقع ہے جہاں اب پنجاب یونیورسٹی اور اس کے مختلف کالج جا رہے ہیں۔ اور اس لحاظ سے یہ موزوں ترین جگہ ہے۔ جو محض خدا کے فضل سے مل گئی ہے۔ ان تین تحریکات میں، جو ایک دوسری سے وابستہ ہیں، یعنی ترجمہ قرآن، تبلیغ قرآن اور تعلیم قرآن۔ علاوہ زمین کے جو چار پانچ لاکھ روپے سے کم کی جائیداد نہیں نقد بھی کافی رقم جمع ہو چکی ہے یا اس کے وعدے ہو چکے ہیں۔ جس کی میزان سات آٹھ لاکھ روپے کے قریب قریب ہو گئی ہے۔ اس پر ہماری جماعت جس قدر بھی سجدات شکر بجا لائے کم ہے۔ یہ محض نصرت الٰہی ہے اور ایسی کھلی نصرت ہے کہ وہ لوگ جو ہمیں مٹانا چاہتے ہیں اس پر غور کریں تو اُن کے سر بھی ندامت سے جھک جائیں۔ لیکن کم سے کم ان لوگوں کو، جو جماعت کے اندر ہو کر اب تک سستی سے کام لے رہے ہیں، اس سے ضرور سبق لینا چاہیئے کہ وہ اب اپنی سستی کو دور کر کے یا چھوٹے چھوٹے وسوسوں پر غالب آ کر، جو ان کے دلوں میں پیدا ہو گئے ہیں، یا مال کی اس محبت پر غالب آ کر، جس نے انہیں خدا کے راستے میں قربانی سے روکا ہوا ہے، خدا کی راہ میں اور ایک مضبوط قدم اُٹھائیں۔ اور بڑے چھوٹے ایک صف میں کھڑے ہو کر بنیان مصوص ہونے کا ثبوت دیں۔ تا کہ نصرت الٰہی کے مزید نظارے انہیں دکھائے جائیں۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (7:14)

اس لئے میں یہ خط ان لوگوں کو چھوڑ کر جن کے وعدے آ چکے ہیں، ان سب احباب کو بھجوا رہا ہوں جو اس سلسلہ میں منسلک ہیں۔ اور اس کی غرض یہ ہے کہ سب دوست اس میں شامل ہوں۔ کچھ اصحاب تو ایسے ہوں جو اپنے نام پر ایک ایک کمرہ بنوا دیں۔ ہم میں سے بہت سے دوست ایسے ہیں جن کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ اپنی جسمانی آسائش کے لئے مکانات ہیں۔ کاش وہ سوچیں کہ اگر وہ ایک کمرہ اپنے نام پر تعلیم قرآن کے لئے بنوا دیں گے تو اس سے نہ صرف ان کا نام ہمیشہ کے لئے باقی رہ جائے گا بلکہ اس مکان میں ہمیشہ تعلیم قرآن کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور ہر سال نئے سے نئے آدمی اس کے اندر آتے رہیں گے۔ جو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر کے، اگر خدا چاہے تو دنیا کو خدا کے نُور سے بھر دیں گے۔ ہم جو مکان سکونت کے لئے یا بطور جائداد بنا کر اپنے پیچھے چھوڑتے ہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارے بعد ان میں کیا کام ہو گا۔ لیکن اس ادارہ میں خدا چاہے

تو ہمیشہ تعلیم قرآن حاصل کرنے والے آتے رہیں گے۔ان میں سے بہت سے ایسے نیک لوگ ہوں گے جن کے دلوں سے اپنے کمرہ پر بنوانے والے کا نام دیکھ کر اس کے لئے اور اس کی اولاد کے لئے دردِ دل سے دعائیں نکلیں گی۔اور یوں یہ ہماری بہترین جائداد ہوگی۔جس طرح مسجد بنوانے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں گھر بنا دینے کا وعدہ کیا ہے،تعلیم قرآن کے لئے کمرہ بنوانے والے کے لئے بھی میں یقین رکھتا ہوں یہی اجر موجود ہے۔اس غرض کے لئے میں نے تین قسم کے کمرے تجویز کئے ہیں۔2500 روپیہ، 1250 روپیہ اور 500 روپیہ۔تا کہ حسب حیثیت کثرت سے احباب اس تحریک میں شامل ہوسکیں۔میرے دوستو! آپ کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے ،تعلیم قرآن کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے اور دنیا کو نورِ قرآن سے بھرنے کے لئے میں نے آپ کے سامنے ایک تجویز رکھی ہے۔آپ کا اختیار ہے اسے مانیں۔یا نہ مانیں اگر میرے دوستوں کو یہ معلوم ہو کہ میں کس قدر ان کے لئے تڑپتا ہوں تو شائد کوئی دوست بھی،جن کے پاس سامان ہے، میری اس تجویز کو مسترد نہ کرے۔مگر میں جانتا ہوں کہ انسانوں کے دل خدا کے تصرف میں ہیں۔وہ جب چاہے اور جس کو چاہے یہ توفیق دے۔جو میری آواز پر لبیک نہیں کہیں گے میں ان کے لئے بھی دست بدعا رہوں گا کہ اے خدا تو انہیں اپنے قرآن کی خدمت سے محروم نہ رکھیو۔

کمرے بنوانے والوں کے علاوہ میری خواہش ہے کہ ساری جماعت اس تحریک میں اپنی پندرہ روزہ آمد سے شامل ہو۔یاد رکھیئے کہ ہماری قوم کا اصلی گھر وہی جگہ ہے جہاں قرآن کریم کی تعلیم ہوگی۔پندرہ روز کی آمد کا مطالبہ کوئی بڑا مطالبہ نہیں۔سال کی آمدنی کا یہ چوبیسواں حصہ ہے۔میں جانتا ہوں کہ اس وقت وہ احباب،جن کی آمدنیاں محدود ہیں، بڑی تکلیف سے گزارہ کر رہے ہیں۔لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ خدا کی راہ میں جو تکلیف اٹھائی جائے گی، وہ ایک دائمی لذت اور سرور اپنے ساتھ لائے گی۔میں نے اسے اپنا قومی گھر یوں ہی نہیں کہا۔اس لحاظ سے بھی کہا ہے کہ ساری قوم کو اس کے بنانے میں شریک ہونا چاہئیے۔جو شخص چالیس روپے ماہوار کماتا ہے وہ بیس روپے دے کر اور چارسو روپے کمانے والا دوسو روپے دے کر ایک عظیم الشان قومی گھر کی تعمیر اور ملکیت میں شریک ہوسکتا ہے۔میں سمجھتا ہوں صرف وہی شخص اس شرکت سے انکار کرے گا

جو اپنے آپ کو فی الحقیقت اس جماعت کا فرد اور اس قوم کا ممبر نہیں سمجھتا اور ایسے شخص کو اس کے فوائد سے متمتع ہونے کا بھی کوئی حق نہیں۔ یہ حق انہیں لوگوں کو ہوگا جو اس کے بنانے میں شریک ہوں۔ اس لئے میری یہ درخواست ہے کہ اس تحریک سے باہر کوئی دوست نہ رہے۔ ہاں اگر کسی کے پاس پندرہ دن کی آمد کے دینے میں کوئی عذر معقول ہو تو میں اس پر بھی غور کرنے کو تیار ہوں اور بوجوہات معقول اسے اس سے بھی کم دنوں کی آمد دے کر اس کے بنانے میں شریک کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح دنیا میں ہم ایسی چیز سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جس کو ہم بناتے ہیں اور اس کے مالک ہوتے ہیں اسی طرح اس قومی گھر کے فوائد بھی انہیں لوگوں کے لئے مخصوص ہوں گے جو اس کے بنانے میں شریک ہوں۔ جو شخص عملاً قوم کے کام میں شریک نہیں ہوتا اس کا اپنے آپ کو قوم کا ممبر کہنا اپنے آپ کو بھی دھوکا دینا ہے۔ یہ بات اب ہمارے اندر نہیں رہنی چاہئیے کہ ہم نرے لفظوں سے اپنے آپ کو خوش کر لیں۔ اب ہم میں سے ہر شخص کو فیصلہ کر لینا چاہئیے کہ وہ جماعت کا ممبر رہے گا یا نہیں رہے گا۔ اگر اس کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ جماعت اس قابل ہے کہ میں بھی اس کا ایک ممبر بنوں تو پھر اسے قوم کے کاموں میں ایک اصول کے مطابق شریک ہونا ہوگا اور اگر وہ قوم کے کاموں میں عملاً شریک نہیں ہوتا تو پھر اسے یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ میں اس جماعت کا فرد ہوں۔

تیسری بات میں اپنی جماعت کی خواتین سے کہنا چاہتا ہوں۔ اس تحریک کے درمیان جب میں نے جماعت کی خواتین سے اپیل کی تو مجھ سے سوال کیا گیا کہ کیا اس ادارہ میں قوم کی بچیوں کی تعلیم قرآن کا انتظام بھی ہوگا۔ اس وقت میں نے کہا تھا اور اب دوہراتا ہوں کہ جو قوم اپنی لڑکیوں کو علم قرآن سے محروم رکھتی ہے، وہ انہیں فی الحقیقت زندہ درگور کرتی ہے۔ اِذَاالْمَوْءٗ دَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (81:8-9) صرف انہی چند نفوس کے لئے نازل نہیں ہوا جو عرب میں اس وحشیانہ فعل کا ارتکاب کرتے تھے کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ بلکہ اس میں وہ لوگ بھی مخاطب ہیں جو اپنی عورتوں کو علم سے اور بالخصوص علم قرآن سے محروم کر کے انہیں زندہ تو رہنے دیتے ہیں مگر ان کی حالت مُردوں کی ہوتی ہے۔ علم سے محروم رکھنے کو بلند پایہ مفسرین نے قتل ہی قرار دیا ہے۔ بلکہ اگر واقعات کو دیکھا جائے تو لڑکیوں کی تعلیم قرآن کا انتظام لڑکوں سے بھی زیادہ ضروری

ہے کیونکہ ہر ماں کو اپنی اولاد کی تربیت کا وہ موقعہ ملتا ہے جو باپ کو نہیں ملتا۔ اگر ماں علم قرآن سے محروم ہوگی تو اس کی اولاد پر بچپن میں قرآن کا نقش نہیں ہوسکتا۔ دنیا کی صحیح تربیت ماؤں سے وابستہ ہے۔ قرآن کریم نے تمام مدارج عالیہ میں عورتوں کو مردوں کے ہم پایہ بیان کیا ہے۔ جیسا کہ آیت اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (35:33) سے ظاہر ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس ادارہ تعلیم قرآن میں عورتوں کے لئے بھی علیحدہ انتظام ہو۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی تعلیم کے لئے ایک علیحدہ دن مقرر کیا ہوا تھا۔ تو اس ادارے کی دو شاخیں ہوں گی۔ ایک شاخ مردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ عورتیں اس کے بنانے میں بھی حصہ دار ہوں۔ اس لئے میں اپنی جماعت کی خواتین سے پھر اپیل کرتا ہوں۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر تو صرف چند عورتیں موجود تھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ انہوں نے مردوں سے بڑھ کر ہمت دکھائی۔ حاضرین جلسہ میں سے عورتوں نے اپنی تعداد کے لحاظ سے مردوں سے بھی زیادہ ہمت دکھائی اور چالیس پچاس عورتوں میں سے نو ہزار روپے کے وعدے آ گئے۔ مگر تعداد کے لحاظ سے اگر مرد دس فیصد کی نسبت سے شامل جلسہ ہوئے ہوں گے تو عورتیں ایک فیصد سے بھی کم آئی ہوں گی۔ اس لئے اب میں اس اپیل کو جماعت کی خواتین تک پہنچاتا ہوں۔ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ ہماری جماعت کی عورتیں ادارہ تعلیم قرآن کی شاخ خواتین کے اخراجات کو پورا کر دیں۔ اگر وہ ہمت کریں تو یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں۔ اس حصہ کا خرچ ایک لاکھ سے کم نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں مشترکہ ضروریات کی وہ سب چیزیں ضروری ہوں گی جو دوسری شاخ میں ہوں گی۔ مثلاً مسجد لائبریری ہال وغیرہ۔ بلکہ اس کے لئے پردہ کی خاطر ایک وسیع چاردیواری کی ضرورت ہوگی۔ اگر جماعت کی خواتین ہمت کر کے اس میں سے پچاس ہزار روپیہ بھی جمع کر دیں تو باقی پچاس ہزار روپے انجمن ڈال دے گی۔ اور جس صورت میں چند خواتین نے دس منٹ کے اندر نو ہزار روپیہ جمع کر دیا تو جماعت کی باقی خواتین کے لئے، جن کی تعداد یہاں جمع شدہ خواتین سے سوگنا ہوگی، چالیس اکتالیس ہزار روپیہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اگر وہ ہمت کریں تو ایک لاکھ کی رقم بھی پوری کر سکتی ہیں۔ بہت سی محترم خواتین کے پاس خدا کے فضل سے

کافی مال بھی ہے۔ اور کافی زیورات بھی ہیں۔ ان کے خرچ کرنے کا اس سے بہتر کوئی موقعہ نہیں مل سکتا۔ یہ مال اور یہ زیورات وہ اپنے ورثاء کے لئے بھی چھوڑ سکتی ہیں۔ جو غالباً اس کے چنداں محتاج بھی نہیں ہوں گے جس خدا نے ان کو دیا وہ ان کے ورثاء کو بھی دے گا۔ اور یہ مال یا اس کا ایک حصہ وہ ہمیشہ کے لئے اپنا نام زندہ رکھنے کے لئے بھی دے سکتی ہیں۔ جہاں ان کے اپنے بچوں اور ان کی قوم کی بچیوں کے دلوں کو تعلیم قرآن سے روشن کرنے کا سامان ہوگا۔

میں کوشش کروں گا کہ یہ تحریک ڈاک کے ذریعہ سے 15 جنوری تک سب احباب کو روانہ ہو جائے۔ اور میری یہ درخواست ہے کہ اس کے جواب کے لئے اگر ایک نیک تحریک اسے پڑھ کر دل میں پیدا ہو تو اس پر فوراً عمل کیا جائے۔ 31 جنوری تک بہر حال مجھے اس کا جواب مل جانا چاہئے۔ فروری اور مارچ میں میرے سامنے اور بہت سے کام ہیں۔ والسلام

محمد علی

8 جنوری 1946ء

23 جنوری1946ء

امتحان قرآن کریم

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

قرآن کریم کا امتحان جونومبر 1945ء میں ہوااس کے متعلق میں چند امور کی طرف احباب جماعت کوتوجہ دلانے کی ضرورت سمجھتا ہوں۔

1۔کل امیدواروں کی تعداد، جنہوں نے اپنے آپ کوامتحان کے لئے پیش کیا، 104 تھی۔ مگر امتحان کے پرچے صرف پچاس کی طرف سے واپس آئے۔اتنی جماعت میں اس قلیل تعداد کا توجہ کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جماعت کو کافی طور پر توجہ نہیں دلائی گئی۔آئندہ کے لئے اخبار میں بھی یہ تحریک کثرت سے ہوتی رہنی چاہیئے۔ جماعتوں میں جمعہ کے خطبوں میں خاص طور پر توجہ دلائی جائے۔مبلغین اپنے اپنے علاقوں میں اس طرف توجہ دلائیں۔ میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ کیوں اس امتحان میں ہائی سکولوں کو اوپر کی دو جماعتوں کے اور کالجوں کے کل طالب علم شامل نہ ہوں۔ جماعتوں کے سیکرٹری، خطبہ دینے والے اصحاب اور مبلغین خصوصیت سے توجہ کریں۔ڈاڈر کی چھوٹی سی جماعت سے آٹھ شامل ہوتے ہیں اور لائل پور، راولپنڈی، دہلی، بدوملہی اور بعض بڑی بڑی جماعتوں میں سے ایک بھی شامل نہیں ہوا۔

2۔خواتین سے صرف چار امتحان میں شامل ہوئیں ہیں۔ جو بہت ہی قلیل تعداد ہے۔ جماعت کی سب خواتین اور سکولوں اور کالجوں کی طالبات خصوصیت سے توجہ کریں۔

3۔ممکن ہے بعض احباب کا یہ خیال ہو کہ انہیں اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ امتحان میں بیٹھیں۔مگر امتحان تو محض ایک بہانہ ہے۔اس طرح قرآن کریم کے ایک حصہ میں سے گہری نظر سے عبور کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔اور شائد علم حاصل ہونے کے علاوہ عمل کی بھی توفیق مل جائے۔

4۔یہ خوشی کی بات ہے کہ جن لوگوں نے امتحان میں شمولیت اختیار کی ہے انہوں نے اس کے لئے کافی محنت کی ہے۔ پچاس میں سے پاس ہونے والوں کی تعداد انچاس ہے۔اور جو پاس ہوئے ہیں ان کا معیار بھی بہت بلند ہے۔انچاس میں سے اکیس نے یعنی چالیس فیصد سے زیادہ نے 75 فیصد یا

اس سے زیادہ نمبر حاصل کئے ہیں۔ اور 37 نے یعنی قریباً 75 فیصد یا اس سے زیادہ نمبر حاصل کئے ہیں۔

5۔ آئندہ کے لئے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا امتحان بجائے سال میں ایک دفعہ لینے کے ہر تین ماہ کے بعد لیا جائے۔ اور اس میں سال اول میں صرف قریباً ایک پارہ قرآن کریم کا ہو۔ اس کے بعد بڑھا دیا جائے گا۔ اس لئے یہ امتحان آخر مارچ، آخر جون آخر ستمبر اور 15 دسمبر کو ہوں گے۔ آخر مارچ میں سورہ نساء کا امتحان ہوگا۔

6۔ قرآن کریم کے علاوہ کچھ حصہ سیرت نبویؐ کا بھی ساتھ ساتھ ہوتا رہنا ضروری ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ مارچ کے امتحان میں سیرت کی چھوٹی کتاب ''محمد مصطفیؐ'' امتحان کا کورس متصور ہوگی اور آخر ستمبر میں سیرت خیر البشرؐ کے متعلق سوالات ہوں گے۔ محمد علی

ایک قابل تقلید نمونہ: (20 فروری 1946ء) ایک مخلص نوجوان کا مکتوب (درج ذیل) حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچا۔ اس پر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے رقم فرمایا یہ ایک ایسی مثال ہے جس کی طرف میں جماعت کے سب احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ سارا خاندان ایک تحریک میں شمولیت کے لئے قدم اٹھاتا ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزا۔ یہ احمدیت کا اصل نمونہ ہے کہ سب میں ایک روح کام کر رہی ہو۔ ہم میں سے ہر دوست اپنے اہل وعیال کی طرف نظر دوڑائے۔ کیا اس نے خود اس میں حصہ لیا ہے، کیا اس کی رفیقہ حیات نے اس میں حصہ لیا ہے، کیا اس کے لڑکے لڑکیوں نے اس میں حصہ لیا ہے؟ اہل وعیال کو تحریک کرنے کے لئے ہر صاحب خانہ کو خود مبلغ بننا چاہئیے۔ محمد علی

11 فروری 1946ء

نقل مکتوب: سیدنا وامامنا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے آنحضور بخیریت ہوں گے۔ آج اخبار پیغام صلح میں حضور کا خطبہ فرمودہ 25 جنوری اور مکتوب گرامی دربارہ تحریک دارالقرآن پڑھنے کا موقعہ ملا۔ چونکہ ہم بھی پندرہ روزہ آمدن والے گروہ میں شامل ہیں اس لئے میں اپنی طرف سے مندرجہ ذیل معروضات پیش خدمت کرتا ہوں۔

1۔ جلسہ سالانہ میں قمر (میرا چھوٹا بھائی) اور میں حاضر ہوئے تھے اور دونوں نے اپنی نصف

ماہ کی تنخواہیں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ میری نصف ماہ کی تنخواہ مبلغ 35 روپے اور قمر کی 33 روپے بنتی ہے۔ نہ صرف ہم نے وعدہ کیا بلکہ پانچ روپیہ قمر نے اور دس روپیہ میں نے ادا بھی کر دیئے۔ اب 25 روپے میرے ذمے اور 28 روپے قمر کے ذمہ ہیں جو ہم اپریل تک انشاءاللہ ادا کر دیں گے۔

2۔ جب سالانہ جلسہ سے واپس آ کر ابا جان اور والدہ صاحبہ کی خدمت میں اپیل کا ذکر کیا گیا تو دونوں نے لبیک کہا۔ ابا جان نے تو اپنی پندرہ دن کی آمدنی مبلغ پچیس روپیہ 5 فروری 1946ء کو مقامی محاصل صاحب کو ادا کر دی ہے۔ والدہ صاحبہ نے بھی پچاس روپیہ دینے کا وعدہ کیا جو انشاءاللہ جون 1946ء تک ادا کر دیا جائے گا۔ اور ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ مولیٰ کریم ہمیں اپنی جناب سے زیادہ مال دینے کی توفیق دے۔ حضور کا ادنیٰ خادم

چھاچھی محلّہ۔ راولپنڈی

9 فروری 1946ء

20 فروری 1946ء

اشاعت اسلام کے لئے تین عظیم الشان بنیادیں

تقریر حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ بر موقع جلسہ سالانہ 26 دسمبر 1945ء اجلاس دوم

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں اور فرمایا

☆قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ . (1:50)

ترجمہ: ''(اللہ تعالیٰ سب باتوں پر) قادر ہے، بزرگی والا قرآن گواہ ہے۔''

☆اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ . (77:56)

ترجمہ: ''یقیناً یہ قرآن نفع پہنچانے والا ہے۔''

☆وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ. (41:41)

ترجمہ: ''اور وہ یقیناً عزت والی کتاب ہے۔''

☆وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا (31:13)

ترجمہ: ''اور اگر قرآن ایسا ہوتا جس سے پہاڑ دور کر دیئے جائیں یا اس سے زمین کاٹ دی جائے یا اس کے ذریعہ سے مُردوں سے باتیں کی جائیں۔ بلکہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں''

☆ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ. (21:59)

ترجمہ: ''اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تُو اسے اللہ تعالیٰ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ فکر کریں۔''

اور پھر آپؒ نے فرمایا کہ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ بزرگی والا قرآن گواہ ہے۔ ''مجید'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اس کے معنی فضل کی وسعت کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ عطاء فضل میں، جو اس سے خاص ہے، وسعت والا ہے۔ یہی لفظ ''مجید'' قرآن کریم کی صفت میں بھی

بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی عطاء فضل میں بہت وسعت والی ہے۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ یقیناً یہ قرآن نفع پہنچانے والا ہے۔ کـــریـم بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ کریم اس کو کہتے ہیں جس کے انعامات بہت عام ہوں۔ یہ لفظ بھی قرآن کریم کے ساتھ آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قرآن صرف بزرگی کا مالک ہی نہیں، بلکہ اس کے ذریعے دنیا کو بڑے بڑے انعامات بھی حاصل ہوتے ہیں۔ اور اس کے انعامات کسی خاص زمانہ، ملک یا کسی خاص نسل وقوم تک محدود نہیں بلکہ تا قیامت ساری دنیا اور ساری نوع انسانی کے لئے عام ہیں۔

قرآن مجید غالب آنے والی کتاب ہے: اِنَّـهٗ لَـكِتٰـبٌ عَـزِيْزٌ وہ یقیناً غالب آنے والی کتاب ہے۔ ''عـزیـز'' بھی اسماء الٰہی میں سے ہے۔ عزیز کا لفظ ہماری زبان میں تو معمولی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لیکن عربی زبان میں اس کے معنی اور ہیں۔ ''عزیز'' عزت سے مشتق ہے۔ عزت اس حالت کا نام ہے جو مغلوب ہونے سے بچاتی ہے۔ لہٰذا عزیز وہ ہے جس پر کوئی غالب نہ ہو، بلکہ وہ دوسروں پر غالب آ جائے۔ اس آیت میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ قرآن غالب آنے والی کتاب ہے۔ کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا۔ بلکہ یہی سب پر غالب آئے گی۔ وَلَـوْ اَنَّ قُـرْاٰنًـا سُيِّـرَتْ بِـهِ الْجِبَـالُ اَوْ قُطِّـعَـتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا (31:13) اور اگر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہے کہ جس سے پہاڑ دور کر دیئے جائیں، اس کے ذریعہ سے زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچا جائے، مردُوں سے باتیں کی جائیں (تو وہ یہی ہے)۔ یہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں۔ یعنی اس قرآن کے ذریعہ سے یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔ مشکلات کے پہاڑ دور ہو جائیں گے۔ یہ ساری روئے زمین پر پہنچ جائے گا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس کے ذریعہ سے مردے کلام کرنے لگیں گے۔ یعنی زندہ ہو جائیں گے۔ جِبَـالٌ جَبَلٌ کی جمع ہے۔ یعنی پہاڑ۔ یہ لفظ عظیم الشان انسانوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ مثلاً فَلَانٌ جَبَـلٌ مِّـنَ الْجِبَالِ وہ شخص پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ قوم کے سردار اور اس کے عالم کو بھی جبل کہا جاتا ہے اَلْـجَبَـلُ سَيِّـدُ الْقَوْمِ وَ عَالِمُهُمْ اس آیت میں بھی جبال سے مراد کابرین ہیں۔ جو قرآن کریم کے مقابلہ پر ڈٹے کھڑے تھے۔ تو فرمایا کہ سب مقابلے دور ہو جائیں گے اور قرآن روئے زمین کے ایک سرے سے دوسرے تک پہنچ جائے

گا۔اور روحانی مردے زندہ ہو جائیں گے۔آخری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ** (اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ فکر کریں) جن لوگوں نے قرآن کریم کو مغلوب کرنے کی انتہائی کوشش کی تھی اور اس بارہ میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔اور حقیقت بھی یہ ہے کہ قرآن کریم کو مغلوب کرنے کی اس قدر کوشش ہوئی کہ شائد اور کسی کتاب کو مغلوب کرنے کے لئے اتنی کوشش نہ کی گئی ہوگی،مگر قرآن انہی مخالفین کی آنکھوں کے سامنے غالب آیا،جن کے سامنے قرآن کی حالت مغلوبیت وبیکسی کی تھی! قرآن نے دیکھتے ہی دیکھتے روکوں اور مخالفتوں کے پہاڑ اڑا دیئے۔مردوں کو زندہ کر دیا۔سخت زمین میں علوم و برکات کی نہریں چلا دیں۔

بڑی زبردست طاقت کا مالک ہے قرآن کریم! یہ دعویٰ کوئی ایسا دعویٰ نہیں کہ چونکہ ہم مسلمان ہیں قرآن کو مانتے ہیں،اس لئے یہ دعویٰ کرتے ہیں۔نہیں۔بلکہ یہ باتیں تاریخ سے ثابت ہیں۔اور دو اور دو چار کی طرح ثابت ہیں۔دنیا پر قرآن کریم کے بڑے بڑے احسان اور افضال ہیں۔اس کی غریب نوازی کی کوئی انتہاء نہیں۔وہ غریب وپس ماندہ لوگ،جو ذلت وپستی کی انتہائی گہرائیوں میں پڑے ہوئے تھے،دنیا میں ان کی کوئی حیثیت وقدر نہ تھی،کوئی انہیں جانتا تک نہ تھا،انہی لوگوں کو قرآن نے رہبر ومعلم اور دنیا کے فاتح بنا دیا۔دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا اس کے آگے سرنگوں ہوگئی۔ایک وقت وہ آیا کہ دنیا کی کوئی قوم قرآن کے ماننے والوں کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔قرآن کے غلبہ کا ایک نظارہ یہ تھا۔اور مسلمانوں نے اس نظارہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور قرآن کے ذریعہ انہوں نے بڑی بڑی ترقیاں اور عظمتیں حاصل کیں۔

مگر قرآن کریم میں ایک موقع پر یوں بھی آیا ہے **وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا.** (30:25) اور رسول نے کہا اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز (کی طرح) قرار دیا۔موجودہ زمانہ میں مسلمانوں نے بھی عملاً قرآن کریم کو چھوڑ ہی رکھا ہے۔اور قرآن کی عظمتوں اور اس کے ذریعہ ترقی وفلاح حاصل کرنے کے نظارے دیکھنے

کے باوجود چھوڑ رکھا ہے۔شائدکوئی کہے کہ مسلمانوں نے قرآن کو کہاں چھوڑا ہے؟ وہ تو اس کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔اسے خوبصورت غلافوں اور جزدانوں میں لپیٹ کراونچے مقامات پر رکھتے ہیں۔اس کی طرف پیٹھ نہیں ہونے دیتے۔لیکن میں کہوں گا کہ مسلمانوں نے عملاً قرآن کو چھوڑ ہی رکھا ہے۔وہ اسے اُونچے مقام پر نہیں، بلکہ طاقِ نسیان پر اور عملاً اپنی پیٹھ کے پیچھے ہی رکھتے ہیں۔ان کی زندگیوں میں قرآن کا کوئی دخل نہیں رہا۔انہوں نے اپنے اعمال کے ذریعے اسے ترک کر دیا۔اس کتاب الٰہی کے حسن اور خوبصورتی کو چھپا دیا۔کسی کو اس کے پھیلانے اور اس کے حسن وخوبصورتی کے ظاہر کرنے کی فکر نہیں ہے۔اس طرح گویا ایک لحاظ سے قرآن کریم مخفی ہو گیا ہے۔اور اس کا بےنظیر حسن وخوبصورتی دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہے۔

حضرت مرزا صاحب کا عشقِ قرآن: مسلمانوں کی قرآن سے بے پروائی اور بےتعلقی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ اس زمانہ میں ایک شخص اُٹھا۔ جسے قرآن سے عشق تھا۔اس کے دل میں قرآن کو پھیلانے اور اس کتاب الٰہی کے حسن وخوبصورتی کو نمایاں کرنے کا زبردست جذبہ تھا۔اس نے مسلمانوں کو اس کام کے لئے پکارا۔اس کی دعوت دی۔لیکن مسلمان اس کی آواز پر متوجہ نہ ہوئے بلکہ اُلٹے اس کے مخالف اور در پئے آزار ہو گئے!اس مردِ خدا کے عشق قرآن اور اس درد وتڑپ کا اندازہ، جو اس کے دل میں قرآن کو پھیلانے کے لئے تھا،آپ اس کے اشعار سے لگا سکتے ہیں،جن میں سے چند میں آپ کو سناتا ہوں۔فرماتے ہیں☆

1۔دردا کہ حسنِ صورتِ فرقاں عیاں نماند   آں خود عیاں، مگر اثرِ عارِفاں نماند
2۔بینم کہ ہر یکے، بہ غمِ نفس مبتلا ست   کس راغمِ اشاعتِ فرقاں بجاں نماند
3۔یوسف،شنیدہ ام،کہ شدش کارواں مُعیں   ایں یوسفے کہ ہیچ کَشش کارواں نماند
4۔جانم کباب شد، زغمِ ایں کتابِ پاک   چنداں بسو ختم، کہ خود امیدِ جاں نماند
5۔ دوش، اند کے مرا، بخیالے شکیب بود   اِمشب ،مپرس حال، کہ تاب وتواں نماند

☆فریادِ''اہل اسلام''ازدُرِّثمین

6۔اے سید الوریٰؐ! مددے، وقت نصرت است　　در بوستاں سرائے تو، کس باغباں نماند
7۔صدبار رقصہا کنم، از خرّمی اگر　　بینم کہ حسنِ دلکشِ فرقاں، نہاں نماند

1۔افسوس کہ قرآن مجید کی صورت کی خوبصورتی عیاں نہیں رہی۔ وہ خود تو عیاں ہے مگر اس کے پہچاننے والے نہیں رہے۔

2۔میں دیکھتا ہوں کہ ہر ایک اپنی جان کے غم میں مبتلا ہے۔ کسی کے دل میں اشاعت قرآن کا فکر نہیں ہے۔

3۔میں نے سنا ہوا ہے کہ ایک قافلہ یوسف کا مددگار ہو گیا تھا۔ مگر یہ وہ یوسف ہے جس کا کوئی قافلہ مددگار نہیں۔

4۔میری جان اس کتاب پاک کے غم میں (جل کر) کباب ہو گئی ہے (اس فکر میں) میں اتنا جلا ہوں کہ مجھے اپنی زندگی کی امید نہیں رہی۔

5۔گزشتہ رات تھوڑا سا مجھے ایک خیال کی وجہ سے صبر رہا۔ مگر آج رات حال نہ پوچھو۔ کیونکہ (صبر کی اب) طاقت نہیں رہی۔

6۔اے سردارِ دو جہاںؐ! یہ وقت مدد کا ہے۔ تیرے باغ میں اب کوئی مالی نہیں رہا۔

7۔سو دفعہ خوشی سے میں رقص کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ قرآن مجید کا حسن دلکش پوشیدہ نہیں رہا۔

آخر پر فرماتے ہیں ؎

اے بیخبر، بخدمت فرقاں کمر بہ بند☆　　"زاں پیشتر، کہ بانگ برآید فُلاں نماند"

ان اشعار سے حضرت مرزا صاحب کے اس درد اور تڑپ کا اندازہ ہو سکتا ہے جو آپ کے قلب میں قرآن کریم کے متعلق تھا۔ اور اس رنج وغم کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے جو آپ کے دل میں مسلمانوں

☆یعنی اے بے خبر! فرقاں کی خدمت کے لئے کمر باندھ لے۔ اس سے پہلے کہ یہ آواز آئے کہ فلاں شخص مر گیا۔

کی قرآن سے غفلت ومہجوری کو دیکھ کر پیدا ہوتا تھا۔ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ شخص کافر تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ کافر ہے تو ایمان کہاں سے آئے گا؟! پھر حضرت مرزا صاحب نے یہ اشعار کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ اکثر شاعروں کی حالت یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ (226:26)(وہ بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں) کے مصداق ہوتی ہے۔ لیکن اس مرد خدا نے جو کہا وہ کر کے دکھلا دیا۔ غور کیجئے۔ قادیان جیسے معمولی اور الگ تھلگ گاؤں کا رہنے والا شخص اٹھتا ہے۔ اور عین اس وقت، جبکہ اس کی مخالفت میں ایک زبردست طوفان بپا ہے، دوسو علماء اس پر کفر کا فتوی لگاتے ہیں۔ وہ ارادہ کیا کرتا ہے؟ اپنی کس تمنا کا اظہار کرتا ہے؟ اس تمنا اور خواہش کا کہ قرآن کا ترجمہ یورپین زبانوں میں کر کے اسے یورپ میں پہنچایا جائے! پھر اس حالت میں جبکہ چاروں طرف خطرناک مخالفت کی آگ بھڑکی ہوئی تھی، اس کام کی بنیاد بھی رکھ دی!

اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے سامان مہیا کر دیئے: ان مردان خدا کی آرزوئیں اور خواہشیں معمولی انسانوں کی طرح نہیں ہوتیں، جن کو خدا پورا نہ کرے بلکہ یہ آرزوئیں ضرور پوری ہو کر رہتی ہیں۔ حضرت مرزا صاحب ابتدا میں ظاہری ساز وسامان کے لحاظ سے انتہائی کس مپرسی کی حالت میں تھے۔ اسی حالت میں اس آرزو کا اظہار اور اس کے لئے کام کا آغاز کیا گیا۔ پھر کس طرح اس دور افتادہ اور الگ تھلگ گاؤں۔ قادیان۔ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سارے سامان جمع کر دیئے! کام کرنے والے بھی مل گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں سے اپنے دین اور قرآن کی خدمت کے بڑے بڑے کام لئے۔

ایک فوٹو میرا بھی لیا گیا: میں کسی فخر کے طور پر نہیں، بلکہ تحدیث بالنعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ میں بالکل نوجوان تھا۔ جبکہ حضرت مرزا صاحب کے قدموں میں پہنچا۔ جیسا کہ نوجوانوں کی حالت ہوتی ہے۔ دنیا کی بہت سی امیدیں بھی ختم تعلیم پر میرے دل میں تھیں۔ اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود کو اپنی تصویر اتروانے کا خیال آیا۔ چنانچہ ایک فوٹو گرافر قادیان بلوایا گیا۔ یہ تصویر کسی شوق یا نمائش کی خاطر نہیں اتروائی تھی۔ حضرت صاحب کی طبیعت میں تو اس قدر سادگی اور دنیاوی معاملات سے بے تعلقی تھی کہ انہیں اس قسم کی چیزوں کا بالکل شوق نہ تھا۔ جراب تک آپ کو اچھی طرح پہننی نہ آتی تھی۔ کوٹ کے بٹن تک درست طریق سے لگے ہوئے نہ ہوتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے گر

گابی لا کر دی تو اسے پہنتے وقت دایاں پیر بائیں میں اور بایاں دائیں میں ڈال دیا۔ یہ فوٹو اس غرض سے اتروایا تھا کہ یورپ کے لوگ بہت قیافہ شناس ہوتے ہیں۔ ایک شخص کے بشرے کو دیکھ کر اس کے متعلق اندازہ لگا سکتے ہیں۔ خیال تھا کہ یہ فوٹو تبلیغی اغراض سے یورپ بھیجا جائے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے ارشاد سے اس وقت ایک فوٹو میرا بھی لیا گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی وجہ تو مجھے اب یاد نہیں ہے۔ ویسے میں بھی انہی لوگوں میں سے ہوں، جنہیں فوٹو وغیرہ کا کوئی شوق نہیں۔ اس فوٹو کی ایک کاپی میرے پاس بھی پڑی رہی۔ گزشتہ دنوں میری نظر اتفاقاً اس فوٹو پر پڑی۔ تو میں نے دیکھا کہ اس فوٹو میں ایک ہاتھ میری دائیں جانب بڑھا ہوا ہے۔ جس میں ایک کتاب ہے۔ اور اس کتاب پر ''قرآن شریف'' لکھا ہوا ہے۔ اس سے پہلے اس پر کبھی میری نظر نہ پڑی تھی۔ وہ ہاتھ کس کا تھا اور تصویر میں کیوں ظاہر ہوا؟ یہ ایک بھید ہے۔ جس کو خدا ہی جانتا ہے۔ جس وقت فوٹو اتروایا گیا ہے کسی شخص کو اس غرض کے لئے کھڑا نہیں کیا گیا۔ اس کو ایک خدائی تصرف کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ دوسری طرف اس خدائی تصرف پر غور کیجئے تو گویا یہ میری طرف یا اس جماعت کی طرف ایک غیبی اشارہ تھا کہ خدمت قرآن اس جماعت کے ذریعہ ہوگی!

میں آپ کی جماعت کی روح ہوں: میں کیا ہوں؟ آپ مجھے امیر جماعت کہتے ہیں۔ لیکن دراصل میں آپ کی جماعت کی روح ہوں۔ آپ کے اندر جو جذبات ہیں، خدا مجھے ان کے ظاہر کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔ یہ محض حضرت مسیح موعود کی دعاؤں اور تمناؤں اور آپ کی جماعت کی نیک خواہشات اور ارادوں کا اثر ہے کہ مجھ سے خدمت قرآن کا اس قدر کام ہو سکا! اگر میں حضرت مسیح موعود کے قدموں میں نہ پہنچا ہوتا تو کسی گوشہ تنہائی میں پڑا ہوتا۔ ظاہر میں کام کرتا مَیں نظر آتا ہوں۔ قرآن کریم کی تفسیر لکھی، یہ کتاب لکھی، وہ کتاب لکھی۔ دراصل یہ کام حضرت مجدد زمان اور آپ کی جماعت کا ہے۔ جو کہ حضرت مسیح موعود کی جانشین اور وارث ہے۔ میں بجائے خود کوئی چیز نہیں ہوں۔ خدا کی مرضی اور شان ہے، وہ جس سے جو چاہے کام لے لے۔

ایک ولی اللہ کی دعا: حضرت مولانا نورالدینؒ نے ایک مرتبہ ایک بات سنائی تھی۔ کیوں اور کس موقعہ پر سنائی تھی؟ یہ اس وقت مجھے یاد نہیں۔ ایک ولی اللہ تھے۔ وہ تیس سال تک ایک دعا کرتے رہے۔ لیکن

وہ قبول نہ ہوئی۔ مگر وہ برابر اس دعا میں لگے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرما لیا۔ آج بھی ایسی مثالیں دنیا میں موجود ہیں۔ 1914ء میں اختلاف ہوا۔ اور ہم بے سروسامانی کی حالت میں قادیان سے یہاں چلے آئے۔ اس وقت سے ہی میں اس امر کے لئے کوشاں تھا کہ حضرت مسیح موعود کے دل میں قرآن کریم کے متعلق جو غم اور ارادے تھے وہ ہمارے ذریعہ سے ظاہر اور پورے ہوں۔ اس وقت میری عمر چالیس سال کے قریب تھی۔ آج تیس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے۔ اور حیرت انگیز طور پر ایسا انتظام کر دیا جس کی بدولت خدمت واشاعت قرآن کی ایک مضبوط بنیاد ہمارے ہاتھوں قائم ہوگئی ہے۔ اگر آپ نے اپنا قدم سست نہ کیا تو آئندہ نسلیں اس واسطے سے برکتیں اور افضال مانگا کریں گی۔ اللہ تعالیٰ نے آج سے تیس سال پہلے کی دعاؤں کو قبول اور آرزوؤں کو پورا کیا اور ہم کو محض اپنے فضل سے خدمت واشاعت قرآن کے ٹھوس کام کی توفیق دی۔

قرآن مجید کے تراجم اور ''تراجم قرآن فنڈ'': 1943ء میں آپ کے ہاتھوں ''تراجم قرآن فنڈ'' کی بنیاد رکھی گئی۔ بے شک اس سے قبل بھی تین چار زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم آپ کی جماعت کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ 1918ء میں انگریزی ترجمہ قرآن کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ 1922ء میں اردو تفسیر ''بیان القرآن'' شائع ہوئی۔ 1935ء میں ڈچ زبان میں اور 1939ء میں جرمن زبان میں قرآن کریم کے تراجم شائع ہوگئے۔ لیکن یہ رفتار اپنے مقصد اور دنیا کی ضرورت دونوں لحاظ سے سست تھی۔ دنیا میں قرآن کریم کو بہت وسیع پیمانے پر پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آپ کی چھوٹی سی جماعت نے آج سے دو سال قبل 1943ء میں تراجم قرآن کے لئے دو لاکھ روپے کا فنڈ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اب تک اس فنڈ میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب نقد روپیہ آچکا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ وعدے بھی ہیں۔ متعدد زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کا کام اس وقت جاری ہے۔ تامل زبان میں بیس پارے تک، سندھی زبان میں دس پارے تک، گورمکھی میں بھی نو دس پارے تک ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ بنگالی اور اطالوی زبان میں تراجم قرآن کا کام جلد شروع ہونے والا ہے۔ اس کا انتظام قریباً مکمل ہو چکا ہے۔ یہ سارا کام آپ کی چھوٹی سی جماعت کر رہی ہے۔ آپ کی اس سعی سے انشاء اللہ آئندہ پانچ سال کے اندر دس زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم تیار ہو کر دنیا میں پھیل جائیں

گے۔ یہ کوئی معمولی سی کامیابی نہیں ہے۔آج آپ کے ذریعہ وہ عمل کام کر رہا ہے جو حضرت مسیح موعود کے دل میں قرآن کے متعلق تھا ع ''کس راغمِ اشاعت فرقاں بجاں نماند'' اور ''در بوستاں سرائے تو، کس باغباں نماند'' ایک قوم پیدا ہوگئی ہے، جس نے قرآن کو دنیا میں پھیلانا اپنا مقصد زندگی قرار دے لیا ہے۔ بعض وقت تحریکات کرتے وقت مجھے یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ کس عمر کو پہنچا ہوا ہوں۔ مگر خدا بڑا دینے والا ہے۔ بشرطیکہ اس سے کوئی مانگنے والا ہو۔ اس کا تو میں نے بھی تجربہ کر کے دیکھا ہے۔ 1943ء میں قریباً ستر سال کی عمر میں ''تراجم قرآن فنڈ'' کے لئے میں نے تحریک کی کہ مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کر کے پھیلائے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں کامیابی دی۔ جماعت نے توقع سے بڑھ کر اس میں حصہ لیا۔ اور جیسا کہ میں نے ابھی بتایا یہ کام قابل اطمینان طریقہ سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو اس کے عظیم الشان نتائج آپ بہت جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

دس تبلیغی مراکز قائم کرنیکی بنیاد: اس کے بعد خیال آیا کہ مانا ہم نے مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم تیار کر لئے، لیکن آخر ان تراجم کو مختلف ملکوں اور دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلائے گا کون؟ ان کے پھیلانے کے لئے بھی کوئی انتظام ہونا چاہیئے۔ 1944ء کے آخر پر یعنی 71 سال کی عمر میں ایک اور نئی بنیاد دس تبلیغی مراکز کے لئے رکھی گئی۔ یہ دس مراکز دنیا کے مختلف حصوں میں اسلام کی تخم ریزی کریں گے اور قرآن کریم کے ان تراجم کو، جو تیار ہو رہے، پھیلائیں گے۔ خدا کی شان اور اس کے افضال کو دیکھئے۔ جماعت کیا ہے؟! اور اس کی تعداد کیا ہے! بہت ہی چھوٹی سی جماعت۔ پھر غریب! کوئی امراء کی جماعت نہیں۔ غیر تو رہے ایک طرف، خود ہمارے قادیانی دوست بار بار ہمیں قلت تعداد کا طعنہ دیتے ہیں۔ ہاں اسی جماعت نے اس دوسری بنیاد یعنی ان دس تبلیغی مراکز کے لئے ایک سال کے اندر ایک لاکھ اٹھائیس ہزار روپیہ کے قریب جمع کر لیا۔ حالانکہ اس تحریک سے ایک سال قبل تراجم قرآن فنڈ کے لئے بہت بڑی رقم ہو چکی تھی۔ کیا آپ کو خبر ہے کہ اس فنڈ میں اس قدر رقم وصول ہو چکی ہے!

وصایا کی تحریک: اس کے علاوہ وصایا کی تحریک تھی۔ اب تک قریباً باسٹھ ہزار کی رقم لوگوں کی وصیتوں کے ذریعہ آ چکی ہے۔ پندرہ ہزار روپے کے قریب کے وعدے ابھی اس مد میں قابل وصول ہیں۔ اس تحریک کی طرف ابھی بہت سے دوستوں بلکہ اکثر دوستوں نے توجہ نہیں کی۔ ورنہ اس تحریک کے ذریعہ

وصول شدہ رقم سے بہت زیادہ روپیہ آ سکتا ہے۔ یہ سب روپیہ قرآن اور اسلام کی اشاعت کے لئے جمع ہو رہا ہے۔ کیا اس میں آپ کو خدائی نصرت کا ہاتھ نظر نہیں آتا؟ اللہ کے دین اور اس کی کتاب کی خدمت واشاعت کے لئے آپ جو ارادہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے لئے سامان پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ قریباً پونے چار لاکھ روپے کا انتظام گذشتہ ایک سال کے اندر ہو گیا ہے۔ اور ابھی جماعت کا ایک کافی حصہ ایسا باقی ہے، جس نے ان تحریکات میں پوری طرح حصہ نہیں لیا۔ بالخصوص وصایا فنڈ میں۔

علاوہ ازیں میرا خیال ہے کہ دوستوں سے جو یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ چندہ ماہوار میں اپنی آمد کا دسواں حصہ دیا کریں۔ یہ مطالبہ بھی احباب کی توجہ کا مستحق ہے۔ اس طرح چندہ ماہوار کے ذریعہ جو رقم وصول ہوگی، اس میں سے نصف ہم اغراض عامہ پر صرف کریں گے۔ باقی نصف ہم تبلیغی فنڈ میں ڈال دیا کریں گے۔ اس طرح مجھے یقین ہے کہ دس تنظیموں کا خرچ یہ چھوٹی سی جماعت بخوبی برداشت کرے گی۔ یہ بات بھی یاد رکھئے کہ جب آپ ایک مرتبہ کوشش کر کے ایک رَو چلا دیں گے، تو پھر لوگوں کو خود بخود شوق پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ اور سامان اپنے آپ مہیا ہوتے چلے جائیں گے۔ لیکن ایک سوال ایسا ہے جس پر آپ کو خاص طور پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ''تراجم قرآن فنڈ'' کے لئے انتظام ہو گیا۔ اس ڈیڑھ لاکھ روپے سے آپ تراجم کراتے چلے جائیں۔ جب یہ تیار ہو جائیں گے تو خدا ان کے چھپنے کا بھی کوئی انتظام کر دے گا۔ دس تبلیغی مراکز کے لئے بھی کچھ فنڈ جمع ہو گیا ہے۔ جس کے ذریعے مشنوں کے قیام اور ان کے ابتدائی اخراجات پورے ہو سکتے ہیں۔

بچوں اور نوجوانوں کے لئے تعلیم قرآن کا انتظام: ایک سوال ہمارے سامنے یہ پیش کیا گیا ہے، جو واقعی قابل غور ہے کہ ہمیں ذرا اپنے گھروں کو دیکھنا اور سوچنا چاہئے کہ وہ کونسے آدمی ہوں گے اور کہاں سے آئیں گے، جو ان تراجم قرآن کو آپ کے تبلیغ مراکز کے ذریعہ دنیا میں پھیلائیں گے۔ میری اپنی عمر ستر سال سے اوپر ہو چکی ہے۔ میرے چار ساتھی اپنے مولا سے جا ملے۔ باقی بھی ہم میں سے ایسے ہیں جو اپنی عمریں کھا چکے ہیں۔ پیچھے ہماری جو پَود ہے، کیا اس میں یہ اہلیت موجود ہے کہ وہ اس کام کو جاری رکھ سکے؟ واقعی یہ ایک معقول اور قابل غور سوال ہے۔ میں اس سوال سے غافل نہیں ہوں۔ دراصل جس وقت یہاں اس تبلیغی کاروبار کی بنیاد رکھی گئی تھی، اسی وقت سے یہ سوال میرے سامنے تھا کہ تبلیغ قرآن

کے ساتھ جماعت کے بچوں اور نوجوانوں کے لئے تعلیم قرآن کا بھی کوئی معقول انتظام ہونا چاہئے۔ میں اسے خوب اچھی طرح سے سمجھتا ہوں کہ جب تک ہمارے بچے اور نوجوان قرآن کے عالم نہ ہوں گے، تبلیغ قرآن کا کام پوری طرح سے انجام نہیں دیا جاسکتا۔ دیکھئے! ایک ہوتے ہیں خدا کے مامور۔ ان کے لئے خدا یہ سامان پیدا کردیتا ہے کہ کام کرنے والے خودبخود ان کے قدموں میں جا پہنچتے ہیں۔ لیکن ان کے بعد ان کی جماعتوں کو یہ سامان پیدا کرنے کے لئے خود تجویزیں سوچنی پڑتی ہیں۔ اور ان پر عملدرآمد کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت جس مسئلہ کو حل کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی ایسا انتظام ہوجائے، جس سے خدمت دین وقرآن کا کام مستقل طور پر چلتا رہے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کام کو کرنے والے باقاعدہ مستقل طور پر تیار ہوتے رہیں۔ میں جانتا ہوں کہ موجودہ تبلیغی کاروبار بھی آپ کی قربانیوں اور ہمت سے ہی چل رہا ہے۔ لیکن آئندہ کے لئے زیادہ وسیع پیمانہ پر آپ کی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ بیشک آپ نے بہت بڑی ہمت دکھلائی ہے، لیکن آئندہ کے لئے اس سے زیادہ ہمت بکار ہے۔

جماعت احمدیہ لاہور کی قربانیاں: خوب یاد رکھیں۔ کوئی قوم مسلسل قربانیوں کے بغیر اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ دیکھئے۔ ایک بات پر میں شروع سے قائم ہوں۔ میں کسی کام کے لئے کوئی تحریک نہیں کرتا جب تک خود پہلے اس میں حصہ نہ لےلوں۔ میں نے آمد کا دسواں حصہ چندہ ماہوار دینے کی تحریک کی۔ خود اس پر تیس سال سے عامل ہوں۔ اب خود اس تحریک پر قائم ہونے کے بعد آپ سے مانگتا ہوں۔ آپ سے نہیں خدا سے مانگتا ہوں۔ خدا ہی ہے جو دلوں کو پھیرتا اور انسانوں کو نیک کاموں کی توفیق دیتا ہے۔ جب اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ . صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کی دعا میری زبان پر آتی ہے تو روح فوراً ڈر جاتی ہے۔ اور میرا خیال فوراً اپنی جماعت کی طرف چلا جاتا ہے۔ خدا کے انعامات یونہی نہیں ہوتے، بلکہ ان انسانوں اور جماعتوں پر ہوتے ہیں، جو اپنا سب کچھ خدا کے راستے پر لگا دیتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے۔ دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں آپ کو کیا خصوصیت حاصل ہے؟ صرف یہی کہ دوسرے مسلمان خدا کے راستے میں وہ قربانیاں نہیں کرتے جو آپ کرتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہے کہ ان قربانیوں کی توفیق آپ کو مل رہی ہے!

جماعت قادیان کو خدمت قرآن کی توفیق نہیں ملی: جماعت قادیان جو تعداد میں آپ سے بیس گُنا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، شائد پچاس گُنا ہو۔اس میں بڑے بڑے مالدار بھی موجود ہیں۔ان کا نظام بھی بڑا مضبوط کہا جاتا ہے۔ان کا بجٹ بھی بہت زیادہ ہے۔ذرا سوچو۔ان تمام باتوں کے باوجود ان کو خدمت قرآن کی یہ توفیق نہیں ملی۔اور آپ کو ملی کہ تین مغربی زبانوں میں قرآن کا ترجمہ کر کے دنیا بھر میں پھیلا دیا۔کوئی نہیں کہہ سکتا کہ خدا کے نزدیک کس کے لئے کیا مقدر ہے؟ اول اختلاف ہوا۔ جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔پھر خدا جانے کیوں جماعت قادیان سے، جو بلحاظ تعداد بڑا حصہ تھا، خدمت قرآن کی توفیق چھین لی گئی؟ اب اشاعت قرآن کا غم اور جذبہ قادیانیوں کے دل میں پیدا نہیں ہوتا۔حالانکہ وہ اپنی تعداد لاکھوں کی بتلاتے ہیں۔اور ان کا بجٹ بھی کہا جاتا ہے تیس لاکھ روپیہ تک جا پہنچا ہے۔قرآن کے متعلق یہ درد آپ ہی کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔قادیانی جماعت نے تیس سال ہوئے انگریزی ترجمہ قرآن کی اشاعت کا وعدہ کیا تھا۔اور ایک پارہ ماہوار کے حساب سے اڑھائی سال میں اس کو مکمل چھاپ دینے کا اعلان ان کی طرف سے ہوا تھا۔مدت تک خاموشی رہی۔اب چند برس سے سال بہ سال اس وعدے کو دہرایا جا رہا ہے۔لیکن اس کے باوجود ان سے صرف ایک انگریزی زبان میں بھی قرآن کریم کا ترجمہ شائع نہ ہو سکا۔دراصل جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں یہ خدا کی توفیق پر منحصر ہے۔لیکن انسان کا یہ فرض ضرور ہے کہ وہ عزم اور قربانی میں پیچھے نہ ہٹے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ دو باتوں کو کر کے اس تیسری بات سے رک گئے، اور اس میں ناکام رہے، یعنی تراجم قرآن فنڈ اور دس تبلیغی مراکز فنڈ کے بعد اپنی آئندہ نسل کی تعلیم قرآن کا کوئی انتظام نہ کیا، تو آپ کی مثال اس شخص کی ہو گی، جو سیڑھی کی چوٹی سے گرتا ہے۔اگر کوئی پہلے یا دوسرے زینے سے گر جائے، تو اس کو زیادہ چوٹ نہیں لگتی۔لیکن جو سیڑھی کی چوٹی سے گرتا ہے، اس کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔بہت سے لوگ آپ کی قلیل جماعت کو برباد کرنے کے درپے ہیں۔اور اس بارہ میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔لیکن میں کہتا ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی آپ کی جماعت کو انشاءاللہ برباد نہیں کر سکتا۔تاہم اگر آپ نے اپنی نسل کی تعلیم قرآن کا کوئی بندوبست ابھی سے نہ کیا، تو پھر یہ جماعت خود اپنے ہاتھوں برباد ہو جائے گی۔اس طرح آپ اپنے بلند مقام سے گر جائیں گے۔

خوب یاد رکھیں کہ خدا کو کسی کی پروا نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کے دین کے کام رک نہیں سکتے۔ اگر ایک قوم دین کی خدمت سے غافل ہو جائے گی، تو خدا اس کی جگہ دوسری قوم کھڑی کر دے گا۔

ادارہ تعلیم قرآن کے قیام کا منشاء: اس ساری گفتگو سے میری غرض یہ ہے کہ ہمیں ایک ادارہ تعلیم قرآن کے لئے بنانا چاہیئے۔ یہ ادارہ نہایت مضبوط اور منظّم ہو۔ تا کہ اس کے ذریعہ تراجم قرآن اور اشاعت قرآن کا کام نہایت باقاعدگی سے جاری رہ سکے۔ ان کاموں کے لئے اس ادارہ سے کارکن ملتے رہیں گے۔ اور ادارۂ تعلیم قرآن سے میرا منشاء کیا ہے؟ اس سے میرا منشاء یہ ہے کہ ہم کوئی ایسا انتظام کریں کہ ہماری قوم کے بچے ایک اچھے ماحول میں رہ کر تعلیم قرآن اور اسلامی تربیت حاصل کر سکیں۔ کیا اس کے لئے ہمیں کوئی ایسا کالج کھولنا چاہیئے جس میں ہمارے بچے اور نوجوان باقی سب کاموں کو چھوڑ کر صرف تعلیم قرآن کے حصول کے لئے وقف ہو جائیں؟ نہیں۔ معاش کی فکر انسان کی فطرت کا خاصا ہے۔ اس کو انسان سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس بارہ میں میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔

تحریک دارالیتامیٰ: چند سال پہلے میں نے ایک تحریک دارالیتامیٰ کے نام سے کی تھی۔ اس کا مقصد تھا کہ ہم قوم کے قابل امداد یتامیٰ کی تعلیم و تربیت اور پرورش کا مرکز میں کوئی انتظام کریں۔ اس وقت حالات کے لحاظ سے اس کے لئے ایک چھوٹی سی اپیل بھی ہوئی تھی۔ اس میں ہمارے تین محترم دوستوں: حاجی شیخ میاں محمد اسمٰعیل صاحب، خان بہادر میاں غلام رسول صاحب اور ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب نے خاص طور پر حصہ لیا تھا۔ چند اور دوست بھی اس میں حصہ لینے والے تھے۔ دارالیتامیٰ کے لئے عمارت کی تجویز ہو چکی تھی۔ لیکن جنگ کی وجہ سے اس تجویز کو عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا۔ خیال تھا کہ جنگ کے بعد تعمیر کے کام کو شروع کیا جائے گا۔

ڈاکٹر وزیر احمد صاحب کی رائے: اسی اثناء میں ہمارے ایک مخلص دوست ڈاکٹر وزیر احمد صاحب قریشی نے یہ خیال ظاہر کیا کہ دارالیتامیٰ کا نام بدل دینا چاہیئے۔ اس سے بچوں میں ایک احساس کمتری پیدا ہوگا کہ ہم یتیم ہیں۔ ہمارا کوئی نہیں۔ اس لئے قوم کے چندے اور خیرات پر پل رہے ہیں۔ بچوں میں اس قسم کے احساس کمتری کا پیدا ہونا اچھا نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے مجھے پسند آئی کہ اس ادارہ کا نام بدل دیا جائے۔ دارالیتامیٰ کی بجائے دارالاقامۃ یعنی ہوسٹل بنانا چاہیئے۔ اس میں قوم کے

یتیم بچے بھی رہیں اور قوم کے دوسرے امراء وغرباء کے بچے بھی رہیں۔ اس طرح یتیموں میں احساس کمتری پیدا نہیں ہوگا۔ دوسرے یتیم خانوں میں جب باہر سے روٹیاں اور دوسری چیزیں جاتی ہیں، تو واقعی وہاں کے بچوں میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ ہم صدقہ خیرات پر پل رہے ہیں۔ دارالاقامہ یا ہوسٹل میں سب قسم کے بچے مل کر رہیں گے۔

ادارہ تعلیم القرآن کا خیال کیسے پیدا ہوا؟: اس کے بعد میں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم دارالیتامیٰ یا دارالاقامہ کی بجائے ادار تعلیم القرآن بنائیں۔ جب ہمیں قرآن کی خدمت کرنا ہے تو اس کے لئے قرآن کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ جنہوں نے دنیا کمانی ہے، ان کے لئے دوسرے بہت سے ذرائع اور سامان موجود ہیں۔ دنیا کے طالب علموں کو دنیا دوسرے طریقوں سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے کسی خاص قابلیت اور تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بہت سے ایسے لکھ پتی اور کروڑ پتی آپ نے دیکھے ہوں گے، جنہیں بات تک کرنے کا سلیقہ نہیں!

بمبئی کے ایک کروڑ پتی کا واقعہ: میں نے بمبئی میں ایک کروڑ پتی کا حال سنا۔ دیکھنے میں یہ اول درجہ کا سادہ لوح انسان تھا۔ ابتداء میں یہ مزدوری کیا کرتا تھا۔ چھابڑی لگا کر سڑکوں پر پھرا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ کروڑ پتی ہو گیا۔ مرتے وقت اس کے پاس چوبیس کروڑ روپیہ تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ اس نے بڑے بیٹے کو چودہ کروڑ روپیہ دیا اور چھوٹے بیٹے کو دس کروڑ روپیہ دیا۔ چھوٹے بیٹے نے اس غم وغصہ میں، کہ مجھے دوسرے بھائی سے کم حصہ دیا گیا ہے، خودکشی کر لی۔

یہ ادارہ کس جگہ قائم کیا جائے: مجھے اپنی جماعت کی آئندہ نسل کے متعلق یہ فکر نہیں کہ یہ دنیا کس طرح کمائیں گے۔ بلکہ یہ فکر ہے کہ یہ دین کس طرح سیکھ سکتے ہیں؟ اسی لئے میں ادارہ تعلیم القرآن کی یہ تجویز پیش کر رہا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ ادارہ کس جگہ قائم کیا جائے؟ یہاں احمدیہ بلڈنگس میں تو اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ 1936ء میں جبکہ ہماری انجمن بہت سی مالی مشکلات میں مبتلا اور سخت مقروض تھی، میں نے ایک تحریک ''ارشادالہٰی'' کے نام سے کی تھی۔ اس وقت اتفاق سے اس تحریک کا یہ نام رکھا گیا۔ اس میں تمام دوستوں سے دس دس دن کی آمد مانگی تھی۔ اگرچہ اس تحریک میں سب دوستوں نے حصہ نہ لیا لیکن پھر بھی تیس چالیس ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ اس وقت انجمن قرضوں کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ لیکن اس

کے باوجود اس روپیہ سے ہم نے اس جنگل کے اندر، جو کہ مسلم ٹاؤن سے ادھر واقع ہے، 180 کنال زمین خرید لی۔

زمین کا حصول اور چوہدری ظہور احمد صاحب کی کوشش: اس زمین کے حاصل کرنے میں ہمارے دوست چوہدری ظہور احمد صاحب نے خاص کوشش اور محنت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزاء خیر دے۔ اگر چوہدری صاحب کوشش نہ کرتے تو ہم یہ زمین کبھی حاصل نہ کر سکتے تھے۔ اس زمین کا کچھ حصہ تو جماعت کے مختلف دوستوں نے لے لیا اور باقی انجمن کے پاس 180 کنال ہے۔

اس زمین کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے: ہم نے اس کو ڈیڑھ دوسو روپے کنال کے حساب سے خریدا تھا۔ اب خدا کی طرف سے ایسے حالات اور سامان پیدا ہو گئے ہیں کہ اس زمین کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔ اور یہیں یونیورسٹی سنٹر بننے کی تجویز ہو رہی ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ جو جگہ دنیوی تعلیم کا مرکز بننے والی تھی، اسی جگہ اب اللہ چاہے، تو تعلیم القرآن کا مرکز بھی قائم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے افضال اور اس کی نصرتیں ہیں۔ جس وقت یہ زمین خریدی گئی ہے، اس وقت اس قسم کی کوئی امید اور خیال نہ تھا۔ آج 180 کنال زمین کوئی اس نواح میں لینا چاہیئے تو اسے چار ساڑھے چار لاکھ روپیہ صرف کرنا پڑے گا۔ جس وقت ہم نے اسے خریدا تھا، اس وقت کسی کو خیال تک نہ تھا کہ چند سال کے اندر ہی یہاں زمین کی قیمتیں اس قدر بڑھ جائیں گی۔ اس وقت آپ کی صرف دس دن کی آمدنی سے، جو تیس چالیس ہزار روپیہ جمع ہوا تھا، یہ زمین لی گئی تھی۔ گویا اس دس دس دن کی آمدنی کی حیثیت تین چار ماہ کی آمدنی کے برابر ہو گئی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس زمین کی قیمت، جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں، چار ساڑھے چار لاکھ روپیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قربانی کو اس قدر قبولیت عطا فرمائی!

تعلیم القرآن کا عظیم الشان مرکز: اب تجویز یہ ہے کہ اس جگہ ہم اپنی قوم کے بچوں کے لئے مکان بنائیں۔ درحقیقت یہ آپ کی قوم کا گھر ہو گا۔ یہ وہ چیز ہو گی جس پر دنیا رشک کرے گی۔ اگر اس وقت آپ پہل اور تھوڑی سی ہمت کریں تو اس جگہ تعلیم القرآن کے لئے ایک عظیم الشان مرکز بن سکتا ہے۔ خدا کے نزدیک یہ مقدر ہو چکا ہے کہ دنیا میں قرآن پھیلے۔ تمہارے لئے یہ موقع ہے کہ تم اس راستہ میں قدم بڑھا کر ایک اور بڑی سعادت حاصل کر لو۔ جو کوئی خدا کے کام کے لئے آگے بڑھتا ہے، خوب یاد

رکھو، وہ ناکام نہیں رہتا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم خدا کی طرف ایک قدم بڑھاؤ گے تو وہ تمہاری طرف دوقدم بڑے گا۔ اگر تم چل کر خدا کی طرف جاؤ گے تو وہ تمہاری طرف دوڑتا آئے گا۔ اب زمین تمہارے پاس موجود ہے۔ اس ادارے یا مرکز کے لئے تمہیں صرف عمارت کی ضرورت ہے۔

جماعت کے نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کا مرکز: میری تجویز یہ ہے کہ ہماری جماعت کے وہ طالب علم جو یہاں مختلف کالجوں میں پڑھتے ہیں اور اکثر ان کالجوں کے ہوسٹلوں میں رہتے ہیں۔ جن کی تعلیم کا زمانہ بالعموم چھ سال ہوتا ہے۔ ہم ان کو اس مرکز یا دارالاقامہ میں رکھیں۔ اور اس چھ سال کے عرصہ میں قرآن، حدیث اور تاریخ اسلام کی ضروری تعلیم ان کے فارغ وقت میں انہیں دے دیں۔ یہاں تعلیم کے علاوہ ان کی تربیت بھی اسلامی رنگ اور اسلامی ماحول میں ہوگی۔ اور وہ موجودہ تہذیب کے ان مضر اثرات سے محفوظ رہیں گے، جن سے وہ دوسرے ہوسٹلوں میں محفوظ نہیں رہ سکتے۔ کالج کے ہوسٹلوں میں خرچ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ پھر وہاں کی رہائش سے ایسے خیالات نوجوانوں کے دماغوں میں رچ جاتے ہیں۔ اور وہ ایسے خصائل وعادات کے پابند ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے نوجوانوں کی دینی ودنیوی حالت پر بھی بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ آج کل کا زمانہ بہت نازک ہے۔ چاروں طرف شیطانی ترغیبات موجود ہیں۔ بہت سے دوست ایسے ہوں گے جو ان ہوسٹلوں میں اپنے بچوں کو بھیج کر افسوس کر رہے ہوں گے۔ انشاءاللہ آپ کا یہ مرکز دارالاقامہ آپ کے بچوں کو ان مضر اثرات اور شیطانی ترغیبات سے محفوظ رکھے گا۔ غرضیکہ اس ادارہ میں ابتدائی عمر سے نوجوانوں کے لئے اپنے دیگر اشغال کے علاوہ تعلیم قرآن کا انتظام ہوگا۔

کئی رنگوں میں تعلیم قرآن کا انتظام کیا جائے گا: کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ تراجم قرآن اور تبلیغ قرآن کی تحریکات اسی صورت میں سرسبز ہوسکتی ہیں کہ ان کے پیچھے ایک جماعت تعلیم قرآن کو حاصل کرنے والی ہو، جس سے ترجمہ قرآن اور تبلیغ قرآن کے لئے بوقت ضرورت موزوں آدمی مل سکیں۔ اس ادارہ میں کوشش ہوگی کہ جماعت کے نوجوانوں کو، جو معمولی تعلیم اپنے سلسلہ معاش میں حاصل کر رہے ہوں جہاں تک ممکن ہے قرآن کریم سے، ابتدائی تاریخ اسلام سے اور قدرے حدیث سے واقف کرا دیا جائے۔ اور ان کی تربیت ایسے طریق پر ہو کہ ان کے دلوں میں قرآن کریم کی محبت پیدا ہو۔ لیکن اس کے

علاوہ اور بھی کئی رنگوں میں یہاں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے والے ہوں گے۔ اور ایسے لوگ بھی ہوں گے، جن کی زندگیاں ریسرچ میں گزریں گی۔ اور وہ نئے نئے مسائل دنیوی کا حل اس کتاب پاک سے تلاش کر کے دنیا کی رہنمائی کرنے والے ہوں گے۔ دیگر طلباء کے علاوہ اس جگہ ہماری جماعت کے یتامیٰ بھی رہیں گے۔ یہاں ان نوجوانوں کے قیام کا انتظام بھی ہوگا جو وقتاً فوقتاً مختصر تبلیغی ٹریننگ کے لئے آتے رہیں گے۔ سردست ایک سو طلباء کی رہائش کے لئے انتظام کی تجویز ہے۔ اس وقت آپ کو چاہیئے کہ ان کمروں کی تعمیر کا بندوبست کر دیں۔ یہی وہ کام ہے جس کی طرف میں نے اپنی تقریر کی ابتداء میں اشارہ کیا تھا۔

صاحب جائداد لوگوں سے اپیل: سب سے پہلے اس بارہ میں مَیں ان دوستوں سے اپیل کروں گا جن کے اپنے ذاتی مکان موجود ہیں۔ اور جو صاحب جائداد ہیں۔ وہ جس طرح ان سے ممکن ہو یہاں ایک ایک کمرہ بنوا دیں۔ میں چاہتا ہوں جس طرح لوگ ذاتی مکان بنواتے ہیں اور ان پر ان کے نام ہوتے ہیں۔ فلاں منزل۔ فلاں منزل۔ اسی طرح یہاں بھی آپ لوگوں کے نام پر کمرے بنیں۔ یہاں بھی کوئی کرم الٰہی منزل ہو، کوئی اسمٰعیل منزل ہو اور کوئی غلام رسول منزل ہو۔ مختلف دوستوں کے نام مختلف کمروں پر لکھے ہوئے ہوں۔ جس طرح آپ اپنے اہل وعیال اور اپنے خاندانوں کے لئے مکان بنواتے ہیں، اسی طرح آپ یہاں اپنی جماعت کے لئے گھر بنوائیں۔ اور درحقیقت یہی آپ کا اصلی گھر ہوگا۔ جو یہاں آپ کے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے کام آئے گا۔ اور دوسری دنیا میں بھی آپ کو اس کا اجر ملے گا۔ یہاں ہم میں سے بہت سے دوست ایسے ہیں، جن کے پاس ضرورت سے زیادہ اپنی جسمانی آسائش کے لئے مکانات ہیں۔ وہ سوچیں کہ اگر وہ ایک کمرہ اپنے نام پر تعلیم قرآن کے لئے بنوا دیں گے، تو اس سے نہ صرف ان کا نام ہمیشہ کے لئے باقی رہ جائے گا، بلکہ اس مکان میں ہمیشہ تعلیم قرآن کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور ہر سال نئے نئے آدمی مختلف مقامات سے اس کے اندر آتے رہیں گے، جو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر کے، اگر خدا چاہے گا، دنیا کو خدا کے نور سے بھر دیں گے۔ ہم جو مکان رہائش کے لئے یا بطور جائداد بنا کر اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارے بعد ان کا کیا انجام ہوگا؟ لیکن اس ادارہ میں تو انشاءاللہ ہمیشہ تعلیم قرآن حاصل کرنے والے آتے رہیں

گے۔ ان میں سے بہت سے ایسے نیک لوگ ہوں گے، جن کے دلوں میں اپنے کمرہ بنوانے والے کا نام دیکھ کر اس کے لئے اور اس کی اولاد کے لئے درد دل سے دعا نکلے گی۔ اور اس لحاظ سے یہ ہماری بہترین جائیداد ہوگی۔ جس طرح مسجد بنوانے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں گھر بنا دینے کا وعدہ کیا ہے، تعلیم قرآن کے لئے کمرہ بنوانے والے کے لئے بھی میں یقین رکھتا ہوں یہی اجر موجود ہے۔

خدا کے راستہ میں دینے سے کوئی غریب نہیں ہوتا: خوب یاد رکھو۔ خدا کے راستہ میں دینے سے کوئی شخص غریب نہیں ہوجاتا۔ میں نے آج تک کسی شخص کو نہیں دیکھا، جسے خدا کے راستہ میں دینے سے غربت آگئی ہو۔ ہمارے کئی دوست ایسے ہیں جو آمد کا دسواں حصہ چندہ ماہوار دینے سے گھبراتے ہیں۔ لیکن وہ ان لوگوں کی طرف دیکھیں اور ان سے پوچھیں جو سالہا سال سے دسواں حصہ آمدنی کا چندہ ماہوار میں دیتے ہیں۔ کیا ان میں کوئی شخص اس وجہ سے غریب ہوگیا؟ کیا کوئی اس وجہ سے بھوکا رہا؟ کیا اس کی وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان پہنچا؟ یقیناً نہیں۔ دیکھئے! خدا کے رستے میں خرچ کرنے سے اور صدقہ خیرات کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ یہ خدا کا وعدہ ہے۔ جس قوم نے خدا کے رستے میں بخل کیا، وہ دین میں بھی مرگئی اور دنیا میں بھی مرگئی۔

تخمینہ: اب میں آپ کے سامنے وہ تخمینہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو میں نے اس ادارہ کی عمارت کے لئے تیار کرایا ہے۔ ہماری اسکیم اور ارادے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت وسیع ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں ابھی بتا چکا ہوں کہ فی الحال اس میں سو طلباء کی رہائش کا انتظام ہوگا۔

☆ سب سے پہلے اس ادارے کے اندر مسجد کی ضرورت ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو یہ ادارہ بہت ترقی کرے گا۔ اور اس کے لئے بہت بڑی مسجد کی ضرورت ہوگی۔ لیکن سردست اگر یہاں چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر ہوجائے تو کام چل سکتا ہے۔ اس کے لئے سات ہزار روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے۔

☆ اس مسجد کے ساتھ ایک کمرہ لائبریری کے لئے ہوگا۔ اس ادارہ کے لئے کتب خانہ کی ضرورت ظاہر ہے۔ ویسے بھی ایک زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کا علمی و دینی شوق زندہ تھا اکثر مساجد کے ساتھ کتب خانے موجود تھے۔ اس لائبریری کے لئے پانچ ہزار روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے۔

سید بشیر حسین صاحب اور سید الطاف حسین صاحب کا عظیم الشان ایثار: میں چاہتا ہوں کہ مسجد

اور کتب خانہ کی عمارتوں کے لئے ایک ایک دوست ذمہ لے لے۔ ایسے دو دوست نکل آئیں اور ان کے لئے سات ہزار اور پانچ ہزار روپے کا وعدہ کریں، تو میں آگے چلوں (حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہی تھے کہ جناب ڈاکٹر سید بشیر حسین صاحب خلف الرشید حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ مرحوم نے اپنی محترمہ والدہ صاحبہ مرحومہ کے نام پر مسجد تعمیر کرانے کا وعدہ کیا۔ اور ان کے برادر بزرگ جناب سید الطاف حسین صاحب نے لائبریری کی عمارت کا وعدہ فرمایا۔ اس پر حاضرین جلسہ میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور حضرت امیر ایدہ اللہ نے اظہار تحسین فرماتے ہوئے کہا کہ آج شاہ صاحب مرحوم کی روح اپنے بیٹوں کے اس جذبہ اور قربانی پر اسی طرح وجد میں ہوگی، جس طرح آپ اس وقت وجد میں ہیں۔ مرحوم نے بھی اپنی زندگی میں متعدد مساجد تعمیر کرائیں۔ اور دینی خدمات کے لئے بہت سا مال خرچ کیا۔ ان کے سعید بیٹے بھی ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اس کے بعد اس طرح سلسلہ تقریر جاری ہوا)

اب اس کے بعد میں آگے چلتا ہوں۔ اس ادارہ کی عمارت کے لئے تین قسم کے کمرے تجویز ہوئے ہیں۔

1۔ آٹھ آٹھ طلباء کے لئے کمرے۔ جن پر فی کمرہ 2500 روپے لاگت آئے گی۔

2۔ چار چار طلباء کے لئے کمرے۔ جن پر فی کمرہ 1250 روپے لاگت آئے گی۔

3۔ ایک ایک آدمی کے رہنے کا کمرہ۔ جن پر فی کمرہ 500 روپے لاگت آئے گی۔

4۔ اس کے علاوہ ایک کمرہ طعام یعنی ڈائننگ ہال ہوگا جس پر 3000 لاگت آئے گی۔

جناب شیخ نیاز احمد صاحب نے ڈائننگ ہال تعمیر کرانے کا وعدہ فرمایا: حضرت ممدوح نے یکے بعد دیگرے ان کمروں کی تفصیل بیان کر کے تحریک کی۔ چند منٹ کے اندر ہی بہت سے کمروں کے وعدے ہو گئے۔ ڈائیننگ ہال کی تعمیر کا ذمہ ہماری جماعت کے محترم بزرگ جناب شیخ نیاز احمد صاحب وزیر آبادی نے لے لیا۔ ان وعدوں کی تفصیل 4 جنوری 1946ء کے پیغام صلح میں شائع ہو چکی ہے۔

خواتین سلسلہ کے لئے تعلیم قرآن کا انتظام: چند خواتین کی طرف سے بھی وعدے کئے گئے۔ اور ایک رقعہ کے ذریعہ خواتین نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس ادارہ میں قوم کی بچیوں کے لئے بھی تعلیم

قرآن کا انتظام ہونا چاہیئے۔ اس پر حضرت ممدوح نے فرمایا کہ یہ چیز بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ اور یقیناً اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ جو قوم علم قرآن سے اپنی لڑکیوں کو محروم رکھتی ہے، وہ انہیں فی الحقیقت زندہ درگور کرتی ہے۔ ارشاد الٰہی اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (9-8:81) صرف انہی چند لوگوں کے لئے نازل نہیں ہوا جو عرب کے اندر زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، بلکہ اس میں وہ لوگ بھی مخاطب ہیں جو اپنی عورتوں کو علم بالخصوص علم قرآن سے محروم رکھتے ہیں۔ اور اس طرح انہیں زندہ درگور رہنے دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت ان کی حالت مردوں سے بدتر ہوتی ہے۔ علم سے محروم رکھنے کو بہت سے مفسرین نے قتل ہی قرار دیا ہے۔ بلکہ اگر حقیقی طور پر دیکھا جائے تو لڑکیوں کی تعلیم قرآن کا انتظام لڑکوں سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ ہر ماں کو اپنی اولاد کی تربیت کا موقع ملتا ہے۔ اگر ماں علم قرآن سے محروم ہوگی تو اس کی اولاد پر بچپن میں قرآن کا نقش نہیں ہوسکتا۔ دنیا کی صحیح تربیت ماؤں سے وابستہ ہے۔

پندرہ دن کی آمد کا مطالبہ: آخر پر حضرت امیر نے فرمایا کہ ''جو اصحاب کمروں کی تعمیر کی شکل میں اس تحریک میں حصہ نہیں لے سکتے، ان سے اس کام کے لئے پندرہ پندرہ دن کی آمد مانگتا ہوں'' اس پر بھی بہت سے دوستوں نے وعدے لکھوائے۔ اور بہت سے دوستوں نے نقد رقوم پیش کیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے چند منٹ کے اندر ہی مخلص احباب نے ایک لاکھ روپے کے قریب رقم فراہم کر دی۔ پندرہ دن کی آمد کے وعدے اس کے علاوہ تھے۔

❁❁❁

27 فروری 1946ء

ارشاد حضرت امیر

جماعت کے خطیبوں، مبلغین اور ہائی سکولوں کے نام

قرآن کریم کے امتحان میں دوستوں کو کثیر تعداد میں شامل کرنے کے لئے حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

''جماعتوں میں جمعہ کے خطبوں میں خاص طور پر توجہ دلائی جائے مبلغین اپنے اپنے علاقوں میں اس طرف توجہ دلائیں۔ میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ کیوں اس امتحان میں ہائی سکولوں کی اوپر کی دو جماعتوں اور کالجوں کے کل طالب علم شامل نہ ہوں۔ جماعتوں کے سیکرٹری خطبہ دینے والے اصحاب اور مبلغین خصوصیت سے توجہ کریں''

قرآن کریم اور اس کے ساتھ سیرتؐ کے امتحانات آخر مارچ، آخر جون، آخر ستمبر اور پندرہ دسمبر کو ہوا کریں گے۔ اس سال آخر مارچ میں سورۃ النساء اور سیرت کی چھوٹی کتاب ''محمد مصطفیؐ'' کا امتحان ہوگا۔ احباب کو چاہئیے کہ اس امتحان میں شمولیت کے لئے جلد اپنے نام بھیج دیں۔ جو دوست پہلے امتحان میں شامل ہوئے تھے، ان کو بھی اپنے نام آئندہ امتحان کے لئے بھیجنے ضروری ہیں۔

6 مارچ 1946ء

تخفیف انکم ٹیکس اور جماعت کے غرباء اور اُمراء سے اپیل

از حضرت امیر اید ہ اللہ تعالیٰ

نئے بجٹ میں حکومت نے ٹیکس کی شرح میں معقول تخفیف کر دی ہے۔ اور (Excess profits Tax) بالکل اڑا دیا ہے۔ اس موقعہ پر میں اپنے اکثر احباب کو جو طبقہ غربا سے تعلق رکھتے ہیں اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ دس نئے تبلیغی مرکز قائم کرنے کے لئے میں نے گذشتہ سالانہ جلسہ پر یہ تحریک شروع کی تھی اور اس کے بعد بھی اسے کئی دفعہ دوہرا چکا ہوں کہ ان مشنوں کی مستقل آمد کے ذرائع میں سے ایک بڑا بھاری ذریعہ یہ ہوگا کہ اس جماعت کے سب افراد بجائے تین پیسہ یا ایک آنہ فی روپیہ اپنی آمدنی میں سے چندہ دینے کے اپنی آمدنیوں کا دسواں حصہ چندہ دیں۔ میں امید رکھتا ہوں اگر جماعت کی توجہ اس طرف ہو جائے تو خدا چاہے تو دو یا تین مشنوں کا مستقل خرچ اس ذریعہ سے نکل سکتا ہے۔

اس لئے اب جو انکم ٹیکس میں تخفیف کا اعلان ہوا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک قدم اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اُٹھائیں۔ اور وہ احباب جو اس وقت دسواں حصہ آمد کا نہیں دے رہے اور دسواں حصہ دینے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے وہ سب کم سے کم یہ قدم اس وقت اُٹھائیں گے جس قدر حکومت کی طرف سے ٹیکس کم ہو جائے گا۔ اس کے برابر وہ اپنے ماہوار چندوں میں مستقل اضافہ کر دیں۔ اس طرح ان پر کوئی بوجھ بھی نہیں پڑے گا اور ایک عظیم الشان کام کی بنیاد پڑ جائے گی۔ میں امید رکھتا ہوں کہ ہمارا یہ قدم اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا خاص موجب ہوگا کہ حکومت کے ٹیکس کو ہم نے اپنی خوشی سے خدائی ٹیکس میں تبدیل کر دیا اور شائد اس پر دنیوی رنگ میں بھی اس کا فضل نازل ہو کہ حکومت تنخواہوں میں اضافہ کر دے۔

اس کے علاوہ ان امراء سے بھی، جن کی آمدنیوں کا 93 فیصد حکومت بصورت ٹیکس لے جاتی تھی جو Excess profits Tax کہلاتا تھا یہ عرض کروں گا کہ اگر وہ کچھ حصہ اس کا خدمت دین کے لئے وقف کر دیں تو ان میں سے ایک ایک بزرگ ایک ایک مشن قائم کر سکتا ہے۔ جو اسی کے نام پر ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری جماعت کے امراء کو یہ توفیق مل جائے تو وہ اپنے لئے آخرت میں بھی بہت بڑی دولت کے مالک ہوں گے اور دنیا میں بھی ان کے نام ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جائیں گے۔

3 اپریل 1946ء

التجائے دعا

ازحضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

آئندہ چند دن یا چند ہفتے ہندوستان کی تاریخ میں اگر خاص اہمیت رکھتے ہیں تو یہاں کے مسلمانوں کے لئے انہی ایام میں ان کی زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے۔کوئی شخص اس وقت نہیں کہہ سکتا کہ واقعات کیا رنگ اختیار کریں اور کیا اس ملک میں اسلام کا روشن مستقبل آسانی سے حاصل ہو چکے گا یا اس کے لئے مسلمانوں کو بڑے سے بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔اس نازک وقت میں میں اپنی جماعت اور دیگر مسلمانوں کو بھی ایک ایسے امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جس سے شائد اللہ تعالیٰ ہماری مشکلات کے حل کے کوئی آسان راستے پیدا کر دے۔اور وہ بارگاہ الٰہی میں جھک جانا ہے۔ مسلمان قوم کے پاس مادی سامان بہت ہی کم ہیں۔ یہاں تک کہ ہندوؤں کے مقابل یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہماری قوم بے سروسامان ہے۔پھر ان میں افسوسناک تشتت ہے۔خودغرضیاں ہیں۔جن کی وجہ سے بڑے بڑے لوگوں کا قدم پھسل جاتا ہے۔لیکن ایک ہتھیار ہمیں ایسا دیا گیا ہے جس کے سامنے تمام مادی طاقتیں ہیچ ہو جاتی ہیں۔اور مشکلات کے پہاڑ اُڑ جاتے ہیں اور وہ ہتھیار دعا ہے۔سو میں اپنے احباب سے بالخصوص اور جملہ مسلمانوں سے بالعموم یہ درخواست کرتا ہوں کہ جب تک اس امر کا تصفیہ نہیں ہو جاتا وہ خدا تعالیٰ کے آگے گریں۔دل اسی کے ہاتھ میں ہیں۔اور وہ بڑے بڑے منصوبوں کو پاش پاش کرنے پر قادر ہے۔اگر ہم پوری عاجزی سے اس کے دروازے پر گریں تو وہ یقیناً ہماری مدد کے لئے ہاتھ بڑھائے گا۔**اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ** (60:40)

اندریں وقتِ مصیبت، چارۂ ما بیکساں جز دُعاء بامداد و گریہ اسحار نیست

الگ الگ بھی دعا کریں اور جماعت میں بھی دعا کریں۔خاکسار محمد علی

❁❁❁

17 اپریل 1946ء

ممبرانِ مجلس معتمدین سے ایک درخواست

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

مجلسِ معتمدین کے عموماً تین اجلاس سال میں ہوتے ہیں۔ایک انتخاب عہدیداران وغیرہ کے لئے اپریل کے آخر یا مئی کے شروع میں۔ایک اکتوبر کے آخری بجٹ کے لئے اور ایک سالانہ اجلاس جو سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ہوتا ہے۔ان میں سے سالانہ اجلاس میں تو کافی تعداد ممبران کی موجود ہوتی ہے۔لیکن باقی دو اجلاسوں میں بہت کم دوست آتے ہیں۔جو بہت دور کے رہنے والے ہیں وہ تو اس بارے میں ایک حد تک معذور ہیں۔لیکن دہلی اور پٹیالہ اور ملتان تک کے احباب کو، جو مجلس معتمدین کے ممبر ہیں، باقی دونوں اجلاسوں میں بھی شامل ہونے کی کوشش کرنی چاہئیے۔جن اصحاب کو کوئی جماعت یا انجمن بطور ٹرسٹی یا معتمد منتخب کرتی ہے۔ان پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ کچھ تکلیف برداشت کر کے مجلس معتمدین کے اجلاسوں میں بھی شامل ہوں۔بالخصوص اس وقت جب انجمن کے کام کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔تمام معتمدین اور عہدیداران پر ایک نیا فرض عائد ہو گیا ہے کہ وہ پہلے سے بڑھ کر انجمن کے کاروبار کی طرف توجہ دیں۔ان اجلاسوں میں جو معاملات فارملی آتے ہیں وہ خود اپنی جگہ پر بڑے اہم ہوتے ہیں۔لیکن اس کے علاوہ کئی ایک امور پر اس موقعہ پر انفارملی بھی مشورہ ہو جاتا ہے اور کارکنوں میں ایک نئی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔اس لئے میں تمام احباب سے، جو مجلس معتمدین کے ممبر ہیں، یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ جنرل کونسل کے اجلاس میں شامل ہونے کی پوری پوری کوشش کریں۔قومی کام اسی وقت تک درست رہتے ہیں جب وہ لوگ، جن پر ان کاموں کا دارومدار ہے، ان میں پوری پوری دلچسپی لیں اور اپنے وقت اور مال اور آسائش کو ان کے لئے قربان کریں۔محمد علی

22 مئی 1946ء

پانچ سوالوں کا جواب

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

پشاور سے ایک نوجوان دوست کے ذریعہ سے ایک غالی قادیانی بزرگ کے پانچ سوال حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں موصول ہوئے ہیں جن کے جوابات حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درج ذیل ہیں۔

سوالات

1۔کیا آپ حضرت مرزا صاحب کی اولاد کو نیک اور صالح خیال کرتے ہیں یا نہیں؟

2۔کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ اگر کوئی شخص بہشتی مقبرہ میں دفن کیا جاتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ جنت میں جائے گا؟

3۔کیا مولوی محمد علی صاحب غلطی کے ازالے والی کتاب پر پورا ایمان رکھتے ہیں؟

4۔کیا مولوی محمد علی صاحب میاں محمود احمد صاحب کے ساتھ مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہیں؟

5۔کیا مولوی محمد علی صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے باپ تھے؟

جوابات

1۔ نیک اور صالح ہونا اپنے نیک اعمال سے ہے۔کسی کی اولاد ہونے کی وجہ سے نہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے خود اپنے کسی بیٹے کو عاق کیوں کیا تھا؟!

2۔بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کی شرائط میں سے ہے کہ وہ متقی اور صالح ہو۔ یہ علم خدا کو ہے انسان کو نہیں۔ہم ظاہر پر حکم لگا کر ایک بات کہہ دیتے ہیں۔اس کی حقیقت کا علم خدا کو ہے۔

3۔میں ''ازالہ اوہام'' ایک غلطی کا ازالہ۔سب کو درست مانتا ہوں۔ یہ ایمانداری نہیں کہ خود تو حضرت مسیح موعود کی دو تہائی کتابوں کی منسوخی کے قائل ہوں اور لوگوں سے سوال کرتے پھریں!

4۔میں مباہلہ کے لئے تیار ہوں۔

5۔ یہ عقیدہ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کا ہی تھا۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اُن سے دریافت کر کے لکھا ہے۔محمد علی

12 جون 1946ء

مکتوب امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ ۔1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

برادران محترم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہماری جماعت کے سامنے جو اہم کام ہے اس کے لئے لاہور میں مَیں اپنے خطبات میں احباب کو کم وبیش توجہ دلاتا رہتا ہوں ۔ڈلہوزی میں وہ سلسلہ قائم نہیں رہتا اس لئے کہ خطبہ کا لکھنا بڑا مشکل کام ہے ۔اس کام کو شیخ محمد آصف صاحب نے نہایت خوبی سے نبھایا ہے ۔**جزاہ اللّٰہ احسن الجزاء صَانَهُ اللّٰه من الافات.** اس لئے اس دفعہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ بذریعہ خطوط احباب کو اس کام کی طرف توجہ دلاتا رہوں ۔اگر صحت نے اجازت دی تو کوشش کروں گا کہ ہر ہفتہ ایک خط لکھتا رہوں ۔

ہمارے کاموں میں نقص ہیں ۔اور کوئی انسانی کام بھی نقصوں سے خالی نہیں ہوتا ۔مگر قوم کا قدم اس وقت تک ترقی کی طرف اُٹھتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے نقصوں کی اصلاح کی طرف توجہ کرتی رہے ۔لاہور میں جو آخری خطبہ میں نے دیا ۔اس میں میں نے اپنے احباب کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ ہماری جماعت کا دس میں سے نو حصہ صحیح معنوں میں کام نہیں کر رہا ۔اور اس کے لئے میں نے جماعت کے ماہوار چندوں کا ایک چھوٹا سا نقشہ بطور نمونہ پیش کیا تھا ۔اس کے علاوہ جماعت کے نظام میں اور بھی کئی نقص ہیں ۔ بہت جگہ نماز باجماعت کا انتظام نہیں ۔ بہت جگہ ہفتہ وار احباب کے میل ملاقات کا انتظام نہیں ۔بعض جگہ ایسی بھی ہوں گی جہاں جمعہ کا انتظام نہیں ۔اکثر مقامات پر قرآن کریم کی تعلیم کا انتظام نہیں ۔کچھ باہمی ہمدردی کی کمی ہے ۔ایک دوسرے کی مصیبت اور تکلیف کے وقت کام آنے کا وہ نمونہ نہیں پایا جاتا جو اخوت اسلامی کا تقاضا ہے ۔ جنازوں تک میں بعض جماعت کے احباب شامل نہیں ہوتے ۔ان میں سے اکثر باتوں کی تہہ میں دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دینی معاملات میں آرام طلبی بڑھتی جا رہی ہے ۔اپنی دنیوی اغراض کے لئے تو ہم ہر طرح کی تکلیف اور مصیبت اُٹھا لیتے ہیں اور ہمیں دکھ معلوم نہیں ہوتا ۔مگر اپنی روحانیت کو قائم رکھنے کے

لئے یا اسے ترقی دینے کے لئے ہمیں تکلیف اُٹھانا ایک پہاڑ کی طرح نظر آتا ہے۔ اسی طرح دینی اغراض کے لئے بھی ہم اپنے آرام اور اپنی آسائش کو قربان کرنا نہیں چاہتے۔

اس سے بھی زیادہ غور کیا جائے تو ہمارے سب نقصوں اور ہماری سب بیماریوں کی تہہ میں ایک چیز ہے۔ اور وہ ہے اس کام کے لئے محبت اور عشق کا نہ ہونا۔ جو ہماری زندگی کی اصل غرض ہے۔ اس کی جگہ مال کی محبت اور ذاتی اغراض کی محبت نے لے لی ہے۔ مختصر یہ کہ خدا کی محبت کی جگہ دنیا کی محبت نے لے لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس طرف توجہ دلائی ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (165:2) یہ اس گروہ کا ذکر ہے جو دنیا پر جھکا ہوا ہے جو اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (176:7) کا مصداق ہے۔ جس کے سامنے مال کمانے کے سوائے کوئی غرض نہیں۔ جس کی نظر ان بلند مقامات کی طرف نہیں اُٹھتی جو خدا نے انسان کے لئے بنائے ہیں۔ جنہوں نے اللہ کے مقابل پر اپنی محبت کا محل چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بنا لیا ہے جو ختم ہو جانے والی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے گروہ کا ذکر کیا ہے جو اہل دین کا گروہ ہے۔ جن کی زندگیوں کا مقصد بلند ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (165:2) مومنوں کی محبت اللہ تعالیٰ سے ایسی ہوتی ہے جو اَشَدُّ حُبًّا کی مصداق ہے۔ سخت ترین محبت ہے۔ وہ محبت ہے جسے عشق کے نام سے موسوم کرنا چاہئیے۔ خدا سے، خدا کے دین سے، خدا کے رسولؐ سے محبت اور عشق کے نہ ہونے کا نام موت ہے۔ ہم نے موت اور زندگی کے مفہوم کو صحیح نہیں سمجھا۔ زندگی خدا کی محبت کا نام ہے۔ موت دنیا کی محبت کا نام ہے۔ ہم نے موت کو زندگی اور زندگی کو موت قرار دے رکھا ہے۔ دجال کی بہشت اور دوزخ کی طرح کہ جو اس کی بہشت ہے وہ درحقیقت دوزخ ہے اور جو اس کی دوزخ ہے وہ درحقیقت بہشت ہے۔ کسی نے اچھا کہا ہے ؏ ''ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق'' اس شخص پر کبھی موت نہیں آتی جس کا دل عشق الٰہی سے زندہ ہو گیا۔ تو حقیقی زندگی خدا کی محبت کا نام ہے۔

حضرت امام، جن کی جماعت ہم کہلاتے ہیں، ہم مسیح موعود بھی کہتے ہیں مہدی بھی کہتے ہیں۔ مجدد بھی کہتے ہیں اور ہمارے غالی بھائی نبی بنا کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن آپ کا سب سے بڑا مقام درحقیقت اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (165:2) کا ہے ۔

ز عشاق فرقان و پیغمبریمؐ بدیں آمدیم وبدیں بگذریم

آپ کا دل خدا اور اس کے رسولؐ اور اس کے دین کے عشق سے روشن تھا۔ وہ عشق اتنا زبردست تھا کہ جو آپ کی صحبت میں بیٹھے ان کے دل میں بھی خدا اور رسولؐ کا عشق پیدا کر دیا۔ اور عشاق الٰہی کی ایک فوج پیدا کر دی۔ اس فوج کے آپ سپہ سالار ہیں۔ ہم میں سے بہتوں نے آپ کے ان الفاظ کو پڑھا ہوگا۔ مگر شائد ان کی حقیقت پر کبھی غور نہ کیا ہو۔

''میرا حال تو یہ ہے کہ اگر مجھے صاف آواز آجائے کہ تو مخذول ہے اور تیری کوئی مراد ہم پوری نہ کریں گے تو مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ اس عشق اور محبت الٰہی اور خدمت دین میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی''

اور میرے کان تو اس آواز سے بھی آشنا ہیں کہ اگر مجھے یہ آواز بھی آجائے کہ تبلیغ دین کا جو کام تم کر رہے ہو، اس کی وجہ سے تمہیں آگ میں ڈالا جائے گا، تو بھی میں اس کام کو ترک نہیں کرسکتا۔ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے؟ صرف یہ کہ مجھے تبلیغ دین کے کام سے اس قدر محبت اور عشق ہے کہ کوئی دکھ کوئی مصیبت کوئی ناکامی مجھ سے یہ کام چھڑا نہیں سکتی۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے آپ کی یہ مناجات بارگاہ الٰہی میں ہے۔

خواہی بقہرم کن جدا، خواہی بلطفم رونما خواہی بکش یا کن رہا، کے ترک آں داماں کنم

یعنی خواہ تو اپنے غضب سے مجھے دور پھینک دے اور خواہ اپنے لطف اور مہربانی سے مجھے اپنا چہر دکھا دے، خواہ مجھے مارڈال۔ خواہ مجھے رہا کر دے۔ میں دونوں حالتوں میں تیرے دامن کو ترک نہیں کر سکتا۔ اس محبت اور عشق کے پایان کو کون پہنچ سکتا ہے کہ اے خدا اگر تو بھی مجھے چھوڑ دے تو میں پھر بھی تجھے نہیں چھوڑ سکتا۔ تو اپنی نصرت کا ہاتھ ہٹالے تو میں کام تیرا ہی کرتا رہوں گا۔ تو مجھے سزا بھی دے تو بندہ تیرا ہی رہوں گا!

اے میرے دوستو! جنہوں نے اس عاشق خدا کا دامن پکڑا ہے۔ اگر تمہارا مذہب کچھ اور ہے تو تم اس کے پیرو نہیں۔ کام کم کرو یا زیادہ، خدا کی راہ میں تھوڑا دو یا بہت۔ مگر تمہارا اصول تو وہی ہونا چاہیئے جو تمہارے سپہ سالار کا اصول ہے۔ ورنہ تم اس کی فوج نہیں۔ جس طرح چاہو اپنے

دل کو خوش کر لو۔ اپنے نفس کو دھوکا دے لو۔ دوسروں کو دھوکا دے لو۔ مگر احمدی وہی ہے جو عشق الٰہی کے اس مقام پر آ جائے جس پر اس کا امام کھڑا ہوا تھا۔ محبت اور عشق کے امتحان ہوتے ہیں۔ خدا بھی بعض وقت اپنی نصرت کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ سب اس کی مخلوق ہے۔ وہ دشمن کو بھی کبھی خوش کر دیتا ہے۔ دوست بھی کبھی ناراض ہو جاتے ہیں۔ انسان بعض وقت ایسا محسوس کرتا ہے کہ خدا نے بھی اس کی بات نہیں سنی۔ اور اس کی پروانہیں کی۔ مگر محبوب اگر ناراض بھی ہو جائے تو اس کا حق ہے، عاشق اگر ناراض ہو جائے تو وہ عاشق نہیں۔ اپنی بیماری کو پہچانو۔ تو وہ بیماری خدا سے اور خدا کے دین سے تمہارے عشق اور محبت کی کمی ہے۔ اس لئے تم کو ایک دوست سے تکلیف پہنچتی ہے تو تم کہہ دیتے ہو ہم خدا کا کام نہیں کریں گے۔ معلوم ہوا تم خدا کا کام پہلے بھی نہیں کر رہے تھے۔ تم اس کا کام کر رہے تھے جس سے ناراض ہو کر تم نے خدا کا کام چھوڑ دیا ہے۔ عشق اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس راستے میں جو دکھ پہنچے، اس سے قلب میں راحت پیدا ہو اور ایک لذت حاصل ہو۔ دل میں سرور حاصل ہو کہ یہ تکلیف مجھے اپنے محبوب کی راہ میں پہنچی ہے۔

ہم میں بہت سے لوگ ہیں۔ جو ایک غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ ہم راتوں کو اُٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں۔ خدا کی عبادت میں ہمیں خضوع و خشوع حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے ہم خدا سے محبت کرتے ہیں۔ اور خدا ہم سے راضی ہے۔ عبادت کیا ہے؟ وہ تو ہمارا ایک تصور ہے۔ ایک بت پرست ایک بت کے لئے وہی تصور دل میں جما لیتا ہے۔ اور اسے بت کی پرستش میں وہی لذت حاصل ہوتی ہے جو ایک خدا کے پرستار کو خدا کی عبادت میں حاصل ہوتی ہے۔ عشق اور محبت کا امتحان عبادت میں لذت سے نہیں ہوتا۔ یہ امتحان عمل سے ہوتا ہے۔ یہ امتحان دکھوں سے آزمائے جانے میں ہوتا ہے۔ جس نے دکھ پہنچنے پر قدم آگے بڑھایا وہ محبت کے امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ جس نے دکھ پہنچنے پر قدم پیچھے ہٹا لیا وہ محبت کے امتحان میں ناکام ہوا۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ ہم خدا سے دنیا کی ترقی مانگتے ہیں تو وہ دے دیتا ہے۔ اس لئے وہ ہم پر خوش ہے۔ ہماری جائیدادیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اس لئے خدا ہم سے راضی ہے۔ اگر دنیا کا مال اور جائیداد بڑھنے سے خدا راضی ہوتا تو وہ کافروں پر سب سے بڑھ کر راضی ہوتا۔ جن کے قبضہ میں دنیا کا سارا مال ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ میں نے خدا سے یوں دعا کی تو اس نے

مجھے مالا مال کر دیا۔ یقیناً وہ مجھ سے راضی ہے۔ان دعاؤں پر ناز کرنا ایک احمقانہ حرکت ہے۔ وہ تو بغیر دعا کے بھی مالا مال کر دیتا ہے۔ اگر یہی معیار ہے تو پھر جسے بغیر خدا سے دعا کے مل گیا اس پر تو خدا بہت راضی ہوگا۔ یاد رکھو۔ یہ سب باتیں نفس کے دھوکے ہیں۔ خدا کسی کو دعا سے مالا مال کر دے یا بغیر دعا کے مالا مال کر دے۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خدا اس پر راضی ہے۔ اور وہ خدا کی محبت کے مقام پر کھڑا ہے۔ مال ابتلاء کے طور پر آتا ہے۔ اصطفاء کے طور پر نہیں۔ اصطفاء کے لئے تو اسے خدا کی راہ میں نکالنا ہوتا ہے۔ خدا خوش اس سے ہوتا ہے جو اپنے مال کو خدا کی راہ میں قربان کرتا ہے۔ خدا سے محبت کرنے والا وہ ہے جو اپنے مال کو خدا کے لئے گھٹاتا ہے۔ گو خدا اسے گھٹنے نہیں دیتا جس کے دل میں خدا کے راستے میں دے کر لذت پیدا ہوتی ہے۔ مال لے کر لذت تو کافر و مومن سب کو مل جاتی ہے۔ مگر خدا کے راستے میں دے کر لذت پیدا ہو تو وہ خدا سے محبت کا مقام ہے۔ کوئی شخص اپنے وطن کے لئے دیتا ہے، اسے وطن سے محبت ہے۔ کوئی اپنی قوم کے لئے دیتا ہے، اسے قوم سے محبت ہے۔ جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے دیتا ہے اور دے کر لذت حاصل کرتا ہے، وہی ہے جو خدا کی محبت کے مقام پر کھڑا ہے۔

خوب یاد رکھو۔ خدا کی محبت ایک آگ ہے۔ اور یہ آگ دنیا کے مال کو جلانے سے پیدا ہوتی ہے۔ جس بھٹی میں دنیا کا مال نہیں جلا، اس میں خدا کی محبت کی ایک چنگاری بھی پیدا نہیں ہوئی۔ خدا کی محبت ایک کھیتی ہے۔ اور اس کھیتی کی کھاد تمہاری قربانیاں ہیں۔ عزت کی قربانیاں ہیں۔ آرام و آسائش کی قربانیاں ہیں۔ جان کی قربانیاں ہیں۔ جس بیج کو کھاد نہیں ملتی وہ نشو و نما نہیں پاتا۔ سو خدا کی محبت کی آگ سے اپنے دلوں کو روشن کرنا چاہتے ہو تو دنیا کے مال کو اس کا ایندھن بناؤ۔ خدا کی محبت کے بیج کو نشو و نما دینا چاہتے ہو تو مالی اور جانی قربانیوں کی اسے کھاد دو۔ اپنے عشق اور محبت الٰہی کا اندازہ اس سے نہ کیجئے کہ تمہارے خدا نے تمہاری دعاؤں کو سن کر کس قدر مال تمہیں دے دیا۔ وہ دعا کرنے والے کو اور انکار کرنے والے کو اور گالیاں دینے والے کو سبھی کو دیتا چلا جاتا ہے۔ ہاں خدا سے محبت اور عشق کا اندازہ اس سے کیجئے کہ تم نے اپنا کس قدر مال خدا کے نام کے بلند کرنے کے لئے خرچ کیا ہے۔ اور کس قدر خرچ کرنے کے لئے تیار ہو۔ غرباء کے لئے یہ امتحان آسان ہے۔ انہیں خدا نے تھوڑا دیا ہے اور وہ اس تھوڑے میں سے دیتے چلے جاتے ہیں۔ امراء کے لئے یہ

امتحان بہت کڑا ہے۔ وہ لیتے وقت خوش ہو کر لیتے چلے جاتے ہیں مگر دیتے وقت ان کے دل سخت تنگ ہو جاتے ہیں۔ وہ محبت اور عشق کے مقام سے دور ہیں۔ وہ خدا سے بھی دور ہیں۔ خدا کے بندوں سے بھی دور ہیں۔ وہ مسیح موعود کے پیرو نہیں انہیں مال سے محبت ہے خدا سے محبت نہیں!

غرض ہماری سب بیماریوں کی جڑ خدا کی محبت کی کمی ہے۔ اس لئے قبل اس کے کہ میں آپ لوگوں کو ان نقصان کی طرف توجہ دلاؤں، جن کی وجہ سے ہمارا قدم خدا کے راستے میں سست ہو رہا ہے، ان سب بیماریوں کی جڑ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ پہلے اپنے دلوں میں خدا سے، خدا کے کلام سے، خدا کے پیغمبر سے، خدا کے دین سے محبت پیدا کرو۔ وہ عشق پیدا کرو جو سب مشکلوں کو آسان کر دے۔ خدمت دین کے لئے ایک جنون پیدا کرو۔ جس دن یہ پیدا ہو جائے گا سب بیماریوں کا علاج آسان ہو جائے گا۔ خاکسار محمد علی

❁❁❁

12 جون 1946ء

اسلام کا اہم رکن ۔ زکوٰۃ

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

ادائیگی زکوٰۃ کے متعلق میں آپ کو دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

اول۔ یہ کہ بیت المال کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی۔

اس میں شک نہیں کہ بعض مسلمان زکوٰۃ ادا بھی کرتے ہیں مگر سنت نبویؐ پر پھر بھی عمل نہیں کرتے۔ کچھ گداگر زکوٰۃ کا مہینہ آنے پر گھروں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور ایک ایک دولت مند کے پاس پہنچ کر حصہ رسدی کچھ پیسے وصول کر لیتے ہیں۔ دینے والے سمجھتے ہیں کہ ہم نے زکوٰۃ ادا کر دی۔ حالانکہ زکوٰۃ اس چیز کا نام نہیں جو فقیروں کو دی جائے بلکہ زکوٰۃ وہ ہے جو بیت المال میں جمع کر کے وہاں سے خرچ کی جائے۔ جو لوگ اپنے طور پر زکوٰۃ خرچ کرتے ہیں وہ قوم میں گداگری پیدا کرنے والے اور بیکاری کے جرم کی اعانت کرنے والے ہیں۔ قرآن کریم میں صریح ہدایت موجود ہے کہ امام کے عامل زکوٰۃ وصول کریں۔ یہاں تک کہ ان عاملوں کو زکوٰۃ میں سے تنخواہ دینا بھی قرآن کریم نے زکوٰۃ کے ضروری مصارف میں سے قرار دیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل تھا۔ کوئی شخص اس بات کا مجاز نہ تھا کہ یہ کہے کہ میرے پاس بہتیرے زکوٰۃ مانگنے والے آجاتے ہیں۔ یا میرے رشتہ دار بہتیرے مستحق ہیں میں بیت المال میں نہیں دیتا۔ آپ کی وفات کے بعد جب بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ کہلا بھیجا کہ ہم اپنی زکوٰۃ کو بیت المال میں داخل نہیں کرتے، اپنے طور پر خرچ کریں گے تو آپ نے ان کے خلاف لشکر کشی کی۔ نماز اگر کوئی شخص نہیں پڑھتا یا اکیلا گھر میں پڑھ لیتا ہے اور مسجد میں نہیں آتا تو وہ گنہگار رہے۔ مگر جو شخص اپنی زکوٰۃ کو بیت المال میں ادا نہیں کرتا وہ گنہگار بھی ہے اور اس کے گناہ سے ساری قوم کو نقصان پہنچتا ہے۔

دوم۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم جو چندہ ماہوار تبلیغ اسلام کے لئے دیتے ہیں وہ زکوٰۃ نہیں بلکہ جہاد ہے۔ اور زکوٰۃ اور جہاد اسلام کے دو الگ الگ رکن ہیں۔ ایک کے ادا کرنے سے دوسرا ادا نہیں ہو جاتا۔ ایک شخص چندہ دیتا ہے زکوٰۃ نہیں دیتا، وہ بھی ایک رکن اسلام کو چھوڑتا ہے۔ ایک شخص زکوٰۃ دیتا

ہے چندہ نہیں دیتا، وہ بھی ایک رکن اسلام کو چھوڑتا ہے۔ البتہ احباب کی سہولت کے لئے انجمن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایک تہائی تک زکوٰۃ کے معطی کو اختیار رہے کہ وہ اپنے طور پر خرچ کر لے۔ اپنے کسی غریب رشتہ دار کو دے دے یا کسی محتاج کو دے دے۔ یا اس کا کچھ لٹریچر منگوا کر اپنے طور پر تقسیم کر دے اور اس کی بناء ایک حدیث پر ہے جس میں آتا ہے کہ تم جب زکوٰۃ کا اندازہ کر لو تو ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ دیا کرو۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں یہ اس لئے ہے کہ تا ایک شخص خود اپنے ہمسائیوں یا قریبیوں پر، جو مستحق زکوٰۃ ہوں، خرچ کر سکے۔ لیکن جو لوگ ساری زکوٰۃ اپنے طور پر خرچ کرتے ہیں وہ خدا کے حکم کے خلاف چلتے ہیں۔ اگر ایک شخص سمجھتا ہے کہ اس کی ایک تہائی زکوٰۃ سے زیادہ کے کوئی اس کے قریبی حق دار ہیں تو وہ ان کے لئے انجمن میں لکھ سکتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے حسب منشا امداد بھی دے سکتا ہے اور خدا کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی اور قوم کی عزت بھی بڑھے گی۔

زکوٰۃ کن کن چیزوں پر ہے: 1۔ نقدی، خواہ سونا ہو یا چاندی یا نوٹوں کی صورت میں، اپنے پاس جمع ہو یا کسی جگہ امانت کے طور پر جمع ہو۔ زیورات خواہ روپے کو جمع رکھنے کی غرض سے بنوائے گئے ہوں خواہ استعمال کے لئے خواہ شب و روز پہنے جاتے ہوں خواہ رکھے رہتے ہوں۔ جڑاؤ ہیں تو نگینوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں۔ نہ ہی جواہرات پر زکوٰۃ ہے۔ سونے یا چاندی کی قیمت پر زکوٰۃ ہے۔ جو اس میں لگا ہوا ہے بشرطیکہ باون روپے یا اس سے زیادہ مالیت کا ہو ساڑھے سات تولہ یا اس سے زائد سونے پر زکوٰۃ ہے۔

2۔ تجارت پر لگا ہوا مال اور انڈسٹری کی صورت میں لگا ہوا سرمایہ، مکان یا زمین یعنی جائیداد غیر مقولہ سے زیادہ مشابہ ہے۔ ان دونوں صورتوں میں زکوٰۃ اس نفع پر ہونی چاہئیے جو تجارت یا کارخانے سے اُٹھایا گیا ہے۔ یعنی ضروری اخراجات کو ادا کرنے کے بعد جو اس کی آمدنی ہو اس میں سے اڑھائی فیصد دیا جائے۔ انکم ٹیکس وغیرہ لازمی اخراجات میں سے شمار ہوں گے۔

3۔ زمینوں کی پیداوار میں عشر اور بیسویں حصہ کا طریق اس لئے قابل عمل نہیں کہ حکومت مالکان زمین سے خراج الگ لے لیتی ہے۔ اس صورت میں زکوٰۃ زمین کے منافع پر ہوگی۔ یعنی اس کی آمدنی میں سے ضروری اخراجات کو، جن میں معاملہ آبیانہ اور ضروری اخراجات شامل ہیں، نکال کر جو رقم باقی رہے اس پر اڑھائی فیصد زکوٰۃ ہے۔

4۔ مکانات کے کرایہ پر زکوٰۃ، مکانات کے کرایہ پر ایک سال کی آمدنی کرایہ بعد منہائی لازمی اخراجات باون روپے سے زیادہ ہوتو زکوٰۃ بحساب اڑھائی روپے فی سینکڑہ ہوگی۔ اپنے رہائشی مکانات پر یا جن مکانات سے کرایہ وصول نہیں ہوتا کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح جو زمین صرف کسی کے اپنے گزارہ کے لئے ہے، اس پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

5۔ بالآخر تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں عموماً اور برادران جماعت کی خدمت میں بالخصوص التماس ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف میں غرباء اور مساکین کی امداد کے علاوہ سب سے بڑا اور سب سے اہم خرچ تبلیغ اسلام ہے۔ اور یہ سب کام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ایک وسیع پیمانے پر کر رہی ہے۔ اس نے نہ صرف ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر یورپ وغیرہ ممالک میں متعدد اسلامی مشن کھولے ہوئے ہیں بلکہ قرآن کے تراجم انگریزی اور دوسری زبانوں میں ہزارہا کی تعداد میں سیرت نبویؐ کے تراجم اور تعلیم پر رسالے ہزاروں کی تعداد میں مفت غیر مسلموں تک پہنچائے جاتے ہیں۔ اور اس کے بیت المال سے ایک خاص تعداد غرباء اور مساکین کی بھی فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ اس لئے سب بھائی اپنی زکوٰۃ بنام محاسب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس لاہور بھیج کر ممنون فرمائیں۔ والسلام

خاکسار محمد علی
پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
احمدیہ بلڈنگس، لاہور

19 جون 1946ء

مکتوب امیر ایدہ اللہ تعالیٰ۔2

برادران محترم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اپنے پچھلے خط میں مَیں نے اس طرف توجہ دلائی تھی کہ خدا کی، خدا کے کلام کی، خدا کے رسولؐ کی محبت ہماری سب ترقیات کی جڑ ہے۔اوراسی کی کمی سے ہمارے کاموں میں نقص پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بھی بتایا تھا کہ خدا کی محبت ایک آتش ہے جس کا ایندھن دنیا کا مال اور دنیا کی اغراض ہیں۔ اور یہ ایک بیج ہے جس کی نشو ونما کے لئے مالی اور جانی قربانیوں کی کھاد کی ضرورت ہے۔اس کھاد کے بغیر یہ پودا سرسبز نہیں ہوسکتا۔ نہ ترقی کر سکتا ہے۔اس خط میں میں آپ کو اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اس کے لئے نہ تو دنیا سے الگ ہونے کی ضرورت ہے نہ زیادہ زہد وتعبد کی ضرورت ہے۔ بلکہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی کے روزانہ پیش آنے والے واقعات سے خدا کی محبت کی آگ کو اپنے سینوں میں روشن کر سکتے ہیں۔اور یہی واقعات، جو قدم قدم پر پیش آتے ہیں، ہماری خدا سے محبت کو جانچنے کے لئے امتحان بن جاتے ہیں۔

بعض باتوں کی طرف میں نوجوانوں کو بالخصوص توجہ دلانا چاہتا ہوں اس لئے کہ عمر کے ساتھ بعض عادات پختہ ہو جاتی ہیں اور پھر ان میں تبدیلی پیدا کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ پانچ سات دن کی بات ہے۔میں بیرن صاحب کے ساتھ سیر کو نکلا۔راستے میں ایک جگہ ایک مزدور، جس کے کپڑے بہت ہی میلے اور پھٹے ہوئے تھے، مٹی اور گرد سے بھری ہوئی بوریوں کو ایک اونچی جگہ پر رکھ کر اپنے سر پر اُٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔مگر چونکہ بنڈل وزنی بھی زیادہ تھا اور بے ڈھب بھی تھا اس لئے دو تین دفعہ کوشش کے باوجود اسے اُٹھا نہ سکا۔اتنے میں ہم اس کے قریب پہنچے تو بیرن صاحب فوراً اس کی طرف لپکے اور دوسری طرف کھڑے ہو کر اس بوریوں کے بنڈل کو دوسری طرف سے سہارا دے کر اس کے سر پر اُٹھوا دیا۔ایک یوروپین شائد اپنی قوم کے کسی آدمی کے ساتھ اس طرح پیش آتا تو بعید نہ تھا۔مگر ایک میلے کچیلے ہندوستانی کے ساتھ یہ سلوک میں سمجھتا ہوں یقیناً اسلامی تعلیم کا نتیجہ تھا۔اس خیال کا نتیجہ تھا کہ یہ بھی میرے خدا کا ایک بندہ ہے۔رب العالمین کی ایک مخلوق ہے۔

اس واقعہ کو دیکھ کر میری توجہ اس طرف پھری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت الٰہی میں ترقی کے کیسے کیسے سبق ہم کو دیئے تھے۔ جن کی طرف ہم آج نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ کیا پاک تعلیم تھی اور آج وہ ہمارے عملدرآمد سے کس طرح نکلی ہے۔ فرمایا **کل سلامٰی علیه صدقة کلّ یومٍ یعین الرجل فی دابتہٖ یحامله علیها اویرفع علیها متاعه صدقة والکلمة الطیبة وکل خطوةٍ یمشیها الی الصلوٰة صدقة ودل الطریق صدقة** ۔ یعنی انسان کے ہر جوڑ کا اس کی اُنگلیوں کی ایک ایک ہڈی کا ایک صدقہ ہے۔ جب وہ ایک شخص کو مدد دے کہ سواری کے جانور پر سوار کر دیتا ہے یا اس کے سامان کو اُٹھانے میں مدد دے کر اس کے اوپر اُٹھوا دیتا ہے تو یہ بھی ایک صدقہ ہے اور کسی کو ایک اچھی بات کہہ دینا یہ بھی ایک صدقہ ہے اور ہر ایک قدم جو اُٹھا کر نماز کے لئے جاتا ہے یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ اور کسی کو راستہ بتا دینا یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی محبت الٰہی کی ترقی کا موجب ہوسکتا ہے۔ کسی دوسرے کا سامان اُٹھانے میں مدد دی، اسے سواری کے جانور پر چڑھنے میں مدد دی، یہ کیوں صدقہ بن گیا؟! اس لئے کہ ایک انسان نے دوسرے انسان کو خدا کی مخلوق سمجھ کر، حالانکہ اس کا اور کوئی تعلق اس سے نہیں، اپنے اوپر ایک تکلیف وارد کی۔ خدا کے لئے تکلیف اس نے اس لئے نہیں اُٹھائی کہ یہ اس کا ہم قوم تھا یا ہم وطن تھا۔ اس لئے بھی نہیں اُٹھائی کہ اس کے بھائی نے اسے اپنی مدد کے لئے بلایا تھا۔ اس کے دل میں ایک جوش اُٹھا۔ اسے اس میں ایک لذت آئی کہ یہ بھی میرے خدا کی ایک مخلوق ہے۔ فی الحقیقت اس نے خدا کے لئے ایک تکلیف اُٹھا کر ایک لذت حاصل کی۔ یقیناً اس سے خدا کی محبت میں ترقی ہوئی۔ ایک ہے نماز کا گھر میں پڑھ لینا۔ یہ تو عبادت ہے۔ لیکن ایک ہے نماز کے لئے چل کر جانا، چاہے انسان مسجد کو جائے یا کسی اور مقررہ جگہ کی طرف جائے۔ یہ ہے اس عبادت کے لئے تکلیف اُٹھانا۔ یہ ایک صدقہ بن گیا۔ یقیناً بغیر اس کے کہ انسان کے دل میں اس سے لذت پیدا ہو وہ تکلیف نہیں اُٹھا سکتا۔ دوسرے کو راستہ بتا دیا۔ یہ ہے اپنے علم کو اپنے وقت کو دوسرے کی بھلائی کے لئے خرچ کرنا۔ یہ بھی ایک صدقہ بن گیا۔ فی الحقیقت ہر صدقہ ایک قربانی ہے جو خدا کی راہ میں کی جاتی ہے۔

اب اس چھوٹی سی حدیث کی طرف توجہ کیجئے کہ آپ کی زندگی میں روزانہ کتنے اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں۔ جو آپ کے لئے صدقہ کا حکم رکھتے ہیں۔ محبت میں ترقی کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ مال کا دینا بھی ایک صدقہ ہے۔ مگر یہاں خدا کی خاطر ہر ایک تکلیف کے اُٹھانے کو صدقہ کہا ہے۔ گویا اپنی طاقتوں کو خدا کی رضا کے لئے لگانا بھی ایک صدقہ ہے۔ صدقہ صدق سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں سچائی ثابت قدمی، یہ خدا سے وفاداری کا نام ہے۔ انسان اسے اپنے ہر فعل میں دکھا سکتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ ہے۔ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! اگر ایک شخص کے پاس مال نہ ہو تو وہ صدقہ کس طرح دے گا۔ فرمایا خدا نے اسے ہاتھ دیئے ہیں، طاقتیں دی ہیں، وہ کوئی کام کرے اور کمائے۔ اس میں سے اپنے نفس پر بھی خرچ کرے اور اس میں سے کچھ دوسروں کو دے جو اس سے زیادہ حاجت مند ہیں۔ آج لوگوں کی عجیب حالت ہے ہر شخص یہ سمجھ رہا ہے کہ میں متحاج ہوں اور میرا دوسروں پر حق ہے۔ حالانکہ یہ وہ چیز ہے جس سے آنحضرتؐ نے منع فرمایا۔ یعنی یہ کہ انسان دوسروں کے مال کی طرف دیکھے یا ان سے مانگے۔ اور دوسروں کا اپنے اوپر کوئی حق نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ہر محتاج سے زیادہ محتاج بھی دوسرا دنیا میں موجود ہے۔ انسان ذرا سی تکلیف آنے پر چلا اُٹھتا ہے کہ ہائے مجھ پر یہ مصیبت آ گئی اور یہ نہیں دیکھتا کہ اس سے بڑھ کر، بہت بڑھ کر مصائب دوسرے انسانوں پر بھی آ رہے ہیں۔ ایک شخص اپنی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں پر رونے میں منہمک ہو جاتا ہے کہ اس کو دوسروں کی بڑی سے بڑی مصائب نظر نہیں آتیں۔ اپنی چھوٹی چھوٹی حاجتوں کے لئے اس قدر مضطرب رہتا ہے کہ دوسروں کی بڑی سے بڑی حاجتیں اسے دکھائی نہیں دیتیں!

پھر لوگوں نے دریافت کیا کہ رسول اللہ! اگر اسے کام نہ ملے تو فرمایا کسی محتاج کی کسی اور رنگ میں مدد کر دے۔ پھر پوچھا کہ اگر ایسا محتاج بھی اسے نہ ملے تو فرمایا خود اچھے کام کرے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے رکا رہے۔ یہ بھی صدقہ ہے۔ اور ایک حدیث میں آتا ہے **کل معروف صدقة وان من المعروف ان تلقٰی اخاک بوجه طلق وان تفرغ من دلوک فی اناء اخیک.** ہر ایک اچھا کام صدقہ ہے۔ اور اچھے کاموں میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے بھائی کو کشادہ پیشانی سے ملو۔

اورتو اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے برتن میں ڈالے۔آج یہ حالت ہے کہ ایک شخص دوسرے سے ناراض ہوا تو میل ملاقات تک بند ہو جاتی ہے۔کشادہ پیشانی رکھنا تو ایک طرف رہا!

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ایک زانیہ عورت کو اس لئے بخش دیا گیا کہ اس نے ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس سے مرنے کے قریب ہے تو اس نے اپنے دوپٹہ میں اپنا موزہ باندھ کر پانی نکالا اور کتے کو پلایا اور اس کے بعد فرمایا کہ ہر جاندار پر رحم کرنے پر اور اس کی خاطر تکلیف اُٹھانے میں ایک اجر ہے۔

یہ تو چند مثالیں ہیں۔اپنی روزمرہ کی زندگی میں دیکھئے کہ کتنے موقع آتے ہیں کہ ہم رضاء الٰہی کے لئے دوسروں کی خاطر ایک تکلیف اُٹھا کر خدا کو خوش کر سکتے ہیں۔خدا کی محبت میں ترقی کر سکتے ہیں۔مگر یہ سب مواقع ہم اپنے ہاتھ سے گنواتے چلے جاتے ہیں۔ایک بھائی بیمار ہوتا ہے ہم اس کی عیادت کے لئے دس قدم چلنے یا چار پیسے خرچ کرنے کی تکلیف نہیں اُٹھا سکتے۔ایک بھائی کے ہاں موت ہو جاتی ہے۔ہم جنازہ کے لئے چند قدم چل کر نہیں جا سکتے۔اس لئے نہیں کہ فی الواقع کوئی روک تھی بلکہ اس لئے کہ کون تکلیف اُٹھائے۔آرام سے اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔یہ سب مواقع وہ ہیں کہ انسان خدا کی محبت کے امتحانوں میں ناکام ہوتا چلا جاتا ہے۔اور اپنی ناکامی پر کبھی واویلا نہیں کرتا۔ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی خاطر تکلیف اُٹھائیں مگر خود دوسروں کی خاطر تکلیف نہیں اُٹھانا چاہتا۔میں نے ایسے بزرگوں کو بھی دیکھا ہے کہ ان کا کوئی عزیز بچہ فوت ہو گیا اور لوگ کثیر تعداد میں جمع نہیں ہوئے تو ناراض ہو گئے اور خود کسی بھائی کے جنازہ میں،سوائے اس کے کہ اس سے کوئی خاص تعلقات ہوں،آنے کی پروا نہیں کرتے ہمارے بعض احباب کے ایسے افعال سے بڑے بڑے مخلصوں کو ٹھوکر لگی ہے۔

اسی طرح دیکھا جاتا ہے کہ بہت احباب ہیں جو اس بات کی تو خواہش رکھتے ہیں کہ ہماری کوئی مسجد ہو،لیکن جہاں مسجدیں بنی ہوئی ہیں وہاں دیوار بہ دیوار گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں اور چار قدم مسجد میں جانے کے لئے نہیں اُٹھاتے۔حالانکہ کسی دوست کی ملاقات کے لئے ایک میل بھی چل کر پہنچ جاتے ہیں۔کیا وجہ ہے؟ اس دوست سے محبت ہے۔خدا سے محبت نہیں۔یا مسجد نہیں ویسے

اکھٹے ہو کر نماز پڑھنے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ مگر صرف اس لئے وہاں تک نہیں پہنچتے کہ دس قدم چل کر جانے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ جماعت کے نظام کے لئے دینی امور میں ترقی کرنے کے لئے ہفتہ وار اجتماع کا انتظام ہوتا ہے۔ مگر لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں۔ وہاں تک جانے کی تکلیف نہیں کرتے۔ یہ سب مردگی کے نشان ہیں۔

میں اپنے نوجوان دوستوں سے بالخصوص یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان کے لئے ابھی وقت ہے کہ وہ اپنی عادت کی اصلاح کریں۔ ورنہ یہ باتیں دن بدن پختہ ہوتی چلی جائیں گی اور پھر ایک نیکی کی طرف قدم اُٹھانے کی خواہش بھی پیدا ہوگی تو وہ پوری نہ ہو سکے گی۔ خدا کے لئے تکلیف اُٹھانا اور اس تکلیف کو بوجھ نہ سمجھنا، بلکہ اس سے لذت حاصل کرنا یہ وہ چیز ہے جسے ہر نوجوان کو اپنی زندگی کا بلند مقصد سمجھنا چاہئیے۔ اپنی روٹی کما لینا اور اپنے آرام کا سامان کر لینا یہ ایک ادنیٰ مقصد ہے۔ سو بلند مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ میں نے قرآن کریم کے امتحان کا انتظام کیا تھا۔ اس میں اگر صرف چالیس پچاس نوجوان اتنی بڑی جماعت میں سے شامل ہوتے ہیں تو یہ ایک واضح علامت ہے کہ قرآن کی محبت نے ابھی دلوں میں گھر نہیں کیا۔ مجھے اس بات کا بھی افسوس ضرور ہے کہ دفتر کو بھی اس طرف کافی توجہ نہیں۔ کافی تحریک نہیں ہوتی یا بے وقت ہوتی ہے۔ سورہ المائدہ کے امتحان کا اعلان اب ہوا ہے۔ جب صرف بیس دن باقی رہ گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ اب زیادہ وقفہ کر دیا جائے۔ مگر جماعتوں کو اس طرف خصوصیت سے توجہ کرنی چاہئیے تا کہ چالیس پچاس نہیں بلکہ چار پانچ سو نوجوان اس میں شامل ہو سکیں۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کو تحریک کرنے کی عادت کم ہو گئی ہے اور یہ اچھی عادت نہیں۔ ہماری جماعت قرآن کی حامل ہے۔ ترجمہ قرآن کی تبلیغ قرآن کی۔ تعلیم قرآن کی۔ سو میں ان دوستوں کو جو دفتروں یا سکولوں میں ملازم ہیں خصوصیت سے توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس امتحان میں شامل ہوں اور کالجوں اور سکولوں کے طالب علموں کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جہاں مبلغین ہیں وہ اپنی اپنی جگہ پُر زور تحریک کریں اور نوجوانوں کو ان امتحانات میں شامل کرنے کے لئے پورا زور لگائیں۔ یہ بہت محنت نہیں چاہتا۔ آدھا گھنٹہ روزانہ بھی دے دیا جائے تو کافی ہوگا۔ اس طرح انہیں قرآن سے محبت بڑھے گی اور جس شخص کی قرآن سے محبت بڑھتی ہے اس کی خدا سے بھی محبت بڑھے گی۔

ہماری جماعت کے سامنے عظیم الشان کام ہے قرآن کا دنیا میں پہنچانا، اسلام کا دنیا میں پھیلانا، خدا کی ہستی پر یقین اور ایمان پیدا کرنا۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم تو اپنی دنیا میں غرق رہیں گے یا غفلت اور لاپروائی میں پڑے رہیں گے اور یہ کام خود بخود ہو جائے گا۔ نہیں۔ اس کے لئے ایک جماعت بکار ہے۔ اور جماعت بھی ایسے لوگوں کی بکار ہے جو خدا کے کام کے لئے دیوانگی کا جوش اپنے اندر رکھتے ہوں۔ جنہیں خدا کی راہ میں تکلیف اُٹھا کر خوشی ہو۔ جسم کو تکلیف پہنچے اور دل لذت سے بھر جائے۔ اس مقام سے جماعت ابھی بہت دور پڑی ہوئی ہے۔ اور کامیابی کی منزل مقصود بھی اتنی ہی دور ہے۔ جوں جوں جماعت اس مقام کے قریب ہوتی جائے گی کامیابی اس سے قریب ہوتی جائے گی۔ میرے دوستو! وقت ہاتھ سے نکل رہا ہے ہماری زندگیاں ختم ہو رہی ہیں۔ اور ابھی ہم نے جماعت کو اس مقام پر کھڑا نہیں کیا جہاں کھڑی ہو کر یہ حامل قرآن بن سکتی ہے۔ یہ کام میرے وعظ و نصیحت سے بھی نہیں ہو سکتا۔ کسی کے بھی وعظ سے اور لیکچروں سے نہیں ہو سکتا۔ میں وعظ کی بجائے خدا کے آگے روتا ہوں کہ اس جماعت میں بلند کاموں کے لئے ہمت کیوں پیدا نہیں ہوتی! دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کرنے کے باوجود اس کا اتنا بڑا حصہ ابھی دنیا پر کیوں گرا ہوا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی اور پست باتوں پر کیوں گر رہی ہے! اسے ایک دوسرے کی نکتہ چینی اور عیب شماری میں کیوں لذت آتی ہے! اس کی بجائے یہ اپنے بھائی کی کوئی خدمت کر کے لذت کیوں حاصل نہیں کرتے۔ سو میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اُٹھیں۔ اپنے آپ کو تبلیغ قرآن کے بلند کام کا اہل بنائیں۔ چھوٹی چھوٹی اور پست باتوں کو پاؤں تلے روند دیں۔ اپنے بھائیو کی تکلیف پر آپ کے دل میں درد اُٹھے۔ بیماروں کی خبر گیری میں اور تکلیف زدہ کی تکلیف کو دور کرنے میں آپ کو لذت آئے۔ کوئی بھائی فوت ہو جائے تو آپ سمجھ لیں کہ اس وقت آپ کا سب سے مقدم کام اس کے جنازہ میں شامل ہونا ہے۔ امام وقت کے جھنڈے کے نیچے لوگوں کو جمع کرنے کے لئے دیوانہ وار جدوجہد کریں۔ نصیحت سے، منت سے، زور ڈال کر بھی کام لیں۔ تا کہ اعلاء کلمۃ اللہ کا کام زیادہ وسیع پیمانہ پر ہو سکے۔ میں نے ایک تحریک کی تھی۔ اور مجھے خوشی ہے کہ ایک سو کے قریب آدمیوں نے اس پر لبیک کہا کہ وہ اپنے فارغ اوقات کو تبلیغ پر لگائیں گے۔ مگر فی الحقیقت تو

جماعت کے ایک ایک فرد کو اس پر لبیک کہنا چاہئیے۔

بالآخر میں تمام جماعتوں کو مخاطب کرتا ہوں کہ وہ اپنے نقائص کی اصلاح کے لئے اپنے کام میں قوت پیدا کرنے کے لئے فوراً ایک خاص اجتماع کا انتظام کریں۔ اور دیکھیں کہ وہ کس کس رنگ میں اعلاء کلمۃ اللہ کے کام کو قوت پہنچا سکتے ہیں۔ اور جو کچھ تجاویز اس کے لئے سوچیں ان سے مجھے بھی اطلاع دیں۔ پھر ان تجاویز پر سہ ماہی کے بعد یا زیادہ سے زیادہ ہر ششماہی کے بعد غور کریں کہ کس حد تک ہم نے عمل درآمد کیا اور کن باتوں میں ہم ناکام رہے ہیں۔ اور اس ناکامی کو کس طرح دور کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو خدا کے کلام سے خوشخبری سناتا ہوں۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (69:29) خدا کے لئے جو جدوجہد کرے گا خدا اس کے لئے راستہ کھول دے گا۔ ہماری جدوجہد میں بہت کمی ہے۔ ایک جمود کا رنگ بہت لوگوں پر طاری ہے۔ اٹھو اور دوسروں کو بھی اُٹھاؤ۔ اگر ایک جماعت میں ایک بھی خدا کے کام سے عشق رکھنے والا موجود ہے، تو وہ اس ساری جماعت کی کایا پلٹ سکتا ہے۔ وہ بعض بھائیوں کی غفلت اور لاپروائی کو دیکھ کر بددل نہ ہو بلکہ دیوانہ وار کام کرتا چلا جائے۔ اور وہ جلد دیکھ لے گا کہ خدا اس کی کوششوں میں کس قدر برکت دیتا ہے! خاکسار محمد علی۔ دارالسلام۔ ڈلہوزی۔ 10 جون 1946ء

اسلام دی ریلجن آف ہیومینٹی (اسلام مذہب انسانیت): (26 جون 1946ء) اس کے تلگو، مرہٹی تراجم پر معاصر ''آزاد نوجوان'' مدراس کا ریویو۔

حضرت مولٰینا محمد علی صاحب ایم اے مفسر قرآن کریم امیر جماعت احمدیہ لاہور کا مشہور انگریزی رسالہ ''اسلام دی ریلجن آف ہیومینیٹی'' (Islam the Religion of Humanity) ایک نہایت مفید رسالہ ہے۔ اس میں اسلام کے محاسن اور اس کے بنیادی اصول وغیرہ نہایت معقول و دلنشین انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ یورپ وامریکہ کے علاوہ ہندوستان ومصر وغیرہ کے انگریزی خواں طبقہ میں یہ رسالہ بہت مفید ومقبول ثابت ہوا ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور کے حیدرآبادی مشن کی طرف سے اس رسالہ کا انگریزی زبان میں پانچواں ایڈیشن شائع کیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ تلگو اور مرہٹی زبانوں میں اس کے تراجم چھاپ دیئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنوبی، مغربی اور وسطی ہند میں

بہت مفید ثابت ہو رہے ہیں۔

مرہٹی اور تلگو زبانوں میں ہو بہو انگریزی ایڈیشن کے مطابق مضمون ہے۔ صرف حضرت مولینا محمد علی صاحب اور لارڈ ہیڈلے مرحوم کے مختصر حالات اضافہ کر دیئے گئے ہیں۔ یہ رسالہ اختصار کے باوجود نہایت جامع اور مدلل ہے۔ اس کا انداز بیان بے حد معقول و دلنشین ہے۔ یورپ و امریکہ کے علاوہ افریقہ مصر اور ہندوستان میں سینکڑوں اعلیٰ تعلیم یافتہ غیر مسلم اس کے مطالعہ سے اسلام کی قریب آ گئے ہیں۔ اس میں اسلام کی بنیادی تعلیمات اور مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اختلافی و فروعی مسائل کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ بلند پایہ مسلم و غیر مسلم اکابر و اخبارات نے اس رسالہ کو بے حد پسند کیا ہے اور اس پر اعلیٰ درجہ کے ریویو لکھے ہیں۔ متعدد مشرقی و مغربی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

تلگو اور مرہٹی زبانوں میں اس کا ترجمہ ایسے اصحاب سے کرایا گیا ہے جو ان زبانوں کے مسلمہ ادیب ہیں۔ زبان کی صحت و خوبی کے لحاظ سے بھی یہ تراجم بہت بلند پایہ ہیں۔ طباعت کے اعتبار سے بھی یہ ترجمے بہت صحیح چھپے ہیں۔ مرہٹی ترجمہ تو ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے بھی بے حد دیدہ زیب ہے۔ تلگو اور مرہٹی ہندوستان کی وسیع اور ترقی یافتہ زبانیں ہیں۔ تلگو ریاست حیدر آباد مدراس سی۔ پی اور ریاست میسور کے متعدد اضلاع میں بولی یا سمجھی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے بولنے اور سمجھنے والے سیلون، بمبئی برما اور افریقہ میں بھی موجود ہیں۔ کروڑوں انسانوں کی یہ مادری زبان ہے۔ مرہٹی زبان ریاست سی۔ پی اور صوبہ بمبئی کے بہت بڑے علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ مرہٹہ قوم کی یہ قومی زبان ہے۔ اس کے بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد بھی کئی کروڑ ہے۔

تمام برادران اسلام کو چاہئیے کہ اس قسم کا مفید و صالح لٹریچر بکثرت غیر مسلموں تک پہنچا کر اپنے تبلیغی فرائض سے سبکدوش ہوں۔ قیمت فی رسالہ چار آنے۔ لیکن غیر مسلم اصحاب یا جو اسلامی بھائی اعلیٰ تعلیم یافتہ غیر مسلموں میں تقسیم کرنا چاہیں وہ تین پیسہ فی کاپی کے حساب سے ٹکٹ ڈاک برائے محصول بھیج کر مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

10 جولائی 1946ء

مکتوب امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ۔3

برادران محترم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج میں ایک اہم مطالبہ کا جواب بھی آپ سے سننے کا آرزومند ہوں۔ ہم سب، جو اس جماعت میں شامل ہوئے ہیں، کسی جبر سے شامل نہیں ہوئے بلکہ اپنی خوشی سے شامل ہوئے ہیں۔لیکن ایک اقرار کے ذریعہ سے شامل ہوئے ہیں جو ہم نے خود اپنی خوشی سے کیا ہے اور اس اقرار کا مرکزی نقطہ ہے دین کو دنیا پر مقدم کرنا یا دینی ضروریات کے لئے اپنی دنیوی ضروریات کو قربان کرنا۔ اپنی خواہشات کو قربان کرنا۔

انہی دینی ضروریات کے لئے ایک مستقل انتظام کی بنیاد خود امام زمان بانی سلسلہ احمدیہ نے ماہوار چندہ کے رنگ میں رکھی اور ہر شخص کے لئے یہ لازمی قرار دیا کہ وہ کچھ نہ کچھ ماہوار چندہ ان دینی ضروریات کے لئے ادا کرتا رہے اور یہاں تک اس کو اہم قرار دیا کہ صاف طور پر تحریر فرمایا کہ جو شخص تین ماہ تک ماہوار چندہ ادا نہیں کرتا، اسے جماعت سے خارج سمجھنا چاہیئے ۔ یہ میرے الفاظ نہیں۔ یہ انجمن کی کسی قرارداد کے الفاظ نہیں بلکہ اس شخص کے الفاظ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اس صدی کا مجدد، اس زمانہ کا امام، اس امت کا مسیح اور مہدی بنا کر بھیجا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ ان الفاظ کی وہی عزت کریں گے جو ایک مامور من اللہ کی ہونی چاہیئے ۔

اب میں سب سے پہلے ان احباب سے، جو جماعت احمدیہ لاہور میں شامل ہیں، یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا ان میں کوئی ایسا شخص تو نہیں جس نے اب تک اپنے لئے کوئی چندہ ماہوار مقرر نہیں کیا یا اگر کیا ہوا ہے تو کیا ایسا تو نہیں ہوتا کہ وہ چندہ ماہوار اس کی طرف سے ماہ بہ ماہ ادا نہ ہوتا ہو۔ مجھے تو جہاں تک کبھی فہرستوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے، بعض بڑے بڑے بزرگوں اور دولت مندوں کے نام بھی بارہ بارہ ماہ تک غائب پاتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ وہ اپنے آپ کو کس طرح تسلی دے لیتے ہیں کہ وہ حضرت صاحب کو اس زمانہ کا امام مانتے ہیں۔ جب آپ کے کھلے احکام کی اس طرح خلاف ورزی کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ہتک کرتے ہیں۔ میں نے بعض جماعتوں کی فہرستوں کو دیکھا ہے۔ ان

میں ماہوار مقررہ چندہ کی تین چوتھائی نصف تک بھی ادا نہیں ہوتا۔ یہ نہ دینے والے کون ہیں؟ کیا یہ احمدی ہیں؟ کیا یہ حضرت مسیح موعود کو امام وقت مانتے ہیں؟ مسیح موعود اور مہدی تسلیم کرتے ہیں؟!

دوسرا سوال یہ ہے کہ ہمارا ماہوار چندہ کس قدر ہو۔ دنیا میں ایسے بھی نظام ہیں کہ ان میں شمولیت کے لئے ایک ماہوار مقررہ رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ یعنی غریب آدمی بھی وہی رقم دے امیر بھی وہی دے۔ مگر حضرت مسیح موعود نے اس چندہ کو حسب حیثیت رکھا ہے۔ یعنی جو شخص زیادہ کماتا ہے وہ زیادہ دے اور جو کم کماتا ہے وہ کم دے۔ مگر اس سے آگے ایک اور مرحلہ آتا ہے۔

1۔ حضرت مسیح موعود کو جب یہ الہام ہوا کہ آپ کی وفات قریب ہے تو آپ نے ایک انجمن بنائی۔

2۔ آپ نے اس انجمن کو صریح الفاظ میں اپنا جانشین قرار دیا۔

3۔ اس انجمن کے ہر فیصلہ کو جو یہ کثرت رائے سے کرے واجب العمل قرار دیا۔

4۔ بالآخر صاف الفاظ میں اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر یہ لکھ دیا کہ:

''میرے بعد ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اتحاد کافی ہوگا''

اس انجمن نے حضرت صاحب کے بعد یہ اجتہاد کیا کہ حسب حیثیت چندہ وہی ادا کرتا ہے جو آمدنی میں سے ایک خاص نسبت سے چندہ دیتا ہے۔ یعنی اگر اس کی آمدنی پچاس روپے ماہوار تک ہے تو تین پیسے فی روپیہ کے حساب سے چندہ ادا کرے۔ اور اگر پچاس سے اوپر ہے تو ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے چندہ ادا کرے۔ آیئے پہلے ہم اپنے گھر کو درست کریں اور ان احکام کو جو حضرت صاحب نے خود دیئے ہیں یا جو آپ کی جانشین انجمن نے دیئے ہیں، حضرت مسیح موعود کے ہی حکم کے ماتحت صدق دل سے قبول کریں۔ صدق دل سے قبول کرنا یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی ماہوار آمد کو دیکھے اور آئندہ کے لئے پختہ عزم کرے کہ اس آمدنی میں سے تین پیسے فی روپیہ اگر پچاس سے کم آمد ہے اور ایک آنہ فی روپیہ اگر اس کی آمدنی پچاس روپے سے زیادہ ہے، وہ ماہوار چندہ کے طور پر ادا کرتا رہے گا۔ عملی رنگ میں مَیں یہ چاہتا ہوں کہ اس حساب سے جو کچھ اس کا چندہ ماہوار بنتا ہے، اس کی اطلاع اپنی جماعت کے سیکرٹری کو اپنے علاقہ کے مبلغ کو یا مرکزی دفتر کو دے۔ اور جماعت کا سیکرٹری یا مبلغ علاقہ

مرکزی دفتر میں یہ اطلاع بھیج دے۔

یہ معاملہ خدا سے ہے۔ اس لئے اپنی آمدنی کے سارے ذرائع کو دیکھئے۔ بعض اصحاب ایسے ہیں کہ ان کو کچھ ماہوار تنخواہ کے رنگ میں یا پنشن کے رنگ میں ملتا ہے لیکن اس کے علاوہ انہوں نے کسی کمپنی میں کوئی حصے خریدے ہوئے ہیں اور اس سے کوئی ماہوار آمدنی ہے۔ یا کوئی تجارت کرتے ہیں اور وہاں سے انہیں کچھ آمدنی ہوتی ہے۔ یا ان کی کوئی زمین یا مکانات ہیں اور اس سے بھی انہیں کچھ آمدنی ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض اصحاب تجارت بھی کر رہے ہیں اور اس کے علاوہ انہیں زمینوں یا مکانوں سے بھی کوئی آمدنی ہوتی ہے۔ تو اس کو بھی اپنی آمدنی میں شامل کریں اور اپنی ساری آمدنی کا حساب لگا کر اپنا ماہوار چندہ مقرر کریں۔ ہم نے محض خدا کے لئے ایک عہد کیا۔ محض خدا کے لئے ایک نظام کو قبول کیا۔ آیئے اب محض خدا کے لئے اپنے اقرار کو پورا کریں۔

ہاں یہ تین پیسے فی روپیہ یا ایک آنہ فی روپیہ کم سے کم مطالبہ ہے۔ ہم میں سے بعض اصحاب اس بلند مقام پر ہیں کہ وہ اپنی آمدنی کا دسواں حصہ بطور چندہ ماہوار ادا کرتے ہیں ☆ اور میں اس فکر میں ہوں کہ ان اصحاب کی تعداد زیادہ ہو۔ اور وہ سارے اصحاب جن کو خدا نے اپنے فضل سے زیادہ دیا ہے۔ مثلاً جن کی آمدنی چار سو روپے ماہوار یا اس سے اوپر ہے، وہ جماعت کے لئے نمونہ بنیں۔ اور جس طرح خدا نے انہیں اپنے دوسرے بھائیوں پر رزق میں فضیلت دی ہے، وہ انفاق میں بھی فضیلت حاصل کریں اور اپنی آمدنیوں کا دسواں حصہ ماہوار چندہ کے طور پر دیں۔

کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ دنیا میں کوئی جماعت ہے جس کے ممبر مقررہ چندہ نہ دیتے ہوں۔ اور وہ اس جماعت کے ممبر بھی رہ سکتے ہوں۔ نہیں۔ اور ہرگز نہیں۔ دور نہ جاؤ۔ کسی ریڈنگ روم کو دیکھ لو۔ کسی

☆ بعض احباب میرا خیال ہے دسویں حصہ سے بھی زیادہ دیتے ہیں۔ اور ایک ہمارے مسکین دوست چوہدری رحیم بخش صاحب سامانہ کو، جو گھاس کا گٹھہ فروخت کر کے اپنا اور اپنے بال بچوں کا گزارہ چلاتے ہیں، خدا نے انہیں یہاں تک توفیق دی ہے کہ وہ اپنی آمدنی کا پانچواں حصہ اور اب نصف ماہوار بطور چندہ دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اس محبت کا یہ بلند جذبہ دوسرے دلوں میں بھی پیدا کرے۔

کھیل کے کلب کو دیکھ لو۔ جو مقررہ چندہ ادا نہ کرے گا وہ ہرگز اس جماعت کا ممبر نہیں رہ سکے گا۔ خدا کے دین کو اور امام زمان کے ارشادات کو کھیل نہیں بنانا چاہیئے کہ جماعت کے ممبر بھی کہلائیں بلکہ ارکان اور معتمد بھی کہلائیں اور ماہوار چندوں کی پرواتک نہ کریں۔ ایسے آدمیوں کا وجود جماعت کے لئے قوت کا موجب نہیں کہ ان کی وجہ سے کبھی وہ مہربان ہو جائیں تو چار پیسے کی مدد پہنچ جاتی ہے، بلکہ جماعت کی کمزوری کا موجب ہے کہ ان کے نمونہ سے دوسرے بھی گمراہ ہوتے ہیں۔ اور ایک بڑے آدمی کو دیکھ کر، جو مقررہ شرح پر چندہ ادا نہیں کرتا، دس آدمی بھٹک جاتے ہیں کہ ہم کیوں مقررہ شرح پر چندہ ادا کریں۔ اور نئے داخل ہونے والے بھی مقررہ شرح کو سہل انگاری کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور اس طرح جماعت دن بدن بجائے قوی ہونے کے کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔ پختہ وہی لوگ ہیں جو اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ اس جماعت میں شامل ہوتے وقت انہوں نے عہد کیا تھا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ خود مامور من اللہ نے اس کو عملی رنگ یہ دیا کہ ہر شخص حسب حیثیت ایک رقم ماہوار ادا کرے۔ اس انجمن نے، جسے مامور من اللہ نے اپنا جانشین قرار دیا اور جس کے فیصلوں کو قطعی اور واجب العمل قرار دیا، حسب حیثیت چندہ یہ قرار دیا کہ ایک حد تک آمدنی والے تین پیسے فی روپیہ ادا کریں۔ اس سے اوپر ایک آنہ فی روپیہ۔ اب جو شخص اس حساب سے چندہ نہیں دیتا وہ اپنے عہد کو توڑتا ہے۔ خدا اور رسولؐ کے مامور سے بے وفائی کرتا ہے اور عہد کرنے کے باوجود امام زماں کے حکم سے یا آپ کی جانشین انجمن کے حکم سے، جس کو حضرت مسیح موعود نے واجب العمل اور قطعی قرار دیا ہے، انحراف کرتا ہے۔ خدا بھی ایسے لوگوں کو بے وفاؤں میں شامل کرتا ہے۔ اس کا صاف ارشاد ہے۔ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِ كُمْ (40:2) تم اپنا عہد پورا کرو تو میں بھی اپنا عہد پورا کروں گا۔ ہمارا عہد تھا کہ ہم اس کے دین کی خاطر قربانی کریں گے اور دنیوی رنگ میں دکھ اور تکلیف برداشت کریں گے۔ خدا کا عہد ہے کہ وہ ہماری نصرت کرے گا۔ ہم نے تھوڑا سا اس عہد کو پرا کیا ہے کہ چند آدمی اس جماعت میں اپنے اقرار کے مطابق قربانیاں کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے خدا کی نصرت کے بھی کچھ دروازے ہم پر کھل گئے ہیں۔ اگر ہم سب کے سب اس عہد کو پورا کریں تو خدا کی نصرت کے وہ نظارے دیکھ لیں گے جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں۔ لیکن اگر جماعت یکدل ہو کر قدم نہیں اُٹھاتی تو خدا کی نصرت بھی رکی رہے گی!

اور یہ تو ادنیٰ قربانی ہے جس کے لئے امام وقت نے بلایا ہے اور ہماری کمزوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حسب حیثیت ماہوار چندہ کا مطالبہ کیا۔ تا کہ ایک آسان راستے سے ہمارے دلوں میں خدا کی محبت کا بلند جذبہ پیدا ہو اور جہاد فی سبیل اللہ کے کام پر ہم لگ جائیں۔ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَا لَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (111:9)

اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور ان کے عوض ان کو جنت عطا فرماتا ہے یہ جو کچھ خدا نے ہمیں دیا ہے اس کا دسواں حصہ کیا اور سولھواں کیا اور بیسواں کیا یہ سب کا سب ہی خدا کا مال ہے۔ کاش! انسان اس نکتہ پر پہنچ جائے تو اس کی زندگی اس کے لئے کیسی راحت بن جائے! یہ تو جنت ہے جو یہاں ہی مل جاتی ہے کہ انسان اپنی جان کو بھی اور اپنے مال کو بھی خدا کی چیزیں سمجھے جو کچھ کمائے اسے اپنا نہیں خدا کا مال سمجھے۔ جس نے اپنے مال کو خدا کا مال سمجھا، اس نے جنت کو یہیں پالیا۔ اس کا دل ایسی راحت سے بھر گیا۔ جس نے اس دنیا کو اس کے لئے جنت بنا دیا۔ خدا سب کچھ لیتا نہیں صرف وہ انسان کی طرف سے یہ تیاری چاہتا ہے کہ وہ سب کچھ خدا کی راہ میں دینے کو تیار ہو۔ اس مقام کے لئے حضرت مسیح موعود نے اپنی جماعت کو تیار کرنا چاہا ہے۔ جب ان کے لئے ماہوار چندہ لازم قرار دیا تا کہ وہ سارے مال کو خدا کا مال سمجھ کر اس کا ایک حصہ خدا کی راہ میں برابر لگاتے رہیں، سو خدا تو جنت دینے کے لئے تیار ہے۔ اسی دنیا میں جنت دینے کے لئے تیار ہے۔ کاش! کوئی اس جنت کو لینے والا ہو۔ جو شخص اپنے مال کو خدا کا مال سمجھ لیتا ہے اس کے دل میں وہ راحت پیدا ہوتی ہے جس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اس مقام کو حاصل کر لیا جو شخص مال کی محبت میں غرق ہے وہ اسے نہیں سمجھ سکتا۔ میرے دوستو! قدم آگے بڑھاؤ اور اس جنت کو ہاتھوں ہاتھ لے لو۔ افسوس ہے کہ لوگ یہ جانتے ہوئے کہ یہ مال ان کے ساتھ نہیں جائے گا، خود مال کی محبت سے دوزخ کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں۔ مال دنیا کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے بجائے اسے جمع کرتے اور گنتے چلے جاتے ہیں۔ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (2:104) حالانکہ یہی انسان کی جہنم ہے نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ. الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـئِـدَةِ. (7-6:104) یہی دجال کی بہشت ہے کہ اس کے نزدیک مال دنیا ہی سب کچھ ہے۔ مگر یہ درحقیقت دوزخ ہے۔ مگر وہ چیز جسے انسان دوزخ سمجھتا ہے۔ یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنا مال خرچ

کرنا۔ وہی درحقیقت اس کی بہشت ہے۔ سو میرے دوستو! میں بہ منت آپ سے التجا کرتا ہوں کہ خدا کی بہشت کو رد نہ کرو بلکہ جلد سے جلد اس کی طرف قدم اُٹھاؤ اور مال دنیا کی محبت کے دوزخ سے اپنا بچاؤ کر لو۔ آج یہ دروازہ کھلا ہے۔ جلد جلد سب کے سب اس کے اندر داخل ہو جاؤ۔ مال دنیا کی محبت کو کم کرو اور خدا کی محبت پر اسے قربان کرنا سیکھو۔ اور اس کا پہلا قدم یہ ہے کہ امام زمان نے جہاد دین کے لئے تم سے مالی قربانیوں کا مطالبہ کیا ہے اور ماہوار چندہ لازمی قرار دیا ہے۔ اس کو اپنے ذمہ اس طرح لگاؤ کہ اسے اپنے خرچ میں لانا تمہاری نظر میں ایسا ہی قابل نفرت ہو جیسے ایک ناپاک چیز کو کھانا۔ وہ خدا کا حصہ ہے وہ تمہارے لئے ناپاک ہے۔ جس طرح کسی دوسرے کا مال تمہارے لئے ناپاک ہے۔ اس حصہ کو خدا کے لئے الگ کر دو گے تو اس سے تمہارا مال پاک ہو جائے گا۔

مجھے ڈر ہے کہ ہم ناشکری میں نہ پکڑے جائیں۔ ہم میں سے جو لوگ ملازمت میں ہیں ان کی تنخواہیں اس چار پانچ سال کے عرصہ میں دوگنی تگنی چوگنی بھی ہوگئیں مگر ان میں سے بعض نے شائد کثیر حصہ نے اپنا چندہ اس طرح نہ بڑھایا جس طرح خدا نے ان کا رزق بڑھایا تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ اس جماعت میں کم سے کم دوسو آدمی ملازمت میں ایسا ہے جو اگر ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے چندہ دیں یا ایک قدم اور اُٹھا کر دسواں حصہ اپنی آمدنی کا دیں تو اوسطاً ان دوسو کا پچیس روپے ماہوار سے کم فی کس چندہ نہ ہوگا۔ یعنی پانچ ہزار روپیہ ماہوار صرف یہ دوسو آدمی ادا کر سکتے ہیں پھر ساری جماعت میں زمینداروں کا ایک خاص طبقہ ہے اور آج ان کی اجناس کی قیمت پہلے سے چار گنا ہوگئی ہے۔ میں نے صرف ایک زمیندار کا ذکر اپنے کسی خطبہ میں کیا جو شاید پانچ مربعوں سے زیادہ کا مالک نہیں۔ مگر پونے دوسو روپے ماہوار ان کا چندہ آیا ہے۔ پانچ پانچ مربعوں کے بلکہ اس سے بھی زیادہ کے مالک بہتیرے جماعت کے اندر موجود ہیں۔ وہ کیوں خدا کا حق ادا نہیں کرتے؟ کیوں اپنے عہد کو پورا نہیں کرتے۔ اگر پچاس ایسے زمیندار بھی نکل آئیں جو اپنی آمد کا دسواں حصہ یا سوواں حصہ ہی ماہوار چندہ میں دیں تو تین ہزار روپیہ ماہوار زمینداروں کا ماہوار چندہ آنا چاہیئے۔ باقی ایک گروہ رہ گیا۔ یعنی ٹھیکدار اور تاجر۔ ان کے گھروں کو خدا نے دولت سے اس طرح بھرا ہے جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ اگر خدا ان کے سینوں کو بھی کھول دے تو چار پانچ ہزار روپے سے کم یہ چندہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس طرح جماعت کا چندہ،

جو اس وقت بمشکل چار ہزار روپے ماہوار تک ہے، بارہ پندرہ ہزار روپے ماہوار تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے اور اس کی بناء پر ہم دس نئے مشن آسانی سے کھول سکتے ہیں۔ آؤ ہم ایک دوسرے کو اُٹھائیں اور اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ خدا کا حق سب سے پہلے ادا کرے۔ اپنے عہد کو پورا کرے۔ اپنا ماہوار چندہ مقررہ شرح سے ادا کرے۔ ہماری دوستیاں اس لئے نہ ہوں کہ ہم ایک دوسرے کو خوش کریں بلکہ وہ اس لئے ہوں کہ خدا ہم سے راضی ہو۔

ایک اور التجا میں اپنے دوستوں سے کرتا ہوں اگر خدا انہیں میری اس تحریک کو قبول کرنے کی توفیق دے تو وہ اس کے لئے فوراً قدم اُٹھائیں۔ مجھے اطلاع دیں تو میں ان کے لئے خصوصیت سے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ پھیلاؤں گا۔ اور اگر ان کے دلوں میں قبض ہو اور اس تحریک کو قبول کرنے کے لئے شرح صدر نہ ہوتی ہو، تو چالیس دن تک خدا تعالیٰ سے دعا کرتے چلے جائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے سینے کو کھول دے اور انہیں توفیق دے کہ وہ چند کوڑیاں، جو خدا کی دی ہوئی ہیں، خدا کی راہ میں دے کر جنت کو خرید لیں نیکی کی توفیق مانگنا خدا کی رضا کے لئے دعا مانگنا، خدا کی محبت کے ازدیاد کے لئے ہاتھ پھیلانا خدا کے دین کی نصرت کے لئے دعا مانگنا، بہترین دعا ہے جو انسان کر سکتا ہے۔ یہ چالیس دن کا چلہ ہے اس سے شائد خدا ان کی محبت مال کی ناپاکی کو دور کر کے اپنی محبت سے ان کے دلوں کو پاک وصاف کر دے۔ خاکسار محمد علی

دارالسلام۔ ڈلہوزی

❁❁❁

17 جولائی 1946ء

حضرت امیر کے قلم سے

عشرۃ کاملۃ

1۔ حضرت مسیح موعود کا ارشاد:

1۔ ماہوار چندہ حسب حیثیت ہر احمدی پر لازم ہے۔

2۔ جو تین ماہ تک چندہ نہیں دیتا وہ احمدی نہیں ہے۔

2۔ حضرت مسیح موعود کا دوسرا ارشاد:

1۔ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔

2۔ اس کا کثرت رائے کا فیصلہ ہر احمدی کے لئے واجب العمل ہے۔

3۔ میرے بعد ہر ایک امر میں صرف انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔

3۔ حضرت مسیح موعود کی جانشین انجمن کا اجتہاد اور فیصلہ:

1۔ پچاس روپے ماہوار سے کم آمد والوں کے لئے تین پیسے فی روپیہ یا اپنی آمد کا بیسواں حصہ

2۔ پچاس روپے سے اوپر آمدنی والوں کے لئے ایک آنہ فی روپیہ یا آمدنی کا سولہواں حصہ

4۔ ہر ایک احمدی غور کرے:

1۔ کیا اس نے اپنے لئے ماہوار چندہ مقرر کیا ہوا ہے۔

2۔ کیا وہ ماہوار چندہ باقاعدہ ادا کرتا رہتا ہے۔

3۔ کیا وہ ماہوار چندہ، تین پیسے فی روپیہ اور پچاس سے اوپر آمدنی ہے، تو ایک آنہ فی روپیہ دیتا ہے

5۔ ہر احمدی ملازم اپنی آمدنی کا حساب کرے:

1۔ کیا اسے ماہوار تنخواہ یا پنشن ملتی ہے۔

2۔ کیا اس کے علاوہ اسے کچھ زمینوں کی آمدنی ہے یا کرایہ مکانات کی آمدنی ہے یا کسی تجارت میں روپیہ لگا ہوا ہے تو اس سے کچھ آمدنی ہے یا اور کسی ذریعہ سے آمدنی ہے۔

3۔ چندہ کا حساب کرتے وقت وہ سب قسم کی آمد کو گن کر اس پر تین پیسے فی روپیہ یا پچاس

سے اوپر آمدنی ہونے کی صورت میں ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے اپنا چندہ مقرر کرے۔

6۔ ہر ایک احمدی تاجر یا ٹھیکدار اپنی آمدنی کا حساب کرے:

1۔ سال گذشتہ اس کی آمدنی کس قدر ہوئی۔

2۔ اگر ٹیکس گذار ہے تو اس کی آمدنی کس قدر قرار دی گئی ہے جس پر ٹیکس لگا ہے۔

3۔ کیا تجارت کی آمد کے علاوہ اسے کچھ زمینوں اور مکانوں کی آمد ہے یا اور کسی ذریعہ سے کوئی آمد ہے۔

اس سب آمدنی کو شامل کر کے وہ تین پیسے فی روپیہ یا پچاس روپے سے اوپر آمدنی کی صورت میں ایک آنہ فی روپیہ اپنا چندہ مقرر کرے۔ اور گذشتہ سال کی آمدنی کو سال رواں کے چندہ کے لئے بنیاد قرار دے۔

7۔ ہر ایک احمدی زمیندار اپنی آمدنی کا حساب کرے:

1۔ زمیندار اپنی آمدنی کا حساب سال میں دو مرتبہ آسانی سے کر سکتا ہے۔

ایک دسمبر میں جب فصل خریف آ چکتی ہے۔

ایک مئی میں جب ربیع کی فصل آ چکتی ہے۔

اور ہر ششماہی پر حساب کر کے چندہ اسی حساب سے ادا کرے۔ یعنی تین پیسے فی روپیہ یا پچاس سے اوپر آمدنی ہو تو ایک آنہ فی روپیہ۔

نوٹ۔ زمین کا معاملہ آمدنی میں سے منہا کیا جا سکتا ہے۔

8۔ کیا آپ نے میری چٹھی مورخہ 10 جولائی کا جواب دے دیا ہے؟:

1۔ اگر آپ اس پر لبیک کہیں گے تو یہ حضرت مسیح موعود کے حکم کی تعمیل ہوگی۔

2۔ اگر آپ انکار کریں گے تو وہ انکار حضرت مسیح موعود کے حکم کا ہوگا۔

3۔ آپ کے انکار سے جماعت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

4۔ آپ کے لبیک کہنے سے تبلیغ اسلام اور جہاد بالقرآن کی ایک عظیم الشان بنیاد پڑے گی۔ جس پر قیامت تک عمارت بنتی چلی جائے گی۔

9۔کیا آپ تذبذب میں ہیں؟:

1۔اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کی صحیح رہنمائی فرمائے۔

2۔دعا کیجئے کہ خدا آپ کو وہ عہد پورا کرنے کی توفیق دے جو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا آپ نے امام زمان سے کیا ہے۔اور عہد توڑنے کے گناہ عظیم سے آپ کو بچائے۔

3۔دعا کیجئے کہ خدا آپ کے دل سے مال کی محبت کو کم کرے اور اپنی محبت بڑھائے۔

4۔چالیس دن تک لگاتار دعا کیجئے۔جس میں دس دن شعبان کے اور تیس دن رمضان کے ہوں گے۔

10۔کیا آپ کا کوئی عزیز یا دوست ہے جو ماہوار چندہ شرح مقررہ پر ادا نہیں کرتا؟:

1۔آپ اس کو زبانی کہیں یا خط لکھیں۔

2۔وہ خاموشی اختیار کرے تو دوبارہ کہیں یا لکھیں اور باصرار کہیں یا لکھیں۔

3۔اس کے لئے چالیس دن دعا کریں کہ خدا اس کے دل کو مضبوط کرے اور وہ اپنے عہد وفا پر قائم رہے اور دنیا سے محبت کر کے اپنے دین کو برباد نہ کرے۔

خاکسار محمد علی

دارالسلام۔ڈلہوزی

10 جولائی 1946ء

24 جولائی 1946ء

مکتوب امیر ایدہ اللہ تعالیٰ۔4

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

برادران محترم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

چند دنوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلنے والے ہیں۔ یہ موقعہ ہمارے ہاتھوں سے یونہی نہ نکل جائے بلکہ ہم اپنے راتوں اور دنوں کے مجاہدہ سے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کر لیں۔

1۔رمضان کی راتوں کا مجاہدہ: یہ وہ مبارک ایام ہیں جن میں سب لوگوں کو پچھلی رات اُٹھنے کی توفیق ملتی ہے۔ جو صحیح حدیثوں کے رو سے قبولیت دعا کا وقت ہے۔اس وقت سب مل کر دعا کریں۔اس سے بہتر اجتماعی دعا کا اور کوئی موقعہ نہیں مل سکتا۔

یہ وہ مبارک ایام ہیں جب ہر انسان اس کوشش میں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کرے۔اس لئے وہ خدا سے بہت قریب ہوتا ہے اور خدا بھی اس سے قریب ہوتا ہے۔اس سے بہتر قبولیت دعا کا موقعہ نہیں مل سکتا۔

اس قبولیت دعا کی گھڑی میں خدا کی رضا کی طلب کو دل میں لئے ہوئے، سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو خدا کا نام دنیا میں بلند کرنے میں، اس کے کلام کو دنیا میں پہنچانے میں اور اس کے دین کو دنیا میں پھیلانے میں کامیاب کرے۔اور ہمیں یہ پہلا قدم اُٹھانے کی توفیق مل جائے کہ 1946ء کے ختم ہونے سے پہلے ہمارے دس مشن کھل جائیں۔

2۔رمضان کے دنوں کا مجاہدہ: ہم سب مل کر کوشش کریں کہ اس جہاد دینی میں ہم سب کا قدم ایک فوج کی طرح اکٹھا اُٹھے۔اپنی اپنی طاقت کے مطابق ہم سب اپنا زور لگانے والے ہوں۔اور اس کا پہلا قدم یہ ہو کہ ساری جماعت اپنے آپ کو اس سطح پر لے آئے کہ ان کے مالوں میں ایک مقررہ حصہ خدا کے دین کے لئے ہو۔اور دوسرا قدم یہ ہو کہ ہم دوسروں کو اس کارِ ثواب میں شامل کرنے کو کوشش کریں۔خاکسار محمد علی

دارالسلام ۔ڈلہوزی۔19 جولائی 1946ء

21 اگست 1946ء

حضرت امیر کے قلم سے

مباحثہ کے لئے بھی تیار ہوں اور مباہلہ کے لئے بھی

اس بات پر جماعت قادیان کے پیشوا سے

کیا حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ اپنی نبوت کے متعلق یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کے متعلق تبدیل کیا تھا۔

1۔ ہم اور جماعت قادیان دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے جب 1891ء میں مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا تو نبی ہونے سے انکار کیا اور اپنا دعوٰی محدثیت قرار دیا۔ اور نبوت کو آنحضرتؐ پر ختم قرار دیا۔ اور آپ کے بعد دعوٰی نبوت کرنے والے کو مفتری اور کذاب قرار دیا اختلاف ہم میں اور جماعت قادیان کے پیشوا میں صرف یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود 1891ء سے لے کر اپنی وفات تک اسی عقیدہ پر قائم رہے اور جماعت قادیان کا پیشوا لکھتا ہے کہ آپ نے 1901ء میں اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا۔ خود نبوت کا دعوٰی کیا اور آنحضرتؐ کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا قرار دیا۔

2۔ ظاہر ہے کہ 1901ء میں تبدیلی عقیدہ کا ثبوت پیشوائے قادیان کے ذمہ ہے۔ اگر وہ اس دعوٰی کو ثابت نہ کر سکیں تو صاف ثابت ہو گا کہ قادیان والوں کا حضرت مرزا صاحب کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنا محض افتراء ہے۔

3۔ میں نے بارہا جناب میاں صاحب کو اس پر مباحثہ کے لئے دعوت دی اور یہاں تک بھی لکھ دیا کہ میں صرف ان کی جماعت کے پانچ یا سات اصحاب کو ثالث ٹھہراؤں گا مگر جناب میاں صاحب اس کا کوئی جواب نہیں دیتے۔

4۔ میں نے بلکہ ہم میں سے ستر آدمیوں نے اس بات پر حلف اُٹھایا، کہ ہم نے 1901ء سے پہلے حضرت صاحب کی بیعت کی اور جس عقیدہ پر ہم نے بیعت کی تھی کہ نبوت آنحضرتؐ پر ختم ہے، اسی عقیدہ پر آپ کی وفات تک قائم رہے۔ اور 1901ء میں حضرت صاحب نے اپنا عقیدہ دربارہ نبوت

تبدیل نہیں کیا۔

5۔آج تیس سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہم اس بات کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ جماعت قادیان کے ستر آدمی یہ حلف اُٹھائیں کہ انہوں نے 1901ء سے پہلے حضرت صاحب کی بیعت آپ کے دعوٰی محدثیت پر ہی کی تھی اور اس وقت وہ نبوت جو آنحضرتؐ پر ختم سمجھتے تھے مگر 1901ء میں انہوں نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا اور اس کے بعد نبوت کو آنحضرتؐ پر ختم نہیں سمجھتے تھے اور حضرت مرزا صاحب کو نبی ماننا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ 1901ء میں انہیں علم ہو گیا تھا کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا ہے۔خود میاں صاحب سے ایسی حلف اُٹھانے کا مطالبہ کیا۔مگر ساری جماعت قادیان تیس سال سے خاموش ہے۔خود میاں صاحب بھی خاموش ہیں۔

6۔پھر میں نے آخری حجت شرعی کی طرف رجوع کیا کہ میاں صاحب اس بات پر مجھ سے مباہلہ کر لیں کہ کیا 1901ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنا عقیدہ اپنی نبوت کے متعلق اور آنحضرتؐ پر ختم نبوت کے متعلق تبدیل کر لیا تھا۔اور حضرت صاحب کے مریدوں نے بھی اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا۔مگر میاں صاحب پھر بھی خاموش رہے۔

7۔لیکن میاں صاحب کے مرید مجھ سے یہ سوال کرتے چلے جاتے ہیں کہ میں میاں صاحب سے مباہلہ کرنے کے تیار ہوں۔اور کس بات پر مباہلہ کے لئے تیار ہوں۔تمام شکوک کو رفع کرنے کے لئے پھر اسی بات کا اعلان کرتا ہوں کہ

8۔میں اس بات پر، کہ کیا 1901ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا۔یعنی 1901ء سے پہلے آپ نبوت کو آنحضرتؐ پر ختم مانتے تھے اور آپ کے بعد دعوٰی نبوت کرنے والے کو مفتری اور کذاب اور ملعون قرار دیتے تھے اور اپنا دعوٰی صرف محدثیت کا سمجھتے تھے۔مگر 1901ء میں آپ نے یہ اعلان کیا کہ نبوت آنحضرتؐ کے بعد جاری ہے اور خود بھی دعوٰی نبوت کیا، میاں صاحب کے ساتھ مباحثہ کے لئے تیار ہوں۔اور اس کے لئے صرف ان کے مریدوں کو ہی ثالث بنانے کے لئے بھی تیار ہوں جن میں سے ایک سر ظفر اللہ خاں بھی ہوں گے۔

9۔ثالث بنانے سے یہ لازم نہ آئے گا کہ میاں صاحب اپنے مریدوں کے فیصلہ کو صحیح تسلیم

کرتے ہوئے اپنے عقیدہ سے توبہ کریں، مگر لوگوں کی غلط فہمی رفع ہو جائے گی۔ لیکن اگر میاں صاحب اس میں اپنی خفت سمجھتے ہیں تو میں اس شرط کو بھی چھوڑتا ہوں اور بلا شرط ان کے ساتھ ایک مباحثہ کے لئے تیار ہوں۔ جو خواہ مجمع عام میں ہو یا صرف بذریعہ تحریرات ہو۔ باقی شرائط وہ جو چاہیں رکھ لیں۔ میری طرف سے صرف یہی شرط ہے کہ موضوع بحث صرف اس قدر ہو گا کہ کیا 1901ء میں حضرت صاحب نے اپنا عقیدہ تبدیل کیا یا نہیں۔

10۔ میاں صاحب چاہیں تو اسی موضوع پر میں مباہلہ کے لئے بھی تیار ہوں۔ یہ مباہلہ وہ چاہیں تو تنہا مجھ اکیلے کے ساتھ کر لیں اور چاہیں تو دونوں طرف سے ایسے لوگوں کو بھی شامل کر لیں جنہوں نے 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی۔ اور اگر وہ اب 1901ء کو تاریخ تبدیلی عقیدہ نہیں مانتے، جیسا کہ ان کے مریدوں کی بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے، تو جو تاریخ اس تبدیلی کے لئے تجویز کریں، میں اسی پر مباحثہ اور مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں اس تحریر کا جواب میاں صاحب کے اپنے قلم سے مانگتا ہوں۔ خاکسار محمد علی

4 دسمبر 1946ء
مکتوب امیر

جلسہ سالانہ میں شمولیت کی دعوت

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہمارے جلسہ سالانہ کی تاریخیں 25-26-27 دسمبر 1946ء ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ اس موقعہ پر سال گذشتہ سے بھی زیادہ تعداد میں احباب شرکت فرمائیں گے۔ میں اس مختصر مکتوب میں حضرت مسیح موعود کے حکم کی تعمیل میں جملہ احباب کو اس میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔ کیونکہ آپ نے سالانہ جلسہ میں شامل ہونے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس تاکیدی حکم کو ہم استخفاف کی نگاہ سے دیکھنے والوں میں سے ہوں۔ سفر کی مشقت اور تھوڑے سے خرچ سے بعض لوگ ڈر جاتے ہیں۔ حالانکہ اسی چیز سے ہمارے قلوب کے اندر حقیقی راحت پیدا ہونی چاہئیے بلکہ میں کہوں گا ان مشقتوں اور اخراجات کے بغیر زندگی میں کوئی لطف ہی نہیں۔ یہ تین دن کی ملاقات ہمارے اندر تین سو ساٹھ دنوں کے لئے وہ روحانی طاقت پیدا کر دیتی ہے جس سے ہم اس کام میں قدم آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ یہ جلسہ ہمارے سفر کی تینتیسویں منزل ہے۔ اور جب ہم اپنی ابتداء پر نظر ڈالتے ہیں تو خدا کے افضال ایک بارش کی طرح نظر آتے ہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ جس قوت سے ہم آج کام کر رہے ہیں، وہ ہمارے پہلے سال کے کام سے دوگنی اور تگنی نہیں، دس گنی اور بیس گنی بھی نہیں، تیس گنی بھی نہیں بلکہ ستر گنی ہے۔ ہم نے سات ہزار کی آمد سے کام شروع کیا اور آج پانچ لاکھ کی آمد سے کام کر رہے۔ ہیں اور خدا نے چاہا تو آئندہ سال ہماری آمد سات لاکھ تک پہنچ کر سو گنا ہو چکی ہوگی۔ اس ترقی کی نظیر اور اللہ تعالیٰ کی ان نصرتوں کی نظیر دوسری کسی جماعت میں نہیں ملے گی۔ چاہئیے کہ خدا کے ان فضلوں پر ہم سب سجدہ شکر ادا کریں۔ اس سجدہ شکر کے ادا کرنے کے لئے سب سے بہتر موقعہ ہمارا جلسہ سالانہ ہے۔ اس لئے دوبارہ اپنے جملہ احباب کو جلسہ میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔

اس سال ہم نے بالخصوص ایک زبردست قدم خدا کے نور کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اُٹھایا ہے۔ نہ صرف پانچ نئے تبلیغی مرکزوں کی بنیاد رکھی ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں ایک وسیع

پیمانے پر کام کرنے کا تہیہ کیا ہے۔ جو باقی پانچ مشنوں کا، جن کا ہم نے تہیہ کیا تھا، قائم مقام ہوگا۔ فی الحقیقت ہم دس نئے تبلیغی مرکز بھی ہندوستان سے باہر قائم کر سکتے تھے۔مگر ہندوستان کے حالات نے مجبور کر دیا ہے کہ ہم اپنی طاقت کا ایک حصہ اس ملک پر بھی صرف کریں۔ یہ کام ہم نے درحقیقت تراجم قرآن کریم کی بنیاد رکھ کر شروع کر دیا تھا۔اور آج ایک زبان (تامل) میں قرآن کریم کا ترجمہ ختم ہو چکا ہے۔اور طبع کے لئے تیار ہے۔اور دو زبانوں میں قریب دو تہائی کے پہنچ چکا ہے۔امید ہے کہ اگلے سال ختم ہو جائے گا۔ کچھ اور زبانوں میں بنیاد پڑ چکی ہے۔اور اب ایک وسیع پیمانے پر نہ صرف دوسرا تبلیغی لٹریچر ہندوؤں کے لئے تیار ہو رہا ہے بلکہ خدا نے چاہا تو اگلے سال کے اندر اندر کئی مقامات پر تبلیغ کے مرکز قائم ہو جائیں گے۔ یہ کام انسانی قوت اور طاقت سے نہیں ہو سکتے۔ان کے لئے خدا کی مدد بکار ہے۔آیئے ہم سب مل کر خدا کے آگے گریں اور اس سے اس کام کے لئے نصرت طلب کریں۔اس کے لئے بھی بہترین موقعہ جلسہ سالانہ ہے۔اس لئے میں تیسری مرتبہ جملہ احباب کو اس جلسہ میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔اور سب دوستوں سے التجا کرتا ہوں کہ وہ ہمتوں کو بلند کریں اور کمزور خیالات کو، جو درحقیقت شیطانی وساوس ہیں، پاؤں کے نیچے مسل دیں۔اور 25-26-27 دسمبر تین دن اکٹھے ہونے کے لئے آج ہم عزم کر لیں۔خدا سامان بھی کر دے گا۔

اس کے ساتھ میں ایک اور درخواست بھی اپنے احباب سے کرتا ہوں۔اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک دوست جو آئے وہ ایک دو دوسرے دوستوں کو بھی اپنے ساتھ لائے۔ جو اب تک اس جماعت میں شامل نہیں۔ان کے لئے اپنی جیب سے کچھ خرچ کرے۔شائد یہ مطالبہ گراں معلوم ہو مگر یاد رکھئے اس کے عوض آپ نے بہت بڑی دولت کا وعدہ اس صادق رہنما سے کیا ہے، جس کے متعلق دشمنوں کو بھی اعتراف ہے کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔اور اس کے سارے وعدے آئندہ کے متعلق بھی سچے ثابت ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا **لان یھدی بک رجل خیر لک من حمر النعم** اگر ایک شخص بھی تمہاری وجہ سے ہدایت پا جائے تو دنیا کی بہترین دولت سے بڑھ کر ہے۔ چند کوڑیاں خرچ کر کے آپ بہت بڑا خزانہ حاصل کر لیں گے۔''چند دادن جاں خریدم'' کا معاملہ ہے۔اور اس سے وہ خزانہ مل جائے گا جو اس زندگی میں نہیں آنے والی ابدی زندگی میں بھی تمہاری راحت کا موجب ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ فوراً جماعتیں مل

کر یہ انتظام کریں کہ وہ کتنے آدمی اپنے ساتھ لا سکتے ہیں۔ اور وہ لوگ، جن کو خدا نے اپنے فضل سے زیادہ آسودگی دی ہے، اپنے غریب بھائیوں کی مدد کریں۔ ایک گروہ ان لوگوں کو تیار کرے اور دوسرا ان کے اخراجات کو برداشت کرے۔

اس بارے میں مَیں ان جماعتوں سے، جو لاہور سے ایک سو میل کے اندر اندر ہیں، خاص طور پر اپیل کرتا ہوں کہ یہ سفر ویسے بھی مختصر ہوگا اور اس پر خرچ بھی کم ہوگا اور سب سے بڑھ کر میری اپیل جماعت لاہور سے ہے کہ جب سب بھائی مشقت اور خرچ اُٹھا کر یہاں پہنچتے ہیں، لاہور کی جماعت کو اس بارے میں نہ کوئی مشقت اُٹھانی پڑتی ہے نہ کوئی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ ذرا سی ہمت کریں تو سالانہ جلسہ وہ موقعہ ہے، جب جماعت کی تعداد میں بڑا بھاری اضافہ ہوکر ہمارا کام اور بھی زیادہ سرعت سے ترقی کرسکتا ہے۔ لاہور کے ہر ایک دوست کا یہ فرض ہے کہ وہ خود بھی جلسہ میں شامل ہوا اور کم از کم تین آدمی اپنے ساتھ لائے۔ یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک تانگے کا خرچ آنے جانے کا ڈیڑھ روپیہ بنے گا۔ تین دن میں ساڑھے چار روپیہ خرچ کر کے ہم تین آدمیوں تک کلمہ حق پہنچا سکتے ہیں۔ اور خدا چاہے تو ان میں سے ان کو بھی قدم اُٹھانے کی توفیق دے تو دو تین سو آدمی صرف لاہور سے جماعت میں شامل ہو سکتے ہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ مسلمانوں پر مذہبی رنگ میں اور پھر بالخصوص تبلیغ کے بارے میں ایک جمود طاری ہے۔ اس جمود کو دور کرنے کے لئے ایک سخت کوشش بکار ہے۔ اور لاہور کی جماعت ایک ادنیٰ حرکت سے اس کوشش میں زبردست قوت پیدا کرسکتی ہے۔ سو جس طرح جماعت لاہور کے ہر دوست کا یہ فرض ہے کہ وہ جلسہ سالانہ میں شامل ہو، اسی طرح یہ بھی ان کا فرض ہے کہ وہ تین آدمی اپنے ہمراہ جلسہ میں شمولیت کے لئے لائے۔ اس کے لئے آج سے ہر ایک دوست کو تیار ہو جانا چاہئیے۔ اور جن جن آدمیوں کو اپنے ساتھ لانا ہے انہیں پروگرام دکھا کر ابھی سے تیار کر لینا چاہئیے۔ میں ہر ایک دوست سے یہ امید رکھتا ہوں کہ وہ جلسہ پر آئے تو یہ تحفہ اپنی جماعت کے لئے ساتھ لائے۔

محمد علی 28 نومبر 1946ء

4 دسمبر 1946ء

مکتوب امیر

جلسہ سالانہ کے متعلق ضروری ہدایات

مقامی احباب کے لئے

برادرم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جس غرض کے لئے بیرونی احمدی احباب سفر کی سخت صعوبت اور بہت سے اخراجات اُٹھا کر آتے ہیں، اسے آپ بہت آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا کے راستے میں تکلیف اُٹھانے سے انسان کی زندگی میں حقیقی راحت پیدا ہوتی ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے میں آپ کو امور ذیل کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں:

1۔ 24 دسمبر بروز منگل خواتین کا جلسہ ہے۔ اس دن آپ کے گھرانے کی خواتین ضرور شامل ہوں اور اس کے لئے کوئی نہ کوئی دستکاری بھی پہلے سے بھیج دیں۔

2۔ 25-26-27 دسمبر پورے تین دن آپ جلسہ کے لئے فارغ رکھیں۔ اور جلسہ کے وقت مقررہ سے آدھ گھنٹہ پیشتر جلسہ گاہ میں پہنچنے کی کوشش کریں۔

3۔ اگر آپ کی رہائش احمدیہ بلڈنگس سے ایک میل کے اندر اندر ہے تو نماز فجر میں اور اس کے بعد درس قرآن کریم میں ضرور شامل ہوں۔

4۔ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ آپ کے گھر سے بچے اور خواتین تینوں دنوں میں ضرور شامل ہوں۔

5۔ آپ آج سے ہی اس بات کے پیچھے لگ جائیں کہ آپ نے کم از کم تین غیر از جماعت دوستوں کو ضرور ساتھ لانا ہے۔ تاکہ وہ بھی جلسہ میں شامل ہوں اور پھر خواہ انہیں تانگہ پر ہی لانا پڑے ساتھ لے کر آئیں۔ چند پیسے زیادہ تو ضرور خرچ ہو جائیں گے لیکن اگر آپ کی اتنی سی تکلیف سے دو تین آدمیوں تک کلمہ حق پہنچ جائے یا جماعت میں ایک دو آدمیوں کا اضافہ ہو جائے تو وہ بڑی دولت ہے۔

6۔ ظہر اور عصر کی نمازیں تو جلسہ کے وقت میں ہوتی ہیں۔ لیکن مغرب اور عشاء کے لئے بھی

اگر آپ مسجد میں ٹھہر جائیں تو غروب آفتاب کے معاً بعد جمع ہو جاتی ہیں۔ ان تین ایام میں نماز باجماعت میں شامل ہونے کی ضرور کوشش کریں۔

7۔ان تین ایام میں چاہے دونفل ہی پڑھیں مگر نماز تہجد ضرور پڑھیں۔اور اس وقت بالخصوص اسلام کی ترقی اور نصرت کے لئے دعا کریں۔اور یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو وہ کارکن عطا فرمائے جو تبلیغ اسلام کے اہل ہوں۔اور وہ سامان عطا فرمائے جن کی تبلیغ اسلام کے لئے اور قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کے لئے ضرورت ہے۔

8۔ جلسہ کے اشتہارات اور پروگرام لے کر اپنے محلّہ اور اپنے حلقہ احباب میں تقسیم کریں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

15 جنوری 1947ء

جماعت قادیان کا مطالبۂ حلف

تقریر حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ برموقعہ جلسہ سالانہ منعقدہ 25 دسمبر 1946ء

کلمہ شہادت اور سورہ الفاتحہ پڑھ کر فرمایا۔ حضرات! میں نے اس وقت وہی دعا پڑھی ہے جو سب مسلمان پانچ وقت نمازوں میں پڑھتے ہیں یا انہیں پڑھنی چاہیئے۔ اس دعا کا آخری حصہ اللہ تعالیٰ سے یہ ہدایت مانگنے کی تلقین کرتا ہے کہ وہ ہم کو سیدھے راستہ پر چلائے۔ یہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ واقعی اچھا بھلا سیدھے راستے پر چلتا ہوا انسان ایک ذراسی روک آجاتی ہے پھر اتنی ٹھوکریں کھاتا ہے اور اتنی دور نکل جاتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔!

یہ دو مسائل ایک نبوت کا مسئلہ اور دوسرا کفر واسلام کا مسئلہ، جو اس وقت بالخصوص دو جماعتوں کے اندر مبحث بنے ہوئے ہیں، ان کے متعلق اس وقت اپنے دلوں کو تمام دوسرے خیالات سے خالی کر کے خدا سے ہدایت چاہیں۔ خدا سے دعا کریں کہ آپ کے دلوں کو ایسی روشنی عطا کرے کہ اصل حقیقت آپ پر منکشف ہو جائے۔ میں اپنے قادیانی دوستوں سے جو اس وقت موجود ہوں اور ان دوستوں سے بھی جو دونوں جماعتوں میں سے کسی سے تعلق نہیں رکھتے اور اپنے احباب سے بھی یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج خدا کے فضل سے ان مسائل میں ایسا رنگ پیدا ہو گیا ہے کہ کسی منطقی بحث اور دلائل کی ضرورت نہیں رہی۔ اب متنازعہ فیہ صرف ایک امر واقعہ ہے جس کو ایک موٹی سے موٹی عقل والا آدمی بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور یہ معلوم کر سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی طرف جو دعوٰی نبوت منسوب کیا جاتا ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔

حضرت مرزا صاحب نے جب مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا تو آپ کی تحریرات میں کچھ ایسے لفظ بھی تھے کہ ان سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ آپ دعوٰی نبوت کر رہے ہیں۔ آپ نے لفظ نبی کسی نہ کسی رنگ میں اپنے متعلق اپنی تحریرات میں استعمال کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کے سامنے جب مسیح موعود کا دعوٰی آیا تو انہوں نے یہ تلاش شروع کی کہ کس راستے سے آپ کو نیچا دکھا سکتے ہیں۔ انھوں نے تلاش کر کے آپ پر چند الزامات لگائے۔ جن میں سے ایک بڑا الزام یہ تھا کہ یہ شخص نبوت کا دعوٰی کرتا ہے۔

کچھ اور الزامات بھی تھے۔ مثلاً یہ کہ یہ ملائکہ کا منکر ہے۔ معجزات کا انکاری ہے۔ اب اگر آپ کا دعوٰی نبوت ہوتا یا اور ایسے الزامات صحیح ہوتے تو آپ صاف کہہ دیتے کہ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ مجھے خدا نے نبی بنایا ہے۔ جس شخص نے دنیا کا اتنا مقابلہ کیا کہ اس وقت، جب تمام ہندوستان آپ کو مجدد سمجھتا تھا اور سب مسلمان آپ کے علم و تقوٰی کی وجہ سے آپ کے وجود پر فخر کرتے تھے۔ اس وقت آپ نے مسیح موعود کا دعوٰی کر کے اپنی تمام عزت و شہرت کو برباد کر لیا اور تمام دنیا کو مخالف بنا لیا۔ آج اس زمانہ میں ایک بھی عالم نہیں جس کو مذہبی رنگ میں اتنی عزت حاصل ہو جو حضرت مرزا صاحب کو دعوٰی مسیح موعود سے پہلے حاصل تھی۔ مگر آپ نے خدا کے حکم کے سامنے اپنی عزت اور شہرت کی کوئی پروانہ کی۔ جس شخص کے دل میں اتنی قوت تھی وہ اگر علماء کی بات کو صحیح سمجھتا تو اس کا ہرگز انکار نہ کرتا۔ وہ صاف کہتا کہ جو کچھ علماء کہتے ہیں وہی صحیح ہے اور فی الواقع خدا نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن ان کے خلاف آپ بار بار لکھتے ہیں کہ میرا دعوٰی نبوت کا نہیں۔ اور دوسرے الزامات جو مجھ پر لگائے جاتے ہیں کہ یہ شخص لیلۃ القدر کا منکر ہے اور معجزات کا انکاری اور معراج کا منکر اور نیز نبوت کا مدعی اور ختم نبوت سے انکاری ہے، یہ سارے الزامات باطل اور دروغ محض ہیں۔ ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے.......... میں جناب خاتم الانبیاء صلعم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں (اشتہار 2 اکتوبر 1891ء)

یہ اعلان آپ نے دہلی کی جامع مسجد میں کیا۔ اس بارہ میں دونوں جماعتوں میں سے کسی کو اختلاف نہیں کہ ایسا ہوا۔ پھر اس کے بعد اس قسم کی تحریروں پر تحریریں چلتی ہیں۔ کہیں فرماتے ہیں:

''نبوت کا دعوٰی نہیں بلکہ محدثیّت کا دعوٰی ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے'' (ازالہ اوہام صفحہ 421)

کہیں فرماتے ہیں:

''ان لوگوں نے میرے قول کو نہیں سمجھا بلکہ یہی کہا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا یہ قول صریح کذب ہے اور اس میں ذرا بھی سچائی کی چاشنی نہیں اور نہ اس کا کوئی اصل ہے'' (حمامۃ البشرٰی صفحہ 79)

''اور ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعوٰی کرتا ہے'' (حمامۃ البشرٰی صفحہ 8)

''ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں'' (مجموعہ اشتہارات حصہ سوم صفحہ 223)

کسی کے ساتھ بحث ہوتی ہے تو لکھ دیتے ہیں:

''اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام وتوضیح مرام وازالہ اوہام میں جس قدر ایسے لفظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنی کی رو سے بیان کئے گئے ہیں۔ ورنہ حاشاوکلاّ مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعوٰی نہیں ہے'' (مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل صفحہ 97)

جو کچھ یہاں تک بیان ہوا اس پر جماعت لاہور اور جماعت قادیان دونوں جماعتوں کا اتفاق ہے۔ اور جماعت قادیان بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ 1891ء میں جب آپ کی طرف مخالفین نے دعوٰی نبوت منسوب کیا تو آپ نے صریح الفاظ میں اور سختی سے اس کا انکار کیا اور اسے مخالفین کا افترا قرار دیا۔ اور ایک مدت تک آپ اس انکار پر قائم رہے۔ اختلاف دونوں جماعتوں میں صرف یہ ہے کہ جماعت لاہور کے نزدیک حضرت مسیح موعود نے جو کچھ لکھا آخر تک اسی پر قائم رہے۔ لیکن قادیانی جماعت کا عقیدہ ہے کہ آپ نے 1901ء میں عقیدہ تبدیل کر لیا تھا اور محدث کی بجائے اپنے آپ کو نبی سمجھنے لگ گئے تھے۔ اس جھگڑے کو اگر کسی عدالت میں پیش کیا جائے تو بارِ ثبوت اسی فریق کے ذمہ ہوگا جو دعوٰی میں تبدیلی کا مدعی ہے کہ وہ دعوٰی کی تبدیلی کا ثبوت پیش کرے۔ اس لئے سب سے پہلی بات جو میں اپنے دوستوں سے آج کہنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اب کسی بھی بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ بحث کرنے کی بجائے آپ کو چاہئے کہ قادیانی جماعت سے صرف یہی مطالبہ کریں کہ 1901ء میں تبدیلی عقیدہ کا ثبوت دیں۔ اب مولویوں اور عالموں کی بحث ختم ہوگئی۔ ایک واقع کی بات ہے۔ جس کو عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ 1891ء میں حضرت مرزا صاحب نے محدثیت کا دعوٰی کیا اور نبی

ہونے سے انکار کیا۔ کیا 1901ء میں آپ نے اس دعویٰ کو تبدیل کیا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اور اس کا ثبوت قادیانی جماعت کے ذمہ ہے۔ اس سے ان لوگوں پر بھی، جو حضرت مرزا صاحب کو نہیں مانتے، تمام حجت ہو جاتی ہے کہ اگر ان لوگوں کی طرف سے جو نبوت منسوب کرتے ہیں کوئی ثبوت پیش نہ ہو تو وہ سمجھ لیں کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت کا نہیں اور محض الزام ہے جو پہلے مخالف علماء نے لگایا اور حضرت مسیح موعود نے خود انکار نبوت کر کے ان کی غلطی کو واضح کر دیا۔ اور اب قادیانی جماعت یہی دعویٰ آپ کی طرف منسوب کر رہی ہے۔ رہا یہ کہ واقعی قادیانی جماعت کے پیشوا کا یہ عقیدہ ہے کہ 1901ء میں حضرت مرزا صاحب نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا، یہ میری بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ یہ میاں صاحب کے اپنے لفظ ہیں۔ ''القول الفصل'' صفحہ 24 میں لکھتے ہیں:

> ''تریاق القلوب کی اشاعت تک آپ کا عقیدہ یہی تھا کہ............آپ کو جو نبی کہا جاتا ہے۔ تو ایک قسم کی جزوی نبوت ہے۔ اور ناقص نبوت ہے۔ لیکن بعد میں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ آپ کسی جزوی نبوت کے پانے والے نہیں بلکہ نبی ہیں''۔
>
> ''تریاق القلوب کی تحریر تک میرا (حضرت مرزا صاحب کا) اور عقیدہ تھا۔ بعد میں متواتر وحی نے اس عقیدہ کو بدل دیا''۔
>
> ''تریاق القلوب میں جو آپ نے اپنا عقیدہ نبوت کے متعلق لکھا ہے۔ بعد کی وحی نے اس سے آپ کو بدلا دیا''۔
>
> پھر ''حقیقۃ النبوت'' کے صفحہ 121 (مطبوعہ 5 مارچ 1915ء) پر لکھا ہے:
>
> ''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ 1901ء میں آپ نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے............ یہ بات ثابت ہے کہ 1901ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں۔ اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے''۔

پس بحث اب صرف امر واقعہ میں رہ جاتی ہے کہ آیا حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا

عقیدہ تبدیل کیا یا نہیں۔ اور اس کا بارِ ثبوت میاں صاحب پر ہے۔ جس کا بار بار مطالبہ کیا جا چکا ہے۔ لیکن ان سب کا جواب خاموشی ہے۔ ہاں آخری مرتبہ جو اگست 1946ء میں مَیں نے انہیں مباحثہ یا مباہلہ کے لئے دعوت دی تو میاں صاحب یوں تو خاموش رہے۔ لیکن جب ان کو بعض خطوط لوگوں نے لکھے کہ آپ اس مطالبہ کا جواب کیوں نہیں دیتے تو اپنے پرائیوٹ سیکرٹری سے یہ خط لکھوائے کہ انہوں نے تو کبھی یہ لکھا ہی نہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنا عقیدہ 1901ء میں تبدیل کیا۔ بلکہ صرف یہ لکھا تھا۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے تعریف نبوت میں تبدیلی کی۔ چنانچہ پرائیویٹ سیکرٹری نے میاں صاحب کے یہ الفاظ اپنے خط میں لکھے:

''وہ حوالہ تو میرا لکھیں کہ جس میں مَیں نے یہ لکھا ہو کہ حضرت مسیح موعود نے عقیدہ نبوت تبدیل کیا۔ میں نے جو کچھ لکھا وہ یہ ہے کہ تعریف نبوت میں تبدیلی کی''

شیخ انعام الحق صاحب کے خط کے جواب میں یہ لفظ جب میاں صاحب نے لکھوائے تو میں نے فوراً میاں صاحب کے چند حوالہ جات نقل کر کے اخبار میں دیئے کہ میاں صاحب ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ یہ لکھ چکے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے اپنا عقیدہ دربارہ نبوت 1901ء یا 1902ء میں تبدیل کر لیا تھا۔ ان میں سے کچھ حوالجات میں ابھی دوہرا چکا ہوں۔ مجھے یہ تعجب ہوا کہ میاں صاحب بار بار یہ لکھنے کے بعد، کہ حضرت صاحب نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا، کس طرح یہ سب کچھ بھول گئے۔ یہاں تک کہ اب کہہ رہے ہیں کہ ''وہ حوالہ تو میرا لکھیں کہ جس میں مَیں نے یہ لکھا ہو کہ حضرت مسیح موعود نے عقیدہ نبوت تبدیل کیا''۔ اس کے ساتھ ہی میں نے یہ لکھا کہ اگر میاں صاحب کا یہی خیال ہے کہ حضرت مسیح موعود نے عقیدہ نبوت تبدیل نہیں کیا، صرف تعریف نبوت تبدیل کی تھی تو یہی اعلان کر دیں کہ حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں تعریف نبوت میں تبدیلی کی تھی۔ مگر تعریف نبوت کی اس تبدیلی سے آپ کے عقیدہ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اور آپ نے اپنا عقیدہ تبدیل نہیں کیا۔ اتنا اعلان کر دینا ہی کافی ہے۔ اسی سے ہمارا ان کا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ دونوں باتوں میں سے ایک بات تو درست ہوگی۔ یا حضرت صاحب نے تعریف نبوت کے ساتھ عقیدہ بھی تبدیل کر لیا۔ اور پہلے یہ مانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے نہ پرانا، پھر یہ ماننے لگ گئے کہ آنخضرت کے بعد نیا نبی آ سکتا ہے۔ اور پہلے یہ مانتے تھے کہ آپ کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔ پھر یہ ماننے لگ گئے کہ جن لوگوں تک آپ کا نام بھی نہیں پہنچا وہ بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور یا تعریف نبوت تبدیل کی مگر عقیدہ وہی رہا جو پہلے تھا۔ یعنی یہ کہ آنخضرتؐ کے بعد نہ نیا نبی آ سکتا ہے نہ پرانا اور آپ کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔ ان دونوں باتوں میں سے جو درست ہے میاں صاحب اس کا اعلان کر دیں۔

پیغام صلح میں اس مضمون کے چھپنے کے بعد شیخ انعام الحق صاحب نے میاں صاحب کے ایک مرید کو پھر خط لکھا کہ میاں صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ ''وہ حوالہ میرا لکھیں جس میں میں نے یہ لکھا ہو کہ حضرت مسیح موعود نے عقیدہ نبوت تبدیل کیا''۔ اس کے جواب میں ایک چھوڑ چار حوالے اخبار پیغام صلح میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔ اب خلیفہ صاحب کا اس بارے میں کیا جواب ہے۔ یعنی اب وہ مباحثہ یا مباہلہ کیوں نہیں کرتے۔ جب انہیں وہ حوالجات بھی دئے گئے جن میں انہوں نے حضرت مسیح موعود کے عقیدہ نبوت کی تبدیلی کا ذکر کیا ہے۔ یہ خط جب قادیان پہنچا تو میاں صاحب نے اس کا جواب خود اپنی قلم سے الفضل 21 دسمبر 1946ء میں یوں لکھا ہے:

''کیا میرا کام حوالے نکالنا ہے۔ جو چیز چھپ چکی ہے اس کا جواب دینا جماعت کا کام ہے''۔

اب مقام غور ہے کہ سائل تو یہ کہتا ہے کہ انہوں نے وہ حوالہ مانگا تھا جس میں انہوں نے یہ لکھا ہو کہ حضرت مسیح موعود نے عقیدہ نبوت تبدیل کیا۔ وہ ایک چھوڑ چار حوالے دے دیئے گئے۔ اب وہ مباحثہ یا مباہلہ کیوں نہیں کرتے۔ اور میاں صاحب جواب میں لکھتے ہیں کہ ''کیا میرا کام صرف حوالے نکالنا ہے''۔ حالانکہ ان سے حوالہ کسی نے طلب نہیں کیا۔ اصل میں حوالے نکالنے کی ایک بیماری جماعت قادیان میں لگ گئی ہے۔ کوئی بات سمجھنے کی بجائے اور اس کا کوئی جواب دینے کے بجائے حوالوں کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ جناب میاں صاحب نے یہ سمجھا کہ کسی نے خط لکھا ہے اور ان پر کوئی اعتراض کیا ہے تو کوئی حوالہ مانگا ہوگا۔ اور یہ کام وہ جماعت کے سپرد کر چکے ہیں۔ اس لئے بغیر خط کے مضمون کو سمجھنے کے جواب میں یہ لکھ دیا کہ کیا مرا کام حوالے نکالنا ہے!

اس کے بعد اسی الفضل میں جو کچھ میاں صاحب نے لکھا ہے اسے بھی کوئی دوسرا سمجھ نہیں سکتا۔ دعوٰی تو یہ تھا کہ انہوں نے کبھی یہ لکھا ہی نہیں حضرت مسیح موعود نے عقیدہ تبدیل کیا بلکہ صرف یہ لکھا تھا کہ تعریف نبوت تبدیل کی۔ لیکن جب عقیدہ کی تبدیلی کے اتنے حوالے مل گئے تو اس کی تشریح یوں فرمائی:

''عقیدہ سے مراد تعریف نبوت کے بارے میں عقیدہ ہے نہ کہ اپنے اندر پائے جانے والی نبوت کے متعلق کوئی عقیدہ''

عقیدہ سے نکل کہ اب یہ ایک عقدہ بن گیا کہ نبوتیں دو ہیں ایک باہر کی نبوت۔ جس کی تعریف ہوسکتی ہے اور ایک اندر پائے جانے والی نبوت۔ تو جب تک میاں صاحب نے یہ لکھا تھا کہ حضرت صاحب نے عقیدہ نبوت تبدیل کرلیا تو اس سے مراد اندر پائی جانے والی نبوت کے متعلق عقیدہ نہ تھا بلکہ باہر والی نبوت کے متعلق تھا۔ جس کی تعریف کی جاسکتی ہے۔

سو اول تو یہ بھی کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ اندر پائی جانے والی نبوت اور ہوتی ہے۔ اور تعریف کسی اور نبوت کی کی جاتی ہے۔ اور اندر پائی جانے والی نبوت کی کوئی تعریف ہی نہیں ہوسکتی۔ اور دوسرے یہ بھی ایک گورکھ دھندہ بن گیا کہ کسی چیز کی تعریف کے متعلق بھی ایک عقیدہ ہوتا ہے مگر بات پھر وہیں کی وہیں رہی کہ تعریف نبوت کے متعلق عقیدہ تبدیل کیا تو کیا اندر والی نبوت کے متعلق عقیدہ بدلا یا نہیں۔ یعنی یہ ہوا یا نہ کہ پہلے اپنی نبوت سے انکار کرتے تھے اور اپنے دعوٰی کے انکار کرنے والوں کو کافر نہ کہتے تھے۔ 1901ء میں نبوت کے انکار کی بجائے نبوت کا دعوٰی کرنے لگے اور نہ ماننے والوں کو کافر قرار دینے لگے۔

پھر ایک اور عجیب بات ہے کہ اسی الفضل میں حیدر آباد دکن کے کسی ایسے شخص نے، جس کا تعلق دونوں جماعتوں سے نہیں، میاں صاحب سے یہ سوال کیا کہ کیا سیٹھ عبداللہ الہ دین جو انعامی چیلنج دے رہے ہیں تو ایسا چیلنج دینے کی اجازت انہوں نے آپ سے حاصل کر لی ہے۔ اور کیا انعامی چیلنجوں کو آپ شرعی اخلاقی اور قانونی حیثیت سے جائز سمجھتے ہیں۔ تو پہلے سوال کا جواب تو یہ دیا کہ ہاں! یعنی سیٹھ صاحب ان کی اجازت سے ایسا کر رہے ہیں۔ اور دوسرے حصہ کا جواب یوں دیا کہ ''جب مولوی

صاحب بار بار مقابلہ کا چیلنج دے رہے ہیں تو انہیں چیلنج دینا بھی جائز ہے"۔

یہ جواز کی عجیب وجہ ہے کہ چونکہ میں بار بار چیلنج دیتا تھا اس لئے انہوں نے سیٹھ عبداللہ الہٰ دین کو بالمقابل چیلنج دینے کے لئے کھڑا کر دیا ہے۔ اگر میرا انہیں مباحثہ یا مباہلہ کے لئے بلانا ناجائز تھا تو اس کا جواب وہ مجھے دیتے۔ نہ یہ کہ ایک تیسرے آدمی کو کھڑا کر دیتے۔ تو تم بھی ایک چیلنج ان کے مقابل پر دیتے رہو۔ چاہے وہ شرعاً جائز ہو یا نہ ہو۔ میرا مطالبہ تو صرف اس قدر تھا کہ اس بات پر کہ حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ دوبارہ نبوت تبدیل کر لیا تھا میاں صاحب مجھ سے مباحثہ کر لیں جس میں میں ثالث صرف ان کے مریدوں کو ٹھہراؤں گا۔ یا اس تبدیلی پر وہ خود یا ان کی جماعت کے آدمی حلف اٹھائیں۔ یا بالآخر ایسی تبدیلی کے ہونے یا نہ ہونے پر مجھ سے مباہلہ کر لیں۔ اس کا جواب دینے کی بجائے ایک شخص کو کھڑا کر دیا گیا کہ تم چیلنج دیتے چلے جاؤ۔

اب میں سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کے مطالبہ کو لیتا ہوں۔ میں نے پہلے 1915ء میں یہ حلف اٹھائی جب ہماری جماعت کے ستّر آدمیوں نے، جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی بیعت 1901ء سے پہلے کی تھی، یہ حلف اٹھائی کہ حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ تبدیل نہیں کیا۔ ہم نے یہ حلف اُٹھائی کہ ہم نے حضرت مسیح موعود کی بیعت 1901ء سے پہلے کی اور حضرت مسیح موعود کو مجدد سمجھتے ہوئے کی۔ نبی سمجھ کر نہیں کی۔ اور 1901ء میں حضرت مسیح موعود نے کوئی تبدیل نہیں کی۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے جماعت قادیان سے حلف کا مطالبہ کیا کہ ان میں سے بھی ستر آدمی ہی حلف اُٹھائیں جنہوں نے 1901ء سے پہلے بیعت کی ہو کہ انہوں نے 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی اور آپ کو مجدد سمجھ کر بیعت کی نہ نبی سمجھ کر، مگر 1901ء میں چونکہ حضرت مسیح موعود نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا اور اپنے آپ کو نبی قرار دیا تھا اس لئے ہم آپ کو اس وقت نبی سمجھنے لگے۔ مگر ستّر چھوڑ ایک آدمی نے بھی یہ حلف نہ اُٹھائی۔ حتیٰ کہ خود میاں صاحب سے ہی یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہی یہ حلف اُٹھائیں کہ وہ 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کو مجدد ہی سمجھتے تھے۔ مگر 1901ء میں حضرت صاحب نے چونکہ اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا اور انکار نبوت کی سابقہ تحریروں کو منسوخ کر دیا، اس لئے اس وقت سے وہ آپ کو نبی سمجھنے لگے۔ مگر انہوں نے بھی یہ حلف نہ اُٹھائی۔ اور وہ مطالبہ ہمارا آج تک چلا آتا ہے۔ پھر دوسری بار

1944ء میں داتہ ضلع ہزارہ کی لاہور اور قادیان کی جماعتوں نے باہم یہ فیصلہ کیا کہ وہ دونوں جماعتوں کے رہنماؤں سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ مؤکد بعذاب حلف اُٹھائیں۔ جس کے الفاظ انہوں نے باہمی اتفاق سے تجویز کر کے بھیجے اور یہ بھی لکھ دیا کہ جس جماعت کا رہنما ان الفاظ میں حلف اُٹھانے سے گریز کرے تو وہ گریز اس جماعت کی ہار کے مترادف ہوگا۔ اس مطالبہ کے مطابق میں نے مؤکد بعذاب حلف اُٹھا کر 30 ستمبر 1944ء کے پیغام صلح میں شائع کر دی۔ مگر میاں صاحب نے گریز اختیار کی جس سے ان کی جماعت کی ہار پر ان کی اپنی جماعت کے اقرار کے مطابق مہر لگ گئی۔ اور میاں صاحب آج تک خود اپنی ہی جماعت کا تجویز کردہ حلف اُٹھانے سے انکاری ہیں۔ میرے لئے حلف کے الفاظ، جو دونوں جماعتوں نے تجویز کر کے بھیجے، حسب ذیل تھے جن الفاظ میں یہ حلف 30 ستمبر 1944ء کے پیغام صلح میں شائع شدہ موجود ہے۔

> ''میں محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر قسم اُٹھاتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میرے علم میں 1901ء سے لے کر 1908ء تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی عقیدہ تھا کہ ان کا نہ ماننے والا بھی مسلمان اور دائرہ اسلام میں ہے اور ان کا منکر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں۔ اور میرا بھی یہی عقیدہ 1901ء سے لے کر آج تک بر بنائے عقیدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہے''۔ خاکسار محمد علی۔ 22 رمضان 1363ھ

میرے اس حلف کی اشاعت کے بعد بھی میاں صاحب نے حلف نہ اُٹھائی۔ ان کی اپنی جماعت کہتی ہے کہ ان کا یہ گریز ان کی جماعت کی ہار کی مترادف ہے۔ لیکن وہ حلف نہیں اُٹھاتے۔ تو جس عقیدہ پر ساری جماعت میں سے ایک آدمی بھی حلف اُٹھانے کے لئے تیار نہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اس عقیدہ کا موجد حلف اُٹھانے کو تیار نہیں اور اپنی جماعت کی ہار ماننے کو تیار ہے، کیا وہ عقیدہ زندہ ہے؟ وہ عقیدہ تو مر چکا۔ میں تو دو دفعہ حلف اُٹھا کر اس معاملہ کو انتہاء تک پہنچا چکا!

باایں سیٹھ عبداللہ الہ دین یہ اشتہار دے رہے ہیں کہ:

> ''مولوی محمد علی صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب مجدد و مسیح ہیں مگر

نبی نہیں اور نہ ان کے انکار سے کوئی کافر ہو سکتا ہے اور یہی عقیدہ حضرت مرزا صاحب کا تھا۔ ہم نے ان کو چیلنج دیا کہ آپ اپنا یہ عقیدہ ایک پبلک جلسہ میں حلفاً بیان کرو ہم آپ کو اسی جلسہ میں نقد 5000 روپیہ انعام دیں گے اور آپ پر اس غلط عقیدہ اور جھوٹے حلف کی سزا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک سال کے اندر کوئی عبرت ناک عذاب، جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو، نہ آیا تو مزید 5000 روپے انعام دیا جائے گا مگر وہ سالہا سال سے یہ چیلنج ٹالتے ہی رہتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ان کو اس پر آمادہ کریں گے تو ان کو بھی اسی جلسہ میں نقد پانچ ہزار روپیہ دیا جائے گا'' (الفضل 26 اکتوبر 1946ء)

یہی اعلان انہی الفاظ میں الفضل کے کئی پرچوں میں بار بار شائع ہوا اور لگا تار شائع ہو رہا ہے۔ میں نے 1946ء میں سکندر آباد کے جلسہ میں اس بات کا اعلان کیا کہ جن مسائل میں ہمارا اختلاف ہے۔ ان پر میں دو دفعہ حلف اُٹھا چکا ہوں۔ میاں صاحب کیوں حلف نہیں اُٹھاتے۔ مگر با ایں جماعت قادیان نے اور سیٹھ صاحب نے یہ سمجھ کر کہ ہمارے چیلنج کا اس کے سوائے اور کوئی جواب وہ نہیں دے سکتے، نہ وہ بحث کر سکتے ہیں، گو اس بحث میں ثالث بھی صرف انہی کی جماعت کے لوگ ہوں، نہ اپنے عقیدہ پر حلف اُٹھا سکتے ہیں نہ مباہلہ کرتے ہیں، اس اعلان کو جاری رکھا۔ جس پر شیخ انعام الحق صاحب کے لکھنے پر پھر اتمام حجت کی خاطر میں نے حلف اُٹھانے پر آمادگی ظاہر کی۔ اور خود انہی کے منقولہ بالا الفاظ میں مَیں نے قسم کا مسودہ لکھ کر شائع کر دیا۔ جو یہ ہے:

''مَیں محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور اس بات پر حلف اُٹھاتا ہوں کہ میرا عقیدہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب قادیانی مجدد اور مسیح موعود ہیں مگر نبی نہیں۔ اور نہ ان کے انکار سے کوئی شخص کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو سکتا ہے اور یہی عقیدہ حضرت مرزا صاحب کا تھا''

اس پر سیٹھ صاحب نے شیخ انعام الحق صاحب کو لکھا کہ یہ حلف مؤکد بعذاب نہیں۔ میں نے

اس پر یہ بھی لکھ دیا اور شائع کر دیا کہ میں اس حلف کو مؤکد بعذاب کرتا ہوں۔ اور اس کے لئے حسب ذیل الفاظ بھی شائع کر دیئے:

''اے خدا اگر میں نے تیرا نام لے کر اس قَسم کے کھانے میں جھوٹ بولا ہے تو تُو اپنی طرف سے ایسی عبرتناک سزا مجھ پر بھیج جس میں انسانی ہاتھ کا کوئی دخل نہ ہو اور جس سے دنیا سمجھ لے کہ خدا کی جھوٹی قسم کھا کر مخلوق خدا کو دھوکہ دینے والوں پر خدا تعالیٰ کی گرفت کیسی سخت اور دردناک ہوتی ہے''

اب سیٹھ صاحب تو خاموش ہیں۔ اور دوسرے لوگ ان کی وکالت کر رہے ہیں۔ جو کسی کا دل چاہتا ہے لکھ دیتا ہے۔ ایک صاحب نے بڑی جرأت سے یہ لکھ دیا ہے کہ میں نے جن الفاظ میں حلف اُٹھائی ہے وہ سیٹھ صاحب کے لفظ نہیں۔ حالانکہ میں نے سیٹھ صاحب کے الفاظ میں، جو وہ بار بار الفضل میں مشتہر کر رہے ہیں، ایک لفظ تک کم و بیش نہیں کیا۔ سب کے سب الفاظ انہی کے ہیں اور خود ہی انہوں نے اس اشتہار کو اپنے رسالہ کے قائم مقام ٹھہرایا ہے۔ ویسے بھی ان میں اور ہم میں مسائل اختلافی بھی دو ہیں۔ جن کا اس حلف میں ذکر ہے۔ کیا حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعوٰی کیا اور وہ نبی ہیں۔ کیا ان کو نہ ماننے والے کافر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ باقی جہاں تک ان کے رسالہ کے الفاظ کا سوال ہے اس میں کچھ فرضی باتیں ہیں۔ اور ایسی باتیں ہیں جو میرے یا ان کے عقائد کے خلاف ہیں۔ اور یہ وہ بات ہے جو سکندر آباد میں مولانا صدرالدین صاحب نے سیٹھ صاحب کے ایک دو عزیزوں کو صاف کر کے سمجھائی بھی تھی کہ تم اس رسالہ کے اندر ایسی باتیں درج کرتے ہو جن کا وجود کوئی نہیں۔ اور جن کو ہم صحیح نہیں مانتے۔ ان پر حلف کا مطالبہ کیوں کرتے ہو۔ لیکن اگر نیت اچھی نہ ہو تو انسان کے لئے گریز کی راہ نکالنا مشکل نہیں۔ اس قسم کی چالا کی ایک مذہبی گروہ کے لئے موزوں نہیں۔ یہ لفظ سخت ہے مگر مجھے افسوس ہے کہ میں سیٹھ صاحب اور ان کے ساتھیوں کی اس کارروائی کا اور کوئی نام نہیں رکھ سکتا۔ حلف کے الفاظ سیٹھ صاحب کے اپنے ہیں میرے نہیں۔ انہیں الفاظ میں ان کا اشتہار ہے۔ اتمام حجت کے لئے میں نے ان کی باتوں کو بھی مان لیا۔ لیکن جن لوگوں نے حضرت مسیح موعود کی تحریروں کو پس پشت پھینک رکھا ہے۔ ان سے اور توقع بھی کیا ہو سکتی ہے۔ خدا کا خوف دلوں میں ہوتا تو حضرت مسیح موعود کی صاف

تشریحات، کہ لفظ نبی جو میری تحریر میں آیا ہے اس سے مراد محدث ہے، اس سے مراد لغوی معنی ہیں، یوں رد نہ کیا جاتا۔ میں نے اس پر حلف اُٹھائی کہ حضرت مسیح موعود اس تشریح پر آخر تک قائم رہے۔ مگر قادیانی جماعت کا ایک فرد نہیں جو حلف اُٹھائے کہ حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا۔ میں نے مباحثہ کے لئے بلایا اور ان کی اپنی جماعت کے آدمیوں کو ثالث بنانے پر رضا مندی کا اظہار کیا۔ مگر وہ پھر بھی نہیں مانتے۔ میں نے مباہلہ کے لئے بلایا۔ مگر وہ نہیں مانتے۔ بلا شرط مباحثہ کے لئے بھی دعوت دی۔ مگر جواب ندارد۔

میں ان دوسرے مسلمانوں کو بھی جو جماعت میں نہیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس سے ان کو سمجھ آ جانی چاہئے کہ نبوت کا دعوٰی جو حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کیا گیا وہ غلط ہے۔ جب اس عقیدہ کے منسوب کرنے والے نہ بحث کرنے کے لئے تیار ہیں نہ حلف اُٹھانے کے لئے، تو ظاہر ہے کہ ان کا خیال صحیح نہیں۔ مجھ سے جس حلف کا مطالبہ کیا گیا وہ حلف میں اُٹھاتا ہوں، تو ایک اور حلف نامہ پیش کر دیتے ہیں جو میرے عقائد کے اور واقعات کے خلاف ہے میں اپنے عقائد کے خلاف حلف نہیں اُٹھا سکتا۔ اور پھر کہتا ہوں کہ خدا کا خوف کرو۔ اور وہ بات حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب نہ کرو جس کا ادنیٰ ثبوت بھی تم بہم نہیں پہنچا سکتے۔

☆

15 جنوری 1947ء

جسمانی و روحانی ربوبیّت

تقریر حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ جلسہ سالانہ مؤرخہ 26 دسمبر 1946ء

سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ یہ سورۃ جو آپ دن رات نماز میں پڑھتے ہیں اور اس کا یہ چھوٹا سا مختصر جملہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1:1) ہے جس کے معنی ہیں سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا اور تمام قوموں کا پالنے والا ہے۔ میرا خیال ہے کہ سب تعلیم یافتہ مسلمان اس جملہ کے معنی یہ سمجھتے ہوں گے۔ وہ ایک ملک اور ایک قوم کا پالنے والا نہیں اس ساری دنیا کا پالنے والا ہے بلکہ ساری کائنات کا پالنے والا ہے۔ لیکن اس میں جو دو باتیں پائی جاتی ہیں ان کے متعلق میں آپ کو تھوڑی سی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ فقرہ ایسا ہے کہ کسی مذہب وملت کے آدمی کو اس کے دوہرانے میں دقت نہیں محسوس ہوتی ہوگی۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور ہر ایک صحیح الفطرت انسان کے دل سے یہ فقرہ نکلتا ہے کہ ایک خدا ہے جو صرف میرا پالنے والا نہیں بلکہ ساری کائنات کا پالنے والا ہے۔ اگر انسان سچے دل سے اس فقرہ کو دہرائے تو اس کے دل میں یہ وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ ساری نسل انسانی گویا ایک کنبہ ہے۔ دنیا میں بہت لوگ اپنی تنگی دل کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ ہمارے خدا نے ہمیں پہلا جملہ جو سکھایا وہ انسان کے دل میں ایسی وسعت پیدا کر دیتا ہے جس سے اس کی تمام مشکلیں دور ہو جاتی ہیں۔ ہمارا خدا ایسا ہے جو رب العالمین ہے۔ یہ ایک ایسی دائمی حقیقت ہے جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ کسی زمانہ میں جب قومیں اپنے اپنے ملکوں میں الگ الگ پڑی ہوئی تھیں ایک ملک کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ خدا ہمارا ہی خدا ہے۔ لیکن آج جبکہ ملکی قیود کی کوئی حیثیت نہیں رہی اور ساری دنیا مل کر ایک ہو گئی ہے اور ایک شہر کی طرح بن گئی ہے تو آج بلا شبہ لوگ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ایک ملک میں جو لوگوں کے پالنے کا سامان رکھے ہیں، دوسرے ملک میں بھی پالنے کے وہی سامان رکھے ہیں۔ اور کسی ملک کو ان سامانوں سے محروم نہیں کیا۔ یہ جملہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1:1) ایسا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں ایک محاورہ بن چکا ہے۔ اور ایک مسلمان کے منہ سے بیساختہ بھی یہ فقرہ نکل جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر یہ اعلان کیا کہ ساری

نسل انسانی گویا ایک ہی کنبہ ہے اور ایک ہی خدا ان کا پالنے والا ہے۔

خدا تعالیٰ کی روحانی ربوبیت: دوسری بات جس کے متعلق میں اس وقت توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ ایسی بات ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس کو نہیں سمجھا۔ جہاں تک انسان کی جسمانی پرورش کا سوال ہے انسان کی جسمانی پرورش بھی اسی طرح ہے جس طرح کہ عام حیوانوں کی جسمانی پرورش ہے۔لیکن اس فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا منشاء صرف یہ نہیں کہ وہ خدا ہمیں صرف جسمانی پرورش کے سامان دیتا ہے بلکہ اس کا اشارہ خدا تعالیٰ کی روحانی ربوبیّت کی طرف بھی ہے۔ابھی تک انسان اس روحانی عالم کو پورے طور پر سمجھنے کے قابل نہیں ہوا۔خدا تعالیٰ نے انسان کی اس روحانی ربوبیت کے لئے ہر ملک اور ہر قوم میں پیغمبر بھیجے۔انسان کی جسمانی ربوبیت کی طرح روحانی ربوبیت کا سلسلہ بھی عام رہا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ'' (24:35) ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گذر چکا۔یعنی ہر ایک ملک میں روحانی تعلیم دینے والے برابر آتے رہے اور تمام لوگوں کو انہوں نے خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے رستہ دکھایا۔لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی توجہ اس روحانی ربوبیت کی طرف بہت کم رہ گئی ہے اور جسمانی پرورش کی اشیاء کی طرف انسانوں کی توجہ بہت ہی زیادہ ہے۔اور یہ توجہ ساری دنیا پر غالب آ گئی ہے جس سے ساری انسانیت دکھ اور عذاب میں مبتلا ہو گئی ہے۔

لوگوں کی روٹی کا فکر کرنا یہ بھی ایک اچھا نصب العین ہے۔اپنی روٹی کا فکر تو ایک چھوٹے سے چھوٹا کیڑا بھی کر لیتا ہے اور اس کے لئے سامان بھی موجود ہیں لیکن دوسروں کی روٹی کی فکر کرنا یہ بہت بلند مرتبہ ہے۔جو لوگ دنیا میں ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے دوسروں کی روٹی کی فکر کی ہے وہ عام انسانوں سے بلند انسان ہوتے ہیں۔مگر میں آپ کو ایک اور حقیقت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ان انسانوں سے بلند بھی ایک انسانوں کا طبقہ ہے۔جو انسانوں کی روٹی کے فکر کے ساتھ ان کی روح کی بھی فکر کرتے ہیں اور انہیں فکر ہوتی ہے کہ انسان کس طرح اچھے انسان بن جائیں۔لوگوں کے اخلاق کس طرح بلند ہوں۔ان کا تعلق خدا تعالیٰ سے کس طرح پیدا ہو۔یہ ایک طبقہ انسانوں کا گذرا ہے۔اور ہم

مسلمانوں کے اعتقاد کی رو سے ہی نہیں تاریخ کی رو سے بھی اس طبقہ کا آخری انسان، جس نے انسانوں کی روٹی کی بھی فکر کی اور روح کی بھی فکر کی، وہ عظیم الشان انسان جس نے دنیا میں مسلّم طور پر سب سے بڑا انقلاب روحانی پیدا کیا اور انسان کی ترقی کے سارے راستے کھولے، یعنی محمد مصطفیٰ صلعم۔ اس لئے ہم آپ کو خاتم النّبین بھی کہتے ہیں کیونکہ آپ طبقۂ انبیاء کے آخری فرد ہیں۔ اور آپ نے انسانوں کے متعلق روٹی اور روح کی فکر کو کمال تک پہنچایا۔

آنحضرت صلعم کی زندگی کے پہلے چالیس 40 سال: اس وقت آپ کی عمر چالیس 40 سال کی تھی جب آپ کو لوگوں کی روحانی اصلاح کا حکم ملا۔ لیکن جو شخص آپؐ کی حیات طیبہ کے حالات سے واقف ہے اس کو یقیناً معلوم ہوگا کہ آپ کی زندگی کے پہلے چالیس سال انسانوں کی روٹی اور جسمانی ضروریات کی فکر میں گذرے۔ اور وہ اس حد تک پہنچے ہوئے تھے کہ آپ کے متعلق تمام ملک عرب میں یہ بات مسلم تھی کہ آپ یتیموں اور بیواؤں کی جائے پناہ ہیں۔ ایک موقعہ پر آپ کے دشمن آپ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے جن کی وجہ سے آپ کے دشمن آپ کو قتل نہ کر سکتے تھے کہ محمد صلعم کو ہمارے سپرد کردو اور ہم تمہیں اچھے سے اچھا نوجوان دے دیتے ہیں۔ جس کو تم اپنا بیٹا بنالو تو اس موقعہ پر ابوطالب نے کچھ اشعار آپ کے متعلق کہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے:

وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقٰى الْغَمَامُ بِوُجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عُصِمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

یعنی اس کے منور چہرہ کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ وہ ایسا کریم اور شریف ہے کہ وہ یتیموں کا حامی ہے اور بیوگان کا ملجا و ماؤی ہے۔

حضرت خدیجہؓ کی شہادت: ایک اسی قسم کی شہادت حضرت خدیجہؓ کی جو آپؐ کی رفیقۂ حیات تھیں، ہے۔ آنحضرت صلعم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ رسالت کی ذمہ داری سے بہت خوفزدہ ہوئے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے۔ اور ان سے سارا ماجرا بیان کر کے فرمانے لگے لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِىْ مجھے اپنے نفس پر خوف ہے کہ میں اتنی بڑی ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہوں گا تو اس کے جواب میں حضرت خدیجہؓ نے فرمایا كَلَّا وَاللّٰهِ وَلَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحْمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتُقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَآئِبِ الْحَقِّ اللہ کی قسم

اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور ناتوان کا بوجھ اُٹھاتے ہیں اور جن کے پاس کچھ نہیں انہیں کما کر دیتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور حادثوں میں حق کی مدد کرتے ہیں۔

ان الفاظ میں حضرت خدیجہؓ آپ کو تسلی دیتی ہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم صرف اس بات پر قانع نہیں تھے کہ لوگوں کی روٹی کی فکر پر ہی اکتفا کر لیں۔ آج کسی قوم کو دیکھ لو جو لوگ اپنی قوم میں عام انسانوں سے اوپر اُٹھتے ہیں وہ صرف انسانوں کی روٹی کی فکر کرنے والے ہوتے ہیں اور اس بات کو اپنا بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے لوگوں کی روٹی کا انتظام کر دیا۔ مگر یہ عظیم الشان انسان جو یتیموں اور بیواؤں کا حامی ہے وہ لوگوں کی روٹی کا انتظام کر کے یہ نہیں سمجھتا کہ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے بلکہ اس کے دل میں ایک گہری تڑپ ہے۔ اور وہ غاروں میں جا کر خدا تعالیٰ کے حضور گرتا ہے کہ اے خدا مجھے راستہ دکھا کہ میں انسانوں کی روحانی اصلاح کروں اور ان کے اخلاق کو بلند کروں۔ وہ جب دیکھتا ہے کہ دنیا میں زنا کاری ہے چوری اور ڈاکہ ہے جھوٹ اور فریب پھیلا ہوا ہے تو اس کا دل دکھتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ کیوں انسان اس سیدھے راستہ پر نہیں آتے اور کیوں وہ خدا کے ساتھ تعلق پیدا نہیں کرتے۔ اسی تڑپ اور درد کو لے کر وہ غاروں میں جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے۔ اے خدا انسانوں کی اصلاح کے لئے مجھ پر راستہ کھول۔

محمد رسول اللہ کا مقام اور آپؐ کے پیروؤں کا فرض: محمد صلعم کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ ماں کے پیٹ سے ہی محمد پیدا ہوئے اور چالیس سال تک اس بلند مقام پر رہے کہ اپنی روٹی نہیں دوسروں کی روٹی کا فکر کریں۔ مگر محمد صلعم کے لئے ابھی رسول اللہ کا بلند مرتبہ اور باقی تھا۔ آپ کی اس تڑپ کو کہ لوگوں کی روحانی اصلاح ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت کے مقام پر کھڑا کر کے پورا کیا۔ آپ محمد سے اب محمد رسول اللہ ہو گئے اور ہم محمد رسول اللہ صلعم کے پیرو ہیں۔ اور ہمارا کام یہ ہے انسانوں کی روحانی ضروریات کو ان کی جسمانی ضروریات پر ترجیح دیں۔ یہی اصل مقام ہے محمد رسول اللہ صلعم کے پیروؤں کا۔ خوب یاد رکھئے کہ دنیا ہمیشہ اسی مادہ پرستی کی حالت میں نہیں رہے گی۔ گو آج دنیا کی توجہ اسی طرف ہے کہ انسانوں کی جسمانی آسائش کے سامان کیسے بڑھائے جائیں۔ انسانوں کے جسم کیسے ڈھکے جائیں۔ انسانوں کی جسمانی تکلیفیں کیسے دور کی جائیں۔ مگر صرف یہ چیزیں انسان کے لئے کافی نہیں۔

ہیں انسان کے پہلو میں جو دل رکھا گیا ہے اس کے اندر صرف انہی چیزوں سے راحت پیدا نہیں ہوتی۔ بیشک غور سے دیکھو۔ صرف ان چیزوں کی فراوانی سے کسی قوم کے اندر راحت نہیں پیدا ہوئی بلکہ ان کی افراط سے راحت کی بجائے دکھ پیدا ہوا آگ پیدا ہوئی۔

دنیا بغیر روحانی بنیادوں کے قائم نہیں رہ سکتی: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں جس بات کی تعلیم دی گئی ہے وہ انسانوں کی روحانی ربوبیت ہے۔ اور جس کے متعلق ہماری جماعت کو بھی اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ انسانوں کی اصل اصلاح جو ہے وہ ان کی روحانیت اور اخلاق سے تعلق رکھتی ہے۔

میں بتانا چاہتا ہوں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کو اس مقام پر پہنچانا چاہتا ہے جہاں نہ صرف وہ جسمانی لحاظ سے کمال کو پہنچ جائیں بلکہ ان کی روحانی اور اخلاقی حالت بھی انتہائی بلندی کو پہنچ جائے۔ بہت سے لوگوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہایت مشکل کام ہے بلکہ ناممکن کام ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ جوں جوں انسان سائنس میں ترقی کر رہا ہے توں توں وہ اخلاق اور روحانیت میں گرتا چلا جا رہا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی خدا تعالیٰ کی منشاء یہ ہے کہ دنیا کی روحانی اصلاح کرے تو ساری دنیا الٹے راستے پر کیوں چل رہی ہے۔ اور اکناف عالم میں فسق و فجور انتہاء کو کیوں پہنچ گیا ہے۔ کیا ان حالات میں بھی آپ خدا کی روحانی ربوبیت کے قائل ہیں۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ بات درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری نگاہ باریک نہیں۔ جہاں دنیا اخلاقی لحاظ سے گر چکی ہے وہاں اندر ہی اندر گہرائیوں میں ایک اور رو چل رہی ہے اور باریک بین انسانوں کی نگاہ اس حقیقت تک پہنچ چکی ہے کہ یہ دنیا بغیر روحانی بنیادوں کے قائم نہیں رہ سکتی۔

بشپ بارن کا خطاب اور ایک روسی مفکر کے خیالات: ابھی حال ہی میں اسی شہر لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کی کانووکیشن میں بشپ بارن نے طالب علموں کو خطاب کیا اور کہا کہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں روحانیت کی رو ایک لا علاج چیز ہے۔ اور اس لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ مستقبل میں یہ ملک روحانیت کو مادی حملوں سے بچانے کا ایک بڑا ذریعہ ہوگا۔ ہم مغرب کے لوگ مشرق سے امید رکھتے ہیں کہ روحانی اعتبار سے مشرق ہماری اصلاح کرے گا اور دنیا کی اصلاح

صرف روحانیت کو اختیار کرنے میں ہے۔ چنانچہ آج سے چالیس سال پیشتر روسی مفکر اوس پنسکی OUSPENSKY نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام THE NEW MODEL OF UNIVERSE ''کائنات کا نیا نمونہ'' ہے۔ اس مذکورہ کتاب میں اس روسی مفکر نے لکھا ہے کہ پچاس سال کے اندر اندر دنیا سائنس میں حیرت انگیز ترقی کرے گی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ جہاں اس نے سائنس میں ترقی کے متعلق یہ پیشگوئی کی ہے کہ دنیا بہت ہی ترقی کر جائے گی وہاں اس نے ایک اور پیشگوئی بھی کی ہے کہ اس عرصہ میں دنیا میں ایک روحانی بیداری بھی پیدا ہو جائے گی اور انسانوں کے لئے سائنس کی ترقی اسی وقت مفید ثابت ہوگی جب انسانوں کے روحانی قواء بھی اسی نسبت سے بیدار ہو جائیں گے۔ روسی مفکر اوس پنسکی کی اسی پیشگوئی کا ذکر کر کے بشپ بارن کہتے ہیں کہ بین الاقوامی سمجھوتوں کے لئے بڑی کوشش ہو رہی ہے مگر اس کے باوجود انسانی قلوب میں یہ احساس موجود ہے کہ اس زمین پر مہذب زندگی کے خاتمہ کی بربادی جلد آنے والی ہے اور پھر کہتے ہیں کہ انسان کا روحانی احساس انسانی زندگی کے عجائبات میں سے ایک عجوبہ اور اس کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ یہ لاکھوں سالوں سے ترقی کرتا چلا آیا ہے مگر اب تمام مشرقی اور مغربی فلسفوں نے اس کو تسلیم کر لیا ہے یہ سب ارتقاء نسل انسانی کا حصہ ہے۔ آج واقعی ہم دیکھتے ہیں کہ بغیر روحانیت کے یہ علمی ترقی انسانوں کو تباہی اور بربادی کی طرف لئے جا رہی ہے۔ اس جنگ نے باوجود سائنس کی ترقیات کے دنیا میں بہت تباہی کی ہے۔ اور اس کے بعد جو جنگ آئے گی وہ شاید دنیا کی مکمل تباہی کا موجب ہو۔ اور بغیر دنیا میں روحانی بیداری پیدا کرنے کے اس تباہی سے اسے نہیں بچایا جا سکتا۔

آپ شاید یہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم کمزور انسان دنیا کی اصلاح کس طرح کر سکتے ہیں۔ لیکن خوب یاد رکھئے کہ آپ کے ہاتھوں میں خدا تعالیٰ نے ایسی طاقت دی ہے جس نے پہلے بھی دنیا میں روحانی انقلاب پیدا کیا اور دوبارہ بھی وہ طاقت انقلاب پیدا کر کے رہے گی۔ اور وہ ایسی طاقت ہے کہ جس کے متعلق دنیا کے مفکرین نے یہ گواہی دی ہے کہ اس کے مقابل کی کوئی دوسری روحانی طاقت آج تک دنیا میں پیدا نہیں ہوئی۔ لوگ متمنی ہیں کہ سائنس کی ترقیات کو صحیح معنوں میں دنیا کے لئے مفید بنایا جائے۔ لیکن دنیا کو وہ چیز نظر نہیں آتی۔ جس سے یہ انقلاب پیدا ہو۔ مگر وہ قرآن مجید ہے جس سے دنیا

کے اندر یہ روحانی انقلاب پیدا ہوسکتا ہے۔ خواہ کسی مذہب وملت کا فرد ہو وہ قرآن مجید کو پڑھ لے اور اس انقلاب کی تاریخ کو بھی پڑھ لے جو اس نے دنیا میں پہلے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ صرف قرآن مجید کے ذریعہ ہی دنیا کی روحانی اصلاح ہوسکتی ہے۔ جو انقلاب قرآن مجید نے پیدا کیا اس کی کوئی دوسری نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ چنانچہ مختلف قوموں کے مفکرین نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ میں اس وقت ان مصنفین کی کتب سے حوالے پیش نہیں کرسکتا۔ آپ میں سے ہر ایک شخص خود ان کو پڑھ سکتا ہے۔ میں اس وقت صرف آپ کو یہ خوشخبری سنانا چاہتا ہوں کہ دنیا میں روحانیت کے لئے ایک تڑپ پیدا ہو چکی ہے۔ اور قرآن مجید میں آج بھی طاقت ہے کہ وہ فسق وفجور میں ڈوبی ہوئی دنیا کی اصلاح کرے۔ آج دنیا کی وہی حالت ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں تھی۔ قرآن مجید نے اگر اس وقت دنیا میں روحانی انقلاب پیدا کیا تو وہ آج بھی روحانی انقلاب پیدا کرسکتا ہے۔

غلبۂ اسلام کے متعلق آنحضرت صلعم کی پیشگوئی: لوگ صرف مغربی مفکرین کی پیش بینیوں کو پڑھ کر خوش ہو جاتے ہیں۔ مگر میں آپ کو محمد رسول اللہ صلعم جیسے روحانی انسان، جن کی کشفی نگاہ اتنی دور پہنچ گئی ہوئی تھی کہ آپؐ نے دنیا کی آج کی حالت کو دیکھ لیا تھا۔ قرآن مجید کے اس انقلابی اعجاز کے متعلق آپؐ کی ایک پیشگوئی سناتا ہوں۔ **انّ ربیّ زوی لی الارض فاریت مشارقھا و مغاربھا و انّ امتی سیبلغ مازوی لی منھا واعطیت الکنزین الاحمر والابیض (حدیث)** میرے رب نے زمین کو میرے لئے سکیڑ دیا اور اس کی مشرقی اور مغربی زمینیں مجھے دکھائی گئیں اور میری امت کی بادشاہت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین مجھے سکیڑ کر دکھائی گئی ہے اور مجھے دو خزانے دیئے گئے ہیں ایک سرخ اور ایک سفید۔ تو یہ بات، کہ اسلام دنیا پر غالب آئے گا، محمد رسول اللہ صلعم کے اقوال اور قرآن مجید سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ** (33:9) یعنی وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے اسلام کے رنگ میں آخری روحانی طاقت اس لئے بھیجی ہے تا کہ یہ تمام دنیا پر غالب آئے۔ آنحضرت صلعم کی پیشگوئی کو تاریخ کی روشنی میں بھی دیکھ لیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ سرخ اور سفید دو خزانے مجھے دیئے گئے۔

اس سے مراد مشرق و مغرب کی قومیں ہیں۔ پہلے اسلام مشرق میں قائم ہوا۔ مشرق میں اس کا بیج بو دیا گیا ہے۔ اس نے ترقی کی اور وہ اور ترقی کرے گا۔ مگر کس طرح ترقی کرے گا۔ یہ مسلمان کہلانے والے تاریخ اسلام کو پڑھیں اور دیکھیں کہ محمد رسول اللہ صلعم اسلام کو ترقی دینے کے لئے کیا کام کرتے تھے اور انہیں اس زمانہ میں کیا کام کرنا چاہئے۔ مگر مغربی سرزمینوں میں ابھی اسلام کا بیج بھی نہیں بویا گیا۔ اور یہی وہ سرزمینیں ہیں جہاں تمہیں اسلام کا بیج بونا ہے۔

حضرت امام وقت کے دل کی تڑپ: محمد رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ اسلام مشرق و مغرب میں غالب آئے گا۔ اور اس زمانہ میں بھی ایک مجدد اُٹھا جس نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر کہا کہ آنخضرت صلعم کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آ پہنچا ہے اور اسلام مغرب میں بھی اسی طرح پھیلے گا اور غالب آئے گا جیسا کہ وہ مشرق کی سرزمینوں میں پھیلا اور غالب آیا۔ حضرت مرزا صاحب کا نام آتے ہی مسلمانوں کے دلوں میں ایک قبض پیدا ہو جاتی ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے کونسا ایسا کام کیا ہے۔ ان کا قصور صرف یہ ہے ان کے قلب میں اسلام کے متعلق وہی غم پیدا ہوا جو محمد رسول اللہ صلعم کے دل میں تھا۔ آپ کے دل میں یہی غم تھا کہ اسلام دنیا میں کس طرح پہنچے۔ اس درد اور تڑپ کا اظہار آپ نے بار بار کیا ہزاروں مرتبہ کیا۔ ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں ؎

بینم کہ ہر یکے بہ غمِ نفس مبتلاست　　کس را غمِ اشاعت فرقاں بجاں نماند

میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر ایک اپنی نفسانی خواہشات کی فکر میں ہے اور کسی کو اشاعت قرآن کا خیال نہیں آتا۔ غور کر کے دیکھ لو کہ مسلمانوں کی تاریخ اس شعر میں لکھی ہوئی ہے یا نہیں۔ مسلمان قرآن کی اس قدر تلاوت کے باوجود قرآن کو دنیا میں پہنچانے کا نام نہیں لیتے۔ باقی دنیا کے سب کام کرتے ہیں مگر قرآن کو دنیا میں پہنچانے کا انہیں غم نہیں۔ پھر فرماتے ہیں: ؎

اے سید الوریٰ مددے وقت نصرت است　　در بوستاں سرائے توکس باغباں نماند

دنیا جہاں کے سردار میری مدد فرما کہ یہی نصرت کا وقت ہے۔ تیرے گلستان میں کوئی باغبان نہیں رہا جو اس کی آبیاری کرے۔

در خادماں نشینی و صد ناز میکنی　　انرا کہ سید است کس از خادماں نماند

تو تو خدمتگاروں میں بیٹھا ہوا سینکڑوں ناز وادا کرتا ہے اور وہ جو سردار ہے اس کا کوئی خادم نہیں۔

صد بار رقصہا کنم از خودی اگر بینم کہ حسن دلکش فرقاں نہاں نماند

میں صد بار خوشی سے رقص کروں اگر میں دیکھوں کہ قرآن مجید کا حسن دلکش نہاں نہیں رہا۔

اے بیخبر بخدمت فرقاں کمر بہ بند زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

اے حقیقت سے ناآشنا اُٹھ اور قرآن کی خدمت پر کمر بستہ ہو جا پیشتر اس کے کہ لوگ کہیں کہ فلاں نہیں رہا۔

یہ تڑپ تھی حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے دل میں تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے لئے۔ جس کے لئے مسلمان آپ کو برا کہتے ہیں اور ان کے پاس آنا اور ان کی جماعت میں داخل ہونا ایسا سمجھتے ہیں جیسا کہ کوئی جذامی کے پاس آ گیا۔ حضرت مرزا صاحب کے دل میں یہ غم تھا کہ کسی طرح قرآن مجید دنیا میں پہنچ جائے۔ میرے دوستو! تم نے حضرت امام وقت کا دامن پکڑا ہے۔ تمہیں اس کام کو اپنی پوری قوت کے ساتھ کرنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں بعد میں خیال آئے کہ حضرت مرزا صاحب کی بیعت بھی کی بدنام بھی ہوئے اور کام بھی کچھ نہ کیا۔ مسلمان اس کام سے بالکل غافل ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کو اتنا موقعہ ملا مگر انہوں نے بھی تبلیغ اسلام کے لئے کوئی کوشش نہیں کی۔ یہ تو فقیر تھے جو خدا کے دروازے کے گدا تھے۔ جن کے ذریعہ سے اسلام پھیلا۔ جن کی زندگی میں مسلمان ان کی مخالفت کرتے تھے مگر آج ان کی قبروں کو پوجتے ہیں۔ اور آج بھی حضرت امام وقت کے خیال کو بھی دھکے دیتے ہیں مگر خود قبریں پوج کر ٹکریں مارتے ہیں۔ ایسی قوم کو خدا تعالیٰ کی نصرت کس طرح ملے!

حضرت مرزا صاحب نے تبلیغ کے لئے جماعت کی بنیاد رکھی: حضرت مرزا صاحب کے دل میں اسلام کے لئے غیر معمولی غم تھا اور انہوں نے تبلیغ اسلام کے لئے ایک جماعت کی بنیاد رکھی۔ وہ شاعر نہیں تھے لیکن ذرا ان کے اشعار کو پڑھ کر دیکھو۔ کیا غم اور کیا کیفیت ان اشعار سے ٹپکتی ہے۔ جو شخص بھی ان کی صحبت میں جا کر بیٹھا اس کے دل میں تبلیغ اسلام کے لئے ایک آگ لگ گئی۔ آپ نے اس کام کے لئے ایک جماعت بنائی۔ خوب یاد رکھو جماعت میں بڑی طاقت ہے۔ اکیلا آدمی کچھ نہیں کرسکتا۔ اسلام کے کمالات میں سے یہ کمال ہے کہ جہاں اس نے انسانوں کو خدا کی طاقت سے آگاہ کیا وہاں یہ بھی

بتایا کہ انسانوں کے نظام میں بھی ایک زبردست قوت ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے **وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ** (37:1-4) گواہ ہیں صف باندھنے والی جماعتیں قطاروں میں پھر روکنے والی جماعتیں جو انسانوں کو بدیوں سے روکتی ہیں پھر نصیحت کی پیروی کرنے والی جماعتیں تمہارا معبود یقیناً ایک ہی ہے۔ یعنی فرمایا کہ یہ لوگ جو اللہ کے حضور صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ذکر الٰہی کرتے ہیں یہ آخر کار غالب ہوں گے اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں برباد نہیں کر سکے گی۔ یعنی یہ لوگ صفوں میں کھڑے ہو کر مساوی ہو جاتے ہیں اور ایک منظّم جماعت بن کر ایک زبردست قوت بن جاتے ہیں۔ خوب یاد رکھو جب تک تم ایک صف میں کھڑے ہو کر خدا کے راستہ میں قدم نہ مارو گے اس وقت تک تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ پھر مومنوں سے حکایت کرتا ہوا فرماتا ہے **وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ** (37:164-166) ہم میں سے ہر ایک الگ مقام رکھتا ہے مگر جب ہم خدا کے سامنے آتے ہیں تو صف باندھ کر آتے ہیں ایک ہی قطار میں کھڑے ہو کر آتے ہیں۔ اور ہم خدا کی تسبیح کرتے ہیں اس کا بے عیب ہونا دنیا پر ظاہر کرتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ بھی اب تک ایک صف میں کھڑے نہیں ہوئے۔ جس دن آپ سب قربانی کے لحاظ سے ایک صف میں کھڑے ہو جائیں گے تو خدا کی نصرتیں بارش کی طرح آپ پر برسیں گی۔ ایک مزدور جو چند پیسے کماتا ہے اور ایک تاجر لاکھوں کماتا ہے جب تک یہ دونوں ایک لائن میں کھڑے ہو کر قربانی نہ کریں گے اس وقت تک تمہیں حقیقی رنگ میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ تمہاری مالی قربانیوں میں صف بندی ہونی چاہیئے۔ میں اس لئے نہیں کہتا کہ میرا اس سے کچھ بن جائے گا۔ میں صرف تمہاری ہمدردی کے لئے کہتا ہوں کہ مال کی لعنت کو دل سے نکال دو۔ تمہارا نظام تم سے تقاضا کرتا ہے جو تم نے خود بنایا ہے اور جس میں تم نے مجھے کچھ اہمیت دی ہے۔ اور میں اس نظام کے احکامات تم تک پہنچاتا ہوں۔ دیکھو اگر واقعی تم قرآن مجید کو دنیا تک پہنچانا چاہتے ہو تو ایک صف میں کھڑے ہو جاؤ۔ تم میں سے جو شخص دس بیس ہزار روپیہ ماہوار کماتا ہے، وہ بھی اسی حساب سے دے، جس حساب سے ایک غریب جو پچاس روپے ماہوار کماتا ہے وہ دیتا ہے۔ غریب بڑی آسانی سے خدا تعالیٰ کے راستہ

میں دیتا ہے مگر جوں جوں انسان کا مال بڑھتا جاتا ہے تو اس کو یہ فکر پڑتی ہے کہ میں خدا کے راستہ میں اتنا دے دوں؟! میں کسی کے متعلق کچھ نہیں کہتا مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ بڑے بڑے مال دار لوگ ہمیں ٹالتے ہیں۔ میں خدا کے لئے کہتا ہوں۔ خدا کے سامنے تمہاری بریت کے لئے کہتا ہوں۔ اے مالداروں کے گروہ۔ آؤ تم بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑے ہو جاؤ۔ اور اپنی جماعت کی قدر کرو۔ وقت آئے گا کہ تمہیں اس جماعت کی ضرورت پڑے گی۔ اپنی جماعت کی قوت کو بڑھاؤ تا کہ وہ تمہارے لئے ایک جائے پناہ بن جائے۔ تمہارے نظام کا یہ حکم ہے کہ جس کی آمد پچاس روپے سے اوپر ہے، وہ ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے دے اور اگر اس سے کم ہے تو تین پیسے فی روپیہ یا دو پیسے فی روپیہ کے حساب سے دے۔

سامانہ کے ایک دوست کا قابل تقلید ایثار: دنیا میں اس وقت سخت رسہ کشی ہو رہی ہے۔ تم میں سے اگر تماشائی زیادہ ہیں اور رسہ کھینچنے والے تھوڑے ہیں تو ہمیں آج ان تماشائیوں کی ضرورت نہیں۔ یہاں میرا ایک سامانہ کا بھائی بیٹھا ہے۔ میں اس کو جب ملتا ہوں تو نہایت محبت سے ملتا ہوں۔ یہ گھاس کاٹ کر گذارہ کرتا ہے۔ نصف خدا کے راستہ میں دیتا ہے اور نصف اپنے بیوی بچوں کے لئے رکھتا ہے۔ جس دن ہماری ساری جماعت اس سطح پر آجائے گی کہ اس کے مالدار بھی اس کے غرباء کی طرح قربانیاں کریں اس دن میں سمجھوں گا کہ تم نے کامیابی کے راستہ پر قدم رکھ دیا۔

اے میرے دوستو! میں آپ سب سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ سب پختہ عہد کریں کہ خدا کے راستہ میں دیں گے اور اپنی آمدنیوں سے ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے دیں گے۔ میں بحیثیت مجموعی آپ سے اقرار چاہتا ہوں۔ اگر آپ ہم کو ٹھیک نہیں سمجھتے تو آپ ہمارا ساتھ چھوڑ دیجئے۔ یہ خدا کا کام ہے۔ یہ بہرصورت ہو کر رہے گا۔ آج اقرار کریں کہ ہم اس اصول کو پختہ طور پر اختیار کریں گے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی آمدنی کا حساب کر کے ایک آنہ فی روپیہ اس سے اس عظیم الشان جہاد کے لئے دے گا جو اس وقت ہم قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے کر رہے ہیں۔ اور نشان کے طور پر، کہ آپ نے پختگی سے اسے اختیار کر لیا ہے، آپ ہاتھ اُٹھائیں (حضرت امیر ایدّہ اللہ کے اس ارشاد پر ساری جماعت نے ہاتھ اُٹھائے۔ فاقل) میں تو ایک عاجز انسان ہوں۔ میں تو شاید ہل چلا رہا ہوتا۔ میرے

عزیز واقربا تو آج بھی ہل چلاتے ہیں۔ میرے اندر کوئی کشش نہیں۔ یہ کسی اور شخص کی کشش ہے جو کام کر رہی ہے۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی جگہوں پر پہنچ کر ایک دوسرے کی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ تا کہ ساری جماعت ایک صف میں کھڑی ہو جائے اور سب مل کر اور متحد ہو کر ایک جیسی قربانیاں کریں تا کہ آپ کی قربانیوں سے خدا تعالیٰ کا نام دنیا میں بلند ہو۔

جماعت کے دوست وصیت کریں: دوسری بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کا جب وہ وقت آ پہنچا اور آپ کو اطلاع ملی کہ کوچ کا وقت ہے تو آپ کو یہ فکر پڑی کہ میرے پیچھے اشاعت قرآن کس طرح ہوگی۔ تو آپ نے اس کام کو جاری رکھنے کے لئے ایک وصیت لکھی اور اپنی جماعت کے افراد کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی جائیداد کا کم از کم دسواں حصہ ضرور وصیت کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حضرت صاحب آج زندہ ہوتے تو دنیا کے موجودہ حالات کے مطابق اپنی جماعت کو شاید جائیداد کے تیسرے حصہ کی وصیت کرنے کا ارشاد فرماتے۔ وصیت کس کو کہتے ہیں؟ وصیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں کچھ روپیہ کما کر جمع کر لیا ہے کچھ جائیداد پیدا کر لی ہے تو آپ اس میں سے جہاں کچھ اپنے ورثاء کے لئے چھوڑیں وہاں کچھ حصہ خدا کے راستہ میں اشاعت اسلام کے لئے بھی وقف کریں۔ خوب یاد رکھو۔ یہ مال یہیں رہ جائے گا۔ کوئی اس میں سے ایک کوڑی بھی تمہارے ساتھ دفن نہیں کرے گا۔ تمہارا کوئی بیٹا ایسا احمق نہیں ہوگا کہ اس مال کو تمہارے ساتھ دفن کر دے۔ خوب یاد رکھو۔ قیامت کے دن خدا کے سامنے جب تمہارے اعمال کی پرسش ہوگی تو اس دن یہ بھی پوچھا جائے گا کہ تم نے خدا کے راستہ میں اپنے مال میں سے کیا دیا تھا۔

میں نے دفتر سے دریافت کیا کہ اب تک کتنے افراد نے وصیتیں کی ہیں تو مجھے معلوم ہوا کہ اس دو تین سال کی تحریک کے دوران میں صرف 140 آدمیوں نے وصایا کی ہیں۔ حالانکہ جماعت میں سے بہت سے لوگ ابھی باقی ہیں جن پر وصیت کرنا واجب ہے۔ بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہماری کوئی جائیداد نہیں ہم کیا وصیت کریں۔ حالانکہ بعض لوگوں کا ہزاروں روپیہ بطور پراویڈنٹ فنڈ کے جمع ہے اور اس میں سے وصیت کر سکتے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ نے جو وصیت کی تھی تو ہمیں وصیت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن ان دوستوں کو میں کہتا ہوں کہ باپ کے مال کے تو وارث بنتے ہو لیکن اس کے

روحانی ورثہ کو کیوں نہیں لیتے۔ اگر تمہارے باپ نے وصیت کی ہے تو تم پر اور بھی زیادہ حق ہو گیا ہے کہ تم بھی وصیت کرو۔ خوب یاد رکھو اسلام اس وقت سخت بے کسی کی حالت میں ہے۔ اسے تمہاری مالی قربانیوں کی اشد ضرورت ہے۔ آؤ اور اپنے مالوں کی وصیت کرو اور اس میں جلدی کرو اور وصیت کا کچھ حصہ فوراً ادا کرنے کی کوشش کرو۔ تا کہ اعلائے کلمۃ الحق کے کام کو تقویت ملے۔

میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ تمہارا روپیہ نہایت احتیاط سے استعمال ہوتا ہے۔ روپیہ کے استعمال کے ضمن میں میں صرف ایک بات تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ آج دو لاکھ روپیہ ایک کام پر لگا کر ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ اس سے ایک لاکھ روپیہ سالانہ پیدا کر لیں۔ یہ خدا کا کتنا بڑا احسان ہے تم اگر اپنی جماعت کو مضبوط بنانا چاہتے ہو تو وصیتیں کرو۔ ایک تہائی وصیت کرو۔ اور اگر ایک تہائی وصیت نہیں کر سکتے تو دسواں حصہ وصیت کرو اور کچھ حصہ اس کا ضرور اس وقت ادا کرو۔ اگر تمہارا روپیہ اس وقت آ جائے گا تو ہم اسے اس وقت خدا کے راستہ میں استعمال کرنے کے قابل ہو سکیں گے اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ تمہارے مال سے کس طرح خدا اور اس کے رسولؐ کا نام دنیا میں بلند ہوتا ہے۔ اگر آج دنیا میں کہیں خدا کے دین کی روشنی نظر آتی ہے تو وہاں ضرور اس جماعت کا کوئی آدمی ہوگا یا اس جماعت کا لٹریچر وہاں پہنچا ہوگا۔

تین تحریکیں: میں نے کچھ عرصہ سے تین تحریکیں آپ کے سامنے رکھیں ہیں۔ تراجم قرآن۔ ادارہ تعلیم قرآن اور وصایا کی تحریک۔ ان تین تحریکوں کو اپنے پیش نظر رکھیں۔ اگر تم ان تحریکات کو پیش نظر رکھو گے تو خدا تمہارے کام کرے گا اور دنیا میں بھی تمہیں کامیاب کرے گا۔ یہ نیکی کے کام ہیں۔ آپ خود بھی ان میں حصہ لیں اور دوسروں کو بھی اس طرف توجہ دلائیں۔ یہ تین تحریکیں ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں۔ یہ تمہارے ایسے کام ہیں جو ہمیشہ زندہ رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تحریکات میں حصہ لینے اور اپنے فرائض کو سمجھنے کی اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆

22 جنوری 1947ء

حضرت امیر کے قلم سے

ہمارے مطالبۂ حلف کا جواب
میاں محمود احمد صاحب کی طرف سے

میاں محمود احمد صاحب نے اپنے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر مطالبۂ حلف کا جو جواب دیا ہے اس کے الگ الگ تین حصے ہیں الفضل 28 دسمبر میں یہ چھپا ہے

پہلا تمہیدی حصہ۔ مطالبۂ حلف بمقابلہ مطالبہ حلف۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کا جواب جو انہوں نے اپنے مرید فیضی کو لکھا یہ تھا کہ:

''جب مولوی صاحب مجھ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں (یعنی حلف کا) تو لازماً ہماری طرف سے بھی اسی قسم کا مطالبہ ہوگا۔ ہاں یہ جائز نہ ہوگا کہ فریق مخالف دوسرے فریق کی طرف خود ساختہ عقائد منسوب کر کے حلف کا مطالبہ کرے۔ ہر فریق اپنے اپنے عقائد کا خود اعلان کرے گا۔ ہاں ایک فریق دوسرے کی تبدیلی عقائد کو ثابت کرنے کا مجاز ہوگا''۔

دوسرا حصہ مسئلہ متنازعہ فیہ۔ جس میں بتایا ہے کہ:

''مسئلہ متنازعہ فیہ یہ ہے کہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام 1901ء سے قبل نبوت کی اور تعریف کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس تعریف کی رو سے آپ کی نبوت ناقص ہے۔ لیکن جب خدا تعالیٰ کی متواتر وحی نے آپ کو بار بار نبی کے نام سے موسوم کیا تب آپ کو تفہیم ہوئی کہ نبی کی اور بھی تعریف کی جارہی ہے جس کی رو سے آپ نبی ہیں لیکن مولوی محمد علی صاحب کا عقیدہ اس سے مختلف ہے''

تیسرا حصہ حلف کے لئے آسان راہ

''اگر اخبارات کی بحث کو چھوڑ کر ہم اپنا ایک ایک نمائندہ بنائیں۔ مثلاً میں اپنی طرف سے چوہدری سر ظفر اللہ خاں کو پیش کرتا ہوں۔ وہ بھی ایک نمائندہ منتخب کر کے اپنی باتیں اس کے سامنے پیش کر دیں۔ اور میں بھی اپنی باتیں اپنے نمائندہ

کو بتا دوں گا۔ پھر وہ خود فیصلہ کر لیں کہ ہم نے کن باتوں پر حلف اٹھائی ہے۔
اس طرح ممکن ہے کوئی صورت نکل آئے‘‘

اب حصہ اول میں تو یہ لکھا ہے کہ ہر فریق اپنے اپنے عقائد کا خود اعلان کرے گا گویا 1914ء سے لے کر 1946ء تک جو بتیس 32 سال بحث ہوتی رہی اس میں فریقین نے ابھی تک اپنے اپنے عقائد کا اعلان ہی نہیں کیا۔ اور ہزار دو ہزار صفحات بغیر عقائد کے اعلان کے لکھ مارے۔ اب اعلان ہوگا تو شاید قیامت ہی آ جائے گی!

دوسرے حصہ میں مسئلہ متنازعہ فیہ خود بتا بھی دیا ہے کہ میاں صاحب 1901ء میں تعریف نبوت کی تبدیلی کے قائل ہیں۔ اوراس بات کے بھی قائل ہیں کہ نئی تعریف کی رو سے حضرت صاحب کا دعوٰی نبوت کا ہو گیا۔ اور آپ کا عقیدہ دوبارہ نبوت تبدیل ہو گیا۔ اور آنحضرت صلعم کے بعد نئے نبیوں کا آنا جائز ہو گیا۔ اور میرے متعلق بھی بتا دیا کہ میں اس تبدیلی کا قائل نہیں۔ تو پھر کسی مزید اعلان کی ضرورت کیا باقی ہے۔ میاں صاحب حضرت مسیح موعود کے 1901ء میں تبدیلی عقیدہ کے قائل ہیں۔ میں تبدیلی کا قائل نہیں۔ اسی پر حلف اُٹھانا ہے۔

تیسرے حصہ میں یہ مسئلہ پھر اتنا پیچیدہ ہو گیا کہ جب تک دو نمائندے مقرر نہ ہوں، ایک میاں صاحب کی طرف سے، دوسرا میری طرف سے اس وقت تک یہ پتہ ہی نہیں لگ سکتا کہ ہم نے کس بات پر حلف اٹھانا ہے۔ نہ یہ پتہ ہے کہ ہمارے عقائد کیا ہیں۔ اب پہلے ہم اپنے نمائندوں کو خفیہ طور پر بتائیں گے کہ یہ ہمارے عقائد ہیں تب ہمارے نمائندے ہمیں بتائیں گے کہ یہ تمہارے عقائد ہیں۔ تم نے ان پر حلف اُٹھانا ہے۔ کس قدر بات کو آسان کر دیا! شاید میاں صاحب کے نزدیک ہم بغیر اس امر کو جاننے کے کہ ہمارے عقائد کیا ہیں، جماعتوں کے رہنما بنے ہوئے ہیں! ان باتوں میں صرف دفع الوقتی نظر آتی ہے۔ ورنہ میاں صاحب اپنے عقائد کا اعلان 32 سال سے کر رہے ہیں اور ہم بھی اپنے عقائد کا اعلان 32 سال سے کر رہے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کا دعوٰی نبوت کا نہیں تھا۔ محدثیت کا تھا اور آپ آنحضرت صلعم کے بعد کسی نبی کے آنے کے قائل نہ تھے اور اس بات کے قائل تھے کہ آپ کے انکار سے کوئی شخص کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ میاں صاحب کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کا

عقیدہ 1891ء میں وہی تھا جو ہم کہتے ہیں۔ یعنی نبوت کا نہیں تھا۔ مگر 1901ء میں آپ نے تعریف نبوت میں تبدیلی کی اور اپنا عقیدہ تبدیلی کر لیا۔ یعنی دعویٰ نبوت کا کر دیا۔ اور آنحضرت صلعم کے بعد نبیوں کے آنے کے قائل ہو گئے اور اس بات کے بھی قائل ہو گئے کہ:

''کل مسلمان جو آپ کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے آپ کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''

اب شرعاً اور اخلاقاً حلف تو صرف میاں صاحب پر ہے۔ کیونکہ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابتداً حضرت مسیح موعود کا دعویٰ نبوت کا نہ تھا محدثیت کا تھا۔ اور ابتداً آپ یہی کہتے تھے کہ میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ لیکن 1901ء میں آپ نے دعویٰ تبدیل کر لیا اور محدثیت سے بڑھ کر نبوت کے مدعی ہو گئے۔ اور اپنے منکروں کو ہی نہیں اور مسلمانوں کو بھی کافر اور خارج از اسلام قرار دیا جو آپ کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ لیکن باایں میں بار بار حلف اُٹھانا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنا عقیدہ تبدیل نہیں کیا۔ اور میاں صاحب نے اب تک ایک دفعہ بھی یہ حلف نہیں اُٹھائی کہ 1901ء میں آپ نے اپنا عقیدہ تبدیل کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی میاں صاحب نے خود بھی اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا۔ بلکہ جب ان کے اپنے مریدوں نے بھی یہ لکھا کہ اگر انہوں نے (یعنی میاں صاحب نے) یہ حلف نہ اٹھائی تو ان کی ہار تسلیم ہوگی۔ تب بھی انہوں نے حلف نہ اُٹھائی۔

اب اگر اپنے نمائندے کے سامنے پیش ہوئے بغیر یا اس کی ترجمانی کیے بغیر میاں صاحب حلف نہیں اُٹھا سکتے تھے تو کافی تو یہ بھی تھا کہ وہ اپنے نمائندے سے جو چاہتے کہہ دیتے اور ان کا نمائندہ اس بات کا اعلان کر دیتا کہ میاں صاحب کا یہ عقیدہ ہے اور اس پر وہ حلف اُٹھانے کو تیار ہیں۔ لیکن اتمام حجت کے لئے، کہ صرف اتنی بات کو میاں صاحب گریز کا عذر بنالیں، میں ڈاکٹر غلام محمد صاحب کو اپنا نمائندہ مقرر کرتا ہوں۔ البتہ اس قدر صفائی میاں صاحب خود کر دیں کہ میری حلف موجود ہے۔ مجھ سے اور میاں صاحب کیا چاہتے ہیں۔ یا بالمقابل حلف مباہلہ ہے تو یہ بھی صاف کر دیں۔ اور یہ تو انہیں معلوم ہوگا کہ مباہلہ سے پہلے مباحثہ ضروری ہے۔ خاکسار محمد علی۔ 17 جنوری 1947ء

22 جنوری 1947ء

ارشاد حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ

اس وقت کا بہترین جہاد: 1- تبلیغ اسلام کے لئے اور قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے انجمن ہندوستان میں بھی اور باہر بھی تبلیغی مرکز قائم کر رہی ہے۔

2- یہ وہ جہاد ہے جس کے لئے حضرت مسیح موعود نے جماعت کی بنیاد رکھی۔

3- احمدی وہی ہے جو اس جہاد میں اپنی طاقت کے مطابق حصہ لیتا ہے۔

4- یہ حصہ ہمارے نظام نے اپنی آمدنی میں سے ایک آنہ فی روپیہ قرار دیا ہے۔ اور جائیداد یا مال کی وصیت، جو کم سے کم دسویں حصہ کی ہو، اور زیادہ سے زیادہ ایک تہائی کی۔

5- جماعتوں کے عہدیدار، اراکین مجلس معتمدین، لیکچرار، مبلغین اس سطح پر ساری جماعت کو لانے کی کوشش کریں۔

برلن مسجد کی مرمت: 1- برلن مسجد کی مرمت کے لئے ایک خاص اپیل شائع کی گئی ہے۔ جس میں مسجد کا فوٹو اور اس کی شکستہ حالت دونوں دکھائے گئے ہیں۔

2- ہر ایک دوست یہ نظر دوڑائے کہ اس کے ایسے احباب یا تعلق والے کتنے ہیں جن تک وہ اس اپیل کو اپنے خط کے ساتھ پہنچا سکتا ہے۔

3- اس قدر کاپیاں دفتر سے منگوا کر اپنے خط کے ساتھ ان احباب کو بھجوائے اور پھر ان کو یاددھانی بھی کرادے۔

4- ہر ایک دوست فروری کے آخر تک اس کام کی طرف خاص توجہ کرے۔

5- دجّالستان کے عین مرکز میں یہ خدا کا گھر اس وقت زبان حال سے مسلمانوں سے اپیل کر رہا ہے۔

6- جو احباب پسند کریں وہ متمول اصحاب (جو ان کے واقف ہوں) کے پتے دفتر میں بھجوا دیں۔ دفتر خود ان کو اپیل بھجوا دے گا۔

محمد علی

20 جنوری 1947ء

☆

29 جنوری 1947ء

حضرت امیر کے قلم سے

ایک نوجوان کا قابل تقلید نمونہ

شیخ انعام اللہ صاحب ہمارے ایک عزیز دوست شیخ مولا بخش صاحب مرحوم (وزیر آبادی) کے صاحبزادہ ہیں۔ وہ کچھ عرصہ لاہور میں بھی رہے ہیں۔ اور اس عرصہ میں ان کے اس اخلاص کو اور جوش کو دیکھ کر، جو انہیں تبلیغ اسلام سے تھا، میری ان سے محبت بڑھ گئی۔ لیکن مجھے بھی یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اپنے اخلاص میں اس قدر ترقی کر چکے ہیں جس کا نمونہ انہوں نے اب کوئٹہ جا کر دکھایا ہے۔ وہ خدا کے فضل سے ایک کامیاب تاجر ہیں۔ اور ابھی عین جوانی میں اللہ تعالیٰ نے انہیں مال بھی دے دیا ہے۔ ایک نوجوان جس کے سامنے دنیا بھر کی دلفریبیاں اور دل میں طرح طرح کی امنگیں موجود ہوں، بالخصوص جب خدا اسے مال بھی دیتا ہو، یہی آرزو رکھتا ہے کہ اپنی محبت سے اس مال کو اور ترقی دے۔ اور آج سینکڑوں کا مالک ہے تو کل ہزاروں کا بنے۔ اور ہزاروں کا ہے تو کل لاکھوں کا بنے۔ مگر کیا محبت ہے خدا اور اس کے رسولؐ کے دین سے۔ کہ اس نوجوان نے پہلے تو اپنے مال کی وصیت کی (اور معمولی وصیت نہیں کی ایک تہائی کی وصیت کی) لیکن وصیت تو موت کے بعد سے تعلق رکھتی ہے اور خدا انہیں زندگی عطا فرمائے تو پچاس سال سے بھی شاید زیادہ عرصہ اس مال کے آنے میں لگ جائے مگر انہوں نے یہ خیال کیا کہ تبلیغ اسلام کی ضرورت تو آج دنیا میں ہے، دنیا تو آج روحانی فاقہ سے مر رہی ہے اور ہم اسے پچاس سال بعد روحانی غذا پہنچائیں، یہ بات ان کو پسند نہ آئی۔ اور اپنے مال سے اور مال کمانے کے بجائے انہوں نے اس مال کا ایک خاصہ بڑا حصہ یعنی تین ہزار روپیہ وصیّت کے حساب میں ادا کر دیا۔ ان کا دل ہی وسیع نہیں ان کی نظر بھی بہت وسیع ہے کہ انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ دنیا کی تجارت میں صرف کئے ہوئے مال سے جو نفع ہو سکتا ہے، اس سے بہت بڑھ کر وہ نفع ہے جو خدا کی رضا کے لئے صرف ہو۔ کس کے دل میں یہ تڑپ پیدا نہ ہوگی کہ اس نوجوان کے لئے درد دل سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال کر دے۔ اور اسے لمبی زندگی عطا فرمائے۔

مگر میں صرف دعا کی تحریک کے لئے یہ مثال پیش نہیں کر رہا۔ میں اپنے نوجوان دوستوں

کے سامنے تقلید کے لئے یہ نمونہ پیش کرر ہا ہوں۔آج ابھی ایسے مومنوں کی قلت ہے۔جس دن جماعت میں اکثریت ایسے نوجوانوں کی ہو جائے گی،اس دن ان کے کارناموں سے مشرق و مغرب تک دنیا گونج اُٹھے گی۔ضرورت ہے کہ ہم اپنے دلوں اور نظروں کو وسیع کریں۔آج دنیا فی الحقیقت روحانی پیاس سے تڑپ رہی ہے۔مسلمانوں کے قبضہ میں زندگی کا پانی ہے مگر انہوں نے اسے اپنے گھروں میں بند کیا ہوا ہے۔آج تھوری سی ہمت کریں تو وہ نہریں دنیا میں بہہ نکلیں جن سے ساری دنیا سیراب ہو جائے اور ساری زمین ذکر الٰہی سے زندہ ہو جائے۔میں نوجوانوں کو ہی اس تقلید کے لئے نہیں کہتا۔میں اپنے عمر رسیدہ دوستوں کو بھی یہ کہتا ہوں کہ وہ وصایا کے معاملہ میں بے حد سستی دکھا رہے ہیں۔وہ موت کے بہت قریب ہیں مگر وصیت کے حکم کی تعمیل کو آج سے کل اور کل سے پرسوں پر ٹالتے جا رہے ہیں۔ایسا نہ ہو کہ اسی سوچ میں وہ کل ہی نہ آئے اور ہم خالی ہاتھ اپنے مولیٰ کے سامنے جا کر شرمندگی سے سر نہ اُٹھا سکیں! وصیت کرواور اپنے مال کو ساتھ لے جاؤ۔تا کہ اگلی دنیا میں جا کر بھی تمہیں خوشی ہو کہ ہمارا کچھ سرمایہ اس تجارت پر بھی خرچ ہو گیا جو کچھ برباد نہ ہوگی۔جس کا نفع ہمیشگی کی زندگی میں ہمیں ملے گا۔ہاں! وصیتیں کرواور وصیتوں کا مال بھی ساتھ ہی ادا کرو۔تا کہ خدا کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچ جائے اور یہ دنیا اس بربادی اور ہلاکت سے بچ جائے جس کی طرف یہ اندھا دھند جا رہی ہے۔

ہاں! ایسے نمونوں کے ہوتے ہوئے جیسے شیخ انعام اللہ نے دکھایا یا جیسے میاں نصیر احمد فاروقی نے دکھایا کہ اپنی وصیّت کا روپیہ سارے کا سارا ادا کر دیا۔یا جیسے ان سے بھی بڑھ کر ان کی بیگم صاحبہ نے دکھایا کہ اپنی وصیت کی بیس ہزار کی بیش بہا رقم خزانہ انجمن میں داخل کر دی۔یہ صرف کسی ناخدا ترس کے منہ سے ہی نکل سکتا ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوانوں کے دلوں میں دین کی تڑپ نہیں! اور وہ دنیا پر گرے ہوئے ہیں! ہاں! یہ ضروری ہے کہ ابھی اس بارے میں نوجوانوں کو ہی نہیں ہمارے بزرگوں کو بھی اور سب سے بڑھ کر ہماری خواتین کو یہ ضرورت ہے کہ وہ ایسے نیک نمونے کثرت سے قائم کریں۔

خاکسار محمد علی

☆

5 فروری 1947ء

تحریرات حضرت امیر ایدّہ اللہ بنصرہ العزیز علماءِ مصر کی نظر میں

حضرت اقدس نے جس طرح قلم کے ذریعہ اسلام اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی خدمت کی ہے اس کی نظیر دیگر اولیاء صلحاء اور مجددین امت مرحومہ میں نہیں ملتی۔ گو انہوں نے بھی اپنے اپنے وقت میں اسلام کی روحانی طاقت کو دنیا میں روز روشن کی طرح آشکارا کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ قلم گوہر بار عطا فرمایا کہ دوست تو دوست دشمن بھی اس کے سِکّہ کو مان گئے۔ پھر حضرت نے وہی قلم رؤیا میں حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو عطا فرمایا۔ آپ نے جو بھی کتاب لکھی ہے اس سے لاکھوں نہیں کروڑ ہا انسانوں کو فائدہ ہوا ہے اور بے شمار نفوس راہ ظلمت کو چھوڑ کر جادۂ صدق وصفا پر گامزن ہو گئے ہیں۔ ان کتب میں سے آپ کی ایک چھوٹی سی تصنیف NEW WORLD ORDER ''نیا نظام عالم'' ہے مسلمان تو ایک طرف رہے یہ کتاب جس کسی غیر مسلم کے ہاتھ میں گئی ہے وہ بھی اسلام کی اعلیٰ تعلیم اور اس کے بہترین نظام کی اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ جب سے اس کتاب کا عربی ترجمہ جناب سیّد تصدق حسین صاحب قادری نے کیا ہے (اللہ تعالیٰ انہیں مساعی جمیلہ پر جزائے خیر عطا فرمائے) شائع کرایا ہے۔ عربی دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا ہے۔ عراق۔ شام۔ فلسطین۔ مصر الجزائر ٹیونس اور مراکو تک کے عربی اخبارات نے اس پر ریویو لکھے ہیں۔ بعض کثیر الاشاعت روزناموں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ عرب نوجوان کو جو بفضل اللہ بیدار ہو چکا ہے۔ اس کتاب کو درساً پڑھنا چاہیئے۔ اگر ہماری جماعت ایک ہزار مبلغ بھی ان ممالک میں بھیجتی تو اس قدر تبلیغ واشاعت نہ ہوتی۔ اخبارات نے صرف کتاب پر تبصرہ کیا ہے بلکہ جماعت کے معتقدات اور کام پر بھی عمدہ پیرائے میں سیر کن بحث کی ہے۔

جناب میاں محمود احمد صاحب، جو ہمیشہ حضرت امیر ایدّہ اللہ کی اس بارہ میں نقل اتارنے کے عادی ہیں، ایک رسالہ اسی موضوع پر تحریر فرمایا ہے، لیکن کہاں اصل اور کہاں نقل! حسب عادت قدیمہ اس خالص غیر فرقہ دارانہ مضمون میں بھی تعلیوں اور بڑے بول بولنے سے باز نہیں رہ سکے۔ سچ ہے تھوتھا چنا باجے گھنا۔ اس پر مصر کے ایک ہفتہ وار اخبار ''الرسالہ والروایہ'' نے جو ریویو لکھا ہے وہ قارئین کے تفنن طبع کے لئے ذیل میں درج ہے۔

ہم اس میں یہ پڑھتے ہیں کہ اس کتاب کا مصنف امیر المومنین کے لقب کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ اور کہ وہ مسیح موعود کا خلیفہ ثانی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ قادیانی گروہ سے ہے جو (حضرت مرزا غلام احمد صاحب) قادیانی کو صرف مسیح اور مہدی ماننے کے ساتھ ساتھ نبی اور رسول بھی مانتے ہیں۔ آپ کے لئے صرف تجدید واجتہاد کی صفات کافی نہیں سمجھتے جیسا کہ مولٰینا محمد علی صاحب اور آپ کے ساتھی ہندوستانی مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ پھر آگے لکھا ہے۔

اس تحریک کیلئے یہ بہتر ہے کہ وہ اس قسم کے القاب کو ترک کر دے جو اس کی طاقت میں ذرہ بھر بھی اضافہ نہیں کرتے بلکہ غیر مسلم تو ایک طرف رہے خود مسلمانوں میں بھی اس کے وقار کو کم کرتے ہیں۔ خدا کرے کہ جماعت قادیان کی آنکھوں میں بصارت اور دلوں میں بصیرت پیدا ہو جائے تا کہ وہ دیکھ سکیں کہ خدا کی تائید کس کے ساتھ ہے۔ نیز اقتباس نمبر 1 کی خط کشیدہ عبارت میں غیر احمدی علماء کے لئے بھی ایک لمحہ فکریہ موجود ہے، جو رات دن بجائے کوئی تعمیری کام کرنے کے جماعت احمدیہ کو تکفیر اور طعن وتشنیع کے ساتھ یاد کرتے رہتے ہیں۔ الرسالہ والروایہ علما از ہر کا ایک معیاری پرچہ ہے۔ وہ اس جماعت کو خادم اسلام اور مسلمان قرار دیتا ہے اور حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کی خدمات جلیلہ کا بڑے زور سے اعتراف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ راست پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

احمد یار۔ ایم۔ اے، مولوی فاضل

☆

12 فروری 1947ء

ایک لمحۂ فکریہ

امیر اور جماعت کا تعلق

تاریخ انسانی میں کوئی ایسی فعال جماعت نظر نہیں آئے گی جس نے بغیر کسی امیر کی قیادت کے دنیا میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہوں۔ یہ ایک ایسا اجتماعی قانون ہے جو ہمیں ساری تاریخ انسانی میں کارفرما نظر آتا ہے۔ البتہ امارت اور قیادت کے متعلق ایک قوم کا نظریہ دوسری قوم سے مختلف ہے۔ دنیا کی تاریخی اقوام میں ان کے عناصر ترکیبی مذاہب اور عائد کے لحاظ سے ایک تفاوت اور اختلاف ضرور نظر آتا ہے۔ مثلاً رومی کلیسا کے مقتدر اعلیٰ کو پوپ کہتے ہیں یا پائے روما پطرس کا جانشین اور مسیحؑ کا خلیفہ خیال کیا جاتا ہے، اسے مافوق البشر ہستی سمجھا جاتا ہے۔ وہ گناہ سے آزاد اور غلطی سے پاک ہے اس لئے اسے تقدس مآب کہتے ہیں۔ امارت کے اس تصور سے رومی کلیسا کی تاریخ گناہ اور خون سے آلودہ ہے۔ امارت کے اس معیار کی طرف قادیانی جماعت کے شدید رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایسی قیادت سے قوم کا اجتماعی اخلاق اور عقلی قوٰی بالکل مسخ ہو جاتے ہیں۔ یورپ کی مادی دنیا میں زمانۂ قریب میں ایک خاص قسم کی مطلق العنانیّت نے جنم لیا تھا۔ جسے ڈکٹیٹر شپ کہتے ہیں۔ امارت کے اس خونین تصور کے علمبردار اسی حربہ سے موت کے گھات اتر گئے جس حربہ سے انہوں نے طاقت اور سطوت حاصل کی تھی۔ ان کے علاوہ بھی امارت کا ایک تصور پایا جاتا ہے۔ جس میں ایک انسان کو قریباً خدا کا درجہ دے دیا جاتا ہے جیسا کہ مصر قدیم میں تھا یا اس روشنی کے زمانہ میں شہنشاہ جاپان کو یہ حیثیت حاصل رہی ہے۔ لیکن یہ مصنوعی خدا بھی حوادث کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے نابود ہو جاتے ہیں۔ امارت کے یہ مذکورہ بالا تصورات اجتماع اور فرد کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ہیں۔ اور انسانی فطرت سے مطابقت نہ رکھنے کی وجہ سے دنیا کے امن اور صلح کے لئے سخت نقصان رساں ہیں۔ لیکن ان کے بالمقابل اسلام میں امارت کا تصور نہایت بلند اور صالح ہے۔ قرن اولیٰ کی اسلامی امارت سے دنیا کے شہنشاہ تھر تھر کانپتے تھے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کے نزدیک اس امارت کو کوئی مافوق الفطرت تقدیس اور اختیارات حاصل نہ تھے۔ اسلامی امیر انسان ہوتے ہوئے انسانوں کا رہنما تھا۔ یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ نظام اسلام میں آنحضرت

صلعم کے بعد مقدس اور الوہی اختیارات کا فقدان ہے۔ اسلام کے ہاں پاپائیت کا درجہ لات ومنات سے ہرگز بلند نہیں لیکن یہ حیرت انگیز بات ہے کہ باوجود ان مصنوعی اور الوہی اختیارات کے فقدان کے مسلمانوں نے اپنے امیروں کی ایسی اطاعت کی ہے جس کی نظیر ساری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ جب وہ مسلمانوں کے اجتماع کو خطاب کرتے تھے تو مسلمانوں کے صالح جیوش پر ایک مقناطیسی سکوت چھا جاتا تھا۔ اور حق پرست مسلمان ریگستان سے نکل کر بے سروسامانی کی حالت میں صرف اپنی قوت ایمانی سے جابر قاہر اور باطل پرست حکومتوں کے تختے اُلٹ دیتے تھے۔ یہ وہ اطاعت ہے جو معصوم قائدین کو کبھی خواب میں بھی میسّر نہیں آئی۔ اس عظیم الشان کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمان جب ایک امیر سے پیمان وفا باندھتے تھے تو آنحضرت صلعم کی ہدایات اور ارشادات کے مطابق اس امیر کی کامل اطاعت کرتے تھے اور دنیا کی کوئی طاقت اس پیمان وفا کو توڑ نہ سکتی تھی۔ مسلمان اپنے امیر کو مجہول اور فاسد نکتہ چینیوں کا ہدف نہیں بناتے تھے۔ اور نہ چھپ چھپ کے جماعت کے اندر ہی اندر ایسا زہر پھیلاتے تھے جس سے قوم میں اختلاط اور انتشار پیدا ہو۔ کامل اطاعت ان کا شیوہ تھی۔ وہ امیر کو صرف اس وقت ٹوکتے تھے جب وہ محسوس کرتے کہ امیر کا رویہ قانون پیغمبرؐ کے منافی ہے۔ وہ شوریدہ سر نہیں تھے کہ محض اپنی تخریبی افتادِ طبیعت سے مجبور ہو کر جماعت کو فساد پر آمادہ کریں۔ یہی وجہ تھی کہ کامیابیاں ان کے قدم چومتی تھیں اور وہ جس طرف سے گذر جاتے تھے انسانوں کے قلوب میں ان کا احترام پیدا ہو جاتا تھا اور باطل پرستوں کے بڑے بڑے جیوش قاہرہ ان کی روحانی سطوت کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک صالح جماعت کی مثال ایک صحت ور جسم کی سی ہے۔ جس کے تمام اعضاء دماغ کے طبعی احکام کی بغیر کسی روکاوٹ کے تعمیل کرتے ہیں۔

ہر وہ شخص جو پرخلوص ہے جس کا سینہ ایمان و یقین سے بھرپور ہے اس کی شخصیت اور طرزِ عمل منافقت اور سازش سے پاک ہوتے ہیں اس کی آواز میں جرأت اور صداقت ہوتی ہے۔ اگر اسے پالیسی اور نظام کے متعلق کوئی اختلاف پیدا ہو تو وہ اس اختلاف کو ظاہر کرنے کے لئے ایسا طریق اختیار کرتا ہے جس سے قوم میں تخریب اور انتشار نہ پیدا ہو۔ بہادر شخص کا دل عمیق اور دماغ وسیع ہوتا ہے وہ کسی شخصیت کے رعب اور اثر ونفوذ سے مرعوب نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بہادر مرد

مومن جب اعلائے کلمۃ الحق کے لئے ایک امیر کو انتخاب کر کے اس کے ہاتھ پر عہد کر لیتا ہے تو چھوٹی اور ادنیٰ باتوں پر اس عہد سے منحرف اور متزلزل نہیں ہوتا۔ اس کے طرزِ عمل میں ایک اعتدال اور وقار ہوتا ہے اس کے اقدام میں ایک حسن اور تناسب اور اس کی فطرت میں ایک بلندی ہوتی ہے۔ یہ سیرت کی خوبصورتی اور پاکیزگی مذہب اسلام کا منتہاء مقصود ہے۔ تزکیہ نفس کا حقیقی مفہوم یہی ہے۔

ان مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں ہمیں جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کس مقام پر ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ لاہور کے قلوب میں ایثار و خلوص کا ایک سمندر موجزن ہے۔ اور یہ اس ایثار و خلوص کا ہی نتیجہ ہے کہ قلیل عرصہ میں اس مٹھی بھر جماعت نے تبلیغ اسلام کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کی تبلیغی مساعی میں اس لئے بھی برکت ڈالی ہے کیونکہ اس جماعت نے اپنے تبلیغی لائحہ عمل کو ایک نظام اور صالح امیر کی قیادت میں بروئے کار لانے کی کوشش کی ہے۔ وہ امیر جو اپنی تبلیغی خدمات کی وجہ سے وحید العصر ہیں۔ ساری جماعت کے قلوب میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی جو قدر و منزلت ہے وہ میری کسی تشریح کی منت کش نہیں۔ لیکن کسی ہستی کی صحیح عظمت کا فیصلہ مورخ کرتا ہے۔ کیونکہ پہاڑ کی رفعت کا اندازہ بالکل اس کے دامن میں کھڑے ہو کر نہیں لگایا جا سکتا۔ ہاں کچھ فاصلہ پیدا ہو جانے سے اس کی عظمت اور رفعت آنکھوں میں خوب جچتی ہے۔ ہمارے امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بھی اس دور کی ایک کوہ وقار شخصیت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت کا ہر ایک فرد ان کی اطاعت کو سعادت خیال کرتا ہے۔ اب جبکہ ان کے جامۂ ہستی پر بڑھاپے نے شکن ڈال دیئے ہیں، ہمیں ان کی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو غنیمت خیال کرنا چاہئے اور جماعت کے ہر ایک فرد کو ان کے ارشادات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا چاہئے۔ موجودہ دور میں تبلیغ اسلام کی اہمیت جس قدر بڑھ گئی ہے، اس کے پیش نظر یہ اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے نظام کو مضبوط کریں اور اطاعت امیر کے آئینی اور خالص اسلامی جذبہ کو جس میں غلو کی آمیزش نہ ہو پہلے سے فزوں تر کریں۔ اور اپنے اندر ایک اعلیٰ جماعتی رنگ پیدا کریں اور اپنے امیر سے ایسا محکم تعلق پیدا کریں جو مضبوط اور خالص اسلامی ہو۔

ان مندرجہ بالا سطور سے میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم میں پیر پرستی کی روح پیدا ہو یا ایک امیر کو ماسوا اللہ کے معبود بنا لیں۔ یہ اسلام کی تعلیم اور حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی منشاء کے بالکل منافی

ہے۔ اور ہم اسے ایک لعنت خیال کرتے ہیں۔ بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ ہم میں ایک اعلیٰ درجہ کا قومی اعتدال پیدا ہو جائے کہ جس سے ہماری اطاعت بھی کمال کو پہنچ جائے اور ہماری اجتماعی حریّت بھی برقرار رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے قومی فرائض کو سمجھنے اور انہیں بروئے کار لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس سال کا خاص پروگرام: 1- برلن مسجد کی مرمت کے لئے روپیہ جمع کرنا۔

2- ساری جماعت کو اس مقام پر لانا کہ ہر ایک دوست اپنی آمدنی سے آنہ فی روپیہ کے حساب سے چندہ دے۔

3- ساری جماعت کو اس مقام پر لانا کہ سب دوست اشاعت اسلام کے لئے وصیتیں کر کے حضرت مسیح موعود کے منشاء کو پورا کریں۔

4- ہر جگہ جماعتوں میں تعلیم قرآن کا انتظام کرنا۔ بالخصوص طلباء اور طالبات کیلئے۔

تعلیم قرآن کا انتظام: 1- ہر جماعت کا فرض ہے کہ اپنے بچوں اور بچیوں کے لئے تعلیم قرآن کا انتظام کرے۔ ناظرہ بھی اور ترجمہ کے ساتھ بھی۔

2- یہ انتظام روزانہ ہو، کم سے کم ہفتہ میں ایک دفعہ۔

3- جن جماعتوں میں ایسے آدمی موجود نہیں جو تعلیم قرآن دے سکیں وہ مجھ سے خط و کتابت کریں۔

4- ہر احمدی کا یہ امتیازی نشان ہو کہ وہ قرآن کو ترجمہ کے ساتھ جانتا ہو۔

خاکسار

محمد علی

☆

5 مارچ 1947ء

جماعت احمدیہ لاہور کے کارنامے علمائے مصر کی نظر میں

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی کتب کے عربی تراجم اور ان کی مقبولیت

قاہرہ کے ایک جید عالم محمد بروک نافع اپنے 10 دسمبر 1946ء کے خط میں سیّد تصدق حسین صاحب قادری بغدادی کو لکھتے ہیں کہ آپ کے خط بھی ملے اور ''اخبار لائٹ'' کے کئی پرچے بھی جو آپ نے بھیجے تھے جن کے لئے میں آپ کا بہت ہی شکر گذار ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ اور روح القدس کے ساتھ آپ کی تائید فرمائے اور آپ کے وجود اور خلوص سے مسلمانوں کو مستفید کرے۔ آمین جن امور کے بارے میں آپ نے استفسار فرمایا ہے۔ ان کا جواب حسب ذیل ہے۔

جناب استاد عباس محمود عقاد صاحب سے کئی بار ملاقات ہو چکی ہے۔ کئی مسائل اسلامی اور تصنیفات حضرت محترم مولینا محمد علی صاحب پر ہم دونوں کا تبادلہ خیالات ہوا۔ جناب استاد موصوف نے فرمایا کہ وہ کتب اور رسائل جو آپ نے انہیں ارسال کئے پہنچ گئے ہیں۔ جس کا وہ بہت بہت شکریہ ادا کرتے ہیں۔ مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ استاد موصوف جماعت احمدیہ لاہور کے کارناموں اور اشاعت اسلام کے لئے ان کی مساعی کو نہایت عزت و توقیر کی نگاہ کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ نہ صرف ان کا یہ اعتقاد ہے بلکہ ہم سب اس میں شریک ہیں کہ جماعت کی مساعی قابل قدر ہیں۔ اور آپ کی جماعت نے اسلام کے لئے تمام دنیا، خصوصاً یورپ اور امریکہ میں وہ کام کیا ہے جس کے کرنے سے عسا کر عاجز رہے۔ اس بارہ میں انہوں نے جو کچھ دوسرے اخبارات و رسائل میں لکھا وہ ضرور آپ نے پڑھ لیا ہوگا۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی مساعی کا ان پر بہت اثر ہے۔ انتہائی فرحت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن دوسری شاخ (جماعت قادیان) پر انہیں بہت افسوس ہے۔ کیونکہ ان کا راستہ سنت کے خلاف کھلی بغاوت ہے۔ اور اس کے متعلق انہوں نے مرزا بشیر الدین محمود احمد کے لیکچر پر جو جلسہ 1942ء میں دیا گیا، ریویو کرتے ہوئے اخبار رسالہ مؤرخہ یکم محرم الحرام 1366ھ میں اپنے خیالات کا اظہار فرما دیا ہے۔ جو امید ہے آپ کے مطالعہ میں ضرور آیا ہوگا۔ جب میں نے ان پر یہ ظاہر کیا کہ میں حضرت مولینا محمد علی صاحب کی کتاب ''مینوئل آف حدیث'' کو عربی میں ترجمہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں تو انہوں نے

میری اس رائے کو سراہا اور ہمت دلائی۔

ترجمہ کتاب کے بارہ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ صرف حال ہی میں شروع کیا ہے۔ جیسا کہ شروع عریضہ میں ظاہر کر چکا ہوں کہ اس عرصہ میں قریباً قریباً دنیا سے الگ تھلگ رہا۔ نہ وہ پھرتی رہی۔ نہ وہ چستی۔ ابھی ابھی شروع کیا ہے۔ اور نئے سرے سے اپنی محنت کی ابتداء کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آئندہ چند مہینوں میں تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر اس کتاب کے ترجمہ سے فارغ ہو جاؤں گا۔ نیز میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کی خدمت میں بھی لکھوں گا۔ امید ہے آپ میری نیابت کرتے ہوئے ان سے بطور وکیل مجھے اس ترجمہ کی اجازت دینے کا ذکر کر دیں گے۔

استاد اکبر جناب شیخ الجامع الازھر کے ساتھ بھی ملاقات نہیں ہو سکی۔ کیونکہ ان کی ملاقات جلدی میں نہیں ہو سکتی۔ وہ حال ہی میں سرزمین مقدس حجاز سے تشریف لائے ہیں۔ مگر دیگر صائب الرائے علمائے دین سے جو میرے دوستوں میں سے ہیں بہت سے مسائل پر گفتگو ہوئی ہے۔ اور ان کی طرف سے خطوط بھی موصول ہوئے ہیں۔ مگر تفصیل میں ابھی تک نہیں گئے۔ انشاء اللہ اس کے متعلق آپ کو مطلع کرتا رہوں گا۔

جماعت کے ہر فرد کے لئے: کیا پندرہ دن تک آپ روزانہ اس بات پر غور کریں گے کہ آپ نے برلن مسجد کی مرمت کے سلسلہ میں کس قدر افراد کو تحریک کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ پندرہ دن بھی نکل جائیں۔ اور آپ اس ثواب کے کام سے محروم رہ جائیں۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

☆

2 اپریل 1947ء

مولانا عبدالہادی کی شہادت

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

مولینا عبدالہادی مرحوم کی شہادت سے میرے ہی نہیں ساری جماعت کے دلوں پر ایک سخت صدمہ ہے اِنَّآ لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حدیث میں جو مومنوں کی صفت میں آتا ہے کہ ایمان ان کے دلوں میں مضبوط پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے میں ان کو اس کا مصداق پاتا تھا۔ بڑی بڑی مشکلات کے اوقات میں مولینا مرحوم کے دو چار لفظ جماعت کے دلوں کے اندر ایک نئی روح پیدا کر دیتے تھے۔ ان کے سینے میں جو اخلاص بھرا ہوا تھا اس کی گہرائیوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ان کی وفات ایک قومی صدمہ ہے۔ سلسلہ کا ایک بڑا بھاری ستون گر گیا۔ اے خدا تو ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرما۔ اَللّٰھُمَّ اَکْرِمْ مَنْزِلَہٗ وَوَسِعّ مَدْخَلَہٗ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْجَنَّۃِ۔ اور ان کی اولاد پر بھی اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔

قادیانی خلافت اور ہم: معاصر ''الفضل'' نے 14 مارچ کے پرچہ میں ''خلافت ثانیہ کا زرّیں عہد'' کے عنوان سے ایک مقالہ اس ہنگامہ کی یادگار میں لکھا ہے جو 14 مارچ 1914ء کو قادیان میں برپا ہوا۔ اس مضمون میں دو باتوں پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔

1- ابتداً قادیانی جماعت کو تھوڑی کہا جاتا تھا، اب جماعت لاہور کو ''چھوٹی سی جماعت'' ہونے کا اعتراف ہے۔

2- خلیفہ قادیان کو ناتجربہ کار بچہ کہا جاتا تھا، لیکن ان کے عہد میں 63 ہزار کا بجٹ 20 لاکھ تک پہنچ گیا اور 37 مشن اور ساٹھ مبلغ کام کر رہے ہیں۔

امر اوّل کے متعلق صرف ''الفضل'' کے حسب ذیل بیانات نقل کر دینا کافی ہے:

> ''قادیان میں سوائے تین کے سب آپ کی (یعنی میاں صاحب کی) خلافت پر متفق ہیں'' (الفضل 14 اپریل 1914ء)
>
> ''ہم کئی بار بتا چکے ہیں 98 فیصد بیعت کر چکے ہیں'' (الفضل 11 مئی 1914ء)

''لاہور میں صرف 35 غیر مبائع رہ گئے ہیں'' (الفضل 18 مئی 1914ء)

ان کھلے بیانات کی موجودگی میں یہ کہنا کہ ابتداً قادیانی جماعت تھوڑی تھی اور اب لاہور کی جماعت چھوٹی سی رہ گئی ہے ایک صریح غلط بیان ہے۔

ہمیں جماعت لاہور کی کمی تعداد سے کبھی انکار نہیں ہوا۔ اگرچہ خدا کے فضل سے یہ تعداد روز افزوں ترقی پر ہے لیکن 20 لاکھ کے بجٹ اور 37 مشنوں والے اس بات پر کیوں غور نہیں کرتے کہ لاہور کی چھوٹی سی جماعت نے جو کام قادیان سے خالی ہاتھ آکر شروع کیا، خدائی نصرت نے اس کا یہاں تک ساتھ دیا کہ اس کے تراجم قرآن، اس کے اسلامی لٹریچر اور تین چار مشنوں نے اسلام کے متعلق یورپ کا نقطۂ نگاہ بدل کر رکھ دیا۔ اور بڑے بڑے انگریز مصنفین یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

> ''لاہور کی جماعت جو اصل قوم سے الگ ہو گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بانی سلسلہ کو محض مجدد تسلیم کرتے ہیں نہ کہ نبی......ان کا اثر اس سے بہت زیادہ وسیع ہے جو ان کی تعداد سے قیاس ہو سکتا ہے'' (مسلم ورلڈ)

> ''لاہور کی جماعت جو زیادہ کام کرنے والی ہے اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ مغربی دنیا میں اسلام پیش کرنے میں کہاں تک کامیابی ہو سکتی ہے'' (انفلوئنس آف اسلام صفحہ 109)

> ''اسے یقین ہے کہ یہ مغربی اقوام کو اپیل کر سکتی ہے ایسی اپیل جو اس وقت بھی ایک حد تک کامیاب ہو چکی ہے (اسلام ایٹ دی کراس روڈز صفحہ 108)

یہی لاہور کی چھوٹی سی جماعت ہے جس نے حضرت مسیح موعود کے صحیح مذہب اور اصل دعویٰ کو دنیا پر واضح کیا اور خلیفہ قادیان کے غلط عقائد کی حقیقت ان پر واضح کرتے ہوئے کھلا چیلنج دیا کہ حضرت مسیح موعود کی تبدیلی عقیدہ کے متعلق مباحثہ کرلیں، مباہلہ کرلیں۔ لیکن آج تک انہیں اس میدان میں اترنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ دل سے غور کرنا ہر اہل دانش و بینش قادیانی کا فرض ہے کیا 20 لاکھ روپے کے بجٹ اور 37 مشنوں نے بھی کوئی انقلاب اور کوئی ایسا اثر دنیا میں پیدا کیا ہے؟!

آہ! مولانا عبدالہادی مرحوم: مولانا عبدالہادی کی ذات گرامی سلسلہ احمدیہ میں کسی تعارف کی محتاج

نہیں۔ وہ بھاری بھر کم شخصیت جو اپنی جسمانی وجاہت کے ساتھ ایمانی قوت، عملی نمونہ اور سلسلہ کی ہر تحریک میں نمایاں حصہ لینے کے لحاظ سے بھی بھاری بھر کم حیثیت کی مالک تھی۔ وہ پیکر ایثار وقربانی جو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اپنے اخلاص وایثار کے نمونہ اور چند پر تاثیر الفاظ سے احباب کے دلوں کو گرما کر یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ (9:59) کا عملی رنگ پیدا کر دیتا تھا۔افسوس کہ بعض ظالموں کے ہاتھوں شہادت کا جام پی کر ہمیشہ کے لئے ہمیں داغ مفارقت دے گیا۔اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

مولٰینا مرحوم کی شہادت کے تفصیلی حالات کا ابھی تک ہمیں پورا علم نہیں۔ان کے فرزند مولوی عبدالباقی صاحب کے خط سے، جو حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کے نام آیا ہے، صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ اُن کی شہادت ایک نامراد مفرور (بہمراہی 28 دیگر مسلح گروہ) کے ہاتھ سے ہوئی۔ مولوی عبدالباقی صاحب نے اپنے اسی خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''اس وقت ہماری حالت نہایت قابل رحم ہے۔ مال ومتاع قریباً قریباً لوٹ لیا گیا ہے، برادرم خورد شبلی بھی اغواء ہوئے تھے۔مگر بفضلہٖ تعالیٰ واپس خیریت سے آ گئے ہیں۔ نیز تا حال مزید خطرہ درپیش ہے۔اللہ تعالیٰ آسان کرے''

ان تشویشناک حالات اور مولٰینا مرحوم کی شہادت کے اس دردناک سانحہ پر جس قدر بھی رنج والم کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ یہ ایک ایسا زبردست قومی نقصان ہے کہ جس کی تلافی کسی صورت میں بھی ممکن نہیں اللہ تعالیٰ مولٰینا کو اپنے جوار میں جگہ دے۔ہم ان کے فرزندان رشید اور دیگر لواحقین سے دلی ہمدردی اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں پیش آمدہ مصائب کی برداشت کی توفیق مرحمت فرمائے، انہیں صبر جمیل عطا کرے اور آئندہ خطرات سے ان کی حفاظت فرمائے ان کے مالی نقصانات کا نعم البدل عطا کرے اور ان شریروں اور مفسدوں کو، جو ان صدمات کا موجب ہوئے ہیں، کیفر کردار تک پہنچائے۔

احباب کرام سے التماس ہے کہ وہ مولٰینا مرحوم کا جنازہ غائبانہ پڑھ کر ان کی رُوح کو ثواب پہنچائیں اور ان کے خاندان کی حفاظت اور مصائب سے رستگاری کے لئے دلی درد کے ساتھ دعا فرمائیں۔

بعد کی خبر: اوپر کا مضمون لکھا جا چکا تھا کہ ذیل کا مکتوب ڈیرہ اسمٰعیل خان سے موصول ہوا۔ جس میں اس سانحہ عظیم پر پوری تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولٰینا کی شہادت احمدیت کی وجہ سے واقعہ ہوئی ہے۔ جس سے آپ کی استقامت فی الدین کا پتہ لگتا ہے۔ مولٰینا نے اپنا بہت سا مال خدا کے راستہ میں قربان کیا اور اب جان عزیز کو بھی اسی راہ میں دے کر یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (54:5) اور یُجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (44:9) کا عملی نمونہ پیدا کر دیا۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان سے محمد عبدالرحمٰن صاحب ڈپٹی جیلر تعلیم لکھتے ہیں:

''جماعت کے تمام حلقوں میں یہ بات نہایت حزن و ملال سے سنی جائے گی کہ حضرت مولٰینا عبدالہادی صاحب کو مؤرخہ 15، 16 مارچ کی شب کو ظالم اور خونخوار ڈاکوؤں نے شہید کر دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ نیم شب کو 16 مسلح ڈاکوؤں نے مولٰینا صاحب کے گھر پر ڈاکہ ڈالا۔ 9 ہزار روپے کا اسباب مال اور نقدی لینے کے بعد ڈاکوؤں کا سردار اپنی بندوق کے ساتھ مولٰینا صاحب کے پاس آیا اور بد بخت ظالم نے مولٰینا صاحب کو کہا احمدیت سے توبہ کرو ورنہ ابھی گولی کا نشانہ بناتا ہوں۔ اسلام کے اس بہادر جرنیل نے نہایت دلیری اور جرأت سے جواب دیا کہ اے ظالم! یہ کب ہوسکتا ہے کہ میں اپنے ایمان کو چھوڑ دوں۔ تیری مرضی جو کچھ چاہتا ہے کر۔ اس پر اس ظالم نے دو فائر کر کے حضرت مولٰینا صاحب کو جام شہادت پلایا اور ایک دائمی زندگی میں شامل کر دیا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (54:5)''

اللہ اللہ! کتنا بڑا امتحان ہے۔ مگر وہ اسلام کا شیدائی کس خوشی سے اپنی جان کو قربان کرتا ہے اور اس بڑے عظیم الشان امتحان میں کامیاب نکلتا ہے۔ حضرت مولٰینا صاحب کا تقوٰی ان کی پاکیزہ زندگی اور ان کا مالی ایثار اور قربانیاں جماعت کے کسی فرد سے مخفی نہیں۔ یقیناً اس بزرگ کی شہادت سے جماعت کو بہت بڑا نقصان پہنچا ہے جس کی تلافی بظاہر ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ حضرت مولٰینا صاحب نے

اپنی اولاد کی ایسی تربیت کی ہے کہ وہ احمدیت کے مجسمے ہیں اور نوجوانوں کے لئے نمونہ ہیں ان کو سخت صدمہ پہنچا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ احباب جماعت سے نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کی التجا ہے۔ مولینا صاحب کی زندگی کے مفصل حالات ملنے پر عرض کئے جائیں گے۔ اگر کوئی بزرگ ان کی پاک زندگی پر تبصرہ کرے تو شکریہ کا موجب ہوگا۔

☆

18 مئی 1947ء

مکتوب امیر

وصایا کی تحریک اور اس کی مختصر سی کیفیت

حضرت امیر ایدّہ اللہ کا ضروری مکتوب احباب جماعت کی خدمت میں

برادران مکرم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

وصایا کی تحریک، اس رنگ میں کہ وصیّت کرنے والے اپنی جائیداد کا اندازہ کر کے دسویں سے لے کر تیسرے حصہ جائیداد تک وصیت کر کے اور جائیداد کا حساب لگا کر ایک معیّن رقم کی وصیّت کریں اور پھر اس رقم کو اپنی زندگی میں ادا کرنے کی کوشش کریں، غالبًا کوئی تین چار سال ہوئے شروع کی گئی تھی اور آج میں ایک مختصر سی کیفیت اس کی آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اب تک اس رنگ میں وصیت کرنے والوں کی کل تعداد 160 ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1- 52 اصحاب وہ ہیں جنہوں نے وصیّت کی رقم معیّن کر کے ادا کر دی ہے اور ان کی کل رقم وصیّت 76901 روپے ہے۔

2- 37 اصحاب وہ ہیں جنہوں نے وصیّت کی رقم معیّن کر دی ہے اور اسے اپنی زندگی میں ادا کر رہے ہیں۔ ان اصحاب کی کل رقم وصیّت 80101 روپے ہے جس میں سے 22960 روپے کی رقم ادا ہو چکی ہے اور 57141 روپے کی رقم قابل ادائیگی باقی ہے۔

3- 25 اصحاب وہ ہیں جنہوں نے اپنی رقم وصیت کی تعیّن نہیں کی۔ مگر کچھ رقم بحساب وصیت ادا کر رہے ہیں۔ ان کی طرف سے کل رقم وصول شدہ 7685 روپے ہے۔

4- 22 اصحاب وہ ہیں جنہوں نے وصیت کی رقم معین کر دی ہے مگر اس کی ادائیگی شروع نہیں کی۔ اُن کی کل رقم وصیت 43180 روپے ہے۔

5- 23 اصحاب وہ ہیں جنہوں نے ایک معین حصہ کی وصیت کی ہے۔ مثلاً دسواں حصہ یا پانچواں حصہ یا تیسرا حصہ۔ مگر اپنی جائیداد کا حساب کر کے تعین رقم نہیں کی۔ اور دفتر کو اپنی وصیت کی رقم کے اندازہ سے کوئی اطلاع نہیں دی۔

6-ان کے علاوہ وہ اصحاب ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مغفرت ورضوان کا مقام عطا فرمائے، جو فوت ہو چکے ہیں۔ اور جن کی وصایا کی رقوم یا جائیدادیں کچھ انجمن کے قبضے میں آ چکی ہیں اور کچھ ابھی باقی ہیں۔ ان کی کل تعداد 18 ہے۔

یہ چھ فہرستیں نیچے درج ہیں۔ سب سے پہلے ان اصحاب کو لیا جائے جن کی رقم وصیّت معین ہے تو ان کی کل تعداد 112 ہے۔ اور ان کی کل رقم وصیت دو لاکھ روپے سے اوپر ہے۔ جس سے 99861 روپے یا ایک لاکھ کے قریب رقم وصول ہو چکی ہے۔ اور 25 اصحاب وہ ہیں جنہوں نے تعین رقم نہیں کی۔ مگر اپنی زندگی میں ادا کر رہے ہے۔ اور 7685 روپے کی رقم ان کی طرف سے وصول ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ وصایا کی وہ وصول شدہ رقوم یا جائیدادیں ہیں، جن کے کرنے والے فوت ہو چکے ہیں۔ اور جن سے نقدی وصول شدہ 150000 روپے کے قریب ہے۔ مگر اس کے علاوہ جائیداد ہے۔ جس کی ماہوار آمد 326 روپے ہے۔ اور جو جائیداد ابھی منتقل نہیں ہوئی یا پورے طور پر قبضے میں نہیں آئی۔ اس کی مالیت 32460 روپے ہے۔

اب اگر صرف 137 اصحاب کی وصیت سے اشاعت اسلام کے لئے دو لاکھ روپے کا سرمایہ جمع ہو سکتا ہے تو 5000 روپے کی وصیتوں سے 70 لاکھ روپیہ یا اس سے بھی زیادہ اس فنڈ میں جمع ہو سکتا ہے۔ اور یہ ستّر لاکھ روپیہ یا اگر مستقل سرمائے کے طور پر زرعی یا سکنی جائیداد یا تجارت یا انڈسٹری کی صورت میں لگایا جائے تو دس لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی دے سکتا ہے۔

کبھی آپ نے غور فرمایا کہ آٹھ لاکھ روپے سالانہ آمد کا اگر مستقل انتظام ہو جائے تو تبلیغ اسلام کی کس قدر زبردست بنیاد ہوگی۔ اور دنیا میں خدا اور اس کے رسولؐ کا نام کس طرح پھیل جائے گا۔ کسی نے اگر اپنے ورثا کے لئے دو چار ہزار یا دو چار لاکھ زیادہ چھوڑ دیا تو اس سے ان کی حیثیتوں میں کوئی لمبا چوڑا فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن اگر یہی دو دو چار چار سو اور دو دو چار چار ہزار روپیہ اور جن کو خدا نے اپنے فضل سے دیا ہے دو دو چار چار لاکھ بھی دے سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے حکم کے ماتحت اور حضرت مسیح موعود کے ارشاد کے ماتحت وصیت کے رنگ میں قومی فنڈ میں دے دیا جائے تو ہم دنیا کے ہر ایک ملک اور ہر قوم میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ اور کل کو خدا چاہے تو اسلام کو دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں

پھیلا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود کے ارشاد سے میں نے یہ سمجھا کہ آپ کا منشاء تھا کہ اموال وصیت کو مستقل سرمایہ کے طور پر لگایا جائے اور یہ ایک حصہ صدقہ جاریہ کا کام دے۔ اس لئے ہماری انجمن نے شروع سے ان اموال کو ایک مستقل سرمایہ کا رنگ دیا۔ اس روپے کو خرچ نہیں کیا۔ بلکہ اس سے ایک مستقل جائیداد پیدا کی گئی ہے جس کی آمد تبلیغ اسلام پر خرچ ہوتی رہے گی۔ اور یہ ہر وصیت کرنے والے کے لئے ایک صدقہ جاریہ ہے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے۔ جس سے بلند تر کوئی کام نہیں۔ اس وقت تک اس سرمایہ سے جو جائیداد خریدی گئی ہے وہ 49000 روپے کی ہے۔ اور اس سے مستقل ماہوار آمد 196 روپے ہے۔ اس کے علاوہ پچھلے سال انجمن نے کوئی دو لاکھ روپے کے قریب مستقل جائیداد بصورت اراضی زرعی کے پیدا کرنے پر خرچ کیا۔ اور اس ضمن میں ابھی ڈیڑھ لاکھ کے قریب اور قابل ادائیگی ہے۔ مگر اس تین ساڑھے تین لاکھ کے خرچ سے ایسی جائیداد پیدا کی ہے جو خدا چاہے تو لاکھ پون لاکھ روپے کے قریب سالانہ آمد دیتی رہے گی۔ مگر وصایا فنڈ میں اس قدر روپیہ جمع نہ تھا۔ اور دوسرے صیغوں سے قرض لے کر یہ کام کیا گیا ہے۔ اس لئے اب میں اپنے احباب کو جنہوں نے اب تک وصیت نہیں کی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ ثواب کے اس عظیم الشان کام میں جلد سے جلد شامل ہوں۔

ہر سال ہم میں سے دو چار دس پرانے اصحاب اپنے مولیٰ سے جا ملتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا اس کے لئے وقت مقرر کونسا ہے۔ جو گذر گئے ان کو پتہ نہ تھا کہ انہوں نے اس قدر جلد اس دنیا کو چھوڑ دینا ہے اور جو باقی ہیں انہیں یہ پتہ نہیں کہ ان کی باری کب آنے والی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ وقت سامنے آئے تو ہماری زبان حال پر یہ لفظ ہوں۔

رَبِّ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (10:63)۔ اے میرے رب کیوں تھوڑی سی اور مہلت تو نے نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیکوں میں سے ہو جاتا۔ آج ہزار ہا کی تعداد میں وہ لوگ ہیں جن کی جائیدادیں ایک آن کی آن میں جل کر خاک ہو گئیں۔ پھر ہمیں اپنے ہاتھ سے کچھ دینے میں کیوں اتنا تامل ہو کہ سوچتے سوچتے سالہا سال نکل جائیں۔ آیئے اپنے ہاتھوں سے کچھ خرچ کر کے اپنے مالک کی رضا کا سامان کر لیں۔

1-ان اصحاب سے، جنہوں نے اب تک وصیتیں نہیں کیں، میری یہ درخواست ہے کہ وہ اب اس میں ایک لحظہ توقف کو بھی گناہ سمجھیں اور اپنی وصیت لکھ کر بھیج دیں۔

2-وہ اصحاب جنہوں نے وصیت کی ہے مگر تعین نہیں، میری درخواست ہے کہ وہ اپنی جائیدادوں کا حساب کر کے وصیت کی رقم متعین کر دیں۔

3-ان اصحاب سے جو تعین کر چکے ہیں یا کریں گے میری یہ درخواست ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اس رقم کی روانگی شروع کر دیں۔ تا کہ ان کا صدقہ جاریہ ان سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ جائے۔ اور جب وہ اپنے مولیٰ سے جا کر ملیں تو ان کا صدقہ جاریہ ان کا صالح ترین عمل ان کے استقبال کے لئے وہاں موجود ہو۔

4-ان اصحاب کے ورثاء سے جو فوت ہو چکے ہیں یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی وصایا کو جلد سے جلد عملی جامہ پہنا کر ان کی روحوں کو خوش کریں۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

☆

4 جون 1947ء

مکتوب امیر

نظام زکوٰۃ

جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا وہ ایک رکنِ اسلام چھوڑتا ہے

برادر مکرم/خواہر محترمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ادائیگی زکوٰۃ کے متعلق میں آپ کو دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں

اوّل۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مسلمان زکوٰۃ ادا بھی کرتے ہیں مگر سنت نبویؐ پر پھر بھی عمل نہیں کرتے۔ کچھ گداگر زکوٰۃ کا مہینہ آنے پر گھروں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دولت مند کے پاس پہنچ کر حصہ رسدی کچھ پیسے وصول کر لیتے ہیں۔ دینے والے سمجھتے ہیں کہ ہم نے زکوٰۃ ادا کر دی۔ حالانکہ زکوٰۃ اس چیز کا نام نہیں جو فقیروں کو دی جائے، بلکہ زکوٰۃ وہ ہے جو بیت المال میں جمع کر کے وہاں سے خرچ کی جائے۔ جو لوگ اپنے طور پر زکوٰۃ خرچ کرتے ہیں وہ قوم میں گداگری پیدا کرنے والے اور بیکاری کے جرم کی اعانت کرنے والے ہیں۔ قرآن کریم میں صریح ہدایت ہے کہ امام کے عامل زکوٰۃ وصول کریں۔ یہاں تک کہ ان عاملوں کو مدز کوٰۃ میں سے تنخواہ دینا بھی قران کریم نے زکوٰۃ کے ضروری مصارف میں سے قرار دیا ہے۔

نبی کریم صلعم کا عمل: نبی کریم صلعم کا یہی عمل تھا کوئی شخص اس بات کا مجاز نہ تھا کہ یہ کہے کہ میرے پاس بہتیرے زکوٰۃ مانگنے والے آ جاتے ہیں یا میرے رشتہ دار میرے بہتیرے مستحق ہیں۔ میں بیت المال میں نہیں دیتا۔ آپ کی وفات کے بعد جب بعض قوموں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو یہ کہلا بھیجا کہ ہم اپنی زکوٰۃ کو بیت المال میں داخل نہیں کرتے اپنے طور پر خرچ کریں گے تو آپ نے ان کے خلاف لشکر کشی کی۔ نماز اگر کوئی شخص نہیں پڑھتا یا اکیلا گھر میں پڑھ لیتا ہے اور مسجد میں نہیں آتا تو وہ گنہگار تو ہے، مگر نقصان اپنی جان کا کرتا ہے۔ مگر جو شخص اپنی زکوٰۃ کو بیت المال میں ادا نہیں کرتا وہ گنہگار بھی ہے اور اس کے گناہ سے ساری قوم کو نقصان پہنچتا ہے۔

زکوٰۃ اور جہاد: دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم جو چندہ ماہوار تبلیغ اسلام کے لئے دیتے ہیں وہ

زکوٰۃ نہیں بلکہ جہاد ہے۔ اور زکوٰۃ اور جہاد اسلام کے دو الگ الگ رکن ہیں۔ ایک کے ادا کرنے سے دوسرا ادا نہیں ہو جاتا۔ ایک شخص چندہ دیتا ہے زکوٰۃ نہیں دیتا، وہ بھی ایک رکن اسلام کو چھوڑتا ہے۔ ایک شخص زکوٰۃ دیتا ہے چندہ نہیں دیتا وہ بھی ایک رکن اسلام کو چھوڑتا ہے۔

انجمن کا فیصلہ: البتہ احباب کی سہولت کے لئے انجمن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایک تہائی تک زکوٰۃ کے معطی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے طور پر خرچ کرے۔ اپنے کسی غریب رشتہ دار کو دے دے یا کسی محتاج کو دے دے یا اس کا کچھ لٹریچر منگوا کر اپنے طور پر تقسیم کر دے۔ اور اس کی بناء ایک حدیث پر ہے۔ جس میں آتا ہے کہ جب تم زکوٰۃ کا اندازہ کر لو تو ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ دیا کرو۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے تا کہ ایک شخص خود اپنے ہمسایوں یا قریبیوں پر جو مستحق زکوٰۃ ہوں خرچ کر سکیں۔ لیکن جو لوگ ساری زکوٰۃ اپنے طور پر خرچ کرتے ہیں وہ خدا کے حکم کے خلاف چلتے ہیں۔ اگر ایک شخص سمجھتا ہے کہ اس کی ایک تہائی زکوٰۃ سے زیادہ کے کوئی اس کے قریبی حقدار ہیں تو وہ ان کے لئے انجمن میں لکھ سکتا ہے اس طرح وہ اپنے حسب منشاء امداد بھی دے سکتا ہے اور خدا کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی اور قوم کی عزت بھی بڑھے گی۔

زکوٰۃ کن کن چیزوں پر ہے: 1- نقدی خواہ سونا ہو یا چاندی یا نوٹوں کی صورت میں اپنے پاس جمع ہو یا کسی جگہ امانت کے طور پر جمع ہو۔ زیورات خواہ روپے کو جمع رکھنے کی غرض سے بنوائے گئے ہوں، خواہ استعمال کے لئے شب و روز پہنے جاتے ہوں خواہ رکھے رہتے ہوں ان پر بھی نقدی کی طرح زکوٰۃ ہے۔ اگر وہ جڑاؤ ہیں تو نگینوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں نہ ہی جواہرات پر زکوٰۃ ہے، صرف سونے یا چاندی کی قیمت پر زکوٰۃ ہے جو اس میں لگا ہوا ہے۔ بشرطیکہ باون روپے یا اس سے زیادہ مالیت کا ہو۔ ساڑھے سات تولہ یا اس سے زائد سونے پر زکوٰۃ ہے۔

2- تجارت پر لگا ہوا مال اور انڈسٹری کی صورت میں لگا ہوا سرمایہ، مکان یا زمین یعنی جائیداد وغیرہ منقولہ سے زیادہ مشابہ ہے۔ ان دونوں صورتوں میں زکوٰۃ اس نفع پر ہونی چاہئے جو تجارت یا کارخانے سے اُٹھایا گیا ہے۔ یعنی ضروری اخراجات کو ادا کرنے کے بعد، جو اس کی آمدنی ہو، اس میں سے اڑھائی فیصد دیا جائے۔ انکم ٹیکس وغیرہ لازمی اخراجات میں سے شمار ہوں گے۔

3-زمیوں کی پیداوار میں عشر اور بیسویں حصہ کا طریق اس لئے قابل عمل نہیں کہ غیر حکومت مالکان زمین سے خراج الگ لے لیتی ہے۔ اس صورت میں زکوٰۃ زمین کے منافع پر ہوگی۔ یعنی اس کی آمدنی میں سے ضروری اخراجات کو، جن میں معاملہ آبیانہ اور ضروری اخراجات شامل ہیں، نکال کر جو رقم باقی رہے اس پر اڑھائی فیصد زکوٰۃ ہے۔

4-مکانات کے کرایہ پر ایک سال کی آمدنی کرایہ بعد منہائی لازمی اخراجات باون روپے سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ بحساب اڑھائی روپے فی سینکڑہ ہوگی۔ اپنے رہائشی مکانات پر یا جن مکانات سے کوئی کرایہ وصول نہیں ہوتا کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح جو زمین صرف کسی کے اپنے گذارہ کے لئے ہے اس پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

5-بالآخر تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں عموماً اور برادران جماعت کی خدمت میں بالخصوص التماس ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف میں غرباء اور مساکین کی امداد کے علاوہ سب سے بڑا اور سب سے اہم خرچ تبلیغ اسلام ہے اور یہ سب کام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ایک وسیع پیمانے پر کر رہی ہے۔ اس نے نہ صرف ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر یورپ وغیرہ ممالک میں متعدد اسلامی مشن کھولے ہوئے ہیں بلکہ قرآن کے تراجم انگریزی اور دوسری زبانوں میں ہزارہا کی تعداد میں سیرت نبویؐ کے تراجم اور تعلیم پر رسالے ہزاروں کی تعداد میں مفت غیر مسلموں تک پہنچائے جاتے ہیں۔ اور اس کے بیت المال سے ایک خاص تعداد غرباء اور مساکین کی بھی فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اس لئے سب بھائی اپنی زکوٰۃ بنام محاسب صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور بھیج کر ممنون فرمائیں۔

خاکسار محمد علی
پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن
اشاعت اسلام
احمدیہ بلڈنگس لاہور

2 جولائی 1947

مکتوب حضرت امیر

موجودہ فسادات غضب الٰہی کی آگ ہے

برادرانِ مکرم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

لاہور، امرتسر اور بہت سے دوسرے شہروں میں فسادات کا سلسلہ بعض ہندو اور سکھ اصحاب کی ناعاقبت اندیشی سے مارچ میں شروع ہوا اور قریباً چارہ ماہ اس پر گذر گئے، ہزار ہا بے گناہ، جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، قتل ہو گئے ۔ اور ہزار ہا جن میں شاید بے گناہ ہی زیادہ ہیں، اب جیل خانوں میں ڈالے جا چکے ہیں ۔ ہزاروں کی تعداد میں مکانات معہ سامان کے اور بعض وقت مع مکینوں کے جل کر خاک سیاہ ہو گئے ۔ اور ان کے رہنے والے بے گھر اور بے یار و مددگار پھر رہے ہیں ۔ کروڑوں کا مال نذرِ آتش ہو گیا ۔ اور اس سارے فساد اور خونریزی سے کسی قوم کو ادنیٰ سے ادنیٰ فائدہ نہیں پہنچا ۔ بلکہ ہر قوم کو نقصان ہی پہنچ رہا ہے ۔ ہر قوم کی جانیں اور مال برباد ہو رہے ہیں ۔ اور جو بربادی سے بچے ہوئے ہیں وہ ہر وقت ہراساں ہیں ۔ دن کا آرام اور راتوں کی نیند لوگوں پر حرام ہو گئی ہے ۔ حکومت نے فوج اور پولیس کا انتظام بھی کیا اور تشدد بھی کیا ۔ جرمانے بھی کئے ۔ لوگوں میں مزید خوف بھی پیدا کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا ۔ چوٹی کے لیڈروں نے، جن کے کہنے پر لوگ جانیں قربان کرتے ہیں، پورا زور لگایا سمجھانے کی کوشش کی نصیحت کی مگر اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا ۔ اور فساد کی آگ اسی طرح مشتعل ہے ۔ کھانے کو ویسے نہیں ملتا امن یوں اُٹھ گیا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب زمین پر بھڑک اُٹھا ہے ۔ اور اس کا علاج سوائے دعائے سحری اور گریہ زاری کے کچھ نہیں ۔ اس لئے میں اپنے احباب سے یہ التجا کرتا ہوں کہ اس فساد اور خونریزی کے دور کرنے کے لئے بارگاہ الٰہی میں گریں اور درد دل سے رات کے وقتوں میں اور دن کی نمازوں میں دعا کریں کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کی برکت سے اپنے غضب کو دور فرمائے اور اپنی مخلوق پر رحم فرمائے ۔ خدا کا پیغام بھی دنیا میں اسی وقت پہنچ سکتا ہے جب امن کی حالت ہو ۔ میں جماعت کے ایک ایک فرد سے درخواست کرتا ہوں ۔ ان مسلمانوں سے بھی درخواست کرتا ہوں جن تک میری بات پہنچے کہ جب سب حربے ناکام ہو جائیں تو دعا کا حربہ ہی آخری

حربہ ہے۔آؤ ہم سب اس سے کام لیں۔اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ اپنے غضب کو دور فرمائے اور اپنے فضل اور رحمت کی بارش اپنی مخلوق پر برسائے۔والسلام خاکسار محمد علی 20 جون 1947ء

ایک خواب اور اس کی تعبیر از حضرت امیر ایدّہ اللہ: جناب ایڈیٹر صاحب پیغام صلح۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ گجرات سے ایک صاحب نے حضرت امیر قوم کی خدمت میں ایک خط لکھا ہے جس میں ایک خواب درج ہے۔حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اس خط کا جواب نیز خواب کی تعبیر مندرجہ ذیل لکھائی ہے برائے مہربانی حضرت امیر کے جواب کو نیز اس خط کو (جس کی نقل بھی درج ہے اخبار میں شائع کر دیں)۔حضرت امیر کا ایسا ہی ارشاد ہے۔محمد اسلم دار اسلام۔ڈلہوزی

نقل خط حکیم محمد حسین صاحب زبدۃ الحکماء گجرات: ''آج یہ عریضہ حسب ذیل ایک خواب کی تعبیر کے لئے پیش خدمت ہے۔خواب پر میں نے ہر طرح سے غور کیا ہے مگر اس کے مدعا اور مفہوم کو نہیں سمجھ سکا۔

''گذشتہ شب آخر شب مَیں خود کو ایک مسجد میں دیکھتا ہوں۔جہاں بہت سے لوگ نماز جمعہ کے لئے جمع ہیں۔بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نماز جمعہ پڑھائیں گے۔مگر ساتھ ہی لوگ کہتے ہیں کہ پاس ہی تھوڑے فاصلہ پر حضرت مولوی محمد علی صاحب ایک دوسری مسجد میں بیٹھے ہیں (یعنی جس حالت میں آپ کو دیکھتے ہیں اس سے بہتر حالت اور صورت میں) اور بہت لوگ آپ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہیں۔میں نے عرض کی ہے کہ عوام کا خیال حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نماز پڑھانے کا ہے۔آپ دوسری جگہ کیوں نماز پڑھانے کا خیال کرتے ہیں۔آپ نے جواباً ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے تو قطعاً کسی قسم کا حضرت امام کے خلاف اصرار نہیں۔یہ عوام بالاتفاق مجبور کر رہے ہیں۔یہ لوگ اگر ان کے ساتھ نماز میں شامل ہوں تو میں سب سے پہلے اُن کے ساتھ ہوں۔اس پر تمام لوگ خاموش ہو گئے ہیں۔میں نماز صبح کے لئے بیدار ہو گیا ہوں۔یہاں حضرت امام جماعت المسلمین میں موجود نہیں ہیں''۔

تعبیر از حضرت امیر ایدّہ اللہ: ''جہاں تک آپ کے خواب کی تعبیر کا سوال ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اب یہ ہے کہ مسلمانوں کے قلوب کو اُس نئی تعبیر دین کی طرف پھیرے جو اس زمانہ کے امام نے پیش کی ہے۔عوام کو یہ غلط فہمی ہے کہ گویا حضرت امام وقت،

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے کہ جن کا مسلمانوں کا سوادِ اعظم متبع ہے، کچھ اختلاف رکھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ بار بار اس چیز کو لکھ چکے ہیں کہ آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر ہیں۔ میں چونکہ حضرت امام کا شاگرد ہوں اور اللہ تعالیٰ نے بعض ان باتوں کو، جو حضرت مسیح موعود کے دل میں تھیں کہ اس زمانے میں ان پر روشنی ڈالی جائے، میرے ذریعے سے پورا کیا ہے۔ اس لئے خواب میں حضرت مسیح موعود کی جگہ مجھے دکھایا گیا ہے۔ اور حضرت صاحب نے خود ہی مجھے مخاطب کر کے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ میں اسلام پر ایک ایسی کتاب لکھوں جو ہر قسم کے مسائل کو اپنے اندر رکھتی ہو۔ چنانچہ یہ کام کرنے کی خدا نے مجھے توفیق دی۔ اسی طرح ترجمہ قرآن کا کام، جس کو کہ حضرت مسیح موعود نے اپنا کام قرار دیا تھا، وہ بھی مجھ سے لے لیا۔ اور میری ان کتابوں کو اپنے فضل سے ایک قبولیت بخشی۔ ہمارے متعلق بھی بعض غلط فہمیاں عوام میں ہیں جو خدا نے اگر چاہا تو دور ہو جائیں گی۔ یہ صرف حضرت مسیح موعود ہی کی خواہش نہ تھی کہ اسلامی مسائل پر نئی روشنی ڈالی جائے **بلکہ علامہ اقبال مرحوم نے بھی مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اس زمانے میں ایک نئی فقاہت کی ضرورت ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ یہ کام کیوں نہیں کرتے انہوں نے جواباً کہا کہ یہ کام آپ کا ہے۔** تو ارادہ الٰہی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس دورِ جدید میں، جب اسلام کے دنیا میں عام طور پر پھیلنے کا وقت آ گیا ہے، اسلام کی وہی تصویر مقبول ہو جسے حضرت امام یا آپ کے شاگردوں نے پیش کیا ہے اور واقعات صاف اس کی گواہی بھی دے رہے ہیں۔ یہی آپ کے خواب کی تعبیر ہے''۔

☆

13 جولائی 1947ء

قرآن کریم کا دیوانی اور فوجداری قانون

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی قابل غور تصریحات

اس وقت جبکہ مملکت پاکستان کے لئے نیا دستور بننے والا ہے اور یہ سوال زیرغور ہے کہ شریعت اسلامی کو بھی اس مملکت میں رائج کیا جائے قرآن کے دیوانی اور فوجداری قانون کے متعلق ذیل کی تصریحات، جو حضرت امیر ایدّہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمائی تھیں، خاص طور پر قابل غور ہیں۔

آپ کا وسیع سوال یوں ہے کہ قرآن کریم میں جو آیات سول یا کرمنل لاء کے متعلق ہیں ان کی سپرٹ یعنی روح پر عمل کیا جائے، یا ان کے لیٹر لفظ کی پابندی بھی ضروری ہے۔ اور ان کے ماتحت یہ سوال بھی آتا ہے کہ کیا کوئی اسلامی مجلس واضع قوانین قرآن کریم کے کسی صریح حکم کے خلاف قانون بنا سکتی ہے جس کی بناء کوئی اجتہاد نہ ہو یا آیت کی کوئی تاویل نہ ہو، بلکہ بناء یہ ہو کہ قرآن کریم کی غرض جو اس حکم کے دینے سے تھی وہ یوں پوری ہو جاتی ہے۔ مثلاً قرآن کریم نے چور کے قطع یدّ کا حکم دیا تو کیا ایک شخص کہہ سکتا ہے یا نہیں کہ غرض تو صرف چوری روکنا تھی، سو وہ اس قسم کی سزا سے بھی پوری ہو سکتی ہے۔ یا مثلاً قرآن کریم نے طلاق کی اجازت دی تو کیا ایک شخص کو یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ غرض اس کی صرف یہ تھی کہ میاں بیوی اچھی زندگی بسر کر سکیں۔ اور وہ طلاق کے روک دینے سے بھی پوری ہو سکتی ہے۔ یا قرآن کریم ورثاء کے بعض حصص مقرر کرتا ہے تو کیا ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ غرض صرف یہ تھی کہ چند قریبی رشتہ داروں کو کچھ مل جائے اور وہ کسی رنگ کے حصص سے بھی پور ہو سکتی ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ اس دروازہ کو کھول کر قرآن کریم کا کوئی حکم بھی قابل عمل باقی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ اس کی عبادات اور اس کے عقائد پر بھی اس دروازہ سے کھلا حملہ ہو سکتا ہے۔ اور ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ نماز پڑھنے سے غرض صرف یہ ہے کہ انسان میں قربانی کا مادہ پیدا ہو، انکساری کے اخلاق پیدا ہوں اور وہ بغیر نماز کے بھی پوری ہو سکتی ہیں۔ روزہ رکھنے سے صرف غرض یہ ہے کہ انسان بھوک، پیاس کی شدت برداشت کر سکے یا بعض خواہشات پر حکمرانی کرنا سیکھے اور وہ دوسری طرح بھی

پوری ہوسکتی ہیں۔ایک خدا پر ایمان لانے کی غرض یہ ہے کہ انسان اپنی ہر خواہش کو اپنے غرض کی تعمیل کے سامنے قربان کر سکے۔ یہ اور طرح بھی ہوسکتا ہے۔کم از کم نماز کے متعلق تو یہ کہا بھی گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ رائے صحیح نہیں۔اور اس سے قرآن کریم کی کوئی تعلیم بھی قابل عمل باقی نہیں رہ سکتی۔

قیاس سے توسیع: اور یہ جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ علماء احناف نے قیاس کا استعمال بکثرت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر کسی حکم کی علت معلوم ہو جائے تو اس کی توسیع بھی ہوسکتی ہے تو یہ صحیح ہے۔لیکن توسیع سے ان کا مطلب صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ حکم بھی قائم رہتا ہے اور بعض اور باتیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ اصل حکم کا وہ خلاف نہیں کریں گے۔مثلاً اگر یہ معلوم ہو جائے کہ طلاق کی ایک علت قرآن کریم نے بیان کی ہے یا تعداد ازدواج کی ایک صورت بیان کی ہے تو وہ توسیع کر کے یوں کہہ دیں گے کہ فلاں صورت بھی چونکہ اُن سے ملتی جلتی ہے، اس لئے اس پر بھی طلاق یا تعداد ازدواج کی اجازت ہوسکتی ہے۔ یا مثلاً رمضان کی جگہ اور دنوں میں روزے رکھے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ بیمار یا مسافر ہوتو چونکہ اس کی علت یہ ہوگی کہ یہ امر ان کی طاقت سے بلاتر ہے، اس لئے اگر کسی جگہ پر دن ایسے لمبے اور سخت گرم ہوں کہ روزہ وہاں نہیں رکھا جاسکتا تو فَعِدَّۃ'' مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ (2:185) کے حکم میں توسیع ہوسکتی ہے (یہ مثالیں خود میں نے دی ہیں کیونکہ کوئی کتاب اس وقت میرے سامنے نہیں) غرض قیاس سے توسیع جائز ہے اور یہی اصل اجتہاد ہے۔لیکن اجتہاد یا قیاس کو اس حد تک نہیں لے جاسکتے کہ اصل حکم کے خلاف دوسرا حکم جاری کر دیا جائے۔

قطع ید اور اسلامی سلطنتیں: قرآن کریم کو خدا کا کلام اور پھر آخری کلام ماننے کے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ قانون سول یا کرمنل رنگ میں اس نے قائم کر دیا ہے اس کے خلاف ہمیں نہیں کرنا چاہئے۔ رہا یہ امر کہ بعض امور مندرجہ قرآن متروک ہو گئے ہیں، یہ امت کے بعض افراد یا کل افراد کی غلطی ہوسکتی ہے۔مثلاً سزائے قطع ید متروک ہے۔یعنی آج کل اسلامی سلطنتیں اس پر عمل نہیں کرتیں۔اور ان کی تعزیرات میں یہ سزا نہیں رکھی گئی، تو اسے بہر حال ایک غلطی اور ایک خلاف ورزی کہا جائے گا۔

قطع ید کی تاویل: سوائے اس کے کہ قطع ید کے کوئی شخص یہ معنی کرے کہ اس سے مراد صرف روک دینا ہیں۔حدیث میں آیا ہے اِقۡطَعُوۡا عَنِّیۡ لِسَانَہٗ جہاں مراد خاموش کرانا ہے۔اور قطع سبیل قرآن کریم

میں بھی راستہ روکنے کے معنی ہیں آتا ہے۔ تو یہ تاویل ہے۔ صحیح ہو یا غلط یہ علیحدہ امر ہے۔ لیکن اگر ایک شخص نیک نیتی سے یہ معنی درست سمجھے اور قرآن کریم کے الفاظ میں یہ توسیع سمجھے تو یہ حق پہنچ سکتا ہے کہ قرآن کے الفاظ اور حکم کا انکار نہیں بلکہ اس کے دوسرے معنی کرنا ہے۔ اور جہاں تک میں نے غور کیا ہے۔ اس زمانہ میں ہماری ضرورت قرآن کریم کو از سرنو پڑھنے اور اس پر تدبر کرنے کی ہے۔

ہاتھ کاٹنا انتہائی سزا ہے: اس قطع ید کی سزا کے معاملہ میں جس نتیجہ پر میں پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ چور کی سزا بیان کرنے سے پہلے قرآن کریم نے ڈاکو کی سزا بیان کی ہے۔ اور وہ چار سزائیں ہیں۔ جن میں سے ایک سزا قید بھی ہے۔ مگر انتہائی سزا قتل یا صلیب ہے۔ اور ان چار سزاؤں کے ذکر کی غرض صرف یہی ہے کہ جیسے حالات ہوں ان کے مطابق زیادہ یا کم سزا دی جائے۔ اب جب ڈاکہ کی کمتر سزا بھی قید ہوسکتی ہے تو چور کی کمتر سزا قید ہونا خود قیاس چاہتا ہے۔ اس لئے یہ کہا جائے گا کہ جس طرح ڈاکہ کی انتہائی سز قتل یا صلیب ہے، قطع ید یا ہاتھ کا کاٹنا بھی چور کی انتہائی سزا ہے۔ اور اس سے کمتر سزا قید بھی اسے دی جاسکتی ہے۔ اگر حالات کا تقاضا ایسا ہو۔ اس سے تعامل کا انکار بھی لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ جن حالات میں جو سزا مناسب سمجھی گئی وہ اختیار کی گئی۔ مگر چوری کے خاص حالات میں یا عادی چور کے لئے قطع ید کی سزا رہے گی۔ ہاں! اس میں چاہیں تو توسیع ہوسکتی ہے۔

شیرخوارگی کی میعاد: شیرخوارگی کی میعاد کے متعلق، جو آپ نے ذکر کیا ہے، جہاں تک میں نے غور کیا ہے شیرخوارگی کی کوئی میعاد قرآن کریم نے لازمی نہیں ٹھہرائی۔ صرف اس قدر الفاظ ہیں اور وہ بھی طلاق کے مسائل کے ذکر میں کہ مائیں پورے دوسال تک اپنی اولاد کو دودھ پلائیں لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (233:2) اس شخص کے لئے جو دودھ پلانے کی میعاد کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ تو اس میں خود اختیار دیا ہے اس لئے اگر اس میعاد میں کوئی کمی بیشی قانوناً کی جائے تو گویا اس اختیار کو برتا ہے۔ گو مجھے یہ سمجھ نہیں آیا کہ قانونی طور پر کوئی میعاد شیرخوار کی مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ صرف رضاعت سے جو رشتے حرام ہوتے ہیں، ان پر قانون وہی حاوی رہے گا کہ دوسال کی پوری میعاد کے اندر جو رضاعت ہو اس سے رشتہ حرام ہوگا۔

وراثت کا قانون: ایک سوال وراثت کا ہے۔ جس کا ذکر آپ نے بھی کیا ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں وراثت کا قانون، جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے، اسلام کی جمہوریت کو مدنظر رکھتے ہوئے بہترین

قانون ہے۔ لیکن اس میں اگر کوئی قوم یہ راستہ اختیار کرتی ہے کہ وہ قرآن کریم کے الفاظ **مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ** (11:4) کو لے کر، جو تقسیم حصص کے ساتھ آئے ہیں، یہ قیاس کر لے کہ اگر کوئی وصیت ہو تو اس کا نفاذ پہلے ہوگا۔ تو اس طرح وصیت کے ذریعہ سے مطلوبہ غرض حاصل ہو سکتی ہے۔ اور قانون کا نفاذ اس صورت میں ہوگا جب وصیت نہ ہو۔ ایسا ہی ہر وراثت کے لئے وصیت کرنے کو قرآن کریم نے ناجائز نہیں ٹھہرایا۔ گو حدیث میں آیا ہے لَا وَصِيَّةَ لِلْوَارِثِ تو کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ وارث کے لئے بھی وصیت ہو سکتی ہے (میں اس کا قائل نہیں) ایسا کہنے میں وہ حق تاویل کو استعمال کر سکتا ہے۔

اجتہاد کی ضرورت: غرض میری یہ ہے کہ قرآن کریم کے خلاف ہم نہیں کر سکتے۔ ہاں قران کریم کے الفاظ کے کسی مشہور معنی کو ترک کر کے دوسرے معنی ہم اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ اجتہاد ہے۔ ہمیں جس چیز نے نقصان پہنچایا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک امام یا مفسر کی رائے کو بھی قرآن کریم کی طرح سمجھ لیا گیا ہے۔ ورنہ آج دلائل کے رنگ میں جن باتوں کی ضرورت ہے۔ وہ سب قرآن کریم کے آگے سر جھکاتے ہوئے بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ ہر زمانہ میں لوگوں نے اس زمانہ کی ضروریات کے مطابق اجتہاد کیا۔ لیکن آج اجتہاد کا دروازہ بند کیا جاتا ہے۔ یہ اصل غلطی ہے جو دور کرنے کے قابل ہے۔

ترکی اور تعدد ازدواج: مثلاً آج ترکی میں یہ قانون بنایا جاتا ہے کہ دوسرے نکاح کے لئے (یعنی تعدّد ازدواج کی صورت میں) ضرورت کو ظاہر کر کے قاضی سے منظور حاصل کر لی جائے۔ اور وہ یہ بھی اطمینان کرے کہ عدل کیا جائے گا۔ اب اس کو ہم خلاف قرآن نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ قران کریم نے تعدّد ازدواج کی اجازت صرف استثناء کے رنگ میں ضرورت کے لئے دی ہے۔ اگر کوئی قوم اجازت کی بد استعمالی سے تنگ آ کر ایک قومی قانون بنا لیتی ہے کہ بغیر ضرورت کا اطمینان کرانے کے کسی دوسرے نکاح کی اجازت نہ ہوگی تو یہ قرآن کریم کے حکم کا انکار نہیں۔ یہ صرف قانون یا اجازت کی بد استعمالی کو روکنے کا راستہ ہے۔

عام قانون: قرآن کریم کا کریمنل لاء تو اصل میں قتل، زنا اور چوری صرف تین امور میں بالتصریح سزا کا ذکر کرتا ہے۔ باقی تمام سزاؤں کو وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (40:42) کے عام قانون کے نیچے لاتا ہے۔ اور اس نے قانون سازوں کو پورا اختیار ہے کہ اس عام اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جو قانون چاہیں تجویز کریں۔

☆

23 جولائی 1947

پاکستان اور ہندوستان میں اقلیتوں کا مسئلہ

پاکستان کے ہر شہری کو بلاامتیاز یکساں حقوق حاصل ہوں گے

قائداعظم محمد علی جناح کی اہم تصریحات

13 جولائی کو پاکستان کے نامزد گورنر جنرل محمد علی جناح نے ایک پریس کانفرنس میں حکومت پاکستان کی اقلیتوں کے حقوق اور ہندوستان کی اقلیتوں کے سوال پر ایک نہایت اہم بیان دیا جو حسب ذیل ہے:

اقلیتوں کی حفاظت: سوال۔ کیا گورنر جنرل کی حیثیت سے آپ اقلیتوں کے مسئلہ پر کوئی مختصر سا بیان پیش کرسکتے ہیں۔

جواب۔ سردست تو میں صرف نامزد گورنر جنرل ہوں۔ اچھا فرض کر لیجئے کہ میں 15 اگست کو اس عہدے کی عنان سنبھال لیتا ہوں۔ آپ واضح طور پر سن لیں کہ اقلیتوں کے متعلق جو کچھ میں بار بار کہہ چکا ہوں گورنر جنرل بن جانے کے بعد میں اس سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا۔ میں نے اقلیتوں کے متعلق جب بھی لب کشائی کی تو میں نے اپنے اقوال کو اپنے ارادوں اور عزائم کا آئینہ دار قرار دیا۔ اور جو کچھ میں کر چکا ہوں، میرے عزائم بھی وہی ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اقلیت کا تعلق جو کہ کسی قوم سے کیوں نہ ہو، اس کے تحفظ کا اہتمام بہرکیف کیا جائے۔ اقلیتوں کے مذہب، ان کے عقائد یا نظریوں کا تحفظ ہر ممکن طریق سے کیا جائے گا۔ ان کی جانیں اور ان کے مال واملاک پاکستان میں محفوظ ہوں گے آزادی عبادت کی راہ میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ حائل نہ ہوگی۔ مذہب عقیدہ جان و مال اور ثقافت کی حفاظت کے معاملے میں پورا پورا انتظام کر دیا جائے گا۔ وہ ہر لحاظ سے پاکستان کے شہری کہلائیں گے اور اس ضمن میں ذات پات، رنگت، مذہب یا عقیدہ کا کوئی امتیاز نہ ہوگا۔ جب حکومت کی طرف سے اقلیتوں کو یہ مراعات حاصل ہوں گی تو اقلیتوں کا بھی یہ فرض ہوگا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔

اقلیتیں حکومت کے معاملات (راج نیتی) میں اپنا پارٹ ادا کرتی رہیں گی۔ جب اقلیتیں حکومت کی وفا شعار رہیں گی اور حق وفا ادا کرتی رہیں گی اور جب تک اقتدار کی کوئی عنان میرے ہاتھ

میں ہوگی۔اقلیتوں کوکسی نوعیت کے اندیشہ کی ضرورت نہ ہوگی............۔

وفاداری کی بنیادی شرائط: سوال۔آپ فرماتے ہیں کہ اگر پاکستان میں اقلیتوں نے حکومت کے ساتھ پیمان وفا استوار رکھا تو ان کے ساتھ فیاضانہ اور منصفانہ سلوک کا سلسلہ جاری رہے گا۔کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ یہی اصول ہندوستان میں مسلمانوں پر بھی جاری اور نافذ العمل رہے گا؟

جواب۔اس اصول کا اطلاق ہر اقلیت پر ہوتا ہے۔خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں آباد ہو۔ آپ اس اقلیت کا وجود ہرگز برداشت نہیں کر سکتے جو غیر وفا شعار ہو اور جو مملکت کو اندر سے تباہ کر دینے والے اشتغال جاری رکھے۔اس قسم کی اقلیت تو کسی حکومت کے لئے بہر کیف نا قابل برداشت ہوگی۔ہندوؤں اور مسلمانوں کو بلکہ ہر شہری کو میری نصیحت یہی ہے کہ وہ اپنی اپنی حکومت کے وفادار ہوکر رہیں۔

ہندوصوبوں میں مسلمانوں کی حفاظت: سوال۔ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ جو دلچسپی آپ آج لے رہے ہیں۔کیا اس کا سلسلہ (10 اگست کے بعد) جاری رہے گا؟

جواب۔ہندوستان میں ہر شخص کے متعلق اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے متعلق میری دلچسپی کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

سوال۔مسلم لیگ کا صدر ہونے کی حیثیت سے آپ ہندوصوبوں میں مسلمانوں کی حفاظت کے متعلق ضمانت حاصل کرنے کے لئے کیا طریق کار تجویز فرماتے ہیں؟

جواب۔اس ضمن میں میری توقع صرف یہ ہے کہ ہندوستان کی مملکت میں مسلمانوں کے ساتھ اسی قسم کا منصفانہ سلوک ہوتا رہے جیسا کہ ہم نے پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کے لئے تجویز کیا ہے۔میں نے حکمت عملی کا وسیع اصول بیان کر دیا ہے۔لیکن ہندوستان اور پاکستان میں تحقیقات اور اقلیتوں کی حفاظت کے اصل معاملے کا فیصلہ ہر دو مملکتوں کی دستور ساز اسمبلیاں ہی کر سکتی ہیں۔

کانگرسی اکابر کی دیوانگی: سوال۔حال ہی میں بعض کانگرسی لیڈروں نے جو بیانات دیئے ہیں اور تقریریں کی ہیں کہ اگر پاکستان میں ہندوؤں کے ساتھ برتاؤ کیا جائے گا تو ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ اس سے بدتر سلوک ہوگا۔اس کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے؟

مسٹر جناح۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس دیوانگی کو چھوڑ دیں گے اور میں جو راستہ تجویز کرتا ہوں اسے اختیار کریں گے۔ ایک آدمی کا بیان ادھر سے اور ایک کا ادھر سے لے کر پلندا بنا لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ سوسائٹی میں اور دنیا کے ہر حصہ میں کچے فہم کے اور بدقماش لوگ ہوتے ہیں۔ جنہیں میں احمق کے نام سے پکارتا ہوں (قہقہہ) اور یہ ملک اس سے مستثنیٰ نہیں۔

سوال۔ کیا آپ اقلیتوں کا پاکستان میں رہنے دینا پسند کریں گے۔ یا آپ تبادلہ آباد پسند کرتے ہیں؟

جواب۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے میں کہوں گا کہ پاکستان کی اقلیت کے لئے کسی بدظنی وشبہ کی ضرورت نہیں۔ انہی کو اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ وہ پسند کرتی ہیں۔ میں ان کو حکم نہیں دے سکتا۔

کیا پاکستان حکومت الٰہیہ ہوگی: سوال۔ کیا پاکستان ایک مذہبی حکومت یا حکومت الٰہیہ ہوگی۔ یا کوئی غیر مذہبی دنیاوی حکومت؟

مسٹر جناح۔ آپ مجھ سے ایک مہمل سوال پوچھ رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ حکومت الٰہیہ کے کیا معنی ہیں۔

ایک نامہ نگار نے یہ رائے ظاہر کی کہ مذہبی حکومت یا حکومت الٰہیہ کے معنی ایسی حکومت کے ہیں جہاں کسی خاص مذہب کے آدمیوں مثلاً مسلمانوں ہی کو پورے حقوق شہریت حاصل ہوں اور غیر مسلموں کو شہریت کے حقوق حاصل نہ ہوں۔

مسٹر جناح۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ میں اب تک جو کچھ کہہ چکا ہوں وہ سب کچھ نقش بر آب تھا (قہقہہ) خدا کے واسطے اپنے دماغ سے اس لغویت کو، جس پر بحث ہو رہی ہے، نکال ڈالئے۔ اس حکومت الٰہیہ کے کیا معنی ہیں۔ میں اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔

ایک اور نامہ نگار نے کہا کہ سائل وقائع نگار کا حکومت الٰہیہ سے منشاء ایسی حکومت ہے جس پر مولانا صاحبان کی حکومت ہوگی۔

مسٹر جناح۔ تو پھر ہندوستان میں پنڈتوں کی حکومت کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ (قہقہہ) مسٹر جناح نے سلسلہ جواب کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا ''آپ جمہوریت کا تذکرہ تو کرتے ہیں مگر آپ نے

اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم آج سے تیرہ سو سال پہلے جمہوریت سیکھ چکے ہیں''۔

ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات: اس سوال پر کہ پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات کیسے ہوں گے، مسٹر جناح نے فرمایا میں عرصہ دراز ہوا اس کا جواب دے چکا ہوں۔ اور اب پھر اس کو دوہراتا ہوں۔ میں دل سے توقع رکھتا ہوں کہ دونوں کے تعلقات دوستانہ و مخلصانہ ہوں گے۔ ان دونوں حکومتوں کو بہت کچھ کرنا ہے اور دنیا کا کیا کہنا ہم خود ایک دوسرے کے مدد و معاون ہو سکتے ہیں۔

ہم ایک دوسرے کے ہمسائے ہیں۔ آپ ہماری طرف سے غیر اندیشی و اعتماد میں کمی نہیں پائیں گے۔ اور اخبارات اور خبر رساں ایجنسیوں سے متوقع ہوں کہ وہ اس بات کے لئے ہندوستان پر زور دیں گی۔

پاکستان اور شریعت اسلامی: (23 جولائی 1947ء) جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ مملکت پاکستان میں شریعت اسلامی کے قوانین کو نافذ کیا جائے، ہم گذشتہ شیوع میں اس بات کو واضح کر چکے ہیں کہ صرف مسلمانوں کے لئے ایسے قوانین نافذ کئے جا سکتے ہیں۔ ہندوؤں اور دوسری اقلیتوں کے لئے ان کے اپنے اپنے مذہب اور رواج کے مطابق قوانین ہوں گے لیکن مسلمانوں کے لئے بھی ایسے قوانین کے نفاذ پر غور کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان تمام مسائل پر از سر نو غور کیا جائے، جن کو فقہ کی کتابوں میں شریعت اسلام کے نام سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بزرگان سلف نے ان کو مرتب کرنے میں بہت محنت اور عرقریزی سے کام لیا ہے۔ اور فقہ اسلامی کو مدون کرتے ہوئے مسائل کی چھان بین اور شریعت کے مطابق انہیں حل کرنے میں اپنی طرف سے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان بزرگوں کی محنت اور جد و جہد کو بنظر استخفاف دیکھنا یا ان کی قدر نہ کرنا پرلے درجے کی ناشکر گذاری کا اظہار کرنا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ فقہ اسلامی کا کچھ حصہ ایسا بھی ہے، جو از سر نو غور اور توجہ کا محتاج ہے۔ اگرچہ مسائل کے استخراج اور اجتہاد میں ان لوگوں نے قرآن و حدیث اور سنت نبویؐ کو ہمیشہ پیش نظر رکھا تاہم ان چیزوں سے اجتہاد کرتے ہوئے یا بعض امور میں قیاس سے کام لیتے ہوئے کئی ایسی باتیں ہیں جو ان کی نظروں سے اوجھل رہ گئیں۔ کئی ایسی باتیں ہیں جو ان کے اپنے زمانہ کے حالات و واقعات کے مطابق صحیح تھیں لیکن حالات کی تبدیلی اور

الفاظ قرآنی کی وسعت معنی کے پیش نظر ان مسائل کے دوسرے پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھنا اوران پر غور کرنا ضروری ہے۔

مثال کے طور پر قتل مرتد کے مسئلہ کو لیجئے۔ اس زمانہ میں جب شریعت اسلامی مدون ہوئی چونکہ دوسری اقوام مسلمانوں کے ساتھ برسر جنگ تھیں کسی شخص کا دین اسلام سے مرتد ہو جانا یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ اسلامی حکومت سے باغی ہو کر دشمن قوم کے ساتھ جا ملا۔ ارتداد کے اس پہلو کو ظاہر ہے کہ کوئی حکومت اور کوئی قوم برداشت نہیں کرسکتی۔ اس لئے ایسے شخص کی سزا قتل قرار دی گئی۔ یہ اس زمانہ کے حالات تھے، لیکن عام حالات میں کسی شخص کو محض دین چھوڑنے کی وجہ سے سزائے قتل کا مستوجب ٹھہرانا دین میں جبر کو جائز قرار دینا ہے۔ جو قرآن کریم کے کھلے الفاظ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (256:2) کے صریح خلاف ہے۔ اس لئے اس بارہ میں اگر قرآن کریم کی ان آیات کو دیکھا جائے جن میں محض ارتداد کا ذکر ہے تو ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ محض دین چھوڑنے پر کسی کو قتل کر دینا قران کریم نے جائز نہیں ٹھہرایا۔ اس موضوع پر مدت ہوئی ''پیغام صلح'' میں ایک سلسلہ مضامین لکھا گیا تھا، جس میں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو نہایت وضاحت کے ساتھ روشنی میں لا کر یہ ثابت کیا گیا تھا کہ فقہ اسلامی کا یہ حکم خاص حالات و واقعات سے تعلق رکھتا تھا۔ عام حالات و واقعات اور قرآن کے صریح ارشادات اس کے جواز کے متحمل نہیں۔

اسی قسم کے اور بھی بعض مسائل ہیں جن پر غور اور اجتہاد کی ضرورت ہے۔ نکاح و طلاق، خلع و تفریق، شفعہ، وراثت اور کئی دوسرے امور اور بعض تعزیری احکام ہیں، جن میں از سر نو غور و فکر اور اجتہاد کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ان مسائل کے بعض پہلوؤں پر بھی، جو اس سے پیشتر روشنی میں نہیں آئے یا ان کے اندر لوگوں نے بعض بدعات پیدا کرلیں، غور و فکر کرنا اور ان کو صحیح رنگ دے کر مروجہ غلط پہلوؤں سے لوگوں کو بچانا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں اسلامی شریعت ے بعض دیوانی و فوجداری قوانین کے متعلق حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کی بعض تصریحات اسی شیوع میں دوسری جگہ درج ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر آپ نے اپنی انگریزی تصنیف دی ریلجن آف اسلام میں ایسے مسائل پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے ضرورت ہے کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے مسئلہ پر غور کرتے

ہوئے ان تصریحات کو بالخصوص پیش نظر رکھا جائے۔ اور ایسے روشن خیال علماء کی ایک کمیٹی مرتب کی جائے جو شریعت اسلام سے پورے طور پر واقف ہونے کے علاوہ علوم جدیدہ سے بھی واقفیت رکھتے ہوں۔ اور مسائل کے استخراج میں ان کی نظریں اس قدر وسیع ہوں کہ زمانہ کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ مسائل کے تمام پہلوؤں اور قرآن وحدیث کے الفاظ کی وسعت کو بھی مدنظر رکھیں۔ اور اس بارہ میں ان تنگ خیال ملانوں کے خیالات سے متاثر نہ ہوں جو اجتہاد کا دروازہ بند کر کے اسلام کے لئے کئی قسم کی مشکلات کا موجب ہو رہے ہیں۔ اسلام ایک تبلیغ مذہب ہے۔ دنیا کے ہر قسم کے حالات و واقعات اور تمدن ومعاشرت سے اسے دو چار ہونا ہے۔ ایسے حالات میں اسے جہاں اپنی بنیادی خصوصیات اور احکام الٰہی کی صحیح سپرٹ کو برقرار رکھنا ہے۔ وہیں دوسرے لوگوں کے حالات اور تمدن و معاشرت کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہے۔ اس لئے اسلامی شریعت اور احکام الٰہی کے ان پہلوؤں کو، جو ملاّنوں کی تنگ نظری کی وجہ سے معقولیت واصلیت سے دور ہو گئے ہیں، پھر روشنی میں لانا اور ان پر از سرِ نو غور وفکر کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ جو امید ہے کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی کی توجہ کو ضرور اپنی طرف منعطف کرے گی۔

☆

23 جولائی 1947ء

امریکہ میں مکان خریدنے کے لئے پچاس ہزار روپیہ کی ضرورت

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی اپیل جماعت کے کسی ایک بزرگ سے

20 جون 1947ء کے خطبہ میں، جو 2 جولائی کے ''پیغام صلح'' میں شائع ہوا، حضرت امیر ایدّہ اللہ نے ذیل کی اپیل کی ہے جس کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

اس خط کو پڑھئے جو سب سے پہلا خط میاں بشیر احمد نے امریکہ سے لکھا ہے۔ انہیں مکان اس وقت تک نہیں ملا تھا۔ بعد کا پتہ نہیں۔ ان مشکلات کے حل کا وہ ایک علاج تجویز کرتے ہیں۔

> ''مناسب ہوگا اگر انجمن اپنا مکان خرید لے۔ پچاس ہزار روپے میں پانچ چھ کمروں کا مکان مل سکتا ہے۔ اگر مکان کرایہ پر بھی مل گیا تو کسی صورت میں سو ڈالر ماہوار سے کم کرایہ نہ ہوگا۔ یعنی سالانہ تقریباً چار ہزار روپیہ۔ اس صورت میں بارہ سال میں آپ ایک مکان کی قیمت ادا کر دیں گے اور پھر ہمیشہ کے لئے مفت''

میں جانتا ہوں جماعت کے اندر وہ بزرگ موجود ہیں جن کو خدا نے لاکھوں دیئے ہیں اور ان میں سے کوئی اگر ہمت کرے تو پچاس ہزار سے، جو اس کی وصیت کے دسویں حصہ سے بھی کم ہوگا، ایک مکان خرید کر دے سکتا ہے۔ اور یہ مکان اور مشن ہمیشہ کے لئے اسی کے نام ہوگا۔ میں نے میاں بشیر احمد سے وعدہ کیا ہے کہ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے پہلے میں اپیل کر کے ان کی خواہش کو پورا کر دوں گا۔

مگر میں اس وقت یہ اپیل ساری جماعت سے نہیں صرف ایک بزرگ سے کر رہا ہوں جس کے نام پر یہ مکان خریدا جائے اور جس کے لئے یہ ابدالآباد تک صدقہ جاریہ کا کام دے۔ جماعت سے میں اس وقت صرف اس قدر امداد چاہتا ہوں کہ وہ اصحاب جو دعا کی شرائط کو پورا کرتے ہیں اس دعا میں لگ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کسی ایک بزرگ کو یہ توفیق دے کسی ایک کے دل میں یہ وسعت پیدا کر دے کہ وہ اپنے لئے جنت میں ایک مکان یہاں سے ساتھ لے جائے۔ خدا نے ووکنگ میں بھی ہمارے لئے ایک

مستقل سامان پہلے سے کر رکھا تھا۔ اور خواجہ نذیر احمد کو کچھ توفیق دی کہ انہوں نے لندن میں ایک مکان اپنی گرہ سے خرید کر مشن کو دے دیا۔ پھر اس جماعت کو توفیق دی تو برلن میں بھی ایک مستقل انتظام ہو گیا اور جو کچھ نقصان اس مسجد کو پہنچا تھا اس کو پورا کرنے کے لئے آج خدا کے فضل سے چالیس ہزار روپے چندہ بھی ہو چکا ہے۔ تو جس خدا نے اپنے اس قدر فضل اس جماعت پر کئے ہیں، میں اس کے دروازے سے یہ امید بھی رکھتا ہوں کہ وہ ایک ایسے آدمی کو بھی کھڑا کر دے گا جو امریکہ میں ایک تبلیغی مرکز کا مستقل انتظام کر دے۔ کارخانے بنتے اور بگڑتے ہیں مگر یہ وہ کارخانہ ہوگا جو خدا چاہے گا تو بن جائے گا اور قائم رہے گا اور اس کا اجر اور ثواب اس تبلیغی مرکز قائم کرنے والے کو ابدالآباد کے لئے ہوگا۔

قرآن کریم کے تراجم مختلف زبانوں میں: (30 جولائی 1947ء) احمدیہ جماعت لاہور اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے لحاظ سے دنیا میں واحد جماعت ہے جس نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر مختلف زبانوں میں قرآن مجید اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت کی ہے۔ انگریزی ترجمہ القرآن اس وقت منصۂ مشہود پر آیا جب تعلیم یافتہ طبقے کے لئے اسلامی تعلیمات کو صحیح رنگ میں پیش کرنے کے لئے کوئی لٹریچر موجود نہ تھا کتاب ''موج کوثر'' کے مصنف کے قول کے مطابق انگریزی پڑھے لکھے طبقے میں اسلام کے متعلق جو بیداری پائی جاتی ہے، اس کا ایک بڑا سبب مولوی محمد علی صاحب کا انگریزی ترجمۃ القرآن ہے۔ یہ وہی تصنیف ہے جس کی اشاعت پر مولینا محمد علی جوہر مرحوم اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ وہ چاہتے تھے کہ اس پیغام کو وہ یورپ کے ایک ایک شہر اور ہر شہر کی ایک ایک گلی تک پہنچا دیں کہ جس درد کا مداوا وہ تلاش کر رہے ہیں، وہ اس کتاب میں موجود ہے۔ مولینا عبدالماجد صاحب دریا آبادی جب جوانی کے ایام میں دہریت والحاد کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے تو اسی کتاب نے انہیں صداقت کی راہ دکھائی۔ یہ تو اپنوں کے تاثرات تھے۔ لیکن یہ ترجمہ غیر مسلموں کو بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ستیہ مورتی، جو ہندوؤں کے مشہور لیڈر تھے، اس سے بہت اثر انداز ہوئے تھے۔ شملہ میں وائی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے ہر ہندو سے سفارش کی تھی کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ اسی طرح یہ ترجمہ یورپ، امریکہ، آسٹریلیا اور دیگر ممالک میں بہت سے لوگوں کی ہدایت کا موجب ہوا۔

قرآن کی اشاعت جماعت احمدیہ کی ایک نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ اس کا اندازہ صرف

اس امر سے ہوسکتا ہے کہ اب تک اس انگریزی ترجمہ القرآن کی قریباً دس ہزار کا پیاں مفت تقسیم کی جاچکی ہیں۔ڈچ اور جرمن زبانوں میں جو تراجم شائع ہوکر تقسیم ہوچکے ہیں،وہ علیحدہ ہیں۔

1943ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حضرت امیر ایدّہ اللہ کی تحریک سے دولا کھ روپے کے مستقل فنڈ سے تراجم قرآن کے عظیم الشان اور اہم کام کی بنیاد رکھی گئی۔احباب جماعت نے دل کھول کر اس تحریک میں حصہ لیا۔جماعت کی ان قربانیوں کا پہلا ثمر تامل ترجمۃ القرآن کی تکمیل ہے۔

یہ ترجمہ ہمارے مکرم بزرگ الحاج بی۔داؤدشاہ صاحب بی اے کی سالہا سال کی جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو تھی کہ تامل زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر صوری اور معنوی رنگ میں بہترین حیثیت سے تیار ہو۔الحمدللہ ان کی یہ خواہش پوری ہوئی۔خدا کرے کہ یہ ترجمہ ان کی زندگی ہی میں شائع ہو جائے۔اور بھولے بھٹکے انسانوں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے۔

دراصل یہ ترجمہ 1946ء کے آخر میں مکمل ہو چکا تھا۔لیکن اس پر نظر ثانی کی ضرورت تھی۔داؤدشاہ صاحب گذشتہ مارچ مسودہ قرآن کو لے کر بعض امور پر بحث کرنے کے لئے مرکز میں تشریف لائے تھے۔اب ان کے تازہ خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طباعت کا کام شروع ہونے والا ہے۔اس ترجمہ کی اشاعت پر داؤدشاہ صاحب اور جماعت کے وہ تمام لوگ جنہوں نے اس تحریک میں حصہ لیا ہے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ہندوستان کی سیاست میں حال ہی میں جو تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں ان کے پیش نظر ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت کی اشد ضرورت ہے۔ہماری خواہش تو یہ ہے کہ کم از کم قرآن مجید رسول کریمؐ کی سیرت اور اسلامی مسائل (نماز،روزہ،زکوٰۃ اور حج) کو ہندوستان کی ہر ایک زبان میں منتقل کر دیا جائے۔اور ان کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی جائے۔

ہم اپنے محترم دوست الحاج داؤدشاہ صاحب سے گذارش کریں گے کہ اگر رسول کریمؐ کی سیرت اور اسلام کی تعلیمات کے متعلق بھی کچھ مختصر رسالہ جات ترجمہ فرما دیں تو یہ بھی اسلام کی بڑی خدمت ہوگی۔قرآن مجید جیسی ضخیم کتاب کا مطالعہ کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔اسے صرف وہی شخص پڑھے گا جسے مذہبی مسائل سے خاص دلچسپی ہوگی۔جو اسلام کا بڑی سنجیدگی سے مطالعہ کرنے کا شائق ہوگا۔اور

ایسے اشخاص بہت کم ہیں کثیر تعداد ان لوگوں کی ہے جو تھوڑے وقت میں اسلام کے بنیادی اصولوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اب جبکہ قرآن مجید کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے، یہ کام زیادہ مشکل نہیں۔

بنگالی ترجمۃ القرآن: قریباً چار کرور مسلمانوں کی زبان بنگلہ ہے۔لیکن اس زبان میں بھی قرآن مجید کا کوئی ایسا مستند ترجمہ اور تفسیر موجود نہیں جو زمانہ حاضر کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔

بنگال کے ایک حصہ کے مسلمان خود مختار ہو چکے ہیں۔اس وقت تک ان کی رہنمائی کے لئے ایسے لٹریچر کی شدید ضرورت ہے جو ان کو اسلام کے علاوہ دیگر تحریکات کی طرف جانے سے روک سکے۔

سندھی ترجمۃ القرآن: احباب جماعت کو غالباً اس بات کی اطلاع ہوگی کہ سندھی زبان میں قرآن مجید کے بائیس پاروں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔اور سندھ میں جو صاحب اس نیک کام کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں اب وہ ملازمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں اس لئے بقیہ کام اب جلد مکمل ہو جائے گا۔ممکن ہے، اس سال کے اختتام تک ہی یہ ترجمہ مکمل ہو جائے۔

رمضان کا جہاد برنگِ دُعا: (30 جولائی 1947ء) 1- سب مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ تبلیغ دین اسلام کی ضرورت کا احساس پیدا کرے۔

2- جماعت احمدیہ لاہور کے دلوں میں وہ زبردست تڑپ پیدا کر دے کہ وہ اپنے اموال کے لئے قربان کر کے اس عہد کو پورا کریں جو مامور کے ہاتھ پر کیا تھا۔

3-اس جماعت کے ہر فرد کے دل میں وہ قوت پیدا کر دے کہ وہ جہاں رہتا ہے، اسے تبلیغ دین کا ایک مرکز بنا دے۔

4- کسی صاحب مال اور صاحب دل کو یہ توفیق دے کہ وہ پچاس ہزار روپے کے خرچ سے سان فرانسسکو میں اپنے نام پر ایک تبلیغ کا گھر بنا دے۔ جہاں سے ہمیشہ کے لئے براعظم امریکہ میں اسلام کا نور پھیلتا رہے اور اس کا نام بھی ہمیشہ کے لئے روشن رہے۔

خاکسار محمد علی

5 رمضان المبارک

☆

15 اگست 1947ء

ہدیۂ تبریک

بہ تقریب سعید قیام پاکستان

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے

1- میں سب سے پہلے قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں جن کے خدا پر بھروسہ اور دن رات کی ان تھک کوششوں سے، جن کے عزم اور استقلال سے، جن کی دور بینی سے، جن کی بے نفسی سے، جن کی زبردست قوت مقابلہ سے، اور جن کی وسعت قلبی سے آج مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان نعمت سے متمتع کیا کہ انہیں ہندوستان کے ایک حصہ پر حکومت عطا فرمائی۔ اے خدا تو اس مرد خدا کی عمر اور صحت میں برکت دے۔ اور اسے اور ہم سب کو یہ توفیق عطا فرما کہ ہم تیسری اس نعمت کو لئے ہوئے تیرے شکر گذار بندے بنیں اور ہمارے سر عاجزی سے تیرے در پر جھکے رہیں۔ مسلمان دوسروں پر حکومت کریں تو خدا کے عاجز بندے بن کر کریں۔

2- میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں ان سب مسلمانوں کی خدمت میں، ان کے عوام اور رؤسا کی خدمت میں۔ جن کی قربانیوں سے پاکستان بنا۔ بالخصوص ان عوام کی خدمت میں جن کی قربانیوں میں کسی قسم کی اغراض نفسانی کی ملاوٹ نہ تھی۔ جو قربانیاں کرنے میں آگے تھے اور ان سے فائدہ اُٹھانے میں پیچھے ہوں گے۔ ان میں سب سے بڑی قربانی وہ ہے جس نے مسلمان قوم کے اندر اتحاد پیدا کیا۔ اور ان سب سے اس دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس اتحاد کو ہمیشہ کے لئے قائم رکھے اور اس میں اور ترقی دے وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (10:59) ہمارے دلوں میں کلمہ گوؤں کے ساتھ کسی قسم کا حسد اور کینہ باقی نہ رہے اور ان مسلمان بھائیوں کو بھی جو ابھی تک اتحاد میں شامل نہیں ہوئے، یہ سمجھ عطا فرما کہ ان کی قوت کا راز اتحاد میں ہے اور ٹکڑے ٹکڑے بن کر ان میں سے آج کسی کو عزت بھی مل جائے تو کل کو وہ سب ذلیل ہوں گے۔ خود وہ بھی ذلیل ہوگا۔

3- میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں ان غیر معلوم مسلمانوں کی خدمت میں، جن کی راتوں کی دعائیں اور بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری اللہ تعالیٰ کی اس نعمت اور نصرت کو لانے کا ذریعہ بنی ہے اور جن کی

کوششوں سے خدا کا نور دنیا میں پھیل رہا ہے۔

4-بالآخر میں دعائے مغفرت وترقی درجات کرتا ہوں ان بزرگوں کیلئے، جنہوں نے اس ملک میں تبلیغ اسلام کا وہ بیج بویا جس کا پھل آج ہم پاکستان کے رنگ میں کھا رہے ہیں۔ اگر ان بزرگوں نے یہ بنیاد نہ رکھی ہوتی تو آج نہ صرف پاکستان ہی ہمارے وہم میں نہ آ سکتا تھا بلکہ ہم میں سے کروڑہا انسان شرک اور بت پرستی کی ظلمت میں مبتلا ہوتے۔ اور درخواست کرتا ہوں کہ مسلمان بھائی یہ دعا کریں کہ خدا ہمیں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے جن کے سینوں میں یہ تڑپ تھی کہ وہ اس زمین کو خدا کے نور سے روشن کر دیں اور خدا کا آخری پیغام قرآن تمام لوگوں تک پہنچا دیں۔ تا کہ ہم آنے والی نسلوں کے لئے وہی ورثہ چھوڑیں جو ہمارے بزرگوں نے ہمارے لئے چھوڑا۔ جس طرح آج ان کی محنت اور قربانیوں کی بدولت ہم پاکستان بنا رہے ہیں، ہماری محنت اور قربانیوں کی بنیاد پر وہ سارے ہندوستان کو ہی نہیں ساری دنیا کو ایسا پاکستان بنا دیں، جس میں بندوں کا تعلق اپنے خدا سے قائم ہو اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے پر رحم ہو۔ مسلمان پر بھی اور غیر مسلم پر بھی۔ اور ظلم وفساد دنیا سے مٹ کر ساری نسل انسانی ایک کنبہ کی طرح رہے۔

5-اور بالآخر یہ دعا کرتا ہوں کہ اے خدا! تو نے اگر ہمیں حکومت دی ہے تو خدمت خلق کی تڑپ بھی عطا فرما اور ہمیں ان لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما جنہوں نے بادشاہ ہو کر فقیرانہ زندگیاں بسر کیں۔ اور اپنے آپ کو اپنی رعایا کا حاکم نہیں ان کا خادم سمجھا اور ان کی خدمت کے لئے ادنیٰ سے ادنیٰ کام میں اپنی عزت سمجھی۔ تو اس اسلامی حکومت کو ایسا نمونہ بنا جس سے دنیا کی دوسری حکومتیں عدل وانصاف کا، رواداری کا، دیانت اور امانت کا اور مخلوق خدا کی خدمت کا سبق سیکھیں۔ تو اس کے عمّال کو بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے کو یہ توفیق عطا فرما کہ ان کے سر تیرے احکام پر جھکے رہیں اور ان کے دل مخلوق خدا پر رحم سے بھرے رہیں۔ خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

13 رمضان المبارک

☆

15 اگست 1947ء

حصول پاکستان کی جدوجہد میں جماعت احمدیہ کا کردار

پاکستان ۔ایک محیّر العقول واقعہ

پاکستان ایک خواب تھا جو آج سے سات آٹھ سال پہلے مسٹر محمد علی جناح نے دیکھا اور لاہور کے جلسہ میں مسلم لیگ میں بیان کیا۔اس وقت اس خواب کے سننے والوں نے اسے اصغاث احلام ہی سمجھا۔اور شاید بہت ہی کم لوگ تھے جو اسے ایک حقیقت سمجھ کر اس کی عملی تصویر دیکھنے کے امیدوار تھے۔ اور تو اور خود مسٹر جناح کو بھی یہ امید نہ ہو سکتی تھی کہ یہ خواب صرف سات سال کے عرصہ میں دولت خداداد پاکستان کی شکل میں پورا ہو کر مسلمانوں کی سربلندی کا موجب ہوگا۔

اس قسم کے سنہری خواب کانگریس نے بارہا مرتبہ دیکھے اور ان کو پورا کرنے اور آزادئ ہند کی جدوجہد کو کامیاب بنانے کے لئے اسے بیسیوں جتن کرنے پڑے۔ ہزاروں جانیں اسے اس راہ میں دینی پڑیں۔کروڑھا روپیہ صرف کرنا پڑا۔چھوٹے سے چھوٹے کانگریسی سے لے کر بڑے سے بڑے لیڈر تک کو قید وبند کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔کئی مرتبہ اسے خلاف قانون جماعت قرار دے کر صفحۂ ہستی سے فنا کر دینے کا تہیہ کیا گیا۔ ہندوؤں کا ایک ایک فرد اس کے ساتھ اور اس پر جان قربان کر دینے کے لئے تیار۔سکھ اس کی حمایت میں،مسلمانوں کا ایک حصہ اس کی تائید میں،ایسے حالات میں اور ان قربانیوں کے صلہ میں جو کچھ اسے ملا،تاریخ عالم میں وہ کوئی محیر العقول چیز نہیں۔

لیکن مسلم لیگ کو اتنے تھوڑے عرصہ میں جو کچھ کامیابی حاصل ہوئی،باوجودیکہ خود مسلمانوں کی ایک جماعت کانگریس کے ساتھ مل کر اسے فنا کر دینے پر تلی ہوئی تھی،صرف سات سال نہیں بلکہ دو تین سال کی جدوجہد سے جو عظیم الشان فتح اس کو نصیب ہوئی اور ایسی حالت میں نصیب ہوئی جبکہ نہ خرچ کرنے کے لئے ان کے پاس پیسہ تھا اور نہ حکومت کی سختیوں کا مقابلہ کرنے اور جان دینے والے آدمی،صرف ایک مخلص و بےنفس انسان تھا،جو کانگریس کے ہتھکنڈوں اور حکومت کے حیلوں بہانوں کو اس طرح توڑ کر رکھ دیتا رہا جیسے مکڑی کا جالا۔یا اتحاد کی وہ لہر تھی جو کانگریسی مسلمانوں کے علاوہ عام طور پر ہر طبقہ وفرقہ کے مسلمانوں میں پیدا ہوگئی۔جس نے خود بخود تنظیم کا ایسا رنگ اختیار کر لیا کہ ہندوؤں اور

سکھوں کے منظّم اور مسلح حملوں کو نہتے ہونے کے باوجود ناکام کر دیا۔اسے تاریخ عالم میں بے نظیر نہیں تو ایسی عظیم الشان فتح ضرور کہا جا سکتا ہے جس کی بہت ہی کم مثالیں پائی جاتی ہیں۔

ایسی فتوحات سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کا ایک خاص ہاتھ ان کی تائید میں ہو، اور وہ اپنے خاص فضل سے اپنے نام لیواؤں کو نوازنا چاہتا ہو کبھی نصیب نہیں ہو سکتیں۔ آج سے چند ماہ پہلے ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ ایک ایسی آواز تھی، جس پر بڑے سے بڑے سنجیدہ مسلمان بھی ہنسی اُڑا دیتے تھے۔ کیونکہ اول تو انگریز کا ہندوستان کو چھوڑنا ایک ناممکن بات نظر آتی تھی، اور پھر ہندوؤں اور سکھوں کا زور اور ہندوستان کی تقسیم کے خلاف ہر قربانی کے لئے تیاری، جس کے ساتھ حکومت کی بھی تائید موجود تھی یہاں تک کہ لارڈ ویول جیسے واسرائے نے بھی یہ کہہ کر مسلمانوں کو جواب دے دیا کہ جغرافیہ کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا۔ وزارتی مشن کا پاکستان دینے سے صریح انکار اور مسلم لیگ کی وزارتی مشن کے فیصلہ کو قبول کرنے پر آمادگی، یہ تمام چیزیں بتا رہی تھیں کہ ''پاکستان زندہ باد'' ایک بے حقیقت نعرہ ہے۔ جو چند دن میں ختم ہو جائے گا۔لیکن خدا کے کاموں کو کون جانتا ہے **اِذَا قَضٰٓی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ** (47:3) جب کسی کام کے کرنے کا وہ فیصلہ کر لے تو ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے اور کُنۡ کہہ کر بے حقیقت کو حقیقت کر دکھاتا ہے یہی آج مسلمانوں کے ساتھ ہوا ہے تمام ظاہری سامانوں کے ختم ہو جانے پر اس نے کن کہا اور ویول کو یہاں سے رخصت کر کے مونٹ بیٹن جیسی شخصیت کو اس کی جگہ بھیج دیا، اور اس کے ذریعہ سے ناممکن کو ممکن کر دکھایا بے حقیقت کو حقیقت بنا دیا۔ چند دنوں کے اندر پاکستان جیسی عظیم الشان مملکت مسلمانوں کے حوالے کر دی، جس پر جس قدر بھی سجدات شکر بجا لائے جائیں، جس قدر شکرانے کے نفل اس کی جانب میں پڑھے جائیں کم ہیں۔ مسلمان اس کے اہل نہ تھے، اس نے محض اپنی کرم نوازی سے ان کو اس کا وارث بنایا یہ ایک عظیم الشان واقعہ ہے جن کو تاریخ عالم کے محیر العقول واقعات میں سے قرار دیا جائے گا۔ یہ ایک نشان ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کو تازہ کرنے کا موجب ہے۔

بنگر اسے قوم نشانہائے خدا وند قدیر   چشم بکشا کہ بر چشم نشانست کبیر

ایسی حالت میں، کہ یہ ایک انعام الٰہی ہے جو بلا تردّد مسلمانوں کو ملا ہے، یہ کہنا کہ اس کے

حصول میں کیا کچھ جدوجہد کس کس نے کی، وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَالَمْ يَفْعَلُوْا (188:3) کا مصداق ہوگا۔ تاہم کسی تعریف کی خواہش کے بغیر یہ کہنا بے موقعہ نہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو مسلم لیگ اور پاکستان کی تائید میں کھڑا کر دیا، وہاں جماعت احمدیہ کو بھی یہ توفیق دی کہ وہ اپنے مقدس امام کی ہدایت کے مطابق دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کی خاطر اپنی بساط کے موافق اس کی حمایت میں آواز بلند کرے۔ یہ ایک مذہبی اور تبلیغی جماعت ہے، جسے سیاسیات سے چنداں سروکار نہیں، لیکن جہاں مسلمانوں کا وقار ایک متفقہ آواز کا طلبگار ہو، اس جماعت نے ان کا ساتھ دینے سے کبھی گریز نہیں کیا، اور تحریک پاکستان کے تمام دور میں اس کے اخبارات بالخصوص انگریزی اخبار ''لائٹ'' نہایت زبردست مضامین اس کی حمایت میں لکھتا رہا۔ اور ہم فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مضامین خود قائداعظم کی نظروں سے گذرتے رہے اور ان کی اہمیت کا اعتراف انہیں کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ ایک سابق وائسرائے کے ساتھ گفتگو کے دوران بھی ایسے بعض مضامین کا ذکر آیا۔

اسی طرح مسلم لیگ کی ہر ضرورت کے موقع پر اس جماعت نے اپنی طاقت کے مطابق مالی امداد کے لئے قدم بڑھایا اور کئی مرتبہ پیش قرار رقوم چندوں میں پیش کیں۔ ہر تحریک میں اس جماعت کے افراد، مردوں اور عورتوں نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر شمولیت اختیار کی اور اپنی تبلیغی جدوجہد کو برقرار رکھتے ہوئے حصول پاکستان کے لئے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اپنی بضاعتہ مزجاۃ میں سے خرچ کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس جماعت کے ان بزرگوں نے، جنہیں اللہ تعالیٰ راتوں کی تاریکیوں میں اپنے حضور کھڑا ہونے کی توفیق دیتا ہے، اسلام اور مسلمانوں کی برتری اور پاکستان کے حصول کے لئے دردِ دل سے دعائیں کیں۔ انہی دعاؤں کے جواب میں کچھ مدت پہلے حضرت امیر ایدّہ اللہ کو ''پاکستان زندہ باد'' کی بشارت بھی جناب الٰہی سے دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے عاجز بندوں کی دعاؤں کو سنا اور ان کی ناچیز اور حقیر ترین قربانیوں کو قبول فرمایا۔ جس کے نتیجہ میں آج ہم دلی رغبت کے ساتھ ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ بلند کرتے اور تمام جماعت احمدیہ، تمام مسلمانوں اور مسلم لیگ کے کارکنوں اور سب سے بڑھ کر قائداعظم کو تہ دل سے مبارکباد عرض کرتے ہیں۔

اس موقعہ پر بیجا نہ ہوگا اگر ہم قائداعظم اور اراکین مسلم لیگ کو اس امر کی طرف توجہ دلائیں کہ مملکت پاکستان کی حکمرانی اور ماتحت اقلیتوں کے ساتھ پوری رواداری اور عدل و انصاف کرنے کے علاوہ ایک بہت بڑا فرض جو ان پر عائد ہوتا ہے وہ تبلیغ اسلام کا فریضہ ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ مسلمانوں کی تمام کمزوریوں کی اصل جڑ اس فریضہ سے غفلت ہے۔ اگر شاہان اسلام اس ضروری فرض کو اپنے پیش نظر رکھتے اور جبر و تعدی سے نہیں بلکہ وعظ و تبلیغ سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تو شاید کانگریس اور مسلم لیگ کا موجودہ جھگڑا پیش نہ آتا۔ اور تمام ہندوستان پاکستان بن جاتا۔ اور ہمارے وہ ساڑھے چار کروڑ بھائی، جو ہندوراج کے ماتحت آ کر طرح طرح کے مصائب کا شکار بن رہے ہیں، ان مصائب سے بچ جاتے۔ اب بھی اگر توجہ کی جائے اور مملکت پاکستان میں ایک تبلیغی شعبہ قائم کر کے ہندوستان اور پاکستان کے طول و عرض میں ایسے نیک دل اور مخلص واعظین و مبلغین کو پھیلا دیا جائے جو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو غیر مسلموں کے سامنے لے جائیں اور اپنے حسن کردار اور عملی نمونہ سے ان تعلیمات کی خوبیوں کو ان پر واضح کر دیں تو بہت تھوڑے سے عرصہ میں بے شمار لوگ اسلام کے اندر لائے جا سکتے ہیں اور اس طرح یہ ملک اپنے حقیقی اور اصلی معنوں میں پاکستان بن سکتا ہے۔

☆

17 ستمبر 1947ء

مکتوب امیر

مشرقی پنجاب کے مصیبت زدہ بھائیوں کے لئے امدادی فنڈ

برادرانِ مکرم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مشرقی پنجاب پر جو تباہی آئی ہے اُس کی شاید دوسری مثال تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ اس وقت ان احباب جماعت کا فرض ہے، جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس بربادی سے بچایا ہے، کہ وہ اپنے اخراجات کو کم کریں اور اپنے بھائیوں کی کھلے دل سے امداد کریں۔ ہمارے بہت سے بھائی اس وقت مالی لحاظ سے بالکل برباد ہو چکے ہیں۔ان کی مصیبت کی اہمیت کو مدنظر رکھ کر ہر ایک دوست اپنی حیثیت کے مطابق معقول امداد کرے۔اس کے لئے ایک اپیل قائد اعظم کی طرف سے بھی نکلی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ سب احباب جماعت اپنی ریلیف فنڈ کی رقم کو پہلے ایک جگہ انجمن میں جمع کریں اور پھر انجمن جماعت کے بعض ممبران کی ضروریات کو دیکھ کر کچھ رقم اُن کی امداد کے لئے خرچ کرے اور کچھ عام ریلیف فنڈ میں دے دے۔مگر دو باتیں نہایت ضروری ہیں۔ایک یہ کہ اس میں تمام احباب جماعت کھلے دل سے حصہ لیں اور اپنی حیثیت کے مطابق معقول رقوم سے امداد کریں۔ دوسرے یہ کہ سب احباب کی رقوم پہلے ایک جگہ انجمن میں جمع ہوں اور پھر مناسب طور پر ان کی تقسیم کی جائے۔محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور۔14 ستمبر 1947ء

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی تبلیغی کوششیں: مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی لکھتے ہیں

1- سیّد کرامت علی شاہ صاحب مبلغ اچھوت اقوام نے لاہور میں فسادات کے باوجود ماہ مئی میں 9 کس غیر مذہب والوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔جن میں سے تین ہندو تین عیسائی اور تین اچھوت تھے۔ ماہ جون میں بھی ان کی کوشش سے 3 کس مسلمان ہوئے۔گذشتہ جولائی میں آپ نے سیالکوٹ کے دیہات کا دورہ کیا۔موضع سیدانوالی وغیرہ میں شادی کے موقع پر تبلیغی فرائض ادا کئے اور مسلمانوں کے باہمی بغض وعداوت کو دور کر کے ملاپ کرایا۔

2- ملک غلام سردار صاحب نے بھوپال سے گونڈوانہ کا دورہ کیا اور گونڈ قوم کے رؤسا سے

ملاقات کر کے ان کو تبلیغ اسلام کی ۔ ناگپور کی جامع مسجد صدر میں ایک ماہ تک قیام کر کے قرآن مجید کا درس دیا۔ جس میں ایک خاصا مجمع مسلمانوں کا جمع ہوتا رہا۔

3- رمضان المبارک میں ایک یورپین مرد و عورت کو، جو لاہور میں ایک اچھے کاروبار کے مالک ہیں، اسلامی لٹریچر پہنچا کر تبلیغ کی گئی۔ چنانچہ ان دونوں نے میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس سے قریباً ایک ہفتہ بعد دونوں کا خطبۂ نکاح مولوی آفتاب الدین صاحب نے بہ زبان انگریزی پڑھا۔ اور دونوں کا اسلامی نام عبدالرشید اور زہرہ خاتون رکھا گیا۔ مولانا دوست محمد صاحب، مولوی مرتضیٰ خاں صاحب، مولوی محمد علی صاحب متعلم تبلیغی جماعت نے اس تقریب میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں میاں بیوی کو استقامت بخشے۔

4- ہمارے مبلغ مولینا عبدالرشید صاحب کے ہاتھ پر علاقہ سندھ میں بھی کئی افراد سکھ اور ہندو اصحاب نے اسلام قبول کیا۔

مشرقی پنجاب کے پناہ گزینوں کے لئے ریلیف فنڈ مشرقی پنجاب کے مسلمان جن مصائب کا شکار ہوئے ہیں وہ کسی تبصرہ کے محتاج نہیں۔ پاکستانی علاقہ کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی ہمت سے بڑھ کر اپنے ان مصیبت زندہ بھائیوں کی امداد کے لئے چندہ دیں۔ تاکہ ان کی گوناگوں مصیبتوں کا کسی قدر مداوا ہو سکے۔ ہماری انجمن نے وسط اگست سے مسلم ہائی سکول لاہور میں ایک ریلیف کیمپ کھلا ہوا ہے جس میں بہت سے پناہ گزین ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اور قریباً پچاس آدمیوں کو روزانہ خوراک انجمن مہیا کر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں ابھی اور بہت سے اخراجات پیش آنے والے ہیں۔ کیونکہ مشرقی پنجاب کی جماعتوں سے ابھی اور بہت سے دوست لاہور آنے والے ہیں۔ اور سکول کھل جانے پر ان مہاجرین کے قیام کا بھی کسی اور جگہ انتظام کرنا ہوگا۔ اس لئے تمام احباب جماعت اور قارئین ''پیغام صلح'' کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کے لئے دل کھول کر چندہ دیں۔ تمام رقوم محاسب صاحب کے نام بھیجی جائیں اور وضاحت کر دی جائے کہ یہ ریلیف فنڈ کی رقوم ہیں۔

☆

8 اکتوبر 1947ء

مکتوب امیر

مصیبت زدگان مشرقی پنجاب کی امداد کے لئے اپیل

برادر مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس وقت ہماری جماعت کے کئی سو آدمی اس مصیبت میں مبتلا ہیں جو مشرقی پنجاب اور دہلی کے مسلمانوں پر آئی ہے۔ اور ابھی ہندوستان کے کچھ اور حصوں میں پھیل رہی ہے۔ یعنی وہ سب اموال اور جائیدادیں چھوڑ کر خالی ہاتھ مغربی پنجاب میں پہنچ رہے ہیں۔ یہ خدا کا احسان ہے کہ جہاں تک اس وقت تک علم ہو سکا ہے جماعت کے سب دوستوں اور ان کے اہل وعیال کی جانیں خدا کے فضل سے محفوظ ہیں۔ مگر وہ انتہاء درجہ کی پریشانی اور بے سروسامانی کی حالت میں ہیں۔ جماعت کے ان احباب پر، جن کو خدا نے اپنے فضل سے اس مصیبت سے محفوظ رکھا ہے، چند فرائض عائد ہوتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے میں یہ اپیل آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔

1- ان بھائیوں کی کچھ فوری ضروریات ہیں۔ یعنی یہاں پہنچنے پر ان کی خوراک رہائش لباس وغیرہ کا انتظام۔

2- اس سے بہت بڑھ کر وہ اخراجات ہیں جو ان کو ایسے کام پر لگانے کے لئے ضروری ہیں جس سے وہ اپنے لئے معاش کی صورت پیدا کر سکیں۔

3- اور ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ کچھ لوگ ہم تک پہنچ گئے ہیں۔ کچھ ابھی راستے میں پڑے ہیں جو آہستہ آہستہ یہاں پہنچ رہے ہیں۔ اور ابھی اس اخراج کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے۔ یعنی ہر دو چار دن بعد غالباً کسی پہلی سوچی ہوئی تجویز کے مطابق کسی اور مقام کے مسلمان ان مظالم کا تختہ مشق ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنی جان اور عزت بچانے کے لئے بھاگنا پڑتا ہے۔

4- تمام مسلمان بھائیوں کی امداد میں بھی ہم نے بحیثیت مجموعی حصہ لینا ہے اور اس اپیل کو کامیاب بنانا ہے جو قائداعظم نے اس وقت کی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی اطلاع دے چکا ہوں اس وقت ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم الگ الگ نہیں بلکہ بحیثیت جماعت ایک قدم اُٹھائیں اور اپنا سارا چندہ مرکز

میں جمع کر کے اسے مناسب طریق پر خرچ کریں۔ اس تحریک میں حصہ لینے کے لئے خدا کے اس فضل کو یاد کیجئے جو اس نے آپ پر کیا ہے کہ آپ کا مال اور آپ کی جائیداد محفوظ ہے۔ آپ کو کوئی پریشانی نہیں دیکھنی پڑی۔ کوئی نقصان نہیں اُٹھانا پڑا۔ اور اس بات کو بھی یاد رکھیئے کہ مسلمانوں پر موجودہ مصائب کو لانے والی اگر کوئی ایک وجہ قرار دی جاسکتی ہے تو وہ وہی ہے جس کا پتہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر دیا تھا جب آپؐ نے فرمایا۔ ''کہ قومیں تمہیں کھانے کو دوڑیں گی جس طرح بھوکے کھانے کے پیالے کی طرف دوڑتے ہیں''۔ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا یہ اس لئے ہوگا کہ ہم اس دن تھوڑے ہوں گا؟ آپ نے فرمایا۔ تعداد کے لحاظ سے تم اس دن بہت ہوگے۔ لیکن تم اس کوڑے کرکٹ کی طرح ہوگے جو سیلاب کے آگے بہتا چلا جاتا ہے۔ پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں وہن داخل کر دے گا۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ وہن کیا ہے؟ فرمایا۔ دنیا کی محبت اور موت کا خوف۔

مسلمانوں کو جب بھی کسی نے قومی کاموں کی طرف بلایا تو اُن پر دنیا کی محبت غالب آ گئی۔ ہر قوم آج اپنی قومی قوت کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کرتی ہے۔ مگر مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ جب ان سے کوئی چندہ مانگے تو ان کا یہ جواب ہوتا ہے کہ ہمارے پاس رکھا ہی کیا ہے۔ اور آج یہی لوگ ہیں جو روتے ہیں کہ کل کئی لاکھ کے مالک تھے آج ہم خالی ہاتھ ہیں۔ تو میں اپنے احباب سے اپیل کرتا ہوں کہ اگر خدا کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو ہم بھی ان کی طرح خالی ہاتھ ہوتے۔ مگر خدا نے ہمیں نقصان مال سے ہی محفوظ نہیں رکھا بلکہ ان خطرناک پریشانیوں سے بھی محفوظ رکھا ہے جنہوں نے بعض لوگوں کو واقعی دیوانگی کی حالت تک پہنچ دیا ہے۔ نہ صرف ان کے اموال ان کے ہاتھ سے نکل گئے بلکہ ان کے عزیز و اقارب بھی ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی شکر گزاری کے طور پر آیئے ہم خود اپنے اموال کو اس کے سامنے پیش کریں۔ اگر وہ ہماری اس ناچیز خدمت کو قبول فرمالے تو اس سے ہمارا دین و دنیا دونوں سنور سکتے ہیں۔

ہماری جماعت ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے اس وقت صرف ایک لاکھ روپے کی اپیل کرتا ہوں۔

1- جن کے پاس خدا کے فضل سے کافی مال موجود ہے وہ پانچ پانچ ہزار روپیہ اس فنڈ میں دیں۔ اور کم سے کم دس ایسے آدمی جماعت میں سے نکلیں یا پانچ ایسے نکلیں جو دس دس ہزار روپیہ دیں۔

2- جو متمول اصحاب اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتے وہ ایک ایک ہزار روپیہ دیں۔

3- جماعت کے باقی افراد ایک ایک ماہ کی آمد دیں۔ کسی کی آمد دو ہزار ہو یا ایک سو ہو اگر وہ یک مشت نہ دے سکیں تو چھ ماہ کی اقساط میں ادا کر دیں۔ یعنی ہر ماہ میں اپنی پانچ یوم کی آمد اس فنڈ میں دیں۔ اور یہ آسانی سے یوں ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کی حالت کو سامنے رکھ کر اپنے کھانے اور لباس کے خرچ میں کمی کر دیں۔ اگر چھ ماہ ہم اپنے بھائیوں کی مصیبت میں شریک ہو جائیں۔ روکھی سوکھی روٹی کھا کر اور لباس کے اخراجات کو بند یا کم کر کے گذارہ کر لیں یا اپنے پس انداز کو توشئہ عاقبت بنالیں تو آسانی سے چھ ماہ کے اندر ان سب بھائیوں کو اس قابل بنا دیں گے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔

مجھے امید ہے کہ یہ فنڈ ایک اور رنگ میں بھی دین کے لئے بہت بڑی قوت کا موجب ہوگا۔ مگر اس کا اظہار میں شاید جلسہ سالانہ سے پیشتر نہ کرسکوں۔ اس خط کا جواب مجھے فوراً ملنا چاہئے۔ اور دس دن سے زیادہ کسی صورت میں نہ لئے جائیں۔ جہاں بڑی بڑی جماعتیں ہیں وہاں چاہئے کہ جماعت کے احباب اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کے لئے نمونہ کا کام دیں۔ اور اس اپیل پر لبیک کہتے ہوئے جماعت کے یکجائی وعدہ سے مجھے اطلاع دیں۔ یہ فرض جماعت کے سیکرٹری اور پریزیڈنٹ دونوں کا ہوگا کہ وہ جلد سے جلد احباب جماعت کو جمع کریں۔ جو احباب اقساط میں دینا چاہیں وہ اقساط کی تفصیل اپنے وعدہ کے ساتھ دے دیں۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

☆

8 اکتوبر 1947ء

مظلوم مہاجرین

خواتین سلسلہ احمدیہ سے اپیل

بیگم صاحبہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

معزز خواہران! آپ جانتی ہیں کہ ہر سال ہمارے سالانہ جلسے کے ساتھ ایک دستکاری کی نمائش ہوتی ہے جس کی آمد اشاعت اسلام میں دی جاتی ہے۔ اس وقت مسلمان قوم جس نازک دور سے گذر رہی ہے اور جو دردانگیز واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے دن رات ہیں، ان کے پیش نظر میں اپنی بہنوں اور بچوں سے یہ اپیل کرتی ہوں کہ وہ اُون لے کر زنانہ مردانہ اور بچوں کی مختلف سائز کی سوئٹریں بنیں اور جلد از جلد بطور دستکاری مجھے بھیج دیں تا کہ وہ غریب مہاجرین میں تقسیم کر دی جائیں۔ یہی اس سال کی دستکاری سمجھی جائے گی۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھئے۔

اوّل۔ جو بہنیں بننا جانتی ہیں وہ اون کی سویٹریں بُن دیں۔ بغیر باہوں کی ہوں تو بہتر ہے ہر سائز کی ہوں۔ اون خواہ معمولی قیمت کا ہو مگر موٹی سلائی سے بنا جائے۔ تا کہ نرم رہے ہر سائز کی سویٹریں ہوں۔

دوم۔ جو بننا نہیں جانتیں وہ بچوں کے لئے چھوٹی بڑی مختلف لائز کی دلائیاں بنا دیں۔ معمولی کپڑے کی ہوں اور روئی بھروا دیں یا کپڑے کی ویسکوٹ بنا کر اس میں روئی بھروا دیں جس کو بنڈی یا سینہ بند کہتے ہیں۔ یعنی روئی دار واسکٹ۔

جس قدر جلد ممکن ہو یہ اپنی دستکاری ارسال فرما دیں کہ سردی شروع ہوگئی ہے اور ہزارہا مسلمان بچوں کا بغیر کپڑے کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اگر گرم کپڑے سی کر بھیج دیں تو وہ بھی شکریہ سے قبول کئے جائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ ممبران دستکاری فنڈ جلد از جلد اس طرف توجہ کر کے عنداللہ ماجور ہوں گی۔ یہ وہ مدد ہے جو ہم گھر بیٹھے ان بیکس مظلوم مہاجرین کی کر سکتے ہیں۔ اور دستکاری کی نمائش کی جگہ اس سال یہی کام کیا جائے گا۔ بیگم محمد علی

☆

15اکتوبر1947

اسلامی تہذیب کی بنیادیں

ازحضرت امیرایدّہ اللہ تعالیٰ

سورۃ العصر قرآن شریف کی سب سے چھوٹی سورتوں میں سے ایک سورۃ ہے اور اس کی صرف تین آیتیں ہیں۔مگر قرآن کریم کی ہر سورۃ ایک جامع کتاب بھی ہے۔اور سورہ العصر وہ جامع کتاب ہے جس میں تہذیب اسلام کے بنیادی اصولوں کو اختصار کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔

1-وَالْعَصْرِ (1:103) گذرتا ہوا زمانہ گواہ ہے۔

2-اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (2:103) کہ انسان گھاٹے میں ہے۔

3-اِلَّاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْابِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3:103)

سوائے ان لوگوں کے جو خدا پر ایمان لاتے اور اچھے کام کرتے ہیں۔اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کرتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو استقامت کی تاکید کرتے رہتے ہیں۔

گذرتے ہوئے زمانہ کی گواہی تاریخ انسانی کی گواہی ہے۔کیونکہ آگے ذکر انسان کا ہے۔ تاریخ انسانی اس بات پر گواہ ہے کہ باوجود اپنی ساری کوششوں کے، جو انسان آگے قدم بڑھانے کے لئے کرتا ہے، اس کا قدم پیچھے ہی ہٹتا رہتا ہے۔کتنی قومیں دنیا میں اُٹھیں، کیسے کیسے عروج پر پہنچیں، کتنی ترقی کی مگر آخر فنا ہو گئیں۔کتنی تہذیبیں پیدا ہوئیں۔کیا کیا اپنے کمالات کا اظہار کیا اور بالآخر کس طرح برباد ہوئیں اور صفحہ تاریخ میں ان کا صرف نام باقی رہ گیا!

یہ زمانہ یا تاریخ کی گواہی ایک دائمی ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ہے۔یعنی اسے بطور گواہ انسان کے سامنے پیش کیا ہے۔وہ گواہی ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ آج بھی وہ گواہی مل رہی ہے۔پہلی تہذیب سے دوسری تہذیب بڑھ کر پیدا ہوئی مگر وہ بھی برباد ہوگئی۔دوسری سے تیسری بڑھ کر پیدا ہوئی اور یہ بھی برباد ہوگئی اسی طرح یہ سلسلہ چلتا نظر آتا ہے۔یہاں تک کہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے یورپ کی مادی تہذیب اس کمال کو پہنچی کہ سب پہلی تہذیبوں کو مات کر دیا۔مگر اس کی تباہی کے آثار بھی اس قدر واضح ہیں کہ کوئی نہیں کہہ سکتا یہ کتنے دنوں کی مہمان ہے۔اس کی اخلاقی بنیادیں تو بالکل

گر چکی ہیں اور ظاہری بنیادیں بھی کھوکھلی ہو رہی ہیں۔ خود ہر مغربی ملک کے لوگ اپنی قوم کی اخلاقی بربادی پر واویلا کر رہے ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی قوم اخلاقی تباہی کے گڑھے کی طرف اندھا دھند دوڑی جا رہی ہے۔ اور انسان نہ صرف اخلاقی لحاظ سے درندگی کی حالت تک پہنچ گئے ہیں بلکہ ایک دوسرے کی تباہی اور بربادی کے بھی اسی طرح درپے ہیں، جیسے خونخوار درندے۔ ہمارے ملک میں جو درندگی پیدا ہو گئی ہے یہ سب یورپ کی مادی تہذیب کا اثر ہے!

تیسری آیت میں اسلامی تہذیب کی اساس کو بیان فرمایا ہے۔ اس کی پہلی بنیاد ایمان ہے۔ جس تہذیب کا خدا پر ایمان ہوگا وہی ہلاکت اور بربادی سے بچے گی۔ ورنہ جیسے تاریخ بتاتی ہے، تہذیبیں بنتی اور بگڑتی رہیں گی۔ ایمان باللہ کے ساتھ ہی اعمال صالحہ کا ذکر کیا۔ کیونکہ اعمال صالحہ خدا پر ایمان سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور خدا پر ایمان سے انسان اس قابل بنتا ہے کہ وہ اعمال صالحہ پر قادر ہو سکے۔ نیکی اور بدی کا فلسفہ یہ تو بتا سکے گا کہ یہ کام اچھا ہے اور یہ کام بُرا ہے۔ مگر کوئی فلسفہ نہ انسان کے اندر بدی سے بچنے کی طاقت پیدا کر سکتا ہے نہ نیک کام کرنے کی قوت پیدا کر سکتا ہے۔ یہ دونوں قوتیں صرف خدا پر ایمان سے پیدا ہوتی ہیں اور آج تک صرف انہیں لوگوں نے یہ قوت انسانوں میں پیدا کی، جن کا اپنا ایمان خدا پر کامل تھا۔ تاریخ کو تلاش کر لو۔ نیک کام کرنے کی اور بد کاموں سے بچنے کی قوت صرف مذہب نے پیدا کی اور خدا کی طرف سے آئے ہوئے مصلحین نے پیدا کی۔ تہذیب کی اساس اوّل ایمان اور اعمال صالحہ کو قرار دے کر دوسرے حصہ میں تہذیب کی اخلاقی بنیادوں کا ذکر کیا۔ اخلاق کی عمارت دو ستونوں پر قائم ہے۔ حق یا سچائی اور صبر یا قوت برداشت۔ اس لئے بتایا کہ اسلامی تہذیب کے پیرو ہر وقت ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تاکید کرتے ہیں۔ پس اسلامی تہذیب کی بنیادیں ایمانی اور اخلاقی ہیں۔ اور تہذیب وہی پائیدار ہوگی جس کی بنیادیں ایمانی اور اخلاقی ہوں۔ ورنہ، جیسا کہ تاریخ نسل انسانی گواہ ہے، جب کوئی تہذیب ان دو بنیادوں سے ہٹ جائے گی تو وہ ختم بھی ہو جائے گی۔ مغرب کی تہذیب اور اسلام کی تہذیب میں اصولی فرق صرف ایک ہے کہ یورپ کی تہذیب کی بنیادیں مادی ہیں اور اسلام کی تہذیب کی بنیادیں ایمانی اور اخلاقی ہیں۔ (روح عصر)

☆

12 نومبر 1947ء

ارشاد امیر

کون اپنے بھائی کی مصیبت میں شریک ہو گا!

1-ریلیف فنڈ جس کے لئے میں نے اپیل کی ہے وہ ایک خیراتی فنڈ نہیں بلکہ یہ انشاء اللہ جماعت کی باہمی امداد اور تعاون کا ایک مستقل فنڈ ہو جائے گا۔ اس لئے اس میں حصہ لینے والوں کو چاہئے کہ نظام جماعت کے ماتحت اس میں حصہ لیں۔

2-علاوہ ان اخراجات کے جو فوری طور پر ہو گئے ہیں جن دوستوں نے اپنے کاروبار کو چلانے کے لئے کچھ امداد کی خواہش کی ہے وہ بطور قرضہ ہی کی ہے۔ خودداری کی یہ مثال بہت ہی قابل تعریف ہے اس طرح پر اس فنڈ کو ایک مستقل فنڈ بنانے کی بنیاد گویا خود ان احباب نے ہی رکھ دی ہے جس سے آئندہ جماعت کو بہت بڑے فوائد پہنچنے کی امید ہے۔

3-اس فنڈ میں شمولیت کے لئے ادنیٰ مطالبہ یہ ہے کہ جماعت کا ہر وہ ممبر، جسے خدا نے اس عالمگیر فتنہ سے محفوظ رکھا ہے، اپنی خوشی سے، اپنی جان پر اور اپنے بال بچوں پر کچھ تکلیف اُٹھا کر، چھ ماہ کے لئے ہر ماہ اپنی پانچ دن کی آمد اس فنڈ میں دے۔ البتہ موجودہ گرانی میں غرباء کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے اب میں اس قدر ترمیم چاہتا ہوں کہ جن احباب کی آمد ایک سو روپے یا اس سے کم ہے وہ بجائے پانچ دن کے صرف دو دن کی آمد دیں۔

4-ہم ایک جماعت کہلانے کے مستحق نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہم سب برابر حصہ اس تحریک میں نہ لیں۔ جو احباب اس مطالبہ سے کم رقوم لکھوا رہے ہیں اُن سے میں پھر اپیل کرتا ہوں کہ یہی محبت دنیا ہی ہے جو موجودہ مصائب کو ہم پر لا رہی ہے۔ اگر امام وقت کی جماعت قربانی کا کوئی بلند نمونہ نہ دکھائے گی تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ابھی کیا مصائب مسلمانوں کے لئے باقی ہیں۔ اگر وہ کبھی اکیلے ہو کر سوچیں کہ خدا نے ان کو کس مصیبت سے بچایا ہے، جس کے ذکر سے بھی انسان کانپ اُٹھتا ہے، تو یہ پانچ دن کی آمد چھ ماہ کے لئے انہیں ہیچ نظر آئے۔

5-جن دوستوں نے یہ کمزوری دکھائی ہے، جماعت کے باہمت احباب سے درخواست ہے کہ وہ انہیں دوبارہ توجہ دلائیں کہ وہ اپنے کو جماعت کے نظام سے بالاتر نہ سمجھیں۔

6-امراء کے طبقہ نے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی۔ان سے بالخصوص درخواست ہے کہ خدا کے دیئے ہوئے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کر دیں۔ یہ ان کے لئے برکت کا موجب ہوگا۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

☆

24 دسمبر 1947ء

جلسہ سالانہ کا التوٰی اور ایّام جلسہ میں جماعت کے لئے کام کا پروگرام

از حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دسمبر کے آخری ایّام میں ہمارا سالانہ جلسہ ہوا کرتا تھا۔ جو مجبوراً ملتوی کرنا پڑا۔ مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ چند دن ہم اب بھی اسی کام کے لئے مخصوص کر دیں جو ہمیشہ ان دنوں میں کرتے تھے۔

1- پہلا کام یہ تھا کہ ان ایام میں دنیا کے سب کام چھوڑ کر ہم انہیں تبلیغ کے لئے مخصوص کر دیتے تھے۔ اس کا انتظام یوں کیا جائے کہ 26 دسمبر کے جمعہ میں تبلیغی لٹریچر جس قدر کہیں موجود ہے وہ سب احباب میں بانٹ دیا جائے کہ وہ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں۔ جماعت کے جملہ افراد اس میں حصہ لیں۔

2- ایک کام ان ایام میں ان تجاویز پر غور کرنا ہوتا تھا جس سے تبلیغ کے کام کو قوت پہنچے۔ اس کی تعمیل کے لئے یہ صورت اختیار کی جائے کہ جس دوست کے خیال میں کوئی اصلاحی تجاویز ہوں وہ مختصر طور پر انہیں نوٹ کر کے میرے پاس یا جنرل سیکرٹری کے پاس بھیج دیں۔ ان سب تجاویز پر ایک کمیٹی غور کر کے انہیں عمل میں لانے کی کوشش کرے گی۔

3- تیسرا کام جماعت کو انجمن کے مالی استحکام کی طرف توجہ دلانا ہوتا تھا۔ اس کے لئے اتوار 28 دسمبر ہر جماعت ایک جلسہ کرے۔ جس میں چندہ ماہوار کو پچاس روپے سے اوپر آمدنیوں کی صورت میں ایک آنہ فی روپیہ اور اس سے کم تین پیسے فی روپیہ کی سطح پر لانے کی کوشش کی جائے۔

4- ہر جماعت میں ایک مختصر سا وفد بن کر ان صحاب کے پاس جائے جنہوں نے ابھی تک ریلیف فنڈ میں حصہ نہیں لیا۔ اس فنڈ میں اس وقت تک صرف بیس پچیس ہزار روپے کا انتظام ہوا ہے حالانکہ ایک لاکھ روپے کے لئے اپیل کی گئی تھی۔ یہ وفد حسب ذیل امور کی طرف ایسے احباب کو توجہ دلائے۔

الف۔ جماعت کے بہت سے احباب اب تک معمولی ضروریات زندگی کے محتاج ہیں

حالانکہ ابھی ان کو کام پر لگانے کا سوال باقی ہے جس کے لئے بہت سے روپے کی ضرورت ہے۔

ب۔ کشمیر کے مسلمان جس مصیبت میں اس وقت مبتلا ہیں، وہ اسلام کے اس ملک میں مستقبل پر ایک گہرا اثر ڈالنے والی ہے۔ اگر کشمیر میں مسلمانوں کو کچل دیا گیا تو سارے ہندوستان میں اسلام کا مستقبل سخت تاریک ہے۔ ہم نے بحیثیت جماعت جو حصہ اس میں اس وقت تک لیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ریلیف فنڈ میں کافی روپیہ نہیں آیا۔ کم از کم پچاس ہزار روپیہ سے ہمیں اس کام میں حصہ لینا چاہئے۔

ج۔ گو اس وقت بھی ہم نے ان غیر از جماعت اصحاب کی وقتی مصیبت کو دور کرنے کے لئے پوری کوشش کی ہے جنہوں نے ہماری طرف رخ کیا ہے، مگر اس کے باوجود بھی قائداعظم ریلیف فنڈ میں ایک معقول رقم سے حصہ لینا چاہئے۔

جنوری کے پہلے ہفتہ میں ہر جماعت ان امور کی سرانجام دہی کے متعلق ایک رپورٹ مرتب کر کے دفتر میں بھیج دے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

22 دسمبر 1947ء

☆

4 فروری 1948ء

گاندھی جی کا قتل

حضرت امیر ایدّہ اللہ کے قلم سے

جب میں نے گاندھی جی کے قتل کی خبر سنی تو سب سے پہلا خیال جو میرے دل میں آیا وہ یہ تھا کہ یہ پستول گاندھی جی کے سینے پر نہیں چلا بلکہ ہندو قوم کے سینے پر چلا ہے۔ گاندھی جی ہندو قوم کے اتحاد کا ایک زبردست نشان تھے۔ اور ان کو جس قدر کامیابی ہوئی، اور اس میں شک نہیں کہ سیاسی رنگ میں یہ کامیابی بڑی زبردست کامیابی تھی، وہ اسی وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے ہندو قوم کے اندر ایک زبردست اتحاد پیدا کر دیا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ گاندھی جی کا قتل ہندو قوم میں پھوٹ کا ایک زبردست پیش خیمہ ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس قوم کے ان اجزاء کو، جو اس فعل شنیع کے ارتکاب کے پیچھے کام کر رہے ہیں، وقت پر سمجھ آ جائے اور وہ اس شاخ کو کاٹنے سے رک جائیں جس پر وہ خود بیٹھے ہوئے ہیں۔ مگر سر دست ایسے آثار نظر نہیں آتے۔ اس لئے کہ ایسے ناپاک اور کمینہ فعل پر ان اجزاء کو اس قدر خوشی ہوئی کہ قتل کی خبر پر انہوں نے مٹھائیاں تقسیم کیں، جیسا کہ بمبئی کے وزیر اعظم نے بتایا ہے۔

ہندو قوم کی سفّاکی اور گاندھی جی کا مرن برت: اصل میں ہندو قوم کے یہی اجزاء تھے جنہوں نے پہلے مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ یہ تہیہ کئے ہوئے تھے کہ سارے ہندوستان سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ اور وہ مشرقی پنجاب سے آگے بڑھ کر دہلی تک بلکہ اس سے بھی پرے تک یہ خونریزی کر چکے تھے کہ گاندھی جی کے دل میں خدا نے یہ ڈالا کہ اس انسانیت سوز فعل سے ان کی قوم دنیا میں اس قدر رذلیل ہو جائے گی کہ ان کی ساری محنت، جو انہوں نے اب تک اس قوم کے بنانے پر کی تھی، رائیگاں جائے گی۔ اور یہ قوم اخلاقی طور پر ہی دنیا میں نہیں گر جائے گی بلکہ اس درندگی کے اظہار کے بعد اس کا شمار مہذب قوموں میں تو کیا انسانوں میں بھی نہیں ہوگا۔ بلکہ شاید اس سے بدتر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دی جائے گی۔ جن سے ابھی یہ آزاد ہوئی تھی۔ اس لئے انہوں نے یہ تہیہ کر لیا کہ اپنی قوم میں اور اس سفا کی اور درندگی میں روک بن کر کھڑے ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ کیا۔ اور جب معمولی نصائح کو انہوں نے کارگر نہ پایا تو مرن برت رکھا کہ شاید اسی ذریعہ سے یہ قوم راہ راست پر آ جائے۔

مگر دوسری طرف یہ اجزاء، جو ایک مدت سے مسلمانوں کو ہندوستان سے مٹانے کے منصوبے کر رہے تھے، اس بات کا پختہ فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ اپنے اس وحشیانہ ارادے سے کسی صورت میں باز نہ آئیں گے۔ چنانچہ جب گاندھی جی نے روزہ کھولا تو اس وقت ہندومہاسبھا اور دوسرے ان لوگوں نے جو مسلمانوں کے قتل عام کی سازش میں شامل تھے، شرائط کے اس کاغذ پر دستخط نہ کیے جو گاندھی جی نے مسلمانوں کے خلاف فتنہ کی آگ کو فرو کرنے کے لئے پیش کیا تھا، انہوں نے اپنا عندیہ اس طرح صاف بتا دیا۔ مگر افسوس کہ حکومت ہند نے اس وقت بھی اسی طرح غفلت سے کام لیا جس طرح مسلمانوں کو قتل ہوتے دیکھ کر غفلت سے کام لیا تھا۔ اور گاندھی جی کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کیا۔ ان اجزاء کی طرف سے گاندھی جی کے قتل کیے جانے کی پہلی وارننگ اس بم کے رنگ میں آئی تھی جو گاندھی جی پر پھینکا گیا مگر ناکام رہا۔ پھر بھی حکومت نے غفلت برتی اور کوئی انتظام نہ کیا۔ ممکن ہے کہ حکومت کے بعض اجزاء بھی اس سازش میں شامل ہوں، جن کی وجہ سے ایسی لاپروائی برتی گئی۔ اور بالآخر 30 جنوری 1948ء کی شام کو وہ المناک واقعہ ظہور پذیر ہوا جس نے دنیا کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلا دیا اور دنیا کے لوگ اس قوم کی ذہنیت پر انگشت بدنداں رہ گئے۔

محسن کشی کی انتہاء اور ہندو قوم کی ذہنیت: اپنے محسن کو قتل کرنا اور پھر اتنے بڑے محسن کو قتل کرنا، جس نے غلامی کی ذلیل ترین حالت سے اُٹھا کر اس قوم کو بادشاہت کے مقام تک پہنچا دیا، ایک ایسا ذلیل فعل ہے جس پر درندوں کا سر بھی شرم سے جھک جاتا ہے۔ گو اس میں شک نہیں کہ ہندوستان بہت کچھ اپنی عزت اور وقار کو مسلمانوں کے قتل عام سے بھی کھو چکا تھا۔ اور دنیا کی قوموں میں اس کا وہ مرتبہ نہ رہا تھا جو غلامی کی حالت میں اسے حاصل تھا۔ مگر اس محسن کشی نے ہندو قوم کو ہمیشہ کے لئے بہت ہی ذلیل مقام پر پہنچا دیا۔ اور یہ واقعی صحیح ہے کہ گاندھی جی کو مار کر اخلاقی رنگ میں یہ قوم دنیا کی نظروں میں مر چکی ہے۔ اور گاندھی جی کی زندگی کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ ہندو قوم کی عزت اور وقار ہمیشہ کے لئے دنیا سے مٹ گئے۔ ہندو قوم کو جن ناعاقبت اندیشوں نے اس طرح دنیا میں ذلیل کیا ہے وہ اس قوم کے بدترین دشمن ہیں۔

اس امر واقعہ کے اس تاریک پہلو کے ساتھ ایک پہلو امید کا بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حکومت اور ہندو قوم کے ایک بڑے طبقہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ گاندھی جی نے جو امن اور اتحاد کا کام شروع کیا تھا

وہ اس کو زندہ رکھیں گے۔ اور اس کو قوت دیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ ان کو یہ توفیق دے تو یہی بات گاندھی جی کو امر کرنے والی ہے۔ اگر ان کی تعلیم زندہ رہے تو وہ خود بھی مرے نہیں۔ زندگی جسم کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ اصول اور تعلیم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے لئے اس عزم کی ضرورت ہے جو عزم گاندھی جی میں پیدا ہو گیا تھا۔ کوئی اصول دنیا میں قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو قائم کرنے والے موت کے مقابلہ کے لئے اور مرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔

قرآن اور سیرت کا مطالعہ گاندھی جی کے عزم اتحاد کا موجب تھا: گاندھی جی میں کیوں یہ عزم پیدا ہوا اس لئے کہ انہوں نے قرآن شریف کو بھی پڑھا۔ محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت کو بھی پڑھا۔ خلفائے اسلام کی زندگیوں کا بھی مطالعہ کیا۔ تاریخ اسلام کو بھی پڑھا۔ اس سے ان کے اندر اسلام کے متعلق ایک روشنی پیدا ہو گئی۔ یہ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ قرآن شریف کے مطالعہ سے اور سیرت نبویؐ کے مطالعہ سے ان کے خیالات میں ایک بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ جب ایک دفعہ انہوں نے کانگریس والوں کو حکومت کے متعلق کچھ نصیحت کی تو اس میں یہی کہا تھا کہ صحیح معنی میں حکومت کرنی ہے تو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی نقل کرو۔ اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اگر ان کے دل میں قرآن کے ساتھ محبت پیدا نہ ہو گئی ہوتی تو وہ اپنی پرارتھنا کا ایک جزو اسے کیوں بناتے کہ جس طرح ''گیتا'' ان کی مجلس میں پڑھی جاتی ہے، اسی طرح قرآن شریف بھی پڑھا جائے۔ تنگ ذہنیت کے لوگ اس پر ان سے بگڑتے بھی رہے۔ مگر انہوں نے کسی کی پروا نہیں کی۔ بلکہ آخر تک قرآن شریف کی تلاوت کو اپنی پرارتھنا کا ایک حصہ قرار دیا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم کی اس قدر محبت ان کے دل میں تھی کہ اس کا اثر ان کی موت کے بعد بھی نظر آیا۔ چنانچہ ان کی ارتھی کو چتا میں رکھنے سے پہلے بھی ''گیتا'' اور قرآن کریم پڑھے گئے اور ان کے پھول اُٹھانے کے وقت بھی قرآن کریم پڑھا گیا۔ کیا بعید ہے کہ ان لوگوں میں جو اُن کے سچے دل سے پیرو ہیں یہ بات ہمیشہ کے لئے مروّج ہو جائے!

ہندوؤں کے بغض و عناد کی وجہ: یہ ایک نہایت ہی امید افزا پہلو ہے جس سے ہم مسلمان اگر کوشش کریں تو ان لوگوں کے بغض و عناد کو بھی محبت میں تبدیل کر سکتے ہیں جنہوں نے اپنے بغض و عناد سے نہ صرف لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا بلکہ اپنے اس محسن کو بھی قتل کر دیا جو مسلمانوں کو ان کے ہاتھ سے بچانے

کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ بات یہ ہے کہ ہم اپنی غفلت اور لاپروائی کا الزام دوسروں کو دینا آسان سمجھ لیتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کے متعلق بغض وعناد ہے۔ مگر وہ بغض وعناد کیوں ہے۔ اس کی وجہ تو خود ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دی تھی۔ جب احد کے موقعہ پر آپؐ کے بہت سے صحابہؓ شہید اور زخمی ہو گئے اور آپؐ خود بھی زخمی ہو کر گر گئے۔ تو کسی نے کہا یا رسول اللہ! ان کے لئے بددعا کیجئے۔ تو آپؐ نے دعا یوں کی کہ اے خدا تو ان کو معاف کر اِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ۔ یہ جانتے نہیں۔ ان کو علم نہیں کہ میں انہیں کس مقام پر پہنچانا چاہتا ہوں!

تو ہماری غفلت یہ ہے کہ بارہ سو سال اس قوم پر حکومت کر کے ہم نے انہیں اسلام کی صحیح تعلیم کی خبر نہیں دی۔ ہم نے انہیں محمد رسول اللہ صلعم کی صحیح تصویر نہیں دکھائی۔ ہم نے اُن کے سامنے قرآن کریم کو کھول کر نہیں رکھا کہ آپ پڑھ کر دیکھ لیں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ گیٹے جرمن کا ایک مشہور شاعر اور فلسفی گذار ہے اس نے قرآن کریم کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ہم بدترین عناد کے خیالات کو دل میں لے کر اسے پڑھنا شروع کر دیں، تو قبل اس کے کہ ہم اسے ختم کریں، یہ اپنی محبت خود ہمارے دلوں میں پیدا کر لیتا ہے۔ آیئے ہم اپنے ہندوستانی بھائیوں پر بھی اس کا تجربہ کر کے دیکھیں!

قرآن کریم کے تراجم ہندوؤں میں پھیلاؤ: اس لئے میں اس موقعہ پر اپنے مسلمان بھائیوں کو دو باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ جن میں سے پہلی بات تو یہی ہے کہ ہم ہندوستان کی تمام زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے کر کے اور سیرت نبویؐ کے ترجمے کر کے ان لوگوں کے سامنے قرآن شریف اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو کھول کر رکھ دیں۔ اگر ہم یہ کام کر دیں تو شاید اسلام کے بدترین دشمن کل کو اس کے بہترین دوست بن جائیں۔ خوب یاد رکھیں کہ جو عناد دلوں میں پیدا ہو گیا ہے اس کا علاج صرف ایک ہی ہے کہ ہم اپنے بدترین دشمنوں کی بھی ذہنیت کو بدلنے کی کوشش کریں، اور اس ذہنیت کے بدلنے کے لئے پہلا قدم یہی ہے کہ ہم ان کی اپنی زبانوں میں اسلامی لٹریچر ان لوگوں تک پہنچائیں۔

قرآن اور سیرت کو خود مطالعہ کر کے اپنا نمونہ ان کے مطابق بناؤ: لیکن اس کے لئے ایک دوسرا قدم بھی اُٹھانے کی ضرورت ہے۔ جو پہلے قدم سے زیادہ مشکل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم خود قرآن کریم کو پڑھیں اور سیرت نبویؐ کا مطالعہ کریں۔ اور ایک طرف قرآن کریم کی بہترین نصائح پر اور دوسری طرف

نبی کریم صلعم کے نمونہ پر چلنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ کوئی اعلیٰ درجہ کی تعلیم بھی اس وقت تک لوگوں کو اپنی طرف نہیں کھینچتی جب تک کہ انسانوں کے ایک گروہ میں اس پر عمل نظر نہ آئے یہی چیز تھی جس نے ابتداء میں چند سالوں کے اندر اندر ایک دنیا کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا۔ یہی چیز تھی جس نے اس بت پرستی کے ملک میں لاکھوں انسانوں کو توحید کا شیدا بنا دیا۔ اسلام اس ملک میں صرف ان بزرگوں کی بدولت پھیلا جو خود اس کی پاک تعلیم کا عملی نمونہ تھے۔ اور آج بھی دوسرے لوگ اسلام کے آگے جھکیں گے تو اس صورت میں جھکیں گے کہ ہم مسلمانوں کے عمل میں قرآن کریم کی تعلیم اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی کوئی جھلک لوگوں کو نظر آئے۔ خوب یاد رکھیئے کہ نہ صرف ہندوستان میں اسلام کا مستقبل اس بات سے وابستہ ہے بلکہ خود پاکستان کا قیام بھی یہی چاہتا ہے کہ ہم اسلام کے متعلق ہندوؤں کی ذہنیت کو بدلنے کی کوشش کریں۔ اور اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو غلط خیالات پیدا ہو گئے ہیں ان کو نکالنے کی کوشش کریں۔ خاکسار محمد علی

حضرت امیر ایدّہ اللہ کے خطبات عربی جرائد میں: (10 مارچ 1948ء) یہ امر ازحد طمانیت اور خوشی کا موجب ہے کہ جماعت احمدیہ کا لٹریچر بلاد عرب بالخصوص بغداد، عراق اور مصر وغیرہ میں بہت مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض عربی جرائید کے مقالات اور حضرت امیر ایدّہ اللہ کی کتب پر ان کے پاکیزہ خیالات کا ذکر قبل ازیں ان کالموں میں آتا رہا ہے۔ اب یہ دیکھنا موجب مسرت ہے کہ حضرت امیر ایدّہ اللہ کے خطبات کے تراجم بھی عربی جرائد میں شائع ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس وقت ہمارے سامنے بغداد کے مشہور اخبار ''الاتحاد'' کا ایک پرچہ ہے۔ جس میں حضرت ممدوح کے ایک خطبہ جمعہ کا عربی ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ اس خطبہ میں حضرت امیر ایدّہ اللہ نے مسلمانوں کے اتحاد پر زور دیتے ہوئے اس تحریک کا خیر مقدم کیا ہے جس میں بلاد اسلامیہ اور پاکستان کے مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی طرح ڈالی گئی ہے۔

ہم اپنے محترم دوست سید تصدیق حسین صاحب قادری کے ممنون ہیں کہ ان کے توسط اور ان کی پیہم مساعی سے بلاد اسلامیہ جماعت احمدیہ کے نقطہ نگاہ اور اس کی خدمات دینیہ سے واقف ہوتے جا رہے ہیں۔ اس خطبہ کی اشاعت بھی سید صاحب کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے

خیر دے اور ان کی کوششوں کو بار آور فرمائے۔

نیو ورلڈ آرڈر کے ترکی ترجمہ کے مطابق حضرت امیر ایدّہ اللہ کا جواب: اس خط کا حضرت امیر ایدّہ اللہ کی طرف سے حسب ذیل جواب بھیجا گیا ہے: میرے محترم بھائی! السلام علیکم مجھے آپ کا 23 فروری کا خط موصول ہوا۔ جس میں آپ نے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا ترکی زبان میں ترجمہ کرنے کی اجازت طلب کی ہے۔ یہ امر میرے لئے بہت بڑی خوشی کا موجب ہوگا کہ میرے ترکی بھائی بھی اسلام کی اس پاکیزہ تصویر سے آشنا ہوں جو میری طرف سے پیش کی گئی ہے۔ اور مستقبل قریب میں تمام انسانوں کے دلوں کو فتح کرنے والی ہے۔ دنیا کے لئے ان مصائب سے، جو مادیت نے آج پیدا کر رکھے ہیں، مخلصی حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ اسلام کے روحانی چشمہ سے سیراب ہو۔ آپ کو اس ترجمہ کے لئے میری طرف سے نہ صرف اجازت ہے بلکہ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے پاکیزہ ارادوں کی تکمیل میں آپ کا مدد و معاون ہو۔ اور خدمت اسلام کے لئے آپ کی کوششوں کو بار آور فرمائے۔ میں آپ کی اس دعا اور خواہش پر بھی آمین کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاک دین کی خدمت کے لئے اور بھی مزدور پیدا کر دے۔ تا کہ تمام دنیا کے مسلمان اور غیر مسلم اسلام کی صحیح تصویر سے متمتع ہو سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ اسلام کی یہ تصویر اس قدر کشش رکھتی ہے کہ ہر سعید دل انسان اس سے محبت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ والسلام آپ کا شفیق بھائی محمد علی

سان فرانسسکو (امریکہ) میں دارالتبلیغ کے لیے اپیل: (14 اپریل 1948ء) جلسہ سالانہ پر میں نے احباب کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ اس سب سے زیادہ مشکلات کے سال میں جو ہم پر گذر رہا ہے اللہ تعالیٰ نے ہماری انجمن کو ایک طرف یہ توفیق دی کہ امریکہ میں اسلامی مشن قائم کر دیا گیا۔ اور دوسری طرف ووکنگ کے کام کا بوجھ بھی اب عملاً انجمن پر آ پڑا ہے۔ اور ان دونوں کے لئے پچیس پچیس ہزار روپے سالانہ کی رقم کم سے کم بکار ہے۔ یعنی پچاس ہزار روپے سالانہ کا یہ خرچ انجمن پر ہے۔ لیکن اس کے علاوہ سان فرانسسکو میں اپنا دارالتبلیغ بنانے کے لئے پچاس ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ اس رقم کے خرچ سے قریب قریب تین ہزار روپے سالانہ کی بچت ہو جائے گی۔ اور دوسرے اپنا دارالتبلیغ ہونے سے کام میں زیادہ قوت پیدا ہو جائے گی اس لئے میں نے احباب سے اپیل کی تھی کہ یہ پچاس ہزار روپے کی

رقم جلد سے جلد جمع ہو جانی چاہیئے۔ جلسہ پر کوئی 16 ہزار روپیہ نقد اور وعدوں کی صورت میں ہو گیا تھا۔ مگر مشکلات سفر کی وجہ سے بیشتر حصہ احباب کا جلسہ میں شامل نہ ہو سکا تھا۔ اس لئے اب میں ان احباب سے اپیل کرتا ہوں جو اس تحریک میں اب تک شامل نہیں ہو سکے کہ وہ بقیہ رقم کو پورا کرنے کی کوشش کریں کیونکہ جب تک پچاس ہزار روپے کی رقم پوری نہیں ہوتی، تین ہزار سالانہ کا بوجھ کم نہیں ہوگا۔ احباب سے درخواست ہے کہ ایک ایک ہزار پانچ پانچ سو کی رقم سے حصہ لے کر اس کمی کو جلد پورا کر دیں۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

☆

14 اپریل 1948ء

اللہ کا دین سب پر غالب آئے گا

تقریر حضرت امیر ایدہ اللہ بر موقع جلسہ سالانہ مؤرخہ 27 مارچ 1948ء

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد تلاوت قرآن کرتے ہوئے حضرت مولیناؒ نے فرمایا کہ حضرات! میں اس وقت آپ کے سامنے چند تاریخی واقعات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

حق اور باطل کی جنگ: حق اور باطل دو ایسی چیزیں ہیں جو گو انسان کو نظر نہیں آتیں۔ لیکن یہ دو حقیقتیں ہیں اور اس حق اور باطل کی جنگ جب سے اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کا ارادہ فرمایا اس وقت سے ہوتی رہی ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم میں ہوتی رہی ہے۔ کسی خاص طبقہ یا خاص ملک تک محدود نہیں رہی۔ اس وقت اس جنگ کا صرف وہ حصہ آپ کو چند الفاظ میں سنانا چاہتا ہوں، جو اس جنگ کا آخری سین دیکھنے میں آیا ہے۔ یہ لفظ جو آپ نے تقریر کے عنوان پر دیکھے ہیں ’’اللہ کے دین پر کوئی غالب نہیں آئے گا اور اللہ کا دین ہی سب پر غالب آئے گا‘‘ یہ فی الحقیقت میرے لفظ نہیں ہیں۔ بنیاد اس دعوٰے کی اللہ تعالیٰ کے کلام پر ہے۔ خدا نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ قرآن شریف کو اگر آپ ذرا توجہ سے پڑھیں گے، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے لفظ لفظ میں اس جنگ کا ذکر ہے۔ اور حق کے غالب آنے اور باطل کی مغلوبیت کا بھی ذکر ہے۔ مگر یہ ایسی چیز نہیں کہ دو پہلوانوں کی کشتی کی طرح ہماری ان آنکھوں سے نظر آسکے۔ یہ وہ جنگ ہے جو دل کی آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ ہر وقت یہ جنگ لگی ہوئی ہے اور حق ہر مرحلہ پر غالب آتا جا رہا ہے اور باطل یقیناً مغلوب ہوتا جا رہا ہے۔

انبیاءؑ کی تاریخ میں باطل کا زور اور حق کا غلبہ: بڑے زبردست الفاظ ہیں قرآن شریف کے۔ جہاں حق اور باطل کی اس جنگ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے **اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ** (89:6-8) ہر نبی کی تاریخ میں یہی نظر آتا ہے۔ اور قرآن کریم نے صرف ایک ہی نچوڑ سارے انبیاء کی تاریخ کا بیان کیا ہے کہ جب کوئی نبی حق لایا لوگوں نے اس حق کو مٹانے کے لئے پوری قوت خرچ کی۔ تاہم باطل مغلوب ہوتا رہا اور حق ہی غالب آیا **وَقَالَ**

الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِھِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْلَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا (13:14) یعنی جب کبھی کوئی رسول خدا کی طرف سے آئے تو کافروں نے ان سے یہی کہا، یہی عیسیٰؑ سے کہا، یہی موسیٰؑ سے کہا، یہی ابراہیمؑ اور نوحؑ سے کہا اور یہی بالآخر حضرت نبی کریم صلعم سے کہا کہ ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے تم ہو کیا کونسی طاقت ہے تمہارے ہاتھ میں۔ یا تم ہمارے مذہب میں ہماری ملت میں واپس لوٹ آؤ گے فَاَوْحٰی اِلَیْھِمْ رَبُّھُمْ (13:14) اس وقت رب کی وحی ان رسولوں کی طرف ہوتی ہے لَنُھْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ (13:14) کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے، صرف یہی نہیں بلکہ فرمایا وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِھِمْ (14:14) اور ہم تمہیں ہی زمین پر ان کے بعد آباد کریں گے۔

زمین کی وراثت صالح بندوں کے لئے: ایک جگہ فرماتا ہے وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (105:21) زبور میں ہم نے لکھ رکھا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔ لوگوں نے اس زمین کو ارض مقدس یروشلم تک محدود کر دیا اور یہودیوں کے لئے یہ محدود ہی تھی مگر جب اسلام کا پیغام ساری دنیا کے لئے آیا تو ساری زمین ہی ارض مقدس کے حکم میں ہوگئی۔ خوب یاد رکھو یروشلم ہی نہیں خدا کی ساری زمین اس سے مراد ہے اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ (106:21) اس میں ایک پیغام ہے ایک سندیسہ ہے اس قوم کے لئے جو خدا کی عبادت کرنے والی ہے جہاں کہیں بھی وہ ہو۔

دین حق کے غلبہ کی پیشگوئی: یہ حق غالب آنے والا ہے۔ یہ مغلوب نہیں ہوگا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (107:21) اور اے محمد رسول اللہ ہم نے تجھے ساری قوموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس ساری زمین ارض مقدس بن جائے گی۔ آپ نے کئی مرتبہ یہ آیت سنی ہوگی ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (33:9) تین جگہ قرآن کریم نے اس آیت کو دوہرایا ہے۔ ایک جگہ اس کے ساتھ مشرکوں کا ذکر کیا ہے وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (33:9) ایک جگہ عیسائیوں کے ذکر میں اسے دوہرایا ہے وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (33:9)، اور ایک جگہ عام طور پر ذکر کیا ہے کہ دین حق ہی سب مذاہب پر غالب آئے گا اور دنیا میں آخری فتح اسلام کی ہوگی۔

نبی کریم صلعم کی زندگی میں حق کا غلبہ: یہ تو ہو گیا دعویٰ۔ آپ کہیں گے دلیل لائیے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ نرا دعویٰ کر دینے سے کچھ نہیں بنتا۔ میں اپنے منہ سے کہہ دوں میں دنیا کو فتح کر لوں گا۔ اس سے فتح نہیں ہو جاتی۔ اس لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ پہلی دلیل وہی تاریخی دلیل ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ظاہر ہوئی۔ آپ کو معلوم ہے جب آپ نے لوگوں کو یہ پیغام دیا کہ خدا کی ہستی پر ایمان لاؤ۔ خدا کو ایک مانو۔ نیکی پر کار بند ہو جاؤ۔ شر اور برائی سے اجتناب کرو۔ اس وقت کسی نے آپ کی بات کو نہ سنا اور آپ کی مخالفت کی۔ طرح طرح کے دکھ اور ایذائیں دیں۔ اس وقت اس کمزوری کی حالت میں آپ نے حق کے غلبہ کی پیشگوئی کی اور آخر کار آپ غالب آ گئے۔ اب یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ جس کا نہ کوئی دشمن انکار کر سکتا ہے نہ دوست۔ وہ کیا طاقت تھی جس نے محمد رسول اللہ صلعم کو غالب کر دیا۔ اس کی تشریح کوئی کر دے۔ کونسا لشکر تھا، کیا سامان تھا، جس نے سارے مخالف عرب کو آپ کا مطیع و منقاد بنا دیا۔ مجھے کیوں یہ یقین ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم جیت جائیں گے۔ اسلام ساری دنیا پر غالب آ جائے گا اس لئے کہ یہ ایک حقیقت ثابت شدہ ہے۔ اس وقت جب آپ کو کوئی پوچھتا نہ تھا، کوئی طاقت آپ کے پاس نہ تھی، اس وقت آپ کو وعدہ دیا جاتا ہے کہ آپ ہی غالب ہوں گے اور آخر کار آپ ہی غالب ہوئے۔

کمزوری اور مظلومیت میں غلبۂ حق کی پیشگوئی: یہ غور کرنے اور یاد رکھنے کی بات ہے بڑوں کے لئے بھی اور نوجوانوں کے لئے بھی۔ کہ اسلام ایک ایسی حقیقت ہے جو خدا کی ہستی کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، اس حقیقت کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ یہ اتنا مضبوط فیکٹ ہے جس کو کوئی غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ مسلمان غریب تھے، کمزور تھے، ان کو مار مار کر دو دفعہ مکہ سے نکالا گیا۔ آخر خود رسول اللہ صلعم کو بھی مدینہ کو ہجرت کرنی پڑی۔ اس وقت اس کمزوری کی حالت میں کہا جاتا ہے کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (21:59) اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب ہوں گے۔ آپ سوچئے اور غور کیجئے وہ کیا چیز تھی جس نے ان لفظوں کو پورا کر دیا۔ کہاں خدا نے لکھ رکھا تھا۔ یہ اس کا حتمی فیصلہ تھا اور اس نے ان مخالفین کو چیلنج کیا کہ تم اپنا سارا زور لگا لو فَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ (55:11) آؤ اور سب کے سب مل کر زور لگاؤ اور مجھے مہلت نہ دو۔ آؤ اور اس کو تباہ کر کے دیکھو اگر کر سکتے ہو، کیا بات تھی

اس کو تباہ کرنا، چند غریب لوگ جن کے پاس کوئی طاقت اور قوت نہیں، حکم آتا ہے حبش چلے جاؤ، پھر اور مار کھانے کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم آتا ہے، اس وقت صرف تین سو آدمی ساتھ دینے والے تھے اور اسی قدر مدینہ میں آ گے موجود تھے۔ تیرہ سال کی محنت اور یہ پانچ چھ سو متنفس بڑے چھوٹے بچے عورتیں شامل کر کے اور مقابلہ میں سارا عرب۔ خود بھاگتے پھرتے ہیں اور دعوٰی اب بھی یہی ہے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (81:17) حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا۔ وہ کیا چیز تھی جس نے محمد رسول اللہ صلعم کو اس وقت کفار کے نرغہ سے نکال دیا۔ اور ان کا وار خالی گیا۔ باوجودیکہ سب نے مل کر آپ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا، محمد رسول اللہ صلعم اندر تھے، لیکن ان کے محاصرہ کے باوجود نکل گئے، کس طرح نکل گئے، کیا چیز تھی جس نے ان کی نظروں کو خیرہ کر دیا تھا، کیا خدا کا ہاتھ نہ تھا کہ آپ وہاں سے نکل جاتے ہیں!

حق کو تباہ کرنے کے لئے دشمن کی مدینہ پر چڑھائی: اب دشمن ارادہ کرتے ہیں کہ مدینہ پر چڑھائی کر کے آپ کو تباہ کر دیں۔ پہلی دفعہ جب چڑھائی کرتے ہیں، تو ایک ہزار کا لشکر جرار آپ پر چڑھ آتا ہے اور ادھر کون تھے۔ تین سو ایسے لوگ جن کو لڑائی سے کوئی واسطہ نہیں پڑا، نہ کوئی اسلحہ اور تلواریں تیار کی ہیں، خود محمد رسول اللہ صلعم نے اس وقت تک یعنی 53 سال تک کوئی تلوار نہیں چلائی، بعثت سے پہلے صرف ایک جنگ میں شامل ہوئے تھے اور اس میں بھی آپ کا کام صرف تیر پکڑانا تھا۔ 53 سال تک آپ نے کوئی جنگ نہیں کی، کوئی تلوار نہیں اُٹھائی کسی جنگ میں شامل نہیں ہوئے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ شخص جب، اس قدر عرصہ کے بعد جرنیل کے مقام پر کھڑا ہوتا ہے تو وہ کمال دکھاتا ہے کہ کوئی آزمودہ کار جرنیل نہیں دکھا سکتا۔

بدر کی جنگ میں تین سو کی جمعیت کے ساتھ آپ ایک ہزار پر فتح پاتے ہیں۔ جنگ اُحد میں سات سو کی جمعیت سے تین ہزار پر غالب آتے ہیں، اور پھر جنگ احزاب میں جو بیس ہزار دشمن آپ پر چڑھ آتے ہیں۔ جو صرف ڈیڑھ ہزار مسلمانوں سے شکست کھا جاتے ہیں۔ اس کے بعد صلح حدیبیہ آتی ہے اس وقت کوئی چودہ سو آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ اب جنگ کوئی نہ رہی صلح ہوگئی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ کوئی ڈیڑھ سال بعد آپ نے مکہ پر چڑھائی کی تو دس ہزار آدمی آپ کے ہمرکاب تھے۔ یہ

مسلمانوں کی ترقی کی رفتار ہے۔ پہلے تیرہ سال کی محنت کے بعد صرف تین سو آدمی آپ کا ساتھ دیتا ہے۔ اور چار سال جنگ کے اثنا میں چودہ پندرہ سو آپ کا ساتھ دینے والے ہیں۔ اور صلح کے ڈیڑھ سال کے عرصہ میں یہ تعداد دس ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اور ڈیڑھ سال بعد سارا عرب مسلمان ہو جاتا ہے۔

یہ واقعات ہیں۔ کس طرح یہ واقعات پیدا ہو گئے۔ کونسا جادو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ جس نے یہ سب کچھ کر دکھایا۔ کیا اس سے صاف نظر نہیں آتا کہ آپ کے پیچھے خدائی طاقت تھی۔ وہ خدا جو ہمیں ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا، اس خدا نے واقعہ کے رنگ میں یہ نظارہ دکھایا اور بتا دیا کہ وہ جو اس نے فرمایا تھا جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (81:17) باطل یعنی ساری جمعیتوں کے ساتھ بے سروسامان حق کے سامنے بھاگ رہا ہے۔

غلبۂ حق کا دوسرا تاریخی واقعہ: اب ایک اور چیز دیکھئے۔ رسول اللہ صلعم انتقال کر جاتے ہیں، کوئی کہہ سکتا ہے اتنی بڑی شخصیت تھی اس کی وجہ سے یہ تمام فتوحات ہوئیں۔ وصال ہوتے ہی سارا عرب بغاوت پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ تمام لوگ جو ابھی آپ کی زندگی کے آخری ایام میں آپ کے ساتھ ملے تھے جو ابھی اسلام کی لذت سے ناآشنا تھے۔ بغاوت کر دیتے ہیں تو ملک باغی ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ جانشین ہیں، تھوڑی سی فوج موجود ہے حضرت ابوبکرؓ بجائے اس کے کہ اس فوج سے کام لیں۔ فرماتے ہیں کہ اس کو رسول اللہ صلعم نے فلاں جگہ جانے کا حکم دے رکھا ہے۔ اس لئے میں اس کو نہیں روک سکتا۔ حضرت عمرؓ اور دوسرے لوگ بھی سمجھاتے ہیں لیکن آپ نہیں مانتے۔ اب ملک سارا باغی ہے۔ فوج باہر نکل گئی ہے۔ بظاہر اسلام ایک دفعہ پھر مغلوب ہو جاتا ہے لیکن اسی بے کسی کی حالت میں وہ پھر اُٹھتا ہے اور پھر نہ صرف سارے ملک پر غالب آ جاتا ہے۔ بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہونا شروع ہوتا ہے، بڑی بڑی سلطنتیں بڑے بڑے مذہب اس کے سامنے گرتے چلے جاتے ہیں۔ اس تاریخ کو ایک لیکچر میں مجملاً بیان کرنا بھی مشکل ہے۔

تیسرا واقعہ اسلام کا غلبہ مشرق اور مغرب میں: ایک اور واقعہ کا ذکر کرتا ہوں، رسول اللہ صلعم کا وصال 630، 631ء میں ہوا، اور 711ء میں یعنی آپ کے وصال سے ایک صدی سے بھی کم عرصہ میں اسلام

ایک طرف مغرب میں ہسپانیہ تک پہنچ گیا، اور دوسری طرف مشرق میں ایران سے گذرتا ہوا چین تک جا پہنچا۔ سو سال کے اندر ایک طرف منتہائے مشرق میں اور دوسری طرف منتہائے مغرب میں اسلام کا قدم پہنچ گیا۔ یہ کیا طاقت تھی جو اب اسلام کو آگے لئے جاتی تھی، ایک عیسائی مصنف لکھتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس میں کام کر رہی تھی، میں کہتا ہوں یہ خدا کی طاقت تھی جو اسے آگے لئے جا رہی تھی، یہ واقعات ہیں جن کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا، ان واقعات کو پیش کیجئے اور لوگوں سے پوچھئے کہ وہ کیا طاقت تھی کہ سو سال میں اسلام مشرق سے مغرب تک پھیل گیا۔ اس پھیلنے میں تمام مذاہب سے اسے مقابلہ پیش آیا، بت پرستوں سے بھی مقابلہ ہوا۔ زرتشتیوں سے بھی مقابلہ ہوا، ہندوؤں سے بھی، بدھ مذہب کے پیروؤں سے بھی ہوا، اور عیسائیوں سے بھی۔ مگر ان تمام مقابلوں میں اسلام ہی غالب آتا چلا گیا، اور باطل کا سرنگوں ہوتا چلا گیا۔

میں اس تاریخ کو پیش کر کے ان واقعات کو سامنے رکھ کر بتاتا ہوں کہ یہ کوئی نرا دعوٰی ہی نہیں تھا کہ اسلام دنیا میں غالب آئے گا، اس دعوٰی کو تاریخ کے ٹھوس واقعات نے صحیح ثابت کر دیا۔

سیاسی زوال کے وقت اسلام کی روحانی طاقت کا غلبہ: پھر ایک اور بات دیکھئے۔ آرنلڈ نے لکھا ہے اسلام کو جب کبھی سیاسی رنگ میں زک پہنچی ہے، اسی وقت اسے روحانی رنگ میں قوت حاصل ہوئی ہے۔ یہ واقعی عجائبات ہیں۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا ہاتھ اس کے پیچھے ہے۔ گیارھویں صدی میں سلجوقی اور تیرھویں صدی میں منگول مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور یہاں تک ان پر غلبہ حاصل کرتے ہیں کہ بڑے بڑے مسلمانوں کی گردنوں کو انہوں نے پاؤں تلے روند دیا۔ لیکن آخر کار ہوا کیا؟ وہی لوگ مسلمان ہو گئے اور اسلام کے خادم بن گئے۔ اب مجھے اس میں کوئی تعجب نظر نہیں آتا کہ آج جنہوں نے اسلام کو کچلنا چاہا ہے، جنہوں نے مسلمانوں کو ہلاک کیا ہے، وہی کل کو اسلام کے خادم بن جائیں اور انشاء اللہ ایسا ہو کر رہے گا۔

حق کی دوبارہ مغلوبیت اور پھر غلبہ کا وعدہ: اب میں ایک اور بات کہتا ہوں صرف یہی ایک وعدہ نہ تھا کہ اسلام دنیا میں غالب آئے گا بلکہ یہ بھی وعدہ تھا کہ اسلام غالب آنے کے بعد پھر مغلوب ہوگا اور پھر دوسری بار غالب آئے گا۔ قرآن کریم کے اندر اسلام کے غلبہ کے بعد اس کے مغلوب ہونے اور پھر

غالب آنے کا ذکر ہے۔ یہ مغلوبیت کا زمانہ اور مدت بھی بتا دی ہے۔ فرماتا ہے یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (5:32) اللہ تعالیٰ اپنے امر کی تدبیر آسمان سے زمین کی طرف کرے گا۔ یعنی اسلام کو مضبوط کرتا چلا جائے گا۔ پھر یہ اس کی طرف چڑھ جائے گا۔ ایک دن میں جس کی مقدار ہزار سال ہے۔ اور دوسری جگہ حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ (96:21) حق کے دشمنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یاجوج اور ماجوج دشمنانِ حق کے بند کھول دیئے جائیں گے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اسلام بھی مغلوب ہو جائے گا اور مسلمان بھی یاجوج ماجوج کے تسلط کے نیچے آ جائیں گے۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوگا وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ (97:21) جب دیکھو کہ باردوم اسلام مغلوب ہوا ہے تو سمجھ لو کہ حق کا وعدہ قریب آ گیا ہے۔ اب پھر اسلام غالب آئے گا۔

بعض وقت تعجب آتا ہے۔ بعض آیات میں دو دو دفعہ ایک ہی بات کو دوہرایا ہے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (6-5:94) تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ پھر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ یہ کیا ہے۔ وہی دو دفعہ اسلام پر تنگی کا زمانہ آنے اور دو دفعہ اس کے غلبہ کا ذکر ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ (5-1:78) حق کے غلبہ کے متعلق سوال کرتے ہیں، ان کو معلوم ہو جائے گا اور پھر (دوسری مرتبہ) ان کو معلوم ہو جائے گا۔ اس میں بھی انہیں دو غلبوں کی طرف اشارہ ہے۔

رسول اللہ صلعم کا کشف۔ میری امت کی حکومت تمام علاقوں پر ہوگی: صرف قرآن کریم میں ہی نہیں حدیثوں میں بھی کیا کیا رؤیا اور کشف ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے غلبہ کے متعلق دکھائے گئے۔ ایک جگہ فرمایا ہے ان ربی زوی الْاَرْضُ فَاُرِیْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا مجھے زمین کا نقشہ دکھایا گیا، زمین سکیڑ کر میرے سامنے رکھ دی گئی۔ اس کے مشرقی ممالک بھی مجھے دکھائے گئے اور مغربی ممالک بھی دکھائے گئے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ میرے رب نے مجھے اطلاع دی اِنَّ مُلْکَ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مَازُوِیَ لِیْ مِنْهَا اور یہ نقشہ جو مجھے دکھایا گیا میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر پہنچ کر رہے گی، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کشف ہے اور خوب یاد رکھئے کہ یہ وہ باتیں ہیں جو پوری ہو کر رہیں گی۔

اسلام کو دنیا میں پہنچانے کا عزم پیدا کرو: اب بہت لوگوں کو یہ خیال ہوگا کہ یہ وعظ لوگ قصے بیان کر دیتے ہیں۔قرآن سے بھی حدیث سے بھی، کیا دنیا بھی اس مذہب کو ماننے کے لئے تیار ہے! کس چیز کو دنیا میں لے جائیں گے۔ دنیا تو مذہب سے ہی بیزار ہے۔لیکن میں کہوں گا کہ اسلام وہ مذہب ہے جو جہاں جاتا ہے، اپنے آپ کو منوا کر رہتا ہے، اور آج دنیا میں اس کی مانگ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمان ہمت ہار بیٹھیں۔اسی طرح بعض احمدی بھی ہمت ہار بیٹھتے ہیں کہ کیا بنالیا، ان کو معلوم نہیں کہ اسلام تو دنیا میں غالب آ رہا ہے۔صرف تمہارے عزم کی ضرورت ہے کہ اس کو دنیا میں لے جاؤ۔اس عزم کو اپنے اندر پیدا کرو کہ اسے دنیا میں پہنچانا ہے۔جس طرح پہلے زمانہ کے مسلمانوں کے دلوں میں عزم تھا کہ اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں اور انہوں نے پہنچایا۔اسی طرح آج تمہارے دلوں میں بھی یہ عزم پیدا ہو جائے تو یقیناً تم کامیاب ہو گے۔

میں نے کہا اسلام کی اس وقت دنیا میں مانگ ہے۔ یقیناً یہ بھی ایک امر واقعہ ہے۔اس وقت دنیا میں دو چیزوں کی مانگ ہے۔ایک تو خدا کے لئے دنیا میں تڑپ موجود ہے، خواہ وہ تڑپ شعوری ہو یا تحت الشعور ہو۔لیکن دنیا میں جو واقعات پیدا ہوئے ہیں انہوں نے بتا دیا ہے کہ خدا کی ہستی پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں، لوگوں کو ایک ایسی چیز کی تلاش ہے جس سے ان کے دلوں میں سکون اور اطمینان پیدا ہو۔اب ایک تیسری ورلڈ وار (عالمگیر جنگ) کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔اور کئی ایجادیں اس سلسلہ میں کی جا رہی ہیں، ایک بادل ایجاد ہوا ہے جو جدھر ہوا کا رخ ہوگا، ادھر تباہی پیدا کر دے گا۔اگر ہوا کا رُخ ان بادل چڑھانے والوں کی اپنی طرف ہوگا تو خود تباہ ہو جائیں گے۔ان باتوں سے بچنے کے لئے لوگوں کو خدا کی طرف توجہ ہوتی ہے اور بڑی زبردست تڑپ دنیا کے اندر اس کے لئے پائی جاتی ہے۔ان سے بچاؤ صرف اسلام کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔صرف اسلام ہی دنیا کی اس تڑپ کو پورا کر سکتا ہے۔حضرت مسیح موعود نے دنیا کی اس تڑپ کو آج سے پچاس سال پہلے دیکھا اور کہا کہ اسلام کو دنیا میں لے جاؤ۔ ہماری آنکھیں اب دیکھ رہی ہیں لیکن اس امام وقت نے بہت عرصہ پہلے اس ضرورت کو دیکھ لیا، اور اس کی طرف توجہ دلائی۔

دنیا اسلام کی طرف ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے: ایک دوسری چیز، جس کی آج دنیا کو ضرورت ہے، وہ

انسانوں کے اندر اخوت قائم کرنا ہے۔ کس طرح سب انسان اپنے آ کو ایک دوسرے کے بھائی سمجھیں، ایک دوسرے کی تباہی و بربادی کی طرف مائل نہ ہوں بلکہ ایک دوسرے کی امداد واعانت ضروری سمجھیں۔ یہ دنیا کی خواہش ہے، ایک مصنف لکھتا ہے کہ اس وقت دنیا اسلام کی طرف ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے کہ آ ؤ اور وہ نظام اخوت جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے باقی دنیا میں قائم کر دو۔ احمق نہیں سوچتے کہ یہ تو اس وقت ہوگا جب تم اسلام کے آگے سر جھکا دو گے۔ جب جب محمد رسول اللہ صلعم کے مطیع ومنقاد بن جاؤ گے، تو اخوت خود بخود تم میں پیدا ہو جائے گی۔

سوشلزم امن کا نہیں ہلاکت کا پیغام ہے: تو یہ دو چیزیں ہیں 1- خدا کی ہستی پر ایمان 2- انسانوں میں اخوت۔ اس کی آج دنیا کو ضرورت ہے۔ اور صرف اسلام ہی اس ضرور کو پورا کر سکتا ہے۔ یہ جو وحشیانہ حالت ہم نے دیکھی ہے، انسان درندہ بن گیا، انسانوں کا خون اس طرح بہایا گیا کہ شاید درندے بھی اس کو دیکھ کر شرمندہ ہو جائیں۔ صرف پنجاب میں نہیں دوسرے ملکوں میں بھی، یورپ میں امریکہ میں یہی حالت دیکھے گئے، ان حالات کو اسلام ہی امن اور رحمت سے بدل سکتا ہے صرف اسی سے دنیا میں امن قائم ہوسکتا ہے۔ یہ جو سوشلزم کو دنیا کی مشکلات کا حل بتایا جاتا ہے۔ یہ مشکلات کا حل نہیں بلکہ ہلاکت کا پیغام ہے۔ اور آج وہی لوگ دنیا کی ہلاکت کا سامان کررہے ہیں جو سوشلزم کے نام سے امن کا پیغام لے کر اُٹھے۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے آثار شروع ہو چکے ہیں: دو باتیں میں نے بتائیں۔ اسلام مغلوبیت سے نکل کر غالب ہوا پھر مغلوب ہوا اور پھر غالب آئے گا، اس کو پلے باندھ کر لے جایئے۔ دل کے اندر رکھ لیجئے، یہ اسلام کی تاریخ ہے، یہ خدا کا وعدہ ہے۔ اسلام مغلوب تھا، پھر غالب آیا، پھر مغلوب ہوا، اور پھر اس کے غالب آنے کا وقت آ رہا ہے بلکہ آ چکا ہے۔ سوال ہوتا ہے کیا اس کے آثار بھی ہیں۔ جاؤ دنیا میں جا کر دیکھو، وہ اسلام جس کے تابوت میں آخری میخ اس کے دشمنوں کی طرف سے لگائی جا چکی تھی، جس کو مغلوب کرنے کے لئے پادریوں کی فوجیں کی فوجیں چھوڑ دی گئیں، اور مسلمان بھیڑوں اور بکریوں کی طرح آگے لگ گئے، دیکھئے اب وہ حالت کس قدر تبدیل ہو چکی ہے۔ اب اسلام کا اثر خود یورپ پر غالب آ رہا ہے۔ میں کہتا ہوں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اس کے دوسرے غالبہ کا وقت شروع ہو چکا ہے

وَاقْتَـرَبَ الْـوَعْـدُ الْحَقُّ (97:21) حق کے غالب ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ اب اسلام کا روشن چہرہ جوں جوں اُن کے سامنے آتا ہے تو فَـاِذَا هِـىَ شَـاخِصَةٌ" اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (97:21) کفار کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ اور وہ پکار اُٹھتے ہیں يٰـوَيْـلَـنَـا قَدْ كُنَّافِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا (97:21) ہائے افسوس! ہم تو اس سے غفلت ہی میں رہے۔ بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (97:21) بلکہ ہم تو اس پاک مذہب پر ظلم کرتے رہے، اور اس کے آگے آتا ہے يَـوْمَ نَـطْـوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَـدَاْنَـآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (104:21) اس کے یہی معنی ہیں کہ جس طرح پہلے ہم نے باطل کی صف کو لپیٹ کر حق کو غالب کر دیا تھا، ایسا ہی پھر ہو جائے گا اور یہ ہو رہا ہے۔

حق کا غلبہ شروع ہو چکا ہے دنیا کو ہلاکت اور بربادی سے بچانا اور حق کی طرف لانا اب ہمارا کام ہے۔ ہم ہیں تو تھوڑے لیکن بعض وقت تھوڑوں کی بدولت بہت لوگ بچائے جاتے ہیں۔ اور بعض وقت بہتوں کے ساتھ تھوڑے پس جاتے ہیں وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (25:8) اس فتنے سے ڈرو جس میں صرف ظالم لوگ ہی ہلاک نہیں ہوتے۔ نیک بھی اس میں پس جاتے ہیں، اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ تھوڑوں کی خاطر بہتوں کو بچالیا جاتا ہے۔ شفاعت یہی چیز ہے وَمَـا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (33:8) ایک رسول اللہ صلعم کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے کفار سزا سے بچے رہے، تو یہ صحیح ہے کہ ایک نیکوں کی جماعت اگر فی الواقعہ نیکی پر جمع ہو جائے تو ساری دنیا کو بچالیتی ہے۔ تم بیشک تھوڑے ہو، لیکن تمہارا مقام چھوٹا نہیں۔ دیکھو کیا یہ صحیح نہیں کہ مغربی دنیا کا نکتہ نگاہ فی الواقعہ اسلام کے متعلق بدل چکا ہے؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ اسلام کی طرف لوگوں کی توجہ عقیدت کے رنگ میں پیدا ہو رہی ہے۔

محمد رسول اللہ صلعم کی زندہ تصویر ماسٹر پیس ہے: میں جو خوشخبری تمہیں سنانا چاہتا ہوں، وہ یہ نہیں کہ اسلام کی بادشاہتیں مضبوط ہوگئی ہیں، یہ بھی صحیح ہے، لیکن اس سے بھی بڑھ کر میں کہوں گا کہ اسلام کا روحانی اور اخلاقی اثر دنیا پر غالب آ رہا ہے۔ قرآن کے آگے گردنیں جھکتی جا رہی ہیں۔ میں نے ایک چھوٹی سی کتاب حال ہی میں لکھی ہے: LIVING THOUGHTS OF PROPHET MUHAMMAD (P.B.U.H.) یعنی رسول اللہ صلعم کے زندہ خیالات۔ ایک انگلستان کے پبلشر نے یہ کتاب لکھوائی ہے۔

اس کتاب کا مسوّدہ جو میں نے بھیجا تو اس کے پبلشر نے مولوی عبدالمجید صاحب امام ووکنگ کو لکھا کہ یہ ماسٹر پیس ہے۔ یہ ماسٹر پیس کا لفظ کس چیز نے لکھوایا۔ جب محمد رسول اللہ صلعم کی اصل تصویر سامنے آئی، تو بے اختیار اسے ماسٹر پیس کہنا پڑا۔ یہی حقیقت ہے کہ ہم نے اب تک اس تصور کو پیش نہیں کیا۔ ہم اب تک غافل اور سست بیٹھے ہیں جس دن ہم نے اپنے آپ کو اس طرف لگایا، اسی دن اسلام غالب آ جائے گا۔ ہم میں بڑے بڑے قابل دماغ والے موجود ہیں۔ اگر وہ سب اس طرف لگ جائیں تو تمام نقشہ بدل جائے۔ اور اسلام کا غلبہ ظاہری اور عملی شکل میں دنیا کے سامنے آ جائے۔

محمد رسول اللہ صلعم اور مجدد وقت سے حقیقی نسبت پیدا کرو: تو دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک تمہارے دلوں میں وہ ایمان ہونا چاہئے جو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تھا، کہ اسلام ضرور غالب آئے گا۔ اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ ایمان نہیں لیا تو کیا لیا؟ اور پھر ہم نے مجدد کے ہاتھ پر بیعت کی اور اقرار کیا کہ ہم خدا کے نام کو بلند کریں گے۔ اگر اس کے بعد بھی ہم نے کچھ نہ کیا تو اس مجدد سے ہم نے کیا لیا۔ یہ ظاہری نسبتیں پیدا کرنے سے کیا بنتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں یا ہم احمدی ہیں۔ حقیقی نسبت پیدا کرو محمد رسول اللہ صلعم کے ساتھ۔ حقیقی نسبت پیدا کرو مرزا غلام احمد کے ساتھ۔ اور وہ نہیں پیدا ہو سکتی جب تک وہ تڑپ دل میں نہ ہو، وہ ایمان پیدا نہ ہو جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مرزا صاحب کے دل میں تھا۔ خدا وہ وعدے پورے نہیں کرے گا اگر وہی تڑپ دل میں پیدا نہ ہو جائے۔

یہ جو میں نے کہا کہ مشرقی اور مغربی حکومتیں جو رسول اللہ صلعم کو دکھائی گئیں ان پر اسلام کا غلبہ ہوگا۔ اس کے لئے پوری کوشش کی ضرورت ہے۔ اور خوب یاد رکھو جب ایمان دل کے اندر پیدا ہوتا ہے، تو انسان کے خیالات پر، اس کے اعضاء پر اس کے جوارح پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ تمہارے یہ مال جن کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ جمع کرتے جائیں، اگر ایمان دل کے اندر ہو۔ اگر اسلام کے غلبہ کی تڑپ ہو انسان بے دریغ اسے خدا کے راستہ میں دے دیتا اور اپنی عاقبت کا توشہ بنا لیتا ہے۔

احمدی قوم پر ایک اور ذمہ داری۔ ووکنگ مسلم مشن: تم بیشک چھوٹی سی جماعت ہو اور تم نے بہت کام کیا ہے، لیکن میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ آج سے تم پر ایک اور ذمہ داری پیدا ہو گئی ہے۔ اور وہ ووکنگ

مشن کا بوجھ ہے۔ یہ مشن اس وقت بڑی مشکلات میں ہے۔ جو لوگ وہاں گئے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ مشن کی حالت اچھی نہیں۔ اچھی کس طرح ہو۔ ایک آدمی وہاں رکھا ہوا ہے۔ وہی مضامین لکھے، چھپوائے، لیکچر دے لوگوں سے ملے، کوئی ہمارے خیالات میں توازن بھی ہے؟ جس طرح ہم اشتہار چھاپ کر سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا میں اشاعت ہو گئی، اسی طرح ایک آدمی کو بٹھا کر سمجھ لیتے ہیں کہ کام ہو گیا۔ ویسے تو خدا تعالیٰ ہمارا کام کر رہا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے پمفلٹ، جو ہماری طرف سے شائع ہوئے ہیں، ''اسلام دی ریلیجن آف ہیو مینٹی''، ''پرافٹ آف اسلام''، اور ایسے ہی دوسرے ٹریکٹ، لوگ خود بخود مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے کر کے چھاپ رہے ہیں۔ ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا ترجمہ عربی زبان میں ہو گیا۔ اور عربی ممالک کے اخبارات نے اس کی بڑی تعریف کی ہے۔ ابھی ایک خط قسطنطینیہ سے آیا ہے کہ ترکی زبان میں اس کا ترجمہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ یہ خدا کے کام ہیں کہ وہ خود دنیا کی توجہ کو پھیر رہا ہے، لیکن اصل کام تو ہمارا ہے۔

ووکنگ اور امریکن مشن کے لئے پچاس ہزار روپے کی ضرورت: میں نے کہا ووکنگ کی حالت اچھی نہیں۔ شاید ہمیں اس کام کے علاوہ، جو اس وقت ہم کر رہے ہیں، پچیس ہزار روپیہ اور ووکنگ پر صرف کرنا پڑے گا۔ اس کی طرف تمہاری توجہ کی ضرورت ہے۔ اور ایسا ہی امریکہ کے مشن کے لئے پچیس ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ خوب یاد رکھو۔ تم میں سے ایک ایک شخص، جو ان کاموں پر اپنا مال خرچ کرتا ہے، گویا وہ عملاً تبلیغ دین کا اور دین کے غلبہ کا کام کر رہا ہے۔ یہ مال جو تم محنت سے کماتے ہو، اگر خدا کے راستہ میں لگ جائیں تو بری بات ہے۔ تمہاری دنیا بھی سدھر گئی اور عاقبت بھی۔ تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت ووکنگ کا بھی خرچ ہے اور امریکہ کا بھی۔ اور بھی اخراجات ہیں۔

میں تو عادی ہوں کہہ دینے کا۔ یہ غرض نہیں ہے کہ کوئی لبیک کہتا ہے یا نہیں۔ میں نے کہنے سے نہیں ٹلنا، اور اسی سلسلہ میں میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت امریکہ کا مشن جس مکان میں ہے اس کا اڑھائی سو روپیہ ماہوار کرایہ دینا پڑتا ہے۔ میں تو اس بات کا قائل نہیں کہ تبلیغ کے لئے کرایہ کا مکان ہو۔ اپنا مکان وہاں بناؤ۔ میاں بشیر احمد صاحب (مبلغ امریکہ) نے مجھے لکھا کہ اپنے مکان کے لئے پچاس ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ اس کا بندوبست کر دوں گا۔ اور میں سمجھتا ہوں جس دن یہ بنیاد بن گئی کہ اپنا مکان ہو گیا، اس دن تبلیغ کا کام وہاں مستقل ہو جائے گا، اب برلن کے

متعلق جو مرضی ہے کہیں لیکن مسجد اور اپنے مکان کی وجہ سے وہاں مستقل بنیاد بن چکی ہے۔ جس کو ہم چھوڑ نہیں سکتے۔ ووکنگ کا کام بھی اسی وجہ سے چل رہا ہے کہ وہاں ایک مسجد اور مکان موجود ہے۔

میں نے ایک تحریک میں لکھا تھا کہ اس جماعت میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ ایک اکیلا آدمی بھی پچاس ہزار روپے دے سکتا ہے۔ میں اس سے مایوس نہیں ہوں، یہ ہو کر رہے گا، آج نہیں کل۔ میں نے بڑی بڑی تحریکیں کر کے دیکھا ہے، خدا نے کامیابی دی ہے۔ اب بھی دے گا۔ تو ایک تو پچاس ہزار روپیہ امریکہ میں مکان کے لئے بکار ہے۔ اور دوسرے ووکنگ اور امریکن مشن کے لئے پچاس ہزار کی ضرورت ہے۔ یہ کہاں سے آئے گا؟ یہ آسمان سے برسے گا اور اسی طرح برسے گا کہ خدا تمہارے دلوں میں ڈالے گا اور تمہیں توفیق دے گا کہ اس کے نام کو بلند کرنے کے لئے اس ضرورت کو پورا کرو!

مصائب اور قربانیوں کا اجر: مجھے بعض وقت خیال آیا کہ یہ لوگوں کے لئے بہت مشکل چیز ہے۔ مگر جو ساٹھ لاکھ آدمی عمر بھر کی کمائی کھو کر در بدر پھر رہے ہیں، کھانے کو انہیں روٹی نہیں ملتی اور پہننے کو کپڑا نہیں، یہ ایک قربانی ہے جو خدا نے ان سے لی۔ اس مصیبت پر روؤ نہیں بلکہ خوش ہو کہ اس کے صلہ میں ایک مملکت تمہیں مل گئی۔ پھر یہ قربانیاں جو تم اپنی رضامندی سے اور اپنی خوشی سے خدا کے دین کے لئے کر رہے ہو، وہ تو اور بھی بڑے اجر کا موجب ہوں گی، خدا کے فرشتے تم پر رحمتیں بھیجیں گے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (30:41) خوب یاد رکھو۔ یہ اس وقت ہوگا جب تم ان مصائب کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو، جو دین کے راستہ میں پیش آئیں۔

دین کی نصرت کے لئے خدا کے آگے ہاتھ پھیلاؤ: اپنے دلوں کو تیار کرو۔ خدا کے آگے ہاتھ پھیلاؤ۔ خدا کے آگے بیکسی کی حالت میں گر جاؤ۔ مجھے جس دن یہ معلوم ہوا کہ میری کوٹھی ڈلہوزی میں جل گئی، میں نے دعا کی کہ اے خدا اب تک میں تیرے دین کے لئے اس مکان میں دعائیں کرتا تھا، اب وہ مکان خود تیرے آگے دست بدعا ہے۔ سو یہ حالت اپنے اندر پیدا کرو کہ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے، راحت میں اور دُکھ میں تمہارے دلوں سے خدا کے دین کے غلبہ کے لئے دعائیں نکلیں۔

☆

26 مئی1948ء

پیغام حضرت امیر

حضرت مسیح موعود کی روح زندہ ہے

نوجوان دوستوں اور بزرگوں کے لئے حضرت امیر ایدّہ اللہ کا پیغام

اس زمانہ کے امام کے وصال پر پورے چالیس سال گذر گئے۔ اس میں شبہ نہیں کے صلحاء کے جسم خاکی پر اسی طرح موت آجاتی ہے جس طرح ہر بشر پر آتی ہے۔ لیکن ان کی روح ہمیشہ کے لئے زندہ ہوتی ہے، اور وہ اپنا کام کرتی چلی جاتی ہے۔ آپ کے خدا کی طرف سے اس زمانہ کا امام ہونے کی یہی شہادت کافی ہے کہ آپ کی روح پر موت نہیں آئی۔ عالم آخرت میں آپ کی جو ترقیات ہیں ان کو تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن اس عالم میں بھی وہ کام، جس کی بنیاد آپ نے رکھی، خدا کے فضل سے ترقی کرتا جارہا ہے۔ اور باوجود ہماری بہت سی کوتاہیوں کے، جو اعلائے کلمۃ اللہ کا کام آپ نے شروع کیا تھا، وہ روز بروز ترقی پر ہے۔ اور نئے سے نئے تبلیغ قرآن کے مرکز دنیا میں قائم ہورہے ہیں۔ جہاں سے اسلام کا نور دنیا میں پھیل رہا ہے۔ اور وہ علم کی مشعل جو آپ نے روشن کی تھی وہ بھی دن بدن زیادہ سے زیادہ روشن ہوتی جارہی ہے۔

الحمدللہ کہ اس چھوٹی سے جماعت نے آپ کے صحیح عقائد کو بھی قائم رکھا اور آپ کے علم کو بھی دنیا میں زندہ رکھا اور اس کو قوت دی۔ اور آج اس علم کے سرچشمہ سے ایک دنیا سیراب ہورہی ہے۔ میرا پیغام اپنے نوجوان دوستوں کو اور ان بزرگوں کو، جو خدا سے جلد ملنے والے ہیں، آپ کے اپنے الفاظ میں ایک ہی ہے کہ وہ اس جہاد میں سب کے سب جوانمردوں کی طرح کام کریں۔

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا　　بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا

آخر اس انکار کی وجہ؟: (26 مئی1948ء) نوٹ: مجددین کا سلسلہ کوئی نیا سلسلہ نہیں۔ امت محمدیہ میں یہ سلسلہ تیرہ سو برس سے جاری ہے۔ تیرہ صدیوں کے مجددین کے نام اور ان کے دعاوی کتابوں کے اندر لکھے ہوئے موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد صاحبؒ نے کوئی نیا دعوٰی نہیں کیا، نہ چودھویں صدی میں کوئی دوسرا ایسا شخص پیدا ہوا جس نے اس منصب پر سرفراز ہونے کا دعوٰی کیا ہو۔ تم کہتے ہو دعوٰی کرنا

ضروری نہیں، نہ سہی۔ لیکن اگر پہلوں کے دعاوی موجود ہیں، اگر شاہ ولیؒ اللہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''قَدْ اَلبَسَنِیَ اللّٰہُ سُبْحَانَہُ خِلْعَۃَ الْمَجَدَّدِیَّۃِ'' اگر شیخ احمد سرہندیؒ یہ دعوٰی کر سکتے ہیں کہ ''صاحب ایں علوم و معارف مجدد ایں الف است'' (مکتوب امام ربانی جلد 2 مکتوب نمبر 4) اگر حضرت امام غزالیؒ یہ اعلان فرما سکتے ہیں کہ ان کی تحریک کا منبع وہ ہدایت ہے جو اس صدی کے سر پر خدا نے مقدر کی ہے (المنقذ من الضلال صفحہ 95) تو مرزا غلام احمد صاحبؒ کو یہ حق کیوں نہیں پہنچتا کہ وہ دنیا کو اس بات کی خبر دے کہ خدا نے اسے مجددیت کے مقام پر کھڑا کیا ہے؟

ہاں! تم نے مرزا صاحب سے انکار کی ضد میں حدیث مجدد سے بھی انکار کر دیا۔ وہ حدیث جس پر تیرہ سو سال کی خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت موجود ہے، اس کو تم نے کمزور اور ضعیف قرار دے دیا کہ کسی طرح مرزا صاحب کو مجدد نہ ماننا پڑے۔ لیکن جن بزرگوں نے اس حدیث کی بنا پر مجددیت کے دعوے کئے، ان کو کیا کہو گے۔ کیا اسی ضد میں شاہؒ ولی اللہ، مجدد الفؒ ثانی، امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام جلال الدین سیوطیؒ کو جھٹلا دو گے؟ کیا انہیں بھی نعوذ باللہ مفتری علی اللہ قرار دو گے، آخر اس انکار کی کوئی حد بھی ہے؟!

کہا جا سکتا ہے کہ مرزا صاحب مجددیت کے معیار پر پورے نہیں اترتے؟ یہ بیشک قابل غور بات ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مجددیت کا معیار کیا ہے؟ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں، ایک مجدد کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاشق قرآن اور عاشق رسولؐ ہو، خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے آپ کو وقف کر دے، نہ صرف خود صاحب ایمان ہو بلکہ اس کے ایمان کی روشنی دوسروں کے دلوں کو بھی نور ایمان سے منور کر دے، دین میں جو غلطیاں پیدا ہو گئی ہوں، ان کو دور کرے اور اس کو دنیا میں پہنچانے کا اہتمام و انصرام کرے، دین کی نصرت اور تائید میں اس کی خدمات دیگر علمائے زمانہ سے اس قدر ممیّز و ممتاز ہوں کہ دشمن کو بھی اس کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہ رہے۔

فرمائیے۔ ان میں سے کونسی بات ہے جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ میں پائی نہیں جاتی، جہاں تک اعتقادات کا سوال ہے آپ مسلمان، کلمہ طیبہ کے قائل، دین کے تمام ارکان پر عامل اور اہل سنت والجماعت کے مذہب کے پیرو ہیں۔ اور یہ کوئی رسمی پیروی نہیں بلکہ آپ کے ہم وطن مخالفین کی شہادت کے مطابق دین آپ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا تھا، آپ کے اخلاق و اعمال دین کے

مجسمہ تھے، ایمان کا نور جو آپ کے سینہ کو منور کر رہا تھا، سینکڑوں اور ہزاروں انسانوں کے سینوں کو روشن کرنے کا موجب ہوا، خدا تعالیٰ کی محبت، رسول کریم صلعم اور قرآن کریم کے ساتھ عشق اس درجہ آپ کے سراپا اور قول وعمل سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کی کوئی نظیر موجودہ زمانہ میں نظر نہیں آتی۔ بقول علامہ اقبال عاشق رسول تو کئی ہوئے ہیں لیکن قرآن کے ساتھ عشق کرنے والا مرزا صاحب کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ لیکن اگر یہ بھی کہا جائے تو صحیح ہوگا کہ عاشق رسولؐ تو بہت ہوئے لیکن مرزا صاحب کی طرح عشق کرنے والا شاید ہی کوئی دنیا میں ہوا ہو!

اور سب سے بڑھ کر مجددیت کا ثبوت آپ کا وہ کام ہے اور وہ خدمات جلیلہ ہیں جو دین کی عزت کو دنیا میں قائم کرنے، دین کو پھیلانے، خدا کا نام دنیا میں بلند کرنے اور مغرب کی دہریت پسند اور مادہ پرست اقوام کو اسلام کا گرویدہ بنانے میں آپ نے سرانجام دیں۔ کیا آج ساری دنیا میں کوئی ایک تحریک بھی ایسی نظر آتی ہے جس نے اپنا نصب العین دین کی تبلیغ واشاعت قرار دیا ہو؟ کیا تمام عالم اسلام میں کوئی ایسی جماعت ہے جس نے قرآن کریم کے تراجم مختلف زبانوں میں کرنے کا کام اپنے ذمہ لے رکھا ہو؟ کیا کوئی جماعت ایسی ہے جس نے یورپ اور امریکہ میں اسلام کو اس معقول انداز میں پیش کیا ہو کہ وہی لوگ جو کل تک اسلام کو ایک جہالت و بربریّت کا مذہب سمجھتے تھے آج اس کی معقولیت اور امن پسندی کے یہاں تک قائل ہو گئے کہ دنیا کا امن اسلام کے سوائے انہیں کسی جگہ نہیں نظر آتا۔ کیا حضرت مرزا صاحب کی تحریک اور جماعت کے سوائے کوئی دوسری تحریک اور جماعت ایسی ہے جو مجددیت کے اس معیار پر پوری اترتی ہو؟ اگر نہیں تو پھر تمہیں اس کو مجدد ماننے اور اس کے ساتھ ہو کر دین کی خدمت بجالانے سے کیوں انکار ہے؟

یہ واقعات کی شہادت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ آپ نے مجددیت کا وہ کام کیا ہے جس کی نظیر نہ صرف اس زمانہ میں موجود نہیں، بلکہ تیرہ سو سال میں نظر نہیں آتی۔ واقعات کی اس شہادت کو جھٹلانا کسی ہوشمند اور صاحب عقل انسان کا کام نہیں۔ پھر کیوں اس بات پر اصرار ہے کہ مرزا صاحب اس زمانہ کے مجدد نہیں۔ کیوں حدیث مجدد کو جھٹلا کر خدا کی فعلی شہادت کو رد کیا جاتا اور ان بزرگان دین کو موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے جنہوں نے اس حدیث کے ماتحت مجدد ہونے کے دعوے کئے۔

کاش کچھ غور کریں، کم از کم کوئی ایسا مجدد ہی دکھا دیں جس نے مرزا صاحب کی طرح کوئی دین کی خدمت اس زمانہ میں سرانجام دی ہو۔ لیکن آپ کی صداقت کا یہ ایک بیّن نشان ہے کہ کوئی ایسا مجدد اس زمانہ میں پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی کسی کو جھوٹ موٹ دعوے کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ کاش اس نشان سے ہی فائدہ اُٹھائیں یا ہمیں بتائیں کہ آخر اس انکار کی کوئی وجہ بھی ہے!

تم کہو گے انہوں نے مجددیت ہی نہیں، مسیحیت کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ لیکن کون کہتا ہے کہ مسیحیت کا دعویٰ مجددیت سے بڑھ کر ہے۔ یہ تو اس کام کی مناسبت کی وجہ سے ہے جو آپ نے سپرد کیا گیا۔ مجازاً ایک نام آپ کو دے دیا گیا۔ اس لئے یہ کوئی وجہ انکار نہیں، نہ اس میں دعویٰ نبوت کا کوئی شائبہ ہے۔

☆

9 جون 1948ء

حضرت امیر کے قلم سے

جماعت احمدیہ کے تعلقات

غیر مسلم حکومتوں، جماعتوں اور فرقوں سے

یہ مضمون حضرت امیر نے 1936ء میں جماعت احمدیہ کے نکتہ نظر کی وضاحت میں لکھا تھا۔ ہندوستان تقسیم ہو جانے کے بعد جو صورت حال پیدا ہوگئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہم ایک مرتبہ پھر اپنے زاویہ نگاہ کی وضاحت کریں۔ احمدیہ انجمن ایک عالمگیر اسلامی تحریک ہے۔ اور ایک بین الاقوامی انقلاب کی داعی۔ اس کی دعوت کا طریق خالصۃً اسلامی ہے۔ اور اسلام خود اپنے مفہوم میں امن اور صلح کا ترجمان ہے۔ مدیر

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اسلام کے دفاع اور اشاعت کا کام مختلف ممالک میں سر انجام دیتی ہے۔ اور اس کے اراکین اکثر مسلمان ملکوں میں بھی ملتے ہیں۔ جہاں اشاعت اور حفاظت اسلام یا تو اُن کے ذریعہ یا مستقل دار التبلیغ قائم کر کے ادا ہوتا ہے۔ ان اراکین کی نسبت یا تو غلط نمائندگی کی جاتی ہے یا انہیں سمجھا ہی غلط جاتا ہے۔ میں نے ضروری سمجھا کہ چند لفظوں میں جماعت کی حیثیت اور اس کے دوسری ملتوں اور فرقوں سے تعلقات کو واضح طور پر بیان کر دوں۔ اور ساتھ ہی ان حکومتوں کے متعلق، جن کے ماتحت ہم رہتے ہیں، اپنا نکتہ نظر بتا دوں۔ دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے ہمارے تعلقات نہایت صلح مندانہ ہیں۔ کیونکہ ہم تمام قوموں کے مذہبی قائدین کو پاک اور برگزیدہ افراد سمجھتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن اقوام کی اخلاقی اور روحانی نشاۃ ثانیہ کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ ہمارا نظریہ قرآن حکیم پر مبنی ہے ''کوئی قوم بھی تو ایسی نہیں جہاں ہم نے ڈرانے والے نہ بھیجے ہوں'' (24:35) یہ بالکل درست ہے کہ تمام نبیوںؑ کے نام قرآن پاک میں مسطور نہیں۔ جو قرآن پاک کو خود تسلیم ہے ''تجھ سے پہلے ہم نے کئی نبی بھیجے۔ بعض کا ذکر ہم نے تجھ سے کیا اور بعض ہیں جن کا ذکر ہم نے تجھ سے نہیں کیا'' (78:40) قرآن پاک کی اس واضح تشریح کے بعد کہ ہر قوم میں خدا کے نذیر

آئے، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ہر ملت کے مذہبی مؤسس کی عزت اور تعظیم کرے۔ مثلاً زرتشت ایران میں۔ رامؑ۔ کرشنؑ اور بدھؑ ہندوستان میں، تو ا اور کنفوشش چین میں، یہ نبی ابراہیمؑ ، موسیٰؑ اور مسیحؑ کے سوا ہیں، جن کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ عالمی نظریہ ہے جس پر جماعت احمدیہ نے خاص طور پر زور دیا ہے اور جو دنیا کی مختلف قوموں کے درمیان آشتی اور بھائی چارے کی بنیاد ہوسکتا ہے۔ تیسرے، جس نکتے کی میں خاص طور پر وضاحت کر دینا چاہتا ہوں، وہ ہماری جماعت کے اراکین کا وہ رویہ ہے کہ جو انہیں اپنے ملک کی حکمت سے متعلق ہے۔ جیسے کہ ہمارا نصب العین اور مقصد وحید اسلام کے متعلق پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنا ہے، اور عوام الناس کو اسلام کی بلند اور ہمہ گیر صداقتوں کی دعوت دینا ہے جو انسانوں میں امن آشتی اور ذہنی سکون پیدا کر کے انہیں ایک پائیدار برادری میں منسلک کر دیتے ہیں۔ اس لئے ہم اس حکومت کے سیاسی معاملات میں دخل نہیں دیتے جس کے ماتحت ہم رہتے ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ زمین پر برپا ہونے والے سیاسی تغیرات کو ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے، بحیثیت جماعت ہم ایسی سیاسی کشمکش سے اس لئے الگ رہنا چاہتے ہیں تا کہ ہم اپنی توجہ کو اس بلند اخلاقی مرکز پر مرتکز رکھ سکیں جو ہمارا مقصد وحید ہے۔

اس رویے کا طبعی تقاضا یہی ہے کہ ہمارے اراکین ہر قانونی حکومت کے وفادار ہیں جس کے ماتحت وہ ہوں۔ اگر وہ مسلمان حکومت کے ماتحت رہیں تو انہیں اس کا وفادار رہنا لازم ہے اور اگر وہ کسی غیر مسلم حکومت کے ماتحت ہیں تو انہیں اس کا وفادار ہونا ضروری ہے۔ جس کسی بھی ریاست کے ماتحت ہیں انہیں اس کے احکام کا احترام لازم ہے اور حکومت کے خلاف باغیانہ یا جارحانہ کارروائیوں سے پرہیز ہونا چاہئے۔ اگر وہ عرب میں ہیں تو انہیں عرب حکومت کا وفادار ہونا چاہئے۔ اسی طرح ترکی میں ترکش سرکار، ایران میں ایرانی حکومت، افغانستان میں افغانی حکومت، مصر میں مصری، اٹلی میں اطالوی، جرمنی میں جرمن گورنمنٹ، فرانس میں فرانسیسی، امریکہ میں امریکن۔ اور برطانوی علاقوں میں برطانیہ کی وفاداری اُن کا فرض ہے۔ لیکن ہماری یہ وفاداری مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے ایک شرط کے باعث مشروط ہے۔ اور وہ شرط **لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَّةِ اللّٰهِ** ہے (یعنی مخلوق کی اطاعت جس کا تقاضا خدا کی نافرمانی ہو، جائز نہیں) ہندوستان میں، جہاں ہمارا مرکز ہے اور جہاں ہمارے

اراکین کی تعداد تمام ممالک سے زیادہ ہے، ہم ہندوستان حکومت کے وفادار ہیں۔ اس کے باوجود کہ ہمیں قومی تحریک سے پوری پوری ہمدردی ہے، ہم سیاسی جتھہ بندیوں سے الگ ہیں، جو یہاں مصروف عمل ہیں اور اپنی ساری توجہات کو دین کی نشر و اشاعت تک محدود رکھتے ہیں۔

یہ ہی وہ بات ہے جسے ہمارے اعداء ہماری جماعت اور ہماری تحریک کے خلاف یہ کہہ کر استعمال کرتے ہیں کہ ہم کسی اس یا اُس حکومت کے ایجنٹ ہیں۔ ہم یقیناً اس حکومت کے وفادار ہیں جس کے ماتحت ہم رہتے ہیں۔ اس کے احکامات کا ہم احترام کرتے ہیں۔ لیکن ہم صاف طور پر بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم کسی بھی حکومت کے ایجنٹ نہیں، ہم کسی بھی زمینی حکومت کے مفاد یا مقاصد کے ترجمان نہیں بلکہ ہم خدا اور خدا کے رسولؐ کے مفاد اور مقاصد کے ترجمان ہیں۔ ہم مقدس صحیفے اور بلند اسلامی عالمگیر برادری کے پاسبان ہیں، جو خطۂ زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور یکم نومبر 1938ء

''اسلام دی ریلیجن آف ہیومینٹی'' کا کھاسی ترجمہ: ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر خادم رحمانی نوری کے نام سے دعوت اقامت دین کے تقریباً تمام دوست متعارف ہیں۔ ڈاکٹر صاحب شیلانگ میں خدمت دین اور تبلیغ اسلام کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اوران کا یہ جذبۂ اشاعت دین بہت ہی بلند ہے۔ حال ہی میں انہوں نے حضرت امیر ایدّہ اللہ کے چھوٹے رسالے ''اسلام دی ریلیجن آف ہیومینٹی'' کا ترجمہ کھاسی زبان میں کیا ہے۔ تا اسے کھاسی جاننے والوں تک پہنچا کر اسلامی دعوت کا آغاز ان لوگوں میں بھی کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے جس محنت اور جانفشانی سے یہ فریضہ سرانجام دیا ہے، اس کے لئے ہم انہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

☆

7 جولائی 1948ء

حضرت امیر کے قلم سے

ماہِ رمضان اور اس کی برکات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ'' (186:2)۔ میرے بندو! میں تم سے بہت قریب ہوں۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (186:2) کوئی مجھے پکارے میں دعا کو قبول کرتا ہوں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رمضان آتا ہے تو خدا کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت تھی جس پر ہمارے ہادیؐ اور آپ کے صحابہؓ اور سچے پیروؤں کی زندگیاں گواہ ہیں۔ اور آج یہ ایک قصہ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے دلوں میں خدا کے لئے تڑپ پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے جسم خدا کے آگے گرتے ہیں مگر دل نہیں گرتے۔ اور دعا دل میں تڑپ پیدا ہونے کا نام ہے۔ آیئے اس رمضان میں ہم لوگوں کے ظلموں پر نہیں، اپنے ظلم پر آنسو بہائیں کہ اے خدا! ہم نے تیری قدر نہیں کی۔ تیرے کلام کی قدر نہیں کی۔ ہم نے تیرے پیغام کو چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری زندگیاں تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے وقف ہوں۔ نہیں چاہتے کہ ہمارے مال تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے پر صرف ہوں۔ کام وہ کرتے ہیں جن پر تیری طرف سے لعنت کی کھلی وعید ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی (159:2) جس پر وعید یہ ہے اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ (159:2) اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَةُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (161:2) اور آس یہ لگائے بیٹھے ہیں کہ تیری رحمت کے دروازے ہم پر کھل جائیں۔ مونہہ سے کہتے ہیں کہ تو ہم سے قریب ہے مگر دل تجھ سے اتنی دور ہیں کہ اس سے دور تر کوئی چیز نہیں۔ ہمارے ماتھے تیری دہلیز پر ہوتے ہیں جہاں جنت ملنی چاہئے اور دل جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ (3-2:104) کا ورد کر رہے ہوتے ہیں۔ زبان پر یہ ہوتا ہے کہ ہم تیرے غلام ہیں (اَنَا عَبْدُکَ) اور جو ہمارا مال ہے۔ وہ ہمارا مال نہیں وہ تیرا مال ہے اور دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لئے چند کوڑیاں خرچ کرنی پڑیں تو وہ ہمیں پہاڑ نظر آتا ہے اور ہم جھوٹے بہانے بنا کر ہر ممکن کوشش

کرتے ہیں کہ ہمارا مال ہم سے جدا نہ ہو۔

اے خدا تو اس جھوٹی زندگی سے ہمیں باہر نکال۔ ہم زمین پر رات کی خاموشی میں ماتھا رکھتے ہیں تو وہاں سے یہ آواز آتی ہے کہ ''مرا خراب کردی تو بہ سجدہ زیائی''۔ تو نے اپنے ریاکاری کے سجدوں سے مجھے ناپاک کر دیا۔ اے خدا تو ہمیں اپنی جناب میں سجدہ کرنے کی توفیق دے۔ ہمیں اپنا غلام بنا لے کہ ہمیں تیرا نام دنیا میں بلند کرنے کے سوائے کوئی فکر نہ ہو۔ اور تو ہمارا رب بن جا کہ تیری توجہ امت محمدیہ کو دنیا میں سر بلند کرنے کی طرف ہو جائے۔ خاکسار محمد علی

نسل انسانی کا معراج: (16 جون 1948ء) چند دن ہوئے معراج النبی صلعم کا دن لاہور اور دوسرے مقامات پر بڑے تزک و احتشام سے منایا گیا۔ مساجد میں چراغاں کیا گیا، سرخ و سبز جھنڈیوں اور دلآویز قطعات سے بازاروں کو سجایا گیا، بجلی کے قمقموں سے عمارات اور دوکانوں کو بقعہ نور بنایا گیا، جلسے ہوئے، جلوس نکالے گئے، مجالس میلاد منعقد ہوئیں، معراج پر تقریریں ہوئیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرِ سماوات اور انبیاء ملائکہ اور خود اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تفاصیل بیان کی گئیں۔

یہ سب کچھ ہوا جو یقیناً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں، لیکن ایک چیز جس کے بیان کرنے کی سب سے زیادہ ضرورت تھی اس کی طرف شاید توجہ ہی نہیں گئی۔ وہ کیا ہے؟ وہ اس سوال کا جواب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج سے نسل انسانی کو کیا فائدہ پہنچا؟ آپ کا کوئی فعل نہ تھا، کوئی کشف و مکاشفہ نہ تھا، جو نسل انسانی کے ساتھ تعلق نہ رکھتا ہو اور بنی نوع انسان کی بہبودی اس سے وابستہ نہ ہو۔ معراج کا کیا تعلق نسل انسانی سے ہے اور دنیا کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوا؟!

اگر غور کر کے دیکھا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جہاں آپ کی ترقی، مدارج اور روحانی بلندی کا مظہر ہے، وہاں نسل انسانی سے بھی اس کو گہرا تعلق ہے۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ معراج النبی صلعم دراصل نسل انسانی کا معراج ہے۔ آپ کو جو کچھ آسمانوں میں دکھایا گیا، جو تعلیمات آپ کو دی گئیں، اور نماز روزہ وغیرہ کے جو احکام اس موقع پر آپ پر نازل ہوئے، وہ سب نسل انسانی کے عروج و سر بلندی سے تعلق رکھتے ہیں۔

دنیا قعرِ مذلّت میں گری ہوئی تھی۔ ہر قسم کے بدترین اخلاق اس کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکے تھے اور قریب تھا کہ اس کی ناپاک اور کمینہ حرکات اور ان پر فخر ومباہات اس کو ہلاکت وتباہی کے اتھاہ گڑھے میں ڈال دیتے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا وہ پیغام نازل ہوا جو انسان کو قعرِ مذلت سے اُٹھا کر رفعت کی بلندترین چوٹیوں پر پہنچانے والا تھا۔ اس پیغام نے یقیناً ان گرے ہوئے لوگوں کو اُٹھایا جن کے اُٹھنے کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی اور اس عروج کمال پر پہنچایا جس سے بلند درجہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ نماز مومن کا معراج ہے۔ کونسی نماز، وہی جس کا حکم معراج کی رات کو ہوا اور جو دن میں پانچ بار ہر مسجد میں ادا ہوتی ہے۔ اس نماز نے ان لوگوں کو، جو سب سے پہلے اس پر عامل ہوئے، یقیناً معراج پر پہنچا دیا۔ انہیں وحشی سے انسان اور انسان سے فرشتے اور باخدا انسان بنایا۔ انہیں اخلاق واعمال کے لحاظ سے دنیا کے رہنما اور پیشوا بنا دیا۔ عزت وعظمت کے لحاظ سے بڑی بڑی سلطنتوں کے مالک بنا دیا اور دکھ اور تکلیف میں ڈوبی ہوئی مصیبت زدہ دنیا کو راحت وآرام اور امن واطمینان کا گھر بنا دیا۔

یہ نماز ہی تھی اور روزہ۔ اور قرآن کی تعلیمات ہی تھیں، جو ان لوگوں کے ناموں کو زندہ اور روشن کرنے کا موجب ہوئیں۔ نہ صرف دنیا میں انہیں معراج نصیب ہوا بلکہ رضوان الٰہی کا وہ بلندترین درجہ بھی انہیں ملا جو عاقبت میں بھی ان کے مقامات کو بلند کرنے کا موجب ہے یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (89:27-30) کا پیغام انہیں کے لئے ہے اور ان کا وجود اس بات پر شاہد ہے کہ معراج النبی صلعم دراصل نسل انسانی کا معراج ہے۔

معراج کا دن ہمارے لئے بھی ایک پیغام لایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نسل انسانی پھر قعرِ مذلت میں گرتی چلی جارہی ہے، اور تباہی وہلاکت کی غار آج پھر اس کے لئے منہ کھولے ہوئے ہے، جیسے زمانہ جاہلیت کے عربوں کے لئے کھولے ہوئے تھی وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (103:3) آج پھر انسان آگ کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑا ہے، جس سے اس کو بچانا اور عروج وسربلندی، امن واطمینان کی حالت پر اسے پہنچانا سب سے زیادہ ضروری فرض ہے، اور یہ فرض اسی راستہ پر چلنے سے پورا

ہوسکتا ہے، جو ہمارے اسلاف نے اختیار کیا تھا، اسی نماز کو پڑھنے وہی روزہ رکھنے اور اسی طرح احکام الٰہی پر عامل ہونے سے ادا ہوسکتا ہے، جو ان خدارسیدہ لوگوں کا طریقہ تھا۔

یہی پیغام مجدد وقت لے کر آئے اور معراج انسانی کا ایک چھوٹا سا نقشہ انہوں نے بھی اس دنیا کے سامنے رکھا۔ ضرورت ہے کہ دنیا کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے اور یہ یقین دلایا جائے کہ ان کی کامیابی اور عروج وسربلندی کا صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے۔ کہ قرآن پر عامل ہوں، نمازوں کو اپنا دستور العمل بنائیں، اور ان کے حقیقی فوائد واثرات کو اپنے وجود کے اندر پیدا کریں۔ یہی وہ راستہ ہے جس سے وہ زمین میں بھی سربلند ہوسکتے اور آسمانوں کی سیریں بھی کرسکتے ہیں۔

☆

21 جولائی 1948ء

حضرت امیر کے قلم سے

ہستیٔ باری تعالیٰ پر ایمان

دنیا کی مذہبی شخصیتوں میں ''سب سے بڑے کامیاب انسان'' کی کامیابی کا راز کیا تھا؟ وہ کیا خیال تھا یا کیا تعلیم تھی جس پر دنیا کے اس سب سے زیادہ مکمل، فوری ''سب سے زیادہ غیر معمولی انقلاب'' کی بنیاد رکھی گئی؟ انسانوں کے دلوں کو ایک ایسے بے نظیر اور مکمل انقلاب کے لئے کس طرح تیار کیا گیا؟ کس طرح ایک نئی زندگی ان لوگوں میں پھونک دی گئی جو توہم پرستی اور جہالت میں، ظلم وفساد میں اور فسق وفجور میں غرق تھے؟ کس طرح ایک ایسی قوم کو ''جن سے بڑھ کر پراگندہ اور منتشر اجزا کی کوئی دوسری قوم نظر نہیں آتی، جو دن رات برسرِ پیکار رہتے تھے، جن کی تمام تر کوشش ایک دوسرے کو برباد کرنے کی تھی، ایک کرنے کا ناممکن کام کر کے دکھایا گیا؟ خطرناک سے خطرناک انسانی بیماریوں کے لئے پہلا نسخہ کیا تجویز کیا گیا؟

اللہ پر ایمان: آپ کی کامیابی کا راز سب سے پہلے آپ کا اپنا خدا پر زبردست ایمان ہی تھا کہ انسان کو بہتر بنانے کے لئے ایک انسان نہیں، ایک قوم نہیں، ایک ملک نہیں، کل نسل انسانی کو کمال تک پہنچانے کے لئے اس کائنات کے خالق کا ایک ہی ارادہ ہے۔ جسے دنیا کی کوئی طاقت توڑ نہیں سکتی۔ جب آپ کو سب سے پہلے دن یہ پیغام ملا کہ آپ کو اس مقام پر کھڑا کیا جاتا ہے کہ انسانوں کو تباہی اور بربادی کے گڑھے سے نکال کر بلند مقام پر پہنچا دیں تو آپ کانپ اُٹھے۔ فی الواقع اتنا کانپے کہ جب تک گھر پہنچ کر کپڑا اوڑھ کر آرام نہیں کیا وہ کپکپاہٹ دور نہیں ہوئی اور طبیعت میں سکون پیدا نہیں ہوا۔ فی الواقع انسان کی اصلاح کا کام اتنا بڑا کام ہے کہ بڑی سے بڑی طاقت کا مالک انسان بھی جانتا ہے کہ ایک انسان کے دل کی اصلاح بھی نہیں کر سکتا اور آپؐ تو اکیلے اور بلکل بے سروسامان تھے۔ اور آپ کے سامنے جہالت اور گندگی میں آلودہ ایک دنیا۔ مگر اس خدائی ارادہ پر اور اس بات پر کہ یہ کام لاکھوں مشکلات بھی آجائیں ہو کر رہے گا، آپؐ کا ایمان ایسا زبردست تھا کہ آپ فوراً اس کام میں لگ گئے۔

شروع میں لوگوں نے آپ کو ایک خواب بین کہہ کر آپ کی تبلیغ کو محض ہنسی سے ٹالنا چاہا۔ مگر جوں جوں کچھ لوگ آپ کے پیغام کو قبول کرتے چلے گئے اور اس میں ایک قوت نظر آئی مخالفت شروع ہوئی، اور یہ مخالفت اس قدر خطرناک حد تک پہنچ گئی کہ ہر قسم کی ایذا دہی سے گذر کر ایسے لوگوں کو نہایت بیدردی سے مروانے تک سے بھی دریغ نہ کیا گیا جو آپ کا ساتھ دیتے تھے۔ مگر اس تمام مخالفت کے اندر آپؐ ایک پہاڑ کی طرح مضبوط کھڑے تھے۔ اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ حبش میں ہجرت کر جائیں۔ کیونکہ وہ انصاف کی سرزمین ہے جہاں کسی کے مذہب کی بناء پر اس پر ظلم نہیں ہوتا اور فرمایا ''وہاں ٹھہرے رہو جب تک اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ تمہارے لئے کھول دے''۔ یہ کامل یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور راستے کھول دے گا۔

آپؐ کے کچھ پیرو، یوں ایک امن کی جگہ پہنچ گئے مگر آپؐ تن تنہا دشمنوں کے اندر اپنی جگہ پر جمے رہے۔ آپؐ کو قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ آپ کے چچا ابو طالب نے بھی ایک وقت قوم کی مخالفت کو ناقابل برداشت پا کر یہ کہہ دیا کہ وہ اب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ انہوں نے پیغمبر کو مخاطب کر کے کہا۔ ''مجھ پر اس ذمہ داری کا بوجھ نہ ڈالئے جسے میں اُٹھا نہیں سکتا''۔ مگر آپؐ کے پائے ثبات میں ذرا جنبش نہ آئی۔ آپؐ نے فرمایا:

> ''چچا اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں لا کر رکھ دیں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں اور مجھے یہ کہیں کہ میں تبلیغ حق کو چھوڑ دوں تو یہ نہ ہوگا۔ میں اس کام کو کبھی نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے کامیاب کر دے، ورنہ میں اس کوشش میں خود ختم ہو جاؤں گا''

ابوطالب آپ کے اس غیر متزلزل ارادے کا مقابلہ نہ کر سکا اور کہا جاؤ جو دل چاہتا ہے کرو۔ میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ ادھر سے مایوس ہو کر قریش خود ایک وفد کی صورت میں آپ کی خدمت میں پہنچے اور کہا:

> ''اگر آپ کو دولت کی خواہش ہے تو جس قدر دولت آپ چاہیں ہم جمع کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کو عزت اور مرتبہ کی خواہش ہے تو ہم آپ کو بادشاہ اور آقا بنا کر آپ کی بیعت کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ کو حسن

مرغوب ہے تو حسین سے حسین لڑکی آپ کے نکاح کے لئے حاضر کر دیتے ہیں''۔
اس پیشکش کو ایک انسان نہ ٹھکرا سکتا تھا۔ کہاں ایک مظالم کا تختۂ مشق بے یار و مددگار انسان، کہاں ایک بادشاہ۔ جس کے قبضہ میں دولت بھی ہو اور حسن بھی ہو، مگر آپ کا جواب کیا تھا:

''مجھے نہ دولت کی ضرورت ہے، نہ بادشاہت کی، مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے کھڑا کیا ہے کہ میں انسانوں کو اس کا پیغام پہنچا دوں۔ اور ان کو بدی کے بدانجام سے ڈراؤں۔ اگر تم اس پیغام کو قبول کر لو تو تمہیں اس زندگی میں بھی راحت مل جائے گی اور آنے والی زندگی میں بھی۔ اگر تم اللہ کے پیغام کو رد کر دو تو اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا''

انہی ترغیبات کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف ایک ابتدائی زمانہ کی وحی میں فرماتا ہے:

''دشمنوں نے تو پختہ عزم کر لیا تھا کہ تجھے اس سے ہٹا دیں جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہے۔ تاکہ تو اس کو چھوڑ کر کوئی اور بات ہم پر بنا لے اور اس صورت میں وہ تجھے دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے پہلے سے تیرے قدم کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا (تو یہ ترغیبیں اتنی زبردست تھیں) کہ تو تو ضرور ان کی طرف تھوڑا سا جھک جاتا''(17:73-74)

سخت ایذا رسانیوں اور تکلیفوں اور مایوسیوں کے اندر پیغمبر صلعم کا یہ پختہ یقین کہ آپ کامیاب ہوں گے قرآن شریف کی سطر سطر اور لفظ لفظ میں نظر آ رہا ہے۔ قرآن کی روحانی طاقت آپ کو اتنی زبردست نظر آتی تھی کہ آپ کو یقین تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے سامنے کھڑی نہیں رہ سکتی۔

''اور اگر کوئی قرآن ہو جس سے پہاڑ ہٹائے جا سکتے ہیں یا جس سے زمین کے سارے فاصلوں کو طے کیا جا سکتا ہے، یا جس کی طفیل مردے باتیں کرنے لگیں (تو وہ یہی قرآن ہے) کیونکہ حکم تو سب اللہ کا ہی ہے''(13:14)

''اگر ہم اس قران کو پہاڑ پر اتارتے تو تو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا چور چور دیکھتا اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں''(59:21)

مخالفت کی آگ چاروں طرف بھڑکی ہوئی تھی، مگر آپ کو یہ یقین تھا کہ یہ حق کی زبردست طاقت کے سامنے ٹھہر نہیں سکے گی، یہ صرف چندروزہ بات ہے۔

''اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اسے صبر سے برداشت کر اور خوبی سے کنارہ کشی کرتا ہوا انہیں چھوڑ دے۔ اور مجھے اور دولت مند حق کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دے اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے (کہ ان کی بدکاریوں کا پیالہ لبریز ہو جائے)'' (11-10:73)

''فرعون نے پیغمبر کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے پکڑا اور کیسی سخت گرفت سے پکڑا۔ سو (اے اعداء حق) اگر تم انکار کرو تو تم اس دن سے کس طرح بچاؤ کرو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ آسمان اس سے پھٹ پڑے گا اس کا وعدہ ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے'' (18-16:73)

''اپنے رب کے لئے برداشت کرتے جاؤ۔ سو جب بگل بجے گا تو یہ کافروں کے لئے سخت تنگی کا دن ہوگا۔ سہل نہیں ہوگا مجھے چھوڑ دے (کہ اس سے سمجھ لوں) جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ پھر اسے ڈھیروں ڈھیر دولت دی اور بیٹے دیئے جو اس کے سامنے موجود ہیں اور اسے خوب سامان دیا اور ابھی وہ حریص ہے کہ میں اسے اور دوں۔ ایسا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ ہمارے پیغام کا دشمن ہے۔ میں اسے سخت مشقت میں مبتلا کر دوں گا'' (17-7:74)

یہ بہت ہی ابتدائی وحی ہے۔ پھر جوں جوں مخالفت بڑھتی گئی اس کی ناکامی کا اور حق کے غلبہ کا یقین بھی ترقی کرتا گیا۔ ایک اور ابتدائی وحی میں فرعون اور دوسرے اعدائے حق کا ذکر کر کے فرمایا ہے:

''سو ہم نے انہیں اسی طرح پکڑا جس طرح غالب قدرت والا پکڑتا ہے۔ تو کیا تمہارے کافر ان سے بہتر ہیں یا تمہارے لئے صحیفوں میں بریت لکھی ہوئی ہے؟ یا کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک جماعت ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہیں؟ یہ جمعیت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیرتے ہوئے بھاگ جائیں گے،

ہاں ایک گھڑی ان کا وقت مقرر ہے، اور وہ گھڑی بہت مصیبت والی اور بہت تلخ ہوگی'' (46-42:54)

کئی سال بعد جنگ بدر میں جب آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کے ساتھ صرف تین سو بے سروسامان جنگ سے ناآشنا ہیں اور بالمقابل ایک ہزار جوان نبرد آزما ہر قسم کے سامان سے مسلح جو آن کی آن میں ان کا صفایا کر کے رکھ دیں گے تو آپ کی دوڑ خدا کے دروازے تک ہی تھی اور ساری رات اسی دعا میں گذاری کہ:

''اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور تیرے وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں'' ''اے اللہ اگر تیری مرضی ہے تو آج کے بعد زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا''۔ ''اے زندہ خدا اے قائم بالذات دوسروں کو قائم رکھنے والے خدا، میں تیری رحمت کی فریاد کرتا ہوں''

اور آخر کار اس جھونپڑی سے باہر نکلے تو آپؐ یہی پڑھ رہے تھے، جن کا ترجمہ اوپر دیا گیا ہے **بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ** (46:54) یعنی وہ گھڑی جو دشمن کی ہلاکت کے لئے مقرر تھی وہی تو آ پہنچی ہے اور آپ کو یقین ہو گیا کہ آج یہ زبردست دشمن مٹھی بھر نہتے مسلمانوں کے ہاتھ سے ہلاک ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اور اس کے کھلے وعدوں پر یہی یقین محکم تھا۔ جس نے نہ صرف مکہ کی اذیت کے امتحانوں میں آپ کا ساتھ دیا۔ بلکہ مدینہ کی جنگوں کے میدان میں جب دشمن کی تعداد مسلمانوں کے مقابل پر تگنی چوگنی دس گنی بھی ہوتی تھی، اسی یقین نے آپ کے اندر دشمن کے مقابلہ کی قوت بھی پیدا کر دی اور بالآخر آپ کو کامیاب بھی کیا۔

آپ خوب جانتے تھے کہ عرب کی اصلاح کس قدر مشکل کام ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ نہ یہودی عربوں کی بت پرستی اور فسق و فجور کو دور کر سکے، نہ عیسائی۔ مگر آپ کو یہ بھی یقین تھا کہ آپ نہ صرف عرب کے بت پرستوں کی اصلاح کریں گے بلکہ اہل کتاب کی بھی۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو، جو خود انہی بدیوں میں مبتلا ہو چکے تھے جن کی اصلاح کے لئے وہ کھڑے ہوئے تھے، درست کر لیں گے۔

''وہ لوگ جو اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرک لوگ اس قابل نہ تھے کہ

گناہ سے آزادی حاصل کرتے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس کھلا ثبوت آتا۔ اللہ کا رسول آتا جو پاک صحیفوں کو پڑھتا ہے جن میں سب مضبوط کتابیں ہیں‘‘ (2-1:98)

آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ خود اہل کتاب کے دل پتھر کی طرح سخت بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ان پتھروں سے ندیاں بہا دے گا۔

’’پھر تمہارے دل اس کے بعد سخت ہو گئے یہاں تک کہ وہ پتھروں کی طرح ہو گئے، بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ اور پتھر بھی تو ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان میں سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی بہنے لگتا ہے، اور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں‘‘ (74:2)

آپ کو صرف یہی یقین نہ تھا کہ آپ اہل عرب کی اصلاح کر لیں گے بلکہ اس سے بڑھ کر آپ کو یہ بھی یقین تھا کہ آپ کا پیغام ساری نسل انسانی کے لئے ہے۔ اور انجام کار آپ ساری نسل انسانی کو راہ راست پر لے آئیں گے۔ آپ اس بات پر یقین کامل رکھتے تھے کہ ارادہ الٰہی صرف اہل عرب کی تربیت سے ہی تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ ساری دنیا سے تعلق رکھا ہے۔ وہ دعا، جو آپ کو پانچ وقت کی نماز کے لئے سکھائی گئی اور آج بھی آپ کے کروڑوں پیرو دن رات پڑھتے ہیں، وہ شروع ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1:1) یعنی سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کی ربوبیت کرنے والا اور انہیں درجہ بدرجہ اپنے کمال کو پہنچانے والے ہے۔

ربّ کا لفظ جو یہاں استعمال ہوا ہے اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایک چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف ترقی دیتے جانا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کمال کو حاصل کر لے۔ یہ قرآن شریف کی سب سے پہلی آیت ہے۔ اور اس کے مطابق خدائی ارادہ جو آپ پر ظاہر کیا گیا یہ تھا کہ ساری نسل انسانی کی ربوبیت آپ کے ذریعہ سے کی جائے گی۔ یہاں تک کہ ساری نسل انسانی اپنے کمال کو حاصل کر لے۔ آپ صرف عرب کے لئے پیغمبر ہو کر نہیں آئے تھے بلکہ ساری نسل انسانی کے پیغمبر ہو کر آئے تھے:

''کہہ دے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں۔ اس کا پیغمبر جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین کی ہے'' (158:7)

''اور ہم نے تجھے (ایک قوم کے لئے نہیں) بلکہ ساری قوموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے'' (107:21)

''بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا۔ تا کہ وہ ساری قوموں کے لئے ڈرانے والا ہو''

''اور یہ قرآن ساری قوموں کے لئے بزرگی کا موجب ہے'' (52:68 اور 27:81)

اور پھر یہ یقین اور بھی اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے جب ایک دفعہ نہیں بلکہ تین دفعہ یہ وعدہ دوہرایا جاتا ہے۔

''خدا وہ ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے'' (28:48,33:9)

اصلاح کا کام بھی خدا پر ایمان سے شروع کیا: اگر خدا کی ہستی پر اور اس کے وعدوں پر یہ زبردست ایمان آپؐ کی کامیابی کا راز تھا تو یہی وہ بنیادی پتھر تھا جس پر اس انقلاب عظیم کی بنیاد رکھی گئی جو آپؐ نے دنیا میں پیدا کیا۔ آپؐ نے جب اصلاح کا کام شروع کیا تو اس کی ابتداء یوں نہیں کی کہ فلاں بدی کو لوگوں کے اندر سے دور کیا جائے یا فلاں تو ہم پرستی کا علاج کیا جائے یا فلاں بری رسم کو مٹایا جائے بلکہ آپؐ نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ لوگوں کے اندر اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایک زبردست ایمان پیدا کیا جائے۔ تیراں سال تک جو مکہ میں وحی ہوتی رہی اس میں سارا زور صرف اس بات پر دیا گیا کہ اس دنیا کا ایک پیدا کرنے والا ہے۔ وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہی سب کا رب ہے۔ اس کے رحم کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ بار بار رحم کرنے والا ہے۔ وہ محبت کرنے والا ہے۔ وہ سب کچھ دینے والا ہے اور سب کو دینے والا ہے۔ وہ اپنے سب بندوں کی دعاؤں اور پکار کو سنتا ہے۔ وہ نیکی سے محبت کرتا اور بدی سے نفرت کرتا ہے۔ وہ ان پر رحم کرتا ہے جو اس کے بندوں پر رحم کرتے ہیں۔ اور ان سے محبت کرتا ہے

جو اس کے بندوں سے محبت کرتے ہیں۔ اور ان کے دکھوں اور تکلیفوں میں ان کے کام آتے ہیں۔ وہ سچ بولنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ علیٰ ہذا۔

خدا کی ہستی پر قدرت کے شواہد: جو شخص خود اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے، اس کی مثال اس تار کی ہے جس کے اندر بجلی دوڑ رہی ہو۔ اور جو شخص بھی اس سے تعلق پیدا کرتا ہے ایمان کی رو اس میں اسی طرح منتقل ہو جاتی ہے جس طرح بجلی کی رو اس چیز میں جو اس تار سے تعلق رکھتی ہے۔ آپ کا دل ایمان سے اس قدر بھرا ہوا تھا کہ جن لوگوں نے بھی آپ سے تعلق پیدا کیا وہی ایمان ان کے اندر بھی بھر گیا۔ پھر اس ایمان کو آپ کی اس تعلیم سے قوت ملتی رہتی ہے، جس میں خدا کی ہستی کا، اس کی قدرت کا، اس کے تصرف تام کا ذکر بار بار ہوتا۔ اور ابتدائی وحی میں انہی باتوں پر سب سے زیادہ زور تھا۔

> ''کیا وہ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے ہم نے اسے کس طرح بنایا اور اسے زینت دی اور اس میں کوئی خلل نہیں۔ اور زمین کو ہم ہی نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ ڈالے اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اُگائیں۔ جن میں ہر اس بندے کے لئے جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے، بصیرت اور نصیحت ہے، اور ہم نے بادلوں سے برکت والا پانی اتارا۔ پھر اس کے ساتھ باغ اُگائے اور دانہ جو کاٹا جاتا ہے اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھ تہ بتہ ہے۔ ان میں بندوں کے لئے رزق ہے اور اس پانی کے ساتھ ہم مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں، اسی طرح پر (روحانی مردے) نکل پڑیں گے'' (50:6-11)
>
> ''تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ سے عزت کی اُمید نہیں رکھتے اور اس نے تمہیں مختلف حالات میں سے گذار کر پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے کس طرح سات آسمانوں کو یکساں بنایا اور چاند کو ان میں نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا اور اللہ نے تمہیں زمین سے اُگایا جس طرح کھیتی اُگتی ہے۔ پھر وہ تمہیں اسی میں لوٹا دیتا ہے اور وہ تمہیں (ایک نئی پیدائش میں) نکال کھڑا کرے گا اور اس نے تمہارے لئے زمین کو فراخ بنایا تا کہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو''

''اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا۔ تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے اور وہ غالب بخشنے والا ہے۔ جس نے سات آسمانوں کو یکساں پیدا کیا تو رحمان کی مخلوق میں کوئی اختلاف نہ دیکھے گا۔ پھر نظر کو لوٹا تو اس میں کوئی فساد نہ دیکھے گا۔ پھر نظر کو بار بار لوٹا۔ نظر تیری طرف حیرت سے واپس آئے گی اور وہ تھکی ہوئی ہوگی''۔(14-2:67)

انسان کو توجہ دلائی ہے کہ اس قدر وسیع آسمانوں اور زمین میں ایک بنانے والے کا ہاتھ کیسا صاف کام کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ ایک ہی قانون کام کر رہا ہے۔ اس قانون کے نفاذ میں نہ کوئی خلل واقع ہوتا ہے نہ کوئی بگاڑ نظر آتا ہے۔ پھر فرماتا ہے:

''آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ادل بدل میں اور کشتیوں میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے چلتی ہیں اور پانی میں جو اللہ بادل سے اتارتا ہے پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اس کے اندر ہر قسم کے جاندار پھیلاتا ہے اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان کام میں لگایا گیا ہے ان لوگوں کے لئے یقینی ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں''(164:2)

ارشاد حضرت امیر: اپنے اخراجات کو کم کریں۔ تکلفات کو کم کریں اور ایک روپیہ فی سینکڑہ اپنی آمدنی میں سے یکم جون 1948ء سے کشمیر اور فلسطین کے مسلمانوں کی امداد کے لئے دینا نہ بھولیں۔ یہ چند ماہ کے لئے عارضی ضرورت ہے۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

☆

28 جولائی 1948ء

زندہ نبیؐ کی زندہ تعلیم

از حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ

جیسا کہ احباب کو معلوم ہوگا یہ کتاب انگریزی میں اسی سال کیسل اینڈ کولنڈن کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں، تبلیغ اسلام کے لئے یہ اپنی جامعیت اور اختصار کے لحاظ سے بہترین کتاب ہے۔ جس میں نبی کریم صلعم کی سیرت کے ساتھ قرآن کریم کی تعلیم کا نچوڑ تمام اہم مسائل پر جمع کر دیا گیا ہے۔ شیخ میاں محمد صاحب جب آخر مئی میں سفر یورپ پر تشریف لے گئے تو میں نے ان سے استدعا کی تھی کہ وہ اس کتاب کے کچھ نسخے مفت تقسیم کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس کا پانچ سو نسخہ خرید کر کچھ مفت تقسیم کر دیا اور کچھ ووکنگ میں مفت تقسیم کے لئے دیا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ میں امید رکھتا ہوں کہ ان کے اس کام سے ہزاروں دلوں میں صداقت اسلام کا بیج پڑ جائے گا اور خدا نے چاہا تو بار آور بھی ہوگا۔ لیکن میرے دل میں ایک اور خواہش بھی ان ایام میں پیدا ہوئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم اس کتاب کے کچھ انگریزی نسخے ہندوستان کے بڑے بڑے آدمیوں کو بھی پہنچائیں۔ ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھ سے جو تکلیف مسلمانوں کو پہنچی ہے، اس پر آج کس مسلمان کی آنکھوں سے خون کے آنسو نہیں بہتے۔ مگر اس میں کیا شبہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے بھی یہ ان کی اس غفلت کی سزا ہے کہ انہوں نے ان لوگوں کو اتنے لمبے عرصہ میں کما حقہ اسلام کی تعلیم نہیں پہنچائی۔ اس تحریک کی خاص وجہ وہ خواب ہیں جو ایک میں نے 30 شعبان کو اور ایک 14 رمضان المبارک کو دیکھا۔ ان دونوں میں مَیں نے دیکھا کہ پنڈت نہرو میرے مکان پر آئے ہیں اور مجھ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ سر دست میں ان کی تفصیلات کو بیان نہیں کرتا۔ لیکن ان دونوں میں مَیں نے دیکھا کہ پنڈت نہرو خاص طور پر متاثر ہوئے ہیں۔ اور ایک میں تو بہت ہی کھلا اثر میں نے ان پر دیکھا۔ پنڈت نہرو سے مراد ان کی قوم ہے۔ تو اس پر میرے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ اس قوم کے عمائد کا بھی ہم پر حق ہے۔ کیا بعید ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیم اور نبی کریم صلعم کی صحیح تصویر ان کی آنکھوں کے سامنے آئے تو ان کے دلوں پر خاص اثر پڑے۔ اس لئے میں یہ تحریک اپنے احباب کے سامنے رمضان کے اس آخری عشرہ میں رکھتا ہوں کہ جس طرح

شیخ میاں محمد صاحب نے یورپ میں یہ بیج ڈالنے کی کوشش کی ہے، وہ اس ملک ہندوستان میں صداقت اسلام کا بیج ڈالنے کی کوشش کریں۔ اور دس دس، بیس بیس، سو سو نسخوں کی تقسیم اپنے ذمہ لے لیں۔ کتاب کی قیمت 5 شلنگ ہے۔ یعنی کوئی ساڑھے تین روپے کے قریب۔ لیکن اکٹھے نسخے اگر لینے چاہیں تو قریباً سوا دو روپے فی نسخہ پڑ جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ تحریک ہر جماعت میں خاص طور پر 29 رمضان المبارک کے جمعہ میں کی جائے۔ اور عید کے دن بھی اس کو دوہرایا جائے۔ خاکسار محمد علی 2 کالون روڈ۔ کوئٹہ

خطوط بنام حضرت امیر اوران کے جواب: (8 ستمبر 1948ء) محترمی حضرت امیر نادام ظلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میری لڑکی مسماۃ حمیدہ بیگم بڑی نیک فطرت رکھتی ہے۔ ماسوائے بعض وجوہات کے کبھی نماز قضا نہیں کی۔ ایک دفعہ جناب نے کسی چندے کے لئے تحریک پیغام صلح میں کی تھی۔ میں نے حمیدہ بیگم کو سنایا۔ اس وقت تقریباً گیارہ سال کی عمر تھی۔ اور اپنی مرغی کے انڈے جمع کرتے کرتے مبلغ 27 روپے جمع کئے انہیں فوراً میرے ذریعہ انجمن کو بھجوا دیئے۔

اب عرصہ سے مجھے کہتی رہتی ہے کہ نماز میں میری حضوری قائم نہیں رہتی۔ میری بیعت کا خط حضرت امیر کی خدمت میں بھیج دو کہ وہ میری بیعت منظور فرما دیں اور میرے لئے دعا کریں کہ نماز میں میرا حضور قائم ہو جائے۔ لہٰذا گذارش ہے کہ حمیدہ کے لئے اور میرے لئے دعا فرمائی جاوے۔ والسلام خاکسار حاجی مثال خاں حال پشاور

جواب: محترم خاں صاحب سلام مسنون آپ کا خط حضرت امیر ایدہ اللہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے حمیدہ بیگم کے لئے دعا کا وعدہ فرمایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت کے لئے زیادہ سے زیادہ دلوں میں دین کا عشق پیدا کرے۔ انہوں نے حمیدہ بیگم کے نماز میں حضوری قلب نہ حاصل ہونے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اگر محترمہ عزیزہ نمازوں میں دوام اختیار کریں گی تو وہ مقام انشاء اللہ مل جائے گا جہاں حضوری قلب عطا ہوتی ہے۔ ابتداء میں بست وکشاد کے مقام بھی ہوتے ہیں۔ کبھی طبیعت کو نماز سے راحت اور سکون ملتا ہے اور کبھی طبیعت باوجود کوشش کے وہ مقام تسکین نہیں پاتی۔ اس کشمکش میں ایسا ہونا کچھ بعید نہیں۔ اس سے گھبرائیں نہیں۔ اور خدا کے ساتھ تعلق اور مضبوط کرتی جائیں۔ تاکہ آہستہ آہستہ پختگی اور حضور کا مقام آ جائے۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے مزید فرمایا ہے کہ وہ آپ کے

لئے اور عزیزہ حمیدہ کے لئے دعا فرماتے رہیں گے۔ نیز وہ حمیدہ بیگم کی دینی جذبات کی قدر فرماتے ہیں اور بیعت بھی قبول فرمالی ہے۔ تاہم گاہے گاہے آپ یاد دلاتے رہیں تو بہت بہتر ہوگا۔ والسلام

جناب عزیز اللہ صاحب مرحوم (مدراس) کی وفات پر ان کی صاحبزادی نے ایک خط حضرت امیر ایدّہ اللہ کی خدمت میں لکھا۔ جس میں مرحوم کے تبلیغی کاموں کو جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے اپنی تبلیغی مساعی کا ذکر کیا۔ اس کے جواب میں دفتر جائنٹ سیکرٹری کی طرف سے حسب ذیل خط لکھا گیا

محترمہ۔ سلام مسنون آپ کا مکتوب محررہ 12 اگست 1948ء حضرت امیر ایدّہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور نے آپ کے جواب کو بطیّب خاطر ملاحظہ کیا۔ جواباً انہوں نے فرمایا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی رضاء کو مقدم کرنے میں جو ثابت قدمی آپ نے دکھائی ہے، اس سے یقیناً آپ کے والد مرحوم خوش ہوں گے۔ وہ لوگ جو حیات بعد الموت کے قائل ہیں اور خداوند تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، موت ان کے لئے بجز تعلقات کے عارضی انقطاع کے کچھ نہیں۔ آپ کے والد جیسے دین کی خدمت میں پیش پیش تھے اور ہمارے مقدس امام مرزا غلام احمد صاحبؒ کے ساتھ جو انہیں عشق تھا، اب اس کے وارث آپ کو ہونا ہے۔ اور انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ آپ لوگوں نے اپنے والد مرحوم ومغفور کے اس مقدس ترکہ کو ورثہ میں پایا ہے۔ قلوب کو انسانیت اور اسلام کی خاطر فتح کرنے کے لئے آپ نے جو جدوجہد جاری رکھی ہے حضرت امیر نے آپ کی ان مساعی جمیلہ کو سراہا ہے اور ہمیں ہدایت فرمائی ہے کہ آپ کی اس جدوجہد میں آپ کا ساتھ دیں۔ ان کے ارشاد کی تعمیل میں آپ کو چند ٹریکٹ بھیجے جارہے ہیں۔ جو ٹریکٹ وہاں زیادہ مقبول اور مفید ہوں وہ ہم سے مزید طلب فرمائیں۔ تاکہ دعوت اسلام اور احمدیت کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ والسلام

☆

8 ستمبر 1948ء

حضرت امیر کے قلم سے

وحدتِ نسل انسانی

نسل انسانی کی وحدت کا خیال پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تہذیب انسانی پر وہ احسان ہے جس کی نظیر دوسرے کسی پیغمبرؑ یا دوسرے کسی انسان کی تعلیم میں نہیں ملتی۔ یہ درحقیقت خدا کی وحدت کا، جس پر آپؐ کی تعلیم کی بنیاد ہے، لازمی نتیجہ تھا۔ ساری دنیا کی تاریخ کو پڑھ جاؤ۔ سب سے پہلا انسان، جس نے نسل انسانی کی وحدت کی آواز بلند کی بلکہ اسے اپنے مذہب کی بنیاد ٹھہرایا، محمد رسول اللہ کے سوائے اور کوئی نظر نہ آئے گا۔ بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ راز اتنا بلند تھا کہ بغیر خدا کی وحی کے اس کا انکشاف قلب انسانی پر نہ ہوسکتا تھا۔ ملک عرب کی اپنی حالت تفرقہ اور پراگندگی اس انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی کہ اس کے کسی رہنے والے کے دل میں اس خیال کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔ حالانکہ یہ ایک نسل کے لوگ تھے۔ ایک زبان بولنے والے تھے۔ مگر خود ان کی یہ حالت تھی کہ ہر قبیلہ اور اس کی ہر شاخ دوسرے قبیلے اور دوسری شاخ سے الگ تھی۔ بلکہ سب اپنی اپنی جگہ پر چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں۔ جو شب و روز برسر پیکار تھیں۔ جن کی جنگ کبھی ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔ آج اگر بظاہر صلح ہوتی تو کل پھر جنگ کی آگ بھڑک اُٹھتی۔ وہ اپنے ملک کے بیابانوں کی ریت کی طرح ایک دوسرے سے الگ تھے۔ ان کا صحیح نقشہ قرآن پاک نے ان الفاظ میں کھینچا ہے ''تم ایک آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے'' (102:3)

نسل انسانی کی وحدت کا اعلان: انسان کی ساری تاریخ میں نسل انسانی کی وحدت کا خیال سب سے پہلے اس ملک میں پیدا ہوتا ہے۔ کس صفائی سے اس وحدت کا اعلان کیا جاتا ہے۔

''اور سب لوگ ایک ہی قوم ہیں لیکن وہ باہم جھگڑتے ہیں'' (19:10)

''اور یہ تمہاری قوم ایک ہی قوم ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ سو میرا تقوٰی کرو۔ مگر انہوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ اس پر

خوش ہے جو ان کے پاس ہے۔سو ایک وقت تک انہیں اپنی جہالت میں چھوڑ
دے"(54-52:23)

"اور یہ تمہاری قوم ایک ہی قوم ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔سو میری عبادت
کرو مگر انہوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں قطع کر دیا۔سب کے سب ہماری
طرف لوٹ کر آنے والے ہیں"(193-92:21)

"سب لوگ ایک ہی قوم ہیں۔سو اللہ نے (سب میں) نبی بھیجے خوشخبری دیتے
ہوئے اور ڈراتے ہوئے اور ان کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب اتاری"
(213:2)

یہ صرف ایک خیال نہ تھا جو کسی بلند جذبہ کے ماتحت کسی کی زبان سے نکل گیا۔ہو بلکہ اسے ایک اصول تمدن قرار دیا گیا۔جس کی تمام تفصیلات پیغمبر خدا کی وحی میں اور آپ کے عمل میں واضح کر دی گئیں۔

قوموں،قبیلوں اور رنگ وزبان کا اختلاف: اس بات کا انکار نہیں کیا گیا کہ نسل انسانی میں قومیں اور قبیلے ہیں۔مگر یہ سمجھایا گیا کہ قوموں اور قبیلوں کا وجود صرف ایک دوسرے کو جاننے کے لئے ہے،تمیز کے لئے ہے،تفریق کے لئے نہیں۔

"اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں
اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو"(13:49)

رنگ اور زبانوں کے اختلاف کو بھی تسلیم کیا گیا۔

"اور اس کے نشانوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔
پھر تم بشر ہو جو پھیل جاتے ہو"(20:30)

"اور اس کے نشانوں میں سے ایک آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری
زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے۔یقیناً اس میں علم والوں کے لئے نشان ہیں"
(22:30)

کسی ملک کے رہنے والے لوگ ہوں۔کوئی سی زبان وہ بولتے ہوں۔ان کے چمڑوں کا کچھ بھی رنگ ہو۔سب کے سب ایک ہی خاندان ہیں۔جو ایک ہی آسمان کے سائے کے نیچے رہتے اور قدرت کے فوائد سے متمتع ہوتے ہیں۔

''اے لوگو! اپنے رب کا تقوٰی کرو۔جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ پھر ان دو سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا''(1:4)

''وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تا کہ تم خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں راہ پاؤ............اور وہی ہے جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ پھر ایک ٹھہرنے کی جگہ۔اور وہی ہے جس نے بادلوں سے پانی اتارا پھر اس سے ہم ہر طرح کی روئیدگی نکالتے ہیں۔ پھر اس سے سبز کونپلیں نکالتے ہیں۔پھر اس سے ہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں''(100-98:6)

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا۔ تا کہ تم حقوق کی نگہداشت کرو۔جس نے زمین کو تمہارے لئے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور بادلوں سے پانی اتارا۔ پھر اس کے ساتھ تمہارے لئے پھلوں سے رزق نکالا''(22-21:2)

خدا کے جسمانی وروحانی قوانین سب قوموں کے لئے ایک ہیں:ایک طرف یہ تعلیم دی کہ خدا کے جسمانی قوانین ساری نسل انسانی کے لئے ایک ہی ہیں۔سب کے لئے ایک ہی زمین رہنے کو اور ایک ہی قانون ہے جس سے وہ رزق حاصل کرتے ہیں اور جسمانی رنگ میں خدا تمام قوموں کا رب ہے۔وہ مومنوں کا بھی رب ہے کافروں کا بھی رب ہے۔

''کیا تم ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو اور وہ ہمارا پالنے والے ہے اور تمہارا پالنے والا بھی ہے۔ ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں، تمہارے لئے تمہارے عمل ہیں''(139:2)

دوسری طرف یہ بھی بتا دیا کہ اس کے روحانی قوانین بھی ساری دنیا کے لئے ایک ہی ہیں۔ جس طرح ساری نسل انسانی کو وہ جسمانی فوائد سے متمتع کرتا ہے، اسی طرح ساری نسل انسانی کو روحانی فوائد سے بھی متمتع کرتا ہے۔ اگر وہ ایک قوم میں ان کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجتا رہا ہے تو دوسری قوم میں بھی پیغمبر بھیجتا رہا ہے۔

''کوئی قوم نہیں مگر اس کے اندر ایک ڈرانے والا گذرا ہے'' (24:35)

''ہر قوم کا ایک پیغمبر تھا'' (47:10)

''اور یقیناً ہم نے ہر قوم کے اندر ایک پیغمبر بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو'' (36:16)

''تم میں سے ہر ایک (قوم) کے لئے ہم نے ایک قانون اور ایک راستہ بنایا'' (48:5)

جزا و سزا کا قانون بھی ایک ہے: بالآخر ساری نسل انسانی کے لئے ایک ہی قانون ہے۔ جس کے مطابق ان کا حساب کتاب ہوتا ہے۔ اور وہ قانون اعمال ہے۔ ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جیسے اس کے اعمال ہوں گے۔

''جو ایک ذرّہ کے وزن کے برابر نیکی کرتا ہے، وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ایک ذرّہ کے وزن کے برابر بدی کرتا ہے وہ اسے دیکھ لے گا'' (99:7-8)

''کہہ دو اے کافرو! تمہارے لئے تمہارے (اعمال کا) بدلہ ہے اور میرے لئے میرے اعمال کا بدلہ ہے'' (6:109)

''اگر وہ تجھے جھوٹا کہتے ہیں تو کہہ دو میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم اس سے بری ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے بری ہوں جو تم کرتے ہو'' (41:10)

''کہہ دو میں اس پر ایمان لاتا ہوں جو اللہ نے کتاب سے اتارا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہمارا رب ہے اور وہی تمہارا

رب ہے ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے عمل''
(15:42)

نسلِ انسانی کی وحدت کے خیال سے مشکل تر کام اس کا عمل میں لانا تھا: نسل انسانی کے اتحاد کا اس سے بلند تر اصول کوئی نہ ہوسکتا تھا۔ تمام انسان کسی ملک کے رہنے والے ہوں، ایک ہی قوم ہیں۔ کوئی زبان بولتے ہوں، کیسا بھی ان کا رنگ ہو مگر انسان ہونے کے لحاظ سے سب ایک ہیں۔ سب کا خدا ایک ہے۔ اس لئے جسمانی پرورش کے سامان ہی سب کو یکساں نہیں دیئے، روحانی تربیت کے سامان بھی یکساں دیئے۔ سب کے اندر ان کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے۔ سب کو ان کے اعمال کے مطابق نتائج ملتے ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور دوسری زندگی میں بھی۔ اصولی طور پر یہ تعلیم نہایت بلند تھی جس پر اس سے پہلے کوئی انسان نہیں پہنچ سکا۔ اور بعد میں بھی نہیں پہنچ سکا۔ مگر اس سے بھی مشکل تر ایک کام تھا۔ اور وہ تھا عملاً اس مقام پر لوگوں کو کھڑا کرنا اور ان امتیازات کو مٹانا جو نسل اور رنگ اور وطنیت اور زبان کی تفریق کی وجہ سے پیدا ہوگئے۔ عربوں میں دوسری قوموں کے خلاف نسل اور رنگ اور زبان پر اس قدر ناز تھا۔ اس کی فصاحت اور بلاغت کو وہ اس قدر بلند سمجھتے تھے کہ تمام دوسری قوموں کو عجم کے نام سے پکارتے تھے۔ جس کے معنی ہیں گونگا۔ گویا وہ اپنے مافی الضمیر کو ٹھیک طور پر ظاہر نہیں کرسکتے۔

عجماء جانور کو کہتے ہیں جو بول نہیں سکتا۔ نسل کے لحاظ سے بھی وہ اپنے آپ کو بہت بلند سمجھتے تھے۔ گو ملکی لحاظ سے وہ ایک طرف سے ایرانیوں کے اور دوسری طرف سے رومیوں کے دباؤ کے نیچے تھے مگر وہ اپنے آپ کو ان سے بلند نسل کے انسان سمجھتے تھے۔ اور حبشیوں کو تو وہ غلامی کے سوائے اور کوئی حیثیت نہ دیتے تھے۔ پس آپ کے سامنے سب سے پہلا کام یہ تھا کہ پہلے عربوں کے اندر سے، جنہوں نے آپ کے پیغام کو دنیا میں پہنچانا تھا، رنگ اور نسل اور زبان کے تعصب کو دور کیا جائے۔

عملی اتحاد کی پہلی بنیاد: ان امتیازات کو مٹانے کے لئے سب سے پہلی بنیاد مسجد تھی۔ جہاں پانچ وقت مسلمان جمع ہوتے اور جہاں ان کے تعلقات میں رنگ اور نسل کا امتیاز اُٹھ جاتا۔ جہاں حبشی غلام اپنے عرب آقا کے ساتھ پہلو بہ پہلو کھڑا ہوتا۔ یوں دن میں پانچ وقعہ اس امتیاز کو مٹانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسجد سے باہر بھی سب لوگ برابری کی حیثیت سے ایک دوسرے کو ملتے۔ شروع شروع میں قریش کے بڑے

بڑے سردار آپ کی مجلس میں نہ آتے۔ کیونکہ وہاں غلام، حبشی ہر قسم کے لوگ، جنہیں وہ نچلے طبقہ کے سمجھتے تھے، موجود ہوتے تھے۔

''ہم تجھے اپنے جیسا ہی انسان پاتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی سوائے ان لوگوں کے کسی نے کی ہو، جو ہم میں سے سرسری نظر سے ہی رذیل نظر آتے ہیں''
(27:11)

''اور میں انہیں نہیں نکال سکتا جو ایمان لائے۔ وہ یقیناً اپنے رب سے ملنے والے ہیں مگر میں تمہیں ایک جاہل قوم پاتا ہوں'' (29:11)

''نہ میں ان کی نسبت، جنہیں تمہاری نظریں حقیر دیکھتی ہیں، یہ کہتا ہوں کہ اللہ انہیں بھلائی نہیں دے گا۔ اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے''
(31:11)

یہ حضرت نوحؑ کے ذکر میں ہے۔ مگر اشارہ اس میں خود پیغمبر صلعم کی طرف ہے۔ چنانچہ خود آپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھ جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اسی کی رضا کو چاہتے ہیں اور اپنی نگاہیں ان کی طرف سے ہٹا کر اور طرف نہ دوڑا کہ تو دنیا کی زندگی کی آرائش کا رادہ کرے۔ اور اس کی بات نہ مان جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل رکھا ہے۔ اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ گیا گذرا ہے'' (28:18)

اس طرح قریش کے بلند پایہ لوگ اور حبشی غلام پانچ وقت عبادت میں اور مذہبی مجالس میں، جہاں آپ اپنا پیغام پہنچاتے برابری کی سطح پر اکٹھے ہوتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ذہنیت، کہ کچھ انسان اپنے رنگ اور نسل کی وجہ سے بڑے ہیں اور کچھ چھوٹے، مسلمانوں کے اندر سے مٹتی چلی گئی اور وہ سوسائٹی میں اور کاروباری معاملات میں بھی اسی طرح سب کو یکساں سمجھنے لگے۔ پھر یہ بھی بتا دیا گیا کہ کوئی شخص عزت کا مستحق اپنی نسل اور زبان کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اپنی نیکی اور تقوٰی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں شاخیں اور قبیلے بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ خدا کے نزدیک تم میں سے معزز وہ ہے جو دوسرں سے بڑھ کر متقی ہو'' (13:49)

امامت یا روحانی رہنمائی کسی شخص کو اس قوم اور رنگ کی وجہ سے نہ ملتی تھی بلکہ قرآن پاک کے علم کی وجہ سے ملتی تھی۔ مسجد کے عہدیدار دو ہی تھے ایک مؤذن اور ایک امام۔ سو آپؐ نے فرمایا:

''لوگوں کا امام وہ ہوگا جو سب سے بڑھ کر اللہ کی کتاب کو جانتا ہے'' (مشکوٰۃ 26:4)

''تم میں سے اذان وہ دے جو سب سے زیادہ نیک ہے۔ اور امام وہ ہو جو سب سے زیادہ قرآن کا علم رکھتا ہے'' (مشکوٰۃ 26:4)

خود اپنی مسجد میں مؤذن کا کام آپ نے حضرت بلالؓ کے سپرد کیا۔ جو حبشی تھے اور غلام رہ چکے تھے۔ اور آپ خود امام تھے۔ پھر عربوں اور حبشیوں میں مل کر کھانے اور رشتے ناطے کرنے کا رواج قائم کیا۔ اور یہاں تک رنگ اور نسل کے امتیاز کو مٹایا کہ نہ صرف روحانی رنگ میں ہی ایک حبشی عرب کے لوگوں پر فضیلت حاصل کر سکتا ہے، بلکہ حکومت اور بادشاہت کے لحاظ سے بھی وہ حاکم اور عرب محکوم بن سکتے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''سنو اور فرمانبرداری کرو۔ گو حکومت ایک حبشی کے سپرد کی گئی ہو۔ جس کا سر کشمش کے دانہ کی طرح ہو'' (بخاری 54:10)

پاکستان کا انعام اور ہمارا فرض: (8 ستمبر 1948ء) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ پاکستان کے قیام کے بعد جس قسم کے حالات سے ہم کو دوچار ہونا پڑا ہے یہ اس بات کا مقتضی تھا کہ ہم خدا سے ڈرتے اس کا تقوٰی اختیار کرتے۔ اس کے حضور میں اپنے گناہوں اور اپنے نفسوں کے مظالم سے استغفار کرتے۔ مگر افسوس کہ پاکستان کی غالب اکثریت اپنے ہوا و ہوس میں اور زیادہ بڑھ گئی۔ خدا کی یاد اور خدا کے خوف سے اور زیادہ غافل اور اپنی سرکشیوں میں اور زیادہ آگے بڑھ گئی ہے۔ مومن پر جب خدا تعالیٰ کوئی ابتلاء لاتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کے حضور تضرع اور عاجزی کرتا ہوا گر پڑے۔ دعاؤں میں لگ

جائے اور خدا سے اپنے گناہوں کا استغفار کرے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ پھر بھی خدا نے محض اپنے فضل وکرم سے پاکستان کو استقامت بخشی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ خدا اپنی قہری بجلی بھی دکھا دکھا کر ڈرا رہا ہے۔ تاکہ لوگ اصلاح اور تقویٰ کی طرف قدم اُٹھائیں۔ مگر افسوس کہ اہل پاکستان کی اکثریت غافل ہے۔ اب جو لگاتار بارشوں کا سلسلہ بندھا ہوا ہے اور بند ہونے میں نہیں آتا جس کی وجہ سے دریا اپنے کناروں سے باہر نکل گئے ہیں لاتعداد دیہات غرقاب ہو گئے ہیں۔ بے شمار مکان منہدم ہو گئے ہیں۔ ان گنت جانیں تلف ہو گئی ہیں۔ بے حساب مال و مویشی کا نقصان معرض وجود میں آچکا ہے اور خدا جانے کیا کیا ہونے والا ہے۔

14 اگست کو پاکستان کا یوم استقلال منایا گیا۔ یہ درست کہ حکومت بھی خدا کا انعام ہے اور اس انعام کا شکریہ ادا کرنا بھی خدا کی عبادت ہے مگر کون ہے۔ جو دل پر ہاتھ رکھ کر اور سچے دل سے کہے کہ یوم استقلال محض خدا کا شکر کرنے اور اس کی نعمت کا سچے دل سے اقرار کرنے کے لئے منایا گیا تھا۔ بلکہ یوں بھی کہا جاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس دن مسلم لیگ کی کوشش بارآور ہوئی تھی۔ مگر کوشش کو بارآور کرنے والے کا نام بہت کم لوگوں کی زبانوں اور دلوں سے ادا ہوا ہے۔

موجودہ حالات میں اس امر کو سوچنا چاہئے کہ اگر ہم ایک دن اپنی خوشی اور کوشش کو پایہ تکمیل تک پہنچنے کی تقریب میں مناتے ہیں تو ایک آدھ دن خدا کے لئے منائیں۔ سب مل کر اس کے حضور استغفار کریں اور خداوند کریم ان بارشوں اور دیگر اس قسم کے آنے والے عذابوں سے، جس کا علم صرف خدا کو ہے، ہم کو پناہ دے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ یوم استقلال پر پریڈیں ہوئیں۔ کھیلیں ہوئیں۔ لوگوں نے ریڈیو پر عشقیہ غزلیں سنیں۔ فلمی گیت سنے اور دل بھر کر عیاشی کی گئی۔ کیونکہ وہ پاکستان کی سالگرہ کا دن تھا۔ مگر خدا کے حضور میں کتنے ماتھے ہیں جو زمین پر جھکے۔ کتنے دل ہیں جو اس کے خوف وڈر سے پسیجے پھر یہ عذاب کیوں اور کیسے کم ہو؟!

مگر ہم احمدی لوگ خدا کے فضل وکرم سے ان باتوں کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اس قسم کی تحریک کریں تمام مسلمانوں میں عموماً اور اپنی جماعت میں خصوصاً ایک دن جو آپ بہتر سمجھیں مقرر کیا جائے۔ جس میں تمام قوم خدا سے استغفار کرے۔ اپنے گناہوں کی

معافی مانگے۔ تا کہ خداوند کریم اس قسم کے عذاب سے اور آنے والے دیگر عذابوں سے ہم کو محفوظ رکھے۔ والسلام۔ خادم مرزا نصیر

قائداعظم کی وفات پر احمدیہ بلڈنگس لاہور میں تعزیتی جلسہ اور نماز جنازہ: (15 ستمبر 1948ء) قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان کی وفات حسرت آیات پر، جس کی تفصیل دوسری جگہ مقالہ افتتاحیہ میں درج ہے، جماعت احمدیہ لاہور کا اجتماع 12 ستمبر کو بوقت ڈیڑھ بجے بعد دوپہر مسجد احمدیہ بلڈنگس لاہور میں ہوا۔ جس میں سب سے پہلے حضرت مولینا عزیز بخش صاحب نے ایک مختصر تقریر کی۔ اور نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔ اس کے بعد محترم ڈاکٹر غلام محمد صاحب کے زیر صدارت جلسہ شروع ہوا۔ مولینا احمد یار صاحب سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اور مرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی نے نہایت درد بھری تقاریر کیں۔ جن میں حضرت قائداعظم کی قابلیت، عزم و خلوص، جدوجہد آزادی اور آپ کی آخری کامیابی پر نہایت دلسوز پیرایہ میں تبصرہ کیا گیا۔ صاحب صدر نے بھی ایک مختصر اور جامع تقریر کی اور قائداعظم کے نمونہ اور کیریکٹر سے فائدہ اُٹھانے کی تلقین کی۔

آخر میں تمام جماعت کی طرف سے ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ جس میں قائداعظم کی وفات کو اسلامی دنیا کا ایک عظیم الشان نقصان قرار دیتے ہوئے اس پر رنج والم کا اظہار کیا گیا اور آپ کی ہمشیرہ محترمہ مس فاطمہ جناح اور دیگر پسماندگان کو ہمدردی کا پیغام دیا گیا۔ آخر میں حضرت مولینا عزیز بخش صاحب نے دعا فرمائی۔ اور جلسہ ختم ہوا۔

☆

6 اکتوبر 1948ء

ارشادات حضرت امیر

عالم اسلام کا ایک درخشندہ ستارہ غروب ہو گیا!

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

قرآن کریم نے ہر مصیبت کے وقت مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی ہے۔ جب آفتاب رسالتؐ غروب ہو گیا اور اس سے بڑا کوئی صدمہ مسلمانوں کو نہ کبھی پہنچا، نہ پہنچ سکتا ہے، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس آیت قرآن سے مسلمانوں کو تسلی دی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ اَفَائِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓی اَعۡقَابِکُمۡ (3:144) محمد صلعم ایک رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے سب رسول گذر چکے۔ اگر آپ وفات پا جائیں یا بفرض محال قتل بھی ہو جائیں تو اے مسلمانو! کیا تم اس حق اور صداقت کو چھوڑ دو گے جس پر آپ نے تم کو قائم کیا ہے؟ اس میں اشارہ جنگ اُحد کے واقعات کی طرف ہے۔ جب یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ آپؐ نے جو قوم تیار کی تھی، اس کا ایمان خدا تعالیٰ پر اتنا زبردست تھا کہ احد کے میدان میں ایک صحابیؓ کہتے ہوئے۔ اِنۡ کَانَ مُحَمَّدٌ قَدۡ قُتِلَ فَرَبُّ مُحَمَّدٍ مَا قُتِلَ فَقَاتِلُوۡا عَلٰی مَا قَاتَلَ عَلَیۡہِ اگر حضرت محمد صلعم قتل ہو گئے ہیں تو رب محمد تو قتل نہیں ہوا۔ تو جس غرض کے لئے (اسلام کو اعداء اسلام سے بچانے کے لئے) آپؐ جنگ کرتے تھے اس غرض کے لئے جنگ کرتے چلے جاؤ۔ تلوار لے کر دشمنوں کے اندر جا گھسے۔ اور جب واقعی وفات ہوئی اور بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ رسول اللہ صلعم فوت نہیں ہوئے اور مسجد میں یہ چرچا عام ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے اور اندر جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات یافتہ پا کر باہر مسجد میں آئے اور منبر پر چڑھ کر یوں خطبہ دیا:

اَلَا مَنۡ کَانَ یَعۡبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدۡ مَاتَ وَمَنۡ کَانَ یَعۡبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَایَمُوۡتُ ۔ سن لو! اگر کوئی محمد صلعم کی عبادت کرتا تھا تو محمد صلعم تو فوت ہو گئے اور اگر تم اللہ کی عبادت کرتے تھے تو اللہ ہمیشہ زندہ ہے اس پر موت کبھی نہیں آئے گی۔

حضرت ابوبکرؓ کے دل میں جو عظمت اور محبت رسول اللہ صلعم کی تھی وہ کسی دوسرے کے دل میں نہ تھی۔لیکن کس قدر صفائی سے بتا دیا کہ اتنا بڑا انسان بھی، جو دین و دنیا کا بادشاہ تھا، وہ خدا نہیں۔اور اتنے بڑے انسان کے فوت ہو جانے سے بھی مسلمانوں کو اس کام میں سست نہ ہو جانا چاہیئے جو اُن کے سپرد کیا گیا ہے۔مسلمانوں کا ایمان اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کس قدر زبردست تھا کہ رسول اللہ صلعم کے فوت ہو جانے پر جو طوفان ملک عرب میں اُٹھا نہ صرف اس کا مقابلہ انہوں نے کیا اور اسلام کے جھنڈے کو بلند سے بلند تر کیا بلکہ جب دنیا کی دو بڑی سلطنتوں نے، جو عرب کے کناروں کے ساتھ ملی ہوئی تھیں، بیک وقت اسلام کو کچلنے کے لئے مسلمانوں پر دونوں طرف سے حملہ کر دیا تو اس وقت بھی ان کے ایمان میں لغزش نہ آئی اور اپنے ثبات قدم سے دونوں سلطنتوں کو توڑ کر رکھ دیا۔اِذَا هَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدُهٗ وَاِذَاهَلَکَ قَیْصَرُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدُهٗ کسریٰ اور قیصر جو اسلام کا اپنا ایک نوالہ سمجھتے تھے دونوں مٹ گئے۔پھر نہ کوئی کسریٰ ہوا نہ قیصر ہوا۔یہی نہیں اسی ایمان کی بدولت وہ اسلام کا پیغام لے کر مشرق و مغرب میں پہنچ گئے اور ایک سو سال کے اندر اندر ایک طرف چین میں، جو انتہائے مشرق تھا اور دوسری طرف ہسپانیہ میں، جو انتہائے مغرب تھا، اللہ اکبر کی آواز بلند ہوگئی۔

قائداعظم محمد علی جناح کا اس زمانہ میں دوسرا کوئی ہم پلہ نظر نہیں آتا کہ سات سال کے اندر اندر خطرناک سے خطرناک مخالفتوں کے اندر ایک عظیم الشان سلطنت تعمیر کر کے دنیا میں اسے سربلند بھی کر دیا۔قائداعظم کا عزم ایک پہاڑ کی طرح تھا۔کانگریس نے کہا ہندوستان تقسیم نہیں ہوسکتا۔اور ہندوستان کی تقسیم کی بنیاد ہماری لاشوں پر رکھی جا سکتی ہے۔گاندھی جی نے کہا کہ ہندوستان تقسیم نہیں ہوسکتا اور گاندھی جی کی شخصیت بھی اس زمانہ میں ایک عظیم الشان شخصیت تھی۔انگریز نے کہا کہ ہندوستان تقسیم نہیں ہوسکتا اور انگریز اس ملک کے مالک تھے۔مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ نے کہا کہ ہندوستان تقسیم نہیں ہوسکتا۔مگر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا کہ ہندوستان تقسیم ہو کر رہے گا اور ایسا ہی ہوا۔ساری کی ساری طاقتیں اس پیر جواں ہمت کے سامنے سرنگوں ہوگئیں۔جسم نحیف تھا مگر کام جسم نہیں کرتے دل کرتے ہیں۔وہ دل اتنے بڑے عزم کا مالک تھا کہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اس کے سامنے جھکنا پڑا۔

مگر یاد رکھئے اتنے بڑے انسان کی وفات بھی اگر مسلمان ثابت قدم رہیں تو اسلام کے لئے نقصان نہیں بلکہ ترقی کا موجب ہونی چاہئے۔ یہ تو دو اور دو چار کی طرح نظر آتا ہے کہ مرحوم محمد علی جناح کے دل میں خدا پر کتنا زبردست ایمان تھا کہ ان کو تمام مخالفتیں حس وخاشاک کی طرح نظر آتی تھیں۔ وہ ہندو، جنہوں نے اپنے گاندھی جی جیسے محسن کو قتل کر دیا، صرف اس لئے کہ گاندھی جی نے یہ کہا مسلمانوں کو ہندوستان کے اندر زندہ رہنے دو، قائداعظم انہی ہندوؤں کے اندر شب و روز پھرتے تھے۔ کوئی پہرہ بھی آپ کے ساتھ نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنے حضور میں بلایا ضرور۔ اور اتنے بڑے اسلام کے پہلوان کو وہ انعام واکرام کے لئے کیوں نہ بلاتا۔ مگر اس وقت بلایا جب ساری مخالفت کی طاقتیں پاکستان بننے سے پہلے بھی اور پاکستان بننے کے بعد بھی پوری زور آزمائی کر چکیں۔ ایسی کامیابی بہت کم شاید شاذ ونادر ہی کسی انسان کے حصہ میں آئی ہے ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ (54:5) تو قائداعظم اپنا کام کر کے خدا کے دربار میں جا پہنچے ہیں اور آج ان کی قدر ومنزلت صرف ان کے ساتھیوں کے دلوں میں ہی پہلے سے بڑھ کر، بہت بڑھ کر نہیں، اُن کے دشمنوں کے دل بھی اس صداقت کو نہیں چھپا سکے کہ واقعی یہ انسان ایک زبردست عزم کا مالک تھا مگر یاد رکھئے کہ یہ عزم خدا پر ایمان کا نتیجہ تھا۔ اور مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ مَنۡ کَانَ یَعۡبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَایَمُوۡتُ ۔ وہ اگر اپنے دلوں میں خدا پر وہی ایمان پیدا کریں تو وہ پاکستان کو اس مقام پر پہنچا سکتے ہیں کہ یہ دنیا کی آئیڈیل (IDIAL) اسلامی حکومت بن جائے۔ آج دنیائے اسلام کو حکومت کے لئے ایک نمونہ بکار ہے۔ وہ نمونہ وہی لوگ دکھا سکتے ہیں جن کے دلوں میں زبردست ایمانی قوت ہو۔ مگر خوب یاد رکھئے کہ جس شخص کے ایمان کو ذلیل دنیا کا مال گرا دیتا ہے، ذلیل عیاشی کے خیال گرا لیتے ہیں، اس کا خدا پر ایمان کوئی نہیں۔ ایمان جب دل میں داخل ہوتا ہے تو انسان کو ایک پہاڑ کی طرح بنا دیتا ہے۔ وہ مال کا غلام نہیں رہتا۔ خواہشات کا غلام نہیں رہتا۔ بلکہ مال اور خواہشات دونوں اس کے غلام بن جاتے ہیں۔ اس مقام بلند پر پہنچنے کے لئے بہت تگ ودو بکار نہیں صرف دل کا ایک فیصلہ بکار ہے۔ دو ایک منٹ میں یہی انسان بلند سے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ مگر جب خود ہی ذلت کی حالت کو ترجیح دے کر اس دلدل میں پھنسنا چاہے تو خدا بھی اسے اس دلدل سے باہر نہیں نکالتا۔ قوم کے رہنماؤں سے میری یہ بالخصوص اپیل ہے۔

ایک دوست نے مجھے لکھا ہے کہ خدا کے انعامات سے ہم کیوں محروم ہیں۔''ایک پاک شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہم احمد یوں نے اقرار کیا تھا کہ ہم دس شرائط بیعت کے پابند ہو کر دین کو دنیا پر مقدم کریں گے مگر ہم نے نہ کیا'' یہ سچ ہے۔ ہماری تو یہ حالت ہے کہ چار پیسے خدا کی راہ میں دیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم نے خدا پر احسان کیا۔ حالانکہ ہم کو بلایا اس مقام کی طرف گیا تھا کہ سب کچھ دے کر بھی یہ سمجھیں کہ ہم نے ابھی کچھ نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ جس مقام کی طرف امام وقت نے تمہیں بلایا تھا وہ خدا کے نام کو دنیا میں بلند کرنا ہے۔ اور کوئی شخص، جسے یہ فکر ہو کہ میں بڑا بن جاؤں یا یہ خیال ہو کہ میں بڑا ہوں۔ میں نے یہ خدمت دین کی ہے۔ میرے جیسا کوئی نہیں۔ وہ خدا کے نام کو دنیا میں بلند نہیں کر سکتا۔ اور اس سے مشکل تر یہ ہے کہ ابھی ہماری سمجھ یں یہ بات بھی نہیں آئی کہ خدا کے نام کو دنیا میں بلند کرنا در حقیقت ساری قوم کا اصل مقصد زندگی ہے۔ کوئی اس فکر میں ہے کہ میری جماعت دنیا کی تجارت اور صنعت کی مالک کس طرح بنے۔ کوئی اس فکر میں ہے کہ میری قوم سیاسی اور مادی اقتدار میں سب سے آگے کس طرح ہو سکتی ہے۔ کوئی اس فکر میں ہے کہ میری قوم کی عزت کالج اور سکول بنانے میں ہے۔ خدا کے نام کو دنیا میں پہنچانا جس خاکساری کو چاہتا ہے اس سے ہم ابھی دور پڑے ہیں۔ جس ایمان کے مضبوط پہاڑ پر ہمیں کھڑا کیا گیا تھا کہ اسلام کو دنیا میں پہنچاؤ، اس کی صحیح تعلیم کو تمام دنیا میں پھیلا دو، محمد رسول اللہ صلعم کے نام کو دنیا میں روشن کر دو، اس پر ہم میں سے بہت تھوڑے قائم ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمارے راستے بھی کھولے ہیں۔ مگر پھر بھی ہماری آنکھیں پھر پھر کر زَھْـرَۃُ الْحَیٰوۃِ الـدُّنْیَا کی طرف آتی ہیں۔ ہاں صداقت کا پھیلانا ایک بیج ڈالنے کی طرح ہے۔ بیج ڈالتے جاؤ۔ اس پر محنت کرتے چلے جاؤ۔ اسے بار آور کرنا خدا کا کام ہے۔ یہ دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ہے۔ اور اس کے لئے خدا پر اس سے بھی زیادہ زبردست ایمان بکار ہے جس سے ہم دنیا کے کام سر انجام دے سکتے ہیں۔

ہم نے یہاں کوئٹہ میں قائداعظم کا غائبانہ جنازہ اتوار کے دن درس کے بعد پڑھا۔ مجھے امید ہے کہ ہماری سب جماعتوں میں جنازہ غائبانہ پڑھا گیا ہوگا اور قائداعظم کی بلندی درجات کے لئے دعا کی گئی ہوگی۔ اگر کوئی جماعت ایسی ہے جہاں جنازہ غائبانہ نہیں پڑھا گیا، خواہ وہ ہندوستان میں ہو یا

پاکستان میں، انہیں جنازہ غائبانہ پڑھنا چاہئے اور قائداعظم کی بلندئ درجات کی دعا کے ساتھ یہ دعا بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں اپنی ہستی پر وہ زبردست ایمان پیدا کرے جس سے ان کی تمام مشکلات حل ہو جائیں۔

قائداعظم کی وفات: (15 ستمبر 1948ء) 12 ستمبر 1948ء کا دن ملت اسلامیہ کے لئے نہایت حزن وملال اور ماتم کا دن تھا، جب پاکستان کے بانی اور سب سے پہلے گورنر جنرل حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کا سانحہ وقوع پذیر ہوا۔ وفات تو اس سے پہلی شب یعنی 11-12 ستمبر کی درمیانی رات کو ساڑھے دس بجے واقعہ ہو چکی تھی، لیکن اعلان، جو گورنمنٹ ہاؤس کراچی سے اسی رات اڑھائی بجے جاری ہوا۔ صبح کے بعد ہی عوام میں پہنچا اور اس کا پہنچنا تھا کہ طول وعرض پاکستان میں چاروں طرف حزن وملال رنج والم آہ وبکا شروع ہوگئی تمام کاروبار معطل ہو گئے۔ منڈیاں اور دکانیں بند ہو گئیں اور تمام دنیا ایک ماتم کدہ بن گئی اور کیوں نہ بنتی جبکہ وہ زبردست شخصیت دنیا سے اُٹھ گئی، جو مسلمانوں کو کئی سو سال کی غلامی سے چھڑانے اور ایک عظیم الشان مملکت کا مالک بنانے کا موجب ہوئی۔ اور جس کا وجود پاکستان کے استحکام کے لئے نہایت ضروری اور نعمت غیر مترقبہ تھا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہیں گے کہ اس میں شک نہیں کہ جہاں تک قائداعظم کے جسمانی وجود کا تعلق ہے وہ آج ہم میں نہیں رہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ان شہدائے ملت میں سے تھے، جن کے متعلق اسلام کا فتوٰی ہے کہ وہ اس دنیا سے انتقال کر جانے اور اس وجود خاکی کے زیر زمین دفن ہو جانے کے باوجود کبھی نہیں مرتے بلکہ خدا کے نزدیک زندہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ سے ملت اسلامیہ زندہ ہوتی ہے، مسلمانوں کے مردہ جسم میں زندگی کی روح پیدا ہوتی ہے، اسلام کا نام بلند ہوتا ہے۔ انہی معنوں میں قائداعظم بھی فوت ہو جانے کے باوجود زندہ ہیں اور جب تک پاکستان قائم ہے زندہ رہیں گے بلکہ تاریخ ان کے عظیم الشان کاموں کو، ان کی جدوجہد آزادی کو، ان کی محیر العقول کامیابیوں کو ہمیشہ سنہری حروف میں دوہراتی رہے گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

قائداعظم نے اپنی زندگی میں جو عظیم الشان کیریکٹر ہمارے سامنے رکھا، خلوص وایثار کا جو

بے نظیر نمونہ پیش کیا، وہ ہر مسلمان کے لئے ایک درس بصیرت رکھتا ہے۔ اس زمانہ میں جب ایک طرف انگریز مسلمانوں کو غلامی سے کسی طرح آزاد کرنے کے لئے تیار نہ تھا اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے پاکستان کی تحریک کو ختم کر کے انہیں ہندوؤں کی غلامی میں دینے کے لئے تیار تھا اور دوسری طرف ہندو قوم اپنی مکارانہ چالوں اور سیم وزر کے ذریعہ بعض بڑے بڑے مسلمانوں اور خود انگریزوں کو بھی خرید نے میں بھی کامیاب ہو گئی تھی، قائداعظم ہی تھے، جن کے سامنے نہ جواہر لال اور گاندھی کی فریب بھری تدابیر کامیاب ہوئیں اور نہ زر و جواہر کے انبار اس مستقل مزاج اور مخلص انسان کی گردن کو ذرہ بھر جھکانے کا موجب ہوئے۔ لوگ ان کی مستقل مزاجی کو ضد اور ہٹ خیال کرتے اور انہیں ایک ضدی انسان سمجھتے رہے۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ آپ کی یہ مستقل مزاجی ہی آخر کار ساڑھے چار کروڑ مسلمانوں کو ہندو اور انگریز دونوں کی غلامی سے بیک وقت چھڑانے اور ایک عظیم الشان مملکت کا مالک بنانے کا موجب ہوئی۔ اگر آپ ذرہ بھی جھک جاتے یا ہندوؤں کی باریک ترین تدابیر کو جو مسلمانوں کو، ہمیشہ کے لئے ان کی غلامی میں لے جانے کا موجب تھیں، اپنی بالغ نظری سے بھانپ نہ لیتے اور اپنی خداداد قابلیت سے ان کا تار دو پود نہ بکھیر دیتے یا کوئی طمع ولالچ آپ کے جذبۂ خلوص کو ایک ذرہ بھر بھی جنبش دے سکتا تو آج ملت اسلامیہ آزادی تو ایک طرف، پرلے درجے کی ذلت ونکبت کے اندر دبی ہوئی ہوتی۔ یہ خدا کا کام تھا جو اس نے بعض مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے حضرت قائداعظم علیہ الرحمۃ سے لیا، اور اس کام کی وجہ سے نہ صرف موجودہ مسلمان بلکہ آئندہ نسلیں بھی اس کی روح پر سلام بھیجتی رہیں گی۔

پاکستان مل جانے کے بعد آپ نے گورنر جنرل کے عہدہ پر فائز ہو کر کوئی عیش و آرام کی زندگی اختیار نہیں کی، بلکہ اس عہدہ کو بھی محض مسلمانوں کی خدمت اور پاکستان کو مستحکم کرنے کے لئے قبول کیا اور اس کام کے لئے ایک سال کی قلیل ترین مہلت جو آپ کی ملی اس میں جو جو کارہائے نمایاں آپ نے کئے وہ سب کے سامنے ہیں۔ آخری ایام میں بھی، جب آپ کوئٹہ اور زیارت میں مرض الموت میں مبتلا تھے، کہا جاتا ہے کہ آپ بیمار ہونے کے باوجود بارہ بارہ گھنٹے روزانہ پاکستان کا آئین بنانے میں مستغرق رہتے اور بہت کم آرام کرتے تھے۔ اس عالم پیری میں ایسی محنت شاقہ کرنے والے

بہت کم انسان آپ کو ملیں گے۔ جماعت احمدیہ بھی ایک ایسا ہی محنت شاقہ کرنے والا انسان اپنے اندر رکھتی ہے جو (قائداعظم کا ہم نام بھی ہے۔ یعنی حضرت مولینا مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور) دن رات اسلام کی سر بلندی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت اور قرآن کی اشاعت کے لئے مصروف جدوجہد رہتا ہے اور اپنی اس اعلیٰ قابلیت اور خلوص وایثار سے، جو حضرت مجدد اعظم سے انہیں وویعت ہوا ہے، دنیا کو فتح کرنے کے لئے مساعی ہے۔ اے اللہ تو اسے لمبی عمر عطا کر اور روح القدس سے اس کی مدد فرما۔ ممکن ہے اور بھی لوگ ایسے ہوں لیکن اس قسم کے اخلاص وقابلیت رکھنے اور اسلام کے لئے مر مٹنے والے انسان آج کہیں کہیں شاذ ونادر ہی ہوتے ہیں۔ بقول اقبال ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یہی وجہ ہے کہ حضرت قائداعظم کی موت سے دنیائے اسلام میں غم والم کے ساتھ حیرانی و پریشانی کی ایک زبردست لہر پائی جاتی ہے، اور لوگ نہایت حیرت زدہ ہو کر خوف و ہراس کے عالم میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اب کیا ہوگا۔ اب کون ایسا انسان ہے جو حضرت قائداعظم کے نقصان کی تلافی کر سکے گا۔ لیکن انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ حضرت قائداعظم ہم میں سے اُٹھ گئے مگر وہ حی و قیوم خدا جو ہمیشہ سے زندہ چلا آتا ہے، اب بھی زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ اسی مالک الموت نے قائداعظم کو یہ توفیق دی کہ وہ پاکستان کی عظیم الشان مملکت کے قیام کا موجب ہوں، وہی مسلمانوں کی اب بھی دستگیری کرے گا اور اس مملکت کے استحکام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کوئی اور سامان بنا دے گا۔ اس مقام پر ہمیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وہ الفاظ رہ رہ کر یاد آتے ہیں، جو آپ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمائے جن کے دل بیٹھے جا رہے تھے یا جو آپؐ کی وفات کو وفور عشق کی وجہ سے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ آپ نے فرمایا **اَلَامَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَايَمُوْتُ** ۔ دیکھو جو شخص محمد رسول اللہ صلعم کی پوجا کرتا تھا وہ یاد رکھے کہ محمد تو فوت ہو چکے لیکن جو شخص ایک خدا کی عبادت کیا کرتا تھا، اس کا وہ خدا زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا یہی جواب ہماری طرف سے ان لوگوں کو ہے (دوست ہوں یا دشمن) جو قائداعظم کی زندگی اور موت کو اسلام یا مسلمانوں کی زندگی اور

موت سمجھتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ قائداعظم کے اُٹھ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک اور قدرت دکھائے گا اور اپنی رحمت اور فضل سے مسلمانوں اور اسلام کو تمام دشمنوں پر غلبہ دے کر بتا دے گا کہ صرف اُسی کی ذات اس قابل ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے حَسْبُنَا اللّٰهَ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمُوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

☆

13 اکتوبر 1948ء

پیغام عید

حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے قلم سے

میری کئی سال سے یہ کوشش رہی ہے کہ عید کے موقع پر مختلف جماعتوں میں ایک ہی قسم کے خیالات کو پیدا کیا جائے۔ اس لئے چند خاص امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں جن کو اپنی اپنی جگہ خطیب مدنظر رکھیں۔

☆ عید کا سب سے پہلا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر خدا کو یاد رکھو۔ عید کے دن ساری دنیا میں ایک ہی وقت میں اللہ اکبر کی آوازیں اس قدر زور سے بلند ہوتی ہیں کہ ساری دنیا کی فضا اس گونج سے بھر جاتی ہے۔ مگر قابل غور یہ ہے کہ جو گونج فضا میں پیدا ہوتی ہے۔ کیا وہ ہمارے دل اور روح میں بھی پیدا ہوتی ہے؟ اصل میں اس گونج کا انسان کے اندر ہی پیدا کرنا مقصود ہے۔ اور وہاں یہ گونج پیدا ہو جائے تو انسان کا کوئی کام نہ ہو جس میں غرض خدا کی بڑائی نہ ہو۔ یہی اصل پیغام مذہب ہے۔

☆ عید کا دوسرا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر اپنے بھائیوں کو بھی یاد رکھو۔ بالخصوص غرباء کو۔ عیدالفطر میں صدقہ فطر ہے تو عید اضحیٰ میں قربانی کا گوشت ہے۔ مگر یہ بھی ایک سبق ہے کہ اپنے بھاؤں کی جسمانی رنگ میں فکر کرتے ہو تو روحانی رنگ میں بھی ان کی فکر کرو۔ کیا آپ نے اپنے نادار اور مفلس بھائیوں کو، جو قرآن کی نعمت سے محروم ہیں، اس روحانی غذا کے پہنچانے کا کوئی انتظام کیا ہے؟!

☆ عید کا تیسرا پیغام قربانی ہے۔ ہر قریہ ہر شہر میں ایک ہی وقت میں ہزاروں جانوروں کی گردنوں پر چھریاں رکھ دی جاتی ہیں۔ مگر کس کے لئے؟ اس کا جواب قرآن شریف دیتا ہے۔ **وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّـذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ** (22:34-35) تا کہ اس نظارہ کو دیکھ کر انسانوں کے دلوں کے اندر عاجزی پیدا ہو اور جانور کو جب اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو کہ جس طرح یہ جانور ہمارے محکوم ہیں ہم بھی کسی کے محکوم ہیں۔ تو اصل غرض یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں

سارے عالم اسلام کے اندر ایک قربانی کی لہر اُٹھے۔ کیا جانور کی قربانی کے ساتھ یہ موج قربانی کرنے والے کے دل کے اندر بھی پیدا ہوئی ہے؟ اگر ہوئی ہے تو اس کی قربانی قبول ہوئی ہے۔ اگر نہیں تو نہیں۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (27:5) اللہ صرف متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ جس کے دل کے اندر قربانی کی روح پیدا نہیں ہوئی وہ متقی نہیں، نہ اس کی قربانی قبول ہوتی ہے۔ غور کرو کہ اس وقت کتنے لوگ عالم اسلامی میں ہیں جن کی قربانیاں قرآن کریم کے صریح ارشاد کے مطابق قبول ہو رہی ہیں۔ کسی بُری عادت کو ذبح کر دو۔ کسی نیک عادت کو اختیار کر لو! خاکسار محمد علی امیر جماعت احمدیہ

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی علالت: (13 اکتوبر 1948ء) قبل ازیں یہ اطلاع دی جا چکی ہے کہ حضرت امیر ایدّہ اللہ کی بیماری کی تشویشناک حالت کو سن کر مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش صاحب کی معیت میں کوئٹہ تشریف لے گئے ڈاکٹر صاحب ممدوح 10 اکتوبر کی رات واپس تشریف لے آئے اور احباب کرام کی اطلاع کے لئے ذیل کا بیان انہوں نے لکھ کر دیا ہے۔

''جیسا کہ احباب کرام کو علم ہے کچھ عرصہ سے حضرت امیر ایدّہ اللہ کی علالت کی خبریں آ رہی تھیں مگر 4 تاریخ کی شام کو آپ کے صاحبزادہ ایم احمد صاحب کا تار دفتر میں ملا کہ حالت بہت کمزور ہے اور تشخیص نہیں ہوئی۔ اس اطلاع پر حضرت مولینا صدر الدین صاحب نے مجھے طلب کیا اور ارشاد فرمایا کہ کسی ماہر ڈاکٹر فزیشن کا یہاں سے جانا ضروری ہے۔ آخر بعد مشورہ آپ نے کرنل الٰہی بخش صاحب پرنسپل میڈیکل کالج کو کوئٹہ جانے پر رضامند کر لیا۔ 5 اکتوبر کو کرنل صاحب اور میں کراچی میل سے کوئٹہ روانہ ہوئے اور بدھ 6 اکتوبر کو تین بجے حضرت امیر کے مکان پر پہنچ گئے۔ آپ کی اس وقت کی حالت بہت کمزوری کی تھی۔ گھٹنے، ٹخنے اور کچھ حصہ کولھے کا بھی شدید متورم تھے۔ بخار 101 اور 102 تک ہوتا تھا۔ مگر کمزوری اور ورموں کے باعث آپ ہلنے جلنے سے بالکل لاچار تھے۔ یہاں تک کہ بلا امداد پہلو بھی نہ بدل سکتے تھے اور خود آپ کے اپنے احساسات بھی یہ تھے کہ شاید اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ آپ نے کرنل صاحب سے جو گفتگو اُس روز کی بلکہ اس سے اگلے روز بھی فرمائی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ نیز یہ کہ آپ تو جو کچھ تجویز کرتے ہیں وہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن دنیاوی علاج سے بالاتر ایک اور آسمانی مرضی بھی کام کر رہی ہے۔ پھر آپ نے کرنل صاحب

سے یہ بھی مشورہ طلب فرمایا کہ لاہور میں بہت سے اعزہ واحباب ہیں۔ جن سے آپ کو ملنے کی خواہش ہے تو کیا آپ کو لاہور لے جانے کی وہ اجازت دے سکتے ہیں۔ غرضیکہ نہ صرف معائینہ کار بلکہ خود آپ اپنی کمزوری اور مرض کی شدت کو محسوس کر رہے تھے۔

معائنہ کے بعد ایکس رے اور خون کے امتحان کے لئے کہا گیا اور اسی وقت پسنی لین کے ٹیکے ایک لاکھ یونٹ فی ٹیکہ تجویز ہوا۔ ایکس رے کے نتیجے میں یہ ظاہر ہوا کہ دونوں پھیپھڑوں کے زیریں حصے ماؤف ہیں اور قلب کی جھلی اور سینہ کا اگلا حصہ بھی متورم ہے۔ اس کے علاوہ گردوں کے فعل میں بھی نقص پایا گیا۔ گویا کہ زہریلی پیپ کا اثر خون میں سرایت کرنے کے باعث تمام جسم اور اعضاء رئیسہ میں اثر کر رہا تھا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ دو روز کے علاج سے نمایاں فرق پڑ گیا اور تیسرے روز خود حضرت امیر ایدّہ اللہ نے کرنل صاحب سے فرمایا کہ یا تو پرسوں میری یہ حالت تھی کہ میں کلام کرنے کی طاقت نہ پاتا تھا اور یا اب میں بخوبی گفتگو کر سکتا ہوں۔ پرسوں میں بغیر دو آدمیوں کی مدد کے کروٹ نہ لے سکتا تھا اور اب میں خود اُٹھ کر بیٹھنے کے قابل ہوں۔ نیند بھی خوب آنے لگ گئی ہے۔ یہ حالت جمعہ کے روز 8 اکتوبر کو تھی۔ اس کے بعد ہم تو واپس روانہ ہوآئے اور میں نے اس تبدیلی کی اطلاع بذریعہ تار دفتر میں دے دی۔ اب اس وقت کی اطلاع یہ ہے کہ دن میں کسی وقت معمولی سی حرارت ہو جاتی ہے۔ امید ہے کہ حضرت امیر ایدّہ اللہ ہفتہ عشرہ تک لاہور واپس تشریف لانے کے قابل ہو جائیں گے اور احباب کو شرف ملاقات بخشنے کے قابل ہوں گے۔ انشاء اللہ۔ حضرت امیر ایدّہ اللہ کی اس بیماری اور شفایابی میں صاف اور کھلا ہاتھ خدا تعالیٰ کے تصرف کا دکھائی دیتا ہے۔ جیسے کہ متذکرہ بالا واقعات بتلا رہے ہیں، صحیح طبی امداد کا عین وقت پر میسر آ جانا اتفاقی امر نہیں بلکہ مصلحت خداوندی کے ماتحت ہے۔

حضرت امیر ایدّہ اللہ علم قرآن کی نشر واشاعت کے لئے جو جد وجہد گذشتہ نصف صدی سے کر رہے ہیں اس سے کون بے خبر ہے۔ اس جگہ بے جا نہ ہوگا اگر میں ایک ذاتی واقعہ اور ذوقی امر کا تذکرہ کر دوں۔ 4 اکتوبر کو جس روز کمزوری وعلالت کی شدت کا تار کوئٹہ سے آیا، اسی رات کو میں نے یہ خواب دیکھا کہ میں ایک جگہ بیٹھا ہوں اور لوگ شور مچا رہے ہیں کہ سورج کو گرہن لگ گیا ہے۔ جب میں نے پوچھا کہ کیسا گرہن ہے تو کسی نے کہا پورا گرہن ہے۔ یعنی سارا سورج سایہ کے نیچے آ گیا ہے۔

چنانچہ میں نے بھی نظر اُٹھا کر دیکھا تو سارا حصہ سائے میں تھا اور اندھیرا ہو رہا تھا۔ مگر میں اپنے دل میں کہتا ہوں کہ یہ کوئی خوف کی بات نہیں ابھی صاف ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی کے مطابق ایک کنارہ کی طرف سے سایہ ہٹنا شروع ہو گیا اور میرے دیکھتے دیکھتے سورج کا کافی حصہ روشنی ہو گیا۔ میں نے صبح اُٹھ کر گھر والوں سے اس کا تذکرہ کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ خواب کا اشارہ حضرت امیر ایدّہ اللہ کی بیماری کی طرف ہے۔ پھر اس کے بعد تار آ گیا اور احمدیہ بلڈنگس میں بھی بعض احباب سے میں نے خواب کا ذکر کیا۔ خود میری قلبی کیفیت اس وجہ سے یہ تھی کہ باوجود تشویشناک خبروں کے اور خود کمزوری کی حالت کو دیکھ لینے کے میں یہی یقین رکھتا تھا کہ یہ بیماری دور ہو جائے گی۔ کوئٹہ جانے پر اور کرنل صاحب کی تشخیص معلوم ہونے سے کہ زہر کا اثر قریباً تمام جسم میں سرایت کر چکا ہے، مجھے اس بات کا مطلب سمجھ میں آ گیا کہ پورے گرہن سے کیا مطلب ہے اور پھر یہ کہ میرے وہاں رہتے رہتے، جیسے خواب میں دیکھنے سے تعبیر کیا گیا تھا، وہ گرہن کا سایہ ایک حصہ سے دور بھی ہو گیا۔ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ

اس موقع پر یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ خدائی تصرف کے ماتحت جس معجزانہ رنگ میں حضرت امیر ایدّہ اللہ کو شفایابی نصیب ہوئی، اس میں جہاں احباب کرام کی دعاؤں کا اثر ہے۔ وہیں یہاں سے بروقت طبی امداد کے روانہ کرنے میں صرف حضرت مولٰینا صدرالدین صاحب کا حصہ ہے۔ انہوں نے جس مستعدی سے اس کا انتظام کرنے اور طبی امداد بھیجنے میں کام کیا یہ اس کا نتیجہ ہے کہ عین وقت پر صحیح علاج میسّر آ گیا۔ ورنہ اگر ایک دو روز اور اوپر ہو جاتی تو شاید بیماری بہت بڑھ جاتی۔ پس احباب کرام پر لازم ہے کہ حضرت مولٰینا ممدوح اور کرنل الٰہی بخش کے مشکور ہوں جن کی توجہ اور محنت نے ہمارے حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کو دوبارہ زندگی بخشی اور ہم سے ملا دیا۔ حضرت امیر کی شفایابی میں جو مصلحت مخفی ہے اسے کسی دوسری فرصت میں عرض کیا جائے گا۔

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی صحت: حضرت امیر ایدّہ اللہ کی صحت کے متعلق اس ہفتہ بعض تشویشناک اطلاعات آتی رہیں۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی بیماری کچھ پیچیدہ صورت اختیار کر گئی ہے۔ اسی بنا پر کل 5 اکتوبر کو لاہور سے مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اپنے ساتھ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش صاحب کو لے کر کوئٹہ روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد کل ہی حضرت مولٰینا صدرالدین صاحب کے نام حضرت امیر ایدّہ اللہ کا

ایک تار موصول ہوا ہے۔ جو مولٰینا ممدوح کی بیمار پرسی کے تار کے جواب میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ممدوح کی حالت پہلے سے نسبتاً بہتر ہے۔ آپ نے اس تار میں اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ جماعت سے درخواست کی جائے کہ آپ کے لئے خاص طور پر دعائیں کی جائیں کہ اللہ تعالٰی اپنے دین کی خدمت کے لئے آپ کو صحت عطا فرمائے (بعد کی خبر) ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب (ڈاڈر) بھی آج پاکستان میل سے کوئٹہ تشریف لے گئے ہیں۔

☆

یکم دسمبر 1948ء

حضرت امیر ایدہ اللہ کا پیغام احباب احمدیہ کے نام

خدا کی راہ میں تکلیف اُٹھا کر جلسہ سالانہ میں ضرور شامل ہوں

برادران محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں اس وقت زیادہ لکھنے کے قابل نہیں ہوں۔ چند الفاظ میں آپ کو سالانہ جلسہ میں، جو 27,26,25 دسمبر 1948ء کو ہو رہا ہے، شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔

اس جلسہ کی بنیاد خود حضرت مسیح موعود نے اپنے دعوے کے ساتھ ہی رکھی۔ چنانچہ ذیل کے الفاظ آپ کی اس تحریر میں موجود ہیں جو آپ نے 7 دسمبر 1892ء کو احباب کے لئے بطور ایک دعوت نامہ لکھی:

> ''اس جلسہ میں جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادراہ کی استطاعت رکھتے ہیں............اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں ادنیٰ ادنیٰ کاموں کی پروا نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے، اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں ہوتی اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے''

یہ تو ایک مامور کے الفاظ ہیں۔ اور جو شخص ان کو نظر استخفاف سے دیکھتا ہے۔ اور بعض وقت انسان اپنے مال اور جھوٹی دنیوی عزت کی وجہ سے اور بعض وقت ادنیٰ ادنیٰ باتوں سے خدا تعالیٰ کے احکام کو ٹال دیتا ہے۔ تو ایسا شخص خدا کی نگاہ میں حقیر اور ذلیل ہے۔ اور اس کو فی الحقیقت اس جماعت سے تعلق نہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے دوسرے لوگوں نے اور خود ہم لوگوں نے سخت ترین صعوبتیں اُٹھا کر سفر کئے ہیں۔ شدت گرمی میں۔ بارش میں۔ سخت ترین سردی میں۔ بغیر کسی پناہ کے دن اور راتیں بسر کی ہیں۔ کئی کئی دن کے فاقے اور نہ کھانے کے قابل چیزیں کھا کر گذارہ کیا ہے، جلسہ میں آنے کا فیصلہ یہ سوچ کر کریں کہ اگر خدا کی راہ میں آپ ادنیٰ تکلیف بھی نہیں اُٹھا سکتے تو آپ کا شمار خدا پر ایمان

رکھنے والوں میں نہیں ہوسکتا۔ جہاں میں حضرت مسیح موعود کے الفاظ کی طرف توجہ دلاتا ہوں، اس وقت کی ضرورت کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں۔ جن خطرات کا اس وقت اسلام اور مسلمانوں کو سامنا ہے۔ ان کے تصور سے ہی انسان کانپ اُٹھتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ ہمیں دیوانہ وار اکٹھے ہو کر خدا کے آگے گرنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود کا زمانہ مشکلات کا تھا مگر نسبتاً امن کا زمانہ تھا۔ آج ہم چاروں طرف سے ایسے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں کہ ڈر ہے کہ یہ قوم ان مصائب میں پس نہ جائے! اور میں بھی ایک پیغام آپ لوگوں کو دینا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد کہ میں موت کے دروازے پر کھڑا تھا مجھے پھر اس دنیا کی طرف لوٹا دیا۔ کتنے عرصہ کے لئے۔ میں نہیں جانتا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک بات کو مضبوطی سے میرے دل میں ڈال دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی کمزوری کو مدنظر رکھتا ہوا وہ تھوڑی تھوڑی کر کے جلسہ کے تین دنوں میں آپ تک پہنچا دوں۔ اس لئے جو دوست جلسہ میں تشریف لائیں وہ پورے تین دن ٹھہرنے کا عزم کر کے تشریف لائیں۔ بالآخر میں حضرت مسیح موعود کے دعائیہ الفاظ پر ہی اس للّٰہی دعوت کو ختم کرتا ہوں:

> ''ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجر عظیم بخشے اور ان پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دے اور ان کے ہم و غم دور فرمائے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی مرادات کی راہیں ان پر کھول دے۔ اور روز آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ ان کو اُٹھائے جن پر اس کا فضل و رحم ہے اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو''

احباب سے التجا ہے کہ جہاں جماعتیں ہیں وہ جمعہ یا خاص اجتماع میں اس دعوت نامہ کو سن کر ان احباب کے نام نوٹ کر کے مرکز میں بھیج دیں جو جلسہ پر آنے کا فیصلہ کریں۔ اور جو بغیر کسی صحیح عذر کے نہ آنے کی طرف مائل ہوں۔ ان کے ناموں سے بھی اطلاع دیں۔ تا کہ دفتر سے انہیں تحریک کی جائے۔ اور جہاں ایک ایک دو دو احباب ہیں وہ خود اپنے ارادے سے اطلاع دیں۔ خاکسار محمد علی 29 نومبر 1948ء

☆

8 دسمبر 1948ء

پیغامِ حضرت امیر

جلسہ سالانہ کے متعلق میری ایک خواہش

بارہ سال سے زائد عمر کے سب نوجوان اس میں شرکت کریں!

سالانہ جلسہ کو ہر سال ہی کامیاب دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ خواہش پوری بھی ہو جاتی ہے لیکن نوجوان جماعت کا عنصر اس جلسہ میں عموماً کم ہوتا ہے۔ اس لئے اس سال عام طور پر احباب کو دعوت دیتے ہوئے میں اس کوتاہی کی طرف خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ میں ان بزرگوں کو جانتا ہوں جو باوجود بیماروں کے اور طرح طرح کے عوارض کے سالانہ جلسہ پر کبھی ناغہ نہ ہونے دیتے تھے۔ ان کا اکثر حصہ تو اپنے مولا سے جاملا۔ اور جو کچھ باقی ہیں وہ بھی تیار بیٹھے ہیں۔ ان دینی ذمہ داریوں کا بوجھ، جو اس انجمن نے اُٹھائی ہوئی ہیں، اب نوجوانوں کے کندھوں کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ ان کے اندر وہی اخلاص اور جوش پیدا کرنا، جو ان کے بزرگوں میں تھا، یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن ہمارا فرض ہے کہ اس کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے اور اس کوشش کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ سب کو سالانہ جلسہ میں اکٹھا کرنے کی خاص طور پر کوشش کی جائے۔

نوجوانوں کی سستی پر ہم لوگ افسوس کرتے ہیں اور میرا خیال ہے شاید ہی کوئی والد ہو گا جسے اپنی نوجوان اولاد میں دین کی طرف سے غفلت یا لاپرواہی دیکھ کر رنج نہ ہوتا ہو۔ مگر فی الحقیقت اس کی ذمہ داری ایک حد تک خود والدین پر ہی ہوتی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس زمانہ میں لامذہبی کی ایک ہوا بھی چلی ہوئی ہے اور نوجوانوں کے بہت بڑے حصہ پر، خواہ وہ کسی مذہب یا جماعت سے تعلق رکھتے ہوں، اس کا اثر ہے۔ پھر اگر ان میں بعض سعید الفطرت بھی ہیں تو ان کا ماحول ایسا ہے کہ وہ بھی کم وبیش اس اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ کیونکہ ان کا اُٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا اسی خاص دائرہ میں ہے۔ تاہم والدین کا یہ فرض ہے کہ ان کے لئے وہ مواقع بھی پیدا کریں جن سے وہ اس ماحول سے الگ ہو کر ایک دوسرے ماحول کے اندر آ جائیں جہاں انہیں مذہب کا روشن پہلو نظر آ سکے۔

سالانہ جلسہ ایسا ایک موقع ہے جو اگرچہ صرف تین دن کا اجتماع ہے لیکن اس میں ایک ایسا

زبردست ماحول پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ بہت سے برے تاثرات کو دور کر کے دلوں پر ایک ایسا نقش کر دیتا ہے جو بعد میں تھوڑی سی توجہ سے سارا سال قائم رہتا ہے۔ ہمارا سالانہ اجتماع عام اجتماعوں کی طرح نہیں بلکہ خدا کے فضل سے یہ تین دن ایک طرح پر صبح سے شام اور شام سے صبح تک ذکر الٰہی کے دن بن جاتے ہیں۔ لیکچر اور تقریریں ہیں تو ان کی غرض صرف قرآن کی عظمت، اسلام کی عظمت۔ محمد رسول صلعم کی عظمت کا دلوں پر نقش کرنا ہے۔ کوئی کانفرنس ہے تو اس کی غرض قرآن کو دنیا میں پہنچانا۔ اسلام کو دنیا میں پھیلانا، اعلائے کلمۃ اللہ کی تدابیر پر غور کرنا ہے۔ کوئی رپورٹ ہے تو اس میں بھی یہی بتایا جاتا ہے کہ یہ عظیم الشان کام، جو ہمارے سیّد و مولا کی دلی تڑپ تھی۔ یعنی کلمۂ حق کا دنیا میں پہنچانا، اس میں ہم نے اب تک کیا کچھ کیا ہے اور آئندہ کیا سمجھ کرنا ہے۔ باہم دوستوں کی میل ملاقات ہے تو اس میں بھی یہی ذکر ہے۔ دن ہے تو مسجد میں سب اکٹھے ہو کر خدا کے سامنے گر رہے ہیں۔ رات ہے تو اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں گریہ وزاری کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کا بول بالا کرے۔ غرض سارے مجمع پر ذکر الٰہی کا ایک ایسا رنگ چڑھا ہوا ہوتا ہے جو کسی دوسرے مجمع میں نظر نہیں آتا۔

اس پاکیزہ مجمع میں آپ کے بچے آئیں گے تو یقین رکھئے کہ وہ ایک نہایت نیک اثر لے کر جائیں گے اور مادہ پرستی اور دہریت کی اس زہریلی ہوا کے لئے، جس کے اندر انہیں سال بھر رہنا پڑتا ہے، یہ ایک نہایت موثر تریاق ہوگا۔ آپ خود خوب جانتے ہیں۔ لیکن وہ تعلیم صرف اس حد تک ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ انہیں اپنی روٹی کمانے کے قابل بنا دے۔ وہ بھی پتہ نہیں کہ اس موجودہ زمانے میں میسر آتی ہے یا نہ۔ لیکن آپ کفایت کرنے بیٹھتے ہیں تو ایک دو تین روپے کے خرچ کے لئے انہیں اس تعلیم سے محروم کر دیتے ہیں۔ جوان کو حقیقی معنی میں انسان بنا سکتی ہے۔ جس سے ان کے اخلاق پر اچھا اثر پڑ سکتا ہے۔ جس سے ان کے دلوں میں خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت جاگزیں ہوتی ہے۔ جس سے ان کو وہ موقع ملتا ہے کہ وہ دنیا کے رہنما بن سکیں اور اس دنیا میں اپنا وہ اچھا اثر چھوڑ سکیں جس کی وجہ سے ان کا نیک نام ہمیشہ باقی رہے۔

میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ اس جلسہ کے موقع پر نوجوانوں کو خاص طور پر میں بھی مخاطب کروں اور ان کے سامنے ایک ایسا لائحہ عمل رکھوں۔ جس سے وہ اپنے آپ کو خود اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے، اپنے عزیزوں اور اقربا کے لئے، اپنی قوم کے لئے اور مخلوق خدا کے لئے زیادہ مفید بنا سکیں۔ اس لئے میری

یہ خواہش ہے کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر بارہ سال کے اوپر عمر کے سب نوجوانوں کو شامل کیا جائے اور صرف کرایہ کے چند پیسوں کی کفایت کا خیال نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو وہ یہاں سے اس سے بہت زیادہ قیمتی سامان لے کر جائیں گے جو ان کے کرائے پر خرچ ہوگا۔ جماعت کے سب والدین سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ضرور ساتھ لائیں۔ بلکہ خود نہ بھی آ سکیں تو انہیں ضرور بھیجیں۔ خاکسار محمد علی

خواتین جماعت کے نام بیگم صاحبہ حضرت امیر ایدّہ اللہ کا مکتوب: خواہر محترمہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ہمارا گذشتہ سالانہ جلسہ ہنگامی حالات میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں نہ خواتین کے پروگرام کی گنجائش نکل سکی نہ دستکاری کی نمائش کا انتظام ہوسکا۔ اس سال خواتین کا جلسہ حسب معمول دیگر اجلاس سے ایک دن پہلے یعنی 24 دسمبر 1948ء کو صبح دس بجے منعقد ہوگا۔ اور یہ ہمارا قیام پاکستان کے بعد پہلا اجتماع ہوگا۔

قدیم سے آپ اس اجتماع کی معاون چلی آ رہی ہیں اور اسی باعث مَیں یہ عرضداشت آپ کے پاس روانہ کر رہی ہوں۔ گو یاددہانی میں بعض وجوہات کے باعث دیر ہوگئی ہے، تاہم مجھے امید ہے کہ آپ اپنی اولین فرصت میں اشاعت اسلام اور خدمت دین کے اس کام کو سرانجام دیں گی۔ یہی وہ ناچیز سی مدد ہے جو ہم ہر سال اپنے ہاتھ سے اور اپنی محنت سے اس بلند کام کے لئے مہیا کرتی ہیں۔

آپ اپنے حلقہ اثر میں میری اس گذارش کو پہنچائیں۔ تاکہ جو دستکاری، جسے آتی ہو، وہ بنائے۔ چرخے پر کاتا ہوا سوت۔ دوتہی کھیس۔ آزار بند۔ گڑھے ہوئے دوپٹے۔ ٹیبل کلاتھ۔ اور اون کی بنائی ہوئی اشیاء جو کوئی بھی جو کچھ بنا سکے بنا کر دے۔ یہ تمام دستکاری 20 دسمبر تک پہنچ جانی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے کہ آپ اشاعت اسلام کے لئے بیش از بیش خدمات بجالائیں۔

اہلیہ مولانا محمد علی

مسلم ٹاؤن اچھرہ لاہور

☆

15 دسمبر 1948ء

ارشاد حضرت امیر

جلسہ سالانہ پر نمازوں کے متعلق ضروری ہدایات

جلسہ سالانہ کے متعلق ایک اور ضروری بات اپنے احباب سے کہنا چاہتا ہوں۔ خدا تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون میں انسان کا کمال روحانی بیان فرمایا ہے قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ (1:23) مومن یقیناً کامیاب ہیں۔ یوں نہیں فرمایا کہ مومن کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ مومنوں کی جو صفات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں، ان سے کامیابی یقینی ہے۔ مومنوں کی فلاح کے لئے اس سورۃ میں بعض صفات کو ضروری ٹھہرایا ہے مگر ان میں سے یہاں صرف دو باتوں کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا اَلَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ (2:23) مومن وہ ہیں جو اپنی نماز میں عاجزی اور انکساری اختیار کرنے والے ہیں اور ان کی آخری صفت یہ بیان فرمائی وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ (9:23) جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔ پہلی صفت ہے کہ نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی ایک بڑی غرض یہ بھی ہے کہ انسان کے دل میں عاجزی پیدا ہو جائے۔ ہمارے سامنے جلسہ سالانہ کا موقع ہے۔ اس موقع پر بہت سے لوگ مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن میں اپنی جماعت کے دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ان دو تین دنوں کے لئے اپنے نفسوں پر تھوڑا سا جبر کریں اور باقاعدگی کے ساتھ مسجد یں نماز ادا کریں کچھ لوگوں کو انتظام جلسہ کا بہانہ ہوتا ہے اور کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقفہ میں کچھ پھر پھرا آئیں۔ لیکن میں ان سب دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ پندرہ منٹ میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں ادا ہو جاتی ہیں مگر اس کے لئے بھی سب لوگ جمع نہیں ہوتے۔ بعض تو شاید یہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم جلسہ کے انتظام میں شریک ہیں۔ اس لئے ہم جماعت کے ساتھ مسجد میں نمازیں ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ کوئی عذر نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کو تو جنگوں کے موقع پر یہ حکم تھا کہ آدھے نماز پڑھ لیں اور آدھے دشمن کا مقابلہ کریں۔ اور اسی طرح وہ آدھے بھی بعد میں نماز پڑھ لیں۔ بلکہ یہاں تک ارشاد ہے کہ اگر تم کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو اشارے سے نماز ادا کر لو۔ لیکن تھوڑی دیر کے لئے خدا کے حضور میں ضرور گرو۔ لیکن زمانہ کی زہریلی ہوا نے یہ کیفیت پیدا کر دی ہے کہ لوگ نماز کی

ادائیگی کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ میں اپنی جماعت کے دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ وہ نمازوں میں ضرور شامل ہوں۔ خوب یاد رکھو۔ اگر فی الواقعہ تم وہ کام کرنا چاہتے ہو جو تمہارے سپرد کیا گیا ہے تو سب سے زیادہ اہمیت نماز کو دو۔ اکٹھے ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور میں کرنے کے لئے تمہیں آٹھ یا دس اوقات ملتے ہیں۔ ان اوقات میں ایک اہتمام کے ساتھ نمازوں کو ادا کرو۔ جس طرح جماعت کے رنگ میں ہر کام کرنے میں قوت پیدا ہوتی ہے اسی طرح اجتماعی رنگ میں نماز ادا کرنے میں بھی ایک قوت پیدا ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کے افضال نازل ہوتے ہیں۔ میں جلسہ سالانہ کے منتظمین کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اس بات کا انتظام کریں کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر آنے والے لوگ باقاعدگی کے ساتھ نمازوں میں شامل ہوں۔ لیکچراروں سے بھی گذارش کرتا ہوں کہ وہ اپنی تقریروں کے دوران میں نمازوں کے اوقات کو خاص طور پر ملحوظ رکھیں اور نمازوں کے اوقات میں سب لوگ اسی طرح جمع ہوں کہ دنیا کو نظر آ جائے کہ یہ وہ قوم ہے جو خدا کے آگے گرتی ہے۔ والسلام۔

احباب لاہور کے نام: (15 دسمبر 1948ء) برادر مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جس غرض کے لئے بیرونی احمدی احباب سفر کی سخت صعوبت اور بہت سے اخراجات اُٹھا کر آتے ہیں اسے آپ بہت آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا کے راستے میں تکلیف اُٹھانے سے انسان کی زندگی میں حقیقی راحت پیدا ہوتی ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے میں آپ کو امور ذیل کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔

1- 24 دسمبر کو خواتین کا جلسہ ہے۔ اس دن آپ کے گھرانے کی خواتین ضرور شامل ہوں اور اس کے لئے کوئی نہ کوئی دستکاری بھی پہلے بھیج دیں۔

2-25,26,27 دسمبر 1948ء پورے تین دن آپ جلسہ کے لئے فارغ رکھیں۔ اور جلسہ کے وقت مقررہ سے آدھ گھنٹہ پیشتر جلسہ گاہ میں پہنچنے کی کوشش کریں۔

3- اگر آپ کی رہائش احمدیہ بلڈنگس سے ایک میل کے اندر اندر ہے تو نماز فجر میں اور اس کے بعد درس قرآن کریم میں ضرور شامل ہوں۔

4- اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ آپ کے گھر سے بچے اور خواتین تینوں دنوں میں ضرور

شامل ہوں۔

5- آپ آج سے ہی اس بات کے پیچھے لگ جائیں کہ آپ کو کم از کم تین غیر از جماعت دوستوں کو ضرور ساتھ لانا ہے۔ تا کہ وہ بھی جلسہ میں شامل ہوں۔ اور پھر خواہ انہیں تانگہ پر ہی لانا پڑے ساتھ لے کر آئیں۔ چند پیسے تو ضرور خرچ ہو جائیں گے۔ لیکن اگر آپ کی اتنی سی تکلیف سے دو تین آدمیوں تک کلمہ حق پہنچ جائے یا جماعت میں ایک دو آدمیوں کا اضافہ ہو جائے تو وہ بڑی دولت ہے۔

6- ظہر اور عصر کی نمازیں تو جلسہ کے وقت میں ہوتی ہیں لیکن مغرب اور عشاء کے لئے بھی آپ مسجد میں ٹھہر جائیں جو غروب آفتاب کے معاً بعد جمع ہو جاتی ہیں۔ ان تین ایام میں نماز باجماعت میں شامل ہونے کی ضرور کوشش کریں۔

7- ان ایّام میں چاہے دو نفل ہی پڑھیں۔ مگر نماز تہجد ضرور پڑھیں اور اس وقت بالخصوص اسلام کی ترقی اور نصرت کے لئے دعا کریں۔ اور یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو وہ کارکن عطا فرمائے جو تبلیغ اسلام کے اہل ہوں۔ اور وہ سامان عطا فرمائے جن کی تبلیغ اسلام کے لئے اور قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کے لئے ضرورت ہے۔

8- جلسہ کے اشتہارات اور پروگرام لے کر اپنے محلّہ اور اپنے حلقہ احباب میں تقسیم کریں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

☆

5 جنوری 1949ء

پاکستان کی اصل خدمت

اسلام کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے رکھی جائے

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی تقریر پریس کانفرنس میں

23 دسمبر 1948ء کو حضرت امیر ایدّہ اللہ نے ہوٹل سٹفلز میں ایک پریس کانفرنس منعقد کی جس میں ''پاکستان ٹائمز''، ''نوائے وقت''، ''انقلاب'' اور بعض دیگر اخبارات کے نمائندے شامل ہوئے قریباً تمام ہی اخبارات کو دعوت نامے بھیجے گئے تھے، اور سب ہی شامل ہونے کے لئے تیار تھے۔ لیکن اتفاق سے اسی دن فلسطین ڈیلی گیشن کی طرف سے بھی ایک پریس کانفرنس کا اعلان ہو گیا جس کی وجہ سے کئی اخبارات کے نمائندے شامل نہ ہو سکے۔ بہرحال شامل ہونے والے نمائندگان اخبارات کے سامنے حضرت امیر ایدّہ اللہ نے ایک مختصر تقریر فرمائی، جس میں آپ نے بتایا کہ پاکستان کی تعمیر کے لئے جہاں اور بہت سے سوال درپیش ہیں وہاں ایک نہایت ضروری اور اہم سوال یہ بھی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی تصویر دنیا کی مختلف قوموں کی نظروں میں اچھی نہیں۔ اور اسی وجہ سے عام طور پر اسلامی حکومتوں کے متعلق ان کا رویہ معاندانہ ہے۔ پاکستان ہو یا افغانستان یا ترکی و مصر یا فلسطین وانڈونیشیا وغیرہ، جہاں اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ نظر آتا ہے، اسی ملک کے متعلق مغربی اقوام مخالفانہ رویہ اختیار کر لیتی ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ صاف ہے کہ ان کی نظروں میں اسلام کی تصویر اچھی نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ عام طور پر یورپ اور امریکہ کے اخبارات جہاں کانگریس یا ہندوستان کی کوئی بات ہو اس کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، لیکن پاکستان کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس بارہ میں آپ نے ایک امریکن اخبار کی مثال پیش کی کہ اس نے کانگریس کی حمایت اور پاکستان کی مخالفت میں ایک مضمون لکھا۔ میں نے چاہا کہ اس کا جوب دیا جائے اور اس کو خط بھی لکھا، لیکن اس نے جواب دیا کہ اخبار میں گنجائش نہیں۔ یہ کیا بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دلوں میں ہماری عزت کوئی نہیں۔ کیونکہ اسلام اور مسلمانوں کی جو تصویر ان کے سامنے ہے، وہ کچھ اس قسم کی ہے کہ وہ اس سے متنفر ہیں۔ اس لئے سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی

صحیح تصویر ان کے سامنے رکھی جائے۔ اور مسلمانوں کو ایجوکیٹ کیا جائے کہ وہ اسلام کی اصل تصویر انہیں دکھائیں اور اس ذریعہ سے ان کے خیالات کو بدلنے کی کوشش کریں۔

آپ نے فرمایا کہ خیالات بدل سکتے ہیں۔ ہم نے خود خیالات کو بدلتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہماری طرف سے جو کوشش اس بارہ میں اب تک ہوئی ہے، اس نے خیالات کو بدلنے میں ایک حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ اور جتنے بھی ہمارے مبلغ یورپ اور امریکہ میں گئے ہیں، اُن سب کی یہ رائے ہے کہ وہاں اسلام کے متعلق خیالات میں ایک اندرونی تبدیلی پائی جاتی ہے۔ لیکن عام طور پر مخالفت زیادہ ہے۔ اور اس کا صحیح علاج یہی ہے کہ اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل تصویر وہاں پہنچائی جائے اور عام طور پر اسے شائع کیا جائے۔ اور یہ کام زیادہ تر اخبارات کا ہے کہ وہ جہاں اور باتوں پر زور دیتے اور رائے عامہ پر اثر ڈالتے ہیں، وہاں اس بارہ میں بھی مسلمانوں کو ایجوکیٹ کریں اور مسلمان نوجوانوں کے اندر یہ جوش پیدا کریں کہ وہ اسلام کا اصل نمونہ اور صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کریں۔

حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اس موقع پر تراجم قرآن اور اپنی بعض کتب نمائندگان اخبارات کو دکھائیں، اور فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ اسلام کا یہ VIEW جو ان کتابوں میں دکھایا گیا ہے ان لوگوں کے سامنے لایا جائے تو وہ یقیناً متاثر ہوں گے۔ آپ نے بتایا کہ یہ کتابیں جو ہم لکھتے ہیں، عام طور پر پسندیدہ نظروں سے دیکھی جاتی ہیں، یہاں تک کہ میری کتاب ''ریلجن آف اسلام'' جس کے متعلق مارمڈیوک پکتھال نے لکھا تھا کہ دنیا کی تمام زبانوں میں اس کے تراجم ہونے چاہئیں۔ اس وقت تک ڈچ اور ترکی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ایسا ہی محمدؐ دی پرافٹ کا ترجمہ سترہ زبانوں میں شائع ہوا ہے، اور یہ تراجم ہم نے نہیں کرائے لوگوں نے خود شائع کئے ہیں۔ ایسا ہی انگریزی، جرمن اور ڈچ زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم شائع ہو چکے ہیں، اور کئی ہندوستانی اور دوسری زبانوں میں شائع ہونے والے ہیں۔

آپ نے بتایا کہ یہ وہ صحیح راستہ ہے اور اسلام کی یہ اصل تصویر ہے جس سے دنیا کی رائے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق بدل سکتی ہے۔ اور اگر اسی لائن پر مسلمان نوجوان کو ایجوکیٹ کیا جائے۔ تو کبھی وہ سوشلزم یا دہریت کی طرف نہ جھکیں، بلکہ خود اس تصویر کو لے کر دوسروں تک اسے پہنچائیں، اور

اگر اخبارات ایسی سپرٹ پیدا کر دیں کہ ان کے دلوں میں اسلام کے ساتھ وابستگی پیدا ہو جائے اور وہ اس بات کو سمجھ لیں کہ پاکستان کی عزت اسلام کی عزت کے ساتھ وابستہ ہے، تو یہ سب سے بڑی خدمت ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمانان عالم اسلام سے بہت دور پڑے ہوئے ہیں۔ اگر آپ ان کی کوئی خدمت کرنا چاہتے ہیں، اگر ان کے اندر اتفاق اور اتحاد کی روح پیدا ہو سکتی ہے تو صرف اس ذریعہ سے ہو سکتی ہے کہ انہیں اسلام کی طرف لایا جائے اور اس کی اصل شکل وصورت پیدا کرنے اور اسے دنیا میں پہنچانے کا شوق پیدا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اب تک ہماری تربیت انگریز کے ماتحت ہوئی ہے۔ انگریز اگرچہ چلا گیا لیکن اس کا اثر ابھی باقی ہے۔ اس اثر کو زائل کرنا اور اسلام کی طرف لانا یہ ہمارا پریس کا کام ہے، جس کا رائے عامہ پر خاصہ اثر ہے۔ اس لئے میں اپنے پریس پر یہ زور دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے اخبار نویس جہاں اور بہت سی باتیں لکھتے ہیں، وہاں مسلمانوں کو اسلام کے لئے ایجوکیٹ کریں۔ ایک مسلمان کو پیدائشی مشنری بنا گیا ہے، وہ اگر اس کو سمجھ لے اور اسلام کو دنیا میں لے جانے کا عزم کر لے تو آج دنیا کی رائے بدل سکتی ہے اور مسلمان ایک انقلاب کی صورت دیکھ سکتے ہیں۔

آپ نے اپنے امریکن مشن کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں ڈیڑھ سال کے قلیل عرصہ میں اسلام کے متعلق اچھے خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک نومسلم نے وہاں اسلام کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ WHAT'S IN NAME اس کتاب کے اخراجات طبع ایک اور نومسلم نے ادا کئے ہیں اس کتاب میں انہوں نے بتایا ہے کہ اسلام اور محمڈن ازم کے ناموں میں کیا فرق ہے۔ اور ان دونوں ناموں کے کیا معنی ہیں۔ اور صرف اول الذکر نام ہی صحیح ہے۔ اسی ضمن میں انہوں نے اسلام کی بعض خصوصیات اور تعلیمات کو نہایت عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے اور اسلام میں آنے کی دوسروں کو دعوت دی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کے متعلق خیالات بدل سکتے ہیں بشرطیکہ صحیح خیالات اور صحیح تصویر پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ آپ نے بتایا کہ مجھ سے ایک دفعہ یہ سوال کیا گیا کہ شریعت بل کے نفاذ کے متعلق میری کیا رائے ہے۔ میں نے کہا شریعت بل کا نفاذ تو ضروری ہے لیکن اس بل کے بنانے کے لئے ایسے روشن خیال لوگوں کی ضرورت ہے، جو زمانہ کے حالات وضروریات اور

تعلیم جدیدہ سے واقف ہوں۔ وہ ان حالات کی روشنی میں اسلامی شریعت کا مطالعہ کریں، دوسرے ممالک کے قوانین کو دیکھیں اور غور اور بحث سے ازسرنو اجتہاد کریں۔ اگر شریعت بل کا کام پرانے ملّانوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا، جن کے دماغوں میں اسلام کی صحیح روشنی نہیں پہنچی، تو یہ ٹھیک نہ ہوگا۔ اس وقت اسلام کی ایک نئی REPRESENTATION کی ضرورت ہے۔ مایوس ہونے کی بات نہیں۔ اسلام پر بڑے بڑے اوقات مایوسیوں کے آئے ہیں۔ مگر وہ پھر اُٹھا اور دنیا پر غالب آیا۔ تاریخ کو آپ پڑھ کر دیکھ لیں بڑی بڑی مشکلات میں اسلام کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا کیا۔ اب بھی وہ غالب آئے گا۔ آپ کو چاہیئے کہ اس کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے رکھیں اور اسلام کے لئے لوگوں کو ایجوکیٹ کریں۔ یہ اسلام کی بڑی بھاری خدمت ہے۔

☆

5 جنوری 1949ء

حضرت امیر ایدّہ اللہ کے قلم سے

سالانہ جلسہ پر اہم ترین اقدام

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور مجدد صد چہار دہم کی جماعت کا وہ حصہ ہے جو بعض عقائد کے اختلاف کی وجہ سے 1914ء میں قادیان سے الگ ہو گیا اور لاہور میں اپنا مرکز قائم کیا۔ جماعت احمدیہ کے اس گروہ کو سارے عالم اسلامی میں یہ اہم امتیاز حاصل ہے کہ اسلام کے خوبصورت چہرہ کو دنیا میں روشن کرنے کے لئے اس نے نہ صرف اعلیٰ درجہ کا اسلامی لٹریچر پیدا کیا ہے بلکہ اس لٹریچر کو بکثرت مفت تقسیم کیا۔ جس کی وجہ سے اسلام کے متعلق دنیا کے نکتہ نگاہ میں ایک انقلاب عظیم رونما ہو چکا ہے۔ اور وہ نفرت، جو اس سے پہلے اسلام کے متعلق دوسرے لوگوں کے دلوں میں تھی، اب آہستہ آہستہ محبت میں تبدیل ہو رہی ہے اور وہ دن دور نہیں کہ کثرت سے لوگوں کی گردنیں اسلام کے سامنے جھک جائیں۔ اس وقت تک یہ لٹریچر دنیا کی تیس کے قریب زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کے ترجمے تین یورپین زبانوں میں شائع ہو کر ہزار ہا کی تعداد میں دنیا کی لائبریریوں میں پہنچائے جا چکے ہیں اور تین ہندوستانی زبانوں میں مکمل ہو چکے ہیں۔ جن کے 1949ء میں شائع ہو جانے کی امید ہے اور کئی اور زبانوں میں شروع ہو چکے ہیں۔ سیرت نبویؐ کے ترجمے سترہ زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں اور ہزار ہا کی تعداد میں مفت بھی شائع ہو چکے ہیں۔ 1914ء سے اس وقت تک مفت تقسیم لٹریچر پر یہ انجمن ایک لاکھ روپے سے زیادہ خرچ کر چکی ہے۔ مگر چونکہ اس وقت دنیا میں اس کے لئے مانگ بھی بہت زیادہ پیدا ہو گئی ہے، اور وہ ذرائع بھی ایک حد تک میسر ہو چکے ہیں جن سے اس لٹریچر کا پھیلانا آسان ہو گیا ہے۔ اس لئے اس سالانہ جلسہ پر یہ تحریک کی گئی کہ اب اس کام کو بہت زیادہ وسیع پیمانے پر شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نئے سال میں ایک لاکھ روپیہ اس غرض کے لئے خرچ کرنے کی امید ہے۔ گویا اب تک جس قدر روپیہ اس غرض کے لئے 34 سال میں صرف کیا گیا ہے اس قدر ایک سال میں صرف کرنے کا تہیہ کیا گیا ہے۔

اس ایک لاکھ روپے کی فراہمی کا یہ انتظام کیا گیا کہ پچاس ہزار روپیہ انجمن نے اپنی مستقل

آمدنیوں میں سے اس غرض کے لئے مخصوص کر دیئے۔ اور پچاس ہزار روپیہ کے لئے چندہ کی اپیل جلسہ کے موقع پر کی گئی جس میں سے 35 ہزار روپیہ اجلاس کے وقت ہی جمع ہو گیا۔ اس کارِ خیر میں، جس کی خاص تڑپ حضرت مجددِ وقت کے دل میں تھی، یعنی آپ نے 1891ء میں ہی یہ اعلان کیا تھا کہ آپ اسلام پر خوبصورت لٹریچر پیدا کر کے دنیا میں پہنچانا چاہتے ہیں، کچھ احباب نے تین ہزار سے لے کر ایک ہزار کی رقوم تک کے وعدے کئے۔ اس سے اتر کر بعض احباب نے پانچ پانچ سو روپے کی رقوم بھی دیں اور غرباء نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر حصہ لیا۔ مگر چونکہ مجوزہ رقم میں سے پندرہ ہزار روپیہ کم رہا اس لئے یہ تحریک اس وقت بقیہ احباب کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے وہ ایک ہزار روپے سے یا اس سے بھی بڑھ کر حصہ لیں۔ جماعت میں ہنوز ایسے احباب ہیں جن کے سینوں کو اللہ تعالیٰ کھول دے تو پانچ پانچ ہزار روپیہ بھی آسانی سے دے سکتے ہیں۔ لیکن بہر حال رقم کو پورا کرنے کے لئے یہ تجویز کی گئی کہ جن احباب کی ماہوار آمدنی دو سو سے کم ہے وہ جس قدر چاہیں دیں، دو سو سے پانچ سو تک ماہوار آمدنی والے احباب پانچ یوم کی آمدنی اور پانچ سو سے ایک ہزار تک دس یوم کی آمدنی اور اس سے اوپر آمدنی والے احباب پندرہ یوم کی آمدنی اس فنڈ میں دیں۔ اگر یہ رقم پچاس ہزار روپے سے بڑھ گئی تو اسی قدر زیادہ کام بھی ہو سکے گا۔

ظاہر ہے کہ خدا کے فضل سے ہم اپنے قدم کو تیز کر رہے، مگر اس بات کو بھولنا نہ چاہیئے کہ جتنا زیادہ انسان اپنے قدم کو خدا کے راستہ میں تیز کرتا ہے، اسی قدر اللہ تعالیٰ کی نصرت کا قدم بھی تیز ہو جاتا ہے۔ جو ایک قدم خدا کی طرف آتا ہے خدا اس کی طر دوڑتا ہوا آتا ہے، تو خدا چاہے گا تو ہمارے اس قدم پر کہ ہم نے اپنی رفتار کو تیس گنا کر دیا ہے، خدا کی نصرت اس سے چند در چند ہو کر ہماری دستگیری فرمائے گی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ بغیر قربانی کے اور بغیر تکلیف اُٹھانے کے دنیا میں کوئی کام بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ بقیہ احباب جلد سے جلد اپنی قربانیاں پیش کریں گے تا کہ ہم اس کام کو ایک دو ماہ کے اندر شروع کر سکیں۔ اس کے لئے میں چند تجاویز احباب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

1- وہ احباب پہل کریں جو ایک ہزار روپیہ یا اس سے زیادہ دے سکتے ہوں۔

2- جن احباب نے وعدے کئے ہیں یا جو آئندہ وعدے کریں وہ حتی الامکان اس ماہ جنوری

کے اندر اندر اپنی رقوم بھیج دیں۔اور جواب وعدے کریں وہ بھی اسی تجویز پر عمل پیرا ہوں۔

3- جو احباب اس ماہ کے اندر اندر اپنی رقوم نہ بھجوا سکتے ہوں وہ انجمن میں اپنی ایک واضح تحریر بھیج دیں کہ وہ کب یا کس طرح اس رقم کو ادا کریں گے۔تا کہ اگر یاددھانی کی ضرورت پیش آئے تو اس کے مطابق ان کو یاددہانی کرائی جائے۔اس طرح یاددھانیوں کے بہت سے خرچ میں کمی ہوسکتی ہے۔

4- سردست یہ خیال ہے کہ اس ایک لاکھ روپے کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ پچاس ہزار روپے کا لٹریچر غیر مسلموں میں زیادہ تر یورپ اور امریکہ میں اور پچاس ہزار کا مسلمانوں میں زیادہ تر ایشیائی ممالک میں پھیلایا جائے۔ پھر یورپ میں ہمارے اہم مرکز دو ہیں۔ایک ووکنگ میں جو سب سے زیادہ اہم ہے۔اور ایک برلن میں۔اور امریکہ میں ہمارا اہم مرکز سانفرانسسکو میں ہے۔لیکن اس کے علاوہ جنوبی امریکہ،مغربی افریقہ،مشرقی افریقہ،فجی، برما اور سیام میں بھی ہمارے مرکز ہیں۔بحصہ رسدی ہر جگہ یہ لٹریچر پہنچنا چاہئے۔ ایشیائی ممالک میں سے خود پاکستان کے مسلمان ہیں اور پھر ہندوستان کے مسلمان جن پر سب سے زیادہ ہماری توجہ بکار ہے۔اس کے علاوہ عرب ممالک بھی ہیں۔ جہاں کے مسلمانوں کی حالت اخلاقی نقطہ نگاہ سے شاید پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی زیادہ خراب ہے۔اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ یہ معاملہ آخری فیصلہ کے لئے انجمن میں پیش ہو،جن احباب کے ذہن میں کوئی خاص تجاویز ہوں، وہ مجھے ان سے مطلع فرما دیں۔تا کہ سب تجاویز پر غور کر کے ایک مکمل پروگرام بنایا جائے۔

5-غالبًا قیمتی لٹریچر زیادہ تر لائبریریوں کے ذریعہ سے پھیلانا مفید ہوگا۔اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اہم ممالک کی بڑی بڑی لائبریریوں کی فہرستیں ہمارے پاس موجود ہوں۔جن میں سے ہم انتخاب کرسکیں۔اس بارے میں جو دوست اس قسم کی فہرستیں بھجوا سکیں وہ عنداللہ ماجور ہوں گے۔والسلام

پُرسوز دعاؤں کے روح پرور نظارے:(5 جنوری 1949ء) جلسہ سالانہ حسب اعلان 25 دسمبر 1948ء کو شروع ہوکر 27 دسمبر کو ختم ہوگیا۔ یوں کہنے کو یہ بھی دنیا کے اور جلسوں کی طرح ایک جلسہ ہی تھا لیکن غور کرنے والی طبائع کے لئے یہ ایسا پیغام تھا جو دنیا کے دوسرے جلسوں میں ملنا مشکل ہے۔ جہاں تک حاضرین کی تعداد کا سوال ہے،اگر چہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ وہ ہزارہا تک پہنچی ہوئی تھی،تاہم خدا کے فضل سے

اتنی کافی تعداد تھی جو جلسہ کے پنڈال کو بھر سکے۔ اور یہ تمام لوگ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسے نشہ میں سرشار تھے، جس کو نہ سفر کی صعوبت اتار سکتی ہے، نہ دسمبر کی سخت ترین سردی، نہ مالی عسرت یا کوئی اور تکلیف اس کو دور کر سکتی ہے، خدا کے مسیح کا پلایا ہوا جام اب بھی اس کے ساتھیوں اور نام لیواؤں کو اس قدر سرشار کئے ہوئے ہے کہ ہر قسم کی تکلیفوں کے باوجود اس کا پیغام سنتے ہی اُٹھ دوڑتے اور اس کے مشن کی تکمیل کو اپنے تمام کاموں پر مقدم سمجھتے ہیں۔

24 دسمبر کو خواتین کا جلسہ تھا، اور اس دن عموماً باہر سے آنے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہوا کرتی ہے۔ لیکن اتفاق سے اسی دن جمعہ بھی تھا۔ شاید اسی وجہ سے بہت زیادہ مہمان اسی دن تشریف لے آئے اور حاضرین کی تعداد توقع سے بہت زیادہ ہوگئی۔ ان آنے والوں میں امیر بھی تھے اور غریب بھی۔ وہ بھی تھے جن کو محنت مزدوری کر کے روزانہ قوت لایموت مہیا کرنی ہوتی ہے، اور وہ بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مال کثیر عطا کر رکھا ہے۔ ایسے فلاکت زدہ پناہ گزین بھی تھے جن کو ابھی تک پورے طور پر بحال ہو کر بافراغت زندگی بسر کرنے کا سامان میسر نہیں یا اور ایسے اصحاب بھی تھے جن کو اپنے کاروبار کی مشغولیتوں سے ایک دن کی بھی فراغت ملنی مشکل ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر بعض ایسے دوست بھی دیکھنے میں آئے جو بڑھاپے اور نظر کی کمزوری یا کسی عزیز کی بیماری کے باوجود جلسہ کی کشش کو نہ روک سکے۔ ایک ہی چیز تھی جو ان سب کے سامنے تھی، خدا کے مسیح کا پیغام کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے، یورپ اور امریکہ کو اسلام پہنچانے کے لئے، سال میں تین روز ایک جگہ اکٹھے ہو جاؤ۔ اس سے اخوت و برادری اور محبت و موانست میں بھی ترقی ہوگی اور سب مل کر دین کی سربلندی کے لئے دعا بھی کر سکیں گے۔ خدا کا فضل ہے کہ یہ سب باتیں جو دنیا کے کسی اور جلسہ میں نہیں پائی جاتی، ہمارے اس چھوٹے سے جلسہ میں دیکھنے میں آئیں۔ وہ محبت و اخوت جو جلسہ میں شامل ہونے والوں میں نظر آئی، ایک دوسرے سے نہایت تپاک کے ساتھ بغلگیر ہونا، ایک دوسرے کے حالات اور خیر و عافیت اس طرح دریافت کرنا، جیسے عزیز ترین بھائی اپنے بھائیوں سے دریافت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے رنج و راحت کو اپنا رنج و راحت سمجھنا، پھر اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے مل کر تجاویز سوچنا اور خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑانا، یہ وہ چیزیں ہیں جو تمام اسلامی دنیا میں آج صرف ایک جماعت کے اندر پائی

جاتی ہیں اور وہ جماعت احمدیہ ہے۔ یہ نظارہ ہر سال دیکھنے میں آتا ہے، اور اس امام وقت کی صداقت وللّٰہیت کا ایک بیّن ثبوت زبان حال سے پیش کرتا ہے جس نے تیرہ سو سال کے بعد پھر یہ للّٰہیت، یہ اخوت و محبت اور دین الٰہی کے لئے سوز و گداز اپنے ساتھیوں میں پیدا کر دیا۔

لیکچروں وعظوں اور خطبات میں جو کچھ کہا گیا، وہ آئندہ پرچوں میں قارئین کے مطالعہ میں لایا جائے گا۔ لیکن ایک بات، جس کا یہاں ذکر کرنا ضروری ہے، یہ ہے کہ حضرت امیر ایدّہ اللہ سے لے کر معمولی سے معمولی لیکچرار تک ہر ایک کا موضوع ایک ہی تھا۔ اسلام کس طرح دنیا میں پھیلے۔ مسلمان کس طرح حقیقی معنوں میں مسلمان بن جائیں اور دنیا میں غالب اور سر بلند ہوں۔ امام وقت کی آواز کس طرح دنیا کے کانوں تک پہنچائی جائے کہ دنیا کے موجودہ مصائب کا حل صرف ایک ہی ہے کہ نیکی و تقوٰی کو اختیار کیا جائے۔ اسلام کے نظام امن کی پناہ لی جائے، اور خدا تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا کر کے اس سے مغفرت طلب کی جائے۔ حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اپنے لیکچروں میں نماز کی جو حقیقت بیان فرمائی اور نسل انسانی کی تین قسم کی ترقیات کا ذریعہ قرار دیا، وہ ایسے پر معارف حقائق پر مشتمل تھے، جو حضرت مجدد وقت کے انفاس قدسیہ کا زندہ نمونہ ہیں، حضرت ممدوح نے اپنی کمزوری طبع کے باعث یہ لیکچر جو پہلے سے قلمبند کر لیا تھا، خود سنانے کے بجائے مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع سے پڑھوایا، لیکن آپ نے خود بھی خلاصۃً اس کو بیان فرمایا اور اس کے علاوہ دو اور تقاریر بھی کیں جو آئندہ پرچوں میں مفصل شائع ہوں گی۔

ایسا ہی حضرت مولٰینا صدر الدین صاحب کا لیکچر اور درس قرآن جو تین دن ہوتا رہا، حاضرین میں سوز و گداز پیدا کرنے اور نیکی و تقوٰی کی راہ دکھانے کا موجب تھا۔ آپ نے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (31:3) پر تین دن درس دیا، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، آپ کے پاک نمونہ اور طرز زندگی کو پیش کر کے حاضرین کو اس پر کاربند ہونے کی تلقین کی، اور بار بار اس بات پر زور دیا کہ حضور انور صلعم کا یہ ارشاد طِبْ لِطَعَامِکَ وَ کُنْ مُسْتَجَابُ الدَّعْوَاتِ (اپنے خورونوش کو پاک کر لو یعنی حرام کھانے سے بچو اسی سے تمہاری دعائیں قبول ہوں گی اور تم مستجاب الدعوات بن جاؤ گے) آج مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ اسی پر چل کر

ان کے تمام مصائب کا ازالہ ہوسکتا ہے، اسی ضمن میں آپ پر کشمیر اور مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کے مصائب کا ذکر کرتے ہوئے جو رقت طاری ہوئی، اور خود بھی روئے اور حاضرین کو بھی رلایا۔ وہ ایک ایسا نظارہ تھا جو اس خدا تعالیٰ کے آگے گرنے والی قوم کے سوائے اور کہیں نظر نہیں آتا۔ ایک سوز و گداز تھا جو تمام حاضرین کے دلوں میں پیدا ہوکر جناب الٰہی میں اشکباری کا موجب ہوا۔ اور یقیناً یہی وہ سوز و گداز ہے جو مسلمانوں اور بالخصوص اہل کشمیر کی رستگاری کا موجب ہوگا۔

محترم شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کا لیکچر بھی خاص توجہ کے قابل تھا۔ جس میں مسیح وقت کے ان نشانات کو بیان کیا گیا، جو دنیا کے تمام ممالک اور تمام اقوام کے متعلق اس وقت دیئے گئے جب ان کے پورا ہونے کے کوئی آثار نہ تھے، اور پھر ہو بہو پورے ہوکر خدا تعالیٰ پر ایک زندہ اور تازہ ایمان پیدا کرنے کا موجب ہوئے۔ اور جن میں ان ہولناک جنگوں اور مصائب و شدائد کی بھی خبر دی گئی ہے جو اس زمانہ میں پیش آرہے ہیں، اور ان کا علاج سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ دنیا فسق و فجور اور ظلم و فساد کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کے آگے جھک جائے۔ اسلام کے سایۂ امن میں آجائے۔ کوئی دنیوی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی اور ان ہولناک مصائب سے، جو پیش آرہے ہیں اور جو آئندہ پیش آنے کا خطرہ ہے، چھڑا نہیں سکتی، سوائے اس کے کہ اسلام اور محمد رسول اللہ صلعم کی پناہ حاصل کرکے آستانۂ الٰہی کو ملجا و ماوٰی بنایا جائے، اور خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی جائے۔

یہ تمام لیکچر انشاء اللہ آئندہ شیوع میں مفصل درج ہوں گے اور دیگر تقاریر بھی جو دوسرے احباب نے کیں بالخصوص مولینا آفتاب الدین احمد صاحب، میاں نصیر احمد صاحب فاروقی اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تقاریر ایسی ہیں کہ ان کا خلاصہ دینا اتنا مفید نہ ہوگا، جتنا پوری تقاریر کا درج کرنا۔ جو مختلف شماروں میں آتی رہیں گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ وہ کیفیت عمومی ہے جو اس جلسہ میں دیکھنے میں آئی۔ اس کے علاوہ مہتمم صاحب جلسہ اور ان کے معاونین اور رضا کاروں نے مہمانوں کی خاطر و مدارات اور انہیں آرام بہم پہنچانے کے لئے جو محنت و کوشش کی وہ ہر طرح لائق تحسین ہے۔ ایسے بڑے مجمعوں میں عموماً انتظام کے اندر بعض خرابیاں بھی رہ جاتی ہیں۔ بعض نقائص بھی دیکھنے میں آتے ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی ہمارے جلسہ کا انتظام

بہترین اور تسلی بخش تھا۔ پہلے دن مہمانوں کی غیر متوقع زیادتی کی وجہ سے کھانے کی تیاری میں تاخیر کسی قدر تکلیف کا موجب ہوئی لیکن اسے خوش اسلوبی کے ساتھ رفع کر دیا گیا۔ اور ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے نوجوان دوست شیخ محمد طفیل صاحب کے علم اور بردباری نے بہت سے دوستوں کی خفگی کو خوشی و مسرت سے بدل دیا **فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ** ہم شیخ صاحب ممدوح اور دیگر تمام دوستوں کا، جو اس انتظام میں شریک تھے، دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور دین کے راستہ میں بیش از بیش قربانیوں کی توفیق مرحمت فرمائے۔

☆

19 جنوری 1949ء

ارشاد حضرت امیر

تقسیم لٹریچر کی اپیل

1- وہ احباب پہل کریں جو ایک ہزار روپیہ یا اس سے زیادہ دے سکتے ہیں۔

2- جن احباب نے وعدے کئے ہیں یا جو آئندہ وعدہ کریں وہ حتی الامکان اس ماہ جنوری کے اندر اپنی رقوم بھجوا دیں اور جواب وعدے کریں وہ بھی اسی تجویز پر عمل پیرا ہوں۔

3- جو احباب اس ماہ کے اندر اپنی رقوم نہ بھجوا سکتے ہوں وہ انجمن میں اپنی ایک واضح تحریر بھیج دیں کہ وہ کب یا کس طرح اس رقم کا ادا کریں گے۔ تاکہ اگر یاددھانی کی ضرورت پیش آئے تو اسی کے مطابق ان کو یاددہانی کرادی جائے۔ اس طرح یاددہانیوں کے بہت سے خرچ کی کمی ہوسکتی ہے۔

4- سردست یہ خیال ہے کہ اس ایک لاکھ روپے کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ پچاس ہزار روپے کا لٹریچر غیر مسلمانوں میں زیادہ تر یورپ اور امریکہ میں اور پچاس ہزار کا مسلمانوں میں زیادہ تر ایشیائی ممالک میں پھیلایا جائے۔ پھر یورپ میں ہمارے اہم مرکز دو ہیں۔ ایک ووکنگ میں جو سب سے زیادہ اہم ہے۔ اور ایک برلن میں اور امریکہ میں ہمارا اہم مرکز سان فرانسسکو میں ہے۔ لیکن اس کے علاوہ جنوبی امریکہ، مغربی افریقہ، مشرقی افریقہ، فجی، برما اور سیام میں بھی ہمارے مرکز ہیں۔ بحصہ رسدی ہر جگہ یہ لٹریچر پہنچنا چاہئے۔ ایشائی ممالک میں سے خود پاکستان کے مسلمان ہیں اور پھر ہندوستان کے مسلمان جن پر سب سے زیادہ ہماری توجہ بکار ہے۔ اس کے علاوہ عرب ممالک بھی ہیں۔ جہاں کے مسلمانوں کی حالت اخلاقی نقطہ نگاہ سے شاید پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی زیادہ خراب ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ یہ معاملہ آخری فیصلہ کے لئے انجمن میں پیش ہو، جن احباب کے ذہن میں کوئی خاص تجاویز ہوں، وہ مجھے ان سے مطلع فرمائیں تاکہ سب تجاویز پر غور کر کے پروگرام بنایا جائے۔

5- ایک لاکھ روپیہ کی رقم کو پورا کرنے کے لئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ جن احباب کی ماہوار آمدنی دوسو سے کم ہے وہ جس قدر چاہیں دیں، دوسو سے پانچ سو تک ماہوار آمدنی والے پانچ یوم کی

آمدنی اور پانچ سو سے ایک ہزار روپے تک دس یوم کی آمدنی اور اس سے اوپر آمدنی والے احباب پندرہ یوم کی آمدنی اس فنڈ میں دیں۔ اگر یہ رقم پچاس ہزار سے بڑھ گئی تو اسی قدر زیادہ کام ہو سکے گا۔

6- غالباً قیمتی لٹریچر زیادہ تو لائبریریوں کے ذریعہ سے پھیلانا مفید ہوگا۔ اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اہم ممالک کی بڑی بڑی لائبریریوں کی فہرستیں ہمارے پاس موجود ہوں۔ جن میں سے ہم انتخاب کر سکیں۔ اس بارے میں جو دوست اس قسم کی فہرستیں بھجوا سکیں وہ عنداللہ ماجور ہوں گے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

☆

26 جنوری 1949ء

نماز انسانی ترقیات کا سر چشمہ ہے

حضرت امیر ایدّہ اللہ کا لیکچر جو 25 دسمبر 1948ء کو بر موقع جلسہ سالانہ پڑھا گیا

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولینا نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالۡاَبۡتَرُ (3-1:108)

اور فرمایا کہ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورۃ کا نام کوثر ہے۔ جس کے معنی ہیں خیر کثیر، بہت بڑی بھلائی یا بڑی سے بڑی بھلائی۔ اس چھوٹی سی سورۃ میں یہ بتایا ہے کہ انسان خیر کثیر کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی سورۃ میں بڑی سے بڑی بھلائی کا ذکر اور اس کے حصول کا طریق بتا دینا قرآن کریم کے کمالات میں سے ہے۔ اس سورۃ میں صرف تین آیات ہیں۔ پہلی اور آخری آیت ایک ایک مختصر جملہ پر مشتمل ہیں۔ اور درمیانی آیت دو مختصر جملوں پر۔ پہلی آیت میں فرمایا ہے اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ کہ اے پیغمبر ہم نے تجھے بہت بڑی بھلائی عطا فرمائی ہے اور آخری آیت میں فرمایا ہے اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ جو تیرا دشمن ہے جو تجھے مٹانا چاہتا ہے وہ خود مٹ جائے گا اور خیر سے اسے محروم کر دیا جائے گا۔ درمیانی آیت میں دو مختصر جملوں میں دو حکم ہیں فَصَلِّ لِرَبِّکَ، اپنے ربّ کے لئے نماز پڑھ۔ وَانۡحَرۡ اور قربانی کر۔ یہ گویا اس خیر کثیر کو حاصل کرنے کے دو ذریعے بتا دیئے۔

مذہب کی غرض اور اس کے حصول کا طریق: اس مختصر سورۃ اور ان مختصر الفاظ کے اندر مذہب کی اصل غرض اور اس غرض کے حصول کا طریق دونوں بتا دیئے ہیں۔ مذہب کی غرض تو اس نے یہ بتائی کہ وہ خیر کثیر کو دنیا میں لاتا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نہ صرف اہل لغت نے بلکہ ابتدائی زمانہ کے مفسرین قرآن نے بھی کَوۡثَرۡ کے معنی خیر کثیر کئے ہیں۔ سعید بن جبیرؒ سے کوثر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو ہر قسم کے خیر سے کثرت عطا فرمائی۔ کسی نے کہا کہ وہ جنت میں ایک نہر ہے تو آپ نے فرمایا نہر بھی، اس کے سوا بھی۔ اس خیر کثیر میں فی الحقیقت دینی اور دنیوی دونوں قسم کی بھلائیاں جمع ہیں۔ اور لسان العرب میں کَوۡثَرۡ کے معنی ہیں کہ خیر سے وہ کچھ آپ کو دیا گیا جو شمار میں نہیں آ سکتا۔ اور یہ ایک امر واقع ہے کہ جس قدر خیر آنحضرت صلعم کے ذریعہ دنیا میں پھیلی اور کسی نبی کے ذریعہ سے

نہیں پھیلی۔

ہر مسلمان خیر کثیر حاصل کر سکتا ہے: بظاہر یہاں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس خطاب میں آپ کا ہر ایک پیرو بھی شامل ہے۔ اور قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی واحد خطاب ہے اس سے مراد صرف رسول اللہ صلعم نہیں ہوتے بلکہ آپ کا ہر ایک پیرو بھی مراد ہوتا ہے۔ اس بات کی وضاحت، کہ یہاں آپ کا ہر ایک پیرو مراد ہے، اس سے بھی ہوتی ہے کہ جو حکم یہاں دیا گیا ہے یعنی نماز پڑھنا اور قربانی کرنا وہ صرف نبی کریم صلعم کے لئے نہیں وہ آپؐ کے ہر ایک پیرو کے لئے ہے۔ گویا ان الفاظ کا منشاء یہ ہے کہ اے انسان! ہم نے تجھے اپنی وحی کے ذریعہ سے خیر کثیر دے دی ہے اور اس کے حاصل کرنے کے دو طریق ہیں۔ ایک نماز اور دوسرا قربانی۔ یعنی نماز اور قربانی سے ہی انسان کو وہ مقام بلند حاصل ہوتا ہے جو کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کے لئے ہر قسم کی ترقیات کے راستے کھولتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی نعمتیں اسی طرح ملتی ہیں کہ وہ ان کے حصول کے ذریعوں کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔ کَوْثَرْ کے دروازے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے ہیں اور اس میں داخل ہونے کے یا اس کے حاصل کرنے کے دو دروازے ہیں۔ ایک نماز اور ایک قربانی۔

نماز کس طرح ترقیات انسانی کا سرچشمہ ہے: آج ایک لمبے تجربہ کے بعد دنیا نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ قربانی کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اور جس قدر کسی قوم کے افراد میں زیادہ قربانی کا جذبہ پایا جاتا ہے اسی قدر زیادہ وہ ترقی بھی کرتی ہے۔ لیکن خدا کے کلام میں نماز کو قربانی پر مقدم کیا گیا ہے اور اسی کے ذکر سے ابتداء کی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خیر کثیر یا ترقیات کو حاصل کرنے کے لئے قربانی سے بھی پہلے صلوٰۃ کی ضرورت ہے۔ نماز کس طرح انسان کی ترقیات کا موجب ہے اور قربانی سے پہلے کیوں اس کی ضرورت ہے۔ یہ وہ امر ہے جس کو دنیا تو نہیں جانتی مگر آج مسلمان بھی بھول چکے ہیں۔ اور اسی پر میں اس وقت کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ میں اس بات کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ خیر کثیر یا ترقی کا بلند مقام، جس کی طرف نماز لے جاتی ہے، اس کی ابتداء اس دنیا کی زندگی سے ہوتی ہے۔

قربانی ایک فعل ہے اور بظاہر کسی بھلائی یا ترقی کا حاصل کرنا انسان کے کسی فعل پر موقوف

ہے۔یعنی وہ کچھ کرے گا تو اس کے نتیجہ میں کچھ پائے گا۔اور یہ وہ اصول ہے جس کو خود قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (39:53) دوسری طرف یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ انسان کے تمام افعال اس کے کسی خیال یا کسی خواہش کا نتیجہ ہوتے ہیں۔خواہ وہ افعال اچھے ہوں یا بُرے۔اور اگر غور کیا جائے تو بغیر کسی خواہش کے انسان سے کوئی فعل سرزد نہیں ہوتا۔ ہر فعل کی محرک انسان کی کوئی نہ کوئی خواہش ہوتی ہے۔بُرے افعال کی محرک بُری خواہشات ہوتی ہیں۔اچھے افعال کی محرک اچھی خواہشات ہوتی ہیں۔ایک شخص ایک راہ چلتے انسان کو تنہا پا کر قتل کر دیتا ہے۔اس کی محرک اس کی کوئی ذلیل خواہش ہوتی ہے۔ایک اور انسان اپنے بھائی کو کسی دُکھ یا تکلیف میں مبتلا دیکھتا ہے تو اس کے دل میں یہ بلند خواہش پیدا ہوتی ہے کہ خود دکھ اُٹھا کر بھی اس کی تکلیف کے دور کرنے میں مدد دے۔تو فی الحقیقت انسان جو بھی فعل کرتا ہے وہ کسی خواہش کا نتیجہ ہوتا ہے۔اور اپنے افعال میں وہ اپنی خواہشات کا غلام ہوتا ہے،اور انہی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے۔جس انسان کے دل میں پست اور بُری خواہشات پیدا ہوں وہ بُرے افعال کا مرتکب ہوتا ہے اور جس انسان کے دل میں اچھی اور بلند خواہشات پیدا ہوں وہ اچھے افعال کا مرتکب ہوتا ہے۔

نماز کی اہمیت برائے قرآن وحدیث: پس انسان کی تمام ترقیوں کی جڑ یہ ہے کہ اس کی بُری اور پست خواہشات دب جائیں اور اس کے اندر اچھی اور بلند خواہشات پیدا ہوں۔اور نماز اس کے لئے انسان کو تیار کرتی ہے اس سے پیشتر کہ میں یہ بیان کروں کہ یہ غرض نماز سے کس طرح حاصل ہوتی ہے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم نے اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ وَلَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ (45:29) نماز قائم کر۔کیونکہ نماز بری باتوں سے بچاتی ہے۔اللہ کا ذکر کر۔یعنی نماز۔اس سے بھی بلند مقام فی الحقیقت یہی ہے کہ انسان کی خواہشات میں بلندی پیدا ہوتی ہے۔جس سے وہ ترقی کے بلند مقامات کو پہنچ جاتا ہے۔اسی لئے نماز کو انسان کی فلاح کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دیا ہے۔قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ ھُمۡ فِیۡ صَلَاتِھِمۡ خٰشِعُوۡنَ (2-1:23) مومن ترقی کے بلند ترین مقامات پر پہنچ گئے وہ جو اپنی نماز میں عاجزی اختیار کرتے ہیں۔

حدیث میں نماز کو نہ صرف اس نہر کی طرح قرار دیا گیا، جس میں انسان ہر قسم کی میل کچیل سے صاف ہو جاتا ہے، بلکہ اس کو مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ بھی کہا ہے۔یعنی مومنوں کو بلند سے بلند مقامات پر پہنچانے کا ذریعہ ہے۔اور نماز کے حکم کا تعلق بھی خود نبی کریم کے معراج سے ہے۔یعنی معراج میں ہی آپ کو نماز کا حکم دیا گیا۔

نماز انفرادی اور اجتماعی ترقی کے علاوہ ایک تیسری ترقی کا راستہ بھی کھولتی ہے: انسان کی ترقی کا دو رنگ میں ہونا ایک امر مسلم ہے۔ ایک اس کی انفرادی ترقی ہے۔ یعنی ایک فرد واحد ہونے کی حیثیت سے کمال کو حاصل کرنا۔ اور دوسری اس کی اجتماعی ترقی۔ یعنی ایک جماعت یا قوم ہونے کی حیثیت سے ترقی۔ انسان اس دنیا میں تنہاء زندگی بسر نہیں کرسکتا بلکہ اسے لازماً دوسروں کے ساتھ مل کر رہنا ہوتا ہے۔اس لئے اجتماعی ترقی کے بغیر انفرادی ترقی کوئی قابل قدر چیز نہیں۔اور ترقی یافتہ افراد کے بغیر جماعت کی ترقی کہلانے کی مستحق نہیں۔ جماعت کل کا حکم رکھتی ہے اور افراد اس کے اجزا ہیں۔ یا جماعت ایک زنجیر کا حکم رکھتی ہے تو افراد اس کی کڑیاں ہیں۔اگر زنجیر کی کڑیاں کمزور ہیں تو زنجیر کمزور ہوگی اور اگر کڑیاں مضبوط ہیں مگر ان کا باہم ارتباط مضبوط نہیں۔ایک کڑی دوسری کڑی کے ساتھ ملی ہوئی نہیں یا ان کا جوڑ کمزور ہے تو بھی زنجیر نکمی ہوگی۔خواہ کڑیاں الگ الگ کیسی ہی مضبوط کیوں نہ ہوں۔ اس لئے آج یہ امر تمام دنیا کو مسلم ہے کہ انسان کی ترقی مکمل نہیں جب تک وہ دونوں رنگوں میں ترقی نہیں کرتا۔نماز نہ صرف ان دونوں قسم کی ترقی کے لئے راستہ کھولتی ہے بلکہ وہ ایک تیسرے رنگ کی ترقی کا راستہ بھی کھولتی ہے۔ جسے میں آگے چل کر بیان کروں گا۔اور یہ تینوں قسم کی ترقی بُری اور پست خواہشات کو دبانے اور اچھی اور بلند خواہشات کو پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

نماز پست خواہشات کو دبانے اور بلند خواہشات کو پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے: اس میں شبہ نہیں کہ پست اور بُری خواہشات کو دبانے اور اچھی اور بلند خواہشات انسان میں پیدا کرنے کے اور ذرائع بھی ہیں۔اچھی تربیت سے، اچھی تعلیم سے، اچھے ماحول سے بھی ایک حد تک یہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں مگر ادھورے طور پر۔نماز وہ ذریعہ ہے جس سے یہ چیزیں اپنے کمال میں حاصل ہوتی ہیں۔اس لئے کہ نماز میں انسان کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی ہستی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔اس وقت انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے خدا

کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کے اور اس کے خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔ اور اللہ کی حضوری کا پورا احساس انسان کے قلب پر ہو تو اس کی اپنی فطرت اس وقت اپنے اصلی رنگ میں برہنہ ہو کر اس کے سامنے آ جاتی ہے۔ اور وہ تمام پردے دور ہو جاتے ہیں جو اس کی اپنی فطرت کے نور کو دبائے ہوئے ہوتے ہیں۔ فطرت انسانی اور اس کے خالق کا باہم ایک زبردست تعلق ہے جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (9:32) یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک کمال کی حالت پر پہنچایا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ اس لئے فطرت انسانی کا نور اپنے کمال میں اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی ہستی کا احساس اس کے قلب پر ہو۔ بغیر اس احساس کے فطرت کے نور میں چمک پیدا نہیں ہوتی۔ اور جس قدر یہ احساس زیادہ ہوگا اسی قدر فطرت انسانی کا نور زیادہ روشن ہوگا۔ اور نماز میں یہ احساس اپنے کمال میں پیدا کرنے کے سارے طریق جمع کر دیئے گئے ہیں۔ نہ صرف زبان سے انسان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتا ہے اور اس کی بڑائی کے گیت گاتا ہے بلکہ جسم کی مختلف ہیئتیں بھی ان اذکار کے مطابق اختیار کرتا ہے۔ اور قَالَ کے ساتھ حال مل کر قلب پر ایک خاص اثر پیدا کرتے ہیں۔

نماز میں سب سے بڑا ذکر: نماز میں وہ ذکر جو سب سے زیادہ دوہرایا جاتا ہے وہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ہے یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ اسی سے نماز شروع ہوتی ہے۔ گویا انسان خدا کے دربار میں داخل ہوتے وقت یہ اقرار کرتا ہے کہ تمام بڑائیاں خدا کے سامنے ہیچ ہیں۔ اگر کسی بڑے آدمی یا امیر یا بادشاہ کے سامنے جانے سے اس کی بڑائی کا احساس انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور یقیناً ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ، جو ان سب سے بڑا ہے، اس کے سامنے جانے سے یقیناً اس کی عظمت کا احساس انسان کے دل پر پیدا ہوگا۔ پھر جب انسان نماز کے اندر ایک ہیئت کو بدل کر دوسری ہیئت اختیار کرتا ہے، کبھی جھکتا ہے اور کبھی انتہائی تذلل کے طور پر اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتا ہے، تو ہر مرتبہ یہی آواز اللہ اکبر کی اس کے منہ سے نکلتی ہے اور خدا کی عظمت کا احساس بلند سے بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

نماز سے عظمت الٰہی کا احساس پیدا ہوتا ہے: پہلی دفعہ اللہ اکبر کہنے کے بعد جب انسان دست بستہ کھڑا ہو کر ایک مؤدبانہ حیثیت اختیار کرتا ہے تو پھر اس ذکر سے نماز کو شروع کرتا ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ

وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُکَ ۔اے اللہ تو ہر عیب سے ہر نقص سے پاک ہے اور تجھ میں وہ صفات پائی جاتی ہیں جن سے تو ہی حمد کا مستحق ہے اور تیرا نام بابرکت ہے۔ تجھ سے ہی سب برکتیں دنیا میں پیدا ہوتی ہیں اور تیری بڑائی بہت بلند ہے۔ اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔قلب انسانی کو خدا تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ جس چیز کی عظمت کا اثر اس پر پیدا ہو جائے اس کے خلاف اس میں خیالات ہی پیدا نہیں ہوتے۔جن لوگوں کے دلوں پر اپنے پیر کی عظمت کا اثر ہوتا ہے وہ پیر کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ بعض وقت خدا کے حکم کے خلاف کرلیں گے مگر پیر کے حکم کے خلاف نہیں کریں گے۔جن پر کسی حاکم کی عظمت کا کوئی اثر ہوتا ہے وہ حاکم کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔ اسلام نے عبادت کا وہ طریق سکھایا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اثر دل پر ہو۔ ظاہری ہیئت کے لحاظ سے بھی کہ کبھی دست بستہ کھڑا ہوتا ہے۔کبھی جھکتا ہے کبھی سجدہ میں گر جاتا ہے، کبھی مؤدب ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔اذکار بھی ایسے رکھے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اثر دل پر ہو۔ پھر نماز کو دن رات میں پانچ اوقات پر تقسیم کرکے اس احساس عظمت الٰہی کو بار بار انسان کے قلب پر وارد کرتا ہے۔انسان کسی کام میں لگ جاتا ہے۔اس کو اس شغل سے ہٹا کر ذکر الٰہی کی طرف لانے میں یہ حکمت ہے کہ تا جب اس اثر کو لے کر پھر کام کی طرف لوٹے تو اس کے دل پر اس وقت بھی عظمت الٰہی کا احساس ہو۔

انفرادی ترقی اجتماعی ترقی پر مقدّم ہے: اب میں اصل مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ نماز انفرادی ترقی اور اجتماعی ترقی دونوں کے لئے راستے کھولتی ہے۔مگر نماز میں انفرادی ترقی کو اجتماعی ترقی پر مقدم کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس قلب پر وارد کرنے کے بعد نماز کی ابتداء اس امر سے کی ہے کہ انسان کی انفرادی ترقی شروع کہاں سے ہوتی ہے۔اور نماز کو ختم اس بات پر کیا ہے کہ انفرادی ترقی کا کمال کیا ہے۔اور نماز کے عین درمیان میں جب انسان رکوع اور سجدے میں انتہائی تذلل کی صورت اختیار کرتا ہے تو اس حالت میں بھی انفرادی عظمت اور علو کے حصول کا راستہ ہی بتایا ہے انفرادی ترقی کو اس قدر اہمیت دینا کئی وجوہ سے ہے۔اول انسان کی پیدائش کی اصل غرض اس کے انفرادی کمال سے ہی حاصل ہوتی ہے۔وہ غرض لقاء اللہ ہے۔اور اللہ سے ملنے کا تعلق صرف انسان کی

اپنی ذات سے ہے۔ اللہ کو ملنے یا اللہ کو پانے کے لئے اجتماع کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں نیک اعمال کا فائدہ سب سے پہلے انسان کے اپنے نفس کو پہنچتا ہے۔ اور بد اعمال کی سزا بھی سب سے پہلے اس کے اپنے نفس کو پہنچتی ہے۔ جو انسان خود کوشش نہیں کرتا وہ کسی دوسرے کے سہارے سے کسی بلند مقام پر نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے قیامت کے دن کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ اس وقت نہ بیوی کام آئے گی نہ ماں نہ باپ نہ اولاد نہ دولت، انسان کی پہلی ذمہ داری عنداللہ اس کی ذاتی ذمہ داری ہے۔

اصلاح کا دارومدار انفرادی ترقی پر ہے: دوسرے بغیر انفرادی ترقی کے اجتماعی ترقی اول تو ناممکن ہے اور اگر اجتماع کا رنگ پیدا بھی کیا جائے گا تو وہ قائم نہیں رہ سکتا۔ جب کسی قوم یا جماعت کے افراد کمزور ہوں۔ تو جماعت خود کمزور ہوگی۔ جب اس کے افراد طاقتور ہوں تو جماعت طاقتور ہوگی۔ اگر انفرادی رنگ میں ایک جماعت کے افراد کے اندر نیکی نہیں تو وہ جماعت یا قوم بھی دنیا کی بھلائی کا نہیں بلکہ اس کی بربادی کا موجب بن جاتی ہے۔ سیاسی رنگ میں قوم کی ترقی میں یہی نقص ہے کہ اس میں افراد کی بہتری بالکل نظر انداز ہو جاتی ہے اس لئے جن قوموں نے صرف سیاسی رنگ میں ترقی کو مدنظر رکھا ہے وہ یورپ یا امریکہ کی رہنے والی ہوں یا ہندوستان اور ایشیا کی رہنے والی، بالآخر وہ دنیا کے لئے ہی نہیں خود اپنے لئے بھی تباہی اور بربادی کا موجب ہوتی ہیں۔ اسلام نے پہلے انسان کی اپنے نفس کی اصلاح پر زور دیا ہے۔ اس لئے کہ جب تک قوم کے افراد کی اصلاح نہیں ہوگی، قوم کی قوت اور طاقت بھی بھلائی کا نہیں فساد کا موجب ہوگی۔ اس وقت دنیا کے مسلمانوں کا اندھا دھند دوسری قوموں کی تقلید کرنا اور اپنا سارا زور سیاسی قوت پر خرچ کر دینا ان کو اسی گڑھے کی طرف لے جا رہا ہے جہاں دوسری قومیں گر رہی ہیں۔

قسط دوم: مطبوعہ دراشاعت 2 فروری 1949ء

انفرادی ترقی کا پہلا قدم اور دعا کی حقیقت: نماز کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کے بعد اور اس کی حمد و ثنا کے بعد اس بات سے ہوتی ہے کہ انسان کی انفرادی ترقی کا پہلا قدم کیا ہے اس لئے سورۃ الفاتحہ سے پہلے جو دعائیں احادیث نبویؐ میں آتی ہیں اُن سب میں انسان کی طرف سے اپنی کمزوریوں کا اعتراف اور اپنی کمزوریوں سے بلند تر ہو جانے کی دعا ہے۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نماز اصل

میں ساری کی ساری ایک دعا ہے۔اور قبل اس کے کہ میں اس خاص دعا کا۔ جو غفر ذنوب سے تعلق رکھتی ہے، ذکر کروں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ دعا اصل میں بعض الفاظ دوہرانے کا نام نہیں بلکہ وہ دل کے اندر ایک تڑپ پیدا ہونے کا نام ہے۔ وہ ایک خواہش ہے جو دل سے اُٹھتی ہے اور لفظ جو زبان سے ادا ہوتے ہیں صرف اس تڑپ کو باہر لانے کا ذریعہ ہیں۔اور یہ ذریعہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ اس سے اس تڑپ میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ خدا غیب کا جاننے والا ہے۔ وہ دلوں کے پوشیدہ حالات کو بھی جانتا ہے جو کسی انسان کے دل کے اندر موجود ہے۔تو سوال ہوتا ہے کہ پھر دعا کی کیا ضرورت ہے۔انسان کے دل میں ایک تڑپ موجود ہے۔اور خدا اسے جانتا ہے۔اصل یہ ہے کہ دعا کی اس لئے ضرورت نہیں کہ خدا کو ہماری تڑپ کا علم ہو جائے بلکہ اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ انسان کی تڑپ میں قوت پیدا ہو۔انسان کے اندر جتنی قوتیں رکھی گئیں ہیں ان کو اگر جوارح کے ذریعہ سے استعمال میں نہ لایا جائے تو وہ قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔اور جس قدر ان کو جوارح کے ذریعہ سے استعمال میں لایا جاتا ہے اسی قدر وہ قوتیں ترقی کرتی ہیں۔ظاہری قوتوں اور انسان کے دل کی قوت یا دل کی تڑپ کی ایک ہی حالت ہے۔پس انسان کے دل کے اندر جو تڑپ ہے جب وہ اسے زبان کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے تو خود اس کی اپنی تڑپ کے اندر ایک قوت پیدا ہوتی ہے۔اگر ہم اپنی تڑپ لوگوں کے سامنے ظاہر کریں تو ہوسکتا ہے کہ اس میں نمود کا رنگ آ جائے اور نمود کا رنگ آنے سے وہ تڑپ کمزور ہو جائے۔لیکن جب ہم اس کو تنہائی میں اپنے مالک حقیقی کے سامنے ظاہر کرتے ہیں تو اس وقت فطرت کا نور چمک اُٹھتا ہے اور ہماری فطری تڑپ میں ایک روشنی اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تو ہمارے اندر ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے۔لیکن اس کے علاوہ ایک قوت ہمیں خارج سے بھی ملتی ہے اور وہ خدا کی طاقت ہے جو انسان کے قلب پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ کیونکہ دعا صرف دل کی تڑپ اور آرزو کا نام نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی ہم اپنے مالک حقیقی سے مدد مانگتے ہیں یہ شاید وہ چیز ہے جسے دنیا کے اکثر لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں۔مگر یہ ایک بلند حقیقت ہے کہ خدا بھی انسان کی مدد کرتا ہے جب وہ اس سے مدد مانگتا ہے اور یہ بلند حقیقت ان تمام لوگوں کی زندگیوں میں واضح نظر آتی ہے جن کو دنیا کا بڑا حصہ اپنا ہادی اور رہبر مانتا ہے۔

نماز کی ابتداء: نماز میں سب سے پہلے ایک دعا سکھائی جس کے تمہیدی کلمات ہیں اَللّٰهُمَّ اَنْتَ

اَلْمُلْکُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ ۔اے اللہ تو ہی حقیقی بادشاہ ہے۔ تیرے سوائے کوئی معبود نہیں۔ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے تصرف تام کا ذکر ہے جو اسے مخلوق پر حاصل ہے۔ بادشاہ کا تصرف جسموں پر ہوتا ہے، اور وہ بادشاہ بھی ہے مگر اس سے بڑھ کر وہ الٰہ یعنی معبود بھی ہے اور دلوں پر بھی اس کا تصرف ہے۔

اس کے بعد بندہ اور خدا تعالیٰ کا ذکر کیا اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُکَ تو میری ربوبیت فرمانے والا ہے اور میں تیرا غلام ہوں۔اس تعلق میں یہ بتایا ہے کہ جب بندہ اپنے آپ کو خدا کا غلام سمجھتا ہے (اور غلام کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کے نام کو دنیا میں بلند کرے اور جو کچھ اس کا مال ہے اسے آقا کا مال سمجھے) تو اللہ اس بندے کی ربوبیت کمال کو پہنچاتا ہے۔اس کے بعد دعا کے الفاظ یہ ہیں ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا فَاِنَّہٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔میں نے اپنی جان پر ظلم کیا یعنی جو میرے نفس کا حق تھا وہ مجھ سے ادا نہیں ہوسکا اور اپنی کوتاہی کا اقرار کرتا ہوں۔ سارے قصوروں اور ساری کوتاہیوں سے میری حفاظت فرما۔ تیرے سوائے گناہوں سے حفاظت کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ گویا اصلی دعا ہے۔ یہ وہ تڑپ ہے جو نماز کی ابتداء میں انسان کے دل میں پیدا کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں اور گناہوں کا اعتراف کرے اور اُن سے اوپر اُٹھنے کی کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے کہ وہ اس کے گناہوں اور کوتاہیوں سے باہر نکلنے میں مدد فرمائے۔

اسی قسم کی ایک اور دعا بھی استفتاحیہ دعاؤں میں ہے۔اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقِّیْ الثَّوْبُ الْاَبْیَضَ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ۔اے اللہ تو میرے اور ان خطاؤں کے درمیان جو مجھ سے سرزد ہوسکتی ہیں اتنی دوری ڈال دے جتنی مشرق اور مغرب میں ہے۔اے اللہ مجھے خطاؤں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے پاک ہوتا ہے۔اے اللہ میری خطاؤں کو پانی اور برف اور اولوں سے دھو دے۔

نماز میں سب سے پہلی تڑپ یہ ہے کہ انسان سے گناہ سرزد نہ ہو: تو نماز میں پہلی تڑپ انسان کے اندر یہ پیدا کرنا مقصود ہے کہ اس سے گناہ اور خطا سرزد نہ ہو۔ اس کے نفس اور خطاؤں کے درمیان مشرق

ومغرب کا بُعد ہو۔ اس کا نفس خطاؤں سے ایسا پاک ہو جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے صاف ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی خطا اس سے سرزد ہوگئی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے دھودے جس طرح پانی سے ایک چیز دھوئی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ برف اور اولوں کا ذکر اس لئے کیا کہ اللہ تعالیٰ ایسے رنگ میں اسے معافی عطا فرمائے جو اس کے لئے ٹھنڈک اور راحت کا موجب ہو۔ اور اس جلن اور سوزش سے، جو گناہ کا لازمی نتیجہ ہے، اسے محفوظ رکھے۔

نفس انسانی کی ترقی میں یہ پہلا مرتبہ ہے کہ وہ گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہو۔ جس طرح اچھی فصل اسی زمین میں ہوسکتی ہے جو ہر قسم کی جھاڑیوں وغیرہ سے صاف ہو۔ اسی طرح نفس انسانی جب تک گناہوں سے پاک نہیں ہوتا اس کے لئے ترقی کے راستے نہیں کھل سکتے۔ اس لئے نماز میں پہلی تڑپ انسان کے دل میں یہ پیدا کی گئی ہے۔ قرآن کریم نے اس امر کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (9:91) جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ فلاح اور کامیابی کے راستے پر چل پڑا۔ جب انسان یہ دعا کرتا ہے تو یہ تڑپ اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے کہ وہ ظلم وفساد سے، فسق وفجور سے، ہر قسم کی ناپاکیوں اور ہر قسم کی ذلیل خواہشات سے بلند تر رہے۔ تو وہ نہ صرف اس مقصد کے حصول کے لئے کوئی کوشش کرتا ہے، اور اپنے آپ کو ہر ایک گناہ سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے، شیطان کے ساتھ ایک جہاد کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد فرماتا ہے۔ کیونکہ وہ اس آرزو کو لے کر خدا کے حضور حاضر ہوتا ہے۔

رکوع اور سجدہ عظمت اور علو کو حاصل کرنے کے ذرائع ہیں: اس ابتدائی مرحلہ کے بعد، کہ نفس کے تمام گناہوں سے پاک کیا جانے کی تڑپ دل کے اندر پیدا ہو جو ترقی کی بنیاد ہے، انفرادی ترقی کا اصل مرحلہ وہ ہے جس میں انسان کے قلب کے اندر عظمت اور علو یعنی بڑائی اور بلندی کے مقامات پر پہنچنے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کا تعلق رکوع اور سجدہ سے ہے۔ رکوع میں انسان خدا کے سامنے جھکتا اور سجدہ میں انتہائی تذلل اختیار کرتا ہوا زمین پر گر جاتا ہے۔ اور اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتا ہے جس سے بڑھ کر تذلل کی کوئی ظاہری ہیئت نہیں۔ رکوع کی حالت میں، جس ذکر کو بار بار دوہرایا جاتا ہے، وہ ہے **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ** میرا پالنے والا جو عظمت کا مالک ہے ہر عیب سے پاک ہے۔ اور سجدہ میں جو ذکر

بار بار دوہرایا جاتا ہے وہ ہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی میرا پالنے والا جو بہت بلند ہے ہر عیب سے پاک ہے۔

بظاہر یہاں کوئی دعا نہیں بلکہ صرف اپنے رب کی عظمت (بڑائی) اور علو (بلندی) کا اقرار ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا اور اس کے بندے کا تعلق ایسا ہے کہ جب بندہ اس کی عظمت اور علو کا نہ صرف زبان سے بلکہ اپنی جسمانی ہیئت سے بھی اقرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا پرتو اس کے قلب پر بھی پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات غیر محدود ہیں مگر محدود قلب انسانی میں ان کا ایک محدود عکس آ جاتا ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ انسان کا قلب ان کے حصول کے لئے مستعد ہو اور اسی استعداد کو پیدا کرنے کے لئے انسان ایک طرف زبان سے اس کی عظمت اور علو کا اقرار کرتا ہے اور دوسری طرف اس عظمت اور علو کے سامنے اپنے آپ کو جھکاتا اور گراتا بھی ہے پھر جس قدر زیادہ گہری یہ آواز انسان کے دل سے نکلتی ہے اسی قدر زیادہ گہرا وہ نقش ہوتا ہے جو اپنے ملک سے وہ لیتا ہے۔

یہ محض فلسفیانہ بحث نہیں، بلکہ انسان کے تجربہ کی بات ہے کہ جتنا زیادہ کوئی خدا کے آگے جھکا ہے اتنا ہی بڑا عظمت کا مقام اس نے حاصل کیا ہے۔ جس طرح ایک گیند، جس قدر زیادہ زور سے زمین پر گرتا ہے اسی قدر زیادہ وہ اُوپر کو اُٹھتا ہے۔ یہی حالت قلب انسانی سے نکلی ہوئی آواز کی ہے جس قدر زیادہ دل کی گہرائی سے وہ نکلے گی اسی قدر بلند ہو کر اللہ تعالیٰ کے انوار کا عکس حاصل کرے گی۔

مگر اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس عظمت اور علو کے ذکر میں لفظ رَبِّیْ (میرا پالنے والا) بڑھا کر حسن سوال کا ایک رنگ بھی پیدا کر دیا ہے۔ جب انسان یہ کہتا ہوا جھکتا ہے کہ میرا پالنے والا بہت بڑا ہے تو وہ ایک طرف خدا کی عظمت کے سامنے جھکتا ہے مگر دوسری طرف یہ کہہ کر، کہ وہ خدا جو اس عظمت کا مالک ہے، وہی میری ربوبیت فرما رہا ہے، وہی مجھے بھی تدریجاً ترقی دیتا ہوا مجھے کمال کے حصول کی طرف لے جا رہا ہے، درحقیقت عاجزانہ رنگ میں اپنی ہیئت کذائی سے قال سے نہیں بلکہ حال سے یہ مانگتا ہے کہ اے میرے خدا! جو سب عظمت کا مالک ہے، مجھے بھی کمزوری اور بیکسی کی حالت سے نکال کر بڑائی کے مقام پر پہنچا۔ مجھے بھی پستی سے اُٹھا کر بلندی پر پہنچا۔ میرے رب! جب تو میرا پالنے والا عظمت کا مالک ہے تو میں جو تیرا مربوب ہوں، جسے تو ہی پالتا ہے، کس طرح بے کسی کی حالت میں رہ سکتا ہوں! جب تو میرا پالنے والا اس قدر بلند ہے تو میں تیرا مربوب کس طرح پستی کی حالت میں رہ سکتا

ہوں۔اے میرے پالنے والے تو اپنی ربوبیت سے اپنی عظمت اور علو کا پرتو مجھ پر بھی ڈال۔مگر اس کا یہ سوال قال سے نہیں بلکہ حال سے ہے۔اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنا بڑا پالنے والا ہوگا، اتنی ہی اچھی اس کی بنائی ہوئی چیز ہوگی۔ایک اعلیٰ درجہ کے کارخانہ سے اعلیٰ درجہ کی چیزیں نکلتی ہیں، تو ایک عظمت اور علو کے مالک خدا کی بنائی ہوئی چیز، جسے وہ ربّ ہونے کی حیثیت سے اس کے کمال تک بھی پہنچاتا ہے، اپنے محدود دائرہ میں کس طرح عظمت اور علو حاصل نہیں کرسکتی؟!

نماز غذاء روح ہے: جیسا کہ میں نے کہا یہ صرف ایک فلسفیانہ بحث نہیں بلکہ یہ سب باتیں انسانی تجربہ کی ہیں۔رسول اللہ صلعم نے جو تربیت اپنی قوم کی فرمائی اس میں نماز کو اہم ترین اہمیت حاصل تھی۔خواہ ہم قرآن کریم کو دیکھ لیں جس کی ابتداء ہی ایمان بالغیب کے بعد **یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ** (3:2) سے ہوتی ہے اور جس میں نماز کو روحانی رزق قرار دے کر فرمایا **رِزۡقُ رَبِّکَ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی** (131:20) یہ تیرے رب کا رزق بہت بھلائی کا موجب اور ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والا ہے۔اور جس میں خدا سے مدد طلب کرنے کا طریق **اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوۃِ** (153:2) قرار دیا۔یعنی صبر اور نماز کے ذریعہ سے خدا کی مدد مانگو۔جس میں پست اور ذلیل خواہشات کو دبانے کا ذریعہ نماز کو قرار دیا ہے۔**اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ** (45:29) جس میں دینی اور دنیوی کامیابی کو حاصل کرنے کا طریق نماز کو بتایا۔**قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ** (2-1:23) اور خواہ ہم آپ کے ساتھیوں کی تربیت گاہ کو دیکھ لیں جو مسجد کے سوا نہ تھی اور خواہ ان کے اشغال کو دیکھ لیں جن میں نہ صرف دن کے اوقات میں یہ نماز ان کے سارے اشغال پر چھا گئی بلکہ اُن کے راتوں کے آرام میں بھی یہ نماز ہی سب سے بڑھ کر ان کی راحت کا سامان نظر آتی ہے۔

نماز کے ذریعہ سے انسان کس عظمت اور علو کے مقام پر پہنچتا ہے: اللہ تعالیٰ نے صرف اس نماز کے ذریعہ سے ان کو ایسی عظمت اور علو کے مقام پر پہنچایا کہ دنیا کی تاریخ میں دوسری کوئی قوم اس عظمت اور علو کے مقام پر بیک وقت نہیں پہنچی۔یہ وہ امر ہے جو ساری دنیا کو مسلّم ہے۔حتیٰ کہ وہ یورپ جو ایک طرف پیغمبر خدا کی ایک بدترین تصور کھینچتا ہے، دوسری طرف اس بات کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ مذہبی رہنماؤں میں دنیا کی سب سے زیادہ کامیاب شخصیت محمد رسول اللہ صلعم کی ہے۔اور کہ جو انقلاب آپ نے پیدا کیا وہ

دنیا کا کوئی اور انسان پیدا نہیں کر سکا۔ نہ ان جسمانی فتوحات کی جو آپ کے ساتھیوں کو ملیں دنیا کی تاریخ کوئی نظیر پیش کر سکتی ہے اور نہ ان کی اخلاقی فتوحات کی کوئی دوسری نظیر ملتی ہے۔

عرب دنیا کی جاہل ترین اور پست ترین اور سب سے پسماندہ قوم تھے۔ مگر ایک تئیس سال کے عرصہ میں انہوں نے وہ عظمت کا مقام حاصل کر لیا کہ سو سال کے اندر اندر ساری دنیا پر چھا گئے۔ اور دینی اور اخلاقی رنگ میں بھی دنیا کی بلند ترین قوم بن گئے اور دنیا کے معلم بن گئے۔ یہ عظمت اور علو کا مقام انہیں نماز سے ہی ملا۔ اس کے سوائے ان کی اور کوئی تربیت نہیں ہوئی۔ ان کے لئے کالج اور سکول نہیں بنائے گئے۔ ان کی تربیت اگر ہوئی تو صرف **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ** اور **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی** سے ہوئی۔ اور ان کا ایک ایک فرد اس بڑائی اور بلندی کے مقام پر پہنچا جو اپنی دوسری نظیر نہیں رکھتا۔

عظمت اور علو میں فرق: رکوع اور سجدہ کی دعاؤں میں ایک فرق ہے۔ رکوع میں رب کی عظمت کا ذکر ہے۔ سجدہ میں اس کے علو کا۔ خدا کی عظمت کا ظہور انسانوں میں دنیوی بڑائی سے ہوتا ہے۔ اور اس کے علو کا ظہور انسانوں میں ان کی پست خواہشات سے بلند ہونے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ وہ عظمت کے مقام پر بھی پہنچے دنیا میں بہت بڑے بن گئے۔ دنیا کا مال انہیں بکثرت ملا اور دنیا کی حکومت بھی ملی۔ مگر نہ مال کی محبت نے ان کے دلوں میں جگہ لی نہ حکومت دربارشاہی نے ان کے دلوں میں تکبر پیدا کیا کہ دوسروں کے حقوق کو پامال کرتے یا ان کو برباد اور ویران کرتے۔ وہ مالدار ہوئے مگر مال کی محبت نے انہیں اندھا نہ کیا۔ وہ بادشاہ بنے مگر بادشاہ ہو کر مزدوروں کی طرح کام کرتے رہے۔ یہ دو باتیں بیک وقت ایک انسان میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں کہ وہ دنیا میں عظمت کے مقام پر بھی ہو اور پست اور ذلیل خواہشات سے اوپر بھی اُٹھا ہوا ہو!

عظمت اور علو بیک وقت مشکل سے جمع ہوتے ہیں۔ مگر یہ دونوں چیزیں پیغمبرؐ خدا کے ساتھیوں میں بیک وقت جمع ہوئیں۔ ادھر دنیوی رنگ میں قومیں ان کے سامنے گر جاتی تھیں اور ادھر ان کے اخلاق کے سامنے لوگ سرنگوں ہو جاتے تھے۔ اس طرح عظمت اور علو کو بیک وقت ان کے اندر جمع کیا گیا۔ کیونکہ ان کے دلوں سے بیک وقت **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ** کی آواز بھی نکلتی تھی اور **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی** کی بھی۔

پھر عظمت اور علو کے حصول کے لئے ایک فرق بھی رکھا ہے۔ رکوع نماز کی ہر رکعت میں ایک ہے مگر سجدے دو ہیں۔ ہر مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کی آواز انسان کے دل سے اُٹھی ہے۔ اس کے مقابل پر دو دفعہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کی آواز اُٹھتی ہے۔ اس میں بتا دیا کہ دنیوی عظمت دینی علو کے سامنے ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ عظمت کا حصول آسان ہے مگر علو کا حصول مشکل ہے۔ عظمت کے مقام پر دنیوی کوششوں سے بھی لوگ پہنچ جاتے ہیں مگر علو کا حصول بغیر خدا سے تعلق کے پیدا نہیں ہوتا۔ بڑائی وہی اچھی ہے جس کے ساتھ اس سے دو چند خواہش علو کے حاصل کرنے کی ہو۔

قسط سوم: مطبوعہ دراشاعت 9 فروری 1949ء

سجدوں کی درمیانی دعا ترقیات کی دعا ہے: پھر دونوں سجدوں کے درمیان ایک دعا رکھی ہے اَللّٰهُمَّ غْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ اے اللہ! تو میری حفاظت فرما اور مجھ پر اپنی رحمت کی بارش برسا۔ اور مجھے کامیابی کی منزل مقصود پر پہنچا اور مجھے عافیت عطا فرما اور مجھے وہ روزق عطا فرما جس سے میں منزل مقصود پر پہنچ جاؤں۔ اور یہ لفظ بھی اس دعا میں آتے ہیں وَاجْبُرْنِیْ وَارْفَعْنِیْ اے اللہ! تو میرے معاملہ کو درست فرما اور مجھے بلند کر دے (یعنی اپنا قرب عطا فرما)

یہ تمام دعائیں ترقی درجات کی دعائیں ہیں۔ اور آخر میں جو لفظ رفع آیا ہے وہ گویا بلند سے بلند مقام کو حاصل کرنے کی خواہش ہے جو انسان کو مل سکتا ہے۔ جو لوگ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رفع سے یہ غلطی کھاتے ہیں کہ انہیں گویا آسمان پر اُٹھا لیا گیا تھا وہ ان لفظوں پر غور کریں۔ رفع تو انتہائی تڑپ ہر مسلمان کے دل کی ہے۔ نہ علو بلحاظ جسم ہے کہ وہ کوئی بہت اونچی جگہ ہے اور نہ رفع بلحاظ جسم ہے کہ کسی کو جسمانی طور پر زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا جائے۔ علو اور رفع دونوں روحانی ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ نماز کو شروع بھی انسان کی انفرادی ترقی کی تڑپ سے کیا ہے۔ اور اسے ختم بھی انسان کی انفرادی ترقی کی تڑپ پر کیا ہے۔ جس میں ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انسان کی انفرادی ترقی ہی سب ترقیوں کا مبداء اور منتہاء ہے۔

نماز کی آخری دعا: نماز کی آخری دعا یہ ہے رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ اے میرے پالنے والے! میری

وہ ربوبیت فرما کہ میں نماز کو قائم رکھوں اور اے ہمارے رب! میری نسل سے وہ لوگ پیدا کر جو نماز کو قائم رکھنے والے ہوں اور میری دعا کو قبول فرما۔ اے ہمارے رب! میری حفاظت فرما اور میرے ماں باپ کی حفاظت فرما اور سب مومنوں کی حفاظت فرما جس دن حساب قائم ہو۔

اس دعا میں سکھایا ہے کہ نماز کو جب انسان ختم کرے تو اس کے دل میں تڑپ ہو کہ وہ نماز کو قائم رکھنے والا ہو۔ اس وقت تو وہ نماز ختم کر رہا ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ تڑپ دل میں پیدا کی کہ وہ بار بار نماز کی طرف لوٹتا رہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ خود نماز کو قائم رکھے بلکہ اس سے جو آگے نسل چلے وہ بھی نماز کو قائم رکھنے والی ہو۔ اور یہ آرزو اس قدر زبردست ہے کہ اس دعا کی خاص قبولیت پر زور دیا۔ کیونکہ سب نیکیوں کی جڑ یہی نماز ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک اور تڑپ بڑھائی۔ اے ہمارے رب! میری حفاظت فرما اور میرے ماں باپ کی اور بالآخر مومنین کی ساری جماعت کو اس کے اندر شامل کیا اور اجتماعی رنگ بھی اس کے اندر پیدا کیا۔

اجتماعی ترقی کو حالت قیام سے مخصوص کیا ہے: دوسری قسم کی ترقی جس کے لئے نماز رستہ کھولتی ہے اجتماعی ترقی ہے اور اس کے لئے سورۂ فاتحہ جو حالت قیام میں پڑھی جاتی ہے نماز کا جزو لازم قرار دیا۔ جہاں انفرادی ترقی کے لئے جھکنے اور گرنے کی حالت کو مخصوص فرمایا۔ کیونکہ انفرادی ترقی جھکنے اور گرنے سے ملتی ہے اور انفرادی ترقی کے ساتھ اگر انسان میں جھکنے اور گرنے کی کیفیت پیدا نہ ہو تو وہ ترقی اس کے لئے زوال کا موجب ہو جاتی ہے۔ اجتماعی ترقی کے لئے حالت قیام کو مخصوص فرمایا۔ کیونکہ اجتماعی ترقی انسان کے اندر قیام کی قوت کو چاہتی ہے۔ بلند اخلاق، جو انفرادی ترقی کا اصل ہیں، جھکنے اور انکسار کے بغیر نہیں بنتے۔ اور جماعت قیام اور مستعدی کے بغیر نہیں بنتی۔ مگر یہاں یہ صاف کر دینا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سجدے اور رکوع میں انسان اجتماعی ترقی کے لئے دعا نہیں کر سکتا اور قیام میں انفرادی ترقی کے لئے دعا نہیں کر سکتا۔ جس وقعہ پر جس دعا کے لئے دل میں جوش اور ولولہ پیدا ہو، اسی موقعہ پر اس کے لئے دعا کرے۔ خواہ وہ دعا کسی قسم کی ترقی کے لئے ہو۔ لیکن نماز جس طرح پر قائم ہوئی ہے اس میں بعض اذکار کو بعض جسمانی ہیئات سے مخصوص کیا ہے۔ کیونکہ وہ ہیئت اس قسم کی ترقی کے لئے زیادہ موزوں ہے اور زبان کے الفاظ اور جوارح کا عمل ایک رنگ کے ہوتے ہیں یوں۔ بالخصوص سجدہ

کے متعلق حدیث نبویؐ میں یہ لفظ آئے ہیں کہ سجدے میں بہت دعائیں کرو۔ کیونکہ اس وقت انسان خدا کے بہت قریب ہوتا ہے۔ اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّہٖ وَھُوَسَاجِدٌ فَاکْثِرُ الدُّعَاءَ

قیام کی اہم دعا سورہ فاتحہ ہے۔ جس سے قرآن شریف کی ابتداء ہوتی ہے اور جس کو مسلمانوں نے ایک طرف رہا، غیر مسلموں نے بھی، بہت بلند دعا قرار دیا ہے۔ اس دعا کے چار حصے ہیں۔ پہلا حصہ دعا کا یہ فقرہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کی یا تمام قوموں کی ربوبیت فرما کر انہیں کمال تک پہنچانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام دنیا کی روحانی ربوبیت فرمائے گا: خدا کی ربوبیت ایک جسمانی رنگ میں ہے۔ مگر جہاں جس ربوبیت کا خصوصیت سے ذکر ہے، وہ انسان کی ہدایت سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ قرآنِ کریم کی اصل غرض انسانوں کی ہدایت اور ان کو کمال انسانی تک پہنچانا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ کر یہ سمجھایا ہے کہ یہ قران کسی خاص قوم کی ہدایت کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ تمام نسل انسانی کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔ اور یہ خوشخبری دی ہے کہ سب انسان بالآخر اپنے کمال کو حاصل کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلعم نے نزول قرآن کے ساتھ ہی یہ فرمایا کہ میں عرب اور عجم سب کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اور آپ کا اس بات پر ایمان تھا کہ نسل انسانی بالآخر، ہاں تدریجاً، جیسا کہ لفظ رَبٌّ کا مفہوم ہے (اِنْشَآءُ الشَیْءِ حَالًا فَحَالًا اِلٰی حَدِّ التَّمَامِ) اپنے کمال کو حاصل کرے گی اور اللہ تعالیٰ اس کی روحانی ربوبیت بھی فرمائے گا۔ جس طرح اس کی جسمانی ربوبیت فرماتا چلا جاتا ہے۔

روحانی ربوبیت جسمانی ربوبیت کی طرح تدریجی ہے: بعض دلوں میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اگر انسانوں کی روحانی ربوبیت فرمانے کا تھا تو اس نے اپنے ایک رسوؐل کو بھیج کر ساری دنیا میں فوراً بیداری کیوں پیدا نہ کردی۔ ایسا وسوسہ ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو اس کی جسمانی ربوبیت کے سامان بھی تدریجاً عطا فرمائے ہیں۔ یہ سب چیزیں آگ، ہوائیں، پانی، بجلی، ایٹم وغیرہ ابتداء آفرینش سے دنیا میں موجود تھیں۔ مگر انسان آہستہ آہستہ ہی ان چیزوں پر تصرف حاصل کرتا چلا آیا ہے۔ ہزار ہا سال اس میں لگ گئے اور اب بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انسان نیچر کی طاقتوں سے پورے طور پر واقف ہو گیا ہے اور پورا تصرف حاصل کر چکا۔ بلکہ شاید اس پہلو میں بھی اسے ابھی بہت

کچھ حاصل کرنا ہے۔ بہت سے مخفی رازوں پر وہ آگاہ ہو چکا ہے۔ اور بہت سے مخفی رازوں پر اسے ابھی آگاہ ہونا ہے۔ اور روحانی کمال تو اس سے بھی زیادہ مخفی حقیقت ہے۔ اس پر آگاہ ہونا اس سے بہت زیادہ مشکل ہے۔ جس قدر نیچر کے جسمانی قوانین سے واقفیت حاصل کرنا اور ان سے فائدہ اُٹھانا مشکل تھا۔ ہاں خدا کی ربوبیت کا تقاضا یہی تھا کہ یہ سب کام تدریجاً ہوں۔ اور اسی حقیقت کی طرف رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ میں اشارہ فرمایا۔ خدا اس مخلوق کو روحانی کمال تک بھی پہنچائے گا۔ مگر جس طرح جسمانی کمال کے حاصل کرنے میں ایک مدت لگ گئی اور یہ کام تدریجاً ہوا اسی طرح روحانی کمال بھی انسان کو تدریجاً حاصل ہوگا۔ ہاں اس نے روحانی نشو ونما کے قوانین کو پہلے متفرق قوموں کی طرف انبیاءؑ بھیج کر اور بالآخر ایک رسولؐ کو ساری دنیا کے لئے بھیج کر قرآن میں ظاہر فرما دیا۔ مگر ان قوانین سے آگہی کے لئے ایک زمانہ بکار ہے۔ تا کہ انسان ان پر آگاہ ہو کر ان سے فائدہ حاصل کریں۔

اجتماعی ترقی کا بنیادی پتھر: یہ جملہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اجتماعی ترقی کا بنیادی پتھر ہے۔ جب انسان اس جملہ کو دوہراتا ہے تو اس کے دل میں ایک وسعت ساری نسل انسانی کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ اب اس کا دائرہ نظر صرف اپنی ذات تک، اپنے کنبے تک، اپنے خاندان تک، اپنی قوم اور اپنے ملک تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ وہ ساری نسل انسانی کو اپنی قوم سمجھتا ہے، اس کے دل میں سب انسانوں کے لئے یکساں درد پیدا ہوتا ہے۔ وہ سب کی اصلاح چاہتا ہے۔ اگر وہ یورپ میں فسق وفجور کو دیکھتا ہے یا امریکہ میں یا ایران اور افغانستان میں فسق وفجور کو دیکھتا ہے۔ یا ہندوستان میں فسق وفجور اور ظلم وفساد کو دیکھتا ہے۔ یا پاکستان میں دیکھتا ہے تو اس کا دل سب کے لئے کڑھتا ہے۔ اس کے دل میں یہ درد پیدا ہوتا ہے کہ خدا، جو ان سب کا حقیقی آقا ہے اور رب ہے، ان سب کی ربوبیت فرمائے اور ان سب کو پستی اور ذلت سے نکال کر بلند مقام پر پہنچائے۔ ہاں! اس جملہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کو زبان پر لاتے وقت اس کے دل سے بے اختیار وہ چیخ نکلتی ہے جو انبیاءؑ اور صلحاءؒ کے دلوں سے نکل کر ایک مخلوق کی ہدایت کا موجب ہوتی رہی۔ کہ اے خدا! تو اپنی ساری مخلوق کو اخلاقی گندگی اور ذلت سے باہر نکال۔ اور ان کے اندر وہ بیداری پیدا کر کہ یہ تجھے یعنی اپنے پیدا کرنے والے، اپنی ربوبیت کرنے والے کو پہچان لیں۔ اے خدا! جس طرح تو اپنے سب بندوں کی جسمانی ربوبیت فرما رہا ہے تو سب کی روحانی ربوبیت

بھی فرما۔ اے خدا تیری مخلوق تجھ سے دور ہو کر نہ صرف فسق و فجور میں مبتلا ہو گئی ہے بلکہ ایک دوسرے کی بھی دشمن ہو کر خود اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرا رہی ہے۔ تو اُس پر رحم فرما۔ ان کے تاریک دلوں پر اپنے نور کا پَر تو ڈال۔ ان مُردوں کو اپنی روحانی بارش سے زندہ کر دے۔ جس طرح تو مردہ زمین کو اپنی جسمانی بارش سے زندہ کر دیتا ہے۔ اپنے روحانی آفتاب قرآن سے اسی طرح انسانی دلوں کو روشن کر دے جس طرح تو اپنے جسمانی آفتاب سے اجسام کو روشن کر دیتا ہے۔

ربوبیت کے تین طریقے: دوسرا حصہ اس دعا کا یہ ہے **اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ** ۔ وہ انسان کے کسی عمل کے بغیر بھی اس پر رحم کرتا اور اس کی ربوبیت کا سامان کرتا ہے۔ انسان کوئی اچھا عمل کرے تو اس عمل کا بہت بڑا بدلہ دے کر اس کی ربوبیت فرماتا اور اسے اس کے کمال تک پہنچاتا ہے۔ اور وہ برا کام کرے تو اس پر سزا بھی اس کی ربوبیت کے لئے وارد کرتا ہے۔ یعنی اس سزا کو بھی بالآخر اس کے کمال تک پہنچنے کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔

پہلے جملہ میں سب انسانوں کی ربوبیت کا ذکر فرما کر اگلی دو آیتوں میں یہ ذکر کیا کہ خدا کی ربوبیت کس کس طرح ہوتی ہے۔ پہلا رنگ اس کی ربوبیت کا رحمانیت ہے۔ یعنی انسان کی کوشش کے بغیر، اس کے مانگنے کے بغیر، اپنی رحمانیت سے وہ انسان کو اس کی ترقی کا سامان عطا فرماتا ہے۔ جیسے اپنے انبیّاء کو انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجنا۔ **اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ** (55:1-2) دوسرا رنگ اس کی ربوبیت کا رحیمیّت ہے کہ جب انسان کوشش کرتا ہے، کوئی کام کرتا ہے تو اس کام پر اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے۔ جو کچھ کام انسان کرتا ہے اس کے مقابلے میں اس کا اجر بہت بڑا ہوتا ہے۔ اور یہ اس کا قانون عام ہے۔ ایک دانہ بو کر سات سو دانہ بھی انسان بناتا ہے۔ ایک اچھے عمل سے بہت بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک تیسرا رنگ اپنی ربوبیت کا بیان فرمایا۔ اگر بعض لوگ وہ ہیں جو اس کی بتائی ہوئی راہوں کو اختیار کر لیتے ہیں تو بعض وہ بھی ہیں جو ان کو اختیار نہیں کرتے اور فسق و فجور اور ظلم و فساد میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور بعض وہ بھی ہیں جو حق کو مٹانے کے درپے ہوتے ہیں۔ ان کو بھی ربوبیت فرماتا ہے۔ مگر اس ربوبیت کا رنگ اور ہے وہ سزا کے رنگ میں آتی ہے۔ ان کے اعمال بد کی سزا انہیں ملتی ہے مگر اس کی غرض بھی انتقام نہیں ہوتا بلکہ ان کی آلائشوں کو پاک کر کے ان کی ربوبیت فرمانا ہوتا ہے۔ یہ سزا بعض

وقت دنیا میں بھی آتی ہے مگر کامل ظہور کے لئے یَوم ِ الدِّیْنِ ہے۔جزا وسزا کا دن یا قیامت کا وہ دن جب تمام اعمال کا محاسبہ ہو کر نیک جنت میں داخل ہو کر اپنے کمال کے حصول میں لگ جائیں گے اور ناپاک لوگ جہنم میں داخل کئے جائیں گے تا کہ ان کی ناپاکیوں کو آگ سے صاف کیا جائے۔اسی لئے تعلیم اسلام کی رو سے جہنم سے بالآخر سب لوگ نکال کر نہر حیات میں ڈالے جائیں گے۔یعنی انہیں زندگی ملے گی اور جہنم کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

صرف خدا کی عبادت کرنے والا گروہ: اس کے بعد سورۂ فاتحہ کا تیسرا حصہ آتا ہے **اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ**۔ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔پہلے دونوں حصوں میں اللہ تعالیٰ کا اور اس کی ربوبیت کا ذکر تھا۔دوسرے دونوں حصوں میں انسانوں کے ایک خاص گروہ کا ذکر ہے۔ ایک جماعت کا ذکر ہے۔جن کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ صرف اس **رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ** کی عبادت کرتے ہیں جن کی تعریف اُوپر بیان ہو چکی۔وہ خدا کو ان صفات کا مالک مانتے ہوئے صرف اس کی عبادت میں لگ جاتے ہیں اور دوسری کسی چیز کی عبادت نہیں کرتے۔یوں ساری دنیا کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ایک وہ گروہ جو صرف ایک خدا کی عبادت کرتا ہے اور دوسرا وہ گروہ جو خدا کی عبادت کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت کو بھی ملا دیتا ہے یا خدا کو مانتا ہی نہیں۔''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں'' میں ہم سے مراد وہ گروہ ہے جو صرف خدا کی عبادت کرتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ یہ وہ گروہ ہے جو خدا کو مانتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک بھی نہیں کرتا۔یہ گویا مسلمانوں کا گروہ یا مسلمانوں کی جماعت ہے۔یہ اُمت محمدؐیہ ہے۔اور جہاں ان کی امتیازی خصوصیت کو **اِیَّاکَ نَعْبُدُ** میں بیان کیا ان کی ایک تڑپ کا بھی ذکر کیا ''ہم تیری ہی مدد مانگتے ہیں''۔گویا ان کے سامنے ایک عظیم الشان کام ہے جس کے کرنے کے لئے اپنے آپ کو کمزور پا کر خدا سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔وہ صرف خدا کی عبادت کرنے والا گروہ ہے مگر وہ **رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ** کی صفت کا مظہر ہے۔وہ دوسری مخلوق کی ربوبیت کا بھی طالب ہے۔وہ اپنے ہر کام میں خدا کی مدد مانگتے ہیں۔مگر جمع کے صیغہ سے یہ ظاہر کر دیا کہ گو مانگنے والا ایک ایک آدمی ہے مگر جو چیز وہ مانگتا ہے وہ صرف اپنی ذات کے لئے نہیں مانگتا،اپنی جماعت کے لئے مانگتا ہے۔جس کا وہ ایک جزو ہے۔ امت محمدیہ کے لئے مانگتا ہے۔ہاں اپنے آپ کو یا اپنی جماعت کو یا اپنے ملک کو اس میں شامل کرتا ہے۔

مگر یہاں تک محدود نہیں کرتا بلکہ ساری امت کو اس میں شامل کرتا ہے۔ انسان کے کمال کی یہ شرط ہے کہ اس میں دوسروں کے لئے درد ہو۔ جس انسان میں دوسروں کے لئے درد پیدا نہیں ہوا وہ کمال کو حاصل ہی نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس دعا میں یہ سکھایا کہ وہ اپنے لئے ہی مدد نہ مانگے بلکہ ایک جماعت کے لئے، ایک گروہ کے لئے مدد مانگے۔ ہاں ساری اُمت کے لئے مانگے، جس کا وہ ایک فرد ہے۔ یہ اجتماعی ترقی کی پہلی منزل ہے کہ انسان ایک جماعت کے لئے خدا کی مدد کا طالب ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت: اس جگہ ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جب ہم آج مسلمانوں کی حالت پر غور کرتے ہیں تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہتے ہوئے دل کانپ اُٹھتا ہے۔ کیا مسلمان صرف خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ کیا عبادت کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ کسی وقت دل چاہا تو کسی نے دو چار رکعت نماز ادا کر لی اور خدا کے باقی احکام کی جس طرح چاہا نافرمانی کی۔ عبادت تو اس فرمانبرداری کا نام ہے جس کے ساتھ عاجزی ملی ہوئی ہو۔ کیا آج مسلمانوں کی عامہ حالت خدا اور اس کے رسوؐل کی فرمانبرداری کی ہے؟ دوسرے احکام کی فرمانبرداری کو چھوڑو، کیا وہ عام طور پر نماز کے پابند ہیں؟ کیا وہ مسجدوں میں جاتے ہیں؟ اور پانچ وقت نہ سہی ایک وقت بھی خدا کے آگے جھکتے ہیں؟ اور آسودہ حال لوگ تو ایک طرف رہے، کیا غرباء کے طبقہ میں بھی نماز کی طرف کوئی توجہ ہے؟ جب ہماری عبادت کی یہ حالت ہے تو ہم کس مونہہ سے اس قوم کے لئے خدا کی مدد مانگیں جو خدا کے احکام کی کھلی ہتک کرتی ہے۔ جس کا معبود آج خدا نہیں دنیا اور دنیا کا مال ہے۔ روپیہ اور دنیوی وجاہت ہے۔

قسط چہارم: مطبوعہ دراشاعت 16 فروری 1949ء

نماز سب مسلمانوں کے لئے خدا کی مدد طلب کرنا سکھاتی ہے: یہ سچ ہے۔ مگر آج دنیا میں دوسری قوموں کو دیکھا جاتا ہے تو کچھ نہ کچھ عبادت الٰہی کا امتیاز مسلمان قوم کے اندر ملتا ہے۔ پھر اس قوم کے اندر وہ لوگ بھی ہیں جو اذان کی آواز سن کر مسجد کی طرف دوڑتے ہیں اور اپنے اشغال کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس قوم کے اندر وہ لوگ بھی ہیں جو راتوں کو اُٹھتے اور بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہوتے اور آنکھوں سے پانی بہاتے ہیں۔ اس قوم کے اندر وہ لوگ بھی ہیں جو خدا کے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لئے اپنی جانیں اور مال قربان کر دیتے ہیں۔ اس قوم کے اندر وہ لوگ بھی ہیں جو اسلام کو کفر کے حملوں سے بچانے کے

لئے اپنے سر خدا کی راہ میں دیتے ہیں۔ اس قوم کے اندر وہ لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں خدا کی عبادت اور خدا اور رسولؐ کی فرمانبرداری سے راحت پیدا ہوتی ہے۔ یہ تھوڑے ہیں مگر ہیں ضرور۔ مگر خدا کو یہ طاقت ہے کہ وہ ان تھوڑوں کو بہت بنا دے۔ نیکوں کی قلت کو کثرت میں تبدیل کر دے۔ وہی مقلب القلوب ہے اور اس کا رحم بہت بڑا ہے۔ وہ چاہے تو ان تھوڑوں کی وجہ سے بہتوں کو بخش بھی سکتا ہے اور تھوڑوں کی شفاعت کو بہتوں کے حق میں قبول کر کے انہیں بچا لے!

سب مسلمانوں کے لئے دعا کہ خدا انہیں سیدھے راستہ پر چلائے: سورۃ الفاتحہ کے آخری اور چوتھے حصہ میں اس تڑپ کو پیدا کرنا چاہا ہے کہ انسان نہ صرف خود سیدھے راستہ پر چلے بلکہ اس کے دل میں یہ تڑپ بھی ہو کہ اس کے دوسرے بھائی بھی سیدھے راستہ پر چلنے والے ہوں۔ لفظ یہ ہیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (7-5:1) ہمیں سیدھے راستے پر چلا ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تو نے انعام کیا نہ ان کے جن پر تیری ناراضگی ہوئی اور نہ گمراہوں کے۔

جس طرح اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں صیغہ جمع استعمال کر کے یہ توجہ دلائی ہے کہ دعا مانگنے والا گو ایک ہو مگر ایک جماعت یا ایک قوم کے لئے خدا کی مدد مانگے صرف اپنے نفس کے لئے نہیں۔ اسی طرح یہاں اِهْدِنَا میں بھی جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ تُو ہم سب کو سیدھے راستے پر چلا۔ ہم سب کون ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں ہے۔ یہ مسلمانوں کی جماعت ہے۔ یہ امت محمد یہ ہے۔ جہاں کہیں بھی وہ دنیا میں ہوں جو کوئی بھی ہوں۔

وہ سیدھا راستہ کیا ہے جو ہم اپنے لئے اور دوسروں کے لئے مانگتے ہیں؟ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ان لوگوں کا راستہ جن پر خدا نے انعامات بھیجے۔ وہ یہی انبیاء اور صلحاء کا گروہ ہے۔ جن کے دلوں میں مخلوق خدا کا درد ہوتا ہے جو اس کو بلند مقام پر پہنچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ جو اپنی کوششوں کو کمزور پا کر خدا کے آگے کرتے بھی ہیں۔ تو بتایا کہ یہ سب کے لئے دعا کرنا ناممکن العمل بات نہیں۔ دنیا میں ایسے لوگ کثرت سے ہوئے ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم میں ہوئے ہیں جن کی زندگی کی غرض یہی تھی کہ وہ دوسروں کا تعلق خدا سے قائم کریں۔ اور ان کی زندگیوں کو سنواریں۔ ہمارے ہادی

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی سب کے سب ایسے ہی تھے۔ ادھر مسلمان ہوتے تھے ادھر دوسروں کو اسلام کی نعمت سے متمتع کرنے کی زبردست تڑپ ان کے دلوں میں پیدا ہوتی تھی۔ آج بھی محمد رسول اللہ صلعم کے نام لیوا اس بلند مقام کو حاصل کر سکتے ہیں۔ تو ہماری دعا یہ ہونی چاہئے کہ اے خدا اپنی محبت کا جو نشہ تو اپنے پاک بندوں کو پہلے پلاتا رہے ہے، وہی آج بھی مسلمانوں کو پلا دے۔ ان لوگوں کے رنگ سے انہیں رنگین کر دے جن پر پہلے تو اپنا رنگ چڑھاتا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی دعا سکھائی کہ پہلے ایسی قومیں بھی ہوئی ہیں جو خدا کے احکام کی نافرمانی کر کے خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا محل ہو گئیں اور ان کی بدعملیاں انتہاء کو پہنچ گئیں کہ اسی دنیا میں خدا کا غضب ان پر بھڑک اُٹھا۔ اے خدا ہماری قوم کی بدعملیوں کو اس انتہاء تک پہنچنے سے محفوظ رکھ۔ اور ایسی بھی قومیں ہوئی ہیں جو گو اعمال کے لحاظ سے اس انتہا کو نہ پہنچی ہوں کہ خدا کا غضب ان پر اسی زندگی میں ظاہر ہو جائے، لیکن وہ اعتقاد کے رنگ میں صحیح راستے سے بہت دور نکل گئے ان کی راہ پر چلنے سے بھی مسلمانوں کو بچا۔

سورۃ البقرہ کی آخری دعا کو ورد بنانے کی ضرورت: حالت قیام میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کا کوئی اور حصہ بھی پڑھنے کا حکم ہے۔ تھوڑا ہو یا بہت۔ اس بارے میں سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات کی احادیث نبویؐ میں خاص فضیلت آئی ہے۔ مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ کو بشارت دی گئی کہ فاتحہ اور خواتیم بقرہ دو ایسے نور ہیں کہ آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آج ہم یا جب توفیق ملے ان آیات کو سورۃ الفاتحہ کے ساتھ ملایا کریں۔ یہ گویا فاتحہ کا تمتہ ہیں۔ ان کی فضیلت کی وجہ وہ زبردست دعا ہے جو ان آیات کے آخر میں آتی ہے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (286:2)

اے ہمارے رب تو ہم کو اپنے رسول کی امت کو ہماری بھولوں اور خطاؤں پر نہ پکڑیو۔ اے ہمارے رب جیسے پہلی امتیں تیری نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں تو ہم پر اپنے رسول کی امت پر ایسی نافرمانی کا بوجھ نہ ڈالیو۔ اے ہمارے رب ہم پر اپنے رسول کی امت پر وہ بوجھ نہ ڈالیو جس کے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ اور اس امت کے گناہوں کو معاف فرما۔ اور گناہوں سے اس کی حفاظت فرما۔

اور اس پر اپنے رحم کے دروازے کھول دے اور اسے اس کافر قوم پر جو اسے مٹانا چاہتی ہے نصرت عطا فرما کر غالب کر دے۔

نماز سے جس تیسری ترقی کا راستہ کھلتا ہے وہ حق اور صداقت کی ترقی ہے: انفرادی ترقی کا تعلق ہر مسلمان کی ذات سے ہے۔ اجتماعی ترقی کا تعلق خاص جماعت یا کل مسلمانوں کی مجموعی ترقی سے ہے۔ مگر ان دونوں کے علاوہ نماز ایک تیسری قسم کی ترقی کا بھی راستہ کھولتی ہے۔ یہ دین اسلام کی ترقی ہے۔ یہ حق اور صداقت کی ترقی ہے۔ ترقی خواہ ایک فرد کی ہو یا ایک جماعت کی حیثیت جماعت ترقی ہو۔ دونوں اس وقت تک نامکمل ہیں جب تک ان کے ساتھ حق اور صداقت کی ترقی کی تڑپ ملی ہوئی نہ ہو۔ جس طرح انفرادی ترقی کو جماعتی ترقی کے ماتحت رکھنا ضروری ہے بلکہ بعض وقت اسے جماعتی ترقی پر قربان نہ کیا جائے تو وہ بجائے ترقی کے ایک بیماری بن جاتی ہے، اسی طرح جماعتی ترقی کو حق اور صداقت کے ماتحت نہ رکھا جائے یا جماعتی ترقی کو بعض وقت حق صداقت پر قربان نہ کیا جائے، تو یہ جماعتی ترقی دنیا کے لئے ایک مصیبت بن جاتی ہے۔ کتنی جماعتوں اور قوموں نے ترقی کی۔ مگر چونکہ اس ترقی کو حق اور صداقت کے ماتحت نہ رکھا اس لئے وہ دنیا کے لئے ایک مصیبت بن گئیں۔ بلکہ خود بھی بالآخر برباد ہوگئیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے فاشسٹ اور نازی جماعتوں کی ترقیاں اس کی بیّن مثال ہیں۔ جو ترقی کی منتہا پر پہنچ کر گریں۔ کیونکہ ان کے نزدیک طاقت کے سامنے سارے اصول ہیچ ہو گئے اور حق اور صداقت کا خیال بھی ان کے دلوں سے نکل گیا۔ یہ تو بہت سی مثالیں ہیں مگر حقیقت ہے کہ آج دنیا میں جس قدر ترقی کا خیال ہے وہ جماعتی ترقی تک محدود ہے۔ اور حق اور صداقت کا نام زبانوں پر صرف ہے مگر دلوں میں اس کی کوئی جگہ نہیں۔ اسلام نے حق اور صداقت کی ترقی یا دین کی ترقی کی تڑپ کو نماز کے ذریعہ سے قلوب انسانی کے اندر داخل کرنا چاہا ہے۔

قعدہ کی دعاؤں کی خصوصیت: نماز کی آخری ہیئت یعنی قعدہ کی تمام دعاؤں کو اسلام کی ترقی کے لئے جو حق اور صداقت کا دوسرا نام ہے مخصوص کیا ہے۔ اس دعا کا پہلا حصہ یوں ہے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ

مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سب عبادتیں اللہ کے لئے ہیں۔ جو الفاظ سے ہوں یا جسمانی ہیئات سے۔ یا مالی قربانیوں سے۔ اے نبی تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ ہم پر سلامتی ہو اور اللہ کے صالح بندوں پر۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہے۔

لفظ تحیات جو سب سے پہلے آتا ہے وہ تحیّہ کی جمع ہے۔ اس کا مادہ حیاۃ یعنی زندگی ہے اور تحیہ اصل میں یہ ہے کہ وہ دوسرے کو حَیَّاکَ اللّٰہُ کہے۔ یعنی زندگی کی دعا دے۔ پھر ہر دعا پر اس کا استعمال ہوا ہے۔ دوسرا لفظ صلوات ہے جو صلوۃ کی جمع ہے۔ جس کے معنی دعا اور نماز کے ہیں۔ مگر چونکہ اس سے پہلے تحیّات آ چکا ہے جس کے معنی نیک دعائیں ہیں، اس لئے صلوات سے مراد وہ جسمانی افعال ہیں جو انسان عبادت کے رنگ میں بجالاتا ہے، یا تحیّات دعا برنگ قال ہے۔ اور صلوات دعا برنگ حال ہے۔ صلوۃ میں انسان دعا کی حالت کو اپنے اوپر ایسا وارد کرتا ہے کہ وہ مجسم دعا بن جاتا ہے۔ جیسے نماز میں دست بستہ قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ کی حالتیں ہیں۔

تیسرا لفظ طیّبات ہے۔ جو طیّب کی جمع ہے۔ جو اچھی چیز اور اچھے مال اور اچھے انسان پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور یہاں مراد وہ عبادات ہیں جو انسان اپنے طیب کمائے ہوئے مال کے ذریعہ سے بجا لاتا ہے۔ تو گویا عبادات کو تین طرح پر بیان کیا ہے۔ وہ عبادات جو الفاظ میں ادا ہوتی ہیں، وہ عبادات جو جسمانی حالت کی مختلف ہیئتوں سے ادا ہوتی ہیں اور وہ عبادات جو انسان مالی قربانیوں سے ادا کرتا ہے۔ تو فرمایا یہ تینوں قسم کی عبادات اللہ کے لئے ہیں۔ یعنی ان کی حقدار صرف ذات باری ہے۔ انسان کے قول سے بھی خدا کا نام بلند ہو۔ اس کی حالت سے بھی خدا کا نام بلند ہو۔ اس کا مال بھی خدا کا نام بلند کرنے میں صرف ہو۔ یا یوں کہہ لیں کہ انسان کی روح میں بھی خدا کے نام کو بلند کرنے کی تڑپ ہو اور اس کی جسمانی حالت سے بھی خدکا نام بلند ہو تو ہماری تمام ترقیوں کا آخری درجہ یہ ہے کہ خدا اور خدا کا نام بلند کرنا ہی مدّ نظر ہو۔ انفرادی ترقی بھی اس کے ماتحت ہو۔ جماعتی ترقی بھی اس کے ماتحت ہو۔ اس کے بغیر نہ کوئی فرد حق اور انصاف پر قائم رہ سکتا ہے اور نہ کوئی قوم۔

نبیؐ پر سلامتی اور رحمت اور برکت کی دعا: دوسرا حصہ اس دعا کا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ

وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اے نبیؐ! تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں۔ سلامتی یہ ہے کہ اسے تمام نقصان پہنچانے والی چیزوں سے بچایا جائے۔ سلامتی کے بعد رحمت ہے۔ یعنی اس پر خدا اپنے فضلوں کی بارش برسائے۔ جسمانی رنگ میں بھی اور روحانی رنگ میں بھی۔ اور اس کے بعد اس کی برکات ہیں جو برکۃ کی جمع ہے۔ اور (برکۃ) کسی چیز میں بھلائی کے قائم رہنے کا نام ہے۔ اور بڑھوتی اور نمو کو بھی (برکت) کہا جاتا۔ یعنی اس کی بھلائی بڑھتی چلی جائے۔ ترقی کرتی چلی جائے اس کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے۔ اَلنَّبِیُّ کا لفظ خاص طور پر ہمارے پیغمبر صلعم پر بولا گیا ہے۔ نبی کے لئے دعا فی الحقیقت اس حق وصداقت کے لئے دعا ہے جو آپ کے ذریعہ سے دنیا میں ظاہر ہوا۔ جسے آپ نے دنیا میں قائم کیا۔ اور جب انسان آپ کے لئے سلامتی کی دعا کرتا ہے تو وہ درحقیقت یوں دعا کرتا ہے کہ وہ حق اور صداقت جو آپ دنیا میں لائے، وہ دشمنوں کے حملے سے محفوظ رہے۔ اور جب اس کے لئے اللہ کی رحمت اور برکات مانگتا ہے تو یہ دعا کرتا ہے کہ وہ حق اور صداقت دنیا میں پھلے اور پھولے اور ترقی کرے۔ اور ساری دنیا پر چھا جائے۔ نبی کی ذات کو اس حق اور صداقت سے الگ نہیں کیا جا سکتا جو وہ دنیا میں لایا۔ پس نبی کی سلامتی کی دعا میں اس حق وصداقت کی سلامتی کی دعا شامل ہے جو اس کے ذریعہ سے دنیا میں ظاہر ہوا اور اس پر رحمت اور برکات کی دعائیں اس حق اور صداقت کا قیام اور اس کی دنیا میں ترقی کی دعائیں شامل ہیں جس کو قائم کرنے کے لئے اور دنیا میں پھیلانے کے لئے نبی کا ظہور ہوا۔

نبی کی دو دائمی زندگیاں: یہ امر اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہاں اَیُّھَا النَّبِیُّ کہہ کر آپؐ کو پکارا گیا ہے۔ یعنی آپؐ کو اسی طرح پکارا گیا ہے جس طرح زندہ انسان کو پکارا جاتا ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ آپ اب بھی اس دوسرے عالم میں زندہ ہیں لیکن اس عالم میں بھی بوجہ اس حق اور صداقت کے زندہ ہیں، جو آپ نے دنیا میں قائم کیا۔ تو آپ کو یہ دونوں زندگیاں حاصل ہیں۔ ایک زندگی اس دُوسرے عالم میں جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور ایک زندگی اسی عالم میں جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس لئے جہاں ان الفاظ کی یہ توجیہہ ہو سکتی ہے کہ ہر مسلمان کا یہ سلام اس دوسرے عالم میں ملائکہ اللہ کی وساطت سے آنحضرت صلعم کو پہنچا دیا جاتا ہے یہ سلام درحقیقت اس حق پر صداقت کی حفاظت اور قیام اور ترقی کی دعا بھی ہے۔ گویا جب ہمارے منہ سے یہ لفظ نکلتے ہیں۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ

وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ تو ہمارے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حق اور صداقت کو دشمنوں کے حملوں سے اپنی حفاظت میں رکھے اور مومنوں کے دلوں میں، جو اس حق اور صداقت کو قبول کر چکے ہیں، اسے مستحکم کرے اور یہ حق اور صداقت دنیا میں پھیلے اور ترقی کرے۔

ساری امت کے لئے سلامتی کی دعا: اس کے بعد یہ دعا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ ہم پر سلامتی ہو یعنی امت محمدیہ پر۔ کیونکہ یہ جمع کا صیغہ اپنے وسیع معنی میں امت محمدیہ کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الفاتحہ میں بھی مراد امت محمدیہ ہی ہے۔ اور اس کے بعد عِبَادُاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ کا ذکر فرمایا اور یہاں واؤ گویا تخصیص کے لئے ہے۔ یعنی ساری امت محمدیہ پر سلامتی ہو۔ اور بالخصوص اللہ کے صالح بندوں پر۔ جو محمد رسول اللہ صلعم کی کامل پیروی کرنے والے ہیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ سے دین کو قوت مل رہی ہے اور حق اور صداقت دنیا میں پھیل رہا ہے۔

پھر اس کے بعد اس حق اور صداقت کا پتہ بتا دیا ہے جس کی سلامتی اور استحکام اور بڑھوتی کے لئے یہ دعا ہے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرُسُوْلُہٗ۔ یہ دین اسلام کا نچوڑ ہے۔ اور اس کو یہاں لا کر صاف بتا دیا کہ اس مذہب کی سلامتی اور ترقی کے لئے یہ دعا ہے۔

درود شریف: اس کے بعد یہ دعا سکھائی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اے اللہ! محمدؐ اور آل محمدؐ پر رحمت بھیج۔ جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر رحمت بھیجی۔ تیری ہی تعریف کی جاتی ہے اور تو ہی بزرگی کا مالک ہے۔ اے اللہ محمدؐ اور آل محمدؐ کو برکت دے۔ جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کو برکت دی۔ تیری ہی تعریف کی جاتی ہے اور تو ہی بزرگی کا مالک ہے۔

درود شریف کے دو حصے: یہ درود کہلاتا ہے۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ تو لوگوں نے

دریافت کیا یا رسول اللہ! آپ پر درود کس طرح بھیجیں تو آپ نے یہ دعا سکھائی۔ اے اللہ محمدؐ اور آل محمدؐ پر صلوٰۃ بھیج جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر صلوٰۃ بھیجی۔ اور اے اللہ! تو محمدؐ اور آل محمدؐ کو برکت دے جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کو برکت دی۔ سوال صرف اس قدر تھا کہ ہم آپ پر صلوٰۃ کس طرح بھیجیں۔ مگر جواب میں دو باتوں کا ذکر ہے۔ ایک صلوٰۃ بھیجنے کا اور دوسرا برکت مانگنے کا۔ صلوٰۃ کے معنی مغفرت اور رحمت ہیں۔ اور برکت کے معنی بڑھوتی اور نمو تو یہ دو الگ الگ دعائیں ہیں۔ مغفرت اور رحمت کا تعلق تو آنحضرت صلعم اور مومنین کے قلوب سے ہے اور برکت سے مراد ان کو دنیا میں بڑھانا ہے۔ تو گویا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ سے یہ مراد ہے کہ محمد صلعم اور آپ کے پیروؤں کی دنیوی مشکلات میں بھی حفاظت فرما اور ان کے قلوب میں اپنی رحمت نازل فرما۔ یعنی ان کے قلوب کو اسلام پر استحکام عطا فرما تا کہ وہ دنیا میں حق اور صداقت پر چلنے والے ہوں اور بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ سے یہ مراد ہے کہ ان کو دنیا میں بڑھاتا رہ اور ان کی تعداد میں اضافہ فرما تا کہ وہ دنیا میں ہمیشہ بڑھتے چلے جائیں اور سب امتوں پر غالب آ جائیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی خصوصیّت: ایک اور بات غور طلب یہ ہے کہ یہاں دعا یوں سکھائی ہے کہ جس طرح ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر تیری رحمت اور برکت نازل ہوئی۔ اسی طرح محمدؐ اور آل محمدؐ پر رحمت اور برکت نازل ہو۔ ابراہیمؑ کا ذکر کیوں کیا؟ تو یہ دو باتیں تاریخی طور پر نظر آتی ہیں۔ ایک یہ کہ جس قدر صلحاء اور راست باز حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں پیدا ہوئے، دنیا کی اور کسی انسان کی اولاد میں اس قدر صلحاء کا وجود نظر نہیں آتا۔ ابراہیمؑ کی اولاد میں صلحاء کا ایک ایسا تانتا بندھ گیا کہ یہ سلسلہ ہزاروں سالوں تک چلتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جس قدر قبولیت حضرت ابراہیمؑ کو ملی اور کسی انسان کو اس قدر قبولیت نہیں ملی۔ آج بھی نصف سے زیادہ دنیا حضرت ابراہیمؑ کو راستباز تسلیم کرتی ہے۔ یہود، عیسائی اور مسلمان سب ان کی راستبازی کے قائل ہیں۔ اور یوں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ یہ وعدہ بھی تھا کہ میں تجھ کو ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام مبارک کروں گا۔ پس خدا کی رحمت اور مغفرت حاصل کرنے میں بھی آنحضرت صلعم سے پہلے حضرت ابراہیمؑ دنیا کی تاریخ میں بے نظیر انسان ہیں اور برکت

وقبولیت کے لحاظ سے بھی وہ بے نظیر انسان ہیں۔ تو گویا یہ دعا ہے جس طرح تو نے پہلے زمانے میں ابراہیمؑ اور اس کی آل کو اپنی رحمتوں کے لحاظ سے بے نظیر بنایا اور آپ کی آل میں صلحاء کو پیدا کرتا رہا اسی طرح محمدؐ اور آل محمدؐ کو اب اس پچھلے زمانہ میں اپنی رحمت اور مغفرت کے لحاظ سے بے نظیر بنا اور ان کے اندر صالحین کو اور راستبازوں کو پیدا کرتا چلا جا۔ جو امت محمدیہ کی صحیح رہنمائی فرماتے رہیں۔ اور جس طرح تو نے قبولیت اور برکت کے لحاظ سے پہلے زمانہ میں ابراہیمؑ کو بے نظیر بنایا اسی طرح اب اس پچھلے زمانہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمدؐ کو قبولیت اور برکت کے لحاظ سے بے نظیر بنا۔ یعنی آپ کی قبولیت کی کوئی نظیر نہ ہو۔ اور آپ کی امت اس قدر بڑھ جائے کہ اپنی بڑھوتی کے لحاظ سے وہ بے نظیر ہو۔ اور محمد صلعم کی قبولیت اس قدر پھیل جائے کہ اس پیچھے زمانہ میں کوئی اس کی نظیر نہ ہو۔

اُمت محمدؐیہ اور آل ابراہیمؑ: ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اولاد ابراہیمؑ سے ہیں اور اس لئے جو کچھ آپ کو دیا گیا وہ بھی آل ابراہیمؑ کے الفاظ کے اندر آجاتا ہے۔ یعنی آل ابراہیمؑ پر جو رحمت اور برکت نازل ہوئی، وہ انبیاء بنی اسرائیل تک محدود نہیں بلکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو رحمتیں اور برکتیں نازل ہوئیں وہ بھی ان میں شامل ہیں۔ گویا آج جب ہم دعا کرتے ہیں کہ آل ابراہیم جیسی رحمتیں اور برکتیں آل محمدؐ پر نازل ہوں تو اس میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شامل ہیں۔ گویا ہماری دعا آج آل محمدؐ کے لئے اس قدر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر بنی اسرائیل کی طرح رحمتیں اور برکتیں نازل کرے بلکہ یہ بھی دعا ہے کہ جو رحمتیں اور برکتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں وہ آج بھی مسلمانوں پر نازل ہوں۔ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم اور آپ کے ساتھیوں اور آپ کے پیروؤں کی دستگیری خدا نے فرمائی اور انہیں مصائب سے نکال کر اپنی رحمت میں داخل کرتا رہا، اسی طرح آج بھی مسلمانوں کو مصائب سے نکال کر اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اور ان میں صلحاء اور راستباز آج بھی اسی طرح پیدا ہوں جس طرح پہلے پیدا ہوتے رہے۔ اور آج بھی اسلام کو وہی قبولیت عطا ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عطا ہوئی اور اس کے اندر اسی طرح مخلوق گروہ در گروہ داخل ہوتی رہے جس طرح پہلے یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (2:110) کا نظارہ دیکھا گیا یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جہاں آل ابراہیمؑ سے مراد صرف اولاد جسمانی ہے، آل

محمدؐ سے مراد آلِ روحانی ہے جس کے اندر ساری قومیں شامل ہیں۔

درود کی دو دعائیں۔ مسلمانوں کے سینے بھی نورِ اسلام سے منور ہوں۔ غیر مسلم بھی نور اسلام سے بہرہ ور ہوں: پس آنخضرت صلعم پر درود کیا ہے؟ انسان کے دل میں اس تڑپ کا پیدا ہونا کہ ایک طرف اسلام اور مسلمانوں کے مصائب دور ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کو اپنے نور سے روشن کرے۔ اور یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ دوسری طرف قرآن اور محمد رسول اللہ صلعم کی قبولیت دنیا میں بڑھے۔ اور آپ کا نور کفرستانوں کی تاریکیوں میں پھیل جائے۔ اور جس انسان کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہو گی، جس کے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز اٹھے گی، یقیناً وہ اپنی قوت بھی ان دونوں کاموں کے لئے خرچ کرے گا۔ وہ اُمت محمدیہ کے مصائب کو دور کرنے اور مسلمانوں کے سینوں کو قرآن کے نور سے روشن کرنے کی بھی ہر ممکن سعی کرے گا۔ اور آنخضرت صلعم کے نام کو دنیا میں روشن کرنے کے لئے اور آپ کی قبولیت کو پھیلانے کے لئے بھی اپنی پوری قوت خرچ کرے گا۔

مسلمانوں کا اسی نماز سے تینوں قسم کی ترقی حاصل کرنا ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اور آج بھی مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنی نمازیں درست کرنے کی ضرورت ہے۔ تا کہ وہ ترقی کے بلند ترین مقام پر پہنچیں۔ یہ دل خوش کن باتیں نہیں۔ یہ ٹھوس واقعات ہیں جو دنیا میں رونما ہوئے۔ جب ایک قوم نے نماز کو صحیح رنگ میں ادا کیا تو اسے یہ تینوں قسم کی ترقی بیک وقت حاصل ہوئی۔ فرداً فرداً انسان اخلاق کے اس بلند مقام پر پہنچے جس کی کوئی دوسری نظیر نہیں۔ بحیثیت ایک قوم ہونے کے مسلمانوں نے وہ ترقی کی جس کی دوسری مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اور حق اور صداقت کا پیغام پہنچانے اور دین اسلام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے وہ جوش ان کے سینوں میں تھا کہ ایک صدی کے اندر اندر اسلام کو مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلا کر دنیا کا سب سے غالب مذہب بنا دیا۔ ایک قوم نے جب اپنی نمازوں کو درست کیا، ان کے دلوں میں بلند خواہشات اٹھیں تو اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیوی دونوں رنگوں میں اسے معراج عطا فرمایا۔ اور اسی نماز کے ذریعہ سے انہیں بلند سے بلند مقام پر پہنچا دیا۔ اگر یہ صحیح ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم جیسا دوسرا کوئی کامیاب انسان دنیا پیش نہیں کرسکتی، اگر یہ صحیح ہے کہ آپؐ کے صحابہؓ کی فتوحات جیسی فتوحات دنیا کی تاریخ میں دوسری جگہ نہیں آتیں، اگر یہ صحیح ہے کہ جس سرعت سے

اسلام دنیا میں پھیلا اور دنیا کے کناروں تک پہنچ گیا، تاریخ مذاہب اس کی دوسری مثال پیش کرنے سے عاجز ہے اور یہ تینوں امر آج ایک حقیقت مسلم ہیں جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، تو خوب یاد رکھئے کہ ان تینوں چیزوں کی بنیاد اس تعلق پر تھی جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے ذریعہ سے پیدا کیا۔ خدا کے قانون اٹل ہیں۔ اگر آج بھی ہم اپنا تعلق خدا کے ساتھ اپنی نمازوں کے ذریعے سے استوار کرلیں تو آج بھی ہماری قوم ترقی کے اس عروج پر پہنچ سکتی ہے جس پر یہ پہلے پہنچی۔

☆

6 اپریل 1949ء

حضرت امیر کے قلم سے

ایک خوشخبری

احباب کو یاد ہوگا کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر خان غلام ربانی خاں صاحب نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ اکتوبر میں وکالت کے کام سے ریٹائر ہو کر صرف دینی خدمت کریں گے، مگر اس وقت یہی خیال تھا کہ وہ اپنے صوبہ میں ہی خدمات دین انجام دیں گے۔ اب اس وقت انجمن کو یہ ضرورت تھی کہ وو کنگ کا کام بڑھ جانے کی وجہ سے وہاں علاوہ مولوی عبدالمجید صاحب اور ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ کے ایک تیسرا آدمی بھیجا جائے۔ اور اس غرض کے لئے مولینا آفتاب الدین صاحب کا نام تجویز ہو چکا تھا کہ اتنے میں خان غلام ربانی خاں صاحب ادارہ تعلیم قرآن کی تجویز کی تکمیل کے لئے جو سب کمیٹی مقرر ہوئی ہے اس میں شمولیت کے لئے لاہور تشریف لائے اور انجمن کی ضرورت کو محسوس کر کے انہوں نے وو کنگ میں کام کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

میں اس جگہ یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ خان غلام ربانی خاں صاحب ریٹائر ہونے کے بعد ملکی سیاست میں حصہ لینے کے لئے صوبہ سرحد کی اسمبلی کی خالی نشست کے لئے کوشش کرنے کا پختہ ارادہ رکھتے تھے، مگر دین کی خدمت کے سامنے انہوں نے تمام خیالات کو ترک کر دیا۔ اور گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اعلائے کلمۃ اللہ کے کام کو ترجیح دی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کے اندر خلوص کی روح خدا کے فضل سے کس طرح ترقی کر رہی ہے۔ خاں غلام ربانی خاں ضلع ہزارہ کے صاحب حیثیت رئیس ہیں مگر انہوں نے لکھا ہے کہ وہ ماسوائے اپنے ذاتی مصارف کے، جو سفر میں اور وو کنگ میں ہوں گے، اور کوئی بار انجمن پر نہ ڈالیں گے یہ اللہ تعالیٰ کا اُن پر اور پھر انجمن پر بڑا فضل ہے۔ گویا ان کی یہ خدمات ایک رنگ میں آنریری ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ سب احباب ان کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان نیک ارادوں کی تکمیل میں ان کا مددگار رہو۔ اور جہاں یہ دعا کریں یہ بھی کریں کہ جہاں جہاں ہمارے کارکن تبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا مددگار رہو۔

کیا جماعت احمدیہ ایک غیر اسلامی اقلیّت ہے: معاصر ''زمیندار'' کو ایک غیر از جماعت مسلمان کا

جواب۔ خدا جانے ہمارے مخالفین کو اس بات میں کیا مزہ آتا ہے کہ جماعت احمدیہ کو اسلام سے خارج کرنا ہی انہوں نے اپنا ضروری فرض سمجھ لیا ہے۔ اور جب تک اس جماعت کو، جو دن رات خدمات دین میں منہمک ہے اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے دین کو پھیلانا اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو دنیا میں پہنچنا، قرآن اور نبی کریم صلعم کی عزت وعظمت کو دنیا میں قائم کرنا ان کا شعار ہے، ایک غیر اسلامی اقلیّت قرار نہ دے لیں انہیں چین نہیں آتا!

معاصر ''زمیندار'' اس غیر اسلامی جدوجہد میں سب سے پیش پیش ہے۔ اور اس نے 3 اپریل کے شیوع میں ''خطرناک فریب'' کے عنوان سے جو مقالہ افتتاحیہ لکھا ہے، وہ اسی غیر اسلامی جدوجہد کا ایک حصہ ہے۔ اس کے نزدیک جماعت احمدیہ کا وہ حصہ، جو خلیفہ قادیان سے تعلق رکھتا ہے، غداران ملک میں سے ہے۔ کیونکہ ایک طرف اس کا تعلق قادیان سے ہے، جو مشرقی پنجاب اور ہندوستانی حکومت میں جا چکا ہے، اور دوسری طرف کشمیر کی جدوجہد آزادی میں اس نے نمایاں حصہ لیا ہے۔

ہم خلیفہ قادیان اور ان کی جماعت کی سرگرمیوں پر کوئی رائے زنی کرنا نہیں چاہتے۔ وہ خود اس کے جوابدہ ہیں، لیکن ان سرگرمیوں کی بناء پر ان کو اور تمام جماعت احمدیہ کو ایک غیر اسلامی اقلیت قرار دینا کونسا اسلامی طریق ہے اور کس اسلام نے یہ اجازت دی ہے کہ کسی اسلامی فرقہ کے ایسے افعال واعمال پر، جن سے تمہیں اختلاف ہو، انہیں غیر اسلامی قرار دے دیا کرو۔ آخر یہ اسلام کی ٹھیکیداری ''زمیندار'' اور اس کے ہم نواؤں کو کہاں سے مل گئی جو خود رات دن ایسے ایسے افعال شنیع کے مرتکب ہوتے ہیں کہ اسلامی غیرت وحیا ان سے منہ چھپاتی پھرتی ہے۔ کیا آئے دن جھوٹی خبریں تراش تراش کر شائع کرنا اور اس جھوٹ سازی کے جواز کے لئے یہ کہنا کہ اس سے مسلمانوں کا کردار بلند کرنا مقصود ہے، کوئی اسلامی طریق عمل ہے؟! ہم نہیں چاہتے کہ اس قسم کی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ناپاک حرکات اور سرگرمیوں کو، جو ہمارے ان مخالفین سے آئے دن سرزد ہوتی رہی ہیں، صفحہ قرطاس پر لائیں اور نہ اس وجہ سے انہیں کافر قرار دینے کے لئے تیار ہیں، جب تک وہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے قائل ہیں۔ لیکن ان سے اتنا ضرور عرض کریں گے کہ دوسروں کو کافر قرار دینے سے پہلے اپنے ایمان کی بھی فکر کر لیا کریں ؎

کلمہ گویاں را چرا کافر نہی نام اے اخی　　　گر تو داری خوف حق رو بیخ کفر خود بر آر

''زمیندار'' کے اسی مقالہ کے جواب میں جناب ثمر جالندھری بی اے مدیر ماہنامہ ''گرداب'' راولپنڈی نے ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں:

مرزائیت کو غیر اسلامی اقلیت قرار دینا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اور ہمیں یقین ہے کہ معاصر موصوف بھی اس سے متفق ہوگا کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے ہر وہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہے جو کلمہ طیبہ کا مقر ہے اور دیگر ارکان اسلام پر بھی ایقان و ایمان رکھتا ہو۔ اس سلسلہ میں وہ تمام مسلمان، جو کسی بھی فرقہ سے متعلق کیوں نہ ہوں دائرہ اسلام میں داخل ہیں انہیں غیر اسلامی اقلیت کہنا کسی حالت میں بھی مناسب نہیں۔

''ہمارے فہم وادراک سے یہ بات بھی بالاتر ہے کہ وہ فرقہ جو اسلام کے پانچوں ارکان کا زبانی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی پابند ہے۔ وہ تو غیر اسلامی ہے۔ اور وہ فرقے جن کے نزدیک ان ارکان کی پابندی غیر ضروری ہی نہیں بلکہ ازسرتا پا غلط ہے، جن کے بانیوں نے نہ صرف خدائی کے دعوے کئے ہیں بلکہ اپنے تئیں خدائی کا منبع ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے، جن میں سے بعض کے نزدیک خدائے بزرگ وبرتر سے بھی نعوذ باللہ ''غلطی کا ارتکاب'' ہوسکتا ہے یہ اور اس قسم کے فرقے مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں! ہمیں یقین ہے کہ معاصر موصوف اس ''مسلمانیت'' کی وجہ جواز صرف کلمہ طیبہ ہی پیش کریں گے۔ پھر مرزائی کو غیر اسلامی کہنا کیا معنی رکھتا ہے''۔

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے آبادی کے تناسب کے لحاظ سے احمدیت کے پیروکار علمی لیاقت و قابلیت کے اعتبار سے عوام سے آگے ہیں۔ اس صورت میں مخالفت کا بیڑا اُٹھانا سوائے حصول اقتدار کے مقصد کے اور کچھ نہیں۔ معزز معاصر کے نزدیک اقلیت کی تالیف قلب ایک اولین فریضہ ہے۔ اگر وہ واقعی ایسا سمجھتے ہیں تو میرے خیال میں کسی کلمہ گو کو غیر مسلم قرار دینا اور اس کے بعد تالیف قلب کا دعویٰ کرنا ایسا ہی ہے، جیسا مغربی پنجاب میں کسی کے منہ کو تمانچوں سے لال کر دینے کے بعد ساری (SORRY) کہہ دینا''۔

جناب ثمر کے یہ خیالات امید ہے کہ ''زمیندار'' اور اس کے ہم نواؤں کے لئے ایک دندان شکن جواب کا کام دیں گے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ابھی تک مسلمانوں میں ایسے نیک دل اور صاف گو انسان

موجود ہیں جو کلمۂ حق مونہہ پر کہنے سے نہیں جھجکتے۔ ہم ان کے بدل مشکور ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ان کے خیالات ''زمیندار'' کے پھیلائے ہوئے زہر کے لئے ایک تریاق کا کام دیں گے۔ اور وہ جماعت احمدیہ کی خدمات اسلامی میں اس کے مدد و معاون ثابت ہوں گے۔

☆

6 اپریل 1949ء

ادارہ تعلیم القرآن کی تحریک

ذیل کی تقریر حضرت امیر ایدّہ اللہ نے 26 دسمبر 1945ء کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر فرمائی تھی۔ اس تقریر میں ادارہ تعلیم قرآن کی جو تحریک کی گئی ہے، چونکہ اب اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مناسب کارروائی عمل میں آ رہی ہے، اس لئے حضرت امیر ایدّہ اللہ کے ارشاد کے ماتحت احباب کی اطلاع کے لئے اسے شائع کیا جاتا ہے تاکہ جو احباب پسند کریں اس کے متعلق کوئی تجویز بھی، جو ان کے ذہن میں آئے، حضرت امیر ایدّہ اللہ کی خدمت میں لکھ کر بھیجیں۔ مدیر

قَالَ اللّٰہ تعالٰی: قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ (50:1) اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ (56:77) وَاِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ (41:41) وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِہِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِہِ الْاَرْضُ اَوْ کُلِّمَ بِہِ الْمَوْتٰی بَلْ لِّلّٰہِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا (13:31) لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (59:21)

عطاء فضل میں وسعت والی کتاب: قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ بزرگی والا قرآن گواہ ہے۔ ''مجید'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اس کے معنی فضل کی وسعت کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ عطاء فضل میں جو اس سے خاص ہے وسعت والا ہے۔ یہی لفظ ''مجید'' قرآن کریم کی صفت میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی عطاء فضل میں بہت وسعت والی ہے۔ اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ۔ یقیناً یہ قرآن نفع پہنچانے والا ہے۔ کَرِیْمٌ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ کریم اس کو کہتے ہیں جس کے انعامات بہت عام ہوں۔ یہ لفظ بھی قرآن کریم کے ساتھ آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قرآن صرف بزرگی کا مالک ہی نہیں بلکہ اس کے ذریعے دنیا کو بڑے بڑے انعامات کسی خاص زمانہ، ملک یا کسی خاص نسل و قوم تک محدود نہیں بلکہ تا قیامت ساری دنیا اور ساری نوع انسانی کے لئے عام ہیں۔

قرآن مجید غالب آنے والی کتاب ہے: وَاِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ۔ وہ یقیناً غالب آنے والی کتاب

ہے۔''عزیز'' بھی اسمائے الٰہی میں سے ہے۔عزیز کا لفظ ہماری زبان میں تو معمولی معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن عربی زبان میں اس کے معنی اور ہیں۔''عزیز'' عزت سے مشتق ہے۔عزت اس حالت کا نام ہے جو مغلوب ہونے سے بچاتی ہے۔لہٰذا عزیز وہ ہے جس پر کوئی غالب نہ ہو، بلکہ وہ دوسروں پر غالب آ جائے۔اس آیت میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ قرآن غالب آنے والی کتاب ہے۔کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا بلکہ یہی سب پر غالب آئے گی۔وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا (31:13)اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوسکتا ہے کہ جس سے پہاڑ دور کر دیئے جائیں اس کے ذریعہ سے زمین کے ایک سرے سے دوسرے تک پہنچا جائے، مردوں سے باتیں کی جائیں (تو وہ یہی ہے)۔یہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں۔یعنی اس قرآن کے ذریعہ سے یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔مشکلات کے پہاڑ دور ہو جائیں گے۔یہ ساری روئے زمین پر پہنچ جائے گا۔ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس کے ذریعے سے مردے کلام کرنے لگیں گے۔یعنی زندہ ہو جائیں گے۔جبال جبل کی جمع ہے۔یعنی پہاڑ۔یہ لفظ عظیم الشان انسانوں پر بھی بولا جاتا ہے۔مثلاً فلاں جَبَلٌ مِّنَ الْجِبَالِ وہ شخص پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔قوم کے سردار اور اس کے عالم کو بھی جبل کہا جاتا ہے۔اَلْجَبلُ سَيِّدُ الْقُوْمِ وَعَالِمُهُمْ۔اس آیت میں بھی جبال سے مراد اکابر ہیں جو قرآن کریم کے مقابلہ پر ڈٹے کھڑے تھے۔تو فرمایا کہ سب مقابلے دور ہو جائیں گے اور قرآن روئے زمین کے ایک سرے سے دوسرے تک پہنچ جائے گا۔اور روحانی مردے زندہ ہو جائیں گے۔آخری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (21:59)(اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہو پھٹا ہوا دیکھتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ فکر کریں)۔جن لوگوں نے قرآن کریم کو مغلوب کرنے کی انتہائی کوشش کی تھی اور اس بارہ میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی، اور حقیقت بھی یہ ہے کہ قرآن کریم کو مغلوب کرنے کی اس قدر کوشش ہوئی کہ شاید اور کسی کتاب کو مغلوب کرنے کے لئے اتنی کوشش نہ کی گئی ہو، مگر قرآن انہی مخالفین کی آنکھوں کے سامنے غالب آیا جن کے سامنے قرآن کی حالت مغلوبیت وبیکسی کی

تھی۔قرآن نے دیکھتے ہی دیکھتے روکوں اور مخالفتوں کے پہاڑ اڑا دیئے۔مردوں کو زندہ کر دیا۔سخت زمین میں علوم و برکات کی نہریں چلا دیں۔ بڑی زبردست طاقت کا مالک ہے قرآن کریم۔ یہ دعویٰ کوئی ایسا دعویٰ نہیں کہ چونکہ ہم مسلمان ہیں قرآن کو مانتے ہیں،اس لئے یہ دعویٰ کرتے ہیں۔نہیں۔ بلکہ یہ باتیں تاریخ سے ثابت ہیں۔اور دو اور دو چار کی طرح ثابت ہیں۔دنیا پر قرآن کریم کے بڑے بڑے احسان اور افضال ہیں۔اس کی غریب نوازی کی کوئی انتہا نہیں۔وہ غریب و پسماندہ لوگ جو کہ ذلت و پستی کی انتہائی گہرائیوں میں پڑے ہوئے تھے، دنیا میں ان کی کوئی حیثیت وقدر نہ تھی،کوئی انہیں جانتا تک نہ تھا،انہی لوگوں کو قران نے رہبر و معلم اور دنیا کے فاتح بنا دیا۔دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا اس کے آگے سرنگوں ہوگئی۔ایک وقت آیا کہ دنیا کی کوئی قوم قرآن کے ماننے والوں کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ قرآن کے غلبہ کا ایک نظارہ یہ تھا اور مسلمانوں نے اس نظارہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور قرآن کے ذریعہ انہوں نے بڑی بڑی ترقیاں اور عظمتیں حاصل کیں۔

مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے: مگر قرآن کریم میں ایک موقع پر یوں بھی آیا ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (30:25) اور رسول نے کہا اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز (کی طرح قرار دیا) موجودہ زمانہ میں مسلمانوں نے بھی عملاً قرآن کریم کو چھوڑ ہی رکھا ہے،اور قرآن کی عظمتوں اور اس کے ذریعہ ترقی وفلاح حاصل کرنے کے نظارے دیکھنے کے باوجود چھوڑ رکھا ہے۔شاید کوئی کہے کہ مسلمانوں نے قرآن کو کہاں چھوڑا ہے؟! وہ تو اس کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔اسے خوبصورت غلافوں اور جزدانوں میں لپیٹ کر اونچے مقامات پر رکھتے ہیں۔اس کی طرف پیٹھ نہیں ہونے دیتے۔لیکن میں کہوں گا کہ مسلمانوں نے عملاً قرآن کو چھوڑ ہی رکھا ہے۔وہ اسے اونچے مقام پر نہیں بلکہ طاق نسیان پر اور عملاً اپنی پیٹھ کے پیچھے ہی رکھتے ہیں۔ان کی زندگیوں میں قرآن کا کوئی دخل نہیں رہا۔انہوں نے اپنے اعمال کے ذریعے اسے ترک کر دیا۔اس کتاب الٰہی کے حسن اور خوبصورتی کو چھپا دیا۔کسی کو اس کے پھیلانے اور اس کے حسن وخوبصورتی کے ظاہر کرنے کی فکر نہیں۔اس طرح گویا ایک لحاظ سے قرآن کریم مخفی ہو گیا ہے اور اس کا بے نظیر حسن و خوبصورتی دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہے!

حضرت مرزا صاحب کا عشق قرآن: مسلمانوں کی قرآن سے بے پروائی اور بے تعلقی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ اس زمانے میں ایک شخص اُٹھا جسے قرآن سے عشق تھا۔ اس کے دل میں قرآن کو پھیلانے اور اس کتاب الٰہی کے حسن وخوبصورتی کو نمایاں کرنے کا زبردست جذبہ تھا۔ اس نے مسلمانوں کو اس کام کے لئے پکارا۔ اس کی دعوت دی۔ لیکن مسلمان اس کی آواز پر متوجہ نہ ہوئے بلکہ الٹے اس کے مخالف اور درپے آزار ہو گئے۔ اس مرد خدا کے عشق قرآن اور اس دردوتڑپ کا اندازہ، جو اس کے دل میں قرآن کو پھیلانے کے لئے تھا، آپ اس کے اشعار سے لگا سکتے ہیں، جن میں سے چند میں آپ کو ''فریاد اہل اسلام'' میں سے سناتا ہوں۔ فرماتے ہیں☆

دردا کہ حسن صورت فرقاں عیاں نماند — آں خودعیاں، مگر اثرِ عارِفاں نماند
بینم کہ ہر یکے، بہ غم نفس مبتلاست — کس را غم اشاعت فرقاں بجاں نماند
یوسف شنیدہ ام، کہ شدش کارواں معین — ایں یوسفے کہ ہیچکسش کارواں نماند
جانم کباب شد، زغم ایں کتاب پاک — چنداں بسوختم کہ خود امید جاں نماند
دوش، اند کے مرابخیا لے شکیب بود — امشب، مپرس حال، کہ تاب وتواں نماند
اے سیّد الوریٰ مددے، وقت نصرت است — در بوستان سرائے تو، کس باغباں نہ ماند
صد بار رقصہا کنم، از خرّمی اگر — بینم کہ حسن دلکش فرقاں، نہاں نماند

☆ افسوس کہ قرآن کی صورت کی خوبصورتی عیاں نہیں رہی۔ وہ خود تو عیاں ہے مگر اس کے پہچاننے والے نہیں رہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہر ایک اپنی جان کے غم میں مبتلا ہے۔ کسی کے دل میں اشاعت قرآن کا فکر نہیں ہے۔ میں نے سنا ہوا ہے کہ ایک قافلہ یوسف کا مددگار ہو گیا تھا۔ مگر یہ وہ یوسفؑ ہے جس کا کوئی قافلہ مددگار نہیں۔ میری جان اس کتاب پاک کے غم میں (جل کر) کباب ہو گئی ہے۔ (اس فکر میں) میں اتنا جلا ہوں کہ مجھے اپنی زندگی کی امید نہیں رہی۔ گذشتہ رات تھوڑا سا مجھے ایک خیال کی وجہ سے صبر رہا۔ مگر آج رات حال نہ پوچھو۔ کیونکہ (صبر کی اب) طاقت نہیں رہی۔ اے سردار دو جہاں! یہ وقت مدد کا ہے۔ تیرے باغ میں اب کوئی مالی نہیں رہا۔ سو دفعہ خوشی سے میں رقص کرنے کے لئے تیار ہوں اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ قرآن مجید کا حسن دلکش پوشیدہ نہیں رہا۔

آخر پر آپ فرماتے ہیں☆

اے بے خبر، بخدمت فرقاں کمر بہ بند ''زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند''

ان اشعار سے حضرت مرزا صاحب کے اس درد اور تڑپ کا اندازہ ہوسکتا ہے جو آپ کے قلب میں قرآن کریم کے متعلق تھا اور اس رنج و غم کا بھی انداز ہوسکتا ہے جو کہ آپ کے دل میں مسلمانوں کی قرآن سے غفلت و مہجوری کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ شخص کافر تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ کافر ہے تو ایمان کہاں سے آئے گا۔ پھر حضرت مرزا صاحب نے یہ اشعار کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ اکثر شاعروں کی حالت یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ (226:26) (وہ بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں) کے مصداق ہوتی ہے۔ لیکن اس مرد خدا نے جو کہا وہ کر کے دکھلا دیا۔ غور کیجئے۔ قادیان جیسے معمولی اور الگ تھلگ گاؤں کا رہنے والا شخص اُٹھتا ہے اور عین اس وقت، جبکہ اس کی مخالفت میں ایک زبردست طوفان بپا ہے، 200 علما اس پر کفر کا فتوٰی لگاتے ہیں، وہ ارادہ کیا کرتا ہے؟ اپنی کس تمنا کا اظہار کرتا ہے؟ اس تمنا اور خواہش کا کہ قرآن کا ترجمہ یورپین زبانوں میں کر کے اسے یورپ پہنچایا جائے، پھر اس حالت میں، جبکہ چاروں طرف خطرناک مخالفت کی آگ بھڑکی ہوئی تھی، اس کام کی بنیاد بھی رکھ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے سامان مہیا کر دیئے: ان مردان خدا کی آرزوئیں اور خواہشیں معمولی انسانوں کی طرح نہیں ہوتیں جن کو خدا پورا نہ کرے۔ بلکہ یہ آرزوئیں ضرور پوری ہو کر رہتی ہیں۔ حضرت مرزا صاحب ابتداء میں ظاہری ساز و سامان کے لحاظ سے انتہائی کسمپرسی کی حالت میں تھے۔ اسی حالت میں اس آرزو کا اظہار اور اس کے لئے کام کا آغاز کیا گیا۔ پھر کس طرح اس دور افتادہ اور الگ تھلگ گاؤں قادیان میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سارے سامان جمع کر دیئے۔ کام کرنے والے بھی مل گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں سے اپنے دین اور قرآن کی خدمت کے بڑے بڑے کام لئے۔

ایک فوٹو میرا بھی لیا گیا: میں کسی فخر کے طور پر نہیں بلکہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں کہ میں بالکل نوجوان تھا جبکہ حضرت مرزا صاحب کے قدموں میں پہنچا۔ جیسا کہ نوجوانوں کی حالت ہوتی ہے۔ دنیا

☆اے بے خبر! فرقان (قرآن کریم) کی خدمت کے لئے کمر باندھ لے۔ اس سے پہلے کہ آواز آئے کہ فلاں شخص مر گیا۔

کی بہت سی امیدیں بھی ختم تعلیم پر میرے دل میں تھیں۔ اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود کو اپنی تصویر اتروانے کا خیال آیا۔ چنانچہ ایک فوٹو گرافر قادیان بلوایا گیا۔ یہ تصویر کسی شوق یا نمائش کے لئے نہیں اتروائی گئی تھی۔ حضرت صاحب کی طبیعت میں تو اس قدر سادگی اور دنیاوی معاملات سے بے تعلقی تھی کہ انہیں اس قسم کی چیزوں کا بالکل شوق نہ تھا۔ جراب تک آپ کو اچھی طرح پہننی نہ آتی تھی۔ کوٹ کے بٹن تک درست طریق سے لگے ہوئے نہ ہوتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے گرگابی لا کر دی تو اسے پہنتے وقت دایاں پیر بائیں میں اور بائیاں دائیں میں ڈال دیا۔ یہ فوٹو اس غرض سے اُتروایا تھا کہ یورپ کے لوگ بہت قیافہ شناس ہوتے ہیں۔ ایک شخص کے بشرے کو دیکھ کر اس کے متعلق اندازہ لگا سکتے ہیں۔ خیال تھا یہ فوٹو تبلیغی اغراض سے یورپ بھیجا جائے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حضرت صاحب کے ارشاد سے اس وقت ایک فوٹو میرا بھی لیا گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی وجہ تو مجھے یاد نہیں ہے۔ ویسے میں بھی انہیں لوگوں سے ہوں جنہیں فوٹو وغیرہ کا کوئی شوق نہیں۔ اس فوٹو کی ایک کاپی میرے پاس بھی پڑی رہی۔ گذشتہ دنوں میری نظر اس فوٹو پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ اس فوٹو میں ایک ہاتھ میری دائیں جانب بڑھا ہوا ہے۔ جس میں ایک کتاب ہے اور اس کتاب پر قرآن شریف لکھا ہوا ہے۔ اس سے پہلے اس پر کبھی میری نظر نہ پڑی تھی۔ وہ ہاتھ کس کا تھا اور تصویر میں کیوں ظاہر ہوا؟ یہ ایک بھید ہے۔ جس کو خدا ہی جانتا ہے۔ جس وقت فوٹو اتروایا گیا ہے کسی شخص کو اس غرض کے لئے کھڑا نہیں کیا گیا۔ اس کو ایک خدائی تصرف کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ دوسری طرف اس خدائی تصرف پر غور کیجئے تو گویا یہ میری طرف یا اس جماعت کی طرف ایک غیبی اشارہ تھا کہ خدمت قرآن اس جماعت کے ذریعہ ہوگی۔

میں آپ کی جماعت کی روح ہوں: میں کیا ہوں؟ آپ مجھے امیر جماعت کہتے ہیں لیکن میں دراصل آپ کی جماعت کی روح ہوں۔ آپ کے اندر جو جذبات ہیں خدا مجھے ان کے ظاہر کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔ یہ محض حضرت مسیح موعود کی دعاؤں اور آپ کی جماعت کی نیک خواہشات اور ارادوں کا اثر ہے کہ مجھ سے خدمت قرآن کا اس قدر کام ہو سکا۔ اگر میں حضرت مسیح موعود کے قدموں میں نہ پہنچا ہوتا تو کسی گوشۂ تنہائی میں پڑا ہوتا۔ ظاہر میں کام کرتا میں نظر آتا ہوں، قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ یہ کتاب

لکھی۔ وہ کتاب لکھی۔ دراصل کام حضرت مجدد زمان اور آپ کی جماعت کا ہے۔ جو حضرت مسیح موعود کی جانشین اور وارث ہے۔ میں بجائے خود کوئی چیز نہیں ہوں، خدا کی مرضی اور شان ہے۔ وہ جس سے جو چاہے کام لے لے!

ایک ولی اللہ کی دعا: حضرت مولانا نورالدینؓ نے ایک مرتبہ ایک بات سنائی۔ کیوں اور کس موقع پر سنائی تھی؟ یہ مجھے یاد نہیں۔ ایک ولی اللہ تھے۔ وہ تیس سال تک ایک دعا کرتے رہے۔ لیکن وہ قبول نہ ہوئی۔ مگر وہ برابر اس دعا میں لگے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا۔ آج بھی ایسی مثالیں دنیا میں موجود ہیں۔ 1914ء میں اختلاف ہوا اور ہم بے سروسامانی کی حالت میں قادیان سے یہاں چلے آئے۔ اس وقت سے ہی میں اس امر کے لئے کوشاں تھا کہ حضرت مسیح موعود کے دل میں قرآن کریم کے متعلق جو غم اور ارادے تھے، وہ ہمارے ذریعہ سے ظاہر اور پورے ہوں۔ اس وقت میری عمر چالیس سال کے قریب تھی۔ آج تیس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے اور حیرت انگیز طور پر ایسا انتظام کر دیا جس کی بدولت خدمت و اشاعت قرآن کی ایک مضبوط بنیاد ہمارے ہاتھوں قائم ہوگئی ہے۔ اگر آپ نے اپنا قدم سست نہ کیا تو آئندہ نسلیں اس واسطے سے برکتیں اور افضال مانگا کریں گی۔ اللہ تعالیٰ نے آج سے تیس سال پہلے کی دعاؤں کو قبول اور آرزوؤں کو پورا کیا اور ہم کو محض اپنے فضل سے خدمت و اشاعت قرآن کے ٹھوس کام کی توفیق دی۔

قرآن مجید کے تراجم اور تراجم قرآن فنڈ: 1943ء میں آپ کے ہاتھوں تراجم قرآن فنڈ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ بیشک اس سے قبل بھی تین چار زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم آپ کی جماعت کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ 1918ء میں انگریزی ترجمہ قرآن کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ 1922ء میں اردو تفسیر ''بیان القرآن'' شائع ہوئی۔ 1935ء میں ڈچ زبان میں اور 1939ء میں جرمن زبان میں قرآن کریم کے تراجم شائع ہوگئے۔ لیکن یہ رفتار اپنے مقصد اور دنیا کی ضرورت دونوں لحاظ سے سست تھی۔ دنیا میں قرآن کریم کو بہت وسیع پیمانے پر پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آپ کی چھوٹی سی قوم نے آج سے دو سال قبل 1943ء میں تراجم قرآن کے لئے دو لاکھ کا فنڈ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اب تک اس فنڈ میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب نقد روپیہ آ چکا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ وعدے بھی

ہیں۔متعدد زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کا کام اس وقت جاری ہے۔

تامل زبان میں بیس پارے تک☆ سندھی زبان میں دس پارے تک، گورمکھی میں بھی نو دس پارے تک ترجمہ ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ بنگالی اور اطالوی زبان میں تراجم کا کام جلد شروع ہونے والا ہے۔اس کا انتظام قریباً مکمل ہو چکا ہے۔ یہ سارا کام آپ کی چھوٹی سی قوم کر رہی ہے۔آپ کی اس سعی سے انشاء اللہ آئندہ پانچ سال کے اندر دس زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم تیار ہو کر دنیا میں پھیل جائیں گے۔ یہ کوئی معمولی سی کامیابی نہیں۔آج آپ کے ذریعہ وہ غم کام دے رہا ہے جو حضرت مسیح موعود کے دل میں قرآن کے متعلق تھا۔

''کس راغمِ اشاعت فرقاںِ بجاں نماند''اور''در بوستان سرائے تو،کس باغباں نہ ماند''

ایک قوم پیدا ہوگئی ہے جس نے قرآن کو دنیا میں پھیلانا اپنا مقصد زندگی قرار دے لیا ہے۔ بعض وقت تحریکات کرتے وقت مجھے یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ کس عمر کو پہنچا ہوا ہوں۔مگر خدا بڑا دینے والا ہے بشرطیکہ اس سے کوئی مانگنے والا ہو۔اس کا تو میں نے بھی تجربہ کر کے دیکھا ہے۔1943ء میں قریباً ستر سال کی عمر میں تراجم قرآن فنڈ کے لئے میں نے تحریک کی کہ مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے کر کے پھیلائے جائیں۔اللہ تعالیٰ نے اس میں کامیابی دی۔قوم نے توقع سے بڑھ کر اس میں حصہ لیا۔اور جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے یہ کام قابل اطمینان طریقہ سے جاری ہے۔اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو اس کے عظیم الشان نتائج آپ بہت جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

دس تبلیغی مرکز قائم کرنے کی بنیاد: اس کے بعد خیال آیا کہ مانا ہم نے مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم تیار کر لئے۔لیکن آخر ان تراجم کو مختلف ملکوں اور دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلائے گا کون؟ ان کے پھیلانے کے لئے بھی کوئی انتظام ہونا چاہئے۔1944ء کے آخر پر یعنی 71 سال کی عمر میں ایک اور نئی بنیاد دس تبلیغی مراکز کے لئے رکھی گئی۔ یہ دس مراکز دنیا کے مختلف حصوں میں اسلام کی تخم ریزی کریں گے اور قرآن کریم کے ان تراجم کو جو تیار ہو رہے ہیں پھیلائیں گے۔خدا کی شان اور اس کے افضال

☆ یہ تمام تراجم اب پورے ہو چکے ہیں (ایڈیٹر)

کو دیکھئے۔قوم کیا ہے اوراس کی تعداد کیا ہے! بہت ہی چھوٹی سی قوم۔پھر غریب۔کوئی امرا کی قوم نہیں۔ غیر تو رہے ایک طرف، خود ہمارے قادیانی دوست بار بار ہمیں قلت تعداد کا طعنہ دیتے ہیں۔ہاں! اسی قوم نے اس دوسری بنیاد یعنی ان دس تبلیغی مراکز کے لئے ایک سال کے اندر 128000 (ایک لاکھ 28 ہزار) روپیہ کے قریب جمع کرلیا۔حالانکہ اس تحریک سے ایک سال قبل تراجم قرآن فنڈ کے لئے بہت بڑی رقم ہو چکی تھی۔کیا آپ کو خبر ہے کہ اس فنڈ میں اس قدر رقم وصول ہو چکی ہے!

وصایا کی تحریک: اس کے علاوہ وصایا کی تحریک تھی۔اب تک قریباً 62000 (باسٹھ ہزار روپے) کی رقم لوگوں کی وصیت کے ذریعہ آ چکی ہے۔15000 (پندرہ ہزار) کے قریب کے وعدے ابھی اس مد میں قابل وصول ہیں۔اس تحریک کی طرف ابھی بہت سے دوستوں بلکہ اکثر دوستوں نے توجہ نہیں کی۔ورنہ اس تحریک کے ذریعہ وصول شدہ رقم سے بہت زیادہ روپیہ آ سکتا ہے۔یہ سب روپیہ قرآن اوراسلام کی اشاعت کے لئے جمع ہو رہا ہے۔کیا اس میں آپ کو خدائی نصرت کا ہاتھ نظر نہیں آتا؟ اللہ کے دین اور اس کی کتاب کی خدمت اوراشاعت کے لئے آپ جو ارادہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے سامان پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔قریباً پونے چار لاکھ روپے کا انتظام گذشتہ ایک سال کے اندر ہو گیا ہے، اور ابھی جماعت کا ایک کافی حصہ ایسا باقی ہے جس نے ان تحریکات میں پوری طرح حصہ نہیں لیا۔ بالخصوص وصایا فنڈ میں۔

کوشش کر کے ایک رو پیدا کریں: اس کے علاوہ میرا خیال ہے کہ دوستوں سے جو یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ چندہ ماہوار میں اپنی آمد کا دسواں حصہ دیا کریں، یہ مطالبہ بھی احباب کی توجہ کا مستحق ہے۔ اس طرح چندہ ماہوار کے ذریعہ جو رقم وصول ہوگی، اس میں سے نصف ہم اغراض عامہ پر صرف کریں گے۔باقی نصف ہم تبلیغی فنڈ میں ڈال دیا کریں گے۔اس طرح مجھے یقین ہے کہ دس مشنوں کا خرچ یہ چھوٹی سی جماعت بخوبی برداشت کرلے گی۔یہ بات بھی یاد رکھئے کہ جب آپ ایک مرتبہ کوشش کر کے یہ رو چلا دیں گے تو پھر لوگوں کو خود بخود شوق پیدا ہوتا چلا جائے گا۔اور سامان اپنے آپ مہیا ہوتے چلے جائیں گے۔لیکن ایک سوال ایسا ہے جس پر آپ کو خاص طور پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔تراجم قرآن فنڈ کے لئے انتظام ہو گیا۔اس ڈیڑھ لاکھ روپے سے آپ تراجم کراتے چلے جائیں۔جب یہ تیار ہو

جائیں گے تو خدا ان کے چھپنے کا بھی کوئی انتظام کر دے گا۔ دس تبلیغی مراکز کے لئے بھی کچھ فنڈ جمع ہو گیا ہے۔ جس کے ذریعے مشنوں کے قیام اور ان کے ابتدائی اخراجات پورے ہو سکتے ہیں۔

بچوں اور نوجوانوں کے لئے تعلیم قرآن کا انتظام: لیکن ایک سوال ہمارے سامنے یہ پیش کیا گیا ہے۔ جو واقعی قابل غور ہے کہ ہمیں ذرا اپنے گھروں کو دیکھنا اور سوچنا چاہئے کہ وہ کونسے آدمی ہوں گے اور کہاں سے آئیں گے۔ جو ان تراجم قرآن کو آپ کے تبلیغی مراکز کے ذریعہ دنیا میں پھیلائیں گے۔ میری اپنی عمر ستر سال سے اوپر ہو چکی ہے۔ میرے چار ساتھی اپنے مولا سے جا ملے۔ باقی بھی ہم میں سے ایسے ہیں جو اپنی عمر کھا چکے ہیں۔ پیچھے ہماری جو پود ہے کیا اس میں یہ اہلیت موجود ہے کہ وہ اس کام کو جاری رکھ سکتے؟ واقعی یہ ایک معقول اور قابل غور سوال ہے۔ میں اس سوال سے غافل نہیں ہوں۔ دراصل جس وقت یہاں اس تبلیغی کاروبار کی بنیاد رکھی گئی تھی اسی وقت سے یہ سوال میرے سامنے تھا کہ تبلیغ قرآن کے ساتھ جماعت کے بچوں کے لئے تعلیم قرآن کا بھی کوئی معقول انتظام ہونا چاہئے۔ میں اسے خوب اچھی طرف سے سمجھتا ہوں کہ جب تک ہمارے بچے اور نوجوان قران کے عالم نہ ہوں گے، تبلیغ قرآن کا کام پوری طرح سے انجام نہیں دیا جاسکتا۔ دیکھئے ایک ہوتے ہیں خدا کے مامور۔ ان کے لئے خدا یہ سامان پیدا کر دیتا ہے کہ کام کرنے والے خود بخود ان کے قدموں میں جا پہنچتے ہیں۔ لیکن ان کے بعد ان کی جماعتوں کو یہ سامان پیدا کرنے کے لئے خود تجویزیں سوچنی پڑتی ہیں اور ان پر عمل درآمد کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت جس مسئلہ کو حل کرنا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی ایسا انتظام ہو جائے جس سے خدمت دین و قرآن کا کام مستقل طور پر چلتا رہے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کام کو کرنے والے باقاعدہ مستقل طور پر تیار ہوتے رہیں۔ میں جانتا ہوں کہ موجودہ تبلیغی کاروبار بھی آپ کی قربانیوں اور ہمت سے ہی چل رہا ہے۔ لیکن آئندہ کے لئے زیادہ وسیع پیمانہ پر آپ کی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ بے شک آپ نے بہت بڑی ہمت دکھائی ہے۔ لیکن آئندہ کے لئے اس سے زیادہ ہمت بکار ہے۔

جماعت احمدیہ لاہور کی قربانیاں: خوب یاد رکھیں۔ کوئی قوم مسلسل قربانیوں کے بغیر اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ دیکھئے ایک بات پر میں شروع سے قائم ہوں۔ میں کسی کام کے لئے کوئی تحریک نہیں کرتا جب تک خود پہلے اس میں حصہ نہ لوں۔ میں نے آمد کا دسواں حصہ چندہ ماہوار دینے کی تحریک

کی۔ خود اس پر تیس سال سے عامل ہوں۔ اب خود اس تحریک پر قائم ہونے کے بعد آپ سے مانگتا ہوں۔ آپ سے نہیں خدا سے مانگتا ہوں۔ خدا ہی ہے جو دلوں کو پھیرتا اور انسانوں کو نیک کاموں کی توفیق دیتا ہے۔ جب اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ (1:5-6) کی دعا میری زبان پر آتی ہے تو روح فوراً ڈر جاتی ہے۔ اور میرا خیال فوراً اپنی جماعت کی طرف چلا جاتا ہے۔ خدا کے انعامات یونہی نہیں ہوتے۔ بلکہ ان انسانوں اور جماعتوں پر ہوتے ہیں جو اپنا سب کچھ خدا کے راستے پر لگا دیتے ہیں۔ ذرا غور کیجئے۔ دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں آپ کو کیا خصوصیت حاصل ہے؟ صرف یہی کہ دوسرے مسلمان خدا کے راستے میں وہ قربانیاں نہیں کرتے جو آپ کرتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہے کہ ان قربانیوں کی توفیق آپ کو مل رہی ہے!

آپ کی دوسری جماعت، جو تعداد میں آپ سے بیس گنا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ شاید پچاس گنا ہو، اس میں بڑے بڑے مالدار بھی موجود ہیں۔ ان کا نظام بھی بڑا مضبوط کہا جاتا ہے۔ ان کا بجٹ بھی بہت زیادہ ہے۔ ذرا سوچو۔ ان تمام باتوں کے باوجود ان کو خدمت قرآن کی توفیق نہیں ملی اور آپ کو ملی کہ تین مغربی زبانوں میں قرآن کا ترجمہ کر کے دنیا میں پھیلا دیا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ خدا کے نزدیک کس کے لئے کیا مقدر ہے۔ اول اختلاف ہوا۔ جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ پھر خدا جانے کیوں جماعت قادیان سے جو بلحاظ تعداد بڑا حصہ تھا خدمت قرآن کی توفیق چھین لی گئی! اب اشاعت قرآن کا غم اور جذبہ قادیانیوں کے دل میں پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ وہ اپنی تعداد لاکھوں کی بتلاتے ہیں۔ اور ان کا بجٹ بھی کہا جاتا ہے تیس لاکھ روپیہ تک جا پہنچا ہے۔ قران کے متعلق یہ درد آپ ہی کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ قادیانی جماعت نے تیس سال ہوئے انگریزی ترجمہ قرآن کی اشاعت کا وعدہ کیا تھا اور ایک پارہ ماہوار کے حساب سے ڈھائی سال میں اس کو مکمل چھاپ دینے کا اعلان ان کی طرف سے ہوا تھا۔ مدت تک خاموشی رہی۔ اب چند برس سے سال بسال اسی وعدے کو دوہرایا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان سے صرف ایک انگریزی زبان میں بھی قرآن کریم کا ترجمہ شائع نہ ہو سکا۔ دراصل جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں یہ خدا کی توفیق پر منحصر ہے۔ لیکن انسان کا یہ فرض ضرور ہے کہ وہ عزم اور قربانی میں پیچھے نہ رہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ دو باتوں کو کر کے اس تیسری بات سے رک گئے اور اس میں ناکام رہے یعنی تراجم قرآن فنڈ اور دس تبلیغی مراکز فنڈ کے بعد اپنی آئندہ نسل کی تعلیم قرآن کا کوئی انتظام نہ کیا تو آپ کی مثال اس شخص کی ہوگی جو سیڑھی کی چوٹی سے گرتا ہے۔ اگر کوئی پہلے یا دوسرے زینے سے گر جائے تو اس کو زیادہ چوٹ نہیں آتی۔ لیکن جو سیڑھی کی چوٹی سے گرتا ہے اس کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ بہت سے لوگ آپ کی قلیل جماعت کو برباد کرنے کے در پے ہیں اور اس بارہ میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی آپ کی جماعت کو انشاء اللہ برباد نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر آپ نے اپنی نسل کی تعلیم قرآن کا کوئی ابھی سے بندوبست نہ کیا، تو پھر یہ جماعت خود اپنے ہاتھوں برباد ہو جائے گی۔ اس طرح آپ اپنے بلند مقام سے گر جائیں گے۔ خوب یاد رکھیں کہ خدا کو کسی کی پروا نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کے دین کے کام رک نہیں سکتے۔ اگر ایک قوم دین کی خدمت سے غافل ہو جائے گی تو خدا اس کی جگہ دوسری قوم کھڑی کر دے گا۔

ادارہ تعلیم قرآن کے قیام کا منشاء: اس ساری گفتگو سے میری غرض یہ ہے کہ ہمیں ایک ادارہ تعلیم قرآن کے لئے بنانا چاہئے۔ یہ ادارہ نہایت مضبوط اور منظّم ہو۔ تا کہ اس کے ذریعہ تراجم قرآن اور اشاعت قرآن کا کام۔ نہایت باقاعدگی سے جاری رہ سکے۔ ان کاموں کے لئے اس ادارہ سے کارکن ملتے رہیں گے۔ اور ادارہ تعلیم قرآن سے میرا منشاء یہ ہے کہ ہم کوئی ایسی انتظام کریں کہ ہماری قوم کے بچے ایک اچھے ماحول میں رہ کر تعلیم قرآن اور اسلامی تربیت حاصل کر سکیں۔ کیا اس کے لئے ہمیں کوئی ایسا کالج کھولنا چاہئے جس میں ہمارے بچے اور نوجوان باقی سب کاموں کو چھوڑ کر صرف تعلیم قرآن کے حصول کے لئے وقف ہو جائیں؟ نہیں۔ معاش کی فکر انسان کی فطرت کا خاصا ہے۔ اس کو انسان سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس بارہ میں میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔

تحریک دارالیتامیٰ: چند سال پہلے میں نے ایک تحریک دارالیتامیٰ کے نام سے کی تھی۔ اس کا مقصد تھا کہ ہم قوم کے قابل امداد یتامیٰ کی تعلیم و تربیت اور پرورش کا مرکز میں کوئی انتظام کریں۔ اس وقت حالات کے لحاظ سے اس کے لئے ایک چھوٹی سی اپیل بھی ہوئی تھی۔ اس میں ہمارے تین محترم دوستوں۔ حاجی شیخ میاں محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم خاں بہادر میاں غلام رسول صاحب، ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب نے خاص

طور پر حصہ لیا تھا۔ چند اور دوست بھی اس میں حصہ لینے والے تھے۔ دارالیتامیٰ کے لئے عمارت کی تجویز ہو چکی تھی۔ لیکن جنگ کی وجہ سے اس تجویز کو عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا۔ خیال تھا کہ جنگ کے بعد تعمیر کے کام کو شروع کیا جائے گا۔

ڈاکٹر وزیر احمد صاحب کی رائے: اسی اثنا میں ہمارے ایک مخلص دوست ڈاکٹر وزیر احمد صاحب قریشی نے یہ خیال ظاہر کیا کہ دارالیتامیٰ نام بدل دینا چاہیئے۔ اس سے بچوں میں ایک احساس کمتری پیدا ہوگا کہ ہم یتیم ہیں۔ ہمارا کوئی نہیں۔ اس لئے قوم کے چندے اور خیرات پر پل رہے ہیں۔ بچوں میں اس قسم کے احساس کمتری کا پیدا ہو جانا اچھا نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے مجھے پسند آئی کہ اس ادارہ کا نام بدل دیا جائے۔ دارالیتامیٰ کی بجائے دارالاقامہ یعنی ہوسٹل بنانا چاہیئے۔ اس میں قوم کے یتیم بچے بھی رہیں اور قوم کے دوسرے امرا و غرباء کے بچے بھی رہیں۔ اس طرح یتیموں میں احساس کمتری پیدا نہیں ہوگا۔ دوسرے یتیم خانوں میں جب باہر سے روٹیاں اور دوسری چیزیں جاتی ہیں تو واقعی وہاں کے بچوں میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ ہم صدقہ وخیرات پر پل رہے ہیں۔ دارالاقامہ یا ہوسٹل میں سب قسم کے بچے مل کر رہیں گے۔

ادارہ تعلیم قرآن کا خیال کیسے پیدا ہوا: اس کے بعد میں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم دارالیتامیٰ یا دارالاقامہ کی بجائے ادارہ تعلیم القرآن بنائیں۔ جب ہمیں قرآن کی خدمت کرنا ہے تو اس کے لئے قرآن کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ جنہوں نے دنیا کمانی ہے ان کے لئے دوسرے بہت سے ذرائع اور سامان موجود ہیں۔ دنیا کے طالبوں کو دنیا دوسرے طریقوں سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے کسی خاص قابلیت اور تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بہت سے ایسے لکھ پتی اور کروڑ پتی آپ نے دیکھے ہوں گے جنہیں بات تک کرنے کا سلیقہ نہیں۔ میں نے بمبئی میں ایک کروڑ پتی کا حال سنا۔ دیکھنے میں یہ اول درجہ کا سادہ لوح انسان تھا۔ ابتداء میں یہ مزدوری کیا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ کروڑ پتی ہو گیا۔ مرتے وقت اس کے پاس 24 کروڑ روپیہ تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ اس نے بڑے بیٹے کو 14 کروڑ دیا اور چھوٹے بیٹے کو دس کروڑ روپیہ دیا۔ چھوٹے بیٹے نے اس غم وغصہ میں، کہ مجھے دوسرے بھائی سے کم روپیہ دیا گیا ہے، خود کشی کر لی۔

یہ ادارہ کس جگہ قائم کیا جائے: چنانچہ مجھے اپنی قوم کی آئندہ نسل کے متعلق یہ فکر نہیں کہ یہ دنیا کس طرح کمائیں گے بلکہ یہ فکر ہے کہ یہ دین کس طرح سیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے میں ادارہ تعلیم قرآن کی تجویز پیش کررہا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ ادارہ کس جگہ قائم کیا جائے۔ احمد یہ بلڈنگس میں تو اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ 1936ء میں، جبکہ ہماری انجمن بہت سی مالی مشکلات میں مبتلا تھی۔ اور سخت مقروض تھی اس وقت میں نے ایک تحریک ''ارشاد الٰہی'' کے نام سے کی تھی۔ اس وقت اتفاق سے اس تحریک کا یہ نام رکھا گیا۔ اس میں تمام دوستوں سے دس دس دن کی آمد مانگی تھی۔ اس تحریک میں سب دوستوں نے حصہ نہ لیا۔ لیکن پھر بھی تیس چالیس ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ اس وقت انجمن قرضوں کے نیچے دبی ہوئی تھی، لیکن اس کے باوجود اس روپیہ سے ہم نے اس جنگل کے اندر، جو مسلم ٹاؤن سے پرے واقع ہے۔ 180 کنال زمین خرید لی۔

زمین کا حصول اور چودھری ظہور احمد صاحب کی کوشش: اس زمین کے حاصل کرنے میں ہمارے دوست چودھری ظہور احمد صاحب نے خاص کوشش اور محنت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزائے خیر دے۔ اگر چودھری صاحب کوشش نہ کرتے تو ہم یہ زمین کبھی حاصل نہ کر سکتے تھے۔ اس زمین کا کچھ حصہ تو جماعت کے مختلف دوستوں نے لے لیا اور باقی انجمن کے پاس 180 کنال ہے۔ ہم نے اس کو ڈیڑھ دوسو روپے کنال کے حساب سے خریدا تھا۔ اب خدا کی طرف سے ایسے حالات اور سامان پیدا ہو گئے ہیں کہ اس زمین کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے اور یہیں یونیورسٹی سنٹر بننے کی تجویز ہو رہی ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ جو جگہ دنیوی تعلیم کا مرکز بننے والی تھی اسی جگہ اب اللہ چاہے تو تعلیم قرآن کا مرکز بھی قائم ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے افضال اور اس کی نصرتیں ہیں۔ جس وقت یہ زمین خریدی گئی ہے اس وقت اس قسم کی کوئی امید اور خیال نہ تھا۔ آج 180 کنال زمین کوئی اس نواح میں لینا چاہئے تو اسے چار ساڑھے چار لاکھ روپیہ صرف کرنا پڑے گا۔ جس وقت ہم نے اسے خریدا تھا اس وقت کسی کو خیال تک نہ تھا کہ چند سال کے اندر ہی یہاں زمین کی قیمتیں اس قدر بڑھ جائیں گی۔ اس وقت آپ کی صرف دس دس دن کی آمد سے جو تیس چالیس ہزار روپیہ جمع ہوا تھا اس سے یہ زمین لی گئی تھی۔ گویا اس دس دس دن کی آمد کی حیثیت تین چار ماہ کی آمدنی کے برابر ہو گئی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس زمین کی قیمت، جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں،

چار ساڑھے چار لاکھ روپیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قربانی کو اس قدر قبولیت عطا فرمائی!

تعلیم قرآن کا عظیم الشان مرکز: اب تجویز یہ ہے کہ اس جگہ ہم اپنی قوم کے بچوں کے لئے مکان بنائیں۔ درحقیقت یہ آپ کی قوم کا گھر ہوگا۔ یہ وہ چیز ہوگی جس پر دنیا رشک کرے گی۔ اگر اس وقت آپ پہل اور تھوڑی سی ہمت کریں تو اس جگہ تعلیم القرآن کے لئے ایک عظیم الشان مرکز بن سکتا ہے۔ خدا کے نزدیک یہ مقدر ہو چکا ہے کہ دنیا میں قرآن پھیلے۔ تمہارے لئے یہ موقع ہے کہ تم اس راستہ میں قدم بڑھا کر ایک اور بڑی سعادت حاصل کرلو۔ جو کوئی خدا کے کام کے لئے آگے بڑھتا ہے، خوب یاد رکھو، وہ ناکام نہیں رہتا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم خدا کی طرف ایک قدم بڑھاؤ گے تو وہ تمہاری طرف دو قدم بڑھائے گا، اگر تم چل کر خدا کی طرف جاؤ گے تو وہ تمہاری طرف دوڑتا ہوا آئے گا۔ اب زمین تمہارے پاس موجود ہے۔ اس ادارے یا مرکز کے لئے تمہیں صرف عمارت کی ضرورت ہے۔

میری تجویز یہ ہے کہ ہماری قوم کے وہ طالب علم جو یہاں مختلف کالجوں میں پڑھتے ہیں اور اکثر ان کے ہوسٹلوں میں رہتے ہیں جن کی تعلیم کا زمانہ بالعموم چھ سال ہوتا ہے، ہم ان کو اس مرکز یا دارالاقامہ میں رکھیں۔ اور اس چھ سال کے عرصہ میں، قران حدیث اور تاریخ اسلام کی ضروری تعلیم ان کے فارغ وقت میں انہیں دے دیں۔ یہاں تعلیم کے علاوہ ان کی تربیت بھی اسلامی رنگ میں اور اسلامی ماحول میں ہوگی۔ اور وہ موجودہ تہذیب کے ان مضر اثرات سے محفوظ رہیں گے جن سے وہ دوسرے ہوسٹلوں میں محفوظ نہیں رہ سکتے۔ کالج کے ہوسٹلوں میں خرچ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ پھر وہاں کی رہائش سے ایسے خیالات نوجوانوں کے دماغ میں رچ جاتے ہیں اور وہ ایسے خصائل و عادات کے پابند ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے نوجوانوں کی دینی و دنیوی حالت پر بھی بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ آجکل کا زمانہ بہت نازک ہے۔ چاروں طرف شیطانی ترغیبات موجود ہیں۔ بہت سے دوست ایسے ہوں گے جو ان ہوسٹلوں میں اپنے بچوں کو بھیج کر افسوس کر رہے ہوں گے۔ انشاء اللہ آپ کا یہ مرکز دارالاقامہ آپ کے بچوں کو ان مضر اثرات اور شیطانی ترغیبات سے محفوظ رکھے گا۔ غرضیکہ اس ادارہ میں ابتدائی عمر سے نوجوانوں کے لئے اپنے دیگر اشغال کے علاوہ تعلیم قرآن کا انتظام ہوگا۔

کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ تراجم قرآن اور تبلیغ قرآن کی تحریکات اسی صورت میں سرسبز ہو سکتی ہیں

کہ ان کے پیچھے ایک جماعت تعلیم قرآن کو حاصل کرنے والی ہو۔ جس سے ترجمہ قرآن اور تبلیغ قرآن کے لئے بوقت ضرورت موزوں آدمی مل سکیں۔ اس ادارہ میں کوشش ہوگی کہ جماعت کے نوجوانوں کو، جو معمولی تعلیم اپنے سلسلہ معاش میں حاصل کر رہے ہوں، جہاں تک ممکن ہے قرآن کریم سے، ابتدائی تاریخ اسلام سے اور قدرے حدیث سے واقف کرا دیا جائے اور ان کی تربیت ایسے طریق پر ہو کہ ان کے دلوں میں قرآن کریم کی محبت پیدا ہو۔ لیکن اس کے علاوہ اور بھی کئی رنگوں میں یہاں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے والے ہوں گے۔ اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی زندگیاں ریسرچ میں گذریں گی اور وہ نئے نئے مسائل دنیوی کا حل اس کتاب پاک سے تلاش کر کے دنیا کی رہنمائی کرنے والے ہوں گے۔ دیگر طلباء کے علاوہ اس جگہ ہماری قوم کے یتامیٰ بھی رہیں گے۔ یہاں نوجوانوں کے قیام کا انتظام بھی ہوگا۔ جو وقتاً فوقتاً مختصر تبلیغی ٹریننگ کے لئے آتے رہیں گے۔ سردست ایک سو طلباء کی رہائش کے لئے انتظام کی تجویز ہے۔ اس وقت آپ کو چاہئے کہ ان کمروں کی تعمیر کا بندوبست کر دیں۔ یہی وہ کام ہے جس کی طرف میں نے اپنی تقریر کی ابتداء میں اشارہ کیا تھا۔

صاحب جائیداد لوگوں سے اپیل: سب سے پہلے اس بارہ میں مَیں ان دوستوں سے اپیل کروں گا جن کے اپنے ذاتی مکان موجود ہیں۔ اور جو صاحب جائیداد ہیں۔ وہ جس طرح ان سے ممکن ہو یہاں ایک ایک کمرہ بنوا دیں۔ میں چاہتا ہوں جس طرح لوگ ذاتی مکان بنواتے ہیں اور ان پر ان کے نام ہوتے ہیں۔ فلاں منزل۔ فلاں منزل۔ اسی طرح یہاں بھی آپ لوگوں کے نام پر کمرے بنیں یہاں بھی کوئی کرم الٰہی منزل ہو۔ کوئی اسمٰعیل منزل ہو اور کوئی غلام رسول منزل ہو۔ مختلف دوستوں کے نام مختلف کمروں پر لکھے ہوئے ہوں۔ جس طرح آپ اپنے اہل وعیال اور اپنے خاندان کے لئے مکان بنواتے ہیں اسی طرح آپ یہاں اپنی قوم کے لئے گھر بنوائیں۔ اور درحقیقت یہی آپ کا اصلی گھر ہوگا۔ جو یہاں آپ کے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے کام آئے گا۔ اور دوسری دنیا میں بھی آپ کو اس کا اجر ملے گا۔ یہاں ہم میں سے بہت سے دوست ایسے ہیں جن کے پاس ضرورت سے زیادہ اپنی جسمانی آسائش کے لئے مکانات ہیں۔ وہ سوچیں کہ اگر وہ ایک کمرہ اپنے نام پر تعلیم قرآن کے لئے بنوا دیں گے تو اس سے نہ صرف ان کا نام ہمیشہ کے لئے باقی رہ جائے گا بلکہ اس مکان میں ہمیشہ تعلیم قرآن کا

سلسلہ جاری رہے گا۔ اور ہر سال نئے نئے آدمی مختلف مقامات سے اس کے اندر آتے رہیں گے جو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کر کے اگر خدا چاہئے گا تو دنیا کو خدا کے نور سے بھر دیں گے۔ ہم جو مکان رہائش کے لئے یا بطور جائیداد بنا کر اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارے بعد ان کا کیا انجام ہوگا۔ لیکن اس ادارہ میں تو انشاء اللہ ہمیشہ تعلیم قرآن حاصل کرنے والے آتے رہیں گے۔ ان میں سے بہت سے ایسے نیک لوگ ہوں گے جن کے دلوں میں اپنے کمرہ بنوانے والے کا نام دیکھ کر اس کے لئے اور اس کی اولاد کے لئے دردِ دل سے دعا نکلے گی اور اس لحاظ سے یہ ہماری بہترین جائیداد ہوگی۔ جس طرح مسجد بنوانے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں گھر بنا دینے کا وعدہ کیا ہے، تعلیم قرآن کے لئے کمرہ بنوانے والے کے لئے بھی میں یقین رکھتا ہوں، یہی اجر موجود ہے۔

خدا کے راستہ میں دینے سے کوئی غریب نہیں ہوتا: خوب یاد رکھو۔ خدا کے راستہ میں دینے سے کوئی شخص غریب نہیں ہو جاتا۔ میں نے آج تک کسی شخص کو نہیں دیکھا جسے خدا کے راستہ میں دینے سے غربت آ گئی ہو۔ ہمارے کئی دوست ایسے ہیں جو آمد کا دسواں حصہ چندہ ماہوار دینے سے گھبراتے ہیں لیکن وہ ان لوگوں کی طرف دیکھیں اور ان سے پوچھیں جو کہ سالہا سال سے دسواں حصہ آمدنی کا چندہ ماہوار میں دیتے ہیں۔ کیا ان میں کوئی شخص اس وجہ سے غریب ہو گیا۔ کیا کوئی اس وجہ سے بھوکا رہا۔ کیا اس کی وجہ سے اس کے کاروبار کو نقصان پہنچا؟ یقیناً نہیں۔ دیکھئے خدا کے راستے میں خرچ کرنے سے، صدقہ خیرات کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ جس قوم نے خدا کے راستے میں بخل کیا وہ دین میں بھی مر گئی اور دنیا میں بھی مر گئی۔

اب میں آپ کے سامنے وہ تخمینہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو میں نے اس ادارہ کی عمارت کے لئے تیار کرایا ہے۔ ہماری سکیم اور ارادے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت وسیع ہیں، لیکن جیسا کہ میں ابھی بتا چکا ہوں کہ فی الحال اس میں سو طلباء کی رہائش کا انتظام ہوگا۔

1- سب سے پہلے اس ادارے کے اندر مسجد کی ضرورت ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو یہ ادارہ بہت ترقی کرے گا اور اس کے لئے بہت بڑی مسجد کی ضرورت ہوگی۔ لیکن اگر سر دست یہاں چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر ہو جائے تو کام چل سکتا ہے۔ اس کے لئے سات ہزار روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے۔

2-اس مسجد کے ساتھ ایک کمرہ لائبریری کے لئے ہوگا۔اس ادارہ کے لئے کتب خانہ کی ضرورت ظاہر ہے۔ویسے بھی ایک زمانہ میں، جب مسلمانوں کا علمی و دینی شوق زندہ تھا۔اکثر مساجد کے ساتھ کتب خانے موجود تھے۔اس لائبریری کے لئے پانچ ہزار رپے کی لاگت کا تخمینہ ہے۔

سید بشیر حسین صاحب اور سید الطاف حسین صاحب کا عظیم الشان ایثار: میں چاہتا ہوں کہ مسجد اور کتب خانہ کی عمارت کے لئے ایک ایک دوست ذمہ لے۔ایسے دو دوست نکل آئیں اور ان کے لئے سات ہزار اور پانچ ہزار روپے کا وعدہ کریں تو میں آگے چلوں (حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہی تھے کہ جناب ڈاکٹر سید بشیر حسین صاحب خلف الرشید حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب مرحوم نے اپنی محترمہ والدہ مرحومہ کے نام پر مسجد تعمیر کرانے کا وعدہ کیا۔اور ان کے برادر بزرگ جناب سید الطاف حسین صاحب نے لائبریری کی عمارت کا وعدہ فرمایا۔اس پر حاضرین جلسہ میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اظہار تحسین فرماتے ہوئے کہا کہ آج شاہ صاحب مرحوم کی روح اپنے بیٹوں کے اس جذبہ اور قربانی پر اسی طرح وجد میں ہوگی جس طرح آپ اس وقت وجد میں ہیں۔مرحوم نے بھی اپنی زندگی میں متعدد مساجد تعمیر کروائیں اور خدمات دینی کے لئے بہت سا مال خرچ کیا۔ان کے سعید بیٹے بھی ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں) اس کے بعد اس طرح سلسلہ تقریر جاری ہوا۔اب اس کے بعد میں آگے چلتا ہوں۔اس ادارہ کی عمارت کے لئے تین قسم کے کمرے تجویز ہوئے ہیں۔

1-آٹھ آٹھ طلباء کے لئے کمرے۔جن پر فی کمرہ 2500 روپیہ لاگت آئے گی۔

2-چار چار طلباء کے لئے کمرے جن پر فی کمرہ 1150 روپے لاگت آئے گی۔

3-ایک ایک آدمی کے رہنے کا کمرہ جن پر فی کمرہ 500 روپے لاگت آئے گی۔

4-اس کے علاوہ ایک کمرہ طعام یعنی ڈائیننگ ہال ہوگا۔جس پر 3000 روپے لاگت آئے گی۔

شیخ نیاز احمد صاحب نے ڈائیننگ ہال تعمیر کرانے کا وعدہ فرمایا: حضرت ممدوح نے یکے بعد دیگرے ان کمروں کی تفصیل بیان کر کے تحریک کی۔چند منٹ کے اندر ہی بہت سے کمروں کے وعدے ہو گئے۔ڈائیننگ ہال کی تعمیر کا ذمہ ہماری جماعت کے محترم بزرگ جناب شیخ نیاز احمد صاحب وزیرآباد نے لے

لیا۔ان وعدوں کی تفصیل 4 جنوری 1946ء کے پیغام صلح میں شائع ہو چکی ہے۔

خواتین سلسلہ کے لئے تعلیم قرآن کا انتظام: چند خواتین کی طرف سے بھی وعدے کئے گئے اور ایک رقعہ کے ذریعہ خواتین نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس ادارہ میں بچیوں کے لئے بھی تعلیم قرآن کا انتظام ہونا چاہئے۔ اس پر حضرت ممدوح نے فرمایا کہ یہ اہم چیز بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ اور یقیناً اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ جو قوم علم قرآن سے اپنی لڑکیوں کو محروم رکھتی ہے وہ انہیں فی الحقیقت زندہ درگور کرتی ہے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (8:81) صرف انہیں چند لوگوں کے لئے نازل نہیں ہوا جو عرب کے اندر زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے بلکہ اس میں وہ لوگ بھی مخاطب ہیں جو اپنی عورتوں کو علم بالخصوص علم قرآن سے محروم رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح انہیں زندہ درگور رہنے دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت ان کی حالت مردوں سے بدتر ہوتی ہے۔ علم سے محروم رکھنے کو بہت سے مفسرین نے قتل ہی قرار دیا ہے۔ بلکہ اگر حقیقی طور پر دیکھا جائے تو لڑکیوں کی تعلیم قرآن کا انتظام لڑکوں سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ ہر ماں کو اپنی اولاد کی تربیت کا موقع ملتا ہے۔ اگر ماں علم قرآن سے محروم ہوگی تو اس کی اولاد پر بچپن میں قرآن کا نقش نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی صحیح تربیت ماؤں سے وابستہ ہے۔

پندرہ دن کی آمد کا مطالبہ: آخر پر حضرت امیر نے فرمایا کہ ''جو اصحاب کمروں کی تعمیر کی شکل میں اس تحریک میں حصہ نہیں لے سکتے ان سے اس کام کے لئے پندرہ پندرہ دن کی آمد مانگتا ہوں''۔ اس پر بھی بہت سے دوستوں نے وعدے لکھوائے اور بہت سے دوستوں نے نقد رقوم پیش کیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے چند منٹ کے اندر ہی مخلص احباب نے ایک لاکھ روپے کے قریب رقم فراہم کر دی۔ پندرہ دن کی آمد کے وعدے اس کے علاوہ تھے۔

☆

27 اپریل 1949ء

خوش آمدید

پاکستان اکونامک ایسوسی ایشن کے زعماء کو

میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے ان زعماءِ قوم کو خوش آمدید کہتا ہوں جو پاکستان کی پہلی اکونامک کانفرنس کے موقعہ پر 28 اپریل کو لاہور میں جمع ہو رہے ہیں میری اور میرے رفقاء کی یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو جو وہ پاکستان کو ایک خوشحال ملک بنانے کے لئے کر رہے ہیں بارآور فرمائے۔

اس کے ساتھ ہی میں ان کی خدمت میں ایک عرض بھی کرتا ہوں کہ کسی ملک کی خوشحالی کا انحصار اس بات پر نہیں کہ اس ملک میں دولت کس قدر رہے، بلکہ اس بات پر ہے کہ اس دولت سے عوام الناس کو فائدہ کس قدر پہنچتا ہے۔ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے۔ اور اسلام دنیا میں اس لئے آیا تھا کہ غرباء کی حالت کو بہتر بنائے اور دولت کو چند ہاتھوں میں مقید نہ ہونے دے۔ مال اور دولت بہت اچھی چیز ہے مگر جب یہ چند ہاتھوں میں قید ہو جائے تو یہ اپنی قیمت بھی کھو دیتی ہے۔ اور ان لوگوں کے اخلاق کو بھی بگاڑ دیتی ہے جن کے دلوں میں اسے جمع کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔

اسلام کی تعلیم کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ خدا کے آگے سر جھکانا اور غرباء کی خبر گیری۔ اسلام کی ساری ابتدائی تعلیم کا نچوڑ یہی دو چیزیں ہیں۔ اور جب مسلمانوں کو حکومت ملی تو ان کی سب سے پہلی کوشش یہی تھی کہ غربا کے طبقہ کو کس طرح اُٹھایا جائے اور ان میں دولت اور علم ان دو چیزوں کو کس طرح پھیلایا جائے۔ اس لئے ان زعماءِ قوم کی خدمت میں میری یہ عرض ہے کہ دولت کی ترقی کے ذرائع پر غور کرتے وقت ہی وہ یہ بنیاد بھی رکھیں کہ یہ دولت عوام کی خوشحالی کا موجب کس طرح بن سکتی ہے!

اشتراکیت کا جو سیلاب دنیا کو بہائے لئے جا رہا ہے اس کی روک ہندوستان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہندوستانی بنئے کی فطرت میں سرمایہ داری اور دولت سے محبت ہے۔ پاکستان کی اسلامی ریاست اگر اپنی بنیادوں کو آج ہی درست اُٹھائے تو وہ اس کی روک کر سکتی ہے۔ اس لئے ان زعماءِ قوم سے میری التماس ہے کہ جب آپ یہ سوچیں کہ ملک کی دولت کس طرح بڑھے تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی سوچیں اور اس کو اپنے پروگرام میں ثانوی حیثیت نہ دیں کہ ملک کی دولت سے غرباء کو کس طرح فائدہ پہنچے۔

خاکسار محمد علی

27اپریل1949ء

اسلام کا معاشی نظام

حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

اس وقت جبکہ پاکستان کی سب سے پہلی اکنامک کانفرنس کا انعقاد لاہور میں ہو رہا ہے، حضرت امیر ایدّہ اللہ کا حسب ذیل مضمون، جس میں آپ نے اسلام کے معاشی نظام پر قرآن وحدیث اور حالات حاضرہ کی روشنی میں مفصل بحث کی ہے، اراکین کانفرنس کے لئے خاص طور پر رہنمائی کا موجب ہوگا۔ مدیر

اسلام نے ہستی باری تعالیٰ پر ایمان پیدا کر کے پرامن نظام عالم کی بنیادیں رکھی ہیں اوراس طرح انسانی قلب میں ایمان باللہ کی جڑوں کو مضبوط کیا ہے اور انسانوں کے غیر مصالحت پسند اور سخت دشمن طبقات میں رفق وملائمت کے جذبات پیدا کئے ہیں۔ مختلف انسانی نسلوں کو مربوط کرتے ہوئے وحدت نسل انسانی پیدا کر دی ہے اور تمام انسانوں کو ایک قوم بنا دیا ہے۔ اوراس کے علاوہ اسلام نے نظام عالم کی تفصیلات کو بھی بیان کیا ہے۔ ایک اعلیٰ سوشل سسٹم اور مضبوط سیاسی نظام کے رہنمائی کرنے والے اصولوں کو بھی بہم پہنچایا ہے۔ ایک دائمی اور مستحکم تہذیب انسانی کی یہی خصوصیات ہوسکتی ہیں۔

سماجی نظام میں معاشی مسئلہ مقدم حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نہایت اہم سوال بنا ہوا ہے۔ ایک ایسا سوال جو ہر دماغ میں ایک ہیجان پیدا کرتا ہے۔ مغرب کی مادی تہذیب نے ایک طرف تو انسانوں کے بین الاقوامی حالات میں افراتفری پیدا کر دی اور دوسری طرف ہر قوم کے اندر طبقاتی جنگ پیدا کر دی ہے۔ بنیادی معائب خواہ کچھ ہوں، ہم مغرب کے معاشی نظام کو دو انتہاؤں پر پہنچا ہوا دیکھتے ہیں۔ اور اس انتہا پسندی کی وجوہ اس نظام کی وہ ناقابلیت اور معذوری ہے جس کی وجہ سے وہ بدلے ہوئے حالات کے تقاضوں کا حریف نہیں ہوسکتا۔ اس نے یا تو سرمایہ داری اور مزدور کی پیکار کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یعنی بورژوازی طبقات کی پرولتاری طبقات سے آویزش یا مزدوروں کی سرمایہ داروں کے خلاف جنگ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ یعنی پرولتاری طبقات کی بورژوازی طبقات کے خلاف صف آرائی۔ یہ کبھی نہ ختم ہونے والی پیکار یورپ کے ہر ملک میں اس وقت جاری ہے۔ جبکہ تلوار کی تباہ کن جنگ ختم ہو چکی

ہے اور بظاہر دنیا میں امن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ظاہر طور پر جنگ سطح کے اوپر ختم ہو چکی ہے۔ لیکن قومی زندگی کی سطح کے نیچے جنگ بدستور جاری ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ گو تلوار نیام میں جا چکی ہے لیکن انسان کے انسان پر استبداد اور ناانصافی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ جس کی طبقاتی اور بین الاقوامی جنگ بہترین آئینہ دار ہیں۔

ایک اور جنگ کی بناڈالی جارہی ہے: سماجی دائرے کی جنگ نے مغرب کو دو کیمپوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ یورپ کے متعدد ممالک میں سرمایہ داری غالب ہے اور مزدور جبر و استبداد کا شکار ہے۔ روس دوسری انتہاء پر پہنچ چکا ہے۔ جہاں پرولتاری طبقات بورژدازی طبقات سے غیر معمولی تندی کے ساتھ انتقام لے رہے ہیں۔ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ ایک ملک میں مزدور کی فتوحات نے مزدوروں کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں اور دوسرے ممالک میں ایسی ہی فتوحات حاصل کرنے کے لئے ان کی امیدیں بندھ گئی ہیں۔ اور یہ پیکار قوم کے دائرے سے نکل کر عالمگیر جنگ کی صورت اختیار کر رہی ہے اور اس جنگ میں سوویٹ روس تمام یورپ کے خلاف صف آرا ہے۔ یہ درست ہے کہ موجودہ عالمگیر جنگ کی ناگہانی ضرورتوں نے نئے اتحادات کے لئے قوموں کو مجبور کر دیا ہے۔ روس آج انگلستان اور امریکہ کا حلیف ہے لیکن طبقاتی جنگ سے، جو صلح و امن کے قیام کا ناگزیر نتیجہ ہوگی، یہ مذکورہ بالا حلیف اپنے آپ کو دو مختلف کیمپوں میں پائیں گے۔ اور موجودہ عارضی اتحادات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں آڑتی ہوئی نظر آئیں گی۔

انگلستان اور امریکہ کا حقیقی اتحاد ایک طرف اور روس کا اتحاد دوسری طرف دنیا میں صلح و امن کی بنیاد خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ اتحاد اس وقت تک نہیں ہوسکتا جس وقت تک ان ممالک کے معاشی نصب العین میں مصالحت کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔ جب تک معاشی مسئلہ کا تصفیہ نہیں ہوتا۔ صحیح امن دنیا میں قائم نہیں ہوسکتا۔ اس تصفیہ کے بغیر مغربی طاقتوں کے نمائندے صلح اور امن کی میز پر بیٹھ کر بھی آئندہ جنگ کی تیاری میں مصروف ہو جائیں گے۔ اگر یورپ کے ارباب حل وعقد یہ چاہتے ہیں کہ یہ جنگوں کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے تو انہیں سرمایہ داری اور مزدور کے جھگڑوں کو چکانے کے لئے ذرائع تلاش کرنے چاہئیں۔ تمام روئے زمین پر ان دو مذکورہ طبقات میں آویزش ہے۔ اس آویزش کا

تصفیہ از بس ضروری ہے۔ عیسائیت اور مادی تہذیب، جو عیسائیت کے بطن سے پیدا ہوئی ہے، ان دو طبقات میں مصالحت نہیں کرا سکتیں۔ اس پیکار میں صلح کی تجاویز صرف اسلام پیش کر سکتا ہے۔ اسلام کا سماجی نظام سرمایہ دار اور مزدور کے متضاد مفاد میں وسطی درجہ پر قائم ہے۔ صرف اسلامی نظام کے ذریعہ سے یہ مصالحت ہوسکتی ہے اور دنیا میں صحیح امن قائم ہوسکتا ہے۔

سرمایہ داری اور بالشوزم میں درمیانہ راستہ: متعدد مغربی مصنفین نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ مغرب کے معاشی تصورات کی پیکار میں اسلام کو وسطی درجہ حاصل ہے۔ جیسا کہ گبس اپنی تصنیف WHETHER ISLAM کے خاتمہ پر رقم طراز ہے:

''مغربی دنیا کی مبالغہ آمیز افراط وتفریط میں اسلام توازن قائم رکھے ہوئے ہے۔ یہ مغربی قومیت کی انارکی اور روسی کمیونزم کی فوج آرائی کے مساوی طور پر خلاف ہے زندگی کا معاشی پہلو، جو موجودہ یورپ اور موجودہ روس کی نمایاں خصوصیت ہے، اسلام ابھی اس واہمہ سے مغلوب نہیں ہوا''۔

اس کے بعد پروفیسر موسگرون کے اقتباس کو درج کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اسلام میں یہ خوبی ہے کہ اس میں ہر شہری کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا مستقل اور مساوی حکم ہے۔ زکوٰۃ کا روپیہ قوم کے بیت المال میں جمع ہونا چاہئے۔ بغیر قیود کے تبادلہ اشیاء بینکوں کا سرمایہ، حکومت کے قرضے اور مزدوری، اشیاء پر بالواسطہ محصول، اسلام ان جملہ باتوں کے خلاف ہے۔ لیکن یہ باپ اور خاوند کی ذاتی جائیداد اور تجارتی سرمایہ سے متعلقہ حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ یہاں بھی بوژوازی سرمایہ داری اور بالشویک کمیونزم کے مابین وسطی درجہ کا حامل ہے''۔

(صفحہ 379,378)

مغربی اقوام کے جنگجو معاشی طبقات میں اسلام کی حیثیت صلح کرانے والے کی ہے۔ اس کے سماجی نظام میں متعدد ایسی خصوصیات ہیں جو اور کسی نظام میں پائی نہیں جاتیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان کا دماغ ضرورت سے زیادہ زندگی کے معاشی پہلو سے متاثر ہو جائے

اور زندگی کی رفیع اقدار کو فراموش کر دے۔ مسلمان کا پہلا سبق یہ ہے کہ خدا کی طرف سے عائد کردہ فریضہ تمام فرائض پر فوقیت رکھتا ہے۔ وہ خواہ دنیا کا کوئی کام کر رہا ہو۔ جب اذان کی آواز اس کے کانوں میں آئے اسے اس کام کو چھوڑ کر اپنے خالق کے حضور سربسجود ہو جانا چاہئے۔ یہ اذان صرف صبح کے وقت ہی نہیں دی جاتی اور نہ رات کو سونے کے وقت دی جاتی ہے بلکہ دن کے اس حصہ میں بھی اذان کی آواز بلند ہوتی ہے جبکہ انسان کاموں کے ہجوم میں گھرا ہوا ہوتا ہے اس آواز کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ایک مسلمان خدا تعالیٰ کی موجودگی کو یقینی طور پر محسوس کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ معاش کے لئے اسے اپنی تمام تر توجہ اپنے کام پر مرکوز کرنا چاہئے لیکن وہ اس کے ساتھ یہ بھی جانتا ہے کہ انسان صرف روٹی سے ہی زندہ نہیں، زندگی کا ایک بلند مقصد بھی ہے جس کے سامنے معاشی اقدار ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب تک اس حقیقت اور صداقت کا لوگوں میں صحیح احساس پیدا نہ ہوگا اس وقت تک افراد اور قوموں کے درمیان معاشی مقابلے سکون قلب کی بجائے دکھ درد اور تباہی کے احساسات پیدا کرتے رہیں گے۔ یورپ کی مہذب اقوام اپنے معاشی مفاد کی گہما گہمی میں اس قیمتی سبق کو فراموش کر چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے درپے آزار ہیں۔ اور ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔

انسانی قانون کی ضرورت نہیں: دوسرے یہ کہ اسلام کا معاشی نظام مشیت ایزدی کا اظہار ہے۔ اس لئے اسے وہ استحکام حاصل ہے جو انسان کے بنائے ہوئے نظام کو حاصل نہیں۔ اور کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ ہر ایک نظام کو اپنے نفوذ کے لئے دنیوی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اسلام کا نظام دنیوی حکمرانوں اور حکومتوں کا محتاج نہیں ہے۔ کمیونزم روس میں اس لئے قائم نہیں کہ اس میں پبلک کے لئے کوئی اپیل موجود ہے بلکہ اس لئے قائم ہے کہ سوویٹ روس میں حکومت کی طرف سے اس کا جبری نفاذ کیا گیا ہے فسطائیت بھی اسی وقت تک صفحۂ ہستی پر موجود ہے جب تک اس کی پشت پر دنیوی طاقت اور حکومت ہے۔ یورپ میں عام طور پر سرمایہ داری کا تسلط بھی اسی لئے ہے۔ کیونکہ اس کے مالی ذرائع بہت وسیع ہیں اور نام نہاد جمہوری حکومتیں اس کی پشت پر ہیں۔ یورپ میں طاقت درحقیقت عوام کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ حکومت کی باگ ڈور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے۔ خواہ وہ یہودی ہوں یا غیر

یہودی ہوں۔لیکن اسلام کا سوشل نظام اس طرز کا نہیں ہے۔ وہ مذہب کی بنیادوں پر قائم ہے۔ انسانی دماغ کے لئے اس میں اپیل ہے۔ وہ اپنے نفاذ کے لئے عسکریت اور سیاسی طاقت کے محتاج نہیں۔ روئے زمین کے مسلمان خواہ وہ راعی ہوں، یا رعایا ہوں ان پر اسلامی قوانین کی حکومت ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی نظام لوگوں کے قلوب میں راسخ ہو چکا ہے۔اس کے نفاذ کے لئے کسی دنیوی طاقت کی ضرورت نہیں۔

ایک مستحکم نظام: تیسرے اسلام کا سماجی نظام ہے۔ وہ نظام ہے جس نے اپنی تیرہ سو سالہ زندگی میں ثابت کر دیا ہے کہ وہ نظام عالم ہے۔تمام اسلامی اقوام کے، جو مشرق بعید سے لے کر مغرب بعید تک آباد ہیں، باوجود نسلی لونی اور لسانی اختلافات کے، سماجی تصورات ایک ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر عجیب تر بات یہ ہے کہ گذشتہ ایک ہزار سال میں دوسری اقوام کے سماجی تصورات میں بیشمار تغیرات رونما ہوئے لیکن اسلام کا سماجی نظام تغیر پذیر نہیں ہوا۔گو مسلمان قوموں کی تقدیریں بدل گئیں۔لیکن ان کا سماجی نظام چٹان کی طرح مضبوط ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی نظام کے خمیر میں ایسی طاقت موجود ہے جو اسے ان اقوام کے، جو اس کے دائرہ اثر میں ہیں، تمام تغیرات اور انقلابات سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ یہ صرف نظام عالم ہی نہیں ہے بلکہ مستحکم نظام عالم ہے۔

دولت کوئی معیار نہیں ہے: اسلام کے سماجی نظام کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا منتہائے مقصود مساوات ہے۔ جہاں تک قوم کے افراد کے لئے مساوات ممکن ہوسکتی ہے، اسلام پست لوگوں کو بلند کرتا ہے اور غریبوں کو امیر بناتا ہے اس لحاظ سے اسلام اور بالشوزم میں نمایاں فرق ہے۔ کیونکہ بالشوزم امیروں کو غریب بنا کر بلند کو پست کر کے مساوات پیدا کرتا ہے۔قرآن مجید کی ابتدائی آیات پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے، اسلام صرف مظلوم کو نجات دلانے اور غریبوں کی مدد کے لئے نہیں آیا بلکہ غرباء کو بلند سطح پر پہنچاتا ہے۔ جہاں وہ دولت کے مساوی طور پر مالک بن کر امراء کے دوش بدوش کھڑے ہوسکتے ہیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پہلے امراء اور غرباء کے ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ سونے اور چاندی کے ڈھیر وجہ امتیاز نہیں ہیں۔ یہ انسان کی وجاہت میں اضافہ نہیں کرتے۔اور نہ غربت باعث

ذلت ہے۔ یہ مقسوم کے تغیرات اور زمانہ کے اتفاقات خدا کے حضور میں کچھ وقعت نہیں رکھتے اور نہ ان لوگوں کی نگاہوں میں ان کی اہمیت ہونی چاہیئے جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ (16-15:89) تو انسان کی حالت یہ ہے کہ جب اسے اس کا رب آزماتا ہے پھر اسے عزت دیتا ہے اور نعمت بخشتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے معزز کیا ہے اور جب اسے آزماتا ہے پھر اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ وَ زُخْرُفًا وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ (35-33:43) اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ہی ایک گروہ بن جائیں گے تو ہم ان کے لئے جو رحمان کا انکار کرتے ہیں ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں اور ان کے دروازے اور تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں اور سونے کے اور صرف دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ اور آخرت تیرے رب کے نزدیک متقیوں کے لئے ہے۔

دولت کی جگہ: پہلی بات، جو اسلام دنیا میں ایک نظام پیش کرتے ہوئے کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ دولت کے حصول کو صحیح رنگ اور صحیح تناسب کے ساتھ انسانی دماغ کے سامنے رہنا چاہیئے۔ دولت ایسی چیز نہیں ہے جسے ترک کیا جائے۔ خدا ہی اس دنیا میں بھلائی دیتا ہے (سورۃ البقرہ 1-2) اور نعمتوں کے استعمال سے منع نہیں کرتا قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (32:7) کہو کس نے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے اور کھانے کی ستھری چیزوں کو حرام کیا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ النساء میں نہایت وضاحت کے ساتھ دولت کو سہارا قرار دیا ہے فرمایا وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ (5:4) اور کم عقل لوگوں کو تم اپنے مال نہ

دے دو، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سہارا بنایا ہے۔ اور تم انہیں ان کے ذریعہ سے کھانے کے لئے دو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تنبیہ بھی کی گئی ہے کہ دولت صرف ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ مقصد نہیں ہے۔ دولت سے بڑھ کر بلند بھی زندگی کی اقدار ہیں۔ انہیں دولت کے حصول میں نظروں سے اوجھل نہیں کرنا چاہئے وَرَحْمَتُ رَبِّکَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (32:43) اور تیرے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ انسانی دل میں سب سے بڑھ کر جگہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہونی چاہئے۔

عدم مساوات زندگی کا قانون: الٰہی نظام عالم کی ترکیب میں، جو انسان کی طرف نازل کیا گیا ہے، ایک اور امر کو بھی بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ ساری نیچر میں ایک تنوع پایا جاتا ہے۔ کائنات میں اختلافات موجود ہیں، جو وحدت کے منافی نہیں ہیں۔ کوئی دو آدمی ایک جیسے نہیں۔ نہ ان کے دماغ ایک جیسے ہیں انسانی استعدادوں میں بھی فرق موجود ہے۔ سب یکساں کام نہیں کر سکتے، بعض لوگوں کو دوسرے لوگوں کی نسبت بہتر دماغ ودیعت کئے گئے ہیں۔ بعض لوگوں کو کام کرنے کی استعداد زیادہ عطا ہوئی ہے اور بعض لوگوں کو اچھا ماحول میسر آ جاتا ہے۔ جہاں ان کا کام زیادہ موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے۔ ان اختلافات کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ انہیں حیات انسانی کے لئے ضروری کوائف کے طور پر تسلیم کرنا چاہئے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا (32:43) یعنی ہم نے ان کے درمیان ان کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے۔ اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے ہیں تا کہ ایک دوسرے کو خدمت میں لگالے۔ اللہ تعالیٰ نے معاش میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ یہ اختلافات مٹائے نہیں جا سکتے۔ یہاں تک کہ بالشویک روس بھی ان اختلافات کو نہیں مٹا سکا۔ سٹالن اور معمولی کان کن برابر نہیں ہیں۔ اس دنیا کا نظام اس وقت تک چل نہیں سکتا جب تک کہ بعض لوگ بعض پر حاوی ہو کر ان سے خدمت نہ لیں اگر اختلافات نہ ہوتے تو ریاست نہ ہوتی۔ کوئی نظام نہ ہوتا اور ہر جگہ ایک افراتفری سی مچی ہوتی۔ دماغی اختلافات کا اعتراف تو اشترا کی نظام میں بھی کیا جاتا ہے۔ جو اس مفروضہ سے شروع ہوتا ہے کہ دنیا میں مساوات ہونی چاہئے۔ حکومت سرمایہ داروں پر جبر کر کے اور انہیں ان کے املاک سے محروم کر کے دولت کو مساوی تقسیم کر سکتی ہے۔ جیسا کہ بعض حکومتیں مزدوروں پر

ظلم کرتی ہیں اور غریبوں پر ستم توڑتی ہیں لیکن یہ اس معاشی مسئلہ کا حل نہیں ہے۔

مساوی تقسیم: اسلام کا معاشی نظام اسباب معیشت کی نہایت انصاف سے اور صحیح تقسیم کرتا ہے اور اس کے لئے اس نے ایک بے نظیر نظام قائم کیا ہے۔ سرمایہ داری کو تباہ کرنا یا بالفاظ دیگر امراء کی دولت کو زبردستی چھین کر اسے حکومت کی جائیداد بنانا یا برائے نام طور پر سماج کی ملک بنانا بہت بڑی ناانصافی ہے اور اسلامی روح کے بالکل منافی ہے۔ اسلام نے خیرات کا ایک لازمی نظام قائم کیا ہے۔ اس لحاظ سے لازمی نہیں کہ اس کو جمع کرنے کے لئے دنیوی طاقت کو استعمال کیا جائے بلکہ یہ دباؤ اخلاقی ہے۔ فرد کی ذہنیت کو بدل دیا جاتا ہے۔ جو کچھ آدمی کماتا ہے وہ اس کی محنت کا پھل ہے اور اسے اس پھل سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جب وہ اپنی ضروریات کے مطابق خرچ کر لیتا ہے اور کچھ پس انداز بھی کر لیتا ہے تو یہ جمع شدہ سرمایہ مستقل سرمایہ متصور ہوتا ہے۔ اس سرمایہ کا ایک معیّن حصہ اسے اپنے مستحق اور غریب بھائیوں کی مدد کے لئے حکومت کو دینا پڑتا ہے۔ یہ حصہ ایسا ہے جو غرباء کو فائدہ پہنچاتا ہے، اور امراء کو کنگال بھی نہیں کرتا۔ یہ خدائی حکم ہے اور انسان کو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔

روپیہ جمع کرنا ایک گناہ ہے: دولت کو سمیٹنا اسلام میں ایک حد تک نجس اور ناپاک خیال کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا اثر انسان کے قلب پر پڑتا ہے اور دولت کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ ناپاکی جمع شدہ دولت کا چالیسواں حصہ ادا کرنے سے دھوئی جا سکتی ہے۔ اس لئے اسے زکوٰۃ کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے۔ یعنی یہ ایک ایسا فعل ہے جس سے تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ اسلامی حکومت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کو جمع کر کے مستحق لوگوں میں تقسیم کرے۔ اگر اسلامی حکومت نہ ہو تو بھی اسلامی سماج کی تشکیل اس افتاد پر ہوئی ہے کہ وہ اس روپیہ کو اکٹھا کر کے غرباء میں تقسیم کر سکتا ہے۔ یہ یقین، کہ دولت کا جمع کرنا ایک ناپاک فعل ہے اور تزکیہ صرف اڑھائی فیصد ادا کرنے سے ہو سکتا ہے، اس جذبہ نے زکوٰۃ کی ادائیگی میں پہلے اور آج بھی بہت کام کیا ہے۔ یہ ایک طریقہ ہے جس سے اسلام نے جمع شدہ دولت کی تقسیم پر اثر ڈالا ہے۔ جتنے نظامات آج دنیا میں موجود ہیں کسی کی طرف سے ایسی کوشش معرض وجود میں نہیں آئی۔

سرمایہ داری اور حکومت: تقسیم دولت کا مسئلہ، جس کے ساتھ سیاسی اقتدار وابستہ ہے، آج انسانیت کے سامنے عظیم الشان مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے۔ مغرب کی مادی تہذیب کا بنیادی پتھر سرمایہ داری

ہے۔ اور اس سرمایہ دارانہ نظام نے دولت کو صرف چند ہاتھوں میں جمع کر دیا ہے۔ جس سے عوام کی غربت اور مشکلات میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ سیاسی اقتدار دولت کے پیچھے چلتا ہے اور سرمایہ داروں کے اشارات پر سیاسی مدبروں کو صلح اور جنگ کا اعلان کرنا پڑتا ہے۔ سرمایہ دار جن کے اختیار میں سیاسی قوت ہے ان کی پیاس کبھی نہیں بجھتی۔ اس لئے انہوں نے اسے پر شوکت لفاظی کے ساتھ قانونی جامہ پہنا دیا ہے۔ نو آبادی قائم کرنے، فوجی قبضہ کرنے، اور انجمن اقوام کی طرف سے کسی ریاست کو کسی ملک پر حکومت کرنے کے عارضی اختیار کی شکل میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ یورپ کی بڑی بڑی طاقتیں قومی پیمانہ پر بڑے بڑے سرمایہ دار ہیں۔ یہ طاقتیں جنگی مصارف کے لئے قرضے لے کر سرمایہ داری کی طاقت میں اضافہ کرتی ہیں۔ اسلام نے اس عارضہ کا علاج سود کی مخالفت سے کیا ہے۔ جس کا مفصل ذکر آگے آئے گا۔

بالشوزم کے حقیقی معائب: انیسویں صدی کے وسط میں، یعنی آج سے قریباً ایک سو سال قبل، سرمایہ داری کے خلاف ردعمل شروع ہوا۔ اس ردعمل نے سوشلزم کا نام اختیار کیا۔ اور بتدریج بالشوزم کی شکل اختیار کر گیا، روس پر اس کا مکمل تسلط ہے۔ غالباً اتنا شدید تسلط ہے جتنا یورپ کے دوسرے ممالک پر سرمایہ داری کا ہے۔ روس سے باہر اس نے کوئی زیادہ ترقی نہیں کی۔ گو روس کی طرف سے غیر معمولی پروپیگنڈا کیا گیا ہے۔ آیا یہ روس میں ایک مستقل نظام کی صورت اختیار کرے گا۔ اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا لیکن اس میں ایک بات بہت عجیب معلوم دیتی ہے۔ بالشوزم لوگوں کو آزاد کرنے کے لئے پیدا ہوا لیکن اس نے بھی اتنی ہی غلامی پیدا کی جتنی کہ سرمایہ داری نے پیدا کی۔ زار (شاہ روس) کے زمانہ کی مطلق العنانیت کی جگہ سوویٹ استبداد نے لی ہے۔

ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ کیا بالشوزم نے انڈسٹری کو حکومت کی ملک بنا کر تقسیم دولت کے مسئلہ کو بالآخر حل کر دیا ہے۔ یہ کہنا کہ روس میں پانچ سالہ تجویز نے پیداوار کو اس حد تک مستعجل کر دیا ہے کہ وہ خیال میں نہیں آ سکتی۔ اس لئے انڈسٹری کا حکومت کی ملک بن جانا اس مسئلہ کا حقیقی حل ہے۔ ایسا خیال کرنا غالباً کسی نتیجہ پر پہنچنے میں عجلت سے کام لینا ہے۔ کون جان سکتا ہے کہ وہ لوگ جو اس تجویز کو بروئے کار لانے کے لئے مامور ہیں جو حکومت کے ایجنٹ ہیں وہ شاید کل کو روبتزل ہو کر ایک طبقۂ امرا

بن کر رہ جائیں۔ جو کہ سرمایہ داری کے طبقۂ امراء سے مشابہ ہو۔ انسانی فطرت ایسے میلانات کی طرف راغب ہے۔ بالشوزم کے پاس ان میلانات کو روکنے کے لئے کوئی علاج نہیں ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر یہ بات قابل غور ہے کہ بالشوزم، جو کہ مزدوروں کے دوست کے طور پر رونما ہوا ہے، وہ مزدور کو اس کی محنت کے پھل سے محروم کر کے اپنے مقاصد کو خود شکست دیتا ہے۔ ضروری اشیاء کا سست اور محنتی احمق اور عقلمند میں مساوی تقسیم کر دینا یقیناً ایسے نتائج پیدا کر دے گا جو نا قابل برداشت ہوں گے۔ یہ فطرت اور فطرت کے مسلمہ قوانین کے خلاف ہے۔ بڑے نتائج ایک دن میں نہیں دیکھے جا سکتے۔ سرمایہ داری کے معائب کے ظاہر ہونے میں صدیاں لگی ہیں۔ بالشوزم کے معائب نمایاں ہونے کے لئے بھی عرصہ درکار ہے۔

بالشوزم اور اسلام کا معاشی نظام: اسلام نے ہی دولت کے مسئلہ کا بہترین حل پیش کیا ہے۔ انسان میں اعلیٰ جذبات پیدا کئے جائیں اور بلند کردار کی تعمیر کی ہے۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جن پر نسل انسان کے لئے پائیدار تہذیب کی بنیادیں استوار کی جا سکتی ہیں۔ بالشوزم کے سخت گیرانہ اصول، جن میں صرف انسانی جسم کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اسی کے لئے اشیاء مہیا کی جاتی ہیں۔ تاکہ یہ زندہ رہ سکے۔ یہ قوانین رفق و ملائمت اور محبت کے اعلیٰ جذبات کو کچل دیں گے۔ اور ان خصوصیات کو بھی تباہ کر دیں گے جو انسانی زندگی کو بلند کرتی ہیں اور انسان کے دل میں زندہ رہنے کی خواہش پیدا کرتی ہیں۔ اور جن سے محرومی انسانیت کو روبتنزل کر دے گی، اور انسان بربریت کا شکار ہو جائے گا۔ اسلام زکوٰۃ سے دونوں مقاصد کو پورا کرتا ہے۔ زکوٰۃ صرف معاشی مساوات کو ہی پیدا نہیں کرتی بلکہ بلند جذبات کی نشوونما بھی کرتی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اپنے انسانی بھائیوں کے لئے محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ اس کے برعکس حکومت کی ملکیت کا سخت گیرانہ نظام انسان کے بلند جذبات کو کچل دیتا ہے۔ اس طریقہ سے دولت جمعیت اسلامی میں دورہ کرتی رہتی ہے، جس طرح کہ خون ایک جسم کے اندر دورہ کرتا ہے۔ اسلامی سماج کے دولت مند ارکان کی دولت کا مخصوص حصہ مرکزی بیت المال میں جمع ہو جاتا ہے، جہاں سے یہ ان حلقوں میں بھیج دیا جاتا، جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کا ادارہ صرف دولت کی مساوی تقسیم میں ہی مدد نہیں دیتا بلکہ بحیثیت مجموعی قوم کے

اٹھانے کا موجب بنتا ہے۔ اس امر کو اچھی طرف سے سمجھ لینا چاہئے کہ زکوٰۃ صرف لازمی اور ناگزیر خیرات ہی نہیں ہے یہ حکومت کا ادارہ ہے۔ اور جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے وہاں یہ ایک ملی ادارہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ فرد کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کا حساب کرے اور اپنی مرضی کے مطابق اسے خرچ کرے۔ حکومت یا قومی تنظیم کو زکوٰۃ جمع کرنا چاہئے۔ معطی کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے جمع شدہ سرمایہ کا ایک حصہ خیرات کے طور پر مستحقین کو دے بلکہ اسے اس رقم کو قومی فنڈ میں بھیجنا چاہئے جہاں سے یہ قوم کی بہتری اور بہبودی کے لئے خرچ ہو سکے۔

انڈسٹری اور جائیداد کا حکومت کی ملکیت ہونا اسلام کے سماجی نظام کے زکوٰۃ اور عشر کی دوسری صورت ہے اول الذکر کو بعض دفعہ لسانی اور روانی کے ساتھ دنیا کے معاشی مسئلہ کے بہترین حل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا اس سے ملک کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے؟ جتنا ایک قوم محنت کرے گی اور جتنا محنت میں عقل کو استعمال کرے گی، اسی نسبت سے نیچر کے ذرائع پر اس کا تسلط بڑھتا جائے گا۔ اور یہی دوسرے الفاظ میں دولت ہے۔ لیکن انڈسٹری کا حکومت کی ملکیت ہونا اور انفرادی مہم کا فقدان ہر قسم کے مقابلہ کے لئے مانع ہے۔ اور محنت شاقہ اور دماغی محنت کے محرکات سے لوگوں کو محروم کر دیتا ہے۔ اور بالآخر یہ سستی کاہلی اور جمود پیدا کر کے پیداوار کے معیار کو کم کر دیتا ہے۔ اور اس قوم کو مفلس کر دیتا ہے جو اسے اختیار کرتی ہے۔ قومی شعور علیحدہ رہنے کی خواہش، طاقتور اور خودمختار قوم کے تصورات شاید ایک وقت کے لئے محرک ثابت ہوں، لیکن یہ تحریک بھی قومی پیمانہ پر مقابلہ کی وجہ سے پیدا ہوگی۔ جنگ کے دوران شاید یہ محرک بہت بڑھ جائے اور اس وقت اور بھی ترقی کر جائے جب کسی طاقتور قوم کے ہاتھوں قوم کو تباہی اور بربادی کا خطرہ ہو۔ جیسا کہ روس میں ہوا ہے۔ انفرادی مہم اور شخصی جائیداد کا فقدان صلح اور امن کے زمانہ میں کاہلی اور سستی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی بیّن حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ سوویٹ روس کو بھی اپنے پہلے خیالات میں ترمیم کرنی پڑی ہے اور کسی نہ کسی صورت میں مقابلہ کو رواج دینا پڑا ہے۔

جائیداد کا حکومت کی ملکیت ہونا انڈسٹری کے حکومت کے ملک ہونے کا ضمنی نتیجہ ہے۔ اس کے نتائج بالآخر اس سے بھی زیادہ بھیانک ہوں گے جتنا کہ سرمایہ داری کے ظاہر ہوتے ہیں۔ جوں

جوں سرمایہ داروں کی تعداد میں کمی ہوتی ہے، سرمایہ داری کے نقصانات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ جتنے سرمایہ دار کم ہوں گے اسی نسبت سے سرمایہ داری کے نقصانات میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اور جب ایک ہی سرمایہ دار میدان میں رہ جائے گا خواہ وہ فرد ہو یا حکومت، تو سرمایہ داری کے نقصانات شدت کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔

ایک قوم کے اندر ایک سرمایہ دار زیادہ قابل برداشت ہے بہ نسبت اس کے کہ انڈسٹری اور جائیداد کی مالک حکومت بن جائے۔ ایک فرد پر تو تنقید ہو سکتی ہے اور وہ اپنے مفاد کی خاطر اپنی اصلاح بھی کر سکتا ہے۔ لیکن حکومت ایسا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وہ عموماً ایسی تنقید کو دبا دیتی ہے جس سے اس کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ دنیا میں ہر ایک قسم کے استبداد کا علاج ہو سکتا ہے۔ لیکن حکومت کے استبداد کا کوئی علاج نہیں۔ اور خصوصاً اس حکومت کے استبداد کا جو ملک میں واحد سرمایہ دار ہو۔ یہ کہنا کہ ایسی سرمایہ دار حکومت لوگوں کی بہتری اور بہبودی کے لئے کام کرتی ہے۔ اتنا ہی بے بنیاد ادعا ہے جتنا کہ یہ خیال کرنا کہ ایک جابر اور خود مختار حکمران اپنی رعایا کی بہتری کے لئے کام کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت ایک ایسی برائی ہے جسے مجبوراً سوسائٹی کے خطرناک عناصر کو دبانے کے لئے اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس کا استبداد خوفناک ہوتا ہے۔ لیکن یہ بہت ہی خوناک اور بھیانک بن جاتا ہے جب کہ تمام مالی ذرائع اس کے ہاتھ میں ہوں۔ جن سے کہ دوسروں کو محروم کر دیا گیا ہو۔ حکومت کو انڈسٹری اور جائیداد کی ملکیت دے دینا درحقیقت اس کے ہاتھوں میں خطرناک حربہ دینا ہے۔ اس کی تباہ کاریاں موجودہ جنگ سے بھی زیادہ دہشت انگیز اور ہولناک ہوں گی جو اس وقت دنیا میں لڑی جا رہی ہے۔

☆

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

رجب المرجب 1368ھ تا صفر المظفر 1371ھ

مئی 1949ء تا نومبر 1951ء

جلد 19

احمدیہ انجمن لاہور

نام کتاب	:	افکارِ محمد علیؒ (جلد 19)
ناشر	:	دارالکتب علمیہ، 5 عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
باہتمام	:	محمد ارشد علوی
طبع	:	اول
تعداد	:	300
مقام اشاعت	:	5۔ عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ نے ادا کیے ہیں۔(برائے مفت تقسیم)

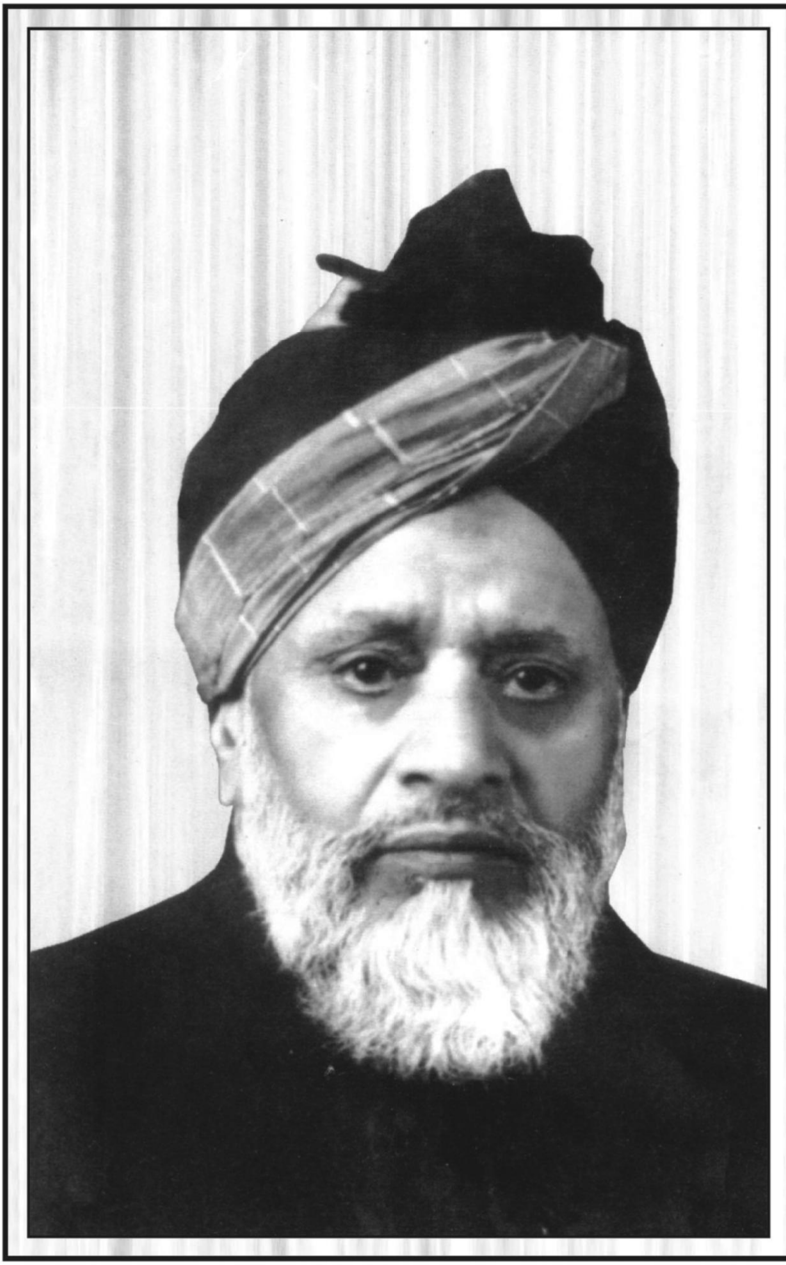

شبیہہ مجاہد کبیر، مجدد الدّین، المنصور، فاضل الٰہیات، مفسر قرآن علامہ حضرت مولٰینا محمد علیؒ

ایم۔اے، ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر
— محمد اعظم علوی

شخصیّت

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

حضرت مولٰینا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی۔ جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولٰینا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا نور الدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع واشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تا دمِ آخر یہ دونوں فرائض انجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمہ القرآن جس کی ابتداء 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کی دوسری ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوئی اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ وتفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی) 1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ وحواشی صحیح

بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجنز آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اوراسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم واستحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی۔ اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ یعنی ''عشق قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اوراس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی۔ تاکہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعی اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہوگیا تو اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولٰی کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلَہٗ وَ ارۡفَعۡ دَرَجَاتِہٖ۔

خاکسار

عامر عزیز بن عبدالعزیز الازھری

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

حرف اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی 19 ویں جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔ اس میں اخبار پیغام صلح مئی 1949ء تا نومبر 1951ئسے انتخاب شامل ہے۔ اگرچہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولانا محمد علیؒ ہیں۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولانا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کرر ہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجر وثواب سے وافر حصہ دے۔قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فرد گذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار
محمد ارشد علوی
انچارج شعبہ تالیف وتصنیف

فہرست

4 مئی 1949ء

پاکستان اقتصادی کانفرنس

کانفرنس میں حضرت امیر ایدّہ اللہ کا لیکچر

آل پاکستان کی سب سے پہلی اقتصادی کانفرنس 28 اپریل کو پنجاب یونیورسٹی ہال میں شروع ہوئی اور تین دن جاری رہی اسی روز سہ پہر کو مسلم ہائی سکول نمبر 2 میں حضرت امیر ایدّہ اللہ کی طرف سے مندوبین کانفرنس کو، جو پاکستان کے تمام صوبوں سے آئے ہوئے تھے۔ دعوت عصرانہ دی گئی۔ پھر رات کے ساڑھے سات بجے یونیورسٹی ہال میں حضرت امیر ایدّہ اللہ کا ایک لیکچر انگریزی زبان میں مرزا مسعود بیگ صاحب نے پڑھا۔ جس کا ترجمہ آئندہ اشاعت میں درج ہوگا۔ دعوت عصرانہ میں بھی حضرت امیر ایدّہ اللہ نے ایک مختصر تقریر فرمائی۔ جس میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا تعارف کراتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ بظاہر شاید یہ دو گروہ (مذہبی اور دنیوی)، الگ الگ نظر آتے ہوں، اور یہ خیال ہوسکتا ہے کہ مذہبی گروہ کے لوگ صرف کھانے والے ہوتے ہیں کمانے والے نہیں ہوتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذہبی گروہ کے لوگ بھی اگر صحیح رنگ میں مذہب کی طرف توجہ دلائیں تو وہ بھی قومی تعمیر کا بہت بڑا ذریعہ ہوسکتے ہیں۔ آپ لوگ (ماہرین اقتصادیات) ان باتوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو قوم کی خارجی تعمیر کا موجب ہیں۔ اور مذہبی گروہ قوم کی اندرونی تعمیر کا کام کرتا ہے۔ معمار دونوں ہی ہیں اور دونوں کا وجود اپنی اپنی جگہ ضروری ہے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو قوم کی اقتصادی خوشحالی کے لئے کریکٹر ایک نہایت ضروری چیز ہے اور مذہب کریکٹر کے بنانے میں بہت بڑا پارٹ Play کرتا ہے۔

آپ نے بتایا کہ ہم لوگ 1914ء سے لاہور میں کام کررہے ہیں۔ کچھ یہاں کچھ انگلستان اور بعض دوسرے ممالک میں۔ ہمارا اصل کام قرآن کریم کو مختلف زبانوں میں شائع کرنا اور اسے ان زبانوں کے جاننے والے لوگوں کو پہنچانا ہے۔ اس ذریعہ سے ہم ایک طرف مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن انہیں کیا بتانا چاہتا ہے، اور دوسری طرف غیروں کو بھی قرآن کی تعلیمات سے واقف کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا چاہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ اس وقت ہمارے تین سکول بھی ہیں۔ دولاہور میں اور ایک سیالکوٹ کے قصبہ (بدوملہی) میں۔لیکن ہمارا اصل کام سکول چلانا نہیں۔ ہمارا اصل کام دو چیزوں کو دنیا میں پہنچانا ہے ایک قرآن شریف اور دوسرے سیرت نبوی صلعم۔آپ نے فرمایا کہ اس وقت دنیا میں قرآن شریف کی تعلیمات اور آنحضرت صلعم کی پاک زندگی کے متعلق بہت بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے۔خود اس برعظیم میں باوجودیکہ ہزار سال سے ہم ہندوؤں میں رہ رہے ہیں، ہم نے ابھی تک نہ قرآن کریم کی صحیح تعلیمات سے انہیں آگاہ کیا ہے، اور نہ آنحضرت صلعم کی پاکیزہ زندگی کی صحیح تصویر انہیں دکھائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو قوم کے اندر مسلمانوں کے خلاف بہت بڑا بغض اور تعصب پایا جاتا ہے۔

آپ نے بتایا کہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہم نے یہ بنیاد رکھی ہے کہ قرآن کریم کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے دنیا میں پہنچائیں۔ایک انگریزی ترجمہ تو آپ کو معلوم ہے 1918ء میں ہماری طرف سے شائع ہوا تھا۔اس کے بعد جرمن اور ڈچ دو زبانوں میں ترجمے ہوئے اور تیسری اُردو زبان میں جو ہماری اپنی زبان ہے، یہ چار ترجمے تو اس سے پہلے ہو چکے ہیں اس کے بعد ہم نے خیال کیا کہ اس ہندوستان میں مسلمان بھی کثرت کے ساتھ ایسے موجود ہیں جو ان زبانوں کو جاننے والے اور بولنے والے ہیں جن میں اسلامی لٹریچر کوئی نہیں۔ان کے لئے بھی اور غیر مسلموں کے لئے بھی ان زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کرائے جائیں۔اس کی بنیاد 1944ء میں ہم نے رکھی۔اور اس وقت سے آج تک پانچ ترجمے مکمل ہو چکے ہیں۔ان میں سے ایک پاکستان کی زبان ہے یعنی سندھی اور اس کے علاوہ تامل جو مدارس کی زبان ہے۔اور گورمکھی جو مشرقی پنجاب کی زبان ہے۔ باوجود اس منافرت کے جو سکھوں میں اس وقت پائی جاتی ہے ہم اس قوم سے بھی مایوس نہیں۔ایک ترجمہ کھاسی زبان میں کیا گیا ہے جو اسام کی پہاڑی قوموں میں بولی جاتی ہے۔اور ایک ملائی زبان میں جو انڈونیشا میں بولی جاتی ہے۔اس کے علاوہ اطالوی زبان میں بھی ترجمہ شروع کیا گیا تھا۔لیکن موزوں آدمی نہ ملنے کی وجہ سے رک گیا۔ بنگالی اور ہندی میں بھی تراجم ہونے والے ہیں۔ یہ تمام ترجمے جو شائع ہونے والے ہیں، ہم مسلمانوں میں بھی پہنچانا چاہتے ہیں۔تاکہ وہ قرآن کی حقیقت سے واقف ہو سکیں اور غیر مسلموں میں بھی۔اس کے علاوہ سیرت نبویؐ اس وقت تک سترہ زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔سات ہندوستان و

پاکستان کی زبانوں میں اور دس باہر کی زبانوں میں۔

اس ذریعہ سے ہم قوم کی اندرونی تعمیر کا کام کر رہے ہیں۔ مذہب کو ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کہ ایک گروہ الگ ہو بیٹھا ہے۔ اگر قوم کا کیریکٹر بن جائے تو اکنامک اپ لفٹ یعنی اقتصادی اٹھان اور ترقی میں بہت بڑی مدد مل سکتی ہے اور کیرکٹر کو بنانا فی الحقیقت مذہب کا کام ہے۔

مسٹر زاہد حسین کا جواب: حضرت امیر ایدّہ اللہ کی اس تقریر کے جواب میں پاکستان سٹیٹ بنک کے گورنر مسٹر زاہد حسین نے، جو پاکستان اقتصادی کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے آئے ہوئے تھے، نہایت مختصر الفاظ میں فرمایا کہ میں مولینا کی اس دعوت اور بیش قیمت ارشادات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ فی الواقعہ مذہبی اور دنیوی گروہوں میں جو فرق پایا جاتا ہے، ضرورت ہے کہ اس کو ایسے رنگ میں سمویا جائے کہ دونوں قوم کی تعمیر میں برابر کے حصہ دار ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کی انجمن ایسا اچھا کام کر رہی ہے۔ جہاں تک ممکن ہوگا اس کام میں آپ کی امداد کریں گے۔

نوجوانوں کے نام: ہمارے جائنٹ سیکرٹری شیخ محمد طفیل صاحب اور ان کے معاون ڈاکٹر احمد حسن صاحب اپنے مفوضہ کام کے علاوہ نوجوانوں کی تنظیم کا کام بھی کر رہے ہیں۔ اس بارے میں انہوں نے کچھ تجاویز دوسری جماعتوں کے سامنے رکھی ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ سب جماعتوں کے نوجوان اس بارے میں ان سے پورا پورا تعاون کریں گے اور اس اجتماع کو، جو وہ کرنا چاہتے ہیں، کامیاب کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کریں گے۔ محمد علی

نوجوان کانفرنس: نوجوانوں کے جس اجتماع کی طرف حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اشارہ کیا ہے اس کا ذکر گذشتہ اشاعت میں مفصل کیا جاچکا ہے۔ اور یہ بتایا جاچکا ہے کہ آئندہ 29 مئی 1949ء کو لاہور میں نوجوانانِ جماعت کا ایک اجتماع ہوگا جس میں ہر جماعت سے کم از کم ایک ایک نوجوان، جس کو مقامی جماعت اس غرض کے لئے اور آئندہ کام کرنے کے لئے موزوں سمجھے، منتخب کر کے بھیجا جائے۔ اس کانفرنس میں نوجوانانِ جماعت کی تنظیم اور جماعتی کاموں میں حصہ لینے کے متعلق ضروری تجاویز کی جائیں گی امید ہے کہ تمام جماعتیں جلد از جلد اپنا ایک ایک نوجوان نمائندہ منتخب کر کے تاریخ مقررہ پر بھیجنے کا انتظام کریں گی اور اس کی اطلاع وہ ڈاکٹر احمد حسن صاحب کے دفتر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یا شیخ

محمد طفیل صاحب جائنٹ سیکرٹری کو پہلے سے بھیج دیں گی۔

لونگ تھاٹس آف پرافٹ محمدؐ: کراچی کے ہفت روزہ اخبار ''کارزار'' نے اپنی 10 اپریل کی اشاعت میں مذکورہ کتاب پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

1- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ و پائندہ خیالات از محمد علی۔ ضخامت صفحہ 192۔ قیمت پانچ روپیہ (بہ زبان انگریزی) ناشر کا پتہ: کیسل، لندن

1948ء کی مطبوعات میں یہ کتاب سب سے زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ اسلامی تاریخ کے ماہر محمد علی اور ستھرا ذوق رکھنے والے ناشر (کیسل، لندن) کا نام ہی اول تو قابل قدر مطبوعات کی بہترین ضمانت ہے، لیکن اچھی طباعت، حسین گٹ اَپ اور سلیس اسلوب نے اس فلسفہ اور مذہب کی ٹھوس کتاب میں بھی رنگینی اور دلچسپی کے عناصر پیدا کر دیئے ہیں۔ محمد علی نے اپنے شہرۂ آفاق اور مستند تعارف کو کہیں ہاتھ سے نہ جانے دیا اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی حیات مبارک کے حالات اور حضور کے خیالات و تصورات کو مکمل صداقت کے ساتھ مختصر اور جامع طریقہ پر قلم بند کر دیا ہے۔

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ محمد صلعم یقین اور عمل کا مجسمہ تھے اور اسی خوبی نے اس متقی، عابد، زاہد، عظیم المرتبت انسان کو تمام انسانیت کا رہبر اور مصلح بنا دیا۔ وہ جب سوچتے تمام دنیا کی قوموں کے بارے میں سوچا کرتے۔ ان کی فکر میں ساری کائنات اور ان کے تصور میں تمام انسانیت کے دکھ درد تھے اور غور و فکر میں تمام اقوام عالم کا مداوا۔

کتاب میں کافی شرح و بسط کے ساتھ آنحضرت صلعم کے فلسفہ حیات کو بیان کیا گیا ہے جس کا اجمالی ذکر یہ ہے کہ زندگی انسان کا (غور فرمایئے ''مسلمان'' کا نہیں بلکہ ''انسان'' کا) مقدس فریضہ ہے۔ لہٰذا تمام زندگی عوام کی خدمت، بلند اخلاقیات اور نیک کردار کے لئے ہے۔ خواہ زندگی دینی عقائد کے ماتحت گذاری جا رہی ہو یا لادینی طریقہ سے۔ یہی اسلام اور حیات رسول کا وہ پہلو ہے جو بیشتر مسلم مورخ نظر انداز کر دیتے ہیں۔

مصنف نے قرآن کے پیش کردہ حیات اور نظام حیات کے ضروری حصے سلیس انگریزی میں پیش کئے ہیں۔ جو طلباء اور نئے قارئین کو کافی سہولت مہیا کرتے ہیں۔ ابواب کی ترتیب میں کافی سلیقہ

سے کام لیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ اور بخاری کے نام تو کتاب کے مطالعہ کے دوران نظر آتے ہیں مگر آخر میں یا درمیان میں حوالہ جات کا فقدان ہے۔

ہمارے خیال میں موجودہ زمانہ کی مطبوعات کی اس خصوصیت کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ کثیر المطالعہ اہل ذوق کی وجدانی آسودگی کو ایک سہارا مل جاتا ہے ناقدانہ اور مبصرانہ نظر سے اس کتاب میں اور کوئی ادبی خامی نظر نہیں آتی۔ مجموعی حیثیت سے ظاہری و باطنی خوبیاں ناشر اور مصنف کے ذوق سلیم کے لئے ہر قاری سے خراج تحصیل وصول کرتی ہیں۔ اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ نظریات، سیاست، فلسفہ اور مذہب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے یہ ایک قابل قدر تصنیف اور خوش مذاق طلباء کے لئے علمی ذخیرہ میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

☆

25 مئی 1949ء

جماعت کے نوجوانوں کے نام پیغام

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

ہماری جماعت کے نوجوانوں کا ایک اجتماع 29 مئی کو لاہور میں ہو رہا ہے۔ جس میں لاہور سے باہر کے بھی نوجوان شامل ہو رہے ہیں۔ جہاں میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نوجوانوں کے اس اقدام کو بابرکت کرے اور اسے دین کی قوت کا موجب بنائے وہاں اپنے نوجوان دوستوں کو ایک پیغام بھی دینا چاہتا ہوں۔ آج سے شاید ساٹھ سال پیشتر امام وقت نے نوجوانوں کو یوں خطاب فرمایا تھا۔

☆ بکوشید اے جواناں تا بدیں قوّت شود پیدا بہار و رونق اندر روضۂ ملّت شود پیدا

آپ کی اس آواز میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اثر ڈالا گیا کہ باوجود انتہاء درجہ کی مخالفت کے کچھ لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے اور ان کی کوششوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت ڈالی کہ آج دنیا کے پچاس کے قریب مملک میں اسلام کے تبلیغی مرکز قائم ہو گئے۔ کفرستانوں کے اندر مسجدیں بن گئیں، جہاں سے اللہ اکبر کی آواز پانچ وقت بلند ہوتی ہے۔ ہزارہا کی تعداد میں یورپ کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ قران کریم کے ترجمے قریباً دس زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ سیرت اور تعلیمات اسلامی کے بیس سے زیادہ زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی عظمت کے سامنے لاکھوں لوگوں کے سر جھکتے ہیں۔ جس وقت حضرت مسیح موعود نے اپنا کام شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی بناء پر آپ کا صرف ایمان ہی تھا کہ دین اسلام دنیا میں غالب آئے گا اور اسی ایمان نے آپ کے نوجواں دوستوں کے دلوں میں وہ بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا کہ وہ اس پیغام کو لے کر دیوانوں کی طرح نکل پڑے۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد ایک چالیس سال کے عرصہ میں ہم نے اس غلبہ کے کھلے آثار اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لئے ہیں اور ایمان کی ہر قوت کو مشاہدہ دو چند کر دیتا ہے۔ سو اگر آپ نے اپنی کوششوں کو

☆ اے جوانو! کوشش کرو کہ دین میں قوّت نمودار ہو اور ملتِ اسلام کے باغ میں بہار اور رونق پیدا ہو۔

اسی قوت سے جاری رکھا جس قوت سے پہلے لوگوں نے اس کام کی بنیادیں اُٹھائی ہیں، تو آپ اپنی

آنکھوں سے اس عالی شان عمارت کو بھی دیکھ لیں گے جو ان بنیادوں پر کھڑی ہوگی اور یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنَ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا (2:110) کا نظارہ بھی نظر آجائے گا۔

میں آپ کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ اعلائے کلمۃ اللہ کا جوش وہ ورثہ ہے جو مسیح موعود کے پہلے پیرو دوسری نسل کو دے رہے ہیں۔ اس جوش کے سوائے ہمارا کوئی ورثہ نہیں۔ ہاں یہ جوش عمل کے میدان میں نکل کر اسلام کے لئے ایک علم کی دولت بھی تیار کر چکا ہے۔ سو اس جوش کو لو، اور پھر اسے علم کی دولت کے رنگ میں منتقل کرو۔ دنیا آج صداقت کی پیاسی ہے اور وہ پانی آپ کے پاس ہے جس سے یہ دنیا زندہ رہ سکتی ہے۔ علم کو حاصل کرتے چلے جاؤ اور تھکو نہیں۔ مگر اس علم کو اپنا کر اس سے نیا علم بھی تیار کرتے چلے جاؤ اور تھکو نہیں۔ قرآن کے عجائبات ہر زمانہ کے ساتھ از سر نو ظاہر ہوتے ہیں مگر ان کے لینے والوں کی کمی ہے۔ دو باتیں بطور اصول یاد رکھو۔

ایک یہ کہ تمہاری زندگیاں خدمت اسلام کے لئے وقف ہوں۔ اپنی زندگی کی غرض یہ نہ سمجھو کہ تم نے کس قدر مال کمایا۔ کتنا بڑا بزنس کیا۔ تمہارے کتنے کارخانے اور کتنی عمارتیں ہیں۔ بلکہ مدنظر یہ ہو کہ ہمارے ہاتھ سے نیکی کا بیج کس قدر بویا گیا۔ خدا کا نام دنیا میں کس قدر بلند ہوا۔ مخلوق خدا کی خدمت کس قدر ہوئی۔

دوسرے یہ کہ اس مقصد بلند کو ایسا نصب العین بناؤ کہ باقی تمام باتیں تمہیں ہیچ نظر آنے لگیں۔ جتنا تم بلندی پر چڑھتے چلے جاتے ہو، دنیا کی بڑی بڑی عمارتیں تمہاری نظروں میں صرف چند نشان بن جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر زندگی کا مقصد بلند جو اعلائے کلمۃ اللہ ہے یہ تمہارا نصب العین ہوا اور تم واقعی ان بلندیوں پر یوں پرواز کرنے لگو جہاں اسلام تمہیں پہنچانا چاہتا ہے، تو چھوٹے چھوٹے مقاصد خود تمہاری نظروں میں ہیچ ہو جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جس طرح مسلمان قوم چھوٹے چھوٹے اختلافات اور جھگڑوں میں اُلجھ کر اپنے بلند مقام سے گر گئی ہے، تم بھی اس بلند مقام سے گر جاؤ جس پر امام وقت تمہیں کھڑا کرنے آیا تھا۔ خوب یاد رکھو کہ کسی ترقی کے لئے اتفاق اور اتحاد پہلی شرط ہے۔ تم آپس کے جھگڑوں کو ہیچ سمجھو نیکی اور تقوٰی کے پھیلانے میں ایک دوسرے کے معاون بنو اور کسی برائی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ خاکسار محمد علی

مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (52:3): انسان کی زندگی مختصر ہے مگر اس کی امیدوں اور آرزوؤں کا دامن بہت پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ جو احباب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے تعلق رکھتے ہیں، ان سب کی غرض اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ اور یہ کام جب تک دنیا ہے چلتا رہے گا۔

میری یہ خواہش ہے کہ میرے پاس ان احباب کے نام ہوں جو اس وقت ایک حد تک فارغ ہیں یا اپنے آپ کو فارغ کر سکتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ذکر ہو کہ وہ کانسا کام دینی اغراض کے سلسلہ میں انجام دے سکتے ہیں۔ تا کہ وقتاً فوقتاً جب کوئی ضرورت پیش آئے تو میں انہیں بلا سکوں۔ خواہ وہ اس کی خدمت آنریری کر سکتے ہوں یا کچھ ماحتاج لے کر۔ تبلیغ کے کام کے علاوہ اراضیات پر کام کرنے والوں کی بھی ضرورت رہتی ہے۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

☆

25 مئی 1949ء

چودھویں صدی ہجری کا مجدد

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

1- ہمارے پیغمبر صلعم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَّنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (ابوداؤد) اللہ تعالیٰ اس امت کی بھلائی کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک ایسے شخص کو مبعوث کرتا رہے گا جو اس کے دین کو تازہ کردے۔ یہ صحاح ستہ کی ایک مستند کتاب کی حدیث ہے اس کی صحت پر آئمہ حدیث کا اتفاق ہے۔

2- پہلی صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی ہجری تک ہر صدی کے مجددوں کے نام اسلامی کتب میں مذکور ہیں۔ اور ان میں سے بعض کے نام اس قدر زبان زدعام ہیں کہ ان سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ جیسے حضرت مجدد الف ثانیؒ جنہوں نے گیارہویں صدی ہجری کے سر پر اسی حدیث کے ماتحت مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ یوں اس حدیث کی صحت پر اس امت کے مقدس ترین گروہ کی شہادت موجود ہے۔

3- تیرھویں صدی کے آخر میں ساری دنیاء اسلام پر ایک مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ سیاسی طور پر اسلام کچلا جا چکا تھا۔ اس کا سیاسی اقتدار دنیاء اسلام سے ختم ہو چکا تھا۔ اخلاقی رنگ میں مسلمان ادنیٰ ترین مقام پر پہنچ چکا تھا۔ علمی رنگ میں اس پر جمود طاری تھا اور جہالت کا دور دورہ تھا۔ مذہبی رنگ میں اسلام کو چند دنوں کا مہمان سمجھا جاتا تھا۔ عیسائیت چاروں طرف سے مسلمانوں کو کھائے جارہی تھی۔ فرزندان توحید لاکھوں کی تعداد میں تثلیث کے دام میں پھنس چکے تھے۔ خود اس ملک ہندوستان میں نئے حریف اسلام پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ آریہ سماج نے مذہبی رنگ میں عیسائیت کا تتبع کر کے اسلام کو اس ملک سے مٹانے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ خود مسلمانوں کی روحانی حالت کا نقشہ اس حدیث کے مطابق ہو چکا تھا لَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ قرآن صرف زبانوں پر رہ گیا تھا اور الاّ ماشاء اللہ دلوں سے نکل چکا تھا۔ اسلام کا صرف نام باقی رہ گیا تھا۔ حقیقت نکل چکی تھی۔

4- ان حالات میں چودھویں صدی ہجری اس بات کی سب سے زیادہ محتاج تھی کہ اس میں

ایک مجدد پیدا ہوتا جو مسلمانوں کے دلوں میں خدا پر ایمان پیدا کرتا۔ اعداء اسلام کے مذہبی حملوں کی روک تھام کرتا۔ اور ایسا ہوا بھی کہ چودھویں صدی کے سر پر 1882ء میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُمت محمدیہ کی اصلاح کے لئے اور اسلام کو اعداء اسلام کے حملوں سے بچانے کے لئے اس صدی کا مجدد بنا کر بھیجا ہے اور آپ نے اسلام کی حقانیت پر ایک زبردست کتاب ''براہین احمدیہ'' نام لکھی۔ عیسائیت اور آریہ سماج کے مقابلہ میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے مغربی تعلیم نے جو شکوک فرزندان اسلام کے دل میں پیدا کئے تھے۔ ان کا ازالہ کیا اور بالآخر 1891ء میں اس امر کا اعلان کرتے ہوئے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے زندہ نہیں بلکہ سب انبیاء کی طرح فوت ہو کر اسی زمین میں مدفون ہیں اور ان کی جس آمد کا ذکر احادیث نبویؐ میں ہے اس سے مراد صرف ان کے ایک مثیل کا آنا ہے۔ یہ بھی اعلان کیا کہ اسلام پر نہ صرف اعداء اسلام کے تمام حملے ناکام ہوں گے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ (33:9) کے مطابق سب دینوں پر غالب ہوگا۔

5- مایوسی کی گھنگھور گھٹاؤں کے اندر آپ نے مسلمانوں کو امید کی جھلک ہی نہیں دکھائی بلکہ وہ کام کر کے دکھایا کہ جہاں تک واقعات اور حقائق کا سوال ہے اتنا بڑا کام پہلے کسی مجدد کی زندگی میں نظر نہیں آتا۔ پہلے مجددین نے عام طور پر یا تو اسلام کی علمی خدمات کی ہیں اور لوگوں کی بعض غلطیوں کو دور کیا ہے اور یا اپنے اپنے زمانہ میں اپنے ساتھیوں میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایک زبردست ایمان پیدا کر دیا۔ ان دونوں باتوں میں چودھویں صدی کے مجدد کا مرتبہ کھلے طور پر ممتاز نظر آتا ہے۔ آپ نے جن غلطیوں کی اصلاح کی ان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مثلاً یہ جو عام طور پر اسلام کے متعلق غلط فہمی تھی اور جس میں بعض مسلمان بھی مبتلا تھے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اس کو ایسا دور کیا کہ غیر مسلموں کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اپنی روحانی طاقت سے پھیلا ہے۔ ایسا ہی انبیاء علیہم السلام کی عصمت کو ثابت کیا۔ ایک اور بڑی بھاری غلطی کہ قرآن کریم کی بعض آیات اس کی دوسری آیات سے منسوخ ہیں اس کو قطعی طور پر غلط ثابت کیا۔ دجال اور یاجوج ماجوج وغیرہ کے متعلق جو غلط خیالات تھے ان کو دور کر کے آنحضرت صلعم اور قرآن کریم کی صداقت کو آفتاب کی طرح روشن کر دیا۔ پھر اس غلطی کو

دور کیا کہ اس امت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ہمکلام نہیں ہوتا اور ثابت کر دیا کہ خدا تعالیٰ غیر انبیاء سے بھی ہمکلام ہوتا ہے۔ پھر شریعت کی صحیح بنیاد کو یوں استوار کیا کہ قرآن سب پر مقدم ہے۔ اور حدیث وہی قابل قبول ہے جو قرآن کے خلاف نہ ہو۔ اور کسی امام یا بزرگ کا کوئی قول قابل قبول نہیں جو قرآن اور حدیث کے خلاف ہو۔ پھر آپ کی علمی خدمات امت مسلمہ تک محدود نہیں ہیں بلکہ دنیا کے کناروں تک پہنچ چکی ہیں۔ پھر اسلام پر جتنے حملہ آور تھے۔ عیسائیت آریہ سماج وغیرہ ان سب کو ایسا ساکت کیا کہ آج اسلام پر وہ حملے باقی نہیں۔ سائنس اور مادہ پرستی نے جو علمی اعتراض قرآن کریم پر پیدا کئے تھے ان سب کو بھی دور کیا اور ایک ایک مذہب کو لے کر اس پر اتمام حجت کر کے اسلام کی فوقیت دکھائی۔

جس طرح آپ کی علمی خدمات اور غلطیوں کی اصلاح کا پہلو تمام مجددین پر فوقیت لے گیا ہے اسی طرح دوسرے پہلو یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان پیدا کرنے میں بھی آپ کو ایک ممتاز خصوصیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے وعدوں پر ایک جماعت کے دلوں میں آپ نے وہ زبردست ایمان پیدا کیا کہ وہ اسلام کے پیغام کو لے کر اسی طرح دنیا میں دیوانہ وار نکل پڑی جس طرح قرون اولیٰ کے مسلمان نکل پڑے تھے۔ یورپ اور ایشیا اور افریقہ اور امریکہ تمام براعظموں میں اسلامی مشن قائم کر دیئے۔ قرآن شریف کے تراجم مختلف زبانوں میں کر کے اسے دنیا کی ان قوموں تک پہنچایا جن کو یہ آج تک نہ پہنچا تھا۔ رسول خدا صلعم کی سیرت کا وہ خوبصورت نقشہ دنیا میں پیش کیا کہ اس کو دیکھ کر لوگوں کی گردنیں آنحضرت صلعم کی عظمت کے سامنے جھک جاتی ہیں۔ ہزار ہا سینوں کو نور اسلام سے منور کر کے انہیں حلقہ بگوش اسلام بنا دیا۔ یورپ اور امریکہ میں لاکھوں انسانوں کا نقطۂ نظر اسلام کے متعلق بدل دیا۔ وہ جو اسلام کو ایک وحشیانہ مذہب سمجھتے تھے ان کو اس کی عظمت کا یہاں تک قائل کر دیا کہ آج بیسیوں محققین اس بات کا کھلا اعتراف کرتے ہیں کہ مغربی تہذیب کی موجودہ مشکلات کا حل سوائے اسلام کے کہیں نہیں مل سکتا۔ اور صرف اسلام کی روحانی قوت ہی آج دنیا میں ایک اتحاد اور امن کی فضا پیدا کر سکتی۔ ہے، ایسے کفرستانوں میں مسجدیں بنا کر وہاں اللہ اکبر کی آواز بلند کر دی، جنہوں نے یہ آواز آج تک نہ سنی تھی۔

آج اس مجدد کو دنیا سے گذرے صرف 41 سال ہوتے ہیں۔ اور نہ صرف وہ تمام مایوسیوں کے بادل چھٹ چکے ہیں جن کا شکار مسلمان ہو رہے تھے۔ نہ صرف مسلمانوں کے دل امید کی زبردست قوت سے غیر متزلزل نظر آتے ہیں، نہ صرف تمام ممالک اسلامی میں ایک زبردست حرکت پیدا ہو چکی ہے اور اسلامی آبادیوں کی غلامی کی زنجیریں کٹ رہی ہیں بلکہ اسلام کے نور سے ایک دنیا روشن ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے اور اسلام آج دنیا کی امیدوں کا مرجع بنا ہوا ہے۔ کیا اس زبردست کام کی موجودگی میں مجدد صد چہاردہم کی صداقت کے متعلق کسی شخص کے دل میں کوئی شبہ باقی رہ سکتا ہے۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

☆

15 جون 1949ء

بُزرگانِ جماعت سے میری اپیل

حضرت امیر ایدّہ اللہ کا مکتوب گرامی

برادران محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں عموماً جماعت کو بعض امور کی طرف اپنے خطبہ جمعہ میں توجہ دلاتا رہتا ہوں۔ لیکن گرمیوں کے موسم میں لاہور سے باہر چلے جانے کی وجہ سے عموماً یہ سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ اس وقت چونکہ جماعت کے کام میں پہلے سے بہت زیادہ وسعت پیدا ہوگئی ہے، اس لئے میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ بذریعہ خطوط، جو پیغام صلح میں شائع ہوتے رہیں، بعض امور کی طرف جماعت کو وقتاً فوقتاً توجہ دلاتا رہوں۔

قوم کے لیڈر اور رہنما: اس سلسلہ کو میں بزرگان جماعت سے اپیل کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں کیونکہ جماعتیں اور قومیں بنتی اور بگڑتی ان لوگوں سے ہیں جو جماعت یا قوم کے لیڈر رہوں اور جو جماعت یا قوم کے نظم ونسق کے چلانے والے ہوں۔ لیڈر اور رہنما اچھے نہ ہوں تو قوم یا جماعت کی بڑی بڑی قربانیاں بھی رائیگاں جاتی ہیں۔ اور وہ اچھے ہوں تو قوم یا جماعت کی ترقی کی رفتار کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ میرا روئے سخن اس وقت ان لوگوں کی طرف ہے جن کو جماعت نے اپنا نظم ونسق چلانے کے لئے چنا ہے۔ جیسے مجلس منتظمہ اور مجلس معتمدین کے ممبران۔ جن پر بحیثیت مجموعی انجمن کے نظم ونسق چلانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جماعتوں کے پریزیڈنٹ، سیکرٹری و دیگر عہدیداران جو انجمن کی شاخوں کے نظم ونسق کو چلانے کے ذمہ دار ہیں۔

بزرگانِ جماعت: بزرگان جماعت سے میری مراد اس وقت یہی لوگ ہیں۔ یوں جماعت کا بڑا حصہ ان لوگوں کا ہے جو اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ہونے کے لحاظ سے فی الحقیقت ''بزرگ'' کہلانے کے مستحق ہیں۔ اور خاموشی سے اس جہاد میں مصروف ہیں جس میں امام وقت نے ان کو لگایا ہے اور انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت اس قابل ہوگئی ہے کہ 35 سال کے عرصہ میں خدا کے پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا اور قرآن کے نور سے بے شمار دلوں کو روشن کر دیا اور محمد رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے سامنے ایک دنیا کو جھکا دیا۔

ہمارا کام بڑا بننا نہیں: ہم ایک دینی جماعت ہیں اور ہمارا کام صرف دین کی خدمت ہے۔اس ذریعہ سے بڑا بننا مقصود نہیں۔ جیسا کہ دنیا میں اکثر لوگوں کا یہ مقصود ہوتا ہے کہ کسی قومی کام کی آڑ میں ان کی شہرت ہو جائے۔ یا لوگ ان کو بڑا سمجھیں، یا ان کی اپنی کوئی ذاتی غرض پوری ہو جائے۔ یاد رہے کہ دین کی خدمت کا کام سوائے عاجزی اور فروتنی کو اختیار کرنے کے نہیں ہوسکتا بلکہ اگر دوسرے لوگ خدمت دین سے دنیا میں کچھ بڑائی حاصل کر بھی لیں، تو ہمیں یہ چیز میسر بھی نہیں آ سکتی۔ کیونکہ امام زمان سے ہمارے تعلق کی وجہ سے عام لوگوں کے دلوں میں اور اس سے بڑھ کر ان علماء کے دلوں میں جو عوام کی رہنمائی کا کام کر رہے ہیں ہمارے خلاف سخت تعصب ہے۔لیکن میں اسے اپنی جماعت کی خوش قسمتی خیال کرتا ہوں کہ لوگ ہمیں برا سمجھتے ہیں۔ بلکہ اگر انھوں نے ہمیں کافر بھی کہا اور بعض شاید اب بھی کہتے ہوں تو اسے بھی میں جماعت کی خوش قسمتی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ عوام اور علماء کے اس نظریہ نے ہمیں غیر اللہ کا خیال دل میں لانے سے اور شہرت طلبی سے بلندتر کر دیا ہے۔ اور لوگوں کی رضا جوئی اور لوگوں کے خوف سے ایک حد تک مستغنی کر دیا ہے۔مگر مجھے جس چیز کا ڈر ہے وہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کے بزرگ بھی دنیا کی ہوا سے متاثر ہو کر ان باتوں میں نہ الجھ جائیں، جن باتوں میں اُلجھ کر مسلمانوں نے اپنی زندہ قوم کو قبر کے کنارے لا کھڑا کیا ہے!

مسلمانوں کی غلط رہنمائی: آج ہم مسلمانوں کی عامہ حالت کو دیکھتے ہیں تو ان میں کچھ نہ کچھ جذبہ ایمان بھی ہے اور کچھ نہ کچھ قوت عمل بھی ہے۔لیکن ایک طرف مذہبی لیڈروں کی انتہا درجہ کی تنگ خیالی اور پست ہمتی، جو دن رات اپنے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں لگے ہوئے ہیں اور اس عظیم الشان مقابلہ کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، جو اسلام اور کفر کے درمیان لگا ہوا ہے، دوسری طرف سیاسی رہنماؤں اور سرکاری عمال کی حالت، جن کو الاّ ماشاء اللہ اپنے اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے، قوم چاہے غرق ہو یا زندہ رہے، یہ غلط رہنمائی مسلمان قوم کو پستی کے گڑھے سے باہر نکلنے نہیں دیتی۔ اب ظاہر ہے کہ اگر اپنی زبردست قوت ایمان سے ہم اپنا اثر ان پر نہ ڈالیں تو آہستہ آہستہ ہم بھی اسی قسم کے ذلیل خیالات سے متاثر ہو جائیں۔ اور پھر ہماری جماعت کی ساری قربانیاں جو بلاشبہ اس زمانہ میں بے نظیر ہیں

رائیگاں جائیں گی۔

عہدوں کی خواہش اور ذمہ داری کے کام: جماعت کو اس مصیبت سے بچانے کے لئے میں نظم و نسق سے تعلق رکھنے والے بزرگوں سے درددل سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جماعت کی رہنمائی میں مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ پیش کریں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کسی شخص کے دل میں یہ خواہش نہ ہونی چاہئے کہ فلاں عہدہ مجھے دیا جائے یا فلاں کام میرے سپرد کیا جائے۔ ان باتوں کو لوگ آسان سمجھ کر یا بڑائی کا ایک ذریعہ سمجھ کر کوشش کرتے ہیں کہ انہیں بھی نظم و نسق میں کوئی عہدہ یا کام ملے۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ وہ کتنی بڑی ذمہ داری کو اپنے سر پر لیتے ہیں۔ دنیا کے کاموں میں تو کوئی شخص ایسی ذمہ داری کو لینے کی کوشش کرے تو شاید ایک حد تک معذور بھی ہے۔ لیکن دین کے کاموں میں، جہاں معاملہ صرف خدا سے ہے، یہ ذمہ داری جس شخص پر ڈالی جائے تو اسے بجائے خوش ہونے کے کانپ اُٹھنا چاہئے کہ اتنا بڑا بوجھ اس پر ڈالا گیا جس سے اس کا عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔ حضرت عمرؓ کی زندگی کا ایک واقعہ ہے۔ جب آپ کی وفات قریب تھی تو ایک نوجوان نے آپ کے سامنے آپ کی تعریف کی کہ آپ نے یہ قربانیاں کیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں پر بڑی بڑی فتوحات عطا فرمائیں۔ تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا تھا اس میں مجھ سے کوتاہیاں بھی تو ہوئی ہیں اس لئے اگر عنداللہ برابر برابر پر بھی چھوٹ جاؤں تو بڑی بات ہے۔ یہ لوگ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے تھے۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک زرین اصول ہمارے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ ایک دفعہ ایک صحابیؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ دو آدمی تھے۔ تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ چاہتے ہیں کہ نظم و نسق حکومت میں کوئی کام ان کے سپرد کیا جائے۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ ہم اپنے کام پر ایسے لوگوں کو متعین نہیں کرتے جن کے دل میں یہ خواہش ہو کہ انہیں کوئی کام دیا جائے!

تو سب سے پہلے میں بزرگان جماعت سے یہ عرض کروں گا کہ انجمن کے نظم و نسق کو چلانے کے لئے بلاشبہ ہمیں کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ ہر جماعت میں ایک سیکرٹری اور ایک پریذیڈنٹ کی اور دیگر عہدیداروں کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ لوگ جو محض خدا کے لئے کام کر رہے ہیں، خدا کے دین کی خدمت کا کام کر رہے ہیں، ان کے دلوں میں یہ خواہش نہیں ہونی چاہئے کہ ہمیں جماعت کا

پر یذیڈنٹ یا سیکرٹری بنایا جائے یا فلاں کام ہمیں دیا جائے۔ جس دل میں یہ خواہش ہو وہ فی الحقیقت اس کام کا اہل نہیں۔ ہمارے اکثر انتخابات، جن میں بعض ذمہ داریاں بعض لوگوں پر ڈالی جاتی ہیں، سالانہ ہوتے ہیں۔ لیکن میں بعض وقت محسوس کرتا ہوں کہ انتخاب کے وقت اگر کسی بزرگ کی جگہ دوسرے بزرگ کا انتخاب کیا جائے تو پہلے بزرگ اسے برا محسوس کرتے ہیں۔ بلکہ بعض وقت ناراض ہو جاتے ہیں کہ ہمیں کیوں فلاں عہدہ یا فلاں کام کے لئے منتخب نہیں کیا گیا۔ جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں شاید یہ چھپی ہوئی خواہش ہو کہ فلاں عہدہ انہیں ملے یا فلاں کام ان کے سپرد ہو۔ اور یہ وہ بات ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ جب ایک سال کے لئے یا تین سال کے لئے کسی کام یا عہدہ کے لئے کسی کو منتخب کیا جائے تو اسے خود سمجھ لینا چاہئے کہ اسے صرف ایک مدت معینہ کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد بہتر ہے کہ اس کے کسی دوسرے بھائی کو منتخب کیا جائے تا کہ اسے بھی ایک کام کرنے کا موقع ملے۔ شاید وہ خدا کے کام کا حق ہم سے بہتر ادا کر سکے۔ ہم کیوں یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارے سوائے کوئی دوسرا آدمی اس کام کا اہل نہیں۔ جہاں ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں کہ ہمیں ایک کام کرنے کا موقع ملے وہاں یُحِبُّ الرَّجُلُ لِاَخِيْهِ مَايُحِبُّ لِنَفْسِهٖ کے اصول پر ہمارے دل میں یہ آرزو بھی ہونی چاہئے کہ وہ کام کرنے کا موقع ہمارے دوسرے بھائی کو بھی ملے۔

بے غرض اور بے نفس لوگ: جہاں میں نے یہ کہا ہے کہ بعض لوگ اس بات پر ناراض ہو جاتے ہیں کہ انہیں منتخب کرنے کی بجائے دوسرے آدمی کو کیوں منتخب کیا گیا ہے، یہ ناانصافی ہوگی اگر میں اس بات کا ذکر نہ کروں کہ ہماری جماعت کے اندر خدا کے فضل سے ایسے بے غرض اور بے نفس لوگ بہت زیادہ موجود ہیں کہ کسی دوسرے آدمی کا نام لیا جائے تو وہ شرح صدر سے یہ بات پیش کرتے ہیں کہ ان کی جگہ اسے لے لیا جائے۔ یہی حقیقی روح کام کی ہے۔ اور اسی کام میں برکت ہوگی جہاں کام کی ذمہ داری ان لوگوں پر ڈالی جائے جو اس ذمہ داری کو اُٹھانے سے ڈرتے ہیں۔ اگر سیاسی اور دوسرے کاموں کی حالت کو دیکھا جائے تو وہاں دن رات عہدوں کے لئے ایک جنگ رہتی ہے۔ اور اس جنگ کی بدولت کام کا بھی ستیاناس ہو جاتا ہے۔ کسی عہدے کو حاصل کرنے کے لئے بڑے سے بڑے آدمی جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہیں۔ اور اپنی کام کی قوتوں کو بیکار کر دیتے ہیں۔ تو ہماری جماعت میں جو لوگ شامل ہیں ان کو

ان باتوں سے بلند ہونا چاہیئے۔ جسے کوئی کام سپرد کیا جائے، کوئی عہدہ سپرد کر دیا جائے، اسے ڈرتے ہوئے اس کام یا عہدہ کو لینا چاہیئے کہ میں اس کا حق ادا کرسکوں گا یا نہیں۔ اور جس سے کوئی کام یا عہدہ لے لیا جائے تو اسے خوش ہونا چاہیئے کہ شاید میرا دوسرا بھائی مجھ سے بہتر کام کر سکے۔ اس بے نفسی کو اگر جماعت کے کاموں کے اندر پیدا کیا جائے تو اس کام میں اللہ تعالیٰ وہ برکت دے گا جو ہمارے وہم و گمان سے بلند تر ہے۔ اور شاید اس نیک نمونہ کا اثر دوسرے لوگوں پر بھی ہو۔

اختلاف رائے پر استعفا: دوسرا نقص بعض احباب میں یہ ہوتا ہے کہ انہیں ذرا سا اختلاف دوسروں سے ہو تو وہ اس کام سے جو ان کے سپرد کیا گیا ہے استعفا دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو اس وقت یہ خیال نہیں آتا کہ اس طرح دنیا میں کوئی کام نہیں چل سکتا۔ سب کے خیالات ایک تو ہوتے نہیں، ایک ایک بات کو حق سمجھتا ہے۔ تو دوسرا اسے غلط سمجھتا ہے ایک ایک بات میں فائدہ سمجھتا ہے تو دوسرا اس میں نقصان خیال کرتا ہے۔ تو اس کو کثرت رائے پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ میں نہیں کہتا کہ کثرت رائے کبھی غلط نہیں ہوتی۔ مگر کام کرنے کا اصول جو ہمارے ہاتھ میں ہمارے امام نے دیا ہے اور جسے ساری دنیا صحیح سمجھتی ہے وہ یہی ہے کہ کثرت رائے کے سامنے سر جھکا دینا چاہیئے۔

قِیَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہُ: میں اپنے احباب سے درخواست کروں گا کہ ان کاموں کے متعلق ہمارا اصول قِیَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہُ ہو۔ اگر ایک کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے تو اس کے لینے سے انکار نہ کریں اور نہ استعفا کا خیال دل میں لائیں۔ اور اگر ایک کام ہم سے لے لیا گیا ہے تو اسے خوشدلی سے چھوڑ دیں۔ یہ خدا کی رضا کا بڑا بلند مقام ہے۔ اس پر پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ ہمارے وہ کام، جو ہم معمولی رنگ میں کرتے ہیں، خدا کی عبادت کا رنگ ان میں آ جائے۔ بعض احباب یہ عذر کر دیتے ہیں کہ کچھ فلاں کام ہم کریں تو ہمیں ڈر ہے کہ فلاں بزرگ ناراض نہ ہو جائیں گے۔ تو میں انہیں کہتا ہوں کہ یہ شرک ہے۔ رضا اور ناراضگی صرف ایک خدا کی مدنظر رکھو۔ انسان خواہ کتنا بھی بڑا ہو۔ وہ ناراض ہوتا ہے تو ہونے دو۔ ہمارا معاملہ بالآخر خدا سے ہوگا کسی انسان سے نہیں ہوگا۔

انتخاب میں دیکھنے والی بات: دوسری بات، جو میں اس ضمن میں کہنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ ایسے کاموں کے لئے آدمیوں کا انتخاب کرتے وقت منتخب کرنے والوں پر بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس بارے میں

اللہ تعالیٰ کا صریح حکم قرآن کریم میں موجود ہے اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (58:4) کسی قسم کی حکومت کسی قسم کا نظم ونسق ایک امانت ہے جو ایسے شخص کو سپرد کرنی چاہئے جو اس کا اہل ہو۔ اس لئے انتخاب کے وقت صرف ایک ہی بات دیکھنے والی ہوتی ہے کہ کیا اس کام کے لئے یہ بہترین آدمی ہے۔ آج کل ہمیں جو جمہوریت ملی ہوئی ہے اور اس کے لئے جو انتخابات ہوتے ہیں ہر شخص جانتا ہے کہ وہ محض ایک ڈھونگ ہے۔ اس میں بہترین آدمیوں کا جو کام کے اہل ہوں انتخاب نہیں ہوتا۔ الّا ماشاء اللہ۔ بلکہ عموماً چالاک لوگ آگے آجاتے ہیں۔ جو اپنا بہت سا روپیہ صرف کر کے لیڈر بن بیٹھتے ہیں۔ اور بہترین لوگ جو کام کرنے والے ہوتے ہیں ان کو کوئی پوچھتا تک نہیں۔ یہ سرمایہ داری کی وہ لعنت ہے جو قوم کو قعرِ مذلت کی طرف لئے جا رہی ہے۔ ہم آنکھیں بند کر کے یورپ کا تتبع کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنے لئے وہ راہ تلاش نہیں کرتے جس پر چل کر قوم کے بہترین اور مخلص خدمت گذار آگے آئیں۔ جس دن ایسے آدمی آگے آئیں گے، ہماری قوم پستی سے نکل کر ترقی کے اوج پر پہنچ جائے گی۔ تو میرا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی جماعت کے نظم ونسق کے لئے اس وجہ سے کوئی انتخاب نہ کریں کہ فلاں بزرگ بہت عبادت گذار ہیں یا بہت رسوخ والے ہیں۔ یا بہت مالدار ہیں بلکہ اس اصول پر ہمارے انتخابات ہوں کہ کون بزرگ سب سے زیادہ اس کام کے اہل ہیں۔

اہلیّت رکھنے والے کون ہیں: ہاں یہ ضرور ہے کہ اس اہلیت میں ایک ایسی جماعت کی صورت میں جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اُٹھی ہے یہ بات شامل ہی نہیں بلکہ مقدم ہے کہ وہ شریعت اسلامی کی اور نماز اور زکوٰۃ کی کس قدر پابند ہیں۔ جو شخص نماز اور زکوٰۃ کا پابند نہیں وہ اس بات کا اہل نہیں کہ اس جماعت کے اندر ہم اس پر کوئی ذمہ داری کا کام ڈال دیں۔ بلاشبہ مالدار ہونا بھی خدا کی ایک نعمت ہے۔ دنیوی حیثیت بھی خدا کی ایک نعمت ہے۔ تمہارے احباب کو یہ چیزیں ملی ہیں تو تم بھی ان کی عزت کرو۔ لیکن سب سے بڑھ کر نیکی اور تقویٰ کو دیکھو۔ بلکہ اس سے بھی آگے میں ایک قدم اُٹھاؤں گا۔ اپنے کاموں کے لئے اور عہدوں کے لئے ان لوگوں کا انتخاب کرو جو نیکی اور تقویٰ میں جماعت کے لئے نمونہ ہوں۔ جس شخص کے اندر نیکی اور تقویٰ ہے، نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ وقت پر اس کی صحیح رہنمائی فرماتا ہے، بلکہ وہ خود بھی اپنی رائے کو ایک امانت سمجھتا ہے۔ اور رائے دیتے وقت خدا کا خوف اس کے دل پر ہوتا ہے کہ اس کی

رائے میں اپنے نفس کی ملونی نہ ہو یا کسی کی طرف داری نہ ہو یا وہ رائے کسی بے جا عداوت یا بے جا محبت پر مبنی نہ ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے کام حضرت مسیح موعود کی وصیت کے مطابق شوریٰ پر مبنی ہیں۔ مگر شوریٰ وہی بابرکت ہے جس میں رائے دینے والے اپنی رائے کو ایک امانت سمجھتے ہیں۔ اور رائے دیتے وقت ان کے پیشِ نظر صرف ایک امر ہو کہ ان کی رائے زید یا بکر کی رضا جوئی کے لئے نہیں بلکہ خدا کی رضا کے لئے ہے۔

ہمارے سرکردہ لوگ مجاہد ہوں: اس کے ساتھ ایک تیسری بات کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہماری جماعت خدا کے فضل سے ایک جہاد کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اس لئے ہمارے سرکردہ لوگ، وہ لوگ، جو اس جماعت کے نظم ونسق کو چلانے والے ہیں۔ ان لوگوں میں سے منتخب ہونے چاہئیں جو فی الواقع مجاہد ہیں۔ جو اس جہاد میں جو امام الوقت نے ہمارے سپرد کیا ہے سب سے آگے ہوں۔ ہمارا یہ جہاد جہاد بالنفس بھی ہے۔ یعنی ہم اپنی تمام قوتوں کو اعلائے کلمۃ اللہ میں لگا دیں اور اپنی زندگیاں اس غرض کے لئے وقف کر دیں اور جہاد بالمال بھی ہے۔ یعنی اموال کا ایک مقرر حصہ اس کام میں لگا دیں۔

چندہ کا معیار: دونوں قسم کے جہاد کی بنیاد خود حضرت مسیح موعود نے رکھی اور اس لئے آپ نے یہاں تک لکھ دیا کہ جو شخص حسب استطاعت چندہ نہیں دیتا وہ اس جماعت میں نہیں رہ سکتا۔ اور آپ کی جانشین انجمن نے اس حسب استطاعت چندہ کا معیار یہ قرار دیا کہ ہر شخص اپنی ماہوار آمدنی پر کم سے کم ایک آنہ فی روپیہ چندہ دے۔ اور جن کی آمدنیاں پچاس روپے ماہوار یا اس سے کم ہیں وہ دو پیسے فی روپیہ چندہ دیں۔ اور یہ چندہ باقاعدہ ادا ہو۔ بعض لوگ چندہ کے نام سے گھبراتے ہیں اور یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ چندہ کو کیوں معیار ٹھہرایا جاتا ہے۔ مگر فی الحقیقت چندہ کو معیار نہیں بنایا گیا۔ جہاد کو معیار بنایا گیا ہے۔ چندہ ماہوار اس جہاد کا ایک ظاہری نشان ہے۔

قاعدین کو رہنما نہ بناؤ: مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ بعض وقت جماعتیں ان لوگوں کو اپنے سیکرٹری اور پریذیڈنٹ منتخب کر لیتی ہیں، جو اس شرط کے مطابق چندہ نہیں دیتے جو اس جہاد میں حسب استطاعت حصہ نہیں لیتے۔ جب ہم اپنی رہنمائی کا کام بجائے مجاہدین کے قاعدین کے سپرد کر دیں گے تو لازماً جماعت میں مجاہدانہ روح کی بجائے جمود پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ اور جماعت اپنی اصل غرض کے حصول

میں قدم آگے بڑھانے کی بجائے پیچھے ہٹتی چلی جائے گی۔

آئندہ انتخابات میں ملحوظ رکھنے والی بات: گذشتہ جلسہ سالانہ کے موقع پر خود جنرل کونسل نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور سب نے بالاتفاق اس بات کا اقرار کیا کہ ہم اپنے ماہوار چندوں کو آئندہ ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے کر دیں گے۔ اور اسی مجلس میں بعض دوستوں نے وعدے کئے کہ ہم جماعتوں میں پھر کر چندہ کی شرح کو اس معیار پر لانے کی کوشش کریں گے۔ مگر بایں ہمہ اس پر ابھی تک جماعت کا پورا عمل نہیں۔ اس لئے میں ائندہ انتخابات کے موقعہ کے لئے یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کسی جماعت کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ ایسے شخص کو سیکرٹری یا پریذیڈنٹ یا دوسرا عہدیدار منتخب کرے یا جنرل کونسل کا ممبر منتخب کرے جو چندہ ماہوار مطابق شرح ادا نہیں کرتا اور اس کے لئے بہتر یہ ہوگا کہ گذشتہ تین سال کا ریکارڈ دیکھا جائے۔ اور کم سے کم گذشتہ بارہ ماہ کا ریکارڈ دیکھنا لازمی ہوگا۔

ہمارے عمائد کیسے ہوں: یہ بات تو ضمناً آ گئی۔ میری اصل غرض اپنے ان احباب سے، جو جماعت کے اندر عمائد کا حکم رکھتے ہیں، یہ عرض کرنا ہے کہ وہ اپنے آپ کو جماعت کے لئے ایک نمونہ بنانے کی کوشش کریں۔ ہماری حکومت جسمانی تو نہیں اخلاقی ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اخلاقی حکومت میں اور بھی زیادہ ضرورت ہے کہ اس کے حامل اپنے آپ کو جماعت کے لئے نیک نمونہ بنانے کی کوشش کریں۔ وہ دوسروں سے بڑھ کر پابند نماز اور زکوٰۃ ہوں۔ شریعت کے احکام کا احترام کرنے والے ہوں۔ نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والے ہوں۔ جماعت کی ترقی کے لئے کوشاں ہوں۔ جماعت کے غرباء کی خبرگیری کرنے والے ہوں۔ کوئی بیمار ہو یا کوئی مصیبت میں مبتلا ہو تو اس کے لئے ان کے دل میں درد پیدا ہو نیکی اور تقوٰی کے کاموں میں اپنے بھائیوں کی مدد کریں اور برائی اور ظلم سے ان کے ہاتھ کو روکیں نبی کریم صلعم نے ایک دفعہ فرمایا اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا اپنے کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مظلوم کی مدد تو ٹھیک ہے ظالم کی مدد سے کیا مطلب تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کے ہاتھ کو ظلم سے روکو۔

بھائیوں کی مدد: یہ ایک زرین اصول ہے جو ہمارے پیغمبر صلعم نے ہماری رہنمائی کے لئے دیا ہے۔ ہم اپنے بھائیوں کی مدد دو طرح پر کر سکتے ہیں۔ وہ کسی مصیبت میں ہوں تکلیف میں ہوں تو ان کی مصیبت کو

دور کرنے کی کوشش کریں۔ ان کے اندر کوئی کمزوری ہو، سستی ہو غفلت ہو، تو اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔ ہمارا ایک بھائی نماز میں سست ہے۔ جمعہ میں نہیں آتا۔ قرآن شریف کے درس میں شامل نہیں ہوتا۔ اس مالی جہاد میں حصہ نہیں لیتا یا کم لیتا ہے جو ہماری جماعت کی ایک نمایاں خصوصیت ہے بلکہ جو ہماری جماعت کی بنیاد ہے۔ جماعت میں جو تحریکات ہوتی ہیں ان میں حصہ نہیں لیتا تو ہمیں اس کے پاس جانا چاہیئے۔ جس طرح اس پر مصیبت آجائے یا وہ بیمار ہو جائے تو ہم جاتے ہیں اور اس کی اس کمزوری کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہیئے ہم ان باتوں میں جو لاپروائی کرتے ہیں تو گویا ہم اپنے بھائیوں کی مدد سے ہاتھ روکتے ہیں۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (2:5) کے حکم کو جماعت کے عمائد بالخصوص مدنظر رکھیں۔ ان کو دن رات یہ فکر ہونی چاہیئے کہ جماعت کے اندر نیکی کس طرح پھیلے۔ قربانی کی روح کس طرح پیدا ہو، اور یہ فکر ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ پہلے خود خدا کی راہ میں ہر ایک قربانی کرنے کو تیار نہ ہوں۔

عام مجالس میں نکتہ چینی: ایک اور بات جس کی طرف میں بزرگان جماعت کو توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ ایک دوسرے کے کام پر یا انجمن کے کاموں پر عام مجلس میں نکتہ چینی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس سے جماعت میں بددلی پیدا ہوتی ہے۔ اور کام کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم عمائد کے یا جماعت کے نقصوں اور کمزوریوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور ان نقصوں کو دور کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم اس کام کو بگڑتا دیکھیں تو اس کی اصلاح کی کوشش کریں۔ کسی بزرگ کے کام میں کوئی نقص دیکھیں تو اس کو بھی توجہ دلائیں۔ لیکن اس کا صحیح طریق یہ نہیں کہ ہم ان نقصوں کو مشتہر کرتے پھریں۔ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا۔ اگر ہم جماعتی کام میں کوئی نقص دیکھیں تو مناسب یہ ہے کہ اسے جماعت کے ذمہ دار عہدیداروں کے علم میں لائیں۔ خود انجمن کے کام میں کوئی نقص دیکھیں یا غلطی دیکھیں تو انجمن کے عہدیداروں کے علم میں لائیں۔ اور ایسے عہدیداروں کا یہ فرض ہے کہ اگر فی الواقع وہ کام میں کوئی نقص یا غلطی دیکھیں تو اس کی اصلاح کے لئے مناسب کوشش کریں۔ خود قرآن کریم نے ہمیں اس طرف توجہ دلائی ہے۔ اور اس بات سے روکا ہے کہ ہم ایسے امور کا عام چرچا کریں وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَا عُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (83:4) یعنی بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں

کہ کوئی امن یا خوف والی بات ان کے علم میں آتی ہے تو اس کو پھیلاتے ہیں۔ اور اگر اسے رسول کی طرف اور اولوالامر کی طرف لوٹائیں تو جو لوگ استنباط کر سکتے ہیں اور صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں وہ بات ان کے علم میں آ جائے۔ یہ گویا اس کی اصلاح کا طریق ہے۔ کسی بزرگ کو اپنے آپ کو انسانی ذمہ داریوں، اور فرائض سے بلندتر نہیں سمجھنا چاہیئے۔ خدا کے ہاں ہم سب یکساں جواب دہ ہیں بلکہ جس قدر زیادہ کسی شخص کی حیثیت ہے اسی قدر زیادہ اس کو محتاط رہنا چاہیئے۔ اس کے منہ سے کوئی لفظ ایسا نہ نکلے جس سے جماعت میں بددلی پیدا ہو۔ اسی طرح کسی بزرگ کے کام میں کوئی نقص ہو تو سب سے پہلے اسے اس کے علم میں لانا چاہیئے اور جس شخص میں یہ ایمانی جرأت نہیں کہ وہ کسی کے نقص کو اس کے منہ کے سامنے بیان کر سکے، اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ خاموش رہے۔ اور صبر اور دعا سے کام لے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

☆

22 جون 1949ء

جہادِ رمضان

حضرت امیر ایدّہ اللہ کا مکتوب گرامی

برادران محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

رمضان کا مہینہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں دعاؤں کے لئے مخصوص ہے۔ اسی ذیل میں **اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ** (186:2) کی خوشخبری بھی سنائی ہے۔ فرمایا ہے میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔ تو یہ بات بھولنی نہ چاہیئے اور جماعت کے ہر فرد کو مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان یاد رکھنا چاہیئے کہ رمضان کا مہینہ صرف روزوں کا مہینہ نہیں، دعاؤں کا مہینہ بھی ہے۔ اور فی الحقیقت روزہ بھی دعا کو ہی زیادہ مؤثر بنانے والی چیز ہے۔ کیونکہ جس قدر انسان ایک طرف خدا کی رضا کی راہ پر چلنے کے لئے کوشش کرتا ہے اور روزہ کیا ہے صرف یہ کہ خدا کی رضا کے لئے ہم ان چیزوں کو جو ہمارے لئے جائز ہیں ترک کر دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف تمام صلحاء کا یہ تجربہ ہے کہ جس قدر انسان کے دل میں اس وقت تڑپ پیدا ہوتی ہے جب اس کا پیٹ خالی ہوتا ہے۔ وہ تڑپ دوسرے اوقات میں پیدا نہیں ہوتی۔ تو گویا روزہ ایک ذریعہ ہے اور دعاؤں سے خدا کے قرب کو حاصل کرنا اصل غرض ہے۔ تو میری احباب سے یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے روزوں سے ٹھیک کام بھی لیں۔ یعنی انہیں اپنی دعاؤں میں قوت پیدا کرنے کا ذریعہ بنائیں۔ یہی رمضان کا اصل جہاد ہے۔ انسان کمزور ہے۔ ہم سب ہی اپنی اپنی جگہ پر کمزور ہیں۔ مگر ہم ایک چھوٹے سے تیس دن کے جہاد سے اپنے اندر ایک زبردست قوت پیدا کر سکتے ہیں۔ اور وہ قوت دراصل ہماری قوت نہیں ہوتی بلکہ وہ خدا کی طاقت ہوتی ہے۔ جو انسان کے اندر آ جاتی ہے۔ تو جو احباب دن کو روزہ رکھیں وہ پہلی بات یہ یاد رکھیں کہ اگر ان کی راتیں خدا کے ذکر سے روشن نہیں ہوتیں، تو وہ صرف بھوکے اور پیاسے رہ کر کچھ جسمانی فوائد تو ضرور حاصل کر لیں گے مگر روزوں کی اصل غرض جو روحانی طاقت کا حصول ہے جو دعا کے ذریعہ سے ملتی ہے وہ پوری نہ ہوگی۔ پس اگر آپ خدا کی راہ میں یہ تکلیف اُٹھانے کو تیار ہیں کہ بھوک اور پیاس کی شدّت کو برداشت کریں تو اس تکلیف کا پھل کھانے کے لئے بھی اپنے آپ کو تیار کریں۔ اور اس کا

پچھل رات کو جاگنا اور دعاؤں کے ذریعہ سے اپنے مولیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔

ان دعاؤں میں مَیں یہ چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے مدنظر وہ امور ہوں جو اعلائے کلمۃ اللہ سے تعلق رکھتے ہیں۔یعنی اپنی رمضان کی راتوں (اور دنوں) کی دعاؤں میں خدا سے اپنے لئے یہ مدد مانگیں کہ وہ ہمارے اندر اپنے نام کو دنیا میں بلند کرنے اور اپنے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کی تڑپ پیدا کرے۔اور اس کے دین کے لئے اس کی وہ نصرت مانگیں جو وہ اپنے پاک بندوں کو دیتا رہا ہے کہ اس کی مخلوق کو اس کے در پر جھکانے میں اور اس کے دین کو دنیا میں پہنچانے میں ہم کامیاب ہو جائیں۔مگر یہ یاد رکھئے کہ دعا اور کام ایک دوسرے سے لازم اور ملزوم کی طرح وابستہ ہیں۔جس طرح دعا سے کام میں مدد ملتی ہے اسی طرح کام سے دعا میں مدد ملتی ہے۔اس لئے جہاں میں اپنے احباب کو رمضان کے جہادِ دعا کی طرف توجہ دلا رہا ہوں، یہ جہاد مکمل ہی نہیں ہوگا جب تک کہ میں انہیں جہادِ عمل کی طرف توجہ نہ دلاؤں اور اس جہادِ عمل کو میں ایک خاص غرض کے لئے مخصوص کرنا چاہتا ہوں۔تا کہ جماعت کی اجتماعی قوت اس ایک پہلو پر محدود ہو کر کوئی مفید اثر پیدا کرے۔میں نے دیکھا ہے کہ اخبار میں بہت سی تحریکات ہوتی ہیں جن میں قوت اس لئے پیدا نہیں ہوتی کہ جماعت کے سب افراد ان میں شامل نہیں ہوتے۔اور شاید بیشتر ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ آج نہیں یہ کام ہم کل کریں گے۔اور یوں ہی سوچتے سوچتے انسان آخر بالکل رہ جاتا ہے اور ایک نیک کام کی توفیق چھن جاتی ہے۔تو میں چاہتا ہوں جس طرح بعض وقت ایک فوج ایک خاص کام کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کر لیتی ہے کہ ہم نے دس یا پندرہ دن کے اندر اندر فلاں مقام کر لینا ہے اسی طرح ہم سب کے پیشِ نظر یہ بات رہے کہ ہم نے اس ماہ رمضان میں یہ خاص کام کر لینا ہے۔

وہ خاص کام اس ماہ رمضان کے لئے رسالہ اسلامک ریویو کے لئے جو ووکنگ سے نکلتا ہے ایک ہزار نئے خریدار بنانا ہے۔کیا یہ فی الواقع جہاد کہلانے کا مستحق ہے۔میرا یہ خیال ہے کہ ہم نے اپنے اس رسالہ کی جو جنوری 1949ء سے ایک نئے خوبصورت لباس میں ظاہر ہوا ہے قدر نہیں کی۔لوگ اس کی کیا قدر کریں گے۔جب ہم خود قدر نہیں کرتے۔ یہ رسالہ اپنی ظاہری شکل وصورت میں اس وقت دنیا کے خوبصورت ترین رسالوں میں سے ہے۔مگر جب ہم اس کے مضامین کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو اس کے پایہ کا دنیا میں کوئی رسالہ نظر نہیں آتا۔اس میں اسلام کی صداقت پر زبردست مضامین نکل رہے ہیں۔نہ

صرف مسلمانوں کے قلم سے بلکہ غیر مسلموں کے قلم سے بھی۔اس میں اعلیٰ پایہ کے تاریخی مضامین نکل رہے ہیں۔جن سے اسلام کی عظمت کا نقش انسان کے دل پر ہوتا ہے۔اس میں تمام ممالک اسلامی بلکہ تمام ان آبادیوں کے متعلق، جہاں مسلمان کہیں دنیا میں آباد ہیں، مضامین نکل رہے ہیں۔اور دنیا بھر کے مسلمانوں میں اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔یاد رکھئے اتحاد اور یکجہتی چند ریزولیوشنوں سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ اس خیال کو عمل میں لانے سے پیدا ہوتے ہیں۔اس وقت اسلامی دنیا کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوں۔سو یہ کام یہ رسالہ کر رہا ہے۔جب ہم ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوں گے تو ایک دوسرے سے ہمدردی بھی پیدا ہوگی۔اور ہم وقت پر ایک دوسرے کے کام بھی آسکیں گے۔یہ رسالہ اسلام اور قرآن کے نام کو دنیا کے کفرستانوں میں پہنچا رہا ہے۔جہاں آج تک لوگ اسلام کے نام سے ناواقف ہیں۔یہ قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کے لئے ایک ہراول دستہ کا کام دے رہا ہے۔یہ اس زمین کو تیار کرنے کا کام دے رہا ہے جس میں کل کو اسلام کا بیج بویا جا سکتا ہے۔آپ اگر ساری اسلامی دنیا پر نظر دوڑائیں تو نہ کسی اسلامی سلطنت کے ہاتھوں سے نہ کسی قوم یا جماعت کی طرف سے اسلام کے نام کو دنیا میں روشن کرنے کا وہ کام ہو رہا ہے جو آپ کی اس چھوٹی سی جماعت کے ہاتھوں سے صرف اس رسالہ کے ذریعہ سے ہو رہا ہے باقی لٹریچر کو چھوڑیئے۔یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس وقت انجمن کو اس رسالہ پر قریب قریب ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔اور اس کی قیمت صرف ایک پونڈ یا ساڑھے تیرہ روپے ہے۔اور جب کہیں جا کر دس ہزار خریدار بنیں گے۔تب جا کر اس کی اصل لاگت وصول ہوگی۔تب تک نقصان انجمن کو پورا کرنا پڑے گا۔تو میں صرف آپ سے اس کا ایک ہزار خریدار مانگتا ہوں۔جو ماہ رمضان کے اندر اندر مل جانا چاہیئے۔میرا اس بات پر ایمان ہے کہ اگر ہم اتنی بھی کوشش کر لیں کہ اس رمضان کے اندر اندر ایک ہزار خریدار ہماری جماعت اس کے لئے پیدا کر لے تو بہت دیر نہیں لگے گی کہ آپ یہ خوشخبری بھی سن لیں گے کہ رسالہ اپنا خرچ پورا کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔اور اس کے خریداروں کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی ہے جب آپ اس کی مدد کے لئے قدم اُٹھائیں گے تو خدا بھی اپنی مدد کا ہاتھ آپ کی طرف بڑھائے گا اور باقی کام اس کی تائید غیبی سے ہوگا۔

کیا ہم ایک ہزار خریدار اس کے لئے پیدا کر سکتے ہیں؟ یہ تو ایک چھوٹی سی جماعت ہے لیکن

کام کام کرنے والوں کی گنتی سے نہیں ہوتے۔ ان کے اخلاص سے ہوتے ہیں۔ آپ لوگ مولینا عبدالہادی صاحب مرحوم و مغفور کے نام سے واقف ہوں گے۔ اور اکثر لوگوں نے سالانہ جلسہ پر دیکھا ہوگا کہ جب یہ بزرگ خلوص اور صداقت کے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو جاتا تھا تو بہت سے انہو نے کام ہو جاتے تھے۔ وہ تو اب اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ مگر جو اخلاص وہ خدا سے انعام کے لئے آگے لے گئے ہیں ان کا کچھ حصہ اپنی اولاد میں پیچھے بھی چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے ایک صاحبزادہ عبدالباقی نام ایک دور افتادہ مقام بنوں میں کسی معمولی کلرکی کے کام پر ہیں۔ ان کے دل میں کس قدر جوش ہے۔ وہ ہمیشہ مفت تقسیم کے لئے انجمن سے لٹریچر منگواتے رہتے ہیں۔ اور اسے خوب تقسیم کرتے ہیں۔ شاید بعض مبلغ بھی اس قدر کام نہ کرتے ہوں۔ جن کا کام ہی یہ ہے کہ جس قدر یہ ہمارا نوجوان دوست کر رہا ہے۔ حال ہی میں ان کا ایک خط آیا جس سے معلوم ہوا کہ صرف اپنے خلوص کو عمل میں لا کر انہوں نے پیغام صلح کے چھ خریدار ''لائٹ'' کے دو خریدار، اسلامک ریویو کے دو خریدار اور اشاعت اسلام کے دو خریدار پیدا کر لئے ہیں۔ گویا یہ نوجوان ایک طرف انجمن کو بھی مدد پہنچانے کا موجب ہو گیا کہ اس کے مختلف اخباروں اور رسالوں کے لئے بارہ خریدار پیدا کر لئے۔ اور دوسری طرف بارہ دلوں میں نیکی کا بیج بونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ یہ صداقت کا بیج، جو اس نوجوان نے اپنے اخلاص سے اتنے دلوں میں ڈال دیا، اس کو خدا ضائع ہونے دے گا۔ نہیں۔ یہ سینکڑوں اور ہزاروں دلوں تک پھیلے گا۔

مگر کیا ان مثالوں کو دیکھ کر کبھی آپ کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ میں یہ کام کیوں نہیں کرتا۔ میں نیکی کا بیج دلوں میں ڈالنے کی کیوں کوشش نہیں کرتا۔ آپ میرے جواب سے راضی ہوں یا ناراض۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے دلوں میں خدا پر ایمان کم ہے۔ ورنہ کیوں نیکی کے بیج کو زمین میں نہیں بوتے۔ آپ دن رات اپنے جسم کے فکر میں ہیں۔ جس طرح دنیا کے دوسرے لوگ اس فکر میں ہیں۔ کیا آپ کو اپنی روح کی فکر ہے۔ کیا آپ کو محمد رسول اللہ صلعم کے دین کی فکر ہے۔ اگر کہیں یہ چنگاری آپ کے دل میں ہے تو شاید سیروں خاکستر کے نیچے پڑی ہوئی ہے۔ میں نے ایک ماہ کے اندر اندر اسلامک ریویو کے لئے ایک ہزار خریدار آپ سے مانگا ہے۔ کیا جماعت میں ایک ہزار آدمی بھی ایسا نہیں جو فی کس ایک خریدار دے سکے۔ اگر عبدالباقی ایک معمولی حیثیت کا مالک ایک دور افتادہ جگہ میں

مختلف رسالوں کے لئے بارہ خریدار بنا سکتا ہے تو (الف) ہمارے مبلغ کہاں ہیں (ب) ہماری جماعتوں کے سیکرٹری اور پریذیڈنٹ کہاں ہیں (ج) ہمارے سینکڑوں نوجوان کہاں ہیں۔ وہ کیوں نہیں اُٹھتے۔ عبدالباقی سے زیادہ بااثر اور باحیثیت دوست بڑے بڑے پررونق اور ترقی یافتہ شہروں میں موجود ہیں۔ وہ خدا کی دی ہوئی طاقتوں کو ضائع کر رہے ہیں۔ اور پھر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ میں ہر جماعت سے جس قدر ہمارے آدمیوں کی تعداد ہے فی کس ایک خریدار کے حساب سے اسلامک ریویو کے خریدار مانتا ہوں۔ اگر بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو نہ خود اس رسالہ کو لینے کے قابل ہیں۔ نہ کسی کو خریدار بنانے کے قابل ہیں تو بہت سے ایسے ہیں جو ان کی اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔ میں نے کل جمعہ میں یہاں کراچی کی جماعت میں یہ مطالبہ پیش کیا تو بیس سے زیادہ اپنی جماعت سے خریدار مل گئے۔ اور بعض احباب نے خریدار پیدا کرنے کا وعدہ کیا۔ گو حساب کی رو سے کراچی کی جماعت میں مجھے بمشکل پچاس رسالوں کی توقع رکھنی چاہئے۔ مگر میں امید رکھتا ہوں کہ اگر ہمارے احباب کوشش کریں تو یہاں سے ایک سو خریدار بنا لینا کوئی مشکل کام نہیں۔ لاہور، سیالکوٹ، وزیرآباد، لائل پور، ملتان، گجرات، جہلم، راولپنڈی، مری، جھنگ، پشاور، مانسہرہ وغیرہ کی جماعتیں خصوصیت سے توجہ کریں۔ میں ان کے سیکرٹریوں اور پریذیڈنٹوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ فوراً اپنی جماعت کا ایک اجلاس بلائیں۔ اور اس میں اس تجویز کو عمل میں لانے کے لئے مناسب تجاویز اختیار کریں۔ سیکرٹری ووکنگ مسلم مشن برانڈرتھ روڈ لاہور سے نمونے کے رسالے طلب کریں۔ ہر ایک باحیثیت دوست خود اس کا خریدار بنے اور اپنے اثر کو کام میں لا کر دوسروں کو خریدار بنانے کی کوشش کریں۔ جو دوست اجلاس میں نہ آئیں ان کے گھروں پر وفد کے رنگ میں جائیں اور سب کے سب اپنے آپ کو حرکت میں لائیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس رمضان کے اندر اندر ہم کس قدر کام کرتے ہیں اور رمضان کے بعد ان احباب کی ایک فہرست آپ کے سامنے آ جائے گی۔ جو اس تحریک میں حصہ لیں گے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

کراچی 18 جون 1949ء

☆

23 شعبان 1368ھ

امن عالم کی ایک ہی راہ

اَلا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (28:13)

یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کل دنیا میں ہر طرف میدان کارزار گرم ہے۔ چھوٹے بڑے سب اس لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔ کیا امیر کیا فقیر سب کے دلوں میں ایک بے قراری ایک بے چینی کی آگ بھڑک رہی ہے۔ کسی دل میں اطمینان اور راحت نہیں۔ زندگی وبال جان اور دنیا سوہان روح بن رہی ہے۔ ''ہر لب پہ ہے نفسی یہ قیامت تو نہیں ہے؟'' ہر فرد اور ہر قوم دوسروں کا خون چوسنے کو بیقرار بیٹھی ہے، گویا درندے ہیں جو پھاڑ کھانے کو دوڑتے ہیں۔ لوٹ مار قتل و غارت یہ دنیا ولوں کا محبوب ترین مشغلہ بن چکا ہے۔ ہاں کبھی کبھی ان مشاغل میں تھوڑی دیر کے لئے وقفہ بھی پڑ جاتا ہے۔ اس کا نام ''امن کی حالت'' رکھا جاتا ہے۔ مگر درحقیقت یہ امن کی حالت نہیں ہے بلکہ یہ ایک وسیع پیمانے پر ایک اور عالمگیر جنگ کی تیاری کے لئے وقت تلاش کیا جاتا ہے۔ لیگ آف نیشنز اور ''مجلس متحدہ اقوام عالم'' قائم کی جاتی ہیں اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ اس کا مقصد امن عالم کو قائم کرنا ہے اور جنگ وجدل اور قتل و غارت سے لوگوں کو باز رکھنا ہے مگر خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ کیا حشر ہوا لیگ آف نیشنز کا؟ اور کیا حشر ہوگا اس موجودہ یو این او کا؟ کیا افراد اور کیا قوام سب کے دل میں عناد اور خصومت کی آگ شعلہ زن ہے۔ اس آگ کو کوئی پانی بجھا نہیں سکتا۔ اس سے دلوں کے اندر پھڑ کنے والے شعلے کبھی سرد نہیں ہوں گے۔ پھر صلح کہاں اور امن کیونکر ہو؟ ہر طرف مساوات اور اخوت پر لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ الفاظ وہ ہیں جو حلق سے نیچے نہیں اُترتے۔ یہ محض ہونٹوں تک ہی محدود رہتے ہیں۔ عامتہ الناس میں ایک ہیجان ایک طلاطم برپا ہے وہ بے چین ہیں مضطرب ہیں۔ ان کے دلوں کا قرار مفقود ہو چکا ہے۔ وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیے مار رہے ہیں کہ کوئی راستہ ان مصائب سے باہر نکلنے کا ملے اور انہیں ان دن رات کی تکلیفوں سے نجات حاصل ہو مگر ''ایں خیال است ومحال است وجنون'' بیچارے غرباء نادار لوگ غربت میں پیدا ہوتے ہیں اور غربت میں ہی مر جاتے ہیں۔ انہیں زندگی کی خوشیوں سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ وہ جانتے نہیں کہ راحت اور آرام کس کو کہتے ہیں۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیا وہ لوگ جن کے ہاں

بکثرت سامان تعیش موجود ہے وہ خوش ہیں؟ افسوس تو یہ ہے کہ وہ بھی خوش نہیں۔ حقیقی راحت جس کا نام ہے انہیں بھی حاصل نہیں۔ آج کل کی دنیا کے لحاظ سے تو یہ کہنا چاہئے کہ راحت ’’یہ وہ ہے لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا‘‘

پھر سوال یہ ہے کہ یہ حقیقی راحت چیز کیا ہے۔ اور کیونکر حاصل ہوسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ راحت سے مراد قلب کی وہ حالت ہے جس سے انسان اطمینان محسوس کرتا ہوا۔ قلب کی یہ حالت نہ زیادہ روپے پیسے سے بنتی ہے نہ ملک گیری یا ریاست سے۔ کیونکہ تجربہ اور مشاہدہ ظاہر کررہا ہے کہ جس کے پاس دنیوی دولت کی فراوانی ہے، وہ بھی حقیقی راحت سے دوچار نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خداداد عطیہ ہے۔ اور یہ اس کے فضل سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس فضل کی جاذب کوئی چیز ہے۔ تو وہ ہے خدا کا ذکر خدا کی یاد، خدا کا خوف۔ پس جس قوم میں خدا کا ذکر پایا جائے گا، جس میں خدا کی یاد ہوگی جس میں خدا کا خوف ہوگا اور جو خدا سے ڈرے گی اور اس کے عذاب سے خائف ہوگی اور اس سے تعلق جوڑے گی وہ اطمینان قلب کی دولت سے بہرہ اندوز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جوفرمایا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (28:13) یہ بالکل درست اور صحیح ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ خدا سے تعلق جوڑنے والوں کے دلوں کے اندر وہ راحت اور اطمینان وہ خوشی موجزن رہتی ہے کہ کسی اور جگہ نظر نہیں آتی۔

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی کراچی میں تشریف آوری: (23 شعبان 1368ھ) 1- جماعت احمدیہ کراچی کی خوش قسمتی اور خوش نصیبی ہے۔ کہ اس سال حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے موسم گرما کا بیشتر حصہ کراچی میں بسر کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ آپ کی رہائش اور قیام کا فخر ہماری جماعت کے مخلص ترین بزرگ میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کو حاصل ہوا ہے۔ جس پر جناب میاں صاحب موصوف جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔

2- جس دن سے آپ کا ورود مسعود کراچی میں ہوا ہے اسی دن سے احباب سلسلہ کے ساتھ اشاعت وحفاظت اسلام کی اہمیت پر پند ونصائح کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی سلسلہ میں احباب کے ازدیاد ایمان کے لئے اس امر کا ذکر کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ ہماری جماعت کے بزرگ الحاج حضرت شیخ میاں محمد صاحب لائل پوری نے ہالینڈ میں اسلامی مرکز کے قائم کرنے کے لئے سب اخراجات کی ذمہ

داری قبول فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ حاجی صاحب قبلہ کو بیش از پیش خدمت اسلام کے لئے مواقع عطا فرمائے اور دین و دنیا میں بلند ترین مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

3- علاوہ ازیں بہت سے غیر از جماعت معززین اور تعلیم یافتہ اصحاب بھی آپ کے فیوض سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے روزانہ تشریف لاتے ہیں۔ اور روز مغرب کی نماز میں احباب کا کافی مجمع ہو جاتا ہے۔

4- حضرت امیر ایدّہ اللہ کے روزانہ معمول سے اس گرمی کے موسم میں قرآن کریم کے مسودہ کو از سر نو ترتیب دینے کے لئے اس کی نظر ثانی کرنا ہے۔ انسانی عقل اور سمجھ سے یہ باہر بات ہے کہ وہ سمجھ سکے کہ کیونکر ایک بوڑھا بزرگ جس کی عمر اسی سال کے قریب ہو اور جس پر حال ہی میں شدید بیماری کا خطرناک حملہ بھی ہو چکا ہو۔ اور جس کے طبی مشیروں کی یہ رائے ہو کہ وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ آرام کرنے میں بسر کرے، کس طرح ایسی محنت شاقہ کو برداشت کر سکتا ہے۔ یہ سوائے اللہ تعالیٰ کی نصرت تائید اور فضل کے نہیں ہو سکتا۔ یا اللہ کی مشیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس قحط الرجال کے زمانہ میں اس مقدس انسان سے خدمت اسلام کا مزید کام لے۔

5- حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کے خطبات جمعہ کو قلمبند کرنے کے لئے انتظام کیا جا رہا ہے اگر اس میں کامیابی ہوگئی تو انشاء اللہ آپ کے خطبات پیغام صلح میں شائع کرنے کے لئے بھیجے جایا کریں گے۔ مؤرخہ 10 جون کا خطبہ جمعہ مشین کے ذریعہ ریکارڈ کر لیا گیا ہے۔ عنقریب انشاء اللہ لاہور بھیج دیا جائے گا۔

6- مؤرخہ 11 جون 1949ء کو آپ نے جناب میاں بشیر احمد صاحب کے اعزاز میں (جو پاکستان حکومت کی طرف سے ترکی حکومت میں بطور سفیر مقرر ہوئے ہیں، عصرانہ دیا۔ جس میں قریباً چالیس احباب سلسلہ اور غیر از احباب نے حصہ لیا حضرت امیر نے غیر از جماعت احباب سے جماعت احمدیہ کی خدمات اسلام کا تذکرہ کیا۔ سب احباب اس بات پر متفق تھے کہ خدمت اسلام کا جو کام لاہور جماعت احمدیہ نے کیا ہے مسلمانوں کی کوئی دوسری جماعت اس معاملہ میں جماعت احمدیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

☆

6 جولائی 1949ء

سندھی ترجمہ قرآن کریم

از حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ

جب سے میں کراچی آیا ہوں یہ دوسرا واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا وہ نظارہ ہماری جماعت نے دیکھا ہے جس سے ہمارے دل تشکر اور حمد الٰہی سے لبریز ہو کر اس کے در پر گر جاتے ہیں۔ یکے بعد دیگر دو بزرگوں نے اخلاص اور قربانی کے وہ نمونے پیش کئے ہیں جو تاریخ اسلام کے سنہری دور میں ہمیں نظر آتے ہیں۔ ابھی چند دن کی بات ہے کہ ہالینڈ میں ایک اسلامی مشن کے قیام کی ضرورت کا اظہار ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب نے کیا تو الحاج شیخ میاں محمد صاحب نے بغیر کسی درخواست یا اپیل کے خود بخود ہی یہ فرمایا کہ اس مشن کے تمام اخراجات ان کے ذمہ ہوں گے۔ اب میں چوہدری امجد خاں صاحب کا خط احباب کی اطلاع کے لئے شائع کرتا ہوں جس میں انہوں نے سندھی ترجمہ قرآن کے طبع کے اخراجات کو اپنے ذمہ لیا ہے۔ ان سے بھی کسی نے کوئی اپیل یا درخواست نہیں کی بلکہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی یہ جوش پیدا کیا۔ یہ اخلاص اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے یہ تڑپ اس کے نمونے آج کہاں ملتے ہیں! اور ابھی آنکھیں بند کر کے ہمارے مسلمان بھائی یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب دشمن اسلام تھے۔ اگر ایک دشمن اسلام خدا اور رسولؐ کی یہ محبت دلوں میں پیدا کر سکتا ہے تو میں تو اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ وہ بھی فرضی محبت اسلام کے دعووں کو چھوڑ کر ان ''دشمنان اسلام'' کی صف میں آ کر کھڑے ہو جائیں تا کہ یہ دنیا اسلام کے نور سے روشن ہو جائے۔

میں اس جگہ تراجم قرآن کے سلسلہ میں چند الفاظ بھی احباب جماعت سے کہنا چاہتا ہوں۔ یہ تحریک آج سے شاید چار پانچ سال پیشتر شروع ہوئی تھی۔ اور آج خدا کے فضل سے تین ترجمے ہماری انجمن کی کوشش سے اور دو ترجمے ہماری جماعت کے بعض باہمت افراد کی کوششوں سے طبع کے لئے تیار پڑے ہیں۔ اول الذکر تین ترجمے تامل، گورمکھی اور سندھی ترجمے ہیں۔ اور مؤخر الذکر کھاسی اور جاوی زبان کے ترجمے ہیں۔ اول الذکر تین ترجموں کی تیاری میں انجمن تیس اور چالیس ہزار روپے کے درمیان خرچ کر چکی ہے۔ لیکن ان پانچ ترجموں کی طبع کے لئے کم وبیش ساٹھ ہزار روپے کا یا اس سے بھی

زیادہ خرچ بکار ہے۔ اور بعض وجوہات سے جن کی میں یہاں تصریح کرنا نہیں چاہتا یہ کام معرض التوا میں پڑا ہوا ہے۔ حالانکہ جب ترجمے ہو چکے ہوں تو یہ مناسب نہ تھا کہ ان کی طبع کو التوا میں ڈالا جاتا۔ تامل ترجمہ تیار ہوئے ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ گذر چکا مگر اب تک وہ طبع نہیں ہوسکا۔ اس لئے جو قدم چودھری امجد خاں صاحب نے اُٹھایا ہے اس سے مجھے اس لئے بھی خوشی ہے کہ ہمارے بوجھ کا پانچواں حصہ تو ایک فرد واحد نے اُٹھالیا۔ گو یہ پیشکش چودھری امجد خاں صاحب نے مسلم انڈسٹریز لمیٹڈ کی طرف سے کی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ خود ہی اس کی روح رواں ہیں۔ چودھری امجد خاں صاحب ہمارے مرحوم بھائی چودھری منظور الٰہی مرحوم کے عزیزوں میں سے ہیں۔ اور اپنے اس بزرگ کی روح ہی ان میں کام کر رہی ہے۔ سب احباب رمضان میں ان کے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اموال میں جو ایسے اچھے کام پر خرچ ہو رہے ہیں بہت برکت دے۔ اور یہ بھی دعا کریں کہ اپنی تائید غیبی سے وہ کوئی ایسے سامان بھی کر دے کہ باقی چار ترجموں کی طبع کا انتظام بھی اس رمضان میں ہو جائے۔ یقیناً اس جماعت میں بہت دل ایسے ہیں جن کے اندر وہی تڑپ موجود ہے جس کا اظہار اس وقت شیخ میاں محمد صاحب اور چودھری امجد خاں صاحب نے کیا ہے۔ مگر وہ حرکت میں کب آئے گی یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ شاید کسی بزرگ کی تڑپ کسی دل میں حرکت پیدا کر دے۔ کیسی اعلیٰ درجہ کی وہ بات ہے جس کی طرف ڈاکٹر حسن علی صاحب نے توجہ دلائی ہے هَلْ تُرْزَقُوْنَ اِلاَّ بِضُعَفَآءِ کُمْ کمزوروں کی دعاؤں سے ہی تم کو فتح اور نصرت ملتی ہے۔ چودھری امجد علی خاں صاحب کا خط نیچے درج ہے۔ خاکسار محمد علی

حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پاکستان بننے کے بعد صوبہ سندھ کو جو اہمیت حاصل ہوئی ہے اس سے شاید ہماری انجمن بے خبر ہے۔ کیونکہ ابھی تک تبلیغ کے سلسلہ میں سندھ کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ حالانکہ یہاں پر تبلیغ کے لئے اگر دو چار آدمی مقرر کر دیئے جائیں تو بہت سے لوگ ہدایت لینے کو تیار ہیں۔ انجمن نے سندھی زبان میں ترجمہ کرایا۔ بڑی محنت سے تیار ہوا تھا اور خیال تھا کہ ختم ہوتے ہی نظر ثانی کے ساتھ ساتھ چھپنا شروع ہو جائے گا۔ مگر اس کے بارے میں کوئی تسلی بخش اطلاع موصول نہیں ہوئی لہٰذا اس تڑپ کے ساتھ، کہ جلدی سندھی ترجمہ کا چھپنا ضروری ہے جس کے بغیر سندھ میں تبلیغ بھی مشکل ہے، ہم

نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اپنی کمپنی کی طرف سے ایک ہزار قرآن کریم کی کاپیاں چھپوا دیں۔ پروگرام یہ ہے کہ قرآن کریم کا سارا ترجمہ یہاں کراچی میں آپ منگوالیں۔ ہم قاضی صاحب یا کسی اور موزوں آدمی کو دے کر اس کی نظر ثانی بھی کروائیں اور ایک ہزار کاپی کی کتابت، چھپوائی، جلد بندی وغیرہ کا اندازہ لگا کر کاغذ خریدنے کا کام شروع کرا دیں۔ ایک ہزار کاپی جو عمدہ کاغذ پر چھپوائیں گے اس کا سارا خرچ ہم خود برداشت کریں گے۔ چھپنے کے بعد 500 کاپی انجمن کے دفتر دے دیں گے اور 500 ہم خود رکھیں گے۔ اس میں سے کچھ مفت تقسیم کریں گے اور جو فروخت ہوگی اس کی رقم بھی انجمن کو دے دی جائے گی۔ پلیٹ محفوظ رکھی جائے گی تا کہ ایک ہزار سے زائد جو انجمن چھپوانا چاہے چھپوا لے۔ ہم صرف انجمن کی طرف سے اپنی گرہ سے خرچ کر کے اس کام کو سرانجام دینا چاہتے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس ہمت میں برکت دے۔ آمین والسلام خاکسار امجد خاں۔ مسلم انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی

26 جون 1949ء

☆

9 رمضان 1368ھ

اسلام میں عورت کی حیثیت

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی تقریر اجتماع خواتین کراچی میں

کراچی میں محترمہ عطیہ بیگم صاحبہ درد دل رکھنے والی خواتین اسلام میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کے علاوہ مذہب کے ساتھ شغف بھی عطا فرمایا ہے۔ آپ کے زیر اہتمام ''اسلامک اکیڈیمی'' کا ریسرچ شعبہ بھی قائم ہے۔ جہاں سے اسلامی فضائل اور خوبیوں کو نشر کرنے کا بھی انتظام ہے اسی سلسلہ میں محترمہ موصوفہ کی دعوت قبول فرما کر حضرت امیر ایدّہ اللہ نے اتوار بعد نماز عصر لیڈیز پارک میں ''اسلام میں عورت کی حیثیت اور مقام'' پر پُر از معارف لیکچر دیا۔ اس جلسہ میں دیگر معززین کی کثیر تعداد کے علاوہ حکومت پاکستان کے دو وزیر بھی شامل تھے۔ یعنی آنریبل چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں اور آنریبل خواجہ شہاب الدین صاحب۔

2- حضرت امیر ایدّہ اللہ نے ایک طویل بحث میں اس امر کو واضح کیا کہ اسلام سے قبل عورتوں کے متعلق اور ان کو درجہ نسوانیت سے گرانے کے لئے دنیا کے مختلف ممالک اور اقوام میں نہایت خطرناک اور گھناؤنے اور نفرت انگیز خیالات پھیل گئے۔ اسلام نے اس قسم کی تمام لغو روایات اور رسومات کو سراسر غلط قرار دے کر عورت کی اصل حیثیت اور مقام سے واقف کیا۔ چنانچہ اگر اسلام سے قبل دنیا کی ملتوں یا قوموں میں عورت کو کوئی نمایاں اہمیت حاصل نہ تھی تو اسلام نے دنیا میں دو بنیادی اصول پیش کئے۔

الف۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کے سلسلہ میں ''مرد'' اور ''عورت'' دونوں کو ایک ہی جوہر یا جنس سے پیدا کیا۔

ب۔ قدرت نے ہر دو ''مرد و عورت'' میں ایسی طاقتیں اور قوتیں رکھی ہیں جن کو صحیح طور پر استعمال کرنے کے نتیجہ میں دونوں دینی اور دنیاوی یکساں ترقی کے مدارج طے کرسکیں۔

چنانچہ آپ نے اس پہلو کو قرآن کریم کے متعدد آیات سے ثابت کیا۔ اور اپنے استدلال کے ثبوت میں بہت سی احادیث صحیحہ کو پیش کیا۔ جس سے نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ آسکتا تھا کہ اللہ

تعالیٰ نے مرد کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی ایک نہایت بلند مقام پر کھڑا کیا ہے۔

3- تقریر کے خاتمہ پر حضرت امیر ایدّہ اللہ نے حاضرین مجلس پر قرون اولیٰ کی خواتین اسلام کی خدمات کا ذکر فرمایا۔ اور تاریخی طور پر ثابت کیا کہ ابتدائے اسلام میں جبکہ مسلمانوں کا اپنا وجود معرض خطر میں تھا تو اس وقت صحابہ کرامؓ کی خواتین نے جس ہمت اور شجاعت کا ثبوت دنیا کو دیا ہے۔ اس سے دنیا دنگ رہ گئی ہے۔ مثال کے طور پر حاضرین مجلس پر آپ نے واضح کیا کہ میدان کارزار میں صرف زخمی سپاہیوں کی دیکھ بھال ہی ان کے سپرد نہ تھی بلکہ اس کے علاوہ ان کی مرہم پٹی کا کام۔ مجاہدین اسلام کو عین میدان جنگ میں پانی پلانے کا کام اور لشکر اسلام کے لئے سامان رسد کا پہنچانا خواتین اسلام کا ہی کام تھا۔ یہاں تک کہ ضرورت آنے پر مسلمان خواتین تلوار اُٹھا کر بھی دشمن کا مقابلہ کرنے سے گریز نہ کرتی تھیں۔ اسی سلسلہ میں آپ نے پاکستانی خواتین کو بھی خطاب کیا کہ اب بھی جبکہ پاکستان کے لئے سخت خطرات درپیش ہیں۔ ان کو بھی اپنے کردار، اخلاق اور اعمال کو صحابہ کرام کی خواتین کی مانند بہت بلند کر کے اس خلا کو پورا کرنے کی جلد از جلد کوشش کرنی چاہیئے۔

4- حاضرین مجلس نے آپ کے لیکچر کو غایت درجہ پسند کیا۔ اور محترمہ عطیہ بیگم صاحبہ کے ارشاد پر جناب چودھری سر ظفر اللہ خاں صاحب نے فرمایا کہ:

> ''حضرت امام بخاری علیہ الرحمت نے اپنی سب سے پہلی حدیث پر بہت زور دیا ہے۔ کہ ہر فعل کا نتیجہ درحقیقت انسان کی نیّت پر منحصر ہوتا ہے۔ اس لئے اگر حاضرین مجلس کو بھی یہ کان رس ہو کہ تقریر کو سن لیا جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن اگر تقریر سن لینے کے بعد اس پر عمل کرنا ضروری سمجھ لیا گیا ہو تو پھر جو کچھ جناب مولوی صاحب نے بیان فرمایا ہے اس کے بعد کسی مزید تقریر کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ الغرض یہ پُر لطف مجلس مغرب کی نماز سے قبل ختم ہوئی''

☆

13 جولائی 1949ء

ہندوؤں میں اسلام کی صحیح تصویر پہنچانے کی ضرورت

مکتوب حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

برادران محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

''اسلامک ریویو'' کی توسیع اشاعت کے سلسلہ میں میں نے یہ تحریک کی تھی کہ ماہ رمضان میں سب احباب اس کی طرف خصوصیت سے توجہ فرمائیں۔ اسی ضمن میں میں ایک اور تحریک بھی کرنا چاہتا ہوں۔ ہندوستان کے ہندوؤں کا ہم پاکستان کے مسلمانوں پر ایک حق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم اُن کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں۔ آپ کو یہ علم ہے کہ گذشتہ چند سالوں میں امام زمان کے ارشاد کے ماتحت آپ کے پیروؤں نے یورپ اور امریکہ میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کر کے ان لوگوں کے اندر کس قدر انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ انہی لوگوں میں جو اسلام کو مٹانے کے درپے تھے آج وہ لوگ اُٹھ رہے ہیں جو اس بات کا صاف اعتراف کرتے ہیں کہ دنیا کو تباہی سے بچانے کا اگر اس وقت کوئی سامان ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ یقیناً یہ ایک انقلاب عظیم ہے۔ لیکن اگر یورپ میں یہ انقلاب پیدا ہو سکتا ہے تو کیا ہندوستان میں نہیں ہو سکتا۔ ہمیں ایک بات کا صاف اعتراف کر لینا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر ہندوؤں کے اندر ایسے ہی خیالات پیدا ہو گئے ہیں، جیسے یورپ میں تھے، تو اس کی ذمہ داری ہم لوگوں پر ہے کہ ہم نے اسلام کی صحیح تصویر انہیں نہیں دکھائی۔ گذشتہ سال رمضان میں بھی میں نے ایک تحریک کی تھی کہ کتاب لونگ تھاٹس آف پرافٹ محمدؐ (زندہ نبیؐ کی زندہ تعلیم) کی کچھ کاپیاں ہندوستان کے عمائد کو بھجوائی جائیں۔ اور اس کے لئے غالباً کوئی چھ سات سو کاپی کی تقسیم کے لئے احباب نے عطیہ جات بھی دیئے تھے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ ہندوستان کی لائبریریوں کی ایک ایک فہرست منگوا کر تمام لائبریریوں میں، چاہئے وہ پبلک لائبریریاں ہوں یا کالجوں کی لائبریریاں ہوں، ایک تو اسی کتاب کی ایک ایک کاپی بھجوا دی جائے اور دوسرے اخبار ''لائٹ'' ان لائبریریوں میں جاری کیا جائے۔ یہ دونوں کام انجمن کی طرف سے ہوں گے۔ لیکن ایک اور تحریک مَیں چاہتا ہوں کہ ہمارے احباب بھی اس ثواب میں شامل ہو جائیں اور اسی ماہ رمضان کے اندر یہ انتظام ہو جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ کم سے کم دو سو کاپیاں اسلامک

ریویو کی ہندوستان کی لائبریریوں میں بھجوائی جائیں۔ جن کا چندہ ہمارے احباب ادا کریں۔ ایک سال کا چندہ ساڑھے تیرہ روپے ہے۔ پس جو احباب جس قدر پرچے بھجوانا چاہیں اس حساب سے وہ مجھے یہاں کراچی کے پتہ پر براہ راست اطلاع دے دیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے وسعت دی ہے ان کو اس تحریک پر لبیک کہنا چاہئے۔ خدا کے فضل سے جماعت میں وہ احباب بھی موجود ہیں جو بیس بیس، پچاس پچاس کاپیوں کی قیمت ادا کر سکتے ہیں۔ رمضان کے مہینے میں جو قرب الٰہی کے حصول کے دروازے کھلتے ہیں وہ درحقیقت جہاد میں حصہ لینے سے کھلتے ہیں۔ اور تبلیغ اسلام کا ہی ایک جہاد ہے جو ہم کر سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس کی طرف احباب جلد سے جلد توجہ کر کے اور ہندوستان میں تبلیغ اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے کام میں حصہ لے کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ والسلام خاکسار محمد علی کراچی

تین باتیں نوٹ کر لیں: (13 جولائی 1949ء) ''اسلامک ریویو'' کی خریدار کا سوال نہایت اہم ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ صاحب کے تازہ خط سے یہ نظر آتا ہے کہ اگر ''اسلامک ریویو'' کی خریداری بڑھانے کے لئے جماعت نے کوئی مؤثر قدم نہ اُٹھایا تو اس سال کم وبیش سات ہزار پونڈ کا خسارہ ہوگا۔ یعنی قریب قریب ایک لاکھ روپیہ۔ اور اگر اس کا کوئی علاج نہ کیا گیا تو رسالہ جاری نہ رہ سکے گا۔ بہت احباب بیشتر تحریکات پر اس طرح گذر جاتے ہیں کہ گویا وہ ایک تماشائی کے رنگ میں ایک نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ یہ قومی سوال بہت سنجیدہ سوال ہیں۔ قوم کے ایک ایک فرد کی توجہ ان پر ہونی چاہئے اگر خدانخواستہ ہماری لاپرواہی سے رسالہ بند ہو گیا تو نہ صرف ہمارا قومی وقار باقی نہیں رہے گا بلکہ خود تبلیغ اسلام کی تحریک کو سخت نقصان پہنچے گا۔ 1- ہر ایک انگریزی خواں خود اس رسالہ کا خریدار بنے۔ 2- ہر ایک دوست یہ کوشش کرے کہ اس کے لئے دو چار خریدار پیدا کرے۔ 3- صاحب وسعت احباب رسالہ کی کافی تعداد میں کاپیاں خرید کر انہیں مختلف ممالک کی لائبریریوں میں پہنچائیں۔ میں نے دوسو کاپی کی ہندوستان کی لائبریریوں کے لئے تحریک کی ہے۔ مگر کم سے کم ہماری جماعت کو ایک ہزار لائبریریوں میں کاپیاں بھجوانے کا انتظام کرنا چاہئے۔ زیادہ تر غیر اسلامی ممالک میں۔ پاکستان میں اس کی خریداری کم سے کم پانچ ہزار اس سال کے ختم ہونے سے پیشتر ہو جانی چاہئے۔ محمد علی

ہندوستان کی دوسو لائبریریوں کے لئے: (27 جولائی 1949ء) میں چاہتا ہوں کہ احباب ''اسلامک

ریویو' کا ایک ایک سال کا چندہ دو دو، چار چار، دس دس پرچوں کا حسب توفیق بھجوا دیں۔ یہاں کراچی کی جماعت میں میں نے تحریک کی تھی تو 54 پرچوں کا انتظام ہو گیا۔ پچاس ساٹھ پرچوں کا انتظام لاہور میں ہو سکتا ہے۔ اور ایک سو باقی جماعتوں کے لئے بالکل معمولی تعداد ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ بہت جلد یہ تحریک مکمل ہو جائے۔ اس لئے جہاں اب تک یہ تحریک نہیں ہوئی، وہاں احباب فوراً توجہ کر کے اطلاع دیں۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

☆

17 اگست 1949ء

مکتوب امیر

ادارۂ تعلیم القرآن

کالجوں کے طلبا کی رہائش اور دینی تربیت کا بہترین نظام

برداران محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جیسا کہ اس سے پہلے بذریعہ اخبار اطلاع دے دی گئی ہے، ادارہ تعلیم قرآن کے لئے عمارت بنانے کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ اصل غرض تو اس ادارہ میں اپنی جماعت کے بچوں کی دینی تعلیم اور اسلامی تربیت تھی۔ سو چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے مختلف کالجوں کے عین مرکز میں ایک جگہ کا انتظام ہو گیا ہے، اس لئے مناسب سمجھا گیا ہے کہ اس ادارہ کی بنیاد رکھ دی جائے تا کہ اصل کام میں مزید تاخیر نہ ہو۔

اس بارے میں احباب جماعت سے یہ درخواست ہے کہ اس ادارہ سے فائدہ اُٹھانے کے لئے وہ اپنے بچوں کو، جو لاہور کے مختلف کالجوں میں زیر تعلیم ہیں خواہ اُن کے والدین یا سرپرست خاص لاہور میں بھی رہتے ہوں، رہائش کے لئے اس ادارہ میں داخل کرائیں۔ اور ایسا ہی جو نوجوان اس سال کسی کالج میں داخل ہونے والے ہوں ان کو بھی بجائے دوسرے مقامی کالجوں میں تعلیم دلانے کے لاہور کے کسی کالج میں تعلیم کے لئے بھیجا جائے، اور ان کی رہائش اسی ادارہ کے زیر اہتمام ہو۔ اس ادارہ کے زیر اہتمام جن طلباء کی رہائش کا انتظام ہو گا اُن سے رہائش کی فیس نہیں لی جائے گی اور جن طلباء کے والدین یا سرپرست پورے اخراجات برداشت نہ کر سکیں ان کو اس کے علاوہ امدادی وظائف بھی دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس ادارہ کا انتظام بہترین ہاتھوں میں ہو گا۔ جو نہ صرف انہیں قرآن کریم اور دینیات کی تعلیم دیں بلکہ ان کی تربیت بھی ٹھیٹھ اسلامی رنگ میں کریں۔ جو احباب ان سہولتوں کے باوجود اپنے بچوں کو اس ادارہ میں نہ بھیجیں گے وہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت میں خود روک ہوں گے۔

نوجوان اس وجہ سے کہ وہ کالجوں کی مسموم فضا میں تعلیم پاتے ہیں اور ان کی اسلامی تربیت کا کوئی انتظام نہیں ہوتا بہت کچھ غیر اسلامی خیالات سے متاثر ہو کر اپنی زندگیاں برباد کر لیتے ہیں۔ لیکن

اب جبکہ جماعت کے نوجوانوں کے لئے ایک انتظام کر دیا گیا ہے معمولی عذر حائل نہ ہونے چاہئیں اور اس ادارہ کو پوری قوت احباب جماعت کی طرف سے ملنی چاہیئے۔ اس بارے میں اگر کوئی دوست کچھ مزید استفسار کرنا چاہتے ہوں تو وہ مجھے تحریر کریں۔ لیکن کالجوں میں تعلیم پانے والے طلباء کا ادارہ کے زیر اہتمام رہائش رکھنا نظام جماعت کا ضروری حصہ سمجھنا چاہیئے۔ سب درخواستیں 31 اگست سے پیشتر دفتر سیکرٹری میں پہنچ جانی چاہئیں۔ والسلام خاکسار محمد علی

''آزادنوجوان'' کا عید نمبر: ہمارے مدراسی ہم عصر ''آزادنوجوان'' کا ایک دلآویز پرچہ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ جو ''عید نمبر'' کے نام سے 28 صفحات پر شائع ہوا ہے۔ ٹائیٹل رنگین ہے۔ اگرچہ مدراس میں لیتھو کی چھپائی کچھ اچھی نہیں ہوتی تاہم پرچہ کو خوشنما بنانے میں پوری سعی سے کام لیا گیا ہے۔ مضامین کے لحاظ سے بھی یہ پرچہ بہت مفید اور کارآمد ہے۔ اس اخبار کے بانی ہماری جماعت کے ایک پرانے ممبر محمد عزیز اللہ صاحب تھے۔ جو گذشتہ سال فوت ہوگئے۔ ان کے بعض مضامین جو تبرکاً نقل کئے گئے ہیں بہت ہی قابل قدر ہیں۔ اور ان کے فرزند رشید محمد کریم اللہ صاحب کے مضامین بھی ان کے جوش اسلامی کا پتہ دیتے ہیں۔ ''قوم کی مائیں'' کے عنوان سے ظہیر النساء بیگم کا مضمون بہت ہی کارآمد ثابت ہوگا۔ مولینا یعقوب خاں صاحب، حضرت امیر ایدّہ اللہ اور حضرت مسیح موعود کے بھی بعض مضامین درج کئے گئے ہیں۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ ''آزادنوجوان'' کو بہتر سے بہتر خدمات اسلامی کی توفیق دے یہ کفرستان ہند میں نور اسلام کی واحد شعاع ہے۔ جو خدا نے چاہا تو کسی دن اس سرزمین کو پورے طور پر منور کرنے کا موجب ہوگی۔ ضرورت ہے کہ ہمارے احباب اس کی معاونت کر کے اسے اور زیادہ ترقی کرنے اور اپنی حالت کو زیادہ بہتر بنانے کا موقعہ دیں۔

تاریخ کا ایک ورق: (31 اگست 1949ء) احباب کرام کو معلوم ہے کہ ہمارے محترم دوست خان بہادر غلام ربانی خان ایڈووکیٹ مانسہرہ نے اپنی چلتی ہوئی وکالت ترک کر کے تبلیغ اسلام کے لئے انگلستان تشریف لے جانے کا عزم کیا ہے۔ آپ امید ہے کہ آئندہ ماہ ستمبر میں روانہ ہوں گے۔ اس بناء پر خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب سول سرجن وانچارج ڈاڈر سینی ٹوریم نے 21 اگست کو بہت بڑے پیمانہ پر آپ کو الوداعی پارٹی دی۔ جس میں رؤسا بھوگڑ منگ وکلاء، مفتیان و قاضیان تحصیل مانسہرہ و ریاست

امب و دیگر معززین نے شمولیت کی۔ خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی کوٹھی کے باغیچہ میں، جس کے نیچے دریائے سرن بہتا ہے، پارٹی کا انتظام کیا گیا۔ مہمانوں کی تواضع بہت اعلیٰ پیمانہ پر کی گئی۔ پارٹی کے بعد خاکسار نے سورہ الصّف کا آخری رکوع تلاوت کیا اوراس کی تفسیر بیان کی۔ اس کے بعد خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے تبلیغ اسلام کے موضوع پر ایک نہایت ہی عمدہ اور لچسپ لیکچر دیا۔ اور بعض اکابر مبلغین اسلام کے دلچسپ حالات بیان کئے۔ جس سے حاضرین ازحد محفوظ ہوئے۔ اس کے جواب میں خان بہادر ڈاکٹر غلام ربانی خاں صاحب نے دلچسپ تقریر فرمائی اوراحمدیت کی خصوصیت ''دین کودنیا پر مقدم کرنے'' کی۔ وضاحت کی یہ تقریب بہت ہی دلچسپ اور قابل قدر تھی۔

اس کے بعد 25 ماہ حال کو وکلاء مانسہرہ کی طرف سے خان بہادر صاحب موصوف کو الوداعی پارٹی دی گئی۔ جس میں بہت سے افسران اور رؤسا مانسہرہ شامل ہوئے۔ خان بہادر صاحب موصوف چونکہ مانسہرہ بار ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ بھی ہیں، اس لئے خصوصیت سے یہ پارٹی انہیں دی گئی۔

مؤرخہ 26 ماہ حال کو جماعت ہائے احمدیہ مانسہرہ، داتہ، چھتر، دیبگراں، گڑھی حبیب اللہ سے بہت بڑے پیمانہ پر شاندار اور پرتکلف ٹی پارٹی مانسہر کچہری کلب کے احاطہ میں خان بہادر غلام ربانی خاں صاحب کو دی گئی۔ جس میں رؤسا، تجار، وکلاء اور دیگر احباب نے شمولیت کی۔ جو احباب تشریف نہ لا سکے انہوں نے معذرت کا پیغام بھیجا۔ ٹی پارٹی کو کامیاب بنانے میں خان صاحب محمد ایوب خاں رئیس مانسہرہ، قاضی عبدالرشید خاں ایڈووکیٹ، ڈاکٹر محمد الدین صاحب مالک پبلک سٹور مانسہرہ، ڈاکٹر میر احمد صاحب مالک عزیز فارمیسی حکیم مبارک عبداللہ صاحب مالک مبارک دواخانہ مانسہرہ اور عزیزم بشیر احمد صاحب پسر خان بہادر غلام ربانی خاں صاحب نے خصوصیت سے حصہ لیا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء

چائے نوشی کے بعد خاکسار نے تلاوت قرآن کریم کی اور قاضی عبدالرشید صاحب ایڈووکیٹ نے خان بہادر صاحب کا بطور مبلغ انتخاب کئے جانے کی وجوہات مؤثر اور دلچسپ انداز میں بیان کیں اس کے بعد خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے اپنے غیر معمولی طرز بیان سے حاضرین کو محفوظ فرمایا۔ مفتی محمد ادریس صاحب ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل مانسہرہ نے بھی دلچسپ تقریر فرمائی اور کہا کہ تبلیغ اسلام میں نمایاں حربہ جو استعمال ہوا وہ مبلغین کی ذاتی قوت قدسی اور پاک نمونہ تھا جس

کے باعث لوگ اسلام کی طرف کھنچے چلے آئے۔ آخر میں خان بہادر غلام ربانی خاں صاحب نے ''مسلماں را مسلماں باز کردند'' کی لطیف تفسیر واقعات کی روشنی میں بیان فرمائی اور احمدیت کے کاموں کو واضح کیا۔ اور احباب سے درخواست دعا کی جس کے بعد مکرم حضرت سیّد اسد اللہ شاہ صاحب نے دعا فرمائی اور مغرب کے وقت یہ پراز برکات صحبت انجام کو پہنچی۔ خاکسار عبدالاحد۔ مبلغ اسلام مانسہرہ ضلع ہزارہ

ایک مشورہ طلب امر: (31 اگست 1949ء) الحمدللہ کہ گذشتہ جمعہ (19 اگست) کو قرآن کریم ترجمہ انگریزی کی نظرِ ثانی کا کام مکمل ہوگیا۔ یہ کام میں نے 25 جون 1947ء کو شروع کیا تھا اور اس طرح کوئی چھبیس ماہ اس پر لگ گئے۔ اس اثنا میں دو اوقات مجھ پر ایسے بھی آئے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے زندہ رکھا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ

اب میں اس بارے میں احباب کا مشورہ چاہتا ہوں کہ اس ترجمہ کی جو تمہید ہے، کیا اس کو اسی طرح رکھا جائے یا اس میں کچھ تغیّر وتبدل کر دیا جائے۔ اس تمہید کے تین حصے ہیں۔ ایک حصہ میں ارکان اسلام بالخصوص نماز کا مفصل ذکر ہے۔ ایک حصہ میں تعلیم اسلام کا خلاصہ ہے۔ اور ایک حصہ میں قرآن کریم کی جمع اور ترتیب پر ایک مفصل مضمون ہے۔ یہ تینوں مضامین اب بصورت ٹریکٹ الگ بھی طبع ہو چکے ہیں۔ تو اس صورت میں کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تمہید کو بہت مختصر کر دیا جائے۔

دوسرا مشورہ میں اس امر پر چاہتا ہوں کہ موجودہ حالت میں کیا تمہید میں کسی اور مضمون پر روشنی ڈالنے کی ضرورت تو نہیں۔

خاکسار محمد علی

☆

28 ستمبر 1949ء

ہماری عید

حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ

میری کئی سال سے یہ کوشش رہی ہے کہ عید کے موقع پر مختلف جماعتوں میں ایک ہی قسم کے خیالات کو پیدا کیا جائے۔ اس لئے چند خاص امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جن کو اپنی اپنی جگہ مدنظر رکھیں۔

☆ عید کا سب سے پہلا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر خدا کو یاد رکھو۔ عید کے دن ساری دنیا میں ایک ہی وقت میں اللہ اکبر کی آوازیں اس قدر زور سے بلند ہوتی ہیں کہ ساری دنیا کی فضا اس گونج سے بھر جاتی ہے۔ مگر قابل غور یہ ہے کہ جو گونج فضا میں پیدا ہوتی ہے، کیا وہ ہمارے دل اور روح میں بھی پیدا ہوتی ہے؟ اصل میں اس گونج کا انسان کے اندر ہی پیدا کرنا مقصود ہے۔ اور وہاں یہ گونج پیدا ہو جائے تو انسان کا کوئی کام نہ ہو جس میں غرض خدا کی بڑائی نہ ہو۔ یہی اصل پیغام مذہب ہے۔

☆ عید کا دوسرا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر اپنے بھائیوں کو بھی یاد رکھو۔ بالخصوص غرباء کو۔ عید الفطر میں صدقہ فطر ہے تو عید الضحیٰ میں قربانی کا گوشت ہے۔ مگر یہ بھی ایک سبق ہے کہ اپنے بھائیوں کی جسمانی رنگ میں فکر کرتے ہو تو روحانی رنگ میں بھی ان کی فکر کرو۔ کیا آپ نے اپنے نادار اور مفلس بھائیوں کو، جو قرآن کی نعمت سے محروم ہیں، اس روحانی غذا کے پہنچانے کا کوئی انتظام کیا ہے؟!

☆ عید کا تیسرا پیغام قربانی ہے۔ ہر قریہ و ہر شہر میں ایک ہی وقت میں ہزاروں جانوروں کی گردنوں پر چھریاں رکھ دی جاتی ہیں۔ مگر کس کے لئے؟ اس کا جواب قرآن شریف دیتا ہے۔ **وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ** (22:34-35) تاکہ اس نظارہ کو دیکھ کر انسانوں کے دلوں کے اندر عاجزی پیدا ہو۔ اور جانور کو جب اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو کہ جس طرح یہ جانور ہمارے محکوم ہیں، ہم بھی کسی کے محکوم ہیں۔ تو اصل غرض یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں سارے عالم اسلام کے اندر ایک قربانی کی لہر اُٹھے۔ کیا جانور کی قربانی کے لئے یہ موج قربانی کرنے والوں کے دل کے اندر بھی پیدا ہوئی ہے؟ اگر ہوئی ہے تو اس کی قربانی قبول ہوئی ہے۔ اگر نہیں۔ تو نہیں۔ **اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ** (27:5) اللہ تعالیٰ صرف متقیوں کی قربانی قبول

کرتا ہے۔جس کے دل کے اندر قربانی کی روح پیدا نہیں ہوئی وہ متقی نہیں۔ نہ اس کی قربانی قبول ہوئی ہے۔غور کرو کہ اس وقت کتنے لوگ عالم اسلامی میں ہیں جن کی قربانیاں قرآن کریم کے صریح ارشاد کے مطابق قبول ہو رہی ہیں؟ کسی بری عادت کو ذبح کر دو۔کسی نیک عادت کو اختیار کر لو!

محمد علی

☆

5 اکتوبر 1949ء

لمحہ فکریہ

جماعت قادیان اور ہر مسلمان کے لئے

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

1914ء میں ہم نے قادیان سے الگ ہو کر لاہور میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی۔ اس کی وجہ صرف ایک تھی کہ ہم خلیفہ قادیان کے اس عقیدہ کو، کہ تمام غیر احمدی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، صحیح نہ سمجھتے تھے۔ یہ عقیدہ بانی سلسلہ کی اپنی کھلی تعلیم اور عمل کے بھی خلاف تھا۔ اور قرآن و حدیث کی صراحت کے بھی خلاف تھا۔ حضرت مولانا نور الدین مرحوم کی بیماری کے آخری ایام میں یہ مسئلہ اس قدر جماعت میں اختلاف کا موضوع بن چکا تھا کہ موجودہ خلیفہ صاحب قادیان نے 1913ء کے سالانہ جلسہ پر قادیان کی جامع مسجد میں ایک الگ مجمع بلا کر یہ اعلان کیا کہ اگر ان کی گردن کی دونوں طرف بھی تلوار رکھ دی جائے تو وہ غیر احمدیوں کو کافر کہنے سے نہ رکیں گے۔ جب اس کی خبر حضرت مولینا نور الدین مرحوم کو، جو اس وقت جماعت کے قائد تھے، پہنچی تو انہوں نے اس وقت جب میں انہیں قرآن شریف کے ترجمہ انگریزی کے نوٹ سنا رہا تھا، کہا کہ اس مسئلہ کفر و اسلام پر میں ایک مضمون لکھوں۔ جس کا بنیادی اصول انہوں نے مجھے یہ بتایا کہ ہمارے اکابر کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اگر ایک شخص میں ننانوے وجوہ کفر کی اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو بھی اسے کافر نہیں بلکہ مسلمان ہی کہا جائے گا۔ اور دوسرے موقع پر موجودہ خلیفہ صاحب قادیانی کے منہ پر بھری مجلس میں یہ کہا کہ اس مسئلہ کفر و اسلام کو بہت لوگوں نے نہیں سمجھا۔ ہمارے میاں صاحب نے بھی نہیں سمجھا۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے یہ مضمون لکھ کر حضرت مولینا نور الدین مرحوم کو سنا بھی دیا۔ اور یہ انہی ایام میں طبع بھی ہو گیا۔ آپ کی وفات کے بعد میں نے یہ کوشش کی کہ جناب میاں صاحب کسی سمجھوتہ پر آ جائیں اور جماعت میں اختلاف نہ ہو مگر میاں صاحب نے میری کسی تجویز کو قبول نہ کیا۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جماعت کے اہل الرائے کو جمع کر کے فریقین اپنے دلائل اسی جلسہ میں پیش کریں۔ اور پھر جو فریق اکثریت کے نزدیک حق بجانب ہو اسی کے مطابق جماعت کا مسلک ہو اور جماعت متحد رہے۔ مگر جناب میاں

صاحب کو اس بات پر اصرار تھا کہ ہم اپنا عقیدہ، کہ سب کلمہ گو مسلمان ہیں، خواہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں، مخفی رکھ سکتے ہیں مگر اس کا اظہار نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارے لئے ناممکن تھا۔ اس پر ہم چند آدمیوں نے ان کو خلیفہ تسلیم کرنے اور ان کی بیعت سے انکار کر دیا۔ اور آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ ہم کام تبلیغ اسلام کا ہی کریں گے۔ خواہ ان حالات میں اس کے لئے قادیان چھوڑنا بھی پڑے۔ باایں بھی ہم نے کوئی الگ جماعت نہ بنائی۔ اور اس اختلاف کے بعد ایک ماہ سے زیادہ عرصہ میں قادیان میں ہی ٹھہرا رہا کہ شاید کوئی صورت مل کر کام کرنے کی نکل آئے مگر بالآخر حالات کو بد سے بدتر ہوتا دیکھ کر میں 20 اپریل کے قریب قادیان سے لاہور آ گیا اور یہاں 2 مئی 1914ء کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھی گئی۔

ہم اپنے عزم پر قائم رہے اور لاہور میں تبلیغ اسلام کی یہ نئی بنیاد مئی 1914ء میں رکھی گئی۔ اس وقت تک عام لوگ پیری مریدی کے رنگ میں کثرت سے میاں صاحب کی بیعت کر چکے تھے۔ اور صرف وہ لوگ جو تکفیر اہل قبلہ کی اہمیت کو سمجھتے تھے، اور ان کی تعداد تھوڑی تھی، الگ رہے تھے۔ اور اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب ہم نے الگ انجمن بنائی تو اس کا پہلے سال کا چندہ صرف سات ہزار روپے تھا۔ حالانکہ اس سے پیشتر جماعت کا بجٹ دو لاکھ کا تھا۔ پھر ہم خالی ہاتھ تھے نہ کوئی دفتر تھا نہ مکان۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کام میں برکت دی۔ اس کا ایک مختصر خاکہ حسب ذیل ہے۔

1917ء۔ لاہور میں ہائی سکول قائم کیا گیا۔

1918ء۔ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ مع متن تفسیر شائع ہوا۔

1920ء۔ سیرت خیر البشرؐ شائع ہوئی۔

1921ء۔ بدوملہی ضلع سیالکوٹ میں ہائی سکول قائم ہوا۔

1922ء۔ برلین میں مسلم مشن قائم ہوا۔

1923ء۔ محمدؐ دی پرافٹ پیغمبر صلعم کی سیرت انگریزی میں شائع ہوئی۔

1924ء۔ جاوا مشن قائم ہوا۔

1925ء۔ بیان القرآن اڑھائی ہزار صفحات پر مشتمل تفسیر قرآن اردو میں شائع ہوئی۔

1925ء۔ مسلم ہائی سکول کی عمارت اپنی بنوائی گئی۔

1928ء۔ برلن میں عظیم الشان مسجد تعمیر ہوئی۔

1929ء۔ قرآن کریم کو زیادہ سے زیادہ غیر مسلموں میں پہنچانے کے لئے اس کی ایک ایڈیشن بلا متن شائع کی گئی۔

1932ء۔ صحیح بخاری مکمل مع ترجمہ و شرح شائع ہوئی۔

1934ء۔ انگریزی میں تاریخ خلافت راشدہؓ شائع ہوئی۔

1935ء۔ ڈچ زبان میں ترجمہ قرآن مع متن و تفسیر شائع ہوا۔

1936ء۔ ریلیجن آف اسلام۔ جس میں مذہب کے ہر پہلو پر مکمل دلائل بحث ہے۔ انگریزی میں شائع ہوئی۔

1936ء۔ ریلیجن آف اسلام ڈچ زبان میں شائع ہوئی۔

1939ء۔ ہالینڈ میں مسلم مشن قائم ہوا۔

1940ء۔ جرمن زبان میں ترجمہ قرآن مع متن و تفسیر شائع ہوا۔

1943ء۔ دو لاکھ روپے کا فنڈ قرآن کریم کے نئے تراجم کے لئے قائم کیا گیا۔ جس کی وجہ سے اس وقت حسب ذیل تراجم مکمل ہو چکے ہیں۔ تامل، سندھی، گورمکھی اور اس کے علاوہ ایک ترجمہ کھاسی زبان میں اور ایک ملائی زبان میں مکمل ہو چکا ہے۔

1944ء۔ بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کے کام کی توسیع کی بنیاد رکھی گئی۔ اور اس کے لئے الگ فنڈ قائم کیا گیا۔

1945ء۔ انگریزی میں مینول آف حدیث شائع ہوئی۔ جس میں مستند احادیث مع ترجمہ و متن اور حواشی شائع ہوئیں۔

1945ء۔ نیو ورلڈ آرڈر دس ہزار کی تعداد میں طبع کر کے مفت تقسیم ہوا۔ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلام کا نظام ہی وہ نظام ہے جس پر آئندہ تہذیب انسانی کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

1946ء۔ نیو ورلڈ آرڈر اور محمدؐ دی پرافٹ کے عربی زبان میں تراجم شائع ہوئے اور ریلیجن آف اسلام کا ترکی زبان میں ترجمہ شائع ہوا۔

1947ء۔ امریکہ میں سان فرانسسکو میں نیا مسلم مشن قائم کیا گیا۔

1948ء۔ کتاب لونگ تھاٹس انگریزی میں شائع ہوئی اور اسی کا اُردو ترجمہ اور مینول آف حدیث کا اُردو ترجمہ شائع ہوا۔

1948ء۔ میں تیسرا ہائی سکول لاہور میں قائم کیا گیا۔

1948ء۔ ووکنگ مشن، جو اس وقت آمدنی کی قلت کی وجہ سے قریب تھا کہ بند ہو جاتا، اس کے اخراجات کی ذمہ داری انجمن نے لی۔

1949ء۔ قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ اور تفسیر پر نظر ثانی کا کام تکمیل کو پہنچا۔ اور صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کی بنیاد رکھی گئی۔

اب میں ہر مسلمان بھائی کو عموماً اور جماعت قادیان کے احباب کو خصوصاً یہ دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ تبلیغ اسلام کا اتنا بڑا کام اور اس کے لئے اتنے وسیع لٹریچر کی تیاری کیا یہ کام نصرت الٰہی کے بغیر ہو سکتا تھا۔ پھر اس کی پشت پر کام کرنے والی ایک چھوٹی سی جماعت اور کام اتنا عظیم الشان اور سامان کچھ نہیں تھا! اور آج 35 سال کے عرصہ میں اس انجمن کا بجٹ سات ہزار روپے سے ساٹھ لاکھ تک پہنچ چکا ہے۔ یعنی سو گنا ہو چکا ہے۔ اگر جماعت قادیان کا کام بھی اسی رفتار سے ترقی کرتا تو آج ان کا دو کروڑ روپے کا بجٹ ہونا چاہیئے تھا۔ لاکھوں روپے کی جائیداد تبلیغ اسلام کو قوت پہنچانے کے لئے پیدا ہو چکی ہے۔ جس کی آمدنی اس وقت ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ ہے۔ قرآن شریف کے انگریزی تراجم چالیس ہزار کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ ہزارہا کی تعداد میں تراجم قرآن مفت دنیا میں پہنچائے جا چکے ہیں۔ قادیانی جماعت، جس کی تعداد ہماری جماعت سے بیس گنا یا اس سے بھی زیادہ ہے، اگر اس رفتار سے تبلیغ اسلام کا کام کرتی، تو چاہیئے تھا کہ اس کی طرف سے قریباً ڈیڑھ یا دو سو زبانوں میں تراجم شائع ہو چکے ہوتے۔ مگر اب تک پورا ترجمہ قرآن کسی ایک زبان میں بھی شائع نہیں ہوا۔

ان سب سے بڑھ کر اس جماعت کی طرف سے اسلام اور قرآن کی جو عظیم الشان علمی خدمت ہوئی ہے وہ بے نظیر ہے۔ اسلام پر جو لٹریچر اس جماعت کی طرف سے نکلا ہے۔ اس بات کو چھوڑ کر کہ اس قدر زبانوں میں اور اس قدر تعداد میں ساری دنیا میں کہیں سے اسلامی لٹریچر نہیں نکلا، اس لٹریچر میں خدا کے فضل سے اسلام کی ایک صحیح اور مکمل ترین تصویر زبان انگریزی میں موجود ہے۔ اور

دوسری زبانوں میں تیار ہو رہی ہے۔ اسلام کی خوبصورتی کا کوئی پہلو نہیں جس پر اس لٹریچر میں روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ حسب ذیل سات کتابیں بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ جن میں اسلام کی مکمل اور خوبصورت تصویر دنیا کے سامنے رکھ دی گئی ہے۔

اوّل۔ قرآن شریف۔ کلام پاک کا ترجمہ اختلاف جماعت کے بعد چار سال کے اندر نکل گیا۔ حالانکہ ہماری انجمن اس وقت نہایت ہی کمزور حالت میں تھی۔ پھر اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی قبولیت ڈالی اور یہ قبولیت مسلمانوں اور غیر مسلموں میں یکساں طور پر ہے۔ اور اب تک چالیس ہزار کی تعداد میں دنیا میں پہنچ چکا ہے۔ اور اس کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہو رہے ہیں۔

دوم۔ سیرت نبویؐ۔ رسول پاکؐ کی سیرت کی بہترین تصویر سترہ زبانوں میں کھینچی جا چکی ہے۔ اور کم سے کم پچاس ہزار کی تعداد میں دنیا میں پہنچ چکی ہے۔

سوم۔ تاریخ اسلام کے اس ابتدائی حصہ کو، جو زمانہ نبویؐ کی ہی توسیع تھی، خلافت راشدہؓ جیسی کتاب میں ایسا صاف کر دیا گیا ہے جس کو مسلمہ طور پر اس زمانہ کی بہترین تاریخ مانا گیا ہے۔

چہارم۔ حدیث۔ صحیح بخاری مکمل معہ ترجمہ وحوشی اردو زبان میں چھپ چکی ہے۔ اور مینول آف حدیث، جس میں مستند احادیث عمل جمع کر دی گئی ہیں جو گویا صحیح بخاری کا خلاصہ بھی ہے، انگریزی اور اردو میں شائع ہو چکی ہے۔ اور صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔

پنجم۔ تعلیم اسلام پر جامع رنگ میں کتاب ''ریلجن آف اسلام'' ہے جس کی تعریف اس ملک کے بلند ترین علمی طبقہ میں اس قدر کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ جس کے ڈچ اور ترکی زبانوں میں ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

ششم۔ پیغمبر اسلام کی زندہ تعلیم، جس کا نقشہ لوگ تھاٹس میں قرآن کریم سے خلاصہ کے طور پر دکھایا گیا ہے اور جس کے ترجمے فرانسیسی، ڈچ اور جرمن زبانوں میں ہو رہے ہیں۔

ہفتم۔ نیو ورلڈ آرڈر۔ جس میں دکھایا گیا ہے کہ دنیا کا نیا نظام وہی کامیاب ہو سکتا ہے جس کی بنیاد اصول اسلام پر ہو۔

ان کتابوں کے متعلق مسلم اور غیر مسلم فہمیدہ طبقہ کی جو رائیں ہیں۔ وہ انگریزی میں الگ

ٹریکٹ میں جمع شدہ موجود ہیں۔ اسلامی تعلیم کے موٹے رنگ میں یہ سات ہی پہلو ہیں۔ جن کا اوپر ذکر ہوا۔ اور ایک ایسے زمانہ میں، جب ساری مسلمان دنیا اسلام کی علمی خدمت کے لحاظ سے سوئی پڑی تھی، اس کی صحیح اور مکمل تصویر کا موقع کس شخص اور کس جماعت کو دیا گیا؟ اس پر ہر ایک مسلمان بھی ایک لمحہ کے لئے غور کرے اور ہمارے قادیانی بھائی بھی غور کریں۔ یہ چھوٹی سی جماعت تو جن حالات میں اور جن اغراض کے لئے بنی اور پھر جو سامان اس کے پاس تھا یا یوں کہنا چاہئے کہ جس بے سروسامانی میں اس نے کام شروع کیا اور جو برکت اس کام میں خدا نے محض اپنے فضل سے دی اس کا ذکر میں مختصر طور پر اوپر کر چکا ہوں۔ اپنی نسبت میں صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ نے اس کام کے لئے ہدایت نہ کی ہوتی تو میں اپنے دوسرے ہم جماعتوں کی طرح زیادہ سے زیادہ ایک کامیاب جج یا ایک کامیاب وکیل ہوتا۔ مگر مجھے جس نے اس کام کی طرف توجہ دلائی اور پھر اسی کام پر لگایا اور پھر میری صحیح رہنمائی فرمائی وہ جماعت احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جنہوں نے عین اس وقت، جب میں دنیا میں پڑ چکا تھا، نہ صرف دنیا کی غلاظتوں سے باہر نکال لیا بلکہ اس کے ساتھ ہی میرے اندر ایمان کی ایک ایسی روشنی پیدا کر دی جو اس جدوجہد میں میرے ساتھ رہی۔ میں اس بات کا علی الاعلان اقرار کرتا ہوں کہ اگر اس زمانہ کے امام اور مجدد نے میری رہنمائی نہ فرمائی ہوتی تو میں اس کام کا اہل بھی نہ تھا۔ آپ کا سینہ جس نور سے بھرا ہوا تھا، اسی کی ایک چنگاری مجھے بھی ملی تھی ؎

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

عیسائیت کی انیسویں صدی پوری ہو چکی تھی۔ ٹھیک 1900ء میں جب میں اپنے وکالت کے کام کے لئے گورداسپور جا رہا تھا اور سب انتظام مکمل کر چکا تھا، کوٹھی کرایہ پر لے چکا تھا اور اس میں سامان اور کتابیں بہم پہنچا چکا تھا تو میرے رہنما نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ تمہارا کام کچھ اور ہے۔ ہم انگریزی میں ایک رسالہ جاری کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے مغربی ممالک میں مبلغ اسلام کا کام لیا جائے گا۔ آپ اسے ایڈٹ کریں۔ کس قدر خوش قسمتی تھی کہ اس آواز پر ایک لمحہ کے لئے بھی میرے دل میں تذبذب پیدا نہیں ہوا کہ یہ کام کروں یا نہ کروں جس کے لئے تیاری کر چکا ہوں۔ یہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے نام سے یکم جنوری 1902ء سے جاری ہوا۔ 1909ئمیں میں انگریزی ترجمہ قرآن شریف کے

کام میں لگ گیا۔ آج پچاس سال کے بعد دیکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور شکر گذاری سے گر جاتا ہوں کہ اس نے اتنی لمبی مہلت مجھے دی اور پھر اتنا بڑا کام مجھ سے لیا اور درحقیقت یہ کام میرا نہیں۔ یہ اس کا کام ہے جس نے مجھے ہاتھ پکڑ کر اس کام پر لگایا اور صرف مجھے ہی نہیں لگایا بلکہ جو اس کے پاس گیا اسی کے دل میں خدا کی محبت کی آگ کی ایک چنگاری ڈال دی۔ میری طرح ہی خواجہ کمال الدین مرحوم کو بھی امام زمان کے قدموں میں بیٹھنے سے یہ سعادت ملی کہ انہوں نے یورپ میں پہلا اسلامی تبلیغی مشن ووکنگ میں قائم کیا اور اسلام کی تعلیمات اور نبی کریم صلعم کی زندگی پر وہ روشنی ڈالی جس سے یورپ کے لوگوں کا اسلام کے متعلق نقطۂ خیال بدل گیا۔ یہی نہیں۔ بلکہ اس مجدد نے ہزاروں ایسے اور لوگ پیدا کئے جن کے سینے اسلام کے درد سے بھر گئے اور جنہوں نے اپنی جانیں اور اپنے مال خدا کے دین کو دنیا میں پہنچانے کے لئے وقف کر دیئے۔ تو ان لوگوں سے جن کے دلوں میں حضرت مجدد سے کچھ بغض ہے، یا وہ عزت اور محبت نہیں، جو ایسے خادم دین کی ہونی چاہیئے، میں یہ کہتا ہوں کہ کیا دنیا میں کوئی اور بھی ایسا جھوٹا یا مفتری ہوا ہے جس نے اپنے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں میں تبلیغ اسلام کا یہ جوش بھر دیا ہو؟ اور جس کی اللہ تعالیٰ نے اس قدر مدد کی ہو کہ اس کے ارادوں اور آرزوؤں کو اس کی وفات کے بعد بھی پورا کرتا چلا گیا ہو۔ ابتدا میں یہ ہم لوگوں کو آرزو نہ تھی کہ دین اسلام دنیا میں پھیلے۔ یہ آرزو اس زمانہ کے امام کی تھی جس نے ہمیں اس کام پر لگایا اور اس زور سے لگایا کہ جو آرزو آپ کے دل میں تھی اسے اور ہزار ہا قلوب میں پیدا کر دیا۔ اس آرزو کا اظہار آپ نے دعوٰی کے بعد سب سے پہلی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں ان الفاظ میں کیا اور اس وقت کیا جب اس ملک میں چاروں طرف سے کفر کے فتوے آپ پر لگائے جا رہے تھے۔

> ''سو میری صلاح یہ ہے کہ بجائے ان وعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے، اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا۔ کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں داخل ہے'' (ازالہ اوہام صفحہ 773)

آج جو کچھ تھوڑا بہت کام تبلیغ اسلام کا ہم نے کیا ہے یہ سب آپ کی اسی آرزو کا ہی نتیجہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ کی قوت ڈال دی۔ اور جو شخص خود انگریزی زبان سے قطعی ناواقف تھا اس کے ہاتھ سے انگریزی ممالک میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھوا دی۔ اگر تبلیغ اسلام واقعی اسلام کی ایک ضرورت ہے اور یہ فی الواقعہ اسلام کی اشد ترین ضرورت ہے تو اس جہاد کے لئے اسلحہ وہی ہے جو اس چھوٹی سی جماعت نے تیار کر دیئے ہیں۔ آپ چاہیں تو ان سے کام لے کر خدا کے آخری کلام اور اس کے آخری پیغمبرؐ کے نام کو دنیا میں روشن کرنے کے لئے اُٹھائیں۔ اور دنیا میں اسلام کے غلبہ کے وقت کو قریب لے آئیں۔ اور چاہیں تو اپنی لاپرواہی سے خدا تعالیٰ کے اس سچے وعدہ کو، کہ دین اسلام بالآخر سب دینوں پر غالب آئے گا، تاخیر میں ڈالتے چلے جائیں۔ مگر یہ یقینی ہے کہ خدا کے وعدے ہمارے ساتھ اسی وقت پورے ہوں گے اور اس کی نصرت اسی وقت آئے گی جب ہم اپنی غفلت کو چھوڑ دیں گے۔

دوسری طرف میں اپنے احباب قادیان کو بھی کہتا ہوں کہ وہ بھی اس بات پر غور کریں۔ کہ ان کے اکابر نے ہمیں فاسق کہا۔ اس لئے نہیں کہ انہوں نے ہمیں کسی فسق و فجور میں مبتلا پایا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے تکفیر اہل قبلہ کے عقیدہ کی وجہ سے تبلیغ اسلام کا کام ہم ان کے ساتھ مل کر نہ کر سکتے تھے۔ اور ہم نے لاہور میں تبلیغ اسلام کے لئے الگ مرکز قائم کیا۔ گویا قادیان کے سوائے کسی دوسری جگہ تبلیغ اسلام کا کام کرنا بھی ایک گناہ تھا۔ بلکہ بڑا جرم تھا۔ اور ایسے شخص کی بیعت نہ کرنا، جو تمام روئے زمین کے مسلمانوں کا کافر قرار دیتا تھا، خدا اور رسولؐ کی نافرمانی تھی۔ میں آج 35 سال کے بعد ان واقعات کو جماعت قادیان کے سمجھدار طبقے کے سامنے رکھتا ہوں۔ اور ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان واقعات پر غور کریں کہ اگر قادیان کے سوائے کسی دوسری جگہ سے تبلیغ اسلام کا کام کرنا فسق تھا، تو آج ربوہ کو تبلیغ اسلام کا مرکز بنانا کیوں فسق نہیں؟ کہا جائے گا کہ قادیان کو ایک مجبوری کے ماتحت چھوڑا گیا ہے۔ مگر قادیان میں تو اب بھی اس جماعت کا ایک حصہ موجود ہے اگر ایک حصہ رہ سکتا ہے تو سارے بھی رہ سکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ مجبوری کوئی نہ تھی اور قادیانی جماعت کی شاید سینکڑوں شاخیں اب بھی ہندوستان میں موجود ہیں۔ مجبوری کے ماتحت تو ہمیں قادیان چھوڑنا پڑا۔ کیونکہ تبلیغ اسلام کا کام اور مسلمانوں کی تکفیر کا کام اکٹھا ہونا ناممکنات سے تھا۔ یہ کس طرح ہوسکتا تھا کہ ہم پہلے چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر بناتے اور

پھر ایک ایک دو دو کافر کو مسلمان بنانا شروع کرتے! احباب قادیان کے لئے یہ ایک لمحہ فکر یہ ہے کہ کیا انہی مسلمانوں کی تکفیر کی ہی تو یہ سزا نہیں کہ اتنی بڑی مسلمان اکثریت کا علاقہ مسلم حکومت سے کٹ گیا۔ یا ان لوگوں کو، جو نیک نیتی سے تبلیغ اسلام کی بنیاد دوسری جگہ رکھ رہے تھے، فاسق کہنے کی یہ سزا تو نہیں۔ کہ اب خود دوسری جگہ تبلیغ اسلام کا مرکز بنانا پڑا۔ اور جس مقام کو ایک تہائی صدی تک محنت کر کے تبلیغ اسلام کا مرکز بنایا تھا اسے چھوڑنا پڑا۔ میرے دوستو! ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ یہ بلا اس علاقہ پر کیوں آئی۔ جو مسلمان اکثریت کا علاقہ تھا اور پھر خدا نے آپ کے اکابر سے یہ توفیق کیوں چھین لی کہ وہ قادیان میں بیٹھ کر ہی تبلیغ اسلام کرتے!

قسط دوم: مطبوعہ دراشاعت 12 اکتوبر 1949ء

اور یہ بھی غور کیجئے کہ تبلیغ اسلام کا یہ کام جو لاہور کی نہایت قلیل جماعت سے اللہ تعالیٰ نے لیا ہے کیا اس میں خدا کا ہاتھ نظر نہیں آتا؟ کیا اس جماعت کو ہی یہ توفیق نہیں ملی کہ وہ علوم کے ان چشموں کو جو مسیح موعود کی برکت سے قادیان میں چھوٹے لاہور میں لا کر دریا بنا کر دنیا میں بہائے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ یہ میرا کام نہ تھا نہ جماعت لاہور کا کام تھا۔ جیسا کہ میں نے کہا یہ آرزو، کہ قرآن کریم کو انگریزی میں ترجمہ اور اسلام پر انگریزی زبان میں لٹریچر پیدا کر کے اسے یورپ اور امریکہ میں پہنچایا جائے، بانیٔ سلسلہ کے دل میں تھی اور اختلاف کے بعد یہ آرزو جماعت قادیان کے اکابر کے سینوں میں کمزور ہوتی چلی گئی اور اپنی پوری قوت سے جماعت لاہور کے سینوں میں منتقل ہو گئی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ حضرت مسیح موعود کے علوم کی وارث یہی جماعت ہے؟ جماعت قادیان کے اکابر کے دلوں کی تنگی کی یہ حالت ہے کہ وہ ہمارا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے بلکہ جب ہمارا ذکر کرتے ہیں تو ''پیغامی فتنہ'' کہہ کر ہمیں پکارتے ہیں۔ کیا فتنہ پرواز لوگ ہی علوم کے وارث ہوتے ہیں؟ اور جماعت قادیان کو جو کچھ ملا تھا اور جس پر ناز تھا یعنی ایک ظاہری مرکز قادیان اور ایک بہشتی مقبرہ وہ دونوں بھی اس سے چھین لئے گئے!

اب غور فرمایئے کہ آپ کو جو کچھ ملا تھا وہ بھی نہ رہا اور مسیح موعود کے علوم کا وارث خدا نے جماعت لاہور کو بنا دیا۔ اور خود مسیح موعود کے دل میں جو آرزو تھی کہ قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر ہو کر اور اسلامی لٹریچر انگریزی میں اور دوسری زبانوں میں تیار ہو کر دنیا میں پہنچے۔ اسلام کی صحیح اور عملی تصویر دنیا

میں پیش کی جائے۔ وہ سب کچھ فتنہ پردازوں کو مل گیا! خدا کے لئے سوچو اور غور کرو کہ واقعات کیا بتاتے ہیں؟ جس طرح مسیح موعود سے کینہ رکھنے والوں کی آنکھیں آپ کے کام کی طرف سے بند ہیں اور ان کو یہی ناز ہے کہ مسلمانوں کی کثرت اُن کے ساتھ ہے آپ بھی اپنی آنکھوں کو اس جماعت کے کام کی طرف سے بند نہ کریں اور اپنی کثرت پر ناز نہ کریں۔

میں پھر کہتا ہوں کہ میں خود اس کام پر نہیں لگا۔ مجھے حضرت مسیح موعود نے خدائی منشاء اور ارادہ کے ماتحت اس کام پر لگایا۔ آپ کے الفاظ کی عزت کیجئے اور وہ باتیں منہ سے نہ نکالئے جو کل تک آپ کے اچھے اعمال کو بھی برباد کرنے کا موجب ہوں۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:

> ''ہماری جماعت میں اول درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم اے ہیں جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں امتحان پاس کیا ہے اور بہت سا اپنا حرج اُٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام دینے کے لئے یعنی میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں اور یقین ہے کہ جب وہ بعد فراغت اس کام کے اپنے کام وکالت پر لگ جائیں گے تو کسی قریب ضلع میں ہی کام شروع کریں گے۔ اور میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے............ میں نے ان کو دینداری اور شرافت کے ہر پہلو میں بھی نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع باحیاء نیک اندرون پرہیزگار آدمی ہے اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہیں'' (تبلیغ رسالت جلد 8 صفحہ 47)

پھر فرماتے ہیں:

> ''اور مجھے اس سے خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا تعالیٰ کے فضل کو پا کر ہماری جماعت میں شامل ہوا ہے یعنی حبّی فی اللّٰہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے پلیڈر ہیں ان کے آثار عمدہ پاتا ہوں اور وہ ایک مدت سے اپنے دنیاوی

کاروبار کا حرج کر کے خدمت دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں اور حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب سے حقائق و معارف قرآن شریف سن رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا۔ اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقوٰی اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین'' (تبلیغ رسالت جلد 8 صفحہ 68)

جب وہ وقت آ گیا کہ آپ اپنی بعثت کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایک زبردست قدم اُٹھائیں تو آپ نے فرمایا:

''یہ امر ہمیشہ میرے لئے موجب غم و پریشانی کا تھا کہ وہ تمام سچائیاں اور پاک معارف اور دین اسلام کی حمایت میں پختہ دلائل اور انسانی روح کہ اطمینان دینے والی باتیں جو میرے پر ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان تسلی بخش براہین اور مؤثر تقریروں سے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں اور یورپ کے حق کے طالبوں کو اب تک کچھ فائدہ نہیں ہوا اور یہ درد اس قدر تھا کہ آئندہ اس کی برداشت مشکل تھی مگر چونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ قبل اس کے کہ ہم اس ناپائیدار گھر سے گذر جائیں ہمارے تمام مقاصد پورے کر دے اور ہمارے لئے وہ آخری سفر حسرت کا سفر نہ ہو اس لئے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جو ہماری زندگی کا اصل مقصود ہے ایک تدبیر پیدا ہوئی اور وہ یہ ہے کہ آج چند ایک احباب نے اپنے مخلصانہ مشورہ سے اس طرف مجھے توجہ دلائی کہ ایک رسالہ میگزین بزبان انگریزی مقاصد مذکورہ بالا کے اظہار کے لئے نکالا جائے سو امر اول کے متعلق ہم نے یہ پسند کیا ہے کہ اس اخبار کے ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب ایم اے پلیڈر اور خواجہ کمال الدین صاحب بی اے پلیڈر مقرر ہوں اور ان ہر دو صاحبان نے

اس خدمت کو قبول کرلیا ہے‘‘(تبلیغ رسالت جلد10 صفحہ 1-2)

پھر آپ کی ایک اور بھی خواہش تھی:

’’میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب اس کا ترجمہ کریں۔ اس کتاب کے تین حصے ہوں گے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے کیا فرائض ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں‘‘(منظوری الٰہی صفحہ 188)

یہ کتاب بھی بعینہٖ اس کے مطابق جو حضرت امام نے تحریر فرمایا ہے یعنی کتاب کے تین حصوں کے متعلق مجھے ہی لکھنے کی تفیق ملی جس کا نام RELIGION OF ISLAM ہے۔ حالانکہ اس کے لکھتے وقت یہ بات میرے ذہن سے نکل چکی تھی۔ تو جس جس خواہش کا آپ نے اظہار فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے شرف قبولیت عطا فرمایا مگر کس کے ذریعہ سے؟ میرے ذریعہ سے، جماعت لاہور کے ذریعہ سے۔ تو کیا جس وجود میں حضرت مسیح موعود کی آرزوئیں اور خواہشات تکمیل کو پہنچیں، اسے تم فتنہ قرار دیتے ہو؟ اس سے بغض اور نفرت رکھتے ہو؟ یاد رکھو یہ بغض اور نفرت مجھ سے نہیں حضرت مسیح موعود سے ہے۔ کیونکہ میری زندگی آپ کی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ مگر آپ زندہ رہتے تو یہ کام خود کرتے۔ کیونکہ آپ کے دل میں یہ آرزو تھی کہ تبلیغ اسلام کا یہ کام کریں۔ مگر مصلحت الٰہی اسی طرح تھی کہ آپ اپنا کچھ کام اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے پورا کریں اور کچھ آپ کے بعد آپ کے کسی خادم کے ہاتھ سے پورا ہو۔ جس طرح قیصر وکسریٰ کی چابیاں رسول اللہ صلعم کو دی گئیں مگر یہ دونوں سلطنتیں حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے فتح ہوئیں۔ اور چابیاں حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آئیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی زندگیاں گویا رسول اللہ صلعم کی زندگی کا ہی حصہ ثابت ہوئیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود کی بعض آرزوؤں کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں پورا کر دیا۔ مگر بعض کو آپ کی وفات کے بعد میرے ہاتھ سے پورا کرا کر میری زندگی کو حضرت مسیح موعود کی زندگی کا ہی حصہ ثابت کر دیا۔ اب جو کوئی چاہئے خدا سے جھگڑے کہ یہ کام فلاں کے ہاتھ کیوں ہوا اور فلاں کے ہاتھ سے کیوں نہ ہوا؟ بیشک خلیفہ قادیان کے ہاتھ سے بڑی بڑی تجارتیں اور صنعتیں قائم بھی ہوئیں۔ اور ان کی زندگی میں ہی برباد بھی ہوئیں ایک بڑا شہر آباد بھی ہوا اور

ان کی زندگی میں ہی ویران بھی ہوا۔مگر ان چیزوں میں سے حضرت مسیح موعود کا ورثہ کوئی چیز نہیں کہلا سکتی۔ یہ دنیا کا مال تھا جو خدا نے دیا بھی اور لے بھی لیا۔اور خدا کے فضل نے مجھے اور جماعت لاہور کو وہ ورثہ دیا جسے کوئی چھین نہیں سکتا۔قرآن کریم کے ان الفاظ کو پڑھو **رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ** (35:38) یہ حضرت مسیح موعود کا ورثہ ہے اور اپنی زندگی میں ہی آپ نے یہ کام ان لوگوں کے سپرد کیا جن کو تم ''پیغامی فتنہ'' کا نام دیتے ہو۔

صرف یہی نہیں کہ آپ نے یہ کام اپنی فراست سے ہی ہمارے سپرد کیا، حالانکہ مومن کی فراست بھی ایک اللہ کا نور اپنے ساتھ رکھتی ہے **اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ** اور آپ کو تو اپنی اس فراست پر اس قدر یقین تھا کہ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے دل میں ڈالنے کے پیدا نہ ہو سکتا تھا ذیل کا خط ملاحظ فرمائیں:

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم

محبی عزیزی اخویم مولوی محمد علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ ۔آپ کا رقعہ میں نے پڑھا۔مجھے آپ پر بہت ہی نیک ظن ہے۔اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ خاص محبت رکھتا ہوں۔اگر آپ کی خدا تعالیٰ کے نزدیک نیک فطرت نہ ہوتی تو میرا اس قدر نیک ظن ہو نہیں سکتا ہرگز نہ ہوتا۔مگر میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کے لئے اکثر پنج وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں۔امید ہے کسی وقت وہ دعائیں اپنا اثر دکھائیں گی۔اور یہ کہ کسی وقت آپ کو بعض جذبات محسوس ہوں اور دل اس سے غمگین ہو تو یہ امر خدا تعالیٰ کے فضل کو رد نہیں کر سکتا۔آخر نیک فطرت انسان پر فضل ہوتا ہے۔غرض ہر طرح سے تسلّی رکھیں۔میں دلی جوش سے آپ کی دنیا و آخرت اور جسم وجان کے لئے دعا میں مشغول ہوں اور اس کے آثار اور تاثیرات کا منتظر ہوں۔زیادہ فقط والسلام خاکسار غلام احمد عفی عنہٗ''

اور پھر اپنی کتاب حقیقۃ الوحی صفحہ 388 میں لکھتے ہیں:

''اگرچہ یہ درست ہے کہ ان کی فطرت میں پہلے ہی سے ایک مادہ رشد اور سعادت کا مخفی تھا مگر وہ کھلے طور پر ظاہر نہیں ہوا جب تک انہوں نے بیعت نہیں کی''

اور پھر 30 نومبر 1905ء کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

ہماری غرض مدرسہ کے اجرا سے محض یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جائے۔ مروجہ تعلیم کو اس لئے ساتھ رکھا ہے کہ یہ علوم خادم دین ہوں۔ ہماری غرض یہ نہیں کہ ایف اے یا بی اے پاس کر کے دنیا کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ ہمارے پیش نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ خدمت دین کے لئے زندگی بسر کریں اور اس لئے مدرسہ ضروری سمجھتا ہوں کہ شاید دینی خدمت کے لئے کام آ سکے۔ مشکل یہ امر ہے کہ جس کو ذرا بھی استعداد ہو جائے وہ دنیا کی طرف جھک جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں ایسے لوگ پیدا ہوں جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اب وہ اکیلے ہیں کوئی ان کا ہاتھ بٹانے والا قائم مقام نظر نہیں آتا (روزنامہ الحکم 30 نومبر 1905ء صفحہ 8 کالم اول 20 شوال 1323ھ)

مگر جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے یہ بات صرف آپ کی فراست صحیحہ اور آپ کے میرے حالات کو دیکھنے تک محدود نہ تھی بلکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو رؤیا اور کشوف آپ کو دکھائے یا جو الہامات آپ کو ہوئے ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی مقدر تھا کہ حضرت مسیح موعود کا علمی ورثہ اس عاجز کو دیا جائے۔ سب سے بڑا کام تفسیر قرآن کریم کا تھا۔ جس سے اس زمانہ میں اسلام کی صداقت ظاہر ہو۔ حضرت مسیح موعود نے ''ازالہ اوہام'' میں صفحہ 773 پر خود ایک ایسی تفسیر لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے۔ جیسا کہ اوپر حوالہ منقولہ ہے۔ مگر دوسری جگہ آپ کو ایک روشن کشف میں یہ دکھایا گیا کہ وہ تفسیر علی نے لکھی ہے اور علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ آپ نے اپنے اس کشف کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ''اس جگہ ایک نہایت روشن کشف یاد آیا''۔ کشف کے دو حصے ہیں۔ جن میں سے دوسرا حصہ ان الفاظ میں ہے:

''پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی۔ جس کی نسبت یہ بتایا گیا ہے کہ یہ

تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔
فالحمد للہ علیٰ ذالک'' (تذکرہ صفحہ 21-22)

یہ حضرت صاحب کا بہت پرانا کشف ہے۔ یوں تو اس جماعت میں تفسیر قرآن میں حضرت مولٰینا نورالدین صاحب کا مقام بلند ہے۔ مگر آپ نے کوئی ایسی تفسیر نہیں لکھی۔ اگر لکھی تو وہ قادیان سے باہر نہ نکل سکی۔ اور بھی مفسر اس جماعت میں ہوئے ہیں۔ مکمل تفسیر قرآن اور وہ بھی ''ایک کتاب'' کی صورت میں دی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور پھر اس تفسیر کے متعلق یہ بھی آپ کی آرزو تھی کہ وہ انگریزی زبان میں ہو۔ سوانگریزی میں بھی ایک تفسیر ہے۔ خود حضرت مسیح موعود کا اپنا ارادہ ایسی تفسیر لکھنے کا تھا جو آپ نے اپنے دعوٰی مسیح موعود کے ساتھ ''ازالہ اوہام'' میں ظاہر فرما دیا مگر مصلحت الٰہی یہی تھی کہ حضور کا وہ کشف پورا ہو جو 1875ء میں آپ نے دیکھا تھا کہ ''علی'' ایک تفسیر لکھے اور وہ تفسیر آپ کو دے۔ چنانچہ اس تفسیر کی تمہید میں میرے یہ لفظ ہیں:

''اس تفسیر کی بہترین باتیں اس زمانہ کے سب سے بڑے مذہبی رہنما حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے قلب سے میرے قلب میں آئی ہیں۔ میں نے سیر ہو کر علم کے اس چشمہ سے پانی پیا ہے جو اس مصلح عظیم، مہدی و مجدد صد چاردہم، بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بہایا ہے''

تو علم بھی آپ کا ہے جو میں نے لیا اور آرزو بھی آپ کی تھی جس کے پورا کرنے کا میں ذریعہ بن گیا۔ اس کشف میں یوں ظاہر کیا گیا ہے کہ ''یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے''

حضرت مسیح موعود کے علمی ورثہ اور دین اسلام کے لئے قلمی جہاد کے لحاظ سے، جس کے لئے آپ کو مبعوث کیا گیا، اس عاجز کا منتخب کیا جانا آپ کے ایک اور رؤیا میں بھی صراحت سے بتا دیا گیا ہے اس رؤیا کے الفاظ یہ ہیں:

''رؤیا دیکھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور کسی طرف جا رہا ہوں۔ جاتے ہوئے آگے بالکل تاریکی ہوگئی تو میں واپس آ گیا اور میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی

ہیں۔ واپس آتے ہوئے بھی راستہ میں گرد وغبار کے سبب تاریکی ہوگئی اور گھوڑے کی باگ کو میں نے ٹٹول کر ہاتھ میں پکڑا ہے۔ چند قدم چل کر روشنی ہوگئی۔ آگے دیکھا ایک بڑا چبوترہ ہے۔ اس پر اُتر پڑا۔ وہاں چند ایک لڑکے ہیں۔ انہوں نے شور مچایا کہ مولوی عبدالکریم آ گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم آ رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ میں نے مصافحہ کیا اور السلام علیکم کہا۔ مولوی صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی اور کہا کہ بشپ جو پادریوں کا افسر ہے وہ بھی اسی سے کام چلاتا ہے۔ وہ چیز اس طرح سے ہے جیسا کہ خرگوش ہوتا ہے۔ بادامی رنگ کی۔ اس کے آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے اور نالی کے آگے قلم لگا ہوا ہے۔ اس نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہے جس سے وہ قلم بغیر محنت کے بآسانی چلنے لگتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے یہ قلم نہیں منگایا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا اچھا میں مولوی صاحب کو دے دوں گا۔ اس کے بعد بیداری ہوگئی۔ فرمایا عورتوں سے مراد کمزور لوگ ہو سکتے ہیں، اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں امت کے نیک بندوں کو بھی فرعون کی عورت اور مریم سے تشبیہہ دی ہے۔ اور قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کر دے کہ وہ مخالفوں کی رد میں اعلیٰ مضامین لکھے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ''

اللہ تعالیٰ کے علم میں ایسا ہی مقدر تھا کہ حضرت مسیح موعود کا دین اسلام کی تائید میں علمی کام آپ کی وفات کے بعد اس عاجز سے لیا جائے۔ حضرت مسیح موعود کا مولوی عبدالکریم صاحب سے، جو اس سے پیشتر فوت ہو چکے تھے، مصافحہ کرنا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ جلد اپنے مولیٰ سے ملنے والے ہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے کہا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ تو حضرت مسیح موعود جواب میں فرماتے ہیں ''کہ اچھا میں مولوی صاحب کو دے دوں گا''۔ گویا قلم فی الحقیقت آپ کے لئے ہی آیا تھا۔ چونکہ آپ کا وقت مقدر آ چکا تھا

اس لئے آپ کہتے ہیں کہ یہ قلم مجھے دے دیں گے۔ گویا اس کا دیا جانا بھی ورثہ کے رنگ میں تھا۔ اس کی خوبی یہ بھی کہ اُس کے آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے اور نالی کے آگے قلم (یعنی نب) لگا ہوا ہے۔ اس نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہے جس سے وہ قلم بغیر محنت کے بآسانی چلنے لگتا ہے۔ اب غور کر کے دیکھا جائے تو واقعی میری تحریرات کی یہی حالت ہے۔ اس قدر تحریرات، جو ہزارہا صفحات انگریزی اور ہزارہا صفحات اُردو پر مشتمل ہیں، ان مشاغل کے اندر لکھنا جو بحیثیت پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام مجھے مصروف رکھتے ہیں، یہ میری طاقت میں نہ تھا۔ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جس نے اس کام کو آسان کر دیا!

قسط سوم: مطبوعہ در اشاعت 19 اکتوبر 1949ء

اس جگہ میں ایک اور رؤیا کا بھی ذکر کرتا ہوں جو میں نے حضرت مسیح موعود کی اپنی زبان سے سنا تھا۔ گو تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں آیا۔ یہ رؤیا مدت ہوئی ابتدائے اختلاف میں ہی میں نے شائع بھی کر دیا تھا یہ رؤیا اس طرح پر تھا کہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا:

> ''میں نے دیکھا کہ میں ایک تیز رو گھوڑے پر سوار ہوں اور میرے پیچھے مولوی محمد علی صاحب ہیں یہ گھوڑا نہایت تیزی سے ایک قصبہ کے اندر دوڑا جا رہا ہے جس کی سڑکوں کے موڑ بہت تیز ہیں اور وہ ایک موڑ سے نہایت صفائی سے نکل جاتا ہے۔ تو دوسرا موڑ آجاتا ہے اسی طرح وہ گذرتا چلا گیا اور بالآخر ہم ایک میدان میں پہنچ گئے ہیں جہاں ایک آدمی بیٹھا ہے اور آپ یعنی حضرت مسیح موعود اس کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں یا وہ حضرت مسیح موعود کو مخاطب کر کے کہتا ہے ان کا نام ہے مجدد الدّین (یعنی میری طرف اشارہ کر کے)''

میرا گھوڑے پر آپ کے پیچھے سوار ہونا صاف بتاتا ہے کہ اس میں بھی اس طرح اشارہ ہے کہ میرے لئے مقدر تھا کہ آپ کے علمی کام کو آپ کے بعد کروں۔ اور مجدد الدین کا نام دیا جانا اس طرف اشارہ تھا کہ یہ کام تجدید دین کے لئے ہوگا۔ سو خدا کے فضل سے اس وقت جو لٹریچر میرے قلم سے نکلا ہے جس میں دین اسلام کی خوبصورت اور مکمل تصویر موجود ہے دین اسلام کے لئے تجدید اور قوت کا موجب ہوا ہے اور جس قدر یہ دنیا میں پھیلے گا اسی قدر دین اسلام کی عظمت دنیا میں ظاہر ہوگی۔

حضرت مسیح موعود کا ایک اور الہام بھی میرے متعلق ہے جو شاید انہی باتوں کا جواب ہے جو اکابر جماعت قادیان نے جلد بازی میں میرے متعلق کہی ہیں۔ وہ الہام یہ ہے:

''آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ'' (تذکرہ صفحہ 478)

یہاں دو الگ الگ باتیں ہیں۔ ''صالح تھے'' ''نیک ارادہ رکھتے تھے''۔ پہلی بات تو درحقیقت اکابر قادیان کی اس بات کا جواب ہے کہ انہوں نے مجھے ''فاسق'' کہا اور پھر اس پر اصرار کیا تو الہام الٰہی میں اس کا جواب موجود ہے کہ ''آپ بھی صالح تھے'' کیونکہ صالح فاسق کے مقابلہ پر ہے اور دوسری بات جو اکابر قادیان میرے متعلق کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مجھے فتنہ پرداز قرار دیتے ہیں اور ہماری قادیان سے علیحدگی کا نام ''پیغامی فتنہ'' قرار دیتے ہیں۔ تو ہمارے ارادہ کے نیک ہونے کے متعلق خود الہام الٰہی نے گواہی دی اور خدا شاہد ہے کہ سوائے اس کے کوئی بات نہ تھی کہ ہم خلیفہ قادیان کے مسلمانوں کو کافر کہنے کو ایک اصولی غلطی سمجھتے تھے۔ اور ان سے چاہتے بھی صرف اس قدر تھے کہ وہ یا اس عقیدہ کو ترک کر دیں یا جماعت کے اہل الرائے احباب کو بلا کر ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا جائے اور ہم قادیان کی رہائش کو اپنے لئے اتنا ہی مشکل پاتے تھے جتنا مشکل آج خود میاں صاحب پاتے ہیں۔ اس لئے ہم نے لاہور میں صرف تبلیغ اسلام کے لئے مرکز قائم کیا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ہم میاں صاحب کے عقیدہ تکفیر مسلمین کو بھی ناقابل برداشت پاتے تھے۔ اس کے لئے ہم اس کی بھی مخالفت کرتے تھے اور الہام میں حضرت صاحب کا مجھے اپنے ساتھ بٹھانا صاف بتاتا ہے کہ میں کام وہی کر رہا ہوں جو مسیح موعود کا کام تھا۔

یہ سچ ہے کہ ہم تھوڑے تھے اور اگر اس اصولی عقیدہ کے خلاف میاں صاحب نہ چلتے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے تو ہمیں اکثریت کے ساتھ ملا رہنا چاہئے تھا۔ خواہ اور کتنا بھی اختلاف ہوتا۔ لیکن جس صورت میں مسلمان کو کافر کہنے والے کے لئے حدیث میں سخت وعید موجود ہے اور حضرت مسیح موعود نے مکفر علماء کے پیچھے نماز سے اسی لئے روکا تھا کہ مسلمان کی تکفیر ایک ایسا سخت جرم ہے کہ ایسا شخص روحانی رہنمائی کا اہل نہیں تو ہم کس طرح میاں صاحب کے ساتھ مل کر کام کر سکتے تھے ہاں ہماری اس قلت کا ذکر بھی حضرت صاحب کے کشوف میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں:

''کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت میں دو شخص ایک

مکان میں بیٹھے ہیں ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر بیٹھا تھا مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے مگر وہ چپ رہا اور اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا تب میں نے اس دوسرے کی طرف رخ کیا جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا۔ اور اسے میں نے مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے وہ میری اس بات کو سن کر بولا ایک لاکھ نہیں ملے گی مگر پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگرچہ پانچ ہزار تھوڑے آدمی ہیں پر اگر خدا تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ (249:2) پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا اور کہا گیا کہ خوشحال ہے مگر خدا تعالیٰ کی کسی حکمت خفیہ نے میری نظر کو اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا لیکن امید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے گا'' (تذکرہ صفحہ 181-182)

اب اس کشف میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے دو آدمیوں کو اپنی جماعت کی رہنمائی کرتے دیکھا ہے جن میں سے ایک زمین پر بیٹھا ہے اور دوسرا چھت کے قریب آسمان کی طرف ہے۔ زمین پر بیٹھنے والے کے ساتھ اس قدر آدمی ہیں کہ حضرت مسیح موعود اس سے ایک لاکھ آدمی مانگتے ہیں مگر وہ خاموش رہتا ہے یعنی آپ کے اس سوال کے جواب کی طرف توجہ نہیں کرتا پھر چھت کے قریب بیٹھنے والے کو مخاطب فرماتے ہیں تو وہی سوال دوہراتے ہیں مگر وہ کہتا ہے میں صرف پانچ ہزار آدمی دے سکتا ہوں۔ اب مقابلہ کر کے دیکھ لیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ فی الواقع یہی جماعت قادیان اور جماعت لاہور کی قریب قریب نسبت ہے یعنی جماعت لاہور جماعت قادیان کا بمشکل بیسواں حصہ ہے۔ زعمائے قادیان نے اس کشف کو صریحاً اپنے خلاف پا کر ایک بھونڈی سی کوشش کی ہے کہ پانچ ہزار آدمی میں اشارہ ان کی ''تحریک جدید'' کی طرف ہے جس میں ان کی ساری جماعت میں سے صرف پانچ ہزار آدمی شامل ہوئے۔ مگر یہ نہ سوچا کہ کشف میں تو دو جماعتوں کے دو الگ الگ

رہنما دکھائے گئے ہیں۔ایک زمین پر بیٹھا ہوا ہے ایک چھت کے قریب ہے۔ایک خاموش رہتا ہے، دوسرا ایک قلیل تعداد پیش کرتا ہے اگر رؤیا میں یوں ہوتا کہ ایک آدمی زمین پر بیٹھا ہے اور اس سے ایک لاکھ مانگے تو وہ خاموش رہا پھر وہی آدمی چھت کے قریب پہنچ گیا اور پھر آپ نے وہی سوال کیا تو اس نے پانچ ہزار آدمی پیش کئے تو شاید اس توجیہہ کے لئے کوئی وجہ ہوسکتی مگر یہاں الگ الگ دو آدمی ہیں۔ پہلے ایک کو کہا ہے اور وہ خاموش رہا پھر دوسرے کو کہا تو اس نے پانچ ہزار آدمی پیش کئے۔تو یقیناً یہ جماعت کے دو حصوں کا ذکر ہے۔ایک کے ساتھ جماعت کی تعداد زیادہ ہے اور دوسرے کے ساتھ کم۔اور اس کو آپ نے کشف میں ہی آیت قرآنی پڑھ کر صاف بھی کر دیا۔ کَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةً ۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (249:2) جس طرح دو رہنما ہیں اسی طرح دو گروہ ہیں۔ایک قلیل گروہ ہے ایک کثیر گروہ ہے۔اس سے بڑھ کر صاف جماعت کے دو حصوں کا ذکر نہ ہوسکتا تھا اور یہ جو ذکر ہے کہ ایک زمین پر بیٹھا ہے اور دوسرا چھت کے قریب آسمان کی طرف ہے۔تو اس میں دونوں جماعتوں کے یا ان کے قائدوں کے میلان کا کھلا ذکر ہے۔ جماعت قادیان کے قائد کی توجہ زیادہ تر زمینی امور کی طرف ہے اور دوسرے کی ان امور کی طرف جو بلندی سے تعلق رکھتے ہیں۔ایک اپنی جماعت کو دنیا میں ترقی دے رہا ہے اس کی توجہ حکومت ارضی میں اقتدار حاصل کرنے کی طرف ہے۔تجارت کی طرف ہے کہ اس کی جماعت کل روئے زمین کی تجارت پر قابض ہو جائے صنعت کی طرف ہے کہ اپنے شہر کو ایک بڑا صنعتی شہر بنا دے امریکن نمونے پر شہر بنانے کا فخر اسے حاصل ہے اور دوسرا جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف ہے اس کی توجہ آسمانی علوم کی طرف ہے قرآن کی طرف ہے، قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی طرف ہے مختلف زبانوں میں اس کے تراجم پھیلانے کی طرف ہے، کیا دونوں جماعتوں میں یہ بیّن فرق آج نظر نہیں آ رہا! پھر یہ بھی صاف بتا دیا کہ آسمانی امور کی طرف توجہ کرنے والی جماعت کی تعداد قلیل ہے اور زمینی امور کی طرف توجہ کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے تو کیا اب بھی کوئی شبہ باقی رہ سکتا ہے کہ اس کشف میں جماعت قادیان اور جماعت احمدیہ لاہور کی ایک مکمل تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔

اس کشف کے خاتمہ پر حضرت مسیح موعود نے ایک اور بات کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

''پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا اور کہا گیا کہ خوشحال ہے خوشحال

ہے۔مگر خدا تعالیٰ کی کسی حکمت خفیہ نے میری نظر کو اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا لیکن امید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے''

دوسری جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اب ہم ابوداؤد (کتاب الملاحم الجلد الثانی) کی حدیث کو ان کے اصل الفاظ میں بیان کر کے پھر جس قدر مناسب اور کافی ہو اپنی نسبت اس کا ثبوت پیش کریں گے۔سو واضح ہو کہ حدیث یہ ہے عَنْ عَلِیّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہُ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلّمَ یَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ وَّرَآءِ النَّھْرِ یُقَالُ لَہٗ الْحَارِثُ حَرَّاثٌ عَلٰی مُقَدَّمَتِہٖ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ مَنْصُوْرٌ یُوَطِّئُ اَوْ یُمَکِّنُ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا مَکَّنُتْ قُرِیْشٌ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجَبَ عَلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ نَصْرُہٗ وَقَالَ اِجَابَتُہٗ''

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد آپ اپنے اس کشف کا ذکر، جو میں پہلے کر چکا ہوں، ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:

''جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت میں دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں ایک زمین پر ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے''

اور اسی ذیل میں یہ بھی فرماتے ہیں:

''سو واضح ہو کہ یہ پیشگوئی جو ابوداؤد کی صحیح میں درج ہے کہ شخص حارث نام یعنی حراث اور النہر سے یعنی سمرقند کی طرف سے نکلے گا جو آل رسول کو تقویت دے گا............ یہ پیشگوئی اور مسیح کے آنے کی پیشگوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا دراصل یہ دونوں پیشگوئیاں متحد المضمون ہیں۔اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے''

اور پھر ان الفاظ عَلٰی مُقَدَّمَتِہٖ رَجُلٌ یُّقَالُ لَہٗ مَنْصُوْرٌ کی تشریح آپ نے یوں فرمائی ہے:

''اس کے لشکر یعنی اس کی جماعت کا سردار سرگروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا جس کو

آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا۔ اس جگہ اگرچہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا گیا ہے مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ و جدل مراد نہیں ہے بلکہ یہ ایک روحانی فوج ہوگی جو اس حارث کو دی جائے گی''

تو یہاں صفائی سے آپ نے اپنی روحانی فوج کا سردار اس شخص کو بیان کیا ہے جسے دوسری جگہ دو آدمیوں والے کشف کے آخر میں منصور کے نام سے پکارا ہے۔ تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حدیث میں جس منصور کا ذکر ہے وہ آپ کے نزدیک وہی ہے جسے کشف میں چھوٹی جماعت کا سردار بتایا گیا ہے جو چھت کے قریب آسمان کی طرف بیٹھا ہے اور جس کی جماعت فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ کی مصداق ہے۔ اور یہ امر واقعات سے بھی ظاہر ہے۔ حضرت مسیح موعود نے جیسا کہ اوپر نقل ہو چکا ہے۔ حارث اور مسیح موعود کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ اور پھر لکھا ہے۔

''مسیح کے نام پر جو پیشگوئی ہے اس کی علامات خاصہ درحقیقت دو ہی ہیں۔ ایک یہ کہ جب وہ مسیح آئے گا تو مسلمانوں کی اندرونی حالت کو جو اس وقت بغایت درجہ بگڑی ہوئی ہوگی اپنی صحیح تعلیم سے درست کر دے گا اور ان کے روحانی افلاس اور باطنی ناداری کو بکلی دور فرما کر جواہرات علوی و حقائق و معارف ان کے سامنے رکھ دے گا یہاں تک کہ وہ لوگ اس دولت کے لیتے لیتے تھک جائیں گے دوسری علامت خاصہ یہ ہے کہ جب وہ مسیح موعود آئے گا تو صلیب کو توڑے گا ان پر دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلا کر ان سب کا کام تمام کر دے گا''

آپ کو اپنے ان مقاصد کے پورا کرنے کی اس قدر فکر رہتی تھی کہ جیسا کہ اوپر نقل بھی ہو چکا ہے آپ نے فرمایا کہ:

''یہ امر ہمیشہ میرے لئے موجب غم اور پریشانی تھا کہ وہ تمام سچائیاں اور پاک معارف اور دین اسلام کی حمایت میں پختہ دلائل اور انسانی روح کو اطمینان دینے والی باتیں جو مجھ پر ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان تسلی بخش براہین اور مؤثر تقریریوں سے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں اور یورپ کے طالبوں کو اب تک کچھ

فائدہ نہیں ہوا''

تو اس کے بعد فرماتے ہیں:

''اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جو ہماری زندگی کا اصل مقصود ہے ایک تدبیر پیدا ہوئی اور وہ یہ ہے کہ آج چند ایک احباب نے اپنے مخلصانہ مشورہ سے اس طرف مجھے توجہ دلائی۔ کہ ایک رسالہ میگزین بہ زبان انگریزی مقاصد مذکورہ بالا کے اظہار کے لئے نکالا جائے ......ہم نے یہ پسند کیا ہے کہ اس اخبار کے ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ پلیڈر اور خواجہ کمال الدین صاحب بی اے پلیڈر مقرر ہوں''

تو گویا آپ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے جس شخص کا انتخاب فرمایا وہ یہ عاجز تھا اور خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم اس کے مددگار کے طور پر تھے۔ تو گویا آپ نے اپنی زندگی میں ہی مقدمہ الجیش کا تقرر فرما دیا۔ اس پر جو شخص جھگڑتا ہے اس کا جھگڑا میرے ساتھ نہیں حضرت مسیح موعود کے ساتھ ہے۔ جنہوں نے اس کام کے لئے مجھے مقرر فرمایا۔ اور یہ بھی ایک امر واقع ہے کہ کسر صلیب کا جو کام اللہ تعالیٰ نے اس عاجز سے اور خواجہ کمال الدین مرحوم سے لیا ہے اور اسی طرح اسلام کی برکات سے خود مسلمانوں کو متمتع کرنے کا کام خدائے حکیم نے جس قدر مجھ سے لیا ہے وہ اس جماعت میں دوسرے کسی فرد کو میسر نہیں آیا۔ اور یہ گویا عنداللہ 1900ء میں ہی فیصلہ ہو چکا تھا کہ آپ کے مقاصد کو پورا کرنے والے ہم لوگ ہی ہوں گے۔ پھر اس کے بعد جب حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد اس سے بھی ایک زیادہ اہم کام کی ضرورت پیش آئی یعنی قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی جسے حضرت مسیح موعود نے اپنا کام قرار دیا تھا یا اس شخص کا ''جو مجھ سے ہی ہے اور میری ہی شاخ ہے'' تو آپ کے مقرر کردہ جانشین انجمن نے بالاتفاق اور حضرت مسیح موعود کے سب سے پہلے خلیفہ یعنی حضرت مولینا نورالدین صاحب نے اسی عاجز کو اس کام کے لئے منتخب فرمایا۔ ایک طرف حضرت مسیح موعود مجھے خود مقدمتہ الجیش کے طور پر منتخب فرماتے ہیں اور دوسری طرف آپ کی وفات کے بعد ساری قوم مجھے بالاتفاق اس کام پر مقرر کر کے، جو حضرت مسیح موعود کا اپنا کام تھا، میری اس حیثیت کو تسلیم کرتی ہے۔ یوں

گویا خود حضرت مسیح موعود اور پھر ساری احمدی قوم نے مجھے ہی وہ منصور قرار دیا جس کا ذکر ابوداؤد کی حدیث میں اور حضرت مسیح موعود کے کشف میں ہے۔

حضرت مسیح موعود نے خود الفاظ حدیث عَلٰی مُقَدَّمَتِهٖ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ مَنْصُوْرٌ کی تشریح فرمائی ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔

> ''اس کے لشکر یعنی اس کی جماعت کا سردار سرگروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا جس کو آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا۔ اس جگہ اگرچہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا گیا ہے مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری تنگ و جدل مراد نہیں بلکہ یہ ایک روحانی فوج ہوگی کہ اس حارث کو دی جائے گی''

اب اگر واقعات کو دیکھا جائے تو اس میں کیا شبہ ہے کہ ہماری جماعت لاہور کا جو کچھ کام نظر آتا ہے وہ محض نصرت الٰہی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ہمارے پاس اس کے لئے کوئی سامان نہ تھا۔ البتہ ایک ہی چیز تھی اور وہ یہ دلی ارادہ تھا کہ چاہے کامیابی ہو یا ناکامی، قادیان کو چھوڑنے کے بعد بھی ہم چند آدمی کام خدمت اسلام کا ہی کریں گے۔ وہی کام کرتے رہیں گے جس پر حضرت مسیح موعود نے ہمیں لگایا تھا۔ ہم بے سروسامان تھے۔ منتشر حالت میں تھے اور ڈیڑھ ماہ تک اسی حالت میں رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹی سی جماعت اس کو بنا دیا اور محض اپنے فضل سے غنی کر دیا اور علم دین کی وہ دولت عطا فرمائی جس کا اس وقت کوئی وہم گمان بھی نہ تھا۔

قسط چہارم: مطبوعہ دراشاعت 16 نومبر 1949ء

مگر آج اس سے ایک دنیا واقف ہے۔ دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو قادیان کی جماعت کا ذکر صرف حضرت مسیح موعود کے اس کشف میں ہی نہیں جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ان کا قائد ان کو زمینی امور میں لگا رکھے گا۔ اور جب اس سے خدمت دین کے لئے ایک لاکھ فوج مانگی جائے گی تو وہ خاموش رہے گا۔ بلکہ آپ کے بعض دوسرے کشوف اور الہامات میں بھی یہ ذکر ہے کہ قادیان کی جماعت اس بلند مقصد سے گر جائے گی جس کو لے کر حضرت مسیح موعود کھڑے ہوئے تھے اور اس سے ایسے ظلم سرزد ہوں گے کہ آپ کو ان

کی شفاعت سے بھی روک دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ کا ایک الہام ہے **وَلَا تُکَلِّمْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ وَعْد'' عَلَیْنَا حَقّ''** (تذکرہ صفحہ 555) اس کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''ان لوگوں کے بارہ میں میرے ساتھ بات نہ کر جو ظالم ہیں یعنی دنیا کو دین پر مقدم رکھتے ہیں اور دنیا کے ہموم وغموم میں لگ کر دین کے پہلو سے لاپرواہ ہیں۔ میں ان کو ضرور غرق کروں گا اور ناکامی میں مریں گے۔ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے جو نہیں ٹلے گا۔ میرے خیال میں یہ الہام ہماری جماعت کے بعض افراد کی نسبت ہے جو دنیا کے ہموم وغموم میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور دین کے فکر اور غم سے لاپرواہ ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ مجھے ہدایت فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے دعا مت کر۔ ان کی شفاعت مت کر۔ کیونکہ جیسا کہ ان کا دین مر گیا ان کی دنیا بھی مر گئی۔ ظاہر ہے دعا اور شفاعت دوستوں کے لئے ہوتی ہے نہ کہ دشمنوں کے لئے۔ اور ایک بڑے عذاب سے ان کو ڈرایا گیا ہے اور ممکن ہے وہ عذاب دوسروں کے لئے بھی ہو۔ مگر ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ جو بظاہر اس جماعت میں داخل ہیں مگر ان کی حالت دنیا پرستی کی ہمارے اصول کے خلاف ہے'' (تذکرہ صفحہ 555 بدر جلد نمبر 19 صفحہ 2 والحکم جلد 10 نمبر 16)

اور ایک الہام اس بارہ میں یوں ہے:

''**وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ یٰٓاِبْرَاھِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا اِنَّہٗ عَبْدٌ غَیْرُ صَالِحٍ** جس کی دوسری قرأت ہے **اِنَّہُ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ**'' (تذکرہ صفحہ 85)

اب یہ ظاہر ہے کہ یہ الفاظ جن میں آپ کو الہام ہوا قرآن کریم کے الفاظ ہیں جن میں حضرت نوحؑ کو اپنے بیٹے کے لئے دعا کرنے سے منع کیا گیا۔ کیونکہ اس کے اعمال میں کوئی صلاحیت نہ رہی تھی اور پہلا اور پچھلا فقرہ دونوں حضرت نوحؑ کے ذکر میں ہیں۔ جب ان کے دل میں یہ تڑپ ہوئی کہ ان کا بیٹا بچ جائے۔ اور درمیانی فقرہ وہ ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کو قوم لوط کے لئے دعا کرنے

سے روکا گیا۔ ان دونوں کو کیوں ملایا۔ کیا شاید اس میں دونوں باتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مسیح موعود نے اپنی اولاد کے لئے اسی طرح تڑپ کر دعا کی ہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے قوم لوط کے لئے کی تھی۔ اور حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کے لئے کی تھی۔ اور وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَظَلَمُوْا (37:11) یااَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (76:11) اور پھر اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ (46:11) انہی باتوں کا جواب ہے۔ یہ محض قیاسات نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود کے ایک الہام میں ہی اس کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ کہ یہ وعید جماعت قادیان کے لئے یا اس کے رہنماؤں کے لئے ہی تھی۔ چنانچہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

> ''فرمایا کہ میں اپنی جماعت کے لئے پھر قادیان کے لئے دعا کر رہا تھا تو یہ الہام ہوا۔ زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے ہیں نُسَحِّقُهُمْ تَسْحِیْقًا (تذکرہ صفحہ 272)

اب اس میں ادنیٰ شبہ بھی باقی نہیں رہا کہ یہ حضرت صاحب کی دعائیں جماعت کے لئے ہی تھیں یا اپنے بیٹے کیلئے۔ جن کا جواب لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ (27:23) میں دیا گیا ہے یا جن کا جواب یٰٓاِبْرَاهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا میں دیا گیا ہے یا جن کا جواب اِنَّهٗ عَمَلٌ'' غَیْرُ صَالِحٍ میں دیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ معمولی فروگذاشتیں نہ تھیں بلکہ کوئی ایسے قبیح افعال تھے جن پر اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی بھڑک اُٹھی۔ یہاں تک کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان کی سفارشیں نہ کریں اور آپ کو صاف طور پر بتا دیا گیا کہ جماعت قادیان پر (''اپنی جماعت'' اور پھر ''قادیان'' کے الفاظ صاف ہیں) ایسا عذاب بھیجا جائے گا جن سے وہ ایک رنگ میں پیس کر رکھ دی جائے گی۔ یہ میرے الفاظ نہیں یہ حضرت مسیح موعود کے الہام کے الفاظ ہیں۔ اس لئے میں انہیں مجبوراً بیان کرتا ہوں۔ اور اس لئے بھی بیان کرتا ہوں کہ جماعت قادیان نے ان الفاظ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ حق یہ تھا کہ جہاں اس عذاب کے متعلق حضرت صاحب کی ساری تحریروں کو چھان مارا، ایسے کھلے الہامات کو کیوں چھپایا گیا؟!

خدا شاہد ہے کہ مجھے جماعت قادیان کے ان مصائب میں ان کے ساتھ ہمدردی ہے۔ اور میں اس کا اظہار بھی کر چکا ہوں مگر میں دیکھتا ہوں کہ ان مصائب کے بعد بھی بجائے اس کے کہ کوئی اصلاح کی جاتی۔ ابھی قدم اسی راستہ پر ہے جس راستہ پر چلنے سے یہ عذآب آیا۔ اور خدا کے عذاب کے

ساتھ اب بھی ایک گونہ ہنسی کی جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ ان اعمال کی اصلاح ہو جو اسے لانے کا موجب ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے خود صاف الفاظ میں اسے عذاب قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ایک بڑے عذاب سے ان کو ڈرایا گیا ہے اور ممکن ہے وہ عذاب دوسروں کے لئے بھی ہو مگر وہ ایسے لوگوں کے لئے بھی ضروری ہے جو بظاہر اس جماعت میں داخل ہیں مگر ان کی حالت دنیا پرستی کی ہمارے اصول کے خلاف ہے'' (تذکرہ صفحہ 555)

کیا یہ صاف اشارہ اس عذاب کی طرف نہیں جو مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر آیا اور جس میں جماعت قادیان واقعی **نُسَحِّقُهُمْ تَسْحِيْقًا** کی مصداق ہوئی۔ اور وہ تمام صنعتیں اور تجارتیں جن سے قادیان کو ایک پر رونق شہر بنایا گیا تھا وہ سب کی سب برباد ہو گئیں۔ حالانکہ یہ بستی اس علاقہ میں واقع تھی جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔

پھر ایک جگہ قادیان کے متعلق حضرت مسیح موعود یوں تحریر فرماتے ہیں:

''اور اس بارے میں قادیان کی نسبت مجھے یہ بھی الہام ہوا کہ **اخرج منه اليزيديون** یعنی اس میں یزیدی لوگ پیدا کئے گئے ہیں'' (تذکرہ صفحہ 179)

غیر لوگ بھی یزیدی ہو سکتے تھے مگر قادیانی جماعت نے جو نمونہ دکھایا ہے وہ انہیں بھی اس الہام کا مصداق ٹھہراتا ہے۔ اور بالخصوص اس حالت میں جب خاص طور پر جماعت قادیان کی نسبت یہ الہام بھی حضرت مسیح موعود کو ہوا۔ زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے ہیں **نُسَحِّقُهُمْ تَسْحِيْقًا** زندگی سے مراد وہ راستبازی کی زندگی ہے جس کی طرف حضرت مسیح موعود نے ہدایت فرمائی تھی۔ اور فیشن کا لفظ شاید ان لوگوں کے رجحانات کے لحاظ سے اختیار کیا گیا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جو باتیں اب جماعت قادیان کے اکابر کی نسبت زبان زد عام ہیں وہ کوئی ایسے الزام نہیں جو دشمن ان پر لگاتے ہوں بلکہ ایسے الزام ہیں جو ان کے اپنے مخلص مریدان پر لگاتے ہیں۔ وہ مرید جو دنیا کو چھوڑ کر ہجرتیں کر کے قادیان آئے۔ وہ مرید جنہوں نے اپنے مال اور اپنی جانیں اس سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ پھر وہ ایک دو نہیں 1925ء سے لے کر یا اس سے بھی بہت پہلے سے یہ الزامات برابر لگتے چلے آئے اور شاید ایسے لوگوں کی تعداد بیسیوں سے زیادہ ہے جنہوں نے ایسے الزامات لگائے اور آج 1949ء تک برابر یہ سلسلہ جاری ہے۔ اور ایک سے

بڑھ کر دوسرا اور دوسرے سے بڑھ کر تیسرا اور تیسرے سے بڑھ کر چوتھا الزام لگا تا چلا جا تا ہے۔ایک طرف یہ حالت ہے اور دوسری طرف الہام الٰہی بھی گواہی دیتا ہے کہ جماعت قادیان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر سخت عذاب آئے گا۔اور پھر وہ عذاب آ بھی جاتا ہے تو اب ان واقعات کے ہوتے ہوئے اگر احباب قادیان آنکھیں بند کر رکھیں اور دل کو یہ تسلی دیں کہ اگر کوئی شخص برا ہے تو وہ برائی اس کی اپنی ذات کے لئے ہے۔تو یہ ایک احمقانہ بات ہے۔جس جماعت کے قائدین کی یہ حالت ہے ان کے عوام اسی طرح عنداللہ قابل مواخذہ ہیں، جس طرح بڑے، جو خود اندھا بننا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اندھا کر دیتا ہے۔اس لئے جماعت قادیان کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کھلے واقعات پر غور کریں۔اور اس طرف آئیں جہاں انہیں نیکی اور راستبازی اور حضرت مسیح موعود کے علوم کا ورثہ ملتا ہے۔وہ چشمہ ابھی خشک نہیں ہوا۔

میں ان باتوں کو نہ لکھتا مگر جس بات سے میرے دل کو انتہا درجہ کا دکھ پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ان باتوں سے توبہ کی جاتی، کہا یہ جاتا ہے کہ ایسی ہی باتوں سے نعوذ باللہ من ذالک حضرت مسیح موعود کا دامن بھی ملوث تھا۔ بلکہ اس سے بھی ایک قدم اور ترقی کر کے ایسی ہی باتوں کو امام المتقین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا بیان ہے کہ جنہوں نے اپنے خلیفہ پر بعض الزامات لگائے تو ان کو جواب میں کہا گیا کہ یہی کچھ تو وہ لوگ بھی کرتے تھے جن کو تم مطہر اور مزکی سمجھتے ہو۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔میں اس بات کو نہ مانتا مگر اس کے قریب قریب بات خلیفہ صاحب کی اپنی قلم سے نکل چکی ہے۔اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ جیسے الزامات ان کے مریدان پر لگاتے ہیں، ایسے ہی الزامات حضرت مرزا صاحب کے مریدوں نے مرزا صاحب پر اور رسول خدا صلعم کے ماننے والوں نے رسول اللہ صلعم پر لگائے ہیں۔میں نے اس وقت بھی ان کو چیلنج کیا تھا کہ وہ اس کی کوئی مثال پیش کریں۔مگر پھر وہ خاموش رہے۔اور جب میں نے یہاں یہ باتیں سنیں تو میرا خیال اسی طرف گیا کہ یہ وہی غلط قدم ہے جو پہلے بھی وہ اٹھا چکے ہیں۔حضرت مرزا صاحب کے مرید مرزا صاحب پر کیا الزام لگائیں گے۔مرزا صاحب کے دشمن بھی ان پر الزام نہ لگا سکے۔کتنے لوگ تھے جو قادیان میں آ کر پہلے آپ کے دشمنوں کے پاس جاتے اور ہندوؤں، آریوں اور سکھوں کے پاس جاتے تھے۔اور پوچھتے کہ کیا تم آپ کی پہلی ساٹھ سال کی زندگی پر کوئی الزام لگاتے

ہیں۔تو اس کا جواب نفی میں پاتے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا چیلنج تو اب بھی قرآن کریم میں موجود ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ(16:10) کیا تم میری پہلی زندگی پر کوئی الزام لگا سکتے ہو۔تو ایسے راستبازوں کی طرف ان باتوں کا منسوب کرنا، جن کے دشمن بھی ان پر ایسے ناپاک الزام نہیں لگا سکے، جیسے خلیفہ قادیان پر ان کے اپنے مرید، مخلص مرید، جان و مال قربان کرنے والے مرید یکے بعد دیگرے سال ہا سال سے لگاتے چلے آ رہے ہیں۔حد درجہ کا ظلم اور ان راستبازوں کی شان میں گستاخی ہے۔اور مجھے بڑی خوشی ہوگی اور خلیفہ صاحب قادیان اپنا ایک فرض ادا کریں گے اگر وہ اپنے متعلق تو چاہیں کچھ کہیں یا نہ کہیں کہ ان کے مرید ایسے الزامات ان پر کیوں لگا رہے ہیں، لیکن اس بات سے وہ اپنی بریّت کا اظہار کریں کہ انہوں نے اپنے کسی فعل کے جواز کے لئے کسی راستباز پر ایسا الزام لگایا ہو۔اور صرف یہ اعلان حلف اٹھا کر دیں کہ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ حضرت مرزا صاحب یا امام الاتقیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نعوذ باللہ وہی کام کرتے تھے۔جو ان کے مرید ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور میں تو یہ مشورہ بھی دوں گا کہ ان ناپاک باتوں کو جو اس وقت جماعت میں پھیل کر اس کی بدنامی کا موجب ہو رہے ہیں۔اگر اب بھی خلیفہ صاحب دور کرنا چاہیں تو وہ آسانی سے کر سکتے ہیں ان کو خوب علم ہے کہ کون کون لوگ ان کے متعلق ناگفتنی باتیں منسوب کر رہے ہیں۔اور میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ حد سے زیادہ ناگفتنی ہیں وہ معمولی لغزشیں نہیں جو انسان سے ہو جاتی ہیں بلکہ ان کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اباحت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔تو وہ نام لے کر ایک اعلان شائع کر دیں کہ فلاں فلاں شخص جو ان پر یہ الزام لگاتے ہیں وہ سب جھوٹے ہیں اور اگر انہوں نے ایسا کہنے میں جھوٹ کہا ہے تو ان پر اللہ کی لعنت ہو۔اس سے کم از کم زبانیں رک جائیں گی۔

اب ان باتوں کے بعد جو مجھے مجبوراً لکھنی پڑیں اس لئے کہ اب ان کی زد مذہب پر، خدا کی ہستی پر، راستبازی پر پڑتی ہے، وہ ایک انسان تک محدود نہیں رہیں بلکہ بہت لوگ اندر ہی اندر بے ایمان ہو چکے ہیں۔میں جماعت قادیان کو بعض اصولی باتوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔تجدید کا کام جو حضرت مرزا صاحب کے سپرد کیا گیا تھا وہ آج آپ دیکھ لیں کہ پورا ہو چکا۔اور مسلمانوں کے فہمیدہ طبقہ میں عام آواز اُٹھ رہی ہے کہ ملّاں جو مذہب پیش کرتے ہیں وہ اسلام نہیں، جس کی تعلیم کی ہمیں ضرورت ہے بلکہ وہ قران اور حدیث کا

اصلی مذہب ہے۔اوران تمام باتوں کوایک ایک کر کے لے رہے ہیں جن کی طرف اس صدی کے مجدد نے توجہ دلائی تھی تو تجدید کا کام تو ہوگیااوراس طرح آج اللہ تعالیٰ کے فضل نے حضرت مرزا صاحب کا مجدد ہونا ثابت کر دیا ہے مگر تجدید دین کا جس قدر کام اس نے لیا ہے وہ انہی لوگوں سے لیا ہے جو حضرت مرزا صاحب کو مجدد مانتے ہیں۔ دوسری طرف آپ کو دجال اور کذاب کہنے والے بھی تجدید دین کے کام سے محروم ہیں۔ اور آپ کے حق میں غلو کرنے والے مجدد کی بجائے آپ کو نبی بنانے والے بھی تجدید دین کے کام سے محروم ہیں۔ آپ بھی خوب جانتے ہیں۔ آپ کے قائد بھی خوب جانتے ہیں اوراس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے جب 1891ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو اس کے ساتھ ہی نبوت کے دعویٰ سے انکار کیا۔ اور صرف انکار ہی نہیں بلکہ یہاں تک لفظ اپنے قلم سے لکھ دیئے ہیں کہ ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ مگر یہ قائدین آپ کو دھوکا دیتے ہیں جب یہ لکھتے ہیں کہ دس سال بعد 1901ء میں آپ نے اپنے دعویٰ میں تبدیلی کر لی تھی اور محدثیت کی بجائے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا اور 1901ء تک آنحضرت صلعم کو آخری نبی یقین کرتے تھے مگر 1901ء کے بعد آپ گو آخری نبی نہیں مانتے تھے۔ یہ سب حضرت مسیح موعود پر افتراء ہے۔ جس طرح یہ افتراء ہے کہ آپ روئے زمین کے مسلمانوں کو، جو آپ کی جماعت میں شامل نہیں ہوئے، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج مانتے تھے۔ ان عقائد کی تردید سے جو اسلام میں ایک زبردست فتنہ پیدا کرنے والے ہیں ہماری کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اور میں اس بحث میں یہاں داخل ہونا نہیں چاہتا لیکن اس بات کے متعلق میں بارہا جماعت قادیان اور اس کے قائدین کو چیلنج کر چکا ہوں کہ 1901ء میں دعویٰ میں تبدیلی حضرت مسیح موعود پر افتراء ہے۔ اور اس افتراء کی ابتداء 1914ء میں ہوئی جب یہ اختلاف ہوا۔ اس سے پہلے سلسلہ کی ساری کتابوں، ٹریکٹوں، اخباروں، تحریروں، تقریروں، خطبوں، خطوط میں کوئی شخص ایک حوالہ دکھا دے کہ جماعت احمدیہ کے بانی یا اس کے کسی ممبر نے یہ لکھا یا کہا ہو کہ 1901ء میں دعویٰ میں تبدیلی کر لی گئی تھی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر میں یہ لکھ چکا ہوں کہ اس وقت بھی ان لوگوں میں سے جو 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کر چکے تھے، ایک شخص (خواہ خود خلیفہ ہو) یہ حلف اُٹھائے کہ میں نے 1901ء میں اپنے عقیدہ میں تبدیلی کر لی تھی اور اس سے پہلے میں حضرت مسیح موعود کو مجدد مانتا تھا مگر اس کے بعد نبی ماننا شروع کر دیا تھا۔ اور آنحضرت صلعم کے آخری نبی ہونے کا قائل نہ رہا تھا۔ یہ نہایت مختصر طریق فیصلہ ہے

جس سے جماعت کی قوت ایک جگہ جمع ہو سکتی ہے۔ اور وہ اپنے اصل کام پر لگ سکتی ہے۔

میں پھر احباب قادیان کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنے کو آپ نے خود افتراء قرار دیا اور بار بار افتراء کہا۔ یہ امر کہ آپ کی تحریروں میں بعض ایسے لفظ آئے جس سے مراد دعوٰی نبوت لیا گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایسے الفاظ کی بنا پر آپ کو مدعی نبوت قرار دے کر آپ پر کفر کا فتوٰی لگایا گیا۔ جو غلطی اس وقت 1890ء میں علماء کو لگی، وہی غلطی آج جماعت قادیان کو لگ رہی ہے۔ اور جو جواب اس وقت حضرت مسیح موعود نے علماء کو دیا تھا، وہی جواب آج جماعت قادیان کا ہے۔ ہاں اس جواب کو اس وقت علماء نے نہیں مانا تو کیا آج جماعت قادیان بھی اسی طرح انکار کرتی چلی جائے گی جس طرح سیاہ دل علماء نے انکار کر دیا تھا۔ وہ جواب کیا ہے

''نبوت کا دعوٰی نہیں بلکہ محدثیت کا دعوٰی ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے''(ازالہ اوہام صفحہ 421)

''ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا دعوٰی کرتا ہے''(حمامتہ البشریٰ صفحہ 8)

''میرا نبوت کا کوئی دعوٰی نہیں یہ آپ کی غلطی ہے''(جنگ مقدس صفحہ 67)

''اور اگر یہ اعتراض ہے کہ میں نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے تو بغیر اس کے کیا کہیں لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ الْمُفْتَرِيْنَ''(انوار الاسلام صفحہ 34)

''یہ سراسر افتراء ہے کہ ہم خود دعوٰی نبوت کرتے ہیں''(انجام آتھم صفحہ 45)

افتراء کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے''

(کتاب البریہ صفحہ 181)

میرے دوستو! سوچ لو کہ مسیح موعود جن کو مفتری اور کاذب قرار دیتے ہیں آپ ان میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ اگر نہیں تو قادیان کی جماعت سے نکل کر حضرت مسیح موعود کے علوم کی وارث جماعت لاہور میں شامل ہو جائیں۔

☆

19 اکتوبر 1949ء

مکتوب امیر

کراچی میں میرا ساڑھے چار ماہ کا قیام

چھ اہم کام اور تحریکات

14 اکتوبر 1949ء کو حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ نے جو خطبہ جمعہ لاہور میں دیا وہ مدیر پیغام صلح بوجہ ناسازی طبع نوٹ نہ کر سکا۔ اسی مضمون کو حضرت ممدوح نے ذیل کی چھٹی میں لکھ کر بھیجا ہے۔ جو دلی شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

برادران مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ڈاکٹری ہدایات کے ماتحت اس دفعہ گرمیوں کے موسم میں بجائے کسی پہاڑ پر جانے کے مجھے کراچی جانا پڑا۔ آخر مئی سے لے کر شروع اکتوبر تک ساڑھے چار ماہ میں وہاں ٹھہرا۔ کراچی میں سب سے بڑی مشکل حصول مکان کی تھی۔ مگر خدا کے فضل سے فاروقی صاحب کے بنگلہ میں مجھے جگہ مل گئی۔ جہاں رہ کر نہ صرف مجھے ہر قسم کی آسائش میسر تھی بلکہ میری موجودہ حالت کے لحاظ سے مکان بھی نہایت موزوں تھا۔ اس ساڑھے چار ماہ کی رہائش میں میری صحت میں بھی خدا کے فضل سے بڑی ترقی ہوئی۔ مگر سب سے بڑھ کر جس بات سے مجھ خوشی ہے وہ یہ ہے کہ اس جگہ رہ کر مجھے وہ کام کرنے کی توفیق ملی جو کسی پہاڑ پر نہ مل سکتی تھی۔ اور کئی رنگوں میں اللہ تعالیٰ نے کام کے ایسے راستے کھول دیئے جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ اب تک گرمیوں کے ایّام میں کسی ٹھنڈے مقام پر میں جو کام کرتا رہا ہوں وہ صرف تصنیف کا کام تھا۔ مگر کراچی میں ایسے مواقع میسر آئے کہ اس کے علاوہ اسلام کی خدمت اور تبلیغ اسلام اور جماعت کی بہبودی اور ترقی کا بھی بہت سا کام ہو گیا۔ اور کئی کام ایسے ہیں جن کی بنیاد رکھ دی گئی اور جن کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے آئندہ کوشش بکار ہوگی۔

قرآن کریم کے اخراجات اور خواجہ نذیر احمد صاحب کا عطیہ: سب سے پہلا کام جس کی طرف کراچی کے قیام میں میری توجہ تھی وہ قرآن کریم کی نظر ثانی کی تکمیل کا کام تھا۔ جو خدا کے فضل سے پورا ہو گیا۔ بلکہ سارا مسودہ ٹائپ ہو کر مکمل ہو گیا۔ جب ولایت میں قرآن شریف کے طبع کے اخراجات کا اندازہ کیا گیا

تو وہ بڑی رقم معلوم ہوئی۔ جس کے لئے ہمارے پاس کافی گنجائش نہ تھی۔ اسی اثنا میں خواجہ نذیر احمد صاحب حج کے لئے جا رہے تھے۔ مجھ سے ملے تو میں نے قرآن شریف کے ولایت میں طبع کرانے کا ذکر کیا اور اس بات کا ذکر کیا کہ موجودہ مہنگائی میں از سر نو قرآن شریف کے طبع کرانے کے اخراجات اس قدر ہیں کہ انجمن کے لئے ان کا ادا کرنا مشکل ہوگا۔ البتہ لاہور میں چھپوائی نسبتاً سستی ہو سکتی ہے۔ مگر انہوں نے مشورہ دیا کہ ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے ترجمہ کی حیثیت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری یہی ہے کہ اسے انگلستان میں چھپوایا جائے۔ اس کی طباعت اعلیٰ درجہ کے پریس میں اور نہایت اچھے کاغذ پر ہو۔ اور خرچ کے لئے ایک ہزار پونڈ اپنی طرف سے پیش کئے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ ان کی اس امداد سے مجھے یہ خیال گذرا کہ خدا کے فضل سے جماعت میں اور بھی اسی قسم کے قرآن کے عاشق مخیرّ اور مالدار لوگ موجود ہیں تو کچھ بعید نہیں کہ طبع کا پورا تخمینہ آنے پر جماعت کے سامنے اس سوال کو پیش کیا جائے تو انجمن کی یہ مشکل حل ہو جائے۔ یوں ایک رنگ میں نہ صرف ترجمہ کی نظر ثانی کی تکمیل ہوگئی بلکہ اس کے طبع کے اخراجات کا بھی راستہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا۔

اسلامک ریویو کی خریداری: دوسرا کام تصنیف کے کام کے بعد اسلامک ریویو کی خریداری کا سوال تھا جس کی طرف میں نے لاہور میں بھی احباب کو توجہ دلائی تھی۔ مگر کئی قسم کے مشکلات کی وجہ سے اس کی اشاعت اب تک محدود رہی تھی بلکہ بہت سے پرانے خریدار ہندوستان کے کم ہو چکے تھے۔ اور ان اخراجات کے مدنظر جو اس کی طبع پر ہو رہے تھے اور وہ بہت بڑے اخراجات تھے۔ یعنی قریباً ہزار پونڈ۔ ماہوار بغیر خریداری کی توسیع کے اس کو جاری رکھنا بہت مشکل نظر آتا تھا۔ یہاں بھی خدا کے فضل نے ہماری قوم کی دستگیری فرمائی اور جو کچھ اس وقت اس بارہ میں ہو چکا ہے اس کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ اسلامک ریویو کی خریداری سال کے ختم ہونے سے پیشتر پانچ ہزار کے لگ بھگ یا اس سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔

اسلامک ممالک کے سفیروں پر تحریک احمدیت کی وضاحت: ان دونوں کاموں کے علاوہ ایک تیسرا کام جو کراچی کی رہائش کی بدولت میسر آیا وہ اپنی جماعت کے صحیح حالات کو اسلامی ممالک کے سفراء پر واضح کرنا تھا۔ چنانچہ تمام ممالک کے سفراء سے میری ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ وہ بھی میرے مکان پر تشریف

لاتے رہے۔ اور میں بھی اُن میں سے اکثر کی جائے رہائش جا کر ملتا رہا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ان لوگوں نے ہماری جماعت کے حالات کو نہایت فراخدلی سے سنا اور ان میں سے اکثر نے اعتراف کیا اور اس قسم کا اعتراف بعض دیگر غیر اسلامی ممالک کے سفراء نے بھی کیا کہ وہ تبلیغ اسلام کے اس کام سے جو ہماری جماعت کر رہی ہے واقف ہیں۔ اور ان کے دلوں میں جماعت کی قدر و منزلت ہے بلکہ ان میں سے بعض پر جب اس امر کو واضح کیا گیا کہ بانیٔ سلسلہ نے نہ صرف یہ کہ نبوت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ جب مخالفین نے ان پر نبوت کا الزام لگایا تو نہایت صفائی سے یہ جواب دیا کہ ان کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنا ان پر افتراء ہے۔ ان کا دعویٰ نبوت کا نہیں بلکہ محدثیت کا ہے۔ اور کہ وہ نبوت کو آنحضرت صلعم پر ختم یقین کرتے ہیں اور آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھے ہیں بلکہ صفائی کے لئے یہاں تک لکھ دیا کہ ہم بھی مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں تو ان باتوں کو سن کر کئی اصحاب نے یہ کہا کہ یہ بات ہمیں خود بھی سمجھ نہ آئی تھی کہ جو شخص اس قدر اسلام اور قرآن اور محمد رسول اللہ صلعم کی خدمت کر رہا ہو اور سوائے اسلام اور قرآن اور محمد رسول اللہ صلعم کے اور کچھ پیش نہ کرتا ہو، وہ خود دعویٰ نبوت کس طرح کر سکتا ہے! بلکہ کئی اصحاب نے یہ بھی مشورہ دیا کہ ان کے ممالک میں اس بدگمانی کو دور کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم لوگ عربی میں اپنی کتابوں کا ترجمہ کرا کر اسلامی ممالک میں ان کی اشاعت کریں۔ میں نے جو کچھ محسوس کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں پنجاب میں جو تنگ دلی مسلمانوں کے بعض طبقوں میں پائی جاتی ہے وہ دوسرے اسلامی ممالک میں نہیں پائی جاتی۔ اور ان لوگوں نے کشادہ دلی سے ان باتوں کو سنا اور ان پر شرح صدر کا اظہار کیا اور ان کی قدر کی اور یہ مشورہ دیا کہ یہ باتیں ان کے ممالک میں عام ہونی چاہئیں۔

کراچی میں تعمیر مسجد کا کام: چوتھا کام جو گو مقامی ضرورت سے تعلق رکھتا ہے مگر کراچی کی اہمیت کے لحاظ سے جماعت کی ترقی میں اس کی حیثیت بہت بڑی ہے۔ وہ کراچی میں ایک مسجد کا بنوانا تھا۔ خدا کے فضل سے کراچی کی جماعت نے ایک سال کے اندر جو ترقی کی ہے اس کی وجہ سے جو مکان پہلے نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے لیا گیا تھا وہ اب ناکافی ثابت ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنی جماعت کی ایک مسجد کراچی میں کسی موزوں مقام پر ہو۔ اور اس کے ساتھ ایک لائبریری بھی ہو۔ اس کام

کی تکمیل میں ابھی کئی مشکلات ہیں۔ کیونکہ جگہ کا ملنا آسان نہیں۔ مگر مجھے امید ہے کہ آئندہ موسم سرما کے اندر اندر یہ کام ہو جائے گا اور خدا نے چاہا تو اگلے سال مسجد اور لائبریری بن جائے گی۔

احمد یہ کالونی کی تعمیر کی تجویز: پانچواں کام جو کراچی کی اہمیت کے لحاظ سے نہایت ضروری محسوس ہوا وہ اس حصہ میں جدھر اب کراچی کی توسیع خصوصیت سے ہو رہی ہے اپنی کالونی بنوانا ہے۔ یہاں حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ نئے مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں کچھ سوسائٹیاں بن جائیں۔ اور حکومت سے زمین وغیرہ کے لینے کے معاملہ میں اور مکانات کے بنوانے میں معاملہ کریں۔ تو حکومت ان کی ہر طرح سے امداد کرے گی۔ ہمارے احباب نے پہلے سے ایک ایسی سوسائٹی بنا رکھی تھی۔ جس کا نام دارالسلام کو اپرویٹو ہاؤسنگ سوسائٹی ہے۔ اور جس کے سیکرٹری چودھری امجد خاں صاحب ہیں۔ مگر اس معاملہ میں کوئی عملی قدم نہ اُٹھا تھا۔ اب احباب کے مشورہ سے یہ قرار پا رہا تھا کہ اس کے لئے عملی قدم بہت ہی جلد اُٹھانا چاہیئے۔ ورنہ بعد میں کوئی اچھی جگہ نہ مل سکے گی۔ جو لوگ یہاں مکان بنوائیں گے ان کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ کسی سوسائٹی کے ممبر ہوں۔ اور دارالسلام ہاؤسنگ سوسائٹی نے اپنی ممبری کے لئے یہ شرائط تجویز کی ہیں کہ جو شخص دس روپے داخلہ فیس کے ساتھ کم سے کم پچاس روپے ممبر شپ فیس ممبری کی ادا کرے وہ سوسائٹی کا ممبر ہو سکتا ہے۔ مکانات مختلف سائزوں کے ہوں گے۔ چھوٹے سے چھوٹے مکان کے لئے تین سو گز جگہ بکار ہو گی کیونکہ قوائد آبادی کے ماتحت اس کا کافی حصہ کھلا چھوڑنا پڑے گا۔ اسی قدر جگہ میں صرف فلیٹس کے رنگ میں مکان بن سکیں گے۔ جو غربا اور متوسط طبقہ کے لوگ بنوا سکیں۔ اس سے زیادہ جو شخص چاہے اس سے دو چند یا سہ چند یا چار گنی یا اس سے بھی زیادہ زمین حاصل کر سکتا ہے۔ مگر تین سو گز کو بطور ایک یونٹ قرار دیا جائے گا۔ اس سے کم زمین نہیں ملے گی۔ جو شخص دو یونٹ حاصل کرنا چاہے وہ چھ سو گز جو تین یونٹ حاصل کرنا چاہے وہ نو سو گز زمین حاصل کر سکتا ہے۔ نو سو گز میں ایک معمولی دو منزلہ بنگلہ بن سکتا ہے۔ اور اس سے زیادہ چاہے تو زیادہ بھی لے سکتا ہے۔ مگر سوسائٹی کی طرف سے یہ شرط ضروری قرار دی گئی ہے کہ جو شخص دو یونٹ کہ حاصل کرے تو وہ چندہ ممبری بھی دو چند یعنی سو روپے ادا کرے گا۔ اور جو تین یونٹ حاصل کرنا چاہے تو تین گنا یا ڈیڑھ سو روپیہ ادا کرنا ہو گا۔ اس کے علاوہ جو زمین کی قیمت گورنمنٹ کو ادا کرنی ہو گی وہ ایک روپیہ فی گز کے حساب سے ہو گی۔ یعنی ایک

یونٹ کے حاصل کرنے والے کو تین سو روپے اور دو یونٹ حاصل کرنے والے کو چھ سو روپے اور تین یونٹ حاصل کرنے والے کو نو سو روپیہ پیشگی ادا کرنا ہوگا۔ اس کے بعد اس زمین کی منصوبہ بندی پر جو خرچ ہوگا۔ وہ گورنمنٹ کی معرفت ہوگا یعنی اس میں سڑکوں کا بنوانا، پانی اور بجلی کا انتظام کرنا اور سطح زمین کے نیچے فلش کے لئے نلکوں کا بچھانا۔ اس کا خرچ گورنمٹ کے اندازہ میں پانچ چھ روپے فی گز ہوگا۔ مگر یہ کچھ دیر بعد وصول ہوگا اور باقساط ہوگا۔ اس طرح زمین کی قیمت بالآخر چھ یا سات روپے فی گز تک پہنچ جائے گی۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو زمین اس طرح لی جائے گی تو اس کی قیمت بعد میں پچیس تیس روپے تک پہنچ جائے گی۔ جس طرح اب بھی کراچی میں یہ زمینوں کی معمولی قیمت ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اس بارے میں جو دوست حصہ لینا چاہیں وہ اکتوبر سے پہلے پہلے فیصلہ کر کے سیکرٹری سوسائٹی کو اطلاع دیں۔ اور اپنی ممبری کا اور پیشگی ایک روپیہ فی گز کے حساب سے بھجوا دیں۔ ورنہ بقیہ حصہ جو اپنے احباب نہ لیں گے وہ دوسرے اصحاب کو دے دیا جائے گا۔ کیونکہ جس قدر زمین سوسائٹی لے گی۔ اس کی قیمت جلد ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اور اس کے بغیر زمین کی الاٹمنٹ قائم نہیں رہے گی میں نے اس کا مفصل ذکر اس لئے کر دیا ہے کہ بعد میں احباب کو شکایت نہ ہو کہ اطلاع نہیں ملی۔ کراچی نہ صرف پاکستان کا دارالخلافہ ہونے کے لحاظ سے اس کا اہم ترین شہر ہے بلکہ ساری دنیا میں اسے ایک خاص اہمیت ایک بڑا ہوا ہوائی اڈہ ہونے کی وجہ سے بھی حاصل ہے۔ جو احباب بعد میں اپنا مکان نہ بنا سکیں وہ سوسائٹی کی اجازت سے زمین یا زمین کے حقوق کو فروخت کرنے کے مجاز ہوں گے۔

اسلامی لٹریچر دنیا میں پہنچانے کی تجویز: چھٹا کام جو ان ایام میں مجھے میسر آیا اور جس کے لئے خدا کے فضل سے مجھے راستہ کھلتا ہوا نظر آتا ہے اور جس کی کچھ تکمیل کے لئے میں عنقریب 6 نومبر کے اجلاس جنرل کونسل کے بعد دوبارہ کراچی جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، وہ وہ کام ہے جو ہمارے سلسلہ کی اصل غرض و غائیت ہے۔ اور جس کی طرف حضرت مسیح موعود نے دعوے کے ساتھ بھی 1981ء میں توجہ فرمائی۔ یعنی انگریزی میں قرآن شریف کا ترجمہ اور اسلامی لٹریچر تیار کر کے دنیا میں پہنچانا۔ یہ خدا کا احسان ہے کہ اس وقت ہماری انجمن نے قرآن کریم کے ترجمہ سے لے کر اسلامی تعلیم کے ہر پہلو پر ایک جامع لٹریچر انگریزی زبان میں تیار کر لیا ہے۔ جس کے ترجمے آہستہ آہستہ دوسری زبانوں میں بھی ہو رہے ہیں۔

لیکن جو بات ہم سب کے لئے غم کا موجب ہونی چاہئے اور میرے لئے تو ضرور ہے وہ یہ ہے کہ ابھی تک ہم اس لٹریچر کو کافی طور پر دنیا میں پہنچا نہیں سکے۔ ایّام قیام کراچی میں مجھے اکثر خیال آتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا راستہ کھول دے کہ ہم اس لٹریچر کو دنیا میں پہنچا بھی سکیں۔ بالآخر میں نے یہ تجویز بعض احباب کے سامنے، جو اس کام میں دلچسپی لیتے ہیں، رکھی کہ ہم سات بلکہ آٹھ کتابوں کا ایک سیٹ دنیا کی پانچ ہزار لائبریریوں میں مفت پہنچانے کا انتظام کریں۔ جن میں بڑے بڑے اخبارات کی لائبریریاں، بڑے بڑے کالجوں کی لائبریریاں، یونیورسٹیوں کی لائبریریاں، مسافروں کو لے جانے والے جہازوں کی لائبریریاں شامل ہوں تو اس طرح پر ہم ایسے حالات پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ یہ لٹریچر پچاس ہزار آدمیوں کی نظروں سے روزانہ گذرتا رہے۔ اور اس طرح خدا چاہے تو پانچ سال کے عرصہ میں کروڑوں انسانوں تک پہنچ کران کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر آ جائے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ اگر ایسے مواقع ہم لوگوں کو بہم پہنچا دیں تو دنیا کے مذہبی نقطہ نگاہ میں ایک انقلاب پیدا ہو جائے۔

یہ آٹھ کتابوں کا سیٹ جو نے تجویز کیا حسب ذیل کتابوں پر مشتمل ہے:

1-انگریزی ترجمہ قرآن کریم

2- محمدؐ دی پرافٹ۔ یعنی سیرت خیر البشرؐ کا انگریزی ترجمہ۔

3-ارلی کیلیفیٹ یا تاریخ خلافت راشدہؓ کا انگریزی ترجمہ۔

4-ریلجن آف اسلام۔ جس میں تمام عقائد اور اعمال اسلامی پر ہر پہلے سے کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔

5- مینوال آف حدیث۔ جو احادیث کا، جو انسان کی عملی زندگی سے تعلق رکھی ہیں، کا مجموعہ ہے۔

6- لونگ تھاٹس ان پرافٹ محمدؐ جس میں نبی کریم صلعم کی مختصر اور مستند سوانح کے ساتھ قرآن کریم کی تعلیم کا نچوڑ انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق جمع کر دیا گیا ہے۔

7- نیو ورلڈ آرڈر۔ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ دنیا کے لئے وہی نیا نظام زندگی کا قابل قبول ہوسکتا ہے جس کی بنیاد اصول اسلامی پر ہو۔

8- ٹیچنگز آف اسلام۔ جو حضرت مسیح موعود کے جلسہ مہوتسو کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اور جس میں اسلام کی اخلاقی اور روحانی تعلیم کا نچوڑ آ گیا ہے۔

کتابوں کے اس سیٹ کی قیمت ساٹھ روپے ہوگی۔ اور دس روپے پیکنگ اور محصول کا خرچ ہوگا۔ جب میں نے اس تجویز کو بعض مقتدر اصحاب سے ذکر کیا تو اکثر اصحاب نے اس بارے میں میری حوصلہ افزائی کی۔ اور اڑھائی سو کے قریب سیٹ کے لئے یا چندے آ چکے ہیں یا پختہ وعدے کئے گئے ہیں میں جانتا ہوں کہ اس تعداد کو پانچ ہزار تک پہنچانے کے لئے بڑی سخت جدوجہد بکار ہے۔ اور شاید ایک سال اس کو عملی جامہ پہناتے ہوئے لگ جائے۔ یا اس سے بھی زیادہ۔ مگر مجھے یہ یقین ہے کہ وہ وقت آ چکا ہے کہ اسلام اور قرآن کا نور دنیا میں پھیل جائے اور رسول خدا کے سامنے دنیا کی گردنیں جھک جائیں۔ اس لئے میں نے بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىہَا وَ مُرۡسٰىہَا (41:11) کہتے ہوئے اس کام کو شروع کردیا ہے۔ اور اسی غرض کے لئے میں کراچی دوبارہ جارہا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کے افضال کے دروازے کہاں کھلیں گے۔ مگر امید رکھتا ہوں کہ وہ ضرور کھلیں گے۔ اپنے احباب سے میں اس وقت صرف دعا کی امداد کا طالب ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مشکلات کو آسان کردے۔ اور ہمارے لئے وہ راستے کھول دے کہ ہم قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دنیا میں روشن کردیں۔ اور خدا کے نام کو دنیا میں بلند کردیں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ لاہور

☆

16 نومبر 1949ء

حضرت امیر کے قلم سے

انگریزی ترجمہ قرآن کریم کا نیا ایڈیشن

آسودہ حال احباب سے ایک خاص اپیل

انگریزی ترجمہ قرآن کا نیا ایڈیشن عنقریب پریس میں جا رہا ہے۔ اس کی طبع کے خرچ کا جو اندازہ منگوایا گیا ہے وہ قریب قریب بارہ ہزار پونڈ ہے۔ یہ صرف پندرہ سو صفحات کے اندازہ سے ہے۔ مگر اب ٹائپ ہونے پر میرا یہ خیال ہے کہ شاید سولہ سو صفحات یا اس سے بھی کچھ زیادہ صفحات ہو جائیں۔ اس وجہ سے کاغذ لازماً زیادہ قیمتی لگانا پڑے گا۔ جس سے ضخامت زیادہ نہ ہو۔ اور ممکن ہے کہ خرچ بارہ ہزار پونڈ سے بھی زیادہ ہو جائے۔ لیکن میں بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ کوئی ایسی تجویز ہو کہ عام شائقین کے لئے اس کا ہدیہ بہت کم رکھ سکیں۔ خواجہ نذیر احمد صاحب نے جب ایک ہزار پونڈ اخراجات کے لئے طبع میں دینے کا وعدہ کیا تو ان کی بھی یہی خواہش تھی اور میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ اس رقم کو ہم ہدیہ قرآن کو کم کرنے کا ذریعہ بنائیں گے۔ اور اس کو اور دوسری ایسی رقوم کو جو آسودہ حال احباب دے سکیں اخراجات طبع میں سے کم کر دیں گے۔ مثلاً اگر چار ہزار پونڈ ہمیں بطور چندہ مل جائے تو ہم انجمن کا صرف آٹھ ہزار پونڈ سمجھ کر ہدیہ مقرر کر دیں گے۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر یہ صورت پیدا ہو جائے تو نئے ایڈیشن کا ہدیہ ہم یہاں پندرہ روپے تک لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ موجودہ ہدیہ پچیس روپے ہے۔ کل ہی خان غلام ربانی خاں صاحب کا خط مجھے ملا ہے۔ جس کا ایک حصہ میں یہاں بھی نقل کرتا ہوں۔ کیونکہ انہوں نے بھی ایسی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

> ''ووکنگ دنیائے اسلام کا مرکز بنا ہوا ہے............ چند ایک عیسائی نوجوانوں کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی اطلاعات افریقہ سے آئی ہیں۔ اور وہ آپ کا قرآن مجید طلب فرماتے ہیں۔ اور بعض ان میں طلباء ہیں اور بعض ایسے عاشق قرآن ہیں کہ ہمارے پاس پانچ پانچ دس دس شلنگ ماہوار جمع کر کے خریدنا چاہتے ہیں۔ کاش کہ بعض صاحب استطاعت اصحاب اس کار خیر کے

لئے کچھ رقوم عطا کریں۔ تا کہ بعض مستحقین کو قرآن کی اس نعمت سے سرفراز کیا جائے .... میں چاہتا ہوں کہ آئندہ اگر اشاعت جدید ترجمہ قرآن ہو تو اس کے لئے ایک رقم جمع ہو کر اس کی قیمت ایسی مناسب ہو جائے کہ ہر قسم کے لوگ خرید سکیں''۔

ان کو تو میں نے لکھ دیا ہے کہ اس وقت بھی جو لوگ پورا ہدیہ نہیں دے سکتے انہیں وہ کم ہدیہ پر قرآن کریم دے دیا کریں۔ مگر چونکہ ترجمہ قرآن کے اخراجات کے لئے فوراً روپیہ ارسال کرنا ضروری ہے اس لئے میں یہ اپیل اب اپنے احباب کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ جن اصحاب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مال دنیا سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے وہ اس تحریک میں حصہ لے کر غرباء کے لئے ترجمہ قرآن کا حصول سہل کر دیں۔ کیونکہ حق اور صداقت سے فائدہ اُٹھانے والا زیادہ تر غرباء کا طبقہ ہی ہوتا ہے۔ میری خواہش تو یہ ہے کہ پانچ اور اصحاب ایک ایک ہزار پونڈ کی رقم اس غرض کے لئے دے دیں تو شاید ہدیہ بارہ روپے تک بھی آ جائے۔ یہ ایک ایسا دروازہ کھل جائے گا کہ جس کو ذرا بھی شوق ہو اس کے لئے قرآن کے اس ترجمہ کا حاصل کرنا ایک نہایت ہی سہل امر ہو جائے گا۔ اور یہ ان کا کام ایک ایسا صدقہ جاریہ کا کام ہوگا جس سے ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ فائدہ اُٹھائیں گے علاوہ ازیں نئی ایڈیشن طبع کرنے کے لئے انجمن کے پاس کافی روپیہ نہیں ہے۔ اس لئے اسودہ حال احباب فوری توجہ فرمائیں اور اس دائمی ثواب کے کام میں شریک ہو کر اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم حاصل کریں۔

خاکسار محمد علی

4 نومبر 1949ء

☆

16 نومبر 1949ء

مکتوب حضرت امیر

دُعا، دُعا اور دُعا

برادران محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گذشتہ خطبوں میں میں اپنی جماعت کو دعا کی طرف توجہ دلا رہا ہوں۔ اور 4 نومبر کے خطبہ جمعہ میں میں نے دو باتوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی تھی۔ جنہیں میں جلد سے جلد سب احباب تک اس خط کے ذریعہ سے پہنچانا چاہتا ہوں۔ تا کہ ساری جماعت کا قدم یکساں اُٹھے اور شاید ایک جماعت کی گریہ وزاری پر اگر اللہ تعالیٰ اس کی توفیق ہمیں دے دے تو اس کی رحمت کا دریا جوش میں آ جائے اور یہی ہماری سب مصائب کا علاج ہے۔ اس لئے ہم سب مل کر دعا میں لگیں اور اگر ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے تو ایک حالت پر اکٹھے ہو جائیں۔

ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم اپنی نمازوں کو درست کر لیں۔ یہی ایک جماعت کی نمازیں تھیں۔ خدا کے حضور عاجزی سے گرنا تھا۔ جس نے پہلے دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ جو جسمانی اور روحانی حالتوں پر یکساں حاوی تھا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ آج سے لے کر، اس وقت سے لے کر جب یہ سطور آپ کی نظر سے گذریں، کم سے کم جلسہ سالانہ تک جو چالیس یا پچاس دن ہیں ان میں پچھلے حصہ رات میں اُٹھنے کو اپنے اوپر لازم کر لیں۔ اس لئے کہ ایک صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی زبان اور دل دونوں جھوٹ سے کبھی آشنا نہیں ہوئے۔ ہمیں یہ بتایا ہے کہ رات کی پچھلی تہائی میں اللہ تعالیٰ قریب کے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ اور یوں فرماتا ہے:

☆ مَنْ یَّدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِیْبُ لَهٗ کون مجھے پکارتا ہے تو میں اسے قبول کروں۔

☆ مَنْ یَّسْئَلُنِیْ فَاُعْطِیَهٗ کون مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دوں۔

☆ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُلَهٗ۔ کون میرے مغفرت چاہتا ہے تو میں اس کی مغفرت کروں۔

اور تیسری بات میں اب بڑھاتا ہوں کہ ان ایام میں ہماری وہ حالت ہو کہ نہ صرف ہم اپنی نماز کو دعا کر رنگ دے دیں۔ نہ صرف نیند کو ایک حصہ رات میں اپنے اوپر حرام کر کے اس دعا میں لگ

جائیں جس کی قبولیت کا وعدہ ہے بلکہ اس مجاہدہ میں ہماری یہ حالت ہو جائے کہ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے کام کرتے یا فارغ اوقات میں بلکہ سوتے اور جاگتے ہم اس دعا میں مصروف ہوں۔ گویا ہر وقت خدا کے حضور زندگی بسر کر رہے ہوں۔ اس حالت کو پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ انسان کام کاج چھوڑ دے، محنت کرے، مزدوری کرے تجارت کرے، دست درکار و دل بایار ہو، سوتے وقت خدا کو یاد کر کے سوئے بلکہ خدا کو یاد کرتا کرتا سو جائے یہ دعا پڑھتا ہوا۔

”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَوَجَّھْتُ وَجْھِیَ اِلَیْکَ وَاَلْجأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ رَغْبَةً وَّرَھْبَةً مِنْکَ اَللّٰھُمَّ لَامَلْجَاءَ وَلَامَنْجَأَمِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْٓ اَنْزَلْتَ وَ نَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ“

اے اللہ میں اپنی جان کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ تو چاہے تو مجھے یہ واپس کر دے۔ اور اپنے معاملات کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ کیونکہ میری کوشش میرے معاملات کو سدھار نہیں سکتی۔ وہ تیرے فضل سے سدھرتے ہیں۔ اور میں اپنے منہ کو اپنی توجہ کو تیری طرف پھیرتا ہوں۔ میرا رخ تیری طرف ہی ہے۔ اور اپنی پیٹھ کا سہارا اپنا یار و مددگار بھی تجھے ہی بناتا ہوں۔ میرا اشتیاق بھی تیری طرف ہے اور تجھ سے محبت رکھتا ہوں اور تیری نافرمانی سے بھی ڈرتا ہوں۔ اے اللہ کوئی پناہ کی جگہ، کوئی چھٹکارے کا ذریعہ تیرے سوا نہیں۔ میں تیری کتاب پر جو تو نے اتاری اور تیرے نبیؐ پر جسے تو نے بھیجا ایمان لاتا ہوں۔

ان لفظوں کو دل سے دوہراتے جایئے یہاں تک کہ آپ سو جائیں۔ تو یقیناً سوتے ہوئے بھی آپ ذکر خدا میں لگے ہوئے ہوں گے۔ اور اگر عربی الفاظ یاد نہ ہوں تو اُردو میں ان کا مفہوم ادا کریں۔ یہاں تک کہ دل کے اندر یہ باتیں رچ جائیں اور کبھی درمیان میں آنکھ کھل جائے تو پھر بھی خدا کو ہی یاد کریں۔

تو یہ ایک چالیس یا پچاس دن کا مجاہدہ ہے۔ اس کام کی عظمت کو مدنظر رکھتے ہوئے، جسے ہم کر رہے ہیں، آپ اسے اختیار کریں۔ اس چھوٹی سی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے ایک کام کے لئے چن لیا ہے اور اس کے کاموں میں وہ برکت دی ہے جس سے اس کی قبولیت کے آثار نظر آتے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر اس ساری جماعت، مرد اور عورتیں، جنہیں خدا توفیق دے، بوڑھے اور جوان، جنہیں خدا

توفیق دے، اس مرحلہ پر ایک تبدیلی اپنے اندر پیدا کرلیں۔ اور اپنی حالت کو اس معیار پر لانے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بہت سے دروازے ہم پر کھل جائیں گے۔ فرض کیجئے آپ کے دل میں میرے متعلق بعض اعتراض ہیں۔ بہت دلوں میں یہ بھی اعتراض ہے کہ میں چندے مانگتا ہوں یا مجھ میں بعض کمزوریاں ہیں۔ مگر کمزوریوں سے خالی کون انسان ہوگا۔ جس کی بات پر آپ کان دھریں گے۔ اور بہر حال بات جو میں اس وقت چاہتا ہوں اس میں تو سراسر آپ کی اپنی ہی بہتری ہے۔ فرض کیجئے یہ دعائیں اللہ تعالیٰ ہماری بعض کمزوریوں کی وجہ سے قبول نہ فرمائے تو مانگنے سے آپ کا تو کچھ نہیں بگڑا۔ بلکہ آپ کے دل میں تو بعض بلند آرزوئیں ہی پیدا ہوئی ہیں۔ آپ کا تو خدا سے تعلق کچھ بڑھ ہی جائے گا۔ اور آپ خدا سے قریب تر ہو جائیں گے۔ یہ بجائے خود بڑی بھاری کامیابی ہے تو تھوڑی سی آپ کے مشقت اُٹھا لینے سے آپ پستی سے نکل کر بلندی پر پہنچ جائیں اور مزید برآں یہ کہ خدا کی نصرت کے کچھ دروازے کھل کر ہم خدا کے نام کو دنیا میں بلند کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ کچھ اسلام کے مصائب کم ہو جائیں۔ کچھ لوگوں کے دل خدا کی طرف پھر جائیں۔ تو یہ تو بہت بڑی چیز ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ ملے تو کیا اس دعا سے یہ سبق نہ سیکھ لیں گے کہ ہمارے مجاہدہ میں کچھ کمی ہے۔ اس سے بڑھ کر مجاہد کی ضرورت ہے۔ ہماری مانگ میں قوت نہیں۔ اس سے زیادہ مانگنے کی ضرورت ہے۔ یہ بجائے خود زندگی کا سب سے قیمتی سبق ہے۔ دعا ایک آزمودہ ہتھیار ہے۔ اس نے بڑی بڑی مشکلات کو حل کر دیا ہے۔ بڑے بڑے انقلاب دنیا میں پیدا کر دیئے۔ انہونی باتوں کو ممکن کر دیا۔ خدا آج بھی وہی ہے۔ اگر ویسے ہی مانگنے والے بھی ہوں تو وہی افضال الٰہی اور وہی برکات آج بھی نازل ہو سکتی ہیں۔ اگر آپ لوگ ذرا سی ہمت کرلیں تو آپ قصوں اور کہانیوں کو حقائق میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔ اے خدا! تو اس جماعت کے دلوں کے اندر یہ قوت پیدا کر دے کہ وہ اس مجاہدہ میں پورے اتریں۔

اب میں آپ کو اس بات کی طرف کچھ توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہم اپنی نمازوں کو کس طرح درست کر سکتے ہیں۔ کس طرح ان میں وہ کیفیت پیدا کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے نماز کو مومن کا معراج کہا گیا ہے یعنی یہ نماز ہر شخص کو بلند ترین روحانی مقام پر پہنچا سکتی ہے۔ غور فرمایئے کہ ایک طرف نماز کو معراج کہا گیا ہے تو دوسری طرف فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ (4:107) بھی کہا گیا ہے۔ کچھ نماز پڑھنے والوں

پر افسوس کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔ ہم کس گروہ میں سے بننا چاہتے ہیں۔ ان میں جن کی نماز ان کے لئے معراج بن گئی یا ان میں سے جن کی نماز ان کے لئے ویل کا موجب بن گئی۔ وقت تو دونوں کا نماز پر لگ گیا۔ تھوڑا لگا یا بہت یہ الگ سوال ہے۔ فرق دونوں میں کیا ہے۔ جتنا چاہیں سوچ لیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ایک کی نماز ایک کا ذکر الٰہی اس کے قلب پر گہرا نقش چھوڑ گیا۔ دوسرے کی نماز زبان سے آگے نہیں نکلی۔ اس کے دل پر اس نے کوئی اثر نہیں کیا۔ ایک کے دل میں خدا کا تخت بچھ گیا۔ دوسرے کے دل میں اپنی ہوا و ہوس کا تخت بچھا رہا۔ یہ اثر اگر نماز پڑھتے وقت ہم اپنے قلب پر پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے تو نماز کا پڑھنا نہ پڑھنا ہمارے لئے برابر ہو گیا۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ ان کے لئے لگا تار اور سخت جدوجہد بکار ہے۔

نماز میں ہم خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ اس کی حمد کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں اے خدا تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ اور ہر خوبی کی جامع ہے۔ تو ہمارے دل پر ان الفاظ کا اگر کوئی نقش ہو سکتا ہے تو وہ یہی کہ ہم بھی اپنے آپ کو عیوب سے پاک کریں۔ ہمارا سارا وقت بھی کسی اچھے کاموں میں گذرے اور اگر یہ جذبہ ہمارے اندر پیدا نہیں ہوا تو ہماری تسبیح اور حمد رائیگاں گئی۔ خدا تو ہمارے کہنے کی وجہ سے عیوب سے پاک نہیں ساری دنیا میں سے ایک بھی نہ کہے تو بھی وہ عیوب سے پاک ہے۔ اور خوبیوں کا جامع ہے۔ ہمارے اس اقرار کا اثر تو خود ہمارے دل پر ہونا چاہئے کہ ہم بھی اپنے آپ کو عیوب سے پاک کریں۔ تا کہ ہم اس کے دربار میں حاضر ہونے کے اہل ہوں۔ جس کے دل میں اپنے آپ کو پاک کرنے کی تڑپ پیدا نہیں ہوئی اس نے خدا کی تسبیح نہیں کی۔

پھر نماز میں ہم یہ اقرار کرتے ہیں اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُکَ تو ہمارے دل میں ان الفاظ کا اگر کوئی اثر ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ ہم نے غلامی کا حق کہاں تک ادا کیا۔ خدا نے ہم کو دنیا میں کیا کیا نعمتیں دیں۔ اور ہمیں ایک ناچیز کیڑے سے ترقی دے کر کس بلند مقام تک پہنچایا۔ کیا ہم نے بھی خدا کے نام کو دنیا میں بلند کیا۔ اگر خدا کے نام کو بلند کرنے کا جذبہ ہمارے اندر پیدا نہیں ہوا تو ہم نے اس کی غلامی کا حق ادا نہیں کیا۔

پھر ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اور شاید بسا اوقات سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے کوئی چوری

نہیں کی۔ زنا نہیں کیا۔ شراب نہیں پی، کسی کا مال ناحق نہیں لیا تو ہم کس بات کی معافی مانگیں۔ مگر ہمارے ذنوب صرف اس کی نافرمانیاں ہی تو نہیں۔ اس کے نام کو دنیا میں بلند کرنے میں جس قدر ہماری کوتاہی ہے، وہ سب ہمارے ذنوب ہیں۔ خدا سے ان کی مغفرت اگر آپ واقعی دل سے چاہتے ہیں تو ان تمام ذلیل اور پست خیالات کو ترک کرنا چاہیئے جن کی وجہ سے ہماری عمریں برباد ہو رہی ہیں۔ خدا کے نام کو بلند کرنے کے لئے مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم اس کے لئے مال نہیں دیتے۔ وقت کی ضرورت ہوتی ہے ہم وہ وقت نہیں دیتے اور اس کی بجائے اپنے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں لگے رہتے ہیں۔ پست کاموں میں اُلجھ کر ہم بلند کاموں سے رہ گئے ہیں۔ ہر شخص اپنی زندگی کے اس پہلو پر غور کرے کہ اس کا کتنا مال اور اس کا کتنا وقت اور اس کی زندگی کا کتنواں حصہ اس امر پر خرچ ہوتا ہے کہ کسی ذریعہ سے قرآن اور اسلام کو دنیا میں پہنچایا جائے۔ خوب یاد رکھئے۔ عنداللہ یہ سب ہمارے ذنوب ہیں۔ ان کو ترک کر کے جب تک آپ اپنا زور اس بات پر نہیں لگا دیتے کہ خدا کے کلام اور اسلام کی صحیح تصویر کو دنیا میں کس طرح پہنچایا جائے آپ ایک تبلیغی جماعت کا ممبر ہونے کی حیثیت سے الفاظ سے ہنسی کر رہے ہیں۔ ان ذنوب کی معافی آج بھی طلب کرو۔ مگر اپنے طریق عمل کو تبدیل کرنے سے۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ واقعی آپ خدا کے سانے جو کچھ کہتے ہیں وہ سچے دل سے کہتے ہیں اور آپ کے دل پر ان الفاظ کا اثر ہوتا ہے۔

پھر آپ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1:1) جب کہتے ہیں تو کیا آپ کے دل سے کبھی یہ آرزو اُٹھتی ہے کہ اے خدا تو اپنی مخلوق کی روحانی ربوبیت بھی اسی طرح فرما جس طرح تو نے ان کی جسمانی ربوبیت فرمائی ہے۔ اے خدا مجھے بھی وہ سامان عطا فرما۔ ہماری جماعت کو وہ سامان عطا فرما کہ ہم تیرے قرآن کو دنیا میں پہنچانے میں اور تیرے دین کو دنیا میں پھیلانے میں کامیاب ہو جائیں۔ کیا آپ کے سامنے دنیا کے وہ تاریک مقامات کبھی آتے ہیں جہاں اسلام کی روشنی پہنچانے کی ضرورت ہے۔ اور کیا کبھی آپ کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ میں اپنے مالک کی اس صفت رب العالمین کا مظہر کس طرح بن سکتا ہوں۔

پھر آپ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (3:1) پڑھتے ہیں تو کیا آپ کے دل میں کبھی یہ

خیال آتا ہے کہ ہم نے خدا کی عبودیت کا حق کہاں تک ادا کیا اور خدا کے نام کو دنیا میں پہنچانے کی کیا کوشش کی۔ مدد آپ کیا مانگیں گے جب تک آپ نے کوشش ہی نہیں کی۔ خوب یاد رکھئے کہ خدا کی عبادت کا حق آپ دو سجدوں سے ادا نہیں کر سکتے۔ یہ حق آپ کے عمل سے ادا ہو سکتا ہے۔ کیا آپ نے خدا کی غلامی کا حق واقعی ادا کیا ہے۔ کیا کیا کوششیں خدا کے نام کو دنیا میں پہنچانے کی کیں۔ اور ان کوششوں کو بے اثر دیکھ کر کیا آپ واقعی عاجزی سے خدا کے دروازے پر گرتے ہیں کہ اے خدا تو ہمارے اندر اپنی قوت بھر دے اور تو ہمارے لئے وہ راستے کھول دے کہ ہم تیرے نام کو دنیا میں بلند کر دیں اور تیرے نام کو دنیا میں پہنچا دیں۔ اور تیرے دین کو دنیا میں پھیلا دیں۔

پھر آپ کہتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (1:5-6) تو منہ سے تو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ جس طرح اس منعم علیہ گروہ نے تیرے نام کو دنیا میں پہنچانے کے اور تیری مخلوق کو تیرے در پر جھکانے کے دن رات ایک کر دیا اپنا مال اور اپنی جانیں اس کام کے لئے وقف کر دیں۔ ہمیں بھی یہی راستہ دکھا۔ مگر کیا فی الواقع اس راستے پر چلنے کی تڑپ بھی آپ کے دل میں پیدا ہوئی اور آپ جو کچھ اس کام کو کر رہے ہیں کیا اس میں ایک دنیا کا رنگ تو نہیں آ گیا کہ اسے ایک معمولی کام سمجھ کر کر رہے ہیں کبھی دل چاہا تو ہاتھ ہلا دیا اور نہ چاہا تو نہ ہلایا۔ اگر دل کے اندر یہ تڑپ پیدا نہیں ہوئی تو آپ کے منہ کے الفاظ سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس راستے پر چلنے کی تڑپ اپنے دلوں کے اندر پیدا کرو۔ اور دیوانوں کی طرح سب باتوں کو بھول کر اس کام میں لگ جاؤ۔ تو دیکھو کہ خدا کس طرح اپنے انعامات کی بارش برساتا ہے۔ اس کے خزانے لا انتہاء ہیں۔ وہ کبھی ختم نہیں ہوتے۔ اس کے انعامات لا محدود ہیں۔ ہاں درد دل سے مانگنے والے آج بھی ہوں تو آج بھی اس کے خزانوں کے دروازے کھل جائیں۔

پھر دو مقام اور نماز میں آتے ہیں۔ جن کو شاید ہم معمولی سمجھ کر الفاظ دوہرا کر گذر جاتے ہیں۔ یہ رکوع اور سجدہ کے مقام ہیں۔ ایک میں ہم سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کا ورد کرتے ہیں۔ ایک میں سبحان ربی الاعلیٰ کا۔ کیا اس حالت کو پہنچ کر واقعی ہمارے دل خدا کی عظمت کے سامنے گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیا واقعی اس کے علو کے سامنے ہمارے دل پست ہو جاتے ہیں۔ کیا کبھی اس حالت میں

ہمارے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ وہ تو عظیم ہے مگر ہم نے اس کی عظمت کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے کیا کیا ہے؟ واقعی وہ تو بہت بلند ہے مگر ہم نے اس کے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لئے کیا کیا ہے؟ کیا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہتے وقت ہمارے دل میں یہ تڑپ اُٹھتی ہے کہ اے میرے رب عظیم تو میری بھی وہ ربوبیت فرما کہ میں تیری عظمت کو دنیا میں قائم کردوں۔ اے میرے رب اعلیٰ تو میری وہ ربوبیت فرما کہ میں تیرے نام کو دنیا میں بلند کردوں اور تیری مخلوق کو تیرے در پر جھکا دوں۔ اگر یہ تڑپ پیدا ہوئی ہے تو نماز اپنا اثر آپ کے قلب پر ضرور چھوڑ گئی۔ سو اس تڑپ کو دل میں لے کر ان الفاظ کو دوہراؤ اور یہاں تک دوہراؤ کہ کبھی کبھی تنہائی کے وقت دس پندرہ بیس منٹ گھنٹہ بھی گذر جائے تو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتے ہوئے تم تھکو نہیں۔ ہاں قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَسَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا (26:76) بڑی لمبی رات اس کی تسبیح میں گذار دو۔ سو اس کی عظمت اور اس کے علو کے ساتھ اس کی تسبیح رات بھر بھی کرتے رہو تو تھوڑا ہے۔ مگر صرف اس حالت میں کہ اس کے ساتھ تمہارے دل بھی پانی کی طرح بہہ رہے ہوں۔

التحیات میں میں صرف دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ التحیات کی دعائیں فی الحقیقت اسلام کی حفاظت اور ترقی کی دعائیں ہیں۔ سو جب اس مقام پر آپ پہنچیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ تو اگر تنہائی ہے تو ان الفاظ کو بار بار دوہرایئے۔ اے نبیؐ تجھ پر سلامتی ہو۔ کیونکہ نبیؐ کی سلامتی سے ہی اس دنیا میں سلامتی رہ سکتی ہے۔ یاد رکھئے کہ دنیا ہلاکت کے گڑھے کے کنارے کھڑی ہے۔ اگر کوئی اسے اس وقت بچا سکتا ہے تو وہ صرف صلح اور امن کے نبی محمد رسول اللہ صلعم کا پیغام ہے۔ اور اس پر سلام کو بار بار دوہراؤ۔ اور اس کے لئے خدا کی رحمت مانگو اور برکتیں مانگو کہ یہ پیغام دنیا میں ترقی کرے۔ دوسری بات درود شریف ہے۔ اس پر بہت زور دینا چاہئے۔ درود شریف کے دو حصے ہیں۔ ایک میں نبی صلعم کے لئے صلوٰۃ مانگی جاتی ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ خدا کی حفاظت مانگی جاتی ہے۔ اس میں امت کو بھی شامل کیا ہے وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ساری امت محمدیہ کے دلوں میں یہ تڑپ اُٹھے کہ اے خدا اس وقت تیرے رسولؐ کی امت طرح طرح کے دکھوں میں مبتلا ہے۔ اور تیری نافرمانیاں بھی اس سے سرزد ہوتی ہیں۔ تو اس پر رحم فرما اور اس کی حفاظت فرما۔ دوسری دعا

آنحضرت صلعم اور آپ کی امت کے لئے برکت کی دعا ہے **اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ** یعنی یہ دعا کہ خدا محمد صلعم کے نام کو دنیا میں روشن سے روشن تر کرتا چلا جائے۔ آپ کی قبولیت کو بڑھاتا چلا جائے اور آپ کی امت کو بڑھاتا چلا جائے۔ یہاں تک کہ امت ساری امتوں پر غالب آجائے۔ یہ صلوٰۃ اور برکت کی دعائیں کرو مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فکر کرو۔ کہ کہیں ہم جھوٹی زبان سے تو یہ نہیں کہہ رہے۔ کیا ہمارے دل میں بھی یہ تڑپ ہے کہ امت محمدیہ کی حفاظت ہو۔ اس کے دکھ کم ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا میں روشن ہو۔ آپ کے نور سے لوگوں کے سینے روشن ہوں۔ آپ کی قبولیت پھیلے اور اگر دل میں یہ تڑپ ہے تو ہم اس کے لئے کیا کچھ کر رہے ہیں۔ آپ کی قبولیت کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ہم نے کتنا کام کیا ہے اور کتنا کرنا باقی ہے۔ اور اسے کس طرح کر سکتے ہیں۔ اگر ہم نے کیا کچھ نہیں تو ہمارے درود کی دعائیں دل سے نہیں زبان سے نکل رہی ہیں۔ اور خدا دل کی دعا کو سنتا ہے لفظوں کی اس کے ہاں کوئی وقعت نہیں!

بالآخر میں پھر اپنی درخواست کو دوہراتا ہوں۔ میں ساری جماعت کی دعا کا طالب ہوں۔ اگر ہم سب لوگ اکٹھے ہو کر اس کے دروازے پر گر جائیں تو اس کی نصرت کے وسیع دروازے کھل جائیں گے میں اسی تلاش میں سرگرداں ہوں اور اپنے دوستوں سے اس بات کا متمنی ہوں کہ وہ اپنی دعاؤں سے میری مدد فرمائیں۔ مگر ان دعاؤں سے، جو دلوں سے اُٹھ رہی ہوں، وہ سیدھی آسمان پر چڑھ جائیں گی۔ ہاں تینوں رنگوں میں یہ دعا ہو۔ نماز ساری ایک دعا ہو۔ اور ہم نماز کے وقت ایک سوالی کی طرح خدا کے در پر کھڑے ہوں۔ پچھلی رات کی دعائیں ہوں کہ وہ قبولیت دعا کا وقت ہے۔ اور پھر اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر حالت میں یہ دعا ہمارے دلوں سے اُٹھے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

5 نومبر 1949ء

☆

16 نومبر 1949ء

قیام سلسلہ کی اصل غرض

قبولیت حق میں سب سے بڑی روک حُبِّ دنیا ہے

قیام سلسلہ احمدیہ کی اصل غرض مسلمان قوم کی اندرونی وعملی اصلاح ہے

کل میں نے سنا تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ اس فرقہ میں اور دوسرے لوگوں میں سوائے اس کے اور کچھ فرق نہیں کہ یہ لوگ وفات مسیح کے قائل ہیں اور وہ لوگ وفات مسیح کے قائل نہیں ہیں۔ باقی سب عملی حالت مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ وہی ہے۔ سو سمجھنا چاہئے کہ یہ بات صحیح نہیں کہ میرا دنیا میں آنا صرف حیات مسیح کی غلطی کو دور کرنے کے واسطے ہے۔ اگر مسلمانوں کے درمیان صرف یہی ایک غلطی ہوتی تو اتنے کے واسطے ضرورت نہ تھی کہ ایک خاص شخص مبعوث کیا جاتا اور ایک الگ جماعت بنائی جاتی۔ اور ایک بڑا شور بپا کیا جاتا لیکن اس زمانہ میں بہت سی باتیں مسلمانوں کے درمیان داخل ہوگئی ہیں۔ جن کی اصلاح کی ضرورت ہے کیونکہ زندہ نبی وہ ہے جس کے برکات وفیوض ہمیشہ جاری ہوں۔ سو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو کبھی ضائع نہیں کیا۔ ہر صدی کے سر پر وہ ایسے آدمی بھیجتا رہا ہے جو مناسب حال اصلاح کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ محافظت کا لفظ ہی دلالت کرتا ہے کہ مجدد پیدا ہوتے رہیں گے۔ جب ایک صدی گذر جاتی ہے اور پہلی نسل اُٹھ جاتی ہے اور پچھلے عالم حافظ اولیاء اور ابدال فوت ہو جاتے ہیں تو دین کو تازہ رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ اپنی طرف سے نئے آدمی پیدا کرتا ہے۔ ہر صدی کے سر پر ایسے مجدد پیدا ہوتے رہتے ہیں جو غلطیوں و بدعات اور سستیوں اور غفلتوں کو ان کے ذریعہ دور کیا جاتا ہے۔ یہ خصوصیت آنحضرت صلعم کو ہی ملی ہے۔ اور یہی آپ کی حیات پر دلالت کرتی ہے۔ آنحضرت صلعم کی برکات وتاثیرات سے صحابہ کرامؓ نے جانیں دے دیں۔ اور آج تک لوگ ان برکات سے فیوض حاصل کر رہے ہیں سو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ اس غلطی کو دور کرے۔ لیکن اس سلسلہ کو قائم کر کے اللہ تعالیٰ اور بہت سی غلطیوں کو دور کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت توحید صرف زبان پر رہ گئی ہے۔ سچا موحد کوئی نظر نہیں آتا۔ ہر ایک دل دنیا کی محبت میں غرق ہو رہا ہے............ یہ کلمہ نہایت سچا و بابرکت ہے کہ حُبُّ الدُّنیَا رَأسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ دنیا کی

محبت ہر بدی کی ابتداء ہے۔ اکثر لوگ دنیا ہی سے محبت کے سبب ہلاک ہو رہے ہیں۔ ورنہ وہ جانتے ہیں کہ جس مذہب وطریقہ کو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ اچھا نہیں۔ اکثر ہندو اور آریہ دل سے جانتے ہیں کہ ان کے اصول وفروغ اچھے نہیں ہیں۔ ہزاروں عیسائی بخوبی اگاہ ہیں کہ عیسیٰؑ ایک انسان تھا اور وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن دنیا کی محبت ہے جو انہیں کچھ کرنے نہیں دیتی اگر درمیان میں دنیا کا تعلق ومحبت نہ ہوتی تو ان کا ایک کثیر گروہ آج ہی مسلمان ہو جاتا اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہا ہے اور یورپ و ایشیاء کے لوگ اندر ہی اندر اس بات کو بخوبی سمجھ رہے ہیں کہ دیگر ادیان باطل پر ہیں۔ مگر دنیا سب کو محبوب ہو رہی ہے۔ یہ ایک زہر ہے جو ایک منٹ کیا ایک سیکنڈ میں ہلاک کر دیتی ہے۔ بڑا گناہ ہے جو اس دنیا میں پیدا ہوا وہ حبّ دنیا ہی ہے یہ ایک باریک زہریلا کپڑا ہے جو کہ خورد بین سے بھی نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کے اندرونی فرقے بھی بخوبی جانتے ہیں اور ان کے دل پہچانتے ہیں کہ کس فرقہ کے اصول عمدہ ہیں۔ اور خدا تعالیٰ اس وقت کیوں کر راضی ہو سکتا۔ مگر ان کی اندرونی حالتیں خراب ہیں۔

ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کا مذہب نہیں رہا۔ مگر کتب وآثار میں حقیقت اسلامی موجود ہے۔ صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ نہ دنیا ان سے پیار کرتی تھی اور نہ وہ دنیا سے پیار کرتے تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلعم کی متابعت میں ایک نئی زندگی حاصل کی تھی۔ اب دیکھنا چاہئے کہ ان لوگوں کا قدم صحابہؓ کے قدموں پر ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس خدا تعالیٰ کا منشاء اس سلسلہ کے قیام سے یہ ہے کہ لوگ پھر اس راہ پر چلنے لگیں۔

☆

7 دسمبر 1949ء

روائیداد

اسلام کی خوبیاں

جن کے بغیر یورپ زندہ نہیں رہ سکتا

گاندھی گارڈن کراچی میں ایک شاندار اجتماع اور حضرت امیر ایدّہ اللہ کی تقریر

(کراچی بذریعہ ڈاک) جماعت احمدیہ کراچی کے صدر محترم جناب چودھری امجد خاں صاحب نے 20 نومبر 1949ء کو گاندھی گارڈن میں حضرت امیر ایدّہ اللہ کے اعزاز میں ایک شاندار عصرانہ کا اہتمام فرمایا۔ جس میں پاکستان حکومت کے ذمہ دار حضرات نے بہ تعداد کثیر شرکت فرمائی۔

اس موقعہ پر حضرت امیر ایدّہ اللہ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح وہی یورپ جو اسلام کو مٹانے کے درپے تھا، نہ صرف اس کوشش میں ناکام ثابت ہوا، بلکہ اسی کے اندر اب اسلام کے نئے آثار زندگی پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک طرف مشرق سے لے کر مغرب تک اسلامی سلطنتیں قائم ہوتی جارہی ہیں تو دوسری طرف اسلام کی روحانیت بھی دنیا پر غالب ہوتی جارہی ہے۔ آج اسی یورپ کو اسلام کے اندر وہ خوبیاں نظر آرہی ہیں جن کو اختیار کئے بغیر وہ خود زندہ نہیں رہ سکتا۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے ذریعہ سے جو روحانی بیداری دنیا میں پیدا ہوئی ہے، اس کا ذکر فرماتے ہوئے اور ان علوم کا ذکر کرتے ہوئے جو اس زمانہ کے مجدد نے پیدا کئے ہیں، آپ نے اپنا مسلک بالفاظ ذیل واضح کیا:

ہم خدا کو ایک مانتے، قرآن کریم کو اس کا کلام اور محمد رسول اللہ صلعم کو اس کا آخری نبی یقین کرتے ہیں۔ جن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ نیا اور نہ پرانا۔ اور اب ساری دنیا محمد رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر جمع ہوگی۔ حضرت مرزا صاحب کو ہم اس زمانہ کا مجدد مانتے ہیں۔ جس شخص نے میرے جیسے انسان کو تاریکیوں سے نکال کر اس نیک راہ (خدمت اسلام) پر ڈال دیا۔ میں اس کا احسان کیسے فراموش کر سکتا ہوں۔ اور پھر اسی طرح ہزارہا انسانوں کو تاریکی سے نکال کر تبلیغ اسلام کے کام پر لگا دیا۔ یہ جو مغرب میں تبلیغ اسلام کا خیال ہے۔ یہ بھی اسی مجدد کا پیدا کیا ہوا ہے ہم ہر کلمہ گو کو مسلمان کہتے ہیں۔ اور

یہی صحیح مسلک ہمارے بزرگوں کا تھا۔ جیسا کہ ایک بڑے امام نے لکھا ہے کہ صرف اس چیز کا انکار اسلام سے خارج کر سکتا ہے جس کے اقرار سے انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ یعنی محمد رسول اللہ کے اقرار سے انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے اور آپ کی رسالت کے انکار سے ہی اسلام سے خارج ہو سکتا ہے۔ جس دن مسلمانوں میں اتفاق اور اتحاد قائم ہو جائے گا دنیا کی کوئی طاقت اسلام کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی یہ تقریر ایک گھنٹہ کے قریب جاری رہی۔ اور سب لوگوں نے اسے بہت شوق سے سنا۔ اور بہت محفوظ ہوئے۔ یہ پر لطف مجلس مغرب کی نماز کے ساتھ ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کو مدت مدید تک کامل صحت کے ساتھ سلامت رکھے۔ تا اسلام کی تاریخ میں مزید گرانمایہ لٹریچر جمع ہو جائے۔ آمین ثم آمین خاکسار شیخ عبدالحق مناظر اسلام

قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی نئی ایڈیشن کے ہدیہ کو کم کرنے کی تجویز: (21 دسمبر 1949ء) یہ تجویز کسی گذشتہ اخبار میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کی ابتداء خواجہ نذیر احمد صاحب نے ایک ہزار پونڈ کے وعدہ سے کی تھی۔ اب بصرہ سے پیچوانی صاحب نے ایک ہزار پونڈ کے عطیہ کا وعدہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی پندرہ سو روپیہ کی رقم اور ہو چکی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ صرف تین اور احباب ایک ایک ہزار پونڈ دینے والے نکل آئیں۔ اور ایسے احباب خدا کے فضل سے موجود ہیں۔ تو ہدیہ قرآن کریم کو خدا چاہے تو پندرہ روپے سے بھی کم پر لے آئیں گے۔ یہ کام جلسہ سالانہ سے پیشتر ہونا چاہئے تھا۔

خاکسار محمد علی

20 دسمبر 1949ء

☆

18 جنوری 1950ء

ذکر الٰہی۔ اطمینان قلب کا واحد ذریعہ

اَ لَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (28:13)

تقریر حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ بر موقع جلسہ سالانہ دسمبر 1949ء

ذکر الٰہی اور تسکین قلب: جُوں جُوں دنیا کا علم اور تجربہ بڑھتا چلا جاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے حقائق کی طرف بھی توجہ پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ وہ الفاظ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمائے ہیں دنیا میں آخر تک ان کی صداقت ظاہر ہوتی رہے گی۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ (28:13) ایمان لانے والوں کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس سے ان کے قلوب میں سکون اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد فرمایا اَ لَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ صرف اللہ کے ذکر سے ہی قلوب میں اطمینان پیدا ہوسکتا ہے اور کسی طرح نہیں۔ وہ خدا، جس کو انسان ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا، اس کے ذکر سے قلب انسانی کا مطمئن ہو جانا مادہ پرستوں کو ایک عجیب بات دکھائی دیتی ہے۔ وہ اپنے سکھ اور چین کو ظاہری چیزوں میں ڈھونڈھتے اور تلاش کرتے ہیں۔ اور مال و دولت کی کثرت سے اور عزت اور وقار کے بڑھ جانے سے وابستہ خیال کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قلوب انسانی اس کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل کرتے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ذریعہ سے انسان اپنے قلب کو تسکین اور اطمینان کی بے بہا دولت سے بہرہ ور کر سکے۔ تسکین سے اسی وقت قلوب لبریز ہوتے ہیں جب انسان کا تعلق اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ قائم ہو جائے۔ اَ لَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

ٹرومین اور قرآن کریم کی صداقت: اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج دنیا نے اس حقیقت کو پہچان لیا ہے کہ قلب انسانی کو اطمینان ذکر الٰہی کے سوا حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ تمام دنیا موجودہ دور میں آسائش کے سامان جمع کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اور اس کے حصول میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن اس ملک سے جہاں کے لوگوں کو اقتدار چھوڑ ان کے ہاں سیم وزر کی

فراوانی ہے۔ ان کے دلوں سے آج خدا تعالیٰ کی اس بتلائی ہوئی صداقت کے حق میں ایک آواز نکلی ہے۔ امریکہ کا ملک اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اور اپنے علوم وسیم وزر اور دنیا میں اپنے اقتدار کے لحاظ سے اول نمبر پر ہے۔ اس کے صدر ٹرومین کا ایک جملہ، جو آج کل اخبارات میں نکلا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ اس آیت اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ہی کا کیا ہے۔ اس کے یہ الفاظ ہیں ETERNAL PEACE IF HUMANITY TURNS TO GOD. یعنی دائمی صلح صرف اسی وقت قائم ہوسکتی ہے جب دنیا خدا کی طرف لوٹ آئے۔ امریکہ نے اپنے انتہائی مادی کمال کو پہنچ کر یہ تجربہ پیش کیا ہے کہ انسان کے دل کو سکینت اس وقت تک نصیب نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ خدا کی طرف رجوع نہ کرے۔

حضرت مرزا صاحب کا پیغام: اس زمانہ میں ہماری آنکھوں کے سامنے اسلام کے اندر بھی ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس کی توجہ صرف اسی ایک ہی بات کی طرف گئی کہ اللہ کی حکومت کو ہی دوبارہ قائم کرنے سے انسان ترقی کرسکتا ہے۔ اس کے سوائے نہیں یہ امر واقعہ ہے کہ یورپ کی تہذیب کے ساتھ جب آرام اور آسائش آئی تو سب لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں صرف ایک ہی آدمی نظر آتا ہے جس نے یہ آواز بلند کی کہ کوئی آرام حقیقتاً پیدا نہیں ہوسکتا جب تک خدائے ذوالجلال کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ وہ ہیں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی۔ جن کے خلاف آج تک مسلمانوں کے اندر بغض پایا جاتا ہے۔

لوگوں نے بلاشبہ عیسائیت کے رد میں اور اسلام کی تائید میں متعدد کتابیں لکھیں اور بڑے بڑے ٹریکٹ اور رسالے لکھے۔ یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن اس زمانہ میں اس بات کا کامل وثوق سے اعلان کرنے والا کہ ''آج امن اگر پیدا ہوسکتا ہے تو صرف اسلام ہی کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے''۔ صرف ایک ہی شخص نظر آتا ہے، یعنی حضرت مرزا صاحب۔ یاد رکھئے بعض باتیں وہ ہوتی ہیں جو خدا سے آتی ہیں اور بعض باتیں انسانی خیالات کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ لیکن جو باتیں خدا کی طرف سے آتی ہیں وہ آہستہ آہستہ دنیا میں مضبوط ہوتی جاتی ہیں اور اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ (24:14) کا مصداق ہوجاتی ہیں۔

حضرت صاحب کی مخالفت: دوسری طرف ایک اور بات حضرت مرزا صاحب سے فی زمانہ مخصوص نظر آتی ہے۔ واقعات کو دیکھ لیجئے، اس زمانہ میں کسی شخص کی وہ مخالفت نہیں ہوئی جتنی حضرت مرزا صاحب کی۔ عیسائی ہیں تو مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ اس لئے کہ آپ نے اُن کے مذہب پر کلہاڑا رکھ دیا تھا۔ آریوں پر حجت تمام کرتے ہیں تو وہ بھی خش مگیں ہو کر درپے آزار نظر آتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اسلام کا یہ بہادر جرنیل جب کہ وہ مخالفین کی افواج کو شکست پر شکست دیتا چلا جا رہا تھا کم از کم مسلمانوں ہی میں عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا۔ لیکن بدقسمتی سے اپنے بھی دشمنوں کے منصوبوں کو پروان چڑھانے میں اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ غرضیکہ اپنے و بیگانے سب کے سب اس فرد واحد کو نا کام کرنے میں متحد ہو گئے۔ مگر غور کر کے دیکھ لیجئے کہ بالآخر حضرت مرزا صاحب ہی کی باتیں دنیا میں قائم ہو گئیں اور جس انقلاب کو وہ پیدا کرنا چاہتے تھے وہ پیدا ہو گیا۔

حضرت صاحب کی کامیابی: جس کام کی طرف حضرت مرزا صاحب نے قدم اُٹھایا وہ کل دنیا کی اصلاح سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ نے دنیا پر جھکے ہوئے لوگوں کے سامنے، جن کی اس مادی دنیا کے آگے نظر ہی نہیں اُٹھتی تھی، وراء الوارء ہستی کا ایک زندہ ثبوت بہم پہنچایا اور دعوت دی کہ آج زمین اور آسمان کے نیچے اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک زندہ اور کامل رسول ہیں جن کی غلامی کا جوا پہن کر انسان اپنے خالق سے تعلق پیدا کر سکتا ہے اور روحانی زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ آپ کو اسلام کے دنیا میں غالب آنے کے نظارے دکھائے گئے اور اس کا ذکر حضرت کی مختلف کتابوں میں موجود ہے۔ باوجود اس کے، کہ آپ کی بڑی مخالفت کی گئی، آپ کی کہی ہوئی تمام باتیں پوری ہو گئیں۔ اور آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ باتیں پوری ہوتی چلی جاتی ہیں۔ کسی قوم کی یہ بہت ہی خوش قسمتی ہے کہ ایسے نظارے اس کو نظر آ جائیں!

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر جس عظیم الشان انقلاب کی خبر لوگوں کو دی تھی پچیس سال کے معمولی عرصہ میں دنیا نے اس نظارہ کو دیکھ لیا تھا۔ آج اس کا ایک رنگ آپؐ کے خادم حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں بھی دکھائی دیتا ہے کہ کس طرح آپ کی تمام باتیں آج حقائق کے

رنگ میں نظر آ رہی ہیں۔

قرآن کریم کی اشاعت کا جذبہ: اس زمانہ میں خدا اور اس کے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لئے مسلمانوں میں اس وقت تک کوئی شخص بھی کھڑا نہ ہوا جب تک کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ آواز بلند نہ کی۔ آپ کی توجہ قرآن مجید کی طرف رہی، جس کے نتیجہ میں آج غور کر کے دیکھ لیجئے آپ کو دنیا میں ایک انقلاب نظر آئے گا۔ یہ کام نہ تو کسی سلطنت اور حکومت سے ہوسکتا تھا اور نہ ہی مال و دولت سے۔ یہ صرف مجدد زمان کی دعاؤں اور اُن کی توجہ کا نتیجہ ہے جو یہ عظیم الشان انقلاب رونما ہوا ہے۔ دنیا خدا کی تلاش میں نکل پڑی ہے۔ آرام اور آسائش کے سامان بڑھ جانے کے باوجود دنیا کو اطمینان قلب میسّر نہ آیا۔ اگر محض روٹی کے ملنے ہی سے اطمینان مل سکتا ہے تو پھر امریکہ ہی صرف ایک ملک تھا جہاں کے لوگ اس نعمت سے زیادہ متمتع ہوتے۔ لیکن آج وہاں سے یہ آواز اُٹھ رہی ہے کہ خدا کے بغیر انسان کو اطمینان میسّر نہیں آ سکتا!

قرآن کریم مسلمانوں کے گھروں میں بے شک بڑی عزت کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔ لیکن اسے دنیا میں پہنچانے کی طرف ان کی توجہ کوئی نہ تھی۔ اس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا مقصد اس کو بنایا کہ قرآن کریم کو ساری دنیا میں پہنچایا جائے اور مسلمان بھی قرآن کو ہی مقدم کریں۔ اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک فرد واحد کی کوشش سے غیروں اور اپنوں کی مخالفت کے باوجود کس طرح آج ایک طرف قرآن دنیا سے خراج تحسین وصول کر رہا ہے اور دوسری طرف ہر مسلمان ملک میں مسلمان مدبرین قرآن کو مقدم کرنے کی طرف توجہ کر رہے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں، جبکہ مسلمان اس بیش بہا خزانہ سے بے خبر تھے اور اسے زندگی سے کوئی بے تعلق چیز سمجھ کر الماری میں یا کسی بلند طاقچہ پر رکھنا ہی باعث ثواب سمجھتے تھے۔ وہ کون شخص تھا جس نے اس کے سرچشمہ حیات ہونے کا اعلان کیا۔ اور وہ کون شخص تھا جس کے دل میں اسے دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ خوب غور کر کے دیکھ لیجئے۔ وہ صرف حضرت مرزا صاحب ہیں۔ جنہوں نے فرمایا:

> ”اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی
> تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات

کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے
ہرگز ایسا نہ ہوگا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے''

حضرت صاحب کی آرزو کا پورا ہونا: خدا تعالیٰ نے حضرت صاحب کی اس آرزو کو پورا کرنے کے لئے سامان بھی پیدا کر دیے۔ ایک طرف جماعت کی دنیا میں اس قدر مخالفت ہو اور پھر اندرونی طور پر وہ اس حالت کو پہنچ چکی ہو کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں۔ پھر ان دو ٹکڑوں میں سے ہی قلیل اور کمزور گروہ کے ذریعہ سے حضرت کی یہ آرزو پوری ہوتی ہے۔ بڑا گروہ اپنے مال اور علم کے باوجود اس خواہش کو پورا نہ کر سکا۔ کیا اس میں خدا کی نصرت نمایاں طور پر نظر نہیں آتی؟! اسلام کی تاریخ میں یہ ایک اہم واقعہ ہے اور اس کے اندر جو درحقیقت روح کام کر رہی ہے وہ حضرت امام کی تڑپ تھی جو آپ کے قلب میں پیدا ہوئی۔ آج لوگ بے شک ہمیں برے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بایں ہمہ تمام مسلمانوں کی توجہ کو حضرت مرزا صاحب نے پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ آج ہر ایک کی زبان سے یہی نکلتا ہے کہ ہمیں قرآن کے پیچھے چلنا چاہیے۔

تفسیر کی قبولیّت: یہ حضرت کی آرزو تھی جس کو ہماری جماعت نے پورا کیا۔ کئی لوگوں نے اعتراف کیا ہے اور اس کا ذکر اکثر سننے میں آیا ہے کہ اسلام اگر ہم نے سیکھا ہے تو انگریزی ترجمۃ القرآن سے سیکھا ہے۔ ہماری یہ چھوٹی سی جماعت اب تک قرآن کریم کے اس انگریزی ترجمہ کی 40 ہزار کا پیاں شائع کر چکی ہے یہ کوئی تھوڑی تعداد نہیں۔ اور پھر اس انگریزی ترجمہ کی بدولت صرف غیر مسلمانوں تک ہی حق اور صداقت کو نہیں پہنچایا گیا بلکہ خود تمام مسلمان ممالک کے اندر قرآن کریم کی قبولیت پھیل گئی ہے۔ کل ہی آپ کے سامنے مولٰینا محمد یعقوب خاں یہ واقع بیان کر چکے ہیں کہ کس طرح ٹرکی سے آئی ہوئی ایک خاتون، جو ایک ترکی اخبار کی نامہ نگار ہیں، انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں، جس میں مولٰینا محمد یعقوب خاں صاحب بھی موجود تھے، اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم نے اسلام مولٰینا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمۃ القرآن سے سیکھا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بعض ترکوں کے خطوط آ چکے ہیں۔ ان کی یہ خواہش ہے کہ ہمارے مشن کی ایک شاخ ترکی میں بھی ہو۔ تا کہ لوگ حقیقت اسلام سے آگاہ ہوں۔ اب دیکھئے کہ ٹرکی کہاں اور ہم کہاں؟! لیکن حضرت مرزا صاحب جس مقصد کو لے کر اُٹھے وہ کس طرح

کامیاب ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کیا یہ آپ کی وجہ سے ہے نہیں! یہ حضرت کی آرزو تھی جس کو خدا تعالیٰ خود پورا کر رہا ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو یہ کام وہ کسی اور سے لے لیتا۔ ہم پر یہ خدا کا فضل ہے جو اس نے اپنے کاموں کو پورا کرنے کے لئے ہمیں ایک ذریعہ ٹھہرایا۔ ہر ملک اور ہر قوم میں خدا تعالیٰ نے اس تفسیر کے ذریعہ سے ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

برٹس گائنا میں انقلاب: برٹش گائنا میں اس کے ذریعہ سے ایک انقلاب رونما ہوا۔ عبدالصمد خاں صاحب جو وہاں سے آئے ہیں ان کی تقریر تو آپ سن چکے کہ کس طرح وہاں یہ تفسیر پہنچی ہے۔ اور بغیر کسی مشنری کے لوگوں میں اسلام پر ایک نیا ایمان پیدا ہو گیا۔ آج ہماری وہاں بڑی مضبوط جماعت پیدا ہو چکی ہے۔ جس کی تعداد قریباً 2 ہزار ہے۔ وہ مخالفین سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اب سوچئے کہ کیا اتنی بڑی جماعت کسی مبلغ نے وہاں جا کر پیدا کی۔ کیا آپ لوگوں میں اتنی ہمت اور طاقت تھی۔ یہ محض خدا کا فضل ہے جس نے یہ سامان کر دیا کہ چند کتابیں وہاں پہنچتی ہیں تو ایک کثیر جماعت پیدا ہو جاتی ہے!

ڈچ گائنا اور ٹرینڈاڈ میں قبولیت: اسی طرح سے ڈچ گائنا میں بھی ہماری ایک جماعت پیدا ہو چکی ہے۔ اور وہ بڑی تندہی سے کام کر رہی ہے۔ جن دنوں مَیں کراچی میں تھا۔ وہاں ٹرینیڈاڈ سے آئے ہوئے ڈاکٹر حسین صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ وہ میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کے مکان پر آئے اور انہوں نے سنایا کہ ٹرینیڈاڈ میں عیسائیت اسلام کو کھاتی چلی جا رہی تھی۔ اس دوران میں امیر علی صاحب نے، جو یہاں سے تعلیم حاصل کر کے گئے تھے۔ وہاں بڑا کام کیا اور صرف اس ترجمہ قرآن کی بدولت اس وقت وہاں صورت حالات بالکل بدل چکی ہے۔ وہ عیسائی جو پہلے مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے اب انہیں میں سے لوگ مسلمان ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ نائیجریا جو افریقہ کے شمال میں ہے وہاں بھی ہماری ایک جماعت پیدا ہو چکی ہے۔ مصر میں بھی ایک جماعت کام کر رہی ہے۔ اس طرح دیگر ممالک میں بھی اسلام کی تعلیم دن بدن پھیل رہی ہے۔

مذہب کے لئے دنیا تیار ہے: ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اسلام کی تخم ریزی کے لئے تیار ہے اس وقت انسانی طبائع میں ایک تڑپ پیدا ہو چکی ہے اور وہ حق اور صداقت کو چاہتے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے۔ کہ بڑے بڑے لوگوں نے اقرار کیا ہے کہ تمام انسانی طبائع کے اندر اسلام کے قبول کرنے کے

لئے مانگ نظر آتی ہے۔

ایک تحریک اور جماعت کی قربانی: اس کے بعد حضرت امیر نے 5000 لائبریریوں میں انگریزی میں اسلامی لٹریچر کا ایک سیٹ، جو سات کتابوں پر مشتمل ہے، بھیجنے کی تحریک کو جماعت کے سامنے رکھا اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک ہزار سیٹ بھیجنے کا انتظام ہماری جماعت کر دے۔ اس پر جماعت کے احباب نے اس تحریک پر لبیک کہنا شروع کیا اور ایک عجیب جذبہ کا اظہار کیا جسے دیکھ کر صحابہؓ کی قربانیوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا تھا۔ ہر ایک کے دل میں اس مبارک جہاد میں حصہ لینے کے لئے ایک تڑپ پائی جاتی تھی۔ احباب نے وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (18:57) کے فرمان خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت امیر ایدہ اللہ کی خواہش کو پورا کر دیا۔ بعض نے سو سیٹ بعض نے پچاس سیٹ اور بعض نے پچیس سیٹ تک اپنے نام لکھوائے اور بعض نے دس اور پانچ، دو اور ایک سیٹ لکھوائے (ہر ایک سیٹ کی قیمت بمع ڈاک خرچ 70 روپے ہے۔ مدیر) اس کے بعد آپ نے اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ شروع ہو گئی ہے۔ اور اس کا اقرار اب غیر بھی کرنے لگ پڑے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اب آپ کی آنکھیں بند ہو جائیں۔ یہ کوئی چھوٹا سا کام نہیں جس کو حضرت مرزا صاحب نے آپ کے سپرد کیا ہے۔ اس کی اہمیّت کو ہر وقت اپنے سامنے رکھئے اور اسے کامیاب بنانے میں ہمہ تن مصروف ہو جایئے۔ آمین

نماز اور ترقی کی تین راہیں: (20 ربیع الثانی 1369ھ) ''قرآن مجید و اسلام کی حکمت و حقائق پر تالیف و تصنیف کا سلسلہ تیرہ صدیوں سے جاری ہے۔ مولانا مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے اپنی جماعت کے جلسہ سالانہ 1948ء کے موقع پر جو تقریر مندرجہ بالا عنوان پر کی تھی اس کو رسالہ کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ جناب موصوف کو جو شہرت اور بصیرت حقائق اسلام کے متعلق حاصل ہے اس کے لحاظ سے جو کچھ لکھتے ہیں وہ سنجیدگی، غور و خوض اور تدقیق کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔ بہر حال یہ کتاب حکمت اسلامیہ کو نماز کے متعلق واضح کرتی ہے۔ یہ فضل الٰہی ہے اور اسلام کے معجز نما اثرات ہیں کہ ہر نسل اور ہر زمانہ میں اسلام کی خدمت گذاریوں کا سلسلہ قائم ہے۔ کتاب قابل مطالعہ ہے۔ خاص کر کالج کے نوجوانوں کے لئے کارآمد ہے۔ 52 صفحات کا رسالہ ہے''۔ ماہنامہ ''روح ترقی'' مجریہ نومبر

1949ء۔صفحہ 15 حیدرآباد دکن

''یہ رسالہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے امیر جماعت احمدیہ لاہور کی ایک تقریر ہے۔ جوانہوں نے (غالباً جماعت احمدیہ کے) سالانہ جلسہ کے موقع پر کی تھی۔ اس رسالہ میں موصوف نے بہت ہی وضاحت سے اور اچھی طرح نماز کے مقصد کو واضح کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ دراصل نماز ہی ہر قسم کی ترقیوں کی ضامن ہے۔ مسلمانوں پر یہ بات فرض کر دی گئی ہے کہ وہ اپنے ہر عمل سے اسلام کو ترقی دیں اور یہ بات نماز سے بخوبی حاصل ہوتی ہے کیونکہ نماز سے انفرادی ترقی ہر شخص کر سکتا ہے اور انفرادی ترقی اجتماعی ترقی کی ضامن ہے۔ لیکن دراصل یہ دونوں ترقیاں اس لئے ہوتی ہیں کہ اسلام کی ترقی ہوتی رہے۔ کیونکہ ایک نمازی پانچوں وقت نماز میں التحیات پڑھ کر اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ میرا سب کچھ اور ہر قسم کی عبادتیں خداوند تیرے ہی لئے ہیں۔ صاحب موصوف نے یہی ثابت کیا ہے کہ نماز سے یہ تینوں ترقیاں ہوتی ہیں۔ اور اگر ہم نے نماز کی طرف توجہ نہ کی تو ہم کسی قسم کی بھی ترقی نہیں کر سکتے۔ کتاب بحیثیت مجموعی مفید ہے اور پڑھنے کے لائق ہے۔ اخبار ''تعمیر'' لکھنؤ 15 دسمبر 1949ء صفحہ 10

اسلامک لاز آف میرج اینڈ ڈائی وورس (انگریزی)۔ ''یعنی اسلامی قانون نکاح وطلاق''۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ ایل ایل۔ بی امیر جماعت احمدیہ لاہور کا قلم بحمدللہ دینی اور تبلیغی خدمات میں برابر مشغول ہے۔ اور سن اور تجربہ میں زیادتی کے ساتھ ساتھ ان کے قلم کی روانی اور مشّاقی بھی ماشاءاللہ بڑھتی جاتی ہے۔ زیرنظر رسالہ میں انہوں نے زیادہ تر اپنی ہی انگریزی تفسیر سے لے کر قرآنی آیتوں کے ترجمے معہ اپنے توضیحی حاشیوں کے عقد مناکحت کی شرعی اہمیت، زن وشو بطور یک جان و دو قالب، مناکحت وافزائش نسل، نکاح اور آزادمشربی، متعہ محرمات نکاح، مسلم وغیر مسلم کے مابین عقد وزوجین کے حقوق وفرائض، طلاق پر حد بندیاں اور عدت وغیرہ متعدد عنوانات کے ماتحت جمع کر دیئے ہیں۔ اور رسالہ کو انگریزی خواں مسلموں اور غیر مسلموں دونوں کے حق میں ایک جامع اور قابل قدر تحفہ بنا دیا ہے۔ مصنف فقہیات کے بعض مسائل میں (کلامیات ہی کی طرح) اپنا ایک مسلک خاص رکھتے ہیں۔ اہل سنت کے عام مسلمات سے الگ اور اس کی جھلک جا بجا اس رسالہ میں بھی ملتی ہے۔ مثلاً صفحہ 9 پر نصرانیوں اور یہودیوں کی طرح ہندوؤں اور بدھ مت والوں کو بھی ''اہل کتاب'' قرار دینا۔ لیکن ان

جزئی اجتہادات سے کتاب کی افادیت عمومی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ رسالہ بحیثیت مجموعی انگریزی خوانوں کے لئے ایک نعمت ہی ہے۔ ''صدق''۔ مجریہ 3 جنوری 1950ء۔

''دینیات کا ہر طالب علم حضرت مولینا مولوی محمد علی صاحب ایم اے امیر جماعت احمدیہ لاہور کی دینی و علمی خدمات سے آگاہ اور روشناس ہے۔ باون صفحات کے اس کتابچہ (رسالہ نماز اور ترقی کی تین راہیں۔ ناقل) کو بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی سمجھئے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ کتابچہ نماز کی حقیقت اور اہمیت پر ایک دلنشیں اسلوب میں مدلل طریقہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ کتاب میں جن عنوانات پر قلم اُٹھائی گئی ہے، ان سے آپ اس کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جو یہ ہیں 1- قرآن کریم کی سب سے چھوٹی ایت اور خیر کثیر 2- مذہب کی غرض اور اس کے حصول کا طریق 3- ہر مسلمان نماز اور قربانی سے خیر کثیر حاصل کر سکتا ہے 4- نماز کس طرح ترقیات انسانی کا سرچشمہ ہے 5- نماز کی اہمیت از روئے قرآن وحدیث 6- نماز انفرادی اور جماعتی ترقی کے علاوہ ایک تیسری ترقی کا راستہ بھی کھولتی ہے 7- نماز پست خواہشات دبانے کا بہترین ذریعہ ہے 8- نماز سے عظمت الٰہی کا احساس پیدا ہوتا ہے 9- انفرادی ترقی اجتماعی ترقی پر مقدم ہے 10- اصلاح کا دارومدار انفرادی ترقی پر ہے 11- انفرادی ترقی کا پہلا قدم اور دنیا کی حقیقت 12- نماز کی ابتداء وغیرہ اس کے بعد عنوانات نماز سے متعلق ہیں اور جن کے تحت رکوع وسجود کے علاوہ نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کے فوائد بتلائے گئے ہیں۔ غرضیکہ کتابچہ ہر حیثیت سے مطالعہ کے لائق ہے۔ کاغذ نفیس لکھائی چھپائی عمدہ۔ ہفتہ وار ''الفاروق''۔ کامتی۔ 30 فروری 1950ء

اخبار ''جمہور'' علی گڑھ (یو۔پی) کا فاضلانہ تبصرہ: (26 جولائی 1950ء) احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ 1948ء میں مولوی محمد علی صاحب کی تقریر کو اس رسالہ ''نماز اور ترقی کی تین راہیں'' میں شائع کیا گیا ہے۔ مولوی صاحب نے عام فہم اور مدلّل انداز میں نماز کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح سے خیر کثیر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ ساری ترقیوں کا سرچشمہ ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کی اسی سے ترقی ہوتی ہے۔ اس سے عظمت الٰہی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ پست خواہش کو دبانے اور اعلیٰ خواہشوں کو پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ انفرادی اصلاح کے بغیر اجتماعی ترقی ممکن نہیں۔ نماز سے انفرادی اصلاح بدرجہ اتم ہوتی ہے۔ یہ انسان میں عبدیت اور بندگی کا برابر احساس پیدا

کرتی رہتی ہے۔ یہ غذائے روح ہے۔ اور اسی سے انسان عظمت اور علو کے مقام پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ سب مسلمانوں کے لئے خدا سے مدد طلب کرنا سکھاتی ہے۔ آج بھی مسلمانوں کی بگڑی ہوئی حالت اسی سے بن سکتی ہے کہ وہ نمازی بن جائیں اور اپنے خدا سے ساری امت کی فلاح و بہبود کے لئے دعا مانگیں۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام اور اس کے امیر اپنی قابل رشک تبلیغی سرگرمیوں کے لئے تمام مسلمانوں کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کاش! کہ اہل سنت کی طرف سے اس کا عشر عشیر بھی تبلیغ اسلام کے لئے کیا جاتا۔ اخبار ''جمہور'' علی گڑھ

یہ اطلاع قبل ازیں قارئین کرام تک پہنچائی جا چکی ہے کہ حضرت امیر ایدّہ اللہ کے رسالہ ''نماز اور ترقی کی تین راہیں'' بغداد سے عربی زبان میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ اس ترجمہ پر کئی عربی اخبارات نے نہایت اچھے ریویو کئے ہیں۔ جن میں سے چند ایک کا اردو ترجمہ بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

☆ ''نماز اور ترقی کی تین راہیں''۔ بہت سے مؤلفین نے نماز پر بحث کی ہے لیکن ان کے مباحث کی اصل غرض و غائیت صرف نماز کی سنت اور اس کے ارکان اور اس کے فرائض و واجبات اور آیات وغیرہ جو پڑھی جاتی ہیں۔ ان کے بیان تک محدود رہی۔ زیادہ سے زیادہ اس کی فرضیت کی حکمت بیان کر دی گئی۔ لیکن نماز کی روحانی طاقت اور اسرار قدسیہ اور تعلق باللہ اور اجتماعی طاقت، جس میں مزید اضافہ کی ضرورت نہ ہو بیان کرنے کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔

یہ وہ بات ہے جسے مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے، جو دور حاضر میں اعلیٰ پایہ کے روحانی انسان ہیں۔ اپنی کتاب ''نماز اور ترقی کی تین راہیں'' میں ہمارے لئے کھول کر بیان کی ہے۔ اور یہ ان کے خطبات میں سے ایک خطبہ ہے۔ جسے سالانہ جلسہ کی تقریب پر لاہور میں پڑھا گیا۔ اور اس کا ترجمہ عربی میں جناب سید تصدق حسین صاحب قادری نے کیا ہے۔ اور ہم اس کتاب کے لئے یہ چاہتے ہیں کہ یہ مسلمانان مشرق و مغرب کے لئے مشعل راہ ہو۔ اور ان کے ہم شکر گذار ہیں جنہوں نے یہ بطور تحفہ بھیجا ہے۔ ''الادیب'' و ''الموصل''۔ 10 رمضان المبارک 1369ھ الموافق 25 جون 1950ء

☆ ''نماز اور ترقی کی تین راہیں''۔ ہمارے معزز پاکستانی دوست سید تصدق حسین صاحب

قادری نے یہ کتاب ہمیں بطور تحفہ بھیجی ہے۔ جسے مولینا محمد علی صاحب امیر جماعت لاہور نے تالیف کیا ہے۔ اور اس کے شروع میں ایک عمدہ دیباچہ سید صاحب قادری نے قارئین عربی کے لئے لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے قارئین عربی سے مولف موصوف کا تعارف کرایا ہے۔ جس طرح خود اس کتاب میں جمہور مسلمانوں کے لئے نہایت خوبصورت پیرایہ میں ان امور کو بیان کیا گیا ہے، جن سے ان کی آ گاہی از حد ضروری ہے۔ چاہئے کہ کوئی پڑھنے والا اس سے بے اعتنائی نہ برتے۔ یہ کتاب تمام کتب فروشوں سے ایک روپیہ میں مل جاتی ہے۔ اخبار ''الزمان'' بغداد۔ 14 رمضان 1369ھ موافق 27 جون 1950ء

☆ ''نماز اور رقی کی تین راہیں'' دارالبصر ی نے ایک چھوٹی سی کتاب بعنوان بالا بھیجی ہے۔ اور یہ چند مقالوں پر مشتمل ہے۔ جو انگریزی سے عربی میں ترجمہ کئے گئے ہیں۔ یہ مقالات مولینا محمد علی صاحب اور امیر جماعت احمدیہ نے لکھے ہیں۔ ایک مقالا نماز اور اس کا فلسفہ اجتماعی رنگ سے مخصوص ہے۔ اور اس میں اور بھی مقالے ہیں۔ جن میں قیام حکومت اسرائیل اور اس سے عالم اسلامی کو جو خطرات لاحق ہیں ان پر بحث ہے۔ اور ایک مقالہ وحدت اسلامی پر ہے۔'' اخبار ''النباء'' بغداد

☆ ''نماز اور ترقی تین راہیں''۔ بغداد کی ڈاک میں ایک چھوٹی سی مگر مبسوط کتاب، جس کا نام ''نماز اور ترقی کی تین راہیں'' ہے، موصول ہوئی ہے۔ یہ حضرت مولینا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی تالیف ہے۔ جس کو جناب سید تصدق حسین قادری نے اپنے خرچ سے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ اور وہ ایک مفید رسالہ ہے۔ جس میں نصوص نماز اور اس کے احکام کو اور بعض قرأت اور وہ دعائیں جن کو نمازی اپنی نماز میں پڑھتا ہے ان کی تفسیر نہایت عمدگی سے بیان کی گئی ہے۔ اس علاج کو پیش کرنے میں اس سے پہلے کسی نے سبقت نہیں کی۔ پس میں نوجوان مسلمانوں کی نظروں کو اس کتاب کی طرف پھیرتا ہوں اور اس کتاب کے مصنف اور ناشر کے لئے چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو خدمت دین اور اسلام کی شان کو بلند کرنے کی توفیق دے۔ اور ہماری خواہش ہے کہ کتاب کثرت سے پھیلائی جائے۔ اخبار ''نصیر الحسن''۔ الموصل۔ 14 رمضان 1369ھ موافق 29 جون 1950ء

☆

8 مارچ 1950ء

مکتوب بنام حضرت امیر

جماعت احمدیہ۔ دین کی حفاظت واشاعت کی علمبردار

فلپائن سے ایک احمدی دوست کا مکتوب گرامی

السلام علیکم۔ آپ نے جو رسالے بھیجے تھے وہ مل گئے ہیں۔ شکریہ۔ یہ ٹریکٹ وصول ہوتے ہی تقسیم ہو گئے۔ اور اب مزید رسالوں کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ ان رسالوں کی یہاں بڑی مانگ ہے۔ اسلام پر جس قدر حملے یہاں کئے گئے ہیں یا اس کے متعلق جس قدر شکوک پیدا کئے گئے ہیں ان سب کے استیصال کے لئے یہ کتب نہایت ہی مفید ثابت ہو رہی ہیں۔ آج مسلمانانِ عالم تحریک احمدیت کے اس لحاظ سے مرہون منّت ہیں کہ صرف یہی جماعت اس متعصب ونکتہ چین دنیا میں اسلام کی حفاظت اور اس کی اشاعت کی علمبردار ہے۔ احمدیت کے سوائے مجھے کوئی اور ایسی اسلامی تنظیم نظر نہیں آتی جو اسلام کی اتنی بڑی اور اہم خدمت سرانجام دے رہی ہو۔ تعجب ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان اس تحریک میں کیوں شامل نہیں ہوتے۔ اس کے لئے مجھے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ دنیا میں اس وقت کل 35 کروڑ مسلمان ہیں۔ اگر صرف پانچ کروڑ مسلمان ہی اس تحریک کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں تو اسلام کا پیغام چند ہی دنوں میں دنیا کے اطراف واکناف میں بسنے والے ہر فرد تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ مبلغین کے اس قلیل گروہ کی حمایت کرنے کی بجائے مسلمان نہ صرف اس مقدس کام سے غفلت ہی برت رہے ہیں بلکہ عملاً اس کام کی مخالفت اور اس میں روڑا اٹکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسا کرنا کسی طور سے ٹھیک نہیں۔ یہ کہنا دور از حقیقت اور مبالغہ آمیز نہیں ہوگا کہ مغرب میں اسلام کی تحریم وتکریم کے جو جذبات پیدا ہوئے ہیں وہ سب احمدیہ جماعت ہی کی سرگرمیوں کا نتیجہ ہیں!

مغرب میں جو اسلام کی نسبت ایک انقلاب پیدا ہو گیا ہے اور کچھ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں تو یہ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم، حضرت مولانا محمد علی صاحب، ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب، مولانا عبدالمجید صاحب اور مولٰینا محمد یعقوب خان صاحب اور دیگر بے لوث کام کرنے والے احمدیوں

کی ہی جدوجہد کا ثمر ہے۔ اگر احمدیہ جماعت اس میدان میں سرتوڑ خدمات نہ بجالاتی تو شاید آج تک لاتعداد متبعین اسلام اس سے منحرف ہو چکے ہوتے۔ لیکن ابتداء سے یہی مقدر تھا کہ اسلام کو زندہ کرنے کے لئے احمدیہ جماعت وجود میں آئے۔ سومشیت ایزدی آخر پوری ہوئی۔ یہاں فلپائن میں ہماری خاصی احمدیہ جماعت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آئے دن مزید احباب اس میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ احمدی کون ہے؟ ہر مسلمان جو ایک معیاری اسلامی زندگی بسر کرنے کا عہد کرتا ہے اور دوسروں کو اسلام اصول سکھانے کے لئے زندگی وقف کرتا ہے وہ احمدی ہے۔ غرضیکہ ہر مبلغ اسلام احمدی ہے۔ احمدی ہونے کے لئے عظیم الشان قربانی کی ضرورت ہے۔ اسی لئے دنیا میں بہت زیادہ احمدی نہیں۔ مجھ سے ایک دفعہ سوال کیا گیا کہ کیا احمدی مسلمان ہیں؟! میں نے جواب دیا کہ ہر احمدی تو مسلمان ہے لیکن۔ ہر مسلمان احمدی نہیں کیونکہ اسلام کو پھیلانے کے لئے زندگی وقف کرنے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آج اسلام کو احمدیوں کی ضرورت ہے۔ مبلغین کی ضرورت ہے۔ اللہ کرے ساری دنیا کے ہی مسلمان احمدی ہو جائیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے محبوب امیر وصدر انجمن حضرت مولانا محمد علی کو دین کی شوکت قائم کرنے کے لئے کامل صحت اور درازی عمر عطا فرمائے۔ کیا ابھی تک ''لائٹ'' چھپتا ہے۔ اس کا سالانہ چندہ کیا ہے۔ مہربانی کر کے مزید رسائل بھیج دیں۔ ہمارا ارادہ یہاں مسجد بنانے کا ہے۔ کسی عالیشان مسجد کا نقشہ ارسال فرمائیں۔ آپ کا مخلص۔ لوگم یوکا۔ جنرل سیکرٹری احمدیہ موومنٹ۔ فلپائن برانچ۔

☆

15 مارچ 1950ء

ارشاد حضرت امیر

ہماری مشکلات اور مصائب

ان کا علاج صرف خدا کی طرف رجوع ہے

1- ہر احمدی گھرانے میں مرد (باجماعت) عورتیں اور بچے سب پانچ وقت نماز پڑھنے کی عادت ڈالیں۔

2- اپنی نمازوں میں اسلام کے غلبہ کے لئے، مسلمانوں کی حفاظت اور نصرت کے لئے اور جماعت کے استحکام اور قوت کے لئے دعائیں کریں۔

3- ہر احمدی گھر میں مرد، عورتیں اور بچے قرآن کریم کی روزانہ تلاوت کی عادت ڈالیں۔ محمد علی

قبول احمدیت: (8 مارچ 1950ء) حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب کی خدمت اقدس میں گذارش ہے کہ حضور کے ہفتہ وار اخبارات برابر موصول ہوتے رہتے ہیں۔ جن کو پڑھ کر مجھے ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ اب میں کسی دوسری دنیا کی طرف بڑھتا جا رہا ہوں اور پہلے کی نسبت میری زندگی میں تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔ اب مجھے اپنی زندگی پاک وصاف دکھائی دیتی ہے۔ اسی دوران میں مَیں نے کئی ایک کتابیں بھی دفتر سے منگوائیں جنہیں پڑھ کر بہت سی صداقتیں منکشف ہوگئیں۔ عرصہ دراز سے میری یہی خواہش تھی کہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دلی خیالات کا اظہار کروں۔ اور نیز خدمت دین کے لئے اپنی زندگی وقف کروں۔ اب عرض یہ ہے کہ دس شرائط بیعت کو میں نے بغور پڑھ لیا ہے اور آج سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں ان شرائط پر حتی الوسع عمل پیرا رہوں گا۔ اس سے بڑھ کر میرے لئے کونسی خوشی ہوگی کہ میں اپنی زندگی کو خدمت اسلام کے لئے وقف کر دوں۔ میں صوبیدار عبدالحکیم خاں صاحب کا بہت مشکور ہوں۔ جنہوں نے مجھے یہ پاک اور صاف راستہ دکھایا۔ ایک دن میں صوبیدار صاحب سے پیغام صلح پڑھنے کے لئے لے گیا۔ بس اسی دن سے میرے خیالات تبدیل ہونے شروع ہوگئے۔ آئندہ انشاء اللہ سالانہ جلسہ پر حضور کی

خدمت میں حاضر ہونے کی کوشش کروں گا اور امید کرتا ہوں کہ ہر مہینہ کچھ نہ کچھ رقم بطور چندہ جناب کی خدمت میں بھیجتا رہوں گا۔اب میری نظریں صرف آپ کی طرف جمع ہوئی ہیں اور امید ہے کہ حضور بندہ کو شرف قبولیت بخشیں گے۔فقط نیازمند۔نبی بخش ضلع ہزارہ

حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ ’’نماز اور ترقی کی تین راہیں‘‘ پر تبصرہ: موجودہ مادہ پرست دنیا میں مذہب پرستوں کے لئے ایک انمول تحفہ ہے۔آج کل لوگ مذہب سے ہٹتے جا رہے ہیں۔ یہ ان کی ناواقفیت اور مذہب سے بیزاری کا ثبوت ہے۔احکام خدا اور رسولؐ کی پابندی ہی مسلمانوں کو ایک صحیح راستہ بتا سکتی ہے۔نماز چونکہ برائیوں سے بچاتی اور زندگی میں نظم و ضبط کا عادی بناتی ہے۔اس لئے اگر مسلمان اسے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں تو ان کی موجودہ مشکلات دور ہو جائیں گی۔فاضل مصنف رسالہ ہذا نے ایک دلچسپ انداز میں نماز اور اس کی خوبیوں پر روشنی ڈالی ہے جو لائق ستائش ہے۔ ہر مسلمان یہ رسالہ خرید کر پڑھے اور دوسروں کو پڑھنے کی طرف راغب کرے۔ ہفتہ وار ’’کامران‘‘ حیدر آباد دکن۔10 فروری 1950ء

☆

15 مارچ 1950ء

فرمودات حضرت امیر

خلیفۂ قادیان سے مطالبہ حلف

ان دنوں دو باتیں میری نظر سے گذری ہیں۔ ایک تو اخبار ''الفضل'' میں میاں صاحب کی ایک تحریر ہے۔ جس میں انہوں نے ایک بڑی سخت حلف اُٹھائی ہے۔

پچھلے دنوں غیر احمدی مخالفین نے ایک اشتہار کی اشاعت کو جماعت قادیان کی طرف منسوب کیا تھا۔ جس میں خلیفہ صاحب قادیان کی طرف سے یہ بات لکھی گئی ہے کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ اکھنڈ ہندوستان بن کر رہے گا۔ یہ حلف اس اشتہار اور اس غلط بات کے رَو میں میاں صاحب نے اُٹھائی ہے جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ اس حلف کو میں نے جب دیکھا تو معاً خیال آیا کہ میں بھی پھر ایک مرتبہ میاں صاحب سے درخواست کروں کہ یہ دعوٰی نبوت کا حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کرنا جو اس وقت جماعت قادیان کے لئے بالخصوص اور ہمارے لئے بھی اس قدر پریشانیاں پیدا کر رہا ہے یہ بھی میاں صاحب کی ایک حلف سے طے ہوسکتا ہے۔ کیا بعید ہے کہ جب میاں صاحب اپنی عزت کے لئے اتنی شدید حلف اُٹھا سکتے ہیں تو حضرت مسیح موعود کی عزت کے لئے بھی ایک حلف اُٹھا لیں!

ہم نے بارہا انتہائی منّتیں کیں کہ ہم میں اور آپ میں ایک موٹی بات میں آ کر فرق رہ گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کیا 1901ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنا عقیدہ دربارہ نبوت تبدیل کر لیا تھا یا نہیں۔ ہماری جماعت کے ستّر آدمیوں نے، جنہوں نے 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی ہوئی تھی، یہ حلف اُٹھایا تھا اور وہ شائع بھی کر دیا گیا تھا کہ ہم نے 1901ء میں حضرت صاحب کے دعوٰی میں کسی قسم کی تبدیلی کو محسوس نہیں کیا تھا۔ اور ہمارا عقیدہ حضرت مسیح موعود کے متعلق جو کچھ 1901ء سے پہلے تھا، وہی 1901ء کے بعد رہا۔ اس کے بالمقابل میاں صاحب سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ کی جماعت ہماری جماعت سے بہت بڑی ہے۔ اس لئے آپ کی جماعت سے سات سو ایسے آدمی، جنہوں نے حضرت صاحب کی 1901ء سے پہلے کی بیعت کی ہو، یہ حلف اُٹھا کر کہہ دیں کہ 1901ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنے دعوٰی میں تبدیلی کر لی تھی اور ہم نے اس تبدیلی کو 1901ء میں محسوس کر لیا تھا۔ سات سو

نہ سہی ستّر ہی آدمی یہ حلف اُٹھا دیں۔ بالآخر یہاں تک مطالبہ کو کم کیا کہ صرف ایک آدمی ہی ایسی حلف اُٹھادے اور کوئی نہ ہو تو میاں صاحب ہی، جنہوں نے اس عقیدہ کی بنا ڈالی ہے، وہ اکیلے ہی حلف اُٹھائیں کہ واقعی حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اس عقیدہ دوبارہ نبوت کو تبدیل کر لیا تھا۔ اور گو آپ 1901ء سے پیشتر حلف اُٹھا کر یہ کہتے رہے کہ میرا دعوٰی نبوت کا نہیں بلکہ آنحضرت صلعم کے بعد دعوٰی نبوت کرنے والے کو میں کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں اور میری طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنا مجھ پر افتراء ہے۔ مگر 1901ء میں آپ نے خود دعوٰی نبوت کر دیا تھا اور میں (مرزا محمود احمد) نے اسی وقت سے یہ سمجھ لیا تھا کہ حضرت صاحب کی یہ ساری تحریریں 1901ء سے پہلے کی منسوخ ہو گئی ہیں۔ اور اب آپ مدعی نبوت ہو گئے ہیں۔ اور آپ کے منکر اس کے بعد کافر کہلائیں گے۔ یہ حلف چاہے مؤکد بعذاب ہو یا نہ اگر میاں صاحب اپنی عزت کو بچانے کے لئے ایک شدید حلف اُٹھا سکتے ہیں تو وہ کیوں حضرت مسیح موعود کی عزت کی خاطر حلف اُٹھانے کو تیار نہیں ہوتے جن دنوں ہماری طرف سے ستر آدمیوں نے موکن بعذاب حلف اُٹھایا ان دنوں قادیان سے یہ اعلان ہوا تھا کہ جماعت کا کوئی اور آدمی مقابلہ میں حلف نہ اُٹھائے، مرکز ہی سے اس کا جواب دیا جائے گا۔ لیکن اس وقت تک باوجود بار بار کی یاددہانی کے جناب میاں صاحب اور نہ ہی اُن کے کسی مرید نے ابھی تک تبدیل عقیدہ کے بارہ میں حلف اُٹھائی ہے۔

حضرت مسیح موعود کے ستّر پرانے مریدین کی حلفی شہادت: (22مارچ1950ء) 1901ء میں کوئی تبدیلی حضرت نے اپنے دعوٰی میں نہیں کی: آج سے 35 سال پیشتر جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے جو حلف اُٹھائی گئی اس کی نقل درج ذیل ہے۔

ہم دستخط کنندگان ذیل حلفی شہادت ادا کرتے ہیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جب 1891ء میں یہ اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وفات پا جانا قرآن کریم سے ثابت ہے اور حدیثوں میں جس ابن مریم کے امت محمدیہ میں آنے کا ذکر ہے وہ میں ہوں، تو اس وقت آپ نے نبوت کا دعوٰی نہیں کیا۔ ہاں بعض علماء نے لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالا اور ان کو مدعی نبوت قرار دے کر آپ پر کفر کا فتوٰی لگایا۔ جس کے بعد حضرت موصوف نے صاف طور پر کئی مرتبہ اعلان کیا

جیسا کہ آپ کی تحریروں سے ظاہر ہے کہ آپ کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنا محض افتراء ہے۔ اور آپ نبوت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم سمجھتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت کو کاذب اور کافر یقین کرتے ہیں۔ اور آپ کے بعض الہامات میں جو مرسل یا رسول یا نبی آیا ہے یا حدیث میں آنے والے مسیح کی نسبت جو لفظ نبی آیا ہے تو اس سے مراد فی الحقیقت نبی نہیں بلکہ مجازی، جزوی، ظلی نبی ہے۔ جسے محدث کہا جاتا ہے۔ اور خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ نہ نیا نہ پرانا۔ ہم یہ بھی حلفی شہادت ادا کرتے ہیں کہ ہم نے نومبر 1901ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی اور میاں محمود احمد صاحب سرگروہ احمدی فریق قادیان نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا دعوٰی ابتداء میں نبوت کا نہ تھا مگر نومبر 1901ء میں آپ نے اپنا دعوٰی تبدیل کیا اور نبوت کے مدعی بن گئے اور انکار نبوت کی دس گیارہ سال کی تحریریں منسوخ ہیں، یہ محض غلط اور سراسر خلاف واقعات ہے۔ ہم اللہ جلشانہ، کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ کبھی ہمارے وہم و گمان میں یہ بات نہیں آئی کہ 1901ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنے دعوٰی میں تبدیلی کی یا آپ کی سابقہ تحریریں جو انکار دعوٰی نبوت سے بھری پڑی ہیں، منسوخ ہو گئیں۔ نہ ہم نے اپنے علم میں کبھی ایسے لفظ کسی ایک شخص کے بھی منہ سے سنے جب تک کہ میاں محمود احمد صاحب نے ان کا اعلان نہیں کیا تھا۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَانَقُوْلُ شَھِیْدٌ دستخط ستّر آدمی

جناب میاں صاحب خلیفہ قادیان حلف اُٹھائیں: کہ واقعی حضرت مسیح موعود نے 1901ء میں اپنے عقیدہ درباره نبوت کو تبدیل کر لیا تھا اور گو آپ 1901ء سے پیشتر حلف اٹھا کر یہ کہتے رہے کہ میرا دعوٰی نبوت کا نہیں بلکہ آنحضرت صلعم کے بعد دعوٰی نبوت کرنے والے کو میں کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں اور میری طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنا مجھ پر افتراء ہے۔ مگر 1901ء میں آپ نے خود دعوٰی نبوت کر دیا تھا اور میں (مرزا محمود احمد) نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ حضرت صاحب کی یہ ساری تحریریں 1901ء سے پہلی کی منسوخ ہو گئی ہیں اور اب آپ مدعی نبوت ہو گئے ہیں۔ اور آپ کے منکر اس کے بعد کافر کہلائیں گے۔ یہ حلف چاہے مؤکد بعذاب ہو یا نہ۔

☆

22 مارچ 1950ء

قرضہ حسنہ کے لئے اپیل

برادران محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

1944ء میں جب تراجم قرآن فنڈ کی تحریک شروع ہوئی تو اس میں خدا کے فضل سے بڑی کامیابی ہوئی۔ اور قرآن کریم کے کچھ ترجمے اسی وقت شروع کر دیئے گئے۔ یعنی تامل، سندھی، گورمکھی جو اس وقت تینوں مکمل ہیں۔ مگر ان کی طباعت ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ سے ملتوی ہوتی چلی آرہی ہے۔ اس لئے کہ تراجم قرآن فنڈ سے ایک لاکھ روپیہ بطور قرض لے کر اراضیات سندھ کے حصول کے لئے خرچ کر دیا گیا۔ ان تین ترجموں کے علاوہ ایک اور ترجمہ کھاسی زبان میں ڈاکٹر خادم رحمانی صاحب مکمل کر چکے ہیں۔ یہ کل چار ترجمے ہیں۔ اور دو طبع شدہ ترجمے ویسے ختم ہو چکے ہیں یا جنگ میں تلف ہو چکے ہیں۔ یعنی ڈچ ترجمہ اور جرمن ترجمہ۔ تو گویا کل چھ ترجمے اس وقت اسی لئے رکے ہوئے ہیں کہ ان کے طبع کے لئے روپیہ نہیں۔ اس مشکل کے حل کے لئے مجلس منتظمہ میں یہ تجویز ہوئی ہے کہ اراضیات سندھ کے لئے ایک لاکھ روپیہ بطور قرض لیا جائے اور تراجم قرآن فنڈ کا روپیہ واپس کیا جائے۔ تاکہ یہ کام شروع ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو چار تراجم تو ایک سال کے اندر اندر شائع ہو جائیں گے۔ اور باقی دو بھی انشاء اللہ بہت جلد شائع ہو سکیں گے۔ اس سے پہلے اراضی اوکاڑہ کے لئے بھی احباب سے چالیس ہزار روپے کے قریب بطور قرض لیا گیا تھا جو واپس کر دیا گیا تھا۔ اور اب بھی جو قرضہ لیا جائے گا وہ صرف دو سال کے لئے ہوگا۔ اور دو سال کے بعد واپس کر دیا جائے گا۔ ایک لاکھ میں سے قریباً تیس ہزار کا انتظام ہو چکا ہے۔ اور باقی ستر ہزار کے لئے یہ اپیل احباب سے کی جاتی ہے۔ یہ قرضہ گو زمین کے لئے ہے لیکن یہ ایک طرح قرآن کریم کی اشاعت میں ہی خرچ ہو رہا ہے۔ اور عنداللہ اس کا اجر بہت بڑا ہے۔ اور قرض دینے والے احباب کو دو سال بعد ان کا روپیہ بھی واپس مل جائے گا۔ اور یہ ثواب بھی ہوگا کہ انہوں نے قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے میں مدد دی۔ علاوہ ازیں اگر کسی صاحب کو دو سال سے پہلے اپنے روپے کی واپسی کی ضرورت پیش آ جائے تو یہ بھی پوری کوشش کی جائے گی کہ ان کا روپیہ پہلے ہی واپس ہو سکے۔ والسلام

خاکسار محمد علی

16 مارچ 1950ء

☆

24 مئی 1950ء

مجدد صد چہار دہم کا دعویٰ مسیح موعود

حضرت مولانا محمد علی کے قلم سے

آج ساٹھ سال ہوتے ہیں کہ اسی صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ جب آپ نے 1882ء میں، جو چودھویں صدی ہجری کی ابتداء تھی، مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تو اس ملک کے مسلمانوں نے اور بڑے بڑے علماء اہل سنت واہل حدیث نے آپ کے اس دعویٰ کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ بلکہ آپ کی خدمات اسلامی کی وجہ سے جو علمی رنگ میں آپ نے کی تھیں آپ کی تعریف کی۔ اور ان خدمات کو تاریخ اسلام میں بے نظیر قرار دیا۔ مگر اس کے بعد جب 1890ء میں آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور قرآن شریف سے آپ کی وفات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے اور کہ جس مسیح کی اس امت میں آنے کی احادیث نبویؐ میں پیشگوئیاں ہیں، وہ آپ ہی ہیں، تو اس پر آپ کی زبردست مخالفت ہوئی۔ اور بہت کم لوگوں نے آپ کو قبول کیا۔ تو یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ اس دعویٰ کے خلاف کیا دلائل ہیں؟ یا یہ کہ کیوں یہ ضروری ہے کہ آپ کے اس دعویٰ کو قبول کیا جائے۔ اور اس کی تائید میں کیا دلائل ہیں۔

اوّل۔ ان دلائل کو لو جو اس کے خلاف دیئے جاتے ہیں۔

دلیل 1۔ اسلام ایک کامل مذہب ہے۔ اس لئے اسے کسی مسیح کی ضرورت نہیں۔

جواب: (الف) اسلام کی بنیاد عقل پر نہیں، قران وحدیث پر ہے۔ اگر قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مخبر صادق صلعم نے اس امت میں ایک مسیح کے آنے کی خبر دی ہے تو اس کے مقابل عقلی دلیل کوئی وزن نہیں رکھتی۔ ہمارا ایمان اس بات پر ہونا چاہئے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہو۔

(ب) کامل مذہب ہونا مسیح کے آنے کے لئے مانع نہیں۔ کیونکہ مسیح کا آنا تکمیل مذہب کے لئے نہیں بلکہ مذہب اسلام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ہے۔ جس طرح مجدد دین کا آنا بھی تکمیل مذہب کے لئے نہیں بلکہ مذہب کو دلوں میں قائم کرنے اور غلطیوں کو دور کرنے کے لئے ہے۔

(ج) ابن مریم کے نزول کی حدیثیں بخاری، مسلم اور دیگر صحاح ستہ کی کتابوں میں بکثرت

پائی جاتی ہیں اور بہت سے صحابہؓ سے مروی ہیں۔

دلیل 2۔حدیثوں میں ذکر ابن مریم کے آنے کا ہے۔اور ابن مریم حضرت عیسیٰ ہیں۔اس لئے خود حضرت عیسیٰ کا آنا ضروری ہے۔

جواب: (الف) حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے ایک نبی تھے اور خاتم النبیّن کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اس لئے حضرت عیسیٰ خود اس امت میں نہیں آ سکتے۔اگر یہ کہا جائے کہ وہ نبوت سے معزول ہو کر آئیں گے تو نبی کا نبوت سے معزول ہونا محالات میں سے ہے۔

(ب) جن حدثیوں میں ابن مریم کے آنے کا ذکر ہے، وہاں ساتھ یہ بھی لفظ ہیں **وَاِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ وَاَمکُمْ مِّنْکُمْ** وہ تمہارے امام تم میں سے ہوں گے۔یعنی یہ مسیح اسرائیلی نہیں بلکہ مسلمانوں کے امام مسلمانوں میں سے ہیں۔یعنی اس امت کے ایک مجدد ہیں۔

(ج) صحیح بخاری میں مسیح اسرائیلی کا حلیہ یوں دیا ہے **ربعة احمر**۔متوسط گورا رنگ۔یہی بنی اسرائیل کا رنگ ہے۔اور آنے والے مسیح کا حلیہ یوں دیا ہے **رجل آدم کاحسن مایریٰ من اُدم الرّجال** گندمی رنگ گندم گوں لوگوں میں سے نہایت خوبصورت۔اگر حضرت مسیح اسرائیلی ہی اس امت میں آنے والے ہوتے تو دونوں کا حلیہ ایک ہوتا۔مخبر صادق صلعم نے دو حلیئے بتا کر واضح کر دیا ہے کہ اس وقت امت میں آنے والے مسیح اسرائیلی مسیح نہیں بلکہ اس کا کوئی مثیل ہے۔

(د) قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح اسرائیلی فوت ہو چکے۔ اللہ تعالیٰ کا قول **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ** (117:5) اس پر نص صریح ہے۔یعنی جب حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا جائے گا کہ کیا آپ نے لوگوں کو کہا تھا کہ میں خدا ہوں تو وہ جواب میں کہیں گے کہ میں ان میں جب تک رہا ان کا یہ عقیدہ نہ تھا۔میری الوہیت کا عقیدہ انہوں نے میری وفات کے بعد بنایا۔اس لئے عیسائیت کا یہ عقیدہ وفات مسیحؑ کے بعد بنا۔اور تاریخ سے یہی ثابت ہے کہ تثلیث کا عقیدہ 300 عیسوی کے قریب مروّج ہوا۔حدیث صحیح میں بھی یہ ذکر ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلعم اپنی امت کے متعلق یہی لفظ فرمائیں گے کہ انہوں نے اگر کچھ غلطیاں کی ہیں تو وہ میری وفات کے بعد کی ہیں۔**فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ**۔اور ایک

حدیث میں یہ بھی ذکر ہے اِنَّ عِیۡسٰی عَاشَ عِشۡرِیۡنَ وَمِئَۃَ سَنَۃٍ۔ حضرت عیسیٰ ایک سو بیس سال زندہ رہے۔ پس جب مسیح اسرائیلی فوت ہو چکے تو اس امت میں ان کے آنے سے مراد حضرت عیسیٰ کے رنگ میں کسی دوسرے کا آنا ہے۔ جس طرح توریت کی پیشگوئیوں کے مطابق مسیحؑ سے پہلے الیاسؑ کا آنا ضروری تھا مگر جب حضرت مسیحؑ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یحیٰی ہی الیاس ہے۔ کیونکہ یہ الیاس کے مثیل ہیں۔

دلیل 3۔ حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے۔ اور ختم نبوت کے بعد اس امت میں کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

جواب: حضرت مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں

(الف) ''نبوت کا دعوٰی نہیں بلکہ محدثیت کا دعوٰی ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے'' (ازالہ اوہام صفحہ 421)

(ب) ''وَاِنَّ ھٰؤُلَآءِ قَدۡ افۡتَرَوۡا عَلَیَّ وَقَالُوۡا اَنَّ ھٰذَا الرَّجُلَ یُدۡعٰی اَنَّہٗ نَبِیٌّ'' ترجمہ ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے کہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے (حمامۃ البشریٰ صفحہ 80)

(ج) ''وخدارا مکالمات ومخاطبات است باولیائے خود دریں امت و ایشاں را رنگ انبیاء دادہ مے شود ودر حقیقت انبیاء نیستند زیرا کہ قرآں حاجت شریعت را بکمال رسانیدہ است'' (مواہب الرحمٰن صفحہ 66-67)

(د) ''ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں'' (مجموعہ اشتہارات حصہ سوم صفحہ 223)

(ھ) ''میں جناب ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں'' (مجموعہ اشتہارات حصہ چہارم صفحہ 323)

دوم۔ اب اس کی تائید میں دلائل کو لیجئے۔

دلیل 1۔ مسیح کی پیشگوئیاں اکیلی نہیں بلکہ اس کے ساتھ دجال اور یاجوج ماجوج کے خروج

کی پیشگوئیاں ہیں۔ اور وہ سب پیشگوئیاں پوری ہو چکیں۔ جیسا کہ آج تمام مسلمانوں کو یہ امر مسلّم ہے۔ یہاں تک کہ اقبال مرحوم نے بھی صاف کہہ دیا۔

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ ینسلون

دلیل 2۔ مسیح کی آمد کے لئے عظیم الشان جنگوں کا وقوع بھی پیشگوئیوں میں آتا ہے۔ جس قسم کے جنگ آج دنیا کو پیش آرہے ہیں اس کی کوئی دوسری نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

دلیل 3۔ (الف) کسر صلیب آنے والے مسیح کا کام بتا کر یہ بتا دیا ہے کہ وہ ایسے زمانہ میں آئے گا جب عیسائیت کا دنیا میں غلبہ ہوگا۔ سو وہ یہی زمانہ ہے۔

(ب) کسر صلیب سے مراد سچ مچ صلیبوں کا توڑتے پھرنا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ عیسائیت پر اتمام حجت ہے۔ جیسا کہ چودھویں صدی کے مجدد نے کیا ہے۔ ساری تاریخ اسلام میں ابتدائی تین صدیوں کو چھوڑ کر جب عیسائیت اسلام کے سامنے مغلوب تھی کسی نے نہیں کیا۔ اسی لئے مسیح بھی چودھویں صدی کا مجدد ہے۔

دلیل 4۔ (الف) مسیح کا کام یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اسلام کو سب دینوں پر غالب کرے گا۔ سو غلبۂ اسلام کی بنیاد جو چودھویں صدی کے مجدد کے ہاتھوں رکھی گئی ہے وہ اور کسی مجدد کے ہاتھ سے نہیں رکھی گئی۔

(ب) تبلیغ اسلام کا کام اس زمانہ میں اگر کوئی جماعت کر رہی ہے تو وہ صرف وہی جماعت ہے جو مسیح موعود کے پیرو ہیں۔ دوسرے مسلمانوں کو تبلیغ اسلام کی طرف کوئی توجہ نہیں۔

(ج) آج اس جماعت نے یورپ اور امریکہ اور دوسرے ممالک میں تبلیغ اسلام کے مرکز قائم کر دیئے ہیں۔ کفرستانوں میں مسجدیں بنادی ہیں۔ قرآن کریم اور نبی کریم صلعم کی سیرت اور اسلامی لٹریچر کے ترجمے تیس کے قریب زبانوں میں کر کے اسلامی علوم کو دنیا میں پھیلا دیا ہے۔ دوسری کسی جماعت کو یا کسی اسلامی سلطنت کو بھی وہ توفیق نہیں ملی جو اس چھوٹی سی جماعت کو ملی ہے۔

(د) ہر ملک اور ہر قوم کے اندر اسلام کا پیغام پہنچا دیا۔ جہاں آج تک وہ نہیں پہنچایا گیا تھا۔ ہزارہا کی تعداد میں لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

(ھ) یہ سچ ہے کہ اس طرح کا فوری انقلاب یہاں نظر نہیں آتا، جیسا سیّد البشر حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نے پیدا کر دیا تھا۔ مگر مسیح اول کے کام کی طرح یہ کام تدریجاً ساری دنیا میں پھیل رہا ہے اور اسلام کے غلبہ کے کھلے آثار نظر آ رہے ہیں۔ بعد اس کے کہ دشمنوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اسلام اب نہیں اُٹھے گا۔

دلیل 5۔ جس طرح مسیحؑ اول کے پیروؤں نے غلو کر کے اسے نبی سے خدا بنا دیا، اسی طرح اس امت کے مسیح کے پیروؤں نے غلو کر کے اس شخص کو، جس کا دعویٰ صرف مجدد ہونے کا تھا، نبی بنا دیا۔ یہ غلو بھی مسیح اسرائیلی سے آپ کی مماثلت کو ثابت کرتا ہے۔

بالآخر میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ ٹھنڈے دل سے ان امور پر غور کریں۔ اگر دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچانا ضروری ہے، اگر خدا کے اس وعدہ کا پورا ہونا ضروری ہے کہ دین اسلام بالآخر تمام دینوں پر غالب آئے گا، تو یہ کام سوائے اس شخص کے دامن سے وابستگی کے نہیں ہوسکتا، جسے خدا نے اس غرض کے لئے اس صدی کے سر پر مبعوث فرمایا ہے۔ تبلیغ اسلام کے کام کے لئے خدا نے اس جماعت کو چن لیا ہے۔ اس لئے سب مسلمان بھائی اس میں شامل ہو کر خدا کے دین کو قوت پہنچائیں۔ اس میں ان کی طرف سے جو سستی ہو رہی ہے وہ خدا کی نصرت کے وعدہ کے دن کو پیچھے ڈال رہی ہے۔

''ڈائی وورس اِن اسلام'' کا عربی ترجمہ: (24 مئی 1950ء) سیّد تصدق حسین صاحب قادری کا حضرت مولٰینا عزیز بخش صاحب کے نام مکتوب گرامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ عرصہ سے آپ کی جانب سے خیریت نامہ نہیں آیا۔ امید ہے بفضل ایزدی آپ اور تمام بزرگان سلسلہ بخیر وعافیت خدمات دینیہ میں مصروف ہوں گے۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ حضرت سیدنا امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی تالیف کردہ کتاب ''ڈائی وورس ان اسلام'' کا ترجمہ بنام **الطلاق فی الاسلام** بیروت میں شائع ہوگیا۔ ترجمہ السیدہ حبیبہ شعبان یکن نے کیا۔ مقدمہ لبنان کے مشہور ادیب ڈاکٹر مصطفیٰ الخالدی کی قلم سے لکھا گیا اور مختصر ترجمہ حیات مجاہد اعظم سیدنا امیر، خاکسار کی طرف سے چھپا۔ تعلیقات السیدہ حبیبہ شعبان یکن کے شوہر محترم السید زھدی یکن کی قلم سے

سونے پر سہاگہ کا کام دے گیا ہے۔ نہایت ہی نفیس کتاب چھپی ہے۔ 159 صفحات پر مشتمل ہے۔ مکتبہ العصریہ کے مالک السید محمود حلمی نے پچاس کاپیاں منگوائیں۔ جو اسی روز آنے کے ساتھ ہی فروخت ہو گئیں۔ صرف دو کاپیاں مجھے مل سکیں۔ اب پھر آرڈر بھیجا گیا ہے۔ ایک کاپی عزیزم فاروقی صاحب کراچی کو اس خیال سے بھجوائی کہ شاید مئی کے پہلے ہفتہ میں حضرت سیدنا امیر کراچی تشریف لے جاویں۔ تا حضور کی نظر سے گذرے۔ مزید کاپیاں ملنے پر آپ کی خدمت میں بھی ارسال کروں گا۔ ہم سبھوں سے وہاں تمام احباب کو السلام علیکم اور درخواست دعا۔

☆

7 جون 1950ء

احباب کے نام

ایک اہم قومی ضرورت

برادران مکرم و معظم السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ووکنگ مشن کی اہمیّت: آج سے چالیس سال پیشتر ووکنگ کو سوائے انگلستان کے چند رہنے والوں کے دنیا میں کوئی نہ جانتا تھا۔ مگر آج یہ غیر معروف بستی اور اس کی مسجد ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کا مرکز ہونے کے لحاظ سے مشہور و معروف ہے۔ مسلمان کیا اور غیر مسلم کیا، سب اس تبلیغی مرکز سے واقف ہیں۔ اور اپنوں و بیگانوں میں اس مسجد کا نام روشن ہے۔ قدرت الٰہی کا ایک زبردست نظارہ ہمیں نظر آتا ہے۔ کس طرح آج یہ مرکز گمنامی کی حالت سے نکل کر تمام دنیا میں مشہور ہے۔ مسلمان اور غیر مسلم، جہاں تک مذہبی معلومات حاصل کرنے کا تعلق ہے، سب کے سب اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

مشن کی ذمہ داری: اس مشن کو آپ ہی لوگوں نے شروع کیا تھا۔ ماسوا اس کے کہ خواجہ صاحب مرحوم احمدی تھے۔ مالی رنگ میں بھی آپ ہی کے ہاتھوں اس کی بنیاد پڑی۔ پھر ایک زمانہ وہ آیا کہ ہماری مدد سے کم اور دوسرے مسلمانوں کی مدد سے زیادہ یہ مشن چلتا رہا۔ یہاں تک کہ پھر کچھ ایسی مشکلات پیدا ہو گئیں کہ جماعت کو دوبارہ یہ بوجھ اُٹھانا پڑا۔ لیکن شاید ہم نے اس بوجھ کو اُٹھاتے وقت اپنی ذمہ داری کو نہیں سمجھا تھا۔ یہ کام تو بہت بڑا تھا۔ لیکن ہمیں اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ہم نے اس کے لئے کوئی خاص کوشش کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کو اس مشن کے اخراجات برداشت کرنے میں بڑے بھاری نقصان کا مقابلہ کرنا پڑا۔

موجودہ مالی خسارہ: میں اس کو نہایت افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ اس سال یہ مشن 6 ماہ میں 25 ہزار روپے کا مقروض ہو چکا ہے۔ اور غالباً آمدنی کے ذرائع نہ بڑھے تو سال کے اخیر تک بیس ہزار روپے کا اور نقصان ہوگا۔ یوں سال کے آخر تک کل 45 ہزار روپے کی کمی واقع ہو جائے گی۔ اگر اس مشن کے بوجھ کو اُٹھاتے وقت ہی ہم کوئی چھوٹی سی بنیاد رکھ دیتے، جس سے ساری جماعت پر بوجھ بٹ جاتا تو

آج اس قدر مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ یہ ایک بڑی کوتاہی اور غلطی سرزد ہوئی ہے۔ شاید کوئی سمجھے کہ ''اسلامک ریویو'' سے ہی اتنا بوجھ پڑ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف مشن ہی کے آمد و خرچ میں ساڑھے چودہ ہزار روپے کا فرق پڑ گیا ہے۔ یعنی آمد خرچ سے ساڑھے چودہ ہزار روپے کم ہوئی ہے۔ ''ریویو'' میں بھی کوئی ساڑھے چار ہزار کے قریب نقصان اُٹھانا پڑا ہے۔ اس نقصان کا باعث کچھ ہمارے ملکی حالات بھی ہوئے ہیں۔ بہرحال یہ 45 ہزار روپیہ کی کمی ہے۔ اس کے علاوہ 20 ہزار روپے کی ایک اور کمی ہے۔ جو بجٹ بناتے وقت ہی معلوم ہوگئی تھی۔ اس لئے مجلس منتظمہ نے تو اس کمی کو پورا کرنے کے لئے یہ تجویز کی تھی کہ کارکنان کے الاؤنس کم کر دیئے جائیں۔ لیکن جنرل کونسل نے اسے نامنظور کر دیا۔ اس لئے وہ 20 ہزار کی کمی بھی چلی آتی ہے۔ یوں یہ کل کمی 65 ہزار روپے کی ہے۔ جواب چندہ کے ذریعہ سال رواں کے ختم ہونے سے پہلے پہلے پوری کرنی چاہئے۔

اس خسارہ کو آپ سے پورا کرنا ہے: جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم نے مشن کو لیتے وقت اپنی ذمہ داری کو محسوس نہ کیا۔ اب ہمیں ایک کثیر رقم کو پورا کرنا ہے۔ ایک دو آدمی تو اسے پورا نہیں کر سکتے۔ ہم میں سے ہر ایک کو چھوٹے سے لے کر بڑے تک کو اس کمی کو پورا کرنے میں حصہ لینا ہوگا۔ غور کر کے دیکھ لو۔ کیا اس چھوٹی سی جماعت کے سوا کوئی اور جماعت ایسی ہے جس کا مقصد اسلام اور قرآن کریم کے نور کو دنیا میں پہنچانا ہو۔ مسلمان حکومتیں اس اہم فریضہ کی ادائیگی سے غافل ہیں۔ یہ صرف حضرت مسیح موعود کے ساتھ تعلق ہی کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بزرگ مقصد کے لئے چن لیا۔ اب اگر آپ لوگوں نے بھی اس کام کی طرف پوری توجہ نہ کی اور اس کی ذمہ داری کو محسوس نہ کیا تو پھر اور کوئی جماعت ایسی نہیں جو اس کام کو سنبھال سکے۔ خدا کی نصرت تو ضرور آ کے رہے گی۔ ہاں یہ صرف انہی لوگوں کے لئے آتی ہے جو سرفروش ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (111:9) اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانیں اور اموال خرید لئے ہیں۔ اور اس کے عوض میں انہیں جنت عطا فرمائے گا۔

خسارہ کو پورا کرنے کی تجویز: تو اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے یہ 65 ہزار روپے کا بوجھ آپ لوگوں ہی نے اُٹھانا ہے۔ اس کے لئے میں نے یہ تجویز کی ہے کہ اس کو بعض جماعتوں پر تقسیم کر دیا جائے اور

بعض احباب کو اس کی وصولی پر لگا دیا جائے۔ جو جماعتوں میں جا کر اس رقم کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ اور دوسرے احباب کو بھی اس کے لئے تحریک کریں۔ اس ضمن میں لاہور کی جماعت کے حصہ میں مَیں نے 20 ہزار روپے ڈالا ہے۔ اور دس دس ہزار روپیہ لائل پور اور کراچی کی جماعتوں کے نام۔ باقی 25 ہزار روپیہ دوسری جماعتیں پورا کریں۔ ہم نے اس کمی کو بہرحال پورا کرنا ہے۔ ایک فوج کی طرح باہم یکجہتی سے اس بوجھ کو اُٹھایئے۔ جو زیادہ حصہ نہیں لے سکتے وہ کم از کم اپنی دس دن کی آمد ضرور دیں۔ چاہیں تو اس کی ادائیگی کو پانچ مہینوں تک پھیلا لیں۔ اور ہر مہینہ صرف دو دو دن کی آمد دیتے چلے جائیں۔ یوں بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا اور کمی بھی پوری ہو جائے گی۔

مشن کو چلانا ضروری ہے: میں ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ یہ ووکنگ مشن، جس میں آج کمی واقع ہوئی ہے، اس مشن میں اس وقت تک 30 لاکھ کے قریب روپیہ خرچ ہو چکا ہوگا۔ اور دوسرے اب تمام دنیا میں یہ ایک تبلیغی مرکز کی حیثیت سے مشہور بھی ہو چکا ہے، تو اس پر ہر دو لحاظ سے اب ہمارے لئے یہ اچھا نہ ہوگا کہ اتنا روپیہ خرچ کر چکنے کے بعد چند ہزار کے لئے اس کام کو بند کر دیں۔ یوں اسلام اور مسلمانوں کو بھی دھکا لگے گا جس سے وہ پھر اُٹھ نہیں سکیں گے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ خواجہ صاحب مرحوم تبلیغ اسلام کے جوش میں دیوانہ وار مصر، افریقہ وغیرہ میں پھر رہے تھے۔ آج یہ کام پیچھے پڑا ہوا ہے۔ خدا کی نصرت انہیں لوگوں کے شامل ہوتی ہے جو اس کو تلاش کرتے ہیں۔ سو آج ہمیں بھی بعض ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو الٰہی فضل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں۔ اور اس پیش آمدہ نقصان کی تلافی کریں۔ ہمارا مقصد بہت بلند اور ہماری راہ بڑی کٹھن ہے۔ اسلام کے نور سے دنیا کو منور کرنا ہے۔ اُٹھو اور اس کے رسولؐ کے لئے پوری پوری جدوجہد کرو۔ تا الٰہی نصرت تمہارے شامل ہو۔

ایک خوشخبری: میں نے کہا کہ 20 ہزار روپیہ لاہور کی جماعت ادا کرے۔ اس سلسلہ میں ایک خوشخبری آپ کو سناتا ہوں کہ خدا کے اس کام کو زندہ رکھنے کے لئے خواجہ نذیر احمد صاحب نے 5 ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ دو ہزار روپیہ خواجہ صاحب کے ایک پرانے رفیق نے، جو اپنا نام سردست ظاہر کرنا نہیں چاہتے، وعدہ کیا ہے۔ یوں 20 ہزار میں سے ایک تہائی حصہ تو پورا ہو چکا۔ باقی 2/3 حصہ باقی جماعت کے احباب پورا کرنے کی کوشش کریں۔ بعض احباب نکلیں جو دوسروں سے ملیں اور انہیں اس طرح توجہ

دلائیں اور انہیں اس کارِ خیر میں شامل ہونے کی اپیل کریں۔ اسی طرح بیرونی جماعتوں کے احباب بھی دوستوں سے ملیں۔

''اسلامک ریویو'' کے متعلق: ایک بات اسلامک ریویو کے متعلق بھی کہنی چاہتا ہوں۔ پہلے سے اس کی حالت بہتر بنانے کے نتیجہ میں اس کی شہرت بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ساتھ ساتھ اخراجات بھی بہت بڑھ گئے ہیں۔ شروع میں بھی یہی خیال تھا کہ اسلامک ریویو پہلے دو سال تک نقصان میں چلے گا۔ تیسرے سال یہ اپنے اخراجات اُٹھانے کے قابل ہو جائے گا اور اب بھی یہی خیال ہے۔ اس کی خریداری غالباً چھ ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ تھوڑی کوشش اور کریں کہ اس کی خریداری دس ہزار تک پہنچ جائے تو پھر امید ہے کہ نقصان چھوڑ کچھ مالی قوت کا بھی یہ موجب ہو جائے گا۔ میں نے پچھلے سال اس کی خریداری کو بڑھانے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ میں نے دیکھا کہ کراچی میں بعض غریب آدمی، جن کا کوئی اچھا خاصہ رسوخ نہ تھا، تین تین چار چار خریدار بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ دوسرے مقامات میں بھی بعض احباب نے اس طرف توجہ فرمائی۔ تو اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بارسوخ احباب اس کی خریدار بڑھانے میں کس قدر ممد ثابت ہو سکتے ہیں! بعض لوگ شکایت کرتے ہیں کہ اس میں مذہبی مضامین کم ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں مذہبی مضامین کے لکھنے کے لئے تو آپ کی جماعت تھی۔ آپ کیوں اس کے لئے مضامین نہیں لکھتے۔ اعتراض کرنا تو آسان ہوتا ہے۔ کوئی تعمیری کام کر کے دکھانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ ہم میں خدا کے فضل سے کافی آدمی ہیں جو بڑے اعلیٰ مضامین لکھ سکتے ہیں۔ کم از کم بیس ایسے آدمی ضرور ہیں۔ اگر سال میں دو دو تین تین مضامین ہی اس رسالہ کے لئے لکھیں تو یہ شکایت دور ہو سکتی ہے۔ اس رسالہ کو بہتر بنانے کی کوشش کیجئے۔ ہر وقت نقائص ہی کو بیان کرتے رہنا کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ آپ لوگ اگر ہمت کریں تو اس سے آپ کا علم بڑھے گا اور رسالہ کی حالت بھی بہتر ہو جائے گی۔ میں آج پھر اس کی خریداری کو بڑھانے کے لئے احباب سے اپیل کرتا ہوں۔ کوشش کیجئے کہ اس کی خریداری دس ہزار تک پہنچ جائے۔ پہلے اس کا سالانہ چندہ تیرہ روپے آٹھ آنے تھا۔ اب کم کر کے دس روپے کر دیا ہے۔

ایک اور اپیل: اس سلسلہ میں ایک اور اپیل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ پچھلے سال ہندوستان کی ڈیڑھ سو

لائبریریوں میں احباب نے اسلامک ریویو مفت جاری کروایا تھا۔ وہ چندہ تو اب ختم ہونے کو ہے۔ احباب اس کی اہمیت کی طرف متوجہ ہوں کہ اس رسالہ کے وہاں جانے سے ملکی تعلقات پر بہت خوشگوار اثر پڑے گا۔ سو میں ان تمام احباب سے، جنھوں نے یہ رسالہ مفت جاری کروایا تھا، یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ آئندہ سال کے لئے بھی اسے جاری رکھیں۔ دفتر کو بھی چاہئے کہ وہ فرداً فرداً ان تمام احباب کو اس کے جاری رکھنے کی اپیل کریں۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

☆

14 جون 1950ء

مکتوب امیر

اللہ تعالیٰ کی نصرت کی ہوا

برادران محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مجھے کل جو خط ووکنگ سے ملا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اسلام کے لئے ایک زبردست ہوا چل رہی ہے۔ 21 مئی سے 24 مئی تک چار دنوں میں پانچ نئے آدمی اسلام میں داخل ہوئے۔ 21 مئی کو ایک 22 مئی کو ایک 23 مئی کو دو 24 کو ایک۔ اور یہ مختلف مقامات کے رہنے والے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کھلی نصرت کا نظارہ ہے اور اگر ہم کچھ اور زیادہ خدا کے آگے گریں اور اس کی نصرت کے لئے ہمارے دلوں سے ایک فریاد نکلے تو مَیں وہ دن دور نہیں دیکھتا جب ہم گروہ در گروہ لوگوں کو اسلام میں داخل ہوتے دیکھ لیں گے۔ اس کے ساتھ ہی بہت سے خطوط کی نقول ملی ہیں۔ جو دنیا کے ہر گوشہ سے آئے ہوئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اسلام کے لئے دُنیا کس طرح پیاسی ہے۔

☆ ایک لکھتا ہے

''جب میں قبرص میں تھا تو وہاں کی ترک آبادی میں میرے بہت سے دوست بن گئے ان کا اور ان کی طرز زندگی کا میں مداح ہوں۔ اور ان کے لئے میرے دل میں ایک احترام ہے۔ میرے دل میں یہ خواہش ہے کہ میں بھی اسلام کا پیرو بن جاؤں۔ یہ بہت غور اور فکر کے بعد میں نے لکھا ہے۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ میرے دل کی تڑپ ہے''

☆ دوسرا لکھتا ہے:

''میں خود مذہباً عیسائی ہوں۔ مگر موحد عیسائی۔ میرے مذہبی اصول بہ نسبت عیسائیت کے اسلام سے بہت زیادہ قریب ہیں۔ جب کبھی مجھے موقع ملتا ہے میں لوگوں کو اسلام کی صحیح تصور دکھانے کی کوشش کرتا ہوں اور میں انہیں بتاتا ہوں کہ یہ ایک اعلیٰ درجہ کا مذہب ہے اور عیسائیت سے بلند تر ہے''

☆ تیسرا لکھتا ہے:

''میں ایک مدت سے کلیسائی عیسائیت سے غیر مطمئن ہوں اس کی بہت سی باتوں سے مجھے اتفاق نہیں۔ اور ایک بات کو سمجھے بغیر میں اسے قبول کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں پاتا۔ میں نے یہودیت کی طرف توجہ کی کہ شاید یہ میرے جیسے HUMANIST کے لئے کوئی راہ دکھا سکے۔ مگر اسے بھی عیسائیت کی طرح مردہ ہی پایا۔ یہ حالات بدل نہیں سکتے جب تک کہ لوگوں کو خدا کی وحی کا صحیح علم نہ ہو۔ جو قرآن کے خوبصورت الفاظ میں ہمیں ملتا ہے جس کی آیات مَیں آپ کے ''اسلامک ریویو'' کے صفحات میں پاتا ہوں''۔

☆ چوتھا لکھتا ہے:

''میں نے یہ کتابیں (ترجمہ قرآن اور لِونگ تھاٹس) پڑھی ہیں اور قرآن کے ترجمہ کی تمہید کو میں نے بہت ہی دلچسپ پایا ہے۔ جو ایک اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے...... آپ مہربانی کر کے مجھے کچھ اور لٹریچر بھیجیں اور یہ بھی اطلاع دیں کہ با قاعدہ طور پر کس طرح اسلام میں داخل ہو سکتے ہیں''

ایسے خطوط ووکنگ میں بکثرت آئے رہتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ خدا کا ہاتھ کس طرح کام کر رہا ہے۔ قلوب کے اندر یہ حرکت پیدا کرنا یہ انسان کے بس کی بات نہیں یہ خدائی نصرت ہے۔ مگر کیا ہم خدا کی ان نصرتوں کی ہواؤں کو چلتا دیکھ کر شکر گذاری کے طور پر اپنا قدم آگے بڑھا رہے ہیں؟ یہ ہر احمدی اپنے نفس سے تنہائی میں سوال کرے۔ اس عظیم الشان کام میں جس کے ساتھ آج خدا کی نصرت کا ہاتھ کھلا ہوا کام کرتا نظر آتا ہے ہم کیا حصہ لے رہے ہیں؟!

شکر گذاری اس کام کی یہ تھی کہ ہم ووکنگ میں آج ایک درجن مبلغ کام کرنے والے لگا دیتے۔ اگر ہم یہ قدم اُٹھالیں تو ہم اپنی آنکھوں سے وہ دن جلد دیکھ لیں گے جب اسلام کے اندر گروہ در گروہ لوگ داخل ہونے لگیں۔ یہ صرف ووکنگ کا ہی حال نہیں، جرمنی میں جہاں ووکنگ کے بعد دوسرا تبلیغی مرکز ہم نے قائم کیا تھا، آج وہاں بھی اسلام کے لئے ایک زبردست حرکت پیدا ہو چکی ہے۔ اور

اگر ایک کی بجائے دو تین آدمی وہاں کام کرنے والے ہو جائیں تو اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نصرت کا نظارہ دیکھ سکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے آپ کو معلوم ہے کہ کس قدر قربانیوں کی ضرورت ہے؟ ابھی وہ اہل دل باہر نہیں نکلے جو غلام ربانی خاں صاحب کی طرح دنیا کو پس پشت ڈال کر خدا کے کام میں لگ جائیں۔ ابھی ہمارے پرانے بزرگ دنیا کما کر سیر نہیں ہوئے۔ ابھی ہم میں کئی آدمی تعمیر کی بجائے نکتہ چینی میں لگے ہوئے ہیں۔ اور کام کرنے والوں کے عیوب کو تلاش کر رہے ہیں۔ اور ہماری خواہش ہے کہ ہم کریں کچھ نہ اور تعریف بھی ہماری ہی ہو۔ ابھی ہم میں بہت اور بڑے بڑے لوگ **يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا** (3:188) کے مصداق ہیں۔ ہمارا پیسہ ایک خرچ نہ ہو، چندے کا نام نہ ہو اور ہماری تعریف کرو کہ ہم کتنا بڑا کام کر رہے ہیں۔ یعنی اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے ہیں اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد ہم کو کبھی یاد تک نہیں آتا! ہم میں قربانیاں کرنے والے بھی ضرور ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو خدا کی یہ نصرت بھی نہ آئی ہوتی۔ ہم میں گریہ وزاری کرنے والے بھی ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو ہمارا وجود بھی لوگ مٹا دیتے۔ مگر ہماری زنجیر ابھی کمزور ہے اس لئے کہ ہماری بہت سی کڑیاں کمزور ہیں۔

میں نے جماعت کے سامنے ابھی تو اس بات کو رکھا ہے کہ پہلے خسارہ کو پورا کر لو۔ 45 ہزار روپے کا خسارہ ہم میں سے نادہندوں کی وجہ سے ہے۔ اگر ان کے دل خدا کی نصرتوں کو دیکھ کر بھی حرکت میں نہیں آتے تو کم سے کم جو حصہ قربانیاں کر رہا ہے، یہ بوجھ اسی نے اُٹھانا ہے۔ میں نے لاہور کے ذمہ بیس ہزار ڈالا ہے اور آٹھ ہزار کے قریب پورا کر کے وہاں سے کراچی آیا۔ مگر وہ صرف تین آدمیوں کا چندہ ہے۔ ابھی ساری جماعت وہاں پڑی ہے۔ میں وفود کا انتظام کر کے وہاں سے چلا تھا کہ فرداً فرداً احباب کے پاس پہنچ کر اس کام میں انہیں شامل کیا جائے۔ اگر تین آدمی آٹھ ہزار روپے دے سکتے ہیں تو کیا باقی دو سو یا اڑھائی سو آدمی بارہ ہزار پورا نہیں کر سکتے۔ میں نے کراچی اور لائل پور کے ذمہ دس دس ہزار ڈالا ہے۔ لائل پور میں خط و کتابت سے تحریک کر رہا ہوں۔ کراچی پہنچ کر میں نے کل ہی یہاں کے احباب کو بلایا تھا۔ نصف سے کم ہی احباب شامل ہو سکے مگر اللہ تعالیٰ ان پر اپنے فضلوں کی بارش برسائے۔ سوا سات ہزار روپیہ کے وعدے اب تک ہو چکے ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ جمعہ تک یہ دس ہزار پورا ہو جائے گا۔ میں یہ بھی امید رکھتا ہوں کہ لائل پور کے صاحبان وسعت بھی میری درخواست کو رد نہ کریں گے۔ باقی پچیس ہزار اب ساری

جماعت نے پورا کرنا ہے سوان کو توجہ دلاتا ہوں کہ جلد تر اس کی طرف توجہ کریں۔ اور اس مشکل کو حل کریں۔ آج ہی کریں تا کہ کل ہم دوسرا قدم اُٹھا سکیں۔ خدا کے دین کی خدمت میں سستی ہمارے قریب نہ آئے۔

ایک بات اسلامک ریویو کے متعلق بھی کہنا چاہتا ہوں جن پانچ نومسلمین کی فہرست ووکنگ سے میرے پاس آئی ہے، ان میں سے تین وہ ہیں جو صرف اسلامک ریویو کو پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے کئی دوست اسلامک ریویو پر نکتہ چینی کو ہی ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ مگر خدا اپنے فضل سے اسے قبولیت دے رہا ہے۔ ہاں اس میں نقص ہیں۔ ان کی اصلاح ضرور کیجئے۔ نکتہ چینی سے اصلاح نہیں ہوا کرتی۔ اصلاح کام کرنے سے ہوتی ہے۔

ایک بات اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے کسی دوسری جگہ کچھ کام کرنے والے آدمی بھی مانگے ہیں۔ جو اس وقت مشکلات کو پھاند کر اس کام کے لئے نکل آئیں گے۔ ان کے نام دنیا میں روشن ہو جائیں گے۔ اور آنے والی نسلیں ان پر درود بھیجیں گی۔ اس کام کی طرف نوجوان بھی توجہ کریں اور وہ بزرگ بھی توجہ کریں جو کافی دنیا کما چکے ہیں۔ اب خدا کے کام کو اپنا لیں تا کہ خدا کے سامنے حاضر ہوں تو وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (80:38-39) کے مصداق ہوں۔ والسلام خاکسار محمد علی

اسلامی احکام نکاح وطلاق پر مشہور علمی ماہنامہ ''روح ترقی'' حیدر آباد دکن کا تبصرہ: (14 مئی 1950ء)

ہندوستان نے انگلش جامعات سے چند بہترین مسلمان اہل علم وفضل کو پیدا کیا جو علوم اسلامی ومغربی اور مشرقی ومغربی السنہ میں جامعیت رکھتے ہیں اور وہ مشاغل علمی میں مصروف رہ کر اپنے نتائج تحقیقات کو شائع کرتے رہتے ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ ایل ایل۔ بی صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور بھی ان میں سے ایک فرد ہیں۔ ان کی محققانہ کثیر تالیفات انگریزی اور اردو میں قران مجید، اسلام اور سیرت نبویؐ پر موجود ہیں۔ صاحب موصوف نے حال میں اسلامی احکام نکاح وطلاق پر ایک کتاب انگریزی میں لکھی ہے۔ اور محنت تفحص سے تالیف کی ہے۔ ساتھ ہی یہ التزام بھی ملحوظ ہے کہ وہ فرقہ واریت سے بلند و بالا رہے اور انگریزی دان طبقہ مسلم وغیر مسلم کے لئے ضروری کارآمد مواد اختصار سے سامنے لایا جائے جس کی شدید ضرورت تھی (ماہنامہ ''روح ترقی'' حیدرآباد دکن) بابت فروری ومارچ 1950ء صفحہ 79

☆

14 جون 1950ء

مکتوب امیر

چند مجاہدین کی ضرورت

برادران محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس وقت میں یہ ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ جماعت کے چند احباب اسی طرح قربانی پیش کریں جس طرح خان بہادر غلام ربانی خاں صاحب نے کی۔ ووکنگ میں یوں تو پہلے دو کارکنوں میں صرف ایک تیسرے کارکن کا اضافہ ہوا ہے۔ مگر کام ڈیوڑھے کی بجائے دس گنا سے بھی زیادہ ہو رہا ہے اور اب وہاں مزید ضرورت اس قدر پیدا ہوگئی ہے کہ ایک چوتھا کارکن وہاں جلد سے جلد بھیجنا ضروری ہے۔ تین متفرق مقامات پر اس وقت جمعہ کا انتظام ہے۔ مگر ایک چوتھی جگہ بھی ایک جمعہ کے امام کی ضرورت ہے۔ اور متفرق مقامات پر لیکچروں کے علاوہ کئی جگہ پاکستانی نوجوانوں کی دینی تعلیم کا انتظام بھی ہے۔ اور ان دونوں انتظامات کو وسعت دینے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ مگر ووکنگ کے خاص حالات کی وجہ سے وہاں جس آدمی کی ضرورت ہے وہ علاوہ اس کہ کے لیکچر اور خطبہ اور دینی تعلیم دے سکے کچھ حساب کتاب کے کام سے بھی واقف ہو تو زیادہ موزوں ہوگا۔

علاوہ ازیں ایک اور بھی ضرورت ہے۔ مرزا ولی احمد بیگ انڈونیشیا جا رہے ہیں۔ مگر وہ زیادہ عرصہ وہاں نہیں ٹھہر سکیں گے۔ اس لئے ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو انڈونیشیا میں بطور مبلغ کام کر سکے۔ تیسری ضرورت ایک ایسے مبلغ کی ہے جو باہر کے متفرق ممالک میں دورہ کا کام کر سکے اور اپنے تبلیغی کام کی اہمیت کا احساس بھی پیدا کر سکے۔

چوتھی ضرورت ایک ایسے لیکچرار کی ہے جو تین چار ماہ مشرقی پاکستان میں دورہ کر سکے اور وہاں جماعت کے کام کی طرف لوگوں کو توجہ دلا سکے۔ اس کے لئے حالات سازگار ہیں۔ اور بھی متفرق ضروریات پیش آتی رہتی ہیں۔ یہاں کے دفاتر میں بھی بعض قابل کارکنوں کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہاں مرکز میں بھی دفتر کے کاروباری کام میں موزوں آدمیوں کی قلت کی وجہ سے کام پوری قوت سے نہیں ہو رہا۔ اس لئے میں احباب سے یہ اپیل کر رہا ہوں کہ وہ جلد سے جلد اپنی درخواستیں معہ ضروری

کوائف کے سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام بھیج دیں۔ بعض احباب ایسے بھی ہیں جنہوں نے پہلے اپنی زندگی کو اس کام کے لئے وقف کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر انجمن اس وقت ان کو نہیں لے سکی۔ وہ بھی اپنی درخواستیں دوبارہ بھیج دیں۔ انجمن کے موجودہ کارکنوں میں سے اگر کوئی صاحب ہوں جو باہر جانا پسند کرتے ہوں تو وہ بھی اپنی درخواستیں بھیج سکتے ہیں۔ گذارہ کے لئے جو انتظام درخواست کنندہ احباب چاہتے ہوں اس کا ذکر بھی اپنی درخواستوں میں کر دیں۔ آخر جون سے پہلے پہلے درخواستیں پہنچ جانی چاہئیں۔ والسلام خاکسار محمد علی از کراچی

مکتوب مولینا عمر الدین صاحب: (23 جون 1950ء) آج کل اخبار (پیغام صلح) پڑھ کر ایمان تازہ ہوتا رہتا ہے۔ میرے علم میں قادیانی کوئی اخبار بھی اتنا اچھا آج کل نہیں۔ حضرت مولانا امیر جماعت کے خطبات تو روح پرور اور علم کا نچوڑ ہوتے ہیں۔ اس لئے میرے اس مضمون کو صرف اس وقت چھاپیں جب کوئی اور اعلیٰ مضمون ہاتھ میں نہ ہو۔ مولینا شیخ عبدالرحمٰن صاحب کو مجبور کرتے رہیں کہ وہ صداقت مسیح موعود پر لکھتے ہی رہیں۔ ''خاندانِ نبوت'' کا استعمال ترک کرنے کا حکم جو میاں صاحب نے دیا ہے۔ اس سے اس نے مسئلہ نبوت کو قریباً صاف کر دیا ہے۔ علماء میں سے فتنہ کا پیدا ہونا اور انہیں میں لوٹ جانا کی جو خبر احادیث میں آخری زمانہ کے متعلق ہے، وہ اگر قادیان کے فتنہ اور اس کے مٹنے پر چسپاں کی جائے، تو بت عمدہ مضمون بنتا ہے۔

حضرت امیر ایدّہ اللہ کا خط: حضرت امیر مولینا محمد علی ایدّہ اللہ نے مجھے ایک خط لکھا ہے۔ اس کی نقل درج ذیل ہے۔ اگر مناسب سمجھیں تو اسے شائع کر دیں۔ یہ مفید مضمون ہے:

اخویم مکرم معظم مولینا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط ملا۔ الحمدللہ کہ آپ بخیریت ہیں۔ پہلے مسیحؑ کے متعلق تو غلو آج تک قائم رہا۔ مگر یہ مہدویت کی برکت ہے کہ مسیح موعود کے متعلق غلو کا خاتمہ ہماری زندگیوں میں ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اور یہ سب سے بڑھ کر خوشی کی بات ہے کہ جہاں سے غلو پیدا ہوا، وہیں اس کا احساس ہو کر اب وہ دور ہونا شروع ہوا ہے۔ یہ محض خدا کا احسان ہے۔ اور شاید بعض درد دل کی دعاؤں کا اثر۔ ورنہ کوشش ہماری طرف سے بہت کم ہوئی ہے۔

مجھے لاہور میں کچھ تکلیف زیادہ ہو گئی تھی مگر چند دن کے لئے خدا کے فضل سے وہیں صحت درست ہو گئی تھی اور اب میں اچھا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے کامل عطا فرمائے اور آپ کو اعلائے کلمۃ اللہ کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ وقت ہے کہ ہندوستان میں جماعت کی توسیع اور استحکام کی طرف خصوصیت سے توجہ کی جائے۔ آپ کے پاس لٹریچر تو کافی ہوتا ہے۔ کوئی اور صورت آپ کے خیال میں ہو تو اطلاع دیں۔ بمبئی میں آپ کا جمعہ کا کوئی انتظام ہے یا نہیں۔ ہماری جماعت کے کتنے آدمی ہیں۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی۔ پروین، برنٹن روڈ۔ کراچی

مہدویت کا جو ذکر اس خط میں ہے۔ اس سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود نے خود لکھا ہے کہ پہلے مسیحؑ کی وجہ سے غلو ہوا۔ اس لئے میں نے جبکہ مجھے یہ بتایا گیا کہ تیری عزت بہت زیادہ ہو گی تو میں نے عرض کی کہ خدایا مجھے وجہ شرک لوگ نہ بنالیں۔ تو مجھ کو کہا گیا کہ تیرے ساتھ محمدیؐ برکات ہیں۔ اس لئے مہدویت غالب رہے گی۔ مجھے یاد نہیں کہ یہ مضمون کب پڑھا اور کہاں سے غالباً یہ وہاں سے۔ جہاں سفید گھوڑوں پر سوار یورپ کے بادشاہوں کا آپ کے پیچھے ہونا دکھائے جانے کا ذکر ہے۔ مولٰینا عمرالدین

میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا ایک ضروری اعلان: (28 جون 1950ء) 1914ء میں جب حضرت مسیح موعود کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کیا گیا، جناب میاں محمود احمد صاحب نے اپنے ایک مرید کو یہ لکھا تھا کہ ''نبوت کے متعلق میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سب احمدی حضرت مسیح موعود کو نبی ظلی ہی مانتے ہیں۔ لیکن حضرت صاحب کے درجہ کو (بزعم میاں صاحب۔ ناقل) اس وقت بہت گھٹا کر لکھا جاتا ہے۔ اس لئے مصلحت وقت مجبور کرتی ہے کہ آپ کے اصل درجہ سے جماعت کو آگاہ کیا جائے (یعنی ظلی نبی سے نبی بنا دیا جائے۔ ناقل) ورنہ اس طرح لفظ نبی کے استعمال کو میں خود بھی پسند نہیں کرتا''۔

خدا کا شکر ہے کہ ''یہ مصلحت وقت'' اب ختم ہو رہی ہے۔ جس کے ثبوت میں میاں صاحب کا حسب ذیل اعلان پیش کیا جاتا ہے۔ جو الفضل مؤرخہ 20 مئی 1950ء میں شائع ہوا ہے۔ ہم اس اعلان کے لئے میاں صاحب کی خدمت میں مبارکباد عرض کرتے ہیں۔

''ایک صاحب دیر سے یہ لکھ رہے تھے کہ خاندان نبوت کا لفظ حضرت مسیح موعود کے خاندان کے متعلق نہ لکھا جایا کرے۔ مجھ پر چونکہ یہ اثر تھا کہ اس کے پیچھے صرف بزدلی کا جذبہ ہے کہ اس سے غیر

احمدی چڑتے ہیں۔اس لئے میں کوئی وجہ نہیں پاتا تھا کہ جب ایک بات میں صداقت پائی جاتی ہے تو اس کو کیوں نہ استعمال کیا جائے۔لیکن متواتر خط وکتابت میں ان صاحب نے ایک بات لکھی جس نے میری طبیعت پر اثر کیا۔اور وہ بات یہ تھی کہ خاندان نبوت سے دھوکا لگتا ہے کہ شاید یہی ایک خاندان نبوت ہے۔اور میں نے سمجھا کہ اس قسم کا دھوکہ ضرور پیدا ہوجاتا ہے۔اس لئے اس لفظ کا استعمال ٹھیک نہیں۔اصل نبوت تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔حضرت مسیح موعود کی نبوت تو ظلی ہے۔پس اصل ''خاندان نبوت'' تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہے۔جس نے اپنی قربانیوں سے اور اپنے ایثار سے اور اپنی خدمت اسلام سے یہ ثابت کردیا کہ ان کے دل میں جو اس فضل اور احسان کی بہت بڑی قدر ہے جو خدا تعالیٰ نے انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پیدا کر کے کیا ہے۔پس ایسا کوئی لفظ جس سے یہ شبہ پیدا ہوجائے کہ کسی اور خاندان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے علاوہ کوئی امتیاز دیا جاتا ہے،تو خواہ وہ نادانستہ ہی ہو پسندیدہ نہیں۔اس لئے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ ''الفضل'' میں اور دوسری احمدی تحریروں میں حضرت مسیح موعود کے خاندان کو خاندان نبوت کی بجائے خاندان مسیح موعود لکھا جایا کرے۔حضرت مسیح موعود کے جتنے دعاوی ہیں۔وہ سارے کے سارے مسیح موعود کے لفظ میں شامل ہوجاتے ہیں کیونکہ یہی نام آپ کا حاوی نام ہے۔پس خاندان مسیح موعود کہنے سے وہ تمام باتیں اس خاندان کی طرف منسوب ہوجاتی ہیں۔جو حضرت مسیح موعود کے تعلق کی وجہ سے ان کی طرف منسوب ہوسکتی ہیں۔اصل سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کا خاندان اپنے عمل سے اپنے آپ کو اس مقام کا اہل ثابت کرے جو مقام خدا تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے۔اگر ان میں سے ہی بعض دنیا کے کاموں میں لگ جائیں اور روٹی انہیں خدا تعالیٰ پر مقدم ہو تو انہیں خاندان نبوت کہا جائے یا خانوادۂ الوہیّت کہا جائے۔بلکہ خواہ خدا ہی کہہ دیا جائے،ہر تعریف ان کے لئے ہتک کا ہی موجب ہوگی۔کسی عزت کا موجب نہیں ہوگی۔بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ ان کی تعریف کرنے والے لوگ ان کو زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ سے پھرانا چاہتے ہیں۔

☆

26 جولائی 1950ء

ترکی میں اسلامی لٹریچر

بیگم ہز ایکسیلنسی میاں بشیر احمد سفیر ترکی کا مکتوب گرامی

پانچ ہزار لائبریریوں میں کتب سیٹوں کی تقسیم کے سلسلوں میں بیگم صاحبہ حضرت امیر کی طرف سے بیگم صاحبہ میاں بشیر احمد صاحب سفیر ترکی کو اسلامی لٹریچر کا مکمل سیٹ روانہ کیا گیا تھا۔ اس کی وصولی پر جو خط انہوں نے تحریر فرمایا ہے درج ذیل ہے۔

''کچھ دن ہوئے مجھے آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ جس میں آپ نے دو چھپے ہوئے فارم بھیجے تھے اور لکھا تھا کہ جب مجھے یہ کتب مل جائیں تو میں انہیں پر کر کے واپس بھیج دوں۔ مجھے افسوس ہے کہ انقرہ سے استنبول منتقل ہوتے وقت یہ فارم مجھ سے گم ہو گئے۔ تین دن ہوئے مجھے یہ کتابیں مل چکی ہیں۔ مہربانی فرما کر بیگم مولٰینا محمد علی صاحب کی خدمت میں شکریہ پہنچا دیں۔ میں حضرت مولٰینا اور ان کی بیگم صاحبہ کی بہت ممنون ہوں اور دل سے اس تحفہ کی قدر کرتی ہوں۔ اگر آپ چھپے ہوئے فارم مجھے دوبارہ بھیج دیں تو میں انہیں اپنے دستخطوں سے دوبارہ پُر کر کے واپس بھیج دوں گی۔ حضرت مولٰینا کی تصانیف کو ترک لوگ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور مجھے اور میاں صاحب کو اس بات سے بڑی خوشی ہے کہ اس ملک میں مولٰینا محمد علی صاحب کو اسلام کا بہت بڑا عالم سمجھا جاتا ہے۔ مہربانی فرما کر ایک بار پھر بیگم صاحبہ کو میری جانب سے شکریہ ادا کر دیں۔ یہاں مذہبی امور کے لئے ایک شخص کو مقرر کر دیا جاتا ہے۔ آج کل رمضان میں افطاری کے وقت خوب روشنی ہوتی ہے۔ استنبول کی مسجدیں بڑی خوبصورت ہیں۔ دس بجے شب کو یہ تمام مساجد تراویح کے لئے پُر ہو جاتی ہیں۔

آپ کی مخلصہ۔ گیتی آرء بشیر احمد

☆

9 اگست 1950ء

ادارہ تعلیم القرآن

از حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

1- جو طلباء ادارہ تعلیم القرآن کے ہوسٹل میں اکتوبر میں داخل ہوں ان کی اپنی تعلیم کے ساتھ ان کی دینی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ انہیں کچھ وظائف بھی دیئے جائیں گے جن کا انحصار ایک امتحان پر ہوگا۔ جو 15 اور 30 اکتوبر کے درمیان لیا جائے گا۔

2- اس میں حسب ذیل مضامین ہوں گے:

(الف) قرآن کریم۔ پہلا پرچہ: ربع اول۔ یعنی پہلے پانچ رکوع معہ سورۃ فاتحہ ترجمہ لفظی

دوسرا پرچہ: ربع آخر یعنی سورۃ القدر سے آخر تک۔

تیسرا پرچہ: بعض الفاظ اور مضامین کی تشریح مبنی بر بیان القرآن

(ب) حدیث: مینوال آف حدیث یا احادیث العمل سے پہلے دو باب۔ لفظی ترجمہ

(ج) تاریخ: سیرت خیر البشرؐ ہجرت تک

(د) سلسلہ: تحریک احمدیت (ماسوائے خروج دجال و یاجوج ماجوج)

3- قرآن کریم میں ہر پرچہ کے نمبر ایک سو ہوں گے۔ اور باقی تین میں سے ہر مضمون کے نمبر ایک سو ہوں گے۔ تحریری امتحان کے علاوہ ایک تقریری امتحان بھی ہوگا۔ جس میں آخری دس سورتوں کے حفظ کرنے کے علاوہ عامہ دینی معلومات پر بھی سوال ہوں گے۔ اس کے پچاس نمبر ہوں گے۔

4- پاس ہونے کے لئے ہر پرچہ میں 33 فیصد نمبر حاصل کرنے ہوں گے اور مجموعی طور پر چالیس فیصد۔

5- ایک سال کے لئے تین وظائف دیئے جائیں گے۔ پہلا وظیفہ بیس روپے ماہوار۔ دوسرا وظیفہ سولہ روپے ماہوار۔ تیسرا وظیفہ چودہ روپے ماہوار۔

لیکن یہ وظائف صرف ان طلباء کو دیئے جائیں گے جو ساٹھ فیصد سے زیادہ نمبر حاصل کریں۔ اس سے کم نمبروں کی صورت میں وظائف کو کچھ کم کرنے کا اختیار ہوگا۔ محمد علی

انگریزی ترجمۃ القرآن: (9 اگست 1950ء) ''قرآن کریم ترجمہ انگریزی مع متن کے پروف آنے

شروع ہو گئے ہیں۔ احباب سے درخواست ہے کہ اگر عربی متن میں یا ترجمہ میں ان کے علم میں کوئی غلطی ہو تو اس سے فوراً مجھے کراچی کے پتہ پر اطلاع دیں۔ محمد علی

خواتین کے لئے خدمت اسلام اور ہم: از بیگم صاحبہ حضرت امیر ایدّہ اللہ (9 اگست 1950ء) دل تو یہی چاہتا ہے کہ اپنی احمدی بہنوں کو کسی امر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ضمناً خدمت اسلام کی اہمیت پر کچھ کہنے یا لکھنے کی ضرورت ہی نہ پڑے کہ مخاطب وہ فعال جماعت ہے جس نے امام وقت کے گروہ میں شامل ہوتے ہوئے یہی عہد کیا تھا کہ دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔ یا بالفاظ دیگر لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے جھنڈے کو سر بلند رکھنے کے لئے دامے درمے قدمے سخنے ہر وہ قربانی کرنے کو تیار رہیں گے جس کی طرف انہیں بلایا جائے گا۔ اور اس بلند اور نیک مقصد کو ہمیشہ حرز جان بنا کر رکھیں گے۔ تو اب اگرچہ میں آپ کو یہ قرآنی حکم سناؤں اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (111:9) کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانیں اور اموال خرید لئے ہیں اور اس کے عوض انہیں جنت عطا فرمائے گا، تو آپ فرمائیں گی بالکل درست۔ ہم پہلے ہی ان کے ساتھ ہیں جو میدان عمل میں سرکف ہیں۔ مگر خدارا فرصت کے وقت ذرا سوچئے کہ اس اہم ذمہ داری اور بلند تخیل میں اور ہماری عملی زندگی میں کتنا فرق ہے۔ کیا ہم نے اپنی ذات پر کوئی ایسی قیود عائد کی ہیں جن سے عام مسلمان بہنوں اور اس مجاہد سلسلے کی خواتین میں کوئی مابہ الامتیاز فرق ہو۔

پاکستان بننے کے ساتھ ساتھ ایک عام بیداری (موجودہ مفہوم کے مطابق) عورتوں میں پیدا ہو چکی ہے۔ سیاسی امور سے دلچسپی، اپنے حقوق کا مطالبہ اور انفرادی آزادی دن بدن ترقی پر ہے۔ تعلیم یافتہ خواتین کی مجلس میں بیٹھئے تو زمانے بھر کے موضوع پر رائے زنی کر لیجئے۔ اچھے ایماندار نوکر ملنے کی مشکلات سے لے کر سٹائن اور ٹرومین کی سیاسی چالوں تک پر روشنی ڈالی جائے گی۔ لیکن اگر کوئی مسئلہ رہ جائے گا تو اشاعت اسلام کا مسئلہ ہی تشنۂ توجہ رہے گا۔ اگر کسی نے دبی زبان سے اس طرف اشارہ کر بھی دیا تو لیجئے عجب مایوس کن باتیں شروع ہو گئیں۔ ''اب اسلام ہے ہی کہاں''۔ ''مسلمان تو نام کے مسلمان رہ گئے ہیں''۔ ''پہلے ان کو مسلمان کرو پھر غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کا نام لو'' وغیرہ وغیرہ۔ اگر انہیں کے زاویہ نگاہ کو مدنظر رکھ کر عرض کیا کہ ''انگریزی حکومت اور اس کی تعلیمی برکات میں سے یہ بھی ہے کہ

ترقی پسند مسلمان قدم آگے بڑھانے کے لئے یورپ و امریکہ کی طرف دیکھتا ہے اور گھر میں جو تیز بہدف نسخہ ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر رکھا ہوا ہے، اس سے بے خبر ہے۔ بقول علامہ اقبال ''اگر کافر مسلم آئین ہو جائے تو شاید یہ مذہب کی گولی مغربی کھانڈ میں لپٹ کر آسانی سے گلے سے اُتر جائے'' تو مختلف آوازیں آنے لگیں۔ ''یورپ میں تبلیغ اسلام! توبہ کیجئے بھلا وہ کیا مسلمان ہوں گے وہ تو پہلے ہی سے مذہب سے بیزار ہیں''۔ انہوں نے نہ نماز پڑھی۔ یورپین لیڈیز برقع پہن چکیں''۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض مایوسی و ناامیدی کی بھیانک تصویر کھینچ کر رہی سہی ہمت بھی ختم کر دی جائے گی۔ مگر یہ کیوں، یہ کوتاہ بینی تنگ نظری کیوں؟ صرف اس لئے کہ امام وقت کو رد کر کے حقیقی راہبر سے محروم ہو چکے ہیں۔ ''اسلام تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گا''۔ یہ ہے وہ ایمان جو چودھویں صدی کے مجدد نے دلوں میں پیدا کیا۔ اور یہی وہ یقین جو آنکھیں بند کر کے قربانی و ایثار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

تو پھر سوچئے کہ آپ نے کیا کیا؟ اس عہد کو نبھانے کے لئے کوئی ذمہ داری اور کوئی پابندی اپنے اوپر قبول کی؟ کیا مجاہد سرفروش اپنے فرائض کی انجام دہی میں لیت و لعل کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پھر لیجئے ایک ادنیٰ سی بات ہے۔ خصوصاً ہم عورتوں کے لئے، یعنی دستکاری کے ذریعہ اشاعت اسلام میں حصہ لینا۔ کون سی بہن ایسی ہوں گی جو اپنے یا اپنے بچوں کے لئے سینا پرونا، بُننا کاڑھنا وغیرہ نہ کرتی ہوں۔ امیر و غریب سب ہی شوقیہ یا مجبوراً کرتی رہتی ہیں۔ تو پھر سال بھر کے سینکڑوں گھنٹوں میں سے اگر چند گھنٹے خدا اور رسولؐ کے لئے مانگے جائیں تو کیا اُس جماعت کی خواتین کو انکار ہوگا جو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کر چکی ہے اور جس کی ہر سانس کے ساتھ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی آواز آتی ہے؟! کیا مجھے یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ دسمبر میں سالانہ جلسے کے ساتھ ایک دستکاری کی نمائش بھی ہوتی ہے۔ جس کی آمدنی دین محمدؐ کی نصرت کے لئے وقف ہے۔ اور جو صرف ان کی توجہ کی محتاج ہے۔ اب کئی سال سے یہ مفید تحریک روبہ انحطاط ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سال بھر بار بار یاددہانی نہیں کی جاتی۔ یہ صحیح ہے کہ ہم نے اپنے فرض کو نہ جانا۔ چاہئے تو یہ کہ ہر احمدی گھر میں معمر، جوان بیبیوں اور بچیوں تک میں یہ دلی تڑپ موجود ہو کہ اس نیک تحریک میں ہمارا حصہ بھی ہونا ضروری ہے۔ اور کہیں شامت اعمال سے ہم محروم نہ رہ جائیں۔ آپ چندہ تو ضروری

دیتی ہوں گی لیکن آپ کی محنت میں سے اگر ایک حقیر سی رقم بھی اس جہاد فی سبیل اللہ میں لگ جائے گی تو ظاہر ہے کہ وہ بے حد خیر و برکت و رضائے الٰہی کا موجب ہوگی۔

ان بہنوں سے، جو بیمار یا بتقاضاء عمر آنکھوں کی کمزوری سے معذور ہیں، درخواست ہے کہ علاوہ اپنے معمولی چندے یا خیرات کے کچھ رقم اس دستکاری کی تحریک میں ضرور دیں کہ دین حق سے زیادہ مستحق آج اور کوئی نہیں ہے۔

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید　　دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

☆

13 ستمبر 1950ء

ارشادِ حضرت امیر

وو کنگ کے لئے روپیہ کی ضرورت

بعض نہایت ہی اہم ضروریات کے پیش نظر انگلستان جلد سے جلد روپیہ بھیجنے کی ضرورت ہے۔ 1- جہاں جماعتی نظام کے ماتحت کچھ روپیہ جمع ہے وہ فوراً محاسب کو بھجوا دیں 2- جن احباب نے ووکنگ کے لئے وعدے کئے ہوئے ہیں وہ اپنے نفس پر تکلیف اُٹھا کر بھی فوراً روپیہ محاسب کو بھجوا دیں 3- جنہوں نے ابھی تک حصہ نہیں لیا وہ بھی اپنی ذمہ داری کی طرف توجہ کریں۔ محمد علی 8 ستمبر 1950ء

کھاسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ اور دیگر لٹریچر: (30 اگست 1950ء) شیلانگ (آسام) سے ہمارے محترم دوست ڈاکٹر خادم رحمانی صاحب لکھتے ہیں۔

جناب اخی المکرّم والمحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

''عرض یہ ہے کہ قرآن مجید کے کھاسی ترجمہ کی نظر ثانی ختم ہونے کے بعد آج سے ڈیڑھ سال قبل میں نے FINAL RIVISION شروع کیا تھا۔ بفضلہٖ تعالیٰ روزانہ قریباً تیرہ چودہ گھنٹے متواتر محنت کے بعد گذشتہ مہینہ میں اختتام کو پہنچا۔ اب پہلے سے بہت سی خوبیوں سے بھرپور ہو گیا ہے۔ فالحمد للہ

اس کے علاوہ حضرت امیر ایدّہ اللہ کے انگریزی ترجمہ قرآن سے انٹروڈکشن کا ترجمہ بھی کر رکھا ہے۔ تا کہ کسی وقت علیحدہ چھپوایا جائے۔ اسی سال کے اندر مندرجہ ذیل رسالوں کا بھی کھاسی زبان میں ترجمہ کیا ہے:

جناب مسیح کا سبت حصہ دوم۔ مصنفہ خود، اسلام میں حکومت کا تصور۔ مصنفہ حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ، فاونڈر آف دی احمدیہ موومنٹ۔ مصنفہ حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ، پرافیسیز آف حضرت مرزا غلام احمد۔ از مرزا معصوم بیگ صاحب، اسلام کا قانون ازدواج وطلاق۔ مصنفہ حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ، کیا اللہ تعالیٰ دعاؤں کو سنتا ہے۔ حضرت مسیح موعود کے ملفوظات سے۔

پھر عرض ہے کہ کھاسی زبان میں میری اپنی تحریرات اور انجمن کی تصنیفات کے ترجموں کی

تعداد قریباً چالیس تک پہنچ گئی ہے۔ الحمدللہ تقریباً دو سال سے پرافٹ آف اسلام کا بھی ترجمہ کر رکھا ہے۔ جس میں ضمنی سرخیاں لگانی باقی ہیں۔ اسی خط میں تقریباً بتیس انگریزی رسائل کی فہرست ڈاکٹر صاحب نے بھیجی ہے تاکہ کھاسی زبان میں ترجمہ کرنے کے لئے انہیں بھیجے جائیں۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ کام جو محض اپنے دلی شوق اور رضائے الٰہی کے لئے وہ سرانجام دے رہے ہیں اور اپنے پاس سے اس کے لئے سب کچھ خرچ بھی کرتے ہیں، ہر طرح لائق تحسین اور قابل مبارکباد ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت اور جذبہ تبلیغ کو قبول فرمائے اور ان کی تصنیفات وتراجم کے مطالعہ سے جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہوں۔

☆

20 ستمبر 1950ء

ہماری عید

از حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ

میری کئی سال سے یہ کوشش رہی ہے کہ عید کے موقع پر مختلف جماعتوں میں ایک ہی قسم کے خیالات کو پیدا کیا جائے۔ اس لئے چند خاص امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں جن کو اپنی اپنی جگہ خطیب مدنظر رکھیں۔

عید کا سب سے پہلا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر خدا کو یاد رکھو۔ عید کے دن ساری دنیا میں ایک ہی وقت میں اللہ اکبر کی آوازیں اس قدر زور سے بلند ہوتی ہیں کہ ساری دنیا کی فضا اس گونج سے بھر جاتی ہے۔ مگر قابل غور یہ ہے کہ جو گونج فضا میں پیدا ہوئی کیا وہ ہمارے دل اور روح میں بھی پیدا ہوئی ہے؟ اصل میں اس گونج کا انسان کے اندر پیدا کرنا مقصود ہے۔ اور وہاں یہ گونج پیدا ہو جائے تو انسان کا کوئی ایسا کام نہ ہو جس میں غرض خدا کی بڑائی نہ ہو۔ یہی اصل پیغام مذہب ہے۔

عید کا دوسرا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر اپنے بھائیوں کو بھی یاد رکھو۔ بالخصوص غرباء کو۔ عید الفطر میں صدقہ فطر ہے تو عید الضحیٰ میں قربانی کا گوشت ہے۔ مگر یہ بھی ایک سبق ہے کہ اپنے بھائیوں کی جسمانی رنگ میں فکر کرتے ہو تو روحانی رنگ میں بھی ان کی فکر کرو۔ کیا آپ نے اپنے نادار اور مفلس بھائیوں کو، جو قرآن کی نعمت سے محروم ہیں، اس روحانی غذا کے پہنچانے کا کوئی انتظام کیا ہے؟!

عید کا تیسرا پیغام قربانی ہے۔ ہر قریہ و ہر شہر میں ایک ہی وقت میں ہزاروں جانوروں کی گردنوں پر چھریاں رکھ دی جاتی ہیں۔ مگر کس کے لئے؟ اس کا جواب قرآن شریف دیتا ہے

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (22:34-35) تا کہ اس نظارہ کو دیکھ کر انسانوں کے دلوں کے اندر عاجزی پیدا ہو۔ اور جانور کو جب اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو ان کے دلوں کے اندر خوف پیدا ہو کہ جس طرح یہ جانور ہمارے محکوم ہیں، ہم بھی کسی کے محکوم ہیں۔ تو اصل غرض یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں سارے عالم اسلام کے اندر ایک قربانی کی لہر اُٹھے۔ کیا جانور کی قربانی کرتے ہوئے یہ موج قربانی کرنے والوں کے دل کے اندر بھی پیدا ہوئی ہے؟ اگر ہوئی ہے تو اس

کی قربانی قبول ہوئی ہے۔ اگر نہیں تو نہیں۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (27:5) اللہ تعالیٰ صرف متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ جس کے دل کے اندر قربانی کی روح پیدا نہیں۔ ہوئی وہ متقی نہیں نہ اس کی قربانی قبول ہوئی ہے۔ غور کرو کہ اس وقت کتنے لوگ عالم اسلامی میں ہیں جن کی قربانیاں قرآن کریم کے صریح ارشاد کے مطابق قبول ہو رہی ہیں؟ قربانی کا اصل مقصد یہ ہے کسی بری عادت کو ذبح کر دو اور کسی نیک عادت کو اختیار کر لو۔ خاکسار محمد علی

ایک مبارک تقریب: (27 ستمبر 1950ء) یہ خبر جماعت کے تمام حلقوں میں نہایت مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کے فرزند ارجمند محمد احمد صاحب، جو کوئٹہ میں کمرشل آفیسر نارتھ ویسٹرن ریلوے کے عہدہ جلیلہ پر تین سال سے زیادہ عرصہ متمکن رہے ہیں، حال ہی میں لاہور ہیڈ کوارٹر میں تبدیل ہو کر تشریف لائے ہیں۔ کوئٹہ سے روانگی سے پہلے مقامی جماعت احمدیہ کی طرف سے شیخ محمد عبداللہ صاحب ڈائرکٹر پاکستان منرلز لمیٹڈ نے ممدوح کے اعزاز میں 17 ستمبر کو ایک شاندار دعوت طعام دی۔ اس موقع پر محترم شیخ غلام حسین صاحب سیالکوٹی نے اپنے عزز مہمان کی تعریف و توصیف میں ایک مختصر تقریر فرمائی۔ جو ہدیہ قارئین کرام ہے

احباب کرام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جیسا کہ آپ حضرات کو علم ہے۔ یہ دعوت ہمارے سلسلہ کے عزیز الوجود محترم محمد احمد صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ کے تبادلہ کی تقریب میں ہمارے معزز اور متقدر بزرگ شیخ محمد عبداللہ صاحب بالقابہ کی طرف سے دی گئی ہے۔ مکرمی محمد احمد صاحب زائد از تین سال محکمہ ریلوے کوئٹہ میں کمرشل آفیسر کے عہدہ پر متمکن رہے ہیں۔ اس لمبے عرصہ میں ملازمان ریلوے اور پبلک میں جو اثر و رسوخ انہوں نے پیدا کیا وہ بیحد قابل تعریف ہے۔ اس موجودہ زمانہ میں سرکاری ملازم نہایت نازک مرحلہ سے گذر رہے ہیں اور بہت ہی کم ایسی ہستیاں ہوں گی جو محکمانہ رنگ میں یا پبلک کے ہاتھوں شکایات اور اعتراضات سے محفوظ رہی ہوں۔ آپ نے اخبارات کے ذریعہ سے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ وزراء سے لے کر ادنیٰ ملازمین تک لوگ ہدف اعتراض بن رہے ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ شخص، جو اس زد میں نہیں آیا۔ محترمی محمد احمد صاحب اس استثناء کے ایک فرد ہیں جو قابل صد ستائش ہیں۔ ایک طرف محکمہ کے لوگ آپ کے اخلاق

کے مداح ہیں اور دوسری طرف پبلک آپ کے حسن سلوک کی گرویدہ رہی ہے۔

صاحب موصوف کے ساتھ ہمارا جماعتی تعلق بھی ہے۔اس زمانہ سے، جب سے آپ کوئٹہ میں تعینات ہو کر تشریف لائے، سلسلہ کے کاموں سے آپ کو والہانہ شغف رہا۔نماز جمعہ میں باقاعدگی کے ساتھ آپ شمولیت فرماتے رہے۔ماہوار چندوں کے علاوہ جب کبھی مرکز سے تحریک ہوئی آپ نے دل کھول کر اپنی بساط کے مطابق چندہ دیا۔ یوں بھی علامات شرافت اور متانت آپ کے چہرہ سے ہوا ہیں۔کیوں نہ ہو۔آپ اس عظیم المرتبت ہستی کے فرزند ارجمند میں جس نے اس زمانہ میں اسلام کی بہترین خدمات انجام دی ہیں۔اور جس کو اپنی دینی خدمات کے لحاظ سے بین الاقوامی اور دوامی شہرت حاصل ہے۔یعنی حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ایل ایل بی امیر جماعت احمدیہ لاہور ؎

زبان پر بار خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

حضرت امیر سال 1902ء سے شروع کر کے جبکہ آپ ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر تھے، آج تک مسلسل اور پیہم تبلیغ اسلام کا بیش بہا فرض انجام دیتے رہیں ہیں۔آپ کے کارناموں کے متعلق نہ صرف اس ملک کے اہل الرائے اور تعلیم یافتہ اصحاب نے نہایت عمدہ اور قیمتی آراء کا اظہار فرمایا بلکہ دیار غیر کے بڑے بڑے اہل علم اور سربرآوردہ وہ اشخاص نے بھی آپ کے کام کے متعلق اعلیٰ اور مفید ریمارکس لکھے۔ریویو آف ریلیجنز میں آپ کے قلم سے اس قدر بلند پایہ مضامین اسلام کی حقانیت اور تائید میں شائع ہوئے جنہوں نے بڑے بڑے فضلاء یورپ کو اعتراف حقیقت پر مجبور کیا۔

انگریزی ترجمہ قرآن اور اردو میں بیان القرآن، فضل الباری ترجمہ اور شرح صحیح بخاری سوانح حیات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلافت راشدہ، النبوۃ فی الاسلام، مسیح موعود، تحریک احمدیت، ریلجن آف اسلام، مینوال آف حدیث، نیو ورلڈ آرڈر وغیرہ وغیرہ بہت سی نادر اور نایاب کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں۔ان میں سے اکثر کتابیں آپ حضرات مطالعہ سے بھی گذری ہوں گی۔فتنہ قادیان کے موقع پر اگر حضرت امیر کی خدمات آڑے نہ آتیں، تو ساری کی ساری جماعت نبوت اور کفر و اسلام کے دلدل میں پھنس جاتی۔ایسے نازک اور کٹھن موقع پر آپ کی ذات گرامی بہتوں کی ہدایت و رہنمائی کا موجب ہوئی۔ہمارے ممدوح محمد احمد اسی جلیل القدر باپ کے فرزند ارجمند ہیں جو

اس وقت ہم میں مہمان کی حیثیت میں ہیں ۔ پس ہم صمیم قلب کے ساتھ موصوف کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو لمبی عمر عطا فرمائے اور ان کے علم میں، عہدے میں، اخلاق اور روحانیت میں بیش از بیش ترقی عطا فرمائے ۔ والسلام ۔ منجانب جماعت احمدیہ اشاعت اسلام ۔ کوئٹہ

9 بجے شب 17 ستمبر 1950ء

☆

11 اکتوبر 1950ء

ایک قیمتی جان

جس کے لئے جان لڑانے کی ضرورت ہے

ایسے لوگ صدیوں میں کبھی پیدا ہوتے ہیں (معالج ڈاکٹر کا بیان)

ذیل میں میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کے ایک خط کی نقل ہدیہ قارئین ہے۔ جو انہوں نے حضرت امیر ایدّہ اللہ کی علالت کے متعلق 30 ستمبر کو سیکرٹری صاحب کے نام لکھا

مکرمی جناب مولوی احمد یار صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط جس کے ساتھ چودھری ظہور احمد صاحب کا خط بھی تھا ملا۔ علیحدہ لفافوں میں مولوی مرتضٰی خاں صاحب اور مولینا یعقوب خاں صاحب کے خطوط بھی ملے۔ دوسرے احباب کے خط بھی آتے رہے۔ یہاں کی مصروفیات ایسی ہیں کہ علیحدہ علیحدہ خط لکھنا ناممکن ہے۔ میں پہلے تین دن اور اب دو دن سے اپنا سرکاری کام تک نہیں کر سکا۔ میرے اس خط کو ان تمام حضرات کو سنا دیں اور میری طرف سے معذرت کر دیں کہ میں علیحدہ علیحدہ جواب نہیں دے سکتا۔ آپ نے بجٹ اور دوسرے امور کی نسبت پوچھا ہے، سو عرض ہے کہ اس قدر دور بیٹھے آپ حضرات کو حضرت امیر کی حالت کا صحیح اندازہ نہیں۔ مفصل کیفیت عرض کرتا ہوں۔ حضرت امیر کو پہلے تو کوئی پندرہ بیس دن سے دل میں ہلکا ہلکا درد ہوتا رہا۔ ڈاکٹر اس وقت بھی آرام کے لئے کہتے رہے۔ مگر وہ آرام کرنا نہیں جانتے۔ اس لئے حسب عادت رات کے دو بجے سے دن کے دو بجے تک اور چار بجے تیسرے پہر سے مغرب تک عبادت اور کام کاج میں لگے رہتے تھے۔

17 اور 18 ستمبر کی درمیانی شب کو 12 بجے سے تین بجے تک حضرت موصوف کو درد دل یعنی CORONORY THROMBOSIS کا سخت حملہ ہوا۔ مگر حوصلہ اور صبر کی یہ حالت تھی کہ گھر میں کسی کو اُٹھایا تک نہیں کہ بے آرام ہوں گے۔ 3 بجے درد بند ہوا تو آنکھ لگ گئی۔ 4 بجے پھر اُٹھ کر تہجد پڑھنے لگ گئے اور صبح ناشتہ ہمارے ساتھ کیا۔ پھر ڈاکٹر جو آیا تو اس نے فوراً بستر پر لیٹنے کا حکم دیا۔ بستر میں لیٹے لیٹے

مولوی عبدالوہاب صاحب کو بلا کر کا غذات پر احکام دیتے رہے۔ دو پہر کے بعد ایک اور بہت خطرناک حملہ ہوا۔ اس وقت سے مارفیا لگنا شروع ہوا۔ مگر اوپر تلے کوئی چار دفعہ دردِ دل کا حملہ ہوا۔ درد اس قدر تھا کہ مارفیا تک کا اثر نہیں ہوا جب تک کہ چار ٹیکے نہیں لگے۔ اسی رات یعنی 18 ستمبر سے آکسیجن لگنی شروع ہوئی جو کل تک جاری رہی۔ بند کرنے کی وجہ بعد میں ذکر کروں گا۔ رات کے لئے علیحدہ نرس آتی ہے اور دن کے لئے علیحدہ کیونکہ آکسیجن کے علاوہ دوسرے ٹیکے لگتے ہیں۔ اور اس مرض میں اتنی احتیاط کی ضرورت ہے کہ کروٹ تک خود بدلنے کی اجازت نہیں۔

دردِ دل تو منگل یعنی 19 کو بند ہو گیا تھا۔ مگر اس کے بعد مارفیا کے برے اثرات نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا، اور سب میں بڑھ کر یہ ہوا کہ گھبراہٹ اور بے چینی بار بار بطور حملہ کے ہوتی تھی اور کوئی دو دو گھنٹہ رہتی تھی۔ خوراک تو سوائے چند عرقوں کے کچھ نہ تھی یا کبھی کبھی ٹیکہ سے دی جاتی تھی۔ کمزوری اس قدر ہو گئی ہے کہ وہ بجائے خود تشویشناک ہے۔

پھر بخار ہونا شروع ہوا۔ ڈاکٹروں کو یہ خیال ہوا کہ دردِ دل سے جو خون جم گیا تھا اس نے اب حل ہونا شروع کیا ہے۔ جو بھی وجہ تھی۔ پنسلین کے ٹیکے ہر تین گھنٹہ کے بعد لگنے شروع ہوئے۔ اور کوئی متواتر دس دن لگے۔ کیونکہ حرارت چلی چلتی تھی۔ اس دوران میں ڈاکٹر یوسف صاحب لاہور والے، جو دل کے امراض کے ماہر ہیں، تشریف لے آئے کسی اپنے کام پر۔ تو ان کو بھی دکھایا۔ انہوں نے دیکھا تو کہا حضرت کی طبیعت بہت خراب ہے۔ دیکھنے میں یعنی شکل سے اتنی بری معلوم نہیں ہوتی۔ مگر عمر کی زیادتی کمزوری اور دل کی حالت ایسی ہے کہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہر حال انہوں نے کہا کہ تشخیص صحیح ہے اور علاج بھی جو ہو سکتا ہے وہ ٹھیک ہو رہا ہے۔ انہوں نے صرف دو ٹیکے اور تجویز کئے۔ مگر وہ یہاں کے معالج کو بھی معلوم تھے۔ صرف مناسب وقت کا وہ انتظار کر رہا تھا۔ یہاں کے معالج ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب پراچہ ہیں۔ جو یہاں میڈیکل کالج میں دل کے امراض کے پروفیسر ہیں۔ دوسرے بھی دو تین ڈاکٹروں سے مشورہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ دراصل اس مرض کا علاج سوائے مکمل آرام اور نرسنگ کے کچھ نہیں۔ باقی جو دوائیاں ضروری سمجھتے تھے وہ ڈاکٹر پراچہ استعمال کر رہے ہیں۔ اور یہاں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جس محبت اور عقیدت سے اور ہمدردی سے ڈاکٹر پراچہ صاحب نے علاج کیا ہے، اس کی نظیر ملنی مشکل ہو گی۔ میں

نے پہلے دن ہی کہا ''ڈاکٹر صاحب یہ جان بڑی قیمتی ہے۔اسے بچانے کے لئے جان لڑانی پڑے گی'' وہ کہنے لگے'' آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں مجھے اس کا پورا احساس ہے۔ ہمارے جیسے لوگ تو روز پیدا ہوتے ہیں۔ایسے لوگ صدیوں میں کبھی پیدا ہوتے ہیں''۔ بہرحال حضرت امیر کی طبیعت کچھ بہتر ہوتی گئی۔ ڈاکٹر پراچہ صاحب کو ڈر تھا تو صرف یہ کہ دوبارہ حملہ نہ ہو۔سو انہوں نے ایک دوا HEPERINE نامی استعمال کرنا شروع کی۔مگر پہلے ہی مجھے کہا کہ اس دوا کے بد اثرات ہوتے ہیں۔ان کا خیال رکھنا پڑے گا۔خون کا معائنہ روز کرنے کے باوجود دو دن کے اندر ہی حضرت امیر کے اندر سے خون بہنا شروع ہوگیا۔ جو اس کا ایک بداثر ہوتا ہے۔سو وہ دوا فوراً روک دی گئی۔ وہ خون کو پتلا کر دیتی ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ CLOT نہ بن سکے۔اور اس طرح دوسرے حملہ کو روکا جا سکے۔حضرت امیر کی طبیعت بدستور اچھی ہوتی چلی گئی اور اُبلی مچھلی، توس اور چوزہ کی یخنی تھوڑی تھوڑی مقدار میں ملنے لگی۔اور جمعرات اور جمعہ کی رات کو یعنی پرسوں رات درد دل کا دوبارہ حملہ ہوا۔اور اس نے ہم سب کے چھکے چھڑا دیئے۔ رات پھر جاگے۔صبح طبیعت ذرا اچھی تھی مگر دن کے دس بجے ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے ہوگئے اور دم بھی خراب ہوگیا۔غرض مایوسی کی حالت تھی۔ جمعہ کا وقت آ گیا۔میرے لئے تو مکان چھوڑنا ناممکن تھا۔مگر مستورات نے اصرار کیا کہ جا کر جماعت کے ساتھ مل کر دعا کرو، چنانچہ میں گیا اور جماعت کو اطلاع دی۔خطبہ ایسے حالات میں کسی نے کیا پڑھنا تھا یا سننا تھا۔ میں نے جماعت سے کہا کہ باتوں کا وقت گیا۔اب صرف دعا کا وقت ہے۔ چنانچہ خطبہ میں کوئی پندرہ بیس منٹ سوائے درد دل سے دعا کے اور کچھ نہ کہا گیا۔اور اس کے بعد نماز بھی صرف حضور کے لئے دعا کے اور کچھ نہ تھی۔ جماعت نے جس درد دل اور گریہ زاری سے دعا کی، شاید جناب باری میں وہ سنی گئی اور تیسرے پہر کو ساڑھے تین بجے کے بعد طبیعت نے پلٹا کھانا شروع کیا اور اب حضرت کی طبیعت پہلے سے بہت اچھی ہے۔کئی رات بے خوابی رہی۔مگر اس کی وجہ ڈاکٹر حضرت کی پریشانی اور فکر بتاتے ہیں۔اب آج صبح بھی طبیعت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اچھی ہے۔آگے کیا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔دل کا مرض ہے۔سالہا سال کی بیماریوں کی وجہ سے کمزوری ہو، عمر 75 اور 80 سال کے درمیان ہو۔ان حالات میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔مگر موجودہ جو حالات ہیں، یعنی آج ان میں اللہ کے فضل سے امید دوبارہ بندھ گئی ہے۔جس عاجزی اور گریہ وزاری سے کل یہاں جماعت نے دعا کی ہے، کاش

لاہور کی جماعت اسی طرح کرے اور دوسری جماعتیں بھی، تو شاید اللہ تعالیٰ رجوع برحمت فرمائے۔ میں تو جناب باری میں یہی کہتا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ کسی کو ہمیشہ زندہ رہنا نہیں۔ اور یہ انسان تجھے اس قدر محبوب ہے کہ اسے اپنے پاس بلانے کو پسند کرے۔ مگر اپنے قرآن کی خاطر اسے ابھی اور زندگی دے۔ ابھی قرآن کا نیا انگریزی ترجمہ مکمل نہیں ہوا۔ ابھی پانچ ہزار لائبریریوں کی سکیم نامکمل ہے۔ اس لئے میں تجھے تیرے قرآن تیرے مسیح موعود، تیرے رسولؐ اور تیرے دین کا واسطہ دیتا ہوں کہ ابھی اور مہلت عطا فرمائے۔ موجودہ طبی مشورہ یہ ہے کہ اگر حضرت امیر کو صحت ہو بھی جائے تو کم سے کم ایک مہینہ وہ بستر میں بالکل لیٹے رہیں۔ اس کے بعد بھی دو تین ماہ کم سے کم مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ اس دوران میں ان کے کمرے میں سوائے نرس کے یا ایک اور آدمی کے کسی کو جانے کی اجازت نہیں۔ بات چیت بالکل منع ہے۔ اور حضرت امیر خود اس قدر نحیف ہیں کہ بات بمشکل نہایت دھیمی آواز میں کرتے ہیں۔ ان حالات میں ان سے انجمن کے کسی کام کے لئے کہنا ناممکن ہے۔ بجٹ کا کام ہو، یا دوسرا کوئی اور ہو، وہ اب آپ لوگ نپٹائیں۔ ویسے بھی ہم لوگوں کو اب سیکھنا چاہئے کہ ان کے بغیر گذارہ کر سکیں۔ حضرت کی بیچ میں جب طبیعت کچھ اچھی ہوئی تھی تو مجھے فرمایا تھا کہ ایک تحریر لکھ دیں جس پر آپ ڈاکٹر پراچہ اور میاں غلام عباس میرے سامنے دستخط کر دیں کہ میں چیکوں پر دستخط کرنے کے اختیارات وغیرہ مولینا محمد یعقوب خان صاحب کو سونپتا ہوں۔ میں نے ایسی تحریر لکھنے سے پہلے آپ سے پوچھنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ کچھ روز ہوئے آپ کو لکھا تھا کہ اگر ایسی تحریر کی ضرورت ہو تو اس کا مضمون لکھ کر مجھے بھیج دیں۔ اب مجلس منتظمہ کے ایجنڈا سے معلوم ہوا کہ آپ نے ایسی تجویز وہیں پیش کر دی ہے۔ سو یہ بہت اچھا کیا۔ اگر کسی اور قسم کی تحریر ضروری ہو تو اس کا مضمون لکھ کر بھیج دیں۔ حضرت امیر کا اپنا دستخط تو ناممکن ہے، مندرجہ بالا یا کوئی اور تین گواہ دستخط کریں گے۔ آپ نے بجٹ کا لکھا ہے۔ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کی ہمتوں میں برکت ڈالے۔ آپ یہ بوجھ اس مقدس ہستی پر سے اٹھا لیں تو بہتر ہوگا۔ اب تک ہم نے ان پر بوجھ ڈالا ہے۔ اب اس دل میں شاید یہ غم سہنے کی طاقت نہ ہو۔ اس لئے دوسرے بزرگان ہمت کریں اور حضرت امیر کے بوجھ کو ہلکا کریں۔ اللہ تعالیٰ سعی میں برکت ڈالتا ہے۔ جملہ بزرگان کی خدمت میں السلام علیکم۔ خاکسار نصیر احمد فاروقی

☆

8 نومبر 1950ء

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا پیغام

بیماری سے اُٹھنے کے بعد حضرت امیر ایدہ اللہ نے حسب ذیل پیغام قوم کے نام ارسال کیا ہے

برادران محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کسی کی صحت یا میری بیماری یا جب وقت مقرر آ جائے، موت کوئی غیر معمولی چیز نہیں۔ یہ خدا کا قانون ہے۔ جو دنیا میں جاری ہے۔ میں 17 ستمبر کو بیمار ہوا۔ 18 ستمبر کو معلوم ہوا کہ میں خطرناک طور پر بیمار ہو چکا ہوں۔ اور ڈاکٹر کی ہدایت کے ماتحت بستر پر لیٹ گیا۔ اور آج خدا کے فضل سے مجھے بیٹھنے کی اجازت ملی ہے۔ ان ایام میں چالیس دن ایسے گذرے کہ میں روزانہ محسوس کرتا تھا کہ میرا وقت مقرر آ چکا ہے۔ اور ہے بھی یہ سچ۔ کہ جو شخص قریباً اسی سال کو پہنچ چکا ہو وہ اپنی زندگی کی مقررہ میعاد کو پہنچ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے کچھ اور مہلت دی گئی ہے۔ وہ کب تک ہے اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر ان اوقات میں، جب میں موت کو اپنے سامنے کھڑا دیکھتا تھا، ایک ہی خواہش دل میں تھی۔ اور یہی دعا تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک کا اور کام مجھ سے لینا چاہتا ہے، اس کے لئے مجھے مہلت عطا فرمائے اور سامان بھی عطا فرما دے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا تھا۔ قرآن کو ساری دنیا میں پہنچانا، وہ گو ہم کر رہے ہیں، مگر ہمارا قدم بہت ہی سست ہے۔ میرے دل پر اس بات کا صدمہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ ابھی تک اس کام میں حصہ نہیں لے رہے۔ حالانکہ کوئی کام بھی دنیا میں نہیں ہوتا جب تک اس کے لئے ایک جماعت کے دلوں میں دیوانگی پیدا نہ ہو۔ اسلام کی تاریخ کو اُٹھا کر پڑھ لیجئے۔ یہی دیوانگی تھی جس نے ایک سو سال سے بھی کم عرصہ میں خدا کے پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا۔ حالانکہ اس وقت کوئی سامان سہولت کے اس قدر موجود نہ تھے۔ مگر آج ہمارے لئے اس قدر سامان سہولت کے موجود ہیں۔ مگر ہمارے دلوں میں اس کام کے لئے وہ دیوانگی اور تڑپ نہیں جس کی اس کام کے لئے ضرورت ہے۔

اس لئے میں اس حالت میں، کہ ابھی بستر پر ایک مشت استخواں کی طرح پڑا ہوں، اور ابھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور کسی قدر مہلت دے گا، میں آپ لوگوں سے، اپنی جماعت کے عزیزوں

سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اپنے دلوں کے اندر دیوانگی اور تڑپ پیدا کرو۔ وہ دیوانگی اور تڑپ جو دنیا کو بھی نظر آ جائے۔ دنیا سے کسی عزت اور جاہ کے طالب مت بنو۔ خدا کے ہاں اپنے مرتبہ کو بلند کرنے کی کوشش کرو۔ اس کے لئے نہ صرف یہ کہ نمازوں میں اپنی دعاؤں کے اندر خدا سے یہ مانگو کہ اے خدا! ہمارے دل میں اپنے دین کے پھیلانے کے لئے اور اپنے قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے وہ محبت پیدا کر دے جو تو اپنے نیک بندوں میں پیدا کرتا رہا ہے۔ تیرا دین اور تیرا قرآن ایک حسن ہے اور ایک نور ہے جو ابھی دنیا پر اپنی پوری روشنی سے ظاہر نہیں ہوا۔ اور دنیا کی آنکھوں پر اس کی طرف سے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ کثیر حصہ دنیا کا وہ ہے جس کو ابھی یہ نور پہنچایا ہی نہیں گیا۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن کے ہاتھوں میں یہ نور ہے۔ مگر ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اے خدا تو میری آنکھوں سے اس پردہ کو ہٹا دے اور اپنے نور کے اس جلوہ سے میرے دل کو روشن کر دے کہ میں تیری دنیا کو اس نور سے روشن کر دوں۔ یہ دعا بھی کریں۔ مگر اس کے ساتھ جدوجہد میں بھی اپنا قدم آگے بڑھائیں۔ میرے پیارو! یاد رکھو کہ یہ دنیا کی زندگی، جس کی کشش نے آپ کو خدا کے اس نور سے غافل رکھا ہے، محض ایک خواب ہے۔ یاد رکھو یہ خدا کا وعدہ ہے پورا ہو کر رہے گا۔ میں نے چالیس دن بڑی شدت کے گذرے ہیں۔ جو عمر بھر نہیں گذارے۔ مگر اس تمام عرصہ میں میں یہ بھی دعا کرتا رہا ہوں کہ اگر اے خدا تیرے علم میں میرا وقت آ چکا ہے تو میری جماعت کے اندر ایک زبردست قوت پیدا کر دے۔ اور اپنے دین کے لئے اور اپنے قرآن کے لئے کوئی جنون پیدا کر دے۔ تا کہ میرے بعد تیرے اس کام کو نقصان نہ پہنچے۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی 30 اکتوبر کراچی

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی صحت: (8 نومبر 1950ء) کراچی سے مولوی عبدالوہاب صاحب 14 نومبر کے خط میں اطلاع دیتے ہیں کہ حضرت امیر ایدّہ اللہ کی صحت خدا کے فضل سے ترقی کر رہی ہے۔ اب خدا کے فضل سے دو چار قدم چل بھی لیتے ہیں۔ ابھی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ دعا فرما دیں اللہ تعالیٰ حضور کو کلی صحت عطا فرمائے۔

☆

22 نومبر 1950ء

مکتوب حضرت امیر

دعاؤں کا شکریہ اور ایک دعا کی درخواست

برادران محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل شام ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب پراچہ ہارٹ سپیشلسٹ نے، جو میرے معالج ان دو ماہ میں رہے ہیں، میرا پورا معائنہ کرنے کے بعد یہ رائے ظاہر فرمائی کہ اب خدا کے فضل وکرم سے میرے تمام اعضائے رئیسہ سولہ آنے فی روپیہ صحت کی حالت پر ہیں۔ اور مجھے یہ بھی اجازت دی کہ اب میں دو چار قدم چل بھی لوں تو کوئی ہرج نہیں۔ فالحمدللہ۔ جہاں مجھے ان کے ایسا اطمینان دینے سے خوشی ہوئی، میں نے یہ بھی خیال کیا کہ اپنے احباب کو بھی اس میں شامل کرلوں۔ بالخصوص اس لئے بھی کہ اکثر احباب میرے متعلق متفکر رہے ہیں۔ اور شاید اب بھی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میری بیماری میں فرداً فرداً اور اجتماعاً بھی دعائیں کیں۔ فی الواقعہ جس حالت کو میں پہنچ چکا تھا وہ ایسی خطرناک تھی کہ اس سے شفا پانا میں جماعت کی دعاؤں کی قبولیت کا نشان سمجھتا ہوں۔ میں ایسی حالت کو پہنچ چکا تھا کہ سولہ دن شب وروز برابر گیس کا محتاج رہا۔ اور میری حالت کو دیکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ محض فضل الٰہی تھا جس نے اس حالت میں میری دستگیری فرمائی۔ اور اس فضل کی جاذب جماعت کی پُر درد دعائیں تھیں۔ میں فرداً فرداً اکثر ان احباب کا شکریہ ادا نہیں کرسکا جو مجھے یہ اطلاع دیتے رہے کہ وہ میرے لئے دعائیں کرتے رہے ہیں۔ اس لئے اب اخبار کے ذریعہ سے ان سب احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور یہ بھی ان کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنی سخت ترین حالت میں بھی اپنی جماعت کے لئے دعا کرتا رہا ہوں۔ اور ایک طرف اگر شدت تکلیف ایک کراہ پیدا کرتی تھی تو اس کے ساتھ ہی خدا کے رسولؐ اور اس کی کتاب کے لئے اور ان احباب کے لئے جو اس کتاب کو دنیا میں پہنچانے کے کام میں مصروف ہیں اور اس کے رسولؐ کے نام کو دنیا میں روشن کرنے میں مصروف ہیں، بے اختیار ایک آہ بھی اُٹھتی تھی۔ اور مجھے یقین ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے میری جماعت کی دعاؤں کو میرے حق میں قبول فرمایا، وہ میری ان دعاؤں کو بھی قبول فرمائے گا جو میں نے اپنی جماعت کے لئے کی ہیں یا اس غرض

سے کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہ دن جلد ہم کو دکھا دے جب ہم اس کے قرآن کے نور کو ساری دنیا میں پھیلا ہوا دیکھ لیں۔

میرا یہ یقین، کہ یہ محض جماعت کی دعاؤں کی قبولیت کا نتیجہ ہے، اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک دو نہیں بلکہ بیسیوں احباب نے یہ بھی ظاہر کیا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کی قبولیت کی بشارت دی ہے۔ اور یہ اطلاع اس وقت مجھے دی جب میں نہایت خطرناک حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس موقعہ پر میں ان سب احباب کے نام لے کر اس مضمون کو طویل کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میری غرض ایک اور امر کی طرف توجہ دلانا ہے۔ لیکن دو باتوں کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ ایک یہ کہ جماعت کے مشہور ملہم سیّد اسد اللہ صاحب کو بھی خدا تعالیٰ نے میری صحت کی بشارت میری بیماری کے پہلے ہی ایک دو دنوں میں عطا فرمائی۔ اور ایک خواب میں نے اپنی بیماری کے غالباً پہلے ہی دن دیکھا جس میں مجھے یہ بشارت دی گئی کہ اللہ تعالیٰ میری جماعت کی دعاؤں کو میرے لئے قبول فرمائے گا۔ وہ خواب یہ تھا کہ میں نے اپنے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب کو دیکھا کہ وہ اپنے مکان کے اوپر کی منزل میں ایک مصلیٰ بچھا کر بیٹھے ہیں۔ سر ننگا ہے اور دونوں ہاتھ خدا کے سامنے اُٹھائے ہوئے ہیں۔ منہ مشرق کی طرف ہے اور میرے لئے درد بھری دعائیں کر رہے ہیں۔ مولٰینا صاحب تو یقیناً میرے لئے دعا کر رہے تھے لیکن مجھے اس کی تعبیر یہ سمجھ آئی کہ میرے بڑے بھائی سے مراد میری جماعت ہے۔ کیونکہ جماعت کا وجود ایک فرد واحد کے وجود سے بڑا ہے۔ خواب میں مشرق کی طرف منہ کر کے دعا کرنا اس کی قبولیت کی نشانی ہے۔ سو میں پھر خدا کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے میری جماعت کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف عطا کر کے مجھے ایک مہلک بیماری سے نجات دی۔ اور احباب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان سے اب ایک اور دعا کے لئے درخواست کرتا ہوں۔ اور یہ امید رکھتا ہوں کہ جس خدا نے ایک ناکارہ انسان کے حق میں جماعت کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمایا، وہ یقیناً اس اہم مقصد کے لئے جس کی طرف میں اب توجہ دلانا چاہتا ہوں، ان دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔

یہ اہم مقصد اسلام کے غلبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم بھی جانتے ہیں اور ہر ایک مسلمان کا بھی اس بات پر ایمان ہے کہ اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر مسیح موعود کے ظہور سے وابستہ ہے۔ ہم میں اور

دوسرے مسلمانوں میں صرف یہ فرق ہے کہ وہ مسیحؑ کے منتظر ہیں۔ اور ہم یہ مانتے ہیں کہ وہ مسیح موعود آ چکا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام کو دنیا میں پھیلانے اور دنیا میں قرآن کو پہنچانے کا جو جوش حضرت مسیح موعود کے دل میں تھا وہ اس زمانہ میں دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔ اور اس کے لئے بالخصوص آپ کی توجہ یورپ اور امریکہ کی طرف ہوئی۔ کیونکہ ان ممالک کی اقوام ساری دنیا پر چھائی ہوئی تھیں۔ آپ کے فیض صحبت کا اثر کچھ ہمارے دلوں پر بھی پڑا۔ اور اس جماعت کے دلوں میں بھی تبلیغ اسلام کی تڑپ کا وہی رنگ پیدا ہوا۔ اور اس جماعت نے تبلیغ اسلام کی بنیادیں یورپ اور امریکہ میں رکھیں۔ لیکن جیسا کہ میں اپنی بیماری کے بعد اپنے پہلے خط میں بھی توجہ دلا چکا ہوں، ہمارے دلوں میں وہ جنون نہیں، جو رسول خدا صلعم اور آپ کے صحابہؓ یا حضرت مسیح موعودؑ کے دل میں تھا۔ اصلاح خلق کا درد جب بھی کسی دل میں پیدا ہوا تو اس میں سب سے پہلے یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ وہ خدا کے حضور گر کر اپنی روح کو اس بلند مقام پر پہنچائے جہاں وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کی جاذب بن جائے۔ تمام انبیاء اور صلحاء کی زندگیاں یہی ایک نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے آنحضرت صلعم کے متعلق اپنے شعر میں یہ نقشہ کھینچا ہے ۔

من نمے دانم چہ دردے بود و اندوہ وغمے کاندراں غارے اور وش حزین و دل فگار

یعنی جب آپ نے اپنی کوششوں سے اپنے آپ کو اس قابل نہ پایا کہ لوگوں کو راہ راست پر لاسکیں تو دنیا سے کنارہ کش ہو کر ایک غار میں دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔ اور درحقیقت یہی دعائیں تھیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل کو اس زمین پر ایک بارش کے رنگ میں اتارا اور اس مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ یہی اس کی سنت ہے۔ خود حضرت مسیح موعود کی زندگی میں بھی یہی نظارہ نظر آتا ہے۔ اس وقت جب ہم دنیا کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو تمام اطراف میں ایک ضلالت اور گمراہی اور فسق و فجور پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ اور بعض وقت ہم اپنی بشری کمزوریوں سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کام نہیں ہوسکتا۔ لیکن حق یہ ہے کہ ہم ان ذرائع کو اختیار نہیں کرتے جن ذرائع سے پہلے اس قسم کا کام ہوا۔ جس قدر انبیاء دنیا میں آئے ان سب کے زمانہ میں دنیا اسی طرح گمراہی اور ضلالت میں گھری ہوئی تھی۔ مگر وہ اور ان کے ساتھی خدا کے آگے اس درد کو لے کر گرے۔ یہاں تک کہ ہر قسم کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو پاش پاش کر

کے خدا کے نور کو دنیا میں پھیلا دیا۔ اس لئے میں اپنے احباب کو یہ توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ آپ کو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کے زمانہ سے لے کر آج تک دعاؤں کی قبولیت کے بہت سے نشان دکھائے ہیں۔ آیئے اس مقصد کے حصول کے لئے اس طرح دردمندانہ دعاؤں میں لگ جائیں جس طرح وہ لوگ لگے رہتے تھے جن کے راستہ پر چلنے کی دعائیں ہم دن رات مانگتے ہیں۔ **صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** (6:1) میرا مقصد یہ ہے کہ ہماری جماعت کے کم از کم کچھ احباب، جن کی تعداد میں چاہتا ہوں کہ ایک سو سے کم نہ ہو، خاص طور پر دعاؤں میں لگ جائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت کے دروازے کھول دے۔ اپنے فضل ورحم سے اپنی مخلوق کی روحانی ربوبیت کے سامان پیدا کر دے۔ اپنے دین اسلام کو جس طرح پر اس کا وعدہ ہے تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اپنے قرآن اور اپنے رسولؐ کی قبولیت کی زبردست ہوائیں اس دنیا پر چلا دے اور اپنے قرآن اور محمد رسول اللہ صلعم کو دنیا کے دلوں پر مسلط کر دے۔ مسلمانوں کے دلوں پر بھی مسلّط کر دے کہ وہ قرآن پر چلنے والے اور اس کے لئے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو فدا کرنے والے ہوں۔ اور غیر مسلموں کے دلوں پر بھی مسلّط کر دے کہ ان کی گردنیں قرآن کے سامنے جھک جائیں۔

اگر ایک سو آدمی پختہ عزم کو دل میں لے کر یہ عہد کر لے کہ وہ اپنی دعاؤں کو آج سے اس مقصد کے لئے مخصوص کر دیں گے تو میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ دن دور نہیں جب ہم اپنی آنکھوں سے اس نظارے کو دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارش زمین پر شروع ہوگئی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے احباب اپنے ناموں سے مجھے ابھی اطلاع دیں۔ یہ گویا میرے ساتھ ایک گونہ عہد ہوگا۔ اور عہد انسان کے اندر ایک قوت بھی پیدا کر دیتا ہے۔ یہ دعائیں، اس میں شبہ نہیں کہ، زیادہ تر تہجد کی نماز میں ہونی چاہئیں۔ مگر میں انشاء اللہ اپنے تیسرے مکتوب میں آپ کو یہ بتانے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ ہم اپنی معمولی پنجوقتہ نمازوں میں بھی بلکہ اپنی دن رات کی مصروفتوں میں بھی، ان دعاؤں سے کام لے سکتے ہیں۔ مگر اس سے پہلے میں یہ جاننا ضروری سمجھتا ہوں کہ کون کون سے احباب ایک جماعت کے رنگ میں اس کام کو ایسے عزم کے ساتھ اختیار کرنے کے لئے تیار ہیں کہ اگر میری موت کی خبر بھی کل ان کو پہنچ جائے تو وہ اس عزم کو نہیں چھوڑیں گے۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ ان کو زندہ رکھے، وہ دعاؤں میں

برابر لگے رہیں گے۔ میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ ایسا انتظام کروں کہ ان احباب کو ایک دوسرے کے ناموں سے بھی اطلاع ہو جائے۔ مگر میں پھر یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایسا عزم انہی دلوں میں پیدا ہو سکتا ہے جن میں نسل انسانی کی بہتری کے لئے غم اور درد بھرا ہوا ہو۔ اور ان ے دلوں میں سے یہ تڑپ اُٹھے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی بھی اصلاح فرما دے اور ان کو اپنے قرآن اور اپنے رسولؐ کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما دے اور غیر مسلموں کی بھی اصلاح فرما دے اور ان کے دلوں کو بھی اپنے قرآن اور رسولؐ کے نور سے روشن کر دے۔ اسلام کا غالب آنا اور قرآن کا ساری دنیا کو فتح کر لینا تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور وہ پورا ہو کر رہے گا۔ مگر میں بھی خدا کے دروازے سے ایک امید لے کر آیا ہوں اور آرزو رکھتا ہوں کہ میرے احباب اس آرزو کے پورا ہونے میں میری مدد کریں۔ والسلام

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

☆

29 نومبر 1950ء

شکرانہ فنڈ

حضرت امیر ایدّہ اللہ کی صحت کی خوشی میں ''شکرآ فنڈ'' کی قابل قدر تحریک

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ (7:14)

برادران جماعت۔ السلام علیکم۔ پشاور کے ایک محترم بزرگ نے مجھے ایک خط لکھا ہے۔ جسے میں یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

''اللہ کریم نے بالآخر اپنے عاجز بندوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا۔ اور اس ذات بزرگ و برتر حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کو محض اپنے فضل و کرم سے نئی زندگی عطا فرمائی اور جماعت احمدیہ پر پھر سے احسان عظیم فرمایا۔

مستجاب آید دعائے عاشقاں　　اے دعا گو ایں دعا را باز گو

حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہی فی نفسہٖ اس رب جلیل کی قدرت کا اعجاز ہے اور اسی وجود کو حضرت مسیح موعود کی صداقت کے نشان کے طور پر پیش کئے جانے کے لئے مختص کیا گیا۔ اسی ہستی کو حضرت اقدس نے اعجازی قلم کی امانت سپرد فرمائی۔ جس قلم کی بدولت جو خدمت دین متین حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ سے لی گئی اس کے لئے رہتی دنیا گواہ رہے گی۔ اور پھر حضرت مسیح موعود کے مخصوص نشان قبولیت دعا کو جس حسن خوبی سے حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے وابستگی عطا ہوئی، اُن میں سے ہر ایک امر دفتر یست معرفت کردگار۔ ان امور کے پیش نظر جماعت پر بھی لازم ہے کہ وہ اس ذات باری تعالیٰ کے حضور تشکر و امتنان کرے۔ اس کی جو صورت میرے ذہن میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک THANKS GIVING FUND کے لئے تحریک کی جائے۔ اگر جناب کو اس سے اتفاق ہو تو جناب اس تحریک کا بیڑا اپنے ذمہ لیں۔ اس فنڈ کا مصرف حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کی اقتضاء رائے پر منحصر ہونا چاہئے۔ اس

ضمن میں میں اپنی طرف سے مبلغ پانچ سو روپے کی حقیر رقم کا ڈرافٹ ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ بالآخر آپ سے اس گذارش کی بھی جرأت کرتا ہوں کہ اس تحریک کے سلسلہ میں میرا نام اپنی ذات تک محدود رکھیں تو زہے عزو شرف۔
والسلام۔ دعا گو‘‘

اس تحریک کی ایک رنگ میں ابتداء تو خادم رحمانی صاحب کے خط سے ہوئی جو اخبار پیغام صلح میں چھپ چکا ہے۔ اب ملک کے ایک دوسرے کونہ یعنی پشاور سے ان محترم بزرگ نے اپنے طور پر اس تحریک کو اُٹھایا ہے اور بغیر مندرجہ بالا خط کے کسی علم کے ملک کے، ایک تیسرے کونہ یعنی نواب شاہ (سندھ) سے جناب حافظ عبدالرشید صاحب مبلغ اسلام نے خود بخود یہ کہا ہے کہ وہ اپنے موجودہ پراویڈنٹ فنڈ کے چوتھائی حصہ کو حضرت امیر کی صحت کی خوشی میں بطور شکرانہ پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں حضرات کو بہت بہت جزائے خیر دے۔ کہ انہوں نے ہم غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو توجہ دلائی کہ جناب باری کے اس احسان عظیم کا شکریہ ہمیں کسی عملی رنگ میں ادا کرنا چاہئے۔

حضرت امیر ایدّہ اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت اور محبت جماعت بلکہ غیر از جماعت لوگوں کے دلوں میں کس قدر ہے، اس کا کچھ اندازہ تو مجھے ان خطوط، تاروں، اور ٹیلیفون کے پیغاموں سے ہوتا رہا جو حضور کی بیماری کے دوران میں یہاں آتے رہے۔ اور اس سے بڑھ کر جس درد اور گریہ وزاری سے جماعت کے احباب نے حضور کی صحت اور درازی عمر کے لئے دعائیں کیں اس سے عیاں ہے کہ اس مقدس اور بابرکت ہستی کی کس قدر محبت اور قدر احباب کے دلوں میں ہے۔ مسلسل بیماریوں، عمر کی زیادتی، ضعیفی اور آخری بیماری کے خطرناک حملے نے ایسی صورت حالات پیدا کر دی تھی کہ بعض دفعہ تو یہ خطرہ شدت سے محسوس ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت ہم سے چھن جائے گی۔ مگر جناب باری نے ہم پر رجوع برحمت فرمایا اور یہ نعمت ابھی ہمارے پاس اور رہنے دی۔

اس خط کے اوپر جو ارشاد الٰہی میں نے نقل کیا ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم ہماری نعمت کا شکر ادا کرو گے تو ہم اپنی نعمت کو بڑھائیں گے اور اگر ناشکری کرو گے تو پھر میرا عذاب بہت سخت ہے۔ زبان سے شکر ادا کرنا تو ابتدائی اور گھٹیا طریقہ ہے۔ اور اگر زبانی شکر کے ساتھ عملی ناشکری ہو تو وہ

اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو پیدا کرنے والی چیز ہوتی ہے۔جیسا کہ فرمایا کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَاللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ (3:61) بہترین شکر وہ ہے جو عملاً کیا جائے۔اس لئے جہاں ہمارے لئے جناب باری کے آگے سجدے میں گر کر زبان سے شکر کرنا لازم ہے، وہاں عملی طور پر کوئی قدم اُٹھانا بہت مستحسن ہے۔ملک کے مختلف کونوں سے علیحدہ علیحدہ مگر بیک وقت یہ تحریک ہونا کہ حضرت امیر کی صحت یابی کے موقعہ پر عملی طور پر یوں قدم اُٹھایا جائے کہ کچھ مالی قربانی کر کے اس کام کو تقویت دی جائے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو چن لیا ہے۔میرے نزدیک ایک آسمانی اشارہ ہے کہ رضائے الٰہی کا راستہ یہی ہے۔ اس لئے میں نہایت انشراح صدر سے اس تحریک کو اُٹھانے کا بیڑا اپنے سر لیتا ہوں۔میں جانتا ہوں کہ جماعت کے احباب کو وقتاً فوقتاً قربانیاں کرنی پڑتی ہیں۔مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود نے اس جماعت کے نفوس میں قربانی کی وہ تڑپ پھونکی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی تھکتے نہیں۔اس میں وہ بھی ہیں کہ جو خدا کی راہ میں خرچ کر کے وہ لذت پاتے ہیں جو دنیا کی کسی چیز میں نہیں پاتے۔ان میں وہ بھی ہیں جو حضرت امیر ایدّہ اللہ کے لئے اپنا مال تو کیا، اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہیں۔ان میں وہ نیک دل بھی ہیں جو کبھی نیک بات ٹالتے نہیں۔اور ان میں وہ باحیا انسان بھی ہیں جو نیک تحریک پر انکار کرنے کی جرأت اپنے میں نہیں پاتے۔

میں ان تمام مردان خدا سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کے شکرانہ کے طور پر اپنے دلوں کو خدا کی راہ میں کھولیں اور اپنی محبوب ترین چیزوں میں سے مال کی قربانی کریں۔کہ اس میں ان کا بھی بھلا ہے۔دین کا بھی اور باقی دنیا کا بھی۔اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (92:3) پیسہ محبوب ترین چیزوں میں سے ہے۔اور اس کو خرچ کئے بغیر نیکی کا اعلیٰ مقام نہیں ملتا۔یہ پیسہ جو وہ دیں گے وہ ایک ایسے اعلیٰ مقصد پر خرچ ہوگا کہ اس سے بڑھ کر کوئی مقصد نہیں۔حضرت امیر نے اس تحریک کو پسند کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ ان کا ارادہ ہے کہ اس فنڈ کو وہ قرآن کریم یا سیرت نبویؐ کی اشاعت کے کام میں لگائیں گے۔

اس لئے میرے دوستو! میری اس آواز کو ان سنی نہ کر دینا۔نیکی کا موقعہ سامنے آئے اور انسان اس نیکی سے محروم رہ جائے، یہ بڑی بدقسمتی اور نقصان کا سودا ہے۔میں آپ کو اس نیک کام کی

طرف بلاتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ، جس کے ہاتھ میں دل ہیں، وہ آپ کے دلوں میں انشراح صدر پیدا کرے کہ آپ خوشی، بلکہ گرم جوشی سے، اس کارخیر میں حصہ لیں۔ میں نے آج اس تحریک کا ذکر اپنے دوست چودھری امجد خاں صاحب سے کیا تو انہوں نے اسے بہت پسند فرمایا۔ اور اپنی جیب سے پانچ سو روپیہ کے عطیہ کا وعدہ فرمایا۔ میں اس نیک فال کے ساتھ اس تحریک کی بسم اللہ کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ جن نیک روحوں میں تحریک پیدا ہو، وہ اپنے عطیہ جات محاسب صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس لاہور کے نام روانہ فرمائیں۔ اور تخصیص کر دیں کہ ان کا عطیہ ''شکرانہ فنڈ'' کے لئے ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ خاکسار نصیر احمد فاروقی 17 نومبر 1950ء کراچی

خستگان قوم کی اللہ نے سن لی دعا: (13 دسمبر 1950ء) بیگم صاحبہ حضرت امیر ایدّہ اللہ کی خدمت میں مولٰینا مرتضٰی خان صاحب کا خط

بخدمت محترمہ بیگم صاحبہ حضرت امیر ایدّہ اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت امیر کو اب خدا کے فضل سے آرام ہے۔ اب اللہ تعالیٰ آپ کو طاقت بھی عنایت فرمائے کہ سفر کر سکیں اور واپس بخیر و عافیت تشریف لاسکیں۔ میں ان کو براہ راست خط نہیں لکھ رہا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ آپ ابھی اس قابل نہ ہوں کہ خطوط وغیرہ پڑھ سکیں۔ اس لئے آپ میرا السلام علیکم ضرور پہنچا دیں۔ اور اس عریضہ کا ضرور ذکر فرما دیں۔ جو کچھ خوشی ہم لوگوں کو حضرت کے صحت یاب ہونے سے ہوئی ہے، اس کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ میں نے اپنے خیالات کا کسی قدر اظہار چند اشعار میں کیا جو درج ذیل ہیں۔ والسلام

نیازمند۔ خاکسار مرتضٰی خاں

واہ وا! لائی صبا ہے کیا نوید جاں فزا — حق تعالیٰ نے امیر قوم کو بخشی شفاء
الاماں صد الاماں! آیا جو دورِ ابتلاء — سخت مشکل آپڑی تھی ہو گیا فضلِ خدا
کیا کہیں کس طرح کاٹے ہم نے لیل و نہار — پیش ربّ ذوالمنن روتے رہے باحالِ زار
درد تھا، غم تھا، الم تھا، چھا رہی اک یاس تھی — اور تو کچھ بھی نہ تھا، بس خدا کی آس تھی
شکر حق کہ آج سجدے کیوں بجالائیں نہ ہم — گیت کیوں حمدِ خدائے پاک کے گائیں نہ ہم

پھر ہمارے گلستاں میں آ گئی فصل بہار پھر لگی چلنے نسیمِ رحمتِ پروردگار
وہ امیرِ قوم جو ہے افتخارِ ملک و دیں وہ امیر قوم جو ہے صدرِ بزم آخریں
وہ امیرِ قوم جو ہے آیتِ فضلِ خدا ہیں درخشاں جس کی پیشانی پہ انوارِ خدا
جانشیں جو ہے امام مہدئ موعود کا پاسبانِ دینِ احمدؐ، ہادئ راہِ ہدیٰ

از سرِ نو زندگی اس کو خدا نے کی عطا
خستگانِ قوم کی اللہ نے سن لی دعا

سندھ سیکرٹریٹ سے ایک خط: ڈیر علامہ صاحب۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اس ہولناک مرض سے، جس کو CORONORY THROMBOSIS کے نام سے پکارا جاتا ہے، صحت یاب ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے آپ جیسے مقدس انسان کو بچا لیا۔ جس کا جذب اندرون اسلام اور اس کے لٹریچر میں اس قدر شاندار اضافہ کا موجب ہوا ہے۔ یقیناً آپ نے اس کلمۂ حکمت کو عملاً زندہ کر دیا ہے کہ مذہب نرا عقیدہ نہیں نہ جذبہ دل ہے بلکہ ایک خدمت کا نام ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو عمر طویل عطا کرے۔ تاکہ آپ علم وحکمت کی روشنی کو نسل انسانی میں پھیلا سکیں جس نے اپنی روح کو مادیّت کے آستانہ پر قربان کر دیا ہے۔ آمین

''ترا علمیت ہمیشہ یار باوا''۔ یہ اس شخص کی دلی خواہش اور دعا ہے جو اپنے آپ کو آنجناب کے مداحوں میں شامل کرنے کی جرأت کرتا ہے۔

اے ڈی علوی
سندھ سکریٹریٹ کراچی
25 نومبر 1950ء

☆

29 نومبر 1950ء

مکتوب حضرت امیر

ایک ضروری تجویز

قرآن اور محمد صلعم کے نام کو دنیا میں روشن کرنے کے لئے

میرے محترم بھائیو السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

''شکرانہ فنڈ'' کے نام سے ایک اپیل، جو پشاور کے ایک مخلص بھائی کی تحریک پر مبنی ہے، فاروقی صاحب کی طرف سے اخبار میں شائع ہوئی ہے۔ مگر یہ تحریک درحقیقت بیک وقت کئی ایک قلوب سے اُٹھی۔ جب میرے علم میں یہ لائی گئی تو میں نے اسے ایک مبارک تحریک خیال کیا۔ اس بیماری کے دوران میں مجھے کئی ایک نظارے دیکھائے گئے۔ جھوں نے اس بات پر میرے ایمان کو اور بھی زیادہ پختہ کردیا کہ وقت آ گیا ہے کہ یہ زمین قرآن اور محمد صلعم کے نور سے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (69:39) کے مصداق ہوجائے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ مجھے جو مہلت دی گئی ہے وہ اسی لئے دی گئی ہے کہ میں خدا کے نور کو دنیا میں پہنچانے کا کچھ اور کام کرلوں۔ اور مجھ جیسے ناکارہ پر یہ محض خدا کا ایک احسان ہے۔ گو میں نہیں جانتا کہ یہ نور کس وقت کے لئے ہے۔ اگر اس کی نگاہ میں میرا کوئی کام اس کی رضا کا موجب ہے تو وہ میرا کام نہیں، اس جماعت کا کام ہے جو خدا کے نور کو دنیا میں پہنچانے کے لئے قربانیوں پر قربانیاں کررہی ہے۔ اور جس طرح ملائکہ خدا کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (21:8) (اور وہ تھکتے نہیں) اسی طرح یہ جماعت، یہ خدا کا اس پر فضل ہے، قربانیوں میں لگی رہتی ہے اور تھکتی نہیں۔ میں تو ابھی ایک تحریک کرتا کرتا ہی بیمار ہوگیا تھا، مگر باایں جس دن ڈاکٹر خادم رحمانی کا خط میں نے اخبار میں پڑھا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس جماعت کے اخلاص کی گہرائیوں کو خدا ہی جانتا ہے۔ اور شاید اگر خدا سب کو توفیق نہ بھی دے، اور ہر ایک کی مشکلات کو وہی بہتر جانتا ہے، تو کچھ بلکہ بہت سے مخلصین ایسے ہوں گے جو اپنے نفسوں پر دکھ برداشت کر کے بھی اس قربانی کے لئے قدم اُٹھائیں گے۔ پھر یہ قربانی اگر محض میری ذات کے لئے ہوتی تو اور بات تھی۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میرے مخلص دوست ایسے بھی ہیں کہ اگر میں ان کے گھر میں بیمار ہوجاتا تو وہ میری ذات کے لئے بھی

بے دریغ خرچ کرتے اور اسے بوجھ نہ سمجھتے۔ اور اسی طرح میری ذات پر اپنا روپیہ پانی کی طرح بہا دیتے جس طرح میرے عزیز فاروقی صاحب نے بہایا۔ مگر اب جو قربانی ''شکرانہ فنڈ'' کے رنگ میں آپ سے چاہتا ہوں، وہ ایک بہت ہی بلند غرض کے لئے ہے۔ وہ قرآن اور محمد صلعم کے نام کو دنیا میں روشن کرنے کے لئے ہے۔ میرے ذہن میں بیماری کے ایام میں بالخصوص ایک تجویز چکر لگاتی رہی ہے۔ اور اس کا ذکر سخت ترین گھڑی کو اپنے سامنے دیکھ کر میں نے فاروقی صاحب سے کر بھی دیا تھا کہ کسی طرح قرآن کریم اور سیرت نبویؐ کو اس قدر سہل الحصول بنا دیا جائے کہ کسی شخص کے راستے میں، جو انہیں حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہو، بڑی قیمت روک نہ رہے۔ میں نے اب بھی اس تجویز کو مکمل نہیں کیا مگر میرا خیال ہے کہ اگر اس فنڈ میں چالیس پچاس ہزار روپے جمع ہو جائے، تو نہ صرف ایک سال کے عرصہ میں دس ہزار شائقین کے ہاتھوں تک ہم قرآن کریم کو پہنچا دیں گے بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک ایسی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ مستقل طور پر سالانہ چار پانچ ہزار ہاتھوں تک اسی طرح قرآن شریف پہنچتا چلا جائے۔ اسی غرض کو مدنظر رکھ کر میں نے پشاور کے اس بزرگ کی تحریک کو سب احباب تک پہنچانا ضروری سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ جن احباب کو شرح صدر عطا فرمائے، وہ اس میں شامل ہوں۔

میرا خیال سردست یہ ہے مگر اس پر ابھی میں نے بعض احباب کا مشورہ لینا ہے کہ پاکستان اور بھارت میں بالخصوص طلباء کو قرآن شریف پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔ مجھے بہت سے ایسے بزرگوں سے ملاقات کا اتفاق ہوا ہے جنہوں نے اپنے طالب علمی کے زمانہ میں میرا انگریزی ترجمۃ القرآن پڑھا اور انہوں نے کہا کہ اس وقت سے قرآن کریم کے مطالعہ نے ان کے دلوں پر ایک گہرا اثر پیدا کیا اور ان کی زندگی میں ایک بیداری پیدا کر دی۔ اور اپنے لئے میں نے ان کے دلوں میں احترام اور محبت کے بلند جذبات پائے۔ میں نے اس دوسری بات کا ذکر صرف اس لئے کیا ہے کہ عوام الناس اور بالخصوص طبقہ علماء میں، جو ہماری جماعت کے متعلق ایک نفرت کا جذبہ پایا جاتا ہے، اس کو دور کرنے کے لئے بھی انشاء اللہ یہ امر بہت حد تک معاون ہوگا کہ ہم قرآن کریم کی تعلیم کو طلبا میں عام کر دیں۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ قرآن شریف کی جو نئی ایڈیشن طبع ہو رہی ہے اس کی کم از کم پانچ ہزار کاپی دس سے لے کر پانچ روپے تک ہدیہ پر پاکستان اور بھارت کے مسلم اور غیر مسلم طلباء کے لئے وقف کر دی جائے۔ اور

اگر جیسا کہ میرا خیال ہے، دس ہزار کاپی اس رعایت کے ساتھ دینے کے ہم قابل ہو جائیں تو بقیہ پانچ ہزار کاپی میں سے دو ہزار کاپی انگلستان میں اسی رعایتی قیمت پر معرفت ووکنگ مشن اور دو ہزار کاپی امریکہ مشن میں معرفت سان فرانسسکو مشن اور ایک ہزار کاپی دوسرے ممالک کے لئے مخصوص کر دی جائے۔ اگر دس ہزار تک یہ تعداد نہ پہنچ سکے تو پھر ہر جگہ ایک ہی نسبت سے اس کو کم کر دیں گے۔ مجھے امید ہے کہ اس جماعت کے عاشقان قرآن دس ہزار کی تعداد کو پوری کر دیں گے بلکہ اس سے اوپر نکل جائیں گے۔

سال گذشتہ سے خواجہ نذیر احمد صاحب یہ اصرار کر رہے ہیں کہ میں خود ووکنگ جاؤں۔ چنانچہ بیماری سے پہلے میں جہاز پر جگہ کا انتظام بھی کر چکا تھا۔ اور آنے جانے کے خرچ کی ذمہ داری بھی خود انہوں نے اپنے ذمہ لی ہوئی ہے۔ سو اگر میری صحت نے اجازت دی تو میں امید رکھتا ہوں کہ انگلستان میں اور اس کے ساتھ ہی شاید امریکہ میں بھی قرآن کریم اور سیرت نبویؐ کے پہنچانے کے اور راستے بھی کھل جائیں۔ بہرحال یہ ایک عظیم الشان کام ہے جو اسلام کے غلبہ کو دنیا میں لانے کا موجب ہوگا۔ جس کی طرف سے ساری اسلامی دنیا ابھی غافل ہے۔ مگر جس کی طرف ہماری جماعت قدم اُٹھا چکی ہے اسی قدم کو تیز کرنے کی ضرورت ہے۔ جو احباب اس میں حصہ لیں وہ جلد سے جلد اپنے وعدوں کو پورا کر دیں۔ تا کہ دسمبر میں سالانہ جلسہ میں جو قدم ہم نے اُٹھانا ہے وہ طے ہر کر لیں۔

خاکسار محمد علی

پروین۔ برنٹن روڈ۔ کراچی

20 نومبر 1950ء

☆

6 دسمبر 1950ء

حضرت امیر ایدّہ اللہ کا عزم لاہور

میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کا خط سیکرٹری صاحب کے نام

مکرمی جناب مولوی احمد یار صاحب السلام علیکم

حضرت امیر ایدّہ اللہ 9 دسمبر کو یہاں پاکستان میل سے روانہ ہو کر 10 دسمبر اتوار شام کو لاہور انشاء اللہ تعالیٰ پہنچیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمارے امیر کو اس سخت بیماری سے شفا بخشی۔ مگر ابھی حضور کی طبیعت کمزور بہت ہے۔ اور ڈاکٹری حکم ہے کہ ابھی آپ کو کچھ مدت کام کم کرنا چاہیئے اور بالخصوص بات چیت بہت کم کرنی چاہیئے۔

یہاں بیماری کے دوران ڈاکٹر صاحب نے مجھے ذمہ دار ٹھہرایا کہ ان کی ہدایتوں کی تعمیل کرواؤں۔ سو میں نے ضروری سمجھا کہ اس آخری اور ضروری ہدایت کو جماعت کے احباب تک عموماً اور لاہور میں استقبال اور مزاج پرسی کرنے والے احباب تک خصوصاً پہنچا دوں۔ تاکہ وہ احتیاط برتیں۔ بیشک خود وہ بات خاطر خواہ کریں مگر حضرت امیر کو حتی الامکان جواب دینے کی تکلیف نہ دیں اور نہ لمبے جواب کی توقع رکھیں۔ یہ بابرکت اور پرنور ہستی اب کراچی سے لاہور جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہو اور اسے اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین خاکسار نصیر احمد فاروقی

لاہور میں حضرت امیر ایدّہ اللہ سے ملنے کے اوقات: اپنے گرامی نامہ میں حضرت امیر ایدّہ اللہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

''احباب کو اطلاع دے دیں کہ اگر کوئی دوست (لاہور پہنچنے کے بعد) مجھے ملنا چاہیں تو اس کے لئے موزوں وقت ساڑھے چار بجے شام ہوگا اس کے سوائے اگر کوئی دوست ملنے کی خواہش کریں تو اس کے متعلق فون پر دریافت کر کے تشریف لائیں''

امید ہے احباب کرام اس ارشاد کو خاص طور پر ملحوظ رکھیں گے۔

☆

6 دسمبر 1950ء

مکتوب حضرت امیر

دعا کا مجاہدہ

اس میں شریک ہونے والے دوستوں کے لئے ہدایات

برادرانِ محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میرے درخواست دعا کے جواب میں احباب کے خطوط آ رہے ہیں۔ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ جو شخص ایسی دعائیں نہیں کرتا اس میں احمدیت کا شائبہ بھی نہیں۔ میں صرف دعا نہیں چاہتا، اس دعا کے لئے ایک زبردست مجاہدہ چاہتا ہوں۔ایک اور بزرگ نے لکھا ہے کہ انہوں نے 1945ء میں ایک خواب دیکھا تھا۔جو ان کے پرائیویٹ ریکارڈ میں لکھا ہوا موجود ہے۔

''تقریباً 4 بجے کا وقت ہوگا کہ میں ایک بہت وسیع میدان کے ایک کونہ میں آپ کے بالکل نزدیک پیچھے کھڑا ہوں۔اس میدان میں بہت سے آدمی ہیں۔آپ کے دائیں ہاتھ میں قرآن مجید ہے اور آپ کا وہ ہاتھ سر سے اوپر ہے۔آپ لوگوں کو وعظ کر رہے ہیں اور رو رہے ہیں اور اشاعت اسلام کی طرف متوجہ کر رہے ہیں''۔

غالباً یہ وہی سال ہے یا اس سے ایک سال پیشتر تھا جب میں نے تراجم قرآن کے لئے ایک فنڈ قائم کرنے کے لئے اپیل کی تھی۔اس وقت ہمارا عزم یہ تھا کہ پانچ سال کے اندر کم سے کم پانچ نئی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے شائع ہو جائیں۔روپیہ بھی جمع ہو گیا۔پانچ زبانوں میں خدا کے فضل سے ترجمے بھی مکمل ہیں۔تامل میں ترجمہ مکمل ہوئے تین سال گذر چکے ہیں۔مگر وہ اب تک چھپنے میں نہیں آتا۔سندھی اور گورمکھی ترجموں کی تکمیل پر بھی دو سال گذر چکے ہیں۔مگر ان کے چھپنے میں بھی روک پر روک پڑتی جاتی ہے۔جاوی زبان میں بھی ہمارے ایک جاوی دوست نے ترجمہ مکمل کر لیا تھا مگر وہ بھی اب تک نہیں چھپ سکا۔صرف کھاسی زبان کا ترجمہ چھپنا شروع ہے۔مگر وہ صرف ایک مرد خدا کی ہمت ہے۔ جسے اب تک ہم نے صرف لفظی مدد دی ہے۔اور برمی زبان کے لئے ایک اور مرد خدا کمر ہمت باندھے کھڑا ہے۔یوں ایک ساتویں زبان سیامی میں بھی کچھ کام شروع ہو گیا ہے مگر میرے دل پر جو

ایک صدمہ ہے وہ یہ ہے کہ تین زبانوں میں جو مکمل ترجمے موجود ہیں۔ وہ چھپنے میں کیوں نہیں آتے؟! کیا کہیں ہم میں جمود تو نہیں آ رہا؟ کیا جماعت کے بزرگوں کی توجہ اس طرف سے کم تو نہیں ہو رہی؟ کیا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی فعل تو ہم سے سرزد نہیں ہوا؟ کیا ہمیں ایک توفیق مل کر پھر وہ ہمارے ہاتھ سے تو نہیں چھن رہی؟ جماعت قادیان نے بھی غالباً 1942ء میں یہ اعلان کیا تھا کہ تین سال کے اندر اتنی یورپین زبانوں میں ترجمے چھپوائیں گے مگر وہاں بھی ہنوز روز اول ہے۔ اور بھی کچھ کمزوریاں ہم میں ہیں۔ جن کا میں یہاں ذکر نہیں کرتا۔ حق کا غلبہ دلوں پر اگر ہوگا تو اسی قرآن کے ذریعہ سے اور محمد رسول اللہ صلعم کی قوت روحانی سے ہوگا۔ اس لئے میں نے جماعت کے بزرگوں سے مجاہدہ کے رنگ میں دعا کی درخواست کی ہے۔ اس میں جماعت کے لئے بھی دعا شامل ہے بلکہ مقدم ہے۔ کیونکہ اگر یہ جماعت رہ گئی تو گویا مسیح موعود بھی ناکام ہوا۔ مگر یقیناً ایسا نہیں ہوگا۔ سخت بیماری کے ایّام میں مَیں نے کئی نظارے دیکھے۔ جن میں بعض بڑی بڑی بشارتیں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی دیکھا جو ہمارے اس بزرگ بھائی کے خواب سے کچھ ملتا جلتا ہے۔ وہ نظارہ یہ تھا کہ میرے سر پر ایک ٹوکری ہے۔ جس میں کچھ قیمتی سامان ہے۔ جو میں نے ایک منزل مقصود پر پہنچانا ہے۔ چلتے چلتے میں گر گیا ہوں اور وہ میرا سامان بھی پاس ہی بکھرا پڑا ہے۔ اور میں اس گری ہوئی حالت میں زار زار رو رہا ہوں اور خدا تعالیٰ سے بڑے الحاح سے دعا کر رہا ہوں کہ اے میرے خدا! مجھے اُٹھا اور یہ سامان منزل مقصود پر پہنچانے کے لئے طاقت عطا فرما۔ ایک رنگ میں میری یہ حالت تھی مگر دوسرے رنگ میں یہ جماعت کی حالت کا نقشہ تھا کہ وہ اپنی اس پہلی حالت پر قائم نہیں۔ جب ہم دنیا میں مشن پر مشن قائم کرتے چلے جاتے تھے۔ اور قرآن کے ترجمے پر ترجمے کر کے انہیں دنیا میں پہنچاتے چلے جاتے تھے۔ اور آج یہ حالت ہے کہ ہماری زبانوں پر، بڑے بڑے آدمیوں کی زبانوں پر، یہ لفظ آ رہے ہیں کہ فلاں فلاں مشن کو بند کر دو۔ قرآن کریم کے ترجموں کے کام کو ملتوی کر دو۔ جس دن یہ ہوا اس دن یہ جماعت مر جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اور لوگوں کو کھڑا کر دے گا۔

مجاہدہ دعا کی تمہید کے رنگ میں میں تین باتوں کا ذکر کروں گا۔ میں ابھی بہت کمزور ہوں۔ تحریر میں ہاتھ کانپتا ہے۔ بول کر لکھوانے سے ڈاکٹر روکتا ہے۔ اور میرے لئے زیادہ گفتگو کرنا وہ نقصان

دہ قرار دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ملاقات کرنے کے لئے جو احباب آتے ہیں ان سے بھی زیادہ گفتگو کرنا میرے لئے ممنوع ہے۔ دن کا بیشتر حصہ اب بھی لیٹ کر گذارنا میرے لئے ضروری ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو اور اپنی کوششوں کو کمزور پا کر آپ سے امداد کا طالب ہوا ہوں۔ ان تینوں باتوں میں سے پہلی بات جو آج میں بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ قرآن شریف کے وعدوں پر جب تک ہمارے دلوں میں ایمان کامل نہ ہو، اس وقت تک ان دعاؤں کے لئے سچی تڑپ پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس لئے میری پہلی درخواست ان اصحاب سے، جو اس مجاہدہ کے لئے اُٹھیں، یہ ہے کہ وہ قران شریف کو بہت کثرت سے پڑھیں۔ اس کے الفاظ کے اندر ایک شوکت اور قوت ہے۔ اور انسان جب غور سے اس کو پڑھتا ہے تو قرآن کے الفاظ کی قوت اس کے قلب کے اندر ایک قوت پیدا کرتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کی گہرائی کے اندر داخل کرے۔ قلب انسانی قرآن کریم کی تلاوت سے ایک طاقت ضرور حاصل کرتا ہے۔ اور وہ بے پناہ قوت، جو صحابہؓ کے دلوں کے اندر داخل ہوئی، اس قرآن سے ہی آئی۔ مگر یہ بھی ضروری ہے کہ انسان کے دل کے اندر ایک قوت جذب ہو اور قرآن کے الفاظ اس کے دل کے اندر داخل ہوتے جائیں۔ تب وہ طاقت دل کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔

تو قرآن کی تلاوت کی پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے گھر کے کسی کونہ میں اپنے لئے ایک چھوٹی سی غار بنالو۔ جہاں بیٹھ کر تم دنیا اور مافیہا سے الگ ہو جاؤ۔ چاہے وہ پانچ منٹ کے لئے ہو یا دس منٹ کے لئے یا آدھ گھنٹہ کے لئے۔ وہاں قران کریم پڑھو۔ نبی کریم صلعم کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ قرآن کریم کی تلاوت فرماتے وقت آیت رحمت پر خدا کی رحمت مانگتے تھے۔ عذاب کی آیت پر عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔ آپ بھی تلاوت قرآن کریم کریں تو جہاں خدا کی رحمت کا ذکر ہو اور اس ذکر سے قرآن بھرا پڑا ہے کوئی صفحہ اس ذکر سے خالی نہیں، خدا کی رحمت مانگو۔ یہ دعا مانگو کہ وہ اس ساری زمین پر اپنی رحمت کی بارش برسائے۔ اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بالخصوص دعا مانگو۔ سب سے ہی بڑھ کر اپنی جماعت کے لئے دعا مانگو کہ اس وقت قران کو دنیا میں پہنچانے کا بوجھ اس کے سر پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش کا ذکر آئے تو اس کی مغفرت اپنے لئے، اپنی جماعت کے لئے، اسلام کے نام لیواؤں کے لئے مانگو۔ انعام پانے والوں کا ذکر آئے، انبیاء اور راست بازوں کا ذکر آئے، تو وہ سب انعام

اپنے لئے مانگو جو پہلے راست بازوں پر خدا نے کئے۔ ہاں! وہ انعام مانگو وہ کامیابیاں مانگو جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس زبردست طاقت کا ذکر آئے کہ کس طرح وہ حق کو دنیا پر غالب کرتا چلا آیا ہے اور باطل کو مٹایا چلا آیا ہے تو تمہارے دل سے یہ فریاد اُٹھے کہ اے خدا! دنیا پر آج ظلمت چھائی ہوئی ہے۔ عقائد کے رنگ میں اور عمل کے رنگ میں بھی تو اپنی اس زبردست طاقت کا نشان آج بھی دنیا کو دکھادے اور حق کو دنیا پر قائم کردے رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ (112:21) اور باطل کو نابود کردے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (81:17) کا نظارہ آج بھی دنیا کو دکھادے۔ قرآن کریم کی عظمت کا ذکر آئے، اس مضمون کی آیات آئیں کہ قران کو ہم نے شفا اور رحمت بنا کر بھیجا ہے یا اس قسم کا ذکر آئے کہ یہ قرآن مردوں کو زندہ کردے گا، مشکلات کے پہاڑوں کو اُڑادے گا یا زمین کے کناروں تک پہنچ جائے گا، تو تم وہاں ٹھہر جاؤ اور تمہارے دل سے یہ دعا اُٹھے کہ اے خدا آج بھی اپنے اس قرآن کے ذریعہ سے مشکلات کے پہاڑوں کو اڑادے۔ اور وہ سامان ہمیں عطا فرما کہ ہم تیرے اس قرآن کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں۔ اور اپنے آسمان رحمت کے دروازے ایسے کھول کہ تیرے قرآن اور تیرے پاک پیغمبرؐ تیرے خاتم النبیّن کی قبولیت کی ہوا ساری زمین پر چل جائے۔ خدا کی بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرنے، اس پر سبزیاں اور باغ اگانے کا ذکر آئے تو تمہارے دل سے یہ دعا نکلے کہ اے خدا! یہ زمین جو روحانی طور پر مر چکی ہے تو اس پر اپنی روحانی بارش برسا اور اس کو روحانی طور پر زندہ کردے۔ اور انسانوں کے دلوں کو نور ایمان سے منور کردے۔

اللہ تعالیٰ نے خود جگہ جگہ جسمانی اور روحانی بارش کا ذکر کیا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى (39:41) انبیاءؑ اور رسلؑ اور مومنین کی نصرت کا ذکر آئے تو وہی نصرت اپنے لئے مانگو۔ وہ نصرت مانگو جو اس نے اپنے انبیاءؑ اور رسولوںؑ کو دی۔ کیونکہ مقصود تمہارا بھی وہی ہے کہ خدا کا نام دنیا میں بلند ہو اور لوگ اس کی عظمت کے سامنے جھکیں۔ پہلی ہلاک شدہ قوموں اور ان کی نافرمانیوں کا ذکر آئے تو تمہارے دل کانپ اُٹھیں کہ اے خدا! ہمیں ایسی نافرمانیوں سے بچا۔ کہ یہ تیری قوم جو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے اُٹھی تھی اور جسے صاف طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ ہم نے تمہیں اس لئے سب سے اعلیٰ امّت بنایا کہ تم تمام

قوموں کو نیکی اور حق کے راستے دکھاؤ جس طرح رسول نے تمہیں نیکی اور حق کا راستہ دکھایا ہے۔ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (143:2)اس اپنے رسولؐ کی امت کواپنی اور اپنے رسولؐ کی نافرمانی سے بچا۔اوران کے اندروہ قوت پیدا کردے کہ یہ تیرے قرآن کے حامل بن جائیں۔اوران کو تباہی کے راستوں سے بچا جن پر چل کر پہلی امتیں برباد ہوگئیں۔اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کا ذکرآئے کہ وہ حق کودنیامیں غالب کرے گا،اور یادرکھوکہ کیا گذشتہ انبیاءؑ کے تذکروں میں اور کیادوسرے پیرایوں میں قرآن کریم اس ذکرسے بھراپڑا ہے،تو تمہارے دل سے یہ تڑپ اُٹھے کہ اے خدا،تو اس زمانہ میں بھی حق کوغالب اور باطل کو نابود کردے۔ ہاں یہ آواز بھی بے کسی کی حالت میں تمہارے دل سے اُٹھے کہ اے خدا یہ میری آرزو ہی نہیں یہ تیراوعدہ بھی ہے۔اے خدا تواپنے وعدہ کو پورا فرمااَللّٰهُمَّ انْجِزْ وَعدَكَ وَانْصُرْ عَبْدَكَ وَرَسُوْلَكَ وُانْصُرْ دِيْنَكَ اوراے خداتو ہماری بھی مددفرما کہ ہماری بھی یہی ایک آرزو ہے کہ تیرا دین دنیا میں پھیل جائے۔اور تیرے قرآن اور تیرے رسولؐ کا چرچا ساری دنیامیں پھیل جائے۔اے خدا آج تیرے اسلام کے لئے تیری وہ نصرت بکار ہے جس سے یہ ساری دنیامیں غالب آجائے۔تیرے قرآن کے لئے تیری وہ نصرت بکار ہےجس سے اس کی روشنی ساری دنیامیں پھیل جائے۔اے خداتونے اپنے رسولؐ کورَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ بنا کربھیجا تھا۔مگر دنیامیں بےشمارقومیں ابھی اس رحمت سے محروم ہیں۔اے خداتونے اپنے قرآن کوذِكْرٌ لِلْعَالَمِيْنَ بنا کربھیجا تھا۔مگرابھی بےشمارقومیں ہیں جن تک یہ پیغام نہیں پہنچا۔تو ہماری وہ مددفرما کہ ہم اس قرآن کو ساری دنیامیں پہنچانے میں کامیاب ہوجائیں اور تیرے رسولؐ کا حسن ساری دنیا کودکھانے میں کامیاب ہوجائیں۔اے خدا! تیری نصرت یقیناً آتی رہی ہےاورآتی رہے گی مگراس کے مانگنے والے سست ہیں۔ تیرے افضال نازل ہوتے ہیں،ہوتے رہیں گے۔مگران کوجذب کرنے والے دل دنیا کی محبتوں میں گرفتارہوکراوردنیاوی نمائش اور بڑائی کے طالب ہوکرسست ہوگئے ہیں۔توہی اپنی جناب سے ان میں قوت پیدا کردے۔

قرآن کریم میں یہ دوچار موقع ہی نہیں جہاں انسان کے دل سے اس قسم کی دعائیں اُٹھیں،یہ ایسے مضامین سے بھراپڑا ہے۔میں نے چند باتیں بطورنمونہ بیان کی ہیں۔میری غرض یہ ہے کہ روزانہ کچھ

حصہ قرآن کا پڑھو۔ مگر اس طرح پر نہ پڑھو کہ اس کے لفظ تمہاری زبان پر تو ہوں مگر تمہارے دلوں میں نہ اُتریں۔ پانی تو پتھر پر بھی بہتا ہے اور اچھی زمین پر بھی بہتا ہے۔ مگر پتھر پر روئیدگی پیدا نہیں ہوتی۔ اچھی زمین اسی پانی سے لہلہا اُٹھتی ہے۔ قرآن کا صحیح مقام انسانوں کی زبانیں نہیں انسانوں کے دل ہیں۔ قران کو پڑھو۔ مفہوم سمجھ کر بھی پڑھو۔ مگر اس کا مقام اس سے بہت بلند تر ہے۔ اس کو اپنے قلوب پر وارد کرو۔ یہ قلب نبوی پر اترا فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (97:2) اور قلب ہی اس کا مقام ہے۔ اس کو اس طرح پڑھو کہ گویا یہ تمہارے قلب پر اُتر رہا ہے۔ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں۔ مگر تم ان سے قوت اس وقت حاصل کر سکتے ہو جب یہ تمہارے قلب سے نکلیں۔ والسلام خاکسار محمد علی۔ پروین۔ برنٹن روڈ۔ کراچی 2 دسمبر 1950ء

دعاؤں کے لئے مجاہدہ اور اس کے متعلق ضروری ہدایات: (13 دسمبر 1950ء) برادران محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مجاہدہ دعا کے متعلق احباب کے خطوط آ رہے ہیں۔ مگر کچھ ان کی رفتار سست ہے۔ اور کچھ ان احباب کی توجہ اس طرف کم بلکہ بہت کم نظر آتی ہے۔ جن پر سب سے زیادہ یہ ذمہ داری ہے۔ مثلاً ہمارے مبلغین کی جماعت یا ہر جماعت کے سرکردہ لوگ جن کو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کی کامیابی کا سارا دارومدار ہی رجوع الی اللہ پر یا دعا پر ہے۔ بعض خطوط سے ایسا بھی مترشح ہوتا ہے کہ کچھ احباب کے دلوں میں یہ خیال بھی ہے کہ دعا تو ایک چیز ہے جو بندے اور خدا کے درمیان ایک راز کے طور پر ہے اور اس کا دوسرے پر ظاہر کرنا کیا ضروری ہے یا اس کے لئے اقرار کرنا کیا ضروری ہے! انسان کو جب میسر آئے کر لے۔ بعض احباب کے دل میں شاید یہ بھی خیال ہے کہ ایک اقرار کو کر لیں پھر شاید اس کو نباہ نہ سکیں۔ میں خود پہلے اس بارے میں کچھ لکھ چکا ہوں۔ اور پھر دوہرانا چاہتا ہوں کہ میرا مطلب بھی ہرگز یہ نہیں کہ ہم اپنی دعاؤں کا ڈھنڈورہ پیٹیں۔ اس لئے میں ان احباب کے نام بھی شائع کرنا پسند نہیں کرتا جو ایسا اقرار کریں۔ صرف ان کو جماعت کا رنگ دینا چاہتا ہوں۔ آخر ہم جماعت میں اکٹھے ہو کر بھی دعا کرتے ہیں۔ دنیا اس وقت ایک تباہی کی طرف دوڑی جا رہی ہے۔ اور اب انسانیت کو اگر ہلاکت سے بچا سکتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔ بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک اکیلے انسان کو کھڑا کر دیتا ہے اور اس کے دل میں اس قدر درد بھر دیتا ہے اور اپنے دروازے پر اس کو اس قدر گرا دیتا ہے کہ وہ اکیلا بھی اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کو جذب کر کے انسانیت کو بچا لیتا ہے۔

مگر وہاں بھی اس کے ساتھ ایک گروہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ (20:73) بلکہ حضرت موسیٰؑ کو پیغمبری کے منصب پر کھڑا کیا گیا تو انہوں نے خود دعا کی۔ مجھ اکیلے کے لئے یہ بوجھ بہت ہے۔ مجھے اپنے اہل سے ایک بوجھ بٹانے والا مددگار دے۔ کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا وَّنَذْکُرَکَ کَثِیْرًا (20:33-34) اس وقت شر کا غلبہ اس قدر ہے کہ اس کے مقابل میں تیری تسبیح اور تیرے ذکر کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ہم کم سے کم دو تو ہوں۔ سو میرے بھائیو اس وقت دنیا فسق و شر سے بھری ہوئی ہے اور تباہی کی طرف دوڑی جا رہی ہے اور خدا کے فضلوں اور رحمتوں کے دروازوں کو اپنے اوپر بند کر رہی ہے۔ اس لئے ایک ایسے گروہ اور جماعت کی ضرورت ہے جو خدا کے آگے گر کر خدا کے فضلوں اور رحمتوں کی جاذب بن جائے۔ تو ہم ہی وہ جماعت کیوں نہ بن جائیں۔ بہت سے لوگ ہیں جو اس جماعت کو حق پر جانتے ہوئے اس میں اس لئے شامل نہیں ہوتے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد بہت بڑا ہے۔ ممکن ہے ہم اسے نباہ سکیں یا نہ نباہ سکیں۔ لیکن یہ ایک دائمی صداقت ہے کہ جو شخص بھی سچے دل سے خدا کے راستے میں مجاہدہ کرنے کا اقرار کرتا ہے، وہ کامیاب ہو جاتا ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (69:29) اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر ایمان رکھتے ہوئے دعا کے مجاہدہ کے لئے قدم اُٹھاؤ۔ یہ امر ہماری اپنی زندگیاں سنوارنے کا موجب ہو جائے گا۔ اسی سے تمہارے اپنے قلوب میں ایک سکینت نازل ہوگی۔ یہ امر تمہارے اپنے دکھوں کو دور کرنے کا موجب ہوگا۔

میں نے پچھلے مضمون میں لکھا تھا کہ دعا کے اس مجاہدہ کے لئے تمہید کے طور پر میں تین باتیں بیان کروں گا۔ جن میں سے پہلی بات یہ تھی کہ دنیا سے منقطع ہو کر، چاہے دس بیس منٹ ہی ہوں، قرآن کریم کی تلاوت کریں۔ اور اس کے الفاظ کو اپنے دل پر وارد کرنے کی کوشش کریں۔ یہ قرآن ہمارے نبی کریم صلعم پر جب نازل ہوتا تھا تو دنیا سے منقطع ہونے کی حالت میں نازل ہوتا تھا۔ جب مجلس میں بھی ہوتے تو تصرف الٰہی سے ماحول میں ایک انقطاع ہو جاتا تھا۔ وہ بات ہمیں میسر نہیں۔ لیکن اگر ہم کوشش کریں تو اب بھی وہ راستہ کھلا ہے۔ کہ یہ قرآن کریم کی تلاوت ہمارے قلوب میں ایک نئی زندگی اور ایسی قوت پیدا کر دے جس سے ہم دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیں۔ ہمارے امام نے بھی ایک لمبی

مدت صرف قرآن کریم کی تلاوت میں دنیا اور دنیا کے تعلقات سے منقطع ہو کر گزاری۔ ہم اگر اپنے دنیوی کاروبار میں ایک لمبا عرصہ اس کے لئے نہیں نکال سکتے تو روزانہ کچھ نہ کچھ وقت نکالیں۔ میں اپنی جماعت کے نوجوانوں کو، لڑکوں اور لڑکیوں کو خصوصیت سے اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ آج ان کا ماحول بہت گندہ ہے۔ دنیا کی ظاہری کشش نے انہیں اپنے اندر گھیرا ہوا ہے۔ وہ دنیا سے انقطاع کا کچھ وقت ضرور نکالیں۔ میں نے اگلے دن ایک اخبار میں دیکھا تھا کہ نیویارک میں نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی ہے جو ہفتہ اور اتوار کے دن دنیا سے الگ ہو کر باہر کسی مقام پر جمع ہو جاتے ہیں اور کوئی اخبار وغیرہ تک بھی اس وقت اپنے ساتھ نہیں لے جاتے اور وہ صرف ایک روحانی اجتماع ہوتا ہے۔ روحانیت کی طرف دنیا میں ایک بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ تو ہم لوگ، جن کے سامنے ہمارے امام نے اتنا بلند مقصد رکھا ہے کہ دنیا میں ایک روحانی انقلاب پیدا کر دیں، کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم پہلے اپنے اندر وہ روحانی انقلاب پیدا کریں!

آج میں ایک دوسری بات کی طرف اپنے احباب کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا۔ جو احباب تہجد کے لئے نہیں اُٹھ سکتے میں انہیں بھی اسی مجاہدہ میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ ان باتوں پر عامل ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کے اندر ایک ایسا انقلاب پیدا کر دے گا کہ تہجد کے لئے اُٹھنا بھی ان کے لئے آسان ہو جائے گا۔ آج میں اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کا یوں تو لفظ لفظ ایسا ہے کہ اس کے اندر ایک خدائی قوت موجود ہے۔ مگر بعض مقامات ایسے ہیں کہ وہ جلد انسان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں۔ اور کلام الٰہی کی شوکت ایک معمولی قلب انسانی پر بھی اثر کر جاتی ہے۔ بہت قرآن کے منکر بھی ایسے مقامات پر قرآن کریم کی تعریف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے مخالفین ایسے مقامات سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سورہ الفاتحہ، آیۃ الکرسی یا ایسے مقامات پر، جہاں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا ذکر ہے یا اس کی قوت اور شوکت کا ذکر ہے، تو اپنی دعاؤں میں اثر پیدا کرنے کے لئے قرآن کریم کے ایسے مقامات کو حفظ کر لیں اور ان کے مفہوم کو بھی اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور ان مقامات کو اپنی تہجد کی نماز میں یا معمولی نمازوں میں دوہرائیں یا فارغ اوقات میں، جب تنہا ہوں، ان کو دوہرائیں۔ اس بارے میں ذیل کے

مقامات کی طرف خاص طور پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اور سب سے پہلے جس چیز کو میں نے رکھا ہے اس کو سب احباب مقدم کریں۔

1- قرآن کریم کی دعائیں: یہ دعائیں ایک رسالہ میں الگ جمع ہوئی ہوئی موجود ہیں۔ اور ہر قسم کے مضامین ان کے اندر آ جاتے ہیں۔ دین و دنیا کی حسنات کی دعائیں۔ حق کے غلبہ کی دعائیں۔ اعداء حق کے ہلاکت کی دعائیں۔ خدا کی نصرت کی دعائیں۔ انسان کے غموں اور دکھوں کو دور کرنے کی دعائیں۔ گناہوں کی مغفرت کی دعائیں۔ اپنے بھائیوں اور اولاد کی مغفرت کی دعائیں۔ سب مومنین کے لئے رحمت اور برکت کی دعائیں۔ کفار کے مظالم سے نجات کی دعائیں۔ وغیرہ۔ یہ ہیں بھی مختصر۔ جو اصحاب انگریزی سمجھ سکتے ہیں، وہ یہ رسالہ جو بہت مختصر ہے، ضرور منگوائیں۔ دوسرے احباب کے لئے میں کسی وقت ان کو اخبار میں بھی انشاءاللہ شائع کرا دوں گا۔

2- اللہ تعالیٰ کی عظمت اور صفات کے اذکار: ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے قرآن کریم کو پڑھتے وقت آپ خود اپنے لئے چن کر ان کو یاد کر لیں۔ مثلاً آیۃ الکرسی، سورہ طٰہٰ کی ابتدائی آیات، سورہ الحشر کی آخری آیات اور بہت سے ایسے مقامات ہیں۔

3- وہ مقامات جہاں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح انبیاءؑ کی انتہا درجہ کی بے کسی کے وقت ان سے غلبہ کے وعدے فرمائے اور کس طرح ان کی دعاؤں کو سنا۔ مثلاً سورہ ابراہیم کے بعض حصص، سورہ انبیاء کا آخری سے پہلا رکوع، جہاں حضرت ایوبؑ کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اور آخری رکوع۔ یہ ایک طویل فہرست ہے۔ مگر اس وقت میں زیادہ تفصیل میں جانا پسند نہیں کرتا۔ یہ تھوڑے تھوڑے مقامات بھی یاد کر کے ان کو نمازوں میں دہرایا جائے تو یہ نمازوں کے اندر ایک لذت اور اثر پیدا کر دیں گے۔ کبھی فرصت کم ہو تو چھوٹی سورتوں پر کفایت کر لیں۔ مگر کبھی تنہائی میں موقع مل جائے اور دل میں انشراح ہو تو کچھ ذکر الٰہی کو بھی لمبا کر دیں۔ مگر دن میں ایک دو ایسے موقع ضرور نکالنے چاہئیں۔ صرف ایک بات کو مدنظر رکھا جائے کہ یہ لفظ صرف زبان سے ادا نہ ہوں بلکہ دل کی گہرائیوں میں پہنچ جائیں۔ اس کے لئے ابتداء میں بڑی جدوجہد کی ضرورت ہوگی۔ یوں بھی قرآن کریم کو آہستگی اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا حکم ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (4:73) کیونکہ ٹھہر کر پڑھنے سے زبان سے اتر کر یہ لفظ

دل میں پہنچ جاتے ہیں اور جب انسان ٹھہر کر پڑھے اور اس کے مفہوم کو دل تک پہنچانے کی کوشش کرے تو آہستہ آہستہ وہ وقت بھی اس پر آجاتا ہے کہ وہی لفظ پہلے دل سے نکلتے ہیں اور پھر زبان پر آتے ہیں۔ اور یہی خدا کے قرب اور اس کی قبولیت کا مقام ہے کہ انسان کے مونہہ سے وہ بات نکلے جو پہلے اس کے دل سے اُٹھے۔

خاکسار محمد علی

پروین۔ برنٹن روڈ۔ کراچی

8 دسمبر 1950ء

☆

20 دسمبر 1950ء

حضرت امیرؒ کی دینی کتب

امریکی عوام میں پاکستان کا بہتر مفہوم پیدا کرنے کا موجب ہوئی ہیں

یو۔این۔او کی مذہبی کانفرنس کے سیکرٹری کا مکتوب وزیر اعظم پاکستان کی خدمت میں

پچھلے دنوں جب مسٹر لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان امریکہ تشریف لے گئے تو شکاگو میں انہیں ایک خط ملا۔ جو یو۔این۔او کی اس مذہبی کانفرنس کے سیکرٹری (مسٹر اطونی ولیم احرک) کا لکھا ہوا ہے۔ جو 1948ء میں نیویارک میں منعقد ہوئی تھی۔ اس خط کی نقل حضرت امیر ایدہ اللہ کو بذریعہ تار وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے کراچی میں موصول ہوئی۔ ذیل میں اس کا ترجمہ ہدیہ قارئین کرام ہے

بخدمت عزت مآب لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان۔

ہم آپ کے توسط سے پاکستان کے عوام کے سامنے اس احسن کارکردگی کا اعتراف کرنا چاہتے ہیں جو آپ کے ہم وطن مولوی محمد علی اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور انگریزی زبان میں دینی ادبیات کی اشاعت اور اپنی ذاتی کوششوں سے امریکی عوام میں پاکستان اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مابین بہتر افہام و تفہیم پیدا کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ ہم ان تمام کوششوں کے بھی معترف ہیں جو پاکستان کے دینی رہنما عالمی امن کے قیام اور انفرادی معیار زندگی کی بہتری کے لئے سر انجام دے رہے ہیں۔

ہم آپ سے گذارش کرتے ہیں کہ آپ لاہور کے ان عالی فکر اصحاب کو ترغیب دلائیں کہ وہ ادارہ اقوام متحدہ کے توسط سے اپنی تنظیم کی ایک شاخ نیویارک شہر میں بھی کھولیں۔ چاہے یہ شاخ آپ کے وفد اقوام متحدہ نیویارک کے ساتھ ہو یا اس سے الگ۔ اس سے انہیں مقامی، قومی اور بین الاقوامی پریس، ریڈیو اور دیگر علمی فورم کی سہولتیں اور تعاون حاصل ہو جائے گا جو وہاں میسر آ سکتی ہیں۔ یا وہ قیادت، جو ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اسلام، عیسائیت اور یہودیّت میں باہم افہام و تفہیم پیدا کرنا چاہتی ہے، اس طرح بین الاقوامی تفہیم اور تعاون کو بڑھائے گی اور امن عالم کی کوشش کی مضبوط بنیادیں رکھ دے گی اور جو اُن لوگوں کے ہاتھوں پر رکھی جائیں گی جو ایک سچے خدا کو مانتے ہیں اور بنی نوع انسان

کی وحدت اور اخوت کے قائل ہیں۔

اس قسم کی نمائندگی امریکیوں کو ان پاکستانی ضروریات کا صحیح اندازہ دے سکے گی جو ریاستہائے متحدہ اور رئیس ٹروبین کے چار نکاتی پروگرام کے ذریعہ پوری کی جاسکتی ہوں۔ آپ کی اہلیہ محترمہ اور آپ کے وفد نے جو تعلق محبت امریکی عوام کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ مدتوں یاد رہے گا۔

اطونی ولیم احرک۔ ایج ویٹ بیچ ہوٹل۔ شکاگو

پیغام صلح: وزیراعظم پاکستان نے اس خط کا کیا جواب دیا یا اس بارہ میں کیا کارروائی انہوں نے کی یا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہوسکا۔ کیا وہ اس پر مفصل روشنی ڈالنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔

☆

17 جنوری 1951ء

آئندہ انتخاب

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی

مارچ میں پنجاب اسمبلی کے نئے انتخابات ہو رہے ہیں۔ عام طور پر ان انتخابات میں دھڑے بندیاں ہو جاتی ہیں اور ملک کی خدمت کے لئے بہترین آدمی کے انتخابات کے سوال کی پروا نہیں کی جاتی۔ ہماری جماعت ایک خالص تبلیغی جماعت ہونے کی وجہ سے کسی سیاسی فریق سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتی اور نہ ہمارے سامنے اپنی کوئی خاص غرض ہے۔ اس لئے میں جملہ احباب کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ جب تک نامزدگی کے کاغذات داخل ہو کر یہ معلوم نہ ہو جائے کہ کون کون اصحاب کھڑے ہو رہے ہیں اور مرکز میں اہل الرائے اصحاب ان حالات پر غور نہ کر لیں، اس وقت تک کسی خاص شخص کے ساتھ جماعت کے احباب کوئی خاص وعدہ نہ کریں۔ ویسے رائے ہر شخص کا ذاتی حق ہے مگر واقف کار اصحاب حالات پر غور کر کے موزوں امیدوار کے متعلق مشورہ دے سکتے ہیں اور وہ انشاء اللہ مفید ہو گا۔ انجمن کے سیکرٹری اور پریزیڈنٹ اس بات کا خاص خیال رکھیں اور اپنے حلقہ کے امیدواروں کے ناموں سے اور جماعت کی رائے سے بھی ان کے بارے میں اطلاع دیں۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

14 فروری 1951ء

بلند غرض اور بلند مقام

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا مکتوب گرامی

برادرانِ محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جلسہ سالانہ کے بعد ایک چھوٹا سا حملہ بیماری کا پھر مجھ پر ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ڈاکٹر نے کچھ دن اور مجھے بستر پر رہنے کی ہدایت کی۔ اور اس لئے وہ سلسلہ مضامین، جو میں نے شروع کیا ہوا تھا ملتوی رہا۔ اب اپنے آپ کو خدا کے فضل سے بہتر پاتا ہوں۔ اور آپ کو ایک خوشخبری بھی سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا ایک دروازہ ایسا کھول دیا ہے کہ انگریزی ترجمۃ القرآن کی ایک ہزار کاپی مخلوق خدا تک پہنچانے کا انتظام ہو گیا ہے۔ اور یہ کام انشاء اللہ شکرانہ فنڈ سے صرف تین ہزار روپے خرچ سے ہو جائے گا۔ حالانکہ ہدیہ فی کاپی بارہ روپے ہے۔ یہی نہیں بلکہ خدا نے چاہا تو اسی ذریعہ سے اور بھی ہزار ہا ہاتھوں تک یہ نعمت پہنچ جائے گی۔ اور ہزار ہا قلوب خدا کے نور سے روشن ہو جائیں گے۔ یہ ایک صدقہ جاریہ ان لوگوں کی طرف سے ہوگا جو شکرانہ فنڈ میں حصہ لے رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ایک چھوٹی سی کوشش کو اتنا بڑا پھل لگایا۔

جلسہ سالانہ کے موقعہ پر بھی آپ نے ایک خوشخبری سنی ہوگی جو سالانہ رپورٹ کے رنگ میں آپ کے سامنے پیش ہوئی۔ وہ خوشخبری یہ تھی کہ اس چھوٹی سی جماعت کا سالانہ بجٹ آمد و خرچ اب دس لاکھ کے قریب پہنچ گیا ہے۔ یعنی آپ نے گذشتہ سال میں نولاکھ چوراسی ہزار روپیہ خرچ کیا۔ اور یہ سارے کا سارا خرچ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تھا۔ مگر اس خوشخبری کے ساتھ ایک فکر کی بات بھی ملی ہوئی تھی کہ آپ کی آمدنی خرچ سے چھیاسٹھ ہزار روپے کم رہی۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے ان اخراجات میں ایک حصہ وہ بھی ہے جو سرمایہ کے رنگ میں خرچ ہو رہا ہے۔ اور بالآخر خدا نے چاہا تو یہ مزید آمدنی کا موجب ہوگا۔ مگر پھر بھی اس میں ہماری کوتاہی ضرور ہے کہ ہم نے اس قدر کوشش نہ کی کہ آمدنی خرچ کے برابر ہوتی۔ اور ہم نے اس کام کے لئے جو محنت کرنے کا حق تھا وہ ادا نہیں کیا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ

اگر ہم اپنی قربانیوں کو دیکھیں تو انہیں ان نتائج سے کوئی نسبت نہیں جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہماری ناکارہ کوششوں پر مترتب فرما رہا ہے۔ اور اگر ہم سب کے سب اس کے شکر گزار بندے بن جائیں تو وہ اس سے بھی بلند تر نتائج ہمیں دے گا۔ اس کا وعدہ ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (7:14) اس لئے میں دو باتوں کی طرف اس وقت بالخصوص توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ایک خدا کے راستے میں قربانی اور سعی اور دوسرے خدا کے آگے گرنا اور اس سے مدد طلب کرنا۔ یہ گُر کامیابی کا ہماری روز کی دعائیں ہمیں بتا دیا گیا ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ان باتوں پر عمل سے آپ کی رہتی زندگی سنور جائے گی اور اسلام کا نام دنیا میں بلند ہوگا۔ ایک خدا کی فرمانبرداری اور اس کی رضا کے کاموں میں لگے رہو۔ اور دوسرے اس کے ساتھ ساتھ خدا کی مدد مانگتے رہو۔ جہاں تک میں دیکھتا ہوں ہماری اپنی کامیابیوں میں ہماری جدوجہد کا حصہ کم ہے اور دعاؤں کا حصہ زیادہ ہے۔

امر اوّل کے متعلق میں اس وقت بھی مختصر لکھنا چاہتا ہوں۔ پھر کسی وقت شاید کھول کر لکھنے کی ضرورت پیش آئے۔ مگر میں اپنے بیکار احباب کو، جو ہاتھ کم ہلاتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ہم بہت کچھ کر رہے ہیں، سید تصدق حسین قادری کی ڈائری کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ سید صاحب تاجر آدمی ہیں۔ اپنی روٹی بھی کماتے ہیں اور اسی کمائی سے خدا کی راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں۔ مگر 'دست در کار و دل بایار' کے مصداق ہیں۔ ان کے دل میں خدا کے دین کی خدمت کی وہ تڑپ ہے کہ ان کا شاید ہی کوئی دن خالی گزرتا ہو جس میں کوئی نہ کوئی خدمت دین کا کام ان کے ہاتھ سے سرانجام نہ پاتا ہو۔ میں نے یہ نام صرف بطور نمونہ لیا ہے۔ اور بھی اس جماعت میں اسی قسم کے لوگ ہیں۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسا جماعت کا کثیر حصہ نہیں۔ اگر کہیں ہم سب میں یہ روح پیدا ہو جائے تو ہم ایک قلیل، شاید قلیل ترین جماعت ہونے کے باوجود، روئے زمین کا نقشہ بدل سکتے ہیں۔ خدا کے فضل ہم پر باش کی طرح برس رہے ہیں۔ مگر ہم میں بہت ہیں جن کی آنکھیں ابھی بند ہیں۔ وہ اپنی رحمت کی ہوائیں ہم پر چلا رہا ہے۔ مگر بہت ہیں جن کے ہاتھ پاؤں میں اب تک حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے آفتابِ صداقت کی کرنیں دنیا کے دور دور کے کونوں کو روشن کر رہی ہیں۔ مگر خود ہم میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں یہ نور نہیں پہنچا اور ان میں وہ گرمی پیدا نہیں ہوئی کہ وہ تھوڑا سا ہاتھ ہلا کر خدا کے

مزید فضلوں کے جاذب بنیں۔ جب چند آدمیوں نے یہیں لاہور میں 1914ء میں اس کام کی بنیاد رکھی تو کیا ہماری ظاہری حالت کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا تھا کہ ہم زندہ بھی رہیں گے؟! ہم سے جو قریب ترین جماعت تھی وہ ہر وقت لَيُمَزِّقَنَّهُمْ کے انتظار میں تھی۔ اور خود مسلمانوں کا کثیر حصہ ہماری بربادی کے لئے اُدھار کھائے بیٹھا تھا۔ مگر آج اس جماعت کا نام ساری دنیا میں روشن ہے۔ اور چند ہزار روپے سے کام شروع کر کے ہم دس لاکھ سالانہ آمد و خرچ سے کام کر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر بارآور کیا کہ آج قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ساری دنیا میں روشن ہو رہا ہے۔ کیا ان نتائج کو دیکھ کر بھی ہم سے بے حسی دور نہ ہوگی؟! کوئی بہت بڑا کام بھی نہیں۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ اپنا سارا مال خدا کی راہ میں خرچ کر دو اور بیوی بچوں کی فکر نہ کرو۔ ہاں، آپ کی کمائی سے صرف سولھویں حصہ یا خدا توفیق دے تو دسویں حصہ کا مطالبہ ہے۔ مالدار اور غریب دونوں اس مقام پر کھڑے ہو جائیں تو ہماری بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ اور ہم اس سے بھی دہ چند کام کر سکتے ہیں۔ یہ مطالبہ ہے کہ اپنی بیوی بچوں کی، جس طرح جسمانی غذا کی فکر ہے، ان کی روحانی غذا کی بھی فکر کرو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو بنو کہ آپ کو روحانی اصلاح کی فکر مادی اصلاح سے بڑھ کر تھی۔ کیمونسٹوں کے پیرو نہ بنو کہ تمہارے گھروں کے اندر روٹی کے سوائے کوئی چرچا نہ ہو۔ ان کے اندر، اپنے سارے عزیزوں کے اندر دینی جہاد کی روح پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ یہ مطالبہ ہے کہ اپنے حلقہ اثر میں حرکت کر کے دوسرے لوگوں کو بھی اس بلند مقام کی طرف لانے کی کوشش کرو یا کم سے کم اس کار خیر میں شریک کرنے کی کوشش کرو۔ حرکت بہر حال اچھی چیز ہے۔ اگر دوسرا آپ کی بات سے فائدہ نہ اُٹھائے گا تو آپ کو خود یقیناً اس سے فائدہ ہوگا۔ مگر یاد رکھو کہ کلمہ حق جب بھی دل سے نکلتا ہے تو اس کا اثر دل پر ہوتا ہے۔ آج نہ ہوگا تو کل ہوگا۔ کل نہ ہوگا تو پرسوں ہوگا۔ اس لئے کام کرتے جاؤ اور مایوسی کو پاس نہ آنے دو۔

مگر میرا اصل مقصد اس دوسری بات کی طرف توجہ دلانے کا ہے کہ آپ دعا کی طرف توجہ کریں۔ یہی وہ حربہ ہے جس سے راستبازوں نے اصلاح قلوب کی۔ مگر یاد رکھو کہ جس دعا کے ساتھ جدوجہد نہ ہو، وہ دعا بھی مقبولیت کے مقام پر نہیں پہنچتی۔ جدوجہد کے ساتھ دعا اور دعا کے ساتھ جدوجہد

یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔خدا کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ یہ دروازہ کبھی کسی نے نہیں کھٹکھٹایا کہ اس کے لئے کھولا نہ گیا ہو۔مگر یہ زبان کے لفظوں سے نہیں کھٹکھٹایا جاتا۔ یہ دل کی تڑپ سے کھٹکھٹایا جاتا ہے۔ان آہوں سے کھٹکٹایا جاتا ہے جو دل سے اُٹھتی ہیں۔رات کو اُٹھیں یا دن کو اُٹھیں۔ جو رات کو نہیں اُٹھ سکتے وہ دن کی نمازوں کو درست کرلیں۔نماز کے متعلق لوگوں کے نظریئے مختلف ہیں۔بعض لوگ نماز اس لئے پڑھتے ہیں کہ اس سے ان کے نامۂ اعمال میں ثواب کا پلہ بھاری ہوجائے۔مگر بعض اس غلط فہمی میں بھی مبتلا ہیں کہ نماز پڑھ لو تو جھوٹ بول لو، کوئی گناہ کرلو، وہ معاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔بعض لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ نماز خدا کا حکم ہے۔ہمیں صرف اس حکم کی تعمیل سے غرض ہے۔ یہ ایک حد تک درست بھی ہے۔مگر کوئی بھی کام ہو اس کی غرض وغایت کو سمجھ کر کرنا ہی نتیجہ خیز ہوتا ہے۔یہی نمازیں تھیں جنہوں نے ابتدائے اسلام میں ایک انقلاب روئے زمین پر پیدا کردیا۔آج یہ کیوں بے اثر ہیں؟!اس لئے کہ ان کی غرض وغایت کی طرف توجہ نہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز بندے اور خدا کے درمیان راز ونیاز کی باتیں ہیں۔ اِنَّ الْمُصَلِّی یُنَاجِیُ رَبَّهٗ نماز میں بندہ دنیا اور دنیا کے تفکرات سے الگ ہوکر خدا کے حضور کچھ اپنی معروضات لے کر جاتا ہے۔اس لئے فرمایا کہ خدا کی عبادت کرو تو اس طرح ہو کانک تراہٗ گویا خدا کو دیکھ رہے ہو۔ اَلدُّعَاءُ مِخُّ الْعِبَادَةِ عبادت کا مغز دعا ہے۔خدا سے کچھ مانگنا ہے۔نماز کے لئے جاؤ تو اس سے کچھ مانگنے کے لئے جاؤ۔اس کے دروازے پر گدا گر بن کر جاؤ۔ بھیک مانگنے والے کی حیثیت سے جاؤ۔ ہمارے دروازوں پر بھیک مانگنے والے آتے ہیں۔ اس لئے ہم خوب جانتے ہیں کہ بھیک مانگنے والے کی حیثیت کیا ہوتی ہے؟! آپ دیں یا نہ دیں۔ بھیک مانگنے والا صدا پر صدا لگاتا چلا جاتا ہے۔کیا ہم بھی اس حیثیت میں خدا کے دروازے پر جاتے ہیں؟!

مگر سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ ہم اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ (45:11) کے دروازے پر کیا مانگنے جائیں؟ نماز تو ہمیں ہمارے رسولؐ نے سکھائی۔ اس لئے ہمیں وہی چیز مانگنی چاہیئے جس کے لئے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار بارگاہِ الٰہی کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ جو سوال آپؐ لے کر جاتے تھے وہی ہمیں بھی لے کر جانا چاہیئے۔کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں یہ سوال لے کر جاتے تھے کہ آپ کو بادشاہت مل جائے۔ بادشاہت تو خود کفار نے آپ

کے سامنے پیش کی مگر آپ نے اسے قبول نہ کیا۔یعنی آپؐ کے دل میں ان چیزوں کی خواہش ہی نہ تھی۔ نہ بادشاہت کی خواہش تھی نہ مال کی خواہش تھی۔ تو آپ یہ چیزیں بارگاہ الٰہی سے مانگنے کیوں جاتے؟ آپؐ کے دل میں تڑپ تھی،تو اصلاح نفوس انسانی کے لئے تھی۔ اور یہی وہ چیز تھی جو آپ بارگاہ الٰہی سے مانگتے تھے۔اس حکمت کی بات کو کوئی مسلمان آج سمجھ لے یا کل سمجھ لے۔ یہ اس کی اپنی بھلائی کی بات ہے۔اس سے اس کا قدم اس بلند مقام کی طرف اُٹھے گا جس بلند مقام پر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور ہیں۔ اسی میں اسلام کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ اور وہ بات صرف اس قدر ہے کہ:

☆ نماز ایک دعا ہے۔

☆ بارگاہ رب العالمین میں ایک سوال ہے۔اور وہ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے دلوں کی اصلاح فرمائے۔اور اپنے قرآن اور محمدؐ کے ذریعہ سے اپنے بندوں کی ربوبیت فرمائے۔

یہ درست ہے کہ انسان کے اپنے نفس کی اصلاح بھی نماز کی غرض ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ دعا اور چیزوں کے لئے بھی ہوسکتی ہے۔مگر جس نے نماز کو اور دعا کو اس حد تک محدود کر دیا اور اس بلند غرض کو سامنے نہیں رکھا جو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھی، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو نہیں پہچانا اور وہ ایک ادنیٰ مقام پر راضی ہوگیا۔ اتنی بڑی بارگاہ سے کچھ مانگنے جاؤ تو سوال بھی بہت بڑا لے کر جاؤ۔ اتنا بڑا سوال لے کر جاؤ جس کا حاصل ہونا تمہارے نزدیک ناممکن ہو۔ کیونکہ وہ اس قدر قدرت کا مالک ہے کہ وہ چیز بھی تمہیں دے سکتا ہے جو تمہارے خیال میں ناممکن ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا ہلاکت میں گر گئی اور اب نہیں بچ سکتی۔ لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ اور اب نیکی کی طرف ان کو لانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ وہ خدا سے دور چلے گئے۔ اور اب کسی مذہب میں بھی یہ طاقت نہیں کہ انہیں خدا کی طرف لائے۔ مگر یہ خدا کا وعدہ ہے کہ نسل انسانی کو بچایا جائے گا۔ اور قرآن اور محمدؐ کے نور سے ساری دنیا روشن ہو جائے گی اور اسلام دنیا پر غالب آ جائے گا۔تم جس کو ناممکن سمجھتے ہو، تمہارا خدا کہتا ہے کہ وہ ہو کر رہے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رَحۡمَةٌ لِّلۡعَالَمِيۡنَ (107:21) بنا

کر بھیجا ہے اور قرآن کو ذِکْرٌ لِّلْعَالَمِیْنَ بنا کر بھیجا ہے اگر وہ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ہے تو یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔ ہاں، جب تک ہمارے دلوں میں وہی تڑپ پیدا نہیں ہوتی جو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تھی کہ قرآن کے نور سے ساری دنیا روشن ہو جائے اور آپ کا وجود ساری دنیا کے لئے رحمت بن جائے، ہم وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ کے مصداق نہیں بن سکتے۔ اور نہ ہم اس کامیابی کا منہ دیکھ سکتے ہیں جو ایک دفعہ پہلے اسلام حاصل کر چکا ہے۔

یہ وہ احسان عظیم ہے جو اس صدی کے مجدد نے اور اس زمانہ کے امام نے ہم پر کیا کہ ہم کو اس بلند غرض کی طرف توجہ دلا کر ایک بلند مقام کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ خوب یاد رکھئے کہ تبلیغ اسلام صرف اس چیز کا نام نہیں کہ ہم پیغام اسلام لوگوں تک پہنچا دیں۔ یہ ظاہری ذرائع سے ہو سکتا ہے۔ بلکہ تبلیغ اسلام ہم سے یہ چاہتی ہے کہ ایک طرف ہم اپنی پوری قوت اس بات پر خرچ کر دیں کہ خدا کا کام دنیا میں پہنچ جائے تو دوسری طرف ہم اپنی پوری قوت اس دعا پر لگا دیں، خدا تعالیٰ سے یہ مدد مانگنے پر لگا دیں کہ اے خدا! تو اپنے فضل اور رحمت کے دروازے اس مخلوق پر کھول دے اور اس کی روحانی ربوبیت اپنے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما۔ تو میں اپنے احباب کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی نمازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بنانے کی کوشش کر کے انہیں اول سے آخر تک سوال بنا دو۔ اور سوال بھی اتنا بلند کہ ساری مخلوق کی اصلاح اس سے مانگو۔ مسجدوں میں نمازوں کے لئے جاؤ اور باجماعت نمازیں پڑھو۔ مگر ہمارے رسولؐ کا حکم ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ۔ ایک حصہ نماز کا گھروں میں بھی ادا کرو۔ اور جہاں مسجد میں امام کی آواز پر تم سجدے میں گرے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہو گھر کی نماز میں اس کے در پر اس طرح گرو کہ تمہارا سر اُٹھ نہ سکے۔ اور تم اس فقیر کی طرح صدا پر صدا لگاتے چلے جاؤ جو جانتا ہے کہ اس سخی کے دروازے سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہیں پھرا۔ اس امر کے متعلق، کہ ہماری نماز اول سے آخر تک کس طرح اصلاح مخلوق کا سوال ہو، اگلے خط میں روشنی ڈالوں گا۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

14 فروری 1951ء

قرآن ہی تباہ ہوتی نسل انسانی کو بچا سکتا ہے

جماعت احمدیہ کی بینظیر خدمات اسلام کا اعتراف اقصاء عالم میں

جلسہ سالانہ دسمبر 1950ء کے موقعہ پر حضرت امیر ایدّہ اللہ کی افتتاحی تقریر

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اس سینتیسویں سالانہ اجتماع کا افتتاح میں اس مشہور دعا سے کرتا ہوں جو ہر مسلمان کی شب و روز کی دعا ہے۔ اور جس نے قرآن کے نہ ماننے والوں سے بھی خراج تحسین وصول کیا ہے۔ چونکہ دعا کرنے والا درحقیقت بارگاہ الٰہی میں سائل کے طور پر حاضر ہوتا ہے، مناسب یہ ہے کہ ہم بھی اپنے ظاہر اور باطن میں ایک تغیر پیدا کریں۔ ظاہری رنگ میں یوں کہ ہم سب کے سب ایک سائل کی طرح کھڑے ہو جائیں (سوائے ان کے جو میری طرح کمزوری کی وجہ سے کھڑا ہونے سے معذور ہوں) اور باطنی رنگ میں یوں کہ ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ جس طرح ایک سائل اپنے آپ کو عاجز اور کمزور پا کر ایک غنی کے در پر جاتا ہے ہم بھی اپنی کمزوریوں کو محسوس کرتے ہوئے خدا کے دروازے پر آئے ہیں۔ تم کتنے ہی صاحب علم اور مالدار ہو خدا کے سامنے تمہاری حیثیت ایک فقیر سے زیادہ نہیں **وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ** (38:47) اور فرمایا **یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ** (15:35) تو آیئے ایک فقیر کی طرح خدا کے دروازے پر کھڑے ہو کر صدائیں بلند کریں۔ اور اس کام میں جو ہمارے امام نے ہمارے سپرد کیا تھا اپنے عجز اور کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے اس طاقتور بادشاہ سے مدد مانگیں جو پہلے بھی ان لوگوں کی، جو اس کے ہو جاتے ہیں، زبردست نصرت فرماتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی اس کا یہ وعدہ ہے کہ جو اس کا ہو جائے گا وہ اس کی بھی اسی طرح نصرت فرمائے گا، جس طرح اس نے اپنے برگزیدوں کی مدد فرمائی۔

بارگاہ الٰہی میں پہلی صدا: ہم درماندہ درویشوں کی پہلی صدا اس بارگاہ عالی پر، جو تمام جہانوں کی ربوبیت فرماتا ہے، یہ ہے **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** (2:1) اے تمام مخلوق کی ربوبیت فرمانے والے!

تو نے اپنے بندوں پر مادی رزق کے دروازے کھول دیئے ہیں۔اور زمین اور آسمان کی مادی طاقتوں کو ان کی خدمت پر لگا دیا ہے۔مگر مادی رزق کی فراوانی اور ظاہری کشش انہیں۔ تجھ سے غافل کر کے ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جارہی ہے۔اس لئے تو ان پر اپنے روحانی رزق کے دروازے کھول دے۔تا کہ یہ نسل انسانی تباہی اور بربادی سے بچ کر اپنے حقیقی کمال کو حاصل کرے۔اے خدا جو ہمیشہ انسانوں کی روحانی ربوبیت فرماتا رہا ہے اور جس نے بالآخر ساری نسل انسانی کی روحانی ربوبیت کے لئے اپنا آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنا آخری اور کامل پیغام قرآن بھیجا تو اب نسل انسانی کی ربوبیت کے لئے اپنے قرآن اور اپنے پیغمبر کی قبولیت کی ہوا چلا دے۔اور ہمیں بھی وہ سامان عطا فرما کہ ہم تیرے قرآن اور تیرے پیغمبر کی خوبصورت تصویر کو ساری دنیا میں پہنچا دیں۔

دوسری صدا: ہماری دوسری صدا اس الرحم الراحمین کے دروازے پر یہ ہے **الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ . مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ** اے رحمتوں کے سرچشمے تو اس نسل انسانی پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور ان کے گناہوں کی سزا بھی ان پر آئے تو تیری مالکیت کے تقاضے سے تیری رحمت اس کے ساتھ بھی ملی ہوئی ہو۔

تیسری صدا: ہماری تیسری صدا اس مقتدر حقیقی کے دروازے پر یہ ہے **اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ** ہم تیرے غلام ہیں اور تیری غلامی کا فخر بھی تیری مدد سے ہی مل سکتا ہے۔مگر ہماری آرزو یہ ہے کہ یہ ہماری نسل انسانی تیری غلامی کو اختیار کر کے فلاح اور بہبود پائے۔ یہ کام انسانی طاقت سے نہیں ہوسکتا۔اس لئے تیرے دروازے پر آئے ہیں کہ اس میں تو ہماری مدد فرما۔ یہاں تک کہ ہم نسل انسانی کو تیرے در پر جھکانے کی آرزو رکھتے ہیں۔مگر اے قدرت اور طاقت کے مالک خدا! یہ کام تیری مدد کے بغیر نہیں ہوسکتا۔لہٰذا ہم یہ سوال لے کر تیرے در پر آئے ہیں کہ تو ہماری اس طرح مدد فرما جس طرح تو اپنے رسولوں کی مدد فرماتا رہا۔ **اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ** (51:40) اے زمین اور آسمان کے مالک! تو زمین اور آسمان کی تمام طاقتوں کو ہماری مدد کے لئے لگا دے۔اے خدا تو اپنے دین کی نصرت کے لئے اپنے ملائکہ کی افواج کے ساتھ اس زمین پر نزول فرما۔اور اپنے دین کی خدمت کا کام کرنے والوں کی مدد فرما۔

چوتھی صدا: ہماری چوتھی صدا اس منعم حقیقی کے دروازے پر یہ ہے **اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ . صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ** ہم تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کی آرزو رکھتے ہیں۔ ہمیں اس راستہ پر چلنے کی توفیق دے، جس راستے پر وہ لوگ چلے جنہوں نے تیری بارگاہ سے بڑے بڑے انعام پائے۔ جن کی ساری نیک آرزوؤں کو تو نے پورا فرمایا۔ اور ان ٹھوکروں سے ہمیں بچا جو ٹھوکریں کھا کر ہدایت کے بعد بھی لوگ تیری ناراضگی کا محل بن گئے ہیں یا صحیح راستے کو چھوڑ کر غلط راستہ پر پڑ گئے۔ اے بادشاہ! تیرے انعامات کے خزانے بے حد و حساب ہیں۔ اور وہ ہر زمانہ میں ہر مانگنے والے کے لئے کھلے ہیں۔ ہم بھی تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے کی غرض سے تیرے در پر حاضر ہوئے ہیں۔ اور آج سب مل کر بچشم گریاں تیرے ان انعامات کے لئے تیرے در پر صدا بلند کرتے ہیں، جن انعامات سے تو نے ہماری سرکار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو نوازا۔ اے خداوند عالم! تیرے انعامات تو کبھی ختم نہیں ہوتے۔ ہم ناکارہ انسانوں کی وہ آہیں ہی ختم ہو جاتی ہیں جو تیرے انعامات کے دروازے کھول دیتی ہیں۔ تو ہی اپنے کرم سے ہمارے دلوں میں وہ آہیں پیدا کر۔ اے فضلوں اور رحمتوں کے مالک! ان فضلوں اور رحمتوں کے دروازے ہم پر کھول دے کہ ہم تیرے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دنیا میں روشن کرنے میں اور تیرے قرآن اور محمدؐ کے نور سے تیری دنیا کو روشن کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ آمین۔

حاضرین جلسہ کو خوش آمدید: امابعد میں اس اجتماع میں، جس کی اصل غرض بالفاظ بانیٔ سلسلہ احمدیہ، یہ ہے کہ جماعت کی معرفت الٰہی ترقی پذیر ہو۔ تعلقات اخوت استحکام پذیر ہوں۔ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں، شمولیت کے لئے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے اور آپ کو مل کر کام کرتے ہوئے 37 سال گزر گئے ہیں۔ لیکن ہمارے امام نے جس دن مجھے دنیوی اشغال سے الگ کر کے دینی خدمات پر لگایا، اس پر آج پچاس سال گزر گئے **فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ** کہ اس نے نصف صدی تک مجھے یہ کام کرنے کی توفیق دی اور موقعہ بھی دیا۔ میں اگر دنیا میں بلند سے بلند مقام پر بھی پہنچ گیا ہوتا تو مجھے اس خوشی کا عشر عشیر بھی نصیب نہ ہوتا، جو آج مجھے حاصل ہے۔

جماعت احمدیہ کی بینظیر خدمات: میں آپ کو مبارک باد بھی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی

خدمات کو بھی وہ قبولیت عطا فرمائی ہے جو وہ اپنے دین کے خادموں کو پہلے عطا فرماتا رہا ہے۔ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں، جس کے آثار اب چاروں طرف کھلے نظر آ رہے ہیں، جس قدر مفید نتائج اس قلیل جماعت کی خدمات نے پیدا کئے ہیں جس کی قلت کی وجہ سے لوگ اسے درخور اعتناء نہیں سمجھتے، کوئی بڑی سے بڑی اسلامی جماعت بھی نہیں دکھا سکتی۔ آپ کی ان خدمات کا اعتراف باوجود مخالفت کے پاکستان اور ہندوستان کے رہنے والوں کو ہی نہیں، تمام اسلامی ممالک اور بالخصوص عرب ممالک میں بھی ہے۔ جہاں کے اخبارات احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے کارناموں کے ذکر سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بالخصوص جو روحانی بیداری دور افتادہ مسلمان آبادیوں میں آپ کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ جیسے ٹرینیڈاڈ، فجی، فلپائن، نائجیریا، برٹش گائنا، ڈچ گائنا جہاں کے رہنے والے ایک ہمارے دوست نے سال گذشتہ بھی اس پلیٹ فارم سے توجہ دلائی تھی۔ اور اس سال بھی وہاں سے ہمارا ایک اور بھائی (عبدالرحیم سگو) یہاں پہنچا ہے۔ چین کے ملک میں اس جماعت نے کس قدر کام کیا، اس کی شہادت چند سال ہوئے مشہور چینی سیاح عثمان وو آپ کے سامنے ادا کر گئے۔ اور اس عظیم الشان مسلمان آبادی میں، جو انڈونیشیا کے نام سے مشہور ہے، اور اس وقت مسلمان آبادی کی تعداد کے لحاظ سے شاید سب سے بڑا اسلامی ملک ہے، جو حرکت آپ کی جماعت نے پیدا کی ہے وہ اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اسی طرح یورپ اور امریکہ کے غیر مسلموں میں جس قدر آپ کی خدمات سے قرآن کریم اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام روشن ہوا ہے، وہ ایک بے نظیر کام ہے۔

وزیر اعظم پاکستان کو خط: ووکنگ مشن اور برلن مسجد کا نام دنیا میں روشن ہے۔ مگر امریکہ میں بھی، جہاں ابھی چند سال ہی کام کرتے ہوئے ہمیں ہوئے ہیں، آپ کی خدمات کا اعتراف اس حد تک موجود ہے کہ امریکہ کے ایک مشہور اٹارنی کی وساطت سے، جن کا نام ولیم اہرگ ہے، اور جو یو۔این۔او کی مذہبی شاخ کے سیکرٹری ہیں، ایک تار مسٹر لیاقت علی خاں کو ان کے امریکہ کے دورہ میں پہنچا۔ جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ جس کی نقل مسٹر اہرگ نے مجھے بھی بھیجی:

> ''میں آپ کے توسط سے پاکستان کے عوام پر اس بات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اس احسن کارکردگی کو عزت وقدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، جو آپ کے ہم وطن

مولوی محمد علی اور احمد یہ انجمن اشاعت اسلام لاہور انگریزی زبان میں اسلام کی دینی کتب کی اشاعت اور اپنی کوششوں سے پاکستان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مابین بہتر افہام و تفہیم پیدا کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ ہم ان تمام کوششوں کے بھی معترف ہیں جو پاکستان کے دینی رہنما عالمی امن کے قیام اور انفرادی معیار زندگی کی بہتری کے لئے سرانجام دے رہے ہیں۔''

''میں یہ بھی گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ لاہور کے ان عالی فکر اصحاب کو ترغیب دلائیں کہ وہ مرکزی ادارہ اقوام متحدہ کی ایک شاخ نیویارک شہر میں کھولیں۔ چاہے یہ شاخ آپ کے وفد اقوام متحدہ کا ایک حصہ ہو یا خود مختار۔ اس سے انہیں مقامی، قومی اور بین الاقوامی پریس، ریڈیو اور ایجوکیشنل فورم کی اور دیگر سہولتیں، جو وہاں میسر آسکتی ہیں، حاصل ہو جائیں گی۔ پاکستان ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اسلام مسیحیت اور یہودیت کے مابین محبت و ارتباط پیدا کرنے میں عرب لیگ سے تعلق رکھنے والے ممالک سے بہتر قیادت کر سکتا ہے۔ اور آپ اس ذریعہ سے بین الاقوامی افہام و تفہیم اور تعاون کو بڑھانے اور امن عالم کی کوششوں کے لئے زیادہ مضبوط بنیادیں قائم کرنے کا موجب ہوں گے۔ جو ان لوگوں کے ہاتھوں سے رکھی جائیں گی، جو ایک سچے خدا پر ایمان رکھتے اور نسل انسانی کے باہمی اتحاد اور اخوت کے قائل ہیں۔''

''اس قسم کی نمائندگی اہل امریکہ کو پاکستان کی ان ضروریات کا صحیح اندازہ دے سکے گی، جو یونائیٹڈ سٹیٹس انفرمیشن سروس کے ذریعہ اور پریذیڈنٹ ٹرومین کے چار نکاتی پروگرام کے ماتحت، جہاں تک پاکستان کا اس سے تعلق ہو پوری کی جاسکتی ہیں۔''

اور ہمارے پرائم منسٹر نے بھی اس میں دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ ان کے سیکرٹری کی طرف سے حسب ذیل جواب انہیں بھیجا گیا:

''ڈیر مسٹر اہرگ ہز ایکسی لینسی وزیر اعظم نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ میں آپ کی 12

مئی کی تار کی وصول کی اطلاع آپ کو دوں۔ اور ان کریمانہ خیالات کے لئے جن کا
اظہار اس میں کیا گیا ہے آپ کا شکریہ ادا کروں۔
وزیر اعظم نے آپ کی سفارشات کو نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا ہے۔ جن میں بین
الاقوامی افہام و تفہیم اور تعاون کو بڑھانے اور امن عالم کے لئے زیادہ ٹھوس بنیاد قائم
کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔''

حضرت مسیح موعود کی توجہ اور عزم: یہ وہ کام ہے جس کی طرف ہماری توجہ چودھویں صدی ہجری کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی بدولت ہوئی۔ جو در حقیقت یورپ اور امریکہ میں ہی نہیں ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھنے کے لحاظ سے اس زمانہ کے واحد امام ہیں۔

جب ہمارے امام نے تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی تو اس کی پہلی ضرورت یہ بیان فرمائی کہ پہلے اسلام پر اعلیٰ درجہ کا لٹریچر تیار کیا جائے۔ اور پھر اسے یورپ اور امریکہ میں پھیلایا جائے۔ آپ کی سب سے پہلی کتاب ''ازالہ اوہام'' کو صفحہ 771 سے 774 تک پڑھیئے۔ وہاں آپ ان باتوں کا اعادہ پورے زور سے پائیں گے۔ آپ اس عزم کو لے کر اُٹھتے ہیں کہ:

''میں جہاں تک میرے امکان میں ہے تالیفات کے ذریعہ سے ان علوم اور برکات کو ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدا تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دی ہیں۔''

پھر فرماتے ہیں:

''یورپ اور امریکہ نے اسلام پر اعتراضات کا ایک بڑا ذخیرہ پادریوں سے حاصل کیا ہے۔ اور ان کا فلسفہ اور طبعی بھی ایک الگ ذخیرہ نکتہ چینی کا رکھتا ہے۔............ان اعتراضات کا کافی جواب دینے کے لئے کسی منتخب آدمی کی ضرورت ہے جو ایک دریا معرفت کا اپنے صدر منشرح میں موجود رکھتا ہو جس کے معلومات کو خدا تعالیٰ کے الہامی فیض نے بہت وسیع اور عمیق کر دیا ہو۔''

پھر فرماتے ہیں:

''سو میری صلاح یہ ہے کہ بجائے ان واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفین ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کران کے پاس بھیجی جائے۔''

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسے مجھ سے یا جیسے اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔''

اس کے بعد ان ممالک میں اس لٹریچر کی تقسیم کو ضروری ٹھہرایا۔ اور یہ تجویز فرمائی کہ وہاں اپنے آدمی بھیج کران کے ذریعہ سے یہ لٹریچر ان میں تقسیم کیا جائے۔

مسیح موعود کی تڑپ کس طرح پوری ہوئی: اب یہ حضرت امام کی 1891ء کی تڑپ ہے کہ یورپ اور امریکہ اور ایشیاء میں تبلیغ اسلام کے لئے عمدہ عمدہ تالیفات تیار کی جائیں۔ اور ایک تفسیر بھی قرآن کریم کی انگریزی میں تیار کی جائے۔ مگر اس سارے کام کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ میرا کام ہے یا اس کا جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔ اور دوسرے سے یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ ایک طرف ان الفاظ کو رکھو۔ اور دوسری طرف واقعات کو دیکھو۔ کیا ہمارا امام نعوذ باللہ ناکام رہا۔ یا اس کی جس قدر آرزوئیں تھیں وہ ایک ایک کر کے پوری ہوئیں؟ پھر کیا ساری اسلامی دنیا میں کوئی دوسرا انسان ایسا نظر آتا ہے جس نے تبلیغ اسلام کی خاطر ایسا لٹریچر تیار کیا ہو۔ یا اسے دنیا میں پھیلانے کا ایسا انتظام کیا ہو۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اسلام پر جو لٹریچر اس جماعت لاہور یا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے تیار کیا ہے، اس کی نظیر ساری دنیا میں نہیں ملتی۔ اور پھر کیا یہ سچ نہیں کہ اس جماعت کے سارے تیار کردہ لٹریچر کو دیکھا جائے تو وہ تبلیغ اسلام کے سارے پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس میں قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر بھی ہے۔ اس میں حدیث شریف بھی موجود ہے۔ اس میں سیرت نبویؐ کے مختلف پہلو بھی ہیں۔ اس میں خلافت راشدہ کی تاریخ بھی موجود ہے۔ اس میں عیسائی پادریوں کے سارے اعتراضات کا جواب بھی ہے۔ اور یورپ کے فلسفہ اور طبعی کی نکتہ چینی کا جواب بھی موجود ہے۔ اس میں ''دی ریلجن آف اسلام'' جیسی

کتاب بھی موجود ہے۔ جس پر ریویو کرتے ہوئے مرحوم مارمیڈیوک پکھتال نے لکھا تھا کہ جس قدر لمبی اور قیمتی خدمت احیاء اسلام کی اس عاجز نے کی ہے، اس زمانہ میں دوسرا کوئی نہیں کر سکا۔ اور جس پر ایک مشہور امریکی مصنف نے لکھا تھا کہ اس عاجز کے قرآن کے انگریزی میں ترجمہ اور تفسیر کے بعد اور اس کتاب ''دی ریلجن آف اسلام'' کے بعد کوئی شخص اسلام کی تعلیم کے کسی پہلو سے ناواقف ہونے کا عذر پیش نہیں کر سکتا۔

حضرت امام کی نظرِ انتخاب: جیسا کہ میں نے ابتداء میں کہا تھا آج پچاس سال سے اوپر ہو گئے۔ جب مجھ عاجز پر اور میرے مرحوم رفیق خواجہ کمال الدین پر امام وقت کی نظر انتخاب پڑی۔ وہ ''آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند'' کی مصداق تھی۔ اور آپ کے الہامی فیض سے جہاں اور لوگ مستفیض ہوئے ہم دونوں بھی ہوئے۔ میرا دوست اپنے مالک سے 1932ء میں جا ملا۔ مگر میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کی شکر گذاری کس طرح کروں کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ اب تک اپنے دین کی خدمت کا کام لے رہا ہے۔

مہلک بیماریوں کے حملے اور خدمت اسلام کے کام: ہاں مجھ پر بھی 1934ء سے مہلک بیماریوں کے حملے شروع ہوئے۔ جو کہ یکے بعد دیگرے سخت سے سخت ہوتے چلے گئے۔ سب سے پہلے 1934ء میں ڈاکٹروں نے میری ایک بیماری کو مہلک ٹھہرایا۔ جس کی وجہ سے میں نے کتاب ''ریلجن آف اسلام'' کو طبع کرانے میں جلدی کی۔ پھر 1938ء میں میرے متعلق ڈاکٹری فتوی، جب میں ڈلہوزی میں تھا، یہ تھا کہ ان کی موت کی خبر معلوم نہیں کس وقت آ جائے۔ پھر 1948ء میں کوئٹہ میں خطرناک بیماری آئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے میری دستگیری فرمائی۔ اور اب 1950ء میں پھر زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تھی۔ مگر میرا خدا ہر دفعہ جب اس نے مجھے مہلت دی تو مجھے مزید کام کرنے کی توفیق بھی دیتا رہا۔ اور ہر بیماری کے بعد میں پھر کام میں لگا رہا۔ اور نہ صرف تصنیف کا کام کیا بلکہ تراجم قرآن جیسے عظیم الشان کام کی، امریکہ میں مشن قائم کرنے کی، اور ادارہ تعلیم القرآن کی بنیاد انہی بیماریوں کے اندر رکھی گئی۔ اور میں اس کے دروازے سے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی مجھے کسی کام کے لئے ہی اس نے مہلت دی ہے۔ وہ مزید کام اگر کوئی علمی رنگ کی خدمت کا ہو تو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ لیکن اس وقت جب میں بیمار ہوا تو اس علمی ذخیرہ کو، جو اللہ تعالیٰ نے مجھے تیار کرنے کی توفیق دی، دنیا میں پھیلانے کا کام

میرے مدنظر تھا۔

امام وقت کی دو آرزوئیں جو پوری ہوئیں: ہمارے امام کی اگر پہلی خواہش یہ تھی کہ اسلام پر عمدہ عمدہ تالیفات ہوں تو دوسری خواہش یہ بھی تھی کہ ان تالیفات کو اور قرآن کریم کی اس تفسیر کو یورپ اور امریکہ اور ایشیاء کے ملکوں میں پھیلایا جائے۔ آپ نے تبلیغ اسلام کی بنیاد اسی پر رکھی تھی کہ اسلام پر اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھی جائیں۔ جن میں موجودہ تہذیب اور عیسائی دنیا کے ہر قسم کے اعتراضات کا جواب ہو۔ اور اسلام کی ان پر فوقیت ثابت کی جائے۔ مگر یہ صرف بنیاد تھی۔ اصل عمارت یہ تھی کہ اس لٹریچر کو دنیا میں پھیلانے کا انتظام کیا جائے۔ جس طرح بنیاد کے بغیر عمارت بنانے کی کوشش ایک بے سود کوشش ہے، اور قادیانی جماعت نے یہی غلطی کی ہے، اسی طرح بنیاد بنا کر چھوڑ دینا اور اس پر عمارت نہ بنانا بھی کوئی عقلمندی کا کام نہیں۔ اور مجھے بعض وقت ڈر لگتا ہے کہ ہماری جماعت کا قدم اس دوسری غلطی کی طرف تو نہیں اُٹھ رہا۔ ہمارے امام کی یہ دونوں آرزوئیں تھیں کہ اول اسلام پر اعلیٰ درجہ کی تصنیفات ہوں اور پھر ان کو دنیا میں پھیلانے کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ان دونوں آرزوؤں کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے ہاتھ سے پورا کر دیا۔

پانچ ہزار لائبریریوں میں آٹھ کتابوں کا سیٹ: اب تک وسیع پیمانے پر صرف مفت ٹریکٹ لٹریچر کے پہنچانے کا انتظام تھا۔ اور قیمتی لٹریچر کی بھی قرآن کریم اور سیرت نبویؐ کی کوئی دس ہزار سے لے کر بیس ہزار تک کا پیاں پہنچائی گئی تھیں۔ اس پر سال گذشتہ اس نئی عمارت کا اضافہ ہوا کہ آٹھ کتابوں کا ایک سیٹ دنیا کی پانچ ہزار لائبریریوں میں مفت پہنچانے کی تجویز کی گئی۔ یہ بڑا بھاری کام تھا۔ جو ساڑھے تین لاکھ روپیہ کے خرچ کو چاہتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس میں سے ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ روپیہ جمع بھی ہو چکا ہے۔ جس میں اگرچہ ابتداء اس جماعت نے کی ہے۔ مگر دوسرے مسلمان بھائیوں نے بھی بڑی فراخدلی سے اس میں حصہ لیا ہے۔ اور باقی کے متعلق کچھ وعدے بھی ہیں۔ اور کچھ کوشش ہو رہی ہے۔ اور کتابیں کوئی پانچ ہزار سے لے کر بیس ہزار تک کی تعداد میں یا چھپ چکی ہیں یا چھپ رہی ہیں۔ گویا پانچ ہزار سیٹ آٹھ کتابوں کا دنیا میں پہنچانے کا انتظام کافی حد تک ہو چکا ہے۔ اس طرح اسلام پر یہ چالیس ہزار بیش قیمت کتب ساری دنیا کی لائبریریوں میں پھیل جائیں گی۔ جہاں ایک ایک لائبریری

میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں انسانوں کی نظر سے گزرتی رہیں گی۔ حضرت امام کے ان الفاظ کو پھر پڑھیئے کہ عمدہ عمدہ تصانیف اسلام پر تیار ہوں اور پھر ان کو یورپ اور امریکہ اور ایشیاء میں پھیلایا جائے۔ کیا یہ خدا کی آواز نہ تھی جو آپ کی زبان سے ہمیں پہنچائی گئی۔ اور کیا یہ خدا کا طاقتور ہاتھ نہ تھا جس کی مدد سے امام زمان کی یہ دونوں آرزوئیں آج ہماری آنکھوں کے سامنے آپ کی جماعت کے صرف چھوٹے سے گروہ کے ہاتھ سے پوری ہورہی ہیں۔

ایک عظیم الشان انقلاب: میرے دوستو! اور اے میرے مسلمان بھائیو! خدا کی اس آواز اور خدا کے اس فعل کو تحقیر کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ یہ ایک انقلاب ہے جو دنیا میں نمودار ہورہا ہے۔ اور ہماری آنکھوں کے سامنے نمودار ہورہا ہے۔ ملکوں کے ملکوں اور قوموں کی قوموں میں بیداری پیدا ہورہی ہے۔ اور وہ دن دور نہیں کہ آپ آفتاب اسلام کو روحانیت کے آسمان پر پوری قوت سے چمکتا ہوا دیکھ لیں۔

قرآن کے نور سے ساری دنیا کو منور کرنے کی بنیاد: اس کے ساتھ ہی میں ایک اور خوشخبری بھی سنانا چاہتا ہوں۔ علاوہ اس کے کہ چالیس ہزار بیش قیمت کتب دنیا کی پانچ ہزار لائبریریوں میں پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے، ایک اور تجویز بھی ہمارے سامنے ہے، جس کی بنیاد ایک حد تک ڈال چکا ہوں۔ اس تجویز کی رو سے ہم ایک مستقل بنیاد قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کی رکھ سکیں گے۔ سردست تو یہ ایک محدود سا خیال ہے کہ ہر سال کوئی پانچ ہزار کاپی قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی ہم طالب علموں کو، وہ کہیں بھی ہوں، بہت رعایتی قیمت پر دے سکیں۔ تاکہ ہماری اپنی نسلیں بھی براہ راست سرچشمہ قرآن سے نور حاصل کرسکیں اور غیر بھی آسانی سے قرآن کریم کے نور سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ مگر میں اُمید رکھتا ہوں کہ جب یہ کام شروع ہوگیا تو نہ صرف یہ تعداد بڑھ سکے گی بلکہ مسلم اور غیر مسلم غیر مستطیع اصحاب کو بھی ہم اس میں شامل کرسکیں گے۔ یعنی انہیں ہم رعایتی قیمت پر یہ ترجمہ پہنچانے کے قابل ہوجائیں گے۔ اور اس طرح یہ جماعت قرآن کریم کے نور سے ساری دنیا کو منور کرنے کی ایک بنیاد رکھ سکے گی۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایسی بنیاد رکھنے کی ہمیں توفیق دے جس پر قیامت تک عمارت بنتی چلی جائے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کے پانچ ترجمے جو اس وقت مکمل ہیں اور اب تک طبع نہیں ہوسکے یہ کام بھی آنے والے سال میں شروع ہوجانے کی اُمید ہے۔

قرآن سے دنیا کو نفع پہنچانا پاک نفس لوگوں کا کام ہے: اس کے ساتھ ہی میں اپنے احباب کو ایک اور بات کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم خدا پاک کا کلام ہے۔ اور اس کو دنیا میں پہنچانا اور دنیا کو اس کے نور سے منور کرنا پاکوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ . فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ . لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ .** (79-77:56) اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ قرآن دنیا کو نفع پہنچانے والی کتاب ہے۔ مگر یہ نفع انہی لوگوں کے ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے جو پہلے خود اپنے نفسوں کو پاک کریں۔ وہ پاک نفس گروہ تھا، جس نے رسول پاکؐ کے ساتھ ہو کر اس قرآن کو دنیا میں پہنچایا اور ایک تباہ ہوتی ہوئی دنیا کو بچایا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ تہذیب انسانی چھٹی صدی عیسوی میں بالکل تباہی کے کنارے پر پہنچ گئی تھی۔ خدا کا کلام قرآن بھی اس پر شاہد ہے **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** (41:30) اور ہر ملک اور ہر قوم کی تاریخ بھی اس پر گواہ ہے۔ تہذیب انسانی کا ایک موجودہ زمانہ کا مورخ لکھتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں تہذیب انسانی ایک کھوکھلے درخت کی طرح گرنے کو تیار تھی کہ عرب میں ایک انسان پیدا ہوا جس نے تہذیب انسانی میں ایک نئی روح پھونک دی۔

قرآن ہی نسل انسانی کو بچا سکتا ہے: آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح نسل انسانی بربادی کی طرف دوڑی جارہی ہے۔ اور قریب ہے کہ یہ آگ کے گڑھے میں گر کر بھسم ہو جائے۔ وہ نسخہ جس سے یہ نسل انسانی بچ سکتی ہے وہی ہے جس نے ایک دفعہ پہلے تباہ ہوتی ہوئی نسل انسانی کو بچایا۔ یہ خدا کا آخری کلام ہے۔ یہ قرآن ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ مگر ہم اس نسخہ شفا کو دنیا میں نہیں پہنچا رہے ہے۔ اس کے پہنچانے کے لئے ایک پاک نفس جماعت کی ضرورت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کام کی بنیاد اپنے ایک مامور کے ہاتھ سے رکھوائی۔ اور اس کو اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد بنا کر بھیجا۔ کیونکہ نفوس کو پاک وہی کر سکتا ہے جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔

قرآن اور رسولؐ کا عشق جو مجدد وقت نے پیدا کیا: اس کے پاس بیٹھنے والے جانتے ہیں کہ اس کے دل میں قرآن اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر عشق تھا۔ اس عشق کی آگ اس کے سینے میں ایسی مشتعل تھی کہ جو اس کے پاس جا کر بیٹھا اس کے سینے میں بھی ایک چنگاری اسی آگ کی پڑ گئی اور ہزارہا بلکہ لاکھوں سینے روشن ہو گئے۔

آج وہ چنگاری کچھ مدہم نظر آرہی ہے۔ اپنے اپنے سینوں کو ٹٹولو۔ کیا تمہارے دلوں میں وہ امام زمان کی ڈالی ہوئی چنگاری کی گرمی موجود ہے؟ اگر ہے تو وہ حرکت تم میں کیوں نہیں! جو امام زمان کے پاس بیٹھنے والوں میں نظر آتی تھی۔ تمہارا قدم دیوانہ وار آگے کیوں نہیں بڑھ رہا؟ تم ہی وہ لوگ تھے جو اس عشق سے بیتاب ہو کر لوگوں کے دروازوں پر پھرتے تھے۔ اور ان کو اس نیک کام میں شامل ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ آپ بھی ثواب حاصل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ثواب میں شامل کرتے تھے۔ آج تم میں وہ لوگ کیوں کم ہو گئے؟ تم ہی وہ لوگ تھے کہ دینی خدمات کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے تھے۔ اور تم دیوانہ وار ملکوں میں نکل گئے کہ خدا اور اس کے رسول کا نام اور خدا کا پاک کلام دنیا کو پہنچا دیں۔ تم نے کفرستانوں میں مسجدیں بنا دیں۔ اور اللہ اکبر کی آوازیں بلند کر دیں۔ تمہارے مسلمان بھائی تمہیں گالیاں دیتے رہے۔ مگر خدا کی راہ میں تمہارا جنون بڑھتا ہی چلا گیا ہے۔ ہاں تم میں ہی وہ لوگ تھے اور کثرت سے تھے جو اپنے دنیا کے کام کرتے ہوئے بھی دینی کاموں کو اسی طرح سرانجام دیتے تھے کہ زندگی وقف کر دینے والوں سے بھی بڑھ کر ان کا کام ہوتا تھا۔ آج وہ بہت کم نظر آتے ہیں۔ تم ہی وہ مالدار اور غرباء تھے کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو مالدار غرباء سے اور غرباء مالداروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر آج کوئی مالی تکلیف پیش آتی ہے تو تم قربانیاں کرنے کے بجائے یا خدا کی راہ میں جہاد کرنے کی بجائے گھر بیٹھے یہ مشورے کرتے ہو کہ فلاں مشن بند کر دو۔ قرآن کی اشاعت کو بند کر دو۔ تو تم اب آگے بڑھنے کی بجائے اپنے قدم پیچھے ہٹانے کو تیار ہو گئے ہو۔ خدا کے بندوں کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ ان کا قدم آگے بڑھتا ہے۔ وہ سخت سے سخت مشکلات کے وقت بھی قدم آگے ہی بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اور اسی لئے خدا کی نصرت ان کے ساتھ ہوتی ہے ۔

خدا کے پاک بندوں کو خدا سے نصرت آتی ہے　　جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے

کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ خدا اور رسولؐ کی محبت کی جگہ دنیا کی محبت تمہارے دلوں میں اثر کرتی چلی جا رہی ہے۔ اور تم دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو فراموش کرتے جا رہے ہو۔ اور جہاد کی روح کی جگہ تمہارے اندر آرام طلبی کی روح سرایت کرتی چلی جا رہی ہے۔ خدا سے ڈرو۔ اس کے مسکین بندے بن جاؤ۔

آخری دعا: آخر پر پھر دعا کریں کہ اے خدا تو ہمارے سینوں میں اپنے قرآن اور اپنے رسول پاک کی محبت کی آگ کی وہ چنگاری ڈال جو ہماری ہوا و ہوس کو بھسم کر دے۔ اور اپنے رسولؐ اور اپنے کلام کا وہ عشق عطا فرما جو ہماری دنیا کے مال کی محبت کو ٹھنڈا کر دے۔ اے خدا تو ہمیں اپنے دیوانوں میں داخل کر دے۔ کیونکہ حقیقی مردانگی یہی ہے کہ تو ہمیں اپنے در پر گرنے کی توفیق دے۔ کیونکہ طاقت اسی سے ملتی ہے۔ تو ہمارے اندر سے آرام طلبی کی روح کو اپنی زبردست قوت سے نکال دے۔ اور اس کی جگہ جہاد کی وہ روح ہمارے اندر بھر دے جس سے ہم تیرے راستے میں کام کرتے ہوئے تھکیں نہیں۔ اور کسی کا طعنہ، کسی کی گالی، کسی کی نکتہ چینی ہو، وہ اپنا ہو یا دوسرا، تیرے راستے میں ہمارے قدم کو ڈھیلا نہ ہونے دے۔ اے خدا ہم میں کمزوری آ رہی ہے تو ہماری دستگیری فرما۔ **وَادْخُلْنَا بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ**

21 فروری 1951ء

حضرت امام زمان کا پیدا کردہ روحانی انقلاب

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تقریر فرمودہ 26 دسمبر 1950ء برموقعہ جلسہ سالانہ دسمبر 1950ء

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیات تلاوت کیں:

وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَہٗ رِبِّیُّوۡنَ کَثِیۡرٌ فَمَا وَہَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَکَانُوۡا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ . وَمَا کَانَ قَوۡلَہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ. (3:146-147)

ترجمہ: ”اور کتنے نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے ربانی لوگ لڑے، پھر اس وجہ سے وہ سُست نہ ہوئے جو ان کو اللہ کی راہ میں مصیبت پیش آئی اور نہ کمزور ہوئے اور نہ عاجزی اختیار کی اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اور ان کی بات سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ انہوں نے کہا ہمارے رب! ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمیں بخش دے اور ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ اور ہم کو کافر قوم پر مدد دے۔“

اور پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنی افتتاحی تقریر میں یہ کہا تھا کہ تبلیغ دین کے لئے پاک نفس لوگوں کی ضرورت ہے۔ فی الحقیقت اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے میں نے یہ آیت پڑھی ہے۔ کہا جائے گا کہ یہاں تو جنگ کرنے والوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ پہلے تو اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ اگر دین کے دفاع کے لئے جنگ کرنے والے اسلام ایسے چاہتا ہے جو رِبِّیۡ ہوں۔ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے ہوں تو دین کی تبلیغ کے لئے کس قدر اللہ تعالیٰ سے زبردست تعلق کی ضرورت ہے۔ اور دوسری جگہ یوں بھی فرمایا **فَلۡیُقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یَشۡرُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا بِالۡاٰخِرَۃِ** (4:74) خدا کی راہ میں وہ لوگ جنگ کریں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض بیچ دیں۔ تو کیا دین کی تبلیغ کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں؟!

حق اور باطل کی جنگ: مگر یاد رکھنا چاہئے کہ تلوار کی جنگ کے علاوہ بھی ایک جنگ ہے۔ اور یہ حق اور باطل کی جنگ ہے۔ جس میں ایک طرف وہ گروہ ہوتا ہے جو حق کو قائم کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا

ہے۔ اور دوسری طرف ایک دنیا باطل پر ہوتی ہے۔ یہ جنگ ہمیشہ سے دنیا میں چلی آئی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل جنگ بھی دنیا میں یہی تھی۔ یعنی حق کو باطل پر غالب کرنا۔ اور دفاع کے لئے تلوار کی جنگ کی ایک قلیل عرصہ کے لئے ضرورت پیش آئی تھی۔

جماعت احمدیہ کی جانفروشی: آج اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت حق کو باطل پر غالب کرنے کی جنگ میں مصروف ہے تو وہ وہی جماعت ہے، جسے اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے تیار کیا ہے۔ اسی لئے آپ نے یہ اقرار بھی ہر بیعت کنیندہ سے لیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ یہ فی الحقیقت وہی یَشْرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ (74:4) کا ترجمہ ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی کو فروخت کر دینا اور آخرت یعنی دائمی زندگی کو خرید لینا۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ۔

جمادے چند دادم جاں خریدم بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

میں نے چند کوڑیاں دے کر جان خرید لی۔ الحمد للہ۔ بہت ہی سستا سودا ہے۔ اور ربی یا خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی وہی ہو سکتے ہیں جو اس دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں ایک کھیل سمجھیں۔ تو میں آپ کو صاف بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کی اصل حیثیت کیا ہے۔ آپ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہی ہیں۔ آپؐ نے جو جنگ حق کو باطل پر غالب کرنے کے لئے شروع کی تھی اور جسے آپ کے بعد آپ کی اُمت کے صلحاء نے جاری رکھا۔ آپ اس کے سپاہی ہیں۔

میں شروع میں ہی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ کے مصداق نہیں۔ اگر آپ نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو ایک کھیل سمجھا ہوا ہے۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھا کر رِبِّیْ بننے کی کوشش نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے کسی دوسری قوم کو کھڑا کردے گا۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ (38:47) قدرت اور طاقت کا مالک خدا فرماتا ہے اے لوگو جن کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ حق کو باطل پر غالب کرو اگر تم پھر جاؤ تو تمہاری جگہ ایک دوسری قوم کو کھڑا کر دے گا اور وہ تمہاری طرح پھرنے والے نہ ہوں گے۔

حضرت امام سے مسلمانوں کی عداوت: کہا جاتا ہے کہ اگر ہماری غرض صرف اسی قدر ہے کہ اسلام کو دنیا میں پھیلایا جائے تو خود مسلمان ہمارے امام کے دشمن کیوں ہیں؟ ہمارے امام نے الگ

جماعت کیوں بنائی؟ عام مسلمانوں سے یا ان کے علماء سے اختلاف کیوں کیا؟ سو بات یہ ہے کہ اول تو کونسا زمانہ ایسا گزرا ہے کہ لوگ صلحاء کے دشمن نہ ہوئے ہوں۔ پیغمبروں اور ان کے منکروں کے ذکر کو چھوڑو۔ خود مسلمانوں میں بڑے بڑے آئمہ جیسے امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، بڑے بڑے محدثین جیسے امام بخاری، بڑے بڑے اولیاء جیسے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔

لیکن ہمارے امام کو جو حالات پیش آئے، ان پر غور فرمائیے۔ آپ کی جوانی بعض دنیوی اشغال کے ساتھ دفاعِ اسلام میں گزری۔ اسلام کی حمایت اور بعض عقائد باطلہ کی تردید آپ کا شغف تھا۔ پھر جب آپ کی عمر چالیس سال سے کچھ اوپر ہوئی تو آپ نے اسلام کی حقانیت اور قرآن کی صداقت پر وہ زبردست کتاب لکھی جس کے متعلق اس وقت کے سب سے بڑے عالم کی تقریظ ان الفاظ میں تھی کہ تیرہ صدیوں میں ایسی کتاب حمایت اسلام میں نہیں لکھی گئی۔

آپ کا دعویٰ مجددیت: اسی کتاب میں آپ کا یہ دعوٰی عین چودھویں صدی کے سر پر شائع ہوا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے چودھویں صدی کا مجدد بنایا ہے۔ ایسے ہی دعاوی اس سے پہلے بھی بہت بزرگ ہر صدی کے سر پر کر چکے تھے۔ اس لئے اس دعویٰ کو عام طور پر علماء نے اور مسلمانوں نے قبول کیا۔ اور آپ بھی اسلام کی تائید میں عیسائیت کے خلاف، آریہ سماج کے خلاف اور دیگر عقائد باطلہ کے خلاف جنگ کرتے رہے۔ اور اس پر دس سال کا عرصہ گزر گیا۔

حیات مسیحؑ کے عقیدہ کی تردید: تب اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ ظاہر فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کے چوتھے آسمان پر زندہ بجسد عنصری ہونے کا خیال، جو مسلمانوں میں عام ہے، وہ خلاف قرآن وحدیث ہے اور اس غلط عقیدہ سے عیسائیت کے عقائد باطلہ کو قوت ملتی ہے۔ اور اسلام کی تبلیغ کے راستے میں یہ روک ہے اور کہ یہ غلطی نزول مسیح کے اس عقیدہ سے لگی ہے جس کا ذکر صحیح ترین کتب حدیث میں ہے۔

نزول مسیح سے مراد: آپ پر بھی ظاہر کیا گیا کہ نزول مسیح سے مراد خود حضرت عیسیٰ کا کہیں اوپر سے اترنا نہیں۔ کیونکہ آپ کے بجسد عنصری آسمان پر اُٹھائے جانے کی کوئی سند نہ قرآن سے ملتی ہے، نہ حدیث سے اور کہ مسیح کے نزول سے مراد صرف اس اُمت میں کسی ایسے مجدد کا ظاہر ہونا ہے جو حضرت عیسیٰ سے مماثلت رکھتا ہو۔ جس طرح بائبل میں الیاس کی دوبارہ آمد سے، جس کے متعلق یہود کا عقیدہ تھا کہ وہ

زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں، یہ مراد تھی کہ ان کا مثیل آئے گا۔ اوراس عقیدہ کو خود حضرت عیسیٰ نے ہی صاف کیا یہ کہہ کر، کہ یحیٰ ہی الیاس ہیں۔ کیونکہ وہ الیاس کے مثیل ہو کر آئے ہیں۔

حضرت مجدد وقت کی مسیحؑ سے مماثلت: اور پھر وہ مجدد ایسے ہی حالات میں ظاہر ہو جیسے حالات میں حضرت عیسیٰ اُمت موسوی میں ظاہر ہوئے تھے۔ یعنی جب یہود کی ظاہری حکومت ختم ہو چکی تھی اور وہ غلامی کی حالت میں آ گئے تھے۔ اور روحانی رنگ میں بھی وہ گر گئے تھے۔ اور قریب اسی قدر زمانہ اس کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہو جس قدر زمانہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان تھا۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ پیشگوئیاں جو ایک مسیح کے اس اُمت میں آنے کے متعلق ہیں وہ اس چودھویں صدی میں آپ کے وجود میں پوری ہوگئی ہیں۔ اور آپ ہی ان پیشگوئیوں کے مصداق ہیں جو اس اُمت میں ایک مسیح کے آنے کے متعلق ہیں۔ اور کہ حضرت عیسیٰؑ اس لئے بھی نہیں آ سکتے کہ ہمارے نبی خاتم النبیّن ہیں۔ اور خاتم النبیّن کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ نہ نیا نہ پرانا۔ اس کے علاوہ مسیح اسرائیلی اور اس اُمت میں آنے والے مسیح کے دو الگ الگ شخص ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ان دونوں کے حلیئے الگ الگ موجود ہیں۔ جو ایک دوسرے سے ملتے نہیں۔ اور پھر آنے والے مسیح کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اِمَامُکُمْ مِّنْکُمْ کہا گیا ہے۔ یعنی وہ تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ ان تمام صاف اور واضح باتوں کو، جن پر قرآن کریم کی صریح شہادت تھی، علما نے اور ان کی اتباع میں عام مسلمانوں نے رد کر دیا۔ اور وہی شخص آپ کی تکفیر کا لیڈر بنا، جس نے اپنی قلم سے لکھا تھا کہ صداقت اسلام پر جو کتاب حضرت مرزا صاحب نے لکھی ہے اس کی نظیر تیرہ صدیوں میں نہیں پائی جاتی۔ تھوڑے لوگوں نے آپ کو قبول کیا۔

پھر ان قبول کرنے والوں کا بھی ایک قلیل حصہ آپ لوگ ہیں۔ جو یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اور کثیر حصہ وہ ہے جنہوں نے غلو اختیار کیا۔ اور مجدد کی بجائے آپ کو نبی قرار دیا۔ جس طرح یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رد کر دیا تو اس کے بالمقابل عیسائیوں کے کثیر گروہ نے غلو کر کے انہیں پیغمبر کی بجائے خدا ٹھہرایا۔ اور قلیل گروہ خدا کی توحید کا قائل رہا۔ چنانچہ ضروری تھا کہ مجدد وقت کی حضرت عیسیٰؑ

سے مماثلت کا یہ رنگ بھی پورا ہوتا۔

اس لئے جب قادیان میں اس غلو کی بنیاد رکھی گئی تو چند باہمت اصحاب نے اس رو کا مقابلہ کیا۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ تبلیغ اسلام کے کام میں، جو اس سلسلہ کی اصل غرض ہے، یہ ایک زبردست روک کھڑی کی جارہی ہے۔ اور مسلمانوں کی تکفیر سے ان کے اتحاد کو پاش پاش کیا جارہا ہے۔ اور اپنے آپ کو الگ کر کے لاہور میں اس جماعت کی بنیاد مئی 1914ء میں رکھی۔ یہ ہے مختصر تاریخ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی۔ جس کا یہ سینتیسواں اجلاس ہو رہا ہے۔ ہمیں یہ کہہ کر بدنام کیا گیا کہ انہوں نے قادیان کا مرکز چھوڑ دیا ہے۔ مگر خدا کی شان ہے کہ آج وہ کثیر گروہ بھی قادیان کے مرکز کو چھوڑ کر دوسری جگہ مرکز قائم کر چکا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ ان باتوں کو، جن کا حقیقی تعلق تبلیغ اسلام سے تھا اور جو درحقیقت تبلیغ اسلام کے راستے میں چند روکیں تھیں، جن کا دور کرنا ضروری تھا، اسی قسم کا اختلاف سمجھ لیا گیا ہے جیسے اسلام کے اندر اور فرقی اختلافات ہیں۔ بلکہ قادیانی جماعت کے رویہ نے اسے اور بھی سخت رنگ دے دیا ہے۔

مسئلہ کفر و اسلام: اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں میں یہ ایک بیماری لمبے عرصہ سے پیدا ہوگئی ہے۔ اور اس کی بنیاد خوارج نے حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ میں رکھی۔ جن کے متعلق احادیث میں آتا ہے **شَقُّوْا عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ** انہوں نے مسلمانوں کی جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ پہلا گروہ اسلام میں تھا جنہوں نے اپنے بھائیوں کو کافر قرار دیا۔ اس کے بعد یہ بیماری ہماری قوم میں سخت سے سخت تر ہوتی چلی گئی۔ حالانکہ بڑے بڑے آئمہ نے یہ نصیحت مسلمانوں کو کی کہ کسی شخص میں نناوے وجوہ کفر کی دیکھو مگر ایک وجہ اسلام کی بھی ہو تو اسے کافر مت کہو بلکہ مسلمان کہو۔ کسی بڑے امام کا قول نہیں دکھایا جاسکتا کہ کسی کلمہ گو کو اور کسی اہل قبلہ کو کافر کہو بلکہ اس کے خلاف بڑے بڑے آئمہ کے اقوال موجود ہیں کہ کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔

مگر آج مسلمانوں کو کافر بنانے والے، خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں، اصل اسلام سے دور نکل گئے ہیں۔ اور صرف اپنی ہوا و ہوس کے ماتحت یا اپنی نمبرداری قائم رکھنے کے لئے لوگوں کو کافر قرار دیئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کی ایسی کھلی تصریح کے سامنے کہ **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ**

لَسْتَ مُؤْمِنًا (94:4) جو شخص یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ مسلمان ہے تمہیں اسلام علیکم کہے تو تم مت کہو کہ تو مومن نہیں۔ یا حدیث کی واضح تصریح کے ہوتے ہوئے اور وہ بھی متفق علیہ حدیث۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلَا تَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَا تُخْفِرُوْا اللّٰهَ فِىْ ذِمَّتِهٖ حضرت اَنس بن مالک سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلے کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو یہ وہ مسلمان ہے کہ اس کے واسطے خدا کی امان اور اس کے رسولؐ کی امان ہے۔ تو تم خدا کی امان میں اس کی خیانت مت کرو۔

ایسی صراحتیں ہوتے ہوئے آئمہ اسلام کس طرح کسی کلمہ گو کو کافر کہہ سکتے تھے؟! آج کے وہ علماء جو قرآن اور حدیث اور آئمہ کی ان صراحتوں کے باوجود کلمہ گوؤں کو کافر قرار دیتے ہیں اور اسلام کو ٹکڑے ٹکرے کر رہے ہیں۔ یہ قرآن وحدیث کی پیروی نہیں کرتے۔ آئمہ سلف کی پیروی نہیں کرتے۔ اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ آئمہ ضلالت ہیں۔ آئمہ ہدایت نہیں۔ یہ شَقُّوْا عَصَا الْمُسْلِمِيْنَ کے مصداق ہیں۔ بے شک کسی کی غلطی بیان کرو اور اس کی اصلاح کی کوشش کرو۔ لیکن ایک دوسرے کو کافر کہہ کر تم خدا اور رسولؐ کی بھی مخالفت کر رہے ہو۔

جماعت احمدیہ لاہور تکفیر کی مخالفت میں: آج جماعت احمدیہ لاہور ہی سارے عالم اسلامی میں ایک جماعت ہے جو مسلمانوں کو اس بات پر جمع کرنے کے لئے کھڑی ہوئی ہے کہ اہل قبلہ کو کافر مت کہو۔ کلمہ گوؤں کو کافر مت کہو۔ یہ اسلام کی عظیم الشان خدمت ہے۔ اس کی صرف یہی ایک خدمت اتنی بڑی تھی کہ مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ گروہ در گروہ اس کی طرف جھک جاتے۔ آپ لوگ قطعاً مایوس نہ ہوں کہ ہم عالم اسلامی کو اس بات پر، جس میں اسلام کی قوت مضمر ہے، کس طرح جمع کر سکتے ہیں۔ اگر اسلام نے زندہ رہنا ہے اور یقیناً زندہ رہنا ہے بلکہ سارے عالم پر چھا جانا ہے تو یاد رکھو کہ مسلمانوں کی تکفیر کا عقیدہ مٹ جائے گا۔ پیچھے آنے والے ان لوگوں کے لئے دعائیں کریں گے جنہوں نے اس کی بنیاد رکھی۔

دنیا اسلام پر جمع ہوگی: چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہمیشہ اختلاف ہوتے رہیں گے۔ مگر جن عظیم الشان باتوں کو لے کر یہ جماعت کھڑی ہوئی ہے، ان پر ساری اسلامی دنیا جمع ہوگی۔ اور خود اسلام پر ساری دنیا

جمع ہوگی۔ حضرت عیسیٰ آسمان سے نہیں اُتریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ صرف مجدد آئیں گے۔ قرآن کامل ہدایت نامہ ہے۔ اس میں کچھ منسوخ نہیں۔ یہ ایک زبردست طاقت اپنے اندر رکھتا ہے اور دنیا کو فتح کرے گا۔ ہمارا کام صرف اسے دنیا میں پہنچا دینا ہے۔

امام زمانہ کا پیدا کردہ روحانی انقلاب: واقعات پر غور کیجئے وہ آگ جو ہمارے امام کے خلاف بھڑکائی گئی کیا یٰنَارُ كُونِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (69:21) کا مصداق نہیں ہوئی؟! اسی مخالفت کے زبردست طوفان کے اندر ایک چھوٹی سی جماعت کھڑی ہوگئی۔ اور خدا تعالیٰ کی نصرت کو دیکھو کہ آپ کے جو ارادے تھے کہ اسلام دنیا میں غالب ہو، اور قرآن کریم کا نور ساری دنیا کو روشن کردے، اس کی تکمیل کے سامان اسی زبردست مخالفت کے اندر کردیئے۔ اور اس کام کی بنیادوں کو مضبوط کردیا۔ اور نہ صرف روحانی رنگ میں اسلام کا غلبہ ہوگیا کہ وہ یورپ اور امریکہ، جو اسلامی دنیا کو عیسائی بنانے کے لئے اربوں روپے خرچ کررہے تھے۔ اور جن کی حکومت ساری دنیا پر چھا گئی تھی، اسی یورپ اور امریکہ میں امام زمان کے چند پیروؤں کی بدولت اسلام کی تبلیغ کے مرکز قائم ہوگئے۔ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں بڑے بڑے اہل علم لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے۔ اور اسلام کے متعلق ایک بہت بڑی تعداد کا نقطہ خیال بدل گیا۔ یہاں تک کہ وہ اسلام، جسے آج سے پچاس سال پہلے دنوں کا مہمان سمجھا جاتا تھا، ایک فاتح کی حیثیت میں قدم آگے بڑھاتا جارہا ہے۔ بلکہ جسمانی رنگ میں بھی ایک انقلاب پیدا ہوگیا۔ گرتی ہوئی مسلمان حکومتیں سنبھل گئیں۔ یقیناً اس ظاہری انقلاب کا پیشرو وہی روحانی انقلاب تھا جسے امام زمان نے پیدا کیا۔

<u>قسط دوم: مطبوعہ در اشاعت 28 فروری 1951ء</u>

حفاظتِ دین کے کام میں حصہ: اب میں آپ کو آپ کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کی آویزش کو بھی ایک جنگ ہی قرار دیا ہے۔ مگر کیا آپ کے دل کبھی محسوس کرتے ہیں کہ ہم ایک جنگ میں مشغول ہیں۔ ہمارے امام نے اسے ایک جہاد قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سب سے بڑا جہاد قرار دیا ہے **وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا** (52:25) مگر کیا آپ کے دل یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم ایک جہاد میں مصروف ہیں۔

جس کی غرض یہ ہے کہ حق کو فتح ہو اور باطل کو شکست ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سب کی حالت یکساں ہے۔ آپ میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے دلوں کے اندر یہ احساس ہے، جنہوں نے اپنی زندگیاں خدا کے سامنے پیش کر دی ہیں، جنہوں نے اپنے مال خدا کے سامنے پیش کر دیئے ہیں، جنہوں نے اپنے اوقات خدا کے سامنے پیش کر دیئے ہیں، جن کے دلوں سے ہر وقت یہ آہ نکلتی ہے کہ اے خدا! تو اپنے قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے اور اپنے دین کو دنیا میں پھیلانے کے اور غالب کرنے کے راستے ہمارے لئے کھول دے، جن کے اندر یہ حرکت بھی موجود ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اس جہاد میں شامل ہونے کی ترغیب دیں، اور خدا کی راہ میں لڑنے والی فوج کو قوت پہنچائیں۔ مگر آپ میں، ہاں، ان لوگوں میں، جنہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا، وہ لوگ بھی ہیں، جنہوں نے امام وقت کو زبان سے قبول کیا مگر جو کام امام وقت نے ان کے سپرد کیا تھا، اس کے لئے وہ ہاتھ نہیں ہلاتے۔ پیسہ خرچ نہیں کرتے۔ گویا ان کے دلوں میں یہ آرزو ہی پیدا نہیں ہوتی کہ خدا کا نام دنیا میں بلند ہو۔ خدا کا کلام دنیا میں پہنچے۔ خدا کا دین دنیا میں غالب ہو۔ آج دنیا کی وہ حالت ہے کہ ایک چپہ زمین کی حفاظت کے لئے لاشوں کے پہاڑ بن جاتے ہیں۔ خون کی نہریں بہہ جاتی ہیں۔ کیا ہم میں اس دین حق کی حفاظت کے لئے یہی جذبہ موجود ہے؟!

اس جماعت میں وہ لوگ بھی ہیں جو احمدی کہلاتے ہیں۔ اور اپنا حق لیتے وقت ان کا قدم سب سے آگے ہوتا ہے، لیکن خدا کے حق کی پروا نہیں کرتے۔ میں آج ان کو صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ کوئی مرد ہو یا عورت یا بالغ لڑکا یا لڑکی ہو، جو اپنے مال میں سے اس دینی جہاد میں کچھ صرف نہیں کرتا، اس سے بڑھ کر یہ کہ حسب حیثیت صرف نہیں کرتا اور پھر اسے ماہوار اور باقاعدہ ادا نہیں کرتا، وہ اپنے آپ کو بھی دھوکا دے رہا ہے اور اپنی جماعت کو بھی دھوکا دے رہا ہے۔ نہیں۔ ایک قدم اور اُٹھایئے۔ جس طرح سے سات سال کی عمر سے بچوں کو نماز کی عادت ڈالنے کا حکم ہے، سات سال کی عمر سے انہیں دینی جہاد کی عادت ڈالیئے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے کھلونوں پر امرا کے گھروں میں سینکڑوں روپے برباد ہوتے ہیں۔ مگر اپنے بچے سے چند پیسے خدا کی راہ میں دینے کو وہ ایک مصیبت سمجھتے ہیں۔ آیئے آج ہم سب کے سب مل کر قسم کھالیں کہ اپنی کمائی میں سے، اپنی ماہوار آمدنی میں

سے، صرف ایک آنہ ہر روپے میں سے اس دینی جہاد میں لگا دیں گے۔ اور باقی پندرہ آنے میں اپنے دنیا کے کام چلائیں گے۔ تو نہ صرف ہماری موجودہ مشکلات ختم ہو جائیں گی بلکہ ہم آج کام کو دگنا نہیں تگنا چوگنا کر سکیں گے۔

صحابہ کرامؓ کا نمونہ: یہ میں مبالغہ کے طور پر نہیں کہہ رہا بلکہ یہ حقیقت ہے کہ جب بھی انسان ایک قدم اُٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نصرت کے لئے دو قدم اُٹھاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ انسان ایک قدم خدا کی طرف چل کر آئے تو خدا اس کی طرف دو قدم چل کر آتا ہے۔ اور وہ اس کی طرف چلتا ہوا آئے تو خدا اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ انسان کے دل میں جب خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر ایک قدم اُٹھاتا ہے تو خدا اس کے فعل کو برکت دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کوئی مالدار لوگوں کا گروہ نہ تھا۔ وہ لکھ پتی نہ تھے۔ بیشتر حصہ فقراء کا تھا۔ مگر جب خدا کی محبت دلوں میں گھر کر گئی تو ان کی حالت یہ تھی کہ بازار جا کر مزدوری کے چند پیسے لاتے تو کچھ اپنا پیٹ بھرتے کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے۔ اور جن کے پاس کچھ نہ ہوتا ان کو اس قدر صدمہ ہوتا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے اَلَّا یَجِدُوۡا مَا یُنۡفِقُوۡنَ (92:9) وہ اس لئے نہیں روتے تھے کہ ان کو اپنے پیٹ میں ڈالنے کے لئے کچھ نہیں ملتا۔ نہ اس لئے روتے تھے، جیسے ہم میں سے بعض تہجد گزار روتے ہیں کہ خدایا ہمارے سینکڑوں کو ہزاروں اور ہمارے ہزاروں کو لاکھوں اور لاکھوں کو کروڑوں بنا۔ بلکہ اس لئے روتے تھے کہ خدا کے راستے میں خرچ کرنے کو کچھ نہیں ملتا۔ مگر ان کی قربانی کا نتیجہ کیا ہوا کہ وہ دنیا کے بادشاہ بھی بن گئے اور رہنما بھی بن گئے!

محبتِ دین میں آنسو بہاؤ: کیا اس محبت الٰہی کا کوئی شمّہ ہمارے دلوں میں بھی ہے؟ اگر ہے تو اپنی آنکھوں سے کسی وقت اس لئے بھی آنسو بہاؤ کہ خدایا تیرا دین مصیبت میں ہے۔ تو نے جس قرآن کو ساری دنیا میں پہنچانے کے لئے بھیجا تھا اور اس کا نام ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (52:68) رکھا تھا وہ ہمارے گھروں میں بند پڑا ہے۔ اور دوسروں تک پہنچانا تو ایک طرف، ہمارے اپنے دلوں میں بھی نہیں اُترتا۔ تو ہمارے دلوں میں وہ قوت پیدا کر دے کہ خود بھی اس کے احکام پر چلیں اور ساری دنیا میں بھی اسے پہنچا دیں۔ تو نے جس رسول کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا، اس کے نقش قدم پر نہ ہم خود چل رہے ہیں، نہ اس

کی صحیح تصویر دنیا کو دکھانے کے لئے ہاتھ ہلاتے یا مال خرچ کرتے ہیں۔ تو ہمارے دلوں میں اپنے رسولؐ پاک کی وہ محبت پیدا کر دے کہ ہم خود بھی دیوانہ وار اس کے پیچھے چلنے والے ہوں۔ اور دیوانہ وار اس کا حسن دنیا کو بھی دکھانے والے ہو جائیں۔

یاد رکھئے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت آپ کے ساتھ صرف ان قربانیوں کی وجہ سے ہے جو آپ میں سے کچھ لوگ خدا کی راہ میں کر رہے ہیں۔ ورنہ یہ آپ کی چھوٹی سی جماعت اور دنیا میں یہ اس کا کام۔ کہ یورپ اور امریکہ میں ہزار ہا کی تعداد میں مسلمان ہو گئے، قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو ان ملکوں میں پہنچا دیا، جہاں یہ اب تک نہ پہنچا تھا، کفر کے مرکزوں میں مسجدیں بنا دیں اور وہاں سے نہ صرف اللہ اکبر کی آوازیں بلند ہوتی ہیں بلکہ وہ تبلیغ اسلام کے مرکز بھی ہیں، جہاں سے خدا کے کلام اور اس کے رسولؐ کا نور دنیا میں پھیلا رہا ہے، لاکھوں نہیں کروڑوں انسانوں کا نقطہ خیال اسلام کے متعلق بدل گیا۔ پھر یہ جماعت یہاں بھی تین ہائی سکول چلا رہی ہے۔ اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اسے چالیس پچاس لاکھ روپے کے قریب جائیداد کا مالک بنا دیا ہے۔

اگر کہیں اس جذبہ محبت سے ہماری جماعت کے قلوب سرشار ہو جائیں، جو اس وقت چند دلوں میں ہے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت کے دروازے بھی ایسے کھل جائیں کہ ایک طرف آپ کے دل باغ باغ ہو جائیں تو دوسری طرف دنیا بھر کے مسلمانوں میں ایک خوشی کی لہر دوڑ جائے۔ آج وہ عمارت، جو امام وقت کے ہاتھوں کی رکھی ہوئی بنیاد پر بن رہی ہے، خدا کے فضل سے اس قدر بلند ہو گئی ہے کہ کم و بیش ہر ملک اور ہر قوم کے لوگوں کو نظر آنے لگ گئی ہے۔

اگر اب بھی جماعت کا بیکار حصہ نہیں اُٹھتا تو وہ بے وفائی کا مجرم ہے۔ کس سے بیوفائی؟ مجھ سے نہیں، اپنی جماعت سے بے وفائی، امام وقت سے بے وفائی جس سے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا اقرار کیا تھا، خدا کے رسولؐ سے بے وفائی جس کے نام کو دنیا میں روشن کرنے کا بیڑا ہم نے اُٹھایا تھا۔ خدا سے بے وفائی جس کے کلام کو دنیا میں پہنچانے کا اور جس کے دین کو دنیا میں غالب کرنے کا ذمہ ہم نے لیا تھا۔ خدا کے دین کے کام میں دیوانوں کی طرح لگ جاؤ اور بیکار مت بنو۔ خدا کا قانون ہے کہ بیکار عضو کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ بہتیرے بدقسمت بیکار بن کر، ہاں، دین کے لئے بیکار بن کر (دنیا

کے وہ دیوانے ہیں) کٹ گئے۔ بلند مقام کو چھوڑ کر پستی میں وہ گر گئے۔ دعا کرو کہ خدا ہمیں اس پستی میں گرنے سے بچائے۔

غور کیجئے۔ اگر ایک فوج دشمن کے مقابل پر صف آرا ہوا اور اس میں سے بعض لوگ ایسے ہوں جو آگے بڑھنے کا حکم ملنے پر قدم آگے بڑھانے کی بجائے اپنی جگہ پر کھڑے رہیں یا پیچھے ہٹ جائیں تو ان سے کیا سلوک ہوگا؟ کیا انہیں اپنی ہی فوج کی گولیوں کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا؟ یہ عذر جتنے جہاد میں حصہ نہ لینے کے لئے بنائے جاتے ہیں، یوم حساب آئے گا تو تمہیں خود نظر آ جائے گا کہ یہ سب جھوٹے عذر تھے۔

ماہوار چندہ: ماہوار چندہ حسب حیثیت حضرت مسیح موعود کا حکم ہے۔ اور آپ کی جانشین انجمن نے اس کی ایک شرح مقرر کر دی ہے۔ جو شخص اس شرح کے مطابق ادا نہیں کرتا اور بہانے بناتا ہے، وہ امام زمان کا نافرمان ہے۔ راستے دو ہی ہیں۔ یا مسیح موعود کو مانو۔ جو فوج خدمت دین کے لئے مسیح موعود نے تیار کی اس میں قدم سے قدم ملا کر چلو۔ تا کہ تم دین و دنیا میں کامیاب ہو۔ اور اگر آپ ایک حکم کے ماتحت چلنا نہیں چاہتے تو بہتر ہے کہ اسے چھوڑ دو۔ اور کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَاللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ (3:61) کی وعید کے ماتحت اپنے آپ کو نہ لاؤ۔ یہ تفرقہ جو اس وقت موجود ہے، امام وقت کی جماعت کے لئے موزوں نہیں۔ تفرقہ اور پراگندگی تو سیاسی رنگ میں بھی تباہ کر دیتا ہے۔ دین کی عمارت بنانے والی جماعت ایک ہوئے بغیر اور ایک حکم کے ماتحت چلے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ قلت نہیں جو قوموں اور جماعتوں کو ناکام کرتی ہے۔ یہ بیکاری یہ قربانی سے گریز ہے جو ناکام کرتا ہے۔

امیر کی حیثیت اور میرا حکم: میں اب جماعت کے سامنے چند کام رکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے آپ نے اپنا امیر مانا ہے۔ اگر میرا کوئی حکم خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف ہو تو اسے رد کر دو۔ امام وقت کے حکم کے خلاف ہو تو اسے رد کر دو۔ آپ کی مجلس معتمدین کے حکم کے خلاف ہو تو اسے رد کر دو۔ لیکن اگر وہ ان کے خلاف نہیں تو تم اسے نہ مان کر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مورد بن جاؤ گے۔ میں حضرت مسیح موعود کی صداقت کا قائل 1891ء سے تھا۔ جب آپ کا دعویٰ میرے کانوں تک پہنچا۔ میں نے بیعت 1897ء میں کی۔ مگر یہ وہ بیعت تھی کہ میں ہر ہفتہ نہیں تو پندرہ روز کے بعد قادیان پہنچ جاتا تھا۔ موسم گرما کی تعطیلات آپ کی صحبت میں گزارتا تھا۔ 1900ء سے آپ کی وفات تک آپ کی صحبت میں رہا۔ آپ

نے سارا انتظامی کاروبار میرے سپرد کر رکھا تھا۔ آپ کے مکان کے ایک کمرہ میں رہتا تھا۔ بہت ہی کم لوگ ہوں گے جنہیں امام زمان کی وہ صحبت اور معیت میسر آئی ہو جو مجھے میسر آئی۔ 1914ء سے مجھے آپ لوگوں نے اپنا امیر منتخب کیا۔ اس وقت سے لے کر اچھا یا بُرا کام جو کچھ میں نے کیا ہے آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ آج میں اس قابل نہیں کہ آپ کے سامنے کھڑا ہو کر تقریر کر سکوں۔ یہ جو کچھ لکھا ہے کانپتے ہوئے ہاتھ سے لکھا ہے۔ یہ طاقت نہیں کہ آپ پر اثر ڈال سکوں۔

دیوانہ وار قربانیوں کی ضرورت: لیکن ایک بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ میری بیماری میں آپ دیوانوں کی طرح دعائیں کرتے رہے ہیں۔ مجھے اس کا علم ہے کہ بہت لوگ دیوانوں کی طرح دعائیں کرتے رہے ہیں کہ خدا مجھے صحت دے اور زندگی دے۔ خدا نے ان دعاؤں کو قبول فرمایا۔ مگر مجھے اب ایک اور چیز کی ضرورت ہے۔ کہ یہ زندگی کام کی زندگی ہو۔ اس میں کچھ اور خدا کے دین کی خدمت ہو جائے۔ مجھے اگر زندگی کی ضرورت ہے تو صرف کسی کام کے لئے۔ اور اس کا انحصار آپ کی قربانیوں پر ہے۔ وہ قربانیاں بھی، جب تک دیوانوں کی طرح نہ ہوں، کامیاب نہیں ہوں گی۔ اس لئے اگر آپ نے اپنی دیوانہ وار دعاؤں سے خدا کے اس فضل کو جذب کیا ہے جس سے مجھے زندگی ملی تو اب اپنی دیوانہ وار قربانیوں سے خدا کے اس فضل کو جذب کیجئے جس سے یہ میری زندگی کام کی زندگی ہو جائے۔

چار مشنوں میں سے ایک کا خرچ الحاج شیخ میاں محمد صاحب پر: پہلے کام کو دیکھ لیجئے۔ اور میری مشکلات کو بھی دیکھ لیجئے۔ میری مشکلات نہیں۔ آپ کی مشکلات ہیں۔ میں تو چند دن کا مہمان ہوں۔ اس وقت آپ کے باہر صرف چار مشن ہیں۔ انگلستان، جرمنی، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور ہالینڈ۔ ہالینڈ کے مشن کا کوئی بوجھ آپ کی انجمن پر نہیں۔ اس کا سارا خرچ الحاج شیخ میاں محمد پر ہے۔ **جَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا وَاَطَالَ اللّٰهُ عُمَرَهٗ** ۔ اور یہ خیال نہ کیجئے کہ وہ اس مشن کا بوجھ اُٹھا کر باقی بوجھوں سے اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں۔ نہیں وہ ماہوار چندہ کی بھی کافی رقم ادا کرتے ہیں۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اگر سب چندوں کو بڑھانے کی ضرورت پیش آئی تو وہ اپنے چندہ کو بھی بڑھا دیں گے۔ وہ ہر قسم کی تحریکات میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ اور ابھی خسارہ بجٹ اور ووکنگ کی مد میں جب 65 ہزار روپے کے لئے میں نے اپیل کی تو اس پر انہوں نے پانچ ہزار روپے کا وعدہ فرمایا۔

کیا تین مشن ہماری جماعت نہیں چلا سکتی: تو کیا اگر ایک فرد اس جماعت کا اکیلے ایک مشن کے بوجھ کو اُٹھا سکتا ہے تو ساری جماعت باقی تین مشنوں کے بوجھ کو نہیں اُٹھا سکتی؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے احباب کی اس طرف توجہ ہی نہیں۔ وہ صرف یہ سن کر خوش ہو جاتے ہیں کہ ہمارے چار مشن چل رہے ہیں۔ گویا وہ محض تماشائی ہیں کہ ایک اچھا کھیل دیکھا اور خوش ہو گئے۔ اور اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ یہ کوئی کھیل نہیں جو ہو رہا ہے۔ اور وہ کوئی تماشائی نہیں جو اس کھیل کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ ایک جہاد ہے جو اسلام کو دنیا پر غالب کرنے کے لئے ہو رہا ہے۔ اور وہ خود اس جہاد کے سپاہی ہیں۔ وہ اپنی خوشی سے اس میں بھرتی ہوئے۔ اور اب ان کا فرض ہے کہ ایک سپاہی کی طرح اس جہاد کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔

نمائندگان جماعت کا فیصلہ: میں نے باوجود ڈاکٹری ممانعت کے ان مشکلات کے حل کے لئے کل شام جماعتوں کے چند منتخب احباب کو بلایا تھا۔ اور اگرچہ بوجہ ڈاکٹری ممانعت کے میرا کوئی ارادہ نہ تھا کہ میں گفتگو کروں۔ مگر ان قومی مشکلات کو دیکھ کر مجھے بھی گفتگو میں شامل ہونا پڑا۔ اور میں نے گفتگو میں حصہ لیا۔ اور ہم چند نتائج پر پہنچے۔ جن کو عملدرآمد میں لانا اب آپ کے اختیار میں ہے۔ وہ نتائج حسب ذیل ہیں۔

اول۔ تم میں سے کچھ آدمی ایسے نکلیں جو عنداللہ اَلسَّابِقُوْنَ میں داخل ہوں گے۔ جو اپنا چندہ ایک آنہ فی روپیہ کے بجائے دسواں حصہ کر دیں۔ اس وقت بھی کچھ آدمی ایسے موجود ہیں۔ لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ کچھ دسویں حصے سے بھی زیادہ دینے والے ہیں۔ لیکن اگر ایک سال کے عرصہ میں محنت کر کے ہم پانچ سو آدمی کو دسویں حصہ کی سطح پر لا سکیں تو مجھے اُمید ہے کہ دو تین سال کے عرصہ کے اندر ساری جماعت اس اصول پر عمل پیرا ہو جائے گی۔ اور ہماری بہت سی دقتیں دور ہو جائیں گی۔ آخر ہمارا ایمان اس بات پر ہے کہ ہماری ایک اور زندگی بھی ہے۔ جس کے لئے سامان ہم نے اسی زندگی میں کرنا ہے۔ تو اپنی آمد کا دسواں حصہ خدا کے ہاں جمع کراتے جانے میں ہم اپنے لئے ہی اُخروی زندگی کا سامان تیار کر رہے ہوں گے۔

میں جماعت کے غرباء اور متوسط الحال طبقہ کے لوگوں سے بالخصوص یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس کام میں سبقت کریں۔ کیونکہ ان کو مال سے محبت کم ہوتی ہے۔ اور ان کی قربانی اس لحاظ سے بھی عنداللہ زیادہ وقعت رکھتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر تکلیف اُٹھا کر قربانی کرتے ہیں۔

دوم۔ دوسری تجویز جس پر احباب کا اتفاق تھا کہ بیرونی مشنوں کے خرچ کے لئے ہر دوست اپنی دس یوم کی آمد دے۔ یہ انجمنوں کے سیکرٹری اور پریذیڈنٹ صاحبان کا فرض ہے کہ وہ اپنی انجمن کے اجلاس میں اس معاملہ کو پیش کر کے فوری طور پر اس کی وصولی کا انتظام کریں۔ ضرورتاً ادائیگی بالاقساط ہے، تو حرج نہیں۔

سوم۔ ان پر ایک تیسری تجویز میں اب اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ۔ایک کارخانہ کے مالک شیخ میاں محمد صاحب نے ایک مشن کا خرچ اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ خدا کے فضل سے ان کی طرح اور بھی متمول کارخانہ دار ہیں۔ اور اس وقت کئی جگہ سے مانگ آرہی ہے۔ مثلاً ایک مانگ ہانگ کانگ میں ایک مشن قائم کرنے کی ہے۔ جہاں سے بالآخر چین میں تبلیغ کا راستہ کھل سکے گا۔ اس کا خرچ سردست تین چار سو روپیہ ماہوار سے زیادہ نہیں ہوگا۔ ایک مشن کے لئے استنبول سے ایک مدت سے درخواست آئی ہوئی ہے۔ اور یہ بھی بڑا اہم مرکز ہے۔ اس کا خرچ پانچ چھ سو روپیہ ماہوار تک ہوگا۔ ایک مشن کے لئے مصر سے خط و کتابت ہو رہی ہیں۔ اور یہ ایک رنگ میں ساری اسلامی دنیا میں تبلیغ کا مرکز ہوگا۔ اس کا خرچ بھی یہی پانچ چھ سو روپے ماہوار ہوگا۔ کیا کوئی کارکانہ دار بزرگ صاحب ہمت ایسے ہیں، جو ان میں سے ایک ایک مشن کے خرچ کو اپنے ذمہ لے لیں۔ یا دو دو جمع ہو کر ایک مشن کے خرچ کو اپنے ذمہ لے لیں۔ کم سے کم میری استدعا یہ ہے کہ ہر ایک کارخانہ دار پر اس کے حسب حیثیت ایک رقم بیرونی مشنوں کے اخراجات کے لئے ہونی چاہئے۔

چہارم۔ ایک چوتھی تجویز، جس کو بعض احباب نے ذرا مشکل سمجھا۔ مگر یہ مشکل اسی لئے ہے کہ ہم نے اس کام کو چھوڑ دیا ہے، وہ یہ ہے کہ بیرونی مشنوں کے لئے ہم دوسرے مسلمان بھائیوں سے اپیل کریں۔ اس میں دونوں فائدے ہیں۔ دوسرے لوگوں کو ہم سلسلہ کی خدمات سے بھی واقف کرا سکتے ہیں اور انہیں ثواب میں بھی شامل کر سکتے ہیں۔ اور ایک غرض تو ضرور حاصل ہو جائے گی۔ یعنی اگر کوئی شامل نہ بھی ہوگا تو اس جماعت کی خدمات سے وہ آگاہ تو ضرور ہو جائے گا۔

میں اس بارہ میں ایک اور امر کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ خدا کی نصرت کام کرنے پر آتی ہے تو مومنوں کے قلب سے جب آواز نکلتی ہے مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ (214:2) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مدد

آئی ہی چاہتی ہے اَلَآ اِنَّ نُصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ (214:2) مگر دل سے مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ (214:2) کی آواز اسی وقت نکلتی ہے جب ہم اس کی مدد کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ زبان کی مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ تم نَصۡرُ اللّٰهِ کی تلاش میں لگ جاؤ۔ وہ فوراً آ جاتی ہے۔ کیا خواجہ کمال الدین مرحوم کو خدا کی مدد اسی طرح نہیں ملی تھی۔ کیا ہم لوگ جب نکلتے تھے تو ہمیں خدا کی مدد اسی طرح نہ ملتی تھی؟ کیا برلن مسجد کے بنانے میں خدا کی مدد اس طرح نہیں ملی۔ اور میں نے تو اب نیا تجربہ بھی کیا اسی سال کیا، جب لوگ کہتے ہیں کہ پہلے لوگ دین کے کاموں کی طرف رجوع کرتے تھے اب نہیں کرتے۔ ایک سال کے اندر اندر ایک لاکھ روپیہ آ گیا۔ بات یہ ہے کہ ہم نے خود نَصۡرُ اللّٰهِ کی تلاش چھوڑی ہوئی ہے۔ نکلو! ایک دو نہیں سینکڑوں کی تعداد میں نکلو۔ ایک سال دو سال تجربہ کر کے دیکھ لو۔ پھر تمہیں یہ کہنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی کہ فلاں مشن بند کر دو۔ بلکہ تم خود کہو گے کہ فلاں فلاں جگہ اور مشن جاری کرو۔ آپ نے ابھی ایک خاتون کا خط سنا ہو گا جس نے حرکت کی تو ایک سو روپیہ برلن مسجد اور ووکنگ کے لئے جمع کر لیا۔

آخری دو باتیں: میں ایک دو باتیں اور بھی آخر پر کہنا چاہتا ہوں۔ تم میں سے ہر ایک شخص کو چاہئے کہ وہ کوشش کر کے کم سے کم ایک آدمی سلسلہ میں شامل کرے۔ اور آخری بات یہ کہ تم قرآن کا جہاد کرنے والی جماعت ہو۔ تمہارا کوئی گھر نہ ہو، جہاں قرآن کی تلاوت نہ ہوتی ہو۔ خود بھی قرآن کریم کو بار بار پڑھو اور اپنے بچوں کو بھی پڑھاؤ۔ وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

❁❁❁

7 مارچ 1951ء

مکتوب امیر

ہماری خدمات اسلام کا اثر عالم اسلام میں

مندوبین مؤتمر عالم اسلامی سے میری ملاقاتیں اور ان کے تاثرات

برادران محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میرا خیال تو یہ تھا کہ میں آپ کو اس خط میں بعض ان اُمور کی طرف توجہ دلاؤں گا جن کا وعدہ میں نے پچھلے خط میں کیا تھا۔ مگر یہ پچھلا ہفتہ میرے لئے خاص مصروفیات کا گزرا ہے۔ جس میں بہت سے باہر کے ممالک سے آئے ہوئے موتمر عالم اسلامی کے ڈیلیگیٹوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان ملاقاتوں کا اور ایک خط کا میری طبیعت پر ایک خاص اثر ہے۔ اور میرا دل چاہتا ہے کہ میرے احباب بھی اس میں میرے شریک ہوں۔ جب میں اپنی بے بساعتی کو دیکھتا ہوں اور بعض دوستوں کی بے توجہی کو بلکہ بعض وقت سوچتا ہوں کہ میری اور میرے ساتھ والوں کی حالت تو اس کی مصداق ہے جو کسی نے کہا ہے ؎

شنیدم کہ مردانِ راہ خدا دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادوستانت خلاف است و جنگ

زمانہ کی ہوا نے ہمیں آپس میں اُلجھا دیا ہے۔ مسلمان ہمارے بھائی تھے۔ اور ہم اسلام کی خدمت کر کے شاید یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ ہمیں سر پر اُٹھا لیں گے۔ مگر وہ ہماری بربادی کے درپے ہیں۔ ایسے ایسے بزرگ بھی مسلمانوں کے اندر موجود ہیں کہ ہم نے یورپ کے عین وسط میں کفرستان کے مرکز میں برلن میں مسجد بنوائی تو انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس مسجد کو گرا دیں۔ شاید ان کے دلوں کو بھی کچھ خوشی ہوئی ہوگی جب پچھلی جنگ میں ہماری مسجد کو بھی جنگ کا اڈہ بن جانے کی وجہ سے سخت نقصان پہنچا۔ خدا نے ان کو بھی خوش کر دیا۔ اس سے زیادہ قریب دوستوں کی ہم کیا شکایت کریں جن کی دن رات کی آرزو یہ رہی کہ یہ جو چھوٹی سی ایک جماعت حضرت مسیح موعود کی صحیح تعلیم کو لے کر کھڑی ہوئی ہے اور تبلیغ اسلام کا کام عین اس راہ پر چل کر کر رہی ہے جس کی آرزو امام زمان کے

سینے میں تھی، وہ تتر بتر ہو جائے۔ اور انہوں نے اس کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ اور اس سے بھی قریب تر احباب کے دلوں میں صفائی نہیں اور ان کے بعض افعال سے کام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ کچھ نہ کچھ نقص ہم میں ضرور ہوگا جو اس کام کو آگے چلانے کے ذمہ دار ہیں اور جس کی وجہ سے یہ مخالفتیں اتنی لمبی ہوگئی ہیں۔ اور ان تاریکیوں کے اندر وہی آواز دل سے اُٹھتی ہے جو حضرت ذوالنونؑ کے دل سے اُٹھی فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ (87:21) وہ تاریکیوں اور مشکلات کے اندر خدا کے آگے گرے اور پکار اُٹھے کہ دنیا کا حقیقی محبوب اور مطلوب تو تُو ہی ہے اور تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ تو ناانصافی نہیں کرتا۔ نقص میرے اندر ہی ہے۔ میری ہی کوشش میں کمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات ہم پر بے حساب ہیں۔ مگر ہم اس کے ان نشانوں پر بھی اسی طرح گزر جاتے ہیں جس طرح دوسرے گزر جاتے ہیں۔ وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (105:12) نشان آسمان سے بھی ظاہر ہو رہے ہیں اور زمین سے بھی۔ مگر ہمارے دل ابھی نرم نہیں ہوئے۔ خود ہم میں بہت سے ہیں جن کے دل ابھی اللہ تعالیٰ کے احسانات کے بوجھ کے باوجود نہیں جھکتے۔

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا۔ ترکی وفد کی نظر میں ہمارا کام: ترکی وفد کے رئیس عمر رضا ودعزول بھی میری ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ اور میں نے ان کی زبان سے یہ لفظ سُنے کہ اگر مسلمانوں کو اس وقت کوئی چیز صحیح راستے پر قائم رکھ سکتی ہے تو وہ قرآن اور اسلام کی وہ تعبیر ہے جو اس چھوٹی سی جماعت کے ذریعہ سے پھیلی۔ پرانے ملاازم نے، جو اسلام کی شکل بنا رکھی ہے، وہ اسلام سے محبت پیدا کرنے والی نہیں۔ ان کو میں نے اس بارے میں بے حد متفکر پایا کہ کسی طرح اس لٹریچر کا ترجمہ ترکی زبان میں ہو جائے۔ وہ ترکی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں۔ اور ترکیہ پاکستان ایسوسی ایشن کے صدر ہیں۔ اور ترکی میں اوپر کے طبقہ میں بھی خدا کے فضل سے ایک بڑی جماعت پیدا ہوگئی ہے جو مذہب کی طرف راغب ہے۔

سیلونی وفد کے خیالات: سیلون کے وفد موتمر عالم اسلامی کے چار ممبروں سے میری ملاقات ہوئی۔ جس میں ZAHRA کالج کے پرنسپل صاحب بھی تھے۔ اور سفیر سیلون متعیّنہ پاکستان کے والد بزرگوار بھی

تھے۔ جو شاید میرے ہم عمر ہوں گے۔ انہوں نے کسی نہ کسی طرح میری اس دور افتادہ رہائش کی جگہ کو بھی تلاش کرلیا۔ اور اس خدمت پر، جو اس چھوٹی سی جماعت کی طرف سے ہو رہی ہے، بے حد خوشی کا اور ممنونیت کا اظہار کیا اور یہ بتایا کہ سیلون کے مسلمانوں کا تعلیمیافتہ طبقہ کس طرح ان خیالات کی قدر کرتا ہے جو اس جماعت نے اسلام کی صحیح تعلیم کے متعلق دنیا میں پھیلائے ہیں۔ اور کس طرح وہ اس انتظار میں ہیں کہ ہمارا تامل ترجمہ قرآن شریف جلد از جلد طبع ہو۔ کیونکہ سیلون کے مسلمانوں کی زبان بھی تامل ہے۔ اور مجھے کس قدر افسوس ہوا کہ ہم نے دو سال سے کس طرح اس مکمل ترجمہ کو لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچانے میں تساہل یا تغافل سے کام لیا ہے۔

سیامی دوست کی قابل رشک خدماتِ اسلام: سیام کے موتمر اسلامی کے ڈیلیگیٹ مسٹر ابراہیم قریشی سے تو دو دفعہ میری ملاقات ہو چکی ہے۔ اور میرے دل کو انتہاء درجہ کا سرور پہنچا۔ جو ایک حد تک میرے دل کی بیماری کی دوا بھی بن گیا۔ جب انہوں نے سیامی زبان میں بہت چھوٹی چھوٹی نہایت خوبصورت چھپی ہوئی کتابیں بھی دکھائیں جو ہماری کتب کا ترجمہ ہیں۔ اور ایک نہایت خوبصورت چھپا ہوا رسالہ بھی دکھایا الھدیٰ نام جو ماہوار سیامی زبان میں نکلتا ہے۔ اور اس سب پر ان کا یہ عزم، کہ وہ سیامی زبان میں قرآن شریف کے ترجمہ کے کام پر بھی لگے ہوئے ہیں، اور وہ اس میں لغت تو 'بیان القرآن' سے لیں گے، جہاں یہ تفصیل سے موجود ہے، اور تفسیری حواشی انگریزی ترجمہ سے لیں گے۔ تا کہ کتاب بہت بڑی نہ ہو جائے۔ اور میرے تعجب کی کوئی انتہاء نہ رہی جب یہ معلوم ہوا کہ یہ اتنا بڑا کام کرنے والے جماعت کے صرف تین چار ممبر ہیں۔ جن میں ڈاکٹر عبدالوہاب اور خود مسٹر ابراہیم قریشی اور ہمارے جاوی دوست عرفان ہیں۔ اس کام کو دیکھ کر اور پھر ان کے عزم اور ارادوں کو دیکھ کر میں ان کی ہمت پر عش عش کر اُٹھا۔

مجھے ان لوگوں کی ہمت پر رشک آیا کہ ہماری بعض جماعتیں جہاں تین نہیں، سوسو، ڈیڑھ ڈیڑھ سو دوست ہوں گے، ان کے کام کو ان سیامی دوستوں کے کام سے کوئی نسبت نہیں۔ اور سید اسد اللہ شاہ صاحب، جو اس وقت اتفاق سے موجود تھے، وہ کہنے لگے مجھے تو ابراہیم قریشی اور ان کے دوستوں کے کام پر اس قدر رشک ہے کہ میں شرمندگی کے مارے یہاں بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ ان کے ماہوار رسالہ کی اشاعت دو ہزار ہے۔ اس لئے کہ سیام کے مسلمان دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے تعلیم کے لحاظ سے

بہت بلند ہیں اور نوے فیصد لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔

چینی زبان میں لٹریچر: سیام میں چینی زبان میں لٹریچر کے لئے ہمارا مرکز بن سکتا ہے۔ اگر چہ چینی زبان میں ترجمہ پر لگے ہوئے اس وقت ہمارے ایک چینی نوجوان دوست ہیں۔ جو مرکز میں آج کل تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ وہ عربی زبان بخوبی جانتے ہیں۔ اور مصر میں جو ہماری کتابوں کے عربی ترجمے چھپے ہیں، ان سے مدد لے رہے ہیں۔ کیونکہ انگریزی اور اردو وہ کم سمجھتے ہیں۔

الجیریا اور ماریشس کے نوجوان: انہی ایام میں مسٹر مراد کیوان سے بھی میری ملاقات ہوئی۔ یہ نوجوان الجیریا سے آئے ہیں۔ جہاں وہ فرانسیسی زبان میں ہمارا لٹریچر پہنچا رہے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ایک بیرسٹر ہارون نام ماریشیس سے آئے ہوئے تھے۔ مراد کیوان صاحب اس کام پر مطمئن نہیں جو انہوں نے اس وقت تک کیا ہے۔ اگر چہ وہ اچھا خاصا کام کر چکے ہیں۔ بلکہ وہ جلد سے جلد ترجمہ قرآن کریم کو فرانسیسی زبان میں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہارون صاحب نے بھی اس بات کی تائید کی کہ فرانسیسی زبان میں اس لٹریچر کا جلد سے جلد منتقل ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ شمالی افریقہ میں بہت فرانسیسی آبادیاں ہیں۔

ایک مصری انگریز نومسلم (میجر بیٹرس بے): ان ہی ملاقاتوں کے دوران ایک مصری انگریز نومسلم سے ملاقات ہوئی جو مصر میں ایک عرصہ سے ہمارا کام آنریری طور پر کر رہے تھے۔ ان سے بھی یہ معلوم ہوا کہ ابھی ہمارے لٹریچر کو عربی زبان میں پہنچانے کی کسی قدر ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہی ایام میں ایک خط قاہرہ سے پہنچا جو وو کنگ سے ہوتا ہوا یہاں تک آیا ہے۔ اس خط کے لکھنے والے ایک معزز عہدیدار مصری مسلمان ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ان کے پاس کتاب ''ریلجن آف اسلام'' پہنچی۔ انہوں نے اسے پڑھا تو انہیں بے حد خوشی ہوئی کہ اسلام پر ایسی روشنی ڈالنے والا لٹریچر بھی موجود ہے۔ اور ان کے دوستوں نے بھی اسے پڑھا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہی اسلام کی صحیح تصویر ہے جسے دنیا میں پہنچانے کی ضرورت ہے۔ اور اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ عربی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ کیا جائے۔ اور اسی اجازت کے لئے یہ ان کا خط تھا۔

مسلمان بھائیوں کو دعوت: اب میں اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ یہ وہ علم ہے جس کی اس وقت دنیا کو ضرورت ہے۔ اور جو حضرت امام زمان کے قدموں میں بیٹھ کر ہم کو ملا۔ مسلمانوں

میں بھی اس کے لئے پیاس موجود ہے۔ اور غیر مسلم بھی اسلام کی اس تصویر کو دیکھ کر نور قرآن اور حُسن اسلام کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مسلمان بھائی اس علم کی طرف آئیں۔ وہ اس علم سے فائدہ اُٹھا کر اور اسے ترقی دے کر قرآن اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ساری دنیا کو روشن کر سکتے ہیں۔ الحمدللہ کہ آج ہر جگہ یہ خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ اسلام کو دنیا تک پہنچایا جائے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ کام اب بہت تھوڑی سی کوشش سے ہو سکتا ہے۔ سامان موجود ہے۔ اسے دنیا میں پہنچانے کی ضرورت ہے۔ ہاں، یہ بھی سچ ہے کہ ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے جو اسے اور ترقی دیں۔ مگر یہ سعادت انہی کو ملے گی جو امام زمان سے تعلق قائم کریں۔ ان کے سینے قرآن اور اسلام کے نور سے روشن ہو جائیں گے۔ اور انہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حسن نظر آئے گا جس کی وجہ سے ان کے دل آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کے لئے بے اختیار ہو جائیں گے۔

قادیانی احباب سے اپیل: میں قادیانی جماعت کے احباب سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ انہوں نے مدعی نبوت پر لعنت بھیجنے والے کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کر کے اسلام پر بھی ظلم کیا ہے، امام وقت پر بھی ظلم کیا ہے اور خود اپنے آپ پر بھی ظلم کر رہے ہیں۔ جو شخص بار بار اعلان کرے کہ میں نے لفظ نبوت محض مجاز اور استعارہ کے رنگ میں استعمال کیا ہے اور میرا دعوٰی نبوت کا نہیں بلکہ محدثیت کا ہے، اس کی طرف دعوٰی نبوت منسوب کرنا غلو کی انتہاء ہے۔ اور یہ دعوٰی آپ کی طرف منسوب کر کے وہ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں اور لوگوں کو اس سرچشمہ ہدایت کی طرف آنے سے روک رہے ہیں جو تجدید کے رنگ میں جاری کیا گیا تھا۔ دوسرے لوگ اگر مجدد کو بُرا کہہ رہے ہیں تو اس کی ذمہ داری آج قادیانی جماعت پر ہی زیادہ ہے۔ اور پھر وہ یہ بھی سوچ لیں کہ آج تک انہوں نے کس قدر حضرت مسیح موعود کی آرزو کو پورا کیا کہ اسلام پر اچھی اچھی کتابیں لکھی جائیں اور علم کی پیاسی دنیا میں انہیں پہنچایا جائے؟! مشن قائم کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا جب تک کہ علمی رنگ میں دنیا کی پیاس کو نہ بجھایا جائے۔

اپنی جماعت سے خطاب: آخر میں اپنی جماعت کے ان لوگوں کو بھی کہتا ہوں جنہوں نے قربانیوں میں کمزوری دکھائی ہے کہ کام کے نتائج تو اسی قدر اچھے ہوں گے جس قدر قربانیاں ہوں گی۔ ان کا قدم قربانی میں بہت کمزور ہے۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ان کی تھوڑی قربانیوں پر اس قدر اعلیٰ درجہ

کے ثمرات عطا فرمائے ہیں۔ وہ سو دفعہ کوئی عذر اور اعتراض ادھر سے لائیں یا ادھر سے لائیں۔ یہ سب قربانی کی روح کے منافی باتیں ہیں۔ نقص اس کام میں بھی ہیں۔ اور جہاں کہیں بھی کام ہوگا وہاں نقص بھی ہوں گے۔ مگر جو اچھا کام ہوا ہے اس کی نظیر کسی اور قوم میں دکھاؤ۔ اگر جماعت کے دل اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کے باوجود بھی نہ جھکیں اور انہوں نے قربانیوں میں اپنا قدم تیز نہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے کسی اور قوم کو کھڑا کر دے گا۔ اس کا وعدہ ہے کہ قرآن کے نور سے دنیا روشن ہو جائے گی۔ اس کا وعدہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ساری قوموں کے لئے رحمت بن کر رہے گا۔ اس کا وعدہ ہے کہ اسلام ساری دنیا پر غالب آجائے گا۔ اور آخری تسلط دلوں پر قرآن مجید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہوگا۔ یہ سب وعدے پورے ہو کر رہیں گے۔ یہ نسل انسانی پھر اسی روحانی رزق سے بچ سکتی ہے جس سے پہلے بچی۔ دنیا کی کوئی اور تدبیریں اسے ہلاکت سے نہیں بچا سکتیں۔ میرے دوستو! نظر اُٹھا کر دیکھو اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (41:13) کیا تم نہیں دیکھتے کہ کس طرح خدا کا نور خود بخود دنیا میں پھیلنا شروع ہو گیا ہے۔ خدا کے فضل سے میرے قلب میں ابھی قوت موجود ہے۔ گو میرے ہاتھ بھی اب کام میں کمزور ہو گئے ہیں۔ اور میرا دل بھی کمزور ہو گیا ہے، مگر تم اسے اپنی بے توجہی سے، اپنی لاپرواہی سے اور اپنی غفلت سے اور کمزور نہ کرو۔ اور تھوڑی سی مدد کر کے دیکھ لو کہ اس سے تمہارا اپنا ذکر دنیا میں بلند ہو جائے گا۔ تم خدا کے ذکر کو دنیا میں بلند کرو۔ خدا تمہارے ذکر کو دنیا میں بلند کر دے گا۔ مگر اسے غافلوں اور دین کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کی ضرورت نہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ دین کے کام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور یہاں آکر لوگ وعدے کر کے بھی چلے جاتے ہیں اور ان وعدوں کو پورا نہیں کرتے۔ کئی احباب کے وعدوں پر پانچ پانچ چھ چھ سال بھی گزر گئے اور ابھی جلسہ سالانہ پر میں نے اپنی مصیبت کا ذکر کیا تو بہت دوستوں نے میری ہمت بندھائی۔ مگر دو ماہ گزر گئے ابھی وہ وعدے بھی پورے نہیں ہوئے۔ اپنے آپ پر بھی رحم کرو اور اپنے کارکنوں کی حالت پر بھی رحم کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنے فضلوں کے دروازے کھول دے گا۔ والسلام۔

خاکسار محمد علی

2 مارچ 1951ء

11 مارچ 1951ء

قرآن ہی ہماری طاقت کا سرچشمہ ہے

حضرت امیر ایّدہ اللہ کا پیغام طلباء ادارہ تعلیم القرآن کے نام

حضرت امیر ایّدہ اللہ کا مندرجہ ذیل پیغام ادارہ تعلیم القرآن کے سالانہ اجلاس میں 25 فروری کو پڑھا گیا

میرے محترم بھائیو اور نوجوان دوستو۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ادارہ تعلیم القرآن کی تحریک 1945ء میں شروع ہوئی تھی۔ مگر جنگ کے بعد گرانی کے بڑھتے جانے کی وجہ سے اس کے لئے عمارت کا بنوانا ملتوی ہوتا چلا گیا اور اس لئے اصل تجویز بھی معرض التواء میں پڑی رہی۔ لیکن سال گذشتہ اس کی ایک نہایت ہی مختصر سی بنیاد موجودہ صورت میں رکھ دی گئی۔ مجھے اُمید ہے کہ اسی مختصر بنیاد پر خدا نے چاہا تو ایک دن ایک عظیم الشان عمارت نظر آئے گی۔ مگر اس کا انحصار بہت حد تک ان کوششوں پر ہے جو یہاں کے طلباء یا ادارہ کے منتظمین اس کام کی ترقی کے لئے کریں۔

اس تحریک کی اصل غرض یہ تھی کہ اول نئی تعلیم یافتہ پود میں قرآن کریم کا علم حاصل کرنے کا شوق پیدا کیا جائے۔ اور دوسرے مستعد طبائع کو اس کام کے لئے تیار کیا جائے کہ وہ قرآن حکیم کے متعلق ریسرچ کے کام میں لگ جائیں۔ اور تیسرے قرآن کریم کے علوم کو دنیا کی مختلف زبانوں میں پھیلانے کے لئے ایک مستقل بنیاد رکھی جائے۔ اس وقت جو بنیاد رکھی ہے وہ ابھی غرض اول کے حصول کے لئے یعنی نوجوانوں میں تعلیم قرآن کے حصول کا شوق پیدا کرنے کے لئے پہلا اور شاید ایک کمزور سا قدم ہے۔

قرآن کامیابی کا موجب ہے: ہم قرآن کے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اُٹھے ہیں۔ اور میں آپ کو سب سے پہلے یہ خوشخبری سنانا چاہا ہوں کہ قرآن کا پیغام لے کر کوئی شخص دنیا میں نہیں اُٹھا جسے اللہ تعالیٰ نے کامیاب نہ کیا ہو۔ اور یہ شاید اس عظیم الشان بشارت کا ہی ایک رنگ ہے جو خود مہبط وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے دی تھی مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى (2:20) قرآن کریم جس قلب مطہر پر پہلے نازل ہوا اس کی کامیابی کو سخت ترین دشمنوں نے تسلیم کیا ہے۔ اور اس بات کا صاف

الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب انسان ہیں۔ مسلمان بھی جب تک اس کے حامل رہے اور یہ ان کا رہنما رہا ان کا قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ دنیا کی سب سے بڑی کامیاب قوم ہے۔

زمانہ انحطاط کی خصوصیت: ہمارے اس زمانہ کی، جو مسلمانوں کے انحطاط کا زمانہ ہے، سب سے نمایاں خصوصیت یہی نظر آتی ہے کہ ہماری نظریں قرآن حکیم کی طرف، جو ہماری کامیابیوں کا اور ہماری طاقت کا اصل سرچشمہ تھا، نہیں اُٹھتیں۔ مسلمانوں کی بڑی بڑی درسگاہیں بنی ہوئی تھیں اور ان میں بڑے بڑے علوم سکھائے جاتے تھے۔ لیکن جو چیز نہ سکھائی جاتی تھی وہ قرآن تھا۔ آج سے شاید کوئی تیس سال پیشتر کا ایک واقعہ سناتا ہوں کہ ایک تقریر تھی جس میں میں نے اس بات پر زور دیا کہ ایک مسلمان کے لئے قرآن سب سے مقدم ہے۔ اس کے بعد حدیث نبویؐ ہے۔ اور اس کے بعد فقہ۔ تو تقریر کے خاتمہ پر ایک بزرگ نے فرمایا کہ آپ نے ہماری فقہ کو تھرڈ کلاس بنا دیا۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ آپ نے ہمارے قرآن کو تھرڈ کلاس بنا رکھا ہے۔ اور اسی سے ہماری قوم تھرڈ کلاس ہو گئی ہے۔ جب تک ہم نے قرآن کو مقدم رکھا، ہم دنیا کے پیشرو رہے۔ آج پھر قرآن کو مقدم کرلیں تو پھر دنیا کے رہنما بن سکتے ہیں!

مجدد وقت کا عظیم الشان کارنامہ: آج مسلمان قوم کا قدم پھر آگے بڑھنا شروع ہوا ہے تو اسی لئے ہوا ہے کہ آج ان کی توجہ پھر اس طرف ہوئی ہے کہ قرآن کریم کو مقدم کیا جائے۔ یہ پیغام اس زمانہ میں سب سے پہلے اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے دیا۔ آج سے ساٹھ سال پہلے جب آپ یہ پیغام لے کر اُٹھے کہ قرآن سب پر مقدم ہے تو مسلمان عام طور پر اس خیال کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور ان کے خیال کی بنیاد یہ تھی کہ قرآن اور حدیث کو ہمارے بزرگ ہم سے بہتر سمجھتے تھے۔ اس لئے جو کچھ انہوں نے قرآن اور حدیث کا مطلب سمجھا ہم اس سے انحراف نہیں کرسکتے۔ ان کی توجہ اس طرف نہ گئی کہ قرآن کریم ایک نور ہے۔ اور یہ ہر زمانہ کے لوگوں کو ایک نئی روشنی

دیتا ہے۔ اس صدی کے مجدد کا اگر کوئی اور کارنامہ نہ بھی ہوتا تو یہی انقلاب کوئی چھوٹا انقلاب نہیں جو آپ کی بدولت اس ملک میں پیدا ہو چکا ہے کہ مقدم فقہ نہیں بلکہ قرآن ہے اور وہ حدیث پر بھی مقدم ہے۔ اور آہستہ آہستہ یہی خیال دوسرے ممالک میں بھی پھیل رہا ہے۔ اور آپ کی کامیابی اس سے ظاہر ہے کہ آج مملکت خداداد پاکستان کے آئین کی بنیاد جب رکھی جاتی ہے تو اس میں قرآن کو ہی سب پر مقدم کیا جاتا ہے۔ ورنہ ہمارے اس ملک میں، کیا مسلمان اور کیا ہمارے غیر مسلم حکام، فقہ کو ہی اصل بنیاد دین اسلام سمجھتے تھے!

قرآن کو علوم جدیدہ کی روشنی میں پڑھا جائے: آج ضرورت ہے کہ قرآن حکیم کو اس زمانہ کے واقعات اور اس زمانہ کے علوم کی روشنی میں پڑھا جائے۔ اور اپنی مشکلات میں ہم قرآن پاک سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس وقت اس ملک کے مسلمان ایک عجیب کشمکش میں ہیں۔ بنیادی طور پر تو یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ ہمارے آئین کی بنیاد قرآن شریف اور اس کے بعد سنت نبویؐ پر ہے۔ مگر اس کی تفصیلات طے کرنے کے لئے وہ لوگ بکار ہیں جو قرآن کو ان واقعات اور ان علوم کی روشنی میں پڑھیں اور اس سرچشمہ سے سیراب ہوں۔ مگر ہمارے علماء اور ان کے تتبع میں عوام الناس کے ذہن میں جو تفصیلات ہیں، وہ وہی ہیں جو آج سے صدیوں پیشتر کی فقہ پر مبنی ہیں۔ اگر واقعی اسی فقہ کو اصل قانون ٹھہرایا جائے تو یہ عمارت اس بنیاد پر نہ ہوگی جو آئین بناتے وقت رکھی گئی ہے۔

قرآن ہماری طاقت کا سرچشمہ ہے: اس موقعہ پر میں اپنے نوجوان دوستوں کو، جنہوں نے اس ادارہ میں پہلا قدم رکھا ہے، ایک نصیحت بھی کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم، جیسا کہ تاریخ اس پر شاہد ہے، وہ کتاب ہے جس نے دنیا میں ایک ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا جس کی دوسری نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ آج بھی دنیا میں وہی انقلاب پیدا کر سکتی ہے جو اس نے پہلے پیدا کر کے دکھایا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو قوم ایک دفعہ اوج پر پہنچ کر گر جائے وہ دوبارہ نہیں اُٹھتی، وہ واقعات کو جھٹلا رہے ہیں۔ مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمان قوموں میں ایک احساس بیداری پیدا ہو رہا ہے۔ انڈونیشیا اور چین سے لے کر مغرب کی طرف مراقش کی طرف چلے جاؤ۔ ہر مسلمان قوم کے

اندر ایک نئی زندگی کی لہر دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔اور وہ بیداری اور زندگی کسی مادی خیال پر مبنی نہیں بلکہ اس زبردست روحانی خیال پر مبنی ہے کہ قرآن ہماری طاقت کا سرچشمہ ہے۔ اور وہ امن و صلح، جس کے بغیر تہذیب انسانی اب زندہ نہیں رہ سکتی، صرف پیغام قرآن ہی دنیا میں قائم کرسکتا ہے۔ ہر ملک کے مسلمانوں کی زبان سے آج یہی الفاظ مختلف رنگوں میں مؤتمر عالم اسلامی میں دوہرائے گئے ہیں۔اس سے بڑھ کر یہ کہ آج واقعات کو گہری نگاہ سے دیکھنے والے غیر مسلم بھی قرآن کی عظمت کے سامنے سر جھکا رہے ہیں۔ یہ ایک ہوا ہے جو خدا کی طرف سے چل گئی ہے اور اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کرسکتی۔

قرآن کو کس طرح پڑھا جائے: میں اپنے نوجوان دوستوں کو یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اگر واقعی قرآن سے زندگی حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس کے ذریعہ سے اپنے اندر بھی ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو اس کو اس طرح پڑھیں جو اس کے پڑھنے کا حق ہے۔ثواب کی خاطر سب مسلمان قرآن کو پڑھتے ہیں مگر آپ لوگ اس سے قوت حاصل کرنے کے لئے قرآن کو پڑھیں۔ اور انسان کے اندر قوت پیدا کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان ہے۔ جو قرآن کریم کے ایک ایک جملہ اور ایک ایک لفظ میں بھرا ہوا ہے۔آپ کے لئے استاد بھی ہوں گے جو آپ کو قرآن کریم کا مفہوم سمجھائیں گے۔مگر آپ تنہائی میں بھی ضرور اس کا ایک حصہ پڑھیں۔ترجمہ کو ساتھ رکھ کر پڑھیں اور اس طرح پڑھیں کہ گویا آپ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر اس کے ارشادات کو سن رہے ہیں۔ گویا قرآن کریم اس وقت آپ کے قلب پر اُتر رہا ہے۔ جب تک یہ آپ کے دل پر نہ اُترے آپ کے دل میں داخل بھی نہیں ہوسکتا۔اور جب تک خود آپ کے دل اس کی لَو سے روشن نہ ہوں آپ اس کی روشنی کو دنیا میں پھیلا نہیں سکتے۔اس کی روشنی تو دنیا میں پھیل کر رہے گی۔ کیونکہ خدا کا وعدہ ہے۔مگر خوش قسمت وہ لوگ ہوں گے جن کے ذریعہ سے یہ نور دنیا میں پھیلے۔اس لئے آپ یہ کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان لوگوں میں سے بنائے۔یہی وہ دعا ہے جو روزانہ کی نماز میں ہمیں سکھائی گئی ہے۔

12 مارچ 1951ء

جماعت احمدیہ زندہ ہے اور زندہ رہے گی

دو مشکل کام جو تبلیغ اسلام کے لئے ضروری ہیں

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کا مکتوب گرامی

برادران محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں دو مشکل کاموں کی طرف آپ کو بلا رہا ہوں۔ اور اگر میں اپنی مشکلات کو دیکھوں تو شاید ہمت ہار دوں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ یہ میرا کام نہیں، خدا کا کام ہے۔ اور اس کی طرف بلانے والا اس زمانہ کا امام اور اس صدی کا مجدد ایک مامور من اللہ ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ایک جماعت کو بنایا ہے اور ایک خاص مقصد کے لئے بنایا ہے۔ اس لئے ایک طرف میرا یہ ایمان ہے کہ یہ جماعت ناکام نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ خدائی منشاء کے ماتحت کھڑی ہوئی ہے، اور دوسری طرف اس کی کامیابی کے آثار بھی بین ہیں۔

اگر مشکلات ہیں تو دنیا کا وہ کونسا کام ہے جو مشکلات سے خالی ہے؟! دنیا کو چھوڑو۔ کیا دین کے کاموں میں مشکلات پیش نہیں آتی رہیں؟! کیا ہماری آنکھوں کے سامنے وقت کے امام اور صدی کے مجدد کا راستہ مشکلات سے خالی تھا؟ یا کسی بڑے امام کا، جو اس اُمت میں گزرا ہو، راستہ مشکلات سے خالی نظر آتا ہے؟ مگر کامیابی کے آثار بھی ہماری آنکھیں کبھی دیکھتی ہیں یا نہیں؟ جو لوگ غور وفکر سے کام نہیں لیتے وہ ذرا سی مشکل کو دیکھتے ہیں تو گھبرا اُٹھتے ہیں کہ بس ہم مر گئے!

مامور من اللہ کے بعد جماعت کی زندگی: اگر ہم نے مرنا ہوتا تو، مامور من اللہ پر جب تقاضاء قدر کے ماتحت موت آئی تھی یہ جماعت مر جاتی۔ ساری دنیا اس کی مخالف تھی۔ ایک خدا کی آواز تھی اور اس کا مقناطیسی اثر تھا جو اس کے سہارے کا موجب تھا۔ وہ بھی جاتا رہا مگر اسے خدا نے زندہ رکھا!

مولٰینا نور الدینؒ کے زمانہ کی مشکلات: پھر جب حضرت مولوی نور الدینؒ کے زمانہ میں جماعت

کے اندر ایک سخت اختلاف پیدا کیا گیا اور پہلے خلیفہ اور انجمن کے تعلقات کو چھیڑ کر، پھر کفر و اسلام کے مسئلہ پر جماعت کے دو گروہ بن گئے، اس وقت یہ جماعت مر جاتی۔ مگر ان مشکلات پر بھی غالب آئی۔

جماعت لاہور کا قیام مشکلات میں: پھر تیسری مرتبہ جماعت کا کثیر حصہ غلو کی رو میں بہہ گیا۔ اور گنتی کے آدمیوں نے الگ ہو کر لاہور میں ایک مرکز قائم کیا۔ تا کہ حضرت مسیح موعود کی صحیح تعلیم کو محفوظ رکھا جا سکے کہ آپ کا دعویٰ نبوت کا نہیں بلکہ مجددیت کا ہے۔ اور کہ تمام کلمہ گو مسلمان ہیں۔ اور آپ کے اصل کام قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے کی طرف توجہ کی جا سکے۔ تو یہاں سوائے چند آدمیوں کے عزم کے کونسی چیز ہمارے پاس تھی؟ کیا کوئی مکانات اور دفاتر تھے؟ کوئی خزانہ تھا؟ کوئی مبلغ تھے؟ کوئی بہت بڑی آدمیوں کی تعداد تھی؟!

مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ہاتھ نے کس طرح تمام مشکلات کو دور کر دیا! اور اس چھوٹی سی جماعت کو كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ (249:2) کا مصداق بنایا۔ اور اپنے کام کے لحاظ سے اور دنیا کو نورِ اسلام سے روشن کرنے میں چھوٹا گروہ بڑے گروہ پر سبقت لے گیا۔ اور آج خدا کے فضل سے مکانات بھی ہیں، دفاتر بھی ہیں، خزانہ بھی ہے، زمینیں بھی ہیں، مبلغ بھی ہیں۔ جو دنیا کے کناروں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ جگہ جگہ تبلیغی مرکز بھی بنے ہوئے ہیں۔ لٹریچر ہے جو ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ تین ہائی سکول بھی بنے ہوئے ہیں۔

اگر خدائی ارادہ نہ ہوتا تو یہ جماعت ہی نہ بنتی۔ لیکن جس خدا نے اسے بنایا ہے وہ اسے زندہ بھی رکھے گا۔ بشرطیکہ ہم خود اس راستہ سے نہ پھر جائیں جس پر چل کر ہم بنے ہیں۔ رَبُّنَا اللّٰهُ (30:41) کہہ کر آپ بنے ہیں تو استقامت بھی دکھایئے۔ اور دیکھئے کہ خدا تعالیٰ اپنا وعدہ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (30:41) پورا کرتا ہے یا نہیں۔ لیکن اگر آپ اپنے وعدوں سے پھر جائیں تو خدا کا معاملہ بھی وہ نہیں رہے گا۔

میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس وقت ہمارے سامنے کوئی ایسی مشکلات ہیں جیسی وہ مشکلات تھیں جن کے اندر سے گزر کر ہم بنے ہیں؟ مشکلات بیشک ہیں۔ مگر یہ ان مشکلات کا پاسنگ بھی نہیں جن کے اندر سے ہم خود اپنی زندگی میں گزر چکے ہیں۔ پھر بعض لوگوں کی طرف سے آواز اُٹھتی ہے کہ ہم مر گئے

اور ہماری جماعت مرگئی۔ یہ کیوں ہے؟ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جماعت نہیں مری۔ اور خدا کا فضل اس کے شامل اسی طرح رہا اور اس کی قربانیاں اسی طرح قائم رہیں تو یہ نہیں مرے گی۔ ہاں، جن دلوں سے یہ آواز اُٹھتی ہے ان پر خود ایک قسم کی موت وارد ہو چکی ہو تو تعجب نہیں! جماعت خدا کے فضل سے زندہ ہے۔ اور ایک زبردست زندگی کے آثار اس کے اندر نظر آ رہے ہیں۔

1914ء اور آج: 1914ء میں ہم لاہور میں چند آدمی تھے۔ اور بیرونی جماعتوں میں یہی دس دس بیس بیس آدمی ہوں گے۔ آج خدا کے فضل سے یہ جماعت ساری دنیا پر پھیل چکی ہے اور اس کے کام سے دنیا کے تاریک ترین کونے روشن ہو چکے ہیں۔ اس کے اندر کمزور بھی ہیں۔ مگر اس کے اندر روحانیت کے بڑے بڑے روحانی پہلوان بھی ہیں۔ اس کے اندر نادھند بھی ہیں مگر اس کے اندر وہ بھی ہیں جو قربانیوں میں وہ نمونے پیش کر رہے ہیں جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے اندر نظر آتے ہیں۔ مالی لحاظ سے ہم پر بھی بڑی بڑی تکلیفوں کے زمانے آئے۔ آج سے دس بارہ سال پیشتر کے بجٹ کو نکال کر دیکھو۔ جب 1930ء سے 1940ء کے زمانے میں ہمارا قرضہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اگر مرنا ہوتا تو اس وقت قرضہ کے بوجھ کے نیچے دب کر مر جاتے۔ مگر نہیں، خدا نے ہم کو اس مصیبت سے بھی باہر نکالا۔ اس زمانہ میں جب ہمارا ماہوار چندہ، جو جماعت کا بنیادی چندہ ہے، بیس ہزار روپے سالانہ تک پہنچا تو ہم اس پر فخر کرتے تھے۔ آج جب وہ ماہوار چندہ ساٹھ اور ستر ہزار تک پہنچ گیا تو ہم کہتے ہیں کہ ہم مر گئے! ہماری جماعت میں کوئی زندگی نہیں رہی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری ہے! اُس وقت جب ہمارا بجٹ ڈیڑھ لاکھ دو لاکھ روپے تک آ گیا تو ہم خوش تھے کہ سات ہزار کی قلیل رقم سے شروع کر کے ہم دو لاکھ تک پہنچ گئے۔ آج جب ہمارا بجٹ نو لاکھ اور دس لاکھ تک پہنچ گیا ہے تو ہم رونے بیٹھ جاتے ہیں کہ ہم مر گئے! اور جماعت کو اس کام کے ساتھ دلچسپی نہیں رہی! یہ درست ہے کہ جماعت قلیل ہے۔ مگر قربانیوں کے لحاظ سے اس کا قدم پیچھے نہیں۔ سوائے چند لوگوں کے جو ایک غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

قادیانی جماعت کا نظام: قادیانی جماعت کے نظام کی مدح سرائی کرنے والے بھی لوگ ہیں۔ اور قادیانی جماعت تعداد کے لحاظ سے ہم سے بیس گنا ہے۔ مگر کیا ان کا ماہوار چندہ بھی ہم سے بیس گناہ ہے؟ یعنی اگر ہمارے ماہوار چندہ کی میزان ساٹھ ہزار روپے سے اوپر ہے تو قادیانی جماعت کے ماہوار

چندہ کی میزان بارہ لاکھ سے اوپر ہے؟ پھر اگر ہمارا بجٹ دس لاکھ ہے تو کیا ان کا بجٹ ہم سے بیس گنا یعنی 2 کروڑ ہے؟!

زندہ اور فعال جماعت: میں اپنے احباب کو متنبہ کرتا ہوں کہ اگر ان میں خود کوئی کمزوری ہے تو اس کے چھپانے کے لئے ایک زندہ اور فعال جماعت کو یہ کہہ کر بدنام کرنا چھوڑ دیں کہ جماعت مرگئی اور جماعت کے دلوں میں اس کام کے ساتھ محبت نہیں!

پھر کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ہم کام کچھ نہیں کررہے۔ ہمارا کام، جو ہمارے امام نے اپنے سامنے رکھا اور ہمارے سامنے بھی رکھا، وہ تو ایک ہی تھا۔ قرآن کریم کے علوم سے ایک پیاسی دنیا کی تشنگی کو بجھانا۔ سو وہ کام خدا کے فضل سے اس قدر نمایاں ہے کہ کسی دوسری جماعت کو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ بلکہ اگر آج کہیں ان علوم کی نہریں بہتی نظر آتی ہیں جن کو ایک مامور من اللہ نے بہایا تھا تو وہ اسی جماعت میں ہیں۔ کیا گزشتہ پانچ چھ سال کے اندر ہم نے تراجم قرآن فنڈ کی بنیاد نہیں رکھی؟ جس میں اس وقت بھی ایک لاکھ سے اوپر روپیہ ہے۔ کیا انہی ایام میں ہم نے ادارہ تعلیم القرآن کی بنیاد نہیں رکھی؟ جس میں اس وقت ایک لاکھ سے اوپر روپیہ موجود ہے۔ کیا انہی ایام میں ہم نے دنیا کی پانچ ہزار لائبریریوں کو آٹھ کتابوں کا سیٹ بھجوانے کی بنیاد نہیں رکھی۔ جس میں سے قریباً نصف بلکہ ایک رنگ میں نصف سے زیادہ کام ہو چکا ہے۔ اور پھر اس سال میں ہم نے یہ بنیاد نہیں رکھی کہ طالب علموں کو قرآن کریم نہایت ہی واجبی قیمت پر پہنچایا جائے، تاکہ غریب اور امیر سب خدا کے اس نور سے اپنے سینوں کو روشن کرسکیں؟! مجھے پہلے ایسی زندہ اور فعال کوئی دوسری جماعت دکھاؤ اور پھر ایسے کلمات مونہہ سے نکالو۔ واقعات کی منطق ہی اصل منطق ہے۔ اس کو جھٹلانے والا کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

امام وقت کی قبولیت کی ہوا: ہم بعض وقت یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام وقت کو لوگ اب بھی بُرا کہتے ہیں مگر امام وقت کی قبولیت کی ہوا بھی چلی ہوئی ہے۔ اس کی طرف بھی نظر اُٹھا کر دیکھو کہ کس طرح جو جو آرزو آپ کے سینے میں تھی وہ آج پوری ہورہی ہے۔ اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کی آرزو کس سینے میں پہلے اُٹھی۔ کیا آج یہی آواز ہر مسلمان کی زبان پر نہیں؟ اگرچہ ابھی عمل کی طرف قدم نہ اُٹھا ہو۔ قرآن کے نور سے سینوں کو روشن کرنے کی تڑپ کس دل میں پہلے پیدا ہوئی؟ کیا آج اس کی صدائے

بازگشت ہر طرف سے نہیں آ رہی؟ دنیا میں ایک انقلاب رونما ہو گیا۔ دوسرے اس کو نہ دیکھتے ہوں حرج نہ تھا مگر جماعت کے بعض لوگوں سے یہ مخفی ہے۔ العجب ؎

بنگر اے قوم نشانہائے خدا وند قدیر چشم بکشا کہ بر چشم نشانے ہست کبیر

دست حق نہاں در آستیں: ہمارے سامنے کام بہت بڑا ہے۔ اس کی مشکلات بھی بڑی ہوں گی۔ مگر ہر وقت مشکلات کی طرف نہ دیکھو۔ کام کی طرف بھی دیکھو۔ پھر خدا کی نصرت کے ہاتھ کو بھی دیکھو کہ وہ کس طرح تمہارے ساتھ ہے۔ یہ اتنی بڑی عمارت، جو آپ نے بنائی ہے، یہ الٰہی نصرت کے ہاتھ کی وجہ سے ہے

ایک خوشخبری: میں نے پچھلا خط لکھ کر اخبار میں بھیجا تو وہ ابھی چھپا نہ تھا کہ ووکنگ سے ایک خط ملا۔ جس میں آٹھ آدمیوں کی فہرست تھی جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ اس کے اندر ایک اور خط بھی تھا جو امریکہ کی ایک ریاست نیو جرسی سے آیا ہوا تھا۔ جس میں اس کے علاوہ گیارہ آدمیوں کے نام درج تھے جو اسلام میں شامل ہوئے۔ یہ انیس آدمیوں کی قبولیت اسلام کی اطلاع ایک دن میں ملنا اتنی بڑی خوشخبری ہے کہ جس کے سامنے مشکلات کے پہاڑ بھی ہوں تو ان کی کوئی حیثیت نظر نہیں آتی!

'اسلامک ریویو' اور ہمارا لٹریچر: یہ گیارہ آدمی کس ذریعہ سے اسلام میں داخل ہوئے۔ ''اسلامک ریویو'' کے ذریعہ سے۔ جو وہاں ان کو ووکنگ سے پہنچایا جاتا تھا۔ اور یہی گیارہ نہیں بلکہ نومسلمین کے اور اعلانات، جو بعض وقت یہاں آتے رہتے ہیں، ان کو آپ دیکھیں گے تو ان سے بھی یہ معلوم ہوگا کہ بیسیوں آدمیوں نے ''اسلامک ریویو'' کے ذریعہ سے اسلام قبول کیا ہے۔ کیونکہ ''اسلامک ریویو'' سے ہی قرآن کریم اور دوسرے لٹریچر کی طرف لوگوں کی رہنمائی ہوتی ہے۔ ہم جگہ جگہ مشن قائم نہیں کر سکتے۔ مگر ''اسلامک ریویو'' کے ذریعہ سے اور ہمارے لٹریچر کے ذریعہ سے، جو اس وقت پانچ ہزار لائبریریوں میں بھیجا جا رہا ہے، ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کے مرکز بن سکتے ہیں۔ آپ ایک طرف اس بات کو رکھ لیجئے کہ ''اسلامک ریویو'' کی وجہ سے ہمیں سال گزشتہ بیس پچیس ہزار کا خسارہ ہوا اور شاید ابھی اس سال بھی خسارہ ہی ہو اور دوسری طرف اس بات کو رکھ لیجئے کہ اس کے ذریعہ سے کام کس قدر ہو رہا ہے۔ نور اسلام سے کتنے سینے روشن ہو رہے ہیں۔ خود ہزاروں مسلمانوں کے سینے بھی روشن ہو رہے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ تبلیغ اسلام اس طرح ہوگی کہ آپ کا پیسہ بھی خرچ نہ ہو اور ہاتھ بھی نہ ملے؟!

دو مشکل کام: تبلیغ اسلام کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور اسی کی طرف میں بار بار توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک اپنے اموال کا خرچ کرنا۔ ''بے دریغ قربانیاں''۔ دوسرا خدا کے آگے گرنا اور اس سے مدد مانگنا۔ دنیا کے کام تو خدا کے آگے گرنے والوں کے بھی ہو جاتے ہیں اور خدا کے منکروں کے بھی۔ مگر دین حق کو دنیا میں قائم کرنے کا کام خدا کی نصرت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ دو مشکل کام ہیں جن کی طرف اس زمانہ کے امام نے ہمیں بلایا ہے۔ اپنے مال بھی خدا کی راہ میں خرچ کرو اور پھر اس کی نصرت کی تڑپ کو دل میں لئے ہوئے اس کے آگے گرتے رہو۔ آپ کا جہاد وہ جہاد ہے جس میں بغیر دعا کے مجاہدہ کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہم میں سے ہر ایک کے دل میں اگر اس بات کا احساس پیدا ہو جائے کہ میں خود کس طرح ان دو معیاروں پر پورا اُتر سکتا ہوں تو اس کی مشکلات خود بخود دور ہو جائیں گی۔ اور جو اپنے قلب کے اندر ان دو ذریعوں سے قوت پیدا نہیں کرتا، اس کو چاروں طرف مشکلات کے پہاڑ نظر آئیں گے، ایسے شخص نے ابھی احمدیت کے چشمے سے پانی نہیں پیا۔ چاہے وہ احمدی کہلاتا ہو۔ والسلام۔

خاکسار محمد علی

10 اپریل 1951ء

28 مارچ 1951ء

ہمارے امراء اور غرباء کی قربانیاں

میری نئی زندگی کے پیغام کو دوسرے عالم سے آئے ہوئے پیغام کی طرح وقعت دو

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کا مکتوب گرامی

برادران محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے واقعات پے در پے رونما ہو رہے ہیں جن میں اس کی نصرت کا کھلا ہاتھ نظر آ رہا ہے۔ اس لئے میں اپنے احباب کو اس وقت خصوصیت سے اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ خدا کے آگے جھکنے کا وقت ہے۔ اور خدا کے آگے جھکنا دو طرح پر ہے۔ ہم اس کام میں اور زیادہ شوق سے لگ جائیں جس میں اس کی نصرت کا ہاتھ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور اس کام کے لئے اپنی قربانیاں پیش کریں۔ تا کہ اس کی نصرت کو اور زیادہ جذب کر سکیں۔ اور دوسرے اپنی دعاؤں میں بھی زیادہ قوت پیدا کریں۔ خدا کے آگے اپنے آپ کو اس طرح گرائیں کہ ہمارا اپنا نفس بالکل مٹ جائے۔ اور ہماری ساری خواہشات خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور اس کے کلام اور اس کے دین کی بڑائی کے لئے ہوں۔

قلت میں نصرتِ الٰہی کا ہاتھ: میں جانتا ہوں کہ ہمارے بہت احباب کو یہ شکایت ہے کہ ہم تھوڑے ہیں۔ ہمارا حکومت میں کوئی رسوخ نہیں۔ پبلک میں کوئی عزت نہیں۔ ہمارے کاموں کی کوئی قدر نہیں۔ مگر یقین جانیے کہ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی نصرتوں کی بارش آپ پر ہو رہی ہے۔ قرآن کریم میں ان دو موقعوں کا مقابلہ کیجئے **وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ** (123:3) اللہ تعالیٰ نے بدر میں تم کو نصرت دی اور تم تھوڑے تھے۔ اور دوسری جگہ ہے **وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ** (25:9) اور حنین کے دن کو بھی دیکھو جب تمہیں اپنی کثرت پر فخر تھا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت آپ کے ساتھ ہے کہ آپ تھوڑے ہیں۔ اور آپ کو کوئی پوچھتا نہیں۔ مگر آپ اپنے نفس کے لئے نہیں، خدا اور اس کے دین کے لئے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ گالیاں

بھی کھا رہے ہیں اور کام بھی کئے جا رہے ہیں۔ آپ پر قلت کی وجہ سے قادیانی جماعت کے لوگ بھی شروع سے ہنستے چلے آئے۔ مگر الحمد للہ کہ لوگوں کی ہنسی اور استہزاء نے آپ کی ہمت کو نہیں توڑا بلکہ دن بدن آپ کی ہمت بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

شکرانہ فنڈ سے دو ہزار قرآن کی تقسیم: میں نے کسی پچھلے خط میں ذکر کیا تھا کہ ایک چھوٹے سے فنڈ کو، جو ''شکرانہ فنڈ'' کے نام سے موسوم ہے، اللہ تعالیٰ نے کیسی قبولیت عطا فرمائی کہ اس فنڈ سے تین ہزار روپے کے خرچ سے ایک ہزار قرآن کریم ترجمہ انگریزی کا لوگوں تک پہنچانے کا انتظام ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ اور سامان کر دیا کہ اسی طرح ایک ہزار مزید قرآن کریم کا انتظام ہو گیا۔ تو اس مختصر سی رقم سے دو ہزار قرآن کریم انگریزی ترجمہ مخلوق خدا تک پہنچ گیا۔ اگر وہ احباب، جنہوں نے ابھی تک حصہ نہیں لیا، وہ بھی اس میں شامل ہو جائیں تو اُمید ہے اس سے بہت بڑا مفید کام ہو جائے گا جو ایک صدقہ جاریہ کا رنگ ہو گا۔

قلت میں ارادہ الٰہی: فی الحقیقت اس خط میں ایک اور بات کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ہماری قلت کا نظارہ تو خود ہمارے امام کو دکھایا گیا تھا۔ جب حالت کشف میں آپ کو یہ دکھایا گیا کہ دو آدمی ہیں۔ ایک زمین پر بیٹھا ہوا ہے۔ جسے آپ نے یہ کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ مگر اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ تو پھر آپ نے دوسرے شخص سے، جو چھت کے قریب آسمان کی طرف ہے، یہی کہا تو اس نے کہا۔ ایک لاکھ نہیں بلکہ پانچ ہزار فوج دی جائے گی۔ اور آپ فرماتے ہیں۔ تب میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ پانچ ہزار تھوڑے ہیں۔ اور معاً حالت الہام کی طرف منتقل ہوئی۔ اور آپ کی زبان پر یہ لفظ تھے كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ (249:2) پس یہ قلت بھی ایک خدائی ارادہ کے ماتحت تھی۔ تا کہ اس زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ایک نظارہ دکھایا جائے۔ چنانچہ اس قلت کے اندر اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے کام کرنے والے کھڑے کر دیئے!

موجودہ قلت میں بڑے بڑے کام کرنے والے لوگ: میں ان بزرگوں کا ذکر نہیں کرتا جو حضرت صاحب کے زمانہ سے چلے آتے ہیں۔ بلکہ بعض ان احباب کا ذکر کروں گا جو تھوڑے عرصہ سے ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہیں۔ ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے کس قدر جوش اپنے دین کی خدمت کا بھرا ہے۔ کہ گویا

ایک ایک آدمی ایک ایک جماعت کا کام کر رہا ہے۔ اور یہ سب لوگ غرباء کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آسام میں ہمارے دوست ڈاکٹر خادم رحمانی ہیں۔ جنہوں نے اس قدر کام کیا ہے کہ گویا ہمارا ایک مشن وہاں قائم ہے، جس پر ہم ہزاروں روپے خرچ کر رہے ہیں۔ حالانکہ خدا کی نصرت کو ساتھ لئے ہوئے ایک ہی آدمی یہ سب کام کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ کھاسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ اور بھی بہت سے رسالوں اور کتابوں کے ترجمے کئے ہیں۔ اور خدا چاہئے گا تو وہاں ایک جماعت بن جائے گی۔ جو اس کام کو زندہ رکھے۔، عراق میں سید تصدق حسین قادری نے وہ کام کیا ہے جن کی نظیر نہیں مل سکتی۔ صرف ان کی وجہ سے اس وقت سارے عربی ممالک میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام اور اس کے کارناموں کا چرچا ہے۔ مصر میں کئی کتابوں کے عربی ترجمے ہو کر پھیل چکے ہیں۔ حتّٰی کہ اب ''ریلجن آف اسلام'' جیسی ضخیم کتاب کا ترجمہ شروع ہو گیا ہے۔ اس سب کی بنیاد رکھنے والا مالی رنگ میں غرباء میں شامل ہے مگر روحانی لحاظ سے وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قبولیت کے نشان ہوتے ہیں۔ انہی کی بدولت ابراہیم سچوانی صاحب جیسا انسان ہم کو مل گیا۔ جو ہزار ہا روپے خدا کی راہ میں بے دریغ خرچ کر رہا ہے۔ اور کوئی تحریک نہیں ہوتی جس میں وہ سابقون میں شامل نہ ہوں۔ سیام میں ابراہیم صاحب قریشی اسی عزم کو لے کر اُٹھے۔ اور میں ان کے کام کو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا کہ تین چار آدمی کی جماعت کے ساتھ انہوں نے سیام کے ملک میں علم کا دریا بہا دیا ہے۔ اور ابھی خدا نے چاہا تو چند سال میں آپ دیکھیں گے کہ وہ خدا کے نور کو کس کس رنگ میں اور کہاں کہاں پہنچائیں گے۔ برما میں ایک ڈاکٹر اکبر خاں صاحب اسی غرباء کے طبقہ سے تعلق رکھنے والا انسان مل گیا، جنہوں نے بہت سے لٹریچر کا برمی میں ترجمہ کر دیا۔ اور اب قرآن شریف کا برمی زبان میں ترجمہ کرنے میں مصروف ہیں۔ اور وہ بھی سب کچھ اکیلے ہونے کے باوجود خدا کی نصرت کو ساتھ لئے ہوئے کر رہے ہیں۔ خدا کے فضل سے استنبول میں بھی ایک ایسا آدمی مل گیا ہے۔ اور اُمید ہے جلد ہی ترکی میں بھی ایک مضبوط بنیاد جماعت قائم ہو جائے گی۔ اسی غرباء کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے مراد کیوان صاحب الجیریا والے ہیں۔ جن سے کسی نے پوچھا کہ آپ مسلمان کب ہوئے تو کہا کہ مسلمان تو میں پیدائشی ہوں مگر اسلام کا احساس میرے اندر اس دن سے پیدا ہوا جس دن سے میں اس جمات میں شامل ہوا ہوں۔ وہ زبردست ولولوں

کو دل کے اندر لئے ہوئے نہ صرف شمالی افریقہ میں فرانسیسی زبان میں قرآن کے نور کو پھیلا رہے ہیں بلکہ خود فرانس میں بھی خدا نے چاہا تو عنقریب ایک مشن کی بنیاد رکھ دیں گے۔

اسی طرح برٹش گائنا میں، ڈچ گائنا میں، فلپائن میں، ٹرینڈا میں اللہ تعالیٰ نے وہ آدمی کھڑے کر دیئے ہیں جن کی بدولت آج عیسائیت اور اسلام کے مقابلہ کی تاریخ میں ایک تبدیلی رونما ہوگئی ہے کہ پہلے عیسائیت مسلمانوں پر اثر ڈال رہی تھی۔ اب وہ اثر ختم ہوا اور اسلام کا اثر عیسائیوں پر ہو رہا ہے۔ کیا اب بھی خدا کی نصرت کا ہاتھ اس جماعت کے لئے کام کرتا ہوا آپ کو نظر نہیں آتا۔ کہ کس طرح ایک قلیل گروہ کا اثر ساری دنیا پر پھیل رہا ہے! اور کس طرح چند کام کرنے والوں کی بدولت خدا اور اس کے رسولؐ اور اس کے قرآن کا نام دنیا میں روشن ہو رہا ہے!

میں اس وقت انجمن کے کاموں کا ذکر نہیں کر رہا۔ صرف یہ بتا رہا ہوں کہ چند افراد نے کس طرح اس روح کی بدولت، جو حضرت امام کے تعلق نے ان کے اندر نفخ کر دی ہے، بڑی بڑی آبادیوں میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اگر ہم خدا کے آگے جھکیں تو وہ بھی اس قسم کے بہتیرے آدمی ہمیں دے سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ہاتھ ہے کہ وہ ایک کمزور جماعت کے غرباء کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے احباب سے اتنا بڑا کام لے رہا ہے!

امراء میں ایک نیا دینی جذبہ: اس کے ساتھ ہی میں اب ایک اور امر کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اگر ایک طرف ہمارے غرباء کا گروہ ہے۔ جن میں سے ایک ایک جماعت کا کام کر رہا ہے، تو دوسری طرف اس جماعت کے امراء میں بھی اب خدا کے فضل سے ایک نیا دینی جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ شاید کئی احباب کو یاد ہوگا۔ تین یا چار سال کا ذکر ہے کہ جلسہ سالانہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے یہ کہنے کی جرأت کر دی کہ یہ جو کارخانوں کے مالک ہماری جماعت میں ہیں، ان میں سے ایک ایک شخص اس حیثیت کا مالک ہے کہ وہ یورپ اور امریکہ میں ایک ایک مشن قائم کر دے اور اس طرح ہم اسلام کو دنوں میں دنیا کے کناروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اس وقت تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری یہ تحریک رد کر دی گئی ہے اور جلسہ میں مایوسی کا عالم چھا گیا۔ مگر آج میں دیکھتا ہوں کہ جماعت کے امراء کا قدم خدا کے فضل سے اس طرف اُٹھ رہا ہے۔ ہمارے لائل پور کے کارخانوں والے خیراتی رنگ میں بڑے

بڑے نیکی کے کام کرتے تھے، مگر ان نیکی کے کاموں کا رجحان اس طرف نہ تھا جو حضرت مسیح موعود کی آرزو تھی کہ یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کے مرکز قائم کئے جائیں۔ آج خدا کے فضل سے وہ خواب بھی پورا ہوتا نظر آتا ہے۔

شیخ میاں محمد صاحب اور ان کی اولاد کی قربانیاں: قریب دو سال سے الحاج شیخ میاں محمد صاحب نے ہالینڈ کے مشن کا خرچ اپنے ذمہ لیا ہوا تھا۔ جس کے لئے اب انہوں نے ایک ٹرسٹ قائم کر دیا ہے (یہ ٹرسٹ سر دست تیس ہزار روپے سے شروع ہو رہا ہے۔ جس میں تین ہزار روپیہ ماہوار کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ ٹرسٹ کی کل رقم چار لاکھ روپے تک پہنچ جائے گی) اور اس کو ایک مستقل صورت دے دی ہے۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کی اولاد کے اندر بھی وہی روح کام کر رہی ہے۔ آج ہمیں مالی مشکلات کا سامنا تھا، تو ان کے ایک فرزند میاں رؤف احمد صاحب نے میاں صاحب کے مشورہ سے پچیس ہزار روپیہ انجمن کو قرضہ حسنہ کے طور پر دے دیا ہے جب تک اللہ تعالیٰ ان مشکلات کے حل کا کوئی اور راستہ کھول دے۔ تو یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ کوئی ریاست یا حکومت نہیں، ایک فرد واحد یورپ کے ایک مشن کا سارا بوجھ اُٹھا رہا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ اس مشن کے ذریعہ سے وہ اسلامی لٹریچر ڈچ زبان میں، قرآن کریم کا ڈچ ترجمہ، محمدؐ دی پرافٹ کا ڈچ ترجمہ، ریلیجن آف اسلام کا ڈچ ترجمہ، لونگ تھاٹس کا ڈچ ترجمہ، نیو ورلڈ آرڈر کا ڈچ ترجمہ ہالینڈ میں اور دوسرے ڈچ زبان بولنے والے ممالک میں، جیسے ڈچ گائنا وغیرہ، پھیلانے کا عزم کر چکا ہے۔ مسلمانوں میں ان سے کئی سو گنا یا ہزار گنا مالدار لوگ ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں، مگر کیا خدمت اسلام کا اتنا بڑا عزم رکھنے والا کوئی اور فرد واحد بھی نظر آتا ہے؟! یہ لوگ مٹی تھے۔ جس طرح دوسرے مالدار مٹی ہیں۔ مگر مسیح وقت نے ان کے اندر وہ روح نفخ کر دی کہ وہ ان بلندیوں پر پرواز کر رہے ہیں، جن میں ابتدائی زمانہ کے مسلمان پرواز کرتے تھے!

میاں عطاء اللہ صاحب کی پیشکش: تین دن ہوئے مجھے ایک خط میں میاں عطاء اللہ صاحب کی طرف سے، جو شیخ میاں مولا بخش صاحب مرحوم کے بڑے صاحبزادے ہیں اور اب ملتان میں ان کا کاروبار ہے، یہ اطلاع ملی ہے کہ ایک مشن کا خرچ جو اندازاً چھ سو روپے ماہوار ہو وہ ادا کریں گے۔ بلکہ اس

کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ حسب ضرورت اس رقم میں وہ اضافہ بھی کریں گے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ اس کے ساتھ ہی میں ان تمام احباب سے، جو اس کام سے محبت رکھتے ہیں، یہ بھی التجا کروں گا کہ وہ میاں عطاء اللہ صاحب کی صحت اور درازی عمر کے لئے خاص طور پر دعا کریں۔ کیونکہ وہ بیمار رہتے ہیں۔

دوسرے افراد خاندان سے توقعات: مگر اس خاندان سے ابھی میرا کوٹا پورا نہیں ہوا۔ اور میں توقع رکھتا ہوں کہ شیخ مولا بخش صاحب کے چھوٹے صاحبزادے میاں شریف احمد صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی بھی اس بارے میں کوئی قدم اُٹھائیں گے۔ اور بڑے میاں صاحب، میاں محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کے صاحبزادوں کی دونوں شاخیں یعنی ایک طرف میاں سعید احمد صاحب اور میاں بشیر احمد صاحب اور دوسری طرف میاں عزیز احمد صاحب، میاں نصیر احمد صاحب، میاں فاروق احمد صاحب، میاں مغیث احمد صاحب، جن پر خدا تعالیٰ کے افضال کی بڑی زبردست بارش ہو رہی ہے، اپنی حیثیت کے مطابق کوئی قدم اُٹھائیں گے۔

دوسرے امراء جماعت توجہ کریں: یہ وہ نمونے ہیں جن سے انسان خود ہی زندہ نہیں ہوتے بلکہ ایک دنیا کو اپنے ساتھ زندہ کر دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی جماعت کے اندر کارخانوں کے مالک بھی ہیں۔ مالدار بھی ہیں۔ میں ان کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اس دنیائے ناپائیدار پر فریفتہ نہ ہوں۔ خدا کی راہ میں کچھ کام کر کے دکھائیں۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ جماعت ہے جس کے اندر اس زمانہ میں ایک مامور من اللہ نے روح نفخ کی ہے۔ یہ مال سب یہیں رہ جائے گا۔ مگر وہ مال جو اعلاء کلمۃ اللہ میں لگ گیا وہ سب کا سب ایک صدقہ جاریہ کا حکم رکھتا ہے۔ اور یہ وہ دائمی دولت ہے جس سے ایک طرف اس کا مالک آخرت میں بلند درجات حاصل کرے گا تو دوسری طرف دنیا کو دین کی دولت سے مالا مال کر دے گا۔ اور کیا بعید ہے کہ یہی چند نمونے سارے عالم اسلامی میں ہی نہیں ساری دنیا میں ایک نئی روح نفخ کرنے کا ذریعہ بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کو قبولیت کا وہ بلند مرتبہ مل جائے جو اس کے اولیاء کو اور صلحاء کو ملتا ہے!

ایک تیسرا گروہ: میں نے دو قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ غرباء، مگر حقیقی علم کے مالک، جنہوں نے اپنی ساری قوت کو خدا کے راستے میں لگا دیا۔ اور وہ مالدار جنہوں نے اپنے مالوں کو خدا کے راستے میں لگا دیا۔ مگر میں یہی آثار ایک تیسرے گروہ میں بھی دیکھتا ہوں۔ جو دنیا میں صاحب مرتبہ ہیں۔ جن میں سے

ایک خان بہادر غلام ربانی خاں نے دو سال ہوئے ایک عظیم الشان قدم اُٹھایا۔ اور وہ کچھ عرصہ کے لئے ووکنگ جا بیٹھے۔ اور جن کے عزم اور ہمت سے ووکنگ میں خدا کے فضل سے حرکت کا ایک نیا رنگ پیدا ہو گیا۔ اس قسم کے دو اور آدمی بھی ہیں (یہ دونوں سرکاری ملازمت میں بڑے بلند مرتبہ کے مالک ہیں) جنہوں نے یہ عزم کیا ہوا ہے۔ ایک کا علم تو مجھے مدت سے تھا اور ایک کا علم دو تین دن ہوئے ہوا کہ وہ یہاں سے فارغ ہو کر کسی ایسی جگہ ڈیرہ لگائیں گے جہاں بیٹھ کر وہ خدا کے دین کی تبلیغ کر سکیں اور اپنے خرچ کا بوجھ بھی وہ انجمن پر نہیں ڈالیں گے۔ مگر ان دونوں کے ریٹائر ہونے میں ابھی کوئی چھ سات سال کا عرصہ ہے۔ اس لئے میری روح کسی ایسے بزرگ کی تلاش میں ہے جو انہی کی طرح اس سے پیشتر اس قسم کے کام میں لگ جائے۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں یہ قوت پیدا کر دے گا۔

میری نئی زندگی کا پیغام: مجھے خدا نے جو زندگی عطا فرمائی، یہ تو سچ ہے کہ میں مرنے کے بعد زندہ نہیں ہوا، مگر یہ بھی سچ ہے کہ میں موت کے آمنے سامنے چالیس دن تک کھڑا رہا اور ایک لمبی کشمکش موت اور زندگی کی لگی رہی۔ مگر میرے آقا نے مجھے محض اپنے فضل سے کچھ مزید کام کے لئے واپس کر دیا۔ وہ دنوں کا کام ہے یا مہینوں یا سالوں کا۔ اس کا علم اسی کو ہے۔ مگر میں اس وقت اس طرح اس کے کام میں مصروف ہوں جیسے وہ مسافر جس نے کل سفر کرنا ہے اور تھوڑا سا وقت سفر کے سامان کی تیاری کے لئے اسے ملا ہے۔ میرے دوست اور میرے خیر خواہ روکتے ہیں کہ زیادہ کام نہ کرو۔ مگر میرے لئے وہ موت آسان ہے جو کام کی حالت میں آ جائے۔ اس لئے میں اپنے احباب سے ملتجی ہوں کہ وہ اب میرے پیغام کو وہ وقعت دیں جو دوسرے عالم سے آئے ہوئے آدمی کے پیغام کو دینی چاہئے۔ کرنے کے کام وہ ہیں جن کا ذکر میں نے اوپر کیا۔

کوئی غریب ہے یا مظلوم ہے تو اعلاء کلمۃ اللہ کے کام کو سامنے رکھ کر اپنے عزم کو اتنا بلند کرے کہ خدا کے عرش کو ہلا دے۔ کسی کو خدا نے مال سے وافر حصہ دیا ہے۔ تو اسے خدا کی راہ میں اس طرح بہا دے کہ اس سے یہ دنیا سیراب ہو جائے۔ ایک ملک اور ایک قوم نہیں سارے ملک اور ساری قومیں سیراب ہو جائیں۔ کسی کو خدا نے مرتبہ دیا ہے تو اب اس بارگاہ عالی میں مرتبہ حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جائے، جس کا دیا ہوا مرتبہ ہمیشہ رہتا ہے۔ اور جہاں یہاں کی طرح مرتبہ سے الگ کر کے پنشن سے اشک شوئی نہیں کی جاتی بلکہ وہ مرتبہ روز بروز بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا

لقاء حاصل ہو جاتا ہے اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ (6:84) میرے دوستو! یہ کرنے کے کام ہیں۔ وہ کرنے کے کام نہیں جن کی طرف میں کئی دوستوں کا قدم اُٹھتا دیکھ رہا ہوں۔

یہ خدا کا احسان ہے۔ اس نے مجھے بڑی کامیابی عطا فرمائی ہے۔ آپ لوگ مجھے ناکام بنانے کی کوشش نہ کریں۔ ہر وہ شخص، جو اس وقت حضرت مسیح موعود کے فرمودہ کے مطابق حسب حیثیت اس کام میں حصہ نہیں لیتا، وہ مجھے ناکام بنانے کے لئے قدم اُٹھا رہا ہے۔ خواہ وہ اس کے لئے ننانوے عذر رکھتا ہو۔ وہ سب میرے اس ایک عذر کے سامنے ہیچ ہیں کہ یہ کام خدا اور اس کے رسولؐ کا ہے، اس کے دین کا ہے، وہ اگر مدد کرے گا تو وہ میری مدد نہیں کرے گا وہ خدا کے دین کی مدد کرے گا۔ وہ اگر مدد کرنا چھوڑ دے گا تو میری مدد کرنا نہیں چھوڑے گا، خدا کے دین کی مدد کرنا چھوڑے گا!

امیر کی اطاعت فرض ہے: مجھ میں ننانوے عیب ہوں گے۔ مگر آپ نے خود ان ننانوے عیبوں کو ڈھانک دیا اور ان سے چشم پوشی کی جب آپ نے مجھے اپنا امیر بنالیا۔ اس لئے اب اپنے اقراروں کے بعد میرا ساتھ نہ چھوڑو۔ ورنہ آپ کی مثال ایسی عورت کی ہوگی جس نے کاٹ کر پھر اپنے سوت کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (92:16) حدیث نبویؐ کو یاد کرلو اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ اِمَامٍ بَرا كَانَ اَوْ فَاجِرًا اگر آپ مجھے فاجر بھی سمجھتے ہیں تو بھی، جب تک میں اس مقام پر کھڑا ہوا ہوں، اس جہاد کے لئے، جس پر آپ کو امام زمان نے لگایا ہے، میرا ساتھ دینا تم پر فرض ہے۔ مجھ پر وہ حالت گزر چکی ہے کہ خدا اگر چاہتا تو میں اس مقام سے الگ ہو گیا ہوتا نہیں۔ آپ بھی اگر چاہیں تو مجھے آج اس مقام سے الگ کر سکتے ہیں۔ آپ نے مجھے کھڑا کیا تو میں یہاں کھڑا ہوا۔ آپ مجھے الگ کرنا چاہیں تو میں اس سے الگ ہونے کو تیار ہوں۔ مگر پھر بھی آپ کو کوئی امیر تلاش کرنا ہوگا۔ کیونکہ جب تک جماعت کے لئے کوئی امیر نہیں، اس وقت تک اس کی کامیابی کا کوئی راستہ بھی نہیں کھلتا۔

اس وقت جتنے لوگوں نے خدا کے دین کی مدد سے ہاتھ روکا ہوا ہے، وہ عملاً مجھے گرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر وہ مجھے گرانے کی کوشش نہیں، وہ خدا کے دین کے لئے، جو جہاد ہو رہا ہے، اس کو کمزور کرنے کی کوشش ہے۔ جس فوج کے کچھ آدمی کمانڈر کے حکم پر آگے قدم نہ اُٹھائیں وہ اس کمانڈر کو نیچا نہیں دکھا رہے، اس ملک اور اس قوم کو نیچا دکھا رہے ہیں، جس کے وہ سپاہی ہیں۔ آپ لوگ خدا کے

سپاہی ہیں۔ سوچ لیجئے کہ آپ بے وفائی کس کے ساتھ کر رہے ہیں! ایک دوسرے سے نیکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ غفلت اور لاپرواہی اور نکتہ چینی میں سبقت لے جانے کی کوشش نہ کرو۔ یا فوج میں داخل ہو کر فوج کے ساتھ کام میں لگ جاؤ یا اس فوج سے الگ ہو کر اور جو کام چاہو اختیار کر لو۔ نام سے ساتھ رہنا اور کام میں ساتھ نہ دینا، دنیا اور دین دونوں میں آپ کو پستی کے گڑھے میں گرا دے گا۔ اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

''ریلجن آف اسلام'' ایک مصری عالم کی نظر میں: (28 مارچ 1951ء) قاہرہ کے ایک مصری عالم نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''ریلجن آف اسلام'' کا مطالعہ کے بعد حسب ذیل چٹھی میں اس کے بلند پایہ مضامین کی تعریف کرتے ہوئے عربی ترجمہ کی اجازت طلب کی ہے۔

بخدمت مکرم و معظم جناب مولٰینا محمد علی صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ نہایت خوشی کے ساتھ جناب کی خدمت میں اطلاع دی جاتی ہے کہ جناب کی تصنیف کردہ کتاب بزبان انگریزی، جس کا نام ''ریلجن آف اسلام'' ہے جس کو عنایت فرما کر جناب نے میری طرف روانہ فرمایا ہے، موصول ہوئی۔ جو کہ مطالعہ کرنے سے میرے اور میرے مخلص دوستوں کو ایک بلند مرتبہ حیرت انگیز تصنیف ثابت ہوئی۔ کیونکہ کتاب ہذا میں ایسے علمی مسائل اور تحقیقات درج ہیں جن سے اس زمانہ کے اکثر اہل اسلام اور اہل کتاب اور دیگر مذاہب کے لوگ ناواقف ہیں۔ لہٰذا میں نے کتاب ہذا کا عربی ترجمہ کیا ہے تا کہ عام لوگ بھی فوائد حاصل کریں۔ اور جناب کا مقصد بھی، جو اس بلند پایہ تصنیف سے ہے، پورا ہو۔ اور میں بھی اس کار خیر میں حصہ لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ثواب کا امیدوار بنوں۔ پس کیا جناب از راہ عنایت اصل عربی ترجمہ کے چھاپنے کی اجازت فرمائیں گے۔ تا کہ جناب کے اس چشمہ فیض سے جناب کے عرب بھائی بھی فائدہ اُٹھا سکیں۔ میں جناب کا ممنون احسان ہوں گا اور یہ امر میرے لئے باعث فخر ہوگا۔ ہم سب کی طرف سے جناب کو سلام مسنون اور آداب وتسلیمات واجب قبول ہو۔

محمد سعید

سیکرٹری عامہ۔ ریلوے لائن و ٹیلی گراف اور ٹیلیفونات۔ حکومت مصری، قاہرہ

9 مئی 1951ء

انقلاب روحانی شب بیداری سے وابستہ ہے

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی ایک نا تمام چٹھی

برادرانِ محترم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں اس خط کو اس قرآنی دعا سے شروع کرتا ہوں جو حضرت موسیٰؑ کو سکھائی گئی رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ. وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ. وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ. یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ. (20:25-28) میرے رب! میرا سینہ کھول دے اور میرا کام میرے لئے آسان کر اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ میری بات کو سمجھ لیں۔ انسان کو اپنی بات کی سچائی کا کتنا بھی یقین ہو۔ بعض وقت اسے دلائل نہیں ملتے، جن سے وہ دوسرے کو وہ بات سمجھا سکے اور دلائل بھی اس کے ذہن میں ہوں تو وہ الفاظ نہیں ملتے، جن سے وہ دوسرے کے دل پر بھی اثر ڈال سکیں۔ پھر ان کے پہنچانے میں قسم قسم کی مشکلات ہوتی ہیں۔ میں جو کچھ اس خط میں لکھنا چاہتا تھا دو صفحے لکھ کر اسے پھاڑ دیا۔ کہ میری رام کہانی کو کون سنتا ہے؟! اخبار ''پیغام صلح''، میں مضمون نکلتا ہے کوئی دوسرا تو اس کو کیا پڑھے گا اپنے بھی بہتیرے ایسے ہوں گے جن کو یا فرصت نہیں ملتی کہ وہ ان باتوں کو پڑھیں، یا پڑھتے ہیں تو ان کے دلوں پر ایک آنی اثر ہوتا ہے کہ بات تو اچھی کہی ہے مگر ہم سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔

میرے پچھلے خط پر کئی قسم کے خیالات دلوں میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ جماعت کے اندر ابھی وہ لوگ بھی ہیں کہ جس طرح عام مسلمانوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ اعلاء کلمۃ اللہ بھی کوئی کام ہے، جس کے لئے انسان اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالے، ان کو بھی یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ پھر یہ خیالات بھی پیدا ہوئے ہوں گے کہ ہر شخص اپنا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں۔ اور پھر یہ خیال بھی بعض دلوں میں پیدا ہوا ہوگا کہ اگر اس وسیع زمین پر آٹھ دس جگہ چند سر پھرے کھڑے ہو گئے تو دنیا تو فتح نہیں ہو گئی۔ اور بہت ہیں جن کے دلوں میں یہ آرزو تو ضرور ہے کہ اسلام کا دنیا پر غلبہ ہو۔ قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور دنیا میں پھیلے۔ خدا کے سامنے اس کی مخلوق کے سر جھکیں۔ باطل کی قوت ٹوٹ جائے اور حق وصداقت دنیا میں پھیل جائے۔ مگر یہ سب کام اس طرح ہو جائیں کہ ہمیں کوئی

تکلیف نہ ہو، خدا کے راستے میں کوئی مصیبت اُٹھانی نہ پڑے، اپنا مال خرچ نہ کرنا پڑے، اپنا وقت ان کاموں پر دینا نہ پڑے۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جن کی نظر حقیقت تک نہیں پہنچی۔ ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں مگر وہ سنتے نہیں۔ ان کے دل ہیں مگر وہ بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ افسوس! ہماری آنکھوں کے سامنے ایک عمارت کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ جس سے اسلام اور قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دنیا میں ظاہر ہو رہی ہے۔ مگر ہم ہاتھ ہلانا پسند نہیں کرتے کہ ہم بھی اس عمارت میں چار اینٹیں لگا دیں۔ ایک بیج ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے بویا گیا اور جس کی سوئی اب زمین سے باہر نکلی ہوئی نظر آتی ہے، مگر ہمارے دلوں میں یہ خوشی کی لہر نہیں اُٹھتی کہ تھوڑی سی کوشش سے حق اور صداقت کی کھیتی کل کو لہلہاتی نظر آئے گی۔ تھوڑی سی آبیاری سے یہ سُوئی کل کو ایک عظیم الشان درخت بن جائے گی۔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ یعنی کھیتی کی طرح جو اپنی سوئی کو نکالتی ہے فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (29:48) پھر اسے مضبوط کرتی ہے۔ سو وہ موٹی ہوتی ہے پھر اپنے نالوں پر کھڑی ہو جاتی ہے۔ کھیتی کرنے والوں کو خوش کرتی ہے تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو غضب میں لائے۔

ہمارے امام نے آج سے ساٹھ سال پیشتر اس نظارہ کو دیکھ لیا کہ خدا کی زمین تیار ہے۔ اس میں بیج بونے کی ضرورت ہے۔ آج ہم اس بیج کو نہ صرف بویا ہوا دیکھتے ہیں بلکہ جگہ جگہ اس کو مضبوط ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ مگر اس کی آبیاری کی طرف ہماری توجہ نہیں۔ خدا کی رحمت کا پانی اس زمین پر برس چکا ہے اور یہ مردہ زمین زندہ ہو رہی ہے۔ یہی چند زندگی کے آثار تھے جن کی طرف میں نے اپنے پہلے خط میں توجہ دلائی تھی۔ اگر ہم اس کھیتی کی کھاد بن جائیں، جو ہمارے امام نے بوئی، تو کل کو ہم بھی سرسبز باغ ہوں گے۔ ورنہ بہر حال کل کو ہم مٹی کے ڈھیر ہی ہوں گے!

اللہ تعالیٰ سے تعلق کی دولت: امرا اپنے مال اور دولت کو اللہ تعالیٰ کے کھیت کی آبیاری کے لئے خرچ کر کے اس کھیت کی کھاد بن سکتے ہیں۔ مگر غربا کے پاس بھی ایک دولت ہے۔ اور وہ سب سے بڑی دولت ہے جو کسی انسان کو حاصل ہو سکتی ہے۔ ہاں، اس میں امراء اور غرباء دونوں شریک ہیں۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق کی دولت۔ جو بادشاہ اور غلام دونوں حاصل کر سکتے ہیں۔ صاحب علم اور علم سے محروم

دونوں حاصل کر سکتے ہیں۔ دنیا میں وہ بہت سی چیزیں ہیں جو مالدار کو حاصل ہیں غریب کو نہیں، بادشاہ کو حاصل ہیں، غلام کو نہیں۔ لیکن ایک دولت ایسی ہے کہ جو اس کو لینا چاہے وہ لے سکتا ہے۔ اور یہ دولت اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بدولت ہے۔ یہ دولت کس طرح ملتی ہے؟ اس کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ تمام تعلقات انسانی سے، مال و دولت سے، فرزند و زن سے، دشمن اور دوست سے الگ ہو کر ہم کچھ وقت اپنے خدا کے ساتھ گذاریں۔

باجماعت نماز کی اہمیت: نماز باجماعت بیشک بہت بڑی چیز ہے۔ کیونکہ اس کی غرض صرف خدا کی حمد و ثناء نہیں بلکہ انسانوں کے اندر مساوات پیدا کرنا بھی ہے۔ انسانوں کو بھائی بھائی بنانا بھی ہے۔ اس لئے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز باجماعت کی سخت تاکید فرمائی۔ اور میں اپنے تمام دوستوں کو نصیحت کروں گا کہ سوائے جائز عذر کے وہ اپنی مسجدوں میں جائیں اور نماز باجماعت ادا کریں اور ایک دوسرے سے تعلقات کو بڑھائیں۔

پچھلی رات کی نماز: خود اللہ تعالیٰ نے ایک اور نماز کی تعریف اس سے بھی بڑھ کر کی ہے اور وہ ہے نماز تہجد یا پچھلی رات کی نماز۔ **اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ** (78:17) یعنی آفتاب کے ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک اور فجر کی نماز کو قائم کرو۔ یہاں قیام نماز میں نماز باجماعت کی طرف اشارہ ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے **وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا** (79:17) رات کے کچھ حصہ میں اس کے ساتھ جاگتا رہ۔ یہ تیرے لئے نفل کے طور پر ہے۔ اُمید ہے کہ تیرا رب تجھے بڑی تعریف کے مقام پر کھڑا کرے۔ اگر اس مقام پر پہنچنا چاہتے ہو کہ تمہاری بھی دنیا میں حمد ہو تو پچھلی رات اُٹھ کر انتہاء درجہ کی تنہائی میں اپنے خدا کو پکارو۔

مقام محمود: اصلی مقام محمود تو وہی ہے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ اور جو دن بدن بلند ہوتا جا رہا ہے۔ مگر آپ کے نقش قدم پر چلنے والے، پچھلی رات خدا کے آگے گرنے والے، دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر آہ و زاری کرنے والے اور اپنے نفس کو بھلا کر خدا کے نام کو دنیا میں بلند کرنے والے بھی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مقام محمود حاصل کر لیتے ہیں۔ کیا اس بلند مقام کو حاصل کرنے کے لئے آپ کے دل کے اندر بھی کوئی تڑپ پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟ یا کیا آپ ان باتوں کو قصے کہانیاں سمجھتے ہیں؟!

کچھ نہ کچھ وقت تہجد کے لئے ضرور نکالو: کیا آپ کو علم ہے کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام دو تہائی رات، آدھی رات ایک تہائی رات بستر کو چھوڑ کر خدا کے سامنے کھڑے رہتے تھے۔ اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَنِصۡفَہٗ وَثُلُثَہٗ (20:73) تیرا رب جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات بھی خدا کے سامنے کھڑا ہو کر گذار دیتا ہے۔ نصف بھی گزار دیتا ہے۔ ایک تہائی بھی گذار دیتا ہے۔ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ (20:73) اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو لوگ تیرے ساتھ ہیں وہ بھی یہی کرتے ہیں عَلِمَ اَنۡ سَیَکُوۡنُ مِنۡکُمۡ مَّرۡضٰی (20:73) وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوتے ہیں وہ اس قدر لمبا قیام نہیں کر سکتے وَاٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ (20:73) کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو اپنے کاروبار کے سلسلہ میں کچھ مشغولیت ہوتی ہے۔ ملازمت کا سلسلہ ہو یا تجارت کا ہو یا کوئی اور رنگ حصول معاش کا ہو وَاٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (20:73) کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ یہ سب عذر صحیح ہیں مگر پھر بھی اگر یہ چاہتے ہو کہ تم دنیا کی رہنمائی کرو تو کچھ نہ کچھ وقت تہجد کے لئے ضرور نکالو۔ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡہُ (20:73) جتنا بھی میسر آ سکے کچھ نہ کچھ وقت رات کی تنہائی میں خدا کے حضور کھڑا ہونے کے لئے ضرور نکالو۔ بیماری میں بھی کچھ وقت نکالو۔ تجارت اور اشغال دنیوی کو رکھتے ہوئے بھی کچھ وقت نکالو۔ خدا کی راہ میں جنگ کرتے ہوئے بھی کچھ وقت ضرور نکالو۔ تاکہ قلب کی صفائی کے اس وقت میں، جب کوئی چیز تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان حائل نہیں، جب تم اپنی پوری قوت کے ساتھ خدا کی طرف پرواز کرنے کی آرزو کو لئے ہوئے اس کے دروازے پر آتے ہو اور جب وہ اپنی رحمت کے ساتھ تمہارے دلوں کی زمین پر نزول فرماتا ہے تو اس کے لئے جتنا بھی وقت نکال سکتے ہو، نکالو۔ دنیا کے سارے کام بغیر شب بیداری کے ہو سکتے ہیں۔ تاہم لوگ ان کے لئے اپنے اوپر نیند کو حرام کر لیتے ہیں۔ مگر دنیا میں انقلاب روحانی بغیر شب بیداری کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور لوگ چاہتے ہیں کہ یہ مصیبت نہ اُٹھانی پڑے اور اس کے بغیر ہم دنیا کے رہنما بن جائیں!

عزم کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں: میں بہت سوچتا ہوں کہ کوئی ایسا ذریعہ ہوتا جس سے آپ خدا کو بھی پا لیتے اور دنیا میں ایک انقلاب بھی پیدا کر دیتے اور آپ کو تکلیف بھی کوئی نہ ہوتی۔ مگر مجھے وہ راستہ

نظر نہیں آتا۔ اور میں جانتا ہوں کہ آپ اس کے لئے کوشش کریں تو اس کو حاصل کرنا بھی مشکل کام نہیں۔ دل میں عزم ہو تو کونسی چیز ہے جسے انسان حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر آپ کا ارادہ ہی مضبوط نہ ہو تو آپ کو کچھ بھی نہیں مل سکتا۔ اور اگر باوجود کوشش کے آپ کامیاب نہ ہو سکیں، اگرچہ یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے، بہرحال کچھ وقت روزانہ ضرور ایسا نکالیں، دن ہو یا رات، جب خدا کے سامنے گر کر اپنے آپ کو بکلّی بھول جائیں اور صرف ایک ہی تڑپ آپ کے دل سے اُٹھے کہ اے خدا! تیرا نام دنیا میں کس طرح بلند ہو۔ تیری مخلوق کو تیرے در پر کس طرح جھکایا جائے۔ تیرا پیغام ساری دنیا میں کس طرح پہنچایا جائے۔ تیرے پیغمبرؐ اور تیرے قرآن کے نور سے دنیا کو کس طرح روشن کیا جائے۔

رب العالمین کی ربوبیت کی دعا: ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّ الْمُصَلِّی یُنَاجِیْ رَبَّہٗ تو اپنی نماز کو اور اپنی دعاؤں کو مناجات کا رنگ دو۔ اس تنہائی کے وقت میں بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض پرداز ہو کہ اے خدا تو نے خود ہی فرمایا ہے کہ تو رب العالمین ہے۔ اور ساری قومیں اور سارے ملکوں کی تو جس طرح جسمانی ربوبیت فرماتا ہے اسی طرح ان کی روحانی ربوبیت بھی تو فرماتا رہا ہے اور فرماتا رہے گا۔ تو نے خود ہی یہ دعا سکھائی کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ مگر تیری مخلوق کا کثیر حصہ ابھی تک گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ اے خدا تو اس زمین پر اپنی روحانی ربوبیت کے دروازے کھول دے۔ اپنے فضلوں اور رحمتوں کے وہ دروازے کھول دے جن سے یہ نسل انسانی باطل معبودوں کو چھوڑ کر تیرے در پر آ گرے۔ تو وہ روحانی بارش اس زمین پر برسا جس سے یہ مردہ زمین زندہ ہو جائے۔

قرآن کے دنیا میں پھیلنے کی دعا: ہاں اے خدا! تو نے خود ہی بار بار یہ فرمایا ہے کہ تو نے اپنی آخری کتاب قرآن کو ساری قوموں کے لئے اُتارا ہے تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ (2:32) اس کتاب کو اتارنے والا کسی ایک قوم کا رب نہیں، ساری قوموں کا رب ہے۔ مگر تیری کتاب سے ابھی تک دنیا کا کثیر حصہ بے خبر ہے۔ تو وہ راستے کھول دے کہ تیرے قرآن کو ہم تجھ پر اور تیری کتاب پر ایمان لانے والے ساری قوموں تک پہنچا دیں۔ تو نے ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ تیرا قرآن ذِکْرٌ لِّلْعَالَمِیْنَ (52:68) ہے۔ اور ساری قوموں کے شرف اور بزرگی کا موجب

ہوگا۔ اے خدا تو ہمارے لئے وہ راستے بھی کھول دے کہ ہم تیرے اس قرآن کو ساری قوموں تک پہنچا دیں اور اپنے قرآن کی قبولیت کی وہ ہوا بھی دنیا میں چلا دے کہ یہ ساری قوموں کے لئے شرف اور بلندی کا موجب بن جائے۔

رحمۃ للعالمین کے دنیا کے لئے رحمت بننے کی دعا: اے خدا تو نے خود ہی اپنے رسول کو خطاب کرکے فرمایا وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۔ (107:21) ہم نے تجھے ساری قوموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ مگر دنیا کی کثیر قومیں ابھی تک تیرے رسولؐ کے نام سے بھی بے خبر ہیں۔ تو وہ دن جلد لا کہ تیرے رسولؐ کا وجود ساری قوموں کے لئے رحمت بن جائے۔ ایشیا کے رہنے والوں کے لئے بھی رحمت بن جائے، یورپ و امریکہ کے رہنے والوں کے لئے بھی رحمت بن جائے، افریقہ کے رہنے والوں کے لئے بھی رحمت بن جائے، جزائر کے رہنے والوں کے لئے بھی رحمت بن جائے، مسلمانوں کے لئے بھی رحمت بن جائے، عیسائیوں کے لئے بھی رحمت بن جائے، بدھ اور کنفیوشس کے پیروؤں کے لئے بھی رحمت بن جائے، منکروں کو بھی تیری ہستی اس انسان کامل کے اندر نظر آ جائے اور تیرے ماننے والوں کو بھی نظر آ جائے!

اسلام کے نور سے دنیا کے منور ہونے کی دعا: اے آقا! یہ خواہش ہم کمزور انسانوں کے دل میں پیدا نہ ہوسکتی تھی کہ تیرا کامل دین اسلام سب دینوں پر غالب آ جائے۔ اور تیری کامل کتاب قرآن کے نور سے اور تیرے کامل اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ساری دنیا روشن ہو جائے۔ مگر اے طاقتور خدا! جس کے ہاتھ میں زمین و آسمان کی سب طاقتیں ہیں اور جس کے حکم سے زمین اور آسمان قائم ہیں، یہ ترا وعدہ ہے جو تو نے اپنی پاک کتاب میں بار بار دوہرایا ہے کہ تو اپنے دین کو سب دینوں پر غالب کردے گا۔ تیرا وعدہ ہے کہ حق کی زبردست قوت کے سامنے باطل پاش پاش ہو جائے گا۔ تیرا وعدہ ہے کہ سب ظلمتیں اور تاریکیاں دور ہو کر تیرے نور سے زمین روشن ہو جائے گی۔ تیرا وعدہ ہے کہ سب باطل معبود گر جائیں گے۔ صرف تو ہی اس نسل انسانی کا واحد خدا ہوگا۔ اور یہ نسل انسانی تیرے سامنے جھک جائے گی۔ اس لئے اے خدا! تو اپنی زبردست طاقت سے ہی وہ انقلاب پیدا کردے کہ باطل مٹ جائے اور حق دنیا میں غالب آ جائے۔ اے خدا! تو اپنے وعدہ کو پورا فرما اور اپنے دین کو غالب

کر دے۔ **اَللّٰھُمَّ انْجِزْ وَعْدَکَ وَانْصُرْ عَبْدَکَ وَاھْزِمِ الْاَحْزَابَ** اے خدا! ہم کمزور انسانوں کی یہ حالت ہے کہ اپنے گھر کے رہنے والوں کی اصلاح نہیں کر سکتے اور تیری زمین تو بہت وسیع ہے جہاں ہمارا پہنچنا بھی ناممکن ہے۔ اے خدا! ہم اس قدر بے بس ہیں کہ اپنے بچوں کی اصلاح بھی نہیں کر سکتے۔ ان قوموں کی اصلاح کس طرح کر سکتے ہیں جو ایک دوسری کو جانتی بھی نہیں۔ مگر تیرے سامنے یہ زمین ایک ذرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

نا تمام مضمون اور میری صحت: (27 اپریل 1951ء) کو میں یہاں تک مضمون لکھ چکا تھا کہ بخار کی حالت سی محسوس ہوئی اور کمزوری کی وجہ سے میں بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ چونکہ ان دنوں مجھے معمولی طور پر شام کے وقت بخار بھی ہو جایا کرتا ہے۔ اور یہ معمول کوئی سترہ سال کے عرصہ سے چل رہا ہے۔ اس لئے میں نے اسے اسی قسم کا بخار کا حملہ سمجھا۔ مگر فی الحقیقت پھیپھڑے پر اثر ہو چکا تھا۔ جس کا پتہ بعد میں لگا۔ میں حسب معمول غسل خانہ میں گیا اور وہاں میری حالت بدل گئی۔ ڈاکٹر کو بلانا پڑا اور معلوم ہوا کہ پھیپھڑے کے علاوہ دل پر بھی کچھ اثر ہو چکا تھا۔ اسی دن سے آج تک بستر پر لیٹا ہوا ہوں۔ اگرچہ بخار نہیں۔

عراق سے خوشخبری: اسی اثناء میں بلکہ اس بیماری کے ابتدائی ایام میں ہی جہاں سے میں منتظر تھا وہاں سے نہیں بلکہ دور عراق سے ایک خوشخبری پہنچی۔ جس کے پہنچانے والے سید تصدق حسین قادری تھے کہ ابراہیم سچوانی صاحب نے ترکی یا مصر میں مشن کے لئے تین سو روپے ماہوار دو سال کے لئے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ مگر ابھی کام بہت ہیں۔ اور خدا کے فضل سے مال و دولت والے بھی بہت ہیں۔ جو بعض وقت دنیوی نمود و نمائش کے لئے ہزار ہا روپے پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔

ایک دعا کا اضافہ: سو میری اپنے احباب سے یہ التجا ہے کہ اس نا تمام مضمون میں، جو اوپر لکھا گیا، یہ ایک دعا کا بھی اضافہ کر لیں کہ اے خدا! تو اس جماعت کے مالداروں کے سینوں کو بھی کھول دے کہ وہ تیری راہ میں اسی طرح بے دریغ روپیہ صرف کریں، جس طرح اپنی دنیوی ضروریات پر صرف کرتے ہیں۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

23 مئی 1951ء

سب سے پہلی جمعیۃ الفلاح

وہ جماعت جو سب سے پہلے مایوسی کے عالم میں اُمید کا پیغام لے کر نکلی

حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت امام المجاھدین کی خدمت میں نذرِ عقیدت

مولوی تمیز الدین خاں صاحب سپیکر پاکستان اسمبلی نے انہی ایام میں ایک نہایت مبارک قدم اُٹھایا ہے۔ اور وہ ہے جَمْعِيَّةُ الْفَلَاحِ کا قیام۔ جس کی غرض ہے اسلام کا پیغام تمام دنیا میں پہنچانا اور مسلمان ملکوں کو بھی اور غیر مسلم ممالک کو بھی قرآن کے نور سے روشن کرنا۔ واقعی جس جمعیت یا جماعت کے سامنے یہ کام ہو وہ جَمْعِيَّةُ الْفَلَاحِ کہلانے کی مستحق ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (104:3) یعنی یہ لازم ہے کہ تم مسلمانوں میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو اَلْخَيْرُ یعنی قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دیں اور خود بھی ایک دوسرے کو نیکی کی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔ یہ لوگ فلاح پانے والے ہیں اور کامیاب ہوں گے۔

تبلیغ اسلام اور مسلمان: کام تو یہ ایسا اچھا تھا مگر مسلمان اس سے اس قدر دور پڑ گئے تھے کہ جب مولانا محمد علی صاحب ایم۔ اے کنٹب قصوری نے، کوئی شاید بیس سال کا عرصہ ہو گیا ہوگا، پونا میں اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا تو ان کی پہلی سالانہ رپورٹ بڑی مایوس کن تھی۔ جس میں انہوں نے لکھا کہ مسلمانوں نے اس کام کی مخالفت کی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ لوگ در پردہ احمدی ہیں۔ اور یوں وہ نیک کام رُک گیا۔ مجھے اُمید ہے کہ آج خدا کے فضل سے حالات بدل چکے ہیں۔ اور بہت سے درد دل رکھنے والے مسلمانوں کو اس بات کا افسوس ہے کہ انہوں نے غفلت سے بہت وقت ضائع کر دیا۔ اور جو پہلا کام ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا اور جسے اللہ تعالیٰ نے بہترین کام قرار دیا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ (33:41) یعنی دعوت الی الاسلام سے بہتر کام کونسا ہے، اسے ترک کر دیا۔

حضرت مجدد وقت اور تبلیغ اسلام: یہی وہ بات تھی جس کی طرف اس صدی کے مجدد اور اس اُمت

کے مسیح حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے توجہ دلائی تھی۔ اور جس کے لئے 1888ء میں چودھویں صدی ہجری کی ابتداء میں ایک جماعت کے رنگ میں بنیاد رکھی تھی اور اس کام کے لئے لوگوں سے بیعت لینا شروع کی۔ مگر صرف اس ایک بات پر کہ آپ نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں اور جس مسیح کی اس اُمت میں آنے کی پیشگوئی ہے وہ اس صدی کا مجدد ہے اور اس کو مثیل مسیح ہونے کی وجہ سے مسیح کا خطاب دیا گیا۔ ایک طوفان مخالفت اُٹھا۔ جس میں عوام الناس تو ایک طرف رہے، بڑے بڑے تعلیم یافتہ بہہ گئے۔ انہی باتوں کا ازالہ آپ نے اپنی کتاب 'ازالہ اوہام' میں کیا۔ جس میں اس بات کو کھول کر بیان کیا کہ یورپ اور امریکہ، جو اس وقت تہذیب کے مرکز بنے ہوئے ہیں، مخلوق خدا کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اور وہاں بھی اسلام کا پیغام پہنچانا ضروری ہے۔ اور قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کرنا اور ان ممالک کی دوسری زبانوں میں تعلیم اسلام کا پیغام پہنچانا ضروری ہے۔ مگر یہ وہ کام ہے جو صرف وہ جماعت کر سکے گی جو اس مجدد کی آواز پر لبیک کہتی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے کھڑا کیا ہے۔ وہ نور اور درد دے کر بھیجا ہے جس کے بغیر دنیا کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

غلبۂ اسلام کی خوشخبری: ساتھ ہی یہ بھی خوشخبری دی کہ یہ لوگ یعنی یورپ اور امریکہ کے رہنے والے آپس میں جنگ وجدل میں لگ کر اپنے آپ کو تباہ کر لیں گے۔ اور بالآخر اسلام کے لئے دنیا میں راستے کھل جائیں گے۔ اور ان ممالک میں اسلام پھیل جائے گا۔ اور آخر کار جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے **لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** (28:48) ساری دنیا میں اسلام غالب آجائے گا۔

سب سے پہلی جمعیۃ الفلاح: میں نے اس مضمون کا عنوان رکھا ہے ''سب سے پہلی جمعیۃ الفلاح'' یہ اس لحاظ سے نہیں کہ اس جماعت کا نام، جو حضرت مسیح موعود نے بنائی، کسی نے جمعیۃ الفلاح رکھا تھا، بلکہ اس لحاظ سے کہ یہ پہلی جماعت ہے جو اس زمانہ میں، جب مسلمانوں پر چاروں طرف ایک مایوسی کا عالم چھایا ہوا تھا، اُمید کے اس عظیم الشان پیغام کو لے کر نکلی کہ اسلام کے پیغام کو دنیا میں پہنچانا اور اقوام عالم کے سینوں کو قرآن کریم کے نور سے روشن کرنا ہمارا اصل کام ہے۔ اور واقعات نے آج معناً اسے **جَمْعِيَّةُ الْفَلَاحِ** یعنی ایک کامیاب جماعت ثابت کر دیا۔ باوجودیکہ علماء اسلام نے اور ان کے پیچھے

لگ کر عوام الناس نے اس کی مخالفت کی۔ اور تعلیم یافتہ طبقہ سے بھی بہت کم لوگ نکلے جو اس اثر سے پاک رہے۔ مگر ایک چھوٹی سی جماعت نے (میں اس وقت صرف احمدیہ جماعت لاہور کا ذکر کر رہا ہوں) جس کی تعداد کسی شمار میں بھی نہ تھی۔ آج خدا کے فضل سے وہ کامیابی حاصل کی ہے جس کی نظیر اس زمانہ میں بلکہ صدیوں پہلے بھی مشکل سے ملے گی۔

اس کام کی مشکلات: اس کام کی مشکلات کا علم ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس وقت ہوگا جب وہ اس کام میں عملی رنگ میں ہاتھ ڈالیں گے۔ اسلام کا پیغام پہنچانے والے کس طرح پیدا ہوں گے۔ ان کے اندر وہ روحانی قوت کس طرح پیدا ہوگی جو ان میں اس کام کے لئے وہ تڑپ پیدا کر دے کہ وہ اسلام کا پیغام لے کر دنیا کے کناروں تک پہنچ جائیں۔ اور ان کے اندر مالی قربانیوں کی روح پیدا کر دے۔ اور ان کے اندر مجاہدانہ رنگ پیدا کر دے۔

ایک مبارک قدم: میں **جَـمْعِيَّةُ الْفَلَاحِ** کو مسلمان قوم کے اندر ایک مبارک قدم سمجھتا ہوں۔ اور میں اپنے دوستوں کو بھی مبارک باد دیتا ہوں کہ جو لوگ آئندہ اس راہ پر گامزن ہوں گے اس کا ثواب انہیں بھی ملے گا **مَـنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا** اور میں دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف جمعیۃ الفلاح کو کامیاب کرے بلکہ اس قسم کی جماعتیں ہر مسلمان قوم کے اندر پیدا کرے۔ تاکہ اسلام کا پیغام سالوں کی بجائے دنوں میں ساری دنیا میں پہنچ جائے۔

تبلیغ اسلام خدا رسیدہ بزرگوں سے: میں ایک بات کی طرف مسلمان بھائیوں کو بھی اور اپنے غفلت شعار احمدی دوستوں کو بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلام کا پیغام دنیا میں اگر پہلے بھی پہنچا ہے تو ان خدا رسیدہ بزرگوں کی بدولت پہنچا ہے، جو آج اس ملک کے کونے کونے میں سوئے ہوئے ہیں۔ اور آئندہ بھی پہنچے گا تو مسلمانوں کے مال و دولت کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ یہ چیز ان کے پاس نہیں۔ نہ اقتدار و حکومت کی وجہ سے پہنچے گا۔ نہ ان کے علم و فضیلت کی وجہ سے پہنچے گا۔ کیونکہ عالم و فاضل اب بھی بہتیرے ان میں موجود ہیں اور اس سے پیشتر بھی تھے۔ بلکہ یہ کام اس روحانی طاقت کا ہے جو خداوند تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے سے ملتی ہے۔

جماعت احمدیہ کی کامیابی امام وقت کی روحانی طاقت کا اثر ہے: یہی وہ چیز تھی جو امام وقت نے

اپنی جماعت کے اندر پیدا کی اور اس کی بدولت وہ جسمانی اور مالی قربانیاں کرنے کے قابل ہوئے۔ اور اسی کی بدولت ان کو وہ نصرت الٰہی بھی ملی جس نے آج ایک چھوٹی سی جماعت کو اس قابل بنا دیا کہ اس نے صدیوں سے تاریکی کے اندر پڑے ہوئے ممالک کے اندر، جہاں چاروں طرف اسلام سے نفرت کی جاتی تھی، وہ پروانے بھی پیدا کر دیئے جو مخالفت کی آگ کی پروانہ کرتے ہوئے اسلام کو قبول کرتے اور اپنے دلوں کی تسکین کا موجب اسے پاتے ہیں۔ اور علی الاعلان اپنی قوموں کو اس طرف بلاتے ہیں۔ اور زبان حال سے ہی نہیں قال سے بھی پکارتے ہیں اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ (72:1-2)

امام المجاہدین کی خدمت میں نذرِ عقیدت: میں حضرت مسیح موعود کی وفات کی اس سالانہ تقریب پر یہ نذرِ عقیدت اسلام کے اس امام المجاہدین کی خدمت میں نذرِ عقیدت پیش کرتا ہوں کہ جن باتوں کو اج سے ساٹھ سال پیشتر اس کی روحانی آنکھوں نے دیکھا آج ہم انہیں اپنی جسمانی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔

ہم نے نہ صرف یہ نظارہ دیکھا کہ اسلام کی گرتی ہوئی بلکہ گری ہوئی جسمانی طاقت میں از سر نو زندگی پیدا ہوگئی۔ اور ''بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنارِ بلندتر محکم افتاد'' کو پورا ہوتا ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا نظارہ بھی دیکھا۔ نہ صرف عیسائیت کا حملہ اسلام پر رُک گیا بلکہ اسلام کا حملہ عیسائیت پر شروع ہوگیا۔ وہ تمام آرزوئیں جو آپ کے دل میں تھیں ان کو ایک ایک کر کے پورا ہوتا دیکھا۔ ہم نے آپ کی اس آرزو کو بھی پوا ہوتے دیکھا کہ قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ ہو کر دنیا میں پھیل گیا۔ بلکہ اور بھی بہت سی زبانوں میں یہ ترجمہ ہو کر یورپ اور امریکہ کے ممالک میں پھیل گیا۔ اس آرزو کو بھی پوری ہوتے دیکھا کہ یہ لٹریچر اب تمام ممالک میں پھیل رہا ہے۔ اور عنقریب دنیا کی پانچ ہزار لائبریریوں میں پہنچ جائے گا۔ اس آرزو کو بھی پورا ہوتے دیکھا کہ خود مسلمانوں نے قرآن کو سب چیزوں پر مقدم کرنے کے لئے قدم اُٹھایا۔ اور قرآن کریم نے ان کے سینوں کو روشن کرنا شروع کر دیا۔ اس آرزو کو بھی پورا ہوتے دیکھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتظار کرنے کی بجائے خود تبلیغ اسلام کی طرف قدم اُٹھانے لگے۔

لَا نُبْقِیُ لَکَ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا کا نظارہ: مسیح موعود ماننے میں اب صرف ایک ہی قدم باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ روک بھی حضرت مسیح موعود کے پیروؤں کے بڑے حصہ نے پیدا کر رکھی ہے۔ یعنی آپ کی طرف دعویٰ نبوت کو منسوب کرنا۔ جسے آپ خود اپنے اوپر افتراء قرار دے چکے ہیں۔ مگر الحمد للہ کہ ہم اس الزام سے بھی آپ کے دامن کا پاک ہونا اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یعنی جماعت قادیان کے پیشرو نے بھی پہلے مسلمانوں کی تکفیر سے قدم پیچھے ہٹایا اور اب دعوی نبوت کے متعلق بھی قدم پیچھے ہٹا رہے ہیں۔ لفظ ''خاندان نبوت'' کا علانیہ ترک کرنا، کوئی چھوٹا سا قدم نہیں۔ اور اس کے بعد اب بجائے نبوت کے آپ کی مجددیت کو ہی زیادہ تر پیش کیا جاتا ہے۔ لَا نُبْقِیُ لَکَ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا کا نظارہ بھی ہم نے اپنی زندگیوں میں دیکھ لیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا

خاکسار محمد علی 15 مئی 1951ء

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کراچی سے اپنے خط مورخہ 6 جون 1951ء میں رقم طراز ہیں:

''بہت سے خطوط ایسے آ رہے ہیں کہ احباب کو پیغام صلح سے میری صحت کے متعلق اطلاع نہیں ملتی۔ ویسے کوئی خاص بات اطلاع دینے والی بھی نہیں۔ کمزوری چل رہی ہے مگر اب میں کوٹھی کے لان میں ٹہل بھی لیتا ہوں، ویسے ڈاکٹر پراچہ صاحب نے، جو میرے پچھلے سال کے معالج ہیں، کارڈیوگرام بھی لیا ہے اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ دل کی حالت بالکل ٹھیک ہو چکی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ والسلام

خاکسار محمد علی

17 اکتوبر 1951ء

علم و ہدایت کا نورانی ستارہ غروب ہو گیا

اَلْقَلْبُ يَحْزُنُ وَالْعَيْنُ تَدْمَعُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى بِهِ اللّٰهُ

دل غم والم سے بھرپور ہے۔ آنکھیں اشکبار ہیں۔ لیکن ہم کچھ نہیں کہتے سوائے اس کہ جس پر اللہ راضی ہے

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

وہ انسان وہ عالم دین اور پاکباز مجاہد، جس نے مسیح موعود کے قدموں میں بیٹھ کر علم و حکمت اور ہدایت و روحانیت کے موتی اکٹھے کئے اور پورے پچاس سال تک اس قلم کے ذریعہ، جو خدا کے مسیح نے اسے عالمِ مکاشفہ میں عنایت کی، دنیا کو ان موتیوں سے مالا مال کرتا رہا۔ جس نے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ اور اسلامی لٹریچر کے ذریعہ سے نہ صرف پڑھے لکھے مسلمانوں کے گرتے ہوئے ایمانوں کو بچایا اور ''مسلماں را مسلماں باز کردند'' کے الہام الٰہی کو سچا کر دکھایا بلکہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کے متعلق ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ وہ بلند پایہ ہستی، جس نے اپنے علمی و روحانی کارناموں کی وجہ سے ایک ایسی بین الاقوامی شہرت حاصل کی کہ آج علوم دینی سے مستفیض ہونے کے لئے دنیا کی بڑی بڑی شخصیتوں کی نظریں اسی کی طرف اُٹھتی تھیں۔ ہاں! وہ عالی وقار انسان، جس نے مسیح موعود کی جماعت کو نبوت و تکفیر کے اتھاہ گڑھے میں گرنے سے بچایا اور ختم نبوت کو دوبارہ دنیا میں قائم کیا، یعنی حضرت مولٰنا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور آج ہم سے جدا ہو کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. حضرت مولٰناؒ نے یوم عاشورہ 10 محرم الحرام 1371ھ مطابق 13 اکتوبر 1951ء کو کراچی میں ایک طویل بیماری اور راہ الٰہی میں مسلسل قلمی جہاد کے بعد 75 سال کی عمر میں اپنی جان عزیز جاں آفرین کے سپرد کی۔ جس کی خبر اسی دن ریڈیو کے ذریعہ سے چہار کناف عالم میں پھیل گئی۔ آپ کا جنازہ 14 اکتوبر 1951ء کو شام کے ساڑھے چھ بجے پاکستان میل سے لاہور لایا گیا۔ جہاں جماعت احمدیہ کے کثیر التعداد افراد مغربی پاکستان کی چاروں اطراف سے آ کر جمع ہو گئے اور نہایت غم والم کے ساتھ رات کے آٹھ بجے مسجد احمدیہ بلڈنگس میں پانچ سو سے زیادہ آدمیوں نے نماز

جنازہ پڑھی۔ نو بجے اپنے پیارے امیر کی لاش کو قبرستان میانی صاحب میں دفن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فردوسِ بریں میں جگہ دے اور آپ کے لواحقین اور تمام جماعت کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ہم حضرت مرحوم کی بیگم صاحبہ اور آپ کے فرزندانِ عزیز محمد احمد صاحب اے ٹی او نارتھ ویسٹرن ریلوے اور حامد فاروق صاحب سے (جو آج کل انگلستان میں زیر تعلیم ہیں) اور دیگر تمام لواحقین سے بالخصوص میاں نصیر احمد صاحب فاروقی سے، جنہوں نے ایام بیماری میں تیمارداری اور خدمت کا پورا پورا حق ادا کیا، دلی ہمدردی کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے ساتھ ہو اور حضرت ممدوح کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آپ کے برادران حقیقی بالخصوص حضرت مولٰینا عزیز بخش صاحب سے بھی ہم دلی رنج واندوہ کا اظہار کرتے ہوئے ان کے لئے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔

24 اکتوبر 1951ء

حضرت امیرؒ کی آخری وصیت

حضرت امیر مولٰینا مولوی محمد علی صاحب 31 مئی 1951ء کو لاہور سے کراچی تشریف لے گئے۔ روانگی سے ایک دن پہلے انہوں نے ایک خط مولٰینا احمد یار صاحب سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو لکھا۔ جس کے ساتھ دو سر بمہر لفافے بھی تھے۔ ان میں سے ایک لفافہ آپ نے بعد میں کراچی میں واپس منگوالیا۔ دوسرا لفافہ، جو قبر کے متعلق تھا، آپ کی وفات کے بعد لاہور میں کھولا گیا۔ اور آپ کی منشاء کے مطابق قبر بنوائی گئی۔ حضرت ممدوح کا محولہ بالا خط اور وصیت در بارہ قبر کا مضمون درج ذیل ہے:

اخویم مکرم معظم مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اس خط کے ساتھ دو لفافے سر بمہر بھیج رہا ہوں۔ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (34:32 مرتب) موت ایک حقیقت ہے جس کے لئے ہر وقت انسان کو تیار رہنا چاہئے۔ اور بالخصوص میرے جیسے عمر رسیدہ مریض کو۔

خواہ میں لاہور میں ہوں یا باہر۔ اگر آپ کو میری وفات کی خبر پہنچے تو سب سے پہلے اس لفافہ کو کھولیں جس پر لکھا ہوا ہے وصیت در بارہ قبر۔ اور اس کے مطابق قبر کے لئے ہدایت کر دیں۔

دوسرے لفافہ (یہ لفافہ آپ نے وفات سے چند یوم پہلے کراچی واپس منگوالیا) میری وصیت در بارہ جنازہ اس کو بعد میں بموجودگی چند سرکردہ احباب، جو پہنچے ہوئے ہوں، کھولا جائے۔ اور مہر انہیں محفوظ دکھا دیں۔ ہاں ان سے یہ درخواست ہے کہ وہ اسے بصیغہ راز رکھیں۔ البتہ عمل درآمد میری اس وصیت کے مطابق ہو۔ یہ میری آخری خواہش ہے۔ مجھے کسی سے عناد نہیں۔ اور سب کی دعائے مغفرت کا محتاج ہوں۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی۔

وصیت برائے قبر: ’’میری مدت سے یہ خواہش رہی ہے کہ میری قبر ایسی جگہ ہو جہاں میں اپنے ان ساتھیوں کے، جو مجھ سے پہلے اپنے مولا سے جا ملے ہیں، قدموں کی طرف لیٹا ہوا ہوں۔ لہٰذا میری یہ وصیت ہے کہ میری قبر اس جگہ ہو جو ہمارے قبرستان کے داخلہ کے دروازہ کے ساتھ ہی دائیں طرف ہے☆ اور وہاں کم سے کم دو قبروں کی جگہ خالی ہو۔ ایک میری قبر اور ایک میری اہلیہ کی قبر۔ اس کے متعلق اگر انجمن کوئی رقم تجویز کرے تو وہ میری اہلیہ ادا کر دے گی۔‘‘ محمد علی۔ 31 جنوری 1944ء

☆ میرا مطلب اس جگہ سے ہے جہاں چڑھائی چڑھ کر قبرستان میں داخل ہوتے ہیں۔ 30 مئی 1951ء

17 اکتوبر 1951ء

آہ! حضرت امیرؒ

اخبار کا بہت سا حصہ مرتب ہو چکا تھا کہ حضرت امیر مولٰینا مولوی محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے واصل بحق ہونے کی خبر کراچی سے موصول ہوئی جو دوسری جگہ درج ہے۔ جی نہیں چاہتا کہ حضرت مغفور کو وفات یافتہ کہا جائے۔ باوجود اس کے کہ آپ کی لاش کو ہم اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کر چکے ہیں۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ابھی زندہ ہیں۔ اور اسی سادہ مزاجی اور متبسم چہرے کے ساتھ جو آپ کا خاصہ تھا ہمارے اندر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدہ عالم دوامِ ما

آپ عاشق قرآن تھے اور قرآن چونکہ ایک زندہ اور پائندہ کتاب ہے اس لئے اس کے عشق نے آپ کو بھی فوتیدگی کے باوجود زندہ کر دیا ہے۔ اور یہ وہ زندگی ہے جس کو کبھی فنا نہیں۔ رہتی دنیا تک آپ کا عشق قرآن آپ کے زندہ ہونے کا اعلان کرتا رہے گا۔

حضرت مولٰینا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے 1902ء سے خدمت دین کا کام شروع کیا۔ وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد دنیوی کاروبار سے الگ ہو گئے۔ اور ایک ایسے شاندار مستقبل پر، جو دنیا والوں کی نظروں میں بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، لات مار کر خدا کے مسیح کے قدموں میں دھونی رما کر بیٹھ گئے۔ رسالہ ریویو آف ریلجنز آپ ہی نے حضرت مسیح موعود کے حکم سے جاری کیا۔ جس میں اس زندہ اسلام کو، جو ماموروقت نے دنیا کے سامنے پیش کیا، ان تازہ بتازہ الہامات کو، جو ہستی باری تعالیٰ کا کھلا ثبوت پیش کرتے ہیں، انگریزی جامہ پہنا کر ان لوگوں کے ایمانی جذبہ کو زندہ کرنا شروع کیا جو فلسفہ و سائنس کے حملوں کی تاب نہ لا کر اسلام کی صداقت پر اپنا ایمان کھو چکے تھے۔ اس رسالہ نے بہت بڑی مقبولیت اس وقت دنیا میں حاصل کی اور عام طور پر اسے بہت بڑی عزت اور وقعت کی نظروں سے دیکھا گیا۔

وہ دن جائے اور آج کا دن آئے، اس پچاس سال کے لمبے عرصہ میں حضرت مولٰینا کا قلم نہ رُکنا تھا اور نہ رُکا۔ 1910ء میں حضرت مولٰینا نور الدینؒ نے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا کام

آپ کے سپرد کیا۔ آپ نے ریویو کی ادارت سے الگ ہو کر مسلسل سات سال قرآن کریم کو انگریزی جامہ پہنانے میں اس قدر محنت شاقہ سے کام لیا، جو ایک عاشق زار کے سوائے کوئی نہیں کر سکتا۔ اس ترجمہ وتفسیر کا ابتدائی خاکہ حضرت مولٰینا نورالدینؒ ہی کی زندگی میں تیار ہو چکا تھا، اور آپ اپنی زندگی کے آخری ایام میں بسترِ مرگ پر لیٹے ہوئے روزانہ اس کو سنتے رہے۔ جس سے آپ اس قدر خوش تھے کہ حضرت مولٰینا محمد علی صاحب جب ترجمہ وتفسیر سنانے کے لئے جاتے تو آپ خوش ہو کر فرماتے ''تو بیا کہ زندہ مانم''۔ یہاں تک کہ جب پورا قرآن ختم ہوا تو ایک ملہم من اللہ کو الہام ہوا کہ ترجمہ قرآن مقبول ہو گیا۔ اس الہام کو سن کر حضرت مولٰینا نورالدین اور تمام جماعت سجدہ میں گر گئی۔ اور آپ نے جماعت کو نصیحت کی کہ ترجمہ قرآن کا انکار نہ کرنا، حضرت مولینا نورالدینؒ تو 1914ء میں فوت ہو گئے۔ اور قرآن آپ کے بعد 1918ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ پھر الہام الٰہی کی صداقت کو ہم نے اپنی آنکھوں سے ثابت ہوتے ہوئے دیکھا۔ جو مقبولیت اس ترجمہ قرآن کو خدا نے دی وہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو۔ یورپ کے متلاشیانِ حق نے اسی قرآن سے نور ہدایت حاصل کیا۔ انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانوں نے، جن کا ایمان قرآن سے اُٹھ چکا تھا، اس سے دوبارہ نور ایمان پایا۔ ہندوستان، مصر، ترکی اور کئی دیگر ممالک کے لوگوں نے اس کا اعتراف کیا کہ ہم دہریہ ہو چکے تھے۔ اسلام سے ایمان اُٹھ چکا تھا۔ حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ قرآن نے دوبارہ ہمیں مسلمان کیا۔ **لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** (28:48) کا ارشاد قرآنی اور ''مسلماں را مسلماں باز کردند'' کا الہام الٰہی دونوں اس ترجمہ قرآن سے پورے ہوئے۔

نہ صرف ترجمہ قرآن، جو انگریزی کے علاوہ اردو میں بھی آپ نے کیا، بلکہ حدیث، سیرت، فقہ اور کئی مختلف مسائل پر بیسیوں کتابیں انگریزی اور اردو میں آپ نے لکھیں۔ جو دنیا بھر میں مقبول ہوئیں اور مختلف زبانوں میں ان کے تراجم شائع ہوئے۔ ان کتابوں اور ترجمہ قرآن کی وجہ سے آپ کی شہرت دنیا بھر میں پھیل گئی۔ اور تمام دنیا میں اسلامی مسائل کے لئے آپ کو بطور سند مانا جانے لگا۔ اور جب کبھی کسی ملک سے کوئی اسلامی وفد آتا، کوئی یورپین یا امریکن متلاشی مذہب لاہور میں وارد ہوتا تو آپ سے ملنا وہ باعث افتخار سمجھتا تھا۔

یہ سب کچھ ان انفاس طیبہ کا نتیجہ تھا جو مسیح وقت نے آپ کے اندر پھونکے۔ آپ نے ہمیشہ اس بات کا اعتراف کیا۔ انگریزی اور اردو قرآن کے دیباچوں میں اس کا کھلا اعتراف موجود ہے۔ اور یہ کہنا بے جا نہیں کہ حضرت مسیح موعود اور حضرت مولانا نورالدین مرحوم و مغفور کے علمی و روحانی اثرات آپ کے اندر اس قدر سرایت کر گئے کہ آپ کے وجود میں بھی مجددیت ہی کا رنگ پایا جاتا ہے۔

یہ مجددیت آپ سے کھلے طور پر اس وقت ظہور پذیر ہوئی جب 1914ء میں حضرت مولانا نورالدینؓ کی وفات پر مسیح موعود کی جماعت ایک ایسے اتھاہ گڑھے میں گرنے والی تھی، جہاں اس کی اصل حیثیت اور مسیح موعود کی صحیح پوزیشن بگڑ کر کچھ کا کچھ بن جاتی۔ اس وقت آپ نے جماعت کی غالب اکثریت کی مخالفت اور طرح طرح کے خطرات کا سامنا کرتے ہوئے ایک ایسی آواز اُٹھائی جس کو دنیا نے حیرت واستعجاب کے کانوں سے سُنا اور آپ کی ہمت و جرأت پر صد آفرین کہے بغیر نہ رہ سکی۔ ’’مسیح موعود کا دعویٰ نبوت کا نہیں، آپ کے دعوے کو نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا، نبوت ختم ہو چکی اور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت کا اجراء ناممکن ہے۔‘‘ یہ وہ آواز تھی جو اس مردِ خدا نے نہایت ہمت اور دلیری کے ساتھ بلند کی۔ اس وقت اس آواز کو سننے والے اگرچہ معدودے چند لوگ تھے جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ آج نہیں تو کل یہ لوگ بھی جماعت کی اس غالب اکثریت کے ساتھ مل جائیں گے، جو فرزند مسیح موعود کے زیر قیادت قادیان اور اس کے تمام خزائن و املاک پر قابض ہو کر اجراء نبوت اور تکفیر المسلمین کی بھول بھلیوں میں پھنس چکی ہے۔ لیکن حضرت مولانا کی آواز دن بدن بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی اور دنیا نے دیکھا کہ وہی چند لوگ جن کے متعلق لَیُمَزِّقَنَّھُمْ (ہم انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے) کی پیشگوئیاں کی گئیں۔ طرح طرح کے الزامات اور ایذا رسانیوں سے انہیں ملیا میٹ کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ نہ صرف تعداد بلکہ خدمت دین کے کاموں میں بھی آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور وہ شخص، جو قادیان سے ایک پیسہ لئے بغیر یکہ وتنہا نکل کر آیا تھا، تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں انسانوں کی عقیدت وارادت کا مرجع بن گیا۔ اور کروڑوں روپیہ اس کے قدموں پر نثار ہونے لگا۔ اس وقت جب قادیان کی اس انجمن نے، جس کو مسیح موعود نے اپنے جانشین قرار دیا تھا، خود اپنے بنائے ہوئے خلیفہ کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے، اور اصول جمہوریت کو ختم کر کے ایک شخص کی آمرانہ حیثیت تسلیم کر لی، حضرت مولانا محمد علی صاحب نے حضرت مسیح موعود کی وصیت

کو پھر تازہ کیا۔ اور اس کے ماتحت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی۔ اور مسیح موعود کے فرمان کے مطابق کثرت رائے کو اس کا بنیادی اصول قرار دیا۔ اس انجمن نے سینتیس سال کے عرصہ میں جو عظیم الشان کام کئے ہیں، حضرت مولٰینا کے تراجم قرآن، حدیث اور دیگر اسلامی لٹریچر کی اشاعت، بیرونی ممالک میں تبلیغی مشنوں کے قیام اور مساجد کی تعمیر کے ذریعہ سے اعلاء کلمۃ اللہ کا جو فرض ادا کیا ہے اور کر رہی ہے، وہ تاریخ اسلام میں ایک ایسا سنہری باب ہے جس کی نظیر تمام اسلامی دنیا میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ یہ کام اگرچہ ایک جمات نے کیا ہے، لیکن اس کا سہرا اس شخص کے سر پر ہے جس نے یہ جماعت بنائی۔ غلو و تکفیر کی لعنت سے چھڑا کر اسے صحیح اصولوں پر کھڑا کیا۔ اور ہر قسم کے طوفانوں سے، جو اس سینتیس سال کے عرصہ میں اس کی ہستی کو فنا کرنے کے لئے آئے، اسے بچاتے ہوئے منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہ ایک بیدار مغز انسان تھا۔ عزم راسخ کا مالک اور یقین محکم کا پیکر۔ اس کے اس ایمان یقین کو، کہ اسلام دنیا پر غالب آنے والا ہے، دنیا کا بڑے سے بڑا حادثہ متزلزل نہ کر سکا۔ اس عزم راسخ کو، کہ یورپ اور امریکہ میں اسلامی مشن قائم کئے جائیں، اسلامی لٹریچر اور تراجم قرآن دنیا میں پھیلائے جائیں، کوئی بڑی سے بڑی مخالفت توڑ نہ سکی۔ یہاں تک کہ کئی موقعوں پر سخت ترین مالی مشکلات کی وجہ سے ان کاموں کا چلنا بظاہر ناممکن نظر آنے لگا، لیکن آپ کے عزم راسخ اور پیہم مساعی نے ان کو بھی دور کر دیا۔ یہ اس بیداری مغزی کا نتیجہ تھا جو مسیح موعود کی صحبت میں آپ کو حاصل ہوئی۔ اور یہی بیدار مغزی، یہی عزم راسخ اور یقین و ایمان آپ نے جماعت کے اندر پیدا کیا۔ اور یہ کہنا بے جا نہیں کہ جس کام کو لے کر آپ اُٹھے تھے، اس کو بہت حد تک تکمیل تک پہنچا کر کامیاب اس دنیا سے گئے۔ ایسی ہستیاں بہت کم دنیا میں پیدا ہوتی ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آہ! مسیح موعود کا ایک ایسا ساتھی آج ہم سے جدا ہو گیا جس کا وجود مسیح موعود کے مقاصد کی تکمیل اور دنیا جہان کے لئے ابر رحمت کا موجب تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے دل اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ لیکن اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کے سوائے اور کیا کہا جا سکتا ہے!

ہاں اس موقعہ پر جماعت سے بھی ہمیں یہ غرض کرنا ہے کہ ایسے واقعات ہمیشہ قوموں کی زندگیوں میں آتے رہتے ہیں۔ خدا کے کاموں میں کوئی شریک نہیں۔ بڑے سے بڑا انسان دنیا سے گذر

جاتا ہے اور خدا کے کام پھر بھی چلتے رہتے ہیں۔ اس لئے یہ خوب یاد رکھئے کہ جس کام کو لے کر آپ کھڑے ہوئے ہیں وہ صرف حضرت مولیٰنا محمد علی صاحب ہی سے وابستہ نہ تھا۔ یہ خدا کا کام ہے اور ہم میں سے ہر ایک اس کا ذمہ دار ہے۔ حضرت مسیح موعود نے اور آپ کے بعد حضرت مولیٰنا محمد علی صاحب نے اس کام کو چلانے کے لئے انجمن ہی کو خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین قرار دیا۔ وہ انجمن اب بھی موجود ہے اور امید ہے کہ پہلے سے زیادہ سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ اس کام کو چلائے گی۔ اس لئے آپ کسی قسم کی مایوسی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیں۔ کسی خناس کے وسوسوں پر کان نہ دھریں اور ہمیشہ اس صحابیؓ کے قول کو پیش نظر رکھیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی غلط خبر سُن کر بڑی جرأت کے ساتھ کہا **قَاتِلُوْا عَلٰی مَاقَاتَلَ عَلَیْہِ** آؤ ہم بھی اس مقصد کے لئے لڑیں جس مقصد کے لئے نبی کریمؐ لڑتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول پیش نظر رکھیں **اَ لَا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ وَحْدَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَایَمُوْتُ** جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا وہ سُن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وصال پا گئے اور جو شخص ایک خدا کی عبادت کرتا تھا سو وہ خدا زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔

پس اسی زندہ خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی سے مدد مانتے ہوئے اس کام کو پہلے سے زیادہ ہمت و مستعدی کے ساتھ چلانے اور خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین انجمن کی معاونت کا عزم کر لیجئے کہ اسی سے آپ کی کامیابی اور نجات وابستہ ہے **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ**.(173:3) **نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ** (40:8)

۞۞۞

17 اکتوبر 1951ء

احباب جماعت کی خدمت میں ضروری التماس

مجلسِ معتمدین کا اجلاس 28 اکتوبر 1951ء کو ہوگا

برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ حضرت امیر قوم مولٰینا محمد علی صاحبؒ کی وفات حسرت آیات سے جماعت کے کندھوں پر جو بوجھ اور ذمہ داری آپڑی ہے، اس سے کوئی شخص بے خبر نہیں۔ اب احباب جماعت کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض کو پہلے سے زیادہ محسوس کریں اور حضرت ممدوح کے بعد جن مسائل اور مشکلات سے جماعت کو دو چار ہونا ہے۔ اُن کے حل اور ازالہ کے لئے آج سے کمر بستہ ہو جائیں۔ اور ارشاد باری تعالیٰ وَ كَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا (146:3) کا مصداق بنتے ہوئے کسی قسم کی غفلت کمزوری اور وھن کو اپنے نزدیک نہ پھٹکنے دیں۔ بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعت دین حق کے لئے اپنی مساعی کو تیز تر کر دیں۔ اپنی زندگی میں وہ خدا کا برگزیدہ بندہ سب کچھ اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے تھا۔ رات کو اُٹھ کر جماعت کے لئے دعائیں کرتا تھا۔ دشمنان اسلام کے حملوں کو روکتا تھا۔ اور ان کے قلعوں پر دلائل حقہ کے گولے برساتا تھا۔ انجمن جب مالی مشکلات میں مبتلا ہوتی تھی انہیں جب تک حل نہ کر لیتا تھا تب تک اسے چین نہ آتا تھا۔ مگر اب یہ تمام ذمہ داری جماعت پر آن پڑی ہے۔ اس نازک وقت میں اگر ہم نے ذرا بھی سستی سے کام لیا اور اپنے فرض کو نہ پہچانا تو اشاعت اسلام کے کام کو وہ نقصان پہنچے گا جس کی تلافی شائد ایک لمبے عرصہ تک نہ ہو سکے۔ ہم تمام طاغوتی طاقتوں کے مقابلہ میں بنیان مرصوص بن جائیں اور شیطانی وساوس کو اپنے قریب نہ آنے دیں بلکہ رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا کا ورد کرتے ہوئے حق و باطل کی اس جنگ میں اپنی پیش قدمی کو جاری رکھیں۔ وَبِاللّٰهِ التَّوۡفِيۡقِ موجودہ صورت حالات پر غور کرنے کے لئے 28 اکتوبر 1951ء کو اتوار مجلس معتمدین کا ایک غیر معمولی اجلاس ہونا قرار پایا ہے۔ جملہ ممبران سے پُر زور استدعا ہے کہ وہ ضرور اس میں شمولیت فرماویں۔ تا کہ ان اہم امور پر پوری طرح غور و خوض ہو سکے۔ جو حضرت کی وفات سے پیدا ہوئے ہیں۔ فقط والسلام

خاکسار۔ احمد یار جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ 17 اکتوبر 1951ء

17اکتوبر1951ء

حضرت امیرؒ کی وفات پر حضرت مولٰینا عزیز بخش صاحب کا پیغام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مکرم برادران جماعت۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

10 محرم1371ء مطابق13اکتوبر1951ء بروز شنبہ بوقت ساڑھے گیارہ بجے دن کے کراچی میں میرے پیارے بھائی محمد علی، کا جو مجھ سے قریباً تین سال چھوٹے تھے، قضا الٰہی سے انتقال ہو گیا۔ اِنَّـا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ مرحوم اس دنیا میں میرے ایک دائمی رفیق تھے۔ ہمارے والد مرحوم حافظ فتح الدین نمبردار موضع مرار ریاست کپورتھلہ کو ہم دونو بھائیوں کو دینی ودنیاوی علوم سے بہرہ ور کرنے کا از حد شوق تھا۔ اس لئے اپنی جائے سکونت کے قریبی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم چوتھی پانچویں پرائمری تک حاصل کرنے کے بعد ہمارے والد مرحوم نے رندھیر کالج کپورتھلہ میں، جو اپنے گاؤں سے دس کوس کے فاصلہ پر جنوب کی طرف تھا، داخل کر دیا جہاں سے ہم نے 1890ء میں انٹرنس پاس کیا۔ اس کے بعد والد مرحوم ہم کو گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل کر گئے۔ جہاں سے ہم دونوں نے 1896ء میں بی اے پاس کیا۔ اس کے بعد مولٰینا نے اسی کالج سے ایم اے انگریزی کا پاس کیا اور اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر رہے۔ اور میں نے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے سینیئر اینگلوورنیکولر سرٹیفکیٹ کا امتحان پاس کیا۔ 1897ء تک ہم دونوں اکٹھے رہے۔ اس کے بعد ایک دوسرے سے کچھ عرصہ کے لئے جدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو پھر احمدیہ بلڈنگس لاہور میں اکٹھا کر دیا۔ جدائی کے ایام میں مولٰینا مرحوم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؑ کی خدمت میں قادیان میں رہے اور میں ڈیرہ غازی خاں، جھنگ اور امرتسر میں اپنی ملازمت پر رہا۔ اس اثناء میں بھی ہماری ملاقات وقتاً فوقتاً ہوتی رہی۔ آج اس مقدس ہستی کے سوگ میں بیٹھا ہوں وَلَا اَقُوۡلُ اِلَّا مَایَرۡضٰی بِہِ اللّٰہُ پیچھے آئے اور پہلے چلے گئے۔ جب خدا تعالیٰ چاہے گا اب ان سے اور دیگر مقدس ہستیوں سے عالم آخرت میں ہی ملیں گے اِنَّ ھٰـذَا لَھُـوَ حَقُّ الۡیَقِیۡنِ. فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ. (56:95-96)

❀❀❀

24 اکتوبر 1951ء

حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب کے وصال پر اخبارات کے تبصرے

روزنامہ آفاق لاہور (18 اکتوبر 1951ء)

ایک عالم دین کا انتقال: روزنامہ ''آفاق'' میں مرزا نظارت بیگ کے قلم سے ''ہماری ادبی سرگرمیاں'' کے زیرعنوان ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس میں ایک ضمنی سرخی ہے ''ایک عالم دین کا انتقال''۔ مضمون نگار رقمطراز ہے:

''لاہور کے علمی حلقوں میں یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ پنجاب کے مشہور عالم دین اور انجمن اشاعت اسلام لاہور کے بانی مولانا محمد علی انتقال کر گئے۔ وفات کے وقت مولانا کی عمر 75 سال کی تھی''

''مرحوم 1874ء میں کپورتھلہ کے ایک گاؤں ''مرار'' میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے کرنے کے بعد 1895ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایل۔ایل۔بی کی ڈگری حاصل کی۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم یافتہ خال خال ملتے تھے اور سرکاری ملازمتوں میں انہیں مونہہ مانگا انعام ملتا تھا، مولانا مرحوم نے نوکری پر اسلام کو ترجیح دی۔ شروع میں وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے معتقد تھے۔ لیکن بعد ازاں وہ ان کی نبوت سے منکر ہو گئے ☆ اور 1914ء میں قادیان کو خیرباد کہہ کر لاہور میں سکونت اختیار کر لی۔ اور یہاں انجمن احمدیہ اشاعت اسلام کے قیام کے بعد اس کے صدر منتخب ہوئے''

''علمی اعتبار سے مولانا مرحوم کی شخصیت کے دو پہلو ہیں۔ ایک اسلامی اور بین الاقوامی۔

☆ یہ خیال صحیح نہیں۔ حضرت مولٰینا مرزا صاحب کے ہمیشہ معتقد اور مرید رہے۔ اور انہی کے مشن کی تکمیل کے لئے وہ مہتمم بالشان خدمات سرانجام دیں جن کا ذکر اس تبصرہ میں کیا گیا ہے۔ قادیانیت علیحدگی صرف اس وجہ سے ہوئی کہ حضرت مرزا کو وہاں مدعی نبوت قرار دینا شروع کر دیا گیا۔ حالانکہ وہ مدعی نبوت نہ تھے (ایڈیٹر پ۔ص)

دوسرا جماعتی۔ جماعتی حیثیت سے انہوں نے ایک مخصوص گروہ کے لئے پمفلٹ لکھے اور اسے ابھارنے کے لئے زور قلم صرف کیا۔ اس پہلو سے اکثر لوگوں کو اختلاف ہوسکتا ہے اور عقیدے کے اعتبار سے ہر مسلمان کو ہونا چاہئیے۔ لیکن ان کی دوسری حیثیت زیادہ مستحکم ہے"

"اس زمانے میں جبکہ پڑھے لکھے لوگ مغربی کلچر سے بہت مرعوب تھے، مولانا نے قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ کرکے انہیں راہ ہدایت دکھائی۔ اس کا اعتراف مولٰینا ابوالکلام آزاد اور مولٰینا عبدالماجد دریابادی نے اپنے ہفتہ وار اخبار "سچ" کی 25 جون 1943ء کی اشاعت میں لکھا تھا"

"مولٰینا محمد علی نے قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ کرکے اسلام کی جو مہتمم بالشان خدمت سرانجام دی ہے اس کا اعتراف کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی، بلکہ ہزاروں نیم مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نہایت مسرت سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال، جب میں ظلمت دوہریت کی گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا۔ میرے لئے شمع ہدایت بن کر آئیں اور مجھے اسلام کا سیدھا رستہ سمجھایا۔ کامریڈ والے مولانا محمد علی مرحوم بھی اس ترجمہ کے بہت شائق تھے اور وہ ہمیشہ اس کی تعریف کیا کرتے تھے"

"یہ ترجمہ اتنا مقبول ہوا کہ غیر ملکی زبانوں میں بھی اس کے ذریعے قرآن مجید کا ترجمہ کیا گیا۔ اسی کی وجہ سے انہوں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ پچھلے دنوں جب ترکی کے ایک اخبار کے نمائندے کی حیثیت سے مس ترمان لاہور تشریف لائیں تھیں تو انہوں نے مولانا کے سامنے اقرار کیا تھا کہ اسی ترجمے کے ذریعے وہ ظلمت کی گہرائیوں سے بچ سکیں اور لاہور آنے سے قبل میں نے یہ عہد کیا تھا کہ میں اس شخص کے ہاتھوں کو بوسہ دوں گی جس نے کلام الٰہی کو میرے سامنے منکشف کیا"

"مولانا مرحوم نے اسلام پر انگریزی میں کوئی ساٹھ سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور "دین اسلام" بہت مشہور ہے۔ قرآن کریم کے ترجمہ کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ "دین اسلام" بھی ان کی شہرہ آفاق تصنیف ہے اور اسلام کے متعلق انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے"

ہفت روزہ "سٹار" (انگریزی) 20 اکتوبر 1951ء: "مولانا محمد علی۔ 13 اکتوبر کو ساڑھے گیارہ بجے ایک

مشہور عالم دین اور مذہبی قائد (مولٰینا محمد علی امیر احمد یہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) اس جہان فانی سے گزر گئے''

مولٰینا محمد علی بالکل چھوٹی عمر میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے فوراً بعد مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروؤں میں شامل ہو گئے اور جماعت احمدیہ کے ایک ماہوار رسالہ ریویو آف ریلیجنز کو، جس کا پہلا پرچہ جنوری 1902ء میں شائع ہوا، ایڈٹ کرتے ہوئے ایک انگریزی مضمون نویس کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئے۔ اس ماہوار رسالہ نے، جو مذاہب عالم کے متقابلہ مطالعہ کے لئے وقف تھا، مولٰینا محمد علی صاحب کے زیرادارت اسلام کی نہایت شاندار خدمات سرانجام دیں۔ اس نے مسیحی مشنریوں کے حملوں کے خلاف اسلام کی مدافعت کا حق ادا کیا اور پرانے خیالات کے یوروپین مستشرقین کی خامیوں کو واشگاف کیا، جن کی تحریرات میں دیانتدارانہ نکتہ چینی اور عالمانہ تحقیقات کے بجائے اسلام کے خلاف بغض و تعصب کا رنگ زیادہ پایا جاتا تھا۔

بانی تحریک احمدیہ کی وفات کے بعد مولٰینا محمد علی کو قرآن کریم کا ایک انگریزی ترجمہ تیار کرنے کے کام پر لگایا گیا۔ لیکن یہ کام مولوی نورالدین صاحب کی زندگی میں مکمل نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ مولوی نورالدین صاحب کی وفات کے بعد سلسلہ احمدیہ میں کچھ اعتقادی امور اور سلسلہ کے مشن کو چلانے کے لئے عام پالیسی میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ مولانا محمد علی اس فریق کے قائد اور امیر تھے جس نے قادیان سے علیحدہ ہو کر لاہور میں اپنا ادارہ قائم کیا جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام موسوم ہے۔

قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ جو مولانا محمد علی صاحب نے تیار کیا 1917ء میں شائع ہوا اور اس اسلامی لٹریچر میں ایک قیمتی اضافہ کے طور پر اسے بہت بڑی مقبولیت حاصل ہوئی جو انگریزی زبان میں مسلمان علماء اور مذہبی لوگوں نے خود تیار کیا ہے۔ اور جو یوروپین اور امریکن فضلاء کے پیدا کردہ لٹریچر سے متمیز ہے۔ جنہوں نے اس موضوع پر ہمیشہ گہری اسلام دشمنی اور تعصب کے ماتحت، جو مسیحی مشنریوں کا خاصہ ہے، خامہ فرسائی کی ہے۔

قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے علاوہ مولٰینا محمد علی نے صحیح بخاری کا بھی انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور بہت سی اور بھی کتابیں ایسے موضوعات پر لکھیں جو ایک مذہبی اور اجتماعی نظام کی حیثیت

سے اسلام کی برتری سے تعلق رکھتے ہیں۔ موت نے انہیں ہمارے درمیان سے اُٹھا کر ایک ایسا خلا پیدا کر دیا ہے جس کا احساس ان تمام لوگوں کو مدتوں رہے گا جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے دلچسپی رکھتے اور اسے مسلمانوں کی زندگیوں میں ایک زبردست روحانی طاقت کی حیثیت سے زندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

ہفت روزہ **اَلْاعتِصَام** گوجرانوالہ (19 اکتوبر 1951ء): **مولینا محمد علی لاہوری کا انتقال۔مولینا محمد علی** صاحب امیر انجمن احمدیہ اسی برس کی عمر پا کر کراچی میں انتقال کر گئے۔ ہمیں ان کے خیالات وافکار سے ہمیشہ اختلاف رہا۔لیکن اس سے قطعی انکار نہیں کہ گذشتہ پچاس سال کی علمی و تصنیفی مساعی میں ان کا ایک مقام ہے۔ انہوں نے انگریزی اور اردو میں بڑی محنت اور کاوش سے کتابیں لکھیں اور اسلامیات میں اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مرزائیت کی ایسی تعبیر فرمائی ہے جس سے ختم نبوت کے عقیدہ سے تصادم نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ مرزا صاحب کو محض ایک مجدد مانتے تھے۔

یہ الگ بات ہے کہ خود مرزا صاحب کے دعاوی سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی۔ مگر انہوں نے مرزا صاحب کو جس روپ میں پیش کی ہے، اس سے مرزائیت کی بنیادیں بہرحال بدل جاتی ہیں اور یہ سلسلہ صرف ایک تبلیغی سلسلہ بن کر رہ جاتا ہے۔ تبلیغ اسلام ان کا خاص موضوع تھا۔ جس کو یہ اپنے ڈھب پر کامیابی سے نبھاتے رہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ان کی موت سے لاہور جماعت احمدیہ ایک متین اور سنجیدہ اہل علم سے محروم ہو گئی ہے۔

قسط دوم مطبوعہ دراشاعت 7 نومبر 1951ء

ہفت روزہ ''صدق'' لکھنو (24 اکتوبر 1951ء) ''مترجم قرآن کی وفات'' خبر شائع ہوئی ہے کہ مولانا محمد علی ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی (امیر جماعت احمدیہ لاہور) کا کراچی میں انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـآ اِلَیْـہِ رَاجِعُوْنَ مرحوم نے اپنی طویل تصنیفی زندگی میں اپنے قلم کے ذریعہ جو خدمات اسلام کی انجام دیں وہ اپنی جگہ پر بے مثل و بے مثال ہیں۔ انگریزی خوانوں بلکہ انگریزیت زدہ اُردو خوانوں کے بھی حق میں ان کا قلم ایک نعمت عظمیٰ تھا۔ خدا جانے کتنوں کے ایمان انہوں نے قائم کر دیئے۔ اور یورپ اور امریکہ وغیرہ کے کتنے بھٹکے ہوؤں کو انہوں نے اسلام کی راہ دکھا دی۔ ان کا انگریزی ترجمۃ القرآن 1919ء

یا 1920ء کا چھپا ہوا مدتوں انگریزی کا بہترین ترجمہ قرآن رہا۔ اور اب بھی اس کا شمار اچھے ہی ترجموں میں کیا جائے گا۔ ان کی ایک اور ضخیم انگریزی کتاب ''ریلیجن آف اسلام'' بھی بڑی اہم تبلیغی قدر و قیمت رکھتی ہے۔ ''مینول آف حدیث'' اور دوسری کتابیں اور رسالے بھی قابل قدر ہیں۔ اسی طرح اردو میں فضل الباری (شرح و ترجمہ صحیح بخاری) اور تفسیر بیان القرآن (تین جلدوں میں) اور مقام حدیث اور سیرت خیر البشرؐ اور خلافت راشدہؓ سب بہ حیثیت مجموعی فاضلانہ کتابیں ہیں۔ اور یہ کہنا شائد مبالغہ سے خالی ہو کہ اپنی عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ مرحوم نے خدمت دین ہی کی نذر رکھا تھا۔ 1942ء میں ایک بار مرحوم سے ذاتی نیاز حاصل ہوا تھا۔ انکسار، مسکنت و خوش خلقی کے علاوہ چہرہ سے تہجد گزاری کی نورانیت بھی نمایاں تھی۔ عقائد کے اہم جزئیات میں غلطیاں اور لغزشیں معتزلہ امامیہ، قدریہ وغیرہ سب سے ہوئی ہیں لیکن اثبات توحید کا مرتبہ بہرحال سب سے بلند ہے۔ اللہ مرحوم کی بھی خدمات دین کو حسن قبول عطا فرمائے۔

ہفت روزہ ''علیگ'' لاہور (21 اکتوبر 1951ء): ''مولوی محمد علی'' 13 اکتوبر 1951ء بروز شنبہ مولوی محمد علی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ علمی مجالس میں ان کی متنوع شخصیت ایک سر سبزہ شاداب پہاڑ کی سی تھی۔ جس سے علم و حکمت کے ہزاروں سوتے پھوٹے اور تشنگان کو سیراب کیا۔ مولوی صاحب نے ابدیت کا سفیر اختیار کیا۔ لیکن کلام پاک کا ترجمہ اور ریلیجن آف اسلام ان کی وہ معرکتہ الآرا تصانیف ہیں جو انہیں رہتی دنیا تک زندہ رکھیں گی۔ وہ ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ جس میں کچھ ایسی دلآویز جاذبیت تھی جو دوسروں کو اپنا لیتی تھی۔ ان کو ژرف نگہی اور ان کی باریک بینی انہیں واقعات کی تہہ تک پہنچا دیتی تھی۔ علوم دینیہ میں انہیں جو شغف تھا وہ کم لوگوں میں دیکھا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی مذہب و ملت کی خدمت میں بسر کی۔ اور یہی ان کا شاندار کارنامہ ہے۔ رشک صد عالماں بمرد

ہفت روزہ ''الامام'' (بہاولپور) (22 اکتوبر 1951ء): جماعت احمدیہ کے قائد مولانا محمد علی وفات پا گئے۔ لاہور 15 اکتوبر انجمن احمدیہ لاہور کے قائد مولانا محمد علی کو گذشتہ شب لاہور میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ نماز جنازہ میں مرحوم کے ایک ہزار سے زائد احباب اور عقیدت مندوں نے شرکت کی۔ مولٰینا محمد علی نے 76 سال کی عمر میں پرسوں کراچی میں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کیا اور آپ کی نعش کو کل شام لاہور لایا گیا۔ مولٰینا مرحوم کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے تقریباً تمام عمر مذہبی تبلیغ میں

صرف کی۔ اس مقصد کے لئے آپ نے تقریباً ساٹھ کتابیں تصنیف کیں۔ ان کتابوں میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ مولانا کی مذہبی خدمات گو ہمارے عقائد کے خلاف ہیں لیکن وہ ہمارے نزدیک قابل قدر ضرور ہیں۔ ہم ان کی جماعت اور پس ماندگان اور لواحقین سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔

روزنامہ ''ڈان'' کراچی (انگریزی سے ترجمہ) 16 اکتوبر 1951ء: ''مولوی محمد علی'' مولوی محمد علی جن کا انتقال کراچی میں ہوا ہے انہوں نے اس نصف صدی میں اسلامی افکار پر اتنا کام کیا ہے کہ شائد ہی کسی اور فرد نے کیا ہوگا۔ وہ علمی مسائل میں گھرے ہوئے محققانہ ذہن کے مالک صرف کتابیاتی ہی نہ تھے بلکہ ایک ایسے مبلغ تھے جنہوں نے اس ماحول میں دعوت بلند کی جبکہ اس برصغیر ہندو پاکستان پر اسلام مغربی مشنریوں اور ہندوؤں کی احیائی تحریکات کے بے پناہ حملوں کا ہدف بنا ہوا تھا۔ ان جیسا علمی امتیازات کا مالک ہی یقیناً سرکاری ملازمت کے مضبوط جذبہ کو فتح کرسکتا تھا جو ان دنوں تعلیم کا مطمع نظر سمجھی جاتی تھی اور انہوں نے تبلیغ کی زندگی اختیار کی۔ جس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کی وہ قرآن شریف کا انگریزی زبان میں ترجمہ تھا اور اپنے اس ترجمہ اور تفسیر کے پہلے ایڈیشن 1917ء کے بعد وہ ایک لمبی عمر تک جیئے۔ جس میں انہوں نے کئی اور تصانیف بھی کیں۔ ان میں سے ''محمدؐ دی پرافٹ'' اور ''ریلجن آف اسلام'' بہت اچھی خیال کی جاتی ہیں۔ مقدم الذکر ایک سیرت ہے اور موخر الذکر معلومات کا ایک انسائیکلوپیڈیا۔ بہ حیثیت ایک مبلغ کے مولوی محمد علی صاحب نے یورپی طریق اشاعت کی تکنیک کا نہایت سودمندانہ مطالعہ کیا ہوا تھا۔ اور ان کی بلند پایہ کتب میں اس بات کی جھلک صاف نظر آتی ہے کہ وہ اپنے مخصوص قارئین کے ہر طبقہ سے الگ الگ کس طرح خطاب کرے۔ ان کے اندر بے پناہ انرجی تھی۔ جو وہ اپنے کام کے لئے بروئے کار لائے تھے۔ اور جوں جوں سال گزرنے شروع ہوئے وہ اپنی جسمانی کمزوری کو اپنی قوت ارادی سے پورا کرتے رہے۔ اور تقریباً کام کرتے ہوئے فوت ہوئے۔ خاموش اور تنہائی پسند جیسے کہ وہ تھے وہ اور ان کی کتابیں اس بات کی ترجمان ہیں کہ ان کی تحریرات ان کی اپنی ذات سے بہت زیادہ مشہور تھیں۔ یہ وفات یقیناً ایک نقصان ہے۔ اور اس کا ماتم ان کے وسیع حلقہ رفقاء اور مداحوں کو سہنا پڑے گا۔ ہم اپنی دلی ہمدردیاں ان کے سوگوار خاندان کو پیش کرتے ہیں۔

24 اکتوبر 1951ء

حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی عظیم الشان المرتبت شخصیت کی وفات ایک نا قابل تلافی نقصان ہے

اتفاق واتحاد کی نعمت کو ضائع نہ ہونے دو اور قومی بہبودی کے لئے اپنی ہر چیز کو قربان کر دو

خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت مولٰینا صدرالدین صاحب مورخہ 19 اکتوبر 1951ء

''میرے دل میں امارت یا صدارت کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ صدارت یا امارت کا خیال تک بھی کبھی کسی وقت میرے دل میں نہیں گزرا اور نہ ہی اس وقت موجود ہے۔ میں سرداری نہیں چاہتا۔ ہاں ایک سپاہی کی طرح پوری جدوجہد کے ساتھ جماعت کی ترقی واستحکام کے لئے کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں وبا اللّٰہ التوفیق۔'' یہ وہ الفاظ ہیں جو حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے 19 اکتوبر 1951ء کو خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمائے۔ حضرت امیر مولانا محمد علی صاحبؒ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ اور آپ کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری تھے۔ یہاں تک آواز نکلنی دشوار ہوگئی۔ یہ خطبہ، جو آپ نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہے، من وعن درج ذیل ہے:

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضّل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لآ الٰہ الّا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھدانّ محمّدا عبدہٗ ورسولہ. اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ. یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ . وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا (3:102-103)

خدا خوفی اور قومی اتفاق واتحاد: ان آیات میں جو میں نے تلاوت کی ہیں زندگی بھر کے معاملات میں تقوٰی اور خدا خوفی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور اس کے ساتھ قومی اتفاق واتحاد پیدا کرنے اور اجتماعی طاقت کے بڑھانے کے متعلق احکام دیئے گئے ہیں۔ اجتماعی قوت کے حصول سے پیشتر خدا خوفی کی زندگی اختیار کرنے کی تلقین اس لئے ہے کہ اقتدار وطاقت کے بڑھنے سے قوم ظلم وفساد کا طریق اختیار کرنے سے اجتناب کرے۔ اور طاقت کے استعمال میں خدا کا خوف اور اس کی رضا اور اس کی

مخلوق کی خیر خواہی ملحوظ رکھے۔ اجتماعی طاقت واقتدار پر خدا کی برکات نازل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **ید اللّٰہ علی الجماعۃ.** کیونکہ اجتماعی طاقت کے بغیر دنیا میں نیکی نہیں پھیلائی جاسکتی اور نہ ہی اجتماعی طاقت کے بغیر ہم بدی کو مٹا سکتے ہیں۔ اس حکم کے اندر دو لفظ خصوصیت سے غور کے قابل ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا کے تمام کے تمام مسلمان مل کر **حَبْلِ اللّٰہِ** کو مضبوطی اور طاقت کے ساتھ پکڑیں۔ جیسا کہ **جَمِیْعًا** کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ آیت کریمہ **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ** (10:49) کی بنا پر تمام اسلامی دنیا کے افراد اور قومیں بھائی بھائی ہیں۔ اس عظیم الشان برادری کے لئے حکم ہے کہ آپ لوگ تمام کے تمام اس رسی کو مضبوطی اور طاقت سے پکڑو۔ وہ کونسا مسلمان ہے اور کونسی قوم ہے جو کسی بنا پر اس حکم کی عدولی کرتے ہوئے سواد اعظم سے باہر کھڑے رہنے کی جرأت کرسکتی ہے۔ اگر ہم اس حکم کے الفاظ اور اس کی روح پر عمل کریں تو دنیا میں ہماری جتنی کسی قوم کے اندر طاقت نہیں آسکتی۔ اور نہ ہی ہمارے برابر کسی قوم کی عزت نظر آسکتی ہے۔ **وللّٰہ العزّت ولرسولہٖ وللمؤمنین**

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا گیا کہ **حَبْلُ اللّٰہِ** کیا ہے تو فرمایا: **القران ھو حَبْل اللّٰہِ الممدود من السمآء الی الارض.** اس رسی کو مضبوط پکڑنا ہی ہمارا دین ہے۔

تفرقہ وتشتت کے بدنتائج: دوسری طرف اگر ہم اس حکم کی نافرمانی کریں اور اسلام کی روح سے جاہل ہونے کا ثبوت دیں تو خدا اور اس کا رسولؐ کبھی ہم سے راضی نہیں ہوسکتے اور ہمارے لئے اس جہالت اور اس نافرمانی کی پاداش میں ذلت ورسوائی کا مزہ چکھنا ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ جو غور کے قابل ہیں وہ **لَا تَفَرَّقُوْا** ہے۔ سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ نے جہاں اتحاد واتصال کی برکات کا ذکر فرمایا ہے، وہاں تفرقہ وتشتت کے بدنتائج سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔ فرمایا **تفرقت بنو آ اسرائیل علی احدی سبعین فرقۃ فھلکت.** یعنی توراۃ کے پیرو بنی اسرائیل باوجود توحید پر قائم ہونے کے، باوجود ایک عظیم الشان پیغمبر کی امت ہونے کے، اور باوجود تورات کے احکام کی پابندی کے، تباہ وبرباد ہوکر رہ گئے۔ کیونکہ وہ تفرقہ کی مرض مہلک میں مبتلا تھے۔ تفرقہ کی مرض جس طرح یہود کے لئے مہلک ثابت ہوئی اسی طرح مسلمانوں کے لئے بھی ہی مرض مہلک ہوگی۔ اس تباہ کن خطرہ کے پیش نظر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو متنبہ فرمایا کہ اگر تم بھی اس خطرناک مرض کا شکار ہوگئے تو تمہارے لئے بھی تباہی وبربادی

اور ذلت ورسوائی مقدر ہے۔ کسی گروہ کی عبادت، کسی کے نوافل، کسی قوم کی پابندی صوم وصلوٰۃ، کسی قوم کی قرآن دانی اور کسی قوم کا یہ فخر کہ ہمارے ہی اعتقادات صحیح ہیں، کام نہ آئیں گے **ستفترق امتی علٰی اثنی وسبعین فرقة فتهلکوا.** جب میری امت کے لوگ بجائے وحدت پر قائم رہنے کے اپنے تئیں بہتر فرقوں میں تقسیم کرلیں گے تو وہ برباد ہو جائیں گے۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہے وہ لوگ جو اللہ اور اس کے کلمات طیبات پر یقین محکم رکھتے ہیں، ان کے لئے یہ خوف کا مقام ہے۔ چاہئے کہ اہل اسلام کی تمام اقوام اور تمام کی تمام جماعتیں اس پر غور وفکر کریں اور ان راہوں پر گامزن ہوں جو ہمارے اتحاد اور قوت اور عزت اور ترقی کا باعث ہوں اور تمام ان طریقوں سے اجتناب کریں جو ہم کو ہلاکت کی طرف لے جانے والے ہیں۔ جہاں اس اہم مسئلہ میں تمام مسلمانوں کو گہری دلچسپی لینے اور اس پر کاربند ہونے کی ضرورت ہے، وہاں ہماری اس چھوٹی سی جماعت کو بھی آج اس نازک وقت میں اس فرمان الٰہی پر پہلے سے بہت بڑھ کر عمل پیرا ہونے کی ضروری ہے۔

حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی عظیم المرتبت شخصیت: ہم آج مولٰینا محمد علی مرحوم ومغفور کی وفات حسرت آیات سے متاثر ہیں۔ ہم محزون ومغموم ہیں۔ ہماری قوم محسوس کرتی ہے کہ اجل کے ہاتھ نے ایک عظیم المرتبت شخصیت کو ہم سے چھین لیا ہے۔ یہ سانحہ ہماری جماعت کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا موجب ہے۔ ہم جانتے ہیں اور تمام لوگ ہمارے ساتھ اس معاملہ میں اتفاق کریں گے کہ یہ نقصان صرف اس جماعت کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی دنیا کے لئے قومی نقصان ہے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو علم ہے کہ حضرت مولٰینا صاحب مرحوم ومغفور نے گراں قدر لٹریچر پیدا کیا ہے۔ جس میں اسلام کے محاسن بیان کئے گئے اور جس میں دفاع اسلام کے لئے بیش بہا معلومات کے خزانے ودفینے جمع کردیئے گئے۔ دوست اس لٹریچر پر فخر کرتا ہے اور مخالف اس سے مرعوب ہے۔ اس قسم کا لٹریچر پیدا کرنا محنت شاقہ چاہتا ہے۔ یہ لٹریچر حضرت مولٰینا صاحب مرحوم کی پچاس سالہ لگا تار ان تھک محنت کا نتیجہ ہے۔ جب کام کرتے کرتے ان کی عمر اسی کے قریب پہنچ گئی اور انہوں نے ان خدمات عالیہ کو سرانجام دے لیا تو حکمت الٰہی نے ان کو دینی اور دنیوی کاموں سے پورے طور پر سرخروئی اور کامیابی حاصل کر لینے کے بعد اپنے پاس بلا لیا۔ **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ** اس دردناک موقعہ پر پاکستان کے تمام اطراف واکناف سے ہماری جماعت کے افراد جمع

ہوئے تا کہ آنجناب کے لئے دعائے مغفرت کریں اور خراج عقیدت پیش کریں۔ ہماری جماعت طبعی طور پر صدمہ زدہ ہے۔ لیکن رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتی ہے۔ اس جماعت نے صبر و شکیبائی کا نمونہ حضرت مسیح موعود کی اچانک موت پر بھی دکھایا تھا اور اس جلیل القدر اور عالی مرتبہ انسان کی موت پر بھی جس کو نورالدین اعظم کہتے ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ. وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ. (55:26-27) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ. ایک حکیم خدا کی تعلیم ہے۔ یہ تعلیم ہمارے لئے تسلی و تسکین کا باعث ہے کہ ہم خدا کی مخلوق ہیں۔ نہیں۔ ہم اس کی مملوک ہیں۔ جب ہر شخص اپنی ملکیت کے لئے جذبہ محبت اور جذبہ حفاظت رکھتا ہے تو خدا جو ہمارا خالق ہے اور مالک ہے وہ موت کے وقت ہم کو اپنی رحمت و کرم کی آغوش میں لے لیتا ہے اور ہم کو ضائع ہونے سے محفوظ کرتا ہے۔ حضرت مولٰینا مرحوم و مغفور نے اس کام کو جو حضرت مسیح موعود نے اپنی جانشین انجمن اور جماعت کے سپرد کیا تھا نہایت خوبی سے چلایا۔

جماعت کا فرض: اب ہماری جماعت کا یہ فرض ہے کہ وہ پورے اخلاص اور ہمت کے ساتھ اور پوری تن دہی کے ساتھ اس کام کو چلاتی رہے۔ **قاتلوا علٰی قاتل علیه** کا جملہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ اس عزم کے لئے جہاں اخلاق و ایثار کی ضرورت ہے وہاں اتحاد کامل کی اشد ضرورت ہے۔ اس لئے ہماری جماعت کے لئے، جو اپنے اخلاص اور یک جہتی کے لئے مشہور و معروف ہے، لازم ہے کہ پہلے کی نسبت زیادہ اس طرف توجہ دے اور اس امر پر خصوصیت سے چوکس ہو کر نگاہ رکھے کہ ہمارے اندر اختلاف رونما نہ ہو۔ اور ہر اس امر سے بکلی اجتناب کرے جو تنازع کا باعث ہو سکتا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ عظیم الشان کام جس کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے قوم نے بڑھ چڑھ کر قربانیاں کی ہیں وہ بارباد ہو جائے۔ ہم ذاتی مفاد کو چھوڑ دیں۔ ہم ذاتی خواہشات اور تمناؤں کو ترک کر دیں۔ ہم تعصّبات کو اجازت نہ دیں کہ وہ ہمارے قیمتی شیرازہ جماعت کو درہم برہم کر کے رکھ دے۔ ہم نہ منصب کے حاصل کرنے کی خواہش کو اپنے دل میں جگہ دیں اور نہ ہی اس کے لئے دنیاداروں کی طرح سعی کریں۔

اپنے متعلق: میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس ضمن میں کچھ اپنے متعلق بھی عرض کروں۔ حضرت مولٰینا کی اس خطرناک بیماری کے ابتداء کے وقت پچھلے سال مجلس معتمدین کے اجلاس میں مَیں نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ میرے دل میں امارت یا صدارت کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ یہ

حقیقت ہے کہ صدارت یا امارت کا خیال تک بھی کبھی میرے دل میں نہیں گذرا۔ اور نہ ہی اس وقت موجود ہے۔ مَیں اپنی کم بضاعتی کا معترف ہوں اور میں جانتا ہوں کہ میرے ناتواں کاندھے اہم ذمہ داری کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ میں اپنی جماعت کی خدمت میں التماس کرتا ہوں اور ان کو مشورہ عرض کرتا ہوں کہ دانشمندی بھی متقاضی ہے کہ قوم مجھے ان کاموں کے لئے منتخب نہ کرے۔ مَیں سرداری نہیں چاہتا۔ ہاں ایک سپاہی کی طرح پوری جدوجہد کے ساتھ جماعت کی ترقی و استحکام کے لئے کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ وبا للّٰہ التوفیق

اختلاف رائے: اختلاف رائے ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اگر اختلاف حق کے لئے ہے تو وہ رحمت ہے اگر اختلاف اپنی ذاتی اغراض و منافع کے لئے ہو تو وہ سراسر بربادی ہے۔ اختلاف رائے کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **اختلاف امّتی رحمة** اختلاف رائے کے ذریعہ سے ہمیں اپنی کم فہمی کا علم ہو جاتا ہے۔ انسان ایک شیشے کی مدد سے صرف اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر آئینے دو ہوں تو پشت پر بھی نگاہ ڈال سکتا ہے۔ اسی طرح ایک مومن دوسرے مومن کی رائے کے آئینہ میں اپنی کمی اور اپنے نقص کو دیکھ لیتا ہے۔ پھر ان مختلف آراء کے ذریعہ سے ایک صحیح موقف قائم کر لیا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **المؤمن مرآة المؤمن**. یعنی ایک مومن دوسرے مومن کے لئے بمنزلہ آئینہ ہوتا ہے۔ حضورؐ کی یہ حدیث قرآن کریم کی آیت کریمہ **اَمۡرُھُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَھُمۡ** (38:42) کی ایک تفسیر اور وضاحت ہے۔ ہماری جماعت میں ''ہولی قرآن ٹرسٹ'' کے متعلق اختلاف آراء ہوا۔ اس اختلاف آراء نے ایک صحیح موقف کی طرف راہبری کی۔ چنانچہ ہماری تمام کی تمام جماعتوں نے اتفاق رائے کے ساتھ ہولی قرآن ٹرسٹ کے توڑ دینے کے لئے حضرت مولٰینا مرحوم مغفور کی خدمت میں عرض کیا تو انہوں نے اپنی رائے کو ترک کر کے ٹرسٹ کو کالعدم قرار دیا۔ ہم مسلمانوں کو ہر نیکی کے کام کے بعد استغفار کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان پر نماز روزہ کے بعد اور حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد استغفار کرنا لازم ہے۔ میں اس اقدام کے بعد حضرت رب العزت کے حضور میں اپنی کوتاہیوں اور تقصیروں کی معافی کے لئے نہایت اخلاص اور عجز کے ساتھ استغفار پڑھتا ہوں۔ اور اسی طرح سے جماعت کے تمام احباب کرام کی خدمت میں ادب و اخلاص کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ

اس اقدام سے اگر کسی صاحب کو تکلیف ہوئی ہو تو وہ بکمالِ مروّت اور وسعت قلبی سے مجھے معاف کر دے اور میرے لئے دعا کرے **رَبَّنَا ظَلَمْنَا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکوننّا من الخاسرین** میں جماعت کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ہر چیز کو جماعت کے اتحاد کے لئے قربان کر دوں گا۔ چونکہ اتصال واتحاد پر ہماری تمام کامیابیوں کا انحصار ہے۔ اس لئے ہم میں سے ہر ایک فرد پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہر قیمت پر اور ہر قربانی دے کر اتفاق و یک جہتی جیسی متاع گرانقدر کے حصول کے لئے تمام کی تمام توجہ مرتکز کر دے۔ خدا تعالیٰ ہماری اس نیت اور ہمارے اس ارادے اور سعی کو اپنے کرم و فضل سے بابرکت کر دے اور ہماری قوم کی توقیر اور عزت وعظمت قائم رکھے اور اس میں اضافہ فرمادے امین **یا ربّ العالمین.**

مجلس معتمدین کا آئندہ اجلاس: میں یہاں پر اس بات کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ مجلس معتمدین کا اجلاس 28 اکتوبر بروز اتوار گیارہ بجے دن کے منعقد ہوگا۔ اس اجلاس کی نزاکت اور اہمیت ظاہر ہے۔ اس موقعہ پر جمع ہونے سے پیشتر ارکان مجلس معتمدین کا فریضہ ہے کہ اپنی جماعت سے مشورہ کرنے کے بعد یہاں تشریف لائیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اہم اور نازک کام میں ہماری رہبری فرماوے اور ہم میں سے ہر ایک کو توفیق عطا فرماوے کہ ہم اس اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے ضبط نفس سے کام لیں۔ اخلاص اور متانت ہمارا شیوہ نظر آئے۔ ہم ہوائے نفس سے بکلی پاک رہیں اور قومی بہبود کے لئے ہم اپنی ہر چیز کو قربان کر دیں اور جو فیصلہ ہماری قوم کرے اس پر ہم راضی ہوں اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اور فیصلہ ہو جانے کے بعد اپنی ذاتی رائے کو ترک کر دیں۔ میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تمام ان توفیقوں سے مالا مال کر دے اور ہمارے دلوں کو اس جذبہ سے معمور کر دے کہ ہم ایک ایسے امام کی جماعت ہیں جو **قال اللّٰہ** اور **قال الرّسول** پر قائم رہنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک مشن ہمارے سپرد کیا ہے جو اشاعت اسلام ہے۔ خدا تعالیٰ کی جناب میں دعا ہے کہ وہ ہمیں توفیق عنایت کرے کہ اس مشن کو باحسن وجوہ کامیابی سے چلانے کے لئے پورا پورا زور لگائیں۔ امین **یا ربّ العالمین.**

خاکسار صدرالدین 19 اکتوبر 1951ء

تعزیتی پیغامات بذریعہ تار (24 اکتوبر 1951ء): حضرت امیرؒ کی وفات پر تعزیتی پیغامات چاروں طرف سے وصول ہو رہے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1۔ پارہ چنار 15 اکتوبر۔ بخدمت سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ حضرت امیر کی افسوسناک وفات پر میری ہمدردانہ تعزیت قبول کیجئے۔ نصیر الدین

2۔ بغداد۔ 14 اکتوبر۔ بخدمت مولینا صدر الدین صاحب احمدیہ بلڈنگس لاہور۔ حضرت مولینا کی وفات سے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے جس کا سخت صدمہ ہے۔ حضرت کے غم زدہ خاندان سے دلی ہمدردی ہے۔ قادری (سید تصدیق حسین صاحب منجانب جماعت احمدیہ بغداد)

3۔ سکرنڈ (سندھ) 15 اکتوبر۔ بخدمت مولینا صدر الدین صاحب وائس پریذیڈنٹ۔ حضرت امیر کی وفات پر سخت رنج اور صدمہ ہوا۔ دلی تعزیت قبول کیجئے اور حضرت امیر کے خاندان کو یہ پیغام پہنچا دیجئے۔ سیکرٹری انجمن احمدیہ۔

4۔ اسی مضمون کا تار سکرنڈ سے میاں شریف احمد صاحب کی طرف سے وصول ہوا ہے۔

5۔ پشاور۔ 15 اکتوبر۔ برادران پشاور کی طرف سے بیگم حضرت امیر کی خدمت میں ہماری دلی ہمدردی پیش کیجئے۔

6۔ سیالکوٹ۔ 16 اکتوبر۔ بخدمت مولینا صدر الدین صاحب۔ حضرت امیر کی وفات کی اطلاع دیر سے ملی۔ سب کو ہمدردانہ پیغام پہنچا دیجئے۔ غلام شبیر ایس۔ ڈی۔ او۔ سیالکوٹ

7۔ سری نگر۔ 15 اکتوبر۔ بخدمت سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ حضرت امیر کی وفات جماعت احمدیہ سری نگر کے لئے صدمہ کا موجب ہے۔ جماعت کے غیر معمولی اجلاس میں گہرے رنج واندوہ کا اظہار کیا گیا۔ جماعت آپ کے ساتھ ماتم میں شریک ہے۔ عبد العزیز سیکرٹری

8۔ بدولا۔ سیلون۔ 15 اکتوبر۔ بخدمت سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس، لاہور۔ مولینا محمد علی کی وفات پر گہرے رنج واندوہ کا اظہار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحمت نازل فرمائے۔ سید محمد۔ نور بازار۔ بدولا

9۔ کولمبو (سیلون) 26 اکتوبر۔ بخدمت سیکرٹری صاحب احمدیہ اشاعت اسلام لاہور۔ ہم

مولٰینا محمد علی صاحب کی وفات پر ان کی بے نظیر خدمات اور اشاعت اسلام کی بنا پر دل افسوس اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح پر فتوح پر اپنے فضل و کرم کی بارش برسائے۔ مہربانی فرما کر ہمارے جذبات کا اظہار غمزدہ خاندان سے کر دیجئے۔ مسلم لائبریری

10۔علی پور 16 اکتوبر۔ بخدمت سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور حضرت امیر کی وفات پر جماعت کو بہت سخت صدمہ ہوا ہے۔ دلی رنج و اندوہ اور گہری ہمدردی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ محمد اقبال چغتائی۔ سیکرٹری جماعت احمدیہ

24 اکتوبر 1951ء

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سری نگر کا تعزیتی جلسہ

حضرت امیرؒ کی وفات پر

سری نگر۔ 14 اکتوبر 1951ء کل شام کو ریڈیو پر یہ افسوسناک خبر سنی گئی کہ حضرت مولٰینا مولوی محمد علیؒ صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کراچی میں رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ احمدیہ جماعت کے افراد خصوصاً اور دیگر مسلمان عموماً غمگین ہو گئے۔ جماعت نے طے کیا کہ مسجد احمدیہ قلم دان پورہ اور سری نگر میں پانچ بجے نماز جنازہ ادا کی جائے اور حضرت مولٰینا کی یاد میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا جائے۔

چار بجے ہی سے مسجد احمدیہ میں لوگ جمع ہونے لگے۔ افراد جماعت کے علاوہ غیر از جماعت احباب بھی جمع ہوئے۔ سب اداس اور غمگین تھے۔ پورے پانچ بجے حضرت مولٰیناؒ کا جنازہ غائبانہ پڑھا گیا۔ پھر نماز عصر کے بعد جلسے کی کارروائی شیخ عبدالصمد صاحب ٹیلر ماسٹر کی صدارت میں شروع ہوئی۔ جلسے کا آغاز ملک محمد مقبول صاحب آڈیٹر فود کنٹرول ڈیپارٹمنٹ اور محمد علی صاحب بی۔ اے۔ اکونٹنٹ لنگیٹ فارسٹ ڈویژن نے علی الترتیب تلاوت قرآن پاک سے کیا۔ اس کے بعد عبدالعزیز صاحب ادیب فاضل ایڈیٹر ''روشنی'' نے حضرت مولٰینا کی زندگی کے مختصر واقعات بیان کئے۔ اور ان پر تبصرہ بھی کیا۔ آپ نے کہا کہ یوں تو ہم بے شمار جلسے مناتے چلے آئے ہیں اور آئندہ بھی منائیں گے۔ لیکن آج کا اجلاس انوکھا اور اپنی قسم کا واحد ہے۔ کل دنیائے اسلام سیدنا امام حسین کا ماتم کر رہی تھی اور آج ہم دنیائے اسلام کی مشہور و معروف ہستی کا ماتم کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ حضرت مولٰینا محتاج تعارف نہیں۔ دنیائے اسلام میں نہیں، علمی دنیا کا بچہ بچہ آپ سے واقف اور آپ کی نمایاں اور شاندار خدمات اسلامیہ کا معترف ہے۔ 1891ء میں آپ کپورتھلہ ہائی سکول میں تعلیم پا رہے تھے کہ سلسلہ احمدیہ سے متاثر ہوئے اور حضرت مرزا صاحب کی بیعت کی۔ 1897ء میں اسلامیہ کالج کے پروفیسر تھے۔ 1902ء میں آپ نے قادیان جا کر ریویو آف ریلجنز کی ادارت سنبھالی۔ 1910ء میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کرنا شروع کیا جو 1918ء میں شائع ہو گیا۔ 1913ء میں موجودہ خلیفہ قادیان سے عقائد میں

اختلاف ہونے کی بناء پر جب معزز ممبران جماعت نے علیحدگی اختیار کر کے احمد یہ انجمن اشاعت اسلام لاہور قائم کیا، تو آپ اس کے صدر مقرر ہوئے۔ آپ نے سیرت خیر البشرؐ، بیان القرآن، اردو ترجمہ صحیح بخاری شریف، تاریخ خلافت راشدہؓ، ریلجن آف اسلام، مینول آف حدیث، نیو ورلڈ آرڈر، لونگ تھاٹس آف پرافٹ محمدؐ وغیرہ جیسی معرکتہ آلارا کتابیں لکھیں۔ 1949ء میں انگریزی ترجمۃ القرآن کی نظر ثانی کا کام مکمل کیا۔

آپ نے مولٰینا کی خدمات اور تالیفات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ سر اقبال مرحوم، جسٹس سر شاہ سلیمان مرحوم، مولٰینا عبد الماجد دریابادی، مولٰینا محمد علی مرحوم آف کامریڈ اور دیگر نامی گرامی اشخاص نے مولانا کو خراج تحسین ادا کیا۔ سب آپ کے مداح تھے۔ ازاں بعد آپ نے امام الزمان حضرت مرزا صاحب کی کتب وتحاریر سے وہ الفاظ سنائے جن میں حضرت مولانا کو مخلص عمدہ انسان، غریب طبع، باحیا، پرہیزگار، نیک فطرت اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق قرار دیا ہے۔ آپ نے کہا کہ حضرت مولٰینا ہم سے جدا ہو گئے لیکن اب کام کا بوجھ ہمارے ہمارے کندھوں پر پڑ گیا ہے۔ مولٰینا مرے نہیں بلکہ اپنی خدمات دینیہ کی بدولت ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اقبال نے کہا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مولٰینا دیدہ ور تھے۔ آپ نے اسلام سے متعلق ہر موضوع پر صحت منداور بہترین لٹریچر پیش کیا ہے۔ اب اسے دوسروں تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ اخیر میں آپ نے مولٰینا مرحوم کا پیغام بھی سنایا کہ: ''ہمارے وجود کی اصل غرض قرآن اور اسلام کو دنیا میں پہنچانا ہے۔ اس میں کمزوری واقع نہ ہو''

اس کے بعد ماسٹر عبد الصمد صائب منشی فاضل، ادیب فاضل نے حضرت مولٰینا کے متعلق درد انگیز انداز میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور کہا کہ آج دنیائے اسلام کا ایک روشن ستارہ ڈوب گیا۔ پھر آپ نے مسٹر محمد رمضان صاحب بی اے ملازم امپیریل بنک آف انڈیا کا لکھا ہوا ایک مضمون بھی پڑھ کر سنایا۔ جس میں حضرت مولٰینا کے اوصاف اوران کی خدمات دینیہ پر خراج تحسین ادا کیا گیا ہے۔ جس سے حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ پھر ملک محمد مقبول صاحب نے دوبارہ تلاوت قرآن پاک کی۔

ماسٹر محمد صدیق صاحب نے مختصر سی تقریر میں حضرت مولٰینا کی شخصیت اور آپ کی نمایاں

اسلامی خدمات کا تذکرہ کیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے اقوام متحدہ کی مذہبی کانفرنس کے سیکرٹری مسٹر المونی ولیم اہرک کے اس خط کا بھی ذکر کیا جس میں حضرت مولٰینا محمد علی صاحب اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی نمایاں اسلامی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد عبدالعزیز صاحب نے ایک تعزیتی قرارداد پیش کی۔ جسے ملک محمد مقبول صاحب نے اپنی تائید کے ساتھ جماعت کے سامنے رکھا۔ یہ قرارداد متفقہ طور پر پاس ہوئی۔ قرارداد کے الفاظ یہ ہیں:

''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سری نگر کا یہ تعزیتی اجلاس حضرت مولٰینا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج وغم اور افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ اور اسے مسلمانان عالم کے لئے ایک نا قابل تلافی نقصان خیال کرتا ہے۔ اگرچہ مرحوم ومغفور نے اپنی زندگی کا مقصد بدرجہ اتم تکمیل کو پہنچایا۔ پھر بھی آپ کا مبارک وجود نہ صرف احمدیہ جماعت کے لئے بلکہ مسلمانان عالم اور تمام علمی دنیا کے لئے فیض رساں تھا۔ اس لئے آپ کا اس وقت ساتھ چھوڑنا بہت بھاری نقصان اور قومی حادثہ ہے۔ جماعت سری نگر حضرت مولٰینا کے عزیز واقارب اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو یقین دلاتی ہے کہ اس غم میں ہم ان کے برابر شریک ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند کریم مرحوم ومغفور کو فردوس بریں میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔ قرار پایا کہ قرارداد کی نقول صدر انجمن کو بذریعہ تار اور مولٰینا کے عزیز واقارب اور پریس کو بذریعہ ہوائی ڈاک بھیج دی جائیں۔

اخیر میں صاحب صدر شیخ عبدالصمد صاحب نے حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب کی بلند پایہ شخصیت اور آپ کے پیدا کردہ لٹریچر پر ولولہ انگیز الفاظ میں تبصرہ کیا اور کہا کہ حضرت مولانا کے دل میں اسلام کی خدمت کرنے کی جو تڑپ تھی وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد اعظم ہی نے پیدا کی تھی۔ آپ نے حضرت مولٰینا کا وہ مقام واضح کیا جو آپ کو دنیائے اسلام میں حاصل تھا۔ اخیر میں آپ نے مولٰینا کی رحلت سے جماعت پر عائد شدہ فرائض اور ذمہ داریوں کا اظہار کیا۔ جلسہ نماز مغرب کے ساتھ برخواست ہو۔ سیکرٹری

مسلم ہائی سکول لاہور نمبر 1۔ لاہور: اساتذہ وطلبائے مسلم ہائی سکول نمبر 1 کا ایک جلسہ زیر صدارت محمد اسلم خاں صاحب ہیڈ ماسٹر صبح آٹھ بجے منعقد کیا گیا اور ذیل کا ریزولیوشن پاس ہوا۔ اس ریزولیوشن کی

ایک کاپی مسٹر محمد احمد خلف الرشید مولیٰنا مرحوم کو پیش کی گئی۔ اور دوسری اخبار پیغام صلح میں بھیج دی گئی۔

یہ قرار پایا کہ اساتذہ وطلباء مسلم ہائی سکول نمبر 1، حضرت امیر جماعت کی وفات حسرت آیات پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کے فرزند مسٹر محمد احمد بیگم صاحبہ حضرت امیر اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ نیز یہ اجلاس آپ کی وفات کو جماعت احمدیہ کے لئے بالخصوص اور عالم اسلام کے لئے بالعموم ناقابل تلافی نقصان تصور کرتا ہے۔ ہیڈ ماسٹر

مسلم ہائی سکول نمبر 2۔ لاہور: طلباء اساتذہ مسلم ہائی سکول نمبر 2 لاہور کا یہ اجتماع حضرت مولیٰنا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج واندوہ کا اظہار کرتا ہے اور اسے تمام اسلامی دنیا کے لئے ناقابل تلافی نقصان تصور کرتا ہے۔

یہ اجتماع درگاہ رب العزت میں دست بدعا ہے کہ وہ حضرت مولیٰنا صاحب مرحوم مغفور کو اعلیٰ اعلیین میں جگہ دے اور ان کے ورثاء اور جملہ عقیدت مندوں کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ نیز خدمت اسلام کے اس کام کو، جو عمر بھر حضرت مولیٰنا کو عزیز رہا، اسی قوت سے جاری رکھے۔

24 اکتوبر 1951ء

احباب جماعت کا رنج واندوہ

حضرت امیرؒ کی وفات پر

حضرت امیر مولٰینا محمد علی صاحب نُوِّرَا للّٰه مَرْقدہٗ کی وفات پر احباب جماعت نے جن دلی جذبات اور رنج واندوہ کا اظہار کیا ہے وہ ان بیشمار خطوط سے ظاہر ہے جو مختلف اطراف سے موصول ہوئے اور ہورہے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند ہدیہ قارئین کرام ہیں۔

☆ مکرم جناب ایڈیٹر صاحب پیغام صلح۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:

رات ریڈیو کے ذریعہ حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی وفات کی خبر سن کر دل کو بہت صدمہ ہوا۔ یہ حضرت مسیح موعود کے پروانے دعوت حقہ پر لبیک کہتے ہوئے اور اس پر تمام عمر محکم ایمان کے ساتھ قائم رہ کر دین کی تبلیغ واشاعت کرتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. جیسا کہ حضرت مسیح موعود کے ساتھ شامل ہونے والوں سے یہ پہلا اقرار لیا جاتا تھا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا، واقعی حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اس عہد کو کما حقہ پورا کیا بلکہ اپنے تقوٰی، پرہیز گاری، نیکی اور خدمت دین کے لحاظ سے جماعت کے لئے ایک نمونہ بن کر دکھایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولٰینا صاحب کو ان خدمات جلیلہ کی بڑی سے بڑی جزا عطا فرماوے۔ آمین۔ عزیز واقارب کے علاوہ جماعت احمدیہ لاہور کو بھی حضرت مولانا صاحب کی وفات کا بڑا صدمہ پہنچا اور نقصان ہوا کہ جماعت کا امیر وقائد ان سے جدا ہوگیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے کام کو آگے پیچھے کون کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کے تمام افراد کو صبر عطا فرمائے اور دین کی استقامت بخشے اور ہم سب کو حضرت مولٰینا صاحب کی طرح نیکی، تقوٰی دین داری اور اشاعت اسلام وسیرت رسولؐ خدا کو دنیا میں پہنچانے کی توفیق عطا کرے۔

میری اور والدہ صاحبہ کی طرف سے حضرت مولٰینا عزیز بخش صاحب اور بیگم صاحبہ حضرت مولٰینا محمد علی کی خدمت میں بہت بہت دعا سلام۔ ہمیں اس صدمہ دلی میں ہمدردی ہے اور رنج وغم میں شریک ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں۔ حضرت مولٰینا صاحب ہمارے گاؤں کے ایک اعلیٰ اور معزز خاندان کے فرد تھے اور میرے والد صاحب مرحوم مغفور نے تمام عمر حضرت مولٰینا صاحب کے ساتھ خادمانہ رنگ میں

گزاری تھی اور حضرت مولینا صاحب بھی والد صاحب کو دل و جان سے چاہتے اور محبت کرتے تھے۔ دعا ہے کہ عقبیٰ میں بھی اللہ تعالیٰ دونوں مخدوم و خادم کو اکٹھے کر دے اور یہ سب بزرگ حضرت مسیح موعود کے عاشق اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے شیدائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنا قرب و نیاز عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ اللہ تعالیٰ تمام جماعت اور حضرت مولانا کے عزیز و اقارب کا حامی و ناصر ہو اور لاہور میں پاک ممبروں کی باگ دوڑ سنبھالنے کے لئے بزرگ مقرر شدہ کی مدد نصرت اور جماعت کا سچا رہنما بنائے۔ سب بزرگوں دوستوں کو دعا سلام۔ کمال الدین آدم صحاوا ریاست بہاولپور

☆ جناب برادر محترم مولانا احمد یار صاحب ایم۔اے۔ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ یہ روح فرسا خبر 13 اکتوبر 1951ء کی شام کو ساڑھے آٹھ بجے، کہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں، جب سنی تو جسم میں جان باقی نہ رہی۔ دل بار بار یہ کہتا تھا کہ یا الٰہی یہ خبر غلط ہو۔ مگر نوشتہ تقدیر کہاں مٹ سکتا ہے؟ ہر چیز فانی ہے۔ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اس جہان فانی سے کوچ کر گئی تو پھر اور کون بچ سکتا ہے؟ اور یہی وہ محکم دلیل ہے جو حضرت مسیح کی وفات کو ثابت کرتی ہے۔ حضور کا جسم ہم میں باقی نہیں مگر حضور کا کام رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔ یہ صدمہ محض اپنی قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کے لئے نا قابلِ تلافی ہے۔ ان کا نماز جنازہ غائبانہ طور پر کل سوا نو بجے صبح جناب ڈاکٹر شیخ فضل الرحمٰن صاحب سپرنٹنڈنٹ دادر سینٹوریم نے پڑھایا۔ نماز کے بعد حضور کے متعلق چھوٹی سی تقریر کی جو جامع پرمعنی اور حقائق پر مبنی تھی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ ان کی تصانیف، ان کی خدمت دین اور ان کے زور قلم کا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟ ان کا انگریزی ترجمۃ القرآن کئی گمراہوں کی رہنمائی کا باعث ہوا۔ یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود کی صحبت کے طفیل ہوا۔

دل رو رہا ہے۔ بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے مگر قلم نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ انہیں مغفرت نصیب کرے اور جماعت کو ہر ابتلاء سے بچائے۔ آمین! یہ بڑا نازک موقع ہے۔ اگر جماعت نے متفقہ طور پر فیصلہ نہ کیا تو اشاعت اسلام کے کام کو بڑا بھاری دھکا لگے گا۔ خداوند کریم کے کام تو ہوتے رہیں گے۔ مگر

خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے دین اسلام کی سر بلندی ہمارے ہاتھوں ہوتو ہماری خوش نصیبی ہوگی۔

☆برادرعزیز محمد طفیل صاحب سلمہ الرحمٰن۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔اِنَّـا لِلّٰــهِ وَاِنَّـآ اِلَيْـهِ رَاجِعُوْنَ .

13 اکتوبر کی شام ہم وابستگان سلسلہ مقیمان بغداد کے لئے ایک مصیبت کی شام تھی جب پاکستان کے کراچی کے ریڈیو نے فقید الاسلام والمسلمین حضرت سیدنا امیر غفرہ اللہ کے انتقال پر ملال کی خبر ہمیں سنائی۔قلب پر ایک بجلی سی گری۔آہ! آج وہ جلیل القدر ہستی،جس کے قلب میں بنی نوع انسان کی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ (3:26) کی تصدیق عملاً عصر حاضرہ میں جس نے پیش کی،ہماری ان مادی آنکھوں سے پوشیدہ ہوگئی۔آہ!وہ مشفق روحانی باپ،جس نے ہماری روحانی پرورش میں رات دن ایک کردیئے،جسمانی طور پر ہم سے رخصت ہوگیا۔مالک حقیقی نے اپنے پیارے عبد کی پچاس سالہ خدمات سے خوش ہوکر اپنے پاس بلالیا۔اللہ والے مرتے نہیں وہ زندہ جاوید ہوجاتے ہیں۔موتوا قبل ان تموتوا انہیں دائمی زندگی مل جاتی ہے۔میرا آقا میرا پیارا امیر نہیں مراوہ اپنا کام پورا کرکے اپنے رفیق اعلیٰ کے قرب میں جا بیٹھا۔ مِنَ الْـمُـؤْمِـنِيْـنَ رِجَـالٌ صَـدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا . (23:33)

اب وہ دوسری دنیا سے اپنی اس پرورش شدہ چھوٹی سی پنجہزاری جماعت کو دیکھ رہا ہے کہ وہ اس مقدس امانت کی،جو امام المجاہدین مجدد وقت سے اسے ورثہ میں ملی تھی،جو اب ہمارے پاس ہے،کس طرح حفاظت کرتی ہے۔وہ کام جو اس کے روحانی باپ نے اسے تفویض کیا تھا،جس کام کو اس نے بطریق احسن سرانجام دیا،اب ہم اسے کس طرح چلاتے ہیں۔آؤ ہم اس کی پاک روح کو اس طرح خوش کریں کہ ایک مضبوط اور مستحکم عزم کے ساتھ اس کام کے جاری رکھنے کا تجدید عہد کریں جو اس نے اپنی مقدس زندگی میں جاری رکھا۔

اے وابستگان سلسلہ احمدیہ امتحان کا وقت ہے۔اپنی سابقہ روایات کے پیش نظر کَـاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّـــرْصُـوْصٌ (4:61) کا نظارہ پیش کرو۔اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو فقید اعظم کا نعم البدل عطا فرمائے۔اور ہم سے اپنے دین متین کی بیش از پیش خدمت لے۔آمین۔غمزدہ۔تصدق حسین۔بغداد۔15 اکتوبر 1951ء

☆ جناب اخی المکرّم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گذشتہ رات ریڈیو سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ومرشدنا محمد علی صاحب کراچی سے دار بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. اللہ جل جلالہ حضور کے اہل ولواحقین کے دلوں میں خصوصاً اور تمام جماعت کے دلوں میں عموماً تسکین بخشے اور اس درد و پریشانی کو بھی اسلام کی آئندہ ترقیات کا موجب ٹھہرائے۔ آمین یارب العالمین۔ اس ناقص کی رائے میں سب سے پہلے یہ تجویز آئی ہے کہ ہمارے امیر مرحوم کی یادگار ہ میں روس میں ایک محمد علی میموریل اسلام مشن کھولا جائے اور آئندہ سال کے بجٹ کو چار گناہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ ہم لوگ شیلانگ میں حضور کی جنازہ غائب کی نماز کا انتظام کر رہے ہیں۔ والسلام۔ خاکسار۔ خادم رحمانی نوری۔ صوفی ہمسایہ۔ بڑا بازار روڈ۔ شیلانگ

مطبوعہ دراشاعت 31 اکتوبر 1951ء:

☆ مکرم مولوی احمد یار صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت امیر کی وفات ہماری چھوٹی سی قوم کے لئے ایک ناقابل برداشت اور نہایت ہی اندوہناک صدمہ ہے۔ مجدد زماں کا قلم حضرت کی حیات کے ساتھ قوم میں موجود تھا جو کل ہم سے جدا ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. والسلام۔ خاکسار محمد فاضل۔ گورنمنٹ اسلامیہ کالج۔ پشاور

☆ مکرمی معظمی حضرت مولٰینا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج جہلم سے سعید احمد عزیز کا خط آیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولٰینا امیر ایدہ اللہ تعالٰی بنصرہ العزیز بقضائے الٰہی فوت ہوگئے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ حضرت مولٰینا مرحوم کی جس قدر دینی خدمات تھیں اس کی نظیر فی زمانہ ملنی مشکل ہے۔ مجھے حضرت کی وفات سے سخت صدمہ ہوا ہے۔ اللہ تعالٰی مرحوم کو جنت فردوس میں اعلٰی سے اعلٰی مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ میری طرف سے خود جا کر حضرت امیر کی بیگم صاحبہ سے اظہار ہمدردی اور افسوس کریں اور اگر حضرت کے بڑے صاحبزادہ صاحب وہاں موجود ہوں تو ان کو میرا یہ کارڈ پہنچا کر مشکور فرمائیں۔ ایسا ہی مولٰینا محمد یعقوب خاں صاحب، ممتاز احمد صاحب فاروقی اور چوہدری فضل حق صاحب اور چوہدری ظہور احمد صاحب سے بھی اظہار افسوس کریں۔ آپ کی تکلیف کا شکریہ۔ والسلام آپ کا شریک غم۔ عبدالعزیز

جہلمی ۔حیدرآباد۔سندھ۔16 اکتوبر 1951ء

☆ محمد کریم اللہ صاحب ۔مدیر ''آزاد نوجوان'' بخدمت شریف ایڈیٹر صاحب اخبار پیغام صلح لاہور۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ حضرت امیر مولٰینا مولوی محمد علی صاحب قبلہ کے ارتحال پر ملال نے عاصی کے دل پر ایک ایسا گہرا داغ پیدا کر دیا ہے جو تادم مرگ نمایاں رہ جائے گا۔

افسوس کا مقام ہے کہ دل کا زخم اندمال پذیر ہوتا نہیں نظر آتا ہے۔بار بار مرحوم مغفور کی ذات بابرکات کی جدائی سینہ ودل کو پیکان غم ورنج کا نشانہ بنا رہی ہے۔لاکھ سمجھانا چاہتا ہوں مگر دل سمجھنے پر آمادہ نہیں ہوتا صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے۔حضور کی صورت نظر میں اور یاد دل میں موجود ہے اور غم کے آنسو دل سے جاری ہیں۔زبان پر شکر الٰہی ہے۔بندہ عاجز سوا اس کے اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔مشیت ایزدی میں دم مارنا سراسر گناہ ہے۔لہٰذا میں اتنا ہی کہوں گا کہ:

مجھے رہ رہ کے تقسیم ہند سے پہلے کا وہ زمانہ یاد آتا ہے جب احمدیہ بلڈنگس لاہور کی نورانی وروحانی فضا میں پہلی بار حضور سے گلے ملا تھا۔وہ سینے کی گرمی میں اب تک اپنے اندر پا رہا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم مغفور کے درجات میں ترقی عطا فرمائے اور مرحوم کے اعزا واقربا کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

نیاز مند۔محمد کریم اللہ نوجوان۔سراپا اندوہ

☆ محمد اسحاق صاحب ٹیچر۔صوابی: مکرم معظم جنرل سیکرٹری صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی فوتیدگی کی خبر سے مطلع ہو کر از حد رنج وافسوس ہوا۔کسی کی فوتیدگی سے گھر اُجڑ جاتا ہے اور کسی کی فوتیدگی سے علاقہ۔آپ کی وفات سے سارا عالم اسلام کیا،ساری دنیا اُجڑ گئی! دنیائے احمدیت آپ کی ذات پر تا قیامت فخر کرے گی۔آپ کی بیش بہا تصنیفات مردہ روحوں کے لئے زندگی کا پیغام ہے۔خدا تعالیٰ آپ کی روح پرفتوح پر رحمتوں اور فضلوں کی بارش برسا دے۔جناب کے فرزندار جمند وبیگم صاحبہ سے دلی ہمدردی ہے۔مہربانی فرما کر خاکسار کی جانب سے اظہار ہمدردی وتعزیت ان کی خدمت میں پہنچا دیں۔حضرت مولٰینا عزیز بخش صاحب وحضرت مولٰینا صدر الدین صاحب ودیگر بزرگان سلسلہ کی خدمت میں مضمون واحد۔میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے اور جماعت کی امارت کے لئے حضرت امیر ایدہ اللہ (مولٰینا محمد علی صاحب مرحوم) کا بہترین بدل

عطا فرمائے۔ آمین خاکسار محمد اسحاق سینئیر اورینٹل ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول ٹوپی۔ تحصیل صوابی

☆ مرزا بشیر احمد صاحب نوشہرہ۔

مکرم معظم جناب ایڈیٹر صاحب پیغام صلح لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مجھے آج حضرت مولٰنا مولوی صاحب امیر جماعت کی فوتیدگی کی خبر پڑھ کر سخت صدمہ ہوا ہے۔ نہایت درد دل سے دعا بحضور ایزدی ہے۔ حضرت قبلہ ام کو اپنے فضل ورحم سے جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اِنَّـا لِلّٰـهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ والسلام۔ خاکسار مرزا بشیر احمد۔ مہاجر اینڈ سنز۔ نوشہرہ چھاؤنی

☆ غلام ربانی صاحب ٹیچر اوگی مانسہرہ:

مکرمی مخدومی جناب ایڈیٹر صاحب پیغام صلح لاہور۔ آہ! امیر ملت مولٰنا مولوی محمد علی صاحب! یہ زہرہ گداز اور المناک خبر انتہائی صدمہ کے ساتھ سنی گئی کہ ہمارے محبوب ترین رہنما و پریزیڈنٹ محترم جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھار کر اپنے حقیقی مولائے کریم کے ساتھ وصال فرما چکے ہیں۔ حضور مرحوم نے اپنی تمام زندگی میں اشاعت اسلام کی وہ بے لوث خدمات انجام دی ہیں جو رہتی دنیا تک یادگار بار آور ہوتی رہیں گی۔ صاحب مرحوم کی وفات حسرت آیات مذہبی اور روحانی دنیا کے لئے نا قابل تلافی صدمہ کا باعث ہے اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور تو خصوصاً انہی کی خدمات کی مرہون منت ہے۔ جو جتنا بھی سوگ کرے کم ہے۔ اس جانگاہ خبر کے سننے سے میرا زہرہ آب آب ہو رہا تھا۔ دل ٹوٹ رہا تھا۔ قوت برداشت جواب دے رہی تھی کہ قرآن کریم کی آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. (2:154-156) اچانک زبان پر آ گئی تو حوصلہ بندھ گیا۔ مجھے یہ خیال بے حد دامن گیر ہے کہ پیارے مرحوم کے پسماندہ رفقائے کار حضرت قبلہ مولانا صدر الدین صاحب وغیرہ کیسے جان بر ہو سکے ہوں گے۔ غالباً قرآن کریم کی آیات وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (3:144) نے ان کی مبارک روح کو بچالیا ہے۔

اس درد انگیز رقت خیز صدمہ سے میرے اپنے دل و جان کو صبر و قرار نہیں۔ میں دوسرے احباب کو حوصلہ اور صبر کی تلقین کیسے کر سکتا ہوں۔ خداوند کریم کے حضور تہ دل سے دعا ہے کہ صاحب مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

خاکسار۔ غلام ربانی اورینٹل ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول اوگی ساکن بھیڑکنڈ۔ مانسہرہ۔ ہزارہ

☆ عبدالالٰہی صاحب آزاد کشمیر: مکرم و معظم جناب مولٰینا احمد یار صاحب سلمہ الرحمٰن۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کل مورخہ 15 اکتوبر 1951ء کو روزنامہ ''تعمیر'' راولپنڈی میں ایک نہایت المناک خبر نظروں سے گزری۔ پڑھ کر طبیعت از حد خفاء ہوئی، حضرت امیر کی وفات نے مجھ پر اتنا اثر کیا کہ مجھے کچھ دیر کے لئے دل کا دورہ پڑ گیا۔ میں آپ کو خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے سخت دلی صدمہ ہوا۔ لیکن اللہ کی شان ہے۔ وہ اپنے کاموں کو خوب جانتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے اس کی اسی کو سمجھ ہے۔ دنیا فانی ہے۔ لیکن ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ مولٰینا نے جو پودہ اسلامی لگایا ہے خدا تعالیٰ اس کی آبیاری خود کرے۔ آج حضرت کی انتھک کوششوں اور اللہ کی مہربانیوں اور آپ بزرگوں کی بدولت وہ پودا درخت کی صورت میں آ کر ہمارے سامنے موجود ہے۔ چاہے ہم اسے کاٹیں یا اس کی حفاظت کریں۔ حضرت نے جماعت کی تنظیم و یکجہتی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی۔ آپ نے اسلام میں وہ کارنامہ کر دکھایا ہے کہ جب تک دنیا قائم ہے ان کا نام زندہ رہے گا۔ میں آپ کے ساتھ اس دلی صدمہ میں برابر کا شریک ہوں۔ خدا تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ والسلام شکستہ دل ناچیز۔ عبدالالٰہی۔ شادیاں آزاد کشمیر

☆ حکیم محمد امین صاحب منجانب جماعت بھیرہ: مکرم بندہ مولٰینا احمد یار صاحب جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

سلام و نیاز آپ کا ارسال کردہ برقی پیغام 15 اکتوبر 1951ء کی صبح کو ملا۔ خبر نہایت دل خراش تھی۔ متعدد اشخاص غیر از جماعت نے بھی افسوس کا اظہار کیا۔ یہاں کی جماعت کا سیکرٹری تو اتفاق سے لاہور میں شامل جنازہ ہو گیا۔ باقی اصحاب نے مع کئی دیگر ہمدردوں نماز جنازہ غائبانہ بعد نماز جمعہ ادا کیا۔

مختصر سی تقریر اور چشم دید واقعات کے بعد متفقہ طور پر ریزولیوشن پاس ہوا کہ حضرت امیر کی وفات سے جملہ ممبران کو از حد صدمہ ہوا ہے۔ مرحوم کی بے وقت وفات کو انجمن کے کام میں سخت ہرج کا باعث سمجھتے ہیں جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ ان کا مثیل ناممکن ہے۔ صحیح معنوں میں عالم کی موت عالم کی موت ہے۔ ان کا جانشین نہایت غور وخوض سے مقرر کیا جائے۔ جو متقی کے علاوہ مدبر و متحمل ہو۔ تمام بدظنیوں کو دور کیا جائے۔ رشک وحسد نہ ہو۔ بے مثل شخص تھا۔ ایسے ناخدا کے مل جانے پر ہم خدائے قدیر کے جس قدر بھی شکر گزار ہوں کم ہے۔ اب بھی اسی سے استدعا ہے کہ موزوں اور مفید ہستی کے انتخاب کی توفیق عطا کرے۔ مرحوم کی نقل مکانی پر اور راحت کی ابدی زندگی مل جانے پر تاسف نہ کیا جائے۔ ہم سب نے یکے بعد دیگرے امروز فردا میں اس جہان فانی سے روپوش ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہاں مل بیٹھنے کی توفیق دے۔ تحقیق ہم سب واسطے اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف جانا ہے۔ والسلام (منجانب جماعت احمدیہ بھیرہ)

☆ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا تعزیتی ریزولیوشن۔

28 اکتوبر اتوار مجلس معتمدین احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا اجلاس دس بجے صبح احمدیہ بلڈنگس لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مولٰینا صدرالدین صاحب کی طرف سے مندرجہ ذیل ریزولیوشن پیش ہوا۔

ممبران احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا یہ جلسہ حضرت امیر قوم مولٰینا محمد علی صاحبؒ کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج واندوہ کا اظہار کرتا ہے اور اسے اپنی قوم اور تمام عالم اسلام کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان تصور کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہے کہ وہ حضرت مرحوم ومغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے درجات بلند کرے اور جماعت کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ جلسہ مولٰینا مرحوم ومغفور کے جملہ اعزہ اور ورثاء سے اظہار ہمدردی کرتا ہے اور ان کے اس صدمہ میں برابر کا شریک ہے۔ جملہ حاضرین نے اس ریزولیوشن کو احتراماً کھڑے ہو کر منظور کیا اور قرار پایا کہ اس کی نقول حضرت بیگم صاحبہ امیر مرحوم، میاں محمد احمد صاحب خلف الرشید حضرت امیر مرحوم ومغفور اور پریس کو بھیجی جائیں۔

قسط دوم مطبوعہ دراشاعت 7 نومبر 1951ء

☆ رحیم بخش صاحب سامانوی احمد پور شرقیہ: بخدمت جناب سیکرٹری صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ حضرت امیرؒ کی وفات کی خبر سن کر دل کو بہت صدمہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحمت نازل فرمائے اپنے فضل کرم کی بارش برسائے۔ بقلم رحیم بخش۔ احمد پور شرقیہ۔ ریاست بہاولپور

☆ شیخ اللہ بخش صاحب پشاور: مکرمی معظمی حضرت مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ آپ کی تار مجھے آج صبح ساڑھے آٹھ بجے کے قریب ملی۔ اس سے قبل کل شام ساڑھے چھے بجے برخوردار عبدالرزاق پسر چوہدری عبدالمجید صاحب سے سانحہ کی اطلاع مل چکی تھی۔ مگر باوجود تگ ودو کے مجھے لاہور آنے کی رخصت نہ مل سکی۔ کل کے مقدمات ہائیکورٹ میں تبدیل نہ ہو سکے۔ اس لئے غیر حاضری امر مجبوری ہے۔ جو حالت دل ودماغ کی ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر **الحکم للّٰہ** اور **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ** کے ورد کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ والسلام۔ احقر شیخ اللہ بخش۔ ایڈووکیٹ پشاور

☆ سید اختر حسین صاحب گیلانی۔ راولپنڈی: حضرت مولٰینا کی وفات سے علم ومعرفت کی ایک شمع فروزاں گل ہوگئی۔ ان کے اعزہ واقارب کے غم میں ہر وہ شخص شریک ہے جسے حضرت مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور جو ان کی بے بہا علمی تالیفات سے فیض یاب ہوا ہے۔

حضرت مولٰینا کی زندگی ایمان واستقامت کا ایک روشن نمونہ ہے۔ آج سے قریباً پچاس سال قبل جس مقصد کے لئے انہوں نے کمر ہمت باندھی ان کی وفات تک کوئی چیز ان کی راہ میں روک نہ بن سکی۔ سیاسی جماعتیں بنیں اور بگڑیں۔ ہنگاموں پر ہنگامے برپا ہوئے۔ حکومتوں میں انقلاب آئے مگر کوئی چیز نہ تھی جو حضرت مولٰینا کی توجہ خدمت قرآن کے مقصد سے عارضی طور پر بھی ہٹا سکی۔ میرے نزدیک ان کی زندگی اس آیہ کریمہ کی زندہ مثال ہے **فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ یُسَبِّحُوْنَ لَہٗ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَھُمْ لَایَسْئَمُوْنَ.** (38:41) کہ مقبولان بارگاہ الٰہی شب وروز اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کے کام میں مصروف رہتے ہیں اور کوئی وقت نہیں آتا کہ وہ اس کام سے تھکان محسوس کریں، یعنی اپنی خدمات میں کوئی عارضی انقطاع بھی نمودار ہونے دیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولٰینا کی روح پر اپنے انوار رحمت کی ابدی بارش نازل فرمائے اور ان کی بیگم صاحبہ، ان کے صاحبزادوں اور دیگر لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ سید اختر حسین گیلانی ایم۔ اے۔

☆محمد بوٹا صاحب۔ سبی (بلوچستان):

بخدمت جناب جنرل سیکرٹری انجمن جماعت احمدیاں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت امیر مولوی محمد علی صاحب کی وفات کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ مگر صبر کے سوا کیا چارہ ہو سکتا ہے۔ اچھا۔ خداوند تعالیٰ جنت فردوس عطا کرے اور آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی طاقت دے۔ آمین۔ جب کبھی ان کی یاد آجاتی ہے تو آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اچھا۔ میں دوبارہ خداوند تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان کو جنت فردوس نصیب ہو اور آپ میں قوتِ برداشت پیدا ہو۔ آمین۔ از طرف محمد بوٹا ولد رحمت۔ سبی جنکشن (بلوچستان)

☆ڈاکٹر محمد زبیر صاحب پاراچنار: بخدمت محترم جناب جنرل سیکرٹری احمد یار خاں صاحب سلمہ الرحمٰن۔ بعد از اسلام علیکم واضح ہو کہ آج صبح ریڈیو کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ جناب حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے حقیقی مالک سے جا ملے اور ہم کو داغ مفارقت دے گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ میری طرف سے یہ تعزیت نامہ جناب امیر صاحب کے اہل خانہ کی خدمت میں عرض کر دیں۔ خداوند تعالیٰ جناب کو اپنے قرب میں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین اور ان کے قائم مقام ہمارے لئے کسی نیک بزرگ کا انتخاب فرمائے تا کہ یہ چھوٹی سی جماعت ثابت قدم رہ کر اسلام کی خدمت تا قیامت کرتی رہے۔

جناب امیر صاحب کی غیر حاضری کو پر کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہی ہماری مدد فرمائے اور ہم کو ثابت قدم رکھ کر آپ کے دینی کام کی تکمیل کی توفیق دے۔ آمین۔ والسلام

تابعدار ڈاکٹر محمد زبیر۔ پارہ چنار۔ ضلع کوہاٹ

☆عبدالرحمٰن صاحب۔ کچھی (ہزارہ): محترم ومکرم حضرت مولٰینا صاحب دام اللہ فیوضہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آج ابھی حضرت امیر جماعت کے انتقال کی افسوسناک خبر پہنچی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. جماعت کے اس ناقابل تلافی نقصان کا اندازہ کچھ آپ ہی کر سکتے ہیں۔ جماعت کچھی۔ سر۔ وٹاہلی ہزارہ نے نماز جنازہ غائبانہ ادا کی اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو نعم البدل عطا فرمائے۔

والسلام۔ شریک غم خاکسار۔ عبدالرحمان احمدی۔ پکھی ہزارہ۔ خاکسار شریک غم گل زمان احمد۔ پکھی ہزارہ

☆ چراغ دین صاحب (سندھ): مولینا مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آج ابھی اخبار جنگ کراچی آیا۔ از حد تکلیف دہ خبر وفات حسرت آیات حضرت مولانا مولوی حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ پڑھ کر حالت بے ہوشی جیسی ہوگئی اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اِنَّـا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. مشیت ایزدی سے چارہ نہیں۔ میری طرف سے اور میرے بڑے لڑکے صلاح الدین ایڈیشنل مختار کار کی طرف سے مسلم ٹاؤن اور جناب فاروقی صاحب، حضرت مولانا عزیز بخش صاحب اور مولوی صدرالدین صاحب کی خدمت میں عرض کر دیویں کہ ہم دونوں آج کراچی حضرت صاحب مرحوم ومغفور کی طبیعت پرسی کے لئے تیار تھے۔ والدہ صاحبہ صلاح الدین کی طرف سے بیگم صاحبہ حضرت امیر ایدہ اللہ کی خدمت میں اظہار ماتم پُرسی اور سب بہنوں کو صبر کی تلقین دیں۔ آپ کا خادم۔ چراغ دین۔ از ماتلی (سندھ)

☆ محمد الرحمٰن صاحب: مکرمی بزرگوارم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کے خط نے رات کی سنی ہوئی جانکاہ خبر کی تصدیق کر دی۔ حضرت امیر کا وصال نہ صرف ہمارے لئے اور ان کے لواحقین کے لئے بلکہ اسلام کے لئے ایک بہت بڑے نقصان کا موجب ہے۔ بظاہر تلافی ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی امداد فرمائے۔

حضرت امیر مولینا محمد علی مرحوم ومغفور کا وجود ہماری جماعت کے لئے ایک ستون کی حیثیت رکھتا تھا۔ اب میں حیران ہوں کہ کیا ہوگا! حضرت ہم سے اوجھل ہیں مگر وہ ایک دائمی زندگی کے مالک ہیں۔ جب تک دنیا ہے وہ زندہ رہیں گے۔ بزرگوارم ہمارے صدمہ کی انتہاء نہیں۔ ہم سب یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے والد صاحب وفات پا گئے ہیں۔ دو دن تک حالت ماتم رہی ہے۔ میرا دوسرا رقعہ بیگم حضرت امیر کو پہنچایا جائے اور محمد احمد اور بیگم صاحبہ کا پتہ لکھیں۔ نیز جماعت کے مزید حالات سے فوری اطلاع دیا کریں۔ والسلام۔ محمد الرحمٰن

☆ فضل الٰہی صاحب سرائے عالم گیر: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

افسوس۔ انتہائی افسوس۔ حضرت امیر کا سن کر سخت صدمہ پہنچا۔ لعل بے بدل دنیا سے رخصت ہوا۔ افسوس جماعت جہلم کے دوستوں پر کہ مجھ کو خبر تک نہ دی۔ ورنہ لاہور پہنچنا چنداں مشکل نہ تھا۔ آج اخبار ''آفاق'' میں حضرت کی خبر پڑھی۔ قریباً ایک بجے دن۔ صبح ایک دو قادیانی دوستوں نے ذکر کیا۔ مگر اعتبار کی گنجائش طبیعت میں نہ آئی۔ اب بذریعہ اخبار پڑھ کر تسلی ہوئی کہ خبر واقعی مصدقہ تھی۔ اے قضا! تو بھی عجیب ہے۔ مگر حکم الٰہی کے آگے کیا پیش جاتی ہے۔ خصوصاً مجھ کو اور میرے برخوردار راست حسین کو دلی صدمہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ حضور کو جنت الفردوس بخشے۔ میری اور بچے کی طرف سے حضور کے تمام لواحقین اور تمام حاضرین جماعت احمدیہ و کارکنان سب کی خدمت میں افسوس ظاہر فرمایا جائے۔ کیا لکھوں۔ کچھ سمجھ نہیں آتا۔ صدمے کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا دل جانتا ہے۔ والسلام۔ فضل الٰہی۔ سرائے عالمگیر

☆ محمد زکی صاحب ملھی۔ شاہ کوٹ: مکرمی محترمی مولٰینا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آج صبح اخبار میں حضرت امیر کی وفات کی خبر پڑھ کر ازحد رنج ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. اس مرد مجاہد نے جو کام کیا۔ شائد ہی اس کی مثال ملتی ہے۔ اب بھی مجھے یقین نہیں آتا کہ حضرت امیر فوت ہو گئے ہیں۔ اور نہ ہی مجھے کوئی الفاظ مل رہے ہیں جو میں اس جلیل القدر مجاہد کی شایان شان استعمال کر سکوں۔ براہ کرم میرے یہ چند حروف، جو تعزیت کے طور پر لکھے گئے ہیں، ان کے لواحقین تک پہنچا دیئے جائیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ غمزدہ۔ محمد زکی ملھی۔ شاہ کوٹ

☆ سیکرٹری صاحب جماعت قاضی احمد (سندھ): بعالی خدمت جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عرض یہ ہے کہ قلم لکھنے سے اور زبان بیان کرنے سے قاصر ہے اور آنکھیں جتنا اشکبار ہوں درد فرقت میں بہت کم ہو گا۔ اچانک کل مورخہ 15 اکتوبر 1951ء کو بوقت شام میاں شریف احمد صاحب مالک کارخانہ قاضی احمد ضلع نواب شاہ (سندھ) کو غم سے بھری تار کے بعد دیگرے دو عدد موصول ہوئیں۔ جن میں حضرت امیر مرحوم و مغفور کے انتقال پر ملال کا ذکر تھا۔ واقعہ نہایت جانگاہ ہے۔ روح فرسا ہے۔ کاش کسی جدوجہد، رونے پیٹنے یا دیگر کسی ذریعہ یا قیمت پر تدارک ہوتی۔ مگر ممکن نہیں۔ سنت اللہ شاہد ہے۔ اس لئے سوائے اس کے دیگر کوئی راستہ نہیں کہ کمزوری طبع کو

سنبھال کر ہم تمام ماتم زدہ اسلامی ہدایت کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اسی پر خود و دیگر غمزدہ احباب کو کار بند بنانے کی کوشش کریں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. حضرت امیر کا سفراز دارِفنا بدار بقا صرف احمدیہ جماعت اشاعت اسلام لاہور کے واسطے موجب خسارہ نہیں بلکہ روئے زمین کے مسلمانوں کے واسطے قومی اور مذہبی خسارہ ہے۔ کیونکہ حضرت امیر اس جماعت کے امام اور اسے چلانے والے تھے کہ جس جماعت کے ذریعہ تمام دنیا میں اسلامی، قرآنی اور اشاعتی جہاد ہو کر مسلمانوں کی عزت و سرخروئی کی باعث ہو رہی ہے۔ اور سمجھدار دنیا خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو۔ وہ سمجھ رہی ہیں کہ جماعت مجاہد مذکورہ کے ذریعہ مسلمانوں میں دوبارہ زندگی پیدا ہو رہی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد مسلمان قوم زندہ قوم کہلائے گی۔ اندازہ لگانے سے ہمارے خیالات قاصر ہیں کہ کتنے بڑے کام والی جماعت کا امام یا امیر جماعت سے سفر کر کے جدا ہو گئے اور کتنا خسارہ ہوا۔ البتہ قرآن شریف کی مثال پیش کر سکتے ہیں كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ. تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ (14:24-25)

آج صبح مورخہ 16 اکتوبر 1951ء کو بحکم جناب میاں شریف احمد صاحب مالک کارخانہ قاضی احمد تمام احمدی و دیگر صاحبان جمع ہوئے۔ بعد از نماز فجر تلاوت قرآن پاک ختم کر کے نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ بعد نماز جنازہ دوبارہ دعائے مغفرت کی گئی۔ جناب میاں صاحب کے حکم سے کارخانہ بند رہا۔ فقط۔ سیکرٹری جماعت قاضی احمد نواب شاہ (سندھ) سردار علم الدین خان بقلم خود

☆ محمد زمان میاں قاضی خیل جدید: حضرت قبلہ مولٰینا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ پرسوں 16 اکتوبر 1951ء کو بوقت شام برادرم عبدالحمید صاحب سے سنا کہ جناب قبلہ مولٰینا محمد علی صاحب وفات پا گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. بہت صدمہ ہوا۔ شام نزدیک تھی۔ نماز شام پڑھنے کے بعد جناب مولانا مرحوم کا جنازہ غائبانہ اکیلے پڑھا۔ اللہ تعالیٰ مولٰینا مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ آمین۔ یوں تو ہم سب نے مرنا ہے۔ مگر مولٰینا صاحب کی وفات سے جماعت کو جو نقصان پہنچا اس کا پُر کرنا ذرا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمت دے کہ مولٰینا کے نقش قدم پر چل کر اشاعت کا کام دوگنا کر دیں۔ آمین۔ میری طرف سے بی بی صاحبہ اور فرزندان ارجمند کی خدمت میں تعزیتی دعا پیش ہووے۔ خفتن کی نماز کے وقت وہی بھائی عبدالحمید صاحب آئے اور کہا کہ وزیر اعظم لیاقت علی خان کو کسی نے راولپنڈی

میں گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. نماز خفتن پڑھ کر ان کا بھی غائبانہ جنازہ پڑھا اور دونوں کے واسطے درد دل سے بہت دعائیں کیں۔اللہ تعالیٰ قبول کرے۔آمین۔کل ڈاک خانہ بند تھا۔اس لئے آج ہی خط لکھ دیا۔محمد زمان۔میاں ساکن قاضی خیل جدید

☆ ملک دوست محمد صاحب۔ سبی (بلوچستان): بخدمت مکرم جنرل سیکرٹری صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔حضرت امیر کی وفات حسرت آیات کا مجھے سخت غم ہوا ہے۔اسلامی دنیا کا ایک سورج غروب ہو گیا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں سے تھے۔دسویں ماہ محرم ان کی وفات ہوئی۔یہی دنیا کے لئے کافی سے زیادہ ثبوت ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے۔آمین اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔دعاگو۔ملک دوست محمد۔ہیڈ ٹکٹ کلکٹر۔سبی جنکشن

☆ محمد اقبال صاحب چک نمبر 325 ٹوبہ ٹیک سنگھ: مکرمی معظمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔حضرت قبلہ مولوی صاحب کی وفات کی خبر سن کر نہایت رنج ہوا۔ان کا وجود ہماری جماعت کے لئے باعث فخر وبرکت تھا۔اچھا۔خدا تعالیٰ کی رضا۔کیونکہ مسلمان کا موت پر ایمان ہے۔گو وہ خود ہم میں موجود نہیں لیکن ان کا پروگرام ہمارے سامنے ہے۔دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔قبلہ مولوی صاحب کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔اوران کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین۔ثم آمین۔والسلام۔نیاز مند محمد اقبال چک نمبر 325 ٹوبہ ٹیک سنگھ

☆ محی الدین باشاہ صاحب اوٹکمنڈ: مکرم مشفقی مہربان دوست :السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔واضح باد کہ مسلم اخبار سے معلوم ہوا کہ عالی جناب مولٰینا محمد علی صاحب کا انتقال ہو گیا۔اس لئے ان کی جدائی کا سخت افسوس ہوا۔ہم تمام درگاہ باری تعالیٰ میں مرحوم کے لئے دعائے خیر اور مغفرت چاہتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے انجمن کی ترقی کے لئے دعاگو ہیں۔فقط محی الدین باشا

☆ محمد صدیق ملہی صاحب: مکرم جناب مولوی صاحب وخاں صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔حضرت امیر کی وفات حسرت آیات کی اندوہگیں وپُر حزیں اطلاع موصول ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

بیشک معتمدین جماعت وپسماندگان کے لئے یہ صدمہ جاں گسل ہے۔بندہ شریک غم وملال

ہے۔ مجدد زمان نے جو شمع روشن کی وہ امیر صاحب مرحوم کی شبانہ روز جان کاہی سے زمانہ بھر میں ضیا پاشی کرتی رہی۔ اگرچہ ہونے والے صدر بھی اسم بامسمیٰ ہیں۔ اور وہ شمع آئندہ بھی بدستور سابق نور بیزی کرتی رہے گی۔ طوفان و آندھیاں اس شمع کو بجھا نہیں سکتی ہیں۔ تاہم امیر صاحب مغفور کی خدمات اسلام رہتی دنیا تک یادگار ہیں۔ وہ مرد مومن تھے۔ تادم آخر اسلام کے لئے جیئے۔ وہ مرے نہیں بلکہ موت پر انہوں نے فتح حاصل کر لی ہے اور وہ زندہ ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت کے جذبہ عمل کو بیش از پیش طاقتور بنائے اور تبلیغ اسلام میں سعی بلیغ اور دو چند جدو جہد کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ بیگم صاحبہ و دیگر رفقاء سے اظہار ہمدردی کر کے مشکور فرما دیں۔ خیر اندیش۔ محمد صدیق ملہی۔

☆ ڈاکٹر انعام اللہ خان صاحب سالاری۔ چمن (بلوچستان): اخی المکرّم جناب جنرل سیکرٹری صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ کل اخبار لائٹ کے ذریعہ حضرت امیر جماعت مولانا محمد علی صاحب کی وفات سے رنج ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور جملہ لواحقین اور افراد جماعت اور دنیائے اسلام کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ مرحوم کی وفات بین الاقوامی نقصان ہے۔ کیونکہ ان کی برکات کسی جماعت یا ملک تک محدود نہ تھیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی مدتوں ان کی باکمال تصانیف سے دنیا کو فیض پہنچتا رہے گا۔ جملہ احباب کو سلام۔ مورخہ 20 اکتوبر 1951ء۔ ڈاکٹر انعام اللہ خان سلاری یوسف زئی۔ پنشنر

☆ محمد حسن صاحب قریشی۔ ڈنگہ: واجب الاحترام اخی المعظم جناب مولٰینا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ کل مجھے ہیڈ رسول جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک دوست کی زبانی حضرت امیر کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر دل پر ایک بجلی گری۔ چند لمحات سکتے کے عالم میں رہا۔ اور نہ معلوم کونسی پوشیدہ محبت وعقیدت تھی کہ جس کی غمازی پرنم آنکھیں بار بار کرتی تھیں۔ اے کاش! دین مصطفوی کا یہ ان تھک سپاہی ہم جیسے گنہگاروں کے لئے کچھ دن اور زندہ رہتا۔ مگر مرضی مولا از ہمہ اولیٰ۔ طبیعت ایک مسلسل تاسف سے دوچار ہے اور دل غم سے ہر وقت خون رہتا ہے۔ ''موت العالِم موت العالَم'' کے پیش نظر آج اسلامی اور علمی دنیا ایک بینظیر اور یکتائے روزگار عالم کا دائمی فراق محسوس کرتی ہے۔ گو حضرت امیرؒ قدرت کے اٹل قانون کے ماتحت ہم میں نہیں ہیں مگر اس ناپائیدار عالم میں عشق خدا و رسولؐ

کے سبب ایک پائیدار اور دائمی زندگی کا درجہ حاصل کر گئے ۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

مجھے اپنی زندگی میں اگر اپنے اخلاق سے کما حقہ کوئی ہستی متاثر کر سکی تو وہ حضرت امیرؒ کی ذات تھی کہ جن کے مقدس الفاظ نہا نخانہ دل کی گہرائیوں میں جاگزین ہوتے تھے۔ خدا کی لاکھ لاکھ رحمتیں ہوں اس مقدس ہستی کی روح پر۔ آپ کا سوگوار بھائی۔ محمد حسن قرشی۔ ڈنگہ ضلع گجرات

☆ احمد صاحب لکھنو: برادران اسلام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی وفات دنیائے اسلام کا ایک المناک سانحہ ہے اور ''موت العالم موت العالَم'' کی مصداق۔ اللہ تعالیٰ ان کی جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ مجھے اس نقصان میں جماعت سے پوری ہمدردی ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین۔ خاکسار احمد عفی عنہ۔ مندر باغ۔ لکھنؤ

☆ مطیع اللہ خاں صاحب شجاع آباد: مخدومی حضرت مولانا صاحب۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں کئی روز سے بیمار پڑا ہوں۔ میری ٹانگ میں عرق عزالنسا بہت درد تھا۔ اب بفضلہٖ روبصحت ہوں۔ حضرت امیر کی وفات کا جو صدمہ ناگہانی پہنچا۔ اس کے اظہار کے لئے میرے پاس کوئی الفاظ نہیں سوائے اس کے اللہ تعالیٰ انہیں مغفرت عطا فرمائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. چلنے سے قطعاً معذور ہوں۔ ورنہ فوراً وہیں حاضر ہو کر شامل جنازہ ہوتا۔ براہ کرم مولٰینا صاحب مرحوم ومغفور کے گھر پر تعزیت میری اور میری لڑکیوں کی طرف سے پہنچا کر مشکور فرما دیں۔ والسلام۔

آپ کا مخلص خادم مطیع اللہ۔ شجاع آباد۔ ملتان

24 اکتوبر 1951ء

ایڈیٹر پیغام صلح کے نام تعزیتی خطوط

☆ عزیز احمد صاحب ذوکرہ (سری نگر): مکرمی ایڈیٹر صاحب! اخبار پیغام صلح لاہور۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ چند دن ہوئے مجھے ایک برادر نے یہ روح فرسا سنائی کہ حضرت امیر مولٰینا محمد علی صاحب پریزیڈنٹ جماعت احمدیہ لاہور اس جہان فانی سے اچانک دل کی حرکت بند ہوجانے سے سفرِ آخرت اختیار کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ. میں نے آپ کو لکھنے سے قبل اس خبر کی تصدیق حاصل کرنا چاہی مگر تار روڈاک کا سلسلہ فی الحال نہ ہونے، اخبار پیغام صلح یہاں نہ پہنچنے اور جماعت کا کوئی باضابطہ وجود یہاں نہ ہونے کی وجہ سے تصدیق حاصل نہ کرسکا۔

اگر یہ واقع صحیح ہے کہ حضرت امیر وفات پا گئے ہیں تو اگرچہ میں احمدی نہیں ہوں اور پکا اہل سنت والجماعت ہوں۔ سلسلہ قادریہ عالیہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ مگر مجھے ذاتی طور پر حضرت امیر کے گزر جانے پر از حد رنج وقلق ہوا ہے۔ احیائے اسلام کے لئے ان کی لسانی۔ قلمی اور مالی قربانیاں بے مثل ہیں۔ وہ تبلیغ اسلام کے ایک جوانمرد پہلوان تھے۔ ان کا قلم برہان قاطع۔ ان کی زبان ساطع۔ ان کا دل دردو جوش وخروش دین سے لبریز۔ ان کا دماغ دلائل وبراہین سے معمور۔ ان کی خدمت حقہ بےلوث اور ان کی زندگی پُرخلوص ونیکیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اپنے مرشد حضرت امام وقت، مجدد دوران مرزا غلام احمد صاحبؒ کے ارفع ومنزہ مشن کو جس خوبی واحسن طریقہ سے انہوں نے پایہ تکمیل تک پہنچایا وہ انہی کا حصہ تھا۔ انہوں نے یورپ اور دیگر ممالک میں مشکلات سے گھرے ہونے کے باوجود جس تنظیم، مستعدی اور عالی حوصلگی سے کام کیا اور عیسائیوں، پادریوں، یہودیوں اور آریوں کے اسلام، قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملوں کا جس بےجگری سے مقابلہ کرکے ان کے دانت کھٹے کئے، وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ کاش! خدا تعالیٰ اسلام کو ایسے چند ایک اور جوانمرد سپاہی عطا کرتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجاہد ملت وزیر اعظم پاکستان ڈاکٹر لیاقت علی خاں کی وفات حسرت آیات سے تو صرف پاکستان کو نقصان عظیم پہنچا ہے۔ مگر حضرت امیرؒ کی ناگہانی وفات سے دنیائے اسلام کو نقصان عظیم پہنچا ہے۔ اس رنج وغم میں آپ مجھے، میرے دوستوں اور عزیزوں کو اپنا شریک غم سمجھیں۔ میری طرف سے اجازت ہے کہ اگر مناسب سمجھیں تو

اس خط کو میرے دوستوں، عزیزوں اور میری جانب سے اپنے اخبار میں شائع کر دیں۔ تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ اہل سنت قادریہ سلسلہ نے اس قدر عظیم الشان خادم اسلام کی وفات پر افسوس نہ کیا اور خدا تعالیٰ کے سامنے بھی ہمیں سرخروئی رہے۔ خدا تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط ناچیز۔ عزیز احمد۔ ایم۔اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کے۔ سی۔ ایس

☆ ایک تار۔ بنام بیگم مولانا عزیز بخش صاحب: آپ کے افسوسناک حادثہ کو سن کر بہت رنج والم ہوا۔ نجمہ عطاء اللہ خان ٹانک۔

☆ امان اللہ خاں لودھراں۔ بہاول پور! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عرض خدمت ہے کہ آج پندرہ دن کے بعد ریلی سکاؤٹ کا امتحان دے کر گھر واپس آیا ہوں۔ گھر آتے ہی میں نے پیغام صلح اخبار پڑھا اور حضرت امیر صاحب کے انتقال ہونے کی دردناک خبر پڑھ کر بڑا افسوس ہوا اور بے چینی سی ہوگئی اور غم طاری ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. ہمیں اس سے زیادہ صدمہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ امان اللہ خان۔ جماعت دہم۔ لودھراں۔ بہاول پور

31 اکتوبر 1951ء
استفسار

نماز جنازہ میں عورتوں کی شرکت

محبی و مشفقی جناب ایڈیٹر صاحب ''پیغام صلح''۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پانچ ستمبر کے ''پیغام صلح'' میں بی گجراج صاحب کا خط طفیل صاحب کے نام میری نظر سے گزرا اور ان کے سوالات کے جوابات بھی میں نے ملاحظہ کئے۔ پچھلے برس جب میں جنوبی امریکہ کا تبلیغی دورہ کر رہا تھا، تو برٹش اور ڈچ گائنا اور ٹرینیڈاڈ کے مسلمانوں نے یہی سوالات مجھ سے کئے تھے۔ اور یہ بحث ابھی تک وہاں جاری ہے۔ عورتوں کی نماز جنازہ میں شرکت کا سوال بہت اہم ہے اور اس کا جواب ذرا تفصیل چاہتا ہے۔ مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں کہ عورتوں کو جنازہ میں شرکت کی ضرورت نہیں۔ ان علاقوں میں یہ سوال مردوں کی طرف سے نہیں بلکہ عورتوں کی طرف سے کیا جاتا ہے اور وہ معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی کیوں ضرورت نہیں۔ کیا قرآن مجید میں کوئی ایسا حکم ہے کہ وہ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں یا کیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی طور پر انہیں اس سے روک دیا ہے؟

نماز جنازہ پر غور کرنے سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئیے کہ کیا عورتیں اپنی روزانہ نمازیں فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر سکتی ہیں یا نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ عورتیں عہد نبویؐ میں با جماعت نمازیں ادا کرتی تھیں بلکہ حضرت نبی اکرم نے بصراحت فرمایا کہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے ہرگز نہ روکا جائے اگرچہ وہ رات ہی کا وقت کیوں نہ ہو۔ یہ درست ہے کہ عورتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو کھڑی نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان کی صف ان کے پیچھے ہوتی تھی۔ مگر ان کے درمیان کوئی پردہ بھی حائل نہ ہوتا تھا۔ خلفائے راشدہؓ میں بھی یہی سنت قائم رہی اور اموی خلفاء نے بھی اس کی خلاف ورزی نہیں کی۔ حضرت نبی اکرمؐ کے وصال کے اڑھائی سو برس بعد پہلی بار عورتوں اور مردوں کو دو ستونوں سے رسی باندھ کر علیحدہ کیا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد لکڑی کا جنگلا لگایا گیا۔ پھر دیوار کھڑی کر دی گئی اور آخر پردہ کا خیال اتنا ترقی پا گیا کہ عورتوں کا مسجد میں

جانا قطعی طور پر رک گیا۔ مگر یہ جو کچھ بھی ہوا وہ یقیناً سنت نبی اکرمؐ کے خلاف ہوا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز جنازہ میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ پہلے کنبہ والوں نے نماز پڑھی، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے۔ ان میں بھی پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے اور پھر بچوں نے۔ ایک حدیث کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی وفات پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لے جائیں تا کہ وہ ان کے لئے وہاں نماز پڑھیں۔ یہ حدیث مسلم کی ہے۔ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی گئی ہے۔ ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں: ''**اُدخلوا به المسجد حتّی اصلی علیه**'' جب تمام نمازوں میں عورتوں کی شرکت ہوسکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ نماز جنازہ میں عورتیں شریک نہ ہوسکیں۔

ایسی حدیثیں بھی ہیں جہاں عورتوں کو جنازوں کے ساتھ جانے سے روکا گیا۔ مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہوسکتی کہ ایک عورت کو محض عورت ہونے کی وجہ سے روکا گیا ہے۔ بلکہ یہ صرف ان عورتوں کے متعلق ہے جو بہت ہی رقیق القلب ہوں اور جزع فزع سے کام لیں۔ اگر عورتوں کی نماز جنازہ میں شرکت ممنوع ہوتی تو انہیں حضرت نبی اکرمؐ کے جنازہ میں شریک ہونے کی اجازت کیسے ملتی۔ اور حضرت عائشہؓ کیسے کہتیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا جنازہ مسجد میں لوگ لے جائیں تا کہ وہ اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔ عہد نبویؐ میں ایسی کئی عورتیں تھیں جو جنگوں میں شامل ہوتی تھیں۔ زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور ان کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ بعض اوقات خود بھی لڑتی تھیں۔ ایسی عورتوں کا نماز جنازہ میں شامل نہ ہونا کس بنا پر ہوگا اور ان کے روکنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟!

حقیقت یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا اور نبی اکرمؐ کے اس فرمان سے، کہ اپنی عورتوں کو عیدگاہ ضرور لے جاؤ، بے پروائی سے کام لیا تو انہیں نماز جنازہ میں شریک ہونے کی وہ کیسے اجازت دے سکتے تھے۔ مسجدوں کے دروازے جب ان پر کھل جائیں گے اور سب سے پہلی ضرورت یہی ہے تو نماز جنازہ میں شامل ہونے سے بھی انہیں کوئی نہیں روکے گا اور نہ ہی ایسا سوال کرنے کی ضرورت پیدا ہوگی۔ خاکسار بشیر احمد منٹو

31 اکتوبر 1951ء

اداریہ

زندہ اور فعال جماعت کے مبارک کارنامے

28 اکتوبر 1951ء کا دن احمدیت کی تاریخ میں ایک بہت بڑی آزمائش اور ابتلاء کا دن تھا۔ حضرت امیر مولٰینا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کے بعد قوم کا سردار کس کو بنایا جائے اور اس کے انتظامی امور کی باگ کس کے ہاتھ میں دی جائے؟ یہ وہ سوال تھا جو اس دن احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی مجلس معتمدین کے سامنے رکھا گیا اور جس کو سلجھانے کے لئے نہ صرف مجلس معتمدین کے معزز ممبران ہی ملک کے طول وعرض سے لاہور تشریف لائے بلکہ کئی مقامات سے اور احباب بھی مجلس کی کارروائی کو دیکھنے اور اس کا فیصلہ سننے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ بظاہر یہ ایک معمولی سی بات تھی جس کا حل شائد چنداں مشکل نہ تھا۔ لیکن بعض پیش آمدہ حالات نے اس کو ایک مشکل ترین سوال بنا دیا اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں مامور الٰہی کی اس جماعت کا، جو کسی دنیوی غرض کے لئے نہیں بلکہ محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے بنائی گئی تھی اور جس کی مہتم بالشان خدمات اسلام آج نہ صرف تمام عالم اسلام میں بے نظیر سمجھی جاتی ہیں بلکہ کل دنیا میں اس کو بین الاقوامی حیثیت دینے کا موجب ہیں، شیرازہ بکھر کر نہ رہ جائے۔ لیکن خدا کے مامور کی بنائی ہوئی جماعت، جس کی بنیاد تقوٰی و طہارت پر ہو اور دنیا کی ملونی اس کے اغراض و مقاصد میں شامل نہ ہو، کبھی ضائع نہیں ہو سکتی۔ حضرت مسیح موعود کا الہام ہے: ''لاہور میں ہمارے پاک ممبر ہیں، نظیف مٹی سے ہیں، وسوسہ ہو گیا ہے، وسوسہ نہیں رہے گا مٹی رہ جائے گی'' اس الہام کی صداقت کا نظارہ 28 اکتوبر 1951ء کو دیکھنے میں آیا جبکہ لاہور کے پاک ممبران نے ایک وسوسہ سے، جو بظاہر جماعت کو پریشان اور منتشر کرنے والا تھا، نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ نکل کر اسی ''نظیف مٹی'' کا نمونہ پیش کیا جس کا ذکر الہام الٰہی میں کیا گیا ہے۔ یہ مٹی اس جماعت کے باہمی اتحاد و اتفاق اور اشتراک عمل میں ایک مضبوط سیمنٹ کا کام دیتی رہی ہے اور اب بھی اسی ''نظیف مٹی'' کا ہی اثر تھا کہ وہ ''وسوسہ''، جس نے اس اتحاد کی دیوار کو گرانا چاہا دور ہو گیا، اور جماعت نے پورے تدبر اور اتحاد کے ساتھ اس مسئلہ کو حل کر لیا۔ اور جیسا کہ دوسری جگہ اعلان کیا گیا ہے متفقہ طور پر یہ فیصلہ ہو گیا کہ آئندہ جماعت کے امیر مولٰینا صدرالدین صاحب ہوں اور انجمن کی صدارت کے فرائض جناب شیخ میاں محمد صاحب لائلپوری سر انجام دیں۔

یہ فیصلہ احمدیت کی تاریخ میں نہ صرف اس لحاظ سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے کہ بعض نہایت

نازک حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف رہبری کی اور تمام ممبران مجلس معتمدین اور دوسرے تمام احباب نے جو اس موقعہ پر موجود تھے متفقہ طور پر اسے پسند کیا، بلکہ اس لحاظ سے بھی یہ فیصلہ نہایت مبارک اور قابل قدر ہے کہ امارت اور صدارت کو الگ الگ کر کے انجمن نے اپنی انتہائی فراست اور دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ امارت کا منصب اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت بلند منصب ہے جو جماعت کی روحانی تربیت، تزکیہ نفوس، تعلیم وتربیت، استحکام اور توسیع سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جب تک دوسرے انتظامی امور سے بالکل فراغت اور علیحدگی نہ ہو، اس کام کا پوری طرح سرانجام پانا مشکل ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اس کے لئے حضرت مولٰینا صدرالدین صاحب جیسے پاک نفس اور اعلیٰ قابلیت رکھنے والے انسان کا، جو یورپ میں متعدد مرتبہ اپنی اعلیٰ تبلیغی قابلیت کا ثبوت دے چکے ہیں، انتخاب عمل میں آیا۔ حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحبؒ کے بعد جماعت میں اس سے بہتر انسان امارت کے فرائض سرانجام دینے کے لئے ملنا مشکل تھا اور خدا کا شکر ہے کہ جماعت نے متفقہ طور پر آپ کو اس کے لئے منتخب کر لیا۔

اسی طرح صدارت کا عہدہ جن نازک ذمہ داریوں کا حامل اور جن اعلیٰ انتظامی قابلیتوں کا متقاضی ہے، شیخ میاں محمد صاحب لائل پوری سے بڑھ کر ان کا اہل ملنا مشکل تھا۔ اور ہم جماعت کو مبارک باد دیتے ہیں کہ شیخ صاحب ممدوح کو اس منصب پر فائز کر کے نہایت بیدار مغزی اور تدبر کا ثبوت دیا گیا ہے۔

یہ ایک زندہ اور فعال جماعت کی زندگی اور حسن تدبر کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ کوئی دنیوی جماعت ہوتی، یا اس جماعت کے ممبران میں کوئی دنیوی ملونی ہوتی تو شائد اس قسم کا پاکیزہ نمونہ، جو اس موقعہ پر دیکھنے میں آیا اور ایسا اتحاد و اتفاق جو اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر دلوں میں پیدا کر دیا، دیکھنے میں نہ آتا۔ یہ ہے **ید اللّٰہ علی الجماعۃ** کا عملی مظاہرہ جس کو پیش کرتے ہوئے ہم احباب سے یہ عرض کریں گے کہ جماعت کے اندر بہت برکات ہیں۔ اس لئے انہیں چاہئیے کہ جماعت کو اور بھی مضبوط و مستحکم کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے اتحاد و اتفاق کو بڑھائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی برکات اور رحمتیں اور بھی زیادہ اس جماعت پر نازل ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انتخاب کو جماعت کے لئے ہر رنگ میں موجب خیر و برکت بنائے اور ان بزرگوں کو، جنہیں قوم کی رہبری اور اس کے مہتمم بالشان امور کی سرانجام دہی کے لئے منتخب کیا گیا ہے، اپنے پاک ارادوں اور نیک کوششوں میں کامیابی عطا فرمائے۔

31 اکتوبر 1951ء

جماعت کا استحکام، یگانگت اور اتحاد

حضرت امیر قوم مولٰینا صدر الدین ایدہ اللہ کا پیغام احباب جماعت کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

احباب کرام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہماری جماعت کے اتحاد واتفاق پر ہماری جماعت کی بنیادیں استوار ہوئی تھیں۔ اب تک اس یکجہتی کی برکت سے آپ نے نہایت نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔

حضرت نبی کریم علیہ افضل الصلوٰت والتسلیمات نے ایک لاجواب جماعت یا امتہ یا قوم پیدا کی۔ حضور کو علم تھا کہ جماعت کے بغیر ایک پیغمبر بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بینظیر اور بے عدیل جماعت تیار کرنے پر پوری توجہ صرف کی۔ اور حضور اس جماعت کی بہت قدر افزائی فرماتے تھے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ مثلاً فرمایا هُوَ الَّذِیۡۤ اَیَّدَکَ بِنَصۡرِہٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ. (62:8) یعنی جہاں ہماری جناب سے آپؐ کے لئے نصرت اُتری، وہاں مومنین نے بھی آپ کی تائید کی۔ اس حکم الٰہی پر حضورؐ عمل پیرا تھے اور قوم اور اس کے رسولؐ پاک کے درمیان محبت وعشق کے روابط پیدا ہوگئے۔ اس نے ان کو دین ودنیا کی تمام انواع واقسام کی کامیابیاں عنایت فرمائیں۔ اس زمانہ میں اس عظیم الشان رسولؐ کا ایک غلام پیدا ہوا۔ جس نے اپنے آقا کی سنت کا احیاء کیا۔ اس سنت کے سب سے قیمتی اجزاء میں سے ایک تو احیاء جماعت تھا۔ جو تمام برکات کا سرچشمہ ومنبع ہے۔ اپنے آقا کی طرح حضرت امام ہمام بھی اپنے دوستوں کی تکریم وتعظیم کرنے میں کمال کرتے تھے۔ اور اسی لئے قوم ان پر فدا تھی۔ آپ کے امام کی روح اس جماعت میں کام کرتی ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ اس جماعت کے افراد کی تعظیم وتکریم کریں۔ اور اس جماعت کے استحکام اور اس جماعت کی یگانگت اور اس جماعت کے اتفاق واتحاد کو بڑھانے کے لئے پورا پورا زور لگائیں۔ اور تمام ان امور سے مجتنب رہیں جو اس امام کی جماعت کے شیرازہ کو توڑنے کا باعث ہوسکتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک ابتلا آیا جماعت اس آزمائش میں پوری اُتری اور انہوں نے ارادہ کرلیا کہ ہم تمام کے تمام

تعصّبات کو اور مفاد کو اور آرزوؤں کو قومی اتحاد پر قربان کر دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ ایک نہایت سمجھدار اور قیمتی جماعت ہیں۔ جس نے اس نازک موقع پر اپنی فراست اور دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ جس سے آپ کی عزت بڑھ گئی۔ اب آپ کے سامنے ایک فریضہ ہے۔ وہ یہ کہ جماعت کے استحکام کے لئے آپ میں سے ہر ایک فرد کوشش کرتا نظر آئے۔

خدا تعالیٰ آپ کی مساعی میں برکت ڈالے۔

آپ کا خیر اندیش۔ صدرالدین۔

29 اکتوبر 1951ء

31 اکتوبر 1951ء

حضرت مولٰینا عزیز بخش صاحب کے نام تعزیتی خطوط

حضرت امیر مولٰینا محمد علی صاحب کی وفات پر

☆ غلام محمد صاحب نمبردار: مکرمی مخدومی حضرت مولوی صاحب دام ظلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت امیر کی وفات کا صدمہ تو بہت مخلوق کو ہے۔ پھر خاندان کا ہر فرد روتا ہے ہر ایک کا یہی خیال ہے کہ وہ میرے ہی پیارے محسن تھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سر سے سایہ اُٹھ گیا ہے۔ اب ظلمت کی زندگی ہے۔ کوئی غم ہے جو دل کو دباتا ہے۔ مگر مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ بڑھاپے کی عمر اور ایک ایسے بھائی کا صدمہ جو تمام عمر ساتھی رہا اور ایسی عادات اور اخلاق حسنہ کا نمونہ جو دوسرا مل نہیں سکتا۔ کتاب اللہ کا سچا عامل وہ انسان تھا۔ میری غفلت اور لاپرواہی یہ کہ میں حضور کے پاس چار منٹ نہ بیٹھ سکا۔ تا کہ مغموم اور اداس دل کو سہارا دوں۔ میری رقت قلبی کا خود یہ حال ہے کہ میں خود ایک آہ کی برداشت نہ کر سکا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اللہ تعالیٰ حضور کی عمر وصحت میں برکت دے۔ تا کہ ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو۔ والسلام۔ غلام محمد نمبردار۔ چک نمبر سات اوکاڑہ

☆ سید تصدق حسین صاحب بغداد: قبلہ ام حضرت مولٰینا عزیز بخش صاحب سلمہ الرحمٰن۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۔ (23:33) کل شام پاکستان ریڈیو کراچی نے یہ اندوہناک خبر نشر کی کہ ہمارے آقا ومحبوب امیر حضرت مولٰینا محمد علی اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اس المناک خبر سے دل ودماغ کی جو حالت ہوئی اس کے اظہار سے قلم قاصر ہے۔ آہ! وہ پیرانہ سال مرد مجاہد دشمنان اسلام کے مقابلہ میں پچپن سال رات دن لڑتے ہوئے بیوم سید الشہداء عاشورہ کے دن شہید ہو گیا۔ میرا آقا محمد علی نہیں مرا۔ بطل میدان کربلا حسینؓ کی طرح زندہ جاوید ہے۔ یہ ان مقدس ہستیوں میں سے ایک پاک ہستی ہے جنہوں نے حقیقی معنوں میں دین کو دنیا پر مقدم رکھا اور ایثار وقربانی کی وہ مثال پیش کی جس کی نظیر آج اس عصر حاضر میں مشکل سے مل سکتی ہے۔ اس کی مجاہدانہ زندگی پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ قبلہ ام اس فاجعۃ الکبریٰ پر، جو ہم سبھوں کے لئے مشترکہ ہے اور جو ناقابل برداشت

ہے، جتنا بھی رنج وغم کیا جائے کم ہے۔ لیکن مالک حقیقی کے سامنے چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم ہے۔ خدا ہم سبھوں کو صبر دے اور اس شہید ملت کے نقش قدم پر چلنے اور خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام غمزدہ تصدق حسین قادری

☆ بخشی خلیل الرحمٰن صاحب رام پور (ہندوستان): حضرت مولوی صاحب قبلہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آج عزیزہ محترمہ...... کے خط سے معلوم ہوا کہ آفتاب جماعت احمدیہ لاہور غروب ہو گیا۔ اور وہ مردِ مجاہد، خادم دین اسلام، حضرت مسیح موعود کا پیارا اور لاڈلہ مرید دنیائے فانی کو چھوڑ سب کو داغ مفارقت دے کر ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے رحم وکرم سے مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا کرے اور اس کمزور ناتوان جماعت کا دستگیر اور حامی وناصر ہو۔ جملہ متعلقین اور احباب جماعت کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ دلفگار شریک غم (بخشی) محمد خلیل الرحمٰن

☆ جمعدار عبدالجلیل صاحب۔ مردان: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ''آہ! حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ''۔

پرسوں مولٰینا احمد یار صاحب نے حضرت امیر کی وفات بابت تار دیا تھا۔ جو مجھے شام کے وقت ملا۔ کل محمد اسحاق خان کو اطلاع دے دی جو موضع زوبی کے باشندے ہیں۔ یعنی مولانا احمد صاحب کے گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ وہاں ہماری جماعت کے ممبر ہیں۔ باقی تمام ضلع میں ہماری جماعت کے ممبر نہیں۔ چونکہ مجھے تار اس وقت ملا جبکہ لاہور میں حضرت امیر کی تجہیز وتکفین ہو رہی تھی۔ اس لئے میں نے کل بیگم صاحبہ حضرت امیر کو تار دیا۔ حضرت امیر کی شخصیت بین الاقوامی تھی اور ان کی وفات سے اسلامی دنیا میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پُر ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس اندوہناک خبر سے نہ صرف احمدی اصحاب کو صدمہ پہنچا ہے بلکہ غیر از جماعت فہمیدہ طبقہ بھی غم سے نڈھال ہوا ہے۔ ایسے افراد، جن کی زندگی دین کے لئے وقف ہو، دنیا میں کم پیدا ہوتے ہیں۔ خدا مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور آپ اور آپ کے جملہ افراد خاندان کو صبر کی توفیق بخشے۔ آمین۔

آپ کا خادم۔ جمعدار عبدالجلیل۔ موضع حیدر آباد۔ مردان

☆ قادر بخش صاحب ضلع لائل پور: مکرمی معظمی مولوی صاحب ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔آج میں اتفاقیہ جب گوجرہ آیا تو قبلہ مولوی محمد علی صاحب کی وفات کی خبر سنی ۔اس خبر کو سن کر نہایت ہی رنج اورافسوس ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ . عاہے کہ خداوند کریم مولوی صاحب کی روح کو بہشت بریں میں بلند مقامات میں جگہ دے اور آپ کو اور دوسرے اقربا کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔ آمین ۔اس میں شک نہیں کہ دنیا سے ہر ایک شخص نے ایک نہ ایک دن کوچ کرنا ہے ۔مگر مولوی صاحب کی وفات کا صدمہ ایک عظیم صدمہ ہے ۔مولوی صاحب جیسے انسان دنیا میں ہمیشہ پیدا نہیں ہوتے ۔ جب رحمت الٰہی خاص طور پر کسی قوم یا کسی کنبہ پر نہایت ہی کرم کی نظر کرے تو قبلہ مولوی صاحب جیسی شخصیت پیدا ہوتی ہے ۔مگر افسوس کہ خدا تعالیٰ نے مولوی صاحب کو ہمارے درمیان کچھ اور مدت تک نہ رہنے دیا۔ انسان مشیت ایزدی کے سامنے لاچار اور بے بس ہے اور بجز صبر چارہ نہیں رکھتا۔ خدا تعالیٰ مولوی صاحب کو غریق رحمت کرے اور آپ کو اور دیگر اقرباء کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔آمین ثم آمین

☆شکر الدین صاحب راولپنڈی: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ سیدنا وامامنا حضرت امیر کی اچانک رحلت سے جو صدمہ اور افسوس ہوا وہ بیان سے باہر ہے ۔شعائر اللہ میں سے جو وجود تھا وہ ہم سے رخصت ہو کر مولیٰ حقیقی کے پاس جا پہنچا۔حضرت اقدس مسیح موعود نے جس محبت اور دلسوزی سے سیدنا کو یاد کیا وہ الہامی عبارت اس بات کی مصدق ہے کہ حضرت اقدس کو آپ کی جدائی کتنی محسوس ہو رہی تھی۔ ’’مولوی محمد علی صاحب کو دیکھا تو کہا آپ بھی صالح تھے ۔آیئے ہمارے پاس بیٹھ جایئے‘‘ ۔ حضرت مولیٰنا یقین کیجئے ۔حضرت امیر قوم کی وفات ایک سانحہ عظیم ہے ۔ جماعت کا ہر فرد بالخصوص اور مسلمانان عالم بالعموم آج غم والم میں ڈوبے ہوئے ہیں ۔آب زلال محمدؐ کا یہ ساقی بادہ عرفان کے ساغر پلاتے پلاتے تھک گیا۔مگر تھکان کے باوجود لذت بے خودی میں اس فیض رسانی سے نہ رکا۔ ملاء اعلیٰ نے ’’عظیم المرتبت‘‘ کے لقب سے یاد کیا اور خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ضعیف الجثۃ تک کہہ دیا۔ ایسے اولوالعزم مجاہد ہزاروں سالوں کے بعد مبعوث ہوتے ہیں ۔ان کا ماتم دنوں کا نہیں بلکہ زمانوں کا ہے ۔آنے والی نسلیں جب اس ضعیف الجثۃ کا پیدا کردہ لٹریچر پڑھیں گی تو حسرت کریں گی کہ انہیں اس سلطان القلم عالم کا زمانہ کیوں نصیب نہ ہوا۔

قوم کا یہ امیر فقیروں کی طرح زندگی بسر کر گیا۔ خود بھوکا رہا مگر قوم کا خیال رکھتا رہا۔ اللہ کریم نے ان کے لئے تو جنت الفردوس میں مقام کر دیا۔ اب دعا ہے کہ ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے اور اپنے امیر کا نعم البدل عطا کرے۔ 1948ء کے اوائل میں، جب تقسیم ملک کے جلو میں خونریزیاں برپا تھیں اور مسلمان قوم پر تباہی اور مصائب پر مصائب آ رہے تھے، حضرت امیر نے سورہ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیات پر توجہ دلاتے ہوئے فرمایا تھا کہ اب مسلمان قوم پر پھر ایسی قیامت خیز مصیبت نہ آئے گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بنی اسرائیل سے گیا گزرا ہے اور اس کے لئے قضا و قدر میں ابھی اور صبر آزما واقعات سے دوچار ہونا تھا جو حضرت امیر کا رفع الی اللہ ہو گیا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے آج وزیر اعظم پاکستان تشدد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آخر پر میں اس آیت کریمہ پر یہ خط ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ کریم آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ (154:2)۔ محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی خدمت میں مضمون واحد ہے۔ غمزدہ (منشی) شکر الدین۔ فخر الدین

☆ ملک جمال الدین صاحب راولپنڈی: بخدمت مولٰینا عزیز بخش صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کے بھائی حضرت مولٰینا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کی وفات حسرت آیات کی خبر سے سخت رنج و افسوس ہوا۔ حضرت مولانا نے دین اور انسانیت کی جو بے بہا خدمات انجام دی ہیں ان کی وجہ سے میرے دل میں ان کا بے پناہ احترام ہے۔ اور میری دعا ہے کہ خداوند کریم انہیں جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے اقرباء کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور ملک و قوم میں ان کی رحلت سے جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کے لئے نعم البدل عطا فرمائے۔ اگرچہ حضرت مرحوم و مغفور اپنی مثال آپ ہی تھے اور بیشمار خصوصیات کے اعتبار سے منفرد شخصیت کے مالک تھے ایسے لوگ کہیں صدیوں میں جا کر پیدا ہوتے ہیں اور پھر اس زمان قحط الرجال میں تو حضرت مولانا کی وفات ملک و ملت اور دین کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اس رنج و الم میں آپ کا شریک۔ ملک جمال الدین۔ مبلغ اسلام۔ راولپنڈی

☆ حافظ عبدالرشید صاحب سندھ: بخدمت شریف بزرگ قوم حضرت مولٰینا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ کیا لکھوں لکھنے کو جی چاہتا نہیں۔ جس بات کا خطرہ تھا وہ واقع ہو چکا ہے۔

آہ! ثم آہ! جس عظیم المرتبت انسان کے جانے کا ڈر تھا وہ آخر وقوع میں آیا۔ آنکھیں اشکبار ہیں۔ دل غم والم سے معمور ہے۔ چودھویں صدی کا بہترین مفسر ومحدث عالم دین یعنی مرشدی مولٰینا محمد علیؒ کی خبر وفات حسرت آیات معلوم کر کے دل غمزدہ کو سخت حادثہ ہوا۔ احقر مع اپنے عزیزوں کے آپ اور آپ کے جمیع خاندان سے اس غم میں شریک ہے۔ دنیا اس خلا کو شائد پر نہ کر سکے۔ دنیا رفتنی وگذاشتنی ہے۔ صبر کے سوا چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

غمزدہ حافظ عبدالرشید۔ مبلغ اسلام۔ نواب شاہ سندھ

☆ خواجہ محمد عبداللہ صاحب منجانب جماعت راولپنڈی: جماعت راولپنڈی نے آج نماز جمعہ ادا کر کے سیدنا حضرت امیر جماعت کا جنازہ غائبانہ پڑھا اور بعد ازاں متفقہ طور پر حسب ذیل قراردادیں منظور کیں۔

جماعت راولپنڈی کا یہ غیر معمولی اجلاس سیدنا حضرت امیر قوم مولانا محمد علیؒ کی بے وقت رحلت کو سانحہ عظیم تصور کرتا ہے۔ آپ کی وفات حسرت آیات جماعت احمدیہ کے لئے بالخصوص اور مسلمانان عالم کے لئے بالعموم ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اس رنجدہ سانحہ پر جماعت راولپنڈی بیگم صاحبہ حضرت امیر جماعت اوران کے اعزا واقربا سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے اور انہیں یقین دلاتی ہے کہ حضرت ممدوح کے ماتم میں جماعت کا ایک ایک فرد ان کے غم میں شریک ہے۔ حضرت امیر جماعت مرحوم نے جماعت احمدیہ لاہور کی تنظیم اور استحکام کے لئے جو فقدالمثال قربانیاں کیں اور جس اخلاص تندہی اور محنت شاقہ سے شجر مقدسہ کی آبیاری کی۔ ان خدمات جلیلہ کو اراکین انجمن بنظر استحسان دیکھتے ہیں اور بارگاہ رب العزت میں دعا کرتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ مرحوم پر بہت بہت رحم وکرم نازل فرمائے اور ہمیں اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔ قرار پایا کہ اس کی نقول بخدمت جنرل سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن (برائے اشاعت)، بیگم صاحبہ حضرت امیر جماعت اور مولٰینا عزیز بخش صاحب ارسال کی جائیں۔ مرسلہ خواجہ محمد عبداللہ۔ سکرٹری

☆ سلطان محمود صاحب وزیرآباد: بخدمت قبلہ ام حضرت مولٰینا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ہمارے پیارے حضرت امیر کی وفات کی خبر سے جو صدمہ اور دکھ ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔

اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ . یقیناً جناب کے لئے یہ صدمہ غیر معمولی اور بہت بڑا صدمہ ہے۔ حضرت امیر کی تعریف قلم کی طاقت سے باہر ہے۔ وہ ایک پاک اور عالم دین ہستی تھے۔ اور فی الواقع علم و ہدایت کا نورانی ستارہ تھے جو غروب ہو گیا۔ اور اسی وجہ سے جماعت احمدیہ لاہور یتیم ہو کر رہ گئی ہے۔ اور تقریباً تمام جماعت حضور کے غم میں سوگوار ہے۔ آپ تو چونکہ ان کے بڑے بھائی ہیں اس لئے یقیناً یہ صدمہ آپ کے لئے باقی سب افراد سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے خداوند کریم سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اور حضرت کے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ میں نے میاں محمد احمد صاحب کی خدمت میں بھی افسوس کی چٹھی لکھی ہے۔ میں چونکہ بوجہ ملیریا سخت بیمار تھا اس لئے جنازہ پر نہ آ سکا اور نہ ہی اس سے پہلے افسوس کا خط لکھ سکا۔ آج دو ہفتے کے بعد کام پر آیا ہوں۔ والسلام۔ خاکسار سلطان محمود

☆ قادیانی اصحاب کے خطوط: از شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی سابق مدیر ''الحکم''

سکندر آباد۔ الٰہ دین بلڈنگ۔ محترم بھائی مولوی عزیز بخش صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ابھی ابھی قادیان کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ مکرم مولٰینا محمد علی صاحب کا حرکت قلب بند ہو کر انتقال ہو گیا، اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ . اور یہ واقعہ 13 اکتوبر کو ہوا۔ جس کی خبر ریڈیو نے دی۔ تعجب ہے کہ کسی اخبار میں ذکر نہیں۔ مجھے اس خبر سے سخت صدمہ ہوا۔ اور میں ایسا ہی محسوس کرتا ہوں کہ میرے ایک عزیز بھائی کا انتقال ہو گیا۔ موت تو ناگزیر ہے۔ وہ عمر کے لحاظ سے تمام منازل طے کر چکے تھے۔ مجھے اس حادثہ کا اس وقت سے خطرہ تھا جب سے تنفس کی شکایت پیدا ہوئی۔ میں نے ان کی بیماری کی مختلف مواقع پر ہمیشہ ان کی صحت اور درازی عمر کے لئے دعا کی۔ گذشتہ دو تین ماہ سے میں نے بعض خواب ایسے دیکھے تھے جن سے میں سمجھتا تھا کہ وقت قریب آ رہا ہے۔ آخر وہ وقت آ گیا۔ سدا رہے نام اللہ کا۔

باوجود اختلاف جزوی کے میرے دل میں ان کے لئے عزت کا مقام تھا اور ان کی قلمی خدمت کا مجھے اعتراف تھا۔ اختلاف اگر نیک نیتی سے ہو تو رحمت ہوتا ہے اور اس کا فیصلہ انسان نہیں کر سکتا۔ کچھ شک نہیں وہ فوت ہو گئے اور ہر شخص مرنے والا ہے۔ ان کی وفات ایک قومی صدمہ ہے۔ میں اس صدمہ میں آپ کے خاندان اور مکرم مرحوم کے خاندان سے پورے اخلاص سے اظہار تعزیت کرتا ہوں، اور ان کے مدارج کی ترقی اور مغفرت کے لئے بھی مصروف دعا ہوں۔ جو کام انہوں نے کیا ہے

اس نے ان کو ایک حیات ابدی عطا کر دی ہے۔ میں اپنے جذبات اور تاثرات کا اظہار الحکم میں انشاء اللہ کروں گا۔ یہ تعزیت کا مکتوب آپ کو خاندان کے بزرگ کی حیثیت سے بھیج رہا ہوں۔ از راہ کرم بیگم صاحبہ اور مولٰینا کے بچوں کو بھی میری طرف سے تعزیت کریں اور میں ان کے اس صدمہ میں ان کا شریک غم ہوں۔ ان کے اس خالص کام کو، جو قرآن کریم اور اسلام کی خدمت کا انہوں نے کیا ہے، ویسے ہی جاری رکھا جائے۔ میں یہ بھی کہوں گا کہ اندرونی اختلاف کے متعلق بحثوں کو ختم کر دیا جائے۔

بالآخر میری دعا ہے کہ مرنے والے کی روح پر برکات اللہ کا نزول ہو اور ان کی کمزوریوں اور غلطیوں کو ان کی خدمات کے صدقہ میں عفو فرمائے اور ہماری کمزوریوں کی بھی پردہ پوشی کرے۔ کرم مولوی مرتضٰی خاں صاحب کو بھی تعزیت کا خط لکھوں گا۔ میری ٹانگ اور ہاتھ میں درد ہے۔ سر دست اسے سنا دیں۔ ہاں ایک ''خاص نمبر'' اخبار کا ان کے متعلق شائع کیا جائے۔ جس میں ان کی خدمات کا ذکر ہو جو انہوں نے قرآن کریم اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں کی ہیں۔ اندرونی اختلاف سے اخبار کو پاک رکھا جائے۔ یہ میرا اپنا خیال ہے۔ والسلام۔ خاکسار یعقوب علی عرفانی۔

قسط دوم مطبوعہ در اشاعت 28 نومبر 1951ء

☆ سید مظفر علی صاحب۔ بھڑوچ: بخدمت جناب قبلہ مولٰینا صاحب سلمہ الرحمٰن۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت امیر مولٰینا محمد علی صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر سے سخت بے چین ہوں۔ علالت کی وجہ سے خدمت عالی میں جلد تحریر نہ کر سکا خداوند کریم اس پاکباز اور مقدس ہستی کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین۔ اہل اسلام کے لئے عموماً اور جماعت احمدیہ کے لئے خصوصاً یہ ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اس سچے خادم دین اور عاشق قرآن ورسولؐ کی خداوند کریم خدمات دینیہ قبول فرما کر مرحوم ومغفور کی روح پر بے حساب برکات نازل فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین مرحوم ومغفور کے خاندان کو اور آپ کو جو غم ہے اس میں مجھ ناچیز کو بھی شریک سمجھئے۔ مولٰینا کے بچوں سے میری طرف سے تعزیت کریں۔ والسلام۔ خاکسار سید مظفر علی (برادر خورد سید تصدق حسین قادری۔ بغداد)

☆مشعل خاں صاحب از جماعت بازید خیل ضلع و تحصیل پشاور: محترم مولوی عزیز بخش صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔حضرت امیر مولوی محمد علی صاحب کی وفات کو ہر فرد، جوان کی خدمت اسلام سے واقفیت رکھتا ہے، عظیم الشان قومی نقصان سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولوی صاحب کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ نیز ان کی تالیفات کو دنیا میں مقبول فرما کر اسلام کے غلبہ کا باعث بنائے۔ ہماری جماعت بازید خیل کا ہر فرد بشر دعا کرتا ہے کہ آپ کو اور نیز حضرت امیرؒ کے بال بچوں کو اللہ تعالیٰ صبر عطا فرمائے۔ والسلام۔ خاکسار مشعل بقلم خود

☆عبدالباقی صاحب بنوں: شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ حضرت مولٰنا عزیز بخش صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ مرحوم ومغفور امیر صاحبؒ کی وفات حسرت آیات ایک عظیم الشان قومی نقصان ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے خاندان پر ان کی جدائی بہت شاق گزری ہوگی۔ لیکن ہم لوگ اپنے آپ کو ایک روحانی نسبت کی وجہ سے اس صدمہ جانکاہ میں آپ لوگوں کے ساتھ برابر شریک سمجھتے ہیں۔ مرحوم کو دیکھ کر مجھے اپنے والد صاحب یاد آجاتے تھے۔ اور ہر دفعہ میری آمد پر فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی آؤ تو میرے ساتھ گلے ملو تا کہ مولانا عبدالہادی (میرے والد مرحوم) کی یاد تازہ ہو جایا کرے۔ مرحوم کو جماعت کے ہر فرد کے ساتھ اور بالخصوص ہمارے ساتھ ایک گہرا اُنس تھا۔ ان کی وفات پر ہم بہت قسم کی خوبیوں سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا کرے۔

میری ناچیز رائے میں حضرت امیرؒ حدیث نبوی **انا مدینۃ العلم و علّی بابھا** کے مظہر تھے۔ اس حدیث شریف میں اور آپ کے نام میں ایک خاص مناسبت مجھے معلوم ہوتی ہے۔ واقعی طور سے دیکھا جائے تو آپ علوم کے خزانہ تھے۔ جو ہم سے جدا ہوئے۔ آج جن کے دلوں میں کچھ احساس ہے، وہ ان کی جدائی کو ایک عظیم قومی نقصان سمجھتے ہیں۔ آپ اس تحریک کے حامل تھے جس نے اقوام کو تباہی سے بچانا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حضرت مولانا صدرالدین صاحب کی معیت میں ہم اس تحریک کو عملی جامہ پہنائیں گے۔ بیگم صاحبہ حضرت امیر اور ان کے صاحبزادگان اور آپ سب کی خدمت میں دلی ہمدردی پیش کی جاتی ہے۔ والسلام۔ عبدالباقی۔ بنوں

☆داؤد الرحمٰن صاحب۔ رامپور: مکرمی ومحترمی۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔حضرت مولٰنا

محمد علی صاحب کے انتقال کی خبر سن کر جو قلبی صدمہ ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ بلکہ یقین جانیئے پہلی دفعہ مجھے تو یہ خبر سرے سے غلط ہی معلوم ہوئی کہ وہ نور ہدایت اتنی جلدی منتقل ہو کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا اس آسمانِ صحافت و تبلیغ اسلام کے ستارہ نے اپنی منور کرنوں سے ان مقامات کو اُجاگر کر دیا جن اندھیروں میں ہمارے وہم جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اور یہ روشنی کبھی گُل نہیں ہو سکتی۔ کبھی گُل نہیں ہو سکتی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

خدا سے دعا ہے کہ اس مشعل ہدایت کی راہ پر ہم کو گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ والسلام

شریک غم۔ داؤد

☆ شیخ فضل الرحمٰن صاحب کوئٹہ: محترم و مکرم حضرت مولانا مولوی عزیز بخش صاحب قبلہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ حضرت امیرؒ کی وفات حسرت آیات کا اس آپ کے ایک ناچیز بھائی کے دل پر صدمہ اس قدر مستولی رہا کہ اس عرصہ میں کئی بار لکھنے کی کوشش کرنے کے باوجود بھی قلم اظہار کے چند الفاظ تحریر میں لانے سے قاصر رہتا رہا۔ اگرچہ خبر سننے کے ساتھ ہی ایک عزیز سے لکھوا کر تعزیت کا تار محترمہ بیگم صاحبہ حضرت امیر (جو بہن۔ برادر زادی اور ہماری سیدہ بھی ہیں) کے نام پر مسلم ٹاؤن کے پتہ پر ارسال کر دیا تھا۔

میں میری کوئٹہ والی لڑکی اہلیہ ڈاکٹر غفورالحق خاں اور میری اہلیہ ہم سب کے سب آپ کے اس غم میں شریک حال ہیں۔ میرے دیرینہ تعلقات جو حضرت مرحوم و مغفور سے تھے ان کی یادگاریں وہ متبرک خطوط تھے جو اس عرصہ پچاس سال سے میں نے تبرکاً اپنے پاس محفوظ رکھے ہوئے تھے اور وہ چند متبرک خطوط حضرت قبلہ مولانا مولوی نورالدین صاحبؓ کے جو میرے نام تھے، یہ سب کچھ اگست 1947ء میں گھر پر ہی رہا۔ جسے ظالموں نے جلا کر راکھ کر دیا ہو گا۔ مجھے ان ہر دو بزرگ ہستیوں کے ان تبرکات سے محرومی کا جو صدمہ ہے وہ اپنے دیگر مالی نقصانات سے بدرجہا بہت زیادہ ہے۔ گویا کہ کوئی نسبت ہی نہیں۔ بہرحال راولپنڈی کے پتہ پر چند تحریریں حضرت امیر مرحوم و مغفور کی میرے بکس میں ہیں جو تسکین دل کے واسطے کافی ہوں گی۔

مجھے کسی قدر گلہ عزیز المکرّم میاں محمد احمد صاحب پر ہے کہ میں نے صرف زیارت کا خیال

ظاہر کیا تھا۔ جبکہ ایک دفعہ ایام بیماری میں لاہور مسلم ٹاؤن میں محض اسی خاطر گیا تھا۔ لیکن انہوں نے لقمان کو حکمت سکھائی۔ بھلا میں کوئی انجان تھا جو باتیں کرنی شروع کر دیتا۔ خیر ایسا نہیں چاہیئے تھا۔ اور یہی چیز کراچی پہنچنے کے واسطے سدراہ رہی۔ یہ ڈاکٹری مشورے اور بندشیں جاہل ملاقاتیوں کے واسطے ہوتی ہیں۔ میری طرف سے یہ عریضہ حضرت امیرؒ کے گھر میں بطور تعزیت نامہ پہنچا دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ غمزدہ فضل الرحمٰن۔ گورداسپوری حال وارد کوئٹہ

☆ ایم اے صمد صاحب۔ ماروف گنج۔ گیا۔ بہار (انڈیا): معظمی ومکرمی۔ السلام علیکم

ایک عریضہ کے ذریعہ ہم نے آپ کو مطلع کیا تھا کہ ہماری صحت خراب ہوگئی ہے اور ہم آنکھ کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ آپ کا جواب بھی ملا۔ لیکن اڑھائی ماہ سے اخبار پیغام صلح کا پرچہ نہیں ملا۔ اس لئے جماعت کی حالت سے واقفیت نہ ہوسکی۔ ہم اللہ کے فضل سے پہلے سے اچھے تو ضرور ہیں مگر مکمل صحت نہیں ہوئی ہے۔ دوا ہنوز استعمال میں ہے۔ اس خط کے لکھنے کی غرض یہ ہے کہ آج 15 اکتوبر کو یکا یک ہمارے چھوٹے بھائی مولوی عبدالرب وکیل بہار شریف نے، جو ہم سے ملنے آئے، اخبار پڑھ کر افسوسناک خبر سنائی کہ حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب کا وصال کراچی میں ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. ہم نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور خیرات کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت امیر مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور اپنی رحمت کی بارش کرے۔ اللہ آپ لوگوں اور جماعت کو صبر کی توفیق عطا کرے۔ ایم اے صمد۔ گیا۔ بہار (انڈیا)

☆ احمدی بیگم صاحبہ۔ علی پور: بخدمت شریف مکرم معظم حضرت مولانا عزیز بخش صاحب قبلہ وحضرت مکرمہ معظّمہ بیگم صاحبہ حضرت امیرؒ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مولانا مرشدی ومخدومی قبلہ حضرت امیر ایدّہ اللہ بنصرہ العزیز کی ناگہ بے وقت وفات حسرت آیات کا علم پا کر خاکسار بے حد مغموم ملول پریشان ہوئی۔ ایسے عالم دین مقدس حواری امام ہمام علیہ السلام کا سایہ ہمارے سروں سے اُٹھ جانا بہت صدمہ کا موجب ہے۔ آپ ہمیں اور اسلام کو یتیم بنا گئے۔ یہ جماعت کے اندر جو خلا پیدا ہوگیا ہے بظاہر اس کی تلافی بہت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ یہ خدا کے کام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا اور آپ بزرگان کا حافظ وناصر ہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

خاکسار۔ احمدی بیگم بنت قاضی شیر محمد صاحب علی پور۔ مظفر گڑھ

☆ محمد بخش صاحب کراچی: مکرمی جناب مولوی عزیز بخش صاحب دام اقبالہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ میں کراچی اتفاقیہ گیا ہوا تھا۔ اس میں خدا کی حکمت تھی۔ میں حضرت امیر سے دو تین دفعہ ملا۔ عید کے روز بہت اچھی طرح سے ملاقات ہوئی۔ جس سے دل بڑا خوش ہوا۔ خدا کی حکمت اچانک ہی فون آیا کہ حضرت امیر فوت ہو گئے ہیں۔ اطلاع ملنے پر خدا بہتر جانتا ہے جو میری حالت گزری۔ مجھ پر حضرت امیر کے بڑے بڑے احسان تھے۔ جن کا بیان کرنا تحریر سے باہر ہے۔ جب حضرت امیر کا جنازہ ہو گیا اور دیکھنے کا ہر ایک کو موقع دیا گیا میری حالت سوائے زار زار رونے کے اور زبان پر یہی لفظ جاری ہوئے۔ اے پاک پروردگار! ہم سے علم کا ستارہ لے لیا ہے۔ اب تو ہی نگہبان ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر کو بہت بلند مقام پر جگہ دے۔ آمین۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر کا جو بوٹا لگایا ہوا ہے اسے سرسبز رکھے۔ تابعدار محمد بخش

☆ محمد الرحمٰن ۔ ڈپٹی جیلر ہری پور ہزارہ: از سنٹرل جیل ہری پور ہزارہ۔ مکرمی بزرگوارم مولانا صاحب دام اقبالکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ اس سے پہلے میں حضرت مولانا احمد یار کو خط لکھ چکا ہوں۔ حضرت مولانا مولوی محمد علی کی وفات حسرت آیات کا سخت صدمہ ہوا۔ ہم تو ایسا محسوس کرتے ہیں کہ ہم یتیم ہو گئے ہیں۔ حضرت امیر کا وجود ہماری جماعت کے لئے خصوصاً اور اسلام کے لئے عموماً بہت زیادہ منفعت بخش تھا۔ حضرت امیر یقیناً موجودہ دنیا کے اندر سلطان القلم تھے۔ موجودہ دہریت سے نجات دینے کا باعث صرف جناب امیر کا وجود مسعود تھا۔ انہوں نے اسلام کے اندر ایک روحانی اور ذہنی انقلاب پیدا کیا اور مردہ یورپ کے اندر پھر سے زندگی (روحانی زندگی) ڈالی۔ ہزار ہا سعید روحیں آپ کے ترجمہ قرآن سے مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ جماعت کو ایسے اعلیٰ طریقہ سے چلایا گیا جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اس جماعت احمدیہ پر بڑا احسان کیا کہ ہر ایک سعید روح ان کو اپنا حقیقی معنوں میں روحانی باپ سمجھتی ہے۔ حضرت امیر اپنے مولیٰ حقیقی کا وصل حاصل کر چکے ہیں مگر ان کا وجود ہمیشہ کی زندگی پا چکا ہے اور یقیناً وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی ساٹھ سے اوپر کتب ان کی زندگی کا باعث ہیں۔ آج دنیا میں ان کے احیاء حقیقی کا چرچا ہے۔ میری دلی خواہش تھی کہ حضرت امیر کی وفات کی آواز میرے کان میں نہ پڑتی مگر افسوس ہے کہ سانحہ عظیم ہم نے سنا اور ہم زندہ ہیں۔ اب دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مغفرت میں جگہ دے اور ہمیں صبر کی توفیق بخشے۔ ان کی بتائی ہوئی تعلیم پر

ہمیں چلنے کی توفیق بخشے۔ وہ نہیں مگر ان کی تعلیم ہمارے پاس موجود ہے۔ بہت بڑا انسان تھا۔ آپ کو صدمہ ضرور ہوا ہوگا۔ مگر میں تو کہتا ہوں میرا روحانی باپ مر گیا۔ لوگ میرے پاس تعزیت کے لئے کیوں نہیں آتے؟ کیا قبلہ میرا یہ پیغام ان کے صاحبزادہ تک پہنچا دیں گے۔ خاکسار محمد الرحمٰن۔ ڈپٹی جیلر۔ ہزارہ

☆ شیر محمد صاحب چک نمبر 123 لائل پور: مخدوم ومکرم حضرت مولانا عزیز بخش صاحب مدظلہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت مولانا محمد علیؒ کی وفات کے متعلق اخبارات میں پڑھ کر بے حد صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیشہ ان کے درجات بلند فرمائے۔ پسماندگان کو بھی صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ مولانا مرحوم نے اسلام کی جوشاندار خدمات انجام دی ہیں دنیا انہیں ہمیشہ یاد رکھے گی اور ان کی قدر کرے گی۔ ایسی ہستیاں دنیا میں ہمیشہ نہیں آتیں اور جب آتی ہیں تو دنیا میں ایک انقلاب برپا کر جاتی ہیں۔ چنانچہ مولانا مرحوم نے اسلام کی مجددانہ خدمات انجام دی ہیں اور اسلام کا درخشاں چہرہ دنیا کو دکھایا ہے۔ چونکہ وہ میرے محسن تھے اس لئے درخواست ہے کہ ان کی بیگم صاحبہ اور ان کے فرزند ارجمند محمد احمد صاحب کی خدمت میں میری طرف سے اظہار افسوس فرما دیں۔ میں ان کی ترقی درجات کے لئے ہمیشہ دعا گو رہوں گا۔

فقط والسلام۔ نیازمند۔ شیر محمد ولد بابو درویش۔ لائل پور

☆ عبدالرحیم صاحب چک نمبر 29 جڑانوالہ: جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ امیر جماعت کی فوتیدگی کا حال سن کر بڑا ہی افسوس ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. خدا بہشت نصیب کرے۔ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور جماعت کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آپ کے علم سے مستفیض ہونے کے لئے ہر پرچہ اخبار کی انتظار رہتی تھی۔ جب تک آپ کا خطبہ پڑھ نہ لیا جاتا۔ چین نہ آتا تھا۔ غیر احمدی بھی بڑے شوق سے پڑھ کر آفرین کہتے تھے۔ افسوس ہم سے غائب ہو گئے۔ مگر آپ کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ آپ اپنا کام جہاں تک خدا کو منظور تھا پورا کر گئے اور بامراد گئے۔ علم کا خزانہ آنے والی نسل انسانی کو چھوڑ گئے۔ میں بہت دیر بیمار رہا کمزوری کے باعث خود حاضر نہ ہو سکا۔ والسلام۔ عبدالرحیم۔ چک نمبر 29 جڑانوالہ

☆ محمد فضل الرحمٰن صاحب مشرقی بنگال: مکرم ومحترم مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

وبرکاتہٗ۔ یہاں کے اردو اخبارات میں اور پیغام صلح میں اچانک حضرت مولانا امیر جماعت کی وفات کی خبر معلوم ہو کر جو صدمہ خاکسار کو اور خاکسار کے گھر کے آدمیوں کو ہوا اس کا اظہار کرنے سے قلم قاصر ہے۔ حضرت مولانا کی وفات جماعت کے لئے بلکہ مذہبی دنیا کے لئے ایک ایسا عظیم الشان نقصان ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔ حضرت مسیح موعود کا صحیح جانشین اور ان کے مشن کی تکمیل کرنے والا سوائے حضرت امیر جماعت کے اور احمدیہ جماعت میں کوئی نہیں ہوا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچایا۔ اور اسلام کی خدمت اوائل زندگی نوجوانی سے عالم ضعیفی تک اس جوش وخروش اور بے نفسی سے کی کہ اس کی نظیر اس زمانے میں ملنی مشکل ہے۔ بے شک مولانا کی ذات جماعت احمدیہ کے لئے خصوصاً اور مسلمانوں کے لئے عموماً باعث رحمت وبرکت تھی۔ صد افسوس! کہ ایسا وجود اس جماعت سے موت کے ہاتھوں نے چھین لیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. وہی ایک ہے جس کو دائم بقا ہے۔ بقول حضرت مسیح موعودؑ

یہ تو رہنے کا نہیں پیارو مکاں چل بسے سب انبیاء و راستاں

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنا مقرب بنائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ سوائے صبر کے چارہ نہیں۔ خدا محترمہ کو اور پسماندگان کو اس صدمہ عظیم میں صبر جمیل عطا فرمائے اور جماعت پر اپنا فضل وکرم کرے۔ اس صدمہ جانکاہ میں ہم تمام لوگوں کی ہمدردی محترم اور محترمہ کے اہل وعیال کے ساتھ ہے حضرت مولانا مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے فقیروں کو کھانا کھلایا گیا۔ مولانا کا خاص تعلق خاکسار کے ساتھ تھا۔ میرے گھر سے محترمہ کی خدمت میں اسلام علیکم کہتی ہیں۔ والسلام

خاکسار محمد فضل الرحمن۔ ایشر دی۔ ای۔ بی۔ ریلوے۔ مشرقی بنگال

قسط سوم مطبوعہ در اشاعت 14 نومبر 1951ء

☆ شیخ انعام الحق صاحب حیدر آباد: حضرت قبلہ مولانا عزیز بخش صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جناب مولٰینا احمد یار صاحب جنرل سیکرٹری انجمن کا اطلاعی سرکلر 13 اکتوبر تقریباً ایک ہفتہ بعد 19 اکتوبر کو لاہور سے سپرد ڈاک ہو کر کل وصول ہوا۔ آہ! حضرت امیرؒ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. دل ودماغ اس صدمہ سے غیر معمولی طور پر متاثر ہیں۔ یہ ایک بہت ہی بڑا قومی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر اس کی تلافی ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام افراد قوم

کوصبر جمیل، ہمت بلنداور حضرت مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطافرمائے۔ وہ علم وعمل کا ایک عظیم الشان وبیش قیمت ورثہ جماعت کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔

آپ کواس حادثہ عظیم کا جس قدر صدمہ ہوگا اس کا اندازہ مشکل نہیں ہے۔ میں اپنی اوراپنے متعلقین کی طرف سے دلی افسوس وہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے اورآپ کواور دیگر افراد خاندان کوصبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔ محترمہ بیگم صاحبہ۔ صاحبزادوں اور محترم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کوبھی میں نے تعزیتی خطوط لکھے ہیں۔ اگر آسانی کے ساتھ ممکن ہوتو براہ کرم آپ بھی ان تک میرے جذبات رنج وہمدردی پہنچادیں۔ مرکز کی طرف سے اولین اطلاع مولانا احمد یار صاحب کے محولہ بالا سرکلر ہی سے ملی۔ اس سے پہلے کوئی تار یا خط یا اخبار نہ ملا تھا۔ لیکن دیگر ذرائع سے اس حادثہ عظیمہ کی اطلاع کئی روز قبل پہنچ چکی تھی۔ بظاہر تو اس اطلاع کی صحت میں کوئی شبہ نہ رہا تھا۔ لیکن دل چاہتا تھا کہ خدا کرے یہ خبر غلط ہو۔ اسی وجہ سے فرض تعزیت ادا کرنے میں دیر ہوئی۔ ریڈیو پاکستان کے علاوہ آل انڈیا ریڈیو سے بھی حضرت امیر کی وفات کی اطلاع نشر ہوئی، بلند پایہ انگریزی اخبارات ٹائمنر آف انڈیا وغیرہ نے بھی اسے شائع کیا۔ میرے پاس کافی اصحاب تعزیت کے لئے آئے۔ بیرونجات سے تعزیتی خطوط اور تار وغیرہ بھی میرے پاس آرہے ہیں۔ چنداصحاب مدراس سے بغرض تعزیت آئے۔ سوگوار۔ محمد انعام الحق۔ حیدرآباد دکن

☆ ایم۔ کے سگو۔ کوئٹہ: بخدمت اقدس مولٰینا عزیز بخش صاحب زادلطفہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت امیر کی وفات سے جو رنج وملال ہوا میری بیمار قلم میں طاقت نہیں کہ اس کا اظہار کر سکے۔ آپ اور بیگم صاحبہ کے ساتھ میں اظہار ہمدردی کرنا چاہتا ہوں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ جب موت کے زخم تازہ ہوتے ہیں تو تسلی اور دلجوئی کے الفاظ بے معنی ہوجایا کرتے ہیں۔ اللہ کی یاد ہی ایک چیز ہے جس سے دل کوتسلی وتسکین ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کوغریق رحمت کرے اور ہم سب کوصبر جمیل کی توفیق بخشے۔

مرحوم نے تمام عمر مخالفین دین کے خلاف جنگ کی۔ اللہ کے فضل سے فتح پائی اور غازی ہوئے۔ پھر آخری دم تک جہاد میں لگے رہے اور شہید ہوگئے۔ موت تو ہرایک انسان کے ساتھ ہے۔ مگر مبارک ہے وہ جو غازی کی موت مرے یا شہید کی موت۔ حضرت امیر مرحوم کو ہر دو حیثیتیں حاصل

ہوئیں۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں میری طرف سے اور میری بیوی کی طرف سے بھی اظہار ہمدردی اور دعائے صبر پہنچا دی جائے۔

میری بیوی تو ماہ رمضان گذشتہ سے علیل ہے اور مجھے گذشتہ پانچ چھ ہفتوں سے بخار آ رہا ہے۔ اب بخار سے تو کچھ آرام ہے البتہ شدید زکام باقی ہے۔ جو امید ہے دو تین یوم میں جاتا رہے گا۔ امید ہے آپ عافیت سے ہوں گے۔ والسلام۔ بندہ سکّو عفی عنہ

☆ این اکبر خاں۔ برما: اخویم معظم ومکرم جناب مولانا حضرت عزیز بخش صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ 17 اکتوبر 1951ء کو شام کے وقت میں نے یہاں کے ایک روزانہ اخبار کے ذریعہ ایک افسوسناک خبر سنی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ سنتا ہوں کہ وہ عاشق قرآن۔ جس کی نظیر کئی صدیوں تک نہیں ملے گی، پچاس سال تک خدمت قرآن بجالا کر 13 اکتوبر کو اپنے مولا سے جا ملا۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مرحوم کو جنت الفردوس کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ خاکسار اکبر خاں (برما)

☆ محمد سعید صاحب چغتائی منچھر ضلع مظفر گڑھ: قبلہ ام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت امیرؒ کی وفات کی خبر پیغام صلح میں پڑھ کر نہایت ہی قلق پہنچا۔ مگر یہ دن آخر ہر ایک ہستی نے دیکھنا ہے۔ بغیر صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آنجناب کو اور تمام ممبران انجمن کو استقامت بخشے اور حضرت امیرؒ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عنایت کرے۔ آمین ثم آمین۔ حضرت کے جانے سے ہماری انجمن میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور کرم سے اس خلا کو پُر کر دے۔ آمین۔ مجھے حضور سے آپ کے خاندان سے اور لواحقین سے دلی ہمدردی ہے۔

آپ کا مخلص۔ محمد سعید چغتائی۔ ہیڈ ماسٹر۔ منچھر۔ مظفر گڑھ

☆ مہر خان محمد صاحب احمد پور سیال۔ ضلع جھنگ: بعالی خدمت جناب قبلہ مولانا عزیز بخش صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں اکثر اصل مسکن سے نو دس میل دور اپنی نو آبادی میں رہتا ہوں۔ 17 اکتوبر 1951ء سے گیا ہوا کل شام 23 اکتوبر کو واپس آیا تو اخبارات اور جنرل سیکرٹری صاحب کا مکتوب ملا۔ حضرت امیر جماعت جناب فاضل اجل، عالم بے بدل مولٰینا محمد علی صاحب مرحوم ومغفور کی

وفات حسرت آیات معلوم کر کے بہت ہی صدمہ ہوا۔ ایسے علامہ دہر اور خادم اسلام کا اُٹھ جانا صرف ورثاء کا نہیں بلکہ ساری جماعت اور سارے عالم اسلام کا نقصان ہے۔ جس کی تلافی ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنی بے بہا رحمتوں کا مورد بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ یا ربنا الکریم۔ میری طرف سے حضرت مرحوم کی بیگم صاحبہ وفرزندان مکرم کی خدمت میں اظہار افسوس فرماویں اور جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کی خدمت میں بھی کہ یہ ان کا ہی نہیں ہم سب کا نقصان عظیم ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. والسلام۔ مہر خان محمد سیال پنشنر۔ سب انسپکٹر پولیس۔ احمد پور سیال

☆ موج الدین صاحب موضع علی چیپہ ضلع ملتان: قبلہ حضرت مولانا صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ مولانا محمد علی صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر سے دل کو از حد رنج اور صدمہ ہوا۔ ان کی غیر متزلزل قوت ارادی اور لامحدود دفاعی استعداد اور خدا پر زندہ ایمان اور تمام مذاہب باطلہ پر دین اسلام کے غالب آ جانے کی پختہ امید بالیقین کے وہ جواہر ریزے، جو عمل کے سانچے میں ڈھل کر دنیا کے سامنے محاسن اسلام کی جیتی جاگتی تصویر بن کر آتے رہے، رہتی دنیا تک آپ کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ آپ کی بلند اخلاقی اور عالی کرداری ہمارے جیسے سینکڑوں اور ہزاروں نفوس کے لئے مشعلِ راہ تھی۔ خداوند کریم آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب عطا فرمائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. وہ برگزیدہ بندہ خدا ہمیں داغ مفارقت دے گیا۔ خداوند کریم تمام متعلقین وپس ماندگان کو صبر جمیل اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ وہ اپنے کارہائے نمایاں سے مرے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے ہیں۔ ان کی بلند پایہ بین الاقوامی شخصیت دوست اور دشمن کے لئے ایک درس عمل ہے۔ اس واقعہ جانکاہ میں ہمارے دل اندوہگین ہیں۔ لیکن صبر ہمارا شیوہ اور برداشت وعمل اور پامردی سے تقوٰی کی باریک راہوں پر چلنے کی کوشش اور خدا سے استقامت طلب کرنا ہمارا فرض اور ہماری روح کی غذا ہے۔ خداوند کریم ہمیں، جو آپ کے صحیح معنوں میں جانشین اور پسماندگان ہیں، اپنی رضا پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط والسلام غمزدہ موج الدین۔ بی۔ ایس۔ سی۔ موضع علی چیپہ

☆ سید عبدالمجید صاحب ریٹائرڈ جج کپورتھلہ حال ماڈل ٹاؤن لاہور: محترمی۔ السلام علیکم

ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔حضرت محمد علی صاحب امیر جماعت کی وفات پر نا قابل بیان صدمہ ہوا ہے۔اور خصوصاً اس لحاظ سے کہ جب مرحوم اور آپ 1890ء میں رندھیر کالج میں پڑھتے تھے تو میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔جبکہ خلیفہ گاہیا، منشی احمد علی۔ماسٹر خوشی رام ہمارے استاد تھے۔اور ہیلی صاحب پرنسپل تھے۔میں سنا کرتا تھا کہ آپ دونوں بھائی وہاں ہیں۔اس کے بعد 1902ء میں جب میں ملازم ہو گیا تو مرار میرے علاقہ میں تھا۔وہاں جایا کرتا تھا تو آپ کے والد مرحوم کے پاس جایا کرتا تھا۔آہ وہ زمانہ یاد آتا ہے شائد آپ کو بھی یاد ہو۔میں نے افسوس کا خط مرتضٰی خاں صاحب کو بھی لکھا تھا۔نہیں معلوم کہ آپ کو سنایا تھا کہ نہیں۔ دعا ہے کہ خدا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔میں آپ کو خط پہلے لکھتا مگر آپ کا پتہ معلوم نہیں تھا۔اب پیغام صلح سے معلوم ہوا ہے۔رسید خط سے ضرور مطلع فرما دیں۔تا کہ اطمینان ہو کہ میرا خط مل گیا ہے۔آپ نے مجھے پہچان لیا ہوگا۔مولٰینا مرحوم کا دعا گو اور آپ کا مخلص۔سید عبدالمجید

☆عبدالرؤف لودھی۔جہلم: محترم حضرت مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مجھے تو حسرت ہی رہے گی کہ کاش حضرت امیر مرحوم کی وفات کی روح فرسا خبر کم از کم اپنی زندگی میں تو نہ سنتا۔بہرحال عقل نے دل کو منوالیا ہے کہ وہ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡنَ. میں حضرت امیر مرحوم ومغفور کو بدقسمتی سے خود کبھی نہ دیکھ سکا۔لیکن ان کا لٹریچر بخدا ہمیشہ میری رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ان کی زندگی ہم احمدی مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ سارے عالم اسلام کے لئے باعث رحمت اور فخر تھی۔ان کی مفارقت ہمارے لئے ایسا دھکہ ثابت ہوئی ہے کہ ہمیں ہوش سنبھالنے کے لئے خدا جانے آئندہ کن کن مصائب کا مقابلہ کرنا پڑے۔یقیناً اسلامی دنیا ایسی نیک روحوں کو تا ابد حسرت سے یاد کیا کرے گی۔میری نظر میں ان کی حیثیت ایک مجدد وقت سے کہیں کم نہ تھی۔کیونکہ ایسا بردبار اور بے غرض عالم اور چومکھی لڑنے والا مرد مجاہد اس وقت اور کوئی نہ تھا۔دلی دعا ہے کہ اللہ کریم حضرت امیر مرحوم ومغفور کے پسماندگان اور خصوصاً حضرت مولوی عزیز بخش صاحب اور ان کی بیوہ بھاوجہ محترمہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔میں اور میری اہلیہ مریم دونوں ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اب تو رہ رہ کر لب پہ آتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

احقر الزمن۔ عبدالروٴف لودھی۔ جہلم

☆ مولوی محمد بڈھن صاحب ہُبلی: بخدمت شریف جناب جنرل سیکرٹری صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ واضح ہو کہ ہمیں تمام اراکین انجمن کو بہت افسوس ہوا جب پاکستان کے ریڈیو کے ذریعہ سے یہ اطلاع ملی کہ عالی جناب قبلہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ مولیٰنا محمد علی صاحب مورخہ 13 اکتوبر 1951ء بروز ہفتہ اس دار فانی سے اپنے مولا وآقا سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ. یہ اطلاع ہبلی دفتر کو معلوم ہوتے ہی جناب حضرت امیرؒ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اسی طرح یہاں کے اراکین انجمن نے ایک اور جماعت غائبانہ نماز پڑھنے کا انتظام کیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب مرحوم کو اپنی مغفرت اور رحمت عطا فرمائے اور ان کے اہل وعیال کو تسلی عطا فرمائے۔ فقط خاکسار۔ محمد بڈھن بردوز

☆ گُل زمان صاحب۔ کچھی (ہزارہ): بخدمت حضرت مولانا صاحب دامت فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آج ابھی ابھی حضرت امیر جماعتؒ کی وفات کی المناک خبر موصول ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ. جماعت کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے افضال وکرم سے نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔ والسلام۔ خاکسار گل زمان احمدی۔ کچھی ہزارہ۔ عبدالرحمان احمدی۔ کچھی

5 نومبر 1951ء

تعزیتی خطوط بنام میاں نصیر احمد صاحب فاروقی

☆ شیخ نیاز احمد صاحب رئیس وزیر آباد: بخدمت محترمی جناب فاروقی صاحب۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم! ۔حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا ہے۔ اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِـعُوۡنَ. یہ ایک نا قابل تلافی قومی نقصان ہے۔ ایسے قیمتی وجود کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تمام عمر خدمت اسلام اور عشق قرآن میں ہی صرف کی۔ حضرت مسیح موعود کے سب خدام آہستہ آہستہ رخصت ہورہے ہیں۔ اور ایسا خلا پیدا ہورہا ہے جس کے پُر ہونے کی صورت نظر نہیں آرہی۔ مجھے افسوس ہے میں بیمار ہونے کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکا۔ عزیزم عزیز احمد اور نثار احمد کو بھیج دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام۔

مخلص شیخ نیاز احمد۔ وزیر آباد

☆ ڈاکٹر عبدالرحمٰن آف موگا از حیدرآباد سندھ: مکرم ومحترم حضرت فاروقی صاحب! ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ حضرت مولوی محمد علی صاحب فاضل ومفسر قرآن کی وفات حسرت آیات کی خبر بذریعہ ریڈیو سن کر بہت افسوس ہوا۔ آپ کی خدمات کی اسلام کو ابھی اور ضرورت تھی۔ آپ کی وفات سے مسلم قوم کو ایک بڑے اسلامی مبلغ کا نقصان پہنچا۔ اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ. اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین۔ والسلام۔ خاکسار ڈاکٹر عبدالرحمٰن آف موگا۔

☆ محمد یونس صاحب چٹگاؤں (بنگال): مکرمی فاروقی صاحب۔ سلام مسنون۔ کل رات ریڈیو پاکستان پر مولانا محمد علی صاحب امیر انجمن کی افسوسناک وفات کی خبر سن کر دل کو از حد صدمہ ہوا۔ اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ. مولانا کی ذات صفات انجمن کے لئے باعث فخر تھی۔ اور ان کی خدمات سے مذہب وجماعت کو جو فروغ ہوا وہ نا قابل فراموش ہے۔ مولانا کی وفات سے انجمن کو جو نقصان ہوا وہ حقیقتاً نا قابل تلافی ہے۔ مگر مصلحت خداوندی میں انسان کی بے چارگی گم ہوکر رہ جاتی ہے۔ بہرحال مخلوق خداوندی کو یہی لازم ہے کہ راضی برضا رہے۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ہم سب کو صبر کی تلقین عطا فرمائے اور مولانا مرحوم کے بتائے ہوئے اصولوں پر

چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ والسلام۔ نیاز مند محمد یونس

☆ میر محمد صاحب تالپوری نبی سر روڈ سندھ: مکرمی فاروقی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مولانا محمد علی صاحب کے اچانک انتقال کی خبر نے بے حد صدمہ دیا۔ اس وقت دنیا کے مسلمانوں کو ان کی بے حد ضرورت تھی۔ اس عظیم صدمہ میں آپ مجھے بھی شریک سمجھ لیں ان کی اولاد سے میری طرف سے ہمدردی کا اظہار کریں اور کار لائق سے یاد فرمادیں۔ والسلام۔ آپ کا میر محمد تالپور (رئیس سندھ)

☆ بابا احمد دین صاحب لائل پور: بخدمت شریف جناب میاں نصیر احمد صاحب۔ افسوس افسوس میں اپنے ہاتھ سے خط لکھنا نہیں جانتا میں اپنے آقا کے افسوس کا خط آپ کو نہ لکھ سکا۔ پیاری آنکھیں، غریب آنکھیں آنسوؤں کی بارش برساتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اور آپ کے خاندان کو تسلی صبر عطا فرمائے۔ میرے حال پر مولوی صاحب بہت مہربان تھے۔ میری دو حصے زیادہ عمر ہوگئی ہے۔ تیسرے حصے کا حال لکھتا ہوں۔ ڈلہوزی پہاڑ کا واقعہ ہے۔ وہ دھوپ گھڑی میں آباد تھے۔ میں اوپر والی کوٹھی میں خیبر ہاؤس میں تھا۔ میرے ساتھ کچھ یوروپین لیڈیاں تھیں۔ ان لیڈیوں نے اذان کی آواز سنی۔ مجھے کہا کہ بیرا (GO IN CHURCH) چرچ میں جاؤ۔ اور میں نماز کے لئے کوٹھی پہنچ گیا تو میں نے نماز کے لئے اجازت مانگی کہ نماز کے لئے میں آسکتا ہوں؟ تو مولوی صاحب نے خوشی سے کہا کہ آؤ نماز کے لئے بہت دنوں کے بعد میں بیمار ہوگیا تو میری خبر لینے کے لئے تین آدمی اور آپ کے ساتھ تھے۔ اوپر آگئے۔ میم لوگ حیران ہوگئیں۔ اتنے بڑے مولوی صاحب تمہاری خبر کے لئے آئے ہیں۔ اور انہوں نے بات چیت بھی کی اور چائے پانی بھی پلایا۔ کچھ ملتان کی لیڈیاں تھیں اور کچھ ڈیرہ غازی خاں کی تھیں۔ حضرت مولوی صاحب آسمان کے چاند کی طرح روشن تھے۔ وہ تو چھپ گئے اپنے پیارے عزیزوں کو چھوڑ کر۔ جب میاں ممتاز احمد کی خدمت میں لکھو تو میری طرف سے دردناک خط لکھنا۔ بڑی آپا جی کی خدمت میں خط لکھو تو میری طرف سے افسوس عرض کر دینا۔ خاکسار درویش احمد دین۔ سابق خانساماں وبیرا۔ از لائل پور

☆ ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب ووکنگ: ڈاکٹر صاحب کے دو خطوط ایڈیٹر پیغام صلح اور بیگم

صاحبہ حضرت امیرؒ کے نام چھپ چکے ہیں۔ یہ خط میاں نصیر احمد صاحب کے نام ہے جس کے کچھ حصص درج ذیل ہیں:

مکرم محترم جناب میاں صاحب۔ سلمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت امیر قوم کی وفات کا اب تک یقین نہیں آتا اور جب بھی ان کا نورانی چہرہ سامنے آتا ہے تو بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ یہ نقصان نہ صرف نا قابل برداشت بلکہ نا قابل تلافی بھی ہے۔ یہ مرد مجاہد علم وہدیٰ کا مجسمہ نیکی اور تقویٰ کا نمونہ، اسلام کا پہلوان، ہر رنگ میں قابل رشک ہستی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار نعمتیں اس پاک روح پر ہوں۔ ان کا عظیم الشان کام ان کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم ودائم رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس یتیم قوم کو توفیق دے کہ وہ اتحاد اور اتفاق کو قائم رکھ کر اس بے نظیر کام کو جاری رکھ سکے جو اس مرد مجاہد نے کیا۔

مجھ گناہ گار اور بے وطن انسان کو تو ان کی زیارت کئے پانچ سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔ اس دفعہ جب ان سے رخصت ہوا تو معلوم نہ تھا کہ یہ آخری موقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ ہم مل کر اس کام کو جاری رکھ سکیں جو مرحوم ومغفور کی زندگی کا مقصد تھا اور جس کو انہوں نے نہایت ہی کامیاب اور احسن اور قابل رشک طور پر پورا کیا۔ اور نہایت ہی کامیاب زندگی بسر کر کے اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ والسلام۔ آپ کا غمزدہ بھائی خاکسار عبداللہ۔

مطبوعہ در اشاعت 5 نومبر 1951ء

☆ ابراہیم قریشی صاحب بنکاک (آسام): ڈیر مسٹر طفیل وعلیکم السلام۔ آپ کے 22 اکتوبر کے خط کا شکریہ۔ ہمارے پیارے لیڈر حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی افسوسناک وفات کی خبر میرے لئے یقیناً صدمہ کا موجب ہوئی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی روح پر اپنی رحمت وکرم کی بارش نازل فرمائے اور ہماری انجمن کی اس کے نیک کاموں کے سلسلہ میں حفاظت فرمائے۔ میں نے یہ افسوسناک خبر یہاں کے تمام دوستوں کو پہنچا دی ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ ''لائٹ'' اور اسلامک ریویو' آپ کی خدمت اسلام کی مکمل تاریخ شائع کریں۔

کیا آپ مہربانی فرما کر حضرت مولٰینا عزیز بخش صاحب اور حضرت امیرؒ کے تمام خاندان اور

لواحقین کو ہماری دلی ہمدردی کا پیغام پہنچا دیں گے اور انہیں بتائیں گے کہ حضرت مغفور کی دائمی جدائی میرے اور تمام دوستوں کے لئے، جو یہاں موجود ہیں، نہایت رنج وصدمہ کا موجب ہوئی ہے۔ اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

آپ کا مشفق ابراہیم قریشی

☆ ڈاکٹر عبدالوہاب خاں صاحب ڈائرکٹر سیام مسلم مشن بنکاک: بخدمت جائنٹ سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا 19 اکتوبر کا خط، جس میں ہمارے پیارے اور واجب الاحترام امیر مولانا محمد علی صاحب کی، جو احمدیہ جماعت لاہور کے جسم اور روح رواں تھے، وفات کی خبر دی گئی ہے۔ اس کے پہنچنے کی دلی قلق کے ساتھ رسید دیتا ہوں۔ میرے پاس الفاظ نہیں جن میں ان دلی احساسات کا اظہار کرسکوں جو زمانہ حاضر کی اس عظیم الشان شخصیت اور اسلامی لائٹ ہاؤس کے نقصان سے پیدا ہوئے ہیں۔ آپ کی وفات اور وصال سے آپ کی تمام ذمہ داریاں آپ کے مخلص پیروؤں پر تقسیم ہوگئی ہیں اور ان پر یہ فرض عائد ہوگیا ہے کہ اسلام مشن کے اس عظیم الشان بوجھ کو اٹھائیں جو تمام کرہ ارض میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے لئے پہلے سے زیادہ محنت اور جدوجہد سے کام لیں۔ جب تک آپ کے ساتھ اس کام کی سرانجام دہی کا پورا عزم نہ کرلیں اور اس کے لئے حلف نہ اُٹھالیں، اس وقت تک اس نقصان کی اس زمین پر تلافی نہیں ہوسکتی جو آپ کی وفات سے ہوا ہے۔ اور اب اشاعت اسلام کے کام کی بہت بڑی ضرورت پیدا ہوگئی ہے۔ میں اور میرا سیام مسلم مشن اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ حضرت امیرؒ کی روح پرفتوح پر دائمی امن اور سلامتی نازل فرمائے اور ہماری عاجزانہ ہمدردیاں آپ کے غمزدہ اہل وعیال اور بچوں کے ساتھ ہوں۔ آمین۔

آپ کا مشفق۔ عبدالوہاب خاں۔ سیام مسلم مشن بنکاک

☆ ینگ مینز کچھی مسلم ایسوسی ٹریونڈرم اقبال لائبریری وریڈنگ روم: بخدمت جائنٹ سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ پیارے بھائی! اس ریزولیوشن کے مطابق جو اس ایسوسی ایشن کی ایک خاص میٹنگ منعقدہ 9 نومبر 1951ء میں پاس ہوا ہم (اس ایسوسی ایشن کے پریزیڈنٹ اور ممبران) اس ناقابل تلافی نقصان پر، جو ہمارے محترم اور اسلام پر بہت سی قیمتی کتابوں

کے مشہور و معروف مصنف مولٰینا محمد علی ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی کی وفات سے اسلام کو پہنچا ہے، اپنے گہرے رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور آپ کے توسط سے مرحوم کے خاندان اور انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کے ممبران کو اپنی دلی ہمدردی کا پیغام پہنچاتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ دعا کرتے ہیں کہ مرحوم کی روح پر دائمی سلامتی اور افضال الٰہی نازل ہوں۔

آپ کے مشفق۔اے عبدالرحمٰن سیکرٹری اقبال لائبریری

☆ شیخ غلام غوث صاحب کٹک اُڑیسہ: جناب من۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔گذشتہ رات (13 اکتوبر کو) میں نے پاکستان ریڈیو سے نہایت افسوس کے ساتھ یہ خبر سنی کہ آپ کی انجمن کے پریزیڈنٹ مولٰینا محمد علی اس دنیائے فانی سے انتقال فرما گئے۔آپ کی وفات سے عالم اسلام نے عصر حاضر سب سے بڑا خادم اسلام کھو دیا ہے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح پر اپنے فضل وکرم کی بارش برسائے اور پس ماندہ ممبران اور آپ کے خاندان کو صبر جمیل عطا کرے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

آپ کا مخلص۔شیخ غلام غوث کٹک۔اڑیسہ

☆علی حسن مستری۔کلکتہ: بخدمت سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ جناب مکرم معظم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ہماری جماعت کے امیر حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی وفات کی افسوسناک خبر بہت اندوہناک اور دلی صدمہ کا موجب ہے۔اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. دعا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی روح پر امن وسلامتی نازل فرمائے۔پسماندگان کو ہماری ہمدردی کا پیغام پہنچا دیجئے۔علی حسن مستری۔کلکتہ

☆اے ایم امان اللہ کلکتہ: حضرت مولٰینا امیر جماعت کی وفات کی خبر بہت ہی افسوسناک ہے۔اس خبر سے ہمیں بہت بڑا صدمہ ہوا ہے۔دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی روح پر دائمی افضال نازل فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔مہربانی فرما کر مرحوم کے پسماندگان کو ہماری دلی ہمدردی کا پیغام پہنچا دیجئے۔اے ایم۔امان اللہ کلکتہ

☆ حبیب ایچ وزیر (ایک غیر از جماعت مسلمان) کراچی: بخدمت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ پیارے برادران اسلام! مولوی مولٰینا محمد علی صاحب کی وفات کی افسوسناک خبر سن کر مجھے

بہت رنج اور افسوس ہوا۔ آپ کی اسلامی خدمات خواجہ کمال الدین مرحوم کی خدمات کے مساوی تھیں۔ اسلام اپنے قیمتی فرزندوں سے محروم ہوتا جا رہا ہے اور مولوی محمد علی کی وفات کے چند ہی دن بعد قائد ملت لیاقت علی خان کی المناک شہادت ہمارے لئے ایک اور نا قابل تلافی نقصان ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی روحوں پر راحت و آرام نازل کرے اور وہ خود اسلام کی رہنمائی فرمائے۔ مولوی محمد علی کی وفات سے صرف جماعت احمدیہ کو نقصان نہیں پہنچا بلکہ کل دنیائے اسلام کا نقصان ہوا ہے۔ مہربانی فرما کر میرا ہمدردی کا پیغام احمدیہ جماعت اور آپ کے غمزدہ خاندان کو پہنچا دیجئے۔ جو مجھے یقین ہے کہ میرے وعظ سے بڑھ کر صبر و شکیب کے جذبہ سے سرشار ہیں۔ آپ کا مشفق۔ حبیب ایچ وزیر۔ بندر روڈ۔ کراچی

☆ مولانا عمر الدین صاحب۔ بمبئی: محترم مولانا احمدیہ یار صاحب سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں ایک ماہ کامل بیمار رہا اور نہ کچھ لکھ سکا اور نہ پڑھ سکا۔ اس لئے مجھے حضرت امیر کی وفات کی خبر بہت دنوں بعد ملی۔ حضرت امیر مولانا محمد علی اسم بامسمی انسان تھے اور یقیناً انہوں نے جو خدمت اسلام کی ہے وہ ایک مجدد کے کام سے کم نہیں۔ مگر بایں ہمہ وہ منکسر المزاج انسان تھے اور کبھی اپنے کام پر اتراتے نہ تھے۔ میرے نزدیک تو وہ وہی ''عبد منصور'' ہیں جو مہدی کی فوجوں کا جرنیل بیان کیا جاتا ہے۔ میں انشاء اللہ اب جبکہ میری آنکھیں ایک دو دن میں تندرست ہو گئیں تو حضرت امیر کے متعلق ایک مضمون ضرور لکھوں گا۔ میرے نزدیک مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور احمدیت کے پہلے مجدد ہیں جنہوں نے میاں محمود احمد صاحب کی وجہ سے جہالت کے گڑھے میں گرنے والی جماعت کو بچانے کے لئے سب سے بڑھ کر علمی اور عملی خدمت کی اور احمدیت کی لاج رکھ لی۔ آج دشمنوں کو اعتراف ہے کہ حضرت مولانا محمد علی نے جو احمدیت کی پوزیشن صاف کی ہے اور جس خوبی سے حضرت مسیح موعود کے اصل مقام کو پیش کیا ہے وہ قابل صد آفرین ہے۔ کوئی دشمن اس پوزیشن پر اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔ اور یہ کس قدر خدا کا فضل و کرم ہے کہ میاں محمود نے حضرت مولانا محمد علی کے سامنے عملاً اپنے باطل عقائد سے یکے بعد دیگرے توبہ کر لی۔ نبوت کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ میاں صاحب اب مقر ہیں کہ مرزا صاحب کی نبوت دراصل نبوت نہیں بلکہ آپ کی نبوت ولایت ہے۔ قادیان سے جو اعلان اپیل کے رنگ میں شائع ہوا ہے اس میں حضرت مرزا صاحب کی نبوت کو ''نبوت

الولایت'' قرار دے کر دراصل حضرت مرزا صاحب کی نبوت کا جو وہ پہلے آپ کی طرف منسوب کرتے رہے اب انکار کر دیا ہے۔ خاندان نبوت کا لفظ پہلے اڑا دیا جا چکا ہے۔ کفر و اسلام کے متعلق بہت پہلے میاں صاحب نے اپنی شکست کا اعتراف کیا ہوا ہے۔ اسمہٗ احمد کی خبر کے متعلق وہ خاموشی اختیار کر چکے ہیں، بلکہ وہ نبوت کے انکار کے ساتھ مرزا صاحب کو رَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (6:61) کا مصداق قرار دے ہی نہیں سکتے۔

احمدیت کو اصل شکل میں محفوظ کرنے کا کام حضرت امیر مولانا محمد علی کی قلم سے ہوا۔ قادیانی یوں مونہہ سے ہزار کچھ سے کچھ کہیں مگر ان کے دل بھی دراصل ہمارے ساتھ ہیں۔ بلکہ تمام لوگوں کے دل ہمارے ساتھ ہیں۔ مجھے ایک قادیانی نے حضرت امیر کی وفات پر کہا کہ اب کیا ارادہ ہے۔ میں نے کہا کہ مسیح موعود کی وصیت کی رو سے جو انجمن خدا کے مامور کی خلیفہ ہے ہم اس کے ساتھ ہیں۔ وہ اب باہمی مشورہ سے اور قوم کی رائے سے جسے بھی امیر جماعت قرار دے گی ہم اس کے ساتھ اسی طرح خدمت دین کریں گے جیسے مولانا محمد علی کے ساتھ کرتے رہے تھے۔ جس شخص کے ہاتھ پر قوم جمع ہو جائے میں اسی شخص منتخب کا اب خادم ہوں۔ میں بیمار تھا مگر میں نے اس قادیانی صاحب کو چپ کرا ہی دیا۔

عمر الدین احمد۔ از بمبئی

☆ محمد اکمل خاں۔ رائل پاکستان نیوی۔ کراچی: مکرم جناب جنرل سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت السلام لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت امیر مرحوم ومغفور کے انتقال پُر ملال کی خبر بہت دیر سے پہنچی۔ آپ کی وفات صرف احمدیہ انجمن لاہور کے لئے ہی موجب خسارہ نہیں بلکہ روئے زمین کے مسلمانوں کے لئے قومی اور مذہبی خسارہ ہے۔ آپ کا وجود غمزدہ قوم کے لئے باعث فخر وبرکت تھا۔ آپ کی خدمات اسلامی رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔ آپ نے اپنی تمام زندگی اسلام اور صرف اسلام ہی کے لئے صرف کی۔ آپ سے زیادہ آپ کی باکمال تصانیف بہت مشہور ہیں۔ مجھے اس نقصان میں جماعت سے پوری ہمدردی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین یارب العالمین۔ اور بیگم صاحبہ وپسماندگان کو اس صدمہ عظیم میں صبر جمیل عطا فرمائے۔ نیز عاقبت کی روز افزوں ترقی کے لئے درست بدعا ہوں۔ براہ کرم میرا پیغام بیگم صاحبہ کی خدمت میں پہنچا

دیں۔ فقط والسلام۔ محمد اکمل خاں ایچ۔ ایم۔ پی۔ ایس۔ جہلم۔ رائل پاکستان نیوی۔ کراچی

☆ محمد معین الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ ہائیکورٹ بہاولپور: قبلہ محترم! سلام وتحیاۃ۔ میرے پاس آپ کی جماعت کا کوئی اخبار اور رسالہ نہیں آتا۔ مجھے آج ایک دوست کے ذریعے یہ سن کر بہت رنج اور دکھ ہوا کہ حضرت مولانا اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

عمر ہا در کعبہ وبت خانہ مے نالد حیات تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

مولانا کی وفات حسرت آیات شخصی موت نہیں۔ علم وعمل کی موت ہے۔ موت العالم موت العالم۔ خدا تعالیٰ ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔ شریک غم (حکیم) محمد معین الدین حاوی چشتی غفرلہ سپرنٹنڈنٹ ہائیکورٹ بعداد الجدید۔ بہاولپور

☆ عبدالعزیز صاحب گارڈ۔ خانپور: مکرم معظمی جناب سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت امیر قوم مولانا محمد علی مرحوم ومغفور کی بے وقت موت سے ہماری جماعت کو بالخصوص اور تمام عالم اسلام کو بالعموم شدید صدمہ ہوا۔ 14 اکتوبر کو حضرت امیر کا جنازہ پاکستان میل سے لاہور جا رہا تھا۔ بندہ ٹرین لے کر سمہ سٹہ گیا ہوا تھا۔ وہاں حضرت کے جنازہ کو تابوت میں بند پا کر بے اختیار رونا آیا۔ حضور مجھ سے نہایت محبت اور شفقت کا اظہار فرماتے تھے۔ کراچی سے آتے اور جاتے خانپور سے گزرتے تو بندہ کو آمد کی اطلاع سے مشرف فرماتے۔ میں بھی قدم بوسی کے لئے حاضر ہو کر شرف ملاقات اور آپ کی نصائح سے بہرہ اندوز ہوتا۔ حضرت مرحوم کا علم تقوٰی، نمونہ وعمل وپاکیزگی ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ہمیں صبر کی توفیق ارزانی فرمائے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدہ عالم دوامِ ما

خاکسار عبدالعزیز گارڈ۔ خانپور جنکشن۔ ریاست بہاولپور

☆ پرویز یوسف صاحب چوکھ میر پور آزاد کشمیر: بشرف نگاہ محترمی ومکرمی جنرل سیکرٹری صاحب تسلیم وشوق۔ خیریت مطلوب۔ آج ایک حوصلہ شکن خبر سننے میں آئی ہے کہ اعلیٰ حضرت امیر جماعت جہان فانی سے چل بسے۔ خدا ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ پسماندگان اور لواحقین

اور جماعت کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین۔منتظر کرم۔پرویز یوسف۔آزاد کشمیر چوکھ میر پور

☆ ڈاکٹر محمد صادق حسین سنبھلی۔یو۔پی۔انڈیا: جناب مینجر صاحب پیغام صلح۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔بعد مدت آپ کا اخبار پیغام صلح 17 اکتوبر کا بتاریخ 3 نومبر 1951ء بروز سینچر ملا۔امیر جماعت مولٰینا نور ہدایت مجاہد اسلام کی رحلت فرمائی سے مبتلائے الم ہوا۔خنجر غم نے میرے جگر کو مجروح کیا۔یہ غم وہ غم نہیں جو دل سے دنیائے اسلام فراموش کر سکے۔دعا ہے رب تعالیٰ آپ کو باغ الفردوس عطا فرمائے اور آپ کے لواحقین جماعت اسلام کو صبر جمیل بخشے۔آمین یارب العالمین۔والسلام مسنون

ڈاکٹر محمد صادق حسین امریکن (سنبھلی) یو۔پی

☆ نواب خاں صاحب ہری پور (ہزارہ): محترم مولٰینا صاحب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔حضرت امیرؒ کی افسوسناک وفات کی خبر ریڈیو پر سننے سے جو غم والم مجھے ہوا اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔اس سانحہ سے جماعت کا بہت بھاری نقصان ہوا ہے۔لیکن صبر اور اس دعا کے سوائے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی روح پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے اور جنت الفردوس میں آپ کو جگہ دے اور کوئی چارہ نہیں۔میں ممنون ہوں گا اگر آپ میری ہمدردی کا پیغام آپ کے اہل وعیال اور تمام بھائیوں تک پہنچا دیں۔آپ کا مخلص نواب خاں

قسط دوم مطبوعہ دراشاعت 28 نومبر 1951ء

☆ ایک قادیانی دوست کا خط: میرے غمزدہ بھائی۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔میرے جیسے دور افتادہ اور تہی دست کو بھی کل (14 تاریخ) شام کو وہ خبر پہنچ گئی۔اِنَّـا لِـلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ثُمَّ اِنَّـا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. حضرت مغفور کی خوشی کی حالت تو ہمارے دوسرے عالم کے بھائی ہی جانتے ہوں گے جبکہ حضرت کی روح کو حضرت اقدس کی روح نے آگے سے استقبال کر کے کہا ہوگا۔آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔آؤ ہمارے پاس بیٹھو۔لیکن حضرت کی مفارقت سے اپنا دل تسلی نہیں پکڑتا۔تہی دستی لاہور پہنچنے میں روک ہے۔اور غم کا تقاضا ہے کہ کسی غمزدہ کو پاؤں کہ وہ اس غم میں حصہ دار ہو کر سہارا ہو۔یہاں بس میں ہوں اور غم ہے۔میں غم کو کھا رہا ہوں اور غم مجھے کھا رہا ہے۔عجب بے بسی ہے۔آج حضرت اقدس کی ایک اور وفات ہوئی کہ آپ کے قلم اور علم کا وارث اور آپ کی

صالحیت اور نیک ارادوں کا حامل دنیا سے اُٹھ گیا ہے۔ ہم پر بھی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا ہے۔ لیکن دنیا پر بھی کم مصیبت نہیں آئی۔ موت العالم موت العالم۔ والسلام۔ دلفگار..................

☆ محمد فضل الرحمٰن صاحب ٹی ٹی ایشردی مشرقی بنگال: مکرم ومحترم عالی جناب فاروقی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ یہاں کے اردو اخبارات میں اور پیغام صلح میں، جو آج خاکسار کو ملا، حضرت مولٰینا امیر قوم کی وفات کی اچانک خبر معلوم ہو کر جو صدمہ خاکسار کو اور خاکسار کے گھر والوں کو ہوا اس کا اظہار کرنے سے قلم قاصر ہے۔ حضرت مولانا کی وفات جماعت کے لئے بلکہ مذہبی دنیا کے لئے ایک ایسا عظیم الشان نقصان ہے جس کی تلافی غیر ممکن ہے۔ حضرت مسیح موعود کا صحیح جانشین اور آپ کے مشن کی تکمیل کرنے والا سوائے حضرت امیر جماعت کے اور احمدیہ جماعت میں کوئی نہیں ہوا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچایا اور اسلام کی خدمت اپنی اوائل زندگی نو جوانی سے عالم ضعیفی تک اس جوش وخروش اور بے نفسی سے کی کہ اس کی نظیر اس زمانے میں ملنی مشکل ہے۔ بے شک مولانا مرحوم کی ذات والا صفات جماعت احمدیہ کے لئے خصوصاً اور مسلمانوں کے لئے عموماً باعث رحمت وبرکت تھی۔ صد افسوس کہ ایسے وجود کو اس جماعت سے موت کے ہاتھوں نے چھین لیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. وہی ایک ہے جس کو دائم بقا ہے۔

یہ تو رہنے کا نہیں پیارو مکاں چل بسے سب انبیاء و راستاں

خدا مرحوم کو اپنا مقرب بناوے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ سوائے صبر کے چارہ نہیں۔ خدا جناب کو اور پسماندگان کو اس صدمہ عظیم میں صبر جمیل عطا فرمائے اور جماعت پر اپنا فضل وکرم نازل فرمائے۔ آمین

اس صدمہ جانکاہ میں ہم تمام لوگوں کی ہمدردی جناب اور جناب کے گھر والوں کے ساتھ ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کی روح مبارک کے ایصال کے لئے فقیروں کو کھانا کھلایا گیا۔ مولانا کا خاص تعلق خاکسار کے ساتھ تھا۔ چونکہ میں یہاں تنہا ہوں اس لئے نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھ سکا۔ میرے گھر سے جناب کی خدمت میں اور گھر والوں کی خدمت میں اسلام علیکم عرض کرتی ہیں۔ والسلام۔ خاکسار محمد فضل الرحمٰن

☆ ہز ایکسی لینسی یوسف اے ہارون پاکستانی ہائی کمشنر آسٹریلیا۔ مائی ڈیر فاروقی۔ ابھی

ہمارے پیارے لیاقت علی کی موت کے صدمہ سے دل ملول ہی تھا کہ آج شام کے اخبارات میں مولٰینا محمد علی صاحب کی وفات کی رپورٹ دیکھ کر اور بھی صدمہ زدہ ہو گیا۔

ان دونوں اصحاب کی موت کو بہت محسوس کیا جا رہا ہے یہ دونوں اپنی خدمات کے لحاظ سے اپنے مختلف حلقوں میں مساوی مقام رکھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گو یا اللہ تعالیٰ ہماری قم جوان دنوں خرابی کی حالت میں ہے آزمانا چاہتا ہے۔ ہم پرامید ہیں کہ پاکستان ان آزمائشوں سے صحیح وسلامت پورا اترے گا۔

مہربانی فرما کر اس ہولناک خاندانی نقصان پر میری طرف سے تعزیت قبول کیجئے۔ آپ کا مخلص۔ وائی۔ اے۔ ہارون۔ پاکستانی ہائی کمشنر برائے آسٹریلیا۔

☆ انور عادل صاحب اسسٹنٹ کلکٹر میر پور خاص (سندھ): ڈیئر فاروقی۔ اخبارات میں حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی وفات کا پڑھ کر مجھے بڑا صدمہ ہوا آپ کی وفات سے دنیائے اسلام نے ایک فاضل اور عالم دین کو کھودیا اور ایک ایسا عظیم الشان انسان ہم سے چھن گیا جس نے اسلامیات کے ان موتیوں کو جواب تک ظاہر نہ ہوئے تھے منصۂ شہود میں لا کر اسلامی دنیا کو مالا مال کر دیا، اگرچہ آپ اب ہمارے درمیان نہیں ہوں گے۔ لیکن آپ کی تصنیفات ہمارے درمیان ہیں۔ آپ کی یاد کو ہمیشہ تازہ کرتی رہیں گی۔

مہربانی فرما کر اس افسوسناک سانحہ پر میری دلی تعزیت قبول فرمائیں۔ آپ کا مخلص۔ انور عادل

☆ میمن کریم بخش خالد۔ بندر روڈ کراچی۔ موت العالم موت العالم۔ آج کے ''ایوننگ ٹائمز'' میں مولٰینا محمد علی صاحب کی موت کی خبر ہے۔ جو اس لحاظ سے بہت ہی افسوسناک ہے کہ آپ ایک بہت بڑے عالم اور مصنف کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور بے نظیر عظمت کے مالک تھے۔ آپ اسلام کے ایک خالص اور بے نفس خادم تھے۔ جیسا کہ آپ کی پچاس سالہ خدمات اور اس ریسرچ ورک سے ظاہر ہے جو موجودہ مذہبی بحران کے زبردست طوفان کے مقابلہ کے لئے مختلف مذہبی موضوعات کے متعلق آپ نے کیا۔

قرآن کریم کے متعلق آپ کا عالمانہ فہم اور اس کتاب پاک کا انگریزی ترجمہ دنیائے اسلام کے لئے ایک بینظیر عطیہ ہے۔

میں مولانا مرحوم کے غم زدہ خاندان کے رنج والم میں خلوص دل کے ساتھ شرکت رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کی روح کو امن وسلامتی نصیب ہو۔ مخلص۔میمن کریم بخش خالد طالب علم نمبر 23 حمید بلڈنگ نزد میجسٹک سینما، بندر روڈ کراچی۔

☆ رفیع الدین صاحب انسپکٹر جنرل آف پولیس کراچی: ڈیر فاروقی۔مولانا محمد علی صاحب کی، جو اسلامی دینیات کے مشہور و معروف خادم تھے، موت کی خبر میں نے رنج و افسوس کے ساتھ پڑھی۔ آپ کی وفات سے پاکستان نے ایک بہت بڑی شخصیت کھو دی ہے۔ میں نے آپ کی کتاب ''ریلجن آف اسلام'' پڑھی ہے۔ جو آپ کے علم و فضل کی وسعت پر دال ہے۔مہربانی فرما کر غم زدہ خاندان کو میرا دلی پیغام ہمدردی پہنچا دیجئے۔آپ کا مخلص۔رفیع الدین۔انسپکٹر جنرل آف پولیس۔کراچی

☆ نیاز احمد صاحب کلکٹر میر پور خاص (سندھ): مائی ڈیئر فاروقی صاحب۔حضرت مولانا محمد علی صاحب کی وفات کی خبر سن کر مجھے بہت ہی رنج اور افسوس ہوا، یہ امر کہ آپ ایک بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے، وہ لوگ اس کا اعتراف کریں گے، جنہیں کئی امور میں ان سے اتفاق رائے کا موقعہ نہیں ملا۔اور ان لوگوں کے لئے، جو ان سے کسی بات میں اختلاف نہیں رکھتے، وہ صرف بڑے آدمی ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر حیثیت رکھتے تھے۔میں بذات خود اس بات کا متمنی رہا کہ آپ سے مل کر بہت سی باتیں آپ سے دریافت کروں۔مجھے اس بات کا پورا احساس ہے کہ حضرت مولاناؒ کی وفات سے آپ کو بہت بڑا نقصان پہنچا ہے۔دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی روح پُرفتوح پر ابدی امن وسلامتی نازل فرمائے۔

آپ کا مخلص نیاز احمد

☆ شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتا ایم اے۔پی۔ایچ۔ڈی، ایس۔پی۔ایس کمیشن کراچی۔مائی ڈیئر فاروقی صاحب۔کل سہ پہر میں آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہوا اور مجھے معلوم ہوا کہ آپ باہر تشریف لے گئے ہیں۔آج کے ''ڈان'' نے حضرت مولانا محمد علی صاحب کی وفات کی خبر شائع کی ہے جو ہفتہ کی صبح کو واقع ہوئی۔مہربانی فرما کر اس نا قابل تلافی نقصان پر میری دلی ہمدردیاں قبول فرمایئے۔حضرت مولانا اسلامیات میں نہایت گہری نظر رکھنے والے بہت بڑے عالم کی حیثیت رکھتے تھے جس کا اظہار آپ کی قابل یادگار کتب سے ہوتا ہے۔اسلام کے لئے آپ کی خدمات اور اس کی صحیح

قدر و قیمت پیدا کرنے کے لئے ان کی مساعی کے مسلمان اور غیر مسلم دونوں معترف ہیں۔ اور یہ چیز ان کے علم و فضل کی ابدی یادگار رہے گی۔ ہم نے ان کی وفات سے ایک ایسا انسان کھو دیا جس کی نظیر پاکستان کے نام نہاد علماء میں کہیں نہیں ملتی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی روح پر فتوح پر امن و سلامتی نازل کرے۔ اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّنَہَرٍ. فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡکٍ مُّقۡتَدِرٍ. (54:54-55) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور رضائے الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ. آپ کا سوگوار۔ یو۔ ایم۔ داؤد پوتا

☆ سوامی کلجگا نند کبیر پنتھی پریذیڈنٹ پاکستان آدی باسی لیگ ڈھاکہ: جناب فاروقی صاحب قبلہ۔ (آئی۔ سی۔ ایس) چیف سیکرٹری سندھ گورنمنٹ (پاکستان)۔ تسلیم۔ عرض یہ ہے کہ آج بذریعہ ریڈیو پاکستان حضرت مولوی صاحب قبلہ (محمد علی۔ ایم۔ اے) کے انتقال کی خبر سن کر ازحد صدمہ ہوا ہے۔ جناب مولوی صاحب قبلہ مرحوم و مغفور عرصہ تیس سال سے میرے دلی ہمدرد تھے۔ اس غم میں ان کے پسماندگان اور احباب میں نیاز مند بھی شریک ہے۔ آپ کے ذریعہ قبلہ مولوی صاحب مرحوم کے پسماندگان اور احباب کی خدمت میں تعزیت کا پیغام پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ایک ایسی یادگار قائم کی جائے گی جس سے رہتی دنیا تک مولوی صاحب قبلہ کا نام نامی روشن رہے۔ فقط۔ نیاز مند (سوامی) کلجگا نند کبیر پنتھی۔ پریذیڈنٹ پاکستان آدی باسی لیگ، وکٹوریہ پارک، ڈھاکہ (مشرقی پاکستان)

7 نومبر 1951ء

میرا قدسی نفس شوہر

از بیگم صاحبہ حضرت امیر مرحوم و مغفور

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (69:4) مغربی و مشرقی پاکستان اور بیرونی ممالک سے جن بہنوں اور بھائیوں نے مجھ ناچیز کو پیغام ہمدردی بھیجے ہیں یا خود تشریف لا کر شریک غم ہوئے ہیں، ان سب کی میں تہ دل سے ممنون ہوں۔ ہر خط میں حضرت امیرؒ کی اسلامی خدمات کو سراہا گیا ہے اور ان کی وفات کو دنیائے اسلام کے لئے نقصان عظیم ظاہر کیا ہے۔ بیشتر حصہ جماعت نے اس صدمہ کو ایسا ہی محسوس کیا گویا ان کا شفیق اور پیارا باپ دنیا سے اُٹھ گیا ہے اور وہ یتیم ہو گئے ہیں۔ ان کا یہ احساس اور بعض بزرگان سلسلہ کے خواب و کشف میرے لئے نہایت تسکین کا موجب ہوئے۔ جزاھم اللّٰہ احسن الجزاء.

ایک ایسے رفیق حیات کا بچھڑ جانا جو افکار دنیا میں ہی نہیں بلکہ دینی معاملات میں بھی رہنما ہو۔ جس کے کلمات طیبہ مشعل ہدایت اور روح کی غذا ہوں۔ جس کی معیت پر خطر سے پر خطر راہ میں سلامتی کی ضامن ہو اور جس کی دل دہی غم والم کی چٹانوں کو پاش پاش کر دے۔ ایسے قدسی نفس شوہر سے جدا ہونے پر جس قدر صدمہ ہو کم ہے۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (86:12) اے میرے رب تو میرے دل کو اپنی محبت سے بھر دے کہ دل لگانے کے قابل تیری حی و قیوم ذات واحد ہی ہے۔ اور اے الغفور الرحیم تو اپنے برگزیدہ بندے محمد علی کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے کہ اس کی زندگی کا آخری لمحہ بھی تیرے نام کو بلند کرنے کی سعی میں بسر ہوا اور بالآخر جس نے تیرے قرآن کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ اَلْقَلْبُ يَحْزَنُ وَالْعَيْنُ تَدْمَعُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى بِهِ اللّٰهُ.

30 اپریل 1910ء کو میری شادی ہوئی۔ اکتالیس سال پانچ ماہ اور بارہ دنوں میں میں نے اس مقدس انسان کو بہت قریب سے دیکھا اور کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہ گزرا کہ یہ شخص ریا کار یا غلطی پر ہو سکتا ہے۔ دن بدن اس کی عظمت میرے دل میں بڑھتی گئی۔ ایک بہن نے فرمائش کی ہے کہ حضور مغفور کی گھریلو زندگی کے متعلق کچھ بتاؤں۔ میں نے ان کو یہی جواب دیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اسوہ حسنہ کو پڑھ لیجئے۔ وہ فنافی الرسول کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔

آپ نے حقوق اللہ وحقوق العباد کو جس حسن وخوبی سے پہلو بہ پہلو نبھایا وہ کسی معمولی انسان کے لئے ناممکن ہے۔ تعلق باللہ کی یہ حالت تھی کہ جوانی سے رات کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں گزرتا تھا۔ بہت کم سوتے تھے۔ عبادت کے علاوہ رات کو تصنیف کا کام بھی کرتے تھے کہ دن میں بے شمار دیگر جماعتی کام کرنا ہوتے تھے۔ پنج وقتہ عبادت کے اوقات میں بھی وہ سب سے بیگانہ ہو جاتے تھے۔ اکثر یہ ہوتا کہ ابھی کام سے فارغ ہو کر بچوں میں آ کر بیٹھے ہیں کہ اذان کی آواز کان میں پڑی فوراً سب کو چھوڑ چھاڑ اُٹھ کھڑے ہوئے اور مسجد کا رخ کیا۔ گویا کسی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ دنیاوی تعلقات میں بھی کسی کو کبھی بدسلوکی کی شکایت نہ ہوئی۔ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ آپ کو سب سے زیادہ مجھ سے محبت ہے۔ اپنی جماعت سے اس قدر پیار تھا کہ جب ذکر کرتے تو محبت کی سرخی سے چہرہ ٹمٹما جاتا تھا۔ اپنے دوستوں کا ذکر نہایت احترام سے کرتے اور کوئی ایسی حرکت پسند نہ فرماتے جس سے جماعت کے وقار کو دھکا لگے۔ اس کی دینی ودنیاوی ترقی و بہبودی کے لئے بارگاہ ایزدی میں تادم مرگ سربسجود رہے۔ تمام دنیائے اسلام کے لئے ان کی شفقت اور محبت وسیع تھی۔ مخلوق خدا کی بہبودی کا جذبہ ہی تھا کہ تمام دنیا کو نور ہدایت یعنی قرآن کریم کی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کے لئے بے قرار رہتے تھے اور اس کے لئے تجاویز سوچنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہمیشہ تن من دھن سے کوشاں رہے۔ اس راہ میں مشکلات ومصائب کے طوفان ان کے پائے ثبات کو متزلزل نہ کر سکے۔ جو قدم راہ حق میں آگے بڑھا وہ پیچھے نہ ہٹا۔ کوئی کام ایسا نہ کیا جس پر پچھتانا پڑا ہو۔ ان کے بلند عزائم کے سامنے مخالفت کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے۔ وہ ہر انسان کے ہاتھ میں قرآن مجید کا ایک نسخہ دینا چاہتے تھے اور دنیا کے کونے کونے میں سیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پھیلانا چاہتے تھے۔ اکثر فرماتے تھے کہ ہمارا کام صرف پہنچا دینا ہے۔ یہ پاک تعلیم خود دلوں میں گھر کر لے گی۔

خداوند کریم نے ان کے ہر ایک کام کو بے نظیر مقبولیت عطا کی۔ جس کی مثال اس زمانے میں ملنی مشکل ہے۔ چار دانگ عالم میں آپ کی بیش بہا تصانیف نے اسلام کا ڈنکا بجا دیا اور ہر انصاف پسند کا سر ان کی عظمت کے سامنے جھک گیا۔ مگر خود اس بیگانہ روزگار ہستی کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ کبھی غرور سے

سر بلند نہ ہوا۔ وہ اپنے حجرے میں گوشہ نشین ہو کر دن رات کام میں مشغول رہے۔ ایک معزز انگریزی اخبار نے آپ کے متعلق کیا خوب لکھا ہے کہ ”وہ شخص جس کا نام تمام دنیا میں مشہور تھا مگر اس کے وجود کو بہت کم لوگ جانتے تھے“۔ وہ کئی بار ہم سے کہہ چکے تھے کہ ”میں اپنے رب کے پاس جانے کو تیار ہوں اور میرے لئے یہ عین راحت ہے“۔ مگر ہم اپنی اس عزیز متاع کو اتنی جلدی کھو دینے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہ تھے۔ آہ! ابھی دنیا ان کے علم و فضل کی پیاسی تھی۔ اور عالم اسلام ان کی رہنمائی کا محتاج تھا کہ مشیت الٰہی نے ایسے نازک وقت میں ان کو واپس بلا لیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. ؎

بہت شوق سے سن رہا تھا زمانہ تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

ایسی محبوب و نادر روزگار ہستی کو گنوا کر جو غم و الم ہمارے دلوں پر طاری ہے اس میں صرف ایک خیال سے ہی تسکین ملتی ہے۔ وہ یہ کہ آپ کا کام، جو دراصل آپ کے مرشد حضرت مسیح موعود کا کام ہے، جنہوں نے آپ کو اس قابل بنایا، ہمارے لئے ایک مقدس یادگار ہے۔ اس کی نگہداشت اور ترقی ہی ہمارے مغموم دلوں کو پھر راحت بخش سکتی ہے۔ حضرت مرحوم و مغفور نے خدا کی راہ میں نثار ہو کر زندگی جاوید حاصل کی اور ہمارے لئے نمونہ چھوڑ گئے کہ اگر انسان نیک نیتی سے کام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدر کرتا ہے۔

جماعت کے بزرگوں، نوجوانوں اور خواتین سے میری دردمندانہ درخواست ہے کہ وہ اس پاکیزہ ورثے کو سنبھالیں۔ اب تک ہم بے فکر تھے۔ ہمارا بوجھ اس مردِ مجاہد نے اُٹھایا ہوا تھا اور اس کی فراست مومنانہ ہر قدم پر ہماری رہبر تھی۔ اس کو یقین محکم تھا کہ اسلام غالب ہو گا اور یہی ایمان وہ ہمارے دلوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ مگر اب یہ بوجھ ہمارے ناتواں کاندھوں پر آ پڑا ہے۔ آیئے ہم اسی ہمت و عزم کو سامنے رکھ کر سچے دل سے یہ عہد کریں کہ اعلاء کلمۃ اللہ کا کام محض للہ کریں گے اور اس مقدس امانت کو کبھی ضائع نہ ہونے دیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس مردِ مومن کی اس نشانی کو بادِ مخالف کے جھونکوں سے بچا کر سرسبز و شاداب رکھے گا اور احمدی جماعت اپنے پیارے روحانی باپ اور حضرت مسیح موعود کے ڈالے ہوئے راستے پر ہمیشہ گامزن رہے گی۔

12 نومبر 1951ء

بیگم صاحبہ حضرت امیرؒ کے نام چند تعزیتی خطوط

☆ از محترم الحاج میاں محمد صاحب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور: محترمہ بہن وعزیز میاں محمد احمد۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ مزاج شریف۔ حضرت امیرؒ ایک بڑی کامیاب زندگی بسر کر کے اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنا عرفان نصیب کرے۔ ہم کو اپنا دکھ ہے۔ ہم سب یتیم رہ گئے ۔

دردلم بود کہ ہرگز نہ شوم از تو جُدا کہ کنم چارہ نہ دارم کہ خدا کرد جُدا

لیکن ربانی مشیت کے ماتحت جو کچھ وقوع میں آئے، وہ دنیا کی اصلاح میں خواہ شادی کہلائے یا ماتم، وہ سب انسان کی ربوبیت ہی ہوتا ہے۔ پھر ایسی صورت میں جو کچھ ہوگا وہ رحمت ہی ہو گا۔ راضی ہیں ہم اس میں جس میں رضائے مولیٰ۔ ہر ایک مصیبت یا کسی کی موت آجانے کے بعد غم وفکر کرنا اسی وقت تک جائز ہوتا ہے جب تک اس کے زندہ رکھنے کی انسانی تدابیر ہو سکتی تھیں۔ جب حکم ربی وارد ہو گیا تو پھر مومن وہی ہے جو مرنے کے وقت ہی اس نتیجہ اور سکینت کو حاصل کرے جو لوگوں نے ہفتہ عشرہ مہینہ برس یا اس سے زیادہ وقت میں حاصل کرنی ہے۔ آپ لوگ بڑے پایہ کے ہیں۔ اس لئے میں صبر کی تلقین کرتا ہوں۔ جس کام میں وہ خدا کا مجاہد لگا رہا اس میں ہم کو بھی لگا رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو اس مرد مجاہد کے قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ میں نے پیارے میاں حامد کو آج خط لکھا ہے۔ دل گھبرایا رہا۔ اس لئے قلم چلتی نہ تھی۔ آج کچھ زخم گھٹا ہے تو آپ کی خدمت میں عریضہ لکھ رہا ہوں۔ خدا آپ سب کا حامی ہو۔ والسلام۔ میاں محمد

☆ بیگم صاحبہ ڈاکٹر عبدالمجید از پشاور: خواہر مکرمہ ومحترمہ۔ خداوند کریم آپ کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر سلامت رکھے۔ آمین۔ الفاظ کہاں سے لاؤں اس صدمہ عظیم میں جو کچھ اس عاجز پر گذری اسے اظہار کر سکوں یا آپ کو صبر کی تلقین کر سکوں۔ آج اتنے دنوں کے بعد بھی قلم کو ہاتھ لگانے کو جی نہیں چاہتا اس وقت جو کچھ دلی جذبات ہیں وہ بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ محترمہ آپا! ان بدنصیب ہاتھوں نے آخر سانحہ عظیم کو سپرد قلم کرنا ہی تھا۔ کیا آپا! ہم اب اس نورانی صورت کو نہیں دیکھ سکیں گے نہیں نہیں۔

ضرور دیکھا کریں گے دل کی آنکھوں سے۔ مجھے اس وقت یہی خیال آتا تھا کہ اتنی بدنصیب جماعت دنیا میں کوئی نہیں۔ اس کا صدمہ مجھے مرتے دم تک رہے گا۔ ہر وقت دعا ہے کہ وہ رب کریم ہمارے جان سے عزیز اور شفیق اور ہمیں اپنے رب سے قریب کرنے والے مجاہد اعظم پر اپنی زیادہ سے زیادہ رحمتوں اور نوازشات کی بارش برسائے۔ آمین۔ دعا ہے کہ خداوند کریم اس عاجز اور آپ سب کو صبر عطا فرما دے۔ آمین ثم آمین۔ فقط دعا گو۔ غمزدہ بیگم مجید

☆ محمد خلیل الرحمٰن صاحب رام پور: ''آہ آفتاب جماعت احمدیہ لاہور غروب ہو گیا''۔

محترمہ بہن۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آج عزیزہ...... کے خط سے صدمہ جانکاہ کا پتہ لگا کہ مرد مجاہد، جماعت کا آفتاب، دین اسلام کا خادم، حضرت مسیح موعود کا پیارا اور لاڈلہ مرید اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر سب کو داغ مفارقت دے کر اپنے مولا کے پاس عالم جاودانی میں پہنچ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

ہر آنکہ زاد بہ ناچار بایدش نوشید زجام دہر مئے کل من علیھا فان

خداوندا! تو اپنے رحم وکرم سے مرحوم کے مرقد کو انوار الٰہیہ سے منور فرما اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرما۔ آمین یا ارحم الرحمین۔

دلفگار شریک غم محمد خلیل الرحمٰن از رام پور

☆ از محترمہ آمنہ تمیم صاحبہ دختر خان بہادر میاں غلام رسول صاحب مرحوم ومغفور

محترمہ وگرامیہ بیگم صاحبہ سلمہ الرحمٰن۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت قبلہ مرحوم کے وصال کی خبر اس دن میں نے شدت بخار کی حالت میں سنی اور دل کی جو حالت ہوئی نا قابل بیان ہے۔ اس صدمہ جانکاہ سے حضرت قبلہ میاں صاحب مرحوم کا غم بھی تازہ ہو گیا۔ حضرت مرحوم ہم سب کے لئے ان کی جگہ پر تھے اور ان کے بابرکت وجود سے تقویت وسہارا، جو ایک شفق باپ کی موجودگی میں برقرار ہوتا ہے، وہ قائم تھا۔ حضرت مرحوم تو جنتی تھے اور جنت میں اپنا مقام اعلیٰ پا کر اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اپنے اخوان الصفا میں جا شامل ہوئے۔ اب اللہ تعالیٰ جماعت کے اس پُر آشوب وقت آزمائش میں اس کی معاونت فرمائے۔ یہ کشتی اب منجدھار میں ہے اور

بغیر کسی ناخدا کے۔

میری دلی ہمدردیاں آپ اور آپ کے خاندان سے جس قدر ہیں میں اتنا ہی اپنے آپ کو ان کا مستحق پاتی ہوں۔ کیونکہ وہ میرے بھی باپ تھے اور لاثانی باپ۔ جن کی توجہ اور پُر شفقت دعائیں میرے لئے بہت بہت بڑی ڈھارس اور اطمینان کا ذریعہ تھیں۔ لیکن مشیت ایزدی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنی بیچارگی اور نارسائی کی وجہ سے راضی بہ رضا ہو کر اللہ تعالیٰ سے صبر وسکون عطا فرمانے کے لئے صمیم قلب سے التجاء کرے اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اس کے بتائے ہوئے راستہ پر ثابت قدمی سے گامزن ہوتا چلا جائے۔ آپ سے تلقین صبر کرنا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ تاہم یہ بھی ایک رسم زمانہ ہے کہ عزیز و غمخوار اپنے دلی تاثرات کے اظہار کے لئے ایک ذریعہ پاتے ہیں اور انہی پر خلوص جذبات کے ماتحت یہ چند سطور آپ کی خدمت میں روانہ کرتے ہوئے آپ کے صبر واستقامت کے لئے دعا کرتی ہوں۔ انشاء اللہ خود بھی حاضر خدمت ہو کر اپنے قلبی تاثرات زبانی پیش خدمت کروں گی۔ والسلام مع الاکرام۔

آپ کی شریک غم۔ آمنہ

☆ حضرت امیرؒ کے چھوٹے صاحبزادے کا یورپ سے خط اپنی والدہ مکرمہ کے نام

پیاری اماں جان۔ السلام علیکم۔ جمعرات کی شام کو گھر واپس آیا تو احسان الحق کا خط ملا۔ چند منٹ تک تو ایسا معلوم ہوا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ ابا جی کی تصویر آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اپنے ابا جی کو دیکھے ہوئے تین سال ہو گئے اور اب تو یہ جدائی دائمی ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. دل کو جو صدمہ ہے وہ کس طرح لکھوں۔ الفاظ میں تو اظہار نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کی طرف خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس صدمے کو سہنے کی توفیق دے۔ خداوند کریم کو یہی منظور ہوا کہ وہ ابا جی کو اپنے پاس بلا لے۔ مگر دل میں یہ حسرت رہ گئی کہ اُن کے پاس ہوتا۔ ان کی خدمت کرتا۔ سات ہزار میل دور بیٹھا ہوں۔ اپنے جذبات اور خیالات کیا لکھوں۔ ابا جی کی جگہ تو کوئی بھی نہیں لے سکتا۔ مگر ان کی وفات کے بعد اب آپ کی اور بھی زیادہ ضرورت ہو گئی ہے اب تو یہ دعا ہے کہ خدا آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ آپ کو ہم سب کی خاطر اپنا بہت خیال

رکھنا ہوگا۔ خدا نے یہ موقعہ نہ دیا کہ ابا جی کی خدمت کرسکتا۔ اب تو دل کو صرف اس خیال سے ڈھارس ملے گی کہ آپ کے غم کو ہلکا کرسکوں۔ اے خدا! تو مجھے توفیق دے کہ میں وہ کام اور عمل کروں جن سے میرے ابا جی کی روح خوش ہو۔

مجھے یہاں بہت سے مسلم اور غیر مسلم دوستوں نے خط لکھے ہیں۔ مجھے یہاں اکیلا ہونے کی وجہ سے ان خطوں سے صبر کی بہت طاقت ملی۔ ابا جی نے جو عظیم الشان کام اپنی زندگی میں کئے ہیں ان کی وجہ سے ان کے لئے رونے والوں میں صرف میں ہی اس ملک میں نہیں ہوں بلکہ اور بھی ہیں۔ اکثر نے مجھے لکھا ہے کہ میں ان کے جذبات ہمدردی کو آپ تک پہنچاؤں۔ میں ان کے نام پھر آپ کو لکھوں گا۔ برلن مسجد کے امام کا بہت ہی پردرد خط تھا۔ اور ایک غیر مسلم انگریز، جو ریاست بڑودہ میں ریزیڈنٹ رہ چکا ہے اور صوبہ سرحد میں ریونیو کمشنر اور کشمیر میں فنانس منسٹر تھا، اس نے بہت ہمدردی کا خط لکھا۔ مجھے تو جمعرات کو اطلاع پہنچی۔ حالانکہ Voice of America (امریکہ ریڈیو) کے عربی پروگرام میں یہ خبر براڈ کاسٹ ہوئی۔ اور اس براڈ کاسٹ کو برلن مسجد کے امام نے سن کر مجھے خط لکھا۔ ایک اور انگریز دوست نے مجھے بذریعہ تار کہا کہ میں اس کے خرچ پر آپ سے ٹیلیفون پر بات کروں۔ اے خدا! تو میرے پیارے ابا جی کی روح کے درجات بلند کر۔ ہم ان کے مقدس اور پیارے وجود کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ آپ کا بیٹا حامد

☆محترمہ مس فاطمہ جناح صاحبہ کا خط: جنابہ بیگم محمد علی صاحبہ۔ آپ کے رفیق حیات اور قوم کے دیرینہ خادم حضرت مولوی محمد علی صاحب کی وفات کی اطلاع سے نہایت ہی ملال ہوا۔ اس المناک ساعت میں میری دلی ہمدردیاں آپ اور مرحوم کے دیگر پسماندگان کے ساتھ ہیں۔ خدا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کی شریک غم۔ فاطمہ جناح۔ 16 اکتوبر 1951ء

☆محترمہ بیگم صاحبہ بشیر احمد سفیر پاکستان برائے ٹرکی: پیاری بہن بیگم محمد علی صاحبہ۔
السلام علیکم۔ ڈان سے محترم مولانا محمد علی صاحب کے انتقال پر ملال کی غمناک خبر پا کر جس قدر رنج ہوا بیان نہیں کرسکتی۔ اے کاش! وہ اسلام کی خدمت سرانجام دینے کے لئے چند سال اور زندہ

رہتے اور اہل اسلام ان کی قابلیت اور علمیت سے فیض حاصل کرتے ۔مولانا صاحب نے جس خلوص ایثار اور جانفشانی کے ساتھ اسلامی خدمات سرانجام دیں، اس کی مثال کہیں نظر نہیں آتی ۔ان کی ذات بابرکات ملت اسلامیہ کے لئے بیش بہا خزانہ تھی۔اس ملک میں ان کا اسم گرامی مشہور تھا۔کئی ترک ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ان کی کتاب ''دین اسلام'' کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا گیا ہے۔چار ماہ ہوئے میں نے ان کو ایک خط لکھا تھا جس کا جواب انہوں نے مجھے بیماری کی حالت میں دیا۔ وہ خط میرے پاس ہے۔مولانا صاحب کی ہستی ہم سب کے لئے مایہ ناز تھی۔ان کی وفات ملت اسلامیہ کے لئے ایک نقصان عظیم ہے۔ایسی شخصیت، اب چاروں طرف آنکھوں دوڑاؤ، کہیں نظر نہیں آتی۔ پیاری بہن! اس صدمہ جانکاہ میں میری ناچیز ہمدردی قبول کیجئے۔مرحوم تو بادشاہ دو جہاں کے حضور میں اُس کے دربار میں ایک اعلیٰ رتبہ حاصل کئے ہوئے فردوس بریں میں جلوہ افروز ہوں گے۔ بیشک عزیز واقرباء کے لئے ان کی دائمی مفارقت بہت شاق ہوگی۔ ہماری قوم بدنصیب ہے کہ ایسے ہیرے موتی ہم سے چھن گئے ہیں۔

آپ کی شریک غم گیتی آرا بشیر احمد

☆ ترجمہ خط جناب بشیر احمد منٹو صاحب اور مسز ز عارفہ بشیر صاحبہ آف امریکہ مشن: ہماری نہایت پیاری بہن ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔مولوی عبدالوہاب کے خط سے یہ معلوم کر کے بے انتہاء رنج وغم ہے کہ ہمارے محبوب امیر حضرت مولانا محمد علی صاحب 13 اکتوبر کو وفات پا گئے ۔اگر ہماری کسی قسم کی قربانی ان کی زندگی کو لمبا کر سکتی تو ہم وہ ہر طرح دینے کو تیار تھے۔ان کی زندگی ورہنمائی ہمارے لئے بیش بہا نعمت تھی۔اور اب ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ ہم ان کے بغیر کیا کریں گے۔مشیت ایزدی کے سامنے ہمیں بغیر کسی عذر کے سر جھکانا ہے۔اس لئے اس ابتلا اور غم کے موقعہ پر ہمیں صبر اور استقلال سے ہی کام لینا ہوگا۔اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہزاروں رحمتیں مرحوم ومغفور پر نازل کرے کہ جن کو اپنی مشیت سے اپنے پاس بلا لیا ہے اور ہمیں ہمت وتوفیق دے کہ ہم بھی اس کے صحیح راستے پر چلیں اور اس نیک کام کو جاری رکھیں جو مرحوم ومغفور کو بے حد عزیز تھا اور جس کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کی اور اسی کے لئے جان دی۔

☆ ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب امام ووکنگ مسجد کا خط: مکرمہ معظّمہ بیگم حضرت امیر قوم وعزیز برادرم محمد احمد صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ تین چار روز ہوئے Voice of America نے حضرت مولانا کی وفات کی خبر نشر کی۔ لیکن اس کا یقین نہ آتا تھا۔ بالآخر آج مولوی عبدالوہاب صاحب کے خط آمدہ از کراچی نے اس جانکاہ خبر کی تصدیق کردی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. کیسی ہی مقدس اور کامیاب اور قابل رشک زندگی تھی۔ اس خبر کے ملتے ہی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جو تھمنے میں نہیں آئے۔ دل غم سے پُر ہے آنکھیں پُرنم ہیں۔ آہ! اللہ۔ اللہ۔ کیسی نورانی اور قابل قدر ہستی تھی۔ اگرچہ وہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں لیکن ان کا بینظیر کام، ان کا پیدا کردہ لٹریچر، ان کی خدمات قوم اور اسلام اور ملک وملت کے لئے راہ ہدیٰ کا کام دے کر ان کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ اور قائم ودائم رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے اعلیٰ اور قابل رشک نمونہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ دل غم والم سے پُر ہے۔ ہاتھوں میں طاقت نہیں کہ اپنے جذبات کا اظہار کرسکوں۔ بس یہی چیز دل کی تسلی کا موجب ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان ہستی سے اپنے دین کی خدمت کا پورا پورا کام لیا اور آنے والی نسلیں اس محسن عظیم کو کبھی نہیں بھول سکتیں۔ اور مجھ سے زیادہ ہزاروں اور انسان ہوں گے جنہوں نے اس فیض رساں چشمہ سے فائدہ اُٹھایا۔ اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ان پر ہوں۔ بخدمت جملہ متعلقین ولواحقین درجہ بدرجہ اظہار افسوس کردیں۔

آپ کا شریک غم خاکسار عبداللہ

☆ بیگم عبداللہ صاحبہ کا خط: بخدمت محترمہ بیگم صاحبہ حضرت امیر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آہ! آج مولٰینا حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع سے جو صدمہ ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. کیسی قابل رشک کامیاب اور بابرکت ہستی تھیں۔ ان کی وفات ہماری جماعت کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ اللہ کیسی بیش بہا خدمات اسلام کیں اور کس قدر اسلامی لٹریچر پیدا کیا کہ ان کا نام تو ہمیشہ دنیا میں روشن رہے گا۔ ہماری آنکھیں ان کے غم میں پُرنم اور دل حزین ہیں کہ ہمارے حضرت امیر ہم سے رخصت ہو گئے۔ کیا درد اسلام کا اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا تھا کہ ہر لمحہ اسلام کی اشاعت اور خدمت اسلام میں صرف ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ

انہیں بہشت بریں میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات عطا کرے آمین۔ثم آمین۔ہمشیرگان کی خدمت میں علیحدہ علیحدہ اظہار افسوس کریں۔

آپ کی شریک غم۔خاکسار محمودہ

حضرت امیرؒ کی تاریخ ہائے وفات: بعض احباب نے حضرت امیرؒ کی تاریخ ہائے وفات بحساب ابجد نکالی ہیں۔جن میں سے تین درج ذیل ہیں۔

☆ تاریخ رحلت منیب۔1951ء۔از فخرالدین صاحب۔راولپنڈی

☆ مولانا محمد علی صاحب امیر وامین جماعت احمدیہ 1371ھ۔از چوہدری سید احمد۔بدوملہی

☆ ہائے بانی انجمن اشاعت اسلام۔1371ھ۔از چوہدری سید احمد۔بدوملہی

21 نومبر 1915ء

حضرت امیرؒ کی تعزیت ممالک غیر سے

حضرت امیر مرحوم و مغفور کی تعزیت کے خطوط ابھی تک دور دور سے آ رہے ہیں۔ ذیل میں چند خطوط، جو ممالک غیر سے انگریزی یا اردو میں آئے ہیں، ہدیہ قارئین کرام ہیں۔

☆ ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب امام مسجد ووکنگ انگلستان: بخدمت مکرم معظم ایڈیٹر صاحب پیغام صلح لاہور۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ہمیں پہلے Voice of America ریڈیو کے ذریعہ ملی۔ ناشر نے عربی زبان میں صرف اس قدر اطلاع دی کہ مولانا محمد علی صاحب کراچی میں وفات پا گئے۔ اس خبر کو سن کر قطعاً یقین نہ آتا تھا کہ حضرت مرحوم و مغفور فی الواقع رحلت فرما گئے ہیں۔ ایک دو تین دن انتظار کیا اور جب لاہور یا کراچی سے کوئی اطلاع نہ آئی تو یقین ہو گیا کہ یہ افواہ غلط تھی۔ اور قدرے اطمینان ہو گیا۔ لیکن اسی روز ایک خط عزیزی حامد فاروق کو برسٹل لکھ دیا کہ ایسی اطلاع ملی ہے۔ خدا کرے کہ غلط ہو۔ اس کے ایک دن بعد کراچی، لاہور اور دیگر اطراف سے خطوط آنے شروع ہو گئے کہ وہ مرد مجاہد، پہلوان اسلام، سلطان القلم، علم و ہدٰی کا سرچشمہ، نیکی اور سادگی کا مجسمہ، صدق وصفا کا نمونہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے چھن گیا۔ اب آنکھیں اس کو دیکھنے کی متمنی ہوں گی۔ لیکن یہ نورانی انسان نظر نہ آئے گا!

بیچارے حامد فاروق کو ٹیلیفون پر تسلی دی۔ اللہ تعالیٰ اس کا اور ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور صبر جمیل عطا فرمائے۔ صرف ایک بات سے تسلی ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ان کا عظیم الشان کام، ان کی بے لوث خدمت، ان کا عشق قرآن، ان کو اور ان کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم و دائم رکھے گا۔ اور پھر ہمارے رنج والم میں تمام عالم اسلام شریک ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ایک عالم کی موت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس کی جدائی کے رنج والم میں تمام عالم آنسو بہاتا ہے۔ اور صرف اس کے حقیقی رشتہ داروں کی آنکھیں ہی پُرنم نہیں ہوتیں بلکہ اس کے ماتم میں ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں انسان شریک ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے الفاظ اس وقت میرے سامنے ہیں۔ جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر فرمائے تھے۔ **من كان يعبد محمّدًا فانّ محمّدًا قدمات ومن**

کان یعبد اللّٰہ فانّہ حیٌّ لا یموت. اسی طرح ایک صحابیؓ کے الفاظ ہیں **فقاتلوا علٰی ما قاتل علیہ.** یعنی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے ہیں تو اللہ حی و قیوم ہے اور اس پر فنا نہیں آتی۔ لہٰذا ہم اس جنگ اور جہاد کو جاری رکھیں جس کی راہ میں اس نے اپنی جان عزیز بھی فدا کر دی۔ پس اگر چہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کا نام ابدالا باد تک قائم اور زندہ رہے گا لیکن ہم اس کو مزید روشن کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کام کو جلدی رکھیں۔ اس جہاد کو جاری رکھیں جس میں وہ تمام عمر مشغول اور مستعد رہے۔ قرآن کے الفاظ کیسے ہی پُر حکمت ہیں اور کس قدر صداقت اور حقیقت سے پُر ہیں **وَ مَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا وَمَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَۃِ نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا وَسَنَجۡزِی الشّٰکِرِیۡنَ. وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَہٗ رِبِّیُّوۡنَ کَثِیۡرٌ فَمَا وَہَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَکَانُوۡا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ . وَمَا کَانَ قَوۡلَہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ. فَاٰتٰہُمُ اللّٰہُ ثَوَابَ الدُّنۡیَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ الۡاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ.** (3:145-148) اس وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مرحوم و مغفور کو دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز اور ہر رنگ میں ایک نہایت ہی اعلیٰ اور کامیاب زندگی عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار نعمتیں اس مبارک اور قابل رشک انسان کی روح پر وارد ہوں۔ آمین۔ والسلام۔ خاکسار آپ کا غمزدہ اور دور افتادہ بھائی۔ عبداللہ۔ از ووکنگ

☆ محمد امان ہوبہم امام مسجد برلن: برادر محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ یہ بڑے ہی غم واندوہ کی بات ہے کہ ہمارے قائد اور رہنما حضرت امیر مولٰینا محمد علی صاحبؒ کی اچانک موت کی خبر سننے میں آئی ہے۔ جب وائس آف امریکہ (امریکہ ریڈیو) کے عربی ڈیپارٹمنٹ نے یہ افسوسناک خبر براڈ کاسٹ کی تو ہمیں اس کی صداقت پر یقین نہ آیا۔ یہاں تک کہ چند دن بعد ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب نے اس کی تصدیق کر دی کہ مولٰینا محمد علی صاحبؒ ہمیشہ کے لئے ہمیں چھوڑ گئے۔ ہمیں اس خبر سے دلی رنج اور صدمہ ہوا ہے۔ اگر چہ ذاتی طور پر ہمیں مولٰینا محمد علی صاحبؒ سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ تاہم آپ کے عظیم الشان کام اور آپ کی تصنیفات نے آپ سے شرف قربت عطا کر دیا ہے۔ اور آپ کو پیارا اور محبوب بنا دیا ہے۔ ہم آپ کی سپرٹ اور اسلام کے لئے آپ کی ان تھک مساعی کے دل سے قدر دان اور معترف ہیں۔ حضرت امیرؒ کی وفات سے جو نقصان پہنچا ہے وہ نہ صرف ہماری جماعت کے لئے بلکہ

تمام نسل انسانی کے لئے ایک نا قابل تلافی نقصان ہے۔ آپ کی وفات نے ہم پر یہ فرض عائد کر دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رستہ میں اور زیادہ محنت اور سعی سے کام لیں تا کہ حضرت مرحوم و مغفور کا کام جاری رہے اور زیادہ بار آور ہو۔ آپ کے غم و اندوہ کا حصہ دار۔ آپ کا اسلامی بھائی محمد امان۔ اور اس کے جرمن مسلمان بھائی اور بہنیں جن سب کو حضرت امیرؒ سے بہت محبت اور پیار تھا۔

☆ الحاج جبریل مارٹن پریزیڈنٹ جماعت احمدیہ نائجیریا (مغربی افریقہ)

تار بنام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔

اس عظیم الشان نقصان پر، جو مشہور عالم مسلمان عالم مولٰینا محمد علی صاحب کی وفات سے پہنچا ہے، مسلمانان نائجیریا کی دلی ہمدردی قبول کیجئے۔ الحاج جبریل مارٹن

☆ شیخ ابراہیم مونڈیز جنرل سیکرٹری ٹرینیڈاڈ برادر ہڈ فرینڈلی سوسائٹی (جزائر شرق الہند):

برادر معظم۔ السلام علیکم۔ میں دلی خلوص اور صداقت کے ساتھ آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے معزز اور محترم حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم اے پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی وفات کی خبر پڑھ کر مجھے اس قدر افسوس اور رنج ہوا ہے کہ اس کا پوری طرح اظہار کرنا میرے لئے مشکل ہے۔ آپ کی وفات سے اسلامی دنیا نے اپنا ایک بہت بڑا سفیر بطل عظیم اور اسلامی کشتی کا ناخدا کھو دیا ہے۔ جس کی جگہ پُر کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ میری عاجزانہ رائے ہے بحیثیت ایک نومسلم ہونے کے۔ جس کو ٹرینیڈاڈ میں مسلمان ہوئے اٹھائیس سال ہو چکے ہیں۔ جہاں حضرت مغفور کا اسم گرامی دو ہزار مسلمانوں کا ہدف نظر اور طاقت وقوت کا مینار ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دامن عافیت میں جگہ دے۔ آمین۔ آپ کا مخلص اسلامی بھائی۔ شیخ ابراہیم۔ مونڈیز

☆ سیکرٹری ٹرینیڈاڈ مسلم لیگ سینٹ جوزف (ٹرینیڈاد): (بذریعہ تار) مسلمانان ٹرینیڈاڈ کو حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی وفات پر، جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے دنیا میں شہرت رکھتے تھے، بہت بڑا دکھ اور صدمہ ہوا ہے۔ اور وہ انجمن اور حضرت مولٰیناؒ کے لواحقین سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے اور آپ سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ محمد ابراہیم۔

☆ مولٰینا امیر علی پورٹ آف سپین ٹرینیڈاڈ: بخدمت ایس۔ ایم طفیل جائنٹ سیکرٹری احمدیہ

انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ میرے پیارے بھائی۔ وعلیکم السلام۔آپ کے 20 اکتوبر کے خط میں ہمارے پیارے امیر حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی وفات کی دردناک خبر پڑھ کر مجھے بڑا دکھ اور صدمہ ہوا۔ دنیائے اسلام کا بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔ غالباً صدیاں گزر جائیں گی، پیشتر اس کے کہ کوئی اور ایسی شخصیت جیسی کہ حضرت امیرؒ کی تھی، پھر دنیائے اسلام میں نمودار ہو۔یقین کیجئے کہ جب میں نے اس ہولناک خبر کو پڑھا تو میرے رنج اور صدمہ کی کوئی انتہاء نہ تھی۔ اس موقعہ پر مجھے وہ وقت یاد آ گیا جب تیئیس سال کا عرصہ ہوا میرے قیام لاہور کے دوران مجھے اس مقدس انسان کی صحبت اور معیت نصیب ہوئی۔ حضرت مولٰینا محمد علی صاحبؒ مجھ پر بہت مہربان تھے اور ہمیشہ میرے ساتھ پدرانہ محبت سے پیش آتے تھے۔ آپ نے میرے اندر خدمت اسلام کا ایک غیر فانی جذبہ اور آرزو پیدا کر دی۔ آپ نے میرے دل کو اس ایمان و یقین سے بھر دیا کہ اسلام آخر کار دوسرے ادیان پر غالب آئے گا۔

حضرت امیرؒ کی خدمات اسلام کی سپرٹ، جو آپ کے پیدا کردہ لٹریچر میں پائی جاتی ہے اور جس کو آپ دنیائے اسلام کے لئے بطور ورثہ چھوڑ گئے ہیں، ہمیشہ علوم مذہبی کا ایک خزانہ رہے گی اور تمام دنیا میں اقوام اسلام کے لئے ایک زبردست طاقت کا کام دے گی۔ حضرت مولٰینا محمد علی صاحبؒ کا اس دنیائے فانی سے گزر جانا ہمارے لئے ایک بہت بڑا نقصان ہے۔ یہ ایک ٹریجڈی ہے۔ مگر آخر کار یہی ماننا پڑتا ہے کہ موت ہر جاندار کے لئے لازمی اور اس کی آخری منزل ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمُوْتِ (185:3) اس لئے ہمیں اللہ تعالٰی کی رضا کے آگے سر جھکا دینا چاہیئے اور دکھ اور افسوس کے ہوتے ہوئے ہمیں روحانی طور پر خوش ہونا چاہیئے کہ حضرت مغفور کو اللہ تعالٰی نے وہ پاک روح عطا کی جو راضية مرضية اپنے مالک کے پاس جا پہنچی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. مسلم لیگ ٹرینیڈاڈ کے افسران اور ممبران نے جو اس عظیم الشان عالم اسلام کی موت پر آپ کے ماتم میں شریک ہیں مجھے درخواست کی ہے کہ حضرت مولٰینا محمد علی صاحبؒ کے اہل وعیال کو اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے افسران وممبران کو ان کی دلی ہمدردی کا پیغام پہنچاؤں۔ دعا ہے حضرت مولٰینا محمد علی مرحوم ومغفور کی روح پر فتوح کو اللہ تعالٰی اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور آپ کے پسماندگان پر اپنے فضل وکرم اور رحمت کی بارش برسائے۔ آمین۔

امیر علی پورٹ آف سپین۔ ٹرینیڈاڈ

☆عبداللطیف صاحب جنرل مرچنٹ لتوکا (فجی): مکرم مخدومی جناب سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ زادعنایۃ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ 31 اکتوبر کو ماسٹر محمد عبداللہ صاحب کے ذریعہ یہ ہوش رُبا خبر پہنچی کہ حضرت امیر جماعت مولانا محمد علی کا 13 اکتوبر کو انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. حضرت امیر کی زندگی کی ابتداء خدمتِ قرآن کریم سے شروع ہوئی اور آپ کی زندگی کا اختتام اسی پر ہوا۔ آپ کا ترجمۃ القرآن انگریزی آپ کی زندگی کی نمایاں یادگار رہے گا۔ ہم سب کو اس قیمتی ہستی کے گزر جانے پر بے حد افسوس ہے۔ لیکن مشیت ایزدی پر صبر کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ میں احباب لتوکا کی طرف سے اور اپنی طرف سے جماعت کے ارکان اور بیگم مولانا صاحب اور خویش واقارب سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ جو خلا حضور کی وفات حسرت آیات سے ہو گیا ہے خداوند کریم اپنے فضل وکرم سے اس کو پوری کرے اور جماعت کا قدم خدمتِ قرآن پر زیادہ مضبوط کرے آمین۔ آپ کا نیاز مند۔ عبداللطیف

28 نومبر 1951ء

خدا نے عورت کو حصولِ ثواب میں مرد سے پیچھے نہیں رکھا

دستکاری کی تحریک کو کامیاب بنا کر حضرت امیر مرحومؒ کی روح کو خوش کیجئے

از بیگم صاحبہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ

میرے نہایت ہی قابل احترام بھائی اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے صدر الحاج حضرت میاں محمد صاحب نے مجھ سے فرمایا ہے کہ میں حسب معمول اپنی معزز بہنوں میں دستکاری کی تحریک کروں۔ اپنے غم اور کچھ صحت کی خرابی کے باعث میں اب تک اس طرف توجہ نہ کرسکی۔ برادر محترم میاں محمد صاحب کی ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے اس طرف توجہ دلائی۔ یہ تو محتاج بیان نہیں کہ میرے دل میں حضرت میاں صاحب موصوف کی کتنی قدر و منزلت ہے۔ نہ صرف اس لئے کہ وہ حضرت امیرؒ کے دیرینہ دوست اور مخلص رفیق کار تھے بلکہ اس لئے بھی کہ ان کی وجہ سے حضرت امیر کو اپنے بستر علالت پر نہایت راحت ملی۔ وہ اس طرح کہ گذشتہ گرمیوں میں اپنے قیام یورپ کے دوران آپ نے ملکہ ہالینڈ کی خدمت میں ترجمۃ القرآن انگریزی اور ریلیجن آف اسلام کا ڈچ ترجمہ پیش کر کے حق تبلیغ ادا کیا اور حضور مرحوم و مغفور کی خوشنودی حاصل کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ حضرت امیرؒ کے بعد انجمن کی صدارت ایک ایسے مخلص انسان کے ہاتھ میں آئی جس کو اپنے فرائض کا اس قدر احساس ہے اور جس کے دل میں اپنے پیشتر و صدر کے لئے بے پناہ محبت و عقیدت موجزن ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یوں تو قریباً سب ہی محترم بھائی بہنوں نے مجھ سے ہمدردانہ جذبات اور دلی رنج والم کا اظہار فرمایا ہے۔ میرے دل میں ان سب کے لئے جذبہ تشکر اور قدر ہے اور اپنے مولیٰ کی بھی میں شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اتنا نوازا ہے۔ مگر برادرم حضرت میاں محمد صاحب نے اور ہی اچھوتے طریق سے تعزیت فرمائی آپ نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد صاحب مجدد اسلام تھے کہ آپ کی بعثت سے اس زمانے میں اسلام کی صحیح تعلیم دوبارہ ظاہر ہوئی تو حضرت مولانا محمد علی مجدد احمدیت تھے کہ آپ کی وجہ سے احمدیت کی صحیح تعلیم محفوظ رہی۔ احمدی قوم اپنے محسن کو کبھی نہ بھولے گی۔ مجھے ان الفاظ

نے نہایت تسکین دی اور بطور ھل **جزاء الاحسان الّا لاحسان** میں ان کے اشاد کی تعمیل میں یہ سطور سپرد قلم کرتی ہوں۔

دستکاری کی تحریک میری معزز و محترم بہنوں کے لئے کوئی نئ نہیں ہے۔ ہمیشہ انہوں نے مجھ ناچیز کی تحریک پر لبیک کہا ہے۔ اور مجاہداتِ اسلام کی یہی شان بھی ہونی چاہئیے کہ وہ راہ عمل میں قدم بڑھانے سے دریغ نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ عورت کا دائرہ عمل گھر کی چار دیواری تک محدود رہتا ہے۔ مگر خداوند کریم نے حصول ثواب میں عورت کو مرد سے پیچھے نہیں رکھا۔ اور دنیاوی فرائض بھی اگر وہ رضائے الٰہی کو مدنظر رکھ کر بجالائیں تو موجب ثواب بن جاتے ہیں۔ بیوی اپنے شوہر کی رفیق کار ہوتی ہے۔ جس طرح احمدی مرد مجاہد اسلام ہے جو تبلیغ دین کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رہتا ہے، اسی طرح احمدی عورت بھی مجاہدہ اسلام ہے کہ جو ہر اس تحریک کی دل وجان سے تعمیل کرتی ہے جو دین متین کی خدمت کے لئے کی جائے۔

دستکاری کی تحریک کیا ہے۔ یہی کہ اس کے ذریعے ہم اپنے وقت کا ایک قلیل حصہ خدمت دین کے لئے صرف کرتی ہیں اور اپنے ہنر سے اس نیک کام میں معاون ہوتی ہیں۔ اس کے لئے کسی بڑی رقم کو خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہلکی قیمت کی متعدد چیزیں زیادہ سودمند ہوتی ہیں۔ مثلاً ریشمی ٹیبل کلاتھ سے سوتی میز پوش زیادہ کارآمد اور مقبول ہیں۔ صفائی اور سلیقے سے بنی ہوئی اشیاء نہایت آسانی سے اور اچھے نفع پر فروخت ہوسکتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میری عزیز بہنیں اپنے اس فرض کو نہایت ذوق وشوق سے بجالائیں گی۔ اگر کوئی بہن کسی وجہ سے دستکاری نہ بناسکیں تو وہ اس کی بجائے نقد روپیہ بھی دے سکتی ہیں جو چندہ سالانہ سے علاوہ ہونا چاہئیے۔

حضرت امیرؒ ہمیشہ دستکاری کی نمائش کے کوائف نہایت دلچسپی اور شوق سے سنتے تھے اور اس کی کامیابی سے خوش ہوتے تھے۔ اب بھی ہم ان کی پاکیزہ روح کو خوشی پہنچاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم صدق دل سے اس کی راہ میں بڑھ چڑھ کر عملی حصہ لیں اور اعلاء کلمۃ اللہ جیسے مقدس کام میں مدد ومعاون ثابت ہوں۔ آمین

صرف احبابِ جماعت احمدیہ لاہور کے لیے

افکارِ محمد علیؒ

ربیع الاول 1371ھ
دسمبر 1951ء

تا

ربیع الاول 1372ھ
دسمبر 1952ء

جلد 20 (آخری)

احمدیہ انجمن لاہور

نام کتاب	:	افکارِ محمد علیؒ جلد 20 (آخری)
ناشر	:	دارالکتب علمیہ، 5 عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
باہتمام	:	محمد ارشد علوی
طبع	:	اول
تعداد	:	300
مقام اشاعت	:	5۔ عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

اس کتاب کی طباعت کے تمام اخراجات

فاروقی سلیمہ ٹرسٹ نے ادا کیے ہیں۔ (برائے مفت تقسیم)

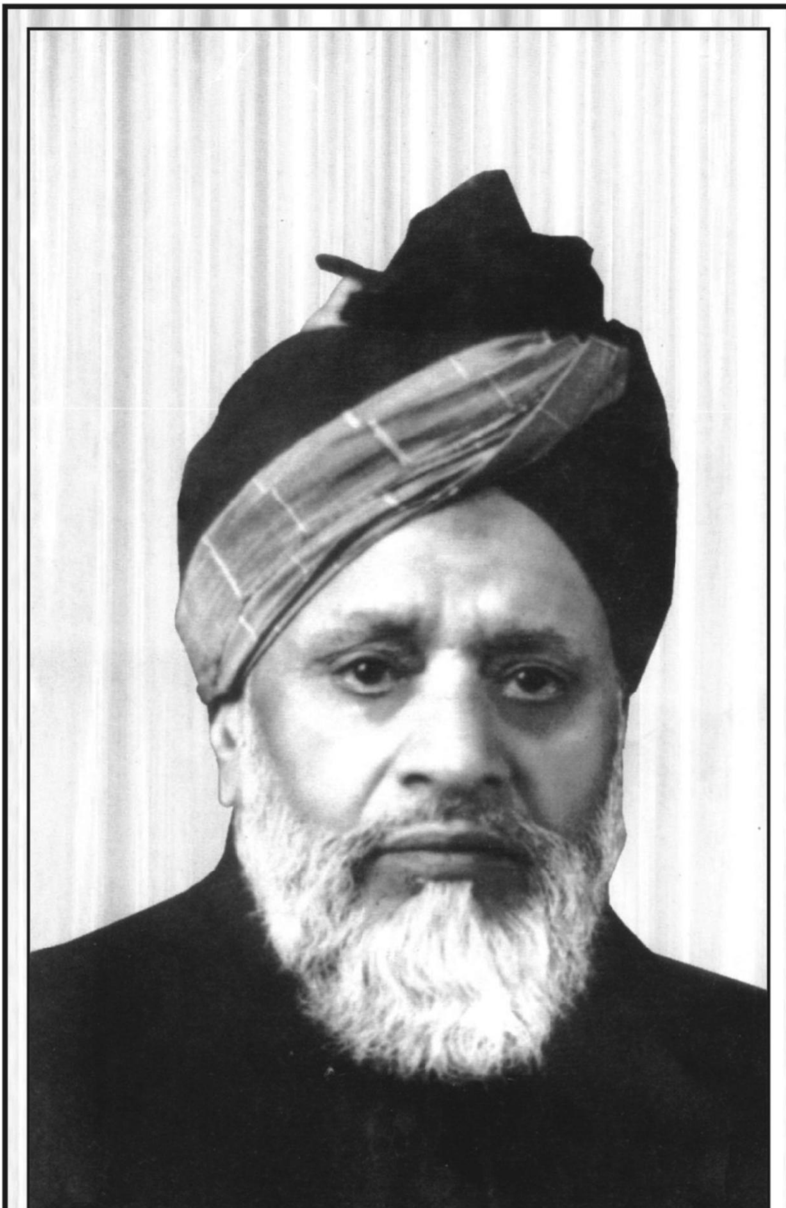

شبیہہ مجاہد کبیر، مجدد الدّین، المنصور، فاضل الٰہیات، مفسر قرآن علامہ حضرت مولٰینا محمد علیؒ
ایم۔اے، ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیاء شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

— محمد اعظم علوی

شخصیّت

حضرت مولیٰنا محمد علیؒ

حضرت مولیٰنا محمد علیؒ دسمبر 1874ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک اپنے وطن میں تعلیم پائی۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے 1894ء میں بی اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اسی دوران 1896ء میں ایم اے پاس کیا۔ 1897ء میں آپ حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ 1899ء میں وکالت کا آخری امتحان پاس کر کے آپ گورداسپور میں پریکٹس کرنے کے انتظامات کر رہے تھے اور سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہونا چاہتے تھے کہ حضرت صاحب نے انہیں انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے امام زمان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور اپنے دنیاوی مفاد کے سب پروگرام ترک کر دیئے۔ ''ریویو آف ریلیجنز'' میں آپ نے ایسے بلند پایہ علمی مضامین لکھے کہ ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت صاحب آپ کے خلوص، ایثار اور متقیانہ زندگی سے بہت متاثر تھے اور آپ کی خوبیوں کو قابل رشک قرار دیتے تھے۔ 1906ء میں حضرت اقدس نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی بنا ڈالی۔ جو آپ کے بعد جملہ کاروبار چلانے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی اور مولیٰنا محمد علیؒ اس کے سب سے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولیٰنا نور الدینؒ کے چھ سالہ دور میں بھی آپ اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ قومی تعمیر اور جماعت کی تنظیم، استحکام اور توسیع و اشاعت کے جملہ امور نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ مئی 1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (ثم احمدیہ انجمن لاہور در 1974ء۔ مرتب) کا قیام عمل میں آیا۔ آپ جماعت کے امیر اور اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے اور تادمِ آخر یہ دونوں فرائض انجام دیتے رہے۔

اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم خدمات دینی کی توفیق عطا فرمائی۔ انگریزی ترجمہ القرآن جس کی ابتداء 1909ء میں ہوئی تھی، 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کی دوسری ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوئی اور بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ و تفسیر 1922ء میں شائع ہوئی۔ ''سیرت خیر البشرؐ'' 1919ء میں، ''محمدؐ دی پرافٹ'' (انگریزی) 1923ء میں، ''تاریخ خلافت راشدہؓ'' 1924ء میں، ''فضل الباری'' ترجمہ و حواشی صحیح بخاری 1926ء میں ''حمائل شریف'' اردو 1930ء میں ''ریلیجنز آف اسلام'' انگریزی (جو حضرت

اقدس کی خواہش کے مطابق اسلام پر مبسوط تالیف ہے) 1935ء میں شائع ہوئی۔ اور اسی طرح سال بہ سال حضرت مولٰینا مرحوم کے قلم سے نہایت قیمتی کتب اور رسائل اسلام کے ہر پہلو پر لکھے گئے۔ جن کی مجموعی تعداد اسی (80) سے زیادہ ہے اور پچاس ہزار سے زائد صفحات آپ نے اسلام کی تائید میں رقم فرمائے ہیں۔

اس بیش بہا علمی خزانہ کے علاوہ آپ نے جماعت کی تربیت، تنظیم و استحکام اور مبلغین کی تیاری پر خصوصی توجہ فرمائی۔ درس قرآن مجید اور علوم قرآنی سے خصوصی شغف اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے وابستگی جماعت احمدیہ کی علامت قرار پائی۔ اور جماعت احمدیہ کے علاوہ عامۃ المسلمین نے بھی آپ کی رہنمائی سے بہت فیض پایا۔ آپ کی زندگی کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ''عشق قرآن''۔ قرآن مجید آپ کی روح کی غذا تھی اور آپ کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ قرآن کے پیغام کو اقصاء عالم میں پہنچایا جائے اور دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے مضبوط مالی وسائل فراہم کرنے کی بھی پوری سعی کی۔ تراجم قرآن کے لئے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور اس سے 1500 ایکڑ کے قریب زرعی زمین خریدی۔ تا کہ اس کی آمد سے تراجم کا کام چلتا رہے۔ نیز اشاعت اسلام کے فروغ اور علوم قرآنی کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لئے آپ نے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں میں قرآن مجید کی مفت تقسیم کے لئے بھی وسائل جمع کئے۔ آخری عمر میں آپ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہے۔ لیکن اس حالت میں بھی قرآن مجید کے ترجمہ پر نظر ثانی اور طباعت کے دوران پروف بینی کا کام کرتے رہے اور جب چھٹے ایڈیشن کے آخری پروف دیکھ چکے تو داعی اجل کو لبیک کہا۔ گویا اسی کام کے لئے آپ زندہ تھے اور جب وہ کام مکمل ہو گیا تو اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (28:89) کے مصداق ٹھہرے اور اپنے مولٰی کے حضور حاضر ہو گئے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِهٖ۔

خاکسار

عامر عزیز بن عبد العزیز الازہری

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن، لاہور

حرف اول

افکارِ محمد علیؒ سیریز کی 20 ویں (آخری) جلد ہدیہ قارئین کرام ہے۔ اس میں اخبار پیغام صلح دسمبر 1951ء تا دسمبر 1952ئسے انتخاب شامل ہے۔ اگرچہ اس سیریز کے مرکزی کردار حضرت مولینا محمد علیؒ ہیں۔

عنوانات کے آغاز میں درج تاریخ سے مراد پیغام صلح کی تاریخ اشاعت ہے۔ حسب ضرورت اردو ترجمہ تفسیر بیان القرآن (از حضرت مولینا محمد علیؒ) سے لیا گیا ہے۔ عربی عبارات کی حرکات وسکنات، اعراب، رموز واوقاف، دیگر مذکورہ کتب کے حوالہ جات، نیز فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ وحواشی بغرض تدوین اضافی ہیں۔

مسودہ کی تلاش وانتخاب اور جمع وتدوین کے مراحل میں جو عزیز دوست خلوص وایثار سے تعاون کررہے ہیں، مرتب ان سب کا سراپا مشکور، ممنون اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص وایثار کی قدر فرمائے اور انہیں اجروثواب سے وافر حصہ دے۔ قارئین حضرات کی طرف سے اس تالیفی عمل میں کسی ممکن فروگذاشت کی نشان دہی اور اصلاحی رہنمائی باعث تشکر ہوگی۔

خاکسار
محمد ارشد علوی
انچارج شعبہ تالیف وتصنیف

فہرست

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیر کے قلم سے

حضرت امیرؒ کے قبولِ احمدیت کی سرگزشت

7 نومبر 1933ء کو پیغام صلح کا ایک ''قبولیت احمدیت'' شمارہ شائع ہوا تھا۔ جس میں دیگر احباب کے علاوہ حضرت امیر مولٰینا محمد علی صاحبؒ نے بھی اپنے قبول احمدیت کی سرگزشت خود لکھی تھی۔ جو ذیل میں ہدیہ قارئین کرام ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

حضرت مسیح موعود کے دعوے کے متعلق مجھے سب سے پہلے اپنے عزیز دوست اور ہم جماعت منشی عبدالعزیز دہلوی پنشنر ہیڈ کلرک سے علم ہوا۔ میں اور میرے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب رندھیر کالج کپورتھلہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اور وہیں یہ ہمارے عزیز دوست بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ جنہیں محبت سے ہم ''بھائی جان'' کہا کرتے تھے۔ 1890ء میں ہم دونوں بھائی انٹرنس پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ اور یہیں حضرت مسیح موعود کے دعوٰی کے متعلق علم ہوا۔ 1891ء کے موسم گرما کی تعطیلات میں جب ہم گھر آئے ہوئے تھے تو بھائی جان کی ملاقات کے لئے کپورتھلہ گئے۔ جنھوں نے کتاب ''ازالہ اوہام'' دی۔ جو انہی دنوں شائع ہوئی تھی۔

کتاب ''ازالہ اوہام'' کا مطالعہ: واپسی پر راستہ میں ہماری ملاقات اپنے ایک سابق استاد مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم سے ہوئی، جنہوں نے اس کتاب کو ہمارے ہاتھ میں دیکھ کر بہت خفگی کا اظہار کیا کہ اس سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اس میں کوئی بات خلاف اسلام ہوگی تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔ گھر پہنچنے پر ہم دونوں بھائیوں اور ہمارے والد مرحوم حافظ فتح الدین صاحب نے اس کتاب کو پڑھا۔ اور ہم تینوں اس کتاب کو پڑھ کر اس بات پر متفق ہو گئے کہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے وہ درست ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور حضرت مرزا صاحب اپنے دعوے میں سچے ہیں۔

حضرت اقدس کی نیک شہرت: والد مرحوم حافظ قرآن ہونے کے علاوہ کچھ عبور دینی کتب پر بھی رکھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے ہمارے گھر میں اکثر دینی چرچا رہتا تھا۔ اور والد مرحوم کا ہی اثر تھا کہ ہم دونوں

بھائیوں کو، جب سے ہوش سنبھالا، نماز کے ساتھ ایسا شغف تھا کہ کپورتھلہ میں طالب علمی کے ایام میں پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز با جماعت ادا کرتے تھے۔ قادیان اور ہمارے گاؤں ''مرار'' کا فاصلہ براہ راست کچھ زیادہ نہ تھا۔ شاید بیس میل ہوگا۔ اور حضرت مرزا صاحب کی شہرت ان اطراف میں نہایت نیک تھی۔ اور لوگ یہ جانتے تھے کہ قادیان میں ایک بہت بڑے بزرگ ہیں جو مستجاب الدعوات ہیں۔ اور زہد و عبادت اور علم میں بے نظیر انسان ہیں۔ والد مرحوم کو ان حالات کا خوب علم تھا۔ اور سب سے پہلا اثر جو حضرت مرزا صاحب کے قبول کرنے میں ہمارے لئے موجب کشش ہوا وہ یہی آپ کی نیک شہرت تھی۔

پہلی فیصلہ کن بات: آج جو بہت لوگ احمدیت کی طرف سے بے اعتنائی برتتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے بہت سے مباحث میں سے گزرنا اور بہت سے پیچیدہ مسائل کی واقفیت ضروری ہے۔ کم سے کم ہم تینوں کو ایسی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ہمارے لئے پہلی فیصلہ کن بات تو یہی آپ کی پاک اور نیک زندگی تھی۔ خود قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اس بات کو بطور دلیل پیش کیا ہے **فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ** (16:10) اس سے پہلے بھی میں نے تمہارے اندر ایک عمر گزاری ہے پھر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے ؟! آپ کی پہلی زندگی کوئی گمنام زندگی نہ تھی۔ آپ کے اتقاء، امانت، دیانت کی وجہ سے دل آپ کے سامنے جھکے ہوئے تھے۔ یہ مسلم تھا کہ آپ نے جھوٹ کبھی نہیں بولا۔ ان لوگوں تک کو یہ اعتراف تھا جو بعد میں آپ کے سخت ترین دشمن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو جب کسی بلند مرتبہ پر کھڑا کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے تیاری یہی ہوتی ہے کہ پہلے قلوب پر اس کی نیکی، اتقاء و زہد، اعلیٰ اخلاق، صداقت، خدمت خلق ان سب چیزوں کا اثر ہوتا ہے۔ اور وہ دنیا میں ایک نیک اور عظیم الشان شہرت کا مالک ہوتا ہے۔

اس کی اسی سنت کے مطابق حضرت مرزا صاحب مسیح موعود کے مقام پر فائز ہونے سے پہلے نیکی، زہد، تقویٰ، علم میں عظیم الشان شہرت رکھتے تھے۔ آپ ایک گمنام آدمی نہ تھے کہ اس ذریعہ سے شہرت حاصل کرنے کی آرزو ہوتی۔ میں اور بہت سے احباب کو جانتا ہوں جن کو پہلی بات آپ کی طرف کھینچنے والی یہی آپ کی پہلی زندگی تھی۔ آپ کے علم اور آپ کے بلند اخلاق اور آپ کے زہد اور آپ کی

سچائی کی ایک عام شہرت تھی۔ اور وہ یہی چیز تھی جس نے والد مرحوم اور ہم دونوں بھائیوں کے دلوں پر آپ کی صداقت کا پہلا اثر ڈالا۔

علمی باتیں بھی مشکل نہ تھیں: علمی باتیں بھی اتنی مشکل نہ تھیں اور فی الحقیقت مشکل نہیں۔ والد مرحوم کو بلاشبہ دینی واقفیت بہت زیادہ تھی۔ اور ہم دونوں بھائی ابھی کالج کے طالب علم تھے لیکن اس موٹی بات کا سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہ تھا کہ قرآن شریف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ اس بارے میں کھلی اور واضح آیات ازالہ اوہام میں حضرت صاحب نے پیش کی تھیں۔ جن سے ادنیٰ شبہ اس بات میں باقی نہیں رہ جاتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے۔ یہی قبول احمدیت کا بنیادی پتھر ہے۔ اور قرآن شریف کی حکومت کے سامنے سر جھکانے والا ان پڑھ آدمی بھی ہو تو اس کا سمجھ لینا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

قبول احمدیت کا دوسرا مرحلہ: دوسرا مرحلہ قبول احمدیت کا حضرت مسیحؑ کا نزول ہے۔ اس کے لئے بھی بہت علم کی ضرورت نہیں۔ آج ایک ایک مسلمان بچہ جانتا ہے کہ اس اُمت میں مسیحؑ کے نازل ہونے کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ اور معتبر سے معتبر احادیث اس بارے میں موجود ہیں جن کو بخاری اور مسلم نے قبول کیا ہے۔ اب اگر بنیادی پتھر رکھا جا چکا ہے اور ایک شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو تسلیم کر چکا ہے تو دوسرا مرحلہ بھی نہایت آسان ہے۔ احادیث میں جس مسیح کے آنے کی خبر ہے۔ وہ کون ہے؟ کیا حضرت عیسیٰؑ، جو انبیاء بنی اسرائیل میں گزر چکے ہیں، وہی خود آئیں گے؟ نام سے یہی دھوکا لگتا ہے۔ لیکن وفات مسیحؑ کو مان لینے کے بعد دو باتوں میں سے ایک بات کے ماننے سے چارہ نہیں۔ یا یہ کہ آنے والا مسیح اس اُمت کا کوئی مجدد ہے۔ اور یا یہ کہ وہ احادیث، جن میں مسیح کے نزول کا ذکر ہے، وہ سب کی سب جھوٹی ہیں۔ شق ثانی ایسی ہے جس کو کوئی مسلمان، جس کے دل میں حدیث نبویؐ کا احترام ہے، مان نہیں سکتا۔ ورنہ حدیث کے سارے مجموعہ ہی کو پھینکنا پڑتا ہے۔ اس لئے شق اول کے ماننے سے چارہ نہیں۔ یعنی اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں تو یہ یقینی بات ہے کہ اس اُمت کا کوئی مجدد نزول مسیح کی پیشگوئیوں کا مصداق ہے۔ افسوس ہے کہ اکثر لوگ ان امور کی طرف سے لاپرواہی برتتے ہیں۔ وہ غور ہی نہیں کرتے۔ اپنی توجہ کو اس طرف لگاتے ہی نہیں۔ ورنہ اس بات کا سمجھ

لینا کچھ مشکل نہیں۔ کیا حضرت عیسٰیؑ زندہ ہیں یا فوت ہو گئے۔ اگر فوت ہو گئے تو کیا وہ احادیث سچی ہیں یا جھوٹی، جن میں نزول مسیح کا ذکر ہے۔ اگر سچی ہیں تو کیا اس امر کے ماننے کے سوائے چارہ ہے کہ اسی اُمت کا کوئی مجدد ان پیشگوئیوں کا مصداق ہوگا؟!

ختم نبوت: اس سوال کے حل کرنے میں اور بھی بعض باتیں ہمارے سامنے فوراً آجاتی ہیں۔ قرآن شریف میں اس بات کی صراحت ہے۔ اور تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبّین ہیں۔ یعنی آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نبی اسی صورت میں آسکتا ہے کہ نبوت کا کچھ کام باقی ہو۔ لیکن اگر نبوت کا کام باقی ہو تو ختم نبوت کا عقیدہ غلط ہے۔ کیونکہ ختم نبوت کا عقیدہ یہ چاہتا ہے کہ نبوت کا کام تکمیل کو پہنچ گیا ہو۔ اور اگر ختم نبوت کا عقیدہ صحیح ہے تو نبوت کا کام ختم ہو چکا۔ اور اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔ خواہ وہ پہلے کا نبی بنا ہوا ہو یا بعد میں بنے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس دنیا میں کسی نبی کا آنا ممتنع ہے۔ آپ کے بعد صرف مجددوں کا کام باقی ہے۔ اس لئے مجدد ہی آسکتے ہیں۔ نبوت کا کام نہیں، اس لئے نبی نہیں آسکتا۔

دو جداگانہ حلیئے: دوسری بات یہ ہے کہ صحیح احادیث میں حضرت مسیح اسرائیلیؑ اور آنے والے مسیح کے دو الگ الگ حلیئے دیئے ہیں۔ اگر وہی مسیحؑ آنے والا ہوتا تو حلیہ کس طرح الگ ہوتا؟ حضرت مسیح اسرائیلی کا حلیہ سفید، گھنگھریالے بالوں والا دیا ہے۔ آنے والے مسیح کا حلیہ گندم گوں رنگ، سیدھے بالوں والا دیا ہے۔

تیسرا مرحلہ: تیسرا مرحلہ اس سوال کے حل کرنے میں یہ تھا کہ اگر صحیح ہے کہ حضرت عیسٰیؑ فوت ہو چکے اور یہ بھی صحیح ہے کہ آنے والا مسیح اسی اُمت کا کوئی مجدد ہونا چاہئے تو پھر کیا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی وہ مسیح ہیں یا ہمیں کسی اور کا انتظار کرنا چاہئے۔ یہ مرحلہ بھی صاف تھا۔ آپ کا مجدد ہونا مسلم ہو چکا تھا۔ آپ کی صداقت اور راستبازی پر کوئی حرف رکھنے والا نہ تھا۔ تو جس شخص نے کبھی انسان پر جھوٹ نہیں بولا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے۔ چہ جائیکہ مجدد پر ایسا گمان کیا جائے۔ جب وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان پیشگوئیوں کا مصداق اور اس اُمت کا مسیح بنا کر بھیجا ہے تو یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں جس شخص پر اتنی بڑی حقیقت منکشف ہوئی، جس کو اللہ تعالیٰ نے وہ راز بتا دیا جو اتنی مدت سے دوسرے لوگوں پر

ظاہر نہ ہوا تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پیشگوئیوں کی حقیقت پر مطلع کیا اس سے بڑھ کر اور کون مصداق ان پیشگوئیوں کا ہوسکتا ہے۔ اور سچ بھی یہی ہے کہ جب پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آتا ہے تب ہی اس کی حقیقت پر بھی لوگوں کو مطلع کیا جاتا ہے۔ اگر اس پیشگوئی کا مصداق نہ آ گیا ہوتا تو اس کی حقیقت کا انکشاف بھی ابھی نہ ہوتا۔

دعویٰ نبوت سے انکار: یہ ان چند موٹی موٹی باتوں کا ذکر میں نے کیا ہے جو والد صاحب مرحوم اور ہم دونوں بھائیوں کے فیصلہ کرنے میں ہمارے لئے معاون ہوئیں۔ یہ باتیں اس قدر واضح تھیں کہ ہم تینوں بیک وقت ازلہ اوہام کے مطالعہ کے بعد ایک ہی فیصلہ پر پہنچے اور دل سے حضرت مسیح موعود کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ آپ کے دلائل کو دیکھ لینے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کی صداقت میں شک نہیں ہوا۔ لیکن اس کے باوجود ہم تینوں میں سے کوئی بھی حضرت صاحب کی بیعت میں داخل نہیں ہوا۔ اس کے بعد جب حضرت مسیح موعود 1892ء میں لاہور تشریف لائے، جہاں مولوی عبدالحکیم کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ جس میں آپ کی اس تحریر پر مباحثہ ختم ہو گیا کہ آپ کا دعویٰ نبوت کا نہیں بلکہ آپ نے لفظ نبی صرف اپنے لغوی معنے میں یعنی محدث کے معنے میں استعمال کیا ہے۔ اور کہ باوجود اس تشریح کے بھی یہ لفظ مسلمان بھائیوں کو ناگوار گزرتا ہو تو وہ اسے کٹا ہوا سمجھ کر اس کی جگہ لفظ محدث سمجھ لیں۔ اس وقت ہم دونوں بھائیوں نے حضرت مسیح موعود کی زیارت کی اور آپ کی صداقت پر ہمارا یقین اور بھی بڑھ گیا۔

خواجہ کمال الدین مرحوم سے ملاقات: 1894ء میں بی۔اے پاس کرنے کے بعد اور ان ایام میں جب میں ایم۔اے کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور مولوی عزیز بخش صاحب ٹریننگ کالج میں چلے گئے تھے، میں اسلامیہ کالج میں پروفیسر ریاضی ہو گیا۔ اور اسی وقت سے میری ملاقات میرے مکرم دوست خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کے ساتھ ہوئی۔ جو میری طرح ایم۔اے میں تعلیم بھی حاصل کرتے تھے اور اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر بھی تھے۔ خواجہ صاحب مرحوم حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہو چکے تھے۔ اور میں ابھی تک داخل نہ ہوا تھا۔ لیکن خیالات میں اس قدر یگانگت تھی کہ ہمارے تعلقات محبت بہت ترقی کر گئے۔ ان ایام میں میں اخبارت میں بعض مضامین بھی حضرت صاحب کی تائید میں لکھتا

تھا۔اگر چہ ابھی تک بیعت نہ کی تھی۔

سفر قادیان اور بیعت: خواجہ صاحب کے ساتھ ان تعلقات پر دو اڑھائی سال گزر جانے کے بعد انہوں نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ان کے ساتھ قادیان چلوں اور حضرت صاحب کی زیارت کروں۔ چنانچہ مارچ 1897ء میں خواجہ صاحب کے ساتھ (کچھ اور بھی احباب ساتھ تھے) قادیان گیا۔ قادیان کے دو چار دن کے قیام نے ہی ایک نیا عالم آنکھوں کے سامنے کھول دیا۔اگر چہ آپ کی تحریروں سے بھی آپ کا وہ درد ظاہر ہوتا تھا جو اسلام کی ترقی کے لئے آپ کے دل میں تھا۔اور آپ کے خدمت اسلامی کے جذبہ کی جھلک آپ کے ہر لفظ میں نظر آتی تھی۔مگر صحبت میں رہ کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ کا دن رات کا شغف سوائے اس کے کچھ ہے ہی نہیں۔نماز فجر ہوئی تو بیٹھ گئے۔اعلاءِ کلمۃ اللہ کا ذکر ہے۔ تھوڑی دیر بعد سیر کو نکلتے ہیں تو سارے راستہ میں یہی گفتگو ہے۔واپس آتے ہیں۔کھانے پر احباب کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو یہی ذکر ہے۔نماز مغرب کے بعد عشاء تک پھر مسجد میں بیٹھتے ہیں اور طرح طرح کے پیرایوں میں کہ اسلام کی صداقت کے سامنے کوئی دین نہیں ٹھہر سکتا، یورپ میں دین اسلام کیونکر پھیل سکتا ہے، ہندوستان میں آریہ سماج کے مقابلہ کی کیسی ضرورت ہے،سکھوں کے پیشرو بابا نانک صاحب اسلامی صداقتوں سے کیسے متاثر تھے، خدا سے تعلق کس طرح پیدا ہوتا ہے، نمازوں میں لذت کس طرح آتی ہے، قرآن کریم کو اپنا ہادی بنانے کی کیسی ضرورت ہے، غرض ہر وقت یہی ایک شغل ہے جو دنیا کی مجالس میں کہیں نظر نہیں آتا۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ اس وقت کتنے دن قیام کیا۔غالباً سات آٹھ دن تھے۔ اور بالآخر خواجہ صاحب مرحوم کے ذریعہ اس پاک انسان کے ساتھ تعلق بیعت کی خواہش خود ہی ظاہر کی اور بیعت میں شامل ہوا۔اگر چہ، جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں، والد صاحب اور ہم دونوں بھائی حضرت مسیح موعود کی صداقت کے دل سے قائل تھے مگر بیعت کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔اور اس قدر کافی سمجھتے تھے کہ ہم آپ کو صادق مانتے ہیں۔اور کہ بیعت میں داخل ہونے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔آج بھی بہت لوگ اس خیال کے ہیں۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کی تعداد ہماری جماعت سے بہت زیادہ ہے جو حضرت مسیح موعود کی صداقت کے قائل تو ہیں لیکن بیعت میں شامل نہیں یا بیعت کو ضروری نہیں سمجھتے۔ ایسے ہی لوگوں کو اپنے اندر شامل سمجھ کر حضرت صاحب اپنی جماعت کی تعداد کا اپنی زندگی کے آخری ایام

میں چار لاکھ کا اندازہ کرتے تھے۔

بھائی صاحب اور دیگر اعزہ کی بیعت: بہرحال بیعت کر لینے کے بعد میں نے اس واقعہ سے اپنے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب اور والد مرحوم کو اطلاع دی۔ اور وہ دونوں بھی فی الفور بیعت میں داخل ہو گئے۔ اور اس کے بعد باقی سب بھائی اور دیگر رشتہ دار بھی داخل بیعت ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آج خدا کے فضل سے ان عزیزوں کی ایک بڑی بھاری جماعت بن گئی ہے۔ جو سب کے سب اللہ کے فضل سے خدا کے دین کی مدد میں حسب حیثیت مصروف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا دوسرا فضل: اور پھر دوسرا فضل خدا کا یہ ہے کہ سب عزیز اس غلط راہ پر پڑنے سے بچے رہے ہیں، جس کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نئی نبوت قائم کی گئی ہے۔ اور چالیس کروڑ کلمہ گوؤں کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ میں اس بات کو اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے سمجھتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسا قدم اُٹھانے کی توفیق دی جو میرے ساتھ تعلق قرابت یا محبت رکھنے والوں کے لئے موجب ہدایت ہوا۔

بیعت کی ضرورت و اہمیت: صداقت تو وہی تھی جس کو میں بیعت سے پہلے بھی قبول کرتا تھا۔ اور بیعت کے بعد بھی کرتا تھا۔ لیکن بیعت نے میرے لئے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ اور ایک نئی روح نیا جوش اور نیا ایمان پیدا کر دیا۔ یہ کوئی عارضی جذبہ نہ تھا بلکہ زندگی کے اندر ایک انقلاب عظیم تھا جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ قانون کے امتحانات میں نے اول یا دوم رہ کر پاس کئے اور ایک وکیل کی کامیاب زندگی کا دروازہ میرے سامنے کھل چکا تھا۔ اور باوجود اس کے کہ ای اے سی کے مقابلہ میں میرا نام منظور شدہ تھا۔ جہاں مجھے نکل جانے کی پوری توقع تھی۔ یہ تمام باتیں خدمت دین کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگیں۔ اور حضرت مسیح موعود کے ایک شارہ پر، کہ ہم ایک انگریزی رسالہ نکالنا چاہتے ہیں۔ اس طرف کی تمام اُمیدوں کو رخصت کیا۔ اور خدا نے جو چاہا ایک ناکارہ انسان سے کام لیا۔

میں جانتا ہوں کہ بہت لوگ ہیں جو میرے اس پہلے زمانہ کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کو سچا مان لینا کافی ہے اور بیعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یا وہ بیعت کا نام لینے سے اس لئے گھبراتے ہیں کہ ایک بدنام جماعت سے مل کر بدنام ہونا پڑتا ہے۔ لیکن آج جو شخص بدنامی سے

ڈرتا ہے وہ اپنی خداداد طاقتوں کو ضائع کرتا ہے۔ بظاہر جماعت احمدیہ میں شامل ہو کر انسان ایک فتنوں کی آگ میں کودتا ہے۔ مگر اس کے اندر آکر دیکھتا ہے تو یہی بیرونی آگ اس کے قلب میں سکون اور راحت پیدا کرنے کا کام دیتی ہے۔ ماسوٰی اللہ کا خوف اُٹھ جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی انسان کی ترقی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ خدمت اسلام کے لئے نڈر آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اور اگر دنیا کی نگاہ میں تھوڑی سی ذلت قبول کرنے سے ماسوٰی اللہ کا خوف دور ہو جائے تو یہی ذلت عزت کے مقام پر پہنچانے والی چیز ہے۔ محمد علی

26 دسمبر 1951ء

اداریہ

کامیاب اور جنتی زندگی

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کا جنازہ گزر رہا تھا۔لوگ اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔اس کے اخلاق حمیدہ اس کی نیکی و پارسائی اور حسن معاملت کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ یہ شخص فی الواقعہ جنتی ہے۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتیں سن کر فرمایا۔وجبت (واجب ہوگئی)۔ایک اور جنازہ گذرا۔اس کی برائیاں لوگ بیان کرنے لگے اور یہ کہتے ہوئے سنے کہ یہ شخص تو جہنمی ہے۔حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وجبت (واجب ہوگئی) صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا چیز واجب ہوگئی؟ فرمایا جس کی تم نے تعریف کی اور جنتی کہا اس پر جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے برائی کی اور جہنمی قرار دیا اس پر جہنم وارد ہوگئی۔

آج جس شخص کی یاد میں یہ نمبر پیش کیا جا رہا ہے،اس کی تعریف اور اس کے جنتی ہونے اور جنت میں بلند سے بلند مقام کا مستحق ہونے کی گواہی ایک زمانہ دے رہا ہے۔انسان کی اصل زندگی اور اس کے اخلاق واعمال کا صحیح نقشہ وہ ہے جو گھر کی چار دیواری میں نظر آتا ہے۔بیوی اور بچے اس کے اصل حال اور حقیقی کردار کو خوب جانتے ہیں۔باہر کی سوسائٹی میں جو اخلاق انسان دکھاتا ہے وہ عموماً گھر کی چار دیواری میں نظر نہیں آتے۔لیکن جس شخص کی زندگی کے نقوش ہم ان صفحات میں پیش کر رہے ہیں اس کے اندر اور باہر میں کوئی تفاوت نظر نہیں آتا۔سب ایک ہی نقشہ پیش کرتے ہیں۔جس سے اس کی نیکی وراستبازی،حسن اخلاق اور زہد وتقوٰی،دین کا عشق اور قرآن کی خدمت کا شوق وولولہ اور رات دن اسی کام میں انہاک اور اس کے ساتھ خانہ داری کے تمام امور میں حصہ لینا اور بیوی اور بچوں کی خدمت کا حق ادا کرنا اس کا رات دن کا شعار نظر آتا ہے۔کیا اس شخص کے کامیاب اور جنتی ہونے میں کوئی شک وشبہ ہوسکتا ہے؟

اور صرف عزیزوں اور دوستوں پر ہی کیا موقوف ہے۔وہ لوگ بھی جنھوں نے اس کو نہیں دیکھا،صرف اس کی تحریرات پڑھی ہیں،صرف جماعت احمدیہ میں نہیں،دوسرے مسلمانوں میں بھی اور

صرف مسلمانوں میں نہیں، غیر مسلموں میں بھی، نہ صرف پاکستان میں بلکہ ہندوستان، یورپ، امریکہ مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید، افریقہ اور دوسرے تمام ممالک میں لکھوکھہا انسان ہیں جنہوں نے ان کی کتابوں سے راہ ہدایت حاصل کی اور کفر والحاد کی ظلمتوں سے نکل کر ایمان وعرفان کی نورانی شعاعوں میں آ گئے، یہ سب کے سب اس پاک انسان کی مغفرت اور بلندی مرتبت کے لئے دست بدعا ہیں، کیا اُس کے ذریعہ سے اس قدر لوگوں کا ہدایت یاب ہونا اور ان تمام لوگوں کا اُس کے لئے دعائیں کرنا جنت میں اُس کے بلند مقام کا پتہ نہیں دیتا؟!

عام انسانوں کو چھوڑ یئے، خدا کا وہ مامور، جو اس زمانہ کا مجدد اور مسیح ومہدی بن کر آیا، وہ اس کے ’’نیک اندرون‘‘ ہونے کی شہادت دیتا، ’’بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق‘‘ اور ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق‘‘ سمجھتا ہے وہ مامور الٰہی ’’دین اور شرافت‘‘ کی رو سے آپ کے متعلق ’’تجسس‘‘ کرتا رہا اور ’’فرمانبرداری اور شرافت کے ہر پہلو میں آپ کو نہایت عمدہ انسان پایا‘‘ اور اپنی ’’فراست‘‘ سے گواہی دی کہ ’’جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا‘‘ یہیں تک نہیں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امام وقت کی زبان سے کہلوایا جاتا ہے کہ گویا آپ جنت میں حضرت مولٰینا سے کہہ رہے ہیں: ’’آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ‘‘ یہ 1905ء کا الہام ہے۔ گویا ابتداءِ زندگی ہی میں آپ کو بتا دیا گیا کہ تمہارا مقام جنت ہے اور جنت میں بھی مسیح موعود کے ساتھ۔ کیا یہ کوئی چھوٹی سی بات ہے؟! کیا حضرت مولٰینا محمد علیؒ کا یہ مقام آپ کی پاکباز زندگی اور آپ کی خدماتِ دینیہ کی مقبولیت کا کھلا ثبوت نہیں؟!

کتابیں لکھنے والے اور بھی دنیا میں ہوئے ہیں۔ اور بڑی بڑی ضخیم اور اعلیٰ پایہ کی علمی کتابیں کئی لوگوں نے لکھی ہیں۔ لیکن کس قدر خوش نصیب ہے وہ شخص جس کی کتابوں سے دنیا نے ہدایت پائی، کتنا بامراد ہے وہ انسان جس کی کتابوں اور تفسیر قرآن سے مشرق اور مغرب میں اسلام کا نور پھیلا اور آج ایک دنیا اس کی بلندیٔ مراتب کے لئے دست بدعا ہے اور جس طرح اس دنیا میں مامور الٰہی کے ساتھ اسے بیٹھنے کا موقع ملا، جنت میں بھی اس نے اپنے ساتھ ہی اسے بٹھایا۔

کیا یہ زندگی، جس کے نقوش آئندہ صفحات میں پیش کئے جا رہے ہیں، اپنی خوبیوں کی وجہ

سے ''رشک کے لائق'' نہیں؟! کیا اس میں ایسے نمونے نہیں ''جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق'' ہوں؟! صاحبان بصیرت کے لئے اس میں بڑے بڑے سبق ہیں۔ اس نمبر کا منشاء صرف یہی نہیں کہ اس شخص کی یاد تازہ ہو جائے جس نے پچاس سال کی مسلسل جدوجہد سے اسلام کی وہ خدمت کی جس کی نظیر اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے بلکہ اس کی زندگی کے پیش کردہ نقوش سے فائدہ اُٹھانے اور ان کی تقلید کرنے کے لئے اسے تیار کیا گیا ہے۔ تا کہ ہم بھی اس راہ کو اختیار کر کے **وجبت له الجنة** کا سٹیفکیٹ حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے والوں کو ان نیک راہوں پر گامزن ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے جو حضرت امیرؒ کی زندگی کو کامیاب اور جنتی بنانے کا موجب ہوئیں۔

عرض حال: قارئین کرام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

''حضرت امیر نمبر'' جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کی تیاری کا جب ارادہ کیا گیا، تو یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ اس کی ضخامت ستر اسی صفحات تک پہنچ جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ 36 یا 40 صفحات کا پرچہ شائع کرنے کا خیال تھا۔ لیکن جب کام شروع کیا گیا اور مقالات اور دوسرا امواد فراہم کرنے کا انتظام ہوا تو ضخامت بڑھتی ہی چلی گئی۔ حتّٰی کہ پیش نظر ضخیم پرچہ کی صورت بن گئی۔ جو اگرچہ اب بھی حضرت امیرؒ کی شان اور عظمت تک تو نہیں پہنچ سکتی، تاہم اس عالی وقار ہستی کے نقوش زندگی کی وضاحت کے لئے جو کوشش کی گئی ہے وہ بہت بڑی حد تک کامیاب ثابت ہو گی اور یہ ہدیہ محقرہ آپ کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے امید ہے ایک تاریخی دستاویز کا کام دے گا۔

اعلان کیا گیا تھا کہ یہ پرچہ 19 دسمبر کو شائع ہو جائے گا۔ اور یہ اعلان اسی خیال پر مبنی تھا جو ابتدا میں پرچہ کی ضخامت کے متعلق ذہن میں تھا۔ لیکن جوں جوں وقت نزدیک آتا گیا، مقالات پر مقالات آتے چلے گئے۔ اور نئے سے نیا سامان پیدا ہوتا چلا گیا۔ اس سے دشواریاں اس حد تک بڑھ گئیں کہ وقت مقررہ تو ایک طرف جلسہ سالانہ تک بھی اس کی اشاعت ناممکن نظر آنے لگی۔ ایسی حالت میں سوائے دعا کے اور کیا چارہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جلسہ ہی کے دنوں میں اس کی اشاعت کا سامان کر ہی دیا۔ فالحمد للہ علٰی ذالک۔ اس سلسلہ میں اپنے عزیز دوست اور افسر اخبارات شیخ محمد آصف صاحب اور چوہدری فضل حق صاحب اور منشی محمد فاضل صاحب کاتب ''پیغام صلح'' کا شکریہ ادا

کرنا واجب ہے۔ جن میں سے اول الذکر دونوں حضرات نے تصاویر کی تیاری اور دیگر انتظامی امور کو اپنے ہاتھ میں لے کر اور موخر الذکر نے اخبار کی کتابت کا کام سرانجام دے کر اس عاجز کا بوجھ بہت حد تک ہلکا کر دیا۔ فجز اھم اللہ احسن الجزا۔ اس کے ساتھ ہی ان تمام دوستوں کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے اس نمبر کے لئے مضامین لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائی۔ بالخصوص بیگم صاحبہ حضرت امیرؒ کا کہ انہوں نے اس کی شان اور عظمت کو دوبالا کرنے کے لئے مفید مشوروں سے رہنمائی کی اور بہت سا مواد فراہم کرنے کی تکلیف گوارا فرمائی۔ کام کی زیادتی اور قلت وقت کی وجہ سے اخبار کی تدوین اور صحت کتابت میں ممکن ہے کچھ خامیاں رہ گئی ہوں، اس کے لئے میری معذوری کو پیش نظر رکھتے ہوئے امید ہے اس ہدیہ محقرہ کو شرف قبولیت بخشا جائے گا اور اس عاجز کے لئے دعائے مغفرت فرمائی جائے گی کی اس پرچہ کی قیمت ایک روپیہ مقرر کی گئی ہے جو اس کی ضخامت اور اخراجات کے پیش نظر کچھ زیادہ نہیں۔ خاکسار دوست محمد۔ مدیر پیغام صلح۔ 22 دسمبر 1951ء۔

26 دسمبر 1951ء

دل پارہ پارہ آج ہے، ٹکڑے جگر ہے آج

مولانا مرتضیٰ خان حسؔن

کب تک میں اپنے درد والم کو چھپا رکھوں — یارائے ضبط دل میں نہ ہو گر تو کیا کروں
پوچھو نہ حال آج دلِ داغدار کا — مجھ غم نصیب خستہ جگر دلفگار کا
یہ روزِ بد بھی میرے مقدر میں تھا لکھا — خونِ جگر سے نوحہ لکھوں میں امیرؒ کا
کوہِ الم نے دوستو! توڑی کمر ہے آج — دل پارہ پارہ آج ہے ٹکڑے جگر ہے آج
دل سوزِ غم سے جلتا ہے آنکھیں ہیں اشکبار — سینہ سے میرے آہیں اُبھرتی ہیں بار بار
آنکھوں نے میری دیکھا ہے جو منظرِ الم — دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے وہ رنج وغم
باچشمِ اشکبار اعزا واقربا — تابوت لے کے آئے ہمارے امیرؒ کا
اے ہم نفس! نہ پوچھ جو حالت تھی اس گھڑی — بالیں پہ اس کے ایک قیامت بپا ہوئی
روتے تھے اہلِ درد باندوہِ بیکراں — سینوں میں دل تڑپتے تھے چون مرغ نیم جاں

☆☆☆

جب تک فلک پہ مہرِ منور کو ہے قیام — روشن رہے گا دہر میں اس نامور کا نام
مقبولِ بارگاہِ خدائے جلیل تھا — اس کا وجود رحمتِ حق کی دلیل تھا
علم وعمل میں سارے جہاں میں یگانہ تھا — یکتائے روزگار تھا فخر زمانہ تھا
از بسکہ اُس پہ لطفِ خدائے عظیم تھا — اس کو ازل سے دولتِ قرآں ہوئی عطا
قرآں کے عشق نے اسے ممتاز کر دیا — دونوں جہاں میں صاحب اعزاز کر دیا
اس کے قلم نے علم کا دریا بہا دیا — شاداب جس سے گلشنِ دین ہُدیٰ ہوا
مدنظر تھی اس کو رضا کرد گار کی — جانِ عزیز راہ میں اس کی نثار کی
اس کو حضور خاص میں باجملہ اصفیاء — اعلیٰ مقام حضرتِ حق نے عطا کیا

☆☆☆

رہ رہ کے اس کی یاد رُلاتی ہے خوں ہمیں ملتا نہیں ہے ایک گھڑی بھی سکوں ہمیں
تڑپا رہا اگرچہ ہے دردِ جگر ہمیں جُز صبر چارہ کچھ نہیں آتا نظر ہمیں
صبر و شکیب حکمِ خدائے جلیل ہے صبر و شکیب رحمتِ حق کا کفیل ہے
صبر و شکیب قربِ خدا کی دلیل ہے ابرار کا شعار فصبر جمیل ہے
رنج والم سے گرچہ بہت ہم نڈھال ہیں
راضی مگر رضا پہ تری ذوالجلال ہیں

26 دسمبر 1951ء

یادِ حبیب

حضرت امیرؒ کی پاکیزہ گھریلو زندگی کی ایک جھلک

از بیگم صاحبہ حضرت امیر نوراللہ مرقدہ

ستمبر 1909ء کا ذکر ہے کہ میرے والد محترم حضرت ڈاکٹر بشارت احمدؒ نے میرے رشتے کی بابت حضرت مولانا نورالدینؓ کی خدمت میں خط لکھا۔ ایک اور رشتہ زیر تجویز تھا اور والد صاحب نے اجازت مانگی تھی۔ مگر حضرت مولانا مرحوم و مغفور نے جواب میں لکھا کہ میری نظروں میں محمد علی سے بہتر اور کوئی انسان نہیں جس سے تعلق جوڑا جائے۔ ابا جی نے فوراً سر تسلیم خم کر دیا۔ اور اس سادگی سے گویا منگنی ہو گئی۔ فروری 1910ء میں ابا جی چند دن کی رخصت لے کر قادیان تشریف لے گئے اور نکاح ہو گیا۔

شادی کا تحفہ: 29 اپریل 1910ء کو مولانا محمد علی ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی اڈیٹر ریویو آف ریلیجنز، جن کی انگریزی قابلیت اور علم کی تمام یورپ میں دھاک تھی، اپنے دو دوستوں کی مختصر بارات کے ساتھ بھیرہ تشریف لائے۔ جہاں میرے ابا جی تعینات تھے اور اپنی ہونے والی بیوی کے لئے بطور تحفہ ایک نہایت خوبصورت قرآن مجید لائے۔ جو سات مختلف رنگوں میں چھپا ہوا تھا اور حاشیے پر سنہرے بیل بوٹے بنے تھے۔ شادی میں شامل ہونے والی مہمان خواتین و مرد دولہا کے اس تحفہ سے متعجب تھے۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ یہ 35 سالہ نوجوان ایک دن تمام دنیا کے لئے کلام پاک کے بیش بہا علوم کا دریا بہا دے گا اور کہ اس نے اپنی سب سے محبوب چیز اپنی دلہن کو بطور تحفہ دی ہے۔ مگر میرے لئے یہ کوئی اچنبے کی بات نہ تھی۔ کیونکہ میں نے قریباً چودہ سال تک اس باپ کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی جو عاشق قرآن تھا اور ہوش سنبھالتے ہی میرے کانوں میں درس قرآن کی آواز پڑی تھی۔ یکم مئی 1942ء کو حضرت امیر مرحوم و مغفور نے اس قرآن مجید پر، جو شادی پر تحفہ دیا تھا، مندرجہ ذیل عبارت اپنی قلم سے لکھ دی:

”تحفہ محبت: جو اپریل 1910ء کے آخری ایام میں شادی کے موقعہ پر میں نے زوجہ ام مہر النساء بیگم کو دیا۔ آج اس تعلق محبت کی چھتیسویں سالگرہ پر اس پر یہ یادداشت

ثبت کی گئی۔ یہی عرصہ میری زندگی کا وہ زمانہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اپنے کلام پاک کی خدمت کا بہترین کام لیا اور زوجہ ام مہر النساء بیگم کی بے نفسی اور محبت کو اس کام کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ خاکسار محمد علی۔ یکم مئی 1946ء"

حضرت مولانا نور الدینؓ کی دعا: میں یکم مئی 1910ء کو قادیان پہنچی اور حضرت مولانا نور الدینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس وقت آپ قرآن کریم کا درس دے رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی نہایت شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور حاضرات سمیت لمبی دعا مانگی۔ پھر فرمایا کہ میں نے محمد علی اور ان کے والد کی پیشانیوں پر انوار الٰہی کی چمک دیکھی ہے اور اسی طرح ڈاکٹر بشارت احمد اور ان کی بیوی کی پیشانیوں پر نور کی جھلک نظر آئی ہے۔ اور میں اس مبارک سنجوگ سے بے حد خوش ہوں۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہارا باپ اور شوہر میرے پیارے ہیں۔ اس لئے میری بچی تم بھی مجھے بہت پیاری ہو۔

حضرت امیرؒ بحیثیت شوہر: اپنی ازدواجی زندگی کے اولین ایام میں جس چیز نے میرے دل پر سب سے زیادہ اثر کیا وہ اپنے شوہر کی نیکی اور محبت تھی۔ وہ مجسم اخلاق تھے اور دن بدن ان کی غیر معمولی شخصیت نمایاں ہوتی چلی گئی۔ وہ علم کے شیدائی تھے اور سب سے پہلے انہوں نے مجھے قرآن شریف کا ترجمہ وتفسیر پڑھانی شروع کر دی۔ ساتھ ہی انگریزی بھی شروع کرا دی۔ انتخاب بخاری اور بلوغ المرام بھی پڑھائیں اور ہمارا یہ تعلیمی شغل سالہا سال تک جاری رہا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے سال کے اندر ہی ماں بنا دیا اور چند سال میں ہی کئی ننھی معصوم ہستیاں خداوند کریم نے پرورش کے لئے میرے سپرد کر دیں۔ آپ نے بچوں کی پرورش میں جس طرح میرا ہاتھ بٹایا اس نے میرے اس یقین کو مستحکم تر کر دیا کہ آپ ایک نہایت محبت کرنے والے شوہر ہی نہیں بلکہ شفیق باپ بھی ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ گھر کے کاموں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ اس زمانے میں کہ وہ قرآن کریم کے ترجمہ کا معرکۃ الآرا کام کر رہے تھے، عربی وانگریزی کی متعدد نہایت دقیق وضخیم کتب زیر مطالعہ تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ اردو ترجمہ بھی زیر قلم تھا۔ سلسلے کے کام جدا تھے۔ درس قرآن مجید بھی دیتے تھے۔ اکثر راتوں کو بیٹھ کر کام کیا کرتے۔ مگر باوجود اس قدر مصروفیت وانہماک کے وہ گھریلو کاموں میں میرا

ہاتھ بٹاتے تھے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ وہ پچھلی رات کو نماز تہجد میں مصروف ہیں کہ کسی بچے کے رونے کی آواز سُنی ۔سلام پھیر کر آ گئے ۔ بچے کے لئے دودھ گرم کر کے دیا۔کوئی اور کام کر دیا۔اور اسی وقت جا کر پھر یادالٰہی میں مشغول ہو گئے ۔اکتالیس سال کے طویل عرصہ میں ایک بار بھی انہوں نے کسی قسم کی بدسلوکی یا معمولی سی سخت کلامی بھی نہ کی ۔اگر کبھی کوئی غلطی مجھ سے ہو جاتی تو نہایت نرمی سے سمجھا دیتے ۔مقدور بھر مجھے آرام و آسائش پہنچانے کی کوشش کی اور میری ذرا سی تکلیف سے بے چین ہو جاتے تھے۔ان کی محبت ونفرت محض خدا کے لئے تھی اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی زندہ تصویر تھے کہ

خیر کم خیر کم لاھلہٖ.

اکثر اپنے کام خود کر لیتے بلکہ دوسروں کے بھی کر دیتے تھے۔خانہ داری کے انتظام میں وہ اس درجہ معاون تھے کہ اس طرف سے میں عموماً بےفکر رہتی تھی ۔ ہمیشہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی لکھ رکھتے اور مجھے بھی یہی تاکید فرماتے ۔کھانا جیسا بُرا بھلا پکا کر سامنے رکھ دیا کھایا،کبھی نقص نہیں نکالا۔کسی چیز پر نام نہ رکھا۔ چاول کا شوق نہ تھا چپاتی پسند فرماتے تھے۔مگر جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ مجھے چاول پسند ہیں تو خود بھی کھانے شروع کر دیئے اور تاکید کی کہ ضرور پکایا کرو۔اور مجھے خوش کرنے کو خود بھی تھوڑے سے تناول فرماتے ۔ایک وقت میں ایک قسم کا سالن یا دال نوش فرماتے ۔ پرتکلف ومرغن کھانے قطعاً پسند نہ تھے۔لباس میں نہایت سادگی مگر صفائی کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے ۔اکثر مجھے فرماتے کہ کوئی تین چار آنے گز کا کپڑا لا کر میرے لئے قمیض ، پاجامے بنوا دو۔سفید رنگ پسند تھا اور ہمیشہ سفید لباس پہنا۔مگر مجھے عمدہ لباس پہننے کی تاکید کرتے ۔فرماتے ۔عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنے شوہر کے لئے زیب وزینت کرے۔ ہر کام میں اعتدال مدنظر رکھتے ۔افراط اور تفریط سے نفرت تھی اور اسی طرح نمود ونمائش سے نہایت متنفر تھے۔غرور،تکبر چھو بھی نہ گیا تھا۔ یہاں تک کہ اونچے طرّہ کی پگڑی باندھنی بھی پسند نہ تھی ۔تیز چلنے کی عادت تھی ۔مگر کبھی اکڑ کر نہ چلتے۔حلیمی بردباری اس قدر تھی کہ کسی قصور پر ناراض نہ ہوتے تھے۔ گھر میں کسی پر رعب نہ جتایا۔مگر ان کے حسن سلوک کی وجہ سے سب ان کی خوشنودی اور آرام کے ہر وقت خواہاں رہتے تھے۔گھر میں نوکروں سے لے کر بچوں تک سب کے لئے ان کا وجود نہایت مقدس

ومحبوب تھا اور ہر ایک ان کی شفقت ومحبت پر اعتماد رکھتا تھا۔

میرے متعلق ان کے خیالات اول سے لے کر آخر عمر تک ایسے رہے کہ اگر میرا رواں رواں بھی خداوند کریم کا شکر یہ ادا کرے تو بھی کم ہے۔ میں اپنی بے بضاعتی اور ان کی ہر پہلو سے مکمل ہستی کو دیکھتی تو بارگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر بجالاتی کہ جس نے مجھے ایسا فرشتہ سیرت شوہر عطا کیا۔ ایک بار ہمیں ایک لمبے عرصہ تک مالی تنگی سے دوچار ہونا پڑا۔ میں اپنے والد کے پاس چند دن کے لئے گئی ہوئی تھی۔ آپ نے اپنی جدی زمین میں سے کچھ حصہ فروخت کرنے کا انتظام کیا اور اس طرح کچھ روپے کا انتظام کر کے مجھے خط لکھا۔ جس کی چند سطریں یہ ہیں:

> ''یہ آپ کو کوئی تسلی دینے کے لئے نہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں آپ کا پاکیزہ قلب ان باتوں سے بلند تر ہے اور اس دل میں مال کے جمع کرنے کی خواہش نہیں۔ مال کی آرزو نہیں۔ شائد یہ ڈاکٹر صاحب سے آپ میں متوکلانہ حصہ آیا ہے۔ بہرحال جو قلب مال کی محبت سے پاک ہے وہ ہر آلائش سے پاک ہے اور کوئی دنیوی خواہش اس میں کوئی آلائش پیدا نہیں کر سکتی۔ اس لحاظ سے کہ ایسی مطہرہ زوج اللہ تعالیٰ نے مجھے دی۔ یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک جنت اسی دنیا میں دے دی''

بیمار کی تیمارداری میں خدا نے آپ کو خاص بلکہ عطا کیا تھا۔ کوئی نوکر بھی بیمار ہو تو اس پر خاص توجہ فرماتے۔ ڈاکٹر بلواتے اگر لمبی بیماری ہو تو تنخواہ کے علاوہ کچھ رقم مزید عنایت فرماتے۔ چند سال قبل کا ذکر ہے کہ میں بیمار تھی۔ رات کو کھانسی بہت ہوتی تھی۔ آپ کے کمرے سے ذرا فاصلے پر ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں پلنگ بچھا کر سو رہی کہ میری کھانسی کی آواز سے آپ کی نیند خراب نہ ہو۔ جانتی تھی کہ تھوڑا سا آرام کر کے پھر نماز تہجد کے لئے آپ نے اُٹھنا ہے۔ رات کو میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ کھوٹھڑی میں، جو تھوڑی سی جگہ تھی، وہاں فرش پر آپ لیٹے ہوئے ہیں۔ میرے جاگتے ہی خود بھی اُٹھ کر بیٹھ گئے اور پوچھنے لگے کیسی طبیعت ہے۔ میں نے کہا آپ اپنا پلنگ چھوڑ کر یہاں زمین پر کیوں سوئے تو فرمایا کہ اس لئے کہ رات کو آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو آواز دینی پڑے گی۔ میری ناچیز خدمات کی بے حد قدر کرتے۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی نہ روکا بلکہ حوصلہ افزائی کے لئے تعریف کی۔ برلن مسجد بن رہی تھی۔

ہم سب نے چندہ دیا۔ مسجد کے مینار نامکمل رہ گئے۔ آپ فکرمند تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے سونے کے کڑے مسجد کے میناروں کے لئے دے دوں اور دیگر بہنوں میں بھی تحریک کروں انہوں نے اس تجویز کو پسند کیا۔ چنانچہ بشیر بادشاہ ہال میں ہم نے جلسہ کیا۔ آپ نے تقریر فرمائی۔ سب سے پہلے میں نے اپنے کڑے اتار کر بطور چندہ دیئے۔ پھر سب حاضرات نے اپنا کوئی نہ کوئی زیور آپ کی خدمت میں پیش کیا اور ایک معقول رقم فوراً جمع ہوگئی۔ کبھی کبھی کوئی پاکیزہ مذاق بھی کرتے تھے۔ میں نے اپنا تمام زیور وقتاً فوقتاً سلسلے کی مختلف تحریکات میں دے دیا تھا۔ مذاق سے فرمایا کرتے تھے کہ آپ بڑی ہوشیار نکلیں کہ سارا زیور اللہ میاں کے بنک میں جمع کرادیا کہ جاتے ہی وصول کرلیں!

نومبر 1949ء میں انجمن کے کسی کام کے لئے آپ کراچی تشریف لے گئے۔ آپ کی غیر موجودگی میں مَیں سخت بیمار ہوگئی۔ میں نے لکھا کہ مجھے یہ فکر اکثر رہتا ہے کہ آپ نے تو اس قدر خدمت اسلام کی اور اتنی عبادت بجالائے، بارگاہ خداوندی میں آپ کا درجہ بہت ہی اعلیٰ وارفع ہوگا۔ اور جنت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کوئی بہت ہی بلند مقام رکھا ہوگا۔ مگر میں تو بہت ہی کمزور گنہگار ہوں۔ اگرچہ مولا کریم کی رحمت سے امیدوار ہوں تاہم آپ کی برابری نہیں ہوسکتی۔ اس لئے دوسری ابدی زندگی میں ہم کہاں ایک جگہ رہ سکیں گے؟! تو آپ نے مجھے نہایت تسلی کا خط لکھا۔ جس کے چند فقرے یہ ہیں:

> ''جس خدا نے مجھے اس دنیا میں آپ جیسی نعمت عطا فرمائی یقین رکھیئے کہ وہ آخرت میں اس نعمت سے مجھے کبھی محروم نہ رکھے گا۔ آپ کا ساتھ میری زندگی کا جزو ہے اور خدا تو بڑا مہربان ہے۔ وہ وہاں بھی مہربان ہوگا اور اس ہمیشگی کی زندگی میں مجھے آپ کے ساتھ اور آپ کو میرے ساتھ رکھے گا۔ اے خدا تو ایسا ہی کر''

بحیثیت باپ: اللہ تعالیٰ نے مجھے شروع میں اپنے فضل وکرم سے چار بچیاں عطا کیں۔ ہمارے ملک میں عام طور پر لڑکی کی پیدائش کچھ ایسی خوشی کا موجب نہیں ہوتی۔ مگر وہ ہمیشہ بچی کی پیدائش کے بعد میرے پاس آکر مجھے مبارکباد دیتے اور بچی کو گود میں لے کر پیار کرتے اور کان میں اذان دیتے۔ میری غذا اور آرام کا خود خیال رکھتے۔ تیسری بچی دس بارہ دن کی تھی کہ اس کو معمولی سا بخار ہوگیا۔ میں نے ذکر نہ کیا کسی اور سے معلوم ہوا تو فوراً میرے پاس آئے اور فرمایا کہ مجھے اطلاع نہ دی اور دوا

بھی نہ منگوائی۔ کیا یہ لا پرواہی اس لئے ہے کہ یہ لڑکا نہیں لڑکی ہے؟! اسی وقت ڈاکٹر بلوایا اور مجھے تاکید کی کہ ہر قسم کی احتیاط کروں۔

ہماری بچی عطیہ ایک لمبی بیماری کے بعد نو سال کی عمر میں وفات پا گئی۔ آپ نے نہایت جانشفانی سے اس کی تیمارداری کی۔ اپنے دفتر سے کام کرتے کرتے اُٹھ کر آتے اور دوا وغیرہ پلاتے۔ بیماری کے آخری ایام میں تو یہ حالت تھی کہ دن بھر بدستور کام کرتے اور رات قریباً جاگتے گزر جاتی۔ بیمار بچی کا سب کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ رات کو جب میری آنکھ کھلتی تو ان کو بیمار کی پٹی کے پاس دیکھتی۔ مجھے نہ جاگنے دیتے۔ فرماتے تم بچوں کے پاس رہو۔ مگر جب وہ فوت ہو گئی تو اپنے رب کی رضا پر نہایت صبر سے راضی ہو گئے۔ بچوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا بے حد خیال تھا۔ ان کی کوشش سے ہی کوئین میری کالج میں عربی کی کلاس جاری ہوئی۔ لڑکے اور لڑکیوں میں سے کسی کو بھی تعلیم میں پیچھے نہ رکھا۔ دینی تعلیم و تربیت زیادہ تر میرے سپرد تھی۔ مگر وقتاً فوقتاً خود بھی حصہ لیتے تھے اور اپنے ننھے ننھے بچوں میں مذہبی سپرٹ دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ سکول میں کئی بار ایسا ہوا کہ دینیات کی کلاس میں استانی نے کوئی مسئلہ غلط بیان کیا تو میری لڑکی نے کہا کہ یہ اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے۔ استانی دل میں تو سمجھ جاتی کہ غلطی تو میری ہے مگر خفت مٹانے کو کہتی کہ تم احمدی ہو۔ ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ آپ کی دلی تمنا اور خواہش تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ دکھا دیا کہ آپ کی اولاد شعار اسلامی کی پابند اور دین کی خدمت کی تڑپ دل میں رکھتی ہے۔ آپ کے بڑے لڑکے محمد احمد، جو انگلش اور عربی کے ایم اے ہیں اور اپنی آمدنی کا دسواں حصہ نہایت باقاعدگی سے چندہ دیتے ہیں، جب وہ برسر روزگار ہوئے تو آپ نے ان کو یہی نصیحت کی کہ مکروہات دنیا سے بچنا، نماز کی پابندی، قرآن کریم پر غور و خوض اور علمی شغل رکھنا تا کہ کسی وقت کوئی مزید دینی خدمت کر سکو۔ اپنی اولاد ہی نہیں بلکہ وہ جماعت کے ہر نوجوان کو یہی نصیحت فرماتے تھے کہ بیشک آپ اپنی قوت بازو سے اپنی روزی کماؤ مگر اپنا مطمح نظر خدمت و اشاعت اسلام رکھو۔ سچائی اور دیانت داری کو کبھی ترک نہ کرو۔ علمی ترقی جاری رکھو اور کسی نہ کسی رنگ میں اسلام کی قوت کا موجب بنو۔

چھوٹے لڑکے حامد فاروق جو یورپ میں آج کل زیر تعلیم ہے۔ وہ چھٹیوں میں 1950ء میں سوئٹزرلینڈ گئے اور وہاں ایک جلسے میں سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس کی تفسیر بیان کی۔ اس کی تقریر کا اقتباس

کراچی کے انگریزی اخبار ڈان میں چھپا اور آپ کی نظر سے بھی گزرا تو چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا اور فرمایا اس لڑکے نے تو وہ نکتے بیان کئے ہیں جو ہمیں بھی نہ سوجھے۔ غرض ان کی دلی تمنا اور خواہش ہمیشہ یہی رہی کہ ان کی اولاد پکی مسلمان اور سچی احمدی ہو۔ اور ان کے دلوں میں خدمت اسلام کی تڑپ موجزن ہو۔ الحمد للہ کہ آپ کو اس طرف سے دلی راحت ملی اور آئندہ بھی یہی دعا ہے کہ وہ اپنے مقدس باپ کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں۔

بحیثیت بزرگ خاندان: آپ بہت بڑے وسیع خاندان کے ایک فرد تھے۔ آپ کے اور میرے بہن بھائی و دیگر عزیز قریباً سب احمدی ہیں۔ تاہم ایسے رشتہ دار بھی ہیں جو احمدی نہیں۔ مگر آپ کا سب سے ایسا سلوک تھا کہ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ آپ کو سب سے زیادہ مجھ سے محبت ہے۔ جس کو جس قسم کی مدد کی ضرورت ہوتی آپ دل و جان سے حاضر تھے۔ غریب اور امیر سب سے یکساں تعلق تھا۔ بلکہ غریب رشتہ دار کی زیادہ دلداری فرماتے۔ دنیا میں ایسے انسان تو بہت ہوں گے جو اپنے خاندان کے مربی ہوں مگر یہ خصوصیت شائد ہی کسی کو نصیب ہوتی ہوگی کہ خاندان کا ایک ایک فرد آپ پر فدا تھا۔ دور و نزدیک کے تمام رشتہ داروں کے دلوں میں آپ کی بے انتہا محبت و عزت تھی۔ آپ کی نیکی سچائی اور حسن اخلاق کے سب قائل تھے۔ جو ایک بار ملا گرویدہ ہو گیا۔ والد صاحب مرحوم و مغفور سے آپ کو اور ان کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ 1920ء کا واقعہ ہے کہ موسم گرما میں ہم شملہ میں تھے اور والد صاحب کرنال میں تعینات تھے۔ والد صاحب نے لکھا کہ میں نے پندرہ دن کی چھٹی لی ہے اور چند دوستوں کے ساتھ کشمیر کی سیر کا پروگرام بنایا ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے جواب میں لکھا کہ کشمیر کی سیر تو واقعی بڑی دلکش ہے۔ مگر میرا دل چاہتا ہے کہ آپ یہ دن ہمارے ساتھ گزاریں۔ حضرت والد صاحب نے بخوشی کشمیر کی سیر کا ارادہ ترک کر دیا اور لکھا کہ آپ کی صحبت سے زیادہ کوئی چیز میرے لئے دلکش نہیں ہے اور ساتھ ہی ایک پنجابی کا شعر بھی لکھا جو اب تک مجھے یاد ہے

شبرات کولوں شب قدر چنگی پر وصل دی رات انوکھڑی ہے
چند سورج دی روشنائی چنگی پر یار دی جھات انوکھڑی ہے

ترجمہ: شب برات سے شب قدر بہتر ہے مگر محبوب سے ملنے کی گھڑی سب سے انوکھی ہے

اوراسی طرح چاند سورج کی روشنی اچھی ہے مگر اپنے محبوب کی ایک جھلک ان سے بھی بہتر اور انوکھی ہے۔

بحیثیت دوست: آپ کی شفقت ومحبت اپنے رشتہ داروں پر ہی ختم نہ ہوتی تھی بلکہ افراد جماعت کو بھی آپ اپنے بھائیوں اور بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔ان کی خوشی سے خوش اور تکلیف سے مغموم ہوتے تھے۔امیر وغریب ہر ایک کی ان کے دل میں یکساں عزت تھی۔اور سب کا ذکر نہایت عزت سے کرتے تھے۔نیکی اور سچائی کے دلدادہ تھے۔اور جو اس راہ میں ترقی کرتا اس کی قدر ان کی نظروں میں زیادہ تھی۔ کسی بات میں بھی ظاہر داری یا نمود کی عادت نہ تھی۔بچوں یا نوجوانوں کو کھینچ کھینچ کر گلے لگانا یا دیگر ایسی حرکات کے عادی نہ تھے۔ ان کی طبیعت کی طرح ان کی محبت بھی سنجیدہ ومتین تھی۔ اور اظہار میں چھچھورپن نہ تھا۔البتہ اپنی نیم بشی دعاؤں میں سب کو یاد رکھتے تھے۔

مہمان نوازی: مہمان نوازی کا اللہ تعالیٰ نے خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔مہمان کی تواضع میں بذات خود حصہ لیتے تھے اور آرام کا خیال رکھتے تھے۔میں کسی کام میں مصروف ہوتی تو خود بستر نکال کر بچھواتے۔ چاء یا شربت کے گلاس خود لے جا کر مہمانوں کو پیش کرتے۔ایک دفعہ ایک خاتون معہ تین چار بچوں کے آئیں۔میں نے ان کے لئے بستر بچھوائے اور کھانے وغیرہ کا بندوبست کیا۔رات کو کھانے کے بعد جب وہ خاتون اپنے کمرے میں سونے چلی گئیں تو آپ نے دریافت کیا کہ ''مہمان کے کمرے میں دودھ رکھوا دیا ہے؟ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔شائد ضرورت پڑے۔اگلی صبح وہ بہن مجھ سے کہنے لگیں کہ رات کو حضرت امیر نے جو دودھ رکھوانے کو کہا تھا میں نے بھی سنا اور مجھے تعجب ہوا کہ حضور باوجود اس قدر مصروفیتوں کے اور اتنا بلند پایہ مرتبہ رکھنے کے مہمان کی ادنیٰ ضروریات کا بھی بذات خود اس قدر خیال رکھتے ہیں!

عبادت الٰہی اور وقت کی پابندی: اکثر لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ حضرت امیرؒ اپنی گوناگوں مصروفیات اور تمام دینی ودنیوی فرائض کو بطریق احسن ادا کرنے کے لئے کیسے وقت نکال لیتے تھے۔اس کا راز اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بعد ان کی وقت کی پابندی اور بے پناہ قوت کار تھی۔دن اور رات میں کبھی بھی ایک منٹ فضول ضائع نہ کیا۔ان کے سب کام اپنے وقت پر ہوتے تھے۔بہت کم سونے کی عادت تھی۔ تہجد کے لئے دو بجے اُٹھتے تھے۔عموماً روزانہ غسل کی عادت تھی۔نماز فجر کے بعد سیر کو تشریف لے جاتے

تھے۔ واپس آ کر آفس میں کام پر بیٹھ جاتے۔ اور چائے کے لئے میں آفس سے بلواتی تھی۔ آخر عمر میں دو تین سال سے سیر کے بعد پندرہ بیس منٹ کے لئے استراحت فرماتے اور چائے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے اخبار دیکھتے۔ پھر آفس میں اپنے کام میں مشغول ہو جاتے۔ اکثر ظہر کی اذان ان کو اپنے کام کی محویت سے چونکا دیتی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اذان سے چند منٹ پیشتر اندر تشریف لے آتے۔ وضو کرتے اور کھانا تناول فرماتے ہی نماز کے لئے مسجد تشریف لے جاتے۔ نماز ظہر کے بعد تھوڑی دیر کے لئے آرام فرماتے۔ عموماً تین بجے سے پیشتر ہی اُٹھ کر پھر دفتر تشریف لے جاتے۔ نماز عصر کے لئے اُٹھتے تو وضو کرنے اور مسجد جانے کی رواروی میں ایک پیالی چاء کی پی لیتے۔ شام کو مغرب کی نماز کے بعد اندر تشریف لاتے اور عشاء کی نماز تک بچوں میں بیٹھتے اور کھانا کھاتے۔ نماز عشاء کے بعد جلد سو جانے کی عادت تھی۔ کبھی کوئی مہمان آ جاتا تو تھوڑی دیر اس سے بات چیت کرتے۔ جوانی میں چار گھنٹے سے زیادہ نیند نہ تھی۔ سردیوں کی راتوں میں رات کے ایک بجے سے اڑھائی بجے نماز تہجد تک تصنیف کا کام کرتے۔ بعض وقت نماز عشاء کے بعد بھی آفس میں کام کرتے۔ البتہ اب تین چار سال سے، کہ صحت کمزور ہو گئی تھی، ڈاکٹروں کے اصرار سے رات کا کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ مگر نماز تہجد کے لئے سخت بیماری میں بھی آنکھ کھل جاتی۔ اور بستر میں بیٹھ کر یا لیٹ کر، جیسے بھی ہوتا، عبادت کرتے رہتے۔

عبادت الٰہی میں ان کا انہماک مجھے ہمیشہ تعجب میں ڈال دیتا تھا۔ سخت ترین سردیوں کی راتوں میں وہ گرم گرم بستر سے اس طرح تڑپ کر اُٹھ کھڑے ہوتے تھے کہ گویا اپنے بچھڑے ہوئے محبوب سے ملنے کے لئے بیقرار ہیں۔ میں کہتی کہ آپ آہستگی سے اُٹھا کریں۔ یکدم لحاف میں سے نکلنے سے ہوا لگ جاتی ہے۔ مگر ان کو پروا نہ تھی۔ وضو کرتے ہی گرم چادر لپیٹ کر تنہائی میں مصروف عبادت ہو جاتے۔ دن میں بھی نماز کے لئے وقت پر پہنچنے کا بے حد خیال تھا۔

کئی سال کا ذکر ہے ہم احمدیہ بلڈنگس میں مسجد سے ملحقہ مکان میں رہتے تھے کہ گجرات سے ایک شیعہ سید خاندان کی معزز خاتون ہمارے ہاں آئیں۔ یہ خاندان احمدیت کی مخالفت میں مشہور تھا۔ ان بی بی سے میری معمولی سی واقفیت تھی۔ خیر وہ رات رہیں اور صبح کو رخصت ہوتے وقت کہنے لگیں کہ میں تو صرف اس لئے آپ کے ہاں رات رہی تھی کہ دیکھوں مولوی صاحب کے علم و فضل اور نیکی کی اتنی

دھوم ہے تو اندر سے حقیقت کیا ہے۔ میں تمام رات جاگتی رہی۔ جب رات کے دو بجے مولوی صاحب تہجد کے لئے اُٹھے تو میں بھی چپکے سے پلنگ پر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ آپ نے وضو کیا اور بہت عمدہ طریق سے کیا۔ پھر سامنے کے خالی کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔ میں اُٹھ کر گئی اور دروازے کو دیکھا تو کنڈی نہ لگی تھی۔ ذرا سا کھول کر دیکھتی رہی۔ آپ نے نماز کی نیت باندھ لی تھی اور نہایت خشوع وخضوع سے قرآن کریم پڑھ رہے تھے۔ آواز کی ہلکی سی گونج میں بھی سن سکتی تھی۔ اتنی دیر آپ کھڑے رہے کہ میں تو تھک گئی۔ خدا خدا کر کے رکوع میں گئے اور خاصا لمبا رکوع کیا اور سجدے میں چلے گئے۔ اتنی دیر سجدے میں لگائی کہ میں تو کھڑے کھڑے سوکھ گئی۔ ادھر ادھر نظر ڈالی تو صحن میں ایک سٹول پڑا تھا وہ لے کر بیٹھ گئی۔ بہت دیر بعد سجدے سے سر اُٹھایا تو دوسرے سجدے میں چلے گئے اور بہت ہی لمبا سجدہ کیا۔ میں نے سوچا کہ آدھ گھنٹے سے زیادہ تو ایک ہی رکعت میں لگا دیا۔ اب اور کب تک انتظار کروں۔ پلنگ پر جا لیٹی۔ تھوڑی دیر بعد پھر جا کر جھانکا تو آپ بدستور نماز میں مشغول تھے۔ کئی گھنٹوں بعد فجر کی اذان ہوئی اور آپ مسجد تشریف لے گئے۔ وہ بی بی کہنے لگیں کہ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص معمولی انسان نہیں ضرور کوئی ولی اللہ ہے۔ بہت سے شکوک اور بدظنی لے کر آئی تھی اور اب آپ کی نیکی اور عظمت کا گہرا نقش دل پر لے کر جا رہی ہوں۔ میں نے حضور سے ذکر کیا اور پوچھا کہ آپ نے آہٹ سنی ہوگی تو آپ مسکرا کر بولے کہ اس وقت کوئی ڈھول بھی بجاتا تو مجھے آواز نہ آتی!

آپ صاحب کشف والہام تھے مگر کبھی ان کی اشاعت نہ کی۔ ان کے بیسیوں خاندان کے افراد ان کے بیسیوں کشوف والہاموں کی صداقت کے گواہ ہیں۔

ایک کامیاب انسان: یوں تو آپ کی زندگی کے مختلف پہلو اس قدر ہیں کہ ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ عفو، درگذر، چشم پوشی و دیگر صفات کے بیان کے لئے صفحے درکار ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ اس آیت قرآنی کا زندہ نمونہ تھے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (29:48) موجودہ زمانے کے آپ کامیاب ترین انسان تھے. حضرت مسیح موعود نے آپ کو اپنا قلم عطا کیا اور آپ نے اس قلم کو لے کر ایسا جہاد فی سبیل اللہ کیا کہ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ کُلِّهٖ (28:48) کا نظارہ نظر آنے لگا۔

1914ء میں آپ نے ایک ننھا سا بیج بویا 38 سال میں وہ بیج ایسا تناور درخت بن گیا کہ اس کی شاخیں تمام دنیا پر چھا گئیں اور مجدد وقت کے فیض سے گاؤں کا رہنے والا ایک گم نام انسان دنیائے اسلام کا عظیم ترین مجاہد بن گیا۔ آپ کی نیکی انکسار، بے لوث خدمت اور سب سے بڑھ کر آپ کے علم وفضل کے اپنے اور بیگانے دل سے معترف تھے۔ آپ کی تمام زندگی میں جو چیز سب سے نمایاں اور تابناک تھی وہ آپ کا عشق قرآن تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں آپ کے قرآن کریم کے تراجم کو مقبول فرما کر یہ دکھا دیا کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی قدر دانی فرماتا ہے۔ آپ کا اعلیٰ اسلامی لٹریچر ایک سند کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔ ایک چیف جسٹس آپ سے ملنے آئے اور بتایا کہ آپ کی کتاب ''ریلجن اوف اسلام'' سے ہم اسلامی فقہ کو سمجھتے اور مقدمات کے فیصلے کرتے ہیں۔ مصر وعرب کے سفراء آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہدیہ عقیدت پیش کرتے۔ 1944ء میں قائداعظم محمد علی جناح آپ سے ملنے آپ کی قیام گاہ پر تشریف لائے اور آپ سے مسلمانوں کی حالت کے متعلق مختلف مسائل پر گفتگو کرتے رہے اور فرمایا کہ آپ کے انگریزی ترجمۃ القرآن سے میں نے بہت فائدہ اُٹھایا ہے۔ ٹرکی کا وفد لاہور آیا تو اسٹیشن پر اترتے ہی انہوں نے پوچھا کہ مولانا محمد علی کہاں رہتے ہیں۔ ہمیں ان کے پاس لے چلو۔ بعض بیرونی ممالک کے سیاح تو فرط عقیدت سے آپ کے ہاتھ چومتے تھے۔ دلی (دہلی) کے مولانا محمد علی (شوکت علی کے بھائی) یورپ جاتے ہوئے آپ سے ملنے آئے تو عرض کیا کہ ''مولانا یورپ میں جا کر ایک جھوٹ بولنے کی اجازت دیجئے۔ وہ یہ کہ قرآن کریم کا ترجمہ میں نے کیا ہے''۔ حضرت امیر مسکرائے اور فرمایا ''بے شک محمد علی ہی نے ترجمہ کیا ہے''۔ چین وجاپان ترکی ومصر سے درخواستیں آتیں کہ اپنی کتب کے ترجموں کی اجازت دیجئے۔ جو آپ بخوشی دے دیتے۔ اطراف واکناف عالم میں سے غیر مسلموں کے خطوط آئے کہ آپ کے لٹریچر سے ہمارے شکوک وشبہات، جو اسلام پر تھے، دور ہو گئے۔ غرض آپ کا کام اور آپ کا نام آسمان شہرت پر ماہتاب کی طرح چمک کر کفر وظلمت کے اندھیرے کو منور کر رہا تھا۔ مگر خود وہ بے نفس انسان، وہ انکسار اور عاجزی کا پتلا، وہ مولانا محمد علی کہ جس پر صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام فخر کر رہا تھا، جس کی عظیم الشان اسلامی خدمات نے سخت ترین دشمنوں اور مخالفین سے خراج تحسین وصول کیا، خود اس کا سر کبھی غرور سے نہ اونچا ہوا۔ اس نے کبھی اپنی بڑائی نہ بتائی کہ بڑے

بڑے گورنر اور وزراء ہم سے ملنے آتے ہیں یا ہماری خدمات کے معترف ہیں۔ اس نے تحدیث بالنعمت کے طور پر کبھی ذکر بھی کیا تو اس کام کو اور اس کامیابی کو اپنی جماعت کی طرف منسوب کیا۔ اس برگزیدہ انسان نے اپنی کامیابی کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور پہلے سے بھی زیادہ خدا کے حضور میں عاجزی سے سر جھکا لیا۔ اس کو سوتے جاگتے صحت و بیماری ہر حالت میں یہی دھن تھی کہ اسلام کا پیغام دنیا کے چپہ چپہ پر پھیلا دیا جائے اور آج دوست و دشمن کو اعتراف ہے کہ اس کی زندگی اسلام کے لئے وقف رہی اور وہ ایک کامیاب انسان کی حیثیت سے اس جہانِ فانی سے رخصت ہوا۔

ایام بیماری و دیگر واقعات: آپ کی صحت کثرت کار کی وجہ سے چند سال سے بگڑ چکی تھی۔ مگر قویٰ نہایت اعلیٰ درجے کے تھے۔ اس لئے زیادہ محسوس نہ کیا اور اپنے کام سے اتنا عشق تھا کہ اوقات میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ انہی ایام میں کئی اور تصانیف کے علاوہ ترجمۃ القرآن انگریزی پر نظر ثانی کی اور تفسیر تو قریباً نئی ہی لکھی۔ 1948ء میں کوئٹہ میں آپ شدید بیمار ہو گئے۔ کئی ماہ بیمار رہے۔ مگر حالت سنبھلتے ہی بدستور کام میں مصروف ہو گئے۔ قرآن کریم کے پروف آ رہے تھے۔ کئی کئی گھنٹے محنت شاقہ کرتے تھے۔ ہم آرام کے لئے عرض کرتے تو فرماتے یہ کام تو میری روح کی غذا ہے۔ طبیعت ناساز ہے مگر پلنگ پر تکیئے کے سہارے بیٹھے کام کر رہے ہیں۔ کبھی فرماتے وقت کم ہے اور کام زیادہ۔ 1950ء میں کراچی میں دل کی بیماری کا خطرناک حملہ ہوا۔ ان دنوں کے حالات کچھ تو چھپ چکے ہیں اور ممکن ہے کوئی اور بھی اس کے متعلق لکھے۔ زیادہ تفصیل سے مضمون لمبا ہو جائے گا۔ صرف اتنا لکھنا چاہتی ہوں کہ جو نرس دو ماہ آپ کی خدمت پر مامور تھی وہ پوچھنے لگی یہ شخص آپ کا کوئی Saint (ولی) ہے کہ بیماری میں اس قدر عبادت کرتا ہے اور اس قدر حلیم مزاج ہے۔ یقیناً وہ ٹھیک سمجھی تھی!

دسمبر میں لاہور تشریف لائے کچھ عرصہ کے بعد صحت سنبھل گئی اور پھر آفس میں کام شروع ہو گیا۔ کبھی کبھی پلنگ پر ہی سکرٹری کو بلا کر کام شروع کر دیتے۔ اسی ایک سال کے عرصے کی بیماری میں آپ کے مزاج میں ذرا بھی چڑ چڑا پن یا غصہ نہ آیا۔ اکثر یہی چاہتے کہ بدستور سابق اپنا کام خود ہی کریں۔ مجھے بار بار فرماتے کہ میری بیماری سے آپ کو بہت تکلیف ہے۔ آپ نے میری بے حد خدمت کی ہے۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ انہوں نے مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ دی۔ کوئی سخت خدمت نہ لی۔ ذرا طبیعت

بحال ہوتی تو خود ہی غسل خانے جا کر وضو کرلیا کرتے۔ میرے روکتے ہوئے بھی اپنے سب کام خود ہی کرنے کی کوشش کرتے۔

رخصت: 31 مئی 1951ء کو ہم کراچی گئے۔ وہاں جاتے ہی آپ کی صحت بہت ہی بہتر ہوگئی۔ ڈاکٹر نے معائنہ کر کے نہایت خوشی سے کہا کہ آپ کا دل ایک جوان آدمی کی طرح صحت یاب ہو گیا ہے۔ اور اب آپ کوئی پرہیز نہ کریں۔ اچھی غذا کھائیں اور تھوڑی تھوڑی چہل قدمی کیا کریں۔ خوش رہیں اور کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ آپ کی صحت نہایت قابل اطمینان طور پر ترقی کر رہی ہے۔ ماہ جون کے آخری ایام میں آپ کی طبیعت یکدم بگڑ گئی اور تنفس کی تیزی کی شکایت پیدا ہوگئی۔ ڈاکٹر نے اطمینان دلایا کہ عارضی بات ہے۔ دل پر کوئی بوجھ یا فکر ہے۔ دور ہو جائے گا تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کا مرتبہ عطا کرنا تھا۔ آپ کی صحت خراب ہوتی چلی گئی قویٰ کی مضبوطی نے کئی بار سنبھلنا چاہا۔ مگر منشائے ربی یہی تھی کہ یہ برگزیدہ انسان اس دار المحن سے ابدی راحت میں جلوہ افروز ہو۔ ہم آپ کی صحت کے لئے دست بدعا تھے کہ اچانک ندائے ربی نے پکارا۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً. فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ. وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ (89:27-30)

13 اکتوبر 1951ء مطابق 10 محرم الحرام 1371ھ دن کے ساڑھے گیارہ بجے ہم سب کا محبوب اور میرا مایہ ناز رفیق حیات اکتالیس سال تک پیمان وفا کو نبھا کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

دفترِ ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات   تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

26 دسمبر 1951ء

ان مردانِ خدا کی یاد مجھے ستاتی ہے

حضرت امیر مولٰینا صدر الدین صاحب ایّدہ اللہ

حضرت مولٰینا محمد علی مرحوم ومغفور کے ساتھ میرا تعلق 1905ء سے تھا اور پھر 1909ء سے یہ تعلق بہت گہرا ہو گیا۔ وہ اس طرح سے ہوا کہ حضرت مولٰینا نورالدین مرحوم ومغفور کے حکم سے وہ ایک وفد بنا کر لاہور میں میرے پاس تشریف لائے۔ اس وفد میں ان کے علاوہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب، حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب، حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب بھی شامل تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت مولٰینا نورالدین چاہتے ہیں کہ آپ کالج کی ملازمت ترک کر کے قادیان چلے آئیں۔ اس پر جب میں نے لبیک کہی تو یہ وفد میرے پرنسپل مسٹر نولٹن کے پاس گیا اور پھر ڈائرکٹر مسٹر گاڈلے کے پاس گیا اور معاملہ طے ہو گیا۔ میرا قادیان جانا انگریزی قرآن مجید کے سلسلہ میں تھا۔ حضرت مسیح موعود نے جو صدر انجمن خود اپنے سامنے اپنی زیر ہدایت قائم کی تھی اس کے پہلے سیکرٹری حضرت مولٰینا محمد علی مرحوم ومغفور تھے اور مدرسہ کے منتظم بھی وہی تھے۔ اور ترجمۃ القرآن کا کام یک سوئی چاہتا تھا۔ میرے قادیان پہنچنے پر اُن کے یہ بوجھ میں نے اپنے کندھوں پر اُٹھا لئے اور ان کو یکسوئی میسر آ گئی۔ ہم دونوں میں اخوت تامہ تھی اور ہم نے پانچ سال مل کر قادیان میں بسر کئے۔ اس دوران میں قادیان میں پچاس ایکڑ زمین پر ایک عالی شان مدرسہ اور بورڈنگ اور مسجد تعمیر ہوئی۔ یہ کام بھی ہم دونوں کی سعی کا نتیجہ تھا۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں جب حضرت مولٰینا مرحوم ومغفور نے قرآن کریم کا ترجمہ قریباً قریباً مکمل کر لیا تو حضرت مولٰینا نورالدین کا وصال ہو گیا۔ اس پر اختلاف رونما ہو گیا اور ہم دونوں قادیان کی رہائش کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوئے اور لاہور میں آخر سکونت اختیار کی۔ چونکہ حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم ومغفور دو سال کے بعد ولایت سے واپس آنا چاہتے تھے اس لئے راقم الحروف قادیان سے یہاں آ جانے کے دو ایک ہفتے بعد لندن کو روانہ ہو گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد مولٰینا مرحوم نے انگریزی ترجمۃ القرآن طباعت کے لئے میرے پاس بھیج دیا۔ اور مجھے لکھ بھیجا کہ آپ کی موجودگی میں اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ پروف میرے پاس آیا

کریں۔ آپس میں ایک دوسرے پر اعتماد کا یہ عالم تھا کہ یہ بھی لکھ بھیجا کہ آپ کو اختیار ہے اس میں جو تغیر و تبدل مناسب ہو وہ کر لیا کریں۔ ان کو یہ علم تھا کہ میں زبان عربی بھی جانتا ہوں اور عربی سے اور حدیث کی شروح سے واقف ہوں۔ میں نے ان کے اس اعتماد کی قدر کی اور اس غیرت اور جذبہ عشق اور شدید محنت سے ان کی اس تصنیف کو ایڈٹ کیا اور اس مقدس کام کو ایسا سرانجام دیا کہ حضرت مولانا مرحوم ومغفور گرویدہ ہو گئے اور اکثر اعتراف کیا کرتے تھے کہ طباعت میں بہت سی خوبیاں پیدا کر دی گئی ہیں اور قرآن کریم کے حسن باطنی کے ساتھ ظاہری دلربائی بھی کمال تک پہنچا دی گئی ہے۔ میں نے اس خیال سے، کہ پہلی ایڈیشن کے ختم ہو جانے پر دوسری دفعہ اتنی محنت کا متحمل ہونا شائد مشکل ہو، سارے ترجمۃ القرآن کے بلاک بنوا لئے تھے۔ چنانچہ دوسرے ایڈیشن کے تیار کرنے کے لئے جب میں ولایت گیا تو ان بلاکوں کی برکت سے اکیس ہزار روپے انجمن کو بچ گئے اور نہایت سستے داموں دس ہزار نسخہ طبع ہو گیا۔ الغرض میرا اور حضرت مولٰینا مرحوم ومغفور کا تعلق کوئی معمولی تعلق نہ تھا۔ اس لئے ان کے انتقال کے باعث بہت صدمہ ہوا۔ ان کے انتقال نے میرے دل میں میرے رفیقوں کی یاد تازہ کر دی۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اور بندہ ہندوستان بھر میں لیکچر دینے کے لئے اکٹھے جایا کرتے تھے۔ اور پھر ولایت میں ہم دونوں نے ایک رنگ میں کام کیا۔ میں نے اسلامک ریویو کی ایڈیٹری کی۔ مسجد اور مکان اور احاطہ مسجد کی صفائی اور زینت کو کمال تک پہنچایا اور میرے ہاتھ پر سینکڑوں کی تعداد میں انگریز مسلمان ہوئے۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی شخصیت میں بہت بڑی کشش تھی اور خدا تعالیٰ نے ان کے دل کو جذبہ تبلیغ سے معمور کر رکھا تھا۔ ان کے لیکچروں اور ان کی تحریروں اور ان کی تبلیغ کی وجہ سے دنیائے اسلام ان پر فریفتہ تھی اور ان کی وجہ سے انجمن کی عزت میں اضافہ ہوا اور اس کی شہرت دور دور تک پہنچی۔ جس طرح سے حضرت مولٰینا صاحب مرحوم ومغفور کے بے نظیر لٹریچر کی وجہ سے انجمن کی عزت وشہرت میں اضافہ ہوا ان کی روشن خدمات ہمیشہ کے لئے ان کے نام کو زندہ رکھیں گی۔ میرے ان رفیقوں کے علاوہ حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب تھے جن کی کوٹھی میں میرے اہل وعیال اور ان کے اہل وعیال ساتھ مل کر رہتے تھے۔ اس مرد خدا نے حضرت مسیح موعود کے وقت میں بھی سلسلہ عالیہ کی امداد فراخ دلی سے کی اور لاہور کی انجمن کے لئے بھی ان کی فیاضی بڑے پیمانے پر عمل پیرا رہی۔ اور حضرت مرزا یعقوب بیگ

صاحب جیسے فرشتہ سیرت انسان نے جماعت کے ہر فرد کے دل میں گھر بنا رکھا تھا۔ان کی دوستی کی داستانیں ایسی ہیں کہ میں اُن کو فراموش نہیں کر سکتا۔حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے مجھے اپنے رشتہ داروں میں شمار کر رکھا تھا وہ سخی مرد تھا ایک باوفا دوست اور غرباء پروری کے لئے ان کے دل میں ایک جذبہ موجزن رہتا تھا۔ان کو سلسلہ عالیہ کی ترقی اور استحکام کی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی تھی۔چنانچہ انہوں نے اس بارے میں بہت گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ان مردانِ خدا کی یاد مجھے ستاتی ہے۔اس قافلے سے میں اکیلا پیچھے رہ گیا ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلد ان کو جا ملوں گا۔اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی برکات نازل فرماتا رہے۔

صدرالدین۔19 دسمبر 1951ء

26 دسمبر 1951ء

یادِ محبوب میں چند آنسو

ہاں دکھا اے تصور پھر وہ صبح وشام تو دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

از قلم نصیر احمد فاروقی صاحب او۔بی۔ای۔سی۔ایس۔پی، چیف سکرٹری حکومت سندھ

جمالِ یار: جب حضرت امیرؒ کا جنازہ 14 اکتوبر کی شام کو لاہور پہنچا اور احمدیہ بلڈنگس لاہور کی مسجد میں ایک جم غفیر نے، ہاں اتنی بڑی جماعت نے جو شائد جلسہ سالانہ پر بھی جمع نہ ہوئی ہو، حضور کی نماز جنازہ پڑھ لی تو بعض عقیدہ تمندوں نے فرطِ محبت سے بیقرار ہو کر زیارت کے لئے اصرار کیا۔ حالانکہ وفات پر کافی وقت گزر جانے کی وجہ سے ان کی اس تڑپ کو پورا کرنا ممکن نہ تھا۔ میں ان عاشقان محمد علی کی خواہش کی قدر کرتے ہوئے سب سے پہلے اس آخری دیدار کا ہی ذکر کرتا ہوں۔ جو مجھے نصیب ہوا۔ حضور بیمار تو عرصہ سے تھے مگر آخری 15، 20 دن میں تکلیف بہت بڑھ گئی تھی۔ حضرت کی عادت بڑی سے بڑی تکلیف کو اپنے پر سہہ لینے کی تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اتنی بڑی تکلیف کو سہنے کی وجہ سے اور وہ صبر اور خاموشی سے حضور کے چہرہ پر آخری ایام میں تکان اور کمزوری کے آثار نمایاں تھے۔ مگر وفات کے بعد جب غسل کرا کر آخری دیدار کرایا گیا تو چہرہ پر آرام اور تسکین اور جوانی کے آثار نظر آتے تھے اور حضور ایک ایسی گہری نیند میں آرام کر رہے تھے جس سے جگانے کی کوشش بیکار تھی۔

مگر میری آنکھوں کے آگے وہ سکھی اور جوانی کی طرف مائل چہرہ کم آتا ہے۔ میری آنکھوں کے آگے وہ نظارے پھرتے ہیں کہ میں کمرہ میں داخل ہوا اور وہ حسین اور گورا چہرہ خوشی اور مسکراہٹ سے پھول کی طرح کھل گیا۔ یا خطبہ جمعہ یا جلسہ سالانہ پر پرنور اور مقدس چہرہ جس کے ہونٹوں سے علم، معرفت اور ہدایت کے چشمے نکلتے تھے اور اس تصور میں میرے ساتھ میری قوم بھی شامل ہے۔ ہاں ایک اور نظارہ بھی بھول نہیں سکتا۔ ممکن ہے اور دوستوں کو کبھی نصیب ہوا ہو۔ کراچی میں ایک دفعہ اس سال یا گئے سال دوپہر کے کھانے کے بعد حضرت امیر ظہر کی نماز کے لئے وضو کرنے لگے۔ میں اور گھر کے لوگ ابھی میز پر بیٹھے تھے۔ وضو کر کے کمرہ سے نکلے تو کھانے کے کمرہ کی پہلی کھڑکی سے مجھے حضور کا چہرہ نظر آیا۔ اس وقت نہ صرف بیماری یا کمزوری کا کوئی نشان چہرہ پر نہ تھا، بلکہ تر و تازگی کے علاوہ باطنی نور پھوٹ

کر چہرہ پر ایک عجیب سماں پیدا کر رہا تھا۔ چونکہ میرا ہی منہ اس طرف تھا اس لئے شائد میرے سوا کسی نے وہ نظارہ نہیں دیکھا۔ یا دیکھا تو اس کی باطن کی آنکھ اس وقت کھلی نہ تھی۔ خدا جانے کیوں میری آنکھوں کے آگے وہ ہمیشہ اور زندہ اور جیتے جاگتے نظارے پھرتے ہیں۔ دراصل محمد علی مرا ہی نہیں۔ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ نہ صرف ہمارے دلوں میں اور ہماری آنکھوں کے آگے بلکہ اپنے کام اور اپنی تصانیف کے ذریعہ، جو قیامت تک اسے زمین و آسمان پر ایک درخشندہ ستارے کی طرح منور رکھیں گی۔

حسن باطنی: امیر مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ظاہری حسن و جمال عطا فرمایا تھا بلکہ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر باطنی حسن و جمال سے مزین و آراستہ کیا تھا۔ شائد اسے کوئی مبالغہ سمجھے میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔ میری ظاہری اور باطنی آنکھ نے جو کچھ دیکھا میں تو وہی لکھوں گا۔ میں نے کیا دیکھنا اور لکھنا ہے! حضرت مسیح موعود، جن کو ظاہری آنکھ کی طاقت کے بارہ میں بھی وعدہ الٰہی تھا کہ کبھی کمزور نہ ہوگی اور جن کی باطنی آنکھ کی طاقت کا ہم کمزور سیاہ باطن لوگوں نے کیا اندازہ لگانا ہے، وہ بھی لکھ کر چھوڑ گئے کہ انہوں نے ظاہری اور باطنی آنکھ دونوں سے اپنے اس شاگرد کو دیکھا اور اس میں ہر لحاظ سے خوبیاں پائیں بلکہ بعض باتوں میں رشک کے قابل پایا۔ اور پیشگوئی کی کہ جوان موصوف اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت ترقی کرے گا۔ اور اس کا ضامن اپنی فراست مومنانہ کو ٹھہرایا۔ کیا حضرت مسیح موعود نے بھی مبالغہ سے کام لیا (نعوذ باللہ) یا آپ کی فراست مومنانہ نے غلطی کھائی؟ **اتقوا فراسة المؤمن فانّه ینظر من نور اللّٰہ**

دیدار کے مواقع: مجھے حضرت امیرؒ کو نزدیک بلکہ اندر سے دیکھنے کے جو مواقع میسر آئے وہ کم لوگوں کو ملے ہوں گے۔ اکثر لوگوں نے انہیں باہر سے اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے دیکھا ہوگا۔ 1922ء سے لے کر 1928ء تک چھ سال متواتر میں نے گرمیاں حضور کے قدموں میں ڈلہوزی پہاڑ پر گزاریں۔ ان دنوں میں سردیوں میں بھی متواتر لاہور آپ کے پاس رہا۔ میری نوجوانی کے دن تھے۔ زندگی اور دنیا اپنی پوری کشش اور اندھا کر دینے والی چمک سے مجھے اپنی طرف مائل کئے ہوئے تھیں۔ مجھے مذہب سے کوئی شغف یا دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے اہل مذہب کی طرف کوئی کشش نہ تھی۔ اس وجہ سے میں نے حضرت امیرؒ کو بڑی آزادی رائے تنقیدی نظر سے دیکھا۔

بعد میں ایک لمبا عرصہ مجھے حضور کے ساتھ گزارنے کا تب ملا کہ حضور بمبئی اور کراچی تشریف لاتے رہے۔1928ء کے بعد تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے زیارت تو اکثر ہوتی رہی۔خدا کے پاس سب نے جانا ہے۔اپنا اپنا حساب دینا ہے۔جھوٹ اور مبالغہ اس دنیا میں چل جاتا ہے۔آخرت میں عذاب الٰہی بن کر گلے کا طوق ہو جائے گا۔اسی احساس کے ساتھ میں لکھتا ہوں کہ میں نے محمد علی کو اندر اور باہر سے اتنا لمبا عرصہ دیکھا اور خدا گواہ ہے کہ کوئی عیب نہیں پایا۔ممکن ہے کہ میری آنکھ کمزور ہو یا کوئی پہلو ایسا ہو جو نظر نہ آیا ہو۔اس لمبے عرصہ میں محمد علی کو اندر اور باہر سے دیکھا مگر خدا گواہ ہے کہ ہیرا اور موتی پایا۔بڑی باتوں کو جانے دیجئے چھوٹی چھوٹی باتوں میں اپنے عزیزوں کی زبانی شکایت۔اور پھر محمد علی کو دیکھا کہ شائد یہ بات میری توجہ میں نہ آئی ہو۔مگر شکایت کوشا کی کی کوتاہی پایا۔اگر دیکھنے والے کا اپنا چشمہ رنگدار ہو یا داغدار ہو تو اس میں روشنی کا کیا قصور!

عشق ومحبت: میں نے محمد علی کو نہ صرف ایک پاک انسان پایا بلکہ حضرت مسیح موعود کی طرح انہیں ہر لحاظ سے باطنی حسن و جمال سے آراستہ اور مزین دیکھا۔سیرت اور اخلاق وہ چیزیں ہیں جو دل کو کھا جاتی ہیں۔میری نوجوانی کے دنوں میں ہی حضور کے اخلاق اور خوبیوں نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا اور میرے دل میں آپ کی عزت اور قدر پیدا کی اور آہستہ آہستہ آپ کے باطنی حسن و جمال نے میرے دل کو اپنا شیدائی بنالیا۔عجیب بات ہے کہ جوں جوں مجھے حضور کو زیادہ دیکھنے کا موقعہ ملا توں توں میرے دل پر اثر بڑھتا گیا۔نزدیک سے دیکھنا بڑی خطرناک چیز ہے۔بہت سے بزرگوں کے پول ذرا واسطہ پڑنے اور نزدیک رہنے سے کھل جاتے ہیں۔میں آپ کے جتنا نزدیک رہا اتنا ہی دل گرویدہ ہوتا گیا۔ممکن ہے کچھ لوگ سمجھیں کہ چونکہ حضرت امیر سے میرا خاندانی تعلق بھی تھا،اس لئے میں ایسا لکھ رہا ہوں۔بے شک رشتہ داروں کی محبت بھی ہوتی ہے۔مگر میرے اور رشتہ دار بھی ہیں۔ان میں سے بہت سے حضرت امیر سے زیادہ نزدیک ہیں۔میں سب کی قدر اور عزت کرتا ہوں اور اکثر کو بہت خوبیوں سے متصف پاتا ہوں۔فالحمدللہ علی ذالک۔مگر مجھے ان میں سے بعض کی کمزوریوں اور نقائص کا بھی احساس ہے۔اس لئے رشتہ داری نے میری آنکھ کو اندھا نہیں کیا۔ہاں محمد علی کے بے مثل باطنی حسن و جمال نے ضرور گرویدہ کرلیا۔اگر وہ یہ بات کسی کی سمجھ نہ آئے یا کوئی بدظنی کرنا چاہے تو یہ اس کا اختیار ہے۔

بیماری میں صبر و تحمل: اکثر لوگ، جو صحت اور خوشی میں اعلیٰ اخلاق پر ہوتے ہیں، بیماری اور غم میں آ کر بتقاضائے فطرت چڑ چڑے اور بدمزاج ہو جاتے ہیں اور ان کی بعض مخفی کمزوریاں باہر نکل آتی ہیں۔ حضرت امیر نے اپنے مرض الموت کے دن میرے غریب خانہ پر گزارے۔ کاش! دنیا میں سارے بیمار ایسے ہوں۔ میں رشتہ دار بھی اور جانبدار بھی۔ اس تجربہ کار نرس کی گواہی سنئے جسے ڈاکٹر صاحبان نے پھر آخری ایام میں حکماً رکھوایا تھا۔ کہنے لگی میں نے ایسا مریض اپنی عمر میں نہیں دیکھا جو اس قدر صبر اور تحمل سے تکلیف کو سہتا ہو اور جو کبھی بدمزاجی نہ کرتا ہو۔ حضور تقریباً سارا عرصہ اس دفعہ بیمار رہے۔ پہلے تنفس کی تکلیف زیادہ تھی اور درد شکم کی کم۔ بعد میں ٹیکوں کی وجہ سے تنفس کی تکلیف کچھ قابو میں آ گئی تھی مگر درد شکم بڑھ گیا تھا۔ جس کی وجہ کسی کو سمجھ نہ آئی۔ کمزوری دن بدن بڑھتی جا رہی تھی اور نہ صرف گرتی ہوئی صحت کو دیکھ کر بلکہ کچھ اطلاعات آسمانی سے بھی حضرت امیرؒ کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کی وفات نزدیک ہے۔ مگر کیا مایوسی و حزن تھا؟ کیا کوئی جزع و فزع یا اس کا شائبہ بھی کبھی نظر آیا؟ اس کا جواب صرف وہی دے سکتے ہیں جو حضور کو دیکھ رہے تھے۔ دنیا کو چھوڑنے یا بیوی بچوں سے جدا ہونے کا غم ہم نے نہ دیکھا نہ سنا۔

روحانی تعلقات کی فکر اور جسمانی تعلقات سے انقطاع: ہاں جماعت کے انتظامات کا فکر حضور کو ہمیشہ تھا اور غم تھا تو یہ کہ اس کے پیچھے کیا ہو گا۔ اس بارہ میں کئی دفعہ مجھ سے مشورہ بھی کیا اور آخری دم تک خط و کتابت بھی اس بارہ میں کرتے رہے۔ آپ کا عزیز بچہ حامد فاروق ولایت میں کئی سال سے تھا۔ کسی صاحب نے تجویز پیش کی کہ وہ آ مل جائے مگر حضور نے منظور نہ کی۔ آخری ایام میں تو حالت اتنی کمزور تھی کہ متعدد بار حضور کے الفاظ یا اشاروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ 15 اکتوبر تک، جس دن کے لئے میں نے ریلوے کی سیٹیں ریزور کی تھیں، حضور کو زندہ رہنے کی امید نہ تھی مگر پھر بھی کبھی نہ کہا کہ میری لڑکیوں کو لاہور یا لائل پور سے بلا لو۔ انقطاع الی اللہ اور دنیا کے تمام تعلقات منقطع ہو جانے کا نظارہ ہماری آنکھوں نے دیکھا۔ آخری چوبیس گھنٹے میں تو یہ انقطاع بالکل مکمل ہو چکا تھا۔

آخری گھڑی اور نفس مطمئنہ کا نظارہ: یوم وفات کو صبح کے وقت ڈاکٹر صاحب دیکھنے آئے اور ٹیکہ لگانے لگے تو حضرت نے فرمایا ڈاکٹر صاحب! مجھے اب آرام سے مرنے دیجئے۔ مگر نہ کوئی جزع فزع نہ رونا نہ آہ و بکا تھا۔ اے خدا تو یہ نفس مطمئنہ ہم کو بھی دے اور جب ہم پر بھی وہ جانکاہ گھڑی آئے کہ اس دنیا اور اس کے

عمر بھر کے بنے ہوئے رشتے اور تعلقات ٹوٹتے نظر آئیں اور آگے آخرت کی نامعلوم دنیا اور اعمال کے نتائج اور محاسبہ کی گھڑی سامنے نظر آئے تو ہمارے دل کو بھی یہی اطمینان اور تسکین ہو۔ مگر ہم کہاں اور محمد علی کہاں؟!

اطلاعات آسمانی: میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ کچھ اطلاعات آسمانی سے بھی وفات کا وقت نزدیک آنے کا یقین حضرت کو ہو چکا تھا۔ یہ حضرت کی ساری عمر کی عادت تھی کہ کبھی کسی سے ذکر نہیں کیا کہ مجھے الہام ہوتا ہے یا رؤیا کشوف ہوتے ہیں۔ یہ کسر نفسی کی انتہاء تھی۔ سالہا سال تک میں حضور کے قدموں میں رہا اور ان کے اولیاء اللہ ہونے کا دل سے معترف تھا۔ مگر پتہ نہ تھا کہ الہام یا کشف حضور کو ہوتا ہے یا نہیں۔ آخر 1943ء میں بمبئی میں مَیں نے جرأت کر کے پوچھا تو حضور مسکرائے اور صرف سر ہلا کر قبول کیا۔ میں نے پوچھا کہ اس وقت کیا کیفیت ہوتی ہے تو فرمانے لگے کہ میں اس وقت محسوس کرتا ہوں کہ ایک بڑی زبردست طاقت نے مجھے اپنے تصرف میں لے لیا ہے اور بے اختیار میری زبان پر کلمات جاری ہو جاتے ہیں۔

آخری دنوں میں ایک دن کسی مجبوری کی وجہ سے (جس کا ذکر یہاں مضمون کو لمبا کر دے گا) حضور نے فرمایا کہ انہیں الہام ہوا ہے **يَا عَظِيْمَ الْمَرْتَبَةِ** (اے عظیم الشان مرتبہ والے) اسی حالت میں (اور یہ کسر نفسی کی وجہ تھی) حضور کو خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی نسبت ہوں، تو فوراً دوسرا الہام ہوا **وَيَا ضَعِيْفَ الْجُثَّةِ** (اور اے کمزور جسم والے) گویا دوسرے الہام نے یہ ثابت کر دیا کہ پہلا الہام بھی حضور کے متعلق تھا۔ اس الہام میں یہ اشارہ بھی تھا کہ اب یہ جسم اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ اسے چھوڑنا پڑے گا۔ اور یہی مفہوم حضرت امیر کے دل میں بھی تھا۔ وفات سے دو تین دن پہلے فرمانے لگے (لاہور روانہ ہونے کا ذکر تھا) ''اگرچہ میں نے تو یہ نظارہ دیکھا ہے کہ میں ایک ہوائی جہاز میں آسمانوں میں اڑتا چلا جا رہا ہوں''۔ وفات سے دو روز قبل مجھے بلایا اور فرمایا ''آپ جماعت کو میرے لئے دعا کی تحریک کریں۔ اگر میرا آخری وقت آ گیا ہے تو میں ابدی راحت میں جا رہا ہوں۔ مگر اگر ابھی مہلت اور باقی ہے تو دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری تکلیف کو کم کرے''۔ میں نے اسی وقت دعا کی تحریک اور حضرت امیر کی حالت کے خراب ہو جانے کی اطلاع کی تار لاہور انجمن میں دے دی۔

اللہ کی گود میں: صرف ایک موقعہ تھا کہ مجبوری یا ضرورت کے بغیر حضور نے اپنے ایک کشف کا ذکر کیا۔ کرسمس 1950ء میں سالانہ جلسہ کے دو تین دن بعد میں سہ پہر کو حاضر ہوا تو حضرت امیر نہایت خوش

نظر آئے۔ فرمانے لگے ابھی دو پہر کو میں نے ایک عجیب نظارہ دیکھا جس سے میرے دل میں بہت انبساط اور لذت ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک نہایت حسین و جمیل انسان بیٹھا ہے۔ میری سمجھ میں آتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تو میں خود اس کی گود میں ایک بچہ کی مانند ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی قمیض کے بٹنوں کو کھول کر اس کے سینہ سے چمٹ گیا (گویا قمیض کا پردہ بھی درمیان سے اُٹھ گیا۔ ناقل) اللہ تعالیٰ نے بھی مجھے محبت سے اپنے سینہ سے لگا کر زور سے بھینچا۔ اس وقت میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے (اگر ناقل کو الفاظ صحیح یاد رہے ہوں) **اَللّٰھُمَّ اَنْتَ مُحِبّیْ فَاجْعَلنِیْ مِنْ احبّآئِک.**

اس کشف یا رؤیا کو سن کر خود میرے دل پر بھی بہت خوشی اور روحانی لذت کا اثر ہوا۔ اسی وقت ایک صاحب تشریف لے آئے اور میں اُن سے ذکر کرنے لگا۔ مگر حضرت امیرؒ نے روک دیا۔

داتا گنج بخشؒ: میں ایک رؤیا کا ذکر کر کے اس سلسلہ کشف کو ختم کرتا ہوں۔ میرے والد مرحوم نے ایک دفعہ رؤیا دیکھا کہ وہ اور میں ایک ٹانگہ کی پچھلی گدی پر اکٹھے بیٹھے چلے جا رہے ہیں۔ ہمارے منہ جدھر ہیں ادھر ایک عظیم الشان انسان ہے۔ جس کے پاؤں تو زمین پر ہیں مگر سر آسمان پر ہے۔ وہ شخص ہماری طرف چلا آ رہا ہے۔ والد مرحوم کو خیال ہوتا ہے کہ یہ حضرت داتا گنج بخش صاحب ہیں۔ جوں جوں وہ شخص نزدیک آتا جاتا ہے اس کا قد چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ ہم تک پہنچتا ہے تو میرے والد نے پہچانا کہ وہ حضرت محمد علی صاحب ہیں۔ میں بولا (حضرت مولانا کی طرف مخاطب ہو کر) ''آپ میرے لئے دعا کریں''۔ اس پر حضرت مولانا مسکرائے اور فرمایا میں تو دعا کروں گا مگر آپ بھی اپنے لئے دعا کیا کریں۔ اس پر یہ رؤیا ختم ہوا۔

حضرت امیرؒ کو حضرت داتا گنج بخشؒ سے نہ صرف اس طرح مشابہت تھی کہ دونوں نے لاہور میں رہ کر کام اور دونوں لاہور میں مدفون ہیں بلکہ خواب میں ہمیشہ نام کے معانی میں اشارہ مخفی ہوتا ہے۔ حضرت مولانا نے جو خزانے دنیا کو بخشے ہیں ان کی وجہ سے وہ داتا گنج بخش نہ کہلائیں تو کیا کہلائیں؟!

ذکر حبیب: حضرت مرحوم کے فضائل بیان کرنے کے لئے کتابیں چاہئیں۔ میں صرف چند باتوں کا ذکر کروں گا۔ ایک خصوصیت، جس نے میرے دل پر خاص اثر کیا، یہ تھی کہ رات کے دو یا تین بجے سے لے کر، جب آپ تہجد کے لئے اُٹھتے تھے، اگلی رات کے دس بجے تک کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جس کو حضرت ضائع

کرتے ہوں یا کسی مفید کام میں نہ لگاتے ہوں۔ پہلے تو تہجد پڑھتے تھے۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ یا تو ڈلہوزی کی خاموش راتوں میں کبھی آنکھ کھلتی تو میں نے کسی بے چین کو گریہ وزاری کرتے سنایا یا پھر کراچی میں گرمیوں کے دنوں میں باہر چبوترہ پر میں نے کسی کو ایسی حالت میں دیکھا جسے بیان کرنا مشکل ہے۔ میں اوپر کی منزل پر ہوتا تھا۔ کبھی پچھلی رات آنکھ کھلی تو عجیب آواز کان میں آتی تھی۔ اب گریہ وزاری صرف آہ بکا رنہ رہی تھی بلکہ اس کے ساتھ تسبیح وتحمید وتقدیس مل کر اور خدا جانے اس وقت وہ اس عالم میں ہوتے تھے یا کسی اور میں، مگر آواز ایسے انسان کی ہوتی تھی جو دنیا ومافیہا سے منقطع ہو کر کسی اور عالم میں خدا کی ہستی میں کھو کر اس کے آگے مناجات میں رطب اللسان ہو! رمضان کے دنوں میں تہجد کے وقت ہم بھی اُٹھتے تھے تو سحری کے وقت حضرت جب تشریف لاتے تو اگر چہ آنکھیں رو رو کر لال ہوتی تھیں مگر مجال ہے کہ طبیعت میں علیحدگی یا خشکی ہو۔ اسی طرح ہماری باتوں میں چاہے وہ کتنی گھٹیا ہوں دلچسپی لیتے اور خود بھی بات چیت کرتے۔ یہ دوسرا کمال ہے جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ علیحدہ کچھ کرتے آئے ہوں۔ تکلیف دہ سے تکلیف دہ بات سن کر یا پڑھ کر آئے ہوں مگر دوسروں کے سامنے حضرت اس طرح ہو جاتے کہ گویا کوئی تکلیف یا دکھ انہیں ہے ہی نہیں۔ ہنسنا بولنا۔ اور مستورات، اگر خرید وفروخت یا بچوں یا کپڑوں کی باتیں کر رہی ہیں، تو اس میں اس طرح دلچسپی لینا کہ گویا ان سے بڑھ کر عمدہ بات کوئی نہیں ہو سکتی۔ دوسروں کا دل اس طرح رکھنا۔ یہ وہ اعلیٰ اخلاق ہیں جن میں ساری عمر قائم رہنا بذات خود اولیائی ہے!

باوجود عبادت وریاضت اور دن رات کے جہاد کے، اور باوجود طبیعت پر بڑے بڑے بوجھوں اور تکالیف کے، حضرت امیر طبیعت کے بہت شگفتہ اور خوش مزاج تھے۔ شروع میں تو بہت ہی پر مذاق تھے اور مہذب لطیفے کہنے اور پاکیزہ مذاق کرنے کی عادت تھی۔ بعد میں آن کر یہ رنگ کچھ کم ہو گیا تھا۔ مگر خوش مذاقی اور مہذب لطیفہ گوئی آخر تک رہی۔ زاہد خشک ہرگز نہ تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر ہمیشہ عمل تھا کہ اگر تم اور کچھ نہیں کر سکتے تو لوگوں کو مسکرا کر ملو!

ایک اور بڑی خصوصیت یہ تھی کہ تمام عرصہ میں، جو قریباً چالیس سال کا ہے، میں نے حضرت امیر کی زبان سے آج تک کسی کی برائی یا غیبت نہیں سنی۔ ایسے بھی لوگ تھے جن سے مدتوں ان کو سخت تکلیف اور ایذاء پہنچی۔ مگر آج تک کسی انسان کی برائی یا غیبت انہوں نے نہیں کی۔ بلکہ بعض دفعہ ایسے

ایذاء دینے والوں کی برائی میں نے کی تو بھی اس کے جواب میں حضور نے کچھ نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ کسی بھی رنگ میں میری بات کی تائید نہیں کی۔ زیادہ سے زیادہ جو میں نے سنا وہ یہ کہ ایک دفعہ ایک صاحب نے ایک نہایت تکلیف دہ اور گستاخ خط لکھا تو مجھے پڑھنے کو دیا اور فرمایا کہ ''خدا جانے میری شامت اعمال کب ختم ہوگی''۔ یا ایک دفعہ ایک صاحب، جنہوں نے ان کو بہت دکھ اور ایذا پہنچائی، ان کی نسبت فرمایا ''ان صاحب نے بھی عجیب طبیعت پائی ہے۔ ایک بزرگ کی نسبت ان کو بہت حسن ظن تھا۔ اور جب بار بار انہوں نے ایسے خطوط لکھے جن سے، حضرت کے دل کو تو خدا جانے کتنا دکھ پہنچا ہوگا، مجھے خود از حد تکلیف ہوئی تو صرف اتنا فرمایا کہ ''خدا جانے یہ مجھ سے چاہتے کیا ہیں''!

آپ کا وصال اور میری ذات پر اثر: 13 اکتوبر 1951ء یعنی عین محرم کی دسویں تاریخ کو اور قریباً شہادت حسینؓ کے وقت یہ شہید بھی شہادت کا جام پی کر ہم سے رخصت ہوگیا۔ جہاں تک میرا ذاتی تعلق ہے ان کی وفات سے میری روحانی زندگی کو نقصان عظیم ہوا ہے۔ حضرت کی موجودگی ان کی روحانی طاقت، ان کا نمونہ، ان کی تحریکات ان کے خطبات، ان کے لیکچر بلکہ ان کی باتیں میری دنیاوی زندگی میں دینی رنگ پیدا کرتی تھیں۔ اب وہ آواز اور قلم خاموش ہے۔ میں، جو دنیا کی حیوانی زندگی میں پڑا رہتا، اسے حضرت نے ہنکا ہنکا کر کچھ نیک اور خدمت دین مجھ سے کرالی۔ اب وہ رہنما نہ رہا۔ شائد میرا نفس امارہ تو خوش ہوگا کہ اب کوئی مؤثر تحریکات کر کے چندے مانگنے والا نہیں رہا یا میرے ساتھ رہ کر دینی خدمات پر لگانے والا چلا گیا اب دنیا کی زندگی تو آرام کی ہوگی۔ عاقبت کی خدا جانے!

میں نے حضرت مسیح موعودؑ کو نہیں دیکھا۔ حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ وہ بزرگ تو خدا جانے کس شان کے ہوں گے۔ میں نے صرف حضرت امیرؒ کو دیکھا اور خوب اندر باہر سے دیکھا۔ میرے لئے تو اب ایسا انسان پیدا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ نیا مجدد آئے اور اس کو شائد میری نگاہیں نہ دیکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایسے بے نظیر حسن واحسان سے متصف انسان کو مجھے دیکھنے اور اس کے ساتھ بیٹھنے اُٹھنے کا موقعہ دیا۔ لاکھوں کروڑوں انسان ہیں جو اس نعمت سے محروم رہے۔ میں اس رنگ میں بہت خوش نصیب تھا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

26 دسمبر 1951ء

احمدیت کا مجدد محمد علی اعظم

حضرت الحاج شیخ میاں محمد صاحب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جب سے حضرت امیر مرحوم ومغفور (خدا ان کی روح پر بے شمار صلوٰۃ اور رحمتیں نازل فرمائے) کا وصال ہوا ہے میں کئی بار عزم کے ساتھ کوشش کرتا رہا ہوں کہ ان کے متعلق ایک مضمون اخبار میں شائع کروں۔ مگر ہر بار میرے قلم نے میرا ساتھ نہ دیا۔ ان کی وفات کا صدمہ اس قدر دل پر ہے کہ میری برداشت سے باہر ہے۔ اب اس خاص نمبر میں ایک مختصر سا مضمون حضور کی زندگی پر حوالہ قلم کرنے کی تحریک پر میں اپنے مغموم دل کو سنبھالتے ہوئے مختصراً عرض کرتا ہوں۔

حضرت امیرؒ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات: سب سے پہلے آپ کے متعلق خدا کے فرستادہ حضور مسیح موعودؑ کے پاکیزہ تاثرات ان کے اپنے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔ حضرت فرماتے ہیں۔ ''میں اس مدت میں یعنی جب سے وہ (یعنی حضرت امیر مرحوم) میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور پوشیدہ طور پر ان کے حالات اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع، باحیا، نیک اندروں پرہیزگار آدمی ہے اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے''

پھر فرماتے ہیں۔ ''اور مجھے اس سے بہت خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا تعالیٰ کے فضل کو پا کر ہماری جماعت میں شامل ہوا۔ یعنی جبی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب۔ ایم اے۔ پلیڈر۔ میں ان کے آثار عمدہ پاتا ہوں اور وہ ایک مدت سے اپنے دنیاوی کاروبار کا حرج کر کے خدمت دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں اور حضر مولوی حکیم نور الدین صاحب سے حقائق ومعارف قرآن شریف سن رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جواں موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا۔ اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقوٰی اور محبت دین میں ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا ایسا ہی کر''

اور کہیں عالم کشف میں آپ کو قلم عطا فرمائی۔ اور کہیں فرماتے ہیں: ''اگر آپ کی خدا تعالیٰ کے نزدیک فطرت نیک نہ ہوتی تو میرا اس قدر نیک ظن ہو نہیں سکتا اور ہرگز نہ ہوتا مگر میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کے لئے پنج وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ کسی وقت وہ دعائیں اپنا اثر دکھلائیں گی''

پھر فرمایا: ''کسی وقت آپ کو بعض جذبات محسوس ہوں اور دل اس سے غمگین ہو تو یہ امر خدا تعالیٰ کے فضل کو رد نہیں کرسکتا آخر نیک فطرت انسان پر فضل ہوتا ہے۔ میں آپ کی دنیا و آخرت اور جسم و جان کے لئے دعا میں مشغول ہوں اور اس کے آثار اور تاثرات کا منتظر ہوں''

اور پھر فرماتے ہیں: ''جس کو ذرہ بھی استعداد ہو جائے وہ دنیا کی طرف جھک جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں ایسے لوگ پیدا ہوں جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ اب وہ اکیلے ہیں کوئی ان کا ہاتھ بٹانے والا قائم مقام نظر نہیں آتا''

پھر آپ کا ایک کشف ہے۔ جس کے آخری حصہ میں فرمایا ہے: ''پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی۔ جس کی نسبت یہ مجھ کو بتایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے'' والحمدللہ علیٰ ذالک۔

پھر فرماتے ہیں: ''سو میری صلاح یہ ہے کہ بجائے واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اور ایک تفسیر بھی تیار کر کے انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا۔ جیسا مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں داخل ہے''

پھر فرماتے ہیں: ''دین اسلام کی حمایت میں جو پختہ دلائل اور انسانی روح کو اطمینان دینے والی باتیں جو میرے پر ظاہر ہوتی ہیں، ان تسلی بخش براہین اور موثر تقریروں سے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں اور یورپ کے حق کے طالبوں کو اب تک کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اور یہ درد اس قدر تھا کہ آئندہ اس کی برداشت مشکل تھی۔ مگر چونکہ خدا چاہتا ہے کہ قبل اس کے کہ ہم اس ناپائیدار دنیا سے گزر جائیں۔ ہمارے تمام مقاصد پورے کر دے اور ہمارے لئے وہ آخری سفر حسرت کا سفر نہ ہو''

’’اس لئے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جو ہماری زندگی کا اصل مقصد ہے کہ ایک رسالہ میگزین بزبان انگریزی مقاصد مذکورہ بالا کے اظہار کے لئے نکالا جائے۔ سوامر اول کے متعلق ہم نے یہ پسند کیا ہے کہ اس اخبار کے لئے ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے مقرر ہوں‘‘

حضرت مسیح موعودؑ کی تمام خواہشات پوری ہوئیں: سنت اللہ یہی چلی آتی ہے کہ انبیاءؑ اور مامورین اپنی زندگی میں ایک بیج لگا جاتے ہیں اور اکثر مقاصد وہ اپنی زندگی میں پورے کر جاتے ہیں اور بقایا کام ان کے خادم اپنے اپنے وقت میں پورا کرتے ہیں اور اس میں مصلحت یہ ہوتی ہے تاکہ دوسروں کو ثواب ملے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور چار برس زندہ رہتے تو ابوبکرؓ فوت ہو جاتے۔ مگر اللہ نے نہ چاہا کہ اُن کو محروم نہ رکھے۔

حضرت امیرؒ کی زندگی ایک زندہ گواہ ہے کہ حضرت صاحبؑ کی تمام آرزوئیں حضرت امیر کے ذریعہ بڑے جلال کے ساتھ پوری ہوئیں اور حضرت مسیح موعود کے تمام تاثرات جو حضرت امیرؒ کے متعلق تھے وہ اس مرد مجاہد نے سچے ثابت کر دیئے۔ جناب ممدوح کی زندگی کا بڑا حصہ ہم سب کے سامنے ہے۔

احمدیت کا مجدد: وہ تڑپ اور ولولہ، جو اشاعت دین کے متعلق آپ کے سینہ میں تھا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ اگر ایک طرف حضرت مجدد وقت کے تجدیدی پہلو کو تصنیف کے رنگ میں، اشاعت کے رنگ میں، ممالک غیر میں مشن کھولنے کی صورت میں غرض ہر رنگ میں بڑی مستعدی سے روشن کر گیا تو دوسری طرف احمدیت کا مجدد بن کر احمدیت کی وہ خدمت کی جو رہتی دنیا تک ایک یادگار ہوگی۔ حضرت مسیح موعود کے بعد میاں محمود احمد صاحب نے اجزائے نبوت اور تکفیر المسلمین کے دو فتنوں سے احمدیت کی ساری شہرت اور نیک نامی کو نقصان پہنچایا اور حضرت مسیح موعود کی اصل پوزیشن مشتبہ ہو کر رہ گئی۔ حضرت مولانا محمد علی اعظم مرحوم و مغفور ہی وہ مرد مجاہد ہے جو بڑا اعزم لے کر کھڑا ہوا اور حضرت مسیح موعود کے صحیح عقائد کو دنیا کے سامنے رکھا۔ اجزائے نبوت اور تکفیر المسلمین کے غلط عقائد کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا کر رکھ دیئے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویؐ سے ایسی خوبصورت بحث کی کہ رہتی دنیا تک ایک یادگار رہے گی۔ میرا

ایمان ہے کہ جس طرح اسلامی دور میں فتنوں کو دور کرنے کے لئے ہر صدی میں مجدد آتے رہے اسی طرح احمدیت کے دور میں پیدا ہونے والے فتنوں کو دور کرنے کے لئے سب سے پہلے مجدد حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم ومغفور تھے۔ انہوں نے احمدیت کی تجدید کا ایک عظیم الشان کام کر دکھایا۔ ایک مستقل لٹریچر پیدا کیا۔ جب تک دنیا میں یہ لٹریچر موجود ہے احمدیت کی صحیح پوزیشن کو کوئی خطرہ نہیں۔

حضرت مولاناؒ کا عشق قرآن: مجدد اعظم حضرت مرزا غلام احمدؒ نے اپنی جماعت میں جو عشق قرآن پیدا کیا وہ حضرت مولانا نورالدین اعظمؒ کے بعد حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم ومغفور کی ذات میں ایسا نمایاں ہوا اوران کی ذات نے خدمت قرآن کا وہ کام کیا کہ ایک دنیا عش عش کر اُٹھی۔ ایک جنون تھا جو سمایا ہوا تھا۔ اور ایک لگن تھی جو ہر وقت بےقرار کئے ہوئے تھی۔ اگر کوئی خطبہ ہے تو خدمت قرآن پر زور دیا جا رہا ہے۔ اور اگر کوئی تحریک ہے تو اصل مقصود اشاعت قرآن ہے۔ دیوانوں کی طرح رات دن قرآن قرآن اور قرآن کا وظیفہ ہو رہا ہے۔ سفر، حضر، صحت، بیماری غرض ہر حالت میں خدمت قرآن کا کام سامنے ہے۔ حتّٰی کہ بستر مرگ پر بھی تفسیر القرآن انگریزی پر نظر ثانی فرما رہے ہیں۔ اُدھر وہ کام ختم ہوا، ادھر اپنی روح خدا کے قدموں میں ڈال دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

انسائیکلو پیڈیا کے لئے اسلام پر مضمون: یورپ میں ہر سو سال کے بعد انسائیکلو پیڈیا لکھا جاتا ہے۔ ہالینڈ میں پروفیسر کریمر نئے انسائیکلو پیڈیا کی تدوین کر رہے ہیں۔ انہوں نے اسلام پر مضمون لکھنے کے لئے کسی مسلمان کا نام مانگا تو چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ حکومت پاکستان نے ایک جگہ فرمایا کہ اس کام کے لئے میری نظر میں اسلامی دنیا میں مولانا محمد علی صاحب ہی موزون ہیں۔ اور پھر حکومت پاکستان کی طرف سے باقاعدہ حضرت مولانا صاحب کی خدمت میں درخواست آئی کہ آپ اس کام کو کریں۔ یہ بلند مقام اس عاشق قرآن کو خدا نے دیا کہ اپنے اور بیگانے اس کے قلم پر ہی نظر جمائے رہے۔

حضرت امیرؒ زندہ ہیں: یہ ہے وہ خدمت دین اوراعانت اسلام کا کام جس کے لئے حضرت مسیح موعود نے یہ دعا فرمائی۔

کریما صد کرم کن، بر کسے کو ناصرِ دین است   بلائے اُو بگرداں، گر گہے آفت شود پیدا

حضرت مولانا مرحوم ومغفور حضرت مسیح موعود کے بہت پیارے تھے۔ دعوت حق پر لبیک کہتے ہوئے اور

اس پر تمام عمر بڑی مضبوطی و محکم ایمان کے ساتھ قائم رہ کر دین کی تبلیغ و اشاعت کرتے ہوئے اپنے مربی حقیقی سے جا ملے۔ آج وہ جلیل القدر ہستی، جس کے قلب میں عشق قرآن کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، جس کی عملی مثال عصر حاضر کیا، صدہا سال میں نہیں ملتی، ہماری ان مادی آنکھوں سے پوشیدہ ہوگئی۔ ہمارا وہ پیارا مشفق، جس نے ہماری روحانی پرورش میں دن رات ایک کر دیئے، قدرت نے ہم سے جدا کر دیا۔ وہ خدا کا مجاہد ساری عمر عزیز ایک کام اور صرف ایک ہی کام پر لگا تار پچاس سال لگا رہا اور نہ تھکا اور نہ ہارا بلکہ باوجود مشکلات کے عسر و یسر میں ثابت قدمی سے خدا کے پیارے مسیح کے پیارے مشن کے باغ کی نگہبانی میں ہمہ تن منہمک رہا۔ اگر چہ وہ آج ہمارے اندر جسمانی طور پر موجود نہیں لیکن اللہ والے مرتے نہیں وہ زندہ جاوید ہو جاتے ہیں۔ ان کو دائمی زندگی ملتی ہے۔ میرا آقا اور پیارا میر نہیں مرا بلکہ وہ زندہ ہے۔ کیونکہ جس مشن کے لئے اور جس مقدس مقصد کے لئے وہ ساری عمر جدوجہد کرتا رہا۔ وہ خدا کا دین زندہ ہے۔ اس نے اس امانت کو، جو حضرت مجدد وقت مسیح موعود و مہدی مسعود ہمارے سپرد کر گئے تھے۔ بڑی خوش اسلوبی سے سنبھالا۔ اب وہ امانت ہمارے سپرد کر گئے اور وہ دیکھ رہے ہیں کہ ہم اب کس طرح سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ جس کام کو ساری عمر اس نے زندہ رکھے رکھا اب ہم اس کو کس طرح چلاتے ہیں۔ آؤ ہم سب یک جہتی سے اس کی مقدس روح کو اس طرح خوش کریں کہ ایک مضبوط اور مستحکم عزم و جذبہ کے ساتھ اس کام کو جاری رکھنے کا پھر عہد کریں جو اس نے بطور ورثہ ہمارے ہاتھوں میں چھوڑا ہے۔

۞۞۞

26 دسمبر 1951ء

ان کی باتیں یاد آتی ہیں

حضرت ڈاکٹر سعید احمد صاحب انچارج ٹی۔ بی سینی ٹوریم ڈاڈر ضلع ہزارہ

ڈاکٹر صاحب ممدوح آج اپنے طبی کام کے سلسلہ میں سٹاک ہالم گئے ہوئے ہیں۔ یہ مضمون انہوں نے وہیں سے لکھ کر بھیجا ہے۔ مدیر۔

میں ایک زمانہ دراز سے جانتا تھا کہ مجھے ان سے گہری محبت اور غیر معمولی عقیدت ہے۔ لیکن اس کی شدت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوا جب میرے اس محسن عظیم کی رحلت کی خبر مجھے سٹاک ھالم میں ملی۔ مجھ پر اس وحشتناک خبر سے کیا گزری؟! میں محسوس کرتا ہوں لیکن بیان نہیں کرسکتا۔

حضرت مولانا محمد علیؒ کی وفات سے ہماری جماعت تو یتیم ہو چکی ہے لیکن اس نقصان عظیم کا اثر صرف ہم تک محدود نہیں اور نہ صرف دنیائے اسلام کے لئے یہ خسارہ ہے بلکہ اس کا اثر عالمگیر نوعیت رکھتا ہے اور اس کی تلافی کی بظاہر کوئی صورت موجود نہیں۔ میں نے اپنی جماعت کے متعلق یتیم کا لفظ استعمال کرتے وقت ان تمام باتوں پر اپنی نظر کو دوڑایا ہے اور ان تمام نتائج کو اپنی آنکھوں میں پھرتے دیکھا ہے جو یتیمی کا لازمہ ہوتے ہیں۔ اور اس حالت کے ساتھ انہیں ایک ضروری نسبت ہوتی ہے۔ افسوس وہ شخص دنیا سے اُٹھ گیا جس کا وجود دنیا بھر میں ہمارے لئے باعث صد افتخار تھا۔

ایسے انسان زمانوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد ان کی جگہ خالی کی خالی رہ جاتی ہے۔ اور ان کی موت کا صدمہ دور دور تک محسوس کیا جاتا ہے۔ مجھے اس کا اندازہ ایک چھوٹے سے واقعہ سے ہوا۔ سٹاک ہالم میں ایک نہایت قابل اور علم دوست سویڈش کرنیل ہیں۔ انہوں نے حضرت امیر کی دو کتابیں پڑھی تھیں اور انگریزی تفسیر قرآن بھی ان کے پاس ہے۔ ان سے جب میں نے آپ کی وفات کا ذکر کیا تو اس کے ہاتھ میں کھانے کی کچھ چیز تھی۔ ایسا نظر آیا کہ گویا وہ ان کے ہاتھ سے گر پڑی ہے اور ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ ان کے چہرے سے ان کے دلی جذبات کا اندازہ ہو رہا تھا۔ پھر وہ شخص اُٹھا اور جلدی سے اسلامک ریویو کا پرچہ لے آیا۔ جس میں حضرت امیر کی تصویر تھی اور ان کے متعلق باتیں کرتا رہا اور بہت مغموم ہوا۔ ایسے ہزاروں لوگ اور بھی دنیا میں ہیں جو

اس صدمہ میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ اپنی بلند پایہ تصنیفات کی وجہ سے حضرت محمد علیؒ کا نام اکناف عالم میں متعارف ہے اور ان پاکیزہ کارناموں کی وجہ سے ابھی یہ نام دن بدن زیادہ شہرت حاصل کرتا رہے گا۔ اگرچہ حضرت مرحوم و مغفور کا جسم خاکی سپرد خاک ہو چکا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ.

حضرت امیرؒ کے روحانی مقام، اسلام میں ان کی تاریخی حیثیت یا ان کے علمی کارناموں کے متعلق کچھ لکھنے کا میں اس وقت ارادہ نہیں رکھتا۔ شیخ عبدالرحمان صاحب مصری نے کچھ عرصہ پہلے اخبار پیغام صلح میں ایک قیمتی سلسلہ مضامین اس موضوع پر شائع فرمایا تھا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرت مسیح موعود کی تحریرات کے حوالے پیش کئے تھے جو ہمارے لئے گہری دلچسپی کا موجب ہوئے تھے اور ممکن ہے اب کتابی شکل میں ان مضامین کا یکجا جمع کر دینا مناسب خیال کیا جائے۔ میں یہاں صرف چند چھوٹے چھوٹے متفرق واقعات پیش کرنا چاہتا ہوں جو ذاتی طور پر میرے مشاہدہ اور تجربہ میں آئے۔ کیونکہ ان میں اس رجل عظیم کی زندگی کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔

میں قادیان سکول میں پڑھتا تھا۔ میری عمر 13-14 سال کی تھی۔ مجھے اس قدر یاد ہے کہ ایک شخص مجسمہ انکسار خاموشی سے اوقات نماز میں مسجد نور میں آتا۔ نہایت توجہ اور خشوع و خضوع سے نماز ادا کرتا اور چپ چاپ واپس چلا جاتا۔ جلسہ سالانہ آیا تو اس خاموش شخص کو میں نے تقریر کرتے اور جماعت سے چندہ کی اپیل کرتے ہوئے سنا۔ کس قدر قوت و شوکت اس کے الفاظ میں تھی اور کس تحکمانہ انداز میں اس نے لوگوں کو خطاب کیا اور اس رقت بھرے مجمع نے کس محبت اور عاجزی سے اس آواز کو سنا اور اپنی جھکی ہوئی گردنوں کے ساتھ اس پر لبیک کہا۔ ایسے نظارے بعد میں کئی بار دیکھنے نصیب ہوئے۔ لیکن اس زمانہ کے اس پہلے واقعہ کا ایک خاص اثر میرے دل پر رہ گیا! حضرت مولانا نورالدینؓ کی وفات کے موقعہ پر بھی مجھے اس شخص کی قوت ایمانی کو بچشم خود دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اپنے مٹھی بھر صاحب ایمان ساتھیوں کے ساتھ اس کا اس وقت کا اقدام تاریخ اسلام میں ایک اہم علَم منزل کی حیثیت رکھتا ہے۔

1915ء تا 1917ء موسم گرما میں آپ ایبٹ آباد جاتے رہے۔ اس زمانہ میں بہت قریب سے انہیں دیکھنے کا مجھے کافی موقعہ ملتا رہا۔ جس کے نتیجہ میں میری عقیدت بتدریج ایک محبت میں بدل گئی جو بڑھتی ہی رہی اور کبھی کم نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ خونی رشتوں کی محبت سے بھی بڑھ گئی۔ بخدا میں نے اس

دنیا میں حضرت امیر مرحوم سے بڑھ کر کسی کو باوفا دوست نہیں پایا۔ میں جب لاہور میں تعلیم پاتا تھا تو اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ لیکن مجھے بہت جلدی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے اور اس کے ضائع ہونے سے نہ صرف آپ کو کسی قدر ذہنی کوفت ہوسکتی ہے بلکہ یہ ایک بھاری قومی نقصان بھی ہے۔ اس لئے میں احتیاط کو ملحوظ رکھتا تھا اور میں نے دیکھا کہ میری اس احتیاط سے آپ بہت خوش تھے اور اس کی قدر فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے کام کرنے کی آپ کو بڑی استعداد بخشی تھی اور کام بھی آپ اس قدر محنت سے کرتے تھے کہ اپنی صحت تک کا خیال نہ رکھتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بجز ایسے انہماک اور محنت شاقہ کے وہ عظیم الشان کام، جو آپ نے دنیائے اسلام کے لئے عموماً اور ہمارے لئے خصوصاً بطور ترکہ چھوڑا ہے، ہرگز ممکن نہ ہوسکتا تھا۔ ایک مرتبہ موسم گرما میں، کہ دن بہت لمبے ہوتے ہیں، ایبٹ آباد میں نماز فجر کے بعد جو میز پر بیٹھے تو ظہر ہوگئی اور جب نماز کے لئے باہر آنے لگے تو دروازہ میں غش کھا کر گر گئے۔ حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم اور حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم بھی وہیں تھے۔ سب دوستوں نے آپ سے کہا کہ اس قدر کام آپ نہ کریں جس سے زندگی خطرہ میں پڑ جائے۔ لیکن آپ نے ایسے مشورہ پر کبھی بھی خاص توجہ نہ دی اور اپنی مصروفیت میں کچھ بھی کمی نہ فرمائی۔

سوائے شدید معذوری کے آپ نے بیماری کی حالت میں بھی کبھی کام بند نہ کیا اور بہت سے جواہر ریزے، جو آپ کی آسمانی قلم نے صفحہ قرطاس پر بکھیرے، وہ ایسی ہی بیماری اور کمزور صحت کے ایام کی یادگار ہیں۔ حضرت مسیح موعود کے کشف کے متعلق آپ میں سے اکثر جانتے ہیں۔ حضرت مولٰینا محمد علی صاحب مرحوم کے ہاتھ میں وہی قلم تھا جو ایک آسمانی فرشتہ نے ان کے مرشد سلطان القلم کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو نہیں منگوایا مولوی محمد علی نے منگوایا ہوگا۔ اور یہی وہ قلم تھا جس کی بدولت حضرت مسیح موعود کا یورپ وامریکہ میں تبلیغ اسلام اور انگریزی میں عمدہ عمدہ تفسیروں کے متعلق خواب پورا ہوتا ہوا ہم نے اپنے سامنے دیکھا۔ جس سے ایک طرف حضرت مسیح موعود کی صداقت پر ایک زندہ نشان قائم ہوا تو دوسری طرف حضرت امیرؒ کے حضرت صاحبؑ کے حقیقی جانشین اور آپ کی شاخ اور آپ میں داخل ہونے کے متعلق ایک ایسی دلیل قائم ہوگئی جس کا انکار ممکن نہیں۔ افسوس کہ صاحب

قلم کے ساتھ وہ قلم بھی دنیا سے اُٹھ گیا اور یہی ہماری یتیمی اور محرومی کا سب سے زیادہ ناگوار پہلو ہے۔

اللّٰھم اجرنا فی مصیبتنا و اخلف لنا خیرا منھا.

مَیں زمانہ طالب علمی میں بیمار ہونے کی وجہ سے لمبی رخصت پر تھا اور اپنے وطن میں ایک پہاڑ پر رہتا تھا۔ مجھے حضرت امیرؒ باقاعدہ خط لکھتے رہتے اور ان کے خطوط اور دعاؤں سے مجھے بہت تسلی ملتی تھی۔ ایک مرتبہ مجھے لکھا کہ فلاں قسم کے ٹیکوں سے، جو ڈلہوزی کے سول سرجن نے ایک اورعزیز کو لگائے ہیں، انہیں بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ تم بھی ضرور وہ ٹیکے لگواؤ۔ ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم نے ان ٹیکوں کا ایک بکس مجھے بذریعہ ڈاک لاہور سے بھیج دیا۔ میں نے مرزا صاحب کو شکریہ کا خط لکھا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ حضرت امیر کا شکریہ ادا کرنا چاہئیے۔ کیونکہ انہوں نے ٹیکے بھیجنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اس کی قیمت بھی ادا کر دی ہے۔ قدرتی طور پر ایسی باتوں کا اثر دل سے کبھی مٹا نہیں کرتا!

1922ء 1923ء کا واقعہ ہے۔ میڈیکل کالج ہوسٹل میں اذان کے مسئلہ پر (جو ایک غیر از جماعت طالب علم دیا کرتے تھے) ہندو طلباء کے ساتھ کچھ جھگڑا پیش آ گیا۔ انگریز پرنسپل نے اذان بند کرنے کا حکم دے دیا۔ جو لوگ اذان دیا کرتے تھے انہوں نے کچھ کمزوری دکھانا چاہی۔ میں نے مشورہ دیا کہ حضرت امیر سے اس کے متعلق مشورہ کر لینا چاہئیے تا کہ مسئلے کا مذہبی اور دینی پہلو واضح ہو جائے۔ چنانچہ ہم چند طالب علم نماز مغرب کے بعد حضرت ممدوح کو مسجد میں ملے اور آپ کی خدمت میں مدعا پیش کیا۔ آپ نے بڑے زور سے فرمایا کہ اذان کیسے بند ہو سکتی ہے! اور اذان کے خلاف مسلمان کسی کا حکم کیسے مان سکتا ہے؟! اگر آپ لوگوں نے ایسی معمولی سی بات پر کمزوری دکھائی تو پھر اسلام کے لئے آپ سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے؟! دراصل ایسی ہی باتوں سے انسان کا کیرکٹر بنتا ہے اور پھر تسلی دی اور ہر طرح کی امداد کا وعدہ فرمایا۔ اس واقعہ کا ان طلباء پر بڑا اثر ہوا۔ جب ہم نے مضبوطی دکھائی تو ہمیں فتح بھی حاصل ہو گئی اور باقاعدہ اذان اور نماز ہوسٹل میں جاری ہو گئی۔

ڈاکٹری کے آخری امتحان کے ایک پرچہ میں میرا ایک ساتھی اور میں چند منٹ دیر سے پہنچے۔ جس کی وجہ سے یونیورسٹی کے قواعد کے ماتحت ہمیں کچھ پریشانی پیش آ گئی۔ ہم حضرت امیر کے پاس

حاضر ہوئے تو آپ نے ایک خط مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کے لئے دیا جو ان الفاظ سے شروع ہوتا تھا۔ **اَحسن کما اَحْسنَ اللّٰہ الیک**. حضرت مرزا صاحب پر اس کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ کام چھوڑ کر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی موٹر میں بٹھا کر ہمیں متعدد اشخاص کے پاس لے گئے اور ہماری مشکل آسان ہوگئی۔

جزاھما اللّٰہ عنا احسن الجزا واجعل اللّٰہ الجنۃ ثوٰھما

حضرت امیر حاجت مندوں اور دوستوں کی سفارش کرنے میں ذرا بھر بھی کمی نہ کرتے تھے۔ ان کی شخصیت کے اثر کے علاوہ ان کے سفارشی خطوط میں اس قدر سچی ہمدردی، گہری دلچسپی اور تاکید کا رنگ ہوتا تھا کہ صاحب غرض کا کام اکثر بن ہی جایا کرتا تھا۔ مجھے بھی آپ کے چند ایسے خطوط دیکھنے کا فخر حاصل ہوتا رہا۔ چند مرتبہ مجھے حضرت امیرؒ کے ہاں بطور مہمان ٹھہرنے کا بھی موقعہ ملا۔ پہلی مرتبہ تو میں آپ کی خاص تاکید کی وجہ سے آپ کے ہاں ٹھہرا تھا لیکن جب میں نے دیکھا کہ آپ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا اس طرح ایک غیر معمولی موقعہ نصیب ہو جاتا ہے تو میں نے اپنے آپ کو مجبور پایا اور اپنے آپ کو اس دولت نایاب سے محروم رکھنا مجھے گوارا نہ رہا۔ پھر میں نے ان سے ایک مرتبہ خود عرض کر دیا کہ اب لاہور میں آ کر آپ سے دور رہنا میں برداشت نہیں کرسکتا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ میز بان کی زندگی کے مطالعہ کا مہمان کے لئے ایک اچھا موقعہ ہوتا ہے۔ اس مطالعہ میں بھی میں نے حضرت ممدوح مرحوم ومغفور کو ایک بے نظیر انسان پایا۔

گھر میں بھی ان کی زندگی بے تکلف لیکن نہایت منظّم تھی۔ ایسا نظر آتا تھا کہ اس زندگی کا ہر لمحہ ایک خاص معیار پر نپا تُلا ہوا ہے۔ ہر کام کے لئے آپ کا وقت مقرر تھا اور آپ کا ہر وقت ایک کام کے لئے معین تھا۔ کھانے کی میز پر اور نماز کے لئے مسجد میں آتے جاتے وقت آپ کے ساتھ گفتگو کا موقعہ مل جاتا تھا۔ آپ کی طبیعت کی شگفتگی اور آپ کے سنجیدہ اور پر لطف مذاق کا ایسے اوقات میں اندازہ ہوتا تھا۔ دوستوں کی مجلس میں بے تکلفی سے بیٹھتے اور بعض پاکیزہ ظرافت کی باتیں بھی کرتے تھے۔ مسجد میں کرنل بشیر حسین صاحب سے ایسی پر لطف باتیں کرتے میں نے انہیں سُنا تو پرانے دوستوں کی اولاد سے آپ کی محبت کی گہرائی کا کچھ اندازہ ہوا۔ ایک مرتبہ نماز فجر میں مجھے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر آگے مصلیٰ

پر کھڑا کر دیا۔ میں شرم سے پانی پانی ہوگیا اور ہر چند انکار کیا لیکن آپ کے حکم کے سامنے کچھ پیش نہ گئی۔ نماز کے بعد مکان کو آتے ہوئے کچھ اور دوست بھی ساتھ تھے۔قرآن خوانی کے متعلق بات چل پڑی تو فرمانے لگے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بہت اچھا قرآن پڑھتے تھے۔قادیان میں جب صبح کی نماز پڑھاتے تو ایک بوڑھی عورت، جس کا گھر مسجد کے قریب تھا، اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر ان کا قرآن سنا کرتی تھی۔ جب وہ فوت ہو گئے تو حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ نماز پڑھانے لگے تو اس عورت نے کسی سے شکایت کی کہ یہ کون اب نماز پڑھاتا ہے۔''ایہہ تاں غلطاں ماردااے''۔ یہ واقعہ سنا کر خوب ہنسے اور اپنے متعلق فرمانے لگے کہ''ہم بھی تو غلطاں مارتے ہیں'' دوستوں سے بھی جب ظرافت کی بات سنتے تو کھل کھلا کر ہنستے تھے۔لیکن میں نے آپ کے مونہہ سے کسی کی بدگوئی، غیبت، عیب جوئی اور کوئی بناوٹ یا سازباز کی کوئی بات کبھی نہیں سنی۔مخالفین کا ذکر بھی کبھی آتا تو ہمیشہ عزت اور احترام سے نام لیتے۔جیسے ایک بلند پایہ متقی مومن کی شان ہونی چاہیئے۔

آپ کی زندگی ہر قسم کی تصنع اور تملّق سے پاک تھی۔اسی لئے بعض سطحی خیال رکھنے والے لوگوں یا تھوڑی واقفیت رکھنے والوں کو اور خصوصاً ایسے لوگوں کو، جو تکلف کو پسند کرتے اور تملق کی باتوں سے خوش ہونے کے عادی ہوتے ہیں، آپ کی طبیعت کا صحیح اندازہ کرنے میں غلطی لگ جانے کا امکان ہوتا تھا۔

رات کے آخری حصہ میں، جو غالباً دو بجے کے قریب وقت ہوتا ہوگا، آپ کے کمرہ سے ایک دھیمی پُر ترنم اور پرسوز سی آواز آنی شروع ہوتی تھی۔جس کے اثر سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ساری فضا پُر کیف اور پُر نور ہو گئی ہے۔طویل قرأت میں وقفہ وقفہ سے کچھ درد بھری آوازیں بھی آنے لگتیں جن سے دعاہائے مستجاب کا پتہ چلتا تھا۔ہم جانتے ہیں کہ یہ کیا تھا۔حضرت مسیح موعود کے اس شعر کی تفسیر تھی۔

اندریں وقتِ مصیبت، چارۂ ما بیکساں	جز دعاء بامدا دو گریۂ اسحار نیست

ہماری بدنصیبی کہ ہم ان دعاؤں سے بھی محروم ہو گئے!

میں نے ایک مرتبہ اپنی ایک بیماری میں آپ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے مجھے لکھا کہ تمہاری صحت کے لئے دعا کرنا تو اب میرے لئے ایک درد ہو گیا ہے۔ پھر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ

میں سجدہ میں دعا کر رہا تھا تو بے ساختہ میرے مونہہ سے الفاظ یوں نکل گئے۔ یا اللہ میرے بیٹے سعید کو شفا بخش۔ میں نے عرض کیا میں تو اپنے آپ کو ہمیشہ آپ کا بچہ ہی سمجھتا تھا۔ اچھا ہوا کہ اللہ میاں نے اپنے الہام سے اس پر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی۔ میں اسے اپنی زندگی کی ایک بہت بڑی قیمتی دولت سمجھتا ہوں کہ آپ کو میرے ساتھ اس قدر محبت تھی!

میں گذشتہ سال وسط ستمبر میں پاکستان سے باہر جا رہا تھا۔ جس روز مجھے جانا تھا، کراچی کے ہوئی اڈہ پر پہنچا تو تھوڑی دیر کے بعد حضرت امیر بھی محترمی میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کو ہمراہ لئے تشریف لائے۔ جہاز کی روانگی میں دیر تھی۔ قریباً دو گھنٹے بیٹھے رہے۔ اور بھی کئی لوگ وہاں پر تھے۔ قرآن کریم اور اسلام کے متعلق ہی گفتگو فرماتے رہے۔ مجھ سے فرمایا کہ مکہ میں پہلی مرتبہ قرآن کریم طبع ہوا ہے۔ اس کا ایک نسخہ لیتے آنا۔ میں سفر میں ہی تھا کہ ان کی شدید بیماری کی اطلاع ملی لیکن جب میں نومبر میں واپس آیا تو آپ روبصحت تھے۔ الحمدللہ۔

اس سال دوبارہ مجھے انہی ایام میں وطن سے باہر یورپ آنے کا اتفاق پیش آ گیا اور کراچی میں آپ سے ایسی حالت میں ملاقات ہوئی جب آپ بظاہر مرض کے دوسرے شدید حملے سے بھی اچھے ہو رہے تھے اور یہ خیال نہ تھا اور نہ ہی دل اس بات کو قبول کرتا تھا کہ میری آپ سے یہ آخری ملاقات ہو گی۔ 13 ستمبر کو قبل از دوپہر جب میں آپ کی خدمت میں دواعی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو آپ کرسی پر تشریف رکھتے اور خط پڑھ رہے تھے۔ مجھے کھانے کے لئے انگور دیئے اور کچھ گفتگو کے بعد مجھے ایک سیٹ کتابوں کا ہمراہ لے جانے اور کسی لائبریری میں پیش کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اور موزوں لائبریریوں کے پتے اگر میں لکھوں گا تو اور سیٹ بھی بھجوا دیں گے۔ اس ملاقات میں جو گفتگو ہوئی وہ آپ کی اسی دلی تڑپ اور زندگی کے اسی مقصد وحید کے ساتھ تعلق رکھتی تھی کہ کسی طرح سے اکناف عالم میں قرآن کریم کے تراجم اور اسلام کا پیغام جلد سے جلد پہنچ جائے۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ صحت کی ایسی حالت میں بھی صرف ایک ہی غم ہے جو ان کے دل کو کھا رہا ہے کہ یہ کام کہیں ادھورا نہ رہ جائے! جب میں نے رخصت چاہی تو آپ کرسی سے اُٹھنے لگے۔ میں نے ہر چند روکا۔ مگر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ یہ شائد ہماری آخری ملاقات ہو۔ بیٹھے بیٹھے میں آپ کو کیسے رخصت کر دوں! پھر مجھ سے بغل

گیر ہوئے اور حقیقت میں یہ آخری ملاقات ہی ثابت ہوئی کہ ٹھیک اس کے ایک ماہ بعد آپ ہم سب سے ہی رخصت ہوگئے۔آپ کا وجود خاکی تو ہم سب سے ہمیشہ کے لئے مستور ہوگیا ہے لیکن آپ کا کام زندہ رہے گا اور آپ کی بلند پایہ تصنیفات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک چشمہ فیض کی حیثیت سے باقی رہیں گی۔جن سے ہزارہا بندگان خدا اور متلاشیان حق اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے۔

اس مبارک انسان کے ہم پر بہت کچھ احسانات ہیں۔لیکن میرے نزدیک اس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس کی محنت اور عرق ریزی کی بدولت ہم نے، جو عجمی اور امی تھے، قرآن کے مغز کو پالیا یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ. (32:54) کی تفسیر کو عملی صورت میں دیکھا۔اور علم دین، جو صدیوں سے صرف طبقہ علماء کی حدود ملک میں محدود تھا، اس کا حصول ہر لکھے پڑھے آدمی کی حد استطاعت میں لاکر رکھ دیا گیا۔یہ ایسا فیض ہے جو کبھی بھی بند نہ ہوگا اور آنے والی نسلیں محمد علی کا نام ابد تک عزت اور احترام کے ساتھ یاد کریں گی اور اس کی روح پر برکتیں بھیجیں گی۔ہم اپنے ماں باپ کو تو بھول سکتے ہیں لیکن ہماری ہر صبح اور ہماری ہر شب، جب ہم اس کی تفسیر یا کوئی کتاب ہاتھ میں لیتے ہیں، اس کی یاد ہمارے سینوں میں تازہ ہو جاتی ہے اور ہماری زبانوں سے بےساختہ اپنے اس بڑے محسن کے لئے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مرقد پر انوار اور رحمتیں نازل فرماوے اور موت کے دروازہ سے گزرنے کے بعد اس زمرہ صالحین میں، جہاں اس کا مقام ہے، ہمیں بھی شامل فرمائے۔

26 دسمبر 1951ء

آفتابِ علم و حکمت شُد غروب

مولٰینا مرتضٰی احمد خاں حسن

رفت از دنیا امیرِ قوم ما آں فقیہہٴ بے نظیر قومِ ما
در فراقش محشرِ صغریٰ بپا آہ برلب داغہا بر سینہ ہا
بود مردِ حق پرست و باخُدا مشربِ او راستی صدق و صفا
روز و شب مشغول در تائید دیں سر فگندہ پیش رب العالمین
کلک گوھر بارِ آں والا صفات مردگاں را داد پیغامِ حیات
ذی شعور و عاقل و فرزانہٴ قلب صافیش از ہوا بیگانہٴ
مفتخر از درگہِ بندہ نواز بانشان ہائے نمایاں سرفراز
علمِ قرآں علم آں طیّب کتاب حق تعالیٰ داد او را بے حساب
عالمِ دیں واقفِ سرِ نہاں کاشفِ رازِ حقیقت بے گماں
بافہ علمش بعالمِ مشکبار زو معطر شد مشامِ ہر دیار
نطق او سرِّ نہانی گفتہ است کلکِ او دُرِّ معانی سُفتہ است
یک جہاں از نورِ او پُر نُور شُد یک جہاں از فیضِ او معمور شُد
آہ! آں عزت نشاں عالی مکاں رفت و مارا داد رنجِ بیکراں

آفتابِ علم و حکمت شد غروب
نیر رشد و ہدایت شُد غروب

او گُلے از گُلستانِ احمدی بلبلے از بوستانِ احمدی
شاخِ میوہ دارِ باغِ احمدی زو شدہ روشن چراغِ احمدی
مدتے از عمرِ خود کردہ بسر در حضور مہدیٴ فرخ گہر
از ضیائے مہرِ او پر نور شد و ز حقائق سینہ اش معمور شُد

محرمِ اسرار شد در صحبتش بہرہ ور شد از رموزِ حکمتش
از دمِ عیسٰی مریم زندہ شُد ہمچو خور اندر جہاں تابندہ شُد
ہاں در عہدِ فرخ آں خوش نصیب شد علی وجہ الاتم کسر صلیب
او مسیحائے زماں را آیتے از پئے عالم نشانِ رحمتے
احمدیت را وجودش افتخار در دو عالم صاحبِ عز و وقار

حسرتا! آں پیکرِ صدق و صفا
فجئۃً مستور شُد از چشمِ ما

رفت از دنیا امیر محترم کشورِ دیں را دبیرِ محتشم
حامیٔ دیں خادم شرعِ مبیں فخرِ امت صدرِ بزمِ آخریں
شہسوارِ عرصۂ تبلیغ دیں قائد ملت، امیر المومنین
بس بگر دید و بگردد روزگار باز نائید ایں چنیں عالی وقار
مادرِ گیتی نہ زاید بعد ازیں پورے عالیشان در دنیا و دیں
او نہ مثلے داشت در صدق و سداد نیک رو نیکو سیر فرخ نژاد
بر ہمہ ضو بار مہرِ حکمتش اسود و احمر رہینِ منتش
ذاتِ والا چشمہ فیضِ اتم از خدائے پاک نیسانِ کرم

روضۂ ملت از و سیراب شُد
باغِ دینِ مصطفٰی شاداب شُد

گوہر شاہوار از کانِ نبی جانِ او را ربط باجانِ نبی
محو خود را کرد در ذاتِ نبی با صحابہ نسبتے او را قوی
اندریں ایّام بر روئے زمین کس ندیدہ عاشقِ قرآن چنیں
جنت الماویٰ مقامش بالیقیں مہبطِ انوارِ ربّ العالمیں
دردِ مارا نیست گرچہ انتہاء آتشِ فرقت بسو زد جانِ ما

گرچہ مجروحیم از تیرِ بلا لیک راضی ایم برفضلِ خُدا
ما نہ تنہاء مبتلائے رنج و غم در فراقش عالمے پُر از الم
اے خدا! بر روحِ آں عالی مقام تا قیامِ مہرومہ صدہا سلام
اے خدا! بر تُربتش رحمت ببار
نیز مارا دہ شکیب و اصطبار

26 دسمبر 1951ء

یادِ رفتگان

صالحہ فاروقی صاحبہ دُختر ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم و مغفور

یارب زچہ شد دامن من غیرت جیحوں   یارب زچہ شد رشک شفق دیدۂ پُر خون

قانون خداوندی کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ نیک اور ولی اللہ خدمت دین کرنے والوں کی عمریں اکثر لمبی نہیں ہونے پاتیں۔ شاید ان کی محنتوں کا انعام دینے کے لئے مشیت ایزدی میں بھی جلدی ہوتی ہے۔

اصحابِ مسیح موعود: ہم نے اس وقت ہوش سنبھالی اور وہ مبارک وقت دیکھا جبکہ اصحاب مسیح موعود اس دنیائے فانی کی سٹیج پر جلوہ افروز تھے۔ وہ شاندار ہستیاں، وہ مبارک چہرے، وہ بے لوث ہمدردی اور محبانہ شفقت رکھنے والے، وہ دین کے علمبردار جنہیں دیکھ کر ہمارے ایمان تازہ ہوتے۔ بچپن میں ان کا پیار دیکھا، جوانی میں ان کے وعظ سنے، اس زندگی کے لئے بہت سے سبق سیکھے۔ اور پھر آہ! وہ وقت بھی دیکھا جب وہ ایک ایک کر کے ہم سے رخصت ہونے لگے۔ دنیا اداس ہوتی نظر آئی۔

والدین سے جدائی: میرے لئے ایک دردناک وقت اس وقت آیا جبکہ میرے والدین مجھ سے جدا ہوئے۔ دنیا اندھیر نظر آئی۔ اتنی بڑی نعمت کے چھن جانے پر دل پاش پاش ہو گیا۔ جب کوئی دکھ تکلیف آتی ان کے زیر سایہ جا کر آرام مل جاتا تھا۔ مشیت ایزدی کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔

ایک پرنور ہستی: دل کی تسلی کے لئے، ہاں اس ٹوٹے ہوئے دل کو سہارا دینے کے لئے ایک پرنور ہستی تھی۔ جس کی پُر شفقت نگاہیں زخم پر مرہم کا کام دیتی معلوم ہوتی تھیں۔ ابھی ایک منور چراغ باقی تھا جس سے محفلِ دین جگمگا رہی تھی۔ جس نے پکار پکار کر کہا کہ میرے ساتھی چلے گئے۔ میں بھی عنقریب جانے والا ہوں۔ آؤ اسلام کی خاطر خدا کے کلام کی خاطر اپنی جھولیاں ثواب سے بھر لو۔ اس کی زبان سے برسے ہوئے موتی دل کی تہوں میں جا بیٹھتے۔ اس کی عظمت بھری نگاہ پتھر کو موم بنا کر رکھ دیتی۔ اس کے ایک اشارہ پر ہر ایک دل و جان مال پیش کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا۔

پُر عظمت ہستی چھن گئی: آہ یہ معلوم نہ تھا کہ یہ پرعظمت ہستی اس قدر جلد چھن جانے والی ہے۔ آخر وہ وقت بھی آیا کہ یہ شیر اسلام ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ دنیا تاریک نظر آئی۔ دل ریزہ ریزہ ہے۔ کل

کیا دیکھا آج کیا دیکھ رہے ہیں؟!

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

وہ کیا ہستی تھی۔ کیا انسان تھا۔ اس کی خوبیوں کو بیان کرنا میری طاقت قلم سے باہر ہے۔ کس قدر خوبیاں اللہ تعالیٰ نے اس ہستی میں جمع کر دیں یہ اس کی عنایت ہے۔ ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَشَآءُ (4:62) اس گاؤں کے سادہ انسان کو خدا تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے لئے چن لیا۔ کتنا عالم، کس قدر عقل مند، کیسا روشن خیال، کتنا مستعد، کتنا باحیا، یہ عالی مرتبہ بزرگ، وہ دور اندیش باپ، ایک خدمت گزار وفادار شوہر، قوم کا رہنما اور عزیزوں کا ہمدرد۔

گھڑی کی سوئی کی طرح کام: صبح سے لے کر شام تک ان کا ہر کام گھڑی کی سوئی کی طرح اپنے وقت پر ہوتا نظر آتا۔ گھنٹوں تصنیف و تالیف کے بعد آپ کچھ وقت پودوں اور پھولوں کی دیکھ بھال اور گھر کے انتظام پر صرف فرماتے۔ اتنے میں کھانے کا وقت ہو جاتا۔ کھانا نوش فرماتے اور اذان کی آواز پر مسجد تشریف لے جاتے۔ جب آپ کی شادی میری ہمشیرہ سے ہوئی تو اس وقت وہ کم عمر تھیں۔ ظہر کی نماز کے بعد آپ انہیں انگریزی و عربی کی تعلیم دیتے۔ بعد میں جب لڑکیاں بڑی ہو گئیں تو انہیں بھی قرآن شریف باترجمہ پڑھایا۔ کچھ عرصہ پاس رہنے کا موقع ملا تو میں نے اور میری بہنوں نے بھی قرآن شریف باترجمہ آپ سے پڑھا۔ معمولی سے آرام کے بعد پھر خدا کے حضور حاضر ہوتے اور پھر وہی تصنیف کا کام۔ پہاڑ پر شام سے پہلے سیر کے لئے تشریف لے جاتے۔ لاہور میں قیام ہوتا تو علی الصبح روزانہ سیر کا وقت مقرر تھا۔ چلنے میں بہت تیز رفتار تھے۔ میلوں کا چکر لگا لیتے تھے۔

طبیعت کی شگفتگی: کوئی ملنے والا آ جاتا تو اپنے مصروف وقت میں سے کچھ وقت ہنسی اور خوش مزاجی کے ساتھ اس کے ساتھ گزارتے۔ طبیعت کی شگفتگی اور لطیفہ گوئی سے سب کو محظوظ فرماتے۔ بچوں کے ساتھ بے حد دلچسپی لیتے اور ان کی حرکتوں پر ہنستے اور خوش ہوتے۔ بعض وقت بچوں سے مذاقیہ باتیں کرتے ہوئے اور ان کے بھولے بھالے جواب پر قہقہہ لگا کر ہنستے۔

گھر کے معمولی کام: آپ گھر کا معمولی سے معمولی کام کرنا معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ جب آپ احمدیہ بلڈنگس میں مقیم تھے میں آپ کے ہاں گئی۔ دیکھا کہ کمرے کی گرد آلود چک کو جھاڑن سے جھاڑ رہے ہیں۔

یہ نفاست پسند انسان تنگی کی حالت میں اپنے ہاتھ سے کام کر لیتا تھا۔ اپنے متعلق کام ہمیشہ آپ خود کرتے۔ جب کبھی سفر درپیش ہوتا سامان کا باندھنا اور کھولنا آپ کا کام تھا یہ اس لئے نہ تھا کہ اور کوئی کرنے والا نہ تھا۔ دراصل آپ اپنی محنتی اور سلجھی ہوئی طبیعت سے مجبور تھے کہ سب کام وانتظام اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ ہم نے کبھی آپ کو فارغ بیٹھے نہیں دیکھا۔ سوائے اس کے کہ کوئی دوست عزیز ملنے کے لئے آ جائیں اور آپ کچھ وقت ان کے پاس گزاریں۔ یہ وقت بھی بہت مختصر ہوتا۔ اس کے بعد آپ اپنے کام میں مشغول ہو جاتے۔

کھانا اور لباس: کفایت شعاری آپ کی عادت تھی۔ ہمیشہ سادہ کھانا کھایا اور سادہ لباس پہنا۔ کئی بار آپ کے دسترخوان پر کھانا کھانے کا موقعہ ملا۔ فائدہ مند اصولوں کے مطابق بنایا ہوا بغیر زیادہ گھی کے سادہ سالن اور روٹی ہوتی۔ اپنے آگے اتنا تھوڑا کھانا لیتے کہ حیرانی ہوتی۔ دال یا سادہ سبزی ضرور کھاتے اور ایک خاص مقدار میں پھل کھانا ضروری سمجھتے۔ اسی خاطر آپ نے اپنی جائے رہائش پر قسما قسم کے پھل دار درخت لگوائے۔ سفید لباس پسند تھا۔ سستے سے سستا سفید خاصہ جو بھلے زمانے میں 4 آنا گز ملتا تھا اپنی قمیضوں کے لئے پسند فرماتے۔ فرماتے اسی تھان سے پانچ چھ قمیض بن جائیں۔ کوٹ اور بوٹ مدتوں ایک ہی نظر آتے۔ اس معمولی سادہ لیکن ہمیشہ صاف لباس میں آپ کا وہ شاندار رعب نظر آتا تھا جو شائد کسی اعلیٰ سے اعلیٰ افسر کو بھی نصیب نہ ہوا ہوگا۔

عبادت اور علم ومعرفت: اسی بیدار مغز عالم دین نے، دنیا کی باریک حکمتوں اور اصولوں کو سمجھنے والے درویش صفت بزرگ نے اپنی تمام زندگی میں رات کا نصف حصہ عبادت میں اور دن کا زیادہ حصہ کوٹھی کے ایک کونے میں بیٹھ کر علم ومعرفت کے دریا بہانے اور قوم کو زندہ کرنے کی سوچ وفکر میں چپ چاپ گزار دیا۔ اسے کبھی اپنے زہد وتقوٰی کا ڈھنڈورا پیٹنے اور شہرت بڑھانے کا خیال نہیں آیا۔ طبیعت میں بناوٹ کا نام نہ تھا۔ بچہ، بوڑھا اور شاہ وگدا سب سے ایک ہی طریقہ پر بے تکلفی سے پیش آتے۔

شہرت وعظمت: لیکن کیا یہ چپ چاپ زندگی بسر کرنے والا گمنام رہا؟ نہیں! اس کے دل کے درد نے اور اس کے قلم کے آنسوؤں نے اس کی شہرت کو پھیلا دیا۔ مخالف ہزار اس چاند پر خاک ڈالیں لیکن وہ چمکتا رہے گا۔ نظر بصیرت رکھنے والے اس کے علم کے شیدا اور اس کی عظمت کے قائل ہو چکے ہیں۔ وہ دنیا میں اپنی شان وشوکت دیکھنے کا متمنی نہ تھا۔ اگر دنیاوی گورنمنٹ کے ماتحت یہ دماغ کام کرتا تو خدا جانے

کس قدر انعامات وخطابات وعزت وشان کا مالک ہوتا۔لیکن خدا کو ایسا منظور نہ ہوا۔اس عارضی عزت کے مقابلہ میں اسے اپنے دربار اعلیٰ میں انعامات واعزازات کا وارث بنانا مقصود تھا۔دنیا کے ہر گوشہ میں اس کے قدردان متمنی تھے کہ ہم کس طرح اسے دیکھیں۔بیگم بشیر احمد صاحبہ نے ٹرکی سے آپ کو لکھا کہ کاش آپ یہاں تشریف لائیں۔لوگ آپ کا شاہانہ استقبال کریں گے۔

مسز تصدق حسین صاحبہ نے امریکہ سے واپسی پر اپنی تقریر میں اور آپ کی وفات کے موقعہ پر بھی سنایا اور کہا کہ مجھے تو حضرت مولانا کی قدر وعزت پاکستان سے باہر جا کر نظر آئی۔امریکہ میں ایک جگہ (جگہ کا نام غالباً نہیں بتایا) نماز کے موقعہ پر میں چلی گئی۔وہاں نومسلم امریکی مرد اور لیڈیاں بھی موجود تھیں۔مجھے اجنبی دیکھ کر وہ لوگ میری طرف متوجہ ہوئے اور ایک لیڈی نے سوال کیا کہ آپ کہاں سے آئی ہیں۔میں نے کہا پاکستان سے۔کس شہر سے؟ انہوں نے پوچھا میں نے کہا لاہور سے۔اس پر وہ بہت خوش ہوئیں کہنے لگیں، آپ مولانا محمد علی صاحب کو جانتی ہیں؟ میں نے کہا ہاں خوب جانتی ہوں۔پُر اشتیاق لہجے میں انہوں نے کہا۔ہمیں ان کے حالات سناؤ۔وہ کیسے رہتے ہیں کیا کرتے ہیں؟ اس لیڈی نے اپنے بچوں کو کہا کہ انہیں اچھی طرح ملو۔یہ اس شہر سے آئی ہیں جہاں مولانا محمد علی صاحب رہتے ہیں۔انہوں نے بتایا کہ ہم انہی کا ترجمہ کیا ہوا قرآن مجید پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔

بیگم صاحبہ نے آگے سنایا کہ اسی طرح ایک سفر میں مجھے کچھ حبشیوں نے اجنبی دیکھ کر اسی قسم کے سوالات کئے۔میرے بتانے پر کہ لاہور میں رہتی ہوں بہت خوش ہوئے اور پوچھا کہ مولانا محمد علی صاحب کا کیا حال ہے۔ہمیں ان کی باتیں سناؤ۔پھر انہوں نے کہا کہ آپ بڑی خوش قسمت ہیں کہ ایسے شہر میں رہتی ہیں جہاں ایسا عالم بزرگ رہائش رکھتا ہے۔واقعی یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم نے اتنا عرصہ ایسے بزرگ کے زیر سایہ گزارا۔آپ کی کامیاب زندگی ہمارے لئے ایک سبق ہے کہ کس طرح ایک اسلامی نمونہ بنتے ہوئے اسلام کے صحیح اصولوں پر چل کر محنت وزندہ دلی کی عادت رکھتے ہوئے، انسان مطمئن وباعزت زندگی بسر کرسکتا ہے۔ہزار زندگیاں اور زندگی کی شہرتیں قربان ہوں ایسی زندگی پر جو اسلام اور خلق خدا کی خدمت میں گزری جو خدا کی عبادت اور فرمانبرداری میں گزری۔ہزاروں سلام اور رحمتیں ہوں میرے پیارے بھائی پر، جس نے ایسی نایاب زندگی پائی۔خاکسار۔صالحہ فاروقی

26 دسمبر 1951ء

چند تاثرات

اقبال احمد متعلم بی۔کام

میں لاہور میں آج سے گیارہ سال قبل آیا تھا۔اس وقت میں زمانہ طفلی سے گذر رہا تھا۔عقل ابھی پختہ نہ ہوئی تھی اور ہوش بھی اتنی نہ تھی کہ کسی بات کو سمجھ سکوں۔نہ اس بات کا شعور تھا کہ کسی منظّم جماعت کا میں بھی ایک فرد ہوں، چہ جائیکہ اس بات کو سمجھ سکتا کہ انسانوں کا یہ گروہ، جس میں مَیں ایک نووارد کی حیثیت سے ہوں، زمانہ جدید کے لئے ایک نئے پیغام کا حامل ہے۔میں اس حقیقت سے قطعاً ناآشنا تھا کہ اس انجمن نے، جس سے میرا تعلق ہے، مستقبل کے لئے ایک نئے دور کا افتتاح کیا ہے اور اس بات سے بےخبر تھا کہ اس جماعت کی روح رواں ایک ایسی شخصیت ہے جس نے اپنی محنت اور علم سے دنیا کی نظروں میں اپنے لئے ایک بہت بلند مقام حاصل کر لیا ہے اور اس محنت اور جانفشانی کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قبولیت کے ثمرات سے نوازا ہے۔

چند سال پہلے کی بات ہے شیخ محمد طفیل صاحب کی کوششوں سے اطفال الاحمدیہ کے نام سے ایک چھوٹی سی مجلس وجود میں آئی۔حضرت امیرؒ نے اس کی افتتاحی مجلس میں خود شرکت کی۔اور وہ پہلا موقعہ تھا جبکہ میں ان کی ذات سے صحیح طور پر متعارف ہوا۔حضرت امیرؒ اپنے ساتھ دنیا کا ایک نقشہ لائے ہوئے تھے۔اس خاکہ کو انہوں نے ایک میز پر بچھا دیا اور سارے بچوں کو اس کے گرد بلا لیا۔اس نقشہ پر ہم نے جب نظر ڈالی تو اسے کئی جگہوں پر سبز نشانوں سے داغدار پایا۔انہوں نے بتایا کہ یہ دنیا کے وہ مقامات ہیں جہاں لوگوں کی اکثریت مسلمان ہے۔لیکن نقشہ کا باقی بیشتر حصہ جو سیاہ لکیروں کے علاوہ کسی اور رنگ سے آلودہ نہ تھا، اس کی طرف انہوں نے اشارہ کرتے ہوئے ہم پر یہ واضح کیا کہ دنیا کی اکثریت اسلام کی تعلیمات سے ناواقف ہے۔یہ بات اس نقشہ کے ذریعہ بخوبی ہماری سمجھ میں آ گئی۔اس کے بعد انہوں نے ہمیں ترغیب دلائی کہ ہم اپنی زندگی کا نصب العین یہ بنائیں کہ دنیا کے دور افتادہ ممالک میں جا کر ہم نے اسلام کا پرچم نصب کرنا ہے۔اس دن کی یاد میرے دل میں اب بھی تازہ ہے۔اس لئے کہ اس دن میری آنکھوں نے ایک نئے افق کا طلوع دیکھا۔نئی امیدوں نے میرے تصور میں

آشیانے بنائے۔ایک نئے عزم نے میرے اندر ایک نئی روح پھونکی اور مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس شخص کے اندر ایک شمع جل رہی ہے جو بجھنے سے پہلے کئی مشعلوں کو روشن کرے گی اور کئی تاریک جگہوں کو اپنے نور سے منور کرے گی۔جب مجلس برخواست ہوئی تو میرے دل میں اس شخص سے ایک وابستگی پیدا ہو چکی تھی۔

اس کے بعد سے حضرت امیرؒ کے خطبے میرے لئے جاذبیت کا درجہ رکھتے تھے اور میں ان کی حرکات وسکنات کا بغور مطالعہ کرنے لگا۔آپ آگے کو قدرے جھکے ہوئے چلتے تھے۔جمعہ کو جب مسجد میں داخل ہوتے تو لوگ مصافحہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے۔عقیدت مندوں سے فارغ ہو کر آپ دو رکعت سنت ادا کرتے اور پھر جب دوسری اذان کہی جاتی تو خطبہ دینے کھڑے ہو جاتے۔ابتداء میں آواز مدھم ہوتی مگر جوں جوں زور پکڑتی جاتی توں توں لوگوں کی توجہ کو اپنے اندر جذب کر لیتی۔وہ جادو بیان مقرر نہ تھے مگر نہایت سادہ لفظوں سے دلوں کو مسخر کر لیتے تھے۔انہیں الفاظ کے خوشنما جال بچھانے نہ آتے تھے مگر ٹھوس دلائل سے سامعین کے دل ودماغ کو تابع کر لیتے تھے۔جب خطبہ دینے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھ لیتے تھے۔اور محراب کے قریب ہی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے۔چند لمبے اور گہرے سانس لیتے اور پھر آیات کی تلاوت سے خطبہ شروع کرتے۔جب کبھی خطبہ کے دوران میں خیالات کا تسلسل ٹوٹ جاتا تو چند گہرے سانوں سے اپنی تقریر کا ربط جوڑ لیتے۔ان کے کلام میں ایک اثر تھا۔اس لئے نہیں کہ حسین لفظوں سے وہ ایک سماں باندھ لیتے تھے۔بلکہ اس لئے کہ ان کے خیالات ایک زبردست یقین،عزم اور محنت کا مظہر تھے۔اس لئے کہ ان کی قلم کی ہر جنبش دشمنان اسلام کے لئے موت کا پیغام ہوتی تھی۔اور اس لئے کہ انہوں نے اپنی لگاتار جدوجہد سے حضرت مسیح موعود کے کشوف کو سچا کر دکھایا۔

غالبًا 1948ء کی ایک شام تھی۔جبکہ والد صاحب محترم (مولانا آفتاب الدین احمد صاحبؒ) نے ایک کاغذ دیا اور کہا کہ کل صبح حضرت امیرؒ کے اس پر دستخط کرا کے لانا ہے۔دوسرے روز صبح میں نماز فجر کے بعد سائیکل پر مسلم ٹاؤن کی طرف چل دیا۔مجھے معلوم تھا کہ حضرت امیرؒ صبح سیر کے عادی ہیں۔اس لئے میں نے اپنی رفتار بہت آہستہ رکھی۔اور راستہ میں لطیف وتازہ ہوا اور سڑک کے آس پاس کے سبزہ زاروں سے لطف اُٹھاتا گیا۔کوٹھی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ حضرت امیر باغ میں مالی کو ہدایات

دے رہے ہیں۔ مَیں نے سلام عرض کی اور کاغذ ان کے حوالہ کیا۔ کاغذ لے کر انہوں نے کوٹھی کا رخ کیا اور پوچھا اسے کیا کرنا چاہیئے؟ میں نے انہیں بتایا کہ اس پر ان کے دستخط بکار ہیں۔ اس اثنا میں وہ برآمدے کا ایک زینہ چڑھ چکے تھے۔ انہوں نے دوسرا سوال یہ کیا ''یہ کس نے بھیجا ہے؟'' میری زبان سے یہ فوراً نکلا ''ابا جان نے۔'' ''پھر معاً'' خیال آیا کہ اس سے وہ شائد نہ سمجھیں اس لئے میں نے فوراً ہی دوہرایا ''آفتاب الدین احمد صاحب نے''۔ اس فقرے نے اس ضعیف جسم پر ایک بجلی کا سا اثر کیا۔ وہ فوراً مڑے اور مجھ پر نظریں گاڑ دیں۔ میں نے ان کی طرف دیکھا اور ادب سے نظریں جھکا لیں۔ اس وقت ان پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ جس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا اور کہا ''اچھا تو تم مولٰینا صاحب کے لڑکے ہو؟ میں نے مثبت میں سر ہلا دیا۔ ان کے چہرہ کی طرف پھر جو دیکھا تو وہی حالت طاری تھی۔ اور ان کی یہ حالت تقریباً پانچ منٹ تک رہی۔ چہرہ پر محبت اور شفقت کے آثار موجود تھے۔ اور ان کے چہرہ سے یہ بخوبی عیاں تھا کہ ان کے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں۔ اور شائد ان دعاؤں کا ماحصل یہ تھا۔ ''خدا تم سے دین کی خدمت کا کوئی کام لے'' اس دن مجھے اس کا علم ہوا کہ انہیں ان جماعت کے احباب اور افراد سے کتنا گہرا لگاؤ تھا۔ والسلام

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ اور آزادی رائے

چوہدری محمد عبداللہ صاحب مسلم ٹاؤن لاہور

غالباً 1924ء یا 1925ء کا واقعہ ہے۔ میرے چند نوجوان دوستوں نے، اس خیال سے کہ بعض جوشیلے نوجوان حضرت کے خطبات جمعہ کے وقت بھی بول اٹھتے تھے ارادہ کیا کہ حضرت مولانا کی خدمت میں التماس کی جائے کہ وہ جماعت میں اس قدر آزاد خیالی کی اجازت نہ دیں بلکہ خلیفہ قادیان کے طریقہ کار کو کسی نرم طریقہ پر اختیار کریں مگر جرأت نہ ہوئی۔ بعد میں طے ہوا کہ حضرت غلام رسول صاحب تمیم مرحوم و مغفور سے، جو ان دنوں لاہور میں کوتوال شہر تھے، ہمارے خیالات کی ترجمانی کے لئے عرض کیا جائے۔ انہیں حضرت امیرؒ پر بہت زیادہ حسن عقیدت کے باوجود برملا کہنے کی جرأت ہوتی تھی۔ چنانچہ وہ رضامند ہو گئے۔ مولانا محمد یعقوب خاں صاحب، جو ان دنوں ابھی تازہ تازہ ووکنگ مشن سے واپس تشریف لائے تھے، حضرت امیرؒ کے پاس بیٹھے تھے کہ ہم میاں صاحب مرحوم کی معیت میں اپنے اظہار مدعا کے لئے حاضر ہوئے۔ ہماری باتیں سننے کے بعد حضرت امیرؒ نے صاف طور پر جواب دے دیا کہ جس غلطی سے بچانے کے لئے ہم نے قادیان سے ہجرت کی تھی اس کو دوبارہ جماعت میں داخل کرنا اس سے بھی بہت بڑی غلطی ہو گی۔

آزادی خیال بے شک وقتی طور پر بظاہر بُرا معلوم ہوتا ہے تاہم اس سے اگر اخلاص سے کام لیا جائے تو کام میں ترقی ہوتی ہے۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ میں بھی خلیفہ صاحب کی طرح پیر بن جاؤں تو یہ میری فطرت میں ودیعت نہیں کیا گیا۔ آخر ہم لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

آج جبکہ ان کی وفات پر ہر کسی کو جماعت کے پریشان ہونے کا احتمال تھا وہ جنرل کونسل کے موجودہ فیصلہ نے غلط ثابت کر دیا اور وہی اختلاف رائے موجب خیر و برکت ثابت ہوا جس سے تبلیغ اسلام کا کام زیادہ سے زیادہ بڑھ کر ہونے کا یقین پیدا ہو گیا۔ عبداللہ خاں

26 دسمبر 1951ء

میرے امیر

عبدالسلام صاحب خلف حضرت مولٰینا عبدالحق ودیارتھی

حضرت امیر کو 13 اکتوبر 1951ء کے دن نے ہم سے جدا کر دیا۔ اور وہ ہم سے ناراض ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بہت دور چلے گئے۔ میں نے حضرت امیرؒ کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے۔ ایک مذہبی لیڈر اور مذہبی جماعت کے امیر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک انسان کی حیثیت سے۔ اور مجھے ان میں وہ خوبیاں نظر آئیں جو عام لوگوں میں بہت کم ہوتی ہیں۔ آپ نماز کے بہت پابند تھے۔ پانچ وقت روزانہ آپ مسجد میں تشریف لاتے اور نماز ادا کرتے۔ جس دن مسجد میں نمازی کم ہوتے آپ کو افسوس ہوتا اور جس دن نمازی زیادہ ہوتے تو آپ کو بہت مسرت ہوتی۔ آپ ہر ایک کو نماز پڑھنے کی تلقین کرتے۔ جب میں پانچویں جماعت میں تھا تو میں نے ایک آٹوگراف (Autograph) خریدی۔ اس میں سب سے پہلے حضرت امیر کے دستخط کرائے تھے۔ میں نے مغرب کی نماز میں انہیں وہ آٹوگراف دی۔ انہوں نے آٹوگراف لے کر مسکراتے ہوئے کہا کل لے لینا۔ چنانچہ دوسرے دن میں نماز فجر کے بعد ان کے ساتھ گیا اور انہوں نے مجھے وہ آٹوگراف دی۔ برآمدے کی دھیمی دھیمی روشنی میں مَیں نے ان الفاظ کو پڑھا۔ لکھا تھا ''نماز کو قائم کرو۔ جھوٹ مت بولو۔ وعدہ کو نبھاؤ'' مجھے افسوس ہے کہ وہ آٹوگراف مسلم لیگ کے ایک جلسے میں گم ہو گئی۔ مگر ان کی لکھی ہوئی نصیحتیں اب بھی میرے لئے مشعل راہ ہیں۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کو کتنی خواہش تھی کہ قوم کے نونہال نماز کو قائم کریں اور اعلیٰ اخلاق کے مالک ہوں۔

آپ کو بچوں سے بہت محبت تھی۔ میں اور میرا چھوٹا بھائی بچپن سے نماز پڑھنے جایا کرتے تھے۔ جب بھی آپ مسجد میں داخل ہوتے مسکراتے ہوئے ہمیں دیکھتے اور کبھی کبھی سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ہماری خیریت پوچھتے۔ جس سے مجھے انتہائی مسرت ہوتی۔ اب بھی نماز پڑھتے وقت مجھے یہ خیال آتا ہے کہ وہ مسکراتے ہوئے مسجد میں داخل ہوں گے اور سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہیں گے۔ ''کہو بھئی کیسے ہو''۔ اور میں باہر مسجد کی طرف آتے ہوئے راستہ کو دیکھتا ہوں لیکن اداسی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا!

آپ دوسرے مولوی لوگوں کی طرف تلخ مزاج نہ تھے۔ بلکہ مزاح اور ظرافت تو آپ میں

کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ صبح کی نماز کے بعد باہر نکلتے ہوئے آپ اکثر کوئی نہ کوئی لطیفہ یا دلچسپ بات بیان کرتے اور پھر دوسروں کو ہنساتے ہوئے اور خود مسکراتے ہوئے اپنی کوٹھی میں داخل ہو جاتے۔ آپ کو غریبوں سے بہت ہمدردی تھی۔ اگر کوئی غریب مسافر کبھی مسجد میں آ جائے تو آپ اس کی رہائش اور کھانے کا بندوبست بڑی توجہ سے فرماتے۔ مسجد میں ایک بوڑھا فقیر نماز پڑھنے آتا ہے۔ آپ اسے کپڑا اور روپیہ پیسہ دیتے رہتے تھے۔ مسجد میں نماز سے پہلے آپ اکثر انجمن کی سرگرمیوں اور اخباروں کی تازہ خبروں کے متعلق باتیں کیا کرتے۔ دن گزرتے گئے۔

ہر سال گرمیوں میں آپ پہاڑ پر جایا کرتے تھے۔ جب ڈاکٹروں نے پہاڑ پر جانے سے منع کر دیا تو آپ کراچی جانے لگے۔ پچھلے سال بھی آپ کراچی تشریف لے گئے۔ اس سال بھی ہم سب سے مل کر کراچی روانہ ہو گئے۔ ہمیں کیا پتہ تھا ہم اس چاند کو پھر کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔ اچانک آپ کی بیماری کی خبریں آنا شروع ہو گئیں۔ مگر پھر بعد میں آپ تندرست ہو گئے اور اطلاع آئی کہ آپ 16 اکتوبر کو لاہور تشریف لا رہے ہیں۔ ہم سب خوش تھے۔ مگر شائد قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ ہم آپ کو پھر دیکھ سکیں۔ آپ کی بیماری کی اچانک خبر آئی اور 13 اکتوبر کو چار بجے کے قریب میں کالج کا کام کر رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ کھڑکی سے دیکھا جناب ممتاز فاروقی صاحب تھے۔ دل میں ایک مبہم سا خوف پیدا ہوا کہیں وہ ہمیں چھوڑ کر چلے تو نہیں گئے۔ ابا جان کو فاروقی صاحب کے آنے کی اطلاع دی تو ان کے مونہہ سے یہ الفاظ نکلے۔ ''حضرت امیر وفات پا گئے''۔ میں اور ابا جان جلدی جلدی سے نیچے آئے۔ فاروقی صاحب کے مونہہ سے ایسے الفاظ نکلے جنہیں سننے کو کبھی جی نہ چاہتا تھا۔ وہ ایسے فقرے کہہ رہے تھے۔ جن کی حقیقت پر اعتبار میرے لئے ناممکن تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

کہ وہ چاند بھی ہم سے جدا ہو گیا ہے   یہ کیا سن رہا ہوں یہ کیا ہو گیا ہے

حضرت لاہور تشریف لائے۔ مگر افسوس ہم ان کا آخری دیدار نہ کر سکے۔ ان کے نحیف جسم کو لکڑی کے صندوق میں بند کر دیا گیا تھا اور میرا دل صندوق کے تختوں سے اپنا سر پھوڑ لینے کو چاہتا تھا۔ وہ آئے مگر ہم انہیں دیکھ نہ سکے۔ جنازہ مسلم ٹاؤن میں اتارا گیا۔ میں نے بھی اپنے اس عظیم باپ کو اندر لے جانے میں مدد دی۔ میرے کندھے پر دنیا کی وہ شخصیت تھی جس نے اسلام کی کامیابی اور شہرت کے

لئے اپنی جان تک قربان کر دی۔ جس نے اسلام کی شان کو دوبالا کرنے کے لئے دن رات انتھک محنت اور کوشش کی۔ وہ کام کرتے گئے، دن رات لگا تار مسلسل، حتّٰی کہ 1914ء میں لگایا ہوا ان کا پودا ایک تناور درخت بن گیا انہوں نے پھر بھی اپنے کام کو نہیں چھوڑا۔ وہ کسی شہرت، عزت اور بڑائی کی خواہش کئے بغیر لگا تار کام کرتے گئے۔ اسلام کی بڑائی کے لئے، اسلام کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنے کے لئے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت اور عزت کے لئے، حتّٰی کہ ان کا نحیف جسم ان کی عظیم روح کی کوششوں کا ساتھ نہ دے سکا اور وہ ہم سے جدا ہو گئے۔ وہ ہم سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ ہم ان کے بتائے ہوئے راستوں پر گامزن ہو کر اسلام کی عزت اور بڑائی کے لئے محنت اور کوشش کریں تو شائد وہ ہم سے خوش ہو جائیں۔ وہ مردہ نہیں زندہ ہیں۔

26 دسمبر 1951ء

حضرت والد مرحوم کے متعلق اعلیٰ پایہ کے انگریزوں اور امریکیوں کی آراء

حامد فاروق مقیم انگلستان فرزند ارجمند حضرت امیرؒ

انگلستان آ کر مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ باہر کے ملکوں میں والد صاحب مرحوم و مغفور کی کس قدر عزت ہے اور یہاں آ کر ان کے کام کی عظمت کا اندازہ ہوا۔ کیا ملک عرب کے تاجر اور کیا حکومت شام اور ترکی کے افسر، جو کہ یہاں آتے جاتے ہیں، سب کے دل میں ان کی محبت اور ان کی کتابوں کی قدر ہے۔ اکثر لوگ تو بعض دفعہ اتنی تعریف کرتے ہیں کہ میں خود حیران رہ جاتا ہوں۔

آپ کی وفات پر میرے پاس بے شمار خطوط ہر قسم کے لوگوں سے آئے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

1۔ MR. L. Jardins جو کہ ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر رہ چکے ہیں (صوبہ سرحد کے ریونیو کمشنر اور ریاست بڑودہ کے انگریز ریذیڈنٹ) ''آپ کے والد صاحب نے جو کام کیا ہے وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مجھے ان کی وفات کا سن کر از حد صدمہ ہوا۔ اور خاص کر آپ کا خیال آیا۔ یقین جانئے کہ میں خوب سمجھتا ہوں کہ آپ کا گھر سے اتنی دور اس خبر کو سن کر کیا حال ہوا ہوگا۔ میری دعا ہے کہ آپ بھی ان کے نقش قدم پر چلیں۔ مہربانی کر کے میرا اظہار افسوس اپنی والدہ صاحبہ تک ضرور پہنچا دیں۔ اگر چہ وہ مجھے نہیں جانتیں۔''

2۔ Mr. J. Tyndal Biaco۔ جو ہندوستان میں عیسائی مشنری رہ چکے ہیں۔ ''یہ تو میرے دل میں تمنا ہی رہے گی کہ آپ کے والد ماجد سے ملتا۔ وہ ضرور ایک بہت ہی عظیم الشان آدمی تھے۔ وہ اپنا ایک بہت ہی گہرا نشان پاکستان اور مسلمانوں پر چھوڑ گئے ہیں۔ اور جوں جوں وقت گزرے گا وہ اتنا ہی زیادہ نمایاں ہوگا''

3۔ Mr. Hassan Evans۔ ایک امریکن نو مسلم جو کہ امریکن ایئر فورس کے ساتھ انگلستان میں مقیم ہیں:

''مجھے ابھی آپ کے والد صاحب کی وفات کی خبر ملی۔ ایسے وقت میں میرے پاس کوئی الفاظ

نہیں کہ اپنے غم کا اظہار کروں اور آپ سے ہمدردی کروں۔ آپ کے اور آپ کے خاندان کے ذاتی نقصان سے زیادہ تو یہ پاکستان کیا سارے عالم اسلام کا نقصان ہے''

4۔ برلن مسجد کے جرمن امام کا خط۔

''آپ کے والد صاحب کی وفات کی خبر وائس آف امریکہ کے عربی براڈ کاسٹ میں سن کر یقین نہ آیا۔ مگر آج بذریعہ خط تصدیق ہوگئی۔ آپ کا تو باپ فوت ہوگیا لیکن ہمارا تو جان سے پیارا لیڈر اس دنیا سے اُٹھ گیا۔ میرے پیارے حامد! خدا جانتا ہے کہ میرے دل کی اس وقت کیا حالت ہے۔ میں تہ دل سے آپ کے ساتھ اس غم میں شریک ہوں۔ میرے بھائی میرے دل میں اب صرف یہ تمنا ہے کہ میں کسی طرح آپ کے غم کو ہلکا کرسکوں''

5۔ Mr.D Yuang اور Mr.M.P.Derenburg جو کہ انڈین آرمی میں میجر رہ چکے ہیں اور مسٹر رولینڈ جو کہ جنرل الیکٹرک کمپنی میں ایک بہت ہی معزز عہدے پر ہیں لکھتے ہیں کہ

''ہماری دلی ہمدردی اس صدمے میں آپ کے ساتھ ہے'' اس کے علاوہ اور بھی بہت لوگ ہیں جنہوں نے خطوط لکھے ہیں۔ خاکسار حامد فاروق

26 دسمبر 1951ء

آہ! مولانا محمد علی مرحوم

از مرزا مظفر بیگ ساطع لائل پور

لَسۡتُ بِادِیۡبٍ اَرِیۡبٍ لائقٍ فَائقٍ حَتّٰی اُنۡشِدَ اَشۡعَارًا فَصِیۡعًا بَلِیۡغًا بَلۡ جِئۡتُ بِبَضَاعَةٍ مُّزۡجَاةٍ فِیۡ مَحَبَّةِ الۡاَمِیۡرِ الۡمَرۡحُوۡمِ لَعَلَّهٗ یُتَقَبَّلُ مِنِّیۡ وَاَکُنۡ مِّنَ الۡفَائزِیۡنَ .

اَمِنۡ مُّقَلٍ دُمُوۡعُ الۡحُمۡرِ دَام   عَلٰی مَوۡتِ الۡاَمِیۡرِ اَبُو الۡهُمَام
آنکھوں سے خون آلود سرخ آنسو جاری ہیں   امیر ابوالہمام کی وفات پر

لَنَعۡیٌ اَخۡفَقُ الۡاَرۡوَاحُ مِنۡهُ   وَانۡشَقَّ الصُّدُوۡرُ مِنَ الۡهَوَام
یہ موت کی خبر ایسی ہے جس سے روحیں پھڑ کنے لگیں   اور پریشانی سے سینے پھٹ گئے

حَزَزۡتَ الرُّوۡحَ ثُمَّ شَقَقۡتَ کَبۡدًا   تَبَکِّی الۡقَوۡمَ هِجۡرَانُ الۡاِمَام
آپ نے روح کو چیرا اور جگر کو پھاڑا   امام کی جدائی قوم کو رلاتی ہے

لَقَدۡ اَنۡقَضۡتَ ظَهۡرَ الۡقَوۡمِ غَمًّا   وَاَوۡرَدۡتَ الۡبَلَاءَ عَلَی الۡاَنَام
آپ نے قوم کی پیٹھ غم سے توڑ ڈالی   اور لوگوں پر آزمائش ڈال دی

وَمَاوَارَی التُّرَابُ الۡجِسۡمَ مَحۡضًا   بَلِ التَّفۡسِیۡرَ وَالۡحِکَمَ التَّمَام
اور مٹی نے آپ کا جسم ہی نہیں چھپایا   بلکہ تفسیر اور پورے پورے علم وحکمت پوشیدہ ہو گئے

رَأَیۡتَ بُدُوۡرَ تَحۡقِیۡقٍ قَوِیۡم   تَوَارَتۡ بِالظَّلَامِ مِنَ الۡغَمَام
تو نے دیکھا مضبوط تحقیق کے بہت سے چاند   بادلوں کی سیاہی میں چھپ گئے ہیں

وَفَضۡلُکَ مَابِهٖ الۡاَعۡدَاءُ قَالُوۡا   وَقَدۡ اَضۡفَکَ آرَاءُ الۡعَوَام
اور آپ کی فضیلت کو دشمنوں نے بھی مانا   اور عوام کی آراء نے آپ کو برگزیدہ کہا

تَرَکۡتَ الۡاَصۡدِقَاءَ بِبَحۡرِ غَمٍّ   تَبَکِّیۡ عَیۡنُهُمۡ حُزۡنَ الدَّوَام
آپ نے دوستوں کو بحرِ غم میں چھوڑ دیا   جن کی آنکھیں دائمی رنج سے رو رہی ہیں

لَـعَـلَّکَ غَـافِـلٌ عَـنْ هَـمِّ قَـوْمٍ　　عَـجِـلْـتَ اِلٰـی اِلٰهِکَ بِـالتَّـمَـامِ
شائد آپ قوم کی ضرورت سے لاپروا ہیں　　کہ اپنے خدا کی طرف جلدی چلے گئے
وَتَـحْـضُـرُ حَـوْلَ رَبِّکَ بِـالـنَّشَـاطِ　　یَـمِیْـنُکَ یَـحْتَـوِیْ کُتُبًـا جِسَـامٖ
آپ اپنے رب کے حضور خوش خوش حاضر ہوں گے　　اور آپ کے ہاتھوں میں بڑی بڑی کتابیں ہوں گی

تَـحِیَّـاتٌ عَـلَیْکَ تَـدُوْمُ تَتْـرٰی
سلام ہوں آپ پر ہر وقت اور متواتر
مِـنَ الـرَّحْـمٰـنِ ثُـمَّ مِـنَ الْاَنَـامٖ
خدا کی جانب سے اور لوگوں کی طرف سے

26 دسمبر 1951ء

ایک مردِ کامل کی عظیم الشان زندگی

حضرت مولینا عبدالحق ودیارتھی

موت ہر شخص کے لئے ناگزیر ہے مگر اس شخص کی موت سب سے زیادہ المناک اور غم آگین ہوتی ہے جو سب سے زیادہ اور سب کے لئے مفید ہو۔ قوم وملت کے صاحبان فضل وکمال کے آثار وروایات قوم کے لئے حیات پرور ہوتے ہیں۔ ان کی حفاظت اور تذکرہ ملت اور قوم کی شاہ رگ کی حفاظت ہے۔ کور ذوق ہے وہ شخص جو اسے شخصیت پرستی کا نام دیتا اور اس کی تحقیر کرتا ہے۔ قرآن مجید نے مردِ کامل کی تعریف کرتے ہوئے ایک نکتہ بیان فرمایا ہے۔ طٰهٰ اے مرد کامل !مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی (2:20) ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو ناکام ہو۔ اِلَّا تَذۡکِرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی . (3:20) بلکہ وہ تذکرہ ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہے۔ اسلوب بیان کے لحاظ سے تقدیر عبارت یوں ہونی چاہئے تھی کہ اے مردِ کامل تجھ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا گیا کہ تو ناکام ہو بلکہ یہ تجھے کامیاب اور بامراد کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اور تو جو خدا سے ڈراتا ہے تیرے لئے یہ تذکرہ یا نصیحت ہے۔ دوسری آیت میں حرف مَنۡ کو عام رکھ کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ ہر وہ شخص جو قرآن کو لے کر اُٹھتا، اس کا علم حاصل کرتا، اسے اپنے لئے تذکرہ بناتا اور اس پر عمل کرتا ہے، وہ بھی یقیناً کامیاب اور بامراد ہوگا۔

قرآن مجید کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہے گا: قرآن مجید کی فتوحات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ارضی زندگی پر منحصر اور محدود نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ علماء ربانی اس کے ذریعہ اپنے اور بیگانوں کے دل فتح کرتے رہیں گے۔ اس کلام پاک کے کمالات محدود اور محصور زماں نہیں بلکہ وہ ہمیشہ ضروریات زمانہ کے مطابق تازہ بتازہ نو بنو ظاہر ہوتے رہیں گے۔ یہ کتاب مقدس عصاءِ موسیٰؑ اور دم عیسیٰؑ کی طرح آنی اور ہنگامی نہیں بلکہ ایک دائمی اور استمراری اعجاز ہے۔ جو ہر زمانہ میں مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی اِلَّا تَذۡکِرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی . (3-2:20) کی صداقت کا ثبوت دیتا رہے گا۔ یعنی شیطانی تخیلات کی سرکوبی کرتا اور مردوں میں جان ڈالتا رہے گا۔ مگر یہ اعجاز اور کرامت مَنۡ یَّخۡشٰی کے ہاتھ پر ظاہر ہوا کرے

گی اور مَنۡ یَّخۡشٰی کی تشریح دوسری جگہ خود ہی فرمادی اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا (28:35) یہ لوگ علماء ربانی ہیں جن کے دلوں میں خشیتہ اللہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کا علم دنیا میں فتح و کامرانی حاصل کرتا ہے اور فتح و کامیابی حاصل کرنے والا علم قرآن ان کے عالم ربانی ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ علماء سو مسلمانوں کو کافر اور دہریہ بناتے ہیں مگر سلسلہ علماءِ ربانی کافروں اور دہریوں کو مسلمان بناتے ہیں مجھے یاد ہے کسی زمانہ میں لکھنؤ سے ایک رسالہ ''الناظر'' شائع ہوا کرتا تھا۔ جس میں مولانا شبلی مرحوم کے بالمقابل مذہب کے خلاف دہریت کی تائید میں مضامین نکلا کرتے تھے۔ میں ان دنوں مڈل سکول میں تعلیم پاتا تھا۔ اس وقت اس میں خدا کی ہستی کے خلاف ایسے بھی اعتراضات مطالعہ میں آئے جو بہت وزنی مظوم ہوتے تھے۔ میں نے ان سوالات کو بڑے بڑے علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کیا مگر کسی نے تسلی بخش جواب نہ دیا۔ بلکہ اُلٹا مجھ پر بہت خفا ہوئے۔ اس سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ میرے جیسے کتنے لوگ ہوں گے جو ان مضامین کو پڑھ سن کر گمراہ اور دہریہ ہوجاتے ہوں گے۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کھاتا تو یہ مضامین مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے تھے۔ جو اس زمانہ میں خدا اور مذہب دونوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ مولانا عبدالماجد صاحب، جیسا کہ ان کو خود اقرار ہے، خود دہریہ تھے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ وہ دہریہ گر تھے اور وہ خود دہریہ بنائے گئے تھے قرآن مجید کی ان تفاسیر اور تراجم سے، جو اس وقت عام طور پر مروج تھیں۔ اب وہی مولانا عبدالماجد صاحب ہیں جو خود مترجم و مبلغ قرآن اور عاشق اسلام ہیں۔ مگر کس کے طفیل؟! ان کی اپنی شہادت حقہ کی رو سے مولانا محمد علیؒ کے انگریزی ترجمہ کی برکت سے۔

کرامت گرچہ بے نام و نشاں است بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

تاریخ اسلام میں اس قسم کے بیشمار واقعات محفوظ ہیں کہ کسی عالم نے کسی آیت قرآنی سے ایسا استدلال کیا یا اس کے ایسے کوئی معانی بیان کئے جو پہلے کسی کے وہم میں بھی نہ تھے تو سامعین نے یہ سمجھا کہ یہ آیت گویا آج ہی نازل ہوئی ہے۔ ہمارے آئمہ اربعہؒ نے جب تدوین فقہ کے وقت قرآن و احادیث سے مسائل کا استخراج کیا تو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیات آج ہی نازل ہوئی ہیں۔ کسی ایک ہی آیت پر کیا انحصار ہے۔ مثنوی مولانا روم کلھم زمان پہلوی کا قرآن سمجھی گئی۔

مثنویٔ مولویٔ معنوی ہست قرآں درزبان پہلوی

مولانا عبدالمجید صاحب سالک سابق ''مدیر انقلاب'' نے خود بیان کیا کہ ایک مرتبہ مولاناؒ نے اپنے انگریزی زبان میں ترجمہ قرآن مجید پر ریویو کے لئے دریافت کیا تو میں نے عرض کیا کہ اگر قرآن مجید انگریزی زبان میں نازل ہوتا تو وہ مولانا محمد علی کا ترجمہ ہوتا۔

مولانا ممدوح کے انگریزی ترجمہ کو جو قبولیت دنیا میں نصیب ہوئی وہ کسی دوسرے ترجمہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس نے جس قدر دلوں کو فتح کیا، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے دلوں کے شکوک دور کئے، ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کون جانتا ہے۔ مگر ہزار ہا خطوط ان لوگوں کے تمام اکناف عالم سے وصول ہوئے جنہیں اس ترجمہ سے ایمان نصیب ہوا یا برائے نام مسلمان کہلاتے ہوئے از سرِ نو مسلمان ہوئے۔ ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ ایک ترک جرنلسٹ لیڈی پاکستان کی سیاحت کے لئے آئی تھی۔ اس نے خود یہاں بیان کیا کہ اس کی والدہ اسے قرآن مجید پڑھنے کی تاکید کیا کرتی تھی۔ مگر قرآن مجید مجھے سر بہ مہر کتاب نظر آتی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے مولانا محمد علی کا انگریزی ترجمہ قرآن مجید ملا۔ جس نے مجھ پر قرآن مجید کو کھول دیا۔ میں نے جب ترکی سے پاکستان آنے کا ارادہ کیا تو میرے دل میں یہ تمنا تھی کہ میں لاہور جا کر اس شخص کے ہاتھ کو بوسہ دوں گی جس نے قرآن مجید پر میرا ایمان بڑھا دیا۔

فتح اور کامیابی کا دوسرا حربہ: احادیث اور روایات میں مذکور ہے کہ جس وقت سورۃ طٰہٰ آپؐ پر نازل ہوئی اس سے پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر قرآن مجید بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ کبھی ایک پاؤں پر بوجھ ڈال کر کھڑے ہوتے وہ تھک جاتا تو دوسرے پاؤں پر سہارا لے لیتے۔ اس کثرت قیام سے پا مبارک پر ورم آ جاتا۔ **کان یقوم فی تھجدہٖ علیٰ احدی رجلیہ فامر ان یطاء الارض بقدمیہ** اس پر آپؐ کو بشارت دی گئی کہ ساری دنیا آپ کے قدموں کے درمیان اکٹھی کر دی جائے گی۔

قرآن مجید کا علم اور وہ کامیابی جو اس کے ذریعہ مقدر ہے حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کوئی شخص رات کو اُٹھ کر خدا کے حضور رونے والا نہ ہو۔ حضرت علامہ ممدوحؒ نہ صرف بچپن سے باجماعت نماز کے عادی تھے بلکہ راتوں کو بلا ناغہ تہجد میں رو رو کر مخلوق خدا کی ہدایت، دین اسلام کی اشاعت اور اپنے

دوستوں اور رفقاء کار کے لئے دعائیں بھی کیا کرتے تھے۔علم کے ساتھ دعا کا حربہ جب تک موجود نہ ہو، فتح اور کامیابی کا ملنا محال ہے۔

حضرت ممدوحؒ 1914ء میں قادیان سے تن تنہا قرآن مجید کے اسی انگریزی ترجمہ کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے نکلے۔ان کی یہ ہجرت بے سروسامانی کی ہجرت تھی۔کون خیال کر سکتا تھا کہ یہ ایک اکیلا شخص اپنے ساتھ جماعت پیدا کر لے گا۔قادیان سے اس وقت ''ڈھائی بوٹیاں تے فتو باغبان'' کی پھبتی اڑائی گئی اور یہ بات بہت حد تک ٹھیک بھی تھی۔لاہور میں نہ کوئی دفتر تھا نہ انجمن تھی نہ کوئی مبلغ تھا نہ فنڈز تھے۔قوم اور جماعت مفقود تھی۔تو اس کے پیدا کرنے کے سامان بھی مفقود تھے۔مگر اس مردِ خدا کے نالۂ شب گیر اور آہِ شرر ریز نے وہ کام کیا جو قادیان کا شعر و لآویز نہ کر سکا۔حضرت علامہؒ کی دن کو قلم اور رات کی دعا تھی جس نے یہاں ایک سرفروش جماعت پیدا کی۔جس نے تمام دنیا کے ممالک میں مبلغ اسلام بھیجے۔مساجد تیار کرائیں۔مبلغ تیار کئے۔لکھو کھہا روپیہ کی جائداد مہیا کر کے جماعت کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔چین، جاوا، امریکہ، البانیا، افریقہ وغیرہ وغیرہ ممالک سے طلباء آ کر تعلیم پا کر واپس گئے۔ دین اسلام کے ہر مسئلہ پر سیر کن بحثیں کیں۔بے نظیر ضخیم کتابیں لکھیں کہ بحیثیت مجموعی اس کا مقابلہ کوئی اور اسلامی حکومت، سلطنت اور جماعت نہیں کر سکی۔مارماڈیوک پکتھال مشہور نومسلم انگریز کے آخری الفاظ تھے: ''کسی زندہ انسان نے اسلام کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی مولانا محمد علی نے کی ہے'' ان کے کارہائے نمایاں کو کوئی کہاں تک گن سکتا ہے ع

دامانِ نگاہ تنگ و گل حسن تو بسیار

ان کی زندگی مسلسل جدوجہد کی زندگی تھی اور یہ چیز پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کسی کے اندر اپنے نصب العین کے لئے عشق نہ ہو۔قادیان سے ان کی ہجرت کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ وہ خدا کی مشیت اور ارادہ سے تھی۔جماعت قادیان کے ساتھ ان کا اختلاف مسئلہ کفر و اسلام میں اصولی اختلاف تھا۔یعنی ارباب قادیان کو یہ کد تھی کہ حضرت مسیح موعود کو نہ ماننے والے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔اور حضرت مسیح موعود ایسے نبی تھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا انبیاء سابقین (بلکہ کبھی جوش میں آ کر یہ بھی کہا گیا کہ شاگرد اپنے استاد سے سبقت لے گیا۔اب مکہ معظّمہ کی چھاتیوں کا دودھ خشک ہو

گیا ہے) معاذ اللہ یہ وہ بے ادبی اور گستاخی کے کلمات تھے جو ارباب قادیان کا روزمرہ کا وظیفہ تھا) ظاہر ہے کہ اہل قبلہ اور کلمہ گوؤں کی تکفیر ایک خطرناک اور مہلک مرض ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ منتشر اور پراگندہ ہو کر ہلاک ہو رہی تھی۔ اگر مسیح موعود نے بھی آ کر ایک اور کافر گر فرقہ پیدا کرنا تھا تو مسیح موعود کی آمد کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اس اصولی اختلاف کی بناء پر جس کی ہر مسلمان کو تائید کرنی چاہئیے اور جماعت احمدیہ کو لبیک کہنا چاہئیے تھا۔ حضرت علامہ علیہ الرحمت قادیان سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ جہاں ان کے سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ ایک عرصہ تک، جیسا کہ عزیزی ڈاکٹر سید بشیر حسین صاحب کا بیان ہے کہ ان کی والدہ مرحومہ فرماتی تھیں، ان دنوں مولانا اپنے برتن وغیرہ فروخت کر کے نہایت تنگی سے گزارہ کرتے رہے۔ یہ تھی ابتداء اس جماعت کی۔ اس کے بعد لاہور کی ان ساری ناتوانیوں کا قادیان کی قوت سے دوچار ہونا اور آہستہ آہستہ قدم قدم پر باوجود شدت کی مخالفت کے قوت اور کامیابی حاصل کرتے جانا تائید الٰہی اور نصب العین کی صحت اور صداقت کی دلیل ہے۔ ''فتو باغبان'' کے نام میں فتح اور کامرانی پوشیدہ تھی۔ اس کی ''ڈھائی بوٹیاں'' ایک عظیم الشان باغ بن گیا۔ جس کی شہرت دنیا کے کناروں تک پہنچی۔ دور دراز ممالک سے طلباء آنے لگے۔ اور یہاں کے علمی جواہرات دنیا کے کتب خانوں میں جانے لگے۔ جو ہر شناس علماء یورپ نے ان کی قدر کی اور یہ فتوحات کا سلسلہ انشاء اللہ جاری رہے گا۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام سرتاسر ان کے قطرات اشک وخون کی پیداوار ہے جو اپنے وجود اور بقاء کے لئے ان کی ممنون احسان ہے۔ اور اس وقت تک ممنون رہے گی جب تک وہ اس سے بڑھ کر مقبول عام وخاص لٹریچر پیدا کر کے نہ دکھائے۔ اور یہ سو سال کے اندر ہونا بھی محال ہے۔ محمد علی وہ نہیں جو فوت ہو گیا اور اپنے دوستوں کے پے در پے چر کے کھا کر شہید ہو گیا۔ محمد علی زندہ ہے اور اس وقت تک زندہ رہے کہ جب تک ہم کسی کو اسلام کا سیدھا راستہ دکھانے کے لئے اسی سلطان القلم کی قلم کے مرہون منت ہیں۔ اور دنیا ان کے بادہ عرفان سے سیراب ہوتی رہے گی۔ مولانا محمد علی مرحوم کے نام پر بحر وبر کی یہ فتحمندیاں ان کے عشق کا ثمرہ ہیں۔ سچ ہے۔

ہر کہ عشقِ مصطفیٰؐ سامانِ او ست بحر و بر در گوشۂ دامانِ او ست

فنا فی الرسول کے اس درجہ میں قرآن مجید کی تفسیر اور ترجمہ کے بعد سیرت خیر البشرؐ Living Thoughts صحیح

بخاری اور منوئل آف حدیث اور دی ریلجن آف اسلام وہ بے نظیر کتب ہیں جنہوں نے اس موجودہ دور میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم **انامدینۃالعلم و علی بابھا** . مَیں (محمدؐ) علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے کی صداقت کو دوہرادیا ہے اور حضرت مسیح موعود نے آپ کی تفسیر کو تفسیر علی کے نام سے کشف میں دیکھا تھا۔ آپ کی کتب قوم کا اصل خزانہ ہے جس کی وجہ سے دنیا میں قوم کی عزت اور بزرگی ہے۔

بانئے سلسلہ حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد قادیانی خلافت اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ ایک وراثت شخصی تھی۔ جو بغیر ذاتی کوشش کے بیٹے کو خود بخود حاصل ہوگئی۔ فلسفہ کی نگاہ میں یہ ایک سائلانہ گداگری ہے۔ لیکن مولانا ممدوح علیہ الرحمت نے اپنی ذاتی جدوجہد سے بخاک وخون غلطیدن کی رسم کو پورا کیا۔ دولت مند صاحب فضل وکمال باپ کی موت کی تمنا کر کے اس کا وارث بننے کی کوشش کرنا گداگری سے بھی بدتر کوئی فعل ہے۔ لیکن اپنے ہاتھوں نئے سرے سے سرفروشوں اور مجاہدوں کی جماعت پیدا کرنا یہ مرد کامل کا حصہ ہے ۔

خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے   مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی

حزین ودلفگار۔ عبدالحق

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ کی زیارت خواب میں

حضرت امیرؒ کی دائمی مفارقت سے جو صدمہ میرے دل میں ہوا ہے اس کا احساس لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ اعلیٰ ہستیاں جب اس دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں تب مخالف اشخاص بھی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت اقدس مسیح موعود و حضرت مولٰینا نورالدین صاحب گزرے ہیں۔ ان کے بعد اسی اعلیٰ ہستی نے احمدیت کا نام روشن کیا اور بال بال اصلی حقیقت چھپ جانے سے بچالیا۔

حضرت اقدس کی زبردست خواہش یہی تھی کہ یورپ اور امریکہ میں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر اور مذہب اسلام کی اصل حقیقت پر ایک کتاب لکھ کر شائع کی جائے اور اول الذکر کے متعلق لکھا کہ یہ کام مجھ سے ہوگا یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ ہی میں داخل ہے اور کسی سے نہ ہو سکے گا۔ اس دعوٰی کو پورا کر کے دکھانے والی بھی یہی حضرت امیرؒ کی ہستی تھی۔ اور مؤخرالذکر کتاب کا کام بھی جو آپ کے سپرد ہوا آپ ہی نے باحسن وجوہ پورا کیا۔ ذالک فضل اللّٰہ یؤتیه من یّشآء

مدت ہوئی میرے ایک آریہ دوست نے کہا تھا کہ مسلمان بہت ناشکرے ہیں۔ میں نے دریافت کیا۔ کیوں؟ تو کہا۔ سرسید کی انہوں نے کوئی قدر نہ کی۔ اگر وہ ہم میں سے ہوتے تو ہم دنیا کو دکھا دیتے کہ وہ کس پایہ کے بزرگ تھے۔ حضرت امیرؒ کے متعلق بھی مسلمانوں کا ناشکرا پن ظاہر ہے۔

حضرت مولوی عزیز بخش صاحب کی خدمت میں مجھ عاجز کی طرف سے اظہار ہمدردی کریں۔ تین چار دن ہوئے۔ میں نے حضرت امیر کو خواب میں دیکھا۔ بڑا سبزہ زار باغ تھا اور بہت کھلا اور بہت اعلیٰ لباس زیب تن اور بھی دوست تھے۔ جہاں تک مجھے خواب یاد رہی (بہت کچھ ذہن سے گزر گیا ہے) اتنا خواب یاد ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک بزرگ کو وصال کے بعد کسی شخص نے خواب میں دیکھا۔ تو اس کے سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی فرمایا کہ کہو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اس کے بعد حضرت امیرؒ چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور دوست بھی منتشر ہونے لگے۔ مغرب کا وقت قریب تھا۔ میرے ہمراہ ایک دوست نے کہا کہ کچھ دور دوسرے اور دوست نماز ادا کر رہے ہیں۔ مجھے وضو کرنا تھا۔ اس لئے جلد اپنے مکان کی طرف چلا گیا۔

خاکسار شیخ کریم اللہ ریٹائرڈ ڈسپنسر۔ محلّہ قانون گویاں۔ گجرات

26 دسمبر 1951ء

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

آپ کی سوانح حیات اور ایام بیماری اور وصال کے مختصر حالات

شیخ محمد طفیل صاحب ایم۔اے

ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب دینے دفتر کو ہوا جب اس کا اڑا لے گئی ورق اِک ایک

14 اکتوبر کی شام کو ہم نے زرد چاندنی کے دھندلکے میں عہد حاضر کے ایک مفسر قرآن کو سپرد خاک کیا۔ حضرت مولٰینا محمد علی کی وفات سے اسلامی دنیا سے ایک عظیم المرتبت ہستی چھن گئی اور احمدیہ جماعت لاہور کے سر سے ایک بزرگ ترین وجود کا سایہ اُٹھ گیا۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے کتنے ارمان اور امنگیں تھیں جنہیں وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ قرآن کو دنیا میں پھیلانے اور قرآن کا علم دنیا میں پہنچانے کی کیا تڑپ ان کے دل میں تھی۔ جس نے زندگی کے آخری ایام تک ان کو بے چین رکھا۔ ابھی چند ہفتے ہوئے جب وہ ہمارے درمیان موجود تھے اور ہمیں ان کے لاہور پہنچنے کا انتظار تھا۔ لیکن آہ!

وہ انتظارِ شوق کی باتیں کدھر گئیں اب ہم کو انتظار ہے اس انتظار کا

عصر حاضر کے بڑے آدمیوں میں: 1948ء کا ذکر ہے کہ امریکہ سے ایک صاحب نے لکھا کہ وہ عصر حاضر کے بڑے آدمیوں کی سوانح حیات اکٹھی کر رہے ہیں۔ اور اس میں وہ مولٰینا مرحوم کی شخصیت کا تذکرہ بھی چاہتے ہیں۔ حضرت مولٰیناؒ نے اس سے قبل اگر ان سے کہا بھی گیا تو اپنی زندگی کے حالات بتانے میں کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی اور اپنے طبعی انکسار کی بناء پر اس امر کو تضیع اوقات سمجھا۔ لیکن ان صاحب کا اصرار بڑا شدید تھا اور انہوں نے حکومت پاکستان کی معرفت اپنی درخواست بھجوائی تھی۔ اس لئے مولٰینا مرحوم نے مجھے لکھا کہ میں ان کے متعلق ایک مختصر نوٹ لکھ کر بھیج دوں۔ میں نے مولٰینا عزیز بخش صاحب سے اور مولٰینا آفتاب الدین احمد صاحب کی مدد سے اپنے مضمون کو مکمل کیا اور حضرت امیرؒ کو بھجوا دیا۔ آپ نے اس میں مناسب تبدیلیاں کیں اور کچھ مشورے دیئے۔ میں نے دوبارہ اسے لکھ کر بھیجا۔ اس سے انہوں نے دو پیراگراف حذف کر دیئے اور لکھا کہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے میں اس سے ڈرتا ہوں۔ میں

اپنے آپ کو ان باتوں کا اہل نہیں سمجھتا۔ لیکن آخری دفعہ جو مسودہ ان کو بھیجا گیا اس میں دونو پیرا گراف کو میں نے دوبارہ شامل کر دیا۔ اس پر انہوں نے مزید کچھ نہ کہا اور اسی طرح وہ مضمون امریکہ بھیج دیا۔ اخبار لائٹ 1949ء کے مجدد نمبر میں وہ مضمون شائع ہو چکا ہے۔ اور اسی مضمون کا ترجمہ عربی اور جاپانی میں بھی ہو چکا ہے۔ اس طریق سے کئی بار ان کے حالات ایک مضمون کی شکل میں جمع کئے گئے۔

حضرت مولیٰناؒ کی سوانح حیات: مولیٰنا کی تاریخ پیدائش کا صحیح علم نہیں۔ غالباً 1874ء ماہ دسمبر کا کوئی دن تھا کہ آپ ایک چھوٹے سے گاؤں ''مرار'' ریاست کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد حافظ فتح دین صاحب کے آپ پانچویں بیٹے تھے۔ پانچ سال کی عمر میں آپ کو اپنے بھائی مولیٰنا عزیز بخش صاحب کے ساتھ دیالپور کے پرائمری سکول میں داخل کرا دیا گیا اور تین سال بعد دونوں بھائی کپورتھلہ ہائی سکول میں دسویں جماعت تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ میٹرک کا امتحان آپ نے 1890ء میں پاس کیا۔ گو آپ کے والد کی مالی حالت اس بات کی متحمل نہ ہو سکتی تھی کہ آپ کو لاہور بھیج کر کالج کی تعلیم دلوائیں۔ لیکن انہوں نے کوشش کر کے معقول رقم فراہم کی اور دونوں بھائیوں کو گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل کرا دیا۔ اس کالج سے مولیٰنا نے 1895ء میں ایم۔ اے پاس کیا۔ ایم۔ اے میں آپ کا مضمون انگریزی تھا۔ اس سال 23 طلباء سے کل پانچ طالب علم پاس ہوئے تھے۔ بچپن میں مولیٰنا مرحوم کو کبڈی کا شوق تھا۔ سکول میں جا کر کرکٹ کھیلتے رہے۔ لیکن اپنی تعلیم کی طرف سے کبھی غافل نہ ہوئے۔ ریاضی کے مضمون میں آپ کو خاص دلچسپی تھی۔ بی اے میں اختیاری مضامین میں سے آپ نے ریاضی کو پسند کیا۔ ایک دفعہ جب آپ نے اپنے پروفیسر سے اپنے لئے سٹرفکیٹ مانگا تو اس نے کاغذ پر صرف اتنا لکھا دیا ''محمد علی ہمارے کالج کا بہترین ریاضی دان ہے'' سکول اور کالج کے دنوں میں مولیٰنا مرحوم نے ادبی سرگرمیوں میں قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ نہ کوئی تقریر کی نہ مباحثے میں شریک ہوئے۔ نہ اشاعت کے لئے کوئی مضمون لکھا۔ آپ کو صرف اپنے مطالعہ سے غرض تھی یا صحت بنانے کے لئے جس قدر ورزش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس پر کاربند رہے۔ پیدل بہت چلا کرتے تھے۔ لمبی سیر کی عادت زندگی کے آخری سالوں تک قائم رہی۔ جب سے دل کی بیماری کا حملہ ہوا زیادہ چلنا پھرنا آپ نے ترک کر دیا تھا۔

بی اے پاس کرنے کے بعد آپ نے اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر کی حیثیت

سے ملازمت اختیار کر لی۔ لیکن گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم۔اے کی کلاسز میں بھی شریک ہوتے رہے۔ ایم اے کے بعد آپ نے لاء کالج میں داخلہ لے لیا اور بدستور اسلامیہ کالج کے پروفیسر بھی رہے۔ 1897ء میں آپ نے اسلامیہ کالج کو خیر باد کہہ کر اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسری اختیار کر لی۔ اور 1900ء تک اسی کالج میں کام کرتے رہے۔

حضرت مسیح موعود سے آپ کا تعارف: حضرت مولیناؒ جن دنوں اسلامیہ کالج میں پروفیسر تھے خواجہ کمال الدین مرحوم و مغفور بھی اسی کالج میں بحیثیت پروفیسر ملازم تھے۔ خواجہ صاحب ان دنوں احمدی ہو چکے تھے اور کبھی کبھی حضرت صاحب اور ان کے دعاوی کا تذکرہ حضرت مولینا سے بھی کرتے رہتے تھے۔ اس سے قبل 1892ء میں حضرت مسیح موعودؑ لاہور تشریف لائے تھے تو حضرت امیرؒ اپنے بھائی عزیز بخش صاحب کے ساتھ اکثر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور حضور کے کلمات طیبات کو سن کو بہت متاثر ہوتے تھے۔ لیکن ابھی بیعت کرنے میں کچھ توقف تھا۔ مارچ 1897ء میں خواجہ صاحب کی معیت میں آپ قادیان تشریف لے گئے اور وہیں سلسلہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی۔ آپ کی زندگی نے اس کے بعد ایک نئے دور میں قدم رکھا۔

ہر ہفتہ قادیان میں: تحریک احمدیت میں شمولیت کے بعد آپ مزید تین سال تک لاہور ہی میں قیام پذیر رہے۔ لیکن اس عرصہ میں اکثر قادیان جایا کرتے تھے۔ قادیان جانا ان دنوں آسان کام نہ تھا۔ ایک دفعہ جمعیت طلباء احمدیہ لاہور کے ایک اجلاس میں آپ نے اس کیفیت کو خود بیان کیا تھا۔

> ''طالب علمی کے زمانہ میں ہم عموماً قادیان جاتے تھے۔ لاہور سے گاڑی رات کے بارہ بجے بٹالہ سٹیشن پر پہنچتی تھی۔ کوئی تانگہ اور یکہ نہ تھا جو ہمیں قادیان لے جاتا۔ ہم وہاں سے پیدل ہی قادیان چل دیتے اور جا کر مسجد کے فرش پر لیٹ رہتے اور فجر کی نماز کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ ہم وہاں صرف ایک دن کے لئے جایا کرتے تھے۔ شوق کا عجیب عالم تھا۔ حضرت صاحب سے ملنے کو طبیعت کتنا چاہتی تھی ہفتہ کی رات وہاں جا کر اتوار کی شام کو واپس چل پڑتے تھے''

قادیان کا مستقل قیام: 1900ء میں آپ نے اورینٹل کالج کو چھوڑ کر گورداسپور میں وکالت شروع

کرنے کا اہتمام کیا اور حضرت مسیح موعود سے ملنے قادیان گئے اور اس بار ایسے گئے کہ پھر وہیں کے ہو رہے۔ حضرت صاحب نے ریویو آف ریلیجنز کی ادارت ان کے اور خواجہ کمال الدین صاحب کے سپرد کی۔ قادیان ایسا بھایا کہ پھر حضرت مولٰینا نورالدین صاحبؓ کے وصال 1914ء تک وہیں رہے۔ اسلام پر بہت سے مضامین تحریر کئے۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ قریباً وہیں مکمل کیا۔ صدر انجمن قادیان کے بہت عرصہ تک سکریٹری رہے بعد اختلاف سلسلہ کے بعد آپ نے لاہور میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ پہلے میکلوڈ روڈ پر ایک کوٹھی کرایہ پر لی اور اس کے ایک حصہ میں اپنی رہائش رکھی اور ایک حصہ میں اشاعت اسلام کالج قائم کیا۔ جس کے آپ خود ہی پرنسپل تھے۔ کچھ عرصہ بعد یہ کالج احمدیہ بلڈنگس میں منتقل ہو گیا اور آپ نے بھی احمدیہ بلڈنگس میں رہائش اختیار کر لی۔ جہاں قریباً بیس پچیس سال تک قیام پذیر رہے۔ اور پھر اپنی صحت کے پیش نظر مسلم ٹاؤن کی کھلی آب و ہوا میں ایک کوٹھی بنالی۔ اور وہاں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ گرمیوں کے ایام میں آپ ابتداء میں شملہ اور پھر ڈلہوزی جاتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد ایک گرمی کا موسم کوئٹہ میں گزارا۔ لیکن وہاں جا کر ایسے سخت بیمار ہو گئے کہ بچنے کی بھی امید نہ رہی۔ انگریزی ترجمۃ القرآن پر نظر ثانی کا کام شروع کر رکھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ عرصہ اور زندہ رکھنا تھا۔ اور بیماری کے پے در پے حملے کے باوجود آپ نے لاہور اور کراچی میں قرآن مجید کی نظر ثانی کا کام مکمل کر لیا۔ اس کے پروف بھی دیکھ لئے۔ صرف انڈکس کے پروف دیکھنے باقی رہ گئے تھے۔

آخری آرزو: حج کا ارادہ اور بلاد غربیہ کے دورہ کا پروگرام۔ گذشتہ دو تین سال سے حضرت امیرؒ کی بڑی آرزو تھی کہ حج کو جاسکیں اور انہوں نے اس کے لئے انتظامات بھی مکمل کر لئے تھے۔ لیکن قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر میں ابھی کچھ تبدیلیوں کی ضرورت تھی۔ قرآن مجید کے پروف بھی آنے شروع ہو گئے تھے۔ اگر آپ حج کے لئے چلے جاتے تو یہ کام نامکمل رہ جاتا۔ حج کے علاوہ آپ کا ارادہ انگلستان، جرمنی، مشرق وسطٰی اور امریکہ میں دورہ کرنے کا بھی تھا۔ اس تمام سفر میں کوئی چھ سات ماہ کا عرصہ لگتا۔ اس لئے آپ کی یہی کوشش تھی کہ جس قدر جلد ہو سکے قرآن مجید چھپ جائے۔ تا کہ آپ اطمینان سے ان ممالک کا دورہ کر سکیں۔ آپ کے ارشاد پر میں بھی عراق، مصر، ترکی اور دیگر اسلامی ممالک کے دورہ پر جانے والا

تھا۔ میں اپنی تیاریاں مکمل کر چکا تھا کہ آپ کا ایک خط ملا۔ جس میں آپ نے مجھے اس سفر کو چند ماہ ملتوی کرنے کے لئے لکھا۔ اور اپنے ایک سفر کا خاکہ بیان کیا۔ ذیل میں اس خط کی مکمل نقل درج ہے:

''پروین برنٹن روڈ۔ کراچی 20 جولائی 1950ء'' ''سردست یہ صرف آپ تک محدود ہے''

اخویم مکرم طفیل صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ کا دورہ اس رنگ میں مفید ہو کہ حضرت صاحبؒ کی پوزیشن عالم اسلامی میں صاف کی جائے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ کی کتب سے اقتباس لے کر اسے طبع کرا لیا جائے۔ ایک اور امر بھی پیش آ گیا ہے جس سے میں آپ کو اطلاع دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ دو سال سے خواجہ نذیر احمد صاحب مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں ایک سال گرمیاں ووکنگ میں کاٹوں اور میرے آنے جانے کا خرچ وہ دیں۔ اس سال میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ چلا جاؤں گا۔ مگر یہ فیصلہ جون میں کیا اور اسی سال جانے کا خیال تھا۔ مگر دو دقتیں پیش آ گئیں۔ ایک یہ کہ قرآن کریم کا مسودہ ابھی تک مقابلہ کے لئے ڈاکٹر احمد حسن صاحب کے ہاتھ میں ہے اور وہ مکمل نہیں ہوا۔ دوسرے پروف آنے شروع ہو گئے اور میرا کام یہاں بہت بڑھ گیا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ عید کے بعد چلا جاؤں۔ لیکن یہ اب ممکن نہیں رہا اور اگر جاؤں بھی تو کافی وقت باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ سال اپریل میں انگلستان جاؤں اور اگر خدا کو منظور ہو تو پھر کر بھی ایک دفعہ کوشش کی جائے کہ اسلام کی صحیح تعلیم لوگوں کے سامنے پیش کی جائے۔ ممکن ہے جیسا کہ خواجہ صاحب کا خیال ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے۔ اس کے ساتھ ہی میرا یہ خیال ہے کہ کچھ کام ووکنگ میں کر کے۔ اگر موقعہ ملا تو برلن اور اسی راستے سے استنبول بھی ہو آؤں۔ اور اس کے بعد اگر موقعہ ملا تو ایک ماہ کے لئے امریکہ کا بھی دورہ کیا جائے۔ مگر یہ بعد میں دیکھنے کی بات ہے اگر وقت نکل آیا۔ لیکن واپسی پر مصر میں ٹھہرنے کا ارادہ قطعی ہے۔ اور اگر خدا توفیق دے اور سامان بھی میسر آ جائیں تو ارادہ ہے کہ حج بھی کر آؤں۔ بلکہ یہ ایک بڑی بھاری آرزو ہے۔ اور حج کے بعد واپسی براہ دمشق اور بغداد اور بصرہ ہو۔

یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے۔ اگر خدا زندگی دے تو شائد اس کی تکمیل ہو جائے۔ مگر اس سفر کو میں جس قدر مفید بنانا چاہتا ہوں نہیں بنا سکتا۔ جب تک کہ میرے ساتھ ایک آدمی نہ ہو۔ اور میں نے بہت

سوچا ہے اب تک مجھے آپ کے سوا دوسرا آدمی اس کام کے لئے موزوں نظر نہیں آیا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ بجائے اب جانے کے اس وقت میرے ساتھ چلیں اور اگر مجھے حج کا سامان میسر آ گیا تو آپ ان ایام میں مصر اور استنبول ہو کر مجھے دمشق میں کہیں مل جائیں اور عراق کے راستے سے ہم واپس آ جائیں۔ یہ سفر کل چھ ماہ کے قریب لے گا یا سات ماہ۔ لیکن اگر خدا کو منظور ہو تو بہت مفید کام ہو سکتا ہے۔ اس لئے میں نے یہ ساری سکیم آپ کو لکھ دی ہے کہ اگر کوئی روک نہ ہو تو آپ اس سفر میں میرے ساتھ رہیں اور موجودہ سفر کو چھ ماہ کے لئے ملتوی کر دیں۔ اس طرح دونوں کام ہو جائیں گے۔ کیونکہ گو میرا خرچ خواجہ صاحب دیں گے مگر آپ کا سارا خرچ رائلٹی فنڈ پر ہو گا۔ میں اس تجویز کو اس لحاظ سے بھی مفید سمجھتا ہوں کہ ان چھ ماہ میں آپ بھی اور میں بھی حسب ضرورت لیکچر بھی تیار کر لیں۔ اور جو لٹریچر ساتھ لے جانا ہے وہ بھی تیار کر لیں۔ اس وقت تک قرآن کریم کی نئی ایڈیشن بھی آ گئی ہو گی اور ہمارا کام زیادہ مفید ہو جائے گا۔ میں سر دست ان امور کا عام اعلان پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ اس میں بہت سے امور مشورہ طلب بھی ہیں۔ جن پر میں لاہور پہنچ کر مشورہ لے سکتا ہوں۔ لیکن اگر یہ میرا سفر کسی وجہ سے ملتوی بھی ہو جائے تو پھر آپ کا فروری یا مارچ میں نکل جانا مناسب ہو گا۔ والسلام۔ محمد علی

ناسازیٔ طبع اور طویل سفر کی ممانعت: لاہور پہنچ کر باوجود ناسازی طبیعت اور ناطاقتی کے آپ کا یہ ارادہ تبدیل نہ ہوا۔ اپریل کے لئے جہاز میں سیٹیں بُک کر دی گئیں۔ لیکن مارچ 1951ء میں جب ڈاکٹر نے آپ کا معائنہ کیا تو ایسے طویل سفر کی قطعی ممانعت کر دی۔ 5 اپریل کو میں دفتر میں بیٹھا کاغذات دیکھ رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ رسیور اُٹھایا تو مسلم ٹاؤن سے ایک صاحب کہہ رہے تھے۔ ''دیکھئے ڈاکٹر وزیر احمد صاحب قریشی اور چیمہ صاحب کو تار دے دیں کہ اتوار کو نہ آئیں۔ حضرت امیرؒ کی طبیعت یک لخت خراب ہو گئی ہے۔ انہیں رات تکلیف ہو گئی تھی''

''اوہو۔ میں نے گھبرا کر پوچھا'' اب کیا حال ہے'' ''اب ٹھیک ہے۔ دفتر کی کوئی ڈاک بھی ان کے پاس نہ بھیجیں اور نہ احباب ملاقات کے لئے آئیں''

''بہت اچھا''۔ یہ کہہ کر میں نے رسیور رکھ دیا۔ ڈاکٹر وزیر احمد قریشی اور چیمہ صاحب حضرت مولٰینا صدر الدین صاحب کی معیت میں ایک اہم مقصد کے لئے آپ سے اتوار کو ملنا چاہتے تھے۔ لیکن

ڈاکٹر نے مکمل ایک ماہ کے لئے کام سے منع کر دیا تھا۔ چند روز تک تو کسی قسم کے کاغذات دفتر کی طرف سے آپ کے پاس نہ بھیجے گئے۔ لیکن کچھ ایسے امور بھی تھے جن کے متعلق آپ سے مشورہ کرنا ضروری ہو جاتا تھا۔

ملاقات بحالت بیماری: 19 اپریل کو مجھے مسلم ٹاؤن جانا پڑا۔ پونے دس بجے صبح میں آپ کی کوٹھی پر حاضر ہوا۔ دائیں طرف آپ کا دفتر تھا۔ جہاں آپ بیٹھ کر کام کیا کرتے تھے۔ اور جب سے کراچی سے آئے تھے کرسی پر بیٹھنا چونکہ آپ کے لئے مشکل تھا، اس لئے آپ کے دفتر میں پلنگ بچھا دیا گیا تھا اور وہیں گاؤ تکیہ کا سہارا لے کر آپ قرآن مجید کے پروف دیکھا کرتے تھے۔ لیکن اب وہ نواری پلنگ خالی پڑا تھا۔ تمام دفتر کا منظر اکھڑا اکھڑا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں حضرت مولٰینا کے سامنے ایک دوسرے کمرے میں کھڑا تھا۔ آپ بستر میں لیٹے ہوئے تھے۔ اور اپنے مونہہ کو ایک سفید رومال سے ڈھانپ رکھا تھا۔ صرف آنکھیں کھلی تھیں۔ چونکہ مجھے قلت وقت اور حضرت مولٰینا کی ناسازی طبیعت کا شدید احساس تھا اس لئے میں نے السلام علیکم کہہ کر اپنے آنے کی غرض بیان کی۔ ترکی زبان میں ''لونگ تھاٹس آف پرافٹ محمدؐ '' کا ترجمہ مکمل ہو چکا تھا۔ اور اس کی طباعت کی منظوری بکار تھی۔ اگر آخر اپریل کے بعد یہ منظوری دی جاتی تو مطبع والے خرچ زیادہ کر دیتے۔ بڑی نحیف آواز سے فرمایا ''کہاں سے یہ رقم ادا کی جائے''۔ میں نے کہا ''رائلٹی فنڈ'' سے۔ فرمایا اس پر تو آگے ہی کافی بوجھ پڑا ہوا ہے۔ تصنیف و تالیف میں سے ادا کرنے کی منظوری لے لیں۔ میں نے کاغذ پر یہ الفاظ لکھے: ''انجمن میں پیش کر کے منظوری لے لیں'' اور پھر کاغذ آپ کے دستخطوں کے لئے آپ کے قریب کر دیا۔ آپ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ''محمد علی'' لکھا اور کچھ دیر کے لئے رک گئے۔ جیسے کچھ اور لکھنا چاہتے تھے۔ شائد تاریخ۔ پھر جیسے تھک گئے ہوں۔ اور کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے خود اس کے نیچے تاریخ ڈال دی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ رحمان بی گجراج صاحب برٹش گائنا میں انجمن کی شاخ قائم کرنے کی منظوری لینا چاہتے ہیں۔ یہ معاملہ بھی انجمن میں پیش کر دیا جائے۔ فرمانے لگے۔ ہاں۔

مراد کیوان صاحب کے متعلق ذکر کیا کہ انہیں ملتان لے جانے کا خیال ہے کہ میاں شیخ عطاء اللہ صاحب سے مل آئیں۔ فرمایا ٹھیک ہے۔ میری گفتگو تمام ہو چکی تھی۔ میں اس سے زیادہ اور کوئی

ذکر نہ چھیڑنا چاہتا تھا۔ اور آپ سے اجازت چاہتا تھا کہ میں نے حضرت امیرؒ کے لبوں کو حرکت میں دیکھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے آپ کہہ رہے ہیں۔ ''بس اب آپ جائیں میں آرام کرنا چاہتا ہوں''۔ اور میں نے باہر نکلنے کے لئے قدم بڑھایا۔ لیکن پھر مجھے محسوس ہوا کہ آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں: ''ایک خط آیا تھا۔'' آپ نے بہت ہی نحیف آواز میں فرمایا۔

میں نے کہا ''جی'' اور باقی بات سننے کے لئے اپنے سر کو تکئے کے قریب لے گیا تا کہ آپ کو زور سے بولنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔ آپ نے رکتے رکتے فرمایا: ''تصدق حسین صاحب قادری نے اس کے بعد سانس لینے کے لئے رک گئے۔ پھر فرمایا۔ لکھا ہے...... کہ ابراھیم سیجوانی صاحب نے تین سو روپے ماہوار دینے کا وعدہ کیا ہے کہ اس سے کہیں مشن کھولا جائے۔ ترکی یا ہانگ کانگ میں''۔ میں نے عرض کیا ترکی کی طرف ہمیں توجہ کرنی چاہئیے۔ فرمایا ''ہاں۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ اسے بھی انجمن میں پیش کر دیں''۔ تمام باتیں جیسے ختم ہو چکی تھیں۔ آپ نے اپنے تھکے ہوئے سر کو ایک طرف ڈال دیا۔ میں نے عرض کیا ''طبیعت کیسی ہے'' فرمایا۔ الحمدللہ۔ اور میں مصافحہ کر کے رخصت ہوا۔

شگفتگی کے آثار: کچھ دنوں بعد آپ کی طبیعت سنبھل گئی۔ ایک دن مجھے اور شیخ محمد آصف صاحب کو اکٹھے وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس دن کافی باتیں کرتے رہے۔ جماعت کی موجودہ حالت اور اندرونی مسائل پر بھی گفتگو ہوئی۔ ایک بار پھر آپ کے چہرہ پر شگفتگی کے آثار نظر آنے لگے۔

کراچی کو روانگی: 31 مئی کو صبح آپ پاکستان میل سے کراچی روانہ ہوئے۔ صحت پہلے سے بہتر تھی۔ میں نے اسٹیشن پر تصاویر لینے کے لئے فوٹو گرافر کا انتظام کیا تھا۔ آپ گاڑی کے کمپارٹمنٹ میں کرسی بچھا کر دروازہ میں بیٹھے تھے۔ چہرے پر نقاہت کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن طمانیت بھی جھلک رہی تھی۔ فوٹو گرافر کو دیکھ کر فرمانے لگے ''یہ آپ نے بہت تکلیف کی''۔ آپ تصویر کھچوانے پر جلدی سے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ اور اگر کبھی آمادگی کا اظہار کرتے تو جس حالت میں ہوتے اسی طرح کیمرے کے سامنے کھڑے ہو جاتے۔ اس وقت دو تصاویر لی گئیں۔ ایک علیحدہ اور دوسری دوستوں کے ہمراہ۔ اگر اس کے بعد کراچی میں آپ کی تصاویر نہیں اتاری گئیں تو پھر یہی آپ کی آخری تصاویر ہیں۔ احباب لاہور نے آخری بار 31 مئی کو آپ کو الوداع کہا۔

نماز اور کام: کراچی پہنچ کر آپ کی صحت میں قدرے ترقی ہوئی۔ لیکن کام کی زیادتی اور انتظامی معاملات کی الجھنوں نے آخر وقت تک گھیرے رکھا۔ کام کی کثرت سے آپ کبھی نہ گھبراتے تھے بلکہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں کام کرنا چھوڑ دوں تو پھر میں زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ کام کرنے سے انسان کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ اور آپ نے تمام عمر اسی اصول پر عمل کیا۔ عام طور پر آپ صبح تین بجے تہجد کے لئے اُٹھ جاتے اور نماز سے فارغ ہو کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے تھے۔

آپ کا وصال: کراچی پہنچ کر آپ کی صحت سنبھل رہی تھی۔ لیکن 11 اکتوبر 1951ء جمعرات کی شام کو اطلاع ملی کہ آپ کے شکم میں درد ہے۔ اور طبیعت اچھی نہیں رہی۔ اور ہفتہ 13 اکتوبر کو دو بجے کے قریب اطلاع ملی کہ آپ ساڑھے گیارہ بجے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۔

جنازہ کی آمد: 14 اکتوبر کی شام کو آٹھ بجے پاکستان میل سے احباب نے المناک آنکھوں اور سوگوار ہاتھوں سے آپ کا جنازہ اتارا۔ 16 اکتوبر کو ویسے بھی آپ لاہور اسی گاڑی سے پہنچ رہے تھے۔ قدرت دو دن پہلے انہیں اس حالت میں لے آئی۔ جنازہ ٹرک پر رکھ کر پہلے آپ کے گھر مسلم ٹاؤن میں لے جایا گیا۔ احباب جماعت بہت بڑی تعداد میں مسجد احمدیہ بلڈنگس میں جمع تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے مسلم ٹاؤن سے جنازہ واپس لایا گیا اور مسجد میں محراب کے قریب جہاں آپ خطبہ پڑھا کرتے تھے احباب کی دعاؤں کے لئے آپ کا جنازہ رکھا گیا۔ آپ کے برادر بزرگ مولینا عزیز بخش صاحب یاس والم کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ کہتے تھے جنازہ تو میرا حضرت امیر نے پڑھانا تھا۔ آج یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے۔ لوگوں نے صفیں درست کیں اور مولینا عزیز بخش صاحب نے رقت بھری آواز میں مولینا مرحوم کی روح پر سلامتی بھیجنے کے لئے اللہ اکبر کہہ کر صلوٰۃ جنازہ کے لئے ہاتھ باندھ لئے۔ اور سب احباب نے ان کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی۔

جنازہ کی روانگی: بعض احباب نے نماز جنازہ کے بعد چہرہ دیکھنے کے لئے اصرار کیا۔ لیکن میاں نصیر احمد صاحب فاروقی، میاں محمد صاحب لائل پوری اور خان بہادر غلام ربانی نے لوگوں کو اس امر سے منع کر دیا کہ کراچی سے لاتے وقت میت کو حفاظت کے ٹیکے نہیں لگوائے گئے تھے۔ اس لئے ڈاکٹروں نے بکس کو لاہور میں کھولنے سے منع کر دیا تھا۔ مسلم ٹاؤن میں بھی چہرہ کسی کو نہیں دکھایا گیا۔ لیکن میاں سعید

احمد صاحب کسی صورت نہ مانتے تھے۔ خان بہادر غلام ربانی نے کہا کہ آپ لوگ زیادہ اصرار نہ کریں اور اس خوبصورت چہرے کا تصور اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھیں جو آپ نے حضرت کی زندگی میں دیکھا تھا۔ اس وقت آپ کا چہرہ دیکھ کر آپ کیا کریں گے۔ یہ باتیں سن کر احباب زار زار رونے لگے۔ چند احباب نے بڑھ کر جنازہ کو اُٹھا لیا اور کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے اسے آخری آرام گاہ کی طرف لے چلے۔ قریباً چالیس منٹ میں جنازہ اپنی آخری منزل تک پہنچ گیا۔

افسوس کہ آ پہنچا لبِ گور جنازہ　　وہ بحر محبت کا کنارہ نظر آیا

نو بج کر چالیس منٹ پر آپ کی میت کو آہستہ سے قبر میں اتار دیا گیا۔ پینتالیس منٹ بعد لوگ آپ کے مرقد پر دعا مانگ رہے تھے۔ مرزا مظفر بیگ صاحب نے اس موقع پر ایک مختصر تقریر کی۔ اور پھر لوگ آہستہ آہستہ اپنے محبوب امیر کو شہرِ خموشاں کے سپرد کر کے نکل آئے۔ فلک پر چاند اپنی زرد شعاعوں کے ساتھ اس منظر کو حیرت سے تک رہا تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

26 دسمبر 1951ء

حضرت مولٰینا محمد علیؒ کے مجھ پر احسانات

حضرت مولٰینا عزیز بخش برادر بزرگ حضرت امیر مرحوم

حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی مرحوم ومغفور کے احسانات مجھ پر بے شمار ہیں۔چند ایک ذکر کرتا ہوں۔

اول۔میری زندگی بفضلہٖ تعالیٰ انہوں نے بنادی۔کیونکہ جب میں نے اپنی نصف پنشن کا روپیہ یکجا لے کر جو 5400 کی رقم تھی ارادہ کیا کہ اپنے مولد موضع مرار ریاست کپورتھلہ میں اپنی زمین میں باغ لگا کر باقی ایام زندگی وہاں آرام سے صرف کروں گا۔تو انہوں نے فرمایا آپ نکمے ہو جاؤ گے۔ آپ کو کوئی دینی کام کرنا چاہئے اور اپنی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور میں خدمت اسلام کی ضرورت ظاہر فرمائی۔جس کو میں نے بہ طیب خاطر قبول کیا۔اور 1920ء اس انجمن میں مختلف عہدوں پر کام کرتا رہا۔حضرت ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم کو جب پنشن لینے کے بعد ایک معقول ملازمت پیش ہوئی تو انہوں نے منظور کرنے سے پیشتر حضرت مولانا محمد علی صاحب سے مشورہ کرنا چاہا تو ان کا ایک ہی فقرہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی زندگی میں انقلاب عظیم کا موجب بن گیا۔جو یہ تھا۔

عمر بگذشت ونماند است جز ایامے چند　　به که در یاد کسے صبح کنیم شامے چند

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اپنی بیش بہا کتاب ''مجدد اعظم'' تصنیف کی۔

دوم۔میری خانہ آبادی کا باعث بھی مولٰینا مرحوم ومغفور ہوئے۔کیونکہ جب میری پہلی بیوی رابعہ غضر ھا اللہ 1920ء میں فوت ہوگئی تو مجھے بڑا صدمہ ہوا اور تسکین دل کے لئے میں دو سال کی رخصت لے کر ڈیرہ غازی خان سے چلا آیا۔اور حضرت مرحوم ومغفور کے پاس ان کے مکان واقعہ احمدیہ بلڈنگس لاہور میں رہا۔اس وقت انہوں نے مجھے اپنی انجمن میں سیکرٹری کے کام پر زیر سایہ حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم لگا دیا۔چنانچہ سالانہ رپورٹ اس سال کی میری ہی لکھی ہوئی ہے۔لیکن جب مجھے ملتان کے کمشنر صاحب نے ڈیرہ غازی خاں کا ہیڈ کلرک بنا دیا تو میں واپس چلا گیا۔اور میں پھر اپنی خانہ آبادی کی فکر میں لگ گیا۔چنانچہ یہ مرحلہ بھی حضرت مرحوم ومغفور کے مبارک ہاتھوں سے سر

انجام ہوا اور انہوں نے میری شادی ایک نومسلمہ سکاچ لیڈی سے کردی جو دو سال سے بیوہ ہو چکی تھی۔ اس کا اپنا خط انگریزی اخبار ''لائٹ'' مورخہ 15 نومبر میں شائع ہو چکا ہے۔ آخر میں عرض ہے کہ بچپنے میں جب ہم کپورتھلہ میں پڑھتے تھے تو میں نے کچھ عرصہ اپنے ہاتھ سے روٹی پکا کر اپنے پیارے چھوٹے بھائی محمد علیؒ کو کھلائی ہے۔ اس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری امیدوں سے بڑھ کر دیا ہے۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**

عزیز بخش
احمدیہ بلڈنگس لاہور

۞۞۞

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ کے ساتھ کام میں

مرزا محمد یعقوب بیگ صاحب۔ بی۔اے۔ بی ٹی ٹیچر مسلم ہائی سکول لاہور

اُن دنوں میں واقف زندگی تھا۔ اور زیر تربیت میرے شب و روز تبلیغی کلاس کے نصاب کے مطالعہ میں گزرتے تھے۔ ذہن وقلب پر صرف ایک ہی خیال مسلط رہتا کہ اب تبلیغ واشاعت دین ہی تمہارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد تم دنیا کے کسی خطے میں پہنچ جاؤ گے جہاں اسلام کی نیابت تمہارا فریضہ ہوگا۔

قرآن پڑھنے کا زرین موقعہ: اچانک ایک دن سیکرٹری انجمن کا ہدایت نامہ ملا کہ تم حضرت امیرؒ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور پروف پڑھنے کے کام میں آپ کی مدد کرو۔ میں بہت گھبرایا۔ سوچا کہ آج پروف ریڈنگ کل کچھ اور اور پھر......لیکن دوبارہ غور کیا تو بے حد خوشی ہوئی۔ سوچا کہ یہ تو نصرت الٰہی ہے کہ حضرت امیرؒ سے قرآن پڑھنے کا زرین موقعہ ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ دوسرے دن میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ ابھی باہر تشریف نہ لائے تھے۔ میں باہر برآمدے میں مولوی عبدالوہاب کے پاس بیٹھ گیا کہ آپ تشریف لائے اور مجھ کو دیکھ لیا۔ لیکن میں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ ''مرزا ابھی آ گئے''۔ میں فوراً باادب کھڑا ہو گیا۔ سلام مسنون عرض کیا۔ مصافحہ کیا اور کہا ''جی ہاں۔ تعمیل ارشاد میں حاضر ہوں

حضرت کی پروف بینی: پروف ریڈنگ میں روزانہ کئی گھنٹے صرف ہوتے۔ طریق یہ تھا کہ روز کا کام روز ختم ہو جائے۔ اکثر مجھے صبح سے شام تک ٹھہرنا پڑتا۔ حضرت پروف دیکھتے۔ میں متن کا ترجمہ اور حواشی پڑھتا۔ زیر وزبر کا اصل سے مقابلہ ہوتا۔ پھر میں متن (عربی) پڑھتا اور حضرت ترجمے کے الفاظ پر غور فرماتے۔ میں نے سنا تھا کہ حضرت اٹھارہ اٹھارہ، بیس بیس گھنٹے مسلسل دماغی محنت کے عادی ہیں۔ لیکن اس دوران میں مجھے یہ دیکھ کر سخت صدمہ ہوا کہ آپ کے قوٰی میں اضمحلال واقع ہو چکا ہے اور اب وہ قوت کار موجود نہیں جس کا شہرہ تھا۔ کیونکہ میں پروف پڑھنے میں منہمک ہوتا اور حضرت فرماتے۔ ''مرزا

جی ٹھہر جاؤ''۔ قلم رکھ دیتے۔ عینک اتار دیتے اور ٹہلنے لگتے۔ دو چار منٹ ادھر اُدھر گشت کرتے پھر آ کر بیٹھ جاتے۔ پروف اُٹھاتے اور فرماتے۔ اچھا پڑھو۔

ایک روز کچھ غلطیاں رہ گئیں۔ میں دوسرے روز صبح پہنچا تو موٹر بڑے دروازے کے پاس کھڑی تھی بیگم صاحبہ موٹر میں بیٹھی تھیں میں موٹر کے اس طرف تھا۔ حضرت امیرؒ نے اس طرف مجھے دیکھا تو گھوم کر بڑی پھرتی سے میری طرف لپکے اور فرمایا۔ مرزا جی! آپ کس طرح پروف دیکھتے ہیں۔ اتنی غلطیاں باقی رہ جاتی ہیں کہ الامان!

میں نے کچھ اس طرح عرض کیا کہ حضرت! میں نے کب آخری پروف ریڈر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ کوئی مجھے طرح دے گیا تو آپ کے ہتے چڑھ گیا اور آپ کو طرح دے گیا۔ جائے استاد خالی است''۔ آپ مسکرائے۔ پروف میرے ہاتھ میں دیئے۔ اور موٹر میں بیٹھ کر چلے گئے اور بات آئی گئی ہو گئی۔

ترجمہ میں ایک اصلاح: ترجمہ اور متن عربی کو بالجہر پڑھا جاتا۔ اس دوران میں مجھے مسلسل اپنے مقصد کو پیش نظر رکھنا پڑتا۔ جہاں کوئی مشکل مقام آتا۔ میں زود یا بدیر کوئی نہ کوئی سوال کر دیتا۔ حضرت بڑی خندہ پیشانی سے سنتے اور جواب دیتے۔ پڑھتے پڑھتے سورہ ھود کا وہ مقام آ گیا جہاں ضیف ابراہیمؑ کا ذکر ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ عجل حنیذ لا کر پیش کرتے ہیں۔ مہمان کھانے سے بے نیاز رہے۔ ان کی کسی حرکت سے بھنے ہوئے عجل حنیذ کی اشتہاء انگیز موجودگی مترشح نہیں ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ ڈرے۔ **لاتخف** نے آپ کو تسلی دی۔ **انا ارسلنا الٰی قوم لوطٍ** نے مزید وضاحت کی۔ پاس ہی حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کھڑی تھیں۔ **فضحکت**۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کی ہنسی کچھ بھلی معلوم نہیں ہوتی۔ یہ ذوق سلیم پر بار ہے۔ آپ نے Laughed ترجمہ لکھا ہے۔ آپ نے فوراً فرمایا۔ ذرا اندر سے بیان القرآن اُٹھا لانا (اس وقت ہم صحن میں بیٹھے تھے) میں گیا اور بیان القرآن لے آیا۔ آپ نے وہ مقام نکالا۔ فرمایا نوٹ پڑھو۔ میں نے نوٹ پڑھا تو آپ نے زیر لب فرمایا۔ اس سے تعجبت کا معنی بھی تو نکلتا ہے قلم لیا laughed کو قلمزن فرمایا اور wondered میں تبدیل کر دیا۔

''چکی پیہیئے'': میں نے بھی اپنے پرانے خول کو اتار دیا تھا اور بڑی محنت وکاوش سے کام کرنے لگا تھا۔ چند دن بعد حضرت مجھ سے کچھ زیادہ التفات برتنے لگے۔ اکثر میں بہت جلدی پہنچ جاتا۔ آپ میرے پہنچنے کے بعد وارد ہوتے۔ مجھے دیکھ کر مسکراتے اور مشفقانہ فرماتے۔'' آؤ! مرزا جی! چکی پیہیئے'' (یعنی آؤ مرزا جی چکی پیسیں) پھر ہم پروف لے کر بیٹھتے اور ترجمہ اور متن عربی ختم کر کے ہی اُٹھتے۔

ایک لطیفہ: ایک دن میں دیر سے پہنچا۔ حضرت دارالمطالعہ میں آ چکے تھے اور کام میں مصروف تھے۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور زور سے ''السلام علیکم'' کہا۔ آپ نے فرمایا۔'' آؤ۔ مرزا جی! اَج تے بڑی چھیتی آ گیئے اؤ'' (یعنی آج تو آپ بہت جلدی آ گئے ہو) میں نے عرض کیا۔ جی۔ بس......بس۔ فرمایا بس...... وہ فقیر عزیز الدین کے نوکر کا قصہ سنا ہے اور کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ قصہ یوں ہے کہ فقیر صاحب کھانے پر بیٹھے اور نوکر کو کہا۔ کہ ذرا بازار سے دہی لے آؤ۔ وہ گیا تو سہی لیکن تھا صاحب ذوق۔ راستہ میں اُلجھ گیا۔ پورے تین چار دن مارا مارا پھرتا رہا۔ چوتھے دن صبح سویرے دہی لے کر آ رہا تھا کہ پاؤں پھسلا اور گر گیا۔ کسی نے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ تو بولا'' کی دسیے ۔جی فقیر صاحب دیاں کہلیاں نے مار دتا اے'' (یعنی کیا بتائیں فقیر صاحب کی جلد بازی نے مار دیا) میں بھی کھلکھلا کر ہنس پڑا اور ہم پروف لے کر بیٹھ گئے۔

''یوں پڑھا کرو'': کام قریب قریب مکمل ہو چکا تھا۔ دیباچہ کے پروف باقی تھے۔ پڑھتے پڑھتے جب آخر تک پہنچا تو میں نے حضرت کا نام اور پتہ چھوڑ دیا۔ جانے کیا خیال آیا۔ میں خود حیران ہوں۔ آپ بڑے سٹ پٹائے اور فرمایا۔''تسیں پروف ریڈر نہیں اُوں'' (یعنی آپ پروف ریڈر نہیں ہیں) میں نے فوراً پڑھا۔ محمد علی۔ مسلم ٹاؤن۔ پی۔ او۔ اچھرہ۔ لاہور۔ پاکستان۔ مئی آٹھ انیس سو اڑتالیس۔ آپ نے تبسم فرمایا اور بولے''یوں پڑھا کرو''

لسی کی عادت: آپ کی عادتیں بڑی سادہ تھیں۔ تکلف نام کو نہ تھا۔ آپ ٹھیٹھ پنجابی تھے۔ چنانچہ گیارہ بجے کے قریب آپ سردیوں میں بھی لسی پیتے تھے۔ پہلے دن جب لسی آئی تو گلاس میری طرف بڑھایا۔ فرمایا پیو گے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ اس وقت نہیں ضرورت ہوگی تو عرض کروں گا۔ ایک دن مجھے سخت پیاس لگی۔ پروف پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا کہ لسی پیوں گا۔ آپ نے نوکر کو بلایا اور حکم دیا لسی لے آؤ۔ وہ اندرون خانہ سے خالی ہاتھ لوٹا۔ کہنے لگا لسی ختم ہوگئی ہے۔ آپ نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈالا اور

بولے۔ جاؤ ایک پاؤ دہی کی لسی بنوا لاؤ اور مجھے مخاطب ہو کر کہا۔ ٹھہریئے ابھی آتی ہے۔ چنانچہ نوکر گیا آپ وہیں بیٹھ گئے۔ لسی آئی مجھے پلائی اور پھر اندر تشریف لے گئے۔

پھر سکول میں ابھی کام پائیہ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا کہ میرے مقدر نے پلٹا کھایا۔ قلت اساتذہ نے ہیڈ ماسٹر محمد یعقوب خان صاحب کو مجبور کر دیا کہ وہ انجمن سے پھر مجھے مانگ لیں۔ معاملہ انجمن میں پیش ہو۔ پاس ہوا اور مجھے اطلاع مل گئی کہ تم سات جون کو سکول میں حاضر ہو جاؤ۔ اس حکم نامے نے میرے تمام تبلیغی قلعے مسمار کر دیئے۔ میں وہ حکم نامہ حضرت امیرؒ کی خدمت اقدس میں لے کر پہنچا اور عرض کیا کہ آپ نے مجھے پھر سکول کی دلدل میں دھکیل دیا۔ آپ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا۔ ہاں! آں ن۔ اللہ تعالیٰ کوئی موقع دے دے گا۔ میں موقع کا منتظر ہوں۔

26 دسمبر 1951ء

حضرت مسیح موعود کی معجز نما قوت قدسی

مولانا محمد علی صاحب کا اسلامی نشاۃِ ثانیہ میں حقیقی مقام

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

مامورین الٰہی کی نہ صرف اپنی زندگیاں ایک عظیم الشان معجزہ پیش کرتی ہیں جس سے خدا تعالیٰ کی پنہاں ہستی پر یقین کی راہ پیدا ہوتی ہے بلکہ یہ آسمانی ہستیاں اپنے رفقاء کی زندگیوں میں بھی ایسی خارق عادت تبدیلی پیدا کر دکھاتی ہیں جو انقلاب کسی اور طرح پیدا کیا جانا ممکن ہی نہیں۔ مذہب کی آخری غرض و غایت دنیاوی اغراض و مقاصد سے توجہ کو ہٹا کر دینی مقاصد پر انسان کی اعلیٰ صلاحیتوں کو لگا دینا ہے۔ یہ ایک ایسا بلند و عظیم الشان مگر سب سے کٹھن کام ہے کہ جس کے لئے بہت بڑی قوت قدسی اور اعلیٰ درجہ کے نمونہ وجذب کی ضرورت ہے۔ احیاء موتی کے ایسے زبردست معجزے بجز آسمانی اصحاب کے دوسروں سے ظہور پذیر ہونا قریباً ناممکنات میں سے ہے۔ دنیاوی مقاصد حب وطن وقوم کی خاطر دوسروں میں تبدیلی پیدا کر دکھانا نسبتاً آسان بات ہے مگر مشکل ترین امر یہ ہے کہ خالصتاً دین کے لئے زندگیوں کے رخ کو پلٹ کر دکھایا جائے۔ چنانچہ یہی وہ اعلیٰ ترین معجزہ ہے جس کا نمونہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی زندگی پیش کر رہی ہے۔ عین اٹھتی جوانی کا وقت ہے۔ آپ اپنی اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کر چکے ہیں۔ اور یہ ایسا زمانہ تھا جبکہ انگریزی تعلیم میں ادنیٰ درجہ دسترس رکھنے والوں کے لئے بھی میدان ترقی کھلا تھا۔ آپ ایم۔اے۔ ایل۔ایل۔بی کے بعد جس اعلیٰ سروس میں قدم رکھنا چاہتے۔ اس کے دروازے آپ پر چوپٹ کھلے تھے۔ سروس کے علاوہ اگر آپ پریکٹس کرنا چاہتے تو اس میدان میں بھی نمایاں کامیابی قدم چومنے کو تیار تھی۔ چنانچہ آپ نے گورداسپور میں اس کے لئے تمام سامان وغیرہ تیار بھی کر لیا تھا۔ مگر جب حضرت مسیح موعود کے پاس گئے اور واپسی کی اجازت طلب کی تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا ارادہ انگریزی زبان میں ایک رسالہ اسلام پر نکالنے کا ہے۔ اس ارشاد پر سب ارادے ترک کر دیئے گئے۔ وہ دنیاوی آرزوئیں وہ جوانی کی امنگیں، خصوصاً ایک ایسے نوجوان کی جو اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا ثبوت دے چکا ہو، کس طرح ختم ہو گئیں۔ کیونکر مستقبل کے خوشنما تصور یک لخت ملیا میٹ کر

دیئے گئے یا کس طرح درویشانہ زندگی کو دنیاوی چمک دمک پر ترجیح دے کر اختیار کر لیا گیا۔ یہ ایک ایسا نظارہ ہے جسے الفاظ میں ادا کرنے سے بہتر ذہنی تصور میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تمام کششوں اور رنگین تمناؤں کو پائمال کر کے انہیں قربان کر دینا اور جملہ دنیاوی آسائشوں اور خوشنما وادیوں سے یکسر مونہہ موڑ لینا کیا اندرونی کشش کا طالب ہوا ہوگا؟ کس شے کے عوض؟ ایک ایسے شخص کی ندا پر جو دنیا میں بدنام ترین سمجھا جاتا ہے۔ جسے اپنی قوم کی طرف سے گالیوں کے سوائے اور کچھ حاصل نہیں۔ ایک ایسے دین کی خاطر جو ترقی یافتہ اور مہذب کہلانے والی قوموں کی نگاہ میں بربریت ووحشت کا مذہب ہے۔ ذرا تصور پر زور دیجئے کہ وہ کس قدر عظیم الشان کشش، کس قدر زبردست قوت قدسی ہوگی، جس کے طفیل یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا۔

''آفاق'' اور ''ڈان'' کے نوٹ: حضرت مولٰینا محمد علی صاحبؒ کی وفات پر جو نوٹ اخبار ''آفاق'' میں نکلا وہ یہ ہے:

''گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے کرنے کے بعد 1895ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایل۔ایل۔بی کی ڈگری حاصل کی۔ ایک ایسے وقت میں، جبکہ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم یافتہ خال خال ملتے تھے اور سرکاری ملازمتوں میں انہیں مونہہ مانگا انعام ملتا تھا مولانا مرحوم نے نوکری پر اسلام کو ترجیح دی'' (آفاق 18 اکتوبر 1951ء)

انگریزی اخبار ''ڈان'' کا مقالہ ''آفاق'' کے متذکرہ بالا خیالات سے زیادہ واضح رنگ میں ان جذبات کی طرف اشارہ کرتا ہے جن کی طرف ہم احباب کرام کی توجہ کو مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ڈان کے مفصلہ ذیل الفاظ غور کے قابل ہیں:

''انیسوی صدی کے آخری ایام میں، جبکہ اعلیٰ تعلیم کا لازمی منتہائے نظر صرف سرکاری ملازمت سمجھی جاتی تھی، ایک ایسے لائق وقابل شخص کو، کہ جس نے اپنی زندگی کے لئے تبلیغی میدان کو منتخب کیا ہو، کیا کچھ قربانی نہیں کرنا پڑی جس کے نتیجہ میں اس نے سرکاری ملازمت کی تمام کششوں سے کنارہ کشی کر کے اس دنیاوی جذبہ پر فتح پائی ہوگی۔''

حضرت مرزا صاحب کی مجددیت: جب مسلمانوں کا سنجیدہ اور فہمیدہ طبقہ اس نتیجہ پر جا پہنچتا ہے کہ واقعی حضرت مولانا محمد علی صاحب ایسے لائق وقابل شخص سے جس شئے نے دنیاوی کششوں کو ترک کر کے دین اسلام کے لئے زندگی کو وقف کرنے کی تحریک کی وہ ایک بہت بڑی قوت ہوگی تو انہیں حضرت مرزا صاحب کی ندائے مجددیت وملہمیت کے قبول کرنے میں باقی کونسی کسر رہ جاتی ہے؟ کاش ایسے اصحاب جرأت وہمت کے مالک ہوتے اور حق کی قبولیت کے لئے وہ مجاہدانہ عزم رکھنے والے ہوتے جو دین اسلام کا طغراء امتیاز ہے تو آج کتنا بڑا انقلاب پیدا ہو گیا ہوتا! حضرت مولانا مرحوم کی معرکۃ الآرا تصنیف ''دی ریلجن آف اسلام'' جب پہلے پہل شائع ہوئی تو اس پر جو ریویو مسٹر مارڈیوک پکتھال نے لکھا اس کا ایک ہی فقرہ حضرت مولانا کی عظیم خدمات اسلامی کا واضح اعتراف ہے۔ ''کسی زندہ شخص نے حضرت مولانا کی نسبت زیادہ طویل یا زیادہ قابل قدر خدمات تجدید واحیاء دین کے بارہ میں نہیں کیں'' اگر حضرت مرزا صاحب کے شاگردوں کی خدمات در بارہ تجدید اسلام بے مثل ہیں تو پھر ان کے مجدد اعظم ہونے میں باقی کونسا شک وشبہ رہ گیا؟!

حضرت مسیح موعود کے خدام کی بے مثل خدمات: مسٹر پکتھال کے ریمارکس کے مطابق ہی ایک مرتبہ ایک نوجوان نے بہت عرصہ ہوا مجھے یہ کہا کہ اگر حضرت مولانا نے مجددیت کا دعویٰ کیا ہوتا تو وہ ان کے اس دعویٰ کو بخوشی تسلیم کر لیتے۔ میں نے اسے جواباً یہ کہا کہ مجھے اس بات کے تسلیم کرنے میں تامل ہے۔ کیونکہ حضرت مولٰینا نے جس سرچشمہ سے سیرابی حاصل کی جب وہ اسے ماننے کو تیار نہیں یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت مولانا کے دعویٰ مجددیت کو تسلیم کر لیتے۔ دنیا کے لوگ جو حق پرستی وحق گوئی کے لئے ہمت وشجاعت نہیں پاتے وہ اسی قسم کے عذر بنا کر اپنے دل کو تسلی اور دوسروں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ مولٰینا ابوالکلام آزاد اور مولٰینا عبدالماجد دریابادی نے کس وضاحت سے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انگریزی ترجمہ وتفسیر نے خود ان کے ایمانوں کو مضبوط کرنے میں کتنا بڑا کام کیا۔ چنانچہ اخبار ''آفاق'' نے ہی اپنے تعزیتی ریویو میں اس امر کا اس طرح ذکر کیا ہے:

> ''اس زمانہ میں جبکہ پڑھے لکھے لوگ مغربی کلچر سے بہت مرعوب تھے مولانا نے قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ کر کے انہیں راہ ہدایت دکھائی۔ اس کا اعتراف مولٰینا

ابوالکلام آزاد نے کیا ہے اور مولٰینا عبدالماجد دریابادی نے اپنے ہفتہ وار ''سچ'' کی 25 جون 1943ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ:

''مولانا محمد علی نے قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ کر کے اسلام کی جو متہم بالشان خدمت سرانجام دی ہے اس کا اعتراف نہ کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی بلکہ ہزاروں نیم مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میں نہایت مسرت سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال سے، جب میں ظلمت و دہریت کی گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا، میرے لئے شمع ہدایت بن کر آئیں اور مجھے اسلام کا سیدھا راستہ سمجھایا۔ کامریڈ والے مولانا محمد علی مرحوم بھی اس ترجمہ کے بہت شائق تھے اور وہ ہمیشہ اس کی تعریف کیا کرتے تھے''

پھر اخبار ''آفاق'' لکھتا ہے کہ:

''یہ ترجمہ اتنا مقبول ہوا کہ غیر ملکی زبانوں میں بھی اس کے ذریعہ قرآن مجید کا ترجمہ کیا گیا۔ اس وجہ سے انہوں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی''

اگر ایسی عالمگیر مقبول و مسلمہ خدمات فرقانیہ و اسلامیہ کا اصل منبع و مخرج خود حضرت مولٰیناؒ کی اپنی ذات ہی ہوتی تو بے شک ہمیں اس سے اور آگے جانے کی ضرورت نہ تھی۔ جس قدر مذکورہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ جس اصل سرچشمہ کی بدولت یہ خدمات انجام پائیں اس کی طرف نہ صرف دنیا کو توجہ ہی نہیں بلکہ توجہ دلا دینے پر بھی لوگ اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں!

سرچشمہ ہدایت و علم: شائد بعض بے خبر اصحاب کو یہ شبہ خلش پیدا کر رہا ہو کہ کیا خود حضرت مولانا کے نزدیک بھی یہ بات صحیح ہے کہ جو کچھ خدمات اسلامیہ و فرقانیہ ان کے ہاتھوں انجام پائیں ہیں تو ان کی اصل محرک حضرت مرزا صاحب کی قوت قدسی تھی۔ اس کے ثبوت میں حضرت مولانا کے اپنے واضح اعتراف کے بجز اور کیا پیش کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اپنے ترجمہ ''بیان القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''بالآخر اس بات کا ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ گو قرآن شریف کی اس ناچیز خدمت میں مَیں نے سلف صالحین کی محنت سے بہت فائدہ اُٹھایا ہے مگر میری زندگی میں جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور خدمت قرآن کا شوق پیدا کیا وہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔ ان کے بعد فہم قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا وہ استاذی المکرّم حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم ہیں۔ اگر کسی شخص کو میری اس ناچیز خدمت سے کچھ فائدہ پہنچے تو وہ جہاں میرے لئے دعا کرے، ان بزرگوں کے لئے بھی دعا کرے۔ میں محض مٹی ہوں اگر اس میں کچھ خوشبو کسی کو معلوم ہو تو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی روح ہے۔

جمال ہمنشیں درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اور انگریزی ترجمہ و تفسیر کے دیباچہ میں حضرت مولانا اس طرح رقم فرماتے ہیں:

''اور سب سے آخر اس امر کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ جو کچھ اس تصنیف میں اعلیٰ وعمدہ باتیں ہیں وہ تمام و کمال اس زمانہ کے امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی، جو اسلام کی اس صدی کے مجدد اور سلسلہ احمدیہ کے بانی ہیں، پھونکی ہوئی روح کا نتیجہ ہیں۔ علم دین کا جو چشمہ اس شخص نے بہایا میں نے اس سے خوب سیرابی حاصل کی ہے۔ اس تعلق میں ایک اور انسان کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے اور وہ ہے حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم۔ جنہوں نے اپنی آخری بیماری کے ایام میں اس ترجمہ و تفسیر کے کثیر حصہ کو سنا اور بہت سے پیش قیمت اشارات دیئے''

پس حضرت مولاناؒ کے اپنے کھلے وشاگردانہ اعتراف کے مطابق یہ حضرت اقدس کی روحانی قوت واثر کا نتیجہ ہے کہ آپ کو ایسی عظیم المرتبت خدمات دینیہ کی توفیق عطا ہوئی۔ اس ضمن میں دو بنیادی امور کا ذکر لازمی ہے۔ اولاً یہ کہ خدمت دین کا شوق وولولہ، جس نے دنیاوی کششوں سے توجہ کو ہٹا دیا، حضرت مسیح موعود کی زبردست قوت قدسی کا نتیجہ تھا۔ دوم یہ کہ امام الزمان کے تعلق سے ایمان ویقین کا ایسا درجہ عطا ہوا کہ جس نے فرقانی علم کی مشکل میں ایک دنیا کو سیراب کر دیا۔ کیا اس میں کچھ شبہ ہے کہ

واقعی آج کی مادی دنیا میں، خواہ وہ غیر مسلم ہو یا اسلامی دنیا، اگر کسی تصنیف نے دین اسلام کی حقانیت پر دوبارہ یقین وایمان پیدا کیا ہے تو وہ حضرت مولیناؒ کا ترجمۃ القرآن وتفسیر ہی ہیں؟ اس ترجمہ کی عالمگیر مقبولیت کا سب سے بڑا باعث بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعے سے علوم فرقانیہ کی افضلیت وغلبہ کا یقین پیدا ہوتا ہے۔ پھر کیا اس میں ذرہ بھر بھی کلام کی گنجائش ہے کہ علم کی بناء پر ایسا ایمان ویقین حضرت مسیح موعود کے بہائے ہوئے سرچشمہ سے ہی لیا گیا ہے؟

ثریا سے ایمان: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول کس قدر سچا نکلا جس میں آپ نے مسیح زمان کی یہ نشانی بتلادی تھی۔ **لو کان الایمان معلقا بالثریا لناله رجلٌ من ابناء الفارس.**

کیا واقعی حضرت اقدس کی بعثت سے قبل عالم اسلامی پر اپنے دین کے بارہ میں قطعی مایوسی وناامیدی طاری نہ ہو چکی تھی؟! اور کیا واقعات کے رنگ میں حضرت مولانا محمد علی کے ترجمۃ القرآن تفسیر نے اس مایوسی کو ایمان ویقین میں تبدیل نہیں کر دیا؟! ایک طرف حضرت مولانا تراجم کے شروع میں اقرار فرماتے ہیں کہ جو کچھ ان تصانیف میں بلند پایہ علوم ہیں وہ تمام وکمال حضرت مسیح موعود کے بہائے ہوئے چشمہ سے ہیں۔ اور ان تصانیف کی بدولت عالم اسلام میں فرقان مجید کی حقانیت اور اس کے روحانی علوم کی افضلیت وآخری فتح پر ایمان پیدا ہو جاتا ہے اور دوسری طرف حضرت اقدس اپنی ایک ابتدائی کتاب ازالہ اوھام میں یہ پیشگوئی فرماتے ہیں:

> ''میرا ارادہ ہے کہ انگریزی زبان میں ایک ترجمہ اور تفسیر بھی کر کے ان ممالک میں شائع کی جائے اور میں یہ کہنے سے رک نہیں رکھتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ایسا ہرگز نہ ہوگا جیسے مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں داخل ہے''

بے شک یہ الہامی الفاظ من وعن پورے ہوئے۔ اور آپ کی شاخ کے ذریعے جو ترجمہ وتفسیر ہوا اور جو مقبولیت عام اس نے حاصل کی، پھر جو ایمان ویقین اس کے ذریعہ دوبارہ تازہ ہوا وہ اور کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سکا۔ حضرت مسیح موعود کی ابتدائی کتاب ''براھین احمدیہ'' میں اس بارہ میں ایک کشف بھی موجود ہے۔

> ''پھر مجھے ایک کتاب دی گئی جس کی نسبت مجھے یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جسے

علی نے تالیف کیا اور اب علی یہ تفسیر تجھے دیتا ہے‘‘

اس زمانہ کی خصوصیت یہ ہے کہ علم وعقل کی بات جلد تر دلوں میں گھر کرتی ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود نے براہین احمدیہ میں تحریر فرمایا کہ جو شخص اس زمانہ میں مذہب کی ترقی وترویج کا خواہاں ہو اسے اپنے اصولوں کو علم وعقل کی بناء پر آج صحیح وسچا ثابت کر دکھلانا چاہیئے ۔ ورنہ اسے اپنے دین سے دستبردار ہونا چاہیئے ۔ چنانچہ ایک طرف خود آپ نے اپنے پیدا کردہ لٹریچر میں اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ جو بات پیش کی جائے وہ معقول ہو۔ فطرت صحیح کے مطابق ہو۔ قوانین قدرت سے استنباط کی جا سکتی ہو وغیرہ۔ اور اسی اعلیٰ اصول کو آپ کے شاگردوں خصوصاً حضرت مولانا مرحوم نے اپنی تصانیف میں مدنظر رکھا اور یہی باعث ہے کہ حضرت مولٰینا کے لٹریچر کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی ۔ کیونکہ اگر ایک طرف ان میں یقین وایمان کوٹ کوٹ کر بھرا ہے جو صرف حضرت مسیح موعود کی برکت واثر کا نتیجہ ہے تو دوسری طرف ان کی اپیل علم ودلائل اور قوانین فطرت صحیحہ سے ہے۔

ممبران جماعت کا تعاون وایثار: حضرت مولانا صاحب کی تصانیف کی قبولیت کی ایک اور بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کارنامہ شخصی نہیں بلکہ جماعتی حیثیت رکھتا ہے۔ نہ صرف ان کے مطالعہ سے ایمان ویقین میں تازگی اور اس میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ صرف ان کی اپیل علم وعقل وفطرت اور قوانین سے ہے بلکہ اس علم کلام کی پشت و پناہ میں جماعت احمدیہ ایسی نیک وخادم دین جماعت کی قوت کام کر رہی ہے۔ چنانچہ اس امر کا کھلا اعتراف بھی خود حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا ہے۔ اردو ترجمۃ القرآن کے دیباچہ میں آپ فرماتے ہیں۔

> ’’پھر میں اکیلا کچھ نہ کرسکتا تھا اگر میرے وہ احباب، جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے ممبر ہیں، میرے معاون نہ ہوتے۔ مجھ سے بڑھ کر ان احباب کی کوششوں کا نتیجہ یہ ترجمہ ہے۔ جزاہم اللہ خیراً‘‘

ایسا ہی انگریزی ترجمۃ القرآن کے دیباچہ میں آپ اس طرح اپنے رفقاء وممبران جماعت احمدیہ کے بارہ میں لکھتے ہیں:

> ’’میں اس دیباچہ کو ختم نہیں کرسکتا جب تک میں اس بڑی احسان مندی کا اعتراف نہ

کرلوں جو مجھ پر میرے لائق دوست اور بھائی مولوی صدرالدین صاحب بی۔اے بی ٹی کی طرف سے ہے اور جو آج کل مسجد ووکنگ میں امامت کے فرائض سرانجام دینے کے بڑے اہم بوجھ کے باوجود میرے لئے ان تھک محنت سے معاونت کا باعث ہوئے ہیں کہ ان کی کوششوں سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا ہے۔انہوں نے نہ صرف پروف کی کاپیوں کو پڑھا ہے اوران پر نظر ثانی کی ہے اور یہ ایک ایسا کام ہے جو میں اس قدر دوری کے باعث خود نہ کرسکتا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ امر جو پریس سے تعلق رکھتا تھا اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ تفصیل کو انہوں نے خوبی سے نبھایا۔

’’آخر پر ان تمام اصحاب کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے جنہوں نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی فیاضانہ معاونت کی ہے۔اور اس طرح اس انجمن کو اس قابل بنادیا کہ وہ اس کا پہلا ایڈیشن شائع کرسکے۔اور سب سے آخر ہم خدا تعالیٰ کی حمد وتعریف کرتے ہیں جس نے ہم سب کو اس اعلیٰ مقصد کی تکمیل میں اپنا اپنا حصہ ادا کرنے کا موقعہ دیا‘‘

حضرت اقدس پر حضرت مولیناؒ کی خدمات کے متعلق انکشاف: جیسے کہ میں بیان کرچکا ہوں، نہ صرف حضرت مولانا نے حضرت اقدس مسیح موعود کی مسیحائی قوت وانفاس طیبہ سے خدمت دین کا شوق وولولہ حاصل کیا بلکہ آپ کے فیوض وبرکات کے ذریعے اور آپ کی صحبت کے اثر سے وہ ایمان ویقین لیا جسے پھر اپنے لٹریچر کے ذریعہ دنیا میں پھیلایا، بلکہ دلائل وبراہین کا تمام ذخیرہ بھی حضرت اقدس کے چشمہ سے حاصل کیا۔کسی انسان کے منجانب اللہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ وہ اپنے رفقاء کے اندر خدمت دین کا خالص جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دے اوران کی اعلیٰ صلاحیتوں کو دنیاوی مقاصد سے ہٹا کر دینی اغراض سے وابستہ کردے۔غرضیکہ زندگیوں میں ایک اعلیٰ اندرونی انقلاب پیدا کردے۔مگر اس کے علاوہ کسی شخص کے خدا کی طرف سے مبعوث ہونے کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ وہ شخص اپنے خاص اصحاب ورفقاء کے مستقبل کے کارناموں سے قبل از وقت آگاہ کرجاتا ہے۔ان غیبی امور کا، جو مامور وقت کی وفات کے بعد اس کے احباب خاص یا اس کی جماعت سے متعلق ہوتے ہیں، اپنی

وفات سے برسوں پہلے من وعن بتا دینا اور پھر ان کا وقوع میں آ جانا ایک بڑی زبردست دلیل اس کے منجانب اللہ ہونے پر ہوتی ہے۔''اخبار ڈان'' نے اپنے اسی تعزیتی ریویو میں مفصلہ ذیل فقرات بھی لکھے ہیں:

> ''بہ حیثیت ایک مبلغ کے مولوی محمد علی صاحب نے یورپی طریق اشاعت کی تکنیک کا نہایت سودمندانہ مطالعہ کیا ہوا تھا۔ان کی بلند پایہ کتب میں اس بات کی جھلک صاف نظر آتی ہے کہ وہ اپنے مخصوص قارئین کے ہر طبقہ سے الگ الگ کس طرح خطاب کریں۔ان کے اندر بے پناہ قوت تھی جو وہ اپنے کام کے لئے بروئے کار لائے''

یہ تو وہ اندازہ ہے جو آپ کی وفات پر آپ کے کام کے متعلق لگایا گیا ہے۔لیکن جب آپ کی زندگی بحیثیت مصنف ابھی شروع نہ ہوئی تھی،اس زمانہ میں آپ کے امام علیہ اسلام نے آپ کے آئندہ کام کا جو نقشہ کشف میں دیکھا،اسے بھی پڑھیئے۔حضرت مسیح موعود اپنے ایک رؤیا کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

> ''رؤیا۔دیکھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور کسی طرف جا رہا ہوں جاتے ہوئے آگے بالکل تاریکی ہوگئی تو میں واپس آ گیا اور میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں واپس آتے ہوئے بھی راستہ میں گرد وغبار کے سبب تاریکی ہوگئی اور گھوڑے کی باگ کو میں نے ٹٹول کر پکڑا ہے۔چند قدم چل کر روشنی ہوگئی۔آگے آ کے دیکھا ایک چونترا ہے۔اس پر اتر پڑا وہاں چند ایک لڑکے ہیں۔انہوں نے شور مچایا کہ مولوی عبدالکریم آ گئے۔پھر میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم مرحوم آ رہے ہیں۔ان کے ساتھ میں نے مصافحہ کیا اور السلام علیکم کہا۔مولوی صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر بطور تحفہ مجھے دی اور کہ بشپ جو پادریوں کا افسر ہے وہ بھی اس سے کام چلاتا ہے۔وہ چیز اس طرح ہے جیسے کہ خرگوش ہوتا ہے بادامی رنگ۔اس کے آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے اور نالی کے آگے قلم لگا ہوا ہے۔اس نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہے جس سے وہ قلم بغیر محنت کے بآسانی چلنے لگتا ہے۔میں نے کہا میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔مولوی صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔میں نے کہا اچھا

میں مولوی صاحب کو دے دوں گا۔اس کے بعد بیداری ہوگئی۔
تعبیر۔فرمایا عورتوں سے مراد کمزور لوگ ہو سکتے ہیں اور خدا نے قرآن میں امت کے نیک بندوں کو بھی فرعون کی عورت سے تشبیہہ دی ہے۔اور قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی قوت پیدا کر دے کہ وہ مخالفوں کے رد میں اعلیٰ مضامین لکھیں‘‘

حضرت اقدس کے کشف کی تعبیر واقعات میں: غور کیجئے کہ یہ رؤیا قریباً 1906ء کا ہوگا۔اس وقت جو کشفی نظارہ آپ نے حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب کی روانی قلم اور مغربی تکنیک سے واقفیت کا دیکھا جسے یہ الفاظ ادا کر رہے ہیں کہ اس نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہے جس سے وہ قلم بغیر محنت کے بآسانی چلنے لگتا ہے اور یہ کہ بشپ جو پادریوں کا افسر ہے وہ بھی اسی سے کام چلاتا ہے، وہ کس طرح من وعن پورا ہوا۔ یہاں تک کہ یہی امور حضرت مولانا کے متعلق ان لوگوں نے لکھے ہیں جنہیں ان کی خبر تک نہیں۔

اختلاف جماعت میں مولیناؒ کا مقام: اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ حضرت مسیح موعود کے اس رؤیا کے عین مطابق حضرت مولانا کو قلم کی روانی عطا ہوئی اور آپ نے مغربی تکنیک کو دین اسلام کی تائید میں خوب استعمال کیا۔لیکن اس رؤیا میں جو اصل امر منکشف کیا گیا ہے وہ درحقیقت جماعت احمدیہ کا اختلاف اور اس میں حضرت مولانا کا مقام ہے۔چنانچہ اس امر پر رؤیا کے الفاظ کہ میرے ساتھ عورتیں بھی ہیں جس کی تعبیر آپ نے خود جماعت کے کمزور لوگوں سے کی ہے اور یہ کہ لڑکوں نے شور مچا دیا اور جاتے ہوئے بالکل تاریکی چھا گئی تو میں واپس آ گیا یہ تمام ارشادات صریح دلالت کر رہے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کے اصل مقاصد، جو دین اسلام وفرقان حمید کے بول بالا سے متعلق ہیں ان کے بارہ میں ایک فریق ضلالت کا راستہ اختیار کرے گا۔اس فریق کو رؤیا میں ایک جگہ عورتوں اور دوسری جگہ لڑکوں سے تشبیہہ دی ہے۔اور یہ واقعات ہیں کہ حضرت مولانا صاحب کے مدمقابل جو فریق جماعت احمدیہ کا کھڑا ہوا اس کا تمام انحصار جذبات پر ہے۔ جو خاص عورتوں کی صفت ہے۔ نیز اس فریق نے اپنی تائید کے لئے ایسے کچے دلائل دیئے ہیں کہ جن کی علمی کمزوری کے باعث انہیں لڑکوں سے تشبیہہ دینا موزوں ہے۔ پس حضرت اقدس مسیح موعود کو رؤیا میں دکھایا گیا تھا کہ آپ کی جماعت میں سے جب ایک کم علم

وجذباتی حصہ آپ کے اصل مقاصد اشاعتِ فرقان وغلبہ دین پر تاریکی ڈال دے گا تو اس وقت مولانا محمد علی صاحب اپنے قلم سے اس ضلالت وتاریکی کو دور کرنے کا موجب ہوں گے۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کا آنا اور روشنی کا ہو جانا، پھر آپ کا وہ قلم دینا جو حضرت مسیح موعود نے نہیں منگوایا بلکہ جس کے منگوانے والے مولوی محمد علی صاحب ہیں، رؤیا کے یہ امور صاف دلالت کر رہے ہیں کہ جماعت کے کمزور حصہ کی گمراہی وضلالت کا واقعہ حضرت اقدس کی وفات کے بعد کا ہے۔ جب آپ کی بجائے اس کی تردید میں حضرت مولانا کا قلم حرکت میں آنا تھا۔ اور مولانا عبدالکریم صاحب کی مشہور صفت شجاعت وجرأت کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ جماعت میں اختلاف کے وقت جس بے سروسامانی کی حالت میں حضرت مولانا نے قادیان کو خیر باد کہا اور جس شجاعت وجرات ایمانی سے لاہور میں آ کر غلط عقائد کا رد کیا یہ اسی اخلاقی صفات کا نتیجہ ہے کہ لاہور میں قادیان کے مقابل پر حضرت مولانا ایک الگ جماعت بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی ایک واقعہ کے عظیم الشان کارنامہ ہونے کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے بھی 1914ء میں تحریر کیا تھا کہ تکفیر مسلمانان اور اجرائے نبوت کو قبول نہ کرنے اور ان سے علیحدگی اختیار کرنے کا جو اعلیٰ نمونہ حضرت مولانا نے قائم کیا ہے وہ دلیری اور جرات کا کام ہے۔ اسلام نے اپنے پیروؤں میں توحید کی یہ حکمت قائم کرنا چاہی ہے کہ جب اصول حقہ کو رد ہوتے دیکھو تو ہرگز ساتھ نہ دو چاہے تمہیں کیسے ہی تعلقات منقطع کرنے پڑ جائیں۔ چنانچہ ایک طرف اسلامی جمہوریت کے نظام اور دوسری طرف غالیانہ عقائد کو دیکھ کر حضرت مولانا نے ایسی جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی تو خدا تعالیٰ نے آپ کو لاہور میں جماعت عطا کر دی۔ پس آج جبکہ جماعت احمدیہ لاہور اپنے قائد اول کے غم میں سوگوار ہے، اس کے لئے حضرت مولانا کا یہ اعلیٰ نمونہ مشکل راہ ہے کہ باطل اصول کو کبھی قبول نہ کرو۔ چاہے اس کے لئے تمہیں اپنے ہی دوستوں، عزیز واقارب یا جماعت سے تعلقات قطع ہی کرنے پڑیں۔ نیز جماعتی نظام کے لئے حضرت اقدس کی قائم کردہ انجمن کے نظام پر عمل درآمد کرو۔

حضرت مولاناؒ کی نیابت کا حقیقی حق دار: حضرت مولانا محمد علی مرحوم کا عزیز کون ہے؟ وہی جو اصول حقہ کی خاطر کسی رشتہ داری کی پرواہ کرتا ہے نہ کسی دنیاوی دوستی ورفاقت۔ حضرت مولانا صاحب کا حقیقی

خیر خواہ اور محبّ کون ہے؟ وہی جو جماعتی اتحاد و اتفاق کو جمہوری نظام انجمن کے ماتحت قبول کرتا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کی حقیقی عزت و عظمت کو کون قائم کرنے کا موجب ہے۔ وہی جو آپ کے اصل ورثہ یعنی جماعت احمدیہ کی ترقی و توسیع کے لئے دل سے کوشاں ہے۔

ایک خواب: ''ماہ رمضان کے آخری عشرہ کا واقعہ ہے کہ میں نماز تہجد پڑھ کر سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اچھا خاصا میدان ہے اور اس کے ایک کنارے کے قریب اینٹوں کا ایک چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جس کی اونچائی نو یا دس فٹ ہوگی اور چوڑائی تین یا چار فٹ۔ اس کے اوپر حضرت امیر مولٰینا مولوی محمد علی صاحبؒ کھڑے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید دائیں ہاتھ میں ہے اور ان کا یہ ہاتھ سر سے بلند ہے۔ اور لوگوں کو، جو اس میدان میں جمع ہیں، قرآن سنا رہے ہیں اور آپ کے آنسو جاری ہیں۔ میں خود حضرت صاحب کے پیچھے نزدیک ہی میدان میں کھڑا دیکھ رہا ہوں اور دل ہی دل میں خیال کرتا ہوں کہ اس شخص کے دل میں قرآن کا کس قدر عشق ہے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی''

یہ خواب جہلم میں مورخہ 10 نومبر 1945ء کو، جبکہ میں وہاں دفتر اسسٹنٹ رجسٹرار کوآپریٹو سوسائیٹیز میں تھا۔ میں نے دیکھا۔ اس خواب کا تذکرہ میں نے قبلہ مولوی صاحب کی خدمت میں نومبر 1950ء میں کیا۔ اور آپ نے اس کا جواب مجھے یکم دسمبر 1950ء کو کراچی سے دیا۔ اور اس چٹھی میں آپ نے مجھے لکھا کہ اگر میں یہ خواب اخبار میں شائع کروانا چاہوں تو دفتر میں بھیج دوں۔ لیکن مجھ سے سستی ہوئی۔ میں نے اس سے پیشتر اس کے اخبار میں دیئے جانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اب جبکہ قبلہ حضرت امیر مرحوم و مغفور مولا کریم کی درگاہ میں پہنچ چکے ہیں تو میں خیال کرتا ہوں کہ یہ اخبار میں شائع کروا دوں۔ مولٰینا مرحوم و مغفور کا عشق قرآن مجید سے اس قدر تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ اگر مرحوم و مغفور سے عقیدت ہے تو ہمیں ان کی دلی تڑپ کو پروان چڑھانا چاہیئے۔ اس میں ہمارا اپنا فائدہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا کی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

خاکسار فضل داد۔ کلرک دفتر اسسٹنٹ رجسٹرار کوآپریٹو سوسائیٹیز۔ گجرات۔ 28 ستمبر 1951ء

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ کا سفر مانگرول

شیخ محمد یوسف صاحب گرنتھی

نواب صاحب مانگرول کا اشتیاق ملاقات: 1929ء کا ذکر ہے کہ نواب مانگرول شیخ جہانگیر میاں مرحوم نے حضرت امیرؒ کی خدمت میں لکھا کہ عاجز کو حضور کی زیارت کا بہت اشتیاق ہے اور اب میں دہلی آ رہا ہوں۔ اگر جناب اس موقعہ پر دھلی تشریف لا سکیں تو بہت کرم بخشی ہو گی۔ نواب صاحب دھلی تشریف لائے مگر حضرت امیرؒ دھلی نہ جا سکے۔ نواب صاحب نے واپس مانگرول جا کر حضرت کی خدمت میں لکھا کہ میں ناسازی طبع کے باعث واپس مانگرول آ گیا ہوں اور یہ حسرت لے کر آیا ہوں کہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ زندگی کا بھروسہ نہیں بیمار رہتا ہوں۔ شوق زیارت بڑھتا جا رہا ہے۔ اب یہی صورت ہے کہ آپ مانگرول تشریف لا سکیں۔ ورنہ پھر یہ حسرت ساتھ ہی جاوے گی۔

مانگرول کا سفر: اس پر حضرت امیرؒ نے سفر مانگرول کا ارادہ کیا اور نواب صاحب کو اطلاع بھیج دی گئی۔ ادھر حضرت نے انجمن کو کہا کہ میں نواب صاحب مانگرول سے ملنے جا رہا ہوں۔ وہاں کچھ تقریریں بھی ہوں گی۔ اس لئے اگر انجمن اس موقعہ پر میرے ساتھ چند اور دوستوں کو بھیج دے تو بہتر ہو گا۔ چنانچہ حضرت کے ہمراہ حضرت مولانا صدرالدین صاحب اور مولانا عصمت اللہ صاحب مرحوم اور خاکسار مانگرول کے لئے روانہ ہوئے۔

سفر میں روزہ: رمضان کا مہینہ تھا۔ حضرت امیرؒ نے سفر میں روزہ رکھا ہوا تھا۔ اور ایک روزہ دوران سفر میں صرف دو ٹوسٹ اور شائد آدھ سیر دودھ سے رکھا۔ ہم تینوں نے حالت سفر میں روزہ نہیں رکھا تھا۔ ایک سٹیشن پر میں نے عرض کیا کہ آپ نے اپنے ترجمۃ القرآن میں لکھا ہے کہ سفر اور بیماری میں روزہ نہ رکھا جائے۔ ہمیں اس وقت شرم محسوس ہوتی ہے کہ ہمارا امیر روزہ رکھتا ہے اور ہم اس کے ساتھی بے روزہ ہیں۔ کیونکہ ہم سے سفر میں روزہ نہیں رکھا جاتا۔ تو آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں سے اب نہیں رکھا جاتا اور مجھ سے بعد میں نہیں رکھا جاتا۔ یہ حضور کا فرمان کچھ صحیح ہی ہے۔ کیونکہ مجھ سے اگر کچھ روزے رہ

جاتے ہیں تو پھر ان کا فدیہ ہی دینا پڑتا ہے۔

نواب صاحب کی طرف سے استقبال: خیر ہم مانگرول کے قریب پہنچے اور نواب صاحب کو تار دے دیا گیا کہ Party of four Maulvees coming اور ہم بخیریت مانگرول پہنچے۔ اسٹیشن پر، جو مانگرول سے غالباً بارہ میل کے فاصلہ پر ہے، کاریں آ گئی تھیں۔ پہلے نواب صاحب کے بنگلے پر پہنچے۔ نواب صاحب کے ہاتھ میں چار ہار تھے۔ مصافحہ کے بعد ہر ایک کو ایک ہار پہنایا گیا۔ اس کے بعد دربار عام میں گئے۔ وہاں ہر ایک درباری کے پاس چار چار ہار تھے۔ جو ہمیں پہنائے گئے۔ اس کے بعد سمندر کے کنارے سیر کرنے گئے۔ مولانا عصمت اللہ صاحب مرحوم سمندر کی ہوا لگتے ہی بیمار ہو گئے اور بخار میں مبتلا ہو گئے۔

نماز تہجد میں تلاوت قرآن: خیر دن بخوبی گزر گیا اور رات کو ہم سب اپنے اپنے کمروں میں سو گئے۔ دوسرے دن چونکہ ہم سب نے روزہ رکھنا تھا، اس لئے آدھی رات سے ہی ملازمین کا، جو سحری کا انتظام کر رہے تھے، شور سنائی دیا۔ میری آنکھ کھلی تو حضرت امیرؒ کے کمرہ میں گیا۔ دیکھا تو آپ پلنگ پر نہ تھے۔ میں نے سوچا کہ بیت الخلا گئے ہوں گے۔ 15 منٹ تک جب آپ نہ آئے تو مجھے تشویش سی ہوئی اور میں بیت الخلا کی طرف گیا۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ پھر غسل خانہ کو دیکھا۔ وہاں بھی آپ نہ تھے۔ واپس آ کر کچھ دیر انتظار کیا مگر تشویش بڑھتی گئی۔ باہر جا کر ملازمین سے دریافت کیا۔ انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں اسی فکر میں ہال کمرہ میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ ہال کمرہ کے ایک کونہ میں ایک چھوٹے سے کمرہ سے کچھ روشنی باہر نکلتی دکھائی دی۔ اس روشنی میں کچھ حرکت سی ہوئی تو میں ادھر گیا اور دروازہ میں سے جو تھوڑا سا کھلا تھا اندر جھانکا تو دیکھا کہ حضرت صاحب نماز کی نیت باندھے کھڑے ہیں۔ سامنے ایک میز پر لمپ جل رہا ہے۔ لمپ کے پاس میز پر قرآن مجید کھلا ہوا ہے۔ حضرت کی پیٹھ دروازہ کی جانب یعنی میری طرف تھی۔ آپ نماز کی نیت باندھے کھڑے قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے قرآن مجید کا ورق الٹایا اور پڑھتے رہے مگر آہستہ۔ کافی دیر کے بعد آپ نے ذرا پیچھے ہٹ کر رکوع کیا اور پھر سجدہ کیا۔ رکوع اور سجدہ میں کافی دیر لگائی۔ پھر کھڑے ہو کر میز کے قریب ہو گئے اور قرآن مجید پڑھنے لگے۔ میں نے اپنے دل میں کہا چلو ایک مسئلہ حل ہوا۔ اور میں اطمینان سے اپنے کمرہ میں

واپس آ گیا۔

نواب صاحب کا چندہ: دوسرے دن نواب صاحب اور ولی عہد مرحوم عبدالخالق میاں ملاقات کے لئے تشریف لائے اور کچھ رقم دے کر فرمایا ''یہ انجمن کا چندہ ہے'' جناب نواب صاحب انجمن کو کچھ رقم ماہانہ عطا فرمایا کرتے تھے۔ جب ہم لوگ آپ سے ملنے مانگرول گئے تو اس وقت غالباً تین ماہ کا انجمن کا یہ چندہ بقایا تھا جو نواب صاحب نے ادا کر دیا۔ اس کے بعد ہم مانگرول میں پانچ دن رہے۔ جناب نواب صاحب سے متعدد ملاقاتیں ہوئیں مگر رقم اور نہ ملی۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ بس جو کچھ مل چکا سو مل چکا۔

نواب صاحب کی طرف سے نذرانہ: آخر جس دن ہم وہاں سے وداع ہوئے جناب نواب صاحب معہ ولی عہد صاحب اور دیگر درباریان الوداعی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ ولی عہد صاحب کے ہاتھ میں ایک کانچ کی طشتری تھی جس کے اوپر ایک ریشمی رومال دے رکھا تھا۔ نواب صاحب نے خود اپنے ہاتھ سے وہ طشتری حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کی اور فرمایا ''یہ حضور کی نذر ہے''۔ گویا پہلی رقم انجمن کا چندہ تھا اور یہ آپ کی نذر خاص تھی۔ حضرت امیرؒ نے رومال اُٹھایا تو میں نے دیکھا کہ طشتری میں نوٹ رکھے ہیں۔ حضرت نے بغیر گنے اُٹھا کر جیب میں رکھ لئے اور نواب صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

ہم وہاں سے واپس ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ میں اب دوسرے راستہ واپس جاؤں گا اور راستہ میں سانبھر لیک پر میاں رحیم بخش صاحب سے ملتا جاؤں گا (میاں رحیم بخش صاحب مولانا عزیز بخش صاحب کے صاحبزادے حضرت امیرؒ کے بھتیجے اور داماد ہیں۔ ان دنوں سانبھر میں سالٹ سپرنٹنڈنٹ تھے۔ آج کل ڈھاکہ میں ہیں) میں نے اور مولانا عصمت اللہ صاحب نے عرض کیا کہ ہم بھی اسی راستہ واپس چلیں گے۔ اور راستہ میں ہم ایک دن اجمیر شریف کی زیارت کر کے سانبھر میں آپ سے آملیں گے۔ آپ نے اس کو منظور فرمایا۔ جب ہم اجمیر اُترنے لگے تو میں نے حضرت سے مبلغ دس روپے ادھار لئے تاکہ سفر میں پیسہ پاس رہے۔ خیر ہم اجمیر کی سیر کر کے سانبھر پہنچے وہاں سے حضرت کے ساتھ واپس لاہور آ گئے۔

نذرانہ انجمن میں: دوسرے دن انجمن کا ایک رقعہ مجھے ملا جس میں لکھا تھا کہ آپ نے حضرت امیر سے جو دس روپے ادھار لئے تھے وہ ادا کردیں تاکہ تمام رقم کی رسید جناب نواب صاحب کو بھیجی جاسکے۔ میں جب دفتر میں رقم ادا کرنے گیا تو معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے جو ایک ہزار روپیہ حضرت صاحب کو نذر خاص دیا تھا وہ سب آپ نے انجمن کو دے دیا۔ کرایہ اپنے پلے سے خرچ کر کے گئے اور جو نذرانہ ملا وہ خزانہ انجمن میں داخل کر دیا۔

دوسری مرتبہ جب حضرت مانگرول گئے ہیں تو صرف میں آپ کے ہمراہ تھا یا آپ کا ایک ذاتی ملازم تھا۔ اس مرتبہ جو نذرانہ مجھے الگ مانگرول سے ملا تھا میں نے حضرت کا گذشتہ نمونہ مدنظر رکھتے ہوئے لاہور آ کر انجمن میں جمع کرا دیا۔ حضرت کو جب پتہ لگا تو انجمن سے وہ رقم واپس مجھے دلوادی۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ انجمن کا خیر خواہ ہونے کے ساتھ کارکنان کے پورے ہمدرد تھے۔

☆☆☆

تاریخ وفات: از چوہدری خلیل الرحمٰن صاحب کارکن احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

شہید قوم مولانا محمد علی صاحب امیر مرحوم

1371ھ

26 دسمبر 1951ء

قرآں کا پاسدار ونگہدار اُٹھ گیا!

محمد اعظم علوی

دینِ مبیں کا مونس و غمخوار اُٹھ گیا! قرآں کا پاسدار و نگہدار اُٹھ گیا!
''شاہِ قلم'' تھا جس کو سزاوار اُٹھ گیا! ہائے مسیحِ وقت کا وہ یار اُٹھ گیا!
ایماں کو اب زمیں پہ اتارا کرے گا کون؟
زُلفِ نگارِ دیں کو سنوارا کرے گا کون؟
قائم تھیں جس کے ساتھ ارادت کی محفلیں روشن ہوئی تھیں رُشد وہدایت کی مشعلیں
طے ہو رہی تھیں دیں کی اشاعت کی منزلیں حل کر گیا جو ملتِ بیضا کی مشکلیں
وہ اس جہاں میں واقف رمز و نکات تھا
سچ پوچھیے تو دین کی اک کائنات تھا
آنکھوں میں ایک نور کی جنت لئے ہوئے چہرے پہ دو جہان کی زینت لئے ہوئے
آواز میں مذاق حلاوت لئے ہوئے موئے قلم میں شورِ قیامت لئے ہوئے
محفل سے اُٹھ کے وہ تنِ تنہا چلا گیا
اے ربّ ذوالجلال اُسے کیوں بُلا لیا
سمٹی ہوئی تھیں اس میں جہاں بھر کی وسعتیں پھیلا رہا تھا باغِ محمدؐ کی نکہتیں
گو راہِ حق میں لاکھ اُٹھائیں مشقتیں منصور تھا وہ ساتھ رہیں اس کے نصرتیں
اس کی نظر وسیع تھی، بلا کا دماغ تھا
اس دور میں وہ دین کا چشم وچراغ تھا

وہ، رہنمائے راہِ سعادت کہیں جسے دانندۂ رموزِ شریعت کہیں جسے
وہ نورِ ماہتاب ہدایت کہیں جسے وہ نور، آفتاب صداقت کہیں جسے
جس کی چمک دِلوں کو منور بنا گئی
جلتے ہوئے چراغِ کلیسا بجھا گئی
وہ مردِ آہنی تھا کہ تیغِ بے نیام جس کے رہے غلام یہ اوقاتِ صبح وشام
جنت میں آرہا ہے وہ منصور شاد کام ''سجدہ نہیں ملک اُسے جھک کر کریں سلام''
وہ شارحِ نگارشِ ربِّ قدیر ہے
سالار ہے جہاں ہو، کہیں ہو امیر ہے

26 دسمبر 1951ء

نذرِ عقیدت

مرزا غلام مرتضٰی بیگ بی اے۔ناندگاؤں (برار)

نگاہ نے جسے چمکا دیا وہ دل میں رہا جو داغ دل میں نہ ابھرا وہ آفتاب بنا

زندہ جاوید ہستی: مجاہد قوم وملت اسلامیہ جناب حضرت امیر مولانا محمد علیؒ کی وفات حسرت آیات نے عاشقانِ تبلیغ اسلام کو جس رنج داندوہ سے ہمکنار کیا ہے وہ ہر چند کہ اب تر ادش غم والم ہی میں آسودہ صبر و رضا بھی ہو چکا مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانائے محترم کی مجاہدانہ خدمت دین اسلام نے ان کی اپنی قلم سحر سے جولطیف نگارشیں بصورت تبلیغی لٹریچر پیدا کیں اس نے نہ صرف اکنافِ عالم سے خراجِ تحسین پا کر آپ کی ہستی کو زندہ جاوید بنا دیا بلکہ بلاد مشرق ومغرب میں کئی روشن خیال وعلم دوست اصحاب انگریز وغیر انگریز کو دین اسلام کی صحیح تعلیم وفلسفیانہ اسپرٹ سے کچھ ایسی روحانی روشنی بخشی جو دلوں میں اجالا کئے بغیر نہ رہ سکی اور حلقہ بگوشان اسلام کا حلقہ وسیع تر ہو گیا۔

کامیاب سپہ سالار: تبلیغ اسلام کا یہ سپہ سالار جس الحاد اور بے دینی کی فضا میں بذریعہ کتب وتراجم پہنچا وہاں سے کامیاب وبامراد ہی لوٹا۔ مدینۃ العلم کے اس دروازے سے (محمد علی) کتنے ہی گم گشتگان ضلالت وبے دینی داخل ہدایت اسلام ہوئے اور انشاء اللہ آئندہ بھی ہوتے ہی رہیں گے۔ کئی پیاسی روحیں اس چشمہ فیض مہدی ومسیح ومجدد صد چہاردہم سے سیراب زلال محمدی ہو گئیں۔ جن کا شمار اخبار لائٹ کے شماروں سے ظاہر ہے۔ حقیقت ہے کہ آپ نے اپنی تمام زندگی اسلام اور اس کی تبلیغ کی خاطر نہ صرف وقف ہی کر دی تھی بلکہ غلبہ اسلام کی تکمیل کے تمام ساز وسامان مہیا کر دینے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ اپنے رب کے حضور تڑپتے بھی رہے۔ آپ کے دل میں حضرت مسیح موعود کے درد کی پوری تصویر تھی اور اس درد کو آپ تمام زندگی اپنے سینے سے لگائے رہے ۔

شمع میں اک سوز تھا اک ساز پروانے میں تھا کس کا عنوان محبت کس کے افسانے میں تھا

اسلام کے لئے انتہاء درد وخلوص: آپ کی تقریر اور خطبوں سے آپ کا جوشِ جنوں صاف ظاہر تھا اور

اسی تبلیغی جنوں کو آپ پوری جماعت میں پیدا کر دینا چاہتے تھے۔ کئی بار اور مسلسل آپ نے آوازیں لگائیں بھی۔ شمع احمدی کا یہ جانسوز پروانہ آخر اجل کے ہاتھوں ہم سے رخصت ہو کر خدمت اسلام کا ایک اسوہ حسنہ ہمارے لئے چھوڑ گیا اور بتا گیا کہ زندگی وقف بمال و جان اس طرح کی جاتی ہے! باوجود اہل وعیال کی زندگی رکھنے کے آپ لکھتے بولتے اور تڑپتے ہی رہے۔ اور آخر وقت تک نہ تھکے حتّٰی کہ اجل کے سامنے بھی سینہ سپر ہو گئے۔ اور لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفسَکَ کے تحت انتہاء درد و خلوص میں کامگار عشق ثابت ہو کر اپنے مولا سے مستحق اجر و قرب الی اللہ ہو چکے۔ حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم ومغفور نے بھی اسی طرح اپنی زندگی جہاد حق وتبلیغ ہی میں سپرد حق کر دی تھی۔ عین عشرہ محرم کو حضرت مولانا محمد علی نے وفات کیا پائی کہ ہم تمام احمدیوں کے لئے حصول مرتبہ شہادت پر فائز المرامی کی ایک مثال قائم کر دی۔ میدان تبلیغ واشاعت میں قلمی ولسانی جہاد بالقرآن کی تعلیم دینے کے لئے مامور الٰہی کے قول کی صداقت یوں ادا ہوئی سبحان اللہ۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین ؎

بنا کردند خوش رسمے بہ تبلیغ وجہاد دین　　خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

''آں جنوں دِہ'': میں کہ ایک دور افتادہ قافلے سے دور اور بہت پیچھے ہوں۔ اور اسی لئے جماعتی برکتوں سے بسبب اپنی دوری کے بے بہرہ احمدی ہوں۔ اپنے نفس گنہگار کو مجبور دعا پاتا ہوں کہ مالک یوم الدین ہم میں سے ہر ایک احمدی کو تبلیغ واشاعت اسلام کی ایسی ہی تڑپ اور سوز عطا فرمائے اور زبان ونصر کی آتش فشانی ایمان سے بہرہ ور کر دے جو حضرت امیر مولانا محمد علی کے قلم وزبان اور نہاں خانہ قلب میں موجود تھی۔ اثر بیعت امیر مرحوم بتوسل مجدد صد چہار دہم اتنا تو ہو کہ غلبہ اسلام کی شان اپنی زندگیوں ہی میں دیکھ لیں اور مجاہدوں کی صف میں ہمارا بھی کام ہو! اسی لئے ''جنون دیوانہ اوآن جنونِ دِہ!'' اور ہماری زندگیوں کو حضرت امیر مرحوم ومغفور جیسی تڑپ سے متاثر فرما دے۔ امیر موصوف نے تو اپنی زندگی کی پوری قیمت اللہ اور رسولؐ کے دین کی اشاعت وتبلیغ میں ادا کر دی اور مقصد حیات کو اتنا کچھ سر خسرو فرما گئے کہ ایک مومنانہ زندگی کی مثال ہی قائم فرما دی! آہ!! ؎

جیئے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی　　ترے غم نے بچائی، زندگی کی آبرو برسوں!!

غلبۂ اسلام کا وقت: ہمیں اب اپنی زندگیوں کو مسلسل وقف تبلیغ واشاعت بمعیت جان ومال کر دینی

چاہیئے۔غلبہ اسلام کے آثار ہویدا ہیں۔رب العزت اب جماعت احمدیہ کے ہاتھوں پر بفحوائے ”ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد“ فتح مبین اسلام مقدر فرما چکے ہیں اور صاف طور پر بلاد مغرب سے آئے دن جو خبریں ملتی ہیں وہ زمانہ غلبہ اسلام کو قریب سے قریب تر ظاہر کر رہی ہیں۔ جماعت احمدیہ کا ایک ایک سپہ سالار مسیح موعود کی پوری فوج (پنج ہزاری) لوائے اسلام کے جلو میں لئے آگے ہی بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ کاش! احمدیت سے بغض وتعصب رکھنے والے اب بھی تو سامنے آئیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔آفتاب آمد دلیل آفتاب

مسیح موعود کی صداقت پر روشن دلیل: حضرت مسیح موعود کی روح پرفتوح پر لاکھوں سلام کہ جن کی فوج کے سپہ سالار اپنے سپاہیوں کی معیت میں غلبہ اسلام کی پچاس سالہ پیشتر پیشگوئی کو اپنے مجاہدانہ عشق ووارفتگی کی مسلسل سرگرمیوں سے قریب سے قریب تر دکھاتے جا رہے ہیں۔حضرت امیر مولانا محمد علی کی تمام تر زندگی مسیح موعود مجدد صد چہاردہم کی صداقت و پیشگوئی پر روشن دلیل دے گئی۔ سچ ہے

شوق بے پایاں وجوش بے حساب عشق کیا ہے اک مسلسل اضطراب

اللہ رب العزت کاش! یہی عشق ہم سب کو دے دیں اور ہم بڑھے چلیں۔

اب کس کا انتظار ہے؟: کیا اب بھی صداقت مہدی، مجدد ومسیح موعود کی ہستی موجود العمل میں کوئی شک وشبہ باقی رہ گیا ہے! اسلامی دنیا کے اعزاز جماعت عوام وخواص اب اور کون سی آخر صدی کے انتظار میں رہ کر کس مہدی اور عیسٰی کے انتظار میں ہیں۔ سیاسی بحران ان کے پیش نظر ہیں۔ کیا دجال کی فنائیت اور موت کے آثار نظر نہیں آتے۔ کیا مہدی موعود کی روحانی تلوار سے دجال اور قوم یاجوج کا آج مقابلہ نہیں ہورہا ہے۔ غیر احمدی آئیں اور دیکھیں کہ لوائے احمدیت کے نیچے سعید روحیں کس طرح جمع ہو رہی ہیں اور ساری دنیا کا نظریہ اسلام کی طرف کس طرح آہستہ آہستہ مائل بہ قبولیت ہو رہا ہے۔ ہاں صحیح ہے کہ ابھی مقابلہ سخت ہے اور بہت سخت۔ دنیا کی کثیر آبادی ہنوز آغوشِ اسلام سے باہر ہے۔مگر وقت سخت ترین مجاہدہ کی دعوت دے رہا ہے۔ پاکستانی بالخصوص یاد رکھیں کہ زمینی حکومت کا حاصل ہو جانا غلبہ اسلام نہیں کہلاتا۔ تا آنکہ حکومت پاکستان جہاں مسیح کی جماعت پیشتر ہی سے قائم ودائم ہے اور دمِ عیسٰیؑ کی جنبش کے باعث ہی وجود میں آئی ہے، جماعت احمدیہ کے فروغ اور ارشاعت اسلام کے لئے ممد ومعاون ثابت نہ ہو۔

واحد جماعت: جماعت احمدیہ ہی تنہا عالمِ اسلام میں وہ واحد جماعت ہے جس نے تبلیغ واشاعت اسلام کا وہ کام کیا ہے جو کوئی اور جماعت نہ کر سکی۔ اس کا استحکام نہایت ضروری ہے اور توسیع مناسب وقت وحال بھی۔ دین اسلام کی اول تو صحیح تڑپ اگر کہیں مل سکتی ہے تو وہ مجدد صدر چہار ہم کے دامن کی وابستگی ہی سے مل سکتی ہے۔ اور پھر اس تڑپ کی نشر واشاعت بغیر جماعت ناممکن العمل ہے۔ جب تک رب العالمین کے حسنِ جہاں تاب کا والہانہ عشق میدان عمل میں کسی کو دیوانہ وار نہ نکال لائے تو مقصد زیست معلوم!

لمحہ فکر: حضرت امیر مرحوم ومغفور میں آخر کیا چیز تھی کہ ایک عالم آپ کی مساعی جمیلہ پر رطب للسان ہے

یہی کہ وفاء عشق نے بھر دی خصوصیت ورنہ سواد حسن جہاں تاب عامیا نہ تھا

دین اسلام کے دعویدار مسلمانوں کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ اگر دراصل اسلام کا درد اور اس کے لئے جوش ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اسلامی کا صحیح ولولہ ایمان موجود ہے تو اس کی نشر واشاعت سے خصوصیت ہی وفائے عشق کا بین ثبوت ہونا چاہئے۔ اور جماعت احمدیہ اسی عشق کے اظہار کی واحد عملی صورت ہے جس کی بنیاد مجدد صد چہاردہم نے خود اپنے ہاتھوں رکھ دی تھی۔ نری نمازیں پڑھ لینے سے تو غلبہ اسلام کی تشکیل نہیں ہو جاتی، جب تک اس نماز کی اسپرٹ کو میدان عمل کی جدوجہد سے ہم عام نہ کر دیں اور مادی دنیا کی اندھیریوں کو اسلام کی روحانیت و پرسکون تعلیم سے روشنی نہ پہنچا دیں۔ احقر کو بے حد افسوس وندامت ہے کہ اسے بوجہ بے دست و پائی حالات حضرت امیر مرحوم کی زندگی میں وقف خدمت ہونے کا موقع نصیب عزت نہ ہو سکا۔ بہر حال آئندہ انشاء اللہ العزیز منتظر وقت ضرور رہوں۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت جلد از جلد موقع نصیب فرمائیں۔

26 دسمبر 1951ء

وہ دین کا امیرؒ

محترمہ رضیہ فاروقی دختر حضرت ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم

اب دُور جا چکا ہے وہ شاہ گدا نما — اور پھر سے اپنے دیس کی راہیں اداس ہیں!
کچھ دوستوں کو یاد ہے اس کی ادائے خاص — دو اِک نگاہیں چند عزیزوں کے پاس ہیں

میرے برادرِ مکرم معظم مولانا محمد علی صاحبؒ کی شاندار دینی خدمات، ان کے عظیم الشان مذہبی کارناموں اور ان کی علمی زندگی پر قلم اٹھانا تو بڑے بڑے صاحب علم اور اہل فہم وذکا کا کام ہے۔ میری یاد تو ان کی سیدھی سادی گھریلو زندگی سے وابستہ ہے۔ یہ ان کی وہ زندگی ہے جس میں میں نے ان کی ہستی کے انسانی وجذباتی رنگ دیکھے ہیں۔ اور میں تو سمجھتی ہوں کہ زاہد خشک ہونا یا صوفی باخدا بن جانا۔ یا راہب تارک الدنیا کہلانا سب ایمان کی کھلی شاہ راہیں ہوں گی۔ لیکن تقوٰی کی باریک راہیں تو اس دنیا کی زندگی، اس کی دلفریبی ودلکشی، اس کے مکر وفریب، اس کے دھوکے، اس کی تکلیفوں اور دکھوں اور اس کے آنسوؤں میں الجھی ہوئی ہیں۔ اگر ان میں سے ہو کر بھی کوئی سلامت گزر گیا تو وہ مردِ باخدا بن گیا۔ یہ وہ کمال ہے جس کو حاصل کر لینے پر انسان کو فرشتوں پر بھی فوقیت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سراپا احسن تقویم کی تفسیر بن جاتا ہے۔

آیئے! اب اپنے ہمیشہ کے لئے چلے جانے والے امیر کی چھوڑی ہوئی راہوں میں اور اُن کی دنیاوی زندگی کی گزری ہوئی حقیقتوں میں ہم ان ننھی ننھی کرنوں کو ڈھونڈیں جو روزمرہ کی سادہ زندگی میں اُن پُرنور ہستیوں سے چھٹ کر پیچھے رہ جاتی ہیں جنہوں نے ایک روز راہِ فنا سے گزر کر بقا کے آسمان پر ہمیشہ کے لئے چمکنا ہوتا ہے۔

کام میں بچوں کا مخل ہونا: جہاں سے میری بچپن کی یاد میرا ساتھ دیتی ہے۔ اُن دنوں آپ احمدیہ بلڈنگس کی مسجد سے ملحق مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ نچلی منزل میں مسجد کے صحن سے ملا ہوا آپ کا دفتر تھا۔ یہاں آپ روز وشب تصنیف کے کام میں مصروف رہتے تھے۔ میں اور میری چھوٹی بہنیں۔ میری پھوپھی زاد بہنیں اور خود آپ کی دو بڑی صاحبزادیاں غرض ہم لوگوں کی ایک فوج تھی، جوان

دنوں پڑھنا، لکھنا سیکھنے میں مشغول رہا کرتی تھی۔ نہ معلوم کیسے یہ عادت پڑ گئی کہ پڑھنے لکھنے سے متعلق اگر کچھ ضرورت ہوتی تو اس کے لئے اکثر بلا تکلف آپ کے دفتر میں چلی جاتیں۔ آپ اپنے لکھنے کے بڑے میز پر جھکے ہوئے ہوتے۔ جس پر موٹی موٹی کتابیں کھلی ہوتی تھیں۔ اور آپ اُن میں محو ہوتے تھے۔ آہٹ سن کر آپ سر اٹھا کر اپنی عینک کے شیشوں کے اُوپر سے ہمیں دیکھتے اور فوراً مسکرا کر (یہی مسکراہٹ ہماری ہمت بڑھاتی تھی) فرماتے ''کیا چاہیئے''۔ ہم عرض کرتیں۔ ''یہ ایک سادہ کاغذ لینا ہے'' یا بھیاجی (ہم شروع سے ان کو اسی سادہ گھریلو لقب سے پکارتے تھے) ''تھوڑی سی سیاہی چاہیئے'' یا ''ایک ٹکٹ دے دیں'' یا اوپر کچھ نہیں تو یہ کہ ''کیا ہم آپ کی ردّی کی ٹوکری سے پھٹے ہوئے لفافے ٹکٹ اتارنے کو لے جائیں'' آپ فوراً اپنا کام چھوڑ کر خود ہمیں مطلوبہ چیز دے دیتے۔ بعض وقت اٹھ کر کسی الماری سے کوئی شے لینا پڑتی تو فوراً نکال دیتے اور پھر دوبارہ مطالعہ میں غرق ہو جاتے۔

شکایت کوئی نہیں: یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ اس زمانے میں آپ انگریزی ترجمۃ القرآن کے عظیم الشان کام میں مصروف تھے۔ اور وہ موٹی موٹی کتابیں عربی کی ضخیم لغات اور انگریزی کی بڑی بڑی ڈکشنریز تھیں۔ جن کے ایک ایک لفظ پر آپ کو غور کرنا اور توجہ دینا پڑتی تھی۔ مگر نہ خود آپ نے کبھی ہمیں جھڑکا کہ اس طرح میرے کام میں مخل نہ ہوا کرو۔ نہ کبھی کسی نوکر کو ہدایت کہ بچوں کو نہ آنے دیا کرو۔ اور نہ کبھی اماں جان یا باجی جان (میری بڑی ہمشیرہ اور آپ کی بیگم صاحبہ) سے شکایت کی کہ بچے مجھے پریشان کرتے ہیں ان کو روکو!

گھر میں قرآن کا درس: اب بچوں کے ساتھ خود اپنی اور موجودہ لوگوں کی دماغی بے صبری دیکھ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ خدایا ان کا کیا حوصلہ اور تحمل تھا۔ اور نہ معلوم خدا نے آپ کے وقت میں کیسی برکت دی تھی کہ دفتر کے کام سے اٹھ کر آپ باجی جان اور اپنی بڑی صاحبزادی رقیہ بیگم کو قرآن شریف بامعنی پابندی سے پڑھاتے تھے۔ اور اُس میں بھی مجھے یاد نہیں کہ کبھی آپ کو بے صبر ہوتے یا ناراضگی فرماتے دیکھا ہو۔

بچی کی تیمارداری: اسی دوران میں آپ کی بڑی سے چھوٹی صاحبزادی عطیہ بیگم کی بیماری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور اس مصروف ہستی کے ایک اور ہی دردمندانہ اور غمخوارانہ جذبہ کا اظہار ہوا۔ وہ یہ کہ آپ

نے اپنی اسی مصروف زندگی میں اپنی بچی کی تیمارداری کے فرائض بھی ایزاد کر لئے۔ خود اس کا ٹمپریچر لیتے۔ خود دوا دیتے۔ غذا دلواتے۔ پاس بیٹھتے اور دل جوئی اور خاطر کی حد کر دی۔ پھر بھی کبھی آپ کو بے صبر ہوتے یا جھنجھلاتے نہ دیکھا۔ وہی مسکرانا۔ بچوں سے ہنس کر بات کرنا اور خوش مزاجی سے کام کرنا اور کروانا۔ مجھ میں اور عطیہ بیگم میں بہت محبت تھی۔ ایک بار شملہ میں عطیہ بیگم کی حالت زیادہ خراب ہوگئی۔ تو ابا جان نے مجھے ان کے پاس بھیج دیا۔ جب عطیہ بیگم کی طبیعت ذرا بہتر ہوئی تو آپ ایک روز ان کو ڈاکٹر سدر لینڈ کو دکھانے رکشا میں بیٹھا کر لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھی۔ جب ڈاکٹر سے مل کر آپ باہر آئے تو والدین کا دل ہی سمجھ سکتا ہے کہ اپنی ایک بچی کے متعلق یہ معلوم کر کے کہ اب اس کا صحت پانا محال ہے، انسان کیا محسوس کرتا ہے۔ لیکن ہمارے سامنے آپ نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کچھ ظاہر نہ کیا۔ بلکہ ڈاکٹر کے وہم کو دور کرنے کے لئے بڑی دلجوئی سے فرمایا کہ ''اب تم دونوں کی کیا مرضی ہے۔ ہم نے بچپن کی بے ساختگی سے جواب دیا کہ ہم تو آئس کریم کھائیں گے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا اور بہت بہتر''

بچی کی وفات اور حق بندگی: آخر اُسی سال موسم سرما میں وہ پیاری بچی عطیہ اس دکھوں کی دنیا سے مونہہ موڑ کو شفقتِ ربی کے سائے میں پروان چڑھنے کے لئے رخصت ہوگئی۔ اور چاہنے والے باپ نے بغیر شکوہ وشکایت کئے صبر وشکر سے کام لیتے ہوئے اپنے ہاتھوں اُسے خاک میں سلا کر حق بندگی ادا کر دیا۔

ڈلہوزی کی سادہ زندگی: وقت گزرتا گیا۔ ڈلہوزی کا زمانہ آ گیا۔ اپنی خوش قسمتی سے اکثر آپ کے سائے میں وقت گزارنے کا موقعہ ملا۔ لیکن بہت یاد کرنے پر بھی کوئی ایسا وقت یاد نہیں آتا کہ آپ کو کبھی ناراض ہوتے، بے صبر ہوتے، چیختے چلاتے یا کوئی بے جا بات کہتے سنا ہو۔ یہی یاد آتا ہے کہ ایک نہایت سادہ لباس، پاکیزہ اطوار، انکساری وخاکساری سے معمور، مسکراتی ہوئی شفقی ہستی تھی۔ جو ایک ٹھنڈے، نورانی اور پُر امن سایہ کی طرح ہمارے سروں پر قائم تھی۔ ایک ایسے نگہبان کی نگہداشت میں ہم رہتے تھے کہ ہماری سب فکریں اسی کے کندھوں پر تھیں۔ اور اس نے ہمیشہ ہنس کر انہیں اٹھایا۔ کبھی یہ نہ کہا کہ میں تو خدا کے دین کے غم میں دبا ہوا ہوں۔ تم لوگ اس دنیا کے بوجھ اور اپنے ذاتی فکر تو مجھ سے دور رکھا

کرو۔ اکثر ہم لوگ پہاڑوں میں لمبی لمبی سیروں کے لئے چلے جاتے۔ واپسی میں اگر شام کا اندھیرا ہونے لگتا تو ضرور آپ کا بھیجا ہوا آدمی روشنی لئے ہمیں آملتا۔ کبھی ہم سب بے فکروں کی طرح برسات کے موسم میں گھر سے پک نِک کے لئے نکل کھڑے ہوتے۔ راستے میں یا کھانے پینے کے دوران میں بارش ہمیں آلیتی۔ ہم گھبرا کر اُٹھتے۔ مگر فوراً ہی کوئی نہ کوئی آدمی چھتریاں اور برساتیاں لئے آپہنچتا اور معلوم ہوتا کہ بادل گھرتے دیکھ کر ہی مولانا صاحب نے فرمایا کہ ''برساتیاں اور چھتریاں لے کر جاؤ۔ وہ لوگ بھیگ نہ جائیں''۔ اور پھر وہ پُر لطف پک نکیں۔ جن میں آپ بھی شمولیت فرماتے تھے۔ ہم سب کے ساتھ آپ اس طرح شوق سے پیدل چلتے، چڑھائیاں اترائیاں طے فرماتے اور راستے کی خوب صورتی اور پھولوں کی بہار کو دیکھتے اور تعریف فرماتے۔ اس وقت یہ خیال بھی نہ ہوتا کہ آپ کوئی بڑی عظیم الشان ہستی ہیں۔ جسے بجائے ہنسنے بولنے کے غور وفکر میں رہنا چاہئے۔

کہسار میں اذان اور نماز: جب عین پہاڑ کی چوٹی پر یا بہتے پانی کے کنارے پر جا کر ہم سب کھا پی کر ستانے لگتے تو آپ اکثر میرے بھائی نصیر احمد فاروقی صاحب سے فرماتے کہ ''لیجئے میاں جی! اب اس سامنے والی بڑی چٹان پر چڑھ کر آپ اس طرح اذان دیں کہ یہ سب سلسلہ کوہسار صدائے اللہ اکبر سے گونج اٹھے۔ چنانچہ میاں بھائی نہایت جوش اور خوش الحانی سے اذان دیتے۔ اور ہم سب چھوٹے بڑے آپ کی امامت میں نماز ادا کرتے۔ دنیا کی جنت پر آسمانی فرشتوں کا سایہ ہو جاتا اور آپ کی تلاوتِ قرآن سے سنسان وادیاں بھرپور ہو جاتیں۔ اور ہمارے دلوں پر یہ بات نقش ہو جاتی کہ یہ ہستی دنیا کی خوبصورتی اور بہار میں بھی خدا کو نہیں بھول سکتی۔ ''ڈائن کنڈ'' اور ''کالاٹوپ'' کی بھری چوٹیاں ''کھجیار'' اور ''کریلر'' کی جنت نما وادیاں، ڈلہوزی کے سرسبز کوہسار اور ریلو دار کے جنگل ہمیشہ اُن بے شمار زرین لمحوں کے گواہ رہیں گے جب آپ نے وہاں ذکر خدا کیا۔

گھر میں یادِ خدا: اور پھر وہ ''دارالسلام'' (آپ کی ڈلہوزی والی کوٹھی کا نام) بادل کی سیاہی ہو یا بجلی کی کڑک، دھند کی سفیدی ہو یا سورج کی سنہری دھوپ، اس دارالسلام سے پانچ وقت بلا ناغہ صدائے اللہ اکبر بلند ہوتی تھی۔ جہاں برس ہا برس تک وہ خدا کا عاشق انسان یادِ خدا میں کھڑا رہا۔ جہاں ہزاروں ان گنت راتوں کو اس کی پیشانی تہجد کے سجدوں میں رکھی رہی۔

ہمارا شوق عبادت: لیکن اس شدت سے یادالٰہی، ذکر الٰہی، فکر الٰہی کرنے کے بعد یہ نہیں ہوا کہ آپ کو خدا کی یاد میں خدا کے بندے بھول گئے ہوں۔ معمولی سے معمولی بات بھی آپ کے خیال اور ذہن میں رہتی تھی۔ اپنے بزرگوں کے دینی ذوق کو دیکھ دیکھ کر ہم لوگوں کو بھی نمازیں پڑھنے، قرآن بامعنی باتفسیر پڑھنے اور خصوصاً نماز باجماعت ادا کرنے کا بے حد شوق ہوا۔ آپ اس قدر ہمارے اس شوق پر اظہار خوشی فرماتے، اس قدر تعریف کرتے، ہمت بندھاتے کہ تعجب ہوتا!

بُری حرکت کی اصلاح: اگر کوئی حرکت ہم سے ایسی ہوتی جو آپ کو پسند نہ آتی تو گو زبان سے کچھ نہ فرماتے تا کہ ہماری دل شکنی نہ ہو، لیکن اپنے عمل سے اس کی اصلاح کی کوشش فرماتے۔ ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ ایک بار ''مال ہاؤس'' ڈلہوزی میں ہمیں سب بچوں کو عادت سی پڑ گئی کہ کھانے کے وقت دستر خوان پر روٹی کے کنارے توڑ کر الگ ڈال دیتے اور باقی کی روٹی کھا لیتے۔ آپ کو یہ بے قدری خدا کے رزق کی اور یہ طریقہ ہمارا ناگوار ہوا۔ لیکن آپ نے ہمیں ویسے تو کچھ نہ کہا۔ مگر ایک روز سب ٹوٹے ہوئے کنارے خود جمع کر کے کھا لئے۔ ہم سب تو دل میں کٹ گئے۔ جب سے توبہ کی اور خوشی خوشی پوری روٹی کھانے لگے۔

پاکیزہ زندگی کا راز: جب میرے بھائی نصیر احمد فاروقی صاحب بغرض تعلیم انگلینڈ جانے لگے۔ تو آپ نے اُن کو نصیحت فرمائی کہ وہاں ''شراب نہ پیجئے گا'' اور ''نماز نہ چھوڑیئے گا''۔ ایک بدی کی جڑ دوسری نیکی کی بنیاد۔ دو فقروں میں آپ نے پاکیزہ زندگی کا راز بتا دیا۔

عزیزوں کی دستگیری: کچھ وقت اور گزر گیا۔ میرے ابا جان ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم ومغفور کی پنشن ہوگئی۔ آپ نے اصرار کیا کہ ابا جان بھی ایک چھوٹی سی کوٹھی ڈلہوزی میں بنا لیں۔ وہاں معہ اہل وعیال آرام سے بیٹھ کر دینی تصنیف وتالیف کا کام کریں۔ مگر مشیت ایزدی کچھ اور تھی۔ ابھی ابا جان کی کوٹھی ''پروین'' کی بنیادیں بھی نہ اٹھی تھیں کہ میری پیاری اماں جان، جن کا وجود نیکی کے فرشتہ کی طرح ہم پر سایہ فگن تھا، ہمیں چھوڑ کر اپنے رب کے حضور میں چلی گئیں۔ ابا جان اس صدمے سے بے حد دل شکستہ ہوئے اور اُنہیں دنوں اُن کو کچھ دل کی تکلیف بھی ہوگئی۔ کوٹھی بنوانے کی طرف اُن کی کچھ توجہ نہ رہی۔ مگر وہ انسانوں کا غمخوار تو متوجہ تھا۔ میں روزانہ دیکھتی کہ صبح کے دس گیارہ بجے بھیاجی اپنا کام چھوڑ

کر بلم اٹھا کر ''پروین'' تشریف لے جاتے۔ وہاں سب کام ہوتا دیکھتے۔ خود بلم سے پشتوں اور دیواروں کی مضبوطی جانچتے۔ میں سوچتی کہ یہ اپنا اتنا بلند دینی وروحانی کام چھوڑ کر کیوں اینٹ پتھر پر توجہ کرتے ہیں۔ کیا اس میں کچھ اپنا ذاتی فائدہ تھا؟ نہیں۔ یہ صرف ایک دوست کی، ایک پریشان حال عزیز کی، ایک بیمار انسان کی دست گیری تھی جو خود اُس وقت اپنے اس کام پر توجہ دینے سے معذور تھا۔ چنانچہ ''پروین'' بنی۔ گیارہ سال تک متواتر اس میں ذکر الٰہی ہوا۔ ابا جان نے اس میں بیٹھ کر ''انوار القرآن'' اور ''مجدد اعظم'' جیسی کتابیں لکھیں۔

''یادِ کسے'': کچھ عرصہ بعد ابا جان کو کسی ریاست سے ایک بہت اچھی نوکری پیش کی گئی۔ اُنہوں نے مولانا صاحب کو لکھا کہ ''آپ فرمائیں میں منظور کروں یا نہ''۔ آپ نے صرف ایک شعر لکھ کر جواب میں بھیج دیا کہ ؎

عمر بگذشت ونماند است جز ایامے چند	بہ کہ در یادِ کسے صبح کنیم شامے چند

(یہ کہ عمر گذر گئی سوائے چند دنوں کے۔ بہتر ہے کہ خدا کی یاد میں دن کی صبح سے شام کر دو) ابا جان نے اسی وقت نوکری کے متعلق انکار لکھ دیا اور یہ شعر لکھوا کر فریم کروا کر اپنی میز کے سامنے لگوا لیا۔ تا کہ ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہے۔ جب ابا جان کی وفات ہوئی اور ان کے غمگین اور سوگوار بچے اُن کی چھوڑی ہوئی چند چیزیں بطور یادگار رکھنے کو آپس میں تقسیم کرنے لگے تو آپ نے نہایت حسرت سے وہ قطعہ مانگا کہ ''یہ اب مجھے دے دیجئے۔ اب میں اس کو ایسی جگہ رکھوں گا جہاں یہ میری آنکھوں کے سامنے رہے''۔ چنانچہ آج بھی وہ آپ کے دفتر میں لگا ہوا اپنی صداقت پر گواہ ہے۔

ایک لطیف روحانی ٹھنڈک: وقت اور بھی گزر گیا۔ بچپن اور لڑکپن کی خوشگوار حدوں سے نکل کر اب ہم اسب الگ الگ اپنے راستوں پر پڑ کر زندگی کی جدوجہد اور تگ ودو میں مصروف ہو گئے تھے۔ بڑے ہو کر بچپن کے تجربے کی بنا پر اب آپ کی ہستی ایک سچے روحانی اور دینی امیر کی نظر آنے لگی۔ کچھ ایسی عجیب محبت اور شفقت، امن اور سکون کی فضا آپ کے چاروں طرف پیدا ہو گئی تھی کہ بعض وقت اگر دل میں ہم کچھ رنج یا گلہ شکوہ لے کر بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ کے مبارک اور پُر نور چہرہ پر نگاہ پڑتے ہی وہ جذبات دل سے غائب ہو جائے۔ اور دل لطیف روحانی ٹھنڈک اور عقیدت سے بھرپور

ہو جاتا۔

ایک واقعہ: اس روحانیت پر ایک واقعہ یاد آ گیا۔ عرصہ ہوا میری ایک ہمشیرہ بیگم مولانا محمد یعقوب خاں صاحب بوجہ فالج صاحب فراش ہو گئیں۔ بہت علاج معالجہ ہوا۔ لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اسی پریشانی میں کسی نے رائے دی کہ اگر کسی مسمرائزر سے توجہ کرائی جائے تو ممکن ہے فائدہ مند ثابت ہو۔ چنانچہ ایک مسمرائزر صاحب آئے اور اُن کی توجہ سے فی الواقع میری ہمشیرہ کی بے حس وحرکت ٹانگ حرکت کرنے لگی۔ سب کو تعجب ہوا اور دوبارہ جو مسمرائزر صاحب توجہ کرنے آئے تو اور سب کے علاوہ آپ بھی تشریف رکھتے تھے۔ لیکن اب کے بہت دیر مسمرائزر صاحب نے توجہ کی مگر کچھ نہ بنا۔ اور شدت سے کوشش کی مگر ٹانگ نہ ہل سکی۔ آخر ابا جان مرحوم سے مسمرائزر صاحب نے کہا کہ ''یہ صاحب (یعنی مولانا محمد علی صاحب) جو بیٹھے ہیں ان کی روحانی طاقت اتنی زبردست ہے کہ اُس کے آگے میری ساری توجہ خاک ہو کر رہ گئی ہے'' اُس کو علم نہ تھا کہ یہ کون ہستی ہے۔ اور خود حضرت کو تو نہ کبھی پہلے نہ اس واقعہ کے بعد کبھی اپنے پر فخر یا گمان ہوا!

ایک دینی امام کی ملمع سازی: اس واقعہ کے بعد ابھی چند سال ہوئے ہیں کہ ایک بار ایک غیر ملک میں ایک دینی امام صاحب کی آمد کا غلغلہ ہوا۔ اور اُن کے تشریف لانے پر جب مجھے اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو اول تو ان کی ظاہری سجاوٹ، سبز عمامہ اور سیاہ خلعت سے مجھے شاق ہوا لیکن پھر بھی ان کی دینی شان کا لحاظ کرتے ہوئے میں نے عرض کیا کہ ''آپ کی زیارت سے مجھے ازحد تسلی اور خوشی ہوئی ہے''۔ تو انہوں نے فخر سے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا کہ ''ہونی ہی چاہئیے۔ ہونی یہی چاہئیے۔''

دنیا کا فقیر مگر دین کا امیر: اس وقت نہ صرف یہ کہ اُن کی حقیقت ملمع کی قلعی کی طرح میرے سامنے اتر گئی بلکہ مجھے اس وقت یہ احساس ہوا کہ میرے روحانی امیر مولانا محمد علی صاحب کا کیا رتبہ ہے! وہ دنیا کا فقیر مگر دین کا امیر۔ وہ گوشہ نشین درویش جو خاکساری سے جھک کر اپنے مریدوں سے ملتا ہے۔ جو اپنی نہیں بلکہ ان کی نیکیوں، قربانیوں اور خوبیوں کو سراہتا ہے۔ وہ سادہ لباس، سادہ مزاج انسان جو اپنے غریب دوستوں میں بیٹھتا ہے تو پہچانا نہیں جا سکتا۔ اور جوں جوں آپ کے روحانی و دینی رتبے بڑھے۔

آپ کے ترجمۃ القرآن اور دوسری تصانیف کی دنیا میں قدر ہوئی اور خدا نے انہیں درجہ قبولیت بخشا، توں توں خود آپ میں انکساری، حلیمی، عاجزی بڑھتی ہی گئی۔ قوم کا مخدوم، قوم کا خادم بن کر رہ گیا!

پُر خلوص برتاؤ: جب بھی دنیا کے مصائب و آلام سے گھبرا کر میں نے آپ کی خدمت میں خط لکھا اور دعا اور توجہ کی درخواست کی تو ہمیشہ واپسی ڈاک خود آپ کے اپنے ہاتھ کا خط دعاؤں اور نصیحتوں سے پُر مجھے ملا۔ آج تک برس ہا برس میں کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ ایسی مصروف اور عظیم الشان ہستی نے اپنے کاتب کو کہا ہو کہ تم میری طرف سے دو حرف لکھ دو۔ یا بڑے لوگوں کی طرح ٹائپ شدہ خط بھیج دیا ہوتا۔ اور یہ کچھ اپنے عزیزوں کی خصوصیت نہ تھی بلکہ عموماً سب دوستوں اور جماعت کے لوگوں سے آپ کا یہی پُر خلوص برتاؤ تھا۔

دوسروں کے غم میں شرکت: ہم اپنے غم اپنے دکھ لا کر آپ کے سامنے پیش کر دیتے تھے۔ آپ اپنی شفقت اور توجہ سے ان کو ہلکا کر دیتے تھے۔ ہمارے غموں کو اپنا غم بنا لیتے تھے اور اپنے غموں کو تو نہ معلوم دل کی کن گہرائیوں میں چھپائے رکھتے تھے کہ کبھی ان کو جتا کر دوسروں کو تکلیف نہ دی۔ لوگ ان سے سختی بھی کرتے تھے۔ بعض وقت لوگ اعتراض بھی کرتے تھے۔ لیکن کبھی آپ کی پیشانی پر شکن نہ آئی۔ کرنل سید بشیر حسین صاحب کے بڑے صاحب زادے عزیز کی عالم جوانی کی دردناک موت کو ابھی دوسرا سال ہے۔ آپ جب دل کی تکلیف میں مبتلا تھے اس لئے آپ کو نہ بتایا گیا۔ لیکن جب آپ کراچی سے لاہور تشریف لائے تو چند روز بعد ایک عزیز نے اتفاقاً ذکر کر دیا۔ آپ سنتے ہی بے اختیار رونے لگے۔ اس قدر شاق ہوا کہ طبیعت بگڑ گئی اور ہم سب بے حد فکر مند ہو گئے۔ مگر دوسرے روز باوجود طبیعت کی خرابی کے خود کرنل سید بشیر حسین صاحب کے پاس برائے تعزیت تشریف لے گئے۔

جدائی کی منزل: غرض دنیا کی یہ عظیم الشان ہستی یوں ہی ایسی ہم میں ملی جلی خاموشی اور عاجزی سے رہی کہ ہم اس کی عظمت کا پورا اندازہ بھی نہ کر سکے۔ شائد مشیت ایزدی نے بھی جان لیا کہ یہ دنیا اب اس قابل نہیں کہ اس پُر نور ہستی کی اور جائے قیام رہے۔ چنانچہ وہ عظیم الشان تیاری، جو نہ معلوم کب سے آپ کے اجر عظیم اور قدر و منزلت اور رحمت و مغفرت کے لئے اُس عالم میں ہو رہی تھیں، کمال کو پہنچی۔ اور آپ کا استقبال کرنے کی سعادت ہم لاہور کے گنہ گار بندوں سے چھن کر حور و ملائک اور آسمانی مکینوں

کومل گئی اور جب کہ ہم یہاں آپ کے لئے چشم براہ تھے، وہاں درِ خداوندی وا ہوا اور اُس رب کریم نے اپنے عزیز بندے کو بلایا کہ یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ. ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً. فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ. وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۔ (30-27:89) آ جا میرے عاشق! میرے محبوب بندے! میری محبت وشفقت کی آغوش تیرے لئے وا ہو گئی ہے۔ اور اپنے رب کے حکم پر ہمیشہ لبیک کہنے والے فرمانبردار بندے نے دل وجان سے لبیک کہہ کر جدائی کی یہ منزل طے کر لی۔

دین کے لئے دنیا کی قربانی: مولانا محمد علی صاحبؒ اگر دنیا اور اس کا مال ودولت چاہتے تو وہ دنیا کے ایک بڑے انسان اور دنیاوی امیر بن سکتے تھے۔ اور قدرت کی طرف سے یہ موقعہ بھی ان کو دیا گیا۔ جب وہ ایل۔ ایل۔ بی میں اول آئے تو بعض بڑے شاندار مستقبل آپ کے سامنے تھے۔ آپ نے وکالت کے کام کی تیاری کر لی۔ لیکن جب قادیان جا کر اپنے مرشد اعلیٰ حضرت مسیح موعود سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ''ہمارا خیال تو آپ کے لئے اور تھا۔ وہ یہ کہ انگریزی زبان میں ایک سالہ جاری ہو اور آپ اس کے ایڈیٹر بنیں''۔ بس پھر آپ لوٹ کر اپنا سامان لینے بھی نہ آئے۔ وہیں قادیان میں رہ پڑے۔ حضرت مسیح موعود کی زبان مبارک نے آپ کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا۔

آپ کی ہستی کا نور: کیا عظیم الشان اور کیا اعلیٰ وارفع فیصلہ تھا کہ آپ اس دنیا کے چیف جسٹس یا مالدار بیرسٹر یا منسٹر نہ بنے اور اُس صورت میں آپ کا وجود عشرت گاہِ دنیا کی اُن بے شمار روشنیوں میں سے ہوتا جو ذرہ کی ذرہ چمک کر پھر گل ہو جاتی ہیں۔ مگر آج آپ کی ہستی کا نور ایک پاسبان کی جلائی ہوئی اُس روشنی کی طرح سے ہمیشہ چمکتی رہے گی اور جوں جوں وقت گزرے گا توں توں یہ روشنی صاف اور نمایاں ہوتی جائے گی۔ اور ہم سے زیادہ آئندہ آنے والی نسلیں اس علم وہدایت کے نور سے فائدہ اٹھائیں گی اور اس وقت کو سراہیں گی جب مولانا محمد علی صاحبؒ نے قرآن کو دنیا میں پھیلانے کا عزم کیا۔

میرے اللہ! اس موت کے حسن کا کیا پوچھنا جس کے پردے میں حیاتِ جاوداں ہو!

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ کے چند غیر مطبوعہ خطوط

شاردا ایکٹ کے متعلق سوالات کے جوابات: 1930ء میں ایک دوست نے شاردا ایکٹ کے متعلق، جو صغر سنی کی شادی سے تعلق رکھتا تھا، چند سوالات حضرت امیرؒ سے کئے، جن کے جواب میں آپ نے ذیل کا خط اپنے قلم سے لکھ کر بھیجا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ڈلہوزی۔ 10 اپریل 1930ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے جو سوالات کئے ہیں ان کے مفصل جواب مولٰینا احمد صاحب کے قلم سے ''پیغام صلح'' میں سال گذشتہ شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں مفصل بحوالہ احادیث وآیات قرآنی دیکھ لیں۔ مختصراً میں بھی ایک دو باتیں لکھ دیتا ہوں۔

1۔ شریعت اسلامی مکمل ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو کسی اور قانون کی ضرورت نہیں۔ تکمیل دین تو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف سے کی تھی۔ بااین مسلمانوں نے فقہ کے ہزارہا مسائل نکالے۔ اور حدیث شریف میں صاف طور پر مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت کیا کہ فیصلے کس طرح کرو گے تو انہوں نے کہا۔ کتاب اللہ یعنی قرآن شریف کی رو سے۔ آپؐ نے کہا اگر قرآن شریف میں کوئی بات نہ پاؤ تو۔ کہا سنت رسول اللہ سے۔ فرمایا۔ وہاں بھی نہ پاؤ تو۔ کہا پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اسی حدیث پر اجتہاد کی بنیاد ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے مکمل ہونے کے یہ معنی نہیں کہ ساری دنیا کے فروعی مسائل، جو قیامت تک نکلنے والے تھے، اس میں موجود ہیں بلکہ وہ تکمیل بھی کچھ اصول کی ہے۔ اور امت کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے کہ وہ ضروریات پیش آمدہ کے مطابق نئے مسائل نکالیں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔ اس لئے باوجود قرآن شریف کے مسلمانوں کو اور قوانین کی ضرورت تو ہے۔ حدیث خود اس ضرورت کو بتاتی ہے۔ حدیث کے بعد فقہ بتاتی ہے کہ قرآن وحدیث ہر دو کے بعد بھی ضرورت تھی۔ فقہ پر نہ خدا نے

خاتمہ کی مہر لگا دی ہے نہ رسول اللہ نے۔ بلکہ یہ دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ ہاں سوال صرف یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں جن مسائل کی تصریح قرآن وحدیث میں نہیں ان میں مسلمان تو اجتہاد کر سکتے ہیں۔ کسی غیر مسلم کو، جیسے کہ ہری داس سارداہے یہ حق کس طرح حاصل ہو گیا۔ لہٰذا یہ **الحکمة ضالة المومن** (حکمت مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے) کے مطابق ہے۔ یعنی اگر ایک سچی اور صحیح بات ایک غیر مسلم کے مونہہ سے نکلی ہے تو اس کی محض اس لئے مخالفت نہ ہونی چاہیئے۔ بات کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیسی ہے۔ اگر بات فی نفسہٖ اچھی ہے۔ اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے تو اس کی بے شک مخالفت کی جائے۔ اصل امر غور طلب ایک ہے کہ سارداہل میں جو نابالغ کی شادی پر تعزیر قرار دی گئی ہے تو اس سے فی الواقعہ فائدہ ہوگا یا نہیں۔ اور صغر سنی کی شادی جو ہزار ہا نقصان پیدا کرتی ہے وہ دور ہوں گے یا نہیں۔

سوال نمبر 2: چونکہ شریعت نے عمر کی تعیین نہیں کی۔ اس لئے عمر کی تعیین مداخلت فی الدین ہے۔

جواب۔ اس سے بڑھ کر کوئی غلطی نہیں۔ جہاں قرآن وحدیث نے ایک بات کی تصریح یا تعیین کر دی ہے تو اس کے خلاف کہنا تو بیشک مداخلت فی الدین ہے۔ لیکن جہاں قرآن وحدیث میں ایک بات کی تصریح نہیں یا تعیین نہیں تو وہ تصریح یا تعیین اجتہاد کے ماتحت ہو گی وہ ایک وقت دینی ضرورت ہو جاتی ہے۔ فقہ کے جو ہزار ہا مسائل ہیں تو کیا ان کو مداخلت فی الدین کہا جائے گا۔ کیونکہ وہ وہی مسائل ہیں جن کی تصریح قرآن وحدیث میں نہیں۔ اگر ان کی تصریح یا تعیین قرآن وحدیث میں ہوتی تو فقہاء کو ان مسائل کے استنباط کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ پس جن مسائل کی تصریح قرآن وحدیث میں نہیں ان کی تصریح یا تعیین مداخلت فی الدین نہیں بلکہ وہ فی الحقیقت حالات کے ماتحت ایک ضرورت دینی ہو جاتی ہے۔

ب۔ اگرچہ کم عمر میں شادی نہ کرنا چاہیئے مگر حد مقرر نہ ہونی چاہیئے۔ غور کیا جائے تو یہ سوال خود اپنی تردید آپ کرتا ہے۔ کیونکہ حد مقرر کرنے کے بغیر کبھی کم عمری کی شادی رک ہی نہیں سکتی۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ بارہ سال بعد درست نہیں تیرہ سال ہونی چاہیئے مگر یہ بھی آخر ملک کی رائے پر چھوڑنا ہوگا۔

سوال نمبر 3: حضرت عائشہؓ کی عمر شادی کے وقت نو سال تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کم عمری کی شادی جائز ہے۔

جواب۔اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے شادی مکہ میں ہوئی۔اور شریعت کا نزول مدینہ میں ہوا۔اگر منشاء شریعت یہ ہوتا کہ صغرسنی کی شادیوں کورواج دیا جائے یا جائز رکھا جائے تو اس کی کوئی مثال مدینہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زندگی میں بھی ملتی۔مگر مدینہ میں ایسی کوئی مثال نہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ قرآن شریف میں ایسی کوئی آیت نہیں جس میں بالتصریح صغرسنی کی شادی کو روکا گیا ہو تو اس کا جواب مختلف آیات قرآنی میں ملتا ہے۔ جہاں گو بالتصریح ممانعت صغرسنی کی شادی کی نہ ہو،مگر ان آیات کا منشاء صاف یہ نظر آتا ہے کہ قرآن شریف شادی کو بلوغت کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔جیسے **مَـاطَـابَ لَكُمْ** (3:4) میں ہے اب ایک دو یا چار یا دس سال کا بچہ کیونکر ماطاب کے نیچے آسکتا ہے۔ایسا ہی نکاح کو ایک معاہدہ کی حیثیت دی ہے۔پھر **حَتّٰى اِذَابَلَغُوا النِّكَاحَ** (6:4) میں بھی بتا دیا ہے کہ نکاح اور بلوغت بلکہ رشد کا ایک ہی سن ہے۔اسی قسم کی آیات کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل نظر آتا ہے کہ مدینہ میں کوئی صغرسنی کی شادی نہیں ہوئی۔یوں تو نزول شریعت سے پہلے سینکڑے ایسی باتیں تھیں جن میں پہلے رواج کے مطابق عمل ہو جاتا تھا۔نزول شریعت کے ساتھ ساتھ ان امور کی اصلاح ہوتی گئی۔انہی امور میں سے یہ ایک ہے۔توہین کا ذکر بے معنی ہے۔

سوال نمبر 4! قرآن کریم نے صغرسنی کی شادی کو جائز قرار دیا ہے۔

جواب۔ یہ درست نہیں۔ بالتصریح اس کا جواز نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نہ صاف طور پر جائز قرار دیا ہے نہ ناجائز۔تو گویا اس امر میں لوگوں کو آزاد چھوڑا ہے۔اس لئے اگر کسی ملک کے لوگ پسند کریں تو وہ اپنے لئے کوئی خاص قانون بنا سکتے ہیں۔کم عمر میں شادی کرنے کی مجبوری کیا ہو سکتی ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ باپ مرنے لگا ہے تو اس صورت میں وہ شادی کر دیتا ہے۔مگر یہ سمجھ نہیں آتا کہ یہ کونسا موقعہ ہے کہ ادھر باپ بستر مرگ ہے ادھر بیٹی کا نکاح رچ رہا ہے۔مجبوری کا نام لے کر لوگ اسلام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔راجہ محمود آباد اور وزیر حسن خاں کو کونسی مجبوری تھی۔ جب ایک چیز کا نقصان زیادہ ہو جائے تو اس کے روکنے کے لئے سوائے قانون بنانے کے اور کوئی چارہ نہیں۔

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ شریعت اسلام صرف قرآن وحدیث کا نام ہے۔ کیونکہ بنیاد

صرف انہی دو پر ہے۔ فقہ اور اجتہاد ایک زمانہ کا کچھ اور دوسرے کا کچھ ہو سکتا ہے۔ ملکوں ملکوں میں فرق ہو سکتا ہے۔ ''پیغام صلح'' کے مضامین ضرور ایک دفعہ پڑھ لیں۔ ان سے معلوم ہوگا کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ قرآن وحدیث نے صغرسنی کی شادی کو جائز قرار دیا ہے۔ بلکہ قرآن وحدیث کا منشاء یہی ہے کہ شادی صغرسنی میں نہ ہو۔ اور چونکہ ساردابل اس کے مطابق ہے اس لئے یہ مداخلت فی الدین نہیں بلکہ دین کی تائید ہے کیونکہ قرآن وحدیث کے منشاء کے مطابق ہے۔ والسلام۔ محمد علی

مصیبت کو بہتری کا ذریعہ سمجھو: ایک دن میں عالم مایوسی میں حضرت امیر مرحوم ومغفور کے ہاں مسلم ٹاؤن گیا۔ کافی دیر گفتگو رہی اور آخر میں جب میں رخصت ہونے لگا تو آپ نے میری تسکین قلب کے لئے ذیل کی تحریر لکھ دی جو میرے لئے قیمتی موتیوں سے بڑھ کر حیثیت رکھتی ہے۔ میرے پاس موجود ہے۔ اللہ کریم آپ کے روحانی درجات میں ترقی دے اور مجھے آپ کی نصائح پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ محمد خلیل احمد سپیشل ٹکٹ ایگزامینر۔ این ڈبلیو آر۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور

تحریر یہ ہے:

''مسلم ٹاؤن۔ پوسٹ آفس اچھرہ لاہور

کوئی مصیبت یا تکلیف پڑ جائے تو اسے اپنی بہتری کا ذریعہ سمجھنا چاہیئے۔ اس سے انسان کے دل میں گھبراہٹ اور پریشانی پیدا نہیں ہوتی۔ اسے خدا کی طرف سے سمجھا جائے تو اس سے دل میں یہ قوت پیدا ہوتی ہے کہ میرے خالق نے، جو مجھے اس سے بہتر جانتا ہے، جیسا میں اپنے آپ کو جانتا ہوں، اس سے میری ہی کسی کمزوری کا علاج چاہا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان مشکلات کے اندر پڑ کر ہی بنتا ہے۔

اعلاء کلمۃ اللہ کو اپنی زندگی کا اصل مقصد ٹھہرایا جائے۔ قرآن کریم، سیرت اور حدیث کا کوئی حصہ روزانہ اپنے مطالعہ میں رکھنا چاہیئے۔ محمد علی''

میاں بیوی کے تعلقات میں قابل لحاظ باتیں: 1910ء میں ایک بیگم صاحبہ کو ان کے جواب میں ذیل کا خط لکھا:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا خط کل شام کو پہنچا......

لڑکیوں کی جب تک شادی نہیں ہوتی آئندہ کے متعلق طرح طرح کی امیدیں ان کے دل میں ہوتی ہیں۔ جو بعض وقت عملی زندگی میں آ کر خواب و خیال ہی بن جاتی ہیں۔ اور مردوں کو اپنی بیبیوں کے متعلق ایسے خیالات ہوتے ہیں جو اکثر اوقات فرضی نقشے ہوتے ہیں۔ اور جب عملی زندگی میں آ کر عورت کو مرد اپنے خیال کے مطابق اور مرد کو عورت اپنے خیال کے مطابق نہیں ملتے تو نتیجہ مایوسی ہوتا ہے۔ ہاں جو شریف خاوند اور بیبیاں ہوتی ہیں وہ باوجود اس قسم کی امیدوں کے پورا نہ ہونے کے بھی قناعت سے کام لیتے ہیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ ان میں تعلقات یگانگت و محبت پیدا ہو کر یہی تعلقات ترقی کرتے اور آخر ان کے لئے رحمت ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ ہے فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا. (19:4) اگر بیاہ کے بعد تمہیں (اے مردو) اپنی بیبیاں ناپسند بھی ہوں تو اگر تم باوجود ناپسندیدگی کے بھی حسن معاشرت سے کام لو گے تو اس میں اللہ تعالیٰ بڑے بڑے فضل اور بھلائیاں پیدا کر دے گا۔ اور جو لوگ قناعت سے کام نہیں لیتے وہ عمر بھر دکھ اور مصیبتیں اُٹھاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں تو نکاح ایک قسمت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ نہ خاوند اپنی بی بی کو جانتا ہے نہ بی بی خاوند کو۔ مگر جن ملکوں میں بڑے کورٹ شپ کے بعد نکاح ہوتے ہیں وہاں بھی آخر قناعت کے اصول کو مدنظر نہ رکھنے سے گھر ایک دوزخ بن جاتا ہے...... میاں بی بی میں اتفاق یا تعلقات محبت کو بیدار کرنے والی، قائم رکھنے والی یا بڑھانے والی چیز ایک دوسرے پر حسن ظنی ہے۔ اور حسن ظنی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک وسعت قلب نہ ہو۔ سو یہ بالکل اختیاری امر بھی نہیں۔ انسان کی زندگی کے مختلف حالات مل جل کر یہ حالت پیدا ہوتی ہے۔ کسی شخص کے کاموں کو ہم دو نگاہوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ حسن ظنی یا محبت کی نگاہ سے۔ اور بدظنی یا نفرت کی نگاہ سے اگر ہم ایک فعل کی ماہیت کو سمجھنے سے پہلے ہی اس کے کرنے والے پر بدظنی اپنے دل میں جما لیں تو کسی طرح بھی وہ فعل ہمیں مستحسن معلوم نہیں ہو سکے گا۔ حالانکہ محبت کی نگاہ سے بعض وقت عیب بھی خوبیاں معلوم ہوتی ہیں۔ دنیا میں کوئی انسان نہیں جو اپنے اندر کچھ نقص اور کچھ کمزوریاں نہیں رکھتا یا جس سے کچھ غلطیاں سرزد نہیں ہوتیں۔ اگر ہم اس کے نقصوں اور کمزوریوں اور غلطیوں پر ہی نگاہ رکھیں تو اس سے بدظنی اور آہستہ آہستہ عداوت کا بیج بویا جاتا ہے اور نا اتفاقی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اتفاق اور محبت کے لئے ضروری ہے کہ اس

کی کمزوریوں اور نقصوں سے درگذر کر کے اس کی خوبیوں کی طرف دیکھا جائے......اس میں شک نہیں کہ اول محرک مرد اور عورت کی محبت کا ظاہر ہی ہوتا ہے مگر اس میں ازدیاد اور پائیداری اندرونی جوہروں سے پیدا ہوتی ہے۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی۔ از قادیان۔ 31 مئی 1910ء

مریض پر دم: مکرم بزرگ شیخ اللہ دین صاحب نے ایک مریضہ کے لئے دعا کے واسطے شملہ سے خط لکھا۔ اس کا جواب:

اخویم مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط پہنچا۔ اللہ تعالیٰ مریضہ کو صحت عطا فرمائے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ دعا کروں گا اور کی بھی ہے۔ پھر یاد دلا دیں۔ خود بھی **اسئل اللّٰہ العظیم. رب العرش العظیم ان یشفیک** تین دفعہ پڑھ کر مریضہ پر ایک دو وقت صبح شام بعد از نماز پھونکا کریں۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

جماعت کی دعائیں: گذشتہ سال حضرت امیر نے تحریک کی تھی کہ کچھ دوست، جو تہجد میں ایک ہی وقت مقررہ پر غلبہ قرآن کی دعا کرنے کے لئے تیار ہوں، اپنے نام بھیج دیں۔ کئی دوستوں نے اپنے نام بھیجے۔ جن کو آپ نے فرداً فرداً حسب ذیل جواب دیا:

اخویم مکرم ـــ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط پہنچا۔ غلبہ اسلام کے لئے دعاؤں کو مخصوص کرنے کی درخواست پر آپ کا لبیک کہنا میرے لئے بڑی قوت کا موجب ہوا ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزا۔

ناموں کی کافی تعداد ہونے پر ہر ایک ایسے دوست کو سارے ناموں سے اطلاع دے دی جائے گی تا کہ ان کے اندر ایک جماعت کا رنگ پیدا ہو جائے۔ مگر کسی اخبار وغیرہ میں اس کا کوئی ذکر نہ ہوگا۔ دعا خدا اور اس کے بندے کے درمیان ایک مخفی راز ہے۔ میرے دل میں پورا یقین ہے کہ یہ دعائیں **اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ** (186:2) کا مصداق ثابت ہوں گی۔ اسلام۔ خاکسار۔ محمد علی

بحرِ معرفت کا غواص: بغداد۔ 10 دسمبر 1951ء۔ اخویم محترمی مولانا احمد یار صاحب سلمہ الرحمٰن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ابھی ابھی آپ کا خط مرقومہ 5 دسمبر ہوائی ڈاک سے ملا۔ جس

میں میرے محبوب امیر نوراللہ مرقدہ کے بارہ میں برائے اخبار پیغام صلح خاص نمبر مضمون طلب فرمایا ہے۔ اس فرید وقت، زمانہ کے منصور، پنج ہزاری فوج کے قائد اعلیٰ کی ذات اقدس کے متعلق میں کیا مضمون لکھ سکتا ہوں۔ یہ کام اہل قلم حضرات کا ہے۔ وہ بحر معرفت کا غواص حیدر آباد دکن میں ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے نواب بہادر یار جنگ نے اس خدا رسیدہ بزرگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک نظم کا یہ شعر پڑھا تھا۔

قرآن بھی تفسیر بھی ہو تحریر بھی ہو تقریر بھی ہو　　تقریر میں کچھ تاثیر بھی ہو اغیار کو جو گھائل کردے

اس جامع صفات بزرگ کے متعلق مجھ جیسا کم علم مزید کیا عرض کر سکتا ہے۔ یہ چند سطور اگر مناسب سمجھیں تو شائع کر دیں۔ محترمی! صحت اچھی نہیں رہتی۔ جملہ بزرگ دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام۔ خاکسار تصدق حسین قادری

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ کی عظمت و مقبولیت

فضل رب صاحب اوکاڑہ

میں حضرت امیرؒ کی اجابت دعا کا چشم دید گواہ ہوں۔ایک دفعہ مجھے مالی مشکلات کا اس قدر سامنا کرنا پڑا کہ ان کو اطلاع دینے کے لئے پوسٹ کارڈ تک کے لئے میرے پاس پیسے نہیں تھے۔مگر میں نے کسی نہ کسی طرح ان کو اطلاع پہنچا دی۔انہوں نے مجھے ایک مفصل چٹھی لکھی۔جس میں تحریر فرمایا تھا کہ تمہاری تکلیف کا سن کر دل کو از حد دکھ ہوا ہے۔میں ضرور دعا کروں گا اور تم لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ . (87:21) کا ورد کیا کرو۔ان کی چٹھی پڑھ کر میرے دل کو ایک ایسا سرور آیا اور دل اس قدر مطمئن ہوا کہ وہ کیفیت پھر کبھی طاری نہیں ہوئی۔اور یہ حقیقت ہے کہ جس وقت وہ چٹھی تحریر فرما رہے تھے دعا کا اسی وقت سے اثر شروع ہو گیا تھا۔اور خدا نے نہ صرف میری مشکلات دور کر دیں بلکہ دوسروں کی مدد کے بھی قابل ہو گیا اور یہ سب کچھ ایک معجزہ کے طور پر ہوا!

جماعت جس قدر ماتم کرے کم ہے۔کیونکہ ان کی وفات ایک امیر ہی کی نہیں بلکہ ایک جماعت کے خالق کی وفات ہے۔ان کے دم سے ہی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور وجود میں آئی۔اور ہر طرح کا لٹریچر لکھ کر جماعت کو ہر بیرونی حملہ سے بچانے کا سامان مکمل کر کے اس دنیا سے سدھارے۔

قانون قدرت یہی ہے کہ جب کسی شخص کو خدا اعزاز بخشتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں القاء کر دیتا ہے اور لوگ اس کی عظمت کے قائل ہوتے جاتے ہیں۔چنانچہ قرآن مجید کی تفسیر حضرت امیرؒ نے لکھی اور جو مقبولیت اسے دنیا میں حاصل ہوئی وہ کوئی چھپی بات نہیں۔میرے چھوٹے بھائی میاں فضل حق کو ایک دفعہ عالم کشف میں دکھلایا گیا کہ مسجد نبویؐ میں محراب کی جگہ کو چند عرب کھود رہے ہیں اور کھودتے کھودتے ایک کتاب انہوں نے نکالی اور کہنے لگے کہ یہ وہ قرآن ہے جو محمد علی نے لکھا ہے۔اس کا ذکر میں نے حضرت امیرؒ سے بھی ایک دفعہ کیا تھا۔جو سن کر آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔اور کتنی دیر تک خاموش رہے اور اس کا ذکر پھر آپ نے ایک دفعہ خطبہ جمعہ میں بھی فرمایا تھا۔کس قدر عظیم الشان

انسان تھا صبر و تحمل کا مجسمہ۔ میں نے ان گنت ملاقاتوں میں جب بھی دیکھا آپ کو دین کے کام کے لئے فکر مند دیکھا۔ آپ کا قلم آخری سانس تک خدمت دین کے لئے چلتا رہا۔ اور جس مضمون کو لیا اس رنگ میں لکھا کہ پڑھنے والوں پر جادو کا اثر ہوتا تھا۔ میں لکھ تو رہا ہوں مگر دل روتا ہے ؎

اُٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون　　ہو بہو کھینچے گا اب عشق کی تصویر کون

26 دسمبر 1951ء

حضرت مسیح موعود کا عظیم رفیق

غلام ربانی صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی

نمی دانی کہ آں پیر فرنگستان☆ چہ میگوید بذکرش تر زبان ہم شرقیاں ہم غربیاں بینی

مسیحاً نزدِ خود اورا نشانیدہ بصد عزت وجودش را مدارِ صدق مہدئ زماں بینی

''اپنی نسبت میں صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ نے اس کام کے لئے ہدایت نہ کی ہوتی تو میں اپنے دوسرے ہم جماعتوں کی طرح زیادہ سے زیادہ ایک کامیاب جج یا وکیل ہوتا۔مگر مجھے جس نے اس کام کی طرف توجہ دلائی اور پھر اس کام پر لگایا اور پھر میری صحیح راہ نمائی فرمائی، وہ جماعت احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہیں، جنہوں نے عین اس وقت، جب میں دنیا میں پڑ چکا تھا، نہ صرف دنیا کی غلاظتوں سے باہر نکال لیا بلکہ اس کے ساتھ ہی میرے اندر ایمان کی ایک ایسی روشنی پیدا کر دی جو اس جدوجہد میں میرے ساتھ رہی۔ میں اس بات کا علی الاعلان اقرار کرتا ہوں کہ اگر اس زمانہ کے امام اور مجدد نے میری راہنمائی نہ کی ہوتی تو میں اس کام کا اہل بھی تھا۔محمد علی''

حضرت مولیٰناؒ کی زندگی کی ابتدائی راہ: حضرت مولیٰنا محمد علیؒ کو دنیا مترجم اور مفسر قرآن کی حیثیت سے جانتی ہے۔انہیں مشرق ومغرب میں تبلیغ اسلام کے لئے انتھک کوشش کرنے والا کہتی ہے۔عصر حاضر کے اُلجھے ہوئے مسائل میں شرعی سند حاصل کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کرتی ہے۔یہی مولیٰنا محمد علی 1874ء میں قصبہ مرار ریاست کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔

جب انگریزی راج اپنے انتہائی عروج پر تھا۔انگریزی تعلیم کے ابتدائی دن تھے۔بہت ہی کم مسلمان

☆ محمدؐ مارمیڈیوک پکتھال نے حضرت مولیٰنا محمد علیؒ کے متعلق لکھا تھا کہ محمد علی سے بڑھ کر دین اسلام کی خدمت اس دور میں کسی نے نہیں کی۔ یہاں مارمیڈیوک پکتھال کی طرف اشارہ ہے۔

وہ راہ جو افراد کو عدالتوں، دفتروں اور کارگاہوں میں پہنچاتی ہے۔ اس زندگی کی خوشیاں قدموں میں لا ڈالتی ہے۔ حضرت مولٰینا محمد علی نے اسکول اور کالج کی اس راہ کو طے کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا بی۔اے تک پہنچ پاتے تھے۔ سرکار کو اپنے لئے لائق اور قابل اعتماد ہندوستانیوں کی بے حد ضرورت تھی۔ اس لئے اس نے اچھی نوکریوں کا دلآویز محل تعمیر کر رکھا تھا۔ عدل و انصاف کی زبان بھی اب انگریزی ہو گئی تھی اور مسلمان وکلاء کی تعداد بھی محدود تھی۔ حضرت مولٰینا محمد علی ان تمام باتوں سے خوب شناسا تھے۔ نوجوانی کا یہ زمانہ الحاد اور بے راہ روی کے ان تیز تیز تھپیڑوں کے درمیان گذارنا یقیناً صبر آزما تھا جو حاکم انگریزی کے پہلو بہ پہلو نئی تعلیم اور فکر جدید کے زیر سایہ وارد ہوئے تھے۔

عیسائیت کی دعوت اور مسیح موعود کا ظہور: عیسائی مشنریوں کے جھنڈ ملک میں اُتر آئے تھے۔ اور بستی بستی یسوع مسیح ''ابن اللہ'' کی دعوت دیتے پھرتے تھے۔ انسان کو خدا بنانے کے یہ پرچارک اتنے سریع التاثیر حربے بھی اپنے ساتھ لائے تھے جن سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دل ان کی طرف مائل ہو گئے۔ انہی نئے عیسائیوں میں سے بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر ہم مسلمانوں کو عیسائی نہ بھی بنا سکے تو کم از کم ہم انہیں مسلمان بھی نہ رہنے دیں گے۔ اس اُلجھن کے دور میں خدا تعالیٰ سے امر پا کر حضرت میرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعوٰی کیا اور خدا تعالیٰ کی وحی سے اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صادق ہونے کی تصدیق کی۔ مسیحیت اور الحاد کے اس عہد میں حضرت میرزا غلام احمد قادیانی کی دعوت لوگوں کے لئے عجیب تھی۔ وہ تو آسمان سے اترنے والے یسوع کے منتظر تھے یا زمین سے پیدا ہونے والے حسنی حسینی امام مہدی کی شمشیر خارا شگاف کے لئے نظر براہ۔ لیکن نہ کوئی آسمان سے اُترا اور نہ کوئی امام غائب کسی غار سے برآمد ہوا۔ منتظر نگاہیں اپنے سامنے ایک فارسی الاصل مسیح کو دیکھ کر انتہائی متحیر تھیں۔ جو اپنے آپ کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی کہتا تھا اور مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کو جاری سمجھتا تھا۔

حضرت مولٰیناؒ کی قبولیت احمدیت: مخالفت کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ عیسائی، مسلمان اور الحاد پرست اس کے خلاف ہو گئے۔ حضرت مولٰینا محمد علی ان دنوں اسلامیہ کالج میں لیکچرر تھے۔ مسیح کی یہ دعوت محمد علی کے جوان کانوں تک بھی پہنچی۔ متعصب مسلمانوں کے اس دارالعلوم میں محمد علی باوجود تقریباً

مسلک اہل حدیث کا ہمنوا ہونے کے مسیح کی اس دعوت کا گھائل ہو گیا۔ جن لوگوں نے حضرت محمد علی کو دیکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ موصوف جذبات کی نسبت عقل کے زیادہ قائل تھے۔ ان کی تحریروں میں کہیں بھی جذبات کی تیز روی نہیں بلکہ ایک شستہ محتاط اور استدلال پایا جاتا ہے۔ اور یہی بات ان کے روز مرہ کردار میں بھی نمایاں تھی۔ اپنے دور کا سب سے بڑا عالمِ دین ہونے کے باوجود ان میں کوئی بناوٹ نہ تھی۔ وہی سادگی، جو ان کی تحریر کا امتیاز ہے، ان کے کردار میں بھی تھی۔ لیکن تعجب ہے کہ یہی محمد علی جب مسیح کے حضور حاضر ہوئے تو ایک عجیب کشش سے وہ ان کی طرف کھچے چلے گئے۔ جب تک لاہور رہے مسیح کی تخت گاہ قادیان ہر ہفتہ ان کو اپنے درمیان چلتا پھرتا دیکھتی رہی۔

حضرت مولٰینا کا اپنا بیان: حضرت محمد علی لکھتے ہیں:

> ''میں حضرت مسیح موعود کی صداقت کا قائل 1891ء سے تھا جب آپ کا دعویٰ میرے کانوں تک پہنچا۔ میں نے بیعت 1897ء میں کی۔ مگر یہ وہ بیعت تھی کہ میں ہر ہفتہ نہیں تو پندرہ روز کے بعد ضرور قادیان پہنچ جاتا تھا۔ موسم گرما کی تعطیلات آپ کی صحبت میں گذارتا تھا۔ 1900ء سے آپ کی وفات تک آپ کی صحبت میں رہا...... آپ کے مکان کے ایک کمرہ میں رہتا تھا۔ بہت ہی کم لوگ ہوں گے جنہیں امام زمان کی وہ صحبت اور معیت میسر آئی ہو جو مجھے میسر آئی''

مسیح موعودؑ کے حکم پر لبیک: حضرت مولٰینا محمد علی کا یہ جذباتی تعلق مسیح موعود سے بہت مضبوط اور گہرا ہوتا گیا۔ مسیح کے احکامات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لئے حضرت محمد علی نے کبھی اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ ایم اے اور لاء کرنے کے بعد مولٰینا مسیح موعود کے پاس گئے تو حضرت مسیح موعود نے انہیں اپنی اُردو تحریرات کو انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے کے لئے کہا۔ حضرت مولٰینا محمد علی نے لبیک کہی۔ اس بات کا تذکرہ خود حضرت مسیح موعود نے کیا ہے:

> ''ہماری جماعت میں اول درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے ہیں۔ جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے۔ اور بہت سا اپنا حرج اُٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام دینے کے

لئے یعنی میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں اور یقین ہے کہ جب وہ بعد فراغت اس کام کے اپنے کام وکالت پر لگ جائیں گے تو کسی قریب کے ضلع میں ہی کام شروع کریں گے۔ اور میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع، باحیا، نیک اندرون، پرہیزگار آدمی ہے اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہیں''

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''اور مجھے اس بات سے بہت خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا تعالیٰ کے فضل کو پا کر ہماری جماعت میں شامل ہوا ہے۔ یعنی جبی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے پلیڈر۔ اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بارے میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقوٰی اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے''

ترک وکالت اور خدمت اسلام کا کام: پھر وہ دن بھی آیا کہ مولیٰنا محمد علی نے وکالت کے لئے ایک قریبی ضلع میں مکان لے لیا اور تمام سامان ٹھیک کر لیا۔ حضرت مسیح موعود کے حضور اجازت طلب کرنے آئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خود انہوں نے یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے:

''عیسائیت کی انیسویں صدی پوری ہو چکی تھی۔ ٹھیک 1900ء میں جب میں اپنے وکالت کے کام کے لئے گورداسپور جا رہا تھا اور سب انتظام مکمل کر چکا تھا۔ کوٹھی کرایہ پر لے چکا تھا اور اس میں سامان اور کتابیں بھی بہم پہنچا چکا تھا تو میرے رہنما نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ تمہارا کام کچھ اور ہے۔ ہم انگریزی میں ایک رسالہ جاری کرنا چاہتے

ہیں جس سے مغربی ممالک میں تبلیغ اسلام کا کام لیا جائے۔ آپ اسے ایڈٹ کریں۔
کس قدر خوش قسمتی تھی کہ اس آواز پر ایک لمحہ کے لئے بھی میرے دل میں تذبذب پیدا
نہیں ہوا کہ یہ کام کروں یا وہ کام کروں جس کے لئے پوری تیاری کر چکا ہوں''

یہ انگریزی رسالہ ریویو آف ریلیجنز تھا۔ اس کی ادارت مولانا محمد علی کے سپرد ہوئی اور وہ مستقلاً مسیح موعود کے پاس اُٹھ آئے۔ دن پر دن گزرتے گئے۔ مولانا محمد علی کا قلم اسلام کے دفاع میں شدید سے شدید تر ہو گیا۔

مسیح موعود کی آخری آواز احمدیہ بلڈنگس لاہور میں: مسیح موعود کا پیغام دور ونزدیک پھیلانے میں محمد علی انتھک کوشش کرنے لگے۔ حضرت مسیح موعود نے کئی کشوف اور الہامات اس نوجوان کی بزرگی کے بارے میں دیکھے اور پائے کہ ایکا ایکی وہ منحوس دن آ گیا جب خدا تعالیٰ کے مقدس صحیفوں کا یہ موعود لاہور میں اس خاک کی زمین کو چھوڑ کر 1908ء میں خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گیا۔ مسیح موعود ان آخری ایام میں لاہور کے اُن پاک ممبروں کے پاس مقیم تھے جنہیں ایک دن مسیح کا نام لینے والوں نے تنہا چھوڑ دینا تھا۔ احمدیہ بلڈنگس اس عظیم وجود کو کبھی نہ بھلا سکے گی جس کی زبان سے ہدایت کے مقدس کلمات اس فضا میں گونجتے رہے۔ مسیح نے آخری بار یہیں باتیں کیں اور پھر مسیح کی باتیں اسی سرزمین سے مشرق ومغرب میں پھیلنی مقدر ہوئیں۔

محمد علی کو زندہ جاوید کرنے والا کام: حضرت مسیح موعود کے وصال کے بعد جماعت کی قیادت حضرت حکیم نورالدین کے ہاتھ آئی۔ محمد علی اب بھی جماعت کی نظر میں عزت سے دیکھے جاتے تھے۔ ریویو کی ادارت اب بھی انہی کے ہاتھ تھی۔ مسیح نے آخری ایام میں جمہوری اصولوں پر ایک انجمن کی بنا ڈالی تھی۔ جو اس موعود کے بعد جماعت کی قائد متصور ہوئی تھی۔ محمد علی اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے تھے۔ حضرت حکیم نورالدین اسی انجمن کا نفس ناطقہ تھے۔ حضرت نورالدین اعظم کے دورِ قیادت میں مشیت ربی نے محمد علی سے وہ عظیم کام لیا جو انہیں زندہ جاوید کر گیا۔ حضرت نورالدین نے 1910ء میں انہیں قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کے لئے مامور کیا۔ انہی ایام میں کہیں سے پتہ چلا کہ کوئی اور صاحب بھی کلام پاک کا انگریزی ترجمہ کر رہے ہیں۔ نورالدین نے کہا کہ یوں تو ''موطا'' بہت لوگوں نے لکھے

ہیں۔لیکن مشہور صرف امام مالکؒ کا موطا ہے۔اسی طرح ترجمہ بیشک کئی لوگ کریں گے لیکن خدا تعالیٰ قبول صرف اسی ترجمہ کو کرے گا۔دراصل حکیم نورالدین کے سامنے حضرت مسیح موعود کے یہ الفاظ تھے۔

''میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس (ممالک غربیہ۔ناقل) بھیجی جائے۔میں اس بات کو صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے''

یہ ترجمہ مکمل ہو گیا اور حکیم نورالدین کو اس کی قبولیت کی اطلاع خدا تعالیٰ کے حضور سے بھی آ گئی۔ جسے انہوں نے بھری مجلس میں بیان کیا اور تمام مجلس خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجا لائی۔

مسیح موعود کے چشمہ سے سیرابی: حضرت مولانا محمد علی نے اسی ترجمہ قرآن انگریزی کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

''اس تفسیر کی بہترین باتیں اس زمانہ کے سب سے بڑے مذہبی رہنما حضرت میرزا غلام احمد قادیانی کے قلب سے میرے قلب میں آئی ہیں۔میں نے سیر ہو کر علم کے اس چشمہ سے پانی پیا ہے جو اس مصلح عظیم، مہدی و مجدد صد چہاردہم بانی سلسلہ احمدیہ نے بہایا ہے''

1914ء کا دردناک سانحہ: لیکن مشکلات نے ایکا ایکی راہ تاریک کر دی۔ترجمہ ابھی چھپا نہ تھا کہ جماعت احمدیہ میں 1914ء کا دردناک سانحہ پیش آ گیا۔صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے جماعت کے سامنے حضرت مسیح موعود کی تحریروں کے وہ معنی بیان کرنے شروع کئے جو حضرت مسیح موعود نے کبھی بیان نہ کئے تھے۔نوجوان صاحبزادہ انتہاء پسندانہ جذبات سے چُور چُور ہو کر ان باتوں کو بھول گیا کہ یہ طریق جماعت کو دو ٹکڑوں میں پھاڑ دے گا۔مسیح موعود کا فرزند اکبر ہونے کے باعث جماعت کی عقیدت کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے اپنے انتہا پسندانہ نظریات کو آمریت کا سہارا دیا۔حکیم نورالدین اعظم کی وفات کے ساتھ ہی صاحبزادہ صاحب نے آمرانہ خلافت کی داغ بیل ڈال دی اور محمد علی کی صلح جویانہ پیشکش کو ٹھکرا دیا۔حضرت محمد علی تکفیر المسلمین کے مسلک کو خلاف عقائد احمدیہ سمجھتے تھے۔ اور صاحبزادہ صاحب اسے عین احمدیت کہتے تھے۔حضرت محمد علی، مسیح موعود کو ظلی نبی سمجھتے تھے اور

صاحبزادہ صاحب انہیں حقیقی نبی بنا بیٹھے تھے۔ اس الجھاؤ میں صاحبزادہ کے بعض ساتھیوں نے ''سیاسی دلیل'' کو استعمال کیا اور جماعت میں حضرت محمد علی کے خلاف انتہائی دلآزار پروپیگنڈا کیا۔ یہ فضا انتہائی طور پر دل کو توڑ دینے والی تھی۔ کہتے ہیں کہ جس روز حکیم نورالدین کے بعد صاحبزادہ صاحب کی آمرانہ خلافت کا انتخاب عمل میں آیا تو حضرت محمد علی نے مجلس میں کھڑے ہو کر کچھ کہنا چاہا تو اسی گروہ نے ایک اُدھم مچا دیا اور شور ڈال کر کہا کہ ہم کچھ نہیں سنیں گے۔ ایک عرصہ تک محمد علی اور ان کے چند ایک ساتھیوں نے صاحبزادہ صاحب کے ساتھ مل کر کام کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔

قادیان سے ہجرت: احمدیہ تحریک میں یہ ایک موڑ تھا جہاں سے جماعت دو مختلف سمتوں میں پھٹ گئی۔ محمد علی اور آپ کے ساتھیوں نے قادیان سے بادلِ نخواستہ ہجرت کی۔ دیارِ حبیب، جس کا طواف ان کی زندگی بن گیا تھا، انہیں ترک کرنا پڑا۔ اور لاہور اس نئی احمدیہ تحریک کا مرکز ہوا۔ حضرت مولٰنا محمد علی کو اس بات کا بے حد افسوس تھا اور وہ اکثر قادیان کی ہجرت کا تذکرہ انتہائی بوجھل احساسات کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت مسیح موعود کی محبت اور مسلک احمدیہ کے تقاضے انہیں مجبور کر رہے تھے کہ وہ اس سِل کو سینہ پر رکھیں تا کہ اسلام کی اشاعت کا کام جاری رہ سکے۔

آپ کی قلمی جدوجہد: یہ ایک نیا قدم تھا۔ نئے سرے سے کام کا آغاز تھا۔ لیکن ہمت دشوار پسند خدا تعالیٰ کے وعدوں پر کامل ایمان رکھتے ہوئے آگے ہی بڑھتی گئی۔ دن پر دن گزرے اور حضرت مولٰنا محمد علی کے قلم سے ہزاروں صفحات پر اسلام کی خوبصورت تصویریں بنتی چلی گئیں۔ قرآن پاک مختلف زبان ہائے غرب کا جامہ زیب تن کرتا چلا گیا۔ پاک نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت براعظموں میں تقسیم ہوتی چلی گئی۔ لیکن محمد علی ساتھ ہی ساتھ جماعت کے داخلی مسائل سے بے خبر نہ تھے۔ حضرت مسیح موعود کی جماعت کا بیشتر حصہ صاحبزادہ مرزا محمود احمد کی آمرانہ خلافت کا ہمنوا تھا۔ حضرت محمد علی نے حضرت مسیح موعود کے صحیح مسلک پر بھی بہت کچھ لکھا۔

جوانی کی گرمی پر بڑھاپے کی سردی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ لیکن محمد علی کے ہاتھوں میں قلم اور مضبوطی سے چلنے لگا۔ مخالفتوں کے کئی طوفان کوہِ ہیکل پہاڑ بن کر سامنے آ کھڑے ہوئے۔ قادیانی جماعت کے عقائد نے متعصب مسلمانوں کو برافروختہ کر دیا اور احرارالاسلام کے نام پر شرارت پسند

وقت سازوں کا ایک گروہ تمام ملک میں پھیل گیا۔ لوگوں نے حضرت مولٰینا محمد علی کے ساتھیوں کو بھی تنگ کرنا شروع کیا۔ صاحبزادہ محمود احمد صاحب کے ساتھیوں کا جتھا مضبوط تھا۔ مرکز مضبوط تھا۔ اُن کے لئے اس مخالفت کا سامنا آسان تھا۔ حضرت محمد علی کے ساتھی کمزور اور بکھرے ہوئے تھے۔ لیکن اس شدید مخالفت کے زمانہ میں بھی محمد علی کا قدم نہ لڑکھڑایا۔ مخالفوں میں بےعقل اور جاہلوں کے ساتھ ساتھ عقلمند بھی شریک تھے۔ ڈاکٹر اقبال جیسا پڑھا لکھا انسان بھی اس طغیانی کا شکار ہو گیا۔ لیکن حضرت مولٰینا محمد علی نے صداقت کا ساتھ نہ چھوڑا اور سچی گواہی دی۔

نعمت اللہ کی شہادت اور قتل مرتد کا مسئلہ: اسی زمانے میں جماعت قادیان کے ایک مبلغ نعمت اللہ شہید افغانستان کے رجعت پسند متعصب مسلمانوں کے تنگ دل فقہا اور علماء کے فتوٰی قتل مرتد کے شکار ہو گئے۔ ہندوستان کے مولویوں نے افغان سرکار کو مبارکباد کے تار دیئے اور خوشیاں منائیں۔ حضرت مولٰینا محمد علی نے اس مشکل وقت میں بھی سچی گواہی دی اور نعمت اللہ خاں کی سنگساری کو خلاف اسلام بتایا۔ دیوبند کے شبیر احمد عثمانی جو بعد میں پاکستان کے شیخ الاسلام بن گئے محمد علی کی اس گواہی پر بہت چیں بجبیں ہوئے۔ لیکن جن لوگوں نے ان مباحث کو پڑھا ہے جو حضرت محمد علی اور شبیر احمد عثمانی کے درمیان ہوئے وہ خوب جانتے ہیں کہ حق دراصل مسیح کے عظیم رفیق کی طرف ہی رہا۔ حتّٰی کہ بعد میں آنے والے ابوالاعلی مودودی صاحب کو جب نئے سرے سے قتل مرتد کے عین اسلامی ثابت کرنے کا شوق چرایا تو وہ دبے دبے لفظوں میں اسی بحث کا حوالہ دے کر یہ تسلیم کر گئے کہ قتل مرتد عین اسلامی ثابت کرنے والوں کو اس میں شکست ہی ہوئی تھی۔

دماغی محنت اور بیماری کے پے در پے حملے: حضرت مولٰینا محمد علی دن رات دماغی محنت کرتے تھے۔ جوانی سے اس عمر تک وہ تہجد میں اُٹھتے رہے اور تہجد کے وقت سے کام میں مشغول رہتے۔ جسم نے اس شدید محنت کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔ 1934ء سے بیماریوں کے پے در پے حملے شروع ہوئے۔ ڈاکٹروں نے انہیں مہلک قرار دے دیا۔ 1934ء میں ہی ڈاکٹروں نے کام کاج سے منع کیا۔ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ اسی سال حضرت محمد علی کے قلم نے Religion of Islam جیسی عظیم الشان کتاب دانشوروں کے حضور پیش کی۔ 1938ء میں محمد علی ڈلہوزی میں تھے۔ بیماری نے پھر حملہ کیا۔ ڈاکٹروں نے

کہا کہ موت کی خبر کسی وقت بھی متوقع ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ابھی اور کام محمد علی سے لینا تھا۔ 1948ء میں پھر حملہ ہوا۔ تمام جماعت متفکر تھی۔ لیکن خدا تعالیٰ کے فضل و احسان نے پھر اسلام کے اس انتھک مجاہد کو اسلام کی خدمت کے لئے زندہ رکھا۔ مولٰینا بہت کمزور ہو چکے تھے۔ انہیں خود بھی اس کا شدید احساس تھا۔ 1948ء کے بعد سے وہ ہر وقت موت کا انتظار کرتے تھے۔ لیکن یہ ان کے کام میں کبھی حارج نہ ہوتا تھا۔ حضرت مسیح موعود کی شخصیت ان کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی اور وہ موت کے اس التواء کو محض حضرت مسیح موعود کا اعجاز سمجھتے تھے۔

خدمت قرآن میں دستِ غیب کی قوت: ان کا خیال تھا کہ ابھی مسیح موعود کے لئے خدا تعالیٰ نے اُن سے کوئی اور کام لینا ہے۔ اس لئے وہ اس کمزوری میں بھی انہیں طاقت بخشتا ہے۔ چنانچہ ایک مجلس میں انہوں نے یہ بھی کہا:

> ''اس کے لئے (یعنی تبلیغ اسلام کے لئے۔ ناقل) ایک شخص گاؤں میں اُٹھا۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی۔ اس کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ قرآن کو دنیا میں کس طرح پہنچایا جائے۔ اس نے یورپ کی طرف دیکھا تو وہاں علم اور روشنی کی بجائے اس نے تاریکی دیکھی۔ جہاں دوسرے لوگوں کی آنکھیں یورپ کی تہذیب کی ظاہری چمک سے چکا چوند ہو گئیں اس کو یہ تہذیب حقیقی زندگی سے خالی، فساد سے پر، فسق و فجور کا منبع نظر آئی۔ اس نے امریکہ کی طرف دیکھا تو وہاں بھی اسے کوئی روشنی کی شعاع نظر نہ آئی۔ جزائر بھی اس سے خالی نظر آئے۔ اس نے دیکھا کہ مغرب کی طرف سے یہ تاریکی مشرق کی طرف بڑھنا شروع ہوئی اور ایشیاء پر بھی چھا گئی۔ مخبر صادقؐ نے فرمایا تھا کہ مغرب سے آفتاب نکلے گا۔ لوگ اسے ناممکن سمجھتے تھے۔ اس نے کہا ہم اسے ممکن کر کے دکھائیں گے۔ مگر قوم نے بدل و جان مدد کرنے کی بجائے کافر و دجال کہہ کر رد کیا۔ اسے اپنی قوم سے ہی باہر نکالنے کا عزم کر لیا۔ اس کا حوصلہ بلند تھا۔ اس کی امیدیں خدا پر تھیں کہ اس کا مددگار وہی ہے اور یہ کام ہو کر رہے گا'' لکھتے ہیں:

''میری روزانہ زندگی کا آرام اسی میں ہے کہ میں اسی کام میں لگا رہوں بلکہ میں اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا کہ میں اس کا اور اس کے رسولؐ کا اور اس کے کلام کا جلال ظاہر کروں مجھے کسی تکفیر کا اندیشہ نہیں نہ کچھ پروا۔ میں مشاہدہ کرتا ہوں کہ ایک دست غیبی مجھے مدد دے رہا ہے اور اگرچہ میں تمام خاکی انسانوں کی طرح ناتواں اور ضعیف انسان ہوں۔ تاہم میں دیکھتا ہوں کہ مجھے غیب سے قوت ملتی ہے اور نفسانی قلق کے دبانے والا ایک صبر بھی عطا ہوتا ہے۔ اور میں جو کہتا ہوں کہ ان الٰہی کاموں میں قوم کے ہمدرد میری مدد کریں وہ بے صبری سے نہیں بلکہ ظاہر کے لحاظ سے اور اسباب کی رعایت سے کہتا ہوں۔ ورنہ خدا تعالیٰ کے فضل پر میرا دل مطمئن ہے اور امید رکھتا ہوں کہ وہ میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا اور میرے تمام ارادے اور امیدیں پوری کردے گا''

یہ 1891ء کی تحریریں ہیں۔ یہ اس مرد خدا کے اس وقت کے ارادے ہیں جب چاروں طرف مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مگر خدا پر ایمان کے اس مضبوط قلعے کو دیکھئے۔ اس آگ کے اندر گھرا ہوا کہتا ہے

''خدا میرے تمام ارادے اور امیدیں پوری کردے گا'' 1908ء میں آپ نے وفات پائی اور گو یورپ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد آپ کی زندگی میں ریویو آف ریلیجنز کے ذریعہ رکھ دی گئی تھی مگر آپ کا یہ ارادہ، جو خدا کی طرف سے آپ کے دل میں ڈالا گیا تھا قرآن کریم کو انگریزی میں پہنچانے کا ارادہ، معرض ظہور میں نہ آیا تھا۔ آپ کی وفات کے معًا بعد حضرت مولٰینا نورالدین صاحب کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ ڈالا کہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ ہونا چاہیئے۔ اور انہوں نے اور حضرت مسیح موعود کی جانشین انجمن نے اس کام کو میرے جیسے ناتواں انسان کے ذمہ ڈالا اور وہی دست غیب جسے آپ اپنی زندگی میں اپنی مدد کرتے دیکھتے تھے آپ کی وفات کے بعد اس عظیم الشان کام میں میرا مددگار ہو گیا۔ میں اس وقت نوجوان تھا۔ کم علم بھی تھا۔ مگر میں دیکھتا تھا کہ ''مجھے دست غیب سے قوت ملتی ہے''۔ درحقیقت وہ قوت میرے لئے نہ تھی۔ وہ اس برگزیدہ انسان کے لئے تھی جس کے دل میں یہ تڑپ پہلے اُٹھی۔ مگر چونکہ اس تڑپ کے پورا ہونے کا میں آلہ کار بن گیا، اس لئے وہ دست غیب میری طرف بھی

منتقل ہو گیا۔ اور اس وقت سے آج تک میں دیکھتا ہوں کہ اس نو جوانی کی حالت سے ستر سال کی عمر تک پہنچ جانے کے باوجود اور طرح طرح کی بیماریوں کا شکار اور ضعیف ہونے کے باوجود جب بھی میں نے خدمت دین کے کسی کام کو ہاتھ ڈالا ہے تو میرے اندر ایک نئی قوت پیدا ہوگئی ہے۔ میں بہت ورزش کرنے والا، بہت چلنے والا اور بہت تیز چلنے والا تھا۔ بیس بیس، پچیس پچیس، تیس تیس میل بھی ایک دن میں چل لیتا تھا اور تھکتا نہ تھا۔ مگر اب دو اڑھائی میل چل کر بھی تھک جاتا ہوں۔ جسم ناتواں ہو گیا ہے لیکن قرآن کی خدمت کے کسی کام کو جب ہاتھ ڈالتا ہوں میں تھکتا نہیں بلکہ جسم میں ایک نئی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ فی الحقیقت اس وقت بھی وہ میری قوت نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کے دست غیب کی تائید تھی۔ اور آج بھی دست غیب کی تائید ہے جس سے یہ کام کام کر رہا ہوں'' خطبہ 21 جولائی 1944ء

موت وحیات کی کشمکش میں قرآن کی خدمت: 1948ء سے بیماری نے ہر سال آنا شروع کر دیا۔ نحیف جسم یہ روز روز کی یورشیں برداشت نہ کر سکتا تھا۔ 1950ء کا اکتوبر انتہائی شدت سے حملہ آور ہوا۔ موت وحیات کی اس کشمکش میں جسم کی طاقت ساتھ چھوڑنے لگی تھی لیکن ابھی حضرت مولٰینا محمد علی کو ایک کام کرنا باقی تھا۔ قرآن حکیم کے انگریزی ترجمہ پر وہ نظر ثانی فرما رہے تھے۔ بیماری اس مقدس کام میں آ کر حائل ہو گئی تھی۔ ڈاکٹروں نے کام کرنے سے سختی کے ساتھ منع کر دیا تھا۔ لیکن وہ محمد علی کیسا، جو کام سے جی چُرائے! پھر یہاں تو موت کی بازی لگی تھی۔ زندہ محمد علی جیتے جی اس بات کو گوارا نہ کرتا تھا کہ موت حیات پر فتح پائے اور وہ دن بھی اس کی زندگی میں گنا جائے جب محمد علی نے زندہ ہوتے ہوئے اسلام کی حمایت میں قلم نہ اُٹھایا۔ مقابلہ سخت تھا۔ موت نے سپر ڈال دی۔ محمد علی صحت یاب ہو گئے۔ لیکن طبی مشورہ پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔

قرآن سے علمی کام کا آغاز واختتام: قرآن حکیم کے پروف آئے۔ اور محمد علی کے قلم میں جنبش ہوئی۔ یہ آخری معرکہ تھا۔ جسم میں پیہم حملوں کو سہنے کی تاب نہ تھی۔ نئے سال کا اکتوبر آیا۔ زندہ محمد علی نے قلم نہ چھوڑا۔ اس مرتبہ موت اپنے پورے ساز وسامان سے آئی تھی۔ پروف ختم ہو گئے اور وہ محمد علی، جو صرف اپنی داخلی قوت اور زور ایمان سے موت کا مقابلہ کر رہا تھا، جسم کی شکست کو دیکھ کر مسکرایا۔ نحیف اور کمزور جسم آہستہ آہستہ موت کی سردی محسوس کرنے لگا اور حضرت مولٰینا محمد علی، جنہوں نے اپنے علمی کام کا آغاز قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ سے کیا تھا، اپنے علمی کام کا اختتام بھی انگریزی ترجمہ قرآن سے کر

گئے۔

مسیح موعود کا تبرک جو آپ کو ملا: لوگ اپنے پیرو کے تبرکات رکھتے ہیں۔ایک تبرک انہوں نے بھی حضرت مسیح موعود کا رکھا ہوا تھا۔ایک مرتبہ کہنے لگے:

''لوگوں کے پاس حضرت صاحب کے تبرکات ہیں۔ مجھے حضرت مرزا صاحب کے تبرکات میں سے ایک چیز ملی اور وہ قرآن ہے۔جس کو آپ نے اپنی زندگی میں بار بار پڑھا اور اس پر آپ کے اپنے ہاتھ کے نشان کئے ہوئے ہیں۔ اور قرآنی اوامرونواہی کا آپ نے شمار کیا ہے(خطبہ 7اپریل 1922ء)

یہی قرآن انہوں نے ورثہ میں پایا۔اسی قرآن سے محبت کی۔اُسی کے لئے زندہ رہے اور جب سمجھا کہ اب میں اس کو کر چکا ہوں، تب موت کو اپنے جسم کا مالک بننے دیا۔ 13اکتوبر 1951ء کو قرآن کا یہ شیدائی خدا تعالیٰ کے حضور جا پہنچا۔

آخر وقت تک مسیح موعود کے مسلک پر: مسیح کا یہ عظیم رفیق ہمارا امیر تھا۔ہماری آنکھوں نے اسے دیکھا۔ ہمارے کانوں نے اس کا کلام سنا۔ یہ زندگی بھر علم کی مشعل کو درخشاں کئے رہا۔ اس نے جمہوریت، آزادی اور علم کے لئے قلم اُٹھایا اور عمر طویل اسی کام میں صرف کردی۔مسیح کا یہ بلند پایہ ساتھی اپنے راہ نما کے ان خیالات کو اپنے جسم میں سمو کر دکھا گیا کہ:

''مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا۔اور یقین ہے کہ خدا کے فضل سے تقوٰی اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے''

مسیح کا یہ محبوب پیرو، جس کے لئے مسیح نے خود کہا کہ ''میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کے لئے اکثر پنج وقتہ غائبانہ دعا کرتا ہوں۔امید ہے کسی وقت وہ دعائیں اپنا اثر دکھائیں گی''، آخری دم تک مسیح موعود کے مسلک عظیم پر گامزن رہا۔

آج وہ ہم میں نہیں۔ ہمارے دل اس کی یاد سے بوجھل۔ ہماری آنکھیں پرنم اور ہماری

زبانیں اس کی تعریف میں مصروف ہیں۔ ہم نے اس کے ساتھ مل کر مسیح کا ساتھ دینے کا عہد باندھا تھا۔ ہم اس کے قلم کو کبھی جھکنے نہ دیں گے۔ موت محمد علی کے جسم پر فتح پا سکتی ہے لیکن اس قلم کو چھین نہیں سکتی۔ جس کی حفاظت میں محمد علی ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ موت بار بار اس پر جھپٹی۔ محمد علی نے بار بار اسے بلند کیا۔ آج وہ قلم ہمارا جانے والا امیر ہمارے پاس چھوڑ گیا ہے۔ اور غیّور ساتھی ساتھ چلنے کا عہد باندھ کر بے وفائی نہیں کرتے۔ ہم محمد علی کے ساتھی ہیں اور وہ ہمارا رہبر تھا۔ مسیح کا عظیم فرستادہ۔ خداوند اس کو راحت وآرام بخشے۔ آمین

26 دسمبر 1951ء

اے دوستو! امیر جماعت کہاں گیا؟!

مولانا مرتضٰی خاں حسنؔ

وہ آفتابِ رشد و ہدایت کہاں گیا؟ وہ ماہتاب یمن وسعادت کہاں گیا؟
وہ واقفِ نکاتِ شریعت کہاں گیا؟ وہ محرمِ رموزِ طریقت کہاں گیا؟
وہ ناشرِ حقائق وحکمت کہاں گیا؟ وہ ماحیِ نقش ضلالت کہاں گیا؟
وہ افتخارِ مذہب و ملت کہاں گیا؟ وہ فخرِ قوم نازشِ اُمت کہاں گیا؟
وہ اخترِ سپہرِ سیادت کہاں گیا؟ ماہِ منیر بُرجِ شرافت کہاں گیا؟
وہ دُرِّ شاہوارِ امامت کہاں گیا؟ وہ لعلِ آبدارِ فقاہت کہاں گیا؟
وہ زینتِ سریرِ امارت کہاں گیا؟ اے دوستو! امیر جماعت کہاں گیا؟

جس کی شعاعِ نور سے تاباں جہاں ہوا
وہ آفتاب آج تہہ خاک چھُپ گیا

صد حیف! آج قوم کا سردار اُٹھ گیا! دینِ متین کا حامی و غمخوار اُٹھ گیا!
وہ سرگروہِ زمرۂ اغیار اُٹھ گیا! گویا جہاں سے جعفرِ طیار اُٹھ گیا!
وہ جامعِ حقائق و اسرار اُٹھ گیا! دانائے رازِ حضرتِ دادار اُٹھ گیا!
دینِ حنیف کا وہ مددگار اُٹھ گیا! وہ بت فگن وہ فاتحِ کفار اُٹھ گیا!
اسلامیوں کا قافلہ سالار اُٹھ گیا! عباس نامدار علمدار اُٹھ گیا!

اُٹھا وہ سایہ سر سے جو بڑھ کر ہُما سے تھا
ہر فردِ قوم آج رہینِ الم ہوا

حکمت کے راز ہم کو بتایا کرے گا کون؟ موتی رموزِ دیں کے لٹایا کرے گا کون؟
بارِ ہموم قوم اُٹھایا کرے گا کون؟ ملت کے غم میں اشک بہایا کرے گا کون؟
شمع ہدیٰ و رشد جلایا کرے گا کون؟ اور گمرہوں کو راہ دکھایا کرے گا کون؟

تبلیغ دیں کا شوق دلایا کرے گا کون؟ خواب گراں سے ہم کو جگایا کرے گا کون؟
نقشِ خدا دلوں میں بٹھایا کرے گا کون؟ تنویرِ حق کا جلوٰی دکھایا کرے گا کون؟
ساقی! شراب شوق پلایا کرے گا کون؟ عرفانِ حق کے جام لنڈھایا کرے گا کون؟
جوہر قلم کے آہ! دکھایا کرے گا کون؟ دریائے فیض عام بہایا کرے گا کون؟

گھر گھر میں آج ہے صفِ ماتم بچھی ہوئی
شور و فغاں بپا ہے کہ شمعِ ہُدٰی بجھی!

26 دسمبر 1951ء

کچھ حضرت امیر مرحوم و مغفور کے متعلق

ممتاز احمد فاروقی۔لاہور

میں نے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں 1909ء سے لے کر 1914ء یعنی اختلاف سلسلہ کے نمودار ہونے کے وقت تک تعلیم حاصل کی ہے۔اس دوران میں میرے بچپن کا زمانہ تھا جبکہ مذہبی امور کی طرف اتنی رغبت نہیں ہوتی جتنی کہ کھیل کود کی طرف۔ پڑھائی تو خیر مجبوراً کرنی ہی پڑتی تھی مگر قادیان کی زندگی ان دنوں اس قسم کی تھی کہ ہر طالب علم کو نہ صرف پانچ وقت نمازیں باجماعت ادا کرنی ہوتی تھیں اور سکول میں بھی دینیات کا سبق سیکھنا ہوتا تھا بلکہ سہ پہر کو حضرت مولوی نورالدین صاحب کا اور کچھ عرصہ مولوی سرور شاہ صاحب کا درس قرآن بھی سننے کے لئے باہر کے دارالعلوم سے شہر کے اندر مسجد اقصیٰ میں جانا ہوتا تھا۔اور نماز جمعہ بھی وہیں ادا کرنی ہوتی تھی۔اس عرصہ میں حضرت مولوی محمد علی صاحب سے تقریباً روزانہ ملتے جلتے رہتے یا کم از کم دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔میں نے اس بات کو نوٹ کیا تھا کہ حضرت ممدوح سب روزانہ نمازیں باجماعت مسجد نور میں ادا کرنے آتے تھے۔اور نماز آہستہ توجہ اور خوش اسلوبی سے پڑھتے تھے۔آپ ان دنوں قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کرنے میں مصروف تھے۔مگر پھر بھی کبھی کبھی سہ پہر کو درس قرآن مجید میں شامل ہونے کے لئے مسجد اقصیٰ میں تشریف لے جاتے تھے۔میں نے دیکھا کہ آپ بہت کم گو اور سنجیدہ مزاج تھے۔میں نے انہیں شائد ہی کبھی تقریر کرتے سنا ہو۔یہ تو لاہور آنے کے بعد مولانا مرحوم کو خطبات جمعہ اور جلسوں میں تقریریں کرنی پڑیں اور مشق حاصل ہونے پر بڑے اعلیٰ مقرر اور خطیب ہو گئے۔ان کے مکان پر ان کے دو بھتیجے اور ایک بھانجا بھی مقیم تھے۔جو سکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔آخر لڑکے شرارتیں بھی کرتے ہیں اور نقصان بھی کرتے ہیں۔مگر میں نے مرحوم کو کبھی کسی بچے یا لڑکے کو بُرا بھلا کہتے اور مارتے نہیں دیکھا۔ میں نے بچپنے کی وجہ سے کئی دفعہ ان کی شان میں گستاخی کی مگر انہوں نے سوائے منع کرنے کے اور نصیحت کرنے کے کبھی سختی نہیں برتی۔

بعد میں ان کے لاہور آ جانے پر مجھے کئی دفعہ ان کے مکان پر ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تھا۔کالج

کے دن تھے۔ رات کو دیر سے سونے کی وجہ سے صبح نماز کے وقت کئی دفعہ آنکھ نہ کھلتی تھی۔ اور نماز باجماعت نہیں ملتی تھی۔ مولانا مرحوم مجھے اس معاملہ میں بعض وقت ناراض ہو کر بھی کہتے تھے کہ "میاں نماز باجماعت کی بہت برکتیں ہیں۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ ادھر نماز ہو رہی ہو اور ادھر تم پڑے سو رہے ہو۔ خدا سے ڈرنا چاہیئے"

خدا کی شان اس کے بعد میں ایک دفعہ بیمار پڑ گیا تو تکلیف کی وجہ سے پچھلی رات سے ہی مجبوراً میری آنکھ کھل جایا کرتی۔ اور صبح تک یہی حالت رہتی۔ تب وہ بات میرے ذہن نشین ہوئی جس سے مولانا نے ڈرایا تھا۔ مگر بیماری میں میرے لئے دعائیں بھی کیں۔ جب میں امریکہ تعلیم کی خاطر گیا تو وہاں اشاعت اسلام کے متعلق خط و کتابت کرتے رہتے تھے۔ اور کئی ایک کتابیں بھی بھیجیں جو میں نے وہاں تقسیم کیں۔

میں نے مولانا مرحوم کو کئی دفعہ بعض باتوں پر لوگوں سے ناراض ہوتے بھی دیکھا۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے۔ میں نے کبھی ان کی زبان سے اپنے رفیقوں اور دوستوں کی غیبت نہیں سنی۔ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. (134:3) کے حکم الٰہی پر جتنا میں نے ان کو کاربند دیکھا ہے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ جب کوئٹہ میں بیمار ہوئے تو بہت سخت تکلیف تھی۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش صاحب لاہور سے علاج کے لئے گئے تھے۔ ڈاکٹر نے اچھی طرح معائنہ اور تشخیص کرنے کے بعد مولانا صاحب کو تسلی دی کہ مرض ایسا خطرناک نہیں ہے۔ آپ انشاءاللہ عنقریب اس قابل ہو جائیں گے کہ واپس لاہور اپنے گھر جاسکیں۔ تو جیسے ہی ڈاکٹر باہر گیا میں نے انہیں یہ آیت قرآنی پڑھتے سنا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ. ۙ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ. (35-34:35) غرضیکہ بہت نیکیوں اور خوبیوں کے مالک تھے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

❁❁❁

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ کی زندگی میں نوجوانوں کے لئے سبق

محمد یحییٰ بٹ صاحب

ہمارے محبوب امیر مرحوم و مغفور حضرت مولانا محمد علیؒ کی زندگی میں ہم نوجوانوں کے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے۔ اس پُر خطر دور میں، جبکہ ہر فرد واحد، الا ماشاءاللہ، دنیا طلبی میں اندھا ہوا چلا جاتا ہے، دنیوی آرام و آسائش کو ترک کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ قوموں کی قومیں اقتدار اور وجاہت کو حاصل کرنے کے درپے نظر آتی ہیں، ذاتی اغراض اور ذاتی منفعت کو ہر شعبہ زندگی میں مدنظر رکھا جاتا ہے اور اسے کسی صورت میں بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا جاتا، اخلاق تباہ ہوں تو ہوں، سوسائٹی میں فساد پڑے تو بلا سے، کسی امر کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی، صرف مقصد حیات ہے تو یہ کہ کسی طرح دولت مل جائے، رہائش کے لئے عالی شان کوٹھی بن جائے، ایسے دور میں ایک نوجوان کا، باوجود اس کے کہ وہ دنیا کو جائز ذرائع سے بھی اگر کمانا چاہتا تو ذاتی قابلیت کے باعث ہزاروں لوگوں سے بڑھ جاتا، دنیا طلبی پر لات مار دینا کوئی تھوڑی سی قربانی نہیں۔ اور پھر طرہ یہ کہ اس خوبصورت اور خوش منظر زندگی کو ترک کر کے اس کے برعکس زندگی اختیار کی جاتی ہے۔ وہاں کوئی عمدہ کوٹھی نہیں۔ ہاں ایک تاریک کوٹھڑی سی ضروری ہے۔ سفر کے لئے کوئی کار نہیں۔ ہاں یکہ ضرور ہے۔ جس پر سفر کرتے ہوئے پسلیاں ٹوٹنے لگتی تھیں۔ کوئی بڑی تنخواہ نہیں۔ ہاں معمولی گذارہ کے لئے الاؤنس ہے۔ شائد کوئی کہے کہ یہ کیا معمہ ہے؟! آخر اس خوشگوار اور دلفریب دنیا کو کیوں ترک کیا گیا اور کس چیز کے حصول کے لئے بالکل سادہ زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی گئی؟!

یہ معمہ کوئی بڑا پیچیدہ نہیں۔ سعید فطرت لوگوں کے سمجھنے کے لئے بڑا آسان ہے۔ ہاں البتہ اسے عمل میں لانا اور کر گزرنا بہت مشکل ہے۔ اسی کا کر گزرنا ایمان محکم کو چاہتا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ انسانی فطرت ہے کہ وہ ایک اعلیٰ و ارفع چیز کے حصول کے لئے چھوٹی چھوٹی تمام چیزوں کو اس پر قربان کر دیتا ہے۔ بسا اوقات اس جدوجہد میں بڑی تکلیف برداشت کرتا ہے۔ ایک طالب علم ہی کو دیکھئے۔ بڑی محنت کرتا ہے۔ راتوں جاگتا ہے اس کے ساتھی کھیلتے کودتے ہیں تو وہ بیٹھا سبق یاد کر رہا ہوتا

ہے۔ دوسرے سوتے ہیں تو وہ جاگتا ہے۔ آخر وہ اس کھیل کود اور آرام و آسائش کو کیوں چھوڑتا ہے۔ وہ کونسی چیز ہے جو اس سے یہ قربانی کروا رہی ہے۔ تو اس کا جواب آخر کار یہی ہے کہ طالب علم خوب جانتا ہے کہ ایک دن آنے والا ہے جبکہ مجھے میری کامیابی کی بشارت سنائی جائے گی۔ اور وہ جو آج کھیل کود میں مشغول ہیں۔ امتحان میں ناکام رہیں گے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ کچھ مدت اگر تم فلاں فلاں عمدہ اور خوشگوار چیز کو چھوڑے رکھو گے تو اس مدت کے گزرنے کے بعد ہم تمہیں مالا مال کر دیں گے تو وہ ضرور اس پر عملدرآمد کرے گا۔ یہ اس لئے کہ قربانی انسان اسی موقعہ پر کرتا ہے کہ جب اسے موجودہ چیز سے بڑھ کر کسی امر کے حصول کی توقع ہو!

یہی وہ فطری اصول ہے جس کے تحت حضرت مولٰینا محمد علیؒ نے اس دنیوی زندگی کی دلفریبی اور کشش کو لات مار کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ انہیں اس بات پر محکم یقین تھا کہ جس مقصد کے لئے وہ قربانی کر رہے ہیں وہ اس دنیا کمانے سے کہیں ارفع و اعلٰی ہے۔ اور اسی راہ میں زندگی کو ختم کر دینے اور اس کی خاطر کچھ مشکلات کو برداشت کرنے سے لازوال اور ابدی زندگی میں راحت اور تسکین کے سامان پیدا ہو جائیں گے۔ حضرت مولٰینا مرحوم کی زندگی پر غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قلب یقین محکم اور ایمان باللہ کی دولت سے سرشار تھا۔ یہی وہ چیز تھی جس نے اس خطرناک دور میں، جبکہ ہر ایک نفس کا نصب العین حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ھمّتھم بطونھم کا مصداق تھا، انہوں نے اپنے لئے نہیں بلکہ غیروں کے لئے جینا پسند کیا۔ بہتیرے ہیں جو اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے جیتے ہیں۔ لیکن دوسروں کی زندگی سدھارنے اور ان کی بھلائی کی خاطر جینے والے بہت ہی کم لوگ نظر آتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جو دوسروں کی خاطر جیئے!

حضرت امام زمان مسیح موعود نے جب الٰہی ارادہ کے تحت اصلاح خلق کا بیڑا اُٹھایا تو انہوں نے حضرت مولٰیناؒ کو دیکھا کہ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان پاس شدہ ہیں، نیک فطرت رکھتے ہیں، ذہین ہیں، اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہے، اپنے ساتھ کام کرنے کی دعوت دی۔ آپ نے اصلاح خلق کے کار خیر میں مسیح زمان کے ہاتھ بٹانے کو فخر سمجھا اور اپنی دنیوی خواہشات کو لات مار دی۔ یہ 1900ء کا زمانہ ہے۔ اس وقت کے بعد اس مرد خدا کا ہر لمحہ خدمت اسلام میں گزرا۔ تمام زندگی پھر تڑپ

نظر آتی ہے تو یہ کہ کسی طرح اس نسل انسانی تک، جو ہلاکت کی راہ پر گامزن ہے اور جو روحانی موت مر چکی ہے، آب حیات یعنی قرآن کریم پہنچایا جائے۔ تا اس کے استعمال میں لانے سے وہ زندہ ہو جائے اور ہلاکت سے بچ جائے۔ امام الزمان کی ایک بار کی آواز پر لبیک کہنا اور پھر اپنی تمام عمر عزیز کو اعلاء کلمۃ الاسلام کی خاطر صرف کر دینا یہ وہ سبق ہے جو آج ہم نوجوانوں کو اپنے محبوب امیر مرحوم مغفور کی زندگی سے حاصل کرنا چاہیئے۔ ابھی یہ کام، جس کے لئے ہمارے محبوب امیرؒ نے قربانی دی، ہم سے مزید قربانی چاہتا ہے۔ اگر ہمیں واقعی اپنے امیرؒ سے محبت ہے اور یقیناً ہے تو یہ محبت ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ ہم بھی اسی مقصد کی خاطر جان دے دیں جس کی خاطر حضرت امیرؒ نے جان دی۔

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ کی یاد

تمہیں مردہ کہوں کیونکر کہ تم زندوں میں زندہ ہو تمہاری نیکیاں زندہ، تمہاری خوبیاں باقی

محمد کریم اللہ صاحب نوجوان۔ ایڈیٹر آزاد نوجوان (اُردو) تھرلر (انگریزی)

ایک خداشناس مسلمان اوراس کی حقیقت بین نظر صرف ایسے برگزیدہ انسان ہی کو ایک قابل قدر انسان تصور کر سکتی ہے جو فتح اسلام کے لئے اپنی زندگی کو مسلسل جدوجہد کا مرکز بنا دے۔ جس کا پر زور قلم غیروں کے مقابلہ کے لئے براہین اور دلائل کی صفیں آراستہ کرے۔ جس کی تحریریں حقائق قرآن کو آشکارا کریں اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مبلغین کی ایک جماعت پیدا کر دے۔ جس کے ایک اشارہ پر لوگ امنّا وصدقنا کہتے ہوئے اپنے وطنوں کو خیر باد کہہ دیں۔ اور سرزمین یورپ، امریکہ اور افریقہ کے دور دراز مقامات میں اسلام کا ڈنکا بجا دینے کے ارادہ سے عازم سفر ہو جائیں۔ جس کے پاکیزہ خطبوں سے اسلام کے پُر لذت شربت کے چشمے اُبل پڑیں۔ وہ شخص، جس نے امام زمانہ کی پُر ہدایت صحبت میں بیٹھ کر علم وعمل کے شیریں جام پیئے ہوں اور جس نے اپنے علم کلام سے حضرت مسیح موعود کے تاثرات واحساسات کا سارے جہاں سے لوہا منوا لیا ہو، ہماری بدقسمتی ہے کہ ایسی برگزیدہ ہستی (یعنی حضرت مولانا محمد علی) یک شنبہ 14 اکتوبر کو ہم سے جدا ہو کر عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ فرض بندگی تو یہ ہے کہ قدرت کے ہر حکم پر انسان اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہہ کر صبر وتحمل کے ساتھ ہر سانحہ کو برداشت کرے۔ مگر فطرت انسانی کا درس کچھ اور ہی ہے۔ وہ رنج ومفارقت میں مضطر و بے چین ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بالخصوص ایسے جلیل القدر رہنما کی موت پر، جو ایک عالم کی موت ہے، دل رنج وغم سے بھرپور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ع دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

حضرت مولٰنا مرحوم ومغفور نے پچاس سال کی لگاتار محنت سے مذہبی دنیا میں ایک جدید انقلاب پیدا کر دیا۔ ایسی عظیم الشان ہستیوں کے لئے موت کا پیالہ تلخ نہیں ہوتا۔ وہ تو موت کو ایک خوشگوار شربت سے زیادہ لذیذ خیال کرتی ہیں۔ جب ایک عظیم المرتبت انسان مئے وصال کا جام پی کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملتا ہے تو اس کی زندگی پر عقیدت کے پھول نچھاور کرنے والوں کے دلوں پر جو

کچھ گذرتی ہے اس کا علم خدا ہی کو ہے۔ مقام غور ہے کہ اس شخص کا قلب کس قدر مضطر ہوگا جو مرحوم کو اپنا واحد رہبر اور رہنما خیال کر رہا ہو۔ اور اس بے چارہ کی کیا حالت ہوگی جو ہر وقت مرحوم کو نہ صرف اپنا امیر، بلکہ سچا رفیق اور مونس و غمخوار جانتا ہو۔ یہ دل ہلا دینے والا سانحہ اور غم انگیز واقعہ دراصل دوست تو دوست اغیار کے دلوں میں بھی ایک بے چینی اور تڑپ پیدا کر دیتا ہے۔ اس موت کی خبر نے ہم کو بے حد رُلایا اور روتے کیونکر نہ، جس مقدس ذات ستودہ صفات نے اپنے زورِ قلم سے حضرت مسیح موعود کے اس بیان کو سچا کر دکھایا کہ اسلام دنیا پر غالب آنے والا ہے۔ اس کی جدائی کیا اتنا حق بھی نہیں رکھتی کہ ہم اس کے پاک تذکرہ سے لوگوں کے ایمانوں کو مضبوط اور تازہ کریں!

میرا رجوع مسیحیت اور دہریت کی طرف: علم و حکمت کے اس نامور شہزادہ نے اس وقت، جب میں مسیحی خیالات کے ظلماتی دھارے میں ایک تنکے کی طرح بہا جا رہا تھا، میرے قلب کو نورِ ایمان سے بھر دیا۔ میری ابتدائی تعلیم کیتھولک اسکول کی شرمندہ احسان تھی۔ میں اسلام سے ناواقف تھا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ مغربی تمدن و تہذیب کی عریاں تصویروں اور انگریزی طرز معاشرت نے اور بھی زیادہ بوکھلا دیا۔ چند عیسائی حضرات سے حضرت مسیح ناصریؑ کی پیدائش اور موت پر تبادلہ خیالات ہونے لگا۔ مسلم ملانوں سے دریافت کیا تو ان سب نے یک زبان ہو کر فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بے باپ پیدا ہوئے اور اب وہ آسمان پر زندہ ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس جواب کے سننے کے بعد عیسائی دوستوں نے بغلیں بجا بجا کر کہنا شروع کر دیا کہ کیوں صاحب! اب بھی کیا ہمارے خداوند عیسیٰ کو آپ کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر معاذ باللہ برتری اور فضیلت نہیں ہے؟ یہ سن کر میری اس وقت کی کمزور مسلمانی عیسائیت کے زیر نگیں ہو کر رہ گئی۔ خدا بخشے والد مرحوم احمدی تھے۔ آپ نے اس گمراہی کی تلافی کے ارادہ سے بارہا سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر بندہ کے سر میں جو نشہ چڑھ گیا تھا اس کا اترنا مشکل تھا۔ اس ہٹی طبیعت کا اندازہ لگا کر والد ماجد نے ایک جدید تدبیر اختیار کی اور وہ یہ تھی کہ میں دہریت کے خیالات میں غلطان ہو کر عیسائیت کے دام سے نجات حاصل کر سکوں اور پھر اس کے بعد کوئی اور راہِ حقیقت تلاش کر لوں۔ آریہ سماجیوں، عیسائیوں، برہمنوں تھیاسوفسٹوں اور کبھی اسلامی ملانوں سے مقابلے ہوتے رہے۔ میں زندگی بعد الموت سے بے خبر تھا۔ جب وجودِ الٰہی سے ہی انکار ہو تو پھر رہ ہی کیا گیا! والد مرحوم کا مقصد یہ نہ تھا کہ میں ان

کے دباؤ میں آ کر احمدی بن جاؤں۔ وہ بارہا کہتے تھے کہ ایک بے سمجھ احمدی سے دہریہ ہی بہتر ہے!

ہدایت کی راہ حضرت امیر کی کتب میں!: مغربی مسیحیوں اور دہریوں کو اپنی عقل پر بڑا ناز ہوتا ہے اور یہی بھوت میرے سر پر سوار تھا۔ میں کسی بات کو، جب تک وہ میری محدود عقل کے دائرہ میں نہ آ جائے مانتا ہی نہ تھا۔ مذہبی اصولوں کو توڑ مروڑ کر اپنے فلسفہ کی بیدرد ٹھوکروں سے مجروح کر دینا میرا شعار بن چکا تھا۔ اب جو واقعات نے رنگ بدلا، زمانہ نے پلٹا کھایا تو میں نے یہ محسوس کیا کہ آج تک میں جس انسانی عقل پر نازاں تھا، وہ دراصل ایک اندھیرا اور تاریکی ہے۔ فضل الٰہی کا نور ظاہر ہوا۔ ہدایت کا خورشید جگمگانے لگا۔ راہ بھٹکے مسافر کو منزل مل گئی۔ حضرت مسیح موعود کی مبارک تصنیف ''اسلامی اصول کی فلاسفی''، جس کا ترجمہ زبان انگریزی میں حضرت امیرؒ نے کیا ہے، ہاتھ آ گئی۔ اس کے مطالعہ سے یہ فائدہ ہوا کہ ظاہری عقل کے بھنور میں ڈوبنے والی کشتی روحانیت کے سمندر میں چلنے لگی۔ دل مشتاق نے چاہا کہ اس سلسلہ کی اور بھی کتابیں مطالعہ کی جائیں۔ چنانچہ حضرت امیرؒ کی کتاب ''محمدؐ اینڈ کرائیسٹ'' دیکھی۔ اس کے بعد ''محمدؐ دی پرافٹ'' کا ایک نسخہ ہاتھ لگا۔ جس کے مطالعہ سے ایک جدید دنیا کی سیر نصیب ہوئی۔ خدا جانے اس کتاب میں کونسا جادو تھا کہ پڑھتے پڑھتے دل قابو سے باہر ہو گیا اور آنکھوں میں سراج منیرؐ کی روشنی کی شفاف کرنیں جگمگانے لگیں۔ باتوں ہی باتوں میں صلیب کا ساحرانہ اثر ٹوٹ گیا اور مسیحیت کی بے سروپا خوش اعتقادیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اب اسلام کا پُرنور چہرہ جلوہ گر ہو کر نورِ ایمان پیدا کرنے کا موجب ہوا۔

''محمدؐ دی پرافٹ'' کا ایک نسخہ کیا ہاتھ لگا میں نے سمجھا کہ دونوں جہاں کی دولت سمٹ سمٹ کر میرے خزانہ دل میں جمع ہونی شروع ہو گئی ہے۔ اس انمول رسالہ کے مطالعہ نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی حقیقی شان سے مجھے باخبر کر دیا۔ اور میرے دل اور دماغ نے بے ساختہ گواہی دی کہ بے شک وشبہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کامل انسانیت کے مجسمہ ہیں۔ انسانی ارتقاء کے لئے اور کوئی نمونہ ہاتھ آنا نہ صرف دشوار بلکہ محال اور غیر ممکن ہے۔

انگریزی ترجمہ قرآن: قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ تو ایک بحر ذخار ہے۔ اس کے ہر لفظ ہر جملے اور ہر اشارہ میں حقیقت زندگی کے راز کوٹ کوٹ کر بھرے نظر آ رہے ہیں۔ اس کے پڑھنے سے پڑھنے والے

کے دل میں ایک نئی زندگی کی تڑپ پیدا ہو جاتی ہے۔ تفسیر قرآن کی فصاحت اور بلاغت بے مثال و بے نظیر، اس کی ہر حجت برہان قاطع اور مدلل۔ اس تفسیر کے مطالعہ کے بعد ہر منصف مزاج یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کے منصف نے خدا تعالیٰ سے ایک خاص نور اور ہدایت پا کر یہ تفسیر کی ہے۔ اور ایسی محنت کی ہے کہ بہت کم انسان کر سکتے ہیں۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ میں نے اپنے ہفتہ وار انگریزی رسالہ ''تھرلز'' میں اس تفسیر کے ایک صفحہ کی اشاعت کے خیال سے اس کو نقل کرنا شروع کیا۔ لیکن مجھ سے یہ کام دو تین گھنٹوں میں بھی ختم نہ ہوسکا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ آخر اس تفسیر کی تیاری میں اس مبارک اور مقدس ہستی کا کتنا وقت صرف ہوا ہوگا اور کس قدر محنت برداشت کرنی پڑی ہوگی!

دیگر تصانیف: اس کے علاوہ جو تصانیف آپ نے کی ہیں ان سب کا مطالعہ میں نے ضروری سمجھا۔ آپ کی ہر تصنیف کو پڑھ کر ایک شخص آپ کی ادبی اور دینی قابلیت کا ہزار جان سے قائل ہو جاتا ہے۔ یہ بیان کچھ اپنی حسن عقیدت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ جملہ قارئین کا یہ اعتراف ہے کہ آپ کی ہر تصنیف قابل غور وفکر وعمل ہے۔ اور اس سے گمرہوں کو راہ ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ ہم تو ایک مردہ ڈھانچہ بن چکے تھے۔ اس خدا شناس مرد مومن نے ہمارے مردہ جسم میں ایمان کی روح پھونک دی۔ ہم زندہ ہو گئے۔ زندہ دل انسانوں میں رہنے کے قابل بن گئے۔ اور اب میرا ایمان اس قدر قوی ہو چکا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس پر غالب نہیں آسکتی۔

''نوجوان'' کا اجراء اور حضرت امیرؒ کی دعا: غفران مآب والد ماجد کو ایک اخبار جاری کرنے کا شوق جو پیدا ہوا اس کا راز یہ ہے کہ آپ نے ''ریویو آف ریلیجنز'' کا مطالعہ شروع کر دیا۔ جس کے نامی مدیر حضرت مولانا محمد علی تھے۔ مرحوم کا قول تھا کہ مولانا کی ہر عبارت میں چوٹی کے مضامین ہوتے تھے۔ اخبار ''آزاد نوجوان'' اسی ریویو آف ریلیجنز سے متاثر ہو کر شائع کیا گیا۔ حضرت امیر نے اس ''نوزاد نوجوان'' کی ترقی کی دعا فرمائی تھی اور آج تک اسی اجابت دعا کے اثر سے ''نوجوان'' زندہ ہے۔ اور حضرت صاحب کے پاکیزہ شعر کی تعمیل میں خدمات دین بجالا رہا ہے ۔

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا بہار و رونق اندر روضہ ملت شود پیدا

1946ء میں حضرت مولاناؒ سے ملاقات کی غرض سے میں لاہور گیا۔ وہاں پہنچ کر جس وقت

حضرت مولینا کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت ممدوح نے از راہ مسافر نوازی سینہ سے لپٹا لیا اور حوصلہ افزائی کی باتیں کیں۔ آپ کی تقریر دلپذیر نے مجھے اور دیوانہ کر دیا۔ میں محویت وحیرت کا پُتلا بنا ہوا آپ کے ارشادات کو سنتا رہا۔ آخر مولینا عبدالحق صاحب ودیارتھی نے حضرت مولینا سے تعارف کرایا۔ آپ مسکراتے ہوئے ملے۔ خندہ پیشانی سے باتیں کیں۔ مولینا سے گلے ملنے کے بعد میں نے اپنے دل میں ایک جدید دینی حرارت محسوس کی جو آج تک سرد نہیں ہونے پائی۔ یہ ملاقات نہ تھی بلکہ فولاد سے سنگ پارس کا ملنا تھا۔ دل کی ساری سیاہی دماغی تاریکی اور ایمان کی کمزوری بالکل مفقود ہوگئی۔

ایک خاص تبدیلی: شہر لاہور میں گلے ملنے کے بعد میرے اندر ایک خاص تبدیلی پیدا ہوگئی۔ دن رات اشاعت اسلام کی ذکر دامنگیر تھی۔ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے صرف اسلام ہی کا نام وظیفہ بن گیا۔ لاہور جانے سے پہلے دل میں بہت سے شکوک موجود تھے مگر مولینا سے معانقہ کے بعد سارے اوہام کا فور ہو گئے۔

سلسلہ خط وکتابت: واپس آ کر سلسلہ خط وکتابت شروع ہوا۔ حضور کبھی لاہور کبھی ڈلہوزی اور کبھی کراچی تشریف فرما ہوتے تھے۔ مگر ہر وقت اس امر کی اطلاع دے دیتے تھے کہ میں فلاں جگہ کا سفر کرنے والا ہوں۔ غرض تادم آخر آپ کے قلب مبارک میں اس عاجز کی یاد موجود رہی۔ باوجود کثرت مشاغل آپ ہمیشہ اپنے ہادیانہ کلام سے سرفراز فرماتے رہے۔ ہر خط کا جواب تحریر فرما دیتے تھے۔ تمام خط وکتابت مذہبی یا دینی امور سے متعلق ہوتی تھی۔ کبھی کوئی سیاست کی بات اس میں نہ آتی۔ پاکستان یا ہندوستان کے حالات پر کبھی رائے زنی نہ کی۔ حقیقت میں لیڈر ایسا ہی ہونا چاہئیے۔ جو اپنے ہر کارکن کو بخوبی جانتا پہنچانتا ہو۔ اور اس کے دکھ درد میں ساتھ دیتا ہو اور ہر آفت میں اس کے کام آتا ہو۔

ذاتی تعلقات: حضرت والا کی وفات کی خبر سن کر حضرت کے دل میں بے چینی پیدا ہوگئی اور آپ نے پدرانہ انداز میں صبر کی تلقین فرمائی۔ میری ہر کامیابی کی خبر سن کر آپ بشاش ہو جاتے اور مزید برکات کے لئے دعا فرماتے۔ یہ عنایت اور محبت صرف میری ذات تک ہی محدود نہ تھی بلکہ میرے ہر عزیز سے محبت رکھتے تھے اور سب کی خیر وعافیت دریافت فرما لیتے تھے۔ میری بہنوں کو خط روانہ کرتے اور بار بار ان سے دریافت فرماتے تھے کہ کیا ان کی کالجوں کی لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر موجود ہے۔ اگر کسی زنانہ

کالج کے کتب خانہ میں اسلامی لٹریچر موجود نہ ہوتا تو آپ بذریعہ انجمن اس کمی کی تلافی فرما دیتے تھے۔

آپ کی متبرک ہستی نے حضرت مسیح موعود کی جانشین انجمن کو پھر سے زندہ کر دیا۔ اور اس کے ذریعہ سے دنیا بھر میں اسلام کی روشن تصویر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک چہرہ دنیا پر نمایاں ہو گیا۔

تامل ترجمہ قرآن: حضرت امیرؒ نے یوں تو متعدد زبانوں میں قرآن کے تراجم شائع کئے ہیں۔ مگر ایک آخری تڑپ اور آرزو آپ کی یہ تھی کہ آپ کے حین حیات قرآن مجید کا ترجمہ تامل زبان میں بھی شائع ہو جائے۔ ترجمہ تو مکمل ہو گیا مگر افسوس اس کی اشاعت آپ کی زندگی میں نہ ہو سکی۔

آپ بار بار تامل ترجمہ قرآن کے متعلق مجھ سے دریافت فرماتے رہتے تھے اور اس کی تاکید فرماتے رہتے کہ انگریزی ترجمہ قرآن کے مطابق ہو۔ آج کل قرآن کے تامل ترجمہ کا مسودہ میرے پاس موجود ہے۔ خدا کرے اس کی اشاعت کا سامان جلد ہو جائے۔ غرض مردہ دل افراد کو زندہ رکھنے کے لئے مرحوم کے کارنامے تا روز قیامت زندہ رہیں گے اور ان کاموں کی یاد دلوں سے کبھی دور نہ ہو گی۔

تمہیں مردہ کہوں کیونکر کہ تم زندوں میں زندہ ہو تمہاری نیکیاں زندہ تمہاری خوبیاں باقی

الوداع! اے مسافرِ راہِ خدا! الوداع

26 دسمبر 1951ء

دو مقدس ہستیوں کا فدیہ دین کی راہ میں

میرے پیارے اور شفیق باپ حضرت خواجہ کمال الدین صاحبؒ کو فوت ہوئے آج انیس سال وہ گئے۔ ان کا اور حضرت مولٰینا محمد علی صاحبؒ کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ دونوں حضرت مسیح موعود کے پیارے اور مخلص دوستوں میں سے تھے۔ جب حضرت مسیح موعود نے یورپ کے طالبانِ حق کو اسلام کی صحیح تصویر پہنچانے کے لئے ایک انگریزی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' جاری کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے اس کام کے لئے انہی دونوں حضرت مولٰینا محمد علی صاحب اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کو منتخب کیا اور ان دونوں نے اس عظیم الشان کام کو جس تندہی سے سرانجام دیا، حتّٰی کہ حضرت اقدس کی وفات کے بعد یورپ میں تبلیغ اسلام کے لئے جس ذوق وشوق سے اپنی زندگیاں وقف کیں اور اس راہ میں جو مصائب وشدائد برداشت کئے، حتّٰی کہ اپنی جانیں تک اس راہ میں دے دیں، وہ واقعات سے ظاہر ہے۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا تھا کہ ''اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا''

یہ فدیہ ان دونوں مقدس ہستیوں نے باحسن وجوہ ادا کیا اور مغرب کے ظلمت کدوں میں اسلام کا نور پہنچاتے ہوئے اس راہ میں شہید ہو گئے۔ ان کا یہ فدیہ مغرب سے طلوع اسلام کے دن نزدیک لا رہا ہے۔ اسلام کا نور وہاں پہنچ چکا ہے اور اب وہ سورج بن کر وہاں سے جگمگا اُٹھے گا۔

مجھے فخر ہے کہ اس مقدس کام کا سہرا ان دو بزرگ ہستیوں کے سر پر ہے، جن میں سے ایک (حضرت خواجہ کمال الدین صاحب) میرے والد حقیقی تھے اور دوسرے (حضرت مولٰینا محمد علی صاحب)۔ جو وہ بھی والد کی طرح ہی ہمارے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔ بلکہ حضرت خواجہ صاحب کی وفات کے بعد ان کا سایہ عاطفت ہمارے لئے ازبس فوائد کا موجب تھا۔ میں جب کبھی ان کے ہاں جاتی عموماً سب کام چھوڑ کر آپ میرے ساتھ شفقت سے پیش آتے۔ اور میری اور سب بچیوں کی خبر وعافیت دریافت کرتے تھے۔ آج ہم ان کے بھی سایہ سے محروم ہو گئے۔ ان کا صدمہ اور دکھ ہم ہی جانتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ خوشی بھی ہے کہ یہ دونوں بزرگ ایک پاک اور کامیاب زندگی بسر کر کے اور رضائے الٰہی کے رستہ پر چل کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ یقیناً ان کا مقام بہت بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے اور اس بلند مقام کو حاصل کرنے کی توفیق دے۔ خاکسار شہزادہ بیگم اہلیہ خواجہ جلال الدین مرحوم

26 دسمبر 1951ء

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

شیخ محمد آصف صاحب

آج سے نصف صدی پیشتر عالم اسلامی پر زوال، جمود اور مایوسیوں کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ان تاریکیوں میں سے اچانک نور کی شعائیں پیدا ہوئیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق دین اسلام کی حفاظت کے لئے امام وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے عام مسلمانوں کی شکست خوردہ ذہنیت سے بالکل متضاد یہ نعرہ بلند کیا کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے جو اپنی بنیادی خوبیوں کے باعث غالب آئے گا۔ تمام نوع انسانی کی نجات اسلام کو قبول کرنے میں ہے۔ چنانچہ آپ نے ہر ایک متحارب تحریک کو، جو اسلام کو مٹانا چاہتی تھی، چیلنج کیا اور مذہبی دنیا کو ایک بھونچال کی مانند بنیادوں سے ہلا دیا۔ براہین و دلائل سے اسلام کی عظمت اور برتری کو اپنوں اور بیگانوں سے منوایا۔ اس معرکہ حق و باطل میں آپ کے گرد حق پرست مجاہدین کا ایک حلقہ پیدا ہو گیا۔ ان مجاہدین میں سے گاؤں کا رہنے والا ایک سیدھا سادھا مجاہد بھی تھا۔ جس کے آباؤ اجداد نے صدیوں سے تلوار اور قلم سے نہیں بلکہ ہل اور درانتی کی قوت سے خون اور پسینہ ایک کر کے نان جویں کو پیدا کیا۔ اس دیہاتی مجاہد کو دین سے محبت، محنت کی عادت، مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے کیریکٹر کی مضبوطی ورثہ میں ملی تھی۔ حضرت امام وقت کی ایک نگاہ نے اس مجاہد کی تقدیر اور زندگی کا راستہ بدل دیا اور اس مجاہد کے متعلق اپنی ماموارنہ اور مومنانہ فراست سے جو کچھ فرمایا وہ بالکل درست نکلا۔ وہ مجاہد حضرت مولٰینا محمد علی صاحبؒ امیر جماعت احمدیہ لاہور ہیں۔ آپ کے متعلق حضرت مسیح موعود کے جو فرمودات ہیں ان سے پیغام صلح کا یہ شمارہ بھرا پڑا ہے۔ ان اقتباسات کو یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ان فرمودات کی روشنی میں اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو حضرت مولٰینا مرحوم کی عظمت اس بات میں نظر آتی ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود کی صداقت کا ایک زندہ نشان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت امام عصر حاضر کے فیضان سے بہت کام کرنے کا موقعہ دیا اور ان کی خفتہ صلاحیتیں بروئے کار آئیں۔ جو کام انہوں نے کیا ہے اس کی نوعیت کے اعتبار سے ان کا مقام ایسے رجال میں ہے جن کا

تعلق ایک خاندان سے نہیں ہوتا بلکہ ساری انسانیت ان کا خاندان ہوتا ہے۔

حضرت مولٰینا صاحبؒ بہت بڑے انسان تھے۔ کیونکہ ان کے کام بہت بڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت بڑے کام لئے اور ان کو حضرت امام وقت کا ایک فتح نصیب جرنیل بنا کر معجزانہ طور پر ان سے عظیم الشان کام لئے۔ حضرت مولٰینا نے نہایت کامیاب زندگی بسر کی ہے۔ اگر ہمیں حضرت مولٰینا مرحوم سے صحیح معنوں میں محبت ہے تو ہمیں ان کے کام اور جماعت کو زندہ رکھنے کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کرنا چاہئیے۔ ورنہ محض کھوکھلے دعوٰی سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ محبت کے اظہار کے لئے سب سے بڑی منطق عمل ہے۔ اور حضرت مولٰینا کی وفات کے بعد ہماری جماعت کے سب سے بڑے داخلی مسائل عمل، تنظیم اور اتحاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان مسائل کے سمجھنے اور ان پر کار بند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

اونچا ہو سر اسلام کا

چوھدری سید احمد صاحب بدوملہی

دیں کی کشتی کا ہوا آج رخصت ناخدا
ماتم امیرِ قوم کا غمگین ہے چھوٹا بڑا
لیکن یہ ہے حکمِ خدا چل دیئے سب انبیاءؑ
ہو اس پہ ہم سب کی نگاہ جو عہد مرزا سے کیا
دنیا کو پیچھے چھوڑ دو جب دین کا وقت آ گیا
بس اب دعا کا وقت ہے اونچا ہو سر اسلام کا
کل من علیھا فان باقی جو ہے ذاتِ خدا
جُز صبر کے چارہ نہیں ہے صابروں کی وہ پناہ
باقی جو دیں کا کام ہے مل کر کریں وہ باوفا

26 دسمبر 1951ء

زندہٗ جاوید ماند نامِ تو اندر جہاں

مولوی احمد گُل جہلم

اے کہ خودرا از برائے دیں نمایاں کردۂ نُورِ حق را در جہاں آساں و ارزاں کردۂ
نسبت دل باؔ مسیحِ وقت کر دی منسلک از رہِ تبلیغ با او عہد و پیماں کردۂ
با ہوائے دہریت مانوس جملہ خلق بود اندریں حالاتِ ناخوش محکم ایماں کردۂ
رہبرانِ قوم در تخریب دیں بودند بیش یا کلامِ پاک ہم آگاہ ایشاں کردۂ
آشکارا از عمل کر دی مگر عہدِ نبی و ز علومِ دینِ بیضا خلق حیراں کردۂ
کردۂ دیں را مقدم تر ز دنیائے دنی نیز دنیا در رہِ اسلام قرباں کردۂ
زندۂ جاوید ماند نامِ تو اندر جہاں زانکہ یکتائے زماں تفسیرِ قرآں کردۂ
نے زبان خاموش، نے دل مجتنب از قولِ حق نے ز تبلیغ واشاعت تنگ داماں کردۂ
منزلت نزدِ خدا شُد ہمچو اصحاب نبی زانکہ در دینِ خدا کارِ نمایاں کردۂ

اے جزاک اللہ فراموشیم کے احسانِ تو
زانکہ بر قوم از قلم صد گو نہ احساں کردۂ

26 دسمبر 1951ء

شیریں لمحات کی یاد

بیگم صاحبہ میاں فضلِ احمد (دختر حضرت امیرؒ)

انگریزی میں مثل مشہور ہے کہ تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ 1951ء کے محرم الحرام نے تیرہ سو سال کے پچھلے واقعہ کو ایک نئے رنگ میں دہرایا۔ عین دسویں تاریخ اسی وقت، جب حضرت امام حسینؓ کی شہادت واقعہ ہوئی، اسلام کے اس عاشق زار نے، جو تمام عمر تیغ قلم کے ساتھ دشمنان دین کے ساتھ جہاد کرتا رہا، اپنا علم اپنا مال سب کچھ قربان کرنے کے بعد اپنی آخری قربانی بھی پیش کر دی۔ اور تمام دنیا کو دکھا دیا کہ محمد علی ایک ایسا مجاہد تھا جو صدیوں بعد ایک بار آتا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اسلامی دنیا کا یہ روشن ستارہ ہماری فانی نظروں کے سامنے غروب ہو گیا۔ لیکن حیاتِ ابدی کے آسمان پر ہمیشہ کے لئے اپنے محبوب چاند مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جو تاروں کا جھرمٹ ہے، بمصداق اصحابی کالنجوم) اس میں جا شامل ہوا۔ اس دنیا میں جب تک کلام اللہ کو پڑھنے والے موجود ہیں جن کی تعداد خدا کے فضل سے دن بدن بڑھے گی۔ یہاں تک کہ دنیا کا کوئی گوشہ اس نور سے خالی نہ رہے گا۔ تب تک قرآن کے اس سچے عاشق کا نام اور کام زندہ رہے گا۔ اور آنے والی نسلیں درود و سلام بھیجیں گی۔

اس عظیم الشان ہستی کو جس نے جتنا قریب سے دیکھا، اتنی ہی پاک وصاف اور روشن پایا۔ ہم بہن بھائیوں نے کبھی یہ محسوس نہ کیا کہ ہمارے ابا جی اپنی معرکۃ الآرا تصانیف یا اپنی گونا گوں مصروفیتوں کی وجہ سے کوئی غیر معمولی ہستی ہے۔ ہوش سنبھالی تو ابا جی کو اپنی ہر تکلیف اور نہایت معمولی معصوم خوشیوں میں ہر طرح ایک ہمدرد و شریک پایا۔ کھیل کود اور تعلیم و تربیت میں وہ اس طرح دلچسپی لیتے تھے کہ اب میں حیران ہوتی ہوں کہ آپ وہی ہستی تھے جس کے دماغ اور قلم سے علم اسلامی کا بیش بہا دریا بہہ رہا تھا۔ وہ ایسے ترش رو اور خشک زاہد نہ تھے کہ لوگ بات کرتے ہوئے ڈریں۔ تاریخ اسلام میں ہم جب پڑھتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت دینی راہبر، فلاسفر، معلم، جج، سپاہی، زاہد، عابد اور ایک محبوب شوہر و شفیق باپ بھی تھے تو معاً ہمارا خیال ایک ایسی جیتی جاگتی ہستی کی طرف چلا جاتا ہے جو

ہمارے سامنے اپنے سید و مولیٰ کے اسوہ حسنہ کا چلتا پھرتا مکمل نمونہ تھا۔ انہوں نے اپنے تمام فرائض بہ حسن و خوبی نبھائے۔ وہ اپنی بیوی کے صحیح معنوں میں رفیق، اپنی اولاد کے شفیق باپ، اپنے عزیزوں اور جماعت کے سچے ہمدرد و غمخوار تھے۔

ہماری ادنیٰ جسمانی و روحانی ضروریات کی ان کو فکر تھی۔ بیمار ہوتے تو خود ٹمپریچر لیتے۔ اپنے ہاتھ سے دوا پلاتے۔ ان کو معلوم تھا کہ تعلیم میں کون سا بچہ کس مضمون میں کمزور ہے۔ صبح ہمارے سکول یا کالج پہنچنے کی ہم سے زیادہ فکر ان کو ہوتی۔ آہ کیسی مبارک وہ بیماریاں تھیں کہ جن کا تیماردار وہ پیارا موجود تھا۔ اور کیا ہی شیریں وہ تعلیم تھی کہ جس کا نگران وہ معلم باکمال تھا۔ ہماری ہر خوشی اور کھیل میں دلچسپی لیتے۔ قیام ڈلہوزی میں ہم اکثر بہن بھائیوں اور دیگر عزیزوں کو، جو وہاں موجود ہوتے، یہ شوق اٹھتا کہ پکنک پر چلیں۔ ابا جی کے سامنے تجویز پیش ہوتی تو فوراً مان لیتے اور بخوشی ہر طرح کا انتظام خود کرتے۔ بچوں کے لئے گھوڑے اور کسی کے لئے دوسرا کوئی کا انتظام ہوتا۔ اس طرح ہم لوگ ہنستے بولتے پہاڑی راستوں پر چل پڑتے۔ وہاں جا کر کچھ دیر ہمارے ساتھ وقت گزارتے اور پھر ایک طرف کتاب یا کوئی کام لے کر بیٹھ جاتے۔ ادھر نماز کا وقت ہوا اور آپ جھٹ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سب کو اکٹھا کیا۔ وضو کئے گئے۔ کسی بچے کو فرمایا اذان دو یا خود ہی اذان دے دی۔ اور وہ خوبصورت وادیاں اللہ اکبر کی صدا سے گونج اٹھیں۔ سب بچے جوان بوڑھے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ نماز پڑھا رہے ہیں۔ آج بھی وہ پہاڑ اور جنگل چشمے اور سبزہ زار اس خوش الحان عاشق قرآن کی قرأت کو یاد کرتے ہوں گے، جس کے سننے کو اب ہمارے کان ترس رہے ہیں۔

لیکن ٹھہریئے۔ ان کی دلچسپیاں صرف اولاد اور تصنیفات یا اپنے سلسلے کے کاموں تک محدود نہ تھیں۔ ان کے اندر ایک بے پناہ قوت تھی۔ اور وہ دن بھر میں اتنے کام بخوبی کر جاتے جو معمولی انسان مہینوں میں نہ کر سکیں۔ پھول و پھل سے بے حد لگاؤ تھا۔ ڈلہوزی میں دارالسلام میں اور لاہور میں دارالحمد میں نہایت شوق سے پھلوں کے درخت لگاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر کام میں ہر طرح ایسی برکت دی کہ اہل ڈلہوزی سخت تعجب تھے کہ ساتھ ہزار فٹ کی اونچائی پر ایسا عمدہ پھل کس طرح ہو گیا اور پھر کوئی اعلیٰ درجے کے مالی کام کرنے والے نہ تھے۔ کوئی پہاڑی آدمی نوکر رکھ لیا۔ اس سے اپنی خداداد

قابلیت اور سمجھ سے کام کروانے میں کامیاب رہتے۔

ابھی اپنی میز پر نہایت انہماک سے کسی اہم تصنیف میں مشغول ہیں۔ بارش شروع ہوگئی۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ابا جی نے چھتری لی ہوئی ہے اور پہاڑ پر دیکھ بھال کر رہے ہیں کہ پانی ٹھیک راستے سے بہہ رہا ہے۔ کہیں کسی چیز کو نقصان تو نہیں پہنچ رہا۔ اور دوسرے لمحے پانی کو جھٹکتے ہوئے اپنی میز پر کام میں محو ہیں۔

آہ! میں اس کامیاب و مکمل انسان کی زندگی کے کس کس پہلو کو بیان کروں۔ میرے پیارے ابا جی کو ہم سے جدا ہوئے دنوں سے ہفتے اور ہفتوں سے مہینے ہونے لگے۔ جوں جوں وقت گزر رہا ہے یہ احساس بڑھتا جا رہا ہے کہ وہ کیا نعمت تھی جو ہم سے چھن گئی۔ ایک ستون تھا جس کے سہارے ہم کھڑے تھے۔ ایک سائبان تھا جس کے تلے ہمارے لئے ہمدردی، محبت، شفقت اور نصیحت سب کچھ مہیا تھا۔ گرمی ہو یا سردی، بارش ہو یا طوفان، شادی ہو یا بیماری نصف صدی تک وہ عابد شب بیدار راتوں کو خدا کے حضور میں تڑپ تڑپ کر دعائیں کرتا۔ دین اسلام کی نصرت کے لئے، جماعت کی ترقی و استقامت کے لئے، عزیزوں اور دوستوں کی تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے اور ہمارے لئے جو آدھی رات کو آرام سے اپنے بستروں میں پڑے ان کے ہلکے نرم قدموں کی چاپ کو سنتے تھے اور پھر نماز میں تلاوت قرآن اور گڑ گڑانے کی وہ سوز و گذار سے لبریز دھیمی مگر مؤثر آواز۔ جس سے ہمارے گھر کا گوشہ گوشہ گونجا کرتا تھا اور جس کو سننے کے لئے ملائک ہمہ تن گوش رہتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّعلٰی خُلَفَآءِ مُحَمَّدٍ اَجْمَعِیْنَ

خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گی　　اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گی

26 دسمبر 1951ء

ہے شامِ زندگی صبح دوامِ زندگی

آہ! حضرت مولٰینا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور

مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع لائل پور

انسان بہت بڑا انسان، مسلمان بہت بڑا مسلمان، احمدی بہت بڑا احمدی، مبلغ بہت بڑا مبلغ، مصنف، بہت بڑا مصنف، مفسر، بہت بڑا مفسر یعنی حضرت مولٰینا محمد علی صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی امیر جماعت احمدیہ لاہور بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے۔ حضرت مولٰینا ممدوح کی موت بلا شک موت العالم موت العالم یعنی عالم کی موت دنیا جہان کی موت ہے کی مصداق ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ جیسے ہی باکمال علماء ربانی کے علمی کام کو سراہتے ہوئے ہوئے فرمایا ''عالم کی دوات کی سیاہی شہید کے خون سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔'' حضرت مولٰینا مرحوم کی دوات کی سیاہی نصف صدی تک کس قدر عظیم الشان اسلامی لٹریچر کی شکل میں منتقل ہوتی رہی کہ ایک دنیا حیرت زدہ رہ گئی اور آج دنیا کا کونہ کونہ اس پاک لٹریچر کے نور سے جگمگا اُٹھا ہے۔ کیا سچ فرمایا سید عبدالقادر صاحب سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے:

> ''حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں قادیان خطۂ یونان بن گیا تھا۔ جہاں سے علم وحکمت کی نہریں بہہ نکلی تھیں۔ مگر افسوس حضرت مرزا صاحب کے بعد یہ نہریں خشک ہوگئیں۔ ہاں حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ کے لگائے ہوئے چند پودے اب بھی لاہور میں موجود ہیں جن کے ہاتھ سے نکلا ہوا لٹریچر اس قابل ہے کہ ہم غیر مسلموں کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں''

حضرت مولٰینا مرحوم کے انتھک قلم سے قرآن پاک کی انگریزی واُردو تفسیر، صحیح بخاری کی تفسیر، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، خلفائے راشدینؓ کی سیرت۔ زندہ نبی کی زندہ تعلیم، دی ریلجن آف اسلام، تحریک احمدیت، جمع القرآن، مقام حدیث وغیرہ ساٹھ کتب نکل کر دنیا جہان میں پھیل گئیں اور اکثر کتب کے متعدد زبانوں میں تراجم شائع ہو گئے۔ تاریخ اسلام نے سنہری حاشیہ کے اندر حضرت مولانا مرحوم کا نام نامی ہمیشہ کے لئے محفوظ کرلیا۔ نسلوں کے بعد نسلیں اس پاکیزہ لٹریچر سے فیض یاب

اور سیر یاب ہوں گی اور حضرت مرحوم کا احسان مانیں گی۔ وقت آنے والا ہے۔ اس عظیم الشان لٹریچر نے ذہنیتوں میں وہ انقلاب پیدا کرنا ہے کہ لوگوں کے لئے حضرت مسیح موعود کی صداقت اور مقام کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ کیا حال ہی میں مارمیڈ یوک پکتھال نہیں پکار اُٹھا کہ ''حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کا کام ایک مجددانہ کام ہے''۔ حضرت مولانا مرحوم کا قلم اعدائے اسلام کی گردنوں پر ایک تلوار تھا اور آپ کے مصفا دلائل دشمنوں کے قلموں پر گولے۔ آپ نے ایک بہادر جرنیل کی طرح نہ صرف قلعہ اسلام کی حفاظت کی بلکہ مخالفین کی تمام مورچہ بندیوں کو توڑ کر رکھ دیا اور پرچم اسلام کو دنیا کی تمام بلندیوں پر لہرا دیا۔ مٹھی بھر جماعت کو لے کر کثیر التعداد و کثیر الاموال دشمن سے اس بے جگری سے لڑے کہ اپنے بیگانے کے منہ سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ آریہ، دہریہ، عیسائی بہائی، کون ہے جس کو آپ اور آپ کے فتحمند سپاہیوں نے کچل کر نہ رکھ دیا ہو۔ اور کیا یہ سچ نہیں کہ ''ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد'' ایک حقیقت بن کر دینا جہان کے سامنے آ گئی۔ حافظ شیرازیؒ نے فرمایا تھا ۔

روزِ قیامت ہر کسے در دست دارد نامۂ   من نیز حاضر میشوم تصویر جاناں در بغل

کہ قیامت کے دن ہر کوئی ہاتھ میں اپنا اعمال نامہ لئے ہوگا۔ لیکن میں اس شان سے حاضر ہوں گا کہ بغل میں معشوق کی تصویر ہوگی۔ علامہ اقبال نے حافظ شیرازی کے اس شعر کی اس طرح اصلاح کی ۔

روز قیامت ہر کسے دردست دارد نامۂ   من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآں در بغل

لیکن سچ تو یہ ہے کہ علامہ اقبال کے ہاتھ میں بھی کوئی تفسیر نہ تھی۔ دور حاضر میں مولانا محمد علی صاحب مرحوم ہی ایک ایسی شخصیت ہیں جن کی تفسیر قرآن مشرق و مغرب، شمال و جنوب سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اور حضرت مولانا مرحوم ہی فخر کے ساتھ فرما سکتے ہیں ۔

روز قیامت ہر کسے در دست دارد نامۂ   من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآں در بغل

مائیں روز روز ''محمد علیؒ'' نہیں جنا کرتیں۔ ایسے انسان کہیں صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے   بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مولٰینا محمد علیؒ کی موت عالم اسلام کا ایک بہت بڑا حادثہ ہے اور علمی دنیا کی کونسی آنکھ سے جو ایک بار اشکبار نہ ہو گئی ہو۔

آہ! مولانا محمد علیؒ

جناب حامد الوارثی

مظہرِ انوارِ ربانی گذشت رازدارِ رازِ حقانی گذشت
آں مبلغ، آں مفسر، آں خطیب سوئے حق، از عالمِ فانی گذشت
مظہرِ حق، محرمِ رازِ دروں کاشفِ اسرارِ پنہانی گذشت
ملحداں را دولتِ ایمان داد دافعِ وسواسِ شیطانی گذشت
عالم و فاضل، مفکر، متقی پیکر و روحِ مسلمانی گذشت
خادمِ دیں، خادمِ قوم و وطن غمگسارِ نوعِ انسانی گذشت
حاملِ فقر و غنائے بوذری جامعِ اوصافِ سلمانی گذشت
از غمِ فرقت دلِ ما بیقرار
وائے حسرت! دلبرِ جانی گذشت
نکتہ سنج و نکتہ داں، شیخ الحدیث وائے! ابن ماجۂ ثانی گذشت

26 دسمبر 1951ء

اپنے ابا جی کی یاد میں

دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا زندہ نمونہ

محترمہ ناصرہ بیگم صاحبہ بی۔اے (صاحبزادی حضرت امیرؒ) کے قلم سے

آپ نے کئی مضامین اس ملائک صفت انسان کے متعلق پڑھے ہیں جس کی مثال موجودہ دنیا میں کوئی نظر نہیں آتی۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ آپ کی پاکیزہ سیرت کے کس پہلو کا ذکر کروں۔ اپنے اللہ کا شکر ادا کروں کہ جس نے ایسا مقدس ومحبوب باپ عطا کیا۔ جس کے ذریعہ ہم نے اپنے رب کی عظمت اور حقیقت کو پہچانا۔ جس کے نفسِ قدسی نے ہمارے ایمان کو مضبوط کیا۔ جس کے نمونے نے ہمیں ایک واضح اور روشن راہ عمل دکھائی یا ان شیریں لمحات کا ذکر کروں جو ہم نے اس کی آغوش محبت میں گزارے یا اس کی ان گوناگوں صفات کو بیان کروں جس سے ہم نے تربیت اسلامی کا سبق لیا یا اس کے تعلق باللہ اور خشیت اللہ کی ایک جھلک دکھاؤں جس نے اس کی بزرگی اور پاکیزگی کو ہمارے دلوں میں دن بدن ترقی دی اور اس محبت کو لکھوں جو اس کو کلام الٰہی سے تھی جو اس کو اپنی جماعت کے ہر فرد سے تھی۔ جو اس کو اشاعت اسلام کے ہر پہلو سے تھی۔ اکثر گھنٹوں غور کرتی ہوں۔ وہ انمول گھڑیاں ایک مسلسل تصویر کی طرح آنکھوں کے سامنے سے گزرتی ہیں۔ طرح طرح کے واقعات وحادثات یاد آتے ہیں۔ مگر ان سب میں غالب تصویر اور سب سے نمایاں پہلو جو اپنے مقدس ابا جی کی زندگی میں ایک روشن ستارے کی طرح دمکتا ہوا نظروں میں سما جاتا ہے، وہ ان کا عشق قرآن اور اپنی جماعت کی ترقی و بہبودی سے شفقت۔ کیوں؟ سنیئے۔ وہ خوش نصیب بزرگ ہستی، کہ جس کے گھرانے کا ایک ایک فرد اس پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار تھا، ہاں اسی قابل فخر باپ کے اردگرد جب ہم سب جمع ہوتے اور وہ محبت اور نیکی سے چمکتا ہوا چہرہ اپنی دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ ہماری ہر قسم کی باتوں کو توجہ سے سنتا ہے تو جیسے ہی ہم میں سے کوئی ایسا موضوع چھیڑ دیتا جس میں قرآن کریم کی خدمت کا کوئی پہلو ہوتا یا اپنے سلسلے کے استحکام کی کوئی تجویز ہوتی تو ایک دم آپ کے چہرے پر ایک چمک سی پیدا ہو جاتی۔ اور آپ نہایت ہی انہماک وحوصلہ افزا طریق پر مصروف گفتگو ہو جاتے اور ہم سب یہ سوچنے پر

مجبور ہو جاتے کہ کیا ابا جی کو ہم سے بھی زیادہ اپنے کام سے محبت ہے۔ وہ کیوں ہمارے تمام معاملات پر سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔ اور جب خدمت دین کا ذکر ہو تو اپنی گہری دلچسپی اور توجہ کا اظہار فرماتے ہیں۔ پھر دیکھیئے! سردیوں کی لمبی لمبی راتوں میں ہم چاہتے کہ رات کے کھانے کے بعد ابا جی ہمارے درمیان بیٹھیں۔ ہم ان کی خاطر، ہاں صرف ان کے پرکشش وجود کی خاطر دور دور سے سفر کرتے آتے ہیں تو ہماری دلی خواہش اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ ابا جی کے پاس بیٹھیں۔ دن بھر تو دفتر میں اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔ ملاقاتیں کرتے ہیں۔ ذرا اندر آئے تو اذان کی آواز آ گئی اور انہوں نے سب کو چھوڑ چھاڑ مسجد کا رخ کر لیا۔ ہماری آنکھیں ترستی رہ جاتی ہیں اور وہ حیّ الصّلوٰۃ کی آواز پر چل دیتے ہیں تو رات کو ہی یہ موقع ملے آپ کے پیارے قرب سے اپنے مشتاق دلوں کو خوش کر لیں۔ مگر ہوتا یہ کہ آپ نماز عشاء سے فارغ ہو کر تشریف لائے ہم سب بچے ان کے گرد جمع ہو گئے۔ نہایت ہی محبت والفت سے ہم سے چند باتیں کیں۔ پھر جلد ہی استراحت کے لئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ یا اللہ! کیا ان کو اتنی نیند آتی ہے۔ کیوں نہیں وہ تھوڑی دیر اور ہمارے پاس بیٹھے رہے۔ مگر نہیں۔ سنیئے۔ سردی کی ٹھنڈی یخ رات کے دو بجے ہیں۔ ہم سب اپنے گرم گرم بستروں میں لیٹے ہیں اور ایک نہایت درد سے بھری ہوئی ہلکی سی گونج ان کے نماز تہجد کی ہم کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ اے مولا! وہ تو جاگ رہے ہیں۔ اب ان کو کیوں نیند نہیں آتی۔ کیا ہم سب سے پیاری کوئی اور ہستی بھی ہے۔ جس سے وہ باتیں کر رہے ہیں۔ جس کے لئے وہ اس سردی میں بستر سے نکل آئے ہیں۔ اور جس کے پاس وہ گھنٹوں گزار دیتے ہیں۔ جس کے حضور میں وہ اپنا دردِ دل ظاہر کرتے ہیں۔ یقیناً وہ کوئی بہت ہی اعلیٰ وارفع ہستی ہے۔ اور اسی لمحے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کا ایک عجیب تخیل ہماری آنکھوں کے سامنے آ جاتا اور ساتھ ہی یہ احساس ہمارے دلوں میں مستحکم ہو جاتا کہ ہمارے ابا جی کا سایہ ہمارے لئے اللہ کا سایہ ہے کہ جس کے تلے ہم تمام آفات و مشکلات سے محفوظ و مامون ہیں۔

پھر غور کیجئے۔ ابھی ابھی ہمارے ننھے ننھے بچوں سے ابا جی نہایت پیاری باتیں کرتے ان کی معصوم شوخیوں سے لطف لے رہے ہیں۔ مگر لیجئے ابھی کسی نے ان کے کسی دوست کا ذکر کر دیا یا کسی ایسی تجویز یا کوشش کے متعلق اشارہ کر دیا جس کا تعلق اپنے سلسلے یا جماعت سے ہے تو ابا جی سب سے بے

نیاز ہو کر ہمہ تن ادھر متوجہ ہو گئے اور ایک دفعہ پھر ہم اس بات کو ماننے پر مجبور ہو جاتے کہ ہماری محبت کے واحد مرکز ہمارے ابا جی ہم سے بھی زیادہ اپنے بلند پایہ کام اور اس کے معاونین سے محبت کرتے ہیں۔ اور اس کی ترقی و مضبوطی کا خیال ہم سے بہت زیادہ ہے اور ہم سب کے دلوں میں یہ خواہش جاگ اٹھتی کہ ہم اس رنگ میں بھی ان کی توجہ اور محبت کے مستحق نہیں۔

پھر زندگی کے آخری ایام پر نظر ڈالئے۔ ان کا سب سے چھوٹا اور بے حد پیارا بچہ دور دراز سات ہزار میل کی مسافت پر زیر تعلیم ہے۔ تین سال گزرے کہ شفیق باپ نے سینے سے لگا کر رخصت کیا تھا۔ آپ کی طبیعت ایک سال سے ناساز رہتی ہے۔ دل کمزور ہے۔ ایسی حالت میں رنج و خوشی و دیگر جذبات غیر معمولی طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مگر اللہ اللہ! کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے بچھڑے ہوئے پردیسی بچے سے بھی زیادہ آپ کو اپنے اکلوتے اور پیارے کام کی فکر ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں۔ آرام کیجئے۔ جواب ملتا ہے۔ وقت کم اور کام بہت ہے۔ کیسے آرام کروں ہر دم یہی فکر ہے کہ فلاں مشن کا کام ہو جائے۔ اس تحریک میں یہ کمی نہ رہ جائے۔ لیٹے لیٹے قرآن کریم کے انٹروڈکشن کے نہایت باریک چھاپے کے پروف پڑھ رہے ہیں۔ لرزاں ہاتھوں سے اصلاحی نشان ڈال رہے ہیں۔ ڈاک آجاتی ہے۔ اپنے دوستوں کے خط پڑھ رہے ہیں۔ اماں جی بتاتی ہیں۔ فلاں کا خط آیا ہے۔ پڑھ لیجئے۔ نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ آپ پڑھ کر سنا دیں۔ پھر تکیئے کے سرہانے بیٹھے ہیں۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کچھ لکھ رہے ہیں کہ اماں جی نے کہا۔ حامد کو خط لکھ رہی ہوں۔ آپ بھی چند سطریں لکھ دیجئے۔ کچھ دیر سوچ کر فیصلہ کن انداز میں جواب دیتے ہیں کہ مصروف ہوں۔ آپ لکھ دیں محنت کے بعد ذرا طبیعت بحال ہوئی ہے۔ خالو جان شیخ محمود احمد عیادت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ ان کو فرماتے ہیں۔ ذرا مولوی صاحب سے پتہ لیجئے۔ انہوں نے چندے کی آخری قسط ادا کر دی ہے یا نہیں۔ پھر اپنے سیکرٹری کی طرف مخاطب ہیں۔ کیا ووکنگ کے روپے کے ڈرافٹ مل گئے۔ روپیہ چلا جائے کہ وہاں تکلیف نہ ہو۔ پھر دریافت فرماتے ہیں۔ برلن مسجد کی مرمت کے روپے میں اب کتنی کمی ہے۔ امریکہ مشن کی رپورٹ ہاتھوں میں ہے۔ چہرہ خوشی سے چمک رہا ہے کہ وہاں مسجد کے لئے زمین کا انتظام ہو گیا ہے۔ حساب دیکھ رہے ہیں کہ کتنے ہزار سیٹ اسلامی لٹریچر کے جا چکے ہیں۔ غرض ہر دم یہی کام ہے۔

یہی فکر ہے۔ یہ للّٰہی کام ادھورے نہ رہ جائیں۔ ایک دوست کو لکھتے ہیں قوم کے معاملات تمہارے سپرد ہیں۔ مگر اپنے لاڈلے بچے کو کسی کے سپرد نہیں کرتے۔ وہ کیوں نہیں اپنے بچے کا ذکر کرتے۔ مگر نہیں میں بھولتی ہوں۔ وہ ذکر کرتے ہیں۔ ہاں دیکھئے۔ ووکنگ کا خط پڑھ رہے ہیں۔ ایک دم چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اماں جی کی طرف خط بڑھا کر فرمایا ''یہ سطور پڑھو'' لکھا تھا۔ یہ جمعہ عزیزی حامد نے پڑھایا۔ اور بہت اعلیٰ اور پر معارف خطبہ دیا۔ لیجئے۔ سب سے اس کا ذکر فرما رہے ہیں۔ آہ! وہ اپنے دور افتادہ عزیز بچے کی یاد اس رنگ میں اپنے سینے میں محفوظ رکھتے ہیں۔

میرے جنت کے مکین ابا جی! آپ نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا نمونہ ہمارے سامنے رکھ دیا۔ ہم نے بیعت کے وقت یہ الفاظ اپنی زبان سے ادا کئے۔ مگر ان کی زندہ تصویر اور حقیقت کو ہم نے آپ کی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خداوند تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل سے دین اسلام میں پیدا کیا مگر اسلام پر، حقیقت باری تعالیٰ پر، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر اور احمدیت کی ضرورت واہمیت پر یہ ایمان ویقین ہمارے دلوں میں کبھی پیدا نہ ہوتا اگر ہم آپ کے ذریعہ ان تعلیمات کا زندہ نمونہ نہ دیکھ لیتے۔ اے میرے حیّ وقیوم خدا تو ہمارے دلوں میں بھی ایسی ہی خدمت دین کی تڑپ پیدا کر دے۔ جو ہماری تمام دنیاوی خواہشات اور محبتوں پر غالب آجائے تاکہ قیامت کے دن ہم اپنے مقدس ومحبوب ابا جی سے سرخرو ہو کر ملیں۔ آمین

تاریخ وفات حضرت امیرؒ: محترم مولانا صاحب۔ اخبار ''پیغام صلح'' میں میری طرف سے دو تاریخ ہائے وفات حضرت امیرؒ کی لکھی ہوئی تھیں۔ دوسری تاریخ غلط لکھی گئی ہے۔ مہربانی کر کے اسے ٹھیک کرا کے درج اخبار کرا دیں۔ مشکور ہوں گا۔ پوری تاریخ، جو میں نے آپ کو لکھی تھی، یہ ہے۔

<u>ہائے بانیٔ انجمن اشاعت اسلام لاہور</u>

17+64+144+772+132+242=میزان 1371ھ

خاکسار سید احمد۔ بدوملہی

❖❖❖

26 دسمبر 1951ء

حضرت مولٰینا محمد علیؒ کے متعلق چند ذاتی تأثرات

مرزا مسعود بیگ صاحب ایم اے۔ بی ٹی احمدیہ بلڈنگس لاہور

بچپن کے تأثرات: اپریل 1918ء میں پہلی مرتبہ میں لاہور آیا اور مسلم ہائی سکول کی چوتھی جماعت میں داخل ہوا۔ اس وقت زندگی میں پہلی مرتبہ حضرت امیر مولٰینا محمد علی مرحوم ومغفور کی زیارت ہوئی۔ شروع میں دو مولوی صاحبان ہمارے سامنے رہتے تھے۔ سکول میں مولٰینا صدرالدین صاحب جو اس وقت پرنسپل تھے اور احمدیہ بلڈنگس میں حضرت امیر مرحوم۔ جنہیں عام بول چال میں لوگ بڑے مولوی صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ ''بڑے مولوی صاحب'' کے لفظ سے ایک نوعمر کے ذہن میں یہی خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ وہ عمر میں سب سے بڑے ہوں گے لیکن اسی زمانہ میں حضرت سید محمد احسن مرحوم بھی لاہور آئے اور راقم کے عم مرحوم ومغفور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کے مکان پر فروکش ہوئے۔ سید صاحب مرحوم بہت ضعیف العمر تھے۔ انہوں نے دو تین مرتبہ احمدیہ بلڈنگس کی مسجد میں جمعہ کا خطبہ بھی دیا۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے اور خطبہ کے دوران میں رویا کرتے تھے۔ اس وقت میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ ''بڑے مولوی صاحب'' کیوں نہیں ہیں۔ یہ تو سب سے بڑے ہیں؟ گھر پہنچ کر میں نے اپنے استعجاب کا اظہار کیا اور ڈاکٹر مرزا صاحب مرحوم نے بتایا کہ مولٰینا محمد علی صاحب ہی بڑے مولوی صاحب ہیں۔ کیونکہ وہ جماعت کے امیر اور سردار ہیں اور ان کا علم بہت بڑا ہے۔

میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا جب حضرت امیر مرحوم ہر روز نماز مغرب کے بعد مسجد میں قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے۔ درس کے دوران وہ کبھی کبھی تحریری امتحان بھی لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بچوں کا بھی امتحان لیا گیا۔ جس میں راقم بھی شریک ہوا۔ ایک دو روز بعد حضرت مرحوم نے نتیجہ کا اعلان فرمایا اور مجھے بہت شاباش دی اور اعلان کیا کہ یہ بچوں میں اول آیا ہے۔ اس سے میری بہت حوصلہ افزائی ہوئی اور مجھے درس سننے اور علمی مجالس میں بیٹھنے کا شوق پیدا ہوا۔

اب دن میں کئی بار حضرت امیرؒ کی زیارت ہوتی تھی۔ شام کی نماز کے بعد سلسلہ کے تمام اکابرین مسجد میں بیٹھ کر قومی امور اور ضروریات دینی پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ حضرت امیر جماعت کے

علاوہ شیخ رحمت اللہ مرحوم، خواجہ صاحب مرحوم، ڈاکٹر شاہ صاحب مرحوم، مولانا صدرالدین صاحب اور دیگر بزرگان جمع ہوتے تھے اور اکثر شام کا کھانا بھی مسجد میں ہی کھایا جاتا تھا۔

بچپن کا ایک اور واقعہ ہے جس سے حضرت امیر کے احترام کے علاوہ دل میں ان کا رعب بھی قائم ہوا۔ حضرت امیر مرحوم اپنے دفتر میں بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے۔ عم مرحوم و مغفور نے ایک رقعہ دے کر مجھے ان کی خدمت میں بھیجا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت امیر مرحوم کے میز کے گردا گرد بڑی بڑی الماریاں رکھی ہیں اور ان میں بہت موٹی موٹی کتابیں ہیں۔ حضرت امیر خط پڑھ کر اس کا جواب لکھ رہے تھے اور میں چاروں طرف کی الماریاں دیکھ رہا تھا۔ آخر میں نے عم مرحوم سے یہ سوال بھی کیا کہ کیا مولوی صاحب نے یہ ساری کتابیں پڑھی ہوئی ہیں؟ حضرت مرزا صاحب مرحوم نے مسکراتے ہوئے اثبات میں جواب دیا اور میرے دل پر حضرت امیر کی علمیت کا رعب طاری ہو گیا کہ انہوں نے اتنی بڑی بڑی کتابیں پڑھی ہوئی ہیں!

جوانی کے تأثرات: وقت گزرتا گیا اور ہم لوگ حضرت امیر کے بابرکت وجود سے مستفیض ہوتے ہوتے جوانی کے عالم کو پہنچ گئے۔ اب دین کی شد بدھ بھی کچھ حاصل ہو گئی تھی اور حضرت مرحوم کے سکھائے ہوئے علم سے کچھ لکھنے اور بولنے کا ڈھنگ بھی آ گیا تھا۔ 1928ء کا جلسہ سالانہ تھا۔ میں اس وقت ایف اے میں پڑھتا تھا۔ حضرت امیر کے حکم سے اس مرتبہ جلسہ سالانہ میں کچھ نوجوانوں کو بھی وقت دیا گیا۔ مجھے بھی وقت دیا گیا اور میرے دوست چوہدری محمد سعید بھٹہ کو بھی۔ کچھ نوجوان باہر کی جماعتوں کے بھی تھے۔ حضرت کمال الدین مرحوم و مغفور اس جلسہ کے صدر تھے۔ جلسہ کے اختتام پر حضرت امیر مرحوم و مغفور نے مجھے بہت شاباش دی اور پیٹھ پر تھپکی بھی دی۔ جلسہ سالانہ کے پلیٹ فارم پر تقریر کرنے کا میرا پہلا موقعہ تھا۔ مگر حضرت امیر اور خواجہ صاحب مرحوم نے بہت ہمت بندھائی۔ جلسہ کے بعد دو یا تین جنوری کو حضرت امیر مرحوم نے مولوی مرتضیٰ خاں صاحب کے ذریعہ، جو ان دنوں ان کے پرسنل اسسٹنٹ تھے، مجھے اپنے دفتر میں بلوایا اور ینگ مینز احمدیہ ایسوسی ایشن کا کام اور نوجوانوں کی تنظیم کی خدمت میرے سپرد فرمائی۔ چنانچہ کئی سال تک اس ایسوسی ایشن کے سیکرٹری کے طور پر میں اپنی بساط کے مطابق کام کرتا رہا۔

انجمن کے کارکن کے طور پر: 1933ء میں میں نے ایم اے کا امتحان پاس کیا اور حصول ملازمت کے لئے مقابلہ کے امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ ان دنوں حضرت امیر مرحوم ومغفور اپنی مشہور تصنیف ''ریلجن آف اسلام'' کی تالیف میں مشغول تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت امیر کو ایک معاون کی بھی ضرورت تھی۔ آپ نے حضرت مرزا صاحب مرحوم کو دو تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ راقم کو اس کام کے لئے آمادہ کیا جائے۔ حضرت عم مرحوم میرے محسن ومربی تھے اور حضرت امیر ہماری قوم کے سردار۔ ان دونوں بزرگوں کے ارشاد سے سرتابی ممکن نہ تھی۔ چنانچہ اوائل 1934ء میں راقم سطور انجمن کے کارکنان کے زمرہ میں شامل ہوا اور میری سب سے پہلی تعیناتی حضرت امیر مرحوم ومغفور کے پرسنل اسسٹنٹ کے طور پر ہوئی۔ ''ریلجن آف اسلام'' کی تالیف کے سلسلہ میں مختلف النوع کام حضرت ممدوح نے میرے سپرد کئے اور خدا نے مجھے ان کی بجا آوری کی توفیق دی۔ چند ماہ بعد مجھے انجمن کا اسسٹنٹ سیکرٹری بنا دیا گیا اور اوائل 1948ء تک میں دفتر میں مختلف حیثیتوں میں کام کرتا رہا۔ اس اثنا میں مجھے حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے اور دن رات ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ اور اب آئندہ سطور میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر میں حضرت امیر مرحوم کے اوصاف کے بارہ میں کچھ عرض کروں گا۔

حضرت امیر مرحوم کے چند اوصاف: سب سے پہلی بات، جو میں نے تھوڑے ہی عرصہ میں معلوم کر لی، وہ یہ تھی کہ حضرت امیر مرحوم کو خالی خولی باتوں اور سطحی چیزوں سے خوش نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک سولہ آنے کام نہ کیا جائے وہ خوش نہیں ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود سولہ آنے کام کرنے کے عادی تھے۔ اور اسی طرح اپنے ماتحتوں سے کام لینے کے متمنی تھے۔ ہر کام کی معمولی سے معمولی تفصیلات پر بھی ان کی نظر ہوتی تھی۔ اور ہر امر کی جزئیات وتفصیلات اور مالہ وماعلیہ سب سے انہیں واقفیت ہوتی تھی۔ انگریزی کا لفظ Thorough going ان کے اس وصف کا ادنیٰ سا اظہار کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ اپنا کام پوری محویت اور استغراق سے کرتے تھے اور اپنے کام میں انہیں بڑی خوشی اور لذت محسوس ہوتی تھی گویا وہ آیت قرآنی وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا (79:1-2) کے صحیح مصداق تھے۔ اگر انہیں اپنے کام سے محبت نہ ہوتی اور وہ اسے بوجھ سمجھتے تو اتنا عظیم الشان کام وہ کر بھی نہ سکتے۔ حضرت

امیر مرحوم ان تھک کام کرنے والے تھے اور صبح سے شام تک دوپہر کو ایک دو گھنٹہ کے وقفہ کے سوا مسلسل کام کرتے تھے۔ حضرت سلطان القلم کے جانشین ہونے کی حیثیت سے حضرت امیرؒ نے پچاس برس مسلسل قلم چلائی اور وہ تمام دن لکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ اس قدر دماغی کام کرنے والوں کو کسی تفریح کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن حضرت امیر کی کوئی خاص تفریح نہ تھی۔ رات کے وقت نئے رسائل و اخبارات اور کتابوں کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔ یہی ان کی Hobby یا تفریحی مشغلہ تھا۔ کبھی کبھی اوائل موسم سرما میں عم مرحوم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ حضرت امیر مرحوم کو اپنے ہمراہ شکار کھیلنے کے لئے لے جایا کرتے تھے۔ البتہ صبح کی سیر حضرت امیر کی زندگی کا جزو تھی۔ اور اس کی باقاعدگی ضرب المثل کا حکم رکھتی تھی۔ سیر میں آپ بہت تیز چلا کرتے تھے اور اکثر جوان آدمی کو بھی ان کے ساتھ قدم بہ قدم چلنا دشوار ہوتا تھا۔

حضرت مولٰینا محمد علی مرحوم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ پچاس ہزار صفحات سے زیادہ کے قریب مختلف کتب و رسائل اور ٹریکٹوں کی صورت میں انہوں نے تحریر فرمائے اور مشہور مترجم قرآن مارماڈیوک پکتھال کا یہ لکھنا بالکل بجا ہے کہ موجودہ وقت میں کسی ایک شخص نے اتنا کثیر اور مسلسل کام خدمت اسلام کا سرانجام نہیں دیا۔ لیکن اتنے عظیم الشان کام کے باوجود حضرت امیر مرحوم انکسار سے کام لیتے تھے اور جب کبھی اس کام کی عظمت کا اظہار کرتے تو اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ہمیشہ جماعت کی طرف منسوب فرماتے کہ اس چھوٹی سی جماعت نے یہ کام کیا ہے۔ ان کی یہ منکسر المزاجی عند اللہ ان کے اجر کو بڑھانے والی ہے۔

مرحوم مولٰینا کی عام عادات میں بہت سادگی تھی۔ سادہ لباس اور سادہ زندگی کے قائل تھے اور تکلفات کے روادار نہ تھے۔ طبیعت میں لطیف مذاق بھی موجود تھا۔ اور مجلس میں شگفتہ گفتگو اور ہنسی مذاق بھی کرتے تھے۔ کبھی کبھی اپنے دیرینہ ہم جماعت چوہدری شہاب الدین مرحوم کے بارہ میں لطیفے سنایا کرتے تھے اور اکثر مولوی عبدالوہاب صاحب کے۔

مشہور مقولہ ہے الاستقامة فوق الکرامة کہ استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔ مولٰینا محمد علی مرحوم کی زندگی میں ہمیں کرامت بھی نظر آتی ہے اور استقامت بھی۔ وہ مستقل مزاجی، مسلسل

محنت، ثابت قدمی، الوالعزمی اور ایمانی قوت کے پیکر تھے۔ انہیں خدا تعالیٰ کی ذات پہ بڑا پختہ ایمان تھا۔ بارہا ظاہری وسائل کی موجودگی کے بغیر محض توکل علی اللہ پر بڑے بڑے کام شروع کر دیتے تھے۔ ان کے مخلص احباب ان سے اختلاف بھی کرتے تھے اور اصرار کرتے تھے کہ روپیہ فراہم کر کے فلاں کام شروع کیا جائے۔ لیکن حضرت مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ روپیہ خدا بھیج دے گا اور واقعی خدا تعالیٰ ان کی ایمانی قوت اور توکل کی لاج رکھتا اور روپیہ بھیج ہی دیا کرتا تھا۔

حضرت امیر مرحوم کی یادگار: حضرت امیر مرحوم نے اپنے ورثاء کے لئے ورثاء سے میری مراد تمام جماعت احمدیہ ہے) ایک بہت بڑا خزانہ چھوڑا ہے۔ اب جماعت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مورث کی یاد کو زندہ رکھے اور ان کی یادگار کے طور پر کوئی ایسا کام کرے جس سے حضرت امیر مرحوم کی روح بھی خوش ہوتی رہے اور ان کا نیک نام زندہ رہے۔ کسی علمی ادارہ کا قیام حضرت امیر مرحوم کی صحیح یادگار ہوگی۔ بلکہ ایسا ادارہ جس میں مختلف سکالر مختلف زبانیں سیکھیں اور ان زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کریں۔ امید ہے ہمارے اکابر اور ارباب حل وعقد اس تجویز پر غور فرمائیں گے اور **ھَلْ جزاء الاحسان الّا الاحسان** کے ماتحت اپنا فرض ادا کریں گے۔ حضرت امیر خیر کثیر کا اندوختہ اپنے ہمراہ لے گئے اور بہت کچھ پیچھے بھی چھوڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس وراثت کو سنبھالنے کی توفیق خطا کرے اور جماعت کی یک جہتی اور قوت میں ترقی دے اور حضرت امیر کے بعد بھی یہ کام اسی قوت اور اسی روح کے ساتھ جاری رہے اور اللہ تعالیٰ ہمارے مرحوم امیر کے درجات بلند کرے اور انہیں اعلی علیین میں جگہ دے۔ آمین

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ کے پاکیزہ خصائل

مولانا احمد یار صاحب جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

حضرت امیر مولانا محمد علیؒ میں باوجود عظیم المرتبت شخصیت ہونے کے عجز و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کبر و نخوت تکبر اور بڑائی کا شمہ تک آپ میں نہیں تھا۔ ہر چھوٹے بڑے اور امیر غریب سے یکساں طور پر پیش آتے تھے۔ آپ کو ہر اس آدمی سے محبت تھی جو اسلام کا عاشق اور دین کا خادم ہو۔ مجھے بحیثیت سیکرٹری آپ کو بہت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ غیبت اور شکوہ و شکایت کرنے کی آپ میں قطعاً عادت نہیں تھی۔ بسا اوقات لوگ آپ کے سامنے یہ ذکر کرتے کہ فلاں آدمی آپ کے متعلق یہ کہتا ہے تو آپ صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ اس کے لئے دعا کریں کہ خدا اسے اس بُرے راستہ سے ہٹا کر نیکی کے راستہ پر لگا دے۔ طبیعت میں نرمی اس قدر تھی کہ جو کچھ کوئی آدمی کہتا اسے مان لیتے اور اسے سچا سمجھتے۔ آپ کو گپ شپ اور زیادہ باتیں کرنے کی عادت نہیں تھی۔ ہر لحہ یہی خیال رہتا کہ وقت کا ہر سیکنڈ خدمت دین کے علاوہ اور کسی کام میں صرف نہ ہو۔ وقت کی پابندی اس قدر آپ میں تھی کہ اگر آپ کو گھڑی کے ساتھ تشبیہہ دی جائے تو یہ تشبیہہ بے جا نہ ہوگی۔ بابا نور الدین مرحوم و مغفور نے، جو حضرت امیرؒ کے پرانے خدام میں سے تھے، کئی بار مجھ سے ذکر کیا کہ میں بچپن سے حضرت کے ساتھ رہا ہوں۔ اکٹھے کبڈی کھیلتے تھے۔ جس وقت سے حضرت نے ہوش سنبھالا اس وقت سے نماز تہجد کبھی قضاء نہ کی۔ کام کرنے کی اس قدر قوت تھی کہ اس بڑھاپے کی عمر میں تو جوان تھک جاتے مگر آپ نہیں تھکتے تھے۔ بیماری کے دوران میں بھی کئی کئی گھنٹے باقاعدہ کام کرتے۔ انگریزی ترجمۃ القرآن کے سارے پروف آپ نے تقریباً بیماری کے دوران میں ہی دیکھے۔ آپ کی نظر اس قدر عمیق تھی کہ جب آپ مئی 1951ء کے آخر میں کراچی تشریف لے جانے لگے تو میرے سامنے قرآن حکیم کے وہ پروف منگوائے جو ایک دفعہ دیکھے جا چکے تھے۔ مگر پھر بھی آپ نے ان میں کئی غلطیاں نکال دیں۔ اس لئے عموماً دوسرے کے کام پر آپ کو بہت کم اعتماد ہوتا تھا۔ جب تک خود آپ کسی چیز کی دیکھ بھال نہیں کر لیتے تھے تب تک

آپ کی تسلی نہیں ہوتی تھی۔ خصوصاً حوالہ جات کے درج کرنے اور پروف پڑھنے کے متعلق آپ بہت احتیاط کرتے تھے۔ قلم تھی جو رکتی نہیں تھی۔ آخری ایام میں، جب حضور بہت کمزور ہو گئے تھے، ان دنوں میں بھی جو کاغذات پیش کئے جاتے انہیں بغور ملاحظہ فرماتے اور ان پر اپنے قلم سے ہدایات لکھتے۔

دفتر کے ہر کارکن کو آپ اپنے عزیزوں کی طرح سمجھتے۔ اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کی بیمار پرسی فرماتے۔ اگر کوئی مالی تکلیف ہوتی تو اس کے ازالہ کے لئے ہر ممکن سعی فرماتے۔ بعض اوقات جب انجمن عدم گنجائش کی وجہ سے امداد سے انکار کر دیتی تو حضور خود اس کارکن کی امداد فرماتے۔ جماعت کے ہر فرد کے لئے آپ کے دل میں درد تھا۔ جب کوئی دوست کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا تو اس کے لئے دعا فرماتے اور پھر دریافت کرتے رہتے کہ اب اس کا کیا حال ہے۔

آپ میں تکلف نام کو نہیں تھا۔ تصنع سے کبھی کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ جب کوئی ملاقات کے لئے جاتا تو فوراً خیر و عافیت دریافت فرماتے اور پھر خاموش ہو جاتے۔ آپ ماقلّ ودلّ کے قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روح پر اپنی رحمت کی بارش برسائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیر مرحوم ومغفور کا سفر حیدر آباد دکن

چند قابل ذکر مشاہدات وتأثرات

شیخ محمد انعام الحق صاحب

حضرت امیر مرحوم ومغفور کو سلسلہ عالیہ کی مختلف ذمہ داریوں اور تصنیف وتألیف کی مصروفیات کے باعث سفر کا شاذ ہی موقع ملتا تھا۔ برعظیم ہند کے باہر تو وہ کبھی تشریف نہ لے جا سکے۔ خود ہندوستان کے اندر بھی طویل سفروں کا حضرت مرحوم کو بہت کم اتفاق ہوا۔ اس لحاظ سے ان کے حیدر آباد ہی کے دو طویل سفروں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ سفر اپنے نتائج کے لحاظ سے بھی مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوئے۔ اہلِ دکن کے قلوب پر حضرت مرحوم کی شخصیت نے خاص اثر چھوڑا۔ چونکہ یہ سفر زیادہ تر خاکسار راقم الحروف کی درخواست واصرار پر ہوئے اور ان دو سفروں کے متعلق واقعات کا مجھے ذاتی طور پر علم ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس شمارہ کے لئے ان سفروں کے حالات مختصر الفاظ میں قلمبند کر دوں۔ پہلا سفر 1942ء میں اور دوسرا 1945ء میں ہوا۔

سفر دکن کا سبب: حضرت مرحوم ومغفور کے سفر دکن کا سبب بھی عجیب وغریب ہے۔ اس کی ابتداء ایک معمولی واقعہ سے ہوئی۔ حیدر آباد دکن مشن کے قیام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ سکندر آباد دکن (سکندر آباد حیدر آباد دکن کی چھاؤنی ہے۔ اب تو یہ دونوں شہر آبادی کے پھیلاؤ کی وجہ سے تقریباً ملحق ہو گئے ہیں) میں ایک صاحب میرے زیرِ تبلیغ تھے۔ میں نے اول ان کو چند رسائل بھیجے۔ اس کے بعد انہوں نے بذریعہ خط ملاقات کی خواہش کی۔ میں کئی مرتبہ ان کے مکان پر گیا۔ لیکن پے در پے غیر متوقع طور پر ایسی وجوہ پیش آئیں کہ وہ مکان پر نہ مل سکے۔ ایک چھٹی کے روز میں اس ارادہ سے ان کے ہاں سکندر آباد پہنچا کہ اگر مجھے شام تک بھی انتظار کرنا پڑے تو کروں گا۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ مکان پر موجود نہ تھے۔ معلوم ہوا کہ دو گھنٹے میں لازمی طور پر آ جائیں گے۔ اور میرے لئے وہ انتظار کرنے کا تاکید پیغام چھوڑ گئے ہیں۔ ان کا دیوان خانہ بند تھا۔ جسے کھلوانا میں نے مناسب نہ سمجھا اور وقت کاٹنے کے لئے ادھر اُدھر گھومنے لگا۔

دارالمطالعہ میں ''پیغام صلح'': بازار میں مجھے ایک دارالمطالعہ (ریڈنگ روم) نظر آیا۔ اخبار بینی وقت گزارنے کا بہترین مشغلہ نظر آیا۔ اور میں دارالمطالعہ میں چلا گیا۔ وہاں دیگر اخبارات کے علاوہ ''پیغام صلح'' بھی میز پر موجود تھا۔ جس سے مجھے مسرت آمیز حیرت ہوئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دارالمطالعہ کے معتمد (سیکرٹری) کا مکان بھی قریب ہے۔ میں ان کے مکان پر پہنچا۔ لیکن وہ بھی موجود نہ تھے۔ خیر مذکورہ بالا زیر تبلیغ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دارالمطالعہ میں عرصہ سے ''پیغام صلح'' آرہا ہے۔ ہمارے سلسلہ عالیہ کی چند کتابیں بھی موجود ہیں۔ معتمد صاحب دارالطالعہ جماعت احمدیہ کی تبلیغی خدمات کے بہت معترف ہیں۔ گھر پہنچ کر میں نے معتمد صاحب کو خط لکھا اور اُن سے ملاقات کے لئے وقت مانگا۔ جواب میں انہوں نے چائے کی دعوت دی اور مجھ سے بڑھ کر ملاقات کا اشتیاق ظاہر فرمایا۔ چنانچہ میں وقت مقررہ پر اُن کے ہاں پہنچ گیا۔ وہ بہت تپاک سے ملے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ فرمانے لگے کہ ''پیغام صلح'' میں آپ کی تصویر چھپ چکی ہے۔ لہٰذا مجھے آپ کے پہچاننے میں دشواری نہیں ہوئی۔ میرے علاوہ چند دیگر اصحاب، جن میں ایک روشن خیال مولوی صاحب بھی تھے، چائے پر موجود تھے۔ نہایت خلوص و آزادی کے ساتھ تبادلہ خیالات ہوا۔ بعض عقائد میں اختلاف کے باوجود ان تمام اصحاب کو سلسلہ عالیہ کی خدمات دینیہ اور حضرت امیر مرحوم مغفور کی تصنیفات کا مداح پایا۔

معتمد صاحب دارالمطالعہ نے دوران گفتگو میں سکندر آباد کے ایک بلند حیثیت مسلمان کا نام لے کر مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میرے نفی میں جواب دینے پر انہوں نے تاکیدی طور پر مشورہ دیا کہ میں ان سے ضرور ملوں۔ دیگر اصحاب نے بھی اس مشورہ کی پُر زور تاکید کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بلند حیثیت ہماری جماعت کے لٹریچر اور خدمات دینیہ کے مداح و معترف ہیں۔ حضرت امیر مرحوم و مغفور اور حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی بعض کتب ان کے مطالعہ میں آچکی ہیں۔ مسئلہ حیات و دلات مسیحؑ میں وہ حضرت امیر مرحوم کے خیالات و عقائد سے متفق ہیں۔ علاوہ ازیں معتمد صاحب نے بھی فرمایا کہ یہ صاحب میرے دیرینہ اور بے تکلف دوست ہیں۔ میں ان سے تمہارا ذکر کر کے ملاقات کا وقت لے لیتا ہوں اور تمہارے ہمراہ چل کر خود ان سے ملاؤں گا۔ چنانچہ چند

روز کے اندر ہی وقت مقرر ہوا اور میں معتمد صاحب کے ہمراہ ان کے دولت کدہ پر پہنچا۔ بہت ہی اخلاق وتپاک سے ملے۔ تبلیغی امور میں بعض مفید مشورے دیئے۔ حضرت امیر مرحوم کی بعض کتب کا ذکر کر کے ان کے تفصیلی حالات پوچھے اور فرمائش کی کہ حضرت امیر کو حیدرآباد تشریف لانے کی دعوت دی جائے۔ میں ان کی اس فرمائش کو سرسری سمجھا اور جواب میں صرف اس قدر عرض کیا کہ انشاءاللہ حالات سازگار ہونے پر میں ضرور حضرت کی خدمت میں عرض کروں گا۔ اس کے بعد ان صاحب سے ملاقاتوں کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ تقریباً ہر ملاقات پر وہ اپنی فرمائش کا اعادہ فرماتے اور میں بھی سرسری طور پر وعدہ کر لیتا۔ لیکن بوجہ حالات حضرت امیر مرحوم کی خدمت اقدس میں عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

گلبرگہ کے عرس پر ملاقات: دکن میں گلبرگہ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ہندوستان میں اجمیر کو۔ وہاں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کا مزار ہے۔ اہتمام سے عرس ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی بکثرت اور بکمال عقیدت شریک ہوتے ہیں۔ اجتماع کثیر ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات عیسائی مشنری بھی اس موقع پر پہنچ جاتے تھے۔ 1941ء کا ذکر ہے کہ میں بھی تبلیغی امکانات کا جائزہ لینے کے لئے اس عرس میں شریک ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حیدرآباد دکن مشن کو قائم ہوئے چھ ماہ سے زائد عرصہ ہو گیا تھا۔ کام اور کامیابی کی کوئی صورت سعی کے باوجود پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس مشن کو جاری رکھنے یا بند کر دینے کا مسئلہ انجمن کے زیر غور تھا۔ عرس پر سکندرآباد والے صاحب سے بھی اتفاقاً ملاقات ہو گئی۔ اور عین اس وقت ہوئی جبکہ عیسائی مشنریوں کی ہمراہی میں نومسیحی لڑکیوں کی طویل قطار مزار کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ میں نے بے اختیار کہا کہ یہ اس مقدس بزرگ کا عرس ہے جنہوں نے تبلیغ کے ذریعہ دکن میں اسلام کا جھنڈا گاڑا۔ مسلمان آج اس مقدس بزرگ کے کام اور مشن کو فراموش کر کے عرس کی شکل میں غلط طریق پر ان کی یاد منا رہے ہیں اور عیسائی مشنری اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ان نومسیحی لڑکیوں میں لازماً کچھ مسلمان لڑکیاں بھی ہوں گی۔ اس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔

حضرت مرحوم کی خدمت میں دعوت نامہ: حیدرآباد واپس آ کر ان سے جو پہلی ملاقات ہوئی اس میں انہوں نے نہایت سنجیدگی اور تاکید واصرار کے ساتھ فرمایا کہ حضرت امیر کو جلد دکن تشریف لانے کی دعوت دو۔ اس میں دیر نہ کرو۔ یہاں بھی تبلیغی کام جلد اور باقاعدہ شروع ہونا چاہئے۔ ان کے اس

اشتیاق واصرار کی موجودگی میں میرے لئے سرسری جواب یا تأمل والتواء کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔ اس وقت میں نے صاف صاف ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے حضرت امیر نہایت سادہ طبع بزرگ ہیں۔ ان کو توکسی اہتمام کا قطعاً خیال نہ ہوگا لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ اتنی دور سے تشریف لائیں تو کوئی ایسی صورت لازماً ہونی چاہیئے کہ اہل حیدرآباد ان کی تشریف آوری سے پورا فائدہ اُٹھا سکیں۔ ملاقاتوں، اجتماعوں اور تقریروں وغیرہ کا انتظام لازمی طور پر ہوجانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ حضرت امیر کو میرے دور اُفتادہ معمولی جھونپڑے میں قیام میں بھی مطلق تکلف نہ ہوگا۔ لیکن میرے خیال میں ان کی قیام گاہ ذرا اچھے اور معروف ونمایاں مقام پر ہونی چاہیئے۔ تا کہ ملاقاتیوں کو پہنچنے میں آسانی ہو۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ کیا اسی وجہ سے تمہیں اب تک تأمل رہا؟ میرا مکان موجود ہے۔ تمام انتظامات ہو جائیں گے۔ تم حضرت مولانا کو فوراً دعوت دو۔ میں نے کہا کہ دعوت نامہ آپ کی طرف سے ہو تو مناسب ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت دعوتی خط لکھا جو میں نے اپنے عریضے کے ساتھ حضرت امیر مرحوم ومغفور کی خدمت میں بھیج دیا۔

حضرت مرحوم کا عزم سفر دکن اور تشریف آوری: مرکز میں معاملہ زیر غور آیا تو اختلاف رائے ہوا۔ بعض بزرگ اس سفر کے مخالف تھے۔ لیکن میری درخواست پر حضرت مرحوم نے عزم سفر فرما ہی لیا۔ تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔ حضرت مرحوم ومغفور جناب مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی وغیرہ حضرت کی معیت میں تشریف لائے۔ معزز میزبان نے اپنے محترم مہمان کے لئے کمال سیر چشمی اور بلند حوصلگی اور حیدرآبادی روایات ومعیار کے مطابق اعلیٰ پیمانہ پر اہتمام مہمان داری کیا۔ اپنا وسیع وعالیشان رہائشی بنگلہ خالی کر دیا۔ ہمارے بعض قدیم ''مہربانوں'' کو حضرت مرحوم ومغفور کی تشریف آوری ناپسند تھی۔ انہوں نے جو کچھ ان کے بس میں تھا، مقامی طور پر جدوجہد فرمائی۔ تاریں دی گئیں۔ اسکیمیں تیار کی گئیں، اپنی جماعت کے مبلغوں کو بلوایا گیا لیکن ناکام رہے۔

پرتپاک خیر مقدم اور شاندار مہمانداری: تشریف آوری کے روز ریلوے اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں کا جم غفیر موجود تھا۔ احباب ومعاونین جماعت کے علاوہ غیر از جماعت علما، اُمرا، پروفیسر اہل عمل بکثرت موجود تھے۔ پُر تپاک خیر مقدم ہوا۔ اور پُورے احترام کے ساتھ معزز مہمان کو قیام گاہ تک پہنچایا گیا۔

کامیاب ونتیجہ خیز سفر: اس مرتبہ تقریباً ایک ہفتہ قیام رہا۔ حضرت مرحوم ومغفور کی تشریف آوری سے بیشمار اصحاب کو دلی مسرت ہوئی۔ سنجیدہ مذہبی وعلمی حلقوں کی طرف سے بے حد خوشی کا اظہار کیا گیا۔ دن بھر ملاقاتیوں کا ہجوم رہتا۔ تبادلہ خیالات ہوتا، مختلف مسائل پر شکوک پیش ہوتے، جن کے تسلی بخش جوابات دئے جاتے۔ دینی وعلمی معارف بیان ہوتے۔ اس تقریر کے دوران میں متعدد تقریریں اور قصئے ارشاد فرمائے گئے۔ حیدرآباد کے عوام وخواص نے حضرت مرحوم کے علم وفضل کو توقع سے بڑھ کر پایا اور انہیں دور حاضر کے سب سے بڑے خادم اسلام کو دیکھ کر اور اس سے مل کر روحانی مسرت ہوئی۔ ''مہربانوں'' نے آئین مہمان نوازی واسلامی اخلاق اور حیدرآبادی روایات ہر ایک چیز کو فراموش کر کے مخالفانہ پراپیگنڈے کی مہم شروع کی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس میں بھی ان کو ناکامی ہوئی۔

معزز میزبان نے روزانہ اہتمام کے علاوہ حضرت مرحوم کے اعزاز میں ایک بہت بڑا عشائیہ (ڈنر) دیا۔ احباب جماعت، غیر از جماعت احباب کی طرف سے متعدد دعوتیں ہوئیں۔ ایک قادیانی بزرگ نے بھی پُر تکلف دعوت دی۔ بہت سی دعوتیں قلتِ وقت کی وجہ سے قبول نہ کی جاسکیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ حضرت مرحوم ومغفور کے اس سفر کی وجہ سے حیدرآباد میں باقاعدہ جماعت قائم ہوگئی جو حیدرآباد دکن کے انقلاب 1948ء تک بہت بڑی اور بہت ہی کامیاب وفعال جماعت رہی۔ چندہ اور لٹریچر کے لحاظ سے تو یہ جماعت ہندوستان کی تمام جماعتوں پر سبقت لے گئی۔ اہل حیدرآباد میں اشاعت اسلام اور قرآن کریم کے لئے ایک احساس وحرکت پیدا ہوگئی۔ اس کے متعلق بعض تجاویز بھی سوچی گئیں۔ اس سفر میں متعدد اصحاب بیعت کر کے باقاعدہ شریک سلسلہ ہوئے۔

دوسرا سفر: ابھی حضرت مرحوم کے اس سفر کو ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ مجھ پر چاروں طرف سے پھر تقاضے ہونے لگے کہ حضرت کو پھر ایک دفعہ دکن تشریف لانے کی زحمت دی جائے۔ اس میں سب سے پیش پیش معزز میزبان ہی تھے۔ پہلے میں نے ٹالا لیکن مخلصین کا اصرار وشوق پھر غالب آیا۔ میں نے حضرت مرحوم کی خدمت اقدس میں پھر گزارش کی۔ حضرت نے وعدہ بھی فرمایا لیکن بعض ایسے موانعات پے در پے پیش آتے رہے کہ یہ وعدہ 1945ء میں ایفا ہو سکا۔ مارچ 1945ء میں حضرت دوبارہ دکن تشریف لائے۔ اس سفر میں دیگر اصحاب کے علاوہ حضرت مولانا صدرالدین بھی ہمراہ تھے۔ اس طرح

سے یہ سفر زیادہ اہم وفائدہ رساں ہو گیا۔لیکن سوء اتفاق سے ان دنوں ایک مقامی سیاسی ہنگامے کی وجہ سے فضا غیر متوقع طور پر مکدر ہو گئی۔اس وجہ سے جلسوں ،تقریروں، ملاقاتوں اور اجتماعوں کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکا لیکن پھر بھی اہل دکن نے کافی فائدہ اُٹھایا۔حالات معتدل اور فضا پرسکون نہ تھی اس کے باوجود متعدد تقریریں، جلسے اور دعوتیں ہوئیں ۔ ملاقاتیوں کا تو دن رات تانتا لگا رہتا تھا۔معزز میزبان نے اس مرتبہ بھی حسب سابق اہتمام کیا اور نہایت بلند حوصلگی سے فرائض مہمانداری ادا فرمائے۔اس موقع پر حضرت مرحوم ومغفور کی خدمت میں یہ بھی درخواست پُر زور طریق پر پیش کی گئی کہ آپ سال میں ایک دو مرتبہ ضرور حیدر آباد میں تشریف لایا کریں۔آپ اس پر نیم آمادہ بھی ہو گئے۔لیکن مصروفیات علالت وضعف اور قبل تقسیم کے ہنگاموں کی وجہ سے اس کے بعد حضرت مرحوم دکن تشریف نہ لا سکے۔ بعد تقسیم تو مزید موانعات پیدا ہو گئے۔لیکن اہل حیدر آباد بالخصوص معزز میزبان اور خاکسار راقم الحروف کے دل میں یہ حسرت وآرزو اب تک باقی ہے کہ کاش حضرت پھر حیدر آباد تشریف لاتے۔

چند تجربات ومشاہدات: سفر بھی انسان کے اخلاق اور پرکھ کا ایک ذریعہ ہے۔سفر میں انسان نمائشی اخلاق کو بالعموم نہیں نباہ سکتا اور اپنے اصلی رنگ وحیثیت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ مجھے حضرت مرحوم کی خدمت میں زندگی کا کافی حصہ بسر کرنے کا موقعہ حاصل ہوا۔حضرت کو مختلف پہلوؤں سے دیکھا اور مطالعہ کیا۔ان سفروں کے دوران میں بھی بہت سے مشاہدات ہوئے۔حضرت مرحوم کے اخلاق وتبحر علمی،سادگی،حسن اخلاق،معاملہ فہمی،دقیقہ رسی،عشق اسلام وقرآن اور تقوٰی نے اہل حیدر آباد کے دل تو موہ ہی لئے تھے،مخالفین ومعاندین تک متاثر ہوئے۔احمدیت کے متعلق شکوک کا وسیع پیمانہ پر ازالہ ہوا۔ لیکن مجھ جیسے خادم نیاز مند قدیم کو بھی حضرت مرحوم کی بلند پایہ وفقید المثال شخصیت کے متعلق بعض نئے مشاہدات وتجربات ہوئے۔

حضرت مرحوم کے اخلاق وکردار کی ایک خوبی: مجھے ہندوستان کے متعدد بڑے آدمیوں سے ملنے اوران کو قریب سے مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جب وہ اعلٰی طبقہ کے لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں وہ اس وقت اس سے مختلف نظر آتے ہیں جبکہ وہ چھوٹے یا متوسط طبقہ کے لوگوں سے ملتے یا مخاطب ہوتے ہیں۔ میں نے حضرت مرحوم میں یہ تبدیلی نہیں پائی۔معمولی آدمیوں سے

مخاطب ہوتے وقت بھی ان کی وہی طبیعت و انداز ہوتا تھا جیسا کہ خراج عقیدت و تحسین پیش کرنے والے بلند طبقہ کے لوگوں سے ملتے اور گفتگو کرتے وقت ہوتا تھا۔

فراست ایمانی: ان سفروں میں آپ کی فراست ایمانی کے متعدد مشاہدے ہوئے۔ اپنے علم و فضل، تجربہ، ذہانت، مردم شناسی کے علاوہ اپنی فراست کے ذریعہ بھی مخالفین و معترضین کے منصوبوں کا نہائت صحت کے ساتھ اندازہ فرما لیا کرتے تھے۔

خدام اور کارکنوں پر اعتماد اور اُن کی حوصلہ افزائی: اپنے خدام اور کارکنوں کی حیثیت بڑھانے اور ان کا حوصلہ بلند کرنے اور انہیں عوام و خواص سے متعارف اور روشناس کرنے کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔ معزز بلند پایہ ملاقاتیوں سے ان کا عہدہ اور تعریفی الفاظ میں تعارف کراتے۔ ان کی خدمات دینیہ کو بیان فرماتے۔ دوسروں کے سامنے بھی اپنے خدام اور کارکنوں پر کامل اعتماد کا اظہار فرماتے۔

سفر اول کے وقت ایک دعوت میں دیگر وزرائے و اُمرائے دکن کے علاوہ اس زمانہ کے وزیر امور مذہبی حکومت آصفیہ عزیز ملت مولوی عبدالعزیز مرحوم بھی شریک تھے۔ اس وقت تک مجھے ان سے تعارف حاصل نہ تھا۔ میں نے موقعہ کو غنیمت جانا اور حضرت مرحوم سے درخواست کی کہ ذرا مجھے ان سے ملا دیجئے۔ فلاں معاملہ کے سلسلہ میں ان کی امداد کی ضرورت ہوگی۔ وہ حضرت سے رخصت ہو کر موٹر میں سوار ہو رہے تھے۔ حضرت فوراً مجھے لے کر ان کے پاس پہنچے۔ نہایت عمدہ الفاظ میں تعارف کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ یہ میرے آدمی اور عزیز ہیں۔ آپ ان پر کامل اعتماد فرما سکتے ہیں۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد مجھے نہایت حوصلہ افزا الفاظ میں شاباش دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے تمہاری دور اندیشی سے بہت خوشی ہوئی۔ یہ بات میرے ذہن میں تھی کہ اس معاملہ میں آئندہ وزیر موصوف کی امداد کی ضرورت ہوگی۔

مجھ جیسے معمولی اور چھوٹے کارکنوں کو بھی وہ متعارف و نمایاں کرنے کا خیال رکھتے اور اس میں وہی مسرت محسوس کرتے تھے۔ سفر اول ہی کا ذکر ہے۔ اس وقت نواب چھتاری حیدر آباد کے وزیر اعظم تھے۔ انہوں نے ایک روز حضرت مرحوم کو آپ کے ہمراہیوں کے ساتھ عشائیہ (ڈنر) پر مدعو فرمایا۔ بعض مصروفیتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے مجھے شرکت میں تأمل تھا۔ میں نے عذر کیا۔ عذر معقول تھا۔ فرمایا میں تمہیں بادلِ نخواستہ چھوڑتا ہوں ورنہ تمہارے بغیر جانے کو دل نہیں چاہتا۔ ایسا ہی بعض دیگر

مواقع پر ہوا۔

مقامی کارکنوں کی رائے کو اہمیت دیتے تھے: ان سفروں میں میں نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت مرحوم مقامی کارکنوں کی رائے کو کافی اہمیت دیتے اور انہیں اپنی صوابدید کے مطابق کام اور انتظامات کرنے کی کافی آزادی دیتے تھے۔ اور ان کا یہ طریق بالعموم نہایت صحیح و مفید ثابت ہوتا تھا۔ ایک ادنیٰ درجہ کا کارکن بھی مقامی حالات سے بہ نسبت غیر مقامی اصحاب کے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ دوسرے اگر معمولی معمولی معاملات میں ان کی رائے کو رد کر کے بات بات پر مداخلت کی جائے تو دیگر قباحتوں کے علاوہ کارکن کی طبیعت میں انقباض اور افسردگی پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت مرحوم اس نفسیاتی حقیقت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ دکن کے قیام کے دوران انہوں نے ہمیشہ میری رائے کو اہمیت دی۔ مقامی معاملات کے متعلق میری تقریباً تمام گذارشات کو قبول فرماتے رہے۔ بلکہ معمولی معمولی امور میں بھی میری ناچیز مصروفیات کا اپنے تئیں پابند بنا لیا۔ ایک دن چند اُمرا اور اعلیٰ عہدیدار حضرت کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ حضرت مرحوم سادگی سے صرف قمیص کے ساتھ ملاقاتی کمرے میں تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں حیدر آبادی رواج کے مطابق بغیر شیروانی (اچکن) کے مکان پر کسی سے ملاقات مناسب نہ سمجھی جاتی تھی۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت نے میرے معروضہ کا اس قدر خیال رکھا کہ مجھے خود اس پر حیرت ہوگئی۔

پابندی و نظم اوقات: سفر میں نظم و ضبط اوقات کافی مشکل ہوتا ہے۔ حضرت مرحوم حتی الامکان اس کا بھی لحاظ رکھتے اور پابندی فرماتے۔ معمولی سے معمولی وقت کو بھی ضائع نہ فرماتے تھے۔ سفر دوم میں کسی کتاب کا مسودہ ساتھ تھا جب کبھی چند منٹ بھی فرصت ملتی اس کی تصحیح و نظر ثانی فرماتے۔

معترضین کے اعتراضات کمال خندہ پیشانی، متانت وقار سے سماعت فرماتے اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ مؤثر مدلل طریق پر ان کے جوابات ارشاد ہوتے۔ معترض کے مذاق اور انداز اور ذہنیت کو فوراً سمجھ لیتے۔

اسلامی اخلاق و وضعداری کا ایک نمونہ: پہلے سفر میں عقیدت مندوں اور احباب کا کثیر طبقہ پیدا ہو گیا تھا۔ جن میں دکن کے مشہور مرحوم قائد نواب بہادر یار جنگ بھی قابلِ ذکر ہیں۔ دوسرے سفر کے وقت ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ عدیم الفرصتی کے باوجود ان کے مکان پر تعزیت کے لئے تشریف لے گئے

اور ان کی بیگم صاحبہ محترمہ سے تعزیت فرمائی۔ یہ حضرت مرحوم کے اسلامی اخلاق ووضعداری کا ایک معمولی نمونہ ہے۔

حضرت مرحوم کی وفات سے جہاں ہم دور افتادوں کی اور بہت سی آرزوئیں ختم ہو گئیں، وہاں یہ تمنا بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی کہ پھر ایک مرتبہ اس مقدس ہستی کے قدم سرزمین حیدرآباد پر آئیں گے اور ہم ان کے استقبال کا شرف حاصل کر سکیں گے۔ بیشک یہ آروز وتمنا ختم ہوگئی لیکن حضرت مرحوم کی یاد ان کے دکنی عقیدت مندوں کے دل سے کبھی بھی فراموش نہ ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ دوسروں کے ساتھ ہم عاجز دور افتادوں کو بھی خدمتِ اسلام کا وہ جذبہ وتوفیق عطا فرمائے جس کا حصہ وافر حضرت مرحوم ومغفور کو عطا فرمایا تھا۔

26 دسمبر 1951ء

حضرت مولینا محمد علی سے میری پہلی ملاقات

محترم ڈاکٹر وزیر احمد قریشی وزیر آباد

مارچ 1921ء کا ذکر ہے ہم طلباء سر پرتاپ کالج سری نگر کو معلوم ہوا کہ ایف۔ ایس۔ سی میڈیکل گروپ کے طلباء کو امتحان کے لئے لاہور جانا ہوگا۔ خرچہ وغیرہ سرکار سے ملے گا اور ساتھ ہی ایک ماہ کی رخصتیں بھی تیاری امتحان کے لئے۔ مجھے لاہور آنے کی بڑی خوشی ہوئی اور اس خوشی کی سب سے بڑی وجہ میری اس خواہش کے پورے ہونے کی امید تھی کہ میں اسلام کے دو سپاہیوں حضرت خواجہ کمال الدین اور حضرت مولانا محمد علی کی زیارت سے مستفید ہوسکوں گا۔ اس زمانے میں میرا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے بوساطت حاجی الحرمین شریفین حضرت پیر جماعت علی شاہ مرحوم علی پوری سے تھا۔ ہم لوگ تصور شیخ کی پریکٹس کے پابند اور کشف القلوب کے بدرجہ غایت معتقد تھے۔

ایک خواب: ایک رات سری نگر سے روانہ ہونے سے پیشتر میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا میدان ہے۔ جس کا نام مدینہ ہے۔ سارا میدان نور سے بھرا ہوا ہے۔ اور اس میں چار ستونوں پر کھڑی کھلی مسجد ایک چھت کی ہے۔ جس طرح ایک سائبان ہوتا ہے۔ وہاں عصر کی نماز ہو رہی ہے اور ایک امام اور صرف دو صفیں نمازیوں کی ہیں۔ میں بھی نماز میں شامل ہو گیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو لوگ پیچھے ہٹ کر ایک گول دائرے کی شکل میں بیٹھ گئے۔ امام نے بیٹھ کر درس قرآن دینا شروع کیا۔ اور سورہ البقرہ کی آیت **فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا** (73:2) کی تفسیر بیان کرنا شروع کی۔ اس شخص نے سر پر ایک سیاہ لنگی باندھی ہوئی تھی اور کپڑے کچھ عجیب طرح کے پہنے ہوئے تھے۔ جن کی وجہ سے اس کا حلیہ میرے دماغ میں بیٹھ گیا۔ اس کی تفسیر سے ایک عجیب لطف حاصل ہوا۔ کیونکہ یہ آیت ہمیشہ مجھے مشکل معلوم ہوتی تھی۔

خواب کی تعبیر احمدیہ بلڈنگس میں: کچھ دنوں کے بعد اپریل 1921ء میں ہم طلباء لاہور وارد ہوئے۔ میں دہلی مسلم ہوٹل انارکلی میں ٹھہرا۔ دوسرے دن خیال کیا کہ چلو پڑھائی شروع کرنے سے پہلے

حضرت خواجہ صاحب اور مولوی صاحب سے مل لوں۔ دس بجے صبح انارکلی سے پیدل روانہ ہوا۔ راستہ میں دیکھتے دکھاتے جب موچی دروازہ کے پاس پہنچا تو اچانک ایک شناسا مل گئے اور پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔ وہیں کھانا کھایا۔ حتّٰی کہ ظہر کا وقت بھی گزر گیا۔ آخر ان سے اجازت لے کر احمدیہ بلڈنگس پہنچا تو عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ مسجد میں نماز کھڑی تھی۔ صرف دو ہی صفیں تھیں۔ مسجد اور صحن کو دیکھ کر خواب والا نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ جماعت کے ساتھ مل کر نماز ادا کی۔ نماز کے بعد مقتدی سمٹ کر گول دائرے کی شکل میں درس سننے کے لئے بیٹھ گئے۔ جب امام صاحب درس دینے کے لئے ہماری طرف مونہہ کر کے بیٹھے تو میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ کیونکہ یہی وہ ہستی تھی۔ جن کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ وہی پگڑی وہی کپڑے وہی شکل اور وہی صورت۔ طبیعت میں عجیب گدگدی پیدا ہوئی۔ پھر لطف کی بات ہے کہ درس بھی اسی آیت کا تھا اور تفسیر بھی ہو بہو وہی تھی۔ عجیب سرور معلوم ہوا۔ نقشبندی ہونے کی وجہ سے دل کو کچھ یقین ہو چلا کہ روحانی طور پر ہم دونوں کی ملاقات ہو چکی ہے۔ اور جس طرح میں نے ان کو پہچان لیا ہے اب یہ بھی پہچان لیں گے۔

حضرت مولیٰناؒ سے ملاقات: میں اسی سوچ بچار میں تھا کہ دیکھوں معاملہ کس ڈھب پر ٹھہرتا ہے درس ختم ہوا۔ ایک ایک کر کے سب حضرات رخصت ہونے لگے۔ قبلہ مولوی صاحب بھی اٹھ کر اپنے مکان کی طرف، جو مسجد سے شمال کی جانب واقع ہے، جانے لگے۔ میں اس وقت اسی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ وہ جب میرے پاس سے گزرنے لگے میں نے اُٹھ کر ان کو سلام کیا۔ وہ سلام کا جواب دیتے ہوئے میرے پاس سے گزر گئے۔ مجھے بڑا اچنبھا ہوا کہ یہ تو مجھے پہچان بھی نہیں سکے۔ میں ابھی اسی حیرانی میں تھا کہ وہ مسجد کے دروازہ کے پاس جا کر واپس لوٹ آئے اور مجھے غور سے دیکھ کر پوچھنے لگے کہ میں کہاں سے آیا ہوں۔ اب میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ میں نے وہی سمجھا جو اس وقت ماحول کا اقتضاء تھا۔

حضرت مولاناؒ سے تعارف: بہر حال میں نے بتلایا کہ میں طالب علم ہوں۔ سری نگر سے آیا ہوں۔ یونیورسٹی کا امتحان ہے۔ ایک مہینہ ابھی باقی ہے۔ پڑھائی کرنے کا خیال ہے۔ مسلم ہوٹل انارکلی میں ٹھہرا ہوں۔ فرمانے لگے آپ طالب علم ہیں۔ امتحان کی تیار کے لئے آئے ہیں۔ انارکلی اور مسلم ہوٹل کا ماحول آپ کے لئے اچھا نہ رہے گا۔ آپ احمدیہ بلڈنگس اٹھ آئیں۔ میں دل میں خوش ہو رہا تھا کہ روحانیت کا

نمونہ میرے سامنے ہے اور چونکہ مولوی صاحب مجھے پہچان چکے ہیں۔ اس لئے وہ میرے لئے یہ تمام انتظامات کر رہے ہیں۔ میں نے صرف اتنا کہا کہ اگر میرے لئے کسی ٹھنڈے کمرے کا انتظام ہو جائے تو مجھے بڑی راحت ہوگی۔ انہوں نے ایک آدمی بھیج کر سپرنٹنڈنٹ مہمان خانہ کو بلوایا۔ اس اثناء میں کچھ اور پوچھنے کے بعد انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا میں احمدی ہوں۔ ان کا یہ سوال مجھے نہایت بے محل، عجیب اور بُرا معلوم ہوا۔ میری طبیعت میں ایک کھچاؤ پیدا ہوا۔ حسن ظن کی جگہ بدظنی نے لینا چاہی۔ بے ساختہ میرے مونہہ سے نکل گیا کہ کیا غیر احمدی سے مروت کرنا دکھ دینے والی بات ہے۔ ہنس پڑے فرمانے لگے نہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ میں نے کہا۔ نہیں میں سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ فرمانے لگے یعنی تصور شیخ کے قائل ہیں میں نے کہا نہیں بلکہ جناب تصور شیخ کو عبادت کا ایک حصہ تصور کرنے والا۔ فرمایا یعنی کشف القلوب کے لئے ایک ذریعہ، میں اب دل میں حیران ہو رہا تھا کہ یہ مجھ سے کیا کہلانا چاہتے ہیں۔ میرے دماغ میں رہ رہ کر خواب کا خیال آتا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ جیسے کسی معاملہ کا ان کو پتہ ہے اور پھر یہ صاف کیوں نہیں کہتے۔ عجیب الجھن میں طبیعت پڑی تھی۔ میں اس زمانے میں شوخ بڑا تھا۔ مگر بے لگام نہیں۔ طبیعت چاہتی تھی کہ پوچھ ہی ڈالوں کہ اتنے میں سپرنٹنڈنٹ صاحب تشریف لے آئے اور میں ان کے حوالہ کر دیا گیا۔ معاملہ بیچ ہی میں لٹکتا رہا۔

احمدیہ بلڈنگس میں رہائش: اس زمانے میں سپرنٹنڈنٹ مہمانہ جناب شیخ غلام محمد صاحب عرف مصلح موعود تھے۔ انہوں نے اپنی بساط کے مطابق یہی کوشش کی کہ میں احمدیہ بلڈنگس میں آنے سے پرہیز کروں۔ ان کی گفتگو اور طرز خطاب نے میری طبیعت پر بہت اثر ڈالا۔ مونہہ نے کڑواہٹ محسوس کی اور اس دن میں یوں ہی چلا آیا۔ دو دن کے بعد میں جمعہ پڑھنے پھر مسجد میں گیا۔ بعد نماز جمعہ حضرت مولوی صاحب نے مجھے اپنے پاس بلایا اور مجبور کیا کہ میں احمدیہ بلڈنگس میں ہی آجاؤں۔ حتی الوسع وہ مجھے ان حالات میں ہر طرح کا آرام پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ ان کے اس مشفقانہ طرز عمل نے مجھے مجبور کیا اور میں احمدیہ بلڈنگس میں کسان بلڈنگ کے مقابل کی عمارت میں پیغام صلح پریس کے ساتھ والے کمرے میں آہی گیا۔ یہاں احمدیہ بلڈنگس میں ایک ماہ کے قریب گزار چکنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ لاہور کی جماعت کے کسی فرد نے نا تو کبھی مجھے تبلیغ کرنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ مجھ سے میل

جول بڑھانا پسند کیا۔ لیکن حیرت یہ تھی کہ قادیانی جماعت کے اشخاص نے میری نیند تک حرام کر دی اور مجھے ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔

حضرت مولیناؒ کی توجہ: حضرت مولوی صاحب وقتاً فوقتاً مجھ سے میرے امتحان کے متعلق دریافت کرتے رہتے تھے اور بس۔ میں جب کبھی مسجد میں جاتا ان کی توجہ کو اپنی طرف ضرور دیکھتا۔ بلکہ خطبہ جمعہ میں عام طور پر میں یہ محسوس کرتا تھا کہ مولوی صاحب کا خطبہ جیسے مجھے ہی مخاطب کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ وہ عموماً خطبہ کے دوران میں میری طرف دیکھتے رہتے تھے۔ بہت دفعہ جی میں آیا کہ ان سے سبب دریافت کروں مگر حجاب مانع رہا۔ احباب قادیان کی مہربانی سے مجھے احمدیوں کے اندرونی اور بیرونی اختلاف کا پتہ لگ گیا۔ کفر اور اسلام اور نبوت کے مسائل بھی میرے سامنے آئے۔

ایک اور خواب اور بیعت: میرے امتحان کا جس دن آخری پریکٹیکل کا پرچہ تھا میں نے خواب میں رات کو تین اور چار بجے کے درمیان محسوس کیا کہ میں نے حضرت مسیح موعود کو دیکھا ہے اور وہ فرماتے ہیں مسئلہ کفر و اسلام میں میاں محمود احمد غلطی پر ہے۔ تم مولوی محمد علی کے ہاتھ پر بحث کر لو۔ اس کے بعد جیسے ہی میں بیدار ہوا میں نے مولوی صاحب کو چٹھی لکھی کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے اسی وقت رات کو مجھے بلایا۔ پوچھنے لگے کیا بات ہے۔ میں نے کہا میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ فرمانے لگے کیا حضرت صاحب کی کتابیں پڑھ لی ہیں۔ میں نے کہا کہ حقیقت الوحی کے ماسوا اور کوئی کتاب مطالعہ کی نظر سے نہیں پڑھی۔ فرمایا بہتر ہوگا کہ آپ ان کی کتابیں پڑھ لیں اور پھر بیعت کریں۔ میں نے کہا کہ میں کل جا رہا ہوں اور ابھی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ فرمانے لگے خوابوں پر ہی صرف بھروسہ نہ کرنا چاہئیے۔ میں بڑا حیران رہا تھا۔ میں نے ایک دم کہا کہ اگر یہ رحمان کا کام ہے تو مجھے ڈر نہیں اور اگر یہ شیطان کا معاملہ ہے تو بھی مجھے منظور ہے۔ ہنس پڑے۔ کہنے لگے کہ آپ جیسے آدمی کی بیعت نہ لینا کفران نعمت ہو گا۔ اسی وقت بیعت کا معاملہ ختم ہو گیا۔ فرمایا خدا آپ کے مقاصد پورے کرے۔ خدا آپ کو ضائع نہ کرے گا۔ میں آپ کے بارے میں مطمئن ہوں۔

صاحبِ اسرار و کشف: خدا کی قدرت مجھے میڈیکل کالج کے ایام میں مولوی صاحب کو بہت زیادہ نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے نہ صرف ان کو صاف اسرار ہی پایا بلکہ صاحب کشف بھی۔ جب

کسی معاملہ میں ان سے رجوع کیا ان کا جواب عین حقیقت ہوتا تھا۔ان کی توجہ خصوصی صحیح معنوں میں شکوک توڑ ہوتی تھی۔

حضرت مولٰینا کی عادات وخصائل: ان کی زندگی نہایت سادہ تصنع ہمیشہ سے پاک پائی۔جب کبھی کسی پر ناراض ہوتے تو ناراضی ان کے چہرے سے ظاہر ہوتی تھی۔کبھی ناراضی اپنی ذات کے لئے نہ ہوتی تھی اوران کی ایسی ناراضی کبھی دیر پا نہ ہوتی تھی۔اپنے ساتھیوں پر بڑی شفقت کرتے تھے۔پسند نہ کرتے تھے کہ جوان کے ساتھ کام کرتے ہیں۔وہ دکھ محسوس کریں۔کام کرنے میں جس طرح ان تھک تھے اسی طرح محبت کرنے میں طبیعت میں عزم صمیم رکھتے تھے۔خدا کی راہ میں جو معاملہ ایک دفعہ گرہ پکڑ جاتا تھا،اس کی گرہ کا کھولنا ایک کارے دارد والا معاملہ ہوتا تھا۔

ان کی تمنائیں: اشاعت اسلام واشاعت قرآن کے لئے ان کی طبیعت بڑی بے چین رہتی تھی۔وہ چاہتے تھے کہ دنیا میں کوئی ایسی زبان نہ رہنے پائے۔جس میں قرآن پاک کا ترجمہ کرکے انجمن شائع نہ کردے۔ان کی تمنا تھی کہ ہم میں سے لاتعداد احمدی نوجوان ایسے نکلیں جو ممالک غیر میں جا کر اپنی حلال کی روزی کمائیں اور خدا کا نام بلند کرنے کے لئے کام بھی ساتھ ساتھ کریں۔یہ ان کی ہی تجویز تھی کے میں برٹش گیانا آجاؤں۔

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ اور مذہبی انقلاب

میاں فضل احمد صاحب لائل پوری

حضرت امیر قوم مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کو اپنی تصنیفات سے وہ ابدی زندگی حاصل ہوئی جس کی روشنی سے دنیا کا ہر گوشہ منور رہے گا۔ ایسی درخشندہ شخصیت کے سوانح حیات لکھنے کے لئے ایک مسلم الثبوت انشاء پرداز کا قلم درکار ہے۔ وہ بیک وقت ایک عالی پایہ مصنف بھی تھے اور عالم دین بھی۔ اگر انسان کے کارنامے اس کی عظمت کا معیار ہو سکتے ہیں تو مولانا مرحوم کو تاریخ میں وہی مقام حاصل ہو گا جو انہیں دنیائے اسلام کے دلوں میں حاصل ہے۔ اس انسان کے حیرت انگیز کارناموں کا جواب نہیں ملتا جس نے کمال بے سروسامانی کے عالم میں ایک ربع صدی کی مختصر مساعی سے اسلام پر بڑی ضخیم اور مستند کتابیں لکھیں۔ اور ایک ایسی انجمن کی داغ بیل رکھی جس کی تبلیغی جماعتیں دنیا کے قریباً تمام بڑے ملکوں میں پائی جاتی ہیں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب کا یہ معجزہ ان کی اپنی کوششوں کا مرہون منت ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اس انجمن کو مستحکم بنیادوں پر قائم کیا اور ترقی و بقا کے راستے پر اسے گامزن ہوتے دیکھا۔ ان کی تصنیفات، جنہیں عالمگیر مقبولیت حاصل ہوئی، دنیا کے طول و عرض میں پھیل گئیں۔

مولانا مرحوم کی موت کی خبر نے جماعت احمدیہ کو بالخصوص اور اہل اسلام کو بالعموم فرط غم سے نڈھال کر دیا۔ لیکن غمزدوں نے جلد ہی سنبھالا لیا اور سراسیمگی کی جگہ بانئ انجمن کے کام اور اس کے مشن کو جاری رکھنے کے لئے عزم بالجزم کا ایک بے پناہ جذبہ اور شوق پیدا ہوا۔ مولانا مرحوم کا محیر العقول کارنامہ زمانہ مستقبل کے تاریخ نگار کی پریشانی کا باعث ہو گا۔ اس لئے کہ مولانا کی کامیابی کا راز معلوم کرنے میں اسے کئی ایک متضاد کیفیتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ قدرتی طور پر وہ خیال کرے گا کہ یہ عالی پایہ مصنف اور لاہور کی مقتدر جماعت احمدیہ کا بانی یقیناً پرلے درجہ کا متعصب مسلمان ہو گا۔ لیکن اسے پتہ چلے گا کہ مولانا محمد علی جدید نکتہ نظر کا مالک تھا اور اس کی شخصیت کو مذہبی جنون وغیرہ سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں تھی۔ اسے یہ بھی خیال ہو گا کہ شاندار احمدی تحریک کا یہ علمبردار پلیٹ فارم پر ہیجان برپا کر دینے والا آتش بیان مقرر ہو گا۔ لیکن حضرت مولانا مرحوم کی ذات ہیجان آور اوصاف سے مبرا تھی۔

پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا تاریخ نگار اس انسان کو، جسے دنیائے اسلام نے سر آنکھوں پر جگہ دی، محیر العقول قسم کی ان خوبیوں کا حامل قرار دے جو قبول عام کی کفیل ہوتی ہیں لیکن اسے واضح ہو جائے گا کہ مولٰینا محمد علی شہرت پسندی سے دور ایک الگ تھلگ رہنے والا انسان تھا اور اس میں وہ اعلیٰ خوبیاں تھیں جو دلی عقیدت اور بجا تعریف کی متقاضی ہوتی ہیں۔

اگر مولٰینا مرحوم میں ذاتی طمع ہوتی تو وہ کسی ہائیکورٹ کے جج ہو گئے ہوتے اور انہیں کسی طرح دولت کی کمی نہ رہتی۔ مگر انہوں نے دولت سے بے نیاز ہو کر مسیح موعود کے ساتھ کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس نصب العین کا آغاز کیا جس کے حصول کی صورت انہیں اپنے اوائل زندگی میں بظاہر غیر اغلب معلوم ہوتی ہو گی۔ اسلام کے عظیم الشان مقصد کی یہ بے لوث شیفتگی نہ صرف ان کی کامیابی کا باعث ہوئی بلکہ اس سے ان کی تصنیفات کو بے حد مقبولیت اور عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ قادیان کے مقام پر انہوں نے اپنی تصنیفات کے سلسلہ کا آغاز کیا اور ان تصنیفات کی بدولت ہی انہیں موجودہ بلند مقام نصیب ہوا ہے۔ آپ کی تصنیفات کا سب سے بڑا کارنامہ، جو ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گا، وہ پائیدار مذہبی انقلاب ہے جو مسلمانوں میں آپ کی دعوت الاسلام سے پیدا ہو گیا۔ لاکھوں کروڑوں مسلمان قرآن مجید پڑھتے تھے۔ مگر قرآن حکیم کی اصلی حقیقت سب سے پہلے آپ ہی کی تصنیفات نے آشکارا کی۔ اور ہر ایک کے دل میں یہ بات اتر گئی کہ ہماری دینی اور دنیاوی فلاح و بہبود کی صرف وہی راہ صحیح ہو سکتی ہے جو قرآن حکیم کی رہنمائی سے کھلی ہو۔ آپ نے نہ صرف اس بات کی پکار بلند کی بلکہ قومی زندگی کی ہر بات میں قرآن مجید کی تعلیم کو پیش کیا اور ہر طرف سے توجہ ہٹا کر قوم کو صرف مذہب کی سچی راہ پر لگایا۔ لوگوں نے گو احمدیت کی وجہ سے ظاہر طور پر اُن کی مخالفت بھی کی لیکن رفتہ رفتہ سب نے قرآن مجید کی تعلیم کے آگے سر جھکا دیا اور آج تمام مسلمانوں پر جو رنگ چھا رہا ہے، خواہ وہ سیاسی شکل میں ہو یا کسی اور رنگ میں، آپ کی تصنیفات کا کرشمہ ہے۔ آپ کی تصنیفات نے سب سے زیادہ یادگار اور حیرت انگیز اثر انگریزی خوان اور تعلیم یافتہ لوگوں پر کیا۔ ان میں سے ہر شخص نے محسوس کیا کہ ہم لوگ اپنے اصلی فرض کو آج تک بھولے ہوئے تھے۔ تعلیم یافتہ جماعت کا یہ حال ہوا کہ یا تو یہ گروہ مذہب کے نام سے بیزار تھا یا اب ہزاروں سربسجود ہو گئے۔ آپ کا انگریزی ترجمہ قرآن 1918ء میں نکلا۔ اور اس

شان سے نکلا کہ تمام ملک کی نظریں بے اختیار اس کی جانب اٹھیں۔ یہ ترجمہ ہر لحاظ سے نیا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی مقبولیت دنیائے اسلام میں ہوئی۔ اور اس نے قرآن مجید کے تراجم کا ایک نیا دور کھولا۔ انگریزی ترجمۃ القرآن کے معجزانہ اثر کے سلسلہ میں مثال کے طور پر اپنے ملک میں فدائے قوم مسٹر محمد علیؒ اور ہمارے قومی شاعر حضرت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا ذکر کر دینا کافی ہوگا۔ ٹرکی کی اس اخبار نویس خاتون کا، جس نے حال ہی میں لاہور آکر مولٰینا سے ملاقات کی اور کہا کہ میں مسلمان تو ہوں لیکن صحیح اسلام آپ کے انگریزی ترجمۃ القرآن سے سیکھا، ذکر کرنا مناسب حال ہوگا۔ قوم کے سربرآوردہ اشخاص، جو آج نئی قومی زندگی کی روح رواں سمجھے جاتے ہیں، خود ان سب کا یہ حال تھا کہ مذہب سے بالکل بیگانہ تھے۔ لیکن مولٰینا کی تصنیفات نے، جو آج کل ان تمام اصحاب کے پاس موجود ہیں، ان کی طبیعتوں میں ایک انقلاب پیدا کیا اور یہ تمام اصحاب اپنی تقریروں میں کلام پاک کا ذکر کرنے لگے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا   ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

26 دسمبر 1951ء

حضرت مولینا محمد علیؒ حضرت مسیح موعود کی نظر میں

شیخ غلام قادر صاحب احمدیہ بلڈنگس لاہور

مجھے حضرت مولینا محمد علیؒ کے متعلق خاص نمبر میں کچھ لکھنے کے لئے کہا گیا۔ مگر میں حیران ہوں کہ میں اس مرد مجاہد کے متعلق کیا لکھ سکتا ہوں جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے مجاہدانہ اعمال کی ترجمانی کر رہا ہو۔ جس کی عمر کے پچاس سال خدمت اسلام اور کئی سال صحبت امام میں گزرے ہوں۔ جو ایک بینظیر مفسر قرآن اور کئی بلند پایہ کتب کا مصنف ہو اور جو ایسے مقام پر کھڑا ہو جہاں مجھ جیسے دنیا دار کا گزر نہیں۔ میں آپ کے متعلق حضرت مسیح موعود کے چند کلمات طیبات لکھنے پر ہی اکتفا کروں گا۔ جو حسب ذیل ہیں: ''آپ کے ساتھ خاص محبت رکھتا ہوں''

ایک دفعہ حضرت مولانا کے ایک رقعہ کے جواب میں حضرت مسیح موعود نے آپ کو لکھا: ''محبی عزیزم اخویم مولوی محمد علی صاحب۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا رقعہ میں نے پڑھا۔ مجھے آپ پر بہت ہی نیک ظن ہے۔ اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ خاص محبت رکھتا ہوں۔ اگر آپ کی خدا تعالیٰ کے نزدیک فطرت نیک نہ ہوتی تو میرا اس قدر نیک ظن ہو نہیں سکتا۔ ہرگز نہ ہوتا۔ مگر میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کے لئے اکثر پنج وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں۔ امید ہے کسی وقت وہ دعائیں اپنا اثر دکھائیں گی اور یہ کہ کسی وقت آپ کو بعض جذبات محسوس ہوں اور دل اس سے غمگین ہو تو یہ امر خدا تعالیٰ کے فضل کو رد نہیں کر سکتا۔ آخر نیک فطرت انسان پر فضل ہوتا ہے۔ غرض ہر طرح سے تسلی رکھیں۔ میں دلی جوش سے آپ کی دنیا و آخرت اور جسم و جان کے لئے دعا میں مشغول ہوں۔ اور اس کے آثار اور تاثرات کا منتظر ہوں۔ زیادہ فقط والسلام خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ''

''رشد و سعادت ان کی فطرت میں'': حقیقت الوحی صفحہ 338 پر لکھتے ہیں۔

''اگر چہ یہ درست ہے کہ ان (حضرت مولینا محمد علی صاحب) کی فطرت میں پہلے ہی سے ایک مادہ رشد اور سعادت کا مخفی تھا۔ مگر وہ کھلے طور پر ظاہر نہیں ہوا۔ جب تک انہوں نے بیعت نہیں کی۔

''اول درجہ کے مخلص دوستوں میں سے'': حضرت مسیح موعود نے جب آپ کو بعض دینی

خدمات پر لگایا تو فرمایا۔ ''ہماری جماعت میں اول درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے ہیں۔ جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے اور بہت سا اپنا حرج اُٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام دینے کے لئے یعنی میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں۔ اور یقین ہے کہ جب وہ بعد فراغت اس کام کے اپنے کام وکالت پر لگ جائیں گے تو کسی قریب کے ضلع میں ہی کام شروع کریں گے اور میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری اور شرافت کے ہر پہلو میں بھی نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع، باحیا، نیک اندرون، پرہیز گار آدمی اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہیں'' (تبلیغ رسالت جلد 8 صفحہ 47)

''ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق'': حضرت مسیح موعود کا ایک اور ارشاد:

> ''اور مجھے اس سے بہت خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا تعالیٰ کے فضل کو پا کر ہماری جماعت میں شامل ہوا ہے۔ یعنی حبی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب۔ ایم۔اے پلیڈر۔ میں ان کے آثار عمدہ پاتا ہوں اور وہ ایک مدت سے اپنے دنیاوی کاروبار کا حرج کر کے خدمت دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب سے حقائق ومعارف قرآن شریف سن رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقوٰی اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین (تبلیغ رسالت صفحہ 68)

مسیح موعود کے اصل مقصد کو پورا کرنے والے: حضرت مسیح موعود نے جب اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک زبردست قدم اُٹھانے کا ارادہ فرمایا تو ذیل کے اشتہار کے ذریعہ اپنے پاکیزہ اور بلند وبالا عزائم کا اظہار کیا:

’’یہ امر ہمیشہ میرے لئے موجب غم و پریشانی کا تھا کہ وہ تمام سچائیاں اور پاک معارف اور دین اسلام کی حمایت میں پختہ دلائل اور انسانی روح کو اطمینان دینے والی باتیں جو میرے پر ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان تسلی بخش براہین اور موثر تقریروں سے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں اور یورپ کے حق کے طالبوں کو اب تک کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اور یہ درد اس قدر تھا کہ آئندہ اس کی برداشت مشکل تھی۔ مگر چونکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ قبل اس کے کہ ہم اس ناپائیدار گھر سے گزر جائیں، ہمارے تمام مقاصد پورے کر دے اور ہمارے لئے وہ آخری سفر حسرت کا سفر نہ ہو۔ اس لئے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے، جو ہماری زندگی کا اصل مقصود ہے، ایک تدبیر پیدا ہوئی اور وہ یہ ہے کہ آج چند ایک احباب نے اپنے مخلصانہ مشورے سے اس طرف مجھے توجہ دلائی کہ ایک رسالہ میگزین بزبان انگریزی مقاصد مذکورہ بالا کے اظہار کے لئے نکالا جائے۔ سو اول اس امر کے متعلق ہم نے یہ پسند کیا ہے کہ اس اخبار کے ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے پلیڈر اور خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے پلیڈر مقرر ہوں۔ اور ان ہر دو صاحبان نے اس خدمت کو قبول کر لیا ہے‘‘ (تبلیغ رسالت جلد 10 صفحہ 1،2)

ایک کتاب تعلیم لکھنے کی خواہش: پھر حضرت امیرؒ کو حضرت امام کی ایک بڑی زبردست خواہش کو ’’ریلیجن آف اسلام‘‘ کے ذریعہ پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس خواہش کا ذکر حضرت مسیح موعود نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے:

’’میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب اس کا ترجمہ کریں۔ اس کتاب کے تین حصے ہوں گے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے کیا فرائض ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں‘‘ (منظور الٰہی صفحہ 188)

’’ایسے لوگ پیدا ہوں‘‘: مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے اجراء کے موقعہ پر 30 نومبر 1905ء کو مدرسہ کے اغراض و مقاصد کے متعلق فرمایا۔

’’ہماری غرض مدرسہ کے اجراء سے محض یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جائے۔ مروجہ تعلیم کو اس لئے ساتھ ساتھ رکھا جائے کہ یہ علوم خادم دین ہوں۔ ہماری غرض یہ نہیں کہ ایف۔ اے یا بی۔ اے پاس کر کے دنیا

کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ ہمارے پیش نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ خدمت دین کے لئے زندگی بسر کریں اور اس لئے مدرسہ ضروری سمجھتا ہوں کہ شائد دینی خدمت کے لئے کام آسکے۔ مشکل یہ امر ہے کہ جس کو ذرا بھی استعداد ہو جائے۔ وہ دنیا کی طرف جھک جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں ایسے لوگ پیدا ہوں۔ جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اب وہ اکیلے ہیں. کوئی اُن کا ہاتھ بٹانے والا قائم مقام نظر نہیں آتا'' (الحکم 30 نومبر 1905ء)

حضرت مولانا کا پیدا کردہ لٹریچر: حضرت مولٰینا مرحوم نے ان قیمتی مضامین کے علاوہ، جو اپنے رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں سپردِ قلم فرمائے، ایک بیش بہا دینی علوم کا خزانہ دنیا میں پیش کیا۔

☆☆☆

مولٰینا کی نظیر گذشتہ پانچ سال میں نہیں ملتی

سر فیروز خان نون گورنر مشرقی بنگال

اخبارات میں حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی افسوسناک وفات کی خبر پڑھ کر مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ مہربانی فرما کر میری دلی ہمدردی قبول کیجئے۔ یہ ایک ایسا نقصان ہے جس میں نہ صرف میں بلکہ تمام دنیائے اسلام آپ سے پوری شرکت کرے گی۔ حضرت مولٰینا کی تصانیف ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ اور میں نہیں جانتا کہ اور کون ہے جس نے حضرت ممدوح کی طرح اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے اتنی بڑی خدمت سرانجام دی ہو۔ گذشتہ پانچ سو سال میں بھی کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی۔ فیروز خاں نون

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ کے خاندانی وذاتی حالات

آپ کے برادر خورد مولوی احمد علی صاحب کے قلم سے

حضرت مولیٰنا محمد علی مرحوم ومغفور کے حالات خاندانی صرف دادا صاحب مرحوم تک معلوم ہیں۔ کیونکہ دادا اپنے اصل وطن موضع کھوالہ کنگرہ ضلع جالندھر سے قریباً 1853ء میں ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں موضع مرار میں آکر، جو کہ مہاراجہ نہال سنگھ والئے ریاست کپورتھلہ سے ان کو آباد کرنے کے لئے بطور ملکیت وہاں آباد ہو گئے تھے، اس وقت والد صاحب حافظ فتح الدین صاحب کی عمر قریباً پندرہ سولہ سال کی تھی۔ ان کی اولاد میں چھ لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی۔ والدہ کا نام نور بیگم تھا۔ جو موضع لہہ ریاست کپورتھلہ کے ایک معزز گھرانے سے تھیں۔ حضرت مولیٰنا کی پیدائش 1874ء 1875ء میں ہوئی۔ آپ چار بھائیوں سے چھوٹے اور ہمشیرہ اور ایک بھائی سے بڑے تھے۔ قریباً چار سال کی عمر میں ہی آپ اپنے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب کے ساتھ سکول جانے لگ گئے۔ اور سکول کے داخلہ سے لے کر تعلیم کی تکمیل تک آپ ہر جماعت میں اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل کرتے رہے۔ پرائمری تک دیہات میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد انٹرنس تک کپورتھلہ اور انٹرنس کے بعد لاہور میں باقی ساری تعلیم تکمیل کو پہنچائی۔ تعلیم میں بی۔اے تک آپ کے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش آپ کے ساتھ رہے۔ جو آپ کو بہت محبت اور الفت سے رکھتے تھے۔ ایم۔اے میں جب آپ نے کامیابی حاصل کی اس وقت آپ کا نام اکسٹرا اسسٹنٹی میں لیا گیا۔ مگر آپ نے وکالت کی پڑھائی شروع کر دی۔ اور اس میں کامیابی حاصل کی۔

اسلامیہ کالج کی پروفیسری کے ایام میں آپ نے حضرت مرزا صاحب کی کتب کا مطالعہ شروع کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ واقعی مرزا صاحب اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ آپ اپنے والد صاحب سے اجازت لے کر قادیان گئے۔ اور حضرت مرزا صاحب کی بیعت 1897ء میں کر لی۔ اُس کے بعد بڑے بھائی مولوی عزیز بخش اور والد صاحب نے بیعت کی۔ یہاں تک کہ کل خاندان 1901ء تک حضرت مرزا صاحب کی بیعت کا شرف حاصل کر چکا تھا۔ غالباً 1898ء 1899ء میں آپ وکالت شروع

کرنے کی غرض سے گورداسپور میں کوٹھی لے کر اور ضروری سامان وہاں رکھ کر قادیان میں حضرت مرزا صاحب سے اجازت لینے گئے۔ اور حضرت مرزا صاحب نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں تعلیم اسلام کو انگریزی میں یورپ میں پھیلاؤں۔ آپ اس کام کے لئے بہتر ہیں۔ یہاں رہ جائیں۔ بس پھر تو آپ وہیں کے ہو رہے۔ یہاں تک کہ 1914ء میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کی وفات کے بعد اختلاف عقیدہ کی وجہ سے آپ کو قادیان چھوڑنا پڑا۔ وہ وقت بھی بہت آزمائش کا تھا۔ ایک طرف قادیان کی عظمت محبت مرکز ہونے کی وجہ سے اور دوسری طرف غلط عقیدہ کی بنیاد جس کی رو میں جماعت بہہ جاتی۔ جب آپ قادیان سے لاہور کو چلنے لگے اس وقت میں بھی وہاں تھا۔ قادیان سے جو اس وقت ہر احمدی کے دل میں محبت تھی، اس کی وجہ سے میں نے بھی عرض کیا کہ آپ قادیان کو نہ چھوڑیں یہ بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قادیان سے الگ ہونے کی وجہ سے میرے دل کو بھی بہت صدمہ ہے۔ مگر حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ آپ لاہور میں تشریف لائے تو چند گنتی کے دوست آپ کے ساتھ مل گئے۔ باقی ساری جماعت قادیان کی طرف تھی۔ اس وقت آپ کو سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ مگر آپ بڑے حوصلہ اور استقلال سے اپنے عقیدہ پر قائم رہے۔ آخر جماعت کے مخلصین کا کچھ حصہ آپ کے اردگرد جمع ہو گیا اور اس وقت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کے کارنامے آج ساری دنیا میں روشن ہیں۔

آپ کے اخلاق بہت بلند تھے۔ جب والد صاحب کا 1913ء میں انتقال ہوا اور آپ گاؤں تشریف لے گئے تو آپ کے بھائیوں نے عرض کیا کہ اگر آپ ہماری سرپرستی فرمائیں تو ہمارے لئے تسکین کا موجب ہوگا۔ آپ نے نہایت فراخدلی سے اسے قبول فرمایا۔ جو بعد میں خاندان کے لئے بہت برکت کا موجب ہوا۔ آپ نے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں سے اس قدر نیک سلوک کیا جس کا اندازہ کرنا بیان سے باہر ہے۔ آپ نے بھتیجوں کی پرورش، تعلیم اور ملازمت میں مالی امداد فرمائی۔ اس لئے آپ کے بھتیجے بھی آپ کی بہت عزت کرتے رہے اور آپ پر دل و جان سے نثار تھے۔ آپ اس قدر بلند اخلاق کے مالک تھے کہ جو بھی آپ سے ملا اسے یہی خیال ہوا کہ میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہے۔ مگر سب سے بڑھ کر جو محبت اس خاکسار سے تھی۔ وہ میں ہی جانتا ہوں۔ آپ نے اپنی اراضی جو

موضع مرار میں تھی اس کا انتظام میرے سپرد کیا ہوا تھا۔مگر آپ نے کبھی اس کا حساب طلب نہ فرمایا۔ بلکہ میں خود عرض کرتا تھا۔آپ کو جب ڈلہوزی کی کوٹھی بنانے کے لئے روپے کی ضرورت پڑی تو اپنی اراضی کا بہت سارا حصہ ایک عزیز کے پاس فروخت کرنے کا خیال ظاہر کیا اور جو کچھ میں نے تجویز کیا اس کے مطابق ان سے سودا ہو گیا۔ اس کے بعد 1945ء میں آپ کو قرضہ کی ادائیگی کے لئے جب روپے کی ضرورت پڑی تو آپ نے پھر بھی میری معرفت کچھ اراضی کا سودا کر لیا۔تو میں نے عرض کیا کہ اس میں درخت بہت ہیں وہ کاٹ لئے جائیں تو آپ نے نہایت فراخدلی سے فرمایا کہ جہاں زمین گئی وہاں ہی درخت گئے۔جس قدر دینی اور دنیوی فائدہ آپ کی ذات سے میں نے اُٹھایا۔قلم اس کے بیان سے عاجز ہے۔اللہ تعالیٰ آپ پر بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

غمزدہ آپ کا بھائی

احمد علی چک نمبر ایل 65/2 تحصیل اوکاڑہ۔ضلع منٹگمری

26 دسمبر 1951ء

جماعت احمدیہ لاہور کا بانیؒ

حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کے لٹریچر کی عام مقبولیت

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود کی وفات کے چھ سال بعد 1914ء میں جماعت احمدیہ کے مابین اختلاف نمودار ہوا۔ اس اختلاف کے بڑے دو وجوہ یہ تھے۔ اولاً یہ کہ جماعت احمدیہ کا نظم و نسق اسلامی جمہوریت کی طرز پر نیز خود فرمودہ حضرت اقدس کے بمطابق الوصیت ہونا چاہیئے یا آمریت کے نظام کے مطابق؟۔ دوم یہ کہ اُمت محمدیہ میں مسیح موعود کا اصل مقام کیا ہے؟ کیا یہ کہ جس کے نہ ماننے سے دائرہ اسلام سے اخراج لازم آتا ہے کہ گو مسیح موعود کا ساتھ نہ دینا جہاد زمانہ سے الگ رہ کر احیائے دین سے محرومی و حرمان کا موجب ہے مگر آپ کا محض انکار اخوتِ اسلامی سے علیحدہ کر دینے کا باعث نہیں؟

جن اصحاب کا عقیدہ یہ تھا کہ جماعت کا نظام جمہوری طرز پر چلایا جانا اسلامی تعلیم کے مطابق اور خود حضرت اقدس کے قائم کردہ نظام صدر انجمن کے تعامل کے موافق ہے، نیز جن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ایمان لے آنا وحدت و اخوت دینیہ کی بناء ہے، اس لئے آپ کے بعد کسی بڑے سے بڑے شخص کو یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا کہ اس پر ایمان نہ لانا موجب اخراج اُمت ہو۔ ایسے تمام اصحاب کو اکٹھا کر کے حضرت اقدس کے اصل نصب العین اشاعت حق پر دوبارہ قائم کرنے کی خوش نصیبی حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کو حاصل ہوئی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نئی جماعتوں کا قیام بعض اعلیٰ اوصاف کا طالب ہوا کرتا ہے۔ محض علمی قابلیت نہ کسی جماعت کے قیام کا باعث بن سکتی ہے، نہ اسے قائم رکھ سکتی ہے۔ بلکہ بعض اعلیٰ درجہ کے اخلاقی جوہروں کا نمایاں اظہار ہوتا ہے۔ جس سے لوگ کسی مرکزی شخصیت کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جماعت احمدیہ میں آمرانہ نظام اور تکفیر مسلمانانِ عالم کے باطل عقائد کے برخلاف جماعت احمدیہ لاہور کے قیام کا باعث

حضرت مولانا محمد علی مرحوم ومغفور کی شخصیت مرکز بنی۔اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ آپ کی طرف سے اس وقت حق پرستی کی تائید اور باطل کی تردید کے لئے جوانمردی وایثار کے اعلیٰ اوصاف کا اظہار عمل میں آیا۔ دین ومذہب کا اصل وانتہائی مقصد بھی یہی ہے کہ لوگوں میں اعلیٰ اخلاقی اوصاف کے نمایاں اظہار کی ہمت و جوانمردی پیدا ہو۔محض صحیح عقائد پر ایمان لانا یارسمی رنگ میں بعض عبادات کو بجالانا حقیقی منشاء نہیں بلکہ یہ اسباب وذرائع ہیں۔

حضرت اقدس نے قادیان میں ایک زبردست دینی اخوت کا سلسلہ قائم کیا تھا۔اور 1914ء میں جماعت احمدیہ اپنی نیک نامی اور عظمت وبلندی کے باعث اپنے نقطہ عروج پر پہنچ چکی تھی۔ پھر حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ اس جماعت میں ایک ممتاز حیثیت وعزت اپنے کام وقابلیت کی وجہ سے مسلمہ طور پر حاصل کر چکے تھے۔ایسے زمانہ میں ایسے مرکز کو خیر باد کہنا،تمام تعلقات کوتوڑ دینا،اور بے سروسامانی کی حالت میں وہاں سے چل پڑنا، یہ سب امور بھاری ایمان اور قوتِ ایثار کے طالب ہیں۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا جو عہد حضرت اقدس نے اپنے پیروؤں سے لیا تھا،اس کا تقاضا یہی ہے کہ حق پرستی وحق گوئی کی خاطر اگر اپنے لوگوں سے بھی قطع تعلق کرنا پڑ جائے اور اپنے دنیوی مفاد کا سراسر نقصان ہی نقصان دکھائی دے،حتّٰی کہ سب کچھ معدوم ہوتا نظر آئے،تو بھی انسان ایسے وقتوں میں عملاً دنیا کو ترک کر کے دین کا ساتھ دے۔حق پرستی اور حق گوئی کی یہی وہ اصل روح تھی جو جماعت احمدیہ کے افراد میں حضرت اقدس کی زندگی میں نمایاں رنگ میں پائی جاتی تھی۔اور حقیقتاً یہی وہ بنیادی جوہر ہے جو دین کی روح رواں اور عامۃ الناس کے لئے کشش وجذب کا اصل باعث ہے۔پس اسلامی احیاء کے ان دو بنیادی ستونوں یعنی جمہوریت اور وحدتِ اخوت اسلامیہ کو جب گرانے کا خطرہ نظر آیا،اور یہ وہ دو اصول تھے جنہیں خود بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی تعلیم وتعامل سے قائم کیا تھا،تو ایسے نازک وقت میں حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ مردانہ وار جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔محض علمی وقلمی رنگ ہی میں نہیں بلکہ اپنے نفس وعزیز مال ومتاع اور عزت وعظمت کو کھو دینے اور گنوا دینے سے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چونکہ آپ کی یہ قربانی اعلیٰ درجہ کے اخلاق وتائید حق کے لئے تھی خدا تعالیٰ نے اسے قبولیت کا شرف بخشا۔اور آپ کو اکیلا نہ چھوڑا۔ بلکہ آپ کے وجود سے ایک الگ جماعت کی بناء پڑ گئی۔اور اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (51:40) کا نظارہ دنیا نے ایک بار پھر دیکھ لیا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کے اسی عظیم واقعہ کی نسبت انہی ایام میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے بھی یہ الفاظ لکھے تھے:

> ''ایک عرصہ سے اس جماعت (جماعت احمدیہ) میں مسئلہ تکفیر پر دو جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان بھی مسلمان ہیں۔ گو وہ مرزا صاحب کے دعوے پر ایمان نہ لائے ہوں۔ لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. آخری جماعت کے رئیس مرزا بشیر الدین محمود ہیں اس گروہ نے اب انہیں خلیفہ قرار دے دیا ہے۔ مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔
>
> مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے اور جس عجیب و غریب دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے، جہاں پہلے گروہ کے رؤسا نہیں، وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا'' (الہلال 25 مارچ 1914ء)

حضرت مولانا صاحبؒ کی اصل جانشین جماعت: ماموران الٰہی باطل پرستی کو مٹانے اور حق کو قائم کرنے کے لئے ایک عزم و ایمان پیدا کرنے آتے ہیں۔ جس کے سامنے دنیاوی تعلقات ہیچ و حقیر معلوم ہونے لگتے ہیں۔ جب 1914ء میں جماعت قادیان نے دنیاوی امور اور خونی و خاندانی رشتہ داریوں کو مقدم کر لیا اور اصول حقہ کو پس پشت پھینک دیا، تو اس وقت جس شخص نے تائید حق کو خاندانی و دنیاوی مفاد پر ترجیح دی وہ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ تھے۔ اور عملی میدان میں زندگی کے یہ اعلیٰ جوہر تھے جن پر جماعت احمدیہ لاہور کی بناء پڑی۔ حضرت مولانا مرحوم کا سب سے بڑا کارنامہ آپ کا یہ اعلیٰ اقدام ہے اور حضرت کی سب سے بڑی قابل قدر نشانی جماعت احمدیہ لاہور ہے۔ جسے خود یہ لازم ہے کہ وہ حضرت کی صحیح معنوں میں نیابت و جانشینی کا حق ادا کرے۔ حضرت کی اصل وراثت کیا ہے؟ یہی کہ جیسے کہ خود آپ کا عملی نمونہ شاہد ہے، حقیقی نیابت دنیاوی مفاد کے قیام اور خاندانی تعلقات کی ترجیح

میں مضمر نہیں بلکہ عین اس کے برعکس حق پرستی کی تائید اور اعلیٰ اصولوں کی حمایت میں ان چیزوں کو ترک کر کے بلند پایہ صفات کے اظہار میں ہے۔ اسلام میں اور پھر جماعت احمدیہ میں دو اولین اختلاف جو پیدا کئے گئے ان کی بنیادیں مفاد پرست طبقہ نے دنیاوی تعلق داری اور خاندانی رشتہ داریوں پر رکھنے اور جذبات سفلیہ کو مشتعل کرنے میں دیکھی۔ یہ دن اسلام کے لئے مفید ثابت ہوئے نہ جماعت احمدیہ کے لئے۔ جماعت احمدیہ لاہور کی تو بنیادیں ہی اس اصل الاصل پر قائم کی گئی ہیں کہ حق پرستی، اعلیٰ اصول کی حمایت، انصاف وعدل کے تقاضوں کے قیام میں خونی وخاندانی جذبات اور مفادِ دنیا وجنبہ داری کو سدراہ نہ ہونے دیا جائے۔ خود حضرت مولانا محمد علی مرحوم اور آپ کے دیگر رفقاء لاہور غلو کا سدِ باب کرنے میں کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکتے اگر اعلیٰ درجہ کی قوت وبصیرت ایمانی پر جذبات کو غالب آنے دیتے۔ ایک طرف کس پامردی کے ساتھ غالیانہ عقائد کی تردید کی، دوسری طرف حضرت مولاناؒ نے فرقانی علوم کے انکشاف میں کس قدر کاوش وجانفشانی کی! یہ دو مہماتِ عظیمہ آپ کے ہاتھوں کیوں کر سرانجام پا گئیں۔ صرف اسی وجہ سے کہ آپ کی ایمانی وعلمی بصیرت جذبات پر غالب رہی۔ جس کی وجہ سے نہ تو آپ خود غلو میں بہہ گئے اور نہ ہی غلو کا مقابلہ کرنے میں یک طرفہ لڑھک گئے۔ بلکہ حضرت اقدس مسیح موعود کے اصل مقصد یعنی اسلامی وفرقانی علوم کی روشنی سے دنیا کو منور کرنے کے مقصد میں ہی منہمک رہے۔

خدا تعالیٰ کا انکشاف: یہ ایسے امور ہیں جو ایک طرف تو واقعاتِ حقہ کی زبان سے کہے جا رہے ہیں اور دوسری طرف خود خدا تعالیٰ کی قولی شہادت سے، جو پیشگوئی کے رنگ میں بیان کی گئی، جو حضرت مسیح موعود کے رؤیا سے ظاہر ہیں۔ کسی دوسری جگہ میں نے حضرت اقدس کے اس کشف کی حقیقت کی تشریح کی ہے۔ جو حضرت اقدس کے کسی طرف جانے پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جانے اور پھر حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کے آنے اور روشنی نمودار ہونے اور حضرت مولانا محمد علی صاحب کو قلم عطا کئے جانے پر مشتمل ہے۔ اس رؤیا میں حضرت اقدس نے یہ خود تعبیر فرمائی ہے کہ اس میں عورتوں کے دکھلائے جانے سے مراد جماعت کے کمزور لوگ ہیں۔ اور قلم کے مولوی محمد علی صاحب کو عطا کئے جانے سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی تائید وحمایت میں اعلیٰ پایہ کی تصانیف مولوی صاحب موصوف آئندہ وقتوں میں کریں گے۔ اب اس صادق خدائی رؤیا میں صاف صاف منکشف کر دیا گیا تھا کہ جماعت میں جذباتی طبقہ حضرت

کے اصل مقاصد یعنی علوم فرقانیہ کی روشنی کی دنیا میں پھیلا لے پر اندھیرا ڈال دے گا۔اس وقت جذبات سے مغلوب نہ ہو کر جو شخص قرآن کی روشنی کو پھیلانے کا موجب ہوگا، وہ مولانا محمد علی صاحب ہوں گے۔ اب اس امر واقعہ کی تصدیق میں غلو اور فرقانی علوم کو پس پشت پھینکنے کا رد عملی رنگ میں حضرت ممدوح کے قلم سے کیا گیا؟

احمدی نقطہ نگاہ: جس طرح حضرت اقدس نے ''ازالہ اوہام'' میں فرمایا تھا کہ قرآن کریم کی جیسی انگریزی تفسیر آپ سے یا آپ کی کسی شاخ سے مقبول ہوگی، ویسی کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوگی۔اور جس طرح قلم کے عطیئے کے رؤیا میں دکھلایا گیا کہ نہایت آسانی وروانی کے ساتھ قلم کام کرتا ہے بعینہٖ یہ امور واقعات میں ظاہر ہو گئے اور ہم نے حضرت اقدس کے منجانب اللہ ہونے اور آپ کے صادق مامور ہونے کے نشان اپنی آنکھوں سے دیکھے۔مگر میں مختصراً ان اصولوں کو بتلا دینا چاہتا ہوں جن کے ماتحت حضرت مولاناؒ کی تصانیف کو قبولیت کا شرف حاصل ہوا۔اس کا خلاصہ تو یہ ہے کہ اس زمانہ کی ضروریات کے مطابق حضرت مسیح موعود دین اسلام کے جس پہلو کو نمایاں کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے مذہب کے اس ترجمہ کو حضرت مولاناؒ نے دنیا میں پیش کر دیا۔احمدیہ ترجمہ وتفسیر قرآن کا خلاصہ مفصلہ ذیل اصولوں میں سمٹ کر آجاتا ہے۔اولاً یہ کہ ہدایت کے لئے انسانی عقل وعلم کافی نہیں بلکہ یہ امر وحی الٰہی سے میسر آتا ہے۔جس کی کامل وآخری شکل قرآن شریف ہے۔دوئم یہ کہ گو وحی نبوت ختم ہو کر بند ہو چکی ہے۔مگر وحی ولایت جاری وساری ہے۔اور یہ سلسلہ دینی احیاء کے لئے ازبس لازم وضروری ہے۔سوئم یہ کہ سلسلہ وحی اور عقل باہم متضاد ومنافی نہیں۔ بلکہ ہر ایک کے لئے الگ الگ مقام مختص ہے۔ وحی والہام ہدایت انسانی کے لئے اس کی جذباتی، سماجی، معاشی زندگی کے لئے ضروری ہے۔اس میں عقل اسے مقصد پر پہنچانے کے لئے ناکام ہے۔مگر مادی امور عقل وعلم کے ذریعے ہم اپنی مادی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں۔قرآن کریم نے روحانی واخلاقی زندگی اور اس کے قوانین کے ثبوت میں سلسلہ کائنات عالم کے قوانین اور مادی نظام کو بار بار پیش کیا ہے۔تو کیا اس کا صاف وصریح مطلب یہ نہیں کہ انسان کی یہ دو زندگیاں متوازی وباہم ممد ومعاون ہیں، نہ کہ ایک دوسرے کی نقیض؟ نیز یہ دونوں پہلو سلسلہ نظام وقوانین کے پابند ہیں۔ مادی زندگی کے لئے اگر مادی قوانین ونظام ہے، جسے عقل وعلم حاصل کر سکتے

ہیں تو روحانی و اخلاقی زندگی کے لئے الہامی قانون اور سلسلہ انبیاء و اولیاء مقرر ہے۔ چہارم یہ کہ انسان کی یہ زندگی اور دوسری اُخروی زندگی الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی سفر کی دو منزلیں یا ایک ہی مقصد کی دو کڑیاں ہیں۔...... پس اس زمانہ میں، جو خاص طور پر سائنس کی ترقی و ترویج کا وقت ہے، دین اسلام کو مدلل معقول رنگ میں پیش کرنا اور اس کی خوبصورتی اور روشنی کو غیروں میں پھیلانے سے اس کی فتح اور اس کا غلبہ مقدر ہو چکا ہے۔ جس فتح کے آثار مغربی دنیا کے اسلام کی جانب آجانے سے ہویدا ہو رہے ہیں۔ پس یہ پانچ وہ بنیادی اصول الاصول ہیں جن کی روشنی میں حضرت مولانا موصوف کی تصانیف لکھی گئی ہیں۔ اور یہی باعث ہیں آپ کے لٹریچر کی مقبولیت کا۔ ان پانچ اصولوں کے صحیح اور حتمی و یقینی ہونے کی نسبت جو ایمان حضرت مولانا صاحب کے قلب میں حضرت اقدس کی آسمانی صحبت سے پیدا ہوا، اسی ایمان و یقین کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک طرف اس ایمان کی روشنی سے دوسروں نے فائدہ اٹھایا تو دوسری طرف آپ کی تصانیف کو بے مثل مقبولیت حاصل ہوئی۔

26 دسمبر 1951ء

حضرت مولٰینا محمد علیؒ کی کامیابی کا اصل راز

ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب امام مسجد ووکنگ (انگلستان)

حضرت مولٰینا سے میرے ابتدائی تعلقات: حضرت مولٰینا محمد علی مرحوم ومغفور سے میری پہلی ملاقات 1914ء میں لائلپور میں ہوئی۔ جب میری عمر سولہ سال کی تھی اور حضرت مولٰینا وہاں لیکچر دینے کے لئے تشریف لے گئے۔ مجھے ابھی تک آپ کے لیکچر کا وہ عنوان یاد ہے۔ جس پر آپ نے حاضرین جلسہ کو خطاب کیا تھا۔ ''محاسن اسلام'' آپ کے لیکچر کا عنوان تھا۔ آپ کے لیکچر نے مجھے بہت ہی متاثر کیا اور میرے دل میں مذید مذہبی علوم حاصل کرنے کی امنگ پیدا کر دی۔ بعدازاں جب میں لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کے ایک طالب علم کی حیثیت سے مقیم تھا تو مجھے آپ سے متواتر ملنے کا موقع میسر آیا۔ لاہور میں چھ سالہ قیام کے دوران میں، جو 1915ء سے 1921ء تک رہا، میں اکثر اوقات نماز جمعہ پڑھنے کے لئے احمدیہ بلڈنگس جایا کرتا تھا۔ جہاں حضرت مولٰیناؒ کے فاضلانہ اور روح پرور خطبات سننے میں آتے تھے۔

تحریک احمدیت میں میری شمولیت اور قریبی تعلقات: یہی وہ زمانہ ہے جب میں تحریک احمدیت کی طرف دن بدن زیادہ ہی زیادہ کھنچتا چلا گیا اور اسی زمانہ میں میں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم کی اصل کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ 1919ء میں مَیں نے حضرت مولٰینا محمد علی مرحوم ومغفور کے دست مبارک پر بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اور اسی وقت سے آپ کے ساتھ کم وبیش قریبی تعلقات کا شرف حاصل ہوا۔ 1921ء میں آپ سے شملہ میں ملاقات ہوئی اور قریباً ایک ہفتہ میں وہاں ٹھہرا رہا۔ اس اثنا میں آپ کو بہت قریب سے مطالعہ کرنے کا موقعہ مجھے ملا۔ اسلام کے لئے آپ کی فدائیت اور آپ کا جوش مجھے بہت ہی متاثر کرنے کا موجب ہوا۔

آپ سے علمی استفادہ: 1922ء میں اس عظیم رہنما اور معلم دینی سے مذید علم حاصل کرنے کے لئے میں ایک سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو کر لاہور چلا آیا۔ 1923ء کی گرمائی تعطیلات میں جب میں اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر تھا، مجھے آپ کے ساتھ ڈلہوزی میں دو ماہ گزارنے کا شرف حاصل ہوا۔

اور میں نے اس بہت بڑے خادم اسلام اور عالم دین سے اس عرصہ میں بہت کچھ سیکھ لیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ 1924ء میں، جب آپ ماہ رمضان میں قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے، اس میں بھی میں شامل ہوا کرتا تھا۔ جس سے میرے علم قرآن وحدیث میں بہت بڑا اضافہ ہوا۔

نماز تہجد کی پابندی: آپ بہت بڑے عابد وزاہد تھے۔ اور نماز تہجد کے خصوصیت سے پابند تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ لاہور سے جموں تشریف لے گئے اور وہاں بہت دیر سے پہنچے۔ چونکہ وہاں بہت لوگ نہایت اشتیاق کے ساتھ آپ کے منتظر تھے۔ اس لئے ان سے باتیں کرتے ہوئے آدھی رات ہوگئی۔ سفر کی تکان کے باوجود آپ ٹھیک تین بجے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کیونکہ اس وقت آپ نماز تہجد پڑھنے کے عادی تھے۔ جس سے آپ کی نماز سے محبت اور محویت کا پتہ لگتا ہے۔ ان تمام ملاقاتوں میں سچی اسلامی روح میرے اندر پیدا ہوگئی۔ جس سے میرا قدم خدمت اسلام کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

پابندی اوقات اور علمی شاہکار: حضرت مولٰینا محمد علیؒ نے نہایت محنت اور شدید پابندی کی زندگی بسر کی۔ آپ اس قدر محنتی تھے کہ آپ کی صحت بھی مخدوش ہوئی۔ آپ اپنی تمام عادات اور کاموں میں بہت باقاعدگی اور پابندی اوقات پر عامل تھے۔ آپ کا بے نظیر کام اور وہ شاندار لٹریچر، جو آپ نے پیدا کیا، آپ کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھنے کا موجب ہوگا اور لوگوں کے دلوں میں ایک روح پیدا کردے گا۔ جس کی وجہ سے مجھے یقین ہے کہ خدمت اسلام کی راہ میں اپنا وقت اور جان ومال قربان کردیں گے۔ آپ نے پورے پچاس سال تک قلم چلائی اور اسلامی جواہر ریزوں سے بھرے ہوئے مضامین لکھے۔ اور اس طرح اسلام کا صحیح علم دنیا کے چاروں کونوں میں پھیلا دیا۔ آپ کے مذہبی معلم اور پیشوا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم نے آپ کو عالم کشف میں ایک قلم دیا۔ جس کے آپ بے شمار اسلامی تحریرات اور قیمتی تصنیفات کی وجہ سے پورے اہل ثابت ہوئے۔

کامیابی کا اصل راز: ذہانت اور محنت ومشقت کا جوڑ بہت ہی کم ہوا ہے۔ لیکن حضرت مولٰینا محمد علی صاحبؒ ان دونوں سے متمتع تھے۔ کام آپ کی غذا تھی اور جس طرح انسان غذا کے بغیر نہیں رہ سکتا، اسی طرح آپ کام کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ اپنی اس مہلک بیماری میں بھی، جب ڈاکٹروں نے آپ کو کام کرنے سے منع کردیا، آپ کام کرتے ہی چلے گئے یہ تمام طاقت اور روح آپ کو نماز سے میسر آئی۔

26 دسمبر 1951ء

میرے ابا جی

حضرت امیرؒ کی کمسن نواسی عزیزہ سلمہا کی قلم سے

میرے ابا جی، وہ پر شفقت اور نور پرور ہستی جن کا وجود ہمارے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھا، محرم کی دسویں کو ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ میرے پیارے نانا جی، جنہیں ہم سب ابا جی کہہ کر پکارتے تھے۔ جنہیں کچھ مدت نظروں سے دور رکھنا ہمیں شاق گزرتا تھا، اب ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلے گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

جب ہم نے محرم کا چاند ابا جی کے کمرے کے باہر کھڑے ہو کر دیکھا تو ہمیں اس وقت یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ محرم دسویں کو، جس طرح تیرہ سو سال پہلے چند عظیم الشان ہستیوں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا، اسی طرح ہماری دولت لوٹ کر چل دے گا۔ اور اسلامی دنیا کو اپنے ایک ایسے مجاہد سے محروم کر جائے گا جو اسلام کے لئے زندہ رہا اور اسلام کے لئے ہی جس نے اپنی جان دے دی۔

یہ میرے لئے باعث خوش قسمتی ہے کہ مجھے ابا جی کے پاس ان کے سب نواسے نواسیوں سے زیادہ رہنے کا موقع ملا۔ جب اس وقت کا خیال آتا ہے تو اپنی زندگی پر رشک آنے لگتا ہے جو ان کے زیر سایہ گزری تھی۔ تصور میں میرے سامنے ان کا چہرہ آ جاتا ہے۔ نورانی پیشانی، مسکراتے ہوئے لب، جس نے آج تک انہیں کسی پر ناراض ہوتے نہیں دیکھا، سوائے ایک دفعہ کے، جب وہ مجھ پر ہی ناراض ہوئے تھے، کیونکہ میں نے نوکر کی پگڑی پھاڑ دی تھی اور وہ ان کے پاس شکایت لے کر گیا تھا۔ ان دنوں میں بہت چھوٹی سی تھی مگر وہ ناراض ہو گئے۔ جب میں ایک طرف رونا سا مونہہ بنا کر کھڑی ہو گئی تو انہوں نے پاس بلا کر پیار کر لیا۔

میری نگاہوں کے سامنے جو واقعات چکر لگا رہے ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ نمایاں ابا جی کے کام کرتے ہوئے ہیں۔ اُف کس قدر کام کرتے تھے وہ۔ صبح صبح اپنے دفتر میں چلے جاتے اور باقاعدہ دوپہر تک لگاتار کام کرتے رہتے۔ دوپہر کو ایک آدھ گھنٹہ آرام کرنے کے بعد پھر کام میں مشغول ہو جاتے اور رات گئے تک اکثر کام کرتے رہتے۔ بعض دفعہ تو میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتی کہ ضرور ابا جی

کے ہاتھوں میں کوئی مشین لگی ہوئی ہے جو اتنا لکھ لیتے ہیں۔ان دنوں ہم کیا جانیں کہ وہ کیا لکھتے ہیں اور جب وہ لکھ رہے ہوتے اور ہم ان کے پاس جاتے۔ابا جی جب بھی دیکھتے تو مسکرا پڑتے اور بڑی محبت سے پوچھتے۔''کیا کام ہے''!

وہ تہجد کے ہمیشہ پابند رہے۔ ہر روز رات کے دو بجے سے اُٹھ کر تہجد پڑھتے اور پھر صبح کی نماز پڑھ کر سیر کرنے چلے جاتے۔جتنی دیر میں ہم ناشتہ کرنے آتے وہ بھی اپنے کاموں سے فارغ ہو کر پہلے ہی پہنچ جاتے۔ہمیں دیکھ کر اخبار ایک طرف رکھ دیتے اور مسکرا کر ہر ایک سے باتیں کرتے۔اکثر ہمارے سلام کرنے سے پہلے ہی خود سلام کر دیتے،پھل کاٹ کر دیتے،خبریں سناتے،ان کے چہرے پر ایک شگفتگی ہوتی اور ان کی باتوں میں دلکشی۔ ہر ایک ان سے بہت محبت کرتا اور یہی محسوس کرتا کہ وہ بھی اسے ہی سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ہم لوگوں کی سب سے بڑی خواہش ہوتی کہ ان کے پاس بیٹھیں۔ اور اکثر اسی بات پر بچوں میں لڑائی بھی ہو جاتی۔اب جب میں ان کے بارے میں سوچتی ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ ان جیسے انسان دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ایسے انسان جو زندگی کے ہر زاویے کے روشن پہلو پر نظر رکھیں۔وہ اس قدر خوش مزاج تھے۔مگر اتنے ہی سنجیدہ بھی۔

اور ابا جی نماز کے کس قدر پابند تھے۔اکثر ایسا ہوتا کہ شام کو وہ دن بھر کام کر کر کے تھکے ماندے ذرا ہمارے پاس آکر بیٹھتے کہ اذان کی آواز آجاتی اور وہ نماز پڑھنے چلے جاتے۔ڈلہوزی میں تو گھر کا ایک حصہ ہی ان کاموں کے لئے وقف تھا۔مگر لاہور میں گھر کے ساتھ چھوٹی سی مسجد جو تھی اسی میں ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے۔ان کے نماز پڑھانے کا انداز کس قدر دلکش تھا! جب بھی ان کے پیچھے نماز پڑھتے جی چاہتا کہ تمام عمر یونہی خدا کے حضور میں سر جھکائے کھڑے رہیں۔اور کلام پاک کی یہ مترنم آواز ہمیشہ گونجتی رہے۔

ابا جی ہم سے کس قدر محبت کرتے تھے! ہمارے پاس ذرا سی دیر کے لئے بیٹھتے تو ہمیں یہ محسوس ہوتا جیسے جنت زمین پر اُتر آئی ہو۔ان کا تھکا ہوا چہرہ بھی اس وقت چمک اٹھتا اور سب کی پریشانیاں دور ہو جاتیں۔ وہ ہر ایک سے بات کرتے۔ ہونٹوں پر تمام وقت ایک مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی۔وہ مسکراہٹ جو ہمارے لئے اندھیرے میں ایک کرن سے کم نہیں تھی۔ان کی ایک مسکراہٹ سے

ہماری تمام دنیا مسکرا اٹھتی۔

ان کو اپنے دوستوں سے کس قدر محبت تھی۔ ابھی ایک دو سال کی بات ہے کہ جماعت کے ایک بزرگ فوت ہو گئے۔ اُن دنوں ہم ان کے پاس لاہور ہی تھے۔ اگر چہ وہ اپنی حالت کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ مگر ان کے چہرے سے صاف معلوم ہو جاتا۔ ابا جی کا چہرہ بالکل اتر جاتا اور ان کی آنکھوں سے چمک بالکل غائب ہو جاتی وہ ہمیشہ سب کا ذکر، دوست ہو یا دشمن، بڑے ادب سے کرتے۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ میں نے آج تک ان کے مونہہ سے کسی کی بُرائی نہیں سنی۔ اگر انہیں کوئی تکلیف بھی دے تو خاموش ہو جاتے۔ ان میں صبر کی طاقت اتنی تھی کہ میں کہتی ہوں اگر ہم میں اس کا ایک چوتھائی حصہ بھی پیدا ہو جائے تو بڑی بات ہے!

ایک دفعہ ''مجددِ اعظم'' کے اس حصے کو پڑھ کر، جہاں حضرت مسیح موعود نے ابا جی کو سخت بخار کی حالت میں ہاتھ لگایا، تو ابا جی کا بخار فوراً رفع ہو گیا، میں نے ایک روز بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ ''ابا جی کیا یہ سچ ہے''۔ ابا جی ہنس پڑے۔ ''اگر تم اپنے نانا جی کی بات پر یقین نہیں کرتیں تو میری بات کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے''۔ انہیں اپنی جماعت سے کس قدر محبت تھی۔ جب بھی ذکر کرتے تو چہرے اور آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک آ جاتی۔ اور جب کوئی اور ذکر کرتا تو اس انہماک سے سنتے گویا کوئی باپ اپنی اولاد کے بارے میں جیسے کوئی مشورہ سنتا ہو۔ پچھلے سال یعنی 1950ء میں وہ گرمیاں گذارنے کراچی نصیر ماموں جان (فاروقی صاحب) کے پاس آئے اور اس سال خوش قسمتی سے ہم بھی یہاں آ گئے۔ اور یہاں بھی وہی خوشی محسوس ہونے لگی جو ہمیشہ ان کے قریب رہنے سے ہوتی تھی۔ ہر شام ہم ان سے ملنے جاتے اور چھٹیوں کے دن تو صبح صبح ہی پہنچ جاتے۔ وہ تو تمام دن کام کرتے رہتے مگر ہمارے لئے یہی بات بڑی خوشی کی ہوتی کہ ہم ان کے قریب تو ہیں۔ واقعی کئی بار تو میں سوچتی ہوں کہ آخر کس انسان کو اپنی اولاد سے اتنی محبت ملتی ہے جتنی ابا جی کو حاصل ہوئی ہے۔ خاندان کا ایک ایک بچہ انہیں چاہتا تھا اور ایک ایک بزرگ اُن کی عزت کرتا۔

ایک روز سکول سے آتے ہی مجھے پتہ لگا کہ ابا جی بیمار ہو گئے ہیں۔ ہمارے دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو گئی۔ تمام وقت اپنے پروردگار کے سامنے التجائیں کرتے گزرتا۔ آخر خدا نے ہم

گنہگاروں کی بھی سن لی۔موت اور زندگی کے درمیان کئی دن کی کشمکش کے بعد آخر کار زندگی کی جیت ہوئی۔اور آہستہ آہستہ وہ صحت کی طرف آنے لگے۔جب ان کی حالت بہتر ہوگئی تو ہمیں بھی ان کے کمرے میں جانے کی اجازت مل گئی۔ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق جب بھی ہم کمرے میں جاتے تو پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے۔کہ کہیں آہٹ نہ ہو بلکہ اکثر تو سلام بھی نہ کرتے کہ کہیں آرام میں مخل نہ ہوں۔مگر وہ جب بھی آنکھیں کھول کر دیکھ لیتے۔مسکرا کر خود ہی سلام کرتے۔اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگتے اور ہمارے لئے اس سے بڑھ کر آخر کون سی خوشی ہو سکتی تھی!

قرآن شریف سے انتہاء درجہ کا عشق تھا۔بیماری کے دوران میں جب خود پڑھنے کی اجازت نہ تھی، بلا ناغہ روز نصیر ماموں جان اور محمد احمد ماموں جان سے سنا کرتے تھے۔نماز بھی باقاعدہ پڑھتے رہے اس وقت بھی جب زیادہ تکلیف ہوتی نماز نہ چھوڑتے۔ڈاکٹر روز رات نیند کے لئے ٹیکہ لگا کر جاتا مگر ان کی حسب معمول رات دو بجے آنکھ کھل جاتی اور تہجد پڑھنے لگتے۔ڈاکٹر صاحب بھی عاجز آ گئے تھے۔''یہ تو عمر بھر کی عادت ہے۔اب کیسے چھوٹے گی'' وہ بڑی بیچارگی سے کہتے۔

جب ان کی طبیعت ذرا اور سنبھلی تو پھر کام میں مشغول ہو گئے۔بستر پر ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ سامنے کاغذات رکھے ہیں۔پاس مولوی عبدالوہاب صاحب بیٹھے لکھتے جا رہے ہیں۔جہاں ڈاکٹر کے آنے کے وقت ہوا فوراً لیٹ گئے اور اس کے جانے کے بعد وہی کام۔کام! لاکھ سب منع کرتے پر وہ نہ مانتے۔ڈاکٹر صاحب کو بھی معلوم ہو گیا۔منع کیا مگر اپنی بات کا کوئی اثر نہ دیکھتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ انہی دنوں میں عید آئی۔ابا جی نے ڈاکٹر صاحب سے بہت کہہ سن کر اس بات کی اجازت لے لی تھی کہ ان کے قریب سے سب لوگ گزریں اور وہ اپنی جماعت کے لوگوں کو دیکھیں۔جب نماز کے بعد سب لوگ ان کے قریب سے گزرے تو ابا جی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔وہ کپکپاتی ہوئی آواز سے لوگوں کے سلام کا جواب دے رہے تھے۔اور بعض لوگ بھی اشکبار تھے۔مگر آخر ایک دن خدا نے ہماری عید بھی بھیج دی۔اس نے ہمارے ابا جی کو پھر سے زندگی عطا فرمائی اور کچھ مدت کے لئے ہمیں ان کے قریب رہنے کا موقع دیا۔

جب ابا جی کی حالت سفر کے قابل ہو گئی تو وہ لاہور چلے گئے۔وہاں جا کر وہ پھر بیمار ہو گئے۔

مگر خدا نے اس دفعہ بھی ہماری دعائیں سن لیں اور انہیں شفا عطا فرمائی۔ 1951ء کی شروع جون کی ایک صبح کو ہم سب پروین (فاروقی صاحب کی کوٹھی) میں جمع تھے۔ سب کی نگاہیں راستے پر تھیں۔ خوشی سے ہم بے حال ہوئے جا رہے تھے اور اشتیاق سے اُس کار کا انتظار کر رہے تھے جس نے ہمارے ابا جی کو سٹیشن سے لانا تھا۔ کار آ کر رکی۔ ہم سب لپک کر باہر پہنچے۔ اماں جی اور ابا جی کار سے اترے۔ ہم نے مسکراتے ہوئے استقبال کیا۔ اُن کو ساتھ لے کر اندر آئے۔ خوشی سے ہمارے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ ابا جی کیا آ گئے، ہمارے لئے دنیا آ گئی۔ مگر کاش! ہمیں معلوم ہوتا کہ یہ خوشی ہی چند دن کے اندر ہمیں کتنا بڑا غم دکھانے والی ہے۔ ابا جی کی صحت کراچی آ کر اور بھی ترقی کر گئی۔ اب وہ ہر روز شام کو ہمارے ساتھ باغ میں بیٹھ کر باتیں کرتے۔ صبح صبح باغ میں چہل قدمی کرتے۔ مگر اس عرصے میں با قاعدہ کام کرتے سوائے شام کے، جب ہم آ جایا کرتے۔

آخری دنوں میں سنبھلتی ہوئی صحت یک لخت چند دن کے اندر اندر اتنی گر گئی کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ اب ان کے چہرے پر زردی چھا گئی تھی۔ جب مسکراتے تو صرف ہونٹ میں مسکراتے۔ آنکھوں میں ایک گہری اداسی کروٹ لے رہی ہوتی۔ مگر کام اب بھی نہ چھوڑا۔ جب منع کرو تو کہتے ''چند دن تو رہ گئے ہیں یہ بھی بیکار گنوا دوں''۔ پھر کبھی کہتے ''میرا کام تو ختم ہو گیا ہے خدا سے میں نے قرآن شریف کا ترجمہ مکمل کرنے کی مہلت مانگی تھی اور وہ بھی اب ختم ہو گیا ہے''۔ جب بھی وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہمارا کلیجہ مونہہ کو آ جاتا۔'' ''آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ خدا کے فضل سے پچھلی بیماریوں سے بھی تو آخر صحت یاب ہو گئے تھے۔ اب بھی'' مگر وہ صرف مسکرا کر رہ جاتے۔ وہ ایک بہت بڑے راز سے واقف ہو چکے تھے۔ مگر ہم اس عزیز ہستی کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ مگر انہیں اس بات کا یقین تھا کہ وہ اب اپنے مولا کے پاس جا رہے ہیں۔ اسی مولا کے پاس جس کے لئے انہوں نے دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا۔

انہی دنوں امی کے پاؤں میں موچ آ گئی۔ اور وہ ایک دو دن ان سے ملنے نہ جا سکیں۔ اگلی صبح کو جو دیکھتے ہیں تو ابا جی خود چلے آ رہے ہیں۔ اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔ مگر ان کی تکلیف کا بھی احساس تھا۔ امی نے کہا ''ابا جی آپ نے کیوں تکلیف کی۔ آپ کی اپنی طبیعت درست نہیں''۔ وہ

ہنس پڑے۔ بات کاٹ کر بولے ''اب تم بیمار ہو میرا فرض تھا دیکھنے آتا''۔ پھر وہ زیادہ بیمار ہو گئے۔ بیماری بڑھتی گئی اور ہمارے لئے دنیا کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی تھی۔ ہم دنیا کو بھول چکے تھے۔ ہماری دنیا جس انسان کے دم سے قائم تھی جب وہی ہم سے جدا ہونے والا ہوتو باقی چیزوں کی کیا حقیقت! دن رات ایک ہی دعا دل سے نکلتی۔ ''اللہ ابا جی کو صحت دے دے۔ یا اللہ'' ہم دعائیں کرتے رہے فریاد کرتے رہے۔ مگر خدا نے ہماری بات کئی بار مانی تھی۔ اب وہ اپنے پیارے بندے کو اپنے پاس بلوا لینا چاہتا تھا۔ یہاں اس کے لائق اس کی قدر نہ ہوئی تھی۔ اب وہ اس کی کمی اپنے ہاں پوری کرنا چاہتا تھا۔

13 اکتوبر کا دن تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے لیٹے ہوئے تھے کہ اچانک آنکھیں کھول دیں اور چونک کر سامنے دیکھنے لگے اور پھر مسکرا دیئے۔ وہی مسکراہٹ، جسے ہم دیکھنے کے لئے ترس گئے تھے، آج پھر ان کے لبوں پر کھیلنے لگی۔ پھر انہوں نے ہاتھ سے یوں کیا۔ جیسے کوئی قلم وغیرہ پکڑتا ہو اور کچھ لکھا۔ لکھ کر کچھ دیر تک نہ جانے خلا میں کیا دیکھتے رہے۔ پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اماں جی ان کے سرہانے کھڑی تھیں۔ انہوں نے پوچھا تو کہنے لگے ''ایک کاغذ آیا تھا۔ اسی پر دستخط کر رہا تھا''۔ پھر قرآن کریم کی آیات اور استغفار پڑھتے رہے۔ ساڑھے گیارہ بجے اچانک سو گئے۔ جس طرح ہمیشہ سوتے تھے۔ ہم کس طرح یقین کرتے کہ ہمارے ابا جی ہم سے روٹھ کر جا چکے ہیں۔ وہ گھڑی، جس کا اتنی مدت سے دھڑکا تھا، آج آ گئی۔ ہماری دنیا اندھیر ہو گئی۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ مگر اماں جی جن کی زندگی کی رفیق بچھڑ چکا تھا۔ انہوں نے صبر کی ایک مثال قائم کی۔ اماں جی نے وہی صبر دکھایا جو کہ ابا جی ساری عمر دکھاتے آئے تھے۔ انہوں نے نہایت صبر و استقلال سے اس صدمے کو سہا۔ آہ! وہی ابا جی، جو ہماری تکلیف نہیں سہہ سکتے تھے، جو ہمارے ذرا سے دکھ پر بے چین ہو جاتے تھے، آج انہیں ہمارے آنسو، ہماری آہیں نہ واپس لا سکیں۔ وہ جا چکے تھے۔ دور بہت دور۔ اپنے خدا کے پاس اور اپنے ساتھیوں کے پاس۔ جو ان کا اُس پاک فضا میں انتظار کر رہے تھے۔

اسی شام کو، جب محرم کی دسویں کا سورج غروب ہو رہا تھا، ہمارے ابا جی لاہور چلے گئے۔ کار اسی جگہ سے چلی جہاں چار مہینے پہلے آ کر رُکی تھی۔ مگر تب ہم نے ہنستے مسکراتے ابا جی کا استقبال کیا تھا۔ اور آج۔ آج اُنہیں آنسوؤں اور آہوں کے درمیان خدا حافظ کہا۔ تب اماں جی اور ابا جی ایک ہی کار

میں اکٹھے آئے تھے۔ مگر آج الگ الگ جا رہے تھے۔ آج کئی بدنصیبوں کا سر پرست جا چکا تھا۔ ہم رو رہے تھے اپنے ابا جی کے لئے مگر وہ تو بہت خوش تھے۔ انہوں نے اپنے غم، فکر اور دکھوں سے نجات پائی تھی۔ پھر ہم کیوں رو رہے تھے؟ ہم اپنے لئے رو رہے تھے۔ جن کا سب سے قیمتی ہیرا چھن گیا۔ جن سے ان کی عزیز ترین شے چھن گئی۔ مگر ہمیں خدا سے گلہ نہیں۔ اسی نے دیا تھا۔ اسی نے لے لیا۔ آپ کا جسم جدا ہو گیا تو کیا، روح تو اب بھی ہماری رہبری کرے گی۔ اب خدا سے ہی درخواست ہے کہ ہمیں اسی راستے پر چلنے کی توفیق عطا کرے جس کا نمونہ ہمیں اس کا وہ پیارا بندہ دکھا گیا ہے۔ آمین!

☆☆☆

ایک سوال کا جواب: مخدومی السلام علیکم۔ ایک سوال کا جواب یاد آیا کرتا ہے جو درج ہے

میاں محمود احمد صاحب کی تصنیف دعوۃ الامیر تازہ تازہ چھپی تھی۔ اس کا ذکر میں نے حضرت امیرؒ کی خدمت میں اس لئے کیا کہ اس کی ایک دلیل کا جواب میں جاننا تھا۔ چنانچہ پوچھا۔ جناب نے اس کا مطالعہ فرمایا ہے۔ فرمایا نہیں۔ پھر عرض کی۔ اس میں ایک جگہ درج ہے **مسجدی اٰخر المساجد** اس کے معنی خود ہی یہ کئے ہیں کہ میری مسجد یعنی مسجد نبویؐ مدینہ میں آخری مسجد ہے پھر سوال کیا ہے۔ اے مسلمانو! بتاؤ کیا آخری مسجد کے بعد دنیا میں اور مساجد تعمیر ہوئیں یا نہیں۔ اگر ہوئیں تو آخری نبی کے بعد بھی اور انبیاء آ سکتے ہیں۔ سن کر فرمایا کہ کیا کیا جائے آخر کے معنی آخر نہ رہے، ختم کے معنی ختم نہ رہے، لا کے معنی نہیں نہ رہے، اب اگر یہ مفہوم ادا کرنا ہو کہ نبوت منقطع ہو گئی تو کن الفاظ میں ادا ہو۔ پھر فرمایا۔ یہاں **مسجدی** سے مراد مسجد نبوی نہیں بلکہ قبلہ ہے۔ نہ قبلہ بدلے گا نہ کوئی اور نبی آئے گا۔ آخری نبی کا آخری قبلہ ہے۔ یہ تو نبوت کے ختم ہونے کی دلیل ہے نہ برعکس۔

حضرت مسیح موعود کی طرح آپ کا سر الصلیب اور قاتل الخنزیر اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ جن کی برکات مشرق اور مغرب میں رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔ آپ کی تصانیف خیر جاریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے مدارج زیادہ کرے اور جملہ لواحقین اور احباب اور خیر خواہان اسلام کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی مثال کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ڈاکٹر انعام اللہ خاں سالاری یوسف زئی۔ چمن۔ بلوچستان

26 دسمبر 1951ء

مولوی محمد علیؒ کی وفات

اذکروا موتاکم بالخیر

شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کبیر سابق مدیر الحکم قادیان

13 اکتوبر 1951ء کو مکرم مولوی محمد علی صاحب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے کراچی میں انتقال فرمایا۔ اِنَّـا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ راَجِعُوْنَ. ذاتی طور پر مجھے مولانا کی وفات کی خبر سے ایسا صدمہ ہوا گویا میرا ایک عزیز بھائی فوت ہو گیا اور یہ خیالی بات نہیں۔ ایک حقیقت ہے۔ ہم سالہا سال تک ایک ہی روحانی باپ کے زیر سایہ بڑھے اور جوان ہوئے۔ حضرت مسیح موعود کے مرفوع ہونے کے بعد پھر ہم خلافت اولیٰ کے عہد میں ایک ہاتھ پر جمع رہے۔ خلافت ثانیہ کے آغاز کے ساتھ مکرم مولوی صاحب ہم سے بعض ضمنی اختلافات کی بناء پر الگ ہو گئے۔ ان اختلافات کی کیا حقیقت ہے۔ اس پر اس وقت بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اب فوت ہو چکے اور ہم اسی راستہ پر جو موت کو قریب کر رہا ہے جا رہے ہیں۔ ان کا معاملہ اب اللہ تعالیٰ سے ہے۔ مجھ کو حضورؑ کے مندرجہ ذیل بالا ارشاد کے زیر نظر ان کی خوبیوں کا ذکر کرنا ہے۔

بعض اوقات اختلاف رائے کو لوگ مخالفت اور عداوت کا ذریعہ ٹھہراتے ہیں۔ مومن کی یہ شان نہیں ہوسکتی۔ مومن کسی کے ساتھ عداوت بھی ہو تو انصاف کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔ اس لئے کہ عدل کا ترک مجرم بنا دیتا ہے۔ میں نے جناب مولوی صاحب کو 1897ء سے بہت قریب سے دیکھا اور پڑھا ہے۔ ہم نے مل کر کام کیا ہے۔ وہ سلسلہ احمدیہ میں اخلاص اور سچی عقیدت لے کر آئے تھے۔ انہوں نے سلسلہ کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ اور حضرت مسیح موعود کی خوشنودی اور قدر دانی کو حاصل کیا۔ حضرت مسیح موعود کے ارشادات اور تحریریں مولوی صاحب کے متعلق موجود ہیں۔ ان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور ان پاک کلمات کی بناء پر میں مرحوم کے لئے ہمیشہ احترام کے جذبات رکھتا رہا ہوں۔ باوجودیکہ متعدد مرتبہ ان کے بعض خیالات کی تردید میں بہت کچھ لکھا۔ لیکن اللہ علیم جانتا ہے کہ ان میں بغض و کینہ نہ تھا۔ ان کی خدمات کو میں نے کبھی فراموش نہیں کیا۔ انقلاب کے بعد گویا ان سے

جنگ تھی ۔ بایں جب کبھی لاہور جاتا تو ان تمام معزز بھائیوں سے ملتا اور ہم بھائیوں کی طرح ملتے۔ اختلاف پر بحثیں بھی کرتے۔ مگر جب اُٹھتے اور جدا ہوتے تو اپنے قلوب میں اس محبت اور اخوت کے جذبات کو اُبھرتے اور قدیم تعلقات کی لہروں کو اُٹھتے ہوئے محسوس کرتے۔

مکرم مولوی محمد علی صاحب اپنی علمی قابلیتوں میں اپنے تعلیمی ایام میں ہمیشہ ممتاز ہے۔ اور اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہوتے رہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں بھی ایک دیندار اور نیک طالب علم تھے۔ اور اس وجہ سے وہ اپنے ہم جماعتوں اور اساتذہ میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ میں ان سے واقف تو اس وقت ہوا جب وہ اسلامیہ کالج لاہور میں مقرر ہوئے تھے مگر اصل تعلق کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب وہ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ مولوی محمد علی صاحب ریاست کپورتھلہ کے ایک گاؤں مرار نام میں ایک معزز اور دیندار زمیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حافظ فتح الدین صاحب قرآن مجید کے حافظ تھے۔ اسی خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک مولوی محمد صاحب لدھیانہ میں میرے ساتھ مولوی محمد فاروق صاحب کے مکتب میں فصول اکبری، شافیہ اور مشکوۃ میں ہم سبق تھے۔ اور آخر میں وہ حکیم الامتہ (مولینا نورالدین) کے پاس جموں چلے گئے تھے۔ ایک مرتبہ قادیان بھی آئے تھے۔

غرض مولوی صاحب نے ایک دیندار خاندان میں جنم لیا اور اپنی تعلیم کو کمال تک پہنچا دینے کے بعد جب انہوں نے دنیا کے میدان میں قدم رکھا اور اپنے سامنے اپنی عہد تعلیم کی امنگوں اور تمناؤں کو دیکھا اگر وہ اس راستہ پر چلتے تو کچھ شُبہ نہیں وہ ایک کامیاب دنیا دار ہوتے۔ حکومت وقت کے کسی معزز عہدے پر ممتاز ہوتے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نے ان کے لئے کچھ اور مقدر کر رکھا تھا۔ وہ سلسلہ میں داخل ہوئے اور حضرت مسیح موعود نے پسند فرمایا کہ وہ سلسلہ کی خدمت کریں۔ اور اس نوجوان نے لبیک کہا اور سچے دل سے کہا۔ ان تمام تمناؤں اور ارادوں کو ترک کر دیا اور سلسلہ کی خدمت کے لئے اپنے آقا کے احکام کی تعمیل میں قلم لے کر خدمتِ اسلام کا عہد کر لیا۔ اور موت کے دن تک اس خدمت کو سرانجام دیا۔ ان کی علمی اور قلمی خدمات کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ میں ان کے حالات پر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تفصیل سے لکھوں گا۔

ان سے اختلاف الگ چیز ہے۔ اس کے لئے میں یا اور کوئی مجاز نہیں کہ محض اس بناء پر ان کی خدمات کو اب جبکہ وہ دنیا میں نہیں باز پُرس کرے۔ جو خدمت انہوں نے سلسلہ کی 1914ء تک قادیان میں رہ کر کی وہ شاندار ہے۔ اور نوجوانوں کے لئے ایک نمونہ ہے کہ وہ اسی عزم اور جوش اور اخلاص سے اپنی قابلیتوں کو استعمال کریں۔ خلافت ثانیہ کے آغاز میں انہوں نے اختلاف کیا اور لاہور جا کر ایک جماعت کو الگ کر کے کام شروع کیا اور آخر وقت تک وہ اس میں سرگرم رہے۔ اور جو سلسلہ تصنیفات کا انہوں نے شروع کیا تھا۔ اسے آخر وقت تک قائم رکھا۔ اور کچھ شک نہیں کہ ان کی تالیفات نے دنیا کے مختلف ممالک اور مختلف زبانوں میں شہرت حاصل کی۔ یہ سب کچھ انہوں نے حضرت مسیح موعود کے طفیل سے پایا۔ ہمارے اختلاف ان کے ساتھ ختم ہو گئے۔ ہم حضرت مسیح موعود میں ہو کر ایک ہی باپ کے بیٹے تھے۔ اور اب ان کی وفات پر اسی طرح صدمہ محسوس کرتے ہیں جیسے ایک عزیز کی موت پر ہوتا ہے۔

اختلافات صحابہ کرامؓ میں بھی ہوئے اور وہ بعض اوقات جنگوں کی صورت میں بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے بتایا وَنَزَعْنَا مَافِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ (43:7) وہ بالآخر سینہ صاف تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی وہی صفائی اور پاکیزگی پیدا کرے۔ مولوی صاحب اپنی طبعی عمر پوری کر کے فوت ہوئے۔ لیکن اگر وہ کچھ اور جیتے تو اچھا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں اب موت کا وقت ہی آ گیا تھا۔ ہم بھی گزر جائیں گے اور پھر اور نسلیں آئیں گی۔ اور گزر جائیں گی اور سلسلہ کی تاریخ میں مکرم مولوی محمد علی صاحب کے کارناموں کا تذکرہ باقی رہے گا۔ میں ان کے خاندان کے ساتھ اخلاص سے اظہار ہمدردی کرتا ہوں اور ان کے غم میں برابر شریک ہوں۔ مجھے ان سے اختلاف تھا۔ بایں میرے دل میں ان کے لئے محبت تھی۔

(الحکم کراچی۔ 14 نومبر 1951ء)

26 دسمبر 1951ء

ایک ترک خاتون کا اظہار عقیدت

مولٰینا محمد یعقوب خاں صاحب اخبار ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' میں لکھتے ہیں

پچھلے دنوں ایک ترکی روزنامہ کی ایک نمائندہ خاتون مس کترمین لاہور آئیں اور لاہور کے اخبار نویسوں کی طرف سے ان کے اعزاز میں چائے کی دعوت دی گئی۔ میں بھی اس میں شامل تھا جب میں وہاں پہنچا تو دوسرے اخبار نویس حضرات نے انہیں میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ آپ کو صحیح پتہ بتا سکیں گے۔ خاتون مذکورہ نے تعارف کے بعد جب میں ان کے پاس بیٹھ گیا تو مجھ سے وہی بات دریافت کی جو میرے پہنچنے سے پہلے دوسرے اخبار نویسوں سے پوچھ رہی تھیں۔ ''کیا میں مولٰینا محمد علی سے مل سکتی ہوں؟ کیا وہ لاہور میں ہیں''

جب میں نے انہیں بتایا کہ میں مولٰینا سے ان کے انٹرویو کا انتظام کرا دوں گا تو وہ بے حد خوش ہوئیں۔ انہوں نے بتایا کہ ''لاہور کو میں صرف ایک ہی نام کی وجہ سے جانتی ہوں اور وہ مولٰینا محمد علی مترجم ترجمۃ القرآن انگریزی کا اسم گرامی ہے''۔ دوسرے دن چائے پر (جو حضرت مولٰینا نے اس خاتون کے اعزاز میں دی تھی) حضرت مولٰینا سے ملنے پر پہلی بات جو خاتون موصوفہ نے کی وہ حضرت مولٰینا کا شکریہ تھا۔ آپ نے قرآن کریم کو خاتون موصوفہ کے لئے قابل فہم بنا دیا ہے۔

ممدوحہ نے بتایا کہ اگرچہ میں ایک کٹر ترک خاندان کی چشم و چراغ ہوں۔ اور میری ماں نے بھی قرآن کریم پڑھایا تھا۔ تاہم یہ کتاب میرے لئے سربمہر ہی رہی۔ جب تک آپ کے انگریزی ترجمۃ القرآن کو میں نے نہیں پا لیا۔ جس وقت میں لاہور آئی میں اپنے دل میں یہ کہہ رہی تھی کہ مجھے اس شخص کے پاس جا کر اس کے ہاتھوں کو چومنا چاہیئے۔ جس نے اس کتاب الٰہی کو میرے لئے کھولا۔ خاتون موصوفہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ حضرت مولٰینا کی بعض کتابوں کے تراجم ترکی زبان میں بھی ہو چکے ہیں اور یہ تراجم شیخ الاسلام ترکی کی طرف سے کرائے گئے ہیں۔

26 دسمبر 1951ء

اس صدی کا مجاہد اعظم

مسٹر اے جے خلیل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ میسور

جناب مولانا محمد علی صاحب کی وفات دنیائے اسلام کا ایک افسوسناک حادثہ ہے۔ آپ اسلام کے حقیقی مجاہد تھے۔ جس نے اپنے عمل سے دنیا کو دکھا دیا کہ قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہے۔ آپ نے اسلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک شاندار لٹریچر اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ جس پر انسان بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ دنیا نے آپ کو اس طرح نہیں پہچانا جیسا پہچاننے کا حق ہے۔ آپ اس صدی کے حقیقی مجاہد اعظم تھے۔ اگرچہ آپ نے مامور ہونے کا دعوٰی نہیں کیا، تاہم میرا یقین ہے کہ خدا تعالیٰ کی یہ مشیت تھی کہ مہذب دنیا کے ایوان اسلامی تعلیمات کے ان موتیوں سے سجائے جائیں جو اس لٹریچر کی شکل میں تیار کئے گئے ہیں جو اسلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ نے لکھا ہے۔

قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور احادیث نبویؐ کا ترجمہ جو آپ نے کیا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی نجات کے لئے کافی ہے۔ کوئی اسلامی مضمون نہیں، جس پر آپ نے نہایت فاضلانہ بحث نہیں کی۔ اور آپ کے یہ مضامین ان لوگوں کے ہاتھوں میں بلا دریغ دیئے جا سکتے ہیں جو اسلام کو تنقیدی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ انگریزی دان دنیا کو آپ کا شکر گزار ہونا چاہئیے۔ اس قسم کے انسان قیامت کے دن تک شاذ و نادر ہی پیدا ہوں گے۔ اور مسلمان قوم اس جگہ کو پورا کرنے سے عاجز رہے گی جو اس خادم اسلام نے خالی کی ہے۔ اگرچہ آپ کے کاموں کا ڈھنڈورا دنیا میں نہیں پیٹا گیا، آپ نے دنیا میں ایسی یادگار چھوڑی ہے جو کبھی مٹ نہیں سکتی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی روح پر برکات نازل کرے اور امن اور سلامتی کی بارش آپ پر برسائے۔ میں اور میرے رفیقانِ کار اس نقصان عظیم کے لئے جو انجمن کو اُٹھانا پڑا ہے آپ کے ساتھ دلی ہمدردی رکھتے اور آپ کے ماتم میں شریک ہیں۔ اور دعا ہے کہ کوئی اور خوش قسمت انسان مرحوم کی جگہ پُر کرنے کے لئے مل جائے جو اسلام کا شمع بردار ہو۔

26 دسمبر 1951ء

حضرت مولانا محمد علیؒ

از جناب ملک عبدالقیوم صاحب بی اے (علیگ) بیرسٹرایٹ لاء۔ پرنسپل لاء کالج لاہور

مقولہ مشہور ہے۔ موت العالم موت العالم۔ ایک عالم متجر کی موت گویا ایک دنیا کی موت ہے۔ اسی معقولے کا صحیح اطلاق اگر کسی سانحہ عظیم پر ہوتا ہے تو وہ حضرت مولٰینا محمد علی مرحوم ومغفور کی وفات حسرت آیات پر ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم کی زندگی اوران کی مسلسل کوششوں اور قربانیوں کا مماثل پاکستان تو خیر زمانہ حال میں براعظم ایشیاء میں بھی مشکل سے مل سکے گا۔ مروجہ کالجی تعلیم سے فراغت پاکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آں مرحوم قانونی پیشہ اپنا شغل زندگی بنانا چاہتے تھے۔ مگر چونکہ قسام ازل نے آپ سے ایک ایسا کام لینا تھا جس کی سرانجام دہی کے لئے ہمہ تن انہماک اور حصول دنیا کی مقتضیات سے ایک گونہ استغنیٰ ضروری جزو ہیں، مولانا مرحوم اوائل ہی سے تبلیغ اسلام اور ترویج علوم دینی کے سلسلے میں منسلک ہوگئے اور ایسے منسلک ہوئے کہ ان کی ستر سالہ شبانہ روز سعی آج نہ صرف عنداللہ ماجور ہوچکی ہے بلکہ جو مقام آپ کو اسلامی تبلیغ کے میدان میں حاصل ہو چکا ہے، وہ بجائے خود ایک فقید المثال کارنامہ ہے۔ جن بزرگوں کو مولانا مرحوم ومغفور سے ذاتی تقریب کی سعادت میسر تھی۔ اوران میں حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم ومغفور یعنی چودھویں صدی کے سرآوردہ علم برادران تبلیغ اسلام دریورپ پیش پیش تھے فرماتے تھے۔ کہ مولانا محمد علی مرحوم کا شمار تاریخ اسلام کے ان اکابر میں ہوتا ہے جو بلا مبالغہ ایک نئے عہد کے بانی قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ مولانا مرحوم کی زندگی کے متعلق یہ معیار ذاتی اختلاط یا عقیدت پر مبنی نہیں تھا۔ اگرچہ ایسا ہونا قابل اعتراض بھی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ منزلت آں مرحوم کی ان گراں بہا اسلامی خدمات کا نتیجہ تھی جو آپ سے سرزد ہوئیں۔

اس وقت اسلامی تصانیف اور تالیف کی دنیا میں آپ کا انگریزی ترجمہ قرآن کریم وترجمہ صحیح بخاری معیاری تراجم اور تالیف ہیں۔ ان مستقل بلند پایہ اور جید تصانیف کے علاوہ مولانا مرحوم نے اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بصیرت افروز کتاب لکھی۔ نیز اس کا اور صحیح بخاری کا ایک اردو ایڈیشن مرتب فرمایا۔ تاریخ کے باب پر مولانا کی تاریخ خلافت اسلامیہ اسلامیات کے ثقافتی شعبہ میں ایک

زرین اور درخشاں کارنامہ ہے۔ مولانا مرحوم کی ظاہری اور باطنی زندگی مسلمانوں کے لئے بالعموم اور مسلمان نوجوان کے لئے بالخصوص غائت درجہ سبق آموز ہے۔ آپ تین بجے اُٹھ کر نماز تہجد ادا فرماتے اور پھر تمام دن حتّٰی کہ نماز عشاء کے بعد تک مصروف رہ کر ہمارے اسلاف صالحین کے طریق عمل کا سچا نمونہ پیش فرماتے۔ آپ کا اخلاص، آپ کا اخلاق اور آپ کی دیانت آپ کے پاکیزہ کردار پر بمنزلہ کندن تھا۔ آپ کا شماران مشاہیر اسلام میں سے ہے اور ہوگا جو گویا خدمت اسلام کے لئے پیدا ہوئے اور اسی کے جوئے میں جان بحق ہوئے۔ آپ ہی ایسے بزرگ ہیں جن کے لئے قرآنی ارشاد ہوتا ہے۔

اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ . فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ . (56:11-12)

چین سے ایک خط: جو حضرت امیرؒ کے نام آپ کی وفات کے بعد موصول ہوا۔

ڈیئر ڈاکٹر محمد علی! ہمیں بڑی خوشی ہے کہ آپ کی خدمت میں یہ خط لکھنے کی عزت ہمیں حاصل ہوئی ہے۔ ہم آپ کے معزز نام سے 1942ء سے واقفیت رکھتے ہیں۔ جب مسٹر ٹو چنگ کے ذریعہ آپ کا انگریزی قرآن ہمیں ملا۔ ہم اس کو ایک قیمتی خزانہ سمجھتے ہیں۔ اور قریباً دس سال سے مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس لئے ہمارے دل میں آپ کے لئے بہت بڑی عزت واحترام ہے۔ آپ نے اپنے ترجمہ میں نہایت عمدہ تفسیر کی ہے۔ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ نے صحیح راستہ پر آپ کی رہنمائی کی ہے۔

آپ کے ترجمہ سے علمائے چین کو واقف کرنا ضروری ہے۔ اس لئے ہم 1949ء سے چینی زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ اور سولہ پاروں کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا ہے۔ اور اس کے فضل سے انشاء اللہ ہم اس کو مکمل کر کے رہیں گے۔ 1949ء میں ہم نے اپنے بھتیجے معصوم چنگ کو آپ کے ملک میں مذہب کا مطالعہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپ کی امداد سے انہیں مطالعہ مذہب کا موقعہ ملا ہے۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار اور آپ کے بڑے ممنون احسان ہیں۔ آپ کے مخلص۔ ابراھیم چنگ مولیا نگ۔ فاطمہ لی چینگ یوآن۔ 2 ستمبر 1951ء

26 دسمبر 1951ء

مولانا محمد علیؒ

مولانا عبدالمجید سالک صاحب

1912ء کا ذکر ہے۔ میں بعض دوستوں سے ملاقات کرنے کے لئے بٹالہ سے قادیان گیا۔ اور ایک عزیزہ کے علاج کے سلسلے میں مولانا حکیم نورالدین مرحوم و مغفور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صبح کا وقت تھا۔ حکیم صاحب اپنے مکان کے صحن میں تشریف رکھتے تھے۔ بہت سے عقیدت منداور ضرورت مند لوگوں کا جمگھٹا تھا۔ کوئی نبض دکھارہا تھا۔ کوئی طب کی تعلیم حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ کوئی کسی دینی مسئلے کے متعلق استفادے کی غرض سے آیا بیٹھا تھا۔ میں بھی انہی لوگوں میں بیٹھ گیا۔ جب میری باری آئی تو میں نے اپنی عزیزہ کے لکھے ہوئے حالات پیش کئے۔ جن میں مرض کی کیفیت مفصل درج تھی۔ حکیم صاحب نے ان حالات کوغور سے پڑھتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ کہاں سے آئے۔ میں نے عرض کیا بٹالہ سے۔ پوچھنے لگے کس محلے میں رہتے ہو۔ جواب دیا۔ ہاتھی دروازے میں۔ پوچھا ککے زئی ہو؟ عرض کیا جی ہاں۔ پوچھا کس خاندان سے ہو۔ میں نے بتایا کہ میاں میر محمد میرے دادا ہیں۔ چونک کر کہا، وہی میاں میر محمد جو صبح سے شام تک لوگوں کو مفت پڑھاتے ہیں؟ میں نے مسکرا کر کہا۔ جی ہاں۔ فرمایا وہ تو ہمارے دوست ہیں۔ اور تم ہمارے بچے ہو۔ یہاں کس کے پاس ٹھہرے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ قاضی اکمل صاحب کے پاس۔ مسکرا کر کہا۔ جی ہاں شاعر تو شاعر ہی کے پاس ٹھہرے گا۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک صاحب حکیم صاحب سے ملنے آئے۔ سر پر ترکی ٹوپی، چہرے پر سیاہ ڈاڑھی، لمبا فراک کوٹ اور شلوار پہنے۔ حکیم صاحب نے سب کام چھوڑ چھاڑ کر ان کی طرف توجہ فرمائی۔ دو تین باتیں کر کے فرمایا یہ نوجوان عبدالمجید سالک ہیں۔ بٹالہ کے مولوی میر محمد صاحب کے پوتے ہیں۔ پھر مجھ سے فرمایا۔ مولوی محمد علی صاحب سے ملو۔ میں نہایت نیازمندانہ مولوی صاحب سے ملا۔ یہ تو مدت سے سن رہا تھا کہ مولوی محمد علی ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی انگریزی زبان کے بڑے ماہر ہیں۔ اور قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ لیکن ملاقات آج ہوئی۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے حکیم صاحب سے قرآن حکیم کے بعض مقامات کے معنی دریافت کئے۔ بعض الفاظ

کے مطالب پر گفتگو کی اور میرے ساتھ نہایت شفقت سے مصافحہ کر کے چلے گئے۔

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب میں لاہور میں ''زمیندار'' کا ایڈیٹر مقرر ہوا۔ اس زمانے تک مولوی ظفر علی خاں اور ڈاکٹر اقبال کے مولوی محمد علی صاحب خواجہ کمال الدین، ڈاکٹر یعقوب بیگ، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ اور شیخ رحمت اللہ سے دوستانہ تعلقات تھے۔ لیکن ان بزرگوں سے میری ملاقات گاہے بگاہے ہوا کرتی تھی۔ ''انقلاب'' کے جاری ہونے کے بعد مولانا محمد علی صاحب سے اکثر ملاقاتیں ہوتیں۔ مولانا احمدیہ بلڈنگس میں مسجد سے متصل مکان میں رہتے تھے۔ اور میں کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ مولٰینا مجھ پر بے حد شفقت فرماتے۔ اور ''انقلاب'' کی دینی وسیاسی خدمات کی بے حد تعریف کرتے۔

مولانا محمد علی حضرت مرزا صاحب کی صحبت سے نہایت سچے اور پکے مسلمان بن گئے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کے قلب ودماغ میں مذہب مقدس اسلام کی عظمت کچھ اس طرح جاگزین ہوئی کہ آپ نے اپنی پوری زندگی اس کی تبلیغ کے لئے وقف کردی۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمت دین میں بسر ہوا۔ قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کے علاوہ انہوں نے دینی مسائل پر بے شمار کتابیں لکھیں، جن میں سے میرے نزدیک بہترین کتاب ''ریلیجن آف اسلام'' ہے جس کو پڑھنے کے بعد ایک انگریزی دان شخص دین کے متعلق اس قدر مفصل معلومات حاصل کر لیتا ہے جو فارغ التحصیل مولویوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی۔

کوئی پندرہ سال سے مولوی محمد علی مسلم ٹاؤن میں رہتے تھے۔ جہاں میرا غریب خانہ بھی ہے۔ اس لئے مجلسوں اور تقریبوں میں ان سے اکثر ملاقات ہوتی تھی۔ اور ان کی بزرگی اور تقدس کے باوجود میں ان کی خدمت میں خاصا بے تکلف تھا۔ بلاشبہ وہ احمدی تھے۔ لیکن دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت مخلصانہ اور برادرانہ تھے۔ ایک اس لئے کہ وہ احمدیوں کی اس شاخ کے امیر تھے جس کے عقائد میں تشدد نہیں۔ دوسرے اس لئے کہ ان کی طبیعت اصلاً صلح پسند تھی۔ وہ مسلمانوں کی تمام تحریکات میں ہمدردانہ حصہ لیتے تھے۔ کسی کی تکفیر کے روادار نہ تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تکفیر اور تبلیغ میں تضاد تھا۔ وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیائے مغرب کو بھی اسلام کا پیغام دیتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے

کہ وہ ہر اعتبار سے اس پیغام کے پہنچانے کی اہلیت رکھتے تھے۔ وہ صرف عالم دین نہ تھے بلکہ ایک عالی پایہ مفسر اور مجتہد بھی تھے۔ اعلیٰ درجے کے انگریزی دان تھے۔ اور مغربیوں کے ذہن کو خوب سمجھتے تھے۔ انہوں نے اسلام کو مغربی تعلیم یافتہ طبقوں اور خود مغربیوں تک ایسے رنگ میں پہنچایا کہ وہ بے اختیار اس مذہب کی عظمت کے قائل ہو گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ممالک مغرب کے صدہا طالبان حق مولانا محمد علی کے مقالات اور کتابوں کو پڑھ کر مسلمان ہوئے۔ اور یہ مولانا محمد علی ہی کی مساعی کی برکت ہے کہ آج ممالک مغرب میں اسلام کا نام احترام سے لیا جاتا ہے۔ اور شاذ و نادر ہی کسی شخص کو اسلام کی مخالفت کی جرأت ہوتی ہے۔ اسلام کی بے لوث خدمت اور اس میں مدت العمر انہاک یقیناً مولانا محمد علی کی مغفرت کا باعث ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے مخلص خادموں کی سعی و جہد کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔

اس میں شک نہیں کہ عقائد میں ان کے اور عام مسلمانوں کے درمیان تھوڑا سا فرق تھا۔ لیکن وہ فرق اتنا سنگین ہرگز نہ تھا کہ مسلمان ان کی خدمات دینی کو فراموش کر دیں اور ان کی قدر نہ کریں۔ مجھے یہ دیکھ کر بے حد صدمہ ہوتا ہے کہ آج کل کے زمانے میں جب کہ اخبارات اور ریڈیو معمولی معمولی کارکنوں اور شاعروں اور ادیبوں کے انتقال پر صفحوں کے صفحے سیاہ کر ڈالتے ہیں اور تقریریں کر کر کے سامعین کا مغز چاٹتے ہیں، مولانا محمد علی جیسے عظیم انسان کے انتقال پر ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مسلمان اخبارات و رسائل مولانا کے حالات زندگی اور ان کی تبلیغی خدمات پر مفصل مقالات شائع کرتے۔ اور ریڈیو پر ان کے کام کے متعلق متعدد تقریریں کرائی جاتیں۔ لیکن اکثر اخباروں نے صرف ان کے انتقال کی معمولی سی خبر چھاپنے پر اکتفا کیا۔ اور شائد دو تین اخباروں نے نوٹ لکھے۔ جو پندرہ بیس سطروں سے زیادہ کے نہ تھے۔ یہ زمانے کی ناقدردانی اور بدمذاقی کی دلیل ہے۔ لیکن ممالک مغرب کے مذہبی حلقوں میں مولانا کے انتقال پر اظہار افسوس کیا گیا اور ان کے کارناموں پر مضامین بھی لکھے گئے۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مولانا کے لئے اجر جزیل موجود ہے۔ اور جس کی خدمت اللہ کے ہاں مقبول ہوا سے دنیا والوں کی مقبولیت کی کیا پروا ہو سکتی ہے! اللہ تعالیٰ مولانا کو اپنے دامن رحمت کے سائے میں پناہ دے۔ ان کی خدمات دینی کو ان کے لئے مغفرت اور درجات بلند کا سرمایہ بنائے۔ اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کو ان کی مثال کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

26 دسمبر 1951ء

مولانا محمد علیؒ کی وفات

خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

مولانا محمد علیؒ قادیان کی لاہور جماعت کے پیشوا تھے۔ابھی حال ہی میں ان کی وفات کی خبر لاہور ریڈیو نے سنائی۔قادیان کی گذشتہ اور موجودہ خلافت سے ان کا اتفاق نہیں تھا۔اورانہوں نے اپنی ایک الگ جماعت بنائی تھی۔خواجہ کمال الدین مرحوم ان کی پارٹی میں تھے۔مولانا محمد علی مرحوم نے قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ بھی کیا۔ مجھے تبلیغی تعلقات کے سبب اپنی عمر کی ابتداء سے آج تک مرحوم سے ملنا جلنا رہا اور میں ان کو اسلام کا بہت بڑا اور بہت کامیاب خدمت گزار مانتا ہوں۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اوران کے پسماندوں کو صبر دے۔میں بھارت اور پاکستان کے مریدوں اور خلفاء کو اطلاع دیتا ہوں کہ ان کے لئے فاتحہ خوانی کی مجلس کریں۔انہوں نے قرآن کی اور اسلام کی اتنی زیادہ خدمات انجام دی ہیں کہ میں ان کے لئے فاتحہ خوانی ضروری سمجھتا ہوں۔

’’منادی‘‘

بابت ستمبر و اکتوبر 1951ء

26دسمبر 1951ء

پاکستان کا عظیم ترین مذہبی وروحانی رہنما

میاں بشیر احمد صاحب سفیر پاکستان برائے ترکی

مولانا محمد علی پاکستان کے ایک عظیم ترین مذہبی وروحانی رہنما تھے۔انہوں نے مدت العمر لاہور میں رہ کر وہ کام سرانجام دیا جس کے لئے ملت اسلامیہ میں ہمیشہ ہمیشہ ان کی یاد تازہ رہے گی۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ وتفسیر اور سیرت نبویؐ، خلافت راشدہؓ اور مذہب اسلام پر انگریزی زبان میں ان کی تصانیف لاجواب ہیں۔اختلاف رکھنے والوں کو بھی ان کی افادیت کا اعتراف ہے۔

یہ کتابیں دنیا کے تمام حصوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ایک سال ہوا محترمہ بیگم محمد علی صاحبہ نے ان کتابوں کے چند نسخے ترکیہ میں بیگم بشیر احمد کو بھیجے۔ترکوں نے ان کو نہایت متبرک ہدیہ سمجھ کر قبول کیا۔ میرے ایک دوست ترک افسر نے چند ماہ ہوئے مجھے کہا کہ جس طرح بھی ہو سکے مجھے اپنے پاکستانی مصنف مولٰینا محمد علی کا انگریزی قرآن مجید منگا کر دیجئے۔میں اسے ہر قیمت پر خریدنے پر تیار ہوں گا۔

مولانا محمد علی نے آج کل کی اسلامی دنیا کو شکوک وشبہات سے رہائی دلانے میں وہ کام کیا ہے جس پر پاکستان بجا طور پر فخر کرسکتا ہے! بشیر احمد۔5دسمبر 1951ء

26 دسمبر 1951ء

انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن نے میری دستگیری کی

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

مولانا کی خدمت میں مضمون کے لئے لکھا گیا تھا، اس کے جواب میں ذیل کا خط مدیر ''صدق جدید'' کی طرف سے موصول ہوا ہے۔

وعلیکم السلام۔ آپ کا مکتوب اتنے تنگ وقت پر پہنچا کہ مضمون لکھنے کی تو اب گنجائش ہی نہیں۔ صرف دو سطر میں مکتوب پر اکتفاء کرتا ہوں۔

مرحوم کی خدمات اسلام کا انکار کرنا دن کی روشنی میں آفتاب کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ 1930ء میں (آج سے اکیس سال قبل) جب میں انگریزیت کے پھیلائے ہوئے زہر الحاد (''ریشنلزم'' اور ''ریگنا سزم'') میں غرق تھا، مرحوم کے انگریزی ترجمہ قرآن ہی نے دستگیری کی۔ وہ اگر محض اتفاق سے ایک عزیز کے پاس دیکھنے کو نہ مل جاتا تو خدا معلوم کتنی اور مدت تک میں بھٹکتا رہتا۔ اور میری ہی طرح خدا معلوم اور کتنوں کے حق میں وہ شمع ہدایت ثابت ہوا ہوگا۔ پھر اردو تفسیر القرآن، فضل الباری، خلافت راشدہؓ، سیرت خیر البشرؐ اور انگریزی ریلجن آف ہیومینیٹی، مینوئل آف حدیث، ان کی تصانیف ایک سے بڑھ کر ایک مفید و معرکۃ الآراء موجود ہیں۔ چند اہم مسائل (خصوصاً معجزات) میں ان کی تحقیقات سے اختلاف دوسری چیز ہے، لیکن اس کے باوجود جس طرح زمخشری معتزلی کی خدمات قرآنی سے انکار ممکن نہیں، مرحوم مفسر قرآن کی بھی عام خدمات اسلامی سے چشم پوشی، حق پوشی کے مترادف ہوگی۔ ذاتی ملاقات کا موقع صرف ایک ہی بار ملا۔ لیکن وہ ملاقات بھی بہت اچھی رہی۔ چہرہ پر ایک نورانیت تھی جو شب بیداری اور مجاہدات ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اخلاق، گفتگو، شرافت اور نرمی کی شان تھی۔ ان الحسنات یذھبن السّیئات کے تحت مَیں دعا کرتا ہوں کہ اللہ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان کی خدمات دین کو حسن قبول سے سرفراز کرے۔ والسلام۔ عبدالماجد

26 دسمبر 1951ء

اسلام کا عظیم المرتبت عالی دماغ انسان

بیگم بشیر احمد صاحبہ

مولانا محمد علیؒ کے انتقال پُر ملال کی غمناک خبر ہمیں انقرہ میں ملی۔ دل کو بے حد صدمہ پہنچا۔ صد حیف ہے کہ دنیائے اسلام کا وہ عظیم المرتبت عالی دماغ انسان، جس نے عمر بھر اپنی غیر معمولی علمیت اور قابلیت کے ساتھ اسلام کی پُر خلوص خدمت کی، ہمیں داغ مفارقت دے گیا۔ وحدت وصداقت کے اس پیغام کو جسے تیرہ سو سال گذرے پیغمبر اسلام خاتم المرسلین نے بنی نوع انسان کو سنایا تھا، اسے بیسوی صدی عیسوی میں مولانا محمد علیؒ نے دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کی کوشش کی۔ انہوں نے مذہب اسلام کا صحیح اور سچا نقطہ نگاہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ ان کی شب و روز کی محنت وجانفشانی سے قرآن کریم کا ایسا شاندار اور اعلیٰ ترجمہ انگریزی زبان میں پایہ تکمیل کو پہنچا جس کی سب ممالک میں بے حد قدر کی جارہی ہے۔ دین اسلام پر مولانا صاحب کی کتابیں کئی ممالک میں خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ترکی میں دو سال کے قیام میں ہم پر یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ مولانا صاحب کی اسلامی خدمات کو ترک قوم دلی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ مولانا کے اسم گرامی سے ترکی کا مذہبی طبقہ خوب واقف ہے۔ ان کی کتاب ''ریلجن آف اسلام'' کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا جارہا ہے۔ اس مایہ ناز شخصیت کو اب ہماری آنکھیں چاروں طرف ڈھونڈھتی ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ ہم اس سرچشمہ علمیت کے فیض سے اب محروم ہو گئے۔ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ پنجاب کی مردم خیز سر زمین میں اسلام کا یہ علمبردار پیدا ہوا جس نے وہ شاندار اسلامی خدمات انجام دیں جس سے کل اہل اسلام صدیوں فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ ترکی سے میری اُن سے خط و کتابت رہی۔ اُن کا آخری خط وفات کے بعد مجھے ملا۔ ہمارے اُن سے سدا دوستانہ تعلقات قائم رہے اور مجھے اُن سے پُر خلوص عقیدت تھی۔ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ہم پھر ان سے ملاقات حاصل نہ کر سکیں گے۔ مولانا اب جنت میں رونق افروز ہیں۔ لیکن کرہ ارض پر ان کا نام تا قیامت زندہ رہے گا اور ان کی یاد ان کی تحریروں کے ذریعہ ہمیشہ تازہ رہے گی۔ گیتی آراء بیگم بشیر احمد

26 دسمبر 1951ء

موت العالم

شیخ میاں فضل احمد صاحب کے نام ایک تعزیتی خط

مجبی ام شیخ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

موت العالم موت العالم۔ سیدی ومولائی قبلہ مولانا محمد علیؒ کی وفات اس سال کا سب سے بڑا سانحہ ہے۔ دنیائے اسلام نے ان کی ذات بابرکات سے عظیم فائدہ اُٹھایا ہے۔ ہوا اور پانی سے ہر ذی حیات مستفیض ہوتا ہے لیکن ان میں کتنے ہیں جن کو یہ اعتراف ہے۔ اسی طرح محسوس اور غیر محسوس طور پر ہر مسلم نے مولانا موصوف کی قلم اور صحبت سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اللہ انہیں ملائے اعلیٰ میں اپنے فیوض سے نوازے۔

یہ چند کلمات آپ کو لکھ رہا ہوں کہ آپ حضرت صاحب موصوف کے بہت قریب تھے۔ اور آپ کو اور بیگم صاحبہ (حضرت امیر مرحوم) کو ان کی مفارقت سے بہت صدمہ ہوگا۔ انہیں انبیاءؑ کا پارٹ دیا گیا تھا جس کو انہوں نے اچھی طرح سے نبھایا ہے۔ میں بعارضہ اسہال ایک ہفتہ سے بستر علالت پر ہوں۔ ورنہ حاضر ہوتا۔ بوجہ بیماری میں یہ بھی معلوم نہیں کر سکا کہ آپ آج کل کہاں ہیں۔ اس لئے مستقل پتہ لائل پور پر ہی لکھ رہا ہوں۔ قبلہ والد صاحب کی ذات گرامی میں میرا سلام عرض کریں۔

بچوں کو دیدہ بوسی۔ نیازمند (مولوی) محمد ابراہیم (سیشن جج) لاہور

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ کی اردو ڈائری کا آخری ورق

حضرت امیرؒ کی اردو تحریر (جو ایام بیماری میں آپؒ نے لکھی) کا عکس پیغام صلح کے شمارہ مجریہ 26 دسمبر 1951ء کے صفحہ 53 پر اصالتاً دیا گیا ہے۔ اس تحریر کے مندرجات درج ذیل ہیں۔ یہ تحریر حضرت امیرؒ کی ایک ڈائری سے لی گئی ہے جو 3 مارچ 1951ء کو آپ نے لکھی۔ اور اس کے بعد کوئی اور اندراج اس میں نہیں ہے۔

3-3-51

☆ کچھ رؤیا، جو میں نے کراچی میں 18 ستمبر کے بعد سخت بیماری کی حالت میں دیکھے، ان میں سے بعض وقتاً فوقتاً اخبار میں آ گئے ہیں۔ لیکن بعض نہیں آئے۔ ان کو اب یہاں لکھتا ہوں۔ 18 ستمبر یا 19 ستمبر کے بعد کی رات تھی۔ اور میری حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ میاں نصیر احمد میرے پاس بیٹھے ہوئے (کچھ اور عزیز بھی موجود تھے) سورۃ یٰسٓ مجھے سنا رہے تھے۔ چونکہ وہ ٹارچ کی روشنی سے پڑھتے تھے، بعض وقت غلطی بھی کر جاتے تو میں اصلاح کر دیتا۔ ایک آنی نظارہ اس حالت میں یہ دیکھا کہ میں ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر اکیلا کھڑا ہوں اور نہیں جانتا کہ اب کس طرح یہاں سے کسی امن کے مقام پر پہنچوں گا کہ کسی غیبی طاقت نے مجھے اٹھایا اور مجھے لا کر ایسی جگہ رکھ دیا جہاں میرے ارد گرد قرآن کریم کے پڑھنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ اور سارے کا سارا مجمع، جس میں مجھے رکھا گیا، قرآن کریم پڑھ رہا ہے۔ یہ حالت جاتی رہی تو میاں نصیر احمد ابھی سورۃ یٰسٓ پڑھ رہے تھے۔

☆ ایک دن درد کی وجہ سے سخت کرب کی حالت میں تھا کہ ایک غنودگی کی حالت طاری ہو گئی اور میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں گویا مکہ معظّمہ میں ہوں اور دو مقامات پر بہت ہی بلندی پر بھی کئی جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ اور میں ان کے بیچ میں دوڑ رہا ہوں۔ کبھی ایک طرف کے جھنڈوں کی طرف جاتا ہوں کبھی دوسری طرف کے جھنڈوں کی طرف۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک مقام پر جو جھنڈے (ہیں) وہ ارکان حج کے مختلف جھنڈے ہیں۔ اور دوسری مقام پر جو جھنڈے ہیں وہ یورپ اور امریکہ کے مختلف ممالک کے جھنڈے ہیں۔ گویا یہ جھنڈے یہاں خانہ کعبہ کو سلام دینے کے لئے لائے گئے ہیں۔

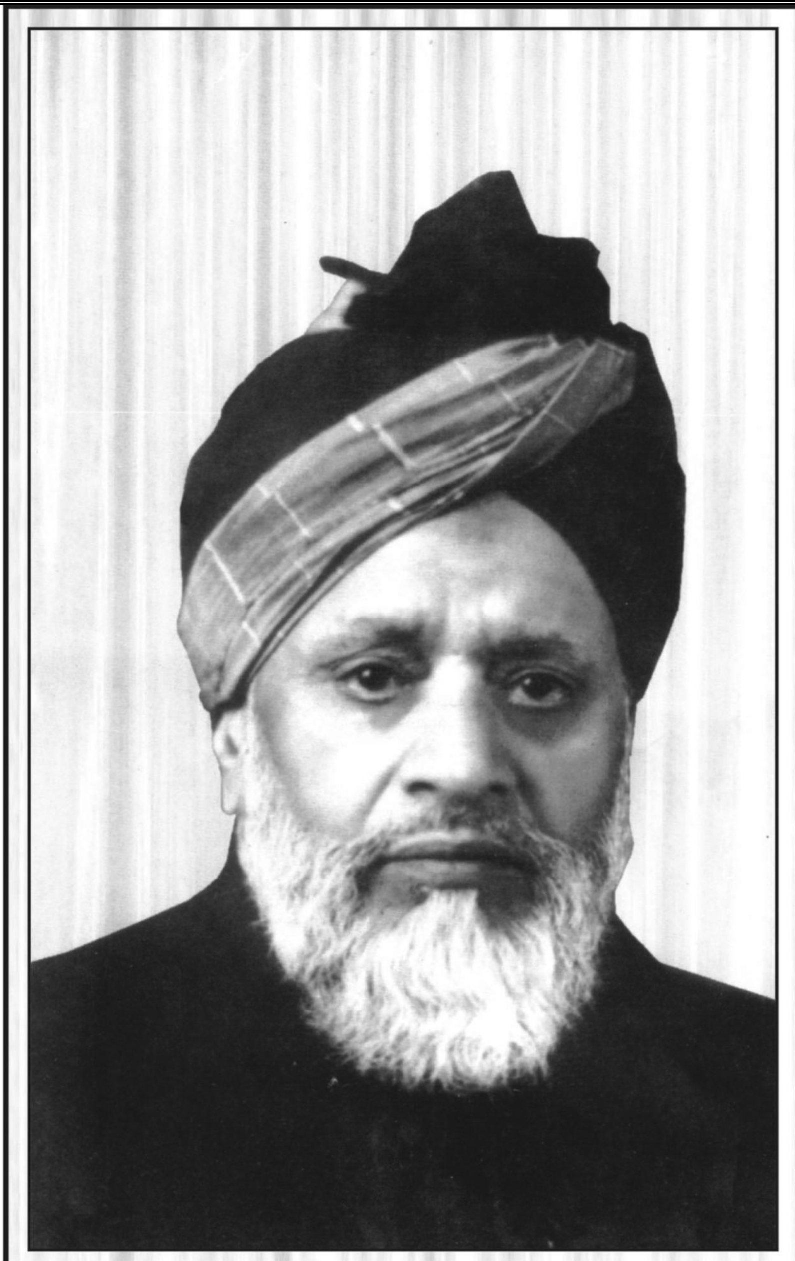

شبیہہ مجاہد کبیر، مجدد الدّین، المنصور، فاضل الٰہیات، مفسر قرآن علامہ حضرت مولٰینا محمد علیؒ
ایم۔اے، ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ، لاہور

26 دسمبر 1951ء

حضرت امیرؒ کی انگریزی ڈائری کا آخری ورق

پیغام صلح کے خصوصی شمارہ مجریہ 26 دسمبر 1951ء کے صفحہ 55 پر حضرت امیرؒ کی انگریزی تحریر کا عکس شائع ہوا ہے۔ یہ تحریر آپ کی انگریزی ڈائری سے لی گئی ہے جو 3 مارچ کو آپ نے لکھی۔ اور اس کے بعد کوئی اندراج اس ڈائری میں نہیں۔ اس تحریری عکس کے مندرجات درج ذیل ہیں۔

3-3-51

Received a letter from Woking yesterday-containing a copy of a letter from Mr. H.W. Thomas-Abdul Aziz,Camden, New jersey, U.S.A dated 29th Jan. 1951, containing eleven names of persons who had joined Islam, also a copy of a report for publication in The Islamic Review containing names of eight persons who joined Islam, and who belong to England and Holland, including one belonging to Australia. Ninteen converts to Islam. The news is no doubt a harbinger of what is yet to come.

يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (2:110)

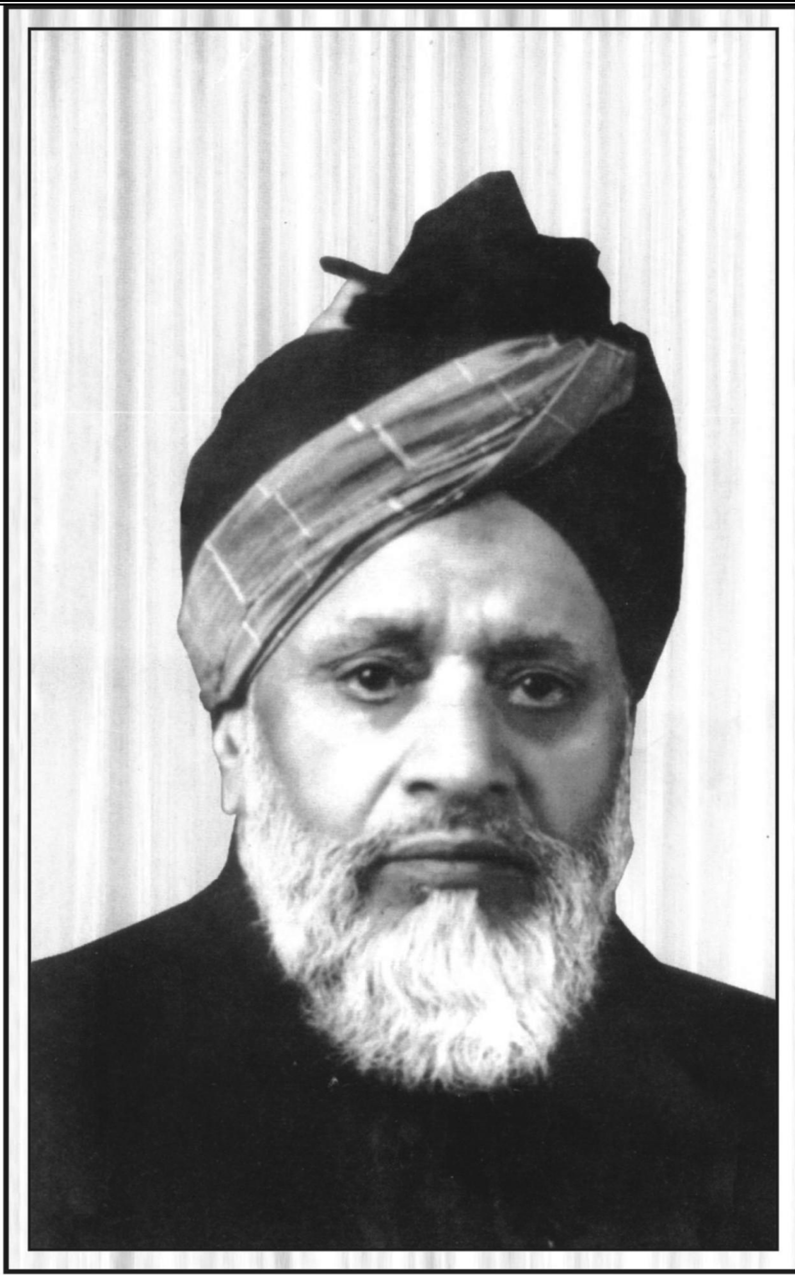

شبیہہ مجاہد کبیر، مجدد الدّین، المنصور، فاضل الٰہیات، مفسر قرآن علامہ حضرت مولٰینا محمد علیؒ
ایم۔اے، ایل ایل بی، امیر جماعت احمدیہ، لاہور

30 جنوری 1952ء

حضرت امیرؒ سے میرے تعلقات

جناب فضل کریم ٹھیکدار راولپنڈی

آج مورخہ 13 اکتوبر 1951ء کو دن کے گیارہ بجے حضرت امیر مولٰینا محمد علیؒ اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ. آپ جماعت احمدیہ لاہور کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے آپ جاتے ہوئے بھی مسلمانان عالم کو اور احمدیہ جماعت کو ایک ایسا تحفہ دے گئے جو رہتی دنیا تک ان کا نام زندہ رکھے گا۔ ہمیں تو وہ خوش کر کے رخصت ہو گئے مگر ہم سے آپ ناراض گئے۔

میرے پیارے امیر، جن کی میں باپ سے بڑھ کر عزت کرتا تھا، یہ داغ مفارقت دے کر اس دنیا سے تو اوجھل ہو گئے مگر ان کا فیض تقوٰی اور ان کی عبادت کبھی بھی اوجھل نہیں ہو سکتی۔ اس عاشق قرآن نے جو اسلامی فتوحات حاصل کیں اور خدا کا نام دنیا میں بلند کیا ان سے ان کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا جو کام ان کے مرشد (حضرت امام وقت) نے ان کے سپرد کیا اس کو انہوں نے پورا کر دکھایا۔

حضرت امیرؒ اکثر راولپنڈی کے جلسوں پہ تشریف لایا کرتے تھے اور میرے غریب خانہ پر تشریف لا کر مجھے شرف بخشا کرتے تھے۔ ان کی وہ محبت بھری باتیں جو جماعت اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ وابستہ تھیں میرے دماغ میں گونجتی ہیں اور دل پر نقش تحریر ہیں۔ وہ مردِ خدا عاشقِ قرآن ہمیشہ یہی کوشش کرتا رہا کہ خدا کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے اور اللہ تعالٰی کی ذات باری پر ان کو اتنا بھروسہ تھا کہ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے مجھے نظر آتا ہے قرآن کریم دنیا میں پھیل جائے گا اور اللہ تعالٰی کی طرف سے یہ کام سرانجام ہوگا۔

رات کو اکثر جلسہ دیر سے ختم ہوا کرتا اور ہم دیر سے واپس آتے تھے۔ حضرت امیرؒ اور خاکسار ایک ہی کمرہ میں سوتے تھے۔ ایک دفعہ ہم جلسہ سے رات کے ساڑھے بارہ بجے واپس آئے اور آ کر سو گئے۔ ابھی سوئے ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے رونے اور سسکیاں بھرنے کی آواز سنی میں نے سمجھا حضرت امیر خواب میں رو رہے ہیں کافی دیر تک آواز سنتا رہا لیکن آواز متواتر آ رہی تھی۔ آخر میں اُٹھا اور حضرت امیرؒ کی چارپائی کے قریب گیا اور ٹیبل لمپ کو جلایا جو کہ ان کی چارپائی کے

نزدیک ہی میز پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت امیرؒ چار پائی پر نہیں ہیں۔ میں بڑا حیران ہوا میں نے چاروں طرف کمرے میں دیکھا تو حضرت امیرؒ کو کونے میں سجدے میں پڑے ہوئے پایا۔ وہ رو رہے تھے میں یہ نظارہ دیکھ کر مبہوت کھڑا رہا۔ حضرت امیرؒ کی شخصیت کا اتنا رعب اور دبدبہ مجھ پر پڑا کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ اسی حالت میں کھڑا رہا کہ صبح کی نماز کا وقت آ گیا۔ میں نے وضو کیا اور ان کے ساتھ نماز ادا کی۔ یہ مرد خدا ہر وقت اللہ اور رسولؐ کے کاموں میں محو رہتا۔ دین اسلام کی اشاعت اس عاشق قرآن کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ ان کا کوئی ایسا وقت نہیں تھا جس وقت وہ لکھنے میں مصروف نہ ہوں۔ میں اکثر سوچتا تھا کہ حضرت امیرؒ چوبیس گھنٹوں میں صرف دو گھنٹے رات کو آرام کرتے ہیں تو ان کی صحت کا اللہ ہی حافظ ہے۔ میں نے اکثر دیکھا کہ یہ نورانی انسان لکھنے میں اس قدر محو ہے کہ ان کے سامنے چائے رکھی ہے اور پڑی پڑی سرد ہوگئی ہے۔ جب ان سے عرض کیا کہ حضرت چائے تو ٹھنڈی ہوگئی ہے تو فرماتے کہ پھر گرم ہو جائے گی۔ اس مجاہد نے دنیا میں وہ کام کیا ہے جو تیرہ سو سال کے عرصہ میں نہ ہوا تھا جو اس عاشق قرآن نے سرانجام دیا۔

ایک دفعہ میں اور میرے ایک دوست خان بہادر قاضی نذیر احمد صاحب، جو سرکاری وکیل ہیں اور راولپنڈی کے بہت معزز آدمی ہیں، موٹر میں جہلم جا رہے تھے۔ راستہ میں خان بہادر صاحب نے پوچھا کہ حضرت مولٰینا صاحب کی صحت کیسی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ان کی صحت آج کل اچھی نہیں۔ اکثر بیمار رہتے ہیں۔

خان بہادر صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کو صحت عطا کرے اور ان کی عمر دراز کرے اس انسان نے قرآن کریم پیغمبر اسلام اور اسلام کی وہ خدمت کی ہے کہ تیرہ سو سال کے عرصہ میں کسی نے نہیں کی۔ میں نے اکثر حضرت مولٰینا محمد علی صاحب کی کتابیں پڑھی ہیں۔ جو سرور ان کی کتابیں پڑھنے سے آتا ہے اور کسی کی کتابیں پڑھنے میں نہیں آتا۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ جنت ملے گی مگر انہوں نے دنیا میں ہی جنت بنا لی۔ یہ رائے ہے ایک غیر احمدی کی حضرت امیرؒ کے متعلق۔ میں احمدیت کے سخت مخالف تھا۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم اور حضرت امیرؒ جیسے جلیل القدر انسانوں نے مجھے احمدی جماعت میں شامل ہونے کا شرف بخشا۔ میں ان کی ذات گرامی پر لاکھ لاکھ درود بھیجتا

ہوں اور رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ حضرت امیرؒ کے لواحقین کو اور جماعت کو صبر جمیل عطا فرمائے اور وہ اس مشن کو جاری رکھیں جس کے لئے حضرت امیرؒ نے تمام عمر جہاد کیا اور جہاد کرتے رہے۔ آمین ثم آمین۔

آخر میں مَیں اس خط کی نقل جو حضرت امیرؒ نے مورخہ یکم اگست 1951ء کو مجھے تحریر کیا تھا کرتا ہوں۔ حضرت امیرؒ اکثر مجھ جیسے کمتر انسان کو اپنے خطوط لکھ کر شرف بخشا کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل تحریر حضرت امیرؒ کے خط کی نقل ہے:

اخویم مکرم و معظم ملک صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ابھی بابو غلام قادر صاحب کے خط سے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کے وجود سے راولپنڈی کی جماعت کو قوت پہنچ رہی ہے اور آپ نے وہاں بچوں اور بچیوں کی تعلیم کے لئے اسکول بھی کھول رکھا ہے اور اسکول میں جماعت کے لئے نماز جمعہ کا بھی انتظام ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب نیک کاموں کے لئے آپ کو جزائے خیر دے۔ مگر میں ایک اور کام کی طرف بھی آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ ہے جماعت کا استحکام اور اس کی توسیع۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے دنیا میں تبلیغ اسلام کے کام کو قوت ملے۔ ایک وقت تھا آپ ان کاموں میں پوری قوت سے حصہ لیتے تھے۔ اب جبکہ اس کے لئے مواقع اور محل بھی بڑھ گئے ہیں تو امید ہے آپ بھی قدم کو اس بارہ میں اسی رفتار پر چلا کر اس سے بھی تیز کر کے جماعت کو ایک زبردست طاقت اور قوت کا موجب بنالیں گے۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

’’پروین‘‘ برنٹن روڈ۔ کراچی۔ یکم اگست 1951ء

3 اپریل 1952ء

حضرت امیر مولینا محمد علیؒ کا خط اپنے صاحبزادے کے نام

مرسلہ بیگم حضرت امیرؒ

1948ء کے موسم گرما میں حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ اپنے بڑے صاحبزادے محمد احمد سلمہ کے پاس کوئٹہ میں مقیم تھے اور وہیں سے آپ نے اپنے چھوٹے بیٹے حامد فاروق سلمہ کو بغرض تعلیم انگلستان کے لئے رخصت کیا۔ بوقت رخصت حضور نے چند نصائح لکھ کر ایک لفافے میں بند کر کے دیں جن کا اور کسی کو علم نہ تھا۔ اب وہ تحریر عزیز موصوف نے بھیجی ہے۔

مکتوب حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ: عزیزی حامد سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں اس عمر کو پہنچا ہوا ہوں کہ میں نہیں جانتا کہ آپ سے پھر اس زندگی میں ملاقات ہوگی یا نہیں۔ یہ چند نصائح لکھتا ہوں کہ اس لمبے سفر میں آپ کے سامنے رہیں:

1۔ اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ ہمارا ایک طاقتور خدا ہے۔ جو انسان کے دکھ اور مصیبت کے وقت اس کے کام آتا ہے۔ اور اس کے لئے ایسی راہیں کھول دیتا ہے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتیں۔

2۔ یہ بھی نہ بھولنا کہ ہمارا ہر عمل خدا کے ہاں لکھا جاتا ہے۔ اگر وہ اچھا ہے تو اپنا اچھا اور بُرا ہے تو بُرا اثر ہم پر چھوڑ جاتا ہے۔ انسانوں سے ہم چاہے کتنا بھی چھپ جائیں مگر خدا سے نہیں چھپ سکتے۔

3۔ شراب سب پلیدیوں کی جڑ ہے۔ اس کے نزدیک کبھی نہ جانا، کبھی نہ جانا، کبھی نہ جانا۔ اس مجلس میں شامل نہ ہونا جس میں شراب پی جاتی ہو۔

4۔ نماز کی پابندی کرنا، روزانہ صبح اُٹھ کر نماز ضرور پڑھ لینا۔ اور دو چار آیات قرآن شریف کی ضرور تلاوت کر لینا۔ اس عادت پر ایسی پختگی سے قائم ہونا کہ اور کوئی کام رہ جائے مگر یہ نہ رہے۔

5۔ محنت اور سادگی اگر یہ دو عادات قائم رہیں تو یہ ساری عمر کے لئے ایک راحت کا سامان ہوگا۔

6۔ اپنی پڑھائی پر خوب محنت کرنا۔ لیکن دین کی خدمت اور بنی نوع انسان کی بھلائی کا کوئی

کام بھی ضرور مدنظر رکھنا۔اس کے بغیر زندگی میں راحت پیدا نہیں ہوتی۔

7۔اس بات کو کبھی نہ چھپانا کہ ہم خدا کے فضل سے مسلمان ہیں۔اور اس صدی کے مجدد کو ہم اپنا امام مانتے ہیں۔احمدی ہیں اور آنحضرت صلعم کے بعد کسی نبی کا آنا نہیں مانتے۔اور کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے۔اگر ان باتوں پر عمل کی آپ کوشش کریں گے تو خدا بھی آپ سے راضی ہوگا۔آپ کے ماں باپ بھی راضی ہوں گے۔اور خود آپ کا اپنا نفس بھی راضی ہوگا۔میرے بعد اپنی ماں کی بہت خدمت کرنا۔والسلام

خاکسار محمد علی

2۔کالون روڈ۔کوئٹہ

یکم اگست 1948ء 24 رمضان

16 اپریل 1952ء

ترجمۃ القرآن انگریزی کے متعلق چند سوالوں کے جواب

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب اخبار پیغام صلح لاہور۔ السلام علیکم۔ ایک صاحب کی طرف سے ایک خط موصول ہوا ہے جو درج ذیل ہے۔ انہوں نے ترجمۃ القرآن انگریزی مترجمہ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم ومغفور کے متعلق چند سوالات کئے ہیں۔ اوران کے جوابات مانگے ہیں۔ ان جوابات کے لئے حضرت مولانا مرحوم ومغفور کے کاغذات میں سے صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ریزولیوشنوں اور فیصلہ جات کی نقلوں کی چھان بین کرنی پڑی۔ اور جو کچھ ان میں سے اخذ کیا گیا ہے، وہ بھی درج ذیل ہے۔ اس تمام مضمون کو من وعن اخبار پیغام صلح میں جلدی شائع فرما دیں، تاکہ جماعت کے احباب کو اصل واقعات سے آگاہی حاصل ہو سکے۔ خاکسار ممتاز احمد فاروقی لاہور

خط کا مضمون: السلام علیکم۔ حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب کے معرکۃ الآراء ترجمہ قرآن مجید بزبان انگریزی کے متعلق عوام میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں بعض مضامین بھی غلط فہمی کا موجب ہوئے ہیں۔ از راہ کرم آپ مندرجہ ذیل امور پر روشنی ڈال کر عنداللہ ماجور ہوں۔ امید ہے میری طرح بہت سے متلاشیان حق کی رہنمائی کا موجب ہوگا۔

1۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم ومغفور نے کس سن سے انگریزی ترجمہ شروع کیا؟

2۔ آپ قادیان کی انجمن میں کس عہدہ پر مامور تھے اور کب تک رہے اور کون سے شعبہ جات آپ کے سپرد تھے؟

3۔ کیا آپ کو ترجمۃ القرآن کے لئے انجمن کے دیگر کاموں سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ اور اگر کیا گیا تھا تو کن صاحب نے آپ کا کام سنبھالا؟

4۔ اُس وقت قادیان کی صدر انجمن احمدیہ کے ممبران اور عہدیداران میں کون کون صاحب تھے؟ اگر تکلیف نہ ہو اور ممکن ہو تو ان کے اسمائے گرامی بھی لکھ دیجئے گا؟

5۔ ترجمۃ القرآن انگریزی کس سن میں شائع کیا گیا۔ اس وقت کس نے چھپوایا اور نیا ترجمہ، جو نظر ثانی کے بعد اب چھپ رہا ہے، جس کے پروف پڑھنے کا ذکر حضرت مرحوم ومغفور کے تذکرے

میں بار بار آیا ہے، اس کی نگرانی وطباعت کا کام کون کر رہا ہے؟

جواب خط: مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گرامی نامہ ملا۔ جہاں تک میں معلومات حاصل کر سکا ہوں وہ پیش کرتا ہوں۔ مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کے سوالات کو نمبروں کے لحاظ سے آگے پیچھے کر لوں۔ اس طرح مضمون کی ترتیب درست رہے گی۔

حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ قادیان میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کے سیکرٹری تھے۔ حضرت مسیح موعود نے جب رسالہ ''الوصیت'' شائع فرمایا تو اس کے بعد غالباً 1905ء میں اس انجمن کی تشکیل عمل میں آئی۔ اور مندرجہ ذیل اصحاب مجلس معتمدین صدر احمدیہ انجمن قادیان کے ممبر منتخب ہوئے:

1۔ حضرت مولٰینا نورالدین صاحبؒ

2۔ مولٰینا محمد علی صاحبؒ

3۔ خواجہ کمال الدین صاحبؒ

4۔ مولانا سید محمد احسن صاحبؒ

5۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

6۔ نواب محمد علی خاں صاحب آف مالیر کوٹلہ

7۔ سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب آف مدراس

8۔ مولوی غلام حسن صاحب مرحوم ومغفور از پشاور

9۔ میر حامد شاہ صاحب مرحوم ومغفور از سیالکوٹ

10۔ شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم ومغفور

11۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم ومغفور

12۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم ومغفور

13۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم ومغفور

14۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم ومغفور

مندرجہ بالا چودہ اصحاب مجلس معتمدین کے لائف ممبر تھے۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان کے قیام کے بعد جلد ہی حضرت مولینا محمد علی صاحب مرحوم اس کے سیکرٹری منتخب ہو گئے۔ اس کے علاوہ آپ رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی و اُردو کے ایڈیٹر بھی تھے۔ اور حضرت مسیح موعود نے خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کو اس میں معاون تجویز کیا۔

1909ء میں مولینا محمد علی صاحب مرحوم نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ شروع کیا۔ چنانچہ آپ نے صدر انجمن احمدیہ کو لکھا:

> ''جہاں تک میں نے غور کیا ہے کم از کم ایک سال تک یہ ضرورت ہو گی کہ ترجمہ کی تیاری کے لئے مختلف تراجم اُردو وانگریزی ولغت عربی وانگریزی کا مطالعہ کیا جائے۔ اور اس کے بعد غالبًا دو سال سے کم میں ترجمہ ختم نہ ہو گا۔ اس طرح پر کم از کم تین سال میں تکمیل ترجمہ ہو گی۔ اور ممکن ہے کہ اس سے زیادہ چار پانچ سال تک لگ جائیں۔ چونکہ یہ آٹھ ہزار روپے کا خرچ ہے۔ اور میگزین کی طرح اس کا نتیجہ ساتھ ساتھ کوئی نہ نکلے گا۔ اس لئے ممکن ہے کہ بعض خیر خواہان قوم کے دل میں اس معاملہ میں بدظنی پیدا ہو۔ یہ ایک بڑا اہم اور نازک معاملہ ہے۔ اس میں احمدی انجمنوں کی رائے لے لی جائے۔ اخبار کے ذریعے پہلے رائے طلب کر لی جائے۔ تاکہ بعد میں موردالزامات نہ بنوں۔ یہ ایک نیا کام ہے۔ اس لئے میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کیسا ترجمہ کر سکوں گا۔ یہ سب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے...... ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید شامل حال ہو تو یہ کام شائد اس طرح پر ہو جائے کہ دنیا کے لئے مفید ہو...... ان اخراجات کی برداشت نہ کرنے کی صورت میں یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی سبیل پیدا کر دے تو فارغ وقت میں، جہاں ہو، رہ کر تھوڑا تھوڑا اس کام کو کرتا رہوں۔ اس طرح پر آٹھ دس سال میں یہ کام امید ہے ہو سکے گا۔
>
> دستخط۔ محمد علی
>
> 30 مئی 1909ء

(نقل ریزولیوشن مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ قادیان نمبر 919): پیش ہو کر قرار پایا کہ ترجمہ قرآن شریف کا بزبان انگریزی شروع کیا جائے۔ حضرت مولوی محمد علی صاحب کو اس کام پر لگایا جائے۔ اور ایڈیٹری میگزین (ریویو آف ریلیجنز) کا کام مولوی شیر علی صاحب کے سپرد کیا جائے۔ (نقل رپورٹ مجلس معتمدین)

گویا 1909ء کے آخری حصے میں مولوی شیر علی صاحب نے ریویو آف ریلیجنز کے کام کو سنبھال کر مولٰینا محمد علی صاحب کو انگریزی ترجمۃ القرآن پر زیادہ وقت لگانے کا موقعہ بہم پہنچایا۔ مگر مولٰینا مرحوم بدستور سیکرٹری رہے اور ترجمہ کے ساتھ سیکرٹری شپ بھی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ افسر تعمیر بھی تھے، اور تعلیم الاسلام ہائی سکول و بورڈنگ ہاؤس کی عمارات تمام وکمال آپ ہی کی سعی و نگرانی کا نتیجہ تھیں۔ گویا اڑھائی تین سال تک آپ سیکرٹری شپ کے علاوہ ترجمہ انگریزی اور دیگر متفرق کام بھی کرتے رہے۔ چنانچہ 27 دسمبر 1911ء کی مجلس معتمدین میں آپ نے مندرجہ ذیل رپورٹ پیش کی:

''رپورٹ ایڈیٹر ریویو کہ 26 جون 1909ء کے اجلاس معتمدین میں مَیں نے رپورٹ پیش کی تھی کہ قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ کرنے میں قریباً تین سال یا اس سے کچھ زیادہ وقت لگے گا۔ چنانچہ اس وقت اڑھائی سال کے عرصہ میں اکیس سیپاروں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور امید ہے کہ باقی کام چھ ماہ کے عرصے میں انشاء اللہ ہو جائے گا۔ مگر محض ترجمہ کا شائع ہونا ہی مفید نہ ہوگا بلکہ مندرجہ ذیل امور کا ساتھ شائع ہونا ضروری ہے:

1۔ مارجن۔ جن میں کراس ریفرنس ہوں۔ یعنی قرآن کریم کے ایک مقامات کے حوالے دوسرے مقامات میں حاشیئے پر دیئے جائیں۔

2۔ علاوہ ان مختصر نوٹوں کے، جو بعض الفاظ کی تشریح، بالخصوص دیگر چھوٹی چھوٹی مشکلات کی وجہ سے ہر صفحہ پر ترجمہ کے نیچے ہوں گے، ذیل کے نوٹ ہوں:

الف۔ ہر رکوع کے شروع میں اس رکوع کا خلاصہ اور اس کی آیات کا ربط مختصر الفاظ میں جو رکوع کے محض ہیڈنگ کی طرح ہو۔

ب۔ ہر سورۃ کے شروع میں سورۃ کا خلاصہ۔ جس میں اس کا تعلق پہلی سورۃ سے دکھایا جائے۔

ج۔ ہر سورۃ کے اخیر میں اس سورۃ کے اہم مضامین پر ضروری نوٹ۔

3۔ ترجمہ کے شروع میں ایک مفصل انٹروڈکشن۔

ان امور کی تکمیل پر ترجمہ ختم ہونے کے بعد تین سال یا کم از کم دو سال ختم ہوں گے۔ اس اڑھائی سال کے عرصہ میں، جس میں اکیس پاروں کا ترجمہ کیا گیا ہے، ترجمہ کے کام کے علاوہ اور متفرق کاموں پر بہت سا وقت صرف ہوا ہے۔ مثلاً رام پورا اور مسوری کے مباحثات میں ایک مہینہ صرف ہوا۔ انجمن کے کاموں کو سرانجام دینے کے لئے مجھے اکثر اوقات اِدھر اُدھر جانا ہوتا ہے۔ خود یہاں انجمن کے صیغوں کے کام کی تکمیل میں روزانہ بہت سا وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ کتاب ٹیچنگز آف اسلام کی چھپائی کا کام بھی اس عرصے میں ہوا ہے۔ اس کے ترجمہ کی نظر ثانی، پھر ٹائپ شدہ کاپیوں کو درست کرنا، پھر اس کتاب کے دوبارہ پڑھنے پر بہت سا وقت صرف ہوا۔ پھر کانونشن مذاہب۔ الٰہ آباد کے لئے لیکچر تیار کیا گیا۔ اس کے علاوہ یہ امر میرے مدنظر رہا ہے کہ جو لکھوں ہر لفظ کی خود تحقیق کر کے لکھوں۔ کیونکہ پرانے ترجمے کو سامنے رکھ کر اس کی نقل شائع کرنا مفید نہیں۔ مسٹر مکالف نے گرنتھ صاحب کے چند حصص کا ترجمہ وغیرہ شائع کرنے میں پندرہ سال صرف کئے۔ اس لئے میری یہی رائے تھی کہ ترجمہ اس صورت میں مفید ہوسکتا ہے۔ جب اس کے ساتھ مذکورہ بالا امور شائع ہوں'' دستخط۔ محمد علی۔ 27 دسمبر 1911ء

نقل از رپورٹ مجلس معتمدین: جولائی 1912ء میں حضرت مولٰینا محمد علی صاحب (مرحوم) اڑھائی ماہ کی رخصت لے کر پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ اور آپ کی غیر حاضری میں خلیفہ رشید الدین صاحب سیکرٹری کا کام سرانجام دیتے رہے۔ اکتوبر 1912ء سے پھر مولٰینا مرحوم کے دستخط بحیثیت سیکرٹری تمام ایجنڈوں پر موجود ہیں۔ نومبر 1912ء کے اخیر میں خواجہ کمال الدین صاحب (مرحوم) اور صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ہندوستان سے باہر تشریف لے جاتے ہیں تو اس کے بعد صاحبزادہ صاحب کی واپسی تک مفتی محمد صادق صاحب کو اور خواجہ صاحب کی واپسی تک مولانا صدرالدین صاحب کو عارضی طور پر ممبران مجلس معتمدین مقرر کیا گیا۔

جنوری 1913ء میں جو صدر انجمن احمدیہ قادیان کے عہدیداران کا انتخاب ہوا۔ اس میں

بھی حضرت مولٰینا محمد علی صاحب (مرحوم) کو ہی سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ اور آپ سیکرٹری کے علاوہ افسر تعمیرات بھی تھے۔ محاسب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اور اسسٹنٹ سیکرٹری مولانا صدرالدین صاحب مقرر ہوئے۔ 1914ء کے پہلے حصہ میں ہی حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی وفات کے بعد حضرت مولٰینا محمد علی صاحب (مرحوم) لاہور تشریف لے آئے۔ مسئلہ کفر و اسلام اور مسئلہ نبوت پر صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب کے ساتھ متفق نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے اپنے رفیقوں کی مدد سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھی۔ اور لاہور کی رہائش اختیار کر لی۔ لاہور میں بھی علاوہ سلسلے کی دیگر مصروفیات کے، جو شروع کام میں کچھ زیادہ ہی ہوتی ہیں، آپ نے انگریزی واُردو ترجمے کا کام جاری رکھا۔

1916ء میں حضرت مولٰینا محمد علی صاحب (مرحوم) نے صدر انجمن احمدیہ قادیان کو ایک چٹھی لکھی۔ جس میں آپ نے ترجمے کو چند شرائط کے ساتھ انجمن مذکور کو دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ

''میرے ترجمے میں کسی قسم کی ترمیم یا ردوبدل مطلق نہ کیا جائے گا۔ جو کچھ میری قلم سے نکلا ہے وہ بجنسہ وبلفظہ چھاپا جائے گا۔ آخری پروف میں خود پاس کروں گا اور وہی چھاپے جائیں گے''

قادیان کی صدر انجمن نے مولانا کی پیش کردہ شرائط پر ترجمہ لینے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح مولٰینا محمد علی صاحب (مرحوم) نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو چند شرائط پر یہ ترجمہ چھپوانے کی اجازت دی۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

''میرے ترجمے میں کسی قسم کی ترمیم وردوبدل مطلق نہ کیا جائے گا۔ جو کچھ میری قلم سے نکلا ہے بجنسہٖ وبلفظہٖ چھاپا جائے گا۔ آخری پروف میں خود پاس کروں گا اور وہی چھاپے جائیں گے''

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے آپ کی شرائط منظور کر لیں۔ اور اس کے بعد ترجمہ طباعت کے لئے انگلستان بھیج دیا گیا۔ چونکہ اس وقت جناب مولٰینا صدرالدین صاحب ووکنگ مشن

کے سلسلے میں وہاں قیام پذیر تھے۔ اس لئے انہیں کی معرفت یہ کام ہوتا رہا۔ بعد میں خان بہادر میاں غلام رسول صاحب مرحوم ومغفور کے صاحبزادے جناب میاں غلام عباس صاحب (حال آڈیٹر جنرل حکومت پاکستان) بھی قرآن کریم کے سلسلے میں ووکنگ تشریف لے گئے تھے۔

حضرت امیرؒ کے دل میں قرآن کریم کو جلد از جلد نومسلموں کے ہاتھ میں پہنچانے کے لئے جس قدر تڑپ تھی، اس کا اندازہ آپ کے مندرجہ ذیل خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو آپ نے 1915ء کے اخیر میں جناب مولوی صدرالدین صاحب کو انگلستان لکھا:

''مکرمی ومخدومی مولوی صدرالدین صاحب۔ امام مسجد ووکنگ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ چونکہ آپ کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی ترجمہ قرآن کی، اشاعت اسلام کے لئے جس میں آپ لگے ہوئے ہیں، سخت ضرورت ہے۔ اور اس کے بغیر آپ کو بھی اور نومسلموں کو بھی سخت تکالیف پیش آرہی ہیں۔ اور چونکہ میرا صرف ترجمے کا حصہ بالکل تیار ہے۔ نوٹوں میں کچھ تھوڑا کام باقی ہے۔ اور بظاہر بوجہ مشکلات عربی ٹائپ ممکن ہے اس میں زیادہ التواء بھی ہوجائے۔ اس لئے میں آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ آپ خالص ترجمہ کی پہلی ایڈیشن چھپوالیں اور اس کے اخراجات کا جس طرح چاہیں انتظام کرلیں اور جس طرح چاہیں اس کی اشاعت کریں۔ البتہ ترجمہ میں کسی قسم کا تغیر وتبدل یا کمی بیشی سوائے لفظی اصلاح کے، جس کی ضرورت پروف پڑھنے میں پیش آئے۔ نہ کریں، مجھے پروف بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں ہے''

والسلام۔ خاکسار محمد علی

مگر یہ ترجمہ بلا متن اس وقت نہ چھاپا گیا۔ بعد میں حضرت مولٰنا مرحوم کی نگرانی میں پہلی بار 1928ء میں شائع ہوا۔ اور دوبارہ نظر ثانی کے بعد 1945ء میں چھپا۔ قرآن کریم انگریزی معہ عربی متن 1917ء میں شائع ہوا۔ اس کی طباعت کی نگرانی جناب مولوی صدرالدین صاحب نے کی۔ جو اس وقت امام مسجد ووکنگ تھے۔ پہلے طبع شدہ ترجمے کے پروف، جن کی تصحیح مولوی صدرالدین صاحب نے کی اور پھر حضرت امیر مرحوم نے اُن کو ملاحظہ فرمایا اور اپنی قلم سے جا بجا، نہ صرف پروف کی مزید تصحیح کی بلکہ کئی جگہ عبارت میں بھی کمی بیشی کی، ابھی تک محفوظ ہیں اور ان پر خود

حضرت امیر مرحوم کے دستخط موجود ہیں۔

1947ء-1948ء میں حضرت امیر مرحوم نے ترجمۃ القرآن انگریزی پر نظر ثانی شروع کر دی۔ اور نہایت تن دہی اور جانفشانی سے اس کام میں لگ گئے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ''لونگ تھاٹس آف پرافٹ محمدؐ''(انگریزی) زندہ نبیؐ کی زندہ تعلیم'' اور دیگر کئی کتب کی تصانیف میں مشغول رہے۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب حال امام مسجد ووکنگ کی زیر نگرانی یہ تازہ ترجمہ چھپا۔ اور ایک نومسلم انگریز مسٹر عبدالعزیز ورسٹیج کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ ان کے پریس میں طبع ہوا۔ اور وہی اس کی ظاہری خوشنمائی کے ذمہ دار ہیں۔ ہمارے پچھلے جلسہ سالانہ پر یہ نومسلم صاحب تشریف لائے تھے۔ اور چند کاپیاں مطبوعہ ترجمۃ القرآن کی بھی ساتھ لائے تھے۔ جیسا کہ معلوم ہوا ہے، اس وقت یہ ترجمہ انگلستان میں نئی مقرر کردہ قیمتوں پر دیا جا رہا ہے اور امید ہے کہ ماہ فروری (یہ مضمون دو تین ماہ پہلے لکھا گیا تھا لیکن بعض وجوہات سے اب تک شائع نہ ہو سکا) کے آخر تک پاکستان میں بھی مل سکے گا۔ والسلام

خاکسار ممتاز احمد فاروقی

30 اپریل 1952ء

حضرت امیرؒ کے بعد ہمیں کیا کرنا چاہیئے

محترم غلام باری صاحب انکم ٹیکس آفیسر راولپنڈی کا ایک خط

مکرم محترم جناب مولانا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

افسوس ہے کہ گونا گون مصروفیتوں کے باعث مجالس مشاورت ومعتمدین میں شمولیت نہیں کر سکا۔ میری بڑی خواہش تھی کہ اپنے خیالات کا اظہار دوستوں پر کر سکتا اور اس خواہش کی شدت حضرت امیرؒ کی وفات کے بعد بہت ہی بڑھ گئی تھی۔ اس برگزیدہ انسان کی زندگی میں ہمیں کسی خاص فکر سے دوچار نہیں ہونا پڑتا تھا۔ وہ اکیلا جاگتا تھا اور جماعت اس کی آغوش میں آرام سے سو رہی تھی۔ مگر اس کے باوجود تمام قومی امور نہایت خوش اسلوبی سے طے ہو رہے تھے۔ لیکن اس کے جانے کے بعد ہماری اجتماعی اور انفرادی ذمہ داری اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اگر جماعت کا ایک فرد بھی سو گیا تو اسے جگایا نہیں جا سکے گا۔

ہمارے پاس خدا کے فضل وکرم سے لٹریچر کا ایک انمول خزانہ موجود ہے۔ وقت کا بڑی شدت سے تقاضا ہے کہ ہم میدان عمل میں نکلیں اور اس خزانہ سے اُن اقوام کو مالا مال کر دیں جن کے ذہن اور قلوب اس کے حصول کے لئے متلاشی ہیں اور اس پیاس کو بجھانے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ یہ اہل مغرب ہیں۔ اسلام کے منور آفتاب نے بھی مغرب سے ہی طلوع ہونا ہے۔ حالات سازگار ہیں۔ ہمارے ساری قوت اس تک نور ایمان پہنچانے میں خرچ ہونی چاہیئے۔ خواہ ایسا کرنے میں ہمیں اپنے بعض مقامی ادارے بند ہی کرنے پڑیں۔ جب تک ہمارے نوجوان اس کام کے لئے مناسب تعلیم حاصل کر کے تیار نہ ہو سکیں ہمارے بزرگوں کو یہ کام اپنے ذمہ لینا چاہیئے۔ یہ وقت اگر ہاتھ سے نکل گیا تو شائد صدیوں تک ایسا سنہری موقع بلاد مغرب میں اشاعت اسلام کا نہ مل سکے۔ اگر مناسب ہو تو یہ عریضہ دوستوں کو پڑھ کر سنا دیا جائے۔ اور رائے عامہ سے مجھے مطلع کیا جائے۔ والسلام

خاکسار۔ غلام باری

30 اپریل 1952ء

حضرت مولینا محمد علیؒ کا مقام و مرتبہ عالم اسلام میں

جامعہ فواد اول قاہرہ کے شیخ التفسیر والحدیث کا ایک خط

مکرمی جناب فاضل مدیر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی خدمت میں یہ خط اس شخص کی طرف سے ہے جو کلیۃ الاداب بجامعۃ فواد اول میں بطور شیخ التفسیر والحدیث متعین ہیں۔ اسے بعض پاکستانی طلبا کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ چھ کتابوں کا ایک سیٹ اہل علم اصحاب اور لائبریریوں کو مفت عنایت فرماتے ہیں۔ بنابریں میری بھی درخواست ہے اور امید ہے کہ آپ ضرور ہمیں صحیح علم پھیلانے اور دین اسلام کی اشاعت کی خاطر اس تحفہ سے سرفراز فرمائیں گے۔ جناب مدیر صاحب! حضرت مولینا محمد علی صاحب مرحوم کی تصنیفات میں سے جو کتاب دستیاب ہوسکی ہے، میں نے اسے پڑھے بغیر نہیں چھوڑا۔ اسی طرح جو کچھ رسالہ ''اسلامک ریویو'' میں شائع ہوتا ہے اس کا بھی بغور مطالعہ کرتا ہوں۔ رسالہ مذکورہ بالا کے بعض مضامین کا میں نے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور اسے رسالہ لواء الاسلام مصر میں شائع کیا ہے۔ ان دنوں بعض ادیب حضرت مولینا مرحوم کی کتاب The Religion of Islam کا انگریزی سے عربی میں ترجمہ کرنے میں مصروف ہیں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ ترجمہ پوری کتاب کا نہیں بلکہ اس کے بعض اقتباسات کو عربی زبان کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ یہ چیز مجھے پسند نہیں کیونکہ اس ترجمہ سے ممکن ہے کہ حضرت مولینا مرحوم کے افکار و خیالات کا مفہوم ہی بگڑ جائے اور آپ کے خیالات وآراء کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے میں نے عزم کرلیا ہے کہ اس ترجمہ کا اصل کتاب سے مقابلہ کروں۔ تاکہ اس مقابلہ سے ترجمہ کی صحت کا پورا پورا اندازہ ہوسکے۔ اور حضرت مولینا مرحوم کو جو عالم اسلام میں مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ قائم رہے۔ مگر افسوس ہے کہ میرے پاس اصل کتاب نہیں ہے امید ہے آپ ضرور دیگر کتب کے ہمراہ یہ کتاب بھی ارسال فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ اس عاجز کی طرف سے تسلیمات وآداب قبول فرمائیں۔ آپ کا مخلص بھائی۔ عبدالوہاب۔ استاد التفسیر والحدیث

11 جون 1952ء
مکتوب حضرت امیر

رمضان کے مہینہ میں جماعت احمدیہ کا مجاہدہ

اپنی دعاؤں کو اسلام کی ترقی اور غلبہ کے لئے مخصوص کر دیا جائے

ذیل کا مکتوب، جو حضرت امیر مرحوم مولٰنا محمد علی صاحبؒ نے آج سے چند سال پہلے ''پیغام صلح'' میں احباب جماعت کے نام لکھا تھا، اپنے موضوع کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ ایک دفعہ پھر احباب کے مطالعہ میں لایا جائے۔ امید ہے احباب کرام اس رمضان میں اس مکتوب کو خاص طور پر پیش نظر رکھتے ہوئے نہ صرف ان مجاہدات پر عمل پیرا ہوں گے جن کی تقلین کی گئی ہے بلکہ اس مجاہد اعظم کی بلندی درجات کے لئے بھی دعا فرماویں گے جو ہمیں ہر رمضان میں کسی نہ کسی مجاہدہ کا دعوت دیتا رہا اور اسلام کی ترقی کے لئے اپنی تمام زندگی میں رات دن خدمتِ اسلام میں مصروف رہا۔ **اللّٰھمّ اغفرہ وارفع مقامہ فی الجنّۃ** (ایڈیٹر۔ پ ص)

برادران مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

دو تین سال سے غالباً متواتر میں احباب کو اس طرف توجہ دلاتا رہا ہوں کہ اگرچہ ماہ رمضان ایک رنگ میں سب مسلمانوں کے لئے ہی مجاہدہ کا مہینہ ہے مگر اس لحاظ سے کہ یہ **اُنـزِلَ فِیْـہِ الْقُرْاٰنُ** کا مصداق ہے، اس مجاہد جماعت کے لئے جو اس قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے یہ ایک زبردست مجاہدہ کے تیس دن ہیں۔ فی الحقیقت روزے کی تکمیل دو اور باتوں سے ہوتی ہے۔ دعا اور صدقہ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے کہ ماہ رمضان میں آپؐ ان دونوں باتوں میں خصوصیت سے کوشش فرماتے تھے۔ دعا اور صدقہ یوں بھی دو زبردست روحانی ہتھیار ہیں۔ اور پھر جب تیسرے روحانی ہتھیار کھانے پینے اور شہوات کے ترک کے ساتھ مل جائیں تو یہ تینوں روحانی ہتھیار اکٹھے ہو کر ایک زبردست اثر پیدا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے سامنے اب وہ موقعہ آ رہا ہے اور میں سب دوستوں سے، بزرگوں سے، نوجوانوں سے اور خواتین سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنی اپنی مقدرت کے مطابق وہ ان تیس ایام میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عملی ثبوت دیں۔

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ (7:14) اگر شکر کرو تو میں اپنی نعمتیں اور زیادہ دیتا ہوں۔ سو ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی اپنے ان مجاہدات میں پہلے سے بڑھ کر ہمت دکھائیں۔ تبلیغ اسلام اتنا عظیم الشان کام ہے کہ گو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت نے خدا کے فضل سے اس میدان میں بہت کام کیا ہے لیکن جو کام ابھی ہمارے سامنے ہے، اس کے مقابل پر ابھی ایک بحرِ ذخار سے ہم نے ایک گھونٹ ہی لیا ہے۔ اس کام کی عظمت کو اور اپنی جماعت کی قلت کو مدنظر رکھتے ہوئے جب تک ہماری جماعت کا ایک ایک فرد اپنی پوری قوت اس کام پر نہیں لگا دیتا، بڑے نتائج کی توقع رکھنا عبث ہے۔ بیشک ہماری جماعت میں دوسری تمام اسلامی جماعتوں کے مقابلہ میں تبلیغ اسلام کے لئے ایک حرکت نظر آتی ہے۔ ان کی طرح جمود کی حالت نہیں۔ لیکن اس حرکت میں ابھی پوری قوت پیدا نہیں ہوئی۔ اس قوت کو پیدا کرنے کے لئے آیئے ہم سب مل کر چھوٹے اور بڑے مرد اور عورتیں ان تیس ایام میں، جو ہمارے سامنے ہیں، ایک زبردست کوشش کریں۔

رمضان کے مجاہدہ کی تکمیل کے لئے، جیسا کہ میں نے اوپر کہا، دعا اور صدقہ دو اور چیزوں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے دن بہت قریب آ رہے ہیں۔ مگر اس نصرت کا ظہور اس وقت تک رُکا ہوا ہے جب تک ہمارے دل اس کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اور دل دعا سے تیار ہوتے ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑے انقلاب جو پیدا ہوئے ہیں وہ دعا سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ زبردست انقلاب یہ نہیں کہ آج ایک قوم کی ایک ملک پر حکومت ہے تو کل دوسرے کی ہے۔ یہ تو لیل ونہار کی گردش کی طرح ہونے والی چیز ہے اور ہوتی رہتی ہے تِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ (140:3) زبردست انقلاب وہ ہیں جنہوں نے قوموں کی رفتار کے طرزِ عمل کو بدل دیا۔ ان کے دِلوں میں خدا پر ایمان پیدا کر کے ایک نیک زندگی اور صحیح تہذیب کی بنیاد رکھی۔ بھیڑیوں کو، جو ایک دوسرے کو کھانے کو تیار رہتے، بھائی بھائی بنا دیا۔ آج ہم کو بھی ایسا انقلاب پیدا کرنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔ مگر یہ انقلاب اسی راہ سے پیدا ہوسکتا ہے جس راہ سے پہلے ایسے انقلاب دنیا میں پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی خدا کے آگے جھکنے سے۔

رمضان کا مہینہ دعا کے لئے خاص طور پر موزوں ہے۔ اس لئے کہ دعا کے لئے پچھلی رات موزوں ترین وقت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سمائے اول پر نزول فرماتا ہے۔ یعنی انسان کے دل سے قریب

تر ہوتا ہے۔ اور اس کا دریائے رحمت جوش مارتا اور وہ خود آواز دیتا ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے؟ رمضان میں خواہ مخواہ بھی پچھلی رات اُٹھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ہر مسلم گھرانے میں اس وقت ایک ہلچل ہوتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے میں اپنے احباب کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سب کے سب رمضان کے مہینے میں تہجد کو لازم کرلیں اور جو پہلے اس کے عادی ہیں وہ اس وقت کو لمبا کردیں تا کہ زیادہ دیر تک اپنے مالک حقیقی کے سامنے جھکا رہنے کا موقع ملے۔ اپنی معروضات کو کھول کر پیش کرنے کا موقعہ ملے۔ اپنے سینے کو کھول کر رکھ دینے کا موقعہ ملے۔ تا کہ انوارِ الٰہی ان کے اندر داخل ہوں۔ یوں تو قبض و بسط بھی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کسی وقت انسان کی طبیعت میں انشراح ہوتا ہے۔ دل خدا کی طرف دوڑا جاتا ہے۔ کبھی انسان پر کسل غالب ہوجاتا ہے۔ نیند نہیں کھلتی یا کھلتی ہے تو انسان سوچتا رہتا ہے کہ ابھی اُٹھتا ہوں کہ پھر نیند غالب آجاتی ہے۔ اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ انسان رات کے وقت زیادہ شکم کو پُر نہ کرے۔ بلکہ رات کی غذا کو سادہ اور ہلکا رکھے۔ جس قدر معدہ پر زیادہ بوجھ ہوگا، اسی قدر انسان کی طبیعت پر کسل زیادہ ہوگا۔ زیادہ مرغن غذا بھی اس وقت نہ کھائی جائے بلکہ جو لوگ اپنے آپ کو تہجد کا عادی بنانا چاہتے ہیں انہیں دیگر ایام میں یہ تجربہ کر کے دیکھنا چاہئے۔ دوسرا علاج یہ ہے کہ جب وقت پر نیند نہ کھلے تو انسان کا دل اسے ملامت کرے۔ ضمناً میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ سحری کے وقت بھی زیادہ بوجھ معدہ پر نہ ڈالنا چاہئے۔ غذا بیشک مقوی ہو مگر مقدار میں زیادہ نہ ہو۔ روزے کی اصل غرض جسمانی رنگ میں یہ ہے کہ انسان کے اندر جو محفوظ (Reserve) قوت ہے، وہ شدائد کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو اور روحانی رنگ میں یہ کہ قوائے جسمانی میں کسی قدر کمزوری واقع ہو تو اس سے قوائے روحانی میں ترقی کی ایک راہ کھلے۔

دوسری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں اپنی دعاؤں کو اسلام کی ترقی کے لئے اور دنیا میں غلبہ اسلام کے لئے مخصوص کردیا جائے۔ کسی دعا کے لئے بھی دو باتوں کی ضرورت ہے۔ اول یہ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اور اس بات پر، کہ وہ مجھ سے قریب ہے اور میری دعا کو سنتا ہے، ایمان ہو۔ اور یہ ایمان دعا کے وقت ایک مشاہدہ کے رنگ میں تبدیل ہوجائے اور انسان یہ محسوس کرے کہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا اپنے دل کو کھول رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو چیز وہ مانگ رہا ہے اس کے لئے اس کے دل میں ایک سچی تڑپ موجود ہو۔ دعا منہ سے چند لفظوں کے رٹ لینے کا نام نہیں۔

یہ دل میں ایک درد پیدا ہونے کا نام ہے۔ جس کے لئے بعض وقت کافی لفظ بھی نہیں ملتے۔ اپنی ذاتی اغراض کے لئے انسان کے دل میں ایسا درد آسانی سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی بیوی بیمار ہو، بچہ بیمار ہو، خود کسی مصیبت میں مبتلا ہو، اس وقت کیا کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ (62:27) اضطرار کی حالت کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ اگر دوسری شرائط بھی موجود ہوں۔ کیونکہ اس وقت دل میں درد پیدا ہو جاتا ہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اور مخلوق خدا کو راہ راست پر لانے کے لئے اس درد کا پیدا ہونا آسان نہیں۔ اس لئے یہ مشکل ترین دعا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (3:26) اپنے آپ کو اسی غم میں ہلاک کر دو گے کہ یہ لوگ راہ راست پر نہیں آتے! جب انسان کے دل کا درد اس انتہاء کو پہنچ جاتا ہے تو خدا کی رحمت کا دریا بھی جوش میں آتا ہے، اسی لئے اس کے بعد فرمایا اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَۃً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُھُمْ لَھَا خٰضِعِیْنَ (4:26) ہم ان پر آسمان سے ایسا نشان اُتاریں گے کہ حق و صداقت کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں گی۔ آج بھی اگر ایک جماعت کے دِلوں میں یہ درد پیدا ہو جائے تو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے سامنے دنیا کی گردنیں جھک سکتی ہیں۔ یہی سب سے بڑی دولت ہے جس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اپنے دِلوں کے اندر راتوں کی دعاؤں سے اور دِنوں کے عمل سے اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبہ اسلام کے لئے وہ درد پیدا کرو جس سے سرکشوں کی گردنیں اسلام کے سامنے جھک جائیں۔

اگر یہ درد ہمارے دِلوں میں پیدا ہو جائے تو وعدہ الٰہی کے پورا ہونے کے دِن بھی قریب آ جائیں گے۔ اس بات پر محکم ایمان رکھو کہ خدا کا وعدہ ٹل نہیں سکتا۔ وہ فرما چکا ہے کہ وہ اسلام کو دنیا میں غالب کرے گا۔ ہاں دل میں جب یہ درد اُٹھے کہ وہ وعدہ پورا ہو تو اسی کے وعدے کو اس کے حضور بطور واسطہ پیش کرو۔ بدر کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تھا۔ جب سامنے ایک زبردست مسلح جنگ آزمودہ ایک ہزار فوج نظر آئی اور ادھر تین سو تیرہ۔ ان کے پاس بھی کافی ہتھیار نہیں۔ اکثر جنگ کا تجربہ نہ رکھنے والے نوجوان۔ تو آپؐ ساری رات دعا میں گرے رہے۔ یہ بھی رمضان کا مہینہ تھا اور رو رو کر فرماتے تھے۔ تیرا وعدہ ہے کہ تو مجھے غالب کرے گا۔ اسی وعدہ کا واسطہ تیری جناب میں پیش کرتا ہوں

اَللّٰھُمَّ ان اھلکت ھذہ العصابۃ فلن تعبد فی الارض ابدًا اے خدا اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین میں تیری عبادت نہیں رہے گی۔ **یاحیّ یا قیّوم برحمتک استغیث**

آج ہم بھی ایک چھوٹی سی جماعت ہیں۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج قرآن کو دنیا میں پہنچانے کا فکر رکھنے والی اس کے سوائے کوئی جماعت نہیں۔ حکومتیں ہیں، خزانے ہیں، امراء ہیں، علماء ہیں، پیر ہیں، ان پر جانیں فدا کرنے والے ہیں، ان کے سیاہ کو سفید کہنے والے مرید ہیں جتھے ہیں، نظام ہیں، چندے بھی ہیں مگر خدا کے کلام کو دنیا میں آگے کرنے والے نہیں۔ ہاں تو رو رو کر یہ دعا کرو کہ اے خدا تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو نا کام رکھا تو تیرے قرآن کو دنیا میں پہنچانے والا کوئی نہ رہے گا۔ اے خدا تیرا وعدہ ہے کہ تو اپنے دین کو دنیا میں غالب کرے گا۔ تو اس وعدہ کو پورا فرما اور اپنے ان بندوں کی نصرت فرما جو تیرے دین کی نصرت کر رہے ہیں۔

ہاں یوں بھی دعا کرو کہ اے خدا آج ہم نے اپنی آنکھوں سے تیرے بیشمار وعدوں کو پورا ہوتے دیکھ لیا ہے۔ جو تو نے اپنے پاک کلام میں یا اپنے رسولؐ کی زبان سے کئے تھے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس دجال کو دیکھ لیا جس کی بائیں آنکھ ستارے کی طرح روشن ہے۔ اور جس کی دنیوی ترقیاں کمال کو پہنچ گئیں۔ اور جس کی دائیں آنکھ روشنی سے بالکل خالی ہے۔ اور اسے تیری ہستی نظر نہیں آتی۔ ہم نے اس کے بہشت کو بھی دیکھ لیا جو آج ہماری آنکھوں کے سامنے جہنم بن چکا ہے۔ اور ہم نے اس چیز کو بھی تجربہ کر کے دیکھ لیا جسے وہ جہنم بتاتا ہے کہ اسی میں دلوں کی حقیقی راحت ہے اور وہی حقیقی جنت ہے۔ ہم نے یاجوج ماجوج کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔ جو **مِّنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ** (96:21) کے مصداق ہیں۔ جو تمام بلندیوں پر قابض ہو گئے۔ ہم نے اس قوم کو دیکھ لیا جس نے دنیا کے کاریگری کے کاموں کو انتہاء تک پہنچا دیا **اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُھُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَھُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّھُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا** (104:18) ہم نے **تَرَکۡنَا بَعۡضَھُمۡ یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ** (99:18) کے وعدے کو بھی پورا ہوتے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ہم نے **وَّعَرَضۡنَا جَھَنَّمَ یَوۡمَئِذٍ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ عَرۡضًا** (100:18) کا نظارہ بھی دیکھ لیا۔ اور دنیا میں چاروں طرف یہ آوازیں بلند ہوتیں سن لیں کہ جہنم دنیا پر آ گیا۔ ہم نے ان کی دنیا کی زینت کے انجام کو بھی دیکھ لیا کہ کس طرح شہروں کے شہر آج

کھنڈروں کی صورت میں تبدیل ہو گئے، اور لہلہاتے باغ اور سبزہ زار ویران ہو گئے۔ جیسا کہ تو نے فرمایا تھا وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا (8:18) ہم نے ان جسمانی آنکھوں سے تیرا یہ وعدہ بھی پورا ہوتے دیکھ لیا کہ دنیا کی کوئی آبادی نہیں، جسے ہم ہلاک نہ کر دیں یا سخت عذاب میں مبتلا نہ کر دیں۔ جیسا کہ تو نے فرمایا تھا وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا (58:17) مگر اے خدا تو نے ہی فرمایا تھا کہ جب ان سب باتوں کو دیکھ لو تو یہ بھی جان لو وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ (97:21) حق کے غلبہ کا وعدہ بھی قریب آ گیا۔ ہاں جہاں تو نے یہ فرمایا تھا اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ (64:5) کہ ان عیسائیوں کے درمیان جو اسلام کو برباد کرنا چاہتے تھے، ہم سزا کے طور پر باہم عداوت اور بغض پیدا کر دیں گے۔ یہ بھی فرمایا تھا وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا (99:18) کہ صور پھونک کر ہم ان کو دین واحد پر بھی جمع کر دیں گے۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ تیرا آخری دین اسلام سب دینوں پر بالآخر غالب آ جائے گا۔ سوائے خدا! جہاں تو نے ہمیں اپنی آنکھوں سے اتنے وعدے پورا ہوتے دکھائے ہیں، اپنے دین کے غلبہ کا وعدہ بھی انہی آنکھوں سے پورا ہوتا دکھا۔ ہمیں وہ سامان عطا فرما اور وہ کارکن عطا فرما کہ ہر ملک اور ہر قوم کے اندر تیرے دین کی تبلیغ کا ایک مرکز قائم ہو جائے۔ ایک روشنی پہنچانے والا مینار بلند ہو جائے اور دنیا میں وہ ہوا چلا اور وہ حالات پیدا کر دے کہ لوگوں کی گردنیں تیرے قرآن تیرے اسلام اور تیرے رسولؐ کے سامنے جھکتی چلی جائیں۔ اور بالآخر وہ نصرت بھی ہمیں عطا فرما کہ ہم لوگوں کو تیرے دین میں گروہ در گروہ اور فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ کر تیری تسبیح اور تیری حمد کرتے ہوئے اور تیری حفاظت چاہتے ہوئے تیری طرف آئیں۔

یوں تو ہمیں یہ دعا بھی اللہ تعالیٰ نے ہی سکھائی ہے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (201:2) اپنی بھلائی بھی ہم اللہ تعالیٰ سے ہی مانگتے ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس رمضان کی دعاؤں کو ہم اس قدر غلبۂ اسلام کے لئے وقف کر دیں کہ اپنے نفسوں کو بھی بھول جائیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ہم اس کے دین کی خاطر اپنے آپ کو بھول جائیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں نہیں بھلائے گا۔ خدا اسی کو بھلاتا ہے جو خدا کو بھلاتا ہے یا خدا کے دین کو بھلاتا ہے۔ ہاں اپنی

دعاؤں کو خدا کے دین کے لئے وقف کرنے میں دو اور دعائیں بھی شامل ہیں۔ایک دعا اس جماعت کے لئے جو اس وقت پیغام الٰہی کی حامل ہے اور خدا کے کلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے میں ساعی ہے۔کیونکہ اسی کی قوت واستحکام سے آج اسلام کی اشاعت وابستہ ہے۔اور جب ہم اس جماعت کے لئے دعا کریں گے تو ان سب لوگوں کے لئے بھی فرداً فرداً دعا کریں گے جو عملاً اس جماعت کے ساتھ شامل ہیں اور اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے مصداق ہیں۔ اور دوسری اپنی آئندہ نسلوں کے لئے دعا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دِلوں کو بھی اس چنگاری سے روشن فرمائے جو امام وقت کی بدولت اس نے ہمارے دِلوں میں ڈالی ہے۔اور ان کے اندر بھی تبلیغ اسلام کا وہ ولولہ پیدا ہو جو امام وقت اپنی جماعت کے اندر پیدا کرنا چاہتا تھا۔تا کہ اس کے دین کی تبلیغ کا یہ کام جس کی بنیاد ہم نے رکھی ہے ہمارے بعد بھی جاری رہے اور یہ عمارت قیامت تک بلند ہوتی چلی جائے۔

حدیث میں آتا ہے مَن كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ جو اپنے بھائی کی ضرورت میں امداد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت میں اس کی امداد کرتا ہے۔دعا سے بھی انسان ایک حد تک اپنے بھائی کی امداد کرسکتا ہے۔اس لئے جب ہم اپنے بھائیوں کے لئے دعا کریں گے تو اس لحاظ سے کہ اس میں شفاعت کا رنگ ہے اور ذاتی فرض سے خالی ہے، وہ استجابت کے زیادہ قریب ہوگی اور دوسری طرف اپنے بھائی کی ضرورت میں معاون ہونے کی وجہ سے ہم خود اللہ تعالیٰ کی اعانت کے مستحق ہوں گے۔اور چونکہ ہمارے بھائی ہمارے لئے دعا کرنے والے ہوں گے، اس لئے ان کی دعا ہمارے حق میں اغراض ذاتی سے پاک ہونے کی وجہ سے استجابت سے زیادہ قریب ہوگی۔پس فرداً فرداً سب بھائیوں کے لئے، جہاں تک یادداشت ہو دعا کی جائے اور بحیثیت مجموعی سب ان دوستوں کے لئے، جو نصرت دین میں مشغول ہیں۔

دعا کے متعلق اس قدر تفصیل سے لکھنے کے بعد میں چند الفاظ رمضان میں صدقہ کے متعلق بھی لکھنا چاہتا ہوں۔رمضان میں صدقہ تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ كَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ جس قدر اس مہینے میں خدا کی راہ میں دیتے تھے اور کسی مہینہ میں اس قدر نہ دیتے تھے۔اب صدقہ غرباء کے امداد کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔اور اس زمانہ کے سب سے بڑے غریب

(بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَّسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَءَ) دین کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ رمضان کا صدقہ اسی طرح دین کی تبلیغ کے لئے وقف کر دیا جاوے جس طرح دعاؤں کو غلبہ اسلام کے لئے وقف کیا جائے گا۔ درحقیقت یہ صدقہ ہی اصل دعا ہے۔ ہاں یہ الفاظ میں دعا نہیں یہ عمل میں دعا ہے۔ ایک تو ہم لفظوں میں دعا کرتے ہیں اپنے درد کا اظہار خدا کے سامنے یوں کرتے ہیں کہ اے خدا تو اپنی مخلوق کو ہدایت دے لیکن اگر فی الواقعہ ہمارے دِلوں میں درد موجود ہے اور ہماری دعا ہمارے منہ کے چند لفظ نہیں تو ہم اپنے مال کو مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے خرچ کر کے اس بات کا ثبوت اپنے عمل سے دیتے ہیں کہ فی الواقع ہمارے دل میں درد موجود ہے۔ جو شخص اپنا مال حسب مقدرت مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے خرچ نہیں کرتا اس کا یہ دعویٰ، کہ وہ غلبہ اسلام کے لئے دعا کرتا ہے یا کرے گا، صحیح نہیں۔ جس طرح ایک بھوک سے مرتے ہوئے انسان کو دیکھ کر ایک شخص کے دل میں درد پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے پاس سے کچھ خرچ کر کے اس کی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح دنیا کی روحانی موت کے قریب پہنچی ہوئی حالت کو دیکھ کر اگر ہمارے دِلوں میں یہ درد پیدا نہیں ہوتا کہ اپنے پاس سے کچھ خرچ کر کے انہیں روحانی موت سے بچانے کی کوشش کریں تو ہمارا ان کے لئے لفظوں سے دعا کرنا بے سود ہے۔

خاکسار محمد علی

امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگس، لاہور

15 اکتوبر 1952ء
اداریہ

دورِ حاضر کا سب سے بڑا مجاہد

اگر دین حق کی تائید وحمایت میں مخالفین ومعاندین سے نبرد آزما ہونا اور اسلام کی صداقت وعظمت کا سکہ دلوں پر بٹھانے کی جدوجہد کرنا جہاد کہلا سکتا ہے۔ اگر **جَاهِدْ هُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا**۔ (52:25) کے حکم خداوندی میں قرآن کریم کے ذریعہ سے جہاد کرنا جہاد کبیر قرار دیا گیا ہے۔ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے واپس ہوتے ہوئے یہ فرمایا کہ **رجعنا من الجهاد الا صغر الى الجهاد الا كبر** جہاد بالسیف کو جہاد اصغر قرار دیا اور تبلیغ دین کو جہاد اکبر ٹھہرایا۔ اگر **هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** (28:48) کے ارشاد خداوندی میں غلبہ دین کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد قرار دیا گیا ہے۔ اور جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے اس مقصد کی تکمیل مسیح موعود کے زمانہ سے وابستہ ہے۔ اگر **افضل الجهاد كلمة الحقّ عند سلطان جابر** کے پُرحکمت ارشاد میں ایک جابر انسان کے سامنے سچی بات کہہ دینا افضل الجہاد قرار دیا گیا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صحیح ہے کہ عالم کے قلم کی سیاہی کا ایک قطرہ غازی کے خون اور عابد کی ستر سالہ عبادت سے بہتر ہے تو یقین جانیئے کہ مولٰینا محمد علیؒ اس زمانہ کا سب سے بڑا مجاہد اور سب سے بڑا عالم تھا۔ جس نے تائید دین اور حمایت حق میں پورے پچاس سال تک دشمنان دین سے وہ نبرد آزمائی کی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ قلم اور سیاہی کے ذریعہ سے دلائل حقہ اور براہین قاطعہ پیش کر کے اسلام کی عظمت وصداقت کا سکہ ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کے دلوں پر اس نے بٹھایا۔ اس نے قرآن کے ذریعہ سے وہ جہاد کبیر کیا جس کی توفیق اس زمانہ میں شائد ہی کسی کو ملی ہو۔ اس نے تبلیغ دین کا ڈنکا چاروانگ عالم میں بجا کر اور کفرستانوں میں مسجدیں بنوا کر اس جہاد اکبر کا فرض ادا کیا جو تلوار کے جہاد سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے۔ اور دنیا کو دکھا دیا کہ یہی وہ وقت ہے جب دین اسلام تمام دنیا پر غالب ہوگا۔ اور **لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** (28:48) کی پیشگوئی مسیح موعود کے شاگردوں ہی کے ذریعہ پوری ہو کر رہے گی۔ ہاں اس نے اس افضل الجہاد کا حق بھی ادا کیا جو ایک جابر انسان کے

سامنے کلمہ حق کہنے سے ادا ہوتا ہے، اُس وقت جب قادیان کی سرزمین میں، جہاں اس نے اپنے مرشد کے اشارہ پر اپنے تمام دنیوی مفاد پر لات مار کر دھونی رمائی تھی، جبر و استبداد کا دور دورہ شروع ہوا اور ایک نئی نبوت قائم کر کے مسلمانوں کی تکفیر کا علم بلند کیا گیا تو اس مردِ خدا نے بلا خوف لومۃ لائم کسی قسم کے خطرہ کی پروانہ کرتے ہوئے کھلے طور پر اعلان کیا کہ کلمہ گو کی تکفیر ایک ایسا جرم ہے جس کو اسلام کسی طرح روا نہیں رکھتا۔ نہ مسیح موعود نے اپنے انکار کرنے والے کو کافر کہنا جائز قرار دیا ہے اور نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی آ سکتا ہے جس کا انکار موجب کفر ہو۔ اسی کلمہ حق کے لئے اسے دیارِ مسیح موعود سے، جو اپنے وطن سے بڑھ کر اسے محبوب تھا، ہجرت کرنی پڑی اور ہر قسم کے دکھوں اور تکلیفوں سے گزرتے ہوئے اور جماعت کے ایک کثیر حصہ سے لعنت و ملامت کے کلمات اور طرح طرح کے الزامات سہتے ہوئے وہ عظیم الشان کام اس نے سرانجام دیا جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ اس نے مسیح موعود کی اس وصیت کو، جسے قادیان میں شخصی اقتدار کے سایہ میں ملیا میٹ کر دیا گیا تھا، لاہور آ کر دوبارہ زندہ کیا اور یہ نعرہ بلند کرتے ہوئے کہ ''خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین'' انجمن ہے نہ کوئی شخص واحد، دوبارہ اس انجمن کو قائم کیا جو قادیان میں شخصی حکومت کے ذریعہ سے ختم کر دی گئی تھی اور اس سے وہ کام لیا جس کی وصیت اس مامور من اللہ نے ان الفاظ میں کی تھی۔

> ''اور چاہئیے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیاء ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں، توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو'' (الوصیت)

یہ ہے وہ جہاد جس پر مسیح موعود نے اپنی جماعت کو لگایا اور مولانا محمد علیؒ نے ہر پہلو سے اور ہر رنگ میں اس کا حق ادا کیا۔ اس لئے یہ کہنا خلاف حق نہیں کہ محمد علیؒ وہ مجاہد اعظم ہے جو مسیح موعود کے بعد

اس زمانہ میں اپنی نظیر آپ ہے۔ جہاد بالسیف کے متوالو! نہیں۔ صرف زبان سے ''جہاد'' پکارنے اور مسیح موعود پر منسوخی جہاد کا طعن کرنے والو! آؤ اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ جس جہاد کی تلقین مرزا صاحب کی اور جماعت احمدیہ نے اس پر عمل کر کے دکھایا، وہی اصلی اور حقیقی جہاد ہے۔ جس کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ وہی جہاد اکبر ہے جو تلوار کے جہاد اصغر سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ وہی جہاد کبیر ہے جو اس زمانہ میں مولانا محمد علیؒ نے قرآن کے ذریعہ کر دکھایا اور جماعت احمدیہ لاہور اس پر سرگرمی کے ساتھ عمل پیرا ہے۔ وہی افضل الجہاد ہے، جس کی توفیق اس زمانہ میں مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ کے سوائے اور کسی کو میسر نہیں آئی۔ آؤ اس جہاد میں تم بھی شریک ہو جاؤ کہ اس میں دنیا و عاقبت کی بھلائی اور حقیقی فلاح مضمر ہے۔

15 اکتوبر 1952ء

محمد علی اعظمؒ

الحاج جناب میاں محمد صاحب ملز اونر صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لائل پور

وَلَا تَـقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔ (154:2)

محمد علی اعظم زندہ ہے۔ کیونکہ جس مشن کے لئے وہ دن رات کوشاں رہ کر اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے وہ مشن زندہ ہے۔ حضرت ممدوح کو ہم سے جدا ہوئے ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ اس عرصہ میں جوں جوں واقعات نے پلٹا کھایا میرے دل پر ان کی عظمت کا سکہ جمتا چلا گیا۔ حضرت ممدوح نے اپنی ساری عمر دین اسلام کی نشر واشاعت اور تبلیغ بڑی استقامت وعزم بلند کے ساتھ کی اور خدا کا جلال ظاہر کرنے اور دین اسلام کا غلبہ دیگر ادیان پر ثابت کرنے میں پوری جدوجہد سے کام لیا۔ اور اس بزرگ کی قلم اَن تھک کوشش اور بلند جذبہ وولولہ سے آخیر دم تک خدا اور اس کے رسولؐ پاک کا پیغام دنیا کے کونوں تک پہنچانے کے لئے چلتی رہی۔ اس کام میں نہ وہ مردِ خدا تھکا اور نہ ماندہ ہوا۔ یہ اس کی عملی زندگی اور بلند پایہ کا تقوٰی ہی تھا۔ جس نے اس کو اس بلند منصب پر کھڑا کیا۔ واقعی وہ مردِ خدا محمد علی اعظم ہے۔ اس کے کارنامے زندہ ہیں۔ اور واقعی وہ ایک کامیاب زندگی بسر کر کے اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملا۔ حضرت مسیح موعود کو عالم کشف میں ایک قلم عطا کی گئی جو اسی حالت میں حضرت مولینا کے سپرد کر دی اور فراست مومنانہ سے آپ کے متعلق یہ رائے ظاہر کی کہ ”مجھے یقین ہے کہ میری ذات اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقوٰی اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے“۔ حضرت مسیح موعود کی بلند فراست اور حضور کا کشف کس قدر صفائی سے سچا ثابت ہوا کہ جب سے آپ حضرت صاحب کے دامن سے وابستہ ہوئے، اخیر دم تک آپ کا قلم صداقت اسلام کی تائید میں ہی چلتا رہا اور بے شمار علم دوست ہم جنسوں نے آپ کے علم کلام سے روشنی حاصل کی۔ آپ کے ہم نام قائداعظم محمد علی جناح نے آپ کے انگریزی قرآن سے روشنی حاصل کی اور کھلے طور اس کا اعتراف کیا۔ آپ کے دوسرے ہمنام مولینا محمد علی جوہر نے اس کو ایک ایسا تحفہ قرار دیا جس سے بڑھ کر اور کوئی قابل قبول تحفہ نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کے ترجمہ اور تفسیری نوٹوں کو قرآن کریم کا صحیح مفہوم اور تفسیر

قرار دیا۔ آپ ایک طرف اپنے ان مسلمان بھائیوں کو، جو حضرت مسیح موعود کے ساتھ اشاعت اسلام کے زرین کام میں شامل نہ ہوئے، بڑے درد دل سے احمدیت میں، جو عین اسلام ہے، شامل کرنے کے لئے کوشاں رہے اور ان تمام اعتراضات کی، جو وہ حضرت صاحب پر کرتے تھے، بڑے مضبوط دلائل سے تردید کرتے رہے۔ اور دوسری طرف حضرت مسیح موعود کی جماعت کے دوسرے گروہ کو ان کے غلط عقائد کی اصلاح کی طرف بڑی شدومد سے آپ توجہ دلاتے رہے۔ حضرت ممدوح نے اپنی کتاب ''تحریک احمدیت'' میں اس دوسرے گروہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''حضرت مسیح موعود کے پیروؤں میں سے ایک گروہ یعنی جماعت قادیان نے حضرت مرزا صاحب کو مدعی نبوت قرار دیا ہے۔ لیکن ابھی تک وہ درمیانی حالت میں ہیں۔ اگرچہ اس نبوت کے نتیجہ کے طور پر انہوں نے روئے زمین کے کل مسلمانوں کو کافر کہا مگر ابھی تک کوئی نیا کلمہ اپنے لئے تجویز نہیں کیا۔ یعنی عقیدتاً وہ یوں تو مانتے ہیں کہ کوئی شخص جب تک حضرت مرزا صاحب پر ایمان لا کر آپ کی بیعت نہ کرے۔ اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوتا۔ مگر کوئی اپنا الگ کلمہ بنانے سے انکار کرتے ہیں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا ہی اقرار کرتے ہیں۔ یہ ایک درمیانی اور تذبذب کی حالت ہے۔ اور بالآخر یا وہ حضرت مسیح موعود کی نبوت کے عقیدہ سے رجوع کریں گے یا اپنا الگ کلمہ اور الگ مذہب بنالیں گے''

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ قادیانی جماعت کے امام جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے آخر کار حضرت صاحب کی نبوت کے عقیدہ سے بہت کچھ رجوع کر لیا ہے اور اب وہ اپنی تحریرات کا وہی مفہوم لیتے ہیں جس کی طرف حضرت امیر مرحوم انہیں دعوت دیتے تھے۔ یہ حضرت مرحوم کی عظمت اور اصابت رائے کا کھلا ثبوت ہے۔ گویا یوں کہنا چاہئیے کہ مجدد اعظم حضرت مرزا غلام احمد نے اس صدی میں تجدید اسلام کا کام کیا تو دوسری طرف حضرت مولانا محمد علیؒ نے تجدید احمدیت کا کام کیا۔ اور یہ خدا کا فضل ہے کہ وہ ہر میدان میں کامیاب رہا۔ اس مردِ خدا نے حضرت مسیح موعود کی طرف نبوت منسوب کرنے کے عقیدہ کے خلاف ایسے وقت میں آواز بلند کی جب وہ اکیلا تھا۔ اور قادیان کی سرزمین کو، جو اس کو جان سے بھی زیادہ عزیز تھی، چھوڑنا گوارا کر لیا اور ساری عمر مقابلہ میں ڈٹا رہا۔ یہ اس کی اَن تھک کوشش

ودعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اتنے عرصہ کے بعد جماعت قادیان نے اس عقیدہ سے رجوع کیا اور اس مردِ خدا کو خدا سے ملے ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ آپ کی مراد برآئی۔ یہ ایک بھاری کامیابی ہے جس کا سہرہ حضرت امیر مرحوم ومغفور کے سر پر ہے سچ ہے **الاستقامة فوق الکرامة**

دوسری طرف وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو، جو حضرت مسیح موعود کے دامن سے ابھی تک وابستہ نہ ہوئے تھے، احمدیت کی طرف بڑے التزام کے ساتھ توجہ دلاتا رہا۔ لیکن ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ مخالفت کا جوش وخروش اگرچہ آگے سے بھی بڑھا ہوا ہے لیکن اگر ایک طرف یہ طوفان بےتمیزی اپنے جوش پر ہے تو دوسری طرف یکے بعد دیگرے وہ عقائد، جو کسی وقت کفر سمجھے جاتے تھے، آج اپنائے جا رہے ہیں۔ دجال، یاجوج ماجوج، حیات ممات حضرت مسیحؑ وغیرہ وغیرہ امور کے متعلق تمام نظریئے کس طرح آہستہ آہستہ بدلنے شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ آج احمدیت کے شدید ترین مخالف کو بھی آخرکار یہ لکھنا پڑا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے نہ پرانا اور مسیح علیہ السلام کے انتظار کو غلط قرار دیا۔ اور اس طرح وفات مسیحؑ کا دبی زبان سے اقرار کر لیا۔ انقلاب کا زمانہ کس طرح آہستہ آہستہ مخالفت کی زمین کو کم کرتا چلا جاتا ہے اور حضرت مسیح موعود کے تمام نظریئے کس طرح دلوں میں جگہ پکڑتے جا رہے ہیں۔

پیارے بھائیو۔ اگر حضرت امیر مرحوم ومغفور اپنے کارناموں کی بدولت زندہ ہیں تو ہم کو بھی اپنے فرائض کا احساس کرنا چاہیئے۔ اور جس راہ پر وہ بڑی مضبوطی سے چلتے رہے ہم کو بھی ان کے قدموں پر چلنا چاہیئے۔ جب مخالفت زوروں پر ہو کامیابی ونصرت کے دروازے سے بھی اسی وقت خدا تعالیٰ کھولتا ہے۔ پرانے نقش آہستہ آہستہ مٹ رہے ہیں اور خدا کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ ان کی جگہ نئے نقش جم جاویں۔ احمدیت میں شامل ہونے کا پہلا قدم یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ اپنی طبعی موت فوت ہو گئے اور آسمان سے امت مرحومہ کی اصلاح کے لئے اب کوئی آنے والا نہیں۔ اب دوسرا قدم یہی ہوگا کہ پھر اس صدی کا مجدد کون ہے اور حضرت مسیح موعود کی طرف لازماً انہیں رجوع کرنا پڑے گا۔ پس خدا کے حضور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے گر جاؤ۔ **لئن شکرتم لازیدنکم** جتنا شکر کرو گے اتنا ہی وہ اپنے افضال کو اور بڑھائے گا۔ والسلام

15 اکتوبر 1952ء

یادِ حبیبؒ کے چند متفرق اوراق

بیگم صاحبہ حضرت امیر ایّدہ اللہ تعالیٰ

ریاست کپورتھلہ کا خوش نصیب زمیندار خاندان: 1870ء سے 1875 تک کا زمانہ تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر ذلت ونکبت کی گھٹا چھا رہی تھی اور حکومت کے ساتھ وہ علم واخلاق ودینی شعار سے بھی محروم ہو چکے تھے۔ان کی حالت زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ ع

''سلف ان کے وہ تھے۔خلف ان کے یہ ہیں''

انہی پر آشوب ایام میں ریاست کپورتھلہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک خوش نصیب زمیندار خاندان کے بزرگ حافظ فتح دین نامی تھے جو قرآن پاک کے حافظ فارسی کے عالم اور ایک نہایت نیک ودیندار بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنے مکان کے ساتھ مسجد بنوائی خود امامت کراتے اور رمضان المبارک میں تراویح پڑھایا کرتے اور اسی مسجد میں گاؤں کے بچے قرآن مجید کی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔

والد صاحب کا جذبہ اور ابتدائی تعلیم: حافظ فتح دین صاحب نے اپنے متعدد بچوں میں سے ایک بچے کی پیشانی پر علم وفضل کی چمک دیکھی اور دل میں یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ اس کو اعلیٰ تعلیم دلوائی جائے۔ اس وقت تعلیم کے لئے اتنی آسانیاں نہ تھیں جتنی اب ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں گنتی کے چند اسکول تھے۔ چنانچہ حافظ صاحب موصوف نے اپنے گاؤں سے کئی میل کے فاصلے پر ایک قصبے کے ابتدائی تعلیم کے مدرسے میں اپنے بچے کو داخل کر دیا۔ ہر روز علی الصبح خود گھوڑے پر سوار ہو کر اور بچے کو بٹھا کر سکول لے جاتے اور تمام راستہ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے جاتے۔شائد اسی کا اثر تھا کہ وہ بچہ بعد میں مولانا محمد علی مترجم ومفسر قرآن ہوا۔اور اس کے سینے میں کلام اللہ کا عشق اس قدر موجزن ہوا کہ تمام عمر کلام پاک کی خدمت واشاعت میں گزار دی اور علوم ومعرفت کے دریا بہا دیئے۔

''محمد علی ہست شیر خدا'': حضرت مولانا محمد علی مرحوم ومغفور کے برادر اکبر مولوی عزیز بخش صاحب

سے روایت ہے کہ حضرت امیر کی عادات بچپن سے غیر معمولی تھیں۔ پانچ چھ سال کی عمر میں ابتدائی مدرسے میں تعلیم پا رہے تھے۔ ایک استاد رحمت اللہ نامی تھا جو آپ کی جماعت کا معلم تھا۔ اس وقت یہ طریقہ تھا کہ لڑکے باری باری استاد کے سامنے جاتے اپنی تختی دکھاتے اور سبق لیتے تھے۔ جب آپ اپنی تختی اُٹھا کر استاد کی طرف جاتے تو وہ یہ شعر پڑھتا۔

محمد علی ہست شیر خدا برائے صلاح آمدہ پیشِ ما

اعلیٰ تعلیم اور ساتھیوں میں عزت: فتح دین صاحب کا یہ ہونہار بچہ جلدی جلدی علمی مراحل طے کرتا چلا گیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اس وقت کے ساتھی لڑکے، جو بعد میں نامور شخصیتیں بنیں، تمام عمر آپ کی نیکی اور تقوٰی کے معترف رہے۔ اور احمدیت کی مخالفت کے باوجود آپ کی عزت کرتے رہے۔

مسیح موعود کے قدموں میں: اعلیٰ تعلیم پا کر اور بہترین علمی ڈگریاں حاصل کر کے زندگی کی تگ ودو میں قدم رکھا ہی تھا کہ ہاتف نے پکارا ''اے ذرہ محبت آ آفتاب ہو جا'' اور بندہ محبت نے ایک ہی جھٹکے سے اپنی دنیاوی خواہشات اور بندشوں کو توڑ کر وہ روحانی مرتبہ حاصل کر لیا جو سالہا سال کی ریاضت کے بعد ملتا ہے۔ اپنے زرین دنیاوی مستقبل سے مونہہ توڑ کر مجدد چہاردہم کے قدموں میں جا دھونی رمائی۔

حضرت مسیح موعود کی فراست مؤمنانہ: حضرت مسیح موعود کی فراست مومنانہ نے اس دُرِّ بے بہا کو تاڑا اور جس علمی جہاد کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے کہ تا اسلام کو دیگر مذاہب پر غلبہ حاصل ہو اسی جہاد کا بہترین ہتھیار یعنی قلم آپ نے اپنے اسی محبوب شاگرد کو عطا کی اور فرمایا ''مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقوٰی اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔'' (تبلیغ رسالت جلد 8 صفحہ 68)

خدا کے مامور پر ہزاروں برکتیں اور رحمتیں ہوں کہ اس کی فراست صحیح نکلی اور اس کے منتخب کردہ جوان مولانا محمد علی ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی نے الہامی قلم کے ذریعے مسلمانوں کی بگڑی ہوئی حالت روحانی افلاس اور باطنی ناداری کو دور کر کے ان کو علم و فضل کے خزانے سے مالا مال کر دیا اور مسیح

موعود کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کر دے گا کہ وہ مخالفوں کے رد میں اعلیٰ مضامین لکھیں گے۔

وہ یکتا ہی رہے: حضرت اقدس مجدد صد چہاردہم نے آپ کو مجدد الدین کا خطاب عطا فرمایا۔ اور 30 نومبر 1905ء کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''مشکل امر یہ ہے کہ جس کو ذرا ابھی استعداد ہو جائے وہ دنیا کی طرف جھک جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں ایسے لوگ پیدا ہوں جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ اب وہ اکیلے ہیں کوئی ان کا ہاتھ بٹانے والا نظر نہیں آتا'' سچ مچ وہ یکتا ہی رہے۔

مسیح موعود کے دار میں: حضرت مسیح موعود کی زندگی میں حضرت امیرؒ آپ کے ذاتی مکان میں رہا کرتے تھے اور حضرت مسیح موعود نے ایک کمرہ دے رکھا تھا۔ ان دنوں طاعون کی وباء کم وبیش ہر سال نازل ہوا کرتی تھی۔ ایک سال طاعون شدت سے پھوٹ پڑی۔ قادیان کے اردگرد تمام گاؤں میں اس کا زور تھا۔ خود قادیان میں بھی شروع ہوگئی۔ حضرت مسیح موعود کو الہام ہوا۔ **انی احافظ کل من فی الدار الاالذین علوا باستکبارا۔** بیشک میں حفاظت کروں گا ہر ایک کی جو اس گھر کے اندر ہے سوائے اس کے جو سرکشی اور تکبر اختیار کرے۔ حضرت اقدس نے بہت سے لوگوں کو اپنے گھر میں بلا لیا اور یہ سب اصحاب ایک ایک کمرے میں گزارہ کرتے تھے۔

صداقت مسیح موعود کا نشان: انہی دنوں اتفاق سے حضرت امیرؒ کو سخت بخار ہو گیا۔ انہیں خیال ہوا کہ اگرچہ میں حضرت مسیح موعود کے گھر میں ہوں مگر اس الہام میں جو حفاظت کے متعلق ہے استثناء بھی ہے کہ **الاالذین علوا باستکبارا**۔ کیا عجب ہے کہ مجھ میں کوئی کمزوری ہو اور میں طاعون میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اس خیال نے یہاں تک غلبہ کیا کہ مفتی محمد صادق صاحب کو بلا کر وصیت لکھوانی شروع کر دی۔ حضرت مسیح موعود کو خبر ہوئی تو آپ فوراً حضرت امیر کے کمرے میں تشریف لائے۔ حال دریافت فرمایا۔ عرض کیا مجھے طاعون ہو گئی ہے۔ دیکھئے کس قدر تیز بخار ہے۔ حضرت اقدس نے نہایت جذبے سے فرمایا اگر آپ کو طاعون ہو گئی تو پھر میں جھوٹا اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے☆ یہ کہہ کر آپ نے جو نبض پر ہاتھ رکھا تو عجیب نمونہ قدرت الٰہی ظاہر ہوا کہ ہاتھ لگانے کے ساتھ ہی بدن ایسا سرد ہوا کہ تپ کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ اچھے بھلے اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ یہ وہ عجائبات قدرت ہیں جن سے انسان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

ایمان کامل: ایک طرف حضرت مسیح موعود کو حضرت امیرؒ کی نیکی اور تقوٰی باللہ پر اس قدر یقین تھا تو دوسری طرف حضرت امیرؒ کا یقین و ایمان کمال درجہ پر پہنچا ہوا تھا کہ اس کے بعد کئی بار طاعون کا زور ہوا اور آپ وباء زدہ مقام پر رہے مگر طاعون کا ٹیکہ لگوانے سے ہمیشہ انکار فرمایا کہ میرے متعلق حضرت مسیح موعود کا ارشاد کافی ہے۔

مارچ 1924ء کا ذکر ہے کہ لاہور میں سخت قسم کی مہلک طاعون پھوٹ پڑی اور کثرت سے اموات ہونے لگیں۔ سکول کالج بند ہو گئے اور دفاتر میں چھٹیاں دے دی گئیں۔ حضرت امیر بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ شہر سے باہر (جہاں اب مسلم ٹاؤن ہے) خیمے لگا کر جا رہے۔ مگر ہر روز صبح اپنے مکان واقعہ احمدیہ بلڈنگس میں تشریف لے جاتے اور تمام دن وہاں کام کرتے۔ شام کو گھر آ جاتے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم و مغفور نے کئی بار عرض کیا کہ آپ ٹیکہ لگوا لیں۔ ہم سب نے لگا لئے ہیں مگر آپ نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ کے مکان کے آس پاس مکانات میں کیس ہونے لگے اور ایک دن آپ اپنے دفتر میں بیٹھے کام میں مشغول تھے کہ ایک چوہا گھبرایا ہوا آیا اور وہیں سامنے تڑپ کر مر گیا۔ آپ نے اس پر مٹی کا تیل ڈال کر جلا دیا اور یہ ذکر کیا تو ڈاکٹر صاحبان نے پھر اصرار کیا کہ یا تو آپ ٹیکہ لگوائیں ورنہ شہر جانا چھوڑ دیں۔ مگر آپ نے مسکرا کر ان کے محبت بھرے اصرار کو ٹال دیا اور بدستور شہر جا کر کام کرتے رہے۔ یہ ہے وہ ایقان و ایمان باللہ جو خدا کے برگزیدہ بندوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔ اور اسی لئے ان سے خارق عادت کام ظہور میں آتے ہیں۔

حضرت امیر مسیح موعود کی نوازشات: حضرت امیرؒ نے فرمایا کہ جب ہم لوگ قادیان میں رہتے تھے جو ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور اسٹیشن سے کئی میل دور ہونے کی وجہ سے سامان آسائش میسر نہ تھے۔ گرمیوں میں برف نہ ملتی تھی۔ ایک دن سخت گرمی تھی۔ حضرت اقدس کی خدمت میں کسی نے کچھ برف بھیج دی۔ حضور نے اسی وقت مجھے بلایا اور اپنے دست مبارک سے دودھ چینی اور برف ڈال کر دیا۔ میں نے پی لیا۔ آپ نے دوسرا گلاس بنا کر دیا اور مجھے شرم آئی کہ حضور اتنی مہربانی فرما رہے ہیں تو میں کس

☆ یہ الفاظ خود حضرت اقدس مسیح موعود کی اپنی قلم سے حقیقۃ الوحی صفحہ 653 میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔

طرح انکار کروں۔ وہ بھی پی گیا۔ حضرت نے تیسری بار دودھ برف دینا چاہا تو میں نے عرض کیا کہ حضور اب تو گنجائش نہیں۔ حضرت اقدس نے مسکرا کر فرمایا کہ وہ گلاس آپ نے اپنی خوشی سے پیئے ہیں اب ایک گلاس ہماری خوشی کے لئے بھی پی لیجئے۔ چنانچہ میں نے وہ بھی پی لیا۔

روحانی قوت کا ایک واقعہ: ایک عزیزہ بعارضہ فالج بیمار تھیں اور لمبے عرصہ سے صاحب فراش تھیں۔ کئی قسم کے علاج ہو رہے تھے کہ کسی نے مشورہ دیا کہ ہپناٹزم سے علاج کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک قابل معالج ڈاکٹر مصرا کی خدمات حاصل کی گئیں اور قدرت خداوندی سے ایسا ہوا کہ مریضہ صحتیاب ہونے لگی اور وہ اعضاء جو قطعاً بے حس ہو کر جڑ گئے تھے حرکت کرنے لگے۔ ڈاکٹر مصرا روزانہ آ کر مریضہ کے پلنگ کے پاس کرسی بچھا کر بیٹھ جاتے۔ توجہ ڈالتے ان کے اشارے پر ہاتھ پاؤں حرکت کرتے اور ورزش ہوتی۔ ایک دن حضرت امیرؒ عیادت کے لئے تشریف لے گئے کہ آپ کی موجودگی میں ڈاکٹر مصرا آ گیا اور اپنا کام شروع کیا۔ حضرت امیر کمرے میں ایک طرف خاموش بیٹھے تھے کہ ڈاکٹر مصرا نے مڑ کر آپ کی طرف دیکھا اور مریضہ کے والد سے کہا کہ یہ بزرگ کون ہیں ان کو ہٹا دیجئے کہ ان کی روحانی قوت کے سامنے میری طاقت اور علم بیکار ہو گیا ہے اور اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ سے عرض کیا گیا اور حضور تشریف لے گئے۔

آخری دنوں کا ایک کشف اور ایک الہام: 1۔ فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک نہایت نورانی اور خوبصورت شکل وصورت کی پُر جلال ہستی ہے جس نے مجھے اپنی گود میں لے رکھا ہے جیسے ماں بچے کو لیتی ہے۔ اس کا گریباں کھلا ہے اور برہنہ سینے سے میں نے اپنا سر لگا رکھا ہے اور پیار سے اپنا رخسار رگڑ رہا ہوں اور یہ الفاظ میری زبان پر ہیں **اللھم انت محبی فاجعلنی من احبائک**

2۔ وفات سے قریباً دو ماہ قبل ایک دن صبح کی چائے نوش فرما رہے تھے کہ فرمایا کہ آج رات نماز تہجد کے لئے اُٹھا تو یہ الفاظ زبان پر جاری ہو گئے۔ **انی مھین من ارٰد اھانتک** کہ جو تیری تذلیل کا ارادہ کرے گا میں اسے ذلیل کروں گا۔

اسلام کا دور اول اور حیاتِ ثانی: اسلام کے دور اول میں اپنی حفاظت وبقا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے تحفظ کے لئے بانی السلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے جانباز رفقاء کو تلوار اُٹھانی پڑی اور وہ تہجد گزار شب

بیدار مسلمان اپنے سپاہیانہ انداز میں بھی دنیا کے لئے اسوہ حسنہ ثابت ہوئے اور تلوار کے جائز استعمال نے اسلام کی شان وشوکت میں چار چار چاند لگا دیئے۔اسلام کی حیات ثانی میں حضرت مجدد اسلام نے تلوار سے جہاد کی ضرورت نہ پا کر قلمی جہاد کے ذریعے اسلام کے غلبہ اور شان وشوکت کی پیشگوئی فرمائی۔اور یہی ہتھیار اپنے رفقاء کار کو بھی عنایت فرمایا۔اسی قلم نے حضرت مسیح موعود اور ان کے رفقاء خواجہ کمال الدین مرحوم ومغفور اور مولانا محمد علی کے ذریعہ اسلام کے خوبصورت چہرہ کو مخالفین کے اعتراضات کی خس وخاشاک سے پاک کر کے دنیا پر دوبارہ اسلام کی عظمت وصداقت کا ڈنکا بجا دیا۔

10 محرم الحرام 1371ء: آخر مجدد وقت کا یہ روحانی فرزند مولانا محمد علی قرآن کی خدمت کا کام سرانجام دیتے ہوئے 10 محرم الحرام 1371ء مطابق 13 اکتوبر 1951ء کو عین ساڑھے گیارہ بجے دن کے واصل بحق ہو گیا۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۔ وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ. (169:3)

15 اکتوبر 1952ء

حضرت مولٰینا محمد علیؒ

شیخ غلام قادر صاحب احمدیہ بلڈنگس لاہور

جو قوم اپنے ماضی کی شاندار روایت کو پیش نظر رکھتی ہے وہ یقیناً اپنے مستقبل کی شان کو دوبالا کرتی ہے۔ دراصل ماضی میں ہی مستقبل کی عمارت کی بنیادیں رکھی جاتی ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی مرتبہ عظیم الشان کردار کو صحابہ کرامؓ نے اپنے عملی نمونہ سے قائم رکھا اور پیچھے آنے والے تابعین، تبع تابعین، مجددین عظام اور اولیائے کرام کے عملی وعلمی نمونے یقیناً حضور علیہ التحیات والسلام اور صحابہ کرامؓ کے علمی وعملی کارناموں کے آئینہ دار ثابت ہوئے۔ آج اس زمانہ میں بھی ہم نے حضرت مسیح موعود اور آپ کے پاک اور برگزیدہ ہمنشینوں میں محمد مصطفٰی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا علمی وعملی نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان بزرگان کرام میں سے ایک بہت بڑے عالم ربانی جن کا اسم گرامی میرے اس مختصر سے مضمون کا زیب عنوان ہے، اس زمانہ کے بہت بڑے صاحب قلم تھے بانی سلسلہ کے سامنے مذہب اسلام کے محاسن پر ان کے قلم جوہر رقم نے جنم لیا اور حضور کے وصال کے بعد خود دمِ واپسیں تک یہ قلم چلتا ہی رہا۔ مرحوم کی اس قلم کاری کے شاہکار ترجمۃ القرآن انگریزی، بیان القرآن، حدیث بخاری معہ ترجمہ وتفسیر، ریلیجن آف اسلام، سیرت نبویؐ انگریزی واردو، سیرت خلفاء راشدینؓ انگریزی واُردو، مینول آف حدیث، مقام حدیث اور النبوت فی الاسلام جیسی وہ عظیم الشان کتابیں ہیں جن کا پایہ موجودہ علمی دنیا میں بہت ہی بلند ہے۔

مجھے اپنے مختصر سے تجربہ میں، جو بیرونی مشنوں کے متعلق کام کرنے سے حاصل ہوا ہے، یہ معلوم ہوا ہے کہ ہر چہار اکنافِ عالم سے ان کتب کی مانگ کا دیوانہ وار اور مسلسل تقاضا ہو رہا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم اندرون پاکستان وبیرون پاکستان ان کتب کی پاکیزہ واعلیٰ تعلیمات سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں۔

مرحوم حضرت امیر کی قلم نے اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر ہر دم اپنی بیش بہا رحمت کی بارشیں برسائے اور ان اہل علم بزرگوں کو، جو ہمارے درمیان بقید حیات موجود

ہیں، توفیق دے کہ وہ ان خدمات کو جاری رکھ سکیں۔

میں مدیر پیغام صلح کی خدمت میں عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ ''یادرفتگان'' کے زیر عنوان دیگر بزرگان سلسلہ کی سیرت پر مضامین جمع کریں۔ اور گاہے گاہے ان کے پاکیزہ حالات سے اپنے اخبار کو زینت بخشیں۔

بعد از وفات تربتِ ما برز میں مجو در سینہ ہائے مردم عارف مزار است

پیغام صلح: ''یادرفتگان'' کے نام سے ایک خاص نمبر انشاء اللہ چند ماہ تک شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

15 اکتوبر 1952ء

عاشقِ قرآن

''ہمارا کام ہے قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا آگے قرآن اپنا کام خود کرلے گا'' (وصیت حضرت امیر مرحوم)

اے بے خبر بخدمتِ قرآں کمر بہ بند زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

ازقلم مسٹر نصیر احمد فاروقی۔او۔بی۔ای۔سی۔ایس۔پی چیف سیکرٹری سندھ گورنمنٹ

حضرت امیرؒ کو ہم سے جدا ہوئے آج ایک سال ہونے کو آیا۔ یوں تو وقت گذرتا معلوم نہیں ہوتا مگر یہ سال بہت لمبا اور گراں گذرا۔ شائد جدائی اور یاد کی گھڑیاں لمبی ہی ہوتی ہیں۔ حضرت امیر مرحوم کی کون کون سی خوبی ہے جو اکثر یاد نہیں آتی۔ اور کتنے موقع آئے کہ ان کی عدم موجودگی نے ہمیں یہ احساس نہیں دلایا کہ ان کے چلے جانے سے ہمیں بہت سا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ ان کا حسین اور ہنس مکھ چہرہ ان کی ازحد نیک، نرم اور شفقت بھری طبیعت ان کی ہر شخص سے اور خصوصاً ہر احمدی سے دلی ہمدردی اور محبت ان کی مہربانیاں، چشم پوشیاں اور دعائیں ان کا علم اور نور ان کے معرفت بھرے خطبات اور تقاریر ان کی بینظیر بنوائی اور لیڈرشپ، غرض کون کون سی خوبی ہے جو یاد آکر دل کو نہیں پگھلاتی اور آنکھوں کو نہیں رُلاتی۔

دامان نگر تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار گلچین جمال تو زدامان گلہ دارد

بچپن میں قرآنی خوانی: یہ مضمون لکھنے بیٹھا ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ مرحوم کی کون کون سی خوبیوں اور باتوں کا ذکر کروں۔ آخر سوچا کہ اس چیز کا ذکر کروں جو امیر مرحوم کی زندگی میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی تھی اور وہ تھی ان کی خدمت وعشق قرآن۔ حضرت مولانا عزیز بخش صاحب نے جو حضرت امیر مرحوم کے بڑے بھائی ہیں مجھے سنایا کہ بچپن میں ایک مولوی صاحب مولٰینا عزیز بخش صاحب کو قرآن پڑھاتے تھے۔ امیر مرحوم شوق سے خود ہی قرآن لے کر پڑھنے بیٹھ گئے۔ سن کر مولوی صاحب بولے کہ تمہیں قرآن نہیں آتا۔ تم سے تو حرف کی آواز ہی ٹھیک نہیں نکالی جاتی۔ میں نے اس واقعہ کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ حضرت مرحوم کو بچپن سے ہی قرآن سے کیا محبت اور شوق تھا کہ خود بخود پڑھنے کی طرف طبیعت راغب

ہوئی۔ باقی رہا مولوی صاحب کا قول۔ سو سچ ہے کہ ظاہر پرست مولویوں کے نقطہ نظر سے، جو کہ شین قاف صاد ضاد اور طوئے ظوئے کے جھگڑوں میں پڑے رہتے ہیں، حضرت مرحوم آخر عمر تک سیدھا سادا اور اپنی خاص طرز سے قرآن کو پڑھتے تھے۔ تکلفاً عین اور ضاد اور ایسی ظاہری باتوں کی طرف دھیان نہ تھا۔

خدمت قرآن کے لئے اللہ تعالیٰ نے چن لیا: حضرت مرحوم ان فروعات کو چھوڑ کر اصل بات کی طرف متوجہ تھے کہ قرآن کا ترجمہ اور تفسیر کر کے نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ غیر مسلموں میں پہنچایا جائے۔ چنانچہ عین اور ضاد کے تلفظ میں پھنسے ہوئے مولویوں سے جو کام صدیوں میں نہ ہوا وہ اس مرد خدا نے چند سال میں کر دیا۔ میں نے لفظ مرد خدا کئی لحاظ سے استعمال کیا، ایک تو یوں کہ خدا تعالیٰ نے شروع سے ہی اس قیمتی جوہر کو اس کام کے لئے چن لیا تھا۔ اس مضمون کے پڑھنے والوں میں سے اکثر نے وہ فوٹو دیکھا ہوگا جو حضرت امیر مرحوم کی جوانی میں اُتروایا گیا۔ اس وقت نہ صرف یہ کہ کسی غیر کو وہم بھی نہ تھا کہ حضرت مرحوم قرآن کی کوئی خدمت کریں گے بلکہ حضرت نے ہمیں بتایا کہ خود ان کو بھی وہم نہ تھا کہ ان سے کوئی خدمتِ قرآن لی جائے گی۔ مگر اس فوٹو کو دیکھئے کہ آپ کے پیچھے ایک ہاتھ ایک تحریر لئے دکھاتی دیتا ہے۔ جس پر ''قرآن مجید'' لکھا ہے۔ یہ ہاتھ کسی فرشتہ کا ہے یا واللہ اعلم کیا راز ہے۔ بہر حال اس وقت کسی کو وہم بھی نہ تھا کہ حضرت امیر مرحوم کا خدمت قرآن سے کوئی خاص تعلق ہوگا۔ مگر وہ خدا جو عالم الغیب ہے اور کبھی کبھی خارق عادت طریقوں سے اپنے علم غیب کو ظاہر بھی کرتا ہے، اس نے جوانی میں ہی یہ تمغہ حضرت امیر مرحوم کو عطا فرما دیا تھا۔

حضرت مسیح موعود کا کشف: ایک دوسری خدائی شہادت اُس کشف میں ہے کہ جس میں حضرت مسیح موعود نے دیکھا کہ آنحضرتﷺ تشریف لائے ہیں۔ آپ کے چہرہ پر بشاشت اور خوشی ہے اور ہاتھ میں ایک کتاب ہے جس کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کریم کی انگریزی تفسیر ہے جو علی نے لکھی ہے محمد اور علی کے اس رویاء یا کشف میں اکٹھا ہونے میں اشارہ تھا کہ محمد علی کو اس کام کو کرنا ہے۔ ویسے بھی انگریزی میں یہ طرز ہے کہ نام کا آخری لفظ ہی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ محمد علی کو انگریز مسٹر علی ہی کہے گا۔ چونکہ انگریزی تفسیر کا ذکر تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے بھی وہی طرز کلام اختیار کیا۔

انگریزی ترجمہ اور آسمانی بشارت: انگریزی ترجمۃ القرآن وہ شاہکار ہے جس کی وجہ سے حضرت

امیر مرحوم کا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔ کس محنت اور مشکل سے یہ کام ہوا ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اس وقت عیسائیوں کے کئے ہوئے چند غلط تراجم تھے۔ حضرت امیر مرحوم نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ اس کمر توڑ کام کو بھی شروع کیا اور سات سال کی دن رات کی محنت شاقہ کے بعد وہ ترجمہ اور تفسیر تیار کی کہ حضرت مولانا نورالدین صاحب بعض وقت اس کے نوٹوں کو سنتے سنتے حضرت مولانا محمد علی صاحب کے ہاتھوں کو چومتے تھے۔ اور انہوں نے بالآخر آسمان سے اس بیش بہا خدمت پر مبارک باد کا پیغام پایا۔ بعد میں دوسرے لوگوں نے بھی ترجمے کئے۔ ان میں سے اکثر نے اعتراف کیا ہے کہ محمد علی کا ترجمہ نہ ہوتا تو کس کو ہمت پڑتی کہ اس کمر توڑ کام کو کرے۔

انا مدينة العلم وعلى بابها: مجھے یہاں مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی کی ایک لطیف تفسیر یاد آئی۔ وہ اس حدیث کا ذکر کرتے تھے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا **انا مدينة العلم وعلى بابها** میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔ بے شک حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم و معرفت میں یکتائے زمانہ تھے۔ مگر اس زمانہ میں بھی ایک مسٹر علی نے آنحضرتؐ کے عطا کردہ علم کے دورازے کھول کر اس علم کے دریا انگریزی خواں طبقہ کے لئے بہا دیئے۔

حضرت مسیح موعود کی شاخ: اس ترجمہ کو کر کے نہ صرف اس رؤیا کے مصداق حضرت مرحوم ہوئے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے بلکہ حضرت مسیح موعود کی اس پیشگوئی کے بھی کہ انگریزی ترجمہ اسی سے ہو گا جو مجھ سے ہے اور میری شاخ ہے۔

اردو ترجمہ و تفسیر: مگر کیا اس عظیم الشان خدمت قرآن کو کر کے حضرت امیر مرحوم تھک گئے۔ نہیں۔ بلکہ آپ ان کی زندگی کو دیکھیں تو دن رات اسی شغل میں گزرتی تھی۔ نماز تہجد اور نماز فجر سے لے کر جن میں لمبی لمبی قرآتیں پڑھتے تھے شام تک جبکہ درس قرآن دیتے تھے اسی ایک دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ انگریزی ترجمہ ختم ہوا تو اردو کی وہ بے نظیر تفسیر لکھی جو بیان القرآن کے نام سے چھپی۔ جس میں تمام عربی لغات اور تفاسیر کا نچوڑ موجود ہے۔ اور حضرت مسیح موعود کی مختلف آیات کی تفسیر کا بھی بلکہ حضرت مولانا نورالدین اور حضرت امیر مرحوم کے اپنے علم کا بھی۔ یہ تین جلدیں مخزن ہیں۔ غیر احمدی علماء تک اس کتاب کو سامنے رکھ کر درس قرآن دیتے دیکھے گئے۔

مختلف رنگوں میں خدمت قرآن: پھر کہیں انگریزی قرآن کریم کو حمامل کے رنگ میں شائع کیا جا رہا ہے کہیں اردو کے ترجمہ کو کہیں جمع قرآن پر رسالہ لکھا جا رہا ہے تو کہیں عیسائی اور دوسرے معترضین کے قرآن کریم پر اعتراضوں کا جواب۔ کبھی جہازوں کی لائبریریوں میں قرآن کریم کو رکھنے کی تحریک چلا رہے ہیں۔ کبھی قرآن اکیڈمی کی بنیاد رکھ رہے ہیں تا کہ قرآن کے مطالعہ اور ریسرچ کا سلسلہ جاری رہے اور آخر میں اس عظیم الشان کام کو ہاتھ میں لیا کہ دنیا کی پانچ ہزار لائبریریوں میں قرآن کریم اور دیگر کتب اسلامی کا سیٹ رکھا جائے۔ بڑھاپے، بیماریوں اور کمزوری کا خیال نہیں کرتے۔

انگریزی ترجمہ کی نظر ثانی: اور اخیر عمر میں ایک اور کمر توڑ کام اپنے سر لیتے ہیں کہ انگریزی ترجمۃ القرآن پر نظر ثانی کر کے دوبارہ شائع کریں۔ اللہ اللہ! جب میں نے سنا کہ یہ کام کر رہے ہیں تو حیران رہ گیا کہ مجھے تو جوانی میں بھی ہمت نہ پڑے کہ یہ کام اپنے سر لوں اور یہ انسان بڑھاپے کمزوری اور بیماری میں اس جان جوکھوں کے کام کو اپنے سر پر اُٹھا رہا ہے۔ یہ نظر ثانی کیا تھی تقریباً دوبارہ لکھنا تھا۔ جس کو یہ یقین نہ آئے ذرہ ان مسودوں کو دیکھے جو طبع ثانی کے ہیں۔ اس دوران میں درد دل کے سخت حملے بھی ہوتے رہے۔ مرتے مرتے بچے۔ مگر کانپتے ہاتھوں سے پروف تک خود بستر میں پڑے پڑے ٹھیک کرتے رہے۔ اور بالآخر اس عظیم الشان کام کو ختم کرنے کے چند دنوں کے بعد اپنے مولا سے جا ملے۔

آخری وصیت: آخری بیماری کے دنوں میں پچھلی رات کبھی تہجد کے وقت قرآن سنتے تھے کبھی تیسرے پہر کسی کو بلا کر قرآن سنتے تھے۔ اور ایک دفعہ جب 29 ستمبر 1950ء کو حالت بالکل بگڑ چکی تھی تو مجھے دیکھ کر ہونٹ ہلائے۔ میں نے کان قریب لے جا کر کہا کہ ''جناب نے کیا فرمایا'' تو دوبارہ نحیف آواز سے کہا:

''ہمارا کام ہے قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا آگے قرآن اپنا کام خود کر لے گا''

یہ حضرت مرحوم کی وہ آخری وصیت ہے جو میں اپنی قوم کو پہنچا کر سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ وہ کیا نظارہ تھا جو موت سامنے کھڑی ہے۔ نہ بیوی بچوں کا فکر ہے، نہ دنیا چھوٹنے کا فکر ہے تو یہ کہ قرآن کو دنیا میں پھیلانے کے لئے کہہ جاؤں۔

سفر میں مطالعہ قرآن: ایک دفعہ ایک ریل کے سفر کے لئے حضرت تشریف لے جانے لگے۔ اٹیچی کیس میں سامان بند کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا تو قرآن کی حمائل سفر میں پڑھنے کو رکھ رہے ہیں۔ یہ

دیکھ کر میرے دل پر بہت اثر ہوا کہ یہ شخص عجیب ہے آدھی رات قرآن پڑھتا رہتا ہے۔ سارا دن کسی نہ کسی رنگ میں قرآن کی خدمت کرتا رہتا ہے اور سفر پر جاتا ہے تو نہ کوئی میگزین نہ کوئی رسالہ نہ ناول لے کر چلتا ہے۔ سفر میں وقت ملتا ہے اس لئے قرآن پڑھنے کو ساتھ لیتا ہے!

ممتاز اور بلند مقام: اگر دوسرے عالم میں قرآن کریم کے عشاق کی فہرست تیار ہو رہی ہے یا اسی دنیا میں لکھی جا رہی ہے ایسے عشاق کی جو محض زبانی دعوے نہیں کرتے بلکہ دن رات قرآن کریم کی خدمات اور اشاعت میں لگے رہے ہیں، تو محمد علی کا نام اس میں بہت بلند اور ممتاز مقام پر ہوگا۔ **ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یّشآء واللّٰہ ذوالفضل العظیم**

15 اکتوبر 1952ء

حضرت امیرؒ کے اخلاقِ عالیہ

مولانا مرتضیٰ خان حسن صاحب بی۔اے لاہور

قیام نماز: حضرت امیر مرحومؒ کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ قیام نماز کا بڑی سختی کے ساتھ اہتمام رکھتے تھے۔آپ شب بیدار تھے۔سفر و حضر دونوں صورتوں میں نماز تہجد پابندی سے ادا کرتے۔تہجد سے پہلے آپ عموماً ہر روز غسل بھی کرتے۔نوافل تہجد کے بعد آپ اوراد و ادعیہ ماثورہ میں مصروف رہتے حتّٰی کہ نماز فجر کا وقت ہو جاتا۔مسلم ٹاؤن میں عموماً نماز کی امامت آپ ہی کیا کرتے تھے۔نماز فجر میں آپ کافی لمبی سورتیں پڑھتے۔تمام نمازیں عین وقت پر ادا کرتے اور خواہ کتنی ہی مصروفیت ہو نماز کے وقت آپ فوراً مسجد میں تشریف لے آتے تھے۔ بیماری کی حالت میں بھی نماز با جماعت نہ چھوڑتے اور دوسروں کو بھی با جماعت نماز پڑھنے کی تاکید فرماتے۔ جب ہم میں سے کوئی کسی نماز میں مسجد میں نہ آتا آپ اس کے متعلق دریافت فرماتے یا بعض وقت گھر پر آدمی بھیج کر معلوم کراتے۔

عیادت: آپ مریضوں کی عیادت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ جب کسی کی بیماری کا علم ہوتا اس کے گھر تشریف لے جاتے اور یہی نہیں کہ ایک آدھ منٹ خیریت پوچھ کر واپس چلے جائیں بلکہ کافی دیر تک مریض کے پاس بیٹھتے۔ باتیں کرتے اور حالات دریافت فرماتے اور علاج معالجہ کے متعلق مشورہ دیتے۔ میری اور میرے بچوں کی علالت کی حالت میں متعدد بار آپ میرے گھر تشریف لائے۔اس میں کسی تکلیف کو کام میں نہ لاتے۔اپنی کوٹھی سے نکل محض قمیض پاجامہ زیب تن کئے ہوئے تشریف لے آتے۔دروازے پر دستک دیتے۔ایک ایسے ہی موقعہ پر آپ نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے اندر سے جواب دیا کہ کون صاحب ہیں۔آپ نے بلا تکلف جواب دیا۔"میں ہوں محمد علی" اس واقعہ پر مجھے حضرت مسیح موعود کا واقعہ یاد آ گیا کہ ایک دفعہ رات کے وقت حضور مولانا سید محمد احسن صاحب مرحوم کے قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔اور دروازہ پر دستک دی۔ مولانا صاحب نے پوچھا کون ہے حضور نے فرمایا "میں غلام احمد" ع

تابع و متبوع بیک رنگ شُد

ایک دفعہ مولانا عبدالحق صاحب بیمار ہو گئے اور تکلیف کچھ زیادہ ہی ہو گئی۔ حضرت امیرؒ نے مجھے طلب فرمایا اور بڑی تشویش سے ان کی علالت کا ذکر کیا اور ارشاد فرمایا کہ تم خود مولانا صاحب کے پاس جاؤ ان کی پوری پوری کیفیت پوچھو اور پھر ڈاکٹر طفیل حسین صاحب سے نسخہ لے کر دوائی لاؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ جتنے دن مولانا صاحب بیمار رہے آپ کو بڑی تشویش رہی اور بار بار آپ کی صحت کے متعلق پوچھتے رہے۔ پھر جب خدا نے مولانا صاحب کو صحت دی تو آپ بہت خوش ہوئے۔

ایک دفعہ میرا ایک بچہ بیمار ہو گیا۔ آپ بلاناغہ اس کا حال پوچھتے اور پھر خود ہی بغیر میری تحریک کے مسجد میں اس کی صحت کے لئے دعا کرتے اور دوسروں کو بھی دعا کی تاکید فرماتے۔ اس قسم کے کئی واقعات ہیں مگر ان سب کا بیان کرنا طوالت کا موجب ہوگا۔

ہمدردی: مخالف مولویوں کے پروپیگنڈا کی وجہ سے جب مجھے ریاست مانگرول سے واپس آنا پڑا تو آپ کو بہت رنج ہوا۔ بار بار افسوس کرتے۔ آج سے دو سال قبل جب میری چوری ہو گئی، آپ کو کسی نے اطلاع دے دی۔ آپ نے فوراً خط لکھا اور لکھا کہ مجھے آپ کی چوری سے سخت صدمہ ہوا ہے۔ میں آپ کے خط کا جواب جلدی نہ دے سکا دوبارہ خط لکھا اور پوچھا کہ مفصل کیفیت تحریر یں کریں کہ کس قدر نقصان ہوا ہے اور اس قدر ہمدردی مجھ سے کی کہ گویا آپ کا اپنا نقصان ہوا ہے۔ پھر یہ ہمدردی محض لفظوں تک ہی محدود نہ ہی بلکہ آپ نے عملی طور پر ہمدردی کی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

ایک دفعہ ہماری مسلم ٹاؤن کی مسجد کے مؤذن کی بیوی کو زچگی کی حالت میں کچھ پیچیدگی پیدا ہو گئی اور زندگی کا خطرہ ہو گیا۔ آپ کو بہت تشویش ہوئی۔ فوراً فون پر ادھر ادھر بات چیت کر کے مریضہ کو ہسپتال پہنچا دیا۔ اس سلسلہ میں تقریباً ایک گھنٹہ تک آپ مختلف جگہوں پر فون کرتے رہے اور تبھی آرام کیا جب کام بن گیا۔

انکسار: آپ ایک بہت باوقار انسان تھے مگر طبیعت میں انکسار بھی بہت تھا۔ نشست و برخاست میں کچھ تکلف نہ تھا۔ ایک دفعہ مسجد سے میں ذرا پہلے نکل آیا آپ پیچھے آرہے تھے۔ میں راستہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا کہ آپ آگے چل سکیں۔ آپ نے فرمایا اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نخوشی آگے چلیں۔ میں نے عرض کی حفظ مراتب ضروری ہے۔ فرمایا اتنا بھی نہیں کہ انسان میں تکبر پیدا ہو جائے۔ میں نے عرض

کیا آپ ایسے انسانوں سے توقع نہیں ہوسکتی کہ تکبر پیدا ہو!

پسِ پشت کسی کو بُرا نہ کہتے: بڑے آدمیوں کی مخالفت بھی بہت ہوتی ہے۔ مختلف موقعوں پر بعض لوگ آپ کی مخالفت بھی کرتے تھے۔ بعض اوقات آپ کے پاس خطوط بھی آتے۔ جن میں آپ کی مخالفت ہوتی مگر یہ آپ کی خوبی تھی کہ کبھی کسی مخالف کی پس پشت آپ نے برائی نہیں کی۔ اگر کسی امر کی تردید بھی کرنی پڑی تو بڑے احسن طریق سے کی اور کبھی کسی مخالفت کا ذکر بھی کیا تو معقول اور مہذبانہ رنگ میں۔

حسنِ سلوک: میں نے کئی سال آپ کے ساتھ کام کیا۔ سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا۔ کبھی کسی شخص کے متعلق کرید نہیں کی۔ آپ مجھ پر شفقت فرماتے تھے۔ مجھ پر اعتماد فرماتے تھے۔ تھوڑی تھوڑی بات کی قدر فرماتے اور کبھی نصیحت فرماتے تو اس کا رنگ بھی عجیب محبت آمیز ہوتا۔ ایک دفعہ دفتر سے مجھے آپ کی کسی کتاب کے پروف ملے کہ میں مسلم ٹاؤن میں (جب گھر جاؤں) آپ کو پہنچا دوں۔ وہ پروف میں جیب میں رکھ کر بھول گیا۔ تین دن اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن دفتر سے دریافت فرمایا کہ پروف کیوں نہیں آئے۔ دفتر والوں نے جواب دیا کہ ہم نے تو وہ تین دن ہوئے یہ پروف مرتضیٰ خاں کو دیئے تھے کہ آپ کو پہنچا دیں۔ جب میں آپ سے ملا تو مسکراتے ہوئے فرمایا خان صاحب ایک روایت پہنچی ہے کہ پروف آپ کے پاس ہیں۔ کیا یہ روایت صحیح ہے؟ میں بہت نادم ہوا اور عرض کی کہ روایت بالکل صحیح ہے، پروف میری جیب میں ہی تھے۔ میں نے فوراً پیش کر دیئے۔ فرمایا اس قدر جلدی کی کیا ضرورت ہے؟ یہ کہہ کر آپ خوب ہنسے۔

میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ آپ تھوڑی تھوڑی بات کی قدر کرتے تھے۔ میں اخبار میں بچوں کے لئے مضامین دیا کرتا ہوں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ یہ بڑا مفید سلسلہ ہے۔ خدا جانے جماعت کے بچے پڑھتے بھی ہیں یا نہیں؟ اس کی تحریک کرنی چاہئیے۔ ایک دفعہ میری کسی نظم پر اظہار پسندیدگی فرمایا اور فرمایا آپ مضمون نگار بھی اعلیٰ درجہ کے ہیں اور نظم بھی خوب کہتے ہیں۔ اسے خودستائی سمجھا جائے گا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں اپنے اندر کوئی خوبی نہیں پاتا۔ لیکن مرحومؒ کے صالح اور نیک ظن ہونے کا ثبوت اس سے ضرور ملتا ہے کہ متعدد بار میری غیبت میں فرمایا کہ وہ بہت شریف النفس انسان ہے۔ بلکہ اس

سے بھی بڑھ کر الفاظ استعمال فرمائے جنہیں میں اپنے قلم سے لکھنا پسند نہیں کرتا۔ یہ تو آپ کے اپنے شریف النفس ہونے کی دلیل تھی ورنہ من آنم کہ من دانم۔

اللہ تعالیٰ آپ کے مدارج بہت بہت بلند کرے۔ آپ کی رحلت تمام دنیائے اسلام کے لئے صدمہ ہے۔ تمام جماعت کے لئے ایک حادثہ عظیم ہے۔ مگر ہم مسلم ٹاؤن کے رہنے والے جس قدر آپ کی جدائی محسوس کرتے ہیں وہ ہم ہی جانتے ہیں۔

جب تلک وہ پاس تھا اتنا نہ تھا ہم کو خیال اب جدائی میں محبت کا اثر ہونے لگا

15 اکتوبر 1952ء

مولانا محمد علیؒ سے میری ملاقات

از محمد امان ہوبہم ۔ امام مسجد برلن (جرمنی)

مولانا محمد علیؒ سے میری ملاقات: میں ابھی نوجوان ہی تھا کہ مولانا محمد علی سے میری ملاقات ہوئی۔ اس بات کو دس بارہ سال گزر چکے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ایسے واقعات جو انسان کی زندگی کا رُخ بدل دیتے ہیں اور اپنا ایک دائمی اثر چھوڑ جاتے ہیں وہ سالہا سال گزرنے پر بھی اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ انسان کے دماغ پر نقش رہتے ہیں۔ ایسا ہی ایک زبردست واقعہ میری زندگی میں پیش آیا جبکہ میں مولانا محمد علی سے پہلی بار ملا۔ اس کے بعد بہت سے حادثات اور جنگ اور زمانہ مابعد جنگ کی مشکلات اور تکالیف مجھے درپیش رہیں۔ لیکن وہ گہرا نقش جو اس پہلی ملاقات کا میرے دماغ پر تھا اب بھی اسی تازگی کے ساتھ قائم ہے۔

یہ ملاقات جسمانی نہ تھی: مَیں مولانا محمد علی کو جسمانی طور پر نہیں ملا۔ مجھے کس قدر خواہش تھی کہ میں ان کے روبرو بیٹھ سکوں۔ ان کی آواز سن سکوں۔ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکوں اور ان کی زبردست شخصیت سے متاثر ہوسکوں۔ لیکن ہمارے درمیان جسمانی طور پر اس قدر زیادہ فاصلہ اور بُعد تھا کہ میرے لئے یہ ناممکن ہو گیا کہ میں ان کے قدموں میں بیٹھ سکوں، اور ان کا قرب حاصل کرسکوں۔ پھر بھی میں یہ دوہراتا ہوں کہ میں نے مولٰینا محمد علی سے ملاقات کی اور ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار کی۔ میری ان سے یہ ملاقات دراصل ان کی کتابوں میں ہوئی۔ جس طرح میرے بے شمار اور جرمن اور یوروپین بھائیوں کی ہوئی۔ یہ تھی ہماری پہلی ملاقات آج سے دس بارہ سال پہلے۔

اسلام دی ریلجن آف ہیومینٹی کا مطالعہ: جنگ سے کچھ عرصہ پہلے میں شمالی جرمنی کے ایک چھوٹے سے شہر کی پبلک لائبریری میں مطالعہ اور تحصیل علم میں مصروف رہا کرتا تھا۔ اسی شہر میں مَیں نے اپنا بچپن گزارا۔ بڑا ہوا اور تعلیم پائی۔ اور ایک عرصہ کے بعد یہیں سے میں مسلم مشنری بن کر برلن کے لئے روانہ ہوا۔ اُس زمانے میں مجھے شوق تھا کہ غیر ممالک کے لوگوں کے مذاہب، تواریخ اور دیگر حالات کے

متعلق کتابیں پڑھوں۔ چنانچہ جب مجھے ایک چھوٹا سا پمفلٹ، جس کا عنوان ''اسلام دی ریلجن آف ہیومینٹی'' تھا، نظر آیا تو میں نے شوق سے اسے پڑھنا شروع کیا اور فوراً ہی مجھے اس کے آسان سیدھے سادے لیکن پُر زور اور دل میں اُترنے والے الفاظ نے بہت متاثر کیا جن میں ایک آسان سیدھے سادے لیکن دل میں اُترنے والے مذہب کا ذکر تھا۔ یعنی میرے اختیار کردہ مذہب۔ مذہب اسلام کا۔

زندگی اور روح سے بھری ہوئی کتاب: یہ پہلی دفعہ نہ تھی کہ میں نے اسلام کے متعلق کچھ پڑھا ہو۔ اس سے پہلے بھی میں نے اسلام پر بعض ضخیم کتابیں پڑھی تھیں۔ جن میں علمیت اور رقابلیت کا اظہار تو بہت تھا لیکن زندگی نہ تھی، روح نہ تھی، لیکن وہ چھوٹا سا پمفلٹ جو میں نے پڑھا اُن سے کس قدر مختلف تھا۔

عظیم الشان ایمان اور یقین کا مالک: ہر سطر اور ہر مضمون سے، جو اس پمفلٹ میں تھے، خاص طور پر خدا کی توحید والے مضمون سے، یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا لکھنے والا ایک وسیع علم وحکمت کے ساتھ ساتھ ایک عظیم الشان ایمان اور یقین کا مالک ہے اور ایک بلند مقصد کے لئے دل میں بے انتہا تڑپ اور درد اور محبت رکھتا ہے۔ میں بے حد متاثر ہوا۔ پھر میں نے مصنف کا نام پڑھا مولانا محمد علی ایم۔اے۔ ایل۔ایل۔بی۔ اور اس پہلی ملاقات کے بعد یہ نام ''مولانا محمد علی'' میرے لئے ایک محکم ایمان، پُر خلوص اور پُر درد دل، ایک غیر متزلزل یقین، وسیع علم ومطالعہ اور ایک عظیم الشان قلم کا مترادف بن گیا۔

میرا قبول اسلام: مختصر یہ کہ مولانا محمد علی کے ذریعہ سے میں نے اسلام قبول کیا۔ وہ اس طرح کہ ''اسلام دی ریلجن آف ہیومینٹی'' پڑھنے کے بعد مجھے اس مصنف کی اور کتابوں کو پڑھنے کا شوق پیدا ہو اور رفتہ رفتہ میں نے اپنی ذاتی لائبریری میں وہ تمام بیش بہا موتی اکٹھے کر لئے جو اس قلم نے پروئے تھے۔ اور جو کہ قرآن اور حدیث کے بعد اب میرا سب سے قیمتی خزانہ ہیں۔ اس میں کیا تعجب ہوسکتا ہے کہ میں نے جس قدر کتابوں کو پڑھا اسی قدر اسلام کے قریب تر ہوتا گیا اور آخر کار اسلام قبول کر لیا۔

مغربی دماغوں کو اپیل کرنے والے دلائل: مولانا محمد علی کی کتابوں کو پڑھنا گویا ان سے ملاقات کرنا تھا۔ اور میں نے بار بار ان سے ملاقات کی۔ وہ میرے ہر وقت کے ساتھی بن گئے۔ جس رنگ میں انہوں نے اسلامی تعلیمات کو پیش کیا تھا وہ میرے لئے ذریعہ ہدایت ہوا تھا۔ اسی طرح میں نے بھی اسی

رنگ کو اپنے تبلیغ کرنے کے لئے ایک نمونہ بنالیا۔ یہ تھی وہ ملاقات جو میں نے مولانا سے کی اور جو میرے ہم وطنوں میں سے کئی ایک نے کی اور ہمیشہ کرتے رہیں گے۔ میری طرح میرے سب دوست ان کی سادہ لیکن دل میں کھُب جانے والی طرزِ تحریر اور ان کے سادہ اور عام فہم دلائل سے، جو مغربی دماغوں کو خاص طور پر بہت اپیل کرتے ہیں، بہت متاثر ہوئے۔ ان کے دل کی تڑپ اور ولولہ اور خدا اور اس کے دین سے محبت ان کی ہر سطر سے عیاں ہے اور ان کے پڑھنے والوں کے دلوں کو گرماتی ہے۔

حضرت مولیٰناؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط: جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں میں مولانا سے ذاتی طور پر نہیں ملا لیکن پھر بھی اپنے آپ کو ان سے بہت قریب پانے لگا۔ چند سال ہوئے جب میں نے برلن مسجد کی امامت کا چارج لیا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ مجھے مولاناؒ کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا خط ملا۔ اسی ہاتھ کا خط جس نے اسلامی لٹریچر کے میدان میں نمایاں فتوحات حاصل کیں۔ آپ لوگ تو خوش قسمت تھے کہ ان سے روز ملا کرتے تھے۔ شائد ان کے خط کا آنا آپ کے لئے بڑی بات نہ ہو، لیکن میرے لئے یہ ایک بہت بڑی بات تھی۔ کیونکہ اس خط سے بہت سی اور چیزیں بھی ظاہر ہوتی تھیں۔ جن میں سب سے بڑھ کر ان کی بزرگانہ محبت اور شفقت تھی اور وہ ایسے لوگوں کے لئے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہوتی تھی جو اس کام میں لگ پڑے ہوں جو اُن کو محبوب تھا اور اس طرح خود ان کے محبوب بن گئے ہوں۔ جس طرح انہوں نے اپنی محبت اور شفقت ہمیں عطا کی اسی طرح بے انتہا محبت اور عزت کے جذبات میرے دل میں ان کے لئے موجزن ہیں اور میری طرح میرے بے شمار بھائیوں کے دلوں میں بھی۔

آخر دم تک کام کیا: جب حضرت مولانا نے مجھے خط لکھا تو وہ بہت بیمار تھے اور ان کی لکھائی سے ہاتھ کی کمزوری صاف ظاہر ہوتی تھی۔ لیکن انہوں نے انتہائی کمزوری کی حالت میں بھی لکھنا نہیں چھوڑا۔ مجھے بعض احباب نے بتایا کہ جب تک انہوں نے آخری دفعہ اپنی آنکھیں بند نہ کرلیں اس وقت تک ان کے بے نظیر دماغ اور ہاتھوں نے کام کرنا نہ چھوڑا۔ جس بلند مقصد کو انہوں نے اپنے سامنے رکھا تھا۔ دینِ اسلام کے غلبہ کو اس کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔

وفات کی اطلاع: ہاں! انہوں نے آخری دفعہ اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ مجھے 13 اکتوبر 1951ء کی رات کے وہ لمحات نہیں بھولتے جبکہ ایک دوست نے کانپتی ہوئی آواز سے اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان

مجھے یہ خبر سنائی جو کہ امریکہ کے عربی پروگرام میں سنائی گئی تھی کہ لاہور کے مولانا محمد علی وفات پا گئے۔

وہ مردہ نہیں زندہ ہیں: کیا وہ سچ مچ وفات پا گئے؟ کیا خدا تعالیٰ نے اپنے قرآن مجید میں نہیں فرمایا کہ **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ** . (154:2) ان کی زندگی مسلسل جہاد فی سبیل اللہ تھی، انہوں نے اسلام کی مشعل اس وقت دنیا میں پہنچائی جبکہ دہریت اور مادیت کی گہری تاریکی اس پر چھائی ہوئی تھی۔ اپنے قلم کے ذریعے سے انہوں نے اس مشعل کو مغرب کے تاریک ترین کونوں تک پہنچا دیا اوران لوگوں کو روشنی اور ہدایت دی جو اس کے بغیر گمراہ ہو جاتے۔ وہ یقیناً زندہ ہیں۔ جب تک ان کی تصانیف زندہ ہیں۔ جب تک کہ لوگ ان کی تحریروں سے علم وہدایت حاصل کرتے رہیں گے۔ جب تک یہ ان کا قیمتی ورثہ ہماری درمیان رہے گا۔ تب تک اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ زندہ رہیں گے۔ وہ ہمارے اسی طرح محبوب رہیں گے۔ ہم ان سے بار بار اسی طرح ملاقات کریں گے جس طرح میں انہیں بار بار ان کی تحریروں میں ملتا ہوں۔

آپ کا چھوڑا ہوا بیش بہا خزانہ: انہوں نے ایک ایسا ورثہ چھوڑا ہے جو ہمارے لئے ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ آیئے ہم اس کو اسی طرح خیال سے رکھیں جس طرح ہمارے جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے نے کہا ہے:

''جو کچھ تمہیں اپنے آباء سے علم کا ورثہ ملا ہے، اس کو حاصل کرو تا کہ تم اس کے مالک ہوسکو''

15 اکتوبر 1952ء

حضرت مولٰینا محمد علیؒ کا عظیم الشان کام

خان بہادر غلام ربانی صاحب ایڈووکیٹ مانسہرہ۔ ضلع ہزارہ

بتاریخ 13 اکتوبر 1951ء ہمارے محبوب رہنما حضرت مولٰینا محمد علی صاحب ہمیں الوداع کہہ کر اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔ مَیں نہ تو خواب بین ہوں اور نہ ضعیف الاعتقاد پیر پرست۔ مگر ایک واقعہ ہے۔ جس کا ذکر کرنا قارئین کے لئے موجب تسکین ہوگا۔ حضرت مرحوم کی وفات کے چند دن بعد میں نے خواب دیکھا کہ وہ فاخرہ لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں اور ان کے دائیں ہاتھ میں کتاب ہے۔ جس سے نور کی شعاعوں کا ہالہ ارد گرد نظر آتا ہے میرے لئے یہ خواب اطمینان کا موجب تھی۔ اس کی تاویل آپ خود کر لیں۔

حضرت مسیح موعود کے ارشادات: حضرت میرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم کے مبارک الفاظ جماعت لاہور اور ان کے امیر مرحوم کے متعلق درج ذیل ہیں۔ جو کم از کم احمدی مسلمان کے لئے حجت ہیں۔ اور ان کے حق میں ایک زرین سرٹیفکیٹ اور سند ہیں۔

1۔ لاہور میں ہمارے پاک ممبر ہیں۔ نظیف مٹی سے ہیں.................

2۔ اور میں نے دیکھا کہ میں شہر لندن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے مَیں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے اور شائد تیتر کے جسم کے موافق ان کا جسم ہوگا سو مَیں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ مَیں نہیں مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے (ازالہ اوہام صفحہ 515-516)

3۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر (اہل انگلستان) کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ کام میرا ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا جیسا اس

سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے (ازالہ اوہام صفحہ 773)

4۔ ایک مرتبہ حضرت مولینا مرحوم کو سخت بخار کی حالت میں طاعون ہو جانے کا وہم ہوا تو حضرت مسیح موعود نے نبض پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ آپ کو اگر طاعون ہو جائے تو ہمارا دعوٰی غلط ہے اور جونہی حضرت مسیح موعود نے نبض پر ہاتھ رکھا بخار فوراً اُتر گیا (حقیقۃ الوحی)

5۔ حضرت مسیح موعود کو عالم کشف میں ایک قلم دی گئی جس کے متعلق آپ نے اسی عالم میں فرمایا کہ ''اچھا میں مولوی صاحب (مولوی محمد علی صاحب) کو دے دوں گا''

پھر اس کے بعد (آنحضرت صلعم نے) فرمایا کہ اس کے (مسیح موعود کے) لشکر یعنی اس کی جماعت کا سردار سر گروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا جس کو آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا۔ اس جگہ اگرچہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا ہے مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ وجدل مراد نہیں ہے بلکہ یہ ایک روحانی فوج ہوگی کہ اس حارث کو دی جائے گی۔ اس کے بعد آپ نے ایک کشف کا ذکر کرتے ہوئے جس میں ایک لاکھ فوج طلب کرنے پر ایک آسمانی آدمی نے پانچ ہزار فوج دینے کا وعدہ کیا، پھر لکھا ہے:

''پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا اور کہا گیا کہ خوشحال ہے خوشحال ہے''

آپ کا قلمی جہاد: محض دعوٰی بلا دلیل قابل پذیرائی نہیں ہے۔ حضرت مولینا محمد علی صاحب مرحوم ومغفور کی عدیم المثال خدمت اسلام روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ آپ زمانہ حاضرہ کی عظیم ترین ہستی ہیں جس نے قلمی جہاد کے ذریعہ صلیب کے بلند قصر کو گرا دیا۔ اور قرآن پاک کے علم وحکمت کو اصلی پیرایہ میں بیان کر کے اسلام کی روشنی کو چار دانگ عالم میں پھیلانے میں کامیاب سعی کی اور زندگی کے آخری پینتیس سال میں دینی علم کا بیش بہا خزانہ چھوڑ کر رخصت ہوئے جس کی فہرست آخری صفحات میں شامل ہے۔

یہ اس بہت بڑے ذخیرہ علم کا ایک حصہ ہے جو آپ نے چونتیس سال میں پیدا کیا ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار اشتہارات اور ٹریکٹ آپ کی قلم سے شائع ہوئے۔

انگریزی ترجمہ قرآن وتفسیر: انگریزی تفسیر قرآن مجید کی تمہید اس قدر مفید ہے کہ جب کسی غیر مسلم نے بہ نظر غور پڑھا تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور نہ صرف غیر مسلم بلکہ مسلم بھی اس علمی تفسیر سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور اس کو تو اولی اور قانونی دنیا میں Standard work سمجھا جاتا ہے۔ 1951ء میں انگریزی ترجمہ قرآن کی Revised ایڈیشن شائع ہوئی اور خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ خود مولانا صاحب مرحوم نے تمام پروف تک پڑھے اور ان کی ہدایت کے ماتحت ریوائزڈ ایڈیشن شائع ہوئی۔

زندہ نبیؐ کی زندہ تعلیم: لونگ تھاٹس آف دی پرافٹ محمدؐ ایک انگریز ناشر Caseel and Co, London نے شائع کی۔ جو ہزاروں کی تعداد میں انگریزی دان اصحاب کے ہاتھوں تک پہنچ چکی ہے۔ اور اس کا فرانسیسی ترجمہ بھی پیرس سے شائع ہوا۔ جو فرانسیسی جاننے والوں کے لئے مشعل ہدایت ہو رہا ہے۔

ایک شامی خاتون کا اشتیاق: جب میں ووکنگ میں تھا تو سیریا کی ایک خاتون نے، جو اپنے ملک کی خواتین کی رہنما ہے، مجھ سے اجازت طلب کی کہ وہ مولانا صاحب کی کتاب (Islamic Laws of marriage and Divorce) عربی میں ترجمہ کر کے شائع کرنا چاہتی ہیں۔ اجازت ملنے پر وہ کتاب عربی ممالک میں شائع ہو کر تقسیم ہوگئی۔

دی ریلجن آف اسلام: The Religion of Islam کو بجا طور پر Encyclopedia of Islam کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں اسلام کے ہر چھوٹے بڑے مسئلہ پر نہایت عمدگی کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

تبلیغ میں کامیابی: میں نے اپنے تبلیغی کاروبار میں حضرت مرحوم کی کتابوں میں ایسے پر معارف نقاط اور حتمی دلائل اور مسکت جوابات پائے کہ ان کے ذریعہ حاضرین اور مخالفین پر ہر میدان میں فتح پائی۔

حضرت مرحوم کی اصولی فتح بعد از موت: 1914ء میں حضرت مرحوم نے مع اپنے رفقاء کار، جن میں حضرت مولانا صدرالدین صاحب (موجودہ امیر جماعت) بھی ہیں، قادیان سے ہجرت اختیار کی۔ یہ ہجرت کسی دنیاوی غرض وغایت کے لئے نہ تھی بلکہ محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کی گئی۔ بدقسمتی سے جناب مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب قائد جماعت قادیان کا رویہ اور غلط اعتقادات موجب ہجرت

بنے۔ وہ اصول جن کے لئے آپ نے ہجرت کی حسب ذیل ہیں:

پہلا اصول۔ یہ کہ جو شخص کلمہ طیبہ پڑھتا ہے۔ وہ مسلمان ہے۔ اس کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔

دوسرا اصول۔ یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری اور کامل نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا ہے اور نہ پرانا۔

آپ ہجرت کر کے لاہور آئے تو حضرت خواجہ کمال الدین صاحب، حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب وغیرہ مرحوم ومغفور بزرگوں نے ان کا پورا ساتھ دیا اور بڑے ایثار اور قربانی کے نمونے دکھائے۔ لاہور میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بناء ڈالی گئی۔ نہ قلم نہ دوات، نہ دفتر نہ مکان، نہ سرمایہ۔ اس بے سروسامانی میں اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر کام شروع کیا گیا۔ اور مفصلہ بالا عقائد کی نشر واشاعت اور خدمت اسلام کے لئے آپ کمر بستہ ہو گئے اور اس تھوڑے سے عرصہ میں اس جماعت نے وہ کام کیا کہ عیسائیوں کے لیڈر ڈاکٹر زویمر کو یہ کہنا پڑا:

> ''لاہور کی جماعت جو اصل قوم سے الگ ہوگئی ہے اس وجہ پر کہ وہ بانی سلسلہ کو محض مجدد تسلیم کرتے ہیں نہ کہ نبی۔ وہ اسلامی رائے عامہ کو زیادہ پسند ہیں......ان کا اثر اس سے بہت زیادہ وسیع ہے جو ان کی تعداد سے قیاس ہوسکتا ہے۔ ان کے اسلام سے دفاع اور اس کی حفاظت کو بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان قبول کرتے ہیں کہ یہی ایک صورت ہے جس میں وہ عملی رنگ میں اسلام کے وفادار رہ سکتے ہیں'' (مسلم ورلڈ جلد 21)

حضرت مولیٰنا مرحوم کی ان کوششوں اور علمی خدمات کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلامی لٹریچر اور مسلم مشنری کی اگر کبھی دنیا میں ضرورت پیش آئی ہے تو اس جماعت کی طرف ہی نظریں اُٹھتی ہیں اور یہاں سے ہی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ بیشمار رسائل اور ٹریکٹ آپ نے لکھے اور حضرت مرزا صاحب مجدد صد چہار دہم ومہدی مسعود مسیح موعود کی تصانیف سے ثابت کر دیا کہ حضرت موصوف کے نزدیک کلمہ گو کو کافر کہنے والا خود کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔ اور یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا

یا پُرانا نبی نہیں آ سکتا اور مدعی نبوت کافر، کاذب، دجال اور دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے

لیکن ایک طرف غلو کرنے والی جماعت قادیان آپ کے اُن پیش کردہ حوالہ جات کو منسوخ تصور کرتے ہوئے ان سے حجت پکڑنا گناہ تصور کرتے رہے اور دوسری طرف مکفر مولوی صاحبان میاں محمود احمد صاحب کے غلط معتقدات و بیانات سے حوالہ پکڑتے ہوئے حضرت مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ کے خلاف عوام کو مشتعل کرتے رہے اور تکفیر کے مشغلہ کو بڑے زور سے جاری رکھا۔ بالآخر فتح حق کو ہوئی اور خود جناب میاں محمود احمد صاحب قائد قادیانی جماعت نے ان حوالہ جات کی طرف رجوع کر کے حضرت مرزا صاحب مرحوم و مغفور کے صحیح مسلک کو کہ **لَآ اِلٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** کہنے والا مسلمان ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں ان کے بعد نہ نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ پرانا، اپنا عقیدہ بتایا ہے اور اخبارات اور عامۃ المسلمین بھی اسی عقیدہ پر محکم ہو گئے ہیں۔ **اَلحمد للّٰہ** کہ اس فتح کا سہرہ بھی مرحوم کے سر پہ ہے۔

15 اکتوبر 1952ء

اسلامی دنیا کے لئے ایک نقصان عظیم

حضرت مولانا محمد علی اور آپ کے کارنامے

از ترکی ادیب عمر رضا دوغرل

ذیل کا مضمون اسلامک ریویو ماہ مئی 1952ء سے ماخوذ ہے۔ جو مشہور ترکی ادیب، مدیر، ممبر پارلیمنٹ عمر رضا دوغرل کے تاثرات کا آئینہ دار ہے۔ ادارہ

عہدِ حاضر کا بہترین مفکر اور مصنف: مولانا محمد علی کی وفات نے ہمیں ایک ایسی ہستی سے محروم کر دیا جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمت اسلام کے لئے وقف تھا۔ ایک عالم متبحر اور مفکر ہونے کے علاوہ مولانا ایک ان تھک کارکن اور کثیر التصنیف مصنف تھے۔ اسلامک ریویو ماہ نومبر 1951ء میں مولانا کی وفات کی خبر پڑھ کر مجھے بے حد رنج ہوا۔ بلا شبہ مولانا عہد حاضر کے بہترین مفکر اور مصنف تھے۔ قدرت نے آپ کو ایک صحیح اور زرخیز دماغ عطا کیا تھا۔ آپ کا قلب صافی ایک ایسے گہرے جوش ایمانی سے معمور تھا جسے کوئی چیز متزلزل نہیں کر سکتی تھی۔ آپ علم دین کے ایک بحرِ بیکراں تھے۔

احیائے اسلام کا عظیم الشان مقصد: اپنی تمام تر استعدادیں اور قوائے عقلیہ مولانا نے ایک ہی مقصد کے لئے وقف کر دی تھیں۔ اور وہ احیائے اسلام کا عظیم الشان مقصد تھا۔ مسلمانوں کو ہر قسم کے بے معنی توہمات سے آزاد کرنے کا مقصد اور اسلام کو اپنے اصلی رنگ وروپ میں دوبارہ قائم کرنے کا مقصد۔ اور یقیناً آپ نے اسلام کی اصلی شوکت دوبارہ زندہ کر دکھائی۔

جریدہ عالم پر غیر فانی نقش: اسلام کا یہ مجاہد اعظم محمد علی لاہوری کے نام سے مشہور تھا، جو شہرہ آفاق انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن کے مصنف تھے۔ آپ ایک عظیم المرتبت شخصیت کے مالک تھے جنہوں نے جریدہ عالم پر اپنے تصنیفی کارناموں کا ایک غیر فانی نقش ثبت کر دیا۔

ترکی میں مولٰینا مرحوم کی تصانیف کا مطالعہ: حسنِ اتفاق سے کراچی کی عالمی مسلم کانفرنس سے، جو فروری 1951ء میں منعقد ہوئی، فراغت کے بعد ہمیں کئی دن لاہور میں گزارنے کا موقع ملا۔ یہاں ہمارا

اولین فرض یہ تھا کہ مولانا محمد علی کی زیارت سے مستفیض ہوں۔ ترکی میں متواتر تیس سال تک مولانا کی تصانیف ہمارے زیر مطالعہ رہیں۔ کئی ایک امور پر آپ نے ہماری رہنمائی کی۔ اس لئے کہ آپ کی نگاہ معارف اسلام کی عمیق گہرائیوں تک پہنچی ہوئی تھی اور آپ اسلام کے حقیقی مشن اور مقصد سے بخوبی واقف تھے اور دوسروں تک اس روشنی اور نور کا پہنچانا آپ نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا۔ انگریزی اور اردو ہر دو زبانوں میں تصانیف میں آپ کو یہ ید طولیٰ حاصل تھا۔ ہم تک آپ کا مافی الضمیر انگریزی زبان کے ذریعہ پہنچا۔ اندازہ ہے کہ انگریزی میں آپ کی تصانیف کا دائرہ سات ہزار اور اُردو میں دس ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ میں دیانتداری سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے انگریزی تصانیف کے سات ہزار صفحات پورے کے پورے مطالعہ کئے ہیں۔ اسی کے مطابق میرا دل اس احساس سے لبریز ہے کہ اسلامی علوم کے لئے میں مولانا کا کس قدر مرہون منت ہوں۔

ملاقات کے لئے روانگی: لاہور پہنچنے پر ہمارے لئے سرگرمیوں کا ایک طویل پروگرام تیار تھا۔ لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ مولانا مجھے شرف باریابی بخشنے کے خواہش مند ہیں تو میں نے سرکاری مصروفیات کو کانٹ چھانٹ کر وقت نکالا اور مولانا کے ایلچی (یہ ایلچی دفتر انجمن کے کارکن خواجہ ثناءاللہ صاحب تھے) کے بازو میں بازو ڈال کر میں نے کہا ''چلئے۔ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوں''

''آرام موت ہے'': راستے میں مَیں ان سے مولانا کی صحت اور مشاغل کے متعلق دریافت کرتا رہا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک وقت تو ڈاکٹر نے جواب دے دیا تھا۔ دل کے سخت حملے نے آپ کو سخت مضمحل کر دیا تھا مگر آپ خدا کے فضل سے اس مرحلہ سے نکل آئے۔ انہیں کام مطلق نہیں کرنا چاہیئے مگر باوجود اس کے وہ برابر کام میں لگے رہتے ہیں۔ جب بھی ہم ان سے التجا کرتے ہیں کہ آرام فرمایئے ان کا ایک ہی جواب ہوتا ہے ''مجھے کام کرنے دیجئے۔ آرام موت ہے۔ کام سے ہی مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں زندہ ہوں'' اس وقت آپ انگریزی ترجمۃ القرآن کے نئے ایڈیشن کی نظر ثانی کر رہے ہیں اور جب تک آپ خود تمام پروف ٹھیک نہ کر لیں آرام کا نام نہیں لیں گے۔ ان کی ایک ہی خواہش ہے کہ خدا ان کو اتنی زندگی دے کہ اس ایڈیشن کو مکمل کر سکیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ ان کو کافی دیر تک زندہ رکھے گا۔

مولانا کے نورانی وجود سے ملاقات: مولانا کے مکان پر پہنچ کر میں نے خواہش ظاہر کی کہ ہم مولانا

کو کسی قسم کی بے آرامی نہ دیں۔ میں ان کے کمرے میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ کو بوسہ دوں گا۔ میں نے کہا کہ مجھ سے وعدہ ہے کہ میری یہ خواہش پوری ہو گی۔ چنانچہ میں ڈرائنگ روم میں انتظار کرنے لگا۔ ایک دو منٹ کے بعد مجھے کھلے دروازے میں سے ایک نور چمکتا نظر آیا۔ بے ساختہ میں اس کی طرف کھچا چلا گیا اور ایک لحہ میں مولانا سے بغل گیر ہوا۔ آپ کے جسم میں واقعی ایک قسم کی نورانیت پیدا ہوئی تھی جو زمینی نہیں بلکہ آسمانی تھی۔ آپ کے سر اور ڈاڑھی کے بالوں نے، جو غیر معمولی طور پر سفید تھے، آپ کے چہرہ مبارک کے گرد ایک نورانی ہالہ بنایا تھا۔ آپ اچھے قد وقامت کے مالک تھے۔ آنکھیں زردی مائل اور مدھم تھیں۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کے سارے خیالات ابھی سے اس زمین سے عالم بالا کی سیر وسیاحت میں محو پرواز ہیں۔ آپ کو بولنے کی زحمت سے بچانے سے میں نے سلسلہ گفتگو خود شروع کیا۔ میں نے ایسے مضامین کو موضوع گفتگو بنایا جو مجھے یقین تھا آپ کے لئے موجب دلچسپی ہوں گے اور چونکہ میں آپ کے خیالات سے خوب واقف تھا۔ میری گفتگو پر آپ متبسم ہوئے۔

''پروف بینی'': اتنی دیر میں کوئی صاحب مولانا کے پاس کاغذوں کا ایک گول بنڈل لائے۔ ''یہ آپ کے پروف ہوں گے'' میں نے کہا۔ مہربانی فرما کر اجازت دیجئے کہ میں انہیں دیکھنے میں آپ کی امداد کروں''۔ آپ کو پروف بینی کی کوفت سے بچانے کی اس کوشش کو مولانا نے پسند فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کا یہ کام عنقریب پایہ تکمیل کو پہنچا چاہتا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے قرآن کریم کے 20 پاروں کی تصحیح ہو چکی تھی اور صرف دس کی باقی تھی۔ پروف بڑی احتیاط سے تیار کئے گئے تھے اور اغلاط کی تصحیح پر بھی پوری توجہ دی گئی تھی۔ اس لئے ان پر آخری نظر ثانی کا کام جلدی ہی ہو گیا۔

آپ کے اشغال: میں نے دریافت کیا۔ ''آج کل آپ کے اشغال کیا ہیں''۔ ایک گہری آواز میں آپ نے جواب دیا۔ ''میں نے عہد کیا ہے کہ اسلام پر اپنی تصانیف کا ایک مکمل سیٹ (Set) دنیا کی ہر ایک لائبریری میں پہنچا دوں۔ میں نے پانچ ہزار سیٹ تیار کروائے ہیں۔ جنہیں دنیا کی اہم لائبریریوں میں بھجوانے کے لئے میرے دوستوں نے روپیہ فراہم کر لیا ہے۔ مہربانی فرما کر چند ایک لائبریریوں کے پتے دیجئے جو ایسی کتب میں دلچسپی رکھتی ہوں''۔ میں نے فی الفور کئی پتے لکھ دیئے اور مولانا نے وہ اپنے سیکرٹری کے حوالے کر دیئے۔

حضرت مولانا کا آخری فرمان: جب میں اُٹھنے لگا تو آپ نے مجھے ٹھہرا لیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے آپ کا ترجمۃ القرآن موسومہ تنزی بائزوگو (احکام خداوندی) پڑھا ہے۔ پہلی اور دوسری ہر دو ایڈیشن میری لائبریری میں موجود ہیں۔ مجھے امید ہے آپ اس کا تیسرا ایڈیشن بھی شائع کر لیں گے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ اسلام کی روشنی کو جس قدر ہو سکے پھیلائیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی تصانیف کسی طرح پر متعصب اور تنگ نظر لوگوں کے لئے باعث خوشی نہیں ہوں گی اور نہ ہی آپ غیر روادارانہ خیالات کی حمایت کریں گے۔ میں نے آپ کے دستِ مبارک کو بوسہ دے کر آپ سے رخصت ہونے کی اجازت طلب کی۔ یہ مولانا سے میری پہلی اور افسوس کہ آخری ملاقات تھی۔

مولانا کے سوانح اور کارنامے: مولانا محمد علی 1874ء میں ریاست کپورتھلہ سے ایک گاؤں مرار میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی تعلیم بڑی کامیاب رہی۔ بلند پایہ ریاضی دان ہونے کے علاوہ آپ ایک ادیب بھی تھے۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی میں قانون کا مطالعہ کیا تھا اور وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کی تیاری کی۔ مگر قدرت نے آپ کے لئے احیاء اسلام کا کام مقدر کر رکھا تھا۔ آپ کی ملاقات حضرت مرزا غلام احمد بانی سلسلہ احمدیہ سے ہوئی۔ آپ نے حضرت موصوف کے ساتھ شمولیت اختیار کر لی اور انہی دنوں خواجہ کمال الدین صاحب بھی اس سلسلہ میں شامل ہوئے۔ اور سالہا سال تک یہ ہر دو اصحاب مذہب کے گہرے مطالعہ میں مصروف رہے۔ مولانا ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر تھے اور 1910ء میں احمدیہ انجمن نے انگریزی ترجمۃ القرآن کا کام بھی آپ کے سپرد کیا۔ آٹھ سال تک بارہ گھنٹے روزانہ کام کر کے آپ نے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس اثنا میں سلسلہ احمدیہ میں تفرقہ رونما ہوا۔ سلسلہ کے بعض افراد نے بانی سلسلہ کی طرف دعوے نبوت منسوب کیا اور ان کے منکرین کو کافر قرار دیا۔ مولٰینا محمد علی ان سے علیحدہ ہوئے۔ 1914ء میں اپنے رفقائے کار کے ساتھ لاہور میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد ڈالی۔ آپ اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے۔ مولانا کا عقیدہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تھے اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ آپ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ کلمہ طیبہ پڑھنے والے کو کوئی طاقت کافر نہیں قرار دے سکتی۔ بعد میں مولانا محمد علی نے اردو زبان میں قرآن کریم کا ایک مبسوط ترجمہ اور تفسیر شائع کی۔ اور اس کے بعد دیگر تصانیف کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ چونکہ آپ کی اکثر تصانیف

انگریزی میں ہیں اس لئے ساری دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلانے کا موجب ہوئیں۔ آخری دم تک مولانا محمد علی کی زندگی اسلامی لٹریچر پھیلانے کے لئے وقف تھی اور بلا توقف بہت سی تصانیف یکے بعد دیگرے شائع کیں۔ یہ سلسلہ اخیر تک جاری رہا۔

آپ کا مقصد وحید یہ تھا کہ اسلام کے حقیقی پیغام کو اجاگر کریں۔ تاکہ اس کی شاندار تعلیمات نئی روشنی کے لوگوں کے لئے موجب تشفی و تسکین ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے پہلا اور ضروری اقدام یہ تھا کہ توہمات اور افسانوں کو، جو عقل سلیم کے مخالف تھے اور مسلمانوں میں مروج تھے، دور کیا جائے۔ آپ اسلام کی سیدھی سادی تعلیم کو زندہ کرنا چاہتے تھے اور ہر ایک اس چیز کو مٹانا چاہتے تھے جو اس کے خلاف تھی۔ مگر اس مقصد کے حصول میں آپ کا منتہائے نظر عوام کی خوشنودی نہیں تھی بلکہ صرف تحقیق حق سے سروکار تھا۔ آپ کی تصانیف ایک تاریخی حیثیت کی حامل ہیں اور انہیں انشاء اللہ بقاء دوام حاصل ہوگی۔

15 اکتوبر 1952ء

انہیں بھول نہ جانا

حضرت مولٰینا عبدالحق ودیارتھی

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِىْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (122:6)

یعنی کیا وہ جو مردہ ہو۔ پھر اسے ہم زندہ کر دیں۔ اور اس کے لئے روشنی کر دیں جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلے۔ اس شخص کی مانند ہے جس کی مثال یہ ہے کہ وہ اندھیرے میں ہے۔ اس سے نکلتا نہیں اسی طرح کافروں کو وہ کام بھلے لگتے ہیں جو وہ کرتے ہیں۔

آیت مذکورہ میں ایک شخص یا ایک قوم کی صفات اربعہ کا ذکر ہے۔ ایک وقت وہ مردہ کی طرح ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے زندہ کر دے۔ اور ایک نور عطا فرمائے۔ جو نہ صرف اس کی اپنی ذات کو روشن اور منور کر دے بلکہ اس عطیہ الٰہی سے دوسرے لوگوں کو بھی سیدھی راہ دکھائے۔ اس کے بالمقابل کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو تاریکیوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے نیچے ہی دھنستے چلے جاتے ہیں۔ تاریکی انہیں ایسی پیاری ہوتی ہے کہ وہ اس سے نکلتے نہیں اور نہ کبھی نکلنے کی امنگ ان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ مشہور جرمن فلاسفر گوئٹے کہتا ہے کہ ''لوگوں کے اخلاق کا صحیح معیار وہ امور ہیں جن پر وہ ہنستے اور خوش ہوتے ہیں''۔ ہنسنا اور رونا انسان کے دو فطری تقاضے ہیں۔ ہر شخص اپنی دنیوی زندگی میں ہنسنے اور رونے پر مجبور ہے۔ ایک نیک انسان ان باتوں پر کبھی خوش نہیں ہوتا جن پر ایک بد انسان اپنی ہنسی ضبط نہیں کر سکتا۔ جس طرح ہر شخص کی انفرادی زندگی میں اس کی ہنسی اس کی سیرت اور اخلاق پر گواہ ہے، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کا حال ہے۔ ان کی پستی اور بلندی کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ وہ رونے کی جگہ ہنستی اور خوشی کے موقعہ پر روتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو اُٹھ کر جنگل میں تن تنہا جا کر غار کی وحشت ناک تاریکی میں اپنی قوم کی جن باتوں پر خدا کے حضور روتے اور دعائیں کرتے تھے قوم انہی باتوں پر رات دن ہنستی خوش ہوتی اور قہقہے لگاتی تھی۔ خدا کا برگزیدہ رسولؐ اُٹھتے بیٹھتے جن بدیوں کے دور کرنے کے لئے فکر مند تھا، کفار انہی میں اپنی زندگی اور خوشی کا سامان سمجھتے تھے۔ یہ ایک مردہ قوم تھی، جن میں

سب سے پہلے ایک شخص زندگی کی روح پا کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا زبردست نور عطا کیا گیا کہ جس کے سامنے دنیا کی تاریکیاں کافور ہو گئیں۔ اسی نورِ نبوت کے زیرِ سایہ آپ کے بعد بھی احیاءِ امت کے لئے وقتاً فوقتاً اولیاء اللہ مبعوث ہوتے، اپنی روحانی قوت سے لوگوں کو زندہ کرتے اور دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے۔ اور ان کی صحبت سے فیض یافتہ نورِ اسلام سے دنیا کو منور کرتے رہے۔

دنیا میں حادثات کی کمی نہیں۔ لیکن وہ حادثہ، جو کسی فرد اور قوم کو مفلوج کر دے اور ان کے اندر سے روحِ عمل جاتی رہے، فی الواقعہ دردناک ہوتا ہے۔ اور اس پر جس قدر بھی آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ حادثہ کربلا سے بڑھ کر شائد دنیا نے کسی حادثہ پر خون کے آنسو نہیں بہائے۔ ہر سال اس پر سینہ کوبی ہوتی اور بیشمار مجالسِ عزٰی گرم ہوتی ہیں۔ امتِ محمدیہ کا یہ تیرہ سو سالہ ناسور، جو ہر سال نئے سرے سے پھوٹ نکلتا، اس سے خون کی ندیاں بہتی اور آہ و فغاں کے دھوئیں اُٹھتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے دلوں پر امام علیہ السلام کے اُسوہ حسنہ پر عمل کرنے اور تقوٰی و طہارت کی راہ پر چلنے کی کوئی امنگ پیدا نہیں ہوتی۔

اگر ہم حادثات کو دین کی صحیح روشنی میں دیکھنے کی عادت کر لیں تو ہماری اکثر بیشتر مشکلات ترقی اور فلاح کا موجب ہو جائیں۔ تحریک احمدیت کا قیام فی الحقیقت اسی غرض کے لئے ہوا تھا کہ موجودہ زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے اسلام کے فکر و عمل کی بہترین خصوصیات ایک جماعت کے اندر جمع کی جائیں اور اسے نشر و اشاعت اسلام کا ایک عملی نمونہ بنایا جائے۔ حضرت مسیح موعود سے لے کر حضرت امیرؒ تک یہ دعوت فکر و عمل اپنے منتہاءِ کمال تک پہنچ چکی۔ احمدیت روتے جذبات کے اظہار کا نام نہیں اور نہ کسی کے انتظار میں بیکار بیٹھ کر اپنی قوتوں کو برباد کر دینے کا نام ہے۔ حضرت امیر مرحوم و مغفور کی یاد میں پارسال ''پیغام صلح'' کا جو خاص نمبر نکالا گیا اس میں ان مضامین کے علاوہ، کہ جنہیں عنوان درد کا ایک ہی نام دیا جا سکتا ہے، ان کی سیرت، کارہائے نمایاں، حضرت مسیح موعود کی کشفی آنکھ میں ان کا مقام اور جماعت لاہور کا کامیاب موسس ہونے کے لحاظ سے جو کچھ لکھا گیا، وہ ایک جامع یادگار ہے۔ اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر یادگار نمبر نکالنا محال ہے۔ جن لوگوں کے پاس وہ نمبر موجود ہے اس موقعہ پر اسے وہ نکال کر بار بار پڑھیں۔

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را تازہ خواہی داشتن گرد اغہائے سینہ را

ان نصائح اور مواعظ کو، جو آپ نے جماعت کو زندگی بھر سنائے، اپنی زندگی کا کبھی نہ بھولنے والا جز بنایا جائے۔ بعض جگہ اب بھی یادگار نمبر بتعداد کثیر موجود ہے۔ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچایا جائے۔ تا یہ انمول موتی دوسرے لوگوں کے کانوں تک پہنچے بغیر ضائع نہ ہو جائیں۔ ہر احمدی فرد کو اپنے دل پر یہ نقش کر لینا چاہیئے کہ حضرت امیر مرحوم کی یاد غیرت اسلام اور عشق رسولؐ کی جوت اپنے دل میں جگانے کا نام ہے اور ہماری کوششیں اسی راہ میں وقف ہونی چاہئیں۔ دنیا کی محبتیں اور لوگوں کی مخالفتیں اور حوادث ہمارے قدموں میں سستی نہ پیدا کریں۔ حضرت امیر مرحوم کی زندگی کا نصب العین فی الجملہ دین اسلام کا غیر ادیان پر غلبہ ثابت کرنا تھا۔ اور اس نصب العین کے ساتھ اس قدر شغف تھا کہ دنیا کی کوئی محبوب چیز کسی وقت بھی ان کے کام میں حائل نہ ہوتی تھی۔ عام طور پر لوگوں میں کام کی اہلیت ہوتی ہے۔ لیکن دنیا کے اشغال اور سستی دونوں مل کر ان سے یہ اہلیت چھین لیتے ہیں۔ ایک مشہور آدمی نے ایک کتاب لکھی اور اسے اپنی بیوی کے نام پر یہ تہدیہ کیا:

"To my wife without whose this could not have been written"

یعنی ''اپنی بیوی کے نام کہ جس کی غیر حاضری کے بغیر یہ ہرگز نہ لکھی جا سکتی تھی۔'' بخلاف اس کے حضرت امیر مرحوم و مغفور نے 1910ء میں قرآن مجید کا تحفہ اپنی بیگم صاحبہ کو دیا اور 1946ء میں یہ الفاظ اس پر رقم فرمائے۔

> ''اس تعلق محبت کی چھتیسویں سالگرہ پر یہ یادداشت اس پر ثبت کی گئی۔ یہی عرصہ میری زندگی کا وہ زمانہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اپنے کلام پاک کی خدمت کا بہترین کام لیا اور زوجہ ام مہر النساء کی بے نفسی اور محبت کو اس کام کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ**. محمد علیؒ''

قرآن مجید کی سورۃ بقرہ ایک عظیم الشان سورۃ ہے۔ جس میں سارے قرآن مجید کا ایک بٹا بارہ حصہ آ جاتا ہے۔ مگر اس سورۃ کا خاتمہ اس دعا پر کیا ہے **فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ** کافرین پر ہمیں نصرت عطا فرما۔ نہ صرف جنگ بلکہ مناظرہ میں، تمدن میں، معاشرت میں، اخلاق میں، قوت

روحانیہ میں اور ان تمام امور میں جن کا ذکر اس سورۃ پاک میں کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرمایا لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ (28:48) اس غرض کے لئے مبعوث کیا گیا کہ وہ دین کو تمام ادیان پر غالب کر کے دکھائے۔ یعنی سارے دینی امور میں اس دین کو غالب کر دے۔ جہاں کوئی خوبی کسی غیر مسلم میں نظر آئے ایک مسلمان کی دعا اور کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ اس سے بڑھ کر وہ خوبی اپنے میں پیدا کرے یہ ایک نصب العین ہے اور عظیم الشان نصب العین۔ جو ایک مسلمان کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہیئے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے کسی نے ذکر کیا کہ فلاں ہندو تیراکی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی مسلمان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حاضرین نے کہا۔ نہیں۔ فرمایا بڑے شرم کی بات ہے۔ اسی دن سے شاہ صاحب نے تیراکی کی مشق شروع کر دی اور بہت تھوڑے ہی دنوں میں اتنی مہارت پیدا کر لی کہ اس ہندو کو مقابلہ کے لئے للکارا اور اسے شکست دی۔ یہ تھا ایک مسلمان کا عزم۔ کسی فن میں بھی ایک کافر مسلمان پر سبقت نہ لے جائے۔ اپنی قوم کی عزت ہر معاملہ میں ملحوظ رکھنا یہ معنی ہیں فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ کے۔ لیکن دلائل اور علم اور شبینہ دعاؤں کے ذریعہ دین اسلام کا غلبہ غیر ادیان پر ثابت کرنا یہ وہ نصب العین ہے جو اس زمانے کے مجددؑ اور حضرت امیرؒ نے ہمارے سامنے رکھا۔ حضرت امیر مغفور کے وصال پر ایک سال کامل گزر گیا۔ جماعت کا ہر فرد اپنا محاسبہ کرے کہ سال بھر کی طویل مہلت میں اس نے اس نصب العین کو کہاں تک ملحوظ رکھا؟ یا جماعت نے بحیثیت مجموعی کیا اسلام کی اس قدر خدمت کی ہے کہ جس قدر وہ ایک تن واحد ہر سال کرتا تھا؟ ماضی پر بیفائدہ نکتہ چینیوں کو چھوڑ کر اور دوسروں کی خوردہ گیریوں کو ترک کر کے اپنے آپ کی کمین گاہ میں بیٹھو اور سوچو کہ ہم نے کیا کیا؟ اور موت کے بعد حضرت مسیح موعود کو اپنی بیعت پر عمل نہ کرنے کا کیا جواب دو گے؟!

15 اکتوبر 1952ء

حضرت امیرؒ کا علمی و روحانی مقام

ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب امام مسجد ووکنگ (انگلستان)

حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کو ہم سے جدا ہوئے آج پورا ایک سال گزر گیا ہے۔ لیکن ان کا نورانی چہرہ اور پاکیزہ شکل اسی طرح آنکھوں کے سامنے موجود ہے جس طرح ان کے ایام زندگی میں تھی۔ اگرچہ انسانی شکل وصورت اکثر مرورِ زمانہ سے بھول جاتی ہے۔ لیکن متقی اور نورانی ہستیوں کی صورتیں بھی مدت دراز تک مسخ نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ان کے کام نہ صرف ان کے نام کو بلکہ ان کی جسمانی شکل وصورت کو بھی برقرار رکھتے ہیں۔ یہی حال حضرت مولانا مرحوم ومغفور کا ہے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے جسمانی صورتیں تو مدھم پڑتی جاتی ہیں لیکن نورانی اور خدا رسیدہ انسانوں کی روحانی صورتیں تیز سے تیز تر اور روشن سے روشن تر ہوتی جاتی ہیں۔

حضرت مولیناؒ کا علم کلام: حضرت مولیناؒ نے جو علم الکلام اپنے پیچھے چھوڑا ہے اس کی قدر و قیمت اب ہمیں معلوم ہو رہی ہے۔ بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے مصنف کی تصانیف امورِ زمانہ سے پھیکی اور Out of date ہوتی جاتی ہیں۔ لیکن حضرت مولانا مرحوم نور اللہ مرقدہ نے جو علم الکلام پیدا کیا وہ ایسا بے نظیر اور عظیم الشان ہے کہ اس کی قدر و قیمت دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ آخر سلطان القلم نے اسے قلم عطا فرمایا تھا۔ مجھے یہاں یورپ میں تبلیغ و اشاعت کا کام کرتے ہوئے کم و بیش بیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ بسا اوقات حضرت مرحوم کی تصانیف کو پڑھ کر حیران ہوتا ہوں کہ اس انسان نے، جس نے یورپ یعنی عیسائیت کا مرکز دیکھا تک نہیں، کس طرح ہمارے تبلیغی کام کے لئے اس قدر مواد بہم پہنچایا ہے۔ کوئی مضمون نہیں جس پر انہوں نے قلم نہ اُٹھایا ہو۔ کوئی مسئلہ نہیں جس پر روشنی نہ ڈالی ہو اور اس کا حل قرآن و حدیث سے پیش نہ کر دیا ہو۔

آپ کا علمی اور روحانی مقام: آپ کی کتابوں کے اندر نہ صرف علم کا بے بہا خزانہ موجود ہے اور علمی لحاظ سے اس کا پایہ اس قدر بلند ہے جس کی مثال بہت ہی کم ملتی ہے بلکہ اس کے مطالعہ سے روحانی

تسکین اور روحانی غذا حاصل ہوتی ہے۔ حضرت امیر ایک معمولی عالم نہ تھے بلکہ روحانی معالج کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ کی بلند پایہ تصانیف نے نہ صرف غیر مسلموں کو ہدایت دکھائی بلکہ خود مسلمان کفر و الحاد سے بچ کر مبلغ اسلام بن گئے۔ آج سے تقریباً 30 سال قبل کا واقعہ ہے جبکہ معمولی طالب علم کی حیثیت سے فارمن کرسچن کالج لاہور میں پڑھتا تھا۔ عیسائی مشنریوں کے اعتراضات کی وجہ سے ایمان متزلزل ہونے کو تھا کہ میں نے حضرت مرحوم و مغفور کی کتب کا مطالعہ شروع کیا اور حضرت کی صحبت میں بیٹھنے کا موقعہ ملا۔ اس تعلق کا اثر آخر اس رنگ میں ظاہر ہوا کہ میں نے اپنی دنیوی، سرکاری اور نیم سرکاری ملازمتوں کو یکے بعد دیگرے خیر باد کہتے ہوئے تبلیغ و اشاعت کے کام کے لئے زندگی وقف کر دی۔ اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے اس تبدیلی پر کبھی تاسف نہیں کیا بلکہ جس قدر بھی شکر یہ ادا کروں کم ہے۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یّشآء**۔ میں اپنی کمزوریوں اور خامیوں سے بکلی واقف ہوں۔ اور خوب جانتا ہوں کہ میرے گناہ میری نیکیوں سے بہت زیادہ ہیں۔ لیکن اس ستار و غفار کے دروازے سے بخشش کی امید رکھتا ہوں۔ اور اگر کوئی نیک اور اچھا عمل نظر آتا ہے تو وہ یہی تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام ہے اور اس کی توفیق چونکہ حضرت مولیٰنا مرحوم کی تصانیف سے ہوئی لہٰذا اس کا ثواب بھی انہیں کی روح کو پہنچے گا۔ **و باللہ التوفیق**

معاملہ فہمی اور انتظامی قابلیت: ایک اور امر، جس کو میں نے خاص طور پر حضرت مرحوم کی زندگی میں دیکھا، وہ یہ تھا کہ اگر ایک طرف آپ علم و ہنر کے پتلے اور روحانی علوم و فیوض کے سرچشمہ تھے تو دوسری طرف انتظامی امور میں بھی ان کو کمال دسترس حاصل تھی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ علماء اور فضلاء کا قلم خوب چلتا ہے اور وہ بڑے اعلیٰ درجہ کے ادیب اور مقرر اور مصنف ہوتے ہیں، لیکن انتظامی امور اور دیگر معاملات میں ان کو نہ کوئی خاص ملکہ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی رغبت۔ لیکن حضرت مرحوم نہ صرف امیر جماعت اور روحانی فیوض کے سرچشمہ ہی تھے بلکہ جماعت کے صدر ہونے کی حیثیت سے انتظامی امور اور دفتری کاروبار اور تنظیم وغیرہ میں بھی ان کو اللہ تعالیٰ نے کافی اور وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ مجھے تقریباً چھ سات سال آپ کے ہمراہ دفتری کاروبار کرنے کا موقع ملا جس کی بناء پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے انتظامی امور کی سرانجام دہی کے لئے ایک خاص قوت عطا فرمائی تھی۔ آپ ہر معاملہ کی تہہ کو پہنچ

جاتے تھے۔ اور صرف دستخطی مشین نہ تھے۔ اکثر فائلیں، کاغذات اور تمام (Cases) کو بنظرِ غور مطالعہ فرما کر اپنی رائے یا حکم صادر فرماتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاملہ فہمی کی قوت سے بھی نوازا تھا اور آپ جملہ امور کو مؤمنانہ فراست سے جانچ سکتے تھے۔

تمام خوبیوں کا اصل راز: میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام خوبیوں اور قوتوں کا اصل راز آپ کا تعلق باللہ تھا۔ نماز آپ کی حقیقی روحانی غذا تھی۔ قرآن کریم سے آپ کو عشق تھا۔ افسوس کہ بوجہ قلت وقت ان کی تفصیلات میں نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس مقدس انسان پر، جن کی قدر و قیمت ہمیں دن بدن زیادہ تر محسوس ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس عظیم الشان کام کو نہ صرف جاری و ساری رکھ سکیں بلکہ اس کو ترقی دیں اور اس طرح آپ کی روح کو خوش کر سکیں۔ آمین۔ وباللہ التوفیق۔

حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی چند قابل قدر اور لائق تقلید خصوصیات

☆ قرآن کریم کے ساتھ آپ کو عشق تھا اور اس پر بڑی گہری اور عمیق نظر تھی۔

☆ نماز اور بالخصوص نماز تہجد آپ کی زندگی کی غذا تھی۔

☆ ہر کام کو بڑی باقاعدگی اور تواتر سے کرتے تھے اور پابندی وقت کا خاص خیال اور لحاظ رکھتے تھے۔

☆ جلدی سونا اور بہت سویرے اُٹھنا آپ کی پختہ عادت تھی۔ سفر میں بھی اس پر عمل رہتا تھا۔

☆ صبح کی سیر میں آپ کی جسمانی صحت کا راز تھا۔

☆ ہر کام کی تہ کو پہنچنے کا خاص ملکہ حاصل تھا اور جس کام کو ہاتھ ڈالتے پایہ تکمیل تک پہنچاتے تھے اور کبھی ہمت نہ ہارے تھے اور مشکلات سے نہ گھبراتے تھے۔

7۔ باوجود اس قدر مصروفیات اور ذمہ داریوں کے، خطوط کا جواب اکثر خود اپنی قلم سے دیتے تھے۔ گھر کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ جس وقت بھی کوئی ملنے والا آ جاتا اس کو ملنے سے انکار نہ کرتے تھے بلکہ خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔

☆ آپ کا لباس حد سے زیادہ سادہ تھا اور اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ فرماتے تھے۔ لیکن

صفائی کا ضرور خیال رکھتے تھے۔

☆ حد درجہ کی قوت عمل موجود تھی۔ اور بڑھاپے اور بیماری میں بھی صبح سے شام تک کام میں مشغول رہتے تھے اور کام کرنے کی عادت اس قدر راسخ تھی کہ کبھی بیکار نہ بیٹھ سکتے تھے۔

☆ آپ کی دینی اور دنیوی کامیابی کا راز تعلق باللہ تھا۔ اور خدا کی ہستی پر زندہ اور پختہ یقین تھا جو مجدد وقت کے دامنے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ایسی نیک، پاک، کامیاب اور قابل رشک زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔

خاکسار عبداللہ

امام مسجد ووکنگ (لندن)

21 ستمبر 1952ء

15 اکتوبر 1952ء

سورۃ العصر کی مجسم تفسیر

حضرت مولینا محمد علی مرحوم ومغفور کی کامیاب زندگی

از مرزا مظفر بیگ ساطع لائل پور

دل میں اک درد اُٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے　　بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئیے کیا یاد آیا

حضرت مولانا محمد علی مرحوم ومغفور کا وصال ہوئے ایک سال گزر گیا۔ لاہور مسلم ٹاؤن کی کوٹھی۔ مسلم ٹاؤن ''دارالسلام'' اور کراچی بونٹن روڈ کی کوٹھی ''پروین'' اس مبارک وجود سے خالی ہوچکی ہے۔ ان کوٹھیوں کے مکین ایک سال سے اس بزرگ وجود کے دیدار سے محروم ہو چکے ہیں اور اس دنیوی زندگی میں وہ انہیں کبھی بھی نظر نہیں آئے گا۔ لاہور کے ''پاک ممبر'' اپنے مرحوم امیر کی جدائی کو بری طرح محسوس کرتے ہیں۔ لیکن راضی برضائے مولیٰ ہیں۔ دنیا کے لاکھوں انسان، جنہوں نے حضرت مرحوم ومغفور کو دیکھا نہیں، مگر آپ کے لٹریچر سے استفادہ کیا ہے، اپنے دلوں میں ایک گہرا رنج وغم پاتے ہیں ۔

اس جہاں سے مٹ گئے ان کا پتہ چلتا نہیں　　بے نشانوں کا نشان ملک عدم سے پوچھیئے

سورۃ العصر کی مجسم تصویر: ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَالْعَصْرِ . اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ . اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ .(103:1-3) کہ زمانہ گواہ ہے کہ انسان خسارہ میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور حق کی وصیت کرتے ہیں اور صبر کی وصیت کرتے ہیں (وہ خسارے سے بچائے جائیں گے) حضرت مولانا محمد علیؒ سورۃ العصر کی مجسم تصویر تھے۔ حضرت مرحوم نے نہ صرف زمانہ کو خوب سمجھا بلکہ امامِ زمانہ حضرت مرزا غلام احمد کو بھی اپنے کالج کے زمانہ میں ہی بہت آسانی سے شناخت کر کے بیعت کر لی۔ اور پھر حضرت امام الزمان کے فیض صحبت سے خدا پر ایک زندہ ایمان پیدا کیا۔ نیک اعمال کے مالک بنے۔ حق کی تبلیغ پر کمر بستہ ہوئے اور اس راہ میں انتہائی صبر وحوصلہ سے کام لیا۔

آپ کو خدمتِ دین کے لئے چن لیا گیا: حضرت مرحوم نے ایم اے ایل ایل بی کر کے مقام

گورداسپور کو اپنی وکالت کے لئے منتخب فرمایا، کتابیں درست کیں، کوٹھی لی، دفتر کھولا اور ایک قابل وکیل کی حیثیت سے پبلک میں روشناس ہونے ہی والے تھے کہ قادیان کے مرد درویش کی ایک نظر سے اور ایک آواز سے کایا پلٹ گئی۔ ''آنا کہ خاک رابنظر کیمیا کنند''۔ ایک انگریزی خواں نوجوان کو قرآن کی خدمت کے لئے چن لیا گیا اور اس نے سنا ''ہم چاہتے ہیں کہ آپ قادیان میں رہیں اور ایک انگریزی رسالہ کی ادارت کا کام سنبھالیں''

دنیا کا وکیل دین کا وکیل بن گیا: نوجوان مرید اپنے مرشد کی نظر اور آواز کے آگے جھک گیا اور اپنی تمام تمناؤں اور خواہشات کے گلے پر چھُری رکھ دی۔ وکالت کی کثیر التعداد اور قیمتی کتابوں کو ردی کی ٹوکری میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پھینک کر ہاتھ میں قرآن لے کر قادیان کے درویش کے آگے زانوئے ادب تہ کر دیا۔ دین کو دنیا پر ترجیح دینے کا یہ عظیم الشان واقعہ تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ دنیا کا وکیل دین کا وکیل بن گیا۔ مرد درویش کی نظر نے خاک سے اکسیر بنا دیا۔ دین کے اس وکیل نے اسلام کے مقدمات کو اس خوبی سے پیش کرنا شروع کر دیا کہ اپنے اور بیگانے عش عش کر اُٹھے۔ ریویو آف ریلیجنز کے مضامین نے علمی دنیا میں ایک تہلکا مچا دیا اور لوگ ہاں ہاں بڑے بڑے ایڈووکیٹ اور بیرسٹر جج اور مجسٹریٹ اسلام کے اس وکیل سے علم حاصل کرنے لگ گئے!

قرآن کریم کی انگریزی تفسیر: یہ مولانا مرحوم کی ابتداء تھی۔ لیکن اہل بصیرت نے ان کے بلند مقام کا اسی وقت اندازہ لگا لیا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں راولپنڈی کے مشہور و معروف ایڈووکیٹ قاضی سراج الدین صاحب مرحوم نے فرمایا تھا۔ ''قرآن کریم کی انگریزی تفسیر اگر کوئی شخص لکھ سکے گا تو وہ مولانا محمد علی ہوں گے''

قاضی صاحب مرحوم کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور وہ وقت آ گیا کہ حضرت مجدد صد چہاردہم کے اس فیض یافتہ نے قرآن کریم کی انگریزی تفسیر لکھ کر انگریزی خواں طبقہ پر احسان عظیم کیا اور انہیں اس قابل بنا دیا کہ وہ مولویوں کی محتاجی سے بچ کر براہ راست خود قرآن کریم کا اس کے اصلی رنگ میں مطالعہ کر سکیں۔

خدا پر زندہ ایمان: حضرت مرحوم و مغفور کا خدا پر زندہ ایمان تھا۔ اسی ایمان نے وکالت اور روپیہ کمانے کے خیال کو دل سے نکالا اور خدمت اسلام کے کام پر لگایا۔ خدا پر اسی ایمان نے حضرت مولٰینا

نورالدین کی وفات کے بعد خلیفہ قادیان کے غلط عقائد سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ قادیان چھوڑا اور کس مپرسی کے عالم میں لاہور میں آ ڈیرا ڈالا۔ زیورات اور گھر کے برتن تک فروخت کر کے کام چلایا اور اف تک نہ کی۔ ایک ولولہ تھا کہ حضرت مسیح موعود کے صحیح مقام اور عقائد کی حفاظت ہو جائے اور خدا نے کیا کہ ایسا ہو گیا۔ خلیفہ قادیان کی خود ساختہ نبوت اور تکفیر المسلمین وغیرہ کے غلط عقائد بہت دیر تک نہ چل سکے اور آج مجبور ہو کر ربوہ کے مرکز سے حضرت مسیح موعود کو اسی رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے جس رنگ میں حضرت مولینا محمد علی نے پیش کیا تھا۔ آپ کا یہ کارنامہ قیامت تک تاریخ اپنے سینے سے چمٹائے رکھے گی۔

نیک اعمال: حضرت مرحوم و مغفور کی جوانی کا ایک حصہ کالج میں گزرا۔ سر عبدالقادر، سر شہاب الدین جیسے گواہوں نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی۔ دوسرا حصہ قادیان میں گزرا۔ زمانہ کے پاک امام نے گواہی دی کہ یہ نوجوان صالح اور پاک دامن ہے ع ''در جوانی تو بہ کردن شیوہ پیغمبریست'' لوگوں نے راجوں، نوابوں، رئیسوں، مولویوں، پیروں پیرزادوں و رصاحبزادوں کے بارے میں کیا کچھ نہ نمونہ دیکھا اور کیا کچھ نہ سنا۔ لیکن کون سے جو محمد علی کے دامن پر ناپاکی کا کوئی باریک سے باریک نقطہ بھی دکھا دے اور حضرت امام وقت کی گواہی کو جھٹلا سکے۔ کوئی ایک بھی نہیں اور ہرگز کوئی نہیں ع ''بندگی باید پیغمبرزادگی در کار نیست'' حق کی وصیت اور تبلیغ اسلام کا کام مرحوم و مغفور کا اوڑھنا بچھانا تھا۔ نصف صدی آپ کا قلم شب و روز چلتا اور صداقت اسلام پر کتب کا ایک انبار جمع ہو گیا۔ جس نے ایشیاء، افریقہ، آسٹریلیا، یورپ اور امریکہ کو اسلام کے نور سے جگمگا دیا۔ کفرستانوں کے اندھیروں کو دور کرنے کی کوشش کرنے والے آج مجبور ہیں کہ محمد علی اعظم کی جلائی ہوئی مشعلیں ہاتھ میں لے کر آگے بڑھیں اور اپنا رستہ صاف کریں۔

صبر کی وصیت: دنیا نے کتنے رنگ بدلے اور کیسی کیسی تحریکات پیدا ہوئیں۔ ان تحریکات کے زبردست ریلے بڑے سے بڑے لوگوں کو بہا کر لے گئے اور کوئی ان کے آگے ٹھہر نہ سکا۔ لیکن محمد علی ایک بہادر تھا۔ موجیں اس کے ساتھ ٹکراتیں اور اپنا سر پھوڑ کر پیچھے ہٹ جاتیں۔ محمد علی خدمت قرآن کے کام پر برابر قائم رہا اور اس کا صبر اور حوصلہ ایک ضرب المثل بن گیا۔ لوگوں نے خدمت قرآن کا کام چھوڑ کر کوریں بنائیں۔ پنڈت نہرو کی سلامیاں اُتاریں۔ بنک بنائے۔ فیکٹریاں چلائیں لیکن ان کا یہ سارا کاروباران

کی زندگی میں اسی زمانہ کے ہاتھوں تباہ وبرباد کردیا گیااورآسمان نے ان پرِ وَالْعَصْرِ . اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ . کی مہر لگائی اس کے مقابلہ میں محمد علی کے خدمت قرآن کے کام کو اتنا نوازا گیا کہ عرب وعجم نے تحسین وآفرین کے پھول برسائے اورآسمان نے

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کا تمغہ عطا فرمادیا۔ **ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یّشآء** لاریب مولانا محمد علی اعظم سورۃ العصر کی مجسم تفسیر تھے۔اور حضرت مرحوم کی زندگی ایک کامیاب اور قابلِ صد رشک زندگی تھی۔کیا ہم ماتم منا کر اور چھاتی پیٹ کر اس بزرگ کی روح کو خوش کر سکتے ہیں؟نہیں ہر گز نہیں۔اس کی خوشی اس میں ہے کہ ہم خدمت قرآن کا کام جاری رکھیں اور تبلیغ اسلام کے جھنڈے زمین کی ہر بلندی پر لہرادیں۔

موت تجدید مذاقِ زندگی کا نام ہے خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

❖❖❖

15 اکتوبر 1952ء

حضرت مولانا مولوی محمد علیؒ کی برسی

شیخ عبدالحق صاحب سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کراچی

آج بروز بدھ مطابق 10 محرم الحرام 1372ھ ایک سال کا عرصہ گزر گیا جب جماعت احمدیہ لاہور کے امیر حضرت مولٰینا مولوی محمد علی مرحوم ومغفور اپنے حقیقی مولیٰ سے جا ملے۔ آپ کی خدمات اسلام کے تذکرہ سے جماعت کے اندر حرکت زندگی اور اکٹھے مل کر کام کرنے کے جذبہ کو ترقی ہوتی ہے۔ اس لئے جماعت کراچی نے آپ کی یاد کو نیز تحریک حفاظت واشاعت اسلام کو زندہ رکھنے کے لئے ایک غیر معمولی جلسہ کا انعقاد کیا۔ جس میں احباب سلسلہ نے کثرت کے ساتھ شرکت فرمائی۔ اس جلسہ کی روئیداد حسب ذیل ہے۔

چوہدری امجد خاں صاحب کی تقریر: تلاوت قرآن کریم کے بعد جناب چوہدری امجد خاں صاحب نے نہایت درد دل سے رقت انگیز تقریر کی۔ جس میں ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رستہ میں کام کرتے ہوئے اس سے جا ملتے ہیں۔ وہ درحقیقت شہید ہوتے ہیں اور ایسے بزرگان دین کو مردہ کہنا غلطی ہے۔ حضرت امیرؒ گذشتہ پچاس سال سے بھی زائد عرصہ اسلامی خدمات سرانجام دیتے رہے اور اسی راہ میں اپنے مولیٰ کریم سے جا ملے۔ ان کی کوششوں سے مغربی دنیا میں جو اسلامی مشن اشاعت اسلام کے سلسلہ میں قائم ہو چکے ہیں ان کا بقاء صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم سب بحیثیت جماعت ایثار کلی اور مالی قربانی کے جذبہ کو مدنظر رکھ کر کام کرتے چلے جائیں۔ حضرت مرحوم ومغفور کی زندگی میں روپیہ کی فراہمی کا انتظام آپ کی ذاتی وجاہت یا آپ کی ذاتی وجاہت یا دعاؤں اور توجہ کے باعث ہو جاتا تھا۔ لیکن اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔ لاہور سے حضرت صاحبِ صدر جناب شیخ میاں محمد صاحب نیز جناب خان بہادر غلام ربانی خاں صاحب جنرل سیکرٹری کے تاکیدی احکام صادر ہوئے ہیں۔ جن کو جماعت تک پہنچانا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں اور جماعت سے پرزور استدعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کے لئے نیز حضرت امیر جماعت کی روح کو خوشی پہنچانے کے لئے مالی مشکلات کا حل سوچیں اور کارکنان انجمن کی پریشانیوں کو دور کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔

میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کی تقریر: جناب چوہدری صاحب کے بعد ہماری جماعت کے روح رواں اور مخلص ترین بزرگ اور خطیب جماعت جناب میاں نصیر احمد صاحب فاروقی نے اپنی بصیرت افروز تقریر کی۔ حضرت امیر مرحوم و مغفور کے مختلف واقعات زندگی بیان فرمائیے۔ نیز ان تمام واقعات کا بھی ذکر فرمایا جس وقت حضرت امیر نے وکالت کا کام کرنے کے ارادہ سے گورداسپور میں کوٹھی وغیرہ کا انتظام کر لیا اور پھر حضرت مسیح موعود کی خدمت میں اجازت حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ مگر حضرت مسیح موعود کے محض اشارے پر ہی تمام دنیاوی مفاد پر لات مار دی اور قادیان میں درویشانہ زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی۔ آپ نے اس امر کا بھی انکشاف فرمایا کہ حضرت امیرؒ کو گرمی کے موسم میں معدہ کا عارضہ ہو جاتا تھا۔ حضرت مولٰینا مولوی نور الدینؓ صاحب بہت بڑے طبی ماہر تھے۔ علاج معالجہ کے بعد انہوں نے گرمی کے موسم میں حضرت امیر کو زبردستی پہاڑ پر (کوہ مری) بھیج دیا۔ چنانچہ ان کی یہ تشخیص نہایت صحیح ثابت ہوئی اور حضرت امیر کی صحت بحال ہو گئی۔ ویسے بھی آپ کا ہر سال گرمی کے موسم میں پہاڑ پر جانا خدماتِ اسلام، حفاظت و اشاعت اسلام کے سلسلہ میں بے شمار فوائد کا موجب ہوا اور کئی نہایت ہی مفید تصنیفات کے اضافہ کا موجب بنا۔ جن سے پیاسی دنیا کو غیر معمولی فائدہ پہنچا۔ یہ بھی آپ نے بتایا کہ حضرت مسیح موعود کے الہامات میں حضرت امیر کا نام حارث، منصور اور خوشحال بھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے جذبہ اسلام کی قدر دانی فرما کر آپ کو دنیاوی حیثیت میں بھی نہایت عظیم الشان کامیابی عطا فرمائی اور ہزار ہا میرے جیسے انسان آپ کی جوتی کی گرد جھاڑنے کو فخر سمجھتے رہے۔ میاں صاحب کی یہ تقریر جذبہ خلوص اور محبت میں ڈوبی ہوئی تھی جس کا حاضرین پر نہایت گہرا اثر ہوا۔

مولوی عبد الصمد صاحب ڈچ گیانا کی تقریر: محترم میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کے بعد ہماری جماعت کے ایک نوجوان مولوی عبد الصمد صاحب نے، جو ڈچ گیانا کے رہنے والے ہیں، تقریر کی۔ انہوں نے اپنے ملک میں مکفر مولویوں کی ریشہ دوانیوں کا ذکر کیا۔ نیز ظاہر کیا کہ میرٹھ کے رہنے والے ایک مولوی نے، جو اپنا عبد العلیم صدیقی ظاہر کرتے ہیں، ایک بے بنیاد اور جھوٹا طومار احمدیت کے متعلق کھڑا کر دیا۔ چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈچ گیانا کے ہزار ہا مسلمان اور

بڑے بڑے بزرگ اور بلند پایہ ہستیاں جماعت احمدیہ لاہور میں شامل ہوگئیں۔ بعض احباب ایسے بھی ہیں جو آج کل حکومت میں نہایت بلند پایہ رکھتے ہیں۔

شیخ عبدالحق سیکرٹری جماعت کی تقریر: خاکسار نے ''حقیقت الوحی'' سے ایک نشان کا ذکر کیا جس میں حضرت مسیح موعود نے نہایت ہی کھلے اور واضح الفاظ میں حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب کو مخاطب فرما کر اس واقعہ کا اظہار کیا ہے کہ اگر آپ کو طاعون ہو جائے تو میرا مسیح موعود اور ملہم ہونے کا دعوٰی جھوٹا ہے۔ حضرت مسیح موعود کے اس عظیم الشان نشان کا ہمارے قادیانی بھائیوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس نشان میں جو خصوصیت ہے، وہ حضرت مولانا کی ذات کی خوبی نہیں بلکہ خصوصیت صرف اس امر کی ہے کہ حضرت مولوی صاحب مسیح موعود کے دار میں رہتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کے دار کی فضیلت کا اظہار فرمایا ہے نہ کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی ذاتی خصوصیت کا۔ لیکن ''حقیقت الوحی'' ہی میں حضرت مسیح موعود کے دار میں رہنے والے بعض اور لوگوں مثلاً میر محمد اسحاق صاحب کے طاعون کے واقعہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ جس سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ نشان دار میں رہنے کی وجہ سے نہیں بلکہ حضرت مولٰینا مولوی محمد علی صاحب کی نیکی اور تقوٰی کی وجہ سے ہے۔ جس کو حضرت مسیح موعود نے اپنے دعوے کے سچے اور جھوٹے ہونے کا معیار قرار دیا۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے بھی اس امر کی تصدیق کی ہے کہ احمدیت کو جو دنیا میں شہرت حاصل ہوئی اس میں حضرت امیر کی شخصیت کو بہت بڑا دخل ہے۔ اسلامی دنیا نے آپ کے شائع شدہ لٹریچر کو اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کر کے اپنی اپنی قوموں پر صحیح اسلام کی تصویر کو پیش کیا ہے۔ موجودہ مخالفت میں کسی احراری۔ دیوبندی، بریلوی اور مودودی کو حضرت مولٰینا کی ہزارہا تحریروں میں سے ایک لفظ پر بھی گرفت کرنے کی جرات نہیں ہوتی بلکہ احراریوں اور ان کے ہمنوا مولویوں نے ''ختم نبوت'' کا ڈھونگ رچا کر تفریق بین المسلمین کا جو کام کیا ہے اس میں ختم نبوت کے دلائل بھی انہوں نے حضرت مولٰینا کی کتاب ''النبوت فی الاسلام'' سے بطور سرقہ حاصل کئے ہیں۔ ورنہ حضرت رسول خدا کے بعد حضرت عیسٰیؑ کے نزول حقیقی کے ماننے والے ختم نبوت کے کبھی قائل نہیں ہو سکتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر میرزا ولی احمد بیگ کی تقریر: ہماری جماعت کے مبلغ ڈاکٹر میرزا ولی احمد بیگ نے فرمایا کہ

میرا تعلق ایک ایرانی خاندان سے ہے جو شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ شروع شروع میں مجھے بھی مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر منصوری کے ایک واقعہ نے میری زندگی کو بالکل بدل دیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ مجھے منصوری میں ایک شیعہ دوست سے حضرت مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر قرآن کی کاپی مل گئی۔ جس کو میں نے غور سے مطالعہ کیا۔ زاں بعد پشاور جاتے ہوئے لاہور ایک پارسی کی وساطت سے سفر کو توڑنے پر مجبور ہوا تو میرے دل میں خیال آیا کہ قرآن کی تفسیر لکھنے والا اسی شہر کا باشندہ ہے۔ اس کو ملنا چاہیئے۔ چنانچہ احمد یہ بلڈنگس میں حضرت ممدوح کی ملاقات کے لئے گیا۔ ملاقات کے بعد میرے دل پر یہ اثر ہوا کہ میں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لاہور کو اپنا مسکن بنالیا۔ حضرت امیر کے علاوہ دوسرے بزرگان دین ڈاکٹر میرزا یعقوب بیگ صاحب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، سے بھی ملاقاتیں ہوئیں جس سے میں نے اپنی زندگی میں ایک عظیم الشان تغیر محسوس کیا اور میں خدمت دین کے کام میں لگ گیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ حضرت امیرؒ کی دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے کہ میں نے انڈونیشیا اور یورپ میں سالہا سال خدمت اسلام کے فرائض انجام دیئے۔ دو گھنٹہ تک یہ جلسہ رہا اور بعد دعا نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہو گیا۔

15 اکتوبر 1952ء

دین کے قافلہ سالار تجھے میرا اسلام

محمد اعظم علوی

اہلِ دل، اہلِ قلم اہل نظر روئیں گے　　آنکھ بھی روئے گی اور دیدۂ تر روئیں گے
رہبرِ قوم! تجھے راہگذر روئیں گے　　ہم تجھے جانِ جہاں، شام وسحر روئیں گے
ہاتھ پھیلائیں گے تربت پہ تری آکے علوم
فاتحہ پڑھنے کو اُتریں گے فرشتوں کے ہجوم

بجلیاں جس میں تھیں پوشیدہ، وہ تحریر کہاں　　دل میں چپکے سے اُتر آئے جو تقریر، کہاں
مشکلیں جس سے ہوں آساں، وہ تدبیر کہاں　　جس سے ماحول درخشاں ہو وہ تنویر کہاں
تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیا شمس وقمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تری نورِ سحر

تشنگیٔ دیں کے پیاسوں کی بجھانے والے　　نورِفرقاں سے ہر اک دل کو جلانے والے
خوابِ ہستی سے زمانہ کو جگانے والے　　قوم کو رہبرِ اقوام بنانے والے
اب تری یاد ہے۔ گو عالمِ تنہائی ہے
اک دنیا تری تحریر کی شیدائی ہے

درد ہوتا تھا تو اُٹھتی تھیں دعائیں تیری　　گرنے والوں کا سہارا تھیں وفائیں تیری
رحم غیروں سے مگر خود پہ جفائیں تیری　　کون جانے! کسے معلوم!! ادائیں تیری
اے مہِ قوم تجھے مہرو وفا روئیں گے
آکے تربت پہ تری صدق و صفا روئیں گے

باغِ دیں میں تھا ترے دم سے بہاروں کا قیام　　مے عرفاں سے لبریز تھا ہر پھُول کا جام
اُکھڑا اُکھڑا تھا ہر اک دشمنِ قرآں کا نظام　　دین کے قافلہ سالار! تجھے میرا سلام
قوم زندہ ہے، تو یہ زندہ دلی تیری ہے
یہ کرامت ہے جو، اللہ کے ولی تیری ہے

15 اکتوبر 1952ء

وجودش را مدارِ صدقِ مہدیٔ زماں بینی

مولانا مرتضٰی خاں حسن بی۔اے

بتائید الٰہی مر علی را کامراں بینی
عدوش را اسیرِ یاس وحرماں جاوداں بینی
درخشاں نورِ احمدؐ برجبینش بے گماں بینی
دلش معمور از عشقِ خدائے دو جہاں بینی
بزہد و اتقاء مثلش بیابی کم دریں عالم
بعلم و عقل و ہوش بحرِ بیکراں بینی
ز نورِ علم قرآنش جہانِ تیرہ روشن شُد
منور از ضیائے مہرِ او کون ومکاں بینی
ہمہ عمر عزیزش وقفِ دینِ مصطفیؐ بینی
ولے اغیار را بازی کناں چوں کودکاں بینی
بہ تعظیمش ستادہ بادشاہانِ جہاں بنگر
محبانش قطار اندر قطار اندر جہاں بینی
نمی دانی کہ آں پیرِ فرنگستان چہ میگوید
بذکرش تر زباں ہم شرقیاں ہم غربیاں بینی
مسیحاؑ نزد خود او را انشانیدہ بصد عزت
وجودش را مدارِ صدقِ مہدیٔ زماں بینی

15 اکتوبر 1952ء

میرے بھائی حضرت امیرؒ

حضرت مولٰینا عزیز بخش صاحب

پہلی برسی وصال حضرت مولٰینا محمد علیؒ 13 اکتوبر 1952ء کو ہے۔ آپ نے 10 محرم الحرام 1371ھ کو شہادت پائی۔ آپ کے مرقد پُر نور پر جو کتبہ ہے اس کی عبادت ذیل میں درج ہے۔ جس سے آپ کا مقام مختصر اور جامع الفاظ میں معلوم ہوسکتا ہے۔ آپ میرے سگے بھائی عمر میں مجھ سے کوئی پانچ برس چھوٹے تھے۔ قدرت الٰہی نے مجھے ان کی خدمت کے لئے پہلے دنیا میں بھیج دیا۔ الحمد للہ کہ مجھے آپ کی خدمت کی توفیق ملی اور بچپن سے لے کر اخیر دم تک ان کا ساتھ عطا فرمایا۔ جس سے میں نے بہت دینی و دنیاوی فائدہ اٹھایا۔ آپ کی زندگی کے کسی قدر مفصل حالات میں نے لکھ کر شائع کئے تھے۔ جن کا کچھ خلاصہ بابو محمد منظور الٰہی مرحوم نے چند احباب کو بھیجا تھا۔ بعد میں شیخ محمد طفیل صاحب قادری مبلغ بغداد کی وساطت سے السید ابراھیم سچوانی بصرہ والے نے علی محمد سرطاوی سے عربی میں ترجمہ کرا کے ''ذکری مولانا محمد علیؒ'' کے نام سے چھوٹی تقطیع کے ستر صفحے کے رسالہ پر چھپوایا۔ مولوی دوست محمد صاحب ایڈیٹر پیغام صلح نے آپ کے کارنامے اپنے اخبار کے امیر نمبر میں شائع کئے اور اس میں آپ کی تصانیف کا ایک نقشہ دے کر اس کے نیچے آپ کے ہاتھ میں قلم کی تصویر دی اور حضرت مسیح موعود کا کشف شائع کیا کہ: ''پھر میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم مرحوم آرہے ہیں۔ مولوی صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر بطور تحفہ مجھے دی اور کہا بشپ جو پادریوں کا افسر ہے وہ اس سے کام چلاتا ہے وہ اس طرح ہے جیسے خرگوش ہوتا ہے بادامی رنگ۔ اس کے آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے اور نالی کے آگے قلم لگا ہوا ہے۔ اس نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہے۔ جس سے وہ قلم بغیر محنت کے بآسانی چلنے لگتا ہے۔ میں نے کہا میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا اچھا مولوی صاحب کو دے دوں گا'' (کشف حضرت مسیح موعود)۔ آخر میں گذارش ہے کہ آپ کے تعلقات جو حضرت مسیح موعود کے ساتھ تھے ان کے بارہ میں آپ کا اپنا لکھا ہوا رسالہ ''ہر ایک غیر احمدی اور ہر ایک قادیانی کے لئے ایک لمحہ فکریہ''۔ قابل توجہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کی جماعت کو آپ کے نقش قدم پر چلا کر ابرار کی موت نصیب کرے۔ آمین۔ والسلام۔

15اکتوبر1952ء

نقل کتبہ مرقد حضرت امیر مرحوم و مغفور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا(69:4)

مَرقدِپُرنُور

مجاہد اعظم، سلطان القلم، مفسر قرآن مجید، مبلغ دین اسلام وشہید قوم حضرت مولٰینا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ (ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی) امیر جماعت وصدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور

جنہوں نے 1900ء میں اپنے زرین دنیاوی مستقبل کو قربان کر کے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عملی نمونہ پیش کیا اور مسلسل پچاس سال تک اسلام کی تائید اور دشمنان اسلام کے اعتراضات کے جواب میں پچاس ہزار صفحات تحریر فرمائے، جو دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہوئے۔ قرآن مجید کی تفاسیر لکھ کر معارف وحقائق کے ایسے دریا بہادیئے کہ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ (28:48) کا نظارہ سامنے آگیا۔ اس عاشق قرآن کریم نے ترجمۃ القرآن انگریزی کی چوتھی ایڈیشن کی مکمل نظر ثانی اور تکمیل کے بعد قرآن مجید کی اشاعت کی مستقل بنیاد رکھتے ہوئے 13اکتوبر 1951ء مطابق 10محرم الحرام 1371ھ شہادت پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وِاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

یٰۤاَیَّتُھَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ. ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً. فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبَادِیۡ. وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ.(89:27-30)

15 اکتوبر 1952ء

حضرت امیرؒ کی زندگی کے چند عظیم الشان کارنامے

فخر الدین صاحب سیالکوٹ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا . (23:33) ترجمہ: ’’مؤمنوں میں سے کچھ مرد ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو اللہ سے عہد کیا تھا۔ سو اُن میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر کو پورا کر دیا اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو انتظار کرتے ہیں اور اپنی بات نہیں بدلی۔‘‘

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (110:16) ترجمہ: پھر تیرا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اس کے بعد، کہ انہیں دُکھ دیا گیا، ہجرت کی اور صبر کیا۔ یقیناً تیرا رب اس کے بعد حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

آیات مذکورہ حضرت امیر مرحوم کی پاکیزہ زندگی کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ قارئین کرام کی خدمت میں مولانا مرحوم کی سوانح حیات اختصار کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔

دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد: یوں تو ہر ایک احمدی نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا ہے۔ مگر ایسے بزرگ بہت تھوڑے ہیں جنہوں نے اس عہد کو سچ کر دکھایا ہو۔ حضرت امیر مرحوم کی زندگی میں ہمیں اگر یہ نظر آتا ہے کہ آپ نے قادیان میں حضرت امام الزمان کی صحبت میں رہنے کو دنیاوی وجاہت اور عزوجاہ پر ترجیح دی۔ تو یہ بھی نظر آتا ہے کہ بحیثیت امیر جماعت ہونے کے آپ نے جماعت کے اغراض ومقاصد اور تحریکات میں بھی دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد پر عمل کیا اور جماعت کو خالص دینی اور تبلیغی ادارے تک محدود رکھا۔ آپ کے سامنے جب کبھی کوئی ایسی سکیم پیش ہوئی جو ’’دیال‘‘ باغ یا تحریک جدید سے ملتی جلتی ہو تو آپ نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ چاہتے تھے کہ انجمن محض دین اور دینی اغراض کو دنیا اور دنیوی اغراض پر مقدم رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سیاست کی بھول بھلیوں میں اُلجھ کر ختم نہیں ہوگئی بلکہ اپنے مسلک پر مضبوطی سے

گامزن ہے۔ آیت مندرجہ عنوان میں ایسے دوسرے مومنین کا بھی ذکر ہے جو اپنے رب کی ملاقات کے لئے انتظار میں ہیں۔ ان لوگوں نے بھی دین کو دنیا پر مقدم کر کے دکھلایا ہے۔

قادیان سے ہجرت: حضرت حکیم امامت مولانا نورالدینؓ کی وفات پر جماعت میں جو اختلاف رونما ہوا اس نے تاریخ احمدیت میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔ حضرت مولانا مرحوم اور وہ بزرگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی صحبت صالحہ سے فیض اُٹھایا تھا جماعت کو انہی عقائد پر قائم رکھنا چاہتے تھے، جن پر حضرت اقدس نے جماعت کو کھڑا کیا تھا۔ مگر میاں محمود احمد صاحب اور ان کے مشیر غلو کر کے حضرت مسیح موعود کو نبی منوانا چاہتے تھے اور آپ کے نہ ماننے والوں کو کافر اور خارج از دائرہ اسلام ٹھہراتے تھے۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جن بزرگوں نے حضرت امام ہمام کی کتابوں کو بغور پڑھا تھا اور آپ کی صحبت میں رہ کر آپ کی زبان مبارک سے آپ کے دعاوی سنے تھے وہ ان غلط عقائد کو قبول کر لیتے اور خاص کر جب یہی غلط عقائد آپ کی طرف علماء سو اور مخالف منسوب کرتے رہے اور آپ اپنی قلم سے ان کے رد میں ہزاروں اوراق لکھتے چلے گئے۔ حضرت امیر مرحوم نے بہتری کوشش کی کہ دلائل سے میاں صاحب کو قائل کیا جائے اور یہ غلط عقائد پھیلنے نہ پائیں۔ مگر مصالحت کی کوشش ناکام رہی بلکہ اُلٹا حضرت امیر کے خلاف دل آزار پروپیگنڈا کیا گیا۔ آپ پر عرصہ حیات تنگ ہوتا چلا گیا۔ پھر بھی آپ خدا کے بھروسے پر قادیان میں ہی رہے کہ شائد صورت حالات سدھر جائے اور اپنے پیارے امام کے بعد مل کر کام کرنے کا موقعہ پیدا ہو جائے۔ مگر جب ایذا رسانی حد کو پہنچ گئی تو آپ قادیان سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔

جہادِ کبیر: ہجرت کے بعد آپ نے اپنے احباب سے مل کر 2 مئی 1914ء کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھی اور جہاد کبیر یا جہاد بالقرآن کے لئے احباب جماعت کو دعوت دی۔ انجمن کی بے سروسامانی کی حالت اور اس کے بلند مقصد کی تڑپ دیکھ کر قادیان والوں نے مضحکہ اُڑایا ''ڈھائی بوٹیاں تے فتو باغبان'' کے آوازے کسے۔ مگر حضرت امیر مرحوم نے بڑے استقلال اور ثبات قدمی سے جہاد کبیر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ چند سالوں میں دنیا نے دیکھ لیا کہ ایک مٹھی بھر جماعت احمدیہ لاہور نے اپنے مجاہد امیر کی قیامت میں کتنی شاندار کامیابی حاصل اور قبولیت عامہ کی سند حاصل کی۔ اس جہاد میں صبر کا جو نمونہ جماعت نے پیش کیا وہ عدم المثال ہے۔ لاہور آ جانے سے وہ ادارے، جو قادیان میں قائم

ہو چکے تھے اور جن پر لاہور کے پاک ممبروں کا زر کثیر صرف ہوا تھا، جماعت لاہور کو ان سے محروم ہونا پڑا۔ انجمن کا خزانہ، کتب خانہ، دفاتر، مساجد اور مدارس سب قادیان میں رہ گئے تھے۔ چنانچہ جماعت کا پہلا سالانہ بجٹ سات ہزار روپیہ کا تھا۔ صبر کے معنی اگر کمال مضبوطی کے ہیں تو جہاد فی سبیل اللہ میں پیش آنے والی تکالیف اور مشکلات کی پروا نہ کرنے کے بھی ہیں اور صراط مستقیم پر استقلال اور ثبات قدمی سے قائم رہنے کے بھی ہیں۔ چنانچہ ہماری جماعت کی تاریخ اس حقیقت کو عیاں کرتی ہے کہ اپنے چالیس سالہ دور میں کس طرح ہمارے امیر مرحوم کی مستقل مزاجی اور کمال درجہ کی مضبوطی نے قوم کو مشکل اوقات سے نکالا اور اس کا بجٹ سات ہزار سے بڑھ کر سات لاکھ سالانہ تک پہنچ گیا۔

خدا اور اس کے دین سے وفاداری: راولپنڈی کی جماعت قریباً بیس سال تک سالانہ اجلاس کرتی رہی۔ جس میں مرکز سے بھی بزرگ تشریف لا کر اپنے مواعیظ حسنہ سے اہالیان راولپنڈی کو مستفید کرتے تھے۔ غالباً 1943ء یا اس کے متصل کا سالانہ جلسہ تھا۔ حضرت امیر جماعت نے ردتکفیر اہل قبلہ پر اڑھائی گھنٹہ تقریر فرمائی۔ جلسہ گاہ حاضرین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ بڑے بڑے امیر، وکلا اور معززین شہران حقائق و معارف کو سن کر حالت وجد میں تھے۔ جلسہ کی نشست جب برخاست ہوئی تو ایک بوہر رئیس التجار اپنی بیاض میں آٹو گراف حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے قلم لے کر یہ الفاظ لکھے: "Be true to your God and your religion" اور اپنے دستخط کر دیئے۔ ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے دل میں اگر کوئی خیال تھا تو یہی کہ خدا کا دین پھیلے۔ پھر بعد میں آنے والے واقعات بھی ہمیں بتاتے ہیں کہ آپ نے خدا اور اس کے دین سے وفاداری کا عہد کس طرح نبھایا اور مرتے دم تک اسی عہد کو نبھاتے رہے۔

لاہور کی عظمت: ڈاکٹر عصمت اللہ صاحب مرحوم مبلغ اسلام فرمایا کرتے تھے کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم اخیر وقت تک ایک غلط فہمی میں مبتلا رہے اور وہ یہ کہ بابا بلھے شاہ نے جو پیشگوئی فرمائی تھی کہ: ''عرش معلے تے ملیاں بانگاں تے سنیاں وچ لاہور'' (عرش معلٰی پر اذانوں کی آواز بلند ہوئی جو لاہور میں سنائی دی) اس کا ظہور ڈاکٹر سر اقبال کے توسط سے ہوگا۔ افسوس سر اقبال نے چشم بصیرت سے نہ دیکھا کہ یہ پیشگوئی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے وجود میں آنے سے پوری ہو چکی تھی۔ کیونکہ جن بزرگوں نے ڈاکٹر

صاحب مرحوم کوٹھیٹھ اسلامی سیرت کے نمونہ کی جھلک دکھائی تھی انہوں نے لاہور کو مرکز قائم کر کے اقصائے عالم میں خدا اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کا شہرہ بلند کیا۔ اور دنیا تعلیمات اسلامی، سیرت نبویؐ اور اسلامی لٹریچر کے لئے لاہور کی طرف رجوع کرنے لگی۔ جہاں اس جماعت کے امیر اور اس کے رفقاء نے علم وعرفان کے چشمے جاری کر دیئے تھے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ کریم ہمارے امیر مرحوم کی روح پُرفتوح پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے جیسا کہ اس کا وعدہ ہے۔ کیونکہ اس امیر کی بدولت جماعت نے حضرت امام الزمان کی صحیح پوزیشن کو قائم رکھا۔ جس مسلک پر حضرت امیرؒ نے جماعت کو قائم کیا تھا۔ اس کی صداقت کے لئے اتنا کافی ہے کہ جماعت قادیان بھی آج اسی مسلک پر چل رہی ہے۔ اے کاش! ان کو یہ خیال 1914ء میں ہی آ جاتا!

22 اکتوبر 1952ء

حضرت امیر کے قلم سے

ہر مسلمان اور جماعت قادیان کے لئے لمحہ فکریہ

1949ء میں ''جماعت قادیان اور ہر مسلمان کے لئے لمحہ فکریہ'' کے نام سے ایک ٹریکٹ حضرت امیر کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ جس میں آپ نے اپنے اور جماعت احمدیہ لاہور کے کاموں پر تبصرہ کرتے ہوئے قادیانی جماعت اور دوسرے مسلمانوں کو توجہ دلائی تھی کہ یہ کام بغیر توفیق الٰہی کے سر انجام نہیں پا سکتے۔ اور صرف جماعت احمدیہ لاہور کو اس کی توفیق ملنا اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ اس جماعت کو اللہ تعالیٰ نے خدمت دین کے لئے چن لیا ہے۔ اور صرف یہی چھوٹی سی جماعت حضرت مسیح موعود کی غرض ومقصد اور آپ کی آرزو کو پورا کر رہی ہے۔ اس ٹریکٹ کے ایک حصہ کا خلاصہ ایک دوست نے اخبار پیغام صلح کے ''حضرت امیر نمبر'' کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس میں درج نہ ہوسکا۔ ذیل میں ہدیہ قارئین کرام ہے۔

1914ء میں ہم نے قادیان سے الگ ہو کر لاہور میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھی۔ جب ہم نے انجمن بنائی تو اس کا پہلے سال کا چندہ صرف سات ہزار روپے تھا۔ حالانکہ اس سے پیشتر جماعت کا بجٹ دو لاکھ روپے کا تھا۔ پھر ہم خالی ہاتھ تھے۔ نہ کوئی دفتر تھا نہ مکان۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کام میں برکت دی۔

پینتیس سالہ کام: آج 35 سال (ستمبر 1949ء کے عرصے میں اس انجمن کا بجٹ سات ہزار روپے سے آٹھ لاکھ روپے تک پہنچ چکا ہے۔ یعنی سو گنا۔ لاکھوں روپے کی جائیداد تبلیغ اسلام کو قوت پہنچانے کے لئے پیدا ہو چکی ہے۔ جس کی آمدنی اس وقت ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ ہے۔ قرآن شریف کے انگریزی تراجم چالیس ہزار کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ آٹھ زبانوں میں قرآن شریف کے تراجم ہو چکے ہیں۔ سترہ زبانوں میں سیرت نبویؐ کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ ہزار رہا کی تعداد میں تراجم قرآن مفت دنیا میں پہنچائے جا چکے ہیں۔

اسلام پر لٹریچر: ان سب سے بڑھ کر اس جماعت کی طرف سے اسلام اور قرآن کی جو عظیم الشان

خدمت ہوئی ہے، وہ بے نظیر ہے۔ اسلام پر جو لٹریچر اس جماعت کی طرف سے نکلا ہے، اس بات کو چھوڑ کر کہ اس قدر زبانوں میں اور اس قدر تعداد میں ساری دنیا میں کہیں اسلامی لٹریچر نہیں نکلا، اس لٹریچر میں خدا کے فضل سے اسلام کی ایک صحیح اور مکمل ترین تصویر زبان انگریزی میں موجود ہے۔ اور دوسری زبانوں میں تیار ہو رہی ہے۔ اسلام کی خوبصورتی کا کوئی پہلو نہیں جس پر اس لٹریچر میں روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ حسب ذیل سات کتابیں بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ جن میں اسلام کی مکمل صحیح اور خوبصورت تصویر دنیا کے سامنے رکھ دی ہے۔

اول۔ قرآن شریف اب تک چالیس ہزار کی تعداد میں دنیا میں پہنچ چکا ہے۔

دوم۔ سیرت نبویؐ کم از کم پچاس ہزار کی تعداد میں دنیا میں پہنچ چکی ہے۔

سوم۔ تاریخ اسلام کا ابتدائی حصہ یعنی خلافت راشدہ۔

چہارم۔ 1۔ صحیح بخاری مکمل معہ ترجمہ وحواشی اردو میں

2۔ مینول آف حدیث انگریزی میں۔

پنجم۔ ریلیجن آف اسلام۔ تعلیم اسلام پر جامع رنگ میں کتاب ہے۔

ششم۔ لونگ تھاٹس آف پرافٹ محمدؐ یعنی پیغمبر اسلام کی زندہ تعلیم کا نقشہ انگریزی میں۔ اس کے ترجمے فرانسیسی، ڈچ اور جرمن زبانوں میں ہو رہے ہیں۔

ہفتم۔ نیو ورلڈ آرڈر انگریزی میں۔ اس کا عربی میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ جرمن اور ڈچ زبانوں میں ہو رہا ہے۔

ہر مسلمان اور قادیانی بھائی غور کریں: اسلامی تعلیم کے موٹے رنگ میں یہ سات ہی پہلو ہیں۔ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ اور ایک ایسے زمانے میں، جبکہ ساری مسلمان دنیا اسلام کی علمی خدمت کے لحاظ سے سوئی ہوئی تھی، اس کی صحیح اور مکمل تصویر کھینچنے کا موقع اور کسی شخص اور کسی جماعت کو نہ ملا۔ اس پر ہر مسلمان ایک لمحہ کے لئے غور کرے اور ہمارے قادیانی بھائی غور کریں۔ یہ چھوٹی سی جماعت تو جن حالات میں اور جن اغراض کے لئے بنی اور پھر جو سامان اس کے پاس تھا، یا یوں کہنا چاہیئے جس بے سروسامانی میں اس نے کام شروع کیا اور جو برکت اس کام میں خدا نے محض اپنے فضل سے دی، اس کا ذکر میں مختصر طور

پر کر چکا ہوں۔

اپنی نسبت میں صرف اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ نے اس کام کے لئے ہدایت نہ کی ہوتی، تو میں اپنے دوسرے ہم جماعتوں کی طرح زیادہ سے زیادہ ایک کامیاب جج، ایک کامیاب وکیل ہوتا۔ مگر مجھے جس نے اس کام کی طرف توجہ دلائی اور پھر اس کام پر لگایا اور صحیح راہ نمائی فرمائی، وہ جماعت احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔ جنہوں نے عین اس وقت، جب میں دنیا میں پڑ چکا تھا، نہ صرف دنیا کی غلاظتوں سے باہر نکال لیا، بلکہ اس کے ساتھ ہی میرے اندر ایمان کی ایک ایسی روشنی پیدا کر دی جو اس جدوجہد میں میرے ساتھ رہی۔ میں اس بات کا علی الاعلان اقرار کرتا ہوں کہ اگر اس زمانے کے امام اور مجدد نے میری راہنمائی نہ فرمائی ہوتی، تو میں اس کام کا اہل بھی نہ تھا۔ آپ کا سینہ جس نور سے بھرا ہوا تھا، اس کی ایک چنگاری مجھے بھی ملی۔

جمالِ ہم نشیں درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ریویو آف ریلیجنز کے لئے میرا انتخاب: عیسائیت کی انیسویں صدی پوری ہو چکی تھی۔ ٹھیک 1900ء میں جب میں اپنے وکالت کے کام کے لئے گورداسپور جا رہا تھا اور سب انتظام مکمل کر چکا تھا۔ کوٹھی کرایہ پر لے چکا تھا اور اس میں سامان اور کتابیں بھی بہم پہنچا چکا تھا تو میرے راہنما نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ تمہارا کام کچھ اور ہے۔ ہم انگریزی میں ایک رسالہ جاری کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے مغرب میں تبلیغ اسلام کا کام لیا جائے گا۔ آپ اسے ایڈٹ کریں۔ کس قدر خوش قسمتی تھی کہ اس آواز پر ایک لمحہ کے لئے بھی میرے دل میں تذبذب پیدا نہیں ہوا کہ میں یہ کام کروں یا وہ کروں جس کے لئے پوری تیاری کر چکا ہوں۔ یہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے نام سے یکم جنوری 1902ء سے جاری ہوا۔

انگریزی ترجمۃ القرآن: 1909ء میں مَیں انگریزی ترجمہ قرآن شریف پر لگ گیا۔ آج پچاس سال کے بعد دیکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور شکر گزاری سے گر جاتا ہوں کہ اس نے اتنی لمبی مہلت مجھے دی اور پھر اتنا کام مجھ سے لیا۔ اور درحقیقت یہ کام میرا نہیں۔ یہ اسی کا کام ہے جس نے مجھے ہاتھ پکڑ کر اس کام پر لگایا۔ اور صرف مجھے ہی نہیں لگایا بلکہ جو اس کے پاس گیا اس کے دل میں خدا کی محبت کی چنگاری ڈال دی۔

خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم: میری طرح خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کو بھی امام الزمان کے قدموں میں بیٹھنے سے یہ سعادت ملی کہ انہوں نے یورپ میں پہلا اسلامی تبلیغی مشن ووکنگ میں قائم کیا۔ اور اسلام کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر وہ روشنی ڈالی جس سے یورپ کے لوگوں کا اسلام کے متعلق نقطہ خیال بدل گیا۔

یہی نہیں بلکہ اس مجدد نے ہزاروں ایسے لوگ پیدا کئے جن کے سینے اسلام کے درد سے بھر گئے۔ اور جنہوں نے اپنی جانیں اور اپنا مال خدا کے دین کو دنیا میں پہنچانے کے لئے پیش کر دیئے۔

کیا دنیا میں کوئی ایسا مفتری ہوا ہے؟: تو ان لوگوں سے، جن کے دلوں میں حضرت مجدد سے کچھ بغض ہے یا وہ عزت اور محبت نہیں جو ایسے خادم دین کی ہونی چاہیئے، میں یہ کہتا ہوں کہ کیا دنیا میں کوئی بھی ایسا جھوٹا یا مفتری ہوا ہے جس نے اپنے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں میں تبلیغ اسلام کا یہ جوش بھر دیا ہو اور جس کی اللہ تعالیٰ نے اس قدر مدد کی ہو کہ اس کے ارادوں اور آرزوؤں کو اس کی وفات کے بعد بھی پورا کرتا چلا گیا ہو؟ ابتداء میں یہ ہم لوگوں کی آرزو نہ تھی کہ دین اسلام پھیلے۔ یہ آرزو اس زمانے کے امام کی تھی جس نے ہمیں اس کام پر لگایا۔ اور اس زور سے لگایا کہ جو آرزو آپ کے دل میں تھی، اسے ہزار ہا قلوب میں پیدا کر دیا۔

اس آرزو کا اظہار آپ نے دعوٰی کے بعد سب سے پہلی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں ان الفاظ میں کیا۔ اور اس وقت کیا جب اس ملک میں چاروں طرف سے کفر کے فتاوی آپ پر لگائے جا رہے تھے۔

> ''سو میری یہ صلاح ہے کہ بجائے ان واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل وجان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا۔ جیسا مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے'' (ازالہ اوہام صفحہ 773)

آج جو کچھ تھوڑا بہت کام تبلیغ اسلام کا ہم نے کیا ہے، یہ سب آپ کی اس آرزو کا ہی نتیجہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ کی قوت ڈال دی۔ جو شخص خود انگریزی زبان سے قطعی واقف تھا، اس

کے ہاتھ سے انگریزی ممالک میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھوادی!

اگر تبلیغ اسلام واقعی اسلام کی ایک ضرورت ہے، تو اس جہاد کے لئے اسلحہ وہی ہیں جو اس چھوٹی سی جماعت نے تیار کر دیئے ہیں۔ آپ چاہیں تو ان سے کام لے کر خدا کے آخری کلام اور اس کے آخری پیغمبرؐ کے نام کو دنیا میں روشن کرنے کے لئے قدم اُٹھائیں۔ اور دنیا میں اسلام کے غلبہ کے وقت کو قریب لے آئیں۔ اور چاہیں تو اپنی لاپروائی سے خدا تعالیٰ کے اس سچے وعدہ کو، کہ دین اسلام سب دینوں پر غالب آئے گا، تاخیر میں ڈالتے چلے جائیں۔

احباب قادیان سے خطاب: دوسری طرف میں اپنے احباب قادیان کو بھی کہتا ہوں کہ وہ بھی اس بات پر غور کریں کہ ان کے اکابر نے ہمیں فاسق کہا۔ اس لئے نہیں کہ انہوں نے ہمیں کسی فسق و فجور میں مبتلا پایا تھا بلکہ اس لئے کہ ان کے تکفیر اہل قبلہ کے عقیدہ کی وجہ سے تبلیغ اسلام کا کام ہم ان کے ساتھ مل کر نہ کر سکتے تھے اور ہم نے لاہور میں تبلیغ اسلام کے لئے ایک الگ مرکز قائم کیا۔

قادیان کیوں چھوڑنا پڑا: آج 35 سال بعد ان واقعات کو جماعت قادیان کے سمجھدار طبقے کے سامنے رکھتا ہوں۔ اور ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان واقعات پر غور کریں کہ کیا انہیں مسلمانوں کی تکفیر کی ہی تو یہ سزا نہیں ملی کہ اتنی بڑی مسلمان اکثریت کا علاقہ، جس میں قادیان واقع ہے، مسلم حکومت سے کٹ گیا۔ یا ان لوگوں کو، جو نیک نیتی سے تبلیغ اسلام کی بنیاد دوسری جگہ رکھ رہے تھے، فاسق کہنے کی یہ سزا تو نہیں کہ اب خود دوسری جگہ تبلیغ اسلام کا مرکز بنانا پڑا اور جس مقام کو ایک تہائی صدی تک محنت کر کے تبلیغ اسلام کا مرکز بنایا تھا، اسے چھوڑنا پڑا۔ میرے دوستو! ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ یہ بلا اس علاقہ پر کیوں آئی جو مسلمان اکثریت کا علاقہ تھا؟!

اور پھر خدا نے آپ کے اکابر سے یہ توفیق کیوں چھین لی کہ وہ قادیان میں بیٹھ کر ہی تبلیغ اسلام کرتے! اور یہ بھی غور کیجئے کہ تبلیغ اسلام کا یہ کام، جو لاہور کی نہایت قلیل جماعت سے اللہ تعالیٰ نے لے لیا، کیا اس میں خدا تعالیٰ کا ہاتھ نظر نہیں آتا کہ اس جماعت ہی کو یہ توفیق ملی کہ علوم کے ان چشموں کو، جو مسیح موعود کی برکت سے قادیان میں پھوٹے تھے، لاہور میں لا کر دریا بنا کر دنیا میں بہا دیا!

ہاں! یہ سچ ہے کہ یہ میرا کام نہ تھا۔ یہ جماعت لاہور کا کام تھا۔ جیسا کہ یہ آرزو، کہ قرآن کریم

کو انگریزی میں ترجمہ کرکے اور اسلام پر انگریزی زبان میں لٹریچر پیدا کرکے اسے یورپ اور امریکہ میں پہنچایا جائے، بانی سلسلہ کے دل میں تھی اور اختلاف کے بعد یہ آرزو جماعت قادیان کے اکابر کے سینوں میں کمزور ہوتی چلی گئی اور اپنی پوری قوت سے جماعت لاہور کے سینوں میں منتقل ہو گئی۔

کیا یہ سچ نہیں کہ حضرت مسیح موعود کے علوم کی وارث یہی جماعت ہے! تو اب غور فرمایئے کہ آپ کو جو کچھ ملا تھا وہ بھی نہ رہا۔ اور مسیح موعود کے علوم کی وارث خدا نے جماعت لاہور کو بنا دیا۔ اور خود مسیح موعود کے دل میں جو آرزو تھی کہ قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر ہو کر اور اسلامی لٹریچر انگریزی میں اور دوسری زبانوں میں تیار ہو کر دنیا میں پہنچے، اسلام کی صحیح اور مکمل تصویر دنیا میں پیش کی جائے، وہ سب کچھ فتنہ پردازوں کو مل گیا؟!

خدا کے لئے سوچو اور غور کرو کہ واقعات کیا بتاتے ہیں، جس طرح مسیح موعود سے کینہ رکھنے والوں کی آنکھیں آپ کے کام کی طرف سے بند ہیں اور ان کو یہی ناز ہے کہ مسلمانوں کی کثرت ان کے ساتھ ہے، آپ بھی اپنی آنکھوں کو اس جماعت کے کام کی طرف سے بند نہ کریں اور اپنی کثرت پر ناز نہ کریں۔

10 دسمبر 1952ء

تین زمانے

بیگم صاحبہ حضرت امیر مولانا محمد علیؒ

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح وشام تُو　　دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تُو

ایک خط سامنے ہے۔لکھا ہے''آپ نے حضرت مسیح موعود کے زمانے کی جھلک دیکھی اور حضرت مولانا نورالدین مرحوم ومغفور سے فیض پایا۔پھر حضرت امیرؒ کی صحبت میں ایک لمبا عرصہ بسر کیا۔ ان تینوں زمانوں کے متعلق کچھ اپنے تاثرات قلمبند فرمائیں تو عین عنایت ہوگی۔''

لیجئے تعمیل ارشاد کی کوشش کرتی ہوں۔ میرے والد ماجد حضرت ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم ومغفور اپنے بچپن سے ہی دینداری اور مذہبی رجحانات رکھتے تھے۔تاہم حضرت مسیح موعود کے خلاف علماء سُو کی مخالفت اور پراپیگنڈے نے کچھ عرصہ ان کو احمدی ہونے سے روک رکھا۔حضرت اقدس کی تصنیفات اکثر پڑھتے اور غور فرمایا کرتے تھے۔ایک واقعہ نے ان کو امام وقت کے قدموں میں لا ڈالا اور میرے ہوش سنبھالنے سے قبل ہی وہ سلسلہ احمدیہ سے منسلک ہوگئے۔ میں نے بچپن ہی سے احمدیت کا چرچا اپنے گھر میں دیکھا۔خوش قسمتی سے تھوڑا سا عرصہ حضرت مسیح موعود کی خدمت اقدس میں بھی بسر کرنے کا موقعہ ملا۔اگرچہ وہ مختصر سا زمانہ تھا مگر ان کی یاد اور قدر و قیمت بقیہ عمر عزیز سے بڑھ کر ہے۔قبل اس کے کہ میں حضرت مسیح موعود کی زیارت کے متعلق کچھ لکھوں مناسب ہوگا کہ والد محترم حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی قبول احمدیت کی داستان خود ان کی زبانی آپ کو سنادوں۔امید ہے ازدیاد ایمان کا موجب ہوگی۔

حضرت والد صاحب کے قبول احمدیت کی داستان ان کے اپنے قلم سے: ''میرا بڑا لڑکا ممتاز احمد اس وقت دو سال کا تھا۔میں شکر گڑھ ضلع گورداسپور میں پلیگ ڈیوٹی پر متعین تھا اور میرے اہل وعیال امرتسر میں تھے۔ممتاز احمد کو ٹائیفائڈ فیور ہو گیا اور ایسا خطرناک کہ 105 درجہ کا بخار بلکہ اس سے بھی زیادہ تیز بخار شب وروز رہنے لگا اور ٹائیفائڈ فیور کی کل علامات پوری طرح واضح ہوگئیں اور امرتسر کے ڈاکٹروں نے بالاتفاق اپنی تشخیص مکمل کر کے کہہ دیا کہ یہ ٹائیفائڈ بہت سخت قسم کا ہے اگر زندگی ہے تو تین

چار ہفتے سے کم میں نہیں اُترے گا۔ میں ایک ہفتے کی رخصت لے کر آیا تھا۔ بچہ شب وروز دماغی بے ہوشی کی وجہ سے میت کی طرح پڑا رہتا تھا اور کوئی صورت بچنے کی نظر نہ آتی تھی۔ بخار کو گیارھواں دن تھا۔ میری رخصت ختم تھی۔ نبض بے قاعدہ ہو چکی تھی۔ بخار کی تیزی اور بے ہوشی کا وہی عالم تھا۔ میری بے قراری کی کوئی انتہاء نہ تھی۔ میں نے واپس اپنی ڈیوٹی پر جانے سے انکار کر دیا۔ میرے بزرگوں نے سمجھایا کہ ایسی حماقت نہ کرو جو کچھ مقدر میں لکھا ہے ہو کر رہے گا۔ تم اپنی ملازمت خراب نہ کرو۔ اتفاق سے حضرت اقدس کی کتاب ''برکات الدعا'' اُن دنوں ہمارے ہاں آئی ہوئی تھی۔ میری بیوی نے بھی پڑھی۔ وہ مجھے کہنے لگیں کہ تم گورداسپور ہو کر ہی شکر گڑھ جاؤ گے۔ رستہ میں بٹالہ ہے۔ اگر قادیان جا کر حضرت مرزا صاحب سے دعا کراؤ تو کیا عجیب ہے اللہ تعالیٰ فضل کر دے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''برکات الدعا'' میں تو بڑے زور سے لکھا ہے

اے کہ گوئی گر دعا ہارا اثر بودے کجاست سوئے من بشتاب بنمائم ترا چوں آفتاب

اپنی بیوی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر میں فوراً تیار ہو گیا۔ ایک احمدی دوست کو بلا کر میں نے کہا کہ میرے ساتھ قادیان چلیں کیونکہ میں قادیان سے ناواقف تھا۔ رات کے دس بجے امرتسر سے گاڑی چلی نصف رات کو بٹالہ پہنچی۔ یکہ لیا۔ سڑک نہایت خراب، دھکے کھاتے گرتے پڑتے اُچھلتے رات کے دو بجے قادیان جا پہنچے۔ رات سخت اندھیری تھی۔ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ قادیان میں لالٹینوں کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ سردی کا موسم گھروں کے دروازے بند۔ آدم نہ آدم زاد۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ نہ جانے مرزا صاحب خود اس وقت کیا کر رہے ہوں گے۔ مزے سے سو رہے ہوں گے یا شائد نماز تہجد پڑھ رہے ہوں۔ بہر حال دل میں تمنا ہوئی کہ دیکھوں اس وقت کیا کر رہے ہیں۔ میرا احمدی رفیق آگے اور میں پیچھے تھا۔ اندھیرے میں کچھ پتہ نہ لگتا تھا کہ ناگاہ حضرت مرزا صاحب کے مکان کے ایک دروازے پر میرے رفیق کا ہاتھ پڑا اور اس زور سے پڑا کہ وہ جھٹکے سے کھل گیا۔ حضرت مرزا صاحب نماز تہجد پڑھ رہے تھے۔ اسی وقت آپ نے سلام پھیرا اور دریافت کر کے فرمایا کہ آپ اوپر مسجد مبارک میں چلے جائیں۔ ہم دونوں وہاں چلے گئے۔ چھوٹی سی مسجد تھی اس کے ساتھ ایک کمرہ تھا جس کا نام بیت الفکر تھا۔ وہاں چلے گئے۔ دیکھا تو ساری مسجد میں لوگ نماز تہجد خشوع وخضوع سے پڑھ رہے

تھے۔ البتہ اس کمرے میں ایک چارپائی پر خواجہ کمال الدین صاحب سوئے ہوئے تھے۔ میرے پہنچتے ہی خواجہ صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ فرمانے لگے۔ آپ اس چارپائی پر سو جائیں۔ میں نے ان کی تکلیف کی خاطر انکار کیا۔ کہنے لگے کہ نہیں اب میں نماز پڑھوں گا۔ غرضیکہ میں اس چارپائی پر لیٹ گیا اور خواجہ صاحب وضو کر کے نماز میں مشغول ہو گئے۔ مگر مجھے اس چارپائی پر لیٹے ہوئے نہایت ہی شرم آئی۔ کیونکہ لوگ اس قدر رقت اور خشوع سے عبادت کر رہے تھے کہ میں دل ہی دل میں ندامت سے کٹا جا رہا تھا۔ مگر تھکا ہوا تھا اس لئے آنکھ لگ گئی۔ صبح چار بجے اذان ہوئی۔ ایک شخص نے مجھے اُٹھایا اور وضو کے لئے پانی دیا۔ میں وضو کر کے سنتیں پڑھ کر بیٹھا ہی تھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب تشریف لائے۔ انہیں دیکھ کر میرے دل کو بے حد خوشی ہوئی۔ کیونکہ سیالکوٹ کے ہمارے پرانے اہلحدیث کی مسجد کے امام تھے۔ وہ بھی بڑے تپاک سے ملے۔ مجھے کہنے لگے آخر آپ آئے۔ میں نے کہا ''ہاں خدا لے ہی آیا''۔ اس کے بعد میں نے تذکرہ کیا کہ میرا بچہ سخت بیمار ہے۔ اس کے لئے دعا فرمائیں۔ فرمانے لگے کہ آپ ابراہیمؑ کی طرح حنیف بنیں۔ آپ کے لئے بھی آسمان سے آواز یٰنار کونی بردًا وسلاماً علٰی ابراھیم کی آجائے گی۔ اور آپ کی یہ آگ اللہ تعالیٰ ٹھنڈک اور سلامتی سے بدل سے گا۔ میرے دل کو اس فقرہ سے بڑی تسلی ہوئی۔

حضرت مسیح موعود کی زیارت: اتنے میں حضرت مسیح موعود اندر سے تشریف لائے۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک نور کا جھمکڑا سامنے آ کھڑا ہوا۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے میرا بازو پکڑ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور جن الفاظ میں پیش کیا میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان الفاظ کا صحیح مصداق بنائے اور میرا انجام بخیر ہو۔ ''حضور یہ بھی ایک سعید روح ہے۔ جو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں''۔ حضرت صاحب نے بڑی خندہ پیشانی سے مصافحہ کیا۔ چونکہ لوگوں نے مشہور کیا ہوا تھا کہ مرزا صاحب کو نعوذ باللہ جذام ہو گیا ہے اور ہاتھوں میں خارش رہتی ہے۔ میں نے آپ کے ہاتھ کو بڑے غور سے دیکھا۔ سیاہ کار کے ہاتھوں میں ان کے نور سے دھلے ہوئے چاندی کے ہاتھ نظر آتے تھے۔ تعارف کے لئے مولوی عبدالکریم مرحوم نے تو اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہا جو میں اوپر لکھ چکا ہوں اور میرے خیال میں خدا کے مسیح کے سامنے اس سے بہتر الفاظ اس کے لئے ہو کہاں سکتے تھے۔ میں نے خود ہی باقی باتیں

اپنے متعلق عرض کیں۔اس کے بعد نماز با جماعت شروع ہوئی۔میں حضرت صاحب کے برابر شانہ بہ شانہ کھڑا تھا۔اور مولوی عبدالکریم امام تھے۔ان کی امامت میرے لئے کچھ نئی نہ تھی۔سیالکوٹ میں ہم نے ایک عرصہ تک ان کے پیچھے نمازیں پڑھی تھیں۔لیکن ان کی قرآن خوانی کی جوشان قادیان میں نظر آئی وہ میں نے کبھی محسوس نہ کی تھی۔اس کمال کی خوش الحانی اور اعلیٰ درجہ کی تاثیر ان کی زبان میں پیدا ہو گئی تھی کہ میں قرآن سنتا تھا اور تڑپتا تھا اور میرا یہ ایمان ہے کہ یہ سب فیض مسیحائی ہے۔ورنہ مولانا عبدالکریم کا قرآن ہم پہلے مدتوں سنتے رہے تھے۔نہ یہ خوش الحانی تھی نہ یہ اثر ہی تھا!

ملاقات اور اس کا اثر: نماز کے ختم ہونے کے بعد حضرت مرزا صاحب اندر تشریف لے گئے۔خلیفہ رشید الدین مرحوم نے مجھ سے پہلے ہی دریافت کر لیا تھا کہ آپ حضرت صاحب سے ملاقات مسجد میں ہی کریں گے یا خلوت میں۔میں نے خلوت میں ملاقات کرنی چاہی تھی۔حضرت صاحب نے تھوڑی دیر میں ہمیں اندر بُلا بھیجا۔حضرت صاحب ایک کمرے میں جس میں بچے سوئے ہوئے تھے ایک ننگی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے جس پر کوئی بستر نہ تھا۔مجھے دیکھ کر پائینتی کی طرف کھسک گئے اور مجھے سرہانے کی طرف بٹھانے لگے۔میں نے پاس ادب سے انکار کر دیا۔مگر آپ نے مجھے ہاتھ پکڑ کر سرہانے کی طرف بٹھا دیا اور خود چارپائی کی ادوان پر بیٹھے اور ہمارے درمیان میں میرے رفیق بیٹھے۔میں نے عرض کی کہ کوئی ایسا وظیفہ بتایئے جس سے دل صاف ہو۔فرمایا یہی نمازیں سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھا کرو۔میرے دل پر اس کا خاص اثر ہوا۔وجہ یہ کہ وظیفے میں بہت کر چکا تھا جس کا نتیجہ میں نے کچھ اچھا نہ پایا تھا۔دوسرے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ تزکیہ قلب کا اپنے صحابہؓ کے لئے اختیار کیا تھا وہ یہی نماز تھی۔اس لئے صفائی قلب کے لئے مسنون طریق یہی نماز تھی جو حضرت مسیح موعود نے بتلائی جس سے مجھے پتہ چلا کہ آپ کا قدم سنت رسولؐ پر کس قدر مضبوط تھا۔آپ کسی ایسے وظیفے کے حامی نہ تھے جو بدعت کے رنگ میں ہو۔صفائی قلب پر حضرت نے مزید تقریر فرمائی۔تقریر کیا تھی ایک روحانی طبیب مرض کی صحیح تشخیص کر کے علاج کر رہا تھا۔میرے دل کی کمزوریوں اور وساوس کا جواب اس طرح آتا چلا جا رہا تھا کہ بعض دفعہ مجھے وہم ہونے لگتا تھا کہ شائد میرا قلب کھلا ہوا ان کے سامنے ہے۔جو دیکھ دیکھ کر اس کی بیماریوں کا علاج کر رہے ہیں۔اور جب انہوں نے یہ ارشاد فرمایا کہ ایک گناہ گار انسان کی مثال ایک مجرم کی ہے جس کے

نام وارنٹ جاری ہو چکا ہو۔ اور وہ قدم قدم پر ڈرتا ہو اور بر آن اسے یہی نظر آتا ہو کہ اب میں پکڑا گیا۔ اب میں پکڑا گیا۔ پس خدا سے تعلق پکڑنے والے انسان کو جو طمانیتِ قلب نصیب ہوتی ہے وہ ایک گناہگار کو کب نصیب ہو سکتی ہے۔ میں یہ سن کر کانپ گیا۔ وعظ تو بہتیرے سنے تھے مگر نہ معلوم ان سادے سادے لفظوں میں کیا اثر تھا کہ دل کے اندر سرایت کرتے چلے جاتے تھے۔

بیعت: اس ضمن میں جب حضرت نے یہ فقرہ فرمایا کہ انسان کو اگلے جہان کی طرف چلنے کو یوں تیار رہنا چاہیئے جس طرح ایک دور افتادہ مسافر اپنے وطن کو جانے کے لئے بخوشی آمادہ رہتا ہے تو اتنا اثر میرے دل پر ہوا کہ یہ دنیا ہیچ نظر آنے لگی۔ تقریر کا خاتمہ وفات مسیحؑ پر تھا۔ جو حضرت کی خصوصیت تھی۔ حضرت کو حیات مسیح کے باطل عقیدے کے مٹانے میں اس قدر شغف تھا کہ کوئی تقریر ہو۔ پھر پھر کر اس موضوع پر اکثر آجاتی تھی۔ میں ایسا مدہوش بیٹھا تھا کہ نہ لڑکے کی بیماری یاد رہی تھی نہ دنیا کا کوئی کام ذہن میں باقی رہ گیا تھا۔ اور یہ حالت میری بعد میں بھی ہمیشہ رہی میں بیعت کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود کی خدمت میں جب حاضر ہوا دنیا بھول جاتی تھی۔ جب حضرت نے آخری فقرہ یہ فرمایا آپ کو جو کچھ اعتراضات یا شبہات ہوں ان کے دفعیے کے لئے ہمیں خط لکھتے رہیں یا خود یہاں آکر تشفی کرا سکتے ہیں۔ تو مجھے زندگی کی ناپائیداری سامنے نظر آنے لگی۔ اور یہ سمجھ آئی کہ اتنی عمر تو تحقیقات میں گزری اور فیض احمدی سے محروم رہا۔ عمر کا کیا اعتبار ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور جاہلیت کی موت پر ہی خاتمہ ہو۔ میں نے عرض کی حضور میری بیعت لے لیں۔ میں کب تک اس طرح بھٹکتا پھروں گا۔ آپ نے میری بیعت لی اور دعا کی۔

حضرت مسیح موعود کی دعا اور اس کا اثر: جب رخصت ہونے لگے تو لڑکے کی بیماری کے متعلق عرض کیا کہ بچہ بہت بیمار ہے حضور خاص توجہ سے دعا فرما دیں۔ آپ نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور دیر تک دعا فرماتے رہے۔ دعا کے بعد مجھے رخصت ہونے کی اجازت دی۔ قادیان سے رخصت ہو کر سیدھا گورداسپور پہنچا۔ اسٹیشن پر میرا افسر جو انگریز ڈاکٹر تھا ملا۔ کہنے لگا تم شکر گڑھ جاؤ۔ میں دو دن کے بعد پٹھانکوٹ سے واپس آؤں گا۔ پھر خواہ دس دن کے لئے گھر چلے جانا۔ میں شکر گڑھ چلا گیا۔ تیسرے دن گھر سے خط آیا۔ بخار اُتر گیا اور لڑکا بالکل اچھا ہے۔ میں رخصت لے ہی چکا تھا۔ امرتسر گیا تو

معلوم ہوا کہ جس روز صبح میں نے حضرت مسیح موعود سے دعا کرائی ہے۔اس روز حالت بہت خراب تھی۔ رات جو آئی تو ایک مایوسی کا عالم تھا۔ بارہ دن بخار کو ہو چکے تھے۔پچھلی شب کو ٹمپریچر لیا تو نارمل تھا۔ خاندان کے بزرگوں کو کہا تو کہنے لگے تھرما میٹر ٹھیک نہیں لگا۔لیکن کئی مرتبہ تھرما میٹر لگانے کے بعد بھی جب ٹمپریچر نارمل ہی نظر آیا تو ڈاکٹر جو معالج تھا اسے خبر کی۔وہ بہت قابل ڈاکٹر تھا۔ کہنے لگا کہ دیوانے ہوئے ہو۔کہیں ٹائیفائیڈ فیور بھی جو اس قدر سخت قسم کا ہو بارہ دن میں اُترا ہے اور اچانک! یہ سب تھرما میٹر لگانے کی غلطی ہے۔وہ خود آیا بار بار ٹمپریچر لیا۔نبض دیکھی۔حیران رہ گیا۔کہنے لگا کہ یہ ''خدا کا خاص فضل ہے''۔میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔ میں نے تو ایسا کہیں کبھی نہیں دیکھا کہ اس قدر حالت خراب اور ردی یا یکا یک صحت کا نمودار ہونا۔ یہ تو کوئی ''اعجاز مسیحائی ہے''۔اور واقعی وہ فضل ربی اور اعجاز مسیحائی ہی تھا۔حضرت مسیح موعود کیا سچ فرماتے ہیں کہ ۔

ہزار سر زنی و مشکلے نہ گرد دحل چوپیش اوبروی کاریک دعا باشد

فضل ربی: آخر رفتہ رفتہ خدا نے یہ فضل کیا کہ باوجود سخت مخالفت کے میرا سارا خاندان اور قریب قریب تمام اعزہ واقربا احمدی ہو گئے۔اور یہ محض فضل ربی ہے۔میں تو حضرت مسیح موعود کی خدمت میں جب بھی بیٹھتا تھا اور اس نورانی چہرہ پر میری نظر جمی ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اپنی خوش قسمتی پر خدا کے شکر سے میرا قلب لبریز ہو جاتا تھا کہ اللہ اللہ جس شخص کی زیارت کی تمنا بڑے بڑے اولیاء کرتے چلے گئے۔ مجھ گنہ گار کو اس کی زیارت اور بیعت نصیب کی۔ یہ کس قدر جناب الٰہی کا احسان ہے۔ **فالحمدللّٰہ ربّ العالمین.**

قسط دوم مطبوعہ دراشاعت 17 دسمبر 1952ء

گھر میں احمدیت کا چرچا: حضرت والد مرحوم ومغفور کے احمدی ہوتے ہی ہمارے سارے خاندان میں احمدیت کا چرچا شروع ہو گیا۔میری والدہ مرحومہ مغفورہ ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔انہوں نے والد صاحب سے کہا کہ میں چند دن غور کر لوں پھر بیعت کروں گی۔آپ نے نہایت خوشی سے یہ موقعہ ان کو دیا۔اس کے بعد والدہ صاحبہ نے حضرت اقدس کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔اکثر والد صاحب سے سوالات کیا کرتی تھیں اور والد صاحب سمجھاتے تھے۔ہم سب بچے غور سے ان کی گفتگو سنتے اور مجھے یہ

باتیں بہت ہی دلچسپ اور بھلی معلوم ہوئیں۔ پڑھنا لکھنا آتے ہی اخبار الحکم اور بدر پڑھنے شروع کر دیئے۔ حضرت اقدس کے کلمات طیبات اور ڈائری جو اخبارات میں چھپتی تھی اکثر اس کا حصہ مجھے ازبر ہو جاتا تھا۔ کبھی ان کا حوالہ دیتی تو والد مرحوم مسکرا کر فرماتے کہ اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتیں تو بہت سی حدیثیں روایت کرتیں!

تمام خاندان قادیان میں: 1906ء کے موسم گرما کے آغاز میں والد صاحب نے تین ماہ کی چھٹی لی اور پنڈی گھیپ سے جہاں وہ تعینات تھے قادیان کے لئے روانہ ہوئے۔ اماں، جان دادی جان، رشتے کی ایک پھوپھی اور ہم چار بہن بھائی ان کے ہمراہ تھے۔ لاہور کے سٹیشن پر احباب سلسلہ ملنے آئے اور ایک بڑا سا پیکٹ دیا جو حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچانا تھا۔ سہ پہر کو بٹالہ پہنچے۔ اس زمانے میں بٹالہ سٹیشن سے قادیان تک نو میل کچی اور ناہموار سڑک تھی۔ عموماً یکے پر یہ مسافت طے کی جاتی تھی۔ اور نہایت تکلیف دہ تھی۔ مگر حضرت اقدس نے ہمارے لئے حضرت بیوی صاحبہ کی سواری کی خاص رتھ بھیجی تھی۔ مغرب کا جھٹپٹا تھا کہ ہم قادیان پہنچے اور حضرت اقدس کے دولت خانے میں اترے۔ ہمیں مکان کے جس حصہ میں ٹھہرایا گیا اس کا نام ''دارالبرکات'' تھا۔ اور حضرت اقدس کے کمرے ''بیت الدین'' سے ملحق تھا۔ حضرت مسیح موعود نماز مغرب کے بعد مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ ہم حضرت بیوی صاحبہ کے پاس جا بیٹھے اور وہ پیکٹ جو لاہور سے دیا گیا تھا آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ کچھ دیر بعد ہم اپنی جائے قیام دارالبرکات میں آرام کرنے چلے گئے۔ میری عمر اس وقت دس سال کی تھی اور والد صاحب کی تعلیم و تربیت نے احمدیت سے خاص محبت و شغف پیدا کر دیا تھا۔ میں پھر اس صحن میں نکل آئی جہاں حضرت اقدس تشریف رکھتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت لالٹین لئے کھڑی ہے اور آپ ایک کوٹھڑی میں سے چارپائیاں نکلوا رہے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ہمارے لئے تھیں۔

والدہ صاحبہ حضرت کی خدمت میں: اگلے دن صبح ناشتے سے فارغ ہو کر والدہ مکرمہ نے والد صاحب سے پوچھا کہ میں حضرت اقدس کی خدمت میں جا رہی ہوں۔ کیا ان کے سامنے ہو جاؤں یا پردہ کروں۔ جواب ملا کہ شرعی پردے کے ساتھ سامنے ہو جاؤ۔ چنانچہ والدہ صاحبہ نے اپنے ململ کے دوپٹے کو اچھی طرح اوڑھا اور ہمیں ساتھ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

حضرت صاحب ''بیت الدعا'' میں تشریف رکھتے تھے۔فرش پر بیٹھے تھے۔ برابر میں بیوی صاحبہ تشریف رکھتی تھیں۔ والدہ صاحبہ سلام کر کے فرش کے ایک کنارے پر بیٹھ گئیں۔حضرت نے نہایت شفقت سے خیریت دریافت کی۔آپ کے ہاتھ میں چند کاغذات تھے۔جنہیں حضور مطالعہ فرما رہے تھے۔آپ نے کاغذات ایک طرف کر دیئے اور مخاطب ہو گئے۔افسوس کہ مجھے وہ گفتگو ٹھیک یاد نہیں رہی۔مگر والدہ صاحبہ پر ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت بیعت کر لی۔ چند دن بعد ہم دارالبرکات سے نواب محمد علی صاحب کے مکان میں اُٹھ گئے۔ یہ مکان نہایت عالی شان تھا اور حضرت اقدس کی جائے رہائش کے بالکل ساتھ تھا اور اندر ہی اندر راستہ تھا جس کے ذریعہ ہم لوگ دن رات آتے جاتے تھے (نواب صاحب ان دنوں اپنی بیگم صاحبہ کی علالت کے باعث گاؤں سے باہر باغ میں ایک مکان میں فروکش تھے)

حضرت کا طریق تصنیف: میرے بھائی ممتاز احمد اور میں اکثر حضرت اقدس کے مکان میں ہی کھیلا کرتے اور قریب ہی حضور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوتے۔کبھی آپ صحن میں ٹہل ٹہل کر لکھا کرتے تھے۔ دیوار کے ایک طاق میں دوات رکھی تھی اور آپ جب قریب آتے تو قلم ڈبو لیتے اور پھر لکھتے لکھتے دوسرے کنارے تشریف لے جاتے اور اسی طرح واپس آ کر پھر سیاہی لیتے۔کبھی ایسا بھی ہوتا کہ دونوں طرف دواتیں رکھی ہوتی تھیں۔ مجھے یہ بہت عجیب معلوم ہوتا اور کتنی دیر تک ایک طرف کھڑی ہو کر دیکھتی رہتی۔مگر حضور کی محویت کا یہ عالم تھا کہ کسی طرف نظر نہ اُٹھاتے تھے۔آپ کی نورانی شکل وصورت اور مقدس شخصیت کا اس قدر اثر دل پر ہوتا کہ میں آپ کو کوئی آسمانی مخلوق تصور کرتی!

''مسیح وقت نے دوا عنایت کی'': ایک دن اچانک والدہ صاحبہ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ والد صاحب مکرم نے ایک رقعہ حضرت اقدس کے نام لکھا جس میں والدہ مکرمہ کی تکلیف و دعا کے لئے عرض کیا تھا۔ میں وہ رقعہ لے کر گئی۔شام کا وقت تھا۔حضرت صاحب صحن میں لیٹے ہوئے تھے۔ کچھ طبیعت ناساز تھی۔ رقعہ پڑھا اور فوراً اُٹھ کر اندر کمرے میں تشریف لے گئے۔تھوڑی دیر بعد ایک پیالی ہاتھ میں لئے نکلے۔ مجھے دی اور فرمایا کہ یہ دوا پلا دو۔ میں وہ دوا لے آئی اور والدہ صاحبہ نے پی لی۔ بعد میں وہ ہمیشہ اس پر فخر کرتی تھیں کہ مسیح وقت نے ان کو دوا عنایت کی۔

بیماری اور جہاد بالقلم: حضرت مسیح موعود کی عمر اس وقت ستر سال سے اوپر تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف کے مطابق دو زرد چادریں یعنی دردسر اور اسہال کے عارضے لاحق تھے۔ مگر چہرہ مبارک سے کسی قسم کا اضمحلال ظاہر نہ ہوتا تھا۔ طبیعت میں کوئی چڑچڑا پن نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد بالسیف کی جگہ جہاد بالقلم کے لئے حضور کو مامور کیا تھا کہ اس زمانے میں اسلام پر قلم کے ذریعے ہی حملے ہو رہے تھے اور اس کی ہستی معرض خطر میں تھی۔ ضروریات زمانہ کے مطابق چودھویں صدی کے مجدد کو سلطان القلم کا اعزاز ملنا مشیت الٰہی سے مقدر تھا۔ تاکہ اس علم وقلم کے دور میں اسلام اور اس کی پاکیزہ شان وشوکت کا ظہور ہو۔ آپ کے دل میں کس قدر جوش وتڑپ تھی اور عالم پیری میں بھی کتنی ہمت وطاقت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ ابھی سنتے کہ طبیعت ناساز ہے۔ ڈاکٹر آ رہا ہے اور تھوڑی دیر بعد ہی دیکھتے کہ حضور بدستور اپنے محبوب کام تصنیف وتالیف میں مشغول ہیں یا کسی نووارد سے اسلام کی تائید میں پرجوش گفتگو فرما رہے ہیں اور مرض کی کوئی علامت نظر نہیں آ رہی!

حضور کی اقتداء میں نمازیں: ایام علالت میں نماز باجماعت گھر میں ہی ادا فرماتے تھے اور ہم نے کئی نمازیں حضور کی اقتداء میں پڑھیں۔ غالباً یہ شرف مردوں کو بھی کم ہی حاصل ہوا ہوگا۔ کیونکہ آپ نماز کی امامت بہت کم فرمایا کرتے تھے۔

پھلوں کی پیشکش: ایک بار کچھ پھل آیا۔ ایک ٹوکری میں ڈال کر والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت صاحب کی خدمت میں دے آؤ اور ایک رقعہ بھی دیا۔ میرے بھائی ممتاز احمد اور خاکسار دونوں ٹوکری لے کر چلے۔ راستے میں تکرار ہوگئی کہ حضور کی خدمت میں کون پیش کرے گا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ دونوں ٹوکری پکڑ لیں۔ آپ کمرے میں تھے دروازہ بند تھا۔ ہم نے کھٹکھٹایا تو آپ نے دروازہ کھولا۔ ٹوکری دے دی۔ آپ نے ہمیں دیکھا پھر رقعہ پڑھا دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور دروازہ بند کر لیا۔

نمود و نمائش میں خیر و برکت نہیں ہوتی: جب سے ہم نواب صاحب کے عالی شان مکان میں آئے تھے والدہ صاحبہ کی صحت اچھی نہ رہتی تھی۔ ایک دن حضرت اقدس کی طبیعت ناساز تھی اور حضور نے نماز مغرب اندر ہی صحن میں ادا فرمائی۔ آپ پلنگ پر تشریف رکھتے تھے اور پیچھے تختوں کے فرش پر سب عورتیں بچے صف بستہ تھے۔ نماز کے بعد والدہ مکرمہ نے اپنی صحت کی خرابی کا ذکر کیا اور دعا کے لئے عرض کیا۔

حضور نے اس عالی شان مکان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ جو کام نمود و نمائش کے لئے کیا جائے اس میں خیر و برکت نہیں ہوتی!

روئے مبارک کا اثر: والد صاحب کی تین ماہ کی رخصت ختم ہوگئی اور یہ مبارک زمانہ بہت جلد گزر گیا۔ مگر اب بھی جب ان ایام کا خیال آتا ہے تو حضرت اقدس کا خوبصورت مقدس چہرہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور وہ نور کی چمک جو آپ کے روئے مبارک سے عیاں تھی اس کا اثر دل و دماغ سے بھی محو نہیں ہو سکتا۔

تصنع اور بناوٹ کا فقدان: اس جگہ ایک بات کا ذکر ضروری ہے کہ حضرت اقدس کی طبیعت میں بناوٹ قطعاً نہ تھی۔ آپ محض دکھاوے کے لئے کوئی ایسی حرکت نہ فرماتے جو اس زمانے میں پیروں فقیروں یا خدا رسیدہ بزرگوں کے لئے ضروری نشان سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً ایک با خدا انسان کے لئے ضروری تھا کہ وہ دنیا کی لذات کو ترک کر دے، اپنے تن بدن کا ہوش نہ ہو بال پریشان چیتھڑے لٹک رہے ہوں، سردیوں میں جوئیں پڑی ہوں اور گرمیوں میں پسینے کی بو آتی ہو۔ اکثر اوقات عالم محویت طاری ہو اور وقتاً فوقتاً اللہ ھو کا نعرہ بلند ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ طریق اسلامی تعلیم سے کتنا بعید ہے اور سنت رسولؐ کے قطعاً خلاف بھی!

اسوہ نبویؐ: ہمارے سید و آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے کہ حضور نہایت ہی صفائی پسند اور پاکیزہ طبع تھے۔ حقوق اللہ و حقوق العباد کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ ہمارے لئے حضور پرنور کی سوانح حیات میں موجود ہے۔ آپ محبت کرنے والے شوہر، شفیق باپ اور وفادار دوست تھے اور تعلق باللہ کا یہ عالم تھا کہ **فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى** (9:53) کے مصداق ہوئے۔

حضرت کی سادگی اور نظافت: حضرت مسیح موعود بھی اپنے سید و آقا کی طرح نہایت سادہ مگر پاکیزہ و نظیف طبیعت رکھتے تھے۔ جیسا لباس بنوا دیا پہن لیا۔ حضرت شیخ رحمت اللہ مرحوم عیدین پر آپ کے لئے عمدہ لباس بنوا کر لاتے تھے اور آپ وہ بھی پہن لیتے تھے۔ آپ اپنی بیگم صاحبہ کے کئی کام کر دیتے تھے۔ اور آپ کی شفقت و محبت سے سب مستفیض تھے۔ تاہم دیکھنے والا ایک نظر میں ہی تاڑ لیتا تھا کہ حضور کا مطمع نظر دنیاوی باتوں سے بہت بلند و بالا ہے۔ آپ اسی دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس دنیا سے بے نیاز ہیں۔ اور آپ کا دل اللہ تعالیٰ پر ایمان و ایقان سے لبریز ہے۔

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سیدنا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سیّدنا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی خلفآء سیّدنا مُحَمَّدٍ اَجْمَعِیْنَ

قسط سوم: مطبوعہ در اشاعت 24 دسمبر 1952ء:

استادی المکرّم حضرت مولانا نورالدینؓ کے مبارک زمانے کے متعلق اپنے تاثرات لکھنے سے قبل مناسب ہے کہ آپ کے حالات پر کچھ مختصر سی روشنی ڈالوں۔ یہ حالات میں نے اپنے والد صاحب سے سنے یا ان کے مضامین سے اخذ کئے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ اپنے برگزیدہ اسلاف کی سوانح عمری کا مطالعہ انسان کے اندر جوش اور تتبع کی خواہش پیدا کرتا ہے اور گاہے گاہے یہ سبق روح کی کثافت اور دل کی پژمردگی اور جمود کو دور کرتا ہے۔ تو لیجئے اس عالم باعمل کے حالات زندگی کی جھلک دیکھ کر اپنے ایمان کو تازہ کیجئے جس کے متعلق حضرت امام وقت ومہدی دوران نے فرمایا ہے ؎

چہ خوش بودے اگر یک زامت نورِ دیں بودے ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقین بودے

حضرت مولانا نورالدینؓ بھیرہ ضلع شاہ پور کے ایک معزز گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی زندگی میں ہی آپ کے علم وفضل تقوی وطہارت کی شہرت ہندوستان کی حدود سے نکل کر غیر مما لک تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور قیل وقال اور منقول ومعقول غرضیکہ ہر قسم کے دینی علوم کے آپ عالم بے بدل اور فاضل اجل تھے۔ آپ کے کتب خانے کی عظمت اور کتابوں کی کثرت کا خواص وعوام کو علم تھا۔ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ کوئی مسئلہ ہو لیٹے لیٹے فرما دیتے کہ فلاں عالم نے فلاں کتاب میں فلاں جگہ پر یہ لکھا ہے۔ اور کتاب کھول کر دیکھ لیں وہیں پائیں گے۔ قرآن کریم سے تو عشق تھا۔ جوانی میں دہلی لکھنؤ اور رامپور، بھوپال جو اس وقت دینی علوم کے مرکز تھے ہر جگہ تشریف لے گئے اور تحصیل علم کیا۔ یہاں تک کہ مکہ اور مدینہ منورہ بھی حاضر ہوئے۔ وہاں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نقشبندی مجددی خاندان کے ایک بزرگ تھے اور علم ظاہر و باطن میں یگانہ تھے آپ ان کی ارادت میں شامل ہو گئے۔ وہاں کئی سال رہ کر تکمیل علوم ظاہری و باطنی کیا۔ واپس ہندوستان آئے تو ریاست جموں میں شاہی طبیب ہو گئے۔ معقول مشاہرہ ملتا تھا۔ لیکن درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا اور آپ کے علم کے فیض کا دریا تھا جو بہہ رہا تھا۔ مسلمان، آریہ،

عیسائی، دہریہ سب ہی اس سے مستفیض ہوتے اور سب سے دن رات گفتگو رہتی اور آپ کے سامنے مذاہب باطلہ کو سر اُٹھانے کی تاب نہ تھی!

ایک دہریئے کا اعتراض: ایک دن ایک دہریئے نے کہا کہ بس جناب رہنے دیجئے۔ یہ سارے انبیاء اپنے وحی والہام کے ڈھونگ کو اسی زمانے میں لوگوں سے منوا گئے جب لوگ جاہل اور بے علم تھے۔ اب دنیا اس قدر ترقی کر گئی ہے کہ اس قسم کی لغویات کو آج کوئی نہیں مان سکتا۔ ہاں اگر آج کوئی شخص وحی والہام کا دعوٰی کرے اور ایک فرد واحد سے بھی منوا دے تو میں سمجھوں گا کہ اس میں بھی کچھ حقیقت ہے۔ اس کا شافی جواب حضرت مولانا کے پاس نہ تھا۔ کیونکہ اب کوئی صاحب الہام ووحی ہی یہ ثبوت دے سکتا تھا۔ مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امتحان کے طور پر از خود کوئی ایسا دعوٰی کرے!

حضرت مسیح موعود کا اشتہار: دہریئے سے گفتگو کے بعد حضرت مولانا کے دل میں بے چینی سی پیدا ہو گئی۔ اور ممکن ہے کہ انہوں نے اس مشکل میں رہنمائی کے لئے بارگاہ خداوندی میں عرض بھی کی ہو۔ چند روز بعد عطار کی دوکان سے دوا جو آئی تو جس کاغذ میں وہ لپٹی ہوئی تھی وہ حضرت مسیح موعود کا ایک اشتہار تھا۔ جس میں براہین احمدیہ کی اشاعت اور اس میں قرآن کریم اور نبوت محمدیہؐ پر دلائل قاطعہ کا اعلان تھا اور بڑے زور سے دعوٰی کیا تھا کہ اسلام ہی آج اکیلا سچا اور زندہ دین ہے جس پر عمل کر کے انسان آج بھی خدا کو پا سکتا ہے اور اس کے مکالمہ مخاطبہ کے انعام سے مشرف ہوسکتا ہے۔ اور لکھا تھا کہ اس معاملے میں صاحب حال ہوں جس کا دل چاہے آئے رہے اور آزمالے۔ ظاہر ہے کہ حضرت مولانا نورالدین صاحب کوئی معمولی دل ودماغ کے انسان نہ تھے۔ ایک زمانہ دیکھے ہوئے اور مکہ معظّمہ تک کے اہل حال وقال کی صحبت سے فیض یاب تھے۔ وہ معمولی اشتہار سے کب متاثر ہو سکتے تھے۔ یقیناً اس اشتہار میں ان کی نور معرفت کی جھلک نظر آئی جو دل پر اثر کر گئی۔ اس دہریئے کو لا کر کہا کہ لیجئے آپ کے امتحان کا وقت بھی آ گیا۔ اب نتائج پر نظر رکھو۔ اشتہار کے الفاظ سے وہ بھی بہت مرعوب ہوا۔

قادیان کا سفر: کچھ عرصہ گزر گیا۔ براہین احمدیہ کے بے نظیر دلائل اور پر شوکت تحریر کو پڑھ کر حضرت مولانا کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ اس شخص مدعی الہام سے، جو اس عجیب وغریب کتاب کا مصنف ہے، ملاقات کی جائے۔ آپ جموں سے بٹالہ پہنچے۔ وہاں سے یکے پر قادیان پہنچے۔ یکہ والے سے کہہ دیا کہ

مرزا صاحب کے مکان پر لے چلو۔ اس زمانے میں حضرت مرزا غلام احمدؑ کو کون جانتا تھا۔ اس وقت گاؤں میں مرزا امام دین کا طوطی بولتا تھا جو حضرت مسیح موعود کا چچا زاد بھائی تھا اور دہریہ تھا۔ یکہ والا سیدھا مرزا امام دین کے مکان پر لے گیا۔ وہ اپنے گھر کے سامنے چارپائی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ حضرت مولانا نورالدین کی نظر جو اس پر پڑی تو آپ کا دل سخت متنفر ہوا اور نہایت بیزار ہو کر یکہ والا سے کہا۔ ٹھہرو۔ ہم ابھی واپس جائیں گے۔ مگر پھر کچھ خیال آیا تو مرزا امام دین سے پوچھا کہ کیا آپ نے کتاب ''براہین احمدیہ'' لکھی ہے۔ اس پر وہ یکہ والے سے کہنے لگا ان کو یہاں کہاں لے آیا۔ انہیں غلام احمد میتیڑ (مسجد میں رہنے والے) کی طرف لے جا۔

حضرت مسیح موعود سے پہلی ملاقات: یہ فقرہ سن کر حضرت مولانا کا سینہ ہلکا ہوا اور مرزا امام دین کو دیکھ کر نہایت غمگین تھے کہ تمام امیدوں کا خون ہو گیا تھا۔ حضرت اقدس کے مکان پر پہنچ کر اطلاع کرائی۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنے مکان میں اتروایا۔ اور نماز عصر کے وقت باہر تشریف لائے۔ وہ جو مثل ہے کہ ولی راولی مے شناسد۔ ایک ہی نگاہ میں دونوں حضرات نے ایک دوسرے کو بھانپ لیا۔ حضرت مولانا حضرت مسیح موعود کی ملاقات اور گفتگو سے بے حد متاثر ہوئے۔ اثنائے گفتگو میں حضرت مولانا نے عرض کیا کہ مجھے ایک مرتبہ رؤیا میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کو اس کثرت سے احادیث یاد تھیں۔ حضور اپنا مونہہ میرے کان کے پاس لے آئے تا وہ وجہ بتائیں مگر عین اس وقت کسی نے مجھے جگا دیا۔ مجھے سخت قلق ہوا کہ خدا جانے وہ کیا راز تھا جو مجھے بتانے لگے تھے۔ کیا آپ اس پر کوئی روشنی ڈال سکتے ہیں تو حضرت مسیح موعود نے فرمایا۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم   من از آفتاب ہستم ہم از آفتاب گویم

فرمایا کہ جو کچھ مجھے ملا ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ملا ہے۔ بات یہ ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آتا ہے کہ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (79:56) کہ قرآن کو مس کونے والے وہی ہیں جو پاک کئے گئے ہیں۔ اسی طرح حضرت رسول پاک کی احادیث کو بھی مس کرنے کے لئے طہارت وتقویٰ اور عمل کی ضرورت ہے۔

حضرت کی صحبت کا اثر: غرضیکہ جتنا عرصہ مولانا مرحوم حضرت کے پاس ٹھہرے اسرار دینیہ پر اس قدر نئ سے نئی روشنی پڑتی آپ کو نظر آئی کہ وہ تمام علوم، جنہیں تمام ممالک اسلامی میں پھر کر حاصل کیا تھا، نامکمل نظر آئے۔ آپ نے حضرت سے عرض کی کہ میری بیعت لے لیں۔ مگر حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ مجھے بیعت لینے کا حکم نہیں ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا۔ کہ بہت اچھا اگر کبھی حکم بیعت کا ہو تو بیعت کنندوں میں میرا نمبر سب سے پہلا سمجھا جائے۔ حضور نے منظور فرمایا اور جب کچھ عرصہ بعد حضرت اقدس کو بیعت لینے اور جماعت بنانے کا الہام ہوا تو حضرت مولانا نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

آخر گل اپنی صرف در میکدہ ہوئی پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

بیعت کے بعد حضرت مولانا نے حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ آپ کے سلسلہ کا وظیفہ کیا ہے جس کو پڑھا کروں۔ فرمایا جہاد فی سبیل اللہ عرض کیا کیا تلوار لے کر انگریزوں سے لڑوں۔ فرمایا نہیں۔ **وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا**۔ (52:25) کے ماتحت قرآن لے کر مذاہب باطلہ سے لڑو۔ عرض کی کس طرح فرمایا کہ اسلام کی تائید اور مخالفین کے اعتراضات کے جواب میں کتابیں لکھو۔

اطاعت مامور: کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا نورالدین صاحب اپنی شاہی ملازمت چھوڑ کر حضرت مسیح موعود کے قدموں میں جا بیٹھے۔ اور اس علامہ اجل اور فاضل بے بدل نے خدا کے مامور کی اس قدر فرمانبرداری کی کہ بہت کم مثال اس کی نظر آتی ہے۔ پھر سلسلے کے لئے ایثار وقربانی کی داستان بھی بے حد طویل ہے۔ صرف ایک واقع سے اندازہ لگائیے کہ حضرت مسیح موعود جب آخری بار دلی تشریف لے گئے تو حضرت مولانا نورالدین مرحوم کو تار دی کہ آپ دلی آجائیں۔ تار اس وقت ملی جب آپ اپنے مطب میں بیٹھے تھے۔ تار ملتے ہی اُٹھے اور سیدھے بٹالہ کو پا پیادہ نکل پڑے۔ صرف گھر اطلاع بھیج دی کہ حضرت نے بلایا ہے اور میں دلی جا رہا ہوں۔ تم فکر نہ کرنا۔ گھر والوں نے کپڑوں کا ٹرنک بستر کچھ روپے دے کر ایک آدمی روانہ کیا جو یکہ لے کر پیچھے دوڑا اور بٹالے کے راستہ میں جا لیا۔ آپ باوجود ضعف پیری کے پیدل چلے جا رہے تھے۔ اس آدمی نے یکے پر بٹھایا اور کہا کہ آپ نے بھی کمال کر دیا کہ اُٹھ کر چل دیئے۔ فرمایا کہ خدا کے مامور نے بلایا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل میں میں نے کسی تاخیر کو درست نہ سمجھا۔

تو یہ ہے حضرت مولانا نورالدینؓ کی سوانح حیات کی ایک سرسری سی جھلک۔ اور قارئین کرام اس سے کسی قدر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کے پرانے رفیقوں میں آپ کا کس قدر بلند رتبہ تھا۔

ماموراِلٰہی کے گھر میں: حضرت مسیح موعود کی حیات میں ہی حضرت مولانا نورالدین صاحب حضرت مولانا عبدالکریم صاحب اور حضرت مولانا محمد علی صاحب تینوں حضرات آپ کے گھر میں رہتے تھے۔ ایک ایک دو دو کمرے ملے ہوئے تھے جن میں گزارہ کرتے اور خدا کے مامور کے قرب والتفات سے شاداں وفرحاں تھے۔

حضرت مولانا کی خدمت میں: حضرت اقدس مسیح موعود کے وصال الٰہی کے بعد 1909ء میں والد صاحب نے دو ماہ کی رخصت لی اور بھیرے سے جہاں وہ تعینات تھے قادیان روانہ ہوئے۔ ہم سب بھی ہمراہ تھے۔ مولٰینا عبدالکریم مرحوم ومغفور وفات پا چکے تھے۔ مگر حضرت مولانا نورالدین صاحب وحضرت مولانا محمد علی صاحب بدستور حضرت مسیح موعود کے مکان میں ہی قیام پذیر تھے۔ مسجد مبارک کی چھت کے ساتھ کمرہ تھا۔ ہم وہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ایک معمولی سے فرش پر بیٹھے ہوئے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر کتاب بند کر دی اور بزرگانہ شفقت ومحبت سے خیریت وحالات پوچھے۔ میرے چھوٹے بھائی نصیر احمد دواڑھائی سال کے تھے۔ ان کو گود میں لے کر پیار کیا اور ایک سیب دیا۔ میری طبیعت میں قدرتاً بہت شرم وحجاب تھا۔ اس لئے پیچھے ہی بیٹھی رہی۔ دو ماہ کے قیام میں والدہ محترمہ ودادی صاحبہ محترمہ اکثر آپ کی خدمت میں جاتیں۔ میں شرم وحجاب میں بہت کم گھر سے نکلی۔

حضرت مولٰیناؓ کا درس اور آپ کی نصائح: 1910ء میں میری شادی ہوگئی۔ حضرت مولٰینا نورالدینؓ نے ہی میرا رشتہ تجویز فرمایا اور ہمیشہ اپنی شفقت وبزرگانہ محبت سے نوازا۔ خوش قسمتی سے چار سال تک مجھے حضرت مولانا کہ درس قرآن سے فیض یاب ہونے کا موقعہ ملا۔ ہم اس وقت شہر سے قریباً ڈیڑھ میل باہر رہتے تھے۔ درس قرآن کریم میں شریک ہونے کے لئے میں پاپیادہ جایا کرتی تھی۔ آپ اس کی قدر فرماتے اور اکثر کہتے کہ میری یہ بچی قرآن کی خاطر کتنی دور سے چل کر آتی ہے۔ میں کم سن تھی۔ اور طبیعت میں حجاب بہت تھا۔ درس میں اور بیبیوں کے پیچھے بیٹھ جاتی۔ آپ کی نظر پڑ جاتی تو بلا کر اپنے

قریب بٹھاتے اور کبھی کبھی نصائح بھی فرماتے۔ ایک بار فرمایا ''محمد علی کو خوش رکھو گی تو اللہ تعالیٰ تمہارے گھر کو خیر و برکت سے بھر دے گا''۔ اور میں نے آپ کے ارشاد کو لفظ بلفظ صحیح پایا۔

سادگی اور پاکیزہ مزاح: آپ کی طبیعت میں سادگی بے حد تھی۔ باوجود ضعف پیری اور بیماری کے آپ اپنے مطب کا کام کرتے تھے۔ اور سینکڑوں انسان آپ کی اعلیٰ طبی قابلیت سے بھی فیض یاب ہوتے تھے۔ کبھی کبھی پاکیزہ ظرافت سے بھی بات کرتے تھے۔ فرمایا جب کوئی مریض کمر پر کھجلی کرتا ہے تو ہم لوگ (یعنی حکیم، ڈاکٹر) سمجھتے ہیں کہ تہبند کی گرہ میں سے ہمیں دینے کے لئے روپیہ نکال رہا ہے۔

عورتوں کی عزت و حقوق: عورتوں کی عزت و حقوق کا بے حد خیال تھا۔ ایک بار فرمایا کہ میرے پاس ایک خط آیا ہے۔ ایک صاحب نے لکھا ہے کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں کہ روٹی پکانے والا کوئی نہیں۔ فرمایا میں نے لکھ دیا ہے کہ ایک نوکر رکھ لو۔ پھر یہ آیت پڑھی **خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا.** (21:30) اپنی بیگم صاحبہ و صاحبزادیوں کی نہایت عزت وقدر کرتے تھے۔ اور اسی طرح سلسلے کی دوسری خواتین کو بھی اپنی بچیوں کی طرح عزیز رکھتے تھے اور ان کے دکھ تکلیف میں دستگیری فرماتے۔

اخلاق فاضلہ: جیسا کہ میں لکھ چکی ہوں علم و فضل میں آپ یگانہ روزگار تھے۔ مگر مزاج میں قطعاً غرور یا تکبر نہ تھا۔ نہایت منکسر المزاج تھے اور غریب سے غریب انسان سے بھی اسی طرح تعلق رکھتے جیسا امیر سے۔ نہایت سخی اور متواضع تھے۔ کئی غریب طالب علموں کے آپ کفیل تھے۔ اور متعدد غرباء آپ کی سرپرستی میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپ کے علم و فضل تقویٰ و طہارت کے دوست دشمن سب قائل تھے۔ نہایت ہی قابل طبیب تھے اور آپ کے اس فن سے مسلم غیر مسلم سب نے یکساں فائدہ اٹھایا۔

قرآن کریم سے عشق: آپ کی زندگی کا نمایاں و تابناک پہلو قرآن کریم سے عشق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے کلام پاک کا بیش بہا علم بخشا تھا۔ اور آپ نے بھی اس کو دوسروں تک پہنچانے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ گویا علم قرآنی و معارف الٰہی کا ایک چشمہ تھا کہ جس سے ہر ایک نے حسب استطاعت فیض پایا۔

خدمت قرآن کے لئے حضرت مولینا محمد علی صاحب کا انتخاب: آپ کی دور بین و حقیقت بین

نظر نے خاص طور پر جس شخص کو قرآن کریم کی خدمت واشاعت کے لئے تاڑا وہ آپ کے محبوب شاگرد مولانا محمد علی صاحب تھے۔اور حضرت مولاناؒ نے اپنی زندگی میں ہی یہ کام ان کے سپرد کر دیا کہ حق بحقدار رسید۔ بعد میں جب بھی حضرت امیرؒ آپ کی خدمت میں قرآن کریم کا ترجمہ سنایا کرتے تو آپ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگتا۔ یقیناً وہ اپنے صحیح انتخاب پر درگاہ خداوندی میں شکریہ ادا کرتے ہوں گے۔ایام بیماری میں بھی جب تیماردار مقوی غذاؤں سے آپ کی طاقت کو برقرار رکھنے کی فکر میں تھے تو آپ اکثر فرماتے کہ میری روح کی غذا اور طاقت تو قرآن مجید ہے۔کبھی فرماتے۔میرے بیٹے کو بلاؤ کہ مجھے روحانی غذا ملے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد علی صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قرآن کریم سناتے۔ایک دن جب کہ حضرت مولانا قرآن مجید سنا رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ الہام ہوا ہے کہ ترجمہ مقبول ہو گیا۔اور اسی وقت آپ سجدہ شکر بجالائے۔سب احباب نے، جو اس وقت موجود تھے، سجدہ ادا کیا۔

حضرت مولانا محمد علیؒ کی قلمی خدمات

ذیل میں ان کتابوں، ٹریکٹوں اور رسالجات کی فہرست دی جاتی ہے جو مولانا محمد علی صاحب نے 1902ء سے لے کر 1951ء تک کے پچاس سالوں میں تصنیف فرمائیں۔ جن تصانیف کے نام کے ساتھ نشان ☆ دیا گیا ہے ان کے تراجم متعدد غیر ملکی زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ تراجم اتنی کثرت سے اور اتنے زیادہ ممالک میں ہوئے ہیں کہ ان کا مکمل ریکارڈ مہیا نہیں کیا جا سکتا۔

الف کتب	سال اشاعت	نام
1۔	1909ء	☆ ٹیچنگز آف اسلام Teaching of Islam
2۔	1912ء	☆ Islam the Natural Religion of Man
3۔	1914ء	المصلح الموعود
4۔	1915ء	حدوثِ مادہ
5۔	1915ء	آیت اللہ
6۔	1915ء	عصمتِ انبیاءؑ
7۔	1915ء	غلامی
8۔	1915ء	نکات القرآن حصہ اول
9۔	1915ء	نکات القرآن حصہ دوم
10۔	1915ء	النبوت فی الاسلام
11۔	1916ء	نکات القرآن حصہ سوم
12۔	1916ء	نکات القرآن حصہ چہارم
13۔	1917ء	جمع قرآن
14۔	1917ء	احمدِ مجتبیٰؐ
15۔	1917ء	☆ انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن English Translation of the Holy Quran with Text and commentry

16۔ 1918ء مسیح موعود

17۔ 1919ء مراۃ الحقیقت

18۔ 1919ء ☆سیرۃ خیر البشرؐ

19۔ 1920ء ☆جمع حدیث

20۔ 1920ء عیسویت کا آخری سہارا

21۔ 1921ء ☆محمدؐ اینڈ کرائسٹ Muhammad and Christ

22۔ 1922 حقیقتِ اختلاف

23۔ 1922ء تا 1924ء بیان القرآن، سہ جلد

24۔ 1923ء ☆محمدؐ دی پرافٹ Muhammad the Prophet

25۔ 1924ء تاریخ خلافتِ راشدہؓ

26۔ 1926ء تا 1937ء فضل الباری، جلد اول و دوم

27۔ 1928ء انگریزی ترجمہ قرآن (بلا متن) English Translation of the Holy Quran, without Text

28۔ 1929ء ☆دی اسلامک انسٹی ٹیوشن آف پریئر The Islamic Institution of Prayer

29۔ 1929ء ☆محمد مصطفیٰؐ

30۔ 1929ء ☆مقامِ حدیث

31۔ 1930ء حمائل شریف اُردو

32۔ 1930ء مقدمۃ القرآن (ہستی باری تعالیٰ)

33۔ 1930ء تحریکِ احمدیت

34۔ 1931ء ☆ارلی کیلیفیٹ Early Caliphate

35۔ 1931ء بابی مذہب History and Doctrine of the Babi Religion

36۔ 1931ء المسیح الدجال ویاجوج وماجوج

37۔ 1932ء ☆ محمدؐ دی پرافٹ (نظر ثانی) Muhammad The Prophet (Revised)

38۔ 1932ء ☆ مقامِ حدیث (نظر ثانی)

39۔ 1932ء ☆ انٹروڈکشن ٹو حدیث Introduction to Hadith

40۔ 1933ء سلیکشن فرام دی ہولی قرآن Selection from the Holy Quran

41۔ 1934ء ☆ کولیکشن اینڈ ارینجمنٹ آف دی ہولی قرآن

Collection and Arrangement of the Holy Quran

42۔ 1935ء ☆ دی ریلیجن آف اسلام The Religion of Islam

43۔ 1936ء ☆ انٹروڈکشن ٹو دی سٹڈی آف ہولی قرآن

Introduction to the Study of The Holy Quran

44۔ 1937ء ☆ فاؤنڈر آف دی احمدیہ موومنٹ Founder of the Ahmadiyya Movement

45۔ 1939ء ☆ دی مسلم پریئر بک The Muslim Prayer Book

46۔ 1941ء ☆ مینول آف حدیث A Manual of Hadith

47۔ 1943ء ☆ نیا نظامِ عالم

48۔ 1944ء ☆ دی نیو ورلڈ آرڈر The New Wrold Order

49۔ 1944ء المصلح الموعود (نظر ثانی)

50۔ 1946ء ہسٹری آف دی پرافٹس History of the Prophets

51۔ 1947ء ☆ لِونگ تھاٹس آف پرافٹ محمدؐ Living Thoughts of Propher Muhammad

52۔ 1948ء پریئرز آف دی ہولی قرآن Prayers of the Holy Quran

53۔ 1948ء ☆ زندہ نبیؐ کی زندہ تعلیم

54۔ 1948ء ☆احادیث العمل

55۔ 1948ء پنجسورہ شریف (عربی متن۔رومن۔انگریزی ترجمہ) PanjSura

56۔ 1949ء انگریزی ترجمہ المسیح الدجال ویاجوج ماجوج

Gog.Megog and the Anti-Christ

57۔ 1951ء انگریزی ترجمہ قرآن چوتھی ایڈیشن (نظر ثانی کے بعد)

English Translation of the Holy Quran. Revised 4th Edition

(ب) ٹریکٹ، رسالجات وغیرہ

1۔ 1902ء تا 1913ء ریویو آف ریلیجنز اردو وانگریزی Review of Religions

2۔ 1914ء ایک نہایت ضروری اعلان

3۔ 1914ء مسئلہ کفر و اسلام، مطابق ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح

4۔ 1915ء نبوت اور کفر پر ایک ایک بات

5۔ 1916ء جہاد کبیر

6۔ 1918ء 1۔بانی سلسلہ احمدیہ کے حالات

7۔ 1918ء 2۔بانی سلسلہ احمدیہ کی پیشگوئیاں

8۔ 1918ء 3۔اندرونی اختلافات

9۔ 1918ء 4۔سلسلہ احمدیہ کے مسائل خصوصی

10۔ 1918ء جلسہ سالانہ پر تبادلہ خیالات کے لئے میاں صاحب کو دعوت

11۔ 1919ء نبی یا محدث

12۔ 1919ء شناختِ مامورین

13۔ 1920ء خلافتِ اسلامیہ بروئے قرآن وحدیث

14۔ 1920ء ضرورتِ مجدد

15۔ 1921ء ادعائے نبوت

16۔ 1922ء انکارِ نبوت اور 1901ء

17۔ 1922ء ردِّ تکفیر اہلِ قبلہ

18۔ 1922ء آخری نبی

19۔ 1923ء حضرت مسیح موعود کا حلفی بیان

20۔ 1923ء حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں و حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

21۔ 1923ء مذہب کی غرض

22۔ 1923ء ☆ بیک ٹو قرآن Back to Quran

23۔ 1923ء ☆ بیک ٹو اسلام Back to Islam

24۔ 1924ء ☆ اسلام کی آواز (انگریزی) Call of Islam

25۔ 1924ء ☆ دعوتِ عمل

26۔ 1924ء مرتد کی سزا بروئے شریعتِ اسلامی

27۔ 1924ء کیا اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرنے پر کوئی سزا ہے

28۔ 1925ء جہاد سلطنت افغانستان اور احمدی مسلمان

29۔ 1926ء مسیح موعود اور ختم نبوت

30۔ 1928ء ☆ اسلام، عالمگیر مذہب (انگریزی)

Islam, the Religion of Humanity

31۔ 1928ء ☆ اسلام کا نبیؐ (انگریزی) The Prophet of Islam

32۔ 1930ء ☆ حضرت نبی کریمؐ کا پیغام (انگریزی) The Prophet's Message

33۔ 1930ء ختم نبوت (انگریزی) The Finality of Prophethood

34۔ 1930ء حضرت نبی کریمؐ پر مظالم کے الزامات (انگریزی)

The Alleged Atrocities of the Prophet

35۔ 1930ء ☆ رسالجات 1۔ ابو بکرؓ

56۔ 1936ء اچھوت اقوام اور پونا مشن

57۔ 1936ء قادیانی جماعت اور کلمہ گوؤں کی تکفیر

58۔ 1936ء مولانا ابوالکلام آزاد اور احمدیت (انگریزی)

Maulana Abul Kalam Azad and the Ahmadiyya Movement

59۔ 1936ء مسلمانوں کی تکفیر کا نتیجہ

60۔ 1936ء انجمن حمایت اسلام کا اعلان

61۔ 1937ء جماعت احمدیہ لاہور اور جماعت قادیان پر ایک نظر

62۔ 1937ء ☆احمدیت مغرب کی نظر میں (انگریزی) The Ahmadiyya

63۔ Movement as the West sees it

64۔ 1937ء میاں محمود احمد صاحب پر ان کے مریدین کے الزامات اور بریت کا نرالا طریق

65۔ 1939ء احباب قادیان سے ایک اپیل

66۔ 1940ء مولوی غلام حسن خان صاحب سے ایک مخلصانہ گذارش

67۔ 1940ء موجودہ وقت میں ہمارا فرض

68۔ 1940ء قادیانی یومِ تبلیغ

69۔ 1940ء قادیانی احباب کے لئے ایک قابلِ غور موازنہ

70۔ 1941ء خلیفہ قادیان کا 1914ء سے پہلے کا مذہب

71۔ 1941ء قادیان اور لاہور کے جلسوں میں دونوں فریقوں کے رہنماؤں کی تقریروں کی ضرورت

72۔ 1942ء احمدیہ جماعت لاہور اور قادیانی جماعت کا اختلاف

73۔ 1943ء اسلام اور موجودہ جنگ

74۔ 1943ء اسلام اور موجودہ جنگ (انگریزی) Islam and the Present War

75۔ 1944ء مسلمانوں کی تکفیر (انگریزی) Takfir of fellow Muslims

76۔ 1944ء میاں محمود احمد صاحب کو حلف اُٹھانے کے لئے مقابلے کی دعوت

77۔ 1944ء میاں محمود احمد صاحب کی دعوت مباہلہ

78۔ 1944ء میاں محمود احمد صاحب کے نام کھلی چٹھی

79۔ 1944ء حضرت نبی کریمؐ کا مقام

80۔ 1944ء فیصلہ کا صحیح طریق

81۔ 1946ء سلسلہ احمدیہ کے دو فریق

82۔ 1947ء وفات مسیحؑ، نزولِ مسیح

83۔ 1947ء اسلام کی مصیبتِ عظمیٰ، اس کے وجوہ اور اس کا علاج

84۔ 1948ء ☆نماز اور ترقی کی تین راہیں

85۔ 1949ء ☆اسلامی قوانین شادی و طلاق (انگریزی)

Islamic Laws of Marriage and Divorce

86۔ 1949ء جماعت قادیان اور ہر مسلمان کے لئے لمحہ فکریہ

87۔ 1950ء اس زمانے کا اور ہر زمانے کا سب سے بڑا اسلامی جہاد

ان تصانیف میں سے بیشتر کے متعدد ایڈیشن ہزار ہا کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور کثرت سے ممالک غیر میں مفت تقسیم بھی کئے جا چکے ہیں۔ مثلاً انگریزی ترجمہ قرآن کے مختلف ایڈیشن 42 ہزار کی تعداد میں پہلے شائع ہوئے اور نظر ثانی کے بعد چوتھی ایڈیشن بیس ہزار کی تعداد میں شائع ہو کر قریب الاختتام ہے۔ پانچویں ایڈیشن دس ہزار طبع کروائی جا رہی ہے۔ اسی ترجمہ سے ڈچ اور جاوی تراجم کئے گئے اور کئی ایک تراجم میں اس سے مدد لی گئی ہے۔ ریلیجن آف اسلام کے دو ایڈیشن آٹھ ہزار کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور اس کے ڈچ، ترکی، عربی اور چینی تراجم ہو چکے ہیں۔ اور تھائی اور ملائی تراجم کی بھی خبر ہے۔ محمدؐ دی پرافٹ کے تین ہزار ایڈیشن پندرہ ہزار کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور قریباً بیس غیر ممالک میں اس کے تراجم کے کئی اور ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اسی طرح مینول آف حدیث، لِوِنگ تھاٹس اور نیو ورلڈ آڈر وغیرہ کے کئی ایڈیشن اردو، انگریزی اور غیر زبانوں میں نکل چکے

ہیں۔اور یہی حال دوسری اہم تصانیف کا ہے۔

ٹریکٹوں میں سب سے زیادہ مقبول عام ''کال آف اسلام''، ''اسلام دی ریلجن آف ہیومینیٹی'' اور ''دی پرافٹ آف اسلام'' ہیں۔جن کے دس دس ایڈیشن انگریزی میں، پچیس پچیس، تیس تیس ہزار کی تعداد میں لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔اور پچیس تیس غیر زبانوں میں تراجم ہو کر مزید کئی ایڈیشن ہزار ہا کی تعداد میں غیر ممالک میں چھپ چکے ہیں۔اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں سے خاص خاص حصوں کے تراجم بھی غیر ممالک میں بطور پمفلٹوں اور ٹریکٹوں اور چھوٹی چھوٹی کتب کے چھپ چکے ہیں۔(یہ فہرست سال 1962ء کے مطابق ہے)